بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر ابن کثیر

تالیف

مفسر قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء المصنفین ۔ بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ۔ کراچی ۔ پاکستان

۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر ابن کثیر

تالیف

مفسرِ قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری
علامہ محمد الطاف حسین الازہری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

تفسیر ابنِ کثیر جلد اول

تالیف

مفسرِ قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ اہتمام: اِدارہ ضیاء المصنفین ○ بھیرہ شریف

مترجمین

علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری

علامہ محمد الطاف حسین الازہری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی - پاکستان

نام کتاب	تفسیر ابن کثیر جلد اول
مفسر	حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ متن	ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری
	علامہ محمد الطاف حسین الازہری
	من علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر نگرانی	قاری اشفاق احمد خان، محمد انور سعید
اشاعت	اپریل 2004ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z385

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- zquran@brain.net.pk

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

حضور ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے دار العلوم محمدیہ غوثیہ کی صورت میں جو باغ لگایا تھا اور خون جگر سے جس کی آبیاری کی تھی اب وہ پھل پھول رہا ہے آپ نے اس کے متعلق جو خواب دیکھے تھے اب وہ حقیقت کا روپ دھار رہے ہیں۔ حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خواہش تھی کہ تصنیف و تالیف کا ایسا ادارہ قائم کیا جائے جس کے اراکین ایسی علمی کاوشیں پیش کریں جو ایک طرف اسلاف کے علمی ورثہ سے ملت کے افراد کا ربط پیدا کریں اور دوسری طرف موجودہ دور کے پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں امت مسلمہ کی راہنمائی کریں۔

چونکہ کسی بھی مقصد تک دفعۃً نہیں پہنچا جا سکتا بلکہ منزل آشنا ہونے کے لئے طویل عرصہ تک کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے چنانچہ سب سے پہلے افرادی قوت کی تیاری کے لئے تمام تر کاوشیں بروئے کار لائی گئیں اور اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ ایسے افراد تیار ہوں جو نہ صرف جدید و قدیم علوم پر دسترس کے حامل ہوں بلکہ زمانے کی نبض پر ہاتھ رکھ کر مسائل کا ادراک اور ان کا تدارک کرنے کی اہلیت بھی رکھتے ہوں نیز علمی و تحقیقی اسلوب کو اپناتے ہوئے اسلام کے آفاقی پیغام کے ابلاغ کی استعداد سے مالا مال ہوں۔

اللہ رب العزت کے فضل و کرم اور نبی مکرم ﷺ کی رأفت و رحمت کے تصدق دار العلوم محمدیہ غوثیہ مطلوبہ افراد کی معقول تعداد تیار کر چکا ہے۔ اب وقت آن پہنچا ہے کہ حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کی دیرینہ خواہش کے مطابق امت مسلمہ کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیا جائے۔ وقت کے اس اہم ترین تقاضے کے پیش نظر حضور ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید جناب پیر محمد امین الحسنات شاہ صاحب پرنسپل دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کی سربراہی میں ادارہ ضیاء المصنفین کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔

زیر نظر تفسیر ابن کثیر جو کہ محقق زمانہ شہرہ آفاق عالم دین ابو الفداء حافظ علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف پرلطیف ہے کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ جو کہ اصل عربی کتاب کے عین مطابق چار جلدوں میں دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ کے فضلاء علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری، علامہ محمد الطاف حسین الازہری نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے کیا ہے اور آپ تک پہنچانے کی سعادت ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور حاصل کر رہا ہے۔

اللہ کریم اپنے پیارے محبوب حضور نبی کریم ﷺ کا صدقہ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ اور ہر خاص و عام کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

طالب دعا

محمد حفیظ البرکات شاہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين۔ والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله الطيبين وعلى اصحابه المكرمين

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ظاہری زندگی کو سنوارنے کیلئے، زندگی کا رشتہ برقرار رکھنے اور اس دنیا کو آباد کرنے کیلئے انسان کو ہر قسم کے وسائل، ذرائع اور صلاحیتیں بہم پہنچائی ہیں، اسی طرح اس کے باطن کو آراستہ کرنے، اس کے دل میں معرفت کا چراغ روشن کرنے اور اسے توحید کا سبق از بر کرانے کیلئے اپنے جلیل القدر پیغمبروں کو مبعوث فرمایا۔ ان عظیم ہستیوں کی جلالت وعظمت اور ان کی نبوت کی صداقت و حقانیت ظاہر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے معجزات سے نوازا جن کے سامنے لوگ دم بخود، عاجز اور لاجواب ہو گئے۔ ہدایت کا یہ کارواں پیہم محو سفر رہا لیکن قائد بدلتے رہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس کاروان کی ابدی قیادت اپنے سب سے آخری اور محبوب رسول حضرت محمد ﷺ کے سپرد کر دی اور بھٹکی ہوئی منتشر انسانیت کو راہ راست پر لانے اور اس کی شیرازہ بندی کرنے کیلئے آپ ﷺ کو ایسا صحیفۂ انقلاب مرحمت فرمایا جس کی ایک ایک آیت گم کردہ راہ انسان کی کایا کو پلٹ دینے کیلئے کافی ہے، جس کا ایک ایک لفظ رحمت خداوندی کا مظہر ہے اور جس کی تعلیمات ایسی سدا بہار ہیں جنہیں خزاں کے جھونکے پژمردہ نہیں کر سکتے۔

اعجاز قرآن

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو ان گنت کمالات اور معجزات سے نوازا لیکن ان میں سے قرآن کریم سب سے زیادہ کامل، جامع اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے۔ اس میں ایسی جاذبیت، کشش اور تاثیر ہے جس نے عربوں کے دلوں کو موہ لیا، یہ فصاحت و بلاغت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایسا سمندر ہے جس کے سامنے فصحائے عرب پسپا ہو گئے۔ شعر وسخن کے امام ادراک ہی نہ کر سکتے تھے کہ یہ کیسا کلام ہے۔ بالآخر وہ قرآنی فصاحت و بلاغت کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ لبید زمانہ جاہلیت کا بہت بڑا شاعر تھا، اسلام لانے کے بعد انہوں نے شعر گوئی ترک کر دی۔ لوگ بہت متعجب ہوئے انہوں نے ترک شعر کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگے: ''أَبَعۡدَ الۡقُرۡاٰنِ؟'' یعنی کیا نزول قرآن کے بعد بھی کوئی گنجائش باقی ہے؟ قرآنی فصاحت و بلاغت کے سامنے سرافگندی کا یہ اعتراف اس عظیم شاعر کی طرف سے ہے جو اپنے زمانے میں فصاحت و بلاغت کا امام تھا، گویا عرب کے سب متکبر قادر الکلام شعراء اور خطباء نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اس اعجاز کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ قرآن کریم نے اپنی حقانیت اور صاحب قرآن کی صداقت ثابت کرنے کیلئے انہیں چیلنج دیا کہ اگر تمہیں اس کے منزل من اللہ ہونے میں شک ہے تو اس جیسا لا کے دکھاؤ لیکن باوجود اپنی ذہانت وفطانت اور فصاحت و بلاغت کے وہ اس چیلنج کے سامنے مبہوت ہو گئے لیکن اپنی ہٹ دھرمی، تعصب اور ضد کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ پھر بھی ان کا دل گواہی دیتا تھا کہ یہ کلام کسی بشر کا گھڑا ہوا نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے۔ عتبہ بن ربیعہ، حضور ﷺ کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوا، متعدد چیزوں کی پیشکش کی اور دنیاوی مال ومتاع کا لالچ دیا اس کے جواب میں آپ ﷺ نے سورہ حم سجدہ کی ابتدائی تیرہ آیات تلاوت کیں۔ اس تلاوت سے وہ اس قدر متاثر ہوا کہ واپس اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر کہنے لگا: والله لقد سمعت قولا ما سمعت بمثله قط، والله ماهو بالشعر ولا بالسحر ولا الكهانة فوالله ليكونن لقوله الذى سمعت بناء۔ ''بخدا! میں نے ایسا قول سنا ہے جس کی مثل آج تک کوئی قول نہیں سنا۔ نہ وہ شعر ہے، نہ جادو اور نہ وہ کہانت ہے۔ بخدا! اس کلام کا بہت بڑا نتیجہ ظاہر ہوگا۔'' ایک اور مشرک، امام فصاحت و بلاغت ولید

بن مغیرہ نے جب حضور ﷺ سے تلاوت سنی تو اس پر سناٹا طاری ہوگیا اور بے ساختہ پکار اٹھا: واللہ ان لہ لحلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ وان اعلاہ لمثرہ وان اسفلہ لمغدق وما یقول ھذا بشر۔ انہ لیعلو ولا یعلی علیہ وانہ لیحطم ما تحتہ۔" خدا کی قسم! اس میں تو مٹھاس ہے، اس کا ظاہر چمکدار ہے، اس کا بالائی حصہ پھلوں سے لدا ہے اور زیریں حصہ شاداب اور کوئی انسان ایسا قول نہیں کہہ سکتا یہ ہمیشہ سربلند رہے گا۔ اس پر کوئی بلند نہیں ہوسکتا اور جو اس کے مقابلہ میں آئے وہ اسے پیس کر رکھ دیتا ہے۔"

آخر قرآن پاک کے اندر وہ کون سا سحر تھا جس نے پوری قوم کو عاجز اور درماندہ کردیا اور ان کی ادبی بساط کو لپیٹ کر اپنے ادب عالی کا سکہ بٹھا دیا؟ قرآن کریم کی وجوہ اعجاز تو بہت سی تلاش کی جاسکتی ہیں۔ ایجاز، فصاحت و بلاغت، اثر آفرینی، امور غیبیہ پر آگاہی، سابقہ قوموں کے واقعات، ہیبت وجلال، موزونیت، مقصدیت، امرونہی، وعدہ وعید، عبارت کی دلکشی وزیبائی، علوم ومعارف کا یہ بحر ذخار ان سب وجوہ کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ ان سب خصوصیات نے عرب ادباء کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا لیکن سب سے زیادہ حیران کن اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ ان کا کلام بھی انہی حروف سے تشکیل پاتا تھا جن حروف سے قرآن کریم ترکیب پاتا ہے۔ بظاہر حروف وہی ہیں لیکن انہیں موقعہ کی مناسبت سے تشکیل دینا پھر ہر کلمہ کو موزوں مقام پر رکھنا اور حالات کے تقاضا کے مطابق کلام کرنا بہت دقت طلب اور مشکل کام ہے۔ نظم کلام، کلام کا ایسا جوہر ہے جس کے بغیر عمدہ اور شستہ کلام کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ مذکورہ بالا وجوہ کے علاوہ نظم قرآنی بھی ایک ایسا اعجاز ہے جس نے فصحاء و بلغاء کے دلوں میں ہلچل پیدا کردی۔ قرآن کریم سے پہلے وہ کسی منظم اور مربوط کتاب سے آشنا ہی نہ تھے۔ قرآن کی سورتوں اور آیتوں کے درمیان باہمی ربط وتعلق اور مناسبت وموافقت ہے۔ اسی لئے ترتیب نزول کو ترک کرکے موجودہ ترتیب اختیار کی گئی۔ اسی کلام معجز نظام کے ذریعے حضور آقائے دوعالم ﷺ نے کفار ومشرکین کے قلوب واذہان کو بدل ڈالا، اسی معجزہ کی قوت سے درشت مزاج عربوں کے دلوں کو مسخر کیا اور ان میں ہدایت کی قندیلیں فروزاں کیں، فکر وعمل کی نئی بنیادیں استوار کیں، انسانیت کے خفتہ بخت کو بیدار کیا، ان کے اخلاق وعادات اور طبیعتوں میں توازن قائم کیا، توحید کا بھولا ہوا سبق ازبر کروایا اور انسان کو اس کے صحیح مقام سے آگاہی بخشی۔ تڑپتی اور سسکتی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھا اور تکریم انسانی کا درس دے کر ہر شخص کو اس کے حقوق عطا فرمائے اور ظلم وبربریت اور استیصال سے بچالیا۔ قرآن کریم ایسا دستور حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں کامل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ یہ ایسا عالمگیر پیغام ہدایت ہے جو رنگ ونسل اور زمان ومکان کی حدود سے ماوراء ہے ہر زمانہ اور ہر قوم کے افراد اس کے یکساں مخاطب ہیں۔ قرآن کریم کتاب ہدایت بھی ہے اور علم ومعرفت کا چراغ بھی۔ اس کا اصل مقصد بگڑے ہوئے انسان کو سنوارنا اور اسے باعزت مقام عطا کرنا اور حرص وہوا کے غبار سے آئینہ دل صاف کرکے اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات کی جلوہ گاہ بنانا ہے تاکہ خود فراموش انسان نہ صرف خود شناس بلکہ خدا شناس بھی بن جائے۔

قرآن فہمی کیلئے ضروری لوازمات

قرآن پاک چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا، اس لئے قرآنی لطائف ودقائق کا ادراک کرنے کیلئے اس زبان پر کامل دسترس ضروری ہے۔ اس زبان کے اسالیب، قواعد، اسرار ورموز اور خصائص میں ملکہ اور ذوق حاصل کئے بغیر قرآن کریم کی لطافتوں، نزاکتوں، اشارات و تلمیحات اور تعریضات وکنایات کو سمجھنا نہایت دشوار ہے کیونکہ قرآن کریم عام ادب نہیں بلکہ سارے عربی ادب کا سرتاج ہے اور عربیت کے جملہ آثار سے زیادہ عظیم الشان اور قابل وثوق ہے۔ قرآن فہمی کیلئے جہاں متعدد خادم علوم میں مہارت کا حصول ضروری ہے، وہاں اس

ماحول کا مطالعہ بھی لازم ہے جس میں یہ سرچشمہ ہدایت نازل ہوا۔ قرآن کریم کے اولین مخاطب عرب تھے اور قرآن کریم کے معانی و مقاصد عربی لباس میں اترے، اس لئے عرب معاشرہ کے حالات، خصوصیات، خیر وشر کے معیارات، سیاسی وتمدنی نظریات، روزمرہ زندگی کے مشاغل اور مذہبی رسوم ومعتقدات کو سمجھنا بھی ضروری ہے تاکہ اس فرقان حمید کی روح، مزاج، اسلوب اور مقاصد تک رسائی ممکن ہو سکے۔ اسی طرح یہود ونصاریٰ کے حالات، نظریات اور اعتقادات کا مطالعہ بھی از حد ضروری ہے کیونکہ بہت سی آیات ایسی ہیں جن میں یہود ونصاریٰ کے افعال واعمال سے پردہ اٹھایا گیا ہے اور ان کے باطل نظریات اور عقائد کی پرزور تردید کی گئی ہے۔ اس لئے ان آیات کے مطالب ومعانی تک رسائی حاصل کرنے کیلئے ان مخصوص حالات کا جاننا بھی ضروری ہے جن میں ان آیات کا نزول ہوا۔ مزید برآں ایک مفسر کیلئے ضروری ہے کہ اس کا ذہنی افق وسیع اور علمی پایہ بلند ہو اور وہ فہم وفراست اور معرفت وادراک کی بے پایاں قوت سے مالا مال ہو۔ فہم وادراک اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے، جسے وہ چاہتا ہے، ارزانی فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو قوت ادراک اور نور بصیرت کی وافر مقدار عطا کی۔

تفسیر، اس کا ارتقاء اور اقسام

تفسیر باب تفعیل کا مصدر ہے جس کا مادہ ''فسر'' ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے: الایضاح والتبیین ''یعنی وضاحت کرنا اور کھول کر بیان کرنا، جہاں تک علم تفسیر کی اصطلاحی تعریف کا تعلق ہے تو ہم اس سلسلہ میں علامہ ابوحیان کی ''البحر المحیط'' میں بیان کردہ تعریف نقل کرتے ہیں۔ ''علم یبحث عن کیفیة النطق بالفاظ القرآن، ومدلولاتها، واحکامها الافرادیة والترکیبیة، ومعانیها التی تحمل علیها حالة الترکیب، وتتمات لذلك ''یعنی تفسیر وہ علم ہے جس میں ادائیگی الفاظ قرآن کی کیفیت، ان کے معانی و مفاہیم، ان کے انفرادی اور ترکیبی احکام، ان کے وہ معانی جن پر انہیں حالت ترکیبی میں محمول کیا جاتا ہے اور اس کے دیگر تتمات سے بحث کی جاتی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو قرآن فہمی اور تفسیر کے معاملہ میں زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا کیونکہ وہ اہل زبان تھے۔ مفردات ومرکبات کے مطالب ان پر واضح تھے۔ آیات کا نزول ان کے سامنے ہو رہا تھا۔ پھر بھی اگر انہیں کوئی مشکل پیش آتی تو وہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مسئلہ حل کروالیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام میں سے حضرات خلفاء اربعہ، ابن مسعود، ابن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم تفسیری خدمات میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

عہد صحابہ میں تفسیر کے مصادر

تفسیر قرآن کے سلسلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مندرجہ ذیل مصادر پر اعتماد کرتے تھے:

(۱) قرآن کریم (۲) سنت نبی کریم ﷺ (۳) اقوال صحابہ

اب ہم بالترتیب ان مصادر کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں۔

قرآن کریم

قرآن کریم کے عمیق مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآنی آیات باہم ایک دوسرے کی تفسیر وتوضیح کرتی ہیں۔ اگر ایک حکم کو

ایک جگہ اجمالاً بیان کیا گیا ہے تو اسے کسی دوسری جگہ وضاحت سے بھی لایا گیا ہے۔ کہیں ایجاز واختصار ہے تو کہیں اطناب وطوالت۔ کہیں عموم ہے اور کہیں خصوص۔ اللہ تعالیٰ ہدایت پذیری کیلئے ایک ہی چیز کو مختلف انداز میں بار بار بیان فرماتا ہے۔ اگر کسی آیت کی وضاحت میں کوئی دوسرے آیت مل جائے تو تفسیر القرآن بالقرآن کا یہ طریقہ سب سے افضل ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ آیت کریمہ مجمل ہے: فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ۔ اس کی تفسیر سورۂ اعراف میں بیان کرتے ہوئے فرمایا: قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔

(۲) سنت نبی کریم ﷺ

اللہ تعالیٰ نے بذات خود اپنے پیارے رسول ﷺ کو تعلیم دی اور آپ کے سینہ اقدس کو علوم ومعارف کے خزانوں سے مالا مال کر دیا۔ قرآن فہمی کے معاملہ میں صحابہ کرام اپنی مشکلات آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے تو آپ اپنے خداداد علم سے ان گتھیوں کو سلجھا دیتے اور مطلوبہ آیات کی تفسیر بیان فرماتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (نحل:44)'' اور (اسی طرح) ہم نے نازل کیا آپ پر یہ ذکر تاکہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کیلئے (اس ذکر کو) جو نازل کیا گیا ہے ان کی طرف تاکہ وہ غور وفکر کریں''۔ کتب حدیث میں نبی کریم ﷺ سے منقول تفسیری روایات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ مثال کے طور پر آپ ﷺ سے مروی ہے کہ ''الصلوٰۃ الوسطیٰ'' سے مراد صلوٰۃ عصر ہے۔

(۳) اقوال صحابہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب کے صحابہ کرام کو فہم وذکاء، نور بصیرت اور اجتہادی صلاحیتوں سے آراستہ کر رکھا تھا۔ وہ زبان کی باریکیوں اور لطافتوں سے بھی واقف تھے اور ان حالات پر بھی آگاہ تھے جن میں قرآن کریم نازل ہوا۔ اگر انہیں کسی آیت کی تفسیر قرآن و حدیث میں نہ ملتی تو وہ اپنے فہم وادراک اور اجتہادی استعداد کو بروئے کار لاتے ہوئے الفاظ کے پردوں میں مستور معانی کی نقاب کشائی کرتے۔ اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایک نمایاں اور ممتاز مقام حاصل تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے یہ خصوصی دعا فرمائی: اللهم فقهه فی الدین و علمه التاویل۔ ''اے اللہ! انہیں دین میں سمجھ بوجھ عطا فرما اور تفسیر وتاویل کا علم ارزانی فرما''۔ اسی دعا کی برکت سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بہت بڑے مفسر کی حیثیت سے ظاہر ہوئے اور ترجمان القرآن کا لقب پایا۔

صحابہ کرام کے عہد میں علم تفسیر کے مدارس

حضور ﷺ کی ہجرت مدینہ شریف تاریخ اسلام میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں سے ہی اسلام کی ترویج واشاعت اور ترقی کا آغاز ہوا۔ دنیا کے متعدد ممالک میں مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوئیں۔ نور اسلام ہر سو پھیل گیا اور صحابہ کرام مختلف علاقوں میں قیام پذیر ہو گئے۔ قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کیلئے انہوں نے جا بجا حلقہ ہائے درس قائم کر لئے جن میں اساتذہ وہ بذات خود تھے اور شاگرد تابعین۔ ان میں سے جو علمی مدارس زیادہ مشہور ہوئے وہ یہ ہیں:

(۱) مدرسہ مکہ مکرمہ: اس مدرسہ کے استاد جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے اور آپ کے شاگردان رشید میں حضرات

سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ، طاؤس اور عطاء جیسے بلند مرتبہ تابعی تھے۔

۲۔ مدرسہ مدینۃ المنورہ: اس مدرسہ کے استاد عظیم صحابی حضرت ابی بن کعب ہیں اور شاگردان رشید میں حضرات زید بن اسلم، ابوالعالیہ اور محمد بن کعب القرظی نمایاں ہیں۔

۳۔ مدرسۃ عراق: یہاں مسند تدریس پر فائز ہونے والے بلند پایہ صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور آپ کے شاگردوں میں حضرات علقمہ، مسروق، مرہ، عامر، حسن اور قتادہ کے اسمائے گرامی زیادہ مشہور ہیں۔

عہد تابعین میں تفسیر کی تدوین

دوسری صدی ہجری کے آغاز میں مسلمان مختلف علوم کو مدون کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس سے پہلے وہ حفظ اور زبانی روایت پر زیادہ تر انحصار کرتے تھے۔ تفسیر حدیث کے ساتھ مختلط تھی لیکن پھر ایسی تالیفات منظر عام پر آنے لگیں جن میں صرف تفسیر قرآن کو ہی کلیدی حیثیت دی گئی، اور ہر ہر آیت اور سورت کی الگ الگ تفسیر بیان کی گئی جیسے تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، تفسیر ابن ابی حاتم۔

تفسیر کی اقسام

قرآن کریم کے اولین شارح اور مفسر حضور نبی مکرم ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام نے اس فیضان کو عام کیا۔ شروع شروع میں جو تفسیری کوششیں معرض وجود میں آئیں، ان کا انحصار کلیۃً احادیث رسول ﷺ اور اقوال سلف پر تھا۔ یہ کوششیں تفسیر ماثور یا تفسیر منقول کے نام سے ظاہر ہوئیں اس کے بعد جوں جوں حالات بدلے، اقوال و آراء کا دائرہ وسیع ہوا، مختلف فرقوں نے جنم لیا، علماء نے مختلف علوم میں مہارت حاصل کی اور ذخائر معلومات میں اضافہ ہوا تو مختلف رجحانات اور میلانات کے پیش نظر تفسیر میں بھی تنوع پیدا ہو گیا اور تفسیر کی مختلف اقسام منصۂ شہود پر ظاہر ہوئیں۔ ہر مفسر نے اپنے رجحان، ثقافت علمی اور مہارت فنی کو بروئے کار لا کر اس فن کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر میں داد تحقیق دی جس میں اسے کمال حاصل تھا۔

اب ہم اختصار سے ان اقسام کا تعارف کرواتے ہیں:

۱۔ التفاسیر بالمأثور

سب سے پہلی صنف تفسیر، تفسیر بالمأثور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر، قرآن کریم، احادیث رسول ﷺ اور آثار صحابہ و تابعین سے کرنا۔ چونکہ اس زمانہ میں دین کی ہیبت برقرار تھی اور اہل زمانہ کی عقلی سطح اور ان کی عملی زندگی کی احتیاجات محدود تھیں، مزید برآں وہ تفسیر قرآن میں رائے زنی سے ڈرتے تھے اس لئے انہوں نے تفسیر کے معاملہ میں صرف روایت پر اعتماد کیا۔ اس قسم کی تفاسیر میں بعض ایسی ہیں جن میں اسناد کے ذکر کا بھی التزام کیا گیا ہے جیسے تفسیر ابن جریر طبری۔ ان میں سے بعض تفاسیر ایسی ہیں جن میں اسناد کا ذکر نہیں اور اقوال کو بغیر چھان پھٹک کے درج کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ان تفاسیر میں موضوع احادیث اور اسرائیلی روایات بھی در آئی ہیں۔

علامہ ابن کثیر کی زیر نظر تفسیر اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے، اس کے متعلق تفصیلی گفتگو عنقریب ہوگی۔

۲۔التفاسیر اللغویۃ

اس قسم کی تفاسیر میں لغت ونحو کے مسائل کو زیادہ تر زیر بحث لایا جاتا ہے اور بکثرت شعر اور نثری شواہد پیش کئے جاتے ہیں جیسے واحدی کی تفسیر ''البسیط'' اور ابوحیان کی ''البحر المحیط''

۳۔التفاسیر العقلیۃ

جب مختلف علوم وجود میں آئے تو علوم عقلیہ ونقلیہ کی کثرت نے تفسیر کو ایک اور ہی رنگ دے دیا چنانچہ نقلی روایت اور عقلی اجتہاد نے اس صنف تفسیر کو رواج دیا۔اس صنف میں مفسرین کی دلچسپی زیادہ تر حکماء وفلاسفہ کے اقوال لانا،شبہات اور ان کا رد کرنے میں ہوتی ہے۔ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر مفاتیح الغیب میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔

۴۔التفاسیر الفقہیہ

ان تفاسیر میں احکام فقہیہ کے استنباط اور مختلف مذاہب کے درمیان پائے جانے والے اختلافات اور ان کے رد پر زور دیا جاتا ہے جیسے جصاص کی ''احکام القرآن'' اور قرطبی کی ''الجامع لاحکام القرآن''۔

۵۔التفاسیر التاریخیہ

اس میں زیادہ تر واقعات اور گزشتہ قوموں کے حالات بیان کئے جاتے ہیں جیسے تفسیر ثعلبی اور خازن

۶۔التفاسیر للفرق

یہ وہ تفاسیر ہیں جو مختلف فرقوں کے ساتھ تعلق رکھنے والوں نے اپنے عقائد،آراء اور خود ساختہ تاویلات کو رواج دینے کیلئے وضع کیں جیسے رمانی،جبائی،قاضی عبد الجبار اور زمخشری۔

۷۔التفاسیر المتصوفۃ

ان تفاسیر میں ترغیب وترہیب کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے اور آیات سے باطنی اسرار اور رمزی اشارات اخذ کئے گئے ہیں۔ان میں ابن عربی اور ابوعبدالرحمٰن اسلمی زیادہ مشہور ہیں۔

تفسیر ابن کثیر

تفسیر ابن کثیر تفاسیر بالماثور میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام کی حامل ہے اور اسے ہر زمانہ میں یکساں اہمیت حاصل رہی ہے۔امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ''ذیل طبقات الحفاظ'' میں فرماتے ہیں: ''لم یؤلف علی نمطه مثله ''یعنی اس قسم کی کوئی اور تفسیر نہیں لکھی گئی۔اس تفسیر کو متعدد ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔تفسیر ابن کثیر،تفسیر القرآن العظیم اور تفسیر القرآن الکریم۔

مؤلف نے تفسیر کا آغاز ایک اہم اور طویل مقدمہ سے کیا ہے جس میں ان امور سے بحث کی ہے جن کا تعلق قرآن کریم اور اس کی تفسیر سے ہے لیکن اس مقدمہ کا اکثر حصہ انہوں نے اپنے استاد ابن تیمیہ کے ''مقدمہ فی اصول التفسیر'' سے نقل کیا ہے۔علامہ ابن کثیر نے

تفسیر بیان کرنے میں ایک امتیازی اسلوب اختیار کیا ہے۔ پہلے وہ ایک آیت ذکر کرتے ہیں پھر اس کی آسان اور مختصر الفاظ میں وضاحت کرتے ہیں۔ اگر آیت کی توضیح کسی دوسری آیت سے ممکن ہو تو اسے ذکر کرتے ہیں اور دونوں آیات کے درمیان اس طرح موازنہ کرتے ہیں کہ معنی و مطلوب کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ اس طرح علامہ موصوف نے تفسیر القرآن بالقرآن کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے۔ وہ اپنی تفسیر کے شروع میں خود فرماتے ہیں: ''ان اصح الطریق فی ذلك ان یفسر القرآن بالقرآن فما اجمل فی مكان فانه قد بسط فی موضع آخر فان اعیاك ذلك فعلیك بالسنة فانها شارحة للقرآن و موضحة له'' یعنی تفسیر کا بہترین اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے، اسی لئے کہ ایک چیز ایک جگہ مجمل و موجز ہے تو وہی چیز دوسری جگہ مفصل و مبسوط ذکر کر دی گئی ہے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو تفسیر بذریعہ حدیث کی جائے کیونکہ یہ قرآن کریم کی شرح اور توضیح کرتی ہے۔

علامہ ابن کثیر آیات کی توضیح میں بکثرت قرآنی آیات لاتے ہیں۔ بعد ازاں آیت کے متعلقہ احادیث لاتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے کون سی قابل حجت ہے اور کون سی قابل حجت نہیں۔ اس کے بعد صحابہ و تابعین اور دیگر علمائے سلف کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ مفسر موصوف صرف نقل کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ بعض اقوال کو بعض پر ترجیح بھی دیتے ہیں، بعض روایات کو صحیح اور بعض کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور راویوں پر جرح و تعدیل بھی کرتے ہیں، اس لئے کہ انہیں فنون حدیث اور رجال و علل کے متعلق مکمل آگاہی حاصل تھی اور وہ ایک بالغ نظر محدث تھے۔ ان کا بڑا کارنامہ یہی ہے کہ انہوں نے تفسیر کو اسرائیلی روایات سے چھانٹ کر الگ کر دیا۔ تفسیر ابن کثیر کے مصادر و مآخذ تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم تفسیر ابن عطیہ اور دیگر متقدمین ہیں۔

ابن کثیر اور اسرائیلیات

اسرائیلیات یہود و نصاریٰ سے ماخوذ وہ روایات ہیں جن کا تعلق سابقہ امتوں اور پیغمبروں کے واقعات سے ہے۔ قرآن کریم میں ایسے موضوعات بھی ہیں جو تورات و انجیل میں بھی مذکور ہیں لیکن قرآن کریم میں ان موضوعات کو اختصار کے ساتھ لایا گیا ہے اور صرف انہی پہلوؤں کے ذکر کو ترجیح دی ہے جو عبرت پذیری اور پند و موعظت کیلئے ضروری ہیں اور غیر متعلقہ تفصیلات سے احتراز برتا گیا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے زمین پر اترنے کا قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ۔ مسلمانوں کو اس ایجاز کی تفصیل یہود و نصاریٰ کے پاس سے مل گئی تو انہوں نے بغیر تحقیق کئے ان کی صحت پر یقین کرتے ہوئے نقل کر لیا۔ لیکن تفسیر میں ان اسرائیلی روایات کا بہت برا اثر ہوا اور بہت سے خیالی اور من گھڑت قصے کہانیوں نے تفسیر میں جگہ پالی اور بکثرت خود ساختہ اخبار زبان زد عام ہو گئیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت کے علماء صالحین کو توفیق عطا فرمائی کہ انہوں نے کھرے اور کھوٹے، صحیح اور غلط میں امتیاز کر دیا اور مکمل چھان بین اور تحقیق و تدقیق کے بعد اسرائیلیات اور دیگر موضوع روایات سے تفاسیر کو بالکل پاک کر دیا بلکہ ایک ایسا معیار اور کسوٹی وضع کی جس پر کسی بھی روایت کے متعلق جانچ پڑتال کی جا سکتی ہے۔ جن حضرات نے یہ کارنامہ انجام دیا، ان میں علامہ ابن کثیر بھی نمایاں طور پر شامل ہیں۔ علامہ موصوف کی خوبی ہے کہ وہ اپنی تفسیر میں جا بجا ان اسرائیلی روایات کی نشاندہی کرتے اور ہر ممکن قارئین کو ان سے متنبہ کرتے ہیں مثلاً سورۂ بقرہ آیت نمبر ۶۷ کے تحت بقرہ کا طویل قصہ اور اس کے متعلق مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد فیصلہ کن انداز میں فرماتے ہیں: '' وهذا السیاقات عن عبیدة و ابی العالیة والسدی وغیرهم فیها اختلاف، والظاهر انها ماخوذة من كتب بنی اسرائیل، وهی مما یجوز نقلها ولكن لا تصدق ولا تكذب، فلهذا لا یعتمد علیها الا ما

وافق الحق عندنا''۔

اسی طرح سورۂ ق کی تفسیر کے آغاز میں اس قول کے متعلق کہ ق سے مراد کوہ قاف ہے، نقد و تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:'' وکان هذا والله اعلم- من خرافات بنی اسرائیل التی اخذها عنهم بعض الناس لمارأی من جواز الروایة عنهم مما لایصدق ولا یکذب، وعندی ان هذا وامثاله واشباهه من اختلاق بعض زنادقتهم یلبسون به علی الناس امر دینهم......... فلیس من هذا القبیل''

اس طویل اقتباس کا ترجمہ یہ ہے: یہ بنی اسرائیل کی خرافات سے ہے جنہیں بعض لوگوں نے اس بناء پر قبول کرلیا کہ ان سے روایت جائز ہے اگرچہ ان کی تصدیق و تکذیب نہیں کی جاسکتی۔ میرا موقف یہ ہے کہ یہ اور اس جیسی روایات بنی اسرائیل کے بددینوں کی خود ساختہ ہیں تاکہ وہ دین کے معاملہ میں لوگوں کو اشتباہ میں ڈال دیں۔ اسی امت کو دیکھ لیں، باوجودیکہ اس میں جلیل القدر علماء، حفاظ و ائمہ حدیث موجود ہیں، پھر بھی بعض بدباطنوں نے اپنی طرف سے روایات گھڑ لیں حالانکہ نبی کریم ﷺ کو پردہ فرمائے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ پھر بنی اسرائیل کا کیا حال ہوگا جن پر ایک طویل عرصہ بیت گیا، نہ ان میں حفاظ کی جماعت تھی اور نہ نقاد کی، اس پر مستزاد یہ کہ وہ شراب کے رسیا اور آیات و احکام میں تحریف اور تغیر و تبدل کا ارتکاب کیا کرتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے اس فرمان ''بنی اسرائیل سے روایت بیان کرو، کوئی حرج نہیں'' میں ان روایات کے اخذ کو مباح قرار دیا ہے جو عقل و فہم میں آسکیں لیکن جو روایات صریح عقل کے خلاف ہوں اور ان کا کذب اس قدر واضح ہو کہ سنتے ہی عقل ان کے کذب و بطلان کا فیصلہ دے دے تو وہ اس قبیل سے نہیں۔

علامہ ابن کثیر اور دیگر علماء کرام کے ہاں اسرائیلیات کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ مقبول: جس کی تصدیق ہمارے ہاں کسی آیت یا حدیث سے موجود ہو۔ اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں۔

۲۔ مسکوت عنہ: یہ وہ قسم ہے جس کی صحت یا کذب کے متعلق قطعی علم نہ ہو۔ اس کے متعلق سکوت اختیار کیا جاتا ہے نہ ہم اس کی تصدیق کرسکتے ہیں اور نہ تکذیب۔ البتہ عبرت پذیری اور وعظ و نصیحت کی خاطر اسے بیان کرنا جائز ہے۔

۳۔ مرفوض: وہ جس کا کذب ہماری شریعت کے منافی ہونے یا صریح عقل کے مخالف ہونے کے سبب واضح ہو۔ اس قسم کی نہ تصدیق کرنا صحیح ہے نہ قبول کرنا اور نہ روایت کرنا درست ہے۔

علامہ ابن کثیر اور تفسیر بالرائے

قرآن کریم کو سمجھنا ایک وسیع میدان اور فراخ جولان گاہ ہے۔ زندگی کے ہر امر اور ہر شعبہ کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے۔ ابتداء میں تفسیر کا دارومدار منقولات پر تھا اور اکثر علماء کا یہی موقف تھا کہ تفسیر کی کسی کو مجال نہیں خواہ وہ کتنا ہی ادیب اور عالم ہو۔ صرف تفسیر بالماثور پر ہی اکتفاء کرنا چاہئے۔ اس کے بعد زندگی کے تدریجی ارتقاء کا تفسیر کے ارتقاء پر بھی نمایاں اثر پڑا، زندگی کے اغراض و مقاصد نے اسے متاثر کیا اور علوم عقلیہ اور نقلیہ کی کثرت نے تفسیر کو جدید جہات سے متعارف کروایا اور انفرادی کوششوں کے نتائج بھی تفسیر میں شامل ہونے لگے۔ نقلی روایت اور عقلی اجتہاد نے تفسیر کو اپنے رنگ میں رنگ دیا لیکن عقل و اجتہاد قرآن و سنت اقوال سلف اور لغت کے تابع ہیں۔ محض اپنے ظن و تخمین اور اٹکل پچو سے تفسیر کرنا غلط ہے دراصل یہی تفسیر بالرائے ہے جسے علامہ ابن کثیر نے مسترد کرتے ہوئے کہا:'' اما تفسیر القرآن بمجرد الرأی فحرام'' یعنی اپنی رائے سے تفسیر کرنا حرام ہے۔ تفسیر کے مقدمہ میں مفسر موصوف نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔

علامہ ابن کثیر اور مسائل فقہ

تفسیر ابن کثیر کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ آیات احکام کی توضیح میں علامہ ابن کثیر فقہاء کے اقوال اور ان کے دلائل ذکر کرتے ہیں مثلاً سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۸۵ کی تفسیر کے تحت انہوں نے اس آیت کے متعلق چار مسائل بیان کئے ہیں اور ساتھ ہی ان مسائل کے بارے میں علماء کے اقوال اور ان کے مذاہب کے دلائل وضاحت سے لائے ہیں۔ اس طرح موصوف فقہی اختلاف، مناقشات، مذاہب اور دلائل بہت اعتدال اور ملائمت سے بیان کرتے ہیں اور کسی کو بے جا تنقید کا نشانہ نہیں بناتے۔

چند مشہور تفاسیر ماثورہ

۱۔ جامع البیان لابن جریر الطبری	(متوفی ۳۱۰ھ)
۲۔ بحر العلوم للسمرقندی	(متوفی ۳۷۳ھ)
۳۔ الکشف والبیان للثعلبی او الثعالبی	(متوفی ۴۲۷ھ)
۴۔ معالم التنزیل للبغوی	(متوفی ۵۱۶ھ)
۵۔ المحرر الوجیز لابن عطیۃ	(متوفی ۵۴۶ھ)
۶۔ تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر	(متوفی ۷۷۴ھ)
۷۔ الجواہر الحسان للثعالبی	(متوفی ۸۷۶ھ)
۸۔ الدر المنثور للسیوطی	(متوفی ۹۱۱ھ)

علامہ ابن کثیر کے حالات زندگی

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی ذات عالم اسلام میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ نے خصوصاً تفسیر، حدیث اور تاریخ کے میدان میں ممتاز مقام حاصل کیا اور خاصی شہرت پائی۔ آپ کا نام اور سلسلہ نسب یہ ہے۔ عماد الدین، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن ذرع الدمشقی الشافعی۔ آپ قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنی حصلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپکے سال ولادت کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ ''ذیل طبقات الحفاظ'' میں علامہ الحسینی نے لکھا ہے کہ آپ ۷۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔ حافظ ابن حجر نے ''الدرر الکامنۃ'' میں آپ کے سن پیدائش کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی ولادت ۷۰۰ھ میں یا اس کے کچھ عرصہ بعد ہوئی جبکہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ذیل تذکرۃ الحفاظ'' میں سال ولادت ۷۰۰ھ درج کیا ہے۔ آپ شام کے شہر بصری کی ایک مضافاتی بستی مجیدل میں پیدا ہوئے۔ اس وقت ان کے والد یہاں مسند خطابت پر فائز تھے۔ ابھی آپ تین چار سال کی عمر کے کمسن بچے تھے کہ باپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور انہیں یتیمی کا داغ اٹھانا پڑا۔ اب بڑے بھائی نے اپنے زیر سایہ آپ کی تربیت کی اور آپ نے ابتدائی تعلیم انہی سے حاصل کی۔ ۷۰۷ھ میں اپنے بھائی کے ساتھ دمشق منتقل ہو گئے۔ علامہ ابن کثیر نے بذات خود اپنی کتاب البدایۃ والنہایۃ میں ان واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ مزید برآں انہوں نے اپنے والد اور خاندان کے متعلق بھی گفتگو کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ایک معزز اور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

دمشق میں آپ نے بہت سے علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے۔ متعدد اساتذہ کی خدمت میں حاضر رہے اور متون حفظ کرتے

رہے۔ داودی طبقات المفسرین میں لکھتے ہیں: ''وسمع الکثیر، واقبل علی حفظ المتون، و معرفة الاسانید والعلل، والرجال والتاریخ حتی برع فی ذلك و ھو شاب''

عنفوان شباب میں ہی آپ نے فقہ میں شیخ ابواسحاق شیرازی کی کتاب التنبیہ اور اصول فقہ میں علامہ ابن حاجب کی مختصر کو زبانی یاد کر لیا۔ اصول کی کتابیں آپ نے علامہ شمس الدین اصفہانی شارح مختصر ابن حاجب سے پڑھیں۔ فن حدیث کی تکمیل کیلئے آپ نے زمانہ کے مشہور اساتذہ فن کی طرف رجوع کیا۔ جن میں نمایاں نام یہ ہیں: عیسیٰ بن مطعم، قاسم بن عساکر، محمد بن زراد، ابن الرضی، ابن تیمیہ، حافظ ذہبی، حافظ مزی اور ابن سویدی۔ آپ نے سب سے زیادہ حافظ ابوالحجاج مزی مصنف تہذیب الکمال سے استفادہ کیا۔ خصوصی تعلق کے سبب انہوں نے اپنی صاحبزادی آپ کی زوجیت میں دے دی۔ شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کے ساتھ علامہ ابن کثیر کو خصوصی شغف اور محبت تھی اور وہ ان کے عقائد و نظریات سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ اسی تعلق خاطر کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ان مسائل میں اپنے استاد کی مکمل تائید کی جن میں وہ جمہور سلف سے بالکل الگ تھلگ اور منفرد نظر آتے ہیں بلکہ آپ اپنے استاد کے دفاع میں باقاعدہ جھگڑا کیا کرتے تھے۔ مسئلہ طلاق کے معاملہ میں تو انہیں اذیت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

علمی مقام و مرتبہ

علامہ موصوف کو تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ اور عربیت میں کمال حاصل تھا۔ حافظ حسینی ''ذیل تذکرۃ الحفاظ'' میں لکھتے ہیں: ''وافتی و درس، و ناظر و برع فی الفقه والتفسیر والنحو وامعن النظر فی الرجال والعلل'' یعنی وہ مفتی، مدرس، مناظر، فقہ، تفسیر اور نحو کے ماہر اور رجال و علل حدیث میں بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ امام ذہبی المعجم المختص میں تحریر کرتے ہیں: ''ھو فقیه متقن، و محدث محقق، و مفسر نقاد'' حافظ شہاب الدین بن حجی کہتے ہیں کہ علامہ ابن کثیر متون احادیث کے بہت بڑے حافظ اور تخریج و رجال احادیث اور صحیح و سقیم روایات کے عارف تھے۔ ان کے معاصرین اور شیوخ ان کی فضیلت علمی کے معترف ہیں۔ فقہ و تاریخ میں انہیں بہت کچھ یاد تھا ان کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ عربیت میں کمال مہارت حاصل تھی اور شعر بھی کہتے تھے۔ میں اکثر ان کے پاس حاضر ہوتا رہتا تھا۔ جب بھی حاضری ہوئی، استفادہ کیا علامہ ابن کثیر نے اپنی پوری زندگی درس افتاء اور تصنیف و تالیف میں گزاری۔ آپ بہت خوش مزاج اور شگفتہ طبیعت کے مالک تھے۔ ان تمام مشاغل کے باوجود ذکر الٰہی سے بالکل غافل نہ تھے بلکہ بہت سا وقت ذکر و فکر میں صرف کیا کرتے تھے۔ عمر کے آخری حصہ میں بینائی جاتی رہی اور ۲۶ شعبان ۷۷۴ھ کو اس دار فانی سے عالم بقا کی طرف انتقال کر گئے اور اپنے محبوب استاد ابن تیمیہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

تصانیف

علامہ ابن کثیر نے علوم قرآن، حدیث، توحید، فقہ، سیرت، تراجم اور تاریخ میں گرانقدر تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ تفسیر القرآن العظیم

۲۔ فضائل القرآن و تاریخ جمعہ و کتابہ ولغاتہ

۳۔جامع المسانید والسنن الهادی الی اقوم سنن
۴۔الاحکام الکبری فی الحدیث
۵۔الاحکام الصغری فی الحدیث
۶۔شرح صحیح البخاری
۷۔مسند الشیخین
۸۔تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب الاصلی
۹۔ترتیب مسند احمد علی الحروف
۱۰۔احادیث التوحید والرد علی الشرک
۱۱۔مختصر علوم الحدیث لابن الصلاح
۱۲۔الباعث الحثیث علی معرفة علوم الحدیث
۱۳۔الاجتهاد فی طلب الجهاد
۱۴۔شرح التنبیه
۱۵۔البلغة والاقناع فی حل شبهة مسئلة السماع
۱۶۔الفصول فی اختصار سیرة الرسول
۱۷۔التکمیل فی معرفة الثقات والضعفاء والمجاهیل
۱۸۔طبقات الفقهاء الشافعین
۱۹۔الواضح النفیس فی مناقب الامام محمد بن ادریس
۲۰۔البدایة والنهایة
۲۱۔الکواکب الدراری فی التاریخ

ترجمہ تفسیر ابن کثیر

کسی بھی زبان کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنا نہایت دقت طلب کام ہے۔ ہر زبان کے اپنے قواعد وضوابط، ضرب الامثال۔ محاورات۔ اسالیب، مجازات اور فصاحت و بلاغت کے معاییر ہوتے ہیں۔ جب تک ان امور میں گہرائی، ذوق اور کامل دسترس حاصل نہ ہو، اس وقت تک نہ اس زبان کا ملکہ حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی فنی مہارت تک رسائی ہوتی ہے۔ عربی زبان تمام زبانوں میں سرفہرست ہے اور یہ تمام لفظی ومعنوی، ظاہری و باطنی لسانی محاسن سے آراستہ ہے اور پھر وحی الٰہی متحمل ہونے کے باعث اس کی قدر و قیمت اور اہمیت میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہم نے اس عظیم تفسیر کو اردو کا جامہ پہناتے وقت حتی المقدور کوشش کی ہے کہ ترجمہ سلیس، رواں، شستہ، لسانی و ادبی خوبیوں سے مزین اور زندہ اور مروجہ اردو زبان میں ہو جو تا دیر زمانہ کا ساتھ دے سکے۔ دوران ترجمہ ضرورت کے پیش نظر بعض وضاحت طلب چیزوں کی حاشیہ میں توضیح کر دی گئی ہے۔ اس ترجمہ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ تفسیر ماثور ہونے کے ناطے علامہ ابن کثیر چونکہ جابجا آیات و احادیث لاتے ہیں، اس لئے ان کی تخریج کر دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت علامہ ملک محمد بوستان صاحب لائق صد تبریک وتشکر ہیں جنہوں نے بڑی محبت اور لگن سے اس اہم کام کی تکمیل کرائی۔

جناب محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب اور جناب میجر (ر) محمد ابراہیم شاہ صاحب کی دیرینہ خواہش تھی کہ تفسیر ابن کثیر کو جدید اور معیاری اردو زبان میں منتقل کیا جائے۔ ان دونوں حضرات کی حوصلہ افزائی سے ترجمہ کا کام جاری رہا۔ اگرچہ ہم ان کی خواہش کے مطابق جلد از جلد اس فریضہ سے عہدہ برآ ہونے سے قاصر رہے، پھر بھی اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے فضل و کرم سے منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں محسنوں کو سعادت دارین سے نوازے اور انہیں بیش از پیش امت مسلمہ کی خدمت کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ ہم جناب علامہ افتخار احمد تبسم کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے مسودہ پر نظر ثانی کی اور احادیث کی تخریج کا کٹھن لیکن مبارک فریضہ انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائے۔

کسی بھی بشری کاوش میں نقص کا احتمال ہمہ وقت موجود رہتا ہے۔ ہم نے اپنی طرف سے تو پوری کوشش کی ہے کہ ترجمہ میں کوئی سقم نہ رہے لیکن بشری تقاضا کے تحت اگر کوئی غلطی یا نقص ترجمہ میں موجود ہو تو قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ ضرور اس کی نشاندہی فرمائیں اور ہم اللہ رب العزت کی بارگاہ اقدس میں کامل عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنی علمی کم مائیگی کا اعتراف کرتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ وہ کریم ذات اپنے محبوب کریم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ہماری فروگزاشتوں سے صرف نظر فرمائے اور ہماری دانستہ اور غیر دانستہ خطاؤں پر قلم عفو پھیر دے۔ وہ ہمیں اپنے دین کی خدمت کیلئے چن لے اور ہماری اس حقیری کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم

وصلى الله على حبيبه سيدنا محمد وعلى آله و اصحابه اجمعين

مترجمین

محمد سعید الازہری، محمد الطاف الازہری، محمد اکرم الازہری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خطبہ کتاب

یکتائے روزگار، مفسر قرآن، حضرت امام عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابو حفص عمر بن کثیر الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (اپنی کتاب تفسیر کی ابتدا کرتے ہوئے) فرماتے ہیں تمام تعریفیں اس ذات وحدہ لاشریک کے لئے ہیں جس نے اپنی (لاریب) کتاب کی ابتدا "الحمد" سے کرتے ہوئے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ایک دوسری جگہ فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآىِٕهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (الکہف: 1 تا 5)۔ "سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب اور نہیں پیدا ہونے دی اس میں ذرا کجی (اور معاش و معاد کو) درست کرنے والی ہے تاکہ ڈرائے سخت گرفت سے جو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور یہ مژدہ سنائے ان اہل ایمان کو جو کرتے ہیں نیک اعمال کہ بیشک ان کے لیے بہت عمدہ جزاء ہے۔ وہ ٹھہریں گے اس (جنت) میں تا ابد اور تاکہ ڈرائے ان (نادانوں) کو جو یہ کہتے ہیں کہ بنالیا ہے اللہ نے (فلاں کو اپنا) بیٹا۔ نہ انہیں اللہ (کی ذات وصفات) کا کچھ علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو۔ کتنی بڑی ہے وہ بات جو نکلتی ہے ان کے مونہوں سے۔ وہ نہیں کہتے ہیں مگر (سرتاسر) جھوٹ"۔ اسی طرح آفرینش کا ذکر بھی الحمد سے ابتدا کرتے ہوئے فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۭ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ (الانعام: 1)۔ "سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور بنایا اندھیروں کو اور نور کو پھر بھی جنہوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر ٹھہرا رہے ہیں"۔ اور حمد پر ہی تخلیق کائنات کا بیان ختم کرتے ہوئے اہل جنت اور اہل جہنم کے انجام کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: وَتَرَى الْمَلٰٓىِٕكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الزمر: 75)۔ "اور (اے حبیب!) آپ دیکھیں گے فرشتوں کو حلقہ باندھے کھڑے ہونگے عرش کے اردگرد تسبیح پڑھ رہے ہونگے اپنے رب (جلیل) کی حمد کے ساتھ اور فیصلہ کر دیا گیا ہوگا ان کے درمیان حق کے ساتھ اور کہا جائے گا سب تعریفیں اللہ کے لیے جو رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے"۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (القصص: 70)۔ "اور وہی اللہ ہے نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ اسی کو زیبا ہے ہر قسم کی تعریف دنیا میں اور آخرت میں۔ اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ (السبا: 1)۔ "سب تعریفیں اللہ کے لئے جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور ہر اس چیز کا جو زمین میں ہے اور اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں آخرت میں۔ اور وہی بڑا دانا ہر بات سے باخبر ہے"۔ یعنی اول آخر اسی کی تعریف ہے جو کچھ اس نے پیدا کیا یا جو کچھ پیدا کرے گا سب میں اسی کی تقدیس کے ترانے گائے جائیں گے۔ جیسا کہ نمازی (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ الخ) کہتا ہے۔ "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَ مِلْءَ الْاَرْضِ، وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ۔" (اے ہمارے رب تیرے ہی لیے سب تعریفیں ہیں آسمانوں اور زمین کے برابر اور اسی چیز کے برابر جسے تو چاہے)۔ اسی لئے اہل جنت کو بھی حمد و

ثنا کا الہام کیا جائے گا جب وہ اللہ رب العزت کی عظیم الشان قدرت، اس کی دائمی نعمتوں، مسلسل رحمتوں اور پے در پے احسانات و برکات کو ملاحظہ کریں گے تو بلا تکلف ہر سانس کے ساتھ ان کی زبان بارگاہ خداوندی میں زمزمہ خواں رہے گی۔ اسی بات کو قرآن کریم نے ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَہۡدِیۡہِمۡ رَبُّہُمۡ بِاِیۡمَانِہِمۡ ۚ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمُ الۡاَنۡہٰرُ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۹﴾ دَعۡوٰىہُمۡ فِیۡہَا سُبۡحٰنَکَ اللّٰہُمَّ وَ تَحِیَّتُہُمۡ فِیۡہَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعۡوٰىہُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (یونس:10-9)۔ ''یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے پہنچائے گا انہیں ان کا رب (منزل مقصود تک) ان کے ایمان کے باعث، رواں ہونگی ان کے نیچے نہریں نعمت (و سرور) کے باغوں میں۔ (بہار جنت کو دیکھ کر) ان کی صدا وہاں یہ ہوگی پاک ہے تو اے اللہ اور ان کی دعا یہ ہوگی کہ ''سلامتی ہو'' اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''۔ اور تمام تعریفیں اس کے لئے ہیں جس نے اپنے رسول مبعوث فرمائے: رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ''بھیجے ہم نے یہ سارے) رسول خوشخبری دینے کے لئے اور ڈرانے کے لیے تا کہ نہ رہے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے (آنے کے) بعد......'' (النساء:165)۔ اور رسولوں کا یہ سلسلہ نبی امی عربی مکی ﷺ پر ختم فرمایا۔ آپ ﷺ کو بعثت سے لے کر تا قیام قیامت تمام جن وانس کی طرف مبعوث فرمایا۔ ہدایت کی راہ سے لے کر تا قیام قیامت تمام جن وانس کی طرف مبعوث فرمایا۔ ہدایت کی راہ آپ ﷺ پر تمام کردی۔ قرآن کریم میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔ قُلۡ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعَۨا الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۪ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ الَّذِیۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَ کَلِمٰتِہٖ وَ اتَّبِعُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ (الاعراف:158) ''آپ فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف وہ اللہ جس کے لیے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی۔ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر جو نبی امّی ہے جو خود ایمان لایا ہے اللہ پر اور اس کے کلام پر اور تم پیروی کرو اس کی تا کہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ''۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِاُنۡذِرَکُمۡ بِہٖ وَ مَنۡۢ بَلَغَ ؕ (الانعام:19) ''تا کہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے''۔ پس عرب وعجم، کالے و گورے اور جن وانس میں سے جس کسی تک یہ قرآن پہنچا، آقائے نامدار تاجدار مدینہ ﷺ اس کے لئے ڈرانے والے ہیں۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِہٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُہٗ (ہود:17) ''اور جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے''۔ پس جو شخص بھی قرآن کا انکار کرے نص قرآنی کی رو سے جہنمی ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: فَذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ یُّکَذِّبُ بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ ؕ سَنَسۡتَدۡرِجُہُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ (القلم:44) ''پس (اے حبیب!) آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور اسے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا''۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''مجھے ہر سرخ و سیاہ کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے''۔ مجاہد کا قول ہے یعنی جن وانس کی طرف۔ پس آپ ﷺ تمام جن وانس کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں تا کہ انہیں اس قرآن کریم کی تعلیم دیں جس کی وحی آپ ﷺ پر اترتی ہے اور جسے لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِہٖ ؕ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ (حم السجدہ:42) ''اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے یہ اتری ہوئی ہے بڑے حکمت والے، سب خوبیاں سراہے کی طرف سے''۔ اور ان کو اس کلام پاک کو سمجھنے کی بھی تاکید کر دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ وَ لَوۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَیۡرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوۡا فِیۡہِ اخۡتِلَافًا کَثِیۡرًا (النساء82) ''تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں؟ اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ) اگر وہ غیر

اللہ کی طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلاف کثیر''۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص:29)۔ ''یہ کتاب جو ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف، بڑی بابرکت تاکہ وہ تدبر کریں اس کی آیتوں میں اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقلمند''۔ ایک اور جگہ فرمایا: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا '' کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے قرآن میں یا (ان کے) دلوں پر قفل لگا دیئے گئے ہیں''۔ چنانچہ کلام الٰہی کے معانی کی وضاحت اور صحیح تفسیر کرنا، اسے سیکھنا اور سکھانا علماء کرام کا فریضہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ ؗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ (محمد:24) ''اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی کہ تم ضرور کھول کر بیان کرنا اسے لوگوں سے اور نہ چھپانا اس کو تو (الٹا) انہوں نے پھینک دیا اس وعدہ کو اپنی پشتوں کے پیچھے اور انہوں نے خرید لی اس کے عوض تھوڑی سی قیمت سو بہت بری ہے وہ چیز جو وہ خرید رہے ہیں'' (آل عمران:187)۔ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَ لَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَكِّیْهِمْ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ '' بے شک جو لوگ خریدتے ہیں اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی سی قیمت یہ وہ (بدنصیب) ہیں کہ کچھ حصہ نہیں ان کے لئے آخرت میں اور بات تک نہ کرے گا ان سے اللہ تعالیٰ اور دیکھے گا بھی نہیں ان کی طرف قیامت کے روز اور نہ پاک کرے گا انہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے'' (آل عمران:76)۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل کتاب کی مذمت بیان فرمائی ہے کیونکہ انہوں نے اللہ کی کتاب سے منہ موڑ لیا تھا اور دنیوی مال ومنال کے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ پس ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر اس کام سے رک جائیں جو اللہ تعالیٰ کی مذمت کا باعث ہو اور امورِ الٰہیہ کو بجالانے میں پوری طرح کوشاں رہیں اور کتاب اللہ کی تعلیم وتعلم میں پوری کوشش کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ لَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ '' کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا اہل ایمان کے لئے کہ جھک جائیں ان کے دل یاد الٰہی کے لیے اور اس سچے کلام کے لیے جو اترا ہے اور نہ بن جائیں ان لوگوں کی طرح جنہیں کتاب دی گئی اس سے پہلے پس لمبی مدت گزر گئی ان پر تو سخت ہو گئے ان کے دل اور ایک کثیر تعداد ان میں سے نافرمان بن گئی۔ جان لو! اللہ تعالیٰ زندہ کر دیتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے بعد ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں تمہارے لیے (اپنی) نشانیاں تاکہ تم سمجھو'' (الحدید: 16)۔ ان دونوں آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ ذات قدوس جس طرح بنجر زمین کو زرخیز بنا دیتی ہے اسی طرح وہ دل جو گناہوں کی دلدل میں ڈوب کر مردہ ہو چکے تھے انہیں بھی ایمان وہدایت کے ساتھ شگفتہ اور تروتازہ فرما دیتی ہے۔ اس قادر کریم سے امید (بلکہ) التماس ہے کہ ہمارے دلوں کو بھی نرم کر دے اِنَّهٗ جواد کریم۔ آمین ثم آمین۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تفسیر کا بہترین طریقہ کیا ہے۔ تو اس کی خدمت میں ہماری گذارش یہ ہے کہ اس کا مناسب اور صحیح ترین طریقہ تو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر قرآن سے ہی کی جائے۔ کیونکہ ایک جگہ اگر کسی آیت میں اجمال ہو تو دوسری جگہ اس کی تفصیل بیان کر دی جاتی ہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر حدیث کی طرف رجوع کریں کیونکہ حدیث بھی قرآن کریم کی شرح اور تفسیر ہے بلکہ حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے تمام فیصلے اور احکام قرآن کریم سے ہی ماخوذ ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا '' بے شک ہم نے نازل کی

ہے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ تا کہ فیصلہ کریں آپ لوگوں میں اس کے مطابق جو دکھا دیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے اور نہ بنئے بد دیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے"۔ ایک دوسری جگہ فرمایا: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ" اور (اسی طرح) ہم نے نازل کیا آپ پر یہ "ذکر" تاکہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کے لئے (اس ذکر کو) جو نازل کیا گیا ہے ان کی طرف تاکہ وہ غور وفکر کریں" (النحل:44) وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ" اور نہیں اتاری ہم نے آپ پر یہ کتاب مگر اس لیے کہ آپ صاف بیان کردیں ان کے لیے وہ بات جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور (یہ کتاب) سراپا ہدایت ورحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایماندار ہے"۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "بے شک مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کے مثل اس کے ساتھ ایک اور چیز بھی"۔ یعنی سنت۔ واضح رہے کہ سنت بھی قرآن کی طرح وحی الٰہی ہے مگر یہ وحی غیر متلو ہے اور قرآن وحی متلو۔

مقصود یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر سب سے پہلے تو خود قرآن کریم سے کرنی چاہئے، اگر یہ نہ ہو تو قرآن کریم کی تفسیر سنت سے کرنی چاہئے۔ جس طرح رسول اکرم ﷺ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجنے لگے تو دریافت فرمایا کہ تم فیصلے کس طرح کرو گے؟ انہوں نے عرض کی کتاب اللہ سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اور اگر کتاب اللہ میں اس چیز کا حکم نہ ہو تو پھر کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کی سنت مبارکہ سے۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا اگر سنت میں بھی اس مسئلے کا حل نہ ہو تو پھر کیا کرو گے؟ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ یہ سن کر رسول اکرم ﷺ نے ان کے سینے پر اپنا دست مبارک مار کر فرمایا، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے قاصد کو وہ توفیق دی ہے جس سے اللہ کا رسول راضی ہے، یہ حدیث مسند ہے اور سند کے اعتبار سے عمدہ ہے۔ جیسا کہ اپنی جگہ پر وضاحت سے بیان کیا گیا ہے(1)۔ چنانچہ جب کسی آیت کی تفسیر قرآن وسنت میں نہ ہو تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ وہ نصوص قرآن وسنت کی شان نزول سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ علاوہ بریں انہیں کامل ترین سمجھ بوجھ، صحیح علم اور عمل صالح کی خصوصیات بھی حاصل تھیں۔ خصوصاً ان بزرگوں کو جو علم ومرتبہ میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ جیسے خلفاء اربعہ، حضرت ابن مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ۔ حضرت امام ابوجعفر بن جریر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس ذات وحدہ لا شریک کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کوئی آیت نہیں اتری مگر میں اس کے بارے میں جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی اور کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ اگر مجھے پتہ چلتا کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ قرآن کریم کا علم رکھتا ہے اور میں کسی طرح اس تک پہنچ سکتا ہوں تو میں ضرور اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتا۔ اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص جب دس آیات سیکھ لیتا تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتا جب تک ان کا مفہوم نہ جان لیتا اور اس پر عمل پیرا نہ ہو جاتا آگے تجاوز نہ کرتا۔ حضرت ابوعبدالرحمٰن السلمی فرماتے ہیں کہ ہم نے جن لوگوں سے قرآن کریم سیکھا انہوں نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ رسول کریم ﷺ کے پاس اسی طرح پڑھا کرتے تھے جب دس آیات پڑھ لیتے تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتے جب تک ان کی تفسیر معلوم نہ کر لیتے اور اس پر عمل نہ کر لیتے غرضیکہ اس طرح انہوں نے قرآن کا علم اور عمل دونوں سیکھ لیے۔ انہی میں سے ایک البحر العلام حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ یہ رسول اکرم ﷺ کے چچا زاد ہیں اور ترجمان القرآن کے لقب سے معروف ہیں۔ حضور ﷺ نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی تھی۔ "اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِيْلَ" (2)۔ "بارالٰہا! انہیں دین کی سمجھ عطا فرما اور تفسیر قرآن کا علم عطا فرما"۔ ابن جریر کا قول ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی

1۔ مسند امام احمد: ج5، صفحہ 242,236,230   2۔ البخاری، کتاب الوضوء، جلد 1، صفحہ 48

اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ ''حضرت ابن عباس قرآن کے کتنے اچھے ترجمان ہیں''۔ یہ روایت مختلف صحیح اسناد سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتقال صحیح قول کے مطابق 23ھ میں ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے بعد بھی چھتیس سال تک زندہ رہے۔ ذرا خیال فرمائیے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے علم نے کس قدر ترقی کی ہوگی۔ حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو امیر حج مقرر فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہما نے اپنے خطبہ میں باختلاف روایت سورۂ بقرہ یا سورۂ نور تلاوت فرمائی اور اس کی ایسی خوبصورت تفسیر بیان کی کہ اگر رومی، اتراک اور اہل دیلم سن لیتے تو ضرور مسلمان ہوجاتے۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی الکبیر اپنی تفسیر میں اکثر انہی دونوں بزرگوں (حضرت ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہم) کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات یہ ان دونوں اصحاب کے بیان کردہ اہل کتاب کے اقوال (اسرائیلیات) کو ذکر دیتے ہیں جن کی روایت کی سرکار دو عالم ﷺ نے اجازت فرمائی تھی۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری طرف سے پہنچا دو اگرچہ ایک آیت ہی ہو، بنی اسرائیل سے روایت بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جس نے قصداً جھوٹی بات میری طرف منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو جنگ یرموک میں دو اونٹوں کے بوجھ کے برابر اہل کتاب کی کتابیں ہاتھ لگی تھیں۔ وہ اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان میں سے بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بنی اسرائیل کی یہ مرویات بطور استشہاد بیان کی جاتی ہیں نہ کہ بطور دلیل۔ ان اسرائیلیات کو ہم تین اقسام میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ 1:۔ وہ روایات جن کی تصدیق و تائید کتاب و سنت سے ہوجاتی ہے۔ ان کی صحت میں کلام نہیں۔ 2:۔ جن کی تکذیب کی دلیل ہمارے ہاں موجود ہو یعنی قرآن کریم کی کسی آیت یا حدیث مبارکہ کے متضاد ہو ایسی روایات کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ 3:۔ جن کی تصدیق یا تکذیب پر کوئی دلیل نہ ہو اور کتاب و سنت ان کے بارے میں خاموش ہوں۔ ہم نہ تو انہیں بالکل صحیح سمجھتے ہیں اور نہ بالکل غلط۔ البتہ انہیں بیان کرنا جائز ہے۔ ان میں سے اکثر روایات وہ ہیں جن کا کسی دینی معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ باوجودیکہ خود اہل کتاب کے علماء کے درمیان بھی ان کے بارے میں کثیر اختلاف موجود ہے۔ اس اختلاف کے سبب ان روایات کو ذکر کرنے والے مفسرین میں بھی اختلاف کا آجانا قدرتی امر تھا۔ مثلاً اصحاب کہف کے اسماء، ان کی تعداد، ان کے کتے کا رنگ، عصائے موسیٰ کس درخت کا تھا۔ ان پرندوں کے اسماء جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے زندہ فرمایا تھا۔ اس مقتول کا تعین جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں آیا ہے۔ اس درخت کا ذکر جس کے پاس اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ اس طرح کے دیگر معاملات جنہیں قرآن کریم نے مبہم رکھا ہے۔ کیونکہ ان کے بیان میں مکلفین کے لئے کسی قسم کا دینی یا دنیوی کوئی فائدہ نہیں۔ تاہم اختلاف کو نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۖ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا '' کچھ کہیں گے اصحاب کہف تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا۔ کچھ کہیں گے وہ پانچ تھے۔ چھٹا انکا کتا تھا۔ یہ تخمینے ہیں بن دیکھے۔ اور کچھ کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ آپ فرمائیے (اس بحث کو رہنے دو) میرا رب بہتر جانتا ہے ان کی تعداد کو (اور) نہیں جانتے ان کی صحیح تعداد کو مگر چند آدمی سو بحث نہ کرو ان کے بارے میں بجز اس کے کہ سرسری سی گفتگو ہوجائے۔ اور نہ دریافت کرو ان کے متعلق (اہل کتاب میں سے) کسی اور سے'' (الکھف: 22) یہ آیت کریمہ ہمیں تعلیم دے رہی ہے کہ ایسے موقع پر

1۔ البخاری: 207/7

کیا کرنا چاہئے۔ اللہ رب العزت نے یہاں تین قول بیان فرمائے دو کو ضعیف قرار دیا اور تیسرے سے خاموشی اختیار فرمائی۔ یعنی اس پر ضعف کا حکم نہیں لگایا۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح ہے کیونکہ اگر یہ بھی غلط ہوتا تو ان دونوں کی طرح اس کو بھی رد کر دیا جاتا۔ پھر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ ان کی صحیح تعداد کا علم تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا اور فرمایا: قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ آپ فرمائیے (اس بحث کو رہنے دو) میرا رب بہتر جانتا ہے ان کی تعداد کو۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے ان کی صحیح تعداد سے آگاہ فرمایا ہے۔ اسی لئے فرمایا۔ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا (الکہف :22) سو بحث نہ کرو ان کے بارے میں بجز اس کے کہ سرسری سی گفتگو ہو جائے۔ یعنی بے مقصد بات کے پیچھے نہ پڑیئے اور ان سے مت پوچھئے کیونکہ وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور صرف اٹکل پچو سے کام لے رہے ہیں۔ اختلاف بیان کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ کہ تمام اقوال مختلفہ ذکر کر دیئے جائیں صحیح قول سے آگاہ کر دیا جائے اور باطل کو باطل قرار دے دیا جائے۔ اور اس اختلاف کا فائدہ اور ثمرہ بھی بیان کر دیا جائے۔ تاکہ نزاع بلا وجہ طوالت نہ اختیار کرلے اور کوئی شخص اہم اور غیر اہم کی بحث میں نہ پڑے۔ لیکن اگر کوئی شخص اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے سب لوگوں کے اقوال کو ذکر نہ کرے تو یہ اس کی کمزوری ہے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ صحیح قول وہی ہو جسے اس نے چھوڑ دیا ہے۔ یا وہ اختلاف کا تو ذکر کرے لیکن قول راجح کا ذکر کیے بغیر چھوڑ دے تو یہ بھی اس کا قصور ہے۔ اگر اس نے دانستہ غیر صحیح کو صحیح قرار دے دیا تو وہ جھوٹا ہے۔ اگر بوجہ لاعلمی ایسے کیا تو خطا کار ہے۔ اسی طرح جو شخص ایسی بات ذکر کرے جس کا کوئی خاص فائدہ نہ ہو یا ایسے متعدد اقوال ذکر کرے لیکن وہ سب اقوال نتیجۃً ایک یا دو اقوال میں محصور ہو جاتے ہوں تو اس نے وقت ضائع کیا اور لایعنی امر میں مشغول ہوا۔ اس کی مثال ایسے ہی جیسے کوئی شخص دو جھوٹے کپڑے پہن لے۔ اللہ تعالیٰ ہی بھلائی کی توفیق دینے والا ہے۔

فصل: جب کسی آیت کی تفسیر تمہیں قرآن وسنت اور اقوال صحابہ میں نہ ملے تو اکثر ائمہ کی رائے میں تابعین کے اقوال کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ جیسے مجاہد بن جبر رضی اللہ عنہ جو علم تفسیر میں خدا کی نشانی تھے۔ ان کا قول ہے کہ میں نے سورۂ فاتحہ سے لے کر والناس تک پورا قرآن تین مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس پڑھا۔ میں ہر آیت پر ان کو روکتا اور اس کے بارے میں پوچھتا۔ ابن جریر ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں میں نے مجاہد کو دیکھا کہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیر کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ کاغذ قلم ان کے پاس تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انہیں ارشاد فرماتے لکھو۔ اسی طرح انہوں نے پوری تفسیر قرآن نقل کر لی۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ تو فرمایا کرتے تھے۔ جب حضرت مجاہد کی طرف سے کسی آیت کی بابت کوئی تفسیر تمہیں پہنچے تو یہی تمہارے لیے کافی ہے۔ اسی طرح حضرات سعید بن جبیر، عکرمہ مولی ابن عباس، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، مسروق بن اجدع، سعید بن مسیب، ابو عالیہ، ربیع بن انس، قتادۃ اور ضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ تابعین اور تبع تابعین اور ان جیسے مرتبہ کے لوگوں کی تفسیر معتبر مانی جائے گی۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آیت کی تفسیر میں ان لوگوں کے متعدد اقوال جب ذکر کیے جاتے ہیں اور ان کے الفاظ میں اختلاف ہو جاتا ہے تو بعض کج فہم لوگ اسے معنوی اختلاف سمجھ بیٹھتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہوتا بلکہ کسی نے اس چیز کی تفسیر اس کے لازم سے کی ہوتی ہے کسی نے نظیر سے۔ کوئی خود اس چیز کو ہی بیان کر دیتا ہے۔ لیکن اکثر مقامات پر سب صورتوں میں معنی ایک ہی رہتے ہیں۔ یہ بات ضرور پیش نظر رکھنی چاہئے واللہ الہادی۔ شعبہ بن حجاج وغیرہ کا قول ہے کہ تابعین کے اقوال جب فروعات میں حجت نہیں تو تفسیر قرآن میں کیسے حجت ہو جائیں گے؟ یعنی یہ اقوال ان کے مخالف پر حجت نہیں ہوں گے۔ شعبہ کا یہ قول صحیح ہے۔ تاہم اگر کسی شے کے بارے میں ان کا اتفاق ہو تو اس کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اگر وہ مختلف ہو جائیں تو ان کا قول نہ تو ایک دوسرے پر

حجت ہے نہ متاخرین پر۔ اس وقت لغت قرآن وسنت یا عام لغت عرب اور اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ صرف اپنی ذاتی رائے سے تفسیر کرنا حرام ہے۔ ابن جریر اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی یا بوجہ جہالت کچھ کہہ دیا تو اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا(1)۔ ترمذی، نسائی، اور ابوداؤد نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اسے حدیث حسن قرار دیا ہے۔ یہی الفاظ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس نے اپنی رائے سے قرآن میں کچھ کہا اس نے خطا کی۔ یہ حدیث ترمذی، نسائی اور ابوداؤد میں موجود ہے۔ امام ترمذی نے اسے غریب قرار دیا ہے۔ اس کے راوی سہیل پر بعض اہل علم نے اعتراضات بھی کیے ہیں۔ اس حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں۔ '' جس نے اپنی رائے سے قرآن کریم میں کوئی درست بات بھی کر دی تو اس نے غلطی کی کیونکہ اس نے اس چیز کا تکلف کیا جس کا اسے علم نہ تھا۔ اس نے وہ راہ اختیار کی جس پر چلنے کا اسے حکم نہ تھا۔ گرچہ اس نے ٹھیک بات کہہ بھی دی ہے لیکن پھر بھی وہ گناہ گار ہے اس لئے کہ اس نے معاملے کو اس طریقے پر نہیں چلایا جس طرح کا اسے حکم دیا گیا۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص بے علم ہو۔ اور فیصلے کرنا شروع کر دے۔ تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اگر اس کا فیصلہ صحیح ہو تو اس بات پر خطا کی نسبت اس سے مواخذہ کم ہوگا۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے تہمت لگانے والوں کو جھوٹے قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ '' بس جب وہ پیش نہیں کر سکے گواہ (تو معلوم ہو گیا کہ) وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔'' (النور:18)۔ چنانچہ تہمت لگا کر گواہ نہ پیش کر سکنے والا جھوٹا ہے گو حقیقت میں وہ سچا ہی ہو۔ کیونکہ اس نے ایسی بات کی خبر دی ہے جس کا ذکر کرنا اس کے لیے مناسب نہ تھا۔ اگر وہ ایسی بات کا ذکر کرتا جو معلوم ہو سکتی ہے تو بھی اس نے بلا وجہ تکلف کیا۔ واللہ اعلم۔ اسی بنا پر سلف صالحین کی ایک جماعت ایسی بات کی تفسیر کرنے سے بچتی تھی جس کا علم نہ ہو۔ جیسے حضرت شعبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' کونسی زمین مجھے اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اگر میں قرآن میں وہ کہوں جو میں نہیں جانتا''۔ ابوعبید قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی وَ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا '' اور (طرح طرح کے) پھل اور گھاس'' (عبس:3)۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے کون سا آسمان سایہ دے گا اور کون سی زمین اٹھائے گی اگر میں تفسیر قرآن کریم کے بارے میں ایسی بات کہہ دوں جو میں نہیں جانتا۔ یہ روایت منقطع ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا۔ اور فرمایا: وَّ فَاكِهَةً (پھل) کے بارے میں تو ہمیں معلوم ہے لیکن یہ '' اَبًّا '' سے کیا مراد ہے؟۔ پھر خود ہی فرمایا! اے عمر اس تکلف میں کیوں پڑتے ہو۔ ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قمیص پر پیچھے کی طرف چار پیوند لگے ہوئے تھے۔ آپ نے اس آیت وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا کی تلاوت فرمائی۔ اور استغفار کیا کہ یہ '' ابّ '' کیا چیز ہے۔ پھر فرمانے لگے اس تکلف کی تمہیں کیا ضرورت ہے؟۔ اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو اس میں کیا حرج ہے؟۔ ان دونوں حضرات نے لفظ '' ابّ '' کی کیفیت کو جاننا چاہا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں لفظ '' ابّ '' کا لغوی مفہوم معلوم نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے زمینی نباتات ہونے کا ذکر تو اس سے پہلی آیت میں موجود ہے۔ فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّاۙ وَّ عِنَبًا '' ترجمہ: پھر ہم نے اگایا اس میں غلہ اور انگور'' (عبس:27،28)۔ ابن جریر کا قول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی شخص نے کسی آیت کے بارے میں دریافت کیا۔ تو آپ

1۔ الطبری: 34/1

رضی اللہ عنہما نے اسے کوئی جواب نہ دیا حالانکہ اگر تم میں سے کسی سے اس آیت کی تفسیر پوچھی جائے تو فوراً جواب دو۔ اس کی سند صحیح ہے۔

ابن جریر ہی اپنی سند سے ابن ابی ملیکہ کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں۔ ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ قرآن میں ایک دن کو ہزار سال کے برابر قرار دیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو جواب دینے کی بجائے الٹا اس سے سوال کرتے ہوئے پوچھا بعض آیات میں ایک دن کو پچاس ہزار کے برابر قرار دیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ (یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ) ''ایک دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔'' اس آدمی نے عرض کی میں نے تو آپ سے دریافت کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ان کا حقیقی علم صرف اسی وحدہ لاشریک کو ہے۔ اتنے بڑے مفسر قرآن ہونے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ نے تفسیر قرآن میں کس قدر احتیاط سے کام لیا اور جس بات کا علم نہ تھا اس کے ذکر کرنے سے صاف انکار فرما دیا۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ طلق بن حبیب جندب بن عبداللہ کے پاس آئے اور قرآن کریم کی ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ اگر تم مسلمان ہو اور میرے پاس سے اٹھ نہ جاؤ یا فرمایا میرے پاس بیٹھے رہو۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے جب کسی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تو فرماتے۔ ہم قرآن میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ آپ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جو کچھ معلوم ہوتا صرف وہی تفسیر میں ذکر فرماتے۔ ایک دفعہ ایک شخص کے دریافت کرنے پر فرمایا۔ مجھ سے قرآن کی تفسیر نہ پوچھو۔ قرآن کی تفسیر تو اس سے پوچھو جو یہ کہتا ہے کہ قرآن کی کوئی آیت مجھ پر مخفی نہیں یعنی (حضرت) عکرمہ (رضی اللہ عنہ)۔

یزید بن ابو یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت سعید بن مُسَیَّب رضی اللہ عنہ سے حلال وحرام کے مسائل پوچھتے تھے اور آپ ان میں سب سے زیادہ عالم نظر آتے لیکن جب ہم قرآن کی کسی آیت کی تفسیر پوچھتے تو یوں خاموش ہو جاتے جیسے سنا ہی نہیں۔ ابن جریر ابن زید سے حضرت عبیداللہ بن عمر کا قول نقل فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ کے جلیل القدر فقہاء کو بھی دیکھا کہ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ حضرات سالم بن عبداللہ، قاسم بن محمد، سعید بن مسیب اور نافع رحمتہ اللہ علیہم انہی میں سے ہیں۔ حضرت ہشام بن عروہ فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے والد کو کبھی کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے نہیں سنا۔ حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں میں نے عبید سلمانی سے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا جو لوگ قرآن کی آیات کی شان نزول سے آگاہ تھے وہ چلے گئے۔ اب تم اللہ سے ڈرو اور سیدھی راہ اختیار کرو۔ حضرت عبداللہ بن مسلم بن یسار اپنے باپ سے روایت فرماتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: جب تم قرآن کریم کی آیت کی تفسیر کرنا چاہو تو توقف کرو اور آگے پیچھے دیکھ لو۔ حضرت ابراہیم فرماتے ہیں ہمارے سب ساتھی تفسیر قرآن کرنے سے بچتے تھے اور ڈرتے تھے۔ حضرت شعبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن کریم کی تمام آیات کا علم حاصل کر لیا ہے لیکن پھر بھی میں اسے بیان کرتے ہوئے جھجک محسوس کرتا ہوں کیونکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرنی ہے۔ حضرت مسروق رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تفسیر میں بے حد احتیاط سے کام لو۔ تفسیر تو اللہ سے روایت کرنا ہے۔ یہ صحیح آثار اور ائمہ سلف سے منقول ان جیسے اقوال کا معنی یہ لیا جائے گا کہ سلف صالحین اپنی طرف سے قرآنی آیات کی تفسیر بیان کرنے کی جسارت نہیں کرتے تھے۔ ہاں جو چیز لغت عرب یا شریعت سے مفہوم ہو اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی لئے ان جلیل القدر علماء اور دیگر بزرگوں کے متعدد اقوال تفاسیر میں بکثرت منقول ہیں اور اس میں کوئی تضاد نہیں وہ جس چیز کا علم رکھتے بیان کر دیتے اور لاعلمی کی صورت میں خاموش رہتے۔ یہ ہر شخص کا فریضہ ہے۔ جس طرح لاعلمی کے وقت چپ رہنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر کسی چیز کے بارے میں پوچھا جائے تو اس کو بیان کرنا بھی لازمی ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: لَتُبَیِّنُنَّہٗ

لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ'' ترجمہ: تم ضرور کھول کر بیان کرنا اسے لوگوں کیلئے اور نہ چھپانا اس کو'' (آل عمران: 187)۔

اسی طرح حدیث مبارکہ میں بھی ہے (جو کہ متعدد سندوں سے مروی ہے) ''جس سے کوئی بات پوچھی گئی اور معلوم ہونے کے باوجود اس نے چھپایا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام دی جائے گی'' (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی انہی آیتوں کی تفسیر فرمایا کرتے تھے جن کی تفسیر جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرض کی تھی۔ یہی حدیث ایک دوسری سند سے بھی حضرت ہشام سے مروی ہے لیکن یہ روایت منکر غریب ہے۔ اس کے راوی جعفر بن محمد بن خالد بن زبیر بن عوام قریشی ہیں بخاری کا قول ہے کہ حدیث میں ان کی اتباع نہیں کی جائے گی۔ حافظ ابو الفتح ازدی فرماتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہیں۔ ابو امام جعفر نے بھی اس پر بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیات ایسی ہیں۔ جن کے معانی اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے۔ ان کے مطالب ومفاہیم حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیئے جاتے تھے۔ اگر اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو اس کی صحیح تاویل یہی ہے کہ قرآن میں ایسی آیات بھی ہیں جن کا علم محض اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ اور بعض ایسی آیات بھی ہیں جن کا علم علماء کو بھی ہے۔ بعض آیات اہل عرب زباندانی کے طبعی ملکہ کی بنا پر سمجھ جاتے ہیں۔ کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن کا مطلب اس طرح ظاہر وواضح ہے کہ عذر خواہی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ابن جریر کا قول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تفسیر کی چار اقسام ہیں۔

1:۔ جسے عرب اپنی کلام سے جان لیتے ہیں 2:۔ جس کے نامعلوم ہونے پر کوئی معذور نہیں 3:۔ جسے علماء سمجھتے ہیں 4:۔ جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں سمجھتا۔ ابن جریر کے مطابق ایک مرفوع حدیث بھی اس کے بارے میں ہے لیکن اس کی اسناد میں کلام ہے۔ اس میں بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم کا نزول چار طرح سے ہوا ہے۔ حلال وحرام کی آیات۔ ان سے لاعلمی کا عذر کرنے والا قیامت میں معذور نہ ہوگا۔ وہ تفسیر جسے عرب بیان کریں۔ تفسیر جس کا ذکر علماء کرتے ہیں۔ متشابہات۔ جنکا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات کے ساتھ خاص ہے۔ جو شخص ان کے جاننے کا دعوی کرے وہ جھوٹا ہے (1)۔ اس حدیث پر اعتراض محمد بن سائب کلبی کی وجہ سے ہے وہ متروک الحدیث ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے موقوف روایت یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو ہی مرفوع حدیث سمجھ لیا ہو۔ (اس کی روایت اوپر گذر چکی ہے) وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

مفید مقدمہ

(تفسیر کی ابتدا میں سورۂ فاتحہ سے قبل یہ مفید مقدمہ ذکر کیا جارہا ہے)

حضرت ابوبکر انباری اپنی سند کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت قتادہ نے فرمایا قرآن کی سورتوں میں سے سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، توبہ، رعد، نحل، حج، نور، احزاب، محمد، فتح، حجرات، رحمٰن، حدید، مجادلۃ، حشر، الممتحنۃ، الصف، الجمعۃ، المنافقون، التغابن، الطلاق، التحریم (ابتدائی دس آیات)، الزلزال، سورۂ نصر۔ یہ سب سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ اور باقی تمام سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ قرآن کریم کی آیات کی تعداد چھ ہزار ہے۔ اس سے زائد تعداد میں اختلاف ہے اور متعدد اقوال مذکور ہیں۔ بعض نے تو اسی تعداد کو حتمی قرار دیا ہے۔ بعض کے نزدیک دو سو چار (چھ ہزار سے) زائد ہیں۔ بعض کے نزدیک دو سو چودہ، بعض کے نزدیک دو سو انیس، بعض کے نزدیک دو سو پچیس یا چھبیس، بعض کے نزدیک دو سو چھتیس آیتیں زیادہ ہیں۔ ابو عمرو الدانی نے اپنی کتاب البیان میں اسی طرح لکھا ہے۔ قرآن کریم کے کلمات کے بارے میں حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ یہ ستتر ہزار چار سو انتالیس کلمات ہیں۔ اس کے

1۔ سنن ابی داؤد: کتاب العلم: 321/3

حروف کی تعداد حضرت مجاہد کے قریب تین لاکھ اکیس ہزار ایک سو اسی ہے۔ حضرت فضل بن یسار کے نزدیک یہ تین لاکھ تئیس ہزار پندرہ حروف ہیں۔ سلام ابو محمد الحمانی کا قول ہے کہ حجاج نے اپنے زمانے میں قراء، حفاظ اور کاتبوں کو جمع کر کے قرآن کریم کے حروف کی گنتی کرنے کا حکم دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ سب نے اتفاق کیا کہ یہ تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس حروف ہیں۔ پھر حجاج نے کہا کہ حساب کر کے بتاؤ کہ حروف کے اعتبار سے آدھا قرآن کریم کہاں ہوتا ہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ سورۂ کہف میں (وَلْيَتَلَطَّفْ) کی فاء پر قرآن کریم کا نصف، سورۂ توبہ کی سویں آیت پر پہلی تہائی، اور سورۂ شعراء کی آیت نمبر سو یا ایک سو ایک پر دوسری تہائی اور تیسری تہائی آخر تک ہے۔ پہلی منزل (ساتواں حصہ) آیت کریمہ (فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ) کی دال پر۔ دوسری منزل سورۂ اعراف کی آیت (اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ) کی تاء پر۔ تیسری منزل سورۂ رعد میں (اُكُلُهَا) کے الف پر۔ چوتھی سورۂ حج کے (جَعَلْنَا مَنْسَكًا) میں جعلنا کے الف۔ پانچویں سورۂ احزاب کی آیت (وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ) کی تاء پر۔ چھٹی منزل سورۂ فتح کی آیت (الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ) کی واؤ پر۔ اور ساتویں منزل قرآن پاک کے خاتمہ پر ہے۔ ابو محمد سلام حمانی کا بیان ہے کہ ہم نے اس کام پر چار ماہ تک مسلسل محنت کی۔ حجاج کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر رات چوتھائی قرآن کریم پڑھا کرتا تھا۔ پہلا ربع (چوتھائی) سورۂ انعام کے خاتمہ پر ہے۔ دوسرا سورۂ کہف میں (وَلْيَتَلَطَّفْ) پر۔ تیسرا سورۂ زمر کے خاتمہ پر۔ چوتھا قرآن کے خاتمہ پر۔ شیخ ابو عمرو الدانی نے اپنی کتاب (البیان) میں ان باتوں میں اختلاف بھی نقل کیا ہے۔ رہی بات حصوں (احزاب) اور اجزاء (پاروں) کی تو قرآن کریم کے تیس مشہور پارے ہیں۔ ایک حدیث میں صحابہ کرام کا قرآن کریم کو "احزاب" میں تقسیم کرنے کا ذکر ہے۔ یہ حدیث مسند امام احمد، سنن ابو داؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں ہے۔ اس کے راوی حضرت اوس بن حذیفہ کا ارشاد ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام سے پوچھا کہ آپ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کریم کی تقسیم کس طرح کرتے تھے۔ تو انہوں نے فرمایا ہم پہلی تین سورتوں کی ایک منزل بناتے تھے پھر پانچ، پھر سات، پھر نو، پھر گیارہ (1)۔ پھر تیرہ، اور پھر سو مفصل (یعنی سورۂ ق سے لے کر آخر تک) کی ایک منزل بناتے تھے۔ (اس طرح یہ سات منزلیں بنتی ہیں) **(فصل)** لفظ سورت کے لغوی معنی میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس سے مراد "اَلْاِبَانَةُ وَالْاِرْتِفَاعُ" بلندی اور منفرد ہونا ہے۔ نابغہ شاعر کا قول ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَعْطَاكَ سُوْرَةً   تَرَىٰ كُلَّ مَلِكٍ دُوْنَهَا يَتَذَبْذَبُ

(ترجمہ) (اے بادشاہ سلامت!) کیا آپ نے غور کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو وہ مقام ومرتبہ عطا فرمایا ہے کہ ہر بادشاہ اسے دیکھ کر حیران و پریشان اور سرگرداں ہے۔ گویا قاری ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد اونچائی ہے۔ شہر پناہ (فصیل) کو اسی بناء پر عربی میں "سُوْر" کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک سورت کو سورت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ قرآن کریم کا حصہ اور جز ہے۔ یہ (اسار الاناء) سے ماخوذ ہے۔ برتن میں جو حصہ باقی بچ جائے اسے عربی میں "سُوْر" کہتے ہیں اس کی جمع "آسار" آتی ہے۔ اس صورت یہ مہموز ہوگا۔ ہمزہ میں تخفیف کر دی گئی۔ پھر اسے واؤ سے بدل دیا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سورۃ کا معنیٰ "تمام وکمال"، مکمل ہونا ہے۔ کیونکہ اہل عرب مکمل اونٹنی کو سورۃ کہتے ہیں۔ (میرے خیال میں) سورۃ کو یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ تمام آیات کو اپنے اندر جمع کر لیتی ہے جیسے شہر (یا قلعہ) کی فصیل اپنے مکانات اور حویلیوں کا احاطہ کیے ہوئے ہوتی ہے۔ "سورۃ" کی جمع سور (بفتح واؤ)، سورات اور سوارات بھی آتی ہے۔ جہاں تک لفظ آیت کا تعلق ہے اس کا لفظی معنی علامت (نشانی) ہے یعنی یہ اس

1۔ الطبری: 23/1 2۔ مسند امام احمد: 9/4

بات کا اشارہ ہے کہ سابقہ کلام یہاں ختم ہو رہی ہے۔ اور مابعد ماقبل سے جدا ہو رہا ہے۔ (قرآن کریم میں بھی یہ لفظ نشانی کے معنی میں استعمال ہوا ہے)۔ ارشاد ربانی ہے: "اِنَّ اٰیَةَ مُلْکِهٖٓ" (اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ......) (البقرہ:248)۔ نابغہ شاعر کے اس شعر میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔

تَوَهَّمْتُ آيَاتٍ لَهَا فَعَرَفْتُهَا لِسِتَّةِ اَعْوَامٍ وَ ذَاالْعَامُ سَابِعٌ

ترجمہ:۔ مجھے اس گھر کی نشانیوں کا خیال آیا۔ پس میں نے اسے چھ سال سے پہچان لیا اور یہ ساتواں سال ہے۔

ایک قول کے مطابق اس سے مراد جمع کرنا بھی ہے کیونکہ آیت بھی قرآن کریم کے حروف کا مجموعہ ہوتی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے۔ "خَرَجَ الْقَوْمُ بِاٰیَاتِهِمْ اَیْ بِجَمَاعَاتِهِمْ" (یعنی قوم گروہوں کی صورت میں باہر آئی)۔ کسی شاعر کا قول ہے۔

خَرَجْنَا من النقبين لا حي مثلنا بآياتنا نزجي اللقاح المطافلا

بعض علماء کے نزدیک اسے یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حیرت انگیز اور معجز آمیز کلام ہے اس نے انسان کو اپنی نظیر لانے سے عاجز کر دیا تھا۔ سیبویہ کا قول ہے کہ یہ اصل میں اَیَیَةٌ تھا جیسے اکمۃ اور شجرۃ۔ یا متحرک ماقبل مفتوح الف سے بدل گئی آیۃ بن گیا۔ کسائی کا قول ہے کہ یہ اصل میں اٰیِیَةٌ بروزن آمنۃ تھا۔ یاء کو الف سے بدلا پھر بوجہ التباس حذف کر دیا۔ فراء کے نزدیک یہ اصل میں اَیَّیَةٌ تھا۔ پھر تشدید کی وجہ سے یاء کو الف سے بدلا۔ آیۃ ہو گیا۔ اس کی جمع آی، آیای اور آیات آتی ہے۔ جہاں تک لفظ "کلمۃ" کا تعلق ہے یہ ایک منفرد لفظ کو کہتے ہیں۔ کبھی اس کے دو حرف ہوتے ہیں جیسے ما اور لا اور کبھی یہ زیادہ حروف پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ ایک کلمہ میں زیادہ سے زیادہ دس حروف ہوتے ہیں جیسے "لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ" اور "اَنُلْزِمُکُمُوْهَا" اور "فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُ"۔ کبھی ایک پوری آیت ایک ہی کلمہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ جیسے "وَالْفَجْرِ" اور "وَالضُّحٰی" اور "وَالْعَصْرِ" اسی طرح "الٓمّٓ" اور "طٰهٰ" اور "یٰسٓ" اور "حٰمٓ" (کوفیوں کے نزدیک) اور "حٰمٓ عٓسٓقٓ" ان کے نزدیک دو کلمے ہیں۔ دیگر علماء انہیں مستقل آیات کا نام نہیں دیتے ان کے نزدیک یہ کلمات ہیں جو سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں۔ ابو عمرو دانی کا قول ہے کہ ایک کلمہ کی آیت قرآن کریم میں (مُدْهَآمَّتٰنِ) کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ جو کہ سورۂ رحمٰن کی ایک آیت ہے۔

(فصل) قرطبی کا قول ہے کہ بالاتفاق علماء کرام کے نزدیک قرآن کریم میں عجمی تراکیب نہیں ہیں۔ اور یہ بات بھی متفقہ ہے کہ اس میں عجمی اسماء موجود ہیں جیسے ابراہیم، نوح اور لوط۔ یہ بات مختلف فیہ ہے کہ کیا قرآن کریم میں اس کے علاوہ کوئی چیز عجمی ہے یا نہیں۔ باقلانی اور طبری نے تو اس کا سرے سے انکار کر دیا ہے۔ ان کی رائے میں وہ تراکیب یا الفاظ جو غیر عربی (عجمی) محسوس ہوتے ہیں فی الحقیقت وہ عربی ہی ہیں لیکن دوسری زبانوں میں بھی یہ استعمال ہوتے ہیں۔ اور ترادف میں کوئی حرج نہیں۔

سورۂ فاتحہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورت کے متعدد اسماء ہیں **اَلۡفَاتِحَۃ** کھولنے والی۔ کیونکہ اس سے قرآن کریم کی ابتداء ہوتی ہے۔ نماز کے دوران قرأت کی ابتداء بھی اس سے ہوتی ہے۔ **اُمُّ الۡکِتَاب:** جمہور علماء کرام کے نزدیک یہ ام الکتاب بھی ہے جیسا کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ لیکن حضرت حسن بصری اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہمانے یہ نام مناسب نہیں سمجھا۔ ان دونوں کا بیان ہے کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔ حضرت حسن کا قول ہے کہ محکم آیات کو ام الکتاب کہتے ہیں۔ **اُمُّ الۡقُرۡاٰن:** اسی وجہ سے دونوں مشائخ اس نام کے بھی قائل نہیں۔ ترمذی کی ایک صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ الحمد للہ رب العٰلمین (مکمل سورت) یہ ام القرآن، ام الکتاب، سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔(1)

الحمد: **اَلصَّلٰوۃُ:** حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے (یہ حدیث قدسی ہے) اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے مابین تقسیم کر دیا ہے جب بندہ کہتا ہے ''الحمد للہ رب العٰلمین'' اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے ''حَمِدَنِیۡ عَبۡدِیۡ'' الحدیث ''میرے بندے نے میری تعریف کی (2)۔ سورۂ فاتحہ کو صلوٰۃ (نماز) کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ پڑھنا نماز میں شرط ہے۔ **اَلشِّفَاء:** جیسا کہ دارمی نے ابوسعید سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ ''سورۂ فاتحہ ہر زہر کی شفا ہے''(3)۔ **اَلرُّقۡیَۃُ:** حضرت ابوسعید کی روایت صحیح میں ہے جب انہوں نے ایک مارگزیدہ شخص کو سورت فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ شفایاب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس سے پوچھا تمہیں کیسے پتہ چلا کہ اس میں شفا ہے؟۔ **أَسَاسُ الۡقُرۡاٰن:** شعبی نے حضرت ابن عباس سے یہی نام روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ قرآن کی اساس ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ کی بنیاد ہے۔ **اَلۡوَاقِیَۃُ:** یہ حضرت سفیان بن عیینہ کے نزدیک ہے۔ **اَلۡکَافِیَۃُ:** یحیٰ بن ابی کثیر نے اسے یہ نام دیا ہے۔ کیونکہ یہ اپنے سے ماسوا سے کفایت کرتی ہے۔ اور کوئی دوسری سورت اس سے کفایت نہیں کرتی۔ بعض مرسل احادیث میں یہ بھی آیا ہے ''ام القرآن (فاتحہ) عوض ہے دوسری سورتوں کا لیکن کوئی سورت اس کا عوض نہیں ہو سکتی'' (4)۔ زمخشری نے کشاف میں ذکر کیا ہے کہ اسے سورۂ صلوٰۃ اور سورۂ کنز بھی کہتے ہیں۔ ابن عباس، قتادۃ اور ابو عالیہ کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے۔ ابو ہریرہ، مجاہد، عطا بن یسار اور زہری کے نزدیک یہ مدنی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ دو مرتبہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ میں اور پھر دوسری مرتبہ مدینہ میں۔ پہلا قول زیادہ قوی ہے کیونکہ ایک دوسری آیت میں ہے۔ وَلَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ ''اور بے شک ہم نے آپ کو عطا فرمائی ہیں سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم بھی'' (الحجر: 87) واللہ تعالیٰ اعلم۔ ابولیث سمرقندی کا بیان قرطبی نے نقل کیا ہے کہ اس کا نصف مکہ اور نصف مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ یہ قول بالکل ہی غریب ہے۔ بالاتفاق یہ سات آیات ہیں۔ عمر بن عبید کے نزدیک آٹھ اور حسین جعفی کے نزدیک چھ ہیں۔ یہ دونوں قول شاذ ہیں۔

کیا بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سورۂ فاتحہ کی مستقل آیت ہے یا نہیں اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور کوفی قراء، صحابہ و

1۔ ترمذی: حدیث نمبر 2875
2۔ ترمذی: حدیث نمبر 2903، مسند امام احمد: 285/2
3۔ الدارمی: فضائل القرآن 445/2:12
4۔ دارقطنی: 322/1

تابعین کی ایک جماعت اور متاخرین میں سے بعض لوگوں کا یہی قول ہے۔ یا یہ ایک مستقل آیت کا جزو ہے یا سرے سے ہی یہ سورۂ فاتحہ کی آیت نہیں ہے۔ جیسا کہ مدینہ کے قراء اور فقہاء کا قول ہے۔ یہ کل تین اقوال ہیں۔ اس کی تفصیل ان شاءاللہ آگے آئے گی۔ علماء کرام کے نزدیک اس سورت کے پچیس کلمات اور ایک سو تیرہ حروف ہیں بخاری کتاب التفسیر کے شروع میں فرماتے ہیں کہ اس سورت کو ام الکتاب اس لئے کہتے ہیں کہ یہ قرآن کی ابتداء میں لکھی جاتی ہے اور نماز کی قرأت بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ قرآن کریم کے تمام مضامین اجمالی طور پر اس میں آگئے ہیں چنانچہ اسے یہ نام دیا گیا۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ اہل عرب کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر جامع امر کو یا جو چیز کسی شی کا پیش خیمہ ہو کو ام کہتے ہیں جیسے وہ جلد جو دماغ کو جامع ہوتی ہے ام الراس کہتے ہیں۔ لشکر کے جھنڈے اور علم کو بھی جس کے نیچے لوگ جمع ہوتے ہیں ام کہتے ہیں۔ بطور استشہاد ذوالرمۃ شاعر کا یہ قول پیش کیا جاتا ہے۔

عَلٰی رَاْسِہٖ اُمٌّ لَنَا نَقْتَدِیْ بِھَا جِمَاعُ اُمُوْرٍ لَیْسَ نَعْصِیْ لَھَا اَمْرًا

اس کے سر پر ہمارا نیزہ ہے۔ ہم اپنے تمام امور کی انجام دہی میں اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اس کی حکم عدولی نہیں کرتے۔ ''ام یعنی نیزہ'' مکہ مکرمہ کو بھی ام القری نام دینے کی وجہ یہی ہے کہ یہ سب کا جامع ہے اور سب سے پہلے ہے۔ بعض کے نزدیک چونکہ زمین وہیں سے پھیلائی گئی ہے۔ الفاتحہ (کھولنے والی) اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ تلاوت کا افتتاح ہوتا ہے اور صحابہ کرام نے قرآن کریم کی کتابت کی ابتدا بھی اسی سے کی **السَّبْعُ الْمَثَانِیْ:** اس کا ایک صحیح نام سبع مثانی (بار بار پڑھی جانے والی) بھی ہے۔ کیونکہ ہر رکعت میں یہ سورت پڑھی جاتی ہے۔ اگرچہ ''مثانی'' کا ایک اور معنی بھی ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ام القرآن کے بارے میں فرمایا کہ یہ ام القرآن ہے۔ یہی سبع مثانی ہے اور یہی قرآن عظیم ہے(1)۔ ایک اور حدیث جس کے راوی بھی ابوہریرہ ہیں میں ہے کہ الفاظ میں یہ ام القرآن ہے یہی فاتحۃ الکتاب ہے اور یہی سبع مثانی ہے(2)۔ حافظ ابوبکر احمد بن مردویہ اپنی کتاب تفسیر میں اپنی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سات آیتیں ہیں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بھی ان میں سے ایک آیت ہے۔ یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے اور یہی ام الکتاب اور فاتحۃ الکتاب ہے(3)۔ دارقطنی نے بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل مرفوع حدیث ذکر کی ہے۔ ان کے بقول اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرات علی، ابن عباس اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے آیت کریمہ (سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ) سے مراد سورۂ فاتحہ ہی ہے اور بسم اللہ (تسمیہ) اس کی ساتویں آیت ہے۔ اس کا تفصیلی تذکرہ تسمیہ کی بحث میں آئے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے (اپنے مرتب کردہ نسخہ) میں سورۂ فاتحہ کیوں نہیں لکھی؟ انہوں نے فرمایا اگر میں اسے لکھتا تو ہر سورت کے شروع میں لکھتا۔ ابوبکر بن ابوداؤد نے کہا اس کا مطلب ہے نماز میں پڑھے جانے کی حیثیت سے۔ انہوں نے فرمایا چونکہ تمام مسلمانوں کو یہ حفظ ہے اس لیے اسے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ قرآن کریم میں سب سے پہلے نازل ہوئی۔ جیسا کہ بیہقی نے دلائل نبوت میں ذکر کیا ہے۔ باقلانی نے اس بارے میں تین اقوال بیان کیے ہیں (1)۔ یہ سورت فاتحہ سب سے پہلے نازل ہوئی (2)۔ سورۂ مدثر سب سے پہلے نازل ہوئی جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (3)۔ آیت کریمہ: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ سب سے پہلے نازل ہوئی یہی قول صحیح ہے۔ اس کی وضاحت اپنی جگہ آئے گی وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

1۔ مسند امام احمد: 448/2 2۔ الدرالمنثور: 3/1 3۔ بیہقی: 45/2

سورۂ فاتحہ کے فضائل

حضرت امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ میں ایک دفعہ نماز پڑھ رہا تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مجھے بلایا۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا جب میں نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا۔ تم نے میرے پاس آنے میں دیر کیوں لگائی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! (ﷺ) میں نماز پڑھ رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کیا تم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ''اے ایمان والو! لبیک کہو اللہ اور (اس کے) رسول کی پکار پر جب وہ رسول بلائے تمہیں اس امر کی طرف جو زندہ کرتا ہے تمہیں'' (انفال:24)۔ پھر ارشاد فرمایا: میں تمہارے مسجد سے نکلنے سے قبل تمہیں بتا دوں گا کہ قرآن کریم کی سب سے بڑی سورت کون سی ہے۔ فرماتے ہیں پھر آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ جب آپ ﷺ نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے مجھے قرآن کی سب سے بڑی سورت کے بارے میں آگاہ کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں'' اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے(1)۔ اسی طرح یہ روایت بخاری نے یحییٰ بن سعید بن قطان سے اپنی سند کے ساتھ بیان کی ہے اور اس روایت کو کتاب التفسیر میں دوسری جگہ ذکر کیا ہے۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ میں مختلف سندوں کے ساتھ یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ واقدی نے اپنی سند کے ساتھ ابی بن کعب کے بارے میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ موطا امام مالک میں ہے جس سے آگاہ ہونا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) کو آواز دی وہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے تو فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے ہاتھ پر رکھا اس وقت آپ ﷺ مسجد سے باہر نکلنا چاہ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے تمہیں ایک سورت سکھاؤں اس جیسی سورت تورات اور انجیل میں نازل نہیں ہوئی بلکہ قرآن میں بھی اس کے مثل کوئی سورت نہیں۔ ابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس امید پر اپنی رفتار آہستہ کر دی۔ پھر عرض کی یا رسول اللہ وہ کون سی سورت ہے جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم نماز شروع کرو تو کیا پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں نے ساری سورت مکمل کر دی۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ یہ وہی سورت ہے۔ یہ سبع مثانی اور قرآن کریم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے(2)۔ ابوسعید سے مراد ابوسعید بن معلیٰ نہیں ہیں جیسا کہ ابن اثیر نے جامع الاصول میں بیان کیا ہے ان کی اتباع میں بعض دیگر لوگوں نے بھی یہی سمجھا ہے۔ وہ ابوسعید انصاری صحابی ہیں جبکہ یہ بنو خزاعہ کے موالی میں سے ہیں اور تابعی ہیں۔ وہ حدیث متصل صحیح ہے اور ظاہر ہے منقطع قرار پائے گی اگر ابوسعید تابعی کا ابی بن کعب سے سماع ثابت نہ ہو۔ اور اگر ان کا سماع ثابت ہو تو یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ واللہ اعلم علاوہ بریں یہ روایت ابی بن کعب سے متعدد سندوں سے مروی ہے۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف تشریف لے گئے۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے ان کو آواز دی وہ متوجہ ہوئے لیکن کوئی جواب نہ دیا۔ آپ ﷺ نے پھر پکارا۔ انہوں نے نماز جلدی جلدی ختم کی اور حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور دریافت فرمایا اے ابی! جب میں نے تمہیں بلایا تو تمہیں جواب دینے سے کس چیز نے روکے رکھا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم

1۔ بخاری، جلد 6، صفحہ 77 2۔ الموطا: نداء، 37

نے یہ آیت نہیں سنی (اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ) انہوں نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہیں ایسی سورت سکھاؤں جو نہ تو تورات میں اتری ہے نہ انجیل، نہ زبور اور نہ ہی قرآن میں اس کی مثل کوئی سورت ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ضرور ارشاد فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس دروازے سے نکلنے سے قبل میں تمہیں بتادوں گا۔ فرماتے ہیں پھر آپ ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر باتیں کرنے لگے میں نے اپنی رفتار دھیمی کر دی ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ دروازے تک پہنچ جائیں اور وہ بات رہ جائے۔ جب ہم دروازے کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے مجھ سے کس سورت کا وعدہ فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ تو میں نے آپ ﷺ کو سورۂ فاتحہ سنادی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور اور قرآن میں اس جیسی کوئی سورت نازل نہیں فرمائی۔ یہ سبع مثانی ہے(1)۔ ترمذی نے اسے حضرت ابوہریرہ سے بھی روایت کیا ہے۔ ان کی روایت میں یہ الفاظ زائد آئے ہیں کہ یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس ایک روایت حضرت انس بن مالک سے بھی ہے۔ عبداللہ ابن احمد نے بھی اپنی سند کے ساتھ اسے حضرت امام ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ جس کو ہم مختصراً یا بالتفصیل ذکر کریں گے۔ اس حدیث کو ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے تورات وانجیل میں ام القرآن جیسی کوئی سورت نازل نہیں فرمائی یہ سبع مثانی ہے۔ رب اور بندے کے مابین نصف نصف منقسم ہے(2)۔ یہ الفاظ نسائی کے ہیں۔ ترمذی کا قول ہے یہ حدیث حسن غریب ہے۔

امام احمد حضرت جابر کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ اس وقت استنجا سے فارغ ہوئے تھے۔ میں نے تین مرتبہ سلام عرض کیا تو آپ ﷺ نے میرے سلام کا کوئی جواب نہ دیا۔ فرماتے ہیں حضور ﷺ چلتے رہے اور میں آپ ﷺ کے پیچھے تھا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ اپنی قیام گاہ میں تشریف لے گئے۔ اور میں مسجد چلا گیا۔ میں پریشان حال بیٹھا تھا کہ حضور ﷺ وضو فرمانے کے بعد تشریف لائے اور تین مرتبہ فرمایا علیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر فرمایا اے عبداللہ! کیا میں تمہیں قرآن کریم کی بہترین سورت کے بارے میں نہ بتادوں۔ میں نے عرض کی ضرور یا رسول اللہ! فرمایا پڑھ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ حتیٰ کہ تو اسے مکمل پڑھ لے(3)۔ اس روایت کی سند عمدہ ہے اس کے راوی ابن عقیل کو ائمہ کبار حجت سمجھتے ہیں۔ عبداللہ بن جابر یہ صحابی ہیں۔ ابن جوزی نے ذکر کیا ہے کہ یہ عبدی ہیں۔ واللہ اعلم۔ حافظ ابن عساکر کے نزدیک یہ عبداللہ بن جابر انصاری بیاضی ہیں۔ اس طرح کی دیگر روایات سے استدلال کر کے اسحٰق بن راہویہ، ابوبکر بن عربی اور ابن صفار مالکی جیسے بہت سے علماء نے آیات اور سورتوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ ایک دوسرے گروہ کی رائے میں کلام اللہ سب برابر ہے ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس سے مفضل علیہ میں کمزوری کا شائبہ ہوتا ہے حالانکہ سارے کا سارا قرآن ہی فضیلت والا ہے۔ قرطبی نے اشعری، ابوبکر باقلانی، ابوحاتم، ابن حبان البستی، ابوحیان، یحی بن یحی سے یہی نقل کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت بھی یہی ہے۔ ایک اور حدیث بھی ہے جسے بخاری نے فضائل قرآن میں درج فرمایا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم سفر میں تھے۔ ایک جگہ ہم نے پڑاؤ کیا۔ ایک لونڈی ہمارے پاس آئی اور کہنے لگی قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ ہمارے آدمی یہاں موجود نہیں۔ کیا تم سے کوئی ایسا ہے جو دم کردے۔ ہم میں سے ایک شخص اٹھ کر ساتھ ہو لیا۔ ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ یہ شخص دم کرنا بھی جانتا ہے۔ اس نے وہاں جا کر کچھ دم کیا تو وہ آدمی بالکل ٹھیک ہوگیا۔ اس نے خوش ہو کر تمیں بکریاں اور کچھ دودھ بھیجا۔ جب وہ واپس آیا تو ہم نے پوچھا کیا تم تعویذ وغیرہ جانتے ہو؟

1۔ مسند امام احمد: 413/2 2۔ نسائی: باب الافتتاح باب: 25 3۔ مسند احمد: 177/4

وہ کہنے لگا: میں نے تو صرف سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے۔ ہم نے کہا کہ اس مال کو نہ کھاؤ تا آنکہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ جائیں۔ اور اس کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کرلیں۔ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر تمام ماجرا عرض کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے کیسے پتہ چلا کہ یہ دم کرنے والی سورت ہے۔ لاؤ میرا بھی حصہ نکالو (1)۔ اور باقی تقسیم کرلو۔ صحیح مسلم اور ابوداؤ میں بھی یہ حدیث شریف ہے۔ مسلم کی بعض روایات میں ہے کہ دم کرنے والے حضرت ابوسعید خدریؓ ہی تھے۔ صحیح مسلم اور سنن نسائی میں ایک اور روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حضرت جبریل علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ اوپر سے آواز سنائی دی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنی نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا آج آسمان کا ایک دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہ کھلا تھا۔ پھر اس میں سے ایک فرشتہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں آیا اور عرض کی۔ خوشخبری ہو آپ (ﷺ) کو وہ دو نور عطا کئے گئے ہیں جو اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے 1۔ سورۃ فاتحہ۔ 2۔ سورۃ بقرہ کی آخری آیات۔ ان کا ایک ایک حرف نور ہے (2)۔ یہ الفاظ نسائی کے ہیں۔ صحیح مسلم میں ایک روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ناقص ہے ناقص ہے ناقص ہے (تین مرتبہ فرمایا) ناکمل ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی گئی اگرچہ ہم نماز میں امام کے پیچھے ہوں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا دل میں پڑھ لیا کرو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (حدیث قدسی میں ہے) میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے مابین نصف نصف تقسیم کردیا ہے۔ میرا بندہ جو کچھ مجھ سے مانگے میں اسے دیتا ہوں۔ جب وہ (بندہ) کہتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ (میرے بندے نے میری تعریف کی)۔ پھر وہ بندہ کہتا ہے "الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ (میرے بندے نے میری حمد وثناء کی) پھر جب وہ کہتا ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ ایک روایت کے الفاظ میں فَوَّضَ اِلَیَّ عَبْدِیْ یعنی بندے نے میرے سپرد کردیا۔ پھر وہ کہتا ہے (اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور بندے کے درمیان ہے۔ اور میرا بندہ مجھ سے جو کچھ مانگے گا میں اسے دوں گا۔ جب وہ کہتا ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ تو اللہ فرماتا ہے (هٰذَا لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ) (3) یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے ہے جو کچھ وہ مانگے۔ نسائی نے اسحٰق بن راہویہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ دونوں نے یہ روایت ایک اور سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس کے الفاظ میں یہ اضافہ ہے (فَنِصْفُهَا لِیْ وَ نِصْفُهَا لِعَبْدِیْ، وَلِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ) اس کا نصف میرے لیے اور نصف میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جو وہ سوال کرے۔ ابن اسحٰق نے حضرت علاء سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور مسلم نے بھی دو سندوں میں حضرت ابوالسائب سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی کا قول ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ میں نے حضرت ابوزرعہ سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ عبداللہ بن امام احمد نے بھی اس حدیث کو ابی بن کعب کے حوالہ سے مفصل ذکر کیا ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِیْ وَ بَيْنَ عَبْدِیْ نِصْفَيْنِ وَلَهٗ مَا سَاَلَ ......) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان تقسیم کرلیا ہے۔ اس کے لیے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے جب وہ کہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

1۔ بخاری 231/6 (باب فضائل القرآن) 2۔ مسلم: کتاب السافرین: 554 3۔ مسلم: کتاب الصلوۃ 296

الْعٰلَمِيْنَ اللہ تعالیٰ کہتا ہے میرے بندے نے میری حمد بیان کی۔ جب وہ کہے ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' تو وہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری توصیف بیان کی۔ پھر فرماتا ہے یہ میرے لیے ہے اور باقی اس کے لئے (1)۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے۔

اس حدیث میں سورۂ فاتحہ سے متعلق نکات کا بیان

اس حدیث میں متعدد علمی نکات ہیں چند ایک یہ ہیں: (1) اس حدیث میں صلاۃ کا لفظ مطلق آیا ہے۔ اور اس سے مراد قرأت ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل: 110)۔ ''اور نہ تو بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو اسے اور تلاش کرو ان دونوں کے درمیان معتدل راستہ''۔ بِصَلَاتِكَ اَیْ بِقِرَاءَتِكَ یعنی اپنی قرأت کو۔ جیسے صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس بات کی تصریح ہے۔ اسی طرح مندرجہ بالا حدیث میں صلاۃ (نماز) سے مراد قرأت ہے۔ اس نماز میں قرأت کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے یہ اس کا سب سے بڑا رکن ہے۔ اس لیے کہ عبادت کا لفظ بول کر اس کا ایک جز مراد لیا گیا ہے۔ جو کہ قرأت ہے۔ جس طرح ایک دوسری آیت میں قرأت کا لفظ بول کر نماز مراد لی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (بنی اسرائیل: 78) ''نماز صبح، بلاشبہ نماز صبح کا مشاہدہ کیا جاتا ہے''۔ اس سے مراد نماز صبح ہے جیسا کہ صحیحین میں اس بات کی تصریح ہے کہ فجر کی نماز پر رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں قرأت کرنا لازمی ہے اور اس بات پر علماء کرام کا اتفاق ہے۔ لیکن ایک مسئلہ میں علماء کرام کا اختلاف ہے جسے ہم دوسری صورت میں ذکر کریں گے۔ وہ مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہی لازمی ہے یا قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے نماز درست ہو جائے گی۔ اس بارے میں دو مشہور اقوال ہیں: (ا) امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں وغیرہ کی رائے تو یہ ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا متعین نہیں بلکہ قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے گا کافی ہوگا۔ انہوں نے اس آیت کریمہ کے عموم سے استدلال کیا ہے: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (مزمل: 20) ''ترجمہ:۔ پس تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو''۔ ان کی دوسری دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی وہ حدیث ہے جو صحیحین میں مذکور ہے۔ جس میں ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے جو تیز تیز نماز پڑھ رہا تھا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا ''جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ پھر قرآن کریم میں سے جو آسان نظر آئے پڑھ لے'' (2)۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس شخص کو صرف قرأت کرنے کا حکم دیا اور سورۃ فاتحہ اس کے لئے متعین نہ فرمائی۔ یہ ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے۔ (ب) دوسرا قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا نماز میں واجب ہے اور اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ یہ رائے بقیہ ائمہ مالک، شافعی، احمد بن حنبل ان کے شاگردوں اور جمہور علماء کی ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو اوپر گذر چکی ہے کہ جس نے نماز پڑھی اور سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ناقص ہے۔ خداج کا معنی ناقص ہے اس کی وضاحت حدیث کے اندر ہی موجود ہے (غیر تمام) یعنی نامکمل۔ اس کے علاوہ انہوں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو صحیحین میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہے (3)۔ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ نماز درست نہیں جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے (4)۔ اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں۔ مناظرانہ پہلو اختیار کرنے سے بات لمبی ہو

1۔ الطبری: 86/1
2۔ بخاری: کتاب الاستیذان: 68/8
3۔ بخاری: کتاب الصلوٰۃ: 192/1
4۔ فتح الباری: 241/2

جائے گی۔ ہم نے مختصراً ان حضرات کے دلائل کا ذکر کر دیا ہے۔ پھر امام شافعی اور اہل علم کی ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ سورۂ فاتحہ کا ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے۔ دیگر علماء کا قول ہے کہ اکثر رکعتوں میں پڑھنا واجب ہے۔ حضرت حسن اور اکثر اہل بصرہ کے نزدیک کسی ایک رکعت میں اس کا پڑھ لینا واجب ہے۔ وہ اس حدیث کو اپنے اطلاق پر رکھتے ہوئے اس پر عمل کرتے ہیں۔ (لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ) ابوحنیفہ، ان کے ساتھی، ثوری اور اوزاعی یہ کہتے ہیں: اس کا پڑھنا متعین ہی نہیں بلکہ اگر اور کچھ پڑھ لے گا تو بھی کافی ہوگا۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (مزمل: 20) وَاللهُ اَعْلَمُ۔

ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جو شخص نماز کی ہر رکعت (خواہ فرض ہو یا نفل) میں سورۂ فاتحہ اور سورت نہ ملائے اس کی نماز نہیں ہوتی (1) البتہ اس حدیث کی صحت میں نظر ہے۔ اس طرح کی مباحث احکام کی بڑی کتب میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم۔ ج۔ تیسری توجیہ یہ ہے کیا سورۂ فاتحہ کی قرأت مقتدی پر فرض ہے؟ اس میں علماء کرام کے تین اقوال ہیں: (1) سورۂ فاتحہ کا پڑھنا جس طرح امام پر فرض ہے اسی طرح مقتدی پر بھی فرض ہے وہ مذکورہ بالا احادیث کے عموم سے استدلال کرتے ہیں۔ (2) مقتدی پر سرے سے قرأت کرنا ہی واجب نہیں نہ سورۂ فاتحہ نہ کوئی اور سورت، نہ جہری نماز میں نہ سری نماز میں۔ جیسے حضرت امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس کا امام ہو تو امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے (2)۔ لیکن اس کی سند میں ضعف ہے۔ یہ خود حضرت جابر کے قول سے دیگر سندوں میں مروی ہے۔ گو اس حدیث کی اور مرفوع سندیں بھی ہیں لیکن کوئی چیز اس میں صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔ (3) تیسرا قول یہ ہے کہ جن نمازوں میں امام قرأت آہستہ آواز سے کرے ان میں مقتدی پر قرات واجب ہے۔ لیکن جن نمازوں میں باآواز بلند قرات کی جاتی ہے، ان میں واجب نہیں۔ ان کی دلیل صحیح مسلم کی وہ روایت ہے۔ جس کے راوی ابوموسیٰ اشعری ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے چنانچہ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو...... (3) الحدیث۔ سنن حدیث (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب وہ پڑھے تو خاموش رہو''۔ امام مسلم بن حجاج نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ یہ دونوں حدیثیں اس قول کی صحت کی مؤید ہیں۔ حضرت امام شافعی کا قدیم قول بھی یہی ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

ہماری غرض ان مسائل کو ذکر کرنے سے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ جس قدر احکام کا تعلق ہے کسی اور سورت کے ساتھ نہیں۔ حافظ ابوبکر بزار اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم بستر پر لیٹو اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھو تو موت کے سوا ہر چیز سے امن میں ہو جاؤ گے''۔ (4)

استعاذہ (اعوذ باللہ) اور اس کے احکام

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (اعراف: 200-199) '' ترجمہ: قبول کیجئے معذرت (خطا کاروں سے) اور حکم دیجئے نیک کاموں کا اور رخ (انور) پھیر لیجئے نادانوں کی طرف سے۔ اور اگر پہنچے آپ کو شیطان کی طرف سے ذرا سا وسوسہ تو فوراً پناہ مانگئے اللہ سے بے شک وہ سب کچھ سننے والا

1۔ سنن ابن ماجہ: کتاب الاقامہ: 274
2۔ مسند امام احمد: 339/3
3۔ مسلم: کتاب الصلوٰۃ: 304
4۔ مجمع الزوائد: 121/10

جاننے والا ہے"۔ ایک اور جگہ فرمایا: اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ...... وَقُلْ رَّبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ" ترجمہ:۔ دور کرو اس چیز سے جو بہت بہتر ہے برائی کو۔ ہم خوب جانتے ہیں وہ باتیں جو وہ بیان کرتے ہیں۔ اور کہیے میرے رب! میں پناہ طلب کرتا ہوں تیرے شیطانوں کے وسوسوں سے"۔ اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں میرے اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (حم السجدہ: 33 تا 36)" ترجمہ: برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے پس ناگہاں وہ شخص تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے، یوں بن جائیگا گویا تمہارا جانی دوست ہے اور نہیں توفیق دی جاتی ان (خصائل حمیدہ) کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو۔ اور (اے سننے والے) اگر شیطان کی طرف سے تیرے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو (اسکے شر سے) اللہ کی پناہ مانگ یقیناً وہ ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے"۔ ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ یہ حکم فرما رہے ہیں کہ انسانوں میں سے جو تمہارے ساتھ دشمنی کرے تو اس سے نرمی کرو، حسن سلوک اور مودت سے پیش آؤ۔ تاکہ اس کی عمدہ سرشت اسے مجبور کرے اور وہ تم سے دوستی اور محبت کرنے لگے۔ اور شیطانوں میں سے دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے اپنی پناہ پکڑنے کا حکم دیا کیونکہ وہ حسن سلوک اور احسان کے باوجود بھی عداوت سے باز آنے والا نہیں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے اس کی قدیم عداوت کی بناء پر اس کا مقصد وحید ہی بنی آدم کو تباہ و برباد کرنا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ" ترجمہ: اے اولاد آدم! نہ فتنہ میں مبتلا کردے تمہیں شیطان جیسے نکالا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے (المومنون: 96 تا 98)۔ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (فاطر: 6)" ترجمہ:۔ یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے (اپنا) دشمن سمجھا کرو وہ فقط اس لئے (سرکشی کی) دعوت دیتا ہے اپنے گروہ کو تاکہ وہ جہنمی بن جائیں"۔ ایک اور جگہ فرمایا: اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّیَّتَهٗۤ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا (الکہف: 50)" ترجمہ: (اے اولاد آدم!) کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست مجھے چھوڑ کر حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کیلئے بہت برا بدلہ ہے"۔ (یہی ہے وہ بدبخت) جس نے ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے قسم اٹھائی تھی کہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں۔ حالانکہ وہ جھوٹا تھا۔ (تو اب ذرا خیال فرمائیے) اس کا معاملہ ہمارے ساتھ کس طرح کا ہوگا۔ اس نے کہا تھا: فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (ص: 83-82)" ترجمہ: کہنے لگا تیری عزت کی قسم! میں ضرور گمراہ کردوں گا ان سب کو۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا ہے"۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ (النحل: 100-98) " ترجمہ:۔ سو جب تم قرآن کی تلاوت کرنے لگو تو پناہ مانگو اللہ تعالیٰ سے اس شیطان (کی وسوسہ اندازیوں) سے جو مردود ہے۔ یقیناً اس کا زور نہیں چلتا ان لوگوں پر جو (سچے دل سے) ایمان لائے ہیں۔ اور اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا زور تو صرف ان پر چلتا ہے۔ جو یارانہ گانٹھتے ہیں اس سے اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں" (6)۔ قراء حضرات کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ تلاوت کے بعد تعوذ پڑھنی چاہئے۔ انہوں نے ایک تو اس آیت کریمہ کے ظاہری سیاق وسباق سے استدلال کیا ہے دوسرے ان کے

خیال میں اس سے عبادت کے بعد انسان غرور اور گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہوگا۔ یہ حضرت حمزہ کا مذہب ہے جسے ابن قلوقا اور ابو حاتم السجستانی نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ ابو القاسم یوسف بن علی الہزلی المغربی نے اپنی کتاب ''العبادۃ الکامل میں بیان کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے لیکن یہ غریب ہے۔ محمد بن عمر رازی نے اسے اپنی تفسیر میں ابن سیرین سے بیان کیا ہے کہ ابراہیم نخعی، داؤد بن علی اصفہانی ظاہری کا مذہب بھی یہی ہے۔ قرطبی نے ابوبکر ابن عربی کے حوالہ سے امام مالک کا مذہب یہ بیان کیا ہے کہ قاری کو سورہ فاتحہ کے بعد تعوذ (اعوذ باللہ) پڑھنا چاہیے۔ لیکن ابن عربی اسے غریب کہتے ہیں (1)۔

ایک تیسرا قول یہ ہے کہ تلاوت کے اول آخر دونوں مرتبہ تعوذ پڑھنا چاہیے تاکہ دونوں دلیلوں پر عمل ہو جائے۔ رازی نے یہی نقل کیا ہے۔ جمہور علماء کرام کا مذہب یہ ہے کہ استعاذہ (تعوذ) تلاوت کے شروع میں پڑھنا چاہیے تاکہ شیطان کے وساوس دور ہو جائیں۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ: فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (النحل:98) کا معنی وہ یوں کرتے ہیں (اَیْ، اِذَا اَرَدْتَ) یعنی جب تم تلاوت کا ارادہ کرو۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ: اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ (المائدہ:6) '' ترجمہ: جب تم اٹھو نماز ادا کرنے کیلئے تو (پہلے) دھولو اپنے چہرے اور اپنے بازو''۔ میں ارادہ مراد لیا گیا ہے (اِذَا قُمْتُمْ اَیْ اِذَا اَرَدْتُمُ الْقِيَامَ) اس مفہوم کی تائید متعدد احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند کے حوالہ سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوتے۔ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے۔ پھر ثناء (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ، وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ) پڑھتے پھر تین مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے پھر فرماتے: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ'' (2)۔

اصحاب سنن اربعہ نے یہی حدیث جعفر بن سلیمان عن علی بن علی الرفاعی سے روایت کی ہے۔ ترمذی کا قول ہے اس باب میں سب سے مشہور یہی ہے۔ ''ہمز'' کا معنی گلا گھونٹنا، نفخ کے معنی تکبر اور نفث سے مراد شعر گوئی ہے۔ جیسے ابو داؤد اور ابن ماجہ نے جبیر المطعم سے روایت کیا ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں داخل ہوتے ہی اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا (تین مرتبہ) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا (تین مرتبہ) سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (تین مرتبہ) اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ (ایک مرتبہ) پڑھا۔ عمر کا قول ہے ہمزہ: گلا گھونٹنا، نفخہ: تکبر اور نفثہ شعر ہیں (3)۔ ابن ماجہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مختصراً بھی نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے ہمزہ: الموتۃ (گلا گھونٹنا)، ونفخہ: الکبر (غرور) ونفثہ: الشعر (شعر گوئی) (4)۔ امام احمد نے حضرت ابو امامہ باہلی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو تین مرتبہ تکبیر کہتے، پھر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (تین مرتبہ) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ (تین مرتبہ) پھر فرماتے ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ'' حافظ ابو یعلی احمد بن علی موصلی اپنی مسند میں لکھتے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو آدمی حضور سرور دو جہاں رسول اللہ ﷺ کے سامنے لڑنے جھگڑنے لگے۔ غصہ سے ایک آدمی کے نتھنے پھول گئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک چیز جانتا ہوں اگر یہ کہہ لے تو اس کا غصہ ابھی فرو ہو جائے۔ (وہ یہ کلمات ہیں) ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ'' اسی طرح نسائی نے بھی اپنی کتاب ''الیوم واللیلۃ'' میں روایت کیا ہے۔ مسند

1۔ تفسیر القرطبی: 77/1
2۔ مسند امام احمد: 253/5
3۔ مسند امام احمد: 50/3
4۔ مسند امام احمد: 253/5

احمد، ابوداؤد، ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے۔ نسائی نے الیوم واللیلۃ میں حضرت ثوری اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلی کے حوالے سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے دو آدمی گالی گلوچ پر اتر آئے۔ ایک آدمی شدید غصے سے کانپنے لگا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں ایک کلمہ جانتا ہوں اگر یہ شخص وہ کلمہ کہہ لے تو اس کا غصہ سرد پڑ جائے۔ حضرت معاذ نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ کلمہ کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے کہنا چاہیے (اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ) حضرت معاذ نے اس شخص کو یہ پڑھنے کا حکم دیا لیکن اس نے نہ پڑھا اور اس کا غصہ بڑھتا ہی گیا (1)۔ یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ ترمذی کا قول ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ اس لئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کررہے ہیں) کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنا ہی ثابت نہیں۔ بلکہ وہ بیس برس پہلے وفات پاچکے تھے۔ میرے خیال میں یہ ہوسکتا ہے کہ شاید حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کردیا ہو کیونکہ اس واقعہ کے وقت متعدد صحابہ موجود تھے۔ (رضی اللہ عنہم)۔ صحیح بخاری میں حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دو آدمی ایک دوسرے سے لڑ پڑے ایک آدمی کا چہرہ غصے سے سرخ تھا اور وہ اپنے ساتھی کو برا بھلا کہہ رہا تھا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک کلمہ جانتا ہوں اگر یہ کہہ لے تو اس کا غصہ ختم ہوجائے۔ اگر یہ کہہ دے ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ'' لوگوں نے اس آدمی سے کہا کیا تم سن نہیں رہے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کیا فرمارہے ہیں وہ آدمی کہنے لگا میں پاگل نہیں ہوں (2)۔ یہی روایت صحیح مسلم، سنن ابوداؤد اور نسائی میں مختلف سندوں اور الفاظ سے مروی ہے۔ استعاذہ (تعوذ) کے بارے میں دیگر متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان سب کا ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ ان کے بیان کیلئے اذکار (وظائف) اور فضائل اعمال کی کتابیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام جب سب سے پہلے وحی لے کر آئے تو رسول اکرم ﷺ کو تعوذ پڑھنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ حضرت ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پہلے پہل جب حضرت جبریل علیہ السلام حضرت محمد ﷺ پر وحی لے کر آئے تو فرمایا: اے محمد! (ﷺ) اعوذ باللہ پڑھئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اَسْتَعِیْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ'' پھر حضرت جبریل نے کہا کہیے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ پھر حضرت جبریل نے کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا فرمایا۔) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ سب سے پہلی آیت ہے حضرت جبریل علیہ السلام کی معرفت سب سے پہلے آپ ﷺ پر نازل ہوئی۔ یہ اثر غریب ہے اس کی سند میں ضعف اور انقطاع ہے ہم نے اسے صرف اس لیے بیان کیا تاکہ معلوم رہے۔ واللہ اعلم۔ **(مسئلہ)** جمہور علماء کا یہ قول ہے کہ تعوذ پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں کہ اس کا تارک گناہ گار شمار ہو۔ رازی نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے نقل کیا ہے کہ جب بھی تلاوت کا ارادہ کرے اس کا پڑھنا واجب ہے (خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں) حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس نے زندگی میں ایک دفعہ تعوذ پڑھ لیا واجب ادا ہوگیا۔ رازی نے حضرت عطا کے قول کی تائید میں یہ دلائل ذکر کیے ہیں کہ آیت کریمہ میں ''فَاسْتَعِذْ'' یہ امر کا صیغہ ہے۔ اور (اصولی قاعدہ ہے کہ) امر (جب قرائن سے خالی ہو تو) وجوب کیلئے آتا ہے اسی طرح آقائے دو جہاں ﷺ کا اس پر ہمیشگی اختیار کرنا بھی وجوب کی علامت ہے۔ نیز اس سے شیطان دور ہوتا ہے اور شیطان کا دور کرنا واجب ہے اور جس چیز سے واجب کی تکمیل ہوتی ہے وہ بھی واجب ہے۔ علاوہ بریں تعوذ پڑھنے میں زیادہ احتیاط ہے اور یہ بھی وجوب کا ایک طریقہ ہے۔ بعض علماء کے نزدیک تعوذ پڑھنے کے وجوب کا حکم صرف حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہے آپ ﷺ کی امت پر واجب نہیں۔ حضرت امام

1۔ مسند امام احمد: 240/5 2۔ بخاری: 34/8

مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ذکر کی جاتی ہے کہ فرض نمازوں میں اعوذ باللہ نہ پڑھے۔ اور رمضان شریف کی پہلی رات کے قیام میں اعوذ باللہ پڑھ لے۔ **(مسئلہ)** حضرت امام شافعی الاملاء میں لکھتے ہیں کہ تعوذ زور سے پڑھے اور اگر آہستہ پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اور اپنی کتاب ''الام'' میں لکھتے ہیں کہ دونوں طرح پڑھنے میں اختیار ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے آہستہ پڑھنا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بآواز بلند پڑھنا ثابت ہے۔ پہلی رکعت کے سوا دیگر رکعتوں میں تعوذ پڑھنے کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ (استحباب وعدم استحباب) لیکن عدم استحباب (مستحب نہ ہونا) کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم۔ جب اعوذ باللہ پڑھنے والا یہ کہہ دے (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ) تو شافعی اور ابوحنیفہ کے نزدیک یہی کافی ہے۔ بعض نے اس پر یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ''۔ بعض علماء کی رائے میں یوں کہے گا۔ ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ'' یہ رائے ثوری اور اوزاعی کی ہے۔ بعض نے آیت کریمہ سے مطابقت اور حدیث ضحاک بن قیس کی وجہ سے جس کے راوی ابن عباس ہیں (حدیث اوپر گذر چکی ہے) کہا ہے کہ وہ یوں کہے ''اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ''۔ لیکن صحیح احادیث ہی قابل اتباع ہیں۔ واللہ اعلم۔ (مسئلہ) نماز میں تعوذ تلاوت کی خاطر پڑھا جاتا ہے یہ رائے حضرت امام ابوحنیفہ اور محمد کی ہے۔ حضرت امام ابو یوسف کا قول ہے کہ یہ نماز کیلئے ہے۔ اس لئے مقتدی بھی تعوذ پڑھے گا۔ اگرچہ قرأت نہیں کرے گا نیز نماز عید میں تکبیر تحریمہ کے بعد عیدین کی تکبیرات سے قبل تعوذ پڑھے گا۔ جمہور کی رائے میں تکبیرات کے بعد قرأت سے پہلے پڑھے گا۔ تعوذ کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ لغویات اور فحش باتوں سے منہ میں جو ناپاکی پیدا ہوتی ہے وہ اس سے دور ہو جاتی ہے۔ اور منہ کلام اللہ کی تلاوت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ اللہ سے مدد طلب کرنا اور اس کی قدرت کا اعتراف کرنا ہے۔ اس باطنی کھلے دشمن کے مقابلہ میں اپنی کمزوری اور عاجزی اظہار ہے۔ کیونکہ اسے صرف اللہ رب العزت ہی روک سکتا ہے جس نے اسے پیدا کیا۔ انسانی دشمن کے برعکس وہ حسن سلوک اور احسان سے بھی متاثر نہیں ہوتا۔ جیسے قرآن کریم کی ان تین آیات میں ہے جس کا ذکر گزر چکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا (بنی اسرائیل: 65) ترجمہ:۔ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا اور (اے محبوب!) کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کارسازی کیلئے۔ انسانی دشمنوں کا مقابلہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے نازل فرمائے۔ جو مسلمان ان ظاہری دشمنوں کا (کفار) کے ہاتھ سے مارا جائے وہ شہید ہے۔ لیکن جو اس باطنی دشمن کے ہاتھوں گھائل ہو جائے راندۂ درگاہ قرار پائے۔ جس پر ظاہری دشمن غالب آجائیں وہ عنداللہ ماجور ہے۔ لیکن جس پر خفیہ دشمن غالب آجائے وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ چونکہ شیطان انسان کو اس طرح دیکھتا ہے کہ وہ اس کو نہیں دیکھ سکتا انسان اس ذات کی پناہ مانگتا ہے جو شیطان کو دیکھ رہی ہے لیکن شیطان اسے نہیں دیکھ سکتا۔

(فصل) تعوذ سے مراد اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا اور ہر صاحب شر کے شر سے بچنے کیلئے اس کے دامن کرم سے وابستہ ہونا ہے ''عیاذۃ'' کا معنی برائی کو دور کرنا اور ''لیاذ'' کا معنی بھلائی مانگنا ہے۔ جیسے متنبی کا ایک شعر ہے

يَامَنْ اَلُوْذُ بِهٖ فِيْمَا اُؤَمِّلُهٗ   وَمَنْ اَعُوْذُ بِهٖ مِمَّنْ اُحَاذِرُهٗ
لَا يَجْبُرُ النَّاسُ عَظْمًا اَنْتَ كَاسِرُهٗ   وَلَا يَهِيْضُوْنَ عَظْمًا اَنْتَ جَابِرُهٗ

ترجمہ:۔ اے وہ ذات پاک جو میری تمام امیدوں کی پناہ گاہ ہے (اے وہ پروردگار) جس کی میں پناہ طلب کرتا ہوں ہو اس چیز پر جس سے میں بچنا چاہتا ہوں۔ لوگ (سب مل کر بھی) وہ ہڈی جوڑ نہیں سکتے جسے تو توڑ دے۔ اور جسے تو جوڑ دے اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔

(اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ) کا معنی یہ ہے کہ میں شیطان مردود سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی جناب میں پناہ کی درخواست

کرتا ہوں تا کہ وہ مجھے دین و دنیا میں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ یا مجھے کسی ایسے فعل سے نہ روک دے جسے بجالانے کا مجھے حکم دیا گیا۔ یا کسی ایسے فعل پر مجھے برانگیختہ نہ کرے جس سے مجھے رکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ انسان کو شیطان سے بچانے والا اللہ کے ماسوا اور کوئی نہیں۔ اسی لئے اس ربّ العالمین نے انسانی شیطانوں سے محفوظ رہنے کے لئے ان کی خاطر مدارات اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا۔ تا کہ وہ نقصان پہنچانے سے باز رہے۔ اور جنات میں سے شیطانوں سے بچنے کی خاطر اپنی پناہ لینے کا حکم دیا کیونکہ اسے نہ تو رشوت دی جا سکتی ہے اور نہ کوئی نیکی اس میں اثر کر سکتی ہے۔ کیونکہ شریر الطبع ہے۔ اس کو تم سے روکنے والا تو صرف وہ خالق وحدہ لاشریک ہی ہے۔ یہی مضمون تین پہلی آیات میں گذر چکا ہے۔ میرے علم کے مطابق کسی اور آیت میں یہ بات مذکور نہیں ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الاعراف:199) اس کا تعلق انسانوں کے روپ میں دشمنوں کے ساتھ ہے۔ پھر فرمایا: وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (اعراف:200) اور سورۃ المومنون میں فرمایا: اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ...... رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ (مومنون:98-96) اور سورۂ حٰمٓ السجدہ میں فرمایا: وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ...... اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (حٰم سجدہ:36-34) (نوٹ: ان تینوں آیات کا ترجمہ ابھی گذر چکا ہے۔ مترجم)

لفظ شیطان لغت عرب میں شَطَنَ اِذَا بَعُدَ سے مشتق ہے اس کے معنی دور ہونا ہیں چونکہ یہ لعین بھی انسانی طبیعت سے دور اور اپنے فسق کے سبب ہر بھلائی سے بعید ہے۔ اس لئے اسے شیطان کہا گیا۔ بعض علماء کی رائے میں یہ شاط سے مشتق ہے کیونکہ وہ ناری مخلوق ہے۔ بعض علماء کی رائے میں مفہوم کے اعتبار سے تو دونوں معانی درست ہیں لیکن پہلا اصح (زیادہ صحیح) ہے۔ اہل عرب کے کلام میں اس کی تائید ملتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت اقتدار کا ذکر کرتے ہوئے امیہ بن ابی الصلت کہتا ہے ؎

اَيُّمَا شَاطِنٍ عَصَاهُ عَكَاهُ　　ثُمَّ يُلْقىٰ فِي السِّجْنِ وَالْاَغْلَالِ

(ترجمہ: جو (خبیث) جن بھی آپ کی نافرمانی کرتا اسے کوڑوں کی سزا دیتے اور قید و بند میں ڈال دیتے۔) یہاں اس نے اَيُّمَا شَاطِنٍ کہا ہے اَيُّمَا شَائِطٍ نہیں کہا۔ نابغہ ذبیانی (زیاد بن عمرو بن معاویۃ بن جابر بن ضباب بن یربوع بن مرۃ بن سعد بن ذبیان اس کا نام ہے) کہتا ہے ؎

نَاَتْ بِسُعَادٍ عَنْكَ نَوًى شُطُوْنٌ　　فَبَانَتْ وَالْفُؤَادُ بِهَا رَهِيْنٌ

ان دونوں اشعار میں یہ لفظ شطن سے مشتق ہے اور دور ہونے کے معنی میں مستعمل ہے سیبویہ کا قول ہے اہل عرب کہتے ہیں "تَشَيْطَنَ فُلَانٌ اِذَا فَعَلَ فِعْلَ الشَّيَاطِيْنِ" یعنی جب کوئی شیطانی کام کرے تو یہ کہتے ہیں۔ اگر یہ شاط سے مشتق ہوتا تو تَشَيَّطَ فلان کہتے پس ثابت ہوا کہ شیطان شطن سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی بعد اور دوری کے ہیں۔ اسی لئے حیوانات اور جن و انس میں سے جو سرکشی کرے اسے شیطان کہہ دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (انعام:111) (اور اسی طرح بنادیئے ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن (یعنی) سرکش انسان اور جن جو چپکے چپکے سکھاتے تھے ایک دوسرے کو خوشنما باتیں (لوگوں کو) دھوکا دینے کیلئے) مسند امام احمد میں حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے ابوذر شیاطین جن و انس سے پناہ طلب کر (فرماتے ہیں) میں نے عرض کی کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں" (1)۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عورت، گدھا اور کالا کتا نماز کو

1۔ المسند: 178/5

توڑ دیتے ہیں۔ میں نے عرض کی حضور سرخ اور زرد میں کالے کی تشخیص کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سیاہ کتا شیطان ہے(1)۔ ابن وہب کا قول ہے کہ حضرت عمر ایک مرتبہ ترکی گھوڑے پر سوار ہوئے وہ اترا کر چلنے لگا۔ آپؓ اسے مارنے لگے لیکن اس کی فخریہ چال میں اضافہ ہو گیا تو آپؓ نیچے اتر آئے اور فرمایا تم نے تو مجھے شیطان پر سوار کر دیا تھا میرے دل نے تکبر محسوس کیا تو میں اتر آیا۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ رجیم یہ فعیل کے وزن پر مفعول کا صیغہ ہے۔ یعنی وہ محروم ہے ہر بھلائی سے دھتکارا ہوا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُومًا لِّلشَّيٰطِينِ (الملک:5) ''ترجمہ: اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے اور بنا دیا ہے انہیں شیاطین کو مارنے بھگانے کا ذریعہ''۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلٰى وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (صافات:6-10) ''بلاشبہ ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا کو ستاروں کے سنگھار سے۔ اور (اسے) محفوظ کر دیا ہے ہر سرکش شیطان (کی رسائی) سے۔ نہیں سن سکتے کان لگا کر عالم بالا کی باتوں کو اور پتھراؤ کیا جاتا ہے ان پر ہر طرف سے ان کو بھگانے کے لئے اور ان کیلئے دائمی عذاب ہے۔ مگر جو شیطان کچھ جھپٹ لینا چاہتا ہے تو تعاقب کرتا ہے اس کا تیز شعلہ''۔ ایک اور آیت میں فرمایا: وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِينَ ۝ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيمٍ ۝ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ (الحجر:18-16) ''اور بے شک ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان کو دیکھنے والوں کیلئے۔ اور ہم نے محفوظ کر دیا ہے آسمان کو ہر شیطان سے جو راندہ ہوا ہے۔ بجز اس کے جو چوری چھپے سن لے تو (اس صورت میں) تعاقب کرتا ہے اس کا ایک روشن شعلہ''۔ وغیرہ دیگر آیات میں ہے۔ بعض کے نزدیک رجیم بمعنی راجم ہے (رجم کرنے والا) کیونکہ وہ لوگوں کو وسواس اور دھوکے میں مبتلا کرتا ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ مشہور اور اصح ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ کی تفسیر اور احکام

(بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ)

(اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے)

صحابہ کرام نے کتاب اللہ کو اسی کے ساتھ شروع کیا۔ علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سورۂ نمل کی ایک آیت کا جز ہے۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ ہر سورت کے شروع میں ایک مستقل آیت ہے یا ہر سورت کی آیت ہے اس کے شروع میں لکھی ہوئی ہے یا ہر سورت کی بعض آیت ہے یا یہ صرف سورۂ فاتحہ کی ہی آیت ہے اور دوسری سورتوں کی نہیں۔ یا یہ فواصل کیلئے یعنی سورتوں کو ایک دوسری سے جدا کرنے کیلئے لکھی جاتی ہے نہ کہ آیت کے طور پر۔ علماء سلف وخلف کے اس بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ کسی اور مقام پر اس کی تفصیل بھی موجود ہے۔ سنن ابوداؤد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سورتوں کا باہمی فاصلہ معلوم نہیں ہوتا تھا حتی کہ آپ ﷺ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (تسمیہ) نازل ہوئی(2)۔ حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے بھی اپنی متدرک میں اسی طرح لکھا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر سے ایک مرسل حدیث بھی ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تسمیہ (بسم اللہ) کو نماز کے دوران سورۂ فتح سے پہلے پڑھا اور اسے ایک آیت شمار کیا۔ لیکن اس کے ایک راوی عمر بن ہارون بلخی ہیں یہ ضعیف

1۔ مسلم: کتاب الصلوٰۃ، باب ما ستر المصلی: 365

2۔ ابوداؤد: استفتاح الصلوٰۃ: باب 10

ہیں دار قطنی نے اس کی متابع ذکر کی ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ ہیں۔ اسی کی مثل حضرت علی، ابن عباس وغیرہم سے بھی مروی ہے۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ یہ سورۂ توبہ کے سوا ہر سورت کی آیت ہے۔ ان میں حضرات ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، ابو ہریرہ، علی رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین میں سے حضرات عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر، حضرت مکحول، اور زہری شامل ہیں۔ یہی قول عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد بن حنبل (ایک روایت کے مطابق)، اسحٰق بن راھویہ، ابوعبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ مالک، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کی رائے میں نہ تو یہ سورۂ فاتحہ کی آیت ہے اور نہ کسی دوسری سورت کی۔ امام شافعی سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ سورت فاتحہ کی تو آیت ہے لیکن اور کسی سورت کا جز نہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ سورت کی پہلی آیت کا جز ہے۔ لیکن یہ دونوں قول غریب ہیں۔ داؤد ظاہری کا قول ہے کہ یہ ہر سورت کی ابتدا میں ایک مستقل آیت ہے۔ لیکن سورت میں شامل نہیں۔ امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ ابوبکر رازی نے ابوبکر کرخی کا مذہب بھی یہی بیان کیا ہے۔ یہ دونوں احناف کے اکابر مشائخ میں سے ہیں۔ یہاں تک تو تھی بحث بسم اللہ الخ کے سورۂ فاتحہ کا جزء ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں۔ اب نماز میں اسے بلند آواز سے پڑھنا چاہیے یا نہیں اس اختلاف کی بنیاد بھی سابقہ اختلاف پر ہے۔ جو علماء اسے سورۂ فاتحہ کی آیت نہیں کہتے وہ تو اسے بلند آواز پڑھنے کے قائل نہیں ہیں۔ یہی رائے ان علماء کی ہے جو اسے سورۂ فاتحہ سے الگ ایک آیت مانتے ہیں۔ جن فقہاء کی رائے ہے کہ یہ سورتوں کے اوائل کا جزو ہے ان میں باہمی اختلاف ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے ہے کہ اسے سورۂ فاتحہ اور ساتھ ملائی جانے والی سورت سے قبل باآواز بلند پڑھنا چاہیے۔ صحابہ، تابعین اور ائمہ مسلمین میں سے بعض اسلاف اور متاخرین میں سے بعض گروہوں کی یہی رائے ہے۔ صحابہ میں سے ابو ہریرہ، ابن عمر، ابن عباس اور معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین اسے بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ ابن عبدالبر اور بیہقی نے حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہم سے بھی یہی روایت کیا ہے۔ خطیب نے خلفاء اربعہ (ابوبکر وعمر وعثمان وعلی) رضوان اللہ علیہم کے بارے میں بھی یہی نقل کیا ہے لیکن یہ غریب ہے۔ اور تابعین میں سے سعید بن جبیر، عکرمہ، ابوقلابہ، زہری، علی بن حسن ان کے صاحب زادے محمد، سعید بن مسیّب، عطاء، طاؤس، مجاہد، سالم، محمد بن کعب قرظی، عبید، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، ابووائل، ابن سیرین، محمد بن المنکدر، علی بن عبداللہ بن عباس ان کے لخت جگر محمد، نافع مولی ابن عمر، زید بن اسلم، عمر بن عبدالعزیز، ازرق بن قیس، حبیب بن ابی ثابت، ابوشعثاء، مکحول، عبداللہ بن مغفل بن مقرن (بروایت بیہقی) عبداللہ بن صفوان، محمد بن حنفیہ، (بروایت ابن عبدالبر) عمرو بن دینار شامل ہیں۔ ان سب کی دلیل یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ چونکہ باآواز بلند پڑھی جاتی ہے لہٰذا تسمیہ جو کہ اس کا جز ہے وہ بھی باآواز بلند پڑھی جائے گی۔ نسائی نے سنن میں، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے نماز کے دوران قرأت کرتے ہوئے باآواز بلند تسمیہ پڑھی اور فارغ ہونے کے بعد فرمایا میری نماز تمہاری نسبت رسول ﷺ کی نماز کے زیادہ مشابہ ہے۔ دار قطنی، خطیب، بیہقی وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز کو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے شروع فرماتے تھے ترمذی کا قول ہے کہ اس کی سند اتنی ارفع نہیں ہے۔ مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ باآواز بلند تسمیہ پڑھا کرتے تھے (1)۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی قرأت کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ ہر لفظ کو دراز کر کے پڑھتے تھے۔ پھر انہوں نے تسمیہ پڑھ کر سنائی بسم اللہ کو کھینچ کر پڑھا۔ پھر الرحمٰن کو لمبا کیا پھر الرحیم کو دراز کیا (2)۔

1۔ دار قطنی: 302/1 2۔ فتح الباری: 91/9

مسند امام احمد، سنن ابوداؤد، صحیح ابن خزیمہ، متدرک حاکم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرأت کے دوران ہر ہر آیت پر رکتے تھے: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (1)۔ دار قطنی کا قول ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔ حضرت امام ابو عبداللہ شافعی نے اور حاکم نے اپنی متدرک میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں نماز پڑھائی اور بسم اللہ الخ چھوڑ دی۔ مہاجرین صحابہ جو اس وقت موجود تھے انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا۔ چنانچہ جب وہ پھر نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو انہوں نے بسم اللہ الخ پڑھی۔ اس قدر احادیث اور آثار جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اس مذہب کی دلیل کیلئے کافی ہیں۔ باقی رہے اس پر اعتراضات، غریب روایات، ان کی اسناد، ان کا مناقشہ (ان کو صحیح یا ضعیف قرار دینا) وغیرہ مباحث کے ذکر کرنے کی یہ جگہ نہیں۔ بعض دوسرے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ نماز میں تسمیہ کو بآواز بلند نہیں پڑھا جائے گا۔ خلفاء اربعہ، عبداللہ بن مغفل، سلف صالحین میں سے بعض تابعین اور چند متاخرین سے یہی ثابت ہے۔ ابو حنیفہ، ثوری، اور احمد بن حنبل کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ بسم اللہ الخ سرے سے پڑھی ہی نہیں جائے گی (نہ ہی سراً نہ ہی جہراً)۔ ان کی ایک دلیل صحیح مسلم میں مذکور حضرت سیدہ عائشہ والی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو تکبیر تحریمہ سے اور قرأت کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے شروع فرماتے تھے (2)۔ ان کی دوسری دلیل صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ والی روایت ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔ وہ سب قرأت کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے شروع فرمایا کرتے تھے۔ مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ وہ قرأت کی ابتدا میں اور آخر میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ سنن میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ یہ ہیں ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اس مسئلہ کے بارے میں دلائل۔ یہ سب قریب قریب ہیں کوئی بڑا اختلاف نہیں کیونکہ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ آہستہ پڑھیں یا بآواز بلند نماز صحیح ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

فصل بِسْمِ اللّٰهِ کے فضائل

امام وقت، پیشوائے زمانہ ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے بسم اللہ کی نسبت سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے نام (اللہ) اور اس کے مابین اسی قدر قرب ہے جیسے آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں۔'' ابو بکر بن مردویہ نے حضرت زید بن مبارک سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ حافظ ابن مردویہ نے ہی دو سندوں سے حضرت ابو سعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب ان کی والدہ نے استاد کے پاس بٹھایا۔ تو استاد نے کہا لکھئے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا لکھوں استاد نے کہا بسم اللہ۔ حضرت عیسیٰ نے استفسار کیا۔ بسم اللہ کیا ہے۔ استاد نے کہا مجھے علم نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ باء سے مراد ''بِهَاءُ اللّٰهِ'' ہے یعنی (اللہ کا انس و قرب) اسین سے مراد سَنَاءُهٗ (بلندی، روشنی) میم سے مراد اس کی مملکت ہے۔ اور اللہ سے مراد سب معبودوں کا معبود الرحمٰن سے مراد رَحْمٰنُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (دنیا و آخرت میں رحم کرنے والا)، رحیم سے مراد

1۔ مسند امام احمد: 302/6　2۔ صحیح بخاری: کتاب الاذان: 189/1

آخرت میں رحم کرنے والا ہے۔" اس روایت کو ابن جریر نے اسی روایت کو ابن مسعود اور ابو سعید سے اسی طرح ذکر کیا ہے لیکن یہ بہت ہی غریب ہے ممکن ہے یہ کسی صحابی وغیرہ سے مروی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ روایت اسرائیلیات سے ہو مرفوع حدیث نہ ہو۔ واللہ اعلم۔ جو بیر نے حضرت ضحاک سے اس طرح روایت کیا ہے ابن مردویہ نے سلیمان بن بریدہ سے دو مختلف سندوں سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مجھ پر ایک ایسی آیت اتری ہے جو میرے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سوا کسی پر نازل نہیں ہوئی یہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہے" (1)۔ ابن مردویہ نے ہی اپنی سند کے ساتھ اس روایت کو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت اتری بادل مشرق کی طرف چھٹ گئے۔ ہوائیں رک گئیں۔ سمندر جوش میں آ گیا جانوروں نے کان لگا لیے۔ آسمان سے شیاطین پر سنگباری کی گئی۔ اللہ رب العزت نے اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا نام لیا جائے گا اس میں برکت ہوگی۔ حضرت وکیع حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کی یہ آرزو ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کے انیس فرشتوں سے نجات دے وہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھے۔ ہر حرف کے بدلے اللہ تعالیٰ اسے ڈھال عطا فرما دے گا۔ ابن عطیہ اور قرطبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ ابن عطیہ نے اس کی تائید میں ایک حدیث بھی ذکر کی ہے۔ جس میں ہے کہ میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ایک آدمی کی طرف جلدی بڑھ رہے تھے جس نے کہا تھا "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ" اس میں بھی تیس سے اوپر حروف ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت عاصم سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابو تمیمہ رضی اللہ عنہ (جو کہ حضور ﷺ کی سواری پر سوار تھے) سے سنا کہ "حضور ﷺ کی سواری پھسلی تو میں نے کہا شیطان کا ناس ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کہو۔ اگر تم یہ کہو گے شیطان کا ستیاناس ہو تو وہ (خوشی سے) پھولتا ہے اور کہتا ہے میں نے اپنی قوت سے اسے گرایا ہے۔ اگر تم بسم اللہ کہو تو مکھی کی طرح ذلیل وخوار ہو جاتا ہے" (2)۔ حضرت امام احمد کی روایت میں اسی طرح ہے۔ نسائی نے اپنی کتاب "الیوم واللیلة" میں، ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اس روایت کو نقل کیا ہے اور ابو تمیمہ کا نام اسامہ بن عمیر بتایا ہے۔ صرف اس کے الفاظ میں کچھ تبدیلی ہے" فرمایا ایسے نہ کہہ۔ وہ یہ سن کر پھولتا ہے اور کمرے کی طرح ہو جاتا ہے۔ لیکن بسم اللہ کہہ تو وہ مکھی کی طرح ذلیل وخوار ہو جاتا ہے (3)۔ یہ بسم اللہ کی برکت ہے۔ لہٰذا ہر کام اور بات کے شروع میں بسم اللہ کہنا چاہئے۔ خطبہ کے شروع میں بھی بسم اللہ کہنا مستحب ہے۔ کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ جس کام کو بسم اللہ سے نہ شروع کیا جائے وہ کٹا ہوا (بے برکت) ہوتا ہے (4)۔ بیت الخلاء میں داخلے سے قبل بھی بسم اللہ پڑھ لینا چاہئے۔ حدیث شریف میں اس کا بھی ذکر آیا ہے۔ وضو کی ابتدا میں بھی تسمیہ مستحب ہے جیسا کہ مسند امام احمد اور سنن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سعید بن زید اور ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو شخص وضو میں اللہ کا نام نہ لے اس کا وضو نہیں ہوتا۔ یہ حدیث حسن ہے (5)۔ بعض فقہاء کے نزدیک تو بوقت وضو بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔ بعض مطلقاً وجوب کے قائل ہیں۔ امام شافعی اور ایک جماعت کی رائے میں ذبیحہ پر وقت ذبح بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔ بعض نے یاد آ جانے کے وقت اور بعض نے مطلقاً واجب قرار دیا ہے۔ اس کا تفصیلی بیان اپنی جگہ آئے گا۔ رازی نے اپنی تفسیر میں بسم اللہ کے فضائل میں چند احادیث ذکر کی ہیں ان میں سے ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تو اپنی بیوی کے پاس جائے تو بسم اللہ کہہ۔ اگر اس سے اللہ تمہیں فرزند عطا فرمائے تو اس کے اور اس کی ذریت کے سانسوں کے برابر تمہیں نیکیاں عطا کی جائیں گی۔" اس

1۔ تاریخ بغداد: 319/3 | 2۔ مسند امام احمد: 59/5 | 3۔ مسند امام احمد: 59/5
4۔ مسند امام احمد: 359/2 | 5۔ مسند امام احمد: 418/2

روایت کی کوئی اصل نہیں۔ میں نے تو اسے کتب معتبرہ یا غیر معتبرہ میں کہیں نہیں دیکھا۔ اسی طرح کھانا کھاتے وقت بھی تسمیہ کہنا مستحب ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پروردہ حضرت عمر بن ابوسلمہ سے فرمایا ''بسم اللہ کہہ اور اپنے دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھا'' (1)۔ بعض علماء نے اس حالت میں بسم اللہ کہنا بھی واجب قرار دیا ہے۔ اسی طرح میاں بیوی کے ازدواجی خفیہ تعلقات کے وقت بھی بسم اللہ مستحب ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنی زوجہ کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو کہے ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا'' (2)۔ (اللہ کے نام سے۔ بارالہا ہمیں شیطان سے بچا اور جو کچھ (اولاد) ہمیں تو عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچا)۔ اگر اس مباشرت سے حمل ٹھہر گیا اور بچہ پیدا ہوا تو اس بچے کو شیطان کبھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ یہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ بسم اللہ کی ''باء'' کو کس کے متعلق کریں گے کیا وہ اسم ہے یا فعل؟ نحویوں کا اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ ہر ایک کی دلیل قرآن کریم میں موجود ہے۔ جن علماء کے نزدیک یہاں اسم مقدر مانا جائے گا۔ تو عبارت یوں بنے گی ''بسم اللہ ابتدائی'' یعنی اللہ کے نام سے میری ابتداء ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ہود: 41) '' اور نوح نے کہا سوار ہو جاؤ اس (کشتی) میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہی اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا ہے''۔ بعض نے فعل محذوف مانا ہے خواہ امر ہو یا خبر (ماضی ومضارع) جیسے ''اَبْدَأُ بِسْمِ اللّٰهِ اَوْ اِبْتَدَأْتُ بِسْمِ اللّٰهِ'' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ دراصل دونوں صحیح ہیں۔ اس لئے کہ فعل کے لئے بھی مصدر لازمی ہوتا ہے۔ تو جو کام شروع کیا جا رہا ہے اس کے مطابق فعل محذوف نکالا جا سکتا ہے۔ جیسے کھڑا ہونا، بیٹھنا، کھانا، پینا، پڑھنا، وضو کرنا یا نماز پڑھنا۔ یمن و برکت، اس کام کو بخیر و خوبی انجام دینے اور قبولیت کے لئے ان سب کے شروع میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا مشروع ہے واللہ اعلم۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پہلی مرتبہ جبریل علیہ السلام جب حضور ﷺ پر نازل ہوئے تو فرمایا ''اے محمد! پڑھئے ''اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ''۔ پھر فرمایا پڑھئے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں گویا کہ اٹھتے، بیٹھتے، تلاوت کرتے وقت سب امور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے شروع فرمائیے۔ یہ الفاظ ابن جریر کے ہیں۔ رہا مسئلہ اسم کا کیا نام مسمی ہے یا کچھ اور۔ اس بارے میں لوگوں کے تین اقوال ہیں۔ (اسم ہی مسمّٰی ہے۔ یہ قول ابوعبیدہ، سیبویہ کا ہے۔ باقلانی، ابن فورک نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ رازی (محمد بن عمر) المعروف ابن خطیب الرازی اپنی تفسیر کی ابتدا میں لکھتے ہیں۔ '' حشویہ کرمیہ اور اشعریہ کا قول ہے کہ اسم نفس مسمی ہے اور نفس تسمیہ کا غیر ہے۔ معتزلہ کی رائے میں اسم مسمی کا غیر اور نفس تسمیہ ہے۔ ہماری پسندیدہ رائے کے مطابق اسم مسمی کا بھی غیر ہے اور تسمیہ کا بھی۔ پھر ہم کہتے ہیں اگر اسم سے مراد وہ لفظ ہے جو آواز کے ٹکڑوں اور حروف کا مجموعہ ہے۔ تو بالبداہت یہ ثابت ہوا کہ یہ مسمی کا غیر ہے اور اگر اسم سے مراد ذات مسمی ہے تو یہ واضح کی وضاحت کرنے کے مترادف ہے جو ایک بے کار بحث ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اس بحث میں الجھنا ہی فضول ہے۔ اس کے بعد اسم اور مسمی کے تضاد پر دلائل کو شروع کرتے ہیں کہ کبھی اسم موجود ہوتا ہے اور مسمی مفقود ہوتا ہے۔ جیسے معدوم کا لفظ۔ کبھی ایک چیز کے متعدد اسماء ہوتے ہیں۔ جیسے مترادفات۔ کبھی اسم ایک ہوتا ہے اور مسمی متعدد جیسے لفظ مشترک۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسم اور مسمی کے مابین فرق ہے۔ نیز اسم تو لفظ ہے اور یہ عرض ہے۔ اور مسمی کبھی ذات ہوتی ہے۔ (ممکن یا واجب)۔ اسی طرح لفظ آگ یا برف ہے۔ اگر اسم ہی مسمی ہوتا تو آگ کا لفظ

1۔ مسلم، کتاب الاشربہ، 1600　2۔ البخاری، کتاب بدء الخلق: 148/4

بولنے والا تپش محسوس کرتا اور برف کا لفظ بولنے والا ٹھنڈک محسوس کرتا۔علی ھذا القیاس۔لیکن کوئی عقل منداور ذی شعور آدمی ایسا نہیں کہتا۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (اعراف:180) (اور اللہ ہی کیلئے ہیں نام اچھے اچھے سو پکارو اسے انہیں ناموں سے) حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے"اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔"(ذرا خیال فرمائیے) یہ بہت سے اسماء ہیں حالانکہ مسمی ایک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک ہے۔اسی طرح آیت کریمہ (وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ) میں اسماء کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔جیسے ایک اور جگہ فرمایا: فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ (واقعہ۔74)" تو (اے حبیب!) تسبیح کیجئے اپنے رب عظیم کے نام کی"۔وغیرہ دیگر آیات۔یہ اضافت بھی مغایرت کا تقاضا کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (فَادْعُوْهُ بِهَا) اَیْ فَادْعُوْا اللّٰهَ بِاَسْمَآئِهٖ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء سے پکارو۔یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ اسم مسمی کا غیر ہے۔جن علماء کے نزدیک اسم عین مسمی ہے ان کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمٰن:78)" (اے حبیب!) بڑا بابرکت ہے آپ کے رب کا نام، بڑی عظمت والا، احسان فرمانے والا" حالانکہ خیرات وبرکات کا سرچشمہ تو خود اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس ذات مقدسہ کی عظمتوں کی بنا پر اس کا نام بھی بڑائیوں والا ہے۔اسی طرح جب کوئی شخص کہے کہ زینب یعنی اس کی بیوی کو طلاق ہے تو اسے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔اگر اسم مسمّی کا عین نہ ہوتا تو طلاق واقع نہ ہوتی اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس نام والی عورت کو طلاق ہے۔رازی کا قول ہے۔جہاں تک تسمیہ کا تعلق ہے۔یہ اسم (نام) اس ذات کے ساتھ مختص ہے۔ظاہر ہے یہ اور چیز ہے واللہ اعلم۔(اللہ) رب العزت جل مجدہ کا علم۔کہا جاتا ہے کہ اسم اعظم یہی ہے کیونکہ تمام صفاتی نام اس کے ساتھ ذکر کیے جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (حشر:24-22)" اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔جاننے والا ہر چھپی ہوئی اور ہر ظاہر چیز کا۔وہی بہت مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔سب کا بادشاہ، نہایت مقدس سلامت رکھنے والا، امان بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر ہے۔پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو لوگ کررہے ہیں۔وہی اللہ سب کا خالق، سب کو پیدا کرنیوالا (سب کی مناسب) صورت بنانے والا ہے۔سارے خوبصورت نام اسی کے ہیں۔اس کی تسبیح کررہے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔اور وہی عزت والا حکمت والا ہے"۔ان آیات میں باقی تمام اسماء بطور صفت لائے گئے ہیں۔جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (اعراف:180) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (بنی اسرائیل:110)" آپ فرمائیے یا اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔جس نام سے اسے پکارو اس کے سارے نام (ہی) اچھے ہیں"۔صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔"اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں ایک کم ایک سو۔جس نے انہیں یاد کرلیا۔وہ جنتی ہے۔ترمذی اور ابن ماجہ میں ان کی تفصیل بھی آئی ہے لیکن دونوں روایت میں الفاظ کی کمی یا زیادتی کا اختلاف ہے۔رازی نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے روایت کیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے پانچ ہزار اسماء ہیں۔ایک ہزار قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں۔ایک ہزار توراۃ میں، ایک ہزار انجیل میں، ایک ہزار زبور میں اور ایک ہزار لوح محفوظ میں ہیں۔یہ وہ جلیل القدر نام ہے جس کے ساتھ رب تعالیٰ کے سوا کسی اور کو موسوم نہیں کیا گیا۔اسی وجہ سے کلام عرب میں اس کا مادۂ اشتقاق معلوم نہیں۔نحویوں کی ایک جماعت کی رائے میں یہ اسم جامد غیر مشتق ہے۔قرطبی نے علماء کرام کی

ایک جماعت سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ان میں شافعی، خطابی، امام الحرمین اور غزالی وغیرہ ہیں۔خلیل اور سیبویہ سے مروی ہے کہ اس میں الف لام لازمی ہے۔خطابی نے ایک دلیل یہ بھی دی ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یا اللہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن یا الرحمٰن نہیں کہہ سکتے۔اگر لفظ اللہ میں الف لام اصل کلمہ نہ ہوتا تو حرف نداء کو الف لام پر داخل کرنا جائز نہ ہوتا۔ایک قول کے مطابق یہ اسم مشتق ہے(1)۔وہ بطور دلیل رؤبۃ بن عجاج کا یہ شعر ذکر کرتے ہیں۔

لِلّٰہ دَرُّ الغَانِیَاتِ المُدَّہِ سَبَّحْنَ وَاسْتَرْ جَعْنَ مِنْ تَاَلُّھِی

شاعر نے ''مصدر اَلتَّاَلُّہُ'' کا ذکر کیا ہے، اس کی گردان یوں چلتی ہے ''اَلِہَ یَاْلَہُ اِلَاھَۃً وَ تَاَلُّھًا''۔جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کریمہ کو یوں پڑھا: ''یَذَرَكَ وَاِلٰهَتَكَ'' (سورۃ اعراف: 127) (اور چھوڑے رہے موسیٰ تجھے اور تیرے خداؤں کو) اس سے مراد عبادت ہے۔یعنی وہ سب کا معبود ہے لیکن وہ کسی کی عبادت نہیں کرتا۔مجاہد وغیرہ نے کہا ہے کہ بعض علماء نے اس کے مشتق ہونے پر ان آیات سے دلیل پکڑی ہے۔وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ '' اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں'' (انعام: 3)۔ایک اور جگہ فرمایا: 'وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ' (زخرف: 84) (اور وہی ایک آسمان میں خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے)۔سیبویہ نے خلیل سے نقل کیا ہے کہ اصل میں ''اِلَاہٌ'' بروزن فعال ہے۔پھر ہمزہ کے بدلے میں الف لام ذکر کیا گیا۔سیبویہ کا قول ہے یہ اسی طرح ہے جیسے ناس کی اصل اناس ہے۔ایک قول کے مطابق یہ اصل میں ''لَاہٌ'' کہا برائے تعظیم اس پر الف لام کا اضافہ کر دیا گیا۔سیبویہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ایک شاعر کہتا ہے

لَاہِ اِبْنَ عَمِّكَ لَا اَفْضَلْتَ فِي حَسَبٍ عَنِّي وَلَا اَنْتَ دَيَّانِي فَتَخْزُوْنِي

قرطبی کا قول ہے فتخزونی ای فَتَسُوْسُنِیْ۔کسائی اور فرا کا قول ہے کہ اس کی اصل ''اَلْاِلٰہُ'' ہے ہمزہ کو حذف کر کے پہلے لام کو دوسرے میں ادغام کر دیا۔جیسے ایک دوسری آیت میں ہے (لٰكِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ) اَیْ لٰکِنْ اَنَا۔حسن نے اسی طرح پڑھا ہے۔قرطبی آگے لکھتے ہیں۔کہ ایک قول میں یہ ''وَلِہَ'' اذا تَحَیَّرَ (حیران ہونا) اور ''اَلْوَلَہُ'' (عقل کا چلے جانا۔کہا جاتا ہے رَجُلٌ وَالِہٌ وَامْرَاَۃٌ وَلْھٰی وَمَوْلُوْھَۃٌ۔یہ اس وقت کہتے ہیں جب اسے جنگل میں بھیج دیا جائے۔چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت پر عقل حیران و پریشان اور سراسیمہ ہو جاتی ہے۔اس لیے اسے یہ نام دیا گیا۔اس بنا پر یہ وَلَاہٌ سے مشتق ہوگا واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا۔جیسے وشاح کو اشاح اور وسادۃ کو اسادۃ بھی کہتے ہیں (2)۔رازی نے ایک قول یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ ''اَلِھْتُ اِلٰی فُلَانٍ اَیْ سَکَنْتُ اِلَیْہِ'' سے مشتق ہے۔(میں نے فلاں سے تسکین و راحت حاصل کی)۔چونکہ عقول اس کے ذکر سے راحت حاصل کرتی ہیں اور روح کی حقیقی خوشی بھی اسی کی معرفت میں ہے کیونکہ علی الاطلاق کامل وہی ذات والا صفات ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۞ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (سورۃ رعد: 28)'' دھیان سے سنو! اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔وہ لوگ جو ایمان بھی لائے'' (ضیاء القرآن)

ایک رائے کے مطابق یہ ''لَاہَ یَلُوْہُ'' اِذَا احْتَجَبَ (پوشیدہ ہونا) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ''اَلِہَ الْفَصِیْلُ اِذَا اُوْلِعَ بِاُمِّہٖ'' سے مشتق ہے (بچھڑے (یا ٹوڈے) کا اپنی ماں کی طرف مشتاق ہونا) مفہوم یہ ہے کہ بندے اس کے مشتاق ہیں ہر حال میں اسی کی طرف تضرع اور زاری سے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ایک رائے میں یہ اَلِہَ الرَّجُلُ یَاْلَہُ اِذَا فَزِعَ مِنْ اَمْرٍ نَزَلَ بِہٖ فَاَلَّھَہٗ اَیْ اَجَارَہٗ سے نکلا ہے۔یہ اس وقت کہتے ہیں جب آدمی اچانک کسی معاملے سے گھبرا اٹھے اور کوئی دوسرا اسے پناہ دے دے۔چونکہ تمام مخلوقات کو ہر قسم کے مصائب

1۔تفسیر الطبری: 54/1 2۔تفسیر القرطبی: 102

سے نجات دلانے والی ذات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہے اسلئے اسے یہ نام دیا گیا۔ جیسے قرآن کریم میں آتا ہے: وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ (مومنون:88) ''اور وہ پناہ دیتا ہے (جسے چاہے) اور پناہ نہیں دی جاسکتی اس کی مرضی کے خلاف'' منعم حقیقی بھی وہی ذات ہے۔ جیسے فرمایا: وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (النحل:53) ''اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ کی دی ہوئی ہیں''۔ وہی مطعم (کھلانے والا) ہے ارشاد ہوتا ہے: وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ (الانعام:14) ''اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور خود نہیں کھلایا جاتا'' وہی موجد حقیقی ہے ارشاد فرماتا ہے: قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (نساء:78) ''فرمادیجئے سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے''۔ رازی کا مختار مذہب یہی ہے کہ یہ اسم مشتق نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہی قول خلیل، سیبویہ، اکثر اصولیوں اور فقہاء کا ہے۔ پھر اس کی متعدد دلیلیں ذکر کی ہیں۔

(1) اگر یہ مشتق ہوتا تو اس کے معنی میں بہت سے افراد کی شرکت ہوتی۔ (2) پھر اس لفظ کو بطور موصوف لایا جاتا ہے اور اس کی بہت سی صفات ذکر کی جاتی ہیں۔ جیسے آپ کہیں اَللّٰهُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مشتق نہیں ہے۔ قرآن میں ایک جگہ جو الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ اللّٰهِ ''(یعنی) عزیز وحمید کے راستہ کی طرف۔ وہی اللہ'' (ابراہیم:2-1) آتا ہے وہاں یہ عطف بیان ہے۔ (3) اس کی ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ''ترجمہ: کیا تم جانتے ہو اس کا کوئی ہم مثل ہے'' (مریم: 65) لیکن ان ادلہ سے اسم جامد غیر مشتق ہونے پر استدلال قائم کرنا محل نظر ہے۔ واللہ اعلم بعض لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ اسم ''اللہ'' عبرانی لفظ ہے لیکن رازی نے اس قول کی تضعیف کی ہے اور فی الواقع اس قول کو ضعیف قرار دینا بھی چاہئے یہ قول ذکر کرنے کے بعد رازی لکھتے ہیں۔ ''مخلوق کی دو قسمیں ہیں (1) وہ جو معرفت کے بحر ناپیدا کنار کے ساحل پر پہنچے اور وصل خداوندی سے فیض یاب ہیں۔ (۲) جو وصال حریم ذات سے محروم ہیں اور حیرت کی گھٹاٹوپ تاریکیوں اور جہالت ولاعلمی کی وادیوں میں ٹامک ٹوئیاں کھا رہے ہیں۔ گویا وہ اپنی عقول وارواح کو گم کر بیٹھے ہیں جبکہ وصال حریم قدس سے شادکام ہونے والے بھی نورانیت کی شعاعوں رحمت کے جلووں میں ششدر رہ گئے اور بارگاہ صمدیت اور دربار فردانیت میں مبہوت کھڑے رہ گئے۔ پتہ چلا کہ ساری مخلوق اس ذات والا صفات کی معرفت حقیقی سے عاجز ہے۔ خلیل بن احمد سے ایک روایت یہ بھی ہے چونکہ ساری مخلوق اس کے دربار میں وارفتہ اور گم ہے اس لئے اسے یہ نام دیا گیا۔ (یا لھون میں لام کے فتح اور کسرہ سے دونوں لغتیں ہیں)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ارتفاع (بلندی) سے مشتق ہے اہل عرب ہر بلند چیز کو ''لاھا'' کہتے ہیں۔ جب سورج طلوع ہو جائے تو کہتے ہیں ''لَاهَتْ'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اَلِهَ الرَّجُلُ اِذَا تَعَبَّدَ (عبادت کرنا) اور تَاَلَّهَ اِذَا تَنَسَّكَ (عبادت کرنا) سے مشتق ہے۔ ابن عباس نے اس آیت کو یوں پڑھا ہے (وَيَذَرَكَ وَاِلَاهَتَكَ) یہ اصل میں الہ تھا ہمزہ (فاء کلمہ) کو حذف کر دیا دو لام (الف لام اور کلمہ کا لام) جمع ہوئے دونوں کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا۔ ایک لام مشدد بن گیا تعظیماً تفخیم کے ساتھ پڑھا۔ اور ''اللہ'' کہا گیا۔

''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں رحمۃ مصدر سے مشتق ہیں لیکن رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے۔ ابن جریر کے قول سے تو معلوم ہوتا ہے گویا ان دونوں پر اتفاق ہے۔؟ بعض سلف صالحین کی تفسیر سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے جیسا کہ وہ اثر اس سے پہلے گذر چکی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا رحمٰن سے مراد دنیا وآخرت دونوں میں رحم کرنے والا اور رحیم سے مراد رحیم الآخرۃ (آخرت میں رحم کرنے والا) ہے۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ رحمٰن غیر مشتق ہے کیونکہ اگر یہ مشتق ہوتا تو اس کے ساتھ ''مرحوم'' کا لفظ آتا حالانکہ قرآن کریم میں ہے: وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ''اور وہ مومنوں پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے'' (احزاب:43)۔ ابن انباری نے مبرد سے نقل کیا ہے کہ رحمٰن عربی لفظ نہیں بلکہ یہ عبرانی ہے۔ ابواسحٰق زجاج معانی القرآن میں لکھتے ہیں۔ احمد بن یحیٰی کا قول ہے کہ رحمٰن اور

رحیم دونوں عربی لفظ ہیں۔ اسی لئے دونوں کو جمع کیا گیا ہے۔ لیکن ابو اسحٰق فرماتے ہیں کہ اس قول کو دل تسلیم نہیں کرتا۔ قرطبی اس کے اشتقاق کی دلیل اس حدیث کو بناتے ہیں جس کی تخریج وتصحیح ترمذی نے کی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں رحمٰن ہوں میں نے رحم کی تخلیق کی۔ اپنے اسماء میں سے ہی اسکا نام مشتق کیا۔ جس نے صلہ رحمی کی میں بھی اس پر رحم کروں گا جس نے قطع رحمی کی میں اسے کاٹ کر رکھ دوں گا" (1)۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ نص اشتقاق کی واضح دلیل ہے۔ اس کی مخالفت کا کوئی مقصد نہیں۔ فرماتے ہیں کہ اہل عرب کا رحمٰن کے اسم کا انکار کرنا ان کی جہالت کا کرشمہ ہے۔ قرطبی کا قول ہے کہ یہ دونوں ہم معنی ہیں جیسے ندمان اور ندیم۔ یہ قول ابو عبید کا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ فعلان، فعیل کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ فعلان سے صرف مبالغہ کا صیغہ ہی آتا ہے۔ جیسے تو کہے "رَجُلٌ غَضْبَانُ" (وہ آدمی جو غصے سے بھرپور ہو)۔ فعیل کا صیغہ کبھی بمعنی فاعل اور کبھی بمعنی مفعول آتا ہے۔ ابو علی فارسی کا قول ہے رحمٰن عام اسم ہے یہ رحمت کی تمام اقسام کو شامل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ رحیم یہ مومنوں کے اعتبار سے ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ یہ دونوں اسم رقیق ہیں اور دونوں میں ایک دوسرے سے بڑھ کر رقت ہے (یعنی رحمت ہے)۔ خطابی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ اس صفت میں استشکال ہے۔ انہوں نے بھی اس کا معنی ارفق کیا ہے جیسے حدیث مبارکہ میں ہے "اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا (ورفیق) ہے۔ ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ نرمی اور آسانی پر وہ نعمتیں مرحمت فرماتا ہے جو سختی اور عنف پر عطا نہیں کرتا" (2)۔ ابن مبارک کا قول ہے رحمٰن وہ ہے جب اس سے سوال کیا جائے تو عطا کرے اور رحیم وہ ہے کہ جب اس سے نہ مانگا جائے غضبناک ہو۔ یہی بات ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے وہ ناراض ہوتا ہے (3)۔ کسی شاعر کا قول ہے۔

اَللّٰهُ يَغْضَبُ اِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهٗ　　وَبَنِيْ اٰدَمَ حِيْنَ يُسْئَلُ يَغْضَبُ

اللہ تعالیٰ سے نہ مانگو تو وہ ناراض ہوتا ہے۔ اور بنی آدم دست سوال دراز کرنے سے خفا ہوتے ہیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں میں نے عزرمی کو یہ ارشاد فرماتے سنا "الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" فرمایا رحمٰن سے مراد تمام مخلوق پر رحم کرنے والا۔ اور رحیم سے مراد مومنین پر رحم کرنے والا ہے۔ اسی لئے فرمایا: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ:5) "ترجمہ: وہ بے حد مہربان (کائنات کی فرمانروائی کے) تخت پر متمکن ہوا۔" ایک اور جگہ فرمایا: ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ (الفرقان:59) "پھر وہ متمکن ہوا عرش پر (جیسے اس کی شان ہے)۔ وہ رحمٰن ہے" استواء کے ساتھ رحمٰن کا لفظ ذکر کیا۔ تاکہ رحمت اس کی تمام مخلوق کو شامل ہو سکے۔ فرمایا (وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا) مومنین کو رحیم کے لفظ سے متصف فرمایا۔ فرماتے ہیں پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رحمٰن میں مبالغہ رحیم کی نسبت زیادہ ہے کیونکہ یہ وہ رحمت ہے جو دارین (دنیا وآخرت) میں تمام مخلوق کو شامل ہے۔ اور رحیم کی رحمت مومنین سے خاص ہے۔ لیکن ایک ماثور دعا کے الفاظ میں رَحْمٰنُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمُهُمَا آیا ہے۔ رحمٰن یہ نام اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کسی دوسرے کو اس نام سے موسوم نہیں کیا جیسے ارشاد ہوتا ہے: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى (بنی اسرائیل:110) "آپ فرمایئے یا اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔ جس نام سے اسے پکارو اس کے سارے نام (ہی) اچھے ہیں"۔ اور ارشاد فرمایا: وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ (الزخرف:45) "اور آپ پوچھیے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند

1۔ الترمذی: باب البر:9　　2۔ فتح الباری: 137/8　　3۔ مسند امام احمد: 442/2

رحمٰن کے علاوہ اور خدا تا کہ ان کی پوجا کی جائے۔'' جب مسیلمہ کذاب نے ناپاک جسارت کی اور اپنے آپ کو ''رحمٰن یمامہ'' کے لقب سے موسوم کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے جھوٹ کا لباس پہنا دیا۔ اس کا یہ لقب معروف ہو گیا بلکہ اس کے نام کا جز بن گیا۔ اب اسے مسیلمہ کذاب کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور جھوٹ میں اس کی طرف تشبیہ دی جاتی ہے۔ شہری، دیہاتی اور بدو سب اسے پہچانتے ہیں۔

بعض علماء کا یہ قول ہے کہ رحیم میں رحمٰن کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ اس کے ساتھ تاکید لگائی گئی ہے۔ مؤکّد (جس کی تاکید لگائی جائے) مؤکِّد (جس کے ساتھ تاکید لگائی جائے) سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاکید ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو صفت ہے۔ اور صفات میں ان کا ذکر کردہ قاعدہ جاری ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا تقدیر کلام یوں ہوگی (اِسْمُ الَّذِیْ لَمْ یُسَمَّ بِهٖ اَحَدٌ غَیْرُهٗ) اللہ کا وہ نام جس کے ساتھ کسی دوسرے کو موسوم نہیں کیا گیا۔ پہلے صفت رحمٰن ذکر کی کہ یہ نام رکھنا بھی لوگوں کو ممنوع ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (بنی اسرائیل: 110) صرف مسیلمہ نے ہی یہ نام رکھنے کی جسارت کی تھی اس کے گمراہ ساتھیوں کے سوا کسی نے اس کی پیروی نہ کی لیکن رحیم کے وصف سے خود اللہ تعالیٰ نے بھی دوسروں کو موسوم کیا ہے۔ فرمایا: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ ...... بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (توبہ: 128) ''ترجمہ: بے شک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے۔ گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا۔ بہت ہی خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہے'' (یونس: 128)۔ اسی طرح اپنے بعض دیگر اسماء سے بھی دوسروں کو متصف فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا (الدہر: 2) ''بلاشبہ ہم نے ہی انسان کو پیدا فرمایا ایک مخلوط نطفہ سے۔ تا کہ ہم اس کو آزمائیں۔ پس (اس غرض سے) ہم نے بنا دیا ہے اس کو سننے والا، دیکھنے والا''۔

(اس آیت میں انسان کو سمیع اور بصیر کہا جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں) خلاصہ بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء ایسے ہیں جن سے دوسروں کو متصف کیا جا سکتا ہے۔ اور بعض اسماء ایسے ہیں جن کا اطلاق اس کے سوا کسی دوسرے پر نہیں ہو سکتا۔ جیسے اللہ، الرحمٰن، الخالق، الرزاق وغیرہ۔ اسی لیے پہلے اپنا نام اللہ ذکر کیا پھر اس کی صفت رحمٰن ذکر کی۔ کیونکہ یہ رحیم سے خاص اور زیادہ معروف ہے۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ پہلے سب سے عمدہ نام سے ابتدا کی جاتی ہے۔ لہٰذا پہلے سب سے زیادہ خاص نام ذکر کیا پھر اس سے خاص۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ موجود ہے تو پھر اسی پر اکتفا کیوں نہ کی گئی۔ ساتھ رحیم کو کیوں ذکر کیا گیا۔ اس کے جواب میں حضرت عطاء خراسانی کا قول پیش کیا جا سکتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب کفار نے غیر اللہ کو بھی رحمٰن سے موسوم کرنا شروع کر دیا تو رحیم کا لفظ ذکر کیا تا کہ کسی قسم کا وہم و گمان شائبہ تک نہ رہے رحمٰن و رحیم تو صرف اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ ابن جریر نے اس قول کو ذکر کیا ہے۔ اس کی صحیح توجیہ کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض لوگوں کا یہ قول ہے کہ عرب رحمٰن سے واقف ہی نہ تھے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی تردید فرمائی: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (بنی اسرائیل: 110)۔ اسی لئے صلح حدیبیہ کے دن جب رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا لکھو۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ تو قریش کہنے لگے۔ ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے۔ رواہ البخاری۔ بعض روایت میں ہے ''ہم رحمٰن یمامہ کے سوا کسی کو نہیں جانتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا (الفرقان: 60) ''اور جب کہا جاتا ہے انہیں کہ رحمٰن (کے حضور) سجدہ کرو۔ وہ پوچھتے ہیں رحمٰن کون ہے۔ کیا ہم سجدہ کریں اس کو جس کے متعلق تم ہمیں حکم دیتے ہو اور وہ زیادہ نفرت کرنے لگتے ہیں''۔ ظاہر ہے ان کا یہ انکار جحود، سرکشی اور عناد پر مبنی تھا۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت کے عرب شعراء کے ہاں یہ

لفظ ملتا ہے۔ ابن جریر لکھتے ہیں جاہلیت کے کسی جاہل مطلق شاعر کا قول ہے۔

أَلَا ضَرَبَتْ تلكَ الفَتَاةُ هَجِيْنَهَا أَلَا قَضَبَ الرَّحْمٰنُ رَبِّيْ يَمِيْنَهَا

سلامہ بن جندب طہوی کا قول ہے۔

عَجِلْتُمْ عَلَيْنَا إِذْ عَجِلْنَا عَلَيْكُمْ وَمَا يَشَاءُ الرَّحْمٰنُ يَعْقِدْ وَ يُطْلِقُ

ابن جریر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ رحمٰن بروزن فعلان رحمت سے ماخوذ ہے اور کلام عرب میں سے ہے۔ اور فرمایا الرحمٰن الرحیم کا معنی ہے۔ الرفیق الرقیق مہربان، نرم دل جس پر رحم کرنا چاہے اور جس سے درشتی سے پیش آنا چاہے اس سے دور۔ اس کے سارے اسماء اسی طرح ہیں ابن جریر حضرت حسن سے نقل کرتے ہیں کہ رحمٰن کا نام دوسروں کے لئے ممنوع ہے۔ ابن ابی حاتم حضرت حسن سے نقل کرتے ہیں کہ لوگ رحمٰن نام نہیں رکھ سکتے کیونکہ یہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام ہے۔ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قرأت ایک ایک حرف ہوتی تھی: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بعض نے اسی طرح پڑھا ہے یہ علماء کا ایک گروہ ہے۔ جبکہ ایک گروہ بِسْمِ اللّٰهِ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے ملا کر پڑھتے ہیں اور دو ساکنوں کے مل جانے کی بناء پر میم کو کسرہ دیتے ہیں۔ یہ جمہور کی رائے ہے کسائی نے بیان کیا ہے کہ کوفیوں میں سے بعض عرب میم کو زبر دے کر پڑھتے ہیں یعنی ہمزہ کی حرکت ماقبل کو دے کر یوں پڑھتے ہیں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہمزہ کی حرکت ماقبل کو دے کر اسے ساکن کر دیتے ہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: الٓمّٓ ۙ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" الف۔ لام۔ میم اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں سوا اس کے" (سورۃ آل عمران: 1) ابن عطیہ کہتے ہیں میرے خیال میں زبر کی قرأت کسی سے مروی نہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۲﴾

"سب تعریفیں اللہ کے لئے جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کا"

قراء سبعہ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے دال کو پیش سے پڑھا ہے۔ یہ مبتدا اور خبر ہے حضرت سفیان بن عیینہ اور روبۃ بن عجاج کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ "اَلْحَمْدَ لِلّٰهِ" دال کی زبر کے ساتھ ہے اس صورت میں اس سے پہلے فعل مخدوف ہوگا۔ ابن ابی عبلۃ نے "اَلْحَمْدُ لُلّٰهِ" میں دال اور لام دونوں کو پیش سے پڑھا ہے وہ لام کو دال کے تابع کرتے ہیں۔ لغت میں اس کے شواہد بھی ملتے ہیں لیکن یہ شاذ ہے۔ حضرت حسن اور زید بن علی رحمۃ اللہ علیہما سے مروی ہے کہ انہوں نے "اَلْحَمْدِ لِلّٰهِ" دال اور لام دونوں کو (پہلے کو دوسرے کے تابع کرتے ہوئے) زیر سے پڑھا ہے۔ ابوجعفر جریر لکھتے ہیں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کا معنی ہے شکر کی حقدار صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی اس لائق نہیں۔ کیونکہ اس نے اپنے بندوں کو انواع واقسام کی نعمتوں سے نوازا ہے جن کا شمار کرنا بھی ممکن نہیں۔ خود اس کے سوا کوئی دوسرا ان کی تعداد کو بھی نہیں جانتا۔ اس نے اپنی اطاعت کرنے کے اسباب عطا فرمائے۔ اسی نے تمام مکلفین کو فرائض کی ادائیگی کے لئے جسمانی نعمتیں دیں۔ پھر دنیا میں انہیں وسیع روزی دی اور زندگی میں طرح طرح کے انعامات واکرامات عطا فرمائے حالانکہ بندوں کا ان پر کوئی حق نہ تھا۔ ساتھ ہی اس بات سے بھی آگاہ فرما دیا کہ ہم ابدی زندگی میں جنت کی دائمی نعمتوں کے حقدار کس طرح بن سکتے ہیں چنانچہ اول آخر تمام تعریفیں اسی رب جلیل کی ہیں ابن جریر کہتے ہیں کہ الحمد للہ یہ کلمہ ثنائیہ ہے اللہ رب العزت نے اس کے ساتھ خود اپنی ثناء کی ہے اور اس کے ضمن میں اپنے بندوں کو یہ تعلیم دی کہ تعریف کریں گویا اس نے یہ فرمایا ہے کہو الحمد للہ۔ لکھتے ہیں ایک

قول یہ بھی ہے کہ کہنے والے کا الحمدللہ کہنا اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی اور صفات عالیہ کے ساتھ اس کی حمد کرنا ہے۔ اور الشکرللہ کہنا یہ اللہ کی نعمتوں اور اس کے احسانات کی ثناء کرنا ہے۔ پھر اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عربی زبان کے اسلوب کو سمجھنے والے یہ جانتے ہیں کہ حمد اور شکر کے الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں سلمی نے نقل کیا ہے کہ یہ مذہب امام جعفر صادق اور صوفیاء میں سے ابن عطاء کا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ الحمدللہ ہر شکر کرنے والے کا کلمہ ہے۔ قرطبی نے ابن جریر کے قول کی صحت کو ثابت کرنے کیلئے یہ دلیل بھی بیان کی ہے کہ اگر کوئی الحمدللہ شکرا کہے تو یہ جائز ہے۔ لیکن ابن جریر کا یہ دعوی محل نظر ہے۔ کیونکہ متاخرین میں سے کثیر علماء سے یہ بات معروف ہے کہ حمد سے مراد اس کی صفات (خواہ لازم ہوں یا متعدی) کی زبان سے تعریف بیان کرنا ہے۔ اور شکر صرف متعدی نعمتوں پر ہوتا ہے۔ اور یہ دل، زبان اور جملہ ارکان سے ہوتا ہے جیسے ایک شاعر کا قول ہے۔

أَفَادَتْكُمُ النَّعْمَاءُ مِنِّي ثَلَاثَةً يَدِيْ وَ لِسَانِي وَ الضَّمِيرَ الْمُحَجَّبَا

لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ حمد وشکر میں سے کون سا لفظ عام ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان عموم وخصوص کی نسبت ہے۔ حمد کا لفظ شکر سے زیادہ عام ہے، اس اعتبار سے کہ یہ جس پر واقع ہوں۔ اس لیے کہ یہ لازم اور متعدی دونوں پر آتا ہے۔ جیسے تو کہہ سکتا ہے (حَمِدْتُہٗ) میں نے اس کی تعریف کی اس کی شہ سواری پر یا اس کی سخاوت پر۔ لیکن چونکہ یہ صرف زبان سے ہی ادا ہوسکتا ہے اس اعتبار سے یہ خاص ہے۔ اور شکر کا لفظ عام ہے کیونکہ وہ قول، فعل اور نیت تینوں سے ادا ہوسکتا ہے۔ (جیسے پہلے گزر چکا ہے) اور یہ خاص اس لحاظ سے ہے کہ یہ صرف متعدی صفات پر ہی آتا ہے۔ یعنی یوں نہیں کہہ سکتے (شَکَرْتُہٗ، لِفُرُوْسِیَتِہٖ) میں نے اس کی شہ سواری پر اس کا شکر ادا کیا۔ لیکن یوں کہہ سکتے ہیں شَکَرْتُہٗ عَلٰی کَرَمِہٖ وَاِحْسَانِ اِلَیَّ۔ (میں نے اس کے حسن سلوک اور جود وسخا پر اس کا شکریہ ادا کیا)۔ بعض متاخرین کی تحریر کا یہ ماحصل ہے واللہ اعلم۔ ابونصر اسماعیل بن حماد جوہری کا قول ہے کہ ''حمد'' (تعریف) ذم (مذمت) کا متضاد ہے۔ جیسے تو کہے حَمِدْتُ الرَّجُلَ أَحْمَدُہٗ حَمْدًا وَمَحْمَدَۃً فَھُوَ حَمِیْدٌ وَمَحْمُوْدٌ۔ تحمید حمد سے بھی زیادہ بلیغ ہے اور حمد شکر سے عام ہے شکر کہتے ہیں کسی محسن کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کرنا۔ کہتے ہیں شَکَرْتُہٗ وَشَکَرْتُ لَہٗ لیکن لام سے کہنا زیادہ فصیح ہے۔ مدح کا لفظ حمد سے بھی زیادہ عام ہے۔ کیونکہ یہ زندہ، مردہ بلکہ جمادات کے لئے بھی ہوتی ہے جیسے کھانے اور مکان وغیرہ کی مدح۔ یہ احسان سے پہلے بھی ہوسکتی ہے اور احسان کے بعد بھی۔ لازم صفتوں پر بھی اس کا اطلاق ہوسکتا ہے اور متعدی پر بھی چنانچہ یہ زیادہ عام ہے۔

حمد کی تفسیر میں سلف کے اقوال

ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا تو ہمیں پتہ چل گیا لیکن یہ الحمدللہ کا کیا مطلب ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (جواباً) ارشاد فرمایا کہ یہ ایک کلمہ ہے جسے اللہ رب العزت نے اپنے لیے پسند فرمالیا ہے۔ ابو معمر کے علاوہ دیگر راویوں نے حضرت حفص سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لا الہ الا اللہ و سبحان اللہ و اللہ اکبر کو تو ہم نے پہچان لیا۔ یہ الحمدللہ سے کیا مراد ہے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ ایسا کلمہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے منتخب فرمالیا ہے اور اسے یہ پسند ہے کہ یہ کلمہ کہا جائے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ الحمدللہ کلمہ شکر ہے جب بندہ الحمدللہ کہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرا شکر ادا کیا

اس کے راوی ابن ابی حاتم ہیں۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا الحمدللہ سے مراد اللہ کا شکر ادا کرنا، اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، اس کی نعمتوں، ہدایت اور احسانات وغیرہ کا اقرار ہے۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ الحمدللہ یہ اللہ کی ثناء ہے۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں الحمدللہ یہ اللہ کی چادر ہے۔ ایک حدیث مبارکہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے وغیرہ۔ حضرت ابن جریر لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم نے الحمدُ للہ کہہ لیا تو تم نے اللہ کا شکر ادا کرلیا۔ اب اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں برکت دے گا(1)۔ حضرت امام احمد بن حنبل اپنی سند سے حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ! میں نے ذات باری تعالیٰ کی حمد وثناء میں چند اشعار کہے ہیں اگر اجازت ہو تو سناؤں تو آپ ﷺ نے فرمایا ''بلاشبہ اللہ تبارک تعالیٰ کو اپنی حمد بہت پسند ہے''(2)۔ نسائی نے اسے اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''بہترین ذکر ''لا الہ الا اللّٰہ'' ہے۔ بہترین دعا الحمدللہ ہے''(3)۔ ترمذی کا قول ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے کو اللہ تبارک وتعالیٰ کوئی نعمت عطا فرمائے وہ اس پر الحمدللہ کہے تو جو نعمت اس کو مرحمت فرمائے گا وہ پہلی نعمت سے کہیں زیادہ افضل ہوگی''(4)۔ قرطبی اپنی تفسیر اور نوادر الاصول میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر اللہ تعالیٰ ساری دنیا میرے بندے کے ہاتھ میں دے دے اور وہ اس پر الحمدللہ کہے تو یہ کلمہ ساری دنیا سے افضل ہے(5)۔ قرطبی وغیرہ لکھتے ہیں کہ الحمدللہ کی توفیق، جتنی بڑی نعمت ہے ساری دنیا اس کے برابر نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ حمد کا ثواب باقی رہے گا جبکہ ساری دنیا تو فانی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا (کہف:46) ''مال اور فرزند (تو صرف) دنیوی زندگی کی زیب وزینت ہیں۔ اور (درحقیقت) باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے ہاں ثواب کے اعتبار سے اور بہتر ہیں جن سے امید وابستہ کی جاتی ہے''۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بتایا کہ اللہ کے ایک بندے نے ایک مرتبہ کہا ''یَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَ عَظِیْمِ سُلْطَانِكَ'' فرشتے پریشان ہوگئے کہ اس کا ثواب کتنا لکھیں۔ وہ اللہ رب العزت جل مجدہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی بارالٰہا تیرے ایک بندے نے وہ کلمات کہے ہیں جن کے بارے میں ہمیں یہ معلوم نہیں کہ اس کا ثواب کتنا لکھیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے باوجودیکہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ فرمایا میرے بندے نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے یہ کلمات عرض کیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ان کلمات کو اسی طرح لکھ لو جب میرا بندہ میرے پاس آئے گا۔ میں خود اسے ان کا اجر دوں گا۔ قرطبی نے بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ بندے کا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہنا لا الہ الا اللّٰہ کہنے سے افضل ہے کیونکہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں حمد اور توحید دونوں ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک لا الہ الا اللّٰہ کہنا افضل ہے کیونکہ ایمان اور کفر کے درمیان یہی حد فاصل ہے۔ اسی کے لئے جنگ کی جاتی ہے حتیٰ کہ سب لوگ لا الہ الا اللّٰہ کہنا شروع کردیں۔ جیسا کہ متفق علیہ حدیث میں مذکور ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے سب سے افضل کلمہ جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام نے کہا ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ'' ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث گذر چکی ہے کہ سب سے افضل ذکر ''لا الہ الا اللّٰہ'' ہے اور سب سے افضل دعا

1۔ تفسیر الطبری: 60/1　2۔ مسند امام احمد: 435/3　3۔ ابن ماجہ: کتاب الادب، 1249
4۔ ابن ماجہ، کتاب الادب: 1250　4۔ تفسیر القرطبی: 131/1

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہے''۔ ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ الحمد میں الف لام استغراق کے لئے ہے جو حمد کی تمام اصناف و اجناس کو شامل ہے۔ جیسے حدیث مبارکہ میں ہے: ''اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ وَلَكَ الْمُلْكُ كُلُّهٗ وَ بِيَدِكَ الْخَيْرُ كُلُّهٗ وَإِلَيْكَ يَرْجِعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ''الحدیث۔

''رب'' کہتے ہیں مالک اور متصرف کو۔ لغت میں اس کا اطلاق سردار اور اصلاح کنندہ پر بھی ہوتا ہے۔ یہ سب مفاہیم اللہ تبارک و تعالیٰ کے حق میں صحیح ہیں۔ رب کا لفظ غیر اللہ کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ ہاں اضافت کے ساتھ ہو تو اور بات ہے۔ جیسے رَبُّ الدَّارِ (گھر کا سربراہ) رَبُّ كَذَا (کسی چیز کا مالک) لیکن رب کا لفظ مطلقاً صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہی آتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسم اعظم یہی ہے۔ ''عالمین'' یہ عالم کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود کو عالم کہتے ہیں لفظ عالم اسم جمع ہے۔ اس کا واحد کوئی نہیں۔ عوالم سے مراد آسمانوں اور بحر و بر کی مخلوقات ہے۔ اسی طرح ہر صدی عالم ہے اور ہر نسل عالم کہلاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے مراد تمام تعریفیں ہیں اس رب کے لئے جس کی ساری مخلوق ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ خواہ ہمیں اس کا علم ہے یا نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی ایک دوسری روایت میں ہے رب العٰلمین سے مراد جن و انس کا رب ہے۔ حضرت سعید بن جبیر، مجاہد اور ابن جریج سے اسی طرح مروی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت یہی ہے لیکن ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ اس کی سند غیر معتبر ہے قرطبی نے اس قول کی تائید میں اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (فرقان: 1) '' تاکہ وہ بن جائے سارے جہان والوں کو (غضب الٰہی سے) ڈرانے والا''۔ عالمین سے مراد یہاں جن و انس ہیں۔ فراء اور ابو عبید کا قول ہے کہ عالم سے مراد ذوی العقول ہیں اور وہ جن و انس، ملائکہ اور شیاطین ہیں انہیں عالم کہا جائے گا۔ چوپایوں کو عالم نہیں کہتے۔ حضرت زید بن سلم اور باو محیصن سے مروی ہے کہ ہر ذی روح کو عالم کہتے ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ ہر صنف ایک عالم ہے۔ حافظ ابن عساکر اموی خلیفہ مروان بن محمد عرف جعدی ملقب ''بحمار'' (گدھا) کے حالات میں لکھتے ہیں کہ اس نے کہا اللہ تبارک وتعالیٰ نے سترہ ہزار عالم پیدا کیے۔ اہل زمین و آسمان ایک ہیں۔ باقی کا علم خدا تعالیٰ کو ہی ہے۔ ابو جعفر رازی حضرت ابو العالیہ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا انسان ایک عالم ہے، جنات ایک عالم ہیں۔ اس کے سوا چودہ ہزار یا اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ (راوی کو اس تعداد میں شبہ ہے) فرشتے زمین پر ہیں۔ اور زمین کے چار کونے ہیں۔ ہر کونے میں ساڑھے تین ہزار عالم ہیں۔ جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے (ابن جریر اور ابو حاتم نے اسے روایت کیا ہے) یہ کلام غریب ہے۔ اس جیسی بات کے لئے صحیح دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابن ابی حاتم سبیع حمیری سے نقل کرتے ہیں کہ عالمین سے مراد ایک ہزار امتیں ہیں چھ سو سمندر میں اور چار سو خشکی پر۔ حضرت سعید بن مسیب سے ایک روایت یہی ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی اسی طرح ہے۔ جیسا کہ حافظ ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ ٹڈیاں کم ہوگئیں آپ رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر بھی کچھ پتہ نہ چلا۔ آپ رضی اللہ عنہ غمگین ہوگئے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے عراق، شام اور یمن کی طرف قاصد بھیجے کہ اگر کہیں سے ٹڈیاں مل سکیں تو لے آؤ۔ کہتے ہیں یمن کی طرف جانے والا قاصد کچھ ٹڈیاں لے کر آیا اور آکر پیش کیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھتے ہی نعرۂ تکبیر لگایا۔ اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ '' اللہ تعالیٰ نے ہزار امتیں پیدا کی ہیں۔ چھ سو سمندر میں اور چار سو خشکی پر۔ سب سے پہلے ان میں سے جو امت ہلاک ہوگی وہ ٹڈیاں ہیں۔ ان کی ہلاکت کے بعد پے در پے سب امتیں ہلاک ہو جائیں گی جیسے تسبیح کا دھاگا ٹوٹ جائے تو اس کے سارے دانے بکھر جاتے ہیں''(1)۔ اس کے راوی محمد بن عیسیٰ ہلالی ہیں جو

1۔ مجمع الزوائد: 322/7

ضعیف ہیں۔ بغوی نے حضرت سعید بن میسیب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ " اللہ تعالیٰ کے ہزار عالم ہیں چھ سو سمندر میں اور چار سو روئے زمین پر۔ وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اٹھارہ ہزار عالم ہیں عالم دنیا ان میں سے ایک عالم ہے۔ مقاتل کا قول ہے کہ اسی ہزار عالم ہیں۔ کعب بن احبار کا قول ہے کہ عوالم کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (یہ سب روایات بغوی نے نقل کی ہیں) قرطبی نے حضرت ابوسعید خدری سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چالیس ہزار عالم ہیں۔ عالم دنیا (مشرق سے لے کر مغرب تک) ایک عالم ہے۔ زجاج کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دنیا و آخرت میں پیدا کیا ہے وہ سب عالم ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ قول صحیح ہے اس لیے کہ یہ تمام عالمین کو شامل ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ (شعراء: 24-23) " فرعون نے پوچھا: کیا حقیقت ہے رب العالمین کی؟۔ آپ نے فرمایا (رب العالمین وہ ہے جو) مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر تم ہو یقین کرنے والے "۔ عالم یہ علامت سے مشتق ہے (نشانی) اس لیے کہ یہ اپنے خالق و صانع کے وجود اور اس کی وحدانیت کی علامت ہے۔ جیسے ابن معتز کا قول ہے۔

فَیَا عَجَبًا کَیْفَ یُعْصَی الْاِلٰهُ   اَمْ کَیْفَ یَجْحَدُہُ الْجَاحِدُ

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَهُ اٰیَةٌ   تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهُ وَاحِدُ

یعنی تعجب ہے کہ منکر پروردگار کی کس طرح نافرمانی کرتا ہے یا اس کا انکار کس طرح کرتا ہے۔ حالانکہ ہر چیز میں اس کی نشانی موجود ہے۔ جو اس کی وحدانیت پر شاہد عدل ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۳﴾

" بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا "

بِسْمِ اللّٰهِ کے ضمن میں اس کی تفسیر گذر چکی ہے۔ اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ قرطبی لکھتے ہیں رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے وصف کے بعد اپنے آپ کو الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی صفات سے متصف کیا تا کہ ترہیب (ڈرانے) کے بعد ترغیب کا بھی ذکر ہو جائے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ (حجر: 50-49) " بتا دو میرے بندوں کو کہ میں بلاشبہ بہت بخشنے والا، از حد رحم کرنے والا ہوں۔ اور (یہ بھی بتا دو کہ) میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے "۔ ایک اور آیت میں فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (اعراف: 167) " بے شک آپ کا رب جلدی عذاب دینے والا ہے۔ اور بے شک وہ غفور رحیم بھی ہے "۔ فرماتے ہیں رب کے لفظ میں ترہیب ہے اور رحمٰن و رحیم میں ترغیب ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ " اگر بندے کو اللہ کے عذاب کا پتہ چل جائے تو جنت کی آرزو کوئی نہ کرے اور اگر اس کی رحمت کا کسی کافر کو پتہ چل جائے تو اس کی رحمت سے مایوس کوئی نہ ہو۔ " (1)

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۴﴾

" مالک ہے روز جزا کا "

بعض قراء نے مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اور بعض دیگر نے (مَلِكِ) پڑھا ہے دونوں قرائتیں صحیح اور متواتر ہیں اور سات قراتوں سے ہیں۔ (مَلِكِ) لام کی زیر یا سکون کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ ملیک بھی پڑھا گیا ہے۔ اشبع اور نافع نے کاف کی زیر کے ساتھ مٰلِكِ یَوْمِ

1۔ مسلم: التوبۃ: 23

الدِّیْنِ کر کے پڑھا ہے۔ ترجیح دینے والوں نے دونوں قرأتوں کی معنی کے اعتبار سے تصحیح کی ہے۔ دونوں قرأتیں صحیح اور مستحسن ہیں۔ زمخشری نے مَلِكِ کو ترجیح دی ہے کیونکہ یہ اہل حرمین کی قرأت ہے۔ نیز قرآن کریم میں بھی ایک دوسری جگہ آیا ہے۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ (مومن:16) ''کس کی بادشاہی ہے آج'' ایک دوسری جگہ فرمایا: قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ (سورۂ انعام:73) ''اسی کا فرمان حق ہے۔ اور اسی کی حکومت ہوگی''۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے مَلِكَ یَوْمِ الدِّیْنِ پڑھا ہے۔ کیونکہ یہ فعل، فاعل اور مفعول ہے۔ لیکن یہ روایت شاذ اور بے حد غریب ہے۔ ابوبکر بن ابوداؤد نے اس بارے میں ایک غریب روایت ذکر کی ہے وہ ابن شہاب سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر وعمر، عثمان، امیر معاویہ اور ان کے لڑکے مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ پڑھتے تھے۔ ابن شہاب کا قول ہے کہ سب سے پہلے مروان نے ملک کر کے پڑھا (میں کہتا ہوں) مروان کو اپنی اس قرأت کی صحت پر اطلاع تھی جو راوی حدیث ابن شہاب کو نہ تھی۔ واللہ اعلم۔

متعدد اسناد جنہیں ابن مردویہ نے ذکر کیا ہے میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ''مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ'' پڑھتے تھے۔ اور مالک یہ ملک سے نکلا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا وَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ (مریم:40) ''یقیناً ہم ہی وارث ہوں گے زمین کے اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اور ہماری ہی طرف سب لوٹائے جائیں گے''۔ ایک اور جگہ فرمایا: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ (سورۂ الناس) ملک یہ الملک سے ماخوذ ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (مومن:16) ''کس کی بادشاہی آج؟۔ (کسی کی نہیں) صرف اس اللہ کی جو واحد اور قہار ہے''۔ اور فرمایا: قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ (انعام:73) ایک اور جگہ فرمایا: اَلْمُلْكُ یَوْمَىِٕذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ یَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا (فرقان:26) ''اس دن سچی بادشاہی (خداوند) رحمٰن کی ہوگی۔ اور وہ دن کافروں کیلئے بڑا مشکل ہوگا''۔

مٰلِكِ کو یَوْمِ الدِّیْنِ سے خاص کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے سوا سے انکار ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے وصف رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا ذکر ہو چکا ہے جو دنیا آخرت دونوں کو شامل ہے۔ قیامت کے دن کی طرف نسبت اس وجہ سے کی کہ اس دن کوئی کسی چیز کا دعوے دار نہ ہوگا۔ اور اس کی اجازت کے بغیر بات بھی نہیں کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا ہے: یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ صَفًّا ۙ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (النبا:38) ''اس دن روح اور فرشتے پرے باندھ کر کھڑے ہوں گے۔ کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے''۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا (طٰہٰ:108) ''اور خاموش ہو جائیں گی سب آوازیں رحمٰن کے خوف سے پس تو نہ سنے گا (اس روز) مگر مدہم سی آہٹ''۔ ایک اور آیت میں فرمایا: یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ (ہود:105) ''جب وہ دن آئے گا تو (اس کی ہیبت سے) کوئی شخص نہیں بول سکے گا بجز اس کی اجازت کے۔ بعض ان میں سے بدنصیب ہوں گے بعض خوش نصیب''۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ فرماتے ہیں کہ دن کے برعکس اس دنیا صرف اسی کی بادشاہی ہوگی۔ فرمایا یَوْمِ الدِّیْنِ سے مراد یوم الحساب ہے۔ جس دن مخلوق کا حساب لیا جائے گا۔ وہ قیامت کا دن ہے۔ جس دن تمام اچھے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ ہاں جسے وہ (اپنے خصوصی فضل وکرم سے) معاف فرما دے۔ اسی طرح دیگر صحابہ، تابعین اور سلف صالحین سے بھی مروی ہے۔ ابن جریر نے ان میں سے بعض سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ قیامت کے قائم کرنے پر قادر ہے۔ پھر خود ہی ابن جریر اس قول کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ بظاہر اس قول اور سابقہ قول میں کوئی تضاد نہیں۔ کیونکہ ان دونوں فریقوں میں

سے ہر ایک دوسرے کے قول کی صحت کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن سیاق وسباق سے پہلے معنی کی تائید ہوتی ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۣالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا (فرقان:26) دوسرا قول اللہ کے اس فرمان کے مشابہ ہے: وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ (الانعام:73) ''اور جس روز وہ کہے گا کہ تو ہو جاتو وہ ہو جائیگا''۔ واللہ اعلم۔

حقیقی بادشاہت دراصل اللہ رب العزت جل مجدہ کی ہے۔ ایک آیت کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے: هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ (حشر:23) (صحیحین میں ابو ہریرہ سے مرفوعاً مروی ہے بدترین ہے وہ شخص جو اپنے آپ کو مَلِكُ الْاَمْلَاكِ کہلائے۔ حقیقی مالک اللہ کے سوا کوئی نہیں (1)۔ صحیحین میں ہی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے تصرف میں لے لے گا۔ آسمان کو اپنے یمین قدرت میں کرلے گا اور فرمائے گا میں شہنشاہ ہوں کہاں گئے زمین کے بادشاہ، کہاں ہیں سرکش، کہاں ہیں مغرور وتکبر کرنے والے۔ قرآن عظیم میں ہے۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (مومن:16) (2)۔ واضح رہے کہ دنیا میں کسی دوسرے کو بادشاہ کہہ دینا بطریق مجاز ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا (بقرہ:247) ''بے شک اللہ نے مقرر فرمادیا ہے تمہارے لئے طالوت کو امیر''۔ وَكَانَ وَرَاۗءَهُمْ مَّلِكٌ (الکہف:۷۹) ''ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا''۔ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۗءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا (مائدہ:20) ''جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں حکمران''۔ صحیحین میں ہے ''مثلُ الملوكِ علی الاسرّة''

''اَلدِّيْنُ'' سے مراد جزاء اور حساب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ (النور:25) ''اس روز پورا پورا دے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کا بدلہ جس کے وہ حقدار ہیں''۔ اور فرمایا: اِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ''کیا اس وقت ہمیں جزا دی جائے گی'' (صافات:53) حدیث شریف میں ہے ''دانا وہ ہے جو اپنے نفس سے خود بدلہ لے اور موت کے بعد نفع دینے والے اعمال کرلے'' (3)۔ جیسے حضرت عمر کا فرمان ہے: اپنے آپ کا احتساب کرو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے۔ اپنے اعمال کا خود وزن کرو اس سے پہلے کہ وہ میزان میں رکھے جائیں۔ اور اس بڑی پیشی کیلئے تیار ہو جاؤ جب تم اس ذات کے سامنے پیش کیے جاؤ گے جس کے سامنے تمہارا کوئی عمل بھی پوشیدہ نہیں۔ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ (الحاقۃ:18) ''وہ دن جب تم پیش کیے جاؤ گے، تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا''۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

''تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں''

قراء سبعہ اور جمہور نے اِيَّاكَ کی یاء کو مشدد پڑھا ہے۔ عمرو بن فاید نے تخفیف کے ساتھ کسرہ پڑھا ہے لیکن یہ قرأت شاذ اور مردود ہے۔ کیونکہ اِیَا کے معنی ہیں (سورج کی روشنی) بعض نے (اَیَّاکَ) ہمزہ کی زبر اور یاء کو مشدد کرکے پڑھا ہے۔ بعض (هَيَّاكَ) کرکے یعنی ہمزہ کی ھاء پڑھتے ہیں۔ جیسے ایک شاعر کا قول ہے۔

فَهَيَّاكَ وَالْاَمْرَ الَّذِىْ اِنْ تَرَاحَبَتْ مَوَارِدُهٗ ضَاقَتْ عَلَيْكَ مَصَادِرُهٗ

''نَسْتَعِيْنُ'' سب کی قرأت میں پہلے کلمہ (نون) کے زبر کے ساتھ ہے ماسوائے یحییٰ بن وثاب اور اعمش کے وہ اسے کسرہ دے کر پڑھتے ہیں۔ یہ بنو اسد، بنو ربیعہ اور بنو تمیم کی لغت ہے۔ اَلْعِبَادَةُ (عبادت) کا لغوی معنی ہے اَلذِّلَّةُ (ذلت)۔ کہا جاتا ہے طریق مُعَبَّدٌ وبعیر مُعَبَّدٌ اَیْ مُذَلَّلٌ۔ اور شریعت میں عبادت نام ہے کمال محبت اور خشوع وخضوع اور خوف کا۔ مفعول (اِيَّاكَ) کو مقدم کیا۔ اور حصر

1۔ صحیح بخاری: 56/8   2۔ فتح الباری: 367/13   3۔ مسند امام احمد: 124/4

اور اہتمام کے لئے اسے دوبارہ ذکر کیا کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں یہی کمال اطاعت ہے۔ پورے دین کا حاصل صرف یہی دو چیزیں ہیں جس طرح بعض سلف کا قول ہے سورۂ فاتحہ پورے قرآن کا راز ہے اور سورۂ فاتحہ کا بھید یہ کلمہ ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پہلے حصہ میں شرک کی نفی اور دوسرے میں اپنی قوت اور طاقت کی نفی ہے اور اپنے سارے امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔ اس مضمون کی اور بھی آیات ہیں۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (ہود: 123) ''تو آپ بھی اس کی عبادت کیجئے اور اس پر بھروسہ رکھئے اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبر اس سے جو تم لوگ کرتے ہو'' اور فرمایا: قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ (ملک:29) ''فرمایئے (وہ میرا خالق) بڑا ہی مہربان ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہوا ہے''۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (مزمل:9) ''مالک ہے مشرق ومغرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس بنائے رکھئے اسی کو اپنا کارساز''۔

اسی طرح یہ آیت کریمہ ہے: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اس سے اوپر ذکر کردہ آیات میں خطاب کا صیغہ نہ تھا۔ لیکن اس آیت میں غائب سے خطاب کی طرف آئے ہیں۔ اس میں بہت مناسبت ہے کیونکہ اللہ کی حمد وثناء کرنے کے بعد بندہ گویا قرب خداوندی میں پہنچ گیا اور بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو گیا۔ اسی لئے عرض کی اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اس سورت کی ابتدائی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی بہترین صفات کے ساتھ اپنی حمد وثناء کر کے بندوں کو اس بات کی تعلیم دی کہ وہ بھی اس کی حمد وثناء انہی الفاظ کے ساتھ کریں۔ اسی لئے اس شخص کی نماز ہی صحیح نہیں ہوتی جو اس سورت کو نہ پڑھے بشرطیکہ وہ اسے پڑھنے پر قادر ہو۔ جیسے کہ صحیحین کی حدیث میں حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں (1)۔ اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے مابین نصف نصف تقسیم کر لیا ہے۔ ایک حصہ میرے لئے اور ایک میرے بندے کیلئے۔ میرے بندے کیلئے وہ کچھ جو وہ مانگے جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتا ہے اللہ فرماتا ہے بندے نے میری حمد بیان کی۔ جب الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔ جب مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ جب اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہتا ہے تو رب فرماتا ہے یہ میرے اور بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کیلئے وہ کچھ ہے جو وہ مانگے۔ جب اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ پر پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کیلئے ہے اور میرے بندے کے لیے ہے جو وہ طلب کرے (2)۔ حضرت ضحاک حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا معنی ہے۔ ہم تیری ہی توحید بیان کرتے ہیں۔ تجھی سے ڈرتے ہیں اور اے رب کریم تیرے سوا کسی اور سے امید نہیں رکھتے۔ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہم تیری اطاعت اور اپنے دیگر معاملات کیلئے تیری ہی نصرت کے خواہاں ہیں قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ خداوند تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے کہ تم سب اسی کی مخلصانہ عبادت کرو۔ اور اپنے معاملات میں اسی کی مدد طلب کرو۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کو اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصود عبادت ہے اور استعانت تو اس کیلئے ایک وسیلہ اور اہتمام ہے۔ احتیاط یہ ہے کہ زیادہ اہم کو مقدم کیا جائے پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ۔ واللہ اعلم۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہاں جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا ہے۔ اگر یہ جمع کیلئے ہے تو کہنے والا تو ایک ہے۔ اور اگر تعظیم کیلئے ہے تو بھی اس مقام پر نامناسب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جنس عباد کی طرف سے خبر دی جا

1۔ صحیح البخاری: 192/1 2۔ مسلم: 296/1

رہی ہے اور نمازی بھی ان ہی کا ایک فرد ہوتا ہے۔ خصوصاً جب وہ جماعت میں کھڑا ہو یا ان کا امام ہو تو اس وقت گویا وہ اپنی اور تمام مومن بھائیوں کی طرف سے یہ اقرار کر رہا ہوتا ہے کہ وہ سب اس کی عبادت کیلئے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور وہ انکی طرف سے بطور وساطت یہ کہہ رہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ تعظیم کیلئے ہے گویا جب بندہ عبادت میں داخل ہوتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ تو شریف ہے اور تیرا مرتبہ ہمارے سامنے بہت بلند ہے۔ پس تو کہہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اور جب تم عبادت سے باہر ہو تو جمع کا صیغہ استعمال نہ کرنا۔ اگرچہ تو لاکھوں یا کروڑوں میں سے ایک ہے۔ کیونکہ سب اللہ کے محتاج ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ تواضع اور انکساری میں اِيَّاكَ عَبَدْنَا سے زیادہ ہے کیونکہ اس میں انسانی عظمت کا پہلو پنہاں ہے گویا وہ اکیلا ہی اللہ کی عبادت کے اہل ہے حالانکہ کوئی بندہ اس کی عبادت اور ثناء کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ عبادت یہ وہ مقام عظیم ہے کہ اس کی مدد سے انسان اللہ تعالیٰ کی جناب سے اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے۔ جیسے کسی شاعر کا قول ہے۔

لَا تَدْعُنِیْ اِلَّا بِیَا عَبْدَهَا فَاِنَّهٗ اَشْرَفُ اَسْمَائِیْ

"ترجمہ: مجھے اس کا غلام کہہ کر پکارو کیونکہ یہی میرا سب سے عمدہ نام ہے"۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے افضل ترین مقامات پر رسول اکرم ﷺ کو عبدہ (اپنا بندہ) کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے۔ جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (الکہف: 1) ایک اور جگہ فرمایا: وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ (جن: 19)، سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ (بنی اسرائیل: 1) قرآن نے انہیں اپنا بندہ قرار دیا ہے اور یہ تعلیم دی کہ جب تمہارا دل مخالفین کی بے جا مخالفت کی وجہ سے تنگ ہو تو تم اس کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۙ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (سورۂ حجر 97\99)

"اور ہم خوب جانتے ہیں۔ کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کہا کرتے ہیں۔ سو آپ پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ہو جائیے سجدہ کرنے والوں سے۔ اور عبادت کیجئے اپنے رب کی یہاں تک کہ آجائے تیرے پاس یقین"۔ رازی نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے نقل کیا ہے کہ مقام عبودیت مقام رسالت سے ارفع ہے کیونکہ عبادت کا تعلق مخلوق سے خالق کی طرف ہوتا ہے، اور رسالت کا تعلق حق سے خالق کی طرف ہوتا ہے۔ اس لیے بھی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندے کی مصالح اور امور کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور رسول اپنی امت کی مصلحتوں کا وارث ہوتا ہے۔ یہ قول خطاء ہے اور اس کی دلیل ضعیف اور لاحاصل ہے۔ رازی کے علاوہ کسی اور نے نہ تو اس کا رد کیا ہے۔ اور نہ اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

بعض صوفیاء کا قول ہے کہ عبادت یا تو حصول ثواب کیلئے ہوتی ہے یا عذاب سے بچنے کیلئے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی فائدہ کی بات نہیں۔ کیونکہ اس وقت مقصود خود اپنے مقصود کا حصول ٹھہرا۔ یا بطور شرف لیکن یہ بھی ضعیف ہے۔ عبادت کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ عبادت خالص اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے ہو جو کمال کی تمام صفات سے متصف ہے۔ فرماتے ہیں اسی لیے نمازی کہتا ہے۔ میں اللہ کیلئے نماز پڑھ رہا ہوں۔ اگر ثواب کے حصول کیلئے یا عذاب سے بچنے کیلئے ہو تو نماز باطل ہے۔ دوسرا گروہ ان کی تردید کرتا ہے وہ کہتے ہیں کہ عبادت کا رضائے الٰہی کیلئے ہونا اس کے ساتھ ثواب طلب کرنا یا عذاب سے پناہ طلب کرنے کے منافی نہیں۔ جیسے اس اعرابی نے کہا تھا کہ "میں نہ تو آپ ﷺ کی طرح پڑھنا جانتا ہوں اور نہ حضرت معاذ کی طرح میں تو اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور آگ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اسی لیے ہم بھی پڑھتے ہیں۔ (حَوْلَهَا نُدَنْدِنُ)(1)

1۔ مسند احمد: 474/3

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝

''چلا ہم کو سیدھے راستہ پر''

جمہور قراء نے صاد کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض قراء نے ''السراط'' سین کے ساتھ اور بعض نے زا کے ساتھ پڑھا ہے فراء کا کہنا ہے کہ یہ بنو عذرہ اور بنو کلب کی زبان ہے۔ چونکہ پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ثناء گزر چکی اس لیے اب مناسب تھا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے جیسا کہ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ ''اس کا نصف میرے لیے ہے اور نصف میرے بندے کیلئے۔ اور میرے بندے کیلئے وہی کچھ ہے جو وہ طلب کرے۔ (خیال فرمایئے) کہ اس بات میں کس قدر لطافت ہے کہ پہلے اپنے مسئول (پروردگار عالم) کی تعریف کرے پھر اپنی اور اپنے بھائیوں کی مراد ان الفاظ سے طلب کرے ''اے اللہ ہمیں سیدھی راہ دکھا''۔ کیونکہ مراد کے حصول اور مقصد کو پالینے کا یہ تیر بہدف نسخہ ہے۔ اسی لیے اللہ وتبارک وتعالیٰ نے اسے پالینے کے کامل طریقے کی طرف راہنمائی فرمائی۔ کبھی سوال اس طرح بھی ہوتا ہے کہ سائل اپنی حالت اور حاجت کو ظاہر کر دیتا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ (قصص:24) ''میرے مالک! واقعی میں اس خیر و برکت کا جو تو نے میری طرف اتاری ہے محتاج ہوں''۔ کبھی اس سے پہلے ممدوح کا وصف ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی دعا: لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ۖ اِنِّیۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ (انبیاء:87) ''کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاک ہے تو۔ بے شک میں ہی قصور وار ہوں''۔ کبھی سائل صرف تعریف کر کے خاموش ہو جاتا ہے جیسے شاعر کا قول ہے ؎

اَاَذۡكُرُ حَاجَتِیۡ اَمۡ قَدۡ كَفَانِیۡ حَيَاؤُكَ اِنَّ شِیۡمَتَكَ الۡحَيَاءُ

اِذَا اَثۡنٰی عَلَيۡكَ الۡمَرۡءُ يَوۡمًا كَفَاهُ مِنۡ تَعَرُّضِهِ الثَّنَاءُ

''ترجمہ: میں اپنی حاجت کو ذکر کروں یا تیری جود و سخا ہی میرے لیے کافی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ داد و دہش تیری فطرت میں داخل ہے''۔ لفظ ہدایت یہاں ارشاد اور توفیق کے معنی میں ہے۔ کبھی یہ متعدی ہوتا ہے جیسے اس آیت کریمہ میں ہے۔ یہ اَلۡهِمۡنَا، یا اَرۡزُقۡنَا، یا اَعۡطِنَا کے معنی میں ہے۔ ایک دوسری آیت کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَهَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِ (البلد:10) ''اور ہم نے دکھا دیں اسے دو نمایاں راہیں''۔ کبھی یہ الیٰ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِجۡتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ (النحل:121) ''اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا اور انہیں ہدایت فرمائی سیدھے راستے کی طرف''۔ ایک دوسری جگہ فرمایا: فَاهۡدُوۡهُمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡجَحِیۡمِ (صافات:23) ''پس سیدھا لے چلو انہیں جہنم کی راہ کی طرف''۔ یہاں ہدایت ارشاد اور دلالت کے معنی میں ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِنَّكَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ (شوریٰ:52) ''بلاشبہ آپ راہنمائی فرماتے ہیں صراط مستقیم کی طرف''۔ کبھی یہ لام سے متعدی ہوتا ہے جیسے اہل جنت کا قول: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ هَدٰىنَا لِهٰذَا (اعراف:43) ''ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے راہ دکھائی ہمیں اس بہشت کی''۔

امام ابو جعفر جریر فرماتے ہیں صراط مستقیم سے مراد بالاتفاق تمام امت کے نزدیک واضح راستہ ہے جس میں کہیں کجی نہ ہو۔ سب اہل عرب کی لغت میں یہی ہے۔ جیسے جریر بن عطیہ خطفی کا قول ہے۔

اَمِیۡرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ عَلٰی صِرَاطٍ اِذَا اعۡوَجَّ الۡمَوَارِدُ مُسۡتَقِیۡمُ

کہتے ہیں اس کے شواہد بے شمار ہیں۔ پھر اہل عرب لفظ صراط کو استعارۃً ہر قول اور عمل پر استعمال کرتے ہیں جس کی صفت مستقیم (سیدھا) معوج (ٹیڑھا) آتی ہے۔ لفظ صراط کی تفسیر میں سلف و خلف مفسرین کی عبارتوں میں اختلاف ہے۔ اگرچہ ان سب کا خلاصہ

ایک ہے اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی کرنا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ صراط مستقیم سے مراد کتاب اللہ ہے (1)۔ جیسے ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابن جریر نے بھی روایت کیا ہے۔ فضائل قرآن میں احمد اور ترمذی کی روایت پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت علی سے مرفوعاً مروی ہے۔ کہ وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے وہ ذکر حکیم ہے اور وہی صراط مستقیم ہے حضرت علی سے یہی روایت موقوفاً بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ ثوری نے بھی یہی لکھا ہے۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد اسلام ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ جبریل نے حضور ﷺ سے عرض کی۔ ''اے محمد فرمائیے اے اللہ مجھے سیدھی راہ دکھا''۔ یہ اللہ کا دین ہے اور اس میں کوئی کجی نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس سے ایک دوسرا قول مروی ہے کہ اس سے مراد اسلام ہے۔ ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر بہت سے صحابہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے۔ آسمانوں اور زمین کے مابین جو کچھ ہے وہ اس سے وسعت والا ہے۔ ابن حنفیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ یہ اللہ کا دین ہے جس کے سوا کوئی دین مقبول نہیں۔ عبداللہ بن زید اسلم کا قول بھی یہی ہے۔ مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی ایک مثال بیان کی ہے جس کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں۔ ان میں کئی دروازے کھلے ہیں ان پر پردے لٹک رہے ہیں۔ صراط مستقیم کے دروازے پر ایک آدمی یہ ندا دے رہا ہے۔ اے لوگو! سب اسی راہ پر چلتے جاؤ۔ ادھر ادھر مت ہونا۔ ایک پکارنے والا اس راستے کے اوپر ہے۔ جب کوئی شخص ان دروازوں کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے۔ تیرا بھلا ہو اسے نہ کھولنا۔ اگر تو نے اسے کھول دیا تو تو اس کے اندر چلا جائے گا۔ پس صراط مستقیم تو اسلام ہے، دیواریں اللہ کی حدود اور کھلے دروازے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ اس کے سرے پر پکارنے والا قرآن کریم ہے۔ اور راستے کے اوپر سے پکارنے والا وہ کھٹکا ہے جو ہر مسلمان کے دل میں ہوتا ہے (2)۔ یہی روایت ابن ابی حاتم، ابن جریر، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کی ہے۔ اس کی اسناد حسن صحیح ہے واللہ اعلم۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ صراط مستقیم سے مراد حق ہے۔ ان کا یہ قول سب کو شامل ہے۔ اس میں اور سابقہ اقوال میں کوئی تضاد نہیں۔ ابن ابی حاتم اور حضرت ابو العالیہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد نبی اکرم ﷺ اور ان کے دو (خلفاء) صاحبین ہیں۔ حضرت عاصم کہتے ہیں کہ ہم نے یہ بات حضرت حسن سے ذکر کی تو انہوں نے فرمایا ابو العالیہ درست کہتے ہیں (3)۔ یہ سب اقوال صحیح اور ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں جس نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء (ابوبکر وعمر) کی اتباع کی اس نے حق کی اتباع کی اور جو حق کا پیرو ہے وہ اسلام کا پیروکار ہے۔ جس نے اسلام کی اتباع کی وہ قرآن کا مطیع ہے۔ جو کہ اللہ کی کتاب، اس کی مضبوط رسی اور صراط مستقیم ہے۔ یہ سب اقوال صحیح ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ وللہ الحمد۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ سے روایت کی ہے کہ صراط مستقیم وہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں چھوڑا۔ اسی لئے امام ابوجعفر بن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس آیت کی سب سے بہتر تفسیر یہ ہے کہ ہمیں اس چیز کی توفیق دی جائے جو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ جس پر چلنے سے خدا اپنے بندوں سے راضی ہوا ہو۔ اور ان پر انعام کیا ہو۔ یہی صراط مستقیم ہے کیونکہ جس شخص کو وہ توفیق دی گئی جو اللہ کے انعام یافتہ بندوں (انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین) کو تھی۔ تو اسے اسلام، رسولوں کی تصدیق، کتاب اللہ پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے، اللہ کے اوامر کو بجالانے، اس کے نواہی سے رک جانے، نبی اکرم ﷺ، آپ کے خلفاء اربعہ اور ہر نیک بندے کی راہ کی توفیق دی گئی۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ **اعتراض:** اگر یہ کہا جائے کہ مومن کو تو ہدایت پہلے ہی نصیب ہو چکی ہے۔ پھر ہر نماز میں اور نماز کے علاوہ وہ ہدایت مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ **جواب:** اس سے مراد ہدایت پر ثابت قدمی رسوخ اور ہمیشگی کی طلب ہے۔ کیونکہ بندہ ہر

1۔ مسند احمد: 182/4 1۔ مسند احمد: 182/4 2۔ تفسیر الطبری: 75/1

گھڑی ہر لمحے اللہ تعالیٰ کی ذات کا محتاج ہے۔ وہ خود اپنی جان کے نفع ونقصان کا مالک نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مدد، ثابت قدمی اور توفیق چاہتا رہے۔ سعادتمند انسان تو وہ ہے اللہ تعالیٰ جس کی درخواست منظور کرتے ہوئے اسے توفیق عطا فرما دے۔ بے شک وہ رب جلیل پکارنے والے کی پکار سننے کا کفیل ہے۔ بالخصوص مجبور، محتاج اور ہر آن اس کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کرنے والے کی ہر پکار کو سنتا ہے اور اسے قبول کرنے کا وہ ضامن ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (نساء:136) ''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی اس سے پہلے''۔ اس آیت میں ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم دیا۔ یہ تحصیل حاصل نہیں ہے کیونکہ یہاں اس سے مراد ثابت قدمی، استمرار اور اس کے حصول میں معاون اعمال پر دوام طلب کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔ اللہ رب العزت نے اپنے مومن بندوں کو یہ کہنے کا حکم دیا۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران:8) ''اے ہمارے رب! نہ ٹیڑھے کر ہمارے دل بعد اس کے کہ تو نے ہدایت دی ہمیں اور عطا فرما ہمیں اپنے پاس سے رحمت بے شک تو ہی سب کچھ بہت زیادہ دینے والا ہے''۔ حضرت صدیق اکبر اس آیت کو مغرب کی نماز کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سراً پڑھا کرتے تھے۔ پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا معنی یہ ہے کہ ہمیں اس پر ثابت قدم رکھ اور اس سے نہ ہٹا۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

''راستہ ان کا جن پر تو نے انعام فرمایا نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا''

وہ حدیث پہلے گذر چکی ہے جس میں ہے کہ جب بندہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ آخر تک پڑھتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جو وہ مانگے۔ یہ آیت صراط مستقیم کی تفسیر ہے۔ اور نحویوں کے نزدیک یہ بدل یا عطف بیان ہے واللہ اعلم۔ انعام یافتہ لوگوں کا بیان سورۂ نساء میں آ چکا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا (نساء:69\70) ''اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اس کے) رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔ یہ (محض) فضل ہے اللہ تعالیٰ کا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا''۔ حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے فرشتوں، انبیاء، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کی راہ پر چلا جن پر اپنی اطاعت اور عبادت کی وجہ سے تو نے انعام فرمایا۔ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (نساء:80) حضرت ابو جعفر حضرت ربیع بن انس سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد انبیاء ہیں۔ ابن عباس اور مجاہد کے نزدیک اس سے مراد مؤمنین ہیں۔ وکیع کے نزدیک اس سے مراد مسلمان ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ ہیں۔ ابن عباس کا مذکورہ بیان زیادہ عمومیت اور شمولیت والا ہے۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ جمہور کی قرأت میں غَيْرِ راء کی زیر کے ساتھ ہے اور صفت ہے۔ زمخشری نے لکھا ہے کہ اسے حال کے طور پر زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر بن خطاب کی قرأت یہی ہے۔ ابن کثیر سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ علیہم میں ضمیر

ذوالحال ہے۔ اَنۡعَمۡتَ اس کا عامل ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ خدایا تو ہمیں سیدھی راہ دکھا ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا جو ہدایت اور استقامت والے تھے خدا اور اس کے رسول کے اطاعت گذار، اس کے اوامر کو بجالانے والے اس کے منع کردہ امور سے رکنے والے۔ نہ کہ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا غضب ہوا جن کے ارادے فاسد ہو گئے۔ حق کو سمجھنے کے باوجود انہوں نے اس سے اعراض کر لیا۔ اور نہ گمراہ لوگوں کا جو علم نہیں رکھتے حق کی طرف ان کا رہنمائی نہیں کی جاتی اور وہ گمراہی میں سرگرداں ہیں۔ کلام میں لا سے تاکید پیدا کی تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں دوراستے ہیں۔ ایک یہود کا دوسرا نصاریٰ کا۔ بعض نحویوں کا خیال ہے کہ غیر کا لفظ یہاں استثناء کے لئے ہے۔ تو یہ استثناء منقطع بھی ہوسکتا ہے کہ وہ انعام یافتہ لوگوں میں داخل ہی نہ تھے۔ لیکن ہماری ذکر کردہ تفسیر زیادہ بہتر ہے۔ ایک شاعر کا قول ہے۔

فِیۡ بِئۡرِ لَا حَوۡرٍ سَعٰی وَمَا شَعَرۡ

ای فی بئر حور۔ صحیح وہی ہے جس کا تذکرہ گذر چکا ہے۔ ابو عبید قاسم بن سلام اپنی کتاب فضائل قرآن میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ پڑھا کرتے تھے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ ابی بن کعب سے بھی یہی منقول ہے۔ لیکن اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ انہوں نے اسے بطور تفسیر اس طرح پڑھا ہے۔ اس سے بھی ہمارے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ لا نفی کی تاکید کے لئے ہے۔ تاکہ یہ وہم ہی نہ ہو کہ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ پر عطف ہے۔ اس لئے بھی کہ دونوں راہوں کا فرق معلوم ہو جائے۔ تاکہ ہر شخص ان سے بچتا رہے۔ اہل ایمان کا طریقہ تو یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو اور اس پر عمل بھی ہو۔ یہود کے ہاں عمل نہیں اور نصاریٰ کے ہاں علم نہیں۔ اسی لئے یہودیوں پر غضب ہوا اور نصرانیوں کے حصے میں گمراہی آئی۔ اس لئے کہ علم کے باوجود عمل کو چھوڑنا غضب کا باعث ہے۔ نصاریٰ گو ایک چیز کا قصد تو کرتے ہیں لیکن اس کی راہ نہیں پا سکتے کیونکہ ان کا طریق کار غلط ہے۔ وہ اتباع حق ہے۔ جس سے ہٹنے کے سبب وہ گمراہ ہو گئے۔ یوں تو غضب اور گمراہی میں دونوں گروہ برابر ہیں لیکن یہودی غضب کے حصہ میں پیش پیش ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: مَنۡ لَّعَنَہُ اللّٰہُ وَ غَضِبَ عَلَیۡہِ (مائدہ:60) ”وہ لوگ (برے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر“۔ نصرانیوں کی بڑی خصوصیت گمراہی ہے جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَ اَضَلُّوۡا کَثِیۡرًا وَّ ضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ (مائدہ:77) ”جو گمراہ ہو چکے ہیں پہلے سے اور گمراہ کر چکے ہیں بہت سے لوگوں کو اور بھٹک چکے ہیں راہ راست سے“۔ اس کی تائید میں بہت سی احادیث اور آثار بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ مسند امام احمد میں حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا لشکر آیا اور میری پھوپھی اور کچھ لوگوں کو گرفتار کر کے رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا۔ جب ان کا تعارف کرایا گیا تو میری پھوپھی نے عرض کی یا رسول اللہ! میری خبر گیری کرنے والا دور ہے، میرا بیٹا کوئی نہیں میں عمر رسیدہ ہوں کسی خدمت کے لائق نہیں۔ مجھ پر احسان کر کے مجھے رہا فرما دیجئے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تیری خبر لینے والا کون ہے۔ اس نے عرض کی عدی بن حاتم۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگتا پھرتا ہے۔ فرماتی ہیں کہ پھر حضور ﷺ نے انہیں آزاد فرمایا تھا جب آپ ﷺ لوٹ کر جانے لگے تو آپ کے ساتھ ایک آدمی تھا غالباً وہ حضرت علی تھے۔ انہوں نے فرمایا آپ سے سواری مانگ لو۔ میری پھوپھی نے درخواست کی جو منظور ہوئی۔ وہ میرے پاس آئیں۔ اور کہنے لگیں کہ حضور کی سخاوت نے تو تیرے باپ حاتم کی سخاوت کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ آپ کے پاس جو آتا ہے وہ خالی ہاتھ نہیں جاتا۔ یہ سن کر میں بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ بچے اور عورتیں آپ کے پاس آتے جاتے ہیں اور آپ ﷺ ان سے بے تکلفانہ باتیں کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ قیصر و کسریٰ کی طرح کے بادشاہ نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا اے عدی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے کیوں بھاگتے ہو؟ کیا خدا کے سوا کوئی معبود

ہے؟۔ اللہ اکبر کہنے سے کیوں منہ موڑتے ہو۔ کیا اللہ عزوجل سے بڑی ذات بھی کوئی ہے؟۔ فرماتے ہیں میں نے اسلام قبول کر لیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے سرشار تھا۔ آپ نے فرمایا یہود مَغۡضُوۡبٌ عَلَیۡہِمۡ ہیں اور نصاریٰ ضَآلِّیۡنَ (گمراہ) ہیں الحدیث۔ ترمذی نے اسے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے یہ حدیث حسن غریب ہے(1)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد یہود ہیں۔ اور وَلَا الضَّآلِّیۡنَ کے بارے میں فرمایا وہ نصاریٰ ہیں۔ سفیان بن عیینہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے۔ ان کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ ان سب کا ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ عبدالرزاق نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وادی القریٰ میں گھوڑے پر سوار تھے کہ بنو قین کے ایک آدمی نے آپ سے یہی سوال کیا۔ تو آپ ﷺ نے یہی جواب ارشاد فرمایا۔ بعض روایت میں اس کا نام عبداللہ بن عمرو ہے واللہ اعلم۔ ابن مردویہ نے حضرت ابوذر سے یہی روایت بیان کی ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر بہت سے صحابہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید وغیرہ کا قول بھی یہی ہے بلکہ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین میں کوئی اختلاف نہیں۔ ان جلیل القدر ائمہ کے قول کی تائید سابقہ حدیث سے بھی ہوتی ہے سورۂ بقرہ کی آیت میں بنو اسرائیل کو اسی طرح خطاب کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: بِئۡسَمَا اشۡتَرَوۡا بِہٖۤ اَنۡفُسَہُمۡ اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بَغۡیًا اَنۡ یُّنَزِّلَ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ ۚ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ ؕ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ (بقرہ:90) ''بہت بری چیز ہے جس کے بدلے سودا چکایا انہوں نے اپنی جانوں کا۔ وہ یہ کہ کفر کرتے ہیں اس کتاب کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی حسد کے مارے کہ نازل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل (وحی) جس پر چاہتا ہے۔ اپنے بندوں سے سو وہ حقدار ہو گئے ناراضگی کے اور کافروں کے لئے ذلیل ورسوا کرنے والا عذاب ہے''۔ سورۂ مائدہ میں فرمایا: قُلۡ ہَلۡ اُنَبِّئُکُمۡ بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِکَ مَثُوۡبَۃً عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ مَنۡ لَّعَنَہُ اللّٰہُ وَ غَضِبَ عَلَیۡہِ وَ جَعَلَ مِنۡہُمُ الۡقِرَدَۃَ وَ الۡخَنَازِیۡرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوۡتَ ؕ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّ اَضَلُّ عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ (مائدہ:60) ''آپ (انہیں) فرمایئے کیا میں آگاہ کروں تمہیں کہ کون برا ہے ان سے باعتبار جزاء کے اللہ کے نزدیک وہ لوگ (برے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سور اور (وہ برے ہیں) جنہوں نے پوجا کی شیطان کی وہی لوگ بدترین ہیں بلحاظ درجہ کے اور دوسروں سے زیادہ بھٹکنے والے ہیں راہ راست سے''۔ ایک اور جگہ فرمایا: لُعِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّ کَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ ۞ کَانُوۡا لَا یَتَنَاہَوۡنَ عَنۡ مُّنۡکَرٍ فَعَلُوۡہُ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ (مائدہ:79-78) (لعنت کیے گئے وہ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل سے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ پسر مریم کی زبان پر یہ بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے اور زیادتیاں کیا کرتے تھے۔ نہیں منع کیا کرتے تھے ایک دوسرے کو اس برائی سے جو وہ کرتے تھے۔ بہت برا تھا جو وہ کیا کرتے تھے''۔ سیرت میں زید بن عمرو بن نفیل سے مروی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ دین حنیف کی تلاش میں شام کی طرف نکلے۔ یہود نے کہا کہ آپ ہمارے دین میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ غضب خداوندی کا حصہ نہ لے لیں۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اللہ کے غضب سے فرار چاہتا ہوں پھر وہ نصرانیوں سے ملے۔ انہوں نے کہا آپ اس وقت تک ہمارے ساتھ شامل نہیں ہو سکتے جب تک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں حصہ دار نہ بنیں۔ وہ کہتے ہیں میں نے کہا ہم یہ بھی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ اپنی فطرت پر رہے بتوں کی عبادت اور مشرکین کے دین سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اور یہود ونصاریٰ میں سے کسی کا دین قبول نہ کیا۔ تاہم زید کے ساتھیوں نے نصرانیت کو اختیار کر لیا۔ اس لیے کہ یہ یہود کے

1۔ مسند امام احمد: 378/4

مذہب سے ملتا جلتا تھا۔ انہی میں سے ورقہ بن نوفل بھی تھے۔ انہیں نبی کریم ﷺ کی نبوت کا زمانہ ملا۔ اللہ نے انہیں ہدایت عطا فرمائی آپ پر ایمان لائے اور جو وحی اس وقت تک اتری تھی اس کی تصدیق کی۔

(مسئلہ) ضاد اور ظاء کی قرأت میں بہت دقیق فرق ہے۔ کیونکہ یہ دونوں قریب المخرج ہیں۔ اس لیے علماء کرام کا صحیح مذہب یہی ہے کہ یہ فرق معاف ہے۔ ضاد کا صحیح مخرج تو زبان کا اول کنارہ اور اس کے ساتھ والی ڈاڑھیں ہیں اور ظاء کا صحیح مخرج زبان کی ایک طرف اور سامنے والے اوپر کے دو دانتوں کے کنارے۔ یہ دونوں حرف حروف مجہورہ، رخوہ اور مطبقہ سے ہیں۔ اس لیے جو شخص ان میں تمیز نہ کر سکتا ہو وہ ایک کی جگہ دوسرا حرف پڑھ لے تو یہ اسے معاف ہے۔ واللہ اعلم۔ وہ حدیث جس میں ہے کہ میں ضاد کو سب سے صحیح پڑھنے والا ہوں بے اصل ہے۔ واللہ اعلم

(فصل) یہ مبارک سورت سات آیات کا مجموعہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و بزرگی اس کی ثناء اور صفات عالیہ پر مشتمل اس کے اسماء حسنیٰ کا ذکر ہے۔ ساتھ ہی قیامت کا ذکر ہے۔ اور بندوں کو یہ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ اسی سے سوال کریں۔ اسی کے سامنے تضرع وزاری کریں۔ اپنی عاجزی و بے کسی کا اظہار کریں۔ خلوص کے ساتھ اس کی عبادت کریں۔ اس کی الوہیت و وحدانیت کا اقرار کریں، اسے شریک، نظیر اور مثل سے مبرا سمجھیں۔ صراطِ مستقیم کی ہدایت اور اس پر ثابت قدمی کی دعا کریں۔ حتیٰ کہ یہی ہدایت انہیں قیامت کے دن پل صراط سے پار لگا دے۔ اور انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین کے جوار میں جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے۔ ساتھ ہی اس سورت میں نیک اعمال کی ترغیب ہے۔ تاکہ قیامت کے دن نیکوکاروں کی معیت نصیب ہو اور باطل راہوں پر چلنے سے تنبیہ ہے تاکہ قیامت کے دن حشر ان کے ساتھ نہ ہو کیونکہ وہ تو مَغْضُوْبٌ عَلَيْهِمْ اور گمراہ ہیں۔ انعام کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا کتنا عمدہ ہے۔ ارشاد فرمایا: صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ غضب کے فاعل کو حذف کر دیا۔ اگرچہ وہی حقیقت میں اس کا فاعل ہے۔ جیسے ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ الآیۃ ''کیا تم نے نہیں دیکھا ان (نادانوں) کی طرف جنہوں نے دوست بنا لیا ایسی قوم کو جن پر خدا کا غضب ہوا'' (مجادلہ:14) اسی طرح ضلالت کی نسبت ان کی طرف کی گئی جو گمراہ ہیں۔ حالانکہ انجام کار ان کی تقدیر کے سبب اللہ نے ہی ان کی گمراہی پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے۔ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (کہف:17) ''(حقیقت یہ ہے کہ) جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو تو نہیں پائے گا اس کے لیے کوئی مددگار (اور) راہنما''۔ ایک اور جگہ فرمایا: مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (اعراف:186) ''جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو نہیں کوئی ہدایت دینے والا اسے۔ وہ رہنے دیتا ہے انہیں کہ اپنی گمراہی میں بھٹکتے رہیں''۔

اس طرح کی بہت سی آیات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ قدریہ فرقہ اور ان کے پیروکار یہ کہتے ہیں کہ بندے خود مختار ہیں اور بطور استشہاد قرآن کریم کی متشابہ آیات کو لاتے ہیں۔ جن آیات میں ان کا رد، انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کا یہ موقف غلط ہے۔ باطل پرست فرقوں کا یہی طریق کار رہتا ہے۔ حالانکہ صحیح حدیث میں ہے کہ ''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیات کے پیچھے لگے ہیں تو سمجھ لو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہی کا نام لیا ہے۔ پس تم ان سے محتاط رہو'' (1)۔ اس حدیث میں حضور ﷺ کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے: فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ (آل عمران:7) ''پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے۔ سو وہ پیروی کرتے ہیں (صرف) ان آیتوں کی جو متشابہ ہیں قرآن سے (ان کا

1۔ صحیح مسلم:1

مقصد) فتنہ انگیزی اور (غلط) معنی کی تلاش ہے''۔ پس الحمدللہ اہل بدعت کے لئے قرآن کریم میں کوئی صحیح دلیل نہیں۔ کیونکہ قرآن تو حق و باطل اور ہدایت اور گمراہی میں فرق کرنے کے لئے ہی آیا ہے۔ اس میں کسی قسم کا تناقض اور اختلاف نہیں کیونکہ یہ تو اُتاری ہوئی ہے بڑے حکمت والے، سب خوبیاں سراہے کی طرف سے۔

(فصل) سورۂ فاتحہ کو ختم کر کے آمین کہنا مستحب ہے۔ آمین یہ یاسین کی طرح ہے۔ بعض نے اَمین کر کے پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے اے اللہ قبول فرما۔ آمین کے استحباب کی دلیل وہ حدیث مبارکہ ہے جسے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جائے اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہی حدیث مسلم میں دیگر الفاظ سے بھی آئی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق اور ہلال بن یساف فرماتے ہیں کہ آمین اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک نام ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ مقتدی بلند آواز سے آمین نہیں کہیں گے۔ کیونکہ نماز کے دیگر افعال آہستہ آواز میں ادا کیے جاتے ہیں۔ (صحیح مذہب یہی ہے۔ مترجم)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آمین کا لفظ رب العالمین کی طرف سے اپنے بندوں پر مہر ہے۔ (اس بحث کو مختصر کر دیا گیا ہے۔ مترجم)

سورۂ بقرہ

یہ سورت مدنی ہے۔اس کی آیات کی تعداد 286 ہے۔

اس سورت کے فضائل: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ قرآن کی کوہان اور اس کی بلندی ہے اس کی ایک ایک آیت کے ساتھ اسی فرشتے نازل ہوتے تھے۔ بالخصوص آیت الکرسی تو خاص عرش تلے سے نازل ہوئی۔ اور اس سورت کے ساتھ ملائی گئی۔ سورۂ یٰسین قرآن کا دل ہے۔ جو شخص اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور دار آخرت کی کامیابی کے لئے پڑھے۔ اسے بخش دیا جاتا ہے۔ اسے مرنے والوں پر پڑھا کرو(1)۔ یہ حدیث اسی طرح ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ترمذی نے ایک ضعیف سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز کی بلندی ہوتی ہے۔ اور قرآن کی بلندی سورۂ بقرہ ہے(2)۔ اس میں ایک آیت ہے جو تمام آیات کی سردار ہے۔ اور وہ آیت الکرسی ہے۔ مسند امام احمد، مسلم، ترمذی اور نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ۔ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا(3)۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ابوعبید قاسم بن سلام کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے شیطان وہاں سے رخصت ہو جاتا ہے''(4)۔ اس حدیث کے ایک راوی کو ابن حصین نے تو ثقہ قرار دیا ہے۔ لیکن اس کی حدیث کو امام احمد بن حنبل نے منکر سمجھا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک قول اسی طرح منقول ہے۔ نسائی نے اسے الیوم و اللیلۃ میں، حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابن مردویہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ پیر پر پیر چڑھائے پڑھتا چلا جائے۔ اور سورۂ بقرہ کو چھوڑ دے۔ بے شک جس گھر میں یہ سورت پڑھی جائے شیطان وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ سب گھروں سے چھوٹا خالی وہ گھر ہے جس میں کتاب اللہ کی تلاوت نہ ہو(5)۔ نسائی نے الیوم و اللیلۃ میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ دارمی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جا رہی ہو شیطان وہاں سے بآواز بلند پادتا ہوا بھاگتا ہے۔ ہر چیز کی شان وشوکت ہے قرآن کی شان وشوکت سورۂ بقرہ ہے، ہر چیز کا مغز ہوتا ہے قرآن کا مغز مفصل سورتیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شخص سورۂ بقرہ کی دس آیات (پہلی چار آیتیں، آیت الکرسی، اس کے بعد کی دو آیات اور آخری تین آیات) کسی رات پڑھ لے تو شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوتا۔ ایک روایت میں ہے وہ اس روز اس گھر اور اہل خانہ کے قریب نہیں جا سکتا۔ اور کوئی چیز انہیں نہیں ستا سکتی۔ اگر یہ آیات مجنون پر پڑھی جائیں تو اسے افاقہ ہو جائے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز کی شان ہے اور قرآن کی شان سورۂ بقرہ ہے جس نے اسے رات کو گھر میں پڑھا اس گھر میں تین رات شیطان داخل نہیں ہوتا۔ اور جس نے اسے دن کو پڑھا شیطان تین دن تک اس گھر میں داخل نہیں ہوتا(6)۔ اس روایت کو ابوالقاسم طبرانی، ابوحاتم، ابن حبان اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا

1۔ مسند احمد: 26/5 2۔ الترمذی: 2878 3۔ مجمع الزوائد: 311/6
4۔ مجمع الزوائد: 311/6 5۔ صحیح مسلم: 2/2 6۔ الدر المنثور: 19/1

لشکر بھیجا۔ آپ ﷺ ہر شخص سے باری باری قرآن کریم میں سے جو کچھ اسے یاد ہوتا سنتے جاتے۔ ایک کم سن شخص کو پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا تمہیں قرآن کریم سے کچھ یاد ہے اس نے عرض کی سورۂ بقرہ اور فلاں فلاں سورت۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں سورۂ بقرہ یاد ہے۔ اس نے عرض کی جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ تم ان کے سردار ہو۔ اس وقت ان میں سے ایک معزز آدمی نے کہا میں نے اس خدشہ سے یہ سورت یاد نہیں کی کہ میں اس پر عمل نہیں کرسکوں گا۔ تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''قرآن سیکھو اسے پڑھو۔ جس نے قرآن سیکھا اسے پڑھا اور اس پر عمل کیا اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کستوری سے بھرا ہوا برتن جس کی خوشبو ہر طرف مہک رہی ہے۔ اور اسے سیکھ کر سو جانے والے کی مثال اس طرح ہے جیسے کستوری والی مشک جس کا منہ بند کر دیا گیا ہے'' (1)۔ یہ الفاظ ترمذی کے ہیں۔ ترمذی کے نزدیک یہ حدیث حسن ہے۔ ترمذی نے اسے مرسل بھی روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم

امام بخاری حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے ایک رات سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کی۔ ان کا گھوڑا پاس بندھا ہوا تھا۔ اس نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ آپ خاموش ہو گئے تو گھوڑا بھی پرسکون ہو گیا۔ آپ نے پھر پڑھنا شروع کیا۔ گھوڑا پھر بدکنے لگا۔ وہ خاموش ہوئے تو گھوڑا بھی خاموش ہو گیا۔ وہ پھر پڑھنے لگے تو گھوڑا پھر بدکنے لگا۔ ان کے صاحبزادے یحیٰی گھوڑے کے پاس ہی لیٹے ہوئے تھے۔ وہ اٹھے اور بچے کو اس خدشے سے اٹھا لیا کہ اسے چوٹ نہ آجائے۔ جب انہوں نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی تو اسے نہ دیکھا۔ صبح اٹھ کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم اسے پڑھتے چلے جاتے۔ تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے یحیٰی کے بارے میں خدشہ ہوا تو میں نے آگے بڑھ کر اسے اٹھا لیا۔ پھر میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نورانی چیز چھتری کی طرح ہے اس میں چراغوں کی روشنی ہے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ روشنی غائب ہو گئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا تمہیں معلوم ہے وہ روشنی کیا تھی۔ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا یہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز سن کر قریب آگئے تھے۔ اگر تم پڑھتے رہتے تو وہ صبح تک یونہی رہتے حتیٰ کہ لوگ انہیں دیکھ لیتے اور وہ کسی سے نہ چھپتے (2)۔ امام ابو عبید قاسم بن سلام نے اپنی کتاب فضائل القرآن میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی اسی طرح کا واقعہ مذکور ہے ایک مرتبہ لوگوں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی کہ گذشتہ رات ہم نے دیکھا کہ حضرت قیس کا گھر ساری رات بقعۂ نور بنا رہا، اور چراغوں سے جگ مگ کرتا رہا آپ ﷺ نے فرمایا شاید انہوں نے رات کو سورۂ بقرہ پڑھی ہو گی۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا (3)۔ اس کی اسناد تو بہت عمدہ ہے مگر اس میں ابہام ہے اور یہ مرسل بھی ہے۔ واللہ اعلم

سورۂ بقرہ اور آل عمران کی فضیلت

حضرت امام احمد ذکر فرماتے ہیں کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ سورۂ بقرہ سیکھو اس کا سیکھنا برکت اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے۔ جادوگر اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ پھر کچھ دیر چپ رہنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران سیکھو۔ قیامت کے دن یہ دونوں نورانی سورتیں اپنے پڑھنے والے پر بادل، سائبان یا پرندوں کے جھنڈ کی طرح سایہ کریں گی۔ قیامت کے دن جب آدمی قبر سے باہر آئے گا تو قرآن اسے نوجوان شخص کی طرح ملے گا۔ وہ اسے کہے گا کیا تم مجھے پہچانتے ہو۔ وہ شخص کہے گا نہیں۔ تو وہ شخص کہے گا میں تیرا ساتھی قرآن ہوں جس نے دنوں کو تجھے بھوکا پیاسا رکھا اور راتوں کو بیدار رکھا ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے اور آج ساری تجارتیں تیرے پیچھے ہیں اسے دائیں ہاتھ میں ملک اور بائیں

1۔ الترمذی: ابواب القرآن 2۔ البخاری 32/6 3۔ فتح الباری 57/9

ہاتھ جنت خلد عطا کی جائے گی اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا۔اس کے والدین کو دوایسے حلے پہنائے جائیں گے کہ ساری دنیا کی قیمت بھی ان کے سامنے ہیچ ہو۔وہ پوچھیں گے کہ اس انعام واکرام کی کیا وجہ ہے۔کہا جائے گا کہ تمہارے بچے کی قرآن خوانی وجہ سے پھر کہا جائے گا پڑھ اور جنت کی سیڑھیوں اور بالا خانوں پر چڑھتا جا۔وہ درجے بلند ہوتا رہے گا۔خواہ ترتیل سے پڑھے۔یا بغیر ترتیل کے(1)۔ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کا بعض حصہ روایت کیا ہے۔اس کی سند حسن ہے اور شرط مسلم پر ہے۔اس کے راوی بشر سے امام مسلم نے بھی روایات کی ہیں ابن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔نسائی کا قول ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں۔مگر امام احمد انہیں منکر الحدیث قرار دیتے ہیں۔فرماتے ہیں میں نے تلاش کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حدیث میں عجیب باتوں کا ذکر کرتا ہے۔بخاری کہتے ہیں کہ ان کی بعض حدیثوں میں اختلاف کیا جاتا ہے۔ابوحاتم رازی کے نزدیک ان کی حدیث لکھی جاتی ہے لیکن اس سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ابن عدی کا قول ہے کہ ان کی ایسی مرویات بھی ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاتی۔دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہ قوی نہیں۔میں کہتا ہوں کہ ان کی روایات کے شواہد بھی ہیں جیسے ابوامامہ باہلی کی روایت جسے امام احمد نے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا قرآن پڑھا کرو یہ اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔دونوں سورتیں بقرہ اور آل عمران (زھراوان) پڑھا کرو۔یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جیسے دو بادل یا دو سائبان یا صف باندھے ہوئے پرندوں کے دو گروہ۔یہ اپنے قاری کی خدا تعالیٰ سے سفارش کریں گی۔ان کا پڑھنا برکت اور ترک کرنا باعث حسرت ہے۔جادوگر اس کی طاقت نہیں رکھتے(2)۔مسلم نے اسے کتاب الصلاۃ میں روایت کیا ہے۔الزاھران،نورانی۔ **الغیاية**: جو چیز اوپر سے سایہ کرے۔ **الفرق**: گروہ،جھنڈ۔ **الصواف**: پرسے پر ملائے صف باندھے ہوئے۔ **البطلة**: جادوگر۔ **لا تستطیعھا**: کا معنی ہے کہ جادوگر انہیں حفظ نہیں کرسکتے۔یا اس کے قاری پر ان کا اثر و نفوذ نہیں ہوسکتا۔

مسند امام احمد میں حضرت نواس بن سمعان کلابی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ قیامت کے دن قرآن اور اہل قرآن کو لایا جائے گا۔جو اس پر عمل پیرا تھے۔ان کے آگے سورۂ بقرہ اور آل عمران ہوں گی۔حضور ﷺ نے ان کی تین مثالیں دیں جو مجھے ابھی تک نہیں بھولیں۔فرمایا گویا یہ دو بادلوں یا دو سایوں جن کے درمیان دھوپ ہوگی کی طرح ہوں گی یا پر کھولے پرندوں کے جھرمٹ کی طرح اپنے قاری کی سفارش کریں گی(3)۔مسلم اور ترمذی میں یہی روایت ہے۔ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ابوعبید لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے سورۂ بقرہ اور آل عمران کی تلاوت کی جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو حضرت کعب نے اس سے کہا کیا تو نے بقرہ اور آل عمران پڑھی ہے۔اس شخص نے کہا ہاں فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس میں خدا کا وہ اسم ہے جب اسے پڑھ کر دعا کی جائے تو وہ قبول ہوتی ہے اس آدمی نے عرض کی مجھے وہ اسم بتایئے تو حضرت کعب نے انکار فرمادیا اور فرمایا اگر میں تمہیں بتادوں تو مجھے خوف ہے کہ اس کے بدلے تو ایسی دعا نہ مانگ لے جس سے میں اور تو دونوں ہلاک ہو جائیں۔
حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں۔تمہارے بھائی کو خواب میں دکھایا گیا کہ لوگ ایک دشوار گذار بلند و بالا پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں۔پہاڑ کی چوٹی پر دو درخت ہیں جو یہ پکار رہے ہیں کیا تم میں کوئی سورۃ بقرہ کا قاری ہے؟ کیا تم میں کوئی سورۂ آل عمران کا قاری ہے؟ اچانک ایک آدمی نے کہا ہاں۔تو وہ دونوں درخت اپنے پھلوں کے خوشوں سمیت اس کی طرف جھک آتے ہیں۔وہ شخص اس کی شاخوں پر بیٹھ جاتا ہے اور وہ اسے پہاڑ پر لے جاتے ہیں۔حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک قرآن پڑھے ہوئے شخص نے اپنے پڑوسی کو مار ڈالا۔قصاص

1۔احمد 352/5 2۔احمد 183/4 3۔احمد 349/5

میں وہ بھی مارا گیا۔ قرآن کریم ایک ایک سورۃ کر کے اس سے الگ ہونا شروع ہوا حتیٰ کہ اس کے پاس صرف سورۂ بقرہ اور آل عمران رہ گئی۔ اگلے جمعہ آل عمران بھی چلی گئی اور سورۂ بقرہ باقی رہ گئی۔ اگلے جمعہ آواز آئی۔ میری باتیں بدلا نہیں کرتیں اور میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ چنانچہ یہ سورت بھی اس سے الگ ہوگئی گویا بہت بڑا بادل ہے۔ ابوعبید کہتے ہیں کہ یہ دونوں سورتیں قبر میں اس کا دفاع کرتی رہیں اور اس کی دلجوئی کرتی رہیں اور اس کے گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے اس سے الگ ہوگئیں۔ یزید ابن اسود جرشی کہتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں کو دن میں پڑھنے والا شام تک نفاق سے بری رہتا ہے۔ اور رات کو پڑھنے والا صبح تک نفاق سے بری رہتا ہے۔ دیگر وظائف کے علاوہ وہ صبح شام انہیں بھی پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص رات کو یہ دونوں سورتیں پڑھتا رہے گا۔ اللہ کے ہاں فرمانبرداروں میں اس کا شمار ہوگا۔ اس کی سند میں انقطاع ہے لیکن صحیحین میں یہ ثابت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان دونوں سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھا۔

سات طویل سورتوں کے فضائل

حضرت ابوعبید حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تورات کی جگہ سات لمبی سورتیں اور انجیل کی جگہ سو آیات والی سورتیں اور زبور کی جگہ بار بار پڑھی جانے والی آیات عطا کی گئیں۔ اور سور مفصل (ق سے لے کر آخر تک) کے ساتھ مجھے فضیلت دی گئی۔ یہ حدیث غریب ہے۔ اس کے راوی سعید بن بشیر میں کچھ کلام ہے۔ ابوعبید نے اسے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ جس شخص نے ان سورتوں کو حاصل کر لیا وہ بہت بڑا عالم ہے(1)۔ یہ روایت بھی غریب ہے ابو حاتم رازی نے اس روایت پر کوئی جرح نہیں کی۔ مسند امام احمد میں بھی یہی روایت مختلف سندوں سے آئی ہے۔ ترمذی نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ ایک لشکر بھیجا اور اس کا امیر ایک نوجوان کو اس لیے بنایا کہ اسے سورۂ بقرہ یاد تھی۔ ترمذی نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ (وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سات طویل سورتیں (بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف اور یونس) ہیں حضرت مجاہد، مکحول، عطیہ بن قیس، ابومحمد فارسی، شداد بن اوس اور یحییٰ بن حارث ذماری سے بھی یہی مروی ہے۔ سورۂ یونس یہ ساتویں سورت ہے۔

(فصل) سورۂ بقرہ بالاتفاق ساری کی ساری مدینہ شریف میں نازل ہوئی شروع شروع میں جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں ایک یہ بھی ہے ماسوائے آیت (وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ) کہا جاتا ہے کہ یہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے۔ یہ ممکن ہے کہ یہ ساری سورت کے ساتھ نازل ہوئی ہو۔ اسی طرح حرمت سود کی آیتیں سب سے آخر میں نازل ہوئیں۔ خالد بن معدان سورۂ بقرہ کو فسطاط القرآن (قرآن کا خیمہ) کہا کرتے تھے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ ایک ہزار خبروں، ایک ہزار اوامر ایک ہزار نواہی پر مشتمل ہے اس کی آیات دو سو ستاسی اور کلمات کی تعداد چھ ہزار دو سو اکیس ہے اس کے حروف اکیس ہزار پانچ سو ہیں۔ واللہ اعلم

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سورۂ بقرہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے سورۂ بقرہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ واقدی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت کیا ہے۔ اور بہت سے ائمہ علماء اور مفسرین سے بھی بالاتفاق یہی مروی ہے۔ ابن مردویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورت بقرہ، سورت آل عمران، سورت نساء نہ کہا کرو اسی طرح پورا قرآن بلکہ یوں کہو وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے۔ اور وہ

1۔ شرح السنۃ: 468/4

سورت جس میں آل عمران کا ذکر ہے اسی طرح پورا قرآن (1)۔ یہ حدیث غریب ہے اس کو مرفوع قرار دینا صحیح نہیں۔ اس کے راوی عیسیٰ بن میمون ابوخواص ہیں وہ ضعیف الروایت ہیں ان کی روایت سے حجت نہیں لی جاسکتی۔ اس کے برعکس صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بطن وادی سے شیطان پر کنکر پھینکے۔ بیت اللہ شریف ان کے دائیں اور منی بائیں طرف تھا۔ پھر فرمایا یہ وہ جگہ ہے جہاں سورۂ بقرہ نازل ہوئی۔ ابن مردویہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جب اپنے اصحاب میں کچھ سستی دیکھی تو فرمایا، اے اصحاب سورۂ بقرہ، (یا اصحاب سورۃ البقرۃ)(2)۔ غالباً یہ غزوۂ حنین کا واقعہ ہے جب اسلامی لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ تو حضور ﷺ کے حکم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں پکارا (یا اصحاب الشجرۃ) اے بیعت رضوان کرنے والو۔ ایک روایت میں اے سورۂ بقرہ والو! کے الفاظ سے پکارا تاکہ ان میں دلیری پیدا ہو۔ چنانچہ اس آواز کے ساتھ ہی وہ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ اسی طرح جنگ یمامہ کے دن مسیلمہ کذاب کے لشکر بنوحنیفہ کی کثرت دیکھ کر لوگوں کے قدم ڈگمگا گئے تو مہاجرین وانصار نے ان الفاظ کے ساتھ ندا دی۔ اے اصحاب سورۂ بقرہ۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی رضی اللہ عن اصحاب رسول اللہ اجمعین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔''

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾

''الف لام میم''

حروف مقطعات جو کہ سورتوں کے شروع میں آئے ہیں ان کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ان کے معانی صرف اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہیں۔ اس لیے وہ ان کی تفسیر نہیں کرتے۔ قرطبی نے اپنی تفسیر میں حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہی نقل کیا ہے۔ عامر شعبی، سفیان ثوری، ربیع بن خثیم رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ ابوحاتم بن حبان نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ بعض مفسرین ان کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ لیکن ان میں بھی اختلاف موجود ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے نزدیک یہ سورتوں کے اسماء ہیں۔ ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اکثر لوگوں کا اتفاق اسی پر ہے سیبویہ سے بھی یہی منقول ہے۔ اس کی تائید صحیحین کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن الٓمّٓ سَجۡدَہ اور ہَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسَانِ صبح کی نماز میں پڑھا کرتے تھے (3)۔ سفیان ثوری حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ الم، حم، المص، ص یہ سب سورتوں کی ابتدا ہے جن سے اللہ نے قرآن کریم کا آغاز فرمایا۔ انہی سے یہ قول بھی مروی ہے کہ الم قرآن کے اسماء میں سے ایک اسم ہے وھکذا۔ قتادہ اور زید بن اسلم کا قول بھی یہی ہے۔ شاید اس قول کا مطلب بھی یہی ہے جو عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں یہ سورتوں کے اسماء میں سے ایک نام ہے اس لیے کہ ہر سورت کو قرآن کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ بات بعید ہے کہ المص سارے قرآن کا نام ہو۔ کیونکہ جب کوئی شخص کہے میں نے المص سورت پڑھی تو اس سے ظاہراً یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے سورۂ اعراف پڑھی نہ کہ پورا قرآن۔ واللہ اعلم

بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ سورتوں کے آغاز میں یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں۔ حضرت سالم بن عبداللہ، اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی کبیر سے بھی یہی مروی ہے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ مجھے خبر ملی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ الم اسم اعظم ہے۔ ایک اور

1۔ فتح الباری: 88/9 2۔ مجمع الزوائد: 180/6 3۔ البخاری: 5/2

روایت میں ہے حٰم، طٰس اور الم یہ سب اسمائے اعظم ہیں۔حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ قسم بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے۔حضرت عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ اس کا معنی ہے (انا اللہ اعلم) یعنی میں سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔حضرت سعید بن جبیر سے بھی یہی مروی ہے۔حضرت ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور بعض دیگر صحابہ سے مروی ہے کہ الم، یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے حروف ہیں۔حضرت ابو العالیہ سے مروی ہے کہ الم یہ تین حروف انتیس حروف میں سے ہیں جو تمام زبانوں میں آتے ہیں۔ان میں سے ہر اسم اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی نام کا آغاز ہے۔ان کا ہر حرف اللہ کی نعمتوں اور اس کی بلاء کا ہے۔اور ہر اسم میں قوموں کی مدت اور ان کی اجل کا بیان ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے تعجب ہے لوگ اس کے اسماء پر یقین رکھتے ہیں۔اسی کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں۔پھر کیسے کفر کرتے ہیں۔الف سے مراد اللہ، لام سے لطیف اور میم سے مراد مجید ہے۔پس الف کا مطلب اللہ کی نعمتیں، لام کا مطلب اس کا لطف و کرم، میم سے مراد اللہ تعالیٰ کی بزرگی ہے۔الف ایک سال لام تیس سال اور میم چالیس سال ہے۔یہ الفاظ ابو حاتم کے ہیں۔ابن جریر نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔پھر ان سب میں تطبیق کی ہے۔اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان میں ایسا اختلاف نہیں اور انہیں جمع کرنا ممکن ہے۔یعنی ہوسکتا ہے کہ یہ سورتوں کے اسماء بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے اسماء بھی اور سورتوں کے شروع کے الفاظ بھی۔ان میں سے ہر حرف اس کے اسماء میں سے کسی اسم یا صفات میں سے کسی صفت کی طرف اشارہ کر رہا ہو۔جس طرح بہت سی سورتوں کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور بزرگی کے ذکر کے ساتھ ہوا ہے۔اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک ہی حرف اس کے اسماء میں سے کسی اسم یا صفات میں سے کسی صفت اور مدت وغیرہ پر دلالت کر رہا ہو۔جیسا کہ حضرت ابو العالیہ سے مروی ہے کیونکہ ایک ہی کلمہ کئی کئی معانی کے لئے آتا رہتا ہے جیسے لفظ (اُمَّۃٌ) اس کا اطلاق دین پر بھی ہوتا ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّۃٍ (زخرف:22) ''ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر''۔اس سے مراد خدا کا اطاعت گذار بندہ لیا جاتا ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ؕ وَ لَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (نحل:120) ''ابراہیم ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے''۔اس کا ایک معنی جماعت بھی ہوتا ہے۔وَجَدَ عَلَیْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ یَسْقُوْنَ (قصص:23) ''تو دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے'' ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا (نحل:36) ''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول'' بعض اوقات اس سے مراد وقت بھی لیا جاتا ہے۔ارشاد ربانی ہے: وَ قَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ (یوسف:45) ''اور (اس وقت) بولا وہ شخص جو بچ گیا تھا ان دو (قیدیوں) سے اور اب اسے یاد آئی (یوسف کی) ایک عرصہ کے بعد''۔(اَیْ بَعْدَ حِیْنٍ عَلٰی اَصَحِّ الْقَوْلَیْنِ) یہ اس کلام کا خلاصہ ہے۔لیکن یہ اس طرح نہیں جیسے ابو العالیہ سے مذکور ہے ان کا خیال ہے کہ ایک لفظ بیک وقت متعدد معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔لفظ امت اور اس طرح کے دیگر الفاظ کو اصطلاح میں الفاظ مشترکہ کا نام دیا جاتا ہے۔قرآن کریم میں ہر جگہ ان کے معنی ایک ہی ہوتے ہیں۔جو عبارت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتے ہیں۔ایک ہی جگہ تمام معانی مراد لینے کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔واللہ اعلم۔

پھر لفظ امت سیاق کلام میں تمام معانی پر وضع کے اعتبار سے دلالت کرتا ہے۔لیکن ایک حرف کی دلالت ایک ایسے نام پر ممکن ہے کہ وہ دوسرے ایسے نام پر بھی دلالت کرتا ہو۔اور ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہ ہو نہ تو مقدر ماننے سے، نہ وضع کے اعتبار سے اور نہ ہی کسی دوسرے لحاظ سے یہ بات علمی طور پر نہیں سمجھی جاسکتی۔یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس میں کوئی اجماع نہیں کہ اس کے بموجب فیصلہ دیا جائے۔

اب عرب شعراء کے بعض اشعار جو بطور دلیل پیش کیے جاتے ہیں کہ کلمہ کو بیان کرنے کیلئے صرف اس کا پہلا حرف بول دیتے ہیں یہ ٹھیک ہے۔ لیکن ان اشعار میں خود ایسی عبارت ہوتی ہے۔ جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک حرف کے بولتے ہی پورا کلمہ سمجھ میں آ جاتا ہے لیکن یہ صورت اس کے برعکس ہے۔ جیسے ایک شاعر کا قول ہے۔

قُلْنَا قِفِیْ لَنَا قَالَتْ قَافْ ــ لَا تَحْسَبِی اَنَّا نَسِیْنَا الْاِ یْجَافْ

قاف یعنی وقفت۔ ایک دوسرے شاعر کا قول ہے۔

مَالِلظَّلِیْمِ عَالَ کَیْفَ لَایَا ــ یَنْقَدُّ عَنْهُ جِلْدُهٗ اِذَا یَا

ابن جریر کا قول ہے کہ گویا اس کی مراد ہے اِذَا یَفْعَلُ کَذَا وَ کَذَا تو اس نے یَفْعَلُ کی صرف یاء پر اکتفاء کرلیا۔ ایک دوسرے شاعر کا قول ہے۔

بِالْخَیْرِ خَیْرَاتٍ وَاِنْ شَرًّافَا ــ وَلَا اُرِیْدُ الشَّرَّ اِلَّا اَنْ تَا (1)

وہ یہ کہنا چاہتا ہے اِنْ شَرًّافَشَرٌّ وَلَا اُرِیْدُ الشَّرَّ اِلَّا اَنْ تَشَآءَ اس نے دونوں کلموں کی جگہ فاء اور تاء پر اکتفاء کرلیا۔ لیکن یہ بات سیاق کلام سے بھی ظاہر ہے واللہ اعلم۔ قرطبی لکھتے ہیں ایک حدیث میں ہے "مَنْ اَعَانَ عَلٰی قَتْلِ مُسْلِمٍ بِشَطْرِ کَلِمَۃٍ" (2) جو شخص مسلمان کے قتل میں مدد کرے اگرچہ آدھے کلمہ کے ساتھ ہو۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ اُقْتُلْ کی جگہ صرف "اُق" کہہ دے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ سورتوں کے شروع میں جو یہ حروف ہیں (قٓ، صٓ، حٰمٓ، طٰسٓمٓ، الٓرٰ) یہ سب حروف تہجی ہیں۔ بعض عربی دان کہتے ہیں یہ تمام اٹھائیس حروف تہجی سے ہیں بعض کا ذکر کر کے بعض کو چھوڑ دیا ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے۔ کہ میرا بیٹا ا ب ت ث لکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمام اٹھائیس حروف لکھتا ہے۔ لیکن ابتدائی چند حروف کو ذکر کر کے باقی کو چھوڑ دیا۔ یہ ابن جریر نے بیان کیا ہے۔ (میری رائے) مکرر کو حذف کرنے کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ سورتوں کے شروع میں کل چودہ حروف آئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں (ا ل م ص ر ک ہ ی ع ط س ح ق ن) یہ سب اس کلمے میں جمع ہیں۔ (نص حکیم قاطع له سر) تعداد کے لحاظ سے یہ چودہ حروف ہیں اور جملہ حروف چونکہ اٹھائیس بنتے ہیں اس لیے یہ نصف ہوئے۔ جو حروف بیان کیے گئے ہیں وہ ان حروف سے افضل ہیں جو بیان نہیں کیے گئے۔ یہ صنعت تصریف ہے۔

زمخشری کا قول ہے کہ یہ چودہ حروف حروف کی درج ذیل اصناف پر مشتمل ہیں۔ مھموسة، مجھورة، رخوة، شدیدة، مطبقة، مفتوحة، مستعلیة، منخفضة اور حروف قلقلة (3)۔ ان سب کو بالتفصیل ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں پاک ہے وہ ذات کہ ہر چیز میں اس کی حکمت پنہاں ہے۔ حروف کی اکثر اجناس کا اس میں ذکر آ گیا ہے اور آپ کے علم میں ہے کہ اکثر شے کل کے قائم مقام ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حروف اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے فائدہ اور بلا معنی ذکر نہیں کیے بعض جاہل لوگ کہتے ہیں کہ سرے سے ان حروف کا کوئی معنی ہی نہیں وہ بالکل خطا پر ہیں۔ یہ واضح ہو چکا ہے کہ ان کا کوئی نہ کوئی مفہوم ضرور ہے اگر ہمیں حدیث شریف میں اس کی طرف کوئی اشارہ مل جائے تو ٹھیک ورنہ ہم توقف کریں گے اور کہیں گے۔ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ (آل عمران: 7) "ہم ایمان لائے ساتھ اس کے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے"۔ علماء کا اس میں کافی اختلاف ہے۔ جسے کسی قول کی دلیل مل جائے اس پر اس کی اتباع لازم ہے۔ ورنہ توقف کریں گے یہاں تک کہ بات واضح ہو جائے۔ ان کے معانی سے قطع نظر ان حروف کے سورتوں کے اوائل میں لانے کی حکمت کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اس لیے لائے گئے ہیں تاکہ ان کے ساتھ

1۔ شواہد الکتاب للقیم بن اوس: 62/2 ــ 2۔ تفسیر القرطبی: 156/1 ــ 3۔ زمخشری: 24/1

سورتوں کے اوائل کا علم ہو جائے۔ ابن جریر نے یہی ذکر کیا ہے لیکن یہ توجیہہ ضعیف ہے۔ کیونکہ ان کے بغیر بھی سورتوں کی علیحدگی کا علم ہو جاتا ہے۔ جن سورتوں کے شروع میں یہ حروف نہیں کیا ان کے فاصلوں کا علم نہیں پھر جب سورتوں کے شروع میں بسم اللہ لکھی اور پڑھی جاتی ہے تو سورت کا خاتمہ یا آغاز معلوم ہو جاتا ہے۔ ابن جریر نے اس کی ایک حکمت یہ بیان کی ہے کہ یہ حروف سورتوں کے شروع میں مشرکین کو سنانے کے لئے لائے گئے ہیں۔ چونکہ وہ اس سے اعراض کرتے تھے لہٰذا یہ حروف اس لئے لائے گئے تاکہ جب وہ متوجہ ہو جائیں تو پھر تلاوت کا آغاز ہو۔ یہ بھی ضعیف ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ تمام سورتوں کے شروع میں آتے حالانکہ ایسا نہیں۔ پھر جب کبھی مشرکین سے کلام شروع ہو تو یہی حروف ہونے چاہئیں تھے نہ کہ صرف سورتوں کے شروع میں یہ الفاظ ہوں، پھر یہ سورت اور اس کے بعد والی سورت (بقرہ اور آل عمران) مدنی ہیں۔ اس میں مشرکین کو خطاب ہے ہی نہیں۔ اس لیے یہ توجیہہ بھی ضعیف قرار پائی۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ سورتوں کے شروع میں ان حروف کا لانا اعجاز قرآنی کی ایک صورت ہے اس کا مقابلہ کرنے سے تمام مخلوق عاجز ہے۔ باوجود یکہ یہ حروف بھی روز مرہ کے استعمال کے حروف سے ترتیب دیئے گئے ہیں رازی نے اپنی تفسیر میں مبرد اور محققین کی ایک جماعت کی یہی رائے نقل کی ہے۔ قرطبی نے فراء اور قطرب سے یہی نقل کیا ہے۔ زمخشری نے کشاف میں ذکر کیا ہے اور اس کی تائید کی ہے۔ ابن تیمیہ اور حافظ مزی کی یہی رائے ہے۔ زمخشری کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ تمام حروف اکٹھے قرآن کی ابتدا میں نہیں آئے ان حروف کو بار بار لانے کی وجہ مشرکین کو بار بار چیلنج دینا اور انہیں خاموش کرانا ہے جس طرح بہت سے قصص و واقعات میں ہوا ہے۔ بعض مقامات پر واضح الفاظ میں ان کو چیلنج دیا گیا ہے۔ کبھی صرف ایک حرف ذکر کر کے جیسے (صٓ، نٓ، قٓ) کبھی دو حرف ذکر کر کے جیسے (حٰمٓ) اور کبھی تین حروف کے ساتھ جیسے (الٓمّٓ) کبھی چار سے (الٓمّٓرٰ، الٓمّٓصٓ) اور کبھی پانچ سے جیسے (کٓھٰیٰعٓصٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ) کیونکہ کلام عرب کا بھی یہی اسلوب ہے اس کے کلمات ایک، دو، تین، چار یا پانچ کلمات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس سے زائد حروف کے کلمات نہیں (میری رائے) اس لیے ہر سورت کو حروف سے شروع کیا پس لازمی ہے کہ جہاں بھی ان کا ذکر ہو قرآن کریم کے اعجاز اور عظمت کا ذکر بھی ساتھ ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہے۔ اور یہ انتیس سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ" (الٓمّٓ ۙ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۙ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ (آل عمران:3-1)، الٓمّٓصٓ ۚ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ فَلَا یَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ (اعراف:2-1)، الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ (ابراہیم:2-1)، الٓمّٓ ۚ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سجدہ:2-1)، حٰمٓ ۚ عٓسٓقٓ ۝ كَذٰلِكَ یُوْحِیْٓ اِلَیْكَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ (الشوریٰ:3-1)۔ وغیرہ آیات اس رائے کی تائید کرتی ہیں۔ واللہ اعلم

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مدت جاننے کے لئے دلیل ہیں اور ان کے ساتھ واقعات، فتنوں اور لڑائیوں کے اوقات دریافت کیے جاتے ہیں۔ یہ دعویٰ ایسا ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس کی تائید میں ایک ضعیف حدیث بھی ذکر کی جاتی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ اس مسلک کی تائید کی بجائے اس کے بطلان کی واضح دلیل ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ ابو یاسر بن اخطب یہود کے چند آدمیوں کے ساتھ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس وقت حضور ﷺ سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیت الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ تلاوت فرما رہے تھے۔ یہ سن کر وہ اپنے بھائی حیی بن اخطب کے پاس آیا اور کہنے لگا میں نے محمد (ﷺ) کو اس آیت کی تلاوت کرتے سنا ہے۔ اس نے پوچھا کیا تم نے خود سنا اس نے کہا ہاں یہ سن کر حیی بن اخطب ان سب یہودیوں کو لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں آتا ہے۔ اور کہتا ہے کیا یہ سچ ہے کہ آپ اس آیت کو پڑھ کر سنا رہے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں یہ سچ ہے۔ انہوں نے کہا کیا جبریل یہ آیات لے کر آپ کے

پاس آئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا بات اسی طرح ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ سے پہلے جتنے نبی بھی آئے ان کو یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کا ملک کب تک رہے گا۔ اور ان کی امت کس وقت تک باقی رہے گی۔ حیی بن اخطب یہ سن کر اٹھا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا الف سے مراد ایک لام سے مراد تیس اور میم چالیس ہے یہ کل اکہتر سال بنتے ہیں کیا تم ایسے نبی کی غلامی اختیار کرنا پسند کرتے ہو جس کے دین کی مدت صرف اکہتر سال ہے پھر وہ حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کیا کوئی اور آیت بھی ایسی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں الٓمٓصٓ وہ کہنے لگا یہ بڑی بھاری اور لمبی ہے۔ الف سے مراد ایک لام تیس اور میم چالیس اور صاد نوے ہے یہ کل ایک سو اکتیس سال بنے کہنے لگا اے محمد (ﷺ) کیا اس کے علاوہ کوئی اور آیت بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں کہنے لگا وہ کیا آپ نے فرمایا الٓر وہ کہنے لگا یہ بھی بہت بھاری اور لمبی ہے الف سے مراد ایک لام سے تیس اور راء سے مراد دو سو ہیں یہ کل دو سو اکتیس سال بنے۔ اے محمد کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ پوچھنے لگا کون سی آیت آپ ﷺ نے فرمایا الٓمٓرٰ وہ کہنے لگا یہ تو اس سے بھی لمبی ہے الف ایک لام تیس میم چالیس اور راء دو سو یہ کل دو سو اکہتر سال بنے پھر کہنے لگا اے محمد آپ (ﷺ) کا معاملہ ہم پر مخفی ہو گیا ہے ہمیں یہ علم نہیں آپ کو زیادہ عطا کیا گیا ہے یا کم۔ پھر کہنے لگا لوگو اٹھو چلیں۔ ابو یاسر نے اپنے بھائی اور دوسرے یہودی علماء سے کہا کیا عجب کہ محمد (ﷺ) کو یہ ساری مدت عطا کی گئی ہو اکہتر سال، ایک سو اکتیس، دو سو اکتیس اور دو سو اکہتر یہ کل سات سو چار سال بنتے ہیں۔ وہ کہنے لگے اس کا معاملہ ہم پر مخفی ہو گیا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیتیں انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (آل عمران: 7) ''وہی ہے جس نے نازل فرمائی آپ پر کتاب۔ اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں''۔ اس حدیث کے راوی صاحب مغازی محمد بن اسحٰق ہیں اور اس کا مدار محمد بن سائب کلبی پر ہے۔ وہ جس روایت کو اکیلے بیان کریں قابل قبول نہیں۔ پھر اگر اس مذہب کو صحیح مان لیا جائے اور ہر ایسے حرف کے عدد نکالے جائیں تو جن چودہ حروف کو ہم نے بیان کیا شمار کیا جائے تو یہ بہت بڑی مدت بن جائے گی اور اگر مکرر حروف کو بھی ساتھ شامل کر لیا جائے تو یہ مدت اس سے کہیں بڑھ جائے گی۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

''یہ ذی شان کتاب ذرا شک نہیں اس میں یہ ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہاں ذٰلِكَ هٰذَا کے معنی میں ہے یعنی هٰذَا الْكِتَابُ۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، سدی، مقاتل بن حیان، زید بن اسلم اور ابن جریج کا قول یہی ہے۔ یہ دونوں اسمائے اشارہ ایک دوسرے کی جگہ آتے رہتے ہیں۔ یہ اسلوب عربی زبان میں معروف ہے۔ بخاری نے بھی یہی بیان کیا ہے۔ زمخشری کا قول ہے کہ اس سے الٓمٓ کی طرف اشارہ ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ (بقرہ: 68) ''جو نہ بوڑھی ہو اور نہ بالکل بچی (بلکہ) درمیانی عمر کی ہو''۔ ایک اور جگہ فرمایا: ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ (الممتحنہ: 10) ''یہ اللہ کا فیصلہ ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے''۔ اور فرمایا (ذٰلِكُمُ اللّٰهُ) اس کی مثل آیات جن کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔ واللہ اعلم

بعض مفسرین نے کہا ہے (جیسا کہ قرطبی وغیرہ نے بیان کیا ہے) کہ اس کا شارہ قرآن کریم کی طرف ہے جس کے اتارنے کا وعدہ رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا تھا۔ یا تورات، انجیل وغیرہ کی طرف اشارہ ہے اور اس بارے میں دس اقوال ہیں (1)۔ اس مذہب کو اکثر

1۔ تفسیر القرطبی: 157/1

مفسرین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ جن لوگوں کا قول ہے کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ سے مراد تورات یا انجیل ہے جیسا کہ ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے تو انہوں نے بڑی بعید بات کی بلا وجہ تکلیف اٹھائی اور خواہ مخواہ وہ بات کی جس کا انہیں علم نہ تھا۔ رَیْبَ شک کو کہتے ہیں۔ ابن عباس، ابن مسعود اور کئی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ ابو درداء، ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، ابو مالک، نافع مولی ابن عمر، عطاء، ابو العالیہ، ربیع بن انس، مقاتل بن حیان، سدی، قتادہ، اسماعیل بن ابو خالد کا قول یہی ہے ابن ابی حاتم کہتے ہیں مفسرین میں اس کے بارے میں اختلاف نہیں۔ ریب کا لفظ تہمت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جمیل کا قول ہے۔

بُثَيْنَةُ قَالَتْ يَا جَمِيلُ أَرَبْتَنِي فَقُلْتُ كِلَانَا يَا بُثَيْنُ مُرِيبُ

یہ لفظ حاجت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسے کسی شاعر کا قول ہے۔

قَضَيْنَا مِنْ تِهَامَةَ كُلَّ رَيْبٍ وَخَيْبَرَ ثم أَجْمَعْنَا السُّيُوفَا (1)

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن کریم ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں اور یہ مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰهِ ہے۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ سجدہ میں ارشاد فرمایا: الٓمّٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ "اس کتاب کا نزول، اس میں ذرا شک نہیں، سب جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے"۔ (السجدہ:2) بعض نے کہا ہے گو یہ خبر ہے مگر یہ نہی کے معنی میں ہے یعنی اس میں شک نہ کرو۔ بعض قاری لَا رَيْبَ پر وقف کرتے ہیں اور فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کو الگ جملہ پڑھتے ہیں۔ لیکن اگر مذکورہ بالا آیت کو پیش نظر رکھا جائے تو لَا رَيْبَ فِيْهِ پر وقف کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس طرح (هُدًى) قرآن کی صفت بن جائے گا۔ اور اس میں فِيْهِ هُدًى کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے۔ هُدًى نحوی اعتبار سے صفت کے طور پر مرفوع ہوسکتا ہے یا حال کے طور پر منصوب اس جگہ ہدایت کو متقین کے ساتھ خاص کیا۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ (حٰمٓ السجدہ:44) "آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفاء ہے اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے انہیں گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے"۔ اور فرمایا: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل:82) "اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کیلئے اور قرآن نہیں بڑھاتا ظالموں کے لئے مگر خسارہ کو"۔ وغیرہ آیات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ صرف مومنین سے نفع ہوگا۔ گو قرآن کریم فی نفسہ ہدایت ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانے والے صرف نیک لوگ ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (یونس:57) "اے لوگو! آگئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کی طرف سے اور (آگئی ہے) شفا ان روگوں کے لئے جو سینوں میں ہیں اور (آگئی ہے) ہدایت اور رحمت اہل ایمان کے لئے"۔ ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ سے مروی ہے کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ سے مراد نور ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ متقین سے مراد مومنین ہیں جو میرے ساتھ شریک ٹھہرانے سے بچتے ہیں اور میری اطاعت کرتے ہیں۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر ہدایت نہیں چھوڑتے اور اس کی رحمت کے امیدوار رہ کر اس کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا ہے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں متقی وہ ہے جو حرام سے بچے اور فرائض کو بجالائے۔ ابو بکر بن عیاش کا قول ہے کہ میں نے اعمش

1۔ دیوان کعب بن مالک: 334

سے متقین کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے مجھے جواب دیا اور کہا ذرا کلبی سے اس کے بارے میں سوال کرو۔ میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔ میں اعمش کے پاس آیا اور یہ بتایا کہ ان کی یہ رائے ہے تو انہوں نے اس کا انکار نہ کیا۔ قتادہ کا قول ہے کہ متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی توصیف اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمائی ہے: الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ یہ آیت کریمہ اور اس کے بعد والی آیت۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت سب کے عموم کے لئے ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ اس وقت تک متقین کے درجے میں شامل نہیں ہو سکتا جب تک ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں حرج نہیں اس خدشہ سے کہ کہیں وہ حرج میں مبتلا نہ ہو جائے (1)۔ ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے۔ ابوحمزہ میمون فرماتے ہیں میں ابووائل کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ہمارے پاس ایک آدمی آیا ان کو ابو عفیف کہتے تھے یہ اصحابِ حضرت معاذ میں سے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے سنا قیامت کے دن لوگوں کو ایک میدان میں روک لیا جائے گا۔ اور ندا دی جائے گی متقی لوگ کہاں ہیں۔ اس آواز پر وہ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے سایہ رحمت میں لے لے گا اور بلاحجاب اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔ میں نے دریافت کیا متقی لوگ کون ہیں فرمایا وہ لوگ جو شرک اور بتوں کی عبادت سے بچتے رہے۔ اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے وہ اسی طرح جنت میں لے جائیں گے۔ ہدایت سے مراد کبھی تو وہ چیز ہوتی ہے جو ایمان کی وجہ سے دل میں پیوست ہو جاتی ہے۔ اور یہ چیز بندوں کے دلوں میں صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی پیدا فرما سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ (قصص:56) ''بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں'' اور فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ (بقرہ:272) ''نہیں آپ کے ذمہ ان کو سیدھی راہ پر چلانا'' اور فرمایا: مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ (اعراف:186) ''جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو نہیں کوئی ہدایت دینے والا اسے'' اور فرمایا: مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (الکہف:17) ''حقیقت یہ ہے) کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو تو نہیں پائے گا اس کے لئے کوئی مددگار (اور) رہنما''۔ وغیرہ بہت سی آیات۔ ہدایت کے لفظ سے مقصود کبھی حق کے بیان، اسے واضح کرنے، اس کی طرف اشارہ کرنے اور راہنمائی کرنے کے معانی لیے جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (شوریٰ:52) ''ور بلاشبہ آپ راہنمائی فرماتے ہیں صراط مستقیم کی طرف''۔ اور فرمایا: اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد:7) ''آپ تو (کج روی کے انجام بد سے) ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے آپ ہادی ہیں''۔ اور فرمایا: وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (حمٓ السجدہ:17) ''باقی رہے ثمود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر'' اور فرمایا: وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (بلد:10) ''اور ہم نے دکھادیں اسے دو نمایاں راہیں'' ان لوگوں کی تفسیر کے مطابق جنہوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد خیر و شر دونوں راستے ہیں اور یہی راجح ہے۔ واللہ اعلم۔ تقویٰ کی اصل ناپسندیدہ چیزوں سے بچنا ہے یہ اصل میں وقی ہے ''وقایة'' مصدر سے مشتق ہے نابغہ شاعر کہتا ہے۔

سَقَطَ النَّصِيفُ وَلَمْ تُرِدْ إِسْقَاطَهُ فَتَنَا وَلَتْهُ وَاتَّقَتْنَا بِالْيَدِ (2)

ایک اور شاعر کا قول ہے۔

فَأَلْقَتْ قِنَاعًا دُوْنَهُ الشَّمْسُ وَاتَّقَتْ بِأَحْسَنَ مَوْصُوْلَيْنِ كَفٍّ وَ مِعْصَمٍ (3)

1۔ ابن ماجہ، کتاب الزہد: 1409 — 2۔ البیت فی تفسیر القرطبی: 161/1 — 3۔ ایضاً

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ تقویٰ سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے فرمایا کبھی کانٹے دار راستے پر چلے ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں کیوں نہیں۔ فرمایا آپ وہاں کیا کرتے ہیں فرمایا کپڑوں کو سمیٹ لیتا ہوں اور جسم کو بچاتا ہوں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہی تقویٰ ہے۔

ابن المعتز نے بھی یہی معنی لیا ہے۔ اس کا قول ہے۔

خَلِّ الذُّنُوبَ صَغِيرَهَا وَ كَبِيرَهَا ذَاكَ التُّقٰى
وَاصْنَعْ كَمَاشٍ فَوْقَ أَرْ ضِ الشَّوْكِ يَحْذَرُ مَا يَرٰى
لَا تَحْقِرَنَّ صَغِيرَةً إِنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحَصٰى

یعنی چھوٹے بڑے سب گناہوں کو ترک کردے یہی تقویٰ ہے۔ ایسے رہو جیسے کانٹے دار زمین پر چلنے والا آدمی۔ چھوٹے گناہوں کو بھی حقیر نہ جانو بے شک پہاڑ کنکریوں سے ہی بنتے ہیں۔ حضرت ابودرداء نے ایک دن یہ اشعار پڑھے۔

يُرِيدُ الْمَرْءُ أَنْ يُؤْتٰى مُنَاهُ وَ يَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا مَا أَرَادَا
يَقُولُ الْمَرْءُ فَائِدَتِي وَمَالِي وَ تَقْوَى اللّٰهِ أَفْضَلُ مَا اسْتَفَادَا

''ترجمہ: انسان چاہتا ہے کہ اس کی آرزوئیں پوری ہوں۔ اور اللہ رب العزت کچھ اور ارادہ فرماتا ہے۔ انسان کہتا ہے میرا فائدہ اور میرا مال حالانکہ تقویٰ اس سے افضل ہے جو اس نے حاصل کیا۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' آدمی اللہ تعالیٰ کے تقویٰ سے جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ بہتر ہے نیک بیوی سے اگر اسے دیکھے تو خوش ہو، جو حکم اسے دے بجالائے۔ اگر وہ قسم اٹھائے تو اسے پورا کردے۔ اگر وہ موجود نہ ہو تو اپنے نفس اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔'' (1)

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

''وہ جو ایمان لائے ہیں غیب پر۔''

حضرت ابوجعفر رازی حضرت عبداللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ایمان تصدیق کا نام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں حضرت زہری کا قول ہے اَلْاِيْمَانُ الْعَمَلُ۔ ایمان عمل کا نام ہے ربیع بن انس فرماتے ہیں یہاں ایمان لانے سے مراد ڈر رکھنا ہے۔ ابن جریر لکھتے ہیں اولیٰ یہ ہے کہ وہ قولاً عملاً اور اعتقاداً ایمان سے متصف ہوں۔ خشیت الٰہی ایمان کے اس مفہوم میں شامل ہو سکتی جو **قول سے عمل کی تصدیق** کا نام ہے۔ ایمان کا لفظ اللہ پر ایمان لانے اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے اور اقرار بالفعل سے تصدیق کرنے کو شامل ہے۔ (میری رائے) ایمان لغوی طور پر محض تصدیق کا نام ہے۔ قرآن میں بھی یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (توبہ: 61) ''یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مومنوں کی بات پر'' یا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد سے کہا تھا۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ (یوسف: 17) ''اور آپ نہیں مانیں گے ہماری بات اگرچہ ہم سچے ہیں''۔ اسی طرح جب اعمال کے ساتھ مل کر اس کا ذکر ہو۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (شعراء: 227) ''بجز ان کے جو ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے''۔ جب یہ لفظ مطلق استعمال ہو رہا ہو تو ایمان شرعی جو خدا کو مطلوب ہے وہ اعتقاد، قول اور عمل کے مجموعے کا نام ہے۔ اکثر ائمہ کی یہی رائے ہے بلکہ شافعی، احمد بن حنبل اور ابو

1۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح: 596

عبیدہ وغیرہ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے اور یہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث اور آثار مذکور ہیں جو ہم نے شرح بخاری کی ابتدا میں نقل کر دی ہیں وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّة۔

بعض نے اسے خشیت (خوف) کے معنی میں لیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ (ملک:12) ''بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں''۔ اور فرمایا: مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ (ق:33) ''جو ڈرتا تھا رحمن سے بن دیکھے اور ایسا دل لیے ہوئے آیا جو یاد الٰہی کی طرف متوجہ تھا''۔ اور خشیت ہی ایمان وعلم کا خلاصہ ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر:28) ''اللہ کے بندوں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں''۔

بعض کا قول ہے کہ وہ غیب پر بھی ایسے ہی ایمان رکھتے ہیں جیسے ظاہر پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور منافقین کی طرح نہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (بقرہ:14) اور فرمایا: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (منافقون:1) ''اے (نبی مکرم) جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعی جھوٹے ہیں''۔ اس معنی کے اعتبار سے ایمان بالغیب حال ٹھہرے گا۔ یعنی وہ ایمان لاتے ہیں درآں حالیکہ وہ لوگوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ غیب کے لفظ کے بارے میں بھی سلف کے مختلف اقوال ہیں وہ سب صحیح ہیں اور ان میں تطبیق ہوسکتی ہے۔ حضرت ابو العالیہ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ، ملائکہ، کتب، رسولوں، یوم آخرت، جنت ودوزخ، اس کی ملاقات، حیات بعد الموت اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں امور غیبیہ سے ہیں۔ قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباس ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قول ہے کہ غیب سے مراد وہ پوشیدہ چیزیں ہیں جو ہم سے غیب ہیں جیسے جنت ودوزخ اور قرآن کریم میں ذکر کردہ اشیاء۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو آیا ہے وہ سب غیب میں داخل ہے۔ حضرت زر کا قول ہے کہ غیب سے مراد قرآن ہے اور عطاء بن ابی رباح کا قول ہے جو اللہ پر ایمان لائے اس کا ایمان غیب پر ہے۔ اسماعیل بن ابو خالد کا قول ہے غیب سے مراد اسلام کی پوشیدہ چیزیں ہیں۔ زید بن اسلم کہتے ہیں اس سے مراد تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ یہ سب اقوال معنی کی رو سے قریب قریب ہیں کیونکہ مذکورہ بالا سب چیزیں پوشیدہ ہیں اور ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ حضرت عبد الرحمن بن یزید کہتے ہیں ہم ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ صحابہ کرام کے فضائل کا تذکرہ چھڑ گیا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور ﷺ کے دیکھنے والوں پر تو آپ پر ایمان لانا واجب تھا اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ لوگ افضل ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت کی: الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ...... اِلٰى قولہ ...... الْمُفْلِحُوْنَ۔

ابن ابی حاتم، ابن مردویہ سے یہی مروی ہے حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں اسی طرح لکھا ہے۔ حاکم لکھتے ہیں کہ یہ حدیث شیخین کی شرائط پر صحیح ہے۔ لیکن شیخین نے اس روایت کو بیان نہیں کیا۔ مسند امام احمد میں بھی اسی مضمون کی ایک حدیث ہے۔ ابن محیریز نے ابو جمعہ صحابیؓ سے کہا۔ کوئی ایسی حدیث سناؤ جو تم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔ انہوں نے فرمایا اچھا میں تمہیں بہت ہی عمدہ حدیث سناؤں گا۔ ہم نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ساتھ ناشتہ کیا۔ ہمارے ساتھ ابو عبیدہ بن جراح تھے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہم سے بہتر بھی

کوئی اور ہے۔ ہم آپ کے ساتھ اسلام لائے اور جہاد کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے اور مجھے دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائیں گے" (1)۔ ایک دوسری سند میں ابوبکر بن مردویہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ صالح بن جبیر کہتے ہیں کہ ابو جمعہ انصاریؓ بیت المقدس میں ہمارے پاس آئے۔ رجاء بن حیوۃؓ بھی ہمارے پاس تھے جب وہ واپس جانے لگے تو ہم انہیں الوداع کہنے کے لئے ان کے ساتھ چلے جب وہ جدا ہونے لگے تو فرمایا تمہاری نوازشات کا بدلہ اور حق مجھے ادا کرنا چاہئے میں تمہیں وہ حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنی تھی ہم نے کہا اللہ تم پر رحم فرمائے ضرور سناؤ۔ انہوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ معاذ بن جبل بھی ہمراہ تھے ہم دس آدمی تھے۔ ہم نے عرض کی یارسول اللہ کیا کوئی قوم ہم سے زیادہ اجر کی مستحق بھی ہوگی ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی اتباع کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تم ایسا کیوں نہ کرتے خدا کا رسول تم میں موجود ہے۔ اس پر آسمان سے وحی آتی ہے۔ بلکہ ایک قوم تمہارے بعد ہوگی جو کتاب اللہ کو دو گتوں کے درمیان پائیں گے اس پر ایمان لائیں گے اور اس میں جو کچھ ہے اس پر عمل پیرا ہوں گے وہ اجر کے اعتبار سے تم سے دوگنا بڑھ کر ہوں گے۔ اس حدیث میں عمل بالوجادہ (جو چیز ملے اس پر عمل کرنا) کی دلیل ہے جس کے بارے میں محدثین میں اختلاف ہے جیسا کہ میں نے شرح بخاری کے شروع میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ اس نے ان کی تعریف اسی پر کی ہے۔ اور اسی حیثیت سے وہ اجر کے اعتبار سے زیادہ ہیں نہ کہ مطلقاً۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے نزدیک کس کا ایمان عمدہ ہے۔ صحابہ نے عرض کی ملائکہ کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لاتے وہ تو اپنے رب کے پاس ہیں۔ صحابہ نے عرض کی پھر انبیاء کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لائیں۔ جبکہ ان پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی پھر ہمارا ایمان افضل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم ایمان کیوں قبول نہ کرتے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ سنو میرے نزدیک سب سے افضل ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جو صحیفوں میں قرآن کریم لکھا پائیں گے۔ اور اس پر ایمان رکھیں گے (2)۔ ابوحاتم رازی کا قول ہے کہ اس کی سند میں مغیرہ بن قیس بصری منکر الحدیث ہے۔ لیکن ابویعلی نے اپنی مسند میں اور ابن مردویہ نے اپنی حدیث میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اس کے مثل ایک اور حدیث ضعیف سند سے نقل کی ہے۔ اس کے راوی محمد بن حمید میں ضعف ہے۔ حاکم نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ شیخین نے اس حدیث کو ذکر نہیں کیا۔ اسی کے مثل حضرت انس بن مالک سے مرفوعاً مروی ہے واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ حضرت بدیلہ بنت اسلم فرماتی ہیں کہ بنو حارثہ کی مسجد میں ہم نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی بیت المقدس کی طرف ہمارا منہ تھا ہم دو رکعتیں ادا کر چکے تھے کہ کسی شخص نے آ کر خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت الحرام کی طرف منہ کر لیا۔ تو عورتیں مردوں کی جگہ چلی گئیں اور مرد عورتوں کی جگہ آ گئے۔ چنانچہ اس طرح ہم نے بقایا دو رکعتیں ادا کیں۔ اس وقت ہمارا رخ بیت اللہ شریف کی طرف تھا۔ حضرت ابراہیم کہتے ہیں کہ مجھے بنی حارثہ کے بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ حدیث اس اسناد سے غریب ہے۔

وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳

"اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور اس سے جو ہم نے انہیں روزی دی خرچ کرتے ہیں"۔

ابن عباس فرماتے ہیں نماز کو اپنے فرائض سمیت ادا کرتے ہیں ایک دوسری روایت میں آپ سے مروی ہے نماز قائم کرنے سے مراد رکوع و سجود کو مکمل کرنا، تلاوت کرنا، خشوع و خضوع کا لحاظ رکھنا اور اپنی توجہ کو قائم رکھنا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ نماز قائم کرنے سے مراد اس

1۔ مسند امام احمد: 106/4 2۔ المستدرک، ذکر فضائل الامۃ بعد الصحابۃ والتابعین: 86,85/5

کے اوقات، وضو اور رکوع وسجود کا خیال رکھنا ہے۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں اس کو قائم کرنے سے مراد اس کے اوقات کا لحاظ رکھنا مکمل وضو کرنا، تشہد اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ سے مراد مال کی زکوٰۃ دینا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ اس سے مراد آدمی کا اپنے بال بچوں کو نان ونفقہ دینا ہے اور یہ زکاۃ کی فرضیت سے پہلے کی بات ہے۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی استطاعت کے بموجب نان ونفقہ دے کر تقرب الٰہی حاصل کیا کرتے تھے کہ فرائض صدقات کے بارے میں سورۂ توبہ کی سات آیات نازل ہوئیں۔ یہ ناسخ ہیں (1)۔ قتادہ کا قول ہے اللہ نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ یہ مال تمہارے پاس اللہ کی طرف سے امانت اور ودیعت ہے اے ابن آدم قریب ہے کہ یہ مال تم سے جدا ہو جائے قتادہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے زکاۃ اور اہل وعیال وغیرہ کے نفقہ کو شامل ہے۔ میں کہتا ہوں قرآن کریم میں اکثر جگہ نماز اور مال خرچ کرنے کا ذکر اکٹھا آتا ہے۔ بے شک نماز اس کا حق اور اس کی عبادت ہے یہ اس کی توحید، اس کی ثناء، اس کی بزرگی، اس کی طرف جھکنے اور دعا کرنے، اسی پر توکل کرنے اور خرچ کرنا مخلوق پر احسان کرنا ہے جس سے انہیں نفع پہنچے۔ لوگوں میں اس کے زیادہ حقدار اہل وعیال، اقرباء اور غلام ہیں۔ پھر اجنبی حضرات ہیں۔ واجب نفقات اور فرض زکوٰۃ اس آیت میں داخل ہیں۔ صحیحین میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ توحید ورسالت کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ شریف کا حج کرنا'' (2) اس بارے میں اور بہت سی حدیثیں ہیں۔ عربی زبان میں لفظ ''صلوٰۃ'' کا معنی ''دعا'' ہے اعشی کا قول ہے۔

لَهَا حَارِسٌ لَا يَبْرَحُ الدَّهْرَ بَيْتَهَا   وَاِنْ ذُبِحَتْ صَلّٰى عَلَيْهَا وَزَمْزَمَا

وہ ایک شعر میں کہتا ہے۔

وَقَابَلَهَا الرِّيْحُ فِيْ دَنِّهَا   وَصَلّٰى عَلٰى دَنِّهَا وَارْتَسَمْ

ابن جریر نے ان اشعار کا بطور استشہاد ذکر کیا ہے۔ اعشی ایک دوسری جگہ کہتا ہے۔

تَقُوْلُ بِنْتِيْ وَقَدْ قَرَبْتُ مُرْتَحِلًا   يَارَبِّ جَنِّبْ اَبِي الْاَوْصَابَ وَالْوَجَعَا

عَلَيْكِ مِثْلُ الَّذِيْ صَلَّيْتِ فَاغْتَمِضِيْ   نَوْمًا فَاِنَّ لِجَنْبِ الْمَرْءِ مُضْطَجَعَا

وہ کہتا ہے تیرے لئے اسی طرح جس طرح تو نے میرے لئے دعا کی۔ اور اس کا مفہوم ظاہر ہے۔ پھر اصطلاح شریعت لفظ صلوٰۃ سے مراد رکوع وسجود اور مخصوص افعال کا نام ہے جسے خاص اوقات میں جملہ شرائط اور صفات واقسام کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ نماز کو صلوٰۃ کا نام اس لئے دیا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ نمازی اپنے رب سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرتا ہے۔ اور اپنی حاجات کا سوال کرتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ صلوین سے مشتق ہے۔ یہ دو رگیں ہوتی ہیں جو پیٹھ سے لے کر ریڑھ کی ہڈی کی دونوں طرف آتی ہیں۔ اسی سے ہے ''المصلی'' یعنی وہ شخص جو گھوڑ دوڑ میں دوسرے نمبر پر آتا ہے لیکن یہ قول محل نظر ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ ''صلی'' سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں چپک جانا، لازم ہو جانا۔ جیسے قرآن کریم میں ہے ''لَا يَصْلٰهَا'' یعنی جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ ''اِلَّا الْاَشْقٰى'' مگر بدبخت۔ بعض کے نزدیک یہ تَصْلِيَةٌ سے مشتق ہے اس کا معنی ہے لکڑی کو سیدھا کرنے کے لئے آگ پر گرم کرنا۔ چونکہ نمازی بھی اپنے نفس کی کجی کو نماز سے دور کرتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ

1۔ تفسیر الطبری: 105/1   2۔ البخاری: 9/1

''بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے اور واقعی اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے'' (عنکبوت: 45) لیکن اس کا دعا سے مشتق ہونا ہی زیادہ صحیح اور مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔ لفظ زکوۃ کی بحث ان شاء اللہ اپنی جگہ آئے گی۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

''اور وہ جو ایمان لائے ہیں اس پر (اے حبیب (ﷺ!)) جو اتارا گیا ہے آپ (ﷺ) پر اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں۔''

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جو تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے لایا اور جو تم سے پہلے مرسلین لائے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان کے مابین تفریق نہیں کرتے اور جو وہ اپنے رب کی طرف سے ان کے پاس لائے اس کا انکار نہیں کرتے۔ آخرت یعنی جی اٹھنے، قیامت، جنت، دوزخ، حساب اور میزان پر یقین رکھتے ہیں۔ آخرت کو یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا کے بعد ہے۔ مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد کون لوگ ہیں۔ کیا یہ انہی لوگوں کی صفت ہے جن کا ذکر پہلے اس آیت میں گذر چکا ہے: الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ يُنْفِقُوْنَ اور اس آیت سے مراد کون لوگ ہیں۔ اس بارے میں تین اقوال ہیں۔ جنہیں ابن جریر نے بیان کیا ہے۔

(1) اس آیت کے مصداق وہی لوگ ہیں جن کا سابقہ آیت میں تذکرہ ہو چکا ہے یعنی مومنین (عرب، اہل کتاب وغیرہ) مجاہد، قتادہ، ابو العالیہ اور ربیع بن انس کا قول یہی ہے۔

(2) دونوں کا مصداق مومن اہل کتاب ہیں۔ اس صورت میں واؤ عاطفہ ہوگی۔ اور صفات کا صفات پر عطف ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى .... فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى (اعلیٰ آیات: 5 تا 1)

یا جیسے ایک شاعر کا قول ہے۔

اِلَى الْمَلِكِ الْقَرْمِ وَابْنِ الْهُمَامِ وَلَيْثِ الْكَتِيْبَةِ فِي الْمُزْدَحَمْ

یہاں سب صفات کا ایک دوسری پر عطف کیا گیا ہے حالانکہ موصوف ایک ہے۔

(3) تیسرا قول یہ ہے کہ پہلی صفات تو مومنین کی ہیں اور الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ...... الآیۃ، سے آگے اہل کتاب میں سے مومنین کی صفات ہیں یہ ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ کی رائے ہے۔ ابن جریر نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ اور بطور استشہاد یہ آیت کریمہ پیش کی ہے۔ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ''اور بے شک بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف اور جو اتارا گیا ان کی طرف عاجزی (اور نیاز مندی) کرنے والے ہیں اللہ کے لئے'' (آل عمران: 199) اور اس آیت کریمہ سے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۔

وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (قصص: 52 تا 54) اور صحیحین کی حدیث سے جس کے راوی ابو موسیٰ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین آدمیوں کو دوہرا اجر ملے گا۔ ایک اہل کتاب کا وہ شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور مجھ پر بھی۔ دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی۔ تیسرا وہ شخص جس نے اپنی لونڈی کو اچھا ادب سکھایا۔ پھر اسے آزاد کر دیا اور اس سے نکاح

کرلیا'' (1)۔ ابن جریر نے ان دلائل کو کسی خاص مناسبت کی وجہ سے ذکر کیا ہے وہ یہ کہ اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے مومنین اور کفار دونوں کا ذکر فرمایا۔ جس طرح اس نے کفار کو دو صنفوں میں تقسیم کیا (کافر اور منافق) اسی طرح مومنین کو بھی دو قسموں میں تقسیم کیا۔ (1) عرب اور (2) اہل کتاب۔ (میں کہتا ہوں) ظاہراً مجاہد کا یہ قول صحیح ہے کہ سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں مومنین کے اوصاف کے بیان میں ہیں اور دو آیتیں کفار کے اوصاف کے بیان میں ہیں۔ اور تیرہ منافقین کے بیان میں۔ یہ چار آیات ہر مومن کے حق میں عام ہیں جو ان سے متصف ہو خواہ وہ عربی ہو یا عجمی یا کتابی ہو، انسانوں میں سے ہو یا جنوں میں سے۔ ایک وصف دوسرے کو لازم بلکہ شرط ہے ایک دوسری کے بغیر صحیح نہیں۔ لہٰذا ایمان بالغیب، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا درست نہیں جب تک رسول اللہ ﷺ پر اور سابقہ انبیاء اور انکی کتابوں پر ایمان نہ ہو اور آخرت کے بارے میں یقین کامل نہ ہو۔ جس طرح پچھلی تینوں کے بغیر پہلی تین چیزیں غیر معتبر ہیں اسی طرح پہلی تین چیزیں پچھلی تین کے بغیر درست نہیں اسی لیے اللہ نے مومنین کو حکم دیا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا (نساء:136) '' اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی اس سے پہلے'' اور فرمایا: وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ '' اور (اے مسلمانو!) بحث مباحثہ نہ کیا کرو اہل کتاب سے مگر شائستہ طریقے سے مگر وہ جنہوں نے ظلم کیا ان سے اور تم کہو ہم ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا ہماری طرف اور اتارا گیا تھا تمہاری طرف اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے'' (عنکبوت:46) اور فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (نساء:47) '' اے وہ لوگو جنہیں دی گئی کتاب ایمان لاؤ اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہم نے تاکہ تصدیق کرے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے''۔ اور فرمایا: یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (مائدہ:68) '' آپ فرمائیے اے اہل کتاب! نہیں ہو تم کسی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تورات اور انجیل کو۔ اور جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے'' اور تمام مومنین کی طرف سے خبر دیتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرۃ:285) '' ایمان لایا یہ رسول (کریم) اس (کتاب) پر جو اتاری گئی اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے اور ایمان لائے مومن۔ یہ سب دل سے مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو (نیز کہتے ہیں) ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اس کے رسولوں سے'' اور فرمایا: وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ (نساء:152) '' اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں کے ساتھ اور نہیں فرق کیا انہوں نے کسی میں ان سے'' اور اس مضمون کی بہت سی آیات ہیں جن میں تمام مومنین کو اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ لیکن مومن اہل کتاب کی ایک خصوصیت ہے۔ وہ یہ کہ وہ اپنی کتابوں پر تفصیل کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اسلام قبول کر لینے اور اس پر بالتفصیل ایمان لانے کے بعد ان کو دوہرا اجر ملے گا۔ جبکہ دیگر لوگوں کا ایمان سابقہ کتابوں پر اجمالی طور پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: '' جب اہل کتاب تم سے کوئی بات کریں تو انکی تکذیب یا تصدیق نہ کرو۔ بلکہ یوں کہا کرو ہم ایمان لائے اس پر جو کچھ اتارا گیا ہماری طرف اور تمہاری طرف''۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بہت سے اہل عرب جو حضور ﷺ کی بعثت پر ایمان لائے

1۔ مسلم، کتاب الایمان: 135

ان کا ایمان اہل کتاب کی نسبت اتم، زیادہ مکمل اور زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ اہل کتاب کو اس حیثیت سے دوہرا اجر ملے لیکن اپنے کمال کے سبب دوسروں کا اجر اس سے بھی کہیں بڑھ جائے۔ واللہ اعلم

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

''وہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب (کی توفیق) سے اور وہی دونوں جہان میں کامیاب ہیں۔''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ لوگ یعنی جن کے اوصاف کا اوپر ذکر ہو چکا ہے مثلاً غیب پر ایمان لانا، نماز قائم کرنا، اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرنا، حضور ﷺ پر جو اترا ہے اس پر ایمان لانا۔ سابقہ رسولوں پر ایمان، دار آخرت کا اعتقاد وایقان اور وہاں کام آنے والے نیک اعمال کرنا اور محرمات سے بچنا۔ (عَلٰی هُدًى) جنہیں اللہ کی طرف سے نور، بیان اور بصیرت حاصل ہوئی ہے۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وہی دنیا وآخرت میں کامیاب ہیں۔ حضرت ابن عباس نے ہدایت کی تفسیر نور اور استقامت سے کی ہے۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے جو طلب کیا انہیں مل گیا۔ جس سے بچتے رہے اس کے شر سے نجات پالی۔ ابن جریر کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد: أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ کا معنی ہے وہ اپنے رب کی طرف سے نور، برہان، استقامت، صراط مستقیم اور توفیق حق پر ہیں۔ اور أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں جنہوں نے اپنے اعمال، ایمان باللہ، کتابوں اور رسولوں پر ایمان سے ثواب میں کامیابی، حاصل کی۔ جنت میں ہمیشگی اور اللہ کے تیار کردہ عذاب سے نجات پائی (1)۔ ابن جریر یہ بھی لکھتے ہیں کہ دوسرے اولئک کا اشارہ اہل کتاب کی طرف ہے جن کی صفت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے۔ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ الآیۃ اس صورت میں وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ ماقبل سے منقطع ہوگا اور مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہوگا۔ اس کی خبر أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ہے لیکن ان کا پسندیدہ قول یہی ہے کہ اس کا اشارہ سابقہ اوصاف والوں کی طرف ہے خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مومن عرب۔ ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہی مروی ہے۔ غیب پر ایمان لانے والے اہل عرب ہیں۔ اور وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ سے مومن اہل کتاب پھر دونوں فریقوں کو جمع کرتے ہوئے فرمایا وہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔ اس بات کو پہلے راجح قرار دیا جا چکا ہے کہ یہ عام مومنین کی صفت ہے اور اشارہ بھی ان کی طرف لوٹ رہا ہے واللہ اعلم۔ مجاہد، ابو العالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ سے یہی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہم قرآن پڑھتے ہیں تو ہماری امید بندھ جاتی ہے۔ اور بعض آیتیں ہمیں تقریباً مایوس کر دیتی ہیں تو سرکار رسالتمآب ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں اہل جنت اور اہل جہنم کے بارے میں خبر نہ دوں؟۔ انہوں نے عرض کی کیوں نہیں یا رسول اللہ! پھر آپ ﷺ نے الٓمّٓ سے لے کر مُفْلِحُونَ تک تمام آیات کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا یہ جنتی لوگ ہیں۔ صحابہ نے عرض کی ہمیں امید ہے کہ ہم انہی سے ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سے عَظِيمٌ تک تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا یہ جہنمی ہیں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم ایسے نہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

''بے شک جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے یکساں ہے ان کے لیے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے ''إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا'' یعنی جو لوگ حق کو چھپا لینے اور پوشیدہ کرنے کے عادی ہیں اللہ نے ان کی قسمت

1۔ تفسیر الطبری، ج 1/107

میں لکھ دیا ہے وہ آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ کا انہیں ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے۔ جیسے ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ ...... یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ (یونس:97-96) ''بے شک وہ لوگ کہ ثابت ہو چکی جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آ جائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب''۔ ایسے ہی سرکش اہل کتاب کی نسبت فرمایا: وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ (بقرہ:145) ''اور اگرچہ آپ لے آئیں اہل کتاب کے پاس ہر ایک دلیل (پھر بھی) نہیں پیروی کریں گے آپ کے قبلہ کی''یعنی اللہ تعالیٰ جس کی قسمت میں بدبختی لکھ دے وہ سعادت مند نہیں ہو سکتا اور وہ جسے گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ لہٰذا آپ (ﷺ) ان پر افسوس کرتے ہوئے اپنی جان نہ گھلائیں۔ آپ پیغام رسالت ان تک پہنچا دیجئے جو اس دعوت کو قبول کر لے اسے حظ وافر نصیب ہوگا۔ اور جو پیٹھ پھیر لے تو آپ (ﷺ) اس پر غمگین نہ ہوں۔ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ۔ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِیْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ (رعد:40: ہود:12) ''سو آپ پر صرف تبلیغ فرض ہے اور یہ ہمارے ذمہ ہے کہ (ان سے) حساب لیں، آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے''

حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوات والتسلیمات کی بڑی خواہش تھی کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں۔ اور ہدایت پر آپ کی اتباع کریں۔ لیکن پروردگار نے فرمایا کہ ایمان نہیں لائے گا مگر پہلے جس کے حق میں اللہ کی طرف سے یہ سعادت لکھی جا چکی ہو۔ اور گمراہ نہیں ہوگا مگر پہلے ہی اللہ کی طرف سے جس کے نصیب میں گمراہی لکھی جا چکی ہے۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت میں ہے جنہوں نے اس چیز کا انکار کیا جو آپ کی طرف اتاری گئی تھی اگرچہ انہوں نے یہ کہا کہ آپ سے پہلے جو کچھ اتر چکا ہے ہم اس ایمان رکھتے ہیں: سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ یعنی ان کے پاس آپ کا جو ذکر ہے اس کا انکار کر دیا اور میثاق کو تسلیم نہ کیا۔ آپ پر جو کچھ اترا ہے اور آپ سے پہلے لوگوں پر جو اترا تھا اس کا کفر کیا تو وہ آپ کی تحذیر کو کیسے سنیں گے۔ اور ان کے پاس آپ کا جو علم ہے اس کا انکار کر دیا۔ حضرت ابو العالیہ کا قول ہے کہ یہ دونوں آیات غزوۂ احزاب کے قائدین کے حق میں نازل ہوئیں جن کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلَوْنَهَا (ابراہیم:29-28) ''ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں (یعنی) دوزخ میں جھونکے جائیں گے''۔ لیکن جو معانی ہم نے پہلے بیان کیے ہیں وہ زیادہ ظاہر اور واضح ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کے حوالے سے ابن ابی حاتم لکھتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم قرآن پڑھتے ہیں تو امید بندھ جاتی ہے۔ ...... الحدیث۔ (لَا یُؤْمِنُوْنَ) کا اعراب یہ ہے کہ یہ سابقہ جملے کی تاکید ہے اور وہ جملہ یہ ہے سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ یعنی وہ دونوں حالتوں میں کفار ہیں۔ اسی لیے اس کی تاکید لَا یُؤْمِنُوْنَ ذکر فرمائی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ لَا یُؤْمِنُوْنَ خبر ہو کیونکہ تقدیر کلام اس طرح ہے اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ اس صورت میں سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ جملہ معترضہ ہوگا واللہ اعلم۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝

''مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے''۔

سدی فرماتے ہیں ختم اللہ، سے مراد ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں شیطان ان پر غالب آ گیا اور وہ اس کی اطاعت کرنے لگے تو اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔ چنانچہ وہ

ہدایت کو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ گناہ دلوں پر چڑھتے جاتے ہیں حتی کہ اسے ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ یہی مہر لگانا ہے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ مہر دل اور کانوں کے لئے ہوتی ہے قرآن میں اس کی کیفیت کے لئے تین لفظ ران، طبع اور اقفال آئے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں ران کا لفظ طبع سے کم ہے اور طبع اقفال سے کم ہے اور اقفال ان سب سے شدید ہے۔ اعمش کا قول ہے کہ مجاہد نے ہمیں اپنا ہاتھ دکھایا۔ اور فرمایا لوگ سمجھتے تھے کہ دل ہتھیلی کی طرح ہے۔ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ اس سے مل جاتا ہے۔ اور وہ بند ہو جاتا ہے انہوں نے اپنی چھوٹی انگلی کو بند کر کے دکھایا کہ اس طرح پھر جب دوبارہ گناہ کرتا ہے تو وہ بند ہو جاتا ہے پھر ایک اور انگلی کو بند کر لیا۔ پھر جب مزید گناہ کرتا ہے تو وہ اور سمٹ جاتا ہے مجاہد نے ایک اور انگلی کے ساتھ اشارہ کیا۔ حتی کہ ساری انگلیوں کو بند کر لیا۔ پھر فرمایا اس طرح اس پر مہر لگ جاتی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں اسے رین بھی کہتے ہیں۔ ابن جریر نے بھی مجاہد سے یہی روایت کیا ہے۔

ابن جریر لکھتے ہیں بعض مفسرین کا قول ہے کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ سے مراد اللہ کی طرف سے ان کے تکبر کی خبر دینا اور دعوت کو سننے سے ان کے اعراض کی طرف ہے، جیسے کہا جاتا ہے اِنَّ فُلَانًا اَصَمُّ عَنْ هٰذَا الْكَلَامِ۔ فلاں شخص اس بات کے سننے سے بہرا بن گیا۔ ابن جریر فرماتے ہیں لیکن یہ مطلب ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہاں تو اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ خود اس نے ہی ان کے کانوں اور دلوں پر مہر ثبت کر دی ہے۔ (میں کہتا ہوں) زمخشری نے ابن جریر کی تردید میں کافی وضاحت سے کام لیا ہے اور پانچ تاویلیں ذکر کی ہیں لیکن یہ سب ضعیف ہیں۔ اپنے معتزلی ہونے کی وجہ سے اسے یہ سب تکلفات کرنا پڑے۔ کیونکہ دلوں پر مہر لگا دینا اور حق کو اس تک پہنچنے سے روک دینا ان کے نزدیک قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ اگر وہ آگے آنے والی آیات کو سمجھ لیتا (فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ) "اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اور ہم چھوڑ دیں گے انہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں"۔ اور اس طرح کی دیگر آیات جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے دلوں پر مہر لگائی ہے۔ ہدایت کو ان سے دور کر دیا ہے۔ ان کے حق کو ترک کرنے اور باطل پر اڑے رہنے کی وجہ سے۔ اور یہ تو سراسر عدل ہے جو کہ حسین ہے نہ کہ قبیح اگر وہ ان آیات کا بغور مطالعہ کر لیتا تو اسے یہ بات کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی واللہ اعلم۔ قرطبی لکھتے ہیں کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مہر لگانے کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ جو کہ ان کے کفر کی جزاء ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا: بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (نساء:155) "بلکہ مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر بوجہ ان کے کفر کے"۔ حدیث شریف میں ہے "يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰى دِيْنِكَ"(1) ترجمہ اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔ اور صحیح میں حضرت حذیفہ والی روایت کہ آپ ﷺ نے فرمایا" فتنے دلوں پر اس طرح پیش کیے جاتے ہیں۔ جیسے چٹائی کا ایک ایک تنکا۔ جو دل انہیں قبول کر لیتا ہے اس پر ایک سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے۔ جو دل انہیں قبول نہیں کرتا اس میں ایک سفید نکتہ لگا دیا جاتا ہے یہ نکتہ بڑھتے بڑھتے دلوں کو گھیر لیتا ہے۔ حتی کہ وہ دل سفید ہو جاتا ہے۔ اور زمین و آسمان کا کوئی فتنہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اب دوسرا سیاہ دل الٹے کوزے کی طرح ہوتا ہے۔ نہ اچھی بات اسے اچھی لگتی ہے اور نہ بری بات اسے بری لگتی ہے (2)۔ ابن جریر لکھتے ہیں میرے نزدیک حقیقت وہی حدیث ہے جسے حضرت ابوہریرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا" بندہ جب گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نکتہ اس کے دل پر لگا دیا جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے اور باز آ جائے تو یہ نکتہ حذف کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا جائے تو یہ سیاہی پھیل کر اس کے سارے دل کو گھیر لیتی ہے یہی وہ " رَانَ " ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔ كَلَّا بَلْ سكته رَانَ

1۔ مسند امام احمد: 386/5 　 2۔ مسلم، کتاب الایمان: باب 65

عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (مطففین: 14) ''نہیں درحقیقت زنگ چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے''۔ اس حدیث کو اس سند سے ترمذی نے روایت کیا ہے اور نسائی نے قتیبہ اور لیث بن سعد سے ابن ماجہ نے محمد بن عجلان سے۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ پھر ابن جریر لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں خبر دی کہ گناہوں کا تسلسل دل کو بند کر دیتا ہے۔ جب اس پر غلاف آ جاتا ہے تو اللہ کی طرف سے اس وقت مہر لگا دی جاتی ہے۔ اب اس دل میں ایمان کے داخلے اور کفر سے چھٹکارے کی کوئی راہ باقی نہیں رہ جاتی۔ اسی مہر کا ذکر اس آیت کریمہ خَتَمَ اللّٰهُ...... میں کیا گیا ہے۔ اس کی نظیر ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے کہ جب کسی برتن یا مشک وغیرہ کے منہ پر مہر لگا دی جاتی ہے تو اسے توڑ کر کھولے بغیر اس میں سے کچھ بھی نکالا نہیں جا سکتا یہی حال ان دلوں کا ہے جن پر اللہ نے مہر لگانے کا ذکر فرمایا ہے مہر توڑنے اور پردہ ہٹانے کے بغیر ایمان ان میں حلول نہیں کر سکتا۔ واضح رہے کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰی سَمْعِهِمْ ؕ پر وقف تام ہے اور عَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ الگ مکمل جملہ ہے۔ مہر دل اور کانوں پر ہوتی ہے۔ اور پردہ ''غِشَاوَةٌ'' آنکھوں پر ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر علماء صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہی مروی ہے۔ ابن جریر نے بھی یہی نقل کیا ہے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ مہر دل اور کانوں پر ہوتی ہے اور پردہ آنکھوں پر ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ (شوریٰ: 24) ''پس اگر اللہ چاہتا تو مہر لگا دیتا آپ کے دل پر''۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَّ خَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً (جاثیہ: 23) ''اور مہر لگا دی ہے اس کے کانوں اور اس کے دل پر۔ اور ڈال دیا ہے اس کی آنکھوں پر پردہ'' ابن جریر لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے وَ عَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ میں غِشَاوَةٌ کو نصب دیا ہے ممکن ہے ان کے نزدیک جعل فعل یہاں مقدر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں نصب محل کی اتباع سے ہو جیسے (وحور عین) میں۔ ایک شاعر کا قول ہے

عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَمَآءً بَارِدًا حَتّٰى شَتَتْ هَمَّالَةً عَيْنَا هَا

ایک اور شاعر کا قول ہے۔

وَرَاَيْتُ زَوْجَكِ فِي الْوَغٰى مُتَقَلِّدًا سَيْفًا وَرُمْحًا

یہ اصل میں سَقَيْتُهَا مَاءً بَارِدًا اور مُعْتَقِلًا رُمْحًا تھے(1)۔ سورت کی ابتدائی چار آیات میں مومنین کی صفت بیان کی۔ پھر ان دو آیتوں میں کفار کا حال بیان ہوا۔ اب منافقین کا ذکر ہوتا ہے جو بظاہر ایماندار بنتے ہیں لیکن ان کے باطن کفر سے لبریز ہیں۔ چونکہ ان کا حال عام لوگوں سے اکثر مخفی ہوتا ہے۔ اس لیے تفصیل سے ان کی نشانیاں بتائیں جن میں سے ہر ایک علامتِ نفاق ہے۔ سورۂ براءت (توبہ) اور سورۂ منافقین انہی کے بارے میں اتری۔ سورۂ نور اور بعض دیگر سورتوں میں ان کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ لوگ ان سے بچیں اور ان مذموم خصائل سے بھی کنارہ کش رہیں۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ؕ

''اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر حالانکہ وہ مومن نہیں فریب دیا چاہتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو اور (حقیقت میں) نہیں فریب دے رہے مگر اپنے آپ کو (اور اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے''۔

1۔ الخصائص 431/6

نفاق دراصل بھلائی کو ظاہر کرنے اور شر کو پوشیدہ رکھنے کا نام ہے۔ اس کی چند اقسام ہیں (1) اعتقادی: یہ منافق ابدی جہنمی ہے (2) عملی: یہ کبیرہ گناہ ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ابن جریج فرماتے ہیں منافق وہ ہے جس کا قول اس کے فعل، باطن اس کے ظاہر کے خلاف ہو۔ اندر اور ہو اور گھر سے باہر اس کے خلاف ہو۔ اجتماع میں انفرادی صورت حال کے برعکس ہو منافقین کی صفات کا ذکر مدنی سورتوں میں ہے کیونکہ مکہ میں منافقین نہ تھے بلکہ اس کے برعکس لوگ مجبوراً کفر کا اظہار کرتے تھے۔ حالانکہ باطنی طور پر وہ مسلمان تھے جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو یہاں انصار کے دو قبائل اوس اور خزرج تھے جو مشرکین عرب کی طرح جاہلیت میں بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ یہود اہل کتاب اپنے اسلاف کے طریقہ پر تھے ان کے تین قبائل تھے (1) بنوقینقاع یہ خزرج کے حلیف تھے (2) بنونضیر اور (3) بنوقریظہ یہ اوس کے حلیف تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے قدم رنجہ فرمایا انصار کے دونوں قبائل (اوس وخزرج) مسلمان ہو گئے۔ یہود میں سے بہت کم لوگ مسلمان ہوئے ماسوائے عبداللہ بن سلام کے۔ ابھی تک نفاق کا وجود نہیں تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کو ابھی سیاسی دبدبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہود اور مدینہ کے آس پاس مقیم عرب کے بہت سے قبائل کے ساتھ صلح کے معاہدے کر لیے تھے۔

جب غزوہ بدر العظمٰی کا واقعہ پیش آیا اس میں اللہ کا کلمہ غالب ہوا۔ اسلام اور اہل اسلام کو عزت ملی۔ عبداللہ بن اُبی بن سلول جو مدینے کا رئیس تھا اور بنوخزرج سے تھا۔ زمانہ جاہلیت میں دونوں قبائل اسے اپنا سردار تسلیم کرتے تھے بلکہ اس کے بادشاہ بنانے کا اعلان بھی ہو چکا تھا کہ بھلائی آ پہنچی اور لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور اسے بھول گئے۔ اس وجہ سے اسلام اور اہل اسلام اس کے دل میں کھٹکنے لگے۔ جب بدر کا واقعہ ہوا تو وہ کہنے لگا کہ یہ امر تو اب غالب آتا جا رہا ہے چنانچہ اس نے بظاہر اسلام قبول کیا۔ اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کے پیروکاروں کی ایک جماعت نے بھی یہ کیا۔ بعض اہل کتاب بھی ان کے ساتھ تھے۔ اس طرح مدینہ اور اس کے اردگرد نفاق قائم ہو گیا۔ مہاجرین میں سے کسی نے بھی بزور شمشیر ہجرت نہ کی تھی بلکہ وہ تو رضائے الٰہی کی خاطر اپنا مال، اولاد اور وطن چھوڑ کر آئے تھے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ یعنی منافقین جن کا تعلق اوس اور خزرج سے تھا اور جو یہود ان کے پیروکار تھے۔ اس کی یہی تفسیر ابوالعالیہ، حسن، قتادہ اور سدی نے بیان فرمائی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے منافقوں کی خصلتوں سے آگاہ فرمایا تاکہ عام مسلمان ان کے مسئلے پر دھوکہ نہ کھائیں۔ اور انہیں مسلمان تصور کرتے ہوئے اپنا نہ سمجھ لیں جس کی وجہ سے کوئی بڑا فساد پھیل جائے۔ چنانچہ تعالیٰ اللہ نے فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ...... یعنی وہ صرف زبانی اقرار کرتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ (منافقون: 1) ''منافق آپ کے پاس آ کر کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں''۔ یعنی آپ کے پاس آ کر کہتے ہیں چونکہ وہ سچ نہیں کہہ رہے اس لئے اِنَّ اور لام تاکید کے ساتھ اپنی گواہی کو پختہ کرتے ہیں۔ انہوں نے مزید تاکید کرتے ہوئے یہ کہا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ہم اللہ رب العزت اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ حالانکہ بات اس طرح نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی گواہی اور خبر کو جھٹلاتے ہوئے بتایا کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ارشاد فرمایا: وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (منافقون: 1) ''ترجمہ: اللہ گواہی دیتا ہے بلاشبہ منافقین جھوٹے ہیں''۔ اور فرمایا: وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ''ترجمہ: اور وہ مومن نہیں ہیں۔ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی ایمان کو ظاہر کر کے اور کفر کو چھپا کر وہ اپنی جہالت کے سبب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اور یہ چیز ان کو نفع دے گی۔ اور ان کا مکر (معاذ اللہ) اللہ تبارک وتعالیٰ پر بھی چل جائے گا جس طرح بعض مؤمنین پر چل جاتا ہے جیسے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰی شَیْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (مجادلہ:18) ''جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کسی مفید چیز پر تکیہ کیے ہیں۔خبردار! یہی وہ جھوٹے لوگ ہیں''۔ اس سے آگے ان کے عقیدے کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَ مَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ''ترجمہ: اور (حقیقت میں) نہیں فریب دے رہے مگر اپنے آپ کو اور اس حقیقت کو نہیں سمجھتے''۔ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ (نساء:142) ''بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں''، بعض قاریوں نے وَ مَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ کر کے پڑھا ہے۔ دونوں قرأتوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ ابن جریر لکھتے ہیں اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ منافق اللہ اور مؤمنین کو کیسے دھوکہ دے سکتا ہے؟۔ وہ تو بطور تقیہ اپنے اعتقاد کے برعکس بات کو اپنی زبان پر لاتا ہے۔ تو جواباً کہا جائے گا کہ اس شخص کو جو تقیہ کرتے ہوئے اپنی زبان پر ضمیر کی بات کے برعکس کوئی بات لائے تاکہ جس چیز سے وہ خدشہ محسوس کر رہا ہے نجات پالے اہل عرب اسے بھی مخادع کہتے ہیں۔ اسی مفہوم کے پیش نظر منافق کو اللہ اور مومنین کو دھوکہ دینے والا کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بطور تقیہ اپنی زبان سے ایسا عقیدہ ظاہر کرتا ہے جس سے وہ قتل، گرفتاری اور دنیوی عذاب سے چھٹکارا پالیتا ہے۔ حالانکہ باطن میں اس کا عقیدہ اور ہوتا ہے اپنے اس فعل سے اگرچہ وہ دنیا میں مومنین کو دھوکہ دے رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے نفس کو بھی دھوکہ دے رہا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے لئے ظاہر کرتا ہے کہ اپنے فعل سے وہ اس کی آرزو کو پورا کر رہا ہے۔ اور اسے سرور کا جام پلا رہا ہے حالانکہ وہ اسے ہلاکت کے گھاٹ پر لے آیا ہے۔ اور عذاب کا جام اسے نوش کرا رہا ہے۔ اور اسے اللہ کے غیظ وغضب اور ایسے عذاب کا حقدار بنا رہا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے کیونکہ وہ آخرت کے عبرتناک انجام سے دوچار ہے حالانکہ وہ اس وہم میں مبتلا ہے کہ اس کا موقف درست ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وَ مَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو یہ خبر دے رہے ہیں کہ منافقین اپنے کفر وشرک اور تکذیب کے ساتھ اپنے رب کو ناراض کرتے ہوئے اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں حالانکہ انہیں اس بات کا احساس اور ادراک تک نہیں۔ وہ اپنے انجام سے بے بہرہ ہیں۔ ابن ابی حاتم لکھتے ہیں کہ ابن جریج اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اظہار کر کے وہ اپنی جان ومال کو بچانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں۔ منافقوں کی صفات اکثر یہ ہیں۔ بداخلاق، زبان سے تصدیق کرتا ہے لیکن دل سے انکار کرتا ہے۔ اس کا عمل اس کے خلاف ہے۔ صبح کو ایک حالت پر ہوتا ہے شام کو اس کے برعکس، شام کو کچھ اور، صبح کچھ اور۔ کشتی کی طرح جو ہوا کے رحم وکرم پر ہے کبھی ادھر کبھی ادھر۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ۬ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ⑩

''ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھا دی اللہ نے انکی بیماری اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے بوجہ اس کے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے''۔

حضرات ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ کرام کی رائے یہ ہے کہ مرض یعنی بیماری سے مراد یہاں شک وشبہ ہے۔ مجاہد، عکرمہ، حسن بصری، ابو العالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ عکرمہ اور طاؤس نے مرض کی تفسیر ریا سے کی ہے یعنی ان کے دلوں میں ریاکاری ہے۔ ایک روایت کے مطابق ابن عباس نے مرض سے مراد نفاق لیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں یہاں دینی

بیماری مراد ہے نہ کہ جسمانی وہ منافقین ہیں اور یہ بیماری شک کی ہے جو انہیں اسلام کے بارے میں ہے۔ آگے دوسرے مرضا، کی تفسیر رِجْسٌ (ناپاکی) سے کی اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ (توبہ: 124-125)'' تو وہ (سن لیں) ایمان والوں کے ایمان میں اس سورت نے اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے تو بڑھا دی اس سورت نے ان میں اور پلیدی ان کی (سابقہ) پلیدی پر'' فرمایا: اَیْ شَرًّا اِلٰی شَرِّھِمْ وَضَلَالَةً اِلٰی ضَلَالَتِهِمْ یعنی شر پر شر اور گمراہی پر گمراہی۔ عبدالرحمٰن کی ذکر کردہ یہ تفسیر عمدہ ہے ان کے عمل کی یہی مناسب جزاء ہے۔ سابق مفسرین نے بھی یہی کہا ہے۔ اور اس کے مشابہ یہ آیت بھی ہے: وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ (محمد: 17)'' اور جو لوگ راہ ہدایت پر چلے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے ان کے نور ہدایت کو اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے'' بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ اسے يُكَذِّبُوْنَ کر کے بھی پڑھا گیا ہے۔ وہ ان دونوں رذیل عادتوں سے متصف تھے۔ وہ جھوٹے بھی تھے اور جھٹلاتے بھی تھے۔ دونوں بری صفات ان میں مجتمع تھیں۔ قرطبی وغیرہ مفسرین سے پوچھا گیا کہ بعض منافقین کا نفاق ظاہر ہو جانے کے باوجود رسول خدا ﷺ نے انہیں قتل کرنے کا حکم کیوں صادر نہیں فرمایا انہوں نے اس کے چند جوابات ارشاد فرمائے ہیں۔

(1) صحیحین یعنی بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر سے ارشاد فرمایا'' میں یہ بات ناپسند کرتا ہوں کہ اہل عرب یہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں''۔

(2) اس میں یہ خدشہ تھا کہ قرب و جوار کے بہت سے عرب دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے گریزاں رہیں گے۔ کیونکہ انہیں یہ تو معلوم نہیں ہو سکے گا کہ انہیں ان کے نفاق اور کفر کی بنا پر قتل کیا گیا ہے۔ وہ صرف ظاہری صورت حال کو ہی دیکھ کر یہ کہنے لگیں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ قرطبی لکھتے ہیں'' ہمارا اور ہمارے علماء کا قول یہی ہے۔ جیسا کہ آقائے دو عالم ﷺ مُؤَلَّفَة قلوب کو انکی بداعتقادی کے باوجود عطا فرماتے تھے۔ ابن عطیہ کا قول ہے کہ امام مالک کے اصحاب کا یہی طریقہ ہے۔ محمد بن جہم، قاضی اسماعیل، ابہری اور ابن ماجشون (1) نے اسی پر نص قائم کی ہے۔

(3) حضرت امام مالک کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ منافقین کے قتل سے اس لیے گریزاں رہے تاکہ آپ ﷺ کی امت کو یہ علم ہو جائے کہ حاکم اپنے علم کی بنا پر فیصلہ نہیں کر سکتا۔ قرطبی کا قول ہے کہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قاضی اپنے علم کی بنا پر قتل نہیں کر سکتا۔ گو دیگر مسائل میں اختلاف ہے۔

قرطبی لکھتے ہیں کہ اس کی ایک توجیہ وہ ہے جو امام شافعی نے ذکر فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ منافقین کے قتل سے اس لیے رکے رہے کہ وہ اسلام ظاہر کرتے تھے۔ حالانکہ آپ ﷺ کو ان کے نفاق کا علم تھا کیونکہ اسلام کا اظہار سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس کی تائید صحیحین وغیرہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا '' مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔ جب انہوں نے یہ کلمہ کہہ دیا تو اپنی جانوں اور مال کو مجھ سے بچا لیا مگر حق کے ساتھ اور انکا حساب اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذمے ہے''۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ دینے سے ظاہراً آدمی پر اسلام کے احکام لاگو ہو جاتے ہیں اگر وہ اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہو تو دار آخرت میں اس کو ثواب ملے گا۔ لیکن اگر وہ اس کی حقانیت کا عقیدہ نہیں رکھتا تو دینی احکام کا اس پر جاری ہونا اور اہل ایمان کے ساتھ میل جول اسے کوئی نفع نہیں دے گا۔ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا

1۔ تفسیر القرطبی: 1/199

بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ...... (حدید:14) ''منافق پکاریں گے اہل ایمان کو کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے کہیں گے بے شک! لیکن تم نے اپنے آپ کو خود فتنوں میں ڈال دیا اور ہماری تباہی کا انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور دھوکہ میں ڈال دیا تمہیں جھوٹی امیدوں نے یہاں تک کہ اللہ کا فرمان آپہنچا) وہ محشر میں بھی مسلمانوں کے ساتھ چمٹے رہیں گے۔ جب حق واضح ہو جائے گا۔ وہ ان سے نمایاں ہو جائیں گے اور پیچھے رہ جائیں گے''۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ (سبا:54) ''اور رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی ان کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جو وہ دل سے چاہتے ہوں گے۔ اور وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر سجدہ نہ کر سکیں گے''۔ جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔

(4) اس کی چوتھی وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اس لیے انہیں قتل نہ کیا کہ آپ ﷺ کو ان کے شر کا اندیشہ تھا۔ باوجودیکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے درمیان موجود تھے ان پر قرآن کریم کی آیات بینات کی تلاوت فرماتے تھے لیکن آپ کے بعد اگر وہ نفاق ظاہر کرتے اور مسلمانوں کو اس کا علم ہو جاتا تو ان کی سزا قتل تھی۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانے کے منافق آج کے زندیق ہیں۔ (میں کہتا ہوں) زندیق کے قتل کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے کہ جب وہ کفر ظاہر کرے تو اس سے توبہ کروائی جائے گی یا نہیں۔ یا وہ زندیق جو اپنے عقیدہ کی طرف دعوت دیتا ہو اور وہ جو دعوت نہ دیتا ہو کے مابین فرق کیا جائے گا یا نہیں۔ یا وہ شخص جس سے ارتداد کئی مرتبہ ظاہر ہوا ہو یا اس نے ایک ہی مرتبہ یہ جرم کیا ہو دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا یا نہیں؟۔ اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ اسلام قبول کرنا اور اس کی طرف رجوع کرنا خود اس کی اپنی طرف سے ہو یا اس پر غلبہ پا لینے کے بعد دونوں صورتوں کا حکم ایک ہی ہے یا نہیں۔ اس بارے میں علماء کرام کے متعدد اقوال ہیں جنہیں شرح وبسط کے ساتھ احکام کی کتب میں بیان کیا جا چکا ہے۔

تنبیہ: یہ قول کہ بعض منافقین کے نفاق کا آپ ﷺ کو علم تھا اس کی بنیاد حدیث حذیفہ بن یمان پر ہے۔ اس میں چودہ منافقین کے اسماء گنوائے گئے ہیں جنہوں نے غزوۂ تبوک کے موقع پر رات کے اندھیرے میں کسی گھاٹی کے پاس رسول اللہ ﷺ کو (معاذ اللہ) شہید کرنے کا (ناپاک) منصوبہ بنایا۔ ان کی مکروہ سازش یہ تھی کہ آپ ﷺ کی اونٹنی کو بدکا دیں گے تاکہ آپ ﷺ زمین پر آرہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو اس بات کی خبر کر دی۔ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ کو بلا کر اس سازش سے باخبر کر دیا۔ شاید ان کے قتل نہ کرنے کی وجہ مذکورہ بالا وجوہات میں سے کوئی وجہ تھی یا کوئی اور بات تھی۔ واللہ اعلم لیکن ان کے علاوہ دیگر منافقین کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (توبہ:101) ''اور تمہارے آس پاس بسنے والے دیہاتیوں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ مدینے کے رہنے والے پکے ہو گئے ہیں نفاق میں۔ تم نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں انہیں''۔ اور فرمایا: (لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ ...... وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا) ''ترجمہ: اور اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور شہر میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے، تو ہم آپ کو مسلط کر دینگے ان پر پھر وہ نہ ٹھہر سکیں گے آپ کے پاس مدینہ طیبہ میں مگر چند روز۔ وہ بھی اس حال میں کہ ان پر لعنت برس رہی ہوگی۔ جہاں پائے جائیں گے پکڑ لیے جائیں گے اور جان سے مار ڈالے جائیں گے''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک آپ ﷺ کو بھی ان کا مکمل علم نہیں دیا گیا تھا صرف ان کی صفات ذکر کی گئی تھیں جن کی بنا پر آپ ﷺ ان کو پہچانتے تھے۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ (محمد:30) ''اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو دکھا دیں یہ لوگ سو آپ پہچان تو چکے ہیں ان کو ان کے چہرہ سے اور آپ ضرور پہچان لیا کریں گے انہیں ان کے انداز گفتگو سے'' ان منافقین میں سب سے مشہور عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔

حضرت زید بن ارقم نے اس کی منافقانہ خصلتوں کے سبب اس کے خلاف گواہی بھی دی تھی۔ اس کے باوجود جب اس کا انتقال ہوا تو حضور ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کی تدفین میں شرکت فرمائی۔ جس طرح کہ آپ ﷺ کا معمول تھا۔ حضرت عمر نے جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا میں ناپسند کرتا ہوں کہ عرب یہ کہیں کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں۔ اور صحیح کی روایت میں ہے "مجھے اختیار دیا گیا تو میں نے اختیار کرلیا"۔ اور ایک روایت میں ہے "اگر مجھے علم ہوتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی بخشش ہو جائے گی تو یقیناً میں زیادہ کرتا"۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿١١﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢﴾

"اور جب کہا جائے انہیں کہ مت فساد پھیلاؤ زمین میں تو کہتے ہیں ہم ہی تو سنوارنے والے ہیں۔ ہوشیار! وہی فسادی ہیں لیکن سمجھتے نہیں"۔

سدی حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ کرام کے حوالے سے لکھتے کہ اس آیت کا مصداق بھی منافقین ہی ہیں۔ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ فساد سے مراد کفر اور معصیت خداوندی ہے۔ حضرت ابو العالیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں زمین میں نافرمانی نہ کرو ان کا فساد اللہ کی معصیت ونافرمانی تھی۔ کیونکہ جس نے زمین میں اللہ کی نافرمانی کی یا نافرمانی کا حکم دیا اس نے زمین میں فساد کیا کیونکہ زمین وآسمان کی اصلاح اطاعت گزاری میں ہے۔ ربیع بن انس اور قتادہ کا قول یہی ہے۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ جب وہ اللہ کی نافرمانی پر کمر کس لیتے ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے ایسے نہ کرو تو وہ کہتے ہیں ہم ہدایت پر ہیں اور اصلاح کرنے والے ہیں۔ حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے کہ یہ لوگ ابھی نہیں آئے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ اس صفت سے متصف ہوں گے وہ ان لوگوں سے بھی زیادہ فسادی ہوں گے جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ اقدس میں تھے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس صفت کا حامل ابھی تک کوئی نہیں گزرا۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اہل نفاق اپنے رب کی نافرمانی کر کے زمین میں فساد بپا کرتے تھے۔ جس کام سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا تھا اسے کرتے تھے۔ اپنے فرائض کو ضائع کرتے تھے۔ دین میں شک کرتے تھے حالانکہ اس کی تصدیق اور حقانیت کے ایقان کے بغیر کوئی عمل بھی قبول نہیں۔ مومنوں کے پاس آ کر اپنے ایمان کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے۔ دائمی شک اور وسواس میں مبتلا تھے۔ جب بھی موقع ملتا اہل اللہ کے مقابلے دشمنان خدا اور رسول کی اعانت کرتے۔ یہ ان کی طرف سے زمین میں فساد بپا کرنا تھا۔ حالانکہ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ اپنے افعال کے ساتھ وہ زمین میں اصلاح کرنے والے ہیں۔ یہ ہی حضرت حسن کا قول ہے۔ زمین میں فساد کی ایک صورت مومنین کا کفار سے رشتہ دوستی اور موالات قائم کرنا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (انفال: 73) "وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ ایک دوسرے کے حمایتی ہیں اگر تم (ان حکموں پر) عمل نہیں کرو گے تو برپا ہو جائے گا فتنہ ملک میں اور پھیل جائے گا بڑا فساد" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور مسلمانوں کے باہمی دوستانہ تعلقات ختم کر دیئے۔ پھر ایک جگہ ارشاد فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا پھر فرمایا: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا (النساء: 144-145) "اے ایمان والو! نہ بناؤ کافروں کو اپنا دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر۔ کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ بنا دو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے خلاف واضح دلیل۔ بے شک منافق

سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے اور ہرگز نہ پائے گا تو ان کا کوئی مددگار" منافق چونکہ ظاہری طور پر ایمان قبول کیے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا معاملہ مؤمنین پر مشتبہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا فساد منافقین کی طرف سے ہے کیونکہ اس نے ہی تو مومنین کو دھوکہ دیا اپنی اس بات کے ساتھ جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور مؤمنین کو چھوڑ کر کفار سے رشتہ موالات باندھا اگر وہ اپنی پہلی حالت (کفر) پر رہتا تو اس کا شر کم ہوتا۔ اگر اس کے عمل میں اخلاص ہوتا اور قول وفعل میں تضاد نہ ہوتا تو وہ کامیاب وکامران ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ہم دونوں فریقوں (مؤمنین اور کفار) کے ساتھ تعلق خاطر رکھتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم فریقین (مؤمنین اور اہل کتاب) کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ وہ چیز جس پر انکا اعتماد ہے اور یہ گمان ہے کہ یہ اصلاح ہے وہ عین فساد ہے لیکن بوجہ جہالت کے انہیں اس کا شعور تک نہیں۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣﴾

"اور جب جب کہا جائے انہیں ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے (اور) لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف۔ خبردار! بے شک وہی احمق ہیں مگر وہ جانتے نہیں"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ان منافقوں سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ لوگوں (صحابہ) کی طرح اللہ، فرشتوں، کتابوں، رسل کرام، موت کے بعد جی اٹھنے اور جنت ودوزخ پر ایمان لاؤ اور اوامر کو بجالانے اور نواہی سے رکنے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں اس طرح جیسے ایمان لائے وہ بیوقوف اور...... ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ مراد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین لیتے ہیں۔ ابوالعالیہ اور سدی نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے صحابہ کرام سے یہی نقل کیا ہے ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کیا ہم اور وہ برابر اور ایک طریقہ پر ہیں حالانکہ وہ سُفَهَآءُ ہیں سُفَهَآءُ یہ سَفِيْهٌ کی جمع ہے جیسے حکماء حکیم کی اور حلماء حلیم کی۔ جاہل، ضعیف رائے والے اور نفع نقصان کے بارے میں کم معلومات رکھنے والے کو سفیہ کہا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں عورتوں اور بچوں کو سفہاء کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا (نساء:5) "اور نہ دے دو نادانوں کو اپنے مال جنہیں بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری (زندگی) کے لیے سہارا"۔ عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ اس آیت میں سفہاء سے مراد عورتیں اور بچے ہیں خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سب مقامات پر ان کو جواب دینے کی ذمہ داری لی۔ اور فرمایا: اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ تاکید أحصر کے ساتھ فرمایا بیوقوف تو یہی ہیں۔ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ لیکن انہیں اس بات کا پتہ ہی نہیں۔ یعنی اپنی جہالت اور گمراہی کو نہیں جان سکتے۔ یہ چیز ان کے کمال اندھے پن اور ہدایت سے دوری کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٤﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١٥﴾

"اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں، اور جب اکیلے ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے

پاس تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو صرف ان کا مذاق اڑا رہے تھے۔ اللہ سزا دے رہا ہے انہیں اس مذاق کی اور ڈھیل دیتا ہے انہیں تاکہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ جب یہ منافق مومنین سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کے سامنے ایمان ظاہر کر کے مومنین کو دھوکہ دینے کے لیے دوستی اور خیرخواہی ظاہر کرتے ہیں۔ اور نفاق، تصنع اور تقیہ سے کام لیتے ہیں۔ تاکہ مسلمانوں کے ساتھ بھلائی اور مال غنیمت میں شریک ہو جائیں۔ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ خَلَوْا کا معنی اِنْصَرَفُوْا، ذَهَبُوْا اور خَلَصُوْا ہے خَلَوْا اِلٰی کی طرف متعدی ہونے کی وجہ سے اپنے ضمن میں انصرفوا کا معنی لئے ہوئے ہے تاکہ فعل مضمر (پوشیدہ) اور ملفوظ (لفظوں میں ظاہر) دونوں پر دلالت کرے۔ بعض کہتے ہیں کہ الیٰ یہاں مع کے معنی میں ہے۔ مگر پہلی رائے زیادہ بہتر ہے اور ابن جریر کے کلام کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ سدی نے ابو مالک سے ''خَلَوْا'' کا معنی ''مَضَوْا'' کیا ہے۔ اور شیاطین سے مراد ان کے سردار بڑے لوگ، یہود کے رؤساء اور مشرکین ومنافقین کے سردار ہیں۔ ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ کرام کے نزدیک شیاطین سے مراد کفر کے سردار ہیں۔ یعنی جب یہ اپنے شیاطین کی طرف جاتے ہیں اور یہ ان کے ساتھی ہیں ایک دوسری روایت میں ابن عباس کے نزدیک شیاطین سے مراد وہ یہودی ہیں جو انہیں تکذیب کرنے اور قرآن کی مخالفت کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ان کے وہ ساتھی ہیں جو مشرک یا منافق تھے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شرک اور شر میں ان کے قائدین اور سردار ہیں ابو مالک، ابو العالیہ، سدی، اور ربیع بن انس سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ہر چیز میں سرکشی کرنے والے کو شیطان کہتے ہیں۔ یہ جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں سے بھی جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (الانعام: 112) ''اور اسی طرح بنا دیئے ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن (یعنی) سرکش انسان اور جن جو چپکے چپکے سکھاتے تھے ایک دوسرے کو خوشنما باتیں (لوگوں کو) دھوکہ دینے کے لیے''۔ حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہم جن وانس کے شیاطین سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔'' میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا انسانوں میں بھی شیاطین ہوتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں(1)۔ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اس کی تفسیر میں ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم تمہاری مثل ہیں جیسے تم ہو ویسے ہی ہم ہیں۔ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ہم تو قوم کے ساتھ ٹھٹھا کر رہے ہیں اور ان سے کھیل رہے ہیں۔ ابن عباس اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں ہم تو محمد (ﷺ) کے اصحاب کا تمسخر اڑا رہے ہیں۔ ربیع بن انس اور قتادہ کا قول بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جواب دیتے ہوئے اور ان کے تصنع کا مقابلہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ یَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یوم قیامت میں ان کے ساتھ ایسا کرے گا جس کا بیان اس آیت کریمہ میں آیا ہے۔ یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ (حدید: 13) ''اس روز کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے (اے نیک بختو!) ذرا ہماری بھی انتظار کرو ہم بھی روشنی حاصل کرلیں تمہارے نور سے۔ (انہیں) کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور (وہاں) نور تلاش کرو۔ پس کھڑی کر دی جائے گی ان کے اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہوگا'' ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ..... (آل عمران

1۔ المسند: 178/5

:178)''اور نہ خیال کریں جو کفر کر رہے ہیں کہ ہم جو مہلت دے رہے ہیں انہیں یہ بہتر ہے ان کے لئے۔صرف اس لئے ہم تو انہیں مہلت دے رہے ہیں کہ وہ اور زیادہ کرلیں گناہ'' یہ اور اس طرح کی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے منافقین اور اہل شرک کے ساتھ استہزاء، مذاق، مکر کا ذکر ہے۔ایک فریق نے یہ تاویل کی ہے۔بعض دیگر علماء کرام کی رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے استہزاء سے مراد ان کو جھڑکنا، اور کفر وعصیان پر ملامت کرنا ہے۔ایک تیسرے فریق کی رائے یہ ہے کہ یہ اور اس طرح کے دیگر الفاظ بطور جواب لائے گئے ہیں۔جیسے کوئی آدمی اپنے ساتھ فریب کرنے والے کے فریب سے جب بچ نکلتا ہے تو یہ کہہ دے کہ میں نے ہی تمہیں دھوکہ دیا تھا۔حالانکہ فریب اس کی طرف سے نہیں ہوتا لیکن جب وہ غالب آ گیا تو اس نے یہ کہہ دیا۔وہ فرماتے ہیں اسی طرح آیت کریمہ: وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (آل عمران:54)'' ترجمہ: اور یہودیوں نے بھی (مسیح کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور (مسیح کو بچانے کے لئے) اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر (اور موثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے''۔اور آیت کریمہ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ بطور جواب وارد ہوئی ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کی ذات مکر اور مذاق سے پاک ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مکر اور استہزاء انہیں گھیر لیتے ہیں۔ایک فریق کی رائے ہے کہ آیات کریمہ: اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ، يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ، فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ (توبہ:79)، نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ (توبہ:67) وغیرہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی جا رہی ہے کہ اللہ ان کو ان کے استہزاء اور دھوکے کی سزا دے گا۔تو ان کو جزا دینے کو ان کے فعل سے ہی تعبیر کیا جس کے سبب وہ عذاب کے مستحق قرار پائے۔اگر چہ دونوں کا مفہوم مختلف ہے۔جیسے قرآن کریم میں ہے۔وَجَزٰۗؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (شوریٰ:40)'' اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔پس جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے'' اور دوسری آیت کریمہ میں فرمایا۔فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ (بقرہ:194)'' ترجمہ: تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو''۔پہلا ظلم ہے اور دوسرا عدل دونوں کے الفاظ اگر چہ ایک ہیں لیکن مفہوم میں فرق ہے۔کلام اللہ میں جہاں جہاں بھی اس طرح کی آیتیں ہیں ان کا یہی مفہوم ہے۔بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں منافقین کے بارے میں خبر دی ہے کہ جب وہ اپنے سرکش سرداروں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے دین پر ہیں۔محمد (ﷺ) اور ان کی وحی کی تکذیب کرتے ہیں۔اور ہم جو کچھ ان کے لئے ظاہر کرتے ہیں، ہم اس میں ان کے ساتھ مذاق کرتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ بھی ان سے استہزاء فرما رہا ہے۔دنیا میں تو ان کے جان و مال کے محفوظ ہونے کا حکم دیا جبکہ آخرت میں عین اس کے برعکس ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔پھر ابن جریر اس قول کی تائید اور ترجیح شروع کرتے ہیں کیونکہ مکر وخداع اور تمسخر جو علی وجہ العبث (بلاوجہ) ہو بالاتفاق اللہ تعالیٰ کی ذات سے منفی ہے۔ہاں انتقام، عدل وانصاف اور بدلے کے طور پر ہو تو یہ ممنوع نہیں۔وہ لکھتے ہیں ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کی تائید حضرت ابن عباس کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔آپ سے مروی ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ بطور انتقام ان سے استہزاء فرماتا ہے۔وَيَمُدُّھُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔يَمُدُّھُمْ: يُمْلِىْ لَهُمْ یعنی انہیں مہلت دیتا ہے۔مجاہد کہتے ہیں انہیں زیادہ کر دیتا ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَــيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (المومنون:55-56)'' کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت) سے تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں''۔ایک دوسری جگہ فرمایا: سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ (اعراف:182)'' تو ہم آہستہ آہستہ پستی میں گرا دیں گے انہیں اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا''۔

بعض علماء کا یہ قول ہے کہ وہ جب بھی کوئی گناہ کرتے ہیں اس کے بدلے ان کو کوئی اور نعمت عطا کر دی جاتی ہے یہ فی الحقیقت ان سے انتقام ہوتا ہے۔ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:"فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ ......وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"" ترجمہ: جب انہوں نے بھلا دیں وہ نصیحتیں جو انہیں کی گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب وہ خوشیاں منانے لگے اس پر جو انہیں دیا گیا تھا تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک۔اب وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔تو کاٹ کر رکھ دی گئی جڑ اس قوم کی جس نے ظلم کیا تھا اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہان والوں کا"۔ابن جریر فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ ہم انہیں ڈھیل دینے اور اپنی سرکشی اور بغاوت پر ترک کر کے زیادہ کرتے ہیں۔جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (الانعام:110) "اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اور ہم چھوڑ دیں گے انہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں"۔ طغیان کا معنی ہے کسی چیز میں بڑھ جانا۔جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ (الحاقہ:11) "ہم نے جب سیلاب حد سے گزر گیا تو تمہیں کشتیوں میں سوار کر دیا"۔حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ اپنے کفر میں گرے جاتے ہیں۔سدی نے اسی طرح صحابہ سے نقل کیا ہے،ابوالعالیہ،قتادہ،ربیع بن انس، مجاہد، ابو مالک اور عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے۔ فِيْ كُفْرِهِمْ وَضَلَالِهِمْ اپنے کفر اور گمراہی میں۔ ابن جریر فرماتے ہیں اَلْعَمَهُ: اَلضَّلَالُ: گمراہی۔کہا جاتا ہے عَمِهَ فُلَانٌ يَعْمَهُ عَمَهًا وَعُمُوْهًا اِذَا ضَلَّ۔(جب کوئی گمراہ ہو جائے تو یوں کہتے ہیں) فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ کا مطلب ہے اپنی گمراہی اور کفر میں جس کی ناپاکی ان پر چھا گئی ہے اور اس کی پلیدی ان پر غالب آ گئی ہے۔وہ گمراہی میں حیران و پریشان اور متردد ہیں اور اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتے کیونکہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، ان کی آنکھوں کو ہدایت قبول کرنے سے نابینا کر دیا ہے اور ان پر پردہ ڈال دیا ہے۔چنانچہ وہ ہدایت کو دیکھ نہیں سکتے اور اس کی طرف کوئی راہ نہیں پاتے۔بعض علماء کا قول ہے کہ عمی کا تعلق آنکھ سے ہے اور عمہ کا لفظ دل کے لئے آتا ہے۔لیکن کبھی دل کے اندھے پن کے لئے بھی عمی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (الحج:46) "کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں" اہل عرب کہتے ہیں۔ عَمِهَ الرَّجُلُ يَعْمَهُ عُمُوْهًا فَهُوَ عَمِهٌ وَعَامِهٌ وَجَمْعُهٗ عُمَّهٌ (اس کی جمع عُمَّہ آتی ہے) اور کہتے ہیں ذَهَبَتْ اِبِلُهُ الْعَمْهَاءَ (یہ اس وقت کہتے ہیں جب انہیں جانے کی راہ معلوم نہ ہو)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ⑯

"(یہ) وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے بدلے۔مگر نفع بخش نہ ہوئی ان کی (یہ) تجارت اور وہ صحیح راہ نہ جانتے تھے"۔

سدی، ابو مالک، ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ کرام سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں انہوں نے گمراہی کو اختیار کر لیا اور ہدایت کو چھوڑ دیا۔حضرت ابن عباس سے ایک دوسری روایت میں ہے انہوں نے ایمان کے بدلے کفر خرید لیا۔مجاہد کہتے ہیں وہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے۔قتادہ کا یہ قول معنی میں قوم ثمود کے بارے اس آیت کے مشابہ ہے: وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (حٰمٓ السجدۃ:17) "باقی رہے ثمود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی۔انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر) مفسرین کے

سابقہ اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ منافقین نے ہدایت سے گمراہی کی طرف اعراض کر لیا اور ہدایت کے عوض میں گمراہی لے لی۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم یہی ہے کہ انہوں نے ہدایت بیچ کر گمراہی خرید لی۔ خواہ ایمان لا کر کفر کی طرف لوٹے ہوں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (منافقون:3) ''(ان کا) یہ (طریق کار) اس لیے ہے کہ وہ (پہلے) ایمان لائے پھر وہ کافر بن گئے پس مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر''۔ یا انہوں نے ہدایت پر گمراہی کو پسند کر لیا جیسے ان میں سے دوسرے فریق کا حال ہے پس ان کی چند اقسام ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ یعنی اس سودے میں انہیں نفع نہیں ہوا اور نہ ہی وہ ہدایت پر ہیں۔ حضرت قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: بخدا تم نے انہیں دیکھ لیا کہ وہ ہدایت سے گمراہی کی طرف نکل گئے۔ اور جماعت سے علیحدگی کی طرف، امن سے خوف کی طرف، سنت سے بدعت کی طرف اور اس طرح۔ ابن ابی حاتم نے اسے روایت کیا ہے)

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی۔ پھر جب جگمگا اٹھا اس کا آس پاس تو لے گیا اللہ ان کا نور اور چھوڑ دیا انہیں گھپ اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ نہیں پھریں گے''۔

مثل کو مثل اور مثیل بھی کہتے ہیں۔ اس کی جمع امثال آتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (عنکبوت:43) ''ترجمہ: اور یہ مثالیں ہیں ہم بیان کرتے ہیں انہیں لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے۔ اور نہیں سمجھتے انہیں مگر اہل علم''۔ اس تمثیل کی صورت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو تشبیہ دی ہے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدنے میں اور بصیرت کے بعد اندھا ہو جانے میں اس شخص کے ساتھ جس نے آگ جلائی۔ جب اس نے اردگرد کو روشن کر دیا اور اس نے اس سے نفع اٹھا لیا اور دائیں بائیں دیکھ لیا اور اس سے مانوس ہو گیا وہ اس حال میں تھا کہ یکا یک اس کی آگ بجھ گئی۔ اور شدید اندھیرا چھا گیا۔ نہ تو نگاہ کام کرتی ہے اور نہ راستہ سجھائی دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بہرا ہو سن نہ سکتا ہو گونگا ہو بول نہ سکتا ہو۔ روشنی میں اسے کچھ نظر نہ آتا ہو۔ یہی حال ان منافقین کا ہے جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی لی اور رشد پر ضلال کو ترجیح دی۔ اس مثال میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ پہلے ایمان لائے پھر کفر کیا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت کسی دوسری جگہ کر دی ہے واللہ اعلم۔ جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا رازی نے اپنی تفسیر میں سدی سے یہی نقل کیا ہے۔ پھر کہا ہے کہ یہ تشبیہ بہت درست اور صحیح ہے کیونکہ پہلے انہوں نے ایمان کے بدلے نور حاصل کیا پھر اپنے نفاق سے اسے گم کر بیٹھے اور حیرت میں پڑ گئے۔ اور دین کی حیرت سے بڑی حیرت اور کیا ہوگی۔ ابن جریر کا قول ہے کہ جن کی اوپر مثال بیان کی گئی ہے وہ کسی وقت بھی ایمان نہیں لائے۔ اور بطور استدلال یہ آیت کریمہ پیش کی ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں ان کے کفر ونفاق کی خبر دی جا رہی ہے۔ اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ انہیں اس سے پہلے ایمان بھی حاصل ہوا تھا پھر یہ نعمت ان سے سلب کر لی گئی۔ اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ آئندہ آنے والی آیت کریمہ شاید ابن جریر کے ذہن میں نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (منافقون:3) اسی وجہ سے یہ مثال دی کہ ایمان قبول کرنے کی بنا پر ان کے لئے دنیا میں روشنی ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد قیامت کے دن تاریکی ہی تاریکی

ہے۔ کہتے ہیں کہ جماعت کی مثال ایک شخص سے دینا صحیح ہے جیسے فرمایا: رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِیْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ (احزاب:19) ''تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ انکی آنکھیں چکرا رہی ہوتی ہیں اس شخص کی مانند جس پر موت کی غشی طاری ہو''۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے ''مَاخَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ'' (لقمان:28) ''نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند'' اور فرمایا: مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (جمعہ:5) ''ان کی مثال جنہیں تورات کا حامل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس نے بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں''۔ بعض علماء کے نزدیک تقدیر کلام یوں ہے ''مَثَلُ قِصَّتِهِمْ كَقِصَّةِ الَّذِيْنَ اسْتَوْقَدُوْا نَارًا''۔ یعنی ان کے واقعہ کی مثال اس قصہ والوں کی طرح ہے جنہوں نے آگ جلائی) بعض کہتے ہیں کہ آگ جلانے والا تو ایک ہے لیکن جلاتا ایک جماعت کے لئے ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک الَّذِیْ یہاں الَّذِيْنَ کے معنی میں ہے جیسے ایک شاعر کا قول ہے ۔

وَاِنَّ الَّذِیْ حَانَتْ بِفَلْجٍ دِمَاؤُهُمْ هُمُ الْقَوْمُ كُلُّ الْقَوْمِ يَا اُمَّ خَالِدٍ

(میں کہتا ہوں) اس آیت میں مثال دیتے وقت واحد سے جمع کی طرف التفات کیا گیا ہے۔ یہ کلام کے اعتبار سے فصیح اور اسلوب کے لحاظ سے بلیغ ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ کا معنی ہے ان سے نفع مند چیز کو ختم کر دیا ہے اور وہ نور ہے اور نقصان دہ چیز کو ان کے لئے باقی رکھا ہے اور وہ دھواں اور آگ میں جلنا ہے۔ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ اس سے مراد شک، کفر اور نفاق ہیں جس میں وہ مبتلا ہیں۔ (لَّا يُبْصِرُوْنَ) ہدایت نہیں پاتے بھلائی کی راہ کی طرف اور نہ اسے پہچانتے ہیں۔ اور وہ اس کے ساتھ ساتھ ''صُمٌّ'' بہرے ہیں بھلائی کی بات نہیں سن پاتے ''بُكْمٌ'' نفع آور بات نہیں کرتے۔ ''عُمْیٌ'' گمراہی اور بصیرت سے محرومی میں ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (الحج:46) لہٰذا اس ہدایت کی طرف نہیں لوٹ سکتے جسے انہوں نے گمراہی کے بدلے بیچ دیا ہے۔

اسلاف مفسرین کے اقوال سے ہماری تائید

حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے: فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ کچھ لوگ حضور نبی کریم ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے پھر انہوں نے نفاق اختیار کر لیا۔ ان کی مثال اسی آدمی جیسی ہے جو اندھیرے میں تھا اس نے آگ جلائی۔ جب اردگرد کی ہر چیز روشن ہوگئی حتی کہ اس نے دیکھ لیا کہ کس چیز سے بچنا ہے وہ اسی حال میں تھا کہ اس کی آگ بجھ گئی اب اسے معلوم نہیں کہ کس آلودگی سے بچنا چاہئے۔ یہ منافق ہے جو شرک کی تاریکیوں میں تھا پھر اسلام قبول کیا۔ حلال و حرام اور خیر و شر کو پہچان لیا۔ اسی دوران اس نے پھر کفر اختیار کر لیا نہ تو حلال و حرام میں تمیز کر سکتا ہے اور نہ خیر و شر میں۔ عوفی حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ نور سے مراد ان کا ایمان ہے۔ جس کا وہ ذکر کرتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہدایت پر تھے پھر اسے ترک کر دیا۔ اور سرکشی اختیار کر لی۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ آگ روشن کرنے سے مراد ان کا مؤمنین اور ہدایت کی طرف توجہ کرنا ہے۔ عطاء خراسانی آیت کریمہ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ منافق کی مثال ہے جو بعض اوقات پہچان لیتا ہے۔ اور دیکھ لیتا ہے پھر اس کا دل نابینا ہو جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم لکھتے ہیں کہ عکرمہ، حسن، السدی، الربیع بن انس کا قول

بھی عطاء خراسانی کی طرح ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں یہ منافقین کی صفات ہیں جو ایمان لائے حتیٰ کہ جب ایمان نے ان کے دلوں کو روشن کر دیا تھا پھر انہوں نے کفر کیا تو لے گیا اللہ ان کا نور اور اسے چھین لیا جس طرح اس آگ کی روشنی ختم ہوگئی تھی اور انہیں تاریکیوں میں بھٹکتا چھوڑ دیا۔ ابن جریر کا قول حضرت ابن عباس کی اس روایت کے مشابہ ہے جسے علی بن ابوطلحہ نے بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں یہ مثال ہے جو اللہ نے منافقین کے لئے بیان کی ہے کہ وہ اسلام سے عزت حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ مسلمان ان سے نکاح کرتے۔ ان کی میراث میں حصہ دار ہوتے اور مال فئی میں سے انہیں حصہ ملتا۔ جب وہ مرگئے تو اللہ نے ان کی اس عزت کو سلب کر لیا۔ جس طرح اس آگ والے کی روشنی ختم ہوگئی تھی حضرت ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ آگ کی روشنی اس کے بجھنے تک باقی رہتی ہے۔ اسی طرح منافق جب کلمہ اخلاص لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے تو اردگرد اس کے لئے روشن ہو جاتا ہے۔ جب شک میں مبتلا ہوتا ہے تو اندھیرے میں پڑ جاتا ہے ضحاک فرماتے ہیں: ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ کہ نور سے مراد ان کا وہ ایمان تھا جو ان کی زبانوں پر تھا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ کلمہ لا الہ الا اللہ ان کے لئے روشنی کر دیتا تھا۔ وہ کھاتے پیتے دنیا میں ایمان لاتے، نکاح کرتے اور اپنی جانوں کو محفوظ بنا لیتے حتیٰ کہ جب وہ مرگئے تو اللہ نے ان کے نور کو ختم کر دیا اور انہیں تاریکیوں میں بھٹکتا چھوڑ دیا۔ حضرت قتادہ سے ہی ایک دوسری روایت ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ منافق نے جب لا الہ الا اللہ کہا تو اس نے دنیا اس کے لئے روشن کر دی اس کے ساتھ اس نے مسلمانوں سے نکاح کیے۔ ان کے ساتھ غزوات میں شریک رہا، میراث میں حصہ پایا۔ اور اسی کے سبب اپنی جان و مال کو محفوظ کیا۔ موت کے وقت منافق سے یہ نور سلب کر لیا گیا کیونکہ اس کے دل میں اس کی اصل نہ تھی اور نہ ہی اس کے عمل میں اس کی حقیقت تھی۔ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ابن عباس فرماتے ہیں تاریکیوں سے مراد یہاں عذاب ہے جو موت کے بعد ہوتا ہے۔ یہ لوگ حق کو دیکھتے ہیں۔ زبان سے کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب کفر کی تاریکی سے نکل جاتے ہیں تو پھر اپنے کفر و نفاق کے سبب اسے بجھا دیتے ہیں وہ نور حق انہیں کفر کی تاریکیوں میں چھوڑ دیتا ہے اور وہ ہدایت کو نہیں دیکھ پاتے۔ اور راہ حق پر گامزن نہیں رہ سکتے۔ سدی اپنی سند کے ساتھ اس آیت کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ تاریکی ان کا نفاق ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں یہ موت کے وقت کی طرف اشارہ ہے منافق کی بداعمالیاں اس وقت اس پر تاریکی کی طرح چھا جاتی ہیں۔ اس کے پاس کوئی ایسا نیک عمل نہیں بچتا جس کے ساتھ اس کے قول لا الہ الا اللہ کی تصدیق ہو۔ "صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ" سدی اپنی سند کے ساتھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں وہ گونگے اور اندھے ہیں۔ حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں وہ ہدایت کو سنتے اور سمجھتے نہیں۔ ابوالعالیہ، قتادہ بن دعامہ کا قول بھی یہی ہے۔ "فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ" حضرت ابن عباس فرماتے ہیں ہدایت کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ ربیع بن انس نے بھی یہی کہا ہے۔ سدی فرماتے ہیں وہ اسلام کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ قتادہ فرماتے ہیں وہ نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۱۹ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۰

"یا پھر جیسے زور کا مینہ برس رہا ہو بادل سے جس میں اندھیرے ہوں اور گرج اور چمک ہو ٹھونستے ہیں اپنی انگلیاں اپنے

کانوں میں کڑک کے باعث موت کے ڈر سے اور اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو قریب ہے کہ بجلی اچک لے جائے ان کی بینائی۔ جب چمکتی ہے ان کے لیے تو چلنے لگتے ہیں اس (کی روشنی) میں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے ان پر تو کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے ان کے سننے کی قوت اور ان کی بینائی۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے منافقین کی ایک دوسری قسم کے لئے یہ مثال بیان فرمائی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کبھی حق کو ظاہر کرتے ہیں اور کبھی پھر شک میں پڑ جاتے ہیں ان کے دل ہر وقت شک، کفر اور تردد میں ہیں۔ "کَصَیِّبٍ" اَلصَّیِّبُ: اَلْمَطَرُ: بارش۔ ابن مسعود، ابن عباس، چند صحابہ کرامؓ۔ ابو العالیہ، مجاہد، سعید بن جبیر، عطاء حسن بصری، قتادہ، عطیہ العوفی، عطاء خراسانی، سدی، ربیع بن انس کا یہی قول ہے۔ (رحمھم اللہ تعالیٰ) ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد بادل ہے لیکن زیادہ مشہور یہ ہے کہ یہ بارش ہے جو اندھیرے کی حالت میں آسمان سے اترتی ہے۔ یہ شک، کفر اور نفاق ہیں۔ اور "رعد" گرج ہے جو خوف سے دلوں کو ہلا دیتی ہے۔ یہی حال منافق کا ہے وہ ہر وقت شدید خوف اور گھبراہٹ میں مبتلا رہتے ہیں جیسے ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے: وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ (توبہ:56-57) "اور قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں لیکن وہ ایسی قوم ہیں جو ڈرتے رہتے ہیں۔ اگر مل جائے کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا گھس بیٹھنے کی جگہ تو (دیکھئے گا) وہ منہ پھیر لیں گے اس طرف منہ زوری کرتے ہوئے"۔ (البرق) اس سے مراد وہ نور ایمان ہے جو بعض اوقات اس قسم کے منافقین کے دل میں چمک اٹھتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ "یعنی ان کی ہدایت انہیں کچھ فائدہ نہ دے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے اور وہ اس کی مشیت اور ارادہ کے تابع ہیں"۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۝ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۝ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ ۝ (البروج:17 تا 20) "کیا پہنچی ہے آپ کے پاس لشکروں کی خبر (یعنی) فرعون اور ثمود (کے لشکروں) کی بلکہ یہ کفار جھٹلانے میں مصروف ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے) پھر فرمایا: يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے یہ اس کی شدت اور قوت اور ان کی بصارتوں کی کمزوری اور ایمان پر عدم ثبات کی وجہ سے ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں قریب ہے کہ قرآن کریم کی محکم آیتیں آ کر ان کی قلعی کھول دیں۔ آپ سے ہی ایک دوسری روایت میں ہے کہ نور حق کی شدت کی وجہ سے بھی ان کے لئے روشنی ہو جاتی ہے وہ اس میں چلنے لگتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی جب بھی ایمان میں سے کوئی چیز ان کے لئے ظاہر ہوتی ہے تو وہ اس سے مانوس ہو جاتے ہیں اور اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ لیکن کبھی انہیں شک پڑتا ہے تو ان کے دلوں میں تاریکی چھا جاتی ہے۔ وہ حیران و پریشان ٹھہر جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے: كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ جب کبھی اسلام کو عزت اور غلبہ ملے مطمئن ہو جاتے ہیں اور جب اسلام پر کوئی آزمائش آتی ہے تو وہ الٹے پاؤں کفر کی طرف لوٹنے لگتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰي حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ (حج:11) "اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی کنارہ پر (کھڑے کھڑے) پھر اگر پہنچے اسے بھلائی (اس عبادت سے) تو مطمئن ہو جاتا ہے اس سے"۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ ان کا روشنی میں چلنا حق کو جان کر کلمہ پڑھنا ہے۔ اپنے اس قول میں وہ استقامت پر ہوتے ہیں۔ چنانچہ الٹے پاؤں جب وہ کفر کی طرف لوٹتے ہیں تو حیران و ششدر ہو جاتے ہیں۔

ابوالعالیہ، حسن بصری، قتادہ، ربیع بن انس کا یہی قول ہے سدی نے اپنی سند کے ساتھ صحابہ سے یہی نقل کیا ہے۔ واضح اور ظاہر قول بھی یہی ہے واللہ اعلم۔ روز قیامت بھی ان کا یہی حال ہوگا۔ جب لوگوں کو ان کے حسب ایمان نور عطا کیا جائے گا تو اس نور کے ساتھ کسی کے لئے چند فرسخ تک روشنی ہو جائے گی۔ کسی کے لیے زیادہ اور کسی کے لئے کم۔ کسی کا نور کبھی روشن ہوگا اور کبھی بجھ جائے گا۔ پل صراط پر کچھ دیر کے لئے چلیں گے اور پھر رک جائیں گے۔ بعض کا نور مکمل طور پر بجھ جائے گا یہ خالص منافقین ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَوْمَ يَقُولُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا (حدید:13) ''اس روز کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے (اے نیک بختو!) ذرا ہمارا بھی انتظار کرو ہم بھی روشنی حاصل کر لیں تمہارے نور سے۔ (انہیں) کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور (وہاں) نور تلاش کرو''۔ اور مومنین کے بارے میں ارشاد فرمایا: يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ...... (حدید:12) ''(جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ ضوفشانی کر رہا ہوگا ان کا نور ان کے آگے بھی اور ان کی دائیں جانب بھی۔ (مومنو!) تمہیں مژدہ ہو آج ان باغوں کا بہہ رہی ہیں جن کے نیچے نہریں'' اور فرمایا: يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (تحریم:8) ''اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے) (اس روز ان کا نور ایمان دوڑتا ہوگا ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب، وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! مکمل فرما دے ہمارے لئے ہمارا نور اور بخش دے ہمیں۔ بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے''۔

اس مضمون کی تائید میں واردشدہ احادیث کا بیان

حضرت قتادہ آیت کریمہ: يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ...... (الحدید:12) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے مومنین میں سے بعض کا نور مدینہ سے لے کر عدن تک ہوگا...... بعض کا اس سے کم حتیٰ کہ بعض کے صرف پاؤں رکھنے کی جگہ ہی روشن ہوگی۔ اس حدیث کو ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ مومنین کو ان کے اعمال کے بقدر نور عطا کیا جائے گا۔ بعض کو کھجور کے درخت کے برابر نور ملے گا۔ بعض کو قد آدم کے برابر سب سے کم نور اس کا ہوگا جسے انگوٹھے میں عطا ہوگا جو کبھی روشن ہوگا کبھی بجھ جائے گا ابن جریر نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم عبداللہ بن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ اپنے اعمال کے برابر وہ پل صراط سے گذریں گے۔ بعض کا نور پہاڑ کی طرح ہوگا۔ بعض کا کھجور کے برابر، اور سب سے کم نور اس شخص کا ہوگا جس کے انگوٹھے میں ہوگا۔ کبھی چمکنے لگے گا کبھی بجھ جائے گا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ قیامت کے دن موحدین میں سے ہر ایک کو نور عطا کیا جائے گا۔ رہے منافق تو ان کا نور بجھ جائے گا۔ تو مومن ڈر کر کہیں گے مولیٰ ہمارے نور کو مکمل کر دے۔ (ابن ابی حاتم) ضحاک بن مزاحم کا قول ہے کہ قیامت کے دن ہر ایمان ظاہر کرنے والے کو نور ملے گا۔ جب وہ پل صراط پر پہنچیں گے تو منافقین کا نور بجھ جائے گا۔ جب مومنین یہ صورت حال دیکھیں گے تو ڈر کر کہیں گے۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا (التحریم:8) ''اے رب مکمل فرما دے ہمارے لئے ہمارا نور''۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن کئی قسم کے لوگ ہوں گے۔ (۱) مومن مخلص یہ وہ لوگ ہیں جن کی صفات سورۂ بقرہ کے آغاز میں چار آیات میں بیان ہوئی ہیں۔ (۲) کفار خاص:۔ (خالص کفار) جن کا ذکر

اس کے بعد والی دو آیتوں میں ہے۔ (۳) منافقین: ان کی دو قسمیں ہیں۔ (ا) خالص منافق:۔ جن کی مثال آگ کی روشنی سے دی گئی ہے۔ (ب) مذبذب منافق:۔ جو تردد میں ہیں کبھی ایمان کی روشنی ان کے لئے ظاہر ہوتی ہے اور کبھی بجھ جاتی ہے۔ ان کی مثال بارش والوں سے دی گئی ہے یہ پہلی حالت والوں سے ہلکے ہوتے ہیں۔ یہ تشبیہ بعض صورتوں میں اس تشبیہ کے مشابہ ہے جس کا ذکر سورۂ نور میں آیا ہے۔ جس میں مومن اور اس کے دل میں اللہ نے جو نور اور ہدایت ودیعت فرمائی ہے کو شیشے میں چراغ سے۔ وہ شیشہ (فانوس) گویا ایک ستارہ ہے جو موتی کی طرح چمک رہا ہے۔ یہ بندۂ مومن کا دل ہے جو ایمان کی فطرت پر ہے اور شریعت کے چشمہ ہدایت سے فیض یاب ہو رہا ہے (اس کا تفصیلی بیان اپنی جگہ آئے گا ان شاء اللہ) پھر کافر بندوں کی مثال دی جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ کچھ ہیں حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں۔ وہ تو جہل مرکب ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَـيْــــًٔـا (نور: 39) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چمکتی ہوئی ریت ہو کسی چٹیل میدان میں خیال کرتا ہے اسے پیاسا کہ وہ پانی ہے حتیٰ کہ جب (پینے کے لئے) اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا''۔ پھر ان کفار کی مثال دی جو جہل بسیط میں گرفتار ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّـجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (النور: 40) ''یا (اعمال کفار) ایسے اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتے ہیں چھا رہی ہوتی ہے اس پر موج، اس کے اوپر ایک اور موج (اور) اس کے اوپر بادل۔ (تہ در تہ) اندھیرے ہیں ایک دوسرے کے اوپر۔ جب وہ نکالتا ہے اپنا ہاتھ تو نہیں دیکھ پاتا اسے۔ اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے تو اس کے لئے کہیں نور نہیں''۔ پھر کفار کو دو اقسام میں تقسیم کیا۔ (1) داعیۃ (کفر کی طرف بلانے والے (2) مقلد (تقلید کرنے والے)۔ جس طرح سورۂ حج کی ابتدا میں ان کا ذکر آیا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِــعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ (حج: 3) ''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیر اور پیروی کرتے ہیں ہر سرکش شیطان کی''۔ اور فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ (حج: 8) ''اور انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم اور بغیر کسی دلیل کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے''۔

سورۂ واقعہ کی ابتدا اور آخر میں اور سورۂ انسان (دہر) میں مومنین کی دو قسمیں بیان فرمائیں۔

(1) سابقون اور یہ مقربین ہیں۔ (2) اصحاب یمین: یہ نیک لوگ ہیں۔

ان آیات میں مجموعی طور پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مومنین کی دو قسمیں ہیں۔ (1) مقربین۔ (2) ابرار (نیک لوگ) اور کفار کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (1) دُعاۃ (کفر کی طرف دعوت دینے والے) (2) مقلدین۔ اور منافقین کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (1) خالص منافق (2) جس میں نفاق کا اثر ہو۔ جیسے صحیحین کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس میں تین علامات پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان تین میں سے کوئی ایک ہو اس میں نفاق کی خصلت موجود ہے حتیٰ کہ اسے چھوڑ دے۔ جو شخص جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔ اور جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے (1)۔ اس حدیث سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ بعض اوقات انسان میں ایمان کا کوئی شعبہ ہوتا ہے یا نفاق کا کوئی حصہ ہوتا ہے۔ خواہ عملی ہو (جیسے اس حدیث میں ہے) یا اعتقادی۔ جیسے آیت کریمہ میں ہے۔ سلف کی ایک جماعت اور علماء کرام کے ایک گروہ

1۔ شرح السنۃ: 73/1

کا مذہب یہی ہے۔ (اس کا بیان آگے آئے گا ان شاء اللہ)

حضرت امام احمد حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''دل چار ہیں۔ (1) صاف دل جس میں چراغ چمک رہا ہو۔ (2) وہ دل جس پر غلاف چڑھا ہوا ہو۔ (3) وہ دل جو الٹا ہو۔ (4) وہ دل جو دوغلا (مخلوط) ہو۔ صاف دل مومن کا ہے۔ اس کا چراغ اس کا نور ہے۔ غلاف والا دل کافر کا ہے۔ الٹا دل خالص منافق کا ہے۔ جس نے پہچان لینے کے بعد انکار کر دیا۔ مخلوط دل منافق کا ہے جس میں ایمان اور نفاق دونوں ہیں۔ ایمان کی مثال اس سبزہ کی طرح ہے جو پاکیزہ پانی سے بڑھ رہا ہو۔ اور نفاق کی مثال اس زخم کی طرح ہے جس سے خون اور پیپ بہہ رہی ہو۔ اب جو مادہ بڑھ جائے دوسرے پر غالب آ جاتا ہے۔'' (اس کی اسناد بہت عمدہ ہے) (1)۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جب انہوں نے حق کو پہچان لینے کے بعد اسے چھوڑ دیا تو اگر اللہ چاہے تو ان کی آنکھوں اور کانوں کو ختم کر دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے انتقام لینا چاہے یا معاف کرنا چاہے قادر ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس جگہ اپنے آپ کو ہر چیز پر قادر ہونے سے متصف فرمایا ہے کیونکہ اس نے منافقین کو اپنی شوکت اور سطوت سے خبردار کیا ہے۔ (اور انہیں آگاہ کیا ہے) کہ وہ انہیں محیط ہے۔ اور ان کے کانوں اور آنکھوں کو ختم کر دینے پر قادر ہے۔ قدیر کا معنی قادر ہے۔ جیسے علیم کا معنی عالم ہے۔ ابن جریر اور ان کی اتباع میں دوسرے بہت سے مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ دونوں مثالیں منافقین کی ایک ہی قسم کی ہیں۔ اور کلمہ (اَوْ) آیت کریمہ: اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ میں واو کے معنی میں ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿٢٤﴾ (الدہر: 24) ''اور نہ کہنا مانئے ان میں سے کسی بدکار یا احسان فراموش کا'' یا لفظ او تخییر (اختیار دینا) کے لئے ہے یعنی اِضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا بِهٰذَا وَ اِنْ شِئْتَ بِهٰذَا ان دونوں مثالوں میں سے جو چاہو ان کے لئے بیان کرو۔ قرطبی کا قول ہے کہ اَوْ یہاں تساوی (مساوات ظاہر کرنے) کے لئے ہے۔ جیسے کہتے ہیں (جَالِسِ الْحَسَنَ اَوِ ابْنَ سِيْرِيْنَ) اس کی توجیہ کرتے ہوئے زمخشری لکھتے ہیں کہ حسن اور ابن سیرین علمی مقام، مرتبہ میں برابر ہیں تم دونوں میں سے کسی کے پاس بھی زانوئے تلمذ طے کر سکتے ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ تم ان کے لئے یہ مثال بیان کر دیا وہ دونوں ان کے حال کے مطابق ہیں۔ (میں کہتا ہوں) یہ منافقین کی جنس کے اعتبار سے ہے۔ ان کی چند اصناف ہیں اور پھر ان کے احوال وصفات ہیں جس طرح کہ اللہ نے سورۂ برأت (توبہ) میں ومنهم، ومنهم اور ومنهم کر کے ان کی صفات واحوال اور اقوال وافعال بیان کیے ہیں۔ تو یہ دو مثالیں دو اقسام کی ہیں جن کے احوال وصفات میں شدید مطابقت ہے۔ واللہ اعلم جیسے سورۂ نور میں کفار کی دو صنفوں (داعی اور مقلد) کی مثال دی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ یہاں تک کہ فرمایا: اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ...... (نور: 39-40) پہلی مثال کفر کی طرف بلانے والوں کی ہے جو جہل مرکب میں ہیں۔ اور دوسری مثال جہل بسیط والوں کی ہے جو ان کے پیروکار ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٢١﴾
الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ
الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾

1۔ مسند امام احمد: جلد 3، صفحہ 17

"اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ وہ جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے کچھ پھل تمہارے کھانے کے لیے پس نہ ٹھیراؤ اللہ کے لئے مدمقابل۔ اور تم جانتے ہو"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے توحید الوہیت پر استدلال قائم فرمایا کہ وہی ذات وحدہ لاشریک ہے جس نے اپنے بندوں پر احسان کرتے ہوئے انہیں عدم سے وجود بخشا اور ان پر ظاہری و باطنی نعمتوں کی فراوانی فرمائی۔ زمین کو ان کے لئے بچھونا بنایا۔ اس میں بلند و بالا پہاڑ نصب فرمائے آسمان کو چھت بنایا جیسے ایک اور آیت کریمہ میں ہے: وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّ هُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ (انبیاء: 32) "اور بنایا ہم نے آسمان کو ایک چھت جو (شکست و ریخت سے) محفوظ ہے۔ اور وہ لوگ (اب بھی) اس کی نشانیوں سے روگردانی کیے ہوئے ہیں"۔ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً یہاں اس سے مراد بادل ہے۔ اس وقت بھیجا جب لوگوں کو اس کی شدید ضرورت تھی۔ اس سے انواع واقسام کی کھیتیاں اور پھل پیدا فرمائے جو ان کی اور ان کے جانوروں کی خوراک ہے۔ جس طرح کہ قرآن کریم میں کسی دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مضمون کے اعتبار سے اس آیت کے مشابہ ترین یہ آیت ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (مومن: 64) "اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لیے زمین کو قیام کی جگہ اور آسمان کو چھت (کی مانند) اور تمہاری صورت گری کی اور حسین بنا دیا تمہاری صورتوں کو اور کھانے کے لیے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں ایسی خوبیوں والا تمہارا پروردگار ہے۔ پس بڑی ہی برکتوں والا ہے اللہ تعالیٰ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے"۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ وہی خالق و رازق ہے وہی دنیا و مافیہا کا مالک اور روزی رساں ہے۔ چنانچہ وہی اس بات کا مستحق ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اسی لیے فرمایا: فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ پس نہ ٹھہراؤ اللہ کے لئے مدمقابل اور تم جانتے ہو۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے عرض کی یارسول اللہ! اللہ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے۔ فرمایا کہ تو اللہ کے لئے بنائے مدمقابل حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔...... الحدیث (1)۔ اسی طرح حدیث معاذ میں ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ یہ کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں (2)...... الحدیث۔ ایک اور حدیث میں ہے "تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہے جو اللہ چاہے پھر جو فلاں چاہے" (3)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی طفیل بن سنجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے خواب دیکھا کہ میرے پاس چند یہودی آئے۔ میں نے پوچھا تم کون ہو؟ وہ کہنے لگے ہم یہود ہیں۔ میں نے کہا کاش تمہاری قوم حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہ کہتی۔ وہ کہنے لگے کاش تم یہ نہ کہتے جو اللہ چاہے اور محمد (ﷺ) چاہیں۔ کہتے ہیں پھر میں نصاریٰ کے ایک گروہ کے پاس سے گذرا۔ میں نے پوچھا تم کون ہو؟ وہ کہنے لگے ہم نصرانی ہیں۔ میں نے کہا افسوس تم نہ کہتے مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ انہوں نے کہا تم ایک قوم ہو۔ کاش تم یہ نہ کہتے "مَاشَآءَ اللّٰهُ وَ شَآءَ مُحَمَّدٌ" میں نے صبح اس خواب کا ذکر چند لوگوں سے کیا پھر بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر سارا خواب عرض کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے کسی اور کو یہ خواب سنایا ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا امابعد، طفیل نے ایک خواب دیکھا ہے اور تم میں سے بعض کو بیان بھی کیا ہے میں چاہتا تھا کہ تمہیں اس کلمہ کے کہنے سے روک دوں

1۔ البخاری: 186/5 2۔ البخاری: 130/8 3۔ الشفاء: 64/1

لیکن فلاں فلاں مصروفیت کی وجہ سے میں ایسا نہ کر سکا۔ اب ایسے نہ کہا کرو (مَاشَآءَ اللّٰهُ وَ مُحَمَّدٌ) جو اللہ چاہے اور اس کا رسول۔ بلکہ صرف یوں کہا کرو ''ماشاء اللہ'' جو اللہ چاہے'' (1)۔ ابن مردویہ نے اس حدیث کو اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں اور ابن ماجہ نے ایک دوسری سند سے بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یوں کہا۔ مَاشَآءَ اللّٰهُ وَ مَاشِئْتَ جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے مجھے اللہ کا مدمقابل بنا دیا ہے؟ یوں کہہ ''ماشاء اللہ'' ابن مردویہ نے اسے روایت کیا ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ یہ سب کچھ توحید کی حفاظت اور رعائت کے لئے کیا گیا ہے واللہ اعلم۔ يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ دونوں فریق کفار اور منافقین کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ اپنے رب کی توحید بیان کرو جسنے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فَلَا تَجْعَلُوْا: یعنی اللہ کے ساتھ کوئی دوسرے مدمقابل شریک نہ ٹھہراؤ جو نفع ونقصان پر قادر نہیں حالانکہ تم جانتے ہو کہ اس رب کے علاوہ کوئی تمہیں روزی دینے والا نہیں۔ اور وہ توحید جس کی طرف رسول کریم ﷺ تمہیں بلاتے ہیں وہ حق ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔ قتادہ کا قول بھی یہی ہے۔ ابن ابی حاتم اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انداد سے مراد وہ شرک ہے جو تاریک رات میں سیاہ پتھر پر چیونٹی کے چلنے سے بھی زیادہ مخفی ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان کہے قسم ہے اللہ کی اور اے فلاں تیری زندگی کی۔ اور کہے اگر یہ کتیا نہ ہوتی تو گذشتہ رات چور ہمارے گھر گھس آتے۔ اگر بطخ گھر میں نہ ہوتی تو چور ضرور آتے اور آدمی کا اپنے ساتھی کو یہ کہنا جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔ اور آدمی کا یہ کہنا ''اگر اللہ نہ ہوتا اور فلاں۔'' ان سب کے ساتھ کلمہ فلاں کو شامل نہ کرو۔ یہ سب شرک ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ کو عرض کی جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا ایک اور حدیث میں ہے تم کتنی اچھی قوم ہو اگر تم شریک نہ ٹھہراتے ہو۔ اور یہ نہ کہتے ہو (مَاشاء اللہ وشآء فلان) ابو العالیہ کا قول ہے انداد کا معنی ہے۔ برابر اور شریک۔ ربیع بن انس، قتادہ، سدی، ابو مالک، اسماعیل بن ابی خالد نے یہی کہا ہے۔ مجاہد کا قول ہے: وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اور تم جانتے ہو کہ وہ ایک ہی معبود ہے تورات اور انجیل میں۔

آیت کریمہ کے مفہوم کی تائید حدیث مبارکہ سے

حضرت امام احمد لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو حکم دیا کہ پانچ کلمات پر عمل کریں اور بنو اسرائیل کو ان پر عمل کرنے کا حکم دیں۔ قریب تھا کہ وہ اس میں تساہل سے کام لیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا آپ کو پانچ کلمات پر عمل کرنے اور انہیں بنو اسرائیل کو سکھانے کا حکم دیا گیا تھا۔ پس یا تو آپ خود پہنچا دیں یا میں پہنچا دوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا اے بھائی مجھے خدشہ ہے کہ اگر تم مجھ سے سبقت لے گئے تو مجھ پر عذاب نازل ہو یا مجھے زمین میں دھنسا دیا جائے۔ چنانچہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام نے بنو اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا۔ جب مسجد بھر گئی تو بلند جگہ (منبر پر) بیٹھ گئے اللہ کی حمد وثناء کی اور فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ پانچ کلمات پر کار بند رہوں اور تمہیں ان پر عمل پیرا ہونے کا حکم دوں۔ ان میں پہلا کلمہ یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ بے شک اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنے خالص مال خواہ سونا ہو یا چاندی سے کوئی غلام خریدے وہ غلام مزدوری کرنا شروع کر دے اور آمدنی آقا کے علاوہ کسی اور کو دے دے۔ تم میں سے کسے یہ پسند ہے کہ اس کا غلام اس طرح ہو۔ بے شک اللہ نے تمہیں پیدا کیا۔ اور تمہیں رزق دیا۔ پس اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو

1۔ ابن ماجہ: 2117

شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور تمہیں نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے بے شک اللہ تعالیٰ کا منہ بندے کی طرف ہوتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر التفات نہ کرے۔ پس جب تم نماز پڑھو تو ادھر ادھر نہ دیکھو اور تمہیں روزے رکھنے کا حکم دیا۔ اس کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس کے پاس کستوری سے بھری تھیلی ہو جس سے اس کے ساتھیوں کے دماغ معطر رہیں۔ بے شک روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں کستوری سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور تمہیں صدقہ دینے کا حکم دیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو دشمن گرفتار کر لیں۔ اس کے ہاتھوں کو اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیں۔ اور قتل کرنے کے لئے لے چلیں تو وہ انہیں یہ کہے کہ تم میری جگہ فدیہ لے لو۔ چنانچہ اپنی طرف سے فدیہ دے کر خواہ کم ہو یا زیادہ اس نے اپنی جان چھڑالی۔ پانچواں کلمہ یہ ہے کہ اس نے تمہیں بکثرت اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی مثال اس طرح کہ دشمن تیزی سے کسی شخص کا تعاقب کر رہا ہے۔ وہ ایک مضبوط قلعہ میں داخل ہو کر قلعہ بند ہو جاتا ہے۔ بندہ جب اللہ کے ذکر میں ہو تو شیطان سے اس شخص سے بھی زیادہ محفوظ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں بھی تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں اللہ نے جن کا مجھے حکم دیا ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا۔ سمع وطاعت، ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ۔ جو جماعت سے ایک بالشت برابر بھی ادھر ادھر ہوا اس نے اسلام کا پٹا اپنے گلے سے اتار پھینکا مگر جب وہ رجوع کر لے۔ جو جاہلیت کا دعویٰ کرے وہ جہنم کا ایندھن ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! اگرچہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگرچہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور یہ گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے۔ مسلمانوں کو انہیں ناموں سے پکارو جو خود اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔ مسلمین، عباداللہ مومنین'' (1)۔ یہ حدیث حسن ہے اس آیت میں اس کا شاہد یہ حصہ ہے ''وَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ فَاعْبُدُوْهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا''۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ صرف خدا تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے جو ہر لحاظ سے وحدہ لاشریک ہے۔

بہت سے مفسرین مثلاً امام رازی وغیرہ نے اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال قائم کیا ہے۔ فی الواقع یہ بہت بڑی دلیل ہے۔ جو ان سفلی وعلوی موجودات، اشکال، رنگوں، طبیعتوں کے اختلاف، ان کے منافع اور ان کے باعث نفع ہونے پر غور وفکر کرتا ہے وہ اس خالق کی قدرت، حکمت، علم واتقان اور عظیم سطوت کو بخوبی جان لیتا ہے۔ جیسے کسی اعرابی سے جب اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلیل پوچھی گئی تو اس نے کہا سبحان اللہ! مینگنی اونٹ کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔ پاؤں کے نشانات کسی کے وہاں سے گذرنے پر دلیل ہوتے ہیں تو برجوں والا آسمان، راستوں والی زمین اور موجوں والے سمندر اس لطیف وخبیر کے وجود پر دلیل نہ ہوں گے۔ رازی نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ہارون رشید نے ایک مرتبہ آپ سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے زبانوں اور لہجات کے مختلف ہونے سے وجود باری تعالیٰ پر استدلال قائم کیا۔ بعض زنادقہ نے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے خدا تعالیٰ کے وجود کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا ٹھہرو میں اس وقت ایک معاملے کے بارے میں غور وفکر کر رہا ہوں لوگوں نے مجھے کہا ہے کہ سمندر میں ایک بہت بڑی کشتی ہے اس میں انواع واقسام کی تجارتی چیزیں ہیں۔ نہ کوئی اس کا محافظ ہے اور نہ کوئی ملاح۔ اس کے باوجود وہ خود بخود آ جا رہی ہے وہ بڑی بڑی موجوں کو چیرتی ہوئی گذر جاتی ہے اور جہاں چاہتی ہے چلی جاتی ہے کوئی اسے چلانے والا نہیں۔ وہ دہریئے جو سوال کرنے آئے تھے کہنے لگے کوئی عقلمند ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ امام صاحب نے فرمایا تو یہ کارخانہ حیات جس میں عالم علوی اور سفلی اور اس میں بے شمار اشیاء ہیں کیا اس کا کوئی صانع نہ ہوگا۔ یہ سننا تھا کہ وہ مبہوت ہو کر رہ گئے۔ حق کی طرف لوٹ آئے اور آپ کے دست مبارک پر مسلمان ہو گئے۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے خالق کائنات کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ توت کے درخت کے پتے

1۔ مسند احمد: 130/4

ایک ہی ہیں۔ کیڑے انہیں کھاتے ہیں تو ان سے ریشم بنتا ہے۔ شہد کی مکھی اسے کھا کر شہد تیار کرتی ہے، بکری، گائے اور دیگر جانور گوبر کرتے ہیں۔ ہرن کھاتے ہیں تو اس سے کستوری بنتی ہے۔ حالانکہ وہ درخت ایک ہی ہے (جو ان سب کی خوراک ہے) حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے یہی سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ایک بہت مضبوط چکنا قلعہ ہے جس کا کوئی دروازہ یا راستہ نہیں اس کا ظاہر سفید چاندی کی طرح اور باطن خالص سونے کی طرح ہے۔ وہ اسی حالت میں ہے کہ ایک دیوار گرتی ہے اس میں سے ایک حسین و جمیل خوشنما آواز والا سننے اور دیکھنے والا جانور باہر نکل آتا ہے۔ اس سے آپ کی مراد انڈہ تھی جب اس میں سے چوزہ نکلے۔ (آپ کا مطلب یہ تھا کہ انڈہ جو کہ چاروں طرف سے بند ہے پھر بھی اس میں بچہ پیدا ہو جاتا ہے یہ لازماً کسی صانع کی کاریگری ہے) ابونو اس سے یہ سوال کیا گیا تو اس نے کہا۔

تَاَمَّلْ فِیْ نَبَاتِ الْاَرْضِ وَ انْظُرْ اِلٰی آثَارِ مَا صَنَعَ الْمَلِیْكُ
عُیُوْنٌ مِنْ لُجَیْنٍ شَاخِصَاتٌ بِاَحْدَاقٍ هِیَ الذَّهَبُ السَّبِیْكُ
عَلٰی قُضُبِ الزَّبَرْجَدِ شَاهِدَاتٌ بِاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ لَهٗ شَرِیْكُ

ابن المعتز کا قطعہ ہے۔

فَیَا عَجَبًا كَیْفَ یُعْصٰی اِلٰهٗ اَمْ كَیْفَ یَجْحَدُهُ الْجَاحِدُ
وَ فِیْ كُلِّ شَیْءٍ لَهٗ آیَةٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدُ

''تعجب ہے آدمی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کس طرح کرتا ہے یا منکر اس کا انکار کیسے کرتا ہے۔ حالانکہ ہر چیز اس کے وحدہ لاشریک ہونے پر گواہ ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ جو شخص آسمانوں کی بلندی اور وسعت میں غور کرتا ہے اور اس میں بڑے بڑے ستارے اور چھوٹے چھوٹے روشن سیارے دیکھتا ہے وہ مشاہدہ کرتا ہے کہ کس طرح سب ایک بڑے مدار میں رات دن میں ایک چکر لگا رہے ہیں حالانکہ خود ان کی اپنی حرکت بھی ہے۔ اور وہ سمندر جو زمین کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور وہ پہاڑ جو زمین میں گڑے ہوئے ہیں۔ اور اس کے باشندے واشکال والوان کے اختلاف کے باوجود اس میں رہائش پذیر ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِیْبُ سُوْدٌ ۞ وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر: 28-27)'' اور پہاڑوں سے بھی رنگ رنگ کے ٹکڑے ہیں۔ کوئی سفید، کوئی سرخ مختلف رنگوں میں (کوئی شوخ، کوئی مدھم) اور بعض حصے سخت سیاہ اور انسانوں، چارپایوں اور جانوروں کے رنگ بھی اسی طرح جدا جدا ہیں۔ اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی پوری طرح اس سے ڈرتے ہیں''۔ اسی طرح یہ دریا جو ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف بہتے ہیں۔ جو باعث منفعت ہیں۔ اور زمین پر طرح طرح کے حیوانات اور مختلف ذائقوں، خوشبوؤں، شکلوں اور رنگوں والی نباتات حالانکہ وہ ایک ہی مٹی اور پانی سے پیدا ہوئے ہیں یہ سب کسی صانع ہستی کے وجود اور اس کی عظیم قدرت و حکمت کی دلیل ہیں۔ اس کا اپنی مخلوق پر رحم کرنا، ان پر بے پایاں الطاف اور لامحدود نوازشات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود اور رب نہیں۔ اسی پر میں توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف لوٹتا ہوں۔ اس موضوع کی تائید میں بے شمار آیات کریمہ موجود ہیں۔

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ

مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ لَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَ قُوۡدُهَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَۃُ ۚۖ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۴﴾

''اور اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے برگزیدہ بندے پر تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی اور بلا لو اپنے حمائتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے۔''

اپنی الوہیت و وحدانیت پر دلیل قائم کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کی نبوت (و رسالت) کی دلیل شروع کی۔ کفار کو مخاطب کر کے فرمایا اگر تمہیں اس کلام معجز بیان میں جو ہم نے اپنے بندے محمد علیہ السلام پر نازل کیا ہے کچھ شبہ ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ۔ اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں تو اس جیسا کلام بنا کر لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے حامیوں میں سے جس سے چاہو مدد لے لو۔ تم ایسا ہرگز نہیں کر سکو گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں شہداءکم سے مراد تمہارے اعوان و انصار ہیں۔ ابو مالک کا قول ہے شرکاءکم سے مراد کوئی دوسری قوم جو اس پر تمہاری معاونت کریں یعنی اپنے (جھوٹے) معبودوں سے مدد و نصرت طلب کرو۔ مجاہد فرماتے ہیں (وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَکُمۡ) کہ تم اپنے فصیح و بلیغ حکام سے بھی مدد لے لو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک سے زائد جگہ پر انہیں یہ چیلنج دیا ہے۔ سورۂ قصص میں ہے: قُلۡ فَاۡتُوۡا بِکِتٰبٍ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ هُوَ اَهۡدٰی مِنۡهُمَاۤ اَتَّبِعۡهُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ (قصص:49) '' آپ فرمائیے تم لے آؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس سے جو زیادہ ہدایت بخش ہو ان دونوں (قرآن و تورات) سے تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو''۔ سورۂ سبحان (بنی اسرائیل) میں ہے۔ قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَ لَوۡ کَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِیۡرًا (بنی اسرائیل:88) '' (بطور چیلنج) کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ لے آئیں اس قرآن کی مثل تو ہرگز نہیں لا سکیں گے اس کی مثل اگرچہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے مددگار'' اور سورۂ ہود میں فرمایا: اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَیٰتٍ وَّ ادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ (ہود:13) '' کیا کفار کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن خود) گھڑ لیا ہے۔ آپ فرمائیے (اگر ایسا ہے) تو تم بھی لے آؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی اور بلا لو (اپنی مدد کے لئے) جس کو بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم (اس الزام تراشی میں) سچے ہو''۔ سورۂ یونس میں فرمایا: وَ مَا کَانَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ اَنۡ یُّفۡتَرٰی مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَ لٰکِنۡ تَصۡدِیۡقَ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡهِ وَ تَفۡصِیۡلَ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۟﴾ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّثۡلِهٖ وَ ادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ (یونس:37-38) '' اور نہیں ہے یہ قرآن کہ گھڑ لیا گیا ہو اللہ تعالیٰ (کی وحی کے آئے بغیر) بلکہ یہ تو تصدیق کرنے والا ہے اس وحی کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہے اور کتاب کی تفصیل ہے ذرا شک نہیں اس میں کہ رب العالمین کی طرف سے (اتری) ہے۔ کیا یہ (کافر) کہتے ہیں کہ اس نے خود گھڑ لیا ہے اسے۔ آپ فرمائیے پھر تم بھی لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور (امداد کے لئے) بلا لو جن کو تم بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اگر تم (اپنے الزام میں) سچے ہو''۔ یہ سب آیات مکی ہیں پھر مدینہ منورہ میں بھی ان کو چیلنج دیا اور یہ آیت نازل ہوئی: وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ اگر تم شک میں ہو مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا جو ہم نے اپنے بندے محمد (علیہ السلام) پر اتارا ہے: فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ تو قرآن کی مثل ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ۔ مجاہد اور قتادہ نے یہی کہا ہے۔ ابن جریر طبری، زمخشری اور رازی نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ حضرات عمر، ابن مسعود، ابن عباس، حسن بصری اور اکثر محققین سے بھی رازی نے

یہی نقل کیا ہے اور چند وجوھات کی بنا پر اسے ترجیح دی ہے۔ ان میں سب سے بہترین توجیہ یہ ہے کہ اس نے ان سب کو چیلنج دیا ہے علیحدہ علیحدہ بھی اور مشترکہ طور پر بھی۔ امی اور کتابی (ان پڑھ اور پڑھے لکھے) اس میں برابر ہیں یہ چیلنج کی سب سے اکمل صورت ہے بجائے اس کے کہ کسی ان پڑھ (امی) کو جو لکھ نہیں سکتا اور علوم معارف سے بھی اسے کوئی واقفیت نہیں چیلنج دیا جاتا۔ (تو یہ کوئی قابل فخر بات نہ ہوتی) اس کی دلیل قرآن کی مذکورہ بالا آیات کے یہ صیغے ہیں (فَأْتُوا، وَلَا يَأْتُونَ) چونکہ یہ جمع ہیں اس لیے یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ چیلنج سب کو ہے کسی ایک فرد کو نہیں۔ بعض علماء نے مثل سے مراد حضور ﷺ کی ذات لی ہے یعنی محمد ﷺ جیسے آدمی سے۔ لیکن صحیح قول پہلا ہے۔ کیونکہ چیلنج (جیسا کہ اوپر گزرا) سب کو ہے کسی مخصوص فرد کو نہیں باوجودیکہ وہ فصاحت و بلاغت میں تمام امتوں کے سردار تھے۔ اور قرآن کریم نے مکہ اور پھر مدینہ میں انہیں بار بار اس کی نظیر لانے کا چیلنج دیا تھا۔ حضرت محمد ﷺ سے اپنی شدید عداوت، دین اسلام سے شدید بغض کے باوجود وہ اس کی مثل کلام لانے سے عاجز رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تو یہاں تک فرما دیا: فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا ترجمہ: پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز ایسا نہ کر سکو گے"۔ لن یہ مستقبل میں نفی کی تاکید کے لئے آتا ہے۔ یعنی تم ہمیشہ ایسا نہ کر سکو گے یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قطعی پیشین گوئی فرما دی کہ اس قرآن کا مثل ابدالآباد تک نہیں لایا جاسکتا۔ فی الواقع ایسا ہی ہوا آج تک کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ ایسا کوئی کر بھی کیسے سکتا ہے جبکہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے جو ہر چیز کا خالق ہے۔ مخلوق کی کلام خالق کی کلام کے مشابہ کیسے ہوسکتی ہے۔ جو بھی قرآن کریم میں غور و تدبر کرتا ہے اعجاز کی کوئی وجہ ضرور پاتا ہے خواہ ظاہری ہو یا باطنی، لفظی ہو یا معنوی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ الٓرٰ كِتَٰبٌ أُحْكِمَتْ ءَايَٰتُهُۥ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ (الف۔ لام۔ را۔ یہ وہ کتاب ہے محفوظ و مستحکم بنادی گئی ہیں جس کی آیتیں پھر ان کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ بڑے دانا اور ہر چیز سے باخبر (خدا) کی طرف سے" (ہود: 1)۔ اس کے الفاظ پختہ و محکم ہیں، معانی مفصل ہیں یا اس کے برعکس (الفاظ مفصل اور معانی محکم) اس کا ہر لفظ اور معنی فصیح ہے نہ اسے چیلنج کیا جاسکتا ہے اور نہ اسے بدلا جاسکتا ہے۔ زمانہ ماضی کے واقعات کی ہو بہو خبر دی ہے۔ ہر خیر کا حکم دیا ہے اور شر سے روکا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا (انعام: 115)" اور مکمل ہوگئی آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے"۔ یعنی سچائی خبروں میں اور عدل احکام میں۔ وہ کلام سارے کا سارا حق و صداقت اور عدل و ہدایت کا مجموعہ ہے نہ تو اس میں اٹکل پچو اور تخمینے سے کہی گئی باتیں ہیں اور نہ جھوٹ اور افتراء۔ جیسے شعراء عرب وغیرہ کے کلام جھوٹ اور تصنع آمیز باتوں سے پر ہوتے بلکہ اس (نمک مرچ) کے بغیر تو شعر میں حسن ہی نہیں آتا۔ جیسے کسی نے شعر کے بارے میں کہا ہے کہ سب سے جھوٹا شعر سب سے زیادہ مزے دار ہوتا ہے۔ آپ دیکھیں گے ایک طویل ترین قصیدے کا اکثر حصہ عورتوں یا گھوڑ سواروں یا شراب یا کسی معین شخص کی مدح میں ہوتا ہے۔ یا گھوڑے یا اونٹنی یا جنگ یا کسی حادثہ یا خوف یا درندہ یا معین مشاہدات کی توصیف پر مشتمل ہوگا جن کا کوئی فائدہ نہیں مگر کسی مخفی چیز کو ظاہر کرنے یا واضح چیز کی تصویر کشی میں متکلم کی قدرت اور زباندانی ظاہر ہوتی ہے۔ پھر نفس مضمون سے متعلقہ (حاصل کلام) شعر پورے قصیدے میں بمشکل ایک دو ہوتے ہیں۔ باقی سب لایعنی اور فضول ہوتے ہیں لیکن قرآن سارے کا سارا فصاحت و بلاغت کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔ لغت عرب کی باریکیوں سے آگاہی رکھنے والے اس کا اقرار کرتے ہیں۔ اگر آپ اس کی اخبار میں غور وفکر کریں تو ان میں انتہا درجے کی سلاست پائیں گے۔ خواہ وہ واقعات مختصر ہوں یا مفصل۔ خواہ انہیں مکرر ذکر کیا جا رہا ہو۔ بلکہ اس کا کسی چیز کو دہرانا تو قند مکرر کا مزہ دیتا ہے۔ بار بار پڑھنا آدمی کو تھکاتا نہیں۔ علماء اس سے اکتاتے نہیں۔ اگر وعید اور تہدید (ڈرانا) کا ذکر آئے تو مضبوط پہاڑ بھی کانپنے لگتے ہیں۔ تو سمجھنے والے دلوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ (کیا وہ اثر قبول نہ کریں گے)۔ اگر کوئی وعدہ کرے تو ایسا انداز

اپنا تا ہے جو دلوں اور کانوں کو کھول دے۔ جنت اور رحمٰن کے عرش کا شوق دلائے۔ جیسے ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (سجدہ: 17) ''پس نہیں جانتا کوئی شخص جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کے لئے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، یہ صلہ ہے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے''۔ اور فرمایا: وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (زخرف: 71) ''اور وہاں ہر چیز موجود ہو گی جسے دل پسند کریں اور آنکھوں کو لذت ملے۔ (مزید برآں) تم وہاں ہمیشہ رہو گے''۔ اور ترہیب کے بارے میں فرمایا: اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ (بنی اسرائیل: 68) الآیہ ''کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ اللہ دھنسا دے تمہارے ساتھ خشکی کے کنارا کو''۔ اور فرمایا: ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ (الملک: 16، 17) ''کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا۔ تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے''۔ زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمایا: فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ (عنکبوت: 40) ''پس ہر (سرکش) کو ہم نے پکڑا اس کے گناہ کے باعث'' وعظ و نصیحت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ (شعراء: 207/205) ''کیا تم نے کچھ غور کیا اگر ہم لطف اندوز ہونے دیں انہیں چند سال۔ پھر (یہ عرصہ گزرنے کے بعد) آئے ان پر وہ عذاب جس سے انہیں ڈرایا جاتا تھا۔ تو کیا نفع دیں گے انہیں اس وقت وہ (ساز و سامان) جن سے وہ لطف اندوز ہوتے رہتے تھے''۔ اسکے علاوہ فصاحت و بلاغت اور سلاست کی بے شمار اقسام ہیں۔ وہ آیات جو احکام اور اوامر و نواھی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ ہر اچھی، عمدہ نافع، پاکیزہ اور محبوب چیز کا حکم دیا ہے۔ اور ہر قبیح، رذیل اور گھٹیا چیز سے منع کیا ہے۔ جیسے حضرت ابن مسعود وغیرہ سلف صالحین کا قول ہے کہ جب قرآن کریم میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سنو تو کان لگا دو اس میں کسی خیر (بھلائی کی بات) کا حکم ہو گا یا کسی شر سے منع کیا گیا ہو گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ (اعراف: 157) الآیۃ ''وہ نبی حکم دیتا ہے انہیں نیکی کا اور روکتا ہے انہیں برائی سے اور حلال کرتا ہے ان کے لئے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان سے انکا بوجھ اور (کاٹتا ہے) وہ زنجیریں جو جکڑے ہوئے ہیں انہیں''۔ اگرچہ بعض آیات آخرت اور اس میں پیش آنے والے ہولناک واقعات اور جنت و دوزخ کے بارے میں ہیں اور ان میں اللہ رب العزت نے اپنے اولیاء اور اعداء کے لئے جو نعمتیں اور آگ، اور ثواب و عذاب تیار کو رکھا ہے کا ذکر ہے۔ وہ بشارت بھی دیتی ہے ڈراتی بھی ہیں۔ بھلائی کی طرف بلاتی ہیں اور منکرات سے اجتناب کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ دنیا سے کنارہ کشی اور آخرت کی طرف رغبت کرنے کا اعلان کرتی ہیں مثالی طریقہ پر ثابت قدم رکھتی ہیں اور صراط مستقیم اور اللہ کی شریعت کی طرف دعوت دیتی ہیں۔ دلوں سے ملعون شیطان کی آلودگی کو دور کرتی ہیں۔ اسی لئے صحیحین کی روایت میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کو ایسے معجزات عطا فرمائے گئے جنہیں دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے اور مجھے اللہ کی طرف سے وحی عطا کی گئی ہے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکار ان سے زیادہ ہوں گے (1)۔ اور حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ مجھے وحی دی گئی ہے۔ اس سے مراد وہ وحی ہے جو آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور وہ قرآن ہے جس نے تمام انسانوں کو اس کی مثل لانے سے عاجز کر دیا۔ بخلاف دیگر کتب سماویہ کے۔ بہت سے علماء کے نزدیک وہ معجزہ نہیں

1۔ صحیح بخاری، جلد 6، صفحہ 224

ہیں واللہ اعلم۔ اور حضور سرور دو عالم ﷺ کی نبوت وصداقت کی بے شمار نشانیاں ہیں جن کا شمار ممکن نہیں (وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ) متکلمین میں سے کسی نے قرآنی اعجاز کو اس طرح بیان کیا ہے جو اہل سنت اور معتزلہ دونوں کے قول کو شامل ہے۔ وہ فرماتے ہیں یہ قرآن فی نفسہ معجزہ ہے کوئی بشر اس کی مثل لانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کا مقابلہ کرنے کی ان میں ہمت ہی نہیں۔ تو مدعا حاصل ہو گیا اور یہی مقصود تھا۔ اور اگر اس کا مثل لانا ان کے لئے ممکن ہو اور شدید عداوت کے باوجود بھی وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہو گا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جس نے انہیں اس کی نظیر لانے پر قدرت کے باوجود اس کا مقابلہ کرنے سے روک دیا ہے۔ یہ طریقہ اگرچہ پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم تو بذاتہ معجز بیان ہے کوئی بشر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے مگر بطریق تنزل، مناظرے اور دفاع عن الحق کی خاطر ہو تو جائز ہے۔ امام رازی نے اپنی تفسیر میں چھوٹی سورتوں مثلاً عصر اور کوثر کے جواب میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ (بقرہ:24)۔ وقود یہ واؤ کی زبر (فتح) کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جو آگ کو جلانے کیلئے اس میں ڈالی جاتی ہے۔ جیسے لکڑی وغیرہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا (الجن:15) ''اور جو حق سے منحرف ہوتے ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں''۔ اور فرمایا: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (انبیاء:98-99) ''(اے مشرکو!) تم اور جن بتوں کی تم عبادت کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔ (سوچو) اگر یہ خدا ہوتے تو نہ داخل ہوتے جہنم میں۔ اور (جھوٹے خدا اور ان کے پجاری) سب اس میں رہیں گے''۔ پتھر سے مراد یہاں گندھک کا بڑا، سیاہ، سخت، بدبودار پتھر ہے۔ یہ جب گرم ہو جائے تو سب پتھروں سے زیادہ گرم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پناہ میں رکھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ گندھک کے ان پتھروں کو زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت ہی آسمان دنیا پر کفار کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے راوی ابن جریر ہیں یہ الفاظ انہی کے ہیں۔ ابن ابی حاتم اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ شیخین کی شرط پر ہے۔ سدی نے اپنی تفسیر میں ابو مالک، ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ سے روایت کیا ہے کہ جہنم میں یہ سیاہ گندھک کے پتھر ہیں جن کے ساتھ آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ مجاہد کا قول ہے کہ گندھک کا یہ پتھر مردار سے بھی زیادہ بدبودار ہے۔ ابو جعفر محمد بن علی کہتے ہیں یہ گندھک کا پتھر ہے۔ ابن جریج کہتے ہیں یہ دوزخ میں سیاہ گندھک کا پتھر ہے۔ عمرو بن دینار نے مجھے فرمایا یہ پتھر سے سخت اور بڑا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں اس سے مراد بت اور مد مقابل (معبود) ہیں جن کی اللہ کے سوا پرستش کی جاتی تھی۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ...... (انبیاء:98) قرطبی اور رازی نے اسے بیان کیا ہے اور پہلے پر ترجیح دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ گندھک کے پتھر کو آگ لگنا کوئی عجیب بات نہیں لہٰذا اس سے مراد یہ پتھر (بت) لینا زیادہ اولیٰ ہے۔ انکا یہ قول قوی نہیں ہے۔ کیونکہ آگ کو جب گندھک سے بھڑکایا جائے تو اس کی حرارت زیادہ ہو گی اور اس کے شعلے قوی ہوں گے۔ خصوصاً جب سلف سے یہ بات منقول ہے کہ یہ پتھر بالخصوص اسی مقصد کے لئے تیار کیے گئے ہیں۔ پھر ان پتھروں سے آگ لگنا مشاہدے میں آنے والی بات ہے۔ یہ چونا پتھر ہو گا اس میں آگ سلگائی جائے گی تو اس طرح ہو جائے گا اسی طرح تمام پتھروں پر آگ فخر کرے گی اور انہیں جلائے گی۔ یہ اسلوب اس آگ کی گرمی، جلانے کی شدت اور شعلوں کی قوت کا اظہار کرنے کے لئے اختیار کیا گیا ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِیْرًا (بنی اسرائیل:97) ''جب بھی سرد ہونے لگے گی (جہنم کی آگ) تو ہم ان کے لیے اس کی آنچ بڑھا دیں گے''۔ قرطبی نے اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہیں جن کے ساتھ جہنم کی آگ کو آنچ دی جائے گی تاکہ وہ سرخ ہو

جائے اور اس کا شعلہ بڑھ جائے۔ تاکہ اہل عذاب کے لئے اس میں شدت ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' ہر موذی آگ میں ہے''(1)۔ یہ حدیث نہ محفوظ ہے اور نہ معروف پھر قرطبی کہتے ہیں اس کی تفسیر دو اعتبار سے کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ ہر وہ شخص جس نے لوگوں کو تکلیف دی آگ میں ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر ایذا دہندہ چیز جہنم میں ہوگی۔ اہل جہنم کو تکلیف دینے کے لئے درندے، کیڑے مکوڑے وغیرہ (اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ) زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ اُعِدَّتْ کی ضمیر آگ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ پتھروں (حجارۃ) کی طرف لوٹ رہی ہو۔ جیسا کہ ابن مسعود کا قول ہے اور معنی کے اعتبار سے دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں۔ اُعِدَّتْ اَیْ اُرْصِدَتْ وَحُصِلَتْ لِلْكَافِرِيْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے ہر وہ شخص جو کفر پر ہو اس کے لئے آگ تیار ہے۔ بہت سے ائمہ اہل سنت نے اس آیت کریمہ سے جہنم کے اس وقت موجود ہونے پر استدلال قائم کیا ہے۔ کیونکہ اُعِدَّتْ کا معنی ہے اُرْصِدَتْ وَهُيِّئَتْ: تیار کی گئی ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث کے الفاظ ہیں'' جنت اور دوزخ میں جھگڑا ہوا'' ایک دوسری حدیث میں ہے'' آگ نے اپنے رب سے اجازت طلب کی اے رب میرا بعض حصہ بعض کو کھا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دے دی ایک موسم سرما میں اور دوسرا موسم گرما میں۔'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہم نے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی تو ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کون سی آواز تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا'' یہ ایک پتھر ہے جسے ستر سال پیشتر جہنم میں پھینکا گیا تھا۔ اب وہ تہہ تک پہنچ گیا ہے۔ (یہ روایت مسلم میں ہے) حدیث نماز کسوف (سورج گرہن کی نماز) اور حدیث معراج وغیرہ متواتر احادیث اسی مفہوم میں ہیں۔ معتزلہ نے اپنی جہالت کی وجہ سے اس کی مخالفت کی ہے اندلس کے قاضی، قاضی منذر بن سعید بلوطی نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔

تنبیہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اور سورۂ یونس میں'' بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ'' یہ قرآن کی ہر سورت کو شامل ہے خواہ طویل ہو یا مختصر۔ کیونکہ نکرہ شرط کے سیاق میں ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے جس طرح نفی کے سیاق میں ہو تو عمومیت کا فائدہ دیتا ہے۔ اور یہ بات محققین علماء اصول کے نزدیک طے شدہ ہے۔ اس کی وضاحت اپنی جگہ پر کر دی گئی ہے۔ اعجاز لمبی سورتوں میں بھی ہے اور چھوٹی سورتوں میں بھی۔ سلف وخلف کے مابین اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ امام رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ سورۂ کوثر، سورۂ عصر اور سورۂ کافرون کو شامل ہے۔ اور ہم بالضرورت یہ جانتے ہیں کہ اس کے مثل لانا یا اس کے قریب قریب کسی سورت کا بنالینا ممکن ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ اس طرح کی سورت کا بنالینا بشر کی طاقت سے خارج ہے۔ تو یہ زیادتی ہے...... (قُلْنَا) ہم نے کہا کہ اسی سبب سے تو ہم نے دوسرا طریقہ اختیار کیا تھا۔ اور یہ کہا تھا کہ اگر یہ سورت فصاحت وبلاغت میں اعجاز کی حد تک پہنچ چکی ہے تو مقصود حاصل ہو گیا۔ اور اگر ایسا نہیں تو آپ ﷺ کی دعوت حق کے خلاف شدید جذبات کے باوجود اس کی مثل لانے سے ان کا رکے رہنا بھی معجزہ ہے۔ دونوں اعتبار سے اعجاز حاصل ہو جاتا ہے۔...... صحیح یہ ہے کہ قرآن کی ہر سورت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی بشر اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اگر لوگ اس سورت میں تدبر کرتے تو ان کے لئے یہ کافی تھی۔ وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ ...... وَ

1۔ تاریخ بغداد: 299/1۔ 1۔ تفسیر القرطبی: 236/1

تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ وفد لے کر مسیلمہ کذاب سے ملنے گئے۔ یہ ان کے مسلمان ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ مسیلمہ نے آپ سے پوچھا اس وقت مکہ میں تمہارے ساتھی پر کیا اترا ہے۔ عمرو نے کہا کہ اس پر ایک بلیغ مختصر سی سورت اتری ہے۔ اس نے پوچھا کون سی سورت آپ نے فرمایا: وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ ...... اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر سر اٹھایا اور کہا اس کی مثل مجھ پر بھی اترا ہے حضرت عمرو نے پوچھا کیا وہ کہنے لگا (یا وبر یا وبر انما انت اذنان و صدر وسائرك حقر فقر) اے جنگلی چوہے۔ اے جنگلی چوہے تیرے دو کان اور سینہ ہے اور تیرا سارا وجود بالکل حقیر ہے۔ پھر وہ کہنے لگا اے عمرو! تمہاری کیا رائے ہے؟ عمرو کہنے لگے اللہ کی قسم تو جانتا ہے اور مجھے بھی پتہ ہے کہ تو جھوٹ بول رہا ہے۔

وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۵

''اور خوشخبری دیجئے انہیں جو ایمان لائے اور کیے نیک عمل (کہ) یقیناً ان کے لیے باغات ہیں، بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔ جب کھلایا جائے گا انہیں ان باغوں سے کوئی پھل (تو صورت دیکھ کر) کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے کھلایا گیا تھا اور دیا گیا انہیں پھل (صورت میں) ملتا جلتا اور ان کیلئے جنت میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔ اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسولوں کے بدبخت دشمنوں کے لئے جو عذاب تیار کر رکھا ہے اس کے ذکر کے بعد، اس کی ذات پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والے سعادت مند مومنین جنہوں نے عمل صالح کے ساتھ اپنے ایمان کی تصدیق کی کے تذکرہ کا عطف کیا۔ صحیح ترین قول کے مطابق قرآن کو مثانی نام دینے کے ایک یہی معنی ہیں۔ جس کی ہم اپنی جگہ پر وضاحت کریں گے۔ وہ یہ کہ ایمان کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے بعد کفر کا ذکر ہوتا ہے یا اس کے برعکس۔ یا نیک بخت لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد بدبختوں کا ذکر آتا ہے یا اس کے برعکس۔ خلاصہ یہ کہ جس چیز کا ذکر ہوتا ہے۔ ساتھ ہی مقابلہ کی چیز کا بھی ذکر ہو جاتا ہے۔ کسی چیز اور اس کی نظیر کا ذکر کرنا یہ ''تشابہ'' ہے جس کی ہم آئندہ وضاحت کریں گے ان شاء اللہ۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ بتایا کہ اس کے درختوں اور بالا خانوں کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی حدیث شریف میں ہے کہ نہریں بہتی ہیں لیکن ان کا گڑھا نہیں ہے۔ حوض کوثر کے بارے میں ہے کہ اس کے دونوں کنارے سچے موتیوں کے قبے ہیں۔ اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ اس کی مٹی خالص کستوری کی ہے۔ اس کے سنگریزے موتی اور جواہرات ہیں(1)۔ ہم اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرتے ہیں اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ۔ (وہ احسان کرنے والا بڑا رحیم ہے)۔ ابن ابی حاتم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی نہریں ٹیلوں یا کستوری کے پہاڑوں کے نیچے سے بہہ رہی ہیں۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے(2)۔ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ سدی اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں جنت میں کوئی پھل ملے گا تو وہ اسے دیکھ کر کہیں گے یہ تو وہی ہے جو دنیا میں ہمیں ملا تھا۔ قتادہ اور عبد الرحمٰن بن زید نے یہی کہا ہے اور ابن جریر نے اس کی تائید کی ہے۔ عکرمہ کا

1۔ تفسیر الطبری: 17/1 2۔ الترغیب 517/4

قول ہے: قَالُوۡا هٰذَا الَّذِىۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ اس کا معنی ہے ہمیں کل بھی یہی دیئے گئے تھے۔ ربیع بن انس نے بھی یہی کہا ہے۔ مجاہد نے کہا ہے وہ کہیں گے یہ تو اس سے کتنا مشابہ ہے۔ ابن جریر اور دوسروں نے کہا ہے کہ پھلوں کی ایک دوسرے کے ساتھ حیرت انگیز حد تک مشابہت کی وجہ سے وہ یہ کہیں گے کہ جنت کے پھلوں میں سے یہ پہلے ہمیں دیئے جا چکے ہیں۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ اور دیا گیا انہیں پھل (صورت میں) ملتا جلتا۔ حضرت یحییٰ بن ابی کثیر سے مروی ہے کہ ان میں سے کسی کے پاس پلیٹ میں کوئی چیز لائی جائے گی۔ وہ اس میں سے کھائے گا۔ پھر کوئی دوسرا پھل لایا جائے گا وہ کہے گا یہ تو پہلے مجھے دیا جا چکا ہے فرشتے کہیں گے کھایئے رنگ ایک ہے لیکن ذائقہ مختلف۔ ابن ابی حاتم حضرت یحییٰ بن ابی کثیر سے ہی لکھتے ہیں۔ جنت کی گھاس زعفران اس کے ٹیلے کستوری کے ہیں۔ غلمان ان کے پاس پھل لا رہے ہوں گے۔ وہ انہیں کھائیں گے۔ پھر اس جیسے پھل لائے جائیں گے۔ اہل جنت کہیں گے یہ تو ابھی ابھی ہمیں دیئے گئے ہیں۔ غلمان کہیں گے کھاؤ رنگ تو ایک ہے لیکن ذائقہ مختلف ہے۔ یہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد کا مفہوم ہے: وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہوں گے لیکن ذائقے میں مختلف۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ مجاہد، ربیع بن انس اور سدی سے اسی طرح مروی ہے۔ ابن جریر اپنی سند سے سدی کی تفسیر کے حوالے سے ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ کرام سے نقل کرتے ہیں وہ رنگ اور شکل وصورت میں ایک جیسے ہوں گے لیکن ذائقہ ایک جیسا نہیں ہوگا۔ ابن جریر نے یہی اختیار کیا ہے۔

عکرمہ کا قول ہے کہ یہ دنیوی میوہ جات سے مشابہ ہوں گے مگر جنت کے پھل زیادہ عمدہ ہیں۔ حضرت سفیان ثوری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں جنت کے میووں اور دنیا کے پھلوں میں صرف اسماء کی مشابہت ہے۔ اور ایک روایت میں ہے دنیا میں نہیں ہے جو کچھ جنت میں ہے مگر صرف اسماء۔ ابن جریر نے اسے ثوری اور ابن ابی حاتم سے روایت کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ کی تفسیر میں لکھتے ہیں وہ ان کے دنیوی ناموں سے پھلوں کو پہچانیں گے جیسے سیب کو سیب اور انار کو انار کہیں گے اور جنت میں کہیں گے کہ یہ تو دنیا میں ہمیں مل چکا۔ حالانکہ انہیں اس طرح کا پھل دیا جائے گا جس کی صورت کو وہ پہچانتے ہوں گے لیکن وہ ذائقہ میں اس کی طرح نہ ہوگا۔ قولہ تعالیٰ: وَلَهُمۡ فِيۡهَآ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ حضرت ابن عباس اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں وہ گندگی اور غلاظت سے پاک ہوں گی۔ مجاہد کا قول ہے وہ حیض، پیشاب، پاخانے، ناک کی رینٹ، تھوک، منی اور بچے سے پاک ہوں گی۔ قتادہ کا قول ہے گندگی اور گناہ سے پاک۔ اور ایک روایت میں ہے نہ حیض اور نہ ہی کوئی تکلیف دہ چیز۔ حضرات عطاء، حسن، ضحاک، ابوصالح، عطیہ، اور السدی وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ ابن جریر عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول نقل کرتے ہیں کہ مطھرۃ سے مراد وہ ہے جسے حیض نہیں آتا۔ کہتے ہیں کہ اسی طرح حضرت حواء علیہا السلام بھی ابتدا میں حیض سے پاک تھیں۔ لیکن جب ان سے لغزش ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تجھے پاک صاف پیدا کیا تھا۔ اب میں تمہارا خون اسی طرح بہاؤں گا جیسے تو نے اس درخت کا بہایا ہے۔ لیکن یہ روایت سنداً غریب ہے۔

حافظ ابوبکر بن مردویہ اپنی اسناد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت وَلَهُمۡ فِيۡهَآ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ حیض، پاخانہ، ناک کی رینٹ اور تھوک سے پاک ہوں گی یہ حدیث بھی غریب ہے۔ حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ شیخین کی شرائط پر یہ صحیح ہے لیکن یہ دعویٰ محل نظر ہے۔ عبدالرزاق بن عمر البزیعی کے بارے میں ابوحاتم بن حبان البستی کہتے ہیں۔ اس سے استدلال کرنا جائز نہیں۔ (میں کہتا ہوں) ظاھراً یہ لگتا ہے کہ یہ قتادہ کا کلام ہے حدیث مرفوع نہیں۔ جیسے پہلے گذرا۔ واللہ اعلم۔ قولہ تعالیٰ وَّهُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ یہاں پر سعادتمندی اور خوش بختی کی انتہا ہو رہی ہے۔ وہ ان نعمتوں سے اس طرح لطف اندوز ہو رہے ہوں گے کہ نہ تو موت آئے گی اور نہ یہ نوازشات کبھی ختم ہوں گی نہ خاتمہ ہے نہ آخر بلکہ وہ ان سرمدی نعمتوں سے ابدالآباد تک لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٧﴾

''بے شک اللہ حیا نہیں فرماتا اس سے کہ ذکر کرے کوئی مثال مچھر کی ہو یا اس سے بھی حقیر چیز کی۔تو جو ایمان لائے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ مثال حق ہے ان کے رب کی طرف سے اتری ہے اور جنہوں نے کفر کیا سو وہ کہتے ہیں کیا قصد کیا اللہ نے اس مثال کے ذکر سے۔گمراہ کرتا ہے اللہ اس سے بہتیروں کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہتیروں کو اور نہیں گمراہ کرتا اس سے مگر نافرمانوں کو۔وہ جو توڑتے رہتے ہیں عہد خداوندی کو اسے پختہ باندھنے کے بعد اور کاٹتے رہتے ہیں اسے حکم فرمایا اللہ نے جس کے جوڑنے کا اور فساد مچاتے رہتے ہیں زمین میں۔وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہوں گے''۔

سدی اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ کرام سے نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب منافقین کے لئے دو مثالیں یعنی مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا اور اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ الآیات (تین آیتیں) بیان فرمائیں تو وہ (منافق) کہنے لگے اللہ تبارک وتعالیٰ ایسی چھوٹی چھوٹی مثالیں بیان کرنے سے ارفع واعلیٰ ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت ''هُمُ الْخٰسِرُوْنَ'' تک نازل فرمائی۔حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مکڑی اور مکھی کی مثال دی تو مشرکین کہنے لگے مکڑی اور مکھی جیسی (حقیر) چیزوں کے بیان کی کیا ضرورت تھی۔تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا ...... حضرت سعید، حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ حق سے حیا نہیں فرماتا کہ وہ ایسی چیز کا ذکر کرے جو چھوٹی ہو یا بڑی۔اور اللہ نے جب اپنی کتاب میں مکھی اور مکڑی کا ذکر فرمایا تو گمراہ لوگ کہنے لگے اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذکر سے کیا مراد لی ہے۔تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت کریمہ: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ ...... نازل فرمائی۔(میں کہتا ہوں) حضرت قتادہ کی پہلی عبارت سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے حالانکہ ایسا نہیں اور حضرت سعید والی روایت زیادہ قریب ہے واللہ اعلم۔ابن جریج نے دوسری روایت کی مثل حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ حسن اور اسماعیل بن ابی خالد سے بھی قتادہ اور سدی کی طرح مروی ہے۔ابو جعفر رازی ربیع بن انس سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ اللہ نے یہ مثال دنیا کے لئے بیان کی ہے کہ مچھر اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک بھوکا ہو۔موٹا تازہ ہو جانے کے بعد مر جاتا ہے قوم جن کے لئے یہ قرآنی مثال بیان کی گئی ہے جب دنیا کی نعمتوں سے پوری طرح سیر ہو جائیں گے تو اس وقت اللہ کی پکڑ آجائے گی پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (انعام: 44)

''پھر جب انہوں نے بھلا دیں وہ نصیحتیں جو انہیں کی گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے''۔ابن جریر نے اسی طرح بیان کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے ابو العالیہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ سبب نزول کے بارے میں ان کے اختلاف کو بہتر جانتا ہے۔ابن جریر نے تو وہ اختیار کیا ہے جسے سدی نے بیان کیا ہے کیونکہ وہی صورت کے مطابق اور مناسب ہے۔آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ یہاں خبر دے رہے ہیں کہ وہ کسی چیز کی مثال دینے سے خواہ چھوٹی ہو یا بڑی حیا نہیں فرماتا یعنی نہ تو عار محسوس فرماتا ہے اور

نہ ڈرتا ہے۔ کلمہ ، ما یہاں پر تقلیل کے لئے ہے۔ لفظ بعوضۃ یا تو بدل ہونے کی بنا پر منصوب ہے جیسے تو کہے "لَاَ ضرِبَنَّ ضَرْبًا مَّا" تو وہ ادنیٰ چیز پر صادق آ سکتا ہے۔ یا ما کی صفت ہے۔ ابن جریر نے یہ اختیار کیا ہے کہ ما موصولہ ہے اور بعوضۃ معرب ہے اس کے اعراب سے۔ اور یہ بات کلام عرب میں معروف ہے کہ وہ "ما" اور "من" کے صلہ کو ان دونوں کا اعراب دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں کبھی معرفہ ہوتے ہیں اور کبھی نکرہ جیسے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ شعر ؎

یَکْفِیْ بِنَا فَضْلًا عَلٰی مَنْ غَیْرُنَا حُبُّ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ اِیَّانَا

(ترجمہ) ہمیں غیروں پر صرف یہی فضیلت کافی ہے کہ محمد (ﷺ) ہم سے محبت کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں یہ بھی جائز ہے کہ بعوضۃ حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہو۔ اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَیْنَ بَعُوْضَۃٍ اِلٰی مَا فَوْقَھَا۔ کسائی اور فراء اسی کو پسند کرتے ہیں۔ ضحاک اور ابراہیم بن عبلہ نے بعوضۃ کو رفع (پیش) کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن جنی کا قول ہے کہ یہ ما کا صلہ ہوگا اور ضمیر عائد محذوف مانی جائے گی۔ جیسے اس آیت کریمہ میں ہے۔ (تَمَامًا عَلَى الَّذِیْٓ اَحْسَنَ) اَیْ عَلَی الَّذِیْ هُوَ اَحْسَنُ۔ (انعام: 154) سیبویہ کا قول ہے: "مَا اَنَا بِالَّذِیْ قَائِلٌ لَّكَ شَیْئًا" اَیْ بِالَّذِیْ هُوَ قَائِلٌ لَّكَ شَیْئًا۔ اور قولہ تعالیٰ (فَمَا فَوْقَهَا) اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ (1) ایک تو یہ کہ اس سے بھی چھوٹی اور حقیر چیز (فَمَا دُوْنَهَا فِی الصِّغْرِ وَالْحَقَارَۃِ) جیسے کوئی شخص تیرے سامنے کسی کو بخل اور کمینگی سے متصف کرے تو سامع یہ کہے ہاں وہ تو اس سے بھی زیادہ ہے (نَعَمْ وَ هُوَ فَوْقَ ذٰلِكَ) یعنی جو آپ نے اس کا وصف بیان کیا ہے۔ یہ کسائی اور ابوعبید کا قول ہے۔ امام رازی اور اکثر محققین نے یہی کہا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے "اگر دنیا کی قدر اللہ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔" دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے بڑی چیز کیونکہ مچھر سے حقیر اور چھوٹی چیز بھلا اور کیا ہو سکتی ہے؟۔ (فَمَا فَوْقَهَا لِمَا هُوَ اَكْبَرُ مِنْهَا)۔ یہ قتادہ، ابن دعامۃ کا قول ہے ابن جریر نے اسے اختیار کیا ہے۔ اس کی تائید مسلم شریف کی اس روایت سے ہوتی ہے سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "کسی مسلمان کو کانٹا بھی چبھے یا اس سے زیادہ مگر اس کے درجات بڑھتے ہیں اور گناہ معاف ہوتے ہیں(1)۔" اللہ تبارک وتعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ کسی چیز کو حقیر نہیں سمجھتا بطور مثال بیان کرنے کیلئے اگر چہ وہ حقارت اور صغر میں مچھر کی طرح ہو۔ جس طرح انہیں تخلیق کرنے سے عار محسوس نہیں فرماتا اسی طرح اس کی مثال دینے سے حیا نہیں فرماتا جس طرح اس نے مکھی اور مکڑی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ (حج: 73) "اے لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے پس غور سے سنو اسے! بے شک جن معبودوں کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ تو مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگر چہ وہ سب جمع ہو جائیں اس (معمولی سے) کام کے لئے اور اگر چھین لے ان سے مکھی بھی کوئی چیز تو وہ نہیں چھڑا سکتے اسے اس مکھی سے۔ (آہ!) کتنا بے بس ہے ایسا طالب اور کتنا بے بس ہے ایسا مطلوب"۔ ایک اور جگہ فرمایا: مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚۖ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا ؕ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (عنکبوت: 41) "ان نادانوں کی مثال جنہوں نے بنا لیے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور دوست، مکڑی کی سی ہے اس نے (جالے کا) گھر بنایا۔ اور (تم سب جانتے ہو) کہ تمام گھروں سے کمزور ترین مکڑی کا گھر ہوا کرتا ہے۔ کاش! وہ بھی اس (حقیقت) کو جانتے"۔ ایک اور جگہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ كَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَۃً طَیِّبَۃً كَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ۙ

1۔ مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب: 1991

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ڐ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ (ابراہیم: 27-24)'' یا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ کیسی عمدہ مثال بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے کہ کلمہ طیبہ ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے۔ جس کی جڑیں بڑی مضبوط ہیں اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ وہ دے رہا ہے اپنا پھل ہر وقت اپنے رب کے حکم سے۔ اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے لئے تاکہ وہ (انہیں) خوب ذہن نشین کر لیں۔ اور مثال ناپاک کلمہ کی ایسے ہے جیسے ناپاک درخت ہو۔ جسے اکھاڑ لیا جائے زمین کے اوپر سے (اور) اسے کچھ بھی قرار نہ ہو ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس پختہ قول (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور بھٹکا دیتا ہے اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو۔ اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے''۔ ایک اور جگہ فرمایا: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ...... (نحل: 75) ''بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال (وہ یہ کہ) ایک بندہ ہے جو مملوک ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا''۔ پھر تھوڑا آگے چل کر فرمایا: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰي مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَـمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ (نحل: 76)'' اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک اور مثال، دو آدمی ہیں ان میں سے ایک تو گونگا ہے کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتا اور وہ بوجھ ہے اپنے آقا پر جہاں کہیں وہ اس (نکمے) کو بھیجتا ہے تو وہ واپس نہیں آتا کسی بھلائی کے ساتھ۔ کیا برابر ہو سکتا ہے یہ (نکما) اور وہ شخص جو حکم دیتا ہے عدل کے ساتھ''۔ جیسے ایک اور مقام پر فرمایا: ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ...... (روم: 28)'' اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لیے ایک مثال تمہارے ہی حالات میں سے۔ (یہ بتاؤ) کیا تمہارے غلام تمہارے حصہ دار ہوتے ہیں اس مال میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے''۔ اور فرمایا: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَاۗءُ مُتَشٰكِسُوْنَ...... (زمر: 29)'' بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال، ایک غلام ہے جس میں کئی حصہ دار ہیں جو سخت بدخو ہیں''۔ اور فرمایا: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (عنکبوت: 43)'' ترجمہ: اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں انہیں لوگوں (کو سمجھانے) کے لئے اور نہیں سمجھتے انہیں مگر اہل علم''۔ قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔

سلف صالحین میں سے کسی کا قول ہے جب میں قرآن کریم میں کوئی مثال سنوں اور مجھے سمجھ نہ آئے تو مجھے اپنے آپ پر رونا آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (عنکبوت: 43) اور نہیں سمجھ سکتے انہیں مگر اہل علم۔ مجاہد فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا...... مثالیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی، مومنین ان پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہیں ان کے رب کی طرف سے اور وہ (اللہ تعالیٰ) انہیں ان کے ساتھ ہدایت دیتا ہے۔ قتادہ کا قول ہے: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ رحمٰن کا کلام ہے اور اللہ کی طرف سے ہے۔ مجاہد، حسن اور ربیع بن انس سے اسی طرح مروی ہے۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ انہ کی ضمیر کا مرجع مثال ہے۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا یعنی جو کفار ہیں یہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ نے کیا ارادہ فرمایا ہے۔ جیسے سورۂ مدثر میں ہے: وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰۗىِٕكَةً ۠ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (مدثر: 31)'' اور نہیں ہم نے مقرر کیے آگ کے داروغے مگر فرشتے۔ اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد کو مگر آزمائش ان لوگوں کے

لئے جنہوں نے کفر کیا تاکہ یقین کرلیں اہل کتاب اور مومن اور تاکہ کہنے لگیں جن کے دلوں میں روگ ہے اور کفار کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس بیان سے یونہی اللہ تعالیٰ (ایک ہی بات سے) گمراہ کردیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو بغیر اس کے"۔ اسی طرح یہاں فرمایا: يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ سدی اس کی تفسیر میں ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ سے نقل فرماتے ہیں کہ اس سے مراد منافق ہیں یعنی منافق گمراہ ہوتے اور مومن ہدایت پاتے ہیں اور ان کی گمراہی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا ہے جسے انہوں نے اللہ کی بیان کردہ مثال سے واضح طور پر سمجھ لیا تھا۔ حالانکہ مثال بھی ان کے لئے بیان کی گئی تھی۔ تو جب مثال ان کے موافق ہے تو یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں گمراہ کرنا ہے۔ "وَّيَهْدِيْ بِهٖ" اور ہدایت اس (مثال) کے ساتھ "كَثِيْرًا" بہت سے اہل ایمان وتصدیق کو۔ لہٰذا اس ہدایت کے سبب ان کی ہدایت میں اور تصدیق کے سبب ایمان میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ چونکہ انہوں نے اس چیز کی تصدیق کی ہے جس کے بارے میں انہیں بالیقین یہ علم ہوگیا ہے کہ یہ حق ہے اور جس کے لیے اللہ نے مثال بیان کی ہے اس کے موافق ہے اور وہ اس کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ یہی اللہ کی طرف سے ان کے لئے ہدایت ہے۔ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ فرماتے ہیں اس سے مراد منافقین ہیں۔ ابوالعالیہ اور ربیع بن انس نے بھی یہی لکھا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کافر اسے پہچان لیتے ہیں اس کے باوجود اس کا انکار کردیتے ہیں۔ قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں انہوں نے فسق کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے فسق کے سبب انہیں گمراہ کردیا۔ ابن ابی حاتم اپنی سند سے حضرت سعد سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد خوارج ہیں۔ شعبہ نے مصعب بن سعد سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد محترم سے آیت کریمہ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ...... کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ حروریہ (خوارج کا ایک فرقہ) ہیں۔ یہ اسناد اگرچہ حضرت سعد بن ابی وقاص تک صحیح ہے لیکن یہ تفسیر معنوی ہوگی۔ نہ یہ کہ آیت میں خوارج پر نص قائم کی گئی ہے جنہوں نے نہروان کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا۔ کیونکہ نزول آیت کے وقت تو یہ فرقہ موجود ہی نہ تھا۔ لیکن اپنے وصف کے سبب وہ بھی دوسروں کے ساتھ اس آیت کے زمرے میں داخل ہیں کیونکہ انہیں خوارج کا نام اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے امام کی اطاعت سے خروج کیا اور شریعت اسلامیہ کی پابندی سے آزاد ہوگئے۔ فاسق لغت میں اطاعت وفرمانبرداری سے نکل جانے والے کو کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ اِذَا خَرَجَتْ مِنْ قِشْرَتِهَا (کھجور جب چھلکے سے نکل آئے) اسی طرح چوہیا کو بھی "فُوَيْسِقَة" کہتے ہیں کیونکہ وہ فساد کی خاطر اپنے بل سے باہر آتی ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "پانچ جانور فاسق ہیں۔ حرم سے باہر ہوں یا حرم کی حدود میں انہیں قتل کیا جائے گا۔ کوا، چیل، بچھو، چوہا اور باؤلا کتا"۔ فاسق کافر اور عاصی دونوں کو شامل ہے لیکن کافر کا فسق زیادہ شدید ہے۔ آیت کریمہ سے مراد بھی فاسق کافر ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ...... میں ان کا ذکر کیا ہے اور یہ صفات کافروں کی ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۂ رعد میں فرمایا: اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۙ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ (رعد: 21\19) الآیات" تو کیا وہ شخص جانتا ہے کہ جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے وہ حق ہے وہ اس جیسا ہوگا جو اندھا ہے۔ نصیحت صرف وہی قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔ وہ جو پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو اور نہیں توڑتے پختہ وعدہ کو۔ اور جو لوگ جوڑتے ہیں اسے جس کے متعلق حکم دیا اللہ تعالیٰ نے کہ جوڑا جائے اور ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے خائف رہتے ہیں سخت حساب سے"۔ اس کے بعد فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

مِیۡثَاقِہٖ وَ یَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۙ اُولٰٓئِکَ لَہُمُ اللَّعۡنَۃُ وَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ (رعد:25) ''اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ (سے کیے ہوئے) وعدہ کو اسے پختہ کرنے کے بعد اور کاٹتے ہیں ان رشتوں کو جن کے متعلق حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ انہیں جوڑا جائے اور (فتنہ و) فساد برپا کرتے ہیں زمین میں۔ یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے'' اہل تفسیر کے مابین لفظ عہد کے معنی میں اختلاف ہے جس کے توڑنے سے فاسقوں کو متصف کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ وصیت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کو کی تھی اور اپنی کتابوں اور رسولوں کی زبان سے اپنی اطاعت بجالانے اور اس کی معصیت سے رک جانے کا جو حکم دیا ہے اس کا توڑ دینا اس پر عمل نہ کرنا ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب کے کافر اور منافقین ہیں۔ اور اللہ کا عہد جو انہوں نے توڑا تھا وہ وعدہ تھا جو تورات میں ان سے لیا تھا کہ اس کی تعلیمات پر عمل کریں اور محمد ﷺ اگر مبعوث ہوں تو آپ ﷺ کی اتباع کریں اور آپ کی اور جو کچھ آپ خدا کی طرف سے لائیں اس کی تصدیق کریں۔ اس کا توڑنا یہ تھا کہ انہوں نے حقیقت جان لینے کے باوجود آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیا اور اس کا علم لوگوں سے چھپایا حالانکہ اللہ نے ان سے میثاق لیا تھا کہ وہ اسے لوگوں کے سامنے بیان کریں گے۔ اور اسے نہیں چھپائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ انہوں نے اسے پس پشت ڈال دیا اور حاصل کر لئے اس کے بدلے تھوڑے سے دام۔ ابن جریر نے اسے ہی اختیار کیا ہے اور مقاتل بن حیان کا قول بھی یہی ہے بعض دوسرے مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس آیت سے مراد تمام اہل کفر و شرک و نفاق ہیں۔ اور سب کے ساتھ عہد سے مراد اس کی توحید کا اقرار ہے ان دلائل کے سبب جو اس کی ربوبیت پر دال ہیں۔ اور ان کے ساتھ عہد سے مراد امر و نہی کو بجالانا اور معجزات کو تسلیم کرنا جو اپنے رسولوں کو بطور حجت عطا فرمائے جن کی مثل لانے سے سب عاجز ہیں جو ان کی صداقت پر شاہد عدل ہیں۔ نقض عہد سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کی حقانیت دلائل سے واضح ہو چکی ہے کا اقرار نہ کرنا۔ رسل کرام اور کتابوں کو جھٹلانا اس بات کا یقین ہونے کے باوجود کہ جو کچھ وہ لائے ہیں حق ہے۔ مقاتل بن حیان سے اسی طرح مروی ہے۔ یہی مستحسن ہے زمخشری کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ وہ کہتے ہیں (اگر تو یہ کہے) اللہ کے عہد سے کیا مراد ہے؟ تو میں کہوں گا کہ توحید کے وہ دلائل جو ان کی عقلوں میں مرتکز ہیں گویا یہ امر ہے جس کی انہیں وصیت کی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ اَشۡہَدَہُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰی (اعراف:172) ''اور گواہ بنا دیا خود ان کو ان کے نفسوں پر (اور پوچھا) کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا بے شک تو ہی ہمارا رب ہے) جو کتابیں ان پر اتاری گئیں ان میں بھی ان سے میثاق لیا''۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَ اَوۡفُوۡا بِعَہۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَہۡدِکُمۡ (بقرہ:40) ''اور پورا کرو تم میرے (ساتھ کئے ہوئے) وعدہ کو میں پورا کروں گا تمہارے ساتھ (کئے ہوئے) وعدہ کو''۔ ایک دوسرے فریق کی رائے ہے کہ وہ عہد جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے یہ وہ عہد ہے جو ان سے اس وقت لیا تھا جب انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تھا۔ جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں آیا ہے: وَ اِذۡ اَخَذَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُہُوۡرِہِمۡ ذُرِّیَّتَہُمۡ وَ اَشۡہَدَہُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰی ۚۛ شَہِدۡنَا (اعراف:172) ''اور (اے محبوب) یاد کرو جب نکالا آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو اور گواہ بنا دیا خود ان کو ان کے نفسوں پر (اور پوچھا) کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا بے شک تو ہی ہمارا رب ہے ہم نے گواہی دی''۔ سے توڑنے سے مراد وفائے عہد نہ کرنا ہے۔ مقاتل بن حیان سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ابن جریر نے ان اقوال کو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ ابو العالیہ: اَلَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَہۡدَ اللّٰہِ...... کی تفسیر میں فرماتے ہیں منافقین کی چھ خصلتیں ہیں جب انہیں لوگوں پر غلبہ ہو تو یہ صفات ظاہر ہوتی ہیں۔ (1) بات کرنے میں جھوٹ بولنا (2) وعدہ خلافی کرنا (3) امانت میں خیانت کرنا (4) اللہ کے عہد کو اس کے ساتھ میثاق کے بعد توڑ دینا (5) جس چیز کو اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے اسے قطع کرنا (6) زمین میں فساد انگیزی کرنا۔ اور جب یہ مغلوب ہو تو تین

خصلتیں ظاہر ہوتی ہیں (1) گفتگو میں کذب بیانی سے کام لینا (2) وعدہ وفائی نہ کرنا (3) اور امانت میں خیانت کرنا۔ ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ سدی اپنی تفسیر میں اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ یہ وہ عہد ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں ان سے لیا۔ انہوں نے اس کا اقرار کیا پھر اس کا انکار کر دیا اس طرح وہ اسے توڑنے کے مرتکب قرار پائے۔ وَيَقْطَعُونَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ اس سے مراد صلہ رحمی اور قریبی رشتہ داروں کا خیال رکھنا ہے جیسے قتادہ نے اس کی تفسیر کی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ (محمد:22) الآیۃ" پھر تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم فساد برپا کرو گے زمین میں اور قطع کر دو گے اپنی قرابتوں کو"۔ ابن جریر نے اسے ہی ترجیح دی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت کا حکم عام ہے۔ چنانچہ ہر وہ چیز جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ملانے کا حکم دیا تھا انہوں نے اسے توڑا۔ مقاتل بن حیان (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ) کے تحت لکھتے ہیں آخرت میں نقصان اٹھانے والے۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (رعد:25)" یعنی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے"۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہر وہ جگہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے سوا کسی دوسرے کی طرف خسران کی نسبت کی ہے اس سے مراد کفر ہے۔ اور اہل اسلام کے لئے جہاں یہ لفظ آیا ہے وہاں اس سے مراد ذنب ہے۔ ابن جریر لکھتے ہیں "خَاسِرُوْنَ" یہ "خَاسِر" کی جمع ہے چونکہ انہوں نے بذات خود اللہ کی معصیت میں پڑ کر رحمت خداوندی میں اپنے لیے کمی کر دی تھی اس لیے انہیں نقصان یافتہ کہا گیا جیسے آدمی کو تجارت میں خسارہ ہوتا ہے کہ اس کا اصل سرمایہ کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن جب رحمت الہیہ کی ازحد احتیاج ہوگی کافر اور منافق محروم رہ جائیں گے۔ کہا جاتا ہے، خَسِرَ الرَّجُلُ يَخْسَرُ خُسْرًا وَخُسْرَانًا وَخَسَارًا جی سے جریر بن عطیہ کا قول ہے

اِنَّ سَلِيْطًا فِى الْخَسَارِ اَنَّهٗ اَوْلَادُ قَوْمٍ خُلِقُوْا اَقِنَّهٗ

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٨﴾

"کیونکر تم انکار کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے"۔

اس بات پر دلیل قائم کرتے ہوئے کہ وہ موجود ہے، وہی قدرتوں والا ہے۔ اپنے بندوں کو پیدا کرنے والا اور ان میں تصرف کرنے والا وہی ہے ارشاد فرمایا: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ تم کس طرح اس کے وجود کا انکار کرتے ہو یا اس کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کرتے ہو۔ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ حالانکہ تم عدم میں تھے وہ تمہیں حیز وجود میں لایا۔ جیسے ارشاد فرمایا: اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ (طور:35/36)" کیا وہ پیدا ہو گئے ہیں بغیر کسی (خالق) کے یا وہ خود ہی (اپنے) خالق ہیں؟ کیا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ (ہرگز نہیں) بلکہ وہ یقین سے محروم ہیں"۔ اور ارشاد فرمایا: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ ... لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا" ترجمہ: بے شک گزرا ہے انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا"۔ (الدہر:1) اور اسی طرح کی بے شمار آیات ہیں۔ سفیان ثوری حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں: قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا (مومن:11)" وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا، پس اب ہم اعتراف

کرتے ہیں اپنے گناہوں کا''۔ اس آیت سے مراد وہی ہے جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے: وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ حضرت ابن عباس سے مروی ہے تم اپنے باپوں کی پشت میں مردہ تھے یعنی کچھ بھی نہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا اور تمہیں یہ زندگی عطا فرمائی پھر وہ تمہیں موت دے گا سچی موت پھر تمہیں قبروں سے اٹھائے گا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ اموات سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے آباء کی پشتوں میں تھے۔ تم کچھ بھی نہ تھے اس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں سچی موت دے گا اس کے بعد حشر کے دن تمہیں دوبارہ اٹھائے گا۔ پھر فرماتے ہیں یہ اس آیت کی طرح ہے: رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ...... کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے ہی مروی ہے کہ تخلیق سے قبل تم مٹی تھے جو کہ مردہ ہے پھر تمہیں پیدا کیا تو یہ حیات ہے اب وہ تمہیں مارے گا تو تم قبروں کی طرف جاؤ گے یہ دوسری موت ہے پھر حشر کے دن تمہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا اور یہ دوسری زندگی ہے۔ تو یہ دو زندگیاں اور دو موتیں ہیں جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں آیا ہے۔ حضرات ابن عباس، ابن مسعود، بعض دیگر صحابہ کرام۔ ابوالعالیہ، حسن، مجاہد، قتادہ، ابوصالح، ضحاک اور عطاء خراسانی سے اسی طرح مروی ہے۔ سورۂ بقرہ کی یہ آیت بھی اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ...... ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ''فرمایا تمہیں قبر میں زندہ کرے گا پھر موت دے دے گا''۔ ابن جریر نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے نقل کیا ہے انہیں پیدا کیا آدم علیہ السلام کی پشت میں پھر ان سے عہد و پیمان لینے کے بعد مردہ کر دیا پھر ماں کے رحم میں انہیں پیدا کیا۔ پھر انہیں موت عطا فرمائی۔ اب قیامت کے دن دوبارہ انہیں زندہ کرے گا۔ لیکن یہ اور اس سے پہلا قول غریب ہے۔ صحیح وہی ہے جو ابن مسعود، ابن عباسؓ اور تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ...... (جاثیہ:26) ''فرمایئے اللہ نے زندہ فرمایا ہے تمہیں پھر وہی مارے گا تمہیں پھر جمع کرے گا تمہیں قیامت کے دن جس میں ذرا شک نہیں''۔ جیسے اللہ رب العزت نے بتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (نحل:21) ''وہ مردہ ہیں وہ زندہ ہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے''۔ اور فرمایا: وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ (یٰسین:33) ''اور ایک نشانی ان کے لئے یہ مردہ زمین ہے۔ ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ اس سے کھاتے ہیں''۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾

''وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔ پھر توجہ فرمائی اوپر کی طرف تو ٹھیک ٹھیک بنا دیا انہیں سات آسمان اور وہ سب کچھ خوب جانتا ہے''۔

انسانوں کی تخلیق اور اپنی ذات میں جن چیزوں کا وہ مشاہدہ کرتے ہیں ذکر کرنے کے بعد اللہ تبارک تعالیٰ نے ایک اور دلیل ذکر فرمائی جس کا وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ فرمایا: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ ...... استواء کا لفظ یہاں دو معنے میں ہے قصد کرنا اور متوجہ ہونا۔ کیونکہ یہ الی سے متعدی ہے، فَسَوّٰىهُنَّ سے مراد ہے کہ ساتوں آسمان بنائے ''السَّمَآءِ'' یہاں پر اسم جنس ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کا علم تمام مخلوق کو محیط ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا: اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ (ملک:14) ''ترجمہ: (نادانو) کیا وہ نہیں جانتا (بندوں کے احوال کو) جس نے انہیں پیدا کیا ہے''۔ اس آیت کی تفصیل سورۂ حٰمٓ السجدہ میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ ...... ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (حٰمٓ سجدہ:9 تا 12) اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ رب العزت نے پہلے زمین

کو پیدا فرمایا۔ پھر سات آسمان بنائے۔ ہر عمارت کی تعمیر کا یہی قاعدہ اور اصول ہے کہ پہلے عمارت کا نچلا حصہ بنایا جاتا ہے اس کے بعد اوپر والا حصہ مفسرین کرام نے بھی اس کی تصریح کی ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ جہاں تک اس آیت کریمہ کا تعلق ہے۔ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا...... وَلِاَنْعَامِكُمْ (النازعات: 27-33) اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمان کے بعد ہوئی ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ زیر بحث آیت میں ثم کا لفظ خبر کے خبر پر عطف کے لئے ہے نہ کہ فعل کے فعل پر عطف کے لئے جیسے کسی شاعر کا قول ہے۔

قُلْ لِمَنْ سَادَ ثُمَّ سَادَ اَبُوْهُ　　ثُمَّ قَدْ سَادَ قَبْلَ ذٰلِكَ جَدُّهٗ

بعض علماء کا قول ہے کہ زمین کا پھیلانا یا بچھانا آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بعد تھا۔ یہی قول ابن عباس سے مروی ہے۔ ابن مسعود، ابن عباس اور دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ اور کسی چیز کو پیدا نہیں فرمایا تھا۔ جب کائنات کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو پانی سے دھواں سا اٹھا اور پانی پر چھا گیا اسے آسمان کا نام دیا پھر پانی کو خشک کر کے ایک زمین بنائی پھر اسے توڑ کر دو دنوں (اتوار اور پیر) میں سات زمینیں بنائیں۔ زمین کو مچھلی پر پیدا کیا۔ یہ وہی مچھلی ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے (نٓ۔ القلم) مچھلی پانی میں ہے اور پانی ایک پتھر پر پتھر فرشتے کی پیٹھ پر ہے فرشتہ ایک چٹان پر ہے اور چٹان ہوا میں ہے۔ یہ وہی چٹان ہے جس کا ذکر لقمان نے کیا ہے۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ مچھلی کی حرکت سے زمین کانپنے لگی تو اللہ نے اس میں پہاڑ گاڑ دیئے۔ تو وہ سکون پذیر ہوگئی۔ چنانچہ پہاڑ زمین پر فخر کرتے ہیں۔ یہی معنی اس آیت کریمہ میں بیان ہوئے ہیں: وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ...... (انبیاء: 31) ''اور ہم نے بنادیئے زمین میں بڑے پہاڑ تاکہ زمین لرزتی نہ رہے) اس میں پہاڑ پیدا فرمائے اور اس کے باشندوں کی خوراک اور درخت وغیرہ دو دنوں منگل اور بدھ کو پیدا کیے۔ اسی کا بیان قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ (حم السجدہ: 12) والی آیت میں ہے۔ پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی جو دھواں تھا جو کہ پانی سے بنا تھا۔ اس سے ایک آسمان بنایا ازاں بعد اسے تقسیم کر کے جمعرات اور جمعہ کے دو دنوں میں سات آسمان پیدا فرمائے۔ اسے جمعہ کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس میں زمین وآسمان کی پیدائش جمع ہوگئی۔ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا (حم السجدہ: 12) ہر آسمان میں فرشتوں کو پیدا کیا اور پہاڑ، ٹھنڈے سمندر اور ان چیزوں کو پیدا کیا جس کا اس کے سوا کسی کو علم نہیں۔ پھر آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین کیا۔ اور انہیں شیاطین سے حفاظت کا سبب بنایا۔ تمام چیزوں کی تخلیق کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ عرش عظیم پر جلوہ افروز ہوا۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (حدید: 4) اور فرمایا: كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ...... (انبیاء: 30)۔ ابن جریر حضرت عبداللہ بن سلام کا قول نقل کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے تخلیق کو اتوار کے دن شروع فرمایا اتوار اور پیر کو زمینیں پیدا فرمائیں۔ پہاڑ اور غذا وغیرہ کی پیدائش منگل اور بدھ کو ہوئی آسمانوں کی تخلیق جمعرات اور جمعہ کو فرمائی۔ جمعہ کے دن آخری ساعت میں فراغت کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں اللہ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا فرمایا پھر اس سے دھواں اٹھا۔ اس سے ایک دوسرے کے اوپر سات آسمان پیدا فرمائے۔ اور سات زمینیں ایک دوسرے کے اوپر۔ یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ آسمان سے قبل زمین کو پیدا کیا گیا۔ جیسے سورۂ حم سجدہ کی اس آیت میں ہے: قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ...... ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (حم السجدہ، فصلت: 9-12) یہ دونوں آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ زمین کی پیدائش آسمان سے قبل ہوئی۔ میرے خیال میں اس موضوع پر علماء میں کوئی اختلاف نہیں۔ ماسوائے اس قول کے جو ابن جریر نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ آسمان زمین سے قبل پیدا ہوئے۔ قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس پر توقف کیا ہے۔ سورۂ النازعات کی آیت: 27 اور مابعد آیات کے سبب بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہاں آسمان کی پیدائش کا ذکر زمین سے

پہلے ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا زمین پیدا تو آسمان سے پہلے ہوئی لیکن اسے پھیلایا آسمان کی تخلیق کے بعد گیا۔ قدیم وجدید بہت سے مفسرین کا یہی قول ہے ہم نے سورۂ والنازعات میں اس کو بیان کیا ہے۔ دحی کی تفسیر بھی اسی میں بیان کی گئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو چیزیں اس کے شکم میں بالقوۃ پنہاں تھیں انہیں بالفعل پیدا فرمایا۔ سب سے پہلے پانی نکالا پھر اس سے رنگ رنگیلی نباتات پیدا فرمائیں۔ اسی طرح آسمانوں میں حرکت ہوئی تو ان میں موجود سیارے اور ستارے چلنے لگے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ابن ابی حاتم اور مردویہ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں صحیح مسلم اور نسائی کی وہ روایت ذکر فرمائی ہے۔ جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتے کے دن پیدا فرمایا۔ پہاڑ اتوار کو اور درخت پیر کو، برائیاں منگل کو۔ روشنی بدھ کو اور جانور جمعرات کو پیدا فرمائے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد سے لے کر جمعہ کی آخری ساعت تک پیدا فرمایا'' (1)۔ یہ حدیث مسلم کی غرائب میں سے ہے۔ امام ابن مدینی، بخاری اور دیگر بہت سے حفاظ نے اس حدیث کو کعب کا کلام قرار دیا ہے ابوہریرہ نے یہ بات حضرت کعب احبار سے سنی ہے لیکن بعض راویوں نے غلطی سے اسے مرفوع قرار دیا ہے۔ بیہقی نے یہی لکھا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

''اور یاد کرو جب فرمایا تمہارے رب نے فرشتوں سے میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک نائب کہنے لگے کیا تو مقرر کرتا ہے زمین میں جو فساد برپا کرے گا اس میں اور خونریزیاں کرے گا حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور پاکی بیان کرتے ہیں تیرے لیے۔ فرمایا بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے عظیم الشان نبی، خلیفہ کا ذکر فرما رہے ہیں کہ بنو آدم کی تخلیق سے قبل فرشتوں کے سامنے ان کا تذکرہ فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اے نبی تم یاد کرو اور اپنی قوم کو یہ بتا دو۔ ابن جریر نے ابوعبیدہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اذ یہاں زائدہ ہے (2)۔ ابن جریر نے اس کی تردید کی ہے (3)۔ قرطبی کا قول ہے کہ تمام مفسرین نے اس کی تردید کی ہے بلکہ زجاج نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ابوعبیدہ نے بہت بڑی جسارت کی ہے (4)۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً یعنی ان کے جانشین ہوں گے یکے بعد دیگرے ایک قرن کے بعد دوسری اور ایک نسل کے بعد دوسری جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ (انعام :165) اور فرمایا: وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ (نمل :62) اور فرمایا: وَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا...... یَخْلُفُوْنَ (زخرف :60) اور فرمایا: فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ (اعراف :169) ایک شاذ قرات میں ''خَلِیْقَةً'' بھی ہے۔ زمخشری وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے قرطبی نے زید بن علی سے نقل کیا ہے کہ خلیفہ سے مراد یہاں صرف آدم علیہ السلام نہیں ہیں جیسا کہ مفسرین کے ایک گروہ کا قول ہے۔ قرطبی نے اسے ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر مفسرین کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے اور اس میں بہت اختلاف ہے جسے رازی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس

1۔ مسلم: حدیث نمبر 2049

سے مراد صرف حضرت آدم علیہ السلام کی ذات مراد نہیں کیونکہ اس طرح فرشتوں کے اس قول کا معنی مستحسن نہیں رہتا۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ ان کی مراد یہ تھی کہ بنی آدم یہ دنگا فساد کریں گے۔ انہوں نے اپنے خصوصی علم سے یہ بات نوٹ کی یا بشری طبیعت کو دیکھ کر انہوں نے اندازہ لگایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ خبر دی تھی کہ اس کی آفرینش کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ہوگی جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔ یا خلیفہ کے لفظ سے انہوں نے سمجھا کہ وہ لوگوں کے مابین تنازعات کا فیصلہ کرے گا۔ اور انہیں محارم اور گناہ کی باتوں سے روکنے والا ہوگا۔ قرطبی کا یہی قول ہے یا پھر انہوں نے اسے زمین پر رہنے والی سابقہ مخلوق پر قیاس کیا جیسا کہ ہم اس کے بارے میں مفسرین کے اقوال ذکر کریں گے۔ ملائکہ کا یہ قول اللہ رب العزت کی ذات پر (معاذ اللہ) بطور اعتراض یا بنو آدم کے ساتھ بوجہ حسد نہ تھا جیسا کہ بعض مفسرین نے خیال ظاہر کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرشتوں کی شان میں فرماتا ہے (لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ) (انبیاء:27) کہ وہ بلا اجازت اس سے کسی بات کا سوال نہیں کرتے۔ چنانچہ یہاں اللہ وحدہ لاشریک انہیں خبر دی کہ وہ زمین میں ایک مخلوق کو پیدا کرنے والا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ انہیں پیشگی یہ علم تھا کہ وہ زمین میں فساد کریں گے۔ تو فرشتوں نے عرض کی: اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا ...... ان کا یہ سوال اس راز کو معلوم کرنے اور اس حکمت سے آگاہ ہونے کے لئے تھا جس کے لئے بنو آدم کو پیدا کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے عرض کی بار الہا! ان کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے حالانکہ ان میں فسادی لوگ بھی ہوں گے اور خون بہانے والے بھی اگر مقصود صرف عبادت ہے تو ہم ہر وقت تیری حمد و تقدیس کے ترانے گاتے ہیں (جیسے آگے آ رہا ہے) اور پھر ہم سے کوئی چیز بھی صادر نہیں ہوتی تو ہم پر ہی اقتصار کیوں نہیں کر لیا جاتا۔ اللہ رب العزت نے ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کہ اس کے فسادی ہونے کے باوجود جس مصلحت کی بنا پر میں اسے پیدا کر رہا ہوں اس کا علم صرف مجھے ہے تم اسے نہیں جانتے۔ میں ان میں انبیاء اور رسول مبعوث کروں گا۔ ان میں صدیق، شہداء، عابد، زاہد، اولیاء، ابرار، مقربین باعمل علماء، صالحین، متقی اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسولوں سے محبت کرنے والے لوگ بھی ہوں گے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ملائکہ جب بندوں کے اعمال لے کر خداوند قدوس کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوتے ہیں تو وہ رحیم و کریم ہر چیز کا علم رکھنے کے باوجود ان سے دریافت فرماتا ہے۔ تم نے میرے بندوں کو کس حال پر چھوڑا؟ وہ بصد عجز و نیاز عرض کرتے ہیں کہ جب ہم ان کے پاس گئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم نے انہیں چھوڑا تو اس وقت بھی وہ نماز ادا کر رہے تھے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ایک گروہ صبح کی نماز کے وقت آتا ہے جبکہ دوسرا عصر کی نماز کے وقت۔ اس وقت پہلا فریق واپس چلا جاتا ہے۔ اور اپنے ساتھ لوگوں کے اعمال بھی لے جاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات کا عمل دن سے پہلے اور دن کا اعمال نامہ رات ہونے سے قبل اس کی بارگاہ میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں جب ہم آئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز میں تھے۔ ایک قول کے مطابق تفصیلی حکمت جو تخلیق انسان میں تھی اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ میرے مخصوص علم میں ہے اور تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ان کے اس قول کا جواب ہے جو وہ یہ کہتے تھے کہ ہم تیری حمد و ثنا اور تقدیس کے ترانے گاتے ہیں۔ تو انہیں بتایا گیا کہ اس کا علم تو صرف مجھے ہے۔ تم میں ایک ابلیس بھی ہے۔ اور یہ ایسا نہیں ہوگا جیسا کہ تم نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ کہنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ انہیں زمین میں آباد کیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ میں جانتا ہوں تمہارا آسمان پر ہی رہنا تمہارے لیے زیادہ مناسب ہے اور تمہارے لائق یہی جگہ ہے۔ امام رازی نے اسے دیگر جوابات کے ساتھ ذکر فرمایا ہے واللہ اعلم۔

مفسرین کے اقوال کا تفصیلی بیان

(1) ابن جریر کا قول ہے حضرت حسن اور قتادہ سے مروی ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو خبر دی سدی کہتے ہیں کہ ملائکہ سے مشورہ کرنا مراد ہے۔'' اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ قتادہ سے بھی ایک روایت ہے۔ یہ عبارت اگر چہ خبر کا معنی دے رہی ہے لیکن اس میں تساہل ہے ابن جریر کی حسن اور قتادہ سے بیان کردہ روایت زیادہ بہتر ہے واللہ اعلم ''فِي الْأَرْضِ'' ابن ابی حاتم حضرت عبدالرحمٰن بن سابط سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمین کو ابتداء مکہ سے پھیلایا گیا۔ سب سے پہلے فرشتوں نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا میں زمین (یعنی مکہ) میں خلیفہ بنانے والا ہوں(1)۔ یہ مرسل ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ اور اس میں ادراج ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے عرض کی اے ہمارے پروردگار وہ خلیفہ کون ہوگا؟۔ فرمایا اس کی اولاد ہوگی جو زمین میں فساد پھیلائیں گے آپس میں حسد کرتے ہوں گے اور ایک دوسرے کو قتل کریں گے۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں جو میری نیابت میں مخلوق کے مابین عدل وانصاف کرے گا۔ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور وہ لوگ ہیں جو اطاعت الٰہی اور عدل وانصاف میں ان کے قائم مقام ہیں۔ لیکن فسادی اور خون بہانے والے ان کے خلیفہ نہیں۔

(2) ابن جریر لکھتے ہیں کہ خلافت جس کا اللہ نے ذکر کیا ہے کا معنی ہے ایک صدی کے بعد دوسری صدی والوں کا آنا۔ خلیفہ یہ فعيلة کے وزن پر ہے جب کوئی دوسرے کے قائم مقام ہو تو عرب کہتے ہیں ''خَلَفَ فُلَانٌ فُلَانًا فِي هٰذَا الْاَمْرِ''۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (یونس:14)'' پھر ہم نے بنایا تمہیں جانشین زمین میں ان کے بعد تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو''۔ اسی بنا پر سلطان اعظم کو بھی خلیفہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے پیش رو کا نائب ہوتا ہے۔ محمد ابن اسحٰق اس آیت کی تفسیر میں فرماتے تھے اس کا معنی ہے کہ زمین میں سکونت اختیار کرنے اور اسے آباد کرنے والا نائب۔ جو تم میں سے نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جنات سب سے پہلے زمین میں بستے تھے لیکن انہوں نے اس میں فساد کیا اور خون بہایا اور ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابلیس کو ان کی طرف بھیجا ابلیس اور اس کے ساتھیوں نے ان سے جنگ کی حتیٰ کہ انہیں مار مار کر سمندری جزائر اور پہاڑوں کی اطراف میں بھیج دیا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر وہاں آباد کیا گیا۔ تو گویا آپ ان کے خلیفہ ہوئے۔

(3) حضرت سفیان ثوری کا قول ہے کہ فرشتوں کے نزدیک اس سے مراد بنو آدم ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ اور زمین میں اپنا نائب لانا چاہتا ہوں۔ اس وقت فرشتوں اور زمین کے سوا کوئی مخلوق نہ تھی۔ تو انہوں نے عرض کی کیا آپ اسے پیدا کرنا چاہتے ہیں جو فساد کرے گا۔ اس سے پیشتر ابن عباس، ابن مسعود وغیرہ صحابہ کرام کا یہ قول گذر چکا ہے کہ بنو آدم جو کچھ کریں گے اللہ نے فرشتوں کو پہلے ہی اس سے آگاہ کر دیا تھا۔ تو جواباً فرشتوں نے یہ بات عرض کی۔ ابھی ابھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بھی پہلے گذر چکی ہے کہ جنوں نے بنو آدم کی آمد سے قبل زمین میں

1۔ تفسیر طبری:201،200/1

چونکہ فساد پھیلایا تھا اس لیے فرشتوں نے بنو آدم کو بھی جنات پر قیاس کیا۔ ابن ابی حاتم اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ جنات حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل زمین میں آباد تھے۔ انہوں نے زمین میں فساد انگیزی کی اور خون بہایا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا لشکر بھیجا۔ انہوں نے انہیں مار مار کر سمندری جزائر کی طرف بھگا دیا۔ تب اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو مذکورہ بالا سوال و جواب اس وقت ہوا۔

حضرت ابوالعالیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ملائکہ کو بدھ کے دن، جنات کو جمعرات اور بنو آدم کو جمعہ کے دن پیدا کیا۔ جنات نافرمانی کرتے تو فرشتے زمین پر اتر کر انہیں ان کی بغاوت کی سزا دیتے اور فتنہ وفساد کو فرو کرتے اسی بنا پر فرشتوں نے یہ بات عرض کی کہ انسان بھی جنات کی طرح فتنہ انگیزی کا سبب ہوگا۔ حضرت حسن کا قول ہے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں یہ کام کرنے والا ہوں۔ وہ اپنے رب پر ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کچھ علم سکھایا اور کچھ مخفی رکھا جس کا انہیں پتہ نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے بارگاہ الٰہی سے عطا کردہ علم کے مطابق جواب دیا کہ وہ تو فساد کرے گا اللہ رب العزت نے فرمایا جو بات میں جانتا ہوں تم نہیں سمجھتے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی تھی کہ ابن آدم ایسا کریں گے تو اس بنا پر انہوں نے سوال کیا تھا۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آگاہ فرمایا تھا کہ زمین پر جو مخلوق بھی ہوگی فساد کرے گی اور خونریزی کرے گی۔ ابوجعفر محمد بن علی فرماتے ہیں سجل نامی ایک فرشتہ ہاروت ماروت اس کے اعوان وانصار تھے اسے دن میں تین مرتبہ لوح محفوظ (ام الکتاب) پر نظر ڈالنے کی اجازت تھی۔ ایک دفعہ اس نے آدم علیہ السلام کی پیدائش وغیرہ امور کا مطالعہ کیا تو اپنے دونوں ساتھیوں (ہاروت و ماروت) کو بھی اس راز سے آگاہ کر دیا اب جس وقت اللہ نے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا تو انہوں نے یہ سوال کر دیا۔ لیکن یہ روایت غریب ہے اسے ابوجعفر محمد علی بن حسین الباقر تک صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ امکان ہے کہ انہوں نے اسے اہل کتاب سے لیا ہو۔ بہرحال اس کا منکر ہونا اس کے رد کرنے کو واجب کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ایسا کہنے والے فرشتے صرف دو تھے۔ لیکن ابن ابی حاتم نے عبداللہ بن یحییٰ بن کثیر سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ جن ملائکہ نے یہ کہا تھا: اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا...... ان کی تعداد دس ہزار تھی۔ اللہ کی طرف سے ایک آگ نکلی اس نے انہیں جلا کر رکھ دیا۔ یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح اسرائیلیات میں سے ہے اور ناقابل اعتبار ہے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ انہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے علم سے یہ بات کہی۔ ابن جریر کا قول ہے کہ فرشتوں نے یہ اس لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تخلیق آدم کے بارے میں آگاہ کرنے کے بعد سوال کرنے کی اجازت دی تھی۔ تو فرشتوں نے ازراہ تعجب یہ کہا یا رالہا! وہ تیری نافرمانی کیسے کریں گے حالانکہ تو توان کا خالق ہے۔ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ بعض فرشتوں نے ازراہ استفسار یہ بات کہی تھی۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ اس پر معترض تھے۔ ابن جریر نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مشورہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ وہ تو فساد کرے گا اور خون کی ندیاں بہادے گا کیونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ اللہ کے نزدیک ان دونوں باتوں سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ حمد وثنا اور تسبیح کے لئے تو فرشتے پہلے ہی موجود تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔ کیونکہ یہ بات علم الٰہی میں موجود تھی کہ اس خلیفہ کی نسل سے انبیائے مرسلین، صالحین اور جنتی لوگ بھی ہوں گے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہمیں فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتے یہ کہنے لگے کہ اللہ کی یہ مخلوق ہم سے زیادہ معزز یا عالم نہیں ہوگی، تو انہیں تخلیق آدم کے ساتھ آزمایا گیا۔ ہر مخلوق کی آزمائش کی جاتی ہے جس طرح آسمان وزمین کو

اطاعت کے ساتھ آزمایا گیا: اِئْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۗ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (حم السجدہ:11)، وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۗ حضرت قتادہ کا قول ہے کہ تسبیح و تقدیس سے مراد نماز ہے۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بعض صحابہ کرام سے یہی مروی ہے۔ حضرت مجاہد کا قول ہے کہ تسبیح و تقدیس سے مراد عظمت ظاہر کرنا اور بڑائی بیان کرنا ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ تقدیس سے مراد تطہیر ہے۔ محمد بن اسحٰق کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم تیری نافرمانی نہیں کرتے اور نہ ہی کوئی ایسا کام کرتے ہیں جسے تو ناپسند فرمائے۔ ابن جریر کا قول ہے تقدیس سے مراد تعظیم اور تطہیر ہے۔ فرشتوں کے قول سبوح قدوس کی وضاحت کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں سبوح سے مراد اس کی تنزیہ اور قدوس سے مراد طہارت اور تعظیم ہے۔ اسی طرح اہل عرب کہتے ہیں "ارض مقدسة" اور اس سے مراد مطہرۃ (پاک) ہوتا ہے۔ اس صورت میں نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ کا معنی یوں ہوگا۔ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں اور اہل شرک جن چیزوں کی نسبت آپ کی طرف کرتے ہیں ان سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور تقدیس کا معنی ہوگا کہ تجھے تمام پاکیزہ صفات سے متصف کرتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا "کون سی کلام افضل ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کیلئے پسند فرمایا ہے یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ (1)۔ بیہقی نے عبدالرحمٰن بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ معراج کی رات حضور ﷺ نے آسمانوں میں ایک تسبیح سماعت فرمائی "سُبْحَانَ الْعَلِيِّ الْاَعْلٰى سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى"

قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے علم مبارک میں یہ بات تھی کہ اس خلیفہ میں انبیاء، رسول، صالحین اور اہل جنت ہوں گے۔ ابن مسعود، ابن عباس، بہت سے صحابہ کرام اور تابعین سے اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال مذکور ہیں۔ قرطبی وغیرہ مفسرین نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خلیفہ کا وجود لازمی ہے تاکہ لوگوں کے مابین تنازعات اور مقدمات کا فیصلہ کر سکے۔ مظلوم کو ظالم سے اس کا حق دلائے۔ حدود قائم کرے فواحش و منکرات سے روکے۔ اسی طرح کے دیگر امور جن کو حاکم وقت کے بغیر ادا نہیں کیا جا سکتا۔ فقہی قاعدہ ہے کہ جس چیز کے بغیر واجب ادا نہ ہو سکے وہ بھی واجب ہے امامت یا تو اس پر خدا اور رسول کی طرف سے نص قائم کرنے سے حاصل ہوتی ہے جیسے اہل سنت کا گروہ کے نزدیک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت یا اس کی طرف اشارہ کر دینے سے جیسے بعض دوسرے فرقوں کا خیال ہے یا پھر کسی خلیفہ کے دوسرے کو اپنا نائب مقرر کر دینے سے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا یا صلحاء کی جماعت پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کرنے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا نائب مقرر کرنے کی بجائے چند افراد پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ قائم فرما دی۔ یا پھر ارباب حل و عقد اجتماعی طور پر کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیں یا ان میں سے کوئی ایک اس کی خلافت کا اعلان کر دے۔ جمہور علماء کرام کی یہی رائے ہے۔ امام الحرمین نے تو اس پر اجماع نقل فرمایا ہے واللہ اعلم یا لوگوں میں سے کوئی شخص زور پکڑ لے اور سب کو اپنی اطاعت پر مجبور کرے تو اس کی اطاعت بھی لازمی ہے تاکہ باہمی ناچاقی اور اختلاف پیدا نہ ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس پر نص قائم فرمائی ہے۔ کیا امامت کے انعقاد پر گواہی شرط ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک شرط نہیں ہے۔ ایک دوسرے قول کے مطابق گواہی تو شرط ہے لیکن اس کے لئے صرف دو گواہ کافی ہیں۔ جبائی کا قول ہے کہ عاقد اور معقود لہ (جس کی بیعت لی جا رہی ہے) کے ساتھ چار گواہوں کا ہونا لازمی ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاملہ چھ افراد پر مشتمل شوریٰ کے حوالے کر دیا تھا۔ بالآخر بات عاقد (بیعت کرنے والا) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور معقود لہ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر آ کر رک گئی تھی اور چار گواہوں کا وجوب اس نے شوریٰ کے بقیہ افراد سے ثابت کیا ہے۔ لیکن یہ

1۔ مسلم: حدیث نمبر 2093

بات محل نظر ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ بھی لازمی ہے کہ وہ شخص مرد آزاد، بالغ، عاقل، مسلمان، عادل، مجتہد، صاحب بصیرت، تمام آفات سے مبرا، فنون حرب اور آراء سے آگاہ ہونا چاہئے۔ مزید برآں صحیح روایت کے مطابق وہ شخص خاندان قریش سے ہو۔ ہاشمی یا معصوم عن الخطاء ہونا لازمی نہیں جیسا کہ بعض غالی روافض کی رائے ہے۔ اگر امام سے فسق کا صدور ہو تو کیا وہ اپنے منصب سے خود بخود معزول ہو جاتا ہے یا نہیں؟۔ اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ خود بخود معزول نہیں ہوتا کیونکہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے۔ ''جب تک تم اس میں کفر کی واضح علامت نہ دیکھ لو جس کے کفر ہونے پر اللہ کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل موجود ہو''(1)۔ کیا وہ اپنے آپ کو معزول بھی کر سکتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ خود مستعفی ہو گئے تھے اور زمام اقتدار امیر معاویہ کے حوالے کر دی۔ لیکن یہ بوجہ عذر تھا جس پر آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف کی گئی ہے۔ لیکن ایک ہی سرزمین میں دو یا دو سے زائد حاکم وقت نہیں ہو سکتے کیونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ ''جب تم متحد ہو اور کوئی شخص آ کر تم میں جدائی ڈالنا چاہے تو اسے قتل کر دو خواہ کوئی بھی ہو''۔ یہ جمہور کا قول ہے۔ بہت سے علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے ان میں امام الحرمین بھی ہیں۔ کرامیہ (شیعہ) کا قول ہے کہ ایک وقت میں دو یا دو سے زائد ائمہ کا تقرر جائز ہے۔ جیسے حضرات سیدنا علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما ایک ہی وقت میں دونوں واجب الاطاعت تھے ان کا استدلال ہے کہ جب ایک وقت میں دو یا دو سے زائد نبی ہو سکتے ہیں تو امام کیوں نہیں ہو سکتے؟۔ کیونکہ نبوت بلا اختلاف امامت سے اعلیٰ ہے۔ امام الحرمین نے استاد ابو اسحٰق کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے نزدیک اگر اسلامی سلطنت بہت وسیع ہو اور ان کے درمیان مختلف ممالک ہوں تو دو اماموں کا تقرر جائز ہے۔ لیکن امام الحرمین اس میں متردد ہیں۔ (میں کہتا ہوں) یہ صورت حال اس وقت تھی جب خلفاء بنی عباس عراق میں، فاطمی حضرات مصر میں اور اموی مغرب میں حکمران تھے۔ ہم اس مسئلے کو شرح و بسط کے ساتھ کتاب الاحکام میں کسی مناسب جگہ ذکر کریں گے ان شاء اللہ العزیز۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

''اور اللہ نے سکھا دیئے آدم (علیہ السلام) کو تمام اشیاء کے نام پھر پیش کیا انہیں فرشتوں کے سامنے اور فرمایا بتاؤ تو مجھے نام ان چیزوں کے اگر تم (اپنے اس خیال میں) سچے ہو۔ عرض کرنے لگے ہر عیب سے پاک تو ہی ہے کچھ علم نہیں ہمیں، مگر جتنا تو نے ہمیں سکھا دیا۔ بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ فرمایا اے آدم! بتا دو انہیں ان چیزوں کے نام پھر جب آدم (علیہ السلام) نے بتا دیئے فرشتوں کو ان کے نام۔ تو اللہ نے فرمایا کیا نہیں کہا تھا میں نے تم سے کہ میں خوب جانتا ہوں سب چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو''۔

اس مقام پر اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ ایک خاص علم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر شرف اور فضیلت عطا

1۔ مسلم، الجہاد: 42

فرمائی۔ یہ واقعہ فرشتوں کے سجدہ کرنے کے بعد کا ہے۔ وہ حکمت خداوندی جو آپ کے پیدا کرنے میں تھی جس کا علم فرشتوں کو نہ تھا۔ اور جس کا اجمالی بیان اوپر گذر چکا ہے۔ اس کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے اس واقعہ کو مقدم فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں بتایا کہ جو کچھ وہ جانتا ہے فرشتے اس کی حکمت سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے اس مقام پر اس واقعہ کو ذکر فرمایا تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر جو شرف اور مقام ومرتبہ عطا ہوا ہے وہ اس علم کی بنا پر ہے جو فرشتوں کو حاصل نہیں۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہیں اپنی تمام اولاد کے اسماء ایک ایک کر کے سکھائے۔ اسی طرح تمام جانوروں کے حتیٰ کہ یہ بھی بتایا گیا کہ یہ گدھا ہے۔ یہ اونٹ ہے اور یہ گھوڑا۔ اسی طرح آسمان، زمین، میدان، سمندر وغیرہ تمام اشیاء کے ناموں سے آگاہ کیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی ایک دوسری روایت میں ہے کہ پلیٹ اور ہنڈیا حتیٰ کہ ہوا کے اسماء بھی سکھائے۔ مجاہد کا قول ہے کہ ہر جانور، پرندے بلکہ ہر چیز کے اسماء سکھائے۔ حضرت سعید بن جبیر، قتادہ وغیرہ سلف صالحین کا یہی قول ہے۔ ربیع کی روایت میں ملائکہ کے اسماء آیا ہے حمید شامی نے اسماء النجوم ذکر کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید کے نزدیک تمام ذریت آدم کے اسماء ہیں۔ ابن جریر کا قول ہے کہ تمام ملائکہ اور اولاد آدم کے اسماء ہیں۔

ثُمَّ عَرَضَهُمْ یہ لفظ ذی شعور لوگوں کے لیے آتا ہے۔ انہوں نے اس قول کو ترجیح تو دی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے ساتھ دوسرے شامل نہ ہوں بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہوں پھر غلبہ کی وجہ سے سب کو ذوی العقول کے صیغہ سے تعبیر کر دیا ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (نور: 45) ''اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے ہر جانور کو پانی سے تو ان میں سے کچھ تو رینگتے ہیں پیٹ کے بل اور ان میں سے بعض چلتے ہیں دو ٹانگوں پر اور ان میں سے بعض چلتے ہیں چار ٹانگوں پر پیدا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے''۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ثُمَّ عَرَضَهُنَّ کر کے پڑھا ہے۔ اور ابی بن کعب نے ثُمَّ عَرَضَهَا پڑھا ہے یعنی آسمان۔ صحیح یہ ہے کہ تمام اشیاء کے ذرات، صفات اور افعال کے نام سکھائے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اوپر گزر چکا ہے کہ گوز (پیٹ سے خارج ہونے والی ہوا) کا نام بھی سکھایا صحیح بخاری کتاب التفسیر میں اس آیت کی تفسیر کے بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومنین قیامت کے دن جمع ہوں گے اور کہیں گے کیا ہی اچھا ہوتا ہم کسی کو اپنا سفارشی بنا کر بارگاہ الٰہی میں بھیجتے۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے آپ ابوالبشر ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست اقدس سے پیدا فرمایا۔ ملائکہ سے سجدہ کروایا اور ہر چیز کے اسماء سکھلائے آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری سفارش لے کر جائیں کہ ہمیں راحت عطا فرمائے آپ فرمائیں گے میں اس قابل نہیں ہوں اور اپنی لغزش یاد کریں گے۔ آپ فرمائیں گے نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ کے پہلے رسول ہیں۔ تمام لوگ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ وہ بھی یہی جواب ارشاد فرمائیں گے۔ اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف دعا مانگنا یاد کریں گے۔ اور فرمائیں گے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ۔ وہ سب آپ کے پاس آئیں گے لیکن آپ کی طرف سے بھی یہی جواب ملے گا آپ فرمائیں گے موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ کلیم اللہ ہیں آپ کو تورات عطا فرمائی گئی تھی تمام لوگ آپ کے پاس حاضر ہو کر عرض کریں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے آپ کو ایک شخص کو بلا وجہ مار ڈالنے کا واقعہ یاد آ جائے گا۔ آپ علیہ السلام فرمائیں گے عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کے بندے، رسول، کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ سب لوگ آپ کے پاس آئیں گے۔ تو آپ بھی فرمائیں گے میں اس قابل نہیں تم حضرت

محمد ﷺ کے پاس جاؤ کیونکہ اللہ نے آپ کے تمام الزامات دور کر دیئے ہیں جو آپ ﷺ پر لگائے گئے تھے۔ چنانچہ وہ میرے پاس آئیں گے میں بارگاہ ربانی میں حاضر ہو کر اجازت طلب کروں گا۔ جب مجھے اجازت ملے گی۔ میں اپنے رب کریم کو دیکھتے ہی سجدے میں گر جاؤں گا۔ جب تک خدا کو منظور ہو گا سجدہ ریز رہوں گا۔ پھر آواز آئے گی سر اٹھایئے اور سوال کیجئے پورا کیا جائے گا۔ ارشاد فرمایئے سنا جائے گا۔ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت مقبول ہے۔ میں اپنا سر اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی وہ تعریفات بیان کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی میں انہیں جنت میں پہنچا کر پھر آؤں گا۔ اپنے رب کو دیکھ کر سر سجدے میں رکھ دوں گا۔ پھر دوبارہ میں شفاعت کروں گا۔ میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی میں انہیں جنت میں داخل کر کے تیسری مرتبہ آؤں گا۔ پھر اسی طرح چوتھی دفعہ حاضر خدمت ہوں گا حتیٰ کہ جہنم میں صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جنہیں قرآن نے روک رکھا ہو۔ اور جن کے لئے ابدی جہنم واجب ہو چکی ہو" (1)۔ امام بخاری نے یہ روایت اسی طرح ذکر فرمائی ہے۔ صحیح مسلم، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی یہی روایت ہے۔ اس روایت کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک جملہ ہے (...... وَ عَلَّمَكَ اَسْمَآءَ كُلِّ شَيْءٍ) یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے اسماء سکھلائے گئے تھے۔ پھر ان اشیاء کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا (جیسا کہ حضرت قتادہ نے ذکر کیا ہے) گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔ ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ کرام سے یہی روایت ہے۔ حضرت مجاہد کا قول بھی یہی ہے۔ ابن جریر نے حضرت حسن اور قتادہ سے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہر چیز کے بارے میں سکھایا حتیٰ کہ آپ ہر چیز کو اس کے اسماء سے پکارنے لگے۔ ہر قوم باری باری پیش کی گئی۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ حضرت حسن اور قتادہ فرماتے ہیں میں نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں فرمائی مگر تم اس سے زیادہ علم رکھتے ہو۔ اگر تم سچے ہو تو ان اسماء کے بارے میں آگاہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اگر تم یہ جانتے ہو کہ میں نے زمین میں کوئی خلیفہ نہیں بنایا۔ سدی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور کچھ صحابہ کرام سے مروی ہے کہ اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ بنو آدم زمین میں فساد پھیلائیں گے اور خون ریزی کریں گے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ ان سب اقوال میں اولیٰ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے حامیوں کا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جن چیزوں کو آپ پر پیش کیا گیا ہے اے فرشتو! جن کا یہ قول ہے کہ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ ...... کہ تمہی خلافت ارضی کے لائق ہو انسان نہیں اور صرف تم ہی میرے تسبیح خواں اور اطاعت گذار ہو۔ اگر میں نے تمہارے سوا کسی دوسرے کو خلیفہ بنایا تو وہ اور اس کی اولاد میری نافرمانی کرے گی اور خون بہائے گی اور اگر خلافت کا تاج تمہارے سر پر سجایا تو تم میری اطاعت کرو گے اور تعظیم و تقدیس کے ساتھ میری اتباع کرو گے۔ تو اگر تم ان اشیاء جو تمہارے سامنے پیش کی گئیں ہیں کے اسماء کا علم نہیں رکھتے حالانکہ وہ تمہارے سامنے موجود ہیں تو کائنات میں آئندہ درپیش آنے والے امور سے تم بدرجہ اولیٰ لاعلم ہو گے۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ...... یہاں سے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کرنا شروع کر دی اور اس بات کی وضاحت کی کہ ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا مگر جسے وہ خود چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے سوا وہ کچھ بھی نہیں جان سکتے۔ اسی لیے انہوں نے کہا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ ...... یعنی تو ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ تیرا پیدا کرنا، کسی کو کچھ سکھانے یا نہ سکھانے میں کوئی نہ کوئی حکمت موجود ہے۔ تو حکمتوں اور مکمل عدل والا ہے۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سبحان اللہ کا معنی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی ہے کہ وہ ہر برائی سے منزہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دیگر صحابہ کرام کی موجودگی میں فرمایا: لَا

1۔ کتاب البخاری، کتاب التفسیر 22,21/8

اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا معنی تو ہم نے جان لیا۔ لیکن سبحان اللہ کا کیا معنی ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ایسا کلمہ ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے پسند کر لیا ہے۔ وہ اس سے خوش ہوتا ہے اور اس کا پڑھنا اسے محبوب ہے۔ ایک آدمی نے حضرت میمون بن مہران سے سبحان اللہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: کہ اس اسم میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور تمام برائیوں سے پاکیزگی کا بیان ہے۔

یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىٕهِمْ ...... وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ زید بن اسلم کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے اسماء بتا دیئے کہ تمہارا نام جبرائیل ہے، تمہارا نام میکائیل ہے تمہارا نام اسرافیل ہے اسی طرح تمام اسماء بلکہ کوے تک کا نام بتا دیا۔ مجاہد کہتے ہیں کبوتری، کوے اور ہر چیز کے اسماء۔ حضرات سعید بن جبیر، حسن اور قتادۃ سے بھی یہی مروی ہے۔ جب فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی یہ فضیلت معلوم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کیا میں نے پہلے تمہیں نہ بتایا تھا کہ میں ظاہر و پوشیدہ ہر غیب کا جاننے والا ہوں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى (طٰہٰ:07) (ور اگر تو بلند آواز سے بات کرے (تو تیری مرضی) وہ تو بلاشبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی) یا جیسے ہدہد اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے مکالمے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ (نمل: 25-26) ’’وہ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ تعالیٰ کو جو نکالتا ہے پوشیدہ چیزوں کو آسمانوں اور زمین سے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے وہ مالک ہے عرش عظیم کا‘‘۔

وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ میں باطن کو اس طرح جانتا ہوں جیسے ظاہر کو یعنی ابلیس کے دل میں جو غرور اور تکبر تھا میں اسے جانتا تھا۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود، بعض دیگر صحابہ کرام کے حوالے سے سدی لکھتے ہیں کہ فرشتوں کا قول کہ زمین میں اسے پیدا کر رہا ہے جو فساد کرے گا اور خون بہائے گا الآیۃ تو یہ وہ قول تھا جسے انہوں نے ظاہر کیا تھا۔ اور جو چھپایا تھا وہ غرور اور تکبر تھا جسے ابلیس نے اپنے دل میں چھپایا تھا۔ سعید بن جبیر، مجاہد، سدی، ضحاک اور ثوری کا یہی قول ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے پسند کیا ہے۔ ابوالعالیہ ربیع بن انس، حسن اور قتادہ کا قول ہے کہ ان کی پوشیدہ بات سے مراد ان کا یہ قول تھا کہ جس مخلوق کو بھی خدا پیدا کرے گا۔ ہم اس سے زیادہ عالم اور معزز ہوں گے۔ تو انہوں نے جان لیا کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو علم و تکریم میں ان پر فوقیت دی ہے۔ ابن جریر نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے فرشتوں اور آدم علیہ السلام کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا جس طرح تم ان کے اسماء نہیں جان سکے اسی طرح تمہیں یہ بھی علم نہیں کہ میں نے انہیں پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ اس میں فساد کریں اور مجھے اس کا علم ہے۔ اسی طرح میں نے یہ بات بھی تم سے مخفی رکھی ہے کہ ان میں نیک و بد ہر طرح کے لوگ ہوں گے۔ لکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی طے شدہ ہے: لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ’’میں ضرور بھروں گا جہنم کو تمام (سرکش) جنوں اور (نافرمان) انسانوں سے‘‘ (السجدہ:13) فرشتوں کو اس بات کا ادراک اور علم نہ تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ علم عطا فرمایا ہے تو انہوں نے ان کی فضیلت کا اقرار کر لیا۔ ابن جریر کا قول ہے کہ اس میں سب سے بہتر قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے کہ آسمان و زمین کے غیب کا علم، تمہارے ظاہر و باطن کا علم مجھے ہے۔ کوئی چیز مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ سب کچھ مجھ پر عیاں ہے۔ ان کا ظاہری قول تو یہ تھا: اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا ...... اور جو بات وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے وہ ابلیس کا اللہ تعالیٰ کے اوامر کی خلاف ورزی اس کی اطاعت سے سرکشی کرنا ہے۔ صیغہ جمع کا لایا گیا ہے اور یہ صحیح ہے۔ جیسے اہل عرب کہتے ہیں قُتِلَ الْجَیْشُ وَ هُزِمُوْا۔ لشکر مار

ڈالا گیا یا انہیں شکست ہوگئی حالانکہ ایک فرد ہی قتل ہوتا ہے یا بعض کو شکست ہوتی ہے لیکن صیغہ جمع کا لاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ (حجرات:4) ''بے شک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے''۔ مذکور ہے کہ بلانے والا بنو تمیم کا صرف ایک شخص تھا۔ حالانکہ صیغہ جمع کا لایا گیا اسی طرح آیت کریمہ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ میں بھی اپنے دل میں چھپانے والا صرف ایک ابلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کا لایا گیا۔ اہل عرب کا عمومی اسلوب یہی ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ٭ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۴﴾

''اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سواء ابلیس کے اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور (داخل) ہوگیا وہ کفار (کے ٹولہ) میں''۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ جس کے ساتھ اولاد آدم پر احسان جتلایا جا رہا ہے۔ اور خبر دی جا رہی ہے کہ ہم نے فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ اس کی تائید بہت سی احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک تو حدیث شفاعت ہے جس کا ابھی ابھی اوپر ذکر ہوا ہے۔ دوسری حدیث موسیٰ ہے جس میں آپ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں یہ درخواست پیش کی اے رب! مجھے آدم علیہ السلام کی زیارت نصیب ہو جو ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکالنے کا سبب بنے تھے۔ جب دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ وہ آدم ہیں جن کا جسد اطہر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا پھر اس میں روح پھونکی اور ملائکہ سے سجدہ کروایا (آخر تک) (اس حدیث کی تفصیلات آگے ذکر کی جائیں گی)۔ ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلہ سے تھا۔ جنہیں جنات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کی پیدائش ایسی آگ سے ہوئی ہے جس میں دھواں نہیں۔ اس کا نام حارث تھا اور یہ جنت کا خازن تھا۔ دیگر تمام فرشتے نور سے پیدا ہوئے۔ وہ جنات جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے آگ کے شعلوں سے پیدا ہوئے تھے جبکہ انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی۔ سب سے پہلے جنات زمین میں آباد ہوئے۔ دنگا فساد اور خون ریزی اور باہم جنگ وجدل کرتے رہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابلیس کی قیادت میں فرشتوں کی اس نسل (جنات) کا ایک لشکر بھیجا۔ ابلیس نے اپنے ہمراہیوں سمیت ان پر حملہ کیا اور انہیں مار مار کر سمندری جزیروں اور پہاڑوں کی طرف بھگا دیا۔ یہ کارنامہ انجام دینے سے ابلیس کے دل میں فخر پیدا ہوا۔ وہ کہنے لگا میں نے وہ کام کیا ہے جسے ابھی تک کسی نے نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کی یہ بات جان لی لیکن فرشتے اس بات سے لاعلم تھے حالانکہ وہ بھی اس کے ہمراہ تھے۔ چنانچہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان فرشتوں کو بتایا کہ میں زمین میں اپنا نائب پیدا کرنے والا ہوں تو وہ جواباً کہنے لگے کیا تو ایسے شخص کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو جنوں کی طرح اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ تو نے ہمیں بھی تو اسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی مجھے ابلیس کے دل کے غرور کا پتہ ہے حالانکہ تم نہیں جانتے۔ پھر آدم علیہ السلام کا خمیر اٹھایا گیا جو کہ ابتداء پاک لیس دار کیچڑ تھا۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا۔ آپ کا جسد خاکی چالیس روز اسی طرح پڑا رہا ابلیس آتا تھا اور اپنے پاؤں سے اس پر ٹھوکر لگاتا تو وہ بجنے لگتی اور اس میں آواز پیدا ہوتی۔ اسی کی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا۔ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (رحمٰن:14) ''بجنے والی مٹی سے ٹھیکری کی مانند''۔ یعنی جیسے کوئی کھوکھلی چیز ہو۔ وہ منہ سے داخل ہوتا اور

پیچھے کے سوراخ سے نکل جاتا۔ پیچھے سے داخل ہوتا (اور منہ کے راستے نکل جاتا۔ پھر کہتا کہ درحقیقت تیری کوئی حیثیت نہیں۔ اگر مجھے تم پر مسلط کیا گیا تو تمہیں ضرور ہلاک کردوں گا اور اگر تمہیں مجھ پر مسلط کیا گیا تو میں لازماً تیری حکم عدولی کروں گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس میں روح پھونکی وہ سر کی طرف سے نیچے کو آئی جسم کے جس حصے تک پہنچتی رہی گوشت اور خون بنتا گیا جب ناف تک پہنچی تو آپ اپنے جسم کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ فوراً اٹھنا چاہا لیکن اٹھ نہ سکے اسی کی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا ہے: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (انبیاء: 37) ''انسان کی سرشت میں ہی جلد بازی ہے'' بطور تنبیہ فرمایا کہ اسے رنج و خوشی کسی حالت میں بھی قرار نہیں۔ جب روح سارے جسم میں سرایت کرگئی تو آدم علیہ السلام کو چھینک آئی اور آپ علیہ السلام نے اللہ کے الہام سے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''یَرْحَمُكَ اللّٰهُ یَاٰدَمُ'' (اے آدم اللہ تم پر رحم فرمائے) پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابلیس کے ساتھی فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ آسمانوں کے فرشتوں کو یہ حکم نہ تھا۔ تو ان سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔ ماسوائے ابلیس کے اس نے انکار کیا اور تکبر کرنے لگا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں اسے سجدہ نہیں کروں گا۔ میں تو اس سے بہتر، عمر رسیدہ اور تخلیق کے اعتبار سے قوی اور مضبوط ہوں۔ مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔ آگ مٹی سے زیادہ طاقتور ہے۔ سجدہ سے انکار کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اسے ہر قسم کی خیر و برکت سے مایوس کردیا (اسی بنا پر اسے ابلیس کہا جاتا ہے) اور اس کی نافرمانی کی سزا کے طور پر اسے شیطان مردود اور راندۂ بارگاہ بنادیا۔ پھر آدم علیہ السلام کو تمام اسماء سکھائے۔ یہ وہ اسماء تھے جو اب لوگوں میں عام معروف ہیں۔ جیسے انسان، چوپائے، زمین، میدان، سمندر، پہاڑ، گدھا وغیرہ۔ پھر انہی اسماء کو ان فرشتوں کے سامنے پیش کیا جو ابلیس کے ساتھ تھے جنہیں آگ سے پیدا کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ یعنی مجھے ان اشیاء کے اسماء سے آگاہ کرو اگر تم یہ جانتے ہو کہ میں نے زمین میں خلیفہ نہیں بنایا۔ جب فرشتوں کو اپنی سابقہ بات پر اللہ تعالیٰ کی خفگی کا علم ہوا تو وہ کہنے لگے کہ خدایا تو پاک ہے تیرے سوا غیب کوئی نہیں جان سکتا۔ ہم توبہ کرتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ ہم غیب دان نہیں۔ ہم صرف وہی جان سکتے ہیں جو تو ہمیں بتائے جیسے تو نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم انہیں ان تمام چیزوں کے نام بتادو۔ چنانچہ انہوں نے بتادیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے فرشتو! کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ آسمان و زمین کے غیب کا جاننے والا صرف میں ہی ہوں اور کوئی نہیں میں وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپائے ہوئے ہو۔ یعنی ابلیس نے اپنے دل میں جو کبر اور غرور چھپا رکھا تھا میں اس سے بھی باخبر تھا۔ لیکن یہ قول بھی غریب ہے اور اس میں ایسی باتیں ہیں جن میں نظر ہے ان کو اگر تفصیل سے بیان کیا جائے تو مضمون طویل ہوجائے گا۔ اس کی سند حضرت ابن عباس تک وہی ہے جس سے ان کی مشہور تفسیر مروی ہے۔ سدی نے ابن عباس، ابن مسعود اور چند صحابہ کرام کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوق کی پیدائش سے فارغ ہوئے تو عرش بریں پر جلوہ فرمایا۔ ابلیس کو آسمان دنیا کا بادشاہ بنایا۔ یہ ان فرشتوں کے قبیلہ سے تھا جنہیں جن کہا جاتا ہے ان کو جنات اس لیے کہتے تھے کہ یہ جنت کے خازن تھے ابلیس بھی اپنی حکومت کے ساتھ ساتھ جنت کا خازن تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال گذرا کہ اللہ نے مجھے ہرگز یہ عطا نہیں فرمایا مگر اس لیے کہ مجھے ملائکہ پر امتیاز حاصل ہے۔ جب اس کے دل میں تکبر جاگزیں ہوا تو اللہ تعالیٰ اس پر آگاہ ہوگیا۔ چنانچہ فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کی اے باری تعالیٰ! وہ خلیفہ کون ہوگا۔ فرمایا زمین میں اس کی اولاد ہوگی۔ ایک دوسرے پر حسد کریں گے اور آپس میں قتل و غارت کریں گے۔ تو انہوں نے عرض کی اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا...... فرمایا: اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی ابلیس کے بارے میں مجھے علم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو مٹی لانے کیلئے زمین کی طرف بھیجا۔ تو زمین نے کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں کہ تو مجھ سے کچھ گھٹائے یا مجھے عیب دار کرے۔

چنانچہ وہ مٹی لیے بغیر واپس چلے گئے۔ اور عرض کی اے رب اس نے تیری پناہ طلب کی تو میں نے اسے پناہ دے دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میکائیل علیہ السلام کو بھیجا زمین نے ان سے بھی پناہ طلب کی تو انہوں نے پناہ دے دی۔ وہ بھی واپس چلے گئے اور بارگاہ الٰہی میں حضرت جبریل والی بات دہرادی۔ پھر ملک الموت کو بھیجا۔ اس نے ان سے بھی پناہ طلب کی۔ لیکن انہوں نے کہا میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ واپس چلا جاؤں اور اس کے امر کو بجا نہ لاؤں۔ چنانچہ انہوں نے تمام روئے زمین سے سرخ، سفید اور سیاہ مٹی لے کر اسے ملا دیا۔ اسی وجہ سے بنو آدم کی رنگت مختلف ہوتی ہے۔ وہ خالص مٹی لے کر گئے تھے پھر اس میں چکنا پن پیدا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا (اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ...... ''میں کیچڑ سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ پس جب میں اس کو سنوار دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی (طرف سے خاص) روح تو تم گر پڑنا اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے''۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا تاکہ ابلیس تکبر نہ کرے۔ آپ کا جسد مبارک چالیس سال تک مٹی کی حالت میں رہا۔ فرشتے اس کے پاس سے گذرتے اور اسے دیکھ کر مرعوب ہو جاتے۔ ابلیس سب سے زیادہ گھبرایا ہوا تھا۔ وہ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے ٹھوکر مارتا۔ تو اس میں اس طرح کی آواز پیدا ہوتی جیسے مٹی کے برتن میں ہوتی ہے۔ وہ کہتا تجھے کسی کام کے لئے بھی نہیں پیدا کیا گیا۔ اس کے منہ سے داخل ہو کر سرین کے راستے نکل جاتا اور فرشتوں سے کہتا اس سے مت ڈرو۔ تمہارا رب بے نیاز ہے اور یہ کھوکھلا ہے۔ اگر مجھے اس پر مسلط کیا گیا تو میں اسے ہلاک کر دوں گا۔ جب اس میں روح پھونکنے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ جب میں اس میں روح پھونکوں تو اسے سجدہ کرنا۔ جب اس میں روح پھونکی تو وہ سر کی جانب سے داخل ہوئی حضرت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی۔ ملائکہ نے کہا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' کہو۔ آدم علیہ السلام نے یہی فرمایا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواباً فرمایا ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' جب روح آنکھوں تک پہنچی تو جنت کے پھلوں کی طرف دیکھا۔ پھر جب پیٹ تک پہنچی تو کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ روح کے پاؤں تک پہنچنے سے پہلے ہی اٹھنا چاہا اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (انبیاء: 37) ''انسان کی سرشت میں ہی جلد بازی ہے''۔ ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور زمرۂ کفار میں شامل ہو گیا۔ اللہ نے اسے فرمایا کس چیز نے باز رکھا تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے۔ وہ (گستاخ) بولا میں اس سے بہتر ہوں میں مٹی سے پیدا ہونے والے بشر کو سجدہ نہیں کروں گا اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا۔ اس سے نکل جاؤ تمہیں تکبر نہیں کرنا چاہئے تھا۔ تم نکل جاؤ تم ذلیل ہو۔ ''صِغَارٌ'' کا معنی رسوائی اور ذلت ہے۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ...... (اعراف: 13۔ ص 75) یہ اسناد سدی کی تفسیر میں صحابہ کرام تک مشہور ہے۔ اس میں بہت سی اسرائیلیات ہیں۔ بعض مدرج ہیں صحابہ کرام کا کلام نہیں یا انہوں نے متقدمین کی کتب سے اخذ کیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔ حاکم نے اپنی مستدرک میں بعینہٖ اسی سند کے ساتھ بہت سی اشیاء ذکر کی ہیں اور کہتے ہیں یہ بخاری کی شرط پر ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ ابلیس اس خطاب میں داخل تھا۔ کیونکہ اگرچہ وہ ان کی جنس سے نہ تھا لیکن انہی جیسا اور ان جیسے افعال کرنے والا تھا۔ اس لیے ان کے خطاب میں شامل تھا۔ اور حکم الٰہی کی مخالفت کی بنا پر مذمت کا حقدار ٹھہرا۔ اس مسئلہ کی تفصیل ان شاء اللہ العزیز آگے آئے گی۔

''اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ'' محمد بن اسحٰق ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ نافرمانی اور حکم عدولی سے قبل وہ فرشتوں سے تھا اس کا نام عزازیل تھا۔ یہ زمین کا باشندہ تھا۔ اجتہاد اور علم میں تمام فرشتوں سے بڑھ کر تھا۔ یہی چیز اس کے غرور وتکبر کا باعث بنی۔ اس کا تعلق جنوں سے تھا۔ ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ ابلیس کا نام

عزازیل تھا۔ یہ چار پروں والے اشراف فرشتوں سے تھا۔ پھر مایوسی کی بنا پر ابلیس بنا۔ حضرت ابن جریج کی روایت میں ہے کہ یہ اشراف ملائکہ کے قبیلہ سے، جنت کا خازن، آسمان دنیا اور زمین کا سلطان تھا۔ حضرت ضحاک کی روایت میں بھی اسی طرح ہے۔ حضرت صالح کی روایت میں ہے کہ ملائکہ کا ایک قبیلہ جن کہلاتا ہے۔ ابلیس انہی سے تھا۔ قتادہ نے حضرت سعید بن مسیّب سے نقل کیا ہے کہ ابلیس آسمان دنیا کے فرشتوں کا سردار تھا۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ حضرت حسن کا قول ہے کہ ابلیس جنوں سے نہ تھا وہ جنوں کی اصل ہے۔ جس طرح آدم علیہ السلام تمام انسانوں کی اصل ہیں۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا یہی قول ہے۔ حضرت شہر بن حوشب سے مروی ہے کہ ابلیس ان جنات سے تھا جنہیں فرشتوں نے مار بھگایا تھا۔ فرشتے اسے گرفتار کر کے آسمان پر لے گئے (رواہ ابن جریر)۔ حضرت سعد بن مسعود کہتے ہیں فرشتے جنوں سے لڑائی کرتے تھے۔ ابلیس گرفتار ہو گیا۔ وہ کم سن تھا۔ ملائکہ کے ساتھ مل کر عبادت کرتا تھا۔ جب انہیں آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا۔ انہوں نے تو سجدہ کر لیا لیکن ابلیس نے انکار کر دیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اِلَّآ اِبۡلِیۡسَ ؕ کَانَ مِنَ الۡجِنِّ) ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک مخلوق کو پیدا فرمایا اور انہیں آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ نے ایک آگ بھیجی۔ اس نے انہیں جلا دیا۔ پھر ایک دوسری مخلوق کو پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ ان کے انکار وہ بھی جلا دیئے گئے۔ پھر تیسری مخلوق پیدا کی انہوں نے حکم الٰہی کی تعمیل کی۔ ابلیس سجدہ سے انکار کرنے والوں میں سے تھا۔ لیکن یہ اثر غریب ہے۔ اس کی اسناد بھی تقریباً غیر صحیح ہے۔ اس کا ایک راوی مبہم ہے اس وجہ سے یہ روایت قابل حجت نہیں۔ واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کافرین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے انکار کیا تو آگ نے انہیں جلا دیا۔ حضرت ابوالعالیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد نافرمان ہیں۔ سدی لکھتے ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی ابھی ولادت نہیں ہوئی تھی اور وہ بعد میں ہوں گے۔ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے کہ ابلیس کی آفرینش کفر وضلالت پر تھی۔ اس نے ملائکہ کے کام کیے لیکن انجام کار وہ اپنی اصلیت (کفر) پر واپس آ گیا۔ تو اللہ نے فرمایا: وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ، وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت تھی۔ اللہ رب العزت نے آدم علیہ السلام کو یہ اعزاز بخشا کہ فرشتوں نے بھی انہیں سجدہ کیا۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ سجدہ تحیۃ، سلام اور عزت وتکریم تھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا............ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا (یوسف:100)" اور (جب شاہی دربار میں پہنچے تو) آپ نے اوپر بٹھایا اپنے والدین کو تخت پر اور وہ گر پڑے آپ کے لئے سجدہ کرتے ہوئے اور (یہ منظر دیکھ کر) یوسف نے کہا اے میرے پدر بزرگوار! یہ تعبیر ہے میرے خواب کی جو عرصہ ہوا میں نے دیکھا تھا میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا"۔ سابقہ امتوں کیلئے سجدہ کرنا جائز تھا۔ لیکن ہمارے لئے یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا قول ہے میں شام گیا تو وہاں کے لوگوں کو اپنے اساقفہ اور علماء کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! (ﷺ) آپ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ (ﷺ) کو سجدہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں کسی انسان کو انسان کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت دینے والا ہوتا تو عورت کو اپنے خاوند کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا کیونکہ اس کا بہت بڑا حق ہے۔ امام رازی نے اسے ہی ترجیح دی ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ سجدہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہی تھا۔ اور آدم علیہ السلام بطور قبلہ تھے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (بنی اسرائیل:78)" نماز ادا کریں سورج ڈھلنے کے بعد" لیکن یہ بات محل نظر ہے۔ پہلے قول کا اولیٰ ہونا ہی زیادہ ظاہر معلوم ہوتا ہے۔ یہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے تکریم، عظمت، احترام اور سلام تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت تھی۔ کیونکہ درحقیقت اس کے حکم کی بجا آوری تھی۔ امام رازی نے اپنی تفسیر میں اسی

قول کو قوی قرار دیا ہے اور دیگر دونوں قولوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ان میں سے ایک قول آدم علیہ السلام کا بطور قبلہ ہونا کیونکہ اس میں کوئی شرف نہیں دوسرا قول یہ ہے کہ سجدے سے مراد عاجزی ہے نہ کہ جھکنا اور پیشانی کو زمین پر رکھنا اور یہ ضعیف ہے۔ حضرت قتادہ کا قول ہے کہ اللہ کے دشمن ابلیس نے آدم علیہ السلام کے مرتبہ کو دیکھ کر حسد کیا۔ اور کہنے لگا میں آگ سے ہوں اور یہ مٹی سے سب سے پہلا گناہ یہی تکبر ہے جو عدو الٰہی ابلیس سے سرزد ہوا۔ (میں کہتا ہوں) صحیح حدیث میں ہے کہ جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ ابلیس کے دل میں کبر (کفر) اور عناد تھا جو اس کے جناب رحمت اور حضرت قدس سے دھتکارے جانے کا سبب بنا۔ بعض کے نزدیک یہاں کان صار کے معنی میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ''پس وہ ہو گیا ڈوبنے والوں سے'' (ہود: 43)۔ اور فرمایا فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ''ورنہ ہو جاؤ گے اپنا حق تلف کرنے والوں سے'' (بقرہ: 34)۔ ایک شاعر کا قول ہے ۔

بِتَيْهَآءَ قَفْرٍ وَ الْمَطِيُّ كَاَنَّهَا قَطَا الْحَزْنِ قَدْ كَانَتْ فِرَاخًا بُيُوْضُهَا

اس شعر میں ''کانت'' صارت کے معنی میں ہے۔ ابن فورک کے نزدیک یہاں تقدیر کلام یوں ہے ''وَقَدْ كَانَ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ'' قرطبی نے اسے ہی ترجیح دی ہے۔ اور یہاں ایک مسئلہ ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں'' ہمارے علماء کا قول ہے کہ کسی غیر نبی سے اگر کچھ کرامات یا خوارق للعادت باتیں ظاہر ہوں تو یہ چیز اس کی ولایت کی دلیل نہیں ہوتی۔ اگرچہ بعض صوفیاء اور رافضی اس کے قائل ہیں۔ یہ قرطبی کے الفاظ ہیں پھر اپنے موقف کی تائید میں استدلال قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شخص جس سے خلاف عادت بات ظاہر ہوئی ہے ایمان کی حالت میں اللہ سے جا ملے۔ میں کہتا ہوں بعض علماء نے یہ دلیل دی ہے کہ خلاف عادت بات بعض اوقات غیر ولی بلکہ فاجر اور کافر سے بھی صادر ہو جاتی ہے۔ جس طرح کہ حضور ﷺ نے اپنے دل میں آیت کریمہ: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ (دخان: 10) چھپا کر ابن صیاد کافر سے پوچھا کہ میرے دل میں کیا ہے تو وہ کہنے لگا ''دخ'' یعنی دھواں۔ بعض روایات میں ہے کہ غصہ کے وقت وہ اتنا پھول جاتا تھا کہ اس کے جسم سے تمام راستہ بھر جاتا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اسے قتل کیا۔ اسی طرح احادیث میں یہ بات مذکور ہے کہ دجال لعین سے بہت سی عجیب وغریب باتیں ظاہر ہوں گی مثلاً آسمان سے بارش برسانا، زمین سے فصل اگانا، زمین کے خزانوں کا اس کے پیچھے چلنا، نوجوان کو قتل کر کے پھر اسے زندہ کرنا وغیرہ ہولناک باتیں جو اس سے سرزد ہوں گی۔ حضرت امام شافعی کا قول ہے کہ حضرت لیث بن سعد فرمایا کرتے تھے۔ ''جب تم آدمی کو پانی پر چلتے ہوئے یا ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھو تو دھوکہ میں نہ پڑو۔ جب تک اس کے معاملہ کو کتاب وسنت پر پیش نہ کر لو۔'' امام رازی اور دیگر علماء نے مفسرین کے ان دو اقوال کو ذکر کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا یہ حکم صرف زمین کے فرشتوں کو تھا یا آسمانوں اور زمین کے سب فرشتوں کیلئے تھا۔ دونوں اقوال کو ایک گروہ نے ترجیح دی ہے۔ آیت کریمہ کا ظاہر بھی اس حکم کے عموم کا متقاضی ہے۔ ان چار وجوہات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم عام تھا۔ واللہ اعلم۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۵ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝۳۶

''اور ہم نے فرمایا اے آدم! رہو تم اور تمھاری بیوی اس جنت میں اور دونوں کھاؤ اس سے جتنا چاہو جہاں سے چاہو اور مت

نزدیک جانا اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے اپنا حق تلف کرنے والوں سے۔ پھر پھسلا دیا انہیں شیطان نے اس درخت کے باعث اور نکلوا دیا ان دونوں کو وہاں سے جہاں وہ تھے اور ہم نے فرمایا اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور (اب) تمہارا زمین میں ٹھکانا ہے اور فائدہ اٹھانا ہے وقت مقرر تک"۔

آدم علیہ السلام پر انعام واکرام کا بیان بدستور جاری ہے بتایا جا رہا ہے کہ فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا ما سوائے ابلیس کے سبھی نے سجدہ کیا۔ انہیں کہا کہ جنت میں جہاں چاہیں رہیں۔ اور جو چاہیں تناول کریں۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا " ہاں نبی اور رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ بالمشافہ ان سے ہم کلام ہوتے تھے۔

اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ اس جنت کے بارے میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام قیام پذیر رہے تھے علماء کا اختلاف ہے کیا یہ آسمان میں ہے یا زمین میں۔ اکثر علماء کا قول پہلا ہے۔ قرطبی نے معتزلہ اور قدریہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ زمین میں ہے۔ اس کا بیان ان شاء اللہ سورۃ اعراف میں آئے گا۔ آیت کریمہ کے سیاق وسباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حوا کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کے جنت کے داخلے سے قبل ہو چکی تھی۔ اس کی تصریح محمد بن اسحٰق نے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں جب اللہ تعالیٰ ابلیس کو عتاب کرنے سے فارغ ہوئے تو آدم علیہ السلام کی طرف توجہ فرمائی اور انہیں تمام اشیاء کے اسماء سکھا دیئے۔ اور فرمایا: يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ سے لے کر (اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ) فرماتے ہیں پھر آدم علیہ السلام پر اونگھ طاری کی گئی۔ جیسا کہ اہل کتاب یہود وغیرہ علماء سے بروایت ابن عباس وغیرہ مروی ہے۔ اور آپ علیہ السلام کے بائیں پہلو سے ایک پسلی لی گئی اس کی جگہ گوشت بھر دیا گیا۔ اس دوران آدم علیہ السلام سوئے رہے حتیٰ کہ آپ کی اس پسلی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی زوجہ حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا۔ انہیں عورت بنایا تاکہ آپ آدم علیہ السلام کے لئے باعث تسکین ہوں۔ جب آپ کی اونگھ ختم ہوئی اور بیدار ہوئے تو انہیں اپنے پہلو میں پایا۔ اور بقول بعض فرمایا (واللہ اعلم) " میرا گوشت، میرا خون اور میری بیوی ہے"۔ چنانچہ انہیں دیکھ کر آپ علیہ السلام خوش ہوئے اور آپ کے دل میں محبت پیدا ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے آپ کا نکاح فرما دیا اور انہیں آپ علیہ السلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنایا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں جنت میں داخلے کا حکم عطا فرمایا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش آدم علیہ السلام کے جنت میں داخلے کے بعد ہوئی۔ جیسا کہ سدی نے ایک روایت میں ابن عباس، ابن مسعود اور چند دیگر صحابہ کرام سے نقل فرمایا ہے کہ ابلیس کو جنت سے نکالا گیا اور آدم علیہ السلام کو اس میں بسایا گیا۔ آپ علیہ السلام تن تنہا اس میں گھومتے پھرتے تھے۔ آپ کا کوئی ساتھی نہ تھا جو آپ کا مونس وغم خوار ہوتا۔ تا آنکہ آپ علیہ السلام سو گئے۔ جب آنکھ کھلی تو آپ کے سر کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا تو کون ہے؟۔ حضرت حوا علیہا السلام نے فرمایا میں ایک عورت ہوں۔ آپ نے فرمایا تمہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ حضرت حوا نے جواب دیا۔ تاکہ آپ مجھ سے تسکین حاصل کریں۔ فرشتے دیکھ رہے تھے انہوں نے پوچھا اے آدم ان کا نام کیا ہے؟ حضرت آدم نے فرمایا "حوا" انہوں نے پوچھا اس نام کی کیا وجہ ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کیونکہ یہ ایک زندہ چیز سے پیدا کی گئی ہیں۔ اس وقت آواز آئی يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ...... وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔ یہ اللہ کی طرف سے خبر اور آدم علیہ السلام کا امتحان تھا۔ اس درخت کی ماہیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ (1) سدی اپنی سند سے حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ وہ درخت جس سے حضرت آدم علیہ السلام کو روکا گیا تھا، انگور کی بیل تھی۔ سعید بن جبیر، سدی، شعبی، جعدۃ بن ہبیرہ، محمد بن قیس کی یہی رائے ہے سدی نے ابن عباس،

ابن مسعود اور بعض صحابہ کرام سے بھی یہی روایت کیا ہے۔ یہود کا خیال ہے کہ یہ گندم کا پودا تھا۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ سنبلہ (خوشبودار گھاس) کا پودا تھا۔ (2) عبدالرزاق نے بھی حضرت ابن عباس سے یہی روایت فرمایا ہے محمد بن اسحٰق نے بھی یہی روایت کیا ہے۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابوالجلد کی طرف لکھا کہ وہ درخت کون سا ہے جس سے حضرت آدم علیہ السلام نے تناول فرمایا تھا۔ اسی طرح وہ درخت کون سا ہے جس کے پاس حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ فرمائی تھی۔ انہوں نے جواباً لکھا کہ وہ درخت جس کے کھانے سے آپ کو منع فرمایا گیا تھا سنبل کا تھا اور جس کے پاس آپ علیہ السلام نے توبہ فرمائی تھی زیتون کا تھا۔ حضرات حسن بصری، وھب بن منبہ، عطیہ عوفی، ابو مالک، محارب بن دثار اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا یہی قول ہے۔ محمد بن اسحٰق نے بعض اہل یمن کے حوالے سے حضرت وھب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ یہ گندم کا پودا تھا لیکن جنت میں اس کا دانہ ، جھاگ سے نرم اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ سفیان ثوری نے روایت کیا ہے کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔ ابن جریر نے حضرت مجاہد سے نقل فرمایا ہے کہ یہ انجیر کا درخت ہے۔ قتادہ اور ابن جریج کا بھی یہی قول ہے۔ ابوجعفر رازی نے حضرت ابوالعالیہ سے نقل فرمایا ہے کہ وہ درخت جس کے کھانے سے روکا گیا تھا حدث (انسانی ضرورت) کا باعث ہوتا تھا اور جنت میں حدث کا وجود نہیں۔ حضرت عبدالرزاق اپنی سند میں روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت وہب بن منبہ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ کو جنت میں آباد فرمایا اور اس درخت کے قریب جانے سے روکا۔ اس درخت کی شاخیں ایک دوسرے سے جھنڈ بنائے ہوئے تھیں۔ اس کا پھل فرشتے کھاتے تھے تاکہ ہمیشہ رہیں۔ اور اس کے کھانے سے آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ کو منع کیا گیا تھا۔ اس درخت کی تفسیر میں یہ چھ اقوال ہیں۔ علامہ امام ابوجعفر بن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صحیح یہ ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے جنت کے کسی مخصوص درخت کے قریب جانے سے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی اہلیہ کو منع فرمایا تھا۔ کیونکہ اللہ جل جلالہ نے قرآن اور سنت صحیحہ میں اس کی طرف اشارہ نہیں فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ گندم کا پودا تھا۔ دوسرا قول ہے کہ انگور کی بیل تھی ایک تیسرا قول یہ ہے کہ یہ انجیر کا درخت تھا۔ ممکن ہے کہ ان میں سے ہی کوئی ایک درخت ہو۔ لیکن اس کا علم ہو جانے سے کوئی اہم فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور اس کی تعیین نہ کر سکنے کی صورت میں کوئی نقصان بھی نہیں۔ واللہ اعلم (1) امام رازی وغیرہ نے بھی اسے ہی ترجیح دی ہے اور یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے (2) فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا یہ بھی ممکن ہے کہ عنہا کی ضمیر جنت کی طرف لوٹ رہی ہو۔ اس صورت میں کلام کا معنی ہوگا فَاَزَالَهُمَا یعنی ان دونوں کو جنت سے علیحدہ کر دیا۔ عاصم کی قرأت یہی ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس کا مرجع قریب ترین چیز ہو اور وہ درخت ہے۔ اس صورت میں کلام کا مفہوم اس طرح ہوگا جیسے حسن اور قتادہ کا قول ہے۔ فَاَزَلَّهُمَا مِنْ قَبِيْلِ الزَّلَلِ یعنی اسی درخت کے سبب شیطان نے ان کو بہلا پھسلا لیا۔ لفظ عن سبب کے معنی میں بھی آیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ" (الذاریات:9) "منہ پھیرے ہے اس قرآن سے جس کا منہ ازل سے پھیر دیا گیا ہے"۔ (اَيْ يَصْرِفُ بِسَبَبِهٖ مَنْ هُوَ مَاْفُوْكٌ) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ یعنی لباس، کشادہ جگہ، نفیس رزق اور راحت و آرام سب کچھ چھن گئے۔ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا ..... مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ یعنی یہاں رہنا، روزی حاصل کرنا وغیرہ ایک خاص وقت اور معین مقدار تک ہے۔ اس کے بعد قیامت آجائے گی۔ مفسرین سدی، ابوالعالیہ، وہب بن منبہ وغیرہ نے یہاں اسرائیلی روایات ذکر فرمائی ہیں۔ جیسے سانپ اور ابلیس کا قصہ۔ ابلیس کیسے جنت میں داخل ہوا اور آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ ہم اس واقعہ کو بالتفصیل سورۂ اعراف میں بیان کریں گے۔ وہاں اس واقعہ کا کسی قدر تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ واللہ الموفق۔

ابن ابی حاتم نے یہاں ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو طویل القامت پیدا فرمایا۔ آپ کے سر پر کھجور کی طرح گھنے بال تھے۔ جب آپ نے اس درخت کو چکھا تو آپ کا لباس اتر گیا۔ جب ستر باقی نہ رہا تو جنت میں ادھرادھر دوڑنے لگے۔ ایک درخت میں آپ کے بال اٹک گئے۔ اور آپ اس کے ساتھ الجھ کر رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی اے آدم کیا مجھ سے بھاگتے ہو؟ عرض کیا نہیں۔ بارالہا! میں تو شرم اور استحیاء کی وجہ سے منہ چھپائے ہوئے ہوں۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! میرے جوارِ قدس سے چلے جاؤ میری عزت کی قسم، اس میں میرے نافرمان نہیں رہ سکتے۔ اگر میں زمین بھر مخلوق پیدا کروں اور وہ میری نافرمانی کریں تو یقیناً میں انہیں نافرمانوں کے گھر پہنچادوں گا۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس میں قتادہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کے مابین انقطاع بلکہ اعضال ہے۔ حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام عصر سے مغرب تک کا وقت جنت میں رہے۔ پھر لکھتے ہیں یہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے لیکن انہوں نے اسے بیان نہیں کیا۔ عبد بن حمید اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں دن کی ایک ساعت بھر رہے یہ ساعت دنیا کے حساب سے ایک سو تیس سال کے برابر تھی۔ ابو جعفر رازی نے ربیع بن انس سے نقل کیا ہے کہ نویں یا دسویں ساعت میں حضرت آدم علیہ السلام کا اخراج ہوا۔ آپ اپنے ساتھ جنت کے درخت کی ایک ٹہنی لائے۔ جنت کے پتوں کا ایک تاج تھا۔

اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا سدی کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہند میں اترے۔ آپ کے پاس حجر اسود اور مٹھی بھر جنت کے پتے تھے۔ وہ سب ہندوستان میں پھیلا دیئے۔ اس سے خوشبو کا درخت پیدا ہوا ہندوستان سے درآمد شدہ خوشبو کی اصل وہی درخت تھے جو جنت کے پتوں سے پیدا ہوئے۔ جنت سے نکلتے وقت از راہ حسرت اپنے ساتھ مٹھی بھر پتے لے لیے تھے۔ عمران بن عُیینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم ہند کے مقام دحنا میں اترے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو مکہ اور طائف کے درمیان دحنا کے مقام پر اتارا گیا۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ حضرت آدم کو ہند میں اور حضرت حوا کو جدہ میں ابلیس کو بصرہ سے چند میل کے فاصلہ پر دستمیسان میں اور سانپ کو اصفہان میں اتارا گیا۔ (بروایت ابن ابی حاتم) ایک دوسری روایت ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم کو صفا پر حضرت حواء کو مروہ پر اتارا گیا۔ رجاء بن سلمہ کا قول ہے کہ اترتے وقت آدم علیہ السلام کے ہاتھ گھٹنوں پر تھے اور سر جھکا ہوا تھا۔ ابلیس انگلیوں میں انگلیاں ڈالے آسمان کی طرف نظریں اٹھائے ہوئے تھا۔ حافظ عبد الرزاق نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا تو ہر چیز سکھائی۔ اور جنت کے کچھ پھل دیئے تمہارے یہ پھل جنت کے پھلوں سے مشابہ ہیں مگر یہ تبدیل ہو جاتے ہیں اور وہ تبدیل نہیں ہوتے۔ زہری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین دن جمعہ کا ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی دن جنت میں داخل ہوئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے(1)۔ (بروایت مسلم ونسائی) امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کئی اعتبار سے ہر قسم کے گناہوں پر شدید وعید ہے۔ ذرا خیال فرمایئے معمولی سی لغزش پر آدم علیہ السلام کو کس قدر سزا ہوئی۔ حالانکہ آپ گناہوں سے شدید ڈرتے تھے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

یَا نَاظِرًا یَرْنُوْ بِعَیْنَیْ رَاقِدٍ وَ مُشَاهِدًا لِلْاَمْرِ غَیْرِ مُشَاهِدٍ

1۔ مسلم: 585 (کتاب الجمعہ)

تَصِلُ الذُّنُوْبَ اِلَى الذُّنُوْبِ وَ تَرْتَجِيْ دَرَجَ الْجِنَانِ وَ نَيْلَ فَوْزِ الْعَابِدِ
اَنَسِيْتَ رَبَّكَ حِيْنَ اَخْرَجَ اٰدَمًا مِنْهَا اِلَى الدُّنْيَا بِذَنْبٍ وَّاحِدِ

''اے ناظر! تم گناہوں پر گناہ کیے جاتے ہو اور جنت کی امید اور عابد وزاہد کا مقام حاصل کرنا چاہتے ہو۔ کیا تم بھول گئے ہو کہ آدم علیہ السلام کو محض ایک گناہ کے سبب جنت سے نکال دیا گیا تھا۔ ابن قاسم کا قول ہے۔

وَلٰكِنَّنَا سَبْيُ الْعَدُوِّ فَهَلْ تَرٰى نَعُوْدُ اِلٰى اَوْطَانِنَا وَ نُسَلِّمُ

ہم تو یہاں دشمن کی قید میں ہیں۔ دیکھئے کب سلامتی کے ساتھ اپنے وطن پہنچیں۔ رازی نے فتح موصلی سے روایت کیا ہے کہ ہم جنتی تھے ابلیس کی قید میں دنیا میں آپڑے اب ہمارے لیے سوائے رنج وغم کے کچھ نہیں یہاں تک کہ ہم اپنے اصلی گھر پہنچ جائیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ آدم کی جنت آسمان میں تھی۔ جیسے جمہور علماء کا قول ہے۔ تو ابلیس کا داخلہ اس میں کس طرح ممکن ہوا حالانکہ وہ تو وہاں سے دھتکارا جا چکا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ علماء جو اس بات کے قائل ہیں کہ وہ جنت جس میں آدم علیہ السلام رہتے تھے زمین میں تھی نہ کہ آسمان میں، انہوں نے بعینہ یہی استدلال ذکر کیا ہے۔ اس کی وضاحت ہم نے اپنی کتاب البدایۃ والنہایۃ کے شروع میں کر دی ہے۔ جمہور نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ بطور تکریم جنت میں اس کا داخلہ بند تھا چوری چھپے اور اہانت کے ساتھ ممتنع نہیں تھا۔ اسی لیے بعض علماء نے ذکر کیا ہے جیسے تورات میں آیا ہے کہ وہ سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں داخل ہوا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے جنت کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر وسوسہ ڈالا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس نے زمین سے ہی ان کے دل میں وسوسہ ڈالا حالانکہ وہ آسمان میں تھے۔ زمخشری وغیرہ نے یہی ذکر کیا ہے۔ قرطبی نے یہاں سانپ کے بارے اور اسے قتل کر دینے کے حکم کے بارے میں احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ جو برموقع بہت ہی مفید ہیں۔

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۳۷

''پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے چند کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا''۔

کہا جاتا ہے کہ ان کلمات کا ذکر خود قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اعراف:23) ''دونوں نے عرض کی اے ہمارے پروردگار! ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور اگر نہ بخشش فرمائے تو ہمارے لیے اور نہ رحم فرمائے ہم پر تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے''۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، ابو العالیہ، ربیع بن انس، حسن، قتادہ، محمد بن کعب قرظی، خالد بن معدان، عطاء خراسانی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے یہی مروی ہے ابواسحٰق سبیعی نے بنوتمیم کے ایک آدمی سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور ان کلمات کے بارے میں پوچھا جو حضرت آدم کو سکھائے گئے تھے تو آپ نے فرمایا اس سے مراد احکام حج کا سیکھنا ہے۔ حضرت سفیان ثوری نے عبید بن عمیر سے نقل فرمایا ہے۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا اے رب جو خطا میں نے کی تھی میری پیدائش سے قبل میری تقدیر میں لکھ دی گئی تھی یا از خود میں نے یہ غلطی کی۔ جواب ملا کہ ایجاد نہیں کی بلکہ پہلے سے ہی قسمت میں لکھ لی گئی تھی۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا اے رب! جس طرح تو نے میرے حق میں یہ بات لکھ دی تھی۔ اسی طرح مجھے معاف بھی فرما دے۔ اور کلمات سے مراد یہی ہے۔ سدی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی اے رب کیا تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا نہیں کیا؟ فرمایا کیوں نہیں۔ عرض کی کیا تو نے مجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی فرمایا۔ بالکل اسی طرح ہے۔ عرض کی اگر میں توبہ کرلوں تو مجھے دوبارہ جنت میں داخلہ مل جائے گا۔ فرمایا ہاں۔ عوفی، سعید بن جبیر اور سعید بن معبد نے حضرت ابن عباس سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں ابن عباس سے اسی طرح روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے شیخین نے اسے روایت نہیں کیا۔ سدی، عطیہ عوفی نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ ابن ابی حاتم نے اس کے مشابہ حدیث ذکر فرمائی ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے' حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی خدایا! اگر میں توبہ کرلوں تو مجھے جنت مل سکتی ہے یا نہیں فرمایا ہاں۔ اور فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ سے مراد یہی ہے۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے اور اس میں انقطاع ہے۔ ابو جعفر رازی نے حضرت ابو العالیہ سے روایت کیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو آپ نے عرض کی اے رب اگر میں توبہ کروں اور اصلاح کرلوں تو؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' تب تو تمہیں جنت ملے گی۔'' یہی وہ کلمات ہیں (رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا......) بھی ان کلمات سے ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے تھے وہ کلمات یہ ہیں۔

(اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَ بِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّكَ خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَ بِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ ، اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَ بِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّاحِیْمُ)

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ جو شخص توبہ کرے اور اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی توبہ قبول فرمانے والا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ '' کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ (تعالیٰ) ہی توبہ قبول فرماتا ہے اپنے بندوں سے''۔ (توبہ: 104) ایک اور جگہ فرمایا: وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ...... (نساء:110) '' اور جو شخص کر بیٹھے برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر''۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا (الفرقان:71) '' اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے''۔ وغیرہ آیات جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ یہ اس کا اپنے بندوں پر خصوصی فضل و کرم اور مخلوق پر عمومی لطف و احسان ہے (لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ)۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا ۚ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

'' ہم نے حکم دیا اتر جاؤ اس جنت سے سب کے سب پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے (پیغام) ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو (تو) وہ دوزخی ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

جنت سے نکالتے ہوئے حضرت آدم، آپ کی زوجہ اور ابلیس کو جو تنبیہ کی گئی تھی اس کا بیان ہو رہا ہے۔ اس سے مراد ذریت آدم ہے کہ ان پر کتابیں نازل ہوں گی، انبیاء اور رسول مبعوث ہوں گے۔ ابو العالیہ کا قول ہے "هُدًى" سے مراد انبیاء، مرسلین، معجزات اور دلائل ہیں۔ مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ هدی سے مراد سرکار رسالت مآب ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ حسن کا قول ہے هدی سے مراد قرآن

ہے۔ یہ دونوں قول صحیح ہیں ابوالعالیہ کا قول عام ہے۔

فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ یعنی جو میری نازل کردہ کتابوں اور رسولوں پر ایمان لایا۔ (فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ) آخرت میں انہیں کوئی اندیشہ نہ ہوگا۔ (وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ) دنیا کے سابقہ معاملات پر غم زدہ نہ ہوں گے۔ جیسے سورۃ طٰہٰ میں فرمایا: قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِیْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰى (طٰہٰ:123) ''حکم ملا دونوں اتر جاؤ یہاں سے اکٹھے، تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے۔ پس اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو وہ نہ بھٹکے گا اور نہ بدنصیب ہوگا''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ دنیا میں گمراہ نہ ہوں گے اور آخرت میں بدنصیب اور بدبخت نہیں ہوں گے۔ ارشاد فرمایا: وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى ''اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کے لئے زندگی (کے جامہ) کو تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا کر کے'' (طٰہٰ:124)۔ اسی طرح یہاں ارشاد فرمایا: وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ ...... یعنی وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے نہ تو اس سے نکل سکیں گے نہ ہی کوئی اور پناہ لے سکیں گے۔ ابن جریر نے یہاں دو سندوں سے ایک حدیث ذکر فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''حقیقی دوزخی لوگوں کو نہ موت آئے گی اور نہ وہ (آرام کی) زندگی گذاریں گے۔ لیکن وہ اقوام جو اپنے گناہوں کے سبب دخول فی النار کے مستحق ہو جائیں گی وہ آگ میں جل کر کوئلہ ہو جائیں گی۔ پھر شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔ (مسلم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے)۔ دوسری مرتبہ جو جنت سے نکالے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے معنی کے برعکس اس کا تعلق مابعد کے ساتھ ہے یہ اس لیے کہ یہاں دوسرے احکام بیان کرنا تھے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ تکرار تاکید کے لئے ہے جیسے کہتے ہیں (قُمْ قُمْ)۔ بعض دوسرے علماء کا قول ہے کہ پہلی مرتبہ جنت سے آسمان دنیا پر اور دوسری مرتبہ آسمان دنیا سے زمین پر اتارا گیا۔ لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔ واللہ اعلم

یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْۤا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۪ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۫ وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

''اے اولاد یعقوب! یاد کرو میرا وہ احسان جو کیا میں نے تم پر اور پورا کرو تم میرے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو میں پورا کروں گا تمہارے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو اور صرف مجھی سے ڈرا کرو اور ایمان لاؤ اس (کتاب) پر جو نازل کی ہے میں نے یہ سچا ثابت کرنیوالی ہے اس کو جو تمہارے پاس ہے اور نہ بن جاؤ تم سب سے پہلے انکار کرنیوالے اسکے۔ اور نہ خریدو تم میری آیتوں کے عوض تھوڑی سی قیمت اور صرف مجھی سے ڈرا کرو''۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ بنواسرائیل کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے اور حضور نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ واتم التسلیم کی اتباع کرنے کا حکم ارشاد فرما رہا ہے اور ان کے جد امجد اللہ کے برگزیدہ نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے انہیں سمجھا رہا ہے۔ اسرائیل ان کا نام تھا۔ کلام کا مفہوم اس طرح ہو سکتا ہے اے اللہ کے فرمانبردار صالح بندے کی اولاد اپنے باپ کی طرح حق کی اتباع کرو۔ یہ اسلوب عام ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں ''اے سخی کے فرزند ایسے کرو۔ یا اے بہادر کے بیٹے بہادروں کا سامنا کرو۔ اور داد شجاعت دو۔ یا اے عالم دین کے بیٹے علم میں کمال پیدا کرو۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں۔ دوسری جگہ اس طرز کلام کو یوں ادا کیا گیا ہے: ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ

نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا (بنی اسرائیل:3) ''اے ان لوگوں کی اولاد! جنہیں ہم نے (کشتی میں) سوار کرایا نوح کے ساتھ'' اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب ہیں جیسے کہ ابوداؤد طیالسی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہود کی ایک جماعت سے حضور ﷺ نے دریافت کیا۔ کیا تم جانتے ہو کہ اسرائیل حضرت یعقوب کا نام تھا۔ انہوں نے عرض کی جی ہاں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہنا۔ رجاء بن عمیر مولی ابن عباس کی روایت میں ہے اسرائیل کے لفظی معنی عبداللہ ہیں۔ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ مجاہد کا قول ہے نعمت سے مراد وہ انعامات ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے نیز اس کے علاوہ دیگر نعمتیں جیسے پتھر سے پانی کا چشمہ جاری ہونا، من وسلویٰ کا اترنا، آل فرعون کی غلامی سے نجات وغیرہ جن کا ذکر اس آیت میں نہیں ہے۔ حضرت ابوالعالیہ کا قول ہے کہ 'نعمۃ' سے مراد یہ ہے کہ ان میں انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے یا ان پر کتابیں نازل فرمائیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا: يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (مائدہ:20) ''اے میری قوم! یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہوا جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں حکمران اور عطا فرمایا تمہیں جو نہیں عطا فرمایا تھا کسی کو سارے جہانوں میں''، یعنی ان کے زمانے میں۔ محمد بن اسحٰق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نعمت سے مراد ابتلاء و آزمائش ہے یعنی قوم فرعون کے ظلم واستبداد سے انہیں نجات بخشی۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وہ وعدہ جو میں نے حضور ﷺ کے بارے میں تم سے لیا تھا کہ جب وہ آئیں تو ان کی تصدیق کرنا تم اپنا وعدہ پورا کرو میں تمہارے گناہوں کو معاف کرنے کا وعدہ پورا کروں گا۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ اس عہد کا ذکر اس آیت کریمہ میں آیا ہے: وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ...... (مائدہ:12) ''اور یقیناً لیا تھا اللہ نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے مقرر کیے ان میں سے بارہ سردار اور فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز اور دیتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لائے میرے رسولوں پر اور مدد کرتے رہے ان کی اور قرض دیتے رہے اللہ کو قرض حسن تو میں ضرور دور کردوں گا تم سے تمہارے گناہ اور میں داخل کروں گا تمہیں باغات میں''، بعض دیگر علماء کا قول ہے کہ یہ وہ عہد ہے جس کا ذکر تورات میں ہے کہ بنو اسماعیل میں ایک عظیم الشان نبی مبعوث ہوگا تمام دنیا اس کا دم بھرے گی۔ اور اس سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ جو آپ کی اتباع کرے گا۔ اللہ اس کے گناہ معاف فرمادے گا اور اسے جنت میں داخلہ دیا جائے گا۔ اور دوہرا اجر ملے گا۔ رازی نے بہت سی بشارتوں کا ذکر فرمایا ہے جو سابقہ انبیاء نے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بارے میں فرمائی تھیں۔ حضرت ابوالعالیہ کا قول ہے کہ بندوں سے عہد سے مراد دین اسلام اور اس کی اتباع ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عہد پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ میں تم سے راضی ہوجاؤں گا اور تمہارے لیے جنت ہے۔ سدی، ضحاک، ابوالعالیہ اور ربیع بن انس کا یہی قول ہے۔

وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ مجھ سے ڈرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے آباؤ اجداد کی طرح تم پر بھی میرا سخت عذاب آجائے تمہاری شکلیں بگاڑ دی جائیں اور دیگر طرح طرح کی سزائیں جو ان پر نازل کی گئی تھیں جنہیں تم اچھی طرح جانتے ہو۔ یہاں ترغیب سے ترہیب کی طرف آرہے ہیں۔ ترغیب وترہیب دونوں طریقوں سے انہیں دعوت دی۔ شاید وہ حق کو قبول کرلیں۔ رسول اکرم ﷺ کی اتباع کریں۔ قرآن کریم سے نصیحت حاصل کریں۔ اس کے اوامر ونواہی کو بجالائیں اور اس میں بیان کردہ واقعات کی تصدیق کریں (وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ) (ہدایت صرف اللہ کی طرف سے ہے)۔(وَاٰمِنُوْا ......) اسی لیے فرمایا کہ تم یہی کتاب قرآن کریم پر ایمان لاؤ جو محمد ﷺ پر اترا ہے۔ آپ ﷺ امی نبی ہیں۔ عربی النسل ہیں۔ بشیر ونذیر ہیں، سراج منیر کا تاج آپ ﷺ کے سر پر سجایا گیا ہے۔ آپ ﷺ تورات اور انجیل کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ حضرت ابوالعالیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ اے گروہ اہل کتاب! میری نازل کردہ کتاب ہدایت پر ایمان لاؤ۔ چونکہ سابقہ کتب سماویہ تورات اور انجیل میں حضور ﷺ کا ذکر مبارک موجود ہے۔ یہی ان کی تصدیق ہے۔ مجاہد، ربیع بن انس اور قتادہ سے یہی مروی ہے۔ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ بعض علماء کا قول ہے کہ تم اس کا انکار کرنے والا پہلا فریق نہ بنو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے باوجودیکہ تمہیں علم ہے پھر تم ہی سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو۔ حضرت ابوالعالیہ کا قول ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کا علم ہونے کے بعد سب سے پہلے تم ہی اس کا انکار نہ کرو۔ حسن، سدی اور ربیع بن انس کا یہی قول ہے۔ ابن جریر نے پسند کیا ہے کہ "بِهٖ" کی ضمیر کا مرجع قرآن کریم ہے کیونکہ بِمَآ اَنْزَلْتُ میں پہلے اس کا ذکر آچکا ہے۔ دونوں قول صحیح ہیں اور ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں۔

اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ سے مراد بنی اسرائیل میں پہلے انکار کرنے والے ہیں۔ کیونکہ کفار قریش اور دیگر بہت سے عرب اس سے پہلے آپ کا انکار کر چکے تھے۔ بنی اسرائیل میں ان کے پہلا کافر ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہود مدینہ کو ہی سب سے پہلے قرآن کریم نے مخاطب فرمایا تو اب ان کا انکار بنی اسرائیل (اہل کتاب) کی پہلی جماعت کا انکار تھا۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ...... فرمایا میری آیات پر ایمان لانے اور میرے رسول کی تصدیق کے بدلے دنیا کا سودا نہ کرو۔ بلاشبہ یہ معاوضہ انتہائی قلیل اور فانی ہے۔ جیسے عبداللہ بن مبارک نے حضرت حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ قلیل قیمت سے مراد ساری دنیا ہے۔ ابن لہیعہ کا قول ہے کہ آیات سے مراد قرآن کریم اور ثمن قلیل سے مراد دنیا اور اس کی شہوات وخواہشات ہیں۔ سدی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں تھوڑا لالچ نہ کرو اور اللہ کے نام کو نہ چھپاؤ۔ یہ طمع (لالچ) ہی ثمن ہے۔ حضرت ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ اس پر اجرنہ لو۔ ان کی کتاب میں یہ لکھا ہوا کہ اے ابن آدم بلا معاوضہ علم سکھاؤ جیسے تمہیں مفت میں علم کی دولت عطا کی گئی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ تم علم کے خزانوں پر سانپ بن کر نہ بیٹھ جاؤ اور اس کی نشرواشاعت سے کنارہ کشی نہ کرو اس غرض سے کہ اس پُرفریب حقیر اور عارضی دنیا میں تمہاری علمی سیادت کا سکہ جما رہے۔ سنن ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "جو شخص اس علم کو سیکھے جس سے خدا کی رضامندی حاصل ہوتی ہے اور وہ اسے حصول دنیا کے لئے سیکھتا ہے۔ تو وہ قیامت کے دن جنت کی ہوا بھی نہ سونگھ سکے گا" (1)۔ اجرت پیشگی متعین کر کے لینا جائز نہیں۔ لیکن بیت المال سے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورت کے مطابق لینا جائز ہے۔ اگر بیت المال سے کچھ نہ ملتا ہو اور تعلیم تدریس میں مشغول ہونے کے سبب کوئی کاروبار نہ کر سکتا ہو تو پھر اجرت مقرر کر کے بھی لینا جائز ہے۔ امام مالک، شافعی، احمد اور جمہور علماء کی یہی رائے ہے۔ جیسے کہ صحیح بخاری میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سانپ کے ڈسے ہوئے شخص کا واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے دم کر کے اجرت لی۔ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جن چیزوں پر تم اجرت لو ان میں سب سے زیادہ حق دار کتاب اللہ ہے" (2)۔ قصہ مخطوبہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے اسے تیری زوجیت میں دیا (اس مہر کے بدلے) کہ جو قرآن تجھے یاد ہے (3) (تو اسے سکھا دے) لیکن حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اہل صفہ میں سے کسی صحابی کو قرآن سکھایا۔ انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو ایک کمان بطور ہدیہ دی۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب العلم 323/3 2۔ فتح الباری، کتاب الاجارۃ 452/4 3۔ فتح الباری، کتاب فضائل القرآن 74/9

مسئلہ پوچھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا' اگر تجھے یہ پسند ہے کہ تجھے آگ کی کمان کا طوق پہنایا جائے تو اسے قبول کر لے۔'' چنانچہ انہوں نے وہ واپس کر دی (1) (بروایت ابوداؤد) اسی کے مثل حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً مروی ہے۔ اگر اس کی سند صحیح تسلیم کر لی جائے تو بہت سے علماء (ابوعمر بن عبدالبر ان میں شامل ہیں) نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ جب اس نے خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے سکھایا تھا تو پھر ہدیہ لے کر اپنے ثواب کو کھونے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن اگر ابتداءً ہی اجرت پر پڑھایا تھا تو جائز ہے جیسے سانپ کے کاٹے والے شخص اور حضرت سہل والی دونوں روایات میں بیان ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ابن ابی حاتم نے حضرت طلق بن حبیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ تو اللہ کے نور سے اس کی اطاعت کا دم بھرتا رہے اور رحمت کا امیدوار رہے اور اللہ کے نور سے معصیت کو ترک کر دے اور عذاب الٰہی سے ڈرتا رہے۔ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ اس بات پر وعید فرما رہے ہیں کہ کہیں وہ دانستہ حق کو چھپا نہ لیں اس کے برعکس اعلان کریں اور رسول کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی مخالفت نہ کرتے رہیں۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

''اور مت ملایا کرو حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم (اسے) جانتے ہو اور صحیح ادا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ''۔

یہود کی اس بدخصلت سے جو وہ حق کو باطل کے ساتھ ملا دیا کرتے تھے منع کیا جا رہا ہے۔ وہ کبھی تو حق کو چھپاتے کبھی اس میں تاویلیں کرتے اور کبھی باطل کو ظاہر کرتے تھے۔ اس لیے حضرت ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا یہ مفہوم نقل کیا ہے کہ حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو۔ اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف صلوات وتسلیمات کے افراد سے خیر خواہی کرو۔ سعید بن جبیر اور ربیع بن انس سے یہی مروی ہے۔ حضرت قتادہ کا قول ہے کہ یہودیت اور نصرانیت کو اسلام کے ساتھ نہ ملاؤ حالانکہ تمہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اسلام بلاشبہ اللہ کا دین ہے۔ یہودیت اور عیسائیت دین اللہ نہیں بلکہ بدعت ہیں۔ حضرت حسن بصری سے بھی اسی طرح مروی ہے حضرت محمد بن اسحٰق رحمتہ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔'' میرے رسول ﷺ اور آپ کی کتاب کے متعلق جو معلومات تمہارے پاس ہیں کو چھپانے کی کوشش نہ کرو حالانکہ تمہاری کتابوں کے صفحات ان کے ذکر سے مزین ہیں۔ حضرت ابوالعالیہ سے ایک یہ روایت بھی منقول ہے۔ مجاہد، قتادہ، سدی اور ربیع بن انس کے نزدیک اس سے مراد سرکار رسالت مآب ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ صیغہ ''تَكْتُمُوْا'' مجزوم بھی ہو سکتا ہے اور منصوب بھی یعنی تم ان دونوں اشیاء (حق و باطل) کی آمیزش نہ کرو۔ اسی طرح اہل عرب کا ایک محاورہ ہے ''لَا تَاْكُلِ السَّمَكَ وَ تَشْرَبَ اللَّبَنَ'' مچھلی اور دودھ کو جمع نہ کرو۔ زمخشری نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نسخہ میں ''تَكْتُمُوا الْحَقَّ'' کو حال قرار دیا ہے۔ اور ''وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'' بھی حال ہے۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ حق کو جانتے ہوئے ایسی حرکت نہ کرو۔ یا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ جو باطل کو حق کے ساتھ خلط ملط کرنے کے راستے پر چل پڑے ہو تمہیں علم ہے کہ یہ چیز لوگوں کو گمراہ کر دے گی اور نتیجۃً وہ عذاب جہنم کے مستحق قرار پائیں گے۔ بیان کا معنی واضح کرنا اور اس کے برعکس کتمان (پوشیدہ رکھنا) اور حق کو باطل کے ساتھ ملا دینا ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ...... مقاتل کہتے ہیں کہ اہل کتاب کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ مل کر نماز ادا کرو۔ اور آپ ﷺ کو

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاجارة 264/3

اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرو۔ اور امت محمدیہ کے ساتھ رکوع وسجود میں شامل رہا کرو اور انہی سے ہو جاؤ۔ حضرت علی بن طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لفظ زکوٰۃ سے مراد یہاں طاعت الٰہی اور اخلاص ہے۔ حضرت وکیع نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو چیز نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے اس کی زکوٰۃ ادا کرو یعنی دوسو درہم یا اس سے زیادہ۔ حضرت حسن کا قول ہے کہ زکوٰۃ اور نماز فرض ہیں۔ ان کے بغیر اعمال بے کار ہیں۔ ابن ابی حاتم نے حارث العکلی سے روایت کیا ہے کہ زکوٰۃ سے مراد یہاں صدقہ فطر (فطرانہ) ہے۔ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ مراد یہ کہ حسن عمل میں مومنین کے ساتھ شریک ہو جاؤ بالخصوص ان میں اکمل چیز یعنی نماز میں۔ اس آیت سے بہت سے علماء نے نماز باجماعت ادا کرنے کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ کتاب الاحکام الکبیر میں اس کا تفصیلی بیان ہے۔ قرطبی نے مسائل جماعت اور امامت کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

''کیا تم حکم کرتے ہو (دوسرے) لوگوں کو نیکی کا اور بھلا دیتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے گروہ اہل کتاب! تمہارے لیے یہ کس طرح زیبا ہے کہ تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرو اور اپنے آپ کو بھلا دو۔ تم لوگوں کو تو ہر فرمان الٰہی کی تعمیل کا حکم دیتے ہو لیکن خود انہیں پس پشت ڈال دیتے ہو حالانکہ تم تورات کی تلاوت کرتے ہو اور تمہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اوامر الٰہیہ میں کوتاہی کا انجام کیا ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ تم اپنے ساتھ کیا زیادتی کر رہے ہو۔ خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور اپنی آنکھوں سے جہالت کی پٹی اتار دو۔ حضرت قتادہ کا قول ہے کہ بنو اسرائیل لوگوں کو تو اطاعت الٰہی، تقویٰ اور نیکی کی تلقین کرتے لیکن خود اس کے خلاف پر عمل پیرا تھے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں انہیں ان کی اس دوغلی پالیسی پر عار دلائی ہے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ اہل کتاب اور منافقین لوگوں کو تو نماز اور روزے کا حکم دیتے لیکن خود اپنی یہ حالت تھی کہ ان احکام سے اغماض برتتے تھے اللہ نے قول وفعل میں ان کے تضاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں اس آیت میں شرم دلائی ہے۔ پس جو شخص بھلائی کا حکم دیتا ہے اسے خود بھی اس پر سختی سے عمل پیرا ہونا چاہئے۔ محمد بن اسحٰق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ یعنی لوگوں کو تو تعلیمات نبوت اور تورات کے سبب کفر سے روکتے ہو۔ اور اس میں میرے رسول کی بیان کردہ علامات کا صریح انکار کر دیتے ہو۔ میرے ساتھ کیے گئے وعدے کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ اور باوجود یقین ہو جانے کے اسے تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت ضحاک کی روایت میں ہے کہ تم لوگوں کو تو دین محمدی میں شامل ہونے اس کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ ابن جریر نے حضرت ابوقلابہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انسان اس وقت تک پورا سمجھدار نہیں بن سکتا جب تک لوگوں کو خدا تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے دیکھ کر ان سے نفرت نہ کرے حتیٰ کہ اپنے نفس کا اس سے بھی زیادہ دشمن ہو۔ عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ ان یہودیوں کے پاس جب کوئی آدمی آتا اور ایسی چیز کے بارے میں دریافت کرتا جس میں حق اور رشوت نہ ہوتی تو اسے حق بتا دیتے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل شنیع کی مذمت فرمائی ہے اور ان کی غلطی پر انہیں متنبہ فرمایا ہے کیونکہ وہ بھلائی کا حکم تو دیتے تھے لیکن اس پر عمل پیرا نہ تھے۔ واضح رہے کہ نیکی کی تبلیغ پر ان کی مذمت نہیں کی گئی بلکہ خود عمل نہ کرنے پر انہیں زجر وتوبیخ کی جا رہی ہے۔ کیونکہ نیکی کا حکم دینا بھی نیکی ہے اور امر بالمعروف ہر عالم پر واجب ہے۔ لیکن ایک عالم دین کے لئے اولیٰ بلکہ واجب ہے کہ وہ اس کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ خود بھی اس کو بجالائے اور کوتاہی نہ کرے۔ جس طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ وَمَآ اُرِيْدُ

اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ (ہود: 88) ''میں بھی نہیں چاہتا کہ خود تمہارے خلاف کرنے لگوں اس امر میں جس سے میں تمہیں روکتا ہوں۔ (نیز) میں نہیں چاہتا ہوں مگر (تمہاری) اصلاح (اور درستی) جہاں تک میرا بس ہے۔ اور نہیں میرا راہ پانا مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں''۔ چنانچہ امر بالمعروف اور خود اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ علماء سلف وخلف کے اصح قول کے مطابق ایک کے ترک کرنے سے دوسرا ساقط نہیں ہوتا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ خود معاصی کا ارتکاب کرنے والے کو دوسروں کو ان سے منع نہیں کرنا چاہئے لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ اور اس سے بھی کمزور دلیل اس آیت سے استدلال کرنا ہے۔ یہ آیت ان کے موقف کی دلیل نہیں بن سکتی صحیح یہ ہے کہ عالم دین کو امر بالمعروف کا فریضہ انجام دینا چاہئے اگرچہ اسے خود نہ بھی بجالائے۔ اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کرے اگرچہ وہ خود اس کا مرتکب بھی ہو۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اگر ہر شخص اس خدشہ سے نیکی کا حکم نہ دے اور برائی سے نہ روکے کہ وہ خود اس چیز پر عمل نہ کر سکے گا یا اس کا ارتکاب کر بیٹھے گا تو اس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کا فریضہ انجام دینے والا کوئی نہ رہے گا۔

(میں کہتا ہوں) اطاعت کو ترک کرنا اور معلوم ہونے کے باوجود معصیت کا ارتکاب کرنا قابل مذمت ہے۔ جاننے والا اور لاعلم برابر نہیں ہو سکتے۔ اس کی وعید بے شمار احادیث میں آئی ہے جیسے (1) امام ابو القاسم طبرانی نے معجم الکبیر میں حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ عالم جو لوگوں کو تو بھلائی کی تلقین کرتا ہے لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتا اس کی مثال اس چراغ کی طرح ہے جو لوگوں کو تو روشنی دیتا ہے لیکن اپنے آپ کو جلا رہا ہے۔'' اس سند سے یہ حدیث غریب ہے۔ (1)

(2) ایک دوسری حدیث:۔ حضرت امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''معراج کی رات میرا گذر ایسی قوم پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ تو بتایا گیا یہ آپ ﷺ کی امت میں سے دنیا کے خطیب ہیں۔ جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیا کرتے تھے لیکن اپنے آپ کو بھلائے رکھتے۔ حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت بھی کرتے۔ وہ کیوں نہیں سمجھتے'' (2)۔ عبد بن حمید نے اپنی مسند میں، ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابن ابی حاتم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(3) تیسری حدیث:۔ حضرت امام احمد نے حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت اسامہ کے پیچھے سواری پر تھا۔ آپ سے عرض کی گئی آپ حضرت عثمان سے بات کیوں نہیں کرتے۔ تو انہوں نے فرمایا تم دیکھ رہے ہو میں ان سے بات نہیں کرتا میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ میں علیحدگی میں ان سے بات کروں گا لیکن میں ایک معاملے کو کھولنا نہیں چاہتا۔ بخدا میں کسی شخص کو یہ نہیں کہوں گا کہ تو لوگوں سے بہتر ہے اگرچہ وہ میرا امیر ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے۔ عرض کی گئی۔ آپ نے کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ''ایک آدمی کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کی آنتیں باہر ابل پڑیں گی۔ وہ آگ میں ان کے گرد اس طرح چکر لگائے گا جیسے گدھا اپنی چکی کے گرد گھومتا ہے۔ دوزخی اس کے پاس سے گذریں گے اور پکار کر کہیں گے اے فلاں! تمہیں کیا ہوا؟ تم تو ہمیں نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے تھے؟ وہ جواب دیگا میں تمہیں کہتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا۔ تمہیں تو روکتا تھا لیکن خود اس کا ارتکاب کرتا تھا'' (3)۔ بخاری ومسلم نے بھی حدیث سلیمان بن مہران میں اسی طرح روایت فرمایا ہے۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت

1۔ الطبرانی فی الکبیر 178/2 2۔ مسند احمد 120/3 3۔ مسند احمد 205/5

فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان پڑھ لوگوں سے اتنا درگذر کرے گا کہ اس قدر علماء سے نہیں کرے گا۔ بعض آثار میں ہے کہ جاہل کے ستر گناہ معاف کر دیئے جائیں گے جبکہ عالم کا ایک گناہ معاف ہوگا۔ جاہل اور عالم یکساں نہیں ہو سکتے" (1)۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (الزمر: 9) "آپ پوچھئے کیا کبھی برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور جاہل۔ البتہ صرف عقل مند ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔" ابن عساکر نے ولید بن ولید بن عقبہ کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جنتی لوگ دوزخیوں کی طرف جھانک کر پوچھیں گے تم آگ میں کیسے داخل ہوئے؟ بخدا ہم تو تم سے سیکھ کر جنت میں داخل ہوئے۔ وہ کہیں گے ہم جو کہتے تھے وہ کرتے نہ تھے۔" ابن جریر طبری نے بھی اسے ولید بن عقبہ سے روایت کیا ہے ضحاک فرماتے ہیں کہ ایک آدمی آیا اور عرض کی اے ابن عباس! میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا اس مقام تک پہنچ گئے ہو؟۔ اس نے کہا میرا تو یہی خیال ہے۔ فرمایا اگر تمہیں ان تین آیات سے فضیحت کا ڈر نہیں تو بے دھڑک ایسا کرو۔ اس نے دریافت کیا وہ کون سی تین آیات ہیں۔ آپ نے فرمایا ایک تو أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ (بقرہ: 44) "کیا تم حکم کرتے ہو دوسرے لوگوں کو نیکی کا اور بھلا دیتے ہو اپنے آپ کو" کیا تم نے اسے پختہ کر لیا ہے۔ وہ کہنے لگا نہیں۔ آپ نے فرمایا دوسری آیت: لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ...... مَا لَا تَفْعَلُونَ (الصف: 3-2) "تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو" کیا تم اس پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا تیسری آیت حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ قول ہے۔ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ (ہود: 88) کیا تم اس آیت سے بے خوف ہو؟ وہ کہنے لگا نہیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو پھر پہلے اپنے نفس سے شروع کرو۔ ابن مردویہ نے اسے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس نے لوگوں کو کسی بات یا عمل کی طرف بلایا اور خود وہ کام نہ کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب میں رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خود اس سے رک جائے یا وہ عمل کرنے لگے جس کی طرف اس نے لوگوں کو بلایا تھا" (2)۔ اس کی اسناد میں ضعف ہے۔ ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ میں ان تین آیات کی وجہ سے قصہ گوئی کو پسند نہیں کرتا۔ (اس سے مراد وہی تین آیات ہیں جن کا ذکر حضرت ابن عباس والی روایت میں ہو چکا ہے۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿٤٥﴾ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿٤٦﴾

"اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں) جو یقین کرتے ہیں کہ وہ ملاقات کرنے والے ہیں اپنے رب سے اور وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتے ہیں صبر اور نماز سے مدد حاصل کریں۔ مقاتل بن حیان اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں فرائض و نماز پر صبر کے ساتھ آخرت کو طلب کرنے کے لئے مدد حاصل کرو۔ مجاہد کا قول ہے کہ صبر سے مراد روزے ہیں۔ قرطبی وغیرہ کا قول ہے ماہ رمضان کو اسی وجہ سے ماہ صبر کہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ سفیان ثوری نے بنی سلیم کے ایک آدمی کے حوالے سے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے "روزہ نصف صبر ہے" (3) کہتے ہیں کہ صبر سے مراد گناہوں اور معاصی سے رکنا ہے۔ اسی لیے اسے ادائیگی عبادات کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے عبادت کی اعلیٰ ترین قسم نماز ہے۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

1۔ کنز العمال 28984 2۔ مجمع الزوائد 276/7 3۔ الاحیاء 231/1

نے ارشاد فرمایا صبر دو طرح کے ہیں۔ بوقت مصیبت صبر کرنا مستحسن ہے لیکن اس سے بھی بہتر اللہ کے محارم سے صبر کرنا ہے۔ حضرت حسن بصری سے بھی ایک روایت یہی ہے حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ صبر سے مراد انسان کا ہر چیز کو اللہ کی طرف سے سمجھنا اور اجر و ثواب کی امید رکھنا ہے۔ بعض اوقات آدمی جزع فزع کرتا ہے اسے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔ حضرت ابو العالیہ کا قول ہے کہ صبر سے مراد اللہ کی رضا ہے۔ بلاشبہ یہی اطاعت الٰہی ہے۔ اور نماز ثابت قدمی کے لئے سب سے زیادہ معاون ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ؕ وَ لَذِکْرُ اللّٰہِ...... (عنکبوت: 45) ''آپ تلاوت کیجئے اس کتاب کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور نماز صحیح صحیح ادا کیجئے۔ بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے۔ اور واقعی اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے''۔ حضرت امام احمد نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ''جب رسول کریم ﷺ پر کوئی مشکل وقت آتا تو آپ نماز پڑھتے تھے'' (1)۔ ابوداؤد شریف میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے ذکر کیا ہے۔ محمد بن نصر مروزی کتاب الصلاۃ میں لکھتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا میں جنگ خندق کی رات حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ ایک بڑی چادر میں لپٹے نماز ادا فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی پریشانی ہوتی نماز پڑھا کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کی رات میں نے دیکھا کہ سب سو گئے تھے سوائے رسول اللہ ﷺ کے۔ آپ ﷺ ساری رات نماز ادا فرماتے اور دعا گو رہے حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ سرکار رسالت مآب ﷺ کا گذر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا۔ وہ بھوک سے نڈھال تھے آپ ﷺ نے دریافت فرمایا ''کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے؟ (شکم درد) انہوں نے عرض کی جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اٹھ کر نماز پڑھو اس میں شفاء ہے'' (2)۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سفر میں تھے کہ آپ کو اپنے بھائی قثم کے انتقال کی خبر ملی۔ آپ رضی اللہ عنہما نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا راستے کے ایک طرف اونٹ کو بٹھا کر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ اس میں طویل التحیات بیٹھے پھر اٹھ کر اپنی سواری کی طرف چلے یہ آیت کریمہ آپ کی زبان پر تھی۔ وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ ؕ...... ابن جریج کا قول ہے صبر اور نماز سے اللہ کی رحمت ملتی ہے انہا میں ضمیر ''الصلاۃ'' کی طرف لوٹ رہی ہے مجاہد کا یہی خیال ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے پسند کیا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ مدلول کلام یعنی وصیت اس کا مرجع ہے۔ جس طرح قصہ قارون میں وَلَا یُلَقّٰھَا کی ضمیر ہے۔ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَکُمْ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ (قصص: 80) ''اور کہا ان لوگوں نے جنہیں (دنیا کی بے ثباتی کا) علم دیا گیا تھا حیف ہے تمہاری عقل پر۔ اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لے آیا۔ اور نیک عمل کیے اور نہیں مرحمت کی جاتی یہ نعمت بجز صبر کرنے والوں کے'' اور آئندہ آنے والی آیت میں وَلَا یُلَقّٰھَا کی ضمیر۔ وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَ لَا السَّیِّئَۃُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَ مَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (حم السجدہ: 35-34) ''نہیں یکساں ہوتی نیکی اور برائی۔ برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے پس ناگہاں وہ شخص، تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے اور نہیں توفیق دی جاتی ان (خصائل حمیدہ) کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو''۔ (اَیْ وَ مَا یُلَقّٰی ھٰذِہِ الْوَصِیَّۃُ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَ مَا یُلَقّٰھَا اَیْ یُؤْتَاھَا وَ یُلْھَمُھَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ) بہر حال دونوں صورتوں میں معنی یہ ہوگا کہ بے شک نماز بھاری مشقت ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں) حضرت ابن عباس نے خاشعین کا معنی ''اللہ کی کتاب کی

1۔ مسند احمد 388/5

2۔ الدر المنثور: 67/1

تصدیق کرنے والے'' کیا ہے۔ حضرت مجاہد کے نزدیک '' سچے مومن''۔ ابوالعالیہ کے نزدیک خائفین (ڈرنے والے) مقاتل بن حیان کے نزدیک '' متواضع'' ہے۔ ضحاک نے اس آیت کا معنی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بے شک یہ نماز بھاری ہے مگر اس کی اطاعت میں سر جھکانے والوں، اس کی سطوت سے ڈرنے والوں اور اس کے وعدہ وعید کو سچا سمجھنے والوں کے لئے۔ اسی کے مشابہ ایک حدیث شریف میں ہے '' تو نے بہت بڑی چیز کا سوال کیا لیکن جس پر خدا کی مہربانی ہو اس کے لئے آسان ہے۔ ابن جریر نے اس آیت کا یوں ترجمہ کیا ہے۔ اے اہل کتاب کے علماء! اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت اور فواحش و منکرات سے روکنے والی اور رضاء الٰہی کے قریب کرنے والی نماز کی عادت اختیار کرو۔ '' اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ'' یعنی اس کی اطاعت میں تواضع اور عاجزی کرنے والے، اس کے خوف کے سامنے تضرع اور زاری کرنے والے۔ اس آیت کریمہ سے بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ خطاب بنو اسرائیل کو ہے لیکن یہ حکم صرف ان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ یہ حکم عام ہے جو ان سمیت سب کو شامل ہے واللہ اعلم۔ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ سابقہ کلام کی تکمیل کی جا رہی ہے کہ نماز یا وصیت بوجھل چیز ہے مگر عاجزی کرنے والوں کے لئے جو یہ سمجھتے ہیں کہ کل قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے پیش ہوں گے۔ ان کے سارے امور اسی کی مشیت کے تابع ہیں اپنے عدل کے ساتھ جو چاہے فیصلہ فرماتا ہے۔ اسی لیے جب انہیں روز قیامت اور حساب و کتاب کا یقین ہے، نیک اعمال کرنا اور منکرات کو ترک کرنا ان کے لئے آسان ہے۔ جہاں تک لفظ ظن کا تعلق ہے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اہل عرب لفظ ظن کو دو مختلف اور متضاد معانی میں استعمال کرتے ہیں ان کے نزدیک ظن کا معنی '' یقین'' بھی ہے اور '' شک'' بھی۔ اسی طرح لفظ '' سدفۃ'' کو تاریکی اور روشنی دونوں معانی میں استعمال کرتے ہیں۔ اور مغیث کا معنی فریاد کرنے والے کو بھی اور مدد کرنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ وغیرہ اسماء جو اضداد کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی ایسی اشیاء کے لئے جو باہم مختلف اور متضاد ہوں۔ درید بن الصمۃ کہتا ہے۔

فَقُلْتُ لَهُمْ ظُنُّوْا بِاَلْفَىْ مُدَجَّجٍ سَرَاتُهُمْ فِي الْفَارِسِيِّ الْمُسَرَّدِ

'' یعنی تم یقین رکھو کہ دو ہزار مسلح فوجی تمہاری مدد کو آ رہے ہیں۔'' عمیر بن طارق کہتا ہے۔

فَاِنْ يَعْبُرُوْا قَوْمِىْ وَ اَقْعُدْ فِيْكُمْ وَاَجْعَلْ مِنِّى الظَّنَّ غَيْبًا مُرَجَّمًا

یعنی وَاَجْعَلُ مِنَ الْيَقِيْنِ غَيْبًا مُرَجَّمًا۔ لکھتے ہیں اہل عرب کے کلام اور اشعار کی مثالوں سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ظن کا لفظ بکثرت یقین کے معنی میں آتا ہے۔ صاحب عقل و فہم کے لئے اتنی مثالیں کافی ہیں۔ قرآن کریم میں ایک اور جگہ بھی یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے: وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا (کہف: 53) '' اور دیکھیں گے مجرم (جہنم کی) آگ کو اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں''۔ حضرت مجاہد کا قول ہے کہ ظن کا لفظ قرآن کریم میں ہر جگہ علم اور یقین کے معنی میں آیا ہے (خواہ کوئی صیغہ ہو) اور اس کی سند صحیح ہے۔ ابوالعالیہ، ربیع بن انس، سدی اور قتادہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ یہ آیت معنی میں اس آیت کے موافق ہے اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۝ (الحاقۃ: 20) اَىْ عَلِمْتُ (مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا)۔ ابن جریج نے ظن کا ترجمہ علم کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا یہی قول ہے۔ (میں کہتا ہوں) صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے سے فرمائے گا۔ کیا میں نے تیرا نکاح نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے تجھے اعزاز و اکرام سے نہیں نوازا تھا؟ کیا میں نے گھوڑے اور اونٹ تیرے لیے مسخر نہیں کیے تھے۔؟ کیا تجھے راحت و آرام اور عیش و عشرت نہیں دیا تھا؟۔ وہ کہے گا ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے یقین تھا کہ تو ایک دن میرے سامنے ہو گا؟ وہ کہے گا ہاں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا اسی طرح آج میں تجھے بھلا دوں گا۔

یہ حدیث بالتفصیل آیت: نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ (توبہ:67) کے تحت ذکر کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾

''اے اولاد یعقوب! یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور (یہ کہ) میں نے فضیلت دی تھی تمہیں سارے جہان والوں پر''۔

اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل کو ان کے اسلاف اور آباؤ اجداد پر کی جانے والی نعمتوں اور طویل احسانات یاد دلا رہے ہیں کہ انہیں برگزیدہ قوم بنایا۔ ان میں رسول مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں۔ ان کے زمانے کی تمام اقوام پر انہیں فضیلت دی۔ اس کی طرف قرآن نے اشارہ فرمایا ہے: وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٢﴾ (دخان:32) ''اور ہم نے چنا تھا بنی اسرائیل کو جان بوجھ کر جہان والوں پر''۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (مائدہ:20) ''اور جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہوا۔ جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں حکمران اور عطا فرمایا تمہیں جو نہیں عطا فرمایا تھا کسی کو سارے جہانوں میں''۔ حضرت ابو العالیہ کا قول ہے جو انہیں بادشاہ، مرسلین اور کتابیں عطا کی گئی تھیں۔ تمام لوگوں پر فضیلت ملنے سے مراد اس زمانے کے لوگ ہیں۔ مجاہد، ربیع، بن انس، قتادہ اور اسماعیل بن ابو خالد سے یہی مروی ہے۔ آیت کریمہ کو اس پر محمول کرنا بھی لازمی ہے کیونکہ امت محمد یہ تو ان سے بھی افضل ہے۔ یہ آیت اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (آل عمران:110) مسانید اور سنن میں حضرت معاویہ بن حیدہ قشیری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم سترویں امت ہو اور اللہ کے نزدیک سب سے بہتر اور معزز ہو۔ اس موضوع کی تائید میں بے شمار احادیث ہیں جو آیہ کریمہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ...... کے تحت بیان کی جائیں گی۔ ایک قول یہ ہے کہ تمام لوگوں پر ایک خاص قسم کی فضیلت مراد ہے۔ اس سے ہر قسم کی فضیلت مراد نہیں ہے۔ رازی نے اسے بیان کیا ہے لیکن اس میں نظر ہے۔ کیونکہ عالمین کا لفظ عام ہے۔ یہ سابقہ اور آئندہ سب انبیاء کو شامل ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ان سے پہلے تھے وہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ حضرت محمد ﷺ ان کے بعد تھے وہ تمام خلائق سے افضل اور دنیا و آخرت میں اولاد آدم کے سردار ہیں۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَيْهِ۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٨﴾

''اور ڈرو اس دن سے جب نہ بدلہ دے سکے گا کوئی شخص کسی کا کچھ بھی اور نہ قبول کی جائے گی اس کے لیے سفارش اور نہ لیا جائے گا اس سے کوئی معاوضہ اور نہ وہ مدد کیے جائینگے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے انعامات کا ذکر فرمایا اس کے بعد روز قیامت کے شدید ترین انتقام سے ڈرایا۔ یوم سے مراد قیامت کا دن ہے۔ لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ کوئی شخص کسی کو نفع نہیں دے سکے گا۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ''اور نہیں بوجھ اٹھائے گا کوئی گناہ گار کسی دوسرے کا بوجھ'' (فاطر:18)۔ ایک اور مقام پر فرمایا: لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَىِٕذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ''ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پرواہ کر دے گی'' (عبس:37)۔ ایک دوسری جگہ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا

يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ''اے لوگو! ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ نہ بدلہ دے سکے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے اور نہ ہی بیٹا بدلہ دے سکے گا اپنے باپ کی جانب سے کچھ بھی (لقمان:33)۔ یہ بلیغ ترین مثال ہے کہ باپ بیٹا بھی ایک دوسرے کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔ وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ سے مراد ہے کہ کفار کی سفارش قبول نہیں ہوگی۔ (وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ) یعنی فدیہ بھی قبول نہیں ہوگا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ (آل عمران:91) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے کفر ہی کی حالت میں تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا اگر چہ وہ (اپنی نجات کے لئے) عوضانہ دے اتنا سونا''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (مائدہ:36) ''بے شک وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا اگر انہی کی ملکیت میں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تاکہ بطور فدیہ دیں اسے (اور نجات پائیں) عذاب سے روز قیامت نہ قبول کیا جائے گا ان سے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا'' پھر فرمایا: وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ''اور اگر وہ معاوضہ میں دے ہر بدلہ تو نہ قبول کیا جائے گا اس سے'' (انعام:70)۔ ایک اور جگہ فرمایا: فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ...... ''پس آج نہ تم سے فدیہ قبول کیا جائے گا، اور نہ کفار سے تمہارا (سب کا) ٹھکانہ آتش جہنم ہے۔ وہ تمہاری رفیق ہے'' (حدید:15)۔ اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں آگاہ فرما رہے ہیں کہ اگر انہوں نے میرے پیارے رسول کی اتباع نہ کی اور اس پر ایمان نہ لائے اور اسی حالت میں روز قیامت جب پیش ہوں گے تو کسی رشتہ دار کی رشتہ داری یا کسی صاحب منصب کی سفارش سود مند نہ ہوگی۔ اور نہ ہی اس روز ان سے فدیہ قبول کیا جائے گا اگر چہ زمین بھر سونا ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے ارشاد فرمایا: مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ''اس سے پہلے کہ آجائے وہ دن جس میں نہ تو خرید وفروخت ہوگی اور نہ (کفار کیلئے) دوستی ہوگی اور نہ ان کے لئے شفاعت'' (البقرۃ:254)۔ ایک اور جگہ فرمایا: لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ (ابراہیم:31) ''جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوستی''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ عدل کے معنی یہاں بدل ہیں اور فدیہ اور بدل ایک ہی چیز ہیں۔ ابوالعالیہ، ابو مالک، حسن، سعید بن جبیر، قتادہ اور ربیع بن انس کا یہی قول ہے۔ عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں شفاعت کا معنی نفل اور عدل کا معنی فرض روایت کیا ہے۔ عمیر بن ہانی سے بھی یہی مروی ہے لیکن یہ قول غریب ہے اس آیت کی تفسیر میں صحیح قول پہلا ہی ہے۔ ایک اور حدیث سے اس کو قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ جسے ابن جریر نے ذکر کیا ہے۔ ''رسول کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی ہے عدل سے کیا مراد؟ آپ نے فرمایا فدیہ۔

وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ یعنی کوئی آدمی غیرت کھا کر ان کی مدد نہ کرے گا اور نہ ہی انہیں اللہ کے عذاب سے نجات دلا سکے گا۔ یعنی کوئی رشتہ دار یا صاحب جاہ وحشمت ان سے نرمی نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی فدیہ قبول کیا جائے گا نہ ہی ان کا کوئی مددگار ہوگا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ (طارق:10) ''پس نہ خود اس میں زور ہوگا اور نہ کوئی دوسرا مددگار ہوگا''۔ یعنی اللہ تعالیٰ نہ تو کافر کا فدیہ قبول کرے گا اور نہ سفارش۔ اس کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ کسی کو اس سے چھٹکارا نہیں۔ کوئی اس سے پناہ نہیں دے سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ (مومنون:88) ''اور وہ پناہ دیتا ہے (جسے چاہے) اور پناہ نہیں دی جا سکتی اس کی مرضی کے خلاف''۔ ایک اور جگہ فرمایا: فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗ اَحَدٌ ''پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا۔ اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا'' (فجر:26-25)۔ اور فرمایا: مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ

مُسْتَسْلِمُوْنَ (صافات: 26-25) ''تمہیں کیا ہوگیا ہے تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے۔ بلکہ آج تو وہ سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں''۔
پھر فرمایا: فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ...... (الاحقاف: 28) ''پس کیوں مدد نہ کی ان کی ان معبودوں نے جنہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہوں نے تقرب کے لئے اپنا خدا بنا رکھا تھا۔ بلکہ وہ تو ان سے روپوش ہو گئے''۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ (الصافات: 25) کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ تمہیں آج کیا ہے تم ہم سے جھگڑا کیوں نہیں کرتے۔ آج یہ بات تم سے بہت بعید ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ کی تاویل یہ ہے کہ آج نہ ان کا کوئی مددگار ہے نہ کوئی سفارش کرنے والا، معاوضہ اور تاوان بھی قبول نہیں۔ طرفداری کا تصور ختم ہو چکا۔ رشوت اور سفارشیں معدوم ہو گئیں۔ قوم کی تصدیق اور تعاون باقی نہ رہا۔ اب معاملہ اس عادل و جبار حاکم کی عدالت میں ہے جس کے پاس سفارشی اور مددگار کام نہیں آتے۔ برائی کا بدلہ برائی سے اور نیکی کا اجر کئی گنا دیا جائے گا۔ یہ آیت اس آیت کے ساتھ مفہوم میں مطابقت رکھتی ہے: وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ (صافات: 26-24)۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

''اور یاد کرو جب نجات بخشی ہم نے تمہیں فرعونیوں سے جو پہنچاتے تھے تمہیں سخت عذاب (یعنی) ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رہنے دیتے تھے تمہاری عورتوں (بیٹیوں) کو اور اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے۔ اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھر ہم نے بچالیا تم کو اور ڈبو دیا فرعونیوں کو اور تم (کنارے پر کھڑے) دیکھ رہے تھے''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں اے بنی اسرائیل وہ وقت یاد کرو جب میں نے تمہیں آل فرعون کے عذاب سے چھٹکارا دلایا تھا۔ اور (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے ہاتھوں تمہیں ان کے شہر سے نجات بخشی تھی۔ حالانکہ وہ تمہیں طرح طرح کی تکالیف دیتے تھے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ فرعون (لَعَنَهُ اللّٰهُ) نے ایک خواب دیکھا جس نے اسے وحشت میں مبتلا کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی ہے اور مصر کے ہر قبطی کے گھر میں گھس گئی ہے۔ جبکہ بنو اسرائیل کے مکانات محفوظ رہے۔ اس کی تعبیر یہ کی گئی کہ اس کی سلطنت کا زوال بنو اسرائیل کے ایک آدمی کے ہاتھوں ہوگا۔ اسے بتایا گیا کہ بنو اسرائیل ایک ایسے مسیحا کا انتظار کر رہے ہیں جس کی آمد پر انہیں حکومت اور شان و شوکت حاصل ہوگی۔ حدیث فتون میں اسی طرح ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں ان شاء اللہ تعالیٰ یہ حدیث مفصل ذکر کی جائے گی۔ چنانچہ فرعون نے یہ حکم دیا کہ بنو اسرائیل کے ہاں جو بچہ بھی پیدا ہو قتل کر دیا جائے۔ اور لڑکیاں زندہ چھوڑ دی جائیں۔ اور بنو اسرائیل کو مشقت آمیز اور رذیل ترین کاموں پر لگانے کا حکم دیا۔ یہاں عذاب کی تفسیر ذبح ابناء (لڑکوں کا ذبح کرنا) سے کی گئی ہے۔ سورۂ ابراہیم میں ایک کا دوسرے پر عطف کیا گیا ہے: يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ (ابراہیم: 6) ''جو پہنچاتے تمہیں سخت عذاب اور ذبح کرتے تھے تمہارے فرزندوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے تمہاری عورتوں (بیٹیوں) کو''۔ سورۂ قصص کی ابتداء میں اس کی تفسیر ذکر کی جائے گی۔ وَبِهِ الثِّقَةُ وَالْمَعُوْنَةُ وَالتَّاْيِيْدُ اللہ کی ذات سے ہی بھروسہ، نصرت اور تائید کی امید ہے۔

یَسُوْمُوْنَکُمْ کا معنی ہے تمہیں ذلیل وخوار کرتے تھے۔ یہ ابوعبیدہ کا قول ہے۔ جیسے کہتے ہیں (سَامَهٗ خُطَّةَ خَسْفٍ اِذَا اَوْلَاهُ اِیَّاهُ) جیسے عمرو بن کلثوم کہتا ہے۔

اِذَا مَا الْمَلِكُ سَامَ النَّاسَ خَسْفًا اَبَیْنَا اَنْ نُقِرَّ الْخَسْفَ فِیْنَا

جب بادشاہ ہمیں ذلیل ورسوا کرنا چاہے تو ہم ذلت کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں' ایک قول کے مطابق اس کا معنی ہے یَدِیْمُوْنَ عَذَابَکُمْ (وہ ہمیشہ تمہیں مشقت میں مبتلا رکھتے) جیسے وہ بکریاں (یا جانور) جو سال کا اکثر چر کر گزارہ کریں انہیں سائمہ کہا جاتا ہے۔ قرطبی نے یہاں پر یہی نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ...... کے ساتھ اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ بلکہ یہ پوری آیت سابقہ آیت کی تفسیر ہے۔ سورۂ ابراہیم میں جب ذکر فرمایا: وَذَکِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ (ابراہیم: 5) یعنی اللہ کے احسانات اور نعمتوں کے بارے میں انہیں یاد دلاؤ۔ تو یہی مناسب تھا کہ وہاں کہا جاتا۔ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ یہاں ذبح کا عطف عذاب پر کیا تاکہ بنو اسرائیل پر کیے گئے متعدد احسانات اور نعمتوں کی طرف اشارہ ہو جائے۔ خاندان عمالقہ سے تعلق رکھنے والے ہر مصری کافر شہنشاہ کو فرعون کا لقب دیا جاتا تھا۔ جیسے بلاد روم وشام کے ہر کافر بادشاہ کو قیصر، ایران کے بادشاہ کو کسریٰ، یمن کے حکمران کو تبع، حبشہ کے شہنشاہ کو نجاشی اور ہندوستان کے کافر بادشاہ کو بطلیموس کا لقب دیا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان یا ایک قول کے مطابق مصعب بن ریان تھا۔ یہ عملیق بن اود بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد سے تھا اس کی کنیت ابومرہ تھی یہ اصل میں اصطخر کا فارسی النسل تھا۔ وہ جو کچھ بھی تھا اس پر اللہ کی لعنت ہو: وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ابن جریر کا قول ہے تمہارے آباؤ اجداد کو آل فرعون کی سختیوں سے نجات دینا گویا ہماری طرف سے ایک عظیم نعمت تھی۔ ابن عباس، مجاہد، ابو العالیہ، ابو مالک اور سدی وغیرہ نے بلاء کے لفظ کا معنی نعمت کیا ہے۔ بلاء کا لفظ اصل میں آزمائش کے معنی میں آتا ہے۔ جو خیر کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے اور مشقت کے ساتھ بھی۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً (الانبیاء: 3/) ''اور ہم خوب آزماتے ہیں تمہیں برے اور اچھے حالات سے دوچار کر کے) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ (الاعراف: 168) ''اور ہم نے آزمایا انہیں نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں''۔ ابن جریر کا قول ہے کہ شر کے لیے کہا جاتا ہے بَلَوْتُهٗ اَبْلُوْهُ بَلَآءً اور خیر کے لئے کہتے ہیں اَبْلِیْهِ اِبْلَآءً وَبَلَآءً۔ زہیر بن ابی سلمیٰ کا قول ہے۔

جَزَی اللّٰهُ بِالْاِحْسَانِ مَا فَعَلَا بِکُمْ وَاَبْلَا هُمَا خَیْرَ الْبَلَآءِ الَّذِیْ یَبْلُوْ

دونوں نعمتوں کو جمع کیا کیونکہ اس سے مراد ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں وہ بہترین نعمت عطا فرمائی تھی جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں کا امتحان لیا کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ بلاء کے لفظ کا اشارہ اس رسوا کن عذاب کی طرف ہے جس سے وہ دوچار تھے یعنی ان کے بچے قتل کر دیئے جاتے اور لڑکیوں کو زندہ رکھا جاتا۔ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ جمہور کا قول ہے: وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ...... اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات بخشی اور تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوئے۔ فرعون تمہارے تعاقب میں نکلا تو ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا۔ جس طرح کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تفصیل سے اس واقعہ کو اپنی لاریب کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔ جس کا تذکرہ مختلف جگہوں پر آئے گا۔ اس کی مفصل بحث ان شاء اللہ سورۂ شعراء میں آئے گی۔ ''فَاَنْجَیْنٰکُمْ'' تو ہم نے تمہیں خلاصی دلائی۔ تمہارے اور ان کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی فرعونیوں کو ڈبو دیا تم یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ تاکہ یہ چیز تمہارے دلوں کے لیے شفا اور تمہارے دشمن کے لیے اہانت کا باعث ہو۔ محدث عبدالرزاق لکھتے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کو لے کر روانہ ہوئے۔

فرعون کو یہ اطلاع دے دی گئی۔ اس نے کہا ان کا تعاقب نہ کرو حتی کہ صبح کا مرغ بانگ دے۔ فرماتے ہیں اللہ کی قسم قدرت خداوندی سے اس رات کسی مرغ نے بانگ نہ دی حتی کہ صبح ہوگئی۔ صبح اس نے ایک بکری منگوا کر ذبح کی اور کہا میرے کلیجی کھانے سے فارغ ہونے تک چھ لاکھ قبطیوں کا لشکر جرار تیار ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اس کے فارغ ہونے سے پہلے لشکر تیار ہوگیا حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ساحل سمندر پر پہنچے تو آپ کے ایک ساتھی جس کا اسم گرامی یوشع بن نون تھا۔ پوچھا آپ کے رب کا امر کدھر کو ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارے سامنے ہے۔ اور سمندر کی طرف اشارہ فرمایا۔ یہ سن کر یوشع نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا اور گہرے پانی تک جا پہنچے جب غوطے کھانے لگے تو واپس لوٹ آئے۔ اور عرض کی اے موسیٰ آپ کے رب کا حکم کس طرف ہے؟ اللہ کی قسم نے آپ نے جھوٹ بولا نہ آپ سے جھوٹ بولا گیا۔ چنانچہ انہوں نے تین بار ایسا ہی کیا۔ پھر اللہ جل جلالہ نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ اپنا عصا سمندر پر مارو۔ انہوں نے اپنے عصا سے ضرب لگائی تو سمندر پھٹ گیا اور پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند ہوگیا۔ درمیان میں ایک راستہ نمودار ہوگیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے پیروکار بخیریت دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ فرعون نے بھی ان کا پیچھا کیا۔ جب سب اس سمندری راستے میں اتر چکے تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو پہلی حالت پر کر دیا (چشم زدن میں سارا لشکر غرقاب ہوگیا) بنی اسرائیل یہ عبرتناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ سلف صالحین میں سے بہت سے علماء نے یہی کہا ہے۔ اس کی وضاحت اپنی جگہ آئے گی۔ روایت میں آیا ہے کہ یہ عاشوراء کا دن تھا۔ جیسا کہ حضرت امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہود دسویں محرم (یوم عاشوراء) کو روزہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے۔ یہ مبارک دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دلائی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حقدار میں ہوں۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم بھی ارشاد فرمایا(1)۔ یہ حدیث بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے مختلف سندوں سے اسی طرح روایت فرمائی ہے۔ ابو یعلی موصلی نے حضرت انسؓ سے روایت فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے دسویں محرم کے دن بنی اسرائیل کے لئے سمندر کو پھاڑ دیا تھا'' (2)۔ لیکن اس سند سے یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ زید العمی ضعیف ہے اور اس کے شیخ یزید الرقاشی اس سے بھی ضعیف ہیں۔

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۵۱ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۵۲ وَ اِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۵۳

''اور یاد کرو جب ہم نے وعدہ فرمایا موسیٰ سے چالیس رات کا پھر بنالیا تم نے بچھڑے کو (معبود) ان کے بعد اور تم سخت ظالم تھے۔ پھر بھی درگزر فرمایا ہم نے تم سے اس (ظلم عظیم) کے بعد شاید کہ تم شکرگزار بن جاؤ۔ اور جب عطا فرمائی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور حق و باطل میں تمیز کی قوت تاکہ تم سیدھی راہ پر چلنے لگو''۔

(اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے بے پایاں احسانات یاد دلا رہے ہیں) ارشاد ہوتا ہے وہ وقت یاد کرو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حسب وعدہ چلہ کشی کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ تم ان کی غیر حاضری میں ایک بچھڑے کی پوجا کرنے لگے۔ لیکن (اس شرک جلی

1۔ مسند احمد: 292/1
2۔ مجمع الزوائد: 188/3

کے باوجود) ہم نے تم سے عفو و درگزر فرمایا اس وعدے کا ذکر سورۂ اعراف کی ان آیات میں آیا ہے: وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ (اعراف:142) ''اور ہم نے وعدہ کیا حضرت موسیٰ سے تیس رات کا اور مکمل کیا اسے دس مزید راتوں سے'' ایک قول کے مطابق یہ ذیقعد کا پورا مہینہ اور ذوالحج کے دس دن تھے یہ فرعونیوں سے رہائی پانے اور سمندر سے نجات پانے کے بعد کا واقعہ ہے۔ قولہ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ کتاب سے مراد تورات اور فرقان سے مراد حق و باطل کے اور ہدایت و گمراہی کے درمیان فرق کرنے والی چیز ہے۔ قولہ تعالیٰ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ سورۂ اعراف کے سیاق کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب سمندر سے نکلنے کے بعد ملی۔ ایک دوسری آیت سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (القصص:43) ''اور ہم نے دی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اس کے بعد کہ ہم نے ہلاک کر دیا تھا پہلی (نافرمان) قوموں کو (یہ کتاب) لوگوں کے لئے بصیرت افروز اور سراپا ہدایت و رحمت تھی تا کہ وہ نصیحت قبول کریں''۔ کہا گیا ہے کہ واؤ یہاں زائدہ ہے۔ اور فرقان سے مراد کتاب ہے۔ لیکن یہ غریب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ کتاب پر فرقان کا عطف ہے۔ یعنی کتاب بھی عطا فرمائی اور معجزہ بھی۔ اگرچہ معنی ایک ہے۔ کسی شاعر کا قول ہے۔

وَقَدَّمَتِ الْاَدِيْمَ لِرَاقِشَيْهِ فَاَلْفٰى قَوْلَهَا كَذِبًا وَّمَيْنًا

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے۔

اَلَا حَبَّذَا هِنْدٌ وَّاَرْضٌ بِهَا هِنْدٌ وَهِنْدٌ اَتٰى مِنْ دُوْنِهَا النَّأْيُ وَالْبُعْدُ

کذب اور مین ہم معنی ہیں۔ اسی طرح النأی سے مراد البعد ہی ہے۔ عنترہ کا قول ہے۔

حُيِّيْتَ مِنْ طَلَلٍ تَقَادَمَ عَهْدُهٗ اَقْوٰى وَ اَقْفَرَ بَعْدَ اُمِّ الْهَيْثَمِ

اقفار کا عطف اقواء پر کیا ہے حالانکہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿٥٤﴾

''اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے اے میری قوم! بے شک تم نے ظلم ڈھایا اپنے آپ پر بچھڑے کو (خدا) بنا کر پس چاہیے کہ توبہ کرو اپنے خالق کے حضور سو قتل کرواپنوں کو (جنھوں نے شرک کیا) یہ بہتر ہے تمہارے لیے تمہارے خالق کے نزدیک۔ پھر حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ بیشک وہی بہت توبہ قبول کرنیوالا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

یہاں سے بچھڑے کی پوجا پر توبہ کا طریقہ بیان ہو رہا ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ اس وقت فرمایا جب پجاریوں کو احساس ندامت ستانے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ہی ایک دوسری جگہ فرمایا: وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا...... (اعراف:149) ''اور جب وہ سخت پشیمان ہوئے اور انہیں نظر آ گیا کہ وہ (راہ راست سے) بھٹک گئے (تو کہنے لگے کہ اگر نہ رحم فرماتا ہم پر ہمارا رب اور نہ بخش دیتا ہمیں''۔ ابو العالیہ، سعید بن جبیر اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ باری سے مراد خالق ہے۔ (میں کہتا ہوں) ''اِلٰى بَارِىِٕكُمْ'' کے لفظ میں ان کے سنگین جرم پر تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اپنے

خالق کریم کی بارگاہ میں توبہ کرو کیونکہ تم نے اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا ہے حالانکہ وہ تو وحدہ لاشریک ہے۔ نسائی، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص دوسرے کو تہہ تیغ کرے خواہ اس کی تلوار کی زد میں اس کا باپ یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اس جگہ کسی کے قتل کی پرواہ نہ کی جائے۔ اس طرح انہوں نے توبہ کی۔ اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، اللہ کے حکم کو بجالائے تو اللہ تعالیٰ نے قاتل اور مقتول دونوں کو بخش دیا۔ یہ حدیث فتون کا ایک جز ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں اس کا مکمل ذکر آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم الٰہی کے موجب انہیں اپنوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ بچھڑے کے پجاریوں کو بتایا گیا وہ ایک جگہ بیٹھ گئے اور جنہوں نے شرک نہیں کیا تھا وہ خنجر لے کر کھڑے ہو گئے۔ اس دوران شدید اندھیرا چھا گیا۔ اور وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ جب تاریکی دور ہوئی تو شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ ستر ہزار آدمی مارے جا چکے ہیں۔ جو مقتول تھے ان کی توبہ قبول ہوئی اور جو بچ گئے تھے ان کی بھی مغفرت ہوگئی۔ مجاہد اور سعید بن جبیر کی روایت میں ہے کہ وہ بلا امتیاز اپنے رشتے داروں اور دوسروں کو قتل کرتے رہے۔ حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے سے اشارہ کیا تو انہوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے۔ اس وقت تک ستر ہزار آدمی کیفر کردار کو پہنچ چکے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اب اس جرم شنیع کی سزا کافی ہوگئی ہے اس کے بعد آپ علیہ السلام نے کپڑے سے اشارہ فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی یہی ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ بنو اسرائیل کو سخت ترین حکم دیا گیا۔ وہ ایک دوسرے پر تلوار چلانے لگے حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ کا انتقام پورا ہو گیا تو تلواریں ان کے ہاتھ سے گر پڑیں۔ قتل کا حکم اٹھالیا گیا۔ جو زندہ رہ گئے تھے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ مقتولین کو شہادت کا مقام عطا کیا گیا۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ گھٹا ٹوپ تاریکی چھا گئی وہ اپنوں کو قتل کرتے رہے۔ تاریکی کا چھٹ جانا ہی قبول توبہ کی دلیل تھی۔ سدی کا قول ہے کہ بچھڑے کی پوجا کرنے والے اور اس سے کنارہ کش رہنے والے باہم تلواریں چلاتے رہے فریقین میں سے جو مقتول ہوئے شہید قرار پائے۔ ایک کثیر تعداد قتل ہوگئی۔ ستر ہزار آدمی مارے جا چکے تھے قریب تھا کہ ان کی نسل ہی ناپید ہو کر رہ جائے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے دعا کی اے رب! بنی اسرائیل کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ بار الٰہا! انہیں باقی رکھنا۔ اس وقت اللہ جل جلالہ نے اسلحہ پھینک دینے کا حکم دیا۔ ان کی توبہ قبول فرمائی۔ فریقین میں سے جو مقتول ہوئے شہداء قرار پائے اور زندہ بچ جانے والوں کے لئے یہ کفارہ قرار پایا۔

فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ زہری کا قول ہے کہ جب بنو اسرائیل کو اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں وہ سب باہر آئے۔ تلواریں باہم ٹکرائیں، خنجر چلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ بعض نے آپ سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرنے کی درخواست کی۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ ان کے ہاتھ رک گئے۔ انہوں نے اسلحہ رکھ دیا۔ حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل مقتولوں کی کثیر تعداد پر پریشان تھے۔ اللہ جل شانہٗ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی۔ آپ کیوں پریشان ہیں۔ قتل ہونے والے میرے پاس زندہ ہیں رزق دیئے جاتے ہیں۔ جو باقی بچ گئے ان کی توبہ مقبول ہے۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم خوش ہوگئی۔ ابن اسحٰق کا قول ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو بچھڑے کو جلا کر راکھ پانی میں بہادی۔ اپنے ساتھ قوم کے منتخب افراد کو لے کر چلے۔ بجلی کی کڑک نے انہیں ہلاک کر دیا۔ پھر دوبارہ زندہ ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے بنو اسرائیل کے لئے توبہ کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس وقت تک نہیں

جب تک وہ اپنے آپ کو قتل نہ کریں۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی ہم امر الٰہی پر صبر کریں گے۔ آپ نے حکم دیا کہ جنہوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی وہ شرک کرنے والوں کو قتل کریں۔ وہ میدان میں بیٹھ گئے قوم نے ان پر تلواریں سونت لیں۔ اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دل پسیج گیا۔ عورتیں اور بچے رو رو کر ان کی طرف سے معافی مانگ رہے تھے۔ اللہ رب العزت نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ انہیں معاف فرما دیا۔ حضرت موسیٰ کو تلواریں ہٹانے کا حکم دیا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس واپس آئے۔ ستر آدمی حضرت ہارون کے ساتھ تھے جنھوں نے بچھڑے کی پوجا نہ کی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اپنے رب کے وعدہ کی طرف چلو۔ انہوں نے عرض کی اے موسیٰ! کیا توبہ ممکن نہیں۔؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ اپنے آپ کو قتل کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے...... الخ۔ انہوں نے تلواریں خنجر اور چھریاں سونت لیں، اللہ نے ان پر دھند بھیجی۔ وہ ہاتھ لگا کر چھوتے اور دوسرے کو قتل کرتے رہے۔ حتیٰ کہ آدمی نے لاعلمی میں اپنے باپ اور بھائی کو بھی قتل کر دیا وہ آواز دیتے تھے اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے صبر کیا حتیٰ کہ اللہ کی رضا کو پا لیا۔ قتل ہونے والے شہادت کے مقام پر فائز ہوئے اور زندہ رہنے والوں کی توبہ قبول کر لی گئی۔

وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

''اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر۔ پس (اس گستاخی پر) آلیا تم کو بجلی کی کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے جلا اٹھایا تمہیں تمہارے مر جانے کے بعد کہ کہیں تم شکر گزار بنو''۔

ارشاد ہوتا ہے میری اس نعمت کو یاد کرو جب میں نے تمہیں دوبارہ زندہ کیا تھا۔ اس وقت جب تم نے ظاہراً اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا جو تمہارے اور تمہارے جیسے لوگوں کے لئے ممکن نہیں تھا تو تمہیں بجلی کی ایک کڑک نے ہلاک کر دیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جهرةً کا معنی علانیہ کیا ہے۔ قتادہ اور ربیع بن انس کا قول ہے عیاناً (ظاہراً) حتیٰ کہ ہم اسے دیکھ لیں۔ ربیع بن انس سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمی منتخب کر کے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ انہوں نے کلام الٰہی کو سنا لیکن وہ مطالبہ کرنے لگے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم اللہ کو ظاہراً دیکھ نہ لیں۔ انہوں نے ایک خوفناک کڑک کی آواز سنی۔ جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔ مروان بن حکم نے مکہ مکرمہ میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے کہا صاعقہ آسمانی کڑک کو کہتے ہیں۔ سدی کا قول ہے صاعقہ کا معنی آگ ہے۔

وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ عروہ بن رویم کا قول ہے کہ بعض ہلاک ہو گئے اور بعض انہیں دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ زندہ ہوئے اور دوسرے مر گئے۔ سدی کا قول ہے کہ جب وہ مر گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام گریہ وزاری فرمانے لگے۔ اور یہ دعا فرمانے لگے اے رب میں بنی اسرائیل کو کیا جواب دوں گا تو نے ان کے سرداروں کو ہلاک فرما دیا: لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَ اِیَّایَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ (اعراف:155) ''(اے رب) اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا انہیں اس سے پہلے اور مجھے بھی۔ کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس (غلطی) کے جو کی چند احمقوں نے ہم سے''۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ یہ ستر، بچھڑے کے پجاریوں میں سے تھے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا۔ وہ ایک ایک کر کے اٹھے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے کہ وہ کیسے زندہ

ہوتے ہیں۔ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ...... میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ قتادہ اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ ان کی یہ موت بطور سزا تھی اپنی طبعی عمر پورا کرنے کے لئے انہیں دوبارہ زندہ کیا گیا۔محمد بن اسحٰق کا قول ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور انہیں بچھڑے کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا۔حضرت ہارون اور سامری سے آپ کی بحث وتکرار ہوئی۔بچھڑے کو جلا کر راکھ سمندر میں بہا دی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر چیدہ چیدہ آدمی منتخب فرمائے۔انہیں حکم دیا کہ اللہ کی طرف چلو اور اپنے اور اپنی قوم کی طرف سے توبہ کرو۔روزہ رکھو۔غسل کر کے صاف کپڑے پہنو۔اللہ کے دیے ہوئے وعدہ کے مطابق آپ علیہ السلام انہیں لے کر طور سینا کی طرف آئے۔بارگاہ الٰہی سے اجازت کے بغیر آپ تشریف نہیں لے جاتے تھے۔چنانچہ تیار ہو کر وہ ستر آدمی نکلے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کرنے لگے کہ ہم کلام الٰہی کو اپنے کانوں سے سننا چاہتے ہیں۔جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے قریب پہنچے تو ایک بادل آیا اور سارے پہاڑ پر چھا گیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام قریب ہوئے اور اس میں داخل ہو گئے۔آپ نے اپنی قوم کو بھی آگے آنے کا اشارہ کیا۔بارگاہ الٰہی سے مکالمہ کے وقت آپ کی پیشانی نور سے چمکنے لگتی۔کوئی آدمی اس وقت آپ کے چہرے کی طرف نہ دیکھ سکتا۔درمیان میں پردہ کیا گیا۔وہ جب اندھیرے میں داخل ہوئے تو فوراً سجدے میں گر پڑے۔چنانچہ انہوں نے اللہ کے اوامر ونواہی سنے۔جب وہ سلسلہ کلام ختم ہوا تو بادل چھٹ گیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے انہوں نے فوراً رویت باری تعالیٰ کا مطالبہ کر دیا۔ایک گرج دار آواز نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام بارگاہ ربانی میں تضرع اور زاری کرنے لگے۔اے مولیٰ اگر تو چاہتا تو آج سے پہلے بھی مجھے اور انہیں ہلاک کر سکتا تھا۔انہوں نے حماقت کی ہے۔کیا ان کی چند بیوقوفیوں کے سبب تو بنو اسرائیل کو ہلاک فرمائے گا۔یعنی اس میں ان کے لئے ہلاکت ہے میں نے ان میں سے ستر افراد منتخب کیے تھے۔اب ان میں سے ایک بھی میرے ساتھ نہیں رہا۔اس کے بعد وہ کیسے میری تصدیق کریں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے۔؟"اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ" (اعراف:156)" بے شک ہم نے رجوع کیا ہے تیری طرف" موسیٰ علیہ السلام یونہی فریاد کناں رہے۔خشوع وخضوع سے مطالبہ کرتے رہے تا آنکہ اللہ رب العزت نے ان کی ارواح کو لوٹا دیا اور بچھڑے کی عبادت کے جرم عظیم پر بنی اسرائیل کی طرف سے توبہ منظور کرنے کی درخواست پر فرمایا ان کی توبہ اس وقت قبول ہوگی جب یہ ایک دوسرے کو قتل کریں۔(یہ محمد بن اسحٰق کی کلام ہے)۔اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی الکبیر کا قول ہے۔جب بچھڑے کی پرستش سے بنی اسرائیل نے توبہ کی اور حکم خداوندی کے مطابق ایک دوسرے کو قتل کیا تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنو اسرائیل کے کچھ لوگ میری بارگاہ میں آکر معذرت کریں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمی اپنے ساتھ منتخب کر کے لے گئے۔......

اس کلام کے سیاق وسباق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خطاب بظاہر تمام بنو اسرائیل کو ہے لیکن فی الحقیقت مراد صرف وہی ستر شخص ہیں بہت سے مفسرین نے اس کے سوا کچھ بیان نہیں کیا۔رازی نے اس جگہ ایک عجیب بات نقل فرمائی ہے کہ ان ستر افراد نے جی اٹھنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی۔آپ مستجاب الدعوات ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں ہمیں نبوت عطا فرمادے تو آپ علیہ السلام نے دعا کی اور اللہ نے آپ کی دعا کو منظور فرمالیا۔لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں حضرت ہارون علیہ السلام کے سوا کوئی نبی نہیں ہوا۔پھر حضرت یوشع بن نون نبوت سے سرفراز فرمائے گئے۔اہل کتاب بھی یہاں ایک غلط دعویٰ کرتے ہیں۔کہ ان افراد کو دیدار باری تعالیٰ کا شرف حاصل ہوا تھا۔اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی ذات کے لئے زیارت کی آرزو کی تو آپ علیہ السلام کو روک دیا گیا۔پھر بھلا یہ ستر افراد اسے کیسے پا سکتے تھے۔

دوسرا قول: اس آیت کی تفسیر میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے تورات پر

مشتمل تختیاں لے کر ان کے پاس آئے تو انہیں بچھڑے کی عبادت کرتے پایا۔ پس انہیں اپنوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ اور فرمایا ان تختیوں پر اللہ کی کتاب لکھی ہوئی ہے۔ اس میں اوامر ونواہی کا بیان ہے۔ وہ کہنے لگے آپ کی بات پر کون یقین کرے؟ ہم اس وقت تک ہرگز نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ کو ظاہراً دیکھ نہ لیں۔ وہ ہمیں آگاہ فرمائے کہ یہ میری کتاب ہے۔ اس پر عمل کرو کیا وجہ ہے کہ اے موسیٰ وہ آپ سے تو ہم کلام ہو لیکن ہم سے بات نہ کرے۔ اس کے بعد یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ ...... چنانچہ اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا اور توبہ کے بعد وہ ایک زوردار آواز سے ہلاک کر دیئے گئے۔ فرماتے ہیں پھر اللہ نے انہیں زندہ فرمایا۔ (اس کے بعد یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی) ثُمَّ بَعَثۡنٰكُمۡ ...... پھر زندہ کیے گئے۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کتاب اللہ پر عمل کرو۔ انہوں نے پھر انکار کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا تمہیں کیا ہے وہ کہنے لگے ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کتاب (تورات) کو تھام لو۔ انہوں نے انکار کر دیا تو اللہ نے فرشتوں کو بھیجا انہوں نے پہاڑ اٹھا کر ان پر معلق کر دیا۔ اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ زندہ ہونے کے بعد مکلّف کیے گئے ماوردی نے یہاں دو اقوال ذکر کیے ہیں۔ ایک فریق کہتا ہے جب انہوں نے معاملے کو واضح طور پر دیکھ لیا تو ان سے تکلیف ہٹ گئی۔ کیونکہ وہ یہ سب کچھ ماننے پر مجبور ہو گئے تھے۔ دوسرے فریق کا خیال ہے کہ اس کے باوجود وہ مکلّف رہے کیونکہ کوئی عاقل (ذی شعور) بھی تکلیف سے خالی نہیں۔ (تکلیف کا لغوی معنی مشکل کام حکم دینا ہے اور یہاں اس سے مراد کسی شخص پر شرعی احکام کا نافذ کرنا ہے مترجم)۔ قرطبی کا قول ہے کہ یہی صحیح ہے کیونکہ ہولناک امور دیکھ لینا تکلیف کے مانع نہیں۔ بلکہ بنواسرائیل نے تو بے شمار خلاف عادت امور (خوارق) کا مشاہدہ کیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ مکلّف ہی رہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

وَظَلَّلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡغَمَامَ وَاَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى ؕ كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ ؕ وَمَا ظَلَمُوۡنَا وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۵۷﴾

"اور ہم نے سایہ کر دیا تم پر بادل کا اور اتارا تم پر من وسلویٰ کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں اور انہوں نے ہم پر کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ وہ اپنی ہی جانوں پر زیادتی کرتے رہتے تھے"۔

اللہ جل جلالہ نے بنواسرائیل سے جن عذابوں کو دور فرمایا تھا ان کا تذکرہ کرنے کے بعد اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ ہم نے تمہیں فلاں فلاں نعمتیں دے رکھی تھیں۔ وَظَلَّلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡغَمَامَ فرمایا ہم نے تم پر بادل کا سایہ کر دیا تھا۔ غمام یہ غمامۃ کی جمع ہے اسے یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ آسمان کو ہر طرف سے ڈھانپ لیتا ہے۔ یہ ایک سفید بادل تھا جو تیہ کے ریگستانوں میں ان پر سایہ کیے رہا اور دھوپ سے بچاتا رہا۔ جیسے کہ نسائی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فتون والی حدیث میں نقل کیا ہے۔ فرمایا ہم نے تیہ میں تم پر بادل کا سائبان تان دیا تھا۔ ابن ابی حاتم لکھتے ہیں ابن عمر، ربیع بن انس، ابومجلز، ضحاک اور سدی کی رائے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرح ہے۔ حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر نے بعض دیگر مفسرین کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ بادل زیادہ ٹھنڈا اور عمدہ تھا۔ ثوری اور ابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ بادل وہی تھا جس میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جلوہ فرمائے گا۔ یہ بادل صرف انہی پر سایہ فگن ہوتا۔ ابن جریر نے ابوحذیفہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ گویا ان کی مراد یہ ہے کہ یہ بادل ان بادلوں سے زیادہ خوبصورت، عمدہ اور پررونق تھا۔ جیسا کہ سنید نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ کہ یہ بادل ٹھنڈا اور عمدہ تھا اسی میں اللہ

تعالیٰ قیامت کے دن تشریف لائے گا۔ ارشاد ہوتا ہے: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ (البقرہ: 210) ''کیا وہ اس بات کا انتظار کررہے ہیں کہ آئے ان کے پاس (اللہ کا عذاب) چھائے ہوئے بادلوں کی صورت میں اور فرشتے'' اسی بادل میں فرشتے بدر کے دن اترے تھے۔ یہ واقعہ تیہ کے صحرا کا ہے۔ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ۔ مَنَّ سے کیا مراد ہے اس بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ علی بن طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ کہ یہ چیز بوٹیوں پر رات کو گر کر جم جاتی تھی۔ وہ صبح اٹھ کر اسے جمع کر لیتے اور بطور غذا استعمال میں لاتے مجاہد کا قول ہے کہ مَنَّ سے مراد گوند ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ یہ شکر تھی جو سائے کی نعمت کی طرح انہیں عطا کی گئی تھی۔ سدی کا قول ہے انہوں نے عرض کی اے موسیٰ! یہاں ہمیں کھانا کہاں سے میسر آئے گا؟ تو اللہ نے ان پر مَنَّ نازل فرمایا۔ جوزنجبیل کے پودے پر اترا کرتا تھا حضرت قتادہ کا قول ہے کہ یہ ان کے گھروں میں برف کی طرح گرتا تھا۔ اس کی رنگت دودھ سے زیادہ سفید تھی اور ذائقہ شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک اترتا رہتا۔ ہر آدمی اپنی دن بھر کی ضرورت کے مطابق اٹھالیتا۔ اگر کوئی زیادہ لے لیتا تو یہ خراب ہو جاتا۔ حتیٰ کہ جب چھٹا دن (جمعہ) آتا تو وہ دو دن (جمعہ اور ہفتہ) کے لئے لے لیتے۔ کیونکہ ہفتہ ان کیلئے عید کا دن تھا۔ کوئی شخص اس دن امور معیشت میں مشغول نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ سب نعمتیں صحرا میں میسر تھیں۔ ربیع بن انس کا قول ہے کہ من شہد کی طرح کا ایک مشروب تھا جسے پانی میں ملا کر پیتے تھے۔ وہب بن منبہ سے من کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا یہ پتلی روٹی (پراٹھا) تھی۔ ابن جریر نے عامر شعبی سے روایت کیا ہے کہ تمہارا یہ شہد اس من کا سترہواں حصہ تھا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے بھی اس کا معنی شہد ہی کیا ہے۔ امیہ بن ابی الصلت کہتا ہے۔

فَرَاٰی اللّٰهُ اَنَّهُمْ بِمَضْيَعٍ　　لَا بِذِيْ مَزْرَعٍ وَلَا مَثْمُوْرَا

فَسَنَاهَا عَلَيْهِمْ غَادِيَاتٍ　　وَ يَرٰی مُزْنُهُمْ خَلَايَا وَخُوْرَا

عَسَلًا نَاطِفًا وَ مَاءً فُرَاتًا　　وَ حَلِيْبًا ذَا بَهْجَةٍ مَزْمُوْرًا

ناطف سے مراد بہنے والا اور الحلیب المزمور سے مراد صاف شفاف دودھ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ من کی تفسیر میں مفسرین کی عبارتیں قریب قریب ہیں۔ بعض نے اس سے مراد کھانا اور بعض نے مشروب لیا ہے۔ حقیقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن بظاہر من سے مراد ہر وہ چیز تھی جو خواہ کھانا ہو یا مشروب یا کوئی اور چیز جس کے حصول میں کسی قسم کی مشقت یا تکلیف نہیں اٹھانا پڑتی تھی۔ اگر صرف اسے کھایا جائے تو خوراک تھی۔ اور پانی کے ساتھ ملانے سے عمدہ مشروب کی شکل اختیار کر لیتی تھی اور اگر کسی اور چیز سے ملاتے تو کوئی اور چیز بن جاتی تھی۔ یہاں آیت میں من سے مراد صرف یہی مشہور چیز نہیں ہے۔ اس کی دلیل صحیح بخاری کی حدیث شریف ہے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کھمبی یہ بھی من ہے اور آنکھ کے لئے باعث شفا ہے'' (1)۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اور جماعت نے بھی اپنی کتب میں ماسوائے ابوداؤد کے۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ بخاری و مسلم نے اسے حسن عرنی کی روایت سے بیان کیا ہے۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''عجوہ (مدینہ کی کھجور کی مشہور قسم) جنتی چیز ہے اس میں زہر کا تریاق ہے۔ کھمبی یہ من ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے'' (2)۔ یہ حدیث صرف ترمذی نے روایت کی ہے اور فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے اور صرف ان دو سندوں سے ہم تک پہنچی ہے۔ آگے لکھتے ہیں اور یہی روایت اسی طرح سعید بن زید، ابوسعید اور جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ نے اپنی تفسیر میں یہی حدیث

1۔ البخاری: کتاب التفسیر: 22/6　　2۔ تحفۃ الاحوذی، ابواب الطب: 233/6

ایک دوسری سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔لیکن اس سند سے یہ حدیث غریب ہے۔اس کی سند میں طلحہ بن عبدالرحمٰن سلمی واسطی ہے جس کی کنیت ابوسلیمان مؤدب یا ابومحمد ہے۔اس کے بارے میں حافظ ابواحمد بن عدی کا قول ہے کہ یہ قتادہ سے بعض اشیاء روایت کرتا ہے جن کی اتباع نہ کی جائے۔ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بعض کا کہنا تھا کہ ''کھمبی زمین کی چیچک ہے۔''تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کھمبی من ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔عجوہ جنت سے ہے اور زہر سے شفا ہے۔نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو مختلف سندوں سے روایت کیا ہے اسی طرح احمد نے جابر بن عبد اور ابوسعید خدری سے۔ان سب روایات کے الفاظ میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن یہ سب اسناد عمدہ ہیں کذب کا احتمال نہیں رکھتیں اور حدیث کی اصل رسالت مآب ﷺ تک محفوظ ہے جیسا کہ سعید بن زید کی روایت ہے (اختصار کے پیش نظر تمام اسناد اور اختلاف الفاظ کو حذف کر دیا گیا ہے۔وضاحت کے لئے عربی متن کی طرف رجوع کریں،مترجم)۔

سلویٰ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ بٹیر کی طرح کا ایک پرندہ ہے۔جسے وہ کھاتے تھے۔سدی نے بھی ابن عباس،ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ کرام سے یہی روایت کیا ہے۔ابن ابی حاتم نے بھی ابن عباس سے یہی نقل کیا ہے۔مجاہد،شعبی،ضحاک،حسن،عکرمہ اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔حضرت عکرمہ سے ایک روایت ہے کہ یہ جنت کے پرندوں سے مشابہ ایک پرندہ ہے۔یہ چڑیا جیسا یا اس سے کچھ بڑا ہوتا ہے۔قتادہ کا قول ہے کہ اس کا رنگ سرخ ہوتا تھا۔دکھنی ہوا انہیں کھینچ لاتی تھی۔ہر آدمی اپنی دن بھر کی ضروریات کے مطابق انہیں ذبح کر لیتا۔اس سے زیادہ خراب ہو جاتا۔اور باقی نہ رہتا لیکن جمعہ کے دن دو دن کے لئے جمع کر لیتے کیونکہ ہفتہ (ساتواں دن) عبادت و ریاضت کے لئے مخصوص تھا۔وہب بن منبہ کا قول ہے کہ سلویٰ کبوتر کی جسامت کا پرندہ تھا جو ان کے پاس آتا اور وہ ایک ہفتے کے لئے ذخیرہ کر لیتے۔حضرت وہب کی روایت میں ہے کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گوشت کا سوال کیا۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں انہیں وہ گوشت کھلاؤں گا جس کا زمین میں بہت کم لوگوں کو علم ہے۔اللہ نے ان پر ایک ہوا بھیجی جس نے ان کے گھروں کے قریب سلویٰ (بٹیر) بکھیر دیئے ایک مربع میل میں نیزے کی بلندی کے برابر اونچا ڈھیر لگ گیا۔انہوں نے اگلے دن کے لئے بھی چھپا لیا تو وہ گوشت بدبودار ہو گیا۔اور کھانے کے قابل ہی نہ رہا۔سدی کا قول ہے کہ جب بنو اسرائیل صحرائے تیہ میں گرفتار ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے یہاں ہمارے کھانے پینے کا بندوبست کیسے ہوگا۔تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان پر من اتارا۔یہ **زنجبیل** کے درخت پر اترتا تھا۔سلویٰ،یہ بٹیر کے مشابہ لیکن جسامت میں اس سے بڑا ہوتا ہے۔اگر وہ کسی کے پاس آتا اور وہ اسے موٹا تازہ دیکھتا تو شکار کر لیتا و گرنہ چھوڑ دیتا اور وہ موٹا ہو کر ان کے پاس آجاتا تھا۔وہ کہنے لگے یہ تو کھانا ہے پانی کہاں سے آئے گا؟ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر اپنا عصا مارا اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ہر قبیلے نے ایک ایک چشمہ منتخب کر لیا۔وہ کہنے لگے پانی تو مل گیا اب سایہ کے بغیر گذارا مشکل ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے بادل کا سائبان تن دیا۔پھر وہ لباس کا مطالبہ کرنے لگے۔چنانچہ ان کے لباس (قدرت الٰہیہ سے) خود بخود قد کے ساتھ بڑھتے رہتے جیسے بچے بڑھتے ہیں اور ان کا کپڑا بوسیدہ ہو کر پھٹتا نہیں تھا۔ان تمام نعمتوں کی طرف ہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں اشارہ فرمایا ہے: وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ ...... اور فرمایا: وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ ...... وہب بن منبہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول بھی اسی طرح ہے۔ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے کپڑے نہ بوسیدہ ہوتے اور نہ انہیں دھونے کی ضرورت پیش آتی۔اس سے آگے ابن جریج لکھتے ہیں کہ اگر وہ زائد از ضرورت من و سلویٰ کا ذخیرہ کر لیتے تو یہ خراب ہو جاتا لیکن اگر جمعہ کو دو دن کے لئے لے لیتے تو خراب نہ ہوتا۔

ابن عطیہ کا قول ہے کہ باتفاق مفسرین سلوی ایک پرندہ ہے۔ ہذلی شاعر نے غلطی سے اسے شہد قرار دیا ہے اور بطور استشہاد وہ کہتا ہے۔

وَقَا سَمَهَا بِاللّٰهِ جُهْدًا لَا نْتُم اَلَذُّ مِنَ السَّلْوٰى اِذَا مَا نَشُوْرُهَا

سلوی کو شہد گمان کیا۔ قرطبی کا قول ہے کہ اجماع کا دعوی صحیح نہیں کیونکہ مورج جن کا شمار علماء لغت وتفسیر میں ہوتا ہے کا قول ہے کہ یہ شہد ہے۔ اور ہذلی کے اس شعر سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بنو کنانہ کی لغت بھی یہی ہے۔ کیونکہ اس سے شگفتگی اور فرحت وتازگی حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے ہے عین سلوان۔ جوھری نے بھی سلوی کا معنی شہد لیا ہے۔ اور ہذلی کے مذکورہ شعر سے استدلال کیا ہے۔ ''السلوانۃ'' ایک نگینہ ہوتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر اس سے پڑنے والے بارش کے پانی کو عاشق زار پی لے تو اسے آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

شَرِبْتُ عَلٰى سُلْوَانَةٍ مَاءَ مُزْنَةٍ فَلَا وَجَدِيْدِ الْعَيْشِ يَا مَيَّ مَا اَسْلُوْ

اس پانی کا نام سلوان ہے۔ بعض کا قول ہے کہ سلوانا یک دوائی ہے جس کے پینے سے کبیدہ خاطر شخص کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اطباء وحکماء اسے ''مفرح'' کہتے ہیں۔ کہتے کہ سلوی اسم جمع ہے جیسے ''سمانی'' مفرد اور جمع دونوں کے لئے آتا ہے اسی طرح ''دفلی'' ہے۔ خلیل کا قول ہے کہ اس کا واحد ''سلواۃ'' آتا ہے اور یہ شعر کہا ہے۔

وَاِنِّیْ لَتَعْرُوْنِیْ لِذِكْرَاكِ هِزَّةٌ كَمَا انْتَفَضَ السَّلْوَاةُ مِنْ بَلَلِ الْقَطْرِ

کسائی کا قول ہے کہ یہ واحد اور اس کی جمع سلاوی آتی ہے یہ سب قرطبی نے نقل کیا ہے۔ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (بقرہ:57) کھاؤ امر کا صیغہ اباحت، ارشاد اور اظہار احسان کے لئے ہے۔ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ یعنی ہم نے انہیں حکم دیا کہ ہماری عطا کردہ پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ۔ اور عبادت کرو۔ جیسے ایک جگہ فرمایا: كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ (سبا:15) ''کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور اس کا شکر ادا کرو'' لیکن بجائے اس کی بے پایاں رحمتوں اور لاتعداد نعمتوں پر شکریہ ادا کرنے کے انہوں نے مخالفت اور ناشکری کی۔ واضح نشانیوں اور قطعی معجزات اور خلاف عادت واقعات کا انکار کر کے اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ یہاں سے حضور نبی کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابہ کرام کی فضیلت دیگر تمام انبیاء کے اصحاب پر ظاہر ہوتی ہے کہ وہ صبر وثبات اور عجز وانکسار کا بے مثال مرقع تھے۔ تمام بیرونی دوروں اور غزوات میں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے۔ حتیٰ کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر شدید گرم موسم میں دھوپ کی تمازت اور بے پناہ مشکلات کا بخوشی سامنا کیا اور کسی قسم کے معجزے اور خلاف فطرت بات کا مطالبہ نہ کیا۔ باوجودیکہ تمام امور نبی کریم ﷺ کے لئے ازحد آسان تھے۔ (ہاں جنگ تبوک کے موقع پر) جب بھوک سے نڈھال ہو گئے۔ تو کھانے میں برکت کی درخواست کی۔ جو کچھ بچا کھچا تھا جمع کیا۔ وہ سب کچھ اس قدر جگہ بھی نہ گھیر سکا جس پر بکری بیٹھتی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور سب کو اپنے توشہ دان بھر لینے کا حکم دیا۔ اسی طرح سخت پیاس کے وقت جب پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا فرمائی ایک بادل آیا۔ خوب کھل کر برسا۔ سب نے پیا۔ جانوروں کو پلایا اور اپنے مشکیزے اور مشکیں بھر لیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ بارش تو صرف لشکر کے پڑاؤ پر ہی ہوئی تھی۔ متابعت اور اطاعت کی یہ اعلیٰ ترین مثال ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۸ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ

الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

''اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا داخل ہو جاؤ اس بستی میں پھر کھاؤ اس میں جہاں سے چاہو اور جتنا چاہو اور داخل ہونا دروازہ سے سر جھکائے ہوئے اور کہتے جانا بخش دے (ہمیں) ہم بخش دیں گے تمہاری خطائیں اور ہم زیادہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو پس بدل ڈالا ان ظالموں نے اور بات سے جو کہا گیا تھا انہیں تو ہم نے اتارا ان ستم پیشہ لوگوں پر عذاب آسمان سے بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے''۔

جہاد سے منہ موڑنے اور ارض مقدس میں داخلے سے انکار پر اللہ تعالیٰ انہیں ملامت فرما رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے جب وہ بلاد مصر سے ہجرت کر کے چلے آئے تو انہیں اپنی آبائی میراث ارض مقدس میں آباد ہونے اور کفار عمالقہ سے جہاد کرنے کا حکم ملا۔ (کیونکہ یہود کی عدم موجودگی میں انہوں نے بنی اسرائیل کے اصلی وطن شام پر قبضہ جما لیا تھا) لیکن انہوں نے لڑائی سے صاف انکار کر دیا۔ کمزوری اور بے سروسامانی کا بہانہ کیا۔ چنانچہ اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں تیہ کے ریگستان میں ڈال دیا۔ اس کا ذکر سورۂ مائدہ میں آیا ہے۔ اصح قول کے مطابق یہاں قریہ کے لفظ سے مراد بیت المقدس ہے۔ جیسا کہ سدی، ربیع بن انس، قتادہ، ابو مسلم اصفہانی وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کی حکایت کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا...... (مائدہ: 21) ''اے میری قوم! داخل ہو جاؤ اس پاک زمین میں جسے لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور نہ پیچھے ہٹو'' بعض دیگر علماء کا قول ہے کہ یہ اریحاء ہے۔ لیکن ابن عباس اور عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے کہ یہ بات بعید ہے کیونکہ یہ شہر ان کے راستے میں نہیں آتا اور دوسری بات یہ کہ وہ بیت المقدس جانا چاہ رہے تھے نہ کہ اریحاء کی طرف۔ اس سے بعید از قیاس بات ان لوگوں کی جنہوں نے اس سے مراد مصر لیا ہے۔ رازی نے اسے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ چالیس سال تک تیہ کے صحرا کی خاک چھانے کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ہمراہ اس خطہ سے آزاد ہو گیا۔ نکلے جہاد کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے جمعہ کی شام انہیں فتح نصیب فرمائی اور وہ ارض مقدس زمین کے مالک بنے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورج کو تھوڑی دیر کے لئے روک دیا تھا تا کہ ان کے لئے فتح ممکن ہو جائے (واضح ہے کہ ہفتہ کے دن ان کے لئے لڑائی کرنا حرام تھا) جب وہ اسے فتح کر چکے تو حکم ہوا کہ شہر کے دروازے سے سر جھکائے ہوئے داخل ہوں یہ تضرع اور تذلل اللہ کی طرف سے فتح و نصرت، اپنے ملک کی آزادی، صحرائے تیہ اور گمراہی سے نجات جیسی نعمتوں پر اظہار تشکر و سپاس کی خاطر تھا۔ عوفی کی تفسیر یہی ہے کہ ابن عباس نے ''سُجَّدًا'' کا معنی ''رُكَّعًا'' کیا ہے۔ ابن جریر نے سعید بن جبیر کے حوالے سے ابن عباس سے یہی روایت کیا ہے کہ چھوٹے دروازے سے رکوع کی حالت میں داخل ہوں۔ حاکم اور ابن ابی حاتم نے سفیان ثوری کی حدیث میں یہی نقل کیا ہے لیکن اس پر یہ اضافہ ہے کہ وہ اپنی پشتوں کے بل داخل ہوئے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ وہ داخلے سے قبل اپنے چہروں کے بل سجدہ کریں (یعنی ان کے نزدیک یہاں سجدہ کا شرعی معنی مراد ہے۔ مترجم) لیکن رازی نے اسے بعید از قیاس خیال کیا ہے۔ بعض مفسرین سے مروی ہے کہ یہاں سجدہ کا لغوی معنی تذلل اور انکسار مراد ہے کیونکہ حقیقی معنی یہاں مراد لینا ناممکن ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ دروازہ قبلہ سے پہلے تھا۔ ابن عباس، مجاہد، سدی، قتادہ اور ضحاک اور کا قول ہے کہ یہ باب الحطہ ہے جو کہ بیت المقدس کا ایک دروازہ ہے۔ رازی نے بعض لوگوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ باب سے مراد جہت قبلہ ہے۔ خصیف اور

عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ پہلو کے بل داخل ہوئے۔ سدی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہیں خشوع وخضوع سے سر جھکا کر اندر داخل ہونے کا حکم تھا لیکن وہ خلاف ورزی کرتے ہوئے سر اٹھائے ہوئے داخل ہوئے۔ (وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ) ثوری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حطۃ سے مراد طلب مغفرت ہے۔ عطاء، حسن، قتادہ اور ربیع بن انس کا یہی قول ہے۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یوں کہو" یہ امر حق ہے۔" جیسے تمہیں کہا گیا ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہو لا الہ الا اللہ اوزاعی کا قول ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی کی طرف لکھا۔ (جس کا انہوں نے تو نام بھی بیان کیا تھا) اور اس سے حطۃ کا معنی پوچھا جواباً اس نے لکھا" گناہ کا اعتراف کرو۔" حسن اور قتادہ کا قول ہے ہماری لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر دے۔ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ یہ جواب امر ہے یعنی اگر تم نے ہمارے دیئے ہوئے حکم پر عمل کیا تو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور نیکیاں بڑھا دیں گے۔

خلاصہ بحث: یہ فتح کے وقت انہیں قولاً فعلاً بارگاہ الٰہی میں جھکنے، اعتراف گناہ، اس پر استغفار کرنے اور احسان پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ نصرت خداوندی پر تشکر وامتنان اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے ارشاد ہوتا ہے۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ .... اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا" ترجمہ: جب اللہ کی مدد آ پہنچے اور فتح (نصیب ہو جائے) اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج۔ تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے اور (اپنی امت کے لئے) اس سے مغفرت طلب کیجئے بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے" (سورۂ نصر: 3-1)۔ بعض صحابہ نے اس کی تفسیر فتح ونصرت کے وقت کثرت ذکر اور استغفار سے کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس میں سرکار دوعالم ﷺ کو اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ آپ (ﷺ) کا آخری وقت قریب آ پہنچا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کی تصدیق فرمائی۔ اور اس میں کوئی تضاد نہیں کہ اس میں استغفار کا حکم بھی ہو اور آپ ﷺ کی مبارک روح کو وقت رحیل کی خبر بھی۔ اسی لیے سرکار دوعالم ﷺ فتح کے وقت از حد تواضع اور انکسار ظاہر فرماتے تھے۔ مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ ثنیہ علیا (بالائی گھاٹی) کی طرف سے شہر میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے تھے اس طرح کہ قریب تھا کہ آپ ﷺ کی ٹھوڑی مبارک پالان کو چھو جائے۔ شہر میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے آٹھ رکعتیں ادا فرمائیں یہ چاشت کا وقت تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے چاشت کے نوافل ادا فرمائے بعض کے نزدیک یہ فتح ونصرت پر شکرانے کے نوافل تھے۔ چنانچہ ان کی رائے میں حاکم یا امیر جب فاتحانہ طور پر کسی شہر میں داخل ہو تو سب سے پہلے آٹھ رکعات پڑھنا اس کے لئے مستحب ہے۔ جیسے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے ایوان کسریٰ میں داخلے کے وقت آٹھ رکعتیں ادا فرمائی تھیں۔ صحیح یہ ہے کہ وہ ہر دو رکعتوں کے مابین سلام کا فاصلہ کرے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک سلام سے ایک ساتھ ہی ساری نماز پڑھے گا۔ واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا" بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ (شہر کے) دروازے سے سر جھکائے ہوئے داخل ہونا اور کہتے جانا بخش دے لیکن وہ سرین کے بل داخل ہوئے اور تحریف کر کے بجائے حطۃ کے "حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَةٍ" کہتے ہوئے گئے۔ ابوداؤد ونسائی، عبدالرزاق، ترمذی نے اسے روایت کیا ہے ترمذی کا قول ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ محمد بن اسحٰق نے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حِنْطَةٌ فِيْ شَعِيْرَةٍ(1) (جو میں گندم) کہا ابن مردویہ کا قول ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم ایک رات حضور

1۔ تفسیر طبری: 303/1

علیہ السلام کے ساتھ سفر میں تھے۔ رات کے آخری حصہ میں ہم ایک گھاٹی سے گذرے جسے ذات حنظل کہا جاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس گھاٹی کی مثال آج رات اس دروازے کی طرح ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل سے فرمایا تھا (اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ...... الخ)(1)۔ سفیان ثوری نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ یہود کو جب اس دروازے میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تو پشت کے بل داخل ہوئے۔ اور کہہ رہے تھے "حِنْطَةٌ حَمْرَآءُ فِي شَعِيْرَةٍ" (جو میں سرخ گندم) اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے: فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ...... ثوری حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حِطَّةٌ کی جگہ "حِنْطَةٌ حَبَّةٌ حَمْرَآءُ فِيْهَا شَعِيْرَةٌ" کہہ دیا۔ تو اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ...... اسباط نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا "هطا سعانا ازبة مزبا" اس کا عربی ترجمہ (حَبَّةُ حِنْطَةٍ فِي حَمْرَآءَ مَثْقُوْبَةٌ فِيْهَا شَعْرَةٌ سَوْدَآءُ) بنتا ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا۔ ثوری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ اللہ نے انہیں فرمایا چھوٹے دروازے سے جھکتے ہوئے داخل ہو۔ تو وہ پیٹھ کے بل داخل ہوئے اور حطۃ کہنے لگے۔ حضرات مجاہد، عطاء، عکرمہ، ضحاک، حسن، قتادہ، ربیع بن انس اور یحییٰ بن رافع کا یہی قول ہے۔ مفسرین کے اقوال کا خلاصہ اور کلام کا سیاق وسباق اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انہوں نے قولاً فعلاً حکم خداوندی کی نافرمانی کی تھی اور اس کا مذاق اڑایا۔ یہ مخالفت اور عناد کی انتہاء ہے۔ قولہ تعالیٰ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کتاب اللہ میں جہاں بھی رجز کا لفظ آیا ہے اس سے مراد عذاب الٰہی ہے۔ مجاہد ابو مالک، السدی، الحسن اور قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد عذاب ہے۔ ابو العالیہ نے رجز کا معنی غضب کیا ہے۔ شعبی کا قول ہے کہ رجز سے مراد طاعون یا سردی ہے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ یہ طاعون ہے ابن ابی حاتم نے سعد بن مالک، اسامہ بن زید اور خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "طاعون عذاب (رجز) ہے تم سے پہلے لوگوں کو یہی عذاب دیا گیا" (2)۔ نسائی نے سفیان ثوری کی روایت میں اسی طرح ذکر کیا ہے اس حدیث کی اصل صحیحین میں موجود ہے۔ اس کے راوی حبیب بن ابی ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "جب تمہیں خبر ملے کہ فلاں سرزمین میں طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ۔" الحدیث(3)۔ ابن جریر نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ تکلیف اور بیماری رجز ہے۔" تم سے پہلی امتوں کو یہی عذاب دیا گیا تھا۔ اس حدیث کی اصل بھی صحیحین میں موجود ہے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۶۰

"اور یاد کرو جب پانی کی دعا مانگی موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لیے تو ہم نے فرمایا مارو اپنا عصا فلاں چٹان پر تو فوراً بہہ نکلے اس چٹان سے بارہ چشمے۔ پہچان لیا ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ کھاؤ اور پیو اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے"۔

ارشاد ہوتا ہے کہ میری اس نعمت کو یاد کرو جب میں نے تمہارے نبی موسیٰ علیہ السلام کی دعاء استسقاء قبول فرمائی تھی اور تمہیں پانی عطا

1۔ الدرالمنثور:71/1 2۔ البخاری:213/4 3۔ البخاری:168/7

فرمایا اس طرح کہ پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر قبیلے نے اپنا چشمہ پہچان لیا۔ اور ہم نے کہہ دیا من وسلوی سے کھاؤ یہ پانی جو تمہیں بغیر کسی کاوش کے دستیاب ہے نوش کرو۔ اور اس وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو جس نے تمہارے لیے یہ چیزیں مسخر فرمائیں۔ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ کفران نعمت نہ کرو ورنہ یہ نعمتیں چھین لی جائیں گی۔ مفسرین کرام نے یہاں کافی وضاحت فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے ایک مربع چٹان پر اپنا عصا مارا تو ہر طرف سے تین چشمے ابلنے لگے۔ ہر قبیلہ اپنے چشمے سے پانی پیتا۔ جب وہ کوچ کرتے تو جس جگہ بھی پڑاؤ کرتے وہ پتھر وہاں پہلے سے موجود ہوتا۔ حدیث کا یہ حصہ نسائی، ابن جریر، ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے یہ حدیث الفتون (فتنوں والی) کے نام سے معروف ہے۔ عطیہ عوفی کا قول ہے کہ یہ پتھر بیل کے سر کی طرح تھا۔ جب سفر کرتے تو اسے بیل پر لاد دیا جاتا۔ جب کسی جگہ پڑاؤ ہوتا اسے رکھ دیتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر اپنا عصا مارتے تو بارہ چشمے جاری ہو جاتے۔ جب کوچ کرتے اسے بیل پر لادتے تو پانی رک جاتا۔ (نوٹ: بارہ چشموں کی وجہ یہ تھی کہ بنو اسرائیل کا ہر قبیلہ دوسرے سے پرخاش رکھتا تھا۔ چونکہ ان قبائل کی تعداد بارہ تھی اس لیے بارہ چشمے جاری ہوئے ہر قبیلے نے ایک چشمہ منتخب کر لیا۔ مترجم) عثمان بن عطاء خراسانی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل کا ایک پتھر تھا۔ حضرت ھارون علیہ السلام اسے رکھتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر ضرب لگاتے تھے۔ حضرت قتادہ کا قول ہے کہ یہ پتھر طور پہاڑ کا تھا۔ اسے ہر وقت اٹھائے پھرتے۔ جب قافلہ قیام کرتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر عصا سے ضرب لگاتے تھے۔ زمخشری کا قول ہے کہ یہ ایک مربع ذراع مساحت کا سنگ مرمر کا تھا۔ ایک قول ہے کہ یہ انسان کے سر کی طرح تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ جنت سے لایا گیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قد مبارک کے برابر اس کا طول دس ہاتھ تھا۔ اس میں دو دراڑیں تھیں جو اندھیرے میں چمکتی رہتی تھیں۔ اسے گدھے پر لادا جاتا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اسے جنت سے لائے تھے۔ ورثہ در ورثہ چلتا ہوا یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ انہوں نے عصا اور یہ پتھر دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ وہی پتھر تھا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بوقت غسل اپنے کپڑے رکھے تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اسے اٹھا لیجئے اس میں قدرت ہے اور اس پر آپ علیہ السلام کے دست مبارک سے معجزہ ظاہر ہوگا۔ تو آپ علیہ السلام نے اسے توبرے میں اٹھا لیا تھا۔ (نوٹ: بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک پتھر پر اپنے کپڑے رکھ کر نہا رہے تھے۔ قدرت خداوندی سے وہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ گیا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ مترجم) زمخشری کا قول ہے کہ یہ الحجر پر لام یہاں جنس کے لئے ہے عہد کے لئے نہیں۔ یعنی اِضْرِبِ الشَّيْءَ الَّذِيْ يُقَالُ لَهُ الْحَجَرُ۔ (وہ چیز جسے پتھر کہا جاتا ہے اس پر عصا مارو) حضرت حسن کا فرمان ہے کہ کسی مخصوص پتھر پر مارنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ فرماتے ہیں اور یہی معجزے کا اظہار اور قدرت کا کمال ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پتھر پر اپنا عصا مارتے تو فوراً اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلتے۔ پھر ضرب لگاتے تو وہ خشک ہو جاتے وہ کہنے لگے اگر یہ پتھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گم ہو گیا تو ہم تو پیاسے مر جائیں گے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ آئندہ پتھر کو حکم دیا کریں تو اس سے چشمے بہنا شروع ہو جائیں گے۔ اب عصا نہ ماریں شاید انہیں یقین آ جائے واللہ اعلم۔ یحییٰ بن نضر کا قول ہے کہ میں نے جویبر سے پوچھا ہر گروہ نے اپنا اپنا چشمہ کس طرح پہچانا تھا؟ انہوں نے کہا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پتھر پر اپنا عصا مارنے لگتے ہر قبیلے کا آدمی پاس کھڑا ہوتا۔ ضرب لگتے ہی فوراً اس میں چشمے جاری ہو جاتے۔ ہر چشمہ ایک شخص کی طرف بہنے لگتا۔ وہ شخص اپنے قبیلے کو بلا کر یہ کہہ دیتا کہ یہ چشمہ تمہارا ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب بنو اسرائیل تیہ کے ریگستان میں مارے مارے پھرتے تھے یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ (قدرت نے) ان کے لئے

پتھر سے پانی کی نہریں جاری کردیں۔ عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے یہی مروی ہے یہ واقعہ اس واقعہ کے مشابہ ہے جو سورۂ اعراف میں ہے لیکن چونکہ وہ مکی سورت ہے۔ اس لئے وہاں اس کا بیان غائب کی ضمیر سے کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ان کے حالات سے آگاہ فرمارہے ہیں۔ لیکن یہ سورت (بقرہ) مدنی سورت ہے۔ اس لیے خطاب ان کو ہے۔ سورۂ اعراف میں فانبجست کہا۔ کیونکہ وہ ابتدائے انفجار ہے۔ اور یہاں آخری حالت کی خبر دی جارہی ہے۔ لہٰذا انفجار کا ذکر یہاں مناسب تھا۔ وہ لفظ وہاں مناسب تھا۔ واللہ اعلم۔ دونوں جگہ کی کلام میں دس جگہ فرق ہے لفظی بھی اور معنوی بھی۔ زمخشری نے انہیں اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے اور ان کے جوابات بھی دیئے ہیں اور یہ حقیقت کے قریب ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ

''اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام)! ہم صبر نہیں کرسکتے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو آپ دعا کیجئے ہمارے لیے اپنے پروردگار سے کہ نکالے ہمارے لیے وہ جن کو زمین اگاتی ہے (مثلاً) ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کیا تم لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو عمدہ ہے۔ (اچھا) جا رہو کسی شہر میں تمہیں مل جائے گا جو تم نے مانگا''۔

اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم اور فضل واحسان کا بیان جاری ہے ارشاد ہوتا ہے میری اس نعمت کو یاد کرو جب میں نے من وسلویٰ جیسا عمدہ، نفع بخش، خوشگوار کھانا بلا مشقت عطا فرمایا۔ لیکن تم الٹے پاؤں پھر گئے اور میرے عطا کردہ رزق پر اکتاہٹ کا اظہار کیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گھٹیا قسم کی اشیاء کا مطالبہ کرنے لگے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ وہ (زیادہ نعمتیں) کھا کھا کر بگڑ گئے اور اترانے لگے۔ ان سے صبر نہ ہوسکا اور گذشتہ طرز زندگی کو یاد کرنے لگے۔ یہ قوم مسور، پیاز، ساگ اور گندم کھانے کی عادی تھی۔ چنانچہ انہوں نے انہی اشیاء کا پرزور مطالبہ کرنا شروع کردیا۔ انہوں نے طعام واحد (ایک کھانے) کا لفظ استعمال کیا تھا حالانکہ وہ دو چیزیں من و سلویٰ کھاتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صبح وشام چونکہ ان کا ایک ہی قسم کا کھانا ہوتا تھا۔ روزانہ ڈش کے تبدیل نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے یہ لفظ استعمال کیا۔ بقل (ساگ پات)، قثاء (ککڑی)، عدس (مسور) اور بصل (پیاز) تو معروف سبزیاں ہیں۔ لیکن فُوم کی تفسیر میں سلف صالحین کا اختلاف ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہ لفظ ثوم ھا ثاء کے ساتھ آیا ہے۔ لیث بن ابی سلیم کی روایت مجاہد سے بھی اسی طرح ہے۔ ربیع بن انس اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت حسن سے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس کا معنی ثوم (لہسن) کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ لغت کی قدیم کتابوں میں ''فَوِّمُوْا لنا'' (اِخْتَبِزُوْا) کے معنی میں آیا ہے۔ یعنی ہمارے لیے روٹی پکاؤ۔ ابن جریر کا قول ہے۔ اگر یہ معنی صحیح ہے تو یہ حروف مبدلہ میں سے ہے۔ جیسے اہل عرب کہتے ہیں (وَقَعُوْا فِیْ عَاشُوْرَ شَرٍّ، عَافُوْرَ شَرٍّ) یا (اَثَافِیْ اور اَثَاثِیْ) یا (مَغَافِیْر اور مَغَاثِیْر) وغیرہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ قریب المخرج ہونے کی وجہ سے ان میں فاء کو ثاء سے اور ثاء کو فاء سے بدلا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض علماء کا قول ہے کہ فوم کا معنی گندم ہے۔ جس سے روٹی پکتی ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس لفظ کا معنی پوچھا گیا تو

آپ رضی اللہ عنہ نے گیہوں بتایا۔ اور سائل سے فرمایا کیا تو نے احیحہ بن جلاح کا یہ شعر نہیں سنا۔

قَدْ كُنْتُ اَغْنَى النَّاسِ شَخْصًا وَاحِدًا وَرَدَ الْمَدِيْنَةَ عَنْ زِرَاعَةِ فُوْمٍ

گندم کی کاشت کے سبب میں شہر کا متمول ترین شخص تھا۔ ابن جریر نے کریب کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ بنو ہاشم کی زبان میں فوم گیہوں کو کہتے ہیں۔ علی بن ابی طلحہ، ضحاک اور عکرمہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔ سفیان ثوری نے مجاہد اور عطاء سے اس کا معنی خُبزٌ (روٹی) کیا ہے۔ ابو مالک، سدی، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ نے بھی اس کا معنی گیہوں ہی نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم جوہری نے گندم، ابن درید نے سنبلة بتایا ہے۔ قرطبی نے عطاء اور قتادہ کا قول لکھا ہے کہ "فوم سے مراد ہر وہ دانہ ہے جو پکایا جاتا ہے۔" علماء تفسیر کے نزدیک یہ حمص (چنا) ہے۔ شامی لغت یہی ہے۔ اس لیے اس کے بیچنے والے کو فامی کہتے ہیں۔ امام بخاری لکھتے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک بطور خوراک استعمال ہونے والے سب دانے فوم کے زمرے میں آتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ آسودہ زندگی، خوشگوار پاکیزہ عمدہ کھانوں کی جگہ یہ گھٹیا کھانے مانگنے پر انہیں زجر و توبیخ کی جا رہی ہے۔ "اِهْبِطُوْا مِصْرًا" مصحف امام میں اسی طرح تنوین کے ساتھ منصرف لکھا ہوا ہے۔ جمہور کی قرأت میں یہ منصرف ہے۔ ابن جریر کا فرمان ہے کہ اگر حضرت عثمان کے مرتب کردہ جامع مصاحف کا اس پر اتفاق نہ ہوتا تو میں اس قرأت کو ہرگز جائز نہ قرار دیتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے کوئی سا شہر مراد لیا ہے۔ جس طرح کہ ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے۔ سدی، قتادہ اور ربیع بن انس کا یہی قول ہے۔ ابن جریر نے ہی لکھا ہے کہ ابی بن کعب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے (مِصْرَ) کی قرأت یعنی غیر منصرف بھی منقول ہے۔ ابو العالیہ اور ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس سے مراد شہر فرعون لیا ہے۔ ابن حاتم نے ان دونوں حضرات کے علاوہ اعمش سے بھی یہی روایت کیا ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ ہوسکتا ہے اس سے مراد فرعون کا شہر ہی ہو۔ لیکن الف کا اضافہ مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کی اتباع میں ہے۔ جیسے اس آیت کریمہ میں ہے (قواریرا قواریرا) پھر اس کی مراد میں توقف کیا ہے کہ فرعون کا شہر ہے یا کوئی غیر معین شہر لیکن ان کی یہ بات محل نظر ہے۔ فی الحقیقت اس سے مراد کوئی سا شہر ہے جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ جس چیز کا تم نے مطالبہ کیا ہے یہ کوئی بڑی چیز نہیں جو جنس نایاب ہو بلکہ کسی بھی شہر میں چلے جاؤ تمہیں یہ چیزیں مل جائیں گی۔ اپنے کمتر درجہ اور کثرت کی وجہ سے ان کے لئے دعا کی ضرورت نہیں۔ چونکہ ان کا یہ سوال تکبر اور سرکشی کی بنا پر تھا۔ اور ان کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے انہیں کوئی جواب نہ دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

"اور مسلط کر دی گئی ان پر ذلت اور غربت اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے یہ (سب کچھ) اس وجہ سے تھا کہ وہ انکار کرتے رہتے تھے اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے تھے انبیاء کو ناحق۔ یہ (سب کچھ) اس وجہ سے تھا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جایا کرتے تھے"۔

قولہ تعالیٰ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ شرعاً و قدراً ذلت اور غربت ان پر مسلط کر دی گئی ہے یعنی وہ ہمیشہ ذلیل رہیں گے۔ جو بھی انہیں پائے گا انہیں رسوا کرے گا، ان سے اہانت آمیز سلوک روا رکھے گا۔ پستی ان پر لازم کر دی گئی ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ

خود بھی ذلیل و رسوا اور تنگدست ہیں۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد ان پر جزیہ لازم کرنا ہے۔ عبد الرزاق نے حسن اور قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیتے ہیں اس حال میں کہ وہ مغلوب ہیں۔ ضحاک کا قول ہے کہ ذلت سے مراد رسوائی ہے۔ حسن کا قول ہے اللہ نے انہیں رسوا کر کے مسلمانوں کے قدموں تلے ڈال دیا ہے۔ اب انہیں کوئی شان و شوکت حاصل نہیں۔ حالانکہ اس امت سے پہلے مجوسی انہیں جزیہ دیتے تھے۔ ابو العالیہ، ربیع بن انس اور سدی کا قول ہے کہ "مسکنۃ" سے مراد فقر و تنگدستی ہے۔ عطیہ عوفی نے اس کا معنی خراج اور ضحاک نے جزیہ کیا ہے۔ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ضحاک نے باءُ و کا معنی مستحق ہو گئے کیا ہے۔ ربیع بن انس نے کہا ہے کہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ سعید بن جبیر نے لکھا ہے کہ ناراضگی کو انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا۔ ابن جریر نے اس کا معنی اِنْصَرَفُوْا وَ رَجَعُوْا کیا ہے۔ بَآءَ فعل یا تو بھلائی کے ساتھ آتا ہے یا برائی کے ساتھ۔ کہا جاتا ہے بَآءَ فُلَانٌ بِذَنْبِہٖ۔ بُوْءً بِہٖ بُوْءًا و بُوَاءً اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ (مائدہ: 29) "میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو اٹھا لے میرا گناہ اور اپنا گناہ" یہاں باء برائی کے ساتھ ہے۔ کلام کا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ منہ پھیر کر لوٹے اللہ کا غضب اٹھائے ہوئے تو ان پر اللہ کا غضب ہوا اور اللہ کی ناراضگی واجب ہو گئی قولہ تعالیٰ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ ہم نے انہیں ذلت، تنگدستی اور غضب الٰہی کی سزا دی ہے یہ بلاوجہ نہیں بلکہ خود ان کی سرکشی، آیات خداوندی کا انکار حاملین شریعت یعنی انبیاء اور ان کے پیروکاروں کی اہانت کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے ان کی تنقیص کی ہے بلکہ بعض اوقات انہیں شہید کرنے سے بھی باز نہ آئے۔ اس سے بڑا اور گناہ کیا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا۔ اور ناحق انبیاء کو قتل کرتے رہے۔ اسی لیے متفق صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تکبر، سرکشی کرتے ہوئے قبول حق سے انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔ امام احمد کا قول ہے (اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ)۔ امام احمد روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں راز کی باتوں میں شامل ہوتا تھا ایک دفعہ میں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا۔ مالک بن مرارہ رہاوی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ میں نے ان کی آخری یہ بات سنی وہ کہہ رہے تھے یا رسول اللہ (ﷺ) اللہ نے جو حسن و جمال مجھے عطا فرمایا وہ آپ کے سامنے ہے۔ میرا جی نہیں چاہتا کہ کسی کی جوتی کا ایک تسمہ بھی مجھ سے اچھا ہو تو کیا یہ خلاف حق نہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "یہ حق سے بغاوت نہیں(1)۔ لیکن بغاوت تو حق کو مسترد کر دینا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔" اسی لیے جب بنو اسرائیل نے آیات خداوندی کے انکار اور انبیاء کو قتل کرنے کے ناپاک جرائم کا ارتکاب کیا تو اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا اور دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کی چادر انہیں اوڑھا دی گئی۔ یہ ان کے گناہوں کی پوری سزا تھی۔ ابوداؤد طیالسی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بنو اسرائیل ایک دن میں تین سو نبیوں کو قتل کر دیتے۔ پھر دن کے آخر میں سبزی فروخت کرنے کا بازار لگاتے۔ امام احمد نے بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں وہ شخص ہو گا جس کو نبی نے قتل کیا ہو یا اس نے نبی کو قتل کیا ہو یا گمراہی کا امام اور تصویریں بنانے والا(2)۔ قولہ تعالیٰ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ اتنی شدید سزا کی ایک اور علت بیان کی جا رہی ہے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھ جایا کرتے تھے۔ عصیان کا معنی فعل المناہی (ممنوع کام کرنا) اور اعتداء کا معنی مقرر کردہ حد اور حکم سے تجاوز کر جانا ہے۔ واللہ اعلم۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰی وَ الصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ

1۔ مسند امام احمد: 385/1
2۔ مسند امام احمد: 385/1

عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

''یقین کرو اسلام کے پیروکار ہوں یا یہودی، عیسائی ہوں یا صابی جو کوئی بھی ایمان لائے اللہ پر اور دن قیامت پر اور نیک عمل کرے تو ان کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے ہاں اور نہیں کوئی اندیشہ ان کے لیے اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔

جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کے اوامر کی خلاف ورزی کی تھی، ممنوعات کا ارتکاب کیا، حد سے تجاوز کیا اور محارم کا ارتکاب کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر جو عذاب مسلط فرمایا تھا اس کا ذکر کرنے کے بعد اب یہ خوشخبری دی جا رہی ہے کہ سابقہ امتوں کے جس شخص نے نیک عمل کئے تھے اس کے لیے اچھا بدلہ ہے۔ اسی طرح تا قیامت جو شخص اس نبی امی کی اتباع کرے گا اس کے لئے ابدی سعادت ہے اور اسے آئندہ کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ ہی جو چیز وہ چھوڑ کر جا رہے ہیں اس کے بارے میں غمگین ہوں گے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس:62) ''سنو! بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' یا ملائکہ بوقت مرگ مومنین سے کہتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حٰمٓ السجدہ:30) ''بے شک وہ (سعادت مند) جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا''۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ سے سابقہ دین (جس کا قبل از اسلام میں پیروکار تھا) کے بارے میں دریافت کیا اور ان کی نمازوں اور عبادات کا ذکر کیا۔ تو یہ آیت اتری: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى...... سدی کا قول ہے کہ یہ آیت اصحاب سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ایک دفعہ وہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں باتیں کر رہے تھے کہ ان کے پرانے ساتھیوں کا تذکرہ چھڑ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو بتایا کہ وہ نماز پڑھتے، روزہ رکھتے، آپ ﷺ پر (غائبانہ) ایمان رکھتے تھے اور گواہی دیتے تھے کہ آپ ﷺ عنقریب مبعوث ہوں گے۔ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ان کی تعریف وتوصیف سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ تو جہنمی ہیں۔ یہ سن کر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو بڑا رنج ہوا۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یہود کا ایمان یہ تھا کہ جو تورات کو مانتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت پر عمل پیرا بھی ہو۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں لیکن وہ تورات اور سنت موسیٰ علیہ السلام پر ہی جما رہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع نہ کرے تو وہ ہلاک ہو گیا۔ نصاریٰ کا ایمان یہ تھا کہ جو شخص انجیل اور شریعت عیسیٰ علیہ السلام پر عمل پیرا ہوا اس کا ایمان مقبول ہے۔ حتیٰ کہ جب حضرت محمد ﷺ تشریف لے آئیں تو جو شخص ان میں سے حضور ﷺ کی اتباع نہ کرے۔ انجیل اور سنت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ چھوڑے وہ بھی ہلاکت میں ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ (میں کہتا ہوں) کہ یہ روایت علی بن ابی طلحہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کے منافی نہیں یہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى ...... پہلے نازل ہوئی اس کے بعد یہ آیت اتری: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (آل عمران:85) ''اور جو تلاش کرے گا اسلام کے بغیر کوئی (اور) دین تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس سے اور وہ قیامت کو زیاں کاروں میں سے ہوگا''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فرمان میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ کے بعد کسی کا کوئی عمل یا طریقہ قابل قبول نہیں جب تک وہ شریعت محمدیہ کے موافق نہ ہو۔ ہاں آپ ﷺ کی بعثت سے قبل جس نے اپنے زمانے کے نبی کی اتباع کی تو وہ ہدایت اور راہ نجات پر ہے۔ یہود سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں جو اپنے زمانے میں تورات کے بموجب عمل کرتے تھے۔ یہود یہ صیغہ

''ھوادۃ'' سے نکلا ہے اس کا معنی الفت ومودت ہے یا یہ تہود سے ماخوذ ہے اس کا معنی توبہ ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمان (اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ) یعنی ہم تیری بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔ پس مذکورہ بالا دونوں صورتوں (توبہ اور مودت) میں سے کسی ایک اصل کی وجہ سے انہیں یہ نام دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سب سے بڑے فرزند یہودا کی اولاد میں سے ہیں۔ ابو عمرو بن علاء کا قول ہے چونکہ وہ تورات کی قرأت کے وقت حرکت کرتے تھے اس لیے انہیں یہ نام دیا گیا۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد بنواسرائیل پر آپ کی اطاعت واتباع لازمی ہے۔ آپ علیہ السلام کے اصحاب اور اہل دین نصاریٰ کہلاتے ہیں۔ لفظ نصرانی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ باہم ایک دوسرے کی نصرت اور معاونت کے سبب ان کا یہ نام پڑا۔ انہیں انصار بھی کہتے ہیں جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان قرآن کریم میں بیان ہوا ہے: مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ (آل عمران: 52) ''کون ہیں میرے مددگار اللہ کی راہ میں؟ (یہ سن کر) کہا حواریوں نے کہ ہم مدد کرنے والے ہیں اللہ (کے دین) کی''۔ ایک قول ہے کہ انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا کہ یہ جس سرزمین میں اترے تھے اس کا نام ناصرہ تھا۔ قتادہ اور ابن جریج کا یہی قول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ نصاریٰ یہ نصران کی جمع ہے جیسے نشاویٰ، نشوان کی اور سکاریٰ، سکران کی جمع ہے۔ عورت کو نصرانہ کہتے ہیں۔ جیسے ایک شاعر کا قول ہے۔

نَصْرَانَةٌ لَمْ تَحَنَّفِ

جب اللہ نے نبی اکرم ﷺ کو خاتم النبیین اور علی الاطلاق تمام بنی نوع انسان کی طرف نبی بنا کر مبعوث فرمایا تو ان پر آپ ﷺ کی تصدیق کرنا، آپ کے اوامر کو بجالانا اور منہیات سے رکنا واجب ہے۔ یہی سچے مومنین ہیں۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوت و تسلیمات کو مومنین کا لقب ان کے ایمان کی صلابت، ایقان کی شدت کی وجہ سے پڑا نیز اس لئے بھی کہ یہ تمام سابقہ انبیاء ومرسلین پر ایمان رکھتے ہیں اور آئندہ آنے والی باتوں پر بھی۔ صابی کے لفظ میں اختلاف ہے۔ سفیان ثوری نے حضرت مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ مجوسیوں اور یہود ونصاریٰ کے مابین ایک قوم تھی جن کا کوئی دین نہ تھا۔ ابن ابی نجیح نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ عطاء اور سعید بن جبیر سے بھی یہی مروی ہے۔ ابو العالیہ، ربیع بن انس، سدی، ابو شعثاء، جابر بن زید، ضحاک اور اسحٰق بن راہویہ کا قول ہے کہ صابی یہ اہل کتاب کا ہی ایک فرقہ ہے یہ زبور پڑھتے ہیں اسی لیے ابو حنیفہ اور اسحٰق نے فتویٰ دیا تھا کہ ان کا ذبیحہ کھانا اور ان سے نکاح جائز ہے۔ حضرت حسن بصری فرمایا کرتے تھے کہ صابی مجوسیوں کی طرح ہیں یہ روایت ہشیم نے مطرف سے بیان کی ہے۔ عبد الرحمٰن بن مہدی کی روایت میں ہے کہ میں نے حسن کو فرماتے سنا کہ صابی وہ قوم ہے جو فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ ابن جریر نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ زیاد کو بتایا گیا کہ صابی قبلہ کی طرف رخ کر کے پانچ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ان کو جزیہ معاف کر دینے کا ارادہ کیا۔ پھر پتہ چلا کہ وہ فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ ابو جعفر رازی کا قول ہے کہ میری اطلاع کے مطابق صابی قوم فرشتوں کی پوجا کرتی ہے وہ زبور پڑھتے ہیں اور قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں سعید بن ابو عروبہ نے قتادہ سے یہی روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے ابو الزناد نے فرمایا صابی لوگ عراقی ہیں کوثی کے مقام پر رہنے والے ہیں۔ تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہر سال تیس روزے رکھتے ہیں۔ یمن کی طرف منہ کر کے روزانہ پانچ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ وہب بن منبہ سے صابیوں کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے۔ لیکن وہ کسی شریعت پر عمل پیرا نہیں۔ اور اس سے کفر بھی سرزد نہیں ہوا۔ عبد اللہ بن وھب نے عبد الرحمٰن بن زید سے نقل کیا ہے کہ یہ بھی ایک دین ہے یہ لوگ جزیرۂ موصل میں سکونت پذیر تھے اور لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، کا اقرار کرتے۔ اس قول کے علاوہ ان کے پاس

کوئی عمل، کتاب یا نبی نہ تھا۔ اور نہ ہی وہ کسی رسول پر ایمان لائے۔ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے کی وجہ سے مشرکین نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کو بھی صابی کہا کرتے تھے۔ خلیل کا قول ہے۔ یہ وہ قوم ہے جن کا دین نصاریٰ سے مشابہ ہے لیکن ان کا قبلہ جنوب کی طرف ہے۔ وہ اپنے آپ کو حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر سمجھتے ہیں قرطبی نے مجاہد، حسن، ابن ابی نجیح سے روایت کیا ہے کہ اس قوم کا مذہب یہودیت اور مجوسیت کا مرکب ہے۔ ان کا ذبیحہ حلال نہیں اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔ اس سے آگے قرطبی لکھتے ہیں ان کے مذہب کے بارے میں علماء کے ذکر کردہ اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ توحید کے قائل، ستاروں کی تاثیر اور فاعلیت کے معتقد تھے۔ اسی لیے ابوسعید اصطخری نے ان کی تکفیر کا فتویٰ دیا تھا۔ امام رازی نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ صابی قوم ستاروں کی پجاری ہے یعنی ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے انہیں (ستاروں کو) دعاء اور عبادت کا قبلہ بنایا ہے۔ یا اللہ رب العزت نے اس عالم کائنات کی تدبیر امور ان کے سپرد فرمائی ہے۔ رازی فرماتے ہیں کہ یہ قول کشرانیوں کی طرف منسوب ہے۔ جن کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث فرمائے گئے تھے۔ واضح تر قول کا علم اللہ تبارک وتعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مجاہد، ان کے پیروکاروں اور وھب بن منبہ کا ہے کہ یہ لوگ یہودی، عیسائی، مجوسی یا مشرک نہ تھے بلکہ یہ لوگ فطرت سلیمہ پر تھے۔ ان کا کوئی دین نہ تھا جس کی اتباع کرتے۔ اسی لیے مشرکین بھی دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کو صابی کے لقب سے پکارتے تھے یعنی یہ لوگ کرۂ ارض پر اس وقت موجود تمام ادیان سے نکل گئے ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ صابی وہ لوگ ہیں جن تک کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿63﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿64﴾

''اور یاد کرو جب ہم نے لیا تم سے پختہ وعدہ اور بلند کیا تم پر طور کو (اور حکم دیا) پکڑ لو جو ہم نے تم کو دیا مضبوطی سے اور یاد رکھنا وہ (احکام) جو اس میں درج ہیں شاید کہ تم پرہیزگار بن جاؤ پھر منہ موڑ لیا تم نے پختہ وعدہ کرنے کے بعد۔ تو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور ہو جاتے نقصان اٹھانے والوں میں''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ بنو اسرائیل کو ان سے لیے گئے عہد و پیمان یاد دلا رہے ہیں (تم نے تو وعدہ کیا تھا) کہ میری توحید کا اقرار اور میرے رسولوں کی اتباع کرو گے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ان کے سروں پر پہاڑ کو بلند کر دیا گیا تھا تاکہ وہ پختگی سے وعدہ کا اقرار کریں اور اسے بجا لانے کا عزم مصمم کر لیں۔ قرآن کریم میں ایک اور جگہ اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (اعراف: 171) ''اور جب ہم نے اٹھایا پہاڑ ان کے اوپر۔ اس طرح گویا وہ سائبان ہے اور خیال کرنے لگے کہ وہ ضرور گر پڑے گا ان پر (ہم نے کہا) پکڑ لو جو ہم نے دیا ہے تمہیں (پوری) قوت سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ''۔ طور پہاڑ کی تفسیر سورۂ اعراف میں آئے گی۔ ابن عباس، مجاہد، عطاء، عکرمہ، حسن، ضحاک، ربیع بن انس وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ اور یہی بظاہر مناسب ہے ایک دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے طور وہ پہاڑ ہے جس پر روئیدگی ہوتی ہو۔ اور جس پر کچھ نہ اگتا ہو وہ طور نہیں ہے۔ فتنوں والی حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ اطاعت سے کنارہ کش ہو گئے تو ان پر پہاڑ کو بلند کیا گیا تاکہ وہ سر تسلیم خم کر دیں۔ سدی کا قول ہے کہ جب انہوں نے سجدہ کرنے سے

انکار کردیا تو اللہ نے پہاڑ کو ارشاد فرمایا وہ ان کے سروں پر آ گیا۔ جب انہوں نے اسے عین اوپر دیکھا تو فوراً پہلو کے بل سجدے میں گر گئے لیکن مارے ڈر کے دوسرے پہلو سے اوپر دیکھ لیتے کہ کہیں وہ ان پر گر نہ جائے۔ تب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر رحم فرماتے ہوئے اسے ہٹالیا۔ وہ کہنے لگے کہ اللہ کے نزدیک اس سجدہ سے زیادہ پسندیدہ کوئی سجدہ نہیں جس کے سبب ان سے عذاب دور ہوا۔ وہ اسی کیفیت پر سجدہ کرتے ہیں۔ حسن کا قول ہے کہ پکڑ لو جو ہم نے دیا مضبوطی سے خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ" سے مراد تورات ہے۔ ابوالعالیہ، ربیع بن انس نے قوت سے مراد اطاعت لیا ہے۔ مجاہد نے اس کی تفسیر قوت عمل سے کی ہے۔ قتادہ نے کہا ہے سنجیدگی سے پکڑ لو ورنہ یہ تم پر گرا دوں گا۔ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ قتادہ، ربیع بن انس اور ابوالعالیہ نے اس کا معنی اقرءُوْ (پڑھو) اور "عمل کرو" کیا ہے۔ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اتنے پختہ وعدہ کے بعد بھی تم نے وعدہ خلافی کی اور منہ موڑ لیا۔ اب اگر اللہ اپنے فضل وکرم سے تمہاری توبہ کو قبول نہ فرماتا اور تم میں نبی اور رسول مبعوث نہ فرماتا تو تم نقض عہد و وعدہ شکنی کی وجہ سے دنیا اور آخرت دونوں میں ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

"اور تم خوب جانتے ہو انہیں جنہوں نے نافرمانی کی تھی تم میں سے سبت کے قانون کی تو ہم نے حکم دیا انہیں کہ بن جاؤ بندر پھٹکارے ہوئے پس ہم نے بنا دیا اس سزا کو عبرت ان کے لیے جو اس زمانہ میں موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے تھے اور (اسے) نصیحت بنا دیا پرہیز گاروں کے لیے"۔

اللہ رب العزت جل مجدہ ارشاد فرماتے ہیں اے گروہ یہود تمہیں علم ہے کہ اہل قریہ جنہوں نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی تھی اس کے عہد و پیمان کو توڑا تھا۔ ان پر کیا عذاب نازل ہوا تھا۔ ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ سنیچر کے دن کی تعظیم کریں گے اور اللہ کے احکام کو بجالائیں گے (نوٹ:۔ واضح رہے کہ سنیچر کا روز بنو اسرائیل کے لئے عبادت کے لئے مخصوص تھا۔ اس روز کھیتی باڑی، شکار وغیرہ سب کام ممنوع تھے) لیکن انہوں نے سنیچر کے دن مچھلی کے شکار کے لئے حیلے بہانے تلاش کرنا شروع کر دیئے وہ ہفتے سے ایک روز قبل کانٹے، جال، پھندے لگا لیتے یا دریا کے کنارے گڑھے کھود لیتے۔ سنیچر کے روز حسب عادت مچھلیاں جب بکثرت سطح آب پر نمودار ہوتیں تو ان کانٹوں، رسیوں وغیرہ میں پھنس جاتیں سنیچر کا روز گذرنے کے بعد رات کو وہ انہیں پکڑ لیتے۔ جب انہوں نے اس طرح کی مکاریوں سے کام لینا شروع کر دیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی شکلوں کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ یعنی بظاہر ان کی شکلیں تو انسانوں کی سی رہیں لیکن فی الحقیقت وہ انسان نہ تھے (یعنی ان میں بندروں کی سی رذیل عادتیں پیدا ہو گئیں) تو ان لوگوں کے اعمال بھی چونکہ بظاہر حق سے مشابہ اور باطن میں اس کے برعکس ہیں تو ان کو بھی یہی سزا ملے گی۔ یہ واقعہ بالتفصیل سورۂ اعراف میں مذکور ہے۔ وہاں ارشاد ہوتا ہے: وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (اعراف:163) "اور پوچھو ان سے حال اس بستی کا جو آباد تھی ساحل سمندر پر جبکہ وہ حد سے بڑھنے لگے ہفتہ (کے حکم کے بارے) میں۔ جب آیا کرتیں ان کے پاس ان کی مچھلیاں ان کے ہفتہ کے دن پانی پر تیرتی ہوئی اور جو دن ہفتہ کا نہ ہوتا تو وہ نہ آتیں ان کے پاس (اس طرح بے دھڑک) ہم نے آزمائش میں ڈالا انہیں بہ سبب اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے"۔ سدی کا قول ہے کہ وہ بستی "ایلہ" تھی۔ قتادہ نے بھی یہی کہا ہے۔ مفسرین کے اقوال کو وہاں ہم تفصیل سے بیان کریں گے ان شاء اللہ وبہ الثقۃ۔ ابن ابی حاتم نے

مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ مسخ معنوی تھا۔ یعنی ان کی شکلیں تو انسانوں کی سی رہیں لیکن دل مسخ ہو گئے۔ اس کی مثال اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (جمعہ: 5) ''(ان کی مثال) اس گدھے کی سی ہے جس نے بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں''۔ ابن جریر نے بھی مجاہد سے یہی روایت کیا ہے۔ مجاہد تک اس کی سند عمدہ ہے لیکن یہ قول غریب ہے اور اس جگہ سیاق کلام کے خلاف ہے۔ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ...... (مائدہ: 60) '' آپ (انہیں) فرمائیے کیا میں آگاہ کر دوں تمہیں کہ کون برا ہے ان سے باعتبار جزاء کے اللہ کے نزدیک وہ لوگ (برے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سور اور (وہ برے ہیں) جنہوں نے پوجا کی شیطان کی''۔ عوفی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اللہ نے ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا تھا۔ یعنی جوان بندر بن گئے اور بوڑھے خنزیر۔ شیبان نحوی نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ مرد عورتیں پوری قوم شور کرنے والے بندر بن گئی۔ ان کی دُمیں اگ آئیں۔ عطاء خراسانی کا قول ہے آواز آئی اے بستی والو! بندر بن جاؤ۔ چنانچہ جنہوں نے منع کیا تھا ان کے پاس آتے وہ کہتے اے فلاں کیا ہم نے تمہیں منع نہیں کیا تھا؟ وہ سر ہلا کر جواب دیتے۔ ابن ابی حاتم نے مجاہد کی روایت سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان نقل کیا ہے کہ سنیچر کے روز حد سے تجاوز کرنے والے کچھ دیر کے لئے بندر بن گئے پھر ہلاک ہو گئے۔ ان کی نسل نہیں چلی۔ ضحاک نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ان کی معصیت کے سبب اللہ نے انہیں بندر بنا دیا یہ کہتے ہوئے کہ روئے زمین پر تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہو گے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ کوئی مسخ شدہ قوم تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہی۔ بغیر کھائے پیے یا توالد و تناسل کے ہلاک ہو جاتی ہے۔ اللہ رب العزت نے بندر، سور اور دیگر تمام مخلوقات کو چھ ایام میں پیدا فرمایا تھا جس طرح کہ اس نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا پس وہ لوگ بندر بن گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہے جو عذاب دے۔ اور جس طرح چاہے مسخ کر دے ابو العالیہ کا قول ہے کہ خاسئین کا معنی ذلیل اور حقیر ہے۔ مجاہد، قتادہ ربیع اور ابو مالک سے بھی اسی طرح مروی۔ حضرت عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل پر وہی دن فرض کیا تھا جو تم پر فرض کیا ہے یعنی جمعہ کا دن۔ انہوں نے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سبت (ہفتہ) کی تعظیم کی اور حکم الٰہی کا انکار کر دیا۔ جب وہ سنیچر کے دن پر ہی اڑے رہے تو اللہ نے انہیں آزمائش میں مبتلا کیا۔ جو چیز دیگر ایام میں حلال تھی اس دن ان پر حرام کر دی گئی۔ وہ ایلہ اور طور کے درمیان ایک بستی کے باشندے تھے جسے مدین کہتے تھے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار اور اسے تناول کرنا ان پر حرام کر دیا۔ جب ہفتہ کا دن آتا تو مچھلیاں بکثرت سطح آب پر تیرتی ہوئی ساحل کے پاس آتیں۔ جب ہفتے کا روز گذر جاتا تو وہ بھی چلی جاتیں حتیٰ کہ چھوٹی، بڑی کوئی مچھلی نظر نہ آتی۔ پھر جب سبت کا دن آتا حسب معمول وہ اچھلتی کودتی نمودار ہوتیں۔ ایک طویل عرصہ تک یہی ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ مچھلی کھانے کو ترس گئے۔ ایک دفعہ ایک اسرائیلی نے حیلہ سازی سے کام لیا۔ اس نے چپکے سے سنیچر کے روز ایک مچھلی پکڑی۔ اسے ایک دھاگے سے باندھ کر پانی میں چھوڑ دیا۔ ساحل سمندر پر ایک میخ گاڑ کر دھاگے کا دوسرا سرا اس میخ کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیا۔ اگلے دن آ کر وہ مچھلی لے لی یہ عذر تراشتے ہوئے کہ میں نے اسے ہفتہ کے روز تو نہیں پکڑا وہ اسے گھر لے گیا اور پکا کر کھایا۔ اگلے سنیچر کو اس نے پھر یہی حیلہ کیا لوگوں نے مچھلی کی بو محسوس کی۔ تلاش کرتے کرتے انہوں نے اس آدمی کے بھید سے آگاہی حاصل کر لی۔ انہیں یہ طریقہ پسند آیا۔ ایک طویل عرصہ تک خفیہ طور پر وہ اسی طرح شکار کرتے رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں کوئی سزا نہ دی۔ آخر کار وہ علانیہ شکار کرنے اور اسے بازاروں میں بیچنے لگے۔ تو ان کے دو گروہ ہو گئے ایک فریق (زیرک لوگ جنہوں نے خود یہ کام نہیں کیا تھا) انہیں کہتا تمہارا ناس ہو اللہ سے ڈرو۔ اور انہیں اس مکر و فریب سے

منع کرتے رہے۔ دوسرا فریق وہ مچھلی کھانے میں تو شریک نہ تھے لیکن وہ دوسرے لوگوں کو اس گناہ سے منع بھی نہیں کرتے تھے پہلے فریق سے کہنے لگے تم کیوں اس قوم کو نصیحت کرتے ہو جسے اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں سخت عذاب میں مبتلا کرنے والا ہے۔ انہوں نے کہا تاکہ معذرت پیش کرسکیں تمہارے رب کے دربار میں کہ ان کے اعمال کے سبب اس کا غیظ وغضب ہم پر نازل نہ ہوجائے۔ نیز اس امید پر کہ شاید وہ ڈرنے لگیں۔ ابن عباس کا قول ہے کہ یہی صورت حال جاری رہی اور وہ باز نہ آئے۔ ان کے زیرک لوگوں اور دانشوروں نے کون سی رات گذاری۔ صبح دن چڑھے تک انہیں نہ دیکھا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ ضرور کوئی بات ہے۔ دیکھو کیا مسئلہ ہے۔ وہ جب گئے تو کیا دیکھا کہ ان کے گھروں کے دروازے بند تھے۔ وہ رات کو حسب معمول عام لوگوں کی طرح دروازے بند کر کے سوئے تھے۔ صبح ان کی شکلیں بندروں کی سی بن چکی تھیں۔ مرد، عورتیں، بچے اب بھی اپنی شکلوں سے پہچانے جارہے تھے کہ یہ فلاں مرد ہے۔ یہ فلاں عورت ہے۔ یہ فلاں بچہ ہے۔ لیکن اب وہ بندر بن چکے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اگر اللہ نے پہلے سے فیصلہ نہ کرلیا ہوتا کہ وہ برائی سے روکنے والوں پر عذاب نازل نہیں کرے گا تو وہ سب ہلاک ہوجاتے۔ فرماتے ہیں اسی قریہ (بستی) کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے پیارے نبی محمد ﷺ کو فرمایا: وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ...... (اعراف:163)'' اور پوچھو ان سے حال اس بستی کا جو آباد تھی ساحل سمندر پر''۔ ضحاک نے بھی ابن عباس سے یہی روایت کیا ہے۔ سدی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ ایلہ کی بستی تھی جو سمندر کے کنارے ہے۔ مچھلیاں ہفتہ (سبت) کے روز ان کے پاس آتیں (اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہفتہ کے روز کوئی کام کرنا بھی یہود کے لئے حرام قرار دے دیا تھا)۔ چنانچہ اس روز سمندر کی تمام مچھلیاں باہر آجاتیں حتیٰ کہ اپنے نتھنے پانی سے باہر نکال دیتیں۔ اتوار کو وہ نیچے سمندر کی تہہ میں چلی جاتیں۔ اگلے سنیچر تک کوئی مچھلی نظر نہ آتی۔ اسی کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے: وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّ يَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ (اعراف: 163) ان میں سے کسی کو مچھلی کھانے کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ اس نے ساحل سمندر پر ایک گڑھا کھودا اور سمندر تک اس کی نالی بنادی سنیچر کے روز نالی کا دہانہ کھول دیا۔ سمندر کی موجوں نے مچھلی کو اس گڑھے میں لا پھینکا۔ وہ واپس سمندر کی طرف نکلنا چاہتی تھی لیکن پانی کی قلت کی وجہ سے پھنس کر رہ گئی۔ اتوار کے دن وہ آدمی آیا اور مچھلی لے گیا۔ اسے بھونا۔ خوشبو ہمسائے تک جاپہنچی اس نے پوچھا تو اس آدمی نے یہ حیلہ بتادیا۔ چنانچہ وہ پڑوسی بھی آئندہ اسی طرح مچھلیاں پکڑنے لگا۔ آہستہ آہستہ مچھلی کا شکار عام ہوگیا۔ ان کے علماء نے انہیں منع کرتے ہوئے کہا۔ تمہارا بیڑہ غرق۔ سنیچر کو تو تمہارے لیے شکار کرنا ہی جائز نہیں۔ وہ کہنے لگے ہم نے تو انہیں اتوار کو شکار کیا ہے۔ کیونکہ اتوار کو ہم انہیں پکڑ لاتے ہیں۔ فقہاء نے یہ فتویٰ دیا کہ شکار اس روز بنتا ہے جس دن تم نے نالی کا منہ کھولا اور پانی اندر داخل ہوا۔ کہتے ہیں وہ باز نہ آئے۔ بعض لوگ جنہوں نے منع کیا تھا انہیں کہنے لگے: لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ...... (اعراف:164) یعنی تم انہیں نصیحت کیوں کرتے ہو جب وہ تمہاری بات ماننے کو تیار ہی نہیں۔ وہ کہنے لگے۔ مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ تاکہ اپنے رب کی بارگاہ میں معذرت پیش کرسکیں (کہ ہم نے تو یہ فرض ادا کردیا) اور شاید وہ ڈرنے لگیں۔ چنانچہ جب انہوں نے ان کی بات ماننے سے انکار کردیا۔ تو مسلمان (یعنی وہ لوگ جو ابھی تک احکام الٰہیہ پر مکمل طور پر عمل پیرا تھے) کہنے لگے اللہ کی قسم! ہم لوگ ایک بستی میں نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ انہوں نے درمیان میں دیوار بنا کر بستی کو دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ ایک دروازہ انہوں نے اپنے لیے بنالیا۔ دوسری طرف حد سے بڑھنے والے فریق نے بھی ایک دروازہ لگالیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر لعنت کی۔ مسلمان اپنے دروازے سے نکلتے اور کفار اپنے دروازے سے۔ ایک صبح مسلمان باہر نکلے لیکن کفار کا دروازہ نہ کھلا جب کچھ دیر ہوگئی تو مسلمان دیوار پر چڑھے کیا دیکھتے ہیں وہ تو بندر بن

چکے تھے اور ادھر ادھر چھلانگیں لگا رہے تھے۔ انہوں نے دروازہ کھول دیا تو وہ ادھر ادھر بکھر گئے۔ اس کی طرف یہ آیت کریمہ اشارہ کرتی ہے: فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕیْنَ ..... (اعراف: 166) ''پھر جب انہوں نے سرکشی کی جس سے وہ روکے گئے تھے۔ ہم نے حکم دیا انہیں کہ بندر بن جاؤ راندے ہوئے''۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ..... (مائدہ: 78) ''لعنت کیے گئے وہ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل سے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر'' اس سے مراد بندر ہی ہیں۔ (میں کہتا ہوں) ائمہ کرام کے ان اقتباسات کو ذکر کرنے کا مقصد اس رائے کی تردید ہے جو مجاہد سے منقول ہے کہ مسخ معنوی تھا صوری نہ تھا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ معنوی بھی ہے صورت بھی یعنی شکلیں بھی بگڑیں اور فکر بھی مسخ ہوگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قولہ تعالیٰ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا بعض نے کہا ہے کہ جَعَلْنٰهَا میں ھا ضمیر کا مرجع قِرَدَۃٌ ہے۔ یا اس کا مرجع حیتان ہے یا عقوبۃ۔ ایک قول ہے کہ اس کا مرجع قریہ ہے۔ اسے ابن جریر نے ذکر کیا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ ضمیر کا مرجع قریۃ ہے۔ اور مراد اہل قریہ ہیں۔ یعنی سبت کے روز اس قریہ والوں کو اعتداء کے سبب ہم نے انہیں عبرت بنا دیا۔ (نکالاً) یعنی ہم نے انہیں عبرتناک سزا دی۔ جیسے فرعون کے بارے میں آتا ہے: فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ..... (النازعات: 25) ''آخر کار مبتلا کر دیا اسے اللہ نے آخرت اور دنیا کے (دوہرے) عذاب میں''

قولہ تعالیٰ لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهَا وَ مَا خَلْفَهَا ابن عباس کا قول ہے کہ اردگرد کی بستیوں کے لئے ہم نے ان کی سزا کو عبرت بنا دیا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَ صَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ (احقاف: 27) ''اور ہم نے برباد کر دیئے وہ گاؤں جو تمہارے اردگرد (آباد) تھے اور ہم نے مختلف انداز میں اپنی نشانیاں پیش کیں شاید وہ (حق کی طرف) لوٹ آئیں''۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے۔ اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ..... (الرعد: 41) ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم (ان کے مقبوضہ) علاقہ کو ہر طرف سے کم کر رہے ہیں''۔ یعنی بَیْنَ یَدَیْهَا وَ مَا خَلْفَهَا سے مراد مکان ہے۔ جیسے محمد بن اسحٰق نے عکرمہ کی روایت سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے زمانے میں جو لوگ موجود تھے۔ اسماعیل بن ابی خالد، قتادہ، عطیہ عوفی، ابوالعالیہ، ربیع اور عطیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد زمانہ ہے۔ وَ مَا خَلْفَهَا یعنی بعد میں آنے والے بنی اسرائیل کے لئے کہ وہ بھی ایسا نہ کریں۔ زمانہ مراد لینا زیادہ مناسب ہے کہ یہ واقعہ ان لوگوں کے لئے جو بعد میں آئیں گے باعث عبرت ہو۔ لیکن سلف کے لئے یہ واقعہ عبرت نہیں ہوسکتا۔ آیت کی یہ تفسیر کیسے صحیح ہوسکتی ہے کہ وہ زمانہ گذشتہ کے لوگوں کیلئے عبرت ہو۔ یہ خیال کرنے کے بعد شاید ایسا کہنے والا کوئی بھی نہ ہو واضح ہو کہ مکان سے مراد اردگرد کی بستیاں ہیں۔ جیسے ابن عباس اور سعید بن جبیر نے کہا ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوالعالیہ کا قول ہے کہ ان کے سابقہ گناہوں کے لئے بھی اسی سزا کو ہم نے عبرت بنا دیا۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ، مجاہد، سدی، فراء اور ابن عطیہ سے روایت کیا ہے'' کہ ان کے اگلے گناہوں کے لئے اور ان کے بعد آنے والوں کے گناہوں کے لئے۔'' رازی نے یہاں تین اقوال ذکر کئے ہیں۔

(1) مَا بَیْنَ یَدَیْهَا وَ مَا خَلْفَهَا سے مراد سابقہ و آئندہ آنے والی بستیاں ہیں کیونکہ ان کے پاس قدیم کتابوں کا علم موجود تھا۔

(2) اس دور میں جو قومیں اور بستیاں موجود تھیں وہ مراد ہیں۔

(3) جتنے لوگوں نے بھی گناہ کا ارتکاب کیا تھا خواہ اس سے پہلے یا بعد۔ ہم نے انہیں سب کے لئے نشان عبرت بنا دیا۔ یہ حسن کا قول ہے۔ (میری رائے) اس آیت کی تفسیر میں ارجح قول کے مطابق آس پاس کی بستیاں جنھیں ان کی خبر ملی مراد ہیں۔ جس طرح اللہ نے ارشاد فرمایا: وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى ..... (احقاف: 27)۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَ لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ ..... (الرعد: 31) ''اور کفار اس حالت میں رہیں گے کہ پہنچتا رہے گا انہیں (آئے دن) اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی

صدمہ'' اس سے آگے فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا...... (الرعد: 41) پس انہیں اس زمانہ کے لوگوں کے لئے اور بعد کے زمانوں میں تواتر کے ساتھ یہ خبر جن لوگوں تک پہنچتی رہے گی۔ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے بعد قیامت تک کے پرہیز گاروں کے لئے نصیحت بنا دیا۔ حسن اور قتادہ کا قول ہے'' بعد کے لوگوں کے لئے نصیحت بنا دیا تا کہ وہ اللہ کے انتقام سے ڈرتے رہیں۔ سدی اور عطیہ عوفی کے نزدیک متقین سے مراد امت محمد ﷺ ہے۔ (میں کہتا ہوں) موعظۃ سے مراد یہاں دوسروں کو برائی سے روکنا ہے۔ یعنی محارم اللہ کا ارتکاب کرنے اور حیلوں اور مکاریوں سے شریعت خداوندی کے احکام کو بے اثر بنانے کے جرم میں ہم نے ان پر جو عذاب نازل فرمایا تھا اور انہیں مقام عبرت بنا دیا تھا۔ متقی لوگوں کو اس طرح کی حیلہ سازیوں سے رکنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر بھی وہی عذاب نازل ہو جائے۔ جیسے امام ابوعبداللہ بن بطہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' یہود کی طرح نہ کرنا کہ کمزور حیلے بہانوں سے اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال جاننے لگو(1)۔'' اس حدیث کی سند صحیح ہے راوی احمد بن محمد بن مسلم کی توثیق حافظ ابوبکر خطیب بغدادی نے فرمائی۔ باقی راوی بھی صحیحین کی شرط کے مطابق اور مشہور ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

'' اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تمہیں کہ تم ذبح کرو ایک گائے۔ وہ بولے کیا آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں۔ آپ نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں (کے گروہ) میں''۔

بنی اسرائیل کو اس احسان کی یاد دلائی جا رہی ہے جس میں گائے کا ذکر ہے اور قاتل کا بیان اور مقتول کے دوبارہ زندہ ہونے کا واقعہ ہے۔

تفصیلی قصہ

ابن ابی حاتم نے عبیدہ سلمانی سے روایت کیا ہے کہ بنو اسرائیل کا ایک آدمی بے اولاد تھا اس کے پاس بے پناہ مال و دولت تھی۔ جس کا وارث اس کا بھتیجا تھا۔ اس نے اپنے چچا کو قتل کر ڈالا۔ رات کو اس کی نعش اٹھا کر ایک شخص کے گھر کے دروازے کے سامنے ڈال دی۔ صبح ان کے خلاف دعوی کر دیا بلکہ مسلح ہو کر لڑائی پر تل گئے۔ ارباب دانش و بینش نے کہا: تم کیوں ایک دوسرے کی گردنیں اڑاتے ہو۔ جب اللہ کا رسول تم میں موجود ہے۔ پس وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے۔ سارا واقعہ گوش گزار کیا۔ تو آپ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے انہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ لیکن وہ کہنے لگے۔ آپ ہمارا مذاق تو نہیں اڑاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں (کے گروہ) میں۔ فرماتے ہیں اگر وہ تعرض نہ کرتے تو کوئی سی گائے ذبح کرنا جائز ہو جاتا۔ لیکن وہ حجت بازی پر اتر آئے تو اللہ نے بھی ان پر سختی فرمائی۔ بالآخر وہ اس گائے کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کے ذبح کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ یہ گائے جس شخص کی ملکیت تھی اس کے پاس صرف ایک گائے تھی۔ اس نے اس کی کھال بھر جانے کے برابر سونا طلب کیا۔ انہوں نے مطلوبہ رقم دے کر وہ گائے لے لی۔ اس کو ذبح کر کے اس کے گوشت کا کچھ حصہ مقتول کے جسم پر مارا تو وہ زندہ ہو

1۔ ارواء الغلیل: 375/5

گیا۔ انہوں نے اس سے پوچھا تمہارا قاتل کون؟ اس نے کہا میرا بھتیجا۔ اس کے بعد وہ شخص دوبارہ فوت ہو گیا۔ اور اپنے مال کی کسی کے حق میں وصیت نہ کی۔ بعد میں قاتل کو بھی کچھ نہ دیا گیا۔ ابن جریر نے بھی اپنی سند سے عبیدہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

عبد بن حمید اور آدم بن ابی ایاس نے اپنی اپنی تفسیروں میں لکھا ہے " ابوالعالیہ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ...... کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔" بنی اسرائیل کا ایک متمول شخص تھا جس کی کوئی اولاد نہ تھی ایک قریبی رشتہ دار اس کا وارث تھا۔ اس نے میراث کی خاطر اسے قتل کر ڈالا۔ اور راستے میں ڈال دیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی میرا فلاں قریبی رشتے دار قتل ہو گیا ہے۔ میرے لئے یہ بہت بڑا صدمہ ہے۔ اے اللہ کے نبی! آپ کے سوا کوئی مجھے اس کے قاتل کے بارے میں نہیں بتا سکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عام منادی کی کہ اگر کسی کو قاتل کے بارے میں علم ہو تو ہمیں آگاہ کرے۔ لیکن کسی کو اس کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ قاتل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کی اپنے رب سے قاتل کے بارے میں دریافت کیجئے۔ آپ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی تو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ملا وہ حیران ہو کر کہنے لگے آپ ہم سے مذاق تو نہیں کر رہے؟ آپ نے فرمایا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں کے زمرے میں شامل ہو جاؤں۔ وہ کہنے لگے اپنے رب سے دعا کیجئے ہمارے لیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ کیسی گائے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اللہ فرماتا ہے۔ کہ وہ گائے ہے جو نہ بوڑھی ہو اور نہ بالکل بچی۔ اور درمیانی عمر کی ہو۔ وہ کہنے لگے دعا کرو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ بتائے ہمیں کیسا ہو رنگ اس کا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسی گائے جس کی رنگت خوب گہری زرد ہو۔ جو دیکھنے والوں کو فرحت بخشے۔ وہ کہنے لگے پوچھو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے ہمارے لیے کہ گائے کیسی ہو بے شک گائے مشتبہ ہو گئی ہے ہم پر۔ اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور اس کو تلاش کر لیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام بولے اللہ فرماتا ہے وہ گائے جس سے خدمت نہ لی گئی ہو کہ ہل چلائے زمین میں اور نہ پانی دے کھیتی کو۔ بے عیب، بے داغ (عاجز ہو کر کہنے لگے) اب آپ لائے صحیح پتہ پھر انہوں نے ذبح کیا اسے اور وہ ذبح کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب اس قوم کو گائے ذبح کرنے کا حکم ملا وہ کوئی سی گائے لا کر ذبح کر دیتے تو کافی تھا۔ لیکن انہوں نے خود اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان کو مصیبت میں ڈال دیا۔ اور اگر وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو اسے کبھی نہ پا سکتے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ انہیں مطلوبہ گائے ایک بڑھیا کے پاس ملی۔ اس کے یتیم بچے تھے جن کی وہ کفالت کرتی تھی۔ جب اسے ان کی مجبوری کا پتہ چلا تو اس نے قیمت دوگنا بڑھا دی۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ ان اوصاف کی حامل گائے تو صرف فلاں بڑھیا کے پاس ہے اور وہ اس کی دگنی قیمت کا تقاضا کر رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے تمہیں مطلق حق دیا تھا جو تخفیف پر مبنی تھا لیکن تم نے خود اپنے آپ پر سختی کی۔ اب اس کی رضا اور اس کے حکم پر عمل کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا اور وہ گائے خرید لائے۔ اور اسے ذبح کر دیا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ارشاد فرمایا کہ اس کی ہڈی لے کر مقتول پر مارو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو وہ مقتول زندہ ہو گیا۔ اپنے قاتل کا نام بتا کر دوبارہ پہلے کی طرح موت کی نیند سو گیا۔ اس کے قاتل کو گرفتار کر لیا گیا یہ وہی شخص تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی تھی۔ اس کے سوء کردار کے سبب اس کو بھی قتل کر دیا گیا۔" محمد ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی واقعہ بایں الفاظ نقل کیا ہے۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنو اسرائیل کا ایک صاحب ثروت بوڑھا تھا۔ اس کے بھتیجے تنگدست تھے جب کہ بوڑھے کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کے بھتیجے ہی اس کے وارث تھے۔ وہ کہنے لگے کاش ہمارا چچا مر جائے اور اس کا مال ہمیں مل جائے۔ ایک طویل مدت تک جب ان کے چچا کی وفات نہ ہوئی تو شیطان ان کے پاس آ کر کہنے لگا۔ تم اپنے چچا کو قتل کر کے اس کے ورثہ کو حاصل کر لو اور مقتول کی موت دوسرے شہر والوں پر ڈال دو۔ وہاں دو شہر متصلاً آباد تھے۔ وہ ایک شہر کے

باشندے تھے۔ جب دونوں شہروں کے مابین کوئی مقتول پایا جاتا تو دونوں بستیوں کا فاصلہ ناپا جاتا۔ جو شہر زیادہ قریب ہوتا اس پر دیت ڈال دی جاتی شیطان نے انہیں بہلایا پھسلایا کہ آپ کے چچا کی ابھی کافی عمر باقی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسے قصداً قتل کر کے دوسرے شہر کے دروازے پر ڈال دیا۔ صبح اس کے بھتیجے اس شہر میں آئے اور کہنے لگے چونکہ ہمارا چچا تمہارے شہر کے دروازے پر مردہ پایا گیا ہے۔ اس کی دیت تم ادا کرو گے۔ اہل شہر نے قسم اٹھائی کہ ہم نے نہ تو اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی اس کے قاتل کا ہمیں کوئی علم ہے اور شام کے وقت دروازہ بند کرنے کے بعد ہم نے صبح تک اسے کھولا بھی نہیں۔ مقدمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ تک پہنچا۔ بھتیجے یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ ہمارا چچا ان کے شہر کے دروازے پر مقتول پایا گیا ہے۔ اہل شہر یہ قسم اٹھا رہے تھے کہ ہم نے نہ تو اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی رات کو شہر کا دروازہ کھولا ہے۔ اس دوران حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم لے کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ اس کا کوئی عضو مقتول پر مارو۔ سدی نے یہ واقعہ اس طرح نقل فرمایا ہے'' بنی اسرائیل میں ایک دولت مند شخص تھا۔ اس کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس کا بھتیجا تنگدست تھا اس نے اپنی بیٹی کی منگنی بھتیجے سے کی لیکن پھر نکاح سے انکار کر دیا۔ وہ نوجوان غصے میں آ کر کہنے لگا میں ضرور اپنے چچا کو قتل کروں گا اس کے مال پر قبضہ کر کے اس کی بیٹی سے نکاح کروں گا اور اس کی دیت کھاؤں گا۔ ان دنوں بنو اسرائیل کے کسی قبیلے کے ہاں کچھ تاجر آئے ہوئے تھے۔ وہ اپنے چچا کے پاس جا کر کہنے لگا۔ اے چچا! میرے ساتھ چل کر مجھے ان تاجروں سے کچھ سامان لے کر دیں۔ شاید اس کے نفع سے میری بگڑی سنور جائے۔ اگر آپ ساتھ ہوں گے تو وہ مجھے کچھ سامان دے دیں گے۔ چچا بھتیجا رات کو نکلے۔ جب اس قبیلہ کے پاس پہنچے تو نوجوان نے بوڑھے کو قتل کر دیا۔ اور گھر چلا۔ صبح کو بظاہر اپنے چچا کی تلاش میں نکلا۔ گویا اسے یہ معلوم ہی نہیں کہ وہ کدھر ہے؟ جب وہ ادھر گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اہل قبیلہ لاش کے پاس جمع ہیں۔ اس نے ان پر الزام لگا دیا کہ تم نے میرے چچا کو قتل کیا ہے اب اس کی دیت ادا کرو۔ رونے پیٹنے اور سر پر مٹی ڈالنے لگا۔ اور ہائے چچا! کے ساتھ آنسو بہانے لگا۔ معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا آپ علیہ السلام نے ان کے خلاف دیت کا فتویٰ دیا۔ وہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! اللہ سے دعا فرمائیے کہ اس کے قاتل کے بارے میں ہمیں آگاہ کرے۔ تاکہ وہ پکڑا جائے۔ بخدا اس کی دیت دینا ہمارے لیے آسان ہے۔ لیکن ہمیں لوگوں کے عار دلانے سے حیاء آتی ہے۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے: وَاِذۡ قَتَلۡتُمۡ نَفۡسًا فَادّٰرَءۡتُمۡ فِيۡهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخۡرِجٌ مَّا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ (بقرہ:72)'' اور یاد کرو جب قتل کر ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر تم ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم چھپا رہے تھے''۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ وہ کہنے لگے ہم مقتول اور قاتل کا پوچھتے ہیں اور آپ ہمیں گائے ذبح کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ کہیں آپ ہمارا مذاق تو نہیں اڑا رہے۔ آپ نے اللہ کی پناہ طلب کی۔ ابن عباس کا قول ہے کہ وہ اگر کوئی سی گائے لا کر ذبح کر دیتے تو کافی ہوتا۔ لیکن انہوں نے شدت سے کام لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سرکشی کی تو اللہ نے بھی ان سے سختی کا برتاؤ کیا۔ قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ ...... فارض سے مراد بوڑھی جو بچہ نہ جنتی ہو۔ بکر سے مراد جس نے صرف ایک مرتبہ بچہ جنا ہو۔ '' عوان'' جو اس کے درمیان ہو یعنی اس کی بچی نے بھی آگے بچہ دے دیا ہو۔ فَاقِعٌ لَّوۡنُهَا: جس کا رنگ صاف ہو۔ قَالُوا الۡـٰٔنَ جِئۡتَ بِالۡحَقِّ (بقرہ:71) انہوں نے اسے بہت تلاش کیا لیکن وہ نہ ملی۔ بنو اسرائیل کا ایک لڑکا اپنے والد کا فرمانبردار تھا۔ ایک آدمی کا پاس سے گذر ا ہوا وہ ایک ہیرا بیچنا چاہتا تھا۔ اس کا باپ چابی سرہانے رکھے سو رہا تھا۔ وہ تاجر کہنے لگا یہ ہیرا ستر ہزار میں خریدتے ہو۔؟ وہ نوجوان کہنے لگا۔ ٹھہر جاؤ میرا باپ جب بیدار ہو گا تو میں اسی ہزار میں خرید لوں گا۔ وہ تاجر کہنے لگا اگر تم باپ کو ابھی جگا دو تو ساٹھ ہزار میں تمہیں دینے کو تیار ہوں۔ تاجر کم کرتا رہا حتیٰ کہ تیس ہزار قیمت لگا دی۔ لڑکا باپ کی آمد کے انتظار میں بڑھاتا رہا۔ حتیٰ کہ اس

کی بولی ایک لاکھ تک پہنچی۔ اس لڑکے نے ہیرا خریدنے اور اپنے باپ کو جگانے سے انکار کر دیا۔ اس کے عوض میں اللہ نے اسے یہ گائے عطا فرما دی۔ بنو اسرائیل گائے کی تلاش میں اس کے پاس پہنچے گائے دیکھ کر اسے کہا کہ گائے کے بدلے گائے لے لو اس نے انکار کر دیا۔ انہوں نے دوگائیں قیمت پیش کی اس نے قبول نہ کیا حتیٰ کہ انہوں نے دس گائیں دینے کا وعدہ کیا لیکن وہ لڑکا نہ مانا تو وہ کہنے لگے ہم گائے ضرور حاصل کریں گے۔ وہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے گئے۔ اور عرض کی اے موسیٰ گائے اس کے پاس ہے لیکن یہ قیمت دینے پر بھی راضی نہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اپنی گائے دے دو۔ وہ کہنے لگا اے اللہ کے رسول! میں اپنے مال کا زیادہ حقدار ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک کہتے ہو۔ اور قوم سے کہنے لگے۔ اس شخص کو اس کے وزن کے برابر سونا دے کر راضی کرو۔ لیکن وہ راضی نہ ہوا۔ دوگنا کیا لیکن اس نے قبول نہ کیا بالآخر دس گنا سونا لے کر وہ راضی ہوا۔ گائے انہیں دے کر قیمت لے لی۔ انہوں نے وہ گائے ذبح کی۔ حکم ہوا اس کا کوئی عضو مقتول کو مارو۔ انہوں نے دوشانوں کے درمیان کا گوشت لے کر ضرب لگائی تو وہ زندہ ہو گیا۔ اس سے دریافت کیا گیا تمہیں کس نے قتل کیا ہے۔ وہ کہنے لگا میرے بھتیجے نے۔ اس نے کہا تھا میں اسے قتل کر کے اس کا مال لے لوں گا اور اس کی بیٹی سے نکاح کر لوں گا۔ چنانچہ اس کے بدلے اس غلام کو قتل کر دیا گیا۔ مجاہد، محمد بن کعب قرظی اور محمد بن قیس کی روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو اسرائیل کے ایک قبیلہ نے لوگوں کے شر سے بچنے کے لئے الگ شہر آباد کیا۔ مجرموں اور بدفطرت لوگوں کو اپنے ہاں سے نکال دیا۔ جب شام ہوتی سب کو اندر داخل کر لیتے۔ صبح کے وقت ان کا سردار اٹھتا معائنہ کرتا اگر کوئی چیز نہ ہوتی تو دروازہ کھول دیتا۔ تو وہ شام تک عام لوگوں کے ساتھ مل کر کاروبار کرتے۔ بنی اسرائیل کے ایک غنی شخص کا وارث اس کے بھائی کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس نے کافی لمبی عمر پائی۔ اس کے بھائی نے میراث کے لالچ میں اسے قتل کر دیا اور میت کو شہر کے دروازے پر ڈال دیا۔ پھر وہ اور اس کے ساتھی کمین گاہ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ صبح حاکم شہر نے دروازے سے جھانکا کوئی چیز نظر نہ آئی تو اس نے دروازہ کھول دیا۔ جب دروازہ کھلا سامنے مقتول پڑا تھا۔ اس نے دوبارہ دروازہ بند کرنا چاہا۔ تو مقتول اور اس کے ساتھیوں نے آواز دی رک جاؤ اسے قتل کر کے دروازہ بند کرتے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل میں بکثرت قتل کی وارداتیں دیکھیں۔ تو آپ جس قوم میں مقتول کو پاتے انہیں پکڑ لیتے تھے۔ اب یہاں قریب تھا کہ مقتول کے بھائی اور اہل مدینہ کے مابین لڑائی چھڑ جائے۔ فریقین نے اسلحہ تان لیا۔ پھر (بعض کے سمجھانے سے) وہ لڑائی سے باز رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔ مقتول کا بھائی کہتا تھا انہوں نے آدمی کو قتل کر کے دروازہ بند کر لیا۔ اہل مدین کہتے تھے۔ اے اللہ کے رسول آپ جانتے ہیں ہم شریر لوگوں سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور ہم نے الگ شہر آباد کیا ہے۔ بخدا نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ ایک گائے ذبح کرو۔ (نوٹ: مردے کو زندہ کرنے کا مقصد لڑائی کے فتنے کو فرو کرنا تھا۔ مترجم) یہ سب اقتباسات عبیدہ سلمانی، ابو العالیہ، سدی وغیرہ سے منقول ہیں بظاہر اس واقعہ میں اختلاف ہے کیونکہ یہ بنو اسرائیل کی کتابوں سے ماخوذ ہے جن سے نقل کرنا جائز ہے لیکن ہم نہ تو اس کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب کرتے ہیں اس لیے ہمارے نزدیک ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا ہاں مگر جو چیز حق کے موافق ہو واللہ اعلم۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ ۖ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن

لَنَا مَاهِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَ اِنَّاۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَ مَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

''بولے دعا کیجئے ہمارے لیے اپنے رب سے کہ وہ بتائے ہمیں کہ کیسی ہے وہ گائے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے ہے جو نہ بوڑھی ہو اور نہ بالکل بچی (بلکہ) درمیانی عمر کی ہو۔ تو بجالاؤ جو تمہیں حکم دیا جا رہا ہے کہنے لگے دعا کرو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ بتائے ہمیں کیسا رنگ ہو اس کا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسی گائے جس کی رنگت خوب گہری زرد ہو۔ جو فرحت بخشے دیکھنے والوں کو۔ کہنے لگے پوچھو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے ہمارے لیے کہ گائے کیسی ہو بیشک گائے مشتبہ ہوگئی ہے ہم پر اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور اس کو تلاش کرلیں گے موسیٰ (علیہ السلام) بولے اللہ فرماتا ہے وہ گائے جس سے خدمت نہ لی گئی ہو کہ ہل چلائے زمین میں اور نہ پانی دے کھیتی کو بے عیب بے داغ۔ (عاجز ہوکر) کہنے لگے اب آپ لائے صحیح پتہ پھر انہوں نے ذبح کیا اسے اور وہ ذبح کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے''۔

اللہ تبارک و تعالیٰ بنو اسرائیل کی سرکشی اور اپنے رسول سے کثیر سوالات کرنے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنے آپ پر تنگی کی تو اللہ نے بھی ان پر تنگی کی۔ اگر وہ کوئی بھی گائے لاکر ذبح کردیتے تو ان کیلئے کافی تھا جیسے ابن عباس، عبیدہ وغیرہ کا قول ہے۔ لیکن وہ سختی کی راہ پر چل پڑے تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ وہ کہنے لگے: قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَاهِيَ ؕ یعنی یہ گائے کون سی ہے؟ اور اس کی کیا خصوصیت ہے؟ ابن جریر نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اگر وہ کوئی کم تر گائے بھی ذبح کردیتے تو ان کے لئے کافی تھا...... اس کی اسناد صحیح ہے اور متعدد راویوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ عبیدہ، سدی، مجاہد، عکرمہ اور ابو العالیہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ مجھے عطا نے بھی یہی بتایا ہے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''انہیں صرف گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن ان کے سختی اختیار کرنے پر اللہ نے بھی ان پر سختی فرمائی۔ اللہ کی قسم اگر وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو اسے تا ابد کبھی نہ پا سکتے۔ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ؕ یعنی نہ کبیر السن ہو اور نہ اتنی چھوٹی کہ اسے نر نے چھوا تک نہ ہو۔ جیسے ابو العالیہ، سدی، مجاہد، عکرمہ، عطیہ عوفی عطاء خراسانی، وہب بن منبہ، ضحاک، حسن، قتادہ نے لکھا ہے اور ابن عباس کا قول ہے۔ عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے درمیانی عمر کی ہو۔ کیونکہ اس عمر کا جانور طاقتور اور خوبصورت ہوتا ہے۔ عکرمہ، مجاہد، ابو العالیہ، ربیع بن انس، عطاء خراسانی اور ضحاک سے یہی مروی ہے۔ سدی کا قول ہے عوان سے مراد ہے کہ وہ ایک بچہ جننے والی اور دو بچے جننے والی کے درمیان ہو۔ حسن کا قول ہے کہ یہ وحشی گائے (نیل گائے) تھی۔ ابن جریج نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے جس نے زرد جوتا پہنا وہ جب تک اسے پہنے رہے خوش رہے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ مجاہد اور وہب بن منبہ کا قول ہے کہ اس کا رنگ زرد تھا۔ ابن عمر کا قول ہے کہ اس کے کھر زرد تھے سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس کے سینگ اور کھر زرد رنگ کے تھے۔ بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا ابن ابی حاتم نے حسن سے روایت کیا ہے کہ اس کا رنگ گہرا سیاہ تھا۔ لیکن یہ قول غریب ہے صحیح رائے پہلی ہے۔ اسی لیے صفراء کی تاکید ذکر کی فَاقِعٌ لَّوْنُهَا عطیہ عوفی کا قول ہے اس کی زردی کچھ سیاہی مائل ہو۔ سعید بن

جبیر کا قول ہے کہ اس رنگ صاف ہو۔ یہی رائے ابو العالیہ، ربیع بن انس، سدی، حسن، قتادہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ عوفی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے گہرے زرد رنگ کی ہو۔ اس کی زردی میں سفیدی کی جھلک دکھائی دے۔ تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ دیکھنے والوں کو محبوب ہو۔ ابو العالیہ، قتادہ، ربیع بن انس سے اسی طرح منقول ہے۔ وھب بن منبہ کا قول ہے کہ جب اس کی جلد کی طرف دیکھیں تو محسوس ہو کہ اس میں سے سورج کی شعاع نکل رہی ہے۔ تورات میں ہے کہ اس کا رنگ سرخ تھا۔ شاید یہ عربی ترجمہ کرنے والوں کی غلطی ہو۔ یا جس طرح پہلا قول گزرا کہ وہ شدید زرد رنگ کی تھی جو سرخی و سیاہی مائل تھا۔ واللہ اعلم قولہ تعالیٰ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَیْنَا ؕ یعنی گائیں بہت سی ہیں آپ اس کا کوئی امتیازی وصف بتایئے۔ وَ اِنَّاۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر بنو اسرائیل یہ جملہ وَ اِنَّاۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ نہ کہتے تو اس گائے کو کبھی نہ پاسکتے۔ لیکن انہوں نے استثناء کی۔ حافظ ابو بکر بن مردویہ نے اپنی تفسیر میں ایک دوسری سند سے یہی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے(1)۔ لیکن اس طریق سے یہ روایت غریب ہے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اپنی کلام ہو۔ جس طرح اس سے پہلے سدی کے حوالے سے بیان ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ وَ لَا تَسْقِی الْحَرْثَ یعنی اس ہل چلانے کے لئے نہیں جوتا گیا اور نہ ہی کھیتی کو سیراب کرنے کے لئے اس نے رہٹ سے پانی کھینچا ہو "مُسَلَّمَةٌ" بلکہ یہ تندرست، دیدہ زیب، بے داغ اور ہر قسم کے عیب سے پاک ہو۔ "لَّا شِیَةَ فِیْهَا ؕ" اس میں کوئی دوسرا رنگ نہیں۔ سارے بدن میں ایک ہی رنگ ہے۔ قتادہ نے مسلمۃ کا معنی بے عیب بتایا ہے۔ یہی قول ابو العالیہ، ربیع بن انس کا ہے مجاہد نے بے داغ، عطاء خراسانی نے قدرتی عیوب سے پاک کہا ہے۔ مجاہد کا قول ہے نہ سفید نہ سیاہ داغ ہو۔ ابو العالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ کا قول ہے۔ اس میں سفیدی نہ ہو۔ عطاء خراسانی کا قول ہے اس کا رنگ ایک اور سیاہ ہو۔ عطیہ عوفی وھب بن منبہ اور اسماعیل بن ابی خالد سے یہی مروی ہے۔ سدی کا قول ہے۔ اس میں سفید، سیاہ یا سرخ کسی قسم کا داغ نہ ہو۔ یہ سب اقوال قریب المعنی ہیں۔ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ کی تفسیر میں بعض علماء کا قول ہے کہ وہ کام نہیں کرتی پھر "تُثِیْرُ الْاَرْضَ" میں کہتے ہیں کہ وہ کھیتی کا کام تو کرتی ہے لیکن پانی نہیں پلاتی۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس میں ذلول کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ ہل نہیں چلاتی اور نہ پانی پلاتی ہے۔ جیسے قرطبی وغیرہ نے قرار دیا ہے۔ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ قتادہ کا قول ہے کہ اب تم نے بات کو واضح کیا۔ عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم نے لکھا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وَاللّٰهُ جَآءَ هُمْ بِالْحَقِّ۔ (اللہ نے بات کو واضح فرما دیا)۔ فَذَبَحُوْهَا وَ مَا كَادُوْا یَفْعَلُوْنَ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ ذبح کرنے والے نہ تھے۔ طرح طرح کے سوالات سے بھی ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اسے ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اتنی رد و کد کے بعد آخر کار وہ ذبح کرنے پر راضی ہوئے۔ اس میں ان کی ندامت کا پہلو ہے کہ ان کا مقصد صرف سرکشی اور ٹال مٹول تھا اس لیے وہ ذبح کرنے کے قریب نہ تھے۔ محمد بن کعب اور محمد بن قیس کا قول ہے کہ قیمت زیادہ ہونے کے سبب وہ ذبح کرنے کے قریب نہیں جا رہے تھے۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس کا ماخذ اسرائیلی روایات ہیں۔ جیسے اس سے پہلے ابو العالیہ اور عوفی کی روایت میں بیان ہو چکا ہے۔ اور عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ عبیدہ، مجاہد، وھب بن منبہ، ابو العالیہ اور عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ کثیر مال دے کر انہوں نے اسے خریدا تھا۔ اور اس میں اختلاف ہے۔ اس کی قیمت کے بارے میں چند اور روایات ہیں۔ عبد الرزاق نے عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ اس کی قیمت صرف تین دینار تھی۔ حضرت عکرمہ تک اس کی سند عمدہ ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ انہوں نے بھی اسے اہل کتاب

1۔ الدر المنثور، 77/1

سے نقل کیا ہے۔ ابن جریر اور دیگر مفسرین کا قول ہے کہ رسوائی کے ڈر سے وہ ایسا کرنا نہیں چاہتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ مقتول کے قاتل سے آگاہ فرمادے جس کے بارے میں وہ جھگڑا کر رہے تھے۔ لیکن اس قول کو کسی کی طرف منسوب نہیں۔ پھر قول اختیار کیا ہے کہ وہ قیمت کی زیادتی اور بدنامی کی وجہ سے ذبح نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یہ بات بھی قابل تسلیم نہیں صحیح وہی ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ جسے ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جس کی توجیہ ہم نے بیان کی ہے واللہ اعلم۔

(مسئلہ) اس آیت میں گائے کی صفات کا بیان ہے اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ بیع سلم جائز ہے۔ امام مالک، اوزاعی، لیث، شافعی، احمد اور سلف وخلف جمہور علماء کا قول یہی ہے۔ ان کی دلیل صحیحین کی یہ روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی عورت اپنے خاوند کے سامنے دوسری عورت کے اوصاف اس طرح بیان نہ کرے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے (1)"۔ جس طرح نبی کریم ﷺ نے قتل خطاء اور قتل شبہ عمد کی دیت کے اونٹوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ یعنی وصف کو دیکھنے کے برابر قرار دیا۔ (مترجم) ابوحنیفہ، ثوری اور کوفیوں کا قول ہے کہ حیوان میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اوصاف سے اس کی حقیقت کا علم نہیں ہوسکتا۔ ابن مسعود، حذیفہ بن یمامی اور عبدالرحمٰن بن سمرہ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٣﴾

"اور یاد کرو جب قتل کر ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر تم ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے۔ اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم چھپا رہے تھے۔ تو ہم نے فرمایا کہ مارو اس مقتول کو گائے کے کسی ٹکڑے سے (دیکھا) یوں زندہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ مردوں کو اور دکھاتا ہے تمہیں اپنی (قدرت) کی نشانیاں شاید تم سمجھ جاؤ"۔

فَادّٰرَءْتُمْ کا معنی اِخْتَلَفْتُمْ (تم نے اختلاف کیا) جیسے ابن ابی حاتم نے مجاہد سے یہی روایت کیا ہے۔ عطاء خراسانی اور ضحاک کا قول ہے اِخْتَصَمْتُمْ فِيْهَا (تم اس میں جھگڑنے لگے)۔ ابن جریج نے لکھا ہے کہ بعض کہنے لگے "تم نے اسے قتل کیا ہے دوسروں نے کہا نہیں بلکہ تم نے اسے قتل کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے اسی طرح مروی ہے: وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ مجاہد کا قول ہے کہ جو تم چھپا رہے تھے۔ ابن ابی حاتم نے مسبب بن رافع کا قول نقل کیا ہے کہ آدمی جو نیک عمل سات گھروں کے اندر بھی کرے اللہ اسے ظاہر کر دیتا ہے اور کوئی برا عمل سات گھروں میں بھی کرے اللہ اسے ظاہر فرما دیتا ہے۔ اور اس کی تصدیق اس آیت کریمہ سے ہو رہی ہے "وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ ......، فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا کہ اس کے جسم کا کوئی سا ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم پر لگاؤ۔ تو معجزے کا ظہور ہوگا اور خلاف عادت بات سامنے آئے گی۔ فی الواقع وہ کوئی خاص عضو ہی تھا۔ لیکن اس کی تعیین میں ہمارا دینی یا دنیوی فائدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے ہمارے لیے بیان فرما دیتا۔ لیکن قرآن نے اسے مبہم رکھا اور کسی صحیح روایت میں بھی اس کی وضاحت نہیں آئی۔ چنانچہ ہم بھی اسے چھوڑتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح ابن ابی حاتم نے بروایت سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ بنو اسرائیل کے وہ لوگ چالیس سال تک اس گائے کو تلاش کرتے رہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اسے ایک آدمی کے پاس گائیوں کے گلے میں دیکھا۔ یہ گائے اسے بہت پسند تھی۔ وہ اس کے بدلے قیمت میں اضافہ کرتے رہے حتیٰ کہ اس کی کھال بھر دینار اسے دے کر خرید لیا۔ اسے ذبح کر کے کسی عضو کو مقتول کے جسم پر لگایا تو وہ کھڑا ہو گیا۔ اس کی رگوں سے ابھی خون بہہ رہا تھا۔ دریافت کیا تمہیں کس نے قتل کیا ہے۔

1۔ البخاری: 49/7

اس نے بتایا کہ فلاں نے۔ حسن اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اسی طرح بیان کیا ہے کہ اس کا کوئی عضومیت پر مارا گیا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ یہ غضروف کے ساتھ والی ہڈی تھی۔ حافظ عبدالرزاق نے عبیدہ سے روایت کیا ہے کہ اس کا گوشت مقتول پر مارو۔ قتادہ کا قول ہے کہ انہوں نے ران کا گوشت اسے مارا تو وہ زندہ ہو گیا اور بتایا کہ مجھے فلاں نے قتل کیا ہے۔ وکیع بن جراح نے اپنی تفسیر میں حضرت عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد ران ہے جس کے مارنے سے وہ زندہ ہو گیا تھا۔ ابن ابی حاتم لکھتے ہیں مجاہد، قتادہ، عکرمہ سے بھی مروی ہے۔ سدی نے لکھا ہے کہ انہوں نے وہ ٹکڑا مارا جو دوشانوں کے درمیان ہے۔ تو زندہ ہو کر اس نے بتایا کہ میرا قاتل تو میرا بھتیجا ہے۔ ابوالعالیہ کا قول ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ اس کی کوئی ہڈی لے کر مقتول کو مارو انہوں نے ایسا ہی کیا تو اس کی روح لوٹ آئی۔ وہ اپنے قاتل کا نام بتا کر دوبارہ فوت ہو گیا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ انہوں نے شہادت کی انگلی کے ساتھ والا گوشت یا زبان یا دم کی جڑ کی طرف والا حصہ مارا۔ قولہ تعالیٰ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى یعنی جب انہوں نے اس کے جسم پر وہ گوشت یا ہڈی ماری تو وہ زندہ ہو گیا۔ اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں آگاہ فرمایا اور مردوں کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کروایا۔ اس واقعہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیامت کے دن دوبارہ جی اٹھنے کی دلیل بھی بنایا اور ان کے مابین لڑائی کا جو فتنہ سر اٹھا رہا تھا کے خاتمے کا ذریعہ بھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت میں پانچ جگہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ "ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ" (1) یہ قصہ جس کا بیان ابھی اوپر گذرا ہے۔ (2) یہ قصہ ان لوگوں کا ہے جو اپنے گھروں سے نکلے تھے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ موت کے ڈر سے۔" (سورۂ بقرہ: 243) (3) اس (پیغمبر) کا واقعہ جو گذر رہا تھا ایک بستی پر در آنحالیکہ وہ گری پڑی تھی اپنی چھتوں کے بل۔" (آیت نمبر 259) (4) حضرت ابراہیم علیہ السلام اور چار پرندوں کا واقعہ۔" (دیکھئے آیت نمبر 260) (5) اللہ تعالیٰ نے زمین کے مردہ ہونے کے بعد دوبارہ احیاء سے اجسام کے بوسیدہ ہونے کے بعد دوبارہ لوٹائے جانے پر دلیل بنایا ہے۔ جیسے ابوداؤد طیالسی نے ابورزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ فرماتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم کبھی بنجر زمین کے پاس سے نہیں گذرے پھر جب دوبارہ تمہارا گذر ہوا تو وہ سرسبز ہو چکی تھی۔؟ فرماتے ہیں میں نے عرض کی۔ کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح موت کے بعد دوبارہ حیات ہے (1)۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے۔ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۞ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۞ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ (یٰسین: 34,35) "اور ایک نشانی ان کے لئے یہ مردہ زمین ہے۔ ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ اس سے کھاتے ہیں اور ہم نے اگائے اس میں باغات، کھجور اور انگوروں کے اور جاری کر دیئے اس میں چشمے۔ تاکہ کھائیں وہ اس کے پھلوں سے اور نہیں بنایا ہے اس کو ان کے ہاتھوں نے کیا وہ (ان نعمتوں پر) شکر ادا نہیں کرتے"۔ (مسئلہ) اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے امام مالک کے مذہب میں کہا گیا ہے کہ زخمی اگر کہہ دے کہ فلاں نے مجھے قتل کیا ہے تو اس کا یہ قول لوث (ثبوت) سمجھا جائے گا کیونکہ مقتول جب زندہ ہوا اس کے قاتل کے بارے میں اسی سے دریافت کیا گیا تو وہ کہنے لگا فلاں نے مجھے قتل کیا ہے۔ تو اس کی یہ بات قابل قبول قرار پائی کیونکہ آدمی صرف سچ ہی بولتا ہے اس سے جھوٹ کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ اس کی تائید میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ذکر کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے زیورات کی خاطر ایک لونڈی کو قتل کیا اس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل ڈالا۔ اس سے پوچھا گیا کس نے تمہارے ساتھ یہ واردات کی ہے؟ کیا فلاں تھا؟

1۔ مسند امام احمد: 11/4

یا فلاں نے تجھے مارا؟ حتیٰ کہ جب یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے سر سے اشارہ کیا۔ یہودی کو پکڑ لیا گیا تا آنکہ اس نے اعتراف کر لیا۔ تو سرکار دو عالم ﷺ نے حکم ارشاد فرمایا۔ اس کا سر بھی اسی طرح دو پتھروں کے مابین رکھ کر کچل دیا جائے۔ امام مالک اس صورت کو لوث قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مقتول کے وارثوں کو قسم دلائی جائے گی۔ لیکن جمہور فقہاء اس کے خلاف ہیں وہ مقتول کی بات کو لوث (ثبوت) نہیں سمجھتے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

''پھر سخت ہو گئے تمہارے دل یہ منظر دیکھنے کے بعد بھی وہ تو پتھر کی طرح (سخت) ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ (کیونکہ) کئی پتھر ایسے بھی ہیں جن سے بہ نکلتی ہیں نہریں۔ اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے۔ اور کئی ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں خوف الٰہی سے اور اللہ بے خبر نہیں ہے ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو''۔

بنو اسرائیل کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے اللہ رب العزت ارشاد فرما رہے ہیں کہ اللہ کی نشانیاں اور مردوں کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ان کے دل سارے کے سارے سخت پتھر کی طرح ہو چکے ہیں۔ ان میں نرمی نہیں آ سکتی۔ اس لیے مومنین کو ان کی اس حالت جیسا بننے سے خبردار کیا۔ اور فرمایا: اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ .... وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (الحدید:16) ''ترجمہ: کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا اہل ایمان کے لئے کہ جھک جائیں ان کے دل یاد الٰہی کے لئے اور اس سچے کلام کے لئے جو اترا ہے۔ اور نہ بن جائیں ان لوگوں کی طرح جنہیں کتاب دی گئی اس سے پہلے۔ پس لمبی مدت گزر گئی ان پر تو سخت ہو گئے ان کے دل اور ایک کثیر تعداد ان میں سے نافرمان بن گئی''۔ عوفی نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے مقتول کو جب گائے کا کوئی عضو مارا تو وہ زندہ ہو کر بیٹھ گیا۔ پوچھا گیا تمہیں کس نے قتل کیا۔ اس نے بتایا میرے بھتیجوں نے مجھے قتل کیا ہے۔ پھر اس کی روح دوبارہ پرواز کر گئی تو اس کے بھتیجے کہنے لگے بخدا ہم نے تو اسے قتل نہیں کیا۔ حق کو واضح طور پر دیکھ لینے کے باوجود انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ تو اللہ نے فرمایا: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ یعنی اس بوڑھے کے بھتیجوں کے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اسی طرح مدت مدید گزرنے کے ساتھ ساتھ بنو اسرائیل کے دل بھی سخت اور آیات و معجزات دیکھ لینے کے باوجود نصیحت قبول کرنے سے عاری ہو چکے ہیں پس یہ اپنی سختی میں پتھر کی طرح ہو چکے ہیں۔ اب ان کو نرم کرنے کا کوئی علاج نہیں۔ بلکہ یہ تو اس سے بھی زیادہ سخت ہو چکے ہیں کیونکہ کئی پتھر ایسے بھی ہیں جن سے چشمے جاری ہوتے ہیں اور دریا کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور کئی پتھر ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے۔ اگرچہ وہ بہتا نہیں۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں جو پہاڑ کی چوٹی سے خوف الٰہی کی وجہ سے گر پڑتے ہیں۔ اور ان میں ادراک اور فہم کی صلاحیت ہوتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (بنی اسرائیل:44) ''پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز ان میں موجود ہے اور اس (کائنات میں) کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ بے شک وہ بہت بردبار، بہت بخشنے والا ہے''۔ ابن ابی نجیع نے مجاہد سے روایت کیا ہے ہر وہ پتھر جس سے پانی نکلتا ہے یا وہ

پانی سے پھٹ جاتا ہے یا پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گر پڑتا ہے وہ اللہ کے ڈر کی وجہ سے ہے۔ اس کی گواہی قرآن نے دی ہے۔ محمد بن اسحق نے عکرمہ یا سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ...... بعض پتھر تمہارے دلوں سے بھی نرم ہوتے ہیں اس حق کے لئے جس کی طرف تمہیں بلایا جاتا ہے۔ متکلم ابوعلی الجبائی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''ھبوط'' یعنی گرنے سے مراد یہاں اولوں کا برسنا ہے۔ قاضی باقلانی نے لکھا ہے کہ یہ تاویل بعید ہے۔ ان کی اتباع میں رازی نے بھی یہی کہا ہے بات اسی طرح ہے کیونکہ یہ بلا دلیل لفظ سے دور نکل جانا ہے واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم نے پتھر سے نہریں پھوٹنے سے مراد کثرت سے رونا اور پانی نکلنے سے مراد تھوڑا رونا لیا ہے۔ اور خوف سے گر پڑنے سے مراد آنکھ سے آنسو بہے بغیر دل کا رونا لیا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ مجازی طور پر ہے یعنی خشوع کی نسبت پتھر کی طرف مجازاً ہے جیسے گر پڑنے کی نسبت اس آیت میں کی گئی ہے (يُرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ) جو گرنے کے قریب تھی۔ رازی، قرطبی وغیرہ ائمہ نے نقل کیا ہے کہ اس قسم کی تاویلات کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت سے ان میں یہ صفت پیدا فرما دیتا ہے۔ جیسے ان ارشادات عالیہ میں بیان ہوا ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا (احزاب:72) ''ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں) تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے''۔ دوسری آیت میں ہے: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ...... (بنی اسرائیل:44) ''پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز ان میں موجود ہے''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَّ النَّجْمُ وَ الشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (الرحمٰن:6) ''اور (آسمان کے) تارے اور زمین کے درخت اسی کو سجدہ کناں ہیں''۔ ایک اور جگہ فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ...... (النحل:48) ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا ان اشیاء کی طرف جنہیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے کہ بدلتے رہتے ہیں ان کے سائے'' ایک اور آیت میں ہے: قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآىِٕعِيْنَ (حم السجدہ:11) ''دونوں نے عرض کی ہم خوشی خوشی (دست بستہ) حاضر ہیں''۔ ایک اور جگہ آتا ہے: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ...... (حشر:21) ''اگر ہم نے اتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر'' پھر فرمایا: وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ...... (حم السجدہ:21) ''وہ کہیں گے اپنی کھالوں سے تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی وہ کہیں گے (ہم بے بس ہیں) ہمیں تو گویا کر دیا ہے اللہ نے''۔ ایک صحیح حدیث میں ہے ''یہ پہاڑ (احد) ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' یا کھجور کے مڈھ (تنے) کے رونے کی بات حدیث متواتر میں ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے ''میں مکہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے قبل مجھے سلام کرتا تھا۔ میں اب بھی اسے جانتا ہوں'' (1)۔ یا حجر اسود کے بارے میں روایات میں ہے کہ جس نے حق کے ساتھ اسے استلام کیا ہوگا۔ قیامت کے دن اس کے بارے میں گواہی دے گا۔ اس مفہوم والی متعدد آیات و روایات ہیں۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ اَوْ یہاں تخییر کے لئے ہے اَیْ مَثَلًا لِهٰذَا وَ هٰذَا وَ هٰذَا یعنی انہیں اس کی مثل سمجھ لو یا اس کی یا اس کی۔ یا جیسے مقولہ ہے ''جَالِسِ الْحَسَنَ اَوِ ابْنَ سِيْرِيْنَ'' حسن کے پاس علم سیکھو یا ابن سیرین کے پاس۔ رازی نے اپنی تفسیر میں اسی طرح لکھا ہے اور اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ مخاطب کے لئے نسبتاً ابہام ہے۔ جیسے کہنے والا یہ کہے۔ اَكَلْتُ خُبْزًا اَوْ تَمْرًا میں نے روٹی یا کھجور کھائی۔ حالانکہ اسے علم ہے کہ اس نے ان دونوں میں سے کون سی چیز کھائی ہے (یعنی مخاطب کے سامنے دو چیزیں بطور ابہام پیش کی جاتی ہیں)۔ ایک دوسرا قول ہے کہ یہ اس طرح ہے جیسے کوئی کہے كُلْ حُلْوًا اَوْ حَامِضًا (میٹھا کھاؤ یا کھٹا) یعنی ان دونوں کے علاوہ تیسری چیز نہیں ہے۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم یوں بنے گا۔ تمہارے دل پتھر جیسے سخت ہو چکے ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت

1۔ فتح الباری: 89/2

یعنی دونوں میں سے ایک چیز ہے۔ یعنی ان دونوں صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہے۔ واللہ اعلم۔ نوٹ: آیت کریمہ: فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً کے بارے میں علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ (او) شک کے لئے نہیں۔ اس سے آگے اختلاف ہے بعض کی رائے ہے کہ او یہاں واؤ کے معنی میں ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے: فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا (دہر: 24) یا فرمایا: عُذْرًا اَوْ نُذْرًا (مرسلات: 6) (عُذْرًا اَوْ نُذْرًا) یا جیسے نابغہ ذبیانی کا قول ہے۔

قَالَتْ اَلَا لَيْتَمَا هٰذَا الْحَمَامُ لَنَا   اِلٰى حَمَامَتِنَا اَوْ نِصْفُهُ فَقَدِ

(اَیْ وَ نِصْفُهٗ) وَ نِصْفُهٗ مراد ہے۔ ابن جریر نے یہی لکھا ہے۔ جریر بن عطیہ کا قول ہے۔

نَالَ الْخِلَافَةَ اَوْ كَانَتْ لَهٗ قَدَرًا   كَمَا اَتٰى رَبَّهٗ مُوْسٰى عَلٰى قَدَرِ

ابن جریر کا قول ہے نَالَ الْخِلَافَةَ اَوْ كَانَتْ لَهٗ قَدَرًا بعض دوسرے علماء کا قول ہے کہ او یہاں بل کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں عبارت یوں مقدر ہوگی۔ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ بَلْ اَشَدُّ قَسْوَةً اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً (نساء: 77) یا فرمایا: وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ (صافات: 147)۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (النجم: 9)۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ وہ پتھر کی طرح ہیں یا اس سے بھی سخت تمہارے نزدیک ابن جریر نے اسے نقل کیا ہے۔ بعض دوسرے علماء کی رائے میں مخاطب کو ابہام میں ڈالنا مقصود ہے۔ جیسے ابوالاسود کا قول ہے۔

اُحِبُّ مُحَمَّدًا حُبًّا شَدِيْدًا   وَ عَبَّاسًا وَ حَمْزَةَ وَ الْوَصِيًّا
فَاِنْ يَكُ حُبُّهُمْ رُشْدًا اُصِبْهُ   وَ لَسْتُ بِمُخْطِئٍ اِنْ كَانَ غَيًّا

ابن جریر کا قول ہے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ابوالاسود کو ان حضرات کی محبت کے رشد و ہدایت ہونے کا یقین تھا لیکن اس نے اپنے مخاطب کو ابہام میں رکھنا چاہا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ابوالاسود نے جب یہ اشعار کہے تو اس سے پوچھا گیا کیا تمہیں کوئی شبہ تھا۔ وہ کہنے لگا اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں۔ پھر بطور مثال یہ آیت کریمہ پڑھنے لگا: وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سبا: 24) ''اور ہم یا تم (دونوں میں سے ایک) ہدایت پر ہے۔ اور (دوسرا) کھلی گمراہی میں ہے''۔ وہ کہنے لگا (جس علیم وخبیر) نے یہ فرمایا ہے کیا اسے شک تھا کہ ہدایت پر کون ہے اور گمراہ کون ہے؟ بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے دل ان دو مثالوں سے باہر نہیں یا تو سختی میں پتھر کی طرح ہیں یا پھر پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ ابن جریر نے دوسری توجیہات ذکر کرنے کے ساتھ ترجیح دی ہے۔ (میرا خیال ہے) آخری قول کے مشابہ یہ آیات کریمہ بھی ہیں: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا (بقرہ: 18) ''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی'' ساتھ ہی فرمایا: اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ یا جیسے زور کا مینہ برس رہا ہو۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ ''جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چمکتی ہوئی ریت ہو کسی چٹیل میدان میں''۔ ساتھ ہی فرمایا: اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ..... ''ترجمہ: یا (اعمال کفار) ایسے اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتے ہیں'' (نور: 39,40)۔ واللہ اعلم۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ نے بروایت عبداللہ بن دینار حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں نہ کیا کرو کیونکہ ذکر الٰہی کے علاوہ دوسری گفتگو دل کی سختی کا باعث ہے۔ اور لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے دور سخت دل ہے'' (1)۔ ترمذی نے اسے کتاب الزہد میں مختلف سندوں سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے محمد بن ابراہیم کی

1۔ الترمذی: 2411

روایت کے علاوہ ہم اسے نہیں جانتے۔ بزار نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے ''چار اشیاء بدبختی کی علامات ہیں آنکھ کا خشک ہونا، دل کی سختی، طویل آرزو اور دنیا کی حرص۔''

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

''(اے مسلمانو!) کیا تم یہ امید رکھتے ہو کہ (یہ یہودی) ایمان لائیں گے تمہارے کہنے سے حالانکہ ایک گروہ ان میں ایسا تھا جو سنتا تھا کلام الٰہی کو پھر بدل دیتے تھے اسے خوب سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جب تنہا ملتے ہیں ایک دوسرے سے تو کہتے ہیں (ارے) کیا بیان کرتے ہو ان سے جو کھولا ہے اللہ نے تم پر یوں تو وہ دلیل قائم کرینگے تم پر ان باتوں سے تمہارے رب کے سامنے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ کیا وہ (یہ) نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ''اَفَتَطْمَعُوْنَ'' اے مومنین! کیا تم یہ امید رکھتے ہو۔ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ کہ یہود کا یہ گمراہ فرقہ تمہاری اطاعت کرے گا واضح معجزات دیکھنے کے باوجود جن کے آباؤ اجداد کے دل سخت ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک فریق کلام الٰہی کو سن کر اس میں غلط تاویلیں کرنے لگتا تھا۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ اس کے بعد کہ وہ اسے واضح طور پر سمجھ لینے کے باوجود اس کی بلا وجہ مخالفت کرتے۔ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ تحریف و تاویلات کا چکر چلا کر وہ غلطی کر رہے ہیں۔ یہ مقام اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مشابہ ہے فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً ۚ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (مائدہ:13) ''تو بوجہ ان کی عہد شکنی کے ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دور کر دیا اور کر دیا ان کے دلوں کو سخت۔ وہ بدل دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو اپنی جگہوں سے''۔ محمد بن اسحٰق نے عکرمہ یا سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ حضور ﷺ اور مومنین کی ان سے امیدوں کو ختم کرنے کے لئے نازل فرمائی ہے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رؤیت باری تعالیٰ کا سوال کیا۔ تو اچانک انہیں کڑک نے آلیا۔ محمد بن اسحٰق نے بعض اہل علم سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کی اے موسیٰ ہمیں رؤیت سے تو محروم کر دیا گیا ہے۔ اب ہمیں اللہ کا کلام تو سنوایئے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کی تو اللہ نے آپ کی دعا کو منظور فرمالیا۔ فرمایا انہیں کہیں کہ وہ غسل کر کے پاک صاف کپڑے پہنیں اور روزہ رکھیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں لے کر کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ جب ہر طرف بادل چھا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ وہ سب سجدے میں گر گئے۔ رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی او وہ سن رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دے رہا ہے اور بعض چیزوں سے منع کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے جو کچھ سنا تھا سمجھ لیا پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں لے کر بنی اسرائیل کے پاس آئے تو ایک فریق نے اللہ کے اوامر میں تحریف شروع کر دی۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بتایا کہ اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا ہے تو ایک فریق (جس کا اللہ نے اپنی لاریب کتاب میں ذکر فرمایا ہے) نے اس کے برعکس بات کا اعلان

کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم ارشاد فرمایا ہے۔ اسی فریق کی طرف قرآن نے اشارہ کیا۔ سدی کا قول ہے کہ ثم یحرفونہ سے مراد تورات ہے جس میں وہ تحریف کرتے تھے۔ سدی کے ذکر کردہ قول میں ابن عباس اور ابن اسحاق کی نسبت عموم ہے۔ اگر چہ ابن جریر نے اسے ظاہر کلام کی وجہ سے اختیار کیا ہے۔ کلام الٰہی کے سننے سے مراد اس طرح نہیں جیسے کلیم اللہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ الصلوٰۃ والسلام سنتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ (توبہ:6) ''ترجمہ: اور اگر کوئی شخص مشرکوں میں سے پناہ طلب کرے آپ سے تو پناہ دیجئے اسے تاکہ وہ سنے اللہ کا کلام۔'' تو یہاں مراد یہ نہیں کہ اللہ کا کلام سنے بلکہ مراد یہ ہے کہ قرآن اس تک پہنچ جائے اسی لیے قتادہ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ...... کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ یہ یہود ہیں جو اللہ کی کلام کو سن کر اسے سمجھ لینے اور یاد کرنے کے بعد اس میں تحریف کر دیتے تھے۔ مجاہد کا قول ہے تحریف کرنے والے اور چھپانے والے ان کے علماء تھے۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تعریف وتوصیف کے بارے میں ان کی کتابوں میں جو کچھ موجود تھا اس میں تاویل کر کے اس کے اصل مطلب سے دور کر دیتے تھے۔ سدی نے لکھا ہے ''وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ'' یعنی وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے گناہ عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔ ابن وہب نے لکھا ہے کہ ابن زید کا قول ہے: يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ سے مراد تورات ہے جو اللہ نے ان پر نازل فرمائی تھی وہ اس میں تحریف کر کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال اور حق کو باطل اور باطل کو حق بنا دیتے تھے۔ جب حقدار رشوت پیش کرتا تو کتاب اللہ سے بتا دیتے اور جب غیر مستحق رشوت پیش کرتا تو کتاب اللہ سے اسے بھی حقدار ثابت کر دیتے اور کبھی کوئی مسئلہ پوچھنے آتا جس میں حق نہ ہوتا یا رشوت یا اور کوئی چیز نہ ہوتی تو وہ اسے حق بات بتا دیا کرتے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں فرمایا: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ''کیا تم حکم کرتے ہو (دوسرے) لوگوں کو نیکی کا اور بھلا دیتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے'' (بقرہ:44)۔ قولہ تعالیٰ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ......

محمد بن اسحٰق نے عکرمہ یا سعید بن جبیر کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ تمہارے ساتھی اللہ کے رسول ہیں۔ اور جب تنہا ملتے ہیں ایک دوسرے سے تو کہتے ہیں عربوں سے اس بارے میں بات نہ کرنا کہ تم اس سے پہلے محمد ﷺ کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے کیونکہ وہ تو انہی میں سے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ...... لِيُحَاۗجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ یعنی تم اقرار کرتے ہو کہ وہ نبی ہیں۔ حالانکہ تمہیں یہ بھی علم ہے کہ اس کے بارے میں ہی روز میثاق تم سے عہد لیا گیا تھا کہ اس کی اتباع کرو گے خبردار کہیں انہیں آگاہ نہ کر دو کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا ہم انتظار کرتے تھے۔ سرے سے انکار کر دو اور ان کی نبوت کو تسلیم نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہود کے منافقین جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ملتے تو کہتے ہم بھی ایمان دار ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ یہود کے وہ لوگ تھے جو ایمان لائے تھے لیکن پھر منافق ہو گئے۔ ربیع بن انس، قتادہ اور سلف وخلف کے بہت سے علماء کا یہی قول ہے حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے بھی ابن وہب نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے قصبہ مدینہ میں داخل نہیں ہوگا مگر مومن (1)۔ تو اہل کفر ونفاق کے رؤسا انہیں کہنے لگے جاؤ اور کہو ہم مومن ہیں اور جب ہمارے پاس واپس آؤ تو کفر کرنے لگو۔ وہ صبح سویرے مدینہ آتے اور عصر کے بعد واپس چلے جاتے اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: وَقَالَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ

1۔ الدر المنثور: 81/1

عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (آل عمران: 72) ’’اور کہا ایک گروہ نے اہل کتاب سے کہ ایمان لے آؤ اس (کتاب) پر جو اتاری گئی ایمان والوں پر صبح کے وقت اور انکار کر دو اس کا سر شام شاید (اس طرح) وہ (اسلام سے) برگشتہ ہو جائیں‘‘۔ وہ جب مدینہ آتے تو کہتے ہم مسلمان ہیں مقصد یہ ہوتا کہ وہ رسول کریم ﷺ کے رازوں سے آگاہ ہو سکیں۔ جب واپس جاتے تو کفر کی طرف لوٹ جاتے۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے رسول ﷺ کو خبر کر دی تو ان کا آنا موقوف ہو گیا۔ مسلمان انہیں مومن سمجھ کر ان سے پوچھتے کیا تمہاری کتابوں میں یہ یہ بشارتیں (جو حضور ﷺ کے بارے میں) ہیں یا نہیں۔ تو وہ کہتے کیوں نہیں۔ جب وہ واپس اپنے سرداروں کے پاس جاتے تو وہ کہتے کیا تم بیان کرتے ہو ان سے جو راز کھولا ہے اللہ نے تمہارے لیے۔ ابو العالیہ کا قول ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہاری کتابوں میں حضور ﷺ کے بارے میں نازل فرمایا ہے حضرت قتادہ کا قول ہے کہ وہ ایسے کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک نبی آئے گا۔ تو انہوں نے آپس میں یہ طے کیا۔ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ کی ایک تفسیر ابن جریج نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ غزوۂ بنی قریظہ کے دن حضور ﷺ ان کے قلعوں کے نیچے کھڑے ہوئے اور یوں ندا فرمائی اے بندروں اور خنزیروں کے بھائیو! اے طاغوت کے پجاریو! وہ آپس میں کہنے لگے ان امور سے محمد (ﷺ) کو کس نے آگاہ کیا ہے یہ بات تمہارے سوا کسی اور کے منہ سے نہیں نکلی۔ کیا ان کو ایسی بات بتاتے ہو جو کل قیامت کے دن تمہارے خلاف حجت ہوگی۔ ایک دوسری روایت میں ابن جریج نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس وقت کہا تھا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا گیا۔ تو انہوں نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔ سدی کا قول ہے، کیا تم انہیں بتاتے ہو اس عذاب کے بارے میں جو اللہ نے تم پر نازل فرمایا تھا تاکہ کل کلاں تمہارے خلاف حجت بن جائے۔ یہ یہود کا ایک گروہ تھا جو مسلمان ہونے کے بعد منافق ہو گیا۔ وہ عرب مسلمانوں کو اپنے آباؤ اجداد پر نازل ہونے والے عذاب کی کہانیاں سناتے تھے۔ بعد میں انہوں نے طے کیا کہ انہیں ایسی باتیں نہ بتایا کرو۔ کہیں وہ یہ نہ کہیں کہ ہم تو اللہ کے ہاں تم سے زیادہ معزز اور محترم قوم ہیں۔ عطاء خراسانی کا قول ہے بِمَا قَضَى لَكُمْ وَ عَلَيْكُمْ (جو نعمتیں اور مصائب نازل تم پر ہوئے)۔ حسن بصری کا قول ہے کہ یہ یہودی جب مسلمانوں سے ملتے تو کہتے ہم بھی مسلمان ہیں اور جب علیحدگی میں ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کو ایسی باتیں نہ بتایا کرو جو اللہ نے تمہاری کتاب میں ذکر فرمائی ہیں۔ تاکہ وہ تمہارے خلاف دلیل نہ بن جائیں۔ اور مسلمان اسے تمہارے خلاف رب کے ہاں جھگڑنے کے لئے ہتھیار کے طور پر استعمال نہ کریں (قَوْلُهٗ تَعَالٰى۔ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (بقرہ: 77) قتادہ اور ابو العالیہ کا قول ہے کہ جو وہ حضور ﷺ کا انکار اور آپ کی تکذیب کرتے تھے۔ حالانکہ آپ ﷺ کی صداقت کی علامات سے ان کی کتابیں بھری پڑی تھیں۔ حسن کا قول ہے کہ وہ مسلمانوں کے پاس سے جب اٹھ کر جاتے تو خلوت میں آپس میں یہ طے کرتے کہ اپنی راز کی باتیں جو ان کی کتابوں میں موجود تھیں محمد ﷺ کے سامنے افشاء نہ کیا کرو کہ تمہاری انہی باتوں سے وہ تمہاری تردید کریں گے۔ لیکن جو چیز وہ چھپا رہے تھے اللہ تعالیٰ تو اس سے آگاہ ہے۔ اور اس سے بھی جو وہ ایمان لانے کا دعویٰ کرتے تھے۔ ابو العالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۞78 فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۞79

''اوران میں کچھ ان پڑھ ہیں جو نہیں جانتے کتاب کو بجز جھوٹی امیدوں کے اور وہ تو محض وہم وگمان ہی کرتے رہتے ہیں۔
پس ہلاکت ہو ان کے لیے جو لکھتے ہیں کتاب خود اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں یہ نوشتہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ حاصل کر لیں اس کے عوض تھوڑے سے دام سو ہلاکت ہو ان کے لیے بوجہ اس کے جو لکھا ان کے ہاتھوں نے اور ہلاکت ہو ان کے لیے بوجہ اس مال کے جو وہ یوں کماتے ہیں''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ مِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ اہل کتاب میں سے ان پڑھ لوگ یہ مجاہد کا قول ہے۔ اُمِّيُّوۡنَ یہ امی کی جمع ہے۔ وہ شخص جو لکھ نہ سکتا ہو۔ ابو العالیہ ربیع، قتادہ اور ابراہیم نخعی وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ آیت کے اگلے حصے لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ سے بھی یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ مخاطب اہل کتاب ہیں (جو نہیں جانتے کتاب میں جو کچھ مذکور ہے) اسی طرح حضور ﷺ کی صفات مبارکہ میں سے ایک صفت امی بھی ہے کیونکہ آپ ﷺ بھی اچھی طرح لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اسی کی طرف قرآن کریم نے بایں الفاظ اشارہ کیا ہے: وَمَا كُنۡتَ تَتۡلُوۡا مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنۡ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيۡنِكَ اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ (عنکبوت: 48) ''اور نہ آپ پڑھ سکتے تھے اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ اسے لکھ سکتے تھے اپنے دائیں ہاتھ سے (اگر آپ لکھ پڑھ سکتے) تو ضرور شک کرتے اہل باطل''۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ''ہم امی قوم ہیں لکھنا اور حساب نہیں جانتے۔ مہینہ کبھی اتنا ہوتا ہے، کبھی اتنا اور کبھی اتنا، الحدیث'' (1) یعنی ہم اپنی عبادات کی ادائیگی اور ان کے اوقات حساب وکتاب پر موقوف نہیں رکھتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هُوَ الَّذِيۡ بَعَثَ فِي الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ (جمعہ: 2) ''ترجمہ: وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ اہل عرب جو شخص لکھنا نہ جانتا ہو اسے اس کی ماں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے برعکس ایک اور قول بھی مروی ہے جس کے راوی ضحاک ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا امی سے مراد وہ قوم ہیں جنہوں نے نہ تو کسی رسول کی تصدیق کی اور نہ کسی کتاب کو مانا تھا۔ اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی کتاب کو ایک جاہل قوم کے سامنے پیش کر کے اسے کتاب اللہ ثابت کرنا چاہتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں۔ اللہ کی کتابوں اور رسولوں کے انکار کی وجہ سے انہیں امی کا لقب دیا۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ اول تو یہ تفسیر عربوں کے محاورات کے خلاف ہے کیونکہ امی کا اطلاق عربوں کے نزدیک اس پر ہوتا ہے جو لکھتا نہ ہو۔ دوسرے ابن عباس تک اس کی سند بھی محل نظر ہے اور اس کی صحت میں کلام ہے۔ واللہ اعلم۔ قولہ تعالیٰ ''اِلَّاۤ اَمَانِيَّ'' ابن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ امانی سے مراد یہاں باتیں ہیں۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جھوٹے اقوال جو ان کی زبان سے صادر ہوتے ہیں۔ مجاہد نے امانی کا معنی کذب (جھوٹ) کیا ہے۔ ابن جریج نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ بعض یہودی اپنی کتاب کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اور اپنے گمان سے وہ بات کہہ دیتے تھے جو سرے سے کتاب میں موجود نہیں۔ لیکن دعوی یہ کرتے کہ یہ کتاب سے ہے اور اللہ کی کلام ہے اَمَانِيَّ: آرزوئیں اور خواہشات جو ان کی کل متاع تھی۔ حسن بصری سے یہی مروی ہے ابو العالیہ، ربیع اور قتادہ کا قول ہے اِلَّاۤ اَمَانِيَّ: مگر وہ آرزوئیں جو وہ اللہ سے ناحق لگائے بیٹھے تھے۔ عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے انہوں نے یہ خیال کیا کہ وہ اہل کتاب سے ہیں حالانکہ ان کا اہل کتاب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ابن جریر فرماتے ہیں قرین صواب روایت وہ ہے جسے ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ امی لوگ جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب (تورات) میں سے کچھ بھی نہیں سمجھتے لیکن جھوٹے اندازے لگاتے ہیں۔ اور بہتان باندھتے ہیں۔ تمنی

1۔ فتح الباری: 126/4

سے مراد یہاں جھوٹ بولنا اور بہتان باندھنا ہے۔ اسی سے وہ خبر (روایت) ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "مَا تَغَنَّیْتُ وَلَا تَخَرَّصْتُ۔" یعنی مَا تَخَرَّصْتُ الْبَاطِلَ وَلَا اخْتَلَقْتُ الْکَذِبَ میں نے دانستہ جھوٹ نہیں بولا۔ ایک قول یہ ہے کہ اَمَانِیَّ (خواہ مشدد پڑھیں یا مخفف) سے مراد تلاوت کرنا ہے۔ اس صورت میں یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ اور بطور دلیل یہ آیت ذکر کی ہے: اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ...... (حج: 52)" ترجمہ: مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیئے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک)"۔ کعب بن مالک کا قول ہے۔

؎ تَمَنّٰی كِتَابَ اللّٰهِ اَوَّلَ لَيْلِهٖ وَ آخِرَهٗ لَاقٰی حِمَامَ الْمَقَادِرِ

ایک دوسرے شاعر کا قول ہے۔

؎ تَمَنّٰی كِتَابَ اللّٰهِ آخِرَ لَيْلِهٖ تَمَنِّیَ دَاوٗدَ الْكِتَابَ عَلٰی رِسْلِ

محمد بن اسحٰق نے بروایت عکرمہ یا سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ ...... یعنی جو کچھ ہے اسے نہیں جانتے۔ وہ آپ کی نبوت کی حقانیت کا گمان رکھتے ہیں۔ مجاہد نے یظنون کا معنی جھوٹ بولتے ہیں کیا ہے۔ قتادہ، ابو العالیہ اور ربیع کا قول ہے۔ وہ اللہ کے بارے میں بے بنیاد خیالات اور وہم و گمان رکھتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ...... یہود کی ایک اور صنف علماء کا بیان ہو رہا ہے۔ جو اللہ کی ذات پر کذب بیانی فراڈ سے گمراہی کی طرف بلاتے اور ناجائز طور پر لوگوں کا مال کھاتے تھے۔ اَلْوَيْلُ: اَلْهَلَاكُ وَالدَّمَارُ۔ ہلاکت اور تباہی۔ لغت عربی میں یہ کلمہ مشہور ہے سفیان ثوری نے زیاد بن عیاض سے روایت کیا ہے میں نے ابو عیاض کو ارشاد فرماتے سنا۔ ویل جہنم کی تہہ میں پیپ ہے۔ عطاء بن یسار کا قول ہے۔ ویل جہنم کی ایک وادی ہے اگر پہاڑ بھی اس میں جلائے جائیں تو پگھل جائیں۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "ویل جہنم کی ایک وادی ہے جس میں کافر ڈالے جائیں گے چالیس خریف (چالیس سال) کے بعد نیچے تہہ میں پہنچے گا" (1)۔ ترمذی نے اسے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف ابن لہیعۃ کی روایت سے جانتے ہیں۔ (میں کہتا ہوں) اسے صرف ابن لہیعۃ نے ہی بیان نہیں کیا جیسے آپ کی رائے ہے لیکن مصیبت ان کے بعد ہے۔ یہ حدیث اس سند کے ساتھ مرفوع منکر ہے واللہ اعلم۔ ابن جریر نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا ہے کہ "ویل دوزخ کا ایک پہاڑ ہے" (2)۔ وہی یہود پر اتارا جائے گا کیونکہ انہوں نے تورات میں تحریف کرتے ہوئے جو چاہا زیادہ کر دیا اور جو ناپسند کیا مٹا دیا۔ اور حضور ﷺ کا اسم گرامی بھی تورات سے حذف کر دیا اسی لیے اللہ کا ان پر غضب ہوا اور بعض تورات اٹھالی گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ویل سے مراد عذاب کی مشقت ہے۔ خلیل بن احمد کا قول ہے۔ ویل سے مراد شر کی شدت ہے۔ سیبویہ کا قول ہے "ویل اس کے لئے آتا ہے جو ہلاکت میں پڑ چکا ہو۔ اور ویح اس کے لئے جو تباہی کے کنارے پر ہو۔ اصمعی کا قول ہے ویل کا معنی دردمند ہونا۔ رحم طلب کرنا کسی دوسرے سے لغوی کا قول ہے ویل سے مراد غم ہے۔ خلیل کہتا ہے ویل، ویح، ویش، ویہ، ویک اور ویب ہم معنی ہیں لیکن بعض علماء نے ان کے معانی الگ الگ بھی بیان کیے ہیں۔ بعض نحویوں کے نزدیک نکرہ ہونے کے باوجود اسے مبتدا بنانا جائز ہے کیونکہ یہ بددعا کے معنی میں ہے۔ بعض نے اس پر نصب کو جائز قرار دیا ہے بمعنی (اَلْزَمَهُمْ وَيْلًا)۔ (میں کہتا ہوں) لیکن یہ قرأت کسی سے مروی نہیں ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن

1۔ فتح الباری: 266/1، الترمذی: 3164 2۔ الدر المنثور: 82/1

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے مخاطب احبار (یہود کے علماء) ہیں۔ اسی طرح قتادہ نے بھی اس سے مراد یہود ہی لیے ہیں۔ سفیان ثوری عبدالرحمٰن بن علقمہ سے روایت کرتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ مشرکین اور اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ سدی کا قول ہے کہ بعض یہودی اپنی طرف سے ایک کتاب لکھ کر عربوں کو بیچتے تھے اور انہیں یہ بتاتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کے بدلے تھوڑی بہت قیمت وصول کر لیتے۔ زہری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا اے مسلمانو! کی جماعت! تم اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے میں کیوں دریافت کرتے ہو تمہارے نبی کریم ﷺ پر جو اللہ کی کتاب اتری ہے اس میں تم اللہ کی بیان کردہ تازہ ترین باتیں پڑھتے ہو۔ حالانکہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی تمہیں خبر دی ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی، اسے بدل دیا بلکہ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر کہنے لگے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ چند کوڑیاں وصول کر سکیں۔ کیا تمہارے پاس جو علم آیا ہے اس نے تمہیں اہل کتاب سے مسائل پوچھنے سے منع نہیں کیا، اور اللہ کی قسم ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ تمہاری کتاب کے بارے میں اس نے کبھی سوال کیا ہو۔ بخاری نے اسے متعدد سندوں سے زہری سے روایت کیا ہے۔ حسن بن ابوالحسن بصری کا قول ہے۔ ساری دنیا ثمن قلیل کے زمرے میں آتی ہے۔

وقولہ تعالیٰ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ...... ہلاکت ہے ان پر جو کذب وبہتان اور افتراء انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے۔ اور ہلاکت ہو ان پر حرام خوری کی وجہ سے جیسے ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ان پر عذاب اس جھوٹ کی وجہ سے ہے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے۔ ہلاکت ہے جو حرام وہ کھا رہے ہیں۔

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾

''اور انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوئے گی ہمیں دوزخ کی آگ بجز گنتی کے چند دن۔ آپ فرمائیے کیا لے رکھا ہے تم نے اللہ سے کوئی وعدہ، تب تو خلاف ورزی نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی یا (یونہی) بہتان باندھتے ہو اللہ پر جو تم جانتے ہی نہیں''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان آیات میں یہودیوں کے اس دعویٰ کی خبر دے رہے ہیں جو وہ کہا کرتے تھے کہ جہنم کی آگ انہیں نہیں چھوئے گی مگر صرف چند روز تک پھر وہ نجات پا جائیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کیا تم نے لے رکھا ہے اللہ سے کوئی وعدہ۔ اگر کوئی ایسی بات ہے تو پھر تو وہ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں فرمائے گا۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ اسی لیے بَلْ کا ہم معنی اَمْ ذکر فرمایا معنی یوں ہوگا۔ بلکہ تم تو یونہی اللہ پر کذب اور افتراء باندھے جا رہے ہو۔ محمد بن اسحٰق نے مجاہد کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہود کہا کرتے تھے کہ اس دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے۔ ہمیں ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن جہنم میں رہنا پڑے گا۔ اس طرح یہ گنتی کے سات روز بنتے ہیں۔ تو اللہ رب العزت نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ سے خٰلِدُوْنَ تک'' سعید اور عکرمہ کی روایت میں بھی یہی ہے عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ یہودی کہنے لگے کہ آگ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی مگر چالیس رات تک۔ (بعض روایات میں اس پر یہ اضافہ ہے) کہ انہوں نے چالیس روز تک بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ قرطبی نے ابن عباس اور قتادہ سے یہی نقل کیا ہے۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہود کا خیال تھا کہ انہوں نے تورات میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جہنم کے دونوں کناروں کے مابین چالیس سال کا فاصلہ

ہے۔ یہاں تک کہ زقوم کے درخت تک پہنچ جاتے ہیں جو جہنم کی تہہ سے اگتا ہے۔ وہ اعداء اللہ کہنے لگے کہ ہمیں اس وقت تک عذاب ہوگا کہ ہم زقوم کے درخت تک پہنچ جائیں اس کے بعد دوزخ فنا ہو جائے گی۔ اس آیت کریمہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ محدث عبد الرزاق نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ گنتی کے چندروز اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَۃً سے مراد وہ ایام جن میں ہم نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ عکرمہ کا قول ہے کہ یہود حضور ﷺ سے جھگڑ پڑے کہ ہم دوزخ میں چالیس رات سے زیادہ ہرگز نہیں رہیں گے۔ اس کے بعد ہمارے پیچھے ایک اور امت آ جائے گی۔ ان کی مراد امت محمدیہ تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے سروں پر رکھ کر فرمایا "بلکہ تم ہی اس میں ہمیشہ رہو گے۔ تمہارا جانشین کوئی نہیں ہوگا" (1)۔ اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: وَ قَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ ...... حافظ ابوبکر بن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: "جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ کو ایک زہر آلود بکری پیش کی گئی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا "جو یہودی اس وقت یہاں موجود ہیں۔ انہیں جمع کرو۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا تمہارا باپ کون ہے؟۔ انہوں نے کہا فلاں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم نے جھوٹ کہا ہے تمہارا باپ تو فلاں ہے"۔ وہ کہنے لگے آپ نے بالکل بجا ارشاد فرمایا ہے پھر آپ ﷺ نے انہیں فرمایا "اگر میں تم سے کسی بات کے بارے میں دریافت کروں تو سچ بتاؤ گے؟" وہ کہنے لگے ہاں اے ابوالقاسم اگر ہم نے آپ (ﷺ) سے جھوٹ بولا تو آپ ہمارا جھوٹ پکڑ لیں گے۔ جس طرح ہمارے باپ کے بارے میں جھوٹ آپ کے سامنے نہ چل سکا۔ رسول ﷺ نے پوچھا دوزخی کون ہیں؟ وہ کہنے لگے کچھ عرصہ ہم رہیں گے۔ ہمارے بعد تم ہو گے تو حضور ﷺ نے فرمایا: "دھتکارے جاؤ اللہ کی قسم ہم کبھی تمہارے پیچھے نہیں آئیں گے۔ پھر رسالت مآب ﷺ نے دوبارہ فرمایا "اگر میں کسی چیز کے بارے میں پوچھوں تو سچ بولو گے؟ انہوں نے عرض کی جی ہاں اے ابو القاسم آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے۔؟ انہوں نے عرض کی ہاں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "تمہیں اس پر کس چیز نے ابھارا"۔ وہ کہنے لگے ہم نے سوچا اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہم آپ سے نجات پا جائیں گے۔ اور اگر آپ (ﷺ) نبی ہیں تو آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا (1) (احمد، بخاری، نسائی)۔

بَلٰی مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتۡ بِہٖ خَطِیۡٓـَٔتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۱﴾
وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۲﴾

"ہاں (ہمارا قانون یہ ہے) جس نے جان بوجھ کر برائی کی اور گھیر لیا اس کو اس کی خطا نے تو وہی دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہی جنتی ہیں۔ وہ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں بات اس طرح نہیں ہوگی جیسے تم آرزو کرتے ہو۔ یا جیسے تمہاری خواہش ہے۔ بلکہ (ہمارا قانون تو یہ ہے کہ) جس نے برے اعمال کا ارتکاب کیا۔ اور اس کی برائیوں نے اسے گھیر لیا۔ اور قیامت کے دن وہ اس حال میں آیا کہ اس کے پاس کوئی نیکی نہ تھی بلکہ اس کا اعمال نامہ افعال شنیعہ سے بھرا ہوا تھا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور شریعت کے تعلیمات کے موافق اعمال صالحہ کا ذخیرہ جمع کرتے رہے تو جنت انہی کا مقدر ہے۔ یہ مقام اس آیت کریمہ کے موافق ہے: لَیۡسَ بِاَمَانِیِّکُمۡ وَ لَاۤ اَمَانِیِّ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ ؕ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِہٖ ۙ وَ لَا یَجِدۡ لَہٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیۡرًا ﴿۱۲۳﴾ وَ مَنۡ

1۔ الطبری: 302/1
2۔ شرح السنۃ: 23/14

يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا (النساء: 123,124)'' (نجات کا انحصار) نہ تمہاری جھوٹی امیدوں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی جھوٹی امیدوں پر (بلکہ) جو عمل کرے گا برے اسے سزا ملے گی اس کی۔ اور نہ پائے گا اپنے لیے اللہ کے بغیر کوئی دوست اور نہ مددگار۔ اور جس نے عمل کیے اچھے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو سنو وہی لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کیے جائیں گے تل بھر''۔ محمد بن اسحٰق نے سعید یا عکرمہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً یعنی جس نے تمہارے جیسے اعمال کیے اور تمہاری طرح کفر کیا حتیٰ کہ اس کے کفر نے اسے گھیر لیا۔ تو اس کے لئے کوئی نیکی نہ ہوگی۔ ایک دوسری روایت میں ابن عباس نے سَيِّئَةً کا معنی شرک کیا ہے۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ وائل، ابو العالیہ، مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ اور ربیع بن انس سے یہی مروی ہے حسن (ایک روایت کے مطابق) اور سدی کا قول ہے کہ اس سے مراد کبیرہ گناہ ہے وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ ابن جریج نے مجاہد سے روایت کیا کہ ''بہ'' سے مراد اس کے دل کو گھیر لینا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابو وائل، عطا اور حسن نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ''اس کے شرک نے اسے گھیر لیا۔ اعمش نے ربیع بن خثیم سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو خطاکار ہو اور توبہ سے قبل اس کی موت آجائے۔ سدی اور ابورزین سے بھی یہی منقول ہے۔ ابو العالیہ، مجاہد، حسن (ایک روایت کے مطابق)، قتادہ اور ربیع بن انس نے اس کا معنی گناہ کبیرہ لیا ہے۔ یہ سب اقوال قریب المعنی ہیں۔ واللہ اعلم۔ یہاں ایک حدیث شریف ذکر کی جاتی ہے۔ امام احمد نے اسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''صغیرہ گناہوں سے بچو۔ بلاشبہ یہ جمع ہو کر آدمی کی ہلاکت کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں۔ اور رسول کریم ﷺ نے ان کے سامنے ایک مثال ذکر فرمائی کہ جیسے ایک قوم ہے۔ وہ صحرا میں اترے۔ کھانے کا وقت تھا۔ ہر آدمی ایک ایک لکڑی اٹھا لایا۔ اس طرح لکڑیوں کا ایک گٹھا جمع ہو گیا پھر انہوں نے آگ جلائی اور (گوشت وغیرہ) جو کچھ اس میں ڈالا تھا پکالیا۔(1)''

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ...... محمد بن اسحٰق نے عکرمہ یا سعید کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جو اس چیز پر ایمان لایا جس کا تم نے انکار کیا۔ اور اللہ کے دین سے وہ عمل کیا جسے تم چھوڑ چکے تھے۔ ان کے لئے ابدی جنت ہے۔ یہاں اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ نیک یا برے اعمال کی جزا ان کے مرتکبوں کو ہمیشہ ملتی رہے گی۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

''اور یاد کرو جب لیا تھا ہم نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے (اس بات کا) کہ نہ عبادت کرنا بجز اللہ کے اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا نیز رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں سے بھی (مہربانی کرنا) اور کہنا لوگوں سے اچھی باتیں اور صحیح ادا کرنا نماز اور دیتے رہنا زکوٰۃ پھر منہ موڑ لیا تم نے مگر چند آدمی تم سے (ثابت قدم رہے) اور تم روگردانی کرنے والے ہو''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنو اسرائیل پر جو احکام نافذ فرمائے تھے اور عہد لیا اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ تم نے اس سے کلیۃً منہ موڑ لیا۔ اور دانستہ اعراض کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اپنی عبادت کرنے اور شرک نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اپنی تمام مخلوق کو اس کا یہی حکم ہے۔ بلکہ

1۔ شرح السنۃ: 299/14

اسی مقصد کے لئے نوع انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء: 25) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو''۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: 36) ''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے'' یہ حق کی اعلیٰ ترین قسم ہے کہ اس وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے۔ اس کے بعد مخلوق کے حقوق کی باری آتی ہے ان میں سب سے زیادہ موکد اور اولیٰ والدین کا حق ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اور والدین کے حقوق کو اس آیت میں ملا کر ذکر فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے: اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ''اس لیے ہم نے حکم دیا) کہ شکر کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا (آخرکار) میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے'' (لقمان: 14) اور فرمایا: وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل: 23) ''اور حکم فرمایا آپ کے رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو'' تا آنکہ ارشاد فرمایا: وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ''ترجمہ: اور دیا کرو رشتہ دار کو اس کا حق اور مسکین اور مسافر کو بھی'' (بنی اسرائیل: 26)۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ! کون سا عمل افضل ہے؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا''۔ میں نے (دوبارہ) عرض کی اس کے بعد فرمایا ''والدین سے حسن سلوک''۔ میں نے عرض کی اس کے بعد (کون سا عمل افضل ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا ''الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔'' (1)۔ اسی طرح ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ایک آدمی (بارگاہ رسالت ﷺ میں) حاضر ہوا۔ عرض کی یارسول اللہ! حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ ارشاد فرمایا ''تیری ماں۔'' اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ پوچھا'' اس کے بعد کون؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' تیرا باپ'' پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ قریبی رشتہ دار کے ساتھ (2)۔ قولہ تعالیٰ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ زمخشری کا قول ہے گو یہ خبر ہے مگر اس میں طلب کا مفہوم زیادہ ہے۔ اور اس میں زیادہ تاکید ہے۔ یہ اصل میں اَنْ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ تھا۔ جیسے اسے سلف صالحین میں سے کسی نے پڑھا ہے۔ اَنْ کو حذف کر دیا تو صیغہ حالت رفعی میں آ گیا ''لَا تَعْبُدُوْنَ'' ابی بن کعب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت کو یوں پڑھا ہے ''لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ''، قرطبی نے اپنی تفسیر میں یہی توجیہ سیبویہ سے نقل کی ہے۔ کسائی اور فراء نے بھی اسے پسند کیا ہے۔ قولہ تعالیٰ وَ الْیَتٰمٰی چھوٹے بچے جن کے آباء میں سے ان کا کوئی کمانے والا نہ ہو۔ ''وَ الْمَسٰكِیْنِ'' جن کے پاس اپنے اور اہل خانہ کے نان ونفقہ کے لئے کچھ نہ ہو۔ ان اقسام کے بارے میں تفصیلی وضاحت سورۂ نساء میں آئے گی۔ قولہ تعالیٰ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا یعنی ان سے اچھی بات کہو اور نرمی کا برتاؤ کیا کرو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی اسی کے زمرے میں آتا ہے جیسا کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔ حسن مقال یہ ہے کہ نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرے، بردباری، عفو ودرگذر سے کام لے اور حکم الٰہی کے مطابق لوگوں سے اچھی باتیں کہے۔ یہ ساری باتیں اخلاق حسنہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ امام احمد نے اپنی سند سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نیکی میں سے کسی چیز کو حقیر مت جان اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملا کر۔'' مسلم نے اسے اپنی صحیح میں اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے۔ مناسب یہی تھا کہ جب دوسروں سے حسن سلوک کرنے کا حکم دیا جائے تو ساتھ ہی زبان سے اچھی باتیں کہنے کا حکم بھی دے دیا جائے تاکہ احسان کی دونوں اقسام (قولی اور فعلی) جمع ہو جائیں اور پھر اپنی عبادت یعنی نماز اور زکاۃ کے حکم کو لوگوں کے

1۔ البخاری: 140/1 2۔ البخاری: 2/8

ساتھ حسن سلوک کرنے کے ساتھ ملا کر مزید تاکید پیدا کر دی اور فرمایا: وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ انہوں نے ان سب احکام سے منہ موڑ لیا اور دیدہ دانستہ پس پشت ڈال دیا ماسوائے ایک قلیل تعداد کے جو راہ ہدایت پر گامزن رہے۔ اسی کے مثل اللہ جل مجدہ وعز شانہ نے امت محمدیہ کو بھی سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا: وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ (نساء: 36) ''اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی کو اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ نیز رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پڑوسی جو کہ رشتہ دار ہے اور پڑوسی جو رشتہ دار نہیں اور ہم مجلس اور مسافر اور جو (لونڈی غلام) تمہارے قبضہ میں ہیں (ان سب سے حسن سلوک کرو) بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس کو جو مغرور ہو فخر کرنے والا ہو''۔ یہ امت سابقہ امتوں کی نسبت ان احکام کو زیادہ احسن طریقے سے بجالائی ہے۔ سب تعریفیں اور احسانات اللہ تعالیٰ کیلئے ہی ہیں (وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّةُ) بعض ناقابل اعتماد مراجع کے حوالے سے ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اسد بن وداعۃ سے نقل کیا ہے کہ وہ جب اپنے گھر سے نکلتے تو راستے میں جو یہودی یا نصرانی ملتا اسے سلام کرتے۔ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم ارشاد فرمایا: قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا اور اس سے مراد سلام ہی ہے لکھتے ہیں۔ عطاء خراسانی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (میں کہتا ہوں) حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ ان لوگوں کو السلام علیکم نہیں کہنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ؕ وَ اِنْ یَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰی تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰۤی اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

''اور یاد کرو جب لیا ہم نے تم سے پختہ وعدہ کہ تم اپنوں کا خون نہیں بہاؤ گے اور نہیں نکالو گے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے (اس وعدہ پر ثابت رہنے کا) اقرار بھی کیا اور تم خود اس کے گواہ ہو۔ پھر تم وہی ہو نا (جنہوں نے یہ وعدے کیے) کہ اب قتل کر رہے ہو اپنوں کو اور نکال باہر کرتے ہو اپنے گروہ کو ان کے وطن سے (نیز) مدد دیتے ہو ان کے خلاف (دشمنوں کو) گناہ اور ظلم سے۔ اور اگر آئیں تمہارے پاس قیدی بن کر (تو بڑے پاکباز بنکر) ان کا فدیہ ادا کرتے ہو حالانکہ حرام کیا گیا تھا تم پر ان کا گھروں سے نکالنا۔ تو کیا تم ایمان لاتے ہو کتاب کے کچھ حصہ پر اور انکار کرتے ہو کچھ حصہ کا (تم خود ہی کہو) کیا سزا ہے ایسے نابکار کی تم میں سے سوائے اس کے کہ رسوا رہے دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن تو انہیں پھینک دیا جائے گا سخت ترین عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے مول لے لی ہے دنیا

کی زندگی آخرت کے عوض تو نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ عہد نبوی کے یہودیوں کے طرز عمل پر ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ مدینہ کے یہودی اوس وخزرج کی باہمی لڑائیوں میں ان کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ اوس وخزرج کے انصاری قبائل جاہلیت میں (عام اہل عرب کی طرح) بت پرست تھے۔ ہر وقت برسر پیکار رہتے۔ ان کے درمیان بے شمار جنگیں ہو چکی تھیں۔ مدینہ کے یہودیوں کے تین قبائل تھے۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر خزرج کے حلیف بن جاتے اور بنو قریظہ اوس کے طرفدار رہتے۔ جب لڑائی ٹھن جاتی تو ہر فریق اپنے حلیف قبیلہ کی طرف سے مل کر جنگ میں شریک ہوتا۔ یہودی اپنے دشمنوں کو قتل کرتا۔ اس دوران بعض اوقات اگر یہودی بھی آمنے سامنے آ جاتے تو بے دریغ ایک دوسرے کا گلا کاٹ دیتے۔ حالانکہ یہ چیز ان کے دین اور نص تورات کی رو سے حرام تھی۔ انہیں ان کے گھروں سے نکال دیتے اور گھر کا اثاثہ، مال اسباب سب کچھ لوٹ لیتے۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد تورات کے حکم پر عمل کرتے ہوئے شکست خوردہ فریق کے قیدیوں کو رہا کراتے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ؟ اسی لیے فرمایا: وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ یعنی وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ تم باہم لڑائی نہیں کرو گے اور ایک دوسرے کو مغلوب کر کے اس کے گھر سے جلاوطن نہیں کرو گے۔ جیسے اس سے پہلے ارشاد فرمایا تھا: فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ (بقرہ:54) "پس چاہیے کہ توبہ کرو اپنے خالق کے حضور سو قتل کرو اپنوں کو (جنہوں نے شرک کیا) یہ بہتر ہے تمہارے لیے تمہارے خالق کے نزدیک"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملت واحدہ ایک جان کی طرح ہوتی ہے۔ جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی ہے: "مومنین کی مثال باہمی محبت، رحم دلی اور ایک دوسرے سے صلہ رحمی کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے۔ جب اس کے کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم بخار اور نیند کی کمی کا شکار ہو جاتا ہے۔ قولہ تعالیٰ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ پھر تم نے اس میثاق کے بارے میں علم ہونے اور اس کی صحت کا اقرار کیا اور تم خود ہی اس کے گواہ ہو۔ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ...... محمد بن اسحٰق نے سعید بن جبیر یا عکرمہ کی روایت سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"اللہ نے انہیں ان کے اس فعل شنیع کی خبر دی ہے۔ حالانکہ تورات میں واضح طور پر قتل وغارت اور خون ریزی کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اسیران جنگ کا فدیہ لازم کیا گیا ہے۔ وہ دو فریق تھے بنو قینقاع اور نضیر یہ خزرج کے حلیف تھے۔ اور قریظہ بنو اوس کے حلفاء تھے۔ اوس و خزرج کے درمیان جب لڑائی شروع ہوتی تو دونوں فریق اپنے حامیوں کے ساتھ میدان میں اتر آتے۔ اور تورات ہاتھوں میں پکڑ کر انہیں مزید قتل وغارت پر ابھارتے۔ اوس وخزرج یہ مشرک قبائل تھے بتوں کی پوجا کرتے۔ انہیں جنت، دوزخ، قبروں سے اٹھنے، قیامت، کتاب اللہ یا حلال وحرام کا کوئی علم نہ تھا۔ جب لڑائی بند ہو جاتی تو تورات کے حکم پر عمل کرتے ہوئے فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کرتے، بنو قریظہ اوس کی طرف سے اور قینقاع خزرج کی طرف سے فدیہ ادا کرتے۔ اور مقتولوں کا خون بہا لیا جاتا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ تم کتاب کے کچھ حصہ پر عمل کرتے ہو کچھ کا انکار کر دیتے ہو یعنی تم ان کا تاوان تورات کے حکم کی رو سے وصول کر لیتے ہو۔ اور انہیں قتل کرتے ہو حالانکہ تورات کسی کو قتل کرنے، جلاوطن یا اس کو مغلوب کرنے سے منع کرتی ہے ماسوائے ان لوگوں کے جو مشرک ہیں اور معبودان باطلہ کی عبادت کرتے ہیں۔ یعنی تورات کا جو حصہ مفادات کے مطابق ہوا اس پر تو عمل کر لیا اور جس میں نقصان ہو اسے چھوڑ دیا۔ اور دنیا کے چند ٹکوں کے عوض دین کو پس پشت ڈال دیا۔ میرے خیال میں اوس وخزرج کے ساتھ یہود کے اس طرز عمل کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔

اسباط نے سدی سے نقل کیا ہے کہ قریظہ اوس کے حلیف تھے اور نضیر خزرج کے باہمی لڑائی میں بنو قریظہ اپنے حلفاء کے ساتھ اور نضیر اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر شامل ہوتے۔ نضیر قریظہ اور ان کے خلفاء کو قتل کرتے، انہیں مغلوب کر کے ان کے گھروں سے انہیں نکال کر گھر برباد کر دیتے۔ جب کوئی آدمی گرفتار ہو جاتا تو سب رقم جمع کر کے اس کا فدیہ ادا کرتے۔ عرب انہیں عار دلا کر کہتے اگر تم نے ان کا فدیہ دینا ہوتا ہے تو پھر ان سے لڑتے کیوں ہو؟ وہ کہتے ہمیں ان کا فدیہ دینے کا حکم دیا گیا ہے اور انہیں قتل کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ وہ کہتے تو پھر ان سے لڑائی کیوں کرتے ہو؟ وہ کہتے ہمیں شرم آتی ہے کہ ہمارے حلیف رسوا ہو رہے ہوں۔ اور ہم گھر بیٹھے رہیں۔ اسی کی طرف آیت کے اس حصے ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ ...... میں اشارہ کیا گیا ہے۔ شعبی کا قول ہے کہ یہ آیت قیس بن حطیم کے بارے میں نازل ہوئی۔ سدی نے عبد خیر کا قول نقل کیا ہے۔ ہم نے سلمان بن ربیعہ بالی کی قیادت میں بلنجر پر حملہ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ ہم نے شہر فتح کر لیا۔ کچھ قیدی ہاتھ لگے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے ایک یہودی عورت سات سو درہم کے بدلے میں خرید لی۔ جب راس الجالوت کے پاس سے ان کا گذر ہوا۔ اترے اور اسے کہنے لگے یہ لونڈی تیری ہم مذہب ہے کیا تم اسے خریدتے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا میں نے اسے سات سو میں خریدا ہے وہ کہنے لگا میں اسے چودہ سو میں خریدتا ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے قسم اٹھا رکھی ہے کہ چار ہزار سے کم نہ لوں گا۔ اس نے خریدنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم! تم اسے مجھ سے ضرور خریدو گے یا پھر اپنے دین سے مرتد ہو جاؤ گے۔؟ اسے کہا میرے قریب آؤ وہ جب قریب آیا تو تورات کا یہ حصہ اس کے کان میں پڑھا۔ تم بنی اسرائیل کا کوئی غلام نہیں پاؤ گے مگر اسے خرید کر آزاد کرو گے اسی کی طرف قرآن نے اشارہ فرمایا: وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ وہ کہنے لگا تم عبداللہ بن سلام ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ وہ چار ہزار درہم لے آیا۔ آپ نے دو ہزار لے لیے اور باقی واپس کر دیئے۔ آدم بن ایاس اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ابو العالیہ سے ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ عبداللہ بن سلام کوفہ میں راس الجالوت کے پاس سے گذرے۔ وہ ان عورتوں کا فدیہ دیتا تھا جو عربوں کے پاس نہ ہوں۔ اور جو عربوں کے پاس ہوں ان کا فدیہ نہیں دیتا تھا۔ عبداللہ بن سلام نے اسے فرمایا کیا تمہاری کتاب میں یہ لکھا ہوا نہیں ہے کہ تم ان سب کا فدیہ ادا کرو گے۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ اس آیت میں یہودیوں کی مذمت کی جا رہی ہے کہ وہ تورات کے ان احکام پر عمل کرتے تھے جن کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔ اور بعض اوقات جان بوجھ کر اس کے احکام سے صرف نظر کر لیتے۔ حالانکہ وہ ان کے چشم دید گواہ تھے۔ وہ انہیں تسلیم بھی نہ کرتے اور نہ انہیں نقل کرتے۔ اسی طرح سابقہ انبیاء سے حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ، جائے پیدائش، بعثت، مقام ہجرت وغیرہ امور کے بارے میں جو ارشادات منقول تھے انہیں چھپا دیتے اور ان کی حقانیت کا اقرار نہ کرتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا شریعت خداوندی کے اوامر کی صریح مخالفت کی وجہ سے وہ اس سزا کے حقدار ٹھہرے۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ان کے لیے جو کتاب اتاری گئی تھی اس کی خلاف ورزی پر روز قیامت انہیں شدید عذاب ہوگا۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تمہارے (کرتوتوں) سے بے خبر نہیں ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ خریدنا سے مراد پسند کر لینا ہے۔ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ پس (ایک لحظہ کے لئے بھی) ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ اس دائمی عذاب سے چھٹکارا دلانے میں کوئی ان کی مدد نہیں کر سکے گا اور نہ انہیں پناہ دے سکے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

''اور بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اور ہم نے پے در پے ان کے پیچھے پیغمبر بھیجے اور دیں ہم نے عیسیٰ بن مریم کو روشن نشانیاں اور ہم نے تقویت دی انہیں جبریل (علیہ السلام) سے تو کیا جب کبھی لے آیا تمہارے پاس کوئی پیغمبر ایسا حکم جسے تمہارے نفس پسند نہ کرتے تو تم اکڑ گئے بعض کو تم نے جھٹلایا۔ اور بعض کو قتل کرنے لگے''۔

اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل کی سرکشی، عناد، مخالفت حق، انبیاء کے سامنے غرور وتکبر کے ساتھ ساتھ بیان فرما رہے ہیں کہ وہ حرص وہوا کے گھوڑے پر سوار ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ذکر فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (تورات) عطا فرمائی لیکن ان لوگوں نے اس میں تغیر وتبدل کر دیا۔ اس کے اوامر کی مخالفت اور تاویل کرتے رہے۔ آپ علیہ السلام کے بعد پے در پے متعدد رسول مبعوث فرمائے جو آپ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق چلتے رہے۔ ارشاد باری ہے: اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ یَحْكُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَیْهِ شُهَدَآءَ...... (مائدہ: 44) ''بے شک اتاری ہم نے تورات۔ اس میں ہدایت اور نور ہے۔ حکم دیتے رہے اس کے مطابق انبیاء جو (ہمارے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو اور (اسی کے مطابق حکم دیتے رہے''۔ اللہ والے اور علماء اس واسطے کہ محافظ ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب کے اور وہ تھے اس پر گواہ) وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ابو مالک نے اس کا معنی ''اِتْبَعْنَا'' ہم نے آپ کے پیچھے بھیجے کیا ہے۔ بعض دوسرے علماء نے کہا ہے ''اَرْدَفْنَا'' دونوں مفہوم قریب قریب ہیں۔ جیسے ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا (المومنون: 44) ''پھر ہم بھیجتے رہے اپنے رسول یکے بعد دیگرے'' حتی کہ بنو اسرائیل کی نبوت حضرت عیسیٰ بن مریم پر ختم ہوگئی۔ اس وقت تورات کے بعض احکام میں تبدیلی کر دی گئی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو چند معجزات بھی عطا فرمائے۔ ابن عباس کے قول کے مطابق یہ معجزات، مردوں کو زندہ کرنا، مٹی کے پرندے بنا کر ان میں روح پھونکنا تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو جاتے، بیماروں کو شفایاب کرنا۔ اور روح القدس (جبریل) کی تائید عطا فرمایا جانا۔ یہ سب چیزیں آپ کی تصدیق کے لئے تھیں۔ لیکن تورات کے بعض احکام کی مخالفت کی وجہ سے بنو اسرائیل نے آپ علیہ السلام کی تکذیب کی اور حسد وعناد میں تیزی آگئی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ وعلی نبینا الصلوات والتسلیمات...... کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ وَ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ...... (آل عمران: 50) ''اور تاکہ میں حلال کر دوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جو (پہلے) حرام کی گئی تھیں تم پر اور لایا ہوں تمہارے پاس ایک نشانی تمہارے رب کی طرف سے''۔ بنو اسرائیل انبیاء سے از حد برا سلوک کرتے تھے۔ ایک فریق ان کی تکذیب کرتا، دوسرا انہیں قتل کر دیتا۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہوتی کہ یہ انبیاء انہیں ان کی آراء اور خواہشات کے مخالف امور کا حکم دیتے تھے اور تورات کے احکام پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے تھے۔ انہوں نے تورات میں تبدیلیاں کر دی تھیں۔ اس لیے انہیں یہ بات ناگوار گذرتی۔ چنانچہ انہوں نے ان کی تکذیب کی اور بسا اوقات بعض کو قتل بھی کر دیا۔ اس بات کی طرف آیت کے اگلے حصے میں اشارہ کیا جا رہا ہے: اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ...... اس بات کی دلیل کہ روح الْقُدُسِ سے مراد جبریل ہی ہے۔ جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اور ابن عباس، محمد بن کعب، اسماعیل بن خالد، سدی، ربیع بن انس، عطیہ عوفی اور قتادہ نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نَزَلَ بِهِ

الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰی قَلۡبِکَ لِتَکُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ (الشعراء: 193,194) ''اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبریل)۔ آپ کے قلب (منیر) پر تاکہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے''۔ اسی طرح بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھوایا۔ وہ آپ ﷺ کی طرف سے کفار کی ہجو کا جواب دیا کرتے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! روح القدس کے ساتھ حسان کی تائید فرما جس طرح اس نے تیرے نبی (ﷺ) کا دفاع کیا ہے(1)۔ یہ بخاری کی تعلیقات میں سے ہے۔ ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی کا قول ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے (یہ روایت ابوالزناد سے ہے)۔ صحیح میں ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے وہ مسجد میں شعر پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر نے انہیں گوشۂ چشم سے دیکھا تو وہ کہنے لگے۔ میں یہاں اس وقت بھی اشعار پڑھا کرتا تھا جب وہ ہستی جو تم سے بہتر تھی موجود تھی۔ (یعنی حضور ﷺ) پھر وہ حضرت ابوہریرہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کیا تو نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے نہیں سنا ''میری طرف سے جواب دے اے اللہ روح القدس سے اس کی مدد فرما'' (2)۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا ہاں، بات اسی طرح ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسان سے فرمایا ''ان کی ہجو کر۔ جبریل تیرے ساتھ ہے''۔ ایک شعر میں حضرت حسان فرماتے ہیں۔

وَجِبۡرِیۡلُ رَسُوۡلُ اللّٰہِ فِیۡنَا   وَرُوۡحُ الۡقُدُسِ لَیۡسَ بِہٖ خَفَاءٌ

اس شعر میں بھی جبریل کو روح القدس کہا گیا ہے۔ محمد بن اسحق نے شہر بن حوشب اشعری سے نقل کیا ہے کہ یہود کے ایک گروہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ہمیں روح القدس کے بارے میں بتایئے وہ کون ہیں؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اللہ اور بنو اسرائیل پر اس کی نعمتوں کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے نہیں ہو وہ جبریل ہے اور وہی میرے پاس آتا ہے وہ کہنے لگے جی ہاں(3)۔ صحیح ابن حبان میں حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''جبریل نے میرے دل میں یہ سرگوشی کی کہ کسی شخص کو اس وقت تک ہرگز موت نہیں آئے گی یہاں تک کہ وہ اپنا رزق اور زندگی پوری کر لے۔ پس اللہ سے ڈرو اور آرزو (دنیا طلب کرنا) میں اختصار سے کام لو''۔(4)

چند دیگر اقوال

ابن ابی حاتم نے بروایت ضحاک حضرت ابن عباس سے کہ روح القدس سے مراد اسم اعظم ہے جس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ ابن جریر نے بھی یہی روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے۔ اور قرطبی نے عبید بن عمیر سے یہی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد اسم اعظم ہے۔ ابن ابی نجیح کا قول ہے کہ وہ فرشتوں کے محافظ ہیں۔ ابوجعفر رازی نے ربیع بن انس کا قول نقل کیا ہے کہ قدس سے مراد رب کریم ہے۔ کعب کا یہی قول ہے قرطبی نے مجاہد اور حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ قدس سے مراد اللہ تعالیٰ اور روح سے مراد جبریل ہے۔ اس طرح یہ اور پہلا قول ایک ہی ہے۔ سدی کا قول ہے قدس سے مراد برکت ہے۔ عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ قدس سے مراد پاکیزگی ہے۔ ابن جریر نے ابن زید کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انجیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید فرمائی یعنی انجیل روح ہے جس طرح قرآن کو روح قرار دیا گیا ہے۔ دونوں روح اللہ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَکَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا (الشوریٰ:52) ''اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے

1۔ البخاری: کتاب الصلوۃ باب:68   2۔ البخاری: 136/4   3۔ الطبری: 320/1   5۔ شرح السنۃ، 304/14

حکم سے"۔ ابن جریر کا قول ہے کہ ان تمام تاویلات میں سے زیادہ قرین صواب قول یہی ہے کہ روح سے مراد یہاں جبریل امین ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خبر دی ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید ونصرت کی۔ ارشاد ہوتا ہے: اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ..... (مائدۃ:110) "جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم! یاد کرو میرا انعام اپنے پر اور اپنی والدہ پر جب میں نے مدد فرمائی تمہاری روح القدس سے۔ باتیں کرتا تھا تو لوگوں سے (جبکہ تو ابھی) پنگھوڑے میں تھا۔ اور جب پکی عمر کو پہنچا اور جب سکھائی میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل"۔ اس آیت میں ذکر فرمایا کہ روح القدس سے ان کی مدد کی گئی۔ اگر روح سے مراد انجیل ہو تو اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (مائدہ:110) اور وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ (مائدہ:110) میں تکرار آجاتا ہے۔ جس کا کوئی مقصد نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات والاشان اس سے پاک ہے کہ اپنے بندوں کو بے فائدہ حکم دے۔ (میں کہتا ہوں) اس بات کی دلیل کہ اس سے مراد جبریل امین ہے۔ آیت کا سیاق وسباق بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ وللہ الحمد۔ زمخشری کا قول ہے کہ روح سے مراد عیسیٰ کی مقدس روح ہے جیسے اہل عرب کا مقولہ ہے (حاتم الجود، رجل صدق) اسی طرح اللہ کا ارشاد ہے (وروح منہ) اختصاص اور قرب کے لئے بطور تکریم ان کا ذکر فرمایا ہے نیز اس کے لیے کہ آپ کی روح انسانی پشت اور آلودہ رحموں سے منزہ تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ جبریل ہیں۔ دوسرے قول کے مطابق یہ انجیل ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے (رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا) "ترجمہ: ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے" (شوریٰ:52)۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد اسم اعظم ہے جس کے ساتھ وہ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے ان کی یہ کلام اپنے ضمن میں ایک دوسرے قول کو لئے ہوئے ہے وہ یہ کہ اس سے مراد خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مقدس پاک روح ہے فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ زمخشری کا قول ہے کہ یہ نہیں فرمایا: وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ یعنی ماضی کا صیغہ ذکر نہیں کیا۔ تاکہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ مستقبل میں بھی ان کی یہی حالت رہے گی۔ کیونکہ انہوں نے جادو اور زہر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو (معاذ اللہ) شہید کرنے کی ناپاک کوششیں کیں۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ نے مرض الموت میں ارشاد فرمایا "خیبر کے (زہر آلود) لقمے کا اثر برابر مجھ پر رہا ہے۔ اب میری شہ رگ کٹنے کا وقت قریب آپہنچا ہے" (1)۔ (میں کہتا ہوں) یہ حدیث شریف صحیح بخاری وغیرہ میں ہے۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾

"اور یہودی بولے ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہیں۔ نہیں بلکہ پھٹکار دیا ہے انہیں اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے وہ بہت ہی کم ایمان رکھتے ہیں"۔

محمد بن اسحٰق نے عکرمہ یا سعید بن جبیر کے حوالے سے ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ غُلْفٌ کا معنی اَكِنَّةٌ: غلاف۔ علی بن ابی طلحہ نے اس کا معنی ابن عباس سے ہی "لَا تَفْقَهُ، سمجھتے نہیں، لیا ہے۔ عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ان پر مہر لگی ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ ان پر مہر ہے۔ ابو العالیہ نے کہا ہے لاتفقہ (یہ سمجھتے نہیں) سدی کا قول ہے ان پر غلاف چڑھا ہوا ہے۔ قتادہ اور مجاہد کا قول ہے کہ یہ یاد بھی نہیں رکھ سکتے اور ان میں سمجھ بھی نہیں۔ ابن عباس نے غُلُفٌ (لام کی پیش سے) پڑھا ہے۔ یہ غلاف کی جمع یعنی ہمارے قلوب ہر علم کا منبع ہیں۔ ہمیں آپ کے علم کی کوئی ضرورت نہیں یہ عطاء اور ابن عباس سے مروی ہے۔ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ "ترجمہ: یعنی اللہ نے انہیں دھتکار دیا ہے اور ہر بھلائی سے دور کر دیا ہے" فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ" قتادہ کا قول ہے کہ نہیں ایمان لائیں گے ان میں سے مگر قلیل تعداد۔ وَقَالُوْا

1۔ الشفاء، 909/1: القرطبی 163/5، البخاری: کتاب المغازی 11/6

قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ کے مشابہ یہ آیت کریمہ ہے: وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ (حم السجدہ 5:) ''اور ان (ہٹ دھرموں) نے کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں''۔ عبدالرحمٰن بن اسلم نے ''غُلۡفٌ'' کے تحت فرمایا وہ کہتے تھے کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھا ہوا ہے۔ جو کچھ آپ فرماتے ہیں اس میں سرایت نہیں کرتا۔ اور یہ آیت کریمہ تلاوت کی: وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ...... ابن جریر نے بھی اسے ہی ترجیح دی ہے اور بطور استشہاد حضرت حذیفہ والی روایت پیش کی ہے۔ ''دل چار ہیں''۔ ان میں ایک دل وہ ذکر کیا جس پر غلاف چڑھا ہو۔ اس پر اللہ کا غضب ہے۔ یہ کافر کا دل ہے''۔ ابن ابی حاتم نے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے۔ ''ہمارے دلوں کو فریب نہیں دیا جا سکتا'' اس قول کا مفہوم پہلے گزر چکا ہے کہ ان کے دل پاک نہیں ہیں اور ہر خیر سے دور ہیں۔

ایک اور قول: ضحاک نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے تھے ہمارے دل پہلے ہی بھرے ہوئے ہیں محمد (ﷺ) یا کسی دوسرے کی علم کی کوئی گنجائش نہیں۔ عطیہ عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی برتن ہے۔ اسی مفہوم کے مطابق کسی انصاری نے پڑھا ہے جسے ابن جریر نے بیان کیا ہے۔ زمخشری نے بھی یہی نقل کیا ہے کہ ان کا کہنا تھا ہمارے دل تو علم سے پُر ہیں کسی دوسرے علم کی ان میں گنجائش ہی نہیں جیسے وہ تورات کے علم کے بموجب فتویٰ دیتے تھے۔ اسی لیے اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ''بَلۡ لَّعَنَہُمُ اللّٰہُ...... یعنی معاملہ اس طرح نہیں جیسے انہوں نے دعویٰ کیا ہے بلکہ ان کے دلوں پر لعنت اور مہر لگی ہے۔ جیسے سورۂ نساء میں فرمایا: وَقَوۡلِہِمۡ قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ بَلۡ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیۡہَا بِکُفۡرِہِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِیۡلًا (نساء 155:) ''اور انہوں نے یہ (گستاخانہ) بات کہی کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں۔ (یوں نہیں) بلکہ مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر بوجہ ان کے کفر کے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ مگر تھوڑی سی تعداد''۔ فَقَلِیۡلًا مَّا یُؤۡمِنُوۡنَ اور فَقَلِیۡلًا مَّا یُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِیۡلًا کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ بہت کم لوگ ان میں سے ایمان لائیں گے۔ ایک قول ہے کہ ان کا ایمان قلیل ہے یعنی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن ان کا یہ ایمان انہیں نفع نہیں دے گا۔ کیونکہ وہ حضرت محمد ﷺ کی دعوت کے انکار سے بھرا ہوا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ وہ کسی چیز پر ایمان نہیں رکھتے تھے فرمایا: فَقَلِیۡلًا مَّا یُؤۡمِنُوۡنَ'' حالانکہ وہ تو سارے کے سارے منکر تھے جیسے اہل عرب کہتے ہے'' (قَلَّمَا رَاَیْتُ مِثْلَ ھٰذَا قَطُّ) ''یعنی میں نے اس جیسا بہت ہی کم دیکھا۔ حالانکہ مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ سرے سے دیکھا ہی نہیں''۔ کسائی کا قول ہے عرب کہتے ہیں جس نے زمین سے بدکاری کی۔ اس کی جگہ کم ہی کوئی چیز اگتی ہے یعنی سرے سے اگتی ہی نہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَمَّا جَآءَہُمۡ کِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَہُمۡ ۙ وَکَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ یَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَی الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَہُمۡ مَّا عَرَفُوۡا کَفَرُوۡا بِہٖ ۫ فَلَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۸۹﴾

''اور جب آئی ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) جو تصدیق کرتی تھی اس (کتاب) کی جو ان کے پاس تھی اور وہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبی کے وسیلہ سے) تو جب تشریف فرما ہوا ان کے پاس وہ نبی، جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا اسکے ماننے سے سو پھٹکار ہو اللہ کی (دانستہ) کفر کرنے والوں پر''۔

ارشاد ہوتا ہے جب یہود کے پاس اللہ کی کتاب یعنی قران کریم آ گیا۔ جو حضرت محمد ﷺ پر اتارا گیا ہے جو ان کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرتا ہے۔ وَکَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ یَسۡتَفۡتِحُوۡنَ یعنی کتاب کے ساتھ اس کے رسول محتشم کی آمد سے قبل وہ جنگ کے دوران اس کے وسیلہ سے کفار و مشرکین پر فتح و نصرت کی دعا کرتے تھے۔ وہ مشرکین سے کہتے عنقریب میں وہ آخر الزمان (ﷺ) تشریف لائے گا تو

اس کے ساتھ مل کر ہم تمہیں ملیا میٹ کر دیں گے۔ یہ واقعہ محمد بن اسحٰق نے قتادہ انصاری کے حوالہ سے بعض مشائخ انصار سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے تھے اللہ کی قسم! (ہمارے) انصار اور ان کے پڑوسی یہودیوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ فرماتے تھے ہم جاہلیت میں ان کو شکست دے دیتے تھے۔ ہم مشرک تھے اور یہ اہل کتاب۔ وہ ہمیں کہتے، عنقریب ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ ہم اس کی قیادت میں تم سے جنگ کریں گے اور تمہارا نام ونشان تک مٹا دیں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنے قریشی رسول کو مبعوث فرمایا تو ہم نے آپ ﷺ کی اتباع کی اور انہوں نے انکار کر دیا۔ ارشاد ہوتا ہے: فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا...... ضحاک نے ابن عباس سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہم ان کے خلاف محمد ﷺ کی مدد کرتے ہیں لیکن ایسا نہیں بلکہ وہ جھوٹے ہیں۔ محمد بن اسحٰق نے عکرمہ یا سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل یہود آپ کے توسل سے اوس وخزرج پر فتح کی دعا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عربوں میں مبعوث فرمایا تو انہوں آپ کا انکار کیا اور جو وہ پہلے کہا کرتے تھے ان سب باتوں سے مکر گئے۔ تو معاذ بن جبل، بشر بن براء بن معرور اور داؤد بن سلمہ نے انہیں فرمایا: اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور اب محمد ﷺ پر ایمان لاؤ۔ تم تو ان کے اسم گرامی کی برکت سے ہم پر فتح یاب ہونا چاہتے تھے۔ ہم تو مشرک تھے تم ہی بتایا کرتے تھے کہ وہ مبعوث ہونے والے ہیں۔ اور ان کی صفات ہمارے سامنے بیان کرتے تھے۔ یہ سن کر سلام بن مشکم کہنے لگا۔ یہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم جانتے ہیں اور وہ یہ بھی نہیں جن کا ہم تم سے ذکر کیا کرتے تھے۔ اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ ...... عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اہل کتاب حضور ﷺ کے ظہور کے ساتھ مشرکین عرب پر فتح مانگتے تھے۔ جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ یہ بنی اسرائیل سے نہیں تو آپ کا انکار کیا اور آپ سے حسد کرنے لگے۔ ابوالعالیہ کا قول ہے کہ وہ یہ دعا مانگتے: بار الہا! اس نبی کو مبعوث فرما جن کا تذکرہ ہماری کتاب میں موجود ہے۔ تاکہ ہم مشرکین کو سزا دیں اور انہیں قتل کریں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ تو بنی اسماعیل سے ہیں۔ تو عربوں سے بغض وحسد کی وجہ سے انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ وہ واضح طور پر جانتے تھے کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا...... قتادہ کا قول ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل وہ یہ پیشین گوئی کرتے تھے کہ ایک مبارک نبی کا وقت قریب ہے۔ لیکن اعلان نبوت کے بعد آپ ﷺ کے بارے فوراً مکر گئے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس آیت کے مصداق ومخاطب یہود ہیں۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٩٠

"بہت بری چیز ہے جس کے بدلے سودا چکایا انہوں نے اپنی جانوں کا وہ یہ کہ کفر کرتے ہیں اس (کتاب) کے ساتھ جو اللہ نے نازل کی، حسد کے مارے کہ نازل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل (وحی) جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں سے سو وہ حقدار ہو گئے مسلسل ناراضگی کے۔ اور کافروں کے لیے ذلیل ورسوا کرنے والا عذاب ہے"۔

مجاہد کا قول ہے: بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ یہود نے حق کے بدلے باطل اور حضور رسالت مآب ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرنے کی بجائے اسے پردۂ کتمان میں رکھنے کا برا سودا چکایا۔ سدی کا قول ہے اس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو فروخت کر دیا۔ فرماتے ہیں کتنے گھٹیا اور ارزاں عوض پر انہوں نے اپنے آپ کو بیچ دیا۔ اس پر راضی ہو گئے۔ اور حضرت محمد ﷺ کی تصدیق اور تائید ونصرت کی

بجائے آپ ﷺ کے انکار کی طرف پھر گئے۔ اس کا سبب صرف سرکشی، حسد اور نفرت (کی آگ) تھی۔ (جس میں وہ جل رہے تھے کہ نبی اولاد اسماعیل علیہ السلام سے کیوں بھیجا گیا۔) حالانکہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اپنا فضل فرمادے۔ اس سے بڑا حسد اور کیا ہوسکتا ہے۔ محمد بن اسحٰق نے عکرمہ یا سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس سے یہی بیان کیا ہے۔ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ تورات کے احکام سے روگردانی کرنے کے سبب وہ غضب کے حقدار ہو گئے۔ اور اس آخری نبی ﷺ پر ایمان نہ لانے کی بنا پر ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ (میں کہتا ہوں) "بَآءُوْا" کا معنی ہے اِسْتَوْجَبُوْا (لازم کرلیا) وَاسْتَحَقُّوْا (حق دار ہو گئے) اِسْتَقَرُّوْا (پختہ ہو گئے) ابوالعالیہ کا قول ہے: انجیل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کے سبب ان پر اللہ کا غضب ہوا پھر حضور ﷺ کی نبوت اور قرآن کے قبول نہ کرنے کی بنا پر غضب الٰہی کا نشانہ بنے۔ عکرمہ اور قتادہ سے بھی یہی مروی ہے۔ سدی کا قول ہے (پہلا غضب) بچھڑے کی پوجا کرنے کے ظلم عظیم کے سبب تھا۔ اور (دوسرا غضب) حضرت محمد ﷺ کی مخالفت کی بنا پر۔ ابن عباس سے یہی مروی ہے۔ قولہ تعالیٰ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ "جب ان کا کفر سرکشی اور حسد کی وجہ سے تھا اور اس کی بنیاد تکبر پر تھی"۔ انہیں دنیا و آخرت میں ذلت اور پستی میں مبتلا کیا گیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ (مومن: 60) "اور بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل وخوار ہو کر" دَاخِرِيْنَ اَیْ صَاغِرِيْنَ حَقِيْرِيْنَ ذَلِيْلِيْنَ رَاغِمِيْنَ۔ ذلیل ورسوا۔ امام احمد نے عمرو بن شعیب کے دادا سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کا حشر انسانی صورت میں چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں (کرمک صغیر) کی طرح ہوگا۔ ہر چیز ان کو روندتے ہوئے ان کے اوپر سے گزرے گی۔ اور بولس نامی جہنم کے قید خانے میں قید کر دیئے جائیں گے۔ اور دوزخیوں کی بدبودار پیپ انہیں پلائی جائے گی۔(1)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾
وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے ایمان لے آؤ اس پر جسے اللہ نے اتارا ہے تو کہتے ہیں ہم تو (صرف) اس پر ایمان لائے ہیں جو نازل کی گئی ہم پر اور کفر کرتے ہیں اس کے علاوہ (دوسری کتابوں) کیساتھ حالانکہ وہ بھی حق ہے تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو انکے پاس ہے۔ آپ فرمایئے پھر تم کیوں قتل کرتے رہے اللہ کے پیغمبروں کو اس سے پہلے اگر تم (اپنی کتاب پر ہی) ایمان رکھتے تھے اور بیشک آئے تمہارے پاس موسیٰ (علیہ السلام) روشن دلیلیں لے کر، پھر تم نے بنالیا بچھڑے کو (اپنا معبود) اس کے بعد اور تم جفا کار ہو"۔

ارشاد ہوتا ہے جب یہود وغیرہ دیگر اہل کتاب سے یہ کہا جاتا ہے کہ محمد ﷺ پر اللہ نے جو کچھ اتارا ہے اس کی تصدیق اور اتباع کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں تورات وانجیل پر ایمان ہی کافی ہے۔ ہم ان کے علاوہ کسی اور چیز کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور اس کے علاوہ دیگر کتب سماویہ کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ یہ بات جانتے ہیں حضرت محمد ﷺ پر جو کچھ اتارا گیا ہے وہ حق ہے اور تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو ان

1۔ مسند امام احمد 178/2

کے پاس ہے۔ مصدقا حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ اسی طرح ان پر حجت قائم ہوگئی جیسے اللہ تعالیٰ کا رشاد ہے: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (بقرہ:146) ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ پہچانتے ہیں انہیں جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو'' قولہ تعالیٰ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ...... ''یعنی اگر تم اپنے دعوئ ایمانی میں سچے ہو تو پھر تم نے اپنے ہاتھوں سے ان انبیاء کو شہید کیوں کیا جو تورات کی تصدیق کرنے، اس کے مطابق فیصلے کرنے اور اس کو منسوخ نہ کرنے کے لئے تشریف لائے تھے حالانکہ تمہیں ان کی صداقت کا مکمل یقین تھا؟ تم نے انہیں محض سرکشی، عناد اور اللہ کے رسولوں پر تکبر کرتے ہوئے قتل کیا۔ پس تم تو اپنی خواہشات کے غلام اور اپنے نفس کے بندے ہو''۔ جیسے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ...... (نوٹ اس آیت کے ترجمہ کے لئے دیکھیں آیت نمبر 87۔ یہی سورت۔ مترجم)

سدی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں عار دلا رہے ہیں۔ ابو جعفر ابن جریر فرماتے ہیں اے محمد (ﷺ) بنی اسرائیل کے یہودیوں کو فرمادیجئے۔ جب میں نے انہیں کہا کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ تو وہ کہنے لگے ہم تو (صرف) اس پر ایمان لائیں ہیں جو نازل کی گئی ہم پر۔ اے گروہ یہودیو! اگر تمہارا اللہ کی نازل کردہ کتاب پر اتنا ہی پختہ ایمان تھا۔ تو تم کیوں قتل کرتے تھے اللہ کے انبیاء کو۔ حالانکہ اس نے تم پر اتاری گئی کتاب میں ان کا قتل کرنا واضح طور پر حرام قرار دیا تھا۔ اور تمہیں ان کی اتباع، اطاعت اور تصدیق کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے جو ایمان لانے کا دعوی کیا تھا اس کی تکذیب کرتے ہوئے انہیں شرم دلائی جارہی ہے۔ قولہ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس واضح نشانیاں (معجزات) اور قطعی دلائل وبراہین لے کر آئے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں''۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے۔ واضح نشانیوں سے مراد طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون، عصا، ید بیضا، سمندر کا سینہ چیر دینا، ابر کا سایہ، من وسلویٰ اور پتھر (سے پانی کا چشمہ جاری ہونا) وغیرہ معجزات جن کے دیکھنے کے باوجود حضرت موسیٰ کے وقت میں ہی انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر بچھڑے کو معبود بنالیا۔ ''مِنْۢ بَعْدِهٖ'' سے مراد ہے کہ وہ طور پر چلے جانے کے بعد۔ آپ (عَلَيْهِ وَعَلٰى نَبِيِّنَا الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ) بارگاہ الٰہی میں مناجات کے لئے طور پر جایا کرتے تھے۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے: وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ (اعراف:148) ''اور بنالیا قوم موسیٰ نے ان کے (طور پر جانے کے) بعد اپنے زیورات سے ایک بچھڑا جو محض ڈھانچہ تھا۔ اس سے گائے کی آواز آتی تھی'' وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ یعنی گئو سالہ پرستی کے جس جرم عظیم کا تم نے ارتکاب کیا تھا۔ تم اس میں جفا کار ہو۔ کیونکہ تم یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اعراف:149) ''اور جب وہ سخت پشیمان ہوئے اور انہیں نظر آگیا کہ وہ (راہ راست سے) بھٹک گئے (تو) وہ کہنے لگے کہ اگر نہ رحم فرماتا ہم پر ہمارا رب اور نہ بخش دیتا تو ہم ضرور ہوجاتے نقصان اٹھانے والوں سے''۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۤ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۭ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

''اور یاد کرو جب ہم نے لیا تم سے پختہ وعدہ اور بلند کیا تمہارے سروں پر کوہ طور (اور تمہیں حکم دیا) کہ پکڑ لو جو ہم نے تمہیں

دیا مضبوطی سے اور (خوب غور سے) سنو۔ انہوں نے (زبان سے) کہا ہم نے سن لیا اور (دل میں کہا) نہیں مانا۔ سیراب ہو چکے تھے ان کے دل بچھڑے (کے عشق) سے یہ ان کے پیہم انکار کی نحوست تھی۔ فرمائیے بہت برا ہے جس کا حکم کرتا ہے تمہیں (یہ) تمہارا (عجیب و غریب) ایمان اگر تم ایمان دار ہو"۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی غلطیوں، میثاق کی مخالفت، سرکشی، حق سے روگردانی کا بیان فرما رہا ہے حتی کہ کوہ طور کو ان کے سروں پر بلند کر دیا گیا تو انہوں نے اس کو تسلیم کر لیا۔ لیکن اس کے ہٹا لیے جانے کے بعد الٹے پاؤں واپس پھر گئے۔ اسی لیے کہنے لگے: سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ محدث عبد الرزاق نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اس کی محبت سے ان کے دل سیراب ہو چکے تھے بلکہ یہ حب ان کے دلوں میں رچ بس چکی تھی۔ ابو العالیہ اور ربیع بن انس نے یہی کہا ہے۔ امام احمد نے حضرت ابو درداء سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "تیری کسی چیز سے محبت اندھا بہرا بنا دیتی ہے" (1)۔ ابو داؤد نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ سدی کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑے کو پکڑا۔ ریتی سے اس کو رگڑا پھر برادہ سمندر میں بہا دیا۔ اس وقت بہنے والے تمام سمندر میں اس کی تاثیر پہنچ گئی۔ پھر بنو اسرائیل کو اس میں سے پینے کا حکم دیا۔ انہوں نے اس پانی کو پیا تو جو شخص بچھڑے سے محبت رکھتا تھا سونا اس کے ہونٹوں پر لگ گیا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بچھڑے کی طرف متوجہ ہوئے اسے توڑ کر دریا میں بہا دیا۔ بچھڑے کے پجاریوں میں سے جس نے بھی وہ پانی پیا اس کا چہرہ سونے کی طرح زرد ہو گیا۔ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ جب بچھڑے کو جلایا گیا تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا...... اسے سمندر میں بہا دیا گیا۔ انہوں نے پانی کا گھونٹ بھرا تو ان کے چہرے زعفران کی طرح ہو گئے۔ قرطبی نے قشیری کی کتاب سے نقل کیا ہے کہ بچھڑے کی پرستش کرنے والوں میں سے جس نے بھی پانی پیا اسے جنون لاحق ہو گیا۔

پھر قرطبی لکھتے ہیں کہ بات اس طرح نہیں جیسے یہ تفسیر اوپر بیان ہوئی کیونکہ سیاق کلام سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی تاثیر ان کے ہونٹوں اور چہروں پر ظاہر ہو گئی تھی لیکن یہاں مذکور ہے کہ ان کے دل اس کی محبت کے اسیر ہو چکے تھے یعنی دوران عبادت۔ پھر نابغہ کے یہ اشعار نقل کیے ہیں جو اس نے اپنی بیوی کی شان میں کہے ہیں ؎

تَغَلْغَلَ حُبُّ عَثْمَةَ فِيْ فُؤَادِيْ فَبَادِيْهِ مَعَ الْخَافِيْ يَسِيْرُ
تَغَلْغَلَ حَيْثُ لَمْ يَبْلُغْ شَرَابٌ وَلَاحُزْنٌ وَلَمْ يَبْلُغْ سُرُوْرُ
اَكَادُ اِذَا ذَكَرْتُ الْعَهْدَ مِنْهَا اَطِيْرُ لَوْ اَنَّ اِنْسَانًا يَطِيْرُ

(نوٹ یہ اشعار دونوں نابغوں (نابغہ جعدی یا نابغہ ذبیانی) میں سے کسی ایک کے ہیں۔ اسے اپنی بیوی عثمہ سے شدید محبت تھی۔ لیکن کسی بات پر خفا ہو کر اسے طلاق دے دی۔ ان ابیات میں وہ اپنی اس محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کی محبت میرے باطن میں اس مقام تک سرایت کر چکی تھی جہاں پانی اور رنج وغم بھی نہیں پہنچ سکتے۔ مترجم) قولہ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی تم ماضی اور حال دونوں زمانوں میں بہت بری بات پر تکیہ کیے ہوئے ہو۔ پہلے زمانہ میں تم نے معجزات خداوندی کا انکار کیا۔ انبیاء کی مخالفت کی۔ اور اب حضور ﷺ پر ایمان نہ لانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہو۔ یہ تمہارا عظیم گناہ اور بہت بڑی جسارت ہے۔ جب تم خاتم الرسل، سید الانبیاء والمرسلین (ﷺ) جنہیں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے پر ایمان نہیں لا رہے اور اس سے قبل تم نقض عہد،

1۔ ابو داؤد: باب الادب 126

معجزات کے انکار، اور بچھڑے کی پرستش جیسے قبیح جرائم کا ارتکاب کر چکے ہو۔ پھر تم اپنے لیے ایمان کا دعویٰ کیسے کرتے ہو۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

''آپ فرمایئے اگر تمہارے لیے ہی دار آخرت (کی راحتیں) اللہ کے ہاں مخصوص ہیں تمام لوگوں کو چھوڑ کر تو بھلا آرزو تو کرو موت کی اگر تم سچ کہتے ہو۔ اور وہ ہرگز کبھی بھی اس کی تمنا نہ کرینگے اپنی کارستانیوں کے خوف سے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ اور آپ یقیناً پائیں گے انہیں سب لوگوں سے زیادہ ہوس رکھنے والے زندگی کی۔ حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی (زیادہ جینے پر حریص ہیں) چاہتا ہے ہر ایک ان میں سے کہ زندہ رہنے دیا جائے ہزار سال اور نہیں بچا سکتا اس کو عذاب سے (اتنی مدت) جیتے رہنا اور اللہ ہر وقت دیکھ رہا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں''۔

محمد بن اسحٰق نے عکرمہ یا سعید بن جبیر کے حوالے سے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اللہ جل جلالہ اپنے (پیارے) نبی محمد ﷺ کو ارشاد فرما رہے ہیں انہیں فرما دیجئے کہ اگر تمہارے لیے ہی دار آخرت (کی کامیابی) ہے اور کسی کے لیے نہیں تو آؤ مل کر یہ بد دعا کریں کہ ہم میں سے جو کوئی فریق جھوٹا ہے اسے موت آجائے۔ (سچ جھوٹ کا پتہ چل جائے گا)۔ لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ ان کے پاس جو علم بلکہ کفر ہے اسے خوب جانتا ہے۔ اگر وہ اس روز موت کی تمنا کرتے تو روئے زمین کے سب یہودی مر جاتے۔ ضحاک نے ابن عباس سے روایت کیا ہے تَمَنَّوُا کا معنی ہے سوال کرو۔ محدث عبدالرزاق نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس کا قول ہے ''اگر موت کی آرزو کرتے تو ان کا نام ونشان مٹ جاتا''۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اگر اس روز وہ موت کی خواہش کرتے تو تھوک (منہ کا لعاب) سے گلا گھٹ کر مر جاتے۔ ابن عباس تک یہ اسناد صحیح ہیں۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اگر یہود اس روز موت کی خواہش کرتے تو ضرور ان کی موت واقع ہو جاتی اور جہنم میں اپنے ٹھکانے دیکھ لیتے۔ اور اگر کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ سے مباہلہ کرنے کے لئے نکلتے تو واپسی پر ان کے اہل وعیال اور مال ودولت کا نشان تک نہ ہوتا (1)۔ ہمیں یہ روایت عکرمہ کی وساطت سے ابن عباس سے پہنچی ہے۔ امام احمد نے بھی اسے بیان کیا ہے ابن ابی حاتم نے حسن کا قول نقل کیا ہے اللہ کا فرمان ہے کہ اپنی کارستانیوں کے سبب وہ ہرگز موت کی تمنا نہ کرتے۔ میں نے عرض کی جب انہیں چیلنج دیا گیا تھا اگر وہ موت کی آرزو کر لیتے تو آپ کی کیا رائے ہے وہ مر جاتے۔ فرمایا: نہیں اللہ کی قسم وہ نہ مرتے اگرچہ وہ موت کی تمنا بھی کرتے۔ اور وہ موت کی تمنا کرنے والے بھی نہ تھے تم نے اللہ کا یہ فرمان سن لیا ہے: وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ...... لیکن یہ روایت حسن سے غریب ہے۔ پھر ابن عباس سے اس آیت کی جو تفسیر منقول ہے۔ اس کے مطابق یہ فریقین میں سے جھوٹے کے لے بد دعا کرنا تھا۔ یا مسلمانوں کی طرف سے مباہلہ کا چیلنج۔ ابن جریر نے قتادہ، ابو العالیہ اور ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہم سے یہی نقل کیا ہے۔ اس آیت کی نظیر سورۂ جمعہ کی یہ آیت ہے: قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ

1۔ الطبری: 336/1:1

صٰدِقِیْنَ ○ وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ ○ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الجمعۃ: 6 تا 8)'' آپ فرمائیے اے یہودیو! اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ صرف تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ (دوست) نہیں ہیں تو ذرا مرنے کی آرزو تو کرو۔ اگر تم سچے ہو اور (اے حبیب!) وہ اس کی تمنا کبھی نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو وہ اپنے ہاتھوں پہلے بھیج چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ آپ (انہیں) فرمائیے یقیناً وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں مل کر رہے گی۔ پھر لوٹا دیا جائے گا تمہیں اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر چھپے اور ظاہر کو پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان (اعمال) سے جو تم کیا کرتے تھے''۔ ان پر اللہ کی لعنتیں ہوں جب انہوں نے یہ خیال کیا کہ وہ اللہ کے فرزند اور اس کے لاڈلے ہیں۔ اور یہ دعویٰ کرنے لگے کہ یہود و نصاریٰ کے علاوہ اور کوئی جنت میں نہیں جا سکتا تو انہیں مباہلہ اور فریقین میں سے جھوٹے کے خلاف بددعا کرنے کی دعوت دی گئی۔ جب انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو سب کو پتہ چل گیا کہ وہ ظالم ہیں کیونکہ اگر انہیں اپنی بات کی صداقت کا یقین ہوتا تو وہ ضرور ایسا کر گزرتے۔ لیکن ان کی ٹال مٹول سے ان کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عیسائی وفد کو مباہلہ کی دعوت دی تھی۔ جب وہ بحث و مباحثہ اور مناظرہ میں شکست کھانے کے باوجود اپنی سرکشی اور عناد پر اڑے رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْكٰذِبِیْنَ (آل عمران: 61)'' پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے میں اس کے بعد کہ آ گیا آپ کے پاس (یقینی) علم۔ تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی۔ پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجا کریں۔ پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر'' جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ چیلنج سنا تو ایک دوسرے کو کہنے لگے اللہ کی قسم! اگر تم نے اس نبی سے مباہلہ کیا تو تمہارا کوئی فرد زندہ نہ بچے گا چنانچہ وہ صلح کی طرف مائل ہوئے۔ اور اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اس حال میں کہ وہ رسوا ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ نے ان پر جزیہ نافذ فرمایا اور ابو عبیدہ بن جراح کو ساتھ امین بنا کر بھیجا۔ مفہوم کے اعتبار سے اس آیت کے ہم معنی یا قریب المعنی وہ آیت کریمہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم ﷺ کو فرما رہے ہیں کہ اس بات کا مشرکین میں اعلان کر دیں: قُلْ مَنْ كَانَ فِی الضَّلٰلَةِ فَلْیَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ (مریم: 75)'' آپ فرمائیے جو گمراہی میں (مگن) ہو تو ڈھیل دیئے رکھتا ہے اسے رحمٰن لمبی ڈھیل'' یعنی ہم میں سے اور تم میں سے جو گمراہی میں ہو اللہ اس چیز میں اضافہ فرمائے جس میں وہ ہے۔ (اس کی وضاحت اپنی جگہ آئے گی (ان شاء اللہ)۔ اور جن علماء نے آیت (اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ) کا معنی یہ کیا ہے کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اب موت کی تمنا کرو۔ تو وہ مباہلہ کے لئے سامنے نہ آئے۔ جیسا کہ متکلمین وغیرہ کے ایک گروہ نے بیان کیا ہے۔ اور پہلے قول کی طرف رجحان ظاہر کرنے کے بعد ابن جریر نے بھی اسی کی طرف میلان ظاہر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں آیت کریمہ: قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ...... سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے ان یہود کے خلاف استدلال قائم کیا ہے جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے۔ اور ان علماء و احبار کی قلعی کھولی ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ یہود کو باہمی اختلاف کے منصفانہ حل کی طرف دعوت دیں۔ اسی طرح دوسرے فریق (نصاریٰ) نے جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں آپ ﷺ کی مخالفت کی اور آپ ﷺ سے مناظرہ کیا تو آپ ﷺ کو حکم ارشاد فرمایا کہ انہیں مباہلہ کی دعوت دیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یہودی فریق کو فرمایا اگر تم حق پر ہو تو ذرا موت کی تمنا کر کے دکھاؤ اگر تم اپنے ایمان اور قرب الٰہی کے دعویٰ میں سچے ہوئے تو یہ چیز تمہیں کوئی نقصان نہیں دے گی۔ بلکہ تمہاری موت طلب کرنے کی یہ آرزو تمہیں اس دنیا کی مشکلات

ومصائب اور زندگی کی کدورتوں سے نکال کر اللہ کے جوار میں جنت کی (ابدی) راحتوں میں پہنچا دے گی۔ کیونکہ تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ دار آخرت کی سرمدی نعمتیں صرف تمہارے لیے ہیں (اور تمہاری کامیابی یقینی ہے) اور اگر تم نصیحت قبول نہ کرو تو لوگ یہ جان لیں گے کہ تم جھوٹے ہو اور ہم راہ راست پر ہیں۔ ہمارا اور تمہارا معاملہ واضح ہو جائے گا۔ لیکن یہود اس چیلنج کا جواب دینے کی جرات نہ کر سکے۔ کیونکہ انہیں یہ یقین تھا اگر انہوں نے موت کی تمنا کی تو ان کی زندگی کا چراغ اسی لمحے گل ہو جائے گا۔ اور آخرت کے ابدی رسوا کن عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اسی طرح نصاری کا فریق جو نبی کریم ﷺ سے مناظرے کے لئے آئے تھے انہیں مباہلے کی دعوت دی گئی تو میدان میں نکلنے سے باز رہے۔ یہ بات بظاہر مستحسن نظر آتی ہے۔ لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس تاویل کے مطابق ان پر حجت تمام نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے یہ اعتقاد رکھنے سے کہ وہ اپنے دعوی میں سچے ہیں لازم نہیں آتا کہ وہ موت کی تمنا بھی کریں گے۔ کیونکہ صالح ہونا اور موت کی تمنا کرنا آپس میں لازم وملزوم نہیں کیونکہ بہت سے متقی وصلحاء ایسے ہیں جو موت کی آرزو نہیں کرتے بلکہ درازی عمر کی خواہش رکھتے ہیں تاکہ ان کی نیکیاں زیادہ ہوں اور جنت میں ان کا درجہ بلند ہو۔ جیسے ایک حدیث شریف میں ہے۔ ''تم میں سے بہترین وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں''(1) اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ اے مسلمانو! جب تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم جنتی ہو تو تم حالت صحت میں موت کی آرزو کیوں نہیں کرتے۔ جو چیز تمہیں پسند نہیں ہم پر لازم کیوں کرتے ہو؟ یہ اعتراض آیت کی تفسیر اس طرح کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ لیکن حضرت ابن عباس کی تفسیر پر کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ بلکہ انہیں صرف یہ کہا گیا ہے کہ اگر تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر تم اللہ کے دوست ہو۔ تم ابناء اللہ اور اللہ کے لاڈلے ہو۔ جنت صرف تمہارے لیے ہے دیگر تمام لوگ دوزخی ہیں تو اس پر مباہلہ کرلو۔ آؤ دعا کریں کہ جھوٹے فریق پر اللہ کی لعنت ہو۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتے تھے کہ مباہلہ سے لامحالہ طور پر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سامنے آجائے گا۔ چونکہ انہیں اس بات کا کلی یقین تھا اور حضور ﷺ کی نبوت کی صداقت کا بھی عرفان کامل تھا۔ انہوں نے مباہلہ سے انکار کر دیا کیونکہ انہیں اپنے کذب وافترا پردازی اور حضور سرور دو عالم کی تمام صفات کا علم تھا۔ وہ انہیں اسی طرح پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔ انہیں اپنے بطلان، رسوائی، گمراہی اور عناد کا علم تھا۔ قیامت تک ان پر لگاتار اللہ تعالیٰ کی لعنتیں ہوں۔ اس مباہلہ کو یہاں تمنی کا نام دیا گیا۔ کیونکہ سچا فریق آرزو کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مقابل باطل پرست مناظر کو ہلاک فرما دے۔ خصوصاً جب اس کے پاس سچائی کی دلیل بھی موجود ہو۔ مباہلہ میں موت کا چیلنج دیا گیا کیونکہ زندگی انہیں عزیز تر ہے۔ وہ اس لیے کہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ موت کے بعد ان کا انجام بہت برا ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ ہرگز کبھی بھی اس کی تمنا نہ کریں گے۔ اپنی کارستانیوں کے خوف سے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اور آپ (ﷺ) یقیناً پائیں گے انہیں سب لوگوں سے زیادہ ہوس رکھنے والے زندگی کی۔ وہ درازی عمر کی خواہش اس لیے رکھتے تھے کہ انہیں معلوم تھا کہ ان کا انجام برا ہے۔ اور اللہ کے ہاں وہ آخرت میں خسارہ میں ہوں گے۔ کیونکہ دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔ چنانچہ جس قدر ممکن ہو وہ مقام آخرت سے بچے رہنا چاہتے ہیں۔ لیکن جس چیز سے وہ بظاہر محتاط نظر آتے ہیں لامحالہ طور پر ان پر واقع ہو کر رہے گی۔ مشرکین جن کے پاس کوئی کتاب نہیں وہ تو ان سے بھی زیادہ زندگی کے حریص ہیں۔ یہاں خاص کا عطف عام پر کیا جا رہا ہے۔ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ أَشْرَكُوا سے مراد عجمی لوگ ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں ثوری کی حدیث میں اسی طرح بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ اگرچہ صحیحین کی شرط پر پوری اترتی ہے لیکن انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ لکھتے ہیں کہ صحابی کی تفسیر کے سند

1۔ کشف الخفاء:1/461

ہونے پر شیخین متفق ہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ منافق عام لوگوں اور مشرک سے بھی زیادہ زندگی کا حریص ہوتا ہے۔ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ یعنی یہودیوں میں سے ہر ایک چاہتا ہے۔ سیاق کے کلام کا اشارہ اسی طرف ہے کہ ''ھم'' کی ضمیر سے مراد یہودی ہیں۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد مجوسی ہیں۔ یعنی ہر مجوسی یہ چاہتا ہے کہ اسے زندہ رہنے دیا جائے ہزار سال۔ اعمش نے بروایت سعید بن جبیر ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ اسی طرح ہے جیسے ایرانی کہیں ''دہ ہزار سال'' یعنی دس ہزار سال۔ خود سعید بن جبیر کا قول بھی یہی ہے۔ ابن جریر نے مجاہد کی روایت سے ابن عباس کا قول بیان کیا ہے اس سے مراد عجمی ہیں۔ ہزار سال نوروز اور مہرجان کے حساب سے۔ مجاہد اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں عمر بھر گناہ کرنا ان کے نزدیک پسندیدہ ہے: وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ ابن اسحٰق نے سعید یا عکرمہ کی روایت سے ابن عباس کا فرمان نقل کیا ہے کہ لمبی مدت تک جیتے رہنا بھی انہیں عذاب سے نجات نہیں دے سکتا۔ دراصل مشرک تو اس لیے طوالت عمر کا خواہش مند ہوتا ہے کہ وہ حیات مابعد الموت پر یقین نہیں رکھتا اور یہودی کو اگر آخرت میں اپنے دردناک انجام کا پتہ چل جائے تو وہ فوراً راہ راست پر آ جائے۔ عوفی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے جبریل سے دشمنی کی ابو العالیہ اور ابن عمر کا قول ہے کہ اسے عذاب سے بچانے میں یہ چیز بھی معاون نہیں ہوگی۔ عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہود ان سب سے زیادہ لمبی عمر کے خواہاں ہیں۔ اور ہزار سالہ زندگی چاہتے ہیں لیکن یہ طویل مدت بھی انہیں عذاب سے نجات دینے والی نہیں جس طرح ابلیس کی لمبی زندگی نے اسے کوئی فائدہ نہیں دیا کیونکہ وہ کافر ہو گیا ہے۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کے بندے کیا اعمال خیر و شر انجام دیتے ہیں۔ اور عنقریب ہر ایک کو اس کے عمل کی جزاء عطا فرمائے گا۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾

''آپ فرمایئے جو دشمن ہو جبریل (علیہ السلام) کا (اسے معلوم ہونا چاہیے) کہ اس نے اتارا قرآن آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے (یہ) تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اتریں اور سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اسکے رسولوں اور جبریل (علیہ السلام) و میکائیل (علیہ السلام) کا تو اللہ بھی دشمن ہے (ان) کافروں کا''۔

امام ابو جعفر جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمام مفسرین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت یہود بنی اسرائیل کے جواب میں نازل ہوئی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جبریل ان کا دشمن ہے۔ اور میکائیل ان کا دوست ہے۔ پھر اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ انہوں نے ایسا کیوں کہا تھا۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ان کے اس قول کا سبب وہ مناظرہ تھا جو نبوت کے مسئلے پر ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ہوا۔

اس رائے کے حامیوں کا بیان: شہر بن حوشب نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہود کا ایک گروہ حضور ﷺ کی خدمت حاضر ہوا وہ عرض کرنے لگے اے ابو القاسم! ہمیں چند چیزوں کے بارے میں بتایئے جنہیں ماسوائے نبی کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو چاہو پوچھو لیکن مجھے وہی ضمانت دو جو ضمانت حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے لی تھی کہ

اگر میں نے تمہیں کسی چیز کے بارے میں بتایا اور تم نے اسے درست پایا تو اسلام قبول کر کے میری اتباع کرو گے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب جو چاہو سوال کرو۔ وہ کہنے لگے چار چیزیں بتایئے وہ کون سا کھانا تھا جسے اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے تورات کے نزول سے قبل اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تھا؟۔ اور ہمیں بتایئے کہ مرد اور عورت کے مادۂ منویہ کا رنگ کیسا ہوتا ہے۔ پھر اس سے لڑکا اور لڑکی کس طرح پیدا ہوتے ہیں؟۔ اور اس نبی کے بارے میں بتایئے جن کا ذکر تورات میں ہے۔ اور فرشتوں میں سے کون ان کا دوست ہے؟۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا تمہیں اللہ کی قسم ہے اگر میں تمہیں بتادوں تو تم میری اتباع کرو گے؟۔ انہوں نے عہد و پیمان کیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اس رب قدوس کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی ۔ کیا تمہیں علم ہے کہ حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام شدید بیمار ہو گئے تھے۔ جب بیماری نے طول پکڑا تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے مجھے شفایاب فرمایا تو میں سب سے زیادہ پسندیدہ کھانا اور مشروب (پینے کی چیز) اپنے اوپر حرام کرلوں گا۔ اونٹ کا گوشت انہیں بہت مرغوب تھا اور اونٹنی کا دودھ انہیں بہت پسند تھا۔ تو وہ کہنے لگے ہاں۔ اے خدایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! گواہ رہنا۔ اور میں تمہیں اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے۔ اسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی تھی۔ کیا تم جانتے ہو کہ مرد کا پانی (نطفہ) گاڑھا سفید اور عورت کا پتلا زرد ہوتا ہے۔ دونوں میں سے جو غالب آجائے تو باذن الٰہی اسی کے مطابق اولاد اور اس کی شکل ہوتی ہے۔ اگر آدمی کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو اللہ کے حکم سے لڑکا پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو اللہ عزوجل کے اذن سے بچی پیدا ہوتی ہے۔ وہ کہنے لگے ہاں اے خدایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہنا۔ اور میں تمہیں قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی کیا تم جانتے ہو کہ اس امی نبی کی آنکھیں سوتی ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے۔ وہ کہنے لگے ہاں اے خدایا آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہنا۔ وہ کہنے لگے اچھا اب آپ (ﷺ) ہمیں یہ بتایئے کہ کون سا فرشتہ آپ کے پاس (وحی لے کر) آتا ہے۔ اس جواب کے ساتھ ہی ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے یا آپ سے جدا ہو جائیں گے۔ (یعنی اس پر بحث کا خاتمہ ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرا دوست جبریل ہے۔ اور اللہ نے کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا مگر وہ اس کا دوست ہے۔ وہ کہنے لگے پھر ہمارا اور آپ کا راستہ الگ ہے۔ اگر کوئی دوسرا فرشتہ آپ کے پاس آتا تو ہم آپ پر ایمان لے آتے اور آپ کی اتباع کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں اس کی تصدیق کرنے سے کون سی چیز مانع ہے۔ وہ کہنے لگے وہ تو ہمارا (پرانا) دشمن ہے(1)۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ ...... تا ...... لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ اس وقت وہ مسلسل ناراضگی کے حقدار ہو گئے۔ اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن حمید نے اپنی تفسیر میں اور امام احمد نے دو سندوں سے بیان کیا ہے۔ محمد بن اسحٰق بن یسار نے اسے مرسل ذکر کیا ہے۔ انکی روایت میں یہ اضافہ ہے انہوں نے عرض کی ہمیں روح کے بارے میں بتایئے آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور بنو اسرائیل پر اس کی نعمتوں کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں پتہ نہیں کہ وہ جبریل ہے وہی میرے پاس آتا ہے وہ کہنے لگے ہاں اے خدایا! لیکن وہ ہمارا دشمن ہے وہ ہمیشہ سختی اور خون ریزی لاتا رہا ہے۔ اگر کوئی اور فرشتہ ہوتا تو ہم آپ کی اتباع کرتے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ ...... امام احمد نے سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس ؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہودی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں آئے اور کہنے لگے اے ابوالقاسم! ہمیں پانچ اشیاء کے بارے میں بتایئے اگر آپ نے بتادیا تو ہم سمجھ جائیں گے کہ آپ نبی ہیں اور آپ کی اتباع کریں گے۔ تو آپ ﷺ نے ان سے وہی عہد لیا جو حضرت اسرائیل نے

1۔ الطبری: 342/1

اپنے بیٹوں سے لیتے ہوئے فرمایا تھا: قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ (یوسف:66) ''اللہ تعالیٰ جو ہم گفتگو کر رہے ہیں اس پر گواہ ہے'۔ آپ ﷺ نے فرمایا پوچھو۔ وہ کہنے لگے ہمیں نبی کی علامات بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا۔ وہ کہنے لگے اچھا یہ بتایئے کہ عورت بچی یا بچہ کیسے جنتی ہے؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب دونوں پانی ملتے ہیں اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور جب عورت کا پانی مرد کے نطفے پر غالب آجائے تو بچی پیدا ہوتی ہے۔ وہ کہنے لگے اچھا ہمیں اس کھانے کے بارے میں بتایئے جسے اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں عرق النساء کی بیماری تھی۔ انہیں کوئی چیز موافق نہ تھی کسی جانور کا دودھ۔ احمد کا قول ہے کہ بعض علماء کے نزدیک اونٹ تھا۔ چنانچہ اس کے گوشت کو آپ نے اپنے اوپر حرام کر لیا۔ وہ کہنے لگے آپ (ﷺ) نے سچ فرمایا۔ وہ کہنے لگے ہمیں بتایئے کہ یہ رعد (چمک) کیا ہے؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ جس کی ڈیوٹی بادلوں کو چلانا ہے اور جس طرف اللہ تعالیٰ کا حکم ہو لے جاتا ہے۔ وہ کہنے لگے پھر یہ آواز کیسی ہوتی ہے جو ہمیں سنائی دیتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس کی آواز (گرج) ہے۔ وہ کہنے لگے آپ (ﷺ) نے سچ بیان فرمایا ہے وہ کہنے لگے ایک سوال باقی ہے اگر آپ ﷺ نے اس کا جواب بھی دے دیا تو ہم آپ کی اتباع کریں گے۔ وہ یہ کہ کوئی نبی ایسا نہیں مگر فرشتہ اس کے پاس وحی لے کر آتا ہے۔ ہمیں بتایئے آپ کے پاس کون آتا ہے؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جبریل (علیہ السلام)'' وہ کہنے لگے یہ وہی جبریل ہے جو جنگ وجدال اور عذاب لے کر آتا ہے۔ یہ ہمارا دشمن ہے۔ اگر آپ نے میکائیل کا نام لیا ہوتا جو رحمت، بارش اور فصلیں لے کر آتا ہے تو ہم آپ کی پیروی کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ...... ترمذی اور نسائی نے اس حدیث کو عبداللہ بن ولید سے روایت کیا ہے۔ ترمذی کا قول ہے کہ حسن غریب ہے۔ سنید اپنی تفسیر میں قاسم بن ابی بزہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہود نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا فرشتہ آپ کے پاس وحی لے کر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا جبریل۔ وہ کہنے لگے وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ جنگ، شدت اور باہمی دشمنی لے کر آتا ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے یہود نے عرض کی اے محمد! جبریل ہمیشہ غضب اور جنگ وجدال لے کر آتا ہے وہ ہمارا دشمن ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی امام بخاری اس آیت کی تفسیر میں نقل فرماتے ہیں عکرمہ کا قول ہے جبر، میکا اور اسراف مترادفات ہیں ان کا معنی عبد (بندہ) ہے۔ ایل کا معنی ہے: اللہ۔ انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن سلام کو حضور ﷺ کی تشریف آوری کی خبر ملی ان دنوں وہ اپنی زمینوں پر قیام پذیر تھے۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہنے لگے میں آپ (ﷺ) سے تین چیزوں کے بارے میں دریافت کروں گا جنہیں نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ (فرمایئے) قیامت کی پہلی شرط کیا ہے؟۔ اور اہل جنت کا پہلا کھانا کیا ہے؟۔ بچے کی صورت کو ماں باپ کے مشابہ کیا چیز بناتی ہے؟۔ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا۔ ابھی جبرائیل نے مجھے ان باتوں کی خبر دی ہے۔ عبداللہ بن سلام کہنے لگا جبرائیل؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ وہ کہنے لگے فرشتوں میں سے وہ تو یہود کا دشمن ہے۔ تو حضور انور ﷺ نے جواباً یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی (پھر فرمایا) قیامت کی پہلی نشانی آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہانک کر لے جائے گی۔۔ جنتیوں کی پہلی خوراک مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہوگی۔ اور جب آدمی کا پانی عورت سے سبقت لے جائے تو بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی سبقت لے جائے تو اس کے مشابہ ہوتا ہے۔ (یہ سن کر) عبداللہ بن سلام کہنے لگے۔ (اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں (اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے)۔ پھر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! یہودی جھوٹے لوگ ہیں۔ اگر ان سے پوچھنے سے قبل انہیں میرے اسلام لانے کا علم ہو گیا تو مجھ پر بہتان لگانا شروع کر دیں گے۔ یہودی آئے تو سرکار دو

عالم علیہ السلام نے ان سے دریافت فرمایا: عبداللہ بن سلام تم میں سے کیسے شخص ہیں؟۔ وہ کہنے لگے ہم سے بہترین، بہترین شخص کے فرزند اور ہمارے سردار اور ہمارے سردار کی اولاد ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو؟ وہ کہنے لگے اللہ انہیں اس سے بچائے۔ اتنے میں عبداللہ بن سلام باہر آئے اور زور سے پڑھنے لگے (اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ) (یہ سن کر) وہ کہنے لگے یہ ہم میں سے شریر ترین ہیں اور بدترین شخص کی اولاد ہے۔ اور آپ کی تنقیص کرنے لگے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلام نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! اسی بات کا مجھے اندیشہ تھا (1)۔ بخاری اس سند سے یہ حدیث بیان کرنے میں منفرد ہیں۔ انہوں نے ہی ایک دوسری سند سے یہی حدیث حضرت انس سے روایت کی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ علیہ السلام کی کلام بھی اس کے قریب ہے۔ جس کی وضاحت اپنی جگہ آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بخاری میں (جس طرح پہلے گزر چکا ہے) حضرت عکرمہ کی مشہور روایت یہ ہے کہ "اِیْلُ" بمعنی اللہ ہے۔ سفیان ثوری، عبد بن حمید اور ابن جریر نے بھی عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ جبریل اور میکائیل کا معنی عبداللہ ہے ایل بمعنی اللہ ہے۔ یزید نحوی نے بھی حضرت عکرمہ اور ابن عباس سے یہی روایت کیا ہے۔ سلف صالحین میں سے متعدد کا قول ہے کہ ایل بمعنی عبد ہے اور دوسرا کلمہ بمعنی اللہ ہے کیونکہ یہ کلمہ سب اسماء میں ایک ہی ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ اس کے ہم وزن کلمات عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالمالک، عبدالقدوس، عبدالسلام، عبدالکافی اور عبدالجلیل ہیں۔ ان سب میں کلمہ عبد موجود ہے لیکن جن اسماء کی طرف یہ مضاف ہو رہا ہے وہ بدل گئے ہیں۔ اسی طرح جبرائیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل وغیرہ ہیں غیر عربی زبانوں میں مضاف الیہ کو مضاف پر مقدم کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ بعض دوسرے علماء کا قول ہے ان کی اس گفتگو کا سبب وہ مناظرہ تھا جو ان کے اور حضرت عمر بن خطاب کے مابین حضور علیہ السلام کے بارے میں ہوا۔

واقعہ کا تفصیلی بیان: شعبی کا بیان ہے کہ حضرت عمر روحاء کے مقام پر اترے۔ آپ نے دیکھا کہ بعض لوگ جلدی سے کچھ پتھروں کی طرف جارہے ہیں اور وہاں نماز ادا کرتے ہیں۔ آپ نے وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ ان کا خیال ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے یہاں نماز ادا فرمائی ہے آپ نے اس بات پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ علیہ السلام کو کسی وادی میں جس جگہ بھی نماز کا وقت آجاتا تھا وہی نماز ادا فرماتے اور آگے کوچ فرما دیتے۔ پھر آپ ان سے باتیں کرنے لگے۔ اور فرمایا میں یہود کے مجمع میں تورات پڑھنے کے دن شریک ہوا کرتا تھا۔ اور متعجب ہوتا کہ تورات کس طرح قرآن کی تصدیق کرتی ہے اور قرآن کس طرح تورات کی تصدیق کرتا ہے۔ ایک دن میں ان کے پاس بیٹھا تھا کہ وہ کہنے لگے اے ابن خطاب! تمہارے ساتھیوں میں تم سے زیادہ ہمیں کوئی محبوب نہیں۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے کیونکہ تم صبح وشام ہمارے پاس آتے ہو۔ میں نے کہا میں تو یہ دیکھ کر متعجب ہوتا ہوں کہ کس طرح قرآن تورات کی اور تورات قرآن کی تصدیق کرتی ہے۔ اس دوران رسول اللہ علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا۔ وہ کہنے لگے اے ابن خطاب! وہ تمہارے ساتھی (نبی) جارہے ہیں ان سے جاملو۔ میں نے انہیں کہا تھا کہ تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور جو اس نے تمہیں حق کی حفاظت کے لئے حکم دیا ہے اور جو اس نے اپنی کتاب تمہیں عطا فرمائی ہے۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں؟۔ فرماتے ہیں وہ سب خاموش ہوگئے تو ان کے عالم اور سردار نے کہا۔ انہوں (عمر) نے تمہیں سخت قسم دی ہے ان کو جواب دو۔ وہ کہنے لگے آپ ہمارے عالم دین اور سردار ہیں انہیں جواب دیجئے۔ وہ کہنے لگا آپ نے ہمیں قسم دی ہے (سچ تو یہ ہے کہ) ہم جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ میں نے کہا تمہارا بھلا ہو پھر تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے ہم ہلاکت میں نہیں ہیں۔ میں نے کہا وہ کیسے؟۔

1۔ البخاری 23/6

حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں پھر ان کی اتباع نہیں کرتے اور نہ ان کی تصدیق کرتے ہو۔ وہ کہنے لگے کہ فرشتوں میں ہمارا دشمن بھی ہے اور دوست بھی۔ انہوں نے اپنی نبوت کو ہمارے دشمن فرشتے سے ملا دیا ہے۔ میں نے پوچھا فرشتوں میں سے تمہارا دوست کون ہے اور دشمن کون ہے؟ وہ کہنے لگے ہمارا دشمن جبریل اور ہمارا دوست میکائیل ہے۔ وہ کہنے لگے جبریل درشتی، سختی، تنگدستی، شدت اور عذاب وغیرہ کا فرشتہ ہے اور میکائیل رحمت و رافت اور تخفیف وغیرہ کا فرشتہ ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں میں نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ اپنے رب کے ہاں ان کا کیا مقام ہے؟ وہ کہنے لگے ایک دائیں طرف ہے اور ایک بائیں طرف۔ میں نے کہا اس ذات وحدہ لاشریک کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو ذات ان دونوں کے درمیان ہے (یعنی خدا تعالیٰ) وہ اس کی دشمن ہے جس سے یہ عداوت رکھتے ہوں اور دوست ہے جس کے یہ دوست ہوں۔ جبرائیل میکائیل کے دشمن سے دوستی نہیں رکھ سکتا اور میکائیل جبرائیل کے دوست سے دشمنی نہیں رکھ سکتا۔ فرماتے ہیں اس کے بعد میں اٹھ کھڑا ہوا اور حضور ﷺ کے ساتھ جا ملا۔ آپ ﷺ اس وقت بنو فلاں کے دریچے سے نکل رہے تھے مجھے دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب کیا میں نے تمہیں وہ آیات نہ سناؤں جو ابھی مجھ پر نازل ہوئی ہیں پھر سرکار ﷺ نے یہ تلاوت فرمائی: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ...... تا آخر۔ میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ میں آپ کو یہ بات عرض کرنے کے لئے حاضر ہو رہا تھا مگر میری آمد سے قبل ہی اس لطیف و خبیر نے آپ کو یہ بات بتا دی۔

ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ حضرت عمر یہود کے پاس گئے۔ اور پوچھا تمہیں اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی تھی۔ حضرت محمد (ﷺ) کا ذکر مبارک تمہاری کتب میں ہے یا نہیں وہ کہنے لگے ہاں۔ آپ نے فرمایا تو پھر تم ان کی اتباع کیوں نہیں کرتے؟ وہ کہنے لگے اللہ نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر فرشتوں میں سے کسی کو اس کا کفیل بنایا۔ جبریل محمد (ﷺ) کے کفیل ہیں وہ آپ (ﷺ) کے پاس آتے ہیں۔ وہ ہمارے دشمن ہیں۔ میکائیل ہمارے دوست ہیں اگر میکائیل ان کے پاس آتے تو ہم اسلام قبول کر لیتے۔ فرماتے ہیں میں تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی اللہ کے ہاں ان کا کیا مرتبہ ہے؟ وہ کہنے لگے جبریل اس کے دائیں اور میکائیل بائیں ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے حکم بغیر نہیں اترتے۔ میکائیل جبریل کے دشمن سے دوستی نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی جبریل میکائیل کے دشمن سے دوستی رکھ سکتا ہے۔ آپ ابھی ان کے پاس ہی تھے کہ وہاں سے حضور ﷺ کا گزر ہوا۔ وہ کہنے لگے اے ابن خطاب! یہ تمہارے نبی جا رہے ہیں۔ حضرت عمر اٹھ کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ان دونوں سندوں سے بظاہر اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ شعبی کی یہ روایت متصل ہے لیکن اس میں شعبی اور عمر کے درمیان انقطاع ہے یعنی کوئی اور راوی ہے کیونکہ شعبی نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا۔ واللہ اعلم۔

حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ ایک دن حضرت عمر یہود کے پاس تشریف لے گئے۔ جب آپ واپس آنے لگے تو انہوں نے آپ کو گرمجوشی سے رخصت کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا اللہ کی قسم میں تمہاری محبت سمیٹنے یا کسی اور کام کے لئے نہیں آیا۔ میری تو خواہش ہے کہ تمہاری باتیں سنوں۔ چنانچہ دونوں فریق ایک دوسرے سے پوچھتے رہے۔ وہ کہنے لگے تمہارے ساتھی (نبی) کا رفیق کون ہے؟ آپ نے فرمایا جبریل وہ کہنے لگے اہل آسمان میں سے یہ ہمارا دشمن ہے محمد (ﷺ) کو ہمارے رازوں سے آگاہ کر دیتا ہے۔ اور جب بھی آئے لڑائی اور قحط سالی لے کر آتا ہے۔ لیکن ہمارا ساتھی تو میکائیل ہے۔ وہ جب بھی آئے شادابی اور امن و سلامتی لے کر آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم جبریل کو جانتے ہو اور (حضرت) محمد (ﷺ) کا انکار کرتے ہو۔ چنانچہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ کر نبی کریم ﷺ کی طرف جانے لگے تاکہ آپ ﷺ کو خبر دے سکیں۔ جب وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ پر یہ آیت کریمہ نازل ہو چکی تھی۔ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ ......حضرت قتادہ سے ایک دوسری روایت میں یہی واقعہ مذکور ہے جسے آدم (رحمتہ اللہ علیہ) نے اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے۔ لیکن یہ منقطع ہے۔ سدی کی روایت کے الفاظ بھی تقریباً یہی ہیں وہ بھی منقطع ہے۔ ابن ابی حاتم نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہنے لگا جبریل جس کا ذکر تمہارے ساتھی (پیغمبر) کرتے ہیں ہمارا دشمن ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ بعدازاں آپ کی تائید میں یہی آیات نازل ہوئیں۔ عبد بن حمید نے ابن جریر کی سند سے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ یہود مسلمانوں سے کہنے لگے۔ اگر میکائیل تم پر اترنے والا ہوتا تو ہم تمہاری اتباع کرتے۔ وہ تو رحمت اور بارش لے کر آتا ہے۔ جبکہ جبریل عذاب اور انتقام کی نوید لاتا ہے۔ بلاشبہ وہ ہمارا دشمن ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔'' محدث عبدالرزاق نے قتادہ سے روایت کیا ہے۔ یہودی کہنے لگے جبریل ہمارا دشمن ہے کیونکہ وہ سختی اور قحط سالی لے کر اترتا ہے۔ اور میکائیل فراخی، عافیت اور خوشحالی لے کر آتا ہے۔ پس جبریل ہمارا دشمن ہے تو اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ شان نزول کے بیان کے بعد اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جو جبرائیل سے دشمنی رکھتا ہے وہ جان لے کہ وہ روح الامین ہے جس نے اللہ کے حکم سے آپ (ﷺ) کے قلب منیر پر قرآن حکیم اتارا ہے۔ وہ اس معاملے میں رسول (قاصد) فرشتہ ہے۔ جس نے کسی ایک رسول سے دشمنی کی اس نے تمام رسولوں سے عداوت کا اظہار کیا۔ جس طرح ایک رسول پر ایمان لانے والے کے لئے لازمی ہے کہ وہ تمام مرسلین پر ایمان لائے۔ اسی طرح ایک رسول کا انکار کرنے سے تمام رسولوں کا انکار لازم آتا ہے۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ...... (نساء:150) ''بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ فرق کریں اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں بعض رسولوں پر اور ہم کفر کرتے ہیں بعض کے ساتھ'' بعض رسولوں پر ایمان لانے اور بعض کا انکار کرنے کی صورت میں واضح کفر کا حکم لگا دیا۔ اسی طرح جو جبریل کا دشمن ہے وہ اللہ کا دشمن ہے کیونکہ جبریل اپنی مرضی سے نہیں اترتا۔ بلکہ وہ تو امر الٰہی کا پابند ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ...... ''اور (اے جبرائیل! میرے نبی سے کہو) ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے'' (مریم:64) ایک اور جگہ فرمایا: وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ''اور بلاشبہ یہ کتاب رب العالمین کی اتاری ہوئی ہے۔ اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبریل) آپ کے قلب (منیر) پر تاکہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے'' (شعراء:194-192)۔ بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس نے مجھے جنگ کے لئے دعوت مبارزت دی۔'' اس لیے جبریل کے دشمن پر اللہ کا غضب ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ سابقہ کتب سماویہ کی تصدیق کرنے والا ہے۔ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ان کے دلوں کے لئے ہدایت ہے اور ان کے لئے جنت کی خوشخبری ہے۔ اور نہیں ہے یہ مگر مومنین کے لئے۔ جیسے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ...... (حم السجدة:44) ''آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کیلئے تو ہدایت اور شفاء ہے)۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرائیل:82) ''اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے'' پھر فرمایا: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ ...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں جس نے میرے فرشتوں اور رسولوں

سے دشمنی کی۔ ملائکہ بھی اس کے رسولوں میں شامل ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ (حج: 75) ''اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بھی بعض کو رسول'' جبریل ومیکائل۔ یہ خاص کے عام پر عطف کے باب سے ہیں۔ کیونکہ وہ ملائکہ اور رسل کے عموم میں بھی داخل ہیں۔ پھر ان کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا۔ کیونکہ سیاق کلام سے جبریل کے مقام کی وضاحت مطلوب ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں کے مابین بطور سفیر کام کرتا ہے۔ ساتھ ہی میکائیل کا ذکر بھی کر دیا کیونکہ یہود یہ گمان کرتے تھے کہ جبریل ان کا دشمن اور میکائیل ان کا دوست ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں بتایا کہ ان میں سے ایک کا دشمن دوسرے کا دشمن ہے بلکہ اللہ رب العزت کا بھی دشمن ہے۔ کیونکہ حضرت میکائیل بھی بعض اوقات رسولوں کے پاس آتے رہے ہیں۔ جیسے ابتدائے نبوت میں حضور ﷺ کے پاس۔ لیکن جبریل کی آمد بکثرت ہوتی ہے بلکہ یہ ان کا فریضہ ہے۔ اور میکائیل نباتات اور بارش پر مقرر ہیں۔ وہ ہدایت کے لئے اور یہ رزق کی فراہمی کے لئے۔ جیسے اسرافیل کی ذمہ داری قیامت کے دن صور پھونکنے پر ہے۔ اسی لیے صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو اٹھتے تو یہ دعا مانگتے (اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبۡرَآئِیۡلَ وَ مِیۡکَآئِیۡلَ وَ اِسۡرَافِیۡلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ عَالِمَ الۡغَیۡبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنۡتَ تَحۡکُمُ بَیۡنَ عِبَادِکَ فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ اِھۡدِنِیۡ لِمَا اخۡتُلِفَ فِیۡہِ مِنَ الۡحَقِّ بِاِذۡنِکَ اِنَّکَ تَھۡدِیۡ مَنۡ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ) ''ترجمہ: اے اللہ! جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب، آسمانوں اور زمین کے خالق اے عالم غیب اور شہود کے جاننے والے، تو اپنے بندوں کے مابین اختلاف کا فیصلہ کرتا ہے۔ اختلافی معاملات میں اپنے اذن سے مجھے راہ ہدایت پر گامزن رکھ۔ تو جسے چاہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتا ہے۔'' اس بات کا پہلے ذکر ہو چکا ہے جسے بخاری اور ابن جریر نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ جبر ومیک واسراف: عبد (بندہ) کے معنی میں ہیں اور ایل کا معنی اللہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے عمیر مولی ابن عباس کی روایت سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جبریل عبد اللہ اور عبد الرحمٰن کی طرح ہے۔ محمد بن اسحٰق نے علی بن حسین سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا'' کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری زبان میں جبریل کا کیا معنی ہے؟ وہ کہنے لگے نہیں۔ آپ نے فرمایا اس کا نام عبد اللہ ہے۔ ہر وہ اسم جس کے آخر میں ایل ہے اس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ، مجاہد، ضحاک اور یحییٰ بن یعمر سے یہی مروی ہے۔ پھر لکھتے ہیں عبد العزیز بن عمیر کا قول ہے جبرائیل کا معنی فرشتوں میں'' اللہ کا خادم'' ہے فرماتے ہیں جب میں نے یہ بات ابو سلیمان الدارانی کو بتائی تو وہ کانپ اٹھے۔ اور فرمانے لگے یہ حدیث مجھے اس دفتر کی تمام مرویات سے زیادہ محبوب ہے۔ جبریل اور میکائیل کی متعدد لغات اور قرأتیں مروی ہیں۔ جو کتب قرأت اور لغت میں مذکور ہیں ہم اپنی اس کتاب میں طوالت کے خدشہ سے ان کو بیان نہیں کرتے مگر جب اس پر معنی کا دارومدار ہو یا کوئی حکم اس کی طرف لوٹتا ہو۔ وَ بِاللّٰہِ الثِّقَۃُ وَھُوَ الۡمُسۡتَعَانُ۔ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ یہاں پر اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا ہے۔ یعنی فَاِنَّہٗ عَدُوٌّ نہیں فرمایا بلکہ فرمایا: فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ جیسے شاعر کا قول ہے۔

لَا اَرَی الۡمَوۡتَ یَسۡبِقُ الۡمَوۡتَ شَیۡءٌ سَبَقَ الۡمَوۡتُ ذَا الۡغِنٰی وَالۡفَقِیۡرَا

میں نے موت سے سبقت لے جانے والے کسی کو نہیں دیکھا موت تو غنی اور فقیر (دونوں) سے سبقت لے جاتی ہے۔ ایک دوسرے شاعر کا قول ہے۔

لَیۡتَ الۡغُرَابَ غَدَاۃَ یَنۡعَبُ دَائِبًا کَانَ الۡغُرَابُ مُقَطَّعَ الۡاَوۡدَاجِ

اللہ تعالیٰ یہاں اسم ظاہر کو اس معنی کی تاکید، اظہار اور یہ خبر دینے کیلئے ذکر کیا کہ جو اللہ کے دوست سے عداوت ظاہر کرے اس نے

اللہ سے عداوت کی۔ جس نے اللہ سے دشمنی کی، اللہ اس کا دشمن ہے اور جس کا دشمن اللہ ہو تو وہ دنیا و آخرت میں خسارہ میں ہے۔ جس طرح حدیث شریف میں ہے: ''جس نے میرے دوست سے عداوت ظاہر کی میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔'' ایک دوسری حدیث میں ہے۔ ''میں اپنے دوستوں کا بدلہ لے لیتا ہوں جیسے شیر لڑائی کا بدلہ لیتا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے'' میں جس کا دشمن بن جاؤں اس پر غالب آ جاتا ہوں۔''

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۚ وَمَا یَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَكَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۟ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

''اور یقیناً ہم نے اتارے ہیں آپ پر روشن نشانیاں اور کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اُن کا بجز نافرمانوں کے۔ کیا (یوں نہیں) کہ جب کبھی انہوں نے وعدہ کیا تو پھر توڑ پھینکا اسے انہیں میں سے ایک گروہ نے۔ بلکہ ان کی اکثریت تو (سرے سے) ایمان ہی نہیں لائی۔ اور جب آیا ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے اللہ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے جیسے وہ کچھ جانتے ہیں نہیں۔ اور پیروی کرنے لگے اس کی جو پڑھا کرتے تھے شیطان سلیمان (علیہ السلام) کے عہد حکومت میں حالانکہ سلیمان (علیہ السلام) نے کوئی کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے ہی کفر کیا سکھایا کرتے تھے لوگوں کو جادو۔ نیز وہ بھی جو اتارا گیا دو فرشتوں پر (شہر) بابل میں (جن کے نام) ہاروت اور ماروت تھے اور (کچھ) نہ سکھاتے تھے وہ دونوں کسی کو جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو نری آزمائش ہیں (ان پر عمل کر کے) کفر مت کرنا۔ (اس کے باوجود) لوگ سیکھتے رہے ان دونوں سے وہ منتر جس سے جدائی ڈالتے تھے خاوند اور اس کی بیوی میں اور وہ ضرر نہیں پہنچا سکتے اپنے جادو منتر سے کسی کو بغیر اللہ کے ارادہ کے اور وہ سیکھتے ہیں وہ چیز جو ضرر رساں ہے ان کے لیے نہیں نفع پہنچا سکتی انہیں۔ اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس نے اس کا سودا کیا اس کے لیے آخرت میں (رحمت الٰہی سے) کوئی حصہ نہیں اور بہت بری ہے وہ چیز جو بیچا ہے انہوں نے جسکے عوض اپنی جانوں (کی فلاح) کو کاش! وہ کچھ جانتے۔ اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو (اس کا) ثواب اللہ کے ہاں بہت اچھا ہوتا

کاش! وہ کچھ جانتے''۔

وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ابوجعفر بن جریر لکھتے ہیں ''یعنی اے محمد (ﷺ) ہم نے آپ کو واضح نشانیاں عطا فرمائی ہیں جو آپ کی نبوت کی قطعی دلیل ہیں۔ یہ نشانیاں وہ ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے یعنی یہود کے مخفی علوم، ان کے پوشیدہ اسرار، بنی اسرائیل کے اوائل کے حالات، ان کی کتابوں میں موجود علوم کی خبر جنہیں صرف ان کے علماء اور احبار ہی جانتے تھے، اور ان کے اوائل و اواخر نے تورات کے احکام میں جو تحریف و تغیر و تبدل کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب محمد ﷺ پر اتاری جانے والی کتاب میں ان تمام امور کی وضاحت کر دی ہے۔ یہ واضح نشانیاں اس شخص کے لئے ہیں جو اپنے آپ سے زیادتی نہ کرے اور انصاف سے کام لے اس کا حسد اور سرکشی اسے ہلاکت کی طرف نہ لے جائے۔ کیونکہ فطرت سلیمہ کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی دعوت جیسی دعوت کی تصدیق کرے۔ کیونکہ انہوں نے اسے نہ تو کسی بشر سے سیکھا ہے۔ اور نہ کس آدمی سے حاصل کیا ہے۔ ضحاک، ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں۔'' آپ ہر وقت ان پر کتاب کی تلاوت فرماتے ہیں حالانکہ آپ امی ہیں آپ ﷺ نے کوئی کتاب نہیں پڑھی پھر ان کے پوشیدہ معاملات سے انہیں آگاہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کے لئے عبرت اور وضاحت ہے اور یہ بات ان پر حجت ہے اگر وہ سمجھیں تو۔ محمد بن اسحٰق نے عکرمہ یا سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ابن صوریا قطوینی رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگا: اے محمد! آپ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہچان لیں۔ اللہ نے آپ پر کوئی واضح نشانی بھی نازل نہیں فرمائی کہ ہم اس کی اتباع کریں۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کے سامنے ذکر فرمایا جو میثاق ان سے لیا گیا تھا اور حضرت محمد ﷺ کے بارے میں جو عہد ان سے لیا گیا تھا۔ یہ سن کر مالک بن صیف کہنے لگا: اللہ کی قسم محمد (ﷺ) کے بارے میں کوئی عہد نہیں لیا گیا اور نہ ہی ہم سے کوئی میثاق لیا گیا ہے۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوۡا عَهۡدًا نَّبَذَهٗ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ۔ قولہ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حسن بصری اس کے تحت فرماتے ہیں ہاں زمین میں کوئی ایسا عہد نہیں جو انہوں نے کیا ہو مگر انہوں نے اسے توڑ دیا۔ وہ آج وعدہ کرتے ہیں اور کل توڑ دیتے ہیں۔ سدی کا قول ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات پر ایمان نہیں رکھتے۔ قتادہ کا قول ہے نبذہ، کا معنی توڑ دینا ہے۔ ابن جریر کا قول ہے نبذ کا لفظ دراصل ڈالنے اور پھینک دینے کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے لقیط (گرا پڑا بچہ) کو ''منبوذ'' کہتے ہیں۔ اسی سے نبیذ ہے جو کھجور یا انگور سے بنتی ہے جب انہیں پانی میں بھگو دیا جائے۔ ابوالاسود دولی کا قول ہے۔

نَظَرۡتُ اِلٰى عُنۡوَانِهٖ فَنَبَذۡتُهٗ كَنَبۡذِكَ نَعۡلًا اَخۡلَقۡتَ مِنۡ نِعَالِكَا

''ترجمہ: میں نے خط کے ایڈریس کی طرف دیکھا۔ پھر اسے اس طرح پھینک دیا جس طرح پرانا جوتا اتار پھینکا جاتا ہے۔ (میں کہتا ہوں) اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مذمت فرمائی۔ کیونکہ انہوں نے اس عہد کو توڑ دیا جسے مضبوطی سے پکڑنے اور اس کا حق ادا کرنے کا اللہ نے حکم دیا تھا۔ اسی لیے اس کے پیچھے رسول کریم کی تکذیب کا ذکر کیا جو ان کی طرف اور دیگر تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے تھے۔ جن کی تمام علامات و صفات ان کی کتب میں موجود ہیں اور جن کی اتباع اور نصرت کا انہیں حکم دیا گیا تھا اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا ہے: اَلَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِىَّ الۡاُمِّىَّ الَّذِىۡ يَجِدُوۡنَهٗ مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِى التَّوۡرٰٮةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ..... (اعراف: 157)'' یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں'' اور یہاں فرمایا: وَلَمَّا جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ..... یعنی ان میں سے ایک فریق نے اس کتاب کو پس پشت ڈال دیا جو ان پر اتاری گئی تھی اور جس میں حضرت محمد ﷺ کی بشارت دی گئی تھی۔ انہوں نے اسے اس طرح چھوڑ دیا جیسے وہ اس کی تعلیمات کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور

جادو کی تعلیم کی طرف لپک پڑے۔ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ فریب کرنا چاہا اور کنگھی، کنگھی سے جھڑنے والے بالوں کو نر کھجور کے شگوفے کے غلاف میں رکھ کر جادو کیا گیا اور اسے بئر اروان میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیا گیا۔ یہ ساری کاروائی ایک (بدبخت) شخص لبید بن اعصم لَعَنَہُ اللّٰہُ وَقَبَّحَہُ نے کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس کی خبر کر دی۔ اور اس سے شفاء عطا فرمائی۔ جس طرح کہ یہ سارا واقعہ بالتفصیل صحیحین میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے مذکور ہے۔ (اس کا بیان آگے آئے گا)۔ سدی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں جب حضرت محمد ﷺ تشریف لائے تو تورات کا آپ سے موازنہ کرنے اور اس کے ساتھ آپ ﷺ سے مناظرہ کرنے لگے۔ جب تورات اور قرآن آپس میں متفق ہوگئے تو تورات کو چھوڑ کر آصف (1) کی کتاب اور ہاروت ماروت کا جادو لے آئے۔ یہ قرآن کے موافق نہ تھا۔ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جانتے تو تھے لیکن انہوں نے اپنے علم کو چھوڑ دیا اور اسے چھپا لیا۔ اور اس کا انکار کر دیا۔ عوفی نے ابن عباس کا قول اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ...... جب حضرت سلیمان کی بادشاہت ختم ہوگئی تو جن وانس کی کچھ جماعتیں مرتد ہوگئیں اور شہوت پرستی میں پڑ گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی حکومت واپس انہیں عطا فرمائی اور لوگ پہلے کی طرح توحید کے قائل ہو گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس دوران انتقال ہو گیا۔ تو جنات اور انسانوں نے وہ کتابیں نکال لیں کہنے لگے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے جو حضرت سلیمان پر اتاری گئی تھی۔ لیکن آپ علیہ السلام نے اسے ہم سے پوشیدہ رکھا۔ لوگوں نے یہ کتاب لے کر اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ...... الخ۔ اور ان چیزوں کی پیروی کرنا شروع کر دی جن کی شیاطین تلاوت کرتے تھے۔ یہ گانے بجانے، کھیل کود کے آلات اور ہر وہ چیز تھی جو ذکر الٰہی سے دور کر دے۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی روایت سے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ آصف حضرت سلیمان علیہ السلام کے سیکرٹری تھے۔ وہ اسم اعظم جانتے تھے۔ حضرت سلمان علیہ السلام کے حکم سے ہر چیز کو لکھتے تھے اور اسے آپ کی کرسی کے نیچے دفن کر دیتے تھے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تو اسے شیاطین نے نکال لیا اور ہر دو سطروں کے مابین کفر اور جادو لکھ دیا۔ اور یہ مشہور کر دیا حضرت سلیمان علیہ السلام اس پر عمل پیرا تھے۔ چنانچہ جہلاء نے آپ کی طرف کفر کی نسبت کرنا شروع کر دی اور آپ کو برا بھلا کہنے لگے۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ابن جریر نے سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام جب بیت الخلاء یا ازواج مطہرات کے پاس جانا چاہتے تو اپنی انگوٹھی جرادہ کو دے جاتے۔ یہ آپ کی زوجہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کی آزمائش کا ارادہ کیا تو ایک دن ایسا ہوا کہ آپ اپنی انگوٹھی جرادہ کو دے کر گئے۔ شیطان آپ کی شکل میں آیا اور انگوٹھی طلب کی۔ اسے لے کر پہن لیا۔ تمام شیاطین جن وانس انگوٹھی پہنتے ہی اس کے تابع ہو گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب تشریف لائے اور انگوٹھی مانگی۔ تو وہ کہنے لگیں تو جھوٹا ہے تو سلیمان نہیں ہے۔ (فرماتے ہیں) سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔ ان ایام کے دوران شیاطین نے کفر وسحر پر مشتمل کتب تالیف کیں۔ انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا۔ پھر اسے نکال کر لوگوں کو سناتے اور کہتے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کتب کے ساتھ لوگوں پر غالب آیا کرتے تھے۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے برأت کا اظہار کرنا شروع کیا اور آپ کو کافر ٹھہرانے لگے (معاذ اللہ) تا آنکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اور یہ آیت نازل فرمائی: وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا پھر ابن جریر عمران بن حرث کی روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا۔ آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ وہ کہنے لگا عراق سے۔ پوچھا کس شہر سے؟

1۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب

وہ کہنے لگا کوفہ سے۔ فرمایا وہاں کے کیا حالات ہیں؟ وہ کہنے لگا میں نے انہیں اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ یہ بات چیت کرتے تھے کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) دوبارہ آنے والے ہیں۔ یہ سن کر آپ کانپ اٹھے۔ اور فرمایا تم کیا کہہ رہے ہو تمہارا باپ نہ ہو؟ اگر ہمیں یہ خیال ہوتا تو ہم آپ کی ازواج سے نکاح نہ کرتے۔ اور میراث تقسیم نہ کرتے۔ میں عنقریب تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گا شیاطین تھے جو چوری چھپے آسمان کے پاس جا کر کان لگا کر سنتے ان میں سے کوئی سچی بات لے کر آتا جو اس نے سنی تھی تو اس ایک سچ کے ساتھ ستر جھوٹ ملا دیتا۔ لوگ ان سب باتوں کا یقین کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس راز سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آگاہ فرما دیا۔ آپ نے انہیں کرسی کے نیچے دفن کر دیا۔ جب آپ کا وصال ہو گیا تو شیطان راستے میں کھڑا ہو کر لوگوں سے کہنے لگا کیا میں تمہیں اس کے مخفی خزانے کے بارے میں نہ بتاؤں جس کی نظیر نہیں؟ اس کرسی کے نیچے۔ انہوں نے اسے نکال لیا۔ وہ کہنے لگا یہ جادو ہے۔ یہی میراث ان میں منتقل ہوتی رہی۔ یہ اسی کی بقایاجات ہیں جن کے بارے میں اہل عراق باتیں کرتے ہیں۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حاکم نے مستدرک میں جریر سے یہی نقل کیا ہے۔ سدی آیت وَاتَّبَعُوْا ...... کی تفسیر میں فرماتے ہیں ملک سلیمان سے مراد ان کا عہد حکومت ہے۔ فرماتے ہیں شیاطین آسمان کی طرف چڑھ جاتے وہاں بیٹھ کر فرشتوں کی باتیں سنتے کہ زمین میں کس کی موت واقع ہو گی یا امور غیبیہ کے بارے میں وغیرہ پھر کاہنوں کے پاس آ کر انہیں بتا دیتے کاہن وہی باتیں لوگوں کو بتاتے۔ وہ واقعہ اسی طرح رو پذیر ہو جاتا۔ جب کاہنوں کو ان پر یقین آ گیا تو انہوں نے جھوٹ بولا اور کچھ باتیں اپنی طرف سے شامل کر دیں۔ ہر کلمے کے ساتھ ستر کلمے جھوٹ ملا دیا۔ لوگوں نے یہ باتیں کتابوں میں لکھ لیں۔ اور بنو اسرائیل میں بات پھیل گئی کہ جن غیب کا علم رکھتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ تمام کتب صندوق میں رکھ کر تخت کے نیچے دفن کر دیں شیاطین میں سے جو بھی اس کے قریب جاتا جل جاتا۔ آپ علیہ السلام نے فرمان جاری کیا کہ آج کے بعد جس شخص نے یہ کہا جن غیب جانتے ہیں میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ جب آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کے حالات جاننے والے علماء بھی نہ رہے۔ ناقدر شناس لوگ ان کے جانشین بنے۔ تو شیطان انسانی شکل میں بنو اسرائیل کے ایک گروہ کے پاس آیا اور کہا کیا میں تمہیں ایسے خزانے کے بارے میں نہ بتاؤں جسے تم کبھی ختم نہیں کر سکو گے؟۔ انہوں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا تخت کے نیچے کی جگہ کھودو۔ وہ ان کے ساتھ گیا اور تخت (کرسی) کی جگہ کی نشاندہی کی اور خود ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے کہا قریب آؤ وہ کہنے لگا نہیں تم کھودو میں یہاں موجود ہوں اگر تمہیں نہ ملے تو میری گردن اڑا دینا۔ انہوں نے کھودا تو یہ کتب مل گئیں۔ جب انہوں نے انہیں نکال لیا تو یہ شیطان کہنے لگا یہ وہ جادو ہے جس کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام جنات اور انسانوں کو کنٹرول کرتے تھے۔ یہ کہا اور غائب ہو گیا۔ لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جادوگر تھے۔ بنو اسرائیل نے یہی کتب محفوظ رکھیں حتیٰ کہ حضور نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے۔ تو انہوں نے آپ سے مباحثہ کیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ربیع بن انس کا قول ہے کہ یہود ایک عرصہ تک حضرت محمد ﷺ سے تورات کے امور کی بابت پوچھتے رہے۔ ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ ان کے سوال کا جواب قرآنی سورت میں نازل فرما دیتا اور ان پر حجت تمام ہو جاتی۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو کہنے لگے یہ ہماری نسبت بڑے عالم ہیں۔ انہوں نے جادو کے بارے میں سوال کیا اور آپ ﷺ سے جھگڑا کیا تو آیت نازل ہوئی: وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوْا ...... شیاطین کتاب کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں جادو، کہانت وغیرہ شامل کر کے اسے حضرت سلیمان کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا اور کہا آپ علیہ السلام غیب نہیں جانتے تھے۔ جب آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو انہوں نے یہ جادو نکال لیا اور لوگوں کو دھوکہ دینے لگے اور کہنے لگے یہ علم حضرت سلیمان علیہ السلام چھپائے رکھتے تھے۔ لوگ آپ سے حسد کرنے لگے۔ نبی ﷺ نے انہیں اس بات سے آگاہ فرما دیا۔ جب وہ واپس پلٹے تو ان کی دلیل ختم ہو چکی تھی۔ مجاہد لکھتے ہیں کہ شیاطین وحی سنا کرتے جب وہ

کوئی کلمہ سن لیتے تو اس کے ساتھ دو سو باتوں کا اضافہ کر دیتے۔ سلیمان کو ان کی کتابیں بھیج دی گئیں۔ جب آپ کا وصال ہوا تو شیاطین نے یہ کتب لے لیں اور لوگوں کو یہ جادو سکھایا۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ سلیمان علیہ السلام شیاطین کے ہاتھوں سے جادو لے لیا کرتے اسے اپنے خزانہ میں کرسی کے نیچے دفن کر دیتے۔ شیاطین اس کے قریب نہ جا سکتے وہ انسانوں کے پاس گئے اور انہیں کہا کیا تمہیں پتہ ہے کہ کس علم کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام شیاطین اور ہواؤں وغیرہ کو مسخر کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ وہ کہنے لگے یہ اس کے بیت المال میں کرسی کے نیچے ہے۔ انہوں نے انسانوں کو ابھارا جنہوں نے اسے نکال لیا اور اس پر عمل کیا۔ اہل حجاز کہنے لگے سلیمان علیہ السلام اس پر عمل پیرا تھے اور یہ تو جادو ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی محمد ﷺ پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی برأت کے لئے یہ آیت نازل فرمائی: وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ...... محمد بن اسحٰق کا قول ہے کہ شیاطین کو جب حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی وفات کا علم ہوا تو انہوں نے جادو کی اصناف تحریر کیں کہ جو اس مقام تک پہنچنا چاہتا ہے وہ یہ یہ کام کرے۔ اسے ایک کتاب کی شکل دے کر نقش سلیمان کی مہر لگا کر بند کر دیا اس کے عنوان پر لکھا کہ یہ آصف بن برخیا، جو کہ حضرت سلیمان کے دوست تھے، کا علمی خزانہ ہے۔ پھر اسے کرسی کے نیچے دفن کر دیا اسے بعد ازاں بنو اسرائیل نے نکالا۔ اور کہنے لگے بخدا! حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملک اسی کے سہارے قائم تھا۔ انہوں نے ہر طرف جادو پھیلا دیا۔ اسے سیکھا اور لوگوں کو سکھایا۔ یہود لعنهم الله سے زیادہ یہ کسی قوم میں نہیں ہے جب رسول اللہ ﷺ نے قرآنی آیات سنائیں جو حضرت سلیمان بن داؤد کے بارے میں تھیں اور انہیں مرسلین میں شمار کیا تو مدینے کے یہودی کہنے لگے کیا تمہیں تعجب نہیں ہے کہ محمد (ﷺ) کا خیال ہے کہ ابن داؤد نبی تھے۔ اللہ کی قسم وہ تو صرف ایک جادوگر تھے۔ ابن جریر نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی سلب ہوگئی۔ شیاطین آپ کی عدم موجودگی میں جادو لکھتے مثلاً جو شخص کسی کے پاس جانا چاہے تو سورج کی طرف منہ کر کے اس طرح کہے۔ اور جو یہ کام کرنا چاہے سورج کی طرف پیٹھ کر کے اس طرح کے کلمات کہے۔ انہوں نے یہ سب باتیں لکھ کر اس کے سرورق پر لکھ دیا کہ یہ علمی خزانہ ہے جسے آصف بن برخیا نے شہنشاہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے لئے لکھا ہے۔ پھر اسے آپ کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا۔ جب سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہوا تو ابلیس، اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ لوگوں میں خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے لوگو! حضرت سلیمان نبی نہ تھے وہ تو جادوگر تھے۔ ان کا جادو ان کے گھروں اور اثاثے میں تلاش کرو۔ پھر اس جگہ کی طرف ان کی راہنمائی کی جہاں یہ مدفون تھا۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم سلیمان تو جادوگر تھے۔ یہ آپ کا جادو ہے اسی کے ساتھ ہمیں اپنا غلام اور محکوم بنائے رکھا۔ مومنین کا کہنا تھا نہیں بلکہ وہ تو مومن نبی تھے۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ نے سلیمان بن داؤد کا ذکر کیا تو یہود کہنے لگے محمد کی طرف دیکھو۔ حق کو باطل سے ملا رہے ہیں سلیمان کا ذکر انبیاء کے ساتھ کرتے ہیں۔ وہ تو جادوگر تھے جادو کے زور سے ہوا پر سواری کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ...... ابن جریر نے ابومجلز سے روایت کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ہر چوپائے سے عہد لیا تھا۔ جب وہ کسی آدمی کے درپے آزار ہوتے تو انہیں وہ عہد یاد دلایا جاتا۔ وہ ایک طرف ہٹ جاتے۔ لوگوں نے اپنی طرف سے سجع اور جادو کا اضافہ کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس پر عمل کرتے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ۔ ابن ابی حاتم، حسن سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک تہائی شعر، تہائی جادو اور ایک تہائی کہانت کا مطالعہ کرتے تھے۔ پھر یہود نے عہد سلیمانی میں ان شیطانوں کی پیروی کرنا شروع کی۔ جادو اس سے پہلے بھی کرۂ ارض میں موجود تھا۔ لیکن حضرت سلیمان کے عہد میں اس کی اتباع کی گئی۔ یہ تھا اس موضوع پر ائمہ سلف کے اقوال کا خلاصہ۔ اس سے اس واقعے کا خلاصہ ذہن میں آجاتا ہے۔ صاحب

عقل وذکاء کے لئے ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں۔ واللہ الہادی۔ قولہ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ یہود جنہیں کتاب دی گئی تھی نے اپنی کتاب سے روگردانی کرنے اور رسول خدا حضرت محمد ﷺ کی مخالفت کے بعد اس چیز کی اتباع شروع کر دی جسے شیاطین بیان کرتے ہیں اور جو کچھ حضرت سلیمان کے عہد کے بارے میں وہ ذکر کرتے ہیں۔ علٰی کا صلہ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ذکر کیا کہ تتلو تکذب کو متضمن ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ علٰی یہاں فی کے معنی میں ہے۔ ابن جریج اور ابن اسحٰق سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ (میں کہتا ہوں) تکذب کے معنی کا متضمن ہونا ہی زیادہ احسن اور اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ جادو حضرت سلیمان بن داؤد کے زمانے سے پہلے بھی موجود تھا۔ بلاشبہ صحیح ہے کیونکہ جادوگر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی موجود تھے اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا زمانہ تو اس کے بعد کا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى...... (بقرہ:246) ''کیا نہیں دیکھا تم نے اس گروہ کو بنی اسرائیل سے (جو) موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا'' پھر اس کے بعد اس واقعہ کا ذکر فرمایا جس میں ہے کہ داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا تو اللہ نے انہیں بادشاہی اور حکمت عطا فرمائی۔ قوم صالح نے جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے قبل تھی اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام سے کہا: قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ (شعراء:153) ''تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے''۔ ''مُسَحَّرِيْنَ اَیِ الْمَسْحُوْرِيْنَ'' علی المشہور۔ قولہ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ...... علماء کا اس مقام پر اختلاف ہے بعض کے نزدیک ''ما'' نافیہ ہے۔ یعنی وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ میں۔ قرطبی کا قول ہے کہ یہ ما نافیہ ہے اور وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ پر اس کا عطف ہے۔ پھر فرمایا کہ کفر درحقیقت ان شیاطین نے کیا تھا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ کیونکہ یہود کا خیال تھا کہ جادو کی تعلیمات جبریل و میکائیل لے کر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلاتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی۔ (ہاروت ماروت) یہ شیاطین سے بدل ہے کیونکہ جمع کا اطلاق بعض اوقات تثنیہ پر بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ (نساء:11) یا ان کے پیروکاروں کو بھی ساتھ شامل کر دیا گیا ہے یا شیاطین میں سے ان دونوں کی سرکشی کی وجہ سے بالخصوص ان کا ذکر فرمایا۔ اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی: يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ہاروت ماروت فرشتے لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ پھر قرطبی لکھتے ہیں کہ اس پر آیت کو محمول کرنا زیادہ اولیٰ اور صحیح ترین ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور قول کی طرف التفات نہیں کرنا چاہئے۔ ابن جریر نے اپنی اسناد سے بروایت عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (اللہ تعالیٰ نے جادو نازل نہیں فرمایا) اور ربیع بن انس سے روایت کیا ہے (اللہ تعالیٰ نے ان پر جادو نازل نہیں فرمایا) اس صورت میں آیت کا ترجمہ یوں بنے گا (اور پیروی کرنے لگے اس (جادو) کی جو پڑھا کرتے تھے شیاطین (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) کے عہد حکومت میں۔ اور حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے کفر نہیں کیا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں پر جادو اتارا۔ لیکن یہ شیاطین ہی تھے جنہوں نے کفر کیا۔ ہاروت ماروت لوگوں کو (شہر) بابل میں جادو سکھایا کرتے تھے۔ اس صورت میں بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ اگرچہ الفاظ میں موخر ہے لیکن معنی کے اعتبار سے اس کا تعلق ماقبل سے ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس تقدیم کی وجہ کیا ہے اسے کہا جائے گا اس کی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ انہوں نے سلیمان (علیہ السلام) کے عہد میں اس جادو کی پیروی کی جو شیطان ان پر پڑھا کرتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں پر جادو اتارا بلکہ شیطانوں نے ہی کفر کیا۔ وہ لوگوں کو (شہر) بابل میں جادو سکھاتے تھے (جن کے نام) ہاروت ماروت تھے۔ اس صورت میں ''ملکین'' کے لفظ سے مراد جبریل اور میکائیل علیہ السلام ہوں گے۔ کیونکہ یہود کے جادوگر جیسا کہ اوپر بیان ہوا گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام کی زبان سے حضرت سلیمان بن داؤد

علیہ السلام پر جادو نازل کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو جھٹلاتے ہوئے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو یہ خبر دی کہ جبریل اور میکائیل علیہ السلام جادو لے کر نہیں اترے تھے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو تہمت شرک سے مبرا قرار دے دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ جادو تو شیاطین کا عمل تھا وہی بابل میں لوگوں کو سکھاتے تھے ان کو سکھانے والے دو آدمی تھے ایک کا نام ہاروت اور دوسرے کا ماروت تھا...... یہ ان کے الفاظ ہیں۔

ابن ابی حاتم نے عطیہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اللہ نے جبریل و میکائیل پر جادو نہیں اتارا۔ ابن ابی حاتم اپنی سند سے نقل کرتے ہیں کہ عبدالرحمن بن ابزی اس طرح پڑھتے تھے: وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلِكَيْنِ دَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ یعنی دو بادشاہوں داؤد اور سلیمان پر جادو نہیں اتارا گیا۔ ابوالعالیہ کا قول ہے ان پر جادو نہیں اترا۔ وہ لکھتے ہیں وہ ایمان کی تعلیم دیتے تھے نہ کہ کفر کی۔ اور جادو کفر ہے وہ بڑی سختی سے اس سے منع کرتے تھے (بروایت ابن ابی حاتم) پھر ابن جریر اس قول کی تردید شروع کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں "ما" یہاں بمعنی الذی ہے اور اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ہاروت ماروت دو فرشتے تھے جنہیں اللہ نے زمین پر اتارا اور انہیں جادو کی تعلیم دینے کی اجازت دی۔ اس سے بندوں کی آزمائش اور امتحان مقصود تھا۔ اس کے بعد کہ اپنے بندوں کو صاف طور پر یہ بتا دیا کہ انبیاء اس سے منع کرتے رہے ہیں۔ اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہاروت و ماروت تو جادو کی تعلیم دینے میں امر الٰہی کے پابند تھے انہوں نے تو اللہ کے حکم کی بجا آوری کی۔ لیکن ان کا یہ مسلک بہت غریب ہے اور اس سے بھی غریب ترین وہ قول ہے کہ ھارت و ماروت جنوں کے دو قبیلے ہیں۔ جیسا کہ ابن حزم نے گمان کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنی اسناد سے ضحاک بن مزاحم کے بارے میں روایت کیا ہے کہ وہ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلِكَيْنِ فرماتے تھے وہ اہل بابل کے معالج تھے۔ اس قول کے قائلین نے یہ توجیہ کی ہے کہ انزال یہاں خلق کے معنی میں ہے نہ کہ "ایحاء" کے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلِكَيْنِ اور ایک اور جگہ فرمایا: وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ "اور پیدا کیے تمہارے لیے جانوروں میں سے آٹھ جوڑے" (زمر: 6) اور فرمایا: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ (حدید: 25) "اور ہم نے پیدا کیا ہے لوہے کو اس میں بڑی قوت ہے" اور فرمایا: وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا (مومن: 13) "اور نازل فرماتا ہے تمہارے لیے آسمان سے رزق" ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر ساتھ ہی اس کی دوا بھی نازل فرمائی۔ اسی طرح کہا جاتا ہے اللہ نے خیر وشر کو نازل فرمایا۔ قرطبی نے ابن عباس، ابن ابزی اور حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ملکین کو لام کے زیر سے پڑھا ہے۔ ابن ابزی کا قول ہے کہ یہ دونوں داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام ہیں۔ قرطبی لکھتے ہیں اس صورت میں ما نافیہ ہوگا۔ بعض علماء نے يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ پر وقف کیا ہے اور ما نافیہ ہے۔ ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے قاسم بن محمد سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہیں نے فرمایا: وہ دو آدمی تھے جو لوگوں کو وہ سکھاتے تھے جو ان پر اتارا گیا تھا۔ اور وہ بھی سکھاتے تھے جو ان پر نہیں اتارا گیا۔ تو قاسم کہنے لگے مجھے کوئی پرواہ نہیں وہ ان دونوں میں سے کوئی صورت بھی ہو پھر ایک دوسری سند سے قاسم بن محمد کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس واقعہ کے بارے میں فرمایا مجھے کوئی پرواہ نہیں یہ جو صورت بھی تھی میرا اس پر ایمان ہے۔ بہت سے علماء سلف کا قول ہے کہ یہ دو آسمانی فرشتے تھے جنہیں زمین پر بھیجا گیا۔ اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے جسے ہم ان شاءاللہ بیان کریں گے۔ اس کے راوی امام احمد بن حنبل ہیں۔ اس صورت میں اس واقعہ اور فرشتوں کے معصوم ہونے کے بارے میں دلائل کے درمیان تطبیق یوں ہوگی کہ اللہ کے علم میں یہ بات پہلے سے موجود تھی کہ وہ ایسا کریں گے۔ اس طرح یہ ان کی تخصیص ہے اس لیے کوئی تعارض باقی نہ رہا۔ جس طرح اللہ کے علم میں یہ بات بھی تھی کہ ابلیس لعین ایسا کرے گا۔ اور یہ قول کہ وہ فرشتوں میں سے تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ...... (بقرہ: 34) وغیرہ آیات جو اس طرف اشارہ کرتی ہیں۔ لیکن ہاروت ماروت کا معاملہ ابلیس کی

نسبت کم تر ہے۔قرطبی نے علی، ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر، کعب احبار سدی، کلبی سے یہی نقل کیا ہے۔ مذکورہ بالا موضوع کی تائید میں حدیث مبارکہ کی سند، مرفوع ہونا اور اس پر بحث کا بیان۔ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ "جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو فرشتوں نے عرض کی اے رب قدوس! کیا تو مقرر کرتا ہے زمین میں جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون ریزیاں کرے گا۔ حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور پاکی بیان کرتے ہیں تیرے لیے۔ فرمایا بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔" (بقرہ:30) انہوں نے عرض کی اے رب ہم بنو آدم کی نسبت تیرے زیادہ اطاعت گذار ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے میں سے دو فرشتے منتخب کر کے لاؤ۔ جنہیں ہم زمین پر اتاریں گے اور دیکھیں گے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ھاروت و ماروت کو پیش کیا۔ انہیں زمین پر اتارا گیا ایک زہرہ نامی حسین وجمیل عورت ان کے لئے پیدا کی گئی۔ وہ ان کے پاس آئی انہوں نے اس سے خواہش نفس پورا کرنے کی رغبت ظاہر کی۔ وہ کہنے لگی بخدا ایسا اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک تم یہ شرک آمیز کلمات نہ کہو۔ وہ کہنے لگے اللہ کی قسم ہم خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرا سکتے۔ وہ چلی گئی اور ایک بچے کو اٹھا کر لے آئی انہوں نے دوبارہ اپنی رغبت ظاہر کی۔ وہ کہنے لگے جب تک تم اسے بچے کو قتل نہیں کرو گے تمہارا مطالبہ پورا نہیں ہوگا۔ وہ دونوں کہنے لگے بخدا ہم اسے کبھی قتل نہیں کریں گے۔ وہ چلی گئی اور شراب کا ایک پیالہ لے کر آئی۔ انہوں نے پھر اپنی خواہش کو پورا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ کہنے لگی یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک تم یہ شراب نہ پیو۔ انہوں نے شراب پی۔ انہیں نشہ آ گیا۔ انہوں نے اس سے زنا کیا اور بچے کو بھی قتل کر دیا۔ جب انہیں ہوش آیا تو عورت نے انہیں بتایا کہ تم نے ان سب گناہوں کا ارتکاب کر لیا ہے جن سے تم ڈرتے تھے۔ انہیں دنیا اور آخرت کے عذاب میں اختیار دیا گیا تو انہوں نے دنیا کے عذاب کو پسند کر لیا(1)۔ ابو حاتم ابن حبان نے اپنی تفسیر میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ لیکن اس سند سے یہ حدیث غریب ہے۔ اس کے سارے راوی ثقہ اور صحیحین کے راویوں میں سے ہیں۔ ماسوائے موسیٰ بن جبیر کے یہ انصاری سلمی مدینی الخذاء ان کے مولی ہیں۔ انہوں نے ابن عباس، ابو امامہ بن سہل بن حنیف، نافع عبداللہ بن کعب بن مالک سے روایت کیا ہے۔ پھر ان سے ان کے فرزند عبد السلام، بکر بن مضر، زہیر بن محمد، سعید بن سلمہ، عبداللہ بن لہیعہ، عمرو بن حرث اور یحییٰ بن ایوب نے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ان سے روایات لی ہیں ابن ابی حاتم نے کتاب الجرح والتعدیل میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان پر کوئی قدغن نہیں لگائی۔ یہ مستور الحال ہیں۔ یہ روایت صرف انہوں نے ہی نافع مولی ابن کی سند سے مرفوعاً ذکر کی ہے۔ اس کے متابع ایک اور روایت سے بھی حضرت نافع سے مروی ہے جیسا کہ ابن مردویہ نے اپنی سند سے یہ طویل حدیث ذکر کی ہے۔ ابو جعفر بن جریر رحمتہ اللہ علیہ اپنی سند سے حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ سفر میں تھا جب رات کا آخری وقت تھا مجھے فرمایا اے نافع دیکھو کیا زہرہ ستارہ طلوع ہوا ہے؟ میں نے دو یا تین مرتبہ نفی میں جواب دیا۔ پھر میں نے عرض کی اب وہ ستارہ طلوع ہو چکا ہے فرمایا اسے نہ خوشی ہو نہ بھلائی ملے میں نے عرض کی کمال ہے یہ تو صرف ایک ستارہ ہے۔ جو حکم الٰہی کے تابع ہے۔ فرمایا میں نے تمہیں صرف وہی کہا ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ یا فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ بے شک فرشتوں نے عرض کی اے رب تعالیٰ بنو آدم کے گناہوں پر یہ صبر کیوں؟ فرمایا میں نے انہیں مبتلا کیا ہے اور تمہیں عافیت دی ہے۔ وہ کہنے لگے اگر ہم ان کی جگہ ہوتے تو تیری نافرمانی نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے میں سے دو فرشتے منتخب کر لو۔ انہوں نے خوب غور وفکر سے ہاروت و ماروت کو منتخب کیا(2)۔ یہ دونوں روایتیں بھی غریب

1۔ مسند احمد 134/2 2۔ الخطیب فی تاریخہ 42/8

ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت کعب احبار سے روایت کیا ہو نہ کہ حضور نبی کریم ﷺ سے۔ جیسا کہ عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں کعب احبار سے روایت کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ فرشتوں نے بنو آدم کے اعمال اور گناہوں کا تذکرہ کیا۔ ان سے کہا گیا کہ اپنے میں سے کوئی دو فرشتوں کو منتخب کرلو انہوں نے ہاروت ماروت کو چنا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا میں بنو آدم کی طرف رسول بھیجتا ہوں لیکن میرے اور تمہارے درمیان کوئی رسول نہیں۔ زمین پر چلے جاؤ اور میرے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا، زنا مت کرنا اور شراب نہ پینا۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ جس دن انہیں اتارا گیا تھا۔ اس کی شام نہیں ڈھلی تھی کہ انہوں نے سب معاصی کا ارتکاب کرلیا جن سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ ابن جریر نے اسے دو سندوں سے عبدالرزاق سے روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے اپنی سند سے سالم بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ کو کعب احبار سے یہ روایت بیان کرتے ہوئے سنا۔ روایت بیان کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ سابقہ دونوں اسناد کی نسبت حضرت عبداللہ بن عمر تک یہی روایت زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے اپنے باپ سے روایت میں سالم، نافع کی نسبت زیادہ مستند ہیں۔ پس یہ روایت اس طرف گھومتی ہے کہ اسے کعب احبار نے اسرائیلیات سے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس موضوع سے متعلقہ صحابہ وتابعین کے آثار کا بیان

ابن جریر نے اپنی سند سے عمیر بن سعید سے روایت کیا ہے۔ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ زہرہ ایک حسین وجمیل ایرانی عورت تھی۔ یہ دو فرشتوں سے لڑی۔ انہوں نے اسے بہلایا پھسلایا لیکن اس نے یہ شرط عائد کی کہ اسے وہ کلام سکھائیں جس کے ساتھ آسمان پر چڑھا جاتا ہے۔ انہوں نے اسے سکھایا تو وہ یہ کلام پڑھ کر آسمان پر چڑھ گئی اور تارے کی شکل بنادی گئی۔ اس سند کے رجال ثقہ ہیں لیکن یہ بہت غریب ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ دو آسمانی فرشتے تھے۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت علی سے مرفوعاً یہی روایت کیا ہے۔ اور یہ اس سند سے ثابت نہیں۔ پھر دو اور اسناد سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ زہرہ پر لعنت فرمائے۔ اسی نے دو فرشتوں ہاروت و ماروت کو فتنہ میں مبتلا کیا۔ یہ روایت بھی صحیح نہیں اور بہت ہی منکر ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر نے بھی اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب بنو آدم نے گناہوں کی حد کردی تو فرشتوں، پہاڑوں اور زمین نے ان پر بددعا کی اے اللہ! انہیں مہلت نہ دے۔ تو اللہ نے فرشتوں کی طرف وحی کی میں نے تمہارے دلوں سے شہوت اور شیطان کو نکال دیا ہے۔ اور یہی دونوں چیزیں ان کے دلوں میں ودیعت کی گئی ہیں۔ اگر تم اتارے جاتے تو تم بھی یہی کرتے۔ فرماتے ہیں۔ فرشتوں نے آپس میں طے کیا کہ اگر وہ امتحان میں مبتلا کیے گئے تو گناہوں سے محفوظ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے میں سے بہترین فرشتوں کو پسند کرلو۔ انہوں نے ہاروت و ماروت کو پسند کیا۔ وہ زمین پر اتارے گئے۔ اہل فارس میں سے زہرہ نامی ایک عورت ان کے پاس بھیجی گئی جسے وہ اپنی زبان میں بیذخت کہتے تھے۔ چنانچہ وہ دونوں بھی گناہ میں گرفتار ہوگئے۔ فرشتے اس سے قبل صرف ایمان والوں کے لیے بخشش کی دعا مانگتے تھے۔ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا (مومن: 7) اب انہوں نے تمام اہل زمین کے لیے مغفرت کی دعا کرنا شروع کردی۔ (اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ)۔ چنانچہ ان دونوں کو دنیا و آخرت کے عذاب میں اختیار دیا گیا انہوں نے دنیوی عذاب کو ترجیح دی۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ایک سفر کے دوران میں حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک رات انہوں

نے اپنے غلام سے فرمایا دیکھو کیا زہرہ ستارہ طلوع ہو گیا ہے۔ اسے خوش آمدید نہ ہو اور نہ ہی اہلاً و سہلاً۔ اللہ اسے زندہ نہ رکھے یہ دونوں فرشتوں کی ساتھی تھی۔ ملائکہ نے عرض کی بار الہا! تو بنو آدم کے گناہ گاروں کو کیوں چھوڑ دیتا ہے حالانکہ وہ خونریزی کرتے، عزتوں کو پامال کرتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے انہیں مبتلا کیا ہے اگر تم بھی ان جیسی آزمائش میں مبتلا ہو جاؤ تو اسی طرح کرو گے۔ وہ عرض کرنے لگے: نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنے میں سے دو بہترین افراد کو منتخب کر لو۔ چنانچہ انہوں نے ہاروت و ماروت کا انتخاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا میں تمہیں زمین پر اتارنے والا ہوں اور تم سے یہ عہد لے رہا ہوں کہ شرک، زنا اور خیانت نہیں کرو گے۔ پھر زمین پر اتار دیئے گئے۔ اور زہرہ کو خوبصورت عورت کی شکل میں ان کے پاس بھیج دیا گیا۔ وہ ان کے سامنے آئی تو وہ اسے بہلانے پھسلانے لگے۔ وہ کہنے لگی میں ایک ایسے دین کی پیروکار ہوں جس کا ماننے والا ہی میرے پاس آ سکتا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا تمہارا دین کیا ہے۔ اس نے بتایا مجوسیت۔ انہوں نے اس دین کو اختیار کرنے سے گریز کیا وہ کچھ عرصے کے بعد دوبارہ ان کے پاس آئی۔ انہوں نے اسے بہلایا پھسلایا تو وہ کہنے لگی مجھے تمہارا مطالبہ منظور ہے لیکن مجھے اپنے خاوند کے سامنے فضیحت کا خوف ہے۔ تم میرے دین پر آ جاؤ اور مجھے آسمان پر لے جانے کا وعدہ کرو تو میں تمہارے ساتھ ہوں انہوں نے اس کے دین کا اقرار کیا اور اس سے شاد کام ہونے کے بعد آسمان کی طرف چلے تو وہ ان سے اچک لی گئی۔ اور ان کے پر کٹ گئے۔ وہ خوفزدہ اور عرق ندامت سے شرابور زمین پر آ رہے اور رونے لگے۔ کرۂ زمین پر اس وقت ایک نبی تھا وہ ہر دو جمعہ کے درمیان دعا مانگتا تو اسے قبولیت سے سرفراز کیا جاتا۔ وہ دعا تو یہ دعا کے لیے اس نبی کے پاس گئے۔ نبی فرمانے لگے اللہ تم پر رحم فرمائے اہل زمین اہل آسمان کے لیے مغفرت کیسے مانگ سکتے ہیں۔ انہوں نے اصرار کیا تو فرمایا جمعہ کو میرے پاس آنا وہ اگلے جمعہ آئے تو فرمایا تمہاری درخواست منظور نہیں ہوئی۔ اگلے جمعہ پھر آنا۔ وہ آئے تو فرمایا تمہیں اختیار دیا گیا ہے دو چیزوں سے ایک چیز منتخب کر لو۔ دنیا میں معافی اور آخرت کا عذاب یا دنیا کا عذاب اور آخرت میں جو اللہ کا فیصلہ ہو۔ ایک کہنے لگا ابھی دنیا کی عمر کافی طویل ہے۔ دوسرا کہنے لگا تیرا برا ہو میں نے پہلے تمہاری بات مانی تھی اب تم میری بات سنو فانی عذاب دائمی عذاب کی طرح نہیں ہو سکتا۔ پہلا کہنے لگا ہم قیامت کے دن اللہ کی مرضی کے تابع ہوں گے مجھے خدشہ ہے کہ وہ ہمیں سزا نہ دے۔ دوسرا کہنے لگا نہیں مجھے امید ہے اگر دنیا میں ہم نے عذاب کو اختیار کر لیا تو آخرت میں بچ جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے دنیا کے عذاب کو اختیار کر لیا تو انہیں لوہے کی نلکیوں میں لپیٹ کر آگ کے گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ (اس کی سند حضرت عبداللہ بن عمر تک عمدہ ہے)۔ صحیح ابن حبان، مسند احمد، ابن جریر، عبدالرزاق میں یہ روایت مختلف اسناد سے مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس واقعہ سے قبل فرشتے صرف ایمان والوں کی بخشش کی دعا مانگتے تھے اس کے بعد تمام اہل زمین کے لئے استغفار کرنے لگے۔ اور ان فرشتوں کی کوتاہی کو دیکھ کر انہیں یہ یقین ہو گیا کہ بنو آدم جو اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ پاتے خشیت کا جذبہ ان میں کم ہوتا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اسے تفصیلاً روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے دنیا کے عذاب کو پسند کر لیا۔ اب انہیں بابل میں یہ عذاب ہو رہا ہے۔ (ثُمَّ قَالَ: صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ تین فرشتے تھے لیکن ایک نے اس آزمائش سے انکار کر دیا تو باقی دو رہ گئے۔ پھر ان دونوں فرشتوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا تھا۔ سدی نے لکھا ہے کہ ہاروت و ماروت نے اہل زمین کے احکام پر اعتراض کیا تھا تو اللہ نے فرمایا میں نے بنو آدم میں دس خواہشات رکھی ہیں جن کے سبب وہ میری نافرمانی کرتے ہیں۔ وہ دونوں کہنے لگے اگر ہم میں یہ خصوصیت پیدا ہو جائے تو پھر بھی ہم عدل کریں گے۔ چنانچہ ان کی خواہش پوری کر دی گئی اور کہا گیا اب زمین پر اتر جاؤ اور انصاف سے کام لینا۔ وہ بابل میں اتر آئے۔ بابل سے مراد بابل دیناوند ہے۔ اس عورت کا نام عربی میں زہرہ، نبطی میں بیدخت اور فارسی

میں اناہید تھا۔ یہ اپنے خاوند کے خلاف مقدمہ لائی تھی۔ اس نے فرشتوں کی شرط پوری کرنے سے قبل ان سے یہ مطالبہ کیا کہ مجھے وہ دعا سکھاؤ جسے پڑھ کر تم آسمان پر چلے جاتے ہو اور پھر اتر آتے ہو۔ انہوں نے دعا سکھا دی۔ وہ اسے پڑھ کر آسمان پر چڑھ گئی۔ اب اللہ نے اترنے کی دعا اسے بھلا دی تو وہ اپنی جگہ رک گئی اور اسے ستارے کی شکل دے دی گئی۔ حضرت ابن عمر اسے جب بھی دیکھتے تو اس پر لعنت فرماتے۔ اور فرماتے کہ اس نے ہی ہاروت و ماروت کو آزمائش میں مبتلا کیا۔ اب فرشتوں نے اوپر جانا چاہا تو نہ جا سکے وہ سمجھ گئے کہ اب ہلاکت قریب ہے۔ حضرت مجاہد کی روایت میں ہے کہ ابتداء میں تو فرشتے عدل وانصاف سے کام لیتے رہے۔ صبح سے شام تک فیصلے کرتے اور رات کو آسمان پر چلے جاتے۔ زہرہ ستارے کو ایک عورت کی صورت میں جب ان کے پاس بھیجا گیا تو وہ اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے۔ یہ قصہ تابعین کی ایک جماعت مجاہد، سدی، حسن بصری، قتادہ، اور ابو العالیہ، زہری ربیع بن انس اور مقاتل بن حیان وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ متقدمین اور متاخرین میں سے بہت سے مفسرین نے اسے ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کا دارومدار زیادہ تر اسرائیلی روایات پر ہے کوئی صحیح مرفوع متصل الاسناد حدیث اس بارے میں ثابت نہیں ہے قرآن کریم میں بھی یہ قصہ شرح وبسط سے بیان کرنے کی بجائے اجمال سے کام لیا گیا ہے۔ ہمارا ایمان قرآن پر ہے۔ حقیقت حال کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ ابن جریر نے اس بارے میں ایک عجیب وغریب روایت نقل کی ہے " حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ دومۃ الجندل کی ایک عورت حضور ﷺ کے انتقال کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ کی تلاش میں آئی۔ اور آپ کو نہ پا کر پیٹنے لگی۔ مجھے ترس آیا میں نے اس سے پوچھا تو وہ کہنے لگی میرا خاوند ایک عرصہ سے لاپتہ تھا۔ میں نے ایک بڑھیا سے عرض کیا تو وہ کہنے لگی جو میں کہتی ہوں وہ کرو۔ وہ خود بخود تیرے پاس آ جائے گا۔ جب رات ہوئی تو وہ میرے پاس دو سیاہ کتے لے کر آئی۔ ایک پر میں سوار ہوگئی اور دوسرے پر وہ۔ چلتے چلتے ہم بابل پہنچے۔ میں نے دیکھا کہ دو آدمی الٹے لٹکے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کیوں آئی ہو۔ میں نے کہا میں جادو سیکھنا چاہتی ہوں۔ وہ کہنے لگے ہم ایک آزمائش ہیں تم کفر نہ کرو اور واپس چلی جاؤ۔ میں نے واپس آنے سے انکار کر دیا تو وہ کہنے لگے اس تنور میں پیشاب کر کے آؤ میں گئی لیکن مجھ پر گھبراہٹ طاری ہوگئی اور واپس آ گئی۔ اور انہیں کہا میں نے آپ کے کہنے پر عمل کیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کیا تم نے کوئی چیز دیکھی؟۔ میں نے کہا نہیں۔ وہ کہنے لگے پھر تم نے کچھ نہیں کیا اب بھی واپس اپنے ملک چلی جاؤ اور کفر نہ کرو مجھے شک گزرا اور میں نے واپسی سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا اچھا جاؤ اور اس تنور میں پیشاب کر کے آؤ۔ میں گئی تو مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی اور ڈر کی وجہ سے میں ایسے ہی واپس آ گئی پھر اسی طرح سوال وجواب ہوا۔ آخر میں تیسری مرتبہ گئی اور تنور میں پیشاب کر دیا۔ تو میں نے دیکھا کہ ایک گھڑسوار لوہے کا نقاب اوڑھے نکلا اور آسمان کی طرف چلا گیا۔ میں نے واپس آ کر انہیں ساری بات بتائی تو وہ کہنے لگے ہاں اب تو سچ کہتی ہے۔ وہ تیرا ایمان تھا جو تم سے نکل گیا۔ اب چلی جاؤ۔ میں نے بڑھیا سے کہا میں سمجھی نہیں اور انہوں نے بھی مجھے کچھ نہیں سکھایا۔ اس نے کہا تم نے سب کچھ سیکھ لیا ہے اب جو چاہو گی ہو جائے گا۔ یہ گندم کا دانہ لے اور اسے زمین میں بو ڈالو۔ میں نے اسے بو کر کہا اگ جا اور وہ فوراً اگ گیا۔ میں نے کہا پک جا وہ فوراً پک گیا میں نے کہا علیحدہ علیحدہ ہو جا تو وہ دانہ دانہ ہوگیا۔ میں نے کہا آٹا بن جا تو وہ آٹا بن گیا۔ میں نے کہا روٹی پک جا تو روٹی پک گئی۔ جب میں نے دیکھا کہ میں جو چاہتی ہوں وہ اسی طرح ہو جاتا ہے تو مجھے دولت ایمان کے چھن جانے کا صدمہ ہونے لگا۔ اے ام المؤمنین! خدا کی قسم نہ میں نے جادو کیا اور نہ آئندہ کروں گی۔ (ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ) میں نے صحابہ کرام سے دریافت کیا۔ لیکن وہ بھی مجھے کچھ جواب نہ دے سکے۔ مگر ابن عباس (یا کسی دوسرے صحابی) نے کہا۔ کاش تیرے والدین یا ان میں سے ایک زندہ ہوتا۔ ہشام کا قول ہے کہ اگر وہ ہمارے پاس آتی تو ہم اسے ضمانت کا فتوی دیتے۔ صحابہ کرام اہل ورع تھے اور احتیاط سے کام لیتے تھے۔ (اس کی سند حضرت عائشہ تک

عمدہ ہے)۔ اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے کہا ہے کہ جادوگر اپنے جادو کے زور سے چیز کی حقیقت بدل دیتا ہے۔ بعض دیگر حضرات کی رائے ہے کہ صرف دیکھنے والے کو محسوس ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ (اعراف:116) اور ایک دوسری جگہ فرمایا: يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (طہ:66) اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بابل سے مراد بابل عراق ہے نہ کہ بابل دیناوند جیسے سدی وغیرہ کا قول ہے۔ اس کی تائید ابن ابی حاتم کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علی ایک دفعہ بابل کے پاس سے گزر رہے تھے کہ مؤذن نے عرض کی عصر کا وقت ہو گیا ہے آپ چلتے رہے جب آگے گزر گئے تو مؤذن کو حکم فرمایا۔ اس نے اقامت کہی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا میرے محبوب کریم علیہ السلام نے مجھے قبرستان میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اور بابل میں نماز ادا کرنے سے۔ اس جگہ لعنت برستی ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد میں بھی مروی ہے۔ ان کے نزدیک یہ حدیث حسن ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسے ذکر فرمایا ہے اور اس پر خاموش رہے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ بابل کی سرزمین میں نماز پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ دیار ثمود میں بلکہ ان کے گھروں میں داخل ہونے سے رسول اکرم علیہ السلام نے منع فرمایا ہے مگر روتے ہوئے۔ ہیئت دانوں کا قول ہے کہ بابل جو کہ اقلیم عراق میں ہے طولاً بحر محیط غربی (اوقیانوس) سے ستر درجے ہے اور عرضاً اس کے اور وسط زمین اور اس کے مابین جنوب کی طرف 32 درجے ہے اور خط استواء کے ساتھ ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوجعفر رازی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی آدمی ان کے پاس جادو سیکھنے کی غرض سے آتا تو وہ اسے سختی سے منع کرتے۔ کیونکہ انہیں خیر و شر اور کفر و ایمان میں فرق معلوم ہو گیا تھا۔ وہ جان گئے تھے کہ جادو کفر ہے۔ جب وہ شخص ان کی بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا تو وہ کسی جگہ جانے کا حکم دیتے جہاں اس کی ملاقات شیطان سے ہوتی وہ اسے جادو سکھا دیتا۔ اس کے ساتھ ہی نور ایمان اس سے نکل جاتا اور وہ اسے آسمان کی طرف جاتے دیکھتا اور حسرت و یاس کا اظہار کرتا۔ حضرت قتادہ اور حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ کسی کو خبردار کیے بغیر جادو نہیں سکھائیں گے۔ سدی کا قول ہے کہ جب کوئی شخص ان کے منع کرنے کے باوجود بھی باز نہ آتا تو وہ اسے حکم دیتے کہ اس راکھ میں پیشاب کرو۔ اس کے ساتھ ہی اس کے باطن سے نور نکل کر پھیل جاتا اور آسمان میں داخل ہو جاتا۔ اور دھوئیں کی طرح کوئی سیاہ چیز اس کے روئیں روئیں میں داخل ہو جاتی۔ یہ اللہ کا غضب ہوتا۔ جب وہ شخص انہیں اس بات سے آگاہ کرتا تو وہ اسے جادو سکھا دیتے۔ حضرت ابن جریج سے مروی ہے کہ کافر کے علاوہ کوئی اور شخص جادو سیکھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ اور فتنہ کے لفظ سے مراد یہاں امتحان اور آزمائش ہے۔ ایک شاعر کا قول ہے

وَقَدْ فُتِنَ النَّاسُ فِيْ دِيْنِهِمْ وَخَلّٰى ابْنُ عَفَّانَ شرًا طَوِيْلًا

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول (اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ) (اعراف:155) سے مراد بھی یہی ہے۔ اسی آیت سے بعض علماء نے جادو سیکھنے والے کی تکفیر پر استدلال قائم کیا ہے۔ اس کی تائید بزار کی روایت سے بھی ہوتی ہے ''جو شخص کسی کاہن یا جادوگر کے پاس گیا اور اس کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کی تو اس نے محمد علیہ السلام پر جو کچھ اتارا گیا ہے اس کی تکذیب کی (1)۔ (اس کی اسناد صحیح ہے اور اس کی دیگر شواہد مرویات بھی موجود ہیں) فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ (بقرہ:102) یعنی لوگ ہاروت و ماروت سے جادو سیکھتے تھے۔ جس کی مدد سے مذموم افعال سرانجام دیتے۔ میاں بیوی کی محبت و الفت کو ناچاقی سے بدل دیتے۔ یہ شیاطین کا کام ہے جس طرح کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: '' شیطان اپنا تخت پانی

1۔ مسلم، المنافقین:66

پر رکھتا ہے اور لوگوں میں اپنے دستے بھیج دیتا ہے۔ پھر ان میں سے مقرب ترین اس کے نزدیک وہ ہوتا ہے جو فتنہ پردازی میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔ ایک ان میں سے آتا ہے اور کہتا ہے میں فلاں کے ساتھ لگا رہا حتی کہ جب میں نے اسے چھوڑا تو وہ یوں کہہ رہا تھا۔ ابلیس کہتا ہے۔ نہیں اللہ کی قسم: تم نے کچھ کیا۔ پھر دوسرا آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دی۔ شیطان اسے قریب کرتا ہے اور سینے سے لگا لیتا ہے۔ اور کہتا ہے تو نے بڑا کام کیا۔ میاں بیوی کے مابین جادو سے جدائی کی وجہ یہ ہے کہ مرد یا عورت میں سے ایک فریق دوسرے سے کراہت، نفرت پر مبنی کوئی بات دیکھتا ہے جس کے سبب اس کے دل میں نفرت آ جاتی ہے اور یہی چیز جدائی کا سبب بن جاتی ہے مرء (آدمی)۔ اس کی تانیث امراۃ ہے دونوں کا تثنیہ تو آتا ہے لیکن ان کی جمع نہیں آتی۔ واللہ اعلم وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ سفیان ثوری کا قول ہے کہ باذن اللہ سے مراد قضاء الٰہی ہے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ اللہ جس پر چاہے انہیں مسلط فرما دے۔ اس کی مرضی کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ انہیں کا قول ہے کہ جادو اس کو نقصان دیتا ہے جو اسے حاصل کرے اور اس میں داخل ہو۔ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ یعنی ان کے دین کے لئے نقصان دہ ہے اور اس کا نفع اس کے ضرر کے برابر نہیں ہو سکتا۔ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۛ یہود جنہوں نے حضور ﷺ کی متابعت کو چھوڑ کر جادو اختیار کر لیا تھا یہ بات اچھی طرح سمجھتے تھے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ ابن عباس، مجاہد اور سدی کا قول ہے کہ "خلاق" سے مراد حصہ ہے قتادہ نے اس سے مراد حجت لیا ہے۔ عبدالرزاق اور حسن کا قول ہے کہ اس کا کوئی دین نہیں۔ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے اور حرام کردہ اشیاء سے بچتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا سے بھی بعض علماء نے جادوگر کے کفر کا استدلال کیا ہے جس طرح کے امام احمد بن حنبل اور سلف کے ایک گروہ کی رائے ہے۔ بعض دیگر علماء کے نزدیک وہ کافر تو نہیں لیکن اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ جس طرح کہ امام شافعی اور احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے ایک فرمان میں لکھا تھا کہ ہر جادوگر مرد اور عورت کو قتل کر دو۔ بن عبیدہ کہتے ہیں کہ ہم نے تین جادوگروں کو قتل کر دیا۔ (بخاری نے بھی اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے)۔ یہ روایت بھی صحیح ہے کہ حضرت ام المؤمنین حفصہ پر ان کی لونڈی نے جادو کیا تو آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ تین صحابہ کرام نے جادوگر کے قتل کا فتوی دیا۔ ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جادوگر کی حد تلوار سے اس کی گردن اڑا دینا ہے۔ لیکن اس کی روایت میں اسماعیل بن مسلم ضعیف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ اور طبرانی نے اسے ایک دوسری سند سے مرفوع بھی روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ متعدد اسناد سے یہ بات مروی ہے کہ ولید بن عقبہ کے پاس ایک جادوگر تھا جو اس کے سامنے اپنے کرتب دکھایا کرتا تھا۔ وہ بظاہر کسی آدمی کا سر کاٹ دیتا۔ پھر اسے آواز دیتا تو اس کا سر جڑ جاتا۔ لوگ متعجب ہو کر کہتے کہ مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ ایک دفعہ مہاجرین میں سے کسی صالح آدمی نے اسے دیکھ لیا۔ اگلے دن جب وہ شخص اپنے کرتب دکھانے لگا اور کھیل شروع کیا تو اس (مہاجر) نے خود اس کی گردن اڑا دی اور کہا اگر سچا ہے تو اپنے آپ کو زندہ کرے پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ (اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ) "ترجمہ: کیا تم جان بوجھ کر جادو کے پاس جاتے ہو؟ ولید یہ دیکھ کر غضب ناک ہو گیا کہ اس نے قتل سے قبل اجازت نہیں لی تھی۔ چنانچہ انہیں گرفتار کر لیا پھر چھوڑ دیا۔ واللہ اعلم۔ امام ابوبکر خلال نے یہی واقعہ جندکی طرف منسوب کیا ہے۔ امام شافعی نے حضرت عمر کے فرمان اور واقعہ حضرت حفصہ سے استدلال کیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب جادو شرکیہ الفاظ کے ساتھ ہو۔ واللہ اعلم۔ (فصل) ابوعبداللہ رازی نے اپنی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ معتزلہ جادو کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ بلکہ ان کا اعتقاد رکھنے والے کے کفر کے لائق ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک جادوگر ہوا میں

اڑسکتا ہے۔ انسان کو گدھا یا گدھے کو انسان بنا سکتا ہے۔ مگر وہ یہ کہتے ہیں کہ جادوگر کے اس جھاڑ پھونک اور منتر کے وقت بھی ان اشیاء کو اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے۔ لیکن فلاسفہ، نجومیوں اور صابی حضرات کے نزدیک فلک اور ستارے ان چیزوں میں مؤثر ہوتے ہیں۔ پھر جادو کے وقوع پذیر ہونے اور اللہ کی تخلیق ہونے پر بطور دلیل یہ آیت ذکر فرمائی ہے۔ وَمَاهُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (بقرہ:102) نیز یہ بات صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ خود حضور ﷺ پر جادو کیا گیا اور اس کا اثر آپ ﷺ پر ہونا ظاہر ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ کی روایت سے ذکر کردہ وہ واقعہ جس کا اوپر بیان ہوا۔ اسی طرح کے دیگر بے شمار واقعات ہیں۔

پانچواں مسئلہ: جادو سیکھنا قبیح اور ممنوع نہیں۔ محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ علم بذات خود برا نہیں۔ نیز بطور استشہاد یہ آیت پڑھتے ہیں: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (زمر:9) یعنی اصحاب علم اور بے علم برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اگر جادو کا علم ہی نہ ہو تو معجزے اور جادو میں فرق نہیں کیا جا سکتا۔ اور معجزے کے معجز ہونے کا علم واجب ہے اور جس چیز پر واجب کا دارومدار ہو وہ واجب ہوتی ہے۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ جادو سیکھنا واجب ہے۔ اور جو چیز واجب ہو وہ کیسے حرام اور قبیح ہو سکتی ہے؟۔ (امام رازی کے یہی الفاظ ہیں۔) لیکن اس پر چند اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ (1) ان کا یہ کہنا کہ جادو کا علم قبیح نہیں اگر اس سے مراد عقلاً قبیح ہے تو معتزلہ اس کے مخالف ہیں۔ وہ اس کے قائل نہیں اور اگر شرعاً قبیح ہے تو قرآن کریم کی یہ آیت اس کی نفی کرتی ہے صحیح حدیث میں ہے جو کسی جادوگر یا کافر کے پاس جائے تو اس نے محمد ﷺ پر اتاری گئی وحی کا انکار کیا۔ سنن میں ہے جس نے گرہ باندھی اور پھونکا اس نے جادو کیا۔ (2) امام رازی کا یہ کہنا کہ محققین کے نزدیک یہ ممنوع نہیں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ ہم نے آیت کریمہ اور حدیث کا ابھی ذکر کیا ہے۔ محققین کا اتفاق اس بات کا متقاضی ہے کہ اس مسئلہ پر ائمہ علماء یا اکثر نے نص قائم کی ہو لیکن ان کے ایسے اقوال کہاں ہیں۔ (3) پھر علم سحر کو آیت کریمہ هل يستوى الذين الآية کے عموم میں داخل کرنا بھی محل نظر ہے۔ کیونکہ اس آیت میں علماء علم شرعی کی تعریف فرمائی گئی ہے۔ (4) اور یہ آپ کیسے کہتے ہیں کہ یہ اس طرح ہے پھر اس کی تعلیم کو وجوب کا درجہ دیتے ہیں۔ یہ ضعیف بلکہ فاسد ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ تو قرآن ہے جس میں باطل کسی طرح بھی دراندازی نہیں کر سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کلام ہے۔ پھر علم کا معجز ہونا جادو کی تعلیم پر سرے سے موقوف نہیں۔ یہ بات بالضرورت معلوم ہے کہ صحابہ، تابعین، ائمہ اسلام بلکہ عام مسلمان بھی معجز اور غیر معجز میں فرق سمجھتے تھے حالانکہ انہیں سحر کا علم نہیں تھا۔ نہ انہوں نے اسے سیکھا اور نہ کسی کو آگے سکھایا۔ واللہ اعلم۔ پھر ابو عبداللہ رازی نے جادو کی آٹھ قسمیں ذکر فرمائی ہیں۔

(1) کذابوں اور کشدانیوں کا جادو: یہ لوگ سات ستاروں (سیاروں) کی پوجا کرتے تھے۔ اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ دنیا کا انتظام ان سے ہے اور خیر و شر کے مالک یہی ہی۔ اسی قوم کی تکذیب اور تردید کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ رازیؒ نے اس فن میں کتاب (اَلسِّرُّ الْمَكْتُوْمُ فِيْ مُخَاطَبَةِ الشَّمْسِ وَالنُّجُوْمِ) تالیف فرمائی تھی۔ جس طرح کہ قاضی ابن خلکان وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ بعض کے نزدیک پھر آپ نے اس سے توبہ کر لی تھی۔ جبکہ کچھ علماء کی رائے میں آپ نے یہ کتاب بطور اعتقاد نہیں لکھی تھی بلکہ اس علم میں اپنی مہارت سے آگاہ کرنے کے لئے لکھی تھی۔ یہ آپ کے خلاف گمان ہے حالانکہ آپ نے اس میں سیارگان سبعہ سے ان کے خطاب کا طریقہ اور ان کے اعتقاد وغیرہ ذکر کیا ہے۔

(2) قسم دوم: اصحاب اوہام وقوی نفوس کا جادو: پھر اس بات پر دلیل ذکر کی ہے کہ وہم و خیال کا بھی اثر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کھجور کی لکڑی کو زمین پر رکھ دیا جائے تو انسان کے لئے اس پر چلنا ممکن ہے۔ لیکن اگر اسے نہر وغیرہ پر رکھ دیا جائے تو اس کے

لئے اس پر سے گزرنا مشکل ہو جائے گا۔ (یعنی اسے گر جانے کا خدشہ رہتا ہے) اسی لئے حکماء اور اطباء مرعوف شخص (نکسیر والا) کو سرخ چیزیں دیکھنے سے منع کرتے ہیں اور مرگی والے کو زیادہ روشن اور تیز حرکت کرنے والی چیزوں سے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ طبائع تخلیقی طور پر وہم کے تابع ہوتی ہیں۔ قوت واہمہ کا ایک خاص اثر طبیعت پر پڑتا ہے۔ رازی لکھتے ہیں کہ اصحاب عقول کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ نظر لگ جانا حق ہے۔ ان کے موقف کی دلیل یہ صحیح حدیث بھی بن سکتی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: نظر برحق ہے۔ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لینے والی ہوتی تو نظر ہوتی۔ رازی فرماتے ہیں اگر آپ نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ نفس جوان افعال کو سرانجام دیتا ہے کبھی تو انتہائی قوی ہوتا ہے اور ان افعال میں آلات وادوات سے استعانت لینے سے مستغنی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ ضعیف ہو تو اسے ان آلات سے مدد لینے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ اگر نفس بدن سے اعلیٰ ہو اور عالم سماوی کی طرف شدید انجذاب رکھتا ہو گویا وہ آسمانی ارواح میں سے ایک روح ہے تو اس کی تاثیر میں بھی قوت ہوگی۔ اور اگر نفس ضعیف ہو اور بدنی لذتوں کے ساتھ اس کا شدید تعلق ہو تو البتہ اس بدن میں اس کی تاثیر نہ ہوگی۔ پھر ذکر فرماتے ہیں کہ اس بیماری کا علاج غذا کو کم کرنے، لوگوں سے میل جول میں کمی اور ریاء سے بچنے کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ امام رازی نے جس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے یہ تصرف بالحال ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ کبھی تو وہ حالت صحیح شرعی ہوتی ہے۔ اگر وہ آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے امر کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اور منہیات سے رکتا ہے۔ تو یہ احوال اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مواہب اور صالحین امت کی کرامات ہوتے ہیں۔ شرع میں اسے جادو کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اور کبھی وہ حالت فاسدہ ہوتی ہے یعنی وہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو بجا نہیں لاتا۔ یہ شقی اور مخالفین شریعت کی حالت ہے انہیں احوال کا عطا کرنا اللہ کی ان کے ساتھ محبت کی بنا پر نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ دجال کو طرح طرح کے خارق عادت عطا ہوں گے۔ حالانکہ وہ ملعون ہے۔ اسی طرح اس جیسے لوگ جو شریعت محمدیہ کے مخالفین سے ہیں۔ اس کی وضاحت طوالت اختیار کی جائے گی۔ جس کا یہ محل نہیں ہے۔

(3) **قسم سوم:** زمینی ارواح سے استعانت طالب کرنا وہ جنات ہیں۔ معتزلہ اور فلاسفہ اس کے قائل نہیں۔ ان کی دو قسمیں (1) مؤمنین (2) کفار اور وہ شیاطین ہیں۔ نفوس ناطقہ کا ان کے ساتھ اتصال ارواح سماویہ کی نسبت زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ ان کے مابین قرب اور مناسبت ہوتی ہے۔ اہل فن اور ارباب تجربہ کا بخوبی یہ مشاہدہ ہے کہ ارضی ارواح کے ساتھ اتصال تھوڑی محنت سے ہو سکتا ہے جیسے جادو ٹونے، دھوئیں اور خلوت کے ساتھ۔ اسے سحر بالعزائم یا عمل تسخیر بھی کہتے ہیں۔

(4) **قسم چہارم:** جادو کی اس قسم میں تخیلات پر قابو پالینا، آنکھوں پر پردہ ڈال دینا اور شعبدہ بازی ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ آنکھ بعض اوقات غلطی پر ہوتی ہے۔ اور کسی معین چیز میں مشغول ہوتی ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ماہر شعبدہ باز کوئی کرتب دکھا کر ناظرین کو دہشت زدہ کر دیتا ہے۔ اور ان کی آنکھوں کو کنٹرول کر لیتا ہے حتیٰ کہ جب لوگ ہمہ تن گوش ہو کر نظریں گاڑ دیتے ہیں تو وہ فوراً کوئی دوسرا کام کر ڈالتا ہے جب بلا انتظار لوگوں کے سامنے کوئی دوسری چیز آتی ہے تو وہ حیران رہ جاتے ہیں۔ اگر وہ خاموش رہے اور لوگوں کی توجہ کو دوسری طرف مبذول کرنے کے لئے کوئی بات نہ کرے تو لوگ اس کے کرتبوں کی حقیقت کو فوراً سمجھ جائیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ فرعون کے جادوگروں کا جادو بھی اسی قسم کا شعبدہ تھا۔ قرآن کریم میں آتا ہے: فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْیُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ (اعراف:116) جب انہوں نے اپنی رسیاں ڈالیں اور لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ایک دوسری آیت میں ہے: یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (طٰہٰ:66) ان کے جادو کے سبب آپ نے یوں محسوس کیا کہ وہ دوڑ رہے ہیں۔

حالانکہ ایسا نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

(5)قسم پنجم: فن انجینئر نگ کی مدد سے بعض آلات کو اس طرح فٹ کرنا کہ ان سے عجیب وغریب حرکات ظاہر ہوں۔ مثلاً گھوڑ سوار کو گھوڑے پر بٹھا دینا جس کے ہاتھ میں باجا ہو جب ایک گھنٹا گذر جائے تو وہ کسی کے ہاتھ لگائے بغیر باجا بجانے لگے۔ اسی طرح وہ تصاویر ہیں جنہیں اہل ہند اور رومی بناتے ہیں۔ اور دیکھنے والا حقیقت اور تصویر میں فرق نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ بعض اوقات اس طرح بناتے ہیں جیسے انسان ہنس رہا ہو یا رو رہا ہو۔ فرعون کے جادوگروں کا جادو بھی اسی قبیل سے تھا۔ یعنی جس طرح کہ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے وہ رسیاں اور عصا لے کر ان میں پارہ (زئبق) بھر دیا جس کے سبب وہ حرکت کرتی تھیں اور دیکھنے والا یہ گمان کرتا کہ وہ اپنے اختیار سے دوڑ رہے ہیں۔ رازی کہتے ہیں کہ اسی باب سے ہے گھڑیال کو سیٹ کرنے۔ اور ہلکے آلات کے ساتھ وزنی اشیاء کو کھینچ لینے کا علم۔ فی الحقیقت اسے جادو کا نام نہیں دینا چاہئے کیونکہ یہ تو ایک ترکیب اور کاریگری ہے جس کے یقینی اسباب ظاہر ہیں جو انہیں سیکھ لے یہ کام کر سکتا ہے اسی طرح نصاریٰ اپنے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ انتہائی خفیہ طور پر کلسیا کی قندیلیں جلا دیتے ہیں اور اسے گرجے کی کرامت مشہور کرتے ہیں۔ ان کے خاص پادری اس سے آگاہ اور اس کے معترف ہوتے ہیں لیکن وہ اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس کے ہاتھ ہم اپنی منتشر جمعیت کو اکٹھا کرتے ہیں۔ بعض جاہل، کند ذہن کرامیہ اسی شبہ کی بنا پر ترغیب وترہیب کی خاطر احادیث وضع کرنے کے جواز کے قائل ہیں۔ اس طرح ان کے زمرے میں آجاتے ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جس نے مجھ پر دانستہ جھوٹ باندھا وہ اپنی جگہ جہنم میں مقرر کر لے''(1)۔ اور فرمایا ''میری طرف سے حدیث بیان کرو اور جھوٹ کی نسبت میری طرف نہ کرو۔ مجھ پر جھوٹ بولنے والا جہنمی ہے''۔ یہاں ایک عیسائی راہب کی حکایت بیان کی ہے کہ اس نے کسی پرندے کی غمگین آواز سنی۔ جو حرکت کرنے سے قاصر تھا۔ پرندے اس کی آواز سن کر اس پر رحم کھاتے اور اس کے گھونسلے میں زیتون کے پھل لا کر ڈال دیتے۔ اس راہب نے اسی شکل کا ایک پرندہ بنایا اور اندر سے اسے کھوکھلا رکھا۔ جب ہوا اس میں داخل ہوتی تو اسی پرندے کی آواز نکلتی۔ اور اپنے بنائے ہوئے گرجے میں اسے لا کر رکھا جس کے بارے میں اس کا دعویٰ تھا کہ یہ کسی نیک آدمی کی قبر پر ہے۔ وہ پرندہ اس میں کسی جگہ لٹکا دیا۔ جب زیتون کا موسم آتا تو اس طرف کا دروازہ کھول دیتا۔ ہوا اس میں داخل ہوتی تو آواز نکلتی۔ اس قسم کے پرندے جمع ہو جاتے اور بہت سے زیتون لا کر گرا دیتے۔ نصاریٰ اس گرجے میں زیتون دیکھ کر ششدر رہ جاتے لیکن اس کی حقیقت سے لاعلم تھے۔ وہ پادری انہیں دھوکہ دے کر کہتا کہ یہ صاحب قبر کی کرامت ہے۔ عَلَيْهِمْ لَعَائِنُ اللهِ الْمُتَتَابِعَةُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

(6)قسم ششم: بعض ادویہ کے مخفی خواص معلوم کر کے انہیں کام میں لانا۔ ان خواص کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً مقناطیس کی خاصیت سب کے سامنے ظاہر ہے۔ اسی طرح بعض نام نہاد فقیر لوگوں کو فریب دے کر حیلہ کرتے ہیں اور ان خواص سے مدد لیتے ہیں۔ جیسے آگ میں گھس جانا اور سانپوں کو پکڑ لینا۔ وغیرہ محال امور ہیں۔

(7)نوع ھفتم: دلوں کو قابو کر لینا۔ مثلاً یہ دعویٰ کرنا کہ میرے پاس اسم اعظم ہے یا جنات میرے قبضہ میں ہیں۔ حسن اتفاق سے سامع اگر ضعیف العقل اور قلت شعور کا شکار ہو تو وہ اس کی بات کو سچ سمجھ لیتا ہے۔ اور اس کی طرف سے اس کے دل میں ڈر اور رعب جاگزیں ہو جاتا ہے۔ جب خوف طاری ہو جائے تو قوائے احساس کمزور ہو جاتی ہیں۔ اس وقت جادوگر جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس طرز کو تنبلہ کہتے ہیں۔ یہ اکثر کم عقل لوگوں پر ہوتا ہے۔ علم فراست سے آدمی کامل ذہن والے اور ناقص ذہن کے مابین فرق کر سکتا ہے۔ اگر نبیل

1۔ البخاری:38/1

علم فراست کا ماہر ہو تو وہ فوراً یہ سمجھ جاتا ہے کہ لوگوں میں سے اس کی بات کو تسلیم کون کرے گا۔

(8)**نوع ھشتم:** چغل خوری کی کوشش کرنا اور مختلف حیلے بہانوں سے کسی کے دل میں گھر کر لینا اور اسے اپنا گرویدہ بنا لینا یہ بات لوگوں میں عام ہے۔ مؤلف کی رائے میں چغلی کی دو قسمیں ہیں (1) اگر لوگوں کے مابین عداوت بھڑ کانے اور دلوں میں افتراق پیدا کرنے کے لئے ہو تو یہ بالاتفاق حرام ہے۔(2) اور اگر لوگوں کی اصلاح اور اتفاق پیدا کرنے کے لئے ہو جیسے حدیث شریف میں ہے اچھی چغلی کھانے والا جھوٹا نہیں ہے۔(3) یا کفار کو رسوا کرنے اور ان کی جمعیت کو منتشر کرنے کے لئے ہو تو یہ شرعاً جائز ہے۔ جیسے حدیث میں ہے۔''لڑائی دھوکہ ہے۔'' جس طرح حضرت نعیم بن مسعود نے غزوۂ خندق کے موقع پر کفار اور بنو قریظہ کے درمیان جدائی ڈال دی۔ ایک فریق کو کوئی بات بتائی اور دوسرے کو اس کے الٹ بتایا۔ جب ان کی بات چیت ہوئی تو ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ ایسا صرف فہم و ذکاء اور گہری بصیرت کا حامل شخص ہی کر سکتا ہے۔ وَبِاللّٰہِ الْمُسْتَعَانُ۔ یہ امام رازی کی ذکر کردہ جادو کی اقسام اور ان کی تفصیل ہے۔ انہوں نے ان میں سے بہت سی اقسام کو بوجہ لطافت سحر میں شامل کیا ہے کیونکہ سحر کا لغوی معنی ہے جو چیز لطیف ہو اور اس کا سبب مخفی ہو۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے۔'' بے شک بعض بیان تو جادو ہوتے ہیں۔'' سحری کے وقت کو بھی سحور کہتے ہیں کیونکہ یہ مخفی، رات کا آخری حصہ ہوتا ہے اس رگ کو بھی سحر کہتے ہیں جو غذا کی جگہ ہے۔ ابوجہل نے بھی یوم بدر عتبہ کو کہا تھا اس کی سحر یعنی رگ خوف کی وجہ سے پھول گئی ہے۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں میرے سحر و نحر کے درمیان رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے نحر سے مراد سینہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے (سَحَرُوٓا اَعْیُنَ النَّاسِ) یعنی لوگوں سے مخفی طور پر اپنا کام سرانجام دیا۔ واللہ اعلم۔ ابوعبداللہ قرطبی فرماتے ہیں ہمارے نزدیک سحر حق ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ چاہے وہ ہو جاتا ہے ابو اسحٰق شافعی اور معتزلہ کی رائے اس کے برعکس ہے۔ ان کے نزدیک یہ تخیل ہوتا ہے۔ جادو کبھی ہاتھ کی چالاکی سے ہوتا ہے جیسے شعبدہ بازی۔ اور کبھی کوئی منتر یا اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم کے ساتھ۔ کبھی شیاطین کا نام لے کر، کبھی دواؤں اور دھوئیں وغیرہ سے حدیث مبارکہ، بعض بیان جادو ہوتے ہیں کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ 1۔ بطور تعریف 2۔ بطور مذمت آپ نے فرمایا ہو۔ اور یہی اصح ہے کیونکہ وہ باطل کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ سچ بات معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے بعض اوقات تم میں سے کوئی اپنی دلیل کے ساتھ زیادہ اصرار کرتا ہے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں۔

(فصل) وزیر ابوالمظفر یحییٰ بن ہبیرہ نے اپنی کتاب ''اَلْاِشْرَافُ عَلٰی مَذَاھِبِ الْاَشْرَافِ'' میں جادو کا باب ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بالاتفاق سب کے نزدیک جادو کی حقیقت ہے۔ مگر ابوحنیفہ فرماتے ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ جادو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے والے کے بارے میں اختلاف ہے ابوحنیفہ، مالک اور احمد اسے کافر قرار دیتے ہیں۔ لیکن اصحاب ابوحنیفہ میں سے کسی کا قول ہے کہ اگر اپنے دفاع کی خاطر جادو سیکھے تو کافر نہیں ہوتا۔ لیکن اگر اس کے جواز کا قائل اور اس کے نفع بخش ہونے کا اعتقاد رکھے تو کافر ہو جائیگا۔ اسی طرح وہ شخص جو یہ سمجھے کہ شیاطین اس کے لئے کام کرتے ہیں اور اس کے تابع ہیں وہ بھی کافر ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جادوگر سے دریافت کیا جائے گا اگر وہ اہل بابل کا سا عقیدہ رکھتا ہو اور سات سیاروں کے مؤثر ہونے کا قائل ہو تو وہ کافر ہے۔ لیکن اگر اس کا جادو کفر یہ تو نہ ہو لیکن وہ اس کا اعتقاد رکھتا ہو تو وہ بھی کافر ہے۔ ابن ہبیرہ لکھتے ہیں کیا اسے محض اس کے فعل یا جادو پر عمل کرنے سے قتل کر دیا جائے گا؟ مالک اور احمد کی یہی رائے ہے۔ شافعی اور ابوحنیفہ اس کے خلاف ہیں لیکن اگر اپنے جادو سے وہ کسی آدمی کو مار ڈالے تو مالک احمد اور شافعی کے نزدیک اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں اس وقت تک قتل نہیں کیا جائے گا جب تک بار بار نہ کرے یا کسی شخص معین کے بارے میں خود اقرار نہ کرے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کا یہ قتل حد ہو گا جبکہ شافعی کے نزدیک یہ قصاص ہے۔ اگر

جادوگر توبہ کرلے تو کیا اس کی توبہ مقبول ہے؟ مالک، ابوحنیفہ اور امام احمد کا مشہور قول یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں شافعی اور امام احمد کی ایک دوسری روایت ہے کہ اس کی توبہ قبول ہے۔ اور اہل کتاب کا جادوگر بھی مسلم ساحر کی طرح قتل ہوگا۔ امام مالک احمد اور شافعی کے نزدیک قتل نہیں کیا جائے گا؟ ان کی دلیل لبید بن اعصم یہودی کا واقعہ ہے۔ اسی طرح مسلمان جادوگر عورت کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ ابو حنیفہ کے نزدیک اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ گرفتار کرلیا جائے گا۔ لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اسے بھی مرد کی طرح قتل کردیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔ ابوبکر خلال نے زہری سے نقل کیا ہے کہ مسلمان ساحر کو قتل کردیا جائے جبکہ مشرک کو نہیں۔ کیونکہ جس یہودی عورت نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا آپ نے اسے قتل نہیں فرمایا۔ قرطبی نے مالک سے روایت کیا ہے کہ اگر ذمی کے جادو سے کوئی مرجائے تو اسے بھی قتل کردیا جائے۔ ابن خویز منداد نے مالک سے دو روایتیں ذمی کے بارے میں نقل کی ہیں۔ 1۔ اس سے توبہ کروائی جائے اگر وہ اسلام قبول کرلے تو فبہا و گرنہ اسے قتل کردیا جائے۔ 2۔ دوسری یہ کہ اسے قتل کیا جائے خواہ وہ مسلمان بھی ہوجائے۔ تاہم مسلمان جادوگر جس کے جادو میں شرکیہ الفاظ ہوں ائمہ اربعہ وغیرہ کے نزدیک قتل کیا جائے گا۔ لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ جب اس پر غلبہ پالیا جائے تو اس کی توبہ قبول نہیں کیونکہ وہ زندیق ہے۔ ہاں اگر گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہے۔ اگر اس نے اپنے جادو سے کسی کو مار ڈالا تو بہرحال قتل کیا جائے گا۔ امام شافعی فرماتے ہیں اگر وہ کہے کہ نادانستہ میں نے یہ قتل کیا ہے تو وہ خطاکار ہے اس پر دیت ہوگی۔

(مسئلہ) کیا جادوگر سے جادو کھولنے کا مطالبہ کیا جائے گا؟ بروایت بخاری سعید بن مسیب نے اسے جائز قرار دیا ہے عامر شعبی کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ حسن بصری نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ صحیح میں ہے کہ سیدہ عائشہ نے عرض کی یارسول اللہ! آپ جادو کیوں نہیں کھلواتے؟ تو آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے شفا دے دی۔ میں لوگوں پر برائی کھلوانے سے ڈرتا ہوں۔ قرطبی نے وہب سے نقل کیا ہے کہ بیری کے سات پتے لے کر دو پتھروں کے ساتھ کوٹ لیے جائیں اور پانی ملا کر آیت الکرسی پڑھی جائے اور تین گھونٹ مسحور کو پلایا جائے۔ باقی پانی سے وہ غسل کرلے تو جادو کا اثر زائل ہوجائے گا۔ یہ اس آدمی کے لئے بہت ہی اچھا ہے جو اپنی بیوی سے روک دیا گیا ہو۔ ابن کثیر کی رائے میں جادو کا توڑ کرنے کے لئے قرآن کریم کی آخری دو سورتیں (معوذتین) بہترین ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ان جیسا کوئی دم نہیں اس طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دھتکارنے والی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

"اے ایمان والو! (میرے حبیب ﷺ سے کلام کرتے وقت) مت کہا کرو "راعنا" بلکہ کہو "انظرنا" اور (ان کی بات پہلے ہی) غور سے سنا کرو۔ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے نہیں پسند کرتے وہ لوگ جو کافر ہیں اہل کتاب سے اور نہ مشرک کہ اتاری جائے تم پر کچھ بھلائی تمہارے رب کی طرف سے اور اللہ خاص فرمالیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑا فضل (فرمانے) والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ مومنین کو کفار کے ساتھ بول چال اور افعال میں مشابہت اختیار کرنے سے روک رہا ہے۔ کیونکہ یہودی بعض الفاظ کا مفہوم دوسرا لے کر شان رسالت کی تنقیص کرنا چاہتے تھے۔ علیہم لعائن اللہ۔ جب وہ یہ کہنا چاہتے کہ ہماری سنئے تو راعنا کہتے اور رعونت

مراد لیتے۔ جیسے ایک اور جگہ ہے: مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ..... (نساء:46)'' ترجمہ: یعنی یہودیوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو کلمات کو اصل مفہوم سے ہٹا دیتے ہیں وہ کہتے ہیں ہم سنتے ہیں لیکن نہیں مانتے۔ سنئے آپ کی بات نہ سنی جائے اور اپنی زبانوں کو توڑ موڑ کرتے ہوئے اور دین میں طعنہ زنی کی خاطر راعنا کہتے ہیں۔ اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا۔ سنئے اور ہماری طرف توجہ کیجئے۔ تو یہ ان کے لئے یہ بہتر اور مناسب ہوتا۔ لیکن ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر بہت کم۔ اسی طرح بہت سی احادیث میں بھی ان کے بارے میں یہ خبر دی گئی ہے کہ بوقت سلام وہ السام علیکم کہا کرتے۔ سام کا معنی موت ہے۔ اس لیے ہمیں حکم دیا گیا کہ جواباً انہیں وعلیکم کہیں۔ ہماری بددعا قبول ہوگی جبکہ ان کی بددعا مقبول نہیں۔ الغرض قول وفعل میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مشابہت سے منع فرمایا۔ امام احمد سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا'' میں قیامت کے قریب تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ تاکہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی جائے۔ میرا رزق نیزے کے سائے تلے ہے۔ جو میرے اوامر کی خلاف ورزی کرے ذلت اور پستی اس کا مقدر ہے۔ جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہی سے ہے(1)۔'' حدیث کا آخری حصہ (مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ) ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ اقوال وافعال، لباس، اعیاد اور عبادات وغیرہ امور جو ہمارے لیے مشروع نہیں میں ان سے مشابہت اختیار کرنا سختی سے منع ہے اور اس پر عذاب کی دھمکی اور وعید ہے۔ ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی مجھے نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا جب تم يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سنو تو کان لگا دو اور متوجہ ہو جاؤ کیونکہ یا تو بھلائی کا حکم ہوگا پھر شر سے منع کیا جا رہا ہوگا۔ خیثمہ کا قول ہے کہ قرآن کریم میں جس جگہ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا آیا ہے تورات میں اس کی جگہ يَآاَيُّهَا الْمَسَاكِيْنُ آیا ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ راعنا سے مراد ہے ہماری طرف کان لگائیے یہ اسی طرح ہے جیسے عاطنا۔ ابن ابی حاتم، ابوالعالیہ، ابو مالک، ربیع بن انس، عطیہ عوفی اور قتادہ سے یہی مروی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں راعنا یعنی ہمارے خلاف نہ کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ نہ کہو کہ آپ ہماری سنئے اور ہم آپ کی۔ عطاء کا قول ہے کہ ایک زبان تھی جسے انصار نے استعمال کرنا شروع کر دیا تو اللہ نے اس سے منع فرما دیا۔ حسن فرماتے ہیں راعن کہتے ہیں تمسخر آمیز بات کو تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اسلام اور حضور ﷺ سے تمسخر کرنے سے منع فرما دیا۔ ابن جریج نے یہی لکھا ہے۔ ابوصخر فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ جانے لگتے تو مومنین میں سے جسے کوئی بات کہنا ہوتی وہ کہتا اپنا کان ادھر کیجئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس بے ادبی کے کلمہ سے منع فرما دیا۔ سدی کا قول ہے کہ یہود بنوقینقاع میں سے رفاعہ بن زید نامی شخص رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا اور ان کلمات سے مخاطب ہوتا۔ مسلمانوں نے انبیاء کے لئے ادبی کلمات سمجھتے ہوئے یہی کہنا شروع کر دیا۔ وہ کہتے (اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ غَيْرَ صَاغِرٍ) جس طرح سورۂ نساء میں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ان کلمات سے روک دیا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرمادیا کہ اس کے نبی کو راعنا کہہ کر پکاریں۔ کیونکہ اس کی بارگاہ میں یہ ناپسندیدہ جملہ تھا۔ جس طرح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے انگور کو کرم اور غلام کو عبد کہنے سے منع فرمایا۔ اور فرمایا'' انگور کو حبلة اور عبد کی جگہ فتای (میرے جوان) کہو''(2)۔ وغیرہ۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اللہ تعالیٰ کافر اہل کتاب اور مشرکین کی مسلمانوں سے شدید عداوت کا ذکر فرما رہے ہیں۔ جن کی مشابہت اختیار کرنے سے مومنین کو منع فرمایا تاکہ ان کے مابین محبت ومودت منقطع ہو جائے۔ اور فرمایا کہ نبی ﷺ کے زیر سایہ تمہیں کامل شریعت عطا کی ہے یہ اللہ کا تم پر انعام واکرام ہے۔ اور اللہ جسے چاہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے۔ اللہ ہی فضل عظیم کا مالک ہے۔

1۔ مسند امام احمد 50/2 2۔ مسند امام احمد 509/2

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۰۷﴾

''جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو لاتے ہیں (دوسری) بہتر اس سے یا (کم از کم) اس جیسی کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور تمہارا اللہ کے سوا کوئی یار و مددگار نہیں''۔

ابن عباس فرماتے ہیں نسخ کا معنی تبدیل کرنا ہے۔ مجاہد کے نزدیک مٹا دینا ہے۔ اور کبھی وہ آیت لکھنے میں باقی رہتی ہے لیکن اس کا حکم بدل جاتا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں، ابوالعالیہ اور محمد بن کعب قرظی سے اسی طرح مروی ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ نسخ سے مراد بھلا دینا ہے۔ عطاء کے نزدیک چھوڑ دینا۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ چھوڑ دیا گیا اور آپ ﷺ پر نازل نہیں ہوا۔ سدی کے نزدیک اٹھالینا ہے۔ جیسے آیت ''اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهَا الْبَتَّةَ''۔ یعنی بوڑھے اور بوڑھی کو سنگسار کر دو۔ جب وہ زنا کریں یا جیسے آیت ''لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَا بْتَغٰى لَهُمَا ثَالِثًا'' اگر ابن آدم کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کی جستجو و آرزو کرے گا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ہم جو آیت کے احکام میں تبدیلی کر دیا کرتے ہیں۔ یعنی حلال کو حرام یا حرام کو حلال، جائز کو ناجائز اور ممنوع کو مباح وغیرہ۔ اور ایسا نہیں ہو سکتا مگر امر و نہی، حظر و اطلاق، اور ممانعت و اباحت کے ساتھ۔ اخبار و واقعات میں نسخ نہیں ہو سکتا۔ نسخ کے لغوی معنی نقل کرنے کے ہیں یعنی ایک نسخہ سے دوسرے میں منتقل کر دینا۔ ایک حکم کو بدل کر دوسرا اس کی جگہ نافذ کرنے میں بھی یہی ہوتا ہے۔ خواہ نسخ حکم ہو یا نسخ عبارت۔ دونوں صورتوں میں یہ منسوخ ہے۔ نسخ کی تعریف و حد کے بیان میں علماء اصول کی عبارات اگرچہ مختلف ہیں لیکن مفہوم کے اعتبار سے سب قریب قریب ہیں۔ کیونکہ نسخ شرعی کا معنی علماء کے ہاں معروف ہے۔ بعض کے نزدیک متاخر دلیل شرعی کے ساتھ حکم کو اٹھا دینا۔ اسی میں داخل ہوگا اخف کو اثقل کے بدلے اٹھا دینا یا اس کے برعکس۔ یا نسخ بغیر بدل۔ نسخ کے احکام کی تفاصیل، انواع اور شروط یہ اصول فقہ کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں۔

طبرانی میں ہے کہ دو آدمیوں نے نبی کریم ﷺ سے ایک سورت یاد کی تھی۔ وہ اسے پڑھتے رہے۔ ایک رات وہ نماز پڑھنے کے لئے اٹھے تو اسے نہ پڑھ سکے۔ صبح اٹھ کر وہ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ منسوخ ہوگئی اور بھلا دی گئی۔ اب تم اس کی فکر چھوڑ دو۔ زھری نون خفیفہ پیش کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اس کے ایک راوی سلیمان بن ارقم ضعیف ہیں۔ ابوبکر انباری نے بھی اسے دوسری سند سے مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ (بروایت قرطبی) ''نُنْسِهَا'' کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔ نَنْسَأُهَا۔ نَنْسَأْهَا۔ پہلی قرأت یعنی ہمزہ اور نون کے زبر کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں اس کا معنی ہوگا مؤخر کر دینا۔ ابن عباس اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں منسوخ نہیں کرتے۔ مجاہد نے اصحاب ابن مسعود سے نقل کیا ہے ہم اس کے الفاظ کو باقی رکھتے ہیں اور حکم کو بدل دیتے ہیں۔ عبید بن عمیر، مجاہد اور عطاء سے مروی ہے ہم اسے مؤخر کر دیتے ہیں اور پیچھے ہٹا دیتے ہیں۔ عطیہ عوفی کہتے ہیں یعنی منسوخ نہیں کرتے۔ سدی اور ربیع بن انس سے بھی یہی مروی ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ ناسخ کو منسوخ کے پیچھے رکھتے ہیں۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں اپنے پاس اسے روک لیتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے

خطبہ میں ایک دفعہ اس کے معنی مؤخر کرنا بیان فرمائے اور "نُنْسِهَا" کی قرأت کے مطابق پڑھا جائے تو عبدالرزاق نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو حکم منسوخ کرنا چاہتا اپنے نبی کریم ﷺ کو بھلا دیا کرتا۔ ابن جریر نے حسن سے روایت کیا ہے کہ تمہارے نبی ﷺ نے قرآن پڑھا پھر آپ کو بھلا دیا گیا۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رات کو نبی اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوتی اور دن کو بھلا دی جاتی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا عبید بن عمیر کا قول ہے یعنی ہم اسے تمہارے پاس سے اٹھا لیتے ہیں۔ قاسم بن ربیعہ فرماتے ہیں میں نے سعد بن ابی وقاص کو ننسأها پڑھتے سنا تو عرض کی سعید بن میسب ننساها کر کے پڑھتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا قرآن سعید یا آل سعید پر تو نازل نہیں ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى (الاعلیٰ: 6) ہم تجھے پڑھائیں گے اور تجھے بھولے گا نہیں۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (الکہف: 24) جب آپ بھول جائیں تو اللہ کا ذکر کریں۔ عبدالرزاق نے ہیثم سے اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اسی طرح روایت کیا ہے اور فرمایا ہے یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے لیکن انہوں نے اسے بیان نہیں کیا۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ محمد بن کعب، قتادہ اور عکرمہ سے سعید کے قول کی طرح مروی ہے۔ امام احمد نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم سے علی سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے اور ابی سب سے بہترین قاری ہیں اور ہم ابی کا قول چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا ہے اسے نہیں چھوڑوں گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا نَنْسَخْ ...... ہم جو منسوخ کریں یا بھلا دیں اس سے بہتر لاتے ہیں یا اس جیسا حکم یعنی مکلفین کی مصالح کے لحاظ سے (بخاری و احمد)۔ یا جیسے ابن عباس سے مروی ہے بہتر ہے تمہارے لیے منفعت کے اعتبار سے اور آرام دہ ہونے کے لحاظ سے ابو العالیہ کا قول ہے: مَا نَنْسَخْ ...... یعنی ہم اس آیت پر عمل نہیں کرتے یا اسے اپنے پاس روک لیتے ہیں تو اسے لے آتے ہیں یا اس کی نظیر۔ سدی کا قول ہے کہ جسے ہم نے منسوخ کیا ہے اس جیسی چیز لاتے ہیں یا جسے ہم نے ترک کیا ہے اس جیسی۔ قتادہ کا قول ہے کہ ایک ہی آیت میں امر، نہی، تخفیف اور رخصت ہے۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ ...... وَلَا نَصِيْرٍ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ وہ جس طرح چاہے اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے۔ تمام مخلوق اسی کی ہے۔ ہر طرف اسی کا حکم چلتا ہے۔ وہی مختار کل ہے۔ جیسے چاہے پیدا کرتا ہے جسے چاہے خوش بخت بنا دے اور جسے چاہے بدبخت بنا دے۔ صحت، بیماری اس کی طرف سے ہے۔ عزت، ذلت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اپنے بندوں میں جو چاہے حکم کرے۔ جسے چاہے حلال کر دے۔ جسے چاہے حرام فرما دے۔ جو چاہے مباح کر دے اور جسے چاہے ممنوع قرار دے دے۔ جو چاہے حکم فرما دے کوئی اس کے حکم پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ جو کرے اس سے پرسش نہیں کی جاسکتی حالانکہ ان کی باز پرس ہوگی۔ نسخ سے وہ بندوں کو آزماتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ وہ اس کے رسولوں کی اطاعت کس طرح کرتے ہیں۔ جس چیز میں مصلحت ہو (جس کا علم صرف اللہ کو ہی ہے) اس کا حکم دیتا ہے۔ پھر علم سے ہی اس سے روک دیتا ہے۔ اطاعت صرف اسی کے اوامر کو بجا لانے، اس کے رسولوں کی تصدیق کرنے، ان کے حکم پر عمل کرنے اور جس سے منع کریں رک جانے میں ہے۔ ان مقام پر یہودیوں کا زبردست رد اور ان کے کفر کا بلیغ بیان ہے۔ اور ان کے شبہ کا بطلان ہے جو وہ نسخ کے محال ہونے کا دعویٰ کرتے تھے خواہ عقلاً جیسے جہالت اور کفر کے سبب ان میں سے بعض کا خیال تھا۔ خواہ نقلاً (نقلی طور پر) جیسے ان میں سے بعض لوگ افترا پردازی کے طور پر انکل پچو لگاتے تھے۔ امام ابو جعفر بن جریر فرماتے ہیں اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ اے محمد (ﷺ) کیا آپ کے علم میں نہیں کہ زمین اور آسمانوں کی بادشاہی بلا شرکت غیرے میرے پاس ہے۔ میں ان دونوں میں اور جو کچھ ان کے مابین ہے کے بارے میں جو چاہوں فیصلہ کرتا ہوں۔ جو چاہوں حکم دیتا ہوں۔ جو چاہوں منسوخ کر کے اس سے روک دیتا ہوں۔ اور بندوں کے بارے اپنے احکام میں تغیر و تبدل اپنی مرضی سے کرتا ہوں اگرچہ یہاں پر اللہ تعالیٰ اپنے

نبی کو اپنی عظمت کے بارے میں آگاہ کر رہے ہیں لیکن ساتھ ہی یہود کی تکذیب کی جا رہی ہے جنہوں نے تورات کے احکام میں نسخ کا انکار کر دیا۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کو تسلیم نہ کیا۔ کیونکہ ان کی شریعتوں میں تورات کے بعض احکام کو منسوخ کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس بات سے آگاہ فرما رہے ہیں کہ آسمانوں اور زمین پر اقتدار صرف میرا ہے۔ تمام مخلوق میری رعایا ہے۔ ان پر سمع و طاعت واجب ہے۔ وہ جو چاہے انہیں حکم دے یا روک دے، جسے چاہے منسوخ کرے اور جسے چاہے باقی رکھے۔ (مؤلف کی رائے) مسئلہ نسخ پر یہود کے اعتراض کی وجہ محض عناد اور کفر تھا۔ ورنہ عقلاً اللہ تعالیٰ کے احکام میں نسخ محال نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے ارادہ اور مشیت کا خود مالک ہے۔ علاوہ بریں سابقہ کتابوں اور قدیم شریعتوں میں نسخ کا نظریہ موجود تھا۔ جیسے حضرت آدم کے لئے یہ جائز تھا کہ اپنی بیٹیاں اپنے بیٹوں سے بیاہ دیں۔ پھر اسے حرام کر دیا گیا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے باہر آئے تو تمام جانوروں کا کھانا آپ کے لئے مباح تھا۔ پھر بعض جانوروں کو حرام کر دیا گیا۔ دو بہنوں کا نکاح اسرائیل اور آپ کے بیٹوں کے لئے جائز تھا۔ لیکن بعد میں تورات نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو اپنا لخت جگر قربان کرنے کا حکم ملا۔ پھر عمل درآمد سے قبل ہی اسے منسوخ کر دیا گیا۔ بنو اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ بچھڑے کی پوجا کرنے والوں کو قتل کر دیں۔ لیکن پھر ان کی نسل کو باقی رکھنے کے لئے یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔ اسی طرح بہت سی اشیاء ہیں جن کا وہ اقرار کرتے ہیں اور ان کے تذکرے سے بات لمبی ہو جائے گی۔ ان ادلہ کے بارے میں جو لفظی جواب دیا جاتا ہے وہ معنی کی دلالت سے مانع نہیں کیونکہ وہی مقصود حقیقی ہے۔ اسی طرح ان کی کتابوں میں حضور ﷺ کے بارے میں بشارتیں ہیں اور آپ کی اتباع کا حکم ہے جو وجوب اطاعت کا فائدہ دیتا ہے اور یہ کہ آپ کی شریعت کے سوا کوئی عمل مقبول نہیں۔ خواہ کوئی یہ کہے کہ سابقہ شرائع صرف آپ ﷺ کی بعثت تک تھیں اس لیے اسے نسخ نہیں کہتے۔ جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد کہ روزے کو رات تک مکمل کرو۔ بعض علماء کے نزدیک یہ شریعتیں مطلق تھیں اور شریعت محمدیہ نے انہیں منسوخ کر دیا۔ علی کل حال ہر اعتبار سے آپ ﷺ کی متابعت واجب ہے کیونکہ آپ پر نازل شدہ کتاب اللہ کی آخری کتاب ہے۔ اس مقام پر اللہ نے بیان کیا کہ نسخ جائز ہے۔ اس طرح یہود کی تردید کر دی کہ جس طرح اس کا اقتدار و نفوذ غیر متنازعہ ہے اسی طرح وہ جو چاہے حکم دے سکتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں بھی جس کے شروع میں اہل کتاب کو خطاب کیا گیا ہے۔ نسخ کے وقوع پذیر ہونے کا ذکر موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا (آل عمران:93) کہ تمام کھانے بنو اسرائیل پر حلال تھے ماسوائے ان کے جنہیں حضرت اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ (اس آیت کی تفسیر آگے آئے گی) تمام مسلمان اوامر الٰہیہ میں نسخ کے بالاتفاق قائل ہیں کیونکہ یہی پروردگار کی حکمت بالغہ ہے۔ مفسر ابو مسلم اصفہانی کا قول ہے کہ قرآن میں نسخ موجود نہیں۔ لیکن اس کا یہ قول ضعیف، مردود اور خطا ہے۔ قرآن کریم میں جن مقامات پر نسخ وارد ہوا ہے اس نے ان کے جوابات دینے کی بے سود سعی کی ہے۔ جس طرح عورت کی عدت کا مسئلہ ہے کہیں چار ماہ دس دن ہے یا ایک سال۔ لیکن اس کا جواب اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔ تحویل قبلہ کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی طرح پہلے مسلمانوں کو ایک کے مقابلے میں دس کافروں سے مقابلے کا حکم تھا پھر اسے ایک اور دو سے بدل دیا گیا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ سے مناجات کرنے سے قبل صدقہ دینے کا وجوبی حکم تھا جو منسوخ کر دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٠٨﴾

''کیا تم (یہ) چاہتے ہو کہ پوچھو اپنے رسول (علیہ السلام) سے (ایسے سوال) جیسے پوچھے گئے موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے پہلے اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے وہ (قسمت کا مارا) تو بھٹک گیا سیدھے راستہ سے''۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ مومنین کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ میرے نبی علیہ السلام سے قبل از وقت بکثرت سوال نہ کیا کرو۔ ایک اور جگہ فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ...... (مائدہ: 101) اے ایمان والو ان چیزوں کا سوال نہ کیا کرو جو اگر ظاہر کر دی جائیں تو تم برا محسوس کرو۔ اور اگر تم قرآن کے نزول کے بعد ان کی تفصیل کے بارے میں پوچھو تو وہ چیزیں تمہارے لیے واضح کر دی جائیں گی۔ اور قبل از وقت کسی چیز کے بارے میں مت پوچھو ایسا نہ ہو کہ کہیں اس سوال کی وجہ سے وہ چیز حرام کر دی جائے اسی لیے صحیح میں ہے کہ ''مسلمانوں میں سے سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے ایسی چیز کے بارے میں پوچھا جو حرام نہ تھی لیکن اس کے سوال کے سبب حرام کر دی گئی۔'' ایک مرتبہ آپ علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کوئی ایک شخص اپنی بیوی کے پاس غیر مرد کو دیکھتا ہے۔ اگر کسی کو بتائے تو یہ بھی بہت بُری بات ہے اور اگر خاموش رہے تو بھی یہی صورت حال ہوگی۔ آپ علیہ السلام کو یہ سوال برا معلوم ہوا۔ آخر لعان کا حکم نازل ہوا۔ اسی طرح صحیحین میں مغیرہ بن شعبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام قیل وقال، مال کو ضائع کرنے اور کثرت سوال سے منع فرماتے تھے (1)۔ صحیح مسلم میں ہے جب میں تمہیں چھوڑ دوں تو مجھے چھوڑ دو۔ تم سے پہلی قومیں کثرت سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف کے سبب ہلاک ہو گئیں۔ جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق اسے بجا لاؤ۔ اور اگر کسی چیز سے منع کر دوں تو اس سے اجتناب کرو (2)۔ آپ علیہ السلام نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ نے لوگوں کو خبر دی کہ اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ تو ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہر سال تو آپ خاموش ہو گئے۔ اس نے تیسری دفعہ جب پھر یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا نہیں۔ اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا اور اگر فرض ہو جاتا تو تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔ پھر فرمایا مجھے چھوڑ دو...... الحدیث۔ اسی طرح انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں کسی چیز کے بارے میں رسول اللہ علیہ السلام سے پوچھنے سے منع کر دیا گیا ہماری یہ خواہش ہوتی کہ کوئی بدو آئے اور آپ سے سوال کرے اور ہم سنیں۔ حافظ ابویعلی موصلی اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب نے ارشاد فرمایا کہ بعض اوقات ایک سال گذر جاتا اور مجھے رسول اللہ علیہ السلام سے کوئی چیز پوچھنا ہوتی میں آپ علیہ السلام کی ہیبت محسوس کرتا ہم یہ آرزو رکھتے تھے کہ کوئی اعرابی آئے۔ بزار نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کے اصحاب سے بہتر میں نے کوئی قوم نہیں دیکھی۔ انہوں نے آپ علیہ السلام سے بارہ مسائل دریافت کیے جو سب قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ...... (بقرہ: 219)۔ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ...... (بقرہ: 217)، یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰى...... (بقرہ: 220) یعنی شراب اور جوئے کا سوال، حرمت والے مہینوں کے بارے میں اور یتیموں کے بارے میں۔ اس طرح کے دیگر مسائل۔

اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ اَمْ یہاں یا تو بَل کے معنی میں ہے یا استفہام انکاری ہے۔ وہ مومنین اور کفار کو جانتا ہے آپ علیہ السلام پوری کائنات کی طرف اللہ کے رسول ہیں۔ قرآن کریم میں ایک اور جگہ ہے: یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ...... (نساء: 153) ''ترجمہ: اہل کتاب تجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تو ان پر آسمان سے کوئی کتاب اتارے انہوں نے تو (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑی چیز کے بارے میں سوال کیا تھا۔ کہنے لگے ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے ظلم کی وجہ سے ایک کڑک دار آواز نے انہیں ہلاک کر دیا۔ محمد بن اسحٰق نے رافع بن حریملہ اور وہب بن زید نے مطالبہ

1۔ مسلم: کتاب اللعان: 1131
2۔ مسلم: کتاب الفضائل 1830، 1831

کیا کہ اے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ محمد! کوئی آسمانی کتاب ہم پر نازل کیجئے جسے ہم پڑھیں اور ہمارے لیے نہریں جاری کر دیجئے ہم آپ کی اتباع اور تصدیق کریں گے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ابو جعفر رازی نے ابو العالیہ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ! کاش ہمارے گناہوں کا کفارہ بھی بنو اسرائیل کے کفارہ کی طرح ہوتا۔ آپ نے یہ سنتے ہی تین دفعہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کی نہیں خدایا نہیں ہم نہیں چاہتے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو عطا کیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو بنو اسرائیل کو دیا گیا۔ بنو اسرائیل میں سے کوئی شخص جب گناہ کرتا تو اسے اپنے دروازے پر لکھا پاتا۔ ساتھ ہی اس کا کفارہ بھی لکھا ہوتا۔ اگر وہ کفارہ دیتا تو دنیا میں رسوائی ہوتی۔ اور اگر کفارہ نہ دیتا تو آخرت میں رسوا ہو جاتا۔ اللہ نے تمہیں جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ اس سے (بدرجہا) بہتر ہے جو بنو اسرائیل کو بخشا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے: وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (نسا:110) ''اور جو شخص کر بیٹھے برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائے گا اللہ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا''۔ اور فرمایا ''پانچ نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے مابین تمام گناہوں کا کفارہ ہے(1)۔ اور فرمایا ''جس نے برائی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کیا تو وہ اسکے ذمے لکھی نہیں جاتی۔ اور اگر اس پر عمل کیا تو صرف ایک برائی لکھی جاتی ہے اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا تو ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر وہ نیک کام کرے تو اس کے لئے دس گنا اجر ہوتا ہے اللہ پر ہلاک نہیں ہوتا مگر ہلاک ہونے والا'' (2)۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ''اَمْ تُرِيْدُوْنَ'' مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد ہے اللہ کو اعلانیہ دیکھنے سے قبل۔ فرماتے ہیں قریش نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ صفا پہاڑی ان کے لئے سونا بنا دیں۔ آپ نے فرمایا ہاں اور وہ تمہارے لیے ہے جیسے بنو اسرائیل کے لئے دستر خوان (مائدہ) پھر انہوں نے انکار کر دیا اور پھر گئے۔ سدی اور قتادہ سے بھی یہی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عناد اور سرکشی کے طور پر حضور ﷺ سے سوال کرنے والوں کی مذمت فرمائی۔ جس طرح بنو اسرائیل نے تکذیب اور عناد کی خاطر موسیٰ علیہ السلام سے طرح طرح کے سوالات کیے تھے۔ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ جو ایمان کے بدلے کفر خریدتا ہے وہ صراط مستقیم کو چھوڑ کر گمراہی اور جہالت کی طرف نکل گیا ہے۔ یہی حال ہے ان لوگوں کا جنہوں نے انبیاء کی تصدیق اور اطاعت و انقیاد سے منہ موڑ لیا۔ اور ان کی مخالفت اور تکذیب کی خاطر بوجہ سرکشی اور کفران سے الٹے سیدھے سوال کرنا شروع کر دیئے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (ابراہیم:28) ''ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں۔'' ابو العالیہ فرماتے ہیں خوشحالی کے بدلے تنگی لے لی جاتی ہے۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

''دل سے چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کہ کسی طرح پھر بنا دیں تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر (انکی یہ آرزو) بوجہ اس حسد کے ہے جو انکے دلوں میں ہے (یہ سب کچھ) اسکے بعد جبکہ خوب واضح ہو چکا ہے ان پر حق۔ پس (اے غلامان

1۔ مسلم، الطہارۃ 16،15،14

2۔ مسند احمد 234/2

مصطفےٰ ﷺ) معاف کرتے رہو اور درگزر کرتے رہو یہاں تک کہ بھیج دے اللہ (ان کے بارے میں) اپنا حکم۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور صحیح ادا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے لیے نیکیوں سے ضرور پاؤ گے اس کا ثمر اللہ کے ہاں یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو خوب دیکھ رہا ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کفار اہل کتاب کے راستے پر چلنے سے تنبیہ فرمارہے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ان کی ظاہری و باطنی عداوت اور مومنین اور ان کے نبی کی فضیلت کا علم ہونے کے باوجود وہ مسلمانوں سے جو حسد کرتے ہیں اس سے آگاہ کیا جارہا ہے۔ مومنین کو عفوو درگذر اور برداشت سے کام لینے کا حکم دیا جارہا ہے تاوقتیکہ اللہ کی طرف سے فتح ونصرت آپہنچے۔ نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے کا حکم دیا اور اس کے بارے میں ترغیب دی جس طرح محمد بن اسحٰق نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حیی بن اخطب اور یاسر بن اخطب یہود میں سے سب سے زیادہ عربوں سے عداوت رکھتے تھے۔ لہٰذا اللہ نے اپنے رسول کے سامنے بالخصوص ان کا ذکر فرمایا۔ وہ لوگوں کو اسلام سے روکنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ عبدالرزاق نے زہری سے روایت کیا ہے کہ یہ کعب بن اشرف یہودی تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ابن ابی حاتم نے کعب بن مالک کے باپ سے روایت کیا ہے کہ کعب بن اشرف یہودی شاعر تھا اور آقائے دوعالم ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا (معاذ اللہ) وَدَّ كَثِيرٌ سے لے کر فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا تک آیت کریمہ کا مصداق وہی ہے۔ ضحاک نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ایک امی رسول نے انہیں ان کی کتابوں، رسولوں اور نشانیوں کے بارے میں خبر دی۔ بلکہ ان کی طرح ان کی تصدیق کی لیکن کفر وحسد اور سرکشی کی وجہ سے انہوں نے انکار کر دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ یعنی حق ان کے سامنے روز روشن کی طرح واضح تھا لیکن حسد نے انہیں انکار پر ابھارا۔ ربیع بن انس کا قول ہے ان کی اپنی طرف سے۔ مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ اس کے بعد کہ ان کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ بات ان کی تورات اور انجیل میں موجود تھی۔ حسد و سرکشی کی وجہ سے انہوں نے صرف اس لیے انکار کر دیا کہ نبی کریم ﷺ ان کی نسل سے نہ تھے۔ جس طرح کہ قتادہ اور ربیع بن انس نے بھی کہا ہے۔ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ اس کے مثل یہ آیت ہے۔ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا...... (آل عمران:186) علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور سدی نے بھی لکھا ہے کہ آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ (توبہ:5) ''ترجمہ: تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انہیں''۔ اور قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ...... عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (توبہ:29) ''ترجمہ: جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی۔ یہاں تک کہ دیں وہ جزیہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں ان دونوں آیات نے اس آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ ابو العالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور سدی کا قول ہے کہ یہ آیت سیف سے منسوخ ہے۔ حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے بروایت زہری عروہ بن زبیر سے نقل کیا ہے کہ اسامہ بن زید نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب مشرکین اور اہل کتاب سے عفوو درگذر کرتے اور ان کی تکالیف برداشت کرتے۔ یہاں تک کہ دوسری آیات اتریں اور ان سے لڑائی کی اجازت دے دی گئی۔ اس وقت صنادید قریش میں کچھ لوگ مختلف غزوات میں مارے گئے۔ (اس کی اسناد صحیح ہے)۔ میں نے اسے صحاح ستہ میں تو نہیں پایا لیکن اس کی اصل صحیحین میں موجود ہے۔ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ...... تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ ۗ اللہ تعالیٰ انہیں ایسی بات میں مشغول ہونے پر ابھار

رہے ہیں جس کا نفع اور فائدہ انجام کار قیامت کے دن انہیں ہی حاصل ہوگا۔ یعنی نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا تاکہ دنیا و آخرت دونوں میں ان کا بھلا ہو جائے۔ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (مومن: 52)'' ترجمہ: اس روز نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور ان کے لئے لعنت ہوگی اور ان کے لیے (دوزخ کا) بدترین گھر ہوگا۔ اسی لیے فرمایا اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔ یعنی وہ کسی کے عمل سے غافل نہیں۔ خیر و شر کوئی چیز اسکے پاس ضائع نہیں ہوگی۔ ہر عامل کو اس کے عمل کی جزا دی جائے گی۔ (ابن جریر فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ" مومنین کو یہ خبر دی جا رہی ہے کہ خیر و شر میں سے وہ جو کچھ بھی کریں گے خواہ خفیہ یا علانیہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ نیکی کا بدلہ احسان سے اور برائی کا بدلہ اس کے مثل سے دے گا۔ اس کلام میں اگرچہ خبر ہے۔ لیکن اس میں وعدہ، وعید، امر اور زجر و توبیخ ہے۔ کیونکہ قوم کو یہ خبر دی جا رہی ہے کہ ان کے تمام اعمال اس کی نظر میں ہیں۔ تاکہ وہ سنجیدگی سے اس کی اطاعت کریں اور معصیت سے بچیں۔ تمام اعمال اس کے پاس محفوظ ہیں اور وہ ان پر بدلہ عطا فرمائے گا۔ قولہ "بَصِیْرٌ" "مبصر" کے بدلے بصیر کہا جس طرح مبدع کے بدلے بدیع اور مولم کی جگہ الیم فرمایا۔ ابن ابی حاتم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس آیت میں سمیع بصیر پڑھتے سنا آپ ارشاد فرما رہے تھے کہ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

''اور انہوں نے کہا نہیں داخل ہوگا جنت میں (کوئی بھی) بغیر ان کے جو یہودی ہیں یا عیسائی۔ یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں آپ (انہیں) فرمایئے لاؤ اپنی کوئی دلیل اگر تم سچے ہو ہاں جس نے بھی جھکا دیا اپنے آپ کو اللہ کے لیے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اپنے رب کے پاس نہ کوئی خوف ہے انہیں اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے اور کہتے ہیں یہودی کہ نہیں ہیں عیسائی سیدھی راہ پر اور کہتے ہیں عیسائی نہیں ہیں یہودی سیدھی راہ پر حالانکہ وہ سب پڑھتے ہیں (آسمانی) کتاب۔ اسی طرح کہی ان لوگوں نے جو کچھ نہیں جانتے ان کی سی بات تو (اب) اللہ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن باتوں میں وہ جھگڑتے رہتے تھے''۔

یہود و نصاریٰ کی خود فریبی کا بیان ہو رہا ہے کہ ان میں سے ہر گروہ اس بات کا مدعی ہے کہ جنت میں داخلے کا حقدار صرف وہی ہے۔ سورۂ مائدہ میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ: 18) اس کے جواب میں اللہ نے ان کی تکذیب کی اور انہیں بتایا کہ ان گناہوں کے بسبب ان پر عذاب ہوگا۔ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہوتے تو وعید کیوں ہوتی۔ نیز جس طرح پہلے گذر چکا ہے کہ وہ دعویٰ کرتے تھے کہ آگ انہیں نہیں چھوئے گی مگر چند ایام پھر وہ جنت چلے جائیں گے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے دعویٰ کی تردید فرمائی تھی۔ اسی طرح یہاں بھی ان کے دعویٰ بلا دلیل و برہان کو رد فرما دیا۔ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ ابو العالیہ کا قول ہے انہوں نے ناحق اللہ پر تمنائیں کی تھیں۔ قتادہ اور ربیع بن انس سے بھی یہی مروی

ہے۔ پھر فرمایا: قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اے محمد! انہیں فرما دیجئے۔ برہان کا معنی ابو العالیہ، مجاہد، سدی اور ربیع بن انس نے حجۃ کیا ہے۔ قتادہ نے اس سے مراد "بینۃ" گواہی لیا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ جس نے بھی اللہ وحدہ لاشریک کے ساتھ اعمال میں خلوص اختیار کیا۔ ایک دوسری جگہ آتا ہے۔ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ (آل عمران: 120)۔

ابو العالیہ اور ربیع نے بھی اسلام سے مراد اخلاص لیا ہے۔ سعید بن جبیر نے اسلام سے اخلاص اور وجہ سے مراد دین لیا ہے۔ وَهُوَ مُحْسِنٌ یعنی رسول اکرم ﷺ کی اتباع کی۔ عمل مقبول کے لئے دو شرطیں ہیں۔ 1۔ خالص اللہ وحدہ لاشریک کے لئے ہو۔ 2۔ صحیح ہو اور شریعت کے موافق ہو۔ اگر خلوص پر تو مبنی ہو لیکن درست نہ ہو تو وہ عمل مقبول نہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا امر نہ ہو تو وہ مردود ہے (مسلم بروایت سیدہ عائشہ)۔ پس راہبوں وغیرہ کے اعمال گو خلوص پر مبنی ہوں وہ اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک ان کے ساتھ اطاعت رسول اکرم ﷺ شامل نہ ہو۔ کیونکہ آپ ان کی بلکہ تمام مخلوق کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ ان جیسے لوگوں کے بارے میں ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (فرقان: 23) "ترجمہ: اور ہم متوجہ ہونگے ان کے کاموں کی طرف اور انہیں گرد وغبار بنا کر اڑا دیں گے۔" اور فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ ...... حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا (نور: 39) "ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چمکتی ہوئی ریت ہو کسی چٹیل میدان میں خیال کرتا ہے اسے پیاسا کہ پانی ہے حتیٰ کہ جب (پینے کے لئے) اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا اور فرمایا: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ (الغاشیہ: 2-5) "ترجمہ کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل وخوار ہونگے مشقت میں مبتلا تھکے ماندے داخل ہوں گے دھکتی ہوئی آگ میں انہیں پلایا جائے گا کھولتے ہوئے چشمہ سے"۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے اس کی تاویل میں فرمایا اس سے مراد یہود ونصاریٰ کے راہب ہیں۔ اگر عمل بظاہر شریعت کے تو موافق ہو لیکن اخلاص سے خالی ہو تو یہ بھی مردود ہے۔ ریاکار لوگوں اور منافقین کے اعمال کا یہی حال ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ...... وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (نساء: 142) "بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر (وہ بھی عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ) لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر تھوڑی دیر اور فرمایا: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ...... وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (ماعون: 7) "ترجمہ: پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز (کی ادائیگی) سے غافل ہیں وہ جو ریاکاری کرتے ہیں اور (مانگے بھی) نہیں دیتے روزمرہ استعمال کی چیز"۔ اسی طرح فرمایا: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (کہف: 110) "ترجمہ: پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو"۔ اور اس آیت کریمہ میں فرمایا (بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ) (بقرہ: 112) اور فرمایا: فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اللہ تعالیٰ نے انہیں حصول اجر کی ضمانت دی اور خوف سے مامون کر دیا۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ مستقبل میں ان پر کوئی خوف نہیں۔ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ گذشتہ پر کوئی غم نہیں ہوتا۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ آخرت میں ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اور موت سے وہ غم زدہ نہیں ہوں گے۔ **قولہ** وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى ...... اللہ تبارک وتعالیٰ

ان کے تناقض، بغض، عداوت اور عناد کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ محمد بن اسحٰق نے عکرمہ سعید بن جبیر کی روایت سے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آپ ﷺ کی بارگاہ میں آیا۔ تو یہود کے علماء ان کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے دربار میں جھگڑنے لگے۔ رافع بن حرملہ نے کہا تم کسی چیز پر نہیں ہو۔ اور حضرت عیسیٰ اور انجیل سے کفر کیا۔ اہل نجران کے نصاریٰ میں سے ایک آدمی نے یہودیوں سے کہا۔ تم کسی چیز پر نہیں (حق پر نہیں)۔ حضرت موسیٰ کی نبوت کا انکار کیا اور تورات کو تسلیم کرنے سے مکر گیا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ارشاد فرمایا دونوں میں سے ہر فریق کے لیے اپنی کتاب میں دوسرے کی تصدیق موجود ہے پھر ان کا یہ قول کس قدر لغو ہے۔ مجاہد نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ ابتدائی زمانہ میں حق پر تھے۔ قتادہ نے بھی کہا ہے کہ وہ دین حق پر قائم تو تھے لیکن بعد میں انہوں نے بدعتیں نکالیں اور فرقوں میں بٹ گئے۔ ایک روایت میں ان کا قول ابوالعالیہ اور ربیع بن انس کی طرح بھی ہے۔ یہ اہل کتاب عہد رسالت مآب ﷺ میں تھے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر فریق دوسرے طائفہ پر الزام تراشی میں حق پر تھا۔ لیکن آیت کا ظاہری سیاق وسباق ان کی مذمت کا تقاضا کرتا ہے۔ جو انہوں نے اپنے علم سے اس کے برعکس کہا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ۔ یعنی یہ بات انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تورات اور انجیل سے ہر ایک کی شریعت ایک خاص وقت کے لئے تھی۔ لیکن انہوں نے آپس میں عناد، کفر اور فاسد بمقابل فاسد کے ساتھ انکار کر دیا جس طرح ابن عباس، مجاہد اور قتادہ کی پہلی روایت میں گذر چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اس کے ساتھ یہود و نصاریٰ کی جہالت کو واضح کیا جس کا اظہار ان کی گفتگو میں ہوا تھا۔ یہ اشارے کنایے کے باب سے ہے۔ لَا يَعْلَمُوْنَ کا مصداق کون لوگ ہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ ربیع بن انس اور قتادہ کے نزدیک اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ ابن جریج کہتے ہیں میں نے عطاء سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ یہ تورات وانجیل اور یہود و نصاریٰ سے قبل قومیں تھیں۔ سدی نے لکھا ہے کہ یہ اہل عرب ہیں جنہوں نبوت محمدی کا انکار کیا۔ ابن جریر کا قول ہے کہ اس کا مفہوم عام ہے اور سب کو شامل ہے کسی ایک قول کو ترجیح دینے کی کوئی دلیل بھی نہیں۔ لہٰذا سب پر محمول کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ...... یعنی اللہ انہیں قیامت کے دن جمع کرے گا اور اپنی قضائے عدل سے فیصلہ کرے گا جس میں ذرہ برابر بھی جور وستم نہیں ہوگا۔ سورۂ حج میں بھی اسی مضمون کا ذکر آیا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ...... (مائدہ:69) ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی بنے اور صابی اور نصرانی اور جو بھی (ان میں سے) ایمان لایا اللہ پر اور روز قیامت پر اور نیک عمل کیے تو نہ کوئی خوف ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔ اور فرمایا: قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ...... بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ (سبا:26) ''ترجمہ: فرمائیے ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق (وانصاف) کے ساتھ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے کہ ذکر کیا جائے ان میں اس کے نام (پاک) کا اور کوشاں ہوا انکی ویرانی میں انہیں مناسب نہیں تھا کہ داخل ہوتے مسجدوں میں مگر ڈرتے ڈرتے ان کے لیے دنیا میں (بھی بڑی) ذلت ہے اور ان کے لیے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے''۔

اس بارے میں مفسرین میں اختلاف ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے مساجد میں داخلہ سے روکا اور ان کی بربادی کی سعی کی۔ اس میں دو اقوال ہیں۔

(1) عوفی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ نصاریٰ ہیں۔ جو بیت المقدس میں گندگی ڈال دیتے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے سے روکتے۔ عبدالرزاق نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ یہ بخت نصر اور اسکے ساتھی ہیں جنہوں نے بیت المقدس کو اجاڑ دیا۔ اور نصاریٰ نے ان کی مدد کی۔ سعید بن قتادہ سے روایت کیا ہے کہ یہ اللہ کے دشمن نصاریٰ تھے یہود کے ساتھ بغض کی وجہ سے انہوں نے بیت المقدس کی بربادی میں بخت نصر بابلی مجوسی کی مدد کی۔ سدی کا قول ہے کہ انہوں نے بیت المقدس کو ملیامیٹ کرنے میں بخت نصر سے تعاون کیا۔ اسی نے اسے اجاڑ کر اس میں مردار پھینکنے کا حکم دیا۔ رومیوں نے اس کے ساتھ اس لیے تعاون کیا تھا کہ بنو اسرائیل نے یحییٰ بن زکریا کو قتل کر دیا تھا۔ حسن بصری سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

(2) ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ حتیٰ کہ آپ نے ذی طوی کے مقام پر اپنی قربانی کو ذبح کیا اور ان سے معاہدہ صلح طے کیا۔ اور فرمایا اس مقدس گھر سے کوئی نہیں روکتا۔ آدمی اپنے باپ یا بھائی کے قاتل سے ملتا تھا تو اس سے بھی تعرض نہیں کرتا تھا۔ وہ کہنے لگے وہ شخص ہمارے ہاں کس طرح آسکتا ہے جس نے بدر کے دن ہمارے آباء کو قتل کیا۔ ''وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا'' اس لیے کہ انہوں نے حج اور عمرے کی خاطر آنے والوں کو روک دیا تھا۔ ابن ابی حاتم اور محمد بن اسحٰق نے بروایت عکرمہ یا سعید بن جبیر ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب قریش نے نبی کریم ﷺ کو کعبہ میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا تھا۔ پھر ابن جریر نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے۔ اور دلیل یہ دی ہے کہ قریش نے کعبہ کی بربادی کی سعی نہیں کی جبکہ رومیوں نے بیت المقدس کو برباد کر دیا تھا۔ (مؤلف کی رائے) میرے نزدیک دوسرا قول جسے ابن زید اور ابن عباس نے نقل کیا ہے زیادہ راجح ہے کیونکہ نصاریٰ نے جب یہود کو بیت المقدس سے روکا تو گویا ان کا دین یہود کے دین سے زیادہ مستقیم تھا۔ حالانکہ وہ ان سے زیادہ قریب تھے۔ اور اس وقت یہود کا ذکر قابل قبول نہ تھا کیونکہ وہ اس سے قبل حضرت داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے ملعون قرار پا چکے تھے۔ اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ نیز جب یہود و نصاریٰ کی مذمت کا بیان ہو چکا تو مشرکین کی مذمت کا بیان شروع ہوا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو مکہ میں داخل اور مسجد حرام میں نماز ادا کرنے سے روک دیا۔ ابن جریر کا یہ کہنا کہ قریش نے کعبہ کو برباد نہیں کیا۔ اس سے بڑی بربادی اور کیا ہوسکتی ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ اور اسکے صحابہ کو مکہ سے نکال دیا اور بیت اللہ کو بتوں اور شرک سے بھر دیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ...... وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (انفال: 34)'' ترجمہ: (مکہ سے آپ کی ہجرت کے بعد) اب کیا وجہ ہے ان کے لئے کہ نہ دے عذاب انہیں اللہ حالانکہ وہ روکتے ہیں (مسلمانوں کو) مسجد حرام سے اور نہیں ہیں وہ اس کے متولی اس کے متولی تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں لیکن ان کی اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی''۔ اور ارشاد فرمایا: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (توبہ: 9-18) ''نہیں لائق ہے روا مشرکوں کیلئے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو حالانکہ وہ خود گواہی دے رہے ہیں اپنے نفسوں پر کفر کی یہ وہ (بدنصیب) ہیں ضائع ہوگئے جن کے اعمال اور (دوزخ کی) آگ میں ہی یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ صرف وہی آباد کر سکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور روز قیامت پر اور قائم کیا نماز کو اور ادا کیا زکوٰۃ کو اور نہ ڈرتا ہے اللہ کے سوا کسی سے پس امید

ہے کہ یہ لوگ ہو جائیں ہدایت پانے والوں سے'' اور ارشاد فرمایا: هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْكُمْ عَنِ...... كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (فتح:25)'' ترجمہ: یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں بھی روک دیا مسجد حرام (میں داخل ہونے) سے اور قربانی کے جانوروں کو بھی کہ وہ بندھی رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں چند مسلمان مرد اور چند مسلمان عورتیں جن کو تم نہیں جانتے (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم روند ڈالو گے انہیں سو تمہیں پہنچے گی ان کی وجہ سے عار بے علمی کے باعث (نیز) تاکہ داخل کردے اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے اور اگر یہ (کلمہ گو) الگ ہو جاتے تو (اس وقت) جنہوں نے کفر کیا ان میں سے تو ہم انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے۔'' اور ارشاد فرمایا: اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ (توبہ: 18)'' صرف وہی آباد کر سکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور روز قیامت پر اور قائم کیا نماز کو اور ادا کیا زکوٰۃ کو اور نہ ڈرتا ہو اللہ کے سوا کسی سے''، تعمیر اور آباد کرنے سے مراد اسے مزین کرنا اور بنانا نہیں بلکہ اسکا مقصد ان میں اللہ کا ذکر کرنا، اس کی شریعت کو قائم کرنا اور آلودگی اور شرک سے پاک کرنا ہے ارشاد ہوتا ہے: اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ (بقرہ:114)'' ان کے لیے مناسب نہ تھا کہ داخل ہوتے مسجدوں میں مگر ڈرتے ڈرتے''۔ یہ خبر ہے اس کا معنی طلب ہے یعنی جب تم ان پر قادر ہو جاؤ تو معاہدہ اور جزیہ کے سوا انہیں اس میں داخل مت ہونے دو۔ اسی لیے جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو اگلے سال 9 ہجری میں حکم دیا کہ منیٰ کے مقام پر یہ اعلان کر دیا جائے کہ آج کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکے گا۔ جس کا کوئی معاہدہ ہوا سے اس وقت تک رخصت ہے۔ یہ حکم اللہ کے اس فرمان کی تصدیق اور عملی صورت تھی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (توبہ:28)'' اے ایمان والو مشرکین تو نرے ناپاک ہیں سو وہ قریب نہ ہونے پائیں مسجد حرام سے اس سال کے بعد اور اگر تم اندیشہ کرو تنگدستی کا تو غنی کر دے گا تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اگر چاہے گا پس اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑا دانا ہے''۔ بعض کا قول ہے کہ ان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ مسجد میں آئیں مگر ڈرتے ہوئے اور مومنین کی ہیبت سے ڈرتے ہوئے اور رعب کی وجہ سے کانپتے ہوئے چہ جائیکہ وہ انہیں روک دیں اور اس پر قابض رہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کفار کا ظلم نہ ہوتا تو حق اور واجب یہی تھا۔ ایک قول کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو بشارت تھی کہ وہ مسجد حرام اور دیگر تمام مساجد پر غالب آئیں گے۔ اور اللہ مشرکین کو رسوا کر دے گا اس طرح کہ کوئی مشرک مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکے گا مگر ڈرتے ہوئے کہ کہیں پکڑا نہ جائے اور سزا پائے یا اسلام قبول نہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔ جس طرح کہ پہلے گذرا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد حرام میں داخلے سے روکنے کا وعدہ پورا کر دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے یہ وصیت فرمائی کہ جزیرہ عرب پر دو مذہب باقی نہ رہیں اور یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے جلا وطن کر دیا جائے وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔ یہ نہیں ہے مگر مسجد حرام کے اکناف و اطراف کو مشرف کرنا اور اس بقعہ زمین کو پاک کرنا جس میں اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔ یہ دنیا میں ان کی رسوائی تھی۔ یہ جزاء بالمثل (ادلے کا بدلہ) ہے۔ جس طرح انہوں نے مومنین کو مسجد حرام سے روکا تھا اسی طرح انہیں روک دیا گیا۔ جس طرح انہوں نے مسلمانوں کو مکہ مکرمہ سے جلا وطن کیا تھا۔ انہیں بھی جلا وطن کر دیا گیا۔ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ آخرت میں ان کے لئے عظیم عذاب ہے بیت اللہ شریف کی حرمت کو پامال کرنے، اس کے ارد گرد بت نصب کرنے، اس کے پاس غیر اللہ سے دعا مانگنے، ننگے طواف کرنے وغیرہ جیسے ناپسندیدہ افعال جنہیں اللہ اور اس کا رسول ﷺ ناپسند فرماتے ہیں۔ جنہوں نے اس سے مراد بیت المقدس لیا ہے۔ کعب احبار کا قول ہے کہ نصاریٰ جب بیت المقدس پر غالب آ گئے تو انہوں نے اسے برباد کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

روئے زمین پر کوئی ایسا عیسائی نہیں جو بیت المقدس میں داخل ہونے کے وقت کانپتا نہ ہو۔ سدی کا قول ہے کہ روئے زمین پر آج کوئی ایسا رومی نہیں جو اس میں داخل ہو مگر اسے یہ ڈر نہ ہو کہ اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ یا اسے یہ خدشہ نہ ہو کہ جزیہ ادا کرنا پڑے گا اور وہ ادا کرے گا۔ قتادہ کا قول ہے کہ وہ مساجد میں داخل نہیں ہوتے مگر چھپکے سے۔ (میں کہتا ہوں) اس میں اس بات کی نفی نہیں کہ یہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل نہ ہو۔ نصاریٰ نے جب بیت المقدس پر چڑھائی کی تو اس صخرہ (چٹان) کی بے حرمتی کی جس کی طرف منہ کر کے نصاریٰ نماز ادا کرتے تھے تو انہیں ذلت اور رسوائی ملی ماسوائے کچھ اوقات کے۔ اسی طرح جب یہود نے نصاریٰ سے بھی بڑھ کر نافرمانی کی تو ان کی سزا اس بھی زیادہ تھی۔ واللہ اعلم سدی، عکرمہ، اور وائل بن داؤد کے نزدیک رسوائی سے مراد امام مہدی علیہ السلام کے زمانے کی رسوائی ہے۔ قتادہ نے اس سے مراد جزیہ کی ادائیگی لی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ دنیا کی رسوائی عام ہے۔ ایک حدیث شریف میں بھی دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ جس طرح کہ امام احمد نے بشر بن ارطاۃ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یوں دعا مانگا کرتے تھے۔ (اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَ اَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ) (1) یہ حدیث حسن ہے لیکن صحاح ستہ میں مذکور نہیں۔ اس کے راوی صحابی حضرت بشر بن ارطاۃ سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں ایک یہ اور دوسری وہ حدیث جس میں ہے کہ جنگ کے دوران ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

''اور مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی۔ سو جدھر بھی تم رخ کرو وہیں ذات خداوندی ہے بیشک اللہ تعالیٰ فراخ رحمت والا اور خوب جاننے والا ہے''۔

نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو جنہیں مکہ مکرمہ اور بیت اللہ شریف سے نکال دیا گیا تھا اس آیت میں تسلی دی جا رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ مکہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے اور کعبہ آپ کے سامنے ہوتا۔ جب آپ ہجرت فرمائے مدینہ ہوئے تو سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اس کے بعد کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا۔ اسی لیے اللہ فرما رہے ہیں کہ مشرق و مغرب سب سمتیں اسی کی ہیں۔ (ابو عبید قاسم بن سلام اپنی کتاب ناسخ و منسوخ میں بروایت عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں سب سے پہلا منسوخ حکم یہی قبلہ کا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اور بیت عتیق کو چھوڑ دیا پھر یہ حکم منسوخ کر کے بیت العتیق (کعبہ) کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا۔ ارشاد فرمایا: وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ..... (بقرہ:149) علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن میں سے سب سے پہلے قبلہ کا حکم منسوخ ہوا۔ جب آپ ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں قیام فرما ہوئے۔ وہاں کے باشندے یہودی تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا تو یہودی خوش ہوئے۔ چنانچہ آپ ﷺ دس سے کچھ اوپر چند ماہ تک اسی طرح نماز ادا فرماتے رہے۔ لیکن آپ کو قبلہ ابراہیمی پسند تھا اور آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائے دعا فرمایا کرتے تھے۔ اس وقت آیت کریمہ: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ سے لے کر وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (بقرہ:144) تک نازل ہوئی۔ یہود یہ سن کر شبہ میں پڑ گئے اور کہنے لگے: مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا (بقرہ:142) انہیں اپنے قبلہ سے کس چیز نے پھیر دیا۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ اور فرمایا تم جس طرف بھی رخ کرو اسی طرف اللہ ہے۔ عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اللہ قبلہ کی

1۔ مسند امام احمد 181/4

طرف ہے۔ جس طرف تمہارا منہ ہو خواہ مشرق ہو یا مغرب۔ مجاہد نے روایت کیا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا کعبہ بیت اللہ ہے اسی کی طرف رخ کرو۔ ابو العالیہ، حسن، عطاء خراسانی، عکرمہ، قتادہ، سدی اور زید بن اسلم سے اسی طرح مروی ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ یہ آیت کعبہ کی طرف رخ کرنے سے قبل نازل ہوئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ صحابہ کرام اور نبی علیہ السلام کو یہ بتایا جائے کہ سب جہتیں اللہ کی ہیں۔ مشرق و مغرب جس طرف رخ پھیرو اسی طرف اللہ ہے اس سے کوئی جگہ خالی نہیں۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا (مجادلہ:7) ''ترجمہ: اور نہ اس سے کم ہیں اور نہ زیادہ ہیں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں وہ ہوں''۔ پھر یہ حکم منسوخ کر کے کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کو فرض قرار دیا گیا۔ اور یہ قول کہ اس سے کوئی جگہ خالی نہیں سے مراد اس کا علم لیا جائے تو کلام صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام معلومات کو محیط ہے۔ کیونکہ اس کی ذات عالیہ کسی چیز میں محصور نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند و بالا ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ بعض علماء کی رائے میں یہ آیت اللہ کی طرف سے اس بات کی اجازت تھی کہ سفر اور خوف میں نوافل میں جس طرف چاہیں منہ کر سکتے ہیں۔ سعید بن جبیر نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ اسی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے جس طرف سواری کا رخ ہوتا اور ذکر فرماتے کہ رسول اللہ علیہ السلام کا یہی معمول تھا۔ اور اس آیت کی تاویل کرتے۔ مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے اسے روایت کیا ہے اور ابن عمر اور عامر بن ربیعہ سے صحیحین میں اس کی اصل موجود ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب نماز خوف کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ اس کا طریقہ بیان فرماتے۔ اور فرماتے اگر خوف اس سے بھی شدید ہو تو پیدل اور سوار کھڑے کھڑے نماز پڑھ لیا کرو۔ خواہ منہ قبلہ کی طرف ہو یا نہیں۔ نافع کا خیال ہے کہ ابن عمر اسے مرفوع بیان فرماتے تھے۔(1)

(مسئلہ) امام شافعی کا مشہور مذہب یہ ہے کہ سفر خواہ پر امن ہو یا لڑائی کے لئے سواری پر نوافل پڑھنا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک اور ایک جماعت اس کے خلاف ہے۔ ابو یوسف اور ابو سعید اصطخری نے شہر میں بھی سواری پر نوافل کو جائز قرار دیا ہے۔ ابو یوسف نے انس بن مالک سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور ابو جعفر طبری نے تو اسے پیدل کے لئے بھی جائز قرار دیا ہے۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جن پر قبلہ مشتبہ ہو گیا تھا اور انہوں نے اندازے سے نماز پڑھ لی تو اللہ نے فرمایا شرق و غرب سب میرے لیے ہیں جس طرف تمہارا منہ ہو مجھے پاؤ گے۔ اور وہی تمہارا قبلہ ہے اس طرح انہیں بتایا کہ تمہاری نماز درست ہے۔ محمد بن اسحٰق اہوازی نے اپنی سند سے عامر بن ربیعہ سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک تاریک رات میں رسول اللہ علیہ السلام کے ہمراہ تھے۔ ایک جگہ ہمارا پڑاؤ ہوا۔ لوگوں نے پتھر لے لے کر مسجد سی بنائی اور نماز پڑھی صبح پتہ چلا کہ ہمارا رخ غلط سمت میں تھا۔ ہم نے بارگاہ رسالت مآب علیہ السلام میں عرض کی تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ترمذی اور ابن ابی حاتم نے اسے ابو الربیع سمان سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس کا نام اشعث بن سعید بصری ہے اور وہ ضعیف ہے۔ ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس کی سند اس طرح نہیں۔ ہم اسے صرف اشعث السمان سے روایت کرتے ہیں اور وہ ضعیف الحدیث ہے۔ میں کہتا ہوں اس کا شیخ عاصم بھی ضعیف ہے۔ بخاری کا قول ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ ابن معین کا کہنا ہے کہ ضعیف ہے اس سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ اور ابن حبان نے لکھا ہے کہ وہ متروک ہے۔ واللہ اعلم اس آیت کی تفسیر میں ابو بکر ابن مردویہ نے ایک دوسری سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ایک سریہ بھیجا جس میں میں بھی شامل تھا۔ نماز کا وقت تھا۔ تاریکی کے سبب ہمیں سمت قبلہ کا علم نہ ہوا۔ ایک گروہ

1۔ البخاری: تفسیر سورۂ بقرہ 39,38/6

نے کہا قبلہ شمال کی طرف ہے چنانچہ ہم نے نماز ادا کی اور لکیریں کھینچ دیں۔ صبح جب سورج طلوع ہوا تو پتہ چلا کہ یہ سمت غلط تھی۔ جب ہم سفر سے واپس آئے تو آپ ﷺ سے دریافت کیا۔ آپ یہ بات سن کر خاموش ہو گئے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ دار قطنی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیں اعادے کا حکم نہ فرمایا اور ہماری نماز کو درست قرار دیا۔ ابن مردویہ نے ابن عباس سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ لیکن ان سب اسناد میں ضعف ہے۔ شاید یہ سب روایات ایک دوسرے کے ساتھ مل کر تقویت کا باعث ہوں۔ لیکن جس آدمی کو اپنی غلطی کا علم ہو جائے اس کی نماز کے اعادہ کے بارے میں دو اقوال ہیں۔ اور یہ اس بات کے دلائل ہیں کہ قضا نہیں کی جائے گی۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر اور بعض دیگر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت نجاشی کے سبب نازل ہوئی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ تمہارا بھائی انتقال کر گیا ہے۔ اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ تو بعض نے کہا ہم ایک غیر مسلم کی نماز جنازہ کس طرح پڑھیں۔ تو یہ آیت اتری: وَ اِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ ...... اِلَيۡهِمۡ خٰشِعِيۡنَ لِلّٰهِ (آل عمران:199) " ترجمہ: اور بے شک بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف اور جو اتارا گیا ان کی طرف عاجزی (اور نیاز مندی) کرنے والے اللہ کے لئے"۔ پھر بعض کہنے لگے کہ وہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز نہیں پڑھتا تھا۔ آخر اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہ روایت غریب ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نجاشی نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے اس وقت تک نماز پڑھی جب تک اسے قبلہ کی منسوخی کا علم نہ ہوا تھا۔ جیسا کہ قرطبی نے قتادہ سے نقل کیا ہے۔ قرطبی کا قول ہے کہ حضور ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی۔ غائبانہ جنازہ کے جواز کے قائلین کی دلیل یہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس میں حضور ﷺ کی خصوصیت ہونے کی تین دلیلیں ہیں۔ 1۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھ لیا۔ زمین آپ کے سامنے لپیٹ دی گئی تھی۔ 2۔ یہ احتمال ہے کہ اس وقت اس کے پاس جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ ہو۔ قرطبی نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ لیکن قرطبی کا قول ہے کہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ ایک مسلمان بادشاہ کے دربار میں کوئی مسلمان شخص نہ ہو۔ ابن عربی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ شاید ان کے نزدیک نماز جنازہ مشروع نہ ہو۔ یہ جواب بہت اچھا ہے۔ 3۔ حضور ﷺ نے اس کی نماز جنازہ اس لیے پڑھی کہ دوسرے بادشاہوں کے لئے تالیف قلوب کا سبب ہو۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابوبکر بن مردویہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مشرق و مغرب کے مابین اہل مدینہ، اہل شام اور اہل عراق کے لئے قبلہ ہے۔" اور اس کی یہاں مناسبت ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا ہے (1)۔ ترمذی کا قول ہے کہ یہ متعدد سندوں سے ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ اور بعض اہل علم نے اس کے ایک راوی ابو معشر کے حافظہ پر اعتراضات کیے ہیں۔ امام ترمذی نے اسے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ بخاری کا قول ہے کہ یہ روایت ابو معشر کی روایت کی نسبت اقوی اور اصح ہے ترمذی کا قول ہے کہ بہت سے صحابہ کرام سے بھی یہی مروی ہے۔ یعنی عمر بن خطاب، علی اور ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ابن عمر کا قول ہے کہ قبلہ کی سمت میں رخ کر کے اگر تو کھڑا ہو تو مغرب کو دائیں اور مشرق کو اپنے بائیں رکھے تو ان کے مابین قبلہ ہے۔ ابن مردویہ، دار قطنی اور بیہقی کے مطابق ابن عمر کی مشہور رائے یہی ہے ابن جریر کا قول ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ بوقت دعا تم جس طرف بھی منہ کرو گے مجھے اسی طرف پاؤ گے اور میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ جب آیت اُدۡعُوۡنِيۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَـكُمۡ (مومن:60)، اتری تو لوگوں نے کہا کس طرف دعا کریں۔ اس کے جواب میں یہ آیت فَاَيۡنَمَا تُوَلُّوۡا اتری۔ ابن جریر کا قول ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ (بقرہ:115) وہ اپنی

1۔ تحفۃ الاحوذی، ابواب الصلوۃ 318/2

تمام مخلوق کو جود وسخا اور فضل وکرم سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ ان کے تمام اعمال سے آگاہ ہے اس کی نگاہ سے کوئی چیز غائب نہیں چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

''اور یہ کہتے ہیں کہ بنالیا ہے اللہ نے (اپنا) ایک بیٹا، پاک ہے وہ (اس تہمت سے) بلکہ اسی کی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور زمین میں۔ سب اسی کے فرمانبردار ہیں موجد ہے آسمانوں اور زمین کا اور جب ارادہ فرماتا ہے کسی کام کا تو صرف اتنا حکم دیتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے''۔

ان دونوں آیات کریمہ میں نصاریٰ اور ان جیسے یہود اور مشرکین عرب کا رد کیا جارہا ہے۔ جنہوں نے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دعویٰ کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ذات سبحانہ وتعالیٰ اولاد سے مبرا ومنزہ ہے۔ بات اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے افتراء پردازی کی ہے بلکہ آسمان وزمین اور ان کے مابین جو کچھ ہے سب اسی کی ملکیت ہے۔ ان پر اسی کا حکم چلتا ہے۔ وہی ان کا خالق ورازق، ان کو مسخر کرنے والا، انہیں چلانے والا اور اپنی مرضی سے ان میں تصرف کرنے والا ہے۔ سب اس کے تابع فرمان اور اس کی ملکیت میں ہیں تو ان میں سے کوئی اس کا بیٹا (یا بیٹی) کس طرح ہوسکتا ہے۔ اولاد دو متناسب چیزوں سے پیدا ہوتی ہے حالانکہ اس ذات قدوس کی کوئی نظیر نہیں اور نہ ہی اس کی عظمت وکبریا میں اس کا کوئی شریک ہے۔ اور نہ ہی اس کی کوئی بیوی ہے۔ تو اولاد کیسے ہوسکتی ہے جیسے ایک اور جگہ فرمایا: بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ ...... وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (انعام:101) '' ترجمہ: موجد ہے آسمانوں اور زمین کا کیوں کر ہوسکتا ہے اس کا کوئی لڑکا حالانکہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی اور پیدا فرمایا ہے اس نے ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے''۔ ایک اور جگہ فرمایا۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ...... يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا۔ '' ترجمہ: اور کفار کہتے ہیں بنالیا ہے رحمٰن نے (فلاں کو اپنا) بیٹا (اے کافرو!) یقیناً تم نے ایسی بات کی ہے جو سخت معیوب ہے قریب ہے آسمان شق ہو جائیں اس (خرافات) سے اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ گر پڑیں لرزتے ہوئے کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ رحمٰن کا ایک بیٹا ہے اور نہیں جائز رحمٰن کے لئے کہ وہ بنائے کسی کو (اپنا) فرزند کوئی ایسی چیز نہیں جو آسمانوں اور زمین میں مگر وہ حاضر ہوگی رحمٰن کی بارگاہ میں بندہ بن کر۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کا شمار کر رکھا ہے اور انہیں گن لیا ہے اچھی طرح اور وہ سب پیش ہوں گے اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا'' (مریم:95-88) اور فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (اخلاص:4-1) '' اے حبیب) فرمادیجئے وہ اللہ ہے یکتا اللہ صمد ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے'' ان آیات کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرار دیا ہے کہ وہی مالک عظیم ہے۔ اس کی کوئی نظیر اور شبیہ نہیں اس کے سوا تمام اشیاء اس کی مخلوق اور پروردہ ہیں ان میں سے کوئی اس کی اولاد کس طرح ہوسکتا ہے۔ بخاری سورۂ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ نافع بن جبیر بن مطعم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ابن آدم نے میری تکذیب کی حالانکہ اس کا یہ حق نہ تھا اس نے مجھے گالی دی حالانکہ اسے یہ روا نہ تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ میں دوبارہ اسے پہلی حیثیت پر لانے پر قادر نہیں ہوں۔ اور اس کا گالی دینا یہ ہے کہ وہ میری اولاد بتاتا ہے حالانکہ میں پاک ہوں اس سے کہ میری بیوی یا اولاد ہو'' (1)۔ (صرف بخاری نے اسی حدیث قدسی کو اس سند سے روایت کیا ہے)۔

1۔ البخاری، تفسیر البقرۃ: 24/6

ابن مردویہ نے اسے ایک دوسری سند سے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "تکلیف دہ باتیں سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں۔ وہ اس کی اولاد بتائیں اور وہ انہیں رزق و عافیت دیئے جا رہا ہے" (1)۔

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ قانتوں کا معنی ہے تسبیح کرنے والے۔ عکرمہ اور ابو مالک کا قول ہے کہ اس کی عبودیت کا اقرار کرنے والے ہیں۔ سعید بن جبیر نے اس کا معنی اخلاص کیا ہے۔ ربیع بن انس کا قول ہے کہ ہر چیز روز قیامت اس کے سامنے کھڑی ہوگی۔ سدی نے اس سے مراد مطیع لیا ہے۔ مجاہد سے مروی ہے اطاعت گذار یعنی اسے حکم دیا کہ انسان بن جا تو وہ بن گیا۔ اور فرمایا گدھا بن جا تو وہ گدھا بن گیا۔ فرمایا کافر کی اطاعت یہ ہے کہ اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے سائے اس کے سامنے جھکے رہتے ہیں۔ مجاہد کے اس قول کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے اور یہ تمام اقوال کو جامع ہے کہ قنوت سے مراد اللہ کی لطاعت اور اس کے سامنے جھکنا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ "اور اللہ تعالیٰ کیلئے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، بعض خوشی سے اور بعض مجبوراً اور ان کے سائے بھی (سجدہ ریز ہیں) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی" (رعد:15) ابن ابی حاتم اور امام احمد نے روایت کیا ہے کہ "قرآن میں جہاں بھی قنوت کا لفظ آیا ہے اس سے مراد طاعت ہے" (2)۔ لیکن اس کی اسناد میں ضعف ہے اور اس پر اعتماد نہیں۔ اس کا مرفوع ہونا بھی قابل تسلیم نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ کسی صحابی کا یا کسی اور کا کلام ہو۔ واللہ اعلم۔ اس سند سے بہت سی تفاسیر مروی ہیں جو قابل قبول نہیں۔ کوئی شخص ان سے دھوکے میں نہ پڑے۔ بے شک سند ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یعنی پیشگی نمونے کے بغیر انہیں پیدا کرنے والا ہے۔ مجاہد اور سدی کی رائے میں یہ معنی لغوی معنی کے مطابق ہے۔ نئی چیز کو بدعت کہا جاتا ہے۔ جس طرح صحیح مسلم میں ہے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ شرعی بدعت: جیسے کہا جاتا ہے ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ 2۔ لغوی بدعت: جیسے امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول جب آپ نے لوگوں کو نماز تراویح پر جمع فرمایا اور پھر اسے اسی طرح جاری دیکھ کر فرمایا۔ یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔ ابن جریر کا قول ہے۔ بدیع کو مبدع سے پھیرا گیا ہے جس طرح مولم کو الیم اور مسمع کو سمیع کی طرف پھیرا گیا ہے۔ مبدع کا معنی ہے ایسی چیز کو بنانے والا جس کے بنانے اور پیدا کرنے میں اس کی پہلے مثال نہ ہو۔ اسی لیے دین میں بدعت پیدا کرنے والے کو مبتدع کہا جاتا ہے کہ وہ بھی دین میں ایسی بدعت ایجاد کرتا ہے جس کی مثال نہیں ہوتی۔ اسی طرح ہر نئی بات یا کام کرنے والے کو بھی اہل عرب یہی نام دیتے ہیں۔ اعشی بن ثعلبہ، ھوذہ بن علی حنفی کی مدح میں کہتا ہے۔

يُدْعٰى اِلٰى قَوْلِ سَادَاتِ الرِّجَالِ اِذَا ۔۔۔ اَبْدَوْا لَهُ الْحَزْمَ اَوْ مَاشَاءَهٗ ابْتَدَعَا

یعنی جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ ابن جریر کا قول ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اولاد سے پاک ہے وہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کا مالک ہے۔ ہر چیز اس کی وحدانیت کی دلیل و راس کی اطاعت گذار ہے۔ وہ ان سب کو پیدا کرنے والا، خالق اور بغیر اصل و مثال کے انہیں وجود میں لانے والا ہے۔ اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اس کی گواہی ہر چیز دیتی ہے حتیٰ کہ مسیح علیہ السلام بھی جن کے بیٹا ہونے کا وہ دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اس بات کی خبر دی کہ جس ذات نے آسمان و زمین کو بغیر اصل اور مثال کے پیدا کیا وہی ہے جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنی قدرت کاملہ سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ ابن جریر کی یہ بات عمدہ اور بالکل صحیح ہے۔ وَ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا ...... اللہ تعالیٰ اپنی کمال قدرت اور عظیم سطوت کا بیان فرما رہے ہیں کہ وہ جب کسی چیز کا ارادہ فرمالے تو اسے حکم دیتا ہے تو وہ ہو جاتی

1۔ البخاری، کتاب التوحید 141/9 ۔ 2۔ مسند احمد 75/3:

ہے۔ یعنی اسے صرف ایک مرتبہ ہی کُن کا حکم دیتا ہے تو وہ اس کی مشیئت اور ارادہ کے مطابق ہو جاتی ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ (یٰسین :82) ''اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے''۔ اور فرمایا: اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَیۡءٍ اِذَآ اَرَدۡنٰهُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ (نحل :40) ''ترجمہ: ہمارا فرمان کسی چیز کے لئے جب ہم ارادہ کرتے ہیں (اس کے پیدا کرنے کا) صرف اتنا ہے کہ ہم اسے حکم دیتے ہیں ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ اور فرمایا: وَمَآ اَمۡرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ کَلَمۡحٍۭ بِالۡبَصَرِ (قمر :50) ''اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے''۔ کسی شاعر کا قول ہے۔

اِذَا مَا اَرَادَ اللّٰهُ اَمۡراً فَاِنَّمَا ۔۔۔ یَقُوۡلُ لَهٗ کُنۡ قَوۡلَةً فَیَکُوۡنُ

جب اللہ تعالیٰ کسی شے کا ارادہ فرمالے تو صرف اسے ایک قول کن کہنے سے وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اس بات سے آگاہ فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق بھی کلمہ کن سے ہوئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ (آل عمران :59) ''ترجمہ: بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا''۔

وَقَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ لَوۡلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوۡ تَاۡتِیۡنَاۤ اٰیَةٌ ؕ کَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِهِمۡ ؕ تَشَابَهَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ قَدۡ بَیَّنَّا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾

''اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کہ کیوں نہیں کلام کرتا ہمارے ساتھ (خود) اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی نشانی۔ اسی طرح کہی تھی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے (گزرے) تھے انکی سی (بے سروپا) بات ملتے جلتے ہیں ان سب کے دل بیشک ہم نے صاف صاف بیان کردی ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لئے جو یقین رکھتے ہیں''۔

محمد بن اسحٰق نے بروایت عکرمہ یا سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رافع بن حریملہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ سے کہیے ہم سے ہم کلام ہوتا کہ ہم اس کی بات سنیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد کا قول ہے کہ یہ بات نصرانیوں نے کہی تھی۔ ابن جریر کا بھی یہی قول ہے کیونکہ سیاق کلام سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ آپ کی نبوت کی اطلاع اللہ تعالیٰ خود ہمیں کیوں نہیں دیتا۔ اور یہی بات ٹھیک ہے واللہ اعلم۔ ابوالعالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور سدی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کفار عرب کا یہی قول ہے۔ کَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِهِمۡ ؕ فرمایا یہ یہود و نصاریٰ ہیں اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ یہ کہنے والے مشرکین عرب تھے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَاِذَا جَآءَتۡهُمۡ اٰیَةٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰی نُؤۡتٰی مِثۡلَ مَآ اُوۡتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ (انعام :124) ''اور جب آئے ان کے پاس کوئی نشانی کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ دیا جائے جیسے دیا گیا اللہ کے رسولوں کو''۔ اور فرمایا: وَقَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰی تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ الۡاَرۡضِ یَنۡۢبُوۡعًا (بنی اسرائیل :90) ''اور کفار نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کردیں ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ''۔ اور فرمایا: وَقَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا الۡمَلٰٓئِکَةُ اَوۡ نَرٰی رَبَّنَا (فرقان :21) ''کہنے لگے وہ جو توقع نہیں رکھتے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو''۔ اور فرمایا: بَلۡ یُرِیۡدُ کُلُّ امۡرِیًٔ مِّنۡهُمۡ اَنۡ یُّؤۡتٰی صُحُفًا مُّنَشَّرَةً (مدثر :52) ''ترجمہ: بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ ان کو کھلے صحیفے دیئے جائیں''۔ وغیرہ آیات جو مشرکین عرب کے کفر اور عناد اور سرکشی پر دلیل ہیں۔

صرف اپنے کفر اور عناد کی بنا پر ہی انہوں نے حضور ﷺ سے لایعنی سوالات کیے۔ ان سے پہلے گذشتہ امتوں اہل کتاب وغیرہ نے بھی اسی طرح سوالات کیے تھے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ...... فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً (نساء:153) ''مطالبہ کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ آپ اتروا دیں ان پر کتاب آسمان سے سو وہ تو سوال کر چکے ہیں موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑی بات کا انہوں نے کہا (اے موسیٰ) ہمیں دکھا دو اللہ کھلم کھلا''۔ اور ارشاد فرمایا: وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (بقرہ:55) ''ترجمہ اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر''۔ اور فرمایا: تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (بقرہ:118) ''ملتے جلتے ہیں ان سب کے دل''۔ یعنی مشرکین عرب کے دل کفر و عناد اور سرکشی میں سابقہ لوگوں کی طرح ہو گئے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ (ذاریات:53-52) ''ترجمہ: اس طرح نہیں آیا ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے یہی کہا کہ ساحر یا دیوانہ کیا پہلوں نے پچھلوں کو یہی نصیحت کی تھی''۔ قولہ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ کہ ہم نے رسولوں کے تصدیق کے لئے مناسب نشانیاں بیان کر دی ہیں اب مزید کسی سوال یا اضافے کی ضرورت نہیں۔ وہ جو کچھ لائے سب کچھ اللہ کی طرف سے تھا۔ اور جس کے دل اور کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور ان کے دلوں پر پردہ ہے ان کے بارے میں اللہ نے فرمایا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس:97-96) ''بیشک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آجائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب''۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝119

''بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ کو (اے حبیب ﷺ) حق کے ساتھ (رحمت کی) خوشخبری دینے والا (عذاب سے) ڈرانے والا اور آپ سے باز پرس نہیں ہوگی ان دوزخیوں کے متعلق''۔

ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے حضرت عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ بشیر سے مراد جنت کی خوشخبری دینے والے اور نذیر سے مراد جہنم سے ڈرانے والے ہیں۔ ''لَا تُسْـَٔلُ'' اکثر کی قرأت یہی ہے۔ یعنی تاء کے ضمہ سے (پیش) کے ساتھ ابن ابی کعب نے وَمَا تُسْأَلُ کر کے پڑھا ہے اور ابن مسعودؓ کی قرأت میں لَنْ تُسْـَٔلَ ہے۔ ابن جریر نے یہی ذکر کیا ہے۔ یعنی آپ سے کفار کی بابت سوال نہیں کیا جائے گا۔ جیسے فرمایا: فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (رعد:40) ''ترجمہ: سو آپ پر صرف تبلیغ فرض ہے اور یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ان سے حساب لیں''۔ اور فرمایا: فَذَكِّرْ ۣ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (غاشیہ:22-21) ''ترجمہ: پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں آپ کا کام کو سمجھانا ہی ہے''۔ اسی طرح فرمایا: نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (ق:45) ''ترجمہ: ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں پس آپ نصیحت کرتے رہیں اس قرآن سے ہر اک شخص کو جو (میرے) عذاب سے ڈرتا ہے''۔ اور اس طرح کی دیگر آیات۔ بعض نے اسے لَا تَسْأَلْ صیغہ نہی کی طرز پر پڑھا ہے۔ یعنی آپ ان کے حال کے بارے میں دریافت نہ کریں۔ جس طرح عبدالرزاق نے محمد بن کعب قرظی سے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کاش کہ میں اپنے ماں باپ کے بارے میں جان لیتا (تین مرتبہ یہی جملہ دہرایا) تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ پھر آخر دم تک آپ نے اپنے والدین کا ذکر نہ فرمایا۔ ابن جریر نے بھی اسے

بروایت موسیٰ بن عبیدہ نقل کیا ہے لیکن اس راوی میں کلام ہے۔ قرطبی نے محمد بن کعب اور ابن عباس سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے کہا جائے کہ آپ فلاں کے بارے میں سوال نہ کریں۔ اس کا حال تو آپ کے اندازے سے بھی برا ہے۔ ہم نے تذکرہ نامی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کے والدین کریمین زندہ کیے گئے اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ اسی طرح ہم نے صحیح مسلم کی اس روایت کا بھی جواب دیا ہے کہ "میرا اور تیرا باپ آگ میں ہیں" (1)۔ ابن کثیر کہتے ہیں) کہ والدین کریمین کے احیاء کی حدیث صحاح ستہ وغیرہ میں موجود نہیں۔ اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر ابن جریر لکھتے ہیں (بروایت مرسل) کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے پوچھا "میرے والدین کہاں ہیں؟" (2)۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت سابقہ کی طرح مرسل ہے اور ابن جریر نے محمد بن کعب وغیرہ سے مروی قول کی تردید کی ہے کیونکہ بقول ان کے یہ بات محال ہے کہ آپ ﷺ اپنے والدین کے بارے میں شک کریں۔ اور پہلی قرأت کو ہی اختیار کیا ہے لیکن ان کے اس موقف کے بارے میں تعجب ہے کیونکہ ممکن ہے واقعہ اس وقت کا ہو جب آپ اپنے ماں باپ کے لئے استغفار کرتے تھے اور ان کے بارے میں آپ کو علم نہ تھا۔ پھر جب ان کے بارے میں علم ہو گیا تو آپ ﷺ نے برأت کا اظہار کیا اور بتایا کہ وہ دونوں جہنمی ہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ اور ابن جریر کی بات لازم نہیں آتی واللہ اعلم۔ (نوٹ: محققین علماء اور اہل سنت کے نزدیک یہ بات مسلمہ ہے کہ آپ ﷺ کے والدین کریمین مؤمن اور جنتی ہیں۔ واللہ اعلم۔(3) (مترجم) مسند امام احمد میں ہے کہ عطاء بن یسار نے ایک دفعہ عبداللہ بن عمرو بن عاص سے ملاقات کی اور آپ ﷺ کے تورات میں ذکر کردہ حلیہ کے بارے میں پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا ہاں خدا کی قسم! تورات میں آپ کی وہی صفات بیان کی گئی ہیں جو کہ قرآن میں ہیں۔ تورات میں ہے کہ اے نبی ہم نے آپ کو شاہد، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور ان پڑھے لکھے حضرات کے لئے بچاؤ بنا کر بھیجا ہے۔ تو میرا بندہ اور رسول ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے تو نہ بدزبان ہے نہ سخت گو، نہ بازاروں میں شور کرنے والا ہے برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے لیکن عفو ودرگزر سے کام لیتے ہیں۔ اور اللہ انہیں اس دنیا سے نہیں اٹھائے گا یہاں تک کہ اس ٹیڑھی قوم کو کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا نہ دیں۔ اور ان کی اندھی آنکھیں کھل نہ جائیں اور بہرے کان سننے نہ لگیں اور بند دل کھل نہ جائیں" (4)۔ بخاری نے اسے کتاب البیوع میں اور کتاب التفسیر میں بیان کیا ہے۔ ابوبکر بن مردویہ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں میں کعب احبار سے ملا اور پوچھا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

"اور ہرگز خوش نہیں ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ عیسائی یہاں تک کہ آپ پیروی کرنے لگیں ان کے دین کی۔ آپ (انہیں) کہہ دیجئے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔ اور اگر (بفرض محال) آپ پیروی کریں ان کی خواہشوں کی اس علم کے بعد بھی جو آپ کے پاس آچکا ہے (تو پھر) نہیں ہوگا آپ کے لیے اللہ کی (گرفت) سے بچانے والا کوئی یار اور

1۔ مسلم، الایمان: 374 2۔ اتحاد السادہ: 440/8

3۔ اس موضوع پر مزید آگاہی کیلئے ضیاء النبی جلد دوم صفحہ 78 تا 91 مصنفہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ ملاحظہ فرمائیں 4۔ البخاری، کتاب البیوع باب: 50

نہ کوئی مددگار جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں وہی ایمان لائے ہیں اس کے ساتھ اور جو کوئی انکار کرتا ہے اس کا تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں''۔

اے محمد! یہود اور نصاریٰ آپ سے کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ آپ ان کی رضا اور موافقت کو چھوڑیئے اور انہیں دین حق کی طرف دعوت دے کر اللہ کی رضا طلب کیجئے۔ اور فرمایئے کہ صحیح دین وہی ہے جس کی طرف بلانے کے لئے اللہ نے مجھے بھیجا ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ اس آیت میں آپ ﷺ اور صحابہ کرام کو طریقہ بتلایا جا رہا ہے جس کے ساتھ آپ اہل ضلال کو خاموش کرا سکتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر لڑتے رہیں گے۔ غالب رہیں گے کسی کی مخالفت انہیں نقصان نہ دے گی حتی کہ اللہ کا امر آ پہنچے۔ (میں کہتا ہوں) کہ یہ حدیث صحیح میں عبداللہ بن عمرو کی روایت کے ساتھ موجود ہے۔ اس بات کی شدید وعید کی جا رہی ہے کہ قرآن وسنت کی تعلیمات کو جان لینے کے بعد یہود ونصاریٰ کے طریقوں کی اتباع مت کرنا۔ اس آیت میں خطاب اگرچہ رسول کریم کو ہے لیکن حکم امت کو دیا جا رہا ہے۔ بہت سے فقہاء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ملت کا لفظ مفرد ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ سارا کفر ملت واحدہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (کافرون 6) '' ترجمہ: تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔ لہٰذا مسلمان اور کفار ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ تاہم ہر کافر اپنے ساتھی کافر کا وارث ہوگا۔ خواہ دونوں کا مذہب آپس میں مختلف ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ سب ایک ہی ملت ہیں۔ امام شافعی، ابوحنیفہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ دوسری روایت امام مالک کی رائے کے مطابق ہے کہ دو مختلف مذاہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ قولہ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ قتادہ کا قول ہے کہ یہ یہود ونصاریٰ ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی بھی یہی رائے ہے ابن جریر بھی اسے ہی اختیار کیا ہے (بروایت عبدالرزاق) سعید نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: جب دوران تلاوت جنت کا ذکر آئے تو جنت کا سوال کرے اور جہنم کے ذکر کے وقت اس سے اللہ کی پناہ مانگے۔ ابوالعالیہ کا قول ہے کہ ابن مسعود نے فرمایا اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تلاوت کا حق یہ ہے کہ حلال کو حلال جانے اور حرام کو حرام قرار دے۔ اور اسی طرح پڑھے جس طرح اللہ نے اسے نازل فرمایا ہے۔ کلمات کو ان کی جگہ سے نہ پھیرے۔ نا مناسب تاویل نہ کرے (عبدالرزاق کی روایت یہی ہے) سدی نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس سے روایت کیا ہے حلال کو حلال کرتے ہیں اور حرام کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے مقامات میں تحریف نہیں کرتے۔ ابن ابی حاتم نے ابن مسعود سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے حسن بصری کا قول ہے کہ محکم پر عمل کرتے ہیں۔ متشابہ پر ایمان لاتے ہیں اور مشکلات کو اس کے عالم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے نقل کیا کہ کما حقہ، اس کی اتباع کرتے ہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا (شمس:2) '' ترجمہ: اور قسم ہے مہتاب کی جب وہ (غروب) آفتاب کے بعد آوے''۔ یہاں تَلَا کا معنی اِتَّبَعَ ہے۔ عکرمہ، عطاء، مجاہد، ابو رزین اور ابراہیم نخعی سے اسی طرح مروی ہے۔ سفیان ثوری نے ابن مسعود سے بھی یہ نقل کیا ہے اور ایک مرفوع حدیث میں بھی اسی طرح ہے۔ پھر قرطبی لکھتے ہیں کہ اس کی اسناد میں متعدد راوی ضعیف ہیں جیسا کہ خطیب نے بیان کیا ہے لیکن اس کا معنی صحیح ہے۔ ابوموسیٰ اشعری کا قول ہے قرآن کی اتباع کرنے والا جنت کے باغیچوں میں اترنے والا ہے۔ عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ جب وہ آیت رحمت کے پاس سے گزرتے ہیں تو اللہ کی رحمت کا سوال کرتے ہیں اور آیت عذاب کے پاس سے گزرتے ہیں تو اللہ کے عذاب سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کا معمول بھی یہی تھا۔ (1) قولہ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ یہ خبر ہے۔ یعنی سابقہ انبیاء پر نازل شدہ کتابوں

میں سے کسی کتاب پر صحیح طریقے سے عمل پیرا ہونے والا آپ ﷺ پر نازل شدہ کتاب پر ایمان لانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ...... وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ...... (مائدہ:66)'' ترجمہ: اور اگر وہ قائم کرتے تورات اور انجیل کو (اپنے عمل سے) اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے (تو فراخ رزق دیا جاتا انہیں حتیٰ کہ) وہ کھاتے اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی''۔ اور فرمایا: قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (مائدہ:68) ''ترجمہ: آپ فرمایئے اہل کتاب! نہیں ہو تم کسی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تورات اور انجیل کو اور جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے''۔ یعنی جب تم انہیں پوری طرح قائم کرو اور کما حقہ ان پر ایمان لاؤ اور حضور ﷺ کی بعثت، اوصاف، آپ کی اتباع کرنے اور آپ کی نصرت و موازرت کرنے کے بارے میں ان میں جو کچھ مذکور ہے اس کی تصدیق کرو تو اس میں تمہارا دنیا و آخرت کا بھلا ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ...... (اعراف:157) ''ترجمہ: (یہ وہ ہیں جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے (جس کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں''۔ اور فرمایا: قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ ...... اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا (اسراء:108-107)'' ترجمہ: (آپ کفار کو) کہیے خواہ تم ایمان لاؤ اس پر یا نہ ایمان لاؤ بے شک وہ لوگ جنہیں دیا گیا ہے علم اس سے پہلے جب اسے پڑھا جاتا ان کے سامنے تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے (ہر عیب اور نقص سے) پاک ہے ہمارا رب بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے''۔ (17-108) یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بارے میں ہم سے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔ اور فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ...... وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (قصص:54-52) ''ترجمہ: جن کو ہم نے عطا فرمائی کتاب (نزول) قرآن سے پہلے وہ اس پر ایمان لائے ہیں اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کر چکے ہیں یہ لوگ ہیں جنہیں دیا جائے گا ان کا اجر انہیں دو مرتبہ بوجہ ان کے صبر کے اور دور کرتے ہیں نیکی کے ساتھ برائی کو نیز اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے خرچ کرتے رہتے ہیں''۔ اور فرمایا: وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ...... وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ (آل عمران:20) ''ترجمہ: اور کہیے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی اور ان پڑھوں سے کہ کیا تم ایمان لائے پس وہ اگر ایمان لے آئیں جب تو ہدایت پا گئے اگر وہ منہ پھیر لیں تو اتنا ہی آپ کے ذمہ تھا کہ آپ پیغام پہنچا دیں (جو آپ نے پہنچایا) اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو''۔ اسی لیے فرمایا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ جیسے ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود:17)'' ترجمہ: اور جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدے کی جگہ ہے''۔ صحیح حدیث میں ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس امت یہود و نصاریٰ میں سے جو بھی میرے بارے میں سنے اور پھر مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔

يٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

''اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری وہ نعمت جو میں نے تم پر فرمائی اور (خصوصاً یہ کہ) میں نے تم کو فضیلت دی (اس زمانہ کے) سب لوگوں پر اور ڈرو اس دن سے کہ نہ پکڑا جائے گا کوئی آدمی کسی کے عوض اور نہ قبول کیا جائے گا اس سے مالی تاوان اور نہ نفع دے گی اسے کوئی سفارش اور نہ ہی ان کی امداد کی جائے گی''۔

اس طرح کی آیت سورت کے شروع میں بھی گزر چکی ہے یہاں دوبارہ تاکید اور اس امی نبی ﷺ کی اتباع پر ابھارا جا رہا ہے جن کے اوصاف، نام اور امت کا ذکر ان کی کتب میں موجود ہے۔ پس انہیں اس کے چھپانے اور اللہ کی نعمتیں چھپانے سے ڈرایا جا رہا ہے۔ اور یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کی دینی اور دنیوی نعمتوں کو یاد کریں اور اپنے چچازاد اہل عرب سے حسد نہ کریں اس نعمت پر جو انہیں ارزانی ہوئی یعنی ان میں خاتم النبیین رسول تشریف لایا۔ اور یہ حسد انہیں اس کی مخالفت اور تکذیب پر آمادہ نہ کرے۔ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ دَائِمًا اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

''اور یاد کرو جب آزمایا ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کے رب نے چند باتوں سے تو انہیں پورے طور پر بجا لایا۔ اللہ نے فرمایا بیشک میں بنانے والا ہوں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا۔ عرض کی میری اولاد سے بھی؟ فرمایا نہیں پہنچتا میرا وعدہ ظالموں تک''۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی بزرگی و شرف کا بیان ہو رہا ہے کہ اللہ رب العزت نے انہیں لوگوں کا امام بنایا۔ توحید میں ان کی اقتداء کی جائے گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام اوامر و نواہی کو بجا لائے۔ اسی لئے فرمایا اے محمد! (ﷺ) ان مشرکین اور اہل کتاب جو ملت حضرت خلیل اللہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں کو یہ یاد کرا دو کہ وہ اس پر نہیں ہیں۔ بلکہ آپ کے اسوہ پر تو اے محمد (ﷺ) آپ اور آپ کے پیروکار مومن مسلمان ہیں۔ انہیں حضرت ابراہیم پر اللہ کے امتحان کو یاد دلاؤ جسے انہوں نے پورا کر دیا۔ یعنی جو کچھ اوامر و نواہی ان پر نازل کیے گئے تھے پورا کر دکھائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاَتَمَّهُنَّ'' اور ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں جو پوری طرح احکام بجا لائے۔) اور ارشاد فرمایا: وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی (نجم: 37)۔ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ؕ وَ لَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (نحل: 120) ''بلاشبہ ابراہیم ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے۔'' اور فرمایا: قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (انعام: 162)۔'' آپ فرمایئے بے شک مجھے پہنچا دیا ہے میرے رب نے سیدھی راہ تک یعنی دین مستحکم (جو) ملت ابراہیم ہے جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے اور نہیں تھے وہ مشرکوں سے''۔ اور فرمایا: مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا...... وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ'' نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے مسلمان تھے۔ اور نہ ہی وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے بے شک نزدیک تر لوگ ابراہیم (علیہ السلام) سے وہ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی نیز یہ نبی (کریم) اور جو (اس نبی پر) ایمان لائے اللہ تعالیٰ مددگار ہے مومنوں کا۔'' قولہ تعالیٰ (بِكَلِمٰتٍ) کلمات سے مراد شرائع اور اوامر و نواہی ہیں۔ کلمات کے لفظ سے مراد قدری کلمات بھی ہوتے ہیں جیسے سیدہ مریم کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ (تحریم: 12)'' اور مریم نے تصدیق کی اپنے رب کی باتوں کی اور اس کی کتابوں

کی اور وہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے تھیں''۔اور کبھی کلمات سے مراد شرعی کلمات ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ (انعام:115) ''اور مکمل ہوگئی آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے''۔

یہاں پر یا تو حقیقت کی خبر دی جارہی ہے یا پھر طلب عدل ہے اگر امر یا نہی قرار دیا جائے۔ یہ آیت کریمہ اسی قبیل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آزمائش پر پورا اترنے کی وجہ سے انہیں یہ انعام ملا کہ انہیں لوگوں کا پیشوا اور مقتدا بنا دیا گیا۔ لفظ کلمات کی تعین کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ امتحانات کیا تھے؟۔ ابن عباس سے اس بارے میں متعدد روایات مروی ہیں۔ عبدالرزاق نے بروایت قتادہ ذکر کیا ہے۔ کہ اس سے مراد مناسک ہیں۔ ابواسحٰق السبیعی التمیمی نے بھی ابن عباس سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ طاؤس کی روایت میں ہے کہ اس سے مراد امور طہارت ہیں پانچ سر میں اور پانچ بقایا جسم میں۔ سر میں لبیں تراشنا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، دانتوں کو مسواک سے صاف کرنا اور سر کی مانگ نکالنا ہے۔ اور جسم کے دیگر حصوں میں ناخن تراشنا، موئے زیر ناف صاف کرنا، ختنہ کرنا، زیر بغل بالوں کو صاف کرنا۔ پیشاب اور پاخانے کی غلاظت کے اثرات کو پانی سے دھونا مراد تھا۔ ابن حاتم کہتے ہیں کہ سعید بن مسیّب، مجاہد، نخعی، شعبی، ابوصالح اور ابوخلد سے اسی طرح مروی ہے۔ (میں کہتا ہوں کہ) اس کے قریب ہی صحیح مسلم کی حدیث سیدہ عائشہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا دس چیزیں فطرت کے مطابق ہیں۔ موتچھیں تراشنا، ڈاڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن اتارنا، انگلیوں کے جوڑ دھونا، موئے زیر بغل اور زیر ناف اتارنا اور پانی استعمال کرنا۔ معصب کا قول ہے کہ مجھے دسویں چیز بھول گئی ہے ممکن ہے یہ کلی ہو۔ اور پانی کے استعمال سے مراد استنجاء ہے۔ صحیح میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا'' پانچ چیزیں سنت کے مطابق ہیں۔ ختنہ، موئے زیر ناف صاف کرنا، موتچھیں تراشنا، ناخن اتارنا، اور بغلیں صاف کرنا'' (مسلم) (1)۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ دس اشیاء ہیں چھ انسان میں اور چار مناسک ہیں۔ جو انسان میں ہیں وہ یہ ہیں۔ موئے زیر ناف، بغل کے بال لینا، ختنہ، ابن ہبیرہ کا قول ہے کہ تینوں اشیاء ایک ہیں۔ ناخن اتارنا، موتچھیں کاٹنا، مسواک اور غسل جمعہ اور چار مناسک یہ ہیں طواف، سعی، رمی جمار (جمروں پر کنکر مارنا) اور طواف افاضہ۔ داؤد بن ابی ہند نے بروایت عکرمہ، ابن عباس سے نقل کیا ہے اس امتحان میں کسی کو بھی مبتلا کیا گیا تو وہ اسے بجا نہ لایا ماسوائے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے۔ آپ انہیں پورے طور پر بجالائے۔ تو یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اتری۔ میں نے پوچھا وہ کلمات (امتحانات) کیا ہیں؟ تو فرمایا اسلام تیس حصے ہیں دس آیات سورۂ توبہ میں (اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ) سے آخر تک۔ اور دس آیات (قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ) اور (سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ) کے شروع میں۔ اور دس آیات سورۂ احزاب میں (اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ) سے آخر آیت تک)۔ آپ ان سب کو مکمل طور پر بجالائے تو آپ کے لئے برأت لکھ دی گئی۔ اور فرمایا: وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤى (نجم:37)۔ حاکم، ابوجعفر بن جریر اور ابومحمد بن ابی حاتم نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ محمد بن اسحٰق نے بروایت عکرمہ یا سعید حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ کلمات سے مراد اللہ کے حکم کی بجا آوری میں اپنی قوم سے علیحدہ ہو جانا، نمرود سے مناظرہ، آگ کی آزمائش پر صبر، وطن سے ہجرت، ضیافت کا حکم اور اپنے جان و مال کے ساتھ صبر کرنا، بیٹے کے ذبح کرنے کے حکم کو بخوشی پورا کرنا ہے۔ جب آپ ان سب کو بجالائے تو اللہ نے فرمایا قولہ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (بقرہ:131) '' ترجمہ: (اے ابراہیم) گردن جھکا دو عرض کی میں نے اپنی گردن جھکا دی سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے''۔ ابن ابی حاتم نے حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے ستاروں کے ساتھ آپ کی آزمائش فرمائی آپ اس پر راضی ہو گئے۔ پھر چاند اور سورج کے ساتھ آزمائش ہوئی۔ اسی

1۔ مسلم، الطہارۃ 50,49

طرح ہجرت، ختنہ اور بیٹے کو ذبح کرنے کی آزمائش ہوئی۔ آپ سب میں راضی برضا رہے۔ اسی طرح مناسک حج، مرتبہ امامت اور بیت اللہ کے باسیوں کی روزی کے ساتھ آپ کی آزمائش ہوئی۔ اور حضور ﷺ انہی کے دین میں مبعوث ہوئے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اللہ نے فرمایا اے ابراہیم میں تمہیں آزماتا ہوں۔ ذرا بتاؤ تو وہ کیا ہے۔ آپ نے عرض کی مجھے لوگوں کا پیشوا بنا دے۔ اللہ نے آپ کی دعا قبول کر لی۔ فرمایا اور میری اولاد سے فرمایا میرا عہد ظالموں سے نہیں۔ عرض کی بار الہا کعبہ کو لوگوں کا مرکز بنا دے۔ آپ کی دعا قبول ہوئی۔ پھر عرض کی مولا ہمیں اپنے فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا فرما جو تیری فرمانبردار ہو۔ فرمایا منظور ہے۔ پھر عرض کی اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے روزی عطا فرما۔ یعنی جو ان میں سے ایمان لائے فرمایا تمہاری یہ درخواست بھی قبول ہے۔ ابن ابی نجیح کا قول ہے کہ میں نے عکرمہ سے یہ بات سنی اور مجاہد سے پوچھا تو انہوں نے انکار نہ کیا۔ ابن جریر نے بھی مجاہد سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ سفیان ثوری نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ما بعد آیات کے ساتھ آپ کا امتحان لیا گیا۔ ربیع بن انس کا قول بھی یہی ہے۔ سدی کا قول ہے کہ کلمات جن سے آپ کی آزمائش کی گئی۔ وہ یہ ہیں۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (بقرہ: 129-127)۔ قرطبی کا قول ہے کہ موطا وغیرہ میں ہے سب سے پہلے حضرت ابراہیم نے ختنہ کیا۔ سب سے پہلے مہمان نوازی کی۔ سب سے پہلے ناخن تراشے، سب سے پہلے مونچھیں کاٹنے والے بھی آپ ہیں۔ سب سے پہلے آپ کے بالوں میں چاندی آئی۔ جب آپ نے بڑھاپے کے آثار دیکھے تو پوچھا اے رب! یہ کیا ہے؟۔ فرمایا۔ وقار وعزت۔ آپ نے عرض کی اے رب میرے وقار میں اضافہ فرما۔ ابن ابی شیبہ نے ذکر فرمایا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہی منبر پر خطبہ دیا۔ بعض دیگر علماء کا قول ہے کہ آپ ہی سب سے پہلے قاصد بھیجنے والے ہیں۔ آپ نے ہی سب سے پہلے تلوار چلائی۔ آپ نے پہلے مسواک کی۔ سب سے پہلے استنجا کرنے والے، شلوار پہننے والے آپ ہی ہیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا۔ اگر میں نے منبر بنایا ہے تو میرے باپ ابراہیم نے بھی منبر بنایا تھا۔ (میں کہتا ہوں کہ) یہ حدیث ثابت نہیں واللہ اعلم۔ اس کے بعد قرطبی نے ان احکام شرعیہ کا ذکر فرمایا ہے جو ان آیات کے متعلق ہیں۔ ابوجعفر جریر کا قول ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ کلمات سے مراد مذکورہ بالا تمام چیزیں بھی ہو سکتی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد بعض چیزیں ہوں۔ کسی چیز کی تخصیص کرنا جائز نہیں۔ مگر جب تک حدیث یا اجماع سے کوئی دلیل نہ ملے۔ اور ایسی کوئی دلیل نہیں۔ لیکن اس کے مفہوم کی دو روایات ہیں (1)۔ حضرت سہل بن معاذ بن انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ نے حضرت ابراہیم کو وفا کرنے والا کس لیے فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر صبح وشام یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ...... (روم: 18-17) (1)۔ (2) ابوامامہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ، والی آیت پڑھ کر فرمایا: کیا تم جانتے ہو وفا کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا'' اور وہ دن کے وقت چار رکعتیں پڑھتے تھے'' (2) آدم نے اسے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ ابن جریر نے ان دونوں حدیثوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور ان کی بات ٹھیک ہے کیونکہ ضعیف روایات کو ضعف کا بیان کیے بغیر روایت کرنا جائز نہیں۔ اور ان میں ضعف کی متعدد وجوہ ہیں۔ دونوں احادیث کی سندوں میں کئی کئی راوی ضعیف ہیں اور ان کا متن بھی ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔ قولہ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

1۔ مسند احمد: 439/3
2۔ الدر المنثور: 229/6

امام بنایا تو آپ نے اپنی اولاد کے لئے بھی اسی مقام کی دعا کی تو ارشاد ہوا کہ آپ کی دعا قبول ہے اور ساتھ ہی یہ خبر دی گئی کہ آپ کی اولاد میں سے ظالم لوگ بھی ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کا عہد نہ پہنچے گا۔ نہ وہ امام بنائے جائیں گے اور نہ ان کی اقتدا کی جائے گی۔ آپ کی دعا کی قبولیت کی دلیل سورۂ عنکبوت کی یہ آیت ہے: وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ (عنکبوت:27) حضرت ابراہیم کے بعد ہر نبی جس کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور اس پر کتاب نازل فرمائی وہ آپ کی اولاد سے ہی تھا۔

ظالموں کو عہد نہیں پہنچے گا سے کیا مراد ہے؟۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ ضعیف نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ آپ کی اولاد میں ظالم لوگ ہوں گے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ میں ظالم کو امام نہیں بناؤں گا۔ منصور نے مجاہد سے روایت کیا ہے کوئی ظالم امام یا پیشوا نہیں ہوگا۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مراد مشرک ہیں۔ عطاء کا قول ہے کہ عہد سے مراد امر ہے۔ ابن ابی حاتم نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں آپ نے عرض کی میری اولاد کو بھی۔ پہلے آپ کی درخواست قبول نہ ہوئی۔ پھر فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ محمد بن اسحٰق نے بھی بروایت عکرمہ یا سعید بن جبیر یہی نقل کیا ہے۔ عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ظالم کا تم پر کوئی عہد نہیں کہ تم اس کے ظلم میں بھی اس کی اتباع کرو۔ ابن جریر نے بروایت مجاہد، ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ظالم کو میرا کوئی عہد نہیں پہنچے گا اگرچہ میں نے اس سے عہد کیا ہے۔ مجاہد، عطاء اور مقاتل بن حیان وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ ثوری نے ہارون بن عنترہ کے باپ سے نقل کیا ہے کہ ظالم کا کوئی عہد نہیں۔ عبدالرزاق نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے ساتھ میرا وعدہ آخرت میں ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ جہاں تک دنیا کا تعلق ہے وہ امن میں ہوگا۔ کھائے گا پیئے گا اور عیش کرے گا۔ اسی طرح ابراہیم نخعی، عطاء، حسن اور عکرمہ نے کہا ہے۔ ربیع بن انس کا قول ہے کہ اللہ کا عہد جو اس نے اپنے بندوں سے کیا ہے اس کا دین ہے۔ فرمایا اس کا دین ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ کیا آپ نے یہ آیت نہیں پڑھی؟ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ (صافات:113) '' ترجمہ: اور ہم نے برکتیں نازل کیں اس پر اور اسحٰق پر اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہوگا اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہوگا''۔ فرمایا اے ابراہیم تیری ساری ذریت حق پر نہیں ہوگی۔ ابوالعالیہ، عطاء اور مقاتل بن حیان سے اسی طرح مروی ہے۔ جویبر نے ضحاک سے نقل کیا ہے کہ میری اطاعت میرے نافرمان دشمن کو نہیں ملے گی۔ میں اس کو عطا نہیں کروں گا مگر اپنے دوست فرمانبردار کو۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''میری اطاعت نہیں مگر صرف معروف میں'' (1)۔ سدی کا قول ہے کہ عہد سے مراد نبوت ہے۔ یہ اسلاف مفسرین کے اس آیت کے بارے میں اقوال تھے۔ اگرچہ ظاہراً جملے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ امامت کے بارے میں اللہ کا عہد ظالم کو نہیں پہنچے گا۔ اس میں اللہ کی طرف سے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو یہ کہا جا رہا ہے کہ تمہاری اولاد میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوں گے۔ جیسے مجاہد وغیرہ کی رائے کا اوپر گزر ہوا ابن خویز منداد مالکی فرماتے ہیں کہ ظالم شخص نہ تو خلیفہ بن سکتا ہے اور نہ حاکم، نہ مفتی، نہ گواہ اور نہ راوی۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ

''اور یاد کرو جب ہم نے بنایا اس گھر (خانہ کعبہ) کو مرکز لوگوں کے لیے اور امن کی جگہ اور (انہیں حکم دیا کہ) بنالو ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز''۔

عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے ان کی لگن ختم نہیں ہوتی آتے ہیں گھر واپس لوٹ جاتے ہیں۔ پھر دوبارہ آجاتے ہیں۔ علی

1۔ الدر المنثور، 118/1

بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے لوگوں کے لئے ثواب کی جگہ۔ یہ دونوں روایات ابن جریر نے ذکر کی ہیں۔ ابن ابی حاتم نے بروایت مجاہد ابن عباس سے روایت کیا ہے اس کی طرف آتے ہیں پھر لوٹ جاتے ہیں۔ ابوالعالیہ، سعید بن جبیر، عطاء مجاہد، حسن، عطیہ، ربیع بن انس اور ضحاک کا یہی قول ہے۔ ابوعمرو اوزاعی نے عبیدہ بن لبابہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ کوئی شخص بھی یہاں سے اس حال میں واپس نہیں لوٹتا کہ اس کی رغبت وشوق پورا ہو چکا ہو۔ ابن زید نے لکھا ہے مَثَابَةً کا معنی ہے کہ دنیا بھر سے لوگ یہاں جمع ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر یہ شعر کتنا ہی خوبصورت ہے جسے قرطبی نے نقل کیا ہے۔

جُعِلَ الْبَيْتُ مَثَابًا لَهُمْ لَيْسَ مِنْهُ الدَّهْرَ يَقْضُوْنَ الْوَطَرْ

سعید بن جبیر (ایک دوسری روایت): عکرمہ، قتادہ اور عطاء خراسانی نے مَثَابَةً کا معنی مرکز کیا ہے۔ "وَاَمْنًا" ضحاک نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ لوگوں کے لئے باعث امن۔ ابوالعالیہ کا قول ہے کہ دشمن سے امن یعنی یہاں اسلحہ نہیں اٹھایا جاتا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ اس کے اردگرد سے اچک لیے جاتے حالانکہ یہ لوگ پرامن ہوتے۔ انہیں قید نہ کیا جاتا۔ مجاہد، عطاء، سدی، قتادہ اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ اس میں ہر داخل ہونے والا امن میں ہو جاتا ہے۔ اس آیت کی تشریح وتفسیر کے ضمن میں ان ائمہ کرام نے جو ذکر کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بیت اللہ شریف کی شان کو بیان فرما رہے ہیں" ترجمہ: اور کوئی چیز مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے عطا فرمائے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحاق (جیسے فرزند) بلاشبہ میرا رب سننے والا ہے دعاؤں کا میرے رب بنادے مجھے نماز کو قائم رکھنے والا اور میری اولاد کو بھی اے ہمارے رب میری یہ التجا ضرور قبول فرما"۔ کہ ہم نے اسے قدر ومنزلت عطا کی ہے یہ ایسا مقام ہے کہ روحیں ہر وقت اس کی مشتاق رہتی ہیں۔ ہر سال آنے کے باوجود ان کے ذوق وشوق کی فراوانی میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استجابت دعا کا ثمرہ ہے آپ نے دعا مانگی تھی۔ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ ...... رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ (ابراہیم: 40-37) " ترجمہ: پس کردے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق ومحبت سے اس کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں اے ہمارے رب یقیناً تو جانتا ہے جو ہم (دل میں) چھپائے ہوئے ہیں اور ہم ظاہر کرتے ہیں اور کوئی چیز مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے عطا فرمائے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحاق (جیسے فرزند) بلاشبہ میرا رب بہت سننے والا ہے، دعاؤں کا، میرے رب بنادے مجھے نماز کو قائم کرنے والا اور میری اولاد کو بھی اے ہمارے رب میری یہ التجا ضرور قبول فرما"۔ اللہ تعالیٰ اس کی شان بیان فرماتے ہیں کہ اس میں جو بھی آئے وہ امن میں ہے اگرچہ کسی جرم کا ارتکاب کر کے ہی کیوں نہ آیا ہو۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ آدمی اپنے باپ اور بھائی کے قاتل کا یہاں سامنا کرتا لیکن اس سے کوئی تعرض نہ کرتا۔ جس طرح کہ سورۂ مائدہ میں بیان کیا گیا ہے۔ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ (مائدہ: 97)" ترجمہ: بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو عزت والا گھر ہے بقا کا باعث لوگوں کے لئے"۔ یعنی اپنی عظمت کے سبب لوگوں سے شر کو دور کرتا ہے۔ جیسے ابن عباس کا قول ہے۔ اگر لوگ بیت اللہ کا حج نہ کریں تو اللہ تعالیٰ آسمان کو زمین پر گرادے۔ یہ شرف صرف اس کے بانی حضرت خلیل الرحمٰن ابراہیم علیہ السلام کی وجہ سے ہے۔ ارشاد فرمایا: وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا (الحج: 26)" ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیم کے لئے اس گھر (تعمیر کرنے) کی جگہ اور حکم دیا کہ شریک نہ ٹھہرانا میرے ساتھ کسی چیز کو اور فرمایا: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ...... وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران: 96) اس آیت کریمہ میں مقام ابراہیم کے ذکر کے ساتھ ساتھ یہاں نماز پڑھنے کا حکم بھی دیا۔ اور فرمایا کہ بنالو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے۔ نماز قولہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ

اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى لفظ مقام سے کیا مراد ہے۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن ابی حاتم نے بروایت مجاہد حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ مقام ابراہیم سارا حرم ہے۔ مجاہد اور عطاء کی بھی یہی رائے ہے۔ عطاء سے ابن جریج نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا میں نے ابن عباس کو ارشاد فرماتے سنا کہ مقام ابراہیم جس کا ذکر اس آیت میں ہے اس سے مراد وہ مقام ہے جو مسجد میں ہے۔ پھر فرمایا کثیر علماء مقام سے مراد سارا حج لیتے ہیں۔ پھر عطاء نے میرے لیے اس کی تفسیر فرمائی اور فرمایا یہ عرفات، عرفہ میں دو نمازیں، مشعر حرام (مزدلفہ) منی، رمی جمار، صفا و مروۃ کا طواف ہے۔ میں نے پوچھا کیا یہ تفسیر ابن عباس نے فرمائی تھی؟ فرمایا نہیں۔ بلکہ انہوں نے فرمایا تھا۔ مقام ابراہیم سارا حج ہے۔ سفیان ثوری نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ مقام ابراہیم یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم تعمیر فرماتے اور حضرت اسماعیل انہیں پتھر اٹھا کر دیتے تھے۔ سدی کا قول ہے کہ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جسے حضرت اسماعیل کی زوجہ حضرت ابراہیم کے قدم نیچے رکھ کر آپ کے پاؤں دھوتی تھیں۔ قرطبی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور دیگر نے اسے ترجیح دی ہے۔ رازی نے اپنی تفسیر میں حسن بصری، قتادہ، اور ربیع بن انس سے یہی نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے جعفر بن محمد کے باپ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت جابر کو یہ ارشاد فرماتے سنا۔ آپ نبی اکرم ﷺ کے حج کا طریقہ بیان فرما رہے تھے۔ فرمایا جب آپ ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر نے عرض کی کیا یہی ہمارے باپ کا مقام ہے۔ آپ نے عرض کی کیا ہم اسے جائے نماز نہ بنالیں۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ عثمان بن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا یہ ہمارے رب کے خلیل کا مقام ہے؟ فرمایا ہاں۔ عرض کی ہم اسے جائے نماز نہ بنالیں؟ تو یہ آیت اتری۔ ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق کے سوال پر تھوڑی دیر گزری تھی کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن مردویہ نے ایک دوسری سند سے بھی اسے روایت کیا ہے اور یہ غریب ہے۔ اسی طرح نسائی نے بھی ولید بن مسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ بخاری نے باب قولہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى سے انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا میں نے اپنے رب سے (ایک روایت میں ہے میرے رب نے مجھ سے) تین باتوں میں موافقت کی (1) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالیں (2) میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اچھے برے ہر قسم کے لوگ آپ کے پاس آتے ہیں کاش آپ امہات المؤمنین کو پردے کا حکم فرمائیں۔ تو آیت حجاب نازل ہوئی (3) جب مجھے پتہ چلا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بعض ازواج سے خفگی کا اظہار کیا ہے تو میں ان کے پاس گیا اور کہا اگر تم باز نہیں آؤ گی تو اللہ تمہارے بدلے اپنے رسول کو اچھی بیویاں عطا فرمائے گا۔ تو یہ آیت اتری: عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ...... (1) یہ متعدد اسناد سے متعدد کتب میں مروی ہے (دیکھئے بخاری، احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، علی بن مدینی، مسلم)۔ مسلم کی روایت میں ان تین چیزوں کا ذکر ہے۔ حجاب، بدر کے قیدی مقام ابراہیم۔ ابو حاتم رازی نے تیسری چیز کی جگہ کہا ہے کہ جب منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی فوت ہو گیا۔ حضور ﷺ اس کے جنازہ کے لئے تیار ہوئے۔ تو حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا آپ اس کافر، منافق کی نماز جنازہ پڑھیں گے تو یہ آیت اتری: وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا...... (توبہ: 84) "ترجمہ: اور نہ پڑھیے نماز جنازہ کسی پر ان میں سے جو مر جائے کبھی"۔ اس کی اسناد بھی صحیح ہے اور ان میں کوئی تعارض نہیں بلکہ سب صحیح ہیں۔ اور مفہوم عدد کے مقابلے میں جب منطوق آجائے تو اسے ترجیح دی جائے گی۔ واللہ اعلم۔ ابن جریج نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف کے تین چکروں میں رمل کیا اور چار پھیرے عام رفتار سے کیے۔ جب آپ ﷺ طواف سے فارغ ہوئے۔ تو مقام ابراہیم کے پیچھے آ کر دو نفل ادا کیے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ابن

1۔ مسند امام احمد: 23/1

جریر کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مقام کو اپنے اور بیت اللہ شریف کے درمیان کر لیا تھا۔ (یہ ایک طویل حدیث کا جز ہے جسے انہوں نے اپنی صحیح میں حاتم بن اسماعیل کی طرف منسوب کیا ہے)۔ بخاری نے اپنی سند کے ساتھ عمرو بن دینار کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے(1)۔ ان سب احادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔ جب دیوار بلند ہوگئی تو حضرت اسماعیل اس پتھر کو لے آئے اور آپ اس پر کھڑے ہوئے۔ حضرت اسماعیل پتھر پکڑاتے جاتے اور آپ انہیں دیوار پر لگاتے جاتے۔ جب ایک طرف مکمل ہو جاتی تو دوسری سمت میں چلے جاتے اور اسی پتھر پر کھڑے ہوتے۔ جہاں دیوار کو اونچا کرنا مقصود ہوتا اسی پتھر پر کھڑے ہوتے۔ تا آنکہ کعبہ کی تعمیر مکمل ہوگئی۔ (اس قصے کا پورا بیان حضرت ابراہیم اور اسماعیل کے واقعہ میں آئے گا۔) جس طرح کہ بخاری نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ آپ کے قدمین شریفین کے نشانات اس پتھر پر ثبت ہو گئے تھے۔ یہ بات زمانہ جاہلیت میں بھی عربوں کے ہاں معروف تھی۔ ابوطالب اپنے معروف لامیہ قصیدہ میں لکھتے ہیں۔

وَ مَوْطِئُ اِبْرَاہِیْمَ فِی الصَّخْرِ رَطْبَۃٌ عَلٰی قَدَمَیْہِ حَافِیًا غَیْرَ نَاعِلِ

''ترجمہ: اس چٹان پر حضرت ابراہیم کے پاؤں مبارک کے نشانات اب بھی تازہ ہیں۔ یہ نشان ننگے پاؤں کے ہیں اور ان میں جوتا نہیں۔ بلکہ مسلمانوں نے بھی اسے دیکھا۔ جس طرح کہ انس بن مالک سے مروی ہے کہ میں نے مقام پر حضرت ابراہیم کی انگلیوں اور پاؤں کے اخمص (وہ تلوے کا وہ حصہ جو زمین سے نہیں لگتا) کے نشانات دیکھے لیکن لوگوں کے بکثرت چھونے سے وہ مٹ گئے۔'' ابن جریر نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اس کے پاس نماز پڑھنے کا حکم دیا چھونے کا حکم نہ دیا۔ اس امت نے بھی سابقہ امتوں کی طرح تکلف سے کام لیا۔ جن لوگوں نے ایڑی اور انگلیوں کا نشان دیکھا ہے انہوں نے ہم سے بیان کیا کہ لوگ مسلسل اس کو چھوتے رہے یہاں تک کہ وہ نشانات اب مٹ چکے ہیں۔ (میں کہتا ہوں کہ) مقام ابراہیم زمانہ قدیم میں دیوار کعبہ سے متصل تھی کعبہ کے دروازے کی جانب حجر اسود کی طرف دروازے سے داخل ہونے والے کے دائیں طرف۔ جو آج بھی لوگوں کو معلوم ہے۔ حضرت خلیل علیہ السلام جب تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو اسے دیوار کعبہ میں رکھا یا اس جگہ عمارت مکمل ہوگئی تو اسے وہیں چھوڑ دیا اسی لیے طواف سے فراغت کے بعد یہاں نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ اور مناسب ہے کہ یہ وہ جگہ ہو جہاں مقام ابراہیم ہے اور جہاں کعبہ کی تعمیر مکمل ہوئی تھی۔ امام ہدایت، خلیفہ راشد، امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے دیوار کعبہ سے ہٹا کر رکھا۔ آپ خلفاء راشدین میں سے ہیں جن کی اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ آپ کا شمار ان دو آدمیوں میں ہوتا ہے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ان کی اتباع کرو جو میرے بعد ہیں یعنی ابوبکر و عمر۔ آپ کی موافقت میں ہی قرآن نے یہاں نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اسی لیے صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اس کے ثبوت میں بہت سی روایات ہیں۔ (دیکھئے عبد الرزاق، بیہقی، ابن ابی حاتم، ابوبکر بن مردویہ بروایات متعددہ والفاظ مختلفہ)۔

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾
وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ

1۔ تفسیر طبری: 537/1

بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾

"اور ہم نے تاکید کردی ابراہیم (علیہ السلام) اور اسمٰعیل (علیہ السلام) کو کہ خوب صاف ستھرا رکھنا میرا گھر طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے۔ اور یاد کرو جب عرض کی ابراہیم (علیہ السلام) نے اے میرے رب! بنادے اس شہر کو امن والا اور روزی دے اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے (یعنی) جو ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر۔ اللہ نے فرمایا (ان میں سے) جس نے کفر بھی کیا اسے بھی فائدہ اٹھانے دونگا چند روز پھر مجبور کروں گا اسے دوزخ کے عذاب کی طرف اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ اور یاد کرو جب اٹھارہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل (علیہ السلام) بھی۔ اے ہمارے پروردگار! قبول فرما ہم سے (یہ عمل) بیشک تو ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ انہیں حکم دیا کہ اسے گندگی، ناپاک چیزوں سے پاک رکھیں۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا عہد سے کیا مراد ہے تو انہوں نے فرمایا امر۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے بھی یہی مروی ہے یہاں بظاہر حرف علی کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے یعنی ہم نے حکم دیا اور وحی کی۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اسے بتوں سے پاک کرنا مراد ہے۔ مجاہد، سعید بن جبیر نے فرمایا ہے کہ بتوں، بری باتوں، جھوٹی گفتگو اور ناپاک چیزوں سے خالی رکھنا مراد ہے۔ ابن ابی حاتم لکھتے ہیں کہ عبید بن عمیر، ابو العالیہ، سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء اور قتادہ سے مروی ہے کہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ اسے شرک سے پاک کرو۔ (اَلطَّآئِفِيْنَ) طواف کا مفہوم واضح ہے یعنی طواف کرنے والے لیکن سعید بن جبیر نے اس سے مراد باہر سے آنے والے لوگ لیے ہیں۔ اور عَاكِفِيْنَ سے مراد وہاں کے مقیم باشندے۔ عطاء، قتادہ، ربیع بن انس نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ وکیع نے بروایت عطاء ابن عباس سے روایت کیا ہے جو وہاں بیٹھا ہو وہ عاکفین سے ہے۔ ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے ثابت نے کہا ہم نے عبداللہ بن عبید بن عمیر سے کہا میں امیر وقت سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ لوگوں کو مسجد حرام میں سونے سے منع کردیں کیونکہ وہ جنبی اور بے وضو ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا ایسا نہ کرو حضرت ابن عمر سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا وہ عاکفین ہیں۔ بروایت عبد بن حمید بھی اسی طرح آیا ہے۔ (میں کہتا ہوں کہ) صحیحین میں یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کنوارے تھے تو وہ مسجد نبوی میں سویا کرتے تھے۔ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ وکیع نے بروایت عطا ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد نمازی ہیں۔ عطا اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر لکھتے ہیں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے پاک کریں۔ تطہیر سے مراد بتوں، بت پرستوں اور شرک سے پاک کرنا تھا۔ پھر یہاں ایک اعتراض وارد کیا ہے کیا حضرت ابراہیم کی تعمیر سے قبل کعبہ کے پاس کوئی چیز تھی جسے پاک کرنے کا حکم دیا گیا پھر اس کے دو جوابات دیئے ہیں۔ قوم نوح کے وقت سے جو بت پرستی وہاں رائج تھی اس کو صاف کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ بعد والوں کے لئے سنت ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو امام و پیشوا بنایا تھا جیسا کہ عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے کہ تطہیر سے مراد بتوں سے پاک کرنا ہے جن کی مشرکین تعظیم کرتے تھے۔ (میں کہتا ہوں کہ) یہ جواب اس بات پر مبنی ہے کہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام سے قبل بیت اللہ کے پاس بت پرستی رائج تھی۔ یہ بات دلیل کی محتاج ہے۔2 جواب دوئم: انہیں حکم دیا کہ وہ اسے خالص اللہ وحدہ لاشریک کے لئے بنائیں۔ اور اس میں شرک و بت پرستی کا شائبہ تک نہ ہو۔ جیسے اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ...... عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ (توبہ:109) ''ترجمہ: تو کیا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ کے تقویٰ پر اور (اس کی) رضا جوئی پر بہتر ہے یا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی وادی کے کھوکھلے دھانے کے کنارے پر۔'' اسی طرح یہ آیت ہے۔ سدی کا بھی یہی قول ہے۔ اس جواب کا ملخص یوں ہو سکتا ہے کہ اللہ نے ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کو حکم دیا صرف اس وحدہ لاشریک کے نام سے گھر بنائیں طواف کرنے والوں، وہاں ٹھہرنے اور نماز پڑھنے والوں کے لئے۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ...... وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ...... (حج:26) ''ترجمہ: یاد کرو جب ہم نے مقرر کر دی اس گھر (کے تعمیر کرنے) کی جگہ اور حکم دیا کہ شریک نہ ٹھہرانا میرے ساتھ کسی چیز کو اور صاف ستھرا رکھنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں کے لیے''۔

فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ بیت اللہ شریف کے پاس نماز افضل ہے یا طواف۔ امام مالک کے نزدیک باہر والوں کے لئے طواف افضل ہے۔ جمہور نے مطلقاً نماز کو افضل قرار دیا ہے ہر ایک کی توجیہ کتاب الاحکام میں مذکور ہے۔ اس سے مراد مشرکین کا رد کرنا ہے جو اللہ کے گھر کے پاس شرک کرتے جسے صرف اس وحدہ لاشریک کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا۔ پھر مومنین کو اس کے قریب آنے سے روکتے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ...... مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (حج:25) ''ترجمہ: بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا (اور دوسروں کو) روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے جسے ہم نے (بلا امتیاز) سب لوگوں کے لئے (مرکز ہدایت) بنایا ہے یکساں ہیں اس میں وہاں کے رہنے والے اور پردیسی جو ارادہ کرے اس میں زیادتی کا ناحق تو ہم اسے چکھائیں گے دردناک عذاب''۔ پھر ذکر فرمایا کہ بیت اللہ صرف اس شخص کے لئے بنایا گیا تھا جو وحدہ لاشریک کی عبادت کرتا ہے۔ خواہ طواف سے یا نماز سے۔ سورۂ حج میں اس کے تینوں اجزاء قیام، رکوع اور سجود کا ذکر ہے لیکن عاکفین کا تذکرہ نہیں ہوا۔ اس آیت کریمہ میں طائفین اور عاکفین کا ذکر آیا ہے اور قیام کو چھوڑ کر صرف رکوع و سجود پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ رکوع و سجود قیام کے بعد ہوتے ہیں۔ اس طرح اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی بھی تردید ہوگئی۔ وہ حضرت ابراہیم خلیل اور اسماعیل علیہما السلام کی فضیلت کے قائل ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ انہوں نے ہی یہ گھر طواف، اعتکاف اور نماز کے لئے بنایا تھا۔ وہ ان میں سے کوئی کام بھی نہیں کرتے تو حضرت خلیل کی اتباع کا دعویٰ کس طرح کرتے ہیں؟ حالانکہ ان کی شریعت پر بھی یہ لوگ عمل پیرا نہیں۔ حضرت موسیٰ بن عمران اور دیگر انبیاء نے حج کیا تھا۔ جس طرح کہ نبی معصوم ﷺ نے خبر دی ہے جو اپنی خواہش سے تو بولتے ہی نہیں۔ مساجد کو پاک صاف رکھنے کا حکم بھی اس آیت اور فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (النور:36) ''ترجمہ: ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے بلند کیا جائے اور لیا جائے ان میں اللہ تعالیٰ کا نام اور اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ان گھروں میں صبح اور شام''۔ سنت میں ایسی بے شمار احادیث ہیں جن میں مساجد کی صفائی اور آرائش وغیرہ کا حکم ہے۔ حدیث شریف میں ہے ''مسجدیں جس کام کے لئے ہیں اسی کام کے لئے ہیں'' (1)۔ (میں نے اس موضوع پر ایک علیحدہ رسالہ تصنیف کیا ہے۔ مؤلف) سب سے پہلے کعبہ کی تعمیر کس نے کی؟ اس میں اختلاف ہے۔ (1) بعض علماء کے نزدیک سب سے پہلے فرشتوں نے آدم علیہ السلام سے قبل بنایا (قرطبی) لیکن یہ غریب ہے۔ (2) عبد الرزاق نے ابن جریج، عطاء او سعید بن مسیب وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اسے پانچ پہاڑوں حراء، طور سینا، طور زیتا جبل

1۔ مسلم، کتاب المساجد 397,398

لبنان اور جودی پہاڑ سے بنایا۔ یہ بھی غریب روایت ہے۔ (3) ابن عباس، کعب احبار، قتادہ اور وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے اسے شیث علیہ السلام نے بنایا تھا۔ اس روایت کے راویوں نے اہل کتاب کی کتب پر اکتفا کیا ہے۔ ان کی تصدیق یا تکذیب نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی صرف ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر کوئی صحیح حدیث ہو تو سر آنکھوں پر قولہ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ ..... وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۔ امام ابن جریر نے جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو حرم اور امن کی جگہ قرار دیا۔ میں مدینہ کی دونوں کالی پتھریلی زمینوں (میدانوں) کے درمیانی حصہ کو حرم مقرر کرتا ہوں۔ یہاں شکار نہ کیا جائے اور کانٹے دار درخت نہ کاٹے جائیں" (1)۔ (نسائی، مسلم اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اسی طرح روایت کیا ہے)۔ ابن جریر نے ایک دوسری سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ابراہیم اللہ کے بندے اور خلیل تھے میں اس کا بندہ اور رسول ہوں۔ ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا میں مدینہ کو دونوں میدانوں کے مابین حرم قرار دیتا ہوں۔ اس کے درخت اور شکار (کو نہ چھیڑا جائے) اور لڑائی کے لئے اسلحہ نہ اٹھایا جائے اور کوئی درخت نہ کاٹا جائے مگر اونٹ کے چارہ کے لئے۔ (یہ سند غریب ہے اور کتب صحاح ستہ میں موجود نہیں)۔ اصل حدیث صحیح مسلم میں ایک دوسری سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگ تازہ پھل لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ ﷺ یہ پھل لے کر دعا فرماتے "اے اللہ ہمارے پھل اور شہر اور صاع اور مد میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ ابراہیم تیرے بندے، خلیل اور نبی تھے، میں بھی تیرا بندہ اور نبی ہوں انہوں نے تجھ سے مکہ کے لئے دعا کی تھی۔ میں اسی طرح تجھ سے مدینہ کے لئے دعا کرتا ہوں اور اس کے مثل بھی۔" پھر سب سے چھوٹے بچے کو بلاتے۔ اور اسے یہ پھل عطا فرماتے۔ ایک روایت میں "برکت کے ساتھ برکت" کے لفظ آئے ہیں۔ (بروایت مسلم)۔ ابن جریر نے رافع بن خدیج سے یہی روایت کیا ہے (2)۔ صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوطلحہ سے فرمایا اپنے بچوں میں سے ایک بچہ لے کر آؤ جو میری خدمت کرے۔ ابوطلحہ مجھے اپنے پیچھے بٹھا کر لے آئے میں آپ ﷺ کی خدمت کرتا جب بھی آپ تشریف فرما ہوتے۔ حدیث میں ہے کہ آگے چلتے رہے حتیٰ کہ جب احد پہاڑ سامنے آ گیا تو فرمایا احد ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ جب مدینہ کے قریب پہنچے تو فرمایا "اے اللہ میں اس کے دونوں پہاڑوں کے مابین جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا۔ اے اللہ ان کے صاع اور مد میں برکت دے" (3)۔ ایک روایت میں ساتھ کیل (پیمانے) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ بخاری نے ساتھ اہل مدینہ کے لفظ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! مکہ میں تو نے جو برکت دی ہے مدینہ میں اس سے دوگنا زیادہ برکت عطا فرما۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا اور اس کے لیے دعا فرمائی اور میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں جیسے (حضرت) ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا۔ اور میں اس کے مد اور صاع کے لئے اسی طرح دعا کرتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم نے مکہ کے لئے دعا فرمائی تھی" (بخاری و مسلم) (4)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا اور میں مدینہ کو جو اس کے دونوں تنگ راستوں کے مابین ہے حرم قرار دیتا ہوں۔ اس میں خون نہ بہایا جائے۔ لڑائی کے لئے اسلحہ نہ اٹھایا جائے۔ کسی درخت کے پتے نہ جھاڑے جائیں مگر چارہ کے لئے۔ اے اللہ ہمارے مدینہ میں برکت

1۔ مسلم، کتاب الحج: 993
2۔ مسلم، کتاب الحج: 1000
3۔ فتح الباری: کتاب الاطعمۃ 554/9
4۔ مسلم، کتاب الحج: 991

دے۔ اے اللہ ہمارے صاع میں برکت دے اے اللہ ہمارے مد میں برکت دے۔ اے اللہ! ایک برکت کے ساتھ دو برکتیں عطا فرما۔ الحدیث (مسلم) مدینہ کی حرمت (حرم ہونا) کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں ہم نے صرف وہ ذکر کی ہیں جن کا تعلق حضرت ابراہیم کے مکے کو حرم قرار دینے سے ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ کی مطابقت اسی سے ہے۔ ان سے اس شخص نے استدلال کیا ہے جو اس طرف گیا ہے کہ مکہ کو حضرت ابراہیم کی زبان مبارک سے حرم قرار دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ شروع سے ہی حرم اور مامن ہے۔ یہی قول زیادہ ظاہر اور اقویٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے قبل ہی مکہ کو حرم قرار دے دیا تھا۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا اس شہر کو اللہ نے اس دن حرم قرار دیا جس روز زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی۔ یہ اللہ کی حرمت سے تا قیامت حرم ہے۔ اس کا کانٹا نہ کاٹا جائے۔ اس کا شکار نہ بھگایا جائے۔ اس کا لقطہ (گری پڑی چیز) نہ اٹھایا جائے مگر جو اعلان کرے۔ اس کی گھاس نہ کاٹی جائے۔ حضرت عباس نے عرض کی یا رسول اللہ! مگر اذخر یہ ہمارے سناروں (یا لوہاروں) اور گھروں کے لئے ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''مگر اذخر'' (یعنی آپ نے اس کے استعمال کی رخصت دی)۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں شیخین نے یہی روایت ابو ہریرہ سے بھی روایت کی ہے۔ امام بخاری نے اسے تعلیقاً بھی روایت کیا ہے۔ جسے امام ابن ماجہ نے صفیہ بنت شیبہ سے روایت کیا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فتح مکہ کے دن خطبہ دے رہے تھے (اس سے آگے اوپر والی روایت ہی مذکور ہے) ابو شریح عدوی نے عمرو بن سعید سے اس وقت کہا جب وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر! اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو ایک بات بتاؤں جو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے دن فرمائی تھی اسے میرے کانوں نے سنا، دل نے یاد کیا اور آنکھوں نے آپ کو ارشاد فرماتے دیکھا۔ آپ ﷺ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔ بے شک اللہ نے مکہ کو حرم قرار دیا لیکن لوگوں نے اس کا خیال نہ رکھا۔ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے لئے اس میں خون بہانا جائز نہیں۔ اس کا درخت نہ کاٹا جائے۔ اگر کوئی اللہ کے رسول کی لڑائی سے رخصت نکالے تو اسے کہہ دینا اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی اور تمہیں اجازت نہیں۔ مجھے بھی دن کا کچھ اجازت تھی آج اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی جو حاضر ہے وہ غیر موجود کو یہ خبر پہنچا دے۔ ابو شریح سے پوچھا گیا عمرو نے آپ کو کیا کہا تو فرمایا اس نے کہا اے ابو شریح میں تم سے زیادہ اس بات کو جانتا ہوں جرم مجرم، قاتل اور بربادی لانے والے کو نہیں بچاتا (بخاری و مسلم) (یہ الفاظ مسلم کے ہیں)۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو یاد رہے کہ ان دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اللہ نے مکہ کو تخلیق ارض و سما کے وقت حرم قرار دیا۔ اور وہ احادیث جن میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسے حرم قرار دیا۔ کیونکہ حضرت ابراہیم نے اس حرمت کی خبر دی تھی۔ حضرت ابراہیم کے کعبہ بنانے سے قبل بھی یہ شہر حرام تھا۔ جس طرح رسول اکرم ﷺ اس وقت بھی اللہ کے ہاں خاتم النبیین مکتوب تھے۔ حالانکہ اس وقت آدم علیہ السلام کا خمیر ابھی تیار ہوا تھا۔ اس لیے حضرت ابراہیم نے عرض کی یا رب ان میں رسول بھیج جو انہی میں سے ہو۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! اپنی ابتدائے نبوت کا تو کچھ ذکر کیجئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنے باپ ابراہیم کی دعا، عیسیٰ بن مریم کی خوشخبری، اور میری ماں نے نور دیکھا جس سے شام کے محلات ان کے سامنے روشن ہو گئے۔ رہا یہ مسئلہ کہ مکہ افضل ہے جیسا کہ جمہور کا قول ہے۔ یا مدینہ، مکہ سے افضل ہے جیسا کہ امام مالک اور آپ کے پیروکاروں کا مذہب ہے۔ فریقین کی آراء بمعہ ادلہ آگے ان شاء اللہ ذکر کی جائیں گی۔ قولہ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا آمِنًا حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کہ اے رب اسے امن والا بنا دے۔ یعنی خوف سے۔ یہاں کے باشندوں کو کوئی خدشہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسے منظور فرما لیا۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ

اٰمِنًا (آل عمران:97) ''ترجمہ: جو بھی داخل ہوا اس میں ہو جاتا ہے (ہر خطرہ سے) محفوظ'' ایک اور مقام پر فرمایا۔ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (عنکبوت:67) ''کیا انہوں نے (غور سے) نہیں دیکھا ہم نے بنا دیا ہے حرم کو امن والا حالانکہ اچک لیا جاتا ہے لوگوں کو ان کے آس پاس سے۔'' وغیرہ آیات۔ ارض حرم قتال اور لڑائی کی حرمت والی احادیث پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا۔ کسی کے لئے مکہ میں اسلحہ اٹھانا جائز نہیں (1)۔ (اٰمِنًا) یعنی اس خطہ مبارکہ کو امن والا شہر بنا۔ آپ کی یہ دعا کعبہ شریف کی بنا سے پہلے تھی۔ سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہوتا ہے: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ...... اٰمِنًا (ابراہیم:35) ''ترجمہ: اور (اے حبیب) یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے کہ بنا دے اس شہر کو امن والا یہ اس مقام کے مناسب ہے گویا یہ دعا دوسری مرتبہ تعمیر کعبہ کے بعد، وہاں لوگوں کے آباد ہونے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کے بعد کی ہے۔ آپ حضرت اسماعیل سے تیرہ ماہ چھوٹے تھے۔ اسی لیے دعا کے آخر میں فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ (ابراہیم:39) ''ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے عطا فرمائے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق (جیسے فرزند) بلاشبہ میرا رب بہت سننے والا ہے دعاؤں کا''۔ قولہ وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ...... وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (بقرہ:126) ابو جعفر رازی نے بروایت ربیع بن انس حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ، وَمَنْ كَفَرَ سے آخر آیت تک خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ مجاہد اور عکرمہ کا یہی قول ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی تصحیح کی ہے۔ بعض لوگوں نے آیت کے اس حصہ کو بھی دعائے ابراہیمی میں داخل کیا ہے۔ جیسے ابو جعفر نے بسند ربیع ابو العالیہ سے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے یعنی اے اللہ ان میں سے جو کفر کریں انہیں بھی تھوڑی سی مہلت دے اسی لیے بعض علماء نے اسے فامتعہ کر کے پڑھا ہے۔ مجاہد نے اس سے مراد رزق لیا ہے یعنی ان میں کفار کو بھی تھوڑا سا رزق دے پھر انہیں عذاب میں مبتلا کر دے۔ محمد بن اسحٰق کا قول ہے کہ دعا کے بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پتہ چلا کہ منکرین کو اوامر الٰہیہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے اللہ نے حق ولایت ومحبت سے محروم کر دیا ہے اگرچہ وہ ذریت ابراہیمی سے ہی ہیں۔ تو آپ نے اچھی طرح جان لیا کہ ان میں سے ظالم لوگ بھی ہوں گے۔ جن کو اللہ کا عہد نہیں پہنچے گا۔ تو اللہ نے فرمایا جو کفر کرے گا میں نیک وبد کو رزق دوں گا اور کچھ مہلت دوں گا۔ حاتم بن اسماعیل نے اپنی سند سے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے صرف مومنین پر محدود کرنا چاہتے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ کفر کرنے والے کو بھی مومنین کی طرح رزق عطا کیا جائے گا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میں مخلوق کو پیدا کروں اور انہیں رزق نہ دوں۔ میں انہیں ڈھیل دوں گا اور پھر انہیں عذاب میں مبتلا کروں گا جو کہ برا ٹھکانہ ہے۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت فرمائی: كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ...... رَبِّكَ مَحْظُوْرًا۔ (بنی اسرائیل:20) ''ترجمہ: ہر ایک کی ہم امداد کرتے ہیں ان کی بھی (جو طالب دنیا ہیں) اور ان کی بھی (جو طالب آخرت ہیں) آپ کے رب کی بخششوں سے اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں۔ (ابن مردویہ نے اسے روایت کیا ہے)۔ عکرمہ اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت کریمہ میں آتا ہے۔ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ...... بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (یونس:70-69) ''ترجمہ: آپ فرمایئے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے (چند روزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے۔'' ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ...... اِلٰى عَذَابٍ

1۔ مسلم، ص 989

غَلِیۡظٍ (لقمان:24-23)'' ترجمہ: اور جس نے کفر کیا تو نہ غمزدہ کرے آپ کو اس کا کفر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پس ہم آگاہ کریں گے انہیں جو انہوں نے کیا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں (چھپا) ہے اور ہم لطف اندوز ہونے دیں گے تھوڑی دیر پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف۔ وَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ...... عِنۡدَ رَبِّکَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ (زخرف:35-33)'' ترجمہ: اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک امت بن جائیں گے تو ہم بنا دیتے ان کے لئے جو انکار کرتے ہیں رحمٰن کا ان کے مکانوں کے لئے چھتیں چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر چڑھتے ہیں (وہ بھی چاندی کی) اور ان کے گھروں کے دروازے چاندی کے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں وہ بھی چاندی اور سونے کے اور یہ سب (سنہری روپہلی) چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہے اور آخرت (کی عزت اور کامیابی) آپ کے رب کے نزدیک پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ قولہ ثُمَّ اَضۡطَرُّہٗۤ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ (بقرہ:126)'' ترجمہ: یعنی دنیا میں انہیں شان و شوکت دینے کے ساتھ اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دے رہے ہیں۔ پھر ان کی سخت پکڑ ہوگی''۔ جیسے فرمایا۔ وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اَمۡلَیۡتُ لَہَا وَ ہِیَ ظَالِمَۃٌ ثُمَّ اَخَذۡتُہَا ۚ وَ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ (حج:48)'' ترجمہ: اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں میں نے (کافی عرصہ) ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (بھی جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑ لیا تو میری طرف ہی (سب کو) لوٹنا ہے''۔ صحیحین میں ہے کہ ناپسندیدہ بات کو سننے کے باوجود اس پر صبر کرنے میں اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ وہ اس کی اولاد بناتے ہیں لیکن وہ انہیں رزق دیتا اور معاف کرتا ہے۔ ایک اور مقام پر صحیح میں ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے اور جب اسے پکڑ لے تو اس کو نہیں چھوڑتا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَ کَذٰلِکَ اَخۡذُ رَبِّکَ اِذَاۤ اَخَذَ الۡقُرٰی وَ ہِیَ ظَالِمَۃٌ ؕ اِنَّ اَخۡذَہٗۤ اَلِیۡمٌ شَدِیۡدٌ (ہود:102)'' ترجمہ: اور یونہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو در آں حالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں بے شک اس کی گرفت بڑی دردناک (اور) سخت ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے وَ مَنۡ کَفَرَ فَاُمَتِّعُہٗ قَلِیۡلًا سے تا آخر کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں شامل کیا ہے لیکن یہ قرأت شاذ ہے اور قرائے سبعہ کے خلاف ہے ترکیب سیاق بھی اس کو قبول نہیں کرتی۔ واللہ اعلم۔ جمہور کی قرأت میں قال کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ ہے۔ سیاق کلام سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے اس شاذ قرأت کے مطابق قال کی ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات ہوگی۔ یہ بات نظم کلام کے خلاف ہے۔ قولہ وَ اِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰہٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ ...... قواعد یہ قاعدہ کی جمع ہے پایہ (ستون) اور بنیاد۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں اے محمد! اپنی قوم کو حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کا بیت اللہ کی تعمیر کرنا یاد دلایئے۔ جب وہ یہ کہہ رہے تھے اے ہمارے رب! قبول فرما ہم سے (یہ عمل) بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ قرطبی وغیرہ نے ابی اور ابن مسعود سے وَ اِسۡمٰعِیۡلُ کے بعد وَیَقُوۡلَانِ کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں اگلی آیت میں جمع کا صیغہ بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ دونوں نیک عمل میں مصروف ہیں اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کا سوال کر رہے ہیں۔ جس طرح کہ ابن ابی حاتم نے حضرت وہیب بن الورد کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جب وہ تلاوت کے دوران اس آیت تک پہنچتے تو روتے اور فرماتے اے اللہ کے خلیل! آپ اللہ کے گھر کی بنیادیں اٹھا رہے ہیں اور پھر یہ خدشہ محسوس کرتے ہیں یہ عمل مقبول نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مخلص مومنین کا حال اس آیت میں بیان کیا ہے۔ وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا وَّ قُلُوۡبُہُمۡ وَجِلَۃٌ (مومنون:60)'' ترجمہ: اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل ڈر رہے ہیں''۔ یعنی صدقات و نفقات اور عبادات کے بعد بھی وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ عبادت رد نہ کر دی جائے۔ صحیح حدیث میں حضرت عائشہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ جس کا بیان اپنی جگہ آئے گا۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم بنیادیں اٹھا رہے تھے اور حضرت اسماعیل دعا مانگ رہے تھے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ دونوں ہر کام میں شریک تھے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت اور بعض آثار بھی

یہاں ذکر کیے جانے کے قابل ہیں۔ بخاری نے اپنی سند سے حضرت سعید بن جبیر کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ عورتوں نے کمر بند باندھنا حضرت اسماعیل کی والدہ ماجدہ سے سیکھا ہے۔ انہوں نے اسے اس لیے باندھا تھا کہ حضرت سارہ کے سامنے اپنا نقش قدم مٹا دیں۔ حضرت ابراہیم انہیں اور ان کے دودھ پیتے بچے اسماعیل کو لے کر آئے اور بیت اللہ شریف کے قریب زمزم سے اوپر بالائی مسجد میں ایک بڑے درخت کے پاس چھوڑ دیا۔ ان دنوں مکہ میں کوئی نہ تھا۔ یہ بے آب سرزمین تھی۔ آپ نے انہیں وہاں چھوڑا ایک تھیلے میں کچھ کھجوریں اور پانی کا مشکیزہ ان کے پاس رکھ کر واپس چل دیئے۔ حضرت ہاجرہ ان کے پیچھے آئیں اور آواز دی اے ابراہیم! اس بے آباد وادی میں ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے بار بار بات دہرائی لیکن حضرت ابراہیم نے ان کی طرف منہ موڑ کر نہ دیکھا۔ پھر انہوں نے پوچھا کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ وہ فرمانے لگیں تو وہ ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا۔ پھر وہ واپس لوٹ آئیں اور حضرت ابراہیم آگے چلتے رہے یہاں تک کہ جب گھاٹی (ثنیہ) کے پاس پہنچے جہاں وہ آپ کو نہیں دیکھ سکتیں تھیں۔ تو آپ نے بیت اللہ کی طرف منہ کیا اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعائیں مانگیں۔ رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ ..... لَعَلَّهُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ (ابراہیم: 37) ''ترجمہ: اے ہمارے رب میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیری حرمت والے گھر کے پڑوس میں اے ہمارے رب یہ اس لیے تاکہ وہ قائم کریں نماز پس کر دے ان لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں۔ حضرت ہاجرہ حضرت اسماعیل کو دودھ پلانے لگیں۔ اور وہ پانی پی لیتیں تا آنکہ مشک کا پانی ختم ہو گیا اور انہیں پیاس لگی اور ان کا بیٹا بھی پیاس محسوس کرنے لگا۔ وہ اسے پیاس سے تڑپتا دیکھ رہی تھیں۔ آخر اٹھ کھڑی ہوئیں تاکہ اسے نہ دیکھ سکیں۔ اور قریبی پہاڑی صفا پر چڑھ کر دیکھا کہ شاید کوئی آدمی نظر آ جائے۔ لیکن کوئی نہ تھا۔ وہ صفا سے نیچے اتر کر وادی میں آئیں تو اپنی چادر کا پلو لہرایا۔ پھر ایک اور انسانی کوشش میں آگے تشریف لے گئیں اور مروہ پر چڑھ گئیں اس پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھا کہ شاید کوئی آدمی نظر آ جائے۔ لیکن کوئی شخص نظر نہ آیا۔ اس طرح انہوں نے سات چکر لگائے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اسی لیے لوگ ان دو پہاڑیوں کے مابین سعی کرتے ہیں۔ جب مروہ پر آئیں تو ایک آواز سنی۔ انہوں نے اپنے آپ سے کہا ''خاموش'' پھر غور سے سننے کی کوشش کی تو دوبارہ آواز آئی۔ حضرت ہاجرہ نے فرمایا کیا تو ہماری فریاد رسی کر سکتا ہے؟ اچانک کیا دیکھتی ہیں کہ بئر زمزم کی جگہ ایک فرشتہ ہے۔ اس نے اپنی ایڑی یا پر مارا تو پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا وہ اس کے گرد حوض بنانے لگیں اور اسے اپنی مشک میں ڈالنے لگیں۔ پانی زور سے ابل رہا تھا(1)۔ ابن عباس نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ ام اسماعیل پر رحم فرمائے اگر وہ زمزم کو چھوڑ دیتیں (ایک روایت میں ہے اس میں سے پانی نہ لیتیں) تو یہ ایک جاری چشمہ ہوتا۔ فرمایا انہوں نے خود بھی پیا اور اپنے بچے کو بھی پلایا۔ فرشتے نے کہا کسی قسم کا خدشہ محسوس نہ کرو۔ یہاں اللہ کا گھر ہے جسے یہ بچہ اور اس کا باپ تعمیر کرے گا۔ اللہ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا۔ بیت اللہ شریف ایک ٹیلے کی شکل میں زمین سے بلند تھا۔ سیلاب آتے تو دائیں بائیں سے گذر جاتے۔ آپ وہیں فروکش رہیں کہ کداء کی طرف سے آتے ہوئے بنو جرہم کے کچھ لوگوں کا یہاں سے گزر ہوا۔ وہ زیریں مکہ میں اترے۔ انہوں نے ایک پرندہ دیکھا وہ کہنے لگے یہ پرندہ پانی کے گرد منڈلاتا ہے۔ ہم عرصہ دراز سے اس وادی سے گذرتے ہیں یہاں پانی کا نام و نشان تک نہیں۔ انہوں نے ایک یا دو آدمی بھیجے جو پانی کی موجودگی کی خبر لے کر آئے۔ سب لوگ آ گئے اور حضرت ہاجرہ سے کہنے لگے اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے پاس فروکش ہو جائیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں لیکن پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔ وہ مان گئے۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ نبی ﷺ نے

1۔ البخاری: 174/4

فرمایا ام اسماعیل کو یہ بات پسند آئی کیونکہ وہ بھی یہی چاہتی تھیں کہ کوئی ہم جنس مل جائے۔ وہ لوگ وہاں ٹھہر گئے اور اپنے اہل خانہ کو بھی وہیں بلالیا۔ اور گھر بنالیے۔ بچہ جوان ہو گیا۔ اور ان سے عربی سیکھی۔ انہیں یہ نوجوان پسند آ گیا۔ اسے اپنی ایک لڑکی سے بیاہ دیا۔ ام اسماعیل کا انتقال ہو گیا۔ حضرت اسماعیل کی شادی کے بعد حضرت ابراہیم اپنے اہل وعیال سے ملنے کے لئے آئے۔ حضرت اسماعیل موجود نہ تھے۔ آپ نے حضرت اسماعیل کی اہلیہ سے ان کے بارے پوچھا۔ وہ کہنے لگیں ہمارے کھانے پینے کا کچھ سامان کرنے کے لئے گئے ہیں۔ پھر آپ نے اس سے ان کی گذر اوقات کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ ہمارا گذارہ بڑی مشکل سے ہوتا ہے۔ اور آپ کے سامنے شکوہ کرنے لگی۔ آپ نے فرمایا جب تمہارا خاوند آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل دے۔ جب حضرت اسماعیل آئے تو آپ نے کچھ محسوس کیا۔ آپ نے پوچھا کیا کوئی آیا تھا؟ وہ کہنے لگی اس طرح کا ایک بوڑھا آیا تھا۔ اور آپ کا پوچھا میں نے بتا دیا پھر پوچھا ہمارا گذارہ کیسے ہوتا ہے میں نے کہا کہ ہمارے دن عسرت سے گذر رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا اس نے تمہیں کوئی نصیحت کی۔ وہ کہنے لگی انہوں نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل دیں۔ آپ نے فرمایا وہ میرے والد ماجد تھے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں طلاق دے دوں جاؤ اپنے گھر چلی جاؤ۔ آپ نے اسے طلاق دے کر ایک اور عورت سے نکاح کر لیا۔ اس کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابراہیم دوبارہ آئے۔ اتفاقاً حضرت اسماعیل پھر موجود نہ تھے۔ آپ ان کی اہلیہ کے پاس آئے اور آپ کے بارے میں دریافت کیا وہ بتانے لگیں کہ خوراک کا انتظام کرنے گئے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا تمہارا کیا حال ہے؟ اور گذر بسر کیسی ہو رہی ہے؟ وہ کہنے لگی ہم خیریت سے ہیں اور خوشحال ہیں اور اللہ کی حمد وثناء بیان کرنے لگی۔ آپ نے پوچھا تمہارا کھانا کیا ہے؟ وہ کہنے لگی گوشت۔ آپ نے فرمایا اور مشروب؟ کہنے لگی پانی۔ آپ نے فرمایا اے اللہ ان کے گوشت اور پانی میں برکت دے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس وقت ان کے پاس غلہ نہ تھا۔ اگر ان کے پاس یہ اناج بھی ہوتا تو آپ اس میں بھی ان کے لئے دعا فرماتے۔ فرمایا اب اہل مکہ کے سوا کوئی شخص ان دو پر گذارہ کرے تو اسے یہ چیزیں موافق نہ آئیں۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا، جب تمہارا خاوند آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور اسے حکم دینا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ سلامت رکھے۔ جب حضرت اسماعیل آئے تو پوچھا کیا کوئی آیا تھا؟ اس نے بتایا کہ ایک عمر رسیدہ شخص آیا تھا۔ جو بڑا خوبصورت تھا اور آپ کی تعریف کی۔ اس نے مجھ سے آپ کے بارے میں دریافت کیا۔ پھر ہماری معیشت کا پوچھا میں نے اسے بتایا کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ حضرت اسماعیل نے پوچھا کیا اس نے آپ کو کوئی پیغام دیا؟ کہنے لگی ہاں وہ آپ کو سلام کہہ رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ گھر کی چوکھٹ سلامت رکھو۔ آپ نے فرمایا وہ میرے باپ اور تو میری چوکھٹ ہے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اپنے پاس ہی رکھوں۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ دوبارہ تشریف لائے تو حضرت اسمٰعیل بئر زمزم کے قریب درخت کے نیچے تیر تراش رہے تھے۔ آپ کو دیکھ کر اٹھے اور تکریم و آداب بجالائے۔ پھر فرمایا اے اسماعیل اللہ نے مجھے ایک حکم دیا ہے فرمایا آپ کے رب نے آپ کو جو حکم دیا ہے اسے بجالائیے فرمایا کیا تم میری مدد کرو گے؟ کہا ہاں۔ فرمایا، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں گھر تعمیر کروں پھر سامنے والے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت دونوں نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھائیں۔ حضرت اسماعیل پتھر لاتے اور حضرت ابراہیم تعمیر فرماتے۔ جب دیوار بلند ہو گئی تو یہ پتھر لائے اسے رکھا اور حضرت ابراہیم اس پر کھڑے ہو کر بنیادیں اٹھانے لگے۔ حضرت اسماعیل پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور دونوں یہ دعا بھی مانگتے جاتے۔ عبد بن حمید نے اسے عبدالرزاق سے مفصلاً روایت کیا ہے۔ طبرانی اور ابن جریر نے اسے مختصر روایت کیا ہے۔ ابوبکر بن مردویہ نے کثیر بن کثیر سے روایت کیا ہے کہ میں، عثمان بن ابی سلیمان اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی حسین کچھ لوگوں کے ساتھ سعید بن جبیر کے پاس رات کو بالائی مسجد میں بیٹھے تھے کہ سعید بن جبیر نے فرمایا مجھ سے پوچھ لو اس سے قبل کہ

تم لوگ مجھے نہ دیکھو۔ انہوں نے مقام ابراہیم کے بارے میں پوچھا تو حضرت سعید نے بروایت ابن عباس یہ طویل حدیث سنائی۔ بخاری نے یہی روایت کتاب الانبیاء میں ایک دوسری سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ حاکم نے اپنی مستدرک میں یہی روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔'' یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ اور انہوں نے اسے روایت نہیں کیا'' حالانکہ ابھی اوپر مذکور ہوا کہ بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔ گویا اس میں اختصار ہے۔ اور ذبح کا ذکر نہیں۔ صحیح میں ہے کہ مینڈھے کے دو سینگ کعبہ میں لٹکے ہوئے تھے اور حضرت ابراہیم براق پر سوار ہو کر مکہ میں اپنے اہل خانہ سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے تھے۔ پھر بلاد مقدسہ میں اپنے گھر واپس چلے جاتے۔ واللہ اعلم۔

امیر المومنین حضرت علی سے اس کے علاوہ بھی مروی ہے جیسا کہ ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ تعمیر کعبہ کے حکم کے وقت حضرت ابراہیم جب مکہ آئے تو بیت اللہ کی جگہ پر ایک بادل دیکھا اس میں سر تھا جس نے آپ سے گفتگو کی اور کہا اے ابراہیم! جہاں تک میرا سایہ ہے تعمیر کرو۔ کمی زیادتی نہ ہو۔ تعمیر کے بعد آپ نکلے اور حضرت اسماعیل اور ہاجرہ کو وہیں چھوڑ دیا حضرت ہاجرہ نے عرض کی اے ابراہیم ہمیں کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہو فرمایا: اللہ کے حوالے کر کے (الحدیث)۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی روانگی سے قبل بیت اللہ کی تعمیر کی لیکن ان کی تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ پہلے اس کے نشانات لگائے ہوں۔ اور جب اسماعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے تو اسے دونوں نے مل کر مکمل کیا ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے۔ ابن جریر نے خالد بن علیہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑا ہوا اور عرض کی مجھے بتائیے کیا بیت اللہ سب سے پہلے تعمیر ہوا آپ نے فرمایا نہیں یہ وہ پہلا گھر ہے جس میں برکت رکھی گئی۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتاؤں کہ یہ کس طرح بنا؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ زمین پر میرا گھر بناؤ حضرت ابراہیم یہ سن کر پریشان ہوئے تو اللہ نے سکینت نازل فرمائی یہ تیز آندھی تھی۔ اس کے دو سر تھے۔ یہ ایک دوسرے کے پیچھے چلے یہاں تک کہ مکہ پہنچے۔ اس نے بیت اللہ کی جگہ کو طوق (سپر) کی طرح گھیر لیا۔ اور حضرت ابراہیم کو حکم دیا کہ وہ سکینہ کے دائرے کی جگہ تعمیر کریں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے تعمیر کی اور ایک پتھر کی جگہ رہ گئی۔ نوجوان صاحبزادہ پتھر لینے گیا۔ جب آپ واپس آئے تو کیا دیکھا کہ حضرت ابراہیم اس جگہ حجر اسود لگا چکے ہیں۔ آپ نے پوچھا اے والد گرامی یہ پتھر کون لایا۔ آپ نے فرمایا اسے جبریل آسمان سے لائے تھے اس طرح کعبہ کی تعمیر مکمل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے کعب احبار سے نقل کیا ہے کہ زمین کی تخلیق سے چالیس سال قبل بیت اللہ پانی پر جھاگ کی طرح تھا۔ یہیں سے زمین پھیلائی گئی۔ سعید نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم آرمینیا کی سرزمین سے تشریف لائے تھے۔ اور سکینہ آپ کی راہنمائی کر رہی تھی۔ جیسے مکڑی جالا تن دیتی ہے۔ اس نے ایسے پتھر دکھائے جنہیں تیس آدمی مل کر اٹھا سکتے ہیں۔ سدی نے بھی قریباً یہی بات لکھی ہے۔ کہ حضرت ابراہیم کو جب کعبہ کی تعمیر کا حکم ملا تو دونوں باپ بیٹا کدالیں اور پھاوڑے لے کر آ گئے۔ اس وقت اللہ نے تیز ہوا بھیجی جس کے دو پر اور سر سانپ کی طرح تھا اس نے کعبہ کی ابتدائی اساس سے آگاہ کیا اس کی روشنی میں ہی بنیادیں کھودی گئیں۔ اس کی طرف ایک اور آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ (حج: 26)'' ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیم کے لئے اس گھر کے (تعمیر کرنے کی) جگہ۔'' جب وہ دیوار بنا کر رکن کے مقام تک پہنچے تو حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو ایک خوبصورت پتھر لانے کا حکم دیا۔ وہ تلاش کو گئے تو جبرائیل حجر اسود ہندوستان سے لے آئے یہ خالص سفید یاقوت تھا۔ حضرت آدم اسے جنت سے لائے تھے۔ پھر یہ لوگوں کی خطاؤں سے سیاہ ہو گیا۔ .... الخ اس کلام سے پتہ چلتا ہے کہ کعبہ کی بنیادیں حضرت ابراہیم سے قبل موجود تھیں۔ انہی پر انہوں نے تعمیر کی۔ عبدالرزاق نے ابن عباس سے یہی روایت کیا ہے۔

عبدالرزاق نے ہی عطاء بن ابی رباح سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو آپ کی ٹانگیں زمین پر اور سر آسمان میں تھا۔ آپ اہل سماء کی بات چیت کی سماعت فرماتے۔ ملائکہ یہ دیکھ کر گھبرائے اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ چنانچہ آپ کا قد گھٹا دیا گیا۔ جب وہ آوازیں آپ کو سنائی نہ دیں تو آپ نے وحشت محسوس کی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کی۔ چنانچہ آپ کو مکہ جانے کا حکم ملا۔ جہاں جہاں آپ کے قدم لگے وہاں آبادی ہوئی اور دو قدموں کے مابین جگہ جنگل تھی۔ حتیٰ کہ آپ مکہ جا پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے یاقوت اتارا۔ یہ موجودہ بیت اللہ کی جگہ تھا۔ آپ اس کا طواف کرتے رہے۔ حتیٰ کہ طوفان نوح کے زمانہ میں اسے اٹھالیا گیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور آپ نے اسے تعمیر کیا۔ اسی کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ...... (حج:26)۔ عبدالرزاق نے عطاء سے نقل کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے عرض کی میں فرشتوں کی آوازیں نہیں سن پاتا۔ فرمایا یہ تمہاری غلطی کے سبب ہے۔ لیکن زمین پر چلے جاؤ اور میرے لئے گھر بناؤ پھر اسے اسی طرح گھیر لو جیسے تم نے فرشتوں کو دیکھا تھا کہ وہ میرے گھر کو گھیرے ہوئے ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے اسے پانچ پہاڑوں، حراء، طور، زیتا، طور سینا اور جودی سے بنایا تھا۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر تھی۔ پھر اسے حضرت ابراہیم نے بنایا۔ اس کی سند عطاء تک صحیح ہے لیکن اس کے بعض راویوں کا انکار ہے واللہ اعلم۔ عبدالرزاق نے ہی قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے بیت اللہ کو حضرت آدم کے ساتھ اتارا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو سرزمین ہند پر اتارا گیا۔ .... الخ۔ ابن جریر نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ بیت اللہ شریف کی بنیاد پانی پر چار ارکان پر رکھی گئی۔ یہ تخلیق دنیا سے دو ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ پھر بیت اللہ کے نیچے سے زمین پھیلائی گئی۔ محمد بن اسحٰق سے مجاہد وغیرہ اہل علم کا قول ہے کہ اللہ نے جب حضرت ابراہیم کے لئے بیت اللہ کی حد مقرر کر دی تو آپ شام سے تشریف لائے۔ حضرت اسماعیل اور سیدہ ہاجرہ آپ کے ہمراہ تھیں۔ حضرت اسماعیل اس وقت شیر خوار بچے تھے۔ جبرائیل بیت اللہ اور حرم کی حدود کے بارے بتانے کے لئے ہمراہ تھے۔ جب کسی گاؤں کے پاس سے گزرتے تو آپ دریافت فرماتے اے جبرائیل! کیا ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ جبرائیل فرماتے آگے چلیے۔ حتیٰ کہ مکہ جا پہنچے۔ وہاں ان دنوں کانٹے دار درخت، سلم اور سمر وغیرہ تھے۔ عمالقہ نامی قوم وہاں رہائش پذیر تھی۔ بیت اللہ شریف کی جگہ سرخ مٹی کا ٹیلہ تھا۔ حضرت ابراہیم نے جبرائیل سے پوچھا کیا یہاں مجھے گھر تعمیر کرنے کا حکم ہوا ہے۔ جبرائیل نے فرمایا ہاں۔ انہیں حجر اسود کی جگہ اتارا ام اسماعیل کو حکم دیا کہ یہاں چھپر تیار کریں۔ اور یہ دعا کی: رَبَّنَاۤ اِنِّیْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ...... لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ (ابراہیم:37) ''اے ہمارے رب میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں اے ہمارے رب یہ اس لئے کہ وہ قائم کریں نماز پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ تیرا (شکر) ادا کریں''۔

عبدالرزاق نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی یہ جگہ ہر چیز سے دو ہزار سال قبل تخلیق فرمائی۔ اس کی ارکان ساتویں زمین میں ہیں۔ ابن ابی حاتم نے علیاء بن احمر سے روایت کیا ہے کہ ذوالقرنین جب مکہ آیا۔ تو حضرت ابراہیم اور اسماعیل دونوں بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ اس نے پوچھا ہماری سرزمین پر تم کیا کر رہے ہو تو انہوں نے بتایا کہ ہم اللہ کے حکم سے یہ گھر بنا رہے ہیں۔ اس نے کہا اپنے دعویٰ کی دلیل لاؤ۔ تو پانچ مینڈھوں نے گواہی دی کہ دونوں باپ بیٹے کو کعبہ کی تعمیر کا حکم ہے۔ یہ سن کر وہ مان گیا۔ ازرقی نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے کہ ذوالقرنین نے حضرت ابراہیم کے ساتھ مل کر مکہ کا طواف کیا اور یہ اس کے مقدم (سابقہ زمانہ میں ہونا) ہونے کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم۔ امام بخاری کا قول ہے کہ قواعد کا واحد قاعدہ ہے (اساس)۔ اور قواعد من النساء کا واحد بھی قاعدہ ہی ہے۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کیا تو نہیں دیکھتی کہ جب تیری قوم نے کعبہ کی تعمیر کی اور حضرت ابراہیم کی بنیاد سے گھٹا دیا؟۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! آپ اسے حضرت ابراہیم والی بنیادوں پر کیوں نہیں کر دیتے فرمایا اگر تیری قوم کا عہد کفر سے قریب نہ ہوتا تو میں ایسا کر دیتا(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا فرمان ہے کہ اگر سیدہ عائشہ نے یہ بات حضور ﷺ سے سنی تھی میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور ﷺ نے حجر اسود کی طرف والے دونوں ارکان کا استلام ترک فرمایا ہو۔ مگر بیت اللہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر مکمل نہیں کیا گیا۔ بخاری نے اسے کتاب الحج میں قعنبی سے اور احادیث الانبیاء میں عبداللہ بن یوسف سے روایت کیا ہے۔ جبکہ مسلم نے یحییٰ بن یحییٰ اور حدیث ابن وہب سے، نسائی نے حدیث عبدالرحمٰن بن قاسم سے اور سب نے مالک سے روایت کیا ہے۔ جبکہ مسلم نے حدیث نافع میں بھی روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اگر تیری قوم زمانہ جاہلیت (یا کفر) سے قریب تر نہ ہوتی تو میں کعبہ کے خزانے کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا'' اس کا دروازہ زمین پر لگاتا۔ اور حطیم کو اس میں شامل کر دیتا(2)۔ بخاری نے اسود سے روایت کیا ہے کہ زبیر نے مجھے کہا سیدہ عائشہ تمہیں بہت احادیث سنایا کرتی تھیں۔ کعبہ کے بارے میں انہوں نے تمہیں کیا بیان کیا تھا؟۔ میں نے کہا انہوں نے مجھے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! اگر تیری قوم نئی نئی دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوئی ہوتی (ابن زبیر نے کہا کفر سے قریب) تو میں کعبہ کو منہدم کر کے اس کے دو دروازے بنا دیتا۔ ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے اور دوسرے سے باہر چلے جاتے۔ چنانچہ ابن زبیر نے اپنے زمانہ خلافت میں کعبہ کی اسی طرح از سرنو تعمیر کی۔ (اس روایت کو بخاری نے انفراداً روایت کیا ہے)(3)۔ بخاری نے ہی یہ روایت کتاب العلم میں بھی ذکر فرمائی ہے۔ مسلم کی روایت میں سیدہ عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا اگر تیری قوم کا عہد کفر سے قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو گرا کر حضرت ابراہیم کی بنیادوں پر تعمیر کرتا۔ قریش نے جب کعبہ کی تعمیر کی تو اس کی بنیادوں کو چھوٹا کر دیا میں اس کا پچھلا دروازہ بھی رکھتا(4)۔ یہی روایت مسلم نے ابوبکر بن شیبہ اور ابو کریب کے حوالے سے بھی نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں عبداللہ بن زبیر نے فرمایا میں نے اپنی خالہ یعنی عائشہ کو ارشاد فرماتے سنا کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ اگر تیری قوم شرک سے نئی نئی دور نہ ہوئی ہوتی تو میں کعبہ کو گرا کر زمین سے ملا دیتا اس کے دو دروازے (شرقی اور غربی) بناتا اور حطیم کے چھ ہاتھ اس میں شامل کرتا۔ قریش نے تعمیر کعبہ کے وقت اسے مختصر کر دیا تھا۔ مسلم اس روایت میں بھی منفرد ہیں(5)۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بعد اور بعثت نبوی سے پانچ سال قبل قریش کی طرف سے کعبہ کی تعمیر نو

حضور ﷺ ان کے ساتھ مل کر پتھر اٹھا کر لاتے رہے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پینتس برس تھی۔ سیرت میں محمد بن اسحٰق کا قول ہے کہ جب آپ کی عمر شریف پینتس برس ہوئی تو قریش نے کعبہ کی تعمیر نو کا ارادہ کیا۔ وہ اس کی چھت بھی بنانا چاہتے تھے لیکن اسے گرانے سے بھی ڈرتے تھے۔ پہلی عمارت پتھر کی تھی اس کو مزید بلند کر کے اس پر چھت بھی ڈالنا چاہتے تھے۔ کیونکہ کچھ لوگ کعبے کا خزانہ چوری کر کے لے گئے تھے۔ یہ خزانہ جوف کعبہ میں ایک کنوئیں میں تھا۔ یہ مسروقہ مال دویل بنی ملیح بن عمرو خزاعی کے ہاں مل گیا قریش نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ ایک رومی تاجر کا جہاز جدہ کے ساحل کے قریب تباہ ہو گیا تھا۔ قریش نے اس کی لکڑی خرید کر چھت کی تیاری کا کام شروع

1۔ البخاری 179/2 2۔ مسلم: ص969 3۔ البخاری 180/2 4۔ مسلم: 968 5۔ مسلم: ص969

کیا۔ مکہ میں ایک قبطی بڑھئی تھا۔ اس کی خدمات مستعار لی گئیں۔ کعبے کا وہ کنواں جس میں یومیہ نذرانے ڈالے جاتے تھے روزانہ ایک سانپ اس سے نکلتا اور کعبہ کی دیوار پر بیٹھ جاتا۔ وہ اس سے ڈرتے تھے۔ جو شخص اس کے قریب ہونے کی کوشش بھی کرتا تو وہ اوپر اٹھتا اور پھنکارتا ہوا منہ کھول دیتا۔ کوئی شخص اس کے قریب ہونے کی جرأت نہ کرتا۔ روزانہ کی طرح ایک دن وہ اژدھا باہر نکلا تو اللہ نے ایک بہت بڑا پرندہ بھیجا جو اسے اچک کر لے گیا۔ قریش کہنے لگے شاید اللہ تعالیٰ ہمارے ارادے سے راضی ہے۔ ہمارے پاس مستری بھی ہے لکڑی بھی۔ اور اللہ نے سانپ کا انتظام بھی کر دیا ہے۔ جب تیاری مکمل ہوگئی تو ابن وھب بن عمرو اٹھا اور کعبے کا ایک پتھر اٹھایا لیکن یہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر اپنی جگہ جا لگا۔ اس نے قریش سے کہا تعمیر کعبہ میں صرف حلال کی کمائی شامل کرنا۔ اس میں رنڈی کا روپیہ، سودی اور ظلم سے حاصل کیا گیا مال شامل نہ کرنا۔ ابن اسحٰق کا قول ہے کہ لوگ یہ کلام ولید بن مغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ پھر قریش نے کعبہ کو تقسیم کر لیا۔ دروازہ بنو زہرہ اور عبد مناف کو ملا، رکن اسود اور یمانی کے مابین بنو مخزوم اور ان کی طرف منسوب قریشی قبائل کو۔ کعبہ کی پچھلی طرف بنو جمح اور سہم کو۔ حطیم کا حصہ بنو عبد الدار، بنو اسد اور بنو عدی بن کعب کو ملا۔ اب کسی کی ہمت گرانے کو نہیں پڑتی تھی۔ سب ڈرتے تھے۔ آخر کار ولید بن مغیرہ نے کہا میں شروع کرتا ہوں۔ وہ کدال لے کر اوپر چڑھ گیا اور کہہ رہا تھا اے اللہ ہمارا خوف دور کر، ہم صرف بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پھر دونوں رکنوں کی طرف سے کچھ حصہ گرا دیا۔ لوگوں نے اس رات انتظار کیا۔ وہ کہنے لگے ٹھہرو (اگر اس شخص کو کچھ ہو گیا تو) ورنہ ہم اسے نہیں گرائیں گے۔ اور اس حصے کی مرمت کر دیں گے۔ اور اگر یہ سلامت رہا تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ ہم سے راضی ہے۔ اگلی صبح ولید آ کر اپنے کام میں جت گیا۔ سب لوگ اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ حتیٰ کہ جب بناء ابراہیمی کی بنیادوں تک پہنچے تو سبز رنگ کے پتھر دیکھے جو ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ ایک قریشی نے دونوں پتھروں کو جدا کرنے کے لئے آہنی سَبل ڈالا تو پتھر کے ملنے کے ساتھ ہی سارا کعبہ لرزنے لگا۔ چنانچہ وہ اپنے ارادے سے باز رہے۔ ابن اسحٰق کا قول ہے کہ پھر قریش نے تعمیر نو کے لئے پتھر جمع کیے۔ ہر قبیلہ اپنا سٹاک علیحدہ جمع کرتا رہا۔ پھر اسے تعمیر کیا یہاں تک کہ رکن (حجر اسود) رکھنے تک پہنچ گئے۔ اب ان میں تنازعہ شروع ہو گیا۔ ہر قبیلہ یہ خواہش رکھتا تھا کہ یہ سعادت صرف اسی کے حصے میں آئے۔ مسئلے نے طول اختیار کیا تا آنکہ لڑائی تک نوبت آ پہنچی۔ بنو عبد الدار نے خون میں ہاتھ ڈال کر عہد کیا کہ اس مقصد کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ بنو عدی بن کعب انکے حلیف تھے۔ انہوں نے بھی اسی خون میں ہاتھ ڈال کر عہد کیا۔ اور ''خون چاٹنے والے'' کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اسی طرح چار یا پانچ راتیں گذر گئیں۔ پھر وہ مسجد میں مشاورت اور تصفیہ کے لئے اکٹھے ہوئے۔ بعض اہل روایت کا خیال ہے کہ ابو امیہ بن مغیرہ مخزومی جو اس وقت قریش کا سب سے معمر شخص تھا کہنے لگا۔ اے قریش! مسجد کے اس دروازے سے سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص کو ثالث مان لو وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے اسی طرح کیا۔ سب سے پہلے رسول ﷺ اس دروازے سے اندر تشریف لائے۔ آپ کو دیکھ کر سب پکار اٹھے۔ یہ امین ہیں ہم ان سے راضی ہیں یہ محمد ہیں۔ جب آپ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے آپ کو اس بات سے آگاہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایک کپڑا لاؤ۔ آپ ﷺ نے حجر اسود کو اٹھایا اور اس پر رکھ دیا۔ پھر فرمایا ہر قبیلہ کپڑے کا ایک سرا پکڑ لے۔ پھر سب یکبارگی اٹھائیں۔ جب اسے رکھنے کی جگہ پہنچے تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے اپنی جگہ رکھ دیا۔ اور تعمیر شروع ہو گئی۔ نزول وحی سے قبل ہی قریش آپ ﷺ کو امین کے نام سے پکارتے تھے۔ جب وہ تعمیر سے فارغ ہوئے اور اسے اپنی منشا کے مطابق تعمیر کیا تو سانپ جس نے قریش کو دہشت زدہ کر دیا تھا، کے واقعہ کو زبیر بن عبد المطلب نے اپنے قصیدے میں خوبصورت انداز سے بیان کیا ہے۔ ابن اسحٰق کا قول ہے کہ کعبہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں اٹھارہ ہاتھ تھا۔ اسے قباطی (مصر کا بنا ہوا کپڑا) کا غلاف پہنایا جاتا تھا

پھر دھاری دار چادر کا۔ سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے دیبا کا غلاف پہنایا (1)۔ (میں کہتا ہوں) قریش کی یہ تعمیر قائم رہی حتی کہ ساٹھ سال کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر کی امارت کے ابتدائی دور اور یزید بن معاویہ کے آخری دور میں جبکہ اس نے ابن زبیر کا محاصرہ کر لیا تھا، کعبہ شریف جل گیا۔ چنانچہ ابن زبیر نے اسے گرا کر از سرنو بنائے ابراہیمی پر تعمیر کیا۔ حطیم کو اس میں شامل کر دیا۔ زمین سے متصل مشرق ومغرب میں اس کے دو دروازے رکھے۔ جس طرح کہ انہوں نے اپنی خالہ ام المؤمنین عائشہؓ سے حدیث سنی تھی۔ آپ کے عہد میں یہ تعمیر اسی طرح رہی تا آنکہ حجاج نے آپ کو شہید کر دیا اور عبدالملک بن مروان کے حکم سے قدیم طرز پر دوبارہ تعمیر کیا۔ جس طرح کہ مسلم بن حجاج نے اپنی صحیح میں حضرت عطاء سے روایت کیا ہے کہ یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جب اہل شام نے حملہ کیا تو کعبہ شریف جل گیا ابن زبیر نے اسے اسی طرح رہنے دیا۔ یہاں تک کہ جب حج کا وقت آیا تو آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے لوگو! کعبہ کے بارے میں مجھے مشورہ دو۔ اسے گرا کر سرنو تعمیر کروں یا اس کی مرمت کر دوں۔ حضرت ابن عباس نے رائے دی کہ اس کی مرمت کر دیں اور بقایا گھر کو اسی طرح رہنے دیں جن پر لوگ ایمان رکھتے ہیں۔ اور جن پر نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے۔ ابن زبیر نے کہا اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جائے تو وہ اسے نئے سرے سے بنائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ تو اللہ رب العزت کے گھر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ میں تین دن استخارہ کرنے کے بعد فیصلہ کروں گا۔ تین دن کے بعد آپ نے اسے گرانے کا حکم دیا۔ لوگ اس خدشہ سے اس کے قریب نہیں جاتے تھے کہ سب سے پہلے اس پر چڑھنے والے پر بلائے آسمانی نہ ٹوٹ پڑے آخر کار ایک آدمی چڑھا اور ایک پتھر گرا دیا۔ اسے جب کوئی گزند نہ پہنچا تو لوگ آگے بڑھے اور اسے اکھاڑ کر زمین کے برابر کر دیا۔ ابن زبیر نے چاروں طرف ستون بنا کر ان پر کپڑا تان دیا۔ تا آنکہ اس کی عمارت بلند ہوگئی۔ اس وقت ابن زبیر نے فرمایا میں نے حضرت عائشہ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا اگر لوگوں کا عہد کفر سے قریب نہ ہوتا اور میرے پاس اس کی تعمیر کے لئے اخراجات نہیں وگرنہ میں حطیم سے پانچ ہاتھ شامل کر دیتا اور اس کا ایک دروازہ بناتا لوگ اس سے اندر آتے اور دوسرا بناتا جس سے لوگ باہر جاتے (2)۔ ابن زبیر نے فرمایا: میرے پاس مصارف بھی موجود ہیں اور مجھے لوگوں کا بھی خوف نہیں لہٰذا انہوں نے اسی طرح تعمیر فرمایا۔ کعبے کا طول اٹھارہ ہاتھ تھا جب اس میں اضافہ کیا تو یہ چھوٹا ہوگیا تو اس کے طول کو دس ہاتھ اور بڑھایا گیا۔ اور دو دروازے رکھے ایک نکلنے کے لئے اور دوسرا اندر جانے کے لئے۔ جب ابن زبیر شہید ہوگئے تو حجاج نے عبدالملک بن مروان کو لکھا اور مشورہ لیا۔ یہ بھی وضاحت کی کہ ابن زبیر نے اس بنیاد پر تعمیر کیا ہے جسے اہل مکہ میں سے عادل لوگوں نے دیکھا ہے۔ عبدالملک نے جواباً لکھا ہم ابن زبیر کے غیر صحیح کاموں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ انہوں نے طول میں جو اضافہ کیا ہے اسے باقی رہنے دو اور حطیم کی طرف سے اضافے کو اپنی اصلی حالت پر کر دو اور دوسرا دروازہ بند کر دو۔ چنانچہ حجاج نے اسے گرا کر پھر تعمیر کیا۔ (نسائی نے اپنی سنن میں یہی حدیث بروایت ابن زبیر حضرت سیدہ عائشہ سے مرفوعاً ذکر کی ہے لیکن اس واقعے کو ذکر نہیں فرمایا)۔ سنت تو یہی بات تھی کہ ابن زبیر کی بنا کو باقی رکھا جاتا کیونکہ اسی بات کو رسول اللہ ﷺ نے پسند فرمایا تھا لیکن اس خدشہ سے کہ وہ لوگ جو نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں اس کا انکار نہ کر دیں۔ لیکن عبدالمالک بن مروان کو اس سنت کا علم نہیں تھا۔ لہٰذا جب اسے پتہ چلا کہ سیدہ عائشہؓ نے حضور ﷺ سے یہ حدیث بیان فرمائی ہے تو اس نے (از راہ افسوس) کہا ہماری یہ آرزو ہے کہ ہم اسے اسی طرح باقی رہنے دیتے۔ جیسے مسلم نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن حمید نے فرمایا: حارث بن عبید اللہ عبدالملک کے پاس گئے جبکہ وہ سریر آرائے خلافت تھا۔ عبدالملک نے کہا میرا خیال ہے کہ ابو حبیب (ابن زبیر) نے یہ حدیث سیدہ عائشہ سے نہیں سنی ہوگی۔ حارث نے کہا میں نے بھی اس

1۔ سیرۃ ابن ہشام 1/192-199 2۔ البخاری 2/180

روایت کو سنا ہے۔ عبدالملک نے کہا تم نے حضرت سیدہ کو کیا ارشاد فرماتے سنا۔ تو انہوں نے یہ پوری روایت سنا دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیری قوم نے کعبہ کو مختصر کر دیا اگر تیری قوم کا زمانہ شرک سے قریب تر نہ ہوتا تو میں اس کمی کو پورا کر دیتا۔ اگر میرے بعد تیری قوم اسے تعمیر کرنا چاہے تو آ میں تمہیں بتا دوں جو انہوں نے ترک کیا تھا پھر آپ ﷺ نے انہیں تقریباً سات ہاتھ دکھائے (1)۔ یہ عبداللہ بن عبید بن عمیر کی روایت ہے۔ ولید بن عطاء کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ ''میں زمین کے برابر مشرق و مغرب میں اس کے دو دروازے بناتا۔ تمہیں پتہ ہے تیری قوم نے کعبے کا دروازہ بلند کیوں رکھا''۔ سیدہ عائشہ کا قول ہے میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا عظمت وتوقیر کی خاطر تاکہ جسے وہ چاہیں وہی اندر جا سکے۔ آدمی جب اندر جانا چاہتا تو اسے بلاتے حتیٰ کہ وہ اوپر چڑھتا اور اگر کوئی اور داخل ہوتا تو اسے اوپر سے دھکا دے دیتے۔ عبدالملک نے حارث سے پوچھا تم نے انہیں یہ ارشاد فرماتے سنا تھا۔ انہوں نے فرمایا ہاں عبدالملک یہ سن کر کچھ دیر اپنی چھڑی سے کھرچتا رہا پھر کہا۔ میری خواہش ہے کہ میں کعبہ کو ابن زبیر کی بنا پر چھوڑ دیتا اور جو گناہ انہوں نے اٹھایا تھا اسکا بوجھ انہی پر رہتا۔ مسلم نے مختلف سندوں سے روایت کیا ہے کہ عبدالملک بن مروان کعبے کا طواف کر رہا تھا کہ اس نے کہا برا ہو ابن زبیر کا وہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ پر جھوٹ باندھتے تھے۔ اور پھر وہی حدیث بیان کی جس کا ذکر اوپر گزرا (2) یہ سن کر حارث بن عبداللہ نے کہا امیر المؤمنین اس طرح نہ کہو میں نے بھی سیدہ ام المؤمنین عائشہ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے۔ عبدالملک کہنے لگا اگر اس بات کا مجھے پہلے علم ہو جاتا تو میں ابن زبیر کی تعمیر کو چھوڑ دیتا۔ یہ حدیث اگرچہ مقطوع ہے۔ لیکن یہ متعدد صحیح سندوں سے بھی مروی۔ یہ سب ابن زبیر کے موقف کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ اگر وہ اسے باقی رہنے دیتا تو بہتر تھا لیکن اب عبدالملک کی اس ترمیم کے بعد بعض علماء نے اس بات کو مکروہ جانا ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی کی جائے۔ جیسا کہ امیر المؤمنین ہارون الرشید یا اس کے والد مہدی کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے کہ اس نے امام مالک سے کعبہ کو گرانے کے بارے میں پوچھا تاکہ پھر ابن زبیر کی تعمیر کے مطابق بنا دیا جائے۔ تو امام مالک نے جواب دیا امیر المؤمنین کعبے کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بنائیں کہ جو آئے اس کو اپنی مرضی سے گراتا رہے۔ چنانچہ ہارون اپنے ارادے سے باز رہا۔ قاضی عیاض اور امام ندوی نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ابھی تک وہی تعمیر چلی آتی ہے تا آنکہ آخری زمانہ میں دو چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی کعبہ کو برباد کرے گا (3)۔ جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کعبہ کو حبشہ کا دو پنڈلیوں والا شخص تباہ کرے گا۔ (متفق علیہ)۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں کالا، دونوں پاؤں میں معمول سے زیادہ فاصلے والا کعبے کا ایک ایک پتھر اکھاڑ رہا ہے (بخاری)۔ امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: کعبہ کو حبشہ کا چھوٹی پنڈلیوں والا شخص ویران کرے گا۔ اس کے زیورات غصب کرلے گا اور اس کا غلاف اتار لے گا۔ گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں گنجا، ٹیڑھے پاؤں والا اس پر اپنا پھاوڑا اور کدال چلا رہا ہے (4)۔ یہ واقعہ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد پیش آئے گا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد بیت اللہ کا حج اور عمرہ کیا جائے گا (5)۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾

''اے ہمارے رب! بنا دے ہم کو فرمانبردار اپنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور

1۔ مسلم: ص 971 2۔ مسلم: ص 969 3۔ البخاری 2/183 4۔ البخاری 2/183 5۔ مسند امام احمد 2/220

بتادے ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجہ فرما ہم پر (اپنی رحمت سے) بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

ابن جریر کا قول ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ ہمیں اپنے حکم کو بجالانے والا، اطاعت گزار بنالے۔ ہم تیری اطاعت کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہی عبادت میں۔ ابن ابی حاتم نے مسلمین سے مراد اخلاص لیا ہے یعنی ہمیں مخلص بنالے۔ اور سلام بن ابی مطیع کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ مسلمان تو تھے ہی لیکن ثابت قدمی کا سوال کیا۔ عکرمہ کا قول ہے کہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ تمہاری دعا قبول ہے۔ سدی کا قول ہے کہ ذریت سے مراد صرف عرب ہیں۔ ابن جریر کا قول ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ اہل عرب اور دیگر سب کو شامل ہے۔ کیونکہ بنو اسرائیل بھی ذریت ابراہیمی سے ہی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (اعراف:159) ''ترجمہ: اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے جو راہ بتاتا ہے حق کے ساتھ اور اسی حق کے ساتھ عدل کرتا ہے (میں کہتا ہوں) ابن جریر کے قول سے سدی کے موقف کی نفی نہیں ہوتی اہل عرب کی تخصیص سے دیگر کی نفی نہیں ہوتی۔ سیاق کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد عرب ہی ہیں۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ...... اور اس آیت کا مصداق حضور ﷺ ہیں کیونکہ آپ ﷺ ہی ان کے مابین مبعوث ہوئے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (جمعہ:2) ''وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے''۔ لیکن اس کے باوجود سرخ و سیاہ کی طرف آپ ﷺ کی رسالت کی نفی نہیں ہوتی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (اعراف:158) ''ترجمہ: آپ فرمایئے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف''۔ اسی طرح دیگر قطعی دلائل۔ یہ دعا حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام دونوں کی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن متقی بندوں کی خبر دی ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا...... لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (فرقان:74)۔ ''اور وہ جو عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! فرما ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا ہمیں پرہیزگاروں کے لئے پیشوا''۔ اتنی مقدار شرعاً پسندیدہ اور مرغوب ہے۔ عبادت الٰہی کی محبت کا اتمام یہ ہے کہ بندہ یہ آرزو رکھتا ہو کہ اس کی صلب میں سے ایسے لوگ ہوں جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔ اسی لیے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں تو آپ نے فرمایا میری اولاد کو بھی فرمایا مرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ اس جگہ دعا کے الفاظ یہ ہیں۔ وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم:35) ''ترجمہ: اور بچالے مجھے اور میرے بچوں کو کہ ہم پوجا کرنے لگیں بتوں کی''۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب ابن آدم کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا اعمالنامہ منقطع ہو جاتا ہے ماسوائے تین چیزوں کے صدقہ جاریہ، علم نافع یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہے(1) (مسلم)۔ قولہ (وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا) ہمیں سکھا۔ مجاہد نے اس کا معنی مذابح کیا ہے۔ عطاء اور قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ سعید بن منصور نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا مانگی تو جبریل آپ کو لے کر بیت اللہ کے پاس آئے اور فرمایا بنیادیں اٹھاؤ۔ جب آپ نے بنیادیں اٹھائیں اور تعمیر مکمل ہوگئی۔ تو پھر آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو صفا پر لائے اور فرمایا یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ پھر آپ کو مروہ پر لائے اور فرمایا یہ بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔ پھر آپ کو لے کر منی کی طرف چلے آئے۔ جب عقبہ کے پاس پہنچے تو شیطان ایک درخت کے پاس کھڑا تھا۔ فرمایا تکبیر کہہ کر کنکری مارو آپ نے ایسا ہی کیا۔ ابلیس یہاں سے بھاگ کر جمرہ وسطیٰ کے پاس کھڑا ہوگیا۔ جب حضرت جبریل اور ابراہیم وہاں سے گزرے تو فرمایا اسے تکبیر کہہ کر

1۔ مسلم، کتاب الوصیۃ:1255

کنکری مارو آپ نے تکبیر کہہ کر کنکر مارے تو خبیث ابلیس چلا گیا۔ اس خبیث کا ارادہ تھا کہ حج کے امور میں دخل اندازی کرے لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ پھر جبریل حضرت ابراہیم کا ہاتھ پکڑ کر آپ کر مشعر حرام کے پاس لے کر آئے۔ اور فرمایا یہ مشعر حرام (مزدلفہ) ہے۔ پھر آپ کو عرفات میں لائے اور فرمایا جو کچھ میں نے آپ کو دکھایا کیا آپ اسے سمجھ گئے ہیں۔ (تین مرتبہ ایسے ہی کہا) آپ نے فرمایا ہاں۔ ابومجلز اور قتادہ سے اسی طرح مروی ہے۔ ابوداؤد طیالسی نے اپنی سند سے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو مناسک حج سمجھائے گئے تو شیطان سعی کے مقام پر آپ کو ملا۔ تو آپ اس سے آگے بڑھ گئے پھر جبریل آپ کو لے کر منی آئے اور فرمایا یہ لوگوں کے اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے۔ جب جمرۂ عقبہ کے پاس پہنچے تو شیطان نے تعرض کیا آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا۔ پھر جمرۂ وسطی کے پاس آئے تو شیطان نے دوبارہ حملہ کیا۔ آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں حتی کہ وہ چلا گیا۔ پھر آخری جمرہ کے پاس آیا تو آپ نے پھر اسے سات کنکریاں ماریں پھر مزدلفہ لائے اور فرمایا یہ بھی مشعر (عبادت) ہے۔ پھر جبریل آپ کو لے کر عرفات آئے اور فرمایا یہ عرفہ ہے۔ پھر فرمایا کیا آپ نے پہچان لیا۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾

"اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کر دے انہیں بے شک تو ہی بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو مکمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ آپ نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی کہ اللہ تعالیٰ ان میں رسول مبعوث فرمائے جو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہو۔ یہ دعائے مستجاب تقدیر باری تعالیٰ سے موافق تھی جس نے پہلے ہی حضور کریم محمد ﷺ کو ان امیوں اور دیگر تمام جن وانس کے لئے بطور رسول متعین فرما رکھا تھا۔ جیسا کہ امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" میں اس وقت بھی اللہ کے ہاں خاتم النبیین تھا جب حضرت آدم کا پتلہ زمین پر پڑا ہوا تھا" میں تمہیں اس کی ابتدا کے بارے میں بتاؤں، میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں، حضرت عیسیٰ نے میرے بارے میں بشارت دی، اور میری ماں کا خواب جو انہوں نے دیکھا اور انبیاء کی مائیں اسی طرح دیکھا کرتی ہیں (1)۔ ابن وہب اور لیث نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور عبداللہ بن صالح نے بھی مکاتبۃً یہی روایت کیا ہے۔ اسی طرح ایک اور سند کے ساتھ امام احمد نے ابوامامہ سے روایت کیا ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ کی ابتدا کیا ہے۔ فرمایا میرے باپ ابراہیم کی دعا، حضرت عیسیٰ کی میرے بارے بشارت، اور میری ماں نے دیکھا کہ ان سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کی محلات روشن ہو گئے (2)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم نے ہی لوگوں میں آپ کا تذکرہ فرمایا اور آپ کو مشہور فرمایا۔ پھر ہر طرف آپ کا چرچا رہا حتی کہ نسب کے اعتبار سے بنو اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام نے تو صراحۃً آپ کا اسم گرامی بھی ذکر فرمادیا۔ ایک دفعہ آپ بنو اسرائیل کو خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا: اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ ...... بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (الصف:6)" ترجمہ: میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں میں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی اور مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا

1۔ مسند امام احمد، 127/4 2۔ مسند امام احمد، 262/5

میرے بعد اس کا نام (نامی) احمد ہوگا"۔ اسی لیے اس حدیث مبارکہ میں "فرمایا میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی بشارت ہوں"۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ آپ کی والدہ سے ایک نور خارج ہوا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے حمل کے بعد یہ نور دیکھا۔ اور اپنی قوم کو بتایا اس طرح یہ بات پھیل گئی۔ نور کے ظہور کے ساتھ شام کے ذکر کی تخصیص میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کا دین بلاد شام تک پھیل جائے گا۔ اسی لیے آخر زمانہ میں شام اسلام اور مسلمانوں کا قلعہ ہوگا۔ یہیں حضرت عیسیٰ بن مریم دمشق کے سفید شرقی مینار پر اتریں گے۔ اسی لیے صحیحین کی روایت میں ہے کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔ انہیں رسوا کرنے یا انکی مخالفت کرنے والے اسے کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے حتیٰ کہ اللہ کا امر آجائے گا اور وہ اسی حال میں ہوں گے (1)۔ صحیح بخاری میں صرف یہ اضافہ ہے کہ وہ شام میں ہوں گے۔ ابوجعفر رازی نے بروایت ربیع بن انس، ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد امت محمد ﷺ ہے۔ آپ کو کہا گیا کہ آپکی دعا قبول ہے اور وہ پیغمبر آخری زمانہ میں ہوں گے۔ سدی اور قتادہ نے بھی یہی کہا ہے۔ قولہ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ کتاب سے مراد قرآن کریم اور حکمت سے مراد سنت مبارکہ حسن، قتادہ، مقاتل بن حیان اور ابو مالک وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد دین کی فہم ہے اور اس میں کوئی منافاۃ نہیں۔ تزکیہ سے مراد ابن عباس کے نزدیک اللہ کی اطاعت اور اخلاص ہے۔ محمد بن اسحٰق اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ انہیں خیر سکھلائے تو اس پر وہ عمل پیرا ہوں۔ اور اللہ کی رضا کے بارے میں بتلائے تا کہ وہ اس کی اطاعت کریں۔ تا کہ وہ بکثرت اطاعت کریں معصیت سے گریزاں رہیں۔ قولہ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ عزیز (زبردست) جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ حکیم (حکمت والا) یعنی اپنے افعال واقوال میں متعدد حکمتوں والا ہے۔ اپنے علم، حکمت اور عدل کے ساتھ ہر چیز کو اس کے محل پر رکھتا ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۳۰ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۳۱ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۳۲ۭ

"اور کون روگردانی کر سکتا ہے دین ابراہیم (علیہ السلام) سے بجز اس کے جس نے احمق بنا دیا ہو اپنے آپ کو اور بے شک ہم نے چن لیا ابراہیم (علیہ السلام) کو دنیا میں اور بلاشبہ وہ قیامت کے دن نیکوکاروں میں ہوں گے۔ اور یاد کرو جب فرمایا اسکو اسکے رب نے (اے ابراہیم علیہ السلام!) گردن جھکا دو۔ عرض کی میں نے اپنی گردن جھکا دی سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے۔ اور وصیت کی اسی دین کی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب (علیہ السلام) نے اے میرے بچو! بے شک اللہ نے پسند فرمایا ہے تمہارے لیے یہی دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو"۔

جو انہوں نے شرک اور امام الحنفاء ابراہیم خلیل اللہ کی ملت کی مخالفت کی اللہ تعالیٰ اس آیت میں کفار کا رد فرما رہے ہیں۔ آپ نے توحید باری تعالیٰ کو ممتاز کیا۔ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ پکارا، لحہ بھر بھی اس کے ساتھ شرک نہ کیا، اور ماسوا اللہ ہر معبود سے بیزاری کا اظہار کیا اور اس مسئلہ میں اپنی ساری قوم کی مخالفت کی بلکہ اپنے باپ (چچا) سے بھی برأت کا اظہار کیا۔ اور فرمایا: يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا

1۔ مسلم، کتاب الایمان: 247

تُشْرِكُوْنَ...... مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (انعام: 79-78)" ترجمہ: اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو بے شک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمینوں کو یکسو ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے"۔ اور فرمایا "وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ...... سَيَهْدِيْنِ" (زخرف: 27-26)" ترجمہ: اور (یاد کیجئے) جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہ میں بیزار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو بجز اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا بے شک وہی میری رہنمائی کرے گا"۔ اور فرمایا: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ...... اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (توبہ: 114)" ترجمہ: اور نہ تھی استغفار ابراہیم کی اپنے باپ کے لئے مگر ایک وعدہ (کو پورا کرنے) کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا اور جب ظاہر ہوگئی آپ پر یہ بات کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ بیزار ہوگئے اس سے بے شک ابراہیم بڑے ہی نرم دل (اور) بردبار تھے"۔ اور فرمایا: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا...... فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (نحل: 122-120)" ترجمہ: بلاشبہ ابراہیم ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے وہ (ہر لحہ) شکر گزار تھے"۔ اللہ تعالیٰ کی (پیہم) نعمتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا۔ اور انہیں ہدایت فرمائی سیدھے راستے کی طرف اور ہمیں نے مرحمت فرمائی انہیں دنیا میں بھی (ہر طرح کی) بھلائی اور وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے"۔ اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں۔ سَفِهَ نَفْسَهٗ: سوء تدبیر کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ حق کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کی۔ اور شباب سے لے کر خلیل اللہ کے مقام پر فائز ہونے تک دنیا کے لئے باعث رشد و ہدایت شخصیت کے راستے کی مخالفت کی۔ اور وہ تو آخرت میں بھی سعادت مند صالحین میں سے ہوں گے۔ جس نے ایسی برگزیدہ ہستی کے مسلک اور ملت کی خلاف ورزی کی، گمراہی اور ضلال پر ڈٹا رہا اس سے بڑا احمق اور کون ہوسکتا ہے؟۔ یا اس سے بڑا ظلم اور کون سا ہوگا۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان: 13)" ترجمہ: یقیناً شرک ظلم عظیم ہے"۔ ابوالعالیہ اور قتادہ کا قول ہے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے اللہ کی راہ چھوڑ کر ایک نئی ڈگر اختیار کی۔ اور ملت ابراہیمی (جو کہ دین فطرت ہے) کو قبول نہ کیا۔ اس قول کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا...... وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران: 67)" ترجمہ: نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے مسلمان تھے اور نہ ہی وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے۔ بے شک نزدیک تر لوگ ابراہیم (علیہ السلام) سے وہ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی نیز یہ نبی (کریم) اور جو (اس نبی پر) ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ مددگار ہے مومنوں کا۔) قولہ تعالیٰ: اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاص اطاعت و انقیاد اور اس کے امر کے سامنے گردن رکھ دینے کا حکم دیا۔ اور آپ نے اس وعدہ کو پورا کر دکھایا۔ قولہ تعالیٰ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ "اس ملت کی وصیت فرمائی اور یہ اللہ کے سامنے جھک جانا اور اسلام پر ثابت قدم رہنا ہے"۔ یا پھر ھا ضمیر کا مرجع کلمہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے "یعنی اسلام قبول کرنا" خود بھی تاحین وفات اسلام کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہے اور اپنی اولاد کو بھی اسی دین پر ثابت قدم رہنے کی وصیت فرمائی۔ جیسے ایک اور جگہ آتا ہے۔ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ (الزخرف: 28)" ترجمہ: اور آپ نے بنادیا کلمہ توحید کو باقی رہنے والی بات اپنی اولاد میں"۔ بعض علماء نے (یعقوب) کا عطف بَنِيْهِ پر کرتے ہوئے اسے منصوب پڑھا ہے۔ اور حضرت یعقوب کو بھی وصیت میں شامل کیا ہے گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں اور پوتے یعقوب بن اسحٰق کو یہ وصیت کر رہے ہیں اور وہ بھی اس وقت موجود تھے۔ قشیری کا خیال ہے جس طرح کہ قرطبی نے ان سے نقل کیا ہے کہ حضرت یعقوب حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد پیدا ہوئے (1)۔ لیکن یہ دعویٰ

1۔ تفسیر القرطبی، 136/2

صحیح دلیل کا محتاج ہے۔ بظاہر یہی پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوب حضرت خلیل اللہ اور سارہ کی حیات مبارکہ میں ہی پیدا ہوئے۔ کیونکہ دونوں کی بشارت دی گئی تھی۔ ارشاد فرمایا: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ'' ترجمہ: تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحٰق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی''۔ غیر منصرف ہونے کی وجہ سے یہاں یعقوب پر کسرہ نہیں آیا۔ اگر حضرت یعقوب آپ کی زندگی میں نہیں تھے تو پھر حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے بالخصوص ان کا تذکرہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ'' ترجمہ: اور ہم نے عطا فرمایا آپ کو اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا پوتا) اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب''۔ ایک دوسری آیت میں آتا ہے۔ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَیَعْقُوْبَ (الانبیاء: 72)'' ترجمہ: اور ہم نے عطا فرمایا انہیں اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا) پوتا''۔ یہ آیت بھی اس بات کی متقاضی ہے کہ آپ ان کی زندگی میں ہی پیدا ہو چکے تھے۔ اسی طرح آپ ہی بیت المقدس کے بانی بھی ہیں جس کا تذکرہ سابقہ کتب میں آیا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوذر سے مروی ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ فرمایا'' مسجد حرام'' میں نے عرض کی پھر کون سی فرمایا'' بیت المقدس'' میں نے پوچھا ان کے درمیان کتنا عرصہ گزرا؟ فرمایا'' چالیس سال'' الحدیث (1)۔ ابن حبان کا خیال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کے بانی اول ہیں۔ ان کے اور حضرت ابراہیم کے مابین چالیس سال کا عرصہ ہے۔ لیکن اس بات کو تسلیم نہیں جا سکتا۔ کیونکہ ان دونوں کے مابین ہزاروں سالوں کا فاصلہ ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کو ویران کیے جانے کے بعد دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ واللہ اعلم۔ حضرت یعقوب کی اپنے بیٹوں کو وصیت کا تذکرہ آگے آئے گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی وصیت کرنے والوں میں شامل تھے۔ قولہ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی ...... اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ حالت حیات میں احسان پر رہو۔ اور اسے لازم پکڑلو تاکہ اللہ تمہیں اسی پر وفات دے دے۔ کیونکہ آدمی کا وصال اکثر اسی حالت پر ہوتا ہے جس پر وہ اپنی زندگی میں ہو۔ اور جس حالت میں مرا اسی پر اٹھایا جائے گا۔ اللہ رب العزت نے اپنی سنت بیان فرمائی کہ جو شخص خیر کا قصد کرتا ہے اسے توفیق عطا فرمادی جاتی ہے اور معاملہ اس کے لئے آسان بنا دیا جاتا ہے۔ جو نیکی کی نیت کرے اس پر ثابت قدم رہتا ہے۔ صحیح حدیث کے مضمون کے ساتھ اسے کوئی تعارض نہیں، جس میں ہے کہ آدمی اہل جنت کا سا عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے مابین دو ہاتھ یا ایک ہاتھ رہ جاتا ہے تو کتاب (تقدیر) اس سے سبقت لے جاتی ہے اور وہ اہل نار کا سا عمل کرنے لگتا ہے اور جہنم میں چلا جاتا ہے۔ اور (کبھی) کوئی شخص دوزخیوں جیسے عمل کرتا ہے حتی کہ اس کے اور آگ کے مابین دو ہاتھ یا ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر تقدیر اس سے سبقت لے جاتی ہے تو وہ اہل جنت کی طرح کے اعمال کر کے جنتی بن جاتا ہے (2)۔ اس حدیث کی بعض روایات کے الفاظ یوں ہیں بظاہر وہ جنتی لوگوں کی طرح اچھے اعمال کرتا اور بظاہر دوزخیوں جیسے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ..... فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی (اللیل: 10)'' ترجمہ: پھر جس نے (راہ خدا میں اپنا) مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا اور (جس نے) اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے آسان راہ اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے مشکل راہ''۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ

1۔ البخاری: 177/4 2۔ البخاری: 45/4

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

''بھلا کیا تم (اس وقت) موجود تھے جب آ پہنچی یعقوب (علیہ السلام) کو موت۔ جب کہ پوچھا اس نے اپنے بیٹوں سے کہ تم کس کی عبادت کرو گے میرے (انتقال کر جانے کے) بعد۔ انہوں نے عرض کی ہم عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے بزرگوں ابراہیم (علیہ السلام) اور اسمٰعیل (علیہ السلام) اور اسحٰق علیہ السلام کے خدا کی جو خدائے وحدہ لاشریک ہے۔ اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی۔ انہیں فائدہ دیگا جو (نیک عمل) انہوں نے کمایا اور تمہیں نفع دیں گے جو (نیک اعمال) تم نے کمائے اور نہ پوچھے جاؤ گے تم اس سے جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مشرکین عرب جو کہ اولاد اسماعیل سے تھے اور کفار بنی اسرائیل جو کہ یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھے کے خلاف دلیل ذکر فرماتے ہوئے یہ بیان فرما رہے ہیں کہ جب حضرت یعقوب کا وقت وصال قریب آیا تو اپنے بیٹوں کو بلا کر خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کی وصیت فرمائی۔ اور فرمایا تم کس کی عبادت کرو گے میرے (انتقال کر جانے کے) بعد تو وہ کہنے لگے۔ ہم عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے بزرگوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق علیہم السلام کی۔ آباء میں حضرت اسماعیل کا تذکرہ بطور تغلیب آ گیا ہے حالانکہ آپ تو حضرت یعقوب کے چچا تھے۔ نحاس کا قول ہے کہ عرب چچا کو اب (باپ) کے لفظ سے تعبیر کرتے رہتے ہیں۔ قرطبی نے یہی نقل کیا ہے (1)۔ جن لوگوں نے دادا (جد) کو باپ قرار دیا ہے اور اس کی موجودگی میں بھائیوں کو میراث سے محروم کر دیا ہے اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر کی بھی یہی رائے تھی۔ بخاری نے حضرت ابن عباس وابن زبیر کی روایت سے حضرت ابوبکر صدیق سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اسی سے آگے بخاری لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ کی یہی رائے ہے حسن بصری، طاؤس اور عطاء سے بھی یہی منقول ہے اور امام ابوحنیفہ اور دیگر سلف وخلف کا یہی مذہب ہے مالک، شافعی اور مشہور روایت کے مطابق امام احمد بھائیوں کو اس کے ساتھ شریک بناتے ہیں۔ حضرات عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، زید بن ثابت اور سلف وخلف میں سے ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ صاحبین (ابو یوسف اور محمد بن حسن) کی رائے بھی اسی طرح ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت کا یہ مقام نہیں۔ قولہ ''اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ'': یعنی ہم اس کی وحدانیت کا اقرار کریں گے اور اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ قولہ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ: یعنی مطیع، سر تسلیم خم کیے ہوئے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ (آل عمران: 83)'' ترجمہ: حالانکہ اس کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا مجبوری سے اور اسی کی طرف وہ (سب) لوٹائے جائیں گے''۔ اسلام تمام انبیاء کا دین تھا۔ اگرچہ ان کی شریعتیں اور اسالیب مختلف تھے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء: 25)'' ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو''۔ اس مضمون کی آیات اور احادیث بے شمار ہیں۔ جیسے حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ''ہم گروہ انبیاء ایک

1۔ تفسیر القرطبی 138/2

باپ اور مختلف ماؤں کی اولاد (علاتی بہن بھائی) ہیں۔ اور ہمارا دین ایک ہے (یعنی ہمارا ایمان ایک اور شرائع مختلف ہیں) (المعجم الوسیط) (1)۔ قولہ تعالیٰ "تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ": یعنی گزر گئی۔ قولہ تعالیٰ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ: یعنی تمہارے اسلاف آباؤ اجداد میں سے انبیاء و صلحاء کی طرف تمہاری نسبت تمہیں اس وقت نہ کوئی فائدہ دے گی جب تک تم نیک اعمال سرانجام نہ دو بالآخر جن کا تمہیں نفع ہوگا۔ ان کے اعمال ان کے ہمراہ اور تمہارے اعمال تمہارے کھاتے میں ہوں گے۔ قولہ تعالیٰ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس کا عمل اسے پیچھے ڈال دے (یعنی وہ جنت میں داخلے سے محروم رہ جائے) تو اس کا نسب اس کے ساتھ جلدی نہیں کرے گا (یعنی بزرگوں کی اولاد ہونا چنداں نفع نہ دے گا)۔

وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

"اور (یہودی) کہتے ہیں یہودی بن جاؤ (عیسائی) کہتے ہیں عیسائی بن جاؤ (تب) ہدایت پالو گے۔ آپ فرمایئے میرا دین تو دین ابراہیم (علیہ السلام) ہے جو باطل سے منہ موڑنے والا حق پسند تھا اور وہ نہیں تھا شرک کرنیوالوں سے"۔

محمد بن اسحٰق نے سعید بن جبیر یا عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن صوریا، اعور، یہودی حضور ﷺ سے کہنے لگا کہ راہ ہدایت پر تو ہم ہیں۔ اے محمد! ہماری اتباع کرو تو ہدایت پا جاؤ گے۔ نصاریٰ نے بھی یہی دعویٰ کیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ قولہ: قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا: یعنی ہم یہودیت اور نصرانیت جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو نہیں چاہتے بلکہ ہم تو دین ابراہیمی کے پیروکار ہیں جو کہ صراط مستقیم ہے۔ محمد بن کعب قرظی اور عیسیٰ بن جاریہ کا یہی قول ہے۔ خصیف نے مجاہد سے حنیف کا معنی مخلص نقل کیا ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے اس کا معنی 'حاجی' (حج کرنے والا) روایت کیا ہے۔ حسن، ضحاک، عطیہ اور سدی سے بھی یہی مروی ہے۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ حنیف وہ ہے جو بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرے نماز پڑھے اور استطاعت کی صورت میں اپنے اوپر حج فرض سمجھے۔ مجاہد اور ربیع نے کہا ہے کہ حنیف سے مراد پیروکار ہے۔ ابو قلابہ کا قول ہے کہ حنیف وہ ہے جو اول تا آخر تمام رسولوں پر ایمان رکھتا ہو، قتادہ کا قول ہے کہ حنیفیت کا معنی اللہ تعالیٰ کے وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ ہونے کی گواہی دینا ہے۔ ماؤں بیٹیوں، خالاؤں پھوپھیوں اور دیگر محرمات کی حرمت اور ختنہ کرنا اس میں شامل ہے۔ (2)

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

"کہہ دو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا ابراہیم (علیہ السلام) و اسمٰعیل (علیہ السلام) و اسحٰق (علیہ السلام) و یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد کی طرف اور جو عطا کیا گیا موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو اور جو عنایت کیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم فرق نہیں کرتے ان میں کسی پر ایمان لانے میں اور ہم تو اللہ کے فرمانبردار ہیں"۔

1۔ زاد المسیر 373/2 2۔ ابن ابی حاتم

اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو ارشاد فرمار ہے ہیں جو کچھ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے ان پر اتارا ہے اس پر تفصیلاً ایمان لائیں۔ اور سابقہ انبیاء پر مجمل ایمان لائیں۔ کچھ رسولوں کا ذکر کیا اور بقیہ انبیاء کا ذکر مجمل رکھا۔ اور حکم دیا کہ ان میں سے کسی میں تفریق نہ کریں بلکہ سب پر ایمان لائیں۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا۔ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا...... هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا...... (نساء:151) ''ترجمہ: اور چاہتے ہیں کہ اختیار کرلیں کفر وایمان کے درمیان کوئی (تیسری) راہ یہی لوگ کافر ہیں حقیقت میں''۔ بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھتے اور مسلمانوں کے لئے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اہل کتاب کی تصدیق یا تکذیب نہ کرو۔ اور کہو ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے نازل فرمایا اس پر بھی'' (1)۔ مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر فجر سے پہلے کی دوسنتوں کی پہلی رکعت میں یہ آیت پڑھا کرتے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا (2)۔ اور دوسری میں ''اٰمَنَّا...... وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ'' ابو العالیہ، ربیع اور قتادہ کا قول ہے اسباط حضرت یعقوب کے فرزند تھے۔ یہ بارہ تھے، ہر ایک نسل سے کثیر اولاد ہوئی اور وہ اسباط کہلائے۔ خلیل بن احمد وغیرہ کا قول ہے بنی اسرائیل میں اسباط اسی طرح ہیں جیسے بنو اسماعیل میں قبائل، زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ اسباط حضرت یعقوب علیہ السلام کے پوتے تھے۔ یعنی ان کے بارہ لڑکوں کی اولاد۔ رازی نے بھی اکشاف کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا ہے اور مخالفت نہیں کی بخاری کا قول ہے کہ اسباط بنو اسرائیل کے قبائل ہیں۔ اس کلام کا تقاضا یہ ہے کہ اسباط سے مراد اقوام بنو اسرائیل ہوں۔ اور جو کچھ ان کے انبیاء پر وحی نازل ہوئی۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تھا۔ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ...... وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا...... (مائدہ:20) ''ترجمہ: یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہوا جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں حکمران''۔ اور فرمایا: وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا (اعراف:160) ''ترجمہ: اور ہم نے بانٹ دیا بارہ قبیلوں میں جو الگ الگ قومیں ہیں''۔ قرطبی کا قول ہے کہ اسباط یہ سبط کی جمع ہے اس کا معنی ہے تابع۔ وہ ایک جماعت تھے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ اصل میں سَبَطٌ (بالتحریک) سے ہے۔ اس کا معنی ہے درخت یعنی کثرت میں وہ درخت کی طرح ہیں۔ اس کا واحد سبطۃ ہے۔ ابو اسحٰق زجاج کا قول ہے کہ اس کی وضاحت حضرت ابن عباس کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ جسے محمد بن جعفر انباری نے اپنی سند سے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: سارے انبیاء بنو اسرائیل سے ہی ہوئے ہیں ماسوائے دس کے یعنی نوح، ہود، صالح، شعیب، ابراہیم، لوط، اسحاق، یعقوب، اسماعیل اور حضرت محمد علیہم وعلی نبینا الصلوٰت والتسلیمات۔ قرطبی کا قول ہے کہ سبط یعنی جماعت اور قبیلہ ایک ہی اصل کی طرف راجع ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حکم دیا کہ اس کی ذات پر ایمان لائیں۔ اور اس کی کتابوں اور رسولوں کی تصدیق کریں۔ سلیمان بن حبیب کا قول ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم تورات اور انجیل پر ایمان لائیں لیکن ان کی محتویات پر عمل نہ کریں۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ حضرت معقل بن یسار سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تورات، زبور، اور انجیل پر ایمان لاؤ۔ اور قرآن کریم تمہارے لیے کافی ہے''۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّ نَحْنُ لَهٗ

1۔ فتح الباری، کتاب التفسیر 170/8 2۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ المسافرین:502

عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

''تو اگر یہ بھی ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو جب تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ منہ پھیریں تو (معلوم ہو گیا کہ) وہی مخالفت پر کمر بستہ ہیں۔ تو کافی ہو جائے گا آپ کو ان کے مقابلے میں اللہ اور وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ (ہم پر) اللہ کا رنگ (چڑھا ہے) اور کس کا رنگ خوبصورت ہے اللہ کے رنگ سے۔ ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں''۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا: اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے اگر یہ کفار بھی ایمان لائیں یعنی اہل کتاب وغیرہ میں سے۔ بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ: اے مؤمنین جس طرح تم اللہ کی تمام کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائے ہو اور ان میں سے کسی پر ایمان لانے میں فرق نہ کریں۔ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ: تو انہوں نے حق کو پالیا اور وہ رشد و ہدایت پر ہو گئے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا: اگر وہ حق سے باطل کی طرف منہ پھیریں اس کے بعد کہ ان پر دلیل بھی قائم ہو چکی ہے۔ فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ یعنی اللہ آپ کو ان پر فتح و نصرت عطا فرمائے گا۔ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے حضرت نافع بن نعیم سے نقل کیا ہے کہ کسی خلیفہ نے میرے پاس مصحف عثمانی کا ایک نسخہ بھیجا تا کہ اس کی اصلاح کروں۔ زیاد کا قول ہے میں نے اسے کہا لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ کا مصحف آپ کی گود میں تھا جس وقت آپ کو شہید کیا گیا اور خون کے قطرات آیت کے اس حصہ پر پڑے۔ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ نافع نے کہا میں نے اپنی آنکھوں سے ان الفاظ پر خون دیکھا ہے وقت گزرنے کے ساتھ اس کا رنگ بھی بدل چکا تھا۔ قولہ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ: ضحاک نے ابن عباس سے اس کا معنیٰ ''اللہ کا دین'' نقل کیا ہے۔ مجاہد، ابو العالیہ، عکرمہ، ابراہیم، حسن، قتادہ، ضحاک، عبداللہ بن کثیر، عطیہ عوفی، ربیع بن انس، اور سدی سے اسی طرح مروی ہے۔ اس کا نصب بطور تحذیر و اغراء کے ہے یعنی اللہ کے دین کو لازم پکڑلو۔ جیسے اللہ کا ارشاد ہے (فِطْرَةَ اللّٰهِ) اَیِ اِلْزَمُوْا ذٰلِكَ عَلَیْكُمُوْهُ۔ بعض نے اسے ملۃ ابراہیم سے بدل قرار دیا ہے۔ سیبویہ کا قول ہے کہ یہ مصدر مؤکد ہے۔ اور ''اٰمَنَّا بِاللّٰهِ'' سے منصوب ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد (وَعْدَ اللّٰهِ) ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ کی روایت میں بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنو اسرائیل نے عرض کی اے اللہ کے نبی! کیا آپ کا رب بھی رنگ کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی اے موسیٰ! انہوں نے تم سے سوال کیا ہے کہ کیا آپ کا رب رنگ کرتا ہے؟ فرمایئے ہاں میں سرخ، سفید اور سیاہ رنگ کرتا ہوں سارے رنگ میرے ہیں۔ اور اپنے نبی پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ابن مردویہ کی مرفوع روایت میں اسی طرح ہے۔ جبکہ ابن ابی حاتم کی روایت موقوف ہے۔ بشرطیکہ اس کی اسناد صحیح ہو۔ واللہ اعلم۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

''آپ فرمایئے کیا تم جھگڑتے ہو ہمارے ساتھ اللہ کے بارے میں حالانکہ وہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک، اور

ہمیں ہمارے اعمال اور تمہیں تمہارے اعمال فائدہ پہنچائیں گے ہم تو اسی کی اخلاص سے عبادت کرتے ہیں۔ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم (علیہ السلام) واسمٰعیل (علیہ السلام) واسحٰق (علیہ السلام) ویعقوب (علیہ السلام) اور ان کے بیٹے یہودی تھے یا عیسائی فرمایئے کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو چھپاتا ہے گواہی جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے اور اللہ بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔ وہ ایک امت تھی جو گزر چکی اسے ملے گا جو اس نے کمایا اور تمہیں ملے گا جو تم نے کمایا۔ اور تم سے نہ پوچھا جائے گا اس سے جو وہ کیا کرتے تھے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی کریم کو مشرکین کے مجادلے کا رد کرنے کے لئے راہنمائی فرمارہے ہیں۔ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ یعنی تم اللہ کی توحید، اخلاص، اطاعت وانقیاد، اتباع اوامر اور ترک نواہی کے بارے میں ہم سے مناظرہ کرتے ہو۔ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ یعنی ہم تم سے بری ہیں اور جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور تم ہم سے بری ہو۔ جس طرح ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ "اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیجئے میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم بری الذمہ ہو اس سے جو میں کرتا ہوں اور میں بری الذمہ ہوں اس سے جو تم کرتے ہو"۔ اور فرمایا: فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ "پھر اگر (اب بھی) جھگڑا کریں آپ سے تو آپ کہہ دیجئے کہ میں نے جھکا دیا ہے اپنا سر اللہ کے سامنے اور جنہوں نے میری پیروی کی"۔ اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّىْ فِي اللّٰهِ (انعام:80) "اور جھگڑنے لگی ان سے ان کی قوم آپ نے کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں"۔ اور فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ...... (بقرہ:258) اور اس آیت کریمہ میں فرمایا: وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ "یعنی ہم تم سے بری ہیں جس طرح تم ہم سے بری ہو"۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ۔ "یعنی عبادت اور توجہ میں"۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوی کی نفی فرمائی کہ حضرت ابراہیم اور ان کے بعد جن انبیاء اور اسباط کا ذکر ہے وہ ان کی ملت کے پیروکار تھے۔ یعنی یہودیت اور نصرانیت۔ فرمایا: تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ یعنی بلکہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور فرمایا وہ یہودی یا نصرانی نہ تھے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (آل عمران:67) "نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے مسلمان تھے اور نہ ہی وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے"۔

قولہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ وہ اپنی کتاب میں پڑھا کرتے تھے کہ دین، اسلام ہے۔ اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور اسباط یہودیت اور نصرانیت سے پاک اور منزہ تھے۔ انہوں نے اللہ کے لئے گواہی دی اور اللہ کے لئے اپنے آپ پر اقرار کیا۔ لیکن اپنے پاس اللہ کی گواہی کو انہوں نے چھپالیا۔ قولہ: وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ دھمکی اور شدید وعید ہے۔ یعنی اس کا علم تمہارے علم کو محیط ہے اور اس پر تمہیں جزا دے گا۔ پھر فرمایا یہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی۔ ان کے اپنے اعمال تھے اور تمہارے اپنے۔ وَلَا تُسْــَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ان کی اتباع کے بغیر ان کی طرف منسوب ہونا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ محض ان کے ساتھ نسبت سے دھوکے میں نہ پڑو۔ بلکہ ان کی طرح اوامر الٰہیہ کو بجالانے والے اور اس کے رسولوں کی اتباع کرنے والے بنو جو بشیر ونذیر بنا کر مبعوث کیے گئے۔ جس نے ایک نبی کا انکار کیا گویا اس نے سارے رسولوں کا انکار کیا اور خصوصاً اس نبی کو جھٹلایا جو سید الانبیاء، خاتم المرسلین اور تمام جن وانس کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں (صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى سَائِرِ اَنْبِيَاءِ اللّٰهِ اَجْمَعِيْنَ)

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَيْهِ ؕ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَی الَّذِيْنَ هَدَی اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

''اب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو اپنے قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے۔ آپ فرمایئے اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف اور اسی طرح ہم نے بنا دیا تمہیں (اے مسلمانو!) بہترین امت تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر اور (ہمارا) رسول (علیہ السلام) تم پر گواہ ہو۔ اور نہیں مقرر کیا ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ (اب تک) رہے مگر اس لئے کہ ہم دیکھ لیں کہ کون پیروی کرتا ہے (ہمارے) رسول (علیہ السلام) کی (اور) کون مڑتا ہے الٹے پاؤں بے شک یہ (حکم) بہت بھاری ہے مگر ان پر (بھاری نہیں) جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی۔ اور نہیں اللہ کی یہ شان کہ ضائع کر دے تمہارا ایمان بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت ہی مہربان (اور) رحم فرمانے والا ہے''۔

کہا گیا ہے کہ سُفَهَآءُ سے مراد یہاں مشرکین عرب ہیں۔ زجاج کا یہ قول ہے بعض علماء کا خیال ہے کہ اس سے مراد یہودی علماء (احبار) ہیں۔ مجاہد سے یہی منقول ہے۔ سدی کی رائے میں اس کا مطلب منافقین ہے۔ لیکن یہ آیت عام ہے اور اس کا مصداق سب لوگ ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ بخاری کا قول ہے حضرت براء سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ آپ علیہ السلام کو یہ بات ازحد پسند تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ ہو۔ خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے آپ نے سب سے پہلے عصر کی نماز پڑھائی۔ کچھ صحابہ نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ ان نمازیوں میں سے ایک شخص نکلا۔ اس کا گذر ایک مسجد پر ہوا وہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے کہا کہ میں اللہ کے نام سے گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی علیہ السلام کی معیت میں مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ وہ سب اسی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔ بیت اللہ شریف کی طرف تبدیلی سے قبل جن لوگوں نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں ادا کی تھیں اور تحویل قبلہ سے قبل ان کا انتقال ہو گیا تھا ان کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہ تھا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بخاری نے اس کو منفرداً روایت کیا ہے (1)۔ مسلم نے اسے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔ محمد بن اسحٰق کا قول ہے حضرت براء نے ارشاد فرمایا حضور علیہ السلام بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمایا کرتے اور بکثرت آسمان کی طرف نگاہ اٹھائے ہوئے اللہ کے امر کا انتظار فرماتے (2)۔ اور اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ...... الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ یہ سن کر بعض مسلمان کہنے لگے ہمیں ان مسلمانوں کا علم ہو جائے جو بیت اللہ کی طرف ہمارا رخ تبدیل ہونے سے قبل ہی وصال فرما گئے تھے۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ (بقرہ:143) یہ سن کر بعض بے وقوف لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ لوگ تو اہل کتاب تھے۔ ان کے سابقہ قبلہ سے انہیں کس چیز نے پھیر دیا؟۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ

1۔ مسند احمد: 283/4 2۔ مسلم: المساجد: 15

عَنْ قِبْلَتِهِمُ آخر آیت تک۔ ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے حضرت براء سے روایت کیا ہے کہ رسول ﷺ تقریباً سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ کعبہ کی طرف منہ کرنا پسند فرماتے تھے۔ تو یہ آیت اتری: قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ .... الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ تو آپ نے کعبہ کی طرف رخ فرمالیا۔ یہ سن کر بعض بے وقوف لوگ (یہود) کہنے لگے۔ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اللہ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ سن کر یہود خوش ہو گئے۔ چند ماہ تک رسول اللہ ﷺ اس کی طرف ہی منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے۔ آپ ﷺ کو قبلہ ابراہیمی پسند تھا آپ ہر وقت اللہ سے دعا مانگا کرتے اور نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھ جاتی۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ اَيْ نَحْوَهٗ (اس کی سمت میں) اس سے یہود کو شبہ ہوا اور وہ کہنے لگے (مَا وَلّٰىهُمْ ......) تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اس باب میں واردشدہ احادیث بے شمار ہیں۔ جن کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بیت المقدس میں صخرہ (چٹان) کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ مکہ میں آپ ﷺ دورکنوں میں نماز ادا فرماتے اس طرح کعبہ آپ کے سامنے ہوتا اور صخرہ بیت المقدس کی سمت آپ کا رخ اقدس ہوتا۔ جب مدینہ ہجرت فرمائی تو دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ رہا اس وقت اللہ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کرنے کا حکم دیا۔ ابن عباس اور جمہور کا یہی قول ہے۔ اس کے بعد اختلاف ہے کہ اس کا حکم قرآن میں تھا یا کسی اور ذریعے سے۔ اس میں دو اقوال ہیں۔ قرطبی وغیرہ نے اپنی تفسیر میں عکرمہ، ابوالعالیہ اور حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ کا بیت المقدس کی طرف رخ کرنا اپنے اجتہاد سے تھا۔ اس سے مقصود ہجرت مدینہ کے بعد بیت المقدس کی طرف رخ کرنا ہے۔ چند ماہ تک اسی پر عمل رہا۔ آپ ﷺ بکثرت دعا اور تضرع وزاری فرمایا کرتے تھے کہ کعبہ کو قبلہ بنایا جائے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا۔ آپ ﷺ کی یہ دعا مستجاب ہوئی اور بیت عتیق کی طرف رخ کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ چنانچہ رسول ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس تبدیلی سے آگاہ فرمایا۔ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے سب سے پہلی عصر کی نماز ادا کی گئی جس طرح کہ صحیحین میں حضرت براء کی روایت کا بیان اوپر گذر چکا ہے۔ نسائی نے ابوسعید بن معلیٰ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی۔ میں اور میرے ایک ساتھی نے سب سے پہلے کعبہ کی طرف نماز ادا کی۔ بہت سے مفسرین اور دیگر علماء نے ذکر فرمایا ہے۔ کہ تحویل قبلہ کا حکم دوران نماز نازل ہوا۔ سرکار دوعالم ﷺ اس وقت ظہر کی دورکعتیں ادا فرما چکے تھے۔ نماز کے دوران ہی آپ نے اپنا رخ اقدس قبلہ کی طرف کر لیا۔ یہ مسجد بنی سلمہ تھی جو بعد میں مسجد قبلتین کہلائی۔ نویلہ بنت مسلم کی روایت میں ہے کہ انہیں بعد میں اس وقت خبر ملی جب کہ وہ ظہر کی نماز ادا کر رہے تھے تو مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ چلی گئیں۔ شیخ ابوعمر بن عبدالبر نمری نے (تمہید میں) اسی طرح ذکر فرمایا ہے (1)۔ اہل قباء کو اگلے دن فجر کی نماز میں پتہ چلا جیسا کہ صحیحین کی روایت میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ قباء میں لوگ فجر کی نماز میں تھے کہ کسی آنے والے نے آکر خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ پر آج رات قرآن کریم نازل ہوا ہے اور آپ کو کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ تم بھی رخ بدل لو ان کے چہرے شام کی طرف تھے۔ چنانچہ وہ اپنی سمت بدل کر کعبہ کی طرف ہو گئے۔ اس واقعہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ ناسخ پر عمل کرنا اس وقت لازم ہوتا ہے جب اس کا علم ہو جائے اگرچہ وہ حکم پہلے ہی نازل ہو چکا ہو۔ کیونکہ ان لوگوں کو عصر، مغرب اور عشاء کے اعادے کا حکم نہیں دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

1۔ تفسیر القرطبی: 148/2

تبدیلی کعبہ کے بعد بعض منافقین، متذبذب قسم کے لوگوں اور کافر یہودیوں کے دلوں میں شک پیدا ہوا اور وہ تذبذب میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے۔ مَاوَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ کہ ان لوگوں کو کیا ہے کبھی ایک طرف رخ کرتے ہیں اور کبھی دوسری سمت میں۔ تو اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا: قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ حکم صرف اور صرف اللہ کا چلتا ہے۔ فرمایا: فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (بقرہ:115) ''سو جدھر بھی تم رخ کرو وہیں ذات خداوندی ہے''۔ اور فرمایا: لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ (بقرہ:177)۔ ''نیکی (بس یہی) نہیں کہ (نماز میں) تم پھیر لو اپنا رخ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف بلکہ نیکی (کا کمال) تو یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر''۔ یعنی مقصود صرف اور صرف اس کے اوامر کو بجالانا ہے۔ جس طرف حکم ہو اسی طرف منہ کرنا چاہیے۔ اگر ایک دن میں متعدد اطراف میں منہ کرنے کا حکم ہو تو ہم تو اس کے بندے اور غلام ہیں۔ ہمیں سرتابی کی مجال کہاں۔ ہم تو اس کے فرمانبردار اور خدام ہیں جس طرف حکم فرمائے گا منہ کر لیں گے۔ اس قادر مطلق کی اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ اور آپ کی امت پر عظیم عنایت ہے کہ انہیں اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کی طرف راہنمائی فرمادی۔ اور اسی کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا جو اس وحدہ لا شریك کے نام پر بنا تھا۔ جو روئے زمین پر سب سے زیادہ برکتوں والا ہے کیونکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دست مبارک سے بنا ہے۔ اسی لئے فرمایا: آپ فرمائیے اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی۔ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

امام احمد نے اپنی سند سے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (یعنی اہل کتاب کے بارے میں) کہ وہ ہم سے اتنا حسد کسی چیز پر نہیں کرتے جتنا وہ جمعہ کے دن پر حسد کرتے ہیں ہمیں اللہ نے اس کی توفیق دی اور وہ اس سے بھٹک گئے۔ اور قبلہ پر جس کی طرف اللہ نے ہماری راہنمائی فرمائی اور وہ اسے نہ پاسکے۔ اور امام کے پیچھے ہمارے آمین کہنے پر (1) قولہ تعالیٰ: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا......عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ ہم نے قبلہ ابراہیمی کی طرف تمہارا رخ کیا اور اسے تمہارے لئے پسند کیا تاکہ تمہیں بہترین امت بنائیں۔ تاکہ تم قیامت کے دن تمام امتوں پر گواہ بن جاؤ۔ کیونکہ سب تمہاری فضیلت کے معترف ہیں۔ ''وسط'' کا معنی یہاں بہترین اور عمدہ ہے۔ جیسے کہا جاتا (قُرَيْشٌ اَوْسَطُ الْعَرَبِ نَسَبًا وَّدَارًا) قریش نسب اور گھر کے اعتبار سے بہترین ہیں۔ اور کہا جاتا ہے (كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَسَطاً فِیْ قَوْمِهٖ) یعنی نسب کے اعتبار سے اپنی قوم میں افضل ترین تھے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ نماز وسطیٰ (درمیانی نماز) ہی سب سے افضل نماز ہے اور یہ عصر ہے جس طرح صحاح وغیرہ سے ثابت ہے۔ جب اللہ نے اس امت کو امت وسط بنایا تو اسے اکمل ترین شریعت سے نوازا اور صراط مستقیم اور واضح ترین مذہب سے ممتاز فرمایا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (حج:78) ''اس نے چن لیا ہے تمہیں (حق کی پاسبانی اور اشاعت کے لئے) اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی پیروی کرو اپنے باپ ابراہیم کے دین کی اسی نے تمہارا نام مسلم (سر اطاعت خم کرنے والا) رکھا ہے اس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے تاکہ ہو جائے رسول (کریم) گواہ تم پر اور تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر''۔

امام احمد نے حضرت ابو سعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روز قیامت حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا اور پوچھا جائے گا کیا تم نے میرا پیام رسالت لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔ وہ ارشاد فرمائیں گے۔ ہاں۔ پھر آپ کی قوم کو بلا کر پوچھا جائے گا کیا انہوں (حضرت نوح) نے پیغام الٰہی آپ تک پہنچا دیا تھا۔ وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ ہمارے پاس کوئی نہیں

1۔ احمد: 135/6

آیا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا کہ آپ کا گواہ کون ہے؟۔ وہ فرمائیں گے محمد (ﷺ) اور آپ کی امت۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ سے یہی مراد ہے۔ وسط کا معنی عدل ہے۔ چنانچہ تمہیں بلایا جائے گا اور اس تبلیغ رسالت پر گواہی لی جائے گی۔ پھر میں تمہاری گواہی پر گواہی دوں گا(1)۔ (بخاری، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اسے متعدد سندوں سے روایت کیا ہے۔) امام احمد نے ہی اپنی مسند میں ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ایک نبی آئیں گے۔ ان کے ساتھ صرف دو آدمی ہوں گے۔ اور اس سے زیادہ بھی۔ ان کی قوم کو بلایا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کیا انہوں نے پیغام رسالت تم تک پہنچا دیا تھا؟۔ وہ کہیں گے نہیں۔ اسے کہا جائے گا کیا تم نے میرا پیغام پہنچایا تھا؟۔ وہ کہے گا ہاں۔ کہا جائے گا تمہارا کون گواہ ہے۔ وہ کہے گا۔ محمد (ﷺ) اور آپ کی امت۔ چنانچہ۔ محمد (ﷺ) اور آپ کی امت کو بلایا جائے گا۔ ان سے کہا جائے گا کیا اس نبی نے میرا پیغام اپنی قوم تک پہنچایا تھا؟۔ وہ کہیں گے ہاں۔ پوچھا جائے گا تمہیں کیسے معلوم ہوا؟۔ وہ کہیں گے ہمارے نبی (ﷺ) نے ہمیں خبر دی تھی کہ تمام مرسلین نے پیغام حق پہنچا دیا تھا۔ یہی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب ہے: كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ فرمایا وَّسَطًا کا معنی عدلاً ہے۔ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ الخ۔ تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائے(2)۔ امام احمد نے ہی ایک اور حدیث میں وسطاً کا معنی عدلاً کیا ہے(3)۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں اور میری امت روز قیامت ایک ٹیلے پر ہوں گے اور خلائق کو دیکھ رہے ہوں گے۔ لوگوں میں سے ہر ایک کی خواہش ہوگی کاش وہ ہم سے ہوتا۔ کسی نبی کو بھی اس کی قوم نے نہیں جھٹلایا مگر ہم گواہی دیں گے کہ اس نے اپنے رب عزوجل کا پیغام دیا تھا۔ ابن مردویہ نے اور حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے اور الفاظ ابن مردویہ کے ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ کا فرمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنوسلمہ کے ایک جنازہ میں شامل ہوئے۔ میں آپ ﷺ کے ایک طرف تھا کوئی آدمی کہنے لگا۔ اللہ کی قسم! یا رسول اللہ یہ اچھا آدمی تھا۔ یہ پاک دامن مسلمان تھا۔ اور اس کی تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بات تم کس طرح کہہ رہے ہو؟۔ وہ آدمی کہنے لگا اللہ تعالیٰ بھیدوں کو خوب جانتا ہے۔ لیکن بظاہر اس کی یہی حالت تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے لئے واجب ہوگئی'' پھر آپ ﷺ بنو حارثہ کے ایک آدمی کے جنازے میں تھے میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ کچھ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ آدمی برا تھا، یہ درشت مزاج اور کج خلق تھا۔ اور اس کی برائی بیان کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کسی سے پوچھا: ''تم یہ بات کیسے کہہ رہے ہو''؟۔ وہ آدمی کہنے لگا اللہ دلوں کا حال بہتر جانتا ہے۔ ہماری معلومات یہی ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا واجب ہوگئی''(4)۔ مصعب بن ثابت کا قول ہے کہ محمد بن کعب نے اس وقت کہا رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا پھر آیت تلاوت فرمائی: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ پھر حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن شیخین نے اسے روایت نہیں فرمایا۔ امام احمد نے ابوالاسود سے نقل کیا ہے کہ میں جب مدینہ آیا۔ تو اتفاقاً یہاں بیماری تھی۔ بکثرت اموات وقوع ہو رہی تھیں۔ میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس بیٹھ گیا کہ ایک جنازہ آیا۔ اس آدمی کی تعریف و توصیف بیان کی گئی۔ آپ نے فرمایا واجب ہوگئی۔ پھر ایک اور جنازہ آیا۔ اس کی مذمت کی گئی تو حضرت عمر نے فرمایا واجب ہوگئی ابوالاسود نے کہا امیر المؤمنین کیا چیز واجب ہوگئی۔ فرمایا میں نے اسی طرح کہا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ''اگر کسی مسلمان پر چار شخص بھلائی کی گواہی دیں تو اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ فرمایا اور ہم نے عرض کی ''اور تین بھی''؟۔ فرمایا اور تین بھی فرمایا اور ہم نے عرض کی دو بھی فرمایا'' ہاں دو بھی'' پھر ہم نے ایک کے بارے میں نہیں پوچھا(5)۔ (بخاری، ترمذی اور نسائی نے داؤد بن فرات سے اسی طرح نقل کیا ہے۔) ابن مردویہ

1۔ البخاری: 171/8 2۔ احمد: 58/3 3۔ مسند امام احمد: 3/3 4۔ المستدرک: 268/2 5۔ البخاری، الجنائز: 75

نے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا'' عنقریب تم اپنے اچھے اور برے لوگوں کو پہچان لو گے''۔ عرض کی یا رسول اللہ! کس طرح فرمایا'' اچھی تعریف اور بری تعریف سے تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو''(1)۔ (اسے ابن ماجہ نے ابوبکر بن شیبہ سے اور احمد نے یزید بن ھارون اور عبدالملک بن عمر سے شریح نے نافع عن ابن عمر سے روایت کیا ہے۔) قولہ تعالیٰ: وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَآ...... عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمار ہے ہیں اے محمد! ہم نے پہلے آپ کے لئے بیت المقدس کی طرف متوجہ ہونا شروع کیا۔ پھر ہم نے آپ کو کعبہ کی طرف پھیر دیا تا کہ پتہ چل جائے آپ میں سے متبع اور مطیع کون ہے۔ اور جس طرف آپ منہ کریں اس طرف منہ کرنے والا کون ہے۔ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ۔ یعنی اپنے دین سے مرتد ہوتے ہوئے۔ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً۔ یعنی یہ فعل۔ بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف منہ کرنا اگرچہ لوگوں کے دلوں میں بڑی بات ہے لیکن وہ لوگ جنہیں اللہ نے ہدایت سے سرفراز فرمایا ہے انہیں رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کا ایقان ہے۔ اور جو کچھ آپ لائے ہیں حق ہے انہیں کوئی شک نہیں۔ اللہ جو چاہے کرتا ہے اور جو چاہے حکم فرماتا ہے۔ وہ جس چیز کے بارے میں چاہے بندوں کو مکلف بنادے، جو چاہے منسوخ کردے، حکمت تامہ اور حجت بالغہ اسی کو حاصل ہے۔ بخلاف ان لوگوں کے جن کے دلوں میں بیماری ہے۔ جب بھی کوئی نئی بات ہوتی ہے وہ تشکیک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جس طرح ایمان والوں کو ایقان اور تصدیق کی دولت سرمدی عطا ہوتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ (توبہ: 125-124)'' ترجمہ: اور جب کبھی نازل ہوتی ہے کوئی سورۃ تو بعض ان میں سے وہ ہیں جو (شرارتاً) کہتے ہیں کہ کس کا تم میں سے زیادہ کر دیا ہے اس سورۃ نے ایمان۔ تو وہ (سن لیں) ایمان والوں کے ایمان میں اس سورۃ نے اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے تو بڑھا دی اس سورۃ نے ان میں پلیدی ان کی (سابقہ) پلیدی پر اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے''۔ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...... عَلَيْهِمْ عَمًى (حم السجدہ: 44)'' ترجمہ: آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے تو ہدایت اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے۔ ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے۔ انہیں گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے''۔ اور فرمایا: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ...... اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل: 82)'' ترجمہ: اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لیے اور قرآن نہیں بڑھاتا ظالموں کے لیے مگر خسارہ کو''۔ اسی لیے جو لوگ تصدیق رسالتمآب ﷺ اور آپ کی اتباع پر قائم رہے اور بغیر شک وشبہ کے اللہ کے حکم پر عمل درآمد کرتے ہوئے اس طرف منہ کیا جدھر اللہ کا حکم تھا، وہ سادات صحابہ کرام تھے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ مہاجرین وانصار میں سے السابقون الاولون وہ لوگ ہیں جنہیں دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا موقع نصیب ہوا۔ بخاری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: قبا میں جب لوگ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک آدمی آیا اور کہا کہ نبی کریم ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے۔ اور اس میں استقبال کعبہ کا حکم ہے تم بھی اسی طرف منہ کرو۔ چنانچہ وہ لوگ کعبہ رخ ہو گئے۔ مسلم نے یہی حدیث ایک اور سند سے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ اور ترمذی نے سفیان ثوری سے، ان کی روایت میں ہے وہ رکوع کی حالت میں تھے اور اسی طرح رکوع کی حالت میں ہی قبلہ رو ہو گئے۔ مسلم نے حضرت انس سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ یہ اللہ اور رسول کے بارے ان کی کمال اطاعت اور اللہ کے اوامر کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین) وقولہ تعالیٰ: مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ۔ یعنی ضائع نہیں فرمائے گا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی ہوئی تمہاری پہلی نمازیں۔ ان کا ثواب اللہ کے ہاں ضائع نہیں جائے گا۔ صحیح میں ابواسحٰق سبیعی نے حضرت براء

1۔ الدر المنثور: 145/1

سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والے کچھ لوگوں کا انتقال ہو گیا تھا۔ بعض لوگ کہنے لگے اب ان کا کیا حال ہوگا؟۔ تو اللہ نے یہ الفاظ نازل فرمائے ترمذی نے یہی روایت ابن عباس سے نقل فرمائی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابن اسحٰق نے بروایت سعید بن جبیر یا عکرمہ حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ پہلے قبلہ کی طرف منہ کرنے، اپنے نبی کی تصدیق کرنے اور دوسرے قبلہ کے حکم کے بارے میں اس کی پیروی کرنے کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرمائے گا یعنی تمہیں ان سب کا اجر ملے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سیدنا محمد ﷺ اور اور آپ کے ساتھ پھر جانے کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ وہ تو رؤف اور رحیم ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک قیدی عورت کو دیکھا۔ اس کا بچہ چھوٹ گیا تھا۔ (وہ اس کی تلاش میں سرگرداں تھی)۔ چنانچہ جب بھی وہ کوئی بچہ دیکھتی اسے پکڑ کر سینے سے لگالیتی۔ یہ اسی طرح ادھر ادھر چکر لگا رہی تھی۔ جب اسے اپنا بچہ مل گیا تو فوراً اسے اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ اور اپنا پستان اس کے منہ میں دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی جبکہ یہ اسے بچانے کی قدرت رکھتی ہو؟۔ (یعنی بس چلتا ہو) انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہرگز نہیں۔ فرمایا اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے جس قدر یہ اپنے بچے پر شفقت کرتی ہے۔(1)

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

''ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ کا منہ کرنا آسمان کی طرف تو ہم ضرور پھیر دینگے آپکو اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں (لو) اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف (اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرو اپنے منہ اس کی طرف اور بیشک وہ جنہیں کتاب دی گئی ضرور جانتے ہیں کہ یہ حکم برحق ہے ان کے رب کی طرف سے اور نہیں اللہ تعالیٰ بے خبر ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں''۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ قرآن کریم میں سب سے پہلے قبلے کا حکم منسوخ ہوا۔ جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو یہاں کے اکثر باشندے یہودی تھے۔ اللہ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تو یہودی خوش ہو گئے۔ چند ماہ تک آپ ﷺ نے اسی سمت رخ کر کے نماز پڑھی۔ آپ کو قبلۂ ابراہیمی از حد پسند تھا۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہتے اور نگاہ مبارک بار بار آسمان کی طرف بار بار اٹھتی رہتی۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: قَدْ نَرٰى سے لے کر فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ تک۔ یہود کو اس سے تشویش پیدا ہوئی وہ کہنے لگے۔ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ۔ کس چیز نے ان (مسلمانوں) کو اپنے قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ اب تک تھے۔ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ آپ فرمایئے اللہ کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی۔ اور فرمایا: فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (بقرہ:115) اور فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ۔ اور نہیں مقرر کیا ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ (اب تک) رہے مگر اس لیے کہ ہم دیکھ لیں کہ کون پیروی کرتا ہے (ہمارے) رسول کی اور کون مڑتا ہے الٹے پاؤں۔ ابن مردویہ نے بروایت عکرمہ

1۔ صحیح البخاری: 9/8

حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز کی ادائیگی سے فارغ ہونے کے بعد سر اقدس کو آسمان کی طرف اٹھاتے۔ تو اللہ یہ آیت نازل فرمائی: فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۖ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ '' ترجمہ: تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ (لو) اب اپنا چہرہ پھیرلو مسجد حرام کی طرف، کعبہ کی طرف، میزاب رحمت کی طرف''۔ جبریل علیہ السلام نے جماعت کروائی۔ حاتم نے متدرک میں یحییٰ بن قطنہ سے روایت کیا ہے کہ'' میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرو کو مسجد حرام میں میزاب کے سامنے تشریف فرما دیکھا۔ آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی: فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا۔ فرمایا میزاب کعبہ کی طرف۔ پھر لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اسے روایت نہیں فرمایا۔ ابن ابی حاتم نے یعلیٰ بن عطاء سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ دیگر علماء کا یہی قول ہے۔ امام شافعی کا ایک قول یہی ہے کہ عین کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ امام شافعی کا دوسرا قول اور اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ جہت قبلہ کی طرف منہ کرنا مراد ہے۔ جیسے حاکم نے علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ شطرہ سے مراد اس کی طرف ہے۔ (پھر فرماتے ہیں) اس کی سند صحیح ہے اور شیخین نے اسے روایت نہیں فرمایا۔ ابو العالیہ، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، قتادہ، ربیع بن انس وغیرہ کا یہی قول ہے۔ جس طرح ایک اور حدیث میں ہے'' مشرق و مغرب کے مابین قبلہ ہے''۔ قرطبی کا قول ہے ابن جریج نے بروایت عطاء ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' بیت اللہ اہل مسجد کا قبلہ ہے۔ اور مسجد قبلہ ہے حرم والوں کا اور حرم مشرق و مغرب کے مابین میری امت میں سے اہل زمین کا قبلہ ہے''۔ ابونعیم فضل بن دکین نے حضرت براءؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر سولہ یا سترہ ماہ تک نماز ادا کی آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والا ایک آدمی نکلا اس کا گزر اہل مسجد پر ہوا وہ رکوع کی حالت میں تھے۔ اس شخص نے کہا میں اللہ کے نام سے گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر مکہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی ہے۔ یہ سن کر وہ لوگ اسی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔ عبدالرزاق نے حضرت براء سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ آپ ﷺ کو قبلہ کی طرف رخ کرنا محبوب تھا۔ چنانچہ یہ حکم نازل ہوا تو آپ کعبہ کی طرف پھر گئے۔ نسائی نے ابوسعید بن معلیٰ سے روایت کیا ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں ہم لوگ مسجد آیا کرتے تھے اور نماز ادا کرتے۔ ایک دن ہمارا گزر ہوا تو رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ میں نے خیال کیا ضرور کوئی بات ہوئی ہے۔ میں بیٹھ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ...... الآیہ یہاں تک کہ آپ آیت سے فارغ ہوئے تو میں نے اپنے ساتھی سے کہا آؤ رسول اللہ ﷺ کے نیچے اترنے سے قبل دو رکعتیں پڑھ لیں اس طرح ہم سب سے پہلے نماز پڑھنے والے ہو جائیں گے ہم ایک ستون کے پیچھے ہو گئے اور نماز پڑھ لی پھر سرکار ﷺ منبر سے اترے اور لوگوں کو اس دن کی ظہر کی نماز پڑھائی۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عمر سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ بیت اللہ شریف کی طرف رخ کر کے آپ ﷺ نے سب سے پہلے ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ اور یہ صلاۃ الوسطیٰ (درمیانی نماز) ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے آپ ﷺ نے سب سے پہلے عصر کی نماز ادا کی۔ اس لیے اہل قباء کو اگلی فجر تک علم نہ ہو سکا۔ حافظ ابو بکر بن مردویہ نے حضرت نویلہ بنت مسلم سے روایت کیا ہے انہوں نے ارشاد فرمایا: ہم نے مسجد بنی حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز پڑھی ہمارا رخ مسجد ایلیا (بیت المقدس) کی طرف تھا۔ ہم نے دو رکعتیں ادا کی تھیں کہ کسی شخص نے آ کر بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت حرام کی طرف منہ کر لیا ہے تو عورتیں ہم میں سے مردوں کی جگہ اور مرد عورتوں کی جگہ چلے گئے۔ اس طرح ہم نے بقایا دو رکعتیں مسجد حرام کی طرف متوجہ ہو کر ادا کیں۔ بنو حارثہ کے ایک آدمی نے مجھے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ابن

مردویہ نے عمارہ بن اوس کا قول نقل کیا ہے کہ ہم بیت المقدس کے رخ پر دوران نماز رکوع کی حالت میں تھے کہ دروازے پر کسی ندا دینے والے نے ندا دی کہ قبلہ کعبہ کی سمت تبدیل ہو گیا ہے۔ اور ہمارے امام کے سامنے گواہی دی۔ چنانچہ وہ، مرد اور بچے کعبہ کی طرف گھوم گئے درآں حالیکہ سب رکوع میں تھے۔ قولہ: وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام جہات شرق وغرب اور شمال وجنوب کی طرف سے کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ حالت سفر میں نفل نماز کے سوائے اس حکم میں کوئی استثنا نہیں ہے۔ حالت سفر میں وہ جس طرف چاہے منہ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے جب کہ اس کا دل کعبہ کی طرف ہو۔ اسی طرح لڑائی کے دوران جب تلواریں چل رہی ہوں جس طرف چاہے منہ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جسے سمت قبلہ کا علم نہ ہو اپنے اجتہاد سے نماز پڑھے اگرچہ حقیقت میں وہ قبلہ کی سمت میں نہ بھی ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی ہمت کے مطابق۔

(مسئلہ) مالکیہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نمازی اپنے سامنے دیکھے گا نہ کہ اپنے سجدے کی جگہ جیسا کہ امام شافعی، احمد اور ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ مالکیہ نے آیت کریمہ۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔ سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ سجدے کی جگہ دیکھنے سے نمازی کو بتکلف جھکنا پڑے گا۔ اور یہ کمال قیام کے منافی ہے۔ بعض دیگر مالکی علماء کی رائے ہے کہ نمازی کو بوقت قیام اپنے سینے کی طرف نگاہ رکھنا چاہیے۔ شریک القاضی کا قول ہے کہ حالت قیام میں وہ اپنے سجدے کی جگہ نگاہ مرکوز کرے جیسا کہ جمہور علماء کی رائے ہے کیونکہ اس سے مکمل خشوع وخضوع حاصل ہوتا ہے۔ ایک حدیث سے بھی اس رائے کی تائید ہوئی ہے اور حالت رکوع میں اپنے پاؤں کی طرف، اور حال سجود میں ناک کی طرف اور حالت قعدہ میں گود میں نگاہ جمائے رکھے۔ (قولہ: وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۔ یعنی جنہوں نے تمہارے کعبہ کی سمت منہ کرنے اور بیت المقدس سے رخ تبدیل کرنے کو پسند نہیں کیا یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا رخ اس طرف پھیر دے گا۔ کیونکہ ان کی کتابوں میں ان کے انبیاء کی زبانی آپ ﷺ اور آپ کی صفات وعلامات موجود ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے جن خصوصیات وامتیازات اور شریعت کاملہ سے نوازا ہے کا تذکار جمیل موجود ہے۔ لیکن اہل کتاب حسد، کفر اور عناد کی بنا پر اسے چھپاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ انہیں دھمکی فرمائی۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۴۵

''اور اگر آپ لے آئیں اہل کتاب کے پاس ہر ایک دلیل (پھر بھی) نہیں پیروی کریں گے آپ کے قبلہ کی اور نہ آپ پیروی کرنے والے ہیں ان کے قبلہ کی اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر (بفرض محال) آپ پیروی کریں ان کی خواہشوں کی اس کے بعد کہ آچکا آپ کے پاس علم تو یقیناً آپ اس وقت ظالموں میں (شمار) ہوں گے''۔

اللہ رب العزت یہود کے کفر، ہٹ دھرمی، اور شان رسول ﷺ کا علم ہونے کے باوجود ان کی مخالفت کا بیان فرما رہے ہیں کہ اگر وہ ان کے سامنے اپنی سچائی کی تمام دلیلیں بھی قائم کر دے تو بھی وہ اس کی اتباع نہیں کریں گے اور اپنی خواہشات کو نہیں چھوڑیں گے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ ...... الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس: 97-96) '' ترجمہ: بے شک وہ لوگ ثابت ہو چکی

ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگر چہ آجائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب''۔ اسی لیے یہاں فرمایا اگر آپ اہل کتاب کے پاس لے آئیں ہر دلیل تو پھر بھی وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے۔ قولہ: وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ۔ اس بات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ آقائے دو جہاں ﷺ سختی سے اوامر الہیہ کے پابند ہیں۔ جس طرح وہ اپنی آراء اور خواہشات نفس کے غلام ہیں اسی طرح آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی خوشنودی کے تابع ہیں۔ وہ کسی حال میں بھی ان کی آرزوؤں کی اتباع کرنے والے نہیں۔ بیت المقدس کی طرف ان کا رخ کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ یہود کا قبلہ ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے علماء کو حق کی مخالفت کرنے سے تنبیہ فرمائی یہاں بظاہر خطاب اگرچہ حضور کریم ﷺ کو ہے لیکن مراد امت ہے۔ چنانچہ فرمایا: وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٤٦﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١٤٧﴾

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ پہچانتے ہیں انہیں جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بے شک ایک گروہ ان میں سے چھپاتا ہے حق کو جان بوجھ کر یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تو ہرگز نہ بن جانا شک کرنے والوں سے''۔

اللہ رب العزت اس بات کی خبر دے رہے ہیں کہ اہل کتاب علماء حضور اکرم ﷺ کی دعوت کی حقانیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ جس طرح ان میں سے کوئی اپنے بیٹے کو پہچانے۔ کسی چیز کی صحت و یقین کی وقت اہل عرب بطور ضرب المثل یوں کہا کرتے تھے۔ جس طرح کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ تھا حضور ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کیا یہ تیرا بچہ ہے؟ اس نے عرض کی ہاں یارسول اللہ! آپ بھی گواہ رہئے۔ آپ نے فرمایا نہ تو اس پر پوشیدہ ہے اور نہ وہ تجھ پر (1)۔ قرطبی کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے کہا کیا (حضور سیدنا) محمد ﷺ کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹے کو فرمایا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ آسمان کا امین زمین کے امین پر اس کا حلیہ اور اوصاف لے کر اترا تو میں نے اسے پہچان لیا۔ لیکن مجھے اپنے بیٹے کے بارے میں خبر نہیں کہ اس کی ماں نے کیا کیا۔ (میں کہتا ہوں) اس سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تمام لوگوں میں سے آپ کو پہچانتے ہیں۔ آدمی اپنا بیٹا بلا تردد اور شک کے تمام لوگوں سے پہچان لیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس صدق اور علمی مرتبے کے باوجود وہ اپنی کتب میں بیان کردہ پیارے نبی کی صفات کو لوگوں سے چھپا لیتے ہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ اور مومنین کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ میرے نبی ﷺ پر جو کچھ اتارا گیا ہے وہ حق ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک و ارتیاب کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ فرمایا: اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٤٨﴾

''اور ہر قوم کے لیے ایک سمت (مقرر) ہے وہ اسی کی طرف منہ کرتی ہے پس آگے بڑھ جاؤ دوسروں سے نیکیوں میں۔ تم کہیں ہو لے آئے گا اللہ تعالیٰ تم سب کو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الدیات: 168/4

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد اہل ادیان ہیں۔ فرماتے ہیں ہر قبیلے کا قبلہ ہے جسے وہ پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ کی توجہ اس طرف ہے جس طرف مومنین ہیں۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ یہود کا بھی قبلہ ہے، نصاریٰ کا بھی قبلہ ہے۔ اور اے امت تمہیں اپنے حقیقی قبلہ سے آگاہ فرما دیا۔ مجاہد، عطاء، ضحاک، ربیع بن انس اور سدی کا یہی قول ہے۔ مجاہد کی دوسری روایت اور حسن کا قول ہے کہ ہر قوم کو کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ ابن عباس، ابو جعفر باقر اور ابن عامر نے مُوَلِّيهَا کو مُوَلَّاهَا کر کے پڑھا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس آیت کے مشابہ ہے۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا...... كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ (مائدہ:48) ''ترجمہ: ہر ایک کے لیے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور علم کی راہ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو بنا دیتا تم (سب) کو ایک ہی امت لیکن آزمانا چاہتا ہے تمہیں اس چیز میں جو اس نے دی ہے تم کو تو آگے بڑھنے کی کوشش کرو نیکیوں میں اللہ کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تم سب نے پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جن باتوں میں تم جھگڑا کرتے تھے''۔ اور یہاں فرمایا: اَيْنَ مَا تَكُونُوا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ یعنی اجساد و ابدان کے جدا ہونے کے باوجود انہیں جمع کرنے پر قادر ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٩﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۚ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥٠﴾

''اور جہاں سے بھی آپ (باہر) نکلیں تو موڑ لیا کریں (نماز کے وقت) اپنا رخ مسجد حرام کی طرف اور بے شک یہی حق ہے آپکے رب کی طرف سے اور نہیں اللہ تعالیٰ بے خبر جو کچھ تم کرتے ہو۔ اور جہاں سے آپ (باہر) نکلیں تو موڑ لیا کریں اپنا رخ (نماز کے وقت) مسجد حرام کی طرف اور (اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو تو پھر لیا کرو اپنے منہ اس کی طرف تا کہ نہ رہے لوگوں کو تم پر اعتراض (کی گنجائش) بجز ان لوگوں کے جو ناانصافی کریں ان سے سو نہ ڈرو تم ان سے (بلکہ صرف) مجھ سے ڈرا کرو تا کہ میں پورا کر دوں اپنا انعام تم پر تا کہ تم راہ راست پر ثابت قدم رہو''۔

تمام روئے زمین پر استقبال قبلہ کا یہ تیسرا حکم ہے۔ تین مرتبہ اس تکرار میں حکمت کیا ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ تاکید ہے کیونکہ قرآن کریم میں سے پہلا حکم منسوخ ہو رہا تھا۔ جیسا کہ ابن عباس وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اس حکم کی مختلف صورتیں ہیں۔ پہلا امر اس کے لئے کعبہ جن کے بالکل سامنے ہو۔ دوسرا اس شخص کے لئے جو مکہ میں ہو لیکن کعبہ کو نہ دیکھ رہا ہو۔ اور تیسرا حکم ان کیلئے ہے جو دیگر ممالک میں ہوں۔ فخر الدین رازی نے یہی توجیہ کی ہے۔ قرطبی کا قول ہے کہ پہلی آیت کا حکم اہل مکہ کے لئے دوسری جو دیگر شہروں میں ہیں اور تیسری آیت کا حکم ان کے لئے ہے جو حالت سفر میں ہوں۔ قرطبی نے اس جواب کو ترجیح دی ہے۔ (1) ایک قول یہ ہے کہ تینوں حکموں کا تعلق ایک دوسرے سے ہے پہلے فرمایا: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ سے لے کر۔ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ۔ اس جگہ آپ ﷺ کی قبولیت دعا کا ذکر ہے۔ کہ آپ کے پسندیدہ قبلہ کی طرف آپ کا رخ پھیر دیا گیا۔ دوسری آیت میں۔ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ فرمایا کہ یہی حق ہے۔ جسے اللہ کے رسول ﷺ بھی پسند کرتے ہیں اور اس سے راضی ہیں۔ تیسرے

امر میں حکمت یہ ہے کہ مخالف یہود کے لئے قطع حجت ہو جائے جو رسول اللہ ﷺ کے ان کے قبلہ کی طرف رخ کرنے سے مجادلہ کیا کرتے تھے حالانکہ اپنی کتابوں سے وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ آپ کو قبلہ ابراہیمی کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اسی طرح مشرکین عرب کے لئے بھی اس میں اتمام حجت ہے جو کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا اس کی طرف رخ کرنا ان کے لئے باعث اطمینان تھا۔ اس تکرار میں اور بہت سی حکمتیں بیان کی گئی ہیں جنہیں رازی وغیرہ نے تفصیلاً بیان کیا ہے۔

قولہ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ: یعنی اہل کتاب جو یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ اس امت کا قبلہ، کعبہ شریف ہوگا۔ وگرنہ ان پر اعتراض ہو سکتا تھا (کہ دعویٰ تو ملت ابراہیمی کا ہوا اور ان کے قبلہ کی طرف منہ بھی نہیں کرتے)۔ نیز اس میں یہود کے اعتراض کا بھی جواب ہے جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے قبلہ میں ہمارے ساتھ برابر ہیں اور یہ روایت اظہر ہے۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں جنھوں نے تبدیلی کعبہ کے وقت کہا تھا کہ آپ کو اپنے آبائی گھر اور اپنی قوم کے دین کا شوق بڑھ گیا ہے۔ بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ عنقریب آپ ہمارے دین کی طرف بھی پھر جائیں گے جس طرح آپ نے ہمارا قبلہ اختیار کیا ہے۔ ابن ابی حاتم کا کہنا ہے کہ مجاہد، عطاء، ضحاک، ربیع بن انس قتادہ اور سدی سے یہی مروی ہے۔ ان لوگوں نے آیت اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ کا مصداق مشرکین قریش کو قرار دیا ہے۔ بعض لوگوں نے ظلم کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ دین ابراہیم پر ہے اگر بیت المقدس کی طرف منہ کرنا ملت ابراھیمی ہے تو یہ اس سے رخ نہ پھیرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کرنا پسند فرمایا اس میں کوئی حکمت تھی۔ آپ نے اپنے رب کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ پھر آپ کو قبلہ ابراہیمی یعنی کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تو آپ ﷺ نے اس حکم کی بھی بجا آوری فرمائی آپ ﷺ تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرمانے والے ہیں آنکھ جھپکنے کی دیر بھی امر الٰہی سے انحراف نہیں فرماتے اور آپ کی امت آپ کی پیروکار ہے۔ قولہ: فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ یعنی تم سرکشوں کے شبہ سے مت ڈرو صرف اللہ سے ہی ڈرا کرو وہ ذات قدوس ہی اس بات کی سزاوار ہے کہ اس سے خشیت اختیار کی جائے۔ قولہ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ کا عطف لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ پر ہے یعنی تحویل کعبہ کی جو نعمت میں نے تمہیں عطا فرمائی ہے اس کا مقصد ہے کہ شریعت ہر اعتبار سے مکمل ہو جائے۔ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ یعنی سابقہ امتیں جس سے بہک گئیں ہم نے تمہیں اس کی طرف ہدایت عطا فرمائی اور اسے تمہارے ساتھ خاص کر دیا۔ اسی لیے یہ امت تمام امتوں سے افضل اور اعلیٰ قرار پائی ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

''جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسول (ﷺ) تم میں سے پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہیں تھے سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اس (جلیل القدر) نعمت کی یاد دلا رہے ہیں جو اس نے اُن پر فرمائی۔ یعنی حضرت سیدنا محمد

ﷺ کو ان پر رسول بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیات بینات کی تلاوت فرماتے ہیں۔ انہیں رذائل اخلاق، نفوس کی غلاظت اور جاہلیت کے افعال سے پاک فرماتے ہیں اندھیروں اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لے جاتے ہیں۔ کتاب (قرآن کریم) اور حکمت (سنت مبارکہ) کی تعلیم دیتے ہیں اور وہ کچھ بھی سکھاتے ہیں جو وہ نہیں جانتے تھے زمانہ جاہلیت میں وہ محض ان پڑھ اور جہلاء تھے اور جاہلانہ باتیں کیا کرتے تھے۔ آپ کی برکت رسالت اور یمن سفارت کی بنا پر اولیاء وعلماء بلکہ دقیق علم والے، نیک دلوں والے، کم تکلف والے اور سچے لہجے والے بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ...... اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ...... (آل عمران:164)۔ اور جن لوگوں نے اس نعمت کی قدر نہیں پہچانی ان کی مذمت بایں الفاظ بیان فرمائی: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا...... دَارَ الْبَوَارِ (ابراہیم:28)۔ ''ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں''۔ ابن عباس کا قول ہے کہ اس نعمت سے مراد حضرت محمد ﷺ کا وجود مسعود ہے۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اس نعمت کا اعتراف کرنے اور اس کے مقابلے میں ذکر وشکر کرنے کا حکم ارشاد فرمایا: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔ حضرت مجاہد كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں جیسے میں نے جس طرح (تم پر یہ احسان عظیم فرمایا ہے چنانچہ) تم بھی اسی طرح میرا ذکر کرو۔ عبداللہ بن وہب نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے رب میں تیرا شکر کیسے ادا کروں فرمایا مجھے یاد کر اور مجھے بھول نہ جانا۔ جب تو نے مجھے یاد کیا تو یہ میرا شکر یہ ادا کرنا ہے اور اگر مجھے بھلا دیا تو یہ ناشکری کرنا ہے۔ حضرت حسن بصری، ابوالعالیہ، سدی اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے وہ اس کا ذکر کرتا ہے اور شکر کرنے والے کی نعمتوں میں اضافہ اور ناشکری کرنے والے کو سزا دی جاتی ہے۔ بعض سلف نے اس آیت: اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آل عمران:102) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے۔ ذکر کیا جائے اسے بھلایا نہ جائے۔ اور اس کا شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت مکحول ازدی کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کی۔ آپ کی کیا رائے ہے اگر قاتل، شرابی، چور اور زانی اللہ کا ذکر کرے تو فرمایا جب یہ اللہ کا ذکر کرے تو اللہ اس پر لعنت فرماتے ہیں یہاں تک کہ وہ خاموش ہو جائے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ جو کچھ میں نے تم پر فرض کیا ہے اسے یاد کرو میں نے جو اپنے اوپر واجب کیا ہے اسے میں یاد کروں گا۔ حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے کہ تم میری طاعت سے مجھ کو یاد کرو میں تمہیں اپنی مغفرت سے یاد کروں گا۔ حضرت ابن عباس اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ اللہ کا تمہیں یاد کرنا تمہارے ذکر کرنے سے بڑا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس نے مجھے اپنے دل میں یاد کیا میں بھی اسے ایسے ہی یاد کرتا ہوں۔ اور جو مجھے مجلس میں یاد کرے میں اس سے بہتر مجلس میں اسے یاد کرتا ہوں'' (1)۔ امام احمد کا قول ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (حدیث قدسی) اے ابن آدم اگر تو نے مجھے اپنے دل میں یاد کیا تو میں بھی تمہیں یاد کرتا ہوں۔ اگر تو مجھے مجمع عام میں یاد کرے تو میں تمہیں ملائکہ کے مجمع میں (یا ایک روایت کے الفاظ میں) اس سے بہتر مجمع میں تمہیں یاد کرتا ہوں اگر تو مجھ سے ایک بالشت نزدیک ہو تو میں ایک ہاتھ تیرے قریب ہو جاتا ہوں۔ اگر تو میری طرف چل کر آئے تو میں دوڑ کر تیری طرف آتا ہوں (2)۔ یہ حدیث صحیح سند والی ہے بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔ اس میں قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمت سے قریب ہے۔ قولہ: وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے شکر کرنے کا حکم دیا اور شکر ادا کرنے پر مزید خیر وبرکت کا وعدہ فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا: وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ

1۔ مسند احمد: 354/2 2۔ مسند احمد: 138/3

لَئِنْ شَكَرْتُمْ...... عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ (ابراہیم:7) '' ترجمہ: اور یاد کرو جب (تمہیں) مطلع فرمایا تمہارے رب نے (اس حقیقت سے) کہ اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی (تو جان لو) یقیناً میرا عذاب شدید ہے''۔ امام احمد نے ایک حدیث کے ضمن میں حضرت ابورجاء عطاردی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمران بن حصین ہمارے پاس آئے آپ پر ایک ریشمی چادر تھی ہم نے اسے اس سے پہلے یا بعد کبھی نہیں دیکھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جسے اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت عطا فرمائے تو اللہ تعالیٰ اس نعمت کے اثرات اپنی مخلوق پر دیکھنا چاہتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں (اپنے بندے پر) کے الفاظ آئے ہیں (1)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

'' اے ایمان والو! مدد طلب کیا کرو صبر اور نماز (کے ذریعہ) سے بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے اور نہ کہا کرو انہیں جو قتل کیے جاتے ہیں اللہ کی راہ میں کہ وہ مردہ ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم (اسے) سمجھ نہیں سکتے''۔

شکر کے بیان سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ صبر کا بیان شروع فرما رہے ہیں۔ صبر اور نماز سے استعانت اور راہنمائی لینے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ انسان اگر نعمت میں ہو تو شکر کرے اور اگر مشکلات میں ہو تو صبر کرے۔ جیسے حدیث شریف میں آیا ہے'' مومن کے لئے تعجب ہے اللہ اس کی تقدیر میں کوئی چیز نہیں رکھتا مگر اس کے لئے اس میں بھلائی ہے۔ اگر اسے خوشی حاصل ہو اور اس پر شکر ادا کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر کوئی رنج پہنچے اور وہ صبر کرے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے۔'' اللہ تعالیٰ بیان فرما رہے ہیں کہ مصائب کے برداشت کرنے میں جن چیزوں سے مدد لی جا سکتی ہے۔ ان میں عمدہ ترین صبر اور نماز ہے۔ جیسے اس سے پہلے گذر چکا۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ...... الْخٰشِعِيْنَ (بقرہ:45) '' ترجمہ: اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بے شک نماز ضروری بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں)''۔ حدیث شریف میں ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی مشکل در پیش آتی تو نماز ادا فرمایا کرتے تھے (2)۔ صبر کی دو صورتیں ہیں۔ 1۔ محارم (حرام کردہ اشیاء) اور گناہوں کے ترک کرنے پر صبر کرنا۔ 2۔ طاعات و عبادات کی بجا آوری پر صبر کرنا۔ دوسری صورت میں ثواب زیادہ ہے کیونکہ یہی مقصود ہے۔ صبر کی تیسری قسم مصائب و مشکلات پر صبر کرنا یہ بھی واجب ہے جیسے عیوب پر استغفار کرنا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ صبر کے دو باب ہیں۔ 1۔ اللہ تعالیٰ کیلئے صبر کرنا جو وہ پسند فرمائے اگرچہ یہ چیز نفس اور بدن پر دشوار ہی کیوں نہ ہو۔ 2۔ اللہ تعالیٰ کی خاطر ناپسندیدہ امور سے کنارہ کشی اختیار کرنا اگرچہ دلی میلانات اسی طرف ہوں۔ جو شخص ان صفات سے متصف ہو وہ صابرین میں سے ہے جن پر اللہ تعالیٰ سلام فرمائے گا۔ ان شاء اللہ۔ امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ روز حشر جب اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا اس وقت ایک منادی یہ ندا دے گا۔ صبر کرنے والے کہاں ہیں کہ انہیں بغیر حساب جنت میں داخل کیا جائے۔ لوگوں کی کچھ جماعتیں اٹھ کھڑی ہوں گی۔ فرشتے انہیں پوچھیں گے کہ اے بنو آدم آپ کہاں جا رہے ہیں؟ وہ کہیں گے جنت کی طرف۔ وہ پھر پوچھیں گے کیا حساب سے بھی پہلے؟۔ وہ کہیں گے ہاں۔ وہ پوچھیں گے آپ کون لوگ ہیں؟۔ وہ کہیں گے ہم صابرین ہیں۔ وہ کہیں گے تم نے کیا صبر کیا؟۔ وہ بتائیں گے ہم نے اللہ کی اطاعت پر صبر کیا۔ ہم اللہ کی معصیت سے بچتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وفات دے دی۔ وہ فرشتے کہیں گے تم اسی طرح ہو۔ جیسے تم نے بتایا جاؤ جنت چلے جاؤ۔ (نیک) اعمال کرنے

1۔ مسند امام احمد: 438/4 2۔ ایضاً، 388/5

والوں کا کتنا ہی اچھا اجر ہے۔ (میں کہتا ہوں) اسی کی تائید اسی آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (زمر:10) ''ترجمہ: (مصائب وآلام میں) صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا'' سعید بن جبیر کا قول ہے کہ صبر سے مراد بندے کا اعتراف ہے کہ ہر مصیبت جو اسے آئے اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اس پر اللہ کے ہاں اجر وثواب کی امید رکھے۔ بعض اوقات گھبراہٹ میں آدمی جزع فزع کرتا ہے۔ اسے صرف صبر کرنا ہی مناسب ہے۔

قولہ تعالیٰ: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات سے آگاہ فرما رہے ہیں کہ شہداء برزخ میں زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں۔ جس طرح کہ صحیح مسلم میں آیا ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں جنت میں جہاں چاہے گھومتی ہیں۔ پھر زیر عرش معلق قندیلوں میں رہتی ہیں۔ تمہارے رب نے ان کی طرف نگاہ التفات فرمائی اور پوچھا ''تم کیا چاہتے ہو؟'' وہ کہنے لگے اے ہمارے رب! ہم کس چیز کی خواہش کریں جبکہ تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو کسی مخلوق کو نہیں بخشا؟ پھر دوبارہ ان سے یہی سوال کیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی سوال کیے بغیر انہیں نہیں چھوڑا جائے گا۔ وہ کہنے لگے ہمیں دار دنیا کی طرف لوٹایا جائے تاکہ ہم تیری راہ میں جہاد کریں اور دوبارہ رتبہ شہادت پر فائز ہوں۔ (وہ یہ مطالبہ شہادت کا اجر وثواب دیکھ کر کریں گے) اس وقت رب ذوالجلال فرمائے گا۔ میں نے یہ بات لکھ دی ہے کہ وہ دنیا کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے(1)۔ ایک اور حدیث شریف جسے امام احمد نے امام شافعی کے واسطہ سے امام مالک سے روایت کیا ہے، میں ہے عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درخت سے لٹکا ہوا ہے۔ تاآنکہ روز قیامت اللہ تعالیٰ اسے اپنے جسم کی طرف لوٹائے گا(2)۔ اس حدیث میں بالعموم مومنین کا ذکر ہے جبکہ قرآن کریم میں خصوصاً شہداء کا ذکر بطور تکریم وتعظیم اور شرف پر دلالت کرنے کے لئے فرمایا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝١٥٥ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝١٥٦ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝١٥٧

''اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی ایک چیز کیساتھ یعنی خوف اور بھوک اور کمی کرنے سے (تمہارے) مالوں اور جانوں اور پھلوں میں اور خوشخبری سنایئے ان صبر کرنیوالوں کو جو کہ جب پہنچتی ہے انہیں کوئی مصیبت تو کہتے ہیں بیشک ہم صرف اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ سیدھی راہ پر ثابت قدم ہیں''۔

اللہ رب العزت ارشاد فرما رہے ہیں کہ وہ اپنے بندوں کو امتحان وآزمائش میں مبتلا کیا کرتا ہے۔ جیسے ایک اور جگہ فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ (محمد:31) ''ترجمہ: اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں تاکہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مصروف جہاد رہتے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں اور ہم پرکھیں گے تمہارے حالات کو کبھی خوشی کے ساتھ اور کبھی خوف اور بھوک کے رنج کے ساتھ''۔ جیسے فرمایا: فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ (نحل:112) ''ترجمہ: پس چکھایا انہیں اللہ تعالیٰ نے (یہ عذاب کہ پہنا دیا

1۔ مسلم، کتاب الامارۃ: 1502،3 2۔ مسند امام احمد: 455/3

نہیں) بھوک اور خوف کا لباس ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے''۔ بھوکے اور خائف پر دونوں چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں اسی لیے فرمایا: لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ اور یہاں فرمایا۔ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ (بقرہ:155)۔ یعنی قلیل مقدار کے ساتھ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ کچھ مال ضائع کر کے۔ ''وَ الْاَنْفُسِ'' جیسے دوستوں، اقارب اور احباب کے وفات کے ساتھ۔ ''وَ الثَّمَرٰتِ'' یعنی باغات اور کھیتیاں پہلے کی طرح ثمر بار نہیں ہوتیں۔ سلف صالحین میں سے کسی کا قول ہے کہ کھجور کے کسی درخت پر صرف ایک کھجور لگتی۔ اسی طرح کی دیگر چیزوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ پس جو صبر کرے اسے اجر وثواب دیتا ہے اور جو مایوسی کا اظہار کرے اسے سزا دیتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ خوف سے مراد یہاں خوف خدا۔ بھوک سے مراد صیام رمضان اور نقص اموال سے مراد زکوٰۃ اور انفس سے مراد امراض اور الثمرات سے مراد اولاد ہے۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے۔ واللہ اعلم

پھر اللہ تعالیٰ صابرین میں سے شکر کرنے والوں کا بیان فرما رہے ہیں۔ فرمایا: اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔ یعنی اپنے اس قول کے ساتھ اپنے اوپر پڑی اس آفت میں تسلی حاصل کی۔ اور یہ جان لیا کہ وہ اللہ کی ملکیت ہیں اور وہ اپنے بندوں میں جو چاہے کرتا ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ قیامت کے دن اس کے ہاں ذرہ برابر چیز بھی ضائع نہیں ہوگی۔ ان کے اس اعتراف نے انہیں اس نتیجے تک پہنچایا کہ بالآخر وہ دار آخرت کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر نوازشات کے بارے میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ۔ یعنی اللہ کی طرف سے ستائش۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ عذاب سے امن۔ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا دونوں اطراف کی چیزیں کتنی اچھی ہیں۔ اور درمیان والا بوجھ کتنا اچھا ہے۔ صلوٰت ورحمت یہ دونوں برابر کی چیزیں ہیں اور ہدایت یہ اوپر کی چیز ہے یہ دو بوریوں کے درمیان رکھی جاتی ہے۔ یہ بوجھ میں اضافہ ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کو ثواب بھی ملے گا اور اس پر اضافہ بھی ہوگا۔ مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ کہنے کے ثواب میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ امام احمد نے حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے ایک دن ابوسلمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر تشریف لائے اور فرمایا میں نے رسول اللہ کو ارشاد فرماتے آج ایک بات سنی ہے جس سے مجھے خوشی ہوئی فرمایا: کسی مسلمان کو کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر وہ اس پر اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھتا ہے۔ پھر کہتا ہے اے اللہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے اور اس کی جگہ مجھے بہتر بدلہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور بدلہ دیتا ہے''۔ (اَللّٰهُمَّ اٰجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْهَا)۔ فرماتی ہیں میں نے یہ کلمات یاد کر لیے۔ جب ابوسلمہ کی وفات ہوگئی تو میں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ کہہ کر یہی دعا مانگی۔ پھر میرے دل میں خیال گذرا ابوسلمہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟۔ جب میری عدت گذر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اجازت طلب کی۔ میں اپنی کھال کی دباغت (چمڑا رنگنا) کر رہی تھی۔ میں نے قرظ (ایک درخت) والے ہاتھ دھوئے اور آپ کو اجازت دی۔ آپ کے لئے ایک چمڑے کا تکیہ رکھا جس میں کھجور کے پوست کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ ﷺ تشریف فرما ہوئے اور مجھ سے منگنی فرمائی۔ جب آپ ﷺ اپنی بات سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی یارسول اللہ! مجھے کیا ہے کہ آپ میں رغبت ظاہر نہ کروں۔ لیکن میں شدید غیرت والی عورت ہوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ آپ ﷺ مجھ سے کوئی ایسی بات دیکھیں جس سے اللہ مجھے عذاب میں مبتلا فرما دے۔ میں عمر رسیدہ ہو چکی ہوں۔ اور میرے بال بچے ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے جو (بے جا) غیرت کا ذکر کیا ہے اللہ اسے ختم فرما دے گا۔ عمر کے بارے میں جو تم نے کہا ہے تو میں بھی

اسی مرحلے پر ہوں جہاں تک عیال (بچوں) کا تعلق ہے تو تمہارے بال بچے میرے ہی بال بچے ہیں۔ میں نے یہ سن کر ہاں کر دی۔ اور آپ ﷺ نے مجھ سے نکاح فرمالیا(1)۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ابوسلمہ کا نعم البدل عطا فرمایا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ صحیح مسلم میں یہی حدیث باختلاف الفاظ وارد ہوئی ہے(2)۔ امام احمد نے بروایت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ ذکر فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان مرد یا عورت پر کوئی مصیبت آئی ہو اور وہ اسے یاد کرے اگر چہ کتنا عرصہ کیوں نہ گذر چکا ہو۔ (اور یاد آنے پر) وہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے نئے سرے سے وہی اجر عطا فرمائیں گے جتنا اس مصیبت کے وقت ملا تھا۔ ابن ماجہ نے بھی اپنی سنن میں اسے روایت فرمایا ہے(3)۔ امام احمد نے اپنی سند سے ابوسنان سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے بچے کو دفن کیا۔ ابھی میں قبر میں ہی تھا کہ ابوطلحہ خولانی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور مجھے باہر نکال کر فرمایا کیا میں تمہیں خوشخبری نہ دوں؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟ فرمایا مجھے ضحاک بن عبد الرحمٰن بن عوزب نے ابوموسیٰ سے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ '' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (حدیث قدسی ہے) اے ملک الموت تو نے میرے بندے کا بیٹا اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا قرار چھین لیا۔ اس نے عرض کی۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اس بندے نے کیا کہا۔ عرض کی اس نے تیری حمد وثنا کی اور اِنَّا لِلّٰهِ...... پڑھا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے لئے جنت میں گھر بناؤ اور اس کا نام بَيْتُ الْحَمْدِ رکھو۔'' علی بن اسحٰق اور ترمذی نے عبد اللہ بن مبارک سے اسی طرح روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور ابوسنان کا نام عیسیٰ بن سنان ہے۔(4)

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

'' بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو حج کرے اس گھر کا یا عمرہ کرے تو کچھ حرج نہیں اسے کہ چکر لگائے ان دونوں کے درمیان اور جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان خوب جاننے والا ہے''۔

امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کیا تم نے یہ آیت پڑھی ہے: اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ...... الخ۔ میں نے کہا بخدا کسی پر کوئی گناہ نہیں اگر ان کا طواف نہ کرے۔ سیدہ عائشہ نے فرمایا اے بھانجے تم نے بری بات کہی ہے۔ اگر بات اسی طرح ہوتی جس طرح تو نے تاویل کی ہے تو الفاظ یوں ہوتے: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا لیکن اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ قریش اسلام سے قبل منات کے پاس آ کر تلبیہ کہا کرتے یہ ایک بت تھا جو مشلل کے پاس تھا۔ اور جو شخص اس کے پاس تلبیہ کہہ لیتا وہ صفا و مروہ کے طواف کو گناہ سمجھتا۔ چنانچہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! زمانہ جاہلیت میں ہم صفا و مروہ کے طواف میں حرج سمجھتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صفا و مروہ کے طواف کو مسنون قرار دیا۔ اب کسی کے لئے اسے ترک کرنا جائز نہیں(5) (یہ حدیث صحیحین میں مذکور ہے)۔ زہری کی روایت میں ہے کہ میں نے یہ حدیث ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام کے سامنے بیان کی تو وہ فرمانے لگے۔ یہ واقعی علم ہے اسے میں نے نہیں سنا تھا۔ میں نے اہل علم میں سے بعض کو یہ کہتے سنا لوگ کہتے تھے کہ ان دو پتھروں کے مابین طواف امور جاہلیت میں سے ہے۔ بعض دوسرے قریش کہنے لگے۔ ہمیں صرف طواف کعبہ کا حکم ہے، صفا و مروہ کے طواف کا حکم نہیں فرمایا گیا۔ تو

1۔ مسند احمد: 28/4　　2۔ مسلم، کتاب الجنائز: 3633۔ ابن ماجہ: 1598　　4۔ مسند احمد: 415/4　　5۔ صحیح البخاری: باب الحج: 79

یہ آیت اتری۔ ابوبکر بن عبد الرحمٰن نے فرمایا شاید یہ ان دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہو(1)۔ بخاری نے ایک دوسری سند سے بروایت مالک بن ہشام بن عروہ اسی طرح روایت کیا ہے۔ پھر بخاری لکھتے ہیں عاصم بن سلیمان کا قول ہے میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صفا و مروہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا'' ہم اسے امور جاہلیت میں سے خیال کرتے تھے۔ چنانچہ جب اسلام آیا تو ہم نے ان کی سعی کرنا چھوڑ دیا تو اللہ جل جلالہ نے یہ آیت نازل فرمائی(2)۔ قرطبی نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ شیاطین رات کو صفا و مروہ کے درمیان گھومتے رہتے تھے۔ ان کے درمیان بہت سے بت تھے۔ جب اسلام آیا تو لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان دونوں کے طواف کی بابت دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ شعبی کا قول ہے کہ اساف نامی بت ہے۔ نائلہ (بت) مروہ پر تھا۔ وہ ان دونوں کا استلام کیا کرتے تھے۔ قبول اسلام کے بعد وہ اسکی سعی کو باعث حرج تصور کرنے لگے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ میں کہتا ہوں محمد بن اسحٰق نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ اساف اور نائلہ دونوں انسان تھے۔ انہوں نے کعبہ میں بدکاری کی تو اس وقت پتھر بنا دیئے گئے۔ تاکہ لوگ ان سے عبرت حاصل کریں۔ کچھ عرصہ گذرا تو ان کی پرستش شروع ہوگئی پھر انہیں صفا و مروہ پر منتقل کر دیا گیا۔ اور وہاں نصب کر دیا گیا(3)۔ قریش صفا و مروہ میں طواف کے وقت انہیں استلام کرتے اسی لیے ابو طالب اپنے مشہور قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

وَحَيْثُ يُنِيْخُ الْاَشْعَرُوْنَ رِكَابَهُمْ
لِمُفْضِي السُّيُوْلِ مِنْ اِسَافٍ وَنَائِلٍ

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ طواف سے فارغ ہو کر رکن کے پاس آئے استلام کیا اور باب الصفا سے نکلے یہ آیت کریمہ زبان اقدس پر تھی: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ پھر فرمایا۔ اِبْدَءُ وَ ابِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهٖ(4)۔ اسی سے ابتدا کرو جس سے اللہ نے ابتدا فرمائی ہے (یعنی پہلے ذکر فرمایا ہے)۔ نسائی کی روایت میں ہے: اِبْدَؤُوْا بِمَا بَدَاَ اللّٰهُ بِهٖ۔ (5)'' اسی سے ابتدا کرو جس سے اللہ نے ابتدا فرمائی ہے۔'' امام احمد نے حبیبہ بنت ابی تجراۃ سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو صفا و مروہ کے درمیان چکر لگاتے دیکھا لوگ آپ کے آگے تھے اور آپ ﷺ ان کے پیچھے تھے اور سعی فرما رہے تھے۔ حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ تیز دوڑنے کی وجہ سے آپ کا تہہ بند آپ کے گھٹنوں کے ادھر ادھر ہو رہا تھا۔ اور آپ ﷺ ارشاد فرما رہے تھے۔ (اِسْعَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ) '' سعی کرو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی واجب کر دی ہے(6)۔'' امام احمد نے ہی دوسری سند سے صفیہ بنت شیبہ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے اسے خبر دی کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو صفا و مروہ کے مابین ارشاد فرماتے سنا (كُتِبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيُ فَاسْعَوْا (دار قطنی)(7)۔ '' تم پر سعی لکھ دی گئی ہے پس سعی کرو۔'' اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو صفا و مروہ کے درمیان سعی کو حج کا رکن قرار دیتے ہیں۔ 1۔ جیسا کہ امام شافعی اور ان کے موافقین کا مذہب ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ امام مالک کا مشہور مذہب بھی اسی طرح ہے۔ 2۔ بعض دوسرے فقہاء کی رائے میں یہ واجب ہے رکن نہیں۔ اگر عمداً یا سہواً ترک کر دے تو دم (قربانی) دے کر اس کمی کو پورا کیا جائے گا۔ امام احمد کی ایک روایت یہ ہے۔ علماء کا ایک گروہ اسی طرح کہتا ہے۔ 3۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ مستحب ہے۔ ابو حنیفہ، ثوری، شعبی اور ابن سیرین اسی طرف گئے ہیں۔ اور حضرت انس، ابن عباس اور ابن عمر سے

1۔ مسلم، کتاب الحج: 929 2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ بقرہ: 175/8 3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ بقرہ: 175/8 4۔ مسلم: 888
5۔ مسند امام احمد: 294/3 6۔ مسند امام احمد: 422/6 7۔ مسند امام احمد: 437/6

یہی مروی ہے۔ مالک سے "عتیبہ" میں اسی طرح منقول ہے۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ ان لوگوں نے ارشاد باری تعالیٰ: فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا سے دلیل پکڑی ہے۔ لیکن پہلا مذہب راجح ہے کیونکہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے مابین طواف فرمایا اور حکم دیا (لِتَاْخُذُوْا عَنِّيْ مَنَاسِكَكُمْ) مجھ سے اپنے مناسک حج سیکھو۔ لہٰذا آپ ﷺ نے دوران حج جو کچھ کیا ہے وہ واجب ہے۔ اس کا حج میں کرنا ضروری ہے مگر جو چیز دلیل سے خارج ہو جائے۔ واللہ اعلم۔ اس سے پہلے گذرا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "سعی کرو اللہ نے تم پر سعی فرض کر دی ہے پس سعی کرو۔" پس اللہ تعالیٰ نے صفا و مروہ کے مابین سعی کو شعائر اللہ میں سے قرار دیا جو مناسک حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سکھلائے تھے۔ اوپر حضرت ابن عباس والی روایت میں بیان ہو چکا ہے کہ سعی کی اصل حضرت سیدہ ہاجرہ کا بچے کے لئے پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کے درمیان چکر لگانا ہے۔ جب ان کے پاس پانی اور زاد راہ ختم ہو گیا تھا۔ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں یہاں چھوڑ کر تشریف لے گئے تھے۔ وہاں ان کے سوا کوئی انسان نہ تھا۔ جب ان کا توشہ ختم ہو گیا اور اپنے بیٹے کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوا تو وہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے لگیں۔ اور صفا و مروہ کے درمیان اس مقدس جگہ پر چکر لگاتی رہتیں۔ اس وقت وہ از حد بے قرار، خوفزدہ ششدر اور پریشان تھیں اور نصرت خداوندی کی خواستگار تھیں۔ حتیٰ کہ اللہ رب العزت نے ان کی مشکل کو آسان فرمایا۔ ان کی اجنبیت ختم ہوئی۔ رنج و غم کی شدت میں کمی آئی۔ اور آپ کے لئے زمزم کا چشمہ جاری فرمایا جو کھانے کا کھانا اور بیماریوں کی شفا ہے۔ لہٰذا ان کے درمیان سعی کرنے والے کو چاہئے کہ اپنے فقر و ذلت اور قلبی ہدایت، اصلاح احوال اور گناہوں کی مغفرت کے لئے اسے سامنے رکھے۔ اور اپنے نقائص و عیوب کی دوری کے لئے اللہ کی پناہ حاصل کرے کہ وہ اسے صراط مستقیم پر رکھے۔ اور تازیست اسی پر قائم رہے۔ تاکہ وہ اسے ذنوب و معاصی کی غلاظت سے نکال کر مقام کمال و غفران اور استقامت پر فائز کر دے۔ جس طرح حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ساتھ کیا تھا۔ قولہ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا۔ یعنی طواف کے چکروں میں واجب مقدار پر اضافہ کرے یعنی آٹھ یا نو چکر لگائے وغیرہ۔ ایک قول کے مطابق حج تطوع اور عمرہ کا طواف مراد ہے۔ (واضح رہے کہ طواف سے مراد سعی ہے)۔ بعض علماء کے نزدیک عبادت سے ہر زیادتی مراد ہے رازی نے یہی لکھا ہے۔ حضرت حسن بصری کی طرف تیسرا قول منسوب ہے۔ واللہ اعلم۔

قولہ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ: یعنی تھوڑے عمل پر کثیر اجر دیتا ہے۔ اور جزا کی صحیح مقدار کو جانتا ہے۔ کسی کے ثواب میں کمی نہیں کرے گا۔ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (نساء:40) "ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرہ برابر بھی (بلکہ) اگر ہو معمولی سی نیکی تو دوگنا کر دیتا ہے اسے اور دیتا ہے اپنے پاس سے اجر عظیم۔"

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝159 اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰۗىِٕكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝160

"بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں ان چیزوں کو جو ہم نے نازل کیں روشن دلیلوں اور ہدایت سے اس کے بعد بھی کہ ہم نے کھول کر بیان کر دیا انہیں لوگوں کے واسطے (اپنی) کتاب میں یہی وہ لوگ ہیں کہ دور کرتا ہے انہیں اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت سے) اور لعنت کرتے ہیں انہیں لعنت کرنیوالے۔ البتہ جو لوگ توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں اور ظاہر کر دیں (جواب تک چھپاتے رہے) تو ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کرنیوالا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہوں۔ بے شک

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور مرے اس حال پر کہ وہ کافر تھے یہی وہ لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی''۔

یہ ان لوگوں کے لئے شدید وعید ہے جو رسولوں کی لائی ہوئی مقاصد صحیحہ پر دلالت کرنے والی اور قلوب کے لئے باعث ہدایت باتوں کو چھپالیا کرتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر نازل کردہ کتب میں انہیں واضح فرما دیا۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضرت محمد ﷺ کی علامت کو چھپالیا تھا۔ پھر بتایا کہ ان کے اس فعل شنیع پر کائنات کی ہر شے لعنت بھیجتی ہے۔ جس طرح عالم کے لئے ہر چیز استغفار کرتی ہے حتیٰ کہ مچھلیاں پانی میں اور پرندے ہوا میں۔ ان کی صورت حال علماء کے برعکس ہے اللہ تعالیٰ بھی ان پر لعنت بھیجتا ہے اور لعنت بھیجنے والے بھی۔ مسند حدیث میں متعدد سندوں سے جو ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' جس شخص سے (کسی دینی امر کے بارے) کوئی سوال پوچھا گیا اور اس نے اسے چھپایا تو اسے قیامت کے دن آگ کی لگام دی جائے گی(1)۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا۔ اگر کتاب اللہ میں یہ آیت نہ ہوتی تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا: اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ ..... الخ۔ ابن ابی حاتم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' کافر کی دونوں آنکھوں کے مابین ضرب لگائی جاتی ہے جسے جن وانس کے سوا سب جانور سنتے ہیں۔ ہر جانور جو اس کی آواز سنتا ہے اس پر لعنت بھیجتا ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب ہے۔ ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے(2)۔ عطاء بن ابی رباح کا فرمان ہے۔ اللّٰعِنُوْنَ میں تمام جانور اور جن وانس شامل ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ جب خشک سالی کا دور دورہ ہو تو جانور کہتے ہیں یہ بنو آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ بنو آدم کے گناہ گاروں پر لعنت کرے۔ ابو العالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ملائکہ اور مومنین ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ عالم کے لئے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی۔ اس آیت میں آیا ہے کہ علم کو چھپانے والے پر اللہ تبارک وتعالیٰ، فرشتے، تمام لوگ اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ اور وہ تمام فصیح اللسان عرب اور عجمی ہیں خواہ زبان مقال سے ہو یا لسان حال سے۔ بشرطیکہ اس میں عقل ہو۔ اور قیامت کے دن بھی یہ سب چیزیں ان پر لعنت کریں گی۔ واللہ اعلم۔

پھر اللہ جل شانہ نے اس جگہ توبہ کر لینے والوں کو مستثنیٰ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَیَّنُوْا۔ یعنی حضور ﷺ کے کمالات کو چھپانے کے کام سے باز آ گئے اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لی۔ اور جو بات وہ چھپاتے تھے اسے لوگوں کے سامنے بیان کر دیا۔ فَاُولٰٓىِٕكَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ میں ان کی توبہ قبول کر لیا کرتا ہوں اور میں تو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہوں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کفر اور بدعت کی طرف بلانے والا جب بارگاہ الٰہی میں توبہ کرلے تو وہ اس کی توبہ قبول فرما لیا کرتا ہے۔ لیکن وارد ہوا ہے کہ سابقہ امتوں میں سے ایسے لوگوں کی توبہ بھی مقبول نہ تھی۔ لیکن یہ تو نبی توبہ اور نبی رحمت۔ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَیْهِ کی شریعت ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے خبر دی کہ جس نے کفر کیا اور توبہ کے بغیر اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو گئی تو عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ۔ یعنی تا قیامت وہ اس دائمی لعنت میں رہیں گے۔ پھر ان کا ٹھکانہ نار جہنم ہے۔ جس کے عذاب میں ان پر تخفیف نہیں ہوگی۔ اور وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ اور نہ ہی لحظہ بھر اس میں توقف یا انقطاع آئے گا۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب العلم: 321/3　　2۔ سنن ابن ماجہ: کتاب الفتن: 1334

بلکہ وہ مسلسل اور لگا تار رہے گا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ (ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں)۔ ابوالعالیہ اور قتادہ کا قول ہے کہ قیامت کے دن کافر کو کھڑا کیا جائے گا پہلے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے گا۔ پھر فرشتے اور پھر تمام لوگ اس پر لعنت کریں گے۔

(فصل) کفار پر لعنت کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد ائمہ قنوت وغیرہ میں کفار پر لعنت بھیجتے رہے ہیں۔ لیکن کسی معین کافر کے بارے میں علماء کی ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ اس پر لعنت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے خاتمے کا ہمیں علم نہیں۔ بعض نے اس آیت۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا ...... الآیۃ سے جواز پر استدلال قائم کیا ہے۔ ایک دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ معین کافر کو بھی لعنت کرنا جائز ہے۔ فقیہ ابوبکر مالکی نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ لیکن انہوں نے جس حدیث سے دلیل پکڑی ہے۔ اس میں ضعف ہے۔ دیگر علماء نے اس واقعہ سے دلیل اخذ کی ہے کہ ایک شخص کو نشہ کی حالت میں بار بار آقا علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہ میں لایا گیا۔ آپ نے اس پر حد جاری فرمائی۔ تو ایک شخص نے کہا اس پر اللہ کی لعنت ہو کتنی مرتبہ اسے لایا جاتا ہے تو حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اس پر لعنت نہ بھیجو وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت نہ رکھے تو اس پر لعنت بھیجنی جائز ہے۔''(1) واللہ اعلم۔

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۳﴾

''اور تمہارا خدا ایک خدا ہے۔ نہیں کوئی خدا بجز اس کے بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔''

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ: یہاں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ الوہیت کے اعتبار سے یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک ہے نہ مقابل۔ بلکہ وہی یکتا اور تنہا اور بے نیاز رب ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بہت ہی مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ رحمٰن اور رحیم کی تفسیر سورۂ فاتحہ میں گذر چکی ہے۔ حضرت یزید بن سکن روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیات میں ہے: وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ...... الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴿۲﴾ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے الوہیت میں اپنے یکتا ہونے کی دلیل ذکر کی۔ یعنی زمین و آسمان میں اپنی انواع و اقسام مخلوقات کی تخلیق کا ذکر فرمایا جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ فرمایا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

''بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کی گردش میں اور جہازوں میں جو چلتے ہیں سمندر میں وہ چیزیں اٹھائے جو نفع پہنچاتی ہیں لوگوں کو اور جو اتارا اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی پھر زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور پھیلا دیئے اس میں ہر قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلتے رہنے میں اور بادل میں جو حکم کا پابند ہو کر آسمان اور زمین کے درمیان (لٹکتا رہتا) ہے (ان سب میں) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔''

1۔ الاحیاء: 322/4

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ: یعنی آسمان کی بلندی، اس کی لطافت ووسعت، اس میں سیارے اور ستارے اور اس کی گردش میں، زمین کی کثافت، اس کے نشیب وفراز، خشکی وتری، آبادی، گردش لیل ونہار یعنی دن آتا ہے پھر چلا جاتا ہے، رات آتی ہے چلی جاتی ہے۔ اس میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسین:40)۔ ''ترجمہ: نہ سورج کی یہ مجال کہ چاند کو آپکڑے، نہ رات کو یہ طاقت کہ دن سے آگے نکل جائے۔ (سب سیارے اپنے اپنے) فلک میں تیر رہے ہیں۔'' کبھی دن لمبا ہو جاتا ہے تو رات چھوٹی ہوتی ہے، جب رات چھوٹی ہوتی ہے تو دن لمبا ہو جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ (الحج:61)۔ ''ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی داخل کرتا ہے رات (کے کچھ حصہ) کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کے (کچھ حصہ) کو رات میں''۔

وَ الْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ: یعنی سمندر کو مسخر کرنے میں وہ کشتیوں کو اٹھا کر ایک جانب سے دوسری جانب لے جاتا ہے۔ اس سے لوگوں کا کاروبار حیات چلتا ہے۔ اور اس سے لوگ دوسرے علاقے کی مصنوعات سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور اپنے علاقے کی مصنوعات ادھر لے جاتے ہیں۔

وَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ: اور جو اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی اتارا پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ...... (یٰسین:33)۔ ''ترجمہ: اور ایک نشانی ان کے لئے یہ مردہ زمین ہے ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ، پس وہ اس سے کھاتے ہیں اور ہم نے اگائے اس میں باغات کھجور اور انگور کے اور جاری کر دیئے اس میں چشمے''۔

وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ: اور پھیلا دیئے اس میں ہر قسم کے جانور، جن کی شکلیں، رنگ اور افادیت مختلف ہے۔ ان میں کوئی چھوٹا ہے، کوئی بڑا۔ وہ اپنی اس تمام مخلوق سے باخبر ہے۔ ہر ایک کو رزق مہیا کرتا ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا...... (ہود:6)'' ترجمہ: اور نہیں کوئی جانور زمین میں، مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو، اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو، ہر چیز روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے''۔

وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ: کبھی رحمت کی ہوا چلتی ہے اور کبھی عذاب کی آندھی۔ کبھی بادلوں سے پہلے بارش کی خوشخبری لاتی ہے۔ کبھی بادلوں کو اکٹھا کرتی ہے اور کبھی انہیں پھیر دیتی ہے۔ کبھی جنوب کی طرف سے چلتی ہے جسے شامی کہا جاتا ہے۔ اور کبھی یمن کی طرف سے چلتی ہے، کبھی بادصبا چلتی ہے یہ وہ مشرق کی طرف سے چلنے والی ہوا ہے جو بیت اللہ شریف کے چہرے سے ٹکرا کر آتی ہے۔ کبھی مغرب کی طرف سے چلتی ہے اسے دبور کہتے ہیں۔ لوگوں نے ہواؤں اور بارشوں کے متعلق بہت سی کتب تصنیف کی ہیں جن میں ان کے احکام ذکر کئے گئے ہیں۔

وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ: اور اس بادل میں، جو حکم کا پابند ہو کر آسمان اور زمین میں لٹکا رہتا ہے۔ ان تمام چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔ یعنی یہ تمام چیزیں واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (آل عمران:190)'' ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں، رات دن کے بدلتے رہنے میں کئی نشانیاں ہیں اہل عقل کے لئے''۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: قریش رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ اپنے رب سے دعا کریں وہ صفا

پہاڑ کو سونے کا بنا دے۔ پھر ہم اس سونے سے گھوڑے اور ہتھیار خریدیں گے۔ آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے۔ آپ نے فرمایا کیا یہ تمہارا پکا وعدہ ہے۔ میری دعا پر اگر اللہ تعالیٰ نے اسے سونے کا بنا دیا تو مجھ پر ایمان لے آؤ گے۔ انہوں نے کہا ہمارا وعدہ پکا ہے۔ آپ نے اپنے رب کے حضور دعا کی، حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کی اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی ہے۔ لیکن اگر یہ لوگ آپ پر ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ ان پر ایسا عذاب نازل فرمائے گا جو اس نے آج تک کسی پر نازل نہیں فرمایا۔ یہ سن کر آپ نے عرض کی: اے باری تعالیٰ! میری قوم کو میرے سپرد کر دے۔ میں انہیں ہر روز تیرے دین کی دعوت دیتا رہوں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ایک روایت کے یہ بھی الفاظ ہیں کہ وہ صفا پہاڑ کے متعلق کیسا سوال کرتے ہیں حالانکہ وہ اس سے بڑی بڑی نشانیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں جب مدینہ طیبہ میں یہ آیت کریمہ: اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ نازل ہوئی تو کفار مکہ کہنے لگے ایک خدا تمام لوگوں کا نظام کیسے چلائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اس سے وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے وہی ہر چیز کا خالق، مالک اور معبود ہے۔ ایک روایت حضرت ابوضحیٰ سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ نازل ہوئی تو مشرکین نے اس پر دلیل کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَ لَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

''اور کچھ لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اوروں کو اللہ کا مدمقابل محبت کرتے ہیں ان سے جیسے اللہ سے محبت کرنا چاہیے اور جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں اللہ سے اور کاش! (اب) جان لیتے جنہوں نے ظلم کیا (جو وہ اس وقت جانیں گے) جب (آنکھوں سے) دیکھ لیں گے عذاب کہ ساری قوتوں کا مالک اللہ ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (خیال کرو) جب بیزار ہو جائیں گے وہ جن کی تابعداری کی گئی ان سے جو تابعداری کرتے رہے اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور ٹوٹ جائیں گے ان کے تعلقات اور کہیں گے تابعداری کرنے والے کاش! ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا (دنیا میں) تو ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے وہ (آج) بیزار ہو گئے ہیں ہم سے یونہی دکھائے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کے (برے) اعمال کہ باعث پشیمانی ہوں گے ان کے لیے اور وہ (کسی صورت میں) نہ نکل پائیں گے آگ (کے عذاب) سے''۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ: یہاں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دنیاوی احوال اور اخروی انجام کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری چیزوں کو اس کا شریک، اور مدمقابل بنا لیا ہے۔ وہ ان کی عبادت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اس طرح محبت کرتے ہیں جس

طرح اللہ کے ساتھ محبت کرنی چاہئے۔ حالانکہ اس کے سوا کوئی معبود حق نہیں۔ نہ ہی اس کی کوئی ضد ہے نہ کوئی مدمقابل اور نہ ہی اس کا کوئی شریک۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے اسے پیدا کیا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ : چونکہ ان کے دل محبت خداوندی، معرفت الٰہی اور اس کی تعظیم وتوقیر سے معمور ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتے۔ صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اپنے تمام معاملات میں اسی کے دربار میں رجوع کرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے مشرکین کو زجر وتوبیخ فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَ لَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا: بعض مفسرین فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ یہ مشرکین اگر عذاب الٰہی کا مشاہدہ کرلیں تو انہیں اس وقت معلوم ہو جائے کہ ساری قوتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام کائنات میں اسی کا حکم نافذ ہے، وہ وحدہ لاشریک ہے اور دنیا کی ہر شے اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ: اور بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ۙ وَّ لَا يُوْثِقُ وَ ثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ؕ (فجر: 26-25) ''ترجمہ: پس جس دن اللہ کے عذاب کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا اور نہ ہی اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا''۔ یعنی اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کے کفر وشرک پر اللہ تعالیٰ ان کو اس طرح کا عذاب دے گا تو یہ اپنی گمراہیوں اور کارستانیوں سے باز آجائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ بت، جن کی یہ آج پوجا کرتے ہیں، قیامت کے دن عذاب دیکھ کر ان کا انکار کردیں گے۔ اور اس دنیا میں جس کی تابعداری کی گئی وہ اس دن اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا: فرشتے بھی ان لوگوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے جو لوگ اپنے بزعم خویش ان کی عبادت کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے کہ فرشتے قیامت کے دن کہیں گے۔ تَبَرَّاْنَاۤ اِلَيْكَ ؗ مَا كَانُوْۤا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ (قصص:63) ''ترجمہ: ہم (ان) سے بیزار ہو کر تیری طرف توجہ کرتے ہیں اور وہ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے''۔ پھر فرشتے اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ...... (سبا:41) ''ترجمہ: فرشتے عرض کریں گے تو پاک ہے (ہر شرک سے) ہمارا مالک تو ہے، ہمارا ان سے کیا واسطہ بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے''۔ اسی طرح جن بھی ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ...... (احقاف:5) ''ترجمہ: اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کرسکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔ اور جب جمع کئے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کردیں گے''۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا (مریم:81) ''ترجمہ: اور انہوں نے بنالئے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا، کہ وہ ان کے لئے مددگار بنیں۔ ہرگز نہیں، وہ جھوٹے خدا انکار کردیں گے ان کی عبادت کا، اور وہ (الٹے) ان کے دشمن ہو جائیں گے''۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا: وَ قَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (عنکبوت:25) ''ترجمہ: اور ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ تم نے بنالیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (اور پیار) کا باہمی ذریعہ اس دنیاوی زندگی میں۔ پھر قیامت کے دن تم انکار کروگے ایک دوسرے کا اور پھٹکار بھیجوگے ایک دوسرے پر اور تمہارا

ٹھکانہ آتش (جہنم) ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار"۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے دوسری بہت سی آیات میں بیان فرمایا ہے۔

وَ رَاَوُا الْعَذَابَ: جب وہ عذاب الٰہی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں گے تو اس روز تمام حیلے اور اس سے چھٹکارے کے تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے اور وہ آتش جہنم سے خلاصی کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں اس وقت باہمی محبت اور تعلقات ختم ہو جائیں گے۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا : اور اس وقت تابعداری کرنے والے کہیں گے کاش! ہم ایک مرتبہ پھر دنیاوی زندگی کی طرف لوٹ آئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے سوا ان معبودوں کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کریں۔ اور ان کی طرف بالکل دھیان نہ دیں بلکہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔ لیکن ان کا دعویٰ سراسر جھوٹا ہے۔ اگر ان کو دنیاوی زندگی کی طرف واپس لوٹا دیا جائے تو وہ پھر کفر و شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں یہیں دکھائے گا ان کے برے اعمال جو ان کے لئے باعث پشیمانی ہوں گے اور یہ برے اعمال اس دن اکارت ہو جائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَ قَدِمْنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (فرقان:23) "ترجمہ: اور ہم متوجہ ہوں گے ان کے کاموں کی طرف اور انہیں گرد و غبار بنا کر اڑا دیں گے"۔ اسی طرح ارشاد فرمایا: مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ...... الخ (ابراہیم:18) "ترجمہ: ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ایسی ہے کہ ان کے اعمال راکھ کا ڈھیر ہیں۔ جسے تند ہوا تیزی سے اڑا کر لے گئی سخت آندھی کے دن نہ حاصل کریں گے ان اعمال سے جو انہوں نے کمائے تھے کوئی فائدہ۔ یہ بہت بڑی گمراہی ہے"۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کسی صورت میں آگ کے عذاب سے فرار نہ ہو سکیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

"اے انسانو! کھاؤ اس سے جو زمین میں ہے حلال (اور) پاکیزہ (چیزیں) اور شیطان کے قدموں پر قدم نہ رکھو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو حکم دیتا ہے تمہیں فقط برائی اور بے حیائی کا اور یہ کہ بہتان باندھو اللہ پر جو تم جانتے ہی نہیں۔"

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے معبود برحق ہونے اور خالق و مالک ہونے کا بیان کیا اور اب اپنی صفت رزاقیت کا ذکر فرماتا ہے کہ وہی تمام مخلوق کو رزق دینے والا ہے۔ اپنی مخلوق پر احسان کرتے ہوئے زمین سے پیدا ہونے والی تمام اشیاء کو مباح کر دیا۔ بشرطیکہ وہ چیز حلال، طیب اور پاک ہو۔ بدن اور عقل کے لئے نقصان دہ نہ ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو شیطان کی راہ پر چلنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ شیطان نے زمانہ جاہلیت میں اپنے پیروکاروں کو گمراہی کے ایسے گڑھے میں ڈالا جہاں وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنے لگے۔ حدیث قدسی میں ارشاد ربانی ہے: میں نے جو مال اپنے بندوں کو عطا کیا ہے وہ ان کے لئے حلال ہے۔ میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا مگر شیطان نے ان کو دین حنیف سے دور کر دیا۔ میری حلال کردہ چیزوں کو ان پر حرام کر دیا (1)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ آیت کریمہ تلاوت کی گئی۔ اسے سن کر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کھڑے ہوئے اور عرض

1۔ مسلم، الجنۃ:3

کی یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ مجھے مستجاب الدعوات بنا دے۔ آپ نے فرمایا اے سعد! اپنے کھانے کو پاکیزہ اور حلال رکھو تم مستجاب الدعوات بن جاؤ گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، ایک لقمہ حرام جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی عبادت قبول نہیں کرتا۔ جس بندے کا گوشت حرام اور سود کے مال سے پلا ہو وہ نار جہنم میں جلنے ہی کے زیادہ قابل ہے۔

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ: بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس کا مقصد اللہ کی مخلوق کو اس سے نفرت دلانا اور اس سے ڈرانا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا (فاطر:6)'' ترجمہ: یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے۔ تم بھی اسے اپنا دشمن سمجھا کرو۔ وہ فقط اس لئے (سرکشی کی) دعوت دیتا ہے اپنے گروہ کو تا کہ وہ جہنمی بن جائیں''۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا۔ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ...... (الکہف:50)'' ترجمہ: (اے اولاد آدم) کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست، مجھے چھوڑ کر۔ حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت برا بدلہ ہے''۔ حضرت قتادہ اور سدی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرنا شیطان کے قدموں پر چلنا ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ''خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ'' سے مراد شیطان کا بہکاوا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شیطان کی خطائیں ہیں۔ ابومجلز فرماتے ہیں اس سے مراد ایسی نذر ہے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو۔ شعبی فرماتے ہیں ایک شخص نے اپنے بیٹوں کو ذبح کرنے کی نذر مانی۔ تو حضرت مسروق نے اسے اس کی جگہ مینڈھا قربان کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا یہ نذر خطوات شیطان سے ہے۔ حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نمک لگے بکری کا گوشت کھا رہے تھے۔ آپ کے ساتھیوں میں سے ایک پیچھے ہٹ گیا۔ آپ نے فرمایا اپنے اس ساتھی کو بھی گوشت کا ٹکرا دو۔ اس نے کہا کہ میں نہیں کھاؤں گا۔ آپ نے پوچھا کیا تم روزے سے ہو۔ کہا نہیں۔ فرمایا پھر کیا وجہ ہے تم گوشت نہیں کھاتے۔ اس نے کہا کہ میں نے اپنے اوپر بکری کا گوشت حرام کیا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو شیطان کی راہ پر چلنا ہے۔ گوشت کھاؤ اور اپنی قسم کا کفارہ دے دینا۔ ابورافع فرماتے ہیں کہ ایک دن میرا اپنی بیوی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا۔ تو وہ کہنے لگی کہ وہ ایک دن یہودیہ اور ایک دن نصرانیہ ہے۔ اور میرے سارے غلام آزاد ہیں اگر تو نے مجھے طلاق نہ دی۔ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا یہ خطوات الشیطان میں سے ہے۔ اس کے بعد میں زینب بنت ام سلمہؓ کے پاس گیا۔ جن سے بڑھ کر اس وقت مدینہ میں کوئی فقیہ عورت نہ تھی۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر حضرت عاصم کے پاس گیا تو انہوں نے بھی یہی فتویٰ دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص غصہ کی حالت میں قسم اٹھالے۔ یہ بھی شیطان کی پیروی ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ دے۔

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ: (تمہارا دشمن شیطان) تمہیں برے افعال کا حکم دیتا ہے۔ برے افعال میں سے سب سے زیادہ سخت زنا وغیرہ ہے۔ اور اس سے بڑھ کر بغیر علم کے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنا ہے۔ ہر وہ کافر اور بدعتی بھی اس میں داخل ہے جو برائی کا حکم دیتا ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝۱۷۰ وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۷۱

''اور جب کہا جاتا ہے ان سے پیروی کرو اس کی جو نازل فرمایا ہے (اللہ تعالیٰ) نے تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو۔ اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھ سکتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں اور مثال ان کی جنہوں نے کفر (اختیار) کیا ایسی ہے جیسے کوئی چلا رہا ہو ایسے (جانوروں) کے پیچھے جو نہیں سنتے سوائے خالی پکار اور آواز کے یہ لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے''۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ: جب ان کافروں اور مشرکوں کو کہا جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی پیروی کرو اور اپنی اس گمراہی اور جہالت کو دور کرو تو وہ جواباً کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے اباؤ اجداد کو پایا۔ یعنی بتوں کی پوجا پاٹ کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ اگرچہ ان کے یہ آباؤ اجداد جن کی یہ پیروی کرتے ہیں، بے عقل، ناسمجھ اور راہ ہدایت سے بھٹکے ہوئے ہوں۔ تب بھی ان کی پیروی کریں گے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کو رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی تو کہنے لگے ہم تو اپنے آباؤ اجداد کی ہی پیروی کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مثال دی۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ (نحل:60) ''ترجمہ: ان لوگوں کے لئے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، بری مثالیں ہیں''۔ اور یہاں ارشاد فرمایا ان کافرلوگوں کی مثال ان چرنے والے جانوروں کی طرح ہے۔ جو اپنے چرواہے کی آواز کو بھی نہیں سمجھتے کہ وہ انہیں کیا کہہ رہا ہے۔ بلکہ وہ صرف آواز ہی سنتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ان بتوں کی پوجا کرتے ہیں جو سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی کچھ سمجھ سکتے ہیں۔ یہ مثال ان کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔ اس قول کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ لیکن پہلا قول ہی بہتر ہے کیونکہ بت قوت سماعت، بصارت اور عقل سے عاری ہوتے ہیں۔ نہ تو وہ کسی چیز کی گرفت کر سکتے ہیں اور نہ ان میں زندگی ہوتی ہے۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ: کفار کی یہ جماعت حق بات سننے سے بہری، حق کہنے سے گونگی ہے۔ اور صراط مستقیم پر چلنے سے اندھی ہے۔ ان میں کسی چیز کو سمجھنے کے لیے عقل ہے نہ شعور۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ (الانعام:39) ''ترجمہ: اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، وہ بہرے اور گونگے ہیں، اندھیروں میں سرگرداں ہیں''۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۷۳﴾

''اے ایمان والو! کھاؤ پاک چیزیں جو ہم نے تم کو دی ہیں اور شکر ادا کیا کرو اللہ تعالیٰ کا اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو۔ اس نے حرام کیا ہے تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور بلند کیا گیا ہو جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیکن جو مجبور ہو جائے درآنحالیکہ وہ نہ سرکش ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (بقدر ضرورت کھالینے میں) کوئی گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بہت گناہ بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے''۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ پاکیزہ چیزیں کھائیں اور اللہ کی نعمت کا شکریہ بھی ادا کریں۔ رزق حلال دعا اور عبادت کی مقبولیت کا سبب ہے۔ اس طرح رزق حرام دعا و عبادت کی عدم قبولیت کا باعث ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے

مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ چیز ہی کو قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو بھی وہی حکم فرمایا جو اپنے رسل کو فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے: "یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ (المومنون: 51)" "اے میرے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ اچھے کام کرو، بے شک میں جو اعمال تم کر رہے ہو ان سے خوب واقف ہوں"۔ پھر مومنین کے لیے ارشاد فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ پھر مثال کے طور پر ذکر فرمایا۔ ایک شخص طویل سفر پر ہے۔ اس کے بال پراگندہ، جسم غبار آلود ہے، وہ ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا مانگتا ہے یا رب! یا رب! حالانکہ اس کا کھانا پینا اور پہننا سب حرام ہے۔ حرام کی خوراک سے ہی وہ پروان چڑھا۔ اس حالت میں اس کی دعا کیسے قبول ہوگی (1)۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پاکیزہ رزق کھانے کا حکم فرمایا۔ تو اس کے بعد ان چیزوں کا ذکر فرمایا جن کو اس نے اپنے بندوں پر حرام کیا ہے۔ ان میں سے ایک وہ جانور ہے جو بغیر ذبح کے مر گیا ہو۔ خواہ وہ گلا گھونٹنے سے مرا ہو، یا کسی چوٹ سے یا اوپر سے نیچے گر کر، یا سینگ لگنے سے، یا درندے کے چیر نے پھاڑنے سے مرا ہو۔ جمہور علماء نے اس میں سے سمندر کے مردار کو خاص کیا ہے۔ یعنی مچھلی اگر پانی سے باہر آ کر مر بھی جائے تو اس کا کھانا حلال ہے۔ اس کی تفسیر ان شاء اللہ آگے آئے گی۔ سمندر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا پانی طہور (یعنی پاک کرنے والا) اور اس کا مردار حلال ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مرفوع روایت ہے: ہمارے لیے دو مردار چیزوں اور دو خونوں کو حلال کر دیا گیا۔ دو مردار چیزوں سے مراد مچھلی اور مکڑی ہے اور دو خونوں سے مراد کلیجی اور تلی ہے۔ اس کی وضاحت ان شاء اللہ سورۂ مائدہ میں آئے گی۔

مسئلہ: امام شافعی کے نزدیک مردار جانور کا گوشت اور انڈے ناپاک ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ اس کا جزو ہیں امام مالک سے ایک روایت مطابق منقول ہے کہ وہ پاک ہیں لیکن ناپاک کی مجاورت کی وجہ سے ناپاک ہو جاتے ہیں اسی طرح مردار جانور کی پنیر کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ مشہور یہی ہے کہ یہ ناپاک ہے۔ لیکن ان کو یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ صحابہ اہل مجوس کا پنیر کھا لیا کرتے تھے۔ امام قرطبی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بہت سے دودھ میں اگر تھوڑا سا پنیر بھی مل جائے تو وہ دودھ پاک ہی رہے گا۔ جیسا کہ قلیل نجاست اگر کثیر مائع میں مل جائے تو وہ پاک ہی رہتا ہے۔ حضرت ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دودھ، گھی، پنیر اور جنگلی گدھا کے بارے میں سوال کیا گیا آپ نے فرمایا جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے وہ حلال ہے اور جس کو حرام کہا ہے وہ حرام ہے۔ اور جس کا بیان نہیں فرمایا وہ معاف ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو بھی حرام کیا ہے۔ خواہ اسے ذبح کیا گیا ہو یا ویسے ہی مر جائے۔ خنزیر کی چربی بھی اس کے گوشت کے حکم میں داخل ہے۔ اس لیے کہ چربی گوشت کے ساتھ ہوتی ہے۔ یا پھر چربی کو گوشت پر قیاس کیا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو بھی حرام قرار دیا ہے جن کو ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے بتوں کے نام سے جانور ذبح کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت نے اپنی گڑیا کی شادی کے لیے اونٹ ذبح کیا تو حسن بصریؒ نے فرمایا یہ گوشت نہ کھایا جائے کیونکہ یہ اس بت کے لیے ذبح کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ یہ لوگ اپنے تہواروں کے موقع پر اپنے جانور ذبح کرتے ہیں اور مسلمان کو بھی ہدیہ گوشت بھیجتے ہیں۔ فرمایا جو اس دن کی تعظیم کے لیے جانور ذبح کیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھاؤ۔ ہاں ان کے درختوں کے پھل کھا سکتے ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ضرورت اور حاجت کے وقت جب کہ کھانے کے لیے کوئی چیز نہ ملے اور جان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو، حرام چیزوں کے کھانے کو مباح فرمایا۔ ارشاد فرمایا: فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ: یعنی وہ باغی، سرکش اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو۔ اس کے لیے ان چیزوں کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی گناہ بخشنے والا اور

1۔ مسند امام احمد: 328/2

ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں: ''غیر باغ ولا عاد'' میں باغ اور عاد سے مراد ڈاکو، امام وقت کا مخالف، اور اللہ کی معصیت کے لیے نکلنے والا۔ ان کے لیے مجبوری کی حالت میں بھی کوئی رخصت نہیں۔ مقاتل بن حیان فرماتے ہیں: غیر باغ سے مراد یہ ہے کہ وہ اسے حلال سمجھنے والا نہ ہو۔ سدی فرماتے ہیں کہ وہ اس میں لذت اور مزے کا خواہش مند نہ ہو۔ عطا خراسانی فرماتے ہیں وہ مردار بھون کر اور لذیذ بنا کر نہ کھائے۔ بلکہ اپنی جان بچانے کی خاطر ویسے ہی کھالے۔ اور اگر سفر میں ہے تو اپنے پاس اتنا ہی مردار کا گوشت رکھے جس قدر ضرورت ہو اور حلال چیز تک پہنچ سکے۔ اور جب اسے حلال چیز حاصل ہو جائے تو اسے پھینک دے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ پیٹ بھر کر نہ کھائے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ حد سے تجاوز نہ کرے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں وہ حلال سے حرام کی طرف تجاوز نہ کرے جب تک وہ اس سے بچ سکتا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں جس شخص کو مردار کھانے پر مجبور کیا گیا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ: جب کوئی انسان بھوک کی وجہ سے بے بس ہو جائے اور کسی غیر کی ملکیت میں حلال چیز پائے تو اس کے لیے مردار کھانا جائز نہیں۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اگر وہ اس حالت میں کسی کی چیز کھالے کیا ضامن ہوگا یا نہیں اس میں امام مالک کے دو قول ہیں۔ حضرت عباد بن شرحبیل عنزی فرماتے ہیں کہ ایک سال ہمارے ہاں قحط پڑ گیا۔ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ یہاں ایک کھیت سے کچھ بالیں لے کر چبانے لگا اور کچھ تھوڑی سی بالیں اپنی چادر میں ڈال لیں۔ اسی دوران کھیت کا مالک آگیا۔ اس نے مجھے خوب مارا اور میری چادر چھین لی۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے یہ سارا واقعہ بیان کیا آپ نے اس شخص کو فرمایا کہ یہ بیچارہ بھوکا تھا نہ تم نے اسے کھانا کھلایا اور نہ ہی اس کی نادانی سے اسے آگاہ کیا۔ پھر آپ نے اسے چادر واپس کرنے کا حکم دیا اور فرمایا اسے ایک وسق یا نصف اناج دے دو(1)۔ رسول اللہ ﷺ سے درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا اگر کوئی ضرورت ہو تو اسے وہیں کھالے، ساتھ لے کر نہ جائے۔ حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ اگر کوئی انسان کسی مجبوری کی حالت میں ان کو کھالے تو کوئی گناہ نہیں لیکن اسے تین لقموں سے زیادہ نہیں کھانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمانے والا ہے۔ اور وہ بڑا مہربان ہے جس نے اس اضطراری حالت میں حرام کو حلال کر دیا۔ حضرت مسروق فرماتے ہیں جو شخص اضطراری حالت میں حرام چیز نہ کھائے اور مر جائے وہ جہنم میں داخل ہو گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے ایسی حالت میں حرام چیز کھانا عزیمت ہے نہ کہ رخصت۔ امام کیا ہراسی فرماتے ہیں کہ یہی ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ جیسا کہ بیمار شخص کا روزہ توڑنا اس کے لیے عزیمت ہے نہ کہ رخصت۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾

''بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور خرید لیتے ہیں اس کے بدلے حقیر سا معاوضہ سو وہ نہیں کھا رہے اپنے پیٹوں میں سوائے آگ کے اور بات تک نہ کرے گا ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اور نہ (ان کے گناہ بخش

1۔ القرطبی 226/2

کر) انہیں پاک کرے گا اوران کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے عوض اور عذاب کو نجات کے بدلے (تعجب ہے) کس چیز نے اتنا صابر بنا دیا ہے انہیں آگ (کے عذاب) پر یہ سزا اس وجہ سے ہوگی کہ اللہ نے تو اتاری کتاب حق کے ساتھ اور بیشک جو لوگ اختلاف ڈال رہے ہیں کتاب میں وہ دور دراز کے جھگڑوں میں پھنسے ہیں''۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ: یہ آیت کریمہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ حضور ﷺ کی ان صفات وکمالات کو چھپاتے تھے جن کا ذکر قرآن پاک میں ہوا ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت کی وجہ سے انہیں اپنی سرداری کے ختم ہونے کا خوف تھا اس لیے وہ یہ حرکت کرتے تھے۔ اسی طرح انہیں ان تحائف کے ختم ہونے کا بھی خدشہ تھا جو وہ عربوں کے آباؤ اجداد کی تعظیم وتکریم کرتے ہوئے وصول کیا کرتے۔ انہوں نے سوچا اگر انہوں نے رسول اللہ کی صفات وکمالات کو ظاہر کر دیا تو لوگ ان کی اقتداء کرنے لگیں گے ان کا کاروبار ماند پڑ جائے گا۔ اس طرح انہوں نے معمولی سی دنیاوی منفعت کی خاطر اللہ تعالیٰ کے رسول کی اتباع اور تصدیق سے اعراض کیا۔ اور اس انحراف کے سبب دنیا وآخرت میں اپنی تباہی وبربادی کا سودا کیا۔ دنیا میں تباہی تو یہ ہوئی کہ حضور ﷺ کی جن صفات وکمالات کو یہ چھپاتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ساتھ ایسے واضح اور روشن معجزات اور نشانیاں ظاہر فرمائیں جنہیں دیکھ کر دوسرے لوگ ایمان لے آئے اور یہی لوگ یہود کے خلاف رسول اللہ ﷺ کے مددومعاون بنے۔ اس طرح یہ یہود دنیا میں اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کا شکار ہوئے اور آخرت میں آتش جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر قرآن پاک میں ان کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ جیسا کہ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلہ میں دنیاوی مال ومتاع حاصل کرتے ہیں۔ یہ لوگ نہیں کھا رہے اپنے پیٹوں میں سوائے آگ کے۔ یعنی حق کو چھپانے کی وجہ سے جو مال انہیں حاصل ہو رہا ہے وہ قیامت کے دن دھکتی ہوئی آگ بن جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا (النساء:10)'' ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں یتیموں کے مال ظلم سے وہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور وہ عنقریب جھونکے جائیں گے بھڑکتی ہوئی آگ میں''۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ کو بھرتا ہے۔

وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کلام نہیں کرے گا کیونکہ وہ اس کے محبوب ﷺ کی صفات کو چھپاتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کے مستحق ہوں گے۔ وہ نہ تو ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور نہ ہی ان کی مدح اور تعریف کرے گا۔ بلکہ ان کو دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں سے نہ کلام فرمائے گا اور نہ ہی ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا۔ (1) بوڑھا زانی (2) جھوٹا بادشاہ (3) متکبر فقیر۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى: یہی وہ بدنصیب ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی خرید لی۔ یہاں ہدایت سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی کتب میں بیان کردہ حضور ﷺ کی صفات کو ظاہر کرتے اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی بشارت کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے اور خود بھی ان پر ایمان لے آتے۔ لیکن انہوں نے اس کے بدلہ میں گمراہی کو اختیار کیا یعنی رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ پر ایمان لانے سے انکار کیا اور اپنی کتب میں موجود آپ کی صفات کو چھپایا اور مغفرت کے بدلہ میں عذاب کو اختیار کیا۔ یعنی ایسے افعال کا ارتکاب کیا جو ان کے عذاب کا سبب بنے۔

فَمَآ اَصۡبَرَهُمۡ عَلَى النَّارِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ قیامت کے دن ایک ہولناک اور شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے کہ دیکھنے والا متعجب ہوگا کہ اس دردناک اور شدید عذاب کو یہ کیسے برداشت کر رہے ہیں۔ اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہے ہیں جو انہیں آتش جہنم میں لے جانے کا سبب بنے گی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ: وہ اس عذاب کے مستحق اس لیے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (علیہ السلام) اور دوسرے انبیاء پر کتب اس وجہ سے نازل کی تھیں تا کہ حق ثابت کیا جائے اور باطل کا ابطال کیا جائے۔ لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق بنالیا۔ ان کی کتاب نے تو انہیں حکم دیا کہ تم رسول اللہ علیہ السلام کی صفات کو ظاہر کرو۔ لیکن انہوں نے مخالفت کی۔ یہ رسول معظم علیہ السلام تو انہیں اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ نیکی کا حکم اور برائی سے روکتے ہیں۔ لیکن یہ ان کی تکذیب کرتے ہیں مخالفت کرتے ہیں، آپ کا انکار کرتے ہیں۔ صفات کو چھپاتے ہیں۔ اسی طرح یہ اللہ تعالیٰ کی ان آیات کا استہزاء کرتے ہیں جو اس نے اپنے رسل پر نازل فرمائیں۔ اسی وجہ سے وہ اس کے عذاب کے مستحق ہوئے۔ اس لیے ارشاد فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الۡكِتٰبَ...... الخ۔

لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ وَ لٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ الۡمَلٰٓئِكَةِ وَ الۡكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى وَ الۡيَتٰمٰى وَ الۡمَسٰكِيۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِيۡلِ ۙ وَ السَّآئِلِيۡنَ وَ فِى الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا ۚ وَ الصّٰبِرِيۡنَ فِى الۡبَاۡسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيۡنَ الۡبَاۡسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۷﴾

''نیکی (بس یہی) نہیں کہ (نماز میں) تم پھیر لو اپنے رخ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف بلکہ نیکی (کا کمال) تو یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر اور دے اپنا مال اللہ کی محبت سے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو اور (خرچ کرے) غلام آزاد کرنے میں اور صحیح صحیح ادا کیا کرے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے وعدوں کو جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں اور کمال نیک ہیں جو صبر کرتے ہیں مصیبت میں اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی لوگ حقیقی پرہیزگار ہیں''۔

لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ: یہ آیت کریمہ اسلام کے عمومی قواعد اور عقاید صحیحہ پر مشتمل ہے۔ حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ علیہ السلام سے ایمان کے بارے میں پوچھا تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ فرماتے ہیں میں نے دوبارہ یہی سوال دہرایا تو آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ پھر سوال کیا تو فرمایا کہ نیکی کی محبت اور برائی سے نفرت ایمان ہے۔ لیکن یہ حدیث منقطع ہے۔ کیونکہ مجاہد کی حضرت ابوذر سے ملاقات ثابت نہیں۔ حضرت ابوذر سے کسی نے ایمان کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اسے یہ آیت طیبہ سنائی۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے آپ سے نیکی کے بارے میں سوال نہیں کیا اس پر ابوذر نے فرمایا یہی سوال ایک شخص نے رسول اللہ علیہ السلام سے کیا تھا تو آپ نے یہی آیت کریمہ اس کو سنائی تھی۔ لیکن وہ اس جواب پر راضی نہ ہوا تو رسول علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص نیکی سے خوش ثواب کا امیدوار ہو اور برائی سے بیزار، اور سزا سے خوفزدہ ہو تو وہ مومن ہے۔ یہ روایت بھی

منقطع ہے۔اس آیت مبارکہ کی تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کو بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم فرمایا اور پھر بعد میں کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔اور یہ حکم بعض اہل کتاب اور مسلمانوں پر شاق گزرا۔تو اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان کی کہ اصل مقصد اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم کی بجا آوری کرنا ہے۔جس سمت منہ کرنے کا حکم دے اس سمت منہ کرنا اور اس کے احکام کی پیروی کرنا، یہی حقیقی نیکی، تقویٰ اور ایمان کامل ہے۔ صرف مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں کوئی نیکی اور اطاعت نہیں جب تک اللہ تعالیٰ اس کا حکم نہ دے، اس لئے ارشاد فرمایا۔لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ......۔اسی طرح قربانی کے جانور کے بارے میں ارشاد فرمایا: لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ......(الحج:37)'' ترجمہ: نہیں پہنچتے اللہ تک ان کے گوشت اور نہ ان کے خون، البتہ پہنچتا ہے اس کے حضور تقویٰ تمہاری طرف سے''۔حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ نماز پڑھنا نیکی نہیں۔جب تک دوسرے اعمال سرانجام نہ دو۔یہ حکم ہجرت مدینہ سے پہلے کا ہے۔جب کہ مسلمان مکہ میں تھے۔ہجرت مدینہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرائض اور حدود نازل فرمائیں اور مسلمانوں کو ادائیگی فرائض اور دوسرے نیک اعمال کا حکم دیا۔ضحاک اور مقاتل سے بھی یہی مروی ہے۔ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ یہود مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور نصرانی مشرق کی طرف۔تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔یعنی تمام عقائد کی بنیاد ایمان ہے اور ایمان کی حقیقت عمل۔یہ حسن بصری اور ربیع بن انس سے بھی مروی ہے، مجاہد فرماتے ہیں نیکی یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کی محبت دل میں پیدا ہو جائے۔ضحاک فرماتے ہیں کہ نیکی اور تقویٰ یہ ہیں کہ فرائض کو پابندی کے ساتھ ادا کیا جائے حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں نیکی کی جملہ اقسام کو بیان کر دیا گیا ہے۔آپ کا یہ ارشاد حق ہے۔کیونکہ جس شخص نے اپنے آپ کو اس آیت میں مذکور اوصاف سے متصف کر لیا وہ کامل طور پر دین اسلام میں داخل ہو گیا۔اور اس نے مکمل بھلائی کو سمیٹ لیا۔اس میں سب سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کے معبود برحق ہونے پر ایمان لانا ہے اور پھر فرشتوں کے وجود کو تسلیم کرنا ہے۔جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسل کے درمیان پیغام رسانی کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔اور اس کے بعد تمام آسمانی کتب کو برحق جاننا ہے۔اور ان میں سب سے آخری کتاب قرآن حکیم جو اپنے سے ماقبل کتب سماوی کی تصدیق کرنے والا اور دنیا و آخرت کی سعادتوں کا جامع اور ان کتب سابقہ کا ناسخ ہے، پر ایمان لانا ضروری ہے۔اور تمام انبیاء پر ایمان لانا جن کی ابتداء حضرت آدم سے اور انتہاء حضرت محمد مصطفیٰ کی ذات پر ہوئی۔

وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ : مال کی محبت کے باوجود اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے۔حضرت ابوہریرہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ وہ اس حال میں صدقہ کرے کہ وہ صحت مند، غناء کا حریص اور فقر سے ڈرنے والا ہو (1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے اس مضمون کی ایک حدیث مروی ہے جسے حاکم نے اپنی مستدرک میں ذکر کیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ...... (الدہر:8-9)'' اور جو کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو، اور کہتے ہیں ہم تمہیں کھلاتے ہیں اللہ کی رضا کے لئے، نہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں، نہ شکریہ کے''۔ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران:92)'' ہرگز نہ پاسکو گے تم کامل نیکی (کا مرتبہ) جب تک نہ خرچ کرو (راہ خدا میں) ان چیزوں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو''۔اسی طرح اور ارشاد فرمایا: وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر:9)'' ترجمہ: ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو''۔یہ مقام سب سے ارفع و اعلیٰ ہے کیونکہ یہ لوگ شدید ضرورت کے باوجود دوسرے لوگوں کو اپنی

1۔مسلم، کتاب الزکاۃ 716۔

ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور جن لوگوں کا ان سے پہلے ذکر کیا وہ بھی دوسروں کو عطا کرتے ہیں لیکن وہ خود محتاج نہیں ہوتے۔ پھر مال سے محبت ہونے کے باوجود دوسروں کو دے دیتے ہیں۔

ذَوِي الْقُرْبٰى: اس سے مراد قریبی رشتہ دار ہیں۔ صدقہ وخیرات کرتے وقت ان لوگوں کو مقدم رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ فقراء و مساکین پر صدقہ کرنے سے ایک ثواب ملتا ہے اور رشتے داروں پر صدقہ کرنے سے دوگنا ثواب ملتا ہے۔ ایک صدقہ کرنے کا اور، دوسرا صلہ رحمی کا۔ یہی لوگ تمہاری بخشش اور عطاء کے زیادہ مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی مقامات پر ان کے ساتھ احسان کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

وَ الْيَتٰمٰى: اس سے مراد وہ چھوٹے بچے ہیں جن کے والد فوت ہو چکے ہوں۔ نہ تو ان کی کمائی کا ذریعہ ہو اور نہ ہی وہ خود کمائی کر سکتے ہوں۔ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا بلوغت کے بعد یتیمی ختم ہو جاتی ہے۔ وَ الْمَسٰكِيْنَ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس اتنا مال نہ ہو جو ان کی خوراک، پوشاک اور رہائش کے لیے کفایت کرے۔ انہیں بھی کچھ مال دے دیا جائے تاکہ ان کی بھی کچھ حاجت پوری ہو سکے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا، مسکین وہ نہیں جو مانگتے پھرتے ہیں۔ اور ایک یا دو کھجوریں یا ایک دو لقمے لے کر چلے جاتے ہیں۔ بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جو اس کے لیے کفایت کرے گا۔ اور ان کی ایسی حالت بھی نہ ہو لوگ انہیں مسکین سمجھ کر صدقہ کریں۔

وَ ابْنَ السَّبِيْلِ: اس سے مراد وہ مسافر ہے جس کا دوران سفر خرچ ختم ہو جائے اسے بھی اتنا مال دے دیا جائے تاکہ وہ اپنے گھر پہنچ سکے۔ اس طرح وہ شخص جو اطاعت خداوندی میں سفر کر رہا ہے اسے بھی آنے جانے کا خرچ دیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ مہمان بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔ یہی قول مجاہد سعید بن جبیر اور حسن بصری سے مروی ہے۔

وَ السَّآئِلِيْنَ: وہ لوگ جو مانگتے پھرتے ہیں۔ اور لوگ انہیں صدقہ وخیرات وغیرہ دیتے ہیں۔ حضرت حسین بن علی روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ سائل کے لیے حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے(1)۔

وَ فِي الرِّقَابِ: اس سے مراد وہ مکاتب غلام ہیں جو بدل کتابت ادا نہ کر سکتے ہوں۔ ان کی تفصیل سورۃ برأت کی تفسیر میں ذکر کی جائے گی۔ حضرت فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ میں نے رسول ﷺ سے عرض کی۔ کیا ہمارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ اللہ کا حق ہے۔ تو آپ نے "وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ" والی آیت سنائی۔ لیکن اس حدیث کے ایک راوی ابو حمزہ میمون اعور ضعیف ہے۔

وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ: کہ نماز کو اس کے اوقات میں اس کے جملہ ارکان رکوع، سجود کو اطمینان اور خشوع وخضوع سے ادا کرے۔

وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ: اس سے مراد نفس کی زکوٰۃ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے نفس کو عادات رذیلہ اور اطوار قبیحہ سے پاک کرے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۙ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (الشمس 9-10) "ترجمہ: یقیناً فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون کو یہی کہا تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى (النازعات: 18) "پس (اس سے) دریافت کرو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے"۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَ وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (حم السجدہ 6-7) "اور ہلاکت ہے مشرکوں کے لیے۔ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں"۔ سعید بن جبیر اور مقاتل بن حیان

1۔ مسند امام احمد، 1/201

فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مال کی زکوٰۃ ہے۔ اگر اس سے مراد مال کی زکوٰۃ ہو تو پھر باقی اصناف کو نفلی صدقات پر محمول کیا جائے گا۔ جیسا کہ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں اللہ کا حق ہے۔

وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا: اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے وعدوں کو جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ (الرعد:20) ''ترجمہ: وہ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو اور نہیں توڑتے پختہ وعدہ کو''۔ وعدہ توڑنا منافقت کی نشانی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ منافق کی پہچان کی تین علامات ہیں۔ 1۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، 2۔ وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے 3۔ اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو دھوکہ دے اور جب لڑائی جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔

وَ الصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ: باساء سے مراد حالت فقر ہے اور ضراء سے مراد حالت مرض۔ اور حِیْنَ الْبَاْسِ سے مراد دشمن کے ساتھ مقابلہ کی حالت ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ حضرت ابو العالیہ، مرہ ہمدانی، مجاہد، سعید بن جبیر اور دوسرے مفسرین سے بھی یہی منقول ہے۔ یہاں صابرین، کو نصب مدح کے طور پر دی گئی ہے اور سختی اور مصیبت کی حالت میں صبر کرنے کی ترغیب دینے کے لئے ہے۔

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا: یہ لوگ جو ان صفات سے متصف ہیں، یہی اپنے ایمان میں سچے ہیں کیونکہ انہوں نے ایمان قلبی کی تصدیق اپنے اقوال و افعال سے کی ہے۔ یہی لوگ اللہ سے ڈرنے والے متقی پرہیزگار ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اللہ کی معصیت سے بچتے ہیں اور اس کی اطاعت پر کاربند رہتے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَ لَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

''اے ایمان والو! فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص جو (ناحق) مارے جائیں۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت پس جس کو معاف کی جائے اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ چیز تو چاہیے کہ طلب کرے (مقتول کا وارث) خون بہا دستور کے مطابق اور (قاتل کو چاہیے) کہ اسے ادا کرے اچھی طرح۔ یہ رعایت ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے تو جس نے زیادتی کی اس کے بعد تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقلمندو! تا کہ تم (قتل کرنے سے) پرہیز کرنے لگو''۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے مومنو! قصاص لینے میں تم پر عدل فرض کیا گیا ہے۔ آزاد کو آزاد کے بدلہ میں، غلام کو غلام کے بدلہ میں، اور عورت کو عورت کے بدلہ میں قتل کرو۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے تجاوز نہ کرو۔ جس طرح تم سے پہلے لوگوں نے

تجاوز کیا۔ اور تجاوز کر کے اللہ کے حکم کو تبدیل کر دیا۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بنوقریظہ اور بنونضیر کے درمیان جنگ ہوئی۔ اس میں بنونضیر بنوقریظہ پر غالب آ گئے۔ اب انہوں نے یہ ضابطہ بنالیا کہ اگر بنونضیر کا کوئی شخص کسی قرظی کو قتل کر دے اس کے بدلہ میں اسے قتل نہ کیا جاتا بلکہ ایک سو وسق کھجور دیت کے طور پر دی جاتی۔ لیکن اگر کوئی قرظی نضری کو قتل کر دیتا تو اس کے بدلہ میں اس کو قتل کر دیتے۔ اگر دیت لیتے تو اس سے دگنی دیت وصول کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرما کر زمانہ جاہلیت کے اس ضابطے کو مٹا دیا اور قصاص میں عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ اس کے حکم کی مخالفت کرنے والوں اور اس کے احکام میں تحریف کرنے والوں کی پیروی نہ کرو۔ حضرت سعید بن جبیر اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں جب قتل عمد ہو تو آزاد کو آزاد کے بدلہ میں قتل کیا جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے دو قبائل کے درمیان جنگ ہوئی۔ جس میں بہت سے غلام اور عورتیں بھی قتل ہو گئیں۔ پھر یہ مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے ایک قبیلہ نے دوسرے قبیلہ کے ساتھ زیادتی کی۔ انہوں نے قسم اٹھائی جب تک ہم اپنے غلام کے بدلے ان کے آزاد اور عورت کے بدلہ میں ان کے مرد قتل نہ کر دیں ہم راضی نہیں ہوں گے اور نہ صلح کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ پھر اس آیت کریمہ کا حکم بھی اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ..... (مائدہ:45) سے منسوخ ہو گیا۔ یعنی ہر قاتل کو مقتول کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا خواہ آزاد نے کسی غلام کو قتل کیا ہو یا غلام نے آزاد کو۔ اسی طرح خواہ مرد نے کسی عورت کو قتل کا ہو یا عورت نے مرد کو۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں زمانہ جاہلیت کے لوگ مرد کو عورت کے بدلہ میں قتل نہیں کرتے تھے۔ وہ مرد کو مرد کے بدلہ میں اور عورت کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ۔ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ..... فرمائی۔ اور قتل عمد میں تمام آزاد لوگوں کو برابر قرار دے دیا گیا۔ یعنی جان کے بدلہ میں جان لی جائے خواہ قاتل مرد ہو یا عورت۔ اسی طرح مقتول خواہ مرد ہو یا عورت۔ یہی حکم غلام اور لونڈیوں کا ہو گا۔ اگر کسی نے دوسرے کا کوئی عضو زخمی کر دیا تو اس میں مرد اور عورت کا حکم برابر ہو گا۔ ابو مالک بھی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ..... سے منسوخ ہے۔

مسئلہ: حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ ان کی دلیل سورۂ مائدہ کی آیت کا عموم ہے۔ یہی مذہب امام ثوری، ابن ابی لیلیٰ اور داؤد ظاہری کا ہے۔ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی، قتادہ اور حکم سے بھی یہی منقول ہے۔ امام بخاری، علی بن مدینی، ابراہیم نخعی اور ایک روایت کے مطابق ثوری سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ آقا کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت سمرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے اپنے غلام کو قتل کیا ہم اس کے بدلہ میں اسے قتل کریں گے جس نے اپنے غلام کا ناک کاٹا اس کا ناک کاٹیں گے، اور جس نے اپنے غلام کو خصی کیا تو اسے خصی کر دیا جائے گا۔ اس کے برعکس جمہور علماء فرماتے ہیں کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں نہیں قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ غلام ایک مال کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر غلام خطاً قتل ہو جائے تو اس میں دیت واجب نہیں ہوتی بلکہ اس کی قیمت واجب ہوتی ہے۔ اور اسی طرح اس کے ہاتھ، پاؤں وغیرہ میں قصاص نہیں ہوتا۔ پھر اسے قتل کرنے میں بدرجہ اولیٰ قصاص نہیں ہونا چاہیے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ حضرت علی سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہ کرو(1)۔ اس حدیث کے خلاف کوئی دوسری صحیح حدیث نہیں اور نہ ہی اس میں تاویل کی گنجائش ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ اور ان کی دلیل سورۂ مائدہ کی آیت ہے۔

1۔ صحیح البخاری، 84/4

مسئلہ: حضرت حسن بصری اور عطاء فرماتے ہیں کہ مرد کو عورت کے بدلہ میں نہیں قتل کیا جائے گا اور ان کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔ لیکن جمہور علماء اس سے اختلاف کرتے ہیں اور ان کی دلیل سورۂ مائدہ کی آیت ہے۔ جس میں نفس بالنفس کا حکم ہے۔ اور دوسری دلیل حضور علیہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو قتل کر دے تو اس کے بدلہ میں اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ: ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا مذہب ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے مل کر ایک شخص کو قتل کر دیا تو اس کے قصاص میں ان سب کو قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت عمر کے عہد خلافت میں ایک شخص کو سات افراد نے مل کر قتل کیا تو آپ نے ان سب کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ اگر تمام اہل صنعاء اس کے قتل میں شریک ہوتے تو ان سب کو قتل کرنے کا حکم دیتا۔ اس مسئلہ میں کسی صحابی نے آپ کی مخالفت نہیں کی۔ گویا اس پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔ حضرت امام احمد بن حنبل سے ایک روایت ہے کہ ایک شخص کے بدلہ میں ایک شخص ہی قتل کیا جائے گا۔ ابن منذر نے حضرت معاذ بن جبل، عبداللہ بن زبیر، عبدالملک بن مروان، زہری، ابن سلیم اور حبیب بن ابی ثابت سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہی زیادہ صحیح ہے۔ اور ایک شخص کے بدلہ میں پوری جماعت کو قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر سے بھی یہی ثابت ہے۔ اس طرح صحابہ کرام میں اس مسئلہ میں اختلاف ہو گیا۔ سو یہ مسئلہ محل نظر ہو گیا۔

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عفو سے مراد یہ ہے کہ قتل عمد میں دیت لے لی جائے قصاص نہ لیا جائے۔ یہی ابوالعالیہ، ابوشعثہ، مجاہد اور سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے۔ ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ قصاص واجب ہونے کے بعد دیت لے لے قصاص معاف کر دے۔

فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ: یعنی جب مقتول کے وارث دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو انہیں عام دستور کے مطابق دیت کا مطالبہ کرنا چاہئے۔ اور قاتل کو بھی چاہئے کہ وہ بغیر کسی کمی کے دیت ادا کر دے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قاتل کو چاہئے کہ وہ دیت اچھے طریقہ سے ادا کرے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب، امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام مالک اور امام احمد کا مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کو قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب قاتل بھی اس پر راضی ہو۔ لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی ضروری نہیں۔

مسئلہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر عورتیں قصاص چھوڑ کر دیت لینا چاہیں تو ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ حضرت حسن بصری، قتادہ، زہری، شبرمہ، لیث اور اوزاعی وغیرہم سے مروی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ عورتوں کو بھی اس کا حق حاصل ہے۔

ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ: یعنی قتل عمد میں قصاص کے بدلہ میں دیت لے لینا یہ امت مسلمہ پر اللہ کی تخفیف اور رحمت ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے امتوں کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل پر قصاص فرض تھا۔ انہیں معاف کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے یہ تخفیف فرما دی۔ قتل عمد میں عفو سے مراد یہ ہے کہ قصاص کے بدلہ دیت لے لی جائے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ اس امت پر اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے اس پر دیت کے مال کو حلال کر دیا اور اس سے پہلی امتوں پر یہ حلال نہیں تھا۔ اہل تورات کو یہ حکم تھا کہ وہ قصاص لیں یا معاف کر دیں لیکن دیت لینے کا حکم نہیں تھا۔ اور اہل انجیل کو معاف کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دے دیا قصاص لینے، معاف کرنے اور دیت لینے میں۔ یہ سعید بن جبیر، مقاتل بن حیان اور ربیع بن انس

سے بھی مروی ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو شخص دیت لینے کے بعد قاتل کو قتل کرتا ہے اس کے لیے سخت دردناک عذاب ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس اور دوسرے مفسرین سے مروی ہے۔ ابو شریح خزاعی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا کوئی عزیز قتل یا زخمی ہو جائے تو اسے تین چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ چاہے قصاص لے لے، چاہے معاف کر دے اور چاہے تو دیت لے لے۔ اس کے علاوہ اگر وہ کچھ اور کرنا چاہے تو اسے پکڑ لو اور روک دو۔ اور جو شخص ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے بعد حد سے تجاوز کرے گا تو وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائے گا۔ حضرت سمرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے دیت وصول کرنے کے باوجود قاتل کو قتل کر دیا تو اب میں اس کی دیت قبول نہیں کروں گا بلکہ اسے قتل کرنے کا حکم دوں گا۔

وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ: قصاص کا حکم نافذ کرنے میں تمہارے لئے زندگی ہے۔ یعنی قاتل کو قتل کرنے میں ایک بڑی حکمت پوشیدہ ہے اور وہ حکمت نسل انسانی کی بقاء اور اس کی حفاظت ہے۔ کیونکہ جب قاتل کو یقین ہوگا کہ اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا تو وہ اپنے اس فعل سے پہلے کئی بار سوچے گا۔ اس طرح اس قصاص میں زندگی ہے۔ پہلی کتابوں میں اس مفہوم کو اس عبارت اَلْقَتْلُ اَنْفٰى لِلْقَتْلِ۔ سے ادا کیا گیا ہے۔ لیکن اس مقابلہ میں قرآن حکیم کی یہ عبارت وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ اس عبارت سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص کو زندگی قرار دیا ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ کسی دوسرے کو قتل کرنا چاہتے ہیں لیکن قصاص کے خوف سے اس فعل کا ارتکاب نہیں کرتے۔

يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے اصحاب عقل و دانش! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔ تقویٰ، ہر قسم کی نیکی کرنے اور ہر قسم کی برائی سے رکنے کو جامع ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾

''فرض کیا گیا ہے تم پر جب قریب آ جائے تم میں سے کسی کی موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال کہ وصیت کرے اپنے ماں باپ کے لیے اور قریبی رشتہ داروں کے لیے انصاف کے ساتھ ایسا کرنا ضروری ہے پرہیز گاروں۔ پر پھر جو بدل ڈالے اس وصیت کو سن لینے کے بعد۔ تو اس کا گناہ انہیں بدلنے والوں پر ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور جسے اندیشہ ہو وصیت کرنے والے سے کسی طرف داری یا گناہ کا پس وہ صلح کرا دے ان کے درمیان تو کچھ گناہ نہیں اس پر بے شک اللہ تعالیٰ غفور (اور) رحیم ہے''۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے والدین اور قریبی رشتہ داروں کو وصیت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اصح قول کے مطابق یہ وصیت آیت میراث نازل ہونے سے پہلے واجب تھی۔ پھر آیت میراث نے یہ حکم منسوخ کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کا بغیر وصیت کے حصہ مقرر کر دیا۔ تاکہ کسی کو وصیت کرنے والے کا احسان مند نہ ہونا پڑے۔ حضرت عمرو بن خارجہ

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اب کسی وارث کے لیے کسی قسم کی وصیت کرنا جائز نہیں (1)۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس سورۂ بقرہ کی تلاوت فرما رہے تھے جب اس آیت کریمہ پر پہنچے تو آپ نے فرمایا یہ آیت منسوخ ہے۔ دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں، فرماتے ہیں کہ پہلے میت کے ترکہ سے والدین کے علاوہ صرف انہی رشتہ داروں کو حصہ ملتا جن کے لیے مرنے والا وصیت کر جاتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میراث کی آیت نازل فرما کر والدین کے حصہ کو بیان کر دیا اور دوسرے قرابتداروں کے لیے میت کے مال کے تیسرے حصہ میں وصیت کو باقی رکھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے ہی مروی ہے کہ اس آیت کریمہ کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَ الْأَقْرَبُونَ...... (نساء:7) مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اس ترکہ سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مقرر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور ابوموسیٰ اشعری سے بھی یہی مروی ہے کہ اس آیت کریمہ کو آیت میراث نے منسوخ کر دیا ہے۔ حسن بصری، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر اور کئی دوسرے مفسرین سے یہی منقول ہے۔ لیکن اس کے باوجود تعجب کی بات یہ ہے کہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں ابومسلم اصفہانی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ یہ آیت میراث کی تفسیر ہے۔ اور "كُتِبَ عَلَيْكُمْ" کا معنی یہ ہے کہ تم پر وصیت فرض کی گئی ہے۔ جس کا بیان اور وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔ يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ (نساء:11) وہ فرماتے ہیں کہ یہی اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کرام کا مذہب ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان وارثوں کے حق میں منسوخ ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے وراثت میں حصہ مقرر کر دیا ہے۔ جن کا حصہ وراثت میں مقرر نہیں ہے ان کے حق میں یہ منسوخ نہیں۔ اور یہ حضرت عبداللہ بن عباس، حسن بصری، مسروق، طاؤس، ضحاک، مسلم بن یسار، علا بن زیاد کا مذہب ہے۔ سعید بن جبیر، ربیع بن انس، قتادہ، مقاتل بن حیان سے بھی یہی منقول ہے۔ لیکن ان حضرات کے قول کی بناء پر متاخرین فقہاء کے نزدیک اسے منسوخ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ آیت میراث نے آیت وصیت کے عموم میں داخل بعض افراد کے حکم کو ختم کیا ہے۔ کیونکہ قریبی رشتہ داروں میں بعض ایسے ہیں جن کا حصہ وراثت میں مقرر ہے۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جن کا حصہ مقرر نہیں ہے۔ آیت میراث نے ان لوگوں کے حکم کو ختم کیا جن کا میراث میں حصہ مقرر ہے۔ اور جن کا مقرر نہیں ان کے لئے وصیت جائز ہے۔ اور یہ قول ان لوگوں کے موافق ہے جو فرماتے ہیں کہ وصیت ابتدائے اسلام میں مستحب تھی پھر منسوخ ہوگئی۔ مگر وہ مفسرین، جو فرماتے ہیں کہ پہلے وصیت واجب تھی۔ جیسا کہ آیت کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، ان کے نزدیک متعین ہو جاتا ہے کہ یہ آیت کریمہ آیت میراث سے منسوخ ہے۔ جیسا کہ اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کا قول ہے۔ والدین اور وہ قرابتدار جن کا وراثت میں حصہ مقرر ہے، ان کے لئے وصیت کا وجوب بالاجماع منسوخ ہے۔ بلکہ اس حدیث نبوی کی رو سے ممنوع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے۔ کسی وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں۔ آیت میراث کا حکم مستقل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اصحاب فروض اور عصبات کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس آیت کا حکم کلی طور پر رفع ہو گیا اور صرف وہ قریبی رشتہ دار، جن کے لئے وراثت میں کوئی حصہ مقرر نہیں ان کے لئے ثلث مال سے وصیت کرنا مستحب ہے۔ اور یہ حکم آیت وصیت سے مستثنیٰ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ کسی مسلمان، جس کے پاس وصیت کے لئے کوئی مال ہو، کے لئے مناسب نہیں کہ وہ دو راتیں بغیر وصیت لکھے گزارے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کوئی رات ایسی نہ گزری جس

1۔ احمد: 1874

میں میرے پاس وصیت لکھی ہوئی نہ ہو۔ اس کے علاوہ بہت آیات واحادیث ہیں جن میں قرابتداروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیث قدسی ہے: اے ابن آدم! دو چیزیں ایسی ہیں جن میں سے کسی ایک پر بھی تیرا اختیار نہیں۔ 1۔ جب میں تیری روح قبض کرتا ہوں تو تیرے مال میں سے تیرا کچھ حصہ مقرر کر دیتا ہوں تاکہ اس کے ساتھ تجھے پاک کروں۔ 2۔ تیرے اس جہاں سے رخصت ہونے کے بعد تیرے لئے میرے بندوں کی دعائیں۔

اِنْ تَرَكَ خَيْرًا: یہاں خیر سے مراد مال ہے۔ یہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ ان میں سے بعض علماء فرماتے ہیں کہ مال خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، ہر حال میں وصیت مشروع ہے۔ جس طرح کہ وراثت ہر حال میں جاری ہوتی ہے خواہ مال کم ہو یا زیادہ۔ بعض فرماتے ہیں کہ انسان اس صورت میں وصیت کرے جب اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ اس کی مقدار میں اختلاف ہے۔ حضرت علی سے پوچھا گیا کہ ایک قریشی تین چار سو دینار چھوڑ کر مر گیا لیکن اس نے وصیت نہیں کی۔ آپ نے فرمایا یہ قلیل مال ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اِنْ تَرَكَ خَيْرًا'' حضرت علی ایک شخص کی عیادت کے لئے گئے اس نے پوچھا کیا میرے لئے وصیت کرنا ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ جو تھوڑا بہت مال ہے اسے اپنے بچوں کے لئے چھوڑ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جو ساٹھ دینار چھوڑ کر مرے اس نے خیر نہیں چھوڑا۔ یعنی اس پر وصیت کرنا لازم نہیں۔ حضرت طاؤس کا اسی دینار کے بارے میں یہی قول ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہزار یا اس سے زیادہ دینار ہوں۔ ''مَعْرُوْفٌ'' سے مراد نرمی اور مہربانی کرنا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں، معروف سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کے لئے بغیر کسی افراط وتفریط کے وصیت کرے، جس سے ورثاء کا حق متاثر نہ ہو۔ حضرت سعد بن وقاص نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس بہت سا مال ہے اور میری وارث صرف ایک بیٹی ہے۔ کیا میں اپنے دو ثلث (دو تہائی) مال کی وصیت کر جاؤں۔ فرمایا نہیں۔ عرض کی نصف مال کی۔ فرمایا نہیں۔ عرض کی۔ ثلث مال کی، فرمایا، ہاں۔ اگرچہ یہ بھی کثیر ہے۔ پھر فرمایا اگر تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ کر جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں فقیر اور تنگدست چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں۔ کاش لوگ ایک تہائی کو چھوڑ کر صرف چوتھائی مال کی وصیت کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا ثلث بہت زیادہ ہے۔ حضرت حنظلہ بن جذیم کے دادا حنیفہ نے ایک یتیم بچے کے لئے سو اونٹوں کی وصیت کی۔ یہ بچہ ان کی نگہداشت میں تھا۔ یہ وصیت ان کی اولاد کو بڑی شاق گزری۔ انہوں نے یہ مسئلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے ان کے دادا سے فرمایا نہیں، نہیں۔ پانچ اونٹ دے دو۔ ورنہ دس دے دو۔ اس سے زیادہ دینا چاہتے ہو تو پندرہ دے دو۔ ورنہ بیس دے دو۔ حتیٰ کہ اگر بہت دینا چاہتے ہو تو چالیس دے دو۔ (1)

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ: جو شخص وصیت کرنے کے بعد اس میں تبدیلی، تحریف یا اس میں کمی بیشی کر کے اس کے حکم کو تبدیل کرے گا اس کا گناہ اسی پر ہوگا۔ وصیت کو چھپانا بھی اس میں داخل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے وصیت کرنے والے کی وفات کے بعد اس کی وصیت میں تبدیلی کی تو وصیت کرنے والے کو اس کا اجر مل جائے گا اور تبدیل کرنے والا ہی گنہگار ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ: بے شک اللہ تعالیٰ اس وصیت پر مطلع ہے جو مرنے والے نے کی اور اسے خوب جانتا ہے۔ نیز تبدیلی کرنے والوں کے احوال سے بھی آگاہ ہے۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ: حضرت عبداللہ بن عباس، ابو العالیہ، مجاہد، ضحاک، ربیع بن انس اور سدی فرماتے ہیں کہ جنف سے مراد خطا

1۔ مسند امام احمد 98/5

اور غلطی ہے۔ اور یہ ہر قسم کی خطا کو شامل ہے۔ مثلاً کسی وارث کو کسی واسطہ اور وسیلہ کے ذریعے زیادہ دے دینا۔ مثلاً یہ وصیت کر جانا کہ یہ چیز فلاں کے ہاتھ اتنے میں بیچ دینا۔ یا اپنے نواسے کے لئے وصیت کر جانا تاکہ اسے زیادہ مال ملے۔ اگر اس نے یہ خطا بغیر قصد کے فطری محبت اور شفقت کی وجہ سے کی یا جان بوجھ کر اس کا ارتکاب کر کے گنہگار رہا۔ تو وصی کے لئے جائز ہے کہ وہ اس میں ردو بدل کر کے اس کو شرعی احکام کے مطابق بنالے۔ اور مرنے والے کی وصیت کو ترک کر کے ایسا حل نکالے جس میں وصیت کرنے والے کا بھی لحاظ ہو اور شرعی حکم پر بھی عمل ہو جائے۔ اصلاح کی خاطر اس کے اس عمل کو وصیت میں تبدیلی شمار نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے اس کا عطف ماقبل پر کیا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم ماقبل سے مختلف ہے۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زندگی میں ظلم کر کے صدقہ کو لوٹا دیا جائے گا۔ جس طرح مرتے وقت ظالم کی وصیت کو لوٹا دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث ابوبکر بن مردویہ نے روایت کی ہے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ولید بن یزید سے خطا ہوگئی ہے۔ دراصل یہ حضرت عروہ کا کلام ہے۔ ولید بن مسلم نے اس کو اوزاعی سے بھی روایت کیا ہے۔ اور عروہ تک ہی اس کی سند پہنچتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وصیت میں ظلم اور زیادتی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن اس حدیث کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان ستر سال تک نیک لوگوں کے اعمال کی طرح عمل کرتا رہتا ہے اور جب وہ اپنی وصیت میں ظلم کرتا ہے اس کا خاتمہ اس برے عمل سے ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ نار جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور ایک انسان ستر سال برے لوگوں کے اعمال کی طرح عمل کرتا رہتا ہے۔ پھر وہ اپنی وصیت میں عدل و انصاف کرتا ہے تو اس کا خاتمہ اس اچھے عمل سے ہوتا ہے۔ وہ اس کے باعث جنت میں داخل ہو جاتا ہے حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر چاہو تو یہ یہ آیت پڑھ لو۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا (بقرہ:229)

"ترجمہ: یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٤﴾

"اے ایمان والو! فرض کیے گئے ہیں تم پر روزے جیسے فرض کیے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے کہ کہیں تم پرہیز گار بن جاؤ یہ گنتی کے چند روز ہیں پھر جو تم سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھ لے اور جو لوگ اسے بہت مشکل سے ادا کر سکیں ان کے ذمہ فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا اور جو خوشی سے زیادہ نیکی کرے تو وہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا ہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اللہ تعالیٰ نے مومنین کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں روزہ رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ روزہ کا معنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کی خالص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع کرنے سے رکنا ہے۔ روزہ رکھنے سے نفس انسانی اخلاق رذیلہ سے پاک ہو جاتا ہے اور جسم مختلف قسم کی بیماریوں سے تندرست ہو جاتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اسی طرح روزہ فرض کیا ہے جس طرح پہلی امتوں پر فرض کیا تھا۔ تاکہ مومنین اس فرض کی ادائیگی میں اکمل ترین طریقہ سے کوشاں رہیں۔ جیسا کہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا...... (المائدة:48)'' ہر ایک کے لئے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ، اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا تم (سب کو) ایک ہی امت۔ لیکن آزمانا چاہتا ہے تمہیں اس چیز میں، جو اس نے دی ہے تم کو، سو آگے بڑھنے کی کوشش کرو نیکیوں میں''۔ اس لئے یہاں ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! فرض کئے گئے ہیں تم پر روزے، جیسے فرض کئے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے کہ کہیں تم پرہیز گار بن جاؤ۔ چونکہ روزہ ایک قسم کی طہارت اور پاکیزگی اور شیطانی راہ کو بند کرنے کا سبب ہے۔ اس لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اے نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کر سکتا ہے وہ نکاح کرے جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا اسے چاہئے کہ وہ روزہ رکھے۔ کیونکہ روزہ برائیوں سے رکنے کا ذریعہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے روزوں کی مقدار بیان فرمائی کہ یہ چند گنتی کے دن ہیں۔ کیونکہ اگر مسلسل لمبی مدت کے روزے فرض کر دیئے جاتے تو انسان کے لئے اس کی ادائیگی مشکل ہو جاتی۔ ابتدائے اسلام میں مسلمان پہلے ہر مہینہ تین روزے رکھا کرتے تھے۔ پھر رمضان کے روزوں کی وجہ سے ان کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اس کی وضاحت عنقریب آئے گی۔ حضرت معاذ بن جبل، عبداللہ بن مسعود، اور عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ پہلے مسلمانوں پر ہر ماہ تین روزے رکھنا فرض تھے۔ جیسا کہ ان سے پہلی امتوں پر فرض تھے۔ ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے یہ روزے فرض چلے آرہے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں سے ان کو منسوخ کر دیا۔ حضرت قتادہ، عطاء، ضحاک وغیرہم سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ہم سے پہلی امتوں پر بھی ہماری طرح ایک مہینہ کے روزے فرض تھے۔ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ سے مراد گنتی کے چند دن ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں کے لئے یہ حکم تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد ان میں جب کوئی سو جاتا تو اس پر کھانا پینا آئندہ رات تک حرام ہو جاتا ہے اور عورتوں کے ساتھ مباشرت بھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ''مِنْ قَبْلِكُمْ'' سے مراد اہل کتاب ہیں۔ حضرت شعبی، سدی اور عطا خراسانی سے بھی یہی منقول ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان روزوں کا حکم بیان فرمایا جو ابتدائے اسلام میں مسلمان رکھتے تھے۔ ارشاد فرمایا:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ: یعنی مریض دوران مرض اور مسافر دوران سفر روزہ نہ رکھے۔ کیونکہ اس میں تکلیف اور مشقت ہوتی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ روزہ چھوڑ دیں اور بعد میں قضاء کریں۔ اس کے علاوہ جو شخص مقیم ہو اور روزے کی طاقت رکھتا ہو اسے بھی پہلے اختیار تھا چاہے تو روزہ رکھے اور چاہے تو روزہ چھوڑ دے اور ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اگر وہ ایک روزہ کے بدلہ میں ایک سے زیادہ مساکین کو کھانا کھلا دے تو یہ اس کے لئے بہتر ہوگا۔ اور اگر وہ کھانا کھلانے کی بجائے روزہ رکھ لے تو یہ افضل ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ مجاہد، طاؤس، مقاتل بن حیان وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے ہیں ان کے ذمہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا لازم ہے اور جو شخص خوشدلی سے نیکی کرنا چاہے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور تمہارا روزہ رکھنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں: نماز اور روزے میں تین قسم کی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

1۔ جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ (بقرہ:142)'' ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ کا منہ کرنا آسمان کی طرف، ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں (لو) اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف (اے

مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرا پنے منہ اس کی طرف''۔ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم علیہ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے۔

2۔ پہلے جب نماز کا وقت ہوتا تو صحابہ کرام نماز کے لئے ایک دوسرے کو بلاتے۔ ایک دفعہ انہوں نے ناقوس بجنے کی آواز سنی تو انہوں نے بھی ارادہ کیا کہ نماز کے وقت ناقوس بجایا کریں۔ اسی دوران ایک انصاری عبداللہ بن زید حضور علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہ! میں نے نیم خوابی کی حالت میں ایک شخص دیکھا جو سبز رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس نے قبلہ کی جانب منہ کیا اور کہنے لگا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ یہ کلمات اس نے دوبار دہرائے۔ حتی کہ جب اس سے فارغ ہوا پھر تھوڑی دیر بعد دوبارہ یہ کلمات دہرائے۔ مگر ان میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے الفاظ دومرتبہ کہے۔ آپ نے فرمایا یہ کلمات بلال کو سکھاؤ تا کہ وہ اذان کہیں۔ چنانچہ حضرت بلال نے سب سے پہلے اذان دی۔ اسی اثناء میں حضرت عمر بھی حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میں نے بھی اسی قسم کا خواب دیکھا ہے۔ لیکن ابن زید مجھ سے سبقت لے گئے۔

3۔ جب نبی کریم علیہ نماز پڑھا رہے ہوتے تو بعد میں آنے والے صحابہ نماز پڑھنے والے کسی صحابی سے اشارہ کے ساتھ پوچھتے تو وہ انہیں بتادیتے کہ ایک یا دو رکعت ہوگئی ہیں۔ وہ پہلے یہ رکعت پڑھتے اور بعد میں رسول اللہ علیہ کے ساتھ شریک ہو جاتے۔ حضرت معاذ بن جبل ایک مرتبہ آئے اور کہنے لگے میں حضور علیہ کو جس حال میں پاؤں گا آپ کے ساتھ مل جاؤں گا۔ اور نماز کا جو حصہ باقی رہ جائے گا وہ حضور علیہ کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھ لوں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ جب حضور علیہ نے سلام پھیرا تو آپ کھڑے ہو کر باقی ماندہ نماز پڑھنے لگے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا معاذ نے تمہارے لئے اچھا طریقہ نکالا ہے۔ اب تم بھی اسی طرح اپنی نماز مکمل کیا کرو۔ نماز کی طرح روزہ کی بھی تین حالتیں ہیں۔

1۔ جب رسول اللہ علیہ مدینہ تشریف لائے، ہر ماہ تین روزے اور یوم عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کر دیئے۔

2۔ ابتداء یہ حکم تھا کہ جو شخص چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے روزہ نہ رکھے بلکہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ (بقرہ:185) نازل فرما کر تندرست اور مقیم آدمی پر روزے کو لازم کر دیا۔ مریض اور مسافر کو روزہ چھوڑنے کی رخصت دے دی اور وہ بوڑھا شخص جو روزہ رکھنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے حکم دیا کہ ایک روزہ کے بدلہ کسی مسکین کو کھانا کھلا دے۔

3۔ پہلے صحابہ کرام کے لئے سونے سے قبل کھانا پینا، عورتوں کے ساتھ مباشرت جائز تھی۔ جب وہ سو جاتے تو ان کے لئے یہ چیزیں ممنوع ہو جاتی تھیں۔ ایک انصاری صحابی صرمہ روزہ کی حالت میں سارا دن کام کاج میں مصروف رہے، رات کو گھر آئے، عشاء کی نماز کے بعد کھائے پیئے بغیر ہی سو گئے۔ جب صبح رسول اللہ علیہ نے ان کے چہرے پر شدید کمزوری اور نقاہت کے آثار دیکھے۔ آپ نے اس کی وجہ پوچھی تو عرض کی۔ یا رسول اللہ! کل سارا دن کام میں مصروف رہا، رات کو تھکا ماندہ گھر آیا۔ کچھ کھائے پیئے بغیر سو گیا اور اسی حالت میں صبح روزہ رکھ لیا۔ حضرت عمر نے بھی سونے کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کی اور رسول اللہ علیہ کی خدمت میں اس کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ...... (بقرہ:187) ''ترجمہ: حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لئے رمضان کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا......''۔ اس حکم نے رمضان کی راتوں میں بھی کھانا پینا اور مباشرت مباح کر دی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پہلے عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کیے تو جو چاہتا رکھ لیتا اور جو چاہتا نہ رکھتا۔

وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ: حضرت معاذ بن جبل اس کا معنی یہ بتاتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں جو شخص چاہتا روزہ رکھ لیتا اور جو شخص چاہتا روزہ چھوڑ دیتا۔ اور اس کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلاتا۔ حضرت سلمہ بن اکوع سے بھی یہی مروی ہے۔ ابتدائے اسلام میں بھی یہی حکم تھا کہ جب اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی۔ تو اس نے یہ حکم منسوخ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بوڑھے جنہیں روزہ رکھنے میں مشقت ہو وہ روزہ چھوڑ دیں اور اس کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ حضرت ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ میں رمضان شریف میں حضرت عطاء کے پاس گیا۔ وہ کھانا کھا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں اس آیت نے پہلی آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا اور اب یہ حکم صرف اس کمزور بوڑھے کے لئے خاص ہے جو روزہ کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ وہ چاہے تو روزہ نہ رکھے اور ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ حاصل کلام یہ ہے جو شخص مقیم اور تندرست ہو اس کے لئے یہ حکم نہیں۔ مگر وہ ضعیف اور کمزور بوڑھا جو روزہ کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ روزہ چھوڑ سکتا ہے۔ اس پر قضاء لازم نہیں۔ کیونکہ اب وہ بڑھاپے کی اس حالت کو پہنچ چکا ہے کہ اس کے لئے روزہ قضاء کرنا ممکن نہیں۔ اگر وہ بوڑھا شخص غنی ہو تو کیا اس پر ایک مسکین کو کھانا کھلانا واجب ہے۔ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔

1۔ اس پر مسکین کو کھانا کھلانا واجب نہیں۔ کیونکہ وہ عمر کی اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اس میں اس کے لئے روزہ رکھنا ممکن نہیں اس لئے اس پر فدیہ واجب نہیں ہوگا۔ جیسا کہ بچے پر فدیہ واجب نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی طاقت کے مطابق احکام کا مکلف بناتا ہے۔ امام شافعی کا ایک قول یہی ہے۔

2۔ اس پر فدیہ واجب ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ اسی کو اکثر علماء نے اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس، ابن مسعود وغیرہما سے مروی ہے۔ امام بخاری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ بوڑھا شخص جو روزے کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے جیسا کہ حضرت انس نے اپنی عمر کے آخری ایک یا دو سالوں میں بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھا۔ وہ ہر روز روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو روٹی اور گوشت کھلاتے تھے۔ حضرت ابو تمیمہ فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ جب بہت بوڑھے ہو گئے تو ضعف کی وجہ سے روزے نہیں رکھتے تھے آپ گوشت اور روٹی کا ثرید تیار کروا کر تیس مساکین کو کھلا دیتے۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو اگر اپنے یا بچے کی جان کا خطرہ ہو تو ان کے لئے بھی روزہ چھوڑنا جائز ہے۔ اس کے بارے میں علماء کے مختلف قول ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ روزہ چھوڑ دے اور اس کا فدیہ دے دے اور بعد میں قضاء بھی کر لے۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف فدیہ ہی دے، اس پر قضاء لازم نہیں۔ بعض کہتے ہیں اس پر بغیر فدیہ کے قضا لازم ہے۔ اور کچھ علماء فرماتے ہیں کہ وہ روزہ چھوڑ دے اس پر فدیہ لازم ہے نہ قضاء۔ ہم نے اس مسئلہ کی تفصیلی بحث کتاب الصیام میں ذکر کی ہے الحمدللہ۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ٘ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۸۵

"ماہ رمضان المبارک جس میں اتارا گیا قرآن اس حال میں کہ یہ راہ حق دکھاتا ہے لوگوں کو اور (اس میں) روشن دلیلیں ہیں

ہدایت کی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو وہ یہ مہینہ روزے رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھ لے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تمہارے لیے سہولت اور نہیں چاہتا تمہارے لیے دشواری اور (چاہتا ہے کہ) تم گنتی پوری کر لیا کرو اور اللہ کی بڑائی بیان کیا کرو۔ اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر گزاری کیا کرو''۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کی فضیلت اور عظمت بیان فرمائی ہے کہ اس ماہ مبارک کو اس نے قرآن کے نزول کے لئے منتخب فرمایا۔ حدیث نبوی ہے کہ تمام آسمانی کتب اسی ماہ مبارک میں انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔ حضرت واثلہ بن اسقع روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کی پہلی رات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صحائف نازل ہوئے۔ چھ کو تورات اور تیرہ کو انجیل اور چوبیس کو قرآن مجید نازل ہوا (1)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ زبور بارہ رمضان کو انجیل اٹھارہ کو۔ تمام صحائف سماویہ، تورات، زبور، انجیل۔ انبیاء پر یکبارگی نازل ہوئی۔ لیکن قرآن بیت العزۃ سے آسمان دنیا پر یکبارگی نازل ہوا اور یہ نزول رمضان کی لیلۃ القدر میں ہوا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (قدر: 1) ''ترجمہ: بے شک ہم نے اس قرآن کو اتارا ہے شب قدر میں''۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (دخان: 3) ''ترجمہ: بے شک ہم نے اتارا ہے اسے بابرکت رات میں''۔ اس کے بعد قرآن کریم حسب ضرورت وقتاً فوقتاً نازل ہوتا رہا۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھا گیا کہ قرآن پاک تو مختلف مہینوں میں نازل ہوتا رہا ہے۔ لیکن اس کے نزول کو رمضان اور لیلۃ القدر کے ساتھ خاص کیوں کیا گیا ہے۔ تو آپ نے یہی جواب دیا۔ قرآن پاک لیلۃ القدر، لیلہ مبارکہ میں آسمان دنیا پر یکبارگی نازل ہوا پھر اس کے بعد حسب ضرورت مختلف ایام اور مہینوں میں نازل ہوا۔ ایک روایت میں آپ فرماتے ہیں قرآن کریم رمضان کی پندرہ تاریخ کو نازل ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ حسب ضرورت اپنے نبی ﷺ پر نازل فرماتا رہا۔ جب بھی مشرکین کوئی اعتراض کرتے تو اللہ تعالیٰ اس کا جواب نازل فرماتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً...... (الفرقان: 32-33) ''ترجمہ: اور کہنے لگے کفار (از راہ اعتراض) کیوں نہیں اتارا گیا ان پر قرآن یکبارگی، اس طرح اس لئے کیا کہ ہم مضبوط کر دیں اس کے ساتھ آپ کے دل کو اور اسی لئے ہم نے ٹھہر ٹھہر کر اسے پڑھا ہے۔ اور نہیں پیش کریں گے آپ پر کوئی اعتراض مگر ہم لائیں گے آپ کے پاس اس کا صحیح جواب اور عمدہ تفسیر''۔

هُدًى لِّلنَّاسِ: یہ بھی قرآن پاک کی فضیلت ہے کہ جو شخص اس پر ایمان لا کر اس کی تصدیق اور اتباع کرے تو یہ اس کے لیے سراپا ہدایت ہے۔ بینات سے مراد واضح اور روشن دلائل ہیں۔ یعنی جو شخص اس میں غور و فکر کرتا ہے اسے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ یہ قرآن پاک واقعی رشد و ہدایت کا منبع اور حق و باطل اور حلال و حرام کے درمیان تفریق کرنے والا ہے۔ بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ اس ماہ مبارک کو صرف رمضان نہیں کہنا چاہیے بلکہ شہر رمضان یعنی ماہ رمضان کہنا چاہیے حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ اسے رمضان نہ کہو کیونکہ یہ اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ بلکہ اسے ماہ رمضان کہو۔ حضرت مجاہد اور محمد بن کعب وغیرھم سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور زید بن ثابت سے اس کے برعکس مروی ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت کی سند ضعیف ہے۔ امام بخاری بھی اسی کے قائل ہیں کہ اس ماہ کو رمضان کہنا چاہیے۔ انہوں نے صحیح بخاری میں اس کے بارے میں ایک باب بھی باندھا ہے۔ اور اس کے بارے میں کچھ احادیث بھی ذکر کی ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رمضان کے روزے ایمان

1۔ مسند امام احمد: 107/4

اور نیکی کی نیت کے ساتھ رکھے اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ :اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب رمضان کا چاند طلوع ہو کوئی شخص اپنے گھر مقیم ہو اور تندرست بھی ہو تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے۔ اس آیت کریمہ نے ماقبل مذکورہ آیت سے ثابت رخصت کو منسوخ کر دیا۔ یعنی پہلے تندرست اور مقیم آدمی کے لیے رخصت تھی کہ وہ چاہے تو روزہ چھوڑ دے اور اس کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ روزوں کا بیان ختم کرنے سے پہلے مسافر اور مریض کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوبارہ رخصت کا ذکر کیا ہے کہ وہ حالت سفر اور مرض میں روزہ چھوڑ سکتے ہیں اور بعد میں قضاء کر لیں۔ ارشاد فرمایا:

فَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ : یعنی اگر مریض کو روزہ رکھنے میں مشقت اور تکلیف ہو اور اس طرح مسافر کو حالت سفر میں روزہ چھوڑنا جائز ہے۔ اگر یہ اس حالت میں روزہ چھوڑ دیں تو بعد میں ان پر قضا لازم ہوگی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آسانی اور سہولت عطا فرماتا ہے۔ اور تمہیں مشقت میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے اس نے مریض اور مسافر کو روزہ چھوڑنے کی رخصت عطا فرمادی۔ حالانکہ تندرست اور مقیم پر روزہ فرض ہے۔ یہ رخصت تمہارے اوپر اس کا خاص فضل و احسان ہے۔

اس آیت کے متعلق چند مسائل:(1) بعض سلف صالحین کا یہ مذہب ہے کہ جو شخص ابتدائے رمضان میں مقیم تھا پھر اسے سفر پیش آ گیا تو اس کے لیے اس عذر کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز نہیں۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ یعنی صرف وہی مسافر روزہ چھوڑ سکتا ہے جو ابھی مسافر ہی تھا کہ رمضان کا چاند طلوع ہو گیا۔ لیکن یہ قول انتہائی غریب ہے۔ اس کو ابن حزم نے اپنی کتاب "المحلّٰی" میں بعض صحابہ کرام اور تابعین سے نقل کیا ہے۔ لیکن اس کی یہ نقل محل نظر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے لیے رمضان کے مہینہ میں مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام کدید پر پہنچے، آپ نے روزہ افطار کیا اور صحابہ کرام کو بھی افطار کرنے کا حکم دیا یعنی وہ دوران سفر روزہ نہ رکھیں۔(1)

(2) بعض صحابہ کرامؓ اور تابعین کا مذہب ہے کہ دوران سفر روزہ نہ رکھنا واجب ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ لیکن جمہور علماء کا قول ہی صحیح ہے کہ سفر میں مسافر کو اختیار ہے کہ چاہے روزہ رکھے، چاہے چھوڑ دے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم ماہ رمضان میں نبی کریم ﷺ کی معیت میں نکلتے تو بعض ہم میں سے روزہ رکھ لیتے اور بعض چھوڑ دیتے۔ لیکن ہم میں سے روزہ دار بے روزہ پر عیب نہ لگاتا اور نہ ہی بے روزہ روزہ دار پر۔ اگر دوران سفر روزہ چھوڑنا واجب ہوتا تو آپ ﷺ روزہ رکھنے والوں کو منع فرما دیتے۔ بلکہ خود نبی کریم ﷺ سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے۔ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ ہم رمضان المبارک میں شدید گرمی کے موسم میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ گرمی اتنی سخت تھی کہ اس سے بچنے کے لیے ہم نے اپنے ہاتھ سروں پر رکھ لئے۔ رسول اللہ ﷺ اور عبداللہ بن رواحہ کے سوا کوئی بھی ہم سے روزہ دار نہ تھا۔

(3) بعض علماء فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے اس عمل کی وجہ سے دوران سفر روزہ رکھنا افضل ہے امام شافعیؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت پر عمل کرتے ہوئے دوران سفر روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے دوران سفر روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو روزہ نہ رکھے تو اس کا نہ رکھنا اچھا ہے۔ اور جو روزہ رکھے اس پر بھی کوئی

1۔ مسلم، کتاب الصیام: 784

گناہ نہیں۔ اور ایک روایت میں ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے چونکہ تمہیں رخصت عطا فرمائی ہے اس پر عمل کرو۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ دوران سفر روزہ رکھنا یا نہ رکھنا دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اکثر روزہ سے رہتا ہوں۔ کیا سفر میں بھی روزہ رکھ لیا کروں۔ فرمایا چاہو تو رکھ لو، چاہو تو چھوڑ دو۔ بعض فرماتے ہیں کہ اگر روزہ سفر میں تکلیف دے تو چھوڑ دینا بہتر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگوں نے اس پر سایہ کیا ہوا ہے آپ نے پوچھا تو عرض کیا گیا کہ یہ روزے سے ہے۔ آپ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں (1) اگر کوئی شخص سنت سے اعراض کرے اور سفر میں روزہ چھوڑنا مکروہ سمجھے اس پر روزہ رکھنا حرام ہے اسے چاہیے کہ وہ روزہ چھوڑ دے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہ کیا تو اس پر عرفات کے پہاڑ کے برابر گناہ ہے (2)۔

(4)۔ اگر کسی کے رمضان کے روزے قضاء ہو جائیں تو کیا رمضان کے بعد اس پر پے در پے روزے رکھنا واجب ہیں یا وہ متفرق طور پر بھی رکھ سکتا ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔

(1) ان روزوں کو پے در پے رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ قضاء بھی ادا کی مثل ہوتی ہے۔

(2) اس پر پے در پے روزے رکھنا لازم نہیں۔ اگر چاہے تو مسلسل رکھ سکتا ہے۔ یہی جمہور علمائے خلف وسلف کا مذہب ہے۔ دلائل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ رمضان میں مسلسل روزے رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ وہ پورا مہینہ روزہ کی ادائیگی کے لیے مقرر ہے۔ رمضان کے بعد اس نے صرف گنتی کے وہی چند دن روزے رکھنے ہیں جو اس نے چھوڑے ہیں۔ ان کو وہ کسی وقت بھی رکھ سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ اور اس کے بعد ارشاد فرمایا: يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین دین وہ ہے جو زیادہ آسان ہو۔ حضرت ابو عروہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں تھے۔ آپ کاشانہ نبوت سے باہر تشریف لائے تو آپ کے سر مبارک سے وضو یا غسل کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپ نے نماز پڑھائی۔ لوگ آپ سے سوال کرنے لگے کہ حضور (ﷺ) فلاں کام میں ہمارے لیے حرج تو نہیں ہے؟ آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمایا اللہ کا دین آسانی والا ہے (3)۔ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر دین کو آسان کر کے پیش کرو اسے مشکل نہ بناؤ۔ لوگوں کو اطمینان وسکون دلاؤ دین سے متنفر نہ کرو (4)۔ رسول ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو یمن بھیجا تو ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ لوگوں کو نوید رحمت دینا اور دین سے متنفر نہ کرنا۔ دین کو آسان کرنا اسے مشکل نہ بنانا۔ آپس میں اتفاق سے رہنا، اختلاف نہ کرنا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے سہل اور آسانی والے دین کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ حضرت محجن بن ادرع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ کچھ دیر غور سے اسے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا تمہارا کیا خیال ہے یہ اخلاص سے نماز پڑھ رہا ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ تمام اہل مدینہ میں سب سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ اس کو نہ بتانا کہیں وہ اس کے سبب ہلاک نہ ہو جائے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے بارے میں آسانی کا ارادہ فرمایا ہے سختی کا نہیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ: یعنی اللہ تعالیٰ نے بیماری، سفر، اور دوسرے اعذار میں رخصت عطا فرمائی ہے کیونکہ وہ تمہاری سہولت کا ارادہ فرماتے ہے۔ اور تمہیں یہ حکم فرمایا ہے کہ بعد میں ان روزوں کی قضاء کر کے ماہ رمضان کی مدت کو پورا کر لو۔

1۔ فتح الباری: 179/4 2۔ مسند احمد: عن ابن عمر: 71/2 3۔ مسند امام احمد: 69/5 4۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد: 1359

وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ: یعنی اپنی عبادت کو پورا کرنے کے بعد اللہ کا ذکر کیا کرو۔ جیسا کہ حج کے بارے میں ارشاد فرمایا: فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (البقرة:200)'' ترجمہ: پھر جب تم پورے کر چکو حج کے ارکان تو اللہ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔'' نماز جمعہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْاَرْضِ...... الخ (الجمعہ:10)'' ترجمہ: اور جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں .....'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا...... الخ (طٰہٰ:130)'' اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور رات کے لمحوں میں .....'' احادیث طیبہ سے فرض نمازوں کے بعد تسبیح وتہلیل کا استحباب ثابت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں نماز کے بعد تکبیر سے حضور علیہ السلام کی نماز کے اختتام کا پتہ چل جاتا تھا۔ بہت سے علماء کرام نے اس آیت کریمہ کو دلیل بنا کر فرمایا کہ عید الفطر میں یہ تکبیریں پڑھنی چاہئیں۔ حتیٰ کہ داؤد ظاہری کے نزدیک عید میں یہ تکبیریں پڑھنا واجب ہے۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

'' اور جب پوچھیں آپ سے (اے میرے حبیب) میرے بندے میرے متعلق تو (انہیں بتاؤ) میں (انکے) بالکل نزدیک ہوں قبول کرتا ہوں دعا دعا کرنے والے کی جب وہ دعا مانگتا ہے مجھ سے پس انہیں چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور ایمان لائیں مجھ پر تا کہ وہ کہیں ہدایت پا جائیں''۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ: ایک اعرابی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ (علیہ السلام) کیا ہمارا رب قریب ہے کہ اس کے ساتھ سرگوشی کریں یا دور ہے کہ اس کو بلند آواز سے پکاریں۔ یہ سن کر رسول اللہ علیہ السلام خاموش ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ ہمارا رب کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المؤمن:60)'' ترجمہ: اور تمہارے رب نے فرمایا مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا''۔ نازل ہوئی۔ تو صحابہ کرام کہنے لگے کاش کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہم اپنے رب کو کس وقت پکاریں تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ علیہ السلام کی معیت میں تھے۔ ہم جب بھی کسی ٹیلے پر چڑھتے یا کسی وادی میں اترتے تو بلند آواز سے تکبیریں کہنے لگتے۔ رسول اللہ علیہ السلام ہمارے قریب ہوئے اور فرمایا اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو۔ تم کسی بہرے یا غیر موجود رب کو نہیں پکار رہے بلکہ تم تو سمیع وبصیر رب کو پکار رہے ہو۔ وہ تو تمہاری سواریوں کی گردنوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اے عبداللہ بن قیس! کیا تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ عطا نہ کردوں۔ فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ(1)۔ حضرت انسؓ رسول اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ وہی برتاؤ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے متعلق خیال کرتا ہے اور جب وہ مجھے پکارے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں(2)۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے اور ذکر سے اس کے ہونٹ ہلتے ہیں تو میں اس کے قریب ہوتا ہوں۔ یہی مفہوم بعینہ ان دو آیات میں بھی پایا جاتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل:128)'' ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور جو نیک کاموں میں سرگرم رہتے ہیں''۔ اِنَّنِيْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَ اَرٰى (طٰہٰ:46)'' ترجمہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر: 2076 2۔ مسند امام احمد: 210/3

: میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں ہر بات سن رہا ہوں۔ ہر چیز دیکھ رہا ہوں''۔ اس آیت کریمہ کا یہ مفہوم ہے کہ وہ کسی کی دعا کو رد نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی چیز اسے مشغول کر سکتی ہے۔ وہ اپنے بندے کی دعا کو بخوبی سنتا ہے۔ اس میں دعا کرنے کی ترغیب بھی ہے۔ اس کی بارگاہ میں کوئی دعا رائیگاں نہیں جاتی۔ حضرت سلمان فارسیؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات سے حیاء آتی ہے کہ اس کا بندہ اس کی بارگاہ میں اپنے ہاتھوں کو پھیلائے اور اس کو وہ خالی ہاتھ لوٹا دے۔ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی کوئی مسلمان اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے۔ اگر اس میں کوئی گناہ والی بات اور قطع رحمی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ تین چیزوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے۔ یا تو اس کی دعا اسی وقت قبول ہو جاتی ہے، یا وہ دعا آخرت کے لیے ذخیرہ کر لی جاتی ہے یا اس کی وجہ سے کسی مصیبت کو دور کر دیا جاتا ہے۔ یہ سن کر صحابہ کرام نے عرض کی پھر تو ہم بکثرت دعا کریں گے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے خزانے بھی کثیر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ثابت سے مروی دوسری روایت کا بھی یہی مفہوم ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری دعا اس وقت قبول ہوتی رہتی ہے جب تک تم جلدی نہ کرو۔ اور جلدی سے مراد یہ ہے کہ تم میں سے کوئی کہے کہ میں نے کئی دفعہ دعا مانگی ہے قبول نہیں ہوتی (1)۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندے کی دعا قبول کی جاتی ہے جب تک وہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ مانگے اور جلدی نہ کرے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ (ﷺ) جلدی سے کیا مراد ہے۔ فرمایا۔ بندہ یہ کہے کہ میں نے بار بار دعا مانگی ہے وہ قبول ہی نہیں ہوتی۔ اور وہ اس طرح افسوس کرتے ہوئے دعا کرنا ہی چھوڑ دے (2)۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں بندۂ مومن جب کوئی دعا مانگتا ہے تو وہ حریم قدس کی طرف پرواز کرتی ہے پھر یہ دعا یا تو قبول کر لی جاتی ہے یا آخرت کے لیے ذخیرہ کر لی جاتی ہے۔ یہ اس وقت ہے جب وہ جلدی نہ کرے اور مایوس نہ ہو حضرت عروہ نے عرض کی اس جلدی اور مایوسی سے کیا مراد ہے۔ فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ کہے کہ میں نے اس کی بارگاہ میں سوال کیا تھا کچھ عطا ہی نہیں ہوا۔ دعا کی تھی قبول نہیں ہوئی۔ اسی قسم کا قول حضرت سعید بن مسیب سے بھی مروی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دل برتنوں کی مانند ہوتے ہیں ان میں سے بعض اپنے اندر زیادہ چیز محفوظ کر لیتے ہیں۔ اے لوگو! جب تم اللہ کی بارگاہ میں سوال کرو تو اس کی قبولیت پر یقین رکھتے ہوئے کرو۔ جو بندہ غافل دل کے ساتھ دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں کرتا۔ حضرت نافع بن معدیکرب فرماتے ہیں کہ میں نے اور سیدہ عائشہ صدیقہ نے رسول ﷺ سے اس آیت کریمہ: اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ کے متعلق پوچھا تو آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی اے پروردگار! عائشہ کے سوال کا کیا جواب ہے۔ تو حضرت جبریل نازل ہوئے اور عرض کی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرا نیک بندہ جب پاکیزہ دل اور خلوص نیت سے دعا کرتا ہے اور میری بارگاہ میں کہتا ہے یا رب! تو میں اس کے جواب میں لبیک کہتا ہوں اور اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت کریمہ پڑھی۔ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ...... پھر فرمایا اے اللہ تو نے دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی قبولیت کو اپنے ذمہ کر لیا ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ، لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ ۔ فَرْدٌ اَحَدٌ، صَمَدٌ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ وَ اَشْھَدُ اَنَّ وَعْدَكَ حَقٌّ وَ لِقَاؤُكَ حَقٌّ وَالسَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَا رَیْبَ فِیْھَا وَاَنْتَ تَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ابن آدم! ایک بات خالص تیرے لیے ہے اور ایک خالص میرے لیے ہے اور ایک میرے اور تیرے درمیان مشترک ہے اور وہ بات جو میرے لیے ہے وہ یہ ہے کہ تو میری عبادت کرے اور میرے ساتھ کسی کو

1۔ مسند امام احمد: 193 2۔ مسلم، کتاب الذکر: 2096

شریک نہ ٹھہرائے اور تیرے لیے یہ ہے کہ تو جو کوئی عمل کرے گا میں اس کا پورا پورا اجر عطا کروں گا اور میرے اور تیرے درمیان مشترک بات یہ ہے کہ تیری طرف سے دعا ہو اور میری طرف سے قبولیت، روزہ کے احکام کے درمیان اس دعا والی آیت کریمہ کو ذکر کرنے کی حکمت سحری اور افطار کے وقت دعا کی رغبت دلانا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا افطار کے وقت روزہ دار کی دعا مقام اجابت میں ہوتی ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرو افطار کے وقت اپنے اہل وعیال کو اکٹھا کر کے دعا فرمایا کرتے تھے۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ افطار کے وقت روزہ دار کی دعا رد نہیں ہوتی۔ آپ افطار کے وقت یہ دعا فرماتے ''اے اللہ! میں تیری اس رحمت کے وسیلہ سے تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں جو ہر چیز سے وسیع ہے کہ تو مجھے معاف فرمادے۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین اشخاص کی دعا رد نہیں ہوتی: 1۔ عادل بادشاہ، 2۔ روزہ دار کی افطاری کے وقت، 3۔ مظلوم۔ اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ مجھے میری عزت کی قسم میں تیری دعا ضرور قبول کروں گا۔ خواہ بدیر سہی۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿١٨٧﴾

''حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لیے رمضان کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا وہ تمہارے لیے پردہ زینت وآرام ہیں اور تم ان کے لیے پردہ زینت وآرام ہو جانتا ہے اللہ تعالیٰ کہ تم خیانت کیا کرتے تھے اپنے آپ سے پس اس نے نظر کرم فرمائی تم پر اور معاف کر دیا تمہیں سو اب تم ان سے ملو ملاؤ اور طلب کرو جو (قسمت میں) لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لیے سفید ڈورا سیاہ ڈورے سے صبح کے وقت پھر پورا کرو روزہ کو رات تک اور نہ مباشرت کرو ان سے جب کہ تم اعتکاف بیٹھے ہو مسجدوں میں یہ اللہ کی حدیں ہیں ان (کو توڑنے) کے قریب بھی نہ جانا اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کر لیں''۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ: ابتدائے اسلام میں روزہ دار کے لیے نماز عشاء تک کھانے پینے اور جماع کی اجازت تھی۔ اسی طرح اگر کوئی نماز عشاء سے پہلے سو گیا اگرچہ وہ نماز سے پہلے بیدار بھی ہو گیا اسے اب کھانے پینے کی اجازت نہ تھی۔ صحابہ کرام کو اس میں مشقت اور مشکل کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں طلوع فجر تک کھانے پینے اور جماع کی اجازت دے دی۔ حضرت ابن عباسؓ اور بہت سے دوسرے مفسرین فرماتے ہیں یہاں رَفَثُ سے مراد جماع ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ: حضرات ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بصری، قتادہ، سدی اور مقاتل بن حیان فرماتے ہیں لباس سے مراد یہ

ہے کہ یہ عورتیں تمہارے لیے سکون کا باعث ہیں اور تم ان کے لیے۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں یہاں سے لباس سے مراد لحاف ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان انتہائی قرب ہوتا ہے ان کو ایک دوسرے کے ساتھ لیٹنے کی اجازت ہے اس لیے مناسب تھا کہ ان کو رمضان کی راتوں میں جماع کی رخصت دے دی جاتی تا کہ وہ مشقت اور تکلیف سے بچ جائیں اور گناہ کے ارتکاب سے بھی محفوظ رہیں۔ اس آیت کی شان نزول کا بیان حضرت معاذ کی طویل حدیث میں گزر چکا ہے۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے اگر کوئی روزہ افطار کرنے سے پہلے سو جاتا اور افطار کے بعد بیدار ہوتا تب اسے پوری رات کھانے پینے کی اجازت نہ تھی۔ حضرت قیس بن صرمہ انصاری روزہ سے تھے سارا دن اپنے کھیتوں میں کام کرتے رہے، افطار کے وقت گھر آئے، بیوی سے پوچھا کیا کھانے پینے کی کوئی چیز ہے۔ انہوں نے کہا کہ گھر میں تو کوئی چیز نہیں ہے لیکن میں جاتی ہوں اور آپ کے لیے کھانے کی کوئی چیز تلاش کر لاتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چلی گئیں۔ اسی اثناء میں ان پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور وہ سو گئے۔ جب کھانا لے کر واپس آئیں تو انہیں سویا ہوا دیکھ کر بہت افسردہ ہوئیں۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت بھوک کی تاب نہ لا کر بیہوش ہو گئے۔ جب اس کا ذکر حضور ﷺ کی بارگاہ میں کیا گیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس وقت صحابہ کرام بہت خوش ہوئے۔ اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ صحابہ کرام پورا رمضان اپنی عورتوں سے صحبت نہیں کرتے تھے۔ لیکن ان میں بعض اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان میں جب صحابہ کرام عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو ان پر عورتیں اور کھانا پینا آئندہ رات تک حرام ہو جاتا۔ بعض صحابہ کرام نماز عشاء کے بعد کھانے پینے اور اپنی عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کے مرتکب ہوئے۔ ان میں حضرت عمر بھی شامل تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رمضان شریف میں سونے کے بعد بیدار ہوئے اور اپنی زوجہ کے ساتھ صحبت کی۔ پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کی شکایت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے ایسا کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ اب تمہارے لیے کھانا پینا اور جماع کرنا جائز ہے۔ پس یہ عورتیں تمہارے لیے پردہ، زینت اور آرام ہیں اور تم ان کے لیے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم اپنے آپ سے خیانت کیا کرتے تھے۔ یعنی عشاء کے بعد کھا پی لیتے تھے اور جماع کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر نظر کرم فرمائی اور تمہیں معاف کر دیا۔ اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت کرو اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھا ہے یعنی اولاد اسے طلب کرو۔ اور کھاؤ پیو۔ یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لیے سفید ڈورا سیاہ ڈورے سے صبح کے وقت۔ پھر رات تک روزہ کو پورا کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے عفو و درگزر کا ایک نمونہ ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ حضرت عمر اپنے گھر تشریف لائے ان کی زوجہ لیٹی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ان کے ساتھ صحبت کا ارادہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ میں تو پہلے سو گئی تھی۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ تم نہیں سوئی تھیں اور پھر ان کے ساتھ مباشرت کی اور یہی واقعہ حضرت کعب بن مالک کو بھی پیش آیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ، ابن عباس اور انس فرماتے ہیں کہ: وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ سے مراد اولاد ہے اور حضرت عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جماع ہے اور ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ رخصت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ اپنے عموم پر ہے۔ یعنی ان میں سے کوئی چیز بھی مراد لی جا سکتی ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا: جماع کی اجازت کے بعد یہاں اللہ تعالیٰ نے روزہ دار کو تمام رات کھانے پینے کی اجازت فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ

رات کی سیاہی ختم ہونے کے بعد فجر طلوع ہو جائے۔ یہاں رات کو سیاہ ڈورے اور صبح کو سفید ڈورے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ "مِنَ الْفَجْرِ" کے لفظ سے ان کے ابہام کو دور کیا گیا ہے۔ حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو ابتداءً "مِنَ الْفَجْرِ" کے الفاظ نازل نہیں ہوئے تھے۔ بعض صحابہ کرام اپنی ٹانگ میں سفید اور سیاہ دھاگہ باندھ لیتے اور ان کو بار بار دیکھتے رہتے یہاں تک کہ وہ ان پر واضح ہو جاتے پھر اس کے بعد "مِنَ الْفَجْرِ" کے الفاظ نازل ہوئے تو انہیں معلوم ہوا کہ یہاں سفید اور سیاہ دھاگے سے مراد رات اور دن ہیں(1)۔ حضرت عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو میں نے سیاہ اور سفید دو دھاگے لیے اور ان کو اپنے سرہانے کے نیچے رکھ دیا اور انہیں بار بار دیکھتا رہا حتیٰ کہ جب سفید اور سیاہ کی تمیز ہوگئی تو میں نے روزہ بند کر دیا۔ صبح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ صورت حال بیان کی تو آپ نے فرمایا تمہارا تکیہ تو بڑا لمبا چوڑا ہے یہاں ان دھاگوں سے مراد دن رات ہیں(2)۔ آپ کے اس ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ سیاہ اور سفید سے مراد دن اور رات ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سرہانہ مشرق و مغرب ہے جس میں یہ دونوں دھاگے سما گئے۔ بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں "اِنَّكَ لَعَرِيْضُ الْقِفَاءِ" بعض نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ تو کند ذہن ہے۔ لیکن یہ معنی صحیح نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب تکیہ اتنا چوڑا ہے تو گردن بھی چوڑی ہوگی۔ چونکہ اس آیت کریمہ میں طلوع فجر تک کھانے پینے کی اجازت دی گئی ہے اس لیے اس میں سحری کے مستحب ہونے کی بھی دلیل ہے چونکہ یہ رخصت ہے اور رخصت پر عمل کرنا پسندیدہ ہوتا ہے اس لیے حضور ﷺ نے اپنے ارشادات عالیہ میں سحری کھانے پر برانگیختہ کیا۔ حضرت انس (ﷺ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سحری کھایا کرو اس میں برکت ہے(3)۔ حضرت عمرو بن عاص روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان فرق سحری ہے(4)۔ حضرت ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سحری کا کھانا برکت ہے اس کو نہ چھوڑو اور اگر کچھ نہ ملے تو پانی کا گھونٹ ہی پی لو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کرنے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں(5)۔ سحری کو طلوع فجر تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ حضرت انس حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی اور پھر نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ حضرت انس نے حضرت زید سے پوچھا کہ اذان اور سحری کے درمیان کتنا وقفہ تھا۔ فرمایا تقریباً پچاس آیات کا(6) حضرت ابوذر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت بھلائی پر رہے گی جب تک وہ افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کرتی رہے گی۔ اور ایک روایت میں آپ نے سحری کو بابرکت کھانا قرار دیا ہے۔ حضرت حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ دن چڑھ گیا ہے۔ لیکن سورج ابھی طلوع نہیں ہوا۔ لیکن اس حدیث کے راوی عاصم بن ابی نجود منفرد ہیں۔ دن چڑھنے سے مراد یہ تھا کہ دن چڑھنے کے قریب تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ...... (الطلاق 2:) جب وہ اپنی معیاد کے قریب پہنچ جائیں یعنی عدت ختم ہونے کے قریب۔ تو انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا بھلائی کے ساتھ انہیں جدا کر دو۔ اس حدیث کو بھی اسی معنی پر محمول کیا جائے گا کہ وہ سحری کھا رہے تھے اور انہیں طلوع فجر کا یقین نہیں تھا حتیٰ کہ بعض کو طلوع فجر کا گمان ہونے لگا اور بعض کے نزدیک فجر طلوع نہیں ہوئی۔ اکثر صحابہ کرام اور تابعین سے یہی معمول مروی ہے کہ وہ طلوع فجر کے قریب تک سحری تناول کرتے رہتے۔ ہم نے ان تمام روایات کی اسناد اپنی مستقل کتاب "کتاب الصیام" میں ذکر کر دی ہیں۔ ابن جریر نے بعض لوگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سورج کے طلوع ہونے تک کھانا پینا جائز ہے جس طرح سورج کے غروب ہوتے ہی کھانا پینا جائز ہے۔ لیکن کسی اہل علم نے اس قول کو قبول نہیں کیا۔

1۔ فتح الباری تفسیر سورۃ البقرہ: 183/8 2۔ مسند امام احمد: 377/4 3۔ فتح الباری: 139/4
4۔ مسلم: کتاب الصوم: 771,770 5۔ مسند امام احمد: 44/3 6۔ فتح الباری: 138/4

کیونکہ یہ نص قرآن کے مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ فجر سے پہلے کھا پی سکتے ہو۔ اسی طرح حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں بلال کی اذان سحری کھانے سے روک نہ دے کیونکہ وہ رات کے وقت (تہجد کے لئے) اذان دیتے ہیں اس لئے تم سحری میں مشغول رہا کرو یہاں تک کہ ابن مکتومؓ کی اذان سنو۔ کیونکہ وہ طلوع فجر کے بعد اذان دیتے ہیں (1)۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فجر وہ روشنی نہیں جو افق میں طولاً پھیلتی ہے بلکہ وہ سرخ روشنی ہے جو عرضاً پھیلتی ہے(2)۔ ترمذی کے یہ الفاظ ہیں کھاؤ، پیو، بلندی کی طرف پھیلنے والی روشنی تمہیں نہ روکے۔ کھاتے پیتے رہا کرو یہاں تک کہ سرخ روشنی ظاہر ہو جائے۔ ایک روایت میں ارشاد فرمایا کہ بلال کی اذان اور یہ سفیدی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ یہاں تک فجر طلوع ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بلال کی اذان تمہیں سحری سے نہ روکے۔ بلال رات کو اذان دیتے ہیں تاکہ سونے والے بیدار ہو جائیں اور تہجد کی نماز پڑھنے والے گھروں کو لوٹ جائیں۔ پھر آپ نے ہاتھ کے اشارے سے بیان فرمایا کہ فجر طولاً سفیدی نہیں بلکہ عرضاً سفیدی ہے اور دوسری روایت میں ارشاد فرمایا فجر دو ہیں۔ ایک وہ جو بھیڑیئے کی دم کی مانند ہوتی ہے یہ کسی چیز کو حرام نہیں کرتی۔ دوسری وہ جو افق میں عرضاً پھیلتی ہے یہ نماز کو حلال اور سحری کو حرام کر دیتی ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں فجر کی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ وہ سفیدی جو آسمان پر بلندی کی طرف بڑھتی ہے یہ کسی چیز کو حرام اور حلال نہیں کرتی۔ 2۔ دوسری وہ فجر جو پہاڑ کی چوٹیوں پر چمکتی ہے۔ یہ کھانے پینے کو حرام کرتی ہے۔ حضرت عطاء سے بھی یہی قول مروی ہے کہ پہلی فجر سے کھانا پینا حرام نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے تہجد کی نماز کا وقت ختم ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے حج فوت ہوتا ہے۔ لیکن وہ فجر جو پہاڑ کی چوٹی پر پھیلتی ہے اس سے روزہ دار کے لئے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: چونکہ اللہ تعالیٰ نے روزہ دار کے لئے جماع اور کھانے پینے کا آخری وقت صبح صادق مقرر کیا ہے اس لئے اس سے اس مسئلہ پر استدلال کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص صبح جنابت کی حالت میں اٹھا اور پھر وضو کر لیا تو وہ اپنا روزہ مکمل کر سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ آئمہ اربعہ اور جمہور علماء خلف وسلف کا یہی مذہب ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو صحبت کرتے اور صبح جنابت کی حالت میں بیدار ہوتے اور پھر غسل فرما کر روزہ کو مکمل فرماتے۔ حضرت ام سلمہ کی روایت میں ہے کہ آپ نہ افطار کرتے اور نہ قضاء کرتے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر جنابت کی حالت میں نماز فجر کا وقت ہو جائے تو کیا اس صورت میں اپنا روزہ مکمل کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ مجھے بھی جب ایسی صورت حال پیش آتی ہے تو میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔ اس شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم آپ کی مثل نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے ہی گناہوں سے اپنی عصمت میں رکھا ہے اور بعد میں بھی اپنی حفاظت میں رکھے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا قسم بخدا میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ جن چیزوں سے بچنا چاہئے ان کو زیادہ جاننے والا ہوں۔ یہاں تک حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب صبح کی اذان ہو جائے تم میں سے کوئی حالت جنابت میں ہو تو وہ اس دن روزہ نہ رکھے۔ یہ حدیث سند کے اعتبار سے اعلیٰ پایہ کی ہے اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے۔ یہی حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلمؒ میں حضرت ابوہریرہؓ فضل بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ سنن نسائی میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ حضرت اسامہ بن زیدؓ اور فضل بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے اس حدیث کو مرفوع نہیں کہا۔ اس لئے بعض علماء نے اس حدیث کی یہ علت بیان کی ہے کہ یہ مرفوع نہیں۔ اور بعض نے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ مذکورہ بالا

1۔ مسلم: کتاب الصیام: 768

4۔ مسند امام احمد: 23/4

صورت میں آدمی کا روزہ نہیں ہوگا۔ اور یہ حضرت ابو ہریرہؓ، سالم، عطاء، ہشام بن عروہ، حسن بصریؒ سے منقول ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص پر جنابت کی حالت میں سوئے ہوئے فجر طلوع ہوگئی تو اس کا روزہ صحیح ہو جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ سے مروی حدیث گزر چکی ہے۔ اور اگر اس نے عمداً غسل نہ کیا اور صبح ہوگئی تو حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کے مطابق اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ یہ حضرت عروہ، طاؤس اور حضرت حسن سے مروی ہے۔ بعض نے فرض اور نفل روزے میں فرق کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر فرض روزہ ہو تو اسے پورا کرے اور پھر قضاء کرے اور اگر روزہ نفلی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ یہ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے اور حضرت حسن بصریؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ سے مروی حدیث سے منسوخ ہے۔ لیکن یہاں کوئی تاریخ معلوم نہیں جس سے نسخ کا دعویٰ کیا جا سکے۔ ابن حزم نے اس آیت کریمہ کے ساتھ حدیث کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا لیکن یہ دعویٰ بھی بعید ہے کیونکہ اس آیت کریمہ کے حدیث پاک کے بعد نازل ہونے کی کوئی تصریح نہیں۔ بلکہ بظاہر یہ حدیث آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد کی لگتی ہے۔ بعض علماء نے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کو نفی کمال پر محمول کیا ہے یعنی اس شخص کا روزہ کامل نہیں۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کی حدیث روزے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ یہی مسلک سب سے اچھا اور جامع ہے۔

ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى الَّيْلِ: یہ حکم اس بات کا مقتضی ہے کہ سورج غروب ہوتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہئے۔ جیسا کہ امیر المومنین عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب رات ادھر سے آجائے اور دن ادھر سے چلا جائے تو روزہ دار اپنا روزہ افطار کرلے(1)۔ حضرت سہل بن سعد روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ جب تک افطار میں جلدی کرتے رہیں گے خیر پر رہیں گے(2)۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میرے بندوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ بندہ ہے جو افطار میں جلدی کرے(3)۔ بشیر بن خصاصیہ کی زوجہ لیلیٰ فرماتی ہیں: میں نے دو دن کا مسلسل روزہ رکھنے کا ارادہ کیا تو میرے خاوند نے مجھے منع کر دیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ اس طرح نصاریٰ کرتے ہیں۔ تم اسی طرح روزہ رکھو جس طرح اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ یعنی رات تک روزہ مکمل کرو اور جب سورج غروب ہو جائے تو افطار کرو۔ اسی لئے صحیح احادیث میں صوم وصال سے منع کیا گیا ہے۔ صوم وصال کا معنی یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور پھر اسے افطار کئے بغیر ہی دوسرے دن کا روزہ اس کے ساتھ ملا لے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صوم وصال نہ رکھو۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ بھی تو صوم وصال رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے جیسا نہیں ہوں۔ میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ لیکن بعض لوگ صوم وصال سے باز نہ آئے۔ نبی کریم ﷺ نے مسلسل دو دن اور دو رات کا روزہ رکھا جب چاند نظر آ گیا تو آپ نے فرمایا اگر چاند نہ نکلتا تو میں یونہی صوم وصال جاری رکھتا گویا کہ آپ نے اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا(4)۔ امام بخاری اور مسلم نے اس حدیث کو امام زہری سے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام پر کرم فرماتے ہوئے انہیں صوم وصال سے منع فرما دیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ بھی تو صوم وصال رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صوم وصال حضور ﷺ کے خصائص میں شامل ہے۔ آپ اس کی طاقت رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد آپ کے شامل حال تھی۔ اس حدیث میں جو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اس سے مراد حقیقی کھانا پینا نہیں ہے کیونکہ اگر یہ مراد لیا جائے تو صوم وصال کیسے ہوگا؟ بلکہ اس سے روحانی قوت مراد ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

1۔ بخاری: کتاب الصوم: 196/4 2۔ فتح الباری: 198/4 3۔ مسند امام احمد: 237/2 4۔ البخاری: 119/9،49،48/3

''وہ تیری یاد میں اتنی مگن ہو جاتی ہے کہ تیرے متعلق گفتگو اسے کھانے پینے اور زادراہ سے غافل کر دیتی ہے۔''

مگر جو شخص سورج غروب ہونے کے بعد سحری کے وقت تک روزہ افطار نہ کرے اس کے لئے جائز ہے۔ جیسا کہ ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صوم وصال نہ رکھا کرو لیکن اگر تم میں سے کوئی صوم وصال کا ارادہ کرے تو سحری کر سکتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ آپ بھی تو صوم وصال رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ جب میں رات گزارتا ہوں تو کھلانے والا مجھے کھلاتا اور پلانے والا مجھے پلاتا ہے۔ حاطب بن ابی بلتعہؓ کی لونڈی حضور ﷺ کے پاس سے گزری آپ سحری کھا رہے تھے آپ نے اسے سحری کی دعوت دی اس نے جواب دیا میں روزے سے ہوں۔ آپ نے دریافت فرمایا تم کیسا روزہ رکھتی ہو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آل محمد ﷺ کی طرح ایک سحری سے دوسری سحری تک کا صوم وصال کیوں نہیں رکھتی۔ ابن جریرؒ نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور کئی دوسرے سلف صالحین کے بارے میں بیان کیا ہے جو کئی دن کا مسلسل روزہ رکھتے تھے۔ اور کہا ہے کہ یہ روزہ وہ عبادت کے طور پر نہیں رکھا کرتے تھے بلکہ اپنے نفسوں کی ریاضت کے طور پر رکھا کرتے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ رسول اللہ ﷺ کا صوم وصال سے منع فرمانا مشقت اور مہربانی کے طور پر تھا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں "رَحْمَةً لَهُمْ" کے الفاظ آئے ہیں۔ حضرت ابن جبیر اور ان کے بیٹے عامر اور ان کے طریق پر چلنے والے لوگ اپنے آپ میں اتنی قوت پاتے تھے اس لئے وہ صوم وصال رکھا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ جب وہ افطار کرتے تو پہلے گھی اور معبر استعمال کرتے تاکہ کھانے کے ساتھ ان کی انتڑیاں جل نہ جائیں۔ حضرت ابن زبیرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ مسلسل سات دن کا روزہ رکھتے۔ اور ساتویں دن ان سب سے قوی اور سخت معلوم ہوتے تھے۔ حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دن کا روزہ فرض کیا ہے اور جب رات ہو جائے تو جس کا دل چاہے کھائے اور جس کا دل چاہے نہ کھائے۔

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں اعتکاف بیٹھے خواہ رمضان کا مہینہ ہو یا کوئی اور، اس پر اپنی عورت کے ساتھ دن اور رات کے وقت مباشرت کرنا حرام ہے یہاں تک کہ اس کا اعتکاف پورا ہو جائے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں ابتداء میں جب لوگ اعتکاف کرتے جب انہیں حاجت ضروریہ کے لئے مسجد سے باہر جانا پڑتا تو وہ اپنی بیویوں سے مباشرت کر لیا کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یعنی اعتکاف کی حالت میں اپنی بیویوں کے قریب نہ جاؤ خواہ تم مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر۔ حضرت مجاہد، قتادہ اور دوسرے کئی مفسرین کا یہی قول ہے۔ پس علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معتکف پر مسجد میں بحالت اعتکاف مباشرت حرام ہے۔ اگر وہ ضروری حاجات کے لئے اپنے گھر جائے تو اس کے لئے اتنی مقدار ٹھہرنا ہی جائز ہے جس میں وہ اپنی حاجت اور کھانے سے فارغ ہو جائے۔ اس کے لئے عورت کا بوسہ لینا اور اس کے ساتھ معانقہ کرنا جائز نہیں۔ اپنے اعتکاف کے سوا کسی اور کام مشغول نہ ہو، نہ ہی مریض کی عیادت کرے ہاں اگر راستے میں مل جائے تو دریافت حال کر سکتا ہے۔ اعتکاف کے احکام کتب فقہ میں مفصل بیان کئے گئے ہیں جن میں سے بعض متفق علیہ ہیں اور بعض میں اختلاف ہے۔ ہم نے بھی اپنی کتاب (کتاب الصیام) میں اس کے مسائل بیان کئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام قرآن کریم کی اقتداء کرتے ہوئے روزوں کے احکام کے بعد اعتکاف کے مسائل ذکر کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں روزہ کے مسائل ذکر کرنے کے بعد اعتکاف کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس میں روزہ کی حالت اور رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کی طرف اشارہ ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے کہ آپ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حریم ناز میں واپس بلا لیا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات بھی

اعتکاف کیا کرتی تھیں۔ جس کا ذکر حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ملتا ہے۔ حضرت صفیہ بنت حیی اعتکاف کی حالت میں مسجد میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں۔ ایک دن وہ آپ سے کچھ دیر محو گفتگو رہیں۔ جب واپس جانے کا ارادہ فرمایا تو رسول اللہ ﷺ بھی آپ کے ساتھ چلنے لگے تا کہ آپ کو گھر پہنچائیں۔ کیونکہ یہ رات کا وقت تھا اور ان کا گھر بھی مسجد نبوی سے کچھ فاصلے پر تھا۔ راستے میں آپ کو دو انصاری صحابی مل گئے جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو تیزی سے چلنے لگے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ آپ سے شرم و حیا کی وجہ سے چھپ گئے آپ نے انہیں فرمایا ٹھہرو۔ جلدی نہ کرو یہ میری بیوی صفیہ بنت حیی ہیں۔ وہ یہ سن کر کہنے لگے سبحان اللہ۔ یارسول اللہ۔ آپ نے ارشاد فرمایا شیطان ابن آدم کی رگ رگ میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ مجھے خیال آیا کہ وہ کہیں تمہارے دل میں بدگمانی پیدا نہ کرے۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اپنی امت کو تہمت کی جگہ سے بچنے کا درس دیا ہے۔ وگرنہ یہ پاکباز صحابی نبی کریم ﷺ کے بارے میں بدگمانی کیسے کر سکتے تھے۔ اس آیت کریمہ میں مباشرت سے مراد جماع اور اس کے دواعی ہیں۔ یعنی بوس و کنار اور معانقہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ اپنی بیوی سے لین دین جائز ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف کی حالت میں اپنا سر مبارک اور پاؤں مبارک میرے قریب کر دیتے میں ان کو دھو دیتی حالانکہ میں حیض کی حالت میں ہوتی اور گھر میں صرف ضروری حاجت کے لیے داخل ہوتے تھے۔ فرماتی ہیں کہ اگر گھر میں مریض ہوتو چلتے ہوئے اس کی مزاج پرسی کی جاسکتی ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ: یعنی یہ جو رمضان کے بارے میں ہم نے بیان کیا ہے، اس کے فرائض اور احکام جن میں بعض جائز ہیں اور بعض حرام ہیں۔ یہ سب اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے اور بذات خود بیان کیا ہے۔ پس تم ان حدود سے تجاوز نہ کرو۔ حضرت ضحاک اور مقاتل فرماتے ہیں کہ حدود اللہ سے مراد اعتکاف میں مباشرت کرنا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید ان سے یہ چار حدود مراد لیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ہمارے مشائخ کا بھی یہی قول ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ: جس طرح اللہ تعالیٰ نے روزے کے احکام اور تفصیل بیان کی ہے اسی طرح باقی احکام بھی اپنے محبوب کی زبان پر بیان کرے گا۔ تا کہ لوگ پہچانیں کہ وہ کیسے راہ ہدایت پر چلیں اور اس کی اطاعت کریں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ...... (الحدید:9) (وہی ہے جو نازل فرما رہا ہے اپنے (محبوب) بندہ پر روشن آیات تا کہ تمہیں نکال لے (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کے) نور کی طرف"۔

وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

"اور نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال آپس میں ناجائز طریقہ سے اور نہ رسائی حاصل کرو اس مال سے (رشوت دے کر) حاکموں تک تا کہ یوں کھاؤ کچھ حصہ لوگوں کے مال کا ظلم سے حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اللہ نے یہ حرام کیا ہے)"۔

وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس شخص کے بارے میں ہے جس پر کسی شخص کا مال لازم یا قرض ہو۔ اس شخص کے پاس اس کی کوئی دلیل نہ ہو اس وجہ سے یہ شخص انکار کر دے اور پھر عدالت سے مقدمہ جیت لے۔ حالانکہ اسے معلوم ہے کہ اس معاملہ میں حق پر نہیں ہے اور وہ حرام کھا رہا ہے۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ، سدی، مقاتل بن حیان اور

عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ تو کسی سے نہ جھگڑ جب کہ تجھے معلوم ہو کہ تو ظالم ہے۔ حضرت ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں انسان ہوں، میرے پاس لوگ جھگڑا لے کر آتے ہیں ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی زیادہ حجت باز ہو تو میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ وہ حق پر نہیں ہوتا) ایسا شخص جو اس فیصلہ کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال لے وہ جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا ہے وہ چاہے تو اسے لے چاہے اسے نہ لے۔ یہ آیت کریمہ اور حدیث طیبہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حاکم کا فیصلہ درحقیقت کسی چیز کو تبدیل نہیں کرتا وہ نہ تو کسی حرام چیز کو حلال کر سکتا ہے اور نہ حلال کو حرام۔ بلکہ اس کا فیصلہ صرف ظاہری شہادتوں پر ہوتا ہے۔ اگر تو حقیقت میں بھی معاملہ ایسا ہو پھر تو ٹھیک ہے وگرنہ حاکم کو اس کے فیصلے کا اجر مل جاتا ہے اور جھوٹے گواہ پیش کرنے والے کا گناہ اسی پر ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں ارشاد فرمایا: وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ......... یعنی تم اپنے دعویٰ کے باطل ہونے کو جانتے بھی ہو لیکن اس کے باوجود اپنے اس جھوٹے دعویٰ پر دلیل دیتے ہو۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اے ابن آدم! قاضی کا فیصلہ تیرے لئے کسی حرام چیز کو حلال نہیں کرتا نہ ہی باطل کو حق بنا سکتا ہے۔ قاضی تو صرف گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ آخر کار وہ بھی بشر ہے اس سے بھی خطاء کا امکان ہے۔ بس یہ بات غور سے سنو کہ جس کے حق میں اس قسم کا غلط فیصلہ کیا گیا اس کا مقدمہ ختم نہیں ہو گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن پیش ہو گا۔ وہ اہل باطل کے خلاف فیصلہ فرما کر صاحب حق کو دنیا کے اجر سے بہتر اجر عطا فرمائے گا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ؕ وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٨٩﴾

''دریافت کرتے ہیں آپ سے نئے چاندوں کے متعلق (کہ یہ کیونکر گھٹتے بڑھتے ہیں) فرمائیے یہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے لیے اور حج کے لیے اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم داخل ہو گھروں میں ان کے پچھواڑے سے۔ ہاں نیکی تو یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے اور آیا کرو گھروں میں ان کے دروازوں سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اس امید پر کہ کامیاب ہو جاؤ''۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے چاند کے بارے میں پوچھا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یعنی تم چاند کے ذریعہ ادائیگی قرض کی میعاد، عورتوں کی عدت اور حج کا وقت معلوم کرتے ہو۔ ابو العالیہ روایت کرتے ہیں کہ بعض لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ چاند کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چاند اللہ نے لوگوں کے لیے وقت معلوم کرنے کے لیے بنایا ہے۔ پس جب تم چاند دیکھو تو روزے رکھو اور چاند دیکھ کر ہی عید مناؤ اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس دن پورے کرو۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے اور حضرت علی بن ابی طالب سے بھی موقوفاً روایت کی گئی ہے۔

لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ: حضرت براء روایت کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ وہ احرام کی حالت میں گھروں میں پچھلی جانب سے داخل ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (1)۔ ایک دوسری روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ انصار جب سفر سے واپس آتے تو وہ دروازے سے اپنے گھر میں داخل نہ ہوتے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ قریش نے

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ البقرۃ 183/8

اپنا نام زمانہ جاہلیت میں حمس رکھا ہوا تھا۔ وہ حالت احرام میں دروازوں سے اپنے گھر میں آ جا سکتے تھے لیکن انصار اور باقی تمام اہل عرب کو حالت احرام میں دروازے سے داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ ایک باغ میں تشریف فرما تھے۔ آپ اس کے دروازے سے باہر نکلے آپ کے ساتھ قطبہ بن عامر انصاری بھی باہر نکل آئے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ قطبہ بن عامر انصاری تاجر ہے، یہ بھی آپ کے ساتھ دروازے سے نکلا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے عرض کی آپ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو میں نے بھی ایسا کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرا تعلق تو حمس سے ہے اس نے عرض کی کہ میں بھی تو آپ کے دین پر ہوں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یہ روایت حضرت ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔ اسی طرح حضرات مجاہد، زہری، قتادہ، ابراہیم نخعی، سدی اور ربیع بن انس سے منقول ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی آدمی سفر کے ارادہ سے باہر نکلتا اور پھر اس کی رائے تبدیل ہو جاتی اور وہ سفر نہ کرنا چاہتا تو وہ دروازے سے اپنے گھر میں داخل نہ ہوتا بلکہ پچھلی طرف سے دیوار پھلانگ کر داخل ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔ حضرت محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اعتکاف کی حالت میں ہوتا تو وہ دروازے سے اپنے گھر میں داخل نہ ہوتا۔ حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ اہل یثرب جب عید منا کر اپنے گھروں کو لوٹتے تو وہ اپنے گھروں میں پچھلی طرف سے داخل ہوتے اور اسے وہ نیکی تصور کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما کر ان اطوار کو ختم کر دیا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ: اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ جو اس نے حکم دیا ہے اسے سرانجام دو اور جس سے روکا ہے اسے ترک کرو۔ اس طرح جب تم کل قیامت کے دن اس کی بارگاہ میں حاضر ہو گے تو حقیقی فلاح سے بہرہ ور ہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں کامل جزاء عطا فرمائے گا۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

''اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرنا بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو اور قتل کرو انہیں جہاں بھی انہیں پاؤ اور نکال دو انہیں جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی زیادہ سخت ہے اور نہ جنگ کرو ان سے مسجد حرام کے قریب یہاں تک کہ وہ (خود) تم سے وہاں جنگ کرنے لگیں، سو اگر وہ لڑیں تم سے تو پھر قتل کرو انہیں۔ یہی سزا ہے (ایسے) کافروں کی۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں (تو جان لو کہ) اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کے نہ رہے فتنہ (وفساد) اور ہو جائے دین صرف اللہ کے لیے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو (سمجھ لو) کہ سختی (کسی پر) جائز نہیں مگر ظالموں پر''۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: حضرت ابو عالیہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ سب سے پہلی آیت ہے جو مدینہ طیبہ میں جہاد کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کے خلاف جہاد کرتے جو آپ کے مقابلہ میں آتے اور جو لوگ آپ کے مقابلہ میں نہ آتے آپ بھی ان سے تعرض نہ فرماتے یہاں تک کہ سورہ برأت نازل ہوئی۔ بلکہ حضرت عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ

منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت کریمہ ہے۔ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ...... (التوبہ:5)'' ترجمہ: مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی انہیں پاؤ''۔ لیکن ان کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ تو مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلانے اور ان دشمنوں کے خلاف برانگیختہ کرنے کے لیے نازل ہوئی جو اہل اسلام کے خلاف برسر پیکار ہوتے تھے۔ اس لیے حکم ہوا کہ جس طرح وہ تمہارے مقابلہ میں آتے ہیں اسی طرح تم ان کے خلاف جہاد کرو۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً ...... (التوبہ:36)'' ترجمہ: اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں''۔ اس لیے اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا انہیں جہاں پاؤ قتل کردو۔ اور ان کو نکالو ان کے گھروں سے جس طرح انہوں نے تمہیں نکالا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہیں بھی ان کے خلاف جہاد کرنے کے لیے مستعد رہنا چاہیے جس طرح وہ تمہارے خلاف مستعد ہیں۔ جس طرح انہوں نے تمہیں جلاوطن کیا ہے تم بھی بدلہ کے طور پر ان کو جلاوطن کرو۔

وَلَا تَعْتَدُوْا: اللہ کی راہ میں جہاد کرو لیکن اس میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کرو یعنی ایسے افعال کا ارتکاب نہ کرو جسے شرع نے ممنوع قرار دیا ہے۔ جیسے مثلہ کرنا یعنی مخالفین کے ناک کان وغیرہ کاٹ کر ان کی صورت بگاڑنا۔ مال غنیمت میں خیانت کرنا، عورتوں، بچوں اور ان بوڑھوں کو قتل کرنا جو نہ تو جنگ کر سکتے ہوں اور نہ جنگ کے معاملات میں مہارت رکھتے ہوں۔ اسی طرح راہبوں کو قتل کرنا، بغیر کسی مصلحت کے درختوں کو جلانا اور جانوروں کو ہلاک کرنا۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس، عمر بن عبدالعزیز اور مقاتل بن حیان اور دوسرے مفسرین سے منقول ہے۔ حضرت بریدہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، خیانت نہ کرو، نہ کسی کو دھوکہ دو، نہ ہی کسی کا مثلہ بناؤ، نہ بچوں کو قتل کرو اور نہ ہی راہبوں کو (1)۔ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی مروی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو بہت ناپسند کیا اور عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے گیارہ مثالیں بیان فرمائیں اور ان میں سے ایک کی تفصیلی وضاحت فرمادی، باقی کو چھوڑ دیا۔ فرمایا کچھ لوگ انتہائی کمزور مسکین تھے، ان پر طاقتور ظالم دشمن نے حملہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کمزوروں کو دشمن پر غالب کر دیا۔ لیکن ان کمزوروں نے دشمن کو اپنا غلام بنالیا، ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے۔ جس کے باعث روز قیامت اللہ تعالیٰ ان سے ناراض رہے گا۔ حدیث کا مقصود یہ ہے کہ یہ کمزور لوگ جب اپنے مخالفین پر غالب آگئے تو انہوں نے ان پر طرح طرح کے ظلم شروع کر دیے اور اپنے اس ظلم اور زیادتی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیا۔ اس کے بارے میں بہت سی احادیث اور صحابہ کرام کے اقوال موجود ہیں۔ چونکہ جہاد میں بظاہر قتل و غارت ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ دشمنان اسلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور لوگوں کو اس کی راہ سے روکتے ہیں۔ ان کا یہ عمل قتل و غارت سے بھی زیادہ شنیع ہے اسی لیے ارشاد فرمایا:

اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ: حضرت ابو مالک فرماتے ہیں کہ تم جس روش پر چل رہے ہو یہ قتل سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ حضرت ابو العالیہ، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، حسن بصریؒ وغیرہم فرماتے ہیں شرک قتل سے زیادہ قبیح ہے۔

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس شہر مکہ کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن حرمت والا بنا دیا تھا جس دن زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا اور قیامت تک اس کا یہی حکم رہے گا صرف تھوڑے سے وقت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے میرے لیے حلال کیا ہے اور اب اس وقت کے بعد قیامت تک یہ شہر حرمت والا رہے گا۔ نہ تو اس کے درخت کاٹے جائیں اور نہ ہی گھاس اور اگر کوئی شخص میرے اس عمل (فتح

1۔ البیہقی 90/9

مکہ) کو دلیل بنا کر یہاں جنگ کرنا چاہے تو اس کو کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو اجازت دی تھی تمہیں اجازت نہیں دی۔ اس سے مراد فتح مکہ کا دن ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے غلبہ کے ساتھ فتح کیا کیونکہ اس میں چند مشرکین مارے گئے تھے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ مکہ صلح کے ساتھ فتح ہوا تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دروازہ بند کر لے وہ امن میں ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے وہ بھی مامون ہے اور جو ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائے وہ بھی مامون ہے۔

حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ: یعنی مسجد حرام میں مشرکین کے خلاف لڑائی کرنے کی اجازت نہیں ہاں اگر وہ خود لڑائی کا آغاز کریں تو تم اپنے دفاع کے لیے ان کے خلاف لڑ سکتے ہو۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش اور اس کے حلیف قبائل مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے اپنے صحابہ سے جہاد کرنے کی بیعت کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جنگ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ...... (الفتح:24) اور اللہ وہی ہے جس نے روک لیا تھا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے وادی مکہ میں باوجودیکہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: یعنی وہ حرم مکہ میں لڑائی کو بند کر دیں اور اسلام کی طرف رجوع کر لیں۔ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر لیں تو اللہ ان کے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ اگرچہ انہوں نے حرم مکہ میں مسلمانوں ہی کو کیوں نہ قتل کیا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں رجوع کرنے والے کو معاف فرما دیتا ہے۔ اور اس کی مغفرت کے سامنے گناہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم فرمایا۔ ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے۔ فتنہ سے مراد جنگ ہے اور یہ قول حضرت ابن عباسؓ اور کئی دوسرے مفسرین سے منقول ہے۔

وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ: یعنی اللہ کا دین باقی تمام ادیان پر ظاہر اور غالب ہو جائے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص اپنی بہادری کا اظہار کرنے کے لیے لڑتا ہے اور کوئی حمیت و غیرت کی وجہ سے، اور کوئی لوگوں کو دکھلانے کے لیے۔ ان میں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا کون ہے۔ آپ نے فرمایا جس نے اس نیت سے جہاد کیا کہ اللہ کے دین کا بول بالا ہو وہی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا مجھے لوگوں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں اور اگر وہ یہ کلمہ پڑھ لیں گے تو وہ مجھ سے اپنا خون اور مال محفوظ کر لیں گے سوائے شرعی حق کے۔ اور ان کا (باطنی) حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ: اگر وہ شرک اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے باز آ جائیں تو اس کے باوجود جو ان کے خلاف جہاد کرے گا وہ ظالم ہے اور ظالموں کو اس زیادتی کا بدلہ ضرور دینا پڑے گا اور یہی مفہوم حضرت مجاہد کے قول کا ہے کہ جو لڑائی کرے پھر اس سے ہی لڑائی کی جائے۔ یا اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر وہ جنگ سے رک جائیں تو اس طرح وہ شرک سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔ اب ان کے خلاف جنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں "عُدْوَانَ" سے مراد سزا دینا یا جنگ کرنا ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ (البقرة:194) "ترجمہ: پس جو تم سے زیادتی کرے تم اس سے زیادتی کرو"۔ اس لیے حضرت عکرمہ اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ظالم وہ ہے جو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے سے انکار کرے۔ جن دنوں یزید نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے خلاف لشکر کشی کی ان دنوں دو آدمی حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ لوگ قتل ہو رہے ہیں آپ حضرت عمر کے صاحبزادے اور

صحابی رسول ہیں۔ آپ اس لڑائی میں کیوں شریک نہیں ہوتے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کا خون حرام کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا: وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ آپ نے فرمایا ہم جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا اور اللہ کا دین غالب آ گیا اور تم اس لیے لڑائی کرتے ہو تا کہ فتنہ پیدا ہو اور دوسرے مذاہب غالب آ جائیں۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس آیا اور کہنے لگا کیا بات ہے تم ایک سال حج کرتے ہو اور ایک سال اپنے گھر میں رہتے ہو اور آپ نے اللہ کی راہ میں جہاد کو چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے بارے میں کتنی ترغیب دی ہے۔ آپ نے فرمایا اے بھتیجے! اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے، زکوٰۃ اور حج بیت اللہ۔ اس نے کہا کیا آپ نے اللہ کا یہ حکم نہیں سنا: وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا...... (الحجرات: 9)'' ترجمہ اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے پر تو سب مل کر لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف''۔ آپ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس حکم کی تعمیل کرتے رہے۔ جب اسلام کمزور تھا اور مسلمان تھوڑے تھے۔ اگر کوئی مسلمان ہو جاتا تو اس کو اسلام کی وجہ سے آزمائش میں ڈال دیا جاتا۔ کافر اس کو یا تو قتل کر دیتے یا سخت اذیت پہنچاتے۔ یہاں تک کہ دین اسلام اطراف و اکناف میں پھیل گیا اور اب یہ آزمائش اور فتنہ ختم ہو گیا۔ اس شخص نے کہا آپ کا حضرت علی اور حضرت عثمان کے بارے میں کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا حضرت عثمان کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا لیکن تم اللہ کی معافی کو ناپسند کرتے ہو اور حضرت علی رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد تھے۔ دیکھو یہ ان کا مکان ہے جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩٤﴾

'' حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کا بدلہ ہے اور ساری حرمتوں میں (فریقین کے رویہ میں) برابری چاہیے تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور جان لو یقیناً اللہ (کی نصرت) پرہیز گاروں کے ساتھ ہے''۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ: سن چھ ہجری کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے لیکن مشرکین نے آپ کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا۔ ذیقعد کا مہینہ تھا جس کا شمار حرمت والے مہینوں میں ہوتا ہے پھر اس بات پر صلح ہو گئی کہ مسلمان آئندہ سال عمرہ کے لیے آئیں گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکوں سے بدلہ دلوایا اور اس بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں رسول حرمت والے مہینے میں جنگ نہیں کرتے تھے ہاں اگر کوئی دشمن ان مہینوں میں حملہ کر دیتا آپ اس کا مقابلہ کرتے۔ اسی طرح دوران جنگ اگر یہ مہینے آ جاتے تو آپ جنگ سے رک جاتے یہاں تک کہ یہ مہینے گزر جاتے (1)۔ حدیبیہ کے مقام پر جب رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی کہ حضرت عثمان کو مشرکین نے شہید کر دیا ہے۔ جن کو آپ نے ایک پیغام دے کر مشرکین کی طرف بھیجا تھا تو آپ نے ایک درخت کے نیچے اپنے چودہ سو صحابہ سے مشرکین کے خلاف جنگ کرنے پر بیعت لی۔ اور جب آپ کو حضرت عثمان کی عدم شہادت کا علم ہوا تو آپ نے جنگ کا ارادہ ترک کر دیا اور صلح کی طرف مائل ہوئے۔ اسی طرح آپ غزوۂ حنین میں بنی ہوازن کے ساتھ

1۔ مسند احمد 3/334، 335

جنگ کرنے سے فارغ ہوئے اور کچھ مشرکین طائف میں جا کر قلعہ بند ہو گئے۔ آپ نے طائف کا محاصرہ کر لیا۔ اسی دوران ذوالقعد کا مہینہ شروع ہو گیا آپ نے مسلسل چالیس دن محاصرہ کیے رکھا۔ بالآخر کچھ صحابہ کرام کی شہادت کے بعد آپ نے یہ محاصرہ اٹھالیا اور عازم مکہ ہوئے۔ راستہ میں جعرانہ کے مقام پر مال غنیمت کو تقسیم کیا اور یہیں سے آپ نے عمرہ کا احرام باندھا۔ آپ نے عمرہ ذیقعد ۸ھ میں ادا کیا۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ: یہاں مسلمانوں کو عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ مشرکین کے معاملہ میں بھی عدل کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (النحل:126) ''اگر تم انہیں سزا دینا چاہو تو انہیں سزا دو لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی''۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ (الشوریٰ:40) ''برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے''۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ مکہ میں نازل ہوئی جہاں مسلمانوں کے پاس نہ ہی قوت تھی اور نہ ہی جہاد کا حکم۔ پھر یہ حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہونے والی آیت قتال سے منسوخ ہو گیا۔ لیکن ابن جریر نے اس قول کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت کریمہ مدنی ہے اور عمرہ قضاء کے بعد نازل ہوئی۔ یہی مجاہد کا قول ہے۔

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ: اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور تقویٰ و پرہیزگاری کا حکم دیا ہے اور بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت متقی لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے۔

وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَ اَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

''اور خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں اور نہ پھینکو اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں اور اچھے کام کیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے اچھے کام کرنے والوں سے''۔

وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن عباس اور کئی دوسرے مفسرین کرام کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابو عمران فرماتے ہیں کہ ایک مہاجر صحابی نے قسطنطنیہ کی جنگ میں دشمن کی صف پر دلیرانہ حملہ کیا اور اسے چیرتے ہوئے آگے نکل گئے۔ اس جنگ میں حضرت ابو ایوب انصاری بھی ہمارے ساتھ تھے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ شخص اپنی جان ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو ایوب انصاری نے فرمایا کہ ہم اس آیت کریمہ کے بارے میں تم سے بہتر جانتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوتے رہے اور آپ کی نصرت اور اعانت میں پیش پیش رہے۔ یہاں تک کہ اسلام خوب پھیل گیا اور مسلمان غالب آ گئے۔ اور ہم انصاریوں نے ایک مرتبہ جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی ﷺ کی صحبت سے نوازا ہے۔ ہم آپ کے ساتھ جہاد میں برسر پیکار رہے حتیٰ کہ دین اسلام دور دور تک پھیل گیا اور مسلمانوں کی کثرت ہو گئی۔ ہم نبی پاک ﷺ کی معیت میں جہاد کو اپنے اہل و عیال اور مال و دولت پر ترجیح دیتے تھے۔ اب چونکہ جنگ ختم ہو چکی ہے تو اب ہمیں اپنے اہل و عیال کی طرف سوچنا چاہیے اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یعنی جہاد کو چھوڑ کر اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کی فکر میں مشغول ہونا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے (1)۔ ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ قسطنطنیہ میں مصری فوج کے سالار عقبہ بن عامر تھے اور شامی فوج کے سپہ سالار یزید بن فضالہ تھے۔ ایک آدمی نے حضرت براء بن عازب سے پوچھا اگر میں اکیلا دشمن کی صف میں گھس جاؤں اور وہ مجھے قتل کر

1۔ ابوداؤد

دیں تو کیا میں اس آیت کریمہ کے مطابق اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والا ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم فرماتا ہے: فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ (النساء:84)'' (اے محبوب) جہاد کرو اللہ کی راہ میں، نہ تکلیف دی جائے گی آپ کو سوائے اپنی ذات کے''۔ اور تم جس آیت کا حوالہ دے رہے ہو یہ تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بعض نے کہا ہے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان گناہ کرے اور توبہ نہ کرے۔ عبدالرحمن اسود بن عبد یغوث فرماتے ہیں جب انہوں نے دمشق کا محاصرہ کیا تو قبیلہ ازدشنوءۃ کا ایک شخص جلدی سے اکیلا دشمن کی طرف بڑھا تو مسلمانوں نے اس کے اس کھیل کو ناپسند کیا اور حضرت عمرو بن عاص کے پاس اس کی شکایت کی۔ آپ نے اسے بلا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ جہاد کے بارے میں نازل نہیں ہوئی بلکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ یعنی اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے تو گویا وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔
حضرت ابوجبیر فرماتے ہیں کہ انصار اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات کیا کرتے تھے ایک سال انہیں قحط سالی نے آلیا تو اس سال انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے مراد بخل کرنا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص گناہ در گناہ کرتا رہے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف نہیں کرے گا اور یہی قول عبیدہ سلمانی، حسن بصری اور ابن سیرین وغیرہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت محمد بن کعب اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے ہوئے تھے۔ ایک شخص کے پاس ضرورت سے زائدہ زادِ راہ تھا۔ ایک غریب مجاہد اس کے زادِ راہ سے خرچ کرتا رہا یہاں تک کہ سارا زادِ راہ ختم ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھی کو تسلی دینی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ابن وہب فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ مشرکین کے ساتھ جنگ کے لیے بغیر نفقہ کے نکل جاتے تھے۔ اور یہ لوگ یا تو راستہ میں ہی ہلاک ہو جاتے یا دوسروں پر بوجھ بنتے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اس سے خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ ''تَهْلُكَةٌ'' کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص بھوک، پیاس یا چلنے کی وجہ سے ہلاک ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو حکم فرمایا جن کے پاس وافر مال ہو کہ وہ احسان کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ یعنی نیکی کے ہر کام میں اللہ کا دیا ہوا مال خرچ کرو۔ خصوصاً جہاد کی تیاری میں زیادہ خرچ کرو تاکہ مسلمان اپنے دشمن کے مقابلے میں قوی ہو جائیں۔ اور اس کارِ خیر کو ترک کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ احسان اعلیٰ درجے کی اطاعت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی یہاں ذکر فرما دیا۔

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ٚ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾

''اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ (کی رضا) کے لیے پھر اگر تم گھر جاؤ تو قربانی کا جانور جو آسانی سے مل جائے (وہ بھیج دو) اور نہ منڈواؤ اپنے سر یہاں تک کہ پہنچ جائے قربانی کا جانور اپنے ٹھکانے پر پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اسے کچھ تکلیف ہو سر میں (اور وہ سر منڈالے) تو وہ فدیہ دے دے روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے اور جب تم امن میں ہو جاؤ (اور حج سے پہلے مکہ پہنچ جاؤ) تو جو فائدہ اٹھانا چاہے عمرہ کا حج کے ساتھ تو جو اسے میسر ہو قربانی دے پھر جسے قربانی کی طاقت نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے حج کے وقت اور سات جب تم گھر لوٹ آؤ۔ یہ پورے دس (روزے) ہوئے۔ یہ رعایت اس کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے قریب نہ ہوں اور ڈرا کرو اللہ سے اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے''۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ: پہلے اللہ تعالیٰ نے روزہ کے احکام ذکر کیے۔ اس کے بعد جہاد کا ذکر ہوا۔ اب حج کے مناسک بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ حکم ہوا کہ حج اور عمرہ کو پورا کرو۔ بظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج اور عمرہ کو شروع کرنے کے بعد ان کو مکمل کرنا ضروری ہے۔ اسی لیے اس کے بعد ذکر کیا کہ اگر تم کو بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دیا جائے پھر اس صورت میں انسان کو کیا کرنا چاہیے۔ اس لیے تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حج اور عمرہ کو شروع کرنے کے بعد اسے پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ عمرہ کے واجب اور مستحب ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ جن کا تفصیلی ذکر ہم نے اپنی کتاب ''احکام'' میں کر دیا ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں حج اور عمرہ کو پورا کرنے کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو اور تمہارا مقصد صرف حج اور عمرہ ہی ہو اور میقات پر پہنچ کر ''اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ'' پکارو۔ تمہارا یہ سفر تجارت یا کسی دنیاوی غرض کے لیے نہ ہو۔ یعنی یہ نہ ہو کہ تم کسی دنیاوی غرض کے لیے نکلو اور جب مکہ کے قریب پہنچو تو تمہیں خیال آئے کہ چلو حج اور عمرہ کرتے چلیں۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ حج اور عمرہ کے پورا کرنے کا معنی یہ ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ ادا کرو اور عمرہ حج کے مہینہ میں نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ (البقرۃ:197) ''ترجمہ: حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں''۔ حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ حج کے مہینوں میں عمرہ مکمل نہیں ہوتا ان سے محرم میں عمرہ کے بارے میں پوچھا گیا۔ انہوں نے جواب دیا لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں عمرہ مکمل ہو جاتا ہے۔ حضرت قتادہ بن دعامہ سے بھی یہی مروی ہے۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے کیونکہ حضور ﷺ نے چار عمرہ کیے اور یہ چاروں ذوالقعدہ میں تھے۔ ایک چھ ہجری میں، دوسرا سات ہجری میں عمرہ قضاء، تیسرا آٹھ ہجری میں عمرہ جعرانہ اور چوتھا وہ عمرہ جو آپ نے حج کے ساتھ ادا کیا۔ ہجرت کے بعد آپ نے یہی عمرے کیے۔ حضرت ام ھانی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔ آپ نے یہ ارشاد اس لیے فرمایا تھا حضرت ام ھانی نے آپ کے ساتھ حج کا ارادہ فرمایا تھا۔ لیکن سواری نہ ہونے کی وجہ سے ساتھ نہ جا سکیں۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ حج اور عمرہ کو ادا کرو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جس شخص نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا اس کے لیے انہیں مکمل کیے بغیر اسے کھولنا جائز نہیں۔ حج اس طرح مکمل ہوتا ہے کہ قربانی کے دن جمرہ عقبہ پر رمی کرے اس کے بعد بیت اللہ شریف کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اب وہ احرام کھول سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حج میدان عرفہ میں قیام کا نام ہے اور عمرہ طواف کا۔ حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کی قرأت یہ ہے (وَاَقِيْمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ اِلَى الْبَيْتِ) یعنی عمرہ بیت اللہ شریف میں ہی مکمل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں میں نے اس کا ذکر سعید بن جبیر سے کیا۔ انہوں نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ حضرت

علقمہ سے یہ قرأت مروی ہے۔(وَاَتِمُّو الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ اِلَى الْبَيْتِ)۔شعبی نے لفظ عمرہ کو رفع "عمرةُ" کے ساتھ پڑھا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ عمرہ واجب نہیں ان سے ایک قول اس کے برعکس بھی مروی ہے۔کثیر صحابہ کرام سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی احرام کے ساتھ حج اور عمرہ ادا فرمایا۔اور آپ نے اپنے صحابہ کرام کو یہ بھی فرمایا کہ جس کے پاس ھدی (قربانی کا جانور) ہے وہ حج اور عمرہ کا احرام باندھے۔نیز آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قیامت تک عمرہ حج میں داخل ہو گیا۔ایک غریب حدیث میں اس آیت کا شان نزول بھی بیان کیا گیا ہے۔حضرت صفوان بن امیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے جبہ سے زعفران کی بو مہک رہی تھی۔اس نے عرض کی یا رسول اللہ(ﷺ!) میرے عمرہ کے بارے میں ﷺ کیا حکم ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عمرہ کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے۔اس نے عرض کی میں حاضر ہوں آپ نے فرمایا۔اپنے ان کپڑوں کو اتارو اور غسل کرو اور اچھے طریقے سے اپنے بدن کو صاف کرو۔پھر جس طرح تو اپنا حج کرتا ہے اسی طرح اپنے عمرہ کو مکمل کرو۔بعض روایات میں غسل اور اس آیت کے نازل ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ: مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ چھ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر نازل ہوئی جب مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ میں آنے سے روک دیا۔اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر پوری سورۂ فتح نازل فرمائی اور صحابہ کرام کو یہ رخصت ارشاد فرمائی کہ وہ اپنی قربانیوں کو ذبح کر دیں اور یہ ستر اونٹ تھے، اپنے سروں کو منڈوائیں اور اپنے احرام کھول دیں۔جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو سر منڈوانے اور احرام کھولنے کا حکم فرمایا تو وہ کچھ دیر اس انتظار میں بیٹھے رہے شاید کوئی نیا حکم نازل ہو جو اس کو منسوخ کر دے۔حتی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور اپنا سر مبارک منڈایا۔یہ دیکھ کر صحابہ کرام بھی اٹھے بعض نے سر منڈائے اور بعض نے بال کٹوائے۔جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سر منڈانے والے پر رحمت فرمائے لوگوں نے عرض کی بال کٹوانے والوں کے لیے دعا فرمائیں آپ نے پھر سر منڈانے والوں کے لیے دعا فرمائی اور پھر تیسری مرتبہ بال کٹوانے والوں کے لیے دعا فرمائی۔سات سات صحابہ ایک اونٹ میں شریک تھے۔ان کی کل تعداد 1400 چودہ سو تھی اور وہ حدیبیہ کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے جو حرم کی حدود سے باہر تھا۔اور بعض نے یہ بھی کہا کہ یہ حرم کے کنارے پر واقع ہے۔یہی وجہ ہے کہ علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا یہ حکم ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن کو دشمن نے روک لیا ہو یا مرض یا کسی مجبوری کی وجہ سے اس طرح احرام کھولا جا سکتا ہے۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ صرف دشمن کے روکنے کی صورت میں ہی یہ حکم ہے۔اس کے علاوہ اگر کوئی بیمار ہو جائے، یا راستہ بھٹک جائے تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔اور بعض علماء فرماتے ہیں یہ حکم عام ہے اور اس کی دلیل حجاج بن عمرو انصاری کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو کوئی چوٹ لگ جائے یا تکلیف ہو، یا لنگڑا ہو جائے تو وہ اپنا احرام کھول دے اور اس پر دوسرا حج لازم ہے(1)۔راوی حدیث فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا ذکر حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس سے کیا تو انہوں نے فرمایا یہ صحیح ہے۔اصحاب سنن نے بھی اسے روایت کیا ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود، ابن جبیر، علقمہ، سعید بن مسیب، عکرمہ عروہ بن زبیر، مجاہد، ابراہیم نخعی، عطاء اور مقاتل بن حیان سے بھی یہی مروی ہے کہ دشمن کے روکنے کی صورت میں اور کسی مرض اور ہاتھ پاؤں ٹوٹنے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے۔حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں ہر وہ چیز جو انسان کو تکلیف پہنچانے والی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ضباعہ بنت جبیر کے پاس تشریف لائے۔اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میرا حج کا ارادہ ہے لیکن میں اکثر بیمار رہتی ہوں۔آپ نے فرمایا حج

1۔مسند امام احمد 350/3 2۔مسند امام احمد 292/3

کو چلی جاؤ اور یہ شرط رکھ لو کہ میرے احرام سے فارغ ہونے کی وہی جگہ ہے جہاں مرض کی وجہ سے رک جاؤں (2)۔ اسی حدیث کی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا کہ حج میں اس قسم کی شرط رکھنا جائز ہے۔ حضرت شافعیؒ فرماتے ہیں اگر یہ حدیث صحیح ہو تو میرا بھی یہی قول ہے۔ امام بیہقی اور دوسرے محققین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ: حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک بکری ذبح کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ میں سے کسی ایک کو ذبح کر سکتا ہے خواہ نر ہو یا مادہ۔ اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ بکری کافی ہے۔ یہی قول حضرات عطاء، مجاہد، طاؤس، ابو عالیہ، محمد بن علی بن حسین، عبدالرحمٰن بن قاسم، شعبی، ابراہیم نخعی، حسن بصری، قتادہ، ضحاک، مقاتل بن حیان وغیرہم کا ہے۔ اور یہی آئمہ اربعہ کا ہے۔ حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کہ اس سے مراد صرف اونٹ اور گائے ہیں۔ حضرت سالم، قاسم عروہ بن زبیر اور سعید بن زبیر سے بھی یہی مروی ہے اور غالباً ان کی دلیل صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔ اس میں کسی صحابی کا بکری کو ذبح کرنا منقول نہیں۔ انہوں نے صرف اونٹ اور گائے کو ذبح کیا تھا۔ حضرت جابر روایت فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ تم سات سات ایک ایک اونٹ اور گائے میں شریک ہو جاؤ (1)۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ جس جانور کی وسعت رکھتا ہو ذبح کر لے، اگر مالدار ہے تو اونٹ ذبح کرے اور اس سے کم حیثیت والا ہے تو گائے ورنہ بکری۔ حضرت ہشام بن عروہ فرماتے ہیں اس کا دارومدار جانور کے مہنگے یا سستے ہونے پر ہے اور جمہور علماء نے یہ جو فرمایا ہے کہ بکری ہی کافی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن حکیم کا حکم یہ ہے کہ جو آسانی سے میسر ہو یعنی کم از کم وہ چیز جس پر قربانی کا اطلاق ہو سکے۔ قربانی کے جانوروں میں اونٹ گائے، بھیڑیں، بکریاں سب شامل ہیں جیسا کہ ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ بکری کی قربانی دی تھی۔

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ: اس کا عطف وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ پر ہے نہ کہ "فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ" پر جیسا کہ ابن جریر کا خیال ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر جب کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو حرم مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تو انہوں نے حرم سے باہر ہی سر منڈوا لیے اور اپنی قربانی کے جانوروں کو ذبح کر لیا۔ لیکن امن کی حالت میں اگر حاجی حرم میں پہنچ سکتے ہوں تو ان کے لیے اس وقت تک سر منڈانا جائز نہیں جب تک قربانی کا جانور اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے اور وہ حاجی حج اور عمرہ کے مناسک سے فارغ نہ ہو جائے اگر اس نے حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھا ہو۔ اسی طرح اگر اس نے صرف حج کا ارادہ کیا ہے یا وہ حج تمتع کرنے والا ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ حضرت حفصہ عرض کرتی ہیں یا رسول اللہ ﷺ کیا وجہ ہے کہ لوگوں نے عمرہ کر کے احرام کھول دیے ہیں لیکن آپ بدستور احرام باندھے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے سر کے بالوں کو چپکا دیا تھا اور قربانی کے جانور کے گلے میں قلادہ ڈال دیا تھا اس لیے میں قربانی کرنے کے وقت تک احرام نہیں کھول سکتا۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا: حضرت عبداللہ بن معقل فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ کی جامع مسجد میں حضرت کعب بن عجرہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا لوگ مجھے نبی کریم ﷺ کے پاس لے گئے اس حال میں کہ میرے سر کی جوئیں چہرے پر گر رہی تھیں مجھے دیکھ کر آپ نے فرمایا میرا خیال نہیں تھا تم اس حالت کو پہنچ جاؤ گے۔ کیا تم میں ایک بکری ذبح کرنے کی طاقت نہیں ہے، میں نے عرض کی نہیں، مفلس ہوں۔ فرمایا جاؤ اپنا سر منڈوا لو۔ پھر تین روزے رکھ لینا یا چھ مساکین کو نصف نصف صاع اناج دے دینا اس وقت خصوصاً

1۔ صحیح مسلم: 26/4 2۔ صحیح البخاری: 13/3

میرے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن حکم کے اعتبار سے سب کے لیے عام ہے(2)۔ اور امام احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نبی پاک ﷺ میرے قریب سے گزرے میں ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہا تھا۔ اور میرے سر سے چہرے پر جوئیں گر رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا کیا یہ جوئیں تمہیں تکلیف دیتی ہیں میں نے عرض کی ہاں تو آپ نے حکم فرمایا سر منڈوا۔ پھر تین روزے رکھ لینا، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دینا، یا ایک بکری ذبح کر دینا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کا ہے فرماتے ہیں اس وقت میرے سر پر لمبے لمبے بال تھے۔ اس حدیث کو امام مالک نے بھی روایت کیا ہے۔ اور ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے بکری ذبح کی۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نسک سے مراد بکری ذبح کرنا ہے۔ اور اگر کوئی روزہ رکھنا چاہے تو تین رکھے۔ یا ایک فرق(1) اناج چھ مساکین میں تقسیم کرے۔ حضرات مجاہد، عکرمہ، عطاء، طاؤس، حسن بصری، امیر الاعراج، ابراہیم نخعی اور ضحاک سے بھی یہی قول منقول ہے بلکہ ائمہ اربعہ اور جمہور علماء یہی فرماتے ہیں کہ اس کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو تین روزے رکھ لے، اگر چاہے تو تین صاع چھ مسکینوں پر تقسیم کر دے اور اگر چاہے تو بکری ذبح کر کے اس کا گوشت مساکین میں تقسیم کر دے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رخصت عطا کرنا تھی اس لیے پہلے روزہ کا ذکر کیا پھر اناج صدقہ کرنے کا پھر قربانی کرنے کا۔ اور جب نبی پاک ﷺ نے کعب بن عجرہ کو یہ مسئلہ بتایا آپ نے پہلے افضل چیز کا بیان فرمایا یعنی فرمایا بکری ذبح کرو، اگر یہ نہیں تو چھ مسکینوں کو اناج دو، یا تین روزے رکھو۔ بہر حال دونوں ترتیبیں دونوں مقام کے اعتبار سے گزر چکی ہیں۔ حضرت ابراہیم نخعی نے حضرت سعید بن جبیرؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ پہلے تو اناج دینے کا حکم دیا جائے گا اگر اس کے پاس ہو نہیں تو بکری خریدے وگرنہ بکری کی قیمت کے برابر اناج صدقہ کرے نہیں تو ہر نصف کے بدلہ میں ایک دن کا روزہ رکھے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں جب محرم کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو بال منڈوا دے تین میں سے کسی ایک پر عمل کرے ۱۔ دس روزے رکھے ۲۔ دس مسکین پر صدقہ کرے اس طرح کہ ہر مسکین کو ایک ملوک کھجوریں اور ایک ملوک گندم دے ۳۔ بکری ذبح کرے۔ حضرت حسن اور عکرمہ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ لیکن یہ دونوں قول ضعیف ہیں کیونکہ حضرت کعب بن عجرہ والی حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ ایسے شخص کو اختیار ہے، چاہے تین روزے رکھ لے، چاہے چھ مسکینوں کو اناج دے اور چاہے ایک بکری ذبح کرے۔ ہاں یہ ترتیب احرام کی حالت میں شکار کرنے والے کے لئے ہے جیسا کہ نص قرآنی سے ثابت ہے اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے۔ مگر یہاں یہ ترتیب درست نہیں۔ حضرت طاؤس فرمایا کرتے تھے کہ قربانی اور مساکین پر صدقہ مکہ میں کرے اور روزے جہاں چاہے رکھ لے۔ ابوالاسماء جو کہ ابن جعفر کے مولا ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان حج کے لئے نکلے تو ان کے ساتھ حضرت علی اور حضرت حسین بن علیؓ بھی تھے۔ ابوالاسماء فرماتے ہیں کہ میں ابن جعفر کے ساتھ تھا۔ دوران سفر میں نے ایک شخص کو سویا ہوا پایا۔ اس کی اونٹنی اس کے سرہانے بندھی ہوئی تھی۔ میں نے اسے جگایا تو وہ حضرت حسین بن علیؓ تھے۔ ابن جعفر نے ان کو اٹھایا یہاں تک کہ ہم اسے لے کر سقیاء میں پہنچ گئے۔ اور حضرت علی کو اطلاع دی آپ کے ساتھ اسماء بنت عمیس تھیں۔ ہم نے بیس دن ان کی تیمار داری کی۔ پھر ایک دن حضرت علیؓ نے آپ سے آپ کی طبیعت کے بارے میں پوچھا۔ حضرت حسین نے اپنے ہاتھ کے ساتھ سر کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سر منڈوا لو۔ پھر ایک اونٹ منگوایا اور ذبح کیا۔ اگر یہ اونٹ کا ذبح کرنا فدیہ کے طور پر تھا پھر یہ مکہ کے باہر ذبح ہوا اور اگر احرام کھولنے کی وجہ سے تھا تو پھر واضح ہے۔

فَإِذَآ أَمِنتُمْ: جب تم حج کے باقی مناسک ادا کرنے سے فارغ ہو جاؤ تو حج تمتع کرنے والا قربانی کرے خواہ اس نے حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھا ہو یا پہلے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور اس سے فارغ ہو گیا ہو اور پھر حج کا احرام باندھ لیا ہو۔ یہی اصل حج تمتع ہے اور فقہاء

1۔ فرق: 3 صاع

کے کلام میں بھی یہی مشہور ہے۔مگر عام تمتع ان دونوں قسموں میں شامل ہے جیسا کہ صحیح احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔بعض راوی فرماتے ہیں کہ رسول علیہ السلام نے حج تمتع کیا۔بعض فرماتے ہیں کہ آپ کا حج قران ہے۔بہر حال اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ قربانی کے جانور ساتھ لے گئے تھے۔اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حج تمتع کرنے والا جس قربانی پر قادر ہو وہ گائے بھی ذبح کر سکتا ہے کیونکہ رسول علیہ السلام نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی۔اور وہ سب حج تمتع کرنے والی تھیں۔اس سے حج تمتع کا مشروع ہونا ثابت ہو گیا۔جیسا کہ حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ حج تمتع کا حکم قرآن پاک میں نازل ہوا۔ہم نے رسول علیہ السلام کے ساتھ حج تمتع کیا پھر نہ تو قرآن پاک میں اس کی ممانعت نازل ہوئی اور نہ ہی رسول پاک علیہ السلام نے اس سے روکا۔پھر لوگوں نے اپنی رائے سے اسے ممنوع قرار دے دیا۔امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عمر ہیں کیونکہ آپ ہی لوگوں کو حج تمتع سے روکا کرتے تھے۔آپ فرماتے تھے کہ ہم کتاب اللہ پر عمل کریں گے۔اللہ تعالیٰ ہمیں حج اور عمرہ کو مکمل کرنے کا حکم دیتا ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ" درحقیقت حضرت عمر لوگوں کو حج تمتع سے اس لیے نہیں روکتے تھے کہ وہ اس کو حرام سمجھتے تھے بلکہ آپ کا اس سے مقصد یہ تھا کہ لوگ بکثرت حج اور عمرہ کا قصد کر کے بیت اللہ شریف آئیں۔جیسا کہ آپ سے یہ صراحۃً بھی مروی ہے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ : یعنی جو قربانی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ تین روزے حج کے ایام میں رکھے۔علماء فرماتے ہیں اولیٰ یہ ہے کہ تین روزے یوم عرفہ سے پہلے ذوالحج کے مہینے میں رکھے حضرت عطاء کا قول ہے۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ احرام باندھنے کے بعد تین روزے رکھ سکتا ہے کیونکہ قرآن پاک میں "فِي الْحَجِّ" کے الفاظ ہیں۔حضرت طاؤس اور مجاہد اور بعض دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ وہ شوال میں روزے رکھ سکتا ہے۔امام شعبی فرماتے ہیں کہ یوم عرفہ اور اس سے دو دن پہلے ملا کر تین روزے رکھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔اور یہی قول حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، سدی عطاء، طاؤس، حکم حسن بصری وغیرہ سے بھی مروی ہے۔اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی کہ اگر وہ شخص قربانی کا جانور نہ پائے تو وہ یوم عرفہ اور اس سے پہلے دو دن کو ملا کر تین دن روزے رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھے جب وہ گھر واپس لوٹ آئے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روزہ یوم ترویہ سے پہلے رکھے دوسرا یوم ترویہ کو تیسرا عرفہ کے دن رکھے۔امام جعفر سے بھی یہی منقول ہے۔اگر کوئی شخص عید سے پہلے روزے نہ رکھ سکا۔تو کیا ایام تشریق میں اس کے لیے روزے رکھنا جائز ہیں؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔امام شافعیؒ کے قدیم قول کے مطابق وہ ان دنوں میں روزے رکھ سکتا ہے۔کیونکہ حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایام تشریق میں صرف وہی روزہ رکھ سکتا ہے جو قربانی کے جانور کو نہ پائے۔یہی قول حضرت زین بن العابدین کا ہے۔عبید بن عمیر بن عمیر لیثی، عکرمہ، حسن بصری اور عمرو بن زبیرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔انہوں نے فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ کے عموم سے استدلال کیا ہے۔امام شافعیؒ کا جدید قول یہ ہے کہ ایام تشریق میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔کیونکہ قتیبہ ہذلی حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔

وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ : اس میں بھی دو قول ہیں ایک یہ کہ جب تم اپنی قیام گاہ کی طرف واپس لوٹو تو سات روزے رکھو۔اس لیے مجاہد فرماتے کہ اگر کوئی شخص دوران سفر روزے رکھنا چاہتا ہے تو اسے رخصت ہے۔اور یہی قول عطاء بن ابی رباح کا ہے۔اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب تم اپنے وطن واپس لوٹ آؤ اس وقت روزے رکھو۔یہ قول حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ہے۔نیز سعید بن جبیر، ابو عالیہ، مجاہد، عطاء، عکرمہ، حسن بصری وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ابن جریر نے کہا کہ اس پر علماء کا اجماع ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول علیہ السلام نے حج الوداع میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا۔آپ نے ذوالحلیفہ سے ہی قربانی کے جانور اپنے ساتھ لے لیے۔پہلے

آپ نے عمرہ کا احرام باندھا پھر آپ نے حج کا تلبیہ کہا۔ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ حج تمتع کیا۔ رسول ﷺ نے پہلے عمرہ ادا کیا لوگوں میں سے بعض قربانی کے جانور ساتھ لے گئے تھے اور بعض ساتھ نہیں لے گئے تھے۔ آپ نے فرمایا جس کے پاس قربانی کا جانور ہے وہ اپنا حج پورا کرنے سے پہلے احرام نہ کھولے اور جن کے پاس قربانی کا جانور نہیں وہ طواف اور سعی کرنے کے بعد اپنے بالوں کو کترواۓ اور احرام کھول دے۔ پھر دوبارہ حج کے لیے احرام باندھے۔ اور جو شخص قربانی کا جانور نہیں پاتا ہو حج کے دنوں میں تین روزے رکھنے اور سات روزے گھر لوٹ کر رکھے۔(1)

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ: بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ خاص تاکید کے لیے ہے۔ جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں میں نے اسے دونوں آنکھوں سے دیکھا، کانوں سے سنا اور اپنے ہاتھ سے لکھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ (انعام:38) ”ترجمہ: اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دونوں پروں سے اڑتا ہو“۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (عنکبوت:48) اور نہ ہی اسے لکھ سکتے تھے اپنے دائیں ہاتھ سے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ان دس روزوں کو مکمل اور تمام کرنے کا حکم ہے۔ اور بعض نے کاملہ کا یہ معنی کیا ہے کہ یہ روزے قربانی کے جانور کے بدلے میں کافی ہیں۔

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ: اس بات پر تو علماء کا اجماع ہے کہ اہل حرم والے حج تمتع نہیں کر سکتے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اہل حرم ہیں۔ حضرت عباسؓ فرمایا کرتے تھے: اے اہل مکہ تمہارے لیے حج تمتع نہیں ہے۔ بلکہ یہ باہر سے آنے والوں کے لیے ہے۔ تمہارے لیے یہ حرام ہے۔ کیونکہ تمہیں عمرہ کے لیے زیادہ مشقت نہیں کرنی پڑتی تم تو تھوڑی دور جا کر عمرہ کا احرام باندھ لیتے ہو۔ یہی قول حضرت طاؤس سے مروی ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد اہل حرم اور وہ لوگ ہیں جو مواقیت (احرام باندھنے کا مقام) اور حرم کے درمیان میں رہتے ہیں۔ یہ قول حضرت عطاء سے منقول ہے اور مکحول سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ حضرت عطاء سے یہ بھی مروی ہے کہ میدان عرفات، مزدلفہ، عرنا، رجیع والوں کا بھی یہی حکم ہے وہ تمتع نہیں کر سکتے۔ حضرت زہری فرماتے ہیں جو شخص ایک دن یا ایک دن کی زائد مسافت پر ہو وہ تمتع کر سکتا ہے۔ اور ایک روایت میں دو دن کی مسافت بھی مروی ہے اور امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اہل حرم اور جو اتنے فاصلے پر ہوں کہ وہاں اہل مکہ کے لیے نماز قصر کرنا جائز نہ ہو ان سب کے لیے یہی حکم ہے۔ کیونکہ ان سب کو حاضر شمار کیا جاتا ہے نہ کہ مسافر۔ واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں جن چیزوں کا حکم دیا اور جن چیزوں سے روکا ہے ان میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ: یعنی جو شخص اس کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہے اور معاصی کا مرتکب ہے اللہ تعالیٰ اسے سخت سزا دیتا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

”حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں پس جو نیت کرلے ان میں حج کی تو اسے جائز نہیں بے حیائی کی بات اور نہ نافرمانی اور نہ

1۔ البخاری:25/2

جھگڑا حج کے دنوں میں اور جو تم نیک کام کرو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور سفر کا توشہ تیار کرو اور سب سے بہتر توشہ تو پرہیز گاری ہے اور ڈرتے رہو مجھ سے اے عقلمندو!''۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ: علمائے نحو کا اس جملہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ حج سے مراد چند معلوم اور مقرر مہینوں میں حج کرنا ہے۔ اس اعتبار سے ان مہینوں میں حج کا احرام باندھنا اکمل و افضل ہے گو ان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی احرام باندھنا صحیح ہے۔ امام مالک، ابوحنیفہ، احمد بن حنبل، اسحاق بن راھویہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، لیث بن سعد کا بھی یہی قول ہے۔ انہوں نے اس آیت کریمہ۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (بقرہ:189) ''ترجمہ: دریافت کرتے ہیں آپ سے نئے چاندوں کے متعلق، فرمایئے یہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے لیے اور حج کے لیے''۔ سے استدلال کیا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ کو نسک کہا گیا ہے۔ جب عمرہ کا احرام سارا سال باندھنا صحیح ہے تو حج کا احرام باندھنا بھی صحیح ہو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حج کے مہینوں میں یہ احرام باندھنا صحیح ہے۔ اور اگر کسی نے ان مہینوں سے پہلے احرام باندھا تو اس کا احرام صحیح نہیں ہوگا۔ کیا اس احرام سے عمرہ کر سکتا ہے۔ اس کے بارے میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ انکی دلیل یہی آیت کریمہ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ہے۔ بعض دوسرے علماء نحو فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ حج کا وقت کچھ معلوم مہینے ہیں جو یہاں سال کے مہینوں میں سے چند ماہ کو حج کے لیے خاص کر دیا گیا ہے۔ اس لیے ان مہینوں سے پہلے احرام باندھنا صحیح نہیں ہوگا۔ جیسا کہ وقت داخل ہونے سے نماز پڑھنا صحیح نہیں۔ امام شافعیؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ اس روایت کی دوسری بھی بہت سی اسناد ہیں اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ان مہینوں میں احرام باندھنا سنت ہے۔ صحابی کا یہ قول کہ ''فلاں چیز سنت ہے'' حدیث مرفوع کا حکم رکھتا ہے۔ خصوصا حضرت ابن عباسؓ کا قول جن کو ترجمان قرآن کہا جاتا ہے۔ حضرت جابرؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کسی کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ حج کا احرام باندھے مگر حج کے مہینوں میں۔ اس کی سند بھی اچھی ہے۔ لیکن امام شافعی اور بیہقی نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ آپ سے یہ پوچھا گیا کہ کیا کوئی حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اور یہ موقوف حدیث اس مرفوع حدیث سے اصح ہے۔ پھر صحابی کے فتویٰ سے اس مذہب کی مزید تائید ہوتی ہے۔

اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔ ان سے مراد شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحج کے پہلے دس دن ہیں۔ امام بخاری نے اسے معلق ذکر کیا ہے۔ اور ابن جریر نے اسے موصول، اس کے علاوہ حاکم نے اس کو مستدرک میں روایت کر کے شیخین کی شرط پر کہا ہے۔ اور یہی حضرات عمر، علی، عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن زبیر اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ اور یہی حضرت عطاء، طاؤس، مجاہد، ابراہیم نخعی، شعبی اور حسن بصریؒ وغیرہم سے منقول ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، ابو یوسف اور ابوثور کا بھی یہی مذہب ہے۔ اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ ''اَشْهُرٌ'' کا لفظ اگرچہ جمع ہے۔ لیکن اس کا اطلاق دو مہینوں اور تیسرے مہینے کے دس دنوں پر تغلیب کے طور پر ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں کہ میں نے اسے اس سال دیکھا یا آج کے دن دیکھا تو ظاہر بات ہے کہ پورا سال یا پورا دن انسان نہیں دیکھتا بلکہ دیکھنے کا وقت تھوڑا سا ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (بقرہ:203) ''ترجمہ: اور جو جلدی کر کے دو دنوں میں ہی چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں''۔ یہاں بھی دو دن بول کر ڈیڑھ دن مراد ہے۔ امام مالکؒ اور

امام شافعیؒ کے پہلے قول کے مطابق حج کے مہینے شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحج کا پورا مہینہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے اور یہی قول ابن شہاب، عطاء اور صحابی رسول جابر بن عبداللہ سے منقول ہے۔ حضرت طاؤس، مجاہد عروہ بن زبیر، ربیع بن انس اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس کا ذکر ایک مرفوع حدیث میں بھی آیا ہے لیکن یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ اس کا ایک راوی حصین ابن مخارق ہے جس پر وضع حدیث کی تہمت لگائی گئی ہے۔ بلکہ اس حدیث کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ امام مالک کے اس مذہب کے مطابق مفہوم یہ ہوگا کہ ذوالحج کا مہینہ حج کے ساتھ خاص ہے۔ اس میں عمرہ کرنا مکروہ ہے نہ یہ کہ عید کے بعد بھی حج ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حج کے معلوم مہینے ہیں جن میں عمرہ کرنا صحیح نہیں۔ ابن جریر بھی اس کی یہی وضاحت فرماتے ہیں۔ جن لوگوں کا یہی مذہب ہے کہ ذوالحج کا پورا مہینہ حج میں داخل ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ اس مہینے میں عمرہ نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ حج کے مناسک ایام منیٰ کے بعد ختم ہو جاتے ہیں۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں۔ تمام اہل علم کے نزدیک حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنا افضل ہے۔ ابن عون فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے حج کے مہینوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ان مہینوں میں عمرہ کو مکمل نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ان مہینوں کے علاوہ عمرہ کو پسند کرتے تھے اور حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے سے روکتے تھے۔

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ: اس ارشاد باری تعالیٰ میں حج کے لیے احرام باندھنے اور اسے پورا کرنے کی دلیل ہے۔ علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہاں فرض کا معنی واجب اور لازم کرنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے حج یا عمرے کا احرام باندھا۔ عطاء فرماتے ہیں کہ یہاں فرض سے مراد احرام باندھنا ہے۔ یہی قول ابراہیم نخعی اور ضحاک وغیرہ کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ حج کا احرام باندھنے اور تلبیہ کہنے کے بعد پھر مقیم ہونا صحیح نہیں۔ ابن مسعودؓ، ابن زبیرؓ، مجاہد، عطاء ابراہیم نخعی، سفیان ثوری وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ طاؤس، اور قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ یہاں فرض سے مراد تلبیہ (لبیک کہنا) ہے۔

فَلَا رَفَثَ: یعنی جس نے حج یا عمرے کا احرام باندھا اسے رفث سے اجتناب کرنا چاہیے اور رفث سے مراد جماع ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ (بقرہ: 187)'' ترجمہ: حلال کر دیا گیا تمہارے لیے رمضان کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانے کو''۔ احرام کی حالت میں جماع اور اس کی دواعی یعنی معانقہ اور بوس و کنار بھی حرام ہے۔ اسی طرح عورتوں کی موجودگی میں اس کے متعلق گفتگو ممنوع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مردوں کے سامنے بھی ایسی باتیں کرنا جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے احرام کی حالت میں ایک شعر پڑھا۔ جس میں عورتوں کا ذکر تھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ احرام کی حالت میں یہ کیسا شعر پڑھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ عورتوں کے سامنے یہ شعر پڑھنا رفث ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''رفث'' سے مراد اشارۃً اور کنایۃً جماع کرنا ہے اور یہ رفث کا ادنیٰ درجہ ہے اور عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جماع اور فحش گوئی ہے یعنی کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ جب احرام کو کھولیں گے تو جماع کریں گے۔ اسی طرح بوس و کنار چھیڑ چھاڑ اور اشارہ کرنا سب رفث میں شامل ہیں۔ اور احرام کی حالت میں یہ سب حرام ہیں۔

وَلَا فُسُوْقَ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ کی معصیت اور اس کی نافرمانی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں اس سے مراد شکار وغیرہ کر کے اللہ کی نافرمانی کرنا ہے۔ ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حرم کی حدود میں اللہ کی معصیت کا ارتکاب کرنا ہے۔ بہت سے دوسرے مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں ''فسوق'' سے مراد گالی گلوچ ہے۔ جیسا کہ حدیث

پاک میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کے ساتھ جھگڑا کرنا کفر ہے(1)۔ حضرت عبد الرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ یہاں ''فسوق'' سے مراد بتوں کیلئے جانوروں کو ذبح کرنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (انعام:145) ضحاک فرماتے ہیں کہ یہاں اس سے مراد کسی کو برے الفاظ سے یاد کرنا ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی اس میں داخل ہے۔ اگرچہ یہ فسق ہر وقت حرام ہے لیکن ان حرمت والے مہینوں میں اس کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا: مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ (توبہ:36) ''ان میں سے چار عزت والے ہیں۔ یہی دین قیم ہے۔ پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں اپنے آپ پر''۔ اسی طرح حرم شریف کے بارے میں ارشاد فرمایا: مَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (الحج: 25) '' ترجمہ: اور جو ارادہ کرے اس میں زیادتی کا ناحق۔ تو ہم اس کو چکھائیں گے دردناک عذاب''۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہاں فسق سے مراد وہ امور ہیں جو احرام کی حالت میں ممنوع ہیں۔ جیسے شکار کھیلنا بال منڈوانا، ناخن کٹوانا، وغیرہ۔ لیکن ہم نے جو بیان کیا ہے وہی تفصیل بہتر ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا نہ اس نے رفث کیا نہ فسق۔ تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح جنم کے وقت تھا۔

وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ: اس میں دو قول ہیں (1) دوران حج حج کے مناسک ادا کرتے وقت جھگڑا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اسے واضح اور اکمل طور پر بیان فرما دیا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حج کے مہینوں کو بیان فرما دیا ہے۔ اس کے بارے میں لوگوں کے درمیان جھگڑا نہیں ہونا چاہیے۔ دوسری روایت میں فرمایا۔ اب حج کے کسی مہینے کو آگے پیچھے نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس میں جھگڑا کیا جائے گا جس طرح کہ مشرکین مکہ کیا کرتے تھے۔ جن کی مذمت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ حج میں لڑائی جھگڑا نہ کرو۔ قریش مزدلفہ میں مشعر حرام کے قریب ٹھہرتے تھے اور باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے۔ یہ لوگ آپس میں جھگڑتے تھے اور ہر کوئی کہتا کہ ہم صحیح راہ اور طریق ابراہیمی پر ہیں۔ یہاں اس کی ممانعت کی جا رہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تمام مناسک حج سے آگاہ کر کے اس جھگڑے کا خاتمہ کر دیا۔

(2) اس سے مراد لڑائی جھگڑا کرنا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھی سے لڑائی کر کے اسے غصہ دلا دے۔ یہی قول عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ اسی طرح ابو العالیہ، عطاء، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ وغیرہم سے منقول ہے۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ لوگ حج میں لڑائی جھگڑا کرنا پسند کیا کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گالی گلوچ اور آپس میں لڑائی جھگڑے کرنا ہے۔ عبد اللہ بن زبیرؓ، حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ، طاؤس اور محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں کہ جدال سے مراد لڑائی جھگڑا ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ جدال سے مراد یہ ہے کہ کوئی اپنے مسلمان بھائی کو غصہ دلا دے لیکن اپنے غلام کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا اس میں داخل نہیں۔ مگر اسے مارنا نہیں چاہیے۔ میرے نزدیک اسے مارنا جائز ہے۔ اس کی دلیل حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی روایت کردہ حدیث ہے۔ فرماتی ہیں کہ ہم سفر حج میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ حتیٰ کہ جب ہم مقام ''عرج'' پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ اپنی سواری سے اترے پڑاؤ کیا۔ سیدہ عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھیں اور میں اپنے والد ابو بکرؓ کے پاس بیٹھ گئی۔ میرے والد کے غلام کے پاس رسول اللہ ﷺ کا سامان تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اس کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بغیر اونٹ کے آ گیا۔ انہوں پوچھا تمہارا اونٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ کل رات مجھ سے اونٹ گم ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارے پاس ایک ہی اونٹ تھا وہ بھی تم نے گم

1۔ البخاری:1/1

کر دیا اور غصہ میں آ کر اسے مارنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ مسکراتے ہوئے فرما رہے تھے۔ دیکھو یہ احرام کی حالت میں کیا کر رہے ہیں (1)۔ اس حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس لیے بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ ساربان کو مارنا کمال حج ہے۔ لیکن یہ یادر ہے کہ نبی کریم ﷺ کا حضرت ابوبکرؓ کا اس طرح فرمانا نہایت ہی پر لطف انکار کے طور پر تھا۔ اس لیے اسے ترک کرنا ہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنا حج اس طرح ادا کیا کہ دوسرے مسلمان اس کے ہاتھ اور زبان سے محفوظ رہے تو اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ: چونکہ پہلے حجاج کرام کو قبیح افعال واقوال سے روکا تھا۔ اب یہاں نیکی کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس چیز سے بھی باخبر کر دیا ہے کہ وہ ہر چیز سے آگاہ ہے اس لیے قیامت کے دن نیکیوں کا بہترین بدلہ عطا فرمائے گا۔

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لوگ بغیر زادراہ کے حج کے لئے نکلا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ کے گھر کا حج کرنے نکلے ہیں کیا وہ ہمیں کھلائے گا نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ زادراہ ساتھ لے لیا کرو تا کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ عکرمہ اور ابن عیینہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اہل یمن حج کے لئے نکلتے تو زادراہ ساتھ نہ لیتے اور کہتے کہ ہم اللہ پر بھروسہ کرنے والے ہیں۔ اسے ابن حبان، ابن جریر اور ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ جب احرام باندھتے تو وہ اپنے پاس موجود زادراہ کو پھینک دیتے اور نئے سرے سے زادراہ لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا اور ان کو اس فعل سے روکا۔ اور انہیں حکم دیا کہ وہ آٹا، ستو وغیرہ زادراہ کے طور پر لے لیا کریں۔ یہی قول حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، ابوالعالیہ، مجاہد، شعبی، عکرمہ، ابراہیم نخعی، سالم بن عبداللہ، عطاء خراسانی، قتادہ، ربیع بن انس اور مقاتل بن حیان سے منقول ہے۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ خشک اناج اور ستو وغیرہ لے لیا کرو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سفر میں عمدہ زادراہ لینا انسان کی خوبی میں سے ہے۔ بلکہ آپ اسی شخص کو سفر میں لے جاتے جو سفر میں اس خوبی کا مظاہرہ کرتا۔

فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى: جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں زادراہ ساتھ لینے کا حکم فرمایا تو اس کے ساتھ ساتھ اخروی زادراہ کی طرف بھی رہنمائی فرمائی۔ اور اس سے مراد اپنے آپ کو تقوی سے متصف کرنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف: 26) ''ترجمہ: (یہ لباس) تمہارے لئے باعث زینت ہے اور پرہیزگاری کا لباس سب سے بہتر ہے''۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے پھر ظاہری لباس کا ذکر فرمایا پھر اس کے ساتھ ہی معنوی لباس کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس سے مراد خشوع وخضوع، اطاعت وتقویٰ ہے اور بعد میں فرمایا کہ یہی ظاہری لباس سے بہتر اور نفع مند ہے۔ حضرت عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آخرت کا زادراہ ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس دنیا میں زادراہ لیتا ہے تو وہ زادراہ اسے آخرت میں بھی فائدہ دیتا ہے۔ مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو ایک مسکین شخص نے عرض کی یارسول اللہ! ہمارے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں جو زاد راہ کے طور پر لے سکیں۔ آپ نے فرمایا: اتنا ضرور لو کہ کسی سے سوال کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ اور بہترین زادراہ خدا کا خوف ہے۔

وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ: اے اصحاب عقل و دانش! میرے عذاب وسزا اور انتقام سے بچو۔ اور میرا یہ عذاب اس کے لیے ہے جو میرے حکم کی مخالفت کرے اور اس سے روگردانی کرے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

1۔ ابن ماجہ 2933

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

''نہیں ہے تم پر کوئی حرج (اگر حج کے ساتھ ساتھ) تم تلاش کرو اپنے رب کا فضل (رزق) پھر جب واپس آؤ عرفات سے تو ذکر کرو اللہ کا مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس اور ذکر کرو اس کا جس طرح اس نے تمہیں سکھایا اور اگرچہ تم اس سے پہلے گمراہوں میں سے تھے''۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز نامی میلے لگتے تھے۔ صحابہ کرام ایام حج میں ان میں خرید و فروخت اور تجارت کو گناہ سمجھتے تھے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور انہیں اجازت ہوگئی کہ ایام حج میں تجارت کرنا ممانعت نہیں ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حج سے پہلے اور حج کے بعد خرید و فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور آپ کی قرات میں ''مِّنْ رَّبِّكُمْ'' کے بعد ''فِيْ مَوَاسِمِ الْحَجِّ'' کے کلمات بھی ہیں۔ اور یہ قرأت ابن زبیرؓ سے بھی مروی ہے۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، منصور بن معتمد، قتادہ، ابراہیم النخعی اور ربیع بن انس وغیرہم کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابو اسیمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص حج پر جا رہا ہو اور اس کے پاس سامان تجارت ہو تو اس کا کیا حکم ہے آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنائی۔ یہ روایت موقوف ہے۔ اور اسے مرفوع بھی روایت کیا گیا ہے۔ حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے عرض کی کہ ہم جانور کرایہ پر دیتے ہیں۔ کیا ہمارا بھی حج ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کرتے۔ میدان عرفات میں نہیں جاتے، شیطانوں کو کنکریاں نہیں مارتے، اپنے سروں کو نہیں منڈواتے۔ میں نے عرض کی ہاں ہم یہ سب کام کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔ یہی سوال ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ تو اس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے بلا کر فرمایا تمہارا حج ہو گیا۔ اس کو عبدالرزاق نے بھی اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح یہ حدیث سفیان ثوری سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی اور بھی اسناد ہیں۔ جن میں کچھ الفاظ کی کمی و بیشی سے یہی حدیث روایت کی گئی ہے۔ حضرت ابوصالح فرماتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ سے عرض کی اے امیر المومنین! کیا آپ حج کے دوران تجارت کیا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا: ہماری معیشت کا دارومدار حج میں تجارت پر ہی ہے۔

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ: عرفات کو غیر منصرف پڑھا گیا ہے حالانکہ اس میں غیر منصرف ہونے کے دو سبب علمیت اور تانیث مفقود ہے۔ منصرف پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصل میں مسلمات اور مومنات کی طرح جمع ہے۔ اس کے ساتھ ایک معین جگہ کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ اس لیے وصل کی رعایت کی وجہ سے اسے منصرف پڑھا جاتا ہے۔ عرفات وہ جگہ ہے جہاں حاجی وقوف کرتے ہیں اور یہ حج کے ارکان میں سے بنیادی رکن ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا حج عرفات ہے۔ اور جو طلوع فجر سے پہلے پہلے میدان عرفات میں پہنچ گیا اس کا حج ہو گیا۔ منیٰ کے تین دن ہیں اور جو جلدی کر کے دو دنوں میں چلا گیا اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو کچھ دیر وہاں ٹھہرا رہا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (1)۔ میدان عرفات میں وقوف کا وقت یوم عرفہ کے دن سورج ڈھلنے سے لے کر قربانی کے دن فجر طلوع ہونے سے پہلے تک ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد سے لے کر سورج غروب ہونے تک عرفات میں وقوف کیا اور فرمایا مجھ

1۔ الترمذی 2975

سے حج کے احکام سیکھ لو۔ اسی حدیث میں آپ نے فرمایا جو فجر طلوع ہونے سے پہلے میدان عرفات میں پہنچ گیا اس نے حج کو پالیا۔ یہی مذہب امام مالک، ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ کا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ میدان عرفات میں ٹھہرنے کا وقت سورج کے طلوع ہونے سے شروع ہو جاتا ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مزدلفہ میں نماز کے لیے نکلے تو ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ! میں طے کی پہاڑیوں سے آ رہا ہوں۔ میں نے اپنی سواری کو تھکایا، اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا۔ قسم بخدا میں ہر پہاڑ پر ٹھہرتا ہوا آ رہا ہوں کیا میرا حج ہو گیا؟ آپ نے فرمایا جو شخص ہماری اس نماز میں حاضر ہوا اور اس نے ہمارے ساتھ وقوف کیا اور اس سے پہلے وہ دن یا رات کے وقت میدان عرفات میں ٹھہرا ہوا اس کا حج مکمل ہو گیا۔ اور وہ اپنے فریضہ حج سے فارغ ہو گیا(1)۔ حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ انہوں نے انہیں حج کرایا حتیٰ کہ جب وہ میدان عرفات میں آئے تو انہوں نے پوچھا ''عرفت'' (آپ نے پہچان لیا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا (عرفت) چونکہ پہلے بھی ایک مرتبہ تشریف لا چکے تھے۔ اس لیے اس کا نام عرفات پڑ گیا۔ حضرت عطاء سے بھی یہی مروی ہے۔ عَرَفَاتٍ کو مشعر حرام، مشعر اقصیٰ اور الال بھی کہتے ہیں۔ اور اس کے درمیان جو پہاڑ واقع ہے اسے جبل رحمت کہتے ہیں۔ حضرت ابوطالب نے بھی اپنے مشہور قصدہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

وَبِالْمَشْعَرِ الْاَقْصٰى اِذَا قَصَدُوْالَه ــ اِلَالٌ اِلٰى تِلْكَ الشِّرَاجِ الْقَوَابِلِ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دور جاہلیت کے لوگ بھی میدان عرفات میں ٹھہرا کرتے تھے اور جب دھوپ پہاڑ کی چوٹیوں پر اتنی باقی رہ جاتی جتنا آدمی کے سر پر عمامہ ہوتا ہے۔ پھر وہاں سے روانہ ہو جاتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ اس وقت میدان عرفات سے چلتے جب سورج غروب ہو جاتا پھر مزدلفہ میں تشریف لاتے اور وقوف فرماتے۔ اور فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھتے اور جب صبح خوب روشن ہو جاتی تو سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کی طرف لوٹتے۔ حضرت مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میدان عرفات میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد حسب عادت اما بعد کے الفاظ کہے۔ پھر فرمایا: آج کا دن حج اکبر ہے۔ مشرکین اور بت پرست میدان عرفات سے سورج غروب ہونے سے پہلے مزدلفہ کی طرف روانہ ہو جاتے تھے۔ جب پہاڑ پر دھوپ اس طرح ہوتی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامے ہوتے ہیں۔ لیکن ہم سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے چلیں گے اور سورج طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ سے نکلیں گے۔ ہمارا طریقہ مشرکوں کے طریقہ کے برعکس ہے۔ اس کو ابن مردویہ اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے شیخین کی شرط پر بتایا ہے۔ اس حدیث سے حضرت مسور کا سماع حضور ﷺ سے ثابت ہو گیا۔ بعض محدثین کا یہ قول صحیح نہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت تو کی ہے لیکن آپ سے ان کا سماع ثابت نہیں۔ حضرت معروف بن سوید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو میدان عرفات سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔ گویا کہ وہ منظر ابھی بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ آپ تیز رفتار اونٹ پر سوار تھے، اور آپ کے سر کے اگلے حصہ پر بال نہیں تھے اور آپ فرما رہے تھے۔ ہم نے افاضہ کو پالیا اور اس سے مراد تیزی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی طویل حدیث میں یہ بیان بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ میدان عرفات میں ٹھہرے رہے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور زردی پھیل گئی۔ آپ نے اپنے پیچھے حضرت اسامہ کو بٹھایا اور میدان عرفات سے روانہ ہوئے۔ آپ نے اپنی اونٹنی قصویٰ کی نکیل کو کھینچا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کا سر حضور ﷺ کے پاؤں تک پہنچ گیا۔ اور آپ دائیں ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ فرماتے کہ لوگو! آہستہ سے چلو۔ اور جب بھی کوئی پہاڑی آتی

1۔ جامع الترمذی:891

تو آپ اونٹنی کی نکیل کو تھوڑا سا ڈھیلا کر دیتے تا کہ وہ آسانی سے چڑھ سکے۔حتیٰ کہ جب آپ مزدلفہ میں پہنچے تو آپ نے ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی اور ان کے درمیان نوافل نہیں پڑھے۔ پھر آپ نے آرام فرمایا۔ پھر جب فجر طلوع ہوئی تو ایک اذان اور اقامت کے ساتھ فجر ادا کی پھر آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر حرام تشریف لائے اور قبلہ رو ہو کر دعا اور تسبیح وتہلیل میں مشغول ہو گئے۔آپ یہیں ٹھہرے رہے۔ جب روشنی خوب پھیل گئی تو سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کی طرف نکلے (1)۔حضرت اسامہؓ سے پوچھا گیا کہ جب رسول اللہ ﷺ عرفات سے روانہ ہوئے تو آپ کی رفتار کیسی تھی؟ آپ نے فرمایا: درمیانی تھی۔راستہ میں جب کشادگی پاتے تو اونٹنی کو ذرا تیز کر دیتے۔حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ مشعر حرام کے پاس ذکر سے مراد مغرب اور عشاء کی ایک ساتھ نماز پڑھنا ہے۔حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو سے مشعر حرام کے بارے میں پوچھا تو آپ خاموش رہے حتیٰ کہ جب ہمارا قافلہ مزدلفہ میں جا کر ٹھہرا تو فرمایا مشعر حرام کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟اور فرمایا یہ ہے مشعر حرام۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ تمام مزدلفہ مشعر حرام ہے۔ یہ پہاڑ بھی اور اس کے اردگرد جگہ بھی۔آپ نے قزح کی پہاڑی پر جمع ہوتے دیکھا تو فرمایا یہ لوگ یہاں کیوں جمع ہو رہے ہیں یہ تمام علاقہ مشعر حرام میں شامل ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ، سعید بن جبیر، مجاہد، سدی، ربیع بن انس، حسن بصری اور قتادہؒ فرماتے ہیں ان دونوں پہاڑوں کے درمیان تمام جگہ مشعر حرام ہے۔ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے پوچھا مزدلفہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا جب تم میدان عرفات سے چلو تو میدان عرفات کے دونوں کونوں سے لے کر وادیٔ محسب تک پورا علاقہ مزدلفہ ہے۔اس دوران جہاں بھی ٹھہرنا چاہو ٹھہر سکتے ہو۔لیکن میں چاہتا ہوں کہ قزح پہاڑی کے قریب ٹھہرو۔تا کہ لوگوں کے راستے سے یکسوئی ہو جائے۔مشاعر ظاہری نشانیوں کو کہتے ہیں۔مزدلفہ کو مشعر حرام اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ حرم کی حدود میں داخل ہے۔بعض سلف صالحین اور شافعی حضرات جیسے قفال اور ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ مزدلفہ میں ٹھہرنا فرض ہے اس کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا۔بعض نے اسے واجب کہا ہے۔امام شافعی کا ایک قول یہی ہے۔یعنی اگر کوئی یہاں نہ ٹھہر سکے تو قربانی دینا پڑے گی اور ایک بکری ذبح کرنی پڑے گی۔بعض نے اس کو مستحب کہا ہے۔اسے ترک کرنے سے کوئی چیز لازم نہیں آتی۔اور یہ امام شافعی کا دوسرا قول ہے۔حضرت زبیر بن مطعم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میدان عرفات پورے کا پورا موقف ہے مگر وادی عرناء سے دور رہو۔اسی طرح پورا مزدلفہ موقف ہے لیکن بطن محسب سے دور رہا کرو۔منیٰ کی پوری وادی میں قربانی ہو سکتی ہے۔تمام ایام تشریق قربانی کے دن ہیں۔لیکن یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ سلمان بن موسیٰ جن کو اشدق کہتے ہیں۔انہوں نے زبیر بن مطعم کو نہیں پایا۔اس حدیث کی دوسری سند بھی ہے واللہ اعلم۔

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ: چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم کے طریقہ حج کو واضح طور بیان فرما کر مسلمانوں پر انعام فرمایا اس لیے اس نعمت کا شکر یہ ادا کرنے کے لیے تنبیہ فرماتا ہے کہ میرا ذکر کرو۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ یعنی تم حضرت ابراہیم کے طریقہ حج سے بے خبر تھے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم قرآن اور رسول سے بے خبر ہو۔بہر حال یہ تینوں قول صحیح اور باہم ایک دوسرے کو لازم ہیں۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٩﴾

”پھر تم بھی (اے مغروران قریش) وہاں تک (جا کر) واپس آؤ جہاں جا کر دوسرے لوگ واپس آتے ہیں، اور معافی مانگو

1۔صحیح بخاری: کتاب الحج: 92

اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا: یہاں پر ثُمَّ خبر کا خبر پر عطف کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ تا کہ ترتیب ہو جائے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے میدان عرفات میں ٹھہرنے والے کو حکم دیا کہ وہ مزدلفہ جائے تا کہ مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرے۔ یہ بھی حکم دیا میدان عرفات میں عام لوگوں کے ساتھ ٹھہرے۔ جیسا کہ عام لوگ تو میدان عرفات میں ٹھہرتے تھے مگر قریش حرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ اور حرم کے آخری کونے میں ٹھہرتے تھے اور فخر سے کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ والے ہیں اور اس کے شہر کے باشندے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور اپنے آپ کو حمس کہتے تھے اور باقی اہل عرب میدان عرفات میں ٹھہرتے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ وہ پہلے میدان عرفات میں وقوف کرے اور پھر یہاں سے مزدلفہ کی طرف نکلے۔ جس طرح عام لوگ جاتے ہیں۔ یہی قول ابن عباسؓ، مجاہد، عطاء، قتادہ اور سدی وغیرہم کا ہے۔ اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ اور اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

حضرت زبیر بن مطعم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میدان عرفات میں میرا اونٹ گم ہو گیا میں اسے تلاش کرنے کے لیے نکلا۔ تو میں نے نبی کریم ﷺ کو وہاں ٹھہرے ہوئے پایا۔ اپنے آپ کو کہنے لگا ان کا تعلق تو حمس سے ہے یہ کیوں حرم سے باہر یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں افاضہ سے مراد شیطانوں کو کنکریاں مارنے کے لیے مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جاتا ہے۔ ابن جریر نے اسے ضحاک بن مزاحم سے بھی نقل کیا ہے۔ اور ''النَّاسُ'' سے مراد ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اس سے مراد امام وقت ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں اگر اس قول کے خلاف اجماع کی دلیل نہ ہوتی تو یہ قول ہی زیادہ راجح ہے۔

وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰہَ: مومن کو اپنی عبادت کو مکمل کرنے کے بعد اپنے ذکر کا حکم دیتا ہے۔ اس لیے صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے اور آپ لوگوں کو تینتیس مرتبہ سبحن اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کا حکم دیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ عرفہ کی شام کو رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے استغفار کیا کرتے تھے۔ حضرت شداد بن اوسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام استغفاروں کا سردار یہ استغفار ہے: اَللّٰھُمَّ اَنۡتَ رَبِّیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اَنۡتَ خَلَقۡتَنِیۡ وَاَنَا عَبۡدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھۡدِکَ وَ وَعۡدِکَ مَا اسۡتَطَعۡتُ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ شَرِّ مَا صَنَعۡتُ اَبُوۡءُ لَکَ بِنِعۡمَتِکَ عَلَیَّ وَ اَبُوۡءُ بِذَنۡبِیۡ فَاغۡفِرۡلِیۡ فَاِنَّہٗ لَا یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اَنۡتَ۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے یہ استغفار رات کو پڑھا اور پھر اسی رات فوت ہو گیا تو وہ جنتی ہو گا اور جس نے دن کے وقت پڑھا اور اسی وقت فوت ہو گیا تو وہ جنتی ہو گا۔ حضرت ابو بکرؓ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا سکھایئے جسے میں نماز میں پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا یہ دعا پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ ظُلۡمًا کَثِیۡرًا وَّلَا یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اَنۡتَ فَاغۡفِرۡلِیۡ مَغۡفِرَۃً مِّنۡ عِنۡدِکَ وَارۡحَمۡنِیۡۤ اَنۡتَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ۔ استغفار کے بارے میں بکثرت احادیث مروی ہیں۔

فَاِذَا قَضَیۡتُمۡ مَّنَاسِکَکُمۡ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِکۡرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا وَمَا لَہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنۡ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَ مِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّقُوۡلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ نَصِیۡبٌ مِّمَّا کَسَبُوۡا ؕ

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

''پھر جب تم پورے کر چکو حج کے ارکان تو اللہ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر الٰہی کرو اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! دے دے ہمیں دنیا میں ہی (سب کچھ) نہیں ہے اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ۔ اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی اور بچالے ہمیں آگ سے بہت جلد حساب چکانے والا ہے''۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ: افعال حج سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ حاجیوں کو کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیتا ہے۔

كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ: اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت عطا فرماتے ہیں جس طرح بچہ اپنے ماں باپ کو یاد کرتا ہے اسی طرح تم بکثرت اللہ کو یاد کیا کرو۔ ضحاک اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دور جاہلیہ میں جب لوگ حج کے لیے آتے تو کوئی کہتا کہ میرا باپ بڑا سخی تھا، لوگوں کو کھانا کھلاتا۔ کوئی کوئی کہتا میرا باپ مشکل وقت میں لوگ کی مدد کرتا اور ان کے خون بہا ادا کرتا تھا۔ اسی طرح اپنے آباء واجداد کے کارناموں کو بیان کرنے کے علاوہ کوئی ذکر نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت انس بن مالکؓ سے بھی مروی ہے۔ ابو وائل، عطا بن ابی رباح، سعید بن جبیر ایک روایت کے مطابق عکرمہ، مجاہد سدی، عطاء خراسانی، حسن بصری وغیرہم سے بھی یہی مروی ہے۔ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کے بکثرت ذکر کرنے پر برانگیختہ کرنا ہے۔ اس لیے ''اَوْ اَشَدَّ'' پر زبر تمیز کی وجہ سے پڑھی گئی۔ یعنی اس طرح یاد کرو، جس طرح اپنے بڑوں پر فخر کیا کرتے تھے یا اس سے بھی زیادہ۔ یہاں ''اَوْ'' خبر میں مماثلت ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ان آیات میں آیا ہے۔ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (بقرہ: 74)، يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً (نساء: 77)، اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ (صافات: 147)، فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (نجم: 9) ان آیات میں ''اَوْ'' قطعاً شک کے لیے نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کثرت ذکر کے بعد اپنی بارگاہ میں بدست بدعا ہونے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ کیونکہ اللہ کے ذکر کے بعد دعا اجابت کے قریب ہوتی ہے اور وہ شخص جو صرف دنیاوی زندگی کے لیے دعا کرتا ہے اس کی مذمت کرتا ہے

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ: خلاق کا معنی نصیب اور حصہ ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے جو صرف دنیاوی آسائش کے حصول میں کوشاں رہتے ہیں اور اسی کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اس میں وہ شخص بھی شامل ہے جو ان کی مشابہت اختیار کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: بعض اعرابی جب حج کے لیے آتے تو صرف یہی دعائیں کرتا اے اللہ! ہمارے اس سال کو بارش والا، زرخیزی والا بنادے اور ہمیں اولاد عطا فرما۔ لیکن وہ آخرت کے بارے میں کوئی سوال نہ کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ جب کہ مومنین یہ دعا کرتے کہ ''اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی۔ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔'' تو اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرمایا انہی لوگوں کو بڑا حصہ ملے گا دونوں جہانوں میں سبب ان کی نیک کمائی کے۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ: یہ دعا دنیا کی ہر خیر کو جامع اور ہر شر کو دور کرنے والی ہے۔ کیونکہ دنیا کی بھلائی میں عافیت اور راحت، گھربار، بیوی بچے وسیع رزاق، علم نافع، عمل صالح، بہترین سواری اور ہر قسم کی عزت وآبرو شامل ہے۔ اور آخرت کی بھلائی میں سب سے اعلیٰ درجہ

دخول جنت ہے اس کے علاوہ میدان حشر میں گھبراہٹ اور پریشانی سے نجات اور حساب کی آسانی وغیرہ سب داخل ہیں اور دوزخ کی آگ سے نجات کا یہ ذریعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے اسباب مہیا کر دے جس سے انسان گناہوں، حرامکاری اور دوسری بری افعال سے بچ سکے۔ حضرت قاسم عبید الرحمٰن فرماتے ہیں: جسے شکر گزار دل اور ذکر کرنے والی زبان اور صبر کرنے والا جسم عطا ہو گیا اسے دنیا و آخرت کی بھلائی عطاء ہو گئی۔ اور وہ دوزخ کے عذاب سے نجات پا گیا۔ احادیث طیبہ میں بکثرت دعا کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ...... حضرت قتادہ نے حضرت انس سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کونسی دعا اکثر مانگا کرتے تھے۔ آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت انسؓ خود بھی جب دعا مانگتے تو اس میں یہ دعا ضرور مانگتے۔ حضرت عبدالسلام بن شداد فرماتے ہیں کہ میں حضرت انس بن مالک کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا تو حضرت ثابت نے عرض کی یہ دوست آپ کی خدمت میں دعا کے لیے عرض کر رہے ہیں تو آپ نے یہی دعا فرمائی۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد جانے لگے تو پھر دعا کے لیے درخواست کی تو آپ نے فرمایا کیا آپ چاہتے ہو کہ میں تمہارے معاملات کو بکھیر دوں۔ اس دعا میں دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں آ گئی ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ ایک شخص کی عیادت کے لیے گئے جو بیماری کی وجہ سے ہڈیوں کا پنجر بن ہوا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم اللہ تعالیٰ سے کیا دعا کرتے تھے۔ اس نے کہا کہ میں یہ دعا کیا کرتا تھا کہ اے اللہ! جو عذاب تو نے مجھے آخرت میں دینا ہے وہ دنیا میں ہی دے لے۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! تو اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ تم یہ دعا رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ...... کیوں نہیں مانگتے اس نے یہ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا عطا فرما دی۔ حضرت عبداللہ بن سائب فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ رکن بنی جمع اور رکن اسود کے درمیان یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں جب بھی بیت اللہ شریف کے کسی رکن کے پاس سے گزرا تو میں نے ایک فرشتے کو آمین کہتے ہوئے پایا۔ اس لیے جب تم یہاں سے گزرو تو یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ ایک شخص حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کی میں نے کچھ لوگوں کی ملازمت اس شرط پر اختیار کی کہ وہ مجھے اجرت کے طور پر حج کے لیے اپنے ساتھ لے جائیں تو کیا میرا حج ادا ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ تیرا شمار ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۔

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٠٣﴾

"اور (خوب) یاد کر لو اللہ تعالیٰ کو ان دنوں میں جو معدودے چند ہیں اور جو جلدی کر کے دو دنوں میں ہی چلا گیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو کچھ دیر وہاں ٹھہرا رہا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (بشرطیکہ) وہ ڈرتا رہا ہو۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو تمہیں اسی کی بارگاہ میں اکٹھا کیا جائے گا۔"

وَاذْكُرُوا اللَّهَ: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ "أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ" سے مراد ایام تشریق ہیں اور ایام معلومات سے مراد ذوالحج کے دس دن ہیں۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں یہاں ذکر سے مراد ایام تشریق میں فرض نمازوں کے بعد تکبیر کہنا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا، عرفہ کا دن، قربانی کا دن اور ایام تشریق ہم اہل اسلام کے لیے عید کا دن ہیں۔ اور

یہ کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں (1)۔ یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے کہ مکمل میدان عرفات موقف ہے اور تمام ایام تشریق قربانی کے دن ہیں۔ اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ منیٰ کے تین دن ہیں۔ اور جو دو دنوں میں جلدی کر کے چلا گیا اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو کچھ دیر وہاں ٹھہر ا رہا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ ؓ کو منیٰ میں اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ ان دنوں میں روزے نہ رکھو یہ کھانے، پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں مگر جس پر قربانی کے بدلہ میں روزے ہوں۔ لیکن یہ روایت مرسل ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بشر بن سہم کو بھیجا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول نے ایام تشریق میں روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ یہ کھانے، پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضور ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر شعب انصار پر کھڑے ہو کر یہ اعلان فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ "اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ" سے مراد ایام تشریق ہیں۔ اور یہ چار ہیں۔ ایک قربانی کا دن اور تین اس کے بعد۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور بہت سے تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت علی بن طالبؓ فرماتے ہیں کہ یہ تین دن ہیں۔ ایک قربانی کا دن اور دو دن اس کے بعد۔ ان دنوں میں سے جس دن چاہو قربانی کر سکتے ہو۔ ان میں سے سب سے افضل پہلا دن ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ اور یہ آیت کے ظاہری الفاظ بھی اسی پر دال ہیں۔ کیونکہ دو دن کی جلدی اور دیر معاف ہے۔ ثابت ہوا کہ عید کے بعد تین دن ہیں۔ ان دنوں میں ذکر سے مراد قربانی کرتے وقت اللہ کا ذکر کرنا ہے۔ اور پہلے ذکر آچکا ہے کہ امام شافعیؒ کا راجح مذہب یہ ہے کہ قربانی کا یہ وقت عید کے دن سے ایام تشریق کے آخری دن ہے اور اس ذکر سے مراد وہ ذکر بھی مراد لیا جا سکتا ہے جو نمازوں کے بعد مقرر ہے اور اس کے علاوہ مطلق تمام احوال میں ذکر کرنا مراد ہو سکتا ہے۔ ایام تشریق میں نماز کے بعد جو تکبیر پڑھی جاتی ہے اس کے وقت میں اختلاف ہے۔ مشہور ترین قول جس پر عمل جاری ہے وہ یوم عرفہ کی صبح سے لے کر ایام تشریق کے آخری دن کی نماز عصر تک ہے۔ دار قطنی نے اس بارے میں ایک حدیث بھی نقل کی ہے لیکن اس حدیث کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم حضرت عمرؓ اپنے خیمے میں تکبیر کہتے تھے آپ کی آواز سن کر بازار والے لوگ بھی تکبیر کہتے یہاں تک کہ پورا منیٰ تکبیر کی آواز سے گونج اٹھتا۔ ایام تشریق میں شیطانوں کو کنکریاں مارتے وقت جو ذکر کیا جاتا ہے وہ بھی داخل ہے۔ حدیث پاک میں ہے بیت اللہ شریف کا طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی، رمیٔ جمار کرنا یہ سب اللہ کے ذکر کو قائم کرنے کے لیے ہے (2)۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے منیٰ سے مکہ کی طرف جانے کا ذکر کیا۔ چونکہ لوگ ان مقامات مقدسہ کی زیارت کے بعد اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں اس لیے ارشاد فرمایا۔ ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو تمہیں اسی کی بارگاہ میں اکٹھا کیا جائے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

1۔ مسند امام احمد 152/4 2۔ سنن ابی داؤد: کتاب المناسک 79/2

''اور اے (سننے والے) لوگوں سے وہ بھی ہے کہ پسند آتی ہے تجھے اس کی گفتگو دنیاوی زندگی کے بارے میں اور وہ گواہ بنا تا رہتا ہے اللہ کو اس پر جو اس کے دل میں ہے حالانکہ وہ (حق کا) سخت ترین دشمن ہے اور جب وہ حاکم بن جاتا ہے تو سر توڑ کوشش کرتا ہے کہ ملک میں فساد برپا کر دے اور تباہ کر دے کھیتوں کو اور نسل انسانی کو اور اللہ تعالیٰ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور جب کہا جائے اسے کہ (میاں) خدا سے ڈرو تو اور اکساتا ہے اسے غرور گناہ پر پس اس کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو بیچ ڈالتا ہے اپنی جان (عزیز) بھی اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے کے لیے اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر''۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ: حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی جو رسول ﷺ کے پاس آیا اور ظاہری طور پر مسلمان ہو گیا لیکن باطناً منافق تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو حضرت خُبیب اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں باتیں کرتے تھے جو رجیع کے مقام پر شہید ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت اور حضرت خبیبؓ اور ان کے ساتھیوں کے مدح میں یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت جملہ منافقین کی مذمت اور جملہ مومنین کی مدح کے لیے عام ہے۔ یہ حضرت قتادہ، مجاہد اور ربیع بن انس کی روایت سے منقول ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ حضرت نوف بکالی ''جو کہ تورات وانجیل کے بھی عالم تھے، فرماتے ہیں۔ اس امت کے بعض لوگوں کی برائیاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں موجود ہیں۔ وہاں مذکور ہے۔ بعض لوگ دین کے ذریعہ سے دنیا کماتے ہیں۔ انکی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی اور دل مصبر سے زیادہ کڑوے ہیں۔ لوگوں کو دکھانے کے لیے بھیڑوں کی اون کے لباس پہنتے ہیں۔ لیکن ان کے دل بھیڑیوں کے دل جیسے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کیا یہ لوگ مجھ پر جرأت کرتے ہیں۔ میرے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں، مجھے اپنے جلال کی قسم! میں ان کو ایک ایسے فتنے میں مبتلا کروں گا کہ بردبار لوگ بھی حیران ہو جائیں گے۔ حضرت قرظیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس میں غور وفکر کیا تو معلوم ہوا کہ یہ تو منافقوں کے اوصاف ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ ...... میں ہے۔ حضرت سعید بن مقبری نے بھی جب یہ اوصاف گزشتہ کتابوں کے حوالے سے بیان کیے تو محمد بن کعب قرظی نے انہیں بتایا کہ یہ تو قرآن پاک میں بھی موجود ہیں اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ حضرت سعید کہنے لگے کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت کس شخص کے بارے میں نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت شان نزول کے اعتبار سے تو خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے۔

وَيُشْهِدُ اللّٰهَ: ابن محیصن نے اسے يُشْهِدُ اللّٰهُ پڑھا ہے اور اس کا معنی یہ ہوگا کہ یہ منافق اگرچہ اپنی زبان سے جو کچھ بھی کہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کے دل کی برائی کو خوب جانتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا...... (منافقون: 1)'' ترجمہ: (اے نبی مکرم) جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی خوب جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔'' جمہور کی قرأت ''يُشْهِدُ اللّٰهَ'' ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ یہ لوگوں کے لیے اسلام ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اللہ کے سامنے اس کے دل کا کفر ونفاق ظاہر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ (نساء: 108)'' ترجمہ: وہ چھپا سکتے ہیں لوگوں سے اور نہیں چھپا سکتے اللہ تعالیٰ سے''۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہی معنی بیان کیا ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنے اسلام کو ظاہر کرتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں کہ جو کچھ ان کی زبان پر ہے وہی ان کے دل میں ہے۔ یہی معنی صحیح ہے۔ یہی عبدالرحمٰن بن زید اور مجاہد سے منقول ہے اور یہی

ابن جریر کا مختار قول ہے۔

وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ: "اَلَدُّ" کا لغوی معنی سخت ٹیڑھا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا (مریم:97) یہی حال منافق کا ہے کہ وہ جھگڑے کے وقت جھوٹ بولتا ہے، حق سے اعراض کرتا ہے، اس پر قائم نہیں رہتا بلکہ گالی گلوچ سے بھی باز نہیں آتا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے پورا نہ کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک مبغوض ترین شخص وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔ اس حدیث کو عبدالرزاق نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی کئی دوسری اسناد بھی ہیں۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ: اب اس کی صفات بیان کی جا رہی ہیں۔ بدکلام، بدافعال، اپنے قول و فعل میں تضاد کا شکار، جھوٹا، بد عقیدہ، بدکردار ہے۔ یہاں سعی سے مراد قصد اور ارادہ ہے۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى (نازعات:22) اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (جمعہ:9) یعنی جمعہ کی نماز کا ارادہ اور قصد کرو۔ یہاں سعی سے مراد دوڑنا نہیں ہے۔ کیونکہ نماز کے لئے دوڑنا ممنوع ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ نماز کے لیے دوڑتے ہوئے نہ آؤ۔ بلکہ سکون اور وقار کے ساتھ آؤ۔ الغرض ان منافقین کا مقصد زمین میں فساد برپا کرنا، کھیتوں کو تباہ کرنا ہے جن سے انسان کو خوراک حاصل ہوتی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی بدکرداری اور بداعمالی کی وجہ سے بارش روک لیتا ہے جس کی وجہ سے کھیتی اور نسل تباہ ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان رذائل کے حامل لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ: جب بھی کسی منافق کو وعظ و نصیحت کی جاتی ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اپنے ان برے اقوال و افعال سے باز آجاؤ اور حق کا دامن تھام لو تو وہ اکڑ جاتا ہے اور ہٹ دھرمی پر اتر آتا ہے سرکشی اور گناہوں پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ..... (الحج:72) "ترجمہ: اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں صاف صاف تو آپ پہچان لیتے ہیں کفار کے چہروں پر ناپسندیدگی کے آثار، یوں پتہ چلتا ہے کہ وہ عنقریب جھپٹ پڑیں گے ان لوگوں پر جو پڑھتے ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں۔" اس لیے ان کے بارے میں اس آیت میں ارشاد فرمایا۔ پس ان کے لیے جہنم ہی کافی ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ: پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذموم خصلتیں ذکر کیں۔ اب اس کے مومنین کے خصال حمیدہ کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، انس بن مالکؓ، سعید بن مسیب، ابوعثمان نہدی، عکرمہ اور کئی دوسرے مفسرین سے منقول ہے کہ یہ آیت کریمہ سہیل بن سنان رومیؓ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ وہ مکہ میں مسلمان ہوئے اور جب ہجرت کا ارادہ کیا تو اہل مکہ نے کہا کہ اگر مدینہ کی طرف ہجرت کرنا چاہتا ہو تو اپنا مال ہمیں دے دو۔ آپ نے اپنا مال انہیں دے کر چھٹکارا حاصل کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت عمر بن خطابؓ اور بہت سے دوسرے صحابہؓ آپ کے استقبال کے لیے حرہ تک آئے اور کہنے لگے تمہیں یہ سودا مبارک ہو تو نے نفع کا سودا کیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری تجارت میں گھاٹا نہ ڈالے۔ یہ مبارکباد کس بات کی ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ تمہارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ جب آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے بھی یہ فرمایا کہ سہیل نے منافع کا سودا کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ہجرت کا ارادہ کیا تھا تو قریش مکہ نے کہا اے سہیل! جب تم ہمارے پاس آئے تھے اس وقت تمہارے پاس کچھ نہیں تھا۔ اور آج تم مال لے کر جا رہے ہو۔ ہم یہ ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔ میں

نے کہا کہ اگر میں تمہیں مال دے دوں تو کیا مجھے جانے دو گے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے مال دے دیا اور جب مدینہ پہنچا اور نبی پاک ﷺ کے پاس خبر پہنچی تو آپ نے دو مرتبہ فرمایا سہیل نے نفع کا سودا کیا ہے۔ سعید بن مسیب روایت کرتے ہیں کہ حضرت سہیلؓ نے جب نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش کی ایک جماعت نے آپ کو گھیر لیا آپ اپنی سواری سے اترے اور اپنے ترکش سے تیر نکال کر فرمایا کہ اے اہل قریش! تمہیں خوب معلوم ہے کہ میں کتنا بڑا تیر انداز ہوں۔ جب تک میرے ترکش میں تیر باقی ہیں تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے ہو۔ پھر میں تلوار کے ساتھ تمہارا مقابلہ کروں گا اور جب تک میرے جسم میں جان باقی ہے تم میرے قریب نہیں آ سکتے۔ پھر جو چاہے کر لینا۔ ہاں اگر تم چاہتے ہو تو مکہ میں اپنے دفن شدہ مال کے بارے میں تمہیں بتا دیتا ہوں اس شرط پر کہ تم میرا راستہ چھوڑ دو۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ جب آپ مدینہ طیبہ نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا تو نے نفع کا سودا کیا ہے۔ اس کے علاوہ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ تمام مجاہدین فی سبیل اللہ کی شان میں ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ ..... (توبہ: 111) ”ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ نے خرید لیے ہیں ایمانداروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال کے عوض میں کہ ان کے لیے جنت ہے“۔ جب ہشام بن عامرؓ نے تنہا دشمن کی دو صفوں پر حملہ کر دیا کچھ لوگوں نے ان کے اس طرز عمل کو ناپسند کیا اور حضرت عمرؓ اور ابو ہریرہؓ نے ان لوگوں کی تردید کی اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۰۹

”اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے اور نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور اگر تم پھسلنے لگو اس کے بعد کہ آ چکی ہیں تمہارے پاس روشن دلیلیں، تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے“۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: یہاں اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور اپنے رسول کی تصدیق کرنے والوں کو حکم فرماتا ہے کہ وہ اسلام کے تمام احکام کو بجا لائیں اور حتی المقدور تمام ممنوعات سے اجتناب کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں ”سِلْم“ سے مراد اسلام ہے۔ اور بعض فرماتے ہیں اس سے مراد اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، مجاہد، ابو عالیہ، عکرمہ ربیع بن انس وغیرہم فرماتے ہیں کہ ”كَآفَّةً“ کا معنی پورے کا پورا سب کا سب ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں: تمام اعمال سرانجام دو اور نیکیاں بجا لاؤ۔ حضرت عکرمہ کا خیال ہے کہ یہ آیت کریمہ عبداللہ بن سلام اور اسد بن عبید، ثعلبہ اور کچھ دوسرے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو یہودیت کو چھوڑ کر مسلمان ہوئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس عرض کی کہ ہم کو ”یوم سبت“ منانے اور رات کے وقت تورات کے احکام پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے تو آپ نے انہیں اسلامی شعائر پر کاربند رہنے اور اس کے علاوہ ہر چیز سے اعراض کرنے کا حکم فرمایا لیکن یہاں عبداللہ بن سلام کا نام ان لوگوں کے ساتھ ذکر کرنا محل نظر ہے۔ کیونکہ ان جیسے مخلص مومن سے یہ بعید ہے کہ وہ اس قسم کی اجازت لیں حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ ہفتہ کے دن کی حرمت (عزت) منسوخ ہو چکی ہے اور اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جمعہ کا دن عطا فرمایا ہے۔ بعض مفسرین نے ”کافة“ کو حال بنایا ہے اور معنی یہ ہوگا کہ تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ لیکن پہلا قول صحیح ہے۔ مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ حتی المقدور اسلام کے تمام احکام پر عمل پیرا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بعض اہل کتاب بھی مسلمان ہو چکے تھے جو تورات کے بعض احکام پر عمل پیرا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا کہ دین محمدی کے تمام

احکام پر عمل کرو۔ اس میں سے کوئی عمل ترک نہ کرو۔ تورات پر صرف ایمان لانا ہی کافی ہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ: یعنی نیکی کے کام کرو، شیطان تمہیں جس چیز کا حکم دے اس سے اجتناب کرو کیونکہ شیطان تو برائی اور بدکاری ہی کا حکم دیتا ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کو دعوت دیتا ہے تا کہ وہ جہنمی بن جائیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ مطرف کہتے ہیں۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ: اگر تم دلائل کو جان لینے کے باوجود بھی حق سے اعراض کرو گے تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ انتقام لینے پر قادر ہے نہ تو اس سے کوئی بچ سکتا ہے اور نہ کوئی اس پر غالب آ سکتا ہے۔ وہ حکیم ہے اپنے احکام جاری کرنے میں اور ان کے نسخ میں۔ اس لیے ابو عالیہ، قتادہ، ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ وہ انتقام لینے میں غالب اور زبردست اور حکم دینے میں دانا اور حکیم ہے۔ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھ بخل کرنے والوں کی مدد کرنے پر قادر ہے جب وہ چاہے۔ اور اپنے بندہ کے عذر قبول کرنے اور ان پر حجت لازم کرنے میں حکیم ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۲۱۰

”کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ آئے ان کے پاس اللہ کا عذاب چھائے ہوئے بادلوں (کی صورت) اور فرشتے اور (ان کا) فیصلہ ہی کر دیا جائے۔ اور (آخر کار) اللہ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے سارے معاملات“۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ: یہاں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی نبوت کے منکرین کو دھمکی دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کیا یہ اس بات کا انتظار کر رہے کہ ان پر اللہ کا عذاب بادلوں کی صورت میں چھا جائے اور فرشتے بھی نازل ہوں یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اہل دنیا کے اعمال کا فیصلہ فرمائے گا اور اچھے برے عمل کی جزاء وسزا عطا فرمائے گا۔ اس لیے یہاں فرمایا اور ان کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور آخر کار اللہ کی طرف ہی تمام معاملات لوٹائے جائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ارشاد فرمایا ہے۔ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَّجَاۗءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ (فجر :22-21) ”ترجمہ: یقیناً جب زمین کو کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ جب آپ کا رب جلوہ فرما ہو گا اور فرشتے قطار اندر قطار حاضر ہوں گے“۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ (انعام :158) ”ترجمہ: کس کی انتظار کر رہے ہیں بجز اس کے کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا خود آئے آپ کا رب، یا آئے کوئی نشانی آپ کے رب کی“۔ امام ابن جریر نے یہاں طویل حدیث ذکر کی ہے جس میں صور پھونکنے کا ذکر ہے۔ اس حدیث کو اصحاب مسانید نے بھی روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جب لوگ میدان حشر میں گھبرائیں گے تو وہ ایک ایک کر کے تمام انبیاء سے شفاعت طلب کریں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہر ہر پیغمبر کے پاس جائیں گے لیکن وہ تمام جواب دیں گے۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچیں گے۔ آپ فرمائیں گے ہاں میں شفاعت کروں گا۔ پھر عرش الٰہی کے نیچے سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے کہ وہ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی سفارش قبول فرمائے گا اور بادلوں کے سائبان میں تشریف لائے گا۔ اس سے پہلے آسمان دنیا پھٹ جائے گا اور ہر آسمان سے فرشتے نازل ہوں گے۔ حتیٰ کہ حاملین عرش، کروبیین بھی اللہ تعالیٰ کی حمد، تسبیح اور تہلیل کرنے میں مشغول ہوں گے۔ اس دن ان کی تسبیح یہ ہو گی۔ (سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِی

الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ، سُبْحٰنَ الَّذِيْ يُمِيْتُ الْخَلَائِقَ وَلَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ وَ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ ، سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ سُبْحَانَ رَبِّنَا الْاَعْلٰى، سُبْحٰنَ ذِى السُّلْطَانِ وَالْعَظْمَةِ ، سُبْحٰنَهٗ سُبْحٰنَهٗ اَبَدًا اَبَدًا)

حافظ ابوبکر بن مردویہ یہاں کچھ احادیث ذکر کی ہیں۔جن میں غرابت ہے۔جن میں ایک حدیث عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ ایک مقرر دن اولین و آخرین تمام مخلوق کو جمع کرے گا۔ان کی آنکھیں اوپر کی طرف اٹھی ہوئی ہوں گی۔اللہ کے فیصلہ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔اسی حالت میں اللہ تعالیٰ بادلوں کے سائبان میں عرش سے کرسی کی طرف تشریف لائے گا۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں، جس دن اللہ تعالیٰ نزول فرمائے گا اس دن اس کے اور مخلوق کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے۔کچھ پردے نور کے ہوں گے۔کچھ تاریکی کے۔کچھ پانی کے، اس تاریکی میں پانی ایسی آواز نکالے گا کہ لوگوں کے دل دہل جائیں گے۔حضرت زبیر بن محمد فرماتے ہیں کہ بادلوں کے اس سائبان میں یاقوت جڑے ہوئے ہوں گے اور وہ جواہر و زمرد سے آراستہ ہوگا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ بادل کوئی عام بادل نہیں ہوگا۔ یہ وہ بادل ہے جس نے بنی اسرائیل کے سروں پر وادی تیہ میں سایہ کیا تھا۔ حضرت ابو عالیہ فرماتے ہیں کہ فرشتے بادلوں کے سایہ میں حاضر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جیسے چاہے گا جلوہ افروز ہوگا۔ چنانچہ بعض قرأت میں اسے اس طرح بھی پڑھا گیا ہے۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ۔اور یہ اللہ کے اس ارشاد کی مثل ہے۔ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا (فرقان:25)'' ترجمہ: اور یاد کرو جس وز پھٹ جائے گا اور آسمان اور بادل نمودار ہوگا اور اتارے جائیں گے فرشتے گروہ در گروہ''۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾

''آپ پوچھئے بنی اسرائیل سے کہ ہم نے انہیں کتنی روشن دلیلیں عنایت فرمائیں اور جو (قوم) بدل ڈالے اللہ کی نعمت کو اس کے مل جانے کے بعد تو یقیناً اللہ تعالیٰ (اس قوم کو) سخت عذاب دینے والا ہے۔آراستہ کردی گئی ہے کافروں کے لیے دنیا کی (فانی) زندگی اور مذاق اڑاتے ہیں یہ ایمان والوں کا حالانکہ پرہیزگاروں کی شان بلند ہوگی ان سے قیامت کے دن اور اللہ تعالیٰ روزی تو جسے چاہے بے حساب دے دیتا ہے''۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: یہاں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں کتنے ہی معجزات دیکھے جو ان کے صدق پر قطعی طور پر دلالت کرتے ہیں جیسے ید بیضاء، عصا، سمندر کا چیرنا، عصا کو پتھر پر مار کر پانی نکالنا، شدید گرمی میں بادلوں کا ان پر سایہ کرنا، من وسلویٰ کا اترنا وغیرہ۔ یہ ایسے معجزات ہیں جو باری تعالیٰ کے وجود اور اس کے فاعل و مختار ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور جس ہستی کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے اس کی نبوت کی صداقت پر بھی داعی ہیں۔لیکن اسکے باوجود ان میں سے اکثر لوگوں نے ان پر اعراض کیا اور ان پر ایمان لانے کی بجائے کفر اختیار کیا۔

وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ: ایسا ہی ایک ارشاد کفار قریش کے بارے میں نازل ہوا۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (ابراہیم:28)'' ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے بدل دیا، اللہ کی نعمتوں کو ناشکری سے

اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں''۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے کافروں کے لیے اس دنیاوی زندگی کو مزین کر دیا ہے جس پر وہ راضی اور مطمئن ہیں۔ وہ دن رات مال جمع کرنے میں مشغول ہیں۔ وہ اس مال کو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے صرف نہیں کرتے بلکہ وہ ان اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں جنہوں نے اس دنیا سے منہ موڑ لیا۔ ۔ روہ اپنے مال کو اللہ کی اطاعت اور اس کی رضا و خوشنودی میں خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ قیامت کے دن اعلیٰ مقام پر فائز ہوں گے اور ان کا مقام و مرتبہ ان کافروں سے ہر اعتبار سے بلند ہوگا۔ یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اعلیٰ علیین میں انعام الٰہی سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس کے برعکس یہ کافر اسفل السافلین میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔ اس لیے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے بغیر کسی حساب کے رزق عطا فرماتا ہے۔ بلکہ دنیا اور آخرت میں عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے اے ابن آدم! تو خرچ کرتا جا میں تجھے عطا کرتا جاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال کو ارشاد فرمایا اے بلال! خرچ کرو اور عرش کے مالک سے تنگی اور فقر کا خوف نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ (سبا:39) '' ترجمہ: اور جو چیز تم خرچ کرتے ہو وہ اس کی جگہ اور دے دیتا ہے''۔ حدیث نبوی ہے کہ ہر صبح آسمان سے دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے، اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے، اے اللہ! بخل کرنے والے کا مال ضائع کر دے۔ (1)

ایک روایت میں ارشاد فرمایا۔ بنی آدم کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال وہ ہے جس کو تو نے کھایا، فنا کر دیا۔ اور جس کو تو نے پہنا اور پوشیدہ کر دیا اور جو تو نے صدقہ کیا اسے اللہ کے پاس بھیج دیا اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ لوگوں کے لیے چھوڑ کر جانے والا ہے۔ ارشاد نبوی ہے، دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو اور اسے وہی جمع کرتا ہے جس میں عقل نہ ہو۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢١٣﴾

'' (ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی دین پر تھے (پھر جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا) تو بھیجے اللہ نے انبیاء خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور نازل فرمائی ان کے ساتھ کتاب برحق تاکہ فیصلہ کر دے لوگوں کے درمیان جن باتوں میں جھگڑنے لگے تھے اور کسی نے اختلاف نہیں کیا اس میں بجز ان لوگوں کے جنہیں کتاب دی گئی تھی بعد ازاں کہ آ گئی تھیں ان کے پاس روشن دلیلیں (اس کی وجہ) ایک دوسرے سے حسد تھا۔ پس اللہ نے ہدایت بخشی انہیں جو ایمان لائے تھے ان سچی باتوں پر جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے اپنی توفیق سے اور اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف''۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ : حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس اقوام تھیں جو شریعت کی پابند تھیں۔ پھر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کو اس طرح پڑھتے ہیں۔ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا حضرت ابی بن کعبؓ سے بھی یہی قرأت مروی ہے۔ حضرت قتادہ نے بھی

1۔ فتح الباری 304/3

اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کے درمیان اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا پیغمبر نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت مجاہد سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دوسری روایت یہ ہے کہ پہلے سب کہ سب لوگ کافر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا لیکن پہلا قول سند کے اعتبار سے اصح ہے۔ معنی یہ ہو گا چونکہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے شریعت پر عمل پیرا تھے پھر بتوں کی پوجا کرنے لگے اس لیے اللہ تعالیٰ نے نوح کو بھیجا۔ آپ اہل زمین کی طرف اللہ تعالیٰ کے پہلے رسول علیہ السلام تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ برحق کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان کے جھگڑوں کا فیصلہ کرے اور کسی نے اختلاف نہیں اس میں بجز ان لوگوں کے جنہیں کتاب دی گئی تھی۔ بعض ازاں ان کے پاس روشن دلیلیں آگئیں تھیں۔ لیکن ان دلائل کے باوجود اختلاف میں پڑ گئے اور اس کا سبب باہمی بغض وعناد اور حسد تھا۔

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اس آیت کی تفسیر کے تحت حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، قیامت کے دن ہم ہی اول وآخر ہوں گے، ہم ہی جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے، اہل کتاب کو ہم سے پہلے کتاب عطا کی گئی اور ہمیں ان کے بعد۔ اور دین کے جن امور میں انہوں نے اختلاف کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے ان میں ہماری راہنمائی فرمائی۔ جمعہ کے دن کے بارے میں انہوں نے اختلاف کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری راہنمائی فرمائی۔ اس اعتبار سے وہ ہمارے تابع ہیں کہ پہلے ہمارا جمعہ ہے۔ اس کے بعد یہود کا ہفتہ اور اس کے بعد نصاریٰ کا اتوار۔ حضرت زید بن اسلمؒ کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ قبلہ میں بھی ان کا اختلاف ہو گیا۔ نصاریٰ نے مشرق کو بھی اپنا قبلہ بنالیا اور یہود نے بیت المقدس کو۔ اور اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اپنا گھر کعبہ عطا فرمادیا۔ ان کا نماز میں بھی اختلاف ہے۔ بعض رکوع کرتے ہیں تو سجدہ نہیں کرتے۔ بعض نماز میں گفتگو کرتے رہتے ہیں تو بعض نماز میں چلتے رہتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو نماز میں بھی راہ حق کی توفیق عطا فرمائی۔ اسی طرح روزوں میں بھی ان کا اختلاف ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ دن کے بعض حصے میں روزہ رکھتے ہیں اور بعض خاص قسم کے کھانے چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے روزہ کے بارے میں بھی امت محمدیہ کو راہ راست پر رکھا۔ ان کا حضرت ابراہیم کے بارے میں بھی اختلاف ہوا۔ یہود نے کہا کہ وہ یہودی تھے اور نصاریٰ نے کہا کہ وہ نصرانی تھے۔ لیکن وہ درحقیقت سچے اور یکسو مسلمان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں امت محمدیہ کی راہنمائی فرمائی۔ حضرت عیسیٰ کے بارے میں ان کا اختلاف تھا۔ پہلے یہود نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کی والدہ ماجدہ پر بہتان لگایا۔ اور نصاریٰ نے آپ کو معبود اور خدا کا بیٹا بنادیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح اور کلمہ قرار دیا۔ آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو حق راہ دکھائی۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ جس طرح ابتداء میں سب لوگ خدا وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے والے تھے اور احکام پر عمل کرنے والے تھے۔ بعد میں ان میں اختلاف رونما ہو گیا تھا۔ پس اس آخری امت کو اول کی طرح اختلاف سے ہٹا کر صحیح راہ پر لگادیا۔ یہ امت قیامت کے دن تمام امتوں پر گواہ ہو گی حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امتوں پر گواہی دے گی کہ ان کے رسولوں نے پیغام حق کو ان تک پہنچا دیا تھا۔ اور انہوں نے اپنے رسل کی تکذیب کر کے جھٹلا دیا تھا۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی قرأت میں ”وَاللّٰهُ يَهْدِيْ“ سے پہلے یہ الفاظ ہیں (وَلِيَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ) حضرت ابو عالیہ فرماتے ہیں اس آیت میں شبہات، گمراہوں اور فتنوں سے اجتناب کرنے کا حکم ثابت ہو رہا ہے۔

بِاِذْنِهٖ یعنی ان کو یہ ہدایت ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اذن کی وجہ سے حاصل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا

ہے صراط مستقیم پر گامزن کر دیتا ہے۔اپنی حکمتوں سے خوب آگاہ ہے۔حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول ﷺ جب تہجد کے لیے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبْرِیْلَ وَ مِیْکَائِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ اِھْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِکَ تَھْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ آپ سے یہ دعا منقول ہے: اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ وَلَا تَجْعَلْہُ مُلْتَبِسًا عَلَیْنَا فَنَضِلَّ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۔ ’’ترجمہ: اے اللہ! ہمیں حق کو حق ہی دکھا اور اس کی اتباع نصیب فرما اور باطل دکھا اور اس سے اجتناب کی توفیق عطا فرما۔ اور باطل کو ہم پر ملتبس نہ کر کہ ہم بھٹک جائیں اور ہمیں پرہیزگار لوگوں کا امام بنا۔‘‘

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿٢١٤﴾

’’کیا تم خیال کر رہے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ نہیں گزرے تم پر وہ حالات جو گزرے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے ہوئے ہیں پہنچی انہیں سختی اور مصیبت اور وہ لرزا ٹھے یہاں تک کہ کہہ اٹھا (اس زمانہ کا) رسول اور جو ایمان لے آئے تھے اس کے ساتھ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ سن لو یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے‘‘۔

اَمْ حَسِبْتُمْ: ارشاد باری تعالیٰ ہے۔کیا پہلی امتوں کی طرح امتحان و آزمائش میں مبتلا کیے بغیر ہی تم کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ان لوگوں پر طرح طرح کے مصائب و آلام اور تکالیف نازل ہوئیں۔حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ’’بَاْسَآءُ‘‘ کا معنی فقر اور ضَرَّآءُ سے بیماری مراد ہے۔ان پر دشمنوں کا خوف اتنا مسلط کیا گیا کہ وہ لرزنے لگے اور انہیں سخت امتحان میں مبتلا کیا گیا جیسا کہ حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے۔حضرت حباب بن الارتؓ روایت کرتے ہیں۔ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے ہماری مدد کی دعا کیوں نہیں فرماتے آپ نے فرمایا تم سے پہلے لوگوں کے سروں پر آرے رکھ کر ان کو دو حصوں میں چیر دیا جاتا تھا لیکن یہ تکلیف ان کو دین حق سے نہ پھیرتی۔لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ ان کے گوشت کو نوچ لیا جاتا لیکن پھر بھی وہ اپنے دین کو نہ چھوڑتے۔پھر فرمایا قسم بخدا: اللہ تعالیٰ اس دین کو اس قدر مکمل کرے گا کہ سوار صنعاء سے حضرموت تک بلاخوف وخطر سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔اور بھیڑیا بکریوں کی رکھوالی کرے گا لیکن تم بہت جلدی کرتے ہو۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا...... (عنکبوت:1) ’’ترجمہ: الف، لام، میم، کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا اور بے شک ہم نے آزمایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے......‘‘ صحابہ کرام کی آزمائش غزوہ خندق کے وقت ہوئی۔جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم یوں بیان فرمایا ہے۔اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ...... (احزاب:10) ’’ترجمہ: جب انہوں نے ہلہ بول دیا تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی جانب سے بھی، اور جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے، اس موقع پر خوب آزمالیا گیا ایمان والوں کو اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے۔ جب بادشاہ روم ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کیا تم نے مسلمانوں کے ساتھ کبھی جنگ بھی کی ہے جواب دیا ہاں۔اس نے پوچھا کہ یہ جنگ تمہارے درمیان کیسی رہی۔جواب دیا کہ کبھی وہ ہم پر غالب آ گئے اور کبھی ہم ان پر۔یہ سن کر

ہرقل نے کہا اسی طرح انبیاء کو آزمایا جاتا ہے۔ لیکن آخر کار غلبہ انہی کو حاصل ہوتا ہے۔

مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ: یہاں مثل کا معنی طریقہ ہے، جیسے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمَضٰی مَثَلُ الْاَوَّلِیْنَ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ: وہ لرز اٹھے حتیٰ کہ اس زمانہ کے رسول اور مومنین نے کہا، اللہ کی مدد کب آئے گی۔ یعنی وہ اپنے دشمنوں کے خلاف اللہ کی مدد اور ان مشکل حالات سے چھٹکارے کی دعائیں کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ (الانشراح:5-6)'' ترجمہ: پس یقیناً ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بیشک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے''۔ یعنی جس قسم کی مشکل اور پریشانی ہوگی اللہ کی مدد بھی اسی قسم کی ہوگی۔ اسی لیے یہاں ارشاد فرمایا اللہ کی مدد قریب ہے۔ ارشاد نبوی ہے، تمہارا رب اپنے بندوں کی ناامیدی اور اپنی نصرت کے قریب پر تعجب کرتا ہے۔ وہ ان کو مایوسی کی حالت میں دیکھ کر مسکراتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ ان کی خوشحالی قریب ہے۔

یَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝۲۱۵

'' آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں آپ فرمائیے جو کچھ خرچ کرو (اپنے) مال سے تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر ہیں اور جو نیکی تم کرتے ہو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے''۔

یَسْـَٔلُوْنَکَ: مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ نفلی خیرات میں نازل ہوئی ہے۔ سدی فرماتے ہیں، زکوٰۃ نے اس کو منسوخ کر دیا ہے۔ لیکن ان کا قول محل نظر ہے۔ معنیٰ آیت کا یہ ہوگا، صحابہ کرام آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیسے خرچ کریں پھر اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کا جواب ارشاد فرمایا کہ اپنے مال میں سے جو بھی خرچ کرو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ قریبی رشتے دار اور یتیم و مسکین ہیں۔ اسی طرح حدیث پاک میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ اپنے ماں باپ اور بہن بھائی اور قریبی رشتہ داروں پر خرچ کرو۔ حضرت میمون بن مہران نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں خیرات کرنے کے مواقع اور محل بیان کیے ہیں لیکن ان میں کہیں طبلوں، باجوں، تصویروں اور دیواروں پر کپڑے چڑھانے کا ذکر نہیں ہے۔ پھر ارشاد فرمایا جو نیکی تم کرتے ہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ہر فعل سے خوب آگاہ ہے اور اس کی مکمل طور پر جزا عطا فرمائے گا۔ اور وہ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔

کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ کُرْهٌ لَّکُمْ ۚ وَعَسٰۤی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ۚ وَعَسٰۤی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۱۶

'' فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد اور وہ ناپسند ہے تمہیں اور ہوسکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو اور (حقیقت حال) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''

کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ: یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جہاد فرض کیا ہے کہ وہ دشمنوں کے شر کو روکنے کے لیے جہاد کریں۔ امام زہری فرماتے ہیں: جہاد ہر شخص پر فرض ہے خواہ وہ لڑائی کے لیے نکلے یا گھر میں بیٹھا رہے اور گھر میں بیٹھنے والے کا جہاد یہ ہے کہ جب اس سے مدد طلب کی جائے وہ مدد کرے اور جب کسی تعاون کی ضرورت ہو تو تعاون کرے اور جب میدان جنگ میں نکلنے کے لیے پکارا جائے فوراً

تیار ہو جائے۔ اور اگر اس کی ضرورت نہ پڑے تو گھر میں بیٹھا رہے۔ اس لیے حدیث پاک میں ہے جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ اس نے جہاد کیا اور نہ ہی اس کے دل میں جہاد کا خیال آیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد اب کوئی ہجرت نہیں، لیکن جہاد اور نیت ہے۔ جب تمہیں جہاد کے لیے بلایا جائے تو فوراً نکل جاؤ۔

وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ: اور یہ جہاد تمہارے لیے انتہائی مشقت اور شدت کا باعث ہے۔ کیونکہ اس میں مجاہد تو اللہ کی بارگاہ میں شہید ہو جاتا ہے یا زخمی ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے سفر کی صعوبت اور دشمن کی تکلیف بھی برداشت کرنا پڑتی ہے۔

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا: ہوسکتا ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ کیونکہ جہاد کے ذریعہ دشمن پر فتح اور نصرت حاصل ہوتی ہے۔ اور ان کے مال و اولاد اور ان کے شہروں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔

وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا: اور ہوسکتا تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ یہ حکم تمام امور میں عام ہے۔ کیونکہ کبھی انسان کسی چیز کو پسند کرتا ہے حالانکہ اس میں کوئی مصلحت یا بہتری نہیں ہوتی۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اگر اہل اسلام جہاد سے گریز کریں تو دشمن کا غلبہ ہو جائے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ: اللہ تعالیٰ تمہارے معاملات کے انجام سے بخوبی آگاہ ہے اور دنیا و آخرت میں تمہارے لیے جو چیز بہتر ہے اس سے باخبر ہے۔ اس لیے اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دو تا کہ تم سرخرو ہو جاؤ۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢١٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢١٨﴾

''وہ پوچھتے ہیں آپ سے کہ ماہ حرام میں جنگ کرنے کا حکم کیا ہے آپ فرمائیے کہ لڑائی کرنا اس میں بڑا گناہ ہے لیکن روک دینا اللہ کی راہ سے اور کفر کرنا اس کے ساتھ اور (روک دینا) مسجد حرام سے اور نکال دینا اس میں بسنے والوں کو اس سے، اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اللہ کے نزدیک اور فتنہ (وفساد) قتل سے بھی بڑا گناہ ہے اور ہمیشہ لڑتے رہیں گے تم سے یہاں تک کہ پھیر دیں تمہارے دین سے اگر بن پڑے اور جو پھرے تم میں سے اپنے دین سے پھر مر جائے حالت کفر پر یہی وہ (بدنصیب) ہیں کہ ضائع ہو گئے ان کے عمل دنیا و آخرت میں اور یہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں (تو) یہی لوگ امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی اور اللہ بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے''۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ: حضرت جندب بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو صحابہ کرام

کی ایک جماعت کا امیر بنا کر بھیجا۔ جب وہ روانہ ہونے لگے تو حضور ﷺ سے جدائی کے غم سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ نے ان کی جگہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو امیر مقرر کر دیا۔ اور ان کو ایک خط دے کر حکم فرمایا کہ اس خط کو وادیٔ نخلہ میں پہنچنے سے پہلے نہ کھولنا اور نہ ہی کسی کو اپنے ساتھ جانے پر مجبور کرنا۔ چنانچہ جب حضرت عبداللہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس مقام پر پہنچے تو آپ نے حضور ﷺ کا نامہ مبارکہ کھول کر پڑھا اور ''إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ'' پڑھ کر اپنے ساتھیوں کو یہ فرمان پڑھ کر سنایا اور کہا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے تیار ہوں۔ یہ خط سن کر دو شخص تو واپس آ گئے اور باقی ان کے ساتھ ہی رہے۔ وہاں ان کی ملاقات ابن حضرمی نامی مشرک سے ہوئی۔ انہوں نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا انہیں معلوم نہیں تھا کہ رجب کا مہینہ شروع ہو چکا ہے اور مشرکین مسلمانوں پر اعتراض کرنے لگے کہ مسلمانوں نے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کر کے ایک شخص کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس سریہ میں سات صحابہ کرام شامل تھے۔ حضرت عبداللہ بن جحش ان کے امیر تھے اور ان کے علاوہ حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ، سعد بن ابی وقاص، عتبہ بن غزوان سلمی، سہیل بن بیضا عامر بن فہیرہ اور واقد بن عبداللہ یربوعی شامل تھے۔ وادیٔ نخلہ میں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن جحش نے فرمایا کہ جو شخص شہادت کا آرزو مند ہے وہی آگے بڑھے اور اپنے اہل خانہ کے لیے وصیت بھی لکھ دے ان میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان پیچھے رہ گئے۔ ان کے پیچھے رہنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کی سواری کا اونٹ گم ہو گیا تھا وہ اس کی تلاش میں لگ گئے تھے۔ عبداللہ بن جحش آگے بڑھے تو انہیں مشرکین میں سے حکم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ وغیرہما ملے۔ واقد بن عبداللہ نے عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا۔ دو کو قیدی بنا لیا اور قافلے کے مال کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ یہ پہلا مال غنیمت تھا جو صحابہ کرام کو حاصل ہوا۔ جب صحابہ کرام مال غنیمت اور قیدی لے کر مدینہ پہنچے تو مشرکین مکہ نے چاہا کہ فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو چھڑا لیں اور اعتراضاً کہنے لگے، محمد (ﷺ) کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کی بڑی اطاعت کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے حرمت والے مہینے رجب میں ہمارے ساتھی کو قتل کیا۔ مسلمانوں نے جواب دیا ہم نے اسے رجب میں قتل نہیں کیا بلکہ جمادی الثانی کی آخری رات میں قتل کیا ہے اور رجب کا مہینہ داخل ہوتے ہی ہم نے اپنی تلواروں کو نیام میں ڈال دیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرما کر اہل مکہ کو عار دلائی کہ ٹھیک ہے کہ اس مہینہ میں قتل کرنا حلال نہیں لیکن تم جن افعال کا ارتکاب کر رہے ہو وہ اس مہینہ میں قتل سے بھی زیادہ برے ہیں۔ تم نے اللہ سے کفر کیا اور میرے رسول اور اس کے صحابہ کو مسجد حرام سے نکالا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا یہ فعل قتل سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو اس مقدس مہینے میں بیت اللہ شریف میں داخل ہونے سے روکا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسی مہینے میں اپنے نبی کو فتح عطا فرمائی۔ مشرکین مسلمانوں پر اس مہینے میں جنگ کرنے کی وجہ سے اعتراض کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا، اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے اس کے بسنے والوں کو نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان مہینوں میں لڑائی کرنے سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت عبداللہ بن جحش کے سریہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جس میں عمرو بن حضرمی قتل ہوا ابن اسحاق نے اس واقعہ کو اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس سریہ میں آٹھ صحابہ کرام شامل تھے۔ سات کے نام تو پہلے ذکر چکے ہیں اور آٹھویں عکاشہ بن محصن تھے ابن اسحاق کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس مال غنیمت میں پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مال غنیمت کو اس طرح تقسیم کرنے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کا حصہ علیحدہ کر دیا تھا اور باقی مال آپس میں تقسیم کر دیا تھا۔ جب یہ مدینہ طیبہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں اس حرمت والے مہینے میں جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا

تھا۔اور مال غنیمت لینے سے انکار کر دیا۔ یہ سن کر ان مجاہدین پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔لوگ خیال کرنے لگے کہ ان کے دونوں جہان برباد ہو گئے دوسرے مسلمان بھی ان کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانے لگے۔قریش نے شور مچا دیا کہ محمد ﷺ اور ان کے صحابہ نے حرمت والے مہینوں کی عزت کو خاک میں ملا دیا۔اس میں خون بہایا، مال لوٹا، لوگوں کو قیدی بنایا۔ یہود نے حضرمی کے قتل سے یہ فال بدلی کہ اب لڑائی پر زور ہو گی۔ بلکہ لڑائی تو بالکل قریب آ گئی۔ واقد بن عبداللہ کے نام سے یہ بدفالی نکالی کہ اب جنگ بھڑک اٹھے گی۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے برعکس کر دکھایا اور نتیجہ تمام کا تمام مشرکین کے خلاف رہا اور مسلمانوں کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ اگر تم نے اس حرمت والے مہینے میں کسی مشرک کو قتل کیا ہے تو پھر کیا ہوا۔ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ کفر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکا اور تمہیں اس سے نکال دیا۔ان کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قتل سے زیادہ شنیع ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ: یعنی یہ کفار جو مسلمانوں کو فتنہ اور آزمائش میں مبتلا کر کے اور تکالیف پہنچا کر مرتد بنانے کی کوشش کرتے ہیں ان کی اسلام سے برگشتہ کرنے کی یہ مذموم حرکت قتل سے زیادہ بدتر ہے۔

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ: اور یہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں گے۔یعنی وہ اپنے اس قبیح فعل پر قائم رہیں گے۔ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں تو مسلمان جس رنج اور افسوس میں مبتلا تھے وہ ختم ہو گیا۔رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت لے لیا۔قریش مکہ نے پیغام بھیجا کہ ہمارے دونوں ساتھیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔آپ نے فرمایا: جب تک میرے دونوں صحابی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان نہ آ جائیں ہم فدیہ نہیں لیں گے۔ جب حضرت سعد اور عتبہ واپس آ گئے تو آپ نے فدیہ لے کر دونوں قیدی چھوڑ دیئے۔ان میں سے حکم بن کیسان مسلمان ہو گئے اور مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہی رہے حتیٰ کہ بئر معونہ کے واقعہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔عثمان بن عبداللہ مکہ چلا گیا اور وہاں کفر کی حالت میں واصل جہنم ہوا۔اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن جحش اور آپ کے ساتھیوں کو بہت خوشی ہوئی۔اور سوچنے لگے کیا انہیں اس کا اخروی اجر بھی ملے گا۔اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔کیا ہمیں مجاہدین کا اجر ملے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی امیدوں سے بڑھ کر عطا فرما دیا۔اس حدیث کو امام زہری اور یزید بن رومان نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے۔اس کی کئی اور دوسری اسناد بھی ہیں۔ان میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ ابن حضرمی مشرکین کا سب سے پہلا مقتول تھا۔قریش مکہ کا ایک وفد مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ پوچھنے لگے کیا اس حرمت والے مہینے میں جنگ جائز ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ ''يَسْئَلُوْنَكَ'' نازل فرمائی۔اس کا تفصیلی ذکر بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں کیا ہے۔ابن ہشام فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی غنیمت ہے جو مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔اور ابن حضرمی پہلا مشرک ہے جس کو مسلمانوں نے قتل کیا۔ اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان پہلے قیدی تھے جن کو مسلمانوں نے گرفتار کیا۔اس واقعہ کے بارے میں کچھ اشعار بھی کہے گئے ہیں۔ بعض نے ان کو حضرت ابوبکر صدیق کی طرف منسوب کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اشعار خود عبداللہ بن جحش نے کہے ہیں: ''تم حرمت والے مہینے میں قتل کو بڑا عظیم سمجھتے ہو۔لیکن ایک عقلمند کے نزدیک تمہارا رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے اعراض کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اس سے بھی عظیم ہے۔تمہارا مسجد حرام سے مسلمانوں کو نکالنا اس لئے ہے کہ وہاں تمہیں اللہ کو سجدہ کرنے والا نظر نہ آئے۔اگر تم ہمیں اس کے قتل کی عار دلاتے ہو، اور باغی اور حاسد لوگ اسلام کے خلاف افوائیں اڑاتے ہیں تو نخلہ کے مقام پر ہمارے نیزوں نے ابن حضرمی کا

خوب خون کیا۔ جب واقد نے جنگ کی آگ کو بھڑکا دیا۔ اور عثمان بن عبداللہ ہماری قید میں آ گیا۔''

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۟ۙ﴿۲۱۹﴾ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۰﴾

''وہ پوچھتے ہیں آپ سے شراب اور جوئے کی بابت آپ فرمائیے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لیے اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے اور پوچھتے ہیں آپ سے کیا خرچ کریں فرمائیے جو ضرورت سے زیادہ ہو اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے حکموں کو تاکہ تم غور و فکر کرو۔ دنیا و آخرت (کے کاموں) میں اور پوچھتے ہیں آپ سے یتیموں کے بارے میں فرمائیے (ان سے الگ تھلگ رہنے سے) ان کی بھلائی کرنا بہتر ہے اور اگر (کاروبار میں) تم انہیں ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو مشکل میں ڈال دیتا تمہیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا حکمت والا ہے''۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ: حضرت عمر سے مروی ہے کہ جب شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو انہوں نے عرض کی یا باری تعالیٰ! اس کے بارے میں قطعی اور واضح حکم نازل فرما۔ جب سورۂ بقرہ کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو آپ کو انہیں بلا کر ان کے سامنے یہ آیت کریمہ پڑھی گئی تو آپ نے پھر یہی عرض کی یا باری تعالیٰ! شراب کے بارے میں کوئی واضح حکم نازل فرما۔ پھر سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰی (النساء:43)'' ترجمہ: اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نماز کے جب تم حالت نشہ میں ہو''۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو ایک منادی رسول اللہ ﷺ اعلان کرتا کہ نشہ کی حالت میں کوئی نماز کے قریب نہ جائے۔ حضرت عمر کے سامنے جب یہ آیت پڑھی گئی تو آپ نے یہی دعا مانگی۔ پھر سورۂ مائدہ والی آیت نازل ہوئی۔ آپ کو بلا کر یہ آیت سنائی گئی جب قاری فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کے الفاظ پر پہنچا تو کہنے لگے ہم شراب سے رک گئے۔ ہم اس سے باز آئے (1)۔ اس کو ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن اس سند میں ایک راوی عمرو بن شرحبیل ہمدانی کوفی ہیں جن کے بارے میں ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ ان کا سماع حضرت عمر سے ثابت نہیں۔ حضرت علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ یہ سند صحیح ہے۔ ترمذی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ حضرت عمر نے یہ بھی فرمایا کہ یہ شراب مال کو برباد اور عقل کو تباہ کرتی ہے۔ یہ حدیث اور حضرت ابوہریرہ کی روایت کردہ حدیث کا ذکر سورۂ مائدہ کی تفسیر میں پھر آئے گا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ خمر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ دے۔ جس کا تفصیلی بیان بھی سورۂ مائدہ میں آئے گا۔ ''مَیْسِر'' سے مراد جوا ہے۔

قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ: ان کا گناہ اور نقصان دینی اعتبار سے ہیں اور منافع دنیوی اعتبار سے ہے اس طرح کہ کھانے کو ہضم کرتی ہے، فضلات کو خارج کرتی ہے۔ بعض اوقات اس سے ذہن تیز ہو جاتا ہے اور اس سے لذت و سرور حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت حسان

1۔ مسند امام احمد: 53/1

بن ثابت کا دور جاہلیت کا شعر ہے۔ ''شراب پی کر ہم اپنے آپ کو شہنشاہ اور بہادر سمجھنے لگتے ہیں اور ہم دشمن کا سامنا کرنے سے بالکل خائف نہیں ہوتے۔'' اسی طرح اس کی خرید و فروخت اور تجارت میں نفع ممکن ہے۔ بعض اوقات انسان جوا میں بھی جیت کر اپنے اہل و عیال کو خوش کرتا ہے۔ لیکن ان کے یہ فوائد ان کے نقصان کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان کے نقصانات کا تعلق عقل اور دین سے ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ان کا گناہ ان کے فائدہ سے بہت بڑا ہے۔ کیونکہ یہ آیت کریمہ شراب کی قطعی حرمت کا پیش خیمہ تھی اور یہ اس پر صراحۃً دلالت نہیں کرتی۔ اس لئے حضرت عمر نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی تھی کہ اے اللہ! شراب کی حرمت کے بارے میں کوئی واضح حکم نازل فرما۔ حتیٰ کہ شراب کی حرمت کا صریح حکم سورۂ مائدہ میں نازل ہوا جس کا تفصیلی بیان سورۂ مائدہ کی تفسیر میں آئے گا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر، شعبی، مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس اور عبد الرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ شراب کے بارے میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی اس کے بعد سورۂ نساء والی آیت نازل ہوئی اور اس کے بعد مائدہ والی آیت نازل ہوئی جس نے صریح طور پر شراب کو حرام کر دیا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ : ''عُفُوٌ'' کو زبر اور پیش دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے یہ دونوں قرأتیں صحیح ہیں اور ان کا معنی قریب قریب ہے۔ حضرت یحییٰ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ثعلبہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے غلام بھی ہیں اور اہل و عیال بھی ہم مالدار ہیں۔ ہم اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عفو سے مراد وہ مال ہے جو اہل و عیال پر خرچ سے بچ جائے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر، مجاہد، عطاء، عکرمہ، سعید بن جبیر، معمر بن کعب، حسن بصری وغیرہم کئی دوسرے مفسرین و علماء سے یہی منقول ہے۔ طاؤس فرماتے ہیں، ہر چیز سے تھوڑا تھوڑا اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہا کرو۔ حضرت ربیع فرماتے ہیں کہ افضل و بہترین مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ ان تمام اقوال کا خلاصہ یہی ہے کہ حاجت سے زائد چیز خدا کی راہ میں خرچ کر دی جائے۔ حضرت حسن بصری نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے: اتنا خرچ نہ کرو کہ سارا مال ہی صرف کر دو اور لوگوں سے سوال کرنے بیٹھ جاؤ۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اسے اپنی ذات پر خرچ کرو۔ اس نے عرض کی میرے پاس ایک اور ہے فرمایا اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو، عرض کی۔ اس کے علاوہ ایک اور ہے۔ فرمایا، اسے اپنے بچوں پر خرچ کرو عرض کی، اس کے علاوہ ایک اور بھی ہے، فرمایا تم صاحب بصیرت ہو(1)۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو فرمایا اپنی ذات سے شروع کرو پہلے اپنے نفس پر صدقہ کرو اگر پھر کوئی چیز بچے تو اہل و عیال کو دو اور اگر اس سے بھی بچ جائے تو قریبی رشتہ داروں پر خرچ کرو اور اگر اس سے بھی بچ جائے تو حاجت مندوں میں تقسیم کرو۔ ایک دوسری روایت میں فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جو انسان دولت اور غناء کی حالت میں کرتا ہے۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ جو لوگ تیری کفالت میں ہیں صدقہ و خیرات کی ابتداء ان سے کرو۔ حدیث قدسی میں ہے، اے ابن آدم! اگر اپنی حاجت سے زائد مال کو خرچ کرے گا تو اس پر تجھے کوئی ملامت نہیں ہوگی کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ آیت زکوٰۃ کے ساتھ منسوخ ہو چکی ہے۔ یہ ابن عباسؓ، عطاء خراسانی سے منقول ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ منسوخ نہیں بلکہ آیت زکوٰۃ اس کی وضاحت اور تفسیر ہے اور یہی قول صحیح ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ: جیسے اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تفصیلاً اور واضح طور پر بیان کیا ہے ایسے ہی دوسری آیات میں بھی اپنے احکام، وعدہ وعید بیان کرتا ہے تا کہ تم دنیا و آخرت کے کاموں میں خوب غور و فکر کر لو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں تا کہ تم دنیا کے زوال اور

1۔ تفسیر الطبری: 366/2

آخرت کی بقاء کے بارے میں غور وفکر کرو۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں قسم بخدا: جو اس میں غور وفکر کرتا ہے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ دنیا آزمائش اور فنا کا گھر ہے اور آخرت جزاء اور بقاء کا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس میں غور وفکر کرنے سے دنیا پر آخرت کی فضیلت معلوم ہو جائے گی اس لیے آخرت کو دنیا پر ترجیح دو۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں: وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (انعام:152) ''ترجمہ: اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقہ سے کہ بہت اچھا ہو''۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (النساء:10) ''ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں یتیموں کا مال ظلم سے، وہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ، وہ عنقریب جھونکے جائیں بھڑکتی ہوئی آگ میں''۔ تو ان لوگوں نے جن کے پاس یتیم پرورش پا رہے تھے ان کا کھانا پینا اپنے کھانے پینے سے الگ کر لیا۔ اگر ان کا کچھ کھانا بچ جاتا تو علیحدہ رکھ دیتے۔ اب وہ کھانا یا یتیم کھا لیتا یا خراب ہو جاتا۔ اس طرح یتیموں کا بھی نقصان ہوتا اور اہل خانہ کو بھی پریشانی ہوتی۔ ان لوگوں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یعنی ان کے کھانے کو اپنے کھانے پینے سے ملا لو۔ اس کو ابوداؤد، نسائی، ابن ابی حاتم اور حاکم نے ذکر کیا ہے۔ اور اس کی مثل حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی مروی ہے۔ کئی ایک مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں، مجھے یہ چیز ناپسند ہے کہ میں اپنے پاس یتیم کا مال الگ رکھوں بلکہ میں اسے اپنے کھانے پینے کے ساتھ ملا کر رکھوں گی۔

قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ: اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا مال الگ رکھنا بہتر ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم ان کی خورونوش کی چیزوں کو اپنی چیزوں سے ملاؤ گے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، کس کی نیت بری ہے، کس کی اچھی ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں تنگی اور مشقت میں ڈال دیتا۔ لیکن اس نے تمہیں وسعت اور آسانی عطا فرمائی۔ اور یتیموں کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملانے کو تمہارے لیے مباح کر دیا۔ بلکہ یتیم کا کفیل اگر فقیر اور محتاج ہو تو وہ معروف طریقہ سے اس کے مال سے خرچ کر سکتا ہے۔ پھر اگر وہ خوشحال ہو جائے تو مال واپس لوٹا دے وگرنہ ضروری نہیں۔ اس کا تفصیلی بیان سورہ نساء میں آئے گا۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٢١﴾ۧ

''اور نہ نکاح کرو مشرک عورتوں کے ساتھ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور بے شک مسلمان لونڈی بہتر ہے آزاد مشرک عورت سے اگرچہ وہ بہت پسند آئے تمہیں اور نہ نکاح کر دیا کرو (اپنی عورتوں کا) مشرکوں سے یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں۔ اور بے شک مومن غلام بہتر ہے (آزاد) مشرک سے اگرچہ وہ پسند آئے تمہیں وہ لوگ تو بلاتے ہیں دوزخ کی

طرف اور اللہ تعالیٰ بلاتا ہے جنت اور مغفرت کی طرف اپنی توفیق سے اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حکم لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بت پرست مشرک عورتوں سے مسلمانوں کے نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ اگر چہ اس آیت کا حکم عام ہے اور اس میں ہر مشرک عورت داخل ہے خواہ اس کا تعلق اہل کتاب سے ہو یا بت پرستوں سے۔ لیکن ایک دوسرے مقام پر اہل کتاب عورتوں کو اس حکم سے خارج کر دیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ:5)'' ترجمہ: اور (حلال ہیں) پاک دامن عورتیں ان لوگوں کی جنہیں دی گئی ہے کتاب تم سے پہلے''۔ حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، مکحول اور حسن بصری وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں صرف بت پرست مشرک عورتیں ہی مراد ہیں۔ اہل کتاب کی عورتیں بالکل مراد نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف اصناف کی عورتوں سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ مگر ہجرت کرنے والی مومن عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کو منع نہیں فرمایا۔ اس کے علاوہ ہر غیر مذہب عورت کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ کافر کے اعمال برباد جائیں گے یعنی ان کا کوئی اعتبار اور حیثیت نہیں۔ لیکن یہ حدیث صحیح نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت طلحہ بن عبد اللہ نے یہودی عورت سے اور حذیفہ نے بن یمان سے نصرانی عورت سے نکاح کیا تو حضرت عمر سخت ناراض ہوئے۔ انہوں نے عرض کی اے امیر المومنین! آپ ناراض نہ ہوں ہم ان کو طلاق دے دیتے ہیں۔ اگر ان کو طلاق دینا حلال ہے تو ان سے نکاح کرنا بھی حلال ہوگا۔ آپ نے فرمایا لیکن میں ان کو ذلیل کر کے تم سے چھین لوں گا۔ مگر یہ روایت انتہائی غریب ہے۔ ابن جریر نے اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح کے مباح ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ حضرت عمر اسے اس لیے ناپسند کرتے تھے تاکہ لوگ مسلمان عورتوں سے بے رغبتی کا اظہار نہ کریں۔ اور آپ کے پیش نظر اس قسم کی اور بھی مصلحتیں تھیں۔ حضرت شقیق فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ نے ایک یہودی عورت کے ساتھ نکاح کیا تو حضرت عمر نے انہیں کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ انہوں نے جواب دیا اگر آپ اسے حرام خیال کرتے ہیں تو میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں اسے حرام نہیں کہتا۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ تم اس کی وجہ سے مسلمان عورتوں سے اعراض کرنے لگو۔ ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کہ مسلمان نصرانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن نصرانی مسلمان عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اس روایت کی سند پہلی سے بھی زیادہ صحیح ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم اہل کتاب عورتوں سے نکاح کریں گے لیکن وہ ہماری عورتوں کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتے۔ اس کی سند میں اگر چہ کچھ ضعف ہے لیکن امت کا اجماع اسی قول پر ہے۔ حضرت میمون بن مہران روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ اور وہ اس آیت کریمہ کی تاویل کیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے، اس سے بڑھ کر اور شرک کیا ہوگا کہ کوئی عورت کہے اس کا رب عیسیٰ ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل سے جب اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، اس سے مراد عرب کی بت پرست مشرک عورتیں ہیں۔

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ: حضرت سدی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کی ایک سیاہ فام لونڈی تھی۔ ایک دن آپ نے غصے کی حالت میں اسے تھپڑ مار دیا۔ پھر گھبرا کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے لونڈی کے بارے میں پوچھا، عرض کی، وہ روزے رکھتی ہے، نماز پڑھتی ہے اور یہ گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے

سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا، اے عبداللہ! یہ لونڈی تو ایماندار ہے۔ انہوں نے عرض کی قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کر لیتا ہوں۔ اس پر بعض لوگوں نے آپ کو لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے کا طعنہ دیا۔ کیونکہ وہ لوگ مشرک عورتوں کے ساتھ خود بھی نکاح کرتے اور اپنی بیٹیوں کو بھی ان کے نکاح میں دیتے تاکہ ان کے حسب ونسب اور شرافت کا بھرم قائم رہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، عورتوں سے ان کے حسن کی وجہ سے نہ نکاح کرو، ہوسکتا ہے حسن انہیں مغرور بنادے۔ اور نہ ہی ان کے مال کی وجہ سے ان سے نکاح کرو، ہوسکتا ہے مال انہیں سرکش بنادے۔ صرف ان کی دینداری کی وجہ سے ان سے نکاح کرو۔ اگر غریب، سیاہ فام لونڈی دیندار ہو تو وہ بہتر ہے اس حدیث کا ایک راوی افریقی ضعیف ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کسی عورت کے ساتھ چار وجوہ سے نکاح کیا جاتا ہے ا۔ مال، ۲۔ حسب ونسب، ۳۔ حسن وجمال، ۴۔ دینداری تم دین والی کو تلاش کرو۔ حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ساری کی ساری دنیا ایک متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک عورت ہے۔

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا: یعنی مشرک مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا نکاح نہ کرو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ (الممتحنہ:10) ''ترجمہ: نہ وہ حلال ہیں کفار کے لیے اور نہ وہ کفار حلال ہیں مومنات کے لیے''۔ پھر فرمایا، بے شک مومن غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں پسند آئے۔ یعنی مومن شخص اگرچہ ایک حبشی ہو تو وہ ایک مالدار اور رئیس مشرک سے بہتر ہے۔

اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ: مشرکین کے ساتھ میل جول، دنیا کی محبت اور حرص اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کا باعث بنتا ہے۔ جس کا انجام انتہائی بھیانک ہے۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ: اللہ تعالیٰ اپنے شرعی احکام، اپنے اوامر ونواہی کے ذریعے بندوں کو جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔ اور اپنے حکم کو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّـوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

''اور وہ پوچھتے ہیں آپ سے حیض کے متعلق فرمایئے وہ تکلیف دہ ہے پس الگ رہا کرو عورتوں سے حیض کی حالت میں اور نہ نزدیک جایا کرو ان کے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو جاؤ ان کے پاس جیسے حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے بے شک اللہ دوست رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے صاف ستھرا رہنے والوں کو۔ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں سو تم آؤ اپنے کھیت میں جس طرح چاہو اور پہلے پہلے کرلو اپنی بھلائی کے کام اور ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو کہ تم ملنے والے ہو اس سے اور (اے حبیب) خوشخبری دو مومنوں کو''۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ : حضرت انس فرماتے ہیں کہ یہود مدینہ حیض والی عورتوں کے ساتھ نہ تو کھاتے پیتے اور نہ ہی ان کو اپنے ساتھ گھروں میں رکھتے۔ صحابہ کرامؓ نے اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ جب رسول اللہ ﷺ اس آیت کی تلاوت کر کے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ جماع کے علاوہ ہر چیز جائز ہے۔ یہود کو اس کا علم ہوا تو کہنے لگے یہ تو ہر معاملہ میں ہماری مخالفت کرنے لگے ہیں۔ حضرت اُسید بن حضیر اور عباد بن بشر نے عرض کی یا رسول اللہ! یہودی اس طرح کہہ رہے ہیں۔ پھر عرض کرنے لگے کیا ہم اپنی عورتوں کے ساتھ اس حالت میں جماع نہ کیا کریں یہ سن کر حضور ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ صحابہ کرام نے گمان کیا کہ آپ ان سے ناراض ہو گئے ہیں۔ اس حالت میں وہ دونوں صحابی آپ کی مجلس سے باہر چلے گئے۔ ابھی وہ باہر نکلے ہی تھے کہ کسی نے حضور ﷺ کی خدمت میں دودھ کا پیالہ ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے ان دونوں کو بلوایا اور انہیں دودھ پلایا۔ اس سے انہیں معلوم ہو گیا کہ آپ ان سے ناراض نہیں۔(1)

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ : حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو۔ یعنی ان سے جماع نہ کرو۔ جماع کے علاوہ ہر چیز حلال ہے جیسا کہ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے۔ اس لیے اکثر علماء کا مذہب یہ ہے حالت حیض میں عورت کے ساتھ جماع کے علاوہ مباشرت جائز ہے۔ حدیث سے بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس حالت میں بھی ازواج مطہرات سے ملتے جلتے تھے لیکن وہ تہبند باندھے ہوئے ہوتے (2)۔ ایک صحابیہ سیدہ عائشہ سے سوال کرتی ہیں، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عورت کو حیض آ جاتا ہے اور گھر میں یہ حالت ہوتی ہے کہ میاں بیوی دونوں کے لیے صرف ایک بستر ہوتا ہے یعنی ایسی حالت میں اس کا خاوند اس کے ساتھ سو سکتا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کا عمل بتاتی ہوں۔ ایک دفعہ حضور ﷺ گھر میں تشریف لائے گھر آتے ہی نوافل میں مشغول ہو گئے، کافی دیر مصروف رہے۔ اس اثناء میں مجھے نیند آ گئی۔ جب آپ کو سردی محسوس ہونے لگی تو آپ نے فرمایا عائشہ! میرے قریب آ جاؤ۔ میں نے عرض کی، میں حیض سے ہوں آپ نے مجھے اپنی ران سے کپڑا ہٹانے کا حکم فرمایا اور پھر میری ران پر اپنے رخسار مبارک اور سینے کو رکھ کر لیٹ گئے۔ میں بھی ان پر جھک گئی۔ اس طرح آپ کی سردی کچھ کم ہوئی۔ جسم مبارک گرم ہو گیا تو آرام فرما ہو گئے (3) حضرت مسروق حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور "اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَعَلٰى اَهْلِهٖ" کے الفاظ کے ساتھ سلام کہا۔ انہوں نے جواباً مرحبا مرحبا کہا۔ اور اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے عرض کی میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں مگر مجھے شرم آتی ہے۔ انہوں نے فرمایا، میں تمہاری ماں ہوں اور تم میرے بیٹے ہو، جو پوچھنا ہو پوچھ لو۔ انہوں نے عرض کی کہ آدمی کے لیے حالت حیض میں اپنی بیوی کی کیا چیز حلال ہے۔ انہوں نے فرمایا، شرمگاہ کے علاوہ اس کے لیے ہر چیز جائز ہے۔ یہی قول حضرت ابن عباس، مجاہد، حسن بصری اور عکرمہ سے بھی منقول ہے۔ میمون بن مہران نے سیدہ عائشہ سے اس کے بارے میں پوچھا، آپ نے فرمایا تہبند کے اوپر اس کے لیے ہر چیز جائز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ کھانا پینا اور لیٹنا جائز ہے۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حالت حیض میں مجھے اپنا سر دھونے کا حکم فرماتے، میں ان کا سر دھو دیتی۔ اسی حالت میں وہ میری گود کے ساتھ ٹیک لگا کر قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے۔ آپ فرماتی ہیں میں اسی حالت میں اگر ہڈی چوستی تو پھر اسے حضور ﷺ کو دے دیتی اور آپ اسی جگہ سے چوستے جہاں سے میں نے چوسا ہوتا۔ اسی طرح پانی پی کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتی آپ بھی وہیں سے منہ لگا کر پانی پیتے جہاں سے میں نے پیا ہوتا۔ آپ فرماتی ہیں ایام حیض میں رسول اللہ ﷺ اور میں ایک ہی لحاف میں آرام کرتے اگر آپ کا کپڑا کہیں سے خراب ہو جاتا تو اسے

1۔ مسند امام احمد: 133،132/3 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ: 77/1 3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارت: 70/1

دھو لیتے۔اسی طرح اگر جسم مبارک پر کوئی چیز لگ جاتی تو دھو لیتے۔پھر انہی کپڑوں میں نماز پڑھتے۔ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں، آپ فرماتی ہیں جب مجھے حیض شروع ہوتا تو میں بستر سے اتر کر چٹائی پر لیٹ جاتی۔ پاکیزگی کی حالت تک رسول اللہ ﷺ میرے قریب نہ آتے۔لیکن آپ کا یہ عمل احتیاط پر محمول ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ مرد کے لیے کپڑے کے اوپر عورت کے ساتھ مباشرت جائز ہے۔جیسا کہ میمونہ بنت حارث الھلالیہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب حالت حیض میں اپنی کسی زوجہ کے ساتھ سو جانے کا ارادہ فرماتے تو آپ اسے تہبند باندھنے کا حکم فرماتے۔اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔شیخین نے اس کی مثل حدیث حضرت عائشہ سے بھی روایت کی ہے۔حضرت عبداللہ بن سعد انصاری نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی، حالت حیض میں میری بیوی کی مجھ پر کیا چیز حلال ہے۔ آپ نے فرمایا جو کچھ تہبند کے اوپر ہو۔ یہ حدیث حضرت معاذ بن جبل سے بھی مروی ہے۔اس میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ اس سے پرہیز کرنا ہی بہتر ہے۔حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عباس سعید بن مسیّب، قاضی شریح کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ احادیث ان کے مذہب کی تائید کرتی ہیں امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔اکثر عراقی اور دوسرے علماء نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر تو تمام علماء کا اجماع ہے۔اس حالت میں جماع حرام ہے۔اس لیے اس کے دواعی سے بھی بچنا ضروری ہے تاکہ انسان حرمت میں گرنے سے بچ جائے کیونکہ یہ دواعی جماع کے حریم ہیں۔اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا اور اسے توبہ و استغفار کرنی چاہیے۔کیا اس صورت میں اسے کوئی کفارہ بھی دینا پڑے گا۔اس میں دو قول ہیں۔(1) کفارہ دے گا۔اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص حالت حیض میں اپنی بیوی سے جماع کرے تو وہ نصف یا ایک دینار صدقہ کرے۔ترمذی کے یہ الفاظ ہیں، اگر خون سرخ ہو تو ایک دینار اور اگر پیلا ہو تو نصف دینار، امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حائضہ عورت کے ساتھ جماع کرنے والے پر ایک دینار لازم کیا ہے۔اور اگر خون تو بند ہو گیا تھا لیکن ابھی تک اس نے غسل نہیں کیا تھا تو اس صورت میں نصف دینار صدقہ کرے۔دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر کوئی چیز لازم نہیں بلکہ اسے استغفار کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان علماء کے نزدیک ان احادیث کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔اگرچہ ان کو مرفوع اور موقوف دونوں طرح روایت کیا گیا ہے۔لیکن یہی قول صحیح ہے۔امام شافعی کا جدید قول بھی یہی ہے۔اور جمہور علماء نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ: یہ اللہ تعالیٰ کے حکم: فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ کی تفسیر ہے۔اور یہاں بیان کیا گیا ہے کہ جب تک حیض جاری رہے عورتوں کے ساتھ جماع ممنوع ہے۔اور اس سے ثابت ہوا کہ حیض ختم ہونے کے بعد جماع حلال ہو جائے گا۔حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں "طُھْر" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس حالت میں انسان اپنی بیوی سے جماع کر سکتا ہے۔حضرت میمونہ اور حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ جب ہم میں سے کوئی حیض والی ہو جاتی تو وہ تہبند باندھ لیتی اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کی چادر میں سوتی۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس نزدیکی سے منع کیا گیا ہے وہ جماع ہے۔اس کے علاوہ سونا، بیٹھنا سب جائز ہے۔

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ: یہاں ارشاد ہوا ہے، غسل کرنے کے بعد ان کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے۔ابن حزم فرماتے ہیں کہ ہر حیض ختم ہونے کے بعد جماع کرنا واجب ہے۔ان کی دلیل لفظ "فَاْتُوْهُنَّ" ہے۔ لیکن ان کی یہ دلیل صحیح نہیں۔کیونکہ کسی چیز کو منع کرنے کے بعد اس کے کرنے کا حکم دیا جائے تو اس کے مباح اور جائز ہونے پر دلالت کرتا ہے۔علمائے اصول میں سے بعض جو کہتے ہیں کہ امر مطلق وجوب کے لئے آتا ہے۔ابن حزم کا قول ان کی موافقت میں ہے۔بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ اباحت کے لئے ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ امر سے

1۔مسند امام احمد:230/1

پہلے نہی (کسی چیز کا ممنوع ہونا) ہونا ایسا قرینہ ہے جو امر کو وجوب سے پھیر دیتا ہے۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ اور جو چیز دلیل سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ نہی سے پہلے جو حکم ہو وہ اپنی اصلی حالت پر برقرار رہتا ہے۔ اگر پہلے واجب ہے تو واجب ہی رہے گا۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ...... (توبہ:5) ''ترجمہ: پھر جب گذر جائیں حرمت والے مہینے تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم انہیں پاؤ''۔ اور اگر امر پہلے مباح تھا تو مباح رہے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا۔ (المائدہ:2) ''ترجمہ: اور جب احرام کھول چکو تو تم شکار کر سکتے ہو''۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ (الجمعہ:10) ''ترجمہ: پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں''۔ اس قول پر علماء کرام کی تمام ادلہ جمع ہو جاتی ہیں۔ امام غزالی اور کئی دوسرے علماء اصولیین نے اس کو ذکر کیا ہے۔ بعض آئمہ متاخرین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب حیض ختم ہو جائے تو اب اس عورت کے ساتھ جماع جائز نہیں یہاں تک کہ وہ غسل کرلے، یا تیمم کی شرائط پائی جائیں تو تیمم کرلے۔ مگر امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر حیض دس دن مکمل ہونے کے بعد ختم ہوا تو حیض ختم ہوتے ہی بغیر غسل کے اس کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہاں تک وہ خون سے پاک ہو جائیں اور پانی سے طہارت حاصل کرلیں۔ یہی قول امام مجاہد، عکرمہ، حسن بصری، مقاتل بن حیان اور لیث بن سعد کا ہے۔

مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ: حضرت عبداللہ بن عباس، مجاہد اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ اس سے مراد فرج یعنی عورت کا مقام تولد ہے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے، فرج میں جماع کرے اور اس کے علاوہ کسی اور طرف تجاوز نہ کرے۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ حد سے بڑھنے والا ہے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس میں دبر (مقام پاخانہ) میں جماع کرنے کی حرمت کی دلیل ہے۔ اس کی وضاحت ان شاء اللہ عنقریب ہی آئے گی۔ ابورزین، عکرمہ، ضحاک وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ پاکیزگی کی حالت میں جماع کرو نہ کہ حیض کی حالت میں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وہ گناہ سے توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اگرچہ وہ گناہ بار بار صادر ہو۔ گندگی اور اذیت رساں چیزوں سے بچنے والوں کو بھی پسند کرتا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو حیض میں اور دبر میں جماع سے اجتناب کرتے ہیں۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ فرج سے مراد مقام تولد ہے اور اپنے کھیت میں جیسے چاہو آؤ۔ یعنی مقام جماع تو فرج ہی ہو، طریقہ خواہ کوئی ہو۔ حضرت جابر فرماتے ہیں، یہودی کہا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے پچھلی طرف سے جماع کرتا ہے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اسے امام مسلم اور ابوداؤد نے سفیان ثوری سے روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مرد کو اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی عورت کے ساتھ جماع کر سکتا ہے خواہ وہ الٹی لیٹی ہو یا سیدھی۔ لیکن جماع فرج میں ہونا چاہئے۔ ایک شخص نے عرض کی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) ہمیں اپنی عورتوں کے معاملہ میں کس چیز کے کرنے اور کس چیز کے چھوڑنے کا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا تمہاری کھیتی ہے جیسے چاہو اس کے پاس آؤ۔ مگر نہ تو اس کے چہرے پر ضرب لگاؤ اور نہ ہی اسے برا بھلا کہو۔ اور نہ ہی ناراضگی کی حالت میں اسے گھر سے نکالو(1)۔ قبیلہ حمیر کے کچھ لوگ دینی مسائل پوچھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک شخص نے پوچھا: مجھے اپنی بیوی سے بہت محبت ہے۔ مجھے اس کے بارے میں شرعی احکام سے آگاہ فرمائیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

1۔ مسند امام احمد: 5/5

ابو جعفر طحاوی اپنی کتاب ''مشکل الحدیث'' میں روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو الٹا لٹا کر مباشرت کی۔ لوگ اسے برا بھلا کہنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اسے ابن جریر، حافظ ابو یعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن سباط فرماتے ہیں۔ میں حفصہ بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن شرم آتی ہے۔ فرمایا اے بھتیجے! نہ شرماؤ، جو پوچھنا ہے پوچھ لو۔ میں نے پوچھا کیا عورتوں کے ساتھ پیچھے سے جماع کرنا جائز ہے۔ انہوں نے جواب دیا حضرت ام سلمہ نے فرمایا انصار اپنی عورتوں کو الٹا لٹا کر جماع کیا کرتے تھے۔ یہودی کہتے تھے جو شخص ایسے کرتا ہے تو اس کے ہاں بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ جب مہاجرین مدینہ تشریف لائے اور انہوں نے انصاری عورتوں کے ساتھ نکاح کیا۔ تو انہوں نے بھی ان کے ساتھ ایسے ہی کیا۔ ان میں سے ایک عورت نے اپنے خاوند کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ کہا کہ جب تک میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش نہ کرلوں تمہاری یہ بات نہیں مانوں گی وہ حضرت ام سلمہ کے پاس آئیں اور انہیں اس بارے میں مطلع کیا۔ انہوں نے کہا بیٹھ جاؤ۔ ابھی رسول اللہ تشریف لاتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد حضور ﷺ تشریف لائے وہ عورت شرمندگی کی وجہ سے آپ سے مسئلہ نہ پوچھ سکی اور واپس چلی گئی، حضرت ام سلمہؓ نے آپ سے یہ پوچھا آپ نے فرمایا اس انصاری عورت کو بلاؤ۔ وہ عورت حاضر خدمت ہوئی آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی (1)۔ اسے ترمذی نے روایت کر کے حسن کہا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی حضور (ﷺ) میں ہلاک ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کس چیز نے تمہیں ہلاک کر دیا۔ عرض کی آج رات میں نے اپنی سواری الٹی کر دی۔ آپ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی آگے سے آؤ یا پیچھے سے لیکن دبر اور حیض سے بچو (2)۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ عبداللہ بن عمر، اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ انہیں اس حدیث میں وہم ہو گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ انصاری پہلے بت پرست تھے اہل کتاب کے ساتھ مدینہ میں رہائش پذیر تھے اور ان کے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے ان کی علمیت کے قائل تھے اور اکثر افعال میں ان کی اتباع کرتے تھے۔ یہودی اپنی عورتوں سے صرف ایک ہی طرف سے جماع کرتے تھے۔ انصار بھی ان کے اس طریقہ پر عمل پیرا تھے۔ اس کے برعکس مکہ والے اس طریقہ سے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ مختلف طریقوں سے مباشرت کرتے تھے۔ جب مکہ والے مدینہ ہجرت کر کے آئے اور ان میں سے ایک شخص نے انصاری عورت کے ساتھ نکاح کیا۔ جب وہ اپنے طریقے کے مطابق اس کے ساتھ جماع کرنے لگا تو اس عورت نے کہا اگر تم ہمارے طریقے کے مطابق کرنا چاہو تو کرو ورنہ مجھ سے دور رہو۔ جب یہ بات حضور ﷺ تک پہنچی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یعنی یہ تمہاری کھیتیاں ہیں انہیں سیدھا بھی لٹا سکتے ہو اور الٹا بھی اور اگر چت لٹانا چاہو تو بھی جائز ہے۔ اس حدیث کو صرف ابوداؤد نے راویت کیا ہے۔ ماقبل احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ خصوصاً حضرت ام سلمہ کی روایت اس کے مشابہ ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے سورۂ فاتحہ سے لے کر الناس تک قرآن پاک سنا۔ اس دوران میں ہر ایک آیت کے بارے میں آپ سے پوچھتا جاتا جب میں اس آیت کریمہ پر پہنچا۔ آپ نے یہ مذکورہ بالا روایت بیان فرمائی۔ حضرت ابن عباس نے مذکورہ روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر کے جس وہم کا ذکر کیا ہے۔ شاید ان کا اشارہ صحیح بخاری کی اس راویت کی طرف ہو۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس جب قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو دوران تلاوت کسی سے بات نہ کرتے۔ ایک دن وہ سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے۔ جب اس آیت کریمہ پر پہنچے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ میں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ عورتوں کے دبر میں جماع کرنے کے بارے

1۔ مسند امام احمد: 305/6　　2۔ مسند امام احمد: 297/1

میں نازل ہوئی۔ اس حدیث کو اس سند سے صرف امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ امام مالک نے بھی اسے بیان کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ نسائی کی روایت میں آپ کے یہ بھی الفاظ ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کی دبر میں جماع کیا پھر اسے بہت افسوس ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ابوحاتم رازی نے اسے حدیث معلل کہا ہے۔ اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اگر یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر سے زید بن اسلم بھی روایت کرتے تو لوگ حضرت نافع کی حدیث پر اکتفاء نہ کرتے بعض نے اس کی تاویل یہ بیان کی ہے کہ آپ کے اس قول سے مراد یہ ہے کہ وہ جماع تو پچھلی طرف سے کرے لیکن اصل مقصد فرج ہی ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابونضر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع کو کہا لوگ تمہارے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ تم حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہو کہ انہوں نے دبر میں جماع کرنے کا فتویٰ دیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں میں تمہیں حقیقت حال سے آگاہ کرتا ہوں۔ دراصل بات یہ ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر قرآن پاک کی تلاوت کررہے تھے۔ میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا جب وہ اس آیت کریمہ پر پہنچے تو مجھے کہنے لگے کیا تم اس آیت کے بارے میں جانتے ہو۔ میں نے عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا: ہم قریشی لوگ پچھلی طرف سے بھی اپنی عورتوں سے جماع کرلیتے تھے۔ جب مدینہ آئے تو انصاری عورتوں کے ساتھ نکاح کیا اور ان کے ساتھ بھی اس طرح کرنا چاہا تو انہوں نے اس کو ناپسند کیا کیونکہ ان عورتوں نے یہ عمل یہودیوں سے سیکھ رکھا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اس کو ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ بہرحال حضرت عبداللہ بن عمر سے اس کے برعکس بھی روایت مروی ہے اور یہ بھی منقول ہے کہ آپ کے نزدیک یہ نہ مباح ہے نہ حلال۔ اور یہی قول بعض فقہائے مدینہ اور دوسرے فقہاء سے منقول ہے۔ حتیٰ کہ بعض نے امام مالک کی طرف بھی اس قول کو منسوب کیا ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس کا انکار کرتے ہیں کہ امام مالک کی طرف اسے منسوب کرنا صحیح نہیں۔ اس فعل کی حرمت پر کئی ایک احادیث وارد ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا، اے لوگو! شرم وحیا کا دامن تھامو، اللہ تعالیٰ حق بات بیان کرنے سے حیا نہیں فرماتا۔ عورتوں کی دبر میں جماع کرنا حلال نہیں۔ حضرت خزیمہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی دبر میں جماع کرنے سے منع کیا ہے۔ اس مضمون کی احادیث کئی دوسری اسناد سے بھی مروی ہیں جن کو نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ لیکن حضرت خزیمہ بن ثابتؓ والی روایت کی سند میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا جو کسی مرد یا عورت کی دبر میں فعل بد کا ارتکاب کرے(1)۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ ابن حزم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ نسائی نے اسے موقوفاً روایت کیا ہے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس سے اس کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا تم مجھ سے کفر کے بارے میں پوچھتے ہو؟ اس کی سند صحیح ہے۔ نسائی نے بھی اسے دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں ایک شخص حضرت عبداللہ بن عباس کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں اپنی بیوی کی دبر میں جماع کرتا ہوں۔ اور کہا کہ میں نے اس آیت سے اس فعل کو حلال گمان کیا۔ آپ نے فرمایا، کمینے! اس کا یہ معنی نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم اپنی بیوی کی فرج میں جماع کرسکتے ہو، خواہ بیٹھی ہو، کھڑی ہو، سیدھی لیٹی ہو، یا الٹی۔ ایک روایت میں رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس فعل بد کا ارتکاب کرنا لواطت صغریٰ ہے(2)۔ حضرت قتادہؒ سے بھی یہی سوال کیا گیا۔ تو آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ یہ لواطت صغریٰ ہے۔ حضرت ابودرداءؓ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس فعل کا ارتکاب تو کافر ہی کرسکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی یہی قول منقول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

1۔ مسند امام احمد: 213/5 2۔ مسند امام احمد: 210/2

نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات افراد کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور نہ ہی ان کا تزکیہ فرمائے گا۔ اور انہیں فرمائے گا کہ جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ (1) لوطی (فاعل اور مفعول دونوں) (2) مشت زنی کرنے والا (3) کسی جانور کے ساتھ فعل بد کا ارتکاب کرنے والا (4) عورت کی دبر میں وطی کرنے والا (5) ماں بیٹی کو نکاح میں جمع کرنے والا (6) اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے والا (7) اپنے پڑوسی کو اتنا تنگ کرنے والا کہ وہ اس کو ملامت کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اس حدیث کے راوی ابن لہیعہ اور اس کے استاد دونوں ضعیف ہیں۔ حضرت علی بن طلق روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی دبر میں وطی کرنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے حیا نہیں فرماتا۔ (1)

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو کچھ زیادت کے ساتھ روایت کیا ہے۔ بعض محدثین نے اس حدیث کو حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے۔ لیکن صحیح علی بن طلق ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی روایت میں ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ جو اپنی بیوی کی دبر میں وطی کرتا ہے (2)۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اسے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ اس فعل بد کا مرتکب ملعون ہے۔ یہ روایت کئی اسناد سے مروی ہے۔ جس کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ اس کے ایک راوی مسلم بن خالد ضعیف ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے حالت حیض میں یا اپنی بیوی کی دبر میں وطی کی، یا کاہن کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو اس نے محمد (ﷺ) پر نازل شدہ احکام سے کفر کیا (3)۔ امام مسلم فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیا کرو جیسے حیا کرنے کا حق ہے اور عورتوں کی دبر میں وطی نہ کرو۔ اس سند سے اس حدیث کو صرف نسائی نے روایت کیا ہے۔ حمزہ بن محمد کنانی نے فرمایا کہ یہ حدیث امام زہری، ابوسلمہ اور سعید کی اسناد سے منکر اور باطل ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں عورتوں کی دبر میں وطی کرنا کفر ہے۔ امام نسائی نے اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے اسے موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔ موقوف ہی زیادہ صحیح ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے حیا نہیں فرماتا، عورتوں کی دبر میں وطی نہ کرو۔ اس کو امام نسائی نے دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت آپ سے موقوف ہے۔ اور موقوف ہی زیادہ صحیح ہے۔ یزید بن طلق نے بھی اس کو نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ اور عبدالرزاق نے اسے طلق بن علی سے روایت کیا ہے۔ لیے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی روایت بھی علی بن طلق سے مروی ہے۔ بہر حال کئی دوسرے صحابہ سے بھی اس مفہوم کی روایات مروی ہیں۔ حضرت علی سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں نیچا کرے کیا تم نے یہ ارشاد باری تعالیٰ نہیں سنا: اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (الاعراف: 80) ''ترجمہ: کیا تم کیا کرتے ہو ایسی بے حیائی کا فعل، جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا ساری دنیا میں''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، ابودرداء، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن عاص اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اسے بلا شبہ حرام قرار دیتے ہیں۔ آپ سے ایک دفعہ اس کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے جواب دیا کیا کوئی مسلمان اس فعل کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ اسے دارمی نے روایت کیا ہے۔ اور یہ آپ کی طرف سے اس کی حرمت کی صریح نص ہے۔ اس کے علاوہ آپ سے جو بھی روایات مروی ہیں ان میں تاویل کی گنجائش ہے اس لیے اس صریح روایت کو ان پر ترجیح دی گئی ہے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا ہم لونڈیاں خریدتے ہیں۔ کیا ان کی دبر میں وطی کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا

1۔ تحفۃ الاحوذی: 327/4 2۔ مسند امام احمد: 272/2 3۔ سنن ابن ماجہ: کتاب الطہارۃ: 209

افسوس، کیا مسلمان ایسا کر سکتا ہے۔ اسرائیل بن روح فرماتے ہیں میں نے امام مالک سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا تم لوگ بڑے جاہل ہو کیا کھیتی کے علاوہ بھی کہیں بیج بویا جا سکتا ہے۔ فرج سے تجاوز نہ کیا کرو۔ میں نے کہا کہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ آپ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ فرمایا وہ جھوٹے ہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ سعید بن مسیب، ابوسلمہ، عکرمہ، طاؤس، عطاء، عروہ بن زبیر، حسن بصری اور کئی دوسرے سلف صالحین سے یہی منقول ہے۔ وہ اس کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض تو اس پر کفر کا اطلاق کرتے تھے۔ اور یہی جمہور علماء کا مذہب ہے۔ بعض فقہائے مدینہ حتیٰ کہ امام مالک سے بھی اس کا جو جواز منقول ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ عبد الرحمٰن بن قاسم فرماتے ہیں کہ میں نے دین کے معاملہ میں کسی ایسے قابل اعتماد شخص کو نہیں پایا جو اس کی حرمت میں شک کرتا ہو۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی اور فرمایا کہ اس سے واضح حکم اور کیا ہو سکتا ہے۔ امام شافعی سے بھی اس کے مباح ہونے کی ایک روایت منقول ہے۔ لیکن حضرت ربیع فرمایا کرتے تھے۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہ جھوٹ ہے۔ کیونکہ امام شافعی نے اپنی چھ کتابوں میں اس کی حرمت کی تصدیق فرمائی ہے۔

وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ: ارشاد باری تعالیٰ ہے بھلائی کے کام سرانجام دو اور اس کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کو ترک کرو جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا اور ڈرتے رہو اللہ سے، اور خوب جان لو تم اس سے ملنے والے ہو۔ وہ تمہارے تمام اعمال کا محاسبہ فرمائے گا۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ: اے حبیب! مومنوں کو خوشخبری دو۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ کے احکام کو بجالانے والے اور ہر اس چیز کو ترک کرنے والے ہیں جس سے اس نے روکا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ کا معنی یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ ہم بستری کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے۔ (بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا) آپ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے اس جماع کے بعد بچہ عطا فرما دیا تو شیطان اس بچے کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا(1)۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

"اور نہ بناؤ اللہ (کے نام) کو رکاوٹ اس کی قسم کھا کر کہ نیکی نہ کرو گے اور پرہیزگاری نہ کرو گے اور صلح نہ کراؤ گے لوگوں میں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے نہیں پکڑے گا تمہیں اللہ تعالیٰ تمہاری لایعنی قسموں پر لیکن پکڑے گا تمہیں ان قسموں پر جن کا ارادہ تمہارے دلوں نے کیا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا حلم والا ہے"۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، نیکی اور صلہ رحمی نہ کرنے کے لیے خدا کی قسموں کو نشانہ نہ بناؤ۔ یعنی یہ قسم نہ کھاؤ کہ میں یہ نیکی کا کام نہیں کروں گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ...... (النور:22) (اور نہ قسم کھائیں جو برگزیدہ ہیں ان میں سے اور خوشحال ہیں اس بات پر کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو۔ اور

1۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق: 335/6

چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تعالیٰ تمہیں، اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے) اگر کسی شخص نے ایسی قسم کھالی اور اس پر قائم رہا تو گنہگار ہوگا۔ اسے چاہیے کہ وہ قسم کو توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔ جس طرح کہ ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں رسول علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ ہم پیچھے آنے والے ہیں۔ اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔ فرمایا اگر تم میں سے کوئی ایسی قسم اٹھالے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا جو کفارہ بیان کیا ہے وہ ادا نہ کرے تو وہ گنہگار ہوگا(1)۔ اس حدیث کو امام اور امام احمد بن حنبلؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ اور امام بخاری نے ایک دوسری سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم نیکی نہ کرنے میں اپنی قسم کو رکاوٹ نہ بنالو بلکہ اپنی قسم کا کفارہ دے کر نیکی کا کام سرانجام دو۔ یہی قول مسروق، شعبی، ابراہیم نخعیؒ اور دوسرے بہت سے علماء سے منقول ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت کردہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا قسم بخدا اگر میں کوئی قسم اٹھالوں اور اسے توڑنے میں مجھے بہتری نظر آئے تو میں اس قسم کو توڑ دونگا اور کفارہ ادا کر دوں گا(2)۔ آپ نے عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کو ارشاد فرمایا: اے عبدالرحمٰن! امارت اور سرداری کو طلب نہ کیا کرو۔ اگر بغیر مانگے ہی تمہیں عطا ہوگئی تو اللہ کی طرف سے تجھے تائید حاصل ہوگی اور مانگنے پر عطا کی گئی تو تجھے اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اور جب تو کوئی قسم اٹھالے اور اس قسم کے برعکس نیکی اور بھلائی خیال کرے تو اس نیکی کے کام کو سرانجام دو اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو ابو ہریرہؓ سے بھی اسی مفہوم کی حدیث مروی ہے۔ امام احمد بن حنبل نے بھی اسی کی مثل حدیث ذکر کی ہے ابو داؤد کے یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بندہ جس چیز کا مالک نہ ہو اس میں نہ تو قسم ہوتی ہے اور نہ نذر۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور قطع رحمی میں بھی قسم نہیں۔ جس نے کسی چیز پر بھی قسم اٹھائی پھر اس کے غیر کو بہتر پایا اسے چاہیے کہ اپنی اس قسم کو توڑ دے اور نیکی کے کام کو سرانجام دے۔ اور اس کا چھوڑ دینا ہی کفارہ ہے۔ ابو داؤد فرماتے ہیں اس حدیث کے علاوہ باقی تمام حدیثوں میں یہی حکم ہے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جس شخص نے قطع رحمی یا کسی معصیت پر قسم اٹھائی تو اس قسم کو پورا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اسے توڑ دے اور اپنی قسم سے رجوع کرے۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس حدیث کے راوی حارثہ بن ابی رجال تمام محدثین کے نزدیک متروک الحدیث اور ضعیف ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس، سعید بن مسیب، مسروق اور شعبی سے بھی منقول ہے کہ معصیت میں قسم نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کا کفارہ دینا واجب ہوتا ہے۔

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ: ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ لایعنی اور لغو قسموں کی وجہ سے تمہارا مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ یعنی وہ قسمیں جن میں قسم اٹھانے والے کا قصد اور ارادہ شامل نہیں ہوتا۔ بلکہ عادت کے طور پر اس کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جس شخص نے لات اور عزیٰ کی قسم اٹھائی۔ اسے فوراً کلمہ توحید پڑھنا چاہیے۔ یہ ارشاد آپ نے ان لوگوں کو فرمایا جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور انکی زبانوں پر بغیر کسی قصد و ارادہ کے لات اور عزیٰ کی قسم جاری ہوجاتی تھی۔ تو آپ نے ان کو کلمہ توحید پڑھنے کا حکم فرمایا۔ تاکہ بغیر قصد کے انکی زبانوں پر جو کلمہ کفر جاری ہوا ہے اس کا ازالہ ہوسکے۔

وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ: ارشاد باری تعالیٰ ہے لیکن وہ تمہیں ان قسموں پر پکڑے گا جن کا ارادہ تمہارے دلوں نے کیا۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا: بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ " ترجمہ: (لیکن) باز پرس کرے گا تم سے ان قسموں پر جن کو تم پختہ کر چکے ہو"۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ لغو قسمیں وہ ہوتی ہیں کہ انسان اپنے گھر میں دوران گفتگو کھاتا

1۔ البخاری، کتاب الایمان، مسلم: 1276 2۔ مسلم، کتاب الایمان: 1270

رہتا ہے۔ جیسے قسم بخدا، ہرگز نہیں۔ قسم بخدا کیوں نہیں۔ ابوداؤد اور زہری نے اس حدیث کو موقوف قرار دیا ہے۔ اس طرح ابن جریج اور ابن ابی لیلیٰ نے بھی اس کو موقوف روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ آیت لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ کی تفسیر کے تحت فرماتی ہیں کہ اس سے مراد وہ قسمیں ہیں جو لوگ آپس میں لڑائی جھگڑے کے وقت اٹھاتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ اللہ کی قسم ایسا نہیں ہوا۔ دوسرا کہتا ہے خدا کی قسم ایسا ہوا ہے۔ لیکن یہ قسم اٹھانے میں ان کا ارادہ پختہ نہیں ہوتا۔ اس کو عبدالرزاق نے اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں ارشاد فرماتی ہیں کہ لغو قسم سے مراد وہ قسم ہے جو انسان ہنسی اور مذاق کے وقت کھاتا ہے۔ اس میں کفارہ لازم نہیں ہوتا۔ کفارہ صرف اسی قسم میں لازم ہوتا ہے کہ جو انسان پختہ ارادہ سے قسم اٹھائے کہ وہ یہ کام کرے گا پھر اس نے یہ کام نہ کیا تو اس پر یہ کفارہ لازم ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس شعبی اور عکرمہ کے ایک قول کے مطابق، عروہ بن زبیر ابوصالح، ابوقلابہ اور زہریؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت عروہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ اس آیت کی تاویل فرمایا کرتی تھیں کہ یمین لغو سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے گمان میں سچی قسم اٹھائے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس کے ایک قول کے مطابق، سلمان بن یسار اور سعید بن جبیر اور دوسرے بہت سے تابعین سے یہی تفسیر مروی ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس سے گزرے جو تیر اندازی کررہے تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کے ایک صحابی بھی تھے۔ تیر اندازی کرنے والے ایک شخص نے کہا اللہ کی قسم! میرا نشانہ لگے گا۔ دوسرے نے کہا، خدا کی قسم، تیرا نشانہ نہیں لگے گا۔ اس صحابی نے عرض کی یارسول اللہ! اس شخص کی قسم ٹوٹ گئی۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، تیراندازوں کی قسمیں لغو ہوتی ہیں۔ ان میں کفارہ ہوتا ہے نہ کوئی سزا۔ یہ حدیث مرسل حسن ہے۔ حضرت عائشہ سے اس میں دو قسم کے قول منقول ہیں۔ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں۔ یمین لغو سے مراد یہ ہے کہ انسان قسم اٹھائے پھر بھول جائے۔ حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ بددعائیہ جملے بھی اسی میں داخل ہیں۔ مثلاً کوئی شخص کہے اگر میں یہ کام نہ کروں تو اللہ تعالیٰ میری آنکھیں اندھی کردے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ غصے کی حالت میں قسم کھانا بھی یمین لغو ہے اور ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد کسی حلال چیز کو حرام کرنا ہے اس میں کفارہ نہیں ہے۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ دو انصاری بھائیوں کے درمیان وراثت کا مال مشترک تھا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو مال تقسیم کرنے کے لیے کہا تو وہ کہنے لگا کہ اگر تو نے دوبارہ مال تقسیم کرنے کے بارے میں پوچھا تو میرا سارا مال بیت اللہ شریف کے لئے وقف ہے۔ حضرت عمر نے اس سے کہا کہ بیت اللہ کو تیرے مال کی ضرورت نہیں۔ قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بات چیت کر۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا، اللہ کی معصیت اور قطع رحمی میں اور ایسے مال میں جس کا تو مالک نہیں ہے ان میں نہ قسم ہوتی ہے اور نہ نذر۔ مجاہد فرماتے ہیں اگر کوئی شخص جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا مؤاخذہ فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور علم والا ہے۔ یعنی اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف فرماتا اور ان کے معاملہ میں حلم و بردباری سے کام لیتا ہے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

''ان کے لیے جو قسم اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنی بیویوں کے قریب نہ جائیں گے مہلت ہے چار ماہ کی پھر اگر رجوع کرلیں (اس مدت میں) تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ اور اگر پکا ارادہ کرلیں طلاق دینے کا تو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا

جاننے والا ہے''۔

لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ: ایلاء کا معنی قسم اٹھانا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ مجامعت نہ کرنے کی قسم اٹھائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو اس کی یہ قسم چار ماہ سے کم ہوگی یا زائد اگر مدت چار ماہ سے کم ہوگی تو وہ شخص اس مدت کے گزرنے کا انتظار کرے اور پھر مدت پوری ہونے کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ جماع کر سکتا ہے۔ اس دوران عورت کو صبر کرنا چاہیے اور وہ اس مدت میں اپنے شوہر سے رجوع کرنے کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ کے لئے ایلاء کیا۔ اور انتیس دن الگ رہے اور فرمایا کہ مہینہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے(1)۔ یہ حدیث حضرت عمر سے بھی مروی ہے۔ اگر مدت ایلاء، چار ماہ سے زائد ہو تو چار ماہ گزرنے کے بعد عورت اپنے خاوند سے مطالبہ کر سکتی ہے یا تو وہ رجوع کرے اور مجامعت کرے یا اسے طلاق دے۔ اور حاکم وقت اسے اس پر مجبور کر سکتا ہے تاکہ عورت کو تکلیف نہ ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے جماع نہ کرنے کی قسم اٹھالیں۔ یہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ایلاء صرف بیویوں کے ساتھ مختص ہے، لونڈیوں کے ساتھ نہیں ہوگا۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ: یعنی خاوند قسم کھانے کے وقت سے چار ماہ انتظار کرے گا پھر اس سے مطالبہ کیا جائے کہ یا تو رجوع کر یا بیوی کو طلاق دے۔ اور اگر وہ رجوع کرے تو یہ رجوع کرنا جماع سے کنایہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس، مسروق، شعبی سعید بن جبیر وغیرہم سے منقول ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ: اس قسم کی وجہ سے عورت کے حقوق میں جو کوتاہی ہوئی ہے اسے بخشنے والا ہے۔ اور اس میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ اس صورت میں مرد پر کوئی کفارہ لازم نہیں۔ یہ امام شافعی کا قدیم قول ہے۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو اس سے مقدم آیت کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس پر کفارہ لازم ہے۔ اور یہی امام شافعی کا جدید مذہب ہے۔

وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ: یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صرف چار مہینے گزرنے سے طلاق نہیں ہوتی۔ یہ جمہور متاخرین علماء کا مذہب ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ چار ماہ پورے ہوتے ہی ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ قول حضرت عمر، عثمان، علی ابن مسعود، ابن عباس اور زبیر بن ثابت سے صحیح اسناد سے مروی ہے۔ ابن سیرین، مسروق، قاسم، سالم، ابو سلمہ، قتادہ، قاضی شریح، ابراہیم نخعی، ربیع بن انس اور سدی وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد طلاق رجعی ہوگی اور یہ قول سعید بن مسیب، ابو بکر بن عبدالرحمن، مکحول، ربیعہ، زہری اور مروان بن حکم سے منقول ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ طلاق بائنہ ہوگی اور یہ قول حضرت علی، ابن مسعود، عثمان، ابن عباس، ابن عمر، اور زید بن ثابت سے منقول ہے۔ ان کے علاوہ عطاء، جابر بن زید، مسروق، عکرمہ، حسن بصری، ابن سیرین، محمد بن حنیفہ، ابراہیم نخعی، قبیصہ بن ذویب، ابو حنیفہ، ثوری، حسن بن صالح کا بھی یہی مذہب ہے۔ جن علماء نے یہ فرمایا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد طلاق ہو جاتی ہے ان کے نزدیک اس عورت پر عدت گزارنا واجب ہے۔ مگر حضرت عبداللہ بن عباس اور ابو شعثہ سے مروی ہے اگر تین حیض گزر چکے ہوں تو اب اس پر کوئی عدت لازم نہیں۔ اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ جمہور متاخرین فرماتے ہیں چار ماہ گزرنے کے بعد خاوند سے رجوع کرنے یا طلاق دینے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اس مدت کے گزرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں جب کوئی شخص اپنی عورت سے ایلاء کرے تو اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی اگرچہ چار ماہ گزر جائیں۔ اس مدت

1۔ مسلم، کتاب الطلاق: 1113

کے گزرنے کے بعد اس سے مطالبہ کیا جائے گا کہ یا تو وہ رجوع کرے یا طلاق دے دے(1)۔ حضرت سلیمان بن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے دس سے زیادہ صحابہ کو پایا کہ ان کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعی حضرت علی سے یہی روایت کرتے ہیں کہ ایلاء کرنے والے کو روکا جائے گا اور اس سے طلاق یا رجوع کا مطالبہ کیا جائے گا۔ پھر فرمایا کہ یہی ہمارا قول ہے۔ یہ حضرت عمر، ابن عمر، عائشہ، عثمان، زید بن ثابت اور کئی دوسرے صحابہ کے قول کے موافق ہے۔ حضرت سہیل بن ابی صالح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے بارہ صحابہ کرام سے ایلاء کرنے والے شخص کے بارے میں مسئلہ پوچھا تو ان سب نے فرمایا اس پر کوئی چیز لازم نہیں یہاں تک کہ چار مہینے گزر جائیں۔ پھر اس کو روکا جائے۔ اگر رجوع کر لے تو فبہا ورنہ وہ طلاق دے دے۔ یہی قول حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابو درداء، حضرت علی، ام المومنین، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ سعید بن مسیب، عمر بن عبدالعزیز، مجاہد، طاؤس، محمد بن کعب اور قاسم سے بھی منقول ہے۔ امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیث بن سعد، اسحاق بن راھویہ، ابو عبید، ابو ثور، اور داؤد سے بھی یہی ثابت ہے۔ یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ گزرنے کے بعد وہ رجوع نہ کرے تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے۔ اور اگر طلاق نہ دے تو حاکم از خود اس کی طرف سے طلاق دے دے۔ یہ طلاق رجعی ہوگی اور خاوند کو عدت میں رجوع کا حق حاصل ہوگا۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ عدت میں رجعت جائز نہیں یہاں تک کہ وہ عدت میں اس کے ساتھ رجوع کرے۔ لیکن یہ قول نہایت ہی غریب ہے۔ ایلاء کرنے والے کو چار ماہ کی تاخیر کی اجازت ہوتی ہے۔ اس مناسبت کی وجہ سے فقہاء اور دوسرے علماء یہاں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جس کو امام مالک نے مؤطا شریف میں عبداللہ بن دینار سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک رات حضرت عمر گشت کے لئے مدینہ کی گلیوں میں نکلے تو آپ نے ایک عورت کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا۔

1۔ یہ رات کتنی لمبی اور تاریک ہے۔ جس نے مجھے جگا رکھا ہے۔ میرا محبوب یہاں نہیں جس کے ساتھ میں دل لگی کروں۔
2۔ قسم بخدا اگر مجھے اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس چار پائی کے بازو حرکت کرتے۔

یہ سن کر آپ گھر تشریف لائے اور اپنی بیٹی حضرت حفصہ سے پوچھا کہ ایک عورت اپنے خاوند کی جدائی پر زیادہ سے زیادہ کتنا صبر کر سکتی ہے۔ فرمایا چھ ماہ یا چار ماہ۔ آپ نے فرمایا اب میں حکم جاری کر دوں گا کہ کسی مسلمان مجاہد کو اس سے زیادہ محاذ جنگ پر نہ روکا جائے۔ اس واقعہ کی اور بھی بہت سی اسناد ہیں۔ جن میں کچھ تفصیل بھی ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۸﴾

''اور طلاق دی ہوئی عورتیں روکے رکھیں اپنے آپ کو تین حیضوں تک اور جائز نہیں ان کے لیے کہ چھپائیں جو پیدا کیا ہے اللہ نے ان کے رحموں میں اگر وہ ایمان رکھتی ہوں اللہ پر اور روز آخرت پر اور ان کے خاوند زیادہ حق دار ہیں ان کو لوٹانے

1۔ فتح الباری، کتاب الطلاق: 426/9

کے اس مدت میں اگر وہ ارادہ کرلیں اصلاح کا۔ اور ان کے بھی حقوق ہیں (مردوں پر) جیسے مردوں کے حقوق ہیں ان پر دستور کے مطابق۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ عزت والا حکمت والا ہے۔''

وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ :وہ عورتیں جو مدخولہ (وہ جو اپنے خاوندوں سے ازدواجی تعلقات قائم کر چکی ہوں) اور حیض والی ہوں، اگر انہیں طلاق ہو جائے اللہ تعالیٰ انہیں حکم فرماتا ہے کہ وہ تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ یعنی خاوند کے طلاق دینے کے بعد وہ تین حیض تک انتظار کریں پھر اگر چاہیں تو دوسرا نکاح کر سکتی ہیں۔ ائمہ اربعہ نے اس عمومی حکم سے لونڈی کو خارج کر دیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک طلاق کے بعد لونڈی کی عدت دو حیض ہے۔ اس لیے کہ لونڈی کی آزاد عورت کے مقابلہ میں نصف عدت ہوتی ہے اور حیض کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے اس کے لیے دو حیض گزارنا ضروری ہیں۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لونڈی کی طلاقیں دو ہیں اور عدت دو حیض ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ لیکن اس کا راوی مظاہر انتہائی ضعیف ہے۔ حافظ دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہ قاسم بن محمد کا اپنا قول ہے۔ ابن ماجہ نے اسے عبداللہ بن عمر سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔ دارقطنی اسے بھی کہتے ہیں کہ یہ ابن عمرؓ کا اپنا قول ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب سے بھی یہی مروی ہے بلکہ صحابہ کرام کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس آیت کریمہ کے عمومی حکم کی وجہ سے لونڈی کی عدت بھی آزاد عورت کی طرح ہے۔ اور چونکہ یہ ایک فطری امر ہے اس لیے آزاد اور لونڈی کو اس حکم میں برابر ہونا چاہیے۔ یہ قول ابن عبدالبر نے محمد بن سیرین اور بعض اہل ظاہر سے نقل کر کے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ فرماتی ہیں کہ مجھے میرے خاوند نے طلاق دی۔ اور اس وقت مطلقہ کی کوئی عدت نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

قُرُوْٓءٍ کے بارے میں آئمہ کرام کے دو قول ہیں۔ 1۔ قروء سے مراد طہر ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن (جو آپ کی بھتیجی ہیں) نے تین طہر مکمل کر لیے اور تیسرا حیض شروع ہو گیا تو وہ اپنے سابقہ خاوند کے مکان میں منتقل ہو گئیں۔ حضرت حمراء بنت عبدالرحمٰن نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی ہے۔ جب لوگوں نے حضرت عائشہ سے اس کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ''ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ'' کے الفاظ ذکر کیے ہیں فرمایا تم سچ کہتی ہو۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ قروء سے کیا مراد ہے۔ قروء سے مراد طہر ہے۔ حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں نے جتنے فقہائے کرام کو پایا ان کا یہی مذہب تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دے اور طلاق کے بعد عورت کو تیسرا حیض شروع ہو جائے تو وہ عورت اس سے آزاد ہے اور وہ مرد اس عورت سے۔ امام مالک فرماتے ہیں ہمارے نزدیک بھی یہی قول راجح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، زید بن ثابتؓ سالم، قاسم، عروہ، سلیمان یسار، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابان بن عثمان، عطاء بن ابی رباح، قتادہ اور باقی فقہائے سبعہ سے یہی مروی ہے۔ امام مالک، شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ داؤد ظاہری، ابوثور، اور امام بن حنبل سے ایک روایت یہی ہے۔ انکی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ یعنی ان کو طہر اور پاکیزگی کی حالت میں طلاق دو۔ کیونکہ وہ طہر جس میں طلاق دی جائے اسے عدت میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس آیت میں قروء سے مراد طہر ہے۔ اسی لیے یہ فرماتے ہیں کہ تیسرا حیض شروع ہوتے ہی عدت ختم ہو جائے گی اور وہ عورت اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی۔ اور عورت کی کم از کم عدت بتیس دن اور چند گھڑیاں ہیں۔ عرب شعراء نے بھی اس لفظ کو طہر کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ اعشیٰ کا قول ہے: لَمَّا

ضَاعَ فِيْهَا مِنْ قُرُوْءِ نِسَآئِكَ

دوسرا قول یہ ہے کہ قروء سے مراد حیض ہے۔ ان کے نزدیک عدت اس وقت ختم ہوگی جب عورت تیسرے حیض سے پاک ہوگی۔ بعض نے یہ بھی شرط لگائی ہے حتیٰ کہ عورت تیسرے حیض سے غسل کر لے۔ اس صورت میں عدت ختم ہونے کی کم از کم مدت تینتیس دن اور ایک لمحہ ہے۔ حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی میرے خاوند نے ایک یا دو طلاقیں دی تھیں۔ پھر میرے پاس اس وقت آیا جب میں نے کپڑے اتارے ہوئے تھے اور دروازہ بند کیا ہوا تھا۔ یعنی تیسرے حیض سے نہانے کی تیاری کر رہی تھی۔ حضرت عمر نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرمایا میرا خیال تو یہ ہے کہ یہ اس کی بیوی ہے یعنی اس کے دیکھنے سے رجوع ثابت ہو گیا۔ ابن مسعود نے فرمایا میری بھی یہی رائے ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق، عمر، عثمان، علی، ابو درداء، عبادہ بن صامت، انس بن مالک، عبداللہ ابن مسعود، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، عبداللہ بن عباس سے یہی قول مروی ہے۔ سعید بن مسیب، علقمہ، اسود، ابراہیم نخعی، مجاہد، عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر، عکرمہ، محمد بن سیرین، حسن بصری، قتادہ، شعبی، ربیع بن انس، مقاتل بن حیان، سدی، مکحول، ضحاک اور عطاء خراسانی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قروء سے مراد حیض ہے۔ یہی امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ اور صحیح ترین روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔ اثرم حضرت امام احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اکابر صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ قروء سے مراد حیض ہیں۔ سفیان ثوری، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، حسن بن صالح، ابو عبید اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اس کی تائید حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش سے مروی حدیث سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا اپنے اقراء کے ایام میں نماز چھوڑ دیا کرو(1)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قروء سے مراد حیض ہے۔ بشرطیکہ یہ حدیث صحیح ہو۔ اس کے ایک راوی منذر کے بارے میں ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے۔ لیکن ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ لغت عرب میں قرء ہر چیز کے آنے جانے کے وقت کو کہتے ہیں جس کے آنے جانے کا وقت معلوم ہوا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ ان دونوں معنی میں مشترک ہے۔ بعض اصولیوں نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اصمعی کہتے ہیں کہ قرء سے مراد وقت ہے۔ ابو عمرو بن علاء کا قول ہے کہ اہل عرب حیض کو بھی قرء کہتے ہیں اور طہر کو بھی۔ شیخ ابو عمرو ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ لغت عرب کے ماہرین اور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرء کے لفظ سے حیض بھی مراد لیا جاتا ہے اور طہر بھی۔ لیکن ان کا اختلاف اس پر ہے کہ یہاں اس آیت سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارے میں انکے دو قول ہیں۔

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ: اللہ تعالیٰ نے انکے ارحام میں جو کچھ پیدا کیا ہے انکے لیے جائز نہیں کہ وہ اسے چھپائیں۔ یعنی انکے لیے حمل اور حیض کو چھپانا ناجائز ہے۔

اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: یہاں ان کو تنبیہ کی جا رہی ہے۔ کہ وہ خلاف واقع چیز ظاہر نہ کریں اس میں اس بات پر بھی دلیل ہے کہ ایسے شرعی احکام کو جن پر صرف عورتیں ہی آگاہ ہوتی ہیں۔ ان میں ان کا قول معتبر ہوگا۔ اس لیے یہاں تنبیہ فرمائی کہ وہ خلاف واقع خبر نہ دیں۔ یعنی عدت کے جلد ختم، یا بعض مقاصد کے تحت اسے لمبا کرنے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ انہیں حکم ہوا ہے کہ بغیر کسی کمی بیشی کے صحیح حکم کو ظاہر کریں۔

1۔ نسائی، کتاب الحیض: 183/1

وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ: یعنی اس کا وہ خاوند جس نے اسے طلاق دی ہے، وہ دوران عدت اسے واپس لوٹانے کا زیادہ حقدار ہے جبکہ وہ صلح اور نیک برتاؤ کا خواہاں ہو۔ یہ حکم طلاق رجعی کا ہے۔ یعنی ایک طلاق، دو طلاقیں ہوں۔ لیکن اگر طلاق، بائنہ ہو جائے۔ اس کا حکم الگ ہے۔ آیت کے نزول کے وقت طلاق بائنہ نہیں ہوتی تھی۔ اگر کوئی شخص اپنی عورت کو سو طلاقیں بھی دے دیتا تو اسے رجوع کا حق حاصل ہوتا پھر طلاق بائنہ اسلامی احکام کا حصہ بن گئی۔ کیونکہ فقہاء کرام نے اس کے بعد آنے والی آیت کو تین طلاقوں میں محصور کیا ہے۔ اس طلاق کی دو قسم ہو گئیں ایک بائنہ اور دوسری غیر بائنہ۔ اس آیت کریمہ سے بعض اصولیوں کے اس قاعدہ کا ضعف بھی ثابت ہو گیا جس میں فرماتے ہیں عموم پر دلالت کرنے والے لفظ کی طرف اگر ضمیر لوٹائی جائے تو اس کی تخصیص ہو جاتی ہے۔ پس اس آیت کریمہ کے ساتھ یہ استدلال کرنا صحیح نہیں۔

وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ: جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اسی طرح عورتوں کے بھی مردوں پر حقوق ہیں۔ اس لیے ان میں ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنے حقوق ادا کرے۔ حضور ﷺ نے اس سلسلہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ تم نے اللہ کی ضمانت کے ساتھ انہیں حاصل کیا ہے۔ اور اللہ کے کلام کے ساتھ ان کی شرمگاہوں کو اپنے لیے حلال کیا ہے۔ تمہارے لیے ان پر واجب ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو تمہارے گھر میں داخل نہ ہونے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو اتنا مار سکتے ہو کہ نشان نہ پڑے اور ان کے لیے تم پر لازم ہے کہ انہیں کھلاؤ، پلاؤ اور پوشاک مہیا کرو۔ ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ ہم پر ہماری عورتوں کے کیا حقوق ہیں فرمایا جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ۔ جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ۔ اس کے چہرے پر نہ مارو۔ اسے گالی نہ دو۔ جھگڑا ہو جائے تو اسے گھر سے نہ نکالو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ میں پسند کرتا ہوں کہ میں اپنی بیوی کے لیے صاف ستھرا رہوں جس طرح کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میری بیوی میرے لیے بن سنور کر رہے۔

وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ: مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ جسمانی اعتبار سے بھی، اور اخلاقی حیثیت سے بھی مرتبہ اور اطاعت حکم کے اعتبار سے بھی۔ ان پر مال و دولت خرچ کرنے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے اعتبار سے اور یہ فضیلت دنیوی واخروی اعتبار سے ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ (النساء:34) ''مرد محافظ اور نگران ہیں عورتوں پر''۔

وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ: اللہ تعالیٰ اپنے حکم کی نافرمانی کرنے والوں کو سزا دینے پر قادر ہے اور اپنے اوامر و نواہی اور احکام شرعیہ میں بڑی حکمت والا ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ یُبَیِّنُهَا لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

''طلاق دو بار ہے پھر یا تو روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دینا ہے احسان کے ساتھ اور جائز نہیں تمہارے لیے کہ لوتم اس سے جو تم نے دیا ہے انہیں کچھ بھی بجز اس کے کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو تو کوئی حرج نہیں ان پر کہ عورت کچھ فدیہ دے کر جان چھڑا لے۔ یہ حدیں ہیں اللہ کی سوان سے آگے نہ بڑھو اور جو کوئی آگے بڑھتا ہے اللہ کی حدوں سے سو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (دو بار طلاق دینے کے بعد) پھر اگر وہ طلاق دے اپنی بیوی کو تو وہ حلال نہ ہوگی اس پر اس کے بعد یہاں تک کہ نکاح کرے کسی اور خاوند کے ساتھ پس اگر وہ (دوسرا) طلاق دے اسے تو کوئی حرج نہیں ان دونوں پر کہ رجوع کر لیں بشرطیکہ انہیں خیال ہو کہ وہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو اور یہ حدیں ہیں اللہ کی وہ بیان فرماتا ہے انہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں''۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ : زمانہ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں یہ رواج تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں بھی دے دیتا تو عدت میں اسے رجوع کرنے کا حق حاصل ہوتا۔ اس آیت کریمہ نے اس حکم کو ختم کر دیا۔ چونکہ اس میں عورتوں کا نقصان تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے مرد کے اختیار کو تین طلاقوں میں محصور کر دیا۔ پہلی اور دوسری طلاق میں تو وہ رجوع کر سکتا ہے لیکن تیسری طلاق میں اسے رجوع کا حق حاصل نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں۔ پہلے اگر کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دے دیتا تو اسے رجوع کا حق حاصل ہوتا۔ اگر چہ اس نے تین طلاقیں دی ہوتیں۔ اس آیت کریمہ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ میں تمہیں نہ بساؤں گا نہ طلاق دونگا۔ اس نے پوچھا کیسے؟ اس نے کہا کہ میں تجھے طلاق دونگا جب عدت ختم ہونے کے قریب ہوگی تو رجوع کرلوں گا۔ اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اور ایک دوسری روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگ سنبھل گئے۔ اور جو پہلے طلاق دے چکے تھے اور جنہوں نے طلاق نہیں دی تھی وہ اس حکم کا لحاظ کرنے لگے۔ اس حدیث کی کئی دوسری اسناد ہیں جن کو ابن مردویہ، ترمذی اور حاکم نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں پہلے طلاق کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں تھا آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیتا پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا۔ ایک دفعہ ایک انصاری اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ اس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: قسم بخدا! کہ میں تجھے نہ خود بساؤں گا اور نہ کسی دوسرے کے ساتھ شادی کرنے دوں گا۔ پس وہ اسے طلاق دیتا اور عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیتا۔ اس طرح اس نے طلاق کے اس عمل کو کئی بار دھرایا تو اللہ تعالیٰ نے طلاق کی ایک حد مقرر کر دی۔ یعنی تین طلاقوں کے بعد رجوع کا حق حاصل نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ وہ عورت کسی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ : ابن جریر فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی عورت کو ایک یا دو طلاقیں دے دیں، اب اسے اختیار ہے چاہے تو اصلاح اور نیکی کی نیت سے رجوع کر لے۔ چاہے تو اسے اپنی حالت پر چھوڑ دے حتی کہ جب اس کی عدت گزر جائے تو وہ عورت اس سے جدا ہو جائے گی۔ لیکن چھوڑنے کی صورت میں بھی اسے چاہیے کہ اس کے ساتھ احسان کرے اور اس کے کسی حق کو غصب نہ کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں جب کسی شخص نے اپنی عورت کو دو طلاقیں دے دیں تو تیسری طلاق دینے میں اسے اللہ سے ڈرنا چاہیے اور دو صورتیں ہیں۔ یا تو اس سے رجوع کرے اور اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ یا احسان کے ساتھ اس کو چھوڑ دے۔ اور اس کے کسی حق کو غصب نہ کرے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! یہاں دو طلاقوں کا ذکر ہے۔ آپ نے فرمایا ''تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ'' تیسری طلاق ہے۔ یہ روایت صحیح اسناد سے مروی ہے

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا: یعنی ان عورتوں کو اتنا تنگ نہ کرو کہ وہ تمہارا دیا ہوا کل مال یا اس کا بعض حصہ تمہیں واپس کر کے تم سے اپنی جان چھڑانے پر مجبور ہو جائیں۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (النساء:19) ''ترجمہ: اور نہ روکے رکھو انہیں تا کہ لے جاؤ کچھ حصہ (اس مہر وغیرہ کا) جو تم نے دیا ہے انہیں بجز اس صورت کے کہ ارتکاب کریں کھلی بدکاری کا''۔ ہاں عورت اگر اپنی خوشدلی سے کچھ مہر واپس کر دے تو یہ الگ بات ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا (النساء:4) ''ترجمہ: پھر اگر وہ بخش دیں تمہیں کچھ اس سے خوشدلی سے تو کھاؤ اسے لذت حاصل کرتے ہوئے خوشگوار سمجھتے ہوئے''۔ ہاں اگر میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہو جائے اور عورت مرد کو ناپسند کرتی ہو اور اس کے حقوق ادا نہ کرتی ہو اور اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر قدرت نہ رکھتی ہو تو ایسی صورت میں وہ کچھ مال دے کر خاوند سے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں اور وہ مال قبول کرنے میں خاوند بھی گنہگار نہیں ہوگا۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا: ہاں اگر عورت بلا وجہ طلاق طلب کرے تو اس صورت میں وہ گنہگار ہوگی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو عورت بغیر کسی وجہ کے اپنے خاند سے طلاق طلب کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ اس حدیث کی اور بھی مختلف اسناد ہیں۔ جن کو ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، امام احمد بن حنبل، ابن جریر وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ایسی عورتیں منافق ہیں۔ اس لیے ائمہ خلف وسلف کی ایک بہت بڑی جماعت کا یہ مذہب ہے کہ خلع صرف اس صورت میں جائز ہے جب لڑائی جھگڑا عورت کی طرف سے ہو۔ اس صورت میں مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ فدیہ لے کر عورت کو طلاق دے دے۔ اور انہوں نے اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ خلع کے جواز کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس، طاؤس، ابراہیم نخعی، عطاء، حسن بصری اور جمہور علماء کا ہے۔ حتی کہ امام مالک اور اوزاعی فرماتے ہیں۔ اگر جھگڑا مرد کی طرف سے تھا اور اس نے اس سے مال لے کر خلع کیا تو اس پر اس کا مال واپس کرنا واجب ہے۔ اس صورت میں طلاق رجعی ہوگی۔ امام شافعی فرماتے ہیں: جب اختلاف کی صورت میں خلع جائز ہے۔ پھر اتفاق کی صورت میں بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ امام مزنی فرماتے ہیں کہ خلع اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے منسوخ ہے۔ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْــًٔا (النساء:20) ''ترجمہ: اور دے چکے ہو تم اسے، ڈھیروں مال، نہ لو اس مال میں سے کوئی چیز''۔ لیکن یہ قول ضعیف اور مردود ہے۔ ابن جریر اس آیت کے شان نزول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ثابت بن قیس بن شماس اور ان کی زوجہ جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن روایت کرتی ہیں کہ حبیبہ بنت سھل انصاری ثابت بن قیس کی بیوی تھیں۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ صبح صبح اپنے گھر سے نکلے تو انہوں نے حضرت حبیبہ کو اپنے دروازے پر پایا۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ عرض کیا میں حبیبہ ہوں۔ فرمایا کیا بات ہے عرض کیا میں اور ثابت ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ جب حضرت ثابت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا تمہاری بیوی تمہارے متعلق کچھ کہہ رہی تھی۔ یہ سن کر حبیبہ نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے خاوند نے مجھے جو کچھ دیا تھا وہ میرے پاس ہے، میں اسے واپس کرنے پر تیار ہوں۔ آپ نے فرمایا ثابت لے لو۔ انہوں نے وہ مال لے لیا، اس طرح حضرت حبیبہ اپنے ماں باپ کے پاس چلی گئیں (1)۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے ان دونوں میں لڑائی ہوگئی تو حضرت ثابت نے ان کو مارا۔ اس سے ان کی ایک ہڈی ٹوٹ گئی۔ صبح انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی۔ آپ نے حضرت ثابتؓ سے فرمایا کہ اس سے یہ مال لے لو اور اسے طلاق دے دو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ مال لینا

1۔ تفسیر الطبری 462/2

میرے لیے جائز ہے، آپ نے فرمایا ہاں۔ انہوں نے عرض کی میں نے اسے مہر میں دو باغ دیے تھے جو اس کے پاس ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ دونوں باغ لے کر اسے طلاق دے دو۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے ان کے اخلاق اور دینداری کے بارے میں کوئی شکایت نہیں۔ لیکن میں اسلام میں کفر (ناشکری) کو ناپسند کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تم اس کا مال واپس کر دو گی۔ اس نے عرض کی ہاں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کے خاوند کو فرمایا یہ باغ لے لو اور اسے طلاق دے دو(1)۔ اس کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور امام بخاریؒ نے دوسری اسناد سے بھی انسے روایت کیا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ ان کا نام حبیبہ تھا۔ لیکن عبداللہ عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ جمیلہ بنت اُبی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی قسم بخدا میں ثابت بن قیس کی دینداری اور اخلاق کی شکایت نہیں کرتی لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی کیونکہ وہ مجھے ناپسند ہیں۔ تو آپ نے ان کا مال واپس کروا کر حضرت ثابت سے طلاق دلوادی۔ اس کو ابن مردویہ اور ابن ماجہ نے بھی اسی سند سے روایت کیا ہے۔ اور یہ سند بھی عمدہ ہے۔ کسی نے حضرت عکرمہ سے پوچھا کیا خلع کی بھی کوئی اصل موجود ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ اسلام میں سب سے پہلے خلع جمیلہ بنت ابی کا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ! میرا اور ثابت کا گزارہ نہیں ہو سکتا۔ ایک دن میں نے خیمہ کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو وہ کچھ لوگوں کے ساتھ آ رہے تھے۔ میں نے دیکھا وہ ان سب میں سب سے زیادہ سیاہ، چھوٹے قد والے اور بدصورت تھے۔ ان کے خاوند نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے اسے اپنا بہترین باغ مہر میں دیا تھا اگر یہ واپس کر دے تو پھر ٹھیک ہے۔ آپ نے جمیلہ سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے عرض کی۔ ہاں میں یہ باغ واپس کرنے پر تیار ہوں۔ بلکہ اگر وہ کوئی اور چیز لینا چاہتے ہوں تو میں اس پر بھی تیار ہوں۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ بھی ہیں انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ اگر مجھے اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کے منہ پر تھوک دیتی۔ علمائے کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا خلع میں مرد عورت سے اس سے زیادہ مال لے سکتا ہے جو اس نے دیا ہے۔ جمہور علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے اور ان کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب کے پاس ایک عورت آئی اس کا اپنے خاوند سے جھگڑا ہوا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کو انتہائی گندے اور کوڑا کرکٹ والے کمرے میں بند کر دیا جائے۔ صبح اٹھے اور اسے بلایا اور اس سے پوچھا تمہارا کیا حال ہے۔ اس نے عرض کی جب سے میری شادی اس شخص کے ساتھ ہوئی ہے آج وہ پہلی رات ہے جو میں نے سکون کے ساتھ گزاری۔ یہ سن آپ نے اس کے خاوند کو حکم فرمایا کہ اس سے خلع کر لو خواہ ایک بالی کے بدلے میں ہو۔ عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ آپ نے اسے تین دن تک قید کیا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں اگر یہ اپنے بالوں کی چٹیا دے تو لے کر اسے آزاد کر دو۔ حضرت عثمانؓ نے بالوں کی چٹیوں سے کم سے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔ حضرت ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں میرے خاوند جب گھر موجود ہوتے تو بہت کم خرچہ دیتے جب کہیں باہر چلے جاتے تو بالکل ہی محروم کر دیتے۔ ایک دن اس جھگڑے کے دوران میں نے انہیں کہا کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ لے لو اور خلع کر لو۔ انہوں نے کہا ہاں ٹھیک ہے۔ اس پر ہمارے درمیان خلع ہو گیا۔ لیکن میرے چچا معاذ بن عفراء یہ مقدمہ حضرت عثمانؓ کے پاس لے گئے۔ آپ نے اس خلع کو جائز قرار دے دیا اور حکم دیا کہ وہ میرے بالوں کی چٹیا یا اس سے بھی کم کوئی چیز لے لے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے پاس جو تھوڑا بہت مال ہے وہ لے لے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس، مجاہد، عکرمہ، ابراہیم نخعی، قبیصہ بن ذویب، حسن بن صالح اور عثمان لیثی سے یہی منقول ہے۔ امام مالک، لیث شافعی اور ابوثور کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابن جریر نے بھی اسی کو

1۔ فتح الباری، کتاب الطلاق: 395/9

اختیار کیا ہے۔ احناف فرماتے ہیں اگر لڑائی جھگڑا عورت کی طرف سے ہو تو مرد کے لیے جائز ہے کہ جو کچھ اس نے دیا ہے وہ واپس لے لے، اس سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی چیز لے لی تو قضاءً جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل، ابو عبید، اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں خاوند کے لیے جو کچھ اس نے دیا ہے اس سے زیادہ لینا جائز نہیں۔ یہی قول سعید بن میسب، عطاء، عمرو بن شعیب، زہری، طاؤس، حسن بصری اور شعبی وغیرہم کا ہے۔ حضرت معمر روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ خاوند اپنی عورت سے اس سے زیادہ نہ لے جو اس نے اسے دیا ہے۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں اگر کوئی خاوند اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لیتا تو قاضی اسے جائز قرار نہیں دیتا تھا۔ ان کی دلیل حضرت ثابت والی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو حکم فرمایا تھا کہ اپنا باغ واپس لے لو اس سے زیادہ نہ لینا۔ حضرت عطاء روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس کو ناپسند فرماتے تھے کہ خاوند اپنی بیوی سے دیے ہوئے مال سے زیادہ لے۔ انہوں نے اس آیت فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ کا معنی یہ کیا ہے کہ جو کچھ اس نے پہلے ادا کیا تھا اسے واپس لینے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اتر چکا ہے۔ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا ...... (بقرہ:229) اور ایک قرات میں اس کو اس طرح بھی پڑھا گیا ہے۔ فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ مِنْهُ اسی لیے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو۔ اور جو کوئی آگے بڑھتا ہے اللہ کی حدوں سے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

فصل: امام شافعی فرماتے ہیں خلع میں بعض علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اسے طلاق شمار نہیں کرتے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کو دو طلاقیں دے دے پھر وہ عورت اس سے خلع کرا لے تو اب اگر وہ خاوند چاہے تو اس کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ ان کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔ حضرت سعید بن ابی وقاص سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ہاں نکاح کر سکتا ہے۔ خلع طلاق نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اول و آخر طلاق کا ذکر کیا ہے اور درمیان میں خلع کا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ حضرت عثمان بن عفان، عبداللہ بن عمر سے یہی مروی ہے۔ یہی طاؤس اور عکرمہ سے منقول ہے۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راھویہ، ابوثور، داؤد بن علی ظاہری کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی کا قدیم مذہب بھی یہی ہے۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ خلع طلاق بائن ہے۔ اگر اس نے ایک سے زائد طلاق کی نیت کی تو یہ نیت معتبر ہے۔ ام بکر اسلمیہ نے اپنے خاوند عبداللہ بن حارث سے خلع کیا وہ دونوں حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا یہ طلاق ہے۔ ہاں اگر تم نے کوئی اور نیت کی ہے تو پھر وہ بھی ہوگی۔ لیکن اس روایت کے ایک راوی جہمان کو مجہول قرار دیا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اس روایت کو ضعیف فرمایا ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن میسب، حسن بصری، عطاء، قاضی شریح، شعبی، ابراہیم نخعی اور جابر بن زید سے بھی یہی منقول ہے۔ امام مالک، ابوحنیفہ، ثوری، اوزاعی، ابوعثمان بتی اور امام شافعی کا جدید مذہب یہی ہے۔ مگر احناف فرماتے ہیں اگر خاوند نے خلع کے ساتھ ایک یا دو طلاقوں کی نیت کی تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ امام شافعی کا ایک قول یہ بھی ہے خلع میں لفظ طلاق نہ بولا جائے اور نہ ہی کوئی گواہ ہوں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

مسئلہ: امام مالک، ابوحنیفہ، شافعی، احمد، اسحاق بن راھویہ کا مسلک ہے کہ خلع کی عدت طلاق کی عدت یعنی تین حیض ہیں۔ حضرت عمر، علی اور عبداللہ بن عمر سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن میسب، سلیمان بن یسار، عروہ، سالم، ابوسلمہ، عمر بن عبدالعزیز، ابن شہاب، حسن بصری، شعبی، ابراہیم نخعی وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہی اکثر صحابہ اور اہل علم کا مسلک ہے۔ وہ فرماتے ہیں چونکہ خلع طلاق کے قائم مقام ہے اس لیے وہ عورت دوسری مطلقات کی طرح عدت گزارے گی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ خلع والی عورت

کی عدت صرف ایک حیض ہے۔ یہ حضرت عثمان بن عفان سے مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر تین حیض گزارنے کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔ جب حضرت عثمان نے ایک حیض عدت کا فتویٰ دیا تو وہ بھی اس پر عمل پیرا ہو گئے۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عثمان ہم سے بہتر اور زیادہ عالم ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس، عکرمہ اور ابان بن عثمان کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس کے علاوہ جو علماء خلع کو فسخ قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک بھی اس کی عدت ایک حیض ہونی چاہئے۔ ان کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس کی زوجہ کو ایک حیض عدت گزارنے کا حکم فرمایا(1)۔ مصنف عبدالرزاق میں یہ حدیث حضرت عکرمہ سے مرسل روایت کی گئی ہے حضرت ربیع بنت معوذ سے بھی مروی ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک حیض گزارنے کا حکم فرمایا(2)۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عثمان نے اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کی اقتداء فرمائی۔

مسئلہ: ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کرام کے نزدیک خاوند خلع والی عورت کے ساتھ اس کی رضا کے بغیر رجوع نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس نے مال خرچ کر کے اپنے آپ کو اس سے آزاد کرایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ، مہان حنفی، سعید بن مسیب، اور زہری فرماتے ہیں کہ اگر اس عورت نے خاوند کا دیا ہوا مال واپس لوٹا دیا تو عدت میں اس کی رضا کے بغیر رجوع کرسکتا ہے۔ یہی قول ابوثور کا ہے۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اگر خلع میں طلاق کا لفظ نہیں بولا گیا تھا اب ان میں جدائی ہوگئی اس صورت میں رجوع نہیں کرسکتا۔ اور اگر اس میں طلاق کا لفظ استعمال کیا گیا تو عدت میں رجوع کرسکتا ہے۔ یہی قول داؤد ظاہری کا ہے۔ اس بات پر تمام علماء کا اختلاف ہے کہ وہ شخص عدت میں اس کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔ ابن عبدالبر سے یہ قول مروی ہے کہ وہ خاوند نکاح نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ دوسرا بھی اس سے نکاح نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ قول شاذ اور مردود ہے۔

مسئلہ: کیا خلع کرنے والا عدت میں اپنی بیوی کو دوسری طلاق دے سکتا ہے اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ 1۔ وہ طلاق نہیں دے سکتا۔ کیونکہ خلع کے بعد عورت اپنے نفس کی مالک ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس، اور عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے۔ عکرمہ، جابر بن زید، حسن بصری، شعبی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور ابوثور سے بھی یہی مروی ہے۔ 2۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر خلع کے بعد بغیر کسی وقفہ کے طلاق دی تو واقع نہیں ہوگی۔ یہ حضرت عثمان سے مروی ہے۔ 3۔ دوران عدت ہر حال میں طلاق دے سکتا ہے یہ امام ابو حنیفہ آپ کے اصحاب، ثوری، اور اوزاعی کا مذہب ہے۔ سعید بن مسیب، قاضی شریح، طاؤس، ابراہیم نخعی، زہری، حاکم اور حماد بن ابی سلیمان سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابودرداء سے بھی یہی مروی ہے۔ لیکن ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ قول ان سے ثابت نہیں۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ: یعنی یہ احکام جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں۔ یہ اس کی حدود ہیں اس سے تجاوز نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ کچھ فرائض لازم کیے انہیں ضائع نہ کرو۔ اور کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان سے اجتناب کرو۔ اور تم پر رحمت اور مہربانی فرما کر کچھ چیزوں سے خاموشی اختیار فرمائی ہے۔ ان کے متعلق سوال نہ کرو۔ جن علماء نے ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقوں کو حرام قرار دیا ہے انہوں نے اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔ یہ مالکیہ اور بعض دوسرے علماء کا مذہب ہے۔ ان کے نزدیک سنت ہے کہ ایک طلاق دی جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ" فرمایا اور اس کے بعد ارشاد فرمایا یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اس کی تائید محمود بن لبید کی روایت کردہ حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنی

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الطلاق: 159,157/5 2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الطلاق: 160/5

بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی۔ جب اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ غصہ کے عالم میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا میری موجودگی میں اللہ کی کتاب سے کھیلتا ہے۔ صحابہ کرام میں سے ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کو قتل کر دوں(1)۔ مگر اس کی سند میں انقطاع ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ: اگر کسی شخص نے اپنی عورت کو دو طلاقیں دینے کے بعد تیسری طلاق بھی دے دی تو یہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح صحیح کرے۔ اور اس کے بعد دوسرا مرد اس سے مباشرت کرے۔ اگر کسی نے بغیر نکاح کے مباشرت کی تو وہ عورت پہلے کے لیے حلال نہیں ہو گی۔ کیونکہ یہ اس کا خاوند نہیں ہے۔ اس طرح اگر کسی نے نکاح تو کیا لیکن مباشرت نہ کی تو تب بھی پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہو گی۔ اکثر فقہاء کرام میں یہ قول مشہور ہے کہ حضرت سعید بن میسّب فرماتے ہیں کہ صرف نکاح کرنے سے ہی مقصود حاصل ہو جائے گا۔ یعنی پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔ اگرچہ دوسرا خاوند اس کے ساتھ مباشرت نہ بھی کرے۔ لیکن یہ قول ثابت نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے۔ پھر دخول سے پہلے ہی طلاق بتہ (بائنہ) دے دیتا ہے۔ پھر دوسرا شخص اس سے نکاح کرتا ہے اور دخول سے پہلے اسے طلاق دے دیتا ہے کیا یہ عورت پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے؟ فرمایا نہیں۔ یہاں تک کہ عورت دوسرے مرد سے لطف اندوز ہو جائے اور وہ اس سے لطف اٹھالے۔ اس حدیث کو سعید بن میسّب نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ اس کی دوسری اسناد بھی ہیں جن کو نسائی اور ابن جریر وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ حضرت سعید بن میسّب نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمر سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ خود اس حدیث کو روایت کریں اور پھر اس کے مخالف رائے دیں۔ واللہ اعلم۔ عبداللہ بن عمر کی اس حدیث کو امام احمد بن حنبل، نسائی اور ابن جریر نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ اسی حدیث کو حضرت انس بن مالک نے بھی بیان کیا ہے۔ اس کو احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کے ایک راوی محمد بن دینار صندل بصری کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، بعض نے ثقہ۔ ابن جریر نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے ایک حدیث حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے۔ جس کو بخاری، مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً روایت کرتی ہیں کہ رفاعہ قرظی نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا اور پھر اسے طلاق بائنہ دے دی۔ وہ عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ! مجھے رفاعہ نے طلاق بائنہ دے دی ہے اور میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کر لیا ہے۔ لیکن وہ شادی کے قابل نہیں۔ تو کیا اب میں پہلے خاوند کے پاس جا سکتی ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں حتیٰ کہ تو اس کا مزہ چکھ لے اور وہ تیرا چکھ لے(2)۔ ایک روایت میں فرماتی ہیں کہ میں اور میرے والد ابو بکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے جب اس عورت نے مسئلہ پیش کیا۔ خالد بن سعید اس وقت دروازے پر اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ لیکن آپ کو اجازت نہ ملی۔ مسلم میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ رفاعہ نے تین طلاقیں دیں۔ اس حدیث کو عبدالرزاق، نسائی اور ابو داؤد نے مختلف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ حدیث مؤطا امام مالک میں بھی مروی ہے۔ لیکن اس کی سند میں انقطاع ہے۔

فصل: دوسرا آدمی اس ارادہ سے عورت سے شادی کرے کہ وہ اپنا گھر بسانا چاہتا ہو جیسا کہ عام نکاح سے مقصود ہوتا ہے۔ امام مالک نے یہ بھی شرط لگائی گئی ہے کہ وہ مباح اور جائز طریقہ سے مباشرت کرے۔ اگر اس نے اس حال میں مباشرت کی کہ عورت حج کا

1۔ النسائی، کتاب الطلاق: 142/6   2۔ فتح الباری، کتاب الطلاق: 464/9

احرام باندھے ہوئے تھی یا روزہ دار تھی یا حالت اعتکاف میں تھی۔ یا حائضہ، نفاس والی تھی۔ یا وہ خود روزہ دار تھا، یا محرم تھا، معتکف تھا۔ ان صورتوں میں وہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں۔ اسی طرح دوسرا خاوند ذمی تھا، وہ اس کے ساتھ نکاح سے پہلے مسلمان مرد کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان کے نزدیک کافر کا نکاح باطل ہے، حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ دوسرے خاوند کا انزال بھی شرط ہے۔ شاید انہوں نے حضور ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہو (حَتّٰى تَذُوْقَ عَسِيْلَتَهُ وَيَذُوْقَ عَسِيْلَتَكِ) لیکن یہاں ''عسیلہ'' سے مراد منی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد جماع ہے جیسا کہ حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ اگر دوسرے خاوند کا مقصد صرف پہلے کے لیے حلال کرنا ہو تو وہ حدیث کی رو سے ملعون اور مذموم ہوگا۔

حلالہ کے بارے میں وارد شدہ احادیث: حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جسم پر نقش کندہ کرنے والی اور کروانے والی، مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی، عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جا رہا ہے، سود کھانے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے(1)۔ اسے امام ترمذی اور نسائی نے دوسری اسناد سے بھی روایت کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حسن اور صحیح ہے۔ اور اہل علم صحابہ کرام جیسے حضرت عمر، عثمان اور ابن عمر وغیرہم کا اسی پر عمل ہے۔ تابعین فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت علی، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔ مسند کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ حلال کرنے والے اور جس کے لیے کیا ہے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ مسند امام احمد اور نسائی کی حرمت میں یہ الفاظ ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سود کھانے والے، کھلانے والے، اس پر گواہ بننے والے، لکھنے والے، جبکہ ان کو معلوم ہو، مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی سب قیامت کے دن ملعون ہوں گے۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے اور اس میں زیادتی کرنے والے اور مدینہ ہجرت کرنے کے بعد پھر واپس لوٹنے والے، حلالہ کرنے والے اور کروانے والے سب قیامت کے دن ملعون ہوں گے۔

حضرت علی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے اور کھلانے والے، سود کے گواہوں اور لکھنے والوں، حسن کے لیے بدن پر نقش بدھوانے والی اور بدھانے والی، زکوٰۃ روکنے والوں اور حلالہ کرنے اور کروانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ آپ نوحہ خوانی سے منع فرماتے تھے(2)۔ اس کو ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور امام احمد نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت علی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے کروانے والے اور جس کے لیے کیا ہے اس پر لعنت فرمائی ہے۔ لیکن اس کی سند صحیح نہیں کیونکہ اس کے ایک مجالد کو کئی علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں عاریۃً لیے ہوئے سانڈ کے متعلق نہ بتاؤں۔ صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں یا رسول اللہ! فرمایا وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ پھر فرمایا، حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے کیا جا رہا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ اس کو صرف ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی یہی حدیث مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے حلالہ کرنے والے کے نکاح کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا نکاح تو رغبت اور خواہش سے ہوتا ہے نہ کہ دھوکہ فریب سے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے احکام کا مذاق اڑانے کے لیے۔ حضرت ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے، اور جس کے لیے کرایا جا رہا ہے اس پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیتا ہے، پھر اس کا بھائی اس کے حکم کے بغیر ہی اس کے ساتھ نکاح کر لیتا ہے حتیٰ کہ وہ اسے اپنے بھائی کے لیے حلال کر دے۔ کیا اس طرح وہ پہلے کے لیے حلال ہو جائے گی تو آپ نے فرمایا نکاح تو گھر بسانے کی نیت

1۔ مسند امام احمد: 448/1 2۔ مسند امام احمد: 107/1

سے کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہم اسے گناہ سمجھتے تھے(1)۔ حضرت عثمان بن عفان کے پاس ایک شخص کو پیش کیا گیا جس نے ایک عورت کے ساتھ نکاح اس لیے کیا کہ وہ اسے اس کے پہلے شوہر کے لیے حلال کر دے آپ نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔ اسی طرح حضرت علی، ابن عباس اور کئی دوسرے صحابہ کرام سے مروی ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا: یعنی جب دوسرا خاوند مباشرت کے بعد طلاق دے دے تو اب اس عورت کو اپنے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن انہیں یہ خیال رہے کہ وہ اللہ کی حدود کو صحیح طریقہ سے قائم کر سکیں گے یعنی آپس میں پیار محبت کے ساتھ گزارہ کرتے رہیں گے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب انہیں گمان ہو کہ ان کا نکاح کسی دھوکہ فریب پر مبنی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ: یہ شرعی احکام اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جن کو وہ ان لوگوں کے سامنے بیان فرماتا ہے جو علم رکھتے ہوں۔ اگر کسی شخص نے اپنی عورت کو ایک یا دو طلاقیں دیں پھر اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ عدت گزر گئی اس کے بعد اس نے کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اس نے اس کے ساتھ مباشرت کی اور پھر طلاق دے دی۔ پھر عدت گزرنے کے بعد اس نے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کیا تو کیا اب پہلے خاوند کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے یا نہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل اور بعض صحابہ کرام کا مسلک یہ ہے کہ پہلے خاوند کو تین طلاقیں دینے کا حق نہیں ہوگا بلکہ باقی ماندہ ایک یا دو طلاقیں دے سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور آپ کے تلامذہ کا مذہب یہ ہے کہ پہلے خاوند کو اب نئے سرے سے تین طلاقیں دینے کا حق ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دوسرا خاوند جب تین طلاقوں کو ختم کر دیتا ہے تو وہ تین سے کم طلاقوں کو بدرجہ اولیٰ ختم کر دیتا ہے۔

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ؗ وَّ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَاۤ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

''اور جب تم طلاق دے دو عورتوں کو اور وہ پوری کر لیں اپنی عدت پس یا تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دو انہیں بھلائی کے ساتھ اور نہ روکو انہیں تکلیف دینے کی غرض سے تاکہ زیادتی کرو اور جو کوئی کرے گا اس طرح تو وہ ظلم کرے گا اپنی ہی جان پر اور نہ بنا لو اللہ کی آیتوں کو مذاق اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے اور (یاد کرو) جو اس نے نازل فرمایا تم پر قرآن اور حکمت وہ نصیحت فرماتا ہے تمہیں اس سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم فرمایا ہے کہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی کو ایسی طلاق دے دے جس میں رجوع کر سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے بھلائی کے ساتھ رجوع کر لے۔ یعنی اپنے رجوع پر گواہ بنا لے اور اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی نیت کرے۔ اور اگر وہ رجوع نہیں کرنا چاہتا تو پھر اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دے حتیٰ کہ جب عدت گزر جائے

1۔ المستدرک، کتاب الطلاق: 199/2

تو پھر بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے اسے اپنے گھر سے فارغ کردے۔

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا: حضرت عبداللہ بن عباس، مجاہد، مسروق، حسن بصری، قتادہ اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلے یہ دستور تھا کہ جب کوئی آدمی اپنی عورت کو طلاق دیتا اور اس کی عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی تو اسے تکلیف دینے کی نیت سے رجوع کر لیتا تا کہ وہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کر سکے۔ پھر اسے طلاق دے دیتا۔ اس طرح جب عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی تو پھر رجوع کر لیتا۔ اس طرح اس عورت کی عدت طویل ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس عمل سے منع فرمایا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا جو کوئی ایسا کرے گا یعنی اللہ کے حکم کی مخالفت کرے گا تو وہ اپنی جان پر ظلم کرے گا۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اشعری قبیلہ والوں سے ناراض ہو گئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! آپ ہم لوگوں پر کس وجہ سے ناراض ہیں۔ فرمایا تم میں سے جب کوئی مرد اپنی عورت کو طلاق دینے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو وہ کہتا ہے میں نے طلاق دی، میں نے رجوع کر لیا۔ یہ مسلمانوں کی طلاق نہیں، عورت کو اس کی عدت کے مطابق طلاق دیا کرو۔ مسروق فرماتے ہیں اس سے مراد وہ شخص ہے جو بغیر کسی وجہ کے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور بیوی کو تنگ کرنے کے لیے رجوع کر لیتا ہے تا کہ اس کی عدت لمبی ہو جائے۔ حسن بصری، قتادہ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے، یا اپنے غلام کو آزاد کرتا ہے یا نکاح کرتا ہے۔ اور پھر کہتا ہے کہ میں مذاق کر رہا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو زجر و توبیخ کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی، یا غلام آزاد کیا، نکاح کیا، نکاح کرایا خواہ وہ سنجیدہ ہو یا غیر سنجیدہ اس پر یہ افعال لازم ہو جائیں گے۔ حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں ایک شخص دوسرے آدمی کو کہتا ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تجھ سے کیا ۔ پھر کہتا ہے میں تو مذاق کر رہا تھا۔ یا کہتا ہے کہ میں نے غلام آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جو سنجیدگی یا مزاح کی حالت میں صادر ہوں تو انہیں سنجیدہ ہی شمار کیا جاتا ہے۔ 1: طلاق، 2: عتاق، (غلام، لونڈی کو آزاد کرنا)، 3: نکاح۔(1)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ: یعنی اللہ تعالیٰ نے ہدایت و راہنمائی اور واضح دلائل کے ساتھ اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا، اس کی اس نعمت کو یاد رکھو۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر جو کتاب اور حکمت یعنی سنت نازل فرمائی اسے بھی یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی وصیت فرماتا ہے۔ یعنی بعض امور کو سرانجام دینے اور بعض کو ترک کرنے کا حکم فرماتا ہے۔ اور اس کی حرام کردہ چیزوں کے مرتکب افراد کو اپنے عذاب کی وعید فرماتا ہے۔ اپنے ان افعال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ اور یہ خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ ہمارے ظاہری اور باطنی امور اس سے مخفی نہیں۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۳۲

1۔ سنن ابن ماجہ: 2039

''اور جب تم طلاق دو عورتوں کو پھر وہ پوری کر چکیں اپنی عدت تو نہ منع کرو انہیں کہ نکاح کر لیں اپنے خاوندوں سے جب کہ رضامند ہو جائیں آپس میں مناسب طریقہ سے۔ یہ فرمان الٰہی (ہے) نصیحت کی جاتی ہے اس کے ذریعے اس کو جو تم سے یقین رکھتا ہو اللہ پر اور قیامت پر یہ بہت پاکیزہ ہے تمہارے لیے اور بہت صاف اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

وَ إِذَا طَلَّقْتُمُ: حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کے شان نزول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اپنی عورت کو ایک یا دو طلاقیں دے دیتا پھر عدت گزرنے کے بعد وہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا تو عورت کے اہل خانہ اسے نکاح کرنے سے روک دیتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس فعل سے منع فرمایا۔ حضرت مسروق، ابراہیم نخعی، زہری اور ضحاک سے بھی یہی منقول ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ عورت بذات خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ نکاح کے لیے کسی ولی کا ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ ابن جریر، ترمذی کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی عورت کسی دوسری عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ ہی کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے۔ جو عورت خود اپنا نکاح کرے وہ زانیہ ہے۔ اور ایک دوسری موقوف روایت میں ارشاد ہے کہ ولی مرشد اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ ہم نے اس کا کتاب الاحکام میں ذکر کیا ہے۔ حضرت معقل بن یسار فرماتے ہیں کہ میری بہن کے خاوند نے اسے طلاق دے دی جب عدت گزر گئی تو پھر دوبارہ نکاح کا پیغام بھیجا۔ میں نے اس نکاح سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، ابن جریر اور ابن مردویہ نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ جب طلاق دینے کے بعد پھر دوبارہ نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت معقل نے اس سے کہا کہ میں نے تجھے اپنی بہن کا رشتہ دے کر تیری تکریم کی پھر تو نے اسے طلاق دے دی۔ قسم بخدا اب میں کبھی اس کا تمہارے ساتھ نکاح نہیں کروں گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ سینوں میں چھپے ہوئے بھیدوں سے بھی آگاہ ہے۔ وہ ان دونوں میاں بیوی کی ایک دوسرے کے ساتھ محبت کو جانتا تھا۔ اس نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت معقل نے یہ آیت کریمہ سنی تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اسے بلا کر اپنی بہن کا اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔ ایک روایت میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ یہ جمیلہ بنت یسار تھیں۔ جن کا نکاح ابو بداح سے ہوا تھا۔ ابو اسحاق فرماتے تھے کہ ان کا نام فاطمہ بنت یسار تھا۔ سدی فرماتے ہیں کہ یہ آیت جابر بن عبداللہ اور ان کی ایک چچازاد کے بارے میں نازل ہوئی۔ لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔

ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ: یہ وعظ و نصیحت ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت میں اس کے عذاب و سزا، سے ڈرتے ہیں۔

ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ: یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کر کے اور اپنی جھوٹی انا ترک کر کے ان عورتوں کو ان کے خاوندوں کی طرف لوٹا دینا تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ اور تمہارے دلوں کی پاکیزگی کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے کس فعل کو سرانجام دینے اور کس کو ترک کرنے میں تمہاری بھلائی ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا

عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا ؕ وَاِنۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ تَسۡتَرۡضِعُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِذَا سَلَّمۡتُمۡ مَّاۤ اٰتَيۡتُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۲۳۳﴾

''اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال (یہ مدت) اس کے لیے ہے جو پورا کرنا چاہتا ہے دودھ کی مدت۔ اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ہے کھانا ان ماؤں کا اور ان کا لباس مناسب طریقہ سے تکلیف نہیں دی جاتی کسی شخص کو مگر اس کی حیثیت کے مطابق نہ ضرر پہنچایا جائے کسی ماں کو اس کے لڑکے کے باعث اور نہ کسی باپ کو (ضرر پہنچایا جائے) اس کے لڑکے کے باعث اور وارث پر بھی اسی قسم کی ذمہ داری ہے۔ پس اگر دونوں ارادہ کرلیں دودھ چھڑانے کا اپنی مرضی اور مشورہ سے تو کوئی گناہ نہیں دونوں پر اور اگر تم چاہو تو دودھ پلاؤ (دایہ سے) اپنی اولاد کو، پھر کوئی گناہ نہیں تم پر جبکہ تم ادا کر دو جو دینا ٹھہرایا تھا تم نے مناسب طریقہ سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور (خوب) جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اسے دیکھنے والا ہے''۔

وَالۡوَالِدٰتُ يُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ: یہاں اللہ تعالیٰ نے ماؤں کو حکم فرمایا ہے کہ وہ مکمل مدت تک اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔ دودھ پلانے کی مکمل مدت دو سال ہے۔ اور اس کے بعد رضاعت (دودھ پلانا) کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے ارشاد فرمایا جو رضاعت کی مدت مکمل کرنا چاہتی ہے وہ دو سال دودھ پلائے۔ اکثر ائمہ کرام کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر کسی بچے نے دو سال کے بعد دودھ پیا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ حضرت ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صرف اس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو دودھ پلانے کی مدت میں انتڑیوں کو پر کر دے (1)۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ اور اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ اس حدیث میں ''فی الثدی'' کے الفاظ کا معنی دو سال سے پہلے پہلے کا وقت رضاعت ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا بیٹا (ابراہیم) شیر خوارگی کی عمر میں ہی انتقال کر گیا۔ اب جنت میں اس کے لیے دودھ پلانے والی مقرر ہے۔ جب آپ کے صاحبزادہ کا وصال ہوا تو ان کی عمر ایک سال دس ماہ تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا صرف وہی رضاعت حرمت کا باعث بنتی ہے جو دو سال کے اندر ہو۔ اسے دارقطنی اور امام مالک نے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت نہیں اور بلوغت کے بعد یتیمی نہیں۔ اس کی مزید وضاحت اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے ہوتی ہے: وَّ فِصٰلُهٗ فِيۡ عَامَيۡنِ اَنِ اشۡكُرۡ لِيۡ وَلِوَالِدَيۡكَ (لقمان: 14) اس کا دودھ چھوٹنے میں دو سال لگے'' (اس لیے ہم نے حکم دیا) کہ شکر ادا کر میرا اور اپنے ماں باپ کا)۔ وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا (الاحقاف: 15)

''ترجمہ: اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے تک تیس مہینے لگ گئے''۔ حضرت علی، عبداللہ بن عباس، ابن مسعود، جابر، ابو ہریرہ، ابن عمر اور ام سلمہ سے مروی ہے کہ دو سال کے بعد رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ سعید بن مسیب، عطاء اور مشہور علماء سے یہی مشہور ہے۔ امام شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ثوری، ابو یوسف، محمد اور ایک روایت میں امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ رضاعت کی مدت دو سال اور دو ماہ ہیں۔ اور ایک روایت میں دو سال اور تین ماہ بھی منقول ہے۔ امام ابو حنیفہ

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الرضاع: 97،96/5

فرماتے ہیں کہ دو سال اور چھ ماہ ہے۔ امام زفر بن ہذیل فرماتے ہیں کہ جب تک وہ دودھ نہیں چھوڑتا۔ زیادہ سے زیادہ تین سال تک ہے۔ امام اوزاعی سے بھی یہی مروی ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر بچہ دو سال سے پہلے دودھ چھوڑ دے تو پھر کوئی عورت اسے اپنا دودھ پلائے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ دودھ اس کی خوراک کے قائم مقام ہوگیا۔ امام اوزاعی سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عمر اور حضرت علی فرماتے ہیں کہ دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ اس ارشاد کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ یا تو اس سے مراد دو سال کے بعد چھڑانا ہے۔ جیسا کہ جمہور علماء فرماتے ہیں خواہ اس سے پہلے دودھ چھڑایا گیا ہو یا نہ۔ یا اس سے مطلق دودھ چھڑانا مراد ہے جیسا کہ امام مالک کا قول ہے۔ حضرت عائشہ کا خیال تھا کہ اگر کسی بڑے آدمی کو دودھ پلا دیا جائے تو یہ بھی حرمت میں موثر ہے۔ یہی عطاء بن ابی رباح اور لیث بن سعد کا قول ہے۔ حضرت عائشہ کسی شخص کا کہیں آنا جانا ضروری سمجھتیں تو وہاں حکم دیتیں کہ وہ عورتیں اسے اپنا دودھ پلا دیں۔ ان کی دلیل حضرت سالم کی روایت ہے جو کہ حضرت ابو حذیفہ کے غلام تھے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو حذیفہ کو حکم دیا تھا کہ وہ سالم کو دودھ پلوا دیں۔ حالانکہ وہ اس وقت بڑی عمر کے تھے۔ اس رضاعت کی وجہ سے وہ ان کے گھر میں آتے جاتے تھے۔ لیکن دوسری تمام ازواج مطہرات اس کو ناپسند فرماتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت سالم کو اجازت نبی کریم ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا غور سے دیکھ لیا کرو تمہارے بھائی کون ہیں۔ رضاعت تو اس وقت ثابت ہوتی ہے جب دودھ بھوک مٹائے۔ رضاعت کے متعلق بحث ان شاء اللہ آیت کریمہ (أُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ) کی تفسیر کے تحت آئے گی۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ: یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ بچوں کی والدہ کا نان و نفقہ اس کے والد پر لازم ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ اپنے علاقے کے رسم و رواج اور اپنی استطاعت کے مطابق نان و نفقہ دے۔ اس میں اسراف کرے اور نہ بخل سے کام لے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ ۖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ (طلاق:7) ''ترجمہ: خرچ کرے وسعت کے مطابق، اور وہ تنگ کر دیا گیا ہے جس پر اس کا رزق خرچ کرے اس سے جو اللہ نے اسے دیا ہے اور تکلیف نہیں دیتا اللہ کسی کو مگر اس قدر، جتنا اسے دیا ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد فراخی دے دے گا''۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس کا چھوٹا بچہ ہو اور وہ اس کو دودھ پلائے، تو اس شخص پر اس کا نان و نفقہ واجب ہے۔

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا: یعنی ماں بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر کے اس کے والد کو نقصان نہ پہنچائے۔ کیونکہ والد کو اس کی دیکھ بھال میں اپنا کام کاج چھوڑنا پڑے گا۔ اس لیے جب تک بچہ دودھ کے بغیر گزارہ نہیں کر سکتا اسے دودھ پلانا چاہیے۔ اس کے بعد جب چاہے واپس کر سکتی ہے۔ اسی طرح والد کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ بچے کی والدہ کو تکلیف پہنچانے کے لیے بچہ اس سے چھین لے، یہ مجاہد، قتادہ، ضحاک وغیرہم کا قول ہے۔

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ: وارث کو چاہیے کہ وہ بچے کی والدہ کو تنگ نہ کرے۔ یہ مجاہد اور ضحاک کا قول ہے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح بچے کے والد کے اوپر اس کی والدہ کا نان و نفقہ واجب تھا اسی طرح وارث پر بھی نان و نفقہ اور والدہ کے حقوق کی نگہداشت واجب ہے۔ بعض حنفی اور حنبلی علماء نے اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ قریبی رشتہ داروں پر ایک دوسرے کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔ یہ حضرت عمر اور جمہور سلف صالحین سے مروی ہے۔ اس کی تائید اس مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے کسی قریبی رشتہ دار کا مالک ہو جائے وہ اس پر آزاد ہو جاتا ہے یہ بات قابل ذکر ہے کہ دو سال کے

بعد بچے کو دودھ پلانا بچے کو نقصان دیتا ہے اور یہ نقصان جسمانی بھی ہوسکتا ہے اور عقلی بھی۔ حضرت علقمہ نے ایک عورت کو دو سال کے بعد دودھ پلاتے ہوئے دیکھا تو اسے دودھ پلانے سے منع کر دیا۔

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ: اگر بچے کے والدین دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑانے پر متفق ہو جائیں اور وہ یہ گمان کریں کہ اس میں اس کی مصلحت ہے اور وہ آپس میں مشورہ کر کے پختہ عزم کر لیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے اگر کوئی ایک تنہا یہ فیصلہ کرنا چاہے تو اس کے لیے جائز نہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے مشورہ کیے بغیر زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔ اس حکم میں اللہ تعالیٰ نے بچے کے لیے انتہائی احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور اس کے بارے میں خوب غور فکر کرنے کو لازم قرار دیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت کی نشانی ہے۔ اس میں بچے کی پرورش میں والدین پر بھی کچھ پابندیاں عائد کر دیں اور ان کی ایسے امور کی طرف راہنمائی فرمائی جو والدین، بچے سب کے لیے بہتر ہے۔ جیسا کہ سورۂ طلاق میں فرمایا: فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ...... (الطلاق:6) ''ترجمہ: پھر اگر وہ بچے کو دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو تم ان کی اجرت دو۔ اور آپس میں مشورہ کر لیا کرو دستور کے مطابق، اگر آپس میں طے نہ کر سکو تو اسے کوئی دوسری دودھ پلائے''۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ: یعنی جب والدہ اور والد اس بات پر متفق ہو جائیں کہ کسی عذر کی بناء پر اس بچے کو دودھ پلوانے کے لیے اور عورت کو دے دیں تو اس میں ان پر کوئی گناہ نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ والدہ نے جو پہلے دودھ پلایا ہے اس کی مکمل اجرت اس کو ادا کر دی جائے۔ پھر کسی عورت کو بچہ دودھ پلانے کے لیے دے دیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اپنے تمام احوال میں اس سے ڈرو اور یہ جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو اس پر تمہارے احوال و افعال میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

''اور جو لوگ فوت ہو جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں تو وہ بیویاں انتظار کریں چار مہینے اور دس دن اور جب پہنچ جائیں اپنی (اس) مدت کو تو کوئی گناہ نہیں تم پر اس میں جو کریں وہ اپنی ذات کے بارے میں مناسب طریقے سے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب واقف ہے۔''

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ: اللہ تعالیٰ نے یہاں ان عورتوں، جن کے شوہر فوت ہو جائیں، کو حکم دیا ہے کہ چار ماہ دس دن عدت گزاریں۔ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ اس حکم میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا دونوں شامل ہیں اس کی دلیل اس آیت کریمہ کا عموم ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے پوچھا گیا، کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے اور پھر دخول سے پہلے ہی فوت ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس نے اس کے لیے مہر بھی مقرر نہیں کیا تھا۔ آپ نے فرمایا میں اس مسئلہ کا جواب اپنی رائے سے دے رہا ہوں۔ اگر یہ جواب صحیح ہوا تو اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اس سے بری ہیں۔ پھر فرمایا اس عورت کو بغیر کسی کمی بیشی کے مکمل مہر دیا جائے، عدت بھی گزارے گی اور اسے میراث بھی ملے گی۔ یہ سن کر حضرت

معقل بن یسار کھڑے ہوئے، کہنے لگے رسول اللہ ﷺ نے بروع بنت واثق کے بارے میں یہی فیصلہ فرمایا۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود بہت خوش ہوئے۔ اگر حاملہ کا خاوند فوت ہو جائے تو وہ اس حکم میں داخل نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ اگر اس نے خاوند کے فوت ہونے کے چند لمحے بعد بچہ جن دیا تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَ اُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ يَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ (الطلاق:4)'' ترجمہ: اور حاملہ عورتوں کی میعاد ان کے بچہ جننے تک ہے۔'' کے عموم میں داخل ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ عورت وضع حمل اور چار ماہ دس دن میں سے جو لمبی عدت ہوگی، وہ گزارے گی۔ اس طرح دونوں آیتوں کے درمیان تطبیق ہو جائے گی۔ یہ قول بہت عمدہ اور قوی ہے لیکن اس کے خلاف صحیحین کی ایک صریح حدیث موجود ہے۔ حضرت سبیعہ اسلمیہ فرماتی ہیں کہ ان کے خاوند حضرت سعد بن خولہ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت وہ حاملہ تھیں۔ وفات کے چند دنوں بعد بچہ پیدا ہوا۔ جب وہ نفاس سے فارغ ہوئیں۔ اچھا لباس پہنا ایک دن ان کے پاس ابوسنابل بن بعکک آئے اور انہیں دیکھ کر کہنے لگے، کیا بات ہے کہ تم نے بڑا اچھا لباس پہنا ہوا ہے کہیں نکاح کا ارادہ تو نہیں۔ پھر کہنے لگے کہ چار ماہ دس دن گزرنے سے پہلے تم نکاح نہیں کر سکتیں۔ فرماتی ہیں کہ میں شام کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا وضع حمل کے ساتھ ہی تمہاری عدت ختم ہو چکی ہے۔ اگر نکاح کرنا چاہتی ہو تو نکاح کر لو۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس کو جب اس حدیث کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ اس کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان کے شاگرد اسی حدیث کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح لونڈی بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہوگی کیونکہ اس کی عدت آزاد عورت کے مقابلہ میں نصف ہوتی ہے۔ جمہور علماء کے قول کے مطابق اس کی عدت دو ماہ پانچ دن ہوگی۔ محمد بن سیرین اور بعض اہل ظواہر اس آیت کریمہ کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آزاد اور لونڈی دونوں کی عدت برابر ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عدت قدرتی امر ہے اس میں تمام عورتیں برابر ہیں۔ حضرت سعید بن میسب اور ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ چار ماہ دس دن عدت مقرر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہو تو اس دوران ظاہر ہو جائے۔ جیسا کہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ انسان کی پیدائش کے مراحل اس طرح ہوتے ہیں کہ چالیس دن رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ پھر چالیس دن تک جمے ہوئے خون کی شکل میں رہتا ہے۔ پھر چالیس دن گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتہ بھیج دیتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے۔ دس دن احتیاط کے لیے رکھ دیے گئے ہیں۔ کیونکہ بسا اوقات مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔ پھر روح پھونکنے کے بعد ان دنوں میں بچے کی حرکت ظاہر ہونے لگتی ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان دس دنوں کے بارے میں سعید بن میسب سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا، ان دنوں میں بچے میں روح پھونکی جاتی ہے۔ ابوالعالیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت ہے کہ جس لونڈی سے بچہ پیدا ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کی عدت کے برابر ہے اس لیے کہ وہ فراش بن گئی۔ حضرت عمرو بن عاص سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا اے لوگو! ہمارے نبی ﷺ کی سنت کو ہم پر خلط ملط نہ کرو۔ ام ولد کا آقا جب فوت ہو جائے تو اس کی مدت چار ماہ دس دن ہے۔ اس حدیث کو امام احمد کے علاوہ ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ امام احمد اس روایت کو منکر قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیصہ کا حضرت عمرو سے سماع ثابت نہیں۔ حضرت سعید بن میسب، مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بصری، ابن سیرین، ابوایاز، اور عمر بن عبدالعزیز سے بھی یہی منقول ہے۔ یزید بن عبدالملک بھی یہی حکم دیا کرتے تھے۔ امام اوزاعی، اسحاق بن راھویہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔ طاؤس اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ام ولد کی عدت دو ماہ اور پانچ دن ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگرد، ثوری، حسن بن صالح

فرماتے ہیں کہ وہ تین حیض عدت گزارے۔ یہی قول حضرت علی اور ابن مسعود سے مروی ہے۔ عطاء اور ابراہیم نخعی سے بھی یہی منقول ہے۔ امام مالک اور شافعی اور مشہور قول کے مطابق امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کی عدت ایک حیض ہے۔ یہ عبداللہ بن عمر سے بھی مروی ہے۔ شعبی، مکحول، لیث، ابوعبید، ابوثور اور جمہور علماء سے یہی منقول ہے۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ اگر ام ولد کا آقا اس حالت میں مرا کہ وہ حیض میں تھی تو یہی حیض کافی ہوگا۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر اسے حیض نہ آتا تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ امام شافعی اور جمہور فرماتے ہیں ایک ماہ تین دن زیادہ پسندیدہ ہے۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ: اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت پر عدت میں سوگ واجب ہے جس کا خاوند فوت ہو جائے۔ ام المومنین زینب بنت جحش روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ وہ عورت جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگوار رہے سوائے اپنے خاوند کے۔ اس کے لیے چار ماہ دس دن تک سوگ کرے (1)۔ حضرت ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ!) میری بیٹی کا خاوند فوت ہو گیا ہے اس کی آنکھ میں تکلیف ہے کیا وہ سرمہ لگا سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے دو یا تین مرتبہ سوال دہرایا۔ آپ نے یہی جواب دیا اور فرمایا یہ صرف چار ماہ اور دس دن تو ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں تو تم سال بھر بیٹھی رہا کرتی تھی۔ حضرت زینب بنت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو اس کو جھونپڑے میں داخل کر دیا جاتا وہ بدترین کپڑے پہنتی، خوشبو استعمال نہ کرتی حتیٰ کہ جب ایک سال مکمل گزر جاتا تو وہاں سے نکلتی اس کو اونٹ کی مینگنی دی جاتی یہ اس کو لے کر پھینکتی۔ پھر کسی جانور مثلاً گدھے، بکری، پرندے کے ساتھ اپنے جسم کو رگڑتی بعض اوقات تو اس کی موت ہی واقع ہو جاتی۔ اس لیے اکثر علماء کا مذہب ہے کہ یہ آیت اپنی بعد میں آنے والی آیت وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ...... (بقرہ:240) '' ترجمہ: اور جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں ان میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویاں (انہیں چاہیے کہ) وصیت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے لیے کہ انہیں خرچ دیا جائے گا ایک سال تک (اور) نہ نکالا جائے انہیں گھر سے''۔ کے لئے ناسخ ہے۔ یہی حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ کا قول ہے۔ لیکن یہ محل نظر ہے جس کی وضاحت عنقریب آئے گی۔ سوگ سے مراد بھڑ کیلے کپڑے، زیورات اور خوشبو وغیرہ کو ترک کرنا ہے۔ اور بغیر کسی اختلاف کے سب کے نزدیک واجب ہے۔ طلاق رجعی کی عدت میں واجب نہیں۔ طلاق بائن کی عدت میں سوگ کے دو قول ہیں۔ جن عورتوں کے خاوند فوت ہو جائیں ان سب پر سوگ واجب ہے خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ آزاد ہو یا لونڈی۔ مسلمان ہو یا کافر۔ امام ثوری اور ابو حنیفہ فرماتے ہیں کافر عورت پر واجب نہیں۔ امام مالک کے شاگردوں میں سے اشعب اور ابن نافع کا بھی یہی قول ہے ان کی دلیل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا جو عورت اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگوار رہے سوائے اپنے خاوند پر۔ اس پر چار ماہ دس دن سوگ منا سکتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم تعبدی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام ثوریؒ فرماتے ہیں کہ نابالغہ عورت سوگ نہیں منائے گی کیونکہ وہ غیر مکلفہ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب نے مسلمان لونڈی کا بھی یہی حکم بیان کیا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جب ان کی عدت پوری ہو جائے ان کے اولیاء پر کوئی حرج نہیں اگر وہ بناؤ سنگھار کریں، نکاح کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں لیکن شرط یہ ہے کہ سب کچھ مناسب طریقے سے ہو۔ مجاہد فرماتے ہیں نکاح حلال اور طیب ہے یعنی اس کے لیے نکاح کرنا جائز ہے۔ یہ حسن بصری اور زہری سے بھی مروی ہے۔

1۔ مسلم، کتاب الطلاق: 1124، 1125

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٣٥﴾

''اور کوئی گناہ نہیں تم پر اس بات میں کہ اشارہ سے پیغام نکاح دو ان عورتوں کو یا جو چھپائے ہو تم اپنے دلوں میں جانتا ہے اللہ تعالیٰ کہ تم ضرور ان کا ذکر کرو گے البتہ نہ وعدہ لینا ان سے خفیہ طور پر بھی مگر یہ کہ کہو (ان سے) شریعت کے مطابق کوئی بات اور نہ پکی کرلو نکاح کی گرہ یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت اپنی انتہا کو اور جان لو یقیناً اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا حلم والا ہے''

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ: ان عورتوں کو دوران عدت اشارۃً وکنایۃً نکاح کا پیغام دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس میں صراحت نہیں کرنی چاہیے۔ مثلاً کہے، میں ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں جس میں یہ یہ خصوصیات ہوں پھر اس عورت کا اشارۃً ذکر کردے۔ یا یہ کہے، میں تیرے بغیر کسی عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں رکھتا۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی نیک عورت مل جائے۔ یہ قول مجاہد، طاؤس، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعیؒ وغیرہ کا ہے۔ طلاق بائن کی مطلقہ کا بھی یہی حکم ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فاطمہ بنت قیس کو ابن ام مکتوم کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا۔ جب ان کے خاوند ابو عمر بن حفص نے تیسری آخری طلاق دی اور فرمایا جب تمہاری عدت پوری ہو تو مجھے بتانا۔ جب اس کی عدت پوری ہوگئی آپ نے اس کے لئے اسامہ بن زید کا پیغام بھیجا، اور پھر ان کا نکاح کردیا طلاق رجعی میں خاوند کے سوا کسی کو جائز نہیں کہ وہ اس کو اشارۃً یا کنایۃً منگنی کا پیغام دے۔

أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ: منگنی کے جس پیغام کو اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہو، اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم ضرور اس کا ذکر کرو گے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ (القصص:69)'' اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو چھپائے ہوئے ہیں ان کے سینے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں''۔

وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا: ابومجلز، جابر بن زید، حسن بصری، ابراہیم نخعی، قتادہ، ضحاک، الربیع بن انس، سلیمان تیمی، مقاتل بن حیان اور سدی فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ زنا سے بچو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ نہ کہو کہ میں تمہارا عاشق ہوں، میرے ساتھ وعدہ کرو کہ میرے بغیر کسی سے نکاح نہ کرو گی۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دوران عدت ہی عورت سے وعدہ لے لے کہ وہ اس کے علاوہ کسی سے نکاح نہیں کرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مذموم قرار دیا ہے۔ اور منگنی کے پیغام اور شریعت کے مطابق بات کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ حضرت ابن زید فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دوران عدت ہی پوشیدہ طور پر ہی اس سے نکاح کرے اور عدت گزرنے کے بعد اسے ظاہر کرے۔ آیت کریمہ ان تمام اقوال کا احتمال رکھتی ہے۔

إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا: حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، مجاہد، سعید بن جبیر، سدی، ثوری اور ابن زید فرماتے ہیں کہ قَوْلًا مَّعْرُوفًا سے یہی مراد ہے کہ وہ اشارۃً کنایۃً نکاح کا پیغام دے سکتا ہے۔ جیسے یہ کہے کہ میں تیرے بارے خواہش رکھتا ہوں۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں میں نے ابوعبیدہ سے اس ارشاد کا معنی پوچھا تو فرمایا کوئی شخص اس عورت کے ولی سے کہے جلدی نہ کرنا یعنی اس کا نکاح کرنے سے

پہلے مجھے آگاہ کرنا۔

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ عقد نکاح نہ کرو جب تک عدت نہ گزر جائے۔ یہ عبداللہ بن عباسؓ، مجاہد، شعبی اور قتادہ وغیرہم سے منقول ہے۔ علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ دوران مدت عقد صحیح نہیں۔ اگر کسی نے نکاح کرنے کے بعد دخول بھی کرلیا تو ان کے درمیان تفریق کردی جائے گی تو پھر کیا یہ عورت ہمیشہ کے لیے حرام ہوجائے گی۔ اس میں دو قول ہیں۔ جمہور علما فرماتے ہیں وہ اس پر حرام نہیں ہوگی بلکہ وہ عدت کے بعد دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ امام مالک کے نزدیک وہ ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جائے گی اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جس عورت کا نکاح اس کی عدت میں ہوا اگر اس کے خاوند نے اس کے ساتھ دخول نہیں کیا تھا تو ان کے درمیاں تفریق کرادی جائے گی اور پھر وہ اپنے پہلے خاوند کی عدت گزارے گی۔ عدت گزارنے کے بعد وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح منگنی کا پیغام بھیج سکتا ہے۔ اور اگر اس نے نکاح کے بعد دخول کیا تھا۔ پھر بھی ان کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔ پھر وہ پہلے خاوند کی بقیہ عدت گزارے گی اور اس کے بعد دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی اور یہ شخص اس کے ساتھ کبھی نکاح نہیں کرسکے گا۔ اس حکم کی علت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب اس شخص نے جلدی کرکے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ رکھا تو اسے اس کی سزا دی جائے گی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔ جیسے قاتل کو مقتول کے ترکہ سے محروم کردیا جاتا ہے۔ امام شافعی نے اس اثر کو امام مالک سے روایت کیا ہے۔ بیہقی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا قدیم قول یہی تھا۔ پھر آپ نے اس سے رجوع کرلیا۔ اور جدید قول کے مطابق وہ شخص اس سے نکاح کرسکتا ہے۔ کیونکہ حضرت علی کا قول ہے کہ وہ اس کے لیے حلال ہے۔ پھر حضرت عمر سے منقول یہ اثر منقطع ہے بلکہ مسروق فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے بھی اس سے رجوع کرلیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ وہ اس کا مہر ادا کرے اور عدت کے بعد آپس میں مل سکتے ہیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اور جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کو جانتا ہے۔ یعنی عورتوں کے بارے میں تمہارے دلوں میں جو خیالات آتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ آگاہ ہے اس لیے اس بات سے تنبیہ فرما کر ان کی راہنمائی فرمائی کہ اپنے دلوں میں اچھی باتوں کو جگہ دیا کرو۔ لیکن انہیں اپنی رحمت سے مایوس نہیں کیا۔ اور فرمایا کہ جان لو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور حلیم والا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ○

"کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم طلاق دے دو ان عورتوں کو جن کو تم نے چھوا بھی نہیں اور نہیں مقرر کیا تم نے ان کا مہر اور خرچہ دو انہیں مقدور والے پر اس کی حیثیت کے مطابق اور تنگدست پر اس کی حیثیت کے مطابق یہ خرچہ مناسب طریقہ پر ہونا چاہیے یہ فرض ہے نیکوکاروں پر"

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بعد دخول سے پہلے طلاق کو مباح قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس، طاؤس، ابراہیم نخعی اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں اس سے مراد نکاح ہے۔ بلکہ مہر مقرر کرنے اور دخول سے پہلے طلاق دینا جائز ہے جبکہ عورت نے مہر کے بغیر ہی اپنے آپ کو مرد کے سپرد کردیا ہو۔ چونکہ اس میں عورت کی دل شکنی ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اسے متعہ

دیا جائے۔ یعنی وہ شخص حسب استطاعت اس عورت کو متعہ دے تاکہ اس کی دل شکنی کا مداوا ہو سکے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ سب سے اعلیٰ متعہ غلام ہے، اس سے کم چاندی اور اس سے کم کپڑے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر خاوند خوشحال ہو تو غلام دے اگر تنگدست ہو تو تین کپڑے دے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ درمیانی درجہ یہ ہے کہ وہ اسے ایک کرتہ، دوپٹہ، چادر، لحاف دے۔ قاضی شریح فرماتے ہیں کہ پانچ سو درہم دے دے۔ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ غلام یا نان ونفقہ یا کپڑے دے دے۔ حضرت حسن بن علی نے دس ہزار درہم دیے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی بیوی نے کہا کہ محبوب کی جدائی میں یہ انتہائی قلیل ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ میاں بیوی کا اس کی مقدار میں جھگڑا ہو جائے تو اس پر نصف مہر مثلی واجب ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ خاوند کو کسی مقرر چیز پر مجبور نہ کیا جائے مگر کم از کم اتنا کپڑا دے جس میں نماز صحیح ہو جائے۔ اور اپنے دوسرے قول میں فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں لیکن تیس درہم دینا اچھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے یہ قول مروی ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ متعہ کس مطلقہ کے لیے واجب ہے۔ اس میں مختلف اقوال ہیں:۔ یہ ہر مطلقہ کے لیے واجب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِیْنَ (بقرہ:241) ''ترجمہ: اور (اسی طرح) جن کو طلاق دی گئی ان کو خرچ دینا چاہیے مناسب طور پر یہ واجب ہے پرہیزگاروں پر''۔ یہ حکم اپنے عموم کی وجہ سے تمام مطلقات کو شامل ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ (الاحزاب:28) ''ترجمہ: اے نبی مکرم (ﷺ) آپ فرما دیجیے اپنی بیویوں کو اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی آرائش وآسائش کی خواہاں ہو تو آؤ تمہیں مال و متاع دے دوں، پھر تمہیں رخصت کر دوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ''۔ یہ تمام ازواج مطہرات وہ تھیں جن کا مہر مقرر تھا اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں بھی آ چکی تھیں۔ یہ حضرت سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، حسن بصری، ایک روایت کے مطابق امام شافعی سے منقول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اس عورت کے لیے واجب ہے جس کو مباشرت سے پہلے طلاق ہو گئی ہو۔ اگرچہ اس کا مہر پہلے مقرر ہو۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ (الاحزاب:49) ''ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر تم انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ پس تمہارے لیے ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں۔ جسے تم شمار کرو۔ لہٰذا انہیں کچھ مال دے دو اور انہیں رخصت کر دو خوبصورتی سے''۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں: سورۂ احزاب کی اس آیت نے سورۂ بقرہ کی آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ حضرت ابواسید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے امیمہ بنت شرحبیل سے نکاح فرمایا جب آپ ان کے پاس تشریف لائے تو اس نے ہچکچاہٹ کی۔ (تو راوی فرماتے ہیں کہ) مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ اسے دو نیلے رنگ کے کپڑے دے کر رخصت کر دو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ متعہ اس مطلقہ کے لیے واجب ہوتا ہے جس کے ساتھ دخول ہوا ہو نہ مہر مقرر کیا گیا ہو۔ اگر دخول کے بعد طلاق دی تو اس پر مہر مثل واجب ہوگا جب کہ عورت نے اپنے آپ کو بغیر حق مہر کے خاوند کے سپرد کر دیا ہو۔ اور اگر مہر پہلے مقرر ہو چکا تھا اور دخول سے پہلے طلاق دی تو اس صورت میں نصف مہر واجب ہوگا۔ اور اگر دخول کے بعد طلاق ہوئی تو مکمل مہر دینا واجب ہے۔ اور یہی متعہ کا بدل ہو جائے گا۔ صرف وہ مصیبت زدہ عورت جس کا نہ تو مہر مقرر کیا گیا اور نہ ہی دخول ہوا اور پھر اسے طلاق دے دی گئی تو اس کے متعہ کے وجوب پر یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمر اور مجاہد کا قول ہے۔ بعض علماء نے ہر مطلقہ کے لیے متعہ کو مستحب قرار دیا ہے۔ ماسوائے اس مطلقہ کے جس نے بغیر مہر کے ہی اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کر دیا ہو اور اسے دخول سے پہلے طلاق ہو جائے۔ سورۂ احزاب کی آیت تخییر کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَعَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ...... بعض علماء نے مطلق مستحب قرار دیا ہے۔ حضرت شعبیؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص طلاق کے بعد اپنی بیوی کو متعہ نہ

دے تو کیا قاضی اسے قید کرسکتا ہے تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ میں نے آج تک کسی کو نہیں دیکھا جو اس کی وجہ سے قید کیا گیا ہو۔ اگر یہ واجب ہوتا تو پھر قاضی اسے قید کرنے کا ضرور حکم دیتا۔

وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّاۤ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

''اور اگر تم طلاق دو انہیں اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ اور مقرر کر چکے تھے ان کے لیے مہر تو نصف مہر (ادا کرو) جو تم نے مقرر کیا ہے مگر یہ کہ وہ (اپنا حق) معاف کر دیں یا معاف کر دے وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور (اے مردو!) اگر تم معاف کر دو تو یہ بہت قریب ہے تقویٰ سے اور نہ بھلایا کرو احسان کو آپس (کے لین دین) میں، بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے''۔

وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ: یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ متعہ صرف انہی عورتوں کے ساتھ خاص ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں آچکا ہے۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو نصف مہر دینے کا حکم فرمایا جس کا مہر مقرر ہو چکا ہو اور اسے دخول سے پہلے طلاق ہو چکی ہو۔ اگر ایسی حالت میں متعہ بھی واجب ہوتا تو اس کا حکم بیان کر دیا جاتا۔ اس حالت میں نصف مہر کے وجوب پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس وقت مکمل مہر واجب ہوتا ہے جب مرد اور عورت کے درمیان خلوت ہوگئی ہو۔ اگرچہ دخول نہ بھی کیا ہو۔ امام شافعی کا قدیم مذہب بھی یہی ہے۔ خلفائے راشدین سے بھی یہی مروی ہے۔ لیکن امام شافعی کے ایک قول کے مطابق اس صورت میں نصف مہر واجب ہوگا۔ کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ اگر کسی شخص نے نکاح کیا اور عورت کے ساتھ خلوت ہوگئی لیکن مباشرت نہ ہوئی اور عورت کو طلاق دے دی تو اب اس پر نصف مہر واجب ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ...... الخ۔ قرآن حکیم کے ظاہری الفاظ بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگرچہ غیر ثقہ ہے لیکن یہ روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے۔

اِلَّاۤ اَنْ يَّعْفُوْنَ: یعنی مرد پر جو مہر واجب ہوا ہے اگر عورت خود اسے معاف کر دے تو اس صورت میں خاوند کے ذمہ مہر دینا لازم نہ ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ثیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑے تو اس کے لیے جائز ہے۔ قاضی شریح، سعید بن مسیب، عکرمہ، مجاہد، شعبی اور حسن بصری وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ لیکن محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ مردوں کا معاف کرنا ہے۔ لیکن یہ قول شاذ ہے۔

اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ: ارشاد نبوی ہے نکاح کی گرہ کا مالک خاوند ہے۔ اس روایت کو ابن مردویہ اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ قاضی شریح فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی بن طالب نے پوچھا کہ نکاح کی گرہ کس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ میں نے جواب دیا عورت کے ولی کے ہاتھ میں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ یہ گرہ خاوند کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ یہ قول حضرت عبد اللہ بن عباس اور کئی دوسرے مفسرین سے مروی ہے۔ امام شافعی کا جدید مذہب بھی یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ، آپ کے اصحاب، ثوری، ابن شبرمہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ حقیقت میں مرد کو ہی نکاح باقی رکھنے اور اس کو توڑنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اس طرح ولی کو جائز نہیں کہ وہ مولیہ (عورت) کا مال ہبہ کر سکے۔ اسی طرح اس کے مہر کو معاف کرنے کا بھی حق نہیں۔ دوسرا قول

یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کا والد یا بھائی یا ہر وہ شخص ہے جس کی اجازت کے بغیر وہ نکاح نہیں کر سکتی۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے اور علقمہ، حسن بصری، عطاء، طاؤس، زہری اور کئی دوسرے علماء سے بھی مروی ہے۔ عکرمہ اور محمد بن سیرین کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا قدیم مذہب بھی یہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں اس ولی نے ہی اس کا نکاح کیا ہے اس لیے وہ اس میں تصرف کا حق رکھتا ہے۔ بخلاف اس کے مال کے کہ اس میں اسے تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں معاف کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اگر کسی عورت نے خود معاف کر دیا تو اس کا معاف کرنا صحیح ہوگا۔ اور اگر اس نے بخل کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاف نہ کیا اور اس کے ولی نے معاف کر دیا تو یہ بھی جائز ہے۔ اس قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت اگر عاقلہ بالغہ ہو تو تب بھی ولی معاف کر سکتا ہے۔ قاضی شریح سے بھی یہی قول مروی ہے۔ لیکن جب امام شعبی نے اس کو ناپسند کیا تو انہوں نے اس سے رجوع کر لیا۔ اور یہی قول اختیار کیا کہ اس سے مراد خاوند ہے۔ اور آپ اس کے لیے مباہلہ کرنے کے لیے بھی تیار ہو جاتے تھے۔

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى: یہاں مردوں اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر وہ معاف کر دیں تو ان کا معاف کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ مجاہد، نخعی، ضحاک، اور امام ثوری، وغیرہم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد احسان ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے اس سے مراد نیکی ہے۔ یعنی نیکی کو آپس میں حقیر نہ سمجھو، حضرت علی بن طالب فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگوں پر ایک ایسا برا زمانہ بھی آئے گا کہ مومن اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھائے اور فضل واحسان کو بھول جائے گا۔ اور برے لوگ اس کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اس سے اس کا مال خریدیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی بیع اور ایسی بیع جس میں دھوکہ ہو، سے منع فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے پاس کچھ مال ہے تو اپنے بھائی کی مدد کرو وگرنہ اس کی پریشانی میں اضافہ نہ کرو مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ تو اسے غمگین کرتا ہے اور نہ ہی اسے اپنے فضل واحسان سے محروم کرتا ہے۔ حضرت عون جب یہ حدیث بیان فرماتے تو ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ فرماتے ہیں کہ امراء کی محفل میں بیٹھا ان کا خوبصورت لباس، بہترین خوشبو اور اعلیٰ ترین سواریاں دیکھ کر دل پریشان ہو گیا۔ پھر فقراء کی صحبت اختیار کی تو راحت محسوس ہوئی۔ اس کا یہ بھی مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ اگر تمہارے کسی کے پاس کوئی سائل آئے اور اس کے پاس دینے کے لئے کوئی چیز نہ ہو تو اس کے لیے دعا کر دینی چاہیے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ: تمہارے معلومات اور حالات میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں وہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ عطا فرمائے گا۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٩﴾

''پابندی کرو سب نمازوں کی اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی اور کھڑے رہا کرو اللہ کے لیے عاجزی کرتے ہوئے۔ پھر اگر تم کو ڈر ہو (دشمن وغیرہ کا) تو پیادہ یا سوار (جیسے بن پڑے) پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے تو یاد کرو اللہ تعالیٰ کو جس طرح اس نے سکھایا ہے تمہیں جو تم نہیں جانتے تھے''۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے نماز کو اس کے مقررہ وقت میں ادا کرنے کی محافظت کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو اس وقت پر ادا کرنا۔

عرض کی اس کے بعد فرمایا، جہاد فی سبیل اللہ۔ عرض کی اس کے بعد، فرمایا والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ تین باتیں بتائیں۔ اگر میں مزید پوچھتا تو آپ اور بتا دیتے۔ حضرت ام فروہ، حضور ﷺ کی بیعت حاصل کرنے والی صحابیات میں سے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ آپ اعمال خیر کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل اول وقت میں نماز کی ادائیگی میں جلدی کرنا ہے (1)۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی ایک ہی سند ہے جو کہ ضعیف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام نمازوں میں صلوۃ وسطیٰ کی پابندی کی خاص تاکید فرمائی ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ صلوۃ وسطیٰ کون سی ہے (1)۔ اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔ یہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ حضرت ابورجاء عطاردی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی۔ آپ نے اس میں ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھی اور فرمایا یہی وہ صلوۃ وسطیٰ ہے جس میں ہمیں قنوت پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسے ابن جریر نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھی اور پھر فرمایا یہی صلوۃ وسطیٰ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ حضرت ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں عبداللہ بن قیس کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ صلوۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر، ابوامامہ، انس بن مالک سے یہی مروی ہے۔ ابوالعالیہ، عبید بن عمیر، عطاء، مجاہد، جابر بن زید، عکرمہ، ربیع بن انس سے یہی منقول ہے۔ امام شافعی کا مذہب بھی یہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں۔ وَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ اور امام شافعیؒ کے نزدیک صبح کی نماز میں قنوت پڑھی جاتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ وسطیٰ اس اعتبار سے ہے کہ اس میں قصر نہیں ہوتی اور یہ دو نمازوں عشاء اور ظہر کے درمیان ہے جن میں قصر ہوتی ہے۔ لیکن یہ قول اس اعتبار سے ساقط العمل ہے کہ مغرب میں بھی قصر نہیں ہوتی۔ اسے صلوٰۃ وسطیٰ کہنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ رات کی دو جہری نمازوں اور دن کی دوسری نمازوں کے درمیان میں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔ ابن معبد فرماتے ہیں کہ ہم حضرت زید بن ثابت کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے حضرت اسامہ کی طرف صلوۃ وسطیٰ کے بارے میں پوچھنے کے لیے ایک آدمی بھیجا انہوں نے فرمایا صلوۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔ رسول اللہ ﷺ سخت دوپہر میں ظہر کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ مسند کی روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ صحابہ کرام پر اس سے زیادہ سخت کوئی نماز نہیں تھی۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ قریشیوں کا ایک گروہ حضرت زید بن ثابت کے قریب سے گزرا۔ انہوں ن آپ سے صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ عصر کی نماز ہے۔ پھر انہوں نے حضرت اسامہ سے پوچھا انہوں نے فرمایا کہ یہ ظہر کی نماز ہے رسول اللہ ﷺ سخت گرمی میں ظہر کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور آپ کے پیچھے نمازیوں کی صرف ایک یا دو صفیں ہوتی تھیں۔ کچھ لوگ دوپہر کے وقت آرام کر رہے ہوتے اور بعض لوگ تجارت میں مصروف ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ آپ نے فرمایا اگر یہ لوگ اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو ان کے گھروں کو جلا دوں گا۔ لیکن اسی روایت کے راوی زبرقان کی صحابہ کرام میں سے کسی کے ساتھ ملاقات ثابت نہیں۔ لیکن حضرت زید بن ثابت سے مروی دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر، ابوسعید خدری اور حضرت عائشہ سے باختلاف روایت یہی مروی ہے اور یہی عروہ بن زبیر، عبداللہ بن شداد اور ایک روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے۔ امام ترمذی اور امام

1۔ مسند امام احمد: 375/6

بغوی فرماتے ہیں کہ اکثر صحابہ کرام کا یہی قول ہے۔ قاضی ماوردی فرماتے ہیں کہ جمہور تابعین کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عبدالبر نے اسے اکثر اہل اثر کا قول قرار دیا ہے۔ ابن عطیہ نے فرمایا ہے کہ یہ جمہور کا قول ہے۔ عبدالمؤمن بن خلف الدمیاطی اپنی کتاب کشف الغطا فی تبیین صلوٰۃ الوسطیٰ میں فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے۔ انہوں نے یہ قول حضرت عمر، علی، عبداللہ بن مسعود، ابوایوب انصاری، عبداللہ بن عمرو، سمرہ بن جندب، ابوہریرہ، ابوسعید خدری، سیدہ حفصہ، ام حبیبہ، اور ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے۔ صحیح روایت کے مطابق عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور حضرت عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عبیدہ، ابراہیم نخعی، زر بن حبیش، سعید بن جبیر، ابن سیرین، حسن بصری، قتادہ، ضحاک وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ اور صحیح روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا یہی مسلک ہے۔ ابن حبیب مالکی نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ حافظ دمیاطی نے اس کی دلیل میں امام احمد کی مسند کی حدیث نقل کی ہے۔ رسول اللہ نے غزوۂ خندق کے موقع پر ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ ان مشرکین کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھردے انہوں نے ہمیں صلوٰۃ الوسطیٰ (نماز عصر) سے روک دیا ہے۔ پھر آپ نے مغرب اور عصر کے درمیان اسے ادا کیا۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور کئی دوسرے محدثین نے مختلف اسناد سے ذکر کیا ہے۔ حضرت عبیدہ نے حضرت علی سے صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم خیال کیا کرتے تھے کہ یہ صبح کی نماز ہے۔ حتیٰ کہ میں نے غزوۂ خندق کے دن رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا اللہ تعالیٰ مشرکین کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھردے انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی عصر کی نماز پڑھانے سے روکا ہے۔ یہ حدیث کئی صحابہ سے مروی ہے۔ حضرت سمرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر ہے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور فرمایا اس سے مراد نماز عصر ہے۔ یہ روایت حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا بھی اس کے بارے میں اختلاف ہوگیا تھا۔ ہم میں ابوہاشم بن عتبہ کہنے لگے میں ابھی تمہیں بتاتا ہوں، وہ گئے اور رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر اندر داخل ہو گئے۔ پھر واپس آکر بتایا کہ یہ نماز عصر ہے۔ ابراہیم بن یزید دمشقی فرماتے ہیں کہ میں عبدالعزیز بن مروان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس مسئلہ کے بارے میں اختلاف ہوگیا انہوں نے ایک شخص کو کہا کہ فلاں صحابی کے پاس جاؤ اور ان سے اس نماز کے بارے میں پوچھ کر آؤ۔ وہیں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ کہنے لگا بچپن میں مجھے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق نے بھیجا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں دریافت کروں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے میری چھوٹی چھنگلیا پکڑ کر فرمایا کہ یہ فجر کی نماز ہے۔ پھر ساتھ والی پکڑی کہ یہ ظہر کی ہے۔ پھر میرا انگوٹھا پکڑا فرمایا یہ مغرب کی نماز ہے پھر اس کے ساتھ والی انگلی پکڑی تو فرمایا کہ یہ عشا کی ہے۔ پھر پوچھا کہ اب کونسی انگلی باقی رہ گئی ہے۔ میں نے عرض کی درمیانی، فرمایا نماز کونسی باقی رہ گئی ہے۔ میں نے عرض کی عصر کی۔ فرمایا صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔ لیکن اس روایت کی سند انتہائی غریب ہے۔ ابو مالک اشعری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔ یہ حدیث کئی دوسرے صحابہ سے بھی مروی ہے۔ صحیح مسلم کے یہ الفاظ ہیں کہ ان کافروں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ (نماز عصر) سے روک دیا۔ یہ تمام احادیث صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے اس نماز کی محافظت کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی عصر کی نماز رہ گئی گویا کہ اس کے اہل خانہ ہلاک ہوگئے اور اس کا مال برباد ہوگیا۔ ایک روایت میں فرمایا بادل والے دن نماز کو جلدی پڑھا کرو جس نے عصر کی نماز کو چھوڑ دیا اس کے اعمال اکارت ہوئے۔ حضرت ابونضرہ

نجاری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وادی حمیص میں ہمارے ساتھ عصر کی نماز ادا فرمائی پھر ارشاد فرمایا یہ نماز تم سے پہلی امتوں کو بھی عطا کی گئی لیکن انہوں نے اسے ضائع کر دیا۔ خبردار رہو جو اس نماز کو پڑھتا ہے اسے دوہرا اجر ملتا ہے اس کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ تم تارے دیکھ لو(1)۔ اس حدیث کو امام مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو یونس فرماتے ہیں کہ مجھے آپ نے قرآن پاک لکھنے کا حکم دیا۔ فرمایا جب اس آیت کریمہ پر پہنچنا تو مجھے بتانا۔ میں جب اس آیت کریمہ پر پہنچا تو آپ کو بتایا تو آپ نے صلوٰۃ وسطیٰ کے بعد والصلوۃ العصر کے الفاظ لکھوائے اور فرمایا کہ میں نے یہ رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے(2)۔ اور مسلم کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے مصحف میں یہ آیت کریمہ اس طرح لکھی گئی (حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَهِيَ صَلٰوةُ الْعَصْرِ)۔ حضرت عمرو بن رافع فرماتے ہیں کہ میں ام المومنین حضرت حفصہ کے لیے قرآن پاک لکھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا جب اس آیت پر پہنچنا تو مجھے بتانا۔ جب میں نے انہیں بتایا تو انہوں نے ''والصلوٰۃ الوسطیٰ'' کے بعد صلوٰۃ العصر کے الفاظ لکھوائے۔ ایک روایت کے یہ بھی الفاظ ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ اس کی اور بھی مختلف اسناد ہیں۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں نے یہ قرآن خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جس میں صلوٰۃ العصر لکھا ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور عبید بن عمیر سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے اس کو اسی طرح پڑھا ہے۔ کیونکہ ان روایات میں صلوٰۃ العصر کے الفاظ واؤ عاطفہ کے بعد ذکر کیے گئے ہیں اس لیے بعض علماء فرماتے ہیں کہ واؤ عطف معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت پر دلالت کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ وسطیٰ اور ہے اور نماز عصر اور۔ اس کے کئی جواب دیے گئے ہیں۔ اگر ان روایات کو جن میں واؤ عاطفہ ذکر کی گئی ہے حدیث تسلیم کیا جائے تو حضرت علیؓ کی روایت کردہ حدیث ان سے زیادہ صحیح ہے اور صراحۃً مقصود پر دلالت بھی کرتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واؤ زائدہ ہو۔ جیسا کہ ان آیات میں واؤ زیادہ ہے: وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَ لِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ (الانعام:55)۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ (الانعام:75) یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واؤ صفات کے عطف کے لیے نہ ہو بلکہ ذوات کے عطف کے لیے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب:40)۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۪ۙ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۪ۙ وَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى (الاعلیٰ:4-1) اس کی مثل اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ شعراء کے اشعار میں بھی اس واؤ کا ذکر ہے۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے۔

اِلَى الْمَلِكِ الْقَرْمِ وَابْنِ الْهُمَامِ وَلَيْثِ الْكَتِيْبَةِ فِي الْمُزْدَحَمْ

اسی طرح نحویوں کے امام سیبویہ بھی اس کے جواز کے قائل ہیں اور وہ دلیل کے طور پر اہل عرب کا یہ قول پیش کرتے ہیں ''مَرَرْتُ بِاَخِيْكَ وَصَاحِبِكَ'' یہاں اخ اور صاحب سے ایک ہی ذات مراد ہے۔ اگر ہم اس کو قرآنی الفاظ تسلیم کریں تو یہ متواتر نہیں اور اس قسم کی خبر واحد سے قرأت قرآنی ثابت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان نے اسے اس مصحف (قرآن) میں ذکر نہیں کیا جس کو آپ نے مختلف علاقوں میں بھیجا۔ اس کے علاوہ کسی معتبر قاری سے یہ قرأت بھی مروی نہیں۔ بلکہ ایک حدیث سے اس قرأت کا منسوخ ہونا ثابت ہے۔ حضرت براء بن عازب روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ پہلے اس طرح نازل ہوئی ''حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْعَصْرِ'' ہم کچھ عرصہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کی تلاوت کرتے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر دیا پھر یہ آیت اس طرح نازل ہوئی۔ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ (3) ایک شخص نے اس حدیث کے راوی شقیق سے پوچھا کیا یہ نماز عصر ہی ہے۔ انہوں نے جواب

1۔ مسند امام احمد: 397/6 2۔ مسند امام احمد: 73/6 3۔ مسلم، کتاب المساجد: 438

دیا میں نے تمہیں بتادیا ہے کہ یہ آیت کریمہ کیسے نازل ہوئی اور پھر کیسے اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کردیا۔ اس اعتبار سے یہ قرآن حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی قرات کو لفظاً منسوخ کردیتی ہے۔ اور اگر واؤ کو مغایرت پر محمول کیا جائے تو معنا بھی منسوخ کردیتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز مغرب ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے لیکن اس کی سند محل نظر ہے۔ قبیصہ بن زویب اور ایک روایت میں قتادہ سے بھی یہ قول مروی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ مغرب کی نماز تعداد اور رکعات کے اعتبار سے وسطیٰ ہے کیونکہ اس کی تین رکعات ہوتی ہیں اور اس کے علاوہ باقی نمازیں چار اور دو رکعات والی ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ فرض نمازوں کی وتر ہے اور اس کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز عشاء ہے۔ یہ علی بن احمد واقدی کا مختار قول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ پانچ نمازوں میں سے ایک ہے اس کو معین نہیں کیا گیا بلکہ اسے مبہم کردیا گیا ہے جیسا کہ لیلۃ القدر کو پورے سال یا رمضان کے مہینے کے آخری عشرے میں مبہم کردیا گیا ہے یہ سعید بن مسیب، قاضی شریح، نافع اور ربیع بن خثیم سے منقول ہے۔ حضرت زید بن ثابت سے بھی مروی ہے۔ امام الحرمین جوینی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ پانچ نمازوں کا مجموعہ صلوٰۃ وسطیٰ ہے یہ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے۔ لیکن اس کی صحت میں کلام ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس قول کو شیخ ابن عبدالبر نے اختیار کیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ عشاء اور فجر کی نماز ہے۔ اس بارے میں کئی اور قول بھی ہیں۔ 1۔ نماز باجماعت۔ 2۔ نماز جمعہ۔ 3۔ صلوٰۃ خوف۔ 4۔ عیدالفطر کی نماز۔ 5۔ عیدالاضحیٰ کی نماز۔ 6۔ وتر کی نماز۔ 7۔ نماز چاشت۔ بعض نے اس میں توقف اختیار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان ادلہ میں تعارض ہے۔ نہ تو ان میں وجہ ترجیح ظاہر ہے اور نہ ہی اس میں اجماع ہوا ہے۔ بلکہ صحابہ کرام کے زمانہ سے آج تک اختلاف جاری ہے۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں صحابہ کرام کے درمیان میں اختلاف تھا۔ پھر آپ نے انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر اسے واضح کیا۔ لیکن یہ واضح رہے کہ ان میں سے ہر ایک قول اپنے سے ماقبل قول کی نسبت سے ضعیف ہے۔ جھگڑا اور اختلاف صرف فجر اور عصر کی نماز میں ہے۔ اور حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ اس لیے اسی قول پر ہی اعتماد کرنا چاہئے۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ میرے قول کے خلاف اگر کوئی صحیح حدیث مل جائے تو اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے اس میں میری تقلید نہ کی جائے۔ امام شافعی سے اس قول کو ربیع، زعفرانی اور امام احمد بن حنبل نے بھی روایت کیا ہے۔ ابوالولید بن ابی جارود امام شافعی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی حدیث میرے قول کے خلاف صحیح ثابت ہو جائے تو میں اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں اور اسی حدیث پر عمل کرتا ہوں۔ یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی اور امانت علمی کا ثبوت ہے۔ اور یہی حال دوسرے ائمہ کرام کا ہے۔ (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ وَ رَضِيَ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ)۔ اسی وجہ سے قاضی ماوردی نے قطعی فیصلہ فرمایا کہ امام شافعیؒ کا مذہب یہی صلوٰۃ وسطیٰ یعنی نماز عصر ہے۔ اگرچہ خود امام شافعیؒ نے اپنے جدید قول میں صراحت فرمائی ہے کہ صبح کی نماز ہے۔ شافعی مذہب کے کئی دوسرے محدثین نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ بعض فقہاء اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ نماز عصر امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ صرف ایک ہی قول ہے۔ یعنی نماز فجر۔ ماوردی فرماتے ہیں کہ بعض فقہاء نے اس مسئلہ میں دو قول ذکر کیے ہیں۔ ان اقوال پر اعتراضات اور جوابات کی یہاں گنجائش نہیں۔

قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ: یہاں حکم ہو رہا ہے کہ دوران نماز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خشوع وخضوع اور عاجزی وانکسار کے ساتھ کھڑے رہو۔ اور یہ حکم نماز میں ترک سلام کو مستلزم ہے۔ کیونکہ کلام نماز کے منافی ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا جب انہوں نے دوران نماز حضور ﷺ کو سلام کیا۔ نماز کے بعد آپ نے انہیں فرمایا بے شک نماز میں مشغولیت

ہے۔ یعنی بندہ مناجات الٰہی میں مشغول ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت معاویہ بن حکم نے دوران نماز آپ سے گفتگو کی تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ نماز میں گفتگو کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ تسبیح تہلیل اور اللہ کے ذکر کا نام ہے۔ حضرت زید بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے سے پہلے لوگ نماز میں ضروری بات چیت کرلیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہمیں نماز میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا(1)۔ لیکن اس حدیث میں اشکال یہ ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نماز میں بات چیت کرنے کی حرمت کا حکم ہجرت حبشہ کے بعد اور ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ میں نازل ہو چکا تھا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ ہم ہجرت حبشہ سے پہلے نبی کریم علیہ السلام کو نماز میں سلام کرتے تو آپ دوران نماز ہی جواب دے دیتے۔ جب حبشہ سے واپس آئے تو میں نے رسول اللہ علیہ السلام کو سلام کیا تو آپ نے دوران نماز اس کا جواب نہ فرمایا۔ اس پر میں رنجیدہ ہوا۔ طرح طرح کے خیال دل میں آنے لگے۔ آپ نے نماز سے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا میں نے تمہیں سلام کا جواب اس لیے نہیں دیا کیونکہ میں نماز میں مشغول تھا۔ اللہ تعالیٰ جو حکم چاہے نازل فرمادیتا ہے۔ اب اس نے حکم فرمایا کہ نماز میں گفتگو نہ کیا کرو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ابتداء ہی مسلمان ہوگئے تھے۔ پہلے آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر وہاں سے واپس آکر دیگر صحابہ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے پہلے کا ہے۔ اور یہ آیت کریمہ بالاتفاق مدنی ہے۔ بعض علماء اس کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقم کے قول سے جنس کلام مراد ہے اور اس آیت کریمہ سے کلام کی حرمت اور استدلال۔ ان کے اپنے فہم کے مطابق ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حکم دو دفعہ نازل ہوا۔ یعنی پہلے مکہ میں "جس میں نماز میں گفتگو کرنا مباح تھا پھر اسے ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اس کے بعد پھر مباح ہوگیا، پھر مدینہ میں دوبارہ اس کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ پہلا قول زیادہ اظہر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ دوران نماز ہم ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں رسول اللہ علیہ السلام کے قریب سے گزرا آپ نماز میں تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے جواب ارشاد نہ فرمایا میرے دل میں خدشہ پیدا ہوا کہ شاید میرے بارے میں وحی نازل ہوگئی ہو۔ جب آپ نے اپنی نماز مکمل کی تو آپ نے فرمایا: "وَعَلَيْكَ السَّلَامُ أَيُّهَا الْمُسْلِمُ وَ رَحْمَةُ اللهِ" اور فرمایا کہ جب تم نماز میں ہو تو خاموش رہا کرو اور گفتگو نہ کیا کرو۔

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نماز کی طرف خصوصی توجہ کرنے اور اس کے فرائض و واجبات کو کامل طریقہ سے ادا کرنے کا حکم فرمایا اور اس کی سختی سے تاکید بھی فرمائی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس حالت کو ذکر کیا جس میں انسان نماز کو کامل طریقہ سے ادا نہیں کرسکتا یعنی دوران جنگ جب وہ دشمن کے ساتھ برسرپیکار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اس حالت میں جس طرح ممکن ہو نماز پڑھو، پیدل یا سوار ہوکر، قبلہ رو ہو کر یا کسی اور سمت۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے جب نماز خوف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ اس کو بیان کرتے اور فرماتے کہ جب خوف سخت ہو تو کھڑے ہو کر نماز پڑھو یا سوار ہو خواہ قبلہ کی طرف منہ ہو یا نہ ہو۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر نے یہ قول نبی کریم علیہ السلام سے سنا ہوگا(2)۔ اسے بخاری اور مسلم نے بھی دوسری اسناد سے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن انیس جہنی کو جب رسول اللہ علیہ السلام نے خالد بن سفیان ہذلی کو قتل کرنے بھیجا جو میدان عرفات کی طرف بھاگ گیا۔ جب وہ اس کو قتل کرنے کے لیے گئے تو انہوں نے راستہ میں عصر کی نماز اشارہ کے ساتھ پڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے رخصت عطا فرمائی ہے اور ان سے سختی و مشقت کو دور کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ سوار اپنی سواری پر نماز پڑھے اور پیدل اپنی ٹانگوں پر۔ حضرت حسن بصری، مجاہد، مکحول، سدی، حکم، امام مالک، اوزاعی وغیرہم سے بھی یہی مروی ہے۔ اور ایک

1۔ المسند: 368/4
2۔ البخاری، کتاب التفسیر: 38/6

روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ وہ اپنے سر کے اشارہ سے نماز پڑھے خواہ اس کا منہ کسی طرف ہو۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ جب دونوں لشکروں کے درمیان گھمسان کا رن ہو تو ایک رکعت نماز پڑھی جائے گی۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبانی حضر میں چار رکعت، سفر میں دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت فرض کی ہے۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ضحاک وغیرہ سے یہی منقول ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے بھی مروی ہے کہ خوف کی نماز ایک رکعت ہے۔ اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ امام بخاری نے بھی صحیح بخاری میں ایک باب قلعوں کو فتح کرنے اور دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کے وقت نماز کا باب باندھا ہے۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ اگر فتح قریب ہو اور اکھٹے نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو ہر شخص اشارہ سے اپنی نماز پڑھ لے۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو نماز کو مؤخر کریں یہاں تک کہ جنگ کا فیصلہ ہو جائے۔ اور دشمن سے امن میں ہو جائیں تو دو رکعت پڑھیں اور اگر اس پر قادر نہ ہوں تو ایک ہی رکعت پڑھ لیں۔ پھر اگر اس پر بھی قادر نہ ہوں تو صرف تکبیر کہنا کافی نہ ہوگا۔ پھر نماز کو امن کی حالت تک مؤخر کریں۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں قلعہ تستر کی فتح میں حاضر تھا۔ فجر کی نماز کے وقت جنگ اپنے زوروں پر تھی حتیٰ کہ ہم فجر کی نماز ادا نہ کر سکے۔ پھر خوب دن چڑھنے کے بعد ہم نے ابوموسیٰ اشعری کے ساتھ نماز پڑھی۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ اگر اس نماز کے بدلہ میں مجھے دنیا و مافیھا دے دی جائے تو میں تب بھی خوش نہ ہوں گا(1)۔ اس کے بعد امام بخاری نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ خندق کے دن نماز عصر کو سورج کے غروب ہونے کے بعد پڑھا۔ اس کے علاوہ آپ نے غزوۂ بنی قریظہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے بھی استدلال کیا ہے۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا، تم میں سے کوئی بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز عصر ادا نہ کرے۔ راستہ میں جب نماز عصر کا وقت ہوا تو بعض صحابہ نے وہیں نماز پڑھ لی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کا مطلب جلدی کرنا ہے۔ بعض نے راستہ میں نماز نہ پڑھی بلکہ سورج غروب ہونے کے بعد بنو قریظہ میں جا کر نماز پڑھی۔ جب حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے کسی پر سختی نہ فرمائی۔ ان کا یہ استدلال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے یہی قول اختیار کیا ہے۔ لیکن جمہور علماء کا مذہب اس کے برعکس ہے۔ وہ فرماتے ہیں سورۂ نساء میں جس نماز خوف کا ذکر ہے۔ اور جس کی تفصیلات حدیث میں ذکر کی گئیں ہیں۔ یہ غزوۂ خندق کے موقع پر مشروع نہیں تھی۔ یہ اس غزوہ کے بعد مشروع کی گئی ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث اور اس کے علاوہ کئی دوسری احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ امام اوزاعی، مکحول اور امام بخاری یہ جواب دیتے ہیں، غزوۂ خندق کے بعد اس کا مشروع ہونا اس کے جواز کے منافی نہیں۔ کیونکہ یہ حالت شاذ و نادر ہی واقع ہوتی ہے۔ اس لیے ہمارے قول کے موافق عمل کرنا بھی جائز ہے۔ اور حضرت عمر بن خطاب کے دور خلافت میں فتح تستر کے موقع پر صحابہ کا عمل بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ یہ واقعہ مشہور ہے۔ کسی صحابی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ: یعنی جب تم حالت امن میں ہو جاؤ تو اپنی نماز کو ادا کرو جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اس کے رکوع، سجود، قیام و قعود کو کامل طریقہ سے ادا کرو۔ خشوع خضوع کا خیال رکھو۔

كَمَا عَلَّمَكُمْ: یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم پر اپنی نعمتوں کی برکھا برسائی اور تمہیں دولت ایمان سے نوازا اسی طرح تمہیں دنیا و آخرت کا نفع بخش علم عطا فرمایا۔ تمہیں بھی چاہیے کہ اس کا شکر یہ ادا کرو اور اس کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔ نماز خوف کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسی طرح ارشاد فرمایا: فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (نساء:103) " ترجمہ: پھر جب مطمئن ہو جاؤ (دشمن کی طرف سے) تو نماز ادا کرو۔ بے شک نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی۔ ہے اپنے اپنے وقت پر"۔ نماز خوف کے

1۔البخاری،18/2

بارے میں وارد شدہ احادیث اور اس کا طریقہ ان شاء اللہ سورۂ نساء میں آیت کریمہ وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ (نساء:102) کی تفسیر کے تحت ذکر کیا جائے گا۔

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝٢٤٠ وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝٢٤١ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝٢٤٢

''اور جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویاں (انہیں چاہیے کہ) وصیت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے لیے کہ انہیں خرچ دیا جائے ایک سال تک (اور) نہ نکالا جائے (انہیں گھر سے) پھر اگر وہ خود چلی جائیں تو کوئی گناہ نہیں تم پر جو کچھ وہ کریں اپنے معاملہ میں مناسب طور پر اور اللہ بہت زبردست بڑا دانا ہے اور (اسی طرح) جن کو طلاق دی گئی ان کو خرچ دینا چاہیے مناسب طور پر یہ واجب ہے پرہیزگاروں پر اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام تاکہ تم سمجھ جاؤ''۔

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ: اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ منسوخ ہے۔ اور اس کی ناسخ وہ آیت کریمہ ہے جس میں اس عورت کو جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو، کی چار ماہ دس دن تک کی عدت کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے حضرت عثمان بن عفان کی خدمت میں عرض کی کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر اسے قرآن میں کیوں لکھواتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ جب یہ آیت کریمہ منسوخ ہو چکی ہے۔ تو پھر قرآن میں اسے لکھنے کی کیا حکمت ہے۔ تو امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے انہیں جواب دیا کہ یہ توقیفی امر ہے۔ چونکہ قرآن پاک کے پہلے نسخہ میں اس کو اسی طرح لکھا ہوا پایا۔ اس لیے میں نے حکم دیا کہ اس کو وہیں لکھ دیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جاتا۔ پہلے اس کے لیے ایک سال تک نان و نفقہ اور رہائش مقرر تھی۔ پھر آیت میراث نے اسے منسوخ کر دیا۔ اور یہ حکم ہوا کہ اگر خاوند کی کوئی اولاد نہیں تو اس کو چوتھا حصہ دیا جائے اور اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصہ دیا جائے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری عبداللہ بن زبیر، مجاہد، حسن بصری، ابراہیم نخعی، عکرمہ، قتادہ، ضحاک اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کی بیوی ایک سال تک اس کے گھر میں عدت گزارتی۔ اس کا نان و نفقہ اس کے مال سے دیا جاتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا (بقرہ:234)۔ یعنی چار ماہ، دس دن اس عورت کی عدت ہے جس کا خاوند فوت ہو جائے۔ ہاں اگر یہ عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اس کے بعد میراث کی آیت نازل فرما کر عورت کی میراث کو بیان فرما دیا۔ اور اس کے لیے وصیت، نان و نفقہ نہ دینے کا حکم فرمایا۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کو سورۂ احزاب کی اس آیت نے منسوخ کیا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (الاحزاب:49) ''اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے'' حضرت مقاتل اور قتادہ سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ آیت میراث سے منسوخ ہے۔ حضرت مجاہد اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں پہلے عورت پر یہ عدت خاوند کے مرنے کے بعد

اس کے اہل خانہ میں گزارنا لازمی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما کر اس کی اصل عدت چار ماہ دس دن میں سات ماہ اور بیس دن کا اضافہ کر دیا لیکن یہ واجب نہیں۔ وصیت کے طور پر ہے۔ عورت اگر چاہے تو اس وصیت پر عمل کر کے خاوند کے گھر ٹھہری رہے اور چاہے تو اپنی اصل عدت ختم کر کے اپنے والدین کے گھر چلی جائے۔

غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ: حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ اگر عورت چاہے تو وہ وہیں عدت گزارے اور اگر چاہے تو اپنے والدین کے پاس چلی جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر وہ خود چلی جائیں تو کوئی گناہ نہیں تم پر۔ جو کچھ وہ کریں اپنے معاملہ میں مناسب طور پر۔ وہ فرماتے ہیں اس کے بعد میراث کی آیت نے مکان کی سکونت کو منسوخ کر دیا اور وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔ اس کے مرحوم خاوند کے ذمہ مکان کا خرچہ لازم نہیں۔ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس سے وہی قول نقل کیا ہے جو مجاہد اور عطاء کا مختار قول ہے۔ یعنی یہ آیت کریمہ ایک سال کی عدت کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی جیسا کہ جمہور علماء کا خیال ہے۔ اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آیت چار ماہ دس دن والی عدت کی آیت سے منسوخ ہوگی۔ یہ آیت تو صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنے لواحقین کو وصیت کر جائے کہ اگر اس کی بیوی اس کے وصال کے بعد ایک سال رہنا چاہے تو اس کے ساتھ تعاون کریں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں عورتوں کے بارے میں وصیت کرنے کا حکم فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ (النساء:11)۔

وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ: اس کو منصوب پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے "فَلْتُوْصُوْالَهُنَّ" محذوف ہے۔ بعض نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ اس وقت اس سے پہلے كُتِبَ عَلَيْكُمْ محذوف ہوگا۔ یعنی تم پر وصیت فرض کی گئی۔ اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ یعنی اگر وہ ایک سال رہنا چاہیں تو انہیں منع نہ کیا جائے۔ اگر ان کی عدت چار ماہ دس دن گزر جائے۔ یا وضع حمل کی وجہ سے گزر جائے اور وہ اپنے مرحوم شوہر کے مکان سے منتقل ہونا چاہیں تو انہیں روکا نہ جائے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ ۗ یہ قول وجیہہ ہے۔ ظاہری الفاظ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے اسے اختیار کیا ہے۔ جن میں امام ابن تیمیہ بھی ہیں۔ لیکن دوسرے علماء اس کو رد کرتے ہیں۔ خصوصاً ابن عبدالبر نے اس قول کو رد کیا ہے۔ حضرت عطاء اور بعض دوسرے علماء کا یہ قول ہے، کہ یہ آیت کریمہ آیت میراث سے منسوخ ہوگئی ہے۔ اگر تو ان کی اس سے مراد چار ماہ دس دن کی زیادہ کی عدت ہے تو یہ بات مسلم ہے۔ لیکن اگر ان کی مراد یہ ہو کہ چار ماہ دس دن کی رہائش میت کے ترکہ میں واجب نہیں ہے۔ تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ اس میں دو قول ہیں جو امام شافعیؒ سے منقول ہیں اکثر فرماتے ہیں کہ خاوند کے گھر میں عدت گزارنا ضروری ہے اور ان کی دلیل مؤطا امام مالک کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابو سعید خدری کی ہمشیرہ فریعہ بنت مالک حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی۔ ہمارے کچھ غلام بھاگ گئے تھے۔ میرے خاوند ان کو تلاش کرنے کے لیے نکلے، قدوم کے قریب انہیں پایا اور انہوں نے پکڑ کر اسے قتل کر دیا۔ کیا اب میں اپنے قبیلہ بنی خضرہ میں واپس آ سکتی ہوں۔ کیونکہ میرے خاوند نہ تو رہائش کے لیے کوئی مکان چھوڑ گئے ہیں نہ نان نفقہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں۔ میں واپس مڑی۔ ابھی میں حجرہ شریف ہی میں تھی تو حضور ﷺ نے خود مجھے آواز دی یا کسی کو مجھے بلانے کے لیے حکم دیا۔ میں دوبارہ حاضر خدمت ہوئی۔ پوچھا تو فرمایا کہ ابھی تم نے کون سا مسئلہ پوچھا تھا۔ میں نے آپ کو اپنے خاوند کے متعلق تمام قصہ عرض کیا۔ آپ نے تمام واقعہ سن کر فرمایا۔ اپنے گھر میں ہی ٹھہری رہو یہاں تک کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے چار ماہ دس دن تک عدت گزاری۔ فرماتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں مجھے بلایا اور اس مسئلہ کے بارے

میں مجھ سے پوچھا تو میں نے انہیں تمام واقعہ بیان کر دیا تو انہوں نے اس کی اتباع کی اور اسی پر فیصلہ فرمایا۔ اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی اورنسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ: حضرت عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ نازل ہوئی۔ بعض لوگ کہنے لگے اگر ہم احسان کرنا چاہیں کریں اور اگر نہ کرنا چاہیں تو نہ کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اسی آیت کریمہ سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جو ہر مطلقہ کو متعہ دینا واجب قرار دیتے ہیں۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے، سعید بن جبیر اور دوسرے علماء سلف سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ جو اس کے وجوب کے قائل نہیں وہ اس آیت کے عمومی حکم سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے حکم کو خاص کر دیتے ہیں۔ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ (البقرہ: 236) پہلے قول کے قائلین اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس آیت میں تو عموم کے بعد افراد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے اس سے تخصیص ثابت نہیں ہوتی۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ: اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے، یعنی حلال و حرام اور فرائض و واجبات میں بعض چیزوں کو کرنے کا حکم دیتا ہے اور بعض سے منع کرتا ہے۔ ان کو واضح طور پر کھول کر بیان کرتا ہے۔ اور جس وقت ان کو بیان کرنے کی ضرورت ہو ان کو مجمل نہیں چھوڑتا۔ حتیٰ کہ تم ان احکام کو سمجھو اور غور وفکر کرو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

”کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جو نکلے تھے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے تو فرمایا انہیں اللہ تعالیٰ نے کہ مر جاؤ پھر زندہ فرمایا انہیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اور لڑائی کرو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ کون ہے جو دے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن، تو بڑھادے اللہ اس قرض کو اس کے لیے کئی گنا اور اللہ تعالیٰ تنگ کرتا ہے (رزق کو) اور فراخ کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے“۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا: ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جو نکلے تھے اپنے گھروں سے، اور وہ ہزاروں تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ ایک روایت میں آپ سے نو ہزار اور دوسری میں چالیس ہزار بھی منقول ہے۔ ابوصالح نو ہزار بتاتے ہیں۔ حضرت وہب بن منبہ اور ابو مالک فرماتے ہیں کہ یہ تیس ہزار سے زیادہ تھی۔ یہ داوردان کی بستی کے رہنے والے تھے۔ جو واسط سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ سعید بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ ان کی بستی کا نام اذرعات تھا۔ یہ لوگ طاعون کی بیماری کے خوف سے اپنی بستی سے نکلے اور کہنے لگے ہم ایسی جگہ جائیں گے جہاں موت نہ ہو۔ لیکن ابھی کسی بستی میں پہنچے ہی نہ تھے کہ اللہ کے حکم سے یہ سب مر گئے۔ کسی نبی کا وہاں سے گزر ہوا۔ انہوں نے رب تعالیٰ سے انہیں زندہ کرنے کی دعا کی تو اللہ

تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بنی اسرائیل کے زمانہ میں اسی شہر میں آباد تھے۔ لیکن ان کو وہاں کی آب وہوا راس نہ آئی۔ وہاں کوئی وبا پھیل گئی۔ وہ وہاں سے موت کے خوف سے جنگل کی طرف نکلے۔ دوران سفر وہ ایک کھلی وادی میں اترے ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ یہ پوری وادی آن سے بھر گئی۔ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے وادی کے دونوں اطراف سے بھیجے۔ ان دونوں فرشتوں نے ایسی چیخ ماری جس کو سنتے ہی تمام لوگ یکا یک مر گئے۔ لوگوں نے ان کے چاروں طرف دیوار بنا دی۔ اس طرح ایک عرصہ بیت گیا۔ حتی کہ ان کی ہڈیاں بھی بوسیدہ ہوگئیں وہاں سے بنی اسرائیل کے ایک نبی کا گزر ہوا۔ جن کا نام حزقیل تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان کو زندہ کرنے کی دعا کی۔ اللہ نے انہیں حکم فرمایا کہ بلند آواز سے یہ پکارو۔ اے بوسیدہ ہڈیوں اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے، گوشت، پٹھے اور جلد کا لباس پہن لو۔ ان کے سامنے اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ پھر اللہ کے حکم سے نداء دی۔ اے روحو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ہر روح اپنے اپنے جسم میں لوٹ آئے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ زندہ ہو کر کھڑے ہوگئے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ وہ ایک طویل مدت کے بعد زندہ ہوئے تھے اس لیے بے ساختہ ان کی زبان سے نکل گیا (سُبْحٰنَكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ) ان کو دوبارہ زندہ کرنا لوگوں کے لیے باعث عبرت ہے اور قیامت کے دن مر کر دوبارہ جی اٹھنے پر قطعی دلیل ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا مہربان ہے۔ یعنی ان کو اپنی واضح نشانیاں، قطعی دلائل اور ٹھوس شواہد دکھا کر ان پر فضل واحسان فرماتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے یعنی اللہ تعالیٰ ان کو جو دینی اور دنیوی نعمتیں عطا کرتا ہے ان پر شکر نہیں کرتے۔ اس واقعہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ تقدیر کے سامنے کوئی تدبیر فائدہ نہیں دیتی۔ اللہ کے سوا کوئی اور ملجا وماویٰ نہیں۔ جو لوگ وبا سے ڈر کر لمبی زندگی کی خواہش میں اپنے گھر سے نکلے ان کے ارادے اور قصد کے برخلاف ایک ہی آن میں موت نے ان کو آلیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ مدینہ طیبہ سے ملک شام کی طرف نکلے۔ جب ''سرغ'' کے مقام پر پہنچے تو یہاں آپ کی ملاقات حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور دوسرے سرداران لشکر سے ہوئی۔ اور انہوں نے آپ کو خبر دی کہ آج کل ملک شام میں وبا پھیلی ہوئی ہے۔ اب صحابہ کرام میں اختلاف ہوگیا کہ امیر المومنین کو اس حال میں شام جانا چاہئے یا نہیں۔ اسی اثناء میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حاضر ہوئے جو کسی کام سے کہیں گئے ہوئے تھے۔ فرمانے لگے میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے حدیث سنی تھی جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی جگہ وبا پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو اس کے ڈر سے وہاں سے نہ بھاگو۔ اور اگر تمہیں معلوم ہو کہ فلاں علاقے میں وبا پھیلی ہوئی ہے تو اس علاقے میں نہ جاؤ۔ یہ حدیث سن کر حضرت عمر نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ ایک روایت کے یہ بھی الفاظ ہیں کہ یہ بیماری (طاعون) تم سے پہلی امتوں پر اللہ کا نازل کردہ عذاب ہے۔ جب کسی علاقے میں اسکے بارے میں سنو تو وہاں نہ جاؤ۔ اور اگر تم اس علاقے میں ہو تو پھر اس سے ڈر کر نہ نکلو(1)۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: جس طرح تدبیر اور احتیاط تقدیر کے سامنے انسان کو کوئی فائدہ نہیں دیتیں اس طرح اللہ کی راہ میں جہاد سے فرار اور اجتناب کسی کی عمر کو بڑھا سکتا ہے نہ گھٹا سکتا ہے۔ بلکہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ ہر ایک کی قسمت میں اس کا رزق بھی لکھ دیا گیا ہے۔ اس میں کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا (آل عمران:168) جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں کے بارے میں حالانکہ وہ خود (گھر) بیٹھے تھے اگر وہ ہمارا کہنا مانتے تو نہ مارے جاتے، آپ فرمایئے ذرا دور تو کر دکھاؤ اپنے آپ سے موت کو اگر تم سچے ہو۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ (النساء:78-77) ''اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار! کیوں فرض کر دیا تو نے ہم پر جہاد (اور) کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں تھوڑی مدت تک''۔ (اے

1۔ مسند امام احمد:193/1

ترجمان حقیقت انہیں کہو) کہ دنیا کا سامان بہت قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کے لیے جو تقویٰ اختیار کیے ہوئے ہے اور نہ ظلم کیا جائے گا تم پر کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر۔ جہاں کہیں تم ہو گے آ لے گی تمہیں موت اگر چہ (پناہ گزیں) ہو تم مضبوط قلعوں میں۔ اسلامی لشکروں کے سردار یعنی اسلام کے محافظ، دشمنوں کے خلاف اللہ کی بے نیام تلوار حضرت خالد بن ولیدؓ نزع کے وقت بڑی حسرت سے فرماتے ہیں کہ میں بہت سے غزوات اور جنگوں میں حاضر ہوا۔ میرے جسم کے ہر عضو پر تیر، نیزے، تلوار کے زخم ہیں۔ لیکن آج میں اپنے بستر پر موت کے دروازے پر دستک دے رہا ہوں۔ بزدل اس سے عبرت حاصل کریں اور سبق سیکھیں۔ یعنی انہیں اس بات کا افسوس تھا کہ وہ میدان جنگ میں جام شہادت نوش نہ کر سکے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ: اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کون ہے جو اس ذات کو قرض دے جو نہ مفلس ہے اور نہ ہی ظالم۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت ابوالدحداح انصاریؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض لینا چاہتا ہے آپ نے فرمایا، ہاں ابوالدحداح۔ عرض کی یا رسول اللہ! اپنا دست مبارک دکھایئے۔ آپ نے اپنا دست اقدس انکے ہاتھ پر رکھ دیا۔ تو انہوں نے یہ عرض کی کہ میں نے اپنا یہ باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دے دیا۔ باغ میں چھ سو کھجور کے درخت اور ان کے اہل وعیال بھی تھے۔ حضرت ابوالدحداح باغ کے دروازے پر آئے اور نداء دی اے ام الدحداح! اس باغ سے باہر نکل آؤ یہ باغ میں نے اللہ کو قرض دے دیا ہے۔ اس کو ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔

قَرْضًا حَسَنًا: قرض حسن سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا ہے بعض فرماتے ہیں کہ اس سے تسبیح وتکبیر مراد ہے۔

فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً: تو اللہ تعالیٰ بڑھا دے گا اس قرض کو اس کے لیے کئی گنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ...... (البقرۃ: 261) مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں، ایسی ہے جیسے ایک دانہ جو اگاتا ہے سات بالیں اور ہر بالی میں سو دانہ ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑھا دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسیع بخشنے والا اور جاننے والا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ حضرت ابوعثمان نہدی فرماتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا تو مجھے معلوم ہوا کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک نیکی کا بدلہ اللہ تعالیٰ ایک لاکھ تک بڑھا دیتا ہے آپ نے فرمایا اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا ثواب دو لاکھ نیکیوں تک بڑھا دیتا ہے۔ لیکن یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت ابوعثمان نہدی فرماتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں کوئی نہیں رہتا تھا۔ وہ مجھ سے پہلے حج پر تشریف لے گئے۔ میں بھی پیچھے نکل پڑا۔ بصرہ پہنچا تو وہاں میں نے بعض اہل بصرہ سے سنا کہ وہ آپ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ نیکیوں تک بڑھا دیتا ہے۔ میں نے انہیں کہا کہ میں اکثر ان کی خدمت میں رہتا ہوں لیکن میں نے ان سے یہ حدیث نہیں سنی۔ اس کے بعد میں ان کی تلاش میں نکل گیا تا کہ میں ان سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کروں۔ جب میری ملاقات آپ سے ہوئی تو میں نے عرض کی کہ اہل بصرہ آپ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے ابوعثمان! اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا...... اور یہ بھی ارشاد فرماتا ہے: فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ (التوبۃ: 38) سو نہیں سروسامان دنیوی زندگی کا آخرت میں مگر قلیل) پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت

میں میری جان ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا بدلہ دو لاکھ تک بڑھا دیتا ہے۔ اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بازار میں جائے اور وہاں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ایک لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ اور ایک لاکھ گناہ معاف فرما دیتا ہے(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ جب آیت کریمہ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ (بقرہ: 261) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے عرض کی یا باری تعالیٰ! میری امت کو اس سے بھی زیادہ عطا فرما تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ "مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر عرض کی یا الٰہی! میری امت کو مزید عطا فرما تو یہ آیت کریمہ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (زمر: 10) صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔ نازل ہوئی۔ حضرت کعب الاحبار سے کسی شخص نے پوچھا ایک شخص یہ کہتا ہے جو ایک مرتبہ سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے موتی اور یاقوت کے دس لاکھ محل بنا دے گا۔ کیا یہ سچ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس میں تعجب کیوں کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تو بیس لاکھ اور تیس لاکھ بلکہ بے حد و شمار عطا کرنے پر قادر ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ پڑھی۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے کثیرہ کا لفظ ذکر کیا ہے۔ اس کثرت کا شمار بندے کی قدرت سے باہر ہے۔

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ : یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور مال ختم ہونے کی پرواہ نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے۔ اپنی مخلوق میں سے جس کے لیے چاہے اس کے رزق میں تنگی کر دیتا ہے اور چاہے تو وسعت عطا فرما دیتا ہے۔ اپنی حکمتوں سے وہ خود ہی آگاہ ہے۔ اور تم قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

"کیا نہیں دیکھا تم نے اس گروہ کو بنی اسرائیل سے (جو) موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد ہوا جب کہا انہوں نے اپنے نبی سے کہ مقرر کر دو ہمارے لیے ایک امیر تاکہ لڑائی کریں ہم اللہ کی راہ میں نبی نے کہا کہیں ایسا نہ ہو کہ فرض کر دیا جائے تم پر جہاد تو تم جہاد نہ کرو وہ کہنے لگے (کوئی وجہ) نہیں ہمارے لیے کہ ہم جہاد نہ کریں اللہ کی راہ میں حالانکہ ہم نکالے گئے اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے مگر جب فرض کر دیا گیا ان پر جہاد تو منہ پھیر لیا انہوں نے بجز چند نے ان میں سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو"۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ : کیا نہیں دیکھا تم نے اس گروہ کو بنی اسرائیل سے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد ہوا جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ مقرر کر دو ہمارے لیے ایک امیر تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑائی کریں۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔ یعنی یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب۔ لیکن یہ قول بعید ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعاء: 312/12

کے زمانہ سے بہت عرصہ بعد واقع ہوا۔ بلکہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ اس کا صراحۃً ذکر قرآن پاک میں بھی ملتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقریباً ایک ہزار سال کی مدت کا فاصلہ ہے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں اس نبی سے مراد حضرت شمعون ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ حضرت شمویل علیہ السلام ہیں وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ یہ شمویل بن بالی بن علقمہ بن یرحام بن الیہو بن صوف بن علقمہ بن ماحث بن عمو، صابن عزریا بن صفیہ بن علقمہ بن ابی یاسف بن قارون بن یصہر بن قاھث بن لاوی بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ بنو اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک عرصہ تک صراط مستقیم پر گامزن رہے۔ پھر مختلف بدعات میں گرفتار ہوگئے۔ ان میں سے بعض بتوں کی پوجا کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ ان میں مسلسل انبیاء مبعوث فرماتا رہا جو ان کو نیکی کا حکم دیتے، برائی سے روکتے اور تورات کے احکام کے مطابق عمل پیرا ہونے کا درس دیتے۔ حتیٰ کہ جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کو ان پر مسلط کردیا۔ دشمنوں نے ان میں سے اکثر کو قتل کردیا۔ باقی ماندہ کو قیدی بنالیا اور ان کے علاقہ پر قابض ہو گئے۔ پہلے تو ان کے پاس تورات اور تابوت سکینہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے زمانہ سے موروثی طور پر چلا آرہا تھا۔ اس لیے جس دشمن پر بھی حملہ کرتے، غالب آجاتے۔ لیکن ان کی مسلسل سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت ان سے چھین لی۔ دشمنوں نے غالب آنے کے بعد تابوت سکینہ اور تورات کو اپنے قبضہ میں لے لیا، باقی بچنے والوں میں بہت کم تھے جن کو تورات یاد تھی۔ ان میں نبوت کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ لاوی کی اولاد جس میں انبیاء چلے آرہے تھے، سب ختم ہوگئے۔ لیکن ایک حاملہ عورت بچ گئی جس کا خاوند قتل ہوچکا تھا۔ انہوں نے اس عورت کو حفاظت کی خاطر ایک کمرہ میں بند کردیا۔ ان کا خیال تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کو بیٹا عطا کرے اور وہ لڑکا نبی بنے، وہ عورت بھی اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لیے دعا کرتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی۔ اس نے اپنے بیٹے کا نام شمویل رکھا۔ جس کا معنی ہے اللہ نے میری دعا قبول کرلی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام شمعون رکھا۔ یہ دونوں ہم معنی ہیں۔ وہ لڑکا ان میں پروان چڑھتا رہا، اللہ تعالیٰ نے اسے خوب حسن و جمال سے نوازا۔ نبوت کی عمر کو پہنچنے پر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا نبی بنایا اور اس کی طرف وحی نازل فرمائی اور انہیں اپنی توحید کی تبلیغ پر مامور فرمایا۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو توحید کی دعوت دی تو انہوں نے درخواست کی کہ آپ ان پر کوئی بادشاہ مقرر کردیں تاکہ اس کی سربراہی میں جہاد کریں وہ بادشاہ ان میں ظاہر ہوچکا تھا۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ ہوسکتا ہے اگر اللہ تعالیٰ تم پر ایک بادشاہ مقرر کردے اور تم لڑائی میں حصہ نہ لے کر اپنا وعدہ پورا نہ کرو، تو وہ کہنے لگے کوئی وجہ نہیں ہمارے لیے کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ ہم نکالے گئے اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے۔ یعنی ہمارے وطن پر دشمن نے قبضہ کرلیا اور ہماری اولادوں کو قیدی بنالیا۔ مگر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو بجز چند کے سب نے جہاد سے منہ پھیرلیا، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو۔ یعنی وہ اپنا وعدہ وفا نہ کرسکے اور ان میں سے اکثر نے جہاد سے انکار کردیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوب جاننے والا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

''اور کہا انہیں ان کے نبی نے بیشک اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادیا ہے تمہارے لیے طالوت کو امیر بولے کیونکر ہوسکتا ہے اسے حکومت کا حق ہم پر، حالانکہ ہم زیادہ حقدار ہیں حکومت کے اس سے اور نہیں دی گئی اسے فراخی مال و دولت میں نبی نے فرمایا

بیشک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے اسے تمہارے مقابلہ میں اور زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم میں اور جسم میں اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اپنا ملک جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ: جب انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ ان کے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تو انہوں نے حضرت طالوت کا نام پیش کیا جوان کے لشکر کے ایک سپاہی تھے۔ان کا تعلق شاہی خاندان سے نہ تھا۔چونکہ ان کے دستور کے مطابق بادشاہ یہودا کے خاندان سے ہوتا تھا اس لیے انہوں نے اسے اپنا بادشاہ ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے۔یہ ہمارا بادشاہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ ہم اس بادشاہت کے اس سے زیادہ حقدار ہیں۔اسے مال کی فراوانی بھی عطا نہیں کی گئی۔مال و دولت کے بغیر کار و بار سلطنت چلانا کیسے ممکن ہوگا۔بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت طالوت سقے تھے۔بعض کے نزدیک دباغ (رنگریز) تھے۔یہ جواب دے کر انہوں نے اپنے نبی کے حکم کی نافرمانی کی حالانکہ ان پر ان کی اطاعت کرنا لازم تھی۔اس لیے نبی علیہ السلام نے انہیں یہ جواب دیا کہ یہ اختیار اور چناؤ میری طرف سے نہیں۔ بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا۔اور اللہ تعالیٰ ان کو تم سے بہتر جاننے والا ہے۔اور اسے تمہارے مقابلہ میں علم و جسم میں کشادگی عطا فرمائی ہے۔ یعنی علم وفضل کے اعتبار سے تم سب سے افضل اور شکل وصورت کے اعتبار سے حسین اور جنگی امور میں زیادہ واقف اور جنگی مصائب میں تم سے زیادہ صبر کرنے والا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہت صاحب علم، صاحب جمال، صاحب بدن قوی کو ملنی چاہیے۔

وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ: وہی حقیقی بادشاہ ہے۔وہ جو چاہے کرتا ہے، کسی کی مجال نہیں کوئی اس کے افعال کے بارے میں دریافت کرے۔بلکہ اس کی مخلوق سے ہی سوال کیا جائے گا۔اس لیے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ: اس کا فضل و احسان انتہائی وسیع ہے۔جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور وہ اس چیز سے بھی باخبر ہے کہ کون اس ملک و سلطنت کا حقدار ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾

''اور کہا انہیں ان کے نبی نے کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق اس میں تسلی (کا سامان) ہوگا تمہارے رب کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جنہیں چھوڑ گئی ہے اولاد موسے اور اولاد ہارون اٹھا لائیں گے اس صندوق کو فرشتے بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان دار ہو''

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ: نبی انہیں فرمارہے ہیں کہ طالوت کی بادشاہت کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہیں تابوت سکینہ واپس لوٹا دے گا جو تم سے چھین لیا گیا تھا۔یہ بھی ان کی بادشاہت کی نشانی اور علامت ہے۔

فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ: سکینہ سے مراد وقار اور عظمت ہے۔ربیع فرماتے ہیں کہ اس سے مراد رحمت ہے۔حضرت ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔عطاء فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ کی وہ نشانیاں ہیں جن سے تمہیں دلی سکون حاصل ہوتا ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ سکینہ سے مراد سونے کا ایک طشت ہے۔جن میں انبیاء کے قلوب مبارک دھوئے جاتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا

فرمایا تھا۔ آپ اس میں تورات کی تختیاں رکھا کرتے تھے۔ بعض فرماتے ہیں۔ سکینہ کا انسان کے چہرے کی طرح چہرہ تھا۔ اس کی شفاف روح تھی۔ حضرت علی سے مروی ہے کہ اس سے مراد تیز رفتار ہوا ہے جس کے دو سر تھے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے دو پر اور دم بھی تھی۔ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ سکینہ سے مراد مردہ بلی کا سر ہے۔ جب وہ تابوت میں بولتا تو انہیں فتح و نصرت کا یقین ہو جاتا۔ اور ایک قول کے مطابق وہ اللہ کی طرف سے ایک روح تھی جو گفتگو کرتی تھی۔ جب بنی اسرائیل میں اختلاف ہو جاتا تو وہ انہیں اس اختلاف کا صحیح حل بتاتی۔

بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، اور تورات کی تختیاں ہیں۔ عطیہ بن سعد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عصا موسیٰ و ھارون اور آپ کے کپڑے اور تورات کی کچھ تختیاں ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس میں ان چیزوں کے علاوہ بنی اسرائیل پر نازل ہونے والے من کا کچھ حصہ اور نعلین بھی تھے۔

تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ فرشتے اس تابوت کو زمین و آسمان کے درمیان اٹھائے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے تمام لوگوں کی موجودگی میں اسے حضرت طالوت کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت سدی فرماتے ہیں لوگ جب صبح کو اٹھے انہوں نے اس تابوت کو حضرت طالوت کے گھر پڑا ہوا پایا تو انہیں حضرت شمعون علیہ السلام کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ یہ تابوت ایک بیل گاڑی پر رکھا ہوا تھا جسے فرشتے چلا کر لائے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تابوت اریحاء میں تھا۔ مشرکین نے جب اس پر قبضہ کیا تو انہوں نے اسے اپنے بت خانہ میں سب سے بڑے بت کے نیچے رکھ دیا۔ صبح کو اٹھے تو دیکھا کہ تابوت بت کے سر پر رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے نیچے اتار کر رکھا۔ دوسری صبح پھر یہی ماجرا پیش آیا۔ اب انہوں نے تابوت کو اس کے سر سے ہٹا کر اس میں میخیں لگا کر اسے گاڑ دیا۔ صبح اٹھے تو دیکھا بت ٹوٹ کر چکنا چور پڑا ہے اس سے انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ حکم ربی ہے۔ اور اسے قابو کرنا ان کے بس کی بات نہیں۔ اس طرح انہوں نے اس تابوت کو اپنے شہر سے نکال کر ایک گاؤں میں پھینک دیا۔ گاؤں میں ایک وبائی بیماری پھیل گئی تو وہاں بنی اسرائیل کی ایک قیدی عورت نے انہیں بتایا کہ اگر تم اس بیماری سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو، صندوق بنی اسرائیل کے حوالہ کر دو۔ انہوں نے اس صندوق کو ایک بیل گاڑی پر لاد دیا۔ جسے دو گائیں کھینچ رہی تھیں۔ یہ گائیں اسے لیکر چلتی رہیں۔ جو بھی شخص اس تابوت کو ہاتھ لگانے کی کوشش کرتا وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ یہاں تک کہ یہ بنی اسرائیل کے ایک شہر کے قریب پہنچ گئی۔ تو وہ گائیں بیل گاڑی کا جوا توڑ کر واپس بھاگ گئیں۔ بنی اسرائیل آئے اور انہوں نے تابوت سکینہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ بعض فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس تابوت کو وصول کیا۔ جب آپ اسے وصول کرنے کے لیے اٹھے تو خوشی کی وجہ سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے دو نوجوانوں نے اسے وصول کیا۔ واللہ اعلم۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تابوت فلسطین کے ازدوہ نامی گاؤں میں تھا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ: بے شک اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے یعنی میری نبوت کی صداقت اور میں نے جو تمہیں طالوت کی اطاعت کرنے کا جو حکم دیا تھا اس پر نشانی ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ

جُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٢٤٩﴾

''پھر جب روانہ ہوا طالوت اپنی فوجوں کے ساتھ اس نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ آزمانے والا ہے تمہیں ایک نہر سے سو جس نے پانی پی لیا اس سے وہ نہیں میرے ساتھیوں سے اور جس نے نہ پیا وہ یقیناً میرے ساتھیوں میں سے ہے مگر جس نے بھر لیا ایک چلو اپنے ہاتھ سے پس سب نے پیا اس سے مگر چند آدمیوں نے ان سے (نہیں پیا) پھر جب عبور کیا اسے طالوت نے اور ان لوگوں نے جو ایمان لائے تھے اس کے ساتھ کہنے لگے کچھ طاقت نہیں ہم میں آج جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی (مگر) کہا ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ وہ ضرور ملاقات کرنے والے ہیں اللہ سے کہ بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آ گئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اذن سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بادشاہ طالوت کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب وہ لشکر لے کر نکلے تو بنی اسرائیل کی ایک بہت بڑی تعداد ان کے ساتھ تھی۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ ان کے لشکر کی تعداد اسی ہزار تھی۔

اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ: یعنی انہوں نے اپنے لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں نہر کے ذریعہ آزمانا چاہتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان واقع تھی۔ جس کا نام نہر شریعت تھا۔

فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ: یعنی جو اس نہر سے پانی پیئے گا وہ میرے ساتھ اس جہاد میں شریک نہیں ہو سکے گا۔ اور جس نے نہ پیا وہ یقیناً میرے ساتھیوں میں سے ہوگا۔ ہاں اگر کسی نے اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لیا تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا: حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ لشکر میں سے جنہوں نے ایک چلو پانی پیا ان کی پیاس تو بجھ گئی اور جنہوں نے خوب پیٹ بھر کر پانی پیا ان کی پیاس نہ بجھ سکی۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ لشکر کی کل تعداد اسی ہزار تھی۔ جن میں سے چھہتر ہزار نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ صرف چار ہزار ایسے خوش نصیب تھے جنہوں نے اپنے امیر کی اطاعت کی۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ ہم اکثر یہ بات کیا کرتے تھے کہ غزوۂ بدر کے دن صحابہ کرام کی جماعت تین سو سے کچھ زائد تھی اور یہی تعداد طالوت کے ساتھیوں کی تھی۔ جنہوں نے ان کے ساتھ نہر پار کی اور ان کے ساتھ نہر اسی نے پار کی جو کامل مومن تھا۔

فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ: اور جب طالوت اور ان لوگوں نے جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے نہر کو عبور کیا تو وہ کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی کوئی ہمت نہیں یعنی جب انہوں نے دشمن کے لشکر کی کثرت اور اس کے کروفر کو دیکھا تو اس کے ساتھ مقابلہ کرنے میں پس و پیش کرنے لگے۔ تو ان میں سے مجاہد علماء نے ان کی ہمت بڑھائی۔ اور انہیں بتایا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے۔ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ کثرت تعداد پر۔ بارہا اللہ کے حکم سے چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۣ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ

الۡاَرۡضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَـقِّ ‌ؕ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۲۵۲﴾

''اور جب سامنے آگئے جالوت اور اس کی فوجوں کے، تو بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے لگے اے ہمارے رب! اتار ہم پر صبر اور جمائے رکھ ہمارے قدموں کو اور فتح دے ہمیں قوم کفار پر پس انہوں نے شکست دی جالوت کے لشکر کو اللہ کے اذن سے۔ اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو اور عطا فرمائی داؤد کو اللہ نے حکومت اور دانائی اور سکھا دیا اس کو جو چاہا اور اگر نہ بچاؤ کرتا اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کا بعض کے ذریعے تو برباد ہو جاتی زمین لیکن اللہ تعالیٰ فضل وکرم فرمانے والا ہے سارے جہانوں پر یہ آیتیں ہیں اللہ کی ہم پڑھتے ہیں انہیں آپ پر (اے حبیب) ٹھیک ٹھیک اور یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں''۔

وَلَمَّا بَرَزُوۡا لِجَالُوۡتَ: جب اہل ایمان کی مختصر سی جماعت یعنی حضرت طالوت کے لشکر نے اپنے دشمن جالوت کے بہت بڑے لشکر کو دیکھا تو اللہ کی بارگاہ میں دعا کرنے لگے اے ہمارے پروردگار! تو اپنے خصوصی فضل واحسان سے ہمیں صبر کی ہمت عطا فرما اور دشمن کے مقابلہ میں استقامت اور ثابت قدمی عطا فرما اور میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنے سے محفوظ رکھ اور ہمیں کافروں کی قوم پر فتح ونصرت عنایت کر۔

فَهَزَمُوۡهُمۡ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ: اللہ تعالیٰ کی فتح ونصرت کی بدولت انہوں نے اپنے دشمن کو شکست دی اور ان پر غالب آگئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کفار کے لشکر کے امیر جالوت کو قتل کر دیا۔ اسرائیلی روایات میں ہے کہ آپ نے اسے گوپیا کے ذریعہ قتل کیا اور طالوت نے ان سے وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر انہوں نے جالوت کو قتل کر دیا تو انہیں اپنی بیٹی کا رشتہ اور آدھی سلطنت دے گا۔ اس نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنی بیٹی کی شادی ان کیساتھ کر دی اور آدھی سلطنت میں شریک کر لیا۔ اس کے بعد ساری سلطنت حضرت داؤد علیہ السلام کے تصرف میں آ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت پر بھی سرفراز کر دیا۔ اس لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ'' یعنی جو سلطنت حضرت طالوت کے تصرف میں تھی وہ حضرت داؤد علیہ السلام کو دے دی۔ حکمت سے مراد نبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شموئیل علیہ السلام کے بعد نبوت عطا فرما کر ان خصوصی علوم سے بھی مشرف فرمایا جو آپ کے ساتھ خاص تھے۔

وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ یعنی اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کا بچاؤ نہ کرتا تو یہ سب ہلاک ہو جاتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا دفاع حضرت داؤد کی شجاعت اور حضرت طالوت کی جنگی تدبیر سے کیا۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ..... (الحج: 40)

''اور اگر اللہ تعالیٰ بچاؤ نہ کرتا لوگوں کا ان کو ایک دوسرے سے ٹکرا کر تو (طاقتور کی غارتگری سے) منہدم ہو جائیں خانقاہیں۔ اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے''۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ ایک نیک مسلمان کے وسیلہ سے اس کے اردگرد سو گھروں سے آفت اور مصیبت ٹال دیتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔ لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مسلمان کے نیک اور شریف ہونے کی وجہ سے اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد، اس کے اہل خانہ اور اس کے پڑوسیوں کی اصلاح فرما دیتا ہے۔ اور وہ جب تک ان میں زندہ رہتا ہے وہ اللہ کی حفظ وامان میں رہتے ہیں۔ ایک مرفوع حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ تم میں ہمیشہ سات ایسے افراد رہیں گے جن کی وجہ سے دشمن کے خلاف تمہاری مدد کی جائے گی۔ ان کے وسیلہ سے تم پر بارش برسائی جائے گی تمہیں رزق عطا کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو

جائے۔ حضرت عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا میری امت میں تمیں ابدال رہیں گے۔ انہی کی برکت سے تمہیں رزق دیا جائے گا۔ بارش برسائی جائے گی۔ اور تمہاری مدد کی جائے گی۔ اس حدیث کے راوی حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت حسن بصری بھی انہی میں سے ایک ہیں۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ: لیکن اللہ تعالیٰ تمام جہانوں پر فضل وکرم فرمانے والا ہے۔ جو اپنے خاص فضل واحسان سے بعض کی بعض سے حفاظت کرتا ہے۔ وہی حقیقی بادشاہ ہے اور اس کے افعال واقوال بھی کسی حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ: یعنی ہم نے تم پر یہ جو واقعات بیان کیے ہیں ہماری سچی آیات اور نشانیاں ہیں۔ ان کو حق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعات بنی اسرائیل کے بیان کردہ واقعات کے مطابق ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پرزور الفاظ کے ساتھ حضور علیہ السلام کی نبوت ورسالت کی تصدیق فرمائی اور ارشاد فرمایا یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝۲۵۳

"یہ سب رسول، ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر ان میں سے کسی سے کلام فرمایا اللہ نے اور بلند کیے ان میں سے بعض کے درجے اور دیں ہم نے عیسیٰ فرزند مریم کو کھلی نشانیاں اور مدد فرمائی ہم نے ان کی پاکیزہ روح سے اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (جھگڑتے) وہ لوگ جو ان (رسولوں) کے پیچھے آئے بعد اس کے کہ آگئیں ان کے پاس کھلی نشانیاں لیکن انہوں نے اختلاف کیا ان میں سے کوئی ایمان پر (ثابت) رہا اور ان میں سے کوئی کافر ہو گیا اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (جھگڑتے) لیکن اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے"۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا: یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (الاسراء:55) "ترجمہ: اور بے شک ہم نے بزرگی دی ہے بعض انبیاء کو بعض پر اور ہم نے عطا فرمائی ہے داؤد کو زبور"۔ اور یہاں ارشاد فرمایا کہ یہ سب رسول، ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر۔ یعنی ان میں سے کسی سے کلام فرمایا یعنی موسیٰ علیہ السلام اور محمد علیہ السلام اور اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام سے بھی۔ جیسا کہ صحیح ابن حبان میں حضرت ابوذر غفاری سے مروی ہے۔

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ: معراج والی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے انبیاء کی ان کے مراتب کے مطابق آسمانوں میں زیارت کی۔ اس آیت کریمہ میں تو بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ لیکن حضرت ابو ہریرہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی کا جھگڑا ہو گیا۔ یہودی نے کہا قسم ہے مجھے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ یہ سن کر مسلمان سے ضبط نہ ہو سکا۔ اس نے یہودی کے منہ پر تھپڑ مارا اور کہا اے خبیث! کیا وہ ہمارے نبی حضرت محمد علیہ السلام سے بھی افضل ہیں؟ یہودیوں نے حضور علیہ السلام کے پاس اس مسلمان کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا مجھے

دوسرے انبیاء پر فضیلت نہ دو، قیامت کے دن سب لوگ بیہوش ہونگے۔ میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا۔ اس وقت میں دیکھوں گا موسیٰ (علیہ السلام) عرش الٰہی کا پایہ تھامے کھڑے ہوں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا بیہوش ہی نہیں ہوئے۔ اور کوہ طور پر بیہوشی کے بدلہ میں آج ان پر بیہوشی طاری نہیں ہوئی۔ پس مجھے دوسرے انبیاء پر فضیلت نہ دو۔ اس حدیث کے علماء کرام نے متعدد جواب دیے ہیں۔

(1) ہوسکتا ہے آپ کا یہ ارشاد اس وقت کا ہو جب آپ کو دوسرے انبیاء پر اپنی فضیلت کا علم نہیں تھا۔

(2) آپ نے یہ تواضع اور انکساری کے طور پر ارشاد فرمایا۔

(3) جب آپس میں لڑائی جھگڑا ہو اس وقت اس قسم کی باتیں کرنے سے منع فرمایا تاکہ کسی نبی کی شان میں تنقیص نہ ہو جائے۔

(4) اپنی ذاتی آراء اور تعصب کی بناء پر کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت نہ دو۔

(5) کسی نبی کو فضیلت عطا کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ تم پر لازم ہے کہ تم اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرو اور اس پر ایمان لے آؤ۔

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ: یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے واضح اور قطعی دلائل عطا فرمائے جن سے یہ واضح ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور بنی اسرائیل کی طرف اس کے فرستادہ رسول ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے روح القدس یعنی جبریل علیہ السلام کے ساتھ ان کی مدد فرمائی اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ لوگ جو ان رسولوں کے بعد آئے، آپس میں نہ لڑتے جھگڑتے۔ یعنی یہ سب کچھ اللہ کی قضا و قدر کے موافق ہوا۔ اس لیے ارشاد فرمایا: لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

"اے ایمان والو! خرچ کرلو اس (مال) سے جو ہم نے دیا تم کو اس سے پہلے کہ آ جائے وہ دن جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ (کفار کے لیے) دوستی ہوگی اور نہ (ان کے لیے) شفاعت۔ اور جو کافر ہیں وہی ظالم ہیں"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا: یہاں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم فرما رہا ہے کہ وہ اس کے دیے ہوئے رزق میں سے نیکی کی راہ میں خرچ کریں۔ تاکہ ان کے رب کے پاس ان کا ثواب جمع ہو جائے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اس دنیاوی زندگی میں اس نیکی کے کام میں جلدی کریں قبل اس کہ قیامت کا دن آ جائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی، نہ کوئی دوستی اور نہ ہی شفاعت یعنی اس دن کوئی شخص زمین بھر سونا دے کر اپنی جان چھڑانا چاہے گا تو اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہوگا۔ اس دن تو کوئی دوستی کام آئے گی نہ رشتہ داری۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ..... (المؤمنون: 101)" ترجمہ: اور جب صور پھونکا جائے گا کوئی رشتہ داریاں نہیں رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے۔ اور نہ ہی ان لوگوں کو کسی کی سفارش نفع دے گی"۔

وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ: یہاں اس مبتداء کو خبر کے ساتھ خاص کیا گیا ہے یعنی حقیقی ظالم وہ ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کفر کی حالت میں ملے گا۔ حضرت عطاء بن دینار فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے ارشاد فرمایا کہ کافر ہی ظالم ہیں۔ یہ نہیں فرمایا ظلم کرنے والے کافر ہیں۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ۬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ وَ لَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

''اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے۔ نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نینداسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے۔ جانتا ہے جو ان سے پہلے (ہو چکا) ہے اور جو ان کے بعد (ہونے والا) ہے اور وہ نہیں گھیر سکتے کسی چیز کو اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے سما رکھا ہے اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اور نہیں تھکاتی اسے زمین و آسمان کی حفاظت اور وہی ہے سب سے بلند عظمت والا''۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ: اس آیت کو آیت الکرسی کہتے ہیں۔ یہ بڑی شان اور عظمت والی آیت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آیت الکرسی قرآن مجید میں سب سے افضل آیت ہے۔ حضرت ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ قرآن کریم میں سب سے عظمت والی آیت کون سی ہے میں نے عرض کی اللہ ورسولہ اعلم۔ آپ کے بار بار پوچھنے پر میں نے عرض کی یہ آیت الکرسی ہے۔ آپ نے خوش ہو کر فرمایا تمہیں یہ علم مبارک ہو۔ پھر فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اس کی قیامت کے دن زبان ہوگی اور ہونٹ ہوں گے اور یہ عرش الٰہی کے پایہ کے پاس اس کی پاکیزگی بیان کرے گی۔ اس روایت کو مصنف عبدالرزاق نے روایت کیا ہے۔ امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں بھی روایت کیا ہے۔ لیکن اس میں یہ آخری جملہ نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ اپنے والد ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے کھجوروں کو خشک کرنے کے لیے گھر کے صحن میں ڈالا ہوا تھا۔ میرے والد وقتاً فوقتاً اس پر نظر رکھتے۔ انہوں نے دیکھا کہ کھجوریں کچھ دن سے کم ہو رہی ہیں۔ ایک رات ان کی حفاظت کے لیے پہرہ پر بیٹھ گئے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اچانک ایک نوجوان لڑکے کی مانند جانور دیکھا میں نے اسے سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے اس سے پوچھا کیا تو جن ہے یا انسان۔ اس نے کہا میں جن ہوں۔ میں نے اسے کہا کہ مجھے اپنا ہاتھ پکڑاؤ۔ اس نے مجھے اپنا ہاتھ پکڑایا۔ مجھے ایسے لگا جیسے کتے کا ہاتھ ہے۔ اس کے بال کتے کے بالوں کی طرح تھے۔ میں نے اس سے کہا کیا جن اس طرح کے ہوتے ہیں۔ اس نے کہا مجھ سے زیادہ بھی طاقتور جن ہیں۔ میں نے کہا تمہیں کس طرح چوری کرنے کی جرأت ہوئی۔ اس نے کہا ہمیں خبر ملی تھی کہ آپ صدقہ وخیرات کو پسند کرتے ہیں ہم نے چاہا کہ ہم بھی تمہارے اس اناج سے اپنا حصہ لے لیں۔ میں نے کہا کونسی چیز تمہارے شر سے بچا سکتی ہے۔ اس نے کہا یہ آیت الکرسی۔ پھر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس واقعہ کے بارے میں بتایا۔ فرمایا اس خبیث نے سچ کہا ہے۔ حضرت ابو سلیل کے پاس کثرت سے لوگ احادیث سننے کے لیے آتے جب مجمع بہت زیادہ ہو جاتا تو آپ مکان کی چھت پر چڑھ کر انہیں احادیث سناتے۔ ایک دفعہ آپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ قرآن مجید میں سب سے عظیم آیت کونسی ہے؟ ایک صحابی نے عرض کی اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے کندھوں کے درمیان رکھا۔ وہ صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے اسکی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔ حضرت انس بن مالک بیان فرماتے ہیں

کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے دریافت کیا کیا تم نکاح شدہ ہو۔ اس نے عرض کی نہیں۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ساتھ نکاح کروں فرمایا کیا تمہیں سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ یاد نہیں۔ اس نے عرض کی کیوں نہیں، مجھے یاد ہے۔ آپ نے فرمایا یہ چوتھائی قرآن ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تمہیں "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" یاد نہیں۔ اس نے جواب دیا کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ بھی چوتھائی قرآن ہے۔ پھر فرمایا کیا تمہیں سورۃ "اِذَا زُلْزِلَتْ" یاد نہیں اس نے جواباً عرض کی کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ بھی چوتھائی قرآن ہے۔ پھر آپ نے پوچھا کیا تمہیں سورۃ "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ" یاد نہیں۔ عرض کی کیوں نہیں۔ فرمایا یہ بھی چوتھائی قرآن ہے۔ پھر فرمایا کیا تمہیں آیت الکرسی یاد نہیں۔ عرض کی کیوں نہیں۔ فرمایا یہ بھی چوتھائی قرآن ہے (1)۔ حضرت ابوذر بیان فرماتے ہیں۔ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے پوچھا اے ابوذر کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا اٹھو نماز پڑھو۔ میں نے نماز پڑھی اور پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا اے ابوذر! شیاطین انس و جن سے رب کی پناہ مانگو۔ میں نے عرض کی کیا شیاطین انس کی پناہ بھی؟ فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! نماز کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا۔ نماز سراپا خیر ہے جو چاہے اس سے کم لے لے اور جو چاہے زیادہ۔ میں نے روزہ کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا روزہ کفایت کرنے والا فرض ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر مزید اجر عطا فرماتا ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صدقہ کے بارے میں ارشاد فرمائیے۔ فرمایا اس کا کئی گنا ثواب ملتا ہے۔ میں نے عرض کی سب سے افضل صدقہ کونسا ہے۔ فرمایا کم مالدار کا اپنی ہمت کے مطابق صدقہ کرنا۔ یا پوشیدہ طور پر کسی محتاج کو عطا کرنا۔ میں نے عرض کی۔ سب سے پہلے نبی کونسے ہیں؟ فرمایا۔ آدم علیہ السلام میں نے عرض کی کیا وہ نبی تھے؟ فرمایا ہاں وہ نبی تھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام بھی کرتے تھے۔ میں نے عرض کی رسولوں کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا تین سو دس سے کچھ اوپر ہے۔ ایک روایت میں تین سو پندرہ کے الفاظ ہیں۔ میں نے عرض کی سب سے عظیم آیت کونسی ہے؟ فرمایا آیت الکرسی اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ (2)۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ان کی ایک الماری تھی جس سے ایک جن مال چرا کر لے جاتا تھا۔ آپ نے نبی کریم ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا اب اگر وہ آئے تو اس سے کہنا "بسم اللہ اللہ کے رسول تمہیں بلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں وہ جن دوبارہ آیا تو میں نے اسے یہ کلمات کہے اور پھر اسے پکڑ لیا تو وہ کہنے لگا مجھے چھوڑ دو پھر میں اس کے بعد نہیں آؤں گا۔ فرماتے ہیں میں نے اسے چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا تمہارے قیدی کا کیا بنا؟ میں نے عرض کی میں نے اسے پکڑا تو وہ کہنے لگا میں دوبارہ نہیں آؤں گا۔ اس پر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا وہ دوبارہ پھر آئے گا فرماتے ہیں اس کے بعد وہ دو تین مرتبہ آیا میں اسے پکڑتا تو وہ یہی کہتا کہ میں دوبارہ نہیں آؤں گا۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو پوچھتے تمہارے قیدی کا کیا بنا؟ میں عرض کرتا میں جب اسے پکڑتا ہوں تو کہنے لگتا ہے کہ میں پھر نہیں آؤں گا۔ آپ نے فرمایا وہ پھر آئے گا۔ فرماتے ہیں میں نے اسے ایک دن پھر پکڑ لیا تو وہ کہنے لگا مجھے چھوڑ دو۔ میں تمہیں ایک ایسی چیز سکھاتا ہوں اگر اسے پڑھو گے تو کوئی جن اور شیطان تمہارے پاس نہیں آسکے گا۔ پھر کہنے لگا یہ آیت الکرسی ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور انہیں تمام ماجرا سنایا۔ فرمانے لگے ہے تو بہت جھوٹا لیکن سچ کہہ گیا ہے (3)۔ اس کو ترمذی نے بھی فضائل قرآن میں روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کے مال کی حفاظت پر مجھے مامور کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں اس پر پہرہ دے رہا تھا کہ ایک آدمی آیا اور اناج سے اپنے دامن کو بھرنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ

1۔ مسند امام احمد 221/3 2۔ مسند امام احمد 178/5 3۔ مسند امام احمد 423/5

منت سماجت کرنے لگا۔ مجھے چھوڑ دو میں محتاج ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ شدید حاجت مند ہیں۔ فرماتے ہیں میں نے اس کی یہ بات سن کر اسے چھوڑ دیا۔ صبح حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمانے لگے: اے ابو ہریرہ تمہارے رات والے قیدی کا کیا بنا؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ! اس نے اپنے فقر اور بچوں کا واسطہ دیا تو مجھے اس پر رحم آ گیا اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے دوبارہ پھر آئے گا۔ ابو ہریرہ فرماتے ہیں۔ مجھے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے یقین ہو گیا کہ وہ دوبارہ ضرور آئے گا۔ اس کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر آیا۔ جب تیسری بار آیا تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ اب کی بار تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ تم تو کہتے تھے کہ دوبارہ نہیں آؤ گے اور تم پھر آ جاتے ہو۔ اس نے کہا کہ اس دفعہ مجھے چھوڑ دو میں تمہیں چند کلمات سکھاتا ہوں اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہیں فائدہ دے گا۔ میں نے پوچھا وہ کون سے کلمات ہیں۔ کہنے لگا جب تم سونے لگو تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر محافظ مقرر ہو جائے گا اور صبح تک کوئی شیطان تمہارے قریب نہ آ سکے گا۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں تمام ماجرا بیان کیا۔ تو فرمانے لگے ہے تو بہت جھوٹا۔ لیکن تمہارے ساتھ سچ بول گیا ہے۔ پھر فرمانے لگے ابو ہریرہؓ! جانتے ہو وہ کون تھا؟ میں نے عرض کی نہیں۔ فرمایا یہ شیطان تھا(1)۔ اس حدیث کو امام نسائی نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ صدقہ کی کھجوروں پر نگران تھے۔ ایک دن انہوں نے دروازہ کھولا تو ان میں سے مٹھی بھر کھجوروں کو کم پایا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی ہوا۔ تو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا اگر تم اسے پکڑنا چاہتے ہو تو دروازے کھولتے وقت یہ کلمات کہنا '' سُبْحَانَ مَنْ سَخَّرَكَ لِمُحَمَّدٍ '' وہ فرماتے ہیں میں نے دروازہ کھولا تو یہی کلمات پڑھے۔ میں نے پایا کہ وہ میرے سامنے کھڑا ہے۔ میں نے کہا اے اللہ کے دشمن! کیا تم ہی چور ہو۔ اس نے کہا ہاں مجھے چھوڑ دو۔ آج کے بعد پھر نہیں آؤں گا۔ یہ میں ایک فقیر جن کے بال بچوں کے لیے لے جا رہا تھا۔ یہ سن کر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ جب تیسری مرتبہ آیا تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا آج میں تمہیں پکڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس نے کہا ایسا نہ کرنا۔ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہیں کچھ کلمات سکھا دوں گا۔ اگر تم یہ کرو گے تو کوئی چھوٹا بڑا جن تمہارے قریب نہیں پھٹکے گا۔ آپ نے فرمایا کیا تم ایسا کرو گے۔ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا وہ کلمات کیا ہیں۔ اس نے پوری آیت الکرسی پڑھ کر سنا دی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اس کی بات تو ٹھیک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ تین صحابہ کے ساتھ پیش آیا۔ ایک حضرت ابی بن کعب دوسرے حضرت ابو ایوب انصاری اور تیسرے حضرت ابو ہریرہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک شخص کی ایک جن سے ملاقات ہوگئی۔ جن نے اس سے کہا: کیا تم میرے ساتھ کشتی کرو گے۔ اگر تم نے مجھے اس میں پچھاڑ دیا تو میں تمہیں ایسی آیت سکھاؤں گا کہ جب تم اس آیت کو پڑھو گے تو کوئی شیطان تمہارے گھر میں داخل نہیں ہوگا۔ دونوں میں مقابلہ ہوا۔ اس شخص نے جن کو پچھاڑ دیا۔ اور وہ شخص جن کو کہنے لگا تم انتہائی نحیف اور ڈرپوک ہو۔ تمہارے بازو کتے کے بازوؤں کی طرح ہیں۔ کیا تمام جن اسی طرح کے ہوتے ہیں یا صرف تم ہی ایسے ہو۔ جن نے جواب دیا۔ میں اپنی قوم میں سب سے زیادہ قوی ہوں میرے ساتھ دوبارہ مقابلہ کرلو۔ دوبارہ مقابلہ ہوا تو پھر اس نے جن کو پچھاڑ دیا۔ تو اس جن نے کہا کہ آیت الکرسی پڑھا کرو جب کوئی شخص گھر میں داخل ہوتے ہوئے آیت الکرسی پڑھتا ہے تو شیطان اس کے گھر سے گدھے کی طرح ہینکتا ہوا نکل جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے پوچھا گیا کیا یہ شخص حضرت عمر تو نہیں تھے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ بقرہ میں ایک ایسی آیت

1۔ فتح الباری، کتاب فضائل القرآن 55/9

ہے جو تمام آیات کی سردار ہے۔ جس گھر میں اسے پڑھا جائے شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے۔ اور یہ آیت آیت الکرسی ہے(1)۔ اور ترمذی کے یہ الفاظ ہیں کہ ہر چیز کی کوہان اور بلندی ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی کوہان سورۂ بقرہ ہے اور اس میں ایک ایسی آیت ہے جو تمام آیات کی سردار ہے اور وہ آیت الکرسی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب مسجد میں تشریف لائے۔ تمام لوگ صفوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ان سے دریافت کیا۔ تم میں سے کون بتائے گا کہ قرآن کریم کی سب سے عظیم آیت کونسی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بولے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے۔ قرآن کریم کی سب سے عظیم آیت اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ حضرت اسماء بنت یزید بن سکن فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے: 1۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ 2۔ الٓمّٓ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (آل عمران: 1) اس حدیث کو ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں۔ وہ اسم اعظم جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے۔ وہ یہ تین سورتیں ہیں۔ 1۔ بقرہ۔ 2۔ آل عمران۔ 3۔ طٰہٰ۔ ہشام بن عمار خطیب دمشق فرماتے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں تو آیت الکرسی ہے۔ اور آل عمران کی پہلی آیت اور سورۂ طٰہٰ کی یہ آیت ہے: وَعَنَتِ الْوُجُوْہُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ (طٰہٰ: 111) ''اور (فرط نیاز سے) جھک جائیں گے (سب لوگوں کے) چہرے حیی قیوم کے سامنے''۔ حضرت ابوامامہ سے ہی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا ہے۔ اسے جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ اس حدیث کو ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ نسائی نے اپنی کتاب ''عَمَلُ الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ'' اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں کیا ہے۔ ابوالفرج ابن جوزی نے اسے موضوع کہا ہے۔ لیکن یہ حدیث موضوع نہیں ہے مگر اسکی سند ضعیف ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھا کرو۔ اور جو شخص اس کو ہر فرض نماز کے بعد پڑھے گا میں اسکے دل کو شاکر اور زبان کو ذاکر بنا دوں گا۔ اور اسے نبیوں اور صدیقوں کا عمل عطا کروں گا۔ اور اس پر مواظبت و دوام نبی یا صدیق یا وہ بندہ جس کے دل کو میں نے ایمان کے لیے منتخب کر لیا۔ یا جسے اپنی راہ میں شہید کرنا چاہتا ہوں۔ ہی کر سکتا ہے۔ لیکن یہ حدیث انتہائی منکر ہے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں جو شخص سورۂ حٰمٓ مومن کو ''اِلَیہِ المصیر'' اور آیت الکرسی کو صبح کے وقت پڑھے گا وہ شام تک ان کی برکت سے (شر سے) محفوظ رہے گا۔ اور جو ان کو شام کے وقت پڑھے گا وہ صبح تک محفوظ رہے گا (2)۔ آیت الکرسی کی فضیلت میں اور بھی بہت سی احادیث وارد ہیں لیکن ہم نے اختصار اور ان کی اسناد میں ضعف کی خاطر ترک کر دیا۔ یہ آیت مستقل دس جملوں پر مشتمل ہے۔ 1۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں یکتائی کا بیان ہے۔ 2۔ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ حی سے مراد وہ ذات ہے جو بذات خود زندہ ہو اور اس پر کبھی موت طاری نہ ہو۔ قیوم سے مراد وہ ذات ہے جو دوسروں کو قائم کرنے والی ہے۔ اس میں دوسری قرأت القیام ہے۔ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔ لیکن وہ ہر ایک سے غنی ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کوئی چیز قائم نہیں رہ سکتی۔ وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِہٖ (الروم: 25) ''اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے قائم ہیں آسمان و زمین اس کے حکم سے''۔ 3۔ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی مخلوق کے معاملہ میں کسی نقص، غفلت، کوتاہی کا کوئی دخل نہیں۔ بلکہ وہ ہر ایک کے عمل سے باخبر ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ اس کی قیومیت کا کمال یہ ہے کہ اس پر کسی قسم کی نیند حتی کہ اونگھ تک طاری نہیں ہوتی۔ یہاں اونگھ کا لفظ پہلے ذکر کیا گیا ہے اور نیند کا بعد میں۔ کیونکہ نیند اونگھ سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر ہمیں چار کلمات ارشاد

1۔ المستدرک، کتاب التفسیر: 259/2
2۔ عارضۃ الاحوذی، فضائل القرآن: 11،10/11

فرمائے۔آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے۔اور نہ ہی نیند اس کی ذات کے لائق ہے وہ میزان کا مالک ہے۔جب چاہے اسے جھکا دے اور جب چاہے اسے بلند کر دے۔دن کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے اس کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں اور رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے۔اس کے سامنے نور یا آگ کے حجاب ہیں۔اگر ان پردوں کو ہٹا دیں تو اس کے نور کی تجلیاں ان تمام چیزوں کو جلا دیں جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ سوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو وحی کے ذریعہ حکم فرمایا کہ موسیٰ کو تین دن تک جگائے رکھو اور اسے سونے نہ دینا۔پھر اسے دو بوتلیں پکڑا دینا اور انہیں کہنا کہ خیال رکھنا کہیں انہیں توڑ نہ دینا فرشتوں نے ایسا ہی کیا۔آخر وہ اونگھنے لگے۔ان کے ہاتھ میں بوتلیں تھیں۔کبھی بیدار ہو جاتے اور کبھی اونگھ لیتے۔آخر کار آپ کو ایک ایسی اونگھ آئی کہ آپ نے ایک کو دوسری پر مارا اور توڑ دیا۔گویا اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے کہ جب ایک اونگھنے والا دو بوتلوں کی حفاظت نہیں کر سکتا تو وہ قادر مطلق جس کے قبضہء قدرت میں زمین وآسمان ہے اگر وہ اونگھ جائے یا سو جائے تو زمین وآسمان کا نظام کیسے چل سکتا ہے۔لیکن یہ روایت اسرائیلیات سے تعلق رکھتی ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سا جلیل القدر پیغمبر اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے بے خبر ہو۔اور اس سے بھی عجیب ترین وہ حدیث ہے جس کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔جس میں بعینہٖ یہی واقعہ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔لیکن بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں ہے۔بلکہ اس کا تعلق بھی اسرائیلیات سے ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کیا تمہارا رب سوتا ہے۔آپ نے فرمایا اس سے ڈرو، کیسی باتیں کرتے ہو۔اللہ تعالیٰ نے ندا دی اے موسیٰ (علیہ السلام!) تم سے یہ میرے سونے کے بارے میں پوچھتے ہیں اپنے ہاتھ میں دو بوتلیں لو اور ساری رات کھڑے رہو۔انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔جب تہائی رات گزری تو اونگھنے لگے اور اپنے گھٹنوں کے بل جھک گئے پھر کچھ ہوش سنبھالا۔لیکن رات کے آخری پہر ایسی اونگھ آئی کہ دونوں بوتلیں گر کر ٹوٹ گئیں۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے موسیٰ! اگر میں سو جاؤں تو یہ زمین وآسمان ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں جس طرح یہ بوتلیں ٹوٹ گئیں۔پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر آیت الکرسی نازل فرمائی۔

4۔لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ یہاں بیان فرمایا زمین وآسمان کی ہر چیز اس کی ملکیت میں ہے اور اس کے حکم کے تابع ہے۔جیسا کہ ارشاد فرمایا: اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (مریم:94\93) ''کوئی ایسی چیز نہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے مگر وہ حاضر ہوگی رحمٰن کی بارگاہ میں بندہ بن کر۔اللہ تعالیٰ نے ان سب کا شمار کر رکھا ہے اور انہیں گن لیا ہے اچھی طرح''۔

5۔مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ: یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا (النجم:26) ''اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لیے چاہے اور پسند فرمائے''۔اسی طرح ارشاد فرمایا: وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى (الانبیاء:28) ''اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لیے جسے وہ پسند فرمائے''۔یہاں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کا بیان ہے کہ اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو شفاعت یا سفارش کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔جیسا کہ حدیث شفاعت میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے جاؤں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں ہی رہنے دے گا پھر ارشاد فرمائے گا۔سجدہ سے سر اٹھاؤ۔کہو تمہاری بات سنی جائے گی۔شفاعت کرو۔قبول کی جائے گی۔آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی اور میں انہیں جنت میں داخل کروں گا۔

6۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ: اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ علم باری تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کو محیط ہے۔ ماضی وحال اور مستقبل اس کے احاطہ علم سے ماورا نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ (مریم :64)'' اور (جبرائیل) (میرے نبی سے کہو) ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے اسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ درمیان میں ہے۔ اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا''۔

7۔ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ: یعنی اس کے آگاہ کرنے اور مطلع کرنے کے بغیر کوئی بھی اس کے علم سے باخبر نہیں ہوسکتا۔ اور اس کا یہ معنی بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ اس کی ذات وصفات کا علم صرف اسی کو ہوسکتا ہے جس کو وہ خود عطا فرمائے۔ جیسے کہ ارشاد فرمایا: وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا (طٰہٰ :110)'' اور لوگ نہیں کر سکتے اس کا احاطہ اپنے علم سے''۔

8۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ: حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ یہاں کرسی سے مراد علم ہے۔ اور ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کرسی اللہ تعالیٰ کے قدم رکھنے کی جگہ ہے اور عرش کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ اس روایت کو ابن مردویہ، وکیع اور حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔ لیکن یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس پر موقوف ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے بھی یہ مرفوعاً روایت کی گئی ہے لیکن اسے مرفوع کہنا صحیح نہیں۔ ابو مالک فرماتے ہیں کہ کرسی عرش کے نیچے ہے۔ سدی فرماتے ہیں: زمین وآسمان کرسی کے جوف ہیں اور کرسی عرش کے سامنے ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اگر ساتوں زمینوں اور آسمانوں کو پھیلا دیا جائے اور پھر ان کو آپس میں ملا دیا جائے تو یہ سب کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہوں گے جیسے چٹیل میدان میں ایک حلقہ۔ اور ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ یہ ساتوں آسمان اس طرح ہیں جیسے ایک ڈھال میں سات درہم۔ حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں عرش کے مقابلہ میں کرسی ایسی ہے جیسے لوہے کا ایک چھوٹا سا حلقہ چٹیل میدان میں ہو۔ حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے کرسی کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں کرسی کے مقابلہ میں اس طرح ہیں جس طرح چٹیل میدان میں پڑا ہوا ایک حلقہ۔ اور عرش کو کرسی پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح چٹیل میدان کو اس حلقہ پر۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور جنت میں داخل ہونے کی دعا کی درخواست کی آپ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اس کی کرسی نے زمین وآسمان کو سما رکھا ہے۔ اور اس کی اس طرح آواز آتی ہے جس طرح تمہیں پالان کی۔ اس روایت کو بزاز نے اپنی مسند، عبد بن حمید اور ابن جریر نے اپنی تفاسیر میں اور طبرانی اور حافظ ضیا مقدسی نے روایت کیا ہے۔ ان میں سے بعض نے حضرت عمر سے موقوفاً روایت کیا ہے اور بعض نے مرسلاً۔ اور بعض نے اس کے متن میں عجیب وغریب زیادتی کی ہے اور بعض نے اس کو حذف کر دیا ہے۔ اور اس سے بھی عجیب حدیث وہ ہے جو عرش کے بارے میں جابر بن مطعم سے مروی ہے بعض روایات میں قیامت کے دن فیصلہ کے لیے کرسی کا رکھا جانا بھی منقول ہے۔ لیکن اس آیت کے ظاہری الفاظ میں اس کا ذکر نہیں۔ بعض متکلمین مسلمان ہیئت دانوں سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک کرسی آٹھواں آسمان ہے جسے فلک الثوابت بھی کہتے ہیں اور اس کے اوپر نواں آسمان ہے جسے فلک اثیر اور اطلس بھی کہتے ہیں۔ لیکن بعض دوسرے علماء نے ان کا رد کیا ہے۔ حسن بصریؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ کرسی ہی عرش ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ کرسی اور چیز ہے اور عرش اور۔ کیونکہ وہ کرسی سے بہت بڑا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آثار واحادیث میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ ابن جریر نے حضرت عمر کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس کی صحت محل نظر ہے۔ واللہ اعلم۔

9۔ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا: یعنی زمین و آسمان میں جو کچھ ہے۔ اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کو نہیں تھکاتی اور اس کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ بلکہ انتہائی آسان ہے۔ وہ ہر شخص کے اعمال کو جاننے والا ہے۔ کائنات کی ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ تمام اشیاء اس کے سامنے ذلیل و حقیر اور اس کی محتاج ہیں۔ وہی حقیقی غنی، اور لائق حمد و ثناء ہے۔ جو چاہے کرتا ہے، مخلوق میں سے کوئی اسے نہیں پوچھ سکتا۔ بلکہ ان سے ان کے افعال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ جو ہر چیز پر غالب ہے وہی محافظ اور نگران ہے۔ سرفرازی اور عظمت کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور نہ ہی کوئی رب ہے۔

10۔ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ: اور وہی ہے سب سے بلند عظمت والا اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مثل ہے: هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ (لقمان: 30) اللہ بڑی شان والا بزرگ ہے۔ یہ آیات اور اس جیسی دوسری آیات اور صحیح احادیث جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا ذکر ہے۔ اس میں سلف صالحین کا طریقہ یہ ہے کہ ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو کسی چیز سے تشبیہ اور کسی کیفیت سے مقید کیے بغیر۔

لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾

''کوئی زبردستی نہیں ہے دین میں بے شک خوب واضح ہوگئی ہے ہدایت گمراہی سے تو جو انکار کرے شیطان کا اور ایمان لائے اللہ کے ساتھ تو اس نے پکڑ لیا مضبوط حلقہ جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔''

لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ: دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں۔ دین اسلام میں داخل کرنے کے لیے کسی کو مجبور نہ کرو۔ کیونکہ دین اسلام ایک واضح اور روشن حقیقت ہے۔ اسے مجبوراً قبول کرانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت فرما دیتا ہے اور اس کے سینے کو کشادہ اور اس کی بصیرت کو روشن کر دیتا ہے وہ خود بخود دین اسلام قبول کر لیتا ہے۔ لیکن جس کا دل غافل ہو بلکہ کانوں اور بصارت پر مہر لگی ہو اگر اسے اسلام قبول کرنے پر مجبور بھی کیا جائے تو اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی انصاری عورت کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوتا تو وہ نذر مانتی کہ اگر میرا بچہ ہوا تو میں اسے یہودی بناؤں گی۔ اس طرح جب بچہ پیدا ہوتا تو وہ یہودیوں کے سپرد کر دیتے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جب بنونضیر کا مدینہ سے جلاوطن کیا گیا تو ان میں کچھ انصاریوں کے لڑکے بھی تھے جو یہودیوں میں رہنے کی وجہ سے یہودی بن چکے تھے۔ انصاری کہنے لگے کہ ہم اپنے لڑکوں کو نہیں جانیں دیں گے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ بنو سالم بن عوف کے ایک انصاری صحابی کے بارے میں نازل ہوئی۔ جن کا نام حصینی تھا۔ ان کے دو بیٹے نصرانی تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ کیا میں ان کو اسلام پر مجبور نہ کروں۔ وہ دونوں نصرانیت کو بہت چاہتے ہیں۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اور ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ وہ دونوں شامی تاجروں کے ہاتھوں نصرانی ہوئے تھے۔ یہ تاجر کشمش کی تجارت کرتے تھے۔ جب انہوں نے تاجروں کے ساتھ شام جانے کا ارادہ کیا تو ان کے والد نے انہیں روکنا چاہا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت طلب کی۔ اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت عمر کا ایک غلام اسبق نصرانی تھا۔ آپ اس پر اسلام پیش کرتے وہ انکار کر دیتا تو آپ فرماتے دین اسلام میں کوئی سختی اور زبردستی نہیں۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم مسلمانوں کے بعض معاملات میں تم سے اعانت طلب کریں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان اہل کتاب اور ان

لوگوں کے حق میں ہے جو نسخ اور تبدیل سے پہلے ان کے دین میں داخل ہو گئے؛ جبکہ وہ جزیہ ادا کرتے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ آیت قتال سے منسوخ ہو گئی ہے۔ اس لیے اب تمام قوموں کو دین اسلام کی دعوت دینا ضروری اور واجب ہے۔ اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کریں اور نہ دعوت قبول کریں اور نہ جزیہ دیں تو ان کے ساتھ جنگ کی جائے جہاں تک قتل کر دیئے جائیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ (الفتح: 16) ''عنقریب تمہیں دعوت دی جائے گی ایک ایسی قوم سے جہاد کی جو بڑی سخت جنگجو ہے، تم ان سے لڑائی کرو یا وہ ہتھیار ڈال دیں گے''۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبۃ: 73) ''اے نبی (کریم ﷺ) جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں کے ساتھ اور سختی کیجئے ان پر'' ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ...... (التوبۃ: 123) ''اے ایمان والو! جنگ کرو ان کافروں سے جو آس پاس ہیں تمہارے اور چاہیے کہ وہ پائیں تم میں سختی۔ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے''۔ حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر تعجب فرمائے گا جن کو زنجیروں میں جکڑ کر جنت میں لے جایا جائے گا۔ اس سے مراد وہ مشرک قیدی ہیں جن کو میدان جنگ سے پابند سلاسل لایا جاتا ہے پھر وہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ ان کے ظاہری اعمال اچھے اور باطنی پاکیزہ ہو جاتے ہیں اس طرح وہ اچھے بن جاتے ہیں۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو ارشاد فرمایا کہ مسلمان ہو جاؤ اس نے کہا کہ میرا دل نہیں مانتا۔ آپ نے فرمایا مسلمان ہو جاؤ اگرچہ تمہارا دل نہیں مانتا۔ یہ حدیث صحیح ہے اور ثلاثی ہے۔ یعنی صرف تین واسطوں سے حضور ﷺ سے مروی ہے۔ لیکن اس حدیث سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اسلام پر مجبور کیا تھا۔ بلکہ آپ نے تو اسے اسلام کی دعوت دی تھی اس نے جواباً کہا کہ میرا دل اس کو ناپسند کرتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ اگرچہ تمہارا دل اسے ناپسند کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں اخلاص عطا فرما دے گا۔

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ: جس نے معبودان باطلہ اور ہر اس چیز کی عبادت کو چھوڑ دیا جس کی عبادت کی دعوت شیطان دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کر کے اس وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے لگا تو اس نے مضبوط حلقے کو تھام لیا۔ یعنی وہ صراط مستقیم پر گامزن ہو گیا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں ''جِبْتٌ'' سے مراد جادو ہے اور طَاغُوتٌ سے مراد شیطان ہے۔ بہادری اور بزدلی انسان میں فطرتی ہوتی ہے بہادر آدمی اس کے لیے بھی جنگ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے جسے وہ نہیں جانتا۔ اور ڈرپوک، بزدل آدمی اپنی ماں کی خاطر بھی نہیں لڑ سکتا۔ کسی آدمی کی شرافت اس کا دین، اس کا حسب و نسب اس کا اخلاق ہے۔ اگرچہ وہ پارسی یا نبطی ہے۔ حضرت عمر نے ایک روایت میں شیطان کو طاغوت قرار دیا ہے۔ آپ کا یہ قول انتہائی قوی ہے۔ کیونکہ یہ ہر اس برائی کو شامل ہے جو زمانہ جاہلیت میں پائی جاتی تھی۔ اس میں بتوں کی پوجا کرنا اور ان سے مدد مانگنا سرفہرست ہے۔

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ: یعنی اس نے دین کے سب سے قوی سبب کو مضبوطی سے تھام لیا۔ اسے مضبوط حلقہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جو اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ ٹوٹتا نہیں۔ اور اس کا دوسرے کے ساتھ بھی انتہائی قوی تھا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ عروۃ الوثقیٰ سے مراد ایمان ہے۔ سدی کے نزدیک اسلام ہے۔ سعید بن جبیر اور ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ہے۔ حضرت انس بن مالک سے منقول ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ حضرت سالم بن ابی جعد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اَلْحُبُّ فِي اللهِ اور اَلْبُغْضُ فِي اللهِ ہے۔ یہ تمام اقوال صحیح ہیں۔ ان میں کوئی منافات نہیں۔ حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر ایمان لایا اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جو جنت میں داخل ہونے سے پہلے نہیں ٹوٹے گا۔ حضرت مجاہد اور سعید بن جبیر سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو

آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی: اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد: 11) '' بلا شبہ اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا کسی قوم کی (اچھی یا بری حالت کو) جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے''۔ حضرت محمد بن قیس بن عبادہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں تھا کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر خشوع وخضوع کے اثرات تھے۔ اس نے دو رکعت مختصر انماز پڑھی۔ لوگوں نے کہا یہ شخص جنتی ہے۔ جب وہ باہر نکلا تو میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ حتیٰ کہ اس کے ساتھ ہی اس کے گھر پہنچ گیا جب اس کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد کچھ اجنبیت دور ہوئی تو میں نے کہا کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تھے تو آپ کے بارے میں لوگوں نے یہ کہا تھا۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا سبحان اللہ! ایسی بات نہیں کہنی چاہئے جس کا علم نہ ہو۔ لیکن میں تمہیں اس کی وجہ بتاتا ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں خواب دیکھا۔ دیکھتا ہوں کہ میں سرسبز وشاداب باغ میں ہوں۔ اس کے درمیان میں ایک لوہے کا ستون ہے جو زمین سے لے کر آسمان تک طویل ہے۔ اس کے اوپر ایک کٹہرا بنا ہوا ہے مجھے کہا گیا کہ اس پر چڑھ جاؤ لیکن میں اس پر چڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ اسی اثناء میں ایک شخص آ گیا۔ اس نے میرے کپڑوں کو پیچھے سے اٹھایا میں آسانی سے اس ستون پر چڑھ گیا حتیٰ کہ میں اس کٹہرے تک پہنچ گیا۔ اس نے کہا اس کٹہرے کو مضبوطی سے تھام لو۔ اسی اثناء میں میری آنکھ کھل گئی۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی خدمت میں یہ خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا باغ سے مراد اسلام ہے۔ ستون سے مراد دین ہے اور کٹہرے سے مراد عروۃ الوثقیٰ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارا خاتمہ اسلام پر ہوگا۔ راوی فرماتے ہیں کہ یہ شخص حضرت عبداللہ بن سلام تھے (1)۔ اس کو امام بخاری نے دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ حضرت خرشہ بن حر فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف حاضری ہوئی۔ میں مسجد نبوی شریف میں کچھ بزرگوں کے ساتھ ان کی مجلس میں بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں ایک بزرگ لاٹھی ٹیکتے ہوئے تشریف لائے تو اہل مجلس نے فرمایا کہ جو جنتی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ ان کو دیکھ لے۔ اس بزرگ نے ایک ستون کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی۔ تو میں نے انہیں عرض کی کہ یہ لوگ آپ کے بارے میں اس طرح فرماتے ہیں انہوں نے فرمایا جنت اللہ کی ملکیت ہے جسے چاہے عطا کرے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے دور میں خواب دیکھا تھا۔ دیکھتا ہوں کہ میرے پاس ایک آدمی آیا اور مجھے کہا کہ میرے ساتھ چلو۔ میں ان کے ساتھ چل دیا۔ وہ مجھے ایک وسیع وعریض میدان میں لے کر چلنے لگا۔ دوران سفر میں نے دیکھا کہ ایک راستہ بائیں طرف نکل رہا ہے۔ میں نے اس راستے پر چلنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا تم اس پر نہ چلو اس کے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ پھر ایک دائیں طرف راستہ نظر آیا۔ میں اس پر چل نکلا۔ حتیٰ کہ راستہ ایک پہاڑ پر ختم ہو گیا جس پر بڑی پھسلن تھی۔ اس شخص نے میرا ہاتھ پکڑا اور آگے کی طرف دھکیل دیا۔ تو میں پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ ابھی میرے اس پر قدم نہیں جمے تھے کہ اچانک مجھے لوہے کا ایک ستون نظر آیا جس پر سونے کا ایک کڑا تھا۔ اس شخص نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ستون پر چڑھا دیا۔ میں نے سونے کے اس کڑے کو پکڑ لیا۔ اس نے کہا اسے مضبوطی سے تھام لو۔ میں نے جواب دیا میں نے اسے تھام لیا ہے۔ پھر اس نے اپنا پاؤں زمین پر مارا تو وہ کڑا میرے ہاتھ میں رہ گیا اور میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنا خواب سنایا آپ نے فرمایا تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ اس وسیع وعریض میدان سے مراد میدان محشر ہے۔ اور وہ راستہ جو بائیں طرف نکلتا تھا وہ جہنم کا راستہ تھا اور جو دائیں جانب راستہ تھا وہ جنت کا راستہ تھا۔ اور پھسلن والا پہاڑ شہداء کی منزل ہے۔ اور وہ کڑا جس کو تو نے مضبوطی سے پکڑا تھا وہ اسلام کا کڑا ہے۔ اسے مضبوطی سے دم آخر تک تھامے رکھنا۔ اس وجہ سے مجھے امید ہے کہ اللہ مجھے جنت میں داخل کرے گا (2)۔ راوی فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ حضرت عبداللہ بن سلام ہیں۔ اس کو نسائی، ابن ماجہ اور امام مسلم نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔

1۔ مسند امام احمد 452/5 2۔ مسند امام احمد 452/5

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥٧﴾

''اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا نکال لے جاتا ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف اور جنہوں نے کفر کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں نکال لے جاتے ہیں انہیں نور سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں''۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اس کی رضا اور خوشنودی کے طلبگار اور احکام شرعیہ کے پیروکار کی راہنمائی فرماتا ہے۔ اور اپنے مومن بندوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر نور حق کی صاف روشنی عطا فرماتا ہے۔ اس کے برعکس کافروں اور مشرکوں کا دوست شیطان ہے وہ ان کے لیے گمراہیوں کو مزین کرتا ہے جن میں وہ سرگرداں ہیں۔ وہ ان کو حق کے واضح راستہ سے کفر و شرک کی دلدل کی طرف لے جاتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے نور کو مفرد ذکر کیا ہے اور ظلمات کو جمع۔ کیونکہ حق ایک ہی ہے اور کفر کی مختلف شکلیں ہیں جو سب کی سب باطل ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (الانعام: 153) ''اور بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستہ کی (ورنہ) وہ جدا کر دیں گے تمہیں اللہ کے راستے سے۔ یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں جن کا تاکہ تم متقی بن جاؤ''۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (الانعام: 1) ''اور بنایا اندھیروں اور نور کو''۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں حق کے واحد اور یکتا ہونے اور باطل کے تفرق اور انتشار کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ایوب بن خالد فرماتے ہیں کہ اہل ہوا اور اہل فتن کو لایا جائے گا جس کی خواہش ایمان ہوگی وہ روشن اور نورانی ہوگا اور جس کی خواہش کفر ہوگی وہ انتہائی تاریک اور سیاہ ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٥٨﴾

''کیا نہ دیکھا آپ نے (اے حبیب) اسے جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ دی تھی اسے اللہ نے بادشاہی۔ جب کہ کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے (اسے) کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی جلا سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نکالتا ہے سورج کو مشرق سے تو تو نکال لا اسے مغرب سے (یہ سن کر) ہوش اڑ گئے اس کافر کے اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو''۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ: اس بادشاہ کا نام نمرود بن کنعان بن کوش بن سام بن نوح تھا۔ یہ بابل کا بادشاہ تھا۔ بعض نے اس کا نسب اس طرح لکھا ہے۔ نمرود بن فالح بن عابد بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ دنیا کے مشرق و مغرب پر حکومت کرنے والے چار بادشاہ گزرے ہیں دو مومن اور دو کافر۔ مومن سلیمان بن داؤد اور ذوالقرنین ہیں اور کافر نمرود اور بخت نصر ہے۔ واللہ

اعلم۔ آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ اے محمد! (ﷺ) کیا تم نے اپنے دل کے نور سے نہیں دیکھا اس شخص کو جس نے ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا تھا۔ وہ خدا ہونے کا دعویدار تھا۔ اس لیے وہ اپنے سوا کسی کو خدا ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ جیسا کہ اس کے بعد فرعون نے بھی یہی دعویٰ کیا تھا۔ اور اپنے پیرکاروں کو کہنے لگا: مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي (القصص:38) (میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لیے میرے سواء کوئی اور خدا ہے) چونکہ نمرود ایک عرصہ دراز تک اپنے ملک کا بادشاہ رہا۔ اس لیے اس کے ذہن پر سرکشی، کفر، عناد کا غلبہ ہو گیا کہا جاتا ہے کہ وہ چار سو سال تک اپنی سلطنت کا فرمانروا رہا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ (اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ) اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس رب کے وجود پر دلیل طلب کی جس کی وہ دعوت دیتے تھے۔ آپ نے فرمایا میرا رب وہ ہے جو زندگی اور موت کا مالک ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا اور موجود پر عدم طاری کرنا یہ اللہ کے وجود کی بہترین دلیل ہے جو ہر روز کے مشاہدہ سے عیاں ہے۔ کیونکہ یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ چیزیں بذات خود پیدا نہیں ہوتیں اس لیے ان چیزوں کے پیدا کرنے والے موجد یا خالق کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ صرف اللہ کی ذات ہی ہے جو وحدہ لاشریک ہے۔ یہ دلیل سن کر اس نے کہا (اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ) زندہ اور مار تو میں بھی سکتا ہوں۔ اس نے یہ کہہ کر دو شخصوں کو طلب کیا جو واجب القتل تھے ان میں سے ایک کے قتل کا حکم دیا اسے قتل کر دیا گیا اور دوسرے کو معاف کرنے کا حکم دیا اسے چھوڑ دیا گیا۔ گویا اس کے نزدیک زندگی اور موت کا یہی مفہوم تھا۔ اس طرح اس نے حضرت ابراہیم کے سوال کا حقیقی جواب نہ دیا۔ بلکہ اپنے عناد اور تکبر کی وجہ سے لوگوں کو دھوکہ اور فریب دینا چاہا کہ وہ بھی ایسا کر سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ صورت حال دیکھی۔ تو فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ: یعنی جب تم یہ زندہ کرنے اور مارنے کا دعویٰ کرتے ہو تو جو اس پر قدرت رکھتا ہے وہ تمام مخلوق میں بھی تصرف کر سکتا ہے۔ اس کے سامنے تمام سیارے اور ان کی حرکات مسخر ہیں۔ اگر تم الٰہ ہونے کے مدعی ہو زندگی اور موت عطا کرنے کے دعویدار ہو تو اس سورج کو جو ہر روز مشرق سے نکلتا ہے تم اسے مغرب سے نکال کر دکھاؤ۔ جب نمرود نے یہ سنا تو جواب دینے سے عاجز آ گیا۔ زبان گنگ ہو کر رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ کی حجت اس پر قائم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ظالموں کو ہدایت نہیں عطا فرماتا۔ یعنی ان کو حجت اور دلیل الہام نہیں کرتا بلکہ ان کی حجت اس کے سامنے باطل ہو جاتی ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ بعض منطقی فرماتے ہیں کہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے ایک دلیل پیش کی پھر اس سے اعراض کر کے ایک دوسری دلیل پیش کی جو پہلی دلیل سے زیادہ واضح تھی۔ لیکن ان کی یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ پہلی دلیل درحقیقت دوسری دلیل کا مقدمہ تھا۔ ان دونوں دلیلوں سے نمرود کے دعویٰ کا بطلان واضح ہو جاتا ہے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ مناظرہ آگ کے واقعہ کے بعد کا ہے۔ اس سے پہلے آپ کی اس ظالم بادشاہ کے ساتھ ملاقات نہیں ہوئی۔ حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ قحط سالی کا زمانہ تھا۔ نمرود کے پاس اناج کا بہت سا ذخیرہ تھا۔ لوگ اس کے پاس اناج کے لیے جاتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان کے ساتھ گئے۔ بادشاہ نمرود کے ساتھ یہ مناظرہ ہو گیا۔ اس نے اناج دینے سے انکار کر دیا۔ آپ خالی ہاتھ واپس آ رہے تھے۔ جب گھر کے قریب پہنچے اپنی سواری سے بوریاں اتار کر جلد ہی سو گئے ان کی اہلیہ حضرت سارہ نے ان بوریوں کو کھولا تو انہوں نے ان کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ آپ نے پوچھا یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آ گیا۔ انہوں نے عرض یہ تو وہی اناج ہے جو آپ لے کر آئے ہیں اس سے آپ سمجھ گئے یہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ رزق ہے۔ حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس ظالم بادشاہ کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ جس نے اسے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس نے انکار کر دیا۔ اس نے دوبارہ دعوت دی اس نے انکار کر دیا۔ تیسری بار انکار

کرنے پر فرشتہ نے کہا تم اپنا لشکر تیار کرلو۔ میں بھی اپنا لشکر تیار کرتا ہوں۔ نمرود نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا اور سورج کے نکلنے سے پہلے ہی لڑائی کے لیے تیار ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھروں کا ایک لشکر اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ان کی کثرت کی وجہ سے سورج کی روشنی چھپ گئی۔ اللہ تعالیٰ کے اس لشکر نے نمرود کی فوج پر حملہ کر دیا۔ اور اس کا گوشت پوست کھا کر انہیں ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیا۔ انہی مچھروں میں سے ایک مچھر نمرود کی ناک میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کے دماغ کو چاٹتا رہا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ اس کے سر پر کوڑے مارے جاتے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے سے مچھر کے ذریعہ اس ظالم بادشاہ کو ہلاک کر دیا۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

یا (کیا نہ دیکھا) اس شخص کو جو گزرا ایک بستی پر در آں حالیکہ وہ گری پڑی تھی اپنی چھتوں کے بل کہنے لگا کیونکر زندہ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اس کے ہلاک ہونے کے بعد سو مردہ رکھا اسے اللہ تعالیٰ نے سو سال تک پھر زندہ کیا اسے۔ فرمایا کتنی مدت تو یہاں ٹھہرا رہا اس نے عرض کی میں ٹھہرا ہوں گا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ اللہ نے فرمایا نہیں، بلکہ ٹھہرا رہا ہے تو سو سال اب (ذرا) دیکھ اپنے کھانے اور اپنے پینے (کے سامان) کی طرف یہ باسی نہیں ہوا اور دیکھ اپنے گدھے کو اور یہ سب اس لیے کہ ہم بنائیں تجھے نشان لوگوں کے لیے اور دیکھ ان ہڈیوں کو کہ ہم کیسے جوڑتے ہیں انہیں پھر (کیسے) ہم پہناتے ہیں انہیں گوشت۔ پھر جب حقیقت روشن ہو گئی اس کے لیے (تو) اس نے کہا میں جان گیا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے''۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ: اس واقعہ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ بالا واقعہ پر عطف ہے۔ اب تک اس بارے میں اختلاف ہے کہ گزرنے والا شخص کون تھا؟ حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عزیز علیہ السلام تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس اور کئی دوسرے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت وہب بن منبہ اور عبد اللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ یہ ارمیا بن حلقیا تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام کا نام ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ وہ حزقیل بن بوار تھے۔ اور اس قریہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہ اس وقت اس کے پاس سے گزرے جب بخت نصر نے وہاں کے باشندوں کو قتل کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ ''خَاوِیَةٌ'' کا معنی ہے کہ یہ شہر بالکل خالی تھا۔

عَلٰی عُرُوْشِهَا: یعنی مکانوں کی چھتیں اور دیواریں گری ہوئی تھیں۔ وہ بزرگ اس عظیم الشان شہر کی تباہی کو دیکھ کر سوچنے لگے کہ اللہ اسے اس کے ہلاک ہونے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا۔ یعنی جب انہوں نے اس شہر کی تباہی و بربادی اور اس کی خستہ حالت دیکھی تو اس وقت یہ فرمایا۔

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں سو سال تک مردہ رکھا پھر انہیں زندہ کیا۔ ان کے مرنے کے ستر سال بعد یہ شہر آباد ہو

گیا اور بنو اسرائیل جو بخت نصر سے ڈر کر بھاگ گئے تھے واپس آ گئے جب اللہ تعالیٰ ان کو زندہ کیا تو سب سے پہلے ان کی آنکھوں کو زندگی عطا فرمائی تا کہ وہ اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کاریگری کا نظارہ کریں کہ وہ ان کے بدن کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے بدن میں مکمل روح ڈال دی تو فرشتہ کے ذریعہ پوچھا تو کتنا عرصہ تک مردہ رہا۔ انہوں نے کہا ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان پر موت طاری کی تھی وہ سورج کے طلوع ہونے کا وقت تھا۔ اور دن کے آخری حصہ میں زندہ کر دیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ اسی دن کا سورج ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ تم ایک سو سال تک مردہ رہے ہو۔ اپنے کھانے اور پینے کے سامان کی طرف دیکھو یہ باسی نہیں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ جب ان پر موت طاری کی گئی اس وقت ان کے پاس انگور، انجیر اور انگوروں کا جوس تھا۔ لیکن سو سال گزرنے کے بعد ان میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ نہ تو جوس کا رنگ تبدیل ہوا اور نہ ہی انجیر کھٹی اور بدبودار ہوئی اور نہ ہی انگور خراب ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اپنے گدھے کی طرف دیکھو اسے اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے کیسے زندہ کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لیے کیا تا کہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشانی اور علامت بنا دیں۔ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر ایک دلیل قائم ہو جائے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے گدھے کی ہڈیاں ایک دوسرے سے جڑ گئیں۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "نُنْشِزُهَا" کو زا کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اسے "نُنْشِرُهَا" را کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی ہم اسے زندہ کریں گے۔ حضرت سدی اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کے گدھے کی ہڈیاں ان کے اردگرد بکھری پڑی تھیں۔ اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے چمک رہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا کو بھیجا جس نے ان تمام ہڈیوں کو جمع کیا اور پھر ان ہڈیوں کو جوڑ کر گدھے کا ایک ڈھانچہ بنا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر گوشت پوست اور جلد چڑھا دی اور ایک فرشتہ بھیجا جس نے گدھے کے ناک میں پھونک ماری وہ ہینگنے لگا۔ یہ سب کچھ حضرت عزیر علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے رونما ہوا۔ اس وقت ان پر یہ چیز واضح ہوئی کہنے لگے میں جان گیا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اس لیے میں لوگوں سے زیادہ اس حقیقت سے آگاہ ہوں۔ بعض نے اس اَعْلَمُ کو اَعْلَمْ پڑھا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾

"اور یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے پروردگار! دکھا مجھے کہ تو کیسے زندہ فرماتا ہے مردوں کو فرمایا (اے ابراہیم) کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے عرض کی ایمان تو ہے لیکن (یہ سوال اس لیے ہے) تا کہ مطمئن ہو جائے میرا دل فرمایا تو پکڑ لے چار پرندے پھر مانوس کر لے انہیں اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا پھر بلا انہیں چلے آئیں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور جان لے یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب بڑا دانا ہے"۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ: علمائے کرام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال کرنے کے مختلف اسباب بیان فرمائے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ نے یہی دلیل نمرود کے سامنے پیش کی تھی۔ اس لیے آپ نے چاہا کہ آپ کو علم یقین سے عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے اور آپ اس کا مشاہدہ فرمالیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام

کی نسبت شک کے زیادہ حقدار ہیں۔ جب انہوں نے کہا تھا: رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۔۔۔۔۔۔ یہاں بلا اختلاف شک کا عام معنی مراد نہیں ہے۔ اس لیے کسی جاہل کو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے رب کی قدرت احیاء میں شک تھا۔ علماء کرام نے اس حدیث کی مختلف تاویلات بیان کی ہیں(1)۔

قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ: مفسرین کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ چار پرندے کون سے تھے۔ لیکن انہیں متعین کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ اگر اس میں کوئی فائدہ ہوتا تو قرآن خود بیان کر دیتا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ چار پرندے سارس، مور، مرغ، اور کبوتر تھے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ یہ مرغابی، شتر مرغ کا بچہ، مرغ اور مور تھے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ کبوتر، مرغ، مور اور کوا تھے۔

فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ: یعنی ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ یہ حضرت حضرت عبداللہ بن عباس، سعید بن جبیر اور دوسرے مفسرین سے مروی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس سے دوسری روایت کے مطابق اس کا معنٰی یہ ہے کہ ان کو مضبوطی سے باندھ دو۔ یعنی پہلے ان کو پکڑ کر باندھ دو پھر انہیں ذبح کر کے ہر پہاڑ پر ان کے ٹکڑے پھیلا دو۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے پکڑے، ان کو ذبح کیا، پھر ان کے پروں کو اکھیڑ کر ان کے گوشت کے ٹکڑے کر دیے اور ان کے گوشت کو آپس میں ملا دیا۔ پھر اسے مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ہر پہاڑ پر ایک حصہ رکھ دیا۔ بعض نے کہا چار پہاڑوں پر رکھے اور بعض کے نزدیک سات پہاڑوں پر۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پرندوں کے سر پاس رکھ لیے تھے۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان پرندوں کو بلایا تو ان کے سامنے پر ایک دوسرے کی طرف اڑنے لگے اس طرح گوشت کے ٹکڑے اور اجزاء بھی اڑتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ہر ایک پرندہ زندہ ہو کر الگ الگ کھڑا ہو گیا اور اڑتے ہوئے آپ کی خدمت میں پہنچے۔ ہر پرندہ اپنا سر لینے کے لیے آپ کے پاس آیا۔ جب آپ اس کے سامنے دوسرے پرندے کا سر کرتے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا اور جب آپ اس کا اپنا سر اس کی طرف بڑھاتے تو اللہ کے حکم سے اس کا سر اس کے ساتھ جڑ جاتا۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ: یعنی وہ ہر چیز پر غالب ہے اس کی قوت کے سامنے کوئی چیز غالب نہیں ہو سکتی۔ وہ جو چاہے وہی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ اس کے اقوال و افعال اور اس کے شرعی احکام بڑی حکمت والے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس (وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ) کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ میرے نزدیک تمام قرآن میں زیادہ امید افزا ہے۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اتفاقاً حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرو بن عاص کی ملاقات ہو گئی۔ ہم اس وقت نو جوان تھے حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک قرآن پاک کی کون سی آیت امید افزا ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ آیت کریمہ: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ (زمر:53)'' ترجمہ: آپ فرمایئے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو''۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ آپ تو یہ فرماتے ہیں لیکن میرے خیال میں یہ آیت کریمہ اس امت کے لیے اس سے بھی زیادہ امید افزا ہے۔ اسے ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ اور اس قسم کی ایک روایت حاکم اور ابن ابی حاتم نے بھی ذکر کی ہے۔

1۔ فتح الباری، کتاب التفسیر 201/8

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

''مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ جو اگاتا ہے سات بالیں (اور) ہر بال میں سو دانہ ہو اور اللہ تعالیٰ (اس سے بھی) بڑھا دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور اللہ وسیع بخشش والا جاننے والا ہے۔''

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ذکر کیا ہے جو شخص اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا ثواب عطا فرماتا ہے۔ بلکہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت مکحول فرماتے ہیں یہاں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مراد جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھوڑے پالنے اور اسلحہ خریدنے کے لیے خرچ کرنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جہاد اور حج میں خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ ایک درہم کا ثواب سات سو گنا تک عطا فرماتا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ: یہ مثال انتہائی بلیغ اور دل میں اتر جانے والی ہے۔ اور صراحتہً سات سو گنا ذکر کرنے سے زیادہ اثر انگیز ہے۔ اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اعمال اس طرح بڑھاتا ہے جس طرح زرخیز زمین میں کھیتی بڑھتی ہے۔ حدیث پاک میں بھی اس بات کا ذکر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب سات سو گنا ہے۔ حضرت عیاض بن غطیف فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابو عبیدہ کی عیادت کے لیے ان کے گھر حاضر ہوئے۔ ان کی زوجہ محترمہ ان کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں ہم نے پوچھا ان کی رات کیسی گزری۔ انہوں نے فرمایا بڑی سختی سے۔ یہ سن کر حضرت ابو عبیدہ فرمانے لگے میری رات سختی سے نہیں گزری۔ آپ نے پہلے اپنا منہ دیوار کی طرف کیا ہوا تھا۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے۔ جو شخص اپنی بچی ہوئی چیز اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے اسے سات سو گنا ثواب ملتا ہے۔ اور جو شخص اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے یا کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو اسے ایک کے بدلہ میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔ روزہ ڈھال ہے جب تک روزہ دار اسے خراب نہ کرے۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ کسی جسمانی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے(1)۔ اس روایت کو امام نسائی نے باب الصوم میں روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اللہ کی راہ میں نکیل والی اونٹنی خیرات کی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص کو قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں ملیں گی(2)۔ اس کو امام مسلم نے بھی کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابن آدم کو ایک نیکی کے بدلہ میں دس سے سات سو گنا تک اجر عطا فرماتا ہے سوائے روزہ کے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں خود ہی دوں گا۔ روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک افطار کے وقت، دوسری قیامت کے دن۔ اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ روزہ دار میرے لیے اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔ اور آخر میں یہ الفاظ ہیں روزہ ڈھال ہے، ڈھال ہے۔ حضرت حریم بن وائل سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے اسے سات سو گنا ثواب ملتا ہے۔ سہل بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

1۔ مسند امام احمد، 1/195 2۔ مسند امام احمد، 4/121

ارشاد فرمایا نماز، روزہ اور شکر کا ثواب اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے سات سو گنا ثواب سے بھی زیادہ ہے(1)۔ حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے خرچ کرے اور خود گھر میں بیٹھا رہے تو اسے قیامت کے دن ہر درہم کے بدلہ سات سو درہم ملیں گے اور جو شخص جہاد فی سبیل اللہ میں خود شریک ہو کر مال خرچ کرے اسے ہر درہم کے بدلہ میں سات لاکھ درہم کا ثواب ملے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث غریب ہے اور آیت کریمہ: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا کی تفسیر کے تحت حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث گزر چکی ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دو کروڑ نیکیوں تک ملتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ: مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی اے پروردگار! میری امت کو مزید عطا فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً (بقرہ:245) ''کون ہے جو دے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن تو بڑھا دے اللہ اس قرض کو اس کے لیے کئی گنا''۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے عرض کی اے باری تعالیٰ! میری امت کو مزید عطا فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (الزمر:10) ''صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا''۔ اس روایت کو ابن مردویہ، ابو حاتم اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ: اللہ تعالیٰ وسیع فضل و کرم کا مالک ہے اور وہ مستحق اور غیر مستحق کو خوب جانتا ہے۔ (سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ)

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَاۤ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ؕ وَ اللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ﴿۲۶۳﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى ۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶۴﴾

''جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر جو خرچ کیا اس کے پیچھے نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دکھ دیتے ہیں انہیں کے لیے ثواب ہے ان کا ان کے رب کے پاس نہ کوئی خوف ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اچھی بات کرنا اور (غلطی) معاف کر دینا بہتر ہے اس صدقہ سے جس کے پیچھے دکھ پہنچایا جائے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے بڑے حلم والا ہے۔ اے ایمان والو! مت ضائع کرو اپنے صدقوں کو احسان جتلا کر اور دکھ پہنچا کر اس آدمی کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے اور یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور روز قیامت پر اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو پھر برسے اس پر زور کی بارش اور چھوڑ جائے اسے چٹیل صاف پتھر۔ (ریاکار) حاصل نہ کر سکیں گے کچھ بھی اس سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کفر اختیار کرنے والوں کو''۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، 3/8

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ: یہاں اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کی تعریف فرماتا ہے جو اس کی راہ میں صدقہ وخیرات کرتے ہیں اور لینے والے پر کسی قسم کا احسان نہیں جتاتے۔ یعنی اپنے کسی قول وفعل سے احسان جتلا کر انہیں تکلیف نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اجر عظیم عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ: یعنی ان کا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے اس کے سوا کسی پر لازم نہیں۔

وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ: یعنی زمانہ مستقبل میں قیامت کی ہولنا کی کا انہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔

وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ: انہیں اپنی اس اولاد کا غم نہ ہوگا جو وہ پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ نیز دنیا کی رنگارنگی چھوڑنے پر انہیں کوئی غم نہ ہوگا۔ کیونکہ انہیں اس سے کئی درجہ بہتر اجر مل جائے گا۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ: اس سے مراد کلمہ طیبہ اور کسی مسلمان بھائی کے لئے دعا کرنا ہے۔ اور کسی کے قولی یا فعلی جرم کو معاف کرنا ہے۔ یہ اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ پہنچایا جائے۔ حضرت عمرو بن دینار فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھی بات سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک کوئی صدقہ نہیں۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا: ''قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ''۔

وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ: یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے مستغنی اور انتہائی بردبار ہے۔ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور ان کی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے۔ حضرت ابوذر روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تین قسم کے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن گفتگو نہیں فرمائے گا۔ (1) کسی کو دے کر احسان جتانے والا۔ (2) تہبند کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے والا (3) جھوٹی قسم کے ساتھ اپنا سودا بیچنے والا۔ حضرت ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا، صدقہ کر کے احسان جتانے والا، کثرت سے شراب پینے والا، تقدیر کو جھٹلانے والا، جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمر اپنے والد حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین اشخاص پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر کرم نہیں فرمائے گا۔ (1) والدین کا نافرمان، (2) شراب کا رسیا، (3) صدقہ کر کے احسان جتلانے والا (1)۔ انہی الفاظ میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا: یعنی اے ایمان والو! صدقہ وخیرات کرنے کے بعد احسان جتلا کر اور اذیت دے کر اپنے صدقات کو باطل نہ کرو۔ احسان جتلانے سے اور اذیت پہنچانے کے گناہ سے صدقہ کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔

كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ: یعنی جس طرح احسان اور اذیت سے صدقہ وخیرات کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے اسی طرح صدقہ و خیرات میں ریاکاری سے بھی ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی شخص لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے خرچ کرتا ہے لیکن حقیقت میں لوگوں کی تعریف وتوصیف اور اچھی صفات کے ساتھ مشہور ہونے کا خواہاں ہو۔ تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں اور کہیں کہ یہ بڑا سخی اور کریم ہے۔ جو شخص اس قسم کے گھٹیا دنیاوی مقاصد کے لئے صدقہ وخیرات کرتا ہے وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی اور اس کے ثواب واجر اور جزاء کو مدنظر نہیں رکھتا تو اسے کوئی ثواب نہیں ملتا۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ: یعنی یہ صدقہ کر کے احسان جتانے والا اور ریاکار درحقیقت اللہ تعالیٰ پر مکمل ایمان نہیں رکھتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس ریاکار کے بارے میں مثال دے کر وضاحت فرمائی ہے۔ ضحاک فرماتے ہیں اس میں وہ شخص بھی شامل ہے جو

1۔ مستدرک 146/4

صدقہ کر کے احسان جتاتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ: یہ صَفْوَانَةٌ کی جمع ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مفرد ہے۔ اور اس سے مراد وہ صاف چٹان ہے جس پر کوئی مٹی پڑی ہو۔ جب اس پر کوئی شدت کی بارش برسے تو بارش اسے بالکل صاف کر دیتی ہے۔ یعنی اس پر جو تھوڑی بہت مٹی ہوتی ہے وہ بھی بارش کی وجہ سے ڈھل جاتی ہے اور صاف ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان ریاکاروں کے اعمال کی اللہ کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں۔ اگرچہ بظاہر لوگ سمجھتے ہوں گے کہ یہ لوگ بڑے نیک ہیں۔ اس طرح ریاکاری سے ان کے اعمال کا صفایا ہو جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ: ''(ریاکار) حاصل نہ کر سکیں گے کچھ بھی اس سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کفر اختیار کرنے والوں کو۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

''اور مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے کے لیے اور اس لیے تاکہ پختہ ہو جائیں ان کے دل ان کی مثال اس باغ جیسی ہے جو ایک بلند زمین پر ہو برسا ہو اس پر زور کا مینہ تو لایا ہو وہ باغ دوگنا پھل اور اگر نہ برسے اس پر بارش تو شبنم ہی کافی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو سب دیکھ رہا ہے۔''

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ: یہاں ان مؤمنین کی مثال بیان کی گئی ہے جو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ انہیں یہ پختہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزاء عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے جو شخص ایمان اور ثواب کی نیت سے روزے رکھے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ شعبی فرماتے ہیں ''تَثْبِيْتًا'' کا معنیٰ یقین اور تصدیق ہے۔ مجاہد اور حسن بصری فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ صدقہ ادا کرنے سے پہلے تحقیق کر لیتے ہیں۔

كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ: یعنی ان کی مثال اس باغ جیسی ہے جو بلند زمین پر ہو۔ جمہور علماء کے نزدیک ''رَبْوَةٍ'' کا معنی بلند زمین ہے۔ حضرت ابن عباس اور ضحاک فرماتے ہیں اس سے مراد وہ بلند زمین ہے جس میں نہریں جاری ہیں۔

لفظ ربوۃ کو تین طرح پڑھا گیا ہے۔ (1) رَبوۃ (2) رِبوۃ (3) رُبوۃ۔

اَصَابَهَا وَابِلٌ: یعنی اس باغ پر شدید بارش برسی تو اس کا پھل دوگنا ہو گیا۔ یعنی دوسرے باغوں کی نسبت اس کا دوگنا زیادہ ہو گیا۔ اور اگر اس پر بارش نہ برسے تو اس کے لیے ہلکی پھلکی شبنم ہی کافی ہو جاتی ہے۔ یعنی یہ کسی حالت میں بھی ویران اور بنجر نہیں ہوتا۔ اسی طرح مومن کا عمل بھی کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ اور عامل کو اس کے عمل کے مطابق بلکہ اس سے بڑھ کر اسے جزا دیتا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ: اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو سب دیکھ رہا ہے۔ کس کا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَ اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَ لَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۶۶

''کیا پسند کرتا ہے کوئی تم میں سے کہ ہو اس کا ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا بہتی ہوں اس کے نیچے ندیاں (کھجور و انگور کے علاوہ) اس کے لیے اس میں ہر قسم کے اور پھل بھی ہوں اور آلیا ہو اسے بڑھاپے نے اور اس کی اولاد بھی کمزور ہو (تو کیا وہ پسند کرتا ہے کہ) پہنچے اس کے باغ کو بگولہ جس میں آگ ہو پھر وہ باغ جل بھن جائے۔ ایسے ہی کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنی) آیتیں تاکہ تم غور و فکر کرو''۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ: حضرت عبید بن عمیر فرماتے ہیں کہ ایک دن امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب نے صحابہ کرام سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ آیت کریمہ کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہوں نے جواب دیا اللہ بہتر جانتا ہے۔ آپ ناراض ہو گئے اور فرمایا سیدھی بات کرو تم اس کے بارے میں جانتے ہو یا نہیں اس پر حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا اے امیر المومنین! میرے دل میں اس کے بارے میں کچھ بات ہے۔ آپ نے فرمایا اے بھتیجے! جو دل میں بات ہے وہ کہو اور اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ اس آیت کریمہ میں کسی عمل کے بارے میں مثال بیان کی گئی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ کیسے؟ انہوں نے جواب دیا یہ ایک دولت مند آدمی کے عمل کی مثال ہے۔ جو اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے عمل کرتا ہے پھر شیطان اسے بہکا دیتا ہے وہ معاصی کا ارتکاب کر کے اپنے پہلے اعمال کو بھی برباد کر لیتا ہے (1)۔ اس حدیث پاک میں آیت کریمہ کی مکمل تفسیر بیان کی گئی ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص پہلے نیک عمل کرتا ہے۔ پھر اس کی حالت تبدیل ہو جاتی ہے۔ وہ نیکی کو چھوڑ کر برائی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے پہلے نیک عمل کو بھی برباد کر لیتا ہے۔ اور اپنے آخری وقت میں جب کہ انسان کو نیکیوں کو بہت ضرورت ہوتی ہے۔ نیکیوں سے تہی دامن ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا:

وَ اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَ لَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ: اور آلیا ہو اسے بڑھاپے نے اور اس کی اولاد بھی کمزور ہو۔ کیا یہ پسند کرتا ہے کہ پہنچے اس باغ کو بگولہ، اس میں آگ ہو اور وہ باغ جل جائے۔ یعنی اس کا پھل جل جائے اور درخت تباہ و برباد ہو جائیں۔ تو ایسی صورت میں اس شخص کی کیا حالت ہو گی۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک بہترین مثال بیان کی ہے اور اس کی تمام مثالیں ہی بہترین ہیں۔ یہاں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس باغ اور جاگیر ہو جس میں طرح طرح کے پھل اور پھول ہوں۔ نہریں رواں دواں ہوں اور جب وہ بوڑھا ہو جائے اور اس کی اولاد چھوٹی یا کمزور ہو تو اس آخر عمر میں اگر یہ باغ جل جائے تو اب نہ تو خود اس کے پاس قوت ہے کہ وہ اسے دوبارہ کاشت کر سکے اور نہ ہی اس کی اولاد اس قابل ہے کہ اس کی مدد کر سکے یہی حال قیامت کے دن کافر کا ہو گا۔ جب اسے اللہ تعالیٰ کے پاس پیش کیا جائے گا اب نہ اس کے پاس کوئی نیک عمل ہے جس کے ذریعہ اپنے رب کو راضی کر سکے جیسے اس بوڑھے کے پاس کوئی قوت نہ تھی جس سے وہ دوبارہ باغ کاشت کر سکتا۔ اور نہ ہی اس نے آگے کوئی نیک عمل بھیجا تھا جو اس کے کام آ سکے۔ جیسا کہ اس بوڑھے کی اولاد نے اسے کوئی فائدہ نہیں دیا۔ یہ کافر اپنے اجر سے اس وقت محروم ہو گیا جب اسے شدید ضرورت تھی جیسا کہ وہ بوڑھا اپنے بڑھاپے میں باغ سے محروم ہو گیا جب کہ اسے سخت ضرورت تھی۔ حاکم اپنی مستدرک میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا

1۔ فتح الباری، کتاب التفسیر: 201/8

فرمایا کرتے تھے۔(اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ اِلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِضَاءِ عُمْرِيْ) ''ترجمہ: اے باری تعالیٰ! بڑھاپے اور آخری عمر میں اپنے رزق کو مجھ پر وسیع فرمادے۔'' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ: ایسے ہی اللہ تعالیٰ کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے اپنی آیات تاکہ تم غور وفکر کرو۔ یعنی ان مثالوں کو سمجھو اور ان کے معانی کو کما حقہ سمجھ کر اس سے نصیحت اور عبرت حاصل کرو۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (العنکبوت 44) (اور یہ مثالیں ہیں ہم بیان کرتے ہیں انہیں لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے اور نہیں سمجھتے مگر اہل علم)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

''اے ایمان والو! خرچ کیا کرو عمدہ چیزوں سے جو تم نے کمائی ہیں اور اس سے جو نکالا ہے ہم نے تمہارے لیے زمین سے اور نہ ارادہ کرو ردی چیز کا اپنی کمائی سے کہ (تم اسے) خرچ کرو حالانکہ (اگر تمہیں کوئی ردی چیز دے تو) تم نہ لو اسے بجز اس کے کہ چشم پوشی کرلو اس میں اور (خوب) جان لو کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے ہر تعریف کے لائق ہے۔ شیطان ڈراتا ہے تمہیں تنگ دستی سے اور حکم کرتا ہے تم کو بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے تم سے اپنی بخشش کا اور فضل (وکرم) کا اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ عطا فرماتا ہے دانائی جسے چاہتا ہے اور جسے عطا کی گئی دانائی تو یقیناً اسے دے دی گئی بہت بھلائی اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر عقلمند''۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی کمائی سے پاکیزہ اور عمدہ ترین مال اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں مسلمانوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں پاکیزہ کمائی سے مراد تجارت ہے جس کی راہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آسان فرمادی۔ سدی فرماتے ہیں اس سے مراد سونا، چاندی، پھل اور وہ اجناس ہیں جو زمین ان کے لیے پیدا کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنا پاکیزہ ترین اور نفیس ترین مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ گھٹیا اور حقیر مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بھی پاک ہے اور پاکیزہ چیز ہی قبول فرماتا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ اپنی کمائی کی ردی چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو۔ حالانکہ اگر وہی چیز تمہیں دی جائے تو تم اسے نہ لو مگر چشم پوشی کرتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ تو اس چیز سے مستغنی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ چیز نہ دو جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ اس کا یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم حلال مال سے اعراض کر کے حرام مال کا قصد نہ کرو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان جس طرح رزق تقسیم کیا ہے اسی طرح اخلاق بھی تقسیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا دوستوں، دشمنوں سب کو دیتا ہے مگر دین اسے ہی عطا فرماتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور جس کو

اللہ تعالیٰ نے دین عطا فرمادیا وہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی شخص اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کا دل اور زبان مسلمان نہ ہو۔ اور نہ ہی وہ کامل مومن ہوسکتا ہے یہاں تک کہ اس کا پڑوسی اس کی اذیت سے محفوظ ہو جائے۔ صحابہ نے عرض کی اس سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے مراد دھوکہ اور ظلم ہے۔ پھر فرمایا جو شخص حرام طریقہ سے مال کماتا ہے اور پھر اسے خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں برکت نہیں ڈالتا۔ اور اگر صدقہ کرے تو اس کا صدقہ قبول نہیں کرتا۔ اور اگر یہ مال چھوڑ کر مرجائے تو یہ اس کے لیے توشہ جہنم بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ خبیث چیز خبیث کو نہیں مٹاسکتی۔ یہاں خبیث کے بارے میں دو قول بیان ہوئے۔ ایک ردی چیز، دوسرا حرام مال۔ یہاں پہلا معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی۔ انصار کھجوروں کے موسم میں اپنے باغات سے عمدہ کھجوروں کے خوشے لا کر مسجد نبوی کے دو ستونوں کے درمیان رسی سے باندھ کر لٹکا دیتے۔ اصحاب صفہ اور مسکین مہاجرین ان کھجوروں کو استعمال کرتے۔ ایک انصاری نے ردی کھجوروں کا ایک خوشہ ان کھجوروں کے ساتھ لٹکا دیا تو اپنے خیال کے مطابق اسے جائز سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (1)۔ اس کو ابن ابی حاتم نے کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یعنی معنی یہ ہے کہ اگر تم میں سے کسی کو اس قسم کا ہدیہ پیش کیا جائے تو تم بادل نخواستہ ہی لوگے۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں اس کے بعد ہم سے ہر شخص اپنے باغ کی بہترین کھجوریں اللہ کی راہ میں خیرات کے لیے لے کر آتا۔ اسے امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت سہل بن حنیف اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ردی اور ناقص کھجوریں خیرات کرنے سے منع فرمایا ہے لوگ ردی کھجوریں صدقہ و خیرات کر دیتے تھے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں کہ مومن کی کمائی کبھی خبیث نہیں ہوتی مگر اسے چاہیے کہ ردی کھجوروں، کھوٹے دراہم اور بیکار چیزوں کو اللہ کی راہ میں صدقہ نہ کرے۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت میں گوہ کا گوشت پیش کیا گیا۔ آپ نے نہ خود اسے تناول فرمایا اور نہ اس سے منع کیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اسے کسی مسکین کو نہ دے دیں۔ آپ نے فرمایا جس کو تم خود کھانا پسند نہیں کرتے مسکین کو مت دو۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں جب تمہارا کسی پر حق واجب ہو تو وہ تمہیں گھٹیا چیز دے تو تم اسے نہیں لوگے۔ مگر جب تمہیں اپنے حق کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو پھر تم چشم پوشی کرتے ہوئے لے لوگے۔ حضرت ابن عباس اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اگر تمہارا کسی پر کوئی حق لازم ہو اور وہ تمہارے پاس کوئی گھٹیا چیز لے کر آئے تو تم اپنی عمدہ چیز کے مقابلہ میں وہ چیز نہیں لوگے۔ جب تک کہ اس کی قیمت کم نہ کر لے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تم میرے لیے اس چیز کو کیوں پسند کرتے ہو جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ میرا تم پر حق ہے کہ تم اپنا پاکیزہ اور نفیس ترین مال میری راہ میں صدقہ کرو۔ ابن جریر کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: 92) "ہرگز نہ پاسکو گے تم کامل نیکی (کا رتبہ) جب تک نہ خرچ کرو (راہ خدا میں) ان چیزوں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو"۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ: اللہ تعالیٰ تمہیں صدقہ و خیرات میں پاکیزہ مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ حالانکہ وہ اس سے مستغنی ہے۔ اور اس حکم دینے کا مقصد صرف یہی ہے کہ فقیر بھی غنی کے ساتھ برابر ہو جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (آل عمران: 92) "ترجمہ: نہیں پہنچتے اللہ تعالیٰ کو ان کے گوشت اور نہ ان کے خون، البتہ پہنچتا ہے

1۔ تفسیر الطبری: 83/3

اس کے حضور تک تقویٰ تمہاری طرف سے'' ۔یعنی وہ وحدہ لاشریک اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اور تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔ وہ صاحب فضل عظیم ہے۔اس کے خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ جو بھی اپنا پاکیزہ مال اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے اسے جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ بلکہ وہ تو کئی گنا زیادہ عطا فرماتا ہے۔ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ اس کے تمام افعال، اقوال اور شرعی احکام قابل ستائش ہیں۔ اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی پروردگار ہے۔

اَلشَّيۡطٰنُ يَعِدُكُمُ الۡفَقۡرَ: حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابن آدم کے ساتھ شیطان کی سنگت بھی ہوتی ہے اور فرشتے کی بھی۔ شیطان کی سنگت یہ ہے کہ وہ اسے برائی پر آمادہ کرتا ہے اور حق کو جھٹلانے پر اکساتا ہے۔ اور فرشتے کی سنگت یہ ہے کہ وہ اسے نیکی پر آمادہ کرتا ہے اور حق کی تصدیق پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اور جس کو یہ نصیب ہوا سے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور جس کے حصہ میں شیطان کی سنگت آئے اسے شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اس حدیث کو ابن ابی حاتم، ابن حبان اور ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے تاکہ تم اپنا مال اپنے پاس جمع رکھو اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی میں اسے خرچ نہ کرو اور اس کے ساتھ ساتھ تمہیں اللہ کی نافرمانی، گناہوں کے ارتکاب، حرام خوری، اور مخالفت حق پر اکساتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری مغفرت کا مژدہ جانفزا سناتا ہے۔ اور بے حد و حساب رزق عطا کرنے کا وعدہ فرماتا ہے۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ: اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

يُّؤۡتِى الۡحِكۡمَةَ مَنۡ يَّشَآءُ: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد قرآن حکیم کا علم اور معرفت ہے یعنی قرآن پاک کے ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، مقدم و مؤخر، حلال و حرام اور اس کی امثلہ کا فہم و ادراک عطا فرما دیتا ہے۔ دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے قرآن کریم کی تفسیر میں بصیرت عطا فرما دیتا ہے حالانکہ اسے نیک و بد ہر قسم کے لوگ پڑھتے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں، کہ حکمت سے مراد اصابت رائے ہے۔ فرماتے ہیں اس سے مراد نبوت نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد علم فقہ اور قرآن ہے۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد خشیت الٰہی ہے کیونکہ خشیت الٰہی پر حکمت کی اساس اور بنیاد ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی مرفوعاً روایت ہے کہ حکمت کی اساس اللہ کا خوف ہے (رَأۡسُ الۡحِكۡمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ)۔ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد فہم و فراست ہے۔ ابو مالک فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد سنت ہے۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عقل ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک حکمت سے مراد دین کی سمجھ بوجھ اور وہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دل میں پیدا کرتا ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض اوقات ایک انسان دنیا کے معاملات میں تو بہت عقلمند اور ہوشیار ہوتا ہے اس کے برعکس دنیاوی امور میں اتنا ہوشیار نہیں ہوتا لیکن وہ دینی امور میں صاحب بصیرت ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جسے چاہے نواز دے جسے چاہے اس سے محروم رکھے۔ سدی کہتے ہیں کہ حکمت سے مراد نبوت ہے۔ لیکن جمہور علماء کا قول ہی صحیح ہے کہ حکمت نبوت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ اس سے عام ہے۔ اور اس کا سب سے اعلیٰ ترین درجہ نبوت و رسالت ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی اتباع اور پیروی کرنے کی برکت سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے جس نے قرآن پاک حفظ کرلیا اس نے اپنے کندھوں کے درمیان نبوت کو محفوظ کرلیا۔ مگر وہ صاحب وحی نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صرف دو شخص قابل رشک ہیں۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے وافر مال عطا فرمایا ہو اور اسے راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق عطا کی ہو۔

اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا فرمائی ہو وہ اس کے ذریعہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہو اور دوسروں کو بھی اس کا درس دیتا ہو(1)۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی متعدد اسناد سے روایت کیا ہے۔

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ: وعظ ونصیحت سے عقل مند ہی فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ صاحب عقل ہی اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے احکام کو سمجھ سکتا ہے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

''اور جو تم خرچ کرتے ہو یا منّت مانتے ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار اگر ظاہر کرو (اپنی) خیرات تو بہت اچھی بات ہے اور اگر پوشیدہ رکھو صدقوں کو اور دو انہیں فقیروں کو تو یہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے اور (صدقہ کی برکت سے) مٹادے گا تم سے تمہارے بعض گناہ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو خبردار ہے''۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ تمام صدقہ وخیرات اور نذر ماننے والوں کو جانتا ہے۔ جو اس کی رضا، خوشنودی اور ثواب کے حصول کے لیے یہ افعال سرانجام دیتا ہے وہ اسے بہترین جزا سے نوازے گا اور جو اس کی اطاعت سے گریزاں رہتا ہے بلکہ اس کے حکم کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کے احکام کو جھٹلاتا ہے، اور اس کے ساتھ اس کے غیر کو عبادت میں شریک کرتا ہے تو اس کے لیے ارشاد فرمایا قیامت کے دن ان لوگوں کے لیے کوئی معاون ومددگار نہیں ہوگا جو ان کو عذاب الٰہی سے چھڑا سکے۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ: یعنی اگر تم اپنے صدقہ وخیرات کو ظاہر کرو تو یہ بھی اچھی بات ہے اور اگر ان کو پوشیدہ رکھو اور فقیروں کو عطا کرو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ یہ حکم خداوندی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پوشیدہ طور پر صدقہ کرنا ظاہری صدقہ سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ ریاء کے شائبہ سے خالی ہوتا ہے۔ ہاں اگر صدقہ وخیرات کو ظاہر کرنے میں کوئی مصلحت ہو جیسا کہ کوئی اس نیت سے صدقہ وخیرات کو ظاہر کرے کہ لوگ اسے دیکھ کر اس کار خیر میں شریک ہو جائیں اس حیثیت سے اس کو ظاہر کرنا افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا صدقہ کو ظاہر کرنے والے کی مثل ہے اور پست آواز سے تلاوت کرنے والا چھپا کر صدقہ کرنے والے کی مثل ہے۔ بہرحال اس کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ صدقہ کو پوشیدہ رکھنا ہی افضل ہے۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات افراد کو اپنے سایہ رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ (1) عادل حکمران۔ (2) اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جوانی گزارنے والا نوجوان۔ (3) وہ دو آدمی جو اللہ کی محبت میں اکٹھے ہوں اور اس پر جدا ہوں۔ (4) وہ شخص جو مسجد سے نکلے تو اس کا دل مسجد میں ہی لگا رہے۔ یہاں تک کہ وہ مسجد میں لوٹ آئے۔ (5) وہ شخص جو تنہائی اور خلوت میں اللہ کا ذکر کرے اور اس دوران اس کی آنکھوں میں آنسو آجائیں۔ (6) وہ شخص جو صاحب جاہ ومال اور حسن وجمال عورت برائی کی دعوت دے اور وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (7) وہ آدمی جو پوشیدہ طور پر صدقہ کرے حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے

1۔ مسند امام احمد: 432/1

زمین کو پیدا کیا تو یہ حرکت کرنے لگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے ان کو زمین میں گاڑ دیا تو اس کی حرکت بند ہوگئی۔ فرشتے پہاڑوں کی تخلیق پر بڑے متعجب ہوئے اور عرض کی اے پروردگار! کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے بھی کوئی سخت چیز ہے۔ فرمایا لوہا۔ عرض کی کیا تو نے لوہے سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز پیدا فرمائی ہے۔ فرمایا آگ۔ عرض کی اے پروردگار تو نے آگ سے بھی کوئی سخت چیز پیدا کی ہے۔ فرمایا پانی۔ عرض کی اس سے سخت، فرمایا ہوا۔ عرض کی اس سے سخت۔ فرمایا ہاں اس سے سخت وہ ابن آدم ہے جو اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے اور اسے بائیں ہاتھ سے چھپاتا ہے(1)۔ آیت الکرسی کی فضیلت میں حضرت ابوذر سے مروی یہ روایت ہم نقل کر چکے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ (ﷺ!) کون سا صدقہ افضل ہے۔ فرمایا پوشیدہ طور پر فقیر کو دے دینا یا قلیل المال کا اپنی ہمت سے بڑھ کر صدقہ کرنا۔ ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا کہ پوشیدہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی تپش کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب کہ حضرت عمر نے اپنا نصف مال حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے پوچھا اے عمر! اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو۔ عرض کی ان کے لیے میں نصف مال چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق اپنا کل مال لے آئے اور چپکے سے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں لا کر رکھ دیا۔ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا اے ابوبکر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو۔ عرض کی اللہ اور اس کا رسول۔ یہ سن کر حضرت عمر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگے اے ابوبکر! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں قسم بخدا: ہم جس نیکی میں بھی سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں تو تم اس میں ہم سب سے آگے اور پہلے ہوتے ہو۔ یہ روایت کئی دوسری اسناد سے بھی مروی ہے۔ اس آیت کریمہ کا حکم عام ہے۔ یعنی ہر صدقہ مخفی کرنا افضل ہے۔ خواہ وہ صدقہ فرض ہو یا نفل۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ نفلی صدقہ کو پوشیدہ رکھنا ظاہر کرنے سے ستر گنا افضل ہے۔ اور واجب صدقہ کو علانیہ طور پر دینا پوشیدہ رکھنے سے پچیس گنا افضل ہے۔

وَ یُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَیِّاٰتِكُمْ: یعنی اللہ تعالیٰ اس صدقہ کی برکت سے تمہارے بعض گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ اور اس جزم کے ساتھ یُكَفِّرْ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس وقت یہ جواب شرط یعنی "فَنِعِمَّا هِيَ" کے محل پر معطوف ہوگا۔ جیسا کہ (فَاَصَّدَّقَ) کے بعد اَكُنْ اور اَكُوْنَ دونوں طرح پڑھا ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ: اور اللہ تعالیٰ اس سے خبردار ہے جو تم کر رہے ہو یعنی اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ پس وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزاء عطا فرمائے گا۔

لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ ٞ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ۚ لَا یَسْــٴَـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا

1۔ مسند امام احمد: 124/3

وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

''نہیں ہے آپ کے ذمہ ان کو سیدھی راہ پر چلانا ہاں اللہ سیدھی راہ پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرو (اپنے) مال سے تو (اس میں) تمہارا اپنا فائدہ ہے۔ اور تم تو خرچ ہی نہیں کرتے ہو سوائے اللہ کی رضا طلبی کے اور جتنا کچھ تم خرچ کرو گے (اپنے) مال سے پورا ادا کر دیا جائے گا تمہیں اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا (خیرات) ان فقیروں کے لیے ہے جو روکے گئے ہیں اللہ کی راہ میں نہیں فرصت ملتی انہیں (روزی کمانے کے لیے) چلنے پھرنے کی زمین میں خیال کرتا ہے انہیں ناواقف (کہ یہ) مالدار (ہیں) بوجہ ان کے سوال نہ کرنے کے۔ (اے حبیب!) آپ پہچانتے ہیں انہیں ان کی صورت سے یہ نہیں مانگا کرتے لوگوں سے لپٹ کر اور جو کچھ تم خرچ کرو گے (اپنے) مال سے پس یقیناً اللہ تعالیٰ اسے خوب جاننے والا ہے جو لوگ خرچ کیا کرتے ہیں اپنے مال رات میں اور دن میں چھپ کر اور علانیہ تو ان کے لیے ان کا اجر ہے اپنے رب کے پاس اور نہ انہیں کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔

لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اپنے مشرکین رشتہ داروں پر خرچ کرنا ناپسند کرتے تھے۔ انہوں نے اس کے بارے میں آپ سے سوال کیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور انہیں یہ رخصت دے دی گئی(1)۔ اسے ابوحذیفہ، ابن مبارک، ابواحمد زبیری اور ابوداؤد حضرمی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ صدقہ صرف مسلمان ہی کو دیا کرو حتیٰ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا ہر سائل کو عطا کرو خواہ اس کا کوئی دین ہو۔ آیت کریمہ: لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ (الممتحنہ:8) کی تفسیر کے تحت اسماء بنت ابی بکر سے مروی حدیث بھی آئے گی۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ: اور جو کچھ تم اپنے مال سے خرچ کرو گے اس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔ ایک دوسری جگہ یہی مفہوم اس طرح بیان فرمایا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ (حم السجدہ:46) ''جو نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے بھلے کے لیے کرتا ہے''۔

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مومن جب بھی خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے خرچ کرتا ہے۔ حضرت عطاء خراسانی فرماتے ہیں جب تو نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دے دیا تو تجھے اس کا ثواب مل جائے گا خواہ لینے والے کا عمل کیسا بھی ہو۔ یعنی صدقہ وخیرات کرنے والے نے اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لیے صدقہ کیا تو اسے اللہ کی طرف سے ثواب مل جائے گا۔ خواہ مال کسی نیک کو دیا ہو یا بد کو۔ مستحق کو دیا ہو یا غیر مستحق کو۔ صدقہ کرنے والے کو اپنی نیت کا ثواب مل جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو کچھ تم اپنے مال سے خرچ کرو گے اس کا اجر تمہیں پورا عطا کیا جائے گا اور تم سے زیادتی نہیں کی جائے گی۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ وہ آج رات صدقہ وخیرات کرے گا۔ وہ رات کی تاریکی میں اپنی خیرات لے کر نکلا اور چپکے سے ایک عورت کو دے آیا۔ صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے کہ آج رات کوئی بدکار عورت کو خیرات دے گیا ہے۔ اس نے بات سنی تو خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر ارادہ کیا کہ آج رات پھر صدقہ کروں گا۔ اس رات اس نے کسی مال دار کو صدقہ دے دیا۔ لوگ صبح پھر باتیں کرنے لگے کہ آج کوئی مال دار کو صدقہ دے گیا۔ اس نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

1۔ تفسیر الطبری،3:94

ارادہ کیا کہ آج رات پھر صدقہ کرے گا۔ اس رات اس نے کسی چور کو خیرات دے دی۔ صبح پھر باتیں ہونے لگیں کہ آج رات کوئی چور کو خیرات دے گیا ہے اس شخص نے عرض کی اے باری تعالیٰ! میں تیری حمد وثناء بیان کرتا ہوں۔ بدکار عورت، مال دار اور چور پر صدقہ کرنے پر۔ اس پر ہاتف غیبی سے آواز آئی کہ تیرا یہ صدقہ اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہو گیا ہے شاید وہ بدکار عورت تمہارے اس مال کی وجہ سے زنا سے باز آجائے۔ شاید اس مال دار کو عبرت حاصل ہو اور وہ بھی اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگے۔ شاید وہ چور اس مال کی وجہ سے چوری کرنے سے باز آجائے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا: اس سے مراد وہ مہاجرین ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خاطر اپنے گھر بار کو چھوڑا اور مدینہ طیبہ میں ڈیرے ڈال دیے۔ ان کے پاس ذریعہ معاش نہیں ہے جو ان کو کفایت کر سکے۔ اور نہ ہی روزی کی تلاش میں سفر کر سکتے ہیں۔ (اَلضَّرْبُ فِي الْاَرْضِ) کا معنی سفر کرنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ''اور جب تم سفر کرو زمین میں تو نہیں تم پر کوئی حرج اگر تم قصر کرو نماز میں''۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ ''وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے، اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں، تلاش کر رہے ہوں گے اللہ کے فضل (رزق حلال) کو، اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے''۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ: ان کے حال سے ناواقف انہیں مالدار گمان کرتا کیونکہ وہ کسی سے سوال نہیں کرتے۔ یعنی جو شخص ان کے احوال سے ناواقف ہوتا ہے وہ ان کی ظاہری بود و باش اور گفتگو سے انہیں مال دار خیال کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ مسکین وہ نہیں جو در بدر پھرتا ہے کہیں سے اسے ایک کھجور مل جاتی ہے اور کہیں سے دو۔ کہیں سے ایک لقمہ اور کہیں سے دو۔ کہیں سے ایک وقت کا کھانا مل جاتا ہے اور کہیں سے دو وقت کا۔ بلکہ مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس اتنا مال نہیں ہوتا کہ وہ مستغنی ہو جائے اور نہ ہی اس کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ لوگ اسے دیکھ کر اس پر صدقہ کریں۔ اور نہ ہی وہ لوگوں سے سوال کرتا ہے۔ اسے امام احمد نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے بھی روایت کیا ہے۔

تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ: اے حبیب! آپ نے انہیں ان کی صورت سے پہچانتے ہیں۔ اسی طرح ہر صاحب عقل و دانش بھی ان کی صفات سے ان کو پہچان سکتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ ''ان کی علامت ان کے چہروں پر ہے'' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ''مومن کی فراست سے بچو بلاشبہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے'' پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ''بے شک اس واقعہ میں نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کے لیے''۔

لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا: یعنی یہ لوگ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے اور بلاضرورت لوگوں کو تنگ بھی نہیں کرتے۔ وہ شخص جو اپنے پاس مال و دولت ہونے کے باوجود کسی سے مانگتا ہے وہ بھی لوگوں سے لپٹ کر سوال کرنے والا شمار ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا مسکین وہ نہیں جو ایک ایک دو دو اور ایک یا دو لقمے مانگتا پھرتا ہے۔ بلکہ مسکین وہ ہے جو ضرورت کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ اگر چاہو تو قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ لو: لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (البقرۃ:273) اس حدیث کو امام مسلم، نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ اسی طرح اس کو ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے بھی بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ قبیلہ مزینہ کی ایک عورت نے اپنے لڑکے سے کہا کہ تم جاؤ اور حضور ﷺ سے سوال کرو جیسا کہ دوسرے سوال کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں اسی

نیت سے گھر سے نکلا۔ جب میں مسجد نبوی میں پہنچا تو دیکھا کہ حضور ﷺ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ جو شخص سوال کرنے سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سوال کرنے سے بچا لیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے غناء طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دیتا ہے۔ جو شخص پانچ اوقیہ کی مقدار مال رکھنے کے باوجود سوال کرے تو وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال کرنے والا ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد سن کر میرے دل میں خیال آیا میرے پاس جو اونٹنی ہے وہ پانچ اوقیہ سے زیادہ قیمتی ہے۔ اور اسی طرح ایک دوسری اونٹنی میرے غلام کے پاس ہے اس لیے میں نے آپ سے سوال نہ کیا اور واپس لوٹ آیا(1)۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور ایک روایت میں یہ واقعہ ابوسعید خدری کے بارے میں مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اسے غنی کر دے اور اس کے باوجود وہ سوال کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس کے چہرے پر اس کے باعث زخم ہوں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ کس قدر مال غناء ہے؟ آپ نے فرمایا پچاس درھم یا اس کی قیمت سونا(2)۔ اس حدیث کو اصحاب سنن نے بھی روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ شام میں ایک قریشی بزرگ رہتے تھے۔ انہیں معلوم ہوا کہ حضرت ابوذر غفاری ضرورت مند ہیں۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں تین سو اشرفیاں بھیجیں۔ آپ خفا ہو کر فرمانے لگے اس اللہ کے بندے کو مجھ سے زیادہ کوئی مسکین نظر نہیں آیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے چالیس درہم ہونے کے باوجود سوال کیا وہ لپٹ کر سوال کرنے والا ہے۔ حالانکہ ابوذر کے گھر میں چالیس درھم، چالیس بکریاں اور دو غلام موجود ہیں اور ایک روایت میں یہ ارشاد ہے کہ جس نے چالیس درہم ہوتے ہوئے سوال کیا وہ اصرار کرنے والا ہے۔ وہ ریت پھانکنے والا ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ: اور جو کچھ تم اپنے مال سے خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اسے یقیناً جاننے والا ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں اور قیامت کے دن جب انسان انتہائی ضرورت مند ہوگا تو وہ اس کا بہترین بدل اور جزاء عطا فرمائے گا۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے۔ جو اس کی رضا اور خوشنودی کے لیے اس کی راہ میں شب و روز خرچ کرتے ہیں۔ کبھی علانیہ اور کبھی خفیہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے تو اسے اس کا بھی اجر و ثواب ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع والے سال حضرت سعد بن ابی وقاص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے اس کے سبب اللہ تعالیٰ تمہارے درجات بلند فرمائے گا۔ حتیٰ کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے اس کا بھی تمہیں ثواب ملے گا۔ حضرت ابو مسعود نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص ثواب کی نیت سے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے وہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔ ایک روایت میں اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان مجاہدین کے بارے میں نازل ہوئی جو جہاد کے لیے گھوڑے پالتے ہے اور ان پر خرچ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت جبیر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس چار درہم تھے۔ آپ نے ایک درہم رات کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا ایک دن کو۔ ایک پوشیدہ طور پر خرچ کیا اور ایک علانیہ۔ تو آپ کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس کو ابن جریر نے بھی عبدالوہاب بن مجاہد سے روایت کیا ہے لیکن وہ ضعیف ہیں۔ اس کے علاوہ ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت علی کے بارے میں نازل ہوئی۔

فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ: یعنی قیامت کے دن انہیں اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کا ثواب ملے گا۔

1۔ مسند امام احمد: 138/4 2۔ مسند امام احمد: 388/1

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: اور نہ انہیں کچھ خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

''جولوگ کھایا کرتے ہیں سود وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ جسے پاگل بنا دیا ہو شیطان نے چھو کر یہ حالت اس لیے ہوگی کہ وہ کہا کرتے تھے کہ سوداگری بھی سود کی مانند ہے حالانکہ حلال فرمایا اللہ تعالیٰ نے تجارت کو اور حرام کیا سود کو پس جس کے پاس آئی نصیحت اپنے رب کی طرف سے تو وہ (سود سے) رک گیا تو جائز ہے اس کے لیے جو گزر چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو شخص پھر سود کھانے لگے تو وہ لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا: اولاً اللہ تعالیٰ نے اپنے ان نیک بندوں کا ذکر کیا جو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ فقراء و مساکین پر صدقہ و خیرات بھی کرتے رہتے ہیں۔ اب اس کے بعد سود خوروں اور ان لوگوں کا ذکر ہے جو باطل طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کی اس حالت کو بیان کیا ہے قیامت کے دن جو قبروں سے نکلتے وقت ہوگی۔ ارشاد فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو۔ یعنی قیامت کے دن وہ اپنی قبروں سے اس طرح نکلیں گے جس طرح مجنون، دیوانے، خبطی اور پاگل ڈگمگاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں قیامت کے دن سود خور اپنی قبر سے اس طرح نکلے گا جس طرح مجنون جنون کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور ایک قرأت میں ''مِنَ الْمَسِّ'' کے بعد ''يَوْمَ الْقِيٰمَةِ'' کے الفاظ بھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں قیامت کے دن سود خور کو کہا جائے گا کہ یہ ہتھیار لو اور اپنے رب کے ساتھ لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حضرت ابو سعد خدری معراج والی حدیث میں بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے پیٹ بڑے بڑے کمروں کی مانند تھے۔ آپ نے ان کے بارے میں دریافت فرمایا۔ عرض کی گئی یہ سود خور ہیں۔ اس روایت کو بیہقی نے تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا معراج کی رات میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پیٹ بڑے بڑے کمروں کی مانند تھے اور ان میں سانپ چل رہے تھے۔ میں نے پوچھا جبرئیل! یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا یہ سود خور ہیں۔ ایک دوسری طویل روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم ایک نہر کے قریب پہنچے جس کا پانی خون کی طرح سرخ تھا۔ اس میں ایک شخص تیر رہا تھا۔ اس کے کنارے ایک آدمی کھڑا تھا جس کے پاس بہت سے پتھر تھے۔ وہ تیرنے والا جب اس شخص کے پاس آتا تو اپنا منہ کھول دیتا تو وہ شخص ایک بڑا سا پتھر اس کے منہ میں ڈال دیتا۔ اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا وہ سود خور ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا: سود خوروں کو یہ سزا اس لئے دی جائے گی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شرعی احکام پر اعتراض کیا اور وہ سود کو بیع کی مثل گمان کرتے تھے۔ یہ بات قابل توجہ ہے۔ کہ انہوں نے سود کو بیع پر قیاس نہیں کیا تھا کیونکہ وہ اصلاً اس بیع کے قائل ہی نہ تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ یہ قیاس کرتے تو یہ کہتے سود بیع کی مثل ہے لیکن انہوں نے اس

کے برعکس کہا کہ بیع سود کی مثل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو کیوں حرام قرار دے دیا اور بیع کو جائز قرار دے دیا۔ اسی طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام شریعت پر اعتراض کیا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ان کے اعتراض کا جواب ہو کہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔ اس کے حکم کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ مخلوق میں سے کوئی اس سے سوال نہیں کرسکتا بلکہ مخلوق ہی اس کے سامنے جواب دہ ہے۔ وہ تمام اشیاء کے حقائق اور اپنے بندوں کی مصالح سے آگاہ ہے۔ جس چیز میں اس کے بندوں کا فائدہ ہو اسے حلال کر دیتا ہے اور جس میں ان کا نقصان ہو ان کو اس سے روک دیتا ہے۔ جس طرح ایک ماں اپنے بچے کے لیے شفیق اور مہربان ہوتی ہے اس طرح رب اس سے کہیں زیادہ اپنی مخلوق پر رحیم اور مہربان ہوتا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ: یعنی اس کو یہ پیغام پہنچے کہ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دے دیا ہے اور وہ اس حکم الٰہی پر عمل کرتے ہوئے اس سے باز آجائے تو اس کے لیے وہ سب کچھ جائز ہے جو اب تک کر چکا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ (1)۔ معاف فرما دیا اللہ تعالیٰ نے جو گزر چکا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمایا۔ زمانہ جاہلیت کے تمام سود میں نے اپنے ان دونوں قدموں کے نیچے روند ڈالے ہیں۔ اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس کا سود ختم کرتا ہوں۔ اس طرح آپ نے وہ سود واپس کرنے کا حکم نہ فرمایا جو زمانہ جاہلیت میں وہ لے چکے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر اور سدی فرماتے ہیں کہ "فَلَهٗ مَا سَلَفَ" کا معنی یہ ہے کہ اس سود کی حرمت سے پہلے جو کچھ کوئی شخص لے چکا ہے وہ اسے معاف ہے۔ ان میں ام محبہ جو حضرت زید بن ارقم کی ام ولد تھیں۔ وہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کیا آپ زید بن ارقم کو جانتی ہیں۔ فرمایا ہاں۔ کہنے لگیں میں نے ان کو اپنا غلام آٹھ سو میں بیچا تھا تو انہوں نے کہا جب ان کو امیر المومنین کی طرف سے وظیفہ ملے گا وہ ادا کر دیں گے۔ پھر انہیں وظیفہ ملنے سے پہلے ہی کچھ پیسوں کی ضرورت ہوئی تو میں نے یہ غلام ان سے چھ سو میں خرید لیا۔ اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا یہ تو نے برا کیا اور فرمایا کہ زید بن ارقمؓ کو میرا پیغام بھیج دو کہ اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو ان کا وہ جہاد بھی اکارت ہو جائے گا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا۔ میں نے کہا اگر میں انہیں دو سو چھوڑ دوں اس طرح کہ خریدوں آٹھ سو کا اور لوں صرف چھ سو۔ تو آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ یہ روایت بہت مشہور ہے اور ان فقہاء کی دلیل ہے۔ جنہوں نے بیع عینہ حرام قرار دیا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن کو کتاب الاحکام میں نقل کیا جاتا ہے۔

فَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: یعنی جو شخص اللہ کا حکم پہنچنے کے باوجود سود لیتا رہے اور باز نہ آئے تو اس سزا کا مستحق ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ حضرت جابر روایت فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ: اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مخابرت کو نہ چھوڑے وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔ مخابرت سے مراد پیداوار کے بعض حصے پر زمین کو کرایہ پر لینا ہے۔ اسی طرح مزابنہ اور محاقلہ کو حضور ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔ مزابنہ سے مراد یہ ہے کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ سے یہ گندم لے لو اور اس کے بدلہ میں مجھے وہ گندم دے دینا جو خوشوں میں ہے۔ ان چیزوں اور اس قسم کی دوسری چیزوں کو اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے تاکہ سود کو جڑ سے ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ خشک ہونے سے پہلے ان دونوں چیزوں کے درمیان برابری نہیں ہوسکتی۔ اس لیے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ دو چیزوں کے درمیان برابری کی یہ حالت حقیقی طور پر زیادتی لینے کے مترادف ہے۔ بعض فقہاء کرام نے اسی علت کو مدنظر رکھتے ہوئے بیع

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع: 262/3

کی ان تمام صورتوں کو حرام قرار دیا ہے جو سودی کاروبار کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ اور بعض فقہاء نے دوسری علت کی بناء پر ان کو حرام قرار دیا ہے۔ بہر حال ہر ایک نے اپنی خداداد صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اس آیت میں غور وفکر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (اور ہر صاحب علم سے بڑھ کر دوسرا صاحب علم ہوتا ہے)۔ بہر حال سود شریعت کے مشکل ترین مسائل میں سے ہے۔ حضرت عمر بن خطاب نے ارشاد فرمایا۔ تین ایسے مسئلے ہیں جو مجھے سمجھ نہیں آئے۔ میں چاہتا تھا کہ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے تسلی کر لیتا۔ (1) دادا کی میراث کا مسئلہ (2) حلالہ کا مسئلہ (3) سود کے بعض مسائل۔ یعنی بعض وہ مسائل جن میں سود کا شائبہ ہوتا ہے۔ کیونکہ جو چیز حرام کا وسیلہ اور سبب بنے وہ حرام ہوتی ہے۔ جس طرح کہ جس چیز کے بغیر واجب مکمل نہ ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: حلال واضح ہے، حرام بھی واضح ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں۔ جو شخص ان شبہات سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کو محفوظ کر لیتا ہے اور جو ان شبہات میں پڑتا ہے وہ حرام میں پڑ جاتا ہے۔ اس چرواہے کی طرح جو کسی چراگاہ کے آس پاس بکریاں چراتا ہے تو ممکن ہے اس کی کوئی بکری اس چراگاہ میں منہ مارے (1)۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث نبوی ہے کہ جو چیز تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو اور اسے اختیار کرو جو شک وشبہ سے پاک ہو۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے۔ جس کے بارے میں تیرے دل میں تردد ہو اور تو اس کو ناپسند کرے کہ لوگ اس سے مطلع ہوں۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا اپنے دل سے فتویٰ لو اگرچہ لوگ تمہیں کچھ ہی فتویٰ دیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ پر آیت ربوا نازل ہوئی۔ حضرت عمر سے بھی یہی مروی ہے۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہم اس مسئلہ کی ابھی پوری طرح تفصیلات سے آگاہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ وصال فرما گئے۔ سود اور ہر وہ چیز جس میں شک وشبہ ہو اسے چھوڑ دو (2)۔ ایک دفعہ حضرت عمر نے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، ممکن ہے میں تمہیں ایسی چیزوں سے روکوں جن میں تمہاری کوئی مصلحت ہو۔ سود کی آیت کریمہ سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ اور رسول اللہ ﷺ اس کی مکمل وضاحت فرمانے سے پہلے وصال فرما گئے۔ اس لیے ہر اس چیز کو چھوڑ دو جو تمہارے لیے شک وشبہ کا باعث بنے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سود کے تہتر گناہ ہیں۔ ان میں سے سب سے ہلکا اور خفیف یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے بدکاری کرے اور سب سے بڑا اپنے مسلمان بھائی کی ہتک عزت کرنا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے جو روایت مروی ہے اس میں ستر گناہ کا ذکر ہے۔ اور ایک روایت میں آپ نے ارشاد فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ وہ سب سود کھائیں گے۔ عرض کی گئی کیا سب کے سب؟ فرمایا جو سود نہیں کھائے گا وہ اس کی گرد وغبار سے بچ نہیں سکے گا (3)۔ اسی وجہ سے ان تمام اسباب ووسائل کو بھی حرام قرار دیا جاتا ہے جو اسے حرام چیز کی طرف لے جانے والے ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سود کے بارے میں سورۂ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو آپ مسجد نبوی میں تشریف لائے اور ان آیات کی تلاوت فرمائی اور پھر شراب کی تجارت کو حرام قرار دے دیا۔ شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سود اور اس کے تمام اسباب ووسائل کو حرام قرار دیا تو شراب اور اس کے وسائل تجارت وغیرہ کو بھی حرام قرار دے دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہود پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی کیونکہ ان پر چربی حرام کی گئی تھی۔ وہ چربی کو پگھلا کر اور بیچ اس کی قیمت کھانے لگے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سود کھانے والے اور اس کے گواہوں اور اس کی تحریر لکھنے والوں سب پر اللہ کی لعنت ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ سود کا کوئی گناہ بنتا

1۔ فتح الباری، کتاب الایمان: 126/1 2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات: 764 3۔ مسند امام احمد: 494/2

ہے اور نہ ہی اس کے لکھنے میں کوئی معاون بنتا ہے۔ کیونکہ جان بوجھ کر کوئی بھی اللہ کی لعنت میں گرفتار نہیں ہوتا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ سود خور اسے شرعی عقد ظاہر کرے تو اس وقت کوئی ظاہر حال دیکھ کر گواہ بن جائے یا اسے لکھ دے۔ بہر حال ظاہر کا اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ اعمال کا دارومدار تو نیتوں پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری صورتوں اور اعمال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔ علامہ ابوالعباس ابن تیمیہ نے ان حیلوں کے ابطال میں ایک کتاب تحریر کی ہے۔ جس میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

''مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ہر ناشکرے گنہگار کو۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور کرتے رہے اچھے عمل، اور صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز کو اور دیتے رہے زکوٰۃ کو ان کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس نہ کوئی خوف ہے انہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا: یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ سود ختم کرتا ہے اور مٹاتا ہے۔ یعنی یا تو وہ سود خور کے ہاتھ سے اس کو کلیۃً ختم کر دیتا ہے یا اس کو اپنے مال کی برکت سے محروم کر دیتا ہے اس طرح وہ اپنے ہی مال سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتا۔ اس طرح اس دینا میں بھی اس کی بربادی ہوتی ہے اور قیامت کے دن بھی اسے سزا ملے گی۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ (مائدہ:100) ''ترجمہ: آپ فرما دیجئے نہیں برابر ہوسکتا ناپاک اور پاک۔ اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے ناپاک کی کثرت''۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ (انفال:37) ''اور رکھ دے سب ناپاکوں کو ایک دوسرے کے اوپر پھر اکٹھا کر دے ان سب کو پھر ڈال دے اس مجموعہ کو جہنم میں''۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ (روم:39) ''اور جو روپیہ تم دیتے ہو بیاج پر تاکہ وہ بڑھتا رہے لوگوں کے مالوں میں (سن لو) اللہ کے نزدیک یہ نہیں بڑھتا''۔ اس مقام پر ابن جریر نے عبداللہ بن مسعود کی روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سود اگرچہ ظاہری طور پر بڑھتا نظر آتا ہے لیکن انجام کار کے لحاظ سے اس میں کمی ہوتی رہتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب ایک دن مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ باہر اناج کا ڈھیر دیکھا۔ آپ نے فرمایا یہ غلہ کہاں سے آیا ہے۔ لوگوں نے عرض کی یہ بیچنے کے لیے یہاں لایا گیا ہے آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالے اور لانے والے کو بھی بابرکت کرے۔ پھر لوگوں نے بتایا کہ یہ تو مہنگا بیچنے کے لیے ذخیرہ کیا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا ذخیرہ اندوز کون ہے لوگوں نے بتایا ایک فروخ جو حضرت عثمانؓ کے غلام ہیں، دوسرے آپ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ آپ نے ان دونوں کو بلایا اور پوچھا تم نے مسلمانوں کے اناج کو کس لیے ذخیرہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے مال سے اناج خریدتے ہیں جب چاہیں خریدیں جب چاہیں بیچیں۔ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ آپ نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کے مال ذخیرہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر افلاس کو مسلط کر دیتا ہے یا اسے کوڑھی بنا دیتا ہے۔ یہ سن کر فروخ نے کہا میں آج سے اللہ تعالیٰ اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد اس فعل کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ لیکن آپ کا آزاد کردہ غلام کہنے لگا ہم اسے اپنے

مال سے خریدتے ہیں۔ جب چاہیں اسے خریدیں اور بیچیں۔ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ میں نے اس غلام کو دیکھا تھا کہ وہ کوڑھی ہو گیا تھا۔ ابن ماجہ نے بھی اس کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے اناج کو ذخیرہ کرے اور مہنگے داموں بیچے تو اللہ تعالیٰ اس پر افلاس اور کوڑھ مسلط کر دیتا ہے۔

وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ: اور اللہ تعالیٰ خیرات بڑھاتا ہے۔ اسے یُرَبِّیْ بھی پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنی پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور صدقہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالیتا ہے۔ اور اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر اسے بڑھاتا ہے جیسا کہ تم اپنے بچھیرے کی پرورش کرتے ہو۔ حتیٰ کہ وہ کھجور کا دانہ ایک پہاڑ کی مثل ہو جاتا ہے(1)۔ امام بخاری نے اسے کئی اسناد سے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ امام مسلم نے اسے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ امام بیہقی، نسائی، ابن ابی حاتم، امام احمد ترمذی، ابن جریر وغیرہم نے کئی اسناد سے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک لقمہ صدقہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالیتا ہے تو وہی لقمہ پہاڑ کی مثل بن جاتا ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ: یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند نہیں فرماتا جس کے دل میں کفر ہو اور جس کے قول اور فعل برے ہوں۔ اس آیت کریمہ کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کرنے میں حکمت اور مناسبت یہ ہے سود خور اس رزق حلال پر راضی نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمت میں لکھ دیا ہے۔ اور نہ ہی وہ جائز طریقہ سے روزی کمانے پر اکتفا کرتا ہے۔ بلکہ وہ باطل اور خبیث طریقوں سے لوگوں کے مال کھانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے اوپر کی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا منکر ہوتا ہے۔ اپنی جان پر ظلم کرنے والا اور گنہگار ہوتا ہے۔ لوگوں کے مال باطل طریقہ سے کھاتا ہے۔ اس وجہ سے اس آیت کریمہ کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مومن بندوں کی تعریف فرمائی ہے جو اس کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں اس کا شکریہ بجالاتے ہیں۔ اس کی مخلوق پر احسان کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اس کے بعد اس عزت اور شرف کا ذکر کیا ہے جو قیامت کے دن انہیں حاصل ہو گی۔ اور اس چیز کا بھی ذکر کیا ہے کہ وہ قیامت کے دن ہر قسم کی آزمائش اور مصیبت سے امن میں ہوں گے۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے رہے اور نماز کو صحیح طریقہ پر ادا کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے انہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۗ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

”اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود سے اگر تم (سچے دل سے) ایمان دار ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اعلان جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے۔ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہیں (مل جائیں گے) اصل مال نہ تم ظلم کیا

1۔ فتح الباری، کتاب الزکاۃ: 278/3

کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو مہلت دو اسے خوشحال ہونے تک اور بخش دینا اسے (قرض) بہت بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو اور ڈرتے رہو اس دن سے لوٹائے جاؤ گے جس میں اللہ کی طرف پھر پورا پورا دے دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا ہے اور ان پر زیادتی نہ کی جائے گی''۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو تقویٰ اختیار کرنے اور اس چیز کو چھوڑنے کا حکم دیا ہے جو اس کی ناراضگی کا باعث اور اس کی رضا وخوشنودی سے دور کرنے والی ہے۔ فرمایا: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اپنے تمام اعمال میں اس کے حکم کو پیش نظر رکھو۔ اس کے اس حکم کے بعد لوگوں سے سود لینا بند کر دو۔ صرف اپنا راس المال واپس لے لو۔ اگر تم حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے ہو۔ حضرت سدی اور دوسرے کئی مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ قبیلہ بنی عمرو بن عمیر جن کا تعلق بنو ثقیف سے تھا اور بنو مغیرہ جن کا تعلق بنو مخزوم سے تھا کے بارے میں نازل ہوئی۔ زمانہ جاہلیت میں ان قبیلوں کے دوران سودی کاروبار کا رواج تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد بنی عمرو نے بنو عمیر سے سود کا مطالبہ کیا تو بنو مغیرہ نے کہا کہ اب ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ اسلام کی کمائی سے ہم سود ادا نہیں کریں گے۔ اس طرح ان کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ حضرت عتاب بن اسید جو مکہ کے عامل تھے، نے یہ مقدمہ لکھ کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دیا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ علیہ السلام نے یہ آیت کریمہ لکھوا کر حضرت ابن اسید کو ارسال فرما دی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سن کر انہوں نے توبہ کی اور اپنا تمام سود چھوڑ دیا۔ اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے لئے سخت وعید ہے جو سود کی حرمت کو جاننے کے باوجود سود کھاتے رہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم نے سود لینا ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا یقین کر لو۔ اور ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سود خور کو کہا جائے گا کہ اپنا ہتھیار سنبھالو اور اللہ تعالیٰ سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ حضرت علی بن ابی طلحہ عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص سود لینے سے باز نہ آئے تو حاکم وقت پر واجب ہے کہ اس سے توبہ کرائے اور پھر بھی باز نہ آئے تو اس کی گردن اڑا دے۔ حضرت حسن بصری اور ابن سیرین کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاکت کی دھمکی دی ہے اور یہ لوگ ذلیل ورسوا ہو کر رہیں گے اس لئے سودی لین دین سے بچو۔ اللہ تعالیٰ نے حلال کاروبار کو بہت وسعت عطا فرمائی ہے اور اسے پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اس لئے فقر وفاقہ تمہیں اس کی معصیت اور نافرمانی پر تمہیں مجبور نہ کر دے۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سود خور کو قتل کی دھمکی دی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ نے حضرت زید بن ارقم کی لونڈی کو بیع عینہ کے مسئلہ میں فرمایا تھا کہ زید بن ارقمؓ کو بتا دو کہ اگر تم نے اس سے توبہ نہ کی تو نبی کریم علیہ السلام کی معیت میں کیا ہوا جہاد ضائع ہو جائے گا۔ یہاں سیدہ عائشہؓ نے خصوصاً جہاد کا ذکر کیا کیونکہ جہاد دشمنان خدا کے ساتھ جنگ کرنے کا نام ہے اور سود لینا خود خدا کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ اس مفہوم کو کئی مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ لیکن اس روایت کی سند میں کچھ ضعف ہے۔

فَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ: یعنی اگر تم سود سے توبہ کرو گے تو تمہیں تمہارے اصل مال مل جائیں گے سود لے کر تم ظلم نہ کیا کرو اور تم پر بھی کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یعنی تمہارا راس المال ضائع نہیں ہوگا۔ بلکہ جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے اسے بغیر کسی کمی وبیشی کے لے سکتے ہو۔ رسول اللہ علیہ السلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا زمانہ ء جاہلیت کے تمام سود باطل کیے جاتے ہیں۔ تمہیں تمہارے اصل مال مل جائیں گے نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے گا۔ سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کا تمام سود باطل کرتا

ہوں۔ اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔

وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ: یہاں اللہ تعالیٰ نے قرض خواہوں کو صبر کرنے کا حکم دیا ہے کہ اگر کوئی تنگ دست وقت پر قرضہ ادا نہ کر سکے تو تمہیں صبر کرنا چاہئے۔ زمانہء جاہلیت کے لوگوں کی طرح تمہیں سلوک نہیں کرنا چاہئے کہ وہ جب قرضہ لینے کا وقت آتا تو مقروض کو کہتے کہ قرضہ ادا کرو اور اگر قرضہ ادا نہ کر سکتا تو اس پر سود لگا دیتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے قرض خواہوں کو قرض معاف کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور اس پر اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اس قرض کو بخشنا تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔ حضرت اسعد بن زرارہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سایہ کے نیچے پناہ لینا پسند کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ تنگ دست کو مہلت دے یا بالکل معاف کر دے۔(1)

ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی تنگ دست کو مہلت دی جتنے دن مہلت دے گا اسے ان میں سے ہر دن صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ پھر فرمایا اسے ہر روز دگنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ بلکہ ایک روایت میں ارشاد فرمایا کہ قرضہ کی میعاد پوری ہونے سے پہلے بھی اسے اتنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا جتنی اس نے مقروض سے لینی ہو۔ پھر جب قرضہ ادا کرنے کا وقت آئے گا تو اب وہ اس تنگ دست کو مہلت دے گا تو اسے ہر روز دوگنا صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا(2)۔ حضرت محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوقتادہؓ کا ایک شخص کے ذمہ کچھ قرض تھا۔ جب وہ ادائیگی کے لیے جاتے تو وہ چھپ جاتا۔ ایک دن آپ اس کے گھر گئے، دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک بچہ باہر نکلا تو بچے نے بتایا کہ وہ اندر کھانا کھا رہے ہیں۔ حضرت قتادہؓ نے آواز دی کہ باہر نکلو آج ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ تم گھر میں ہو۔ وہ باہر آیا۔ آپ نے پوچھا تم مجھ سے چھپتے کیوں ہو۔ وہ کہنے لگا میں انتہائی تنگدست ہوں میرے پاس قرض ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم واقعی تنگ دست ہو۔ اس نے کہا ہاں میں واقعی تنگ دست ہوں۔ یہ سن کر حضرت قتادہ رونے لگے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے اپنے مقروض کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ کے نیچے ہوگا(3)۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اے بندے! تو نے دنیا میں میرے لیے کیا کام کیا ہے۔ بندہ عرض کرے گا اے پروردگار! میں نے دنیا میں ایک ذرہ برابر بھی نیکی نہیں کی جس کی جزاء کی مجھے امید ہو۔ اللہ تعالیٰ یہ سوال تین دفعہ کرے گا۔ تیسری دفعہ وہ بندہ عرض کرے گا یا باری تعالیٰ تو نے مجھے اپنے فضل و احسان سے مال عطا فرمایا تھا۔ میں تجارت کیا کرتا تھا۔ میری یہ عادت تھی کہ اگر مجھ سے کوئی مال ادھار لے جاتا اگر وہ مالدار ہوتا تو میں اس پر سختی نہ کرتا اور اگر وہ تنگ دست ہوتا تو اسے میں مہلت دے دیتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا تو میں آج تم پر آسانی کیوں نہ کروں۔ میں آسانی کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔ جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس حدیث کو حافظ ابویعلی نے اپنی سند میں روایت کیا ہے: اس کے علاوہ بخاری، مسلم اور ابن ماجہ نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ اور صحیح بخاری کے الفاظ ہیں ایک تاجر لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا جب وہ کسی تنگدست کو دیکھتا تو اپنے خدام سے کہتا کہ اس سے قرض طلب نہ کرنا شاید کہ اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا۔ حضرت سہل بن حنیف فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی مجاہد، نمازی، تنگدست، مقروض یا مکاتب غلام کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے عرش تلے سایہ عطا فرمائے گا جس دن کوئی سایہ نہیں ہوگا(4)۔ حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص چاہتا ہے کہ

1۔ المعجم الکبیر: 304/1 2۔ مسند امام احمد: 360/5 3۔ مسلم، کتاب المساقاۃ: 1196 4۔ مسند امام احمد: 427/3

دعا قبول ہو اور اس کی مصیبت دور ہو جائے اسے چاہئے کہ وہ تنگ دستوں پر کشادگی کرے۔ حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص کا کسی دوسرے شخص پر کوئی حق لازم تھا۔ اور اس نے اسے کچھ مہلت دے دی تو اسے ہر دن صدقہ کرنے کا اجر ملے گا۔ حضرت ابوالیسر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی تنگدست کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے عرش کے سایہ تلے اسے پناہ دے گا جس دن کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ میں نے اور میرے والد محترم نے انصار سے علم حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سب سے پہلے صحابی رسول ابوالیسر کو ملے ان کے ساتھ ان کا ایک غلام بھی تھا۔ جس کے پاس حساب و کتاب کے کچھ کاغذات تھے۔ انہوں نے اور ان کے غلام نے ایک ہی جیسا لباس پہنا ہوا تھا۔ میرے والد نے ان سے پوچھا اے چچا! آپ کے چہرے پر کچھ خفگی کے آثار ہیں۔ فرمایا ہاں۔ میں نے فلاں شخص سے قرض لینا تھا۔ میں ان کے گھر گیا سلام کیا۔ پوچھا کیا وہ گھر میں ہیں؟ جواب ملا وہ باہر گیا ہوا ہے۔ اسی اثناء میں ان کا چھوٹا لڑکا گھر سے باہر نکلا میں نے اس سے پوچھا تمہارے والد کہاں ہیں۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کی آواز سن کر وہ چارپائی کے نیچے چھپ گئے ہیں۔ میں نے بلند آواز سے کہا باہر نکلو مجھے معلوم ہو گیا تم کہاں ہو۔ وہ باہر نکلا۔ میں نے اس سے پوچھا تم میری آواز سن کر کیوں چھپ گئے۔ انہوں نے جواب دیا۔ قسم بخدا میں اس خوف سے چھپ گیا تھا کہ کہیں مجھے جھوٹ نہ بولنا پڑ جائے یا وعدہ کر کے اس کی خلاف ورزی نہ کرنی پڑ جائے۔ آپ صحابی رسول اللہ ہیں۔ آپ سے جھوٹ کیسے بول سکتا ہوں۔ میں اس وقت انتہائی تنگدست ہوں۔ میں نے کہا قسم اٹھاؤ تم واقعی تنگدست ہو۔ اس نے تین دفعہ قسم اٹھائی۔ میں نے اس کا کھاتہ نکالا اور اسے مٹا دیا اور کہا اگر تمہیں کہیں مال ملے گا تو ادا کر دینا ورنہ معاف۔ پھر فرمانے لگے: سنو! میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے اور ان دونوں کانوں نے سنا ہے اور اپنے دل کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میرے اس دل نے اس کو خوب یاد رکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی کو مہلت دی یا اسے معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسے عرش کے سایہ کے نیچے جگہ دے گا۔ (1)

حضرت عثمان روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ جس نے کسی بندے کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو اس دن اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائے گا جس دن کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن مسجد نبوی میں تشریف لائے اور آپ نے زمین کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرمایا جس نے کسی تنگدست کو مہلت دی یا اس کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی گرمی سے بچا لے گا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: جنت کا عمل انتہائی مشکل ہے۔ اور جہنم کا عمل آسان اور خواہش کے مطابق ہوتا ہے۔ خوش نصیب وہی ہے جو فتنوں سے بچ جائے۔ غصے کا وہ گھونٹ جو انسان پیتا ہے اس سے زیادہ کوئی گھونٹ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب نہیں۔ جب انسان غصہ پی لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ایمان سے لبریز کر دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے کسی تنگدست کو اس کی خوشحالی تک مہلت دی تو اللہ تعالیٰ بھی گناہوں پر اس کی پکڑ نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو وصیت فرماتا ہے اور انہیں دنیا کے زوال، اس کے مال و دولت کے فنا ہونے اور آخرت میں اس کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ یہاں ہر شخص کے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔ نیکی کرنے والے کو اس کی جزاء ملے گی اور برائی کرنے والے کو اس کی سزا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ ۣ : حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی

1۔ مسلم، کتاب الزہد: 2302،2301

آیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نو دن تک اس ظاہری دنیا میں رہے۔ پھر آپ کا 12 ربیع الاول بروز پیر وصال ہو گیا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ سب سے آخری آیت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے اور نبی کریم ﷺ کے وصال کے درمیان اکتیس دن کا فاصلہ ہے۔ حضرت ابن جریج اور کئی دوسرے سلف صالحین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نو دن زندہ رہے پھر پیر کے روز آپ کا وصال ہو گیا۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰٮهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰٮهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

''اے ایمان والو! جب تم ایک دوسرے کو قرض دو مدت مقرر تک تو لکھ لیا کرو اسے اور چاہیے کہ لکھے تمہارے درمیان لکھنے والا عدل وانصاف سے۔ اور نہ انکار کرے لکھنے والا لکھنے سے جیسے سکھایا ہے اس کو اللہ نے پس وہ بھی لکھ دے اور لکھوائے وہ شخص جس کے ذمہ حق (قرضہ) ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے اور نہ کمی کرے اس سے ذرہ بھر پھر اگر وہ شخص جس پر قرض ہے بے وقوف ہو یا کمزور ہو یا اس کی طاقت نہ رکھتا ہو کہ خود لکھا سکے تو لکھائے اس کا ولی (سرپرست) انصاف سے اور بنا لیا کرو دو گواہ اپنے مردوں سے اور اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو پسند کرتے ہو تم (اپنے لیے) گواہ تاکہ اگر بھول جائے ایک عورت تو یاد کرائے (وہ) ایک دوسری کو اور نہ انکار کریں گواہ جب وہ بلائے جائیں اور نہ اکتایا کرو اسے لکھنے سے خواہ (رقم قرضہ) تھوڑی ہو یا زیادہ اس کی معیاد تک یہ تحریر عدل قائم کرنے کے لیے بہت مفید ہے اللہ کے نزدیک اور بہت محفوظ رکھنے والی ہے گواہی کو اور آسان طریقہ ہے تمہیں شک سے بچانے کا مگر یہ کہ سودا دست بدستی ہو جس کا تم لین دین آپس میں کرو (اس صورت میں) نہیں تم پر کوئی حرج اگر نہ بھی لکھواسے اور گواہ ضرور بنا لیا کرو جب خرید وفروخت کرو اور ضرر نہ پہنچایا جائے لکھنے والے کو اور نہ گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ نافرمانی ہوگی تمہاری اور ڈرا کرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ (آداب معاشرت) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا: یہ قرآن کریم کی طویل ترین آیت ہے۔ حضرت سعید بن میتب فرماتے ہیں کہ عرش الٰہی سے اترنے والا سب سے لمبا کلام یہی آیت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام انکار کرنے والے سب سے پہلے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو آپ کی پشت پر اپنا دست قدرت پھیر کر قیامت تک آنے والی اولاد آدم کو ظاہر فرمایا۔ آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا اس میں سے ایک آدمی کو خوبصورت اور نکھرے چہرے والا پایا۔ آپ نے عرض کی اے پروردگار! یہ شخص کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے۔ عرض کی اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال۔ عرض کی پروردگار! اس کی عمر میں اضافہ کر دو۔ فرمایا نہیں۔ ہاں اگر میں تمہاری عمر میں سے کچھ اسے دے دوں تو پھر ٹھیک ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال تھی اس میں سے چالیس حضرت داؤد کو دے دیے گئے۔ اسے لوح تقدیر پر لکھ کر فرشتوں کو اس پر گواہ بنا دیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا آخری وقت آیا اور موت کے فرشتے آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا میری عمر ابھی باقی ہے ملائکہ نے کہا کہ آپ نے اپنے چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو دے دیئے تھے۔ آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتہ تقدیر کو ظاہر فرمایا اور گواہی کے لیے گواہ فرشتوں کو لایا گیا (1)۔ اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر کو سو سال کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کے ہزار سال مکمل کر دیئے۔ اس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث انتہائی غریب ہے۔ اس کے علاوہ اس کو حاکم نے اپنی مستدرک میں مختلف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ میعاد مقرر کر کے قرض کا باہمی لین دین کریں انہیں چاہئے کہ اسے لکھ لیا کریں تا کہ اس کی مقدار بھی یاد رہے اور اس کے مقررہ وقت میں بھی اختلاف نہ ہو۔ اور اس کے گواہ کو بھی آسانی رہے۔ جیسا کہ اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا: ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا (بقرہ:282) حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ مدت معلوم تک بیع سلم کے بارے میں نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب مدینہ طیبہ میں تشریف لائے اس وقت اہل مدینہ پھلوں میں بیع سلم کیا کرتے تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا جو شخص بھی بیع سلم کرے اسے چاہئے کہ اس بیع میں کیل، وزن معلوم اور مدت مقرر ہو۔

فَاكْتُبُوْهُ: یہاں اللہ تعالیٰ نے باہمی لین دین کے وقت اس کو لکھنے کا حکم فرمایا ہے تا کہ یاد رہے اور ضائع ہونے سے محفوظ رہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ اور نہ ہی حساب کر سکتے ہیں (2)۔ یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باہمی لین دین کو لکھنے کا حکم دیا ہے اور حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے اور نہ ہی حساب کر سکتے ہیں۔ اس کے درمیان تطبیق کیسے ہوسکتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنیادی دینی امور اور شرعی مسائل کو انتہائی آسان فرما دیا ہے۔ اس میں لکھنے کی بالکل ضرورت نہیں پڑتی۔ کیونکہ قرآن حکیم کے حفظ کو اللہ تعالیٰ نے ان پر آسان بنا دیا ہے۔ اسی طرح احادیث طیبہ بھی صحابہ کرام کے سینہ میں محفوظ کر دی گئی ہیں۔ اور جہاں تک لکھنے کا حکم ہے اس کا تعلق ان جزوی امور کے ساتھ ہے جو لوگوں کے باہمی لین دین کے وقت پیش آتے ہیں اور یہاں بھی یہ حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ ارشاد و نصیحت کے لیے ہے۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا۔ ابن جریج فرماتے ہیں جو کسی کو قرضہ دے اسے چاہئے کہ وہ لکھ لے اور جو کوئی چیز بیچے اسے چاہیے کہ اس پر کوئی گواہ بنالے۔ حضرت ابو سلیمان مرعشی نے اپنے ساتھیوں سے ایک دن فرمایا کیا تم ایسے مظلوم کو جانتے ہو

1۔ مسند امام احمد: 252،251 2۔ مسلم: 761

جو اپنے رب سے دعا کرے اور اس کی دعا قبول نہ ہو۔ انہوں نے عرض کی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا یہ اس طرح ہے کہ کوئی شخص ایک مدت مقررہ تک کوئی چیز بیچتا ہے اس پر نہ تو کوئی گواہ بناتا ہے اور نہ ہی اسے لکھتا ہے اور جب مدت گزرنے پر رقم کا تقاضا کرتا ہے تو وہ شخص انکار کر دیتا ہے۔ اگر وہ اپنے رب سے دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول نہیں کیونکہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔

حضرت ابو سعید، شعبی، ربیع بن انس، حسن بصری، ابن جریج اور ابن زید وغیرہم فرماتے ہیں کہ یہ پہلے واجب تھا۔ پھر یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے منسوخ ہو گیا: فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ (البقرۃ:283) پھر اگر اعتبار کرلے کوئی تم میں سے دوسرے پر پس چاہئے کہ ادا کر دے وہ جس پر اعتبار کیا گیا اپنی امانت کو اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اگرچہ یہ واقعہ پہلی امتوں کا ہے۔ بہر حال پھر بھی ان کی شریعت ہماری شریعت ہے جب تک کہ ہماری شریعت میں ان کے خلاف کوئی حکم نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ایک دوسرے سے ایک ہزار قرض مانگا۔ اس نے کہا گواہ لے آؤ۔ اس نے جواب دیا گواہی کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کافی ہے۔ پھر اس نے کہا کہ ضامن لے آؤ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا ضامن کافی ہے اس نے کہا تم سچ کہتے ہو۔ پھر اسے ایک مدت مقررہ تک ایک ہزار دے دیا کہ وہ شخص مال لے کر تجارت کی غرض سے سمندری سفر پر روانہ ہو گیا۔ پھر جب مقررہ مدت پوری ہونے کے قریب پہنچی اس نے بحری جہاز تلاش کیا تا کہ مقررہ مدت پر اپنا قرض ادا کر سکے۔ لیکن اسے کوئی جہاز نہ ملا۔ اس نے ایک لکڑی لی۔ اسے کھوکھلا کر کے ہزار دینار اور اس کے مالک کے نام ایک رقعہ لکھ کر بند کر دیا اور یہ دعا کی اے اللہ تعالیٰ! تجھے معلوم ہے کہ میں نے فلاں سے ہزار دینار لیے تھے، اس نے مجھ سے ضامن طلب کیا تھا میں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا ضامن ہے۔ اس نے مجھ سے گواہ طلب کیا تو میں نے کہا اللہ تعالیٰ ہمارا گواہ ہے۔ وہ اس پر راضی ہو گیا۔ میں نے آج پوری کوشش کی ہے کہ کوئی جہاز تلاش کر کے اس رقم کو بھیج دوں لیکن میں نے کوئی جہاز نہیں پایا۔ اسے میں تیرے ہی سپرد کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے لکڑی کو دریا میں پھینک دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے لکڑی پانی میں ڈوب گئی اور وہ شخص واپس لوٹ آیا۔ اور پھر جہاز کی تلاش میں رہا۔ اگر جہاز مل جائے تو وہ بھی سوار ہو کر اس کے پاس پہنچ جائے۔ ادھر قرض خواہ بھی اس کے انتظار میں تھا۔ وہ ساحل سمندر پر کھڑا جہاز کا انتظار کر رہا تھا شاید وہ آدمی آجائے۔ سارا دن انتظار کرنے کے بعد جب شام کے وقت مایوسی کے عالم میں لوٹنے کا ارادہ کیا تو اسے سمندر میں تیرتی ہوئی ایک خشک لکڑی نظر آئی۔ اس نے وہ لکڑی اٹھالی تا کہ کم از کم اہل خانہ کے لیے ایندھن کے کام آجائے۔ گھر جا کر اس لکڑی کو چیرا تو اس میں سے مطلوبہ رقم اور خط نکل آیا۔ چند ہی دنوں بعد وہ شخص بھی آ گیا جس نے ہزار دینار لیے تھے۔ اس نے ہزار دینار پیش کیے اور معذرت کی کہ میں بہت دنوں سے جہاز کی تلاش میں تھا تا کہ وقت مقررہ پر اپنا قرض ادا کرتا۔ لیکن جہاز نہ مل سکا جس کی وجہ سے کچھ تاخیر ہو گئی۔ اس نے پوچھا کیا تم نے میری طرف کوئی لکڑی بھیجی تھی۔ اس نے کہا کہ تمہیں ابھی تو بتا رہا ہوں کہ میں ابھی پہنچا ہوں۔ صاحب قرض نے کہا جو رقم لکڑی میں بھیجی تھی وہ بفضل الٰہی میرے پاس پہنچ گئی ہے۔ اس لیے یہ ہزار دینار اپنے پاس رکھو۔ اس کی سند صحیح ہے(1)۔ اس روایت کو امام بخاری نے بھی کئی ایک مقامات پر روایت کیا ہے۔

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ: پس کاتب کو چاہئے کہ وہ عدل و انصاف سے لکھے اور اس لکھنے میں کسی فریق پر ظلم نہ کرے بلکہ دونوں فریق جس پر متفق ہوں اسے کسی زیادتی و نقصان کے بغیر لکھے۔

وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ: یعنی جو شخص لکھنا جانتا ہے اگر لوگ اسے لکھنے کے لیے کہیں تو اسے انکار نہیں کرنا چاہئے بلکہ اسے چاہئے کہ

1۔ مسند امام احمد: 338/2

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس پر فضل وکرم کرتے ہوئے اسے پڑھنا لکھنا سکھایا ہے وہ بھی اپنے علم کا صدقہ ادا کرے اس آدمی کے لیے لکھ کر جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ حدیث پاک میں ہے کہ یہ بھی ایک صدقہ ہے کہ تو کسی کام کرنے والے کی مدد کردے یا خود کام کرنا جانتا ہے تو کسی ایسے شخص کے لیے کام کردے جو نہیں جانتا۔ اور ایک دوسری روایت میں فرمایا جو شخص کسی شے کا علم ہوتے ہوئے چھپائے تو اللہ تعالیٰ روز قیامت اسے آگ کی لگام پہنائے گا۔ حضرت مجاہد اور عطا فرماتے ہیں کہ کاتب پر لکھ کر دینا واجب ہے۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ یعنی وہ شخص کاتب کو لکھوائے جس پر قرض لازم ہوا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس میں کسی چیز کو نہ چھپائے۔ اور اگر وہ شخص جس پر قرض ہے وہ بیوقوف ہو۔ یعنی اس کی فضول خرچی اور اسراف کی وجہ سے قاضی نے اس کے تصرف پر پابندی لگائی ہو۔ یا وہ کمزور ہو یعنی چھوٹا بچہ یا دیوانہ ہو یا جہالت کی وجہ سے خود نہ لکھوا سکتا ہو تو ان تمام صورتوں میں اس کے ولی یعنی سرپرست کو چاہئے کہ وہ عدل وانصاف سے لکھوائے۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ: یہاں لکھوانے کے ساتھ ساتھ گواہ بنانے کا بھی حکم ہوا ہے۔ تاکہ معاملہ خوب مضبوط ہو جائے اور شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اگر دو مرد گواہ نہ مل سکیں تو ایک مرد دو عورتیں گواہ بنالی جائیں۔ یہ گواہ ان لوگوں میں سے ہونے چاہئیں جن کو تم پسند کرتے ہو۔ دعویٰ مال اور مقصود مال کے دعویٰ میں دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی برابر کہا گیا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ عورت مرد کے مقابلہ میں ناقص العقل ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عورتو! صدقہ دیا کرو اور بکثرت استغفار کیا کرو۔ میں نے تمہاری کثیر تعداد جہنم میں دیکھی ہے۔ ایک عورت نے عرض کی یارسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے فرمایا تم اکثر لعن طعن کرتی رہتی ہو اور اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو، تم عقل اور دین کی کمی کے باوجود ایک صاحب عقل آدمی پر غالب آجاتی ہو۔ اس نے عرض کی یارسول اللہ! دین اور عقل کی کمی سے کیا مراد ہے۔ فرمایا عقل کی کمی تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ اور دین کی کمی یہ ہے کہ مخصوص ایام میں عورت کسی دن نماز نہیں پڑھ سکتی اور رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتی۔ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے۔ اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں بھی گواہوں کا ذکر ہے وہاں اس کا عادل ہونا ضروری ہے۔ اگرچہ کہیں عدالت کی قید نہ بھی لگائی۔ وہ مطلق حکم کو اس آیت کریمہ کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ گواہ کا عادل ہونا ضروری ہے۔

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا: یہاں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی مقرر کرنے کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ اگر ایک گواہی کو بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ جس شخص نے یہ کہا ہے کہ ایک عورت کی گواہی دوسری عورت کی گواہی سے مل کر ایک مرد کی گواہی کی طرح ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ قول بہت بعید ہے۔ پہلا قول ہی صحیح ہے۔

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ: یعنی جب کسی کو بلایا جائے کہ آؤ اس معاملہ میں گواہ بن جاؤ۔ تو اسے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ اس پر یہ لازم ہے۔ اور یہ قتادہ اور ربیع بن انس کا قول ہے۔ یہی حکم کاتب کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ گواہ بننا فرض کفایہ ہے۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے اور اس کا یہ بھی مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ جب گواہ کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو اسے گواہی دینے سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ اگر کوئی اور گواہی کے لیے نہ ملے تو اس پر گواہی دینا واجب ہے ورنہ فرض کفایہ۔ مجاہد، ابو مجلز اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ جب تجھے گواہ بننے کے لیے بلایا جائے تو تمہیں اختیار ہے جاؤ یا نہ جاؤ۔ لیکن جب گواہی دینے کے لیے بلایا جائے تو اس کے لیے گواہی دینا ضروری ہے۔ حضرت زید بن خالد روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں

بہترین گواہ کے بارے میں نہ بتادوں۔ پھر فرمایا بہترین گواہ وہ ہے جو بلائے بغیر ہی گواہی کے لیے آجائے۔ اور ایک دوسری حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ بدترین گواہ وہ ہے جس سے گواہی طلب نہ کی جائے لیکن وہ خود ہی گواہی کے لیے آجائے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آخر زمانہ میں کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جن کی قسمیں گواہیوں سے اور گواہیاں قسموں سے بڑھ کر ہوں گی۔ اور ایک روایت میں فرمایا پھر ایک ایسی قوم آئے گی جو خود ہی گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی طلب نہ کی جائے گی۔ ان ارشادات میں جھوٹے گواہوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ اور پہلی جس حدیث میں گواہی کی تعریف کی گئی ہے اس سے مراد سچی گواہی دینے والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ دونوں حالتوں کو شامل ہے۔ یعنی گواہ بننا اور گواہی دینا۔

وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ: اور لکھنے سے اکتایا نہ کرو خواہ قرض کی رقم تھوڑی ہو یا زیادہ۔ اسے لکھنا بہتر ہے۔ اور مدت مقررہ تک یہ تحریر لکھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک عدل قائم کرنے کے لیے بہت مفید ہے اور گواہی کو بھی بہت زیادہ محفوظ رکھنے والی ہے۔ کیونکہ گواہ جب لکھی ہوئی تحریر کو دیکھے گا تو اسے گواہی یاد آجائے گی اور اگر اسے نہ لکھا جائے تو غالب گمان یہی ہے کہ وہ بھول جائے گا۔ اور یہ شک سے بچنے کا آسان طریقہ ہے۔ کیونکہ اگر تحریر موجود ہوگی تو باہمی اختلاف کے وقت اس تحریر سے شک وشبہ دور ہو جائے گا۔ ہاں اگر معاملہ ایسا ہو جس میں لین دین دست بدست ہوتا ہے اور اس صورت میں اگر اسے نہ بھی لکھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ تحریر کی علت اس میں موجود نہیں۔ مگر ایسی خرید وفروخت پر گواہ بنا لینے چاہئیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ) حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں۔ بہر حال اپنے حق پر گواہ بنا لیا کرو خواہ اس کی میعاد مقرر ہو یا نہ ہو۔ حضرت جابر بن زید، مجاہد، عطاء اور ضحاک سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت شعبی اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ گواہ بنانے کا یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے۔ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ...... لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہاں امر وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ استحباب کے لیے ہے اور اس کی دلیل حضرت خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کی روایت کردہ حدیث ہے۔ فرماتے ہیں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا اور آپ نے اسے حکم فرمایا کہ میرے پیچھے آؤ تا کہ میں تمہیں اس کی رقم ادا کروں نبی کریم ﷺ تیزی سے چل رہے تھے، اعرابی بہت پیچھے رہ گیا۔ راستہ میں لوگ اس اعرابی کے ساتھ گھوڑے کا سودا کرنے لگے انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ گھوڑا نبی کریم ﷺ نے خرید لیا ہے۔ حتیٰ کہ جب اعرابی نے دیکھا مجھے اس کی زائد رقم مل رہی ہے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو آواز دی اگر آپ اسے لینا چاہتے ہیں تو لے لیں ورنہ میں نے اس کو بیچ دیا ہے۔ آپ یہ آواز سن کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میں نے تم سے یہ گھوڑا خرید لیا ہے۔ اعرابی کہنے لگا میں نے آپ کے ہاتھ نہیں بیچا۔ اسی تکرار میں کچھ لوگ جمع ہو گئے اور اعرابی نے کہا اچھا آپ اپنا گواہ لائیں کہ میں نے اپنا گھوڑا تمہارے ہاتھ بیچا ہے۔ مؤمنین نے اس اعرابی سے کہا بدبخت یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ لیکن اس اعرابی نے کسی کی بات نہ سنی اور اپنی تکرار جاری رکھی کہ گواہ لاؤ اسی اثناء میں حضرت خزیمہؓ آ گئے اور اس صورت حال کو دیکھا تو فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ گھوڑا بیچا ہے۔ رسول اللہ ﷺ حضرت خزیمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا کہ یہ تم کیسے گواہی دے رہے ہو۔ میں نے عرض کی کہ آپ کی تصدیق کی بنا پر گواہی دی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے قائم مقام قرار دے دیا (1)۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خرید وفروخت پر گواہ بنانا ضروری نہیں۔ لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ گواہ بنا لیا جائے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین شخص ایسے ہیں جن کی دعا اللہ کی بارگاہ میں قبول

1۔ نسائی، کتاب البیوع: 302،301/7

نہیں ہوتی۔ 1۔ وہ شخص جس کی بیوی بداخلاق ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے۔ 2۔ جو یتیم کو بالغ ہونے سے پہلے ہی مار دے۔ 3۔ وہ شخص جو کسی کو قرض دے اور اس پر گواہ نہ بنائے حاکم فرماتے ہیں کہ یہ شیخین کے شرط کے مطابق ہے۔ لیکن انہوں نے اس کو اپنی صحیحین میں ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ شعبہ کے شاگرد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پر موقوف ہے۔

وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ: اس کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ کاتب کو چاہئے کہ وہ نقصان نہ پہنچائے۔ یعنی جو اسے لکھوایا جا رہا ہے وہ اس کے خلاف نہ لکھے۔ اور اس گواہ کو بھی چاہیے کہ جو کچھ سنا ہے اس کے خلاف گواہی نہ دے یا کلی طور پر گواہی کو نہ چھپائے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ اور اس کا معنی ہی بیان کیا گیا ہے کہ کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ان دونوں کو لکھنے اور گواہی کے لیے بلائے اور وہ کہیں کہ ہم کسی ضروری کام میں مصروف ہیں تو وہ انہیں کہے کہ تم پر گواہی دینا اور لکھنا فرض ہے اپنا کام چھوڑ و اور میرے ساتھ چلو اس طرح اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ انہیں نقصان پہنچائے۔ حضرت عکرمہ، مجاہد، طاؤس، سعید بن جبیر، ضحاک، عطیہ، مقاتل بن حیان وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔

وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ: یعنی اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی یا ایسے فعل کا ارتکاب کیا جس سے تمہیں روکا گیا ہے۔ یہ فسق ہے اور اللہ کی نافرمانی۔ اپنے تمام معاملات میں اس سے ڈرتے رہو۔ اس کے حکم کی پیروی کرو ممنوعات کو چھوڑ دو

وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ: اور یہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی مثل ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (انفال:29) ''ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے وہ تم میں پیدا کرے گا حق و باطل میں تمیز کرنے کی قوت''۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ (حدید:28) ''اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اس کے رسول (مقبول) پر، اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت کے اور تمہارے لیے ایک نور بنا دے گا جس کی روشنی میں تم پھرو گے''۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ: اللہ تعالیٰ تمام امور اور معاملات کے حقائق، ان کی مصلحتوں اور ان کے مآل وانجام سے بخوبی آگاہ ہے۔ اس پر کوئی شی مخفی نہیں۔ بلکہ اس کا علم کائنات کی ہر شے کو محیط ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٢٨٣﴾

''اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو کوئی چیز گروی رکھ لیا کرو اور اس کا قبضہ دے دیا کرو۔ پھر اگر اعتبار کرلے کوئی تم میں سے دوسرے پر، پس چاہیے کہ ادا کر دے وہ جس پر اعتبار کیا گیا ہے اپنی امانت کو اور ضروری ہے کہ ڈرتا رہے اللہ سے جو اس کا رب ہے۔ اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص چھپاتا ہے اسے تو یقیناً گنہگار ہے اس کا ضمیر اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے''۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ: اگر تم سفر پر ہو اور دوران سفر قرض لینے کی حاجت پیش آجائے اور پھر لکھنا والا نہ ملے، یا لکھنے والا تو ہو لیکن دوات نہ ہو تو اس صورت میں قرضہ لینے والا صاحب حق کے پاس کوئی چیز گروی رکھ دے۔ ''مَّقْبُوْضَةٌ'' کے الفاظ سے استدلال کیا گیا ہے کہ

رہن جب تک قبضہ میں نہ آ جائے تو لازم نہیں ہوتا۔ یہ امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ رون کا مرتہن کے ہاتھ میں مقبوض ہونا ضروری ہے۔ یہ امام احمد بن حنبل اور کئی دوسرے علماء کا مذہب ہے اور بعض بزرگوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ رہن صرف سفر کی حالت میں جائز اور مشروع ہے۔ اور یہ امام مجاہد اور بعض دوسرے مفسرین کرام کا مذہب ہے۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا جب وصال ہوا تو آپ کی زرہ ایک یہودی ابوشحم کے پاس تیس وسق جو کہ بدلے گروی تھی جو آپ نے گھر والوں کے خوردونوش کے لیے لیے تھے۔

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا: حضرت ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں۔ ان کلمات نے ماقبل کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ شعبی فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں ایک دوسرے پر اعتماد ہو پھر اگر تم نہ بھی لکھواور نہ گواہ بناؤ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے۔ حضرت سمرہ روایت کرتے ہیں کہ ہاتھ پر اس چیز کا بوجھ رہتا ہے جو اس نے لی ہے یہاں تک کہ وہ اسے واپس کر دے۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ: گواہی نہ چھپاؤ اور نہ ہی اس میں خیانت کرو۔ جب گواہی دینے کا وقت آئے تو اسے ظاہر کرو اس سے پہلے ظاہر نہ کرو۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں، جھوٹی گواہی گناہ کبیرہ ہے اسی طرح گواہی کو چھپانا بھی گناہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا، جو شخص گواہی کو چھپاتا ہے بلاشبہ اس کا ضمیر گنہگار ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَّمِنَ الْآثِمِينَ (مائدہ:106)" اور ہم نہیں چھپائیں گے اللہ کی گواہی کو (اگر ہم ایسا کریں) تو یقیناً ہم اس پر گنہگاروں میں (شمار) ہوں گے"۔ اور ایک مقام پر گواہی کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ...... (نساء:135) "اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر، گواہی دینے والے محض اللہ کے لیے، چاہے گواہی دینا پڑے تمہیں اپنے نفسوں کے خلاف یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف (جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے) وہ دولت مند ہو یا فقیر۔ پس اللہ تعالیٰ زیادہ خیر خواہ ہے دونوں کا۔ تو نہ پیروی کرو خواہش نفس کی انصاف کرنے میں۔ اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ موڑو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے"۔

لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٨٤﴾

"اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا تم اسے چھپائے رہو حساب لے گا تم سے اُس کا اللہ تعالیٰ پھر بخش دے گا جسے چاہے گا اور عذاب دے گا جسے چاہے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے"۔

لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ وہ زمین و آسمان اور ان میں پائی جانے والی ہر چیز کا مالک ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی پوشیدہ کیوں نہ ہو اور یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کا محاسبہ فرمائے گا اور ان کے تمام ظاہری و باطنی افعال و اعمال کا حساب لے گا۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: قُلْ إِن تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (آل عمران:29) "فرما دیجئے اگر تم چھپاؤ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے یا ظاہر کرو اسے جانتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ

ہر چیز پر قادر ہے"۔ اور ایک مقام پر اسی مفہوم کو اس طرح بیان فرماتا ہے: فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى (طٰہٰ:7)'' وہ تو بلا شبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی''۔ اس مفہوم کی بہت سی آیات ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے علم کے بارے میں خبر دی ہے وہاں یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ اعمال کا محاسبہ بھی کرے گا۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر اس کا بہت اثر ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے ہر چھوٹے بڑے اعمال کا محاسبہ کرے گا۔ اور یہ ان کی قوت ایمان اور حد درجہ ایقان کی نشانی ہے۔ وہ اس آیت کریمہ کو سن کر کانپ اٹھے اور گھٹنوں کے بل رسول اللہ ﷺ کی خدمت حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہمیں نماز، روزہ، جہاد، صدقہ وخیرات کا حکم ہوا جو ہمارے بس میں تھا۔ لیکن اب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے جو ہماری سمجھ سے بالا تر ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم یہود ونصاریٰ کی طرح کہنا چاہتے ہو کہ ہم نے اللہ کا حکم سنا اور اس کی نافرمانی کی۔ بلکہ یہ کہو ہم نے اللہ کا حکم سنا اور اس کی اطاعت کی۔ اے ہمارے پروردگار! ہم تیری مغفرت کے طلب گار ہیں اور ہم نے تیری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔ جب صحابہ کرام نے آپ کا یہ حکم تسلیم کر لیا۔ ان کی زبان پر یہ کلمات جاری ہو گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ایمان لایا یہ رسول (کریم) اس (کتاب) پر جو اتاری گئی اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے اور (ایمان لائے) مومن، یہ سب دل سے مانتے ہیں۔ اللہ اور اس کے فرشتوں کو، اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو (نیز کہتے ہیں) ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اس کے رسولوں سے۔ اور انہوں نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ ہم طالب ہیں تیری بخشش کے اے ہمارے رب! اور تیری طرف ہی ہم نے لوٹنا ہے۔ یہ آیت کریمہ نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی اس پریشانی کو دور کر دیا۔ اسے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی روایت کیا ہے۔ پھر مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے کوئی بھول ہو جائے یا کوئی خطا سرزد ہو جائے تو اس پر ہمارا مواخذہ نہ فرمانا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمالی۔ پھر عرض کی اے ہمارے رب! ہم پر وہ بھاری بوجھ نہ ڈال جس طرح تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی یہ دعا بھی قبول کر لی۔ پھر عرض کی اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کے اٹھانے کی ہم میں قوت اور طاقت نہیں۔ یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ اس کے بعد عرض کی ہم سے درگزر فرما ہمیں بخش دے ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا دوست اور مددگار ہے، قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا بھی قبول فرمالی۔ اس روایت کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں ایک دن حضرت عمر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے یہ آیت کریمہ "إِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ" تلاوت فرمائی اور بہت روئے تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہاں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی تو صحابہ کرام بڑے غمگین ہوئے تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! ہم تو ہلاک ہو جائیں گے، ہمارے عمل اور زبان کا مواخذہ ہمارے بس میں ہے، لیکن ہمارے دل ہمارے بس میں نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا اے میرے صحابہ! تم یہ کہو "سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا" جب صحابہ کرام نے یہ کہا تو بعد والی آیات نازل ہوئیں۔ جنہوں نے اس آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ ابن جریر نے یہی واقعہ سعید بن مرجانہ سے بھی روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا چونکہ دل کے وسوسہ پر انسان کا بس نہیں ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے مواخذہ سے صرف نظر کر لیا ہے۔ اور یہ حکم فرمایا کہ ہر شخص کو اس کے نیک عمل کا اجر ملے گا اور اس کے برے عمل کا وبال اس پر ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دل کے وساوس کو معاف فرما دیا ہے۔ اور پکڑ صرف اسی پر ہوگی جو زبان سے نکلے گا اور ہاتھ سے سرزد ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ

تعالیٰ اپنے فرشتوں کو فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ کسی برائی کا ارادہ کرے تو اسے نہ لکھو۔ ہاں اگر اس کا ارتکاب کرے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک برائی لکھ دو۔ اگر وہ نیکی کا ارادہ کرے تو اگرچہ اسے سرانجام نہ دے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دو۔ اگر وہ نیکی کرے تو پھر دس نیکیوں کا ثواب لکھ دو۔(1) اور ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ نیکی کرتا ہے تو میں اس کے نامہ اعمال میں دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک لکھ دیتا ہوں۔ ایک اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں فرشتے کہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! تیرا یہ بندہ برائی کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس پر نگاہ رکھو اگر اس نے اس کا ارتکاب کر لیا تو اس کے نامہ اعمال میں ایک بدی لکھ دینا اور اگر اس نے برائی نہ کی تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دینا۔ کیونکہ اس نے میرے ہی خوف سے برائی کو چھوڑا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی ایک کامل الایمان ہو جاتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر پانچ سو گنا تک لکھا جاتا ہے اور برائی صرف ایک ہی لکھی جاتی ہے۔ اسی حکم کی بہت سی روایات بہت سے صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں اس فضل و احسان کے باوجود وہی ہلاک ہوتا ہے جو اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہو۔ ایک صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے دل میں ایسے ایسے وسوسے آتے ہیں جن کو زبان پر لانا مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم ایسا محسوس کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا یہی خالص ایمان ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا یہ آیت منسوخ تو نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مخلوق کو جمع فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا میں تمہیں تمہاری ان خفیہ باتوں سے مطلع کرتا ہوں جن سے میرے فرشتے بھی آگاہ نہیں ہوئے۔ مومنین کو اللہ تعالیٰ خبر دے گا اور ان کے دلوں میں پیدا ہونے والے خطرات کو معاف فرما دے گا۔ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ سے یہی مراد ہے۔ اور پھر منافقین، شک و شبہ میں مبتلا لوگوں کو ان کی تکذیب سے آگاہ فرمائے گا جس کو انہوں نے دنیاوی زندگی میں چھپا رکھا تھا۔ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ (بقرہ:225) سے یہی مراد ہے۔ مجاہد، ضحاک، اور حسن بصریؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ محکم ہے منسوخ نہیں ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ محاسبہ اور عذاب میں فرق ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ محاسبہ کرتا ہے اور معاف فرما دیتا ہے اور کبھی محاسبہ فرماتا ہے اور عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے اور سزا دیتا ہے۔ حضرت صفوان بن محرز فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے۔ دوران طواف ایک شخص نے پوچھا اے عبداللہ بن عمر! سرگوشی کے بارے میں آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا ارشاد سنا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک مومن کو اپنے قریب بلائے گا حتی کہ اپنا دست قدرت اس پر رکھے گا۔ پھر اس سے دریافت فرمائے گا کہ تم نے فلاں فلاں گناہ کیا تھا۔ وہ بندہ اقرار کرتا جائے گا اور جب بہت سے گناہوں کا اعتراف کر لے گا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں پر پردہ ڈال رکھا تھا آج بھی میں ان کو معاف کر دیتا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کا صحیفہ اس کے دائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ مگر کفار اور منافقین کو تمام مجمع کے سامنے رسوا کیا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (ہود:18) ''یہی وہ (گستاخ) ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا۔ خبردار اللہ کی پھٹکار ہو ظالموں پر''۔ اس حدیث کو صحیح بخاری، مسلم اور دوسری کتب حدیث میں متعدد اسناد سے روایت کیا گیا ہے۔ حضرت زید نے حضرت عائشہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں دریافت کیا ہے تو مجھ سے اس کے بارے میں کسی نے نہیں پوچھا۔ اس

1۔ مسلم، کتاب الایمان: 117

سے مراد وہ تکالیف ہیں جو بندے کو اس دنیاوی زندگی میں پہنچتی ہیں۔ مثلاً بخار وغیرہ حتی کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنے پیسے ایک جیب میں رکھتا ہے پھر بھول جاتا ہے۔ تلاش کرنے پر اسے نہیں ملتے اسے بڑی تکلیف ہوتی ہے پھر وہ پیسے اسے دوسری جیب سے مل جاتے ہیں تو ان تکالیف اور مصائب کے ذریعہ اس کے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ خالص سرخ سونا(1)۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَ اعْفُ عَنَّا ۥ وَ اغْفِرْ لَنَا ۥ وَ ارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۸۶﴾

"ایمان لایا یہ رسول (کریم) اس (کتاب) پر جو اتاری گئی اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے اور (ایمان لائے) مومن۔ یہ سب دل سے مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو (نیز کہتے ہیں) ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اس کے رسولوں سے اور انہوں نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی ہم طالب ہیں تیری بخشش کے اے ہمارے رب! اور تیری طرف ہی ہمیں لوٹنا ہے۔ ذمہ داری نہیں ڈالتا اللہ تعالیٰ کسی شخص پر مگر جتنی طاقت ہو اس کی۔ اس کو اجر ملے گا جو (نیک عمل) اس نے کیا اور اس پر وبال ہوگا جو (برا عمل) اس نے کمایا اے ہمارے رب! نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا خطا کر بیٹھیں اے ہمارے رب! نہ ڈال ہم پر بھاری بوجھ جیسے تو نے ڈالا تھا ان پر جو ہم سے پہلے گزرے ہیں اے ہمارے پروردگار! نہ ڈال ہم پر وہ بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں قوت نہیں اور درگزر فرما ہم سے اور بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر تو ہی ہمارا دوست (اور مددگار) ہے۔ تو مدد فرما ہماری قوم کفار پر"۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ: ان آیات مذکورہ کی فضیلت کے بارے میں واردشدہ احادیث

1۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے رات کے وقت سورۂ بقرہ کی یہ دو آیات پڑھیں تو اس کے لیے کافی ہو جاتی ہیں۔

2۔ حضرت ابوذر غفاری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ بقرہ کی یہ دو آیات عرش الٰہی کے نیچے خزانہ سے مجھے عطا کی گئی ہیں۔(2)

3۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی گئی تو آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور یہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ البقرہ: 112/11
2۔ مسند امام احمد: 147/4

آسمان میں ہے۔ زمین سے آسمان کی طرف بلند ہونے والی چیزیں ہی سدرۃ المنتہیٰ ہے اور عرش الٰہی سے نازل ہونے والی کی انتہاء بھی یہی سدرۃ المنتہیٰ ہے اس کے بعد اس چیز کو یہاں سے نیچے بھیجا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى (نجم: 16) ''جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا''۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اس پر سونے کی تتلیاں چھائی ہوئی تھیں۔ وہاں رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔ 1۔ پانچ وقت کی نماز۔ 2۔ سورۂ بقرہ کی اختتامی (آخری) آیات 3۔ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنے والے آپ کے امتیوں کی بخشش۔

4۔ حضرت عقبیٰ بن عامر جہنی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات پڑھا کرو جو مجھے عرش تلے خزانے سے عطا کی گئیں۔ (1)

5۔ حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہمیں دوسرے لوگوں پر تین چیزوں سے فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے یہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات عرش تلے خزانے سے دی گئی ہیں۔ یہ نہ تو مجھ سے پہلے کسی کو عطا کی گئی ہیں اور نہ مجھ سے بعد کسی کو عطا ہوں گی۔

6۔ حضرت علی فرماتے ہیں: میرا خیال نہیں کہ کوئی اسلام کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو اور پھر آیت الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات پڑھے بغیر سو جائے۔ یہ وہ خزانہ ہے جو تمہارے نبی کریم ﷺ کو عرش کے نیچے سے عطا کیا گیا۔

7۔ حضرت لقمان بن بشیر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی۔ اس میں سے دو آیات نازل فرما کر سورۂ بقرہ کا اختتام فرمایا جس گھر میں بھی یہ آیات تین رات تک پڑھی جائیں شیطان اس گھر کے قریب نہیں جا سکتا (2)۔

8۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سورۂ بقرہ کی آخری آیات کی تلاوت فرماتے تو آپ مسکراتے اور فرماتے کہ یہ عرش تلے رحمٰن کے خزانہ سے مجھے عطا ہوئی ہیں اور جب یہ آیات مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (النساء: 123) ''جو عمل کرے گا برے اسے ملے گی اس کی سزا'' اور وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۙ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۙ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى (النجم: 41) ''ترجمہ: اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور اس کی کوشش کا نتیجہ جلد نظر آئے گا۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا''۔ پڑھتے تو آپ کی زبان پر ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' جاری ہو جاتا۔

9۔ حضرت معقل بن یسار فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات عرش کے تلے سے عطا کی گئی ہیں۔ اور جو باقی مفصل سورتیں ہیں وہ تو نفع میں ملی ہیں۔

10۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام بیٹھے تھے کہ انہوں نے اچانک اوپر سے ایک شدید آواز سنی۔ انہوں نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا آسمان کا ایک دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا۔ اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا۔ اس نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی آپ کو خوشخبری ہو۔ آپ کو دو نور عطا فرمائے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ اور وہ دو نور سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات ہیں۔ آپ اس میں سے ایک حرف بھی پڑھیں گے تو آپ کو نور عطا کیا جائے گا۔

1۔ بخاری: 28/1　　2۔ تحفۃ الاحوذی: 189/8

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ: حضرت انس فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ ذات اس بات کی سزاوار ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے۔ "وَالْمُؤْمِنُوْنَ" کا عطف رسول پر ہے۔ پھر ارشاد فرمایا یہ سب دل سے مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو، اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو۔ یعنی تمام مومنین کا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ یکتا تنہا اور بے نیاز ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود و پروردگار نہیں۔ اور وہ سچے دل سے تمام انبیاء و رسل کی تصدیق کرتے ہیں اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ بعض پر ایمان لاتے ہوں اور بعض کا انکار کرتے ہوں بلکہ ان کے نزدیک تمام انبیاء و رسل سچے، پاکباز، ہدایت یافتہ اور صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں۔ اگرچہ حکم الٰہی کے مطابق بعض انبیاء دوسرے بعض انبیاء کی شریعت کو منسوخ کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد ﷺ کی شریعت مطہرہ نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ جبکہ آپ کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی۔ اور آپ کی امت کا ایک گروہ قیامت تک اس پر قائم رہے گا۔

وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا: اے ہمارے پروردگار! ہم نے تیرے ارشاد کو سنا اور اس کو سمجھا اور اسے اس تقاضوں کے مطابق بجالائے۔

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا: یہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت، رحمت، لطف و کرم کی التجا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس اس کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں نے تمہیں معاف کیا۔

وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ: قیامت کے دن تیری طرف لوٹنا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ (امن الرسول) نازل ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے آپ کی اور آپ کی امت کی بہت تعریف فرمائی ہے آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا تو آپ نے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ..... کا سوال کیا۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا: اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت اور ہمت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر فضل و کرم اور لطف و احسان ہے۔ اس آیت کریمہ نے ماقبل آیت: وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ (بقرہ:284) کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے جس سے صحابہ کرام کبیدہ خاطر اور پریشان ہو گئے تھے۔ معنی یہ ہے کہ اگرچہ حساب و کتاب ہوگا اور سوال بھی ہوگا لیکن کسی شخص کو اس کے خیالات و وساوس پر عذاب نہیں دیا جائے گا جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا اس کو سزا انہی اعمال کی ملے گی جو اس کے بس میں ہے اور حدیث پاک میں گزر چکا ہے کہ برے وساوس کو ناپسند کرنا ایمان کی نشانی ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ: جو کوئی نیک عمل کرے گا اسے اس کا اجر ملے گا جس نے کوئی برا عمل کیا اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ اور یہ سزا انہی اعمال پر ہوگی جو انسان کی قدرت اور طاقت میں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی بارگاہ میں سوال کرنے کی راہنمائی فرمائی اور اس کی قبولیت کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔ اور انہیں یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اس کی بارگاہ میں ان الفاظ کے ساتھ دعا کریں۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ: اے ہمارے رب! اگر ہم بھول لیں یا خطا کر بیٹھیں ہمارا مواخذہ نہ کرنا یعنی اگر بھول کر کوئی فرض چھوٹ جائے یا کسی حرام چیز کا ارتکاب ہو جائے، یا حکم شرعی سے ناواقف ہونے کی وجہ سے کوئی غلط کام کر بیٹھیں تو ہماری پکڑ نہ فرمانا۔ اس سے پیشتر صحیح مسلم کی حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ میں نے اسے قبول کیا اور میں نے یہی کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کو خطا اور نسیان معاف فرما دیا ہے اور اگر کوئی کام ان سے زبردستی یا بحالت مجبوری کرایا گیا تو اسے بھی معاف فرما دیا ہے (1)۔ یہی حضرت ام درداء سے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مروی ہے۔

1۔ سنن ابن ماجہ: 2045

راوی حدیث ابوبکر ہذلی فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر حضرت حسن بصری سے کیا آپ نے فرمایا ہاں، حدیث صحیح ہے اور فرمایا کیا تو قرآن نہیں پڑھتا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ: اے ہمارے رب! ہم پر بھاری بوجھ نہ ڈال، جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے گزرے۔ یعنی ہمیں مشکل اعمال کا مکلّف نہ بنا اگرچہ ان کو برداشت کرنے کی ہم میں طاقت ہو۔ جیسا کہ تو نے ہم سے پہلی امتوں پر بوجھ ڈالے۔ وہ بوجھ جن کو ختم کرنے کے لیے اپنے نبی رحمت ﷺ کو مبعوث فرمایا اور انہیں وہ دین حنیف عطا کر کے بھیجا جو انتہائی آسان ہے اور یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول کیا ہے۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا: اے ہمارے پروردگار: ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ یعنی ہمیں ایسے مسائل اور تکالیف میں مبتلا نہ کر جو ہماری ہمت اور برداشت سے باہر ہوں۔ حضرت مکحول فرماتے ہیں اس سے مراد فریب، غلبہ شہوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو بھی قبول فرمایا۔

وَاعْفُ عَنَّا: اے اللہ! ہماری ان کوتاہیوں اور لغزشوں کو معاف فرما جو تیرے اور ہمارے درمیان سربستہ ہیں۔ اور ہماری ان خطاؤں کو بھی معاف فرما جو ہمارے اور تیرے بندوں کے درمیان ہوئیں۔ ہمارے برے اعمال کو کسی پر ظاہر نہ فرما اور ہم پر رحم فرما یعنی ہمیں اپنی توفیق سے آیندہ گناہوں سے بھی بچا۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ گنہگار کو تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ 1۔ اللہ تعالیٰ اس کی کوتاہیوں کو معاف کرے جو اس نے اس کے حق میں کیں۔ 2۔ وہ اس کے گناہ پر پردہ ڈالے تاکہ وہ اس کے بندوں میں رسوا نہ ہو۔ 3۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی حفاظت میں لے تاکہ آیندہ اس قسم کا گناہ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو بھی قبول فرمالیا۔

اَنْتَ مَوْلٰىنَا: تو ہی ہمارا دوست اور مددگار ہے۔ ہم تجھ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ تیری حفاظت کے بغیر ہم برائی سے نہیں بچ سکتے اور نہ ہی تیری اعانت کے بغیر نیکی کر سکتے ہیں۔

فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ: ہمیں کفار پر نصرت و فتح عطا فرما جو تیرے دین کے منکر ہیں۔ تیری وحدانیت اور تیرے نبی کی رسالت و نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ تجھے چھوڑ کر غیر کی پوجا کرتے ہیں تیری عبادت میں غیر کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ اے اللہ دنیا میں ہمیں ان پر غلبہ عطا فرما اور آخرت میں ان پر فضیلت عطا فرما۔ اس کے جواب میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے یہ دعا قبول کی۔ حضرت معاذ بن جبل جب اس آیت کو ختم کرتے تو آمین کہتے۔

تفسیر سورۂ آل عمران

یہ سورت مدنی ہے کیونکہ اس کی ابتدائی تراسی آیات اس وقت نازل ہوئیں جب مدینہ طیبہ میں عیسائیوں کا ایک وفد نجران سے حضور ﷺ کے پاس 9 ہجری میں آیا۔ اس کی تفصیل آیت مباہلہ کی تفسیر میں آئے گی (ان شاء اللہ)۔ اور اس کی فضیلت میں وارد شدہ احادیث کو ہم نے سورۂ بقرہ کی تفسیر کی ابتداء میں بیان کر دیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ۞ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۞ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۞ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۞

"الف۔لام۔میم اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے۔ نازل فرمائی اس نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے ان (کتابوں) کی جو اس سے پہلے (اتری) ہیں اور اتاری اس نے تورات اور انجیل اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اور اتارا فرقان کو بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اللہ کی آیتوں کے ساتھ ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے"۔

الٓمّٓ ۞ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ: آیت الکرسی کی تفسیر میں ہم یہ حدیث بیان کر چکے ہیں کہ اسم اعظم آیت الکرسی اور اس آیت: اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ میں ہے۔ الم کی تفسیر سورۂ بقرہ کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔ اس لیے یہاں اس کے اعادہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور اسی طرح اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ کی تفسیر بھی آیت الکرسی میں بیان کر دی گئی ہے۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ: یعنی یہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ نے آپ پر حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یقیناً یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق نازل فرمایا ہے۔ فرشتے بھی اس پر گواہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ: اور یہ کتاب اپنے سے پہلے نازل شدہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ یہ ان تمام واقعات اور اخبار کی تصدیق کرتی ہے جو قدیم زمانہ کی ان میں بیان کی گئی ہیں اور اسی طرح وہ کتابیں بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں۔ کیونکہ اس میں وہ چیزیں بعینہٖ بیان کی گئی ہیں جن کی خبر پہلی کتابوں میں دی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کرنے کی خوشخبری بیان فرمائی تھی۔ وہ بالکل سچ ثابت ہوئی۔

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ: اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم سے پہلے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر تورات اور عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی۔ اور یہ دونوں کتابیں اپنے دور کے لوگوں کی راہنمائی کے لیے نازل فرمائی گئی تھیں۔ پھر "فرقان"

کو نازل فرمایا۔ یعنی قرآن کریم۔ جو ہدایت و گمراہی، حق و باطل صحیح وخطا میں فرق کرنے والا ہے۔ اس میں واضح اور روشن آیات، دلائل قاہرہ، براہین قاطعہ کا بیان موجود ہے۔ حضرت قتادہ اور ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ فرقان سے یہاں مراد قرآن ہے۔ اور ابن جریر فرماتے ہیں چونکہ پہلے قرآن حکیم کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس لیے یہ لفظ یہاں اپنے مصدری معنی میں ذکر کیا گیا ہے۔ ابوصالح کا قول ہے کہ یہاں فرقان سے مراد تورات ہے۔ لیکن ان کا یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ تورات کا ذکر تو پہلے ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ: یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کا انکار کر کے ان کو باطل قرار دیتے رہے۔ قیامت کے دن ان کے لیے سخت عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بڑی غالب شان اور عظیم قوت کا مالک ہے۔ وہ اپنی آیات کو جھٹلانے والوں، اپنے انبیاء اور رسل عظام علیہم السلام کی مخالفت کرنے والوں سے انتقام لینے والا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝۵ ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝۶

''بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پوشیدہ رہتی اس پر کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں وہی ہے جو تمہاری تصویریں بناتا ہے (ماؤں کے) رحموں میں جس طرح چاہتا ہے کوئی معبود نہیں بغیر اس کے (وہی) غالب ہے حکمت والا ہے''۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ زمین و آسمان کے جملہ مغیبات کو جانتا ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہی ہے جو ماؤں کے رحم میں تمہاری صورتیں بناتا ہے جس طرح وہ چاہتا ہے۔ اچھی و بری، نیک و بد، مذکر و مؤنث۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ: وہی ذات ہے جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ اس لیے وہی اکیلا الوہیت کا سزاوار ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ وہ زبردست قوت کا مالک اور صاحب حکمت ہے۔ اس آیت میں اشارہ ہی نہیں بلکہ صراحت ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ جس طرح کہ باقی تمام بشر اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی رحم مادر میں ان کی صورت بنائی۔ پھر جیسے چاہا ان کو پیدا کیا۔ پھر وہ خدا کیسے بن سکتے ہیں۔ جیسا کہ نصاریٰ گمان کرتے ہیں۔ اللہ کی لعنت ہو اس گروہ نصاریٰ پر۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رحم مادر میں ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتے رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یَخْلُقُکُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ (زمر:56) ''وہ پیدا فرماتا ہے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں (تدریجاً) ایک حالت سے دوسری حالت، تین اندھیروں میں''۔ پس جس کی پیدائش اس طرح ہوئی ہو وہ معبود والٰہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ ۙ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً ۚ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ۝۸ رَبَّنَآ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝۹

''وہی ہے جس نے نازل فرمائی آپ پر کتاب اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں۔ پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے سو وہ پیروی کرتے ہیں (صرف) ان آیتوں کی جو متشابہ ہیں قرآن سے (ان کا مقصد) فتنہ انگیزی اور (غلط) معنی کی تلاش ہے اور نہیں جانتا اس کے صحیح معنی کو بغیر اللہ تعالیٰ کے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم ایمان لائے ساتھ اس کے۔ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر عقلمند اے ہمارے رب! نہ ٹیڑھے کر ہمارے دل بعد اس کے کہ تو نے ہدایت دی ہمیں اور عطا فرما ہمیں اپنے پاس سے رحمت بے شک تو ہی سب کچھ بہت زیادہ دینے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! بے شک تو جمع کرنے والا ہے سب لوگوں کو اس دن کے لیے نہیں کوئی شبہ جس (کے آنے) میں بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پھرتا اپنے وعدے سے''۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں ایسی آیات بھی ہیں۔ جن کا حکم بالکل واضح اور صاف ہے۔ جسے ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ انہیں آیات محکمات کہتے ہیں۔ اور بعض آیات ایسی ہیں جن کے مفاہیم ومطالب عامۃ الناس کی رسائی سے باہر ہیں انہیں مشتبہات کہتے ہیں۔ وہ لوگ جو مشتبہات کو محکمات کی طرف لوٹائیں اور ان کو آیات محکمات سے سمجھنے کی کوشش کریں وہ ہدایت پر ہیں۔ اور جو اس کے برعکس روش اپنائیں وہ حق سے دور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیات محکمات کو ام الکتاب فرمایا ہے۔ یعنی یہ قرآن کریم کی اصل ہے جب کوئی مسئلہ مشتبہ ہوجائے تو اس اصل کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ: اور دوسری آیات متشابہ ہیں۔ یعنی بعض اوقات یہ آیات ایسے معانی ومفاہیم پر دلالت کرتی ہیں جو محکم آیات کے موافق ہوتے ہیں۔ لیکن لفظ اور ترکیب کے اعتبار سے دوسرے مطالب کا بھی احتمال رکھتی ہیں۔ محکم اور متشابہ آیات کے بارے میں سلف صالحین کی مختلف آراء ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: محکمات وہ آیات ہیں جو ناسخ ہوں اور جن میں حلال وحرام اور اوامر ونواہی کے احکام ہوں۔ اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ: قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا (انعام: 151) اور اس کے بعد والی آیات: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ (بنی اسرائیل: 23) اور اس کے بعد والی تین آیات محکمات ہیں۔ ابوفاختہ فرماتے ہیں اس سے مراد سورتوں کی ابتدائی آیات ہیں۔ حضرت یحییٰ بن یعمر فرماتے ہیں: اس سے مراد فرائض، اوامر ونواہی اور حلال وحرام ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ انہیں ام الکتاب اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تمام کتب سابقہ میں لکھی ہوئی ہیں۔ مقاتل بن حیان فرماتے ہیں: انہیں ام الکتاب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ تمام مذاہب اس پر عمل پیرا ہیں۔ اور متشابہات کے بارے میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد منسوخ آیات ہیں اور وہ آیات جو مقدم ومؤخر ہوں۔ جن میں مثالیں اور قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ اور جن پر ایمان لانا ضروری ہو اور عمل کرنا ضروری نہ ہو۔ مجاہد فرماتے ہیں متشابہات ایک دوسرے کی تشریح کرتی ہیں اور یہ قول اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ'' (زمر: 23) ''یعنی وہ کتاب جس کی آیات ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی جانے والیں'' یہاں متشابہ سے مراد وہ کلام ہے جو ایک ہی طرز پر ہو۔ اور مثانی سے مراد وہ کلام ہے جس میں دو متقابل چیزوں کا ذکر ہو جیسے جنت ودوزخ، نیک وبد۔ لیکن یہاں متشابہ سے مراد وہ کلام ہے جو محکم کے مقابلہ میں ہو۔ اس میں بہترین قول وہی ہے جسے ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اور یہ قول محمد بن اسحٰق بن یسار کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں آیات محکمات، رب تعالیٰ کی حجت اور اس کے بندوں کی حفاظت ہیں۔ انہی کے ذریعہ باطل قوتوں کو رد کیا جا سکتا ہے۔ اور ان میں کسی قسم کی تحریف وتغیر نہیں ہوسکتا۔ آپ فرماتے ہیں متشابہات میں بھی حقیقت میں کوئی تحریف اور تاویل نہیں ہوسکتی۔ ان سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ایمان کو آزماتا ہے۔ جیسے انہیں حرام وحلال کے ذریعہ آزماتا ہے۔ یعنی ان آیات کی باطل اور غلط تاویل

نہ کی جائے اور نہ ہی ان میں کسی قسم کی تحریف کی جائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جن لوگوں کے دل میں کجی، ضلالت اور حق سے باطل کی طرف جانے کا رجحان ہو وہ صرف ان آیات کی پیروی کرتے ہیں جو متشابہ ہیں یعنی وہ متشابہ آیات کو لے کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے ان میں تحریف کر ڈالتے ہیں۔ چونکہ یہ الفاظ کئی معانی کا احتمال رکھتے ہیں اس لیے وہ اپنی خواہش کے مطابق ان کا مفہوم مراد لے لیتے ہیں۔ لیکن اس کے مقابلہ میں محکم آیات میں اپنی من مانی تحریف نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کا معنی اور مفہوم بالکل واضح ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا اس لیے ان کا مقصد فتنہ انگیزی ہوتا ہے اور اپنے پیروکاروں کو گمراہ کرنا۔ کیونکہ وہ اپنا باطل عقیدہ قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن ان کے باطل عقائد کی تردید کرتا ہے۔ جیسا کہ عیسائی یہ دلیل دیتے ہیں کہ قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا گیا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں محکم آیات کی طرف توجہ نہیں کرتے جن میں یہ صراحۃً ذکر کیا گیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس کے بندے اور رسول ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْهِ (زخرف:59) ”نہیں ہے عیسیٰ مگر بندہ ہم نے انعام فرمایا ہے اس پر“۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (آل عمران:59) ”مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی اللہ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا“۔

وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ: یہاں بیان فرمایا کہ یہ لوگ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اس میں تحریف کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت مقاتل بن حیان اور سدی فرماتے ہیں کہ یہ لوگ قرآن عظیم سے مختلف حالات و واقعات کے مآل و انجام کی پیشین گوئیاں کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی اور فرمایا کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہات میں جھگڑا کرتے ہوں تو ان سے بچو(1)۔ اس حدیث کو ابن ماجہ، ابن حبان، ترمذی، ابوداؤد طیالسی، سعید بن منصور، مسلم، بخاری اور ابوداؤد نے اپنی کتاب حدیث میں مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو امامہ سے مروی ہے کہ ان لوگوں سے مراد خوارج ہیں۔ یہ حدیث کم از کم موقوف ہے کیونکہ یہ صحابی کا قول ہے اس کا معنی صحیح ہے۔ اسلام میں جو سب سے پہلی بدعت رونما ہوئی وہ یہی فتنہ خوارج ہے۔ اور اس فتنہ کی ابتداء دنیا کے مال و متاع کی حرص سے ہوئی۔ کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ حنین کے موقع پر مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے تو ذوالخویصرہ نامی ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ عدل کیجئے آپ نے عدل نہیں کیا۔ تو آپ نے فرمایا تو خائب و خاسر ہوا اگر میں عدل نہیں کروں گا تو کون عدل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اہل زمین پر امین بنایا ہے اور تم مجھے امین نہیں سمجھتے۔ جب وہ شخص واپس جانے کے لیے مڑا تو حضرت عمر نے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی اور ایک روایت میں ہے، یہ اجازت طلب کرنے والے حضرت خالد بن ولید تھے۔ تو آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو اس کی جنس سے ایک ایسی قوم نکلے گی کہ ان کی نمازوں اور قرآن کی تلاوت کے مقابلہ میں تم اپنی نماز اور تلاوت کو حقیر سمجھو گے۔ اور وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر نکلتا ہے۔ تم جہاں بھی انہیں پاؤ قتل کرو، ان کو قتل کرنے والے کو بڑا ثواب ملے گا۔ اس فرقہ کا ظہور حضرت علی کے دور خلافت میں ہوا۔ آپ نے نہروان کے مقام پر ان کے ساتھ جنگ کی۔ پھر انہی خوارج سے مختلف فرقوں کا ظہور ہوا۔ قدریہ، معتزلہ اور جہمیہ وغیرہم۔ رسول اللہ ﷺ نے ان فرقوں کے بارے میں پہلے ہی خبر دے دی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور سوائے ایک کے باقی تمام جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کی یہ جنت میں جانے والا گروہ کون ہو گا؟ فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر کاربند رہے گا(2)۔ حضرت حذیفہ روایت کرتے ہیں رسول

1۔ مسند امام احمد، 48/6 2۔ المستدرک، کتاب العلم، 129,128/1

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت میں ایک قوم ایسی ہوگی جو قرآن کریم تو پڑھے گی لیکن اسے کھجور کی گٹھلیوں کی طرح بکھیریں گے اور اس کی غلط تاویل کریں گے۔

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ: لفظ اللہ پر وقف کرنے یا نہ کرنے میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں تفسیر کی چار قسمیں ہیں۔1۔وہ تفسیر، جسے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔2۔وہ، جسے عرب اپنی لغت سے سمجھتے ہیں۔3۔وہ، جسے علماء راسخین سمجھتے ہیں۔4۔وہ، جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ یعنی حضرت ابن عباس لفظ اللہ پر وقف کرنے کے قائل ہیں۔ یہی قول حضرت عائشہؓ، عروہ، ابوشعشہ، ابونہیک وغیرہم سے مروی ہے۔ حضرت ابو مالک اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا مجھے اپنی امت پر تین باتوں کا خوف ہے۔1۔ مال کی کثرت ہوگی اور یہ ایک دوسرے حسد وبغض کریں گے اور آپس میں لڑائی جھگڑے پر اتر آئیں گے۔2۔قرآنی آیات کی تاویل کے درپے ہوں گے حالانکہ ان کی حقیقی تاویل اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور علماء راسخین کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔3۔علم حاصل کر کے لاپرواہی سے ضائع کر دینا یہ حدیث انتہائی غریب ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: قرآن پاک اس لیے نازل نہیں کیا گیا اس کی بعض آیات بعض کو جھٹلائیں گی، پس تمہیں جس چیز کا علم ہو اس پر عمل کرو اور جو متشابہ ہو اس پر ایمان لے آؤ۔ حضرت عبداللہ بن عباس، عمر بن عبدالعزیز اور مالک بن انس فرمایا کرتے تھے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ مگر اس کی تاویل کو نہیں جانتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس کی تاویل صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ اور علمائے راسخین فرماتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ ابن جریر نے بھی اسی قول کو پسند اور اختیار کیا ہے۔ بعض علماء "وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ" پر وقف کرتے ہیں۔ یہی اکثر مفسرین اور اہل اصول کی رائے ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایسی چیز جو سمجھ نہ آئے، ایسا خطاب اللہ تعالیٰ کی جناب سے بعید ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں ان علمائے راسخین میں ہوں جو تاویل کو جانتے ہیں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں رَاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ تاویل کو جانتے ہیں اور پھر کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ ربیع بن انس سے بھی یہی مروی ہے۔ محمد بن جعفر بن زبیر فرماتے ہیں اس کی حقیقی تاویل اور مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور علمائے راسخین فرماتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ پھر متشابہ آیت کی تفسیر ان محکمات آیات سے کرتے ہیں جن میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی یوں قرآن کریم کی تمام آیات باہم مربوط اور منظم ہو جاتی ہیں۔ نیز ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ دلیل اور حجت نافذ ہوتی ہے۔ عذر ظاہر ہوتا ہے باطل عیاں ہو جاتا ہے کفر زائل ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس کے لیے دعا فرمائی اے اللہ! اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما۔ تاویل کا علم مرحمت فرما۔ بعض علماء نے یہاں تفصیل بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں تاویل کا لفظ قرآن پاک میں دو معانی میں استعمال ہوا ہے۔1۔ کسی چیز کی حقیقت واصلیت اور انجام ومآل جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ (یوسف:100) "یوسف نے کہا اے میرے پدر بزرگوار! یہ تاویل ہے میرے خواب کی جو پہلے (عرصہ ہوا میں نے) دیکھا تھا"۔ اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ (الاعراف:53) "یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونے کی انہیں جو خبر دی گئی ہے اس کی حقیقت کے جاننے کا انتظار کرتے ہیں"۔ اگر تاویل کا یہ معنی کیا جائے تو لفظ "اللہ" پر وقف کیا جائے گا۔ کیونکہ جملہ امور کی اصل اور حقیقت سے اللہ ہی آگاہ ہے۔ اس طرح الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مبتدا ہوگا اور يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ اس کی خبر ہوگا (آل عمران:7) تفسیر بیان کرنا اور کسی چیز کو تعبیر کرنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ (یوسف:36) "آپ بتائیے ہمیں اس کی تاویل"۔ اگر تاویل کا یہ معنی مراد لیا جائے تو پھر وقف الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ پر ہوگا۔ کیونکہ علمائے راسخین اس کی تفسیر کو جانتے ہیں اس لیے کہ خطاب

انہی کو ہو رہا ہے۔ گو حقائق اشیاء کا انہیں بھی علم نہیں۔ اس بناء پر یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ حال ہوگا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بلا معطوف علیہ معطوف ہو۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ..... یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا (الحشر:10-8) اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ (الفجر:22) (یعنی وجاء الملا ئکة صفوفاً صفوفاً علمائے راسخین کی طرف سے یہ خبر دی گئی ہے) کہ وہ کہتے ہیں۔ ہم متشابہ پر ایمان لائے، محکم اور متشابہ تمام ہمارے رب کی طرف سے حق اور سچ ہے۔ ان میں ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے اور یہ اس پر شاہد ہے کہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اس میں تضاد اور تناقض نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا (النساء:82) ” کیا وہ غور نہیں کرتے قرآن میں، اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ) اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلاف کثیر) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا:

وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ: یعنی اس کے صحیح معانی اور مفاہیم کو وہی سمجھتے ہیں جو عقل بیدار اور فکر سلیم کے مالک ہوتے ہیں۔

حضرت عبید اللہ بن یزید ” جنہیں حضرت انس بن مالک، ابوامامہ اور ابودرداء سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے علمائے راسخین کے بارے میں سوال کیا گیا۔ فرمایا جن کی قسم سچی ہو۔ زبان راست گو، دل مستقیم، پیٹ حرام سے پاک، اور شرمگاہ زنا سے محفوظ۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو قرآن کریم کے بارے میں جھگڑا کرتے دیکھا۔ فرمایا تم سے پہلے لوگ بھی اسی لیے ہلاک ہوئے انہوں نے اللہ کی کتاب کی آیات کو ایک دوسرے کے خلاف ٹھہرایا۔ حالانکہ اللہ کی کتاب اس لیے نازل کی جاتی ہے کہ اس کی آیات ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ پس تم اس کی آیات میں اختلاف بتا کر ان میں تضاد پیدا نہ کرو جو تمہیں معلوم نہ ہو اسے اہل علم کے سپرد کردو۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن حکیم سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے۔ ان میں لڑائی جھگڑا کرنا کفر ہے۔ آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمایا پھر فرمایا جو کچھ تمہیں معلوم ہو اس پر عمل کرو اور جو نا معلوم ہو اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو۔ اس کی سند صحیح ہے لیکن یہ اس اعتبار سے معلل ہے کہ اس کے راوی کہتے ہیں کہ میں تو اسے ابو ہریرہ ہی سے جانتا ہوں۔

نافع بن یزید فرماتے ہیں: راسخون فی العلم سے مراد وہ علماء ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتے ہیں اور اس کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لیے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ بزرگوں کی تعظیم کرتے ہیں اور اپنے سے کم درجہ والوں کی تحقیر نہیں کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ اپنے رب سے یہ دعا کرتے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا: اے باری تعالیٰ! جب تو نے ہمارے دلوں کو ہدایت پر ثابت قدم کر دیا ہے۔ اب ان کو اس راہ ہدایت سے دور نہ کر اور ہمیں ان لوگوں کی طرح نہ بنا دے جن کے دلوں میں کجی ہے۔ اور قرآن کی متشابہ آیات کی تاویل کرتے ہیں۔ بلکہ ہمیں صراط مستقیم اور اپنے دین حنیف پر قائم رکھ اور ہمیں اپنی جناب سے وہ رحمت عطا فرما جس سے تو ہمارے دلوں کو مضبوط کردے اور ہمارے اختلاف کو دور کر کے ہمارے ایمان و ایقان میں اضافہ فرما بے شک تو ہی سب کچھ اور بہت زیادہ دینے والا ہے رسول اللہ ﷺ یہ دعا اکثر کیا کرتے تھے: (اَللّٰهُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ)۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا دل بھی الٹ پلٹ ہوتا ہے۔ فرمایا ہاں بنی آدم میں سے ہر ایک انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو اسے سیدھا رکھے اور اگر چاہے تو اسے ٹیڑھا کر دے۔ ہم اپنے رب کی بارگاہ میں سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کرے اور وہ اپنی جناب سے ہمیں اپنی رحمت عطا فرمائے۔ کیونکہ وہی سب سے زیادہ عطا کرنے والا ہے۔ ایک روایت میں یہ

الفاظ زائد ہیں: میں نے عرض کی یارسول اللہ! مجھے کوئی دعا سکھایئے جو میں مانگا کروں۔ آپ نے فرمایا تم یہ دعا مانگا کرو: (رَبَّ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ اغْفِرْلِي ذَنْبِي وَاذْهَبْ غَيْظَ قَلْبِي وَاَجِرْنِي مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ) ''ترجمہ: اے اللہ! محمد نبی کریم ﷺ کے رب میرے گناہ معاف فرمادے۔ میرے دل کے غیظ وغضب کو دور کردے اور میری گمراہ کن فتنوں سے حفاظت فرما''۔ حضرت عائشہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ اکثر یہ دعا (يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ الخ) کیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ ہر دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے۔ الی آخرہ۔ پھر فرمایا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا نہیں سنا۔ اس حدیث کی یہ سند اگرچہ غریب ہے لیکن اس کی اصل صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں مختلف اسناد سے مروی ہے۔ ایک روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کے وقت نیند سے بیدار ہوتے تو آپ یہ کلمات پڑھتے (لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِي وَ اَسْئَلُ رَحْمَتَكَ اَللّٰهُمَّ زِدْنِي عِلْمًا وَلَا تُزِغْ قَلْبِي بَعْدَ اِذْهَدَيْتَنِي وَهَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ) حضرت عبداللہ صنابحی فرماتے ہیں کہ انہوں نے مغرب کی نماز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی۔ انہوں نے پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ شریف اور قصار مفصل میں سے دو سورتیں پڑھیں۔ اور جب تیسری رکعت پڑھی تو میں ان کے قریب ہوگیا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ میرے کپڑے ان کے کپڑوں سے مس ہوجاتے۔ میں نے سنا کہ وہ تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد یہ آیت پڑھ رہے تھے: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب تک یہ روایت نہیں سنی تھی وہ دوسری رکعت میں الحمد کے بعد ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ'' پڑھتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے یہی آیت پڑھنی شروع کردی۔ فرماتے ہیں جب سے میں نے اسے سنا ہے اس کو ترک نہیں کیا۔

رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ: یعنی علمائے راسخین یہ بھی دعا مانگتے ہیں اے ہمارے رب! تو قیامت کے دن تمام مخلوق کو جمع کرے گا۔ اور ان کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔ اور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ یعنی جو کچھ بھی اس نے دنیا میں اچھا یا برا عمل کیا اسے اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا نہ بچا سکیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے کچھ بھی۔ اور وہی (بدبخت) ایندھن ہیں آگ کا (ان کا طریقہ) مثل طریقہ آل فرعون کے اور ان لوگوں کے تھا جو ان سے پہلے تھے انھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو پس پکڑ لیا انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: یہاں اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ (الروم: 57) ''پس نہ نفع دے گی اس دن ظالموں کو ان کی عذرخواہی''۔ دنیاوی زندگی میں انہیں جو مال و دولت عطا کی گئی وہ انہیں کچھ فائدہ نہیں دے گی اور نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کے دردناک عذاب سے بچا سکے گی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (التوبہ: 85) ''اور نہ

تعجب میں ڈالیں آپ کو ان کے اموال اور ان کی اولاد۔ یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں اس دنیا میں اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ کافر ہوں'' دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ(آل عمران:197)'' اے سننے والے! نہ دھوکہ میں ڈالے تجھے چلنا پھرنا ان کا جنہوں نے کفر کیا ملکوں میں، یہ لطف اندوزی تھوڑی مدت کے لیے ہے پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ بہت بری ٹھہرنے کی جگہ ہے''۔ یہاں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا۔(اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا) بے شک وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی آیات سے کفر کیا اس کے رسل کو جھٹلایا۔ اس کی کتاب کی مخالفت کی اس کے انبیاء کے ارشادات و ہدایات سے مستفید نہ ہوئے۔ ان کو ان کے اموال و اولاد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے یہی لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے ان کے ساتھ جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء:98) '' اے مشرکو! تم اور جن بتوں کی عبادت کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے''۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی والدہ ماجدہ ام الفضل فرماتی ہیں جب ہم مکہ میں تھے ایک رات رسول اللہ ﷺ اٹھے اور بلند آواز سے تین دفعہ پکارا اے اللہ میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا۔ یہ سن کر عمر بن خطاب کھڑے ہوئے اور عرض کی بے شک آپ نے اللہ تعالیٰ کے دین کا پیغام پہنچا دیا۔ اس کے بعد پھر صبح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دین اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا۔ یہاں تک کہ کفر اپنی جگہ جا چکے گا۔ مسلمان اسلام کا پیغام لے کر سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے نکل جائیں گے۔ اور ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ لوگ قرآن سیکھیں گے پھر اس کی تلاوت بھی کریں گے (تکبر کے طور پر اور پھر کہیں گے) ہم نے قرآن پاک پڑھا اور اس کے احکام کو جانا۔ سو ہم سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ پھر فرمایا کیا یہ لوگ بھی بھلائی پر ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں۔ فرمایا یہ تم میں سے ہی ہوں گے اور یہی لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ اس کو ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ اور دوسری روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ حضرت عمر نے جواب میں کہا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام بڑی محنت، کوشش سے پہنچایا۔ آپ نے لوگوں کو نصیحت فرمائی۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ: ان لوگوں کا طریقہ آل فرعون کے طریقہ کی مثل ہے۔ بعض نے داب کا معنی فعل بتایا ہے یعنی ان کا کام آل فرعون کے فعل کی مثل ہے۔ اور داب کے ہمزہ کو ساکن بھی پڑھا گیا ہے اور حرکت دے کر بھی پڑھا گیا ہے۔ جیسے نَهْر کو نَهَر بھی پڑھتے ہیں۔ اس کا معنی طریقہ، حال، شان، معاملہ اور عادت ہے۔ جس طرح کہ عرب کہتے ہیں (لَا یَزَالُ هٰذَا دَأْبِیْ وَ دَأْبَكَ) '' ترجمہ: میرا اور تمہارا حال یہی رہے گا'' امرؤ القیس نے بھی اس لفظ کو اپنے شعر میں بیان کیا ہے (كَدَأْبِكَ مِنْ اُمِّ الْحُوَیْرِثِ قَبْلَهَا) '' ترجمہ: جیسا کہ اس سے پہلے ام الحویرث کے بارے میں تمہاری عادت تھی۔ جب تو نے اس کی محبت میں اپنے آپ کو تباہ کر دیا۔'' آیت کریمہ کا معنی یہ ہوگا کہ ان کافروں کو ان کے مال و اولاد فائدہ نہیں دیں گے بلکہ یہ تباہ و برباد ہو کر عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ جیسے آل فرعون اور ان سے پہلے ان قوموں کا حال ہوا جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کی آیات و بینات سے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ اس کی پکڑ سے کوئی نہیں بچ سکتا اور نہ ہی کوئی چیز اس کے احاطہ سے باہر ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہر چیز پر غالب ہے۔ اس کے سوا نہ تو کوئی معبود ہے اور نہ ہی پروردگار۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰیَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ

الْعَيْنِ ۚ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

"(اے میرے رسول!) فرما دو ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا کہ عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور ہانکے جاؤ گے جہنم کی طرف اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ بے شک تھا تمہارے لیے (عبرت کا) نشان (ان) دو گروہوں میں جو ملے تھے (میدان بدر میں) ایک گروہ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں اور دوسرا کافر تھا دیکھ رہے تھے (مسلمان انہیں) اپنے سے دو چند (اپنی) آنکھوں سے اور اللہ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے یقیناً اس واقعہ (بدر) میں بہت بڑا سبق ہے آنکھ والوں کے لیے"۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اے محمد (ﷺ) ان کافروں کو کہہ دیجئے تم اس دنیا میں بھی مغلوب و مقہور ہو گے اور قیامت کے دن تمہیں ہانک کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے۔ حضرت عاصم بن عمرو فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ میدان بدر سے فتح و نصرت کے ساتھ لوٹے تو آپ نے یہودیوں کو بنو قینقاع کے بازار میں جمع کیا اور انہیں ارشاد فرمایا اے گروہ یہود مسلمان ہو جاؤ قبل اس کے کہ تمہیں بھی اس ذلت و رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے جس سے قریش دوچار ہوئے۔ تو ان یہودیوں نے یہ جواب دیا کہ آپ نے قبیلہ قریش کے ان چند لوگوں کو قتل کیا ہے جو اناڑی اور فنون حرب سے نابلد تھے۔ اس لیے کہیں دھوکہ نہ کھا جانا۔ اگر تم ہم سے جنگ کرو گے تو پھر معلوم ہو گا کہ مرد میدان کون ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا:

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ: اے شیخی بگھارنے والے یہودیو! تمہارے لیے جنگ بدر میں سامان عبرت ہے اور یہ انتباہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو عزت اور اپنے رسول کو فتح و نصرت دی ہے۔ جب یہ دو گروہ آپس میں برسر پیکار ہوئے۔ ایک گروہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا تھا اور دوسرا کافر یعنی مشرکین مکہ۔

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۚ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن مشرکین کو مسلمان تعداد میں دو گنا نظر آئے تھے۔ اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی فتح و نصرت کا سبب بنا دیا۔ جنگ شروع کرنے سے پہلے مشرکین نے عمرو بن سعد کو جاسوسی کے لیے بھیجا تا کہ مسلمانوں کی تعداد معلوم کرے اس نے آ کر بتایا کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے اور حقیقت میں بھی مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار خاص فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے بھیجے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ مسلمان دیکھ رہے تھے کہ کافروں کی تعداد ان سے دو گنا ہے۔ اس کے باوجود کہ مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح و نصرت عطا کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور مشرکین کی تعداد چھ سو چھبیس تھی۔ انہوں نے یہ تعداد اس آیت کے ظاہر سے اخذ کی ہے۔ لیکن جمہور مورخین لکھتے ہیں۔ مشرکین کی تعداد نو سو ہزار کے درمیان تھی۔ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بنی حجاز کے سیاہ فام غلام سے قریش کی تعداد کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا وہ بہت ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا وہ ہر روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ اس نے کہا ایک دن نو اور ایک دن دس۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا ان کی تعداد نو سو اور ہزار کے درمیان ہے۔ حضرت علی سے بھی مروی ہے کہ ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ بہر حال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مسلمانوں سے تین گنا تھے۔ اس بنا پر یہ قول مشکل ہے کیونکہ قرآن پاک نے ان کو دو گنا زیادہ بتایا ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر نے اس کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ یہ اسی طرح ہے جس طرح کہ کوئی کہے میرے پاس ہزار روپیہ ہے۔ اور مجھے اس کے دو

مثل کی ضرورت ہے۔ اس طرح اسے تین ہزار کی ضرورت ہوگی۔ اس طرح یہ اشکال دور ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی ایک سوال ابھی باقی ہے اور وہ ان دونوں قوموں پر وارد ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ قرآن کریم میں غزوۂ بدر کے بارے میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا (انفال: 44) ''اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے دکھایا تمہیں (لشکر کفار) جب تمہارا مقابلہ ہوا تمہاری نگاہوں میں قلیل اور قلیل کر دیا تمہیں ان کی نظروں میں تاکہ کر دکھائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا''۔ یہاں تو بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین تعداد میں مسلمانوں سے کم نظر آ رہے تھے۔ اور اوپر والی آیت میں بیان کیا گیا ہے وہ مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا نظر آ رہے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو مختلف حالتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں جب ہم نے پہلے مشرکین کو دیکھا تو ہمیں دوگنا نظر آئے۔ اور پھر جب ہم نے ان کو دوبارہ دیکھا تو ایسے معلوم ہوا کہ ان کی تعداد ہمارے جتنی ہے۔ دوسری روایت میں فرماتے ہیں پھر مشرکین کی تعداد کو ہماری نگاہوں میں کم کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ کیا خیال ہے ان کی تعداد ستر ہوگی تو اس نے کہا نہیں میرے خیال میں یہ سو ہوں گے۔ اور جب ہم نے ان کو قید کیا تو ان میں سے ایک آدمی سے پوچھا تمہاری تعداد کتنی تھی تو انہوں نے کہا ایک ہزار۔ بہرحال پہلی دفعہ جب مسلمانوں نے مشرکین کی طرف دیکھا تو انہیں ان کی تعداد دوگنا معلوم ہوئی۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس سے مدد اور استعانت اور نصرت و فتح طلب کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آئی۔ تو ان میں خوف و ہراس اور رعب و دبدبہ پیدا ہوا۔ اور پھر جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نظروں میں مشرکین کی تعداد کم کر دی۔ اور مشرکین کی نظروں میں مسلمانوں کی تعداد کم کر دی۔ تاکہ ہر فریق بڑھ چڑھ کر دوسرے پر حملہ کرے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ وہ کام دکھائے جو ہو کر رہنا ہے نیز اللہ تعالیٰ حق اور باطل کے درمیان تمیز کر دے اور ایمان کے کلمہ کو کفر پر غالب کر دے۔ مومنین کو عزت عطا فرمائے اور کافروں کو ذلیل کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (آل عمران: 123) ''اور بے شک مدد کی تھی تمہاری اللہ تعالیٰ نے (میدان) بدر میں حالانکہ تم بالکل کمزور تھے''۔ اور یہاں ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ: اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی نصرت سے مدد فرماتا ہے۔ اور بے شک اس واقعہ میں اصحاب عقل و خرد کے لیے عبرت ہے۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم، اس کے افعال کو سمجھ سکیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کیسے اپنی قدرت کے ساتھ اس دنیا میں اپنے مومنین بندوں کی مدد فرماتا ہے اور قیامت کے دن بھی انہیں اپنی نصرت سے سرفراز فرمائے گا۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِیْنَ وَ الْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿14﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿15﴾

''آراستہ کی گئی لوگوں کے لیے ان خواہشوں کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کیے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے اور چوپائے اور کھیتی یہ سب کچھ سامان ہے دنیوی زندگی کا اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا

ہے۔(اے میرے رسول!) آپ فرمائیے کیا بتاؤں میں تمہیں اس سے بہتر چیز۔ان کے لیے جو متقی بنے ان کے رب کے ہاں باغات ہیں رواں ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے (متقی) ان میں اور (ان کے لیے) پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور حاصل ہوگی انہیں خوشنودی اللہ کی اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو"۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کی ان لذتوں کو بیان فرمایا ہے جنہیں لوگوں کے لیے آراستہ کیا گیا ہے۔ان چیزوں میں سب سے پہلے عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ عورت کا فتنہ سب سے زیادہ ہے۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ فتنہ نہیں چھوڑا۔ہاں اگر کوئی شخص گناہ سے بچنے اور امت محمدیہ میں اضافہ کی نیت سے نکاح کرتا ہے تو اس کے لیے یہ عمل پسندیدہ، مسنون اور مستحب ہے۔اس کی ترغیب کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔دنیا سامان لذت ہے اس کا بہترین سامان لذت نیک عورت ہے۔اگر مرد اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کرے اور اگر اسے حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اگر وہ گھر سے غیر حاضر ہو تو وہ اپنی عزت اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا عورتوں اور خوشبو کو میرے لیے محبوب بنا دیا گیا ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی ازواج سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ تھی۔مگر آپ گھوڑوں کو بھی پسند فرماتے تھے۔بیٹوں کی محبت کبھی تو باہمی فخر اور زینت کے لیے ہوتی ہے لیکن یہ مذموم ہے۔لیکن کبھی یہ محبت امت محمدیہ میں اضافہ کی نیت سے ہوتی ہے۔یہ چیز پسندیدہ اور محبوب ہے۔جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت کے ساتھ نکاح کرو قیامت کے دن میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔اسی طرح مال کی محبت اگر فخر و تکبر، فقراء و مساکین پر جبر اور ظلم کا اظہار کرنے کے لیے ہو تو یہ مذموم ہے۔لیکن اگر یہ محبت عزیز و اقارب کی مدد کے لیے اور نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے ہو تو یہ محمود اور پسندیدہ ہے۔"قنطار" کی مقدار میں مفسرین کرام کا اختلاف ہے۔بعض نے ہزار دینار کہا ہے۔بعض کہتے ہیں گیارہ سو دینار بعض بارہ سو دینار، اسی طرح چالیس ہزار، ساٹھ ہزار، ستر اور اسی ہزار کے قول بھی موجود ہیں۔ان تمام اقوال کا حاصل یہی ہے کہ قنطار مال کثیر کو کہتے ہیں۔حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک قنطار بارہ ہزار اوقیہ کا ہے۔اور ایک اوقیہ زمین و آسمان کی تمام اشیا سے بہتر ہے:(1)۔ابن ماجہ نے اسے حضرت ابوہریرہ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ابن جریر نے اسے معاذ بن جبل اور عبداللہ بن عمر سے اور ابن ابی حاتم نے ابوہریرہ اور ابو درداء سے روایت کیا ہے۔اسی طرح ابی بن کعب سے یہی مروی ہے۔حضرت ابودرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک سو آیات پڑھے اس کا نام غافلوں میں نہیں لکھا جاتا۔اور جو شخص سو سے لے کر ہزار تک آیات پڑھے اسے اللہ تعالیٰ ایک ہزار قنطار اجر عطا فرماتا ہے۔اور ایک قنطار بہت بڑے پہاڑ کی مثل ہے۔رسول اللہ ﷺ سے وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ایک دو ہزار اوقیہ کا ہے۔اور طبرانی کی روایت میں ایک ہزار دینار بتایا گیا ہے۔حضرت حسن بصری فرماتے ہیں، قنطار بارہ سو دینار کا ہے۔یہی حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ضحاک کہتے ہیں کہ بعض اہل عرب کے نزدیک قنطار بارہ سو دینار کا ہے اور بعض کے نزدیک بارہ ہزار دینار کا ہے۔حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ بیل کی کھال کو اگر سونے سے بھر دیا جائے تو یہ ایک قنطار ہوگا۔اسے مرفوعاً بھی روایت کیا گیا ہے۔لیکن موقوف زیادہ صحیح ہے۔گھوڑوں کے ساتھ محبت تین صورتوں میں ہے۔1۔جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھوڑوں کو پالا جائے کہ جب بھی ان کی ضرورت پیش آئے تو ان پر سوار ہو کر جہاد کیا جائے۔اس مقصد کے لیے گھوڑے

1۔مسند امام احمد 363/2

پالنے والے کو ثواب ملے گا۔2۔ گھوڑے فخر وغرور اور مسلمانوں کی دشمنی کے لیے پالے جائیں تو یہ پالنے والوں کے لیے بوجھ ثابت ہوں گے۔3۔ کسی سے سوال کرنے سے بچنے کے لیے اور ان کی نسل کی حفاظت کے لیے گھوڑے پالے جائیں۔ اور گھوڑے پالنے والا ان میں اللہ کے حق یعنی زکوۃ کو نہ بھولے تو یہ گھوڑے اس کے لیے ستر ثابت ہوں گے۔ اس مضمون کی ایک اور آیت کریمہ کی وضاحت آگے آرہی ہے۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (انفال:60)۔

مُسَوَّمَةٌ سے مراد چرنے والے اور پنج کلیان گھوڑے ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر عربی گھوڑا فجر کے وقت اللہ تعالیٰ کی اجازت سے دو دعائیں کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اے اللہ! تو بنی آدم میں سے مجھے جس کے قبضہ میں دے مجھے اس کے نزدیک اس کے مال و اہل سے زیادہ محبوب کر دے اور میرے نزدیک اس کے اہل اور مال کو مجھ سے زیادہ محبوب کر دے۔ الانعام، سے مراد اونٹ گائے اور بکریاں وغیرھا ہے۔ اور ''اَلْحَرْثِ'' سے مراد وہ زمین ہے جسے کاشتکاری کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان کا بہترین مال سدھایا ہوا گھوڑا اور پھلدار کھجور ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دنیاوی زندگی کی فانی اور زائل ہونے والی زیب و آرائش اور کروفر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہی اچھا ٹھکانہ اور واپس لوٹنے کی جگہ ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی میں نے عرض کی یا باری تعالیٰ! تو نے خود ہی اس دنیاوی زندگی کو ہمارے لیے زینت بنایا ہے۔ تو اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ: اے نبی (ﷺ) فرما دیجیے اے لوگو! کیا تمہیں میں اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں۔ یعنی دنیا کی زندگی کی نعمتوں اور آسودگی سے جو کہ ختم اور زائل ہونے والی ہے۔ وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے ہاں باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں۔ یعنی ان باغوں کے درمیان اور اطراف میں شہد، دودھ، شراب طہور، اور پانی کی نہریں جاری ہیں اور اس کے علاوہ ایسے ایسے حسین مناظر اور خوبصورت نظارے ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے اور نہ ہی کسی دل میں کھٹکے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہیں رہیں گے۔ اس جگہ کو بدلنے کا تصور بھی ان کے ذہن میں نہیں آئے گا اور ان کے لیے جنت میں ایسی ازواج ہوں گی جو ہر قسم کی نجاست، حیض اور نفاس اور ان تمام عوارض سے پاک ہوں گی جو دنیا میں عورتوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوگی۔ اس کے بعد ان پر اللہ تعالیٰ کبھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمائے گا۔ اور سورۃ براءت میں ارشاد فرمایا: وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ''یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہوگی''۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ: اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے وہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق عطا فرماتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾

''یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! یقیناً ہم ایمان لائے تو معاف فرما دے ہمارے لیے ہمارے گناہ اور بچا لے ہمیں آگ کے عذاب سے (یہ مصیبتوں میں) صبر کرنے والے ہیں اور (ہر حالت میں) سچ بولنے والے ہیں اور (عبادت میں) عاجزی کرنے والے ہیں اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے ہیں اور (اپنے گناہوں کی) معافی مانگنے والے ہیں سحری کے وقت''۔

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ: اللہ تعالیٰ اپنے ان متقی اور پرہیزگار بندوں کا وصف بیان کرتا ہے۔ جن کو اس نے بے حد وحساب انعام دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ وہ لوگ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم یقینا تجھ پر ایمان لے آئے۔ تیرے رسولوں، تیری نازل کردہ کتابوں پر بھی ایمان لائے۔ اس ایمان کی برکت سے ہمارے گناہوں کو معاف کردے اور اپنے وسیع فضل واحسان سے ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما۔ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔ یہ لوگ عبادات کو سرانجام دینے اور محرمات کو ترک کرنے میں مشقت پر صبر کرنے والے ہیں اور ہر حال میں سچ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والے ہیں اور اپنے مال کو ان تمام راہوں میں خرچ کرتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ وہ اعزہ واقارب، محتاج اور ضرورت مندوں کی حاجات کو پورا کرتے ہیں۔ اور سحری کے وقت اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ اس سے سحری کے وقت استغفار کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے جب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کہا: قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ '' ترجمہ: فرمایا عنقریب مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے۔'' تو اپنی دعا کو سحری کے وقت کے لیے موخر کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے۔ ہے کوئی مانگنے والا میں اسے عطا کروں، ہے کوئی دعا کرنے والا، اس کی دعا قبول کروں، ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا اس کی مغفرت کروں۔ اس حدیث کو صحیحین اور دوسری بہت سی حدیث کی کتب میں روایت کیا گیا ہے۔ حافظ دارقطنی نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں اس حدیث کو مختلف اسناد سے بیان کیا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کبھی وتر رات کے ابتدائی حصہ میں کبھی درمیانے اور کبھی آخری حصہ میں پڑھتے تھے پھر آپ نے وتروں کو سحری کے وقت پڑھنے کا معمول بنالیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر تہجد کی نماز پڑھتے رہتے اور اپنے غلام نافع سے پوچھتے کیا سحری کا وقت ہوگیا ہے۔ جب وہ بتاتے ہاں سحری کا وقت ہوگیا ہے تو آپ طلوع فجر تک دعا اور استغفار میں مشغول رہتے۔ حضرت حاطب فرماتے ہیں میں نے سحری کے وقت مسجد کے کونہ میں ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا اے رب! تو نے مجھے حکم دیا میں نے تیری اطاعت کی یہ سحری کا وقت ہے مجھے بخش دے جب میں نے غور سے دیکھا تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود تھے۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں ہمیں یہ حکم تھا کہ جب ہم تہجد کی نماز پڑھیں تو آخر میں سحری کے وقت ستر دفعہ استغفار پڑھیں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

'' شہادت دی اللہ تعالیٰ نے (اس بات کی کہ) بیشک نہیں کوئی خدا سوائے اس کے۔ اور (یہی گواہی دی) فرشتوں نے۔ اور اہل علم نے (ان سب نے یہ بھی گواہی دی کہ وہ) قائم فرمانے والا ہے عدل وانصاف کو نہیں کوئی معبود سوائے اس کے (جو)

عزت والا حکمت والا ہے بے شک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے اور نہیں جھگڑا کیا جن کو دی گئی تھی کتاب مگر بعد اس کے کہ آ گیا تھا ان کے پاس صحیح علم (اور یہ جھگڑا) باہمی حسد کی وجہ سے تھا اور جو انکار کرتا ہے اللہ کی آیتوں کا تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ پھر اگر (اب بھی) جھگڑا کریں آپ سے تو آپ کہہ دیجیے کہ میں نے جھکا دیا ہے اپنا سر اللہ کے سامنے اور جنہوں نے میری پیروی کی اور کہیے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی اور ان پڑھوں سے کہ کیا تم اسلام لائے پس اگر وہ اسلام لے آئیں جب تو ہدایت پا گئے اور اگر منہ پھیر لیں تو اتنا ہی آپ کے ذمہ تھا کہ آپ پیغام پہنچا دیں (جو آپ نے پہنچا دیا) اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو''۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اور اس کی گواہی کافی ہے۔ وہی تمام گواہوں سے سچا گواہ ہے کہ وہی تمام مخلوق کا یکتا معبود ہے۔ تمام مخلوق اس کی غلام اور محتاج ہے اور وہ بے نیاز ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَيْكَ (النساء: 166) ''لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعہ جو اس نے اتاری آپ پر''۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اور اہل علم کی شہادت کو اپنی شہادت کے ساتھ ملایا اور فرمایا فرشتے اور اہل علم بھی اس کے معبود حقیقی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ اس سے علماء کی بڑی فضیلت اور خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔ ''قَآىِٕمًا'' حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ معنی یہ ہے کہ وہ ہر وقت، اور ہر حال میں وحدہ لا شریک ہے۔ پھر تاکیداً ذکر فرمایا کہ معبود حقیقی وہی ہے۔ عزیز اس ذات کو کہتے ہیں جو اپنی عظمت و کبریائی کے اعتبار سے غالب ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ذات اپنے اقوال و افعال و شرعی احکام اور قضا و قدر میں صاحب حکمت بھی ہے۔ حضرت زبیر بن عوام فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو میدان عرفات میں یہ آیت کریمہ پڑھتے ہوئے سنا آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھ کر یوں عرض کی۔ اے رب! میں بھی تیری الوہیت کی گواہی دینے والوں میں سے ہوں'' (1)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے عرض کی اے میرے پروردگار میں بھی گواہی دیتا ہوں۔ حضرت غالب القطان فرماتے ہیں کہ میں تجارت کی غرض سے کوفہ آیا۔ حضرت اعمش کے قریب ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ رات کو تہجد کے لیے اٹھے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ کو پڑھا تو فرمانے لگے میں بھی وہی گواہی دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے اور اس گواہی کو اللہ تعالیٰ کے پاس ودیعت رکھتا ہوں۔ اور یہ اللہ کے پاس میری امانت ہے۔ اور پھر بار بار اس آیت کو پڑھتے رہے۔ پھر میرے دل میں خیال آیا کہ شاید انہوں نے کوئی حدیث سنی ہو، صبح ہوتے ہی میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے ابو محمد! کیا وجہ ہے تم اس آیت کو بار بار پڑھ رہے ہو۔ کیا اس کی فضیلت کے بارے میں کوئی حدیث وارد ہوئی ہے؟ میں ایک مہینہ بھر تمہارے پاس ٹھہرا ہوں لیکن آپ نے یہ حدیث مجھے بیان نہیں فرمائی۔ انہوں نے کہا قسم بخدا میں تو تمہیں ایک سال تک حدیث بیان نہیں کروں گا۔ حضرت غالب فرماتے ہیں میں ایک سال تک ان کے پاس ٹھہرا رہا اور ان کے دروازے پر پڑا رہا جب سال ختم ہو گیا تو میں نے عرض کی کہ اب مکمل سال گزر چکا ہے۔ اب تو مجھے یہ حدیث سنائیے۔ انہوں نے فرمایا ابو وائل نے حضرت عبداللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن اس کے پڑھنے والے کو حاضر کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ عز و جل فرمائے گا کہ میرے بندے نے میرے ساتھ ایک عہد کیا تھا۔ اور مجھ سے زیادہ عہد پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ میرے اس بندے کو جنت میں داخل کر دو۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کے ہاں اسلام کے سوا اور کوئی دین مقبول نہیں۔ اسلام

1۔ مسند امام احمد: 1/166

سے مراد تمام رسل و انبیاء کی اتباع کرنا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا سب سے آخر میں انبیاء و رسل کے خاتم محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جنہوں نے نبوت کے راستوں کو مسدود کر دیا۔ اب آپ کی بعثت کے بعد اگر کوئی شخص آپ کی شریعت کو چھوڑ کسی اور دین پر عمل کرے گا تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ (آل عمران: 85) '' اور جو تلاش کرے گا اسلام کے بغیر کوئی اور دین تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس سے''۔ اور اس آیت میں دین کو صرف اسلام میں ہی منحصر کر دیا گیا ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کو شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ...... اِنَّ الدِّيْنَ پڑھتے تھے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بذات خود فرشتے اور اہل علم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزد مقبول دین اسلام ہی ہے۔ لیکن جمہور قراء نے اسے (اِنَّ الدِّيْنَ ......) ہی پڑھا ہے۔ اور جمہور کا قول زیادہ ظاہر ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اہل کتاب نے پیغمبروں کے مبعوث ہونے اور آسمانی کتب کے نازل کرنے میں اختلاف کیا۔ اور انہوں نے یہ اختلاف اور جھگڑا باہمی حسد اور بغض کی وجہ سے کیا اور اپنے اس حسد اور بغض کی وجہ سے حق بات میں بھی اختلاف کرنے لگے۔ یعنی ان کے درمیان اتنا سخت اختلاف ہو گیا کہ وہ کسی کی حق بات کو بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے ارشاد فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ آیات میں اختلاف کرتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کا بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ وہ ان کی اس تکذیب کا محاسبہ فرمائے گا۔ اور اپنی نازل کردہ کتاب کی مخالفت پر سزا دے گا۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ: اگر یہ لوگ توحید کے بارے میں آپ سے جھگڑا کریں تو آپ فرما دیجئے میں نے اپنی عبادت کو اللہ وحدہ لا شریک کے لیے خالص کیا۔ جس کا نہ کوئی مدمقابل ہے اور نہ ہی اولاد اور بیوی۔ اور جو میرے امتی اور پیروکار ہیں ان کا بھی یہی قول ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یوسف: 108) ' آپ فرما دیجئے، یہ میرا راستہ ہے میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ کی طرف، واضح دلیل پر ہوں میں اور (وہ بھی) جو میری پیروی کرتے ہیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ اہل کتاب اور ان پڑھ مشرکوں کو اپنے دین اور شریعت کی دعوت دیں۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ: اہل کتاب اور ان پڑھوں کو کہہ دیجئے کہ مسلمان ہو جاؤ اگر وہ اسلام لے آئیں تو وہ ہدایت پا لیں گے۔ اور اگر انہوں نے اسلام سے منہ پھیرا تو آپ کے ذمہ صرف پیغام پہنچانا ہی تھا۔ پس اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا۔ انہوں نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ جسے چاہے ہدایت عطا فرمائے اور جسے چاہے گمراہ کر دے۔ اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔ اسی سے اس کے کسی فعل کے بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا بلکہ مخلوق سے ہی سوال ہوگا۔ یہ آیت کریمہ اور اس قسم کی دوسری آیات صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تمام مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے۔ اور یہ اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔ قرآن و سنت اس پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَۨا (الاعراف: 158) '' اے نبی فرمایئے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف''۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَۨا (فرقان: 1) '' ترجمہ: بڑی (خیرو) برکت والا ہے وہ جس نے اتارا الفرقان اپنے (محبوب) بندہ پر تاکہ وہ بن جائے سارے جہان والوں کو (غضب الٰہی سے) سے ڈرانے والا''۔ بخاری و مسلم اور اس کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں تواتر سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرب و عجم کے بادشاہوں اور امراء کو اپنی نبوت اور دین پر ایمان لانے کی دعوت کے لیے خطوط لکھے۔

اسی طرح آپ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو بجالائے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اس امت میں سے جس کسی نے بھی میری نبوت کے بارے میں سنا خواہ یہودی ہو یا نصرانی اور وہ مجھ پر ایمان نہ لایا تو وہ جہنمی ہوگا(1)۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا مجھے سرخ وسیاہ کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کو اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں ایک یہودی لڑکا نبی کریم ﷺ کے لیے وضو کا پانی پیش کرتا تھا اور آپ کے نعلین مبارک آپ کے سامنے رکھتا تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوگیا آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اس کا والد اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے اس لڑکے کا نام لے کر فرمایا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھو۔ اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا لیکن وہ خاموش رہا۔ آپ نے اسے دوبارہ کلمہ پڑھنے کی تلقین کی اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا اس کے والد نے کہا ابوالقاسم کی بات مان لو۔ یہ سن کر اس لڑکے نے پڑھا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ نبی کریم ﷺ یہ فرماتے ہوئے اس کے گھر سے نکلے کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری وجہ سے اسے جہنم کی آگ سے بچالیا(2)۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات واحادیث ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢١﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٢﴾

"بے شک جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے ہیں انبیاء کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو حکم کرتے ہیں عدل وانصاف کا لوگوں میں سے تو خوشخبری دو انہیں دردناک عذاب کی یہ ہیں وہ (بدنصیب) اکارت گئے جن کے اعمال دنیا میں اور آخرت میں۔ اور نہیں ہے ان کے لیے کوئی مددگار"۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مذمت بیان فرمائی ہے اور ان کے بعض کرتوت کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے انبیاء سابقہ اور رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ آیات کی تکذیب کی۔ اور یہ صرف تکبر، عناد اور مخالفت کی بناء پر کیا۔ اور بہت سے لوگوں کو قتل کرنے کے ساتھ ساتھ ان انبیاء کو بھی قتل کیا بغیر کسی وجہ اور جرم کے، جنہوں نے احکام الٰہی ان تک پہنچائے۔ ان کا جرم صرف یہی تھا کہ انہوں نے انہیں حق کی طرف دعوت دی تھی۔

وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ: اور ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو عدل وانصاف کا حکم دیتے ہیں۔ اور یہ تکبر کی انتہاء ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حق کا انکار کرنا، لوگوں کے حقوق غصب کرنا تکبر ہے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! قیامت کے دن سب سے سخت عذاب کس کو ہوگا۔ فرمایا اس شخص کو جس نے کسی نبی کو قتل کیا۔ یا ایسے شخص کو قتل کیا جو نیکی کا حکم دیتا تھا اور برائی سے روکتا تھا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور فرمایا اے ابوعبیدہ! بنو اسرائیل نے دن چڑھتے ہی ایک گھڑی میں تینتالیس انبیاء کو قتل کیا۔ پھر بنی اسرائیل سے ستر صالح اور نیک مرد کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ان قاتلوں کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا۔ تو بنی اسرائیل نے دن کے آخری حصہ میں ان سب کو بھی قتل کر دیا۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کا ذکر کیا۔

1۔ مسلم، کتاب الایمان: 134
2۔ فتح الباری، کتاب الجنائز: 319/3

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں بنی اسرائیل نے دن کے پہلے حصہ میں تین سو انبیاء کو قتل کیا اور آخری حصہ میں بازار میں اپنے کاروبار میں لگ گئے۔ چونکہ انہوں نے حق کو قبول کرنے سے انکار کیا اور مخلوق خدا پر ظلم وستم کیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا میں ذلت ورسوائی مسلط کر دی اور آخرت میں انہیں دردناک اور رسوا کن عذاب دیا جائے گا۔ فرمایا ان لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔ یہی وہ بدنصیب ہیں جن کے اعمال دنیا وآخرت میں اکارت گئے۔ اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

''کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا کچھ حصہ کتاب کا (جب) بلائے جاتے ہیں کتاب الٰہی کی طرف تا کہ تصفیہ کر دے ان کے باہمی جھگڑوں کا تو پیٹھ پھیر لیتا ہے ایک گروہ ان میں سے درآنحالیکہ وہ روگردانی کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس (بیباکی) کی وجہ یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ بالکل نہیں چھوئے گی ہمیں دوزخ کی آگ مگر چند دن گنے ہوئے اور فریب میں مبتلا رکھا انہیں ان کے دین کے معاملہ میں ان باتوں نے جو وہ خود گھڑا کرتے تھے۔ سو کیا حال ہوگا (ان کا) جب ہم جمع کریں گے انہیں اس روز جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا: یہاں اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر تعجب کا اظہار فرماتا ہے جو اپنے زعم کے مطابق تورات وانجیل پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور جب انہیں یہ دعوت دی جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا جو حکم تورات وانجیل میں آیا ہے اسے فیصل اور حکم مانتے ہوئے آپ پر ایمان لاؤ تو اس وقت بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ اس میں ان کی انتہائی مذمت ہے۔ کیونکہ اس میں ان کے بغض وعناد اور جان بوجھ کر حق کا انکار کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا: ان کو حق کی مخالفت اور ذات باری تعالیٰ پر بہتان باندھنے پر اس چیز نے جری کیا کہ وہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ انہیں جہنم میں صرف سات دن عذاب دیا جائے گا۔ یعنی دنیا میں ہر ہزار سال کے بدلہ میں انہیں صرف ایک دن عذاب ہوگا۔ اس کی تفسیر سورۂ بقرہ میں ذکر چکی ہے۔

وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ: اور ان کے دین کے معاملہ میں انہیں فریب میں مبتلا کر دیا تھا ان باتوں نے جو وہ گھڑا کرتے تھے۔ ان کو اس باطل دین پر اس چیز نے مزید پختہ کر دیا کہ وہ اپنے آپ کو یہ دھوکہ دیا کرتے تھے کہ نار جہنم ان کو گناہوں کی وجہ سے صرف چند دن تک مس کرے گی۔ اور یہ ان کا اپنی طرف سے افتراء اور جھوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ایسا کچھ نازل نہیں فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زجر وتوبیخ اور دھمکی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اس دن ان کی کیا حالت ہوگی جب اللہ تعالیٰ ان کو جمع کرے گا۔ درآنحالیکہ انہوں نے ذات الٰہی پر افتراء باندھا۔ اس کے رسولوں کو جھٹلایا، اس کے انبیاء، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے علماء کو قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کے بارے میں ان سے سوال کرے گا۔ انہیں ان کے تمام برے اعمال کی سزا دے گا۔ اس لیے

ارشادفرمایا۔ان کا اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اس دن جمع کریں گے جس کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شک نہیں اور ہر ایک شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

''(اے حبیب! یوں) عرض کرو اے اللہ! اے مالک ملکوں کے تو بخش دیتا ہے ملک جسے چاہتا ہے اور چھین لیتا ہے ملک جس سے چاہتا ہے اور عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے تیرے ہی ہاتھ میں ہے ساری بھلائی بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔تو داخل کرتا ہے رات (کا حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے تو دن (کا حصہ) رات میں اور نکالتا ہے تو زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے حساب''

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد (ﷺ!) اپنے رب کی عظمت کا اظہار، اس کی نعمتوں پر شکر اور اپنے تمام امور اس کے سپرد کرتے ہوئے اس کی بڑائی اس طرح بیان کرو اے اللہ! ملکوں کے مالک! تو جسے چاہتا ہے بادشاہی عطا فرما دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے۔جسے چاہے ذلت دیتا ہے۔تو ہی دینے والا ہے، تو ہی دے کر واپس لینے والا ہے۔جس چیز کا تو نے ارادہ فرمایا وہ وجود میں آ گئی اور جس کو تو نے نہ چاہا وہ عدم میں رہی۔اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے اور اس نے نبی کریم ﷺ اور امت محمدیہ کو جو نعمت عظیمہ عطا فرمائی ہے اس پر شکر بجالانے کی ہدایت فرمائی ہے۔اور وہ عظیم نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو بنی اسرائیل سے رسول عربی، قریشی، مکی، امی، خاتم النبیین کی طرف منتقل کیا ہے۔وہ رسول جس کو جن وانس ہر دو کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔جو اپنے سے قبل تمام انبیاء ورسل کے فضائل وکمالات اور محاسن وخوبیوں کا حامل ہے۔اور آپ کو ایسے خصائص عطا فرمائے جو آپ سے پیشتر کسی نبی کو عطا ہوئے نہ کسی رسول کو۔اپنی ذات وصفات اور شرعی احکام کا علم اور مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کے تمام مغیبات پر مطلع فرمایا آخرت کے حقائق روز روشن کی طرح آپ کے سامنے آشکار کر دیئے۔آپ کی امت کو شرق وغرب میں پیدا کیا۔آپ کے دین اور شریعت کو تمام ادیان اور شرائع پر غالب کر دیا۔اللہ تعالیٰ کے دائم درود وسلام ہوں آپ پر جب تک گردش لیل ونہار قائم ہے۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا: قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ (آل عمران:26) یعنی اے اللہ! تو ہی اپنی مخلوق میں ہر قسم کے تصرف کا مالک ہے تو جو چاہتا ہے کرتا ہے۔جب کفار مکہ نے یہ کہا کہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی صاحب حیثیت اور غنی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا تو ان کے رد میں ارشاد فرمایا: اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۔ (زخرف:32)'' کیا وہ تقسیم کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو''۔یعنی ان کو یہ اختیار نہیں ہے۔ہم جیسے چاہیں اپنی مرضی کے مطابق اپنی مخلوق کے بارے میں فیصلہ کریں۔ہمیں نہ تو کوئی روک سکتا ہے اور نہ ہمیں ہمارے کسی فیصلہ پر ٹوک سکتا ہے۔ہمارے ہر امر میں کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی مرضی ومنشاء سے نبوت عطا کر دے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام:124)'' اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔(اس دل کو) جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت کو''۔ایسا ہی ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بنی اسرائیل:21)'' دیکھو کیسے بزرگی دی ہے

ہم نے بعض کو بعض پر''۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے۔ خلیفہ مامون نے روم کے علاقہ میں حمیری زبان میں ایک محل پر لکھا ہوا دیکھا۔ اس نے ترجمان کو اس کا عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ ترجمان نے بتایا ''جب تک لیل ونہار کی گردش رہے گی اور نیلگوں آسمان پر ستارے چمکتے رہیں گے، یہ ملک وسلطنت ایک بادشاہ سے دوسرے بادشاہ کی طرف منتقل ہوتے رہیں گے۔ مگر صاحب عرش کی بادشاہی قائم رہے گی اسے زوال وانحطاط نہیں ہوگا۔

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ: دن کی طوالت کا کچھ حصہ رات کی چھوٹائی کو عطا کر دیتا ہے اس طرح دن رات برابر ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کے برعکس۔ اسی سے سال کے چاروں موسم بہار، گرمی، سردی اور خزاں معرض وجود میں آتے ہیں۔

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ: یعنی دانے سے فصل اگاتا ہے اور دانہ فصل سے۔ کھجور کا درخت ایک گٹھلی سے اگاتا ہے اور گٹھلی کھجور کے درخت سے۔ مومن کو کافر سے پیدا کرتا ہے اور کافر کو مومن سے۔ انڈے کو مرغی سے پیدا کرتا ہے اور مرغی سے انڈہ۔ اسی طرح اور بھی بہت سی اشیاء ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی کامل قدرت سے پیدا کرتا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا تو جسے چاہے بغیر حساب کا رزق عطا فرماتا ہے۔ یعنی اتنا مال عطا فرما دیتا ہے جس کو وہ شمار نہیں کر سکتا۔ بعض لوگوں پر رزق تنگ کر دیتا ہے۔ اپنی حکمتوں سے تو ہی آگاہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کا وہ اسم اعظم جس سے دعا مانگی جائے وہ قبول فرماتا ہے۔ آل عمران کی اس آیت میں ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۲۸

''نہ بنائیں مومن کافروں کو اپنا دوست مومنوں کو چھوڑ کر اور جس نے کیا یہ کام، پس نہ رہا (اس کا) اللہ سے کوئی تعلق مگر اس حالت میں کہ تم کرنا چاہو ان سے اپنا بچاؤ۔ اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے (یعنی غضب سے) اور اللہ ہی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے''۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو کافروں کے ساتھ ترک موالات کا حکم دیا ہے اور انہیں اس سے منع کیا ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر مشرکین کے ساتھ راہ ورسم نہ بڑھائیں۔ پھر دھمکی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا جو شخص ایسا کرے گا اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہے گا جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۤ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۤ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (الممتحنہ: 1) ''اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو (اپنے) جگری دوست تم تو اظہار محبت کرتے ہو ان سے...... اور جو ایسا کرے تم میں سے تو وہ بھٹک گیا راہ راست سے'' اور یہی مفہوم کئی دوسری آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے مہاجر وانصار کے درمیان مواخات کا ذکر کرنے کے بعد کافروں کے بارے میں ذکر فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (الانفال: 73) ''اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ ایک دوسرے کے حمایتی ہیں۔ اگر تم (ان حکموں پر) عمل

نہیں کرو گے تو برپا ہو جائے گا فتنہ ملک میں اور (پھیل جائے گا) بڑا فساد)''۔

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً: یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی رخصت دی ہے جو کفار کے ساتھ رہتے ہوں کہ وہ کسی وقت ان کے شر سے بچنے کے لیے ظاہری طور پر میل جول رکھیں۔ لیکن دل سے مومن کو مشرک سے دوستی نہیں لگانی چاہیے۔ جیسا کہ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں ہم بعض لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے ہیں حالانکہ ہمارے دل ان پر لعنت بھیج رہے ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رف زبان سے دوستی کا اظہار کریں اور عملاً اس سے بچے۔ کئی دوسرے مفسرین نے بھی اس رائے کا اظہار فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کی تائید اس ارشاد باری تعالیٰ سے ہوتی ہے: مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل:106) ''جس نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے کے بعد بجز اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان کے ساتھ''۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں یہ حکم قیامت تک ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔ یعنی اگر کسی نے اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے اس کے دشمنوں سے دوستی لگائی یا اس کے اولیاء واحباء سے دشمنی کی تو وہ اس سے اس کا انتقام لے گا۔ پھر فرمایا اسی کی طرف ہر ایک نے لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں ایک دن حضرت معاذ بن جبل ہمیں خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے بنی اودا! میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں۔ یہ جان لو سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر کسی کا ٹھکانہ جنت ہوگا اور کسی کا جہنم۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۹ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ڔ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْۗءٍ ڔ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۳۰

''فرما دیجیے اگر تم چھپاؤ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے یا ظاہر کرو اسے، جانتا ہے اسے اللہ تعالیٰ، اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس دن موجود پائے گا ہر نفس جو کی تھی اس نے نیکی اپنے سامنے اور جو کچھ کی تھی اس نے برائی تمنا کرے گا کہ کاش اس کے درمیان اور اس دن کے درمیان (حائل ہوتی) مدت دراز اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ اپنے (عذاب) سے اور اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر''۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ: اللہ تعالیٰ یہاں بیان فرماتا ہے۔ کہ وہ ظاہر و باطن سے آگاہ ہے۔ بلکہ دلوں میں چھپے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ اس کا علم اپنے بندوں کے تمام احوال اور اوقات کو محیط ہے۔ زمین و آسمان میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ خواہ وہ ریت کا ذرہ ہو بلکہ اس سے بھی کم۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی ان تمام چیزوں میں اس کی قدرت نافذ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو تنبیہ ہے کہ وہ ہر حال میں اس سے ڈرتے رہیں تاکہ کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کریں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اور وہ انہیں جلد ہی سزا دینے پر قادر ہے۔ اگرچہ بعض اوقات مہلت عطا کر دیتا ہے۔ لیکن اگر ایک دفعہ مہلت دے کر پکڑے تو پھر بڑی سختی سے پکڑتا ہے اس لیے اس کے بعد ارشاد فرمایا جس دن ہر شخص اپنی نیکی اور برائی کو اپنے سامنے حاضر پائے

گا۔ یعنی قیامت کے دن انسان کے ہر اچھے برے عمل اس کے سامنے ہوں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ (القیامہ:13) ''آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا''۔ پس جو اپنے اچھے اعمال دیکھے گا وہ اس سے خوش ہوگا اور جو اپنے برے اعمال دیکھے گا وہ رنجیدہ ہوگا۔ اور تمنا کرے گا کاش! اس کے اور اس کے برے اعمال کے دوران ایک مدت حائل ہوتی۔ جیسا کہ وہ شیطان جو دنیا میں انسان کے ساتھ ہوتا ہے اور اسے برائی کرنے پر برانگیختہ کرتا ہے قیامت کے دن انسان اس کو اس طرح کہے گا: يٰلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ (الزخرف:38) '' کاش! میرے درمیان اور (اے شیطان) تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی۔ تو تو بہت برا ساتھی ہے''۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی امید وڈھارس بندھائی تا کہ وہ اس کی رحمت اور لطف و احسان سے مایوس نہ ہو جائیں۔ اور فرمایا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر بہت مہربانی اور لطف و احسان ہے کہ اس نے انہیں اپنی ذات ہی سے ڈرایا۔ اور اپنی مخلوق پر بڑا مہربان ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی مخلوق اس کے دین حنیف پر کاربند رہے اور اس کے رسول کی اطاعت و اتباع کرتی رہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

''(اے محبوب!) آپ فرمائیے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ آپ فرمائیے اطاعت کرو اللہ کی اور (اس کے) رسول کی پھر اگر وہ منہ پھیریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کفر کرنے والوں کو''۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے دعویٰ محبت کی قلعی کھولی ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ اور اس کی دوستی کا دم تو بھرتا ہے لیکن شریعت محمدی پر کاربند نہیں۔ وہ شخص اپنے اس دعویٰ میں سراسر جھوٹا ہے۔ جب تک کہ اپنے اقوال و افعال میں شریعت اور سنت محمدی کی پیروی نہ کرے۔ اس لیے حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے طریقہ کے مطابق نہ ہو اس کا یہ عمل مردود ہوگا(1)۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا اے محبوب! انہیں فرما دیجیے۔ تم واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ تب اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمانے لگے۔ یعنی تم تو صرف اللہ تعالیٰ کی محبت کے طالب تھے اگر تم میرے نبی ﷺ کی پیروی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی محبت عطا فرما دے گا۔ اس کا درجہ تمہاری طلب سے بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ کسی دانا کا قول ہے''یہ تو کچھ نہیں کہ تو محبت کرے بلکہ اصل یہ ہے کہ تم کو محبوب بنالیا جائے۔'' حضرت حسن بصری اور کئی دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اللہ کے ساتھ محبت کا دعویٰ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما کر یہ بتا دیا کہ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو میرے نبی کی اتباع کرو۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دین صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے محبت اور اسی کے لیے بغض کا نام ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ حضرت ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: یعنی رسول کریم ﷺ کی اتباع کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔

1۔ فتح الباری، کتاب الاعتصام 317/13

اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہر خاص و عام کو حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ: اے نبی فرمایئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اتباع کرو اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کریں تو اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کفر ہے جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں فرماتا۔ اگر چہ وہ بزعم خویش دعویٰ کرتا رہے کہ وہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ اور اس کا بڑا مقرب ہے۔ اس کا یہ دعویٰ اس وقت تک سچا نہیں ہوگا جب تک وہ رسول کریم ﷺ نبی الامی اور خاتم المرسلین کی اتباع نہ کرے۔ یہ وہ عظیم الشان رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام جن وانس کی طرف رسول بنا کر بھیجا اگر سابقہ انبیاء و مرسلین بلکہ ان میں سے اولوالعزم رسول بھی آپ کے زمانہ میں ہوتے تو ان کو بھی آپ کی اتباع اور اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔ مزید اس کی تفسیر آیت کریمہ: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ (آل عمران: 81) کے تحت آئے گی۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدم (علیہ السلام) اور نوح (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) کے گھرانے کو اور عمران کے گھرانے کو سارے جہان والوں پر۔ یہ ایک نسل ہے بعض ان میں سے بعض کی اولاد ہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے“۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى: اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے کہ اس نے تمام اہل زمین میں سے ان چند گھرانوں اور خاندانوں کو چن لیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا۔ ان میں اپنی خاص روح پھونکی۔ فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ تمام اشیاء کے ناموں اور ان کے حقائق سے آگاہ کیا۔ پھر جنت میں بسایا۔ پھر اپنی خاص حکمت کی وجہ سے وہاں سے زمین پر اتارا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اس وقت پہلا رسول بنا کر بھیجا اہل عرب کی طرف جب لوگ بتوں کی پوجا کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگے تھے۔ پھر جب آپ ایک طویل مدت تک دن رات قوم کو اللہ تعالیٰ کی دعوت دیتے رہے کبھی سراً اور کبھی علانیۃً۔ لیکن اس سے وہ دور ہوتے گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی اے اللہ تعالیٰ! ان سب کو غرق کر دے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ اور صرف وہی چند لوگ بچے جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کا دین قبول کیا تھا۔ اسی طرح آل ابراہیم کو بھی فضیلت عطا فرمائی اور آپ کی آل سے ہی سید البشر، خاتم النبیین کو بھی مبعوث فرمایا۔ اس جگہ عمران سے حضرت مریم علیہا السلام کے والد مراد ہیں۔ ابن اسحاق نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے۔ عمران بن یاشم بن اُمون بن میشا بن حزقیا، بن اُحریق بن عزار یا بن اُمصیا بن ناوُش بن اُحزیو بن بھوا بن نازم بن مقاسط بن ایشا بن ایاذ بن رحیعم بن سلیمان بن داؤد۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ ان شاء اللہ اس کا تفصیلی بیان سورۃ انعام میں آئے گا۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

وَضَعَتْ ۭ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُھَابِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٣٦﴾

''جب عرض کی عمران کی بیوی نے اے میرے رب! میں نذر مانتی ہوں تیرے لیے جو میرے شکم میں ہے (سب کاموں سے) آزاد کر کے سو قبول فرما لے (یہ نذرانہ) مجھ سے بے شک تو ہی (دعائیں) سننے والا (نیتوں کو) جاننے والا ہے پھر جب اس نے جنا اسے (تو حیرت وحسرت سے) بولی اے رب! میں نے تو جنم دیا ایک لڑکی کو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا۔ اور نہیں تھا لڑکا (جس کا وہ سوال کرتی تھی) مانند اس لڑکی کے۔ اور (ماں نے کہا) میں نے نام رکھا ہے اس کا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے''۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ: حضرت عمران کی زوجہ اور حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کا نام حنہ بنت فاقوذ تھا۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن انہوں نے ایک پرندے کو دیکھا جو اپنے بچوں کو دانہ کھلا رہا تھا۔ اس پر ان کے دل میں بھی اولاد کی خواہش پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بچے کے لیے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرف قبولیت بخشا اور اسی رات انہیں حمل ٹھہر گیا۔ جب انہیں حمل کا یقین ہو گیا تو انہوں نے نذر مانی کہ انہیں اللہ تعالیٰ جو بھی اولاد دے گا اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی اے اللہ! میں نے تیرے لیے نذر مانی ہے کہ میرے شکم میں جو بچہ ہوگا اسے تمام امور سے آزاد کر کے بیت المقدس کی خدمت کے لیے مقرر کر دوں گی۔ اے باری تعالیٰ! میرے اس نذرانہ کو قبول فرما لے یقیناً تو ہی میری دعا کو سننے والا اور نیت کو جاننے والا ہے۔ اس وقت انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا یا لڑکی۔ لیکن لڑکی پیدا ہوئی تو بڑی حیرت و حسرت سے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی میں نے لڑکی کو جنم دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس نے کیا جنا ہے۔ ''وضعتْ'' کو ''وضعتُ'' بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی یہ قول حضرت حنہ (والدہ مریم) کا تھا۔ اور وضعتِ بھی پڑھا گیا ہے اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس نے کیا جنا ہے۔ پھر عرض کی کہ وہ جس لڑکے کا سوال کیا کرتی ہے لڑکی تو اس طرح نہیں ہے۔ یعنی جس طرح ایک لڑکا مسجد کی خدمت کر سکتا ہے اور طاقت وہمت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکتا ہے اس طرح لڑکی نہیں کر سکتی۔

وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ: میں نے اس کا نام مریم رکھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس دن بچہ پیدا ہو اسی دن نام رکھنا بھی جائز ہے۔ جس طرح کہ اس آیت کریمہ کے ظاہری سیاق سے معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ حکم اسلام کی شریعت سے پہلے کا ہے۔ چونکہ یہ ہماری شریعت کے خلاف نہیں ہے اس لیے اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے بھی یہی ثابت ہے کہ جب آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو آپ نے فرمایا اس رات اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹا عطا فرمایا ہے اور میں نے اس کا نام اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کے نام پر ابراہیم رکھا ہے۔ اس طرح حضرت انس کے بھائی کی پیدائش ہوئی تو آپ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے اسے اپنے دست مبارک سے گھٹی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! اس رات اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بیٹا عطا فرمایا ہے۔ اس کا کیا نام رکھوں۔ آپ نے فرمایا اپنے بیٹے کا نام عبدالرحمٰن رکھو(1)۔ حضرت ابی اسید کے ہاں جب بیٹا پیدا ہوا تو آپ رسول اللہ ﷺ سے گھٹی دلانے کے لیے آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ آپ کسی اہم معاملہ میں مصروف تھے اس لیے بچے کی طرف توجہ نہ رہی۔

1۔ فتح الباری، کتاب الادب 10/57

تو حضرت ابی اسید نے بچے کو گھر واپس بھجوا دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے اور آپ نے بچے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کی کہ میں نے اسے واپس بھجوا دیا ہے۔ آپ نے اس کا نام منذر رکھا۔ حضرت سمرہ بن جندب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ اپنے عقیقہ میں گروی ہوتا ہے۔ پس ساتویں دن بچے کا عقیقہ کیا جائے اس کا نام رکھا جائے اور اس کی چنڈ کی جائے (سر منڈوایا جائے) اس حدیث کو امام احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ایک روایت میں ''یُدمٰی'' کے الفاظ آئے ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ خون بہایا جائے یعنی جانور ذبح کیا جائے۔ اور یہی الفاظ زیادہ ثابت شدہ ہیں۔ زبیر بن بکار سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیقہ کیا اور ان کا نام ابراہیم رکھا۔ لیکن اس کی سند ثابت نہیں ہے اور مذکورہ بالا صحیح حدیث کے بھی مخالف ہے۔ اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان میں تطبیق یہ ہوگی کہ ان کا نام ابراہیم عقیقہ کے دن مشہور ہوا۔

وَاِنِّیٓ اُعِیْذُهَا بِكَ: میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ یعنی حضرت حنہ نے اپنی بیٹی مریم علیہا السلام اور ان کی اولاد عیسیٰ علیہ السلام کو شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ میں دے دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا۔ مصنف عبد الرزاق میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا شیطان ہر بچے کو اس کی پیدائش کے وقت کچوکا لگاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ چیخ چیخ کر رونے لگتا ہے۔ مگر مریم علیہا السلام اور آپ کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے محفوظ ہیں۔ حضرت ابوہریرہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں اگر چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو۔ اس حدیث کو ابن جریر نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ بخاری، مسلم، ابن اسحاق اور لیث بن سعد نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ جب شیطان نے ان کو کچوکا مارنا چاہا تو وہ کچوکا انہیں نہ لگا بلکہ پردے پر لگ گیا۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

''پھر قبول فرمایا اسے اس کے رب نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ اور پروان چڑھایا اسے اچھا پروان چڑھانا اور نگران بنا دیا اس کا زکریا کو جب بھی جاتے مریم کے پاس زکریا (علیہ السلام) (اس کی) عبادت گاہ میں (تو) موجود پاتے اس کے پاس کھانے کی چیزیں۔ (ایک بار) بولے اے مریم! کہاں سے تمہارے لیے آتا ہے یہ (رزق) مریم بولیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے حساب''۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے مریم علیہا السلام کی والدہ حنہ کی نذر کو قبول فرما لیا۔ اور حضرت مریم علیہا السلام کی بہترین پرورش کی اور انہیں ظاہری و باطنی حسن و جمال سے نوازا۔ نیک اور صالح بندوں کی صحبت مہیا کی تاکہ وہ ان سے علم، دین اور اخلاق سیکھ سکیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ: یعنی حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کا کفیل بنا دیا۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مریم یتیم ہو گئی تھیں۔ لیکن دوسرے مورخین فرماتے ہیں: بنی اسرائیل میں قحط پڑ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کو اپنی

کفالت میں لے لیا تھا۔لیکن ان دونوں میں منافات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کا کفیل مقرر کیا تھا تا کہ وہ ان سے علم نافع اور عمل صالح حاصل کریں اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت مریم علیہا السلام کے خالو بھی تھے۔ یہ ابن اسحاق اور ابن جریر کا قول ہے۔بعض کے نزدیک ان کے بہنوئی تھے۔ جیسا کہ حدیث اسراء میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں خالوزاد بھائی تھے۔ یہ بات ابن اسحٰق کے قول پر صادق آسکتی ہے۔ کیونکہ اہل عرب ماں کی خالہ کے لڑکے کو خالہ زاد بھائی کہتے تھے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ کی یتیم صاحبزادی حضرت عمارہ کے بارے میں فیصلہ کیا کہ ان کو ان کی خالہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوی کی پرورش میں دیا جائے اور آپ نے فرمایا خالہ والدہ کے قائم مقام ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی عظمت و بزرگی اور عبادت و کرامت کا ذکر کیا ہے ارشاد فرمایا:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ: حضرت مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابوشعشہ، ابراہیم نخعی، ضحاک اور قتادہ وغیرہم فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب مریم علیہا السلام کے پاس ان کے عبادت خانہ میں جاتے تو وہاں سردیوں میں گرمیوں کے پھل اور گرمیوں میں سردیوں کے پھل موجود پاتے۔ بعض نے رزق کا معنی علم بتایا ہے، بعض نے فرمایا ہے کہ ان کے پاس صحائف تھے جن میں دین کے احکام اور علمی مسائل لکھے ہوتے تھے۔ لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے اور وہ اولیاء کرام کی کرامات پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے ثبوت میں بہت سی احادیث بھی موجود ہیں۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام نے آپ کے پاس یہ بے موسمی پھل دیکھے تو ایک دن پوچھا: اے مریم! یہ تمہارے پاس کہاں سے آتے ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق عطا فرماتا ہے۔ حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے کئی دن کھائے پیئے بغیر گزار دیئے۔ حتیٰ کہ جب آپ کو بھوک کی وجہ سے تکلیف محسوس ہوئی تو آپ اپنی ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے لیکن کسی کے پاس بھی کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضرت سیدہ فاطمہ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا بیٹی! کھانے کی کوئی چیز ہے۔ مجھے بھوک لگی ہے۔ انہوں نے عرض کی میری جان آپ پر قربان ہو قسم بخدا میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ ابھی رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر نکلے ہی تھے کہ میری ایک پڑوسن نے مجھے دو روٹیاں اور گوشت کا ایک ٹکڑا بھیجا۔ میں نے اسے ایک طشت میں رکھا اور دل میں خیال کیا کہ بہتر یہی ہے کہ میں اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیج دوں میں نے حسن اور حسین کو بلایا اور کہا کہ بھاگ کر جاؤ اور اپنے نانا جان کو لے آؤ۔ آپ تشریف لائے تو میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ابھی کچھ کھانا بھیجا ہے جو میں نے آپ کے لیے رکھ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا بیٹا لاؤ، کیا چیز ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے وہ طشت آپ کی خدمت میں پیش کردیا۔ جب اس کے اوپر سے کپڑا ہٹایا تو وہ روٹیوں اور گوشت سے پر تھا۔ میری اچانک اس پر نظر پڑی۔ پہلے تو میں بڑی حیران ہوئی۔ پھر سوچا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی برکت ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس کے نبی ﷺ پر درود پڑھا۔ جب نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو فرمایا اے بیٹی! یہ کہاں سے آیا ہے۔ میں نے عرض کی اباجان یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حد وحساب رزق دیتا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ حمد وثنا ہو اس ذات باری تعالیٰ کے لیے جس نے تمہیں بنی اسرائیل کی سیدہ کا مقام عطا کیا۔ کیونکہ جب ان کے پاس کوئی چیز آتی اور ان سے پوچھا جاتا کہ یہ کہاں سے آئی تو وہ بھی یہی جواب دیتیں۔ پھر آپ نے حضرت علیؓ کو بلوایا اور یہ کھانا آپ نے، حضرت علی، فاطمہ، حسن، حسین اور آپ کی تمام ازواج مطہرات اور اہل بیت نے کھایا اور سیر ہو گئے۔ حضرت فاطمہ فرماتی ہیں اس کے باوجود کھانا اسی طرح تھا۔ میں نے وہ کھانا اپنے

پڑوسیوں کے ہاں بھیج دیا۔ یہ سب برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

''وہیں دعا مانگی زکریا نے اپنے رب سے عرض کی اے میرے رب! عطا فرما مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد بے شک تو ہی سننے والا ہے دعا کا۔ پھر آواز دی ان کو فرشتوں نے جب کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے (اپنی) عبادت گاہ میں کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتا ہے آپ کو یحییٰ کی جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی اور سردار ہوگا اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہوگا اور نبی ہوگا صالحین سے۔ زکریا کہنے لگے اے رب! کیونکر ہوگا میرے ہاں لڑکا حالانکہ آلیا ہے مجھے بڑھاپے نے اور میری بیوی بانجھ ہے فرمایا بات اسی طرح ہے (جیسی تم نے کہی لیکن) اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ عرض کی اے میرے رب! مقرر فرما دے میرے لیے کوئی نشانی۔ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بات کرسکو گے لوگوں سے تین دن مگر اشارہ سے اور یاد کرو اپنے پروردگار کو بہت اور پاکی بیان کرو (اس کی) شام اور صبح''۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ: حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم علیہا السلام کو غیر موسمی پھل عطا کرتا ہے۔ تو آپ کے دل میں اولاد کی خواہش پیدا ہوئی۔ اگرچہ آپ اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور آپ کی زوجہ محترمہ بھی بوڑھی ہونے کے ساتھ ساتھ بانجھ ہو چکی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنے رب کے حضور دست طلب پھیلا دیا۔ اور بڑی آہستگی سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی۔ اے میرے پروردگار! مجھے اپنی جناب سے نیک اولاد عطا فرما کیونکہ تو ہی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو قبول فرمایا اور جس وقت آپ اپنی عبادت گاہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ فرشتے نے آپ کو ندا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک بچے کی نوید جانفزا دیتا ہے اس کا نام یحییٰ رکھنا۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ان کا نام یحییٰ اس لیے رکھا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کے ساتھ زندہ رکھا۔

مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ: جو تصدیق کرے گا اللہ تعالیٰ کے ایک فرمان کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس، حسن بصری، قتادہ، عکرمہ، مجاہد اور کئی دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی تھی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طور طریقہ پر ہی گامزن ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ اور حضرت یحییٰ کی والدہ اکثر حضرت مریم علیہا السلام سے فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے اپنے شکم میں موجود بچہ تیرے شکم میں موجود بچے کو سجدہ کرتے ہوئے محسوس

ہوتا ہے۔اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اور آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عمر میں تھوڑے سے بڑے تھے۔

وَسَيِّدًا: حضرت ابوالعالیہ، ربیع بن انس، قتادہ، سعید بن جبیر وغیرہم نے سید کا معنی بردبار اور حلیم بیان کیا ہے۔قتادہ فرماتے ہیں وہ علم اور عبادت کے اعتبار سے سردار تھے۔حضرت عبداللہ بن عباس، ثوری اور ضحاک فرماتے ہیں اس سے مراد بردبار اور متقی ہیں۔سعید بن میتب فرماتے ہیں فقیہ عالم کو سید کہا جاتا ہے۔عطیہ کا قول ہے کہ وہ اپنے اخلاق عالیہ اور دینداری میں سردار تھے۔عکرمہ فرماتے ہیں سید وہ ہوتا ہے جسے غضب اور غصہ مغلوب نہ کر سکے۔ابن زید نے اس کا معنی شریف بتایا ہے۔مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں سید سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ہو۔

وَّحَصُوْرًا: حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، مجاہد، عکرمہ اور سعید بن جبیر وغیرہم فرماتے ہیں "حصور" وہ ہوتا ہے جو عورتوں کے پاس نہ آئے۔ابوالعالیہ اور ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ جس کی اولاد نہ ہو۔حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک روایت ہے کہ "حصور" وہ ہوتا ہے جسے انزال نہ ہو۔حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ روز قیامت تمام مخلوق میں سے حضرت یحییٰ ہی بغیر کسی گناہ کے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے۔اس کے راوی سعید بن میتب ہیں۔انہوں نے اس کو روایت کرنے کے بعد یہ آیت تلاوت کی اور زمین سے کوئی چیز اٹھائی اور فرمایا حصور وہ ہوتا ہے جس کا عضو خاص اس کی مثل ہوتا ہے۔حضرت یحییٰ بن سعید قطان نے اپنی شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔لیکن اس روایت مرفوع سے موقوف زیادہ اصح ہے۔یہی روایت ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے۔حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر ابن آدم قیامت کے دن گناہ کے ساتھ ملے گا۔خدا تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب دے چاہے اسے معاف فرما دے سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے جو سردار، عورتوں سے پرہیز کرنے والے اور صالح نبی تھے۔پھر آپ نے ایک تنکا پکڑا اور فرمایا ان کا عضو خاص اس کی مثل ہے۔حضرت قاضی عیاض نے اپنی کتاب شفاء شریف میں فرمایا ہے۔جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحیٰی کی لفظ حصور سے صفت بیان کی ہے بعض مفسرین نے اس کا معنیٰ یہ بیان کیا ہے کہ حصور وہ شخص ہوتا ہے جس کا عضو خاص نہ ہو لیکن محققین نے اس کا انکار کیا ہے۔کیونکہ یہ تو ایک عیب اور نقص ہے جو نبی کی شان کے خلاف ہے۔بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ گناہوں سے معصوم ہیں۔یعنی آپ گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے تھے۔گویا آپ کو گناہوں سے روک کر محفوظ رکھا گیا۔اور اس کا یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ حصور وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے آپ کو نفسانی خواہش سے دور رکھے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حصور اسے کہتے ہیں جو عورتوں کی خواہش نہ کرے۔اس سے معلوم ہوا کہ جماع پر عدم قدرت نقص اور عیب ہے۔بلکہ فضیلت یہ ہے کہ اس قوت کے موجود ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو اس سے محفوظ رکھے۔یہ یا تو مجاہدہ سے ہو سکتا ہے۔جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا۔یا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف عطا ہوتی ہے جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے۔اور جو شخص یہ قوت رکھے اور اپنی بیوی کے حقوق پورے کرے لیکن یہ چیز اس کو اس کے رب کی یاد سے غافل نہ کرے تو یہ درجہ انتہائی بلند ہے۔یہ اعلیٰ مرتبہ ہمارے نبی کریم ﷺ کو عطا ہوا کہ ازواج مطہرات کی کثرت آپ کی یاد الٰہی میں مائل نہ ہوئی۔بلکہ اپنی ازواج کے حقوق ادا کرنے اور ان کو نان ونفقہ مہیا کرنے اور دین کے معاملہ میں ان کی راہنمائی کرنے کی وجہ سے آپ کا مقام ومرتبہ مزید بلند ہوا۔حاصل کلام یہ ہے کہ حصور کے لفظ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مدح بیان کرنا مقصود ہے فضیلت نہیں۔اور یہ فضیلت اسی وقت ظاہر ہو گی جب اس کا معنی یہ کیا جائے کہ وہ نفسانی خواہشات سے پاک تھے۔اور یہ چیز ان کے شرعی طریقہ سے کسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے، اس کے حقوق پورے کرنے اور اولاد چاہنے میں مانع نہیں۔حضرت زکریا علیہ

السلام کی دعا سے بھی حضرت یحییٰ کی نسل پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی تھی۔ رَبِّ هَبۡ لِيۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً گویا اس کا معنی یہ ہے: اے اللہ! مجھے ایک ایسا بچہ عطا فرما جس کی آگے اولاد اور نسل چلے۔ واللہ اعلم۔

وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ: یہ حضرت یحییٰ کی ولادت کی بشارت کے بعد آپ کی نبوت کی بشارت ہے اور یہ خوشخبری پہلی نوید سے اعلیٰ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ارشاد فرمایا (اِنَّا رَآدُّوۡهُ اِلَيۡكِ وَجَاعِلُوۡهُ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ) ''ترجمہ: یقیناً ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے۔'' اس بشارت کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام کو تعجب اور حیرت ہوئی کہ اس بڑھاپے میں ان کے ہاں اولاد کیسے ہوگی۔ تو انہوں نے عرض کی اے میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیونکر پیدا ہوگا۔ حالانکہ میں بھی بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ اس فرشتے نے جواب دیا بات تو ایسی ہی ہے جیسی آپ نے کہی۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کر کے رہتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بڑی عظمت کا مالک ہے۔ کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ پھر حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب! میرے لیے کوئی علامت مقرر فرما دے۔ یعنی کوئی ایسی نشانی ہو جس سے میں یہ جان سکوں کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکو گے سوائے اشارہ کے۔ یعنی تمہاری زبان تو صحیح ہوگی لیکن اس سے بات نہ کر سکو گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں ذکر و تسبیح و تہلیل کرنے کا حکم فرمایا۔ اور فرمایا اپنے پروردگار کو بہت یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکی اور تقدیس بیان کرو۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ سورۂ مریم کی تفسیر کے تحت آئے گی۔

وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصۡطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرۡيَمُ اقۡنُتِىۡ لِرَبِّكِ وَاسۡجُدِىۡ وَارۡكَعِىۡ مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ ؕ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَهُمۡ اَيُّهُمۡ يَكۡفُلُ مَرۡيَمَ ۪ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾

''اور جب کہا فرشتوں نے اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے تمہیں اور خوب پاک کر دیا ہے تمہیں اور پسند کیا ہے تجھے سارے جہان کی عورتوں سے۔ اے مریم! خلوص سے عبادت کرتی رہ اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ یہ (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم وحی کرتے ہیں ان کی آپ کی طرف اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب پھینک رہے تھے وہ (مجاور) اپنی قلمیں (یہ فیصلہ کرنے کے لیے) کہ کون ان میں سے سرپرستی کرے مریم کی اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے''۔

وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ: یہاں اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کی گفتگو کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت مریم علیہا السلام سے ہمکلام ہوئے۔ انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو ان کی کثرت عبادت، زہد اور عفت و پاکدامنی اور پاکیزگی و طہارت کی وجہ سے تمام جہان کی عورتوں میں سے چن لیا۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اونٹ پر سوار ہونے والی عورتوں میں سے بہترین قریش کی عورتیں ہیں۔ جو اپنے بچوں پر بہت زیادہ شفقت کرنے والی اور اپنے خاوند کے مال و اسباب کی حفاظت کرنے والی ہیں۔ حضرت مریم بنت عمران کبھی اونٹ پر سوار نہیں ہوئی تھیں۔ محدث عبدالرزاق نے اسے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ امام مسلم نے بھی اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ حضرت علی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی

قوم بنی اسرائیل میں عورتوں میں سب سے بہترین عورت حضرت مریم علیہا السلام تھیں۔ اور قبیلہ قریش میں سب سے بہترین عورت خدیجہ بنت خویلد ہے۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام جہان کی عورتوں میں سے چار عورتیں افضل ہیں۔ 1۔ مریم بنت عمران، 2۔ خدیجہ بنت خویلد 3۔ فاطمہ بنت محمد (ﷺ) 4۔ آسیہ علیہا السلام زوجہ فرعون۔ (1) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مردوں میں سے کامل تو بہت سے ہیں۔ لیکن عورتوں میں سے صاحب کمال صرف تین ہیں۔ 1۔ مریم بنت عمران۔ 2۔ آسیہ زوجہ فرعون۔ 3۔ خدیجہ بنت خویلد۔ اور عائشہ کو عورتوں پر اس طرح افضلیت حاصل ہے جس طرح ثرید کو تمام کھانوں پر۔ اس حدیث کو ابوداؤد کے علاوہ باقی صحاح میں بھی روایت کیا گیا ہے۔ لیکن بخاری کی راویت میں حضرت خدیجہ کا اسم گرامی نہیں ہے۔ میں نے اس حدیث کی تمام اسناد اور الفاظ کو اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے تذکرہ میں بیان کی ہیں۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو کثرت سے عبادت، خشوع وخضوع اور رکوع وسجود کرنے کا حکم دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے حصول کے لیے مسلسل عمل اور اس کی قضا وقدر کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا حکم دیا۔ اس میں اگرچہ آپ کی آزمائش وابتلاء ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ کو دنیا وآخرت میں بلند مرتبہ بھی ملے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ میں اپنی عظیم قدرت کا اظہار فرمایا۔ فرمایا کہ آپ سے بغیر باپ کے بچہ پیدا کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ قنوت کا معنی خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (الروم: 26) ''اور اسی کا ہے جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے سب اس کے تابع فرمان ہیں''۔ حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں جہاں بھی قنوت کا ذکر آیا ہے اس کا معنی اطاعت وفرمانبرداری ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام نماز میں اتنا طویل قیام فرماتیں کہ آپ کے پاؤں سوجھ جاتے۔ اور قنوت سے مراد نماز میں لمبے لمبے رکوع کرنا ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے رب کے لیے عبادت کرو اور رکوع وسجود کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ حضرت اوزاعی فرماتے ہیں کہ آپ اپنی عبادت گاہ میں بکثرت رکوع وسجود اور قیام میں مصروف رہتیں۔ حتیٰ کہ آپ کے پاؤں مبارک میں سے زرد رنگ کا پانی نکلنے لگتا۔ ابن عساکر نے یحییٰ بن کثیر سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اس قدر سجدے کیے کہ آپ کی آنکھوں سے زرد رنگ کا پانی نکلنے لگا۔ ابو شوذبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام ہر رات غسل فرمایا کرتی تھیں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کو ان تمام واقعات سے آگاہ کرنے کے بعد فرماتا ہے:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ: اے محمد (ﷺ) آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھے کہ اس واقعہ کی آپ خبر دیتے۔ بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس واقعہ پر مطلع فرما دیا ہے گویا کہ آپ وہاں حاضر ہیں اور اس تمام واقعہ کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ جب انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کے لیے قرعہ اندازی کی۔ ان میں سے ہر ایک چاہتا تھا کہ وہ یہ سعادت حاصل کرے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے پیدائش کے وقت ان کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور بیت المقدس کے خدام کے پاس لے آئی۔ یہ خدام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل میں سے تھے۔ انہوں نے فرمایا یہ بچی لے لو۔ میں نے اس کی نذر مانی ہوئی تھی کہ اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کروں گی۔ یہ اگرچہ ہے تو لڑکی اور مجھے معلوم ہے کہ عورت حیض کی حالت میں مسجد

1۔ عارضۃ الاحوذی، کتاب المناقب: 255,254/13

میں داخل نہیں ہوسکتی۔لیکن چونکہ میں نذر مان چکی ہوں اس لیے میں اُسے اپنے گھر واپس نہیں لے جاؤں گی۔وہ کہنے لگے یہ ہمارے امام عمران کی صاحبزادی ہے۔اس لیے انہوں نے برضا ورغبت قبول کرلیا۔حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا اس بچی کو مجھے دے دو۔کیونکہ اس کی خالہ میری بیوی ہے۔وہ کہنے لگے یہ ہمارے امام کی صاحبزادی ہے اس لیے آپ کے حوالے کرنے پر ہمارا دل نہیں مانتا۔اس پر قرعہ اندازی کرنے کا فیصلہ ہوا۔اور انہوں نے اپنی ان قلموں کے ساتھ قرعہ اندازی کی جن کے ساتھ وہ تورات لکھتے تھے۔اس طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کو اپنی کفالت میں لے لیا۔حضرت عکرمہ اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ قرعہ ڈالنے کے لیے دریائے اردن پر گئے اور فیصلہ یہ ہوا کہ سب اپنی قلمیں دریا میں ڈالیں گے۔جس کی قلم پانی کے بہاؤ میں ٹھہری رہے گی وہی ان کی پرورش کا حقدار ہوگا۔جب انہوں نے دریا میں قلمیں ڈالیں تو پانی حضرت زکریا علیہ السلام کی قلم کے سوا باقی تمام قلموں کو بہا کرلے گیا۔بلکہ بعض روایات میں تو یہ آتا ہے کہ آپ کا قلم پانی کے بہاؤ کی مخالف سمت اوپر کو چڑھنے لگ گیا۔آپ حضرت مریم علیہا السلام کے قریبی رشتہ دار بھی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ان سب کے سردار، عالم، امام اور نبی بھی تھے۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٥﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿٤٦﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٧﴾

''جب کہا فرشتوں نے اے مریم! اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تجھے ایک حکم کی اپنے پاس سے اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا معزز ہوگا دنیا اور آخرت میں اور (اللہ کے) مقربین سے ہوگا۔اور گفتگو کرے گا لوگوں کے ساتھ گہوارے میں بھی اور پکی عمر میں بھی اور نیکوکاروں میں سے ہوگا۔مریم بولیں اے میرے پروردگار! کیونکر ہوسکتا ہے میرے ہاں بچہ؟ حالانکہ ہاتھ تک نہیں لگایا مجھے کسی انسان نے۔فرمایا بات یونہی ہے (جیسے تم کہتی ہو لیکن) اللہ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔جب فیصلہ فرماتا ہے کسی کام (کے کرنے) کا تو بس اتنا ہی کہتا ہے اسے کہ ہوجا تو وہ فوراً ہوجاتا ہے''۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ: فرشتے حضرت مریم علیہا السلام کو خوشخبری دے رہے تھے کہ ان کے ہاں ایک عظیم الشان بچہ پیدا ہوگا۔یعنی یہ بچہ ایسا ہوگا جس کا وجود اللہ تعالیٰ کے کلمہ کُنْ سے ہوگا۔اور یہ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ کی تفسیر ہے۔ان کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔یعنی آپ اس نام کے ساتھ دنیا میں مشہور ہوں گے۔مؤمنین آپ کو اسی نام سے پہچانیں گے۔آپ کا نام مسیح اس لیے رکھا گیا کیونکہ کثرت سے سیاحت کرتے تھے۔اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کو مسیح اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کے پاؤں نیچے سے برابر تھے ان میں کوئی خم نہ تھا۔یا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ بیماروں پر اپنا دست مبارک پھیرتے تھے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفایاب ہوجاتا۔قرآن کریم میں عیسیٰ بن مریم کہا گیا ہے۔یعنی آپ کی نسبت والدہ کی طرف کی گئی ہے۔اس لیے کہ آپ کے والد نہیں تھے۔

وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ: دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کو بڑا مقام ومرتبہ حاصل ہوگا۔اللہ تعالیٰ آپ پر وحی نازل فرمائے گا۔آپ کو کتاب عطا فرمائی جائے گی اور اس کے علاوہ آپ پر اللہ کا خصوصی فضل واحسان ہوگا۔اور آخرت میں آپ شفاعت فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفاعت کا اذن فرمائے گا اور دوسرے انبیاء علیہا السلام کی طرح آپ کی شفاعت بھی قبول ہوگی۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا: یعنی آپ بچپن میں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دیں گے اور یہ آپ کے لیے معجزہ ہوگا۔ اور ادھیڑ عمر میں بھی آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیں گے۔ اور آپ قول وعمل کے اعتبار سے صالحین میں سے ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بچپن میں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جریج کے ساتھی نے گفتگو کی۔ اور ایک دوسری روایت میں تیسرے بچے کا بھی ذکر ہے۔ جب حضرت مریم علیہا السلام نے فرشتوں سے اس بچے کی بشارت سنی۔ تو اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے یہ عرض کی۔

رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ: اے میرے پروردگار! یہ بچہ میرے ہاں کیونکر پیدا ہوگا۔ حالانکہ نہ تو میں نے نکاح کیا ہے اور نہ ہی نکاح کرنے کا ارادہ ہے اور نہ ہی میں بدکار ہوں (حَاشَا لِلّٰہِ) فرشتے نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا کہ بات تو یونہی ہے جیسے تم کہتی ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ عظیم قدرت کا مالک ہے۔ کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے سوال کے جواب میں (يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ) فرمایا تھا۔ اور یہاں (يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ) فرمایا۔ تاکہ کسی منکر کے لیے کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ پھر مزید تاکید کے لیے فرمایا جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرمالیتا ہے تو بس اسے اتنا ہی کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کے حکم کے بعد ایک لمحہ کی تاخیر نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (القمر:50) ''اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں ہو جاتا ہے''۔ یعنی ہم صرف ایک دفعہ ہی حکم دیتے ہیں۔ دوبارہ حکم نہیں دیتے وہ چیز آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی وجود میں آ جاتی ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ ﴿٤٨﴾ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٤٩﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۚ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٥٠﴾ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٥١﴾

''اور اللہ تعالیٰ سکھائے گا اسے کتاب وحکمت اور تورات وانجیل۔ اور (بھیجے گا اسے) رسول بنا کر بنی اسرائیل کی طرف (وہ انہیں آ کر کہے گا کہ) میں آ گیا ہوں تمہارے پاس ایک معجزہ لے کر تمہارے رب کی طرف سے (وہ معجزہ یہ ہے کہ) میں بنا دیتا ہوں تمہارے لیے کیچڑ سے پرندے کی سی صورت پھر پھونکتا ہوں اس (بے جان صورت) میں تو وہ فوراً ہو جاتی ہے پرندہ اللہ کے حکم سے اور میں تندرست کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور (لاعلاج) کوڑھی کو اور میں زندہ کرتا ہوں مردے کو اللہ کے حکم سے اور بتلاتا ہوں تمہیں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں بے شک ان معجزوں میں (میری صداقت کی) بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان دار ہو۔ اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اپنے سے پہلے آئی

ہوئی کتاب تورات کی اور تا کہ میں حلال کر دوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جو (پہلے) حرام کی گئی تھیں تم پر اور لایا ہوں تمہارے پاس ایک نشانی تمہارے رب کی طرف سے سو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو۔ بیشک اللہ مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے مجھے اور مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے تمہیں، سو اس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے''۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ: فرشتوں نے مریم علیہا السلام کو بیٹے کی جو خوشخبری سنائی تھی یہ بھی اسی کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے گا۔ کتاب سے مراد یہاں تورات ہے اور حکمت کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ تورات وہ کتاب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ دونوں کتابیں یاد تھیں۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: اور وہ انہیں بنی اسرائیل طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔ وہ انہیں فرمائیں گے کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا ایک معجزہ لے کر آیا ہوں۔ اور وہ معجزہ یہ ہے کہ میں تمہارے لیے مٹی سے ایک پرندے کی صورت بناؤں گا پھر اس میں پھونک ماروں گا تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جائے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزہ عطا فرمایا تھا کہ آپ مٹی سے پرندے کی مورتی بناتے اور اس میں پھونک مارتے تو پھر وہ اللہ کے حکم سے سب کے سامنے پرندہ بن کر اڑنے لگتا۔

وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ: میں مادر زاد اندھوں کو تندرست کروں گا۔ ایک قول کے مطابق ''اکمہ'' اسے کہتے ہیں جسے دن میں نظر آئے رات کو نظر نہ آئے۔ بعض نے اس کے برعکس کہا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد بھینگا ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ بچہ ہے جو پیدائشی طور پر اندھا ہو۔ یہ معنی ہی اعلیٰ اور آپ کے معجزہ کے طور پر زیادہ قوی اور بلیغ ہے۔

وَالْاَبْرَصَ: سفید داغ والے کوڑھی کو کہتے ہیں۔

وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ: اکثر علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کے زمانہ کے اعتبار سے اسے کچھ خاص معجزات عطا فرمائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا بول بالا تھا۔ اور جادوگروں کی بڑی تعظیم کی جاتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے معجزات عطا فرمائے۔ جنہوں نے آنکھوں کو خیرہ کر دیا اور تمام بڑے بڑے جادوگروں کو حیران کر دیا۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے یہ کرشمے معجزات ہیں اور یہ عظیم قدرت کے مالک کی طرف سے ہیں تو وہ سب مسلمان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقرب بندے بن گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حکمت وطب کا دور دورہ تھا۔ تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے معجزات عطا فرمائے جنہوں نے ان تمام حکماء اور اطباء کو عاجز کر دیا جو اپنے فن کے امام اور استاد تھے کیونکہ کسی طبیب کے بس کی بات نہیں تھی کہ وہ جمادات میں روح پھونک دے یا مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشے اور قبروں میں پڑے ہوئے مردوں کو زندہ کر دے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ جس زمانہ میں مبعوث ہوئے۔ اس میں بڑے بڑے بلغاء، فصحاء خطباء اور شعراء کا طوطی بولتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی کتاب عطا فرمائی جو فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بے نظیر و بے مثال ولاجواب ہے۔ اگر تمام جن وانس مل کر ایک دوسرے کی مدد و تعاون سے اس جیسی ایک سورت بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام الٰہی ہے جو کسی بشری کلام کے مشابہ نہیں ہو سکتا۔

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ: یعنی میں تمہیں بتاؤں گا جو تم ابھی کھا کر آؤ گے اور جو تم کل کے لیے اپنے گھر میں ذخیرہ کر آئے ہو۔ اور بے شک ان تمام معجزات میں میری صداقت کی دلیل ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اور میں اپنے سے پہلی نازل کی ہوئی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ میں اس لیے مبعوث ہوا ہوں کہ میں تمہارے لیے ان بعض چیزوں کو حلال کر دوں جو تم پر حرام کی گئی تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے تورات کے بعض احکام کو منسوخ کر دیا تھا۔ اور یہی قول اصح ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ آپ

نے تورات کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کیا بلکہ آپ نے ان چیزوں کو حلال کیا جن کو انہوں نے اپنی باہمی مخالفت اور عناد کی وجہ سے حرام کیا تھا۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ ۚ (الزخرف:63)'' اور میں بیان کروں گا تم میں کچھ وہ بات جس میں تم اختلاف کرتے ہو''۔

وَجِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ: اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں۔ جو میرے قول کی صداقت کی دلیل ہے۔ پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی مجھے اور تمہیں مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے۔ سو اسی کی عبادت کرو اور یہی سیدھا راستہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے سامنے خشوع وخضوع کرنے میں ہم سب برابر ہیں۔

فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۞ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۞ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ۞

'' پھر جب محسوس کیا عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے کفر (وانکار) (تو) آپ نے کہا کون ہیں میرے مددگار اللہ کی راہ میں؟ (یہ سن کر) کہا حواریوں نے کہ ہم مدد کرنے والے ہیں اللہ (کے دین) کی۔ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور (اے نبی علیہ السلام!) آپ گواہ ہو جائیو کہ ہم (حکم الٰہی کے سامنے) سر جھکائے ہوئے ہیں۔ اے رب ہمارے! ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے نازل فرمایا اور ہم نے تابعداری کی رسول کی، تو لکھ لے ہمیں (حق پر) گواہی دینے والوں کے ساتھ۔ اور یہودیوں نے بھی (مسیح کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور (مسیح کو بچانے کے لیے) اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر (اور مؤثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے''۔

فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمْ: پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے یہ محسوس کیا کہ وہ کفر اور گمراہی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں میرا کون مددگار ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے لیے میری کون اتباع کرتا ہے۔ حضرت سفیان ثوری وغیرہ فرماتے ہیں اللہ کی معیت میں میرا کون مددگار ہے۔ مجاہد کا قول ہی زیادہ واضح ہے۔ کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہی ارادہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں میرا مددگار کون ہے۔ جیسا کہ مدینہ طیبہ ہجرت کرنے سے پہلے نبی کریم ﷺ حج کے موقع پر فرمایا کرتے تھے۔ کون ہے؟ جو مجھے پناہ دے تاکہ میں اپنے رب کے پیغام کو پہنچاؤں۔ کیونکہ قریش نے مجھے اپنے رب کا پیغام پہنچانے سے روک دیا ہے۔ حتیٰ کہ انصار مدینہ اس کام کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ انہوں نے آپ کو پناہ ونصرت دینے کا وعدہ کیا۔ تو آپ ہجرت کر کے مدینہ کے لیے تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ مکمل تعاون کیا اور آپ کا تمام دشمنوں سے دفاع کیا۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی جب یہ ارشاد فرمایا تو بنی اسرائیل کا ایک گروہ اس کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کیا اور اس نور کی اتباع کی جو آپ پر نازل ہوا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ دھوبی تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ ان کو ان کے سفید کپڑوں کی وجہ سے حواری کہا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ شکاری تھے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ حواری مددگار کو کہتے ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو فرمایا کون ہے؟ جو میرے ساتھ سینہ سپر ہو جائے تو حضرت زبیر اس کام کے لیے تیار ہوئے

اور کھڑے ہوئے۔ آپ نے دوبارہ ارشاد فرمایا تو پھر آپ ہی کھڑے ہوئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس (فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں امت محمد یہ میں لکھ لینا۔ اس کی سند عمدہ ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اس گروہ کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے اور سولی پر چڑھانے کا پورا ارادہ کیا۔ اور آپ کی مخالفت کی وجہ سے اس وقت کے بادشاہ کے پاس مخبری کر دی۔ وہ بادشاہ کافر تھا۔ انہوں نے بادشاہ کو بتایا کہ ایک شخص لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے وہ ان کو بادشاہ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے روکتا ہے۔ رعایا میں فساد برپا کرتا ہے۔ باپ بیٹے میں تفریق کرا دیتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سی جھوٹی باتیں آپ کی طرف منسوب کیں۔ حتیٰ کہ ان بدکاروں نے یہ بھی کہہ دیا کہ ولد الزنا ہے (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ / نقل کفر کفر نباشد) یہ باتیں سن کر بادشاہ غصہ میں آ گیا اس نے اپنے آدمی بھیجے جو انہیں گرفتار کر کے سولی پر چڑھا دیں۔ تاکہ اس سے لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ ان آدمیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اپنے خیال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے لے آئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان ظالموں سے نجات دلائی اور اور آپ کو اسی گھر کی چھت کے روزن سے آسمان پر اٹھا لیا۔ اور گھر میں موجود آدمیوں میں سے ایک کو آپ کے مشابہ بنا دیا۔ وہ لوگ اس کو پکڑ کر لے گئے۔ اسے خوب ذلیل و رسوا کیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اور اس کے سر پر کانٹے رکھ دیئے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ان کے خلاف تدبیر تھی کہ اس نے اپنے نبی کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اور انہیں ان کی گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا۔ وہ یہی خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک ان کے دلوں میں سختی اور حق کی مخالفت ڈال دی۔ اور ایسی ذلت و رسوائی مقرر کی جو قیامت تک ان پر مسلط رہے گی۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ: اور یہودیوں نے (مسیح کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور (مسیح کو بچانے کے لیے) اللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ اور اللہ تعالیٰ متواتر (اور موثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٧﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿٥٨﴾

''یاد کرو جب فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ! یقیناً میں پوری عمر تک پہنچاؤں گا تمہیں اور اٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تمہیں ان لوگوں (کی تہمتوں) سے جنہوں نے (تیرا) انکار کیا اور بنانے والا ہوں ان کو جنہوں نے تیری پیروی کی غالب کفر کرنے والوں پر قیامت تک پھر میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تم نے پس (اس وقت) میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان (ان امور کا) جن میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے۔ تو وہ جنہوں نے کفر کیا میں عذاب دوں گا انہیں سخت

عذاب دنیا میں اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کے لیے کوئی مددگار اور وہ جو ایمان لائے اور کیے نیک کام تو اللہ پورے پورے دے گا انہیں ان کے اجر اور اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا ظلم کرنے والوں سے یہ جو ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو آیتیں ہیں اور نصیحت حکمت والی''۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ :حضرت قتادہ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں تقدیم وتاخیر ہے۔معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ! میں تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا اور اس کے بعد تمہیں موت دوں گا۔حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ "متوفیك" کا معنی "میں تجھے موت دوں گا" ہے۔ابن اسحاق نے وهب بن منبہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھایا۔اس وقت تین گھڑی کے لیے فوت کر دیا تھا۔نصرانیوں کا خیال ہے کہ آپ کو سات گھڑی کے لیے موت دی گئی تھی۔پھر آپ کو زندہ کر دیا۔ایک روایت میں ہے کہ آپ کو تین دن کے لیے موت دی۔پھر آپ کو زندہ کیا اور آسمان پر اٹھالیا۔مطر الوراق کہتے ہیں۔کہ میں تمہیں دنیا سے بچالوں گا۔یہاں وفات سے مراد موت نہیں ہے۔ابن جریر کا قول ہے متوفی کا معنی آپ کو اٹھانا ہے۔لیکن اکثر مفسرین فرماتے ہیں: یہاں وفات سے مراد نیند ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ (الانعام:60)'' اور وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تمہیں رات کو''۔اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا (الزمر:42)'' اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا۔(ان کی روحیں) حالت نیند میں''۔رسول اللہ ﷺ جب نیند سے بیدار ہوتے تو آپ یہ دعا پڑھتے۔اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ'' شکر ہے اللہ تعالیٰ کا جس نے مجھے مارنے کے بعد زندہ کیا''۔اور اسی واقعہ کو ایک اور مقام پر ان الفاظ میں بیان کیا۔

وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْیَمَ بُهْتَانًا عَظِیْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًۢا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكُوْنُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا ﴿۱۵۹﴾ (النساء:159)۔ان آیات میں "قَبْلَ مَوْتِهٖ" کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کی طرف لوٹ رہی ہے۔معنی یہ ہے کہ قیامت کے قریب جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نازل ہوں گے تو تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے۔آپ جزیہ کو ختم کر دیں گے اور اسلام کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہیں کریں گے۔حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نیند کی حالت میں آسمان کی طرف اٹھایا اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے اور وہ قیامت سے پہلے تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔

وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا: یعنی میں تمہیں آسمان کی طرف اٹھا کر ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنہوں نے تیرا انکار کیا۔اور جنہوں نے تیری پیروی کی ان کو قیامت تک اہل کفر پر غالب کرنے والا ہوں۔چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان پر اٹھایا تو اس کے بعد آپ کے ساتھیوں کے کئی گروہ بن گئے۔بعض کا عقیدہ تو یہ تھا کہ آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اس کی ایک نیک بندی کے بیٹے ہیں۔بعض نے غلو سے کام لیتے ہوئے آپ کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔بعض اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور انہوں نے آپ کو خدا قرار دے دیا اور بعض نے کہا کہ آپ تین میں سے ایک ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے عقائد بیان فرما کر ان کا رد کیا ہے۔تین سو سال تک ان کا یہی حال رہا۔پھر یونان کے ایک بادشاہ جو بڑا فلسفی اور حکیم تھا اس کا نام قسطنطین تھا، نے نصرانی مذہب قبول کر لیا۔بعض کہتے ہیں کہ اس نے تو دین کو بگاڑنے کے لیے یہ حیلہ اختیار کیا تھا۔بعض کہتے ہیں کہ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اس دین میں داخل ہوا۔

بہر حال اس نے دین مسیح کو بدل ڈالا۔ اس میں تحریف و تغییر کی۔ کچھ بڑھایا اور کچھ کم کیا۔ اس نے کئی قوانین اپنی طرف سے ایجاد کیے۔ امانت کبریٰ بھی اس کی ایجاد کردہ ہے اس نے اپنے دور میں خنزیر کے گوشت کو حلال قرار دیا۔ اسی زمانہ میں نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے اور انہوں نے اپنی عبادت گاہوں، کلیساؤں میں تصویریں بنوائیں۔ اور اپنے ایک گناہ کے باعث نصاریٰ کے روزوں میں دس روزوں کا اضافہ کر دیا۔ اس طرح دین مسیح نہ رہا بلکہ دین قسطنطین بن گیا۔ اس نے بارہ ہزار سے زیادہ عبادت گاہیں بنوائیں اور اپنے نام سے منسوب ایک شہر تعمیر کیا۔ نصاریٰ میں سے ملکیہ فرقہ نے اس کی اتباع اور پیروی کی۔ اس تمام دور میں نصاریٰ یہودیوں پر غالب رہے۔ دراصل یہود نسبتاً ان سے زیادہ حق کے قریب تھے۔ اگرچہ یہ سب کافر ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اپنا رسول بنا کر مبعوث فرمایا تو آپ پر جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، کتابوں، اور اس کے تمام رسولوں پر حقیقی طور پر ایمان لانے والے تھے۔ اس لیے وہی روئے زمین پر تمام انبیاء کی اتباع کرنے والے ہیں کیونکہ انہوں نے اس رسول عربی، خاتم المرسلین اور علی الاطلاق بنی آدم کے سردار کی تصدیق کی جس نے انہیں تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی دعوت دی۔ اس طرح مسلمان ہر نبی کے اس کے امتیوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ کیونکہ ان انبیاء کے امتیوں نے دین میں تحریف و تغییر کر دی تھی۔ اگر یہ تحریف نہ بھی ہوتی تو دین اسلام نے سابقہ تمام شرائع کو منسوخ کر دیا ہے۔ یہ وہ دین حق ہے جس میں قیامت تک کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوگا۔ اور یہ ہر دین پر غالب ہو گا۔ اس لیے اسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرق و مغرب میں فتح و نصرت سے نوازا ہے۔ انہوں نے تمام ممالک کو فتح کیا اکثر حکومتیں ان کی باجگزار بن گئیں۔ کسریٰ کی حکومت کو بھی تاخت و تاراج کیا اور قیصر کی مملکت کو بھی محدود کر دیا۔ اور ان کے خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ جیسا کہ ان کے نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کے حکم سے انہیں پہلے ہی یہ عظیم خبر دے دی تھی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ...... يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا (النور:55)'' وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور مستحکم کر دے گا ان کے لیے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لیے اور وہ ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالت خوف سے امن میں۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں۔ کسی کو میرا شریک نہیں کرتے''۔ چونکہ مسلمان ہی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہیں۔ اس لیے انہوں نے نصاریٰ سے شام کا علاقہ چھین لیا اور انہیں روم کی طرف دھکیل دیا حتیٰ کہ وہ قسطنطنیہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ آخر کار قسطنطنیہ کو بھی مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ اسی طرح اسلام اور مسلمانوں کو قیامت تک نصرانیوں پر غلبہ رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو خبر دی ہے کہ وہ آخر زمانہ میں قسطنطنیہ کو فتح کریں گے اور اہل روم کے ساتھ ان کی ایک جنگ عظیم ہوگی۔ جس کی مثل پہلے ہوئی نہ بعد میں ہوگی۔ اس جنگ میں اہل اسلام بہت سامال غنیمت حاصل کریں گے۔ میں نے اس کے بارے میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا فرمائی تھی اس لیے یہاں ارشاد فرمایا:

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ: اور یہی سلوک اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کے ساتھ کیا جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کا انکار کیا اور نصاریٰ میں سے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا۔ ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے عذاب دیا۔ اس طرح کہ بعض تو قتل ہو گئے۔ بعض کو قید کر لیا گیا۔ ان کے مال چھین لیے گئے۔ اور ان کی حکومتیں ان کے ہاتھوں سے نکل گئیں۔ اور آخرت کا عذاب اس سے زیادہ سخت ہے۔ وہاں تو ان کو عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اور وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں پورا پورا اجر عطا فرمائے گا، دنیا میں فتح و نصرت عطا فرما کر اور آخرت میں جنت کی ابدی نعمتیں عطا فرما کر۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں

کو پسند نہیں کرتا۔

ذٰلِكَ نَتۡلُوۡهُ عَلَيۡكَ : اے محمد (ﷺ!) (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش کے بارے میں جو کچھ بھی ہم نے بیان کیا ہے اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ جیسا کہ سورۂ مریم میں ارشاد فرمایا: ذٰلِكَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ ۚ قَوۡلَ الۡحَقِّ الَّذِىۡ فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ۞ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنۡ يَّتَّخِذَ مِنۡ وَّلَدٍ ۙ سُبۡحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ (مریم:35) ''یہ ہے عیسیٰ بن مریم (اور یہ ہے وہ) سچی بات جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں یہ زیبا ہی نہیں اللہ تعالیٰ کو کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے وہ پاک ہے، جب وہ فیصلہ فرمالیتا ہے کسی کام کا پس وہ اتنا حکم دیتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے''۔ اور یہاں ارشاد فرمایا:

اِنَّ مَثَلَ عِيۡسٰى عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ۞ اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ۞ فَمَنۡ حَآجَّكَ فِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَكُمۡ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمۡ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَكُمۡ ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلْ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ۞ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡقَصَصُ الۡحَقُّ ۚ وَمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۞ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ ۞

''بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے بنایا اسے مٹی سے۔ پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا۔ (اے سننے والے!) یہ حقیقت (کہ عیسےٰ انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے (بیان کی گئی) ہے پس تو نہ ہو جا شک کرنے والوں سے۔ پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے میں اس کے بعد کہ آ گیا آپ کے پاس (یقینی) علم تو آپ کہہ دیجیے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی۔ پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجا کریں پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر۔ بے شک یہی ہے واقعہ سچا اور نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور بے شک اللہ ہی غالب ہے (اور) حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے فساد برپا کرنے والوں کو''۔

اِنَّ مَثَلَ عِيۡسٰى عِنۡدَ اللّٰهِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال (حضرت) آدم (علیہ السلام) کی طرح ہے کہ جس طرح اس نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا اسی طرح اس نے (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور جو ذات (آدم علیہ السلام) کو ماں باپ کے بغیر پیدا کرنے پر قادر ہو وہ (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کو باپ کے بغیر پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا ہوئے تو نصاریٰ نے ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دے دیا۔ تو حضرت آدم علیہ السلام کو بدرجہ اولیٰ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونا چاہیے کیونکہ باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینا بالاتفاق باطل ہے تو نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہنے کا بطلان بالکل ظاہر ہے۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لیے اپنی قدرت کا اظہار فرماتا ہے۔ آدم علیہ السلام کو مذکر و مونث کے بغیر پیدا کیا، حضرت حواء، کو مونث کے بغیر پیدا کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مونث سے مذکر کے بغیر پیدا کیا اور باقی تمام مخلوق کو مذکر و مونث سے پیدا کیا اور کرتا ہے۔ اس لیے سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے

میں ارشاد فرمایا: وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ (مریم:21) ''اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم بنائیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی لوگوں کے لیے''۔ اور یہاں ارشاد فرمایا: (اے مخاطب) یہ حقیقت تیرے رب کی طرف سے ہے تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، یہی حق ہے۔ اسے قبول کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں اس لیے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس حقیقت سے انکار کرنے والے سے مباہلہ کریں۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ: مباہلہ اور اس کی ماقبل آیات کا شان نزول یہ ہے کہ نجران سے عیسائیوں کا ایک گروہ مدینہ طیبہ آیا۔ یہاں آ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بحث وتمحیص کرنے لگے۔ اور اپنے عقیدہ کے مطابق ان کو خدا کا بیٹا اور معبود قرار دینے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں۔ ابن اسحاق اپنی مشہور سیرت کی کتاب میں لکھتے ہیں۔ نجران کا ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جو ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں سے چودہ افراد بڑے معزز اور ان کے سردار تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ 1۔ عاقب، عبدالمسیح 2۔ السید، الایھم 3۔ ابوالحارثہ بن علقمہ (ابو بکر وائل کا بھائی) 4۔ اویس بن حارث 5۔ زید 6۔ قیس 7۔ یزید اور اس کے دو بیٹے۔ 8۔ خویلد 9۔ عمرو 10۔ خالد 11۔ عبداللہ 12۔ محسن۔ اور ان چودہ افراد میں سے تین بڑے سردار تھے۔ عاقب، ان کا امیر تھا۔ بڑا اصائب الرائے تھا۔ تمام لوگوں کو اس پر اور اس کی رائے پر اعتماد تھا۔ السید، ان کا بڑا پادری تھا۔ اور ابو الحارثہ ان کا سب سے اعلیٰ مدرس تھا۔ یہ بنو بکر بن وائل کے عرب قبیلہ سے تھا۔ لیکن بعد میں نصرانی ہو گیا۔ رومیوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اس کے لیے بڑے بڑے گرجے بنائے۔ اور اس کی نصرانیت کے ساتھ گہری وابستگی کی وجہ سے لوگ اس کی بڑی خدمت اور عزت کرتے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی شان وشوکت اور عظمت ورفعت کو جانتا تھا۔ کیونکہ اس نے آپ کی یہ صفات پہلی کتابوں میں پڑھی ہوئی تھیں۔ وہ دل سے آپ کی نبوت کا قائل بھی تھا۔ لیکن نصرانیت میں اپنی تعظیم وتکریم اور جاہ ومرتبہ کی حرص کی وجہ سے اسلام قبول نہ کر سکا۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں یہ وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ نماز عصر سے فارغ ہوئے تھے۔ یہ لوگ خوبصورت ومنقش لباس اور بہترین چادریں اوڑھے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بنو حارث بن کعب کے خاندان کے لوگ۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں ان کے بعد اس جیسی شان وشوکت والا وفد پھر نہیں آیا۔ اسی دوران ان کی نماز کا وقت ہو گیا تو وہ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے گفتگو فرمائی۔ ان میں سے گفتگو کرنے والے ابو الحارثہ، عاقب اور السید تھے۔ یہ تینوں شاہی مذہب پر تھے۔ اگرچہ بعض امور میں ان کا آپس میں اختلاف تھا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ تینوں متفق تھے کہ وہ خدا ہیں، خدا کے بیٹے ہیں اور تین میں تیسرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس ناپاک قول سے پاکیزہ اور بلند وبالا ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کی دلیل یہ دیتے تھے کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے، مادرزاد اندھوں کو بینا کرتے تھے۔ کوڑھیوں اور بیماروں کو صحت یاب کرتے تھے۔ غیب کی خبریں دیتے تھے۔ مٹی سے پرندے کی صورت بناتے تھے اور پھر اس میں پھونک مارتے تو پرندہ بن کر اڑنے لگتا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنایا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا تعالیٰ کے بیٹا ہونے کی دلیل دیتے تھے کہ ان کا کوئی ظاہری باپ نہیں تھا۔ آپ نے پنگھوڑے میں گفتگو فرمائی۔ اس سے پہلے کسی بنی آدم سے ایسی چیز ظاہر نہیں ہوئی۔ اور وہ اپنے قول کہ حضرت عیسیٰ تین میں سے تیسرے ہیں، کی دلیل یہ دیتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں

فرماتا ہے۔ہم نے یہ حکم دیا، ہم نے پیدا کیا، ہم نے فیصلہ کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ ایک ہوتا تو فرماتا میں نے یہ کام کیا، میں نے حکم دیا، میں نے پیدا کیا اور میں نے فیصلہ کیا۔ یہ ان کے فاسد عقائد تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام ان کے ان برے عقائد سے پاک، بری اور منزہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیات نازل فرمائیں۔ اس وقت آپ کے پاس ان کے دو سردار ابوالحارثہ اور السید موجود تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا اسلام قبول کرلو۔ انہوں نے کہا ہم مسلمان ہی ہیں، آپ نے فرمایا، تم مسلمان نہیں ہو، ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگے ہم تو آپ سے پہلے کے مسلمان ہیں۔ آپ نے فرمایا تم جھوٹ بولتے ہو۔ بھلا تم کیسے مسلمان ہو سکتے ہو حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ صلیب کی پوجا کرتے ہو خنزیر کا گوشت کھاتے ہو۔ انہوں نے آپ سے پوچھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد کون ہیں؟ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی اسی سے زائد آیات ان کے جواب میں نازل فرمائیں۔

ابن اسحاق ان آیات کی مختصر تفسیر بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ آیات سنا دیں اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بتا دیا کہ اگر تم نہیں مانتے تو مباہلہ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگے اے ابوالقاسم ہمیں کچھ مہلت دیں تا کہ ہم آپس میں غور وفکر اور مشورہ کرنے کے بعد آپ کو اس کا جواب دیں۔ اب وہ تنہائی میں عاقب کے پاس آئے وہ بڑا صائب الرائی اور عقل مند تھا۔ اور اس سے کہنے لگے کہ عبدالمسیح! تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے۔ اس نے کہا گروہ نصاریٰ، قسم بخدا تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی اور رسول ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انہوں نے جو فرمایا ہے وہ مبنی برحق ہے۔ تمہیں یہ بھی بخوبی معلوم ہے کہ جو قوم نبی کے ساتھ مباہلہ کرتی ہے ان کے نہ تو بڑے باقی رہتے ہیں اور نہ ہی چھوٹے پروان چڑھتے ہیں۔ اگر تم نے ان کے ساتھ مباہلہ کیا تو تمہیں تباہ وبرباد کر دیا جائے گا۔ اس لیے اسلام قبول کرلو۔ اور اگر تم اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے اور اپنے دین اور عقائد پہ قائم رہنا چاہتے ہو تو ان سے صلح کرلو اور اپنے وطن واپس لوٹ جاؤ۔ چنانچہ یہ مشورہ کرنے کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہیں کرنا چاہتے آپ اپنے دین پر رہیں اور ہم اپنے عقائد پر واپس لوٹ جاتے ہیں۔ لیکن آپ اپنے صحابیوں میں سے ایک پسندیدہ صحابی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں جو ہمارے مالی جھگڑوں میں ہمارے درمیان فیصلہ کریں۔ آپ لوگ ہمارے نزدیک بڑے معزز، محترم اور ہر دلعزیز ہیں۔ آپ نے فرمایا ظہر کے بعد آنا میں تمہارے ساتھ قوی اور امین آدمی کو بھیجوں گا۔ حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ میرے دل میں امیر بننے کی خواہش کبھی پیدا نہیں ہوئی لیکن اس دن میرے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ شاید میں ہی رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مصداق بن جاؤں اس دن ظہر کی نماز کے لیے گھر سے جلدی نکلا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی تو آپ نے دائیں بائیں نظر دوڑائی میں نے اپنے آپ کو اونچا کر دیا تا کہ آپ کی نظر مجھ پر پڑ جائے آپ بغور صحابہ کرام کو دیکھتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کی نظر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح پر پڑی۔ آپ نے انہیں بلایا اور فرمایا ان کے ساتھ جاؤ اور حق کے ساتھ ان کے اختلافات کا فیصلہ کرو۔ حضرت عمر فرماتے ہیں اس طرح یہ سعادت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح لے گئے۔ ابن مردویہ نے اس واقعہ کو اس سے بھی زیادہ تفصیل سے روایت کیا ہے۔ لیکن انہوں نے سرداروں کی تعداد بارہ لکھی ہے۔ حضرت حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ نجران کے دو سردار عاقب اور السید جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مباہلہ کرنے آئے تو ان میں سے ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا کہ ان سے مباہلہ نہ کرنا۔ قسم بخدا اگر یہ واقعی نبی ہیں اور ہم نے ان سے مباہلہ کیا تو ہم بچیں گے نہ ہماری اولاد۔ چنانچہ دونوں نے متفق ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی آپ ہم سے جو (جزیہ) طلب کرتے ہیں ہم وہ ادا کر دیں گے۔ ہمارے ساتھ کسی امین شخص کو بھیج دیجئے آپ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ حقیقی امین کو بھیجوں گا۔ یہ بات سن کر صحابہ کرام متوجہ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اے ابوعبیدہ کھڑے ہو جاؤ۔ آپ نے

فرمایا یہ اس امت کے امین ہیں(1)۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے۔ اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں(2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ابوجہل ملعون نے کہا تھا اگر میں نے محمد ﷺ کو بیت اللہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کی گردن کچل دوں گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ ایسا کرتا تو سب اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ فرشتے اس کو دبوچ لیتے۔ اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو وہ سب مرجاتے اور جہنم میں اپنی قرارگاہوں کو دیکھ لیتے۔ اور اگر نصاریٰ رسول اللہ ﷺ سے مباہلہ کرتے تو وہ واپس لوٹنے پر اپنے اہل وعیال اور مال کو نہ پاتے(3)۔ اس کو بخاری، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اس واقعہ کو تفصیلاً روایت کیا ہے۔ ہم اس کو یہاں نقل کرتے ہیں کیونکہ اس میں بہت سے فوائد ہیں۔ اگرچہ اس میں کچھ غرابت ہے۔ لیکن یہ اس کے مقام کے مناسب ہے۔ سلمہ بن عبد یسوع اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں جو نصرانی ہے پھر مسلمان ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ طٰسٓ اور سورۂ سلیمان (النحل) نازل ہونے سے پہلے اہل نجران کو نامہ مبارک لکھا۔ جس کا مضمون یہ تھا:

حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب علیہ السلام کے رب کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے نجران کے بڑے سردار اور اہل نجران کی طرف۔

''میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا معبود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد میں تمہیں بندوں کی عبادت سے اللہ کی عبادت کی طرف اور بندوں کی ولایت سے اللہ تعالیٰ کی ولایت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم اسے قبول نہیں کرتے تو جزیہ ادا کرو۔ اور اگر جزیہ بھی ادا نہیں کرتے تو پھر ہمارا تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے''۔

جب ان کے سردار نے یہ خط پڑھا تو اس پر خوف طاری ہو گیا اور وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے فوراً شرحبیل بن وداعہ کو بلایا۔ جب بھی کوئی مصیبت پڑتی تو اسے ہی بلایا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایہم، السید اور عاقب سے اس سے مشورہ کیا جاتا تھا۔ سردار نے وہ خط اس کو دیا۔ اس نے اسے پڑھا۔ سردار نے پوچھا تمہاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اولاد میں سے ایک نبی بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ ممکن ہے یہ وہی نبی ہوں۔ اس لیے نبوت کے بارے میں کوئی رائے نہیں دے سکتا۔ ہاں اگر کوئی دنیاوی معاملہ ہوتا تو ضرور تمہیں اس کے بارے میں مشورہ دیتا۔ سردار نے اسے حکم دیا کہ تم یہیں علیحدگی میں بیٹھو۔ پھر اس نے جبار بن فیض کو بلایا۔ جس کا تعلق بنوحارث بن کعب سے تھا اور یہ بھی اس کا مشیر تھا۔ سردار نے اسے خط پڑھوایا اور اس کی رائے دریافت کی۔ اس نے بھی شرحبیل جیسا جواب دیا۔ بادشاہ نے اس کو بھی علیحدہ بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر ایک عبداللہ نامی شخص کو بلایا۔ اس نے بھی یہی رائے دی۔ اس کو بھی علیحدہ بٹھا دیا گیا۔ جب سردار نے دیکھا کہ یہ تینوں ایک ہی رائے رکھتے ہیں۔ اس نے حکم دیا کہ ناقوس بجایا جائے، آگ جلائی جائے اور گرجوں میں جھنڈے بلند کیے جائیں۔ ان کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب کسی مشکل کے وقت لوگوں کو اکٹھا کرنا مقصود ہوتا تو دن کے وقت گرجوں پر جھنڈے بلند کر دیے جاتے اور رات کے وقت ناقوس بجائے جاتے اور آگ جلائی جاتی۔ ناقوس کی آواز سن کر اور گرجوں پر پھڑ پھڑاتے جھنڈے دیکھ کر تمام لوگ وادی میں جمع ہو گئے۔ اس وادی کی لمبائی اتنی تھی کہ ایک تیز رفتار سوار صبح سے شام تک ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچتا۔ اس میں تہتر گاؤں آباد تھے۔ تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار جنگجو اکٹھے ہو گئے۔ سردار نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھ کر سنایا اور اس کے بارے میں ان کی رائے طلب کی۔ وہ سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ پہلے شرحبیل بن وداعہ ہمدانی، عبداللہ بن شرحبیل اصبحی، جبار بن فیض الحارثی کو بھیجا جائے تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں صحیح معلومات لے کر آئیں۔ یہ تینوں

1۔ فتح الباری، کتاب المغازی 93/8 2۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابہ 1882 3۔ مسند امام احمد 1:248

نجران سے نکلے۔ جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے سفر کا لباس اتارا اور ریشمی منقش لباس اور سونے کی انگوٹھیاں پہن لیں۔ اسی حالت میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر سلام پیش کیا لیکن آپ نے جواب نہ دیا۔ وہ کافی دیر آپ سے گفتگو کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن آپ نے ان کے ریشمی لباس اور سونے کی انگوٹھیوں کی وجہ سے گفتگو نہ فرمائی۔ وہ حضرت عثمان بن عفان اور عبدالرحمن بن عوف کی تلاش میں نکلے کیونکہ ان کے ساتھ ان کی کچھ جان پہچان تھی۔ آخر کار انہوں نے دیکھا کہ وہ مہاجرین وانصار کی ایک مجلس میں بیٹھے ہیں۔ انہیں کہنے لگے کہ تمہارے نبی نے ہمیں خط لکھا تھا ہم اس کا جواب دینے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ ہم نے انہیں سلام عرض کیا تو انہوں نے ہمارے سلام کا کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہمارے ساتھ کوئی گفتگو فرمائی ہے۔ آخر کار ہم تھک کر آ گئے ہیں۔ آپ ہمیں بتائیں کہ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔ کیا ہم واپس لوٹ جائیں۔ انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب سے پوچھا: اے ابوالحسن! آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ میرے خیال میں انہیں ریشمی لباس اور سونے کی انگوٹھیاں اتار کر سفر کے کپڑے پہننے چاہئے۔ اور پھر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں۔ انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر ارشاد فرمایا: قسم اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا جب یہ پہلی مرتبہ مجھے ملنے کے لیے آئے تھے تو شیطان ان کے ساتھ تھا۔ پھر آپ نے ان کے احوال کے بارے میں دریافت کیا اور انہوں نے آپ سے پوچھا: پھر مختلف گفتگو ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ آپ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا خیال ہے۔ ہمیں یہ خوشی ہوگی کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ سے حضرت عیسیٰ کے بارے میں پوچھیں تاکہ ہم اپنی قوم کو واپس لوٹ کر اس سے آگاہ کریں۔ آپ نے فرمایا: اس وقت میرے پاس اس کا جواب نہیں ہے تم ابھی ٹھہرو اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو بھی فرمائے گا وہ تمہیں بتادوں گا۔ پھر صبح یہ آیات (اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ) نازل ہوئیں۔ آپ نے یہ آیات ان کے سامنے تلاوت فرمائیں۔ لیکن انہوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ دوسرے دن صبح رسول اللہ علیہ السلام مباہلہ کے لیے حضرت حسن، حسین کو اپنی کملی میں لپیٹے ہوئے تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ آپ کے پیچھے تھیں۔ یہ منظر دیکھ کر شرحبیل نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کہا تمہیں تو بخوبی معلوم ہے کہ تمام اہل نجران میری رائے کا احترام کرتے ہیں۔ قسم بخدا یہ معاملہ بڑا سخت معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس شخص (رسول اللہ علیہ السلام) کو مبعوث نہیں کیا گیا ہے تو تمام اہل عرب میں سب سے پہلے اس کی نگاہوں میں ہم ہی مطعون ہوں گے اور سب سے پہلے اس کی تردید کرنے والے ہم ہی ہوں گے۔ یہ بات ان کے اور ان کے صحابہ کے دلوں میں بیٹھ جائے گی۔ پھر یہ ہمیں کسی نہ کسی وجہ سے نقصان پہنچائیں گے۔ اور اہل عرب کے زیادہ قریب ہم ہی ہیں۔ اور اگر یہ نبی مرسل ہیں اور پھر اگر ہم نے ان کے ساتھ مباہلہ کیا تو روئے زمین پر ہم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔ یہ بات سن کر اس کے ساتھیوں نے کہا تو پھر تمہاری کیا رائے ہے۔ اس نے جواب دیا میرا خیال ہے کہ ہم انہیں اپنا حکم بنا دیتے ہیں اور جو بھی فیصلہ کریں ہمیں قبول ہوگا۔ اور میرے خیال میں وہ عدل ہی کریں گے۔ باقی دو نے بھی شرحبیل کی رائے سے اتفاق کیا۔ شرحبیل رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں اس مباہلہ سے بہتر چیز آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ ہم آپ کو اپنا حکم بناتے ہیں۔ آپ صبح تک ہمارے لیے جو بھی فیصلہ کریں گے وہ ہمیں منظور ہوگا۔ آپ نے فرمایا شاید لوگ تمہارے اس فیصلے کو نہ مانیں۔ شرحبیل نے عرض کی آپ میرے ساتھیوں سے رائے لے لیں آپ نے ان سے دریافت کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ تمام اہل نجران شرحبیل کی رائے کا احترام کرتے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ علیہ السلام واپس تشریف لے گئے۔ اور آپ نے ان سے مباہلہ نہ کیا۔ صبح وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ایک تحریر ان کو لکھ کر دی۔ جس میں بسم اللہ کے بعد یہ مضمون تھا'' یہ تحریر اللہ کے

رسول ''محمد'' (ﷺ) کی طرف سے اہل نجران کی طرف ہے۔ان پر اللہ کے رسول کا حکم نافذ ہوگا۔ ہر پھل اور ہر زرد، سفید و سیاہ میں، اور ہر غلام میں۔لیکن اللہ کے رسول یہ سب کچھ تم ہی کے لیے چھوڑتے ہیں۔ وہ انہیں ہر سال دو ہزار حلے (پوشاک) دیا کریں۔ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں'' امام بیہقی نے اس کے علاوہ دوسرے واقعات کو تفصیلاً ذکر کیا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وفد سن نو ہجری میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ کیونکہ امام زہری فرماتے ہیں سب سے پہلے اہل نجران نے جزیہ ادا کیا تھا۔ جزیہ کی آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ:29)'' جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے اللہ اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے، اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں''۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ عاقب اور طیب رسول اللہ ﷺ کے پاس مباہلہ کے لیے آئے۔ آپ نے صبح مباہلہ کا وعدہ فرمایا۔صبح رسول اللہ ﷺ، حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو ساتھ لیے ہوئے تشریف لائے، انہیں مباہلہ کے لیے پیغام بھیجا لیکن انہوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے پر رضامند ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر یہ مباہلہ سے انکار نہ کرتے تو یہ وادی ان پر آگ کی بارش برساتی۔حضرت جابرؓ فرماتے ہیں انہی کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ آپ فرماتے ہیں کہ یہاں ''اَنْفُسَنَا'' سے مراد رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی ہیں۔اور ''اَبْنَآءَنَا'' سے مراد حسن اور حسین ہیں۔اور (نساء نا) سے مراد حضرت فاطمہ ہیں(1)۔اس کو ابوداؤد طیالسی نے امام شعبی سے مرسلاً روایت کیا ہے۔اس کے علاوہ یہ عبداللہ بن عباسؓ اور براء بن عازبؓ سے بھی مروی ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ: یہ جو ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بیان کیا ہے یہ حق اور سچ ہے۔اور اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بلاشبہ اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے۔اور اگر وہ اس حقیقت سے منہ پھیریں تو بے شک اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کو خوب جانتا ہے یعنی جو حق کو چھوڑ کر باطل کو اختیار کرتا ہے وہی حقیقت میں فساد برپا کرنے والا ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے۔اور انہیں اس عمل کی سخت سزا دے گا۔وہ ہر چیز پر قادر ہے۔کوئی چیز اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں۔وہ ہر قسم کے نقص اور عیب سے مبرا ہے، منزہ اور پاک ہے۔ہم اس کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں۔اور اس کے عذاب سے اس کی پناہ لیتے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٣﴾

'' (میرے نبی!) آپ کہیے اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان (وہ یہ کہ) ہم نہ عبادت کریں (کسی کی) سوائے اللہ کے اور نہ شریک ٹھہرائیں اس کے ساتھ کسی چیز کو اور نہ بنالے کوئی ہم میں سے کسی کو رب اللہ کے سوا پھر اگر وہ روگردانی کریں (اس سے) تو تم کہہ دو گواہ رہنا (اے اہل کتاب) کہ ہم مسلمان ہیں''۔

1۔المستدرک 594،593/2

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ: یہ خطاب یہود، نصاریٰ اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو ہے۔ کلمہ کا اطلاق جملہ مفیدہ پر بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہاں کلمہ بول کر جملہ مراد لیا گیا ہے۔ اور پھر اس کی صفت (سواء) کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ یعنی اے اہل کتاب اس کلمہ (بات) کی طرف آؤ جو عدل و انصاف والی ہے۔ جس میں ہم اور تم برابر ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کی تفسیر اپنے اس قول کے ساتھ فرمائی۔

اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ: ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ نہ کسی بت کو، نہ کسی صلیب کو، نہ کسی طاغوت کو نہ آگ کو اور نہ ہی کسی اور چیز کو۔ بلکہ تنہا اسی کی عبادت کریں جو وحدہ لاشریک ہے۔ اور یہی دعوت اور پیغام انبیاء کا تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء:25) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے، پس میری عبادت کیا کرو''۔ اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:36) ''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول، (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔ پھر ارشاد فرمایا۔ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ تعالیٰ کے سوا رب نہ بنائے۔ ابن جریر فرماتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں دوسرے کی اطاعت نہ کرے۔ عکرمہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے، ہم ایک دوسرے کو سجدہ نہ کریں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا: اگر یہ عدل و انصاف والی بات اور توحید سے منہ پھیریں اور روگردانی کریں تو تم انہیں مسلمان ہونے پر گواہ بنالو۔ ہم نے شرح بخاری میں اس واقعہ کی تفصیلاً بیان کیا ہے۔ جس میں ابوسفیان کے قیصر روم کے پاس جانے کا ذکر ہے۔ کہ قیصر روم نے ابوسفیان سے رسول اللہ ﷺ کے نسب مبارک، آپ کے اوصاف حمیدہ، حلیہ شریف اور آپ کی دعوت حق کے بارے میں پوچھا۔ ابوسفیان اگرچہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں قیصر روم کے سوالات کا صحیح اور درست جواب دیا۔ اور یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ قیصر روم نے ابوسفیان سے پوچھا تھا کیا وہ بدعہدی بھی کرتے ہیں اس نے کہا نہیں۔ ہمارا ان کے ساتھ معاہدہ ہوا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس کے بارے میں ان کا طرز عمل کیا ہوگا۔ ابوسفیان کہتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں صرف اسی بات کے اضافہ کرنے کا موقع ملا۔ پھر جب قیصر روم نے یہ تمام دریافت کرلیں تو پھر رسول اللہ ﷺ کا خط لایا گیا۔ پھر خط پڑھا گیا جس کی تحریر یہ تھی۔ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ تعالیٰ کے رسول محمد (ﷺ) سے روم کے عظیم بادشاہ ہرقل کی طرف۔ اللہ کی سلامتی ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی راہ کی اتباع کی۔ امابعد۔ تم اسلام قبول کرلو تو تم سلامت رہو گے اور اگر تم اسلام قبول کرو گے تو تمہیں دوہرا اجر دیا جائے گا۔ اور اگر تم نے اسلام سے روگردانی کی تو تم پر تمام رئیسوں کا وبال ہوگا۔ پھر اس کے بعد یہی آیت لکھی ہوئی تھی''۔ ابن اسحاق وغیرہ نے کہا ہے کہ سورۂ آل عمران کی اسی سے زائد ابتدائی آیات اہل نجران کے وفد کے بارے میں نازل ہوئیں۔ امام زہری فرماتے ہیں اہل نجران نے سب سے پہلے جزیہ دیا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جزیئے کی آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہرقل کے خط میں ان آیات کو لکھنے میں اور ابن اسحاق اور امام زہری کے اقوال میں کیسے تطبیق ہوسکتی ہے۔ اس کے کئی ایک جواب دیے گئے ہیں۔ 1۔ ہوسکتا ہے کہ یہ آیت کریمہ دو دفعہ نازل ہوئی ہو۔ ایک دفعہ صلح حدیبیہ سے پہلے اور دوسری مرتبہ فتح مکہ کے بعد۔ 2۔ یہ بھی احتمال ہے کہ سورۂ آل عمران کی ابتدائی آیات اہل نجران کے وفد کے بارے میں نازل ہوئیں اور یہ آیت اس سے پہلے بھی نازل ہو چکی ہو۔ ابن اسحاق کا یہ قول ''اسی سے زائد آیات نازل ہوئیں'' یہ صحیح نہ ہو۔ کیونکہ ابوسفیان کی حدیث اس کے برعکس دلالت کرتی ہے۔ 3۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اہل نجران کا وفد صلح حدیبیہ سے پہلے آیا ہو اور مباہلہ کے وقت جو

کچھ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا منظور کیا وہ جزیہ کے طور پر نہ ہو بلکہ بطور مصالحت دیا ہو۔ اور اسی حکم کے مطابق بعد میں آیت جزیہ نازل ہوگئی ہو۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن جحش نے غزوۂ بدر سے پہلے ایک سریہ میں مال غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ پانچواں حصہ رکھ کر چار حصے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیے۔ پھر اس کے بعد مال غنیمت کو تقسیم کرنے کی آیت اسی کے مطابق نازل ہوئی۔ 4۔ یہ بھی احتمال ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہرقل کو خط لکھنے کا حکم دیا ہو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل نہ ہوئی ہو اور پھر رسول اللہ ﷺ کی موافقت کے لیے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جیسا کہ حجاب، جنگ بدر کے قیدی اور منافقین کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کے بارے میں حضرت عمر کی رائے کے موافق آیات نازل ہوئیں۔ اسی طرح مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے کے بارے میں حضرت عمر کی رائے کی موافقت میں وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى (البقرہ:125)'' اور (انہیں حکم دیا کہ) بنالو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز''۔ نازل ہوئی۔ اسی طرح آیت کریمہ: عَسَىٰ رَبُّهُ إِن طَلَّقَكُنَّ أَن يُبْدِلَهُ...... (التحریم:5) بھی آپ کی رائے کے مطابق نازل ہوئی۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنجِيلُ إِلَّا مِن بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾

''اے اہل کتاب! کیوں جھگڑتے ہو تم ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں حالانکہ نہیں اتاری گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد کیا (اتنا بھی) تم نہیں سمجھ سکتے۔ سنتے ہو! تم وہ لوگ ہو جو جھگڑتے رہے ہو (اب تک) ان باتوں میں جن کا تمہیں کچھ نہ کچھ علم تھا پس (اب) کیوں جھگڑنے لگے ہو ان باتوں میں، نہیں ہے تمہیں جن کا کچھ علم اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ نہ تھے ابراہیم (علیہ السلام) یہودی اور نہ نصرانی بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے مسلمان تھے اور نہ ہی وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے۔ بے شک نزدیک تر لوگ ابراہیم (علیہ السلام) سے وہ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی نیز یہ نبی (کریم) اور جو (اس نبی پر) ایمان لائے اللہ تعالیٰ مددگار ہے مومنوں کا''۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ: یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس دعویٰ کی تردید فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: کہ جب اہل نجران کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہودی علماء بھی وہاں آگئے اور ان سے بحث و تمحیص کرنے لگے۔ یہودی علماء نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ نصرانی کہنے لگے کہ وہ عیسائی تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اے قوم یہود! یہ کیسے دعویٰ کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے حالانکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہونے کے زمانہ سے پہلے تھے، اے گروہ نصاریٰ تم یہ کیسے دعویٰ کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے۔ حالانکہ عیسائیت تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کے بعد کی پیداوار ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا:

هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم: جو شخص بغیر علم کے کسی چیز کے بارے میں جھگڑتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرتا ہے۔ یہود و نصاریٰ

بھی بغیر علم کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں اس فعل پر زجر و توبیخ فرمائی ہے۔ اگر وہ ان دینی احکام میں بحث و تمحیص کرتے جن کا انہیں علم تھا۔ وہ ان کے لیے بہتر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا ہے۔ جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو۔ اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو۔ جو تمام امور کے حقائق سے آگاہ ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا جو اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ تم نہیں جانتے۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی۔ بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ اور مسلمان تھے۔ اور نہ ہی وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے۔ یہ آیت کریمہ سورۂ بقرہ کی اس آیت کریمہ: وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى (البقرہ: 135) کی مثل ہے۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ: حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے نزدیک ترین وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی اور ان کے دین پر کاربند رہے اور یہ نبی حضرت محمد ﷺ اور وہ لوگ ہیں جو آپ پر ایمان لائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی کے لیے دوسرے انبیاء میں سے کوئی دوست اور ولی ہوتا ہے میرا دوست اور ولی میرے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔ اس حدیث کو سعید بن منصور نے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ ترمذی اور بزاز نے روایت کیا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا جو بھی میرے رسولوں پر ایمان لائے۔ میں اس کا دوست اور مددگار رہوں۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

"دل سے چاہتا ہے ایک گروہ اہل کتاب سے کہ کسی طرح گمراہ کر دیں تمہیں اور نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو اور وہ (اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے۔ اے اہل کتاب! کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا حالانکہ تم خود گواہ ہو۔ اے اہل کتاب! کیوں ملاتے ہو حق کو باطل کے ساتھ اور (کیوں) چھپاتے ہو حق کو حالانکہ تم جانتے ہو۔ کہا ایک گروہ نے اہل کتاب سے کہ ایمان لے آؤ اس (کتاب) پر جو اتاری گئی ایمان والوں پر صبح کے وقت اور انکار کر دو اس کا سر شام شاید (اس طرح) وہ (اسلام سے) برگشتہ ہو جائیں۔ (ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں) کہ مت مانو کسی کی بات سوائے ان لوگوں کے جو پیروی کرتے ہیں تمہارے دین کی۔ فرمائیے ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہو (اور یہ بھی نہ ماننا کہ) دیا جا سکتا ہے کسی کو جیسے تمہیں دیا گیا یا کوئی حجت لا سکتا ہے تم پر تمہارے رب کے پاس (اے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) فرما دیجیے کہ فضل (و کرم) تو

اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے"۔

وَدَّتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہودی مسلمانوں سے حسد کرتے ہیں اور انہیں گمراہ کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔ لیکن ان کی ان تمام کوششوں کا وبال انہی پر پڑے گا۔ اور انہیں معلوم بھی نہیں ہوگا۔ اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کارگر ہو چکی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو۔ یعنی ان کے سچا اور حق ہونے کا تمہیں بخوبی علم ہے۔ پھر ارشاد فرماتا ہے اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو۔ یعنی تمہاری کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں ان کو کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم یہ جانتے ہو کہ یہ حق ہیں۔ بلکہ تمہیں ان کے حق ہونے کا یقین ہے۔

وَقَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ: اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا صبح کے وقت اس کتاب پر ایمان لے آؤ جو اہل کتاب پر نازل کی گئی ہے۔ اور سر شام اس کا انکار کر دو۔ شاید اس طرح وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں۔ یہ یہود کی ایک چال تھی کہ انہوں نے ضعیف الایمان لوگوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ وہ صبح کے وقت مسلمان ہو جائیں گے اور مسلمانوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھیں گے۔ اور جب شام ہوگی تو دین اسلام کو چھوڑ کر اپنے مذہب کو اختیار کر لیں گے۔ تاکہ جاہل لوگ یہ سمجھیں کہ انہیں مسلمانوں کے دین میں کوئی نقص اور عیب نظر آیا ہے جس کی وجہ سے اس دین کو چھوڑا ہے۔ اس لیے انہوں نے "لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ" کے الفاظ استعمال کیے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہود کے بارے میں خبر دی ہے کہ انہوں نے صبح کی نماز حضور ﷺ کے ساتھ پڑھی اور شام کو کفر اختیار کر لیا۔ تاکہ لوگوں کو دھوکہ دیں کہ انہوں نے دین اسلام کو کسی نقص اور عیب کی وجہ سے چھوڑا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کے ایک گروہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ جب تم صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے ملو تو ایمان لے آنا اور پھر شام کے وقت اپنے مذہب کے مطابق نماز پڑھنا شاید یہ مسلمان یہ سمجھیں چونکہ یہ لوگ ہم سے زیادہ پڑھے لکھے ہیں اس لیے انہوں نے کسی وجہ سے ہی اسلام چھوڑا ہے۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ: وہ ایک دوسرے کو تاکید کرتے تھے کہ تم صرف اسی کی بات مانو جو تمہارے دین کی پیروی کرتے ہیں۔ یعنی وہ ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ تم کسی پر اعتماد نہ کرو اور جو تمہارے پاس علم ہے اسے صرف انہی لوگوں پر ظاہر کرو جو تمہاری پیروی کرنے والے ہیں۔ اہل اسلام کے لیے اپنے علم کو ظاہر نہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس علم میں مہارت حاصل کر کے وہ تمہارے خلاف استعمال نہ کریں۔

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ: فرمائیے کہ ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے۔ یعنی وہ اللہ ہی ہے جو مومنین کو ان تمام آیات بینات اور قطعی دلائل پر کامل ایمان لانے کی توفیق عطا فرماتا ہے جو اس نے اپنے بندے اور رسول محمد (ﷺ) پر نازل فرمائے۔ اگرچہ اے گروہ یہود! تم نے محمد ﷺ کی ان صفات کو چھپا دیا جو تمہاری آسمانی کتابوں میں تھیں اور جن کو تم نے اپنے انبیاء سے نقل کیا تھا۔

اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ: وہ کہتے تھے یہ بھی نہ ماننا کہ کسی کو تمہارے جیسا علم دیا جا سکتا ہے۔ یا تمہارے رب کے پاس تم پر کوئی حجت لا سکتا ہے۔ یعنی جو علم تمہارے پاس ہے وہ مسلمانوں کے لیے ظاہر نہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو وہ تم سے علم سیکھ کر تمہارے برابر ہو جائیں بلکہ اپنی قوت ایمانی کی وجہ سے وہ تم سے فوقیت لے جائیں گے۔ یا اسی علم کو تمہارے رب کے پاس تمہارے خلاف دلیل بنا لیں گے اس

لیے دنیاوآخرت میں تمہارے لیے نقصان کا باعث ہوگا۔

قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِيَدِ اللّٰهِ: فرمادیجئے فضل وکرم تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہی میں ہے وہ جسے چاہتا ہے عطافرماتا ہے۔یعنی تمام امور اس کے تصرف میں ہیں۔وہی عطا کرتا ہے۔وہی منع کرتا ہے۔اور جسے چاہے اسے اپنے خاص فضل واحسان سے ایمان اور علم کی دولت عطا فرمادیتا ہے۔اور جسے چاہے گمراہ کردیتا ہے۔اسے بصیرت وبصارت دونوں سے محروم کردیتا ہے۔اس کے دل اور کانوں پر مہر لگادیتا ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیتا ہے۔اس کے ہر عمل میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ: اللہ تعالیٰ وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔جسے چاہے اپنی رحمت کے لیے خاص کردیتا ہے اور وہ صاحب فضل عظیم ہے۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنا خصوصی فضل واحسان فرمایا ہے جو حدوحساب سے باہر ہے۔اس نے تمہارے نبی محمد ﷺ کو دوسرے انبیاء پر شرف وفضیلت عطافرمائی۔اور تمہیں وہ شریعت عطافرمائی جو ہر حیثیت سے کامل ترین ہے۔

وَمِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مَنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِقِنۡطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِدِيۡنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَيۡهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَيۡسَ عَلَيۡنَا فِى الۡاُمِّيّٖنَ سَبِيۡلٌ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۝ بَلٰى مَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝

''اور اہل کتاب سے بعض ایسے (دیانتدار) ہیں کہ اگر تو امانت رکھے اس کے پاس ایک ڈھیر (سونے چاندی کا) تو ادا کر دے اسے تمہاری طرف اور ان میں سے بعض وہ بھی ہیں کہ اگر تو امانت رکھے اس کے پاس ایک اشرفی تو واپس نہ کرے گا اسے بھی تیری طرف مگر جب تک تو اس کے سر پر کھڑا رہے اس (بددیانتی) کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے ہم پر ان پڑھوں کے معاملہ میں کوئی گرفت اور یہ لوگ کہتے ہیں اللہ پر جھوٹ حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ہاں کیوں نہیں جس نے پورا کیا اپنا وعدہ اور پرہیزگار بنا تو بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پرہیزگاروں سے''۔

وَمِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مَنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔یہودیوں میں بعض انتہائی خائن ہیں مسلمانوں کو ان سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔اور ان میں بعض امانت دار بھی ہیں۔اگر تم ان کے پاس سونا چاندی کا ڈھیر امانت رکھو وہ تمہیں بعینہ واپس لوٹا دیں گے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر امانت اس سے کم بھی ہو تو وہ بدرجہ اولیٰ واپس کردیں گے۔اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت کے طور پر رکھو تو وہ واپس نہیں کریں۔مگر جب تم ان کے سر پر کھڑے ہو اور اپنی امانت واپس لینے کا سختی سے مطالبہ کرو۔جب ایک دینار میں ان کا یہ وطیرہ ہے تو اس سے زیادہ بدرجہ اولیٰ واپس نہیں کریں گے۔''قنطار'' کے بارے میں تفصیلی بحث اس سورت کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔اور دینار مشہور ومعروف ہے۔حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ دینار کو دینار اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ دین بھی ہے اور نار بھی۔یہ بھی کہا گیا ہے اگر دینار کو حق کے ساتھ لیا جائے تو وہ دین ہے اور اگر ناحق لیا جائے تو یہ نار ہے۔اس جگہ اس حدیث کو ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جسے امام بخاری نے کئی مقامات پر ذکر کیا ہے۔کتاب الکفالہ میں اسے تفصیلاً بیان کیا۔حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بنی اسرائیل کے ایک شخص نے کسی سے ایک ہزار دینار قرض کے طور پر طلب کیا۔اس نے کہا پہلے گواہ لاؤ۔وہ کہنے لگا اللہ ہی ہمارا گواہ کافی ہے۔پھر اس نے کہا کوئی ضامن لاؤ۔اس نے کہا ہمارا ضامن

اللہ ہی کافی ہے۔ اس نے کہا تم سچ کہتے ہو۔ پھر ایک مقررہ مدت کے لیے اسے ہزار دینار دے دیے وہ یہ رقم لے کر تجارت کی غرض سے سمندری سفر پر روانہ ہو گیا۔ وہ اپنی تجارت میں مشغول رہا۔ جب قرض ادا کرنے کا وقت آیا جہاز تلاش کرنے لگا تا کہ مقررہ وقت پر قرض واپس کر سکے۔ اسے کوئی جہاز نہ ملا۔ اس نے ایک لکڑی لی اس کے اندر سوراخ کر کے اس میں ہزار دینار رکھے اور اوپر سے سوراخ بند کر دیا۔ اور یہ لکڑی لے کر سمندر پر آیا۔ اور عرض کی اے باری تعالیٰ! تو جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ہزار دینار قرض لیا تھا۔ اس نے مجھ سے گواہ طلب کیا تھا تو میں نے کہا کہ اللہ ہی گواہ کافی ہے اور پھر اس نے مجھ سے ضامن طلب کیا میں نے اس سے کہا ہمارا ضامن اللہ ہی ہے۔ وہ اس پر راضی ہو گیا تھا۔ اور آج میں نے جہاز کو تلاش کیا تا کہ مقررہ وقت پر اس کا قرض ادا کروں۔ اسے میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے لکڑی کو سمندر میں پھینک دیا۔ جب لکڑی تیرنے لگی تو واپس لوٹ آیا۔ اور جہاز کی تلاش میں رہا۔ تا کہ واپس وطن لوٹ سکے۔ ادھر وہ شخص جس نے قرض دیا تھا وہ ساحل سمندر پر انتظار کر رہا تھا۔ شاید کسی جہاز پر اس کا مال آنے والا ہو۔ اسی اثناء میں اس کی نظر لکڑی پر پڑی جس میں دینار تھے۔ اس نے وہ لکڑی اٹھالی تا کہ گھر میں ایندھن کے کام آئے۔ جب اس نے لکڑی کو چیرا تو اس کے اندر سے ہزار دینار اور ایک خط نکل آیا۔ چند دنوں کے بعد وہ شخص بھی واپس آ گیا جس نے قرض لیا تھا۔ اس نے اسے ہزار روپیہ دیا اور کہا قسم بخدا میں کافی دنوں سے جہاز کی تلاش میں تھا تا کہ مقررہ وقت پر قرض ادا کر سکوں لیکن مجھے جہاز نہ مل سکا۔ اس نے کہا کیا تم نے اس سے پہلے میری طرف کوئی چیز بھیجی تھی۔ اس نے جواب دیا میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ اس سے پہلے مجھے جہاز نہیں ملا تھا۔ اس نے کہا کہ جو تم نے لکڑی میں رقم بھیجی تھی وہ اللہ تعالیٰ نے تیری طرف سے ہم تک پہنچا دی ہے۔ یہ ہزار دینار لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری راہنمائی فرمائے (1)۔ اس واقعہ کو امام احمد بن حنبل نے بھی اپنی مسند میں تفصیلاً ذکر کیا ہے اور اسے امام بزاز نے بھی اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا: اس بد دیانتی اور خیانت کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دین میں ان ان پڑھ لوگوں کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہمارے لیے حلال کر دیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات اپنے پاس سے گھڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سوائے حق کے دوسرے کے مال کو کھانا حرام قرار دیا ہے۔ یہ انتہائی جھوٹی قوم ہے۔ انہیں بہتان باندھنے کی عادت ہے۔ ابو صعصعہ بن یزید فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھا کہ دوران جنگ بعض اوقات ہمیں ذمیوں کی مرغی یا بکری مل جاتی ہے تو آپ نے فرمایا تم اس کا کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم اسے کھا جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اہل کتاب بھی ایسا ہی کہتے تھے۔ ہمیں ان کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ ذمی تمہیں جزیہ ادا کرتے ہیں۔ ان کی رضامندی کے بغیر تمہارے لیے ان کا مال حلال نہیں۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جب اہل کتاب نے کہا کہ امیوں کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ دشمنان خدا جھوٹ بولتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت کی تمام اشیاء میرے قدموں تلے مٹ چکی ہیں سوائے امانت کے۔ جو کہ ہر نیک اور بد کو ادا کرنی پڑے گی۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى: اے اہل کتاب تم میں سے جس نے اپنے وعدہ کو پورا کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے جو تم سے وعدہ لیا ہے کہ محمد ﷺ پر ایمان لانا جب وہ مبعوث ہوں۔ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اور ان کی امتوں سے لیا تھا۔ اور جو تم میں سے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء سے بچتا رہا اور اس کی اطاعت پر کاربند رہا اور اس شریعت پر عمل پیرا رہا جو اس نے خاتم النبیین اور سید الرسل کو عطا فرمائی

1۔ فتح الباری، کتاب الکفالۃ: 468/4

ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔

• اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

''بے شک جو لوگ خریدتے ہیں اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی سی قیمت۔ یہ وہ (بدنصیب) ہیں کہ کچھ حصہ نہیں ان کے لیے آخرت میں اور بات تک نہ کرے گا ان سے اللہ تعالیٰ اور دیکھے گا بھی نہیں ان کی طرف قیامت کے روز اور نہ پاک کرے گا انہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے جو اہل کتاب اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی جھوٹی قسموں کے عوض اس حقیر، فانی اور ختم ہو جانے والی دنیا کا فائدہ حاصل کرتے ہیں انہیں آخرت میں کوئی حصہ نہیں دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے عہد کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے اور اپنی کتابوں میں موجود ان کی صفات کو لوگوں پر ظاہر کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو ان سے بات کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف دیکھے گا۔ یعنی ان کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اور نہ ہی ان پر اپنا فضل واحسان فرمائے گا۔ انہیں ان کے گناہوں سے پاک نہیں فرمائے گا۔ بلکہ انہیں جہنم میں ڈالنے کا حکم دے گا۔ اس آیت کریمہ کے متعلق کچھ احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے چند ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

1۔ حضرت ابوذر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تین قسم کے آدمیوں سے قیامت کے دن نہ گفتگو فرمائے گا، نہ نظر رحمت فرمائے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ یہ تو خائب وخاسر ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے تین دفعہ یہی فرمایا۔ اور پھر جواب دیا: ٹخنوں کے نیچے کپڑا لٹکانے والا، جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا سودا بیچنے والا۔ اور احسان جتلانے والا(1)۔ اس کو امام مسلم اور اصحاب سنن نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کی دوسری سند کے یہ الفاظ ہیں۔ ابوالاحمس فرماتے ہیں میری ملاقات حضرت ابوذر سے ہوئی۔ میں نے انہیں کہا مجھے معلوم ہوا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: میرے متعلق یہ ہرگز گمان نہ کرنا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے حدیث سننے کے بعد آپ کی طرف کوئی جھوٹی چیز منسوب کروں گا۔ بتاؤ تمہارے پاس میری طرف سے کون سی حدیث پہنچی ہے۔ میں نے عرض کی: مجھے آپ کی طرف سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں سے محبت کرتا ہے اور تین قسم کے لوگوں کو مبغوض رکھتا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ہاں میں نے یہ حدیث بیان کی ہے اور حضور ﷺ سے سنی ہے۔ میں نے عرض کی یہ کون لوگ ہیں؟ جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا ایک وہ جو سینہ تان کر دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلتا ہے اور پھر اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتا ہے یا فتح ونصرت سے واپس لوٹتا ہے۔ دوسرا وہ جو کسی قافلہ کے ساتھ نکلے۔ قافلہ رات کے آخری پہر تک سفر پر گامزن رہے اور جب اہل قافلہ تھک کر آرام کرنے کے لیے اپنی سواریوں سے اترتے ہیں تو وہ شخص ایک کونہ میں نماز میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب کوچ کا وقت آتا ہے تو اپنے ساتھیوں کو جگا دیتا ہے۔ تیسرا وہ جسے اس کا پڑوسی اذیت دیتا ہے۔ وہ اس کی اذیتوں پر صبر کرتا ہے۔ یہاں تک کہ موت یا سفر ان کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے۔ پھر میں نے عرض کی وہ کون لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ایک بہت

1۔ مسلم، کتاب الایمان: 102

قسمیں کھانے والا تاجر، دوسرا متکبر فقیر، تیسرا احسان جتانے والا بخیل۔ اس کی سند غریب ہے۔ 2۔ بنو کندہ کے ایک شخص امرؤ القیس بن عامر کا ایک حضرمی کے ساتھ زمین کے معاملہ میں جھگڑا ہو گیا۔ وہ فیصلہ کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرمی سے کہا اپنے گواہ لاؤ۔ اس کے پاس گواہ نہیں تھے۔ تو آپ نے امرؤ القیس سے فرمایا کہ تم قسم اٹھاؤ حضرمی نے عرض کی یا رسول اللہ! رب کعبہ کی قسم! اگر قسم سے فیصلہ ہوا تو یہ میری زمین لے جائے گا۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے مال کے حصول کے لیے جھوٹی قسم کھائی۔ وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر سخت غضبناک ہو گا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ تو امرؤ القیس نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر اسے کوئی چھوڑ دے تو اسے کیا اجر ملے گا۔ تو آپ نے فرمایا اسے اس کے بدلہ میں جنت ملے گی۔ اس نے عرض کی آپ گواہ رہیے میں نے یہ تمام زمین اس کے لیے چھوڑ دی (1)۔

3۔ حضرت عبد اللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان کا مال غصب کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر سخت غضب ناک ہو گا۔ حضرت اشعث فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد میرے بارے میں تھا۔ میری ایک یہودی کے ساتھ زمین میں شراکت تھی۔ اس نے زمین سے میرے حصے کا انکار کر دیا۔ میں نے اسے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے مجھے فرمایا کیا تمہارے پاس گواہ ہیں۔ میں نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! آپ نے یہودی کو قسم اٹھانے کا فرمایا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ قسم اٹھا کر میرا حصہ لے جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعود سے بھی مروی ہے۔ اور وہاں زمین کی جگہ کنواں کے بارے میں جھگڑے کا بیان ہے۔

4۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں سے گفتگو نہیں فرمائے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور نہ ہی انہیں نظر رحمت سے دیکھے گا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں۔؟ فرمایا اپنے والدین سے بیزار اور ان سے روگردانی کرنے والا۔ اپنی اولاد سے بیزار، وہ شخص جس نے کسی پر احسان کیا ہو اور وہ اپنے محسن کا ناشکر گزار بن جائے اور اس سے بیزار ہو جائے۔

5۔ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ فرماتے ہیں ایک آدمی نے اپنا سودا بازار میں لگایا اور جھوٹی قسمیں کھانے لگا تا کہ وہ کسی مسلمان کو اپنے دام فریب میں پھنسائے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

6۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں تین قسم کے لوگوں کے ساتھ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ گفتگو فرمائے گا نہ نظر رحمت سے دیکھے گا۔ اور نہ ہی انہیں گناہوں سے پاک کرے گا اور انہیں دردناک عذاب ہو گا۔ ایک وہ جو اپنا فالتو اور بچا ہوا کھانا اپنے ہم سفر ساتھی کو نہ دے۔ دوسرا وہ، جو عصر کے بعد اپنا سودا بیچنے کے لیے جھوٹی قسم کھائے، تیسرا وہ، جس نے کسی حاکم وقت کے ہاتھ پر بیعت کی اور اگر اس نے مال دیا تو وفا کی اور اگر نہ دیا تو وفا نہ کی۔ (2)

وَ اِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَ یَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ یَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝

"اور بے شک ان میں ایک فریق وہ ہے جو مروڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ تا کہ تم خیال کرنے لگو (ان کی) اس

1۔ مسند امام احمد: 191/4 2۔ مسند امام احمد: 480/2

(الٹ پھیر) کو بھی اصل کتاب سے حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں یہ بھی اللہ کی طرف سے (اترا) ہے حالانکہ وہ نہیں ہے اللہ کے پاس سے اور وہ کہتے ہیں اللہ پر جھوٹ جان بوجھ کر''۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے یہود کے ایک گروہ کا ذکر کیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف وتغییر کرتے ہیں۔ معنی مقصود بیان کرنے میں ہیر پھیر سے کام لیتے ہیں۔ تاکہ سادہ لوح لوگ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر جان بوجھ کر جھوٹ کہتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے۔ مجاہد، شعبی، حسن بصری، قتادہ، ربیع بن انسؓ نے ''یلون'' کا معنی یہ کیا ہے کہ وہ تحریف کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مخلوق میں سے کسی کے بس کی بات نہیں جو اللہ کی کتاب میں ایک لفظ کی بھی کمی وبیشی کر سکے۔ لیکن اس میں تحریف وتغییر کرتے ہیں اور غلط قسم کی تاویلیں کرتے ہیں۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں تورات اور انجیل تو ویسے ہی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نازل فرمائیں۔ لیکن یہ لوگ اس میں تحریف وتاویل کرتے ہیں۔ اور کچھ کتابیں ایسی ہیں جو انہوں نے اپنی طرف سے لکھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں محفوظ ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اگر وہب بن منبہ نے یہ ان کتابوں کے بارے میں کہا ہے جو یہود ونصاریٰ کے پاس ہیں۔ تو ظاہر ہے ان میں تحریف وتغییر اور کمی وبیشی ہوئی ہے۔ اور اگر ان کی مراد حقیقی اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں تو بے شک وہ ہر قسم کی کمی وبیشی سے محفوظ ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب ان کی کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کیا جاتا ہے تو اس میں بعض مقامات پر کمی وبیشی ہو جاتی ہے۔ یا غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

''نہیں ہے مناسب کسی انسان کے لیے کہ (جب) عطا فرمادے اللہ تعالیٰ کتاب اور حکومت اور نبوت تو پھر وہ کہنے لگے لوگوں سے کہ بن جاؤ میرے بندے اللہ کو چھوڑ کر (وہ تو یہ کہے گا کہ) بن جاؤ اللہ والے اس لیے کہ تم دوسروں کو تعلیم دیتے رہتے تھے کتاب کی اور بوجہ اس کے کہ تم خود بھی اسے پڑھتے تھے اور وہ (مقبول بندہ) نہیں حکم دے گا تمہیں اس بات کا کہ بنالو فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا (تم خود سوچو) کیا وہ حکم دے سکتا ہے تمہیں کفر کرنے کا بعد اس کے کہ تم مسلمان بن چکے ہو''

ابن اسحاق فرماتے ہیں جب نجران کا عیسائی وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہود کے علماء بھی آگئے۔ آپ نے عیسائیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ ابورافع قرظی یہودی نے کہا اے محمد (ﷺ)! کیا ہم بھی تیری اسی طرح عبادت کریں جس طرح نصاریٰ (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ بات سن کر نصاریٰ میں سے رئیس نامی شخص کہنے لگا۔ اے محمد! (ﷺ) کیا ہم سے بھی یہی چاہتے ہو۔ ہمیں بھی یہ دعوت دینا چاہتے ہو۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ معاذ اللہ: ہم غیر اللہ کی عبادت کریں اور غیر اللہ کی عبادت کا کسی کو حکم دیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے ساتھ مبعوث نہیں فرمایا اور نہ ہی مجھے اس کا حکم ملا ہے۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ

نازل ہوئی۔ یعنی کسی انسان کے لیے مناسب نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اسے کتاب، نبوت، اور حکمت عطا فرمائے تو وہ لوگوں کو کہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ جب یہ قول ایک نبی مرسل کے لیے مناسب نہیں تو ایک عام انسان کے لیے بدرجہ اولیٰ غیر مناسب اور ناموزوں ہوں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کسی مومن کے لیے مناسب نہیں کہ لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم دے۔ وہ فرماتے ہیں اہل کتاب ایک دوسرے کی عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے علماء اور راہبوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ:31)'' انہوں نے بنالیا اپنے پادریوں اور راہبوں کو (اپنے) پروردگار اللہ کو چھوڑ کر''۔ حضرت عدی بن حاتم نے عرض کی یا رسول اللہ! (ﷺ) وہ لوگ ان کی پوجا تو نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ راہب اور پادری لوگوں پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کو دیا کرتے تھے۔ اور لوگ ان کی اتباع کیا کرتے تھے اور یہی ان کی عبادت تھی۔ جاہل پادری، راہب اور جعلی پیر اس مذمت اور زجر و توبیخ میں داخل ہیں۔ بخلاف انبیاء اور رسل اور ان کے متبعین علمائے عاملین کے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو پیغام دیتے ہیں اور جن چیزوں سے انہوں نے روکا ہے اس سے روکتے ہیں۔ انبیاء و رسل اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان سفیر ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کی امانت کو اس کی مخلوق تک پہنچاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اس فریضہ کو بڑے احسن طریقہ سے ادا کیا۔ مخلوق کو وعظ و نصیحت کی اور ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچادیا۔

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ: لیکن رسول تو لوگوں کو یہ کہتے ہیں کہ تم اللہ والے بن جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابو رزین وغیرھم فرماتے ہیں کہ ربانیین سے مراد بردبار علماء اور حکماء ہیں۔ حضرت حسن بصری اور بعض دوسرے بزرگ فرماتے ہیں اس سے مراد فقہاء ہیں۔ سعید بن جبیر، قتادہ، عطا خراسانی اور عطیہ عوفی، ربیع بن انس اور ایک قول کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد عابد زاہد اور متقی لوگ ہیں۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ قرآن پاک پڑھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ فقیہ ہو۔ وہ فرماتے ہیں ''تُعَلِّمُوْنَ'' بھی پڑھا گیا ہے۔ اس کا معنی تعلیم دینا ہے۔ ''تَدْرُسُ'' کا معنی اس کے الفاظ کو یاد کرنا ہے۔

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ: اور نہ ہی وہ حکم دیتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کرو خواہ وہ نبی مرسل ہو یا کوئی مقرب فرشتہ۔

اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ: یہ کام تو وہی کرسکتا ہے جو غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دے اور جو غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دے وہ کافر ہے۔ اور انبیاء علیہ السلام صرف وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے تھے اور اسی کی دعوت دیتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء:25) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول، مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بے شک نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے، پس میری عبادت کیا کرو''۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ''وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ'' (النحل:36)'' اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم کرے) عبادت کیا کرو اللہ کیا اور دور رہو طاغوت سے''۔ اللہ نے فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِيْنَ (الانبیاء:29)'' اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا تو ہم اسے سزا دیں گے جہنم کی۔ یونہی ہم سزا دیا کرتے ہیں ہم ظالموں کو''۔

1۔ مسند احمد: 49/1

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

''اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی (اس کے بعد) فرمایا کیا تم نے اقرار کرلیا اور اٹھالیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا (اللہ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں پھر جو کوئی پھرے اس (پختہ عہد) کے بعد تو وہی لوگ فاسق ہیں''۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اس نے حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک تمام انبیاء سے وعدہ لیا ہے کہ جب ان میں سے کسی ایک کو اللہ تعالیٰ کتاب اور حکمت عطا کرے اور وہ بلند مقام ومرتبہ پر پہنچ جائے تو جب اس کے زمانہ میں وہ رسول آجائے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے اور اس کی مدد کرے۔ اس کا اپنا مقام ومرتبہ اور علم نبوت اس رسول کی اتباع کرنے میں حائل نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں سے یہ وعدہ لینے کے بعد ارشاد فرمایا کیا تم نے اقرار کرلیا اور میرا بھاری ذمہ اٹھالیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس، مجاہد، ربیع بن انس اور سدی فرماتے ہیں کہ ''اصری'' سے مراد عہد ہے۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں اس سے مراد وہ بوجھ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پختہ میثاق اور مضبوط عہد کی وجہ سے اٹھایا۔ انبیاء کرام نے اس کے جواب میں عرض کیا ہم نے اقرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم سب گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ پھر جو کوئی اس پختہ عہد کے بعد پھرے گا وہ فاسق ہوگا۔ حضرت علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی نبی کو مبعوث فرمایا اس سے یہ پختہ وعدہ لیا کہ اگر میں نے محمد ﷺ کو تمہاری زندگی میں مبعوث کر دیا تو تم اس پر ضرور ایمان لانا۔ اور اپنی امت سے بھی وعدہ لے لینا اگر تمہاری زندگی میں اللہ تعالیٰ نے محمد (ﷺ) کو مبعوث فرمایا تو ان پر ضرور ایمان لانا اور ان کی معاونت بھی کرنا۔ حضرات طاؤس، حسن بصری اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے ایک دوسرے کی تصدیق کرنے کا عہد لیا ہے اور یہ حضرت علی اور عبداللہ بن عباس کے قول کے منافی نہیں۔ بلکہ یہ اس کو مستلزم اور اس کا مقتضی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طاؤس کے صاحبزادے نے ان سے حضرت علی اور عبداللہ بن عباس کے قول کی مثل روایت کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن ثابت روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ میں نے اپنے ایک یہودی دوست کو کہا تھا کہ وہ مجھے تورات کی کچھ جوامع الکلم لکھ کر دے۔ اس نے مجھے لکھ کر دیا ہے۔ کیا میں آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ یہ سن کر حضور ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ یہ دیکھ کر میں نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ دیکھتے نہیں کہ حضور ﷺ کا چہرہ سرخ ہوگیا ہے۔ اس پر حضرت عمر نے عرض کی کہ میں اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے، اسلام کے دین حق ہونے اور محمد ﷺ کے رسول برحق ہونے پر راضی ہوں۔ اس سے نبی کریم ﷺ کا غصہ فرو ہوگیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر موسیٰ تم میں

آ جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ تمام امتوں میں سے تم میرے حصے میں آئے ہو اور میں تمام انبیاء میں سے تمہارے حصے میں آیا ہوں (1)۔ حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھو وہ خود گمراہ ہیں تمہیں کیسے ہدایت دے سکتے ہیں۔ بلکہ یہ ممکن ہے تم ان کی باتوں میں کسی باطل کی تصدیق کر دو یا حق کی تکذیب کر بیٹھو۔ قسم بخدا اگر آج موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری اتباع کے سوا کچھ جائز نہیں ہوتا۔ ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں اگر (موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام) زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے رسول خاتم النبیین ہیں اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ وہی امام الانبیاء ہیں۔ اگر آپ کسی بھی نبی کے زمانہ میں تشریف لاتے تو آپ واجب الاطاعت اور مقدم ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب معراج کی رات تمام انبیاء کرام بیت المقدس میں جمع ہوئے تو آپ نے ان کی امامت فرمائی۔ آپ ہی محشر میں شفیع المذنبین ہوں گے۔ اور اس مقام محمود پر فائز ہوں گے جو آپ کے لیے ہی خاص ہے۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے اولوالعزم انبیاء و رسل کو بھی اس مقام تک رسائی حاصل نہ ہوگی۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰي وَعِيْسٰي وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

''کیا اللہ کے دین کے سوا (کوئی اور دین) تلاش کرتے ہیں حالانکہ اسی کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ خوشی سے یا مجبوری سے اور اسی کی طرف وہ (سب) لوٹائے جائیں گے۔ آپ فرمائیے ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا ہم پر اور جو اتارا گیا ابراہیم (علیہ السلام)، اسمٰعیل (علیہ السلام)، اسحٰق (علیہ السلام)، یعقوب (علیہ السلام) اور ان کے بیٹوں پر اور جو کچھ دیا گیا موسیٰ (علیہ السلام)، عیسیٰ (علیہ السلام) اور (دوسرے) انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے نہیں فرق کرتے ہم کسی کے درمیان اُن میں سے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ اور جو تلاش کرے گا اسلام کے بغیر کوئی (اور) دین تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس سے اور وہ قیامت کو زیاں کاروں میں سے ہوگا''۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر تعجب اور ناپسندیدگی کا اظہار فرماتا ہے جو دین الٰہی کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ وہ اس دین سے روگردانی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں کے ذریعہ نازل فرمایا اور اس کی اشاعت کے لیے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ اس دین کا بنیادی اور اہم فریضہ اس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے جو وحدہ لاشریک ہے۔ جس کے سامنے زمین و آسمان کی ہر مخلوق طوعاً و کرھاً، چارونا چار اپنی گردن جھکائے ہوئے ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا (الرعد: 15) ''اور اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے۔ بعض خوشی سے اور بعض مجبوراً''۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰي مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ

1۔ مسند احمد: 266,265/4

دٰخِرُوْنَ (النحل:48) ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا ان اشیاء کی طرف جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔) تمام کہ بدلتے رہتے ہیں ان کے سائے دائیں سے (بائیں طرف) سجدہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اس حال میں کہ وہ اظہار عجز کر رہے ہیں''۔ مسلمان تو اپنے ظاہر اور باطن سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی عاجزی کا اظہار کر رہا ہے۔ اور کافر مجبوراً اللہ کے سامنے عاجز ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سرتابی نہیں کر سکتا۔ اس آیت کی تفسیر میں کچھ احادیث وارد ہوئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آسمانوں میں تو فرشتے ہیں اور زمین میں اللہ کی ہر رضا و رغبت اطاعت کرنے والے فرزندان اسلام ہیں۔ اور ''کَرْهًا'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو میدان جنگ میں مسلمانوں کی قید میں آئے انہیں زنجیروں اور طوقوں میں جکڑ کر جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ حالانکہ وہ اس کو ناپسند کریں گے اور صحیح حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں کہ آپ کا رب تعجب فرماتا ہے ان لوگوں پر جن کو زنجیروں میں جکڑ کر جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ اس حدیث کی ایک اور بھی سند ہے۔ لیکن اس آیت کا وہی معنی زیادہ بہتر ہے جو پہلے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت وکیع اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی مثل ہے: وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزمر:39) ''اور اگر دریافت کریں ان سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے اللہ نے''۔ حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب اس نے روز ازل میں ان سب سے عہد لیا تھا۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے اسی کی طرف انہیں لوٹایا جائے گا۔ یعنی قیامت کے دن سب اسی کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ عطا فرمائے گا۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا۔ ''وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا'' سے مراد قرآن ہے اور (الْاَسْبَاطِ) سے مراد بنو اسرائیل کے وہ بارہ قبائل ہیں جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل میں سے تھے۔ اور وَمَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى سے مراد تورات اور انجیل ہیں۔ وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ تمام انبیاء کو شامل ہے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے یعنی تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ امت محمدیہ کے مومن، تمام انبیاء اور تمام آسمانی کتب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کا انکار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں اور اس کے تمام فرستادہ رسولوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا: جو دین اسلام کو چھوڑ کر کسی اور دین کو تلاش کرے گا تو اس سے یہ قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ قیامت کے دن نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہماری شریعت کے خلاف ہو وہ رد کر دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن تمام اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش کیے جائیں گے۔ نماز کہے گی یا باری تعالیٰ! میں نماز ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اچھی چیز ہے۔ پھر صدقہ حاضر ہو کر عرض کرے گا میں صدقہ ہوں۔ پھر روزے اور دیگر تمام اعمال حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہی عرض کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے جواب میں یہی ارشاد فرمائے گا۔ پھر آخر میں اسلام آئے گا اور عرض کرے گا اے پروردگار! تو سلام ہے اور میں اسلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا آج میں تیرے باعث مواخذہ کروں گا اور تیری ہی وجہ سے لوگوں کو انعام دوں گا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی(1)۔ اس حدیث کو صرف امام احمد نے ہی روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث کے راوی حسن کا حضرت ابو ہریرہ سے سماع ثابت نہیں۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْۤا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ

1۔ مسند امام احمد: 362/2

الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''کیسے ہوسکتا ہے کہ ہدایت دے اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ایمان لے آنے کے بعد اور (وہ پہلے خود) گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچا ہے اور آ چکی تھیں ان کے پاس کھلی نشانیاں، اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔ ایسوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر پھٹکار پڑتی رہے اللہ کی فرشتوں کی اور سب انسانوں کی۔ ہمیشہ رہیں اسی پھٹکار میں نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے (سچے دل سے) توبہ کر لی اس کے بعد اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (انہیں بخش دے گا)''۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں ایک انصاری پہلے مسلمان ہوا۔ پھر مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا۔ پھر شرمندہ ہو کر اپنی قوم کو پیغام بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرو کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس کی قوم نے اس کی طرف پیغام بھیجا تو وہ آ کر مسلمان ہوگیا۔ اس حدیث کو ابن جریر، نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ حارث ابن سوید مسلمان ہوا۔ پھر مرتد ہوگیا۔ پھر جب وہ اپنی قوم کی طرف آیا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس کی قوم کے ایک شخص نے اسے یہ آیات پڑھ کر سنائیں تو اس حارث نے کہا قسم بخدا مجھے معلوم ہوتا ہے؟ تم سچے ہو اور رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ سچے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اور بہترین طریقہ سے اسلام پر کار بند رہے۔ (بینات) سے مراد وہ دلائل اور براہین قاطعہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے صدق پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن وہ لوگ ان واضح دلائل کے باوجود کفر وشرک کی تاریکی کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ ہدایت کے کیسے مستحق ہوسکتے ہیں کیونکہ انہوں نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو اندھا کر لیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ: ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر پھٹکار پڑتی رہے گی اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور اس کی مخلوق کی اور وہ ہمیشہ اسی پھٹکار میں رہیں گے۔ نہ تو ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ: مگر وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد سچے دل سے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔ وہ انہیں بخش دے گا اور یہ اللہ کی اپنی مخلوق پر خاص مہربانی اور فضل واحسان ہے کہ جو بھی سچے دل سے اس کی بارگاہ میں رجوع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُھُمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الضَّاۗلُّوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

''یقیناوہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے چلے گئے کفر میں ہرگز نہ قبول کی جائے گی ان کی توبہ اور یہی لوگ ہیں جو گمراہ ہیں جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے کفر ہی کی حالت میں تو ہرگز نہ قبول کیا جائے گا ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا اگر چہ وہ (اپنی نجات کے لیے) عوضانہ دے اتنا سونا ایسے لوگوں کے لیے عذاب ہے دردناک اور نہیں ہے ان کا کوئی مددگار''۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ: وہ لوگ جو ایمان کے بعد کفر کو اختیار کرتے ہیں اور پھر اس کفر میں بڑھتے چلے جاتے ہیں حتی کہ اسی کفر پر ان کی موت واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو زجر و توبیخ کرتے اور دھمکی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ موت کے وقت ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ایک مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ (النساء:8)'' اور نہیں ہے یہ توبہ (جس کے قبول کرنے کا وعدہ ہے) ان لوگوں کے لیے جو کرتے رہتے ہیں برائیاں (ساری عمر) یہاں تک کہ جب آ جائے کسی ایک کو ان میں سے موت، تو کہے بے شک میں توبہ کرتا ہوں اب''۔ اور یہاں ارشاد فرمایا کہ ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور یہی لوگ گمراہ ہیں۔ یعنی صراط مستقیم کو چھوڑ کر گمراہی کے راستہ کو اختیار کرنے والے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ مسلمان ہوئے پھر مرتد ہو گئے۔ پھر مسلمان ہوئے اور دوبارہ مرتد ہو گئے۔ انہوں نے اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کیا ان کی اب بھی توبہ قبول ہوگی۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا: یعنی جو شخص کفر کی حالت میں مر گیا۔ اس کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوگی۔ اگر چہ وہ اپنے گمان کے مطابق زمین بھر سونا خرچ کر دے۔ رسول اللہ ﷺ سے عبداللہ بن جدعان کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ مہمان نوازی کرتا تھا، غلاموں کو آزاد کرتا اور مساکین کو کھانا کھلاتا تھا۔ تو کیا اسے اس کا کوئی فائدہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے زندگی بھر ایک دفعہ بھی نہیں کہا اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف کر دے۔ اسی طرح اگر وہ زمین بھر سونا بھی خرچ کر دیتا تو اسے قبول نہ کیا جاتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ (البقرہ:48)'' اور نہ قبول کیا جائے گا اس سے مالی تاوان اور نہ نفع دے گی اسے کوئی سفارش''۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ (ابراہیم:31)'' اس سے پیشتر کہ آ جائے وہ دن جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی''۔ ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (المائدہ:36)'' بے شک وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا اگر انہی کی ملکیت میں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تاکہ بطور فدیہ دیں اسے (اور نجات پائیں) عذاب سے روز قیامت نہ قبول کیا جائے گا ان سے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا''۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا، وَّلَوِ افْتَدٰی بِهٖ میں واؤ عاطفہ ہے جو مغایرت پر دلالت کرتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ واؤ زائدہ ہے لیکن جو تفسیر اس کی ہم نے ذکر کی ہے وہی زیادہ بہتر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے عذاب سے اسے کوئی چیز نہیں بچا سکے گی۔ اگر چہ وہ زمین بھر سونا خرچ کر دے۔ خواہ زمین کے پہاڑوں، ٹیلوں، مٹی، ریت، میدانوں، خشکی و تری کے برابر سونا خرچ کر دے، حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن اہل جہنم میں سے ایک شخص کو کہا جائے گا۔ بتاؤ اگر روئے زمین کی ہر چیز تمہاری ملکیت ہو تو کیا تم اپنی جان بخشی کے لیے اسے فدیہ کے طور پر دے دو گے وہ کہے گا ہاں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا میں نے تو تجھ سے معمولی چیز کا مطالبہ کیا تھا لیکن تم نے اسے پورا نہ کیا جب تو اپنے باپ آدم کی پشت میں تھا۔ اس وقت میں نے تجھ سے عہد لیا تھا کہ

میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ لیکن تم نے اس وعدہ کو پورا نہ کیا اور غیر کو میرے ساتھ شریک ٹھہراتا رہا(1)۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ قیامت کے دن ایک جنتی کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اے ابن آدم! جنت کو تو نے کیسا پایا۔ وہ عرض کرے گا اے پروردگار! میری یہ بہترین منزل ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اگر تمہارے دل میں کوئی تمنا ہو تو بیان کرو۔ وہ عرض کرے گا یا باری تعالیٰ میری ایک ہی تمنا ہے کہ تو مجھے دنیا میں واپس بھیج دے اور میں تیری راہ میں بار بار قتل کیا جاؤں۔ وہ یہ بات اس لیے کہے گا کیونکہ وہ شہادت کی قدر و منزلت کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کر چکا ہے۔ پھر ایک جہنمی کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا اے ابن آدم! تو نے اپنا ٹھکانہ کیسا پایا وہ عرض کرے گا بڑا برا ٹھکانہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کیا تو زمین بھر سونا فدیہ دے کر اپنی جان چھڑانا چاہتا ہے وہ عرض کرے گا ہاں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا تو جھوٹا ہے، جھوٹ بولتا ہے۔ میں نے تو تجھ سے اس سے معمولی چیز کا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن تو نے اسے سرانجام نہ دیا۔ پھر اس کو واپس جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔ یعنی کوئی ان کو اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکے گا اور نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کے دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۹۲﴾

"ہرگز نہ پا سکو گے تم کامل نیکی (کا رتبہ) جب تک نہ خرچ کرو (راہ خدا میں) ان چیزوں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے"۔

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ: حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ یہاں "اَلۡبِرَّ" سے مراد جنت ہے۔ یعنی تم جنت کو ہرگز نہیں پا سکو گے جب تک راہ خدا میں ان چیزوں کو خرچ نہ کرو جن چیزوں کو تم پسند کرتے ہو۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ انصاری انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ اور بئر حاء نامی باغ انہیں بہت پسند تھا۔ اور یہ باغ مسجد نبوی کے بالکل مقابل ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس باغ میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور اس کنواں کا میٹھا اور عمدہ پانی پیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو ابوطلحہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے: لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا...... اور میرا سب سے زیادہ محبوب مال یہی بئر حاء ہے۔ میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ اور اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا امیدوار ہوں۔ لہٰذا آپ جیسے مناسب سمجھیں اسے تقسیم فرما دیں۔ نبی کریم ﷺ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا یہی نفع مند مال ہے۔ یہی نفع مند مال ہے۔ پھر فرمایا میرا خیال ہے تم اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کرو۔ ابوطلحہ نے عرض کی ٹھیک یا رسول اللہ! جیسے آپ کا حکم۔ پھر آپ نے اپنے قریبی رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا(2)۔ حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ! خیبر میں میری زمین کا ایک ٹکڑا مجھے بہت عزیز اور محبوب ہے اس کے بارے میں مجھے کوئی حکم فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اصل زمین اپنے قبضہ میں رکھو اور اس کی پیداوار کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دو(3)۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ تلاوت کرتے ہوئے میں جب اس آیت کریمہ پر پہنچا تو میں نے اس تمام مال میں غور و فکر کیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا تھا تو مجھے رومی کنیز سے زیادہ کوئی محبوب چیز نظر نہ آئی۔ لہٰذا میں نے اسے خدا کی راہ میں آزاد کر دیا۔ اور میرے دل میں اس کی اتنی محبت ہے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں دی ہوئی کسی چیز کو واپس لے سکتا تو اس کنیز سے ضرور نکاح کر لیتا۔

1۔ مسند احمد: 127/3   2۔ مسند احمد: 141/3   3۔ فتح الباری، کتاب الشروط: 354/5

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ
تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿93﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى
اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿94﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ
اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿95﴾

''سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کے لیے مگر وہ جسے حرام کیا اسرائیل نے اپنے آپ پر اس سے پہلے کہ نازل کی گئی تورات آپ فرماؤ لاؤ تورات پھر پڑھو اسے اگر تم سچے ہو۔ پس جو بہتان لگاتا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اس کے بعد تو وہی ظالم ہیں۔ آپ کہہ دیجئے سچ فرمایا ہے اللہ نے پس پیروی کرو تم ملت ابراہیم کی جو ہر باطل سے الگ تھلگ تھے اور (بالکل) نہ تھے وہ شرک کرنے والوں سے''۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں ایک دفعہ یہودیوں کا ایک گروہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا ہم آپ سے کچھ ایسی باتیں پوچھیں گے جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا جو چاہو پوچھو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر میرے ساتھ وہی عہد کرو جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے لیا تھا کہ اگر میں نے تمہارے سوالات کے جوابات دے دیئے تو تم مسلمان ہو کر میری اتباع کرو گے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہم وعدہ کرتے ہیں۔ پھر کہنے لگے ہمیں چار اشیاء کے بارے میں بتایئے۔ 1۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کونسا کھانا اپنے اوپر حرام فرمایا۔ 2۔ مرد اور عورت کا پانی (منی) کیسا ہوتا ہے۔ اور پھر کبھی اس پانی سے لڑکا پیدا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ 3۔ امی نبی کی نیند کیسی ہوتی ہے؟ 4۔ فرشتوں میں سے کونسا فرشتہ معاون و مددگار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سوال سن کر ان سے ایک مرتبہ پھر پکا وعدہ لیا کہ اگر میں نے تمہارے ان سوالات کا جواب دے دیا تو تم ضرور میری اتباع کرو گے۔ پھر آپ نے فرمایا میں تمہیں اس رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سخت بیمار ہو گئے تھے۔ ان کی یہ بیماری طوالت اختیار کر گئی آپ نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی تو اپنے کھانے پینے میں سے سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ چیز چھوڑ دوں گا۔ کھانے میں سب سے زیادہ آپ کی پسندیدہ چیز اونٹ کا گوشت اور پینے میں سب سے زیادہ اونٹنی کا دودھ تھی۔ انہوں نے بیک زبان ہو کر کہا ہاں ہم جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا میں تمہیں واسطہ دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کا جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی۔ پھر فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے مرد کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی زردی مائل اور پتلا ہوتا ہے۔ ان دونوں میں سے جو پانی غالب آ جائے بچہ بحکم الٰہی اس کے مشابہ ہوتا ہے۔ اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جائے تو لڑکا اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ درست فرماتے ہیں۔ آپ نے عرض کی اے اللہ گواہ رہنا۔ پھر آپ نے فرمایا میں تمہیں واسطہ دیتا ہوں خدا جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی۔ کیا تم جانتے ہو کہ اس امی نبی کی آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ انہوں نے بیک زبان ہو کر کہا جی ہاں۔ آپ نے عرض کی یا باری تعالیٰ گواہ رہنا۔ پھر آپ نے فرمایا میرا معاون و مددگار فرشتہ جبرئیل ہے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کا معاون و مددگار جبرئیل کو بنایا ہے۔ یعنی وہی ہر نبی (علیہ السلام) پر وحی لے کر آتا ہے۔ اس پر وہ کہنے لگے ہم آپ کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے۔ (حضرت) جبرئیل کے علاوہ کوئی دوسرا فرشتہ آپ کا معاون و

مدد گار رہوتا تو ہم آپ کی اتباع کرتے۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرہ:97) ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے پانچ سوال پوچھے۔ پانچواں سوال یہ پوچھا کہ یہ رعد (بجلی کی کڑک) کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک آگ کا کوڑا ہے۔ وہ اس کوڑے کے ساتھ جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو بادلوں کو ہانک کر لے جاتا ہے۔ انہوں نے پوچھا یہ آواز کیسی ہے جو ہم بادلوں میں سنتے ہیں آپ نے فرمایا یہ بھی فرشتے کی آواز ہے۔ اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کا مرض تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نام سن کر کہنے لگے۔ وہ جنگ و جدال کرانے اور عذاب نازل کرنے والا فرشتہ ہے اور ہمارا دشمن ہے۔ اگر اللہ کی رحمت، بارش اور روزی دینے والے فرشتے میکائیل کا نام لیتے تو ہم آپ کی اتباع کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی تکلیف لاحق ہوئی۔ جس کی پریشانی سے آپ سو نہیں سکتے تھے۔ دن کو یہ درد دور ہو جاتا۔ آپ نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی تو وہ اونٹ کا گوشت نہیں کھائیں گے۔ ابن جریر فرماتے ہیں آپ کی اولاد بھی آپ کی اتباع میں اونٹ کے گوشت سے پرہیز کرتی رہی۔ یہ واقعہ تورات نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس آیت کریمہ کی سابقہ آیت سے ایک مناسبت یہ ہے کہ جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے نذر مان کر اپنی محبوب ترین چیز کو چھوڑ دیا تھا۔ اور یہ ان کی شریعت میں جائز تھا۔ اسی طرح تم بھی اپنی پسندیدہ اور محبوب چیز اللہ کی راہ میں قربان کر دو اگرچہ اسے اپنے اوپر حرام کرنا تمہارے لیے جائز نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ (البقرہ:177) ''اور دے اپنا مال اللہ کی محبت میں۔'' ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ (الدہر:8) ''اور جو کھانا کھلاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت میں''۔ اور دوسری مناسبت یہ ہے کہ سابقہ آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نصاریٰ کے باطل عقائد کا بطلان اور رد تھا۔ وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ علیہ السلام کے بارے میں تفصیلی بیان تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ذکر کیا کہ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو کیسے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ بغیر باپ کے پیدا کیا اور انہیں بنی اسرائیل کی طرف دعوت و تبلیغ کے لیے بھیجا۔ اور یہاں یہود کے عقائد باطلہ کا رد ہو رہا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ وہ جس نسخ کے جواز کا انکار کرتے ہیں وہ ان کی اپنی کتاب تورات میں واقع ہوا ہے۔ تورات میں یہ واضح طور پر موجود ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے باہر نکلے ان کے لیے تمام جانوروں کا کھانا حلال تھا۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام کر لیا۔ پھر آپ کی اولاد بھی آپ کی اتباع میں اسے حرام سمجھتی رہی۔ پھر تورات میں اس کی حرمت نازل ہوئی۔ اس کے علاوہ کچھ دوسری چیزیں حرام کر دی گئی تھیں۔ نسخ اسی کو کہتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی اولاد میں بہن بھائیوں کا آپس میں نکاح جائز تھا اس کے بعد یہ حرام کر دیا گیا۔ اپنی بیوی پر لونڈی لانا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں مباح تھا۔ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سائرہ پر حضرت ہاجرہ کو نکاح میں لائے۔ اور پھر تورات میں یہ حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرنا بھی جائز تھا۔ کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں دو سگی بہنیں تھیں پھر تورات میں اس کی حرمت نازل ہوئی۔ یہ سب کچھ ان کی کتاب تورات میں موجود ہے۔ اور اسی کو نسخ کہتے ہیں۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ان بعض چیزوں کو حلال کر دیا جو تورات میں حرام تھیں تو اب یہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت اور تکذیب کیوں کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو جس دین متین اور صراط مستقیم کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ...... '' ترجمہ: یعنی نزول تورات سے پہلے بنی اسرائیل پر تمام کھانے حلال تھے۔ سوائے ان دو چیزوں

کے جن کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کیا تھا۔ پھر فرمایا تورات لے آؤ اور اسے پڑھ کر سناؤ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو کیونکہ تورات میں وہی کچھ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ پس جو اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر افترا باندھے گا یعنی یہ دعویٰ کرے گا کہ ان کے لیے ہفتہ کا دن مشروع کیا گیا ہے اور ان پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تورات پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا اور یہی لوگ ظالم ہیں۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ: اے محبوب فرما دیجئے اللہ تعالیٰ نے جو یہ تمام خبریں دی ہیں اور قرآن کے جو احکام نازل کیے ہیں اس میں وہ سچا ہے۔ پس تم اس دین ابراہیمی کی اتباع کرو۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر قرآن کی صورت میں نازل فرمایا۔ یہی وہ دین حق ہے جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور یہی وہ شریعت ہے کہ جس سے کامل اور واضح ترین شریعت کوئی نبی نہیں لے کر آیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (انعام: 161) ''آپ فرمایئے مجھے پہنچا دیا ہے میرے رب نے سیدھی راہ تک۔ یعنی دین مستحکم (جو) ملت ابراہیم ہے جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے۔ اور نہیں تھے وہ مشرکوں سے'' دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (النحل: 123) ''اور ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب) آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملت ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا''۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ۬ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾

''بے شک پہلا (عبادت) خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہی ہے جو مکہ میں ہے بڑا برکت والا ہدایت (کا سرچشمہ) ہے سب جہانوں کے لیے۔ اس میں روشن نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے اور جو بھی داخل ہوا اس میں ہو جاتا ہے (ہر خطرہ سے) محفوظ اور اللہ کے لیے فرض ہے لوگوں پر حج اس گھر کا جو طاقت رکھتا ہو وہاں تک پہنچنے کی اور جو شخص (اس کے باوجود) انکار کرے تو بے شک اللہ بے نیاز ہے سارے جہان سے''۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس گھر کے بارے میں بیان کیا ہے جس کو سب سے پہلے عام لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا۔ تاکہ لوگ اس کا طواف کریں۔ وہاں نمازیں پڑھیں۔ اعتکاف کریں اور یہ گھر مکہ میں ہے یعنی وہ کعبہ شریف جس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعمیر کیا اور لوگوں کو حج کے لیے پکارا۔ تعجب تو ان یہود و نصاریٰ پر ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین اور آپ کے طریقہ کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس بیت اللہ کا حج نہیں کرتے جو انہوں نے تعمیر کیا تھا۔ یہ گھر بڑا بابرکت ہے اور تمام جہانوں کی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ حضرت ابوذر فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! سب سے پہلے کونسی مسجد تعمیر کی گئی آپ نے فرمایا مسجد حرام۔ میں نے عرض کی پھر اس کے بعد فرمایا مسجد اقصیٰ میں نے عرض کی۔ ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنی مدت ہے؟ فرمایا۔ چالیس سال۔ میں نے پھر عرض کی اس کے بعد پھر کونسی مسجد تعمیر کی گئی۔ آپ نے فرمایا جہاں بھی نماز کا وقت

ہو پڑھ لیا کرو تمام زمین مسجد ہے(1)۔ اس کو بخاری و مسلم نے دوسری اسناد سے روایت کیا ہے۔ حضرت علی اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں گھر تو پہلے بھی بہت تھے لیکن یہ وہ پہلا گھر ہے جو خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا۔ ایک شخص نے عرض کی کیا یہ زمین پر سب سے پہلا تعمیر کیا جانے والا گھر ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ لیکن وہ پہلا گھر ہے جو بڑا با برکت ہے۔ اسی میں مقام ابراہیم ہے۔ اس میں داخل ہونے والا امن میں ہو جاتا ہے۔ بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تفصیل ہم نے سورۂ بقرہ کی ابتداء میں ذکر کر دی ہے۔ اس لیے یہاں اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ سدی فرماتے ہیں روئے زمین پر سب سے پہلے یہی گھر تعمیر ہوا۔ لیکن حضرت علی کا قول ہی صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حضرت آدم اور حوا کی طرف کعبہ شریف کی تعمیر کا حکم دے کر بھیجا۔ آدم علیہ السلام نے اس کو تعمیر کیا پھر آپ کو اس کے طواف کا حکم دیا گیا اور یہ ندا آئی اے آدم! تم سب سے پہلے انسان ہو اور یہ سب سے پہلا گھر ہے۔ اس کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔ یہ روایت ابن لہیعہ کے مفردات میں سے ہے اور وہ ضعیف ہے۔ ممکن یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ کا اپنا قول ہو اور آپ نے اہل کتاب کی ان کتب سے پڑھا ہو جو آپ کو جنگ یرموک کے دوران میں ملیں بَكَّه مکہ کا مشہور نام ہے۔ اس کو بکہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بڑے بڑے جابروں اور ظالموں کی گردنیں توڑ دیتا ہے۔ یعنی وہ بھی یہاں آ کر گردن جھکا لیتے ہیں یا اس کا یہ نام اس لیے ہے کہ یہاں لوگوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔ یا اس کا نام بکہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ لوگ یہاں خلط ملط ہوتے ہیں عورتیں مردوں کے سامنے نماز پڑھتی ہیں اور یہ کسی دوسرے شہر میں جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔ فج سے تنعیم تک تو مکہ ہے اور بیت اللہ شریف سے بطحاء تک بکہ ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں بیت اللہ شریف اور مسجد حرام کو بکہ کہتے ہیں اور اس کے اردگرد کو مکہ۔ میمون بن مہران سے بھی یہی مروی ہے۔ مقاتل بن حیان، عطیہ عوفی وغیرہما فرماتے ہیں بیت اللہ شریف بکہ اور اس کے علاوہ مکہ ہے۔ بیت اللہ شریف کے اور بھی بہت سے نام ہیں مثلاً بیت العتیق۔ بیت الحرام۔ البلد الامین۔ البلد المامون۔ ام الرحم۔ ام القریٰ۔ صلاح۔ عرش القادس۔ المقدسہ۔ الناسۃ۔ الباسۃ۔ الحاطمۃ۔ الراس۔ الکوثاء۔ البلد۔ البینۃ۔ الکعبۃ۔

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ: اس میں روشن نشانیاں ہیں۔ یہ دلالت کرتی ہیں کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے عزت وعظمت بخشی ہے۔ اس میں مقام ابراہیم ہے۔ یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی تعمیر کرتے رہے اور آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کو پتھر پکڑاتے تھے۔ یہ مقام ابراہیم ہے۔ بیت اللہ شریف کی دیوار کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ لیکن حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں اس کو وہاں سے ہٹا کر مشرق کی جانب کر دیا۔ تاکہ لوگ آرام سے طواف کریں اور طواف کے بعد اس کے پیچھے دو رکعت نفل ادا کر سکیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرٰهِيمَ مُصَلًّى (البقرہ:125)'' اور (انہیں حکم دیا کہ) بنا لو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز''۔ اس آیت کی تفسیر کے تحت اس کے متعلق احادیث ہم بیان کر چکے ہیں اس لیے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں ان آیات بینات سے ایک مقام ابراہیم ہے اور اس کے علاوہ دوسرے مشاعر حج بھی ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں۔ اس پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان واضح نشانی ہے۔ یہی حضرت عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری، قتادہ اور دوسرے مفسرین سے مروی ہے۔

وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا: اگر کوئی خوفزدہ حرم مکہ میں داخل ہو جائے تو وہ ہر قسم کی تکلیف سے بے خوف ہو جاتا ہے۔ حسن بصریؒ

1۔ مسند امام احمد 150/5

فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں بھی یہی دستور تھا کہ اگر کوئی شخص حرم مکہ میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی پاتا تو وہ اسے نہ چھیڑتا۔ جب تک کہ وہ حرم مکہ سے باہر نہ نکل جاتا۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں جو شخص بیت اللہ شریف میں پناہ لیتا ہے۔ بیت اللہ اسے پناہ دیتا ہے۔ لیکن اسے کھانا پینا نہیں دیتا۔ جب وہ یہاں سے نکلتا ہے پھر وہ اپنے جرم میں پکڑا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کے بارے میں فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (العنکبوت: 67) ''کیا انہوں نے (غور سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے بنا دیا ہے حرم کو امن والا حالانکہ اچک لیا جاتا ہے لوگوں کو اس کے آس پاس''۔ اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا: فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۙ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (قریش: 4) ''پس وہ عبادت کیا کریں اس خانہ کعبہ کے رب کی۔ جس نے انہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی اور امن عطا فرمایا انہیں (فتنہ اور) خوف سے''۔ یہ انسانوں کے لیے ہی امن والا نہیں ہے۔ بلکہ جانوروں کے لیے بھی باعث امن ہے کہ اس کی حدود میں شکار کرنا منع ہے اور جانوروں کو ان کے گھونسلوں سے دور کرنا اور خوفزدہ کرنا ممنوع ہے۔ یہاں کے درخت اور گھاس کاٹنا حرام ہے۔ اس کے بارے میں بہت سے صحابہ کرام سے مرفوع احادیث و آثار مروی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا آج کے بعد کوئی ہجرت نہیں مگر اللہ کی راہ میں جہاد اور نیک نیت سے عبادت کرنا باقی ہے۔ اگر تمہیں جہاد کے لیے بلایا جائے تو جہاد کے لیے نکلا کرو۔ فتح مکہ کے دن آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن حرام (محترم) قرار دے دیا تھا جس دن اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اور یہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی اس حرمت کی وجہ سے حرام رہے گا۔ مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس میں جنگ کرنا حلال نہیں تھا۔ صرف میرے لیے دن کے ایک مختصر حصہ میں یہاں جنگ کو حلال کیا گیا ہے۔ پھر یہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے حرام رہے گا۔ نہ اس کے کانٹے اکھیڑے جائیں اور نہ ہی اس کے شکار کو بھگایا جائے۔ اور نہ ہی یہاں سے کسی گری ہوئی چیز کو اٹھایا جائے۔ صرف وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو اس کی تشہیر کرنا چاہتا ہو۔ اور نہ ہی اس کا گھاس کاٹا جائے۔ حضرت عباسؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! اذخر گھاس کی اجازت دے دیجئے۔ اس کو لوگ اپنے گھروں میں استعمال کرتے ہیں اور لوہار اپنی بھٹیوں میں آپ نے فرمایا سوائے اذخر کے دوسری گھاس نہ کاٹی جائے (1)۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم نے ابو ہریرہ سے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت ابو شریح العدوی فرماتے ہیں میں نے عمرو بن سعید کو کہا جب کہ وہ مکہ کی طرف فوج بھیج رہا تھا۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کو وہ حدیث سناؤں۔ جس کو میرے کانوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ دل نے یاد رکھا اور جب آپ یہ ارشاد فرما رہے تھے تو میری ان آنکھوں نے شرف دید حاصل کیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرام (محترم) قرار دیا ہے۔ لوگوں نے حرام قرار نہیں دیا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں وہ کسی کا خون بہائے۔ کوئی درخت کاٹے اور اگر کوئی فتح مکہ کے دن اللہ تعالیٰ کے رسول کے وہاں جنگ کرنے کی وجہ سے اپنے لیے رخصت تلاش کرے تو اسے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس کی اجازت دی تھی تمہیں اس کی اجازت نہیں۔ مجھے دن میں چند گھڑیوں کے لیے اجازت تھی اب اس کی حرمت کل کی طرف پھر واپس لوٹ آئی ہے۔ حاضر کو چاہئے کہ وہ غائب کو بھی اس کی اطلاع دے دے۔ ابو شریح سے کسی نے پوچھا عمرو بن سعید نے تمہیں اس کا کیا جواب دیا تھا، تو انہوں نے فرمایا کہ وہ یہ حدیث سن کر کہنے لگا میں اس حدیث کو تجھ سے زیادہ جانتا ہوں لیکن بیت اللہ شریف کسی گنہگار، قتل کر کے فرار ہونے والے یا کسی جرم کے مرتکب کو پناہ نہیں دیتا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ مکہ میں کسی کے لیے ہتھیار اٹھا کر چلنا جائز نہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے

1۔ مسلم، کتاب الحج 987,986

ہجرت کرنے لگے تو آپ نے حرورہ کے مقام پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا اے مکہ! خدا کی قسم تو اللہ تعالیٰ کی سب سے افضل زمین ہے۔ اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور اگر مجھے یہاں سے نہ نکالا جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا(1)۔ اس کو ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ یحییٰ بن جعدہ اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ جو شخص حرم میں داخل ہوتا ہے وہ جہنم کی آگ سے امن میں ہو جاتا ہے۔ یہی مفہوم حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی حدیث میں بھی پایا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بیت اللہ شریف میں داخل ہوگا وہ نیکی میں آگیا اور برائی سے دور ہو گیا۔ اور جب وہ اس سے باہر نکلا اس کے گناہ بخش دیئے گئے۔ لیکن اس کے ایک راوی عبد بن المومن قوی نہیں۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا: جمہور علماء کے نزدیک یہ آیت کریمہ حج کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں حج کی فرضیت آیت کریمہ: وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (البقرہ:196) سے ثابت ہوتی ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ متعدد احادیث میں بیان کیا گیا ہے کہ حج اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔ جس کی فرضیت پر علماء کا اجماع ہے۔ اور عمر میں ایک مرتبہ صاحب استطاعت مکلّف مسلمان پر واجب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے تم حج کرو۔ ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے۔ آپ خاموش رہے۔ حتیٰ کہ اس شخص نے تین دفعہ یہ سوال کیا۔ پھر آپ نے فرمایا اگر میں ہاں کر دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ اور تم اس کی استطاعت نہ رکھتے۔ پھر ارشاد فرمایا مجھ سے ایسے سوال نہ کیا کرو۔ تم سے پہلی امتوں کے ہلاک ہونے کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنے انبیاء سے بکثرت سوال کرتے اور آپس میں اختلاف کرتے۔ جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو حسب استطاعت اس کو بجالاؤ۔ جب کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو(2)۔ مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ سوال کرنے والے اقرع بن حابس تھے۔ اور آپ نے جواب میں یہ بھی فرمایا تھا کہ حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ اس کے علاوہ مستحب۔ اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے۔ اور یہ حضرت اسامہ بن زید سے بھی مروی ہے۔ حضرت علی سے روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا گیا تو یہ آیت کریمہ: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ " اے ایمان والو! مت پوچھا کرو ایسی باتیں کہ اگر ظاہر کی جائیں تمہارے لیے تو بری لگیں تمہیں" اتری۔ حضرت سراقہ بن مالک نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا حج تمتع اسی سال ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ آپ نے فرمایا نہیں ہمیشہ کے لیے۔ اور ایک روایت میں آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو فرمایا کہ تمہارا حج ہو گیا۔ اب تم گھروں سے نہ نکلنا۔ استطاعت کی کئی قسمیں ہیں۔ کبھی تو انسان بذات خود صاحب استطاعت ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات کسی دوسرے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کے تفصیلی احکام فقہ کی کتب میں موجود ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حاجی کون ہے۔ فرمایا پراگندہ بالوں اور میلے کپڑوں والا۔ ایک اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) سب سے افضل حج کونسا ہے؟ فرمایا جس میں کثرت سے جانوروں کا خون بہایا جائے اور اللّٰھم لبیك زیادہ پڑھا جائے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! سبیل سے کیا مراد ہے؟ فرمایا زادراہ اور سواری(3)۔ اس حدیث کا ایک راوی اگرچہ ضعیف ہے لیکن یہ حدیث دوسری اسناد سے بھی مروی ہے۔ حضرت محمد بن عباد بن جعفر فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس بیٹھا تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا زادراہ اور

1۔ مسند احمد، 305/4 2۔ مسلم، کتاب الحج: 975 3۔ ابن ماجہ، کتاب الحج: 967

سواری۔ اس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس، انس بن مالک، حسن بصری، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، ربیع بن انس اور قتادہ سے بھی یہی مروی ہے۔ اس حدیث کو مختلف اسناد سے حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود اور حضرت عائشہ سے مرفوعاً روایت کیا گیا۔ لیکن ان کی اسناد محل نظر ہیں۔ حافظ ابو بکر بن مردویہ نے اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کیا ہے۔ حاکم نے اس کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن اس کو انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی تو صحابہ نے عرض کی۔ سبیل سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا زاد راہ، اور سواری۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا فرض حج جلدی ادا کر لیا کرو کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ کیا پیش آ جائے۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں جس نے حج کا ارادہ کیا ہے اسے چاہئے کہ جلدی کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ جس کے پاس تین سو درہم ہیں وہ صاحب استطاعت ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں سبیل سے مراد صحت ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ: حضرت عبداللہ بن عباس، مجاہد اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں، جس نے حج کی فرضیت کا انکار کیا۔ اس نے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں۔ جب آیت کریمہ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران:85) نازل ہوئی تو یہودی کہنے لگے ہم بھی مسلمان ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو فرمایا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر حج فرض کیا ہے۔ تم بھی حج کرو تو کہنے لگے ہم پر حج فرض نہیں۔ گویا اس طرح انہوں نے حج سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے پاس زاد راہ اور سواری ہو اور وہ حج نہ کرے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اس کو ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو ابن جریر، ابن ابی حاتم، ترمذی وغیرہ نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ ترمذی کی حدیث کے راوی ہلال مجہول ہیں ان کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موقوف نہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب فرمایا کرتے جو حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرے اس کے لیے برابر ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔ اس کی سند صحیح ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں امیر المومنین حضرت عمر نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا میرا ارادہ ہے میں مختلف شہروں کی طرف اپنے آدمی بھیجوں۔ وہ تحقیق کریں جو لوگ استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے ان پر جزیہ لگا دیا جائے کیونکہ وہ مسلمان نہیں۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

’’آپ فرمائیے اے اہل کتاب! کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ آپ فرمائیے اے اہل کتاب! تم کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اسے جو ایمان لا چکا تم چاہتے ہو کہ اس راہ (راست) کو ٹیڑھا بنا دو حالانکہ تم خود (اس کی راستی کے) گواہ ہو۔ اور نہیں ہے اللہ بے خبر ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو‘‘۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو زجر و توبیخ فرمائی ہے۔ یہ لوگ جان بوجھ کر حق کی مخالفت اور اللہ کی آیات سے

کفر کرتے ہیں اور اپنی پوری طاقت کے ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی اسلام سے روکتے ہیں۔ حالانکہ انہیں یقینی علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام تعلیمات حق ہیں۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیاں اور بشارتیں یہ سب ان کو معلوم ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ کیسے ان انبیاء نے اس امی ہاشمی، مکی، عربی نبی کا ذکر مبارک کیا۔ یہ وہ نبی ہیں جو اولاد آدم کے سردار، خاتم النبیین، زمین و آسمان کے رب کے فرستادہ رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے اس فعل پر دھمکی دی ہے اور انہیں اس بات سے آگاہ بھی کیا ہے کہ وہ ان کی ان کرتوتوں پر گواہ ہے۔ کیونکہ یہ اپنے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کی بھی مخالفت کرتے ہیں کہ وہ اسی رسول کی تکذیب اور مخالفت کرتے ہیں جن کی بشارت انہوں نے اپنی کتابوں میں بیان کی۔ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ ان کے اس عمل سے غافل نہیں ہے۔ جلد ہی انہیں اس کی سزا دے گا۔ جس دن نہ مال فائدہ مند ہوگا نہ اولاد۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۱۰۱

”اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے ایک گروہ کا اہل کتاب سے (تو نتیجہ یہ ہوگا کہ) لوٹا کر چھوڑیں گے تمہیں تمہارے ایمان قبول کرنے کے بعد کافروں میں۔ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کرنے لگو حالانکہ تم وہ ہو کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں اور تم میں اللہ کا رسول بھی تشریف فرما ہے اور جو مضبوطی سے پکڑتا ہے اللہ (کے دامن) کو تو ضرور پہنچایا جاتا ہے اسے سیدھی راہ تک“۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ اہل کتاب کے بد باطن گروہ کی اطاعت سے بچیں جو مسلمانوں کے ساتھ حسد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تم میں جو اپنا رسول مبعوث فرمایا ہے اسے پسند نہیں کرتے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ (البقرہ:196) ”دل سے چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب، کہ کسی طرح پھر بنادیں تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر (ان کی یہ آرزو) بوجہ اس حسد کے ہے جو ان کے دلوں میں ہے“۔ اور یہاں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ”اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا“

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ: اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم کفر کرنے لگو۔ حالانکہ تم پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ اور تم میں اللہ تعالیٰ کے رسول تشریف فرما ہیں۔ یعنی کفر تم سے بہت بعید ہے۔ دن رات اللہ تعالیٰ کے رسول پر آیات نازل ہوتی ہیں اور وہ تمہیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (الحدید:8) ”آخر تمہیں کیا ہوگیا ہے تم اللہ پر ایمان لاتے کیوں نہیں حالانکہ (اس کا) رسول دعوت دے رہا ہے تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ بھی لے چکا ہے۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو“۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا۔ تمہارے نزدیک سب سے بڑا ایمان والا کون ہے؟ انہوں نے عرض کی فرشتے۔ آپ نے فرمایا بھلا وہ کیسے ایمان نہ لاتے حالانکہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ صحابہ نے عرض کی پھر ہم۔ فرمایا بھلا تم کیسے ایمان نہ لاتے حالانکہ میں خود تمہارے درمیان موجود ہوں۔ صحابہ کرام نے عرض کی آپ خود ہی ارشاد فرمائیے۔ فرمایا تمام لوگوں میں زیادہ عجیب ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں

گے۔ وہ کتابوں میں لکھا پائیں گے اور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ میں نے شرح بخاری کی ابتدا، میں اس حدیث کی اسناد کی تفصیل بیان کی ہے۔

وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ: اور جو اللہ تعالیٰ کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ کرنا اور اسی کے دامن کو مضبوطی سے تھامنا ہی صراط مستقیم تک جانے کا ذریعہ اور گمراہی سے دور ہونے کا سبب ہے۔ یہی رشد و ہدایت اور صحیح راستے اور منزل مراد تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۰۳

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے حق ہے اس سے ڈرنے کا اور (خبردار) نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی سب مل کر اور جدا جدا نہ ہونا اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی جب کہ تم تھے (آپس میں) دشمن پس اس نے الفت پیدا کر دی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی اور تم (کھڑے) تھے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تو اس نے بچا لیا تمہیں اس (میں گرنے) سے یونہی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پر ثابت رہو''۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ: یہاں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے نہ کہ نافرمانی۔ اس کا ذکر کیا جائے نہ کہ اس کے ذکر کو فراموش کیا جائے، اس کا شکر کیا جائے نہ کہ ناشکری۔ اس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ ابن مردویہ اور حاکم نے بھی عبداللہ بن مسعود سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ لیکن اس کا موقوف ہونا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے اس وقت تک حقیقی طور پر نہیں ڈرتا جب تک کہ اپنی زبان کو تالہ نہ لگائے۔ سعید بن جبیر، ابو العالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن: 16) ''پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری استطاعت ہے'' سے منسوخ ہے۔ ''حَقَّ تُقٰتِهٖ'' کا معنی یہ ہے کہ اس کی راہ میں جہاد کیا جائے جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اور اس کے حکم کے سامنے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کی جائے۔ اور عدل و انصاف سے کام لیا جائے۔ اگرچہ اپنی ذات، ماں باپ اور اولاد زد میں آ جائیں۔

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ: اپنی صحت اور تندرستی کی حالت میں اپنے ایمان کا خیال رکھو تاکہ اسی حالت میں تمہاری موت واقع ہو۔ کیونکہ اس کریم پروردگار کی یہ عادت ہے کہ جس حالت پر کوئی زندہ رہے اسی پر اس کی موت واقع ہو۔ اور قیامت میں اسے اسی حالت میں اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے برعکس حالت سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس وہاں تشریف فرما تھے۔ آپ کے

ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا اگر "زقوم" کا ایک قطرہ اس دنیا میں گرا دیا جائے تو اہل دنیا کا جینا دوبھر ہو جائے۔ تو ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جن کی خوراک زقوم کے علاوہ اور کوئی نہیں (1)۔ اس کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ یہ شیخین کی شرط کے مطابق ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے نار جہنم سے دور کر دیا جائے اور جنت میں داخل کیا جائے اسے چاہئے کہ اس کی موت اس حالت میں آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ اور لوگوں سے ایسا سلوک کرتا ہو جیسا وہ چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا جائے (2)۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کے وصال سے تین روز پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا۔ "تم میں سے ہر ایک کو اس حال میں موت آنی چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے حسن ظن رکھتا ہو (3)۔ اس کو امام مسلم نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں اپنے بندۂ کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جس کا وہ میرے بارے میں گمان رکھتا ہے۔ اگر وہ میرے متعلق حسن ظن رکھے تو میں بھی اس کے ساتھ نیک معاملہ کرتا ہوں۔ اور اگر وہ میرے بارے بدگمانی کرے تو اس کو اپنے گمان کے مطابق بدلہ مل جائے گا" (4)۔ یہ حدیث صحیحین میں ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں "ایک انصاری صحابی بیمار تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے بازار میں ہی ان سے ملاقات ہوگئی۔ سلام کے بعد آپ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہے۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! خیریت سے ہوں۔ امیدوار رحمت پروردگار ہوں اور اپنے گناہوں پر نادم وشرمسار ہوں۔ آپ نے فرمایا اس حالت میں جس بندے کے دل میں یہ دونوں جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے وہی عطا فرما دیتا ہے جس کی وہ امید کرتا ہے اور خوف سے نجات دے دیتا ہے۔" اس حدیث کو حافظ ابوبکر بزار نے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت حکیم بن حزام فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس شرط پر بیعت کی کہ میں کھڑے کھڑے ہی گروں۔ اس کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں فوت ہوں۔ اور ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا اور دشمن کی طرف سینہ تان کر مروں نہ کہ پیٹھ پھیر کر۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ: سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑنا "حَبْلُ اللّٰهِ" سے مراد اللہ تعالیٰ کا عہد ہے۔ اس طرح کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ (آل عمران: 112) "مسلط کر دی گئی ان پر ذلت (ورسوائی) جہاں کہیں یہ پائے گئے۔ بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے عہد سے" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حبل سے مراد قرآن کریم ہے۔ جیسا کہ حضرت علی سے مروی ہے کہ یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی اور اس کا سیدھا راستہ ہے۔ حضرت ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قرآن کریم اللہ کی وہ رسی ہے جو آسمان سے لے کر زمین تک پھیلی ہوئی ہے۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔ یہ قرآن کریم اللہ کی مضبوط رسی چمکتا ہوا نور اور شفائے کامل ہے۔ جو اس کو مضبوطی سے تھام لے وہ اس کا محافظ اور جو اس پر عمل کرے اس کے لیے نجات کا باعث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس راستے کے اردگرد شیطان جمع ہیں۔ ہر کوئی اپنی طرف دعوت دیتا ہے۔ تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی رسی قرآن ہے۔

وَلَا تَفَرَّقُوْا: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اتحاد اور یگانگت کا حکم دیا ہے اور تفرقہ سے منع فرمایا۔ اس مفہوم کو بہت سی احادیث واضح

1۔ مسند امام احمد، 300/1 2۔ مسند امام احمد، 192/2 3۔ مسند امام احمد، 315/3 4۔ مسند امام احمد، 391/2

کرتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تین چیزوں کو پسند کرتا ہے اور تین چیزوں کو ناپسند۔ وہ پسند کرتا ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو۔ اور اپنے حکمرانوں کے لئے مخلص ہو جاؤ۔ اور وہ قیل وقال، کثرت سوال اور مال کے ضیاع کو ناپسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات کا ضامن ہے کہ اگر وہ متفق رہیں گے تو وہ غلطی وخطاء سے محفوظ رہیں گے۔ اس کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جن میں مسلمانوں کے باہمی اختلاف اور افتراق کو ناپسند کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ اختلاف امت میں واقع ہو چکا ہے تہتر فرقوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ ان میں سے صرف ایک ہی فرقہ ناجیہ ہے جو جنت میں داخل ہوگا اور جہنم کے عذاب سے محفوظ ہوگا۔ اور یہ وہی فرقہ ہے جو انہی عقائد پر کار بند رہے گا جس پر نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ تھے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کو یاد دلایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اوس وخزرج کے درمیان سخت دشمنی تھی اور ان کے درمیان کئی جنگیں برپا ہو چکی تھیں۔ اور یہ جنگیں طویل عرصے تک جاری رہیں۔ جب مدینہ طیبہ میں آفتاب اسلام طلوع ہوا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ اور آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مل گئے۔ اور نیکی تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن گئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ھُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ (انفال:63)'' وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت اور مومنوں (کی جماعت) سے اسی نے الفت پیدا کر دی ان کے دلوں میں اگر آپ خرچ کرتے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب، تو نہ الفت پیدا کر سکتے ان کے دلوں میں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے الفت پیدا کر دی ان کے درمیان''۔ وہ لوگ کفر وشرک کی وجہ سے جہنم کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو گرنے سے بچا لیا اور انہیں ایمان کی دولت سے نوازا۔ غزوۂ حنین کا مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے آپ نے کسی دینی مصلحت کے پیش نظر بعض لوگوں کو کچھ زیادہ عطا فرما دیا۔ تو انصار کے بعض نوجوان ناراض ہو گئے۔ آپ نے انصار کو جمع کر کے انہیں خطبہ ارشاد فرمایا'' اے گروہ انصار! کیا تم گمراہ نہیں تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعے ہدایت عطا فرمائی۔ کیا تم متفرق نہیں تھے پھر اللہ تعالیٰ نے میرے وسیلہ سے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ کیا تم فقیر نہیں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں غنی کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ جب بھی کوئی بات ارشاد فرماتے تو انصاری صحابہ عرض کرتے۔ ہم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے اس سے بھی زیادہ احسانات ہیں۔'' ابن اسحاق اور بعض مؤرخین فرماتے ہیں کہ ایک آیت کریمہ اوس وخزرج کے بارے میں نازل ہوئی واقعہ اس طرح ہے کہ ایک یہودی اوس وخزرج کے ایک گروہ کے قریب سے گزرا جب اس نے دیکھا کہ صدیوں تک آپس میں برسر پیکار رہنے والے بڑی محبت اور الفت سے ایک ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں تو اسے بہت رنج ہوا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کو بھیجا کہ جاؤ ان کے درمیان بیٹھ جاؤ اور ان کے درمیان جو پرانی جنگیں ہوتیں رہی ہیں اس کا تذکرہ شروع کر دو۔ وہ گیا اور ذکر چھیڑ دیا۔ یہاں تک کہ ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی پرانی دشمنی اور عداوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہی وہ ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے، جاہلی دور کے نعرے لگنے لگے۔ ہتھیار لہرا اٹھے اور یہ طے پایا حرہ کے میدان میں مقابلہ ہوگا۔ جب اس کی خبر رسول ﷺ کو پہنچی تو آپ فوراً تشریف لائے۔ اور دونوں گروہوں کی آتش غضب کو ٹھنڈا کیا اور فرمایا کیا میری موجودگی میں تم نے دور جاہلیت کے دعاوی اور شعار کو اپنا لیا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنائی۔ وہ سب اپنے اس فعل پر نادم وپشیمان ہوئے اور ہتھیار پھینک کر ایک دوسرے سے گلے ملنے لگے۔ عکرمہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب حضرت عائشہ صدیقہ پر منافقین نے تہمت لگائی تھی۔ اور

اس وقت انصار دو گروہوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے۔

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٨﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿١٠٩﴾

''ضرور ہونی چاہیے تم میں ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور یہی لوگ کامیاب وکامران ہیں۔ اور نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلاف کرنے لگے تھے اس کے بعد بھی جب آ چکی تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں اور ان لوگوں کے لیے عذاب ہے بہت بڑا۔ اس دن (جبکہ) روشن ہوں گے کئی چہرے اور کالے ہوں گے کئی منہ تو وہ جو سیاہ رو ہوں گے (انہیں کہا جائے گا) کہ کیا تم نے کفر اختیار کر لیا تھا ایمان لانے کے بعد تو اب چکھو عذاب (کی اذیتیں) بوجہ اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے اور وہ (خوش نصیب) لوگ روشن ہوں گے جن کے چہرے تو وہ رحمت الٰہی (کے سائے) میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو ٹھیک ٹھیک اور نہیں ارادہ رکھتا اللہ ظلم کرنے کا دنیا والوں پر۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے سارے کام''۔

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ: یہاں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم میں ایک جماعت ہونی چاہیے جو نیکی کی دعوت دے، بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ یہی لوگ کامیاب وکامران ہیں۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد خاص صحابہ کرام اور راویان حدیث ہیں یعنی مجاہدین اور علماء۔ امام ابو جعفر باقر فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی اور فرمایا ''خیر'' سے مراد قرآن کریم اور میری حدیث کی اتباع کرنا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس امت میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو اسی کام میں مشغول رہے۔ اگرچہ فرداً فرداً ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو برائی دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ سے دور کرے۔ اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے روکے۔ اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو اپنے دل میں اسے برا سمجھے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں اس کے بعد رائی کے دانے سے برابر بھی ایمان نہیں۔ حضرت حذیفہ بن یمان روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم برائی سے روکتے رہو اور نیکی کا حکم دیتے رہو ورنہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کرے

گا۔ پھر اگر تم دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی(1)۔ اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں۔ جن کو دوسرے مقامات پر ذکر کیا جائے گا۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا: اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلاف کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد بھی کہ ان کے پاس روشن نشانیاں آچکی تھیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اس بات سے منع کیا ہے کہ تم سابقہ امتوں کی طرح آپس میں اختلاف وافتراق کا شکار نہ ہو جانا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہ کرنا۔ حضرت ابو عامر عبداللہ بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت امیر معاویہ کے ساتھ حج کرنے کے لیے آئے۔ آپ ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا اہل کتاب اپنے دین میں اختلاف پیدا کر کے بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور اس امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ اور ایک کے سوا تمام جہنمی ہوں گے۔ اور فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہے۔ اور میری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے۔ جن کی رگ رگ میں اسی طرح خواہشات نفسانی رچ بس جائیں گی جس طرح کتا کسی کو کاٹ دے اس کا اثر ہر رگ و ریشہ میں پھیل جاتا ہے۔ اے اہل عرب! اگر تم نے اپنے نبی کی لائی ہوئی شریعت پر عمل نہ کیا تو دوسرے لوگ تو شریعت سے بہت دور ہو جائیں گے(2)۔ اسے ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ: یعنی قیامت کے دن اہل سنت و جماعت کے چہرے روشن ہوں گے۔ اور اہل بدعت اور تفرقہ بازوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ تو وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے انہیں کہا جائے گا کہ تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا تھا۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں اس سے مراد منافقین ہیں۔ پس اب تم عذاب کی اذیتیں چکھو بہ سبب اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے۔ اس عذاب میں منافقوں کے ساتھ دوسرے تمام کافر بھی شامل ہیں۔ اور وہ خوش نصیب جن کے چہرے روشن ہوں گے وہ رحمت الٰہی کے سایہ میں ہوں گے۔ اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی وہ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ ابو غالب فرماتے ہیں کہ ابوامامہ نے خارجیوں کے سر دمشق کی جامع مسجد کے زینوں پر لٹکے ہوئے دیکھے تو فرمایا یہ جہنم کے کتے ہیں۔ اور روئے زمین پر بدترین مقتول ہیں۔ اور ان کے قتل کرنے والے بہترین مجاہد ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ میں نے ابوامامہ سے دریافت کیا، کیا آپ نے یہ حدیث خود رسول ﷺ سے سنی ہے؟ انہوں نے فرمایا ایک یا دو دفعہ نہیں بلکہ سات مرتبہ میں نے اس کو سنا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمہیں کبھی بیان نہ کرتا(3)۔ اس حدیث کو ابن ماجہ اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت ابن مردویہ نے حضرت ابوذر غفاری سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے۔ لیکن وہ حدیث انتہائی عجیب اور سند کے اعتبار سے غریب ہے۔

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ: یہ اللہ تعالیٰ کی آیات دبینات ہیں جن کو ہم پڑھ کر آپ کو سناتے ہیں۔ یعنی ہم دنیا وآخرت کے امور سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ: اور اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ یعنی وہ ظالم نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک ایسا عادل حاکم ہے۔ جو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہر چیز سے آگاہ ہے۔ اس لیے وہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ارشاد فرماتا ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ اللہ ہی کا ہے۔ یعنی کائنات کی ہر چیز اس کی ملکیت اور غلامی میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جائیں گے۔ دنیا وآخرت میں وہی حاکم مطلق ہے۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، 17/9 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، 198/4 3۔ سنن ابن ماجہ، المقدمہ: 62

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

''ہوتم بہترین امت جوظاہر کی گئی ہےلوگوں (کی ہدایت وبھلائی) کے لیےتم حکم دیتے ہونیکی کااور روکتے ہو برائی سےاور ایمان رکھتے ہواللہ پراور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو یہ بہتر ہوتاان کے لیےبعض ان میں سے مومن ہیں اور زیادہ ان میں سے نافرمان ہیں۔(کچھ) نہ بگاڑ سکیں گےتمہارا سوائے ستانے کے اور اگر لڑیں گےتمہارے ساتھ تو پھیر دیں گےتمہاری طرف اپنی پیٹھیں (اور بھاگ جائیں گے) پھران کی امداد نہ کی جائے گی۔مسلط کر دی گئی ہےان پر ذلت (اور رسوائی) جہاں کہیں یہ پائے گئے بجز اس کے کہ اللہ کے عہد سے یا لوگوں کے عہد سے (کہیں پناہ مل جائے) اور یہ مستحق ہو گئے ہیں غضب الٰہی کے اور مسلط کر دی گئی ہےان پر محتاجی یہ اس لیے کہ وہ کفر کیا کرتے تھےاللہ کی آیتوں سےاور قتل کیا کرتے تھے انبیاءکوناحق یہ(بے باکی) اس لیےتھی کہ وہ نافرمانی کرتے تھےاور سرکشی کیا کرتے تھے''۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تمام امتوں میں سے بہترین امت ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ تم دوسرے لوگوں کے حق میں سب سے بہتر ہو کہ تم لوگوں کو پکڑ پکڑ کر اسلام کی طرف لائے ہو۔حضرت عبداللہ بن عباس، مجاہد، عطیہ عوفی، عکرمہ، عطاء، اور ربیع بن انس بھی یہی فرماتے ہیں۔یہ تمام امتوں میں بہترین امت ہے۔اور دوسرے لوگوں کے لیے زیادہ نفع مند ہے۔اس لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔رسول اللہ ﷺ ایک دن منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے بہتر شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں زیادہ قرآن پاک کی تلاوت کرنے والا، اللہ سے ڈرنے والا، نیکی کا حکم دینے والا، برائی سے روکنے والا اور صلہ رحمی کرنے والا ہو(1)۔حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: یہاں خیر امت سے مراد وہ صحابہ کرام ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کی۔لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ تمام امت کو شامل ہے۔بہر حال امت میں بہترین لوگ وہ ہیں جن میں رسول کو مبعوث کیا گیا۔پھر اس کے بعد والے لوگ، پھر اس کے بعد والے لوگ۔ایک دوسری آیت میں واضح طور پر فرمادیا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ: 143) ''اور اسی طرح ہم نے بنا دیا تمہیں (اے مسلمانو!) بہترین امت تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر''۔حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم نے امتوں کی تعداد، ستر کو مکمل کر دیا ہے اور تم خدا کے نزدیک سب سے بہترین اور معزز ترین امت ہو(2)۔اس کو ترمذی

1۔مسند امام احمد 432/6
2۔مسند امام احمد 272/1

نے بھی روایت کیا ہے۔اس امت کو یہ مقام ومرتبہ اور اعزاز واکرام ان کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی نسبت سے نصیب ہوا ہے۔کیونکہ آپ علی الاطلاق تمام مخلوق سے افضل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام رسولوں سے زیادہ معزز ومحترم ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی عظیم اور کامل شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا جو پہلے کسی رسول کو عطا ہوئی نہ کسی نبی کو۔اس شریعت کے مطابق قلیل عمل بھی دوسری شریعتوں کے مقابلہ میں بہتر اور افضل ہے۔حضرت علی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے کچھ ایسی نعمتیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! یہ کیا ہیں؟ فرمایا رعب ودبدبہ کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں۔میرا نام احمد رکھا گیا۔میرے لیے مٹی کو پاک کردیا گیا۔اور میری امت کو سب سے بہترین امت بنایا گیا(1)۔اس حدیث کی سند حسن ہے۔حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ میں نے ابو القاسم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرمایا۔اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک ایسے نبی کو بھیجنے والا ہوں جو خوشی وراحت کے موقع پر میری حمد وثناء کرے گا۔اور مصیبت پر صبر کرے گا حالانکہ انہیں حلم اور علم نہ ہوگا۔آپ نے تعجب سے پوچھا کہ بغیر حلم اور علم کے یہ کیسے ممکن ہوگا۔تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں انہیں اپنا علم اور حلم عطا کردوں گا۔یہاں کچھ دوسری احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔جن کو یہاں ذکر کرنا ہی مناسب ہے۔حضرت ابو بکر صدیق روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ فضیلت عطا کی گئی کہ میری امت کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتے ہوں گے۔اور وہ سب ایک دل ہوں گے۔میں نے رب تعالیٰ سے عرض کی اے باری تعالیٰ اور عطا فرما۔تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کا اضافہ کردیا۔یہ حدیث بیان کر کے جناب سیدنا ابو بکر نے فرمایا اس تعداد میں گاؤں اور شہر والے ہی شامل نہیں بلکہ بادیہ نشین بھی شامل ہیں(2)۔حضرت عبد الرحمٰن بن ابو بکر روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ خوشخبری دی ہے کہ میرے ستر ہزار امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔حضرت عمر نے عرض کی یارسول اللہ! آپ نے اس میں مزید کا مطالبہ کیوں نے کیا۔آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کی بارگاہ میں مزید کے لیے عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کا وعدہ فرمایا۔حضرت عمر نے دو بار یہی گزارش کی تو رسول اللہ ﷺ نے یہی جواب دیا۔پھر تیسری بار آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا عطا فرمایا ہے اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔راوی حدیث فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے۔جو کسی حساب وشمار میں نہیں ہے۔شریح بن عبادہ فرماتے ہیں حضرت ثوبان حمص میں بیمار ہوگئے حمص کے والی عبد اللہ بن قرط ازدی ان کی عیادت کو نہ آسکے۔ایک کلائی شخص آپ کی عیادت کے لیے آیا۔آپ نے فرمایا کیا تم لکھنا جانتے ہو۔اس نے کہا ہاں۔فرمایا ایک خط لکھو۔رسول ﷺ کے خادم ثوبان کی طرف سے والی حمص عبد اللہ بن قرط کی طرف۔اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوئی خادم بیمار ہوتا تو تم اس کی عیادت کے لیے ضرور جاتے۔پھر فرمایا اس خط کو ضرور بند کرو اور اس کو والی حمص کے پاس پہنچا دو۔وہ شخص گیا اور عبد اللہ بن قرط کو پہنچا دیا۔جب اس نے یہ خط پڑھا تو گھبرا کر کھڑے ہوئے۔لوگوں نے سوچا کہ کوئی مشکل پیش آگئی ہے تو اسی وقت حضرت ثوبان کی عیادت کے لیے ان کے پاس آئے اور کچھ دیر آپ کے پاس ٹھہرے جب جانے لگے تو حضرت ثوبان نے ان کی چادر پکڑ کر روک لیا اور فرمایا کہ یہاں بیٹھو میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی۔آپ نے فرمایا کہ میرے ستر ہزار امتی بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار مزید۔اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور شامی ہیں(3)۔اس حدیث کو

1۔مسند امام احمد:98/1 2۔مسند امام احمد:6/1 3۔المعجم الکبیر:92/2

طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں ایک رات ہم دیر تک نبی پاک کی خدمت میں حاضر رہے۔ جب صبح حاضر ہوئے تو فرمایا آج رات تم انبیاء اپنی امتوں کے ساتھ مجھے دکھائے گئے۔ کسی نبی کے ساتھ صرف تین شخص تھے۔ بعض کے ساتھ ایک مختصر گروہ بعض کے ساتھ ایک جماعت اور بعض کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام گزرے تو ان کے ساتھ بنی اسرائیل کا ایک بہت بڑا گروہ تھا۔ مجھے وہ گروہ بہت پسند آیا میں نے پوچھا یہ کون ہے۔ بتایا گیا کہ یہ تمہارے بھائی موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل ہیں۔ میں نے پوچھا میری امت کہاں ہے؟ جواب ملا اپنے دائیں طرف دیکھیے۔ میں نے ادھر دیکھا وہاں بہت بڑا مجمع تھا۔ جنہوں نے اپنی کثرت سے پہاڑوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ مجھ سے پوچھا گیا کیا تم اب راضی ہو میں نے عرض کی اے پروردگار! میں راضی ہوں۔ فرمایا ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہیں جو حساب و کتاب کے بغیر داخل ہوں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا (آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔) اگر ہو سکے تو تو ان ستر ہزار میں ہونا۔ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر ان لوگوں میں سے ہو جانا جو پہاڑوں پر ہیں۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ان لوگوں میں سے ہو جانا جو آسمان کے کنارے پر تھے۔ حضرت عکاشہ نے عرض کی یارسول اللہ! دعا کیجئے مجھے اللہ تعالیٰ ان ستر ہزار میں سے کر دے۔ ایک دوسرے صحابی کھڑے ہوئے تو انہوں نے بھی یہی گزارش کی۔ فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔ پھر ہم آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ شاید یہ ستر ہزار لوگ وہ ہیں جو مسلمان پیدا ہوئے اور پھر عمر بھر کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرایا اور اسی پر ان کی اجل آئی۔ جب نبی کریم ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا یہ لوگ وہ ہیں جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے (1)۔ آگ کے داغ نہیں لگواتے۔ شگون نہیں لیتے بلکہ اپنے رب پر مکمل بھروسہ کرتے ہیں۔ (2) ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ جب میں نے عرض کی میں راضی ہوں تو ارشاد ہوا تو اپنے بائیں طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو وہاں بھی ایک بہت بڑا مجمع تھا۔ تا حد نگاہ پھیلا ہوا تھا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عکاشہ کے بعد کھڑے ہونے والے صحابی انصاری تھے۔ حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کے ستر ہزار یا سات لاکھ آدمی جنت میں ایک ساتھ داخل ہوں گے۔ ان کے چہرے ماہ تاباں کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ حصین بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں۔ میں سعید بن جبیر کے پاس تھا۔ انہوں نے فرمایا آج رات ایک ستارہ ٹوٹا تھا۔ تم میں سے کس نے دیکھا ہے۔ میں نے کہا یہ ستارہ میں نے دیکھا ہے لیکن میں نماز تہجد میں مصروف نہیں تھا۔ بلکہ مجھے بچھو نے ڈس لیا تھا۔ اس کی وجہ سے میں جاگ رہا تھا۔ انہوں نے پوچھا پھر تم نے کیا۔ میں نے عرض کی میں نے اس پر دم کرایا تھا۔ پوچھا کیوں؟ عرض کی حضرت شعبی سے ایک حدیث سنی تھی کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا آج رات مجھے تمام امتیں دکھائی گئیں۔ میں نے دیکھا کسی نبی کے ساتھ ایک مختصر سی جماعت ہے، کسی کے ساتھ ایک شخص، کسی کے ساتھ دو اور کسی کے ساتھ کوئی بھی نہیں۔ پھر اچانک میری نظر ایک بہت بڑی جماعت پر پڑی۔ میں نے خیال کیا کہ شاید یہ میری امت ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے۔ آپ افق کی طرف دیکھئے میں نے دیکھا وہاں ایک بہت بڑی جماعت تھی۔ پھر کہا گیا کہ دوسری طرف دیکھئے دیکھا تو وہاں بھی ایک بہت بڑی جماعت تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے۔ اور ان کے ساتھ ستر ہزار اور بھی ہیں جو بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ حضور ﷺ یہ بیان فرما کر کاشانہ نبوت میں تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ شاید یہ وہ لوگ ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی۔ کسی نے کہا شاید یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمان پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا۔ اس طرح مختلف باتیں ہوتیں رہیں حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے۔ دریافت فرمایا تم کس چیز کے بارے میں بحث کر رہے ہو۔ صحابہ

1۔ اس سے مراد غیر شرعی جھاڑ پھونک ہے
2۔ مسند امام احمد، 401/1

کے عرض کرنے پر فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو تعویذ کرتے ہیں نہ کراتے ہیں۔ اور نہ زخموں کو آگ کے ساتھ داغتے ہیں اور نہ ہی شگون لیتے ہیں بلکہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ حضرت عکاشہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے لیے دعا کیجئے، اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا تم انہی میں سے ہو پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اور یہی گزارش کی۔ آپ نے فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گئے(1)۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے۔ پہلا گروہ نجات پا جائے گا۔ کیونکہ ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ حضرت ابوامامہ باہلی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ کہ میرے ستر ہزار امتی بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی تین لپوں کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ ستر ہزار کا سن کر حضرت یزید بن اخنس نے عرض کی یا رسول اللہ یہ تعداد آپ کی امت کے مقابلے میں انتہائی قلیل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کا وعدہ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تین لپ بھر کر عطا فرمائے۔ ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا میرے رب عزوجل نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ وہ میرے ستر ہزار امتیوں کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کرے گا۔ پھر ان میں سے ہر ایک ستر ہزار کی شفاعت کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھوں کی لپ تین دفعہ بھر کر جنت میں ڈالے گا۔ یہ سن کر حضرت عمر نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور فرمایا۔ پہلے ستر ہزار اپنے آباؤ اجداد اور اولاد کے لیے شفاعت کریں گے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی آخری لپ میں جنت میں ڈالے گا۔ حافظ الضیاء مقدسی فرماتے ہیں مجھے اس حدیث کی سند کی کوئی علت معلوم نہیں۔ حضرت رفاعہ جہنی فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے قدید کے مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ میرے ستر ہزار امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ تم ان کے داخل ہونے سے پہلے اپنے اہل وعیال سمیت جنت میں اپنے ٹھکانے بنا چکے ہوگے۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت کے چار لاکھ آدمی جنت میں داخل ہوں گے۔ حضرت ابوبکر نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے لیے کچھ مزید طلب فرمائیے یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا اے ابوبکر بس کرو۔ ابوبکر نے جواب دیا اگر ہم سب جنت میں داخل ہو جائیں تو آپ کا کیا بگڑتا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے ایک ہاتھ سے اپنی تمام مخلوق کو جنت میں داخل کر دے۔ اس حدیث کو حافظ عبدالرزاق اور حافظ ابونعیم اصفہانی نے روایت کیا ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں یہ تعداد ایک لاکھ بیان کی گئی ہے۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کی ہمارے لیے مزید طلب فرمائیں۔ آپ نے فرمایا ان میں سے ہر ایک آدمی کے ساتھ ستر ہزار داخل ہوں گے۔ صحابہ نے پھر عرض اور طلب فرمائیں۔ آپ ریت کے ٹیلے پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ریت سے بھرا اور فرمایا اس طرح اللہ تعالیٰ میری امت کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا گر اس کے بعد بھی کوئی جہنم میں داخل ہوگا تو وہ بدقسمت ہے۔ اس حدیث کی سند عمدہ ہے۔ عبدالقاہر سری سکی کے علاوہ باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ یحییٰ بن معین سے ان کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا کہ وہ صالح ہے۔ یہ ایک دوسری سند سے مروی ہے۔ جس میں تین لاکھ تعداد بیان کی گئی ہے۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے والوں کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد فرمایا۔ میری امت کے سب مہاجر تو اس میں آ جائیں گے۔ باقی تعداد اعرابیوں سے پوری کر دے گا۔ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے

1۔ مسلم، کتاب الایمان 199، 200

یہ حساب کیا گیا کہ کل تعداد چار کروڑ نوے لاکھ ہوئی۔ حضرت ابو مالک روایت کرتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ تم قیامت کے دن سیاہ رات کی طرح جنت کی طرف بڑھو گے حتیٰ کہ زمین تم سے پر ہو جائے گی، فرشتے کہیں گے کہ (حضرت) محمد ﷺ کے ساتھ جو امت آئی ہے وہ تعداد میں تمام انبیاء کی امتوں سے زیادہ ہے۔ حضرت ابو زبیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے امید ہے قیامت کے دن میری اتباع کرنے والی امت جنت کا چوتھائی حصہ ہوگی۔ ہم نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ مجھے امید ہے کہ میری امت جنت کے نصف حصے میں ہوگی(1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ارشاد فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم جنتیوں کا تیسرا حصہ ہو۔ ہم نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں کا نصف ہو گے۔ اور دوسری روایت میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ چوتھائی جنت تمہارے لیے ہوگی۔ تین حصوں میں باقی لوگ ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس وقت کیا عالم ہوگا جب جنت کا تیسرا حصہ تم ہو گے۔ صحابہ نے عرض کی پھر تو بہت زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب نصف جنت تمہاری ہوگی۔ صحابہ کرام نے عرض کی یہ تو بہت زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ جن میں اسی صفیں تمہاری ہوں گی(2)۔ اسی حدیث کو امام احمد بن حنبل، ترمذی، ابن ماجہ نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں جب آیت کریمہ: ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ (الواقعہ:40) ''ایک بڑی جماعت اگلوں کی اور ایک بڑی جماعت پچھلوں سے ہوگی''۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم جنتیوں کا چوتھائی حصہ ہو۔ تم جنتیوں کا تہائی حصہ، تم جنتیوں کا نصف حصہ، تم جنتیوں کا دو تہائی حصہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم دنیا میں سب سے آخر میں ہیں جب کہ قیامت کے دن جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے۔ مگر اہل کتاب کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور ہمیں ان کے بعد۔ جن امور میں انہوں نے اختلاف کیا اللہ تعالیٰ نے ہماری ان میں راہنمائی فرمائی۔ جمعہ کے دن میں بھی انہوں نے اختلاف کیا۔ یہ دن ہمارے لیے ہے۔ کل (ہفتہ) یہود کے لیے ہوگا، پرسوں (اتوار) نصاریٰ کے لیے ہوگا۔ اس کو بخاری اور مسلم نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تک میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں گا دوسرے انبیاء کا داخلہ حرام ہے۔ اور جب تک میری امت جنت میں داخل نہ ہو جائے گی دوسری امتوں کے لیے جنت میں داخل ہونا حرام ہے۔ اس حدیث کو دارقطنی اور کئی دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ یہ تمام احادیث اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتی ہیں کہ امت محمدیہ کا جو شخص ان صفات سے متصف ہوگا وہ اسی زمرہ میں داخل ہو جائے گا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے جب لوگوں کو سہل پسندی میں دیکھا تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا جو شخص اس خیر امت میں داخل ہونا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے آپ میں ایسی صفات بھی پیدا کرے۔ جو شخص اپنے آپ کو ان صفات سے متصف نہیں کرتا وہ اہل کتاب کے مشابہ ہو جاتا ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ (مائدہ:79) ''ترجمہ: نہیں منع کیا کرتے تھے ایک دوسرے کو برائی سے جو وہ کرتے تھے''۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی توصیف فرمانے کے بعد آئندہ آیات میں اہل کتاب کی مذمت بیان کی ہے۔

1۔ مسند احمد: 383/3 2۔ المعجم الکبیر: 209,208/10

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ: اگر اہل کتاب رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ تعلیمات پر ایمان لے آتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ بعض ان میں مومن ہیں اور زیادہ ان میں سے نافرمان۔ یعنی ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسول ﷺ پر نازل کردہ تعلیمات اور اپنے انبیاء کے احکامات پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان میں اکثر گمراہی، فسق وفجور اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو خوشخبری دی ہے کہ تمہیں اہل کتاب پر فتح ونصرت حاصل ہو گی۔ ارشاد فرمایا یہ لوگ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے سوائے تمہیں ستانے کے اگر تمہارے ساتھ لڑیں گے تو یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور ان کی امداد نہیں کی جائے گی۔ غزوہ خیبر کے موقع پر اللہ کی دی ہوئی خوشخبری پوری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن قوم یہود کو ذلیل و رسوا کیا۔ اسی طرح مدینہ کے یہودی بنوقینقاع، بنونضیر اور بنو قریظہ کو ذلت و رسوائی سے دوچار کیا۔ اسی طرح صحابہ کرام نے شام میں بسنے والے نصاریٰ کے کروفر کو خاک میں ملا کر ملک شام کو ان کے ہاتھوں سے چھین لیا۔ ملک شام میں مسلمانوں کا ایک گروہ اسلام پر قائم رہے گا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔ تو وہ بھی دین اسلام اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا التسلیم کے مطابق حکم کریں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیہ کو ختم کریں گے اور اسلام کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہیں کریں گے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ: وہ جہاں بھی ہوں گے ذلت اور رسوائی ان پر مسلط ہو گی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر ذلت ورسوائی کو لازم کر دیا ہے۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور یہ ذلت ورسوائی ان کا مقدر رہے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی پناہ کے ساتھ یعنی جب وہ مسلمان حکمران کی اطاعت قبول کرلیں، جزیہ ادا کریں اور ریاستی قوانین کو اپنے اوپر لاگو کرلیں۔ اور لوگوں کی پناہ میں۔ یعنی مسلمانوں میں سے کوئی انہیں پناہ دے دے۔ اگر چہ وہ پناہ دینے والی عورت ہی کیوں نہ ہو۔ اور ایک قول کے مطابق مسلمان غلام کی پناہ بھی قابل قبول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں "حبل" سے مراد عہد ہے۔ مجاہد عکرمہ، عطاء وغیرہم سے بھی یہی مروی ہے۔

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ: وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے اور محتاجی اور فقیری ان پر مسلط کر دی گئی۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور ناحق انبیاء کرام کو قتل کرتے تھے۔ انہوں نے ان شنیع افعال کا ارتکاب اپنے تکبر، سرکشی اور حسد کی وجہ سے کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ذلت ورسوائی اور محتاجی وفقیری مسلط کر دی۔ اس کے ساتھ ساتھ آخرت میں جو عذاب ملے گا وہ علیحدہ ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ: اور یہ بے باکی اس لیے تھی کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور سرکشی کیا کرتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار، اس کے رسل کا قتل۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ احکام الٰہی کی نافرمانی کیا کرتے تھے۔ اور شریعت الٰہی میں حد سے تجاوز کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل ایک دن میں تین تین سو انبیاء کو قتل کر ڈالتے تھے۔ اور دن کے آخری حصہ میں اپنے کاموں میں لگ جاتے تھے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝١١٣ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١١٤ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝١١٥ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ

اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَھْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

''سب یکساں نہیں اہل کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے یہ تلاوت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی رات کے اوقات میں اور وہ سجدے کرتے ہیں۔ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روز آخرت پر اور حکم دیتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں اور یہ لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔ اور جو یہ کریں گے نیک کاموں سے تو ہرگز انکار نہ کیا جائے گا اس کار خیر کا۔ اور اللہ جاننے والا ہے پرہیزگاروں کو۔ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہرگز نہ بچا سکیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے ذرہ بھر اور وہ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ مثال اس کی جو وہ خرچ کرتے ہیں اس دنیوی زندگی میں ایسی ہے جیسے ہوا ہو اس میں سخت ٹھنڈک ہو (اور) لگے وہ ایک قوم کے کھیت کو جنہوں نے ظلم کیا ہو اپنے نفسوں پر پھر فنا کر دے اس کھیت کو۔ نہیں ظلم کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں''۔

لَيْسُوْا سَوَاۗءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اہل کتاب اور امت محمد یہ برابر نہیں۔ اس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس کو حضرت عبداللہ بن مسعود نے ہی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے عشاء کی نماز کو بہت مؤخر کر دیا۔ جب آپ گھر سے باہر تشریف لائے۔ میں نے دیکھا کہ صحابہ کرام نماز کے منتظر ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے علاوہ اہل ادیان میں سے کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہو۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ لیکن اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان یہودی علماء کے بارے میں نازل ہوئی جو مشرف باسلام ہوئے۔ ان میں عبداللہ بن سلام، اسد بن عبید اور ثعلبہ بن شعبہ وغیرھم شامل ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ اہل کتاب جن کی سابقہ آیات میں مذمت بیان ہوئی ہے اور وہ جو اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے برابر نہیں۔ یعنی وہ تمام کے تمام برابر نہیں ان میں سے بعض مجرم ہیں بعض مومن۔ اس لیے ارشاد فرمایا اہل کتاب کا ایک گروہ حق پر قائم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی شریعت کی پابندی کرتے ہیں اور اس کے نبی علیہ السلام کی اتباع کرتے ہیں۔ رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ نماز تہجد ادا کرتے ہیں اور اس میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ اور یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔ انہی کا ذکر اس سورت کے آخر میں بھی ہے۔ اسی لیے یہاں ارشاد فرمایا وہ نیکی کے جو کام کیا کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضائع نہیں ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی بہترین جزاء دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو جاننے والا ہے۔ کسی کا عمل اس پر مخفی نہیں اور کسی کی نیکی کا اجر اس کے پاس ضائع نہیں ہوگا۔ اس کے بعد کفار و مشرکین کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ یعنی جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے مال اور اولاد انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے اور وہی دوزخی ہیں وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی اس دنیا میں مال خرچ کرنے کی مثال بیان کی

1۔ مسند احمد، 936/1

ہے۔ارشاد فرمایا اس دنیاوی زندگی میں جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہوا ہو، اس میں سخت ٹھنڈ ہو اور وہ ہوا اس قوم کے کھیت کو لگے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور وہ اس کھیت کو فنا کر دے۔"صرّ" کا معنی سخت سردی ہے۔بعض نے کہا ہے سخت سردی اور برف باری۔بعض نے کہا ہے اس سے مراد آگ ہے۔بہر حال ان کا معنی قریب قریب ہے۔کیونکہ جس طرح سخت سردی اور برف باری کھیت کو جلا دیتی ہے۔اسی طرح آگ بھی جلا دیتی ہے۔"فَاَهْلَكَتْهُ" کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کھیت کو جلا دے۔یعنی جب وہ کھیتی پک کر بالکل تیار ہو اور اس کے مالک کو اس کی بڑی ضرورت ہو۔اس وقت وہ ہوا اس کو جلا دے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے اس دنیا میں کئے ہوئے اعمال کو ضائع کر دے گا۔جس طرح کہ اس کھیتی کو اس کے مالک کے گناہوں کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔پھر ارشاد فرماتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔بلکہ یہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿118﴾ ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّھٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿119﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿120﴾ ع

"اے ایمان والو! نہ بناؤ اپنا راز دار غیروں کو وہ کسر نہ اٹھا رکھیں گے تمہیں خرابی پہنچانے میں وہ پسند کرتے ہیں جو چیز تمہیں ضرر دے ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں (یعنی زبانوں) سے اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے۔ہم نے صاف بیان کر دیں تمہارے لیے اپنی آیتیں اگر تم سمجھ دار ہو۔سنو! تم تو وہ (پاک دل) ہو کہ محبت کرتے ہو ان سے اور وہ (ذرا) محبت نہیں کرتے تم سے اور مانتے ہو تم سب کتابوں کو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو چباتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے (اے حبیب!) آپ فرمایئے مر جاؤ اپنے غصہ (کی آگ میں جل کر) یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے دلوں کی باتوں کا۔(ان کا حال تو یہ ہے کہ) اگر پہنچے تمہیں کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے انہیں اور اگر پہنچے تمہیں کوئی تکلیف تو (بڑے) خوش ہوتے ہیں اس سے اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو نہ نقصان پہنچائے گا تمہیں ان کا فریب کچھ بھی بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں (اس کا) احاطہ کیے ہوئے ہے"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو منافقین اور مشرکین سے گہری دوستی لگانے اور انہیں اپنا راز دار بنانے سے منع کرتا ہے۔یعنی مسلمانوں کو اپنے پوشیدہ راز اور اپنے دشمنوں کے خلاف جنگی چالوں سے منافقین کو آگاہ نہیں کرنا چاہیے۔کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے اور اپنی پوری کوشش صرف کرتے ہیں اور ہر قسم کے دھوکہ، فریب کو کام میں لا کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔اور اس فعل کو پسند کرتے ہیں جو مسلمانوں کے لیے تکلیف اور رنج کا باعث ہو۔

''بِطَانَةً'' کسی انسان کے دوست اور راز دار کو کہتے ہیں۔ ''مِّنۡ دُوۡنِکُمۡ'' سے مراد مسلمانوں کے علاوہ باقی دوسرے لوگ ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب بھی اللہ تعالیٰ کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے یا کسی کو خلیفہ مقرر کرتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے دو راز دار بھی ہوتے ہیں۔ ایک اسے نیکی کا حکم دیتا ہے۔ اور اسے نیکی کی ترغیب دیتا ہے۔ دوسرا اسے برائی کا حکم دیتا ہے اور اس پر اسے برانگیختہ کرتا ہے۔ اور معصوم وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ بچالے (1)۔ اس حدیث کی اس کے علاوہ اور بھی مختلف اسناد ہیں۔ امیر المومنین حضرت عمر سے عرض کی گئی یہاں حیرہ کا ایک پڑھا لکھا شخص ہے۔ جو اچھی قوت حافظہ کا مالک ہے۔ اسے آپ اپنا کاتب مقرر کرلیں۔ آپ نے فرمایا اگر میں نے ایسا کیا تو اس طرح میں مسلمانوں کو چھوڑ کر ایک غیر کو اپنا بطانہ (راز دار) بناؤں گا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اس آیت کریمہ اور حضرت عمر کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے۔ اہل ذمہ کو ایسے مناصب پر مقرر نہ کیا جائے جن کے ذریعہ وہ مسلمانوں کے بھیدوں سے آگاہ ہو کر انہیں ان کے دشمنوں تک پہنچادیں۔ ازہر بن راشد فرماتے ہیں لوگ احادیث سننے کے لیے حضرت انس کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اگر کسی حدیث کا معنی و مفہوم انہیں سمجھ میں نہ آتا تو وہ حضرت حسن بصری سے پوچھ لیتے تو آپ ان کی وضاحت فرمادیتے۔ ایک دن حضرت انس نے ایک حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو۔ اور اپنی انگوٹھیوں میں عربی نقش نہ کرو۔ وہ یہ حدیث سن کر حضرت حسن بصری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا دوسرے جملہ کا مطلب تو یہ ہے کہ اپنی انگوٹھیوں پر محمد نہ لکھواؤ اور پہلے جملہ کا معنی یہ ہے کہ اپنے امور میں مشرکین سے مشورہ نہ لو۔ پھر آپ نے فرمایا اس حدیث کی تصدیق قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اس حدیث کو حافظ ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو نسائی اور امام احمد بن حنبل نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن آپ نے اس حدیث کی جو تشریح بیان کی وہ محل نظر ہے۔ کیونکہ انگوٹھیوں میں عربی نقش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انگوٹھی پر عربی عبارت نہ لکھو تا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی کے مشابہ نہ ہوجائے۔ کیونکہ آپ کی انگوٹھی پر ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ اور حدیث پاک میں اس کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے۔ اور پہلے جملہ کا معنی یہ ہے کہ تم مشرکین کے شہروں میں ان کے قریب نہ رہو۔ بلکہ ان سے دور ہو جاؤ اور ان کے وطن سے ہجرت کر جاؤ۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے مسلم اور مشرک کا گھر اتنا دور ہونا چاہیے کہ ان کی آگ ایک دوسرے کو نظر نہ آئے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا جو کسی مشرک کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے وہ اسی مشرک کی مثل ہو جاتا ہے۔

وَقَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ: بغض ان کے موہنوں سے ظاہر ہو چکا ہے۔ ان کے چہروں پر اس کے اثرات ظاہر ہیں۔ اور ان کی زبانوں سے بھی وقتاً فوقتاً دشمنی کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ اور اسلام کے خلاف جو بغض و عناد ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وہ کسی صاحب عقل و خرد سے پوشیدہ نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا ہم نے اپنی آیات تمہارے لیے صاف بیان فرمادی ہیں اگر تم سمجھ دار ہو۔

هٰۤاَنۡتُمۡ اُولَآءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ: اے مسلمانو! تم تو منافقین کے ظاہری ایمان کو دیکھ کر ان سے محبت کرتے ہو لیکن وہ تم سے کسی قسم کی ظاہری و باطنی محبت نہیں رکھتے۔ اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو یعنی تمہیں ان میں سے کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ لیکن یہ لوگ شک و شبہ میں مبتلا ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ تم اپنی کتاب قرآن کریم اور سابقہ کتب پر ایمان رکھتے ہو اور وہ تمہاری کتاب کے منکر ہیں۔ تو اس طرح تم ان کے نزدیک بدرجہ اولیٰ مبغوض ہو۔

1۔ فتح الباری، کتاب الاحکام 189/13

وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا: اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں۔ اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو تم پر غصہ سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔ ''اَنَامِلَ'' انگلیوں کے پوروں کو کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، سدی اور ربیع بن انس فرماتے ہیں انامل سے مراد انگلیاں ہیں۔ منافقوں کا یہی حال ہے کہ مومنوں کے سامنے تو اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور ان سے اپنی محبت جھلاتے ہیں اور باطنی طور پر اس کے برعکس ہیں۔

قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ: یعنی تم مومنوں پر خواہ کتنا ہی حسد کرو۔ اور اپنے غیظ وغضب کا اظہار کرو لیکن یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر اپنے دین اور نعمت کو ہر حال میں مکمل فرمائے گا۔ اور وہ اپنے دین کو باقی تمام ادیان پر غالب فرمائے گا۔ اور تم اپنے غصہ کی آگ میں جل کر مر جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ دل کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ یعنی تم نے اپنے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف جو بغض وحسد اور کینہ وعناد چھپایا ہے وہ اس سے خوب آگاہ ہے۔ وہ تمہیں دنیا میں بھی اس کی سزا دے گا کہ مسلمانوں کو تمہاری آرزو کے خلاف ترقی عطا فرمائے گا اور آخرت میں نار جہنم کے شدید عذاب سے دوچار کرے گا جس میں تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہو گے۔ تمہارے لیے اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ: ان کا تو یہ حال ہے کہ اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بڑی تکلیف ہوتی ہے اور اگر تمہیں کوئی برائی پہنچے تو اس سے بڑے خوش ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں مسلمانوں سے شدید عداوت ہے اگر مسلمانوں کو فتح ونصرت، تائید الٰہی اور خوشحالی حاصل ہو تو منافقین کو اس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اور اگر مسلمان قحط سالی میں مبتلا ہو جائیں یا کسی حکمت خداوندی کی وجہ سے اپنے دشمن سے مغلوب ہو جائیں تو یہ منافقین بہت خوش ہوتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تو ان کا مکروفریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخالفین کے مکروفریب اور ان کے شر سے بچنے کا طریقہ ارشاد فرمایا ہے۔ وہ صبر کریں، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور اسی پر مکمل بھروسہ کریں۔ کیونکہ وہ ان کے دشمنوں کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ اس کے حکم بغیر وہ اُنکو نقصان نہیں پہنچا سکتے اللہ تعالیٰ کی ذات تو وہ ہے کہ اگر کسی چیز کا ارادہ فرمالے تو وہ وجود میں آجاتی ہے۔ اور جس چیز کا ارادہ نہ فرمائے وہ عدم میں رہتی ہے۔ ہر چیز کا وجود اس کی قضاء وقدر پر موقوف ہے جو اس پر توکل اور بھروسہ کرتا ہے۔ اس کے لیے وہ کافی ہوتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد کے واقعات کو بیان فرمایا ہے کہ اس نے اس غزوہ میں اپنے مومن بندوں کو کیسے آزمایا۔ اور کیسے مومنین اور منافقین میں خط امتیاز کھینچا اور پھر صبر کرنے والوں کا بھی بیان فرمایا ہے۔

وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

''اور یاد کرو (اے محبوب!) جب صبح سویرے رخصت ہوئے آپ اپنے گھروں سے (اور میدان احد میں) بٹھا رہے تھے مومنوں کو مورچوں پر جنگ کے لیے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ ہمت ہار دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا (اس لیے اس نے اس لغزش سے بچالیا) اور صرف اللہ پر توکل کرنا چاہیے

مومنوں کو اور بے شک مدد کی تھی تمہاری اللہ تعالیٰ نے (میدان) بدر میں حالانکہ تم بالکل کمزور تھے۔ پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے تا کہ تم (اس بروقت امداد کا) شکر ادا کر سکو'۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ: حضرت عبداللہ بن عباس، حسن بصری، قتادہ، سدی اور جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں غزوۂ احد کا ذکر ہے۔ حضرت حسن بصری سے ایک روایت ہے کہ اس سے مراد غزوۂ خندق ہے۔ لیکن یہ روایت غریب ہے اور قابل اعتماد نہیں۔ غزوۂ احد بروز ہفتہ گیارہ شوال تین ہجری کو پیش آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ غزوۂ بدر میں مشرکین کے بہت سے سردار قتل ہو گئے۔ انہوں نے اس کا بدلہ لینے کے لیے بڑے زور وشور سے تیاری کی اور غزوۂ بدر کے دوران مشرکین مکہ کا وہ تجارتی قافلہ جو ابوسفیان کی سرکردگی میں بچ کر نکل گیا تھا اس کے تمام مال اور آمدنی کو جنگ میں صرف کر دیا۔ اپنے اردگرد کے قبائل کو جمع کر کے تین ہزار کا لشکر جرار تیار کیا۔ اور مدینہ طیبہ کے سامنے میدان احد میں اس لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد مالک بن عمرو انصاری کی نماز جنازہ پڑھائی جو قبیلہ بنونجار سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کیا ہمیں مدینہ میں ہی رہ کر دفاع کرنا چاہیے یا مدینہ سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ عبداللہ بن اُبی نے مشورہ دیا کہ ہمیں مدینہ میں ہی ٹھہرنا چاہیے اگر مشرکین مکہ وہیں ٹھہرے رہے تو وہاں ان کا ٹھہرنا ایک برے قید خانے کی مثل ہوگا۔ اگر وہ مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینہ کی گلیوں میں ہمارے نوجوان ان کا مقابلہ کریں گے۔ اور ہماری عورتیں اور بچے چھتوں سے ان پر پتھر برسائیں گے۔ اور اگر وہ یونہی لوٹ گئے تو خائب وخاسر ہو کر لوٹیں گے۔ مگر کچھ ایسے صحابہ کرام جو کسی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ ان کی رائے تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کو تشریف لے گئے تھوڑی دیر بعد آپ ہتھیار لگا کر باہر تشریف لائے۔ اس وقت بعض صحابہ کرام پشیمان ہوئے۔ کہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی منشا کے خلاف باہر نکلنے پر مجبور تو نہیں کیا اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! اگر آپ کا مدینہ میں ٹھہرنے کا ارادہ ہوا تو ایسا ہی کر لیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ہتھیار پہن کر اتار دے تا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی فیصلہ فرما دے۔ آپ ایک ہزار کا لشکر لے کر مدینہ طیبہ سے نکلے۔ شوط کے مقام پر رئیس المنافقین تقریباً اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس چلا آیا۔ اس نے ایسا اس لیے کیا کہ اس کی بات نہیں مانی گئی تھی۔ یہ منافق کہنے لگے اگر جنگ ہوئی تو ہم بھی آ جائیں گے۔ لیکن ہمارا خیال ہے تم جنگ نہیں لڑو گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی پروا کیے بغیر اپنے جانثاروں کے لشکر کو احد پہاڑ کے دامن میں اترنے کا حکم دیا۔ یہاں آپ نے فرمایا۔ جب تک ہم لڑائی کا حکم نہ دیں۔ کوئی جنگ شروع نہ کرے آپ نے اپنے سات سو صحابہ کو جنگ کے لیے تیار کیا۔ آپ نے پچاس تیراندازوں کی ایک جماعت پر عبداللہ بن زبیرؓ کو مقرر فرمایا اور انہیں حکم فرمایا کہ اس پہاڑی پر چڑھ جاؤ اور دشمن کے گھڑ سوار دستوں کو ہم سے دور رکھنا۔ تمہاری طرف سے دشمن ہم پر حملہ آور نہ ہو۔ تم اپنی جگہ سے پیچھے نہ ہٹنا۔ خواہ ہم دشمن پر غالب ہوں یا مغلوب۔ اگر تم دیکھو کہ ہمیں پرندے نوچ رہے ہیں تو پھر بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ ان انتظامات کو مکمل کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دہری زرہ پہنی اور موسیٰ بن عمیر کو جھنڈا عطا فرمایا۔ لشکر میں چند ایک نوخیز نوجوان بھی نظر آ رہے تھے۔ آپ نے بعض کو جنگ میں شریک ہونے کی اجازت عطا فرما دی اور بعض کو واپس بھیج دیا۔ ان نوجوانوں کو بھی دو سال بعد غزوۂ خندق میں لشکر میں شامل ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ قریش کا لشکر بھی جنگ کے لیے تیار تھا۔ ان کی تعداد تین ہزار تھی۔ ان میں سو گھڑ سواروں کا دستہ بھی تھا۔ جس کو انہوں نے ایک طرف کھڑا کر دیا۔ خالد بن ولید کو میمنہ پر، اور عکرمہ بن ابی جہل کو میسرہ پر مقرر کیا اور جھنڈا بنی عبدالدار کو دیا۔ اس کے بعد دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ جس کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یاد کرو اے محبوب! جب صبح سویرے آپ اپنے گھر

سے روانہ ہوئے اور میدان احد میں مومنوں کو جنگ کے لیے مورچوں میں بٹھا رہے تھے۔ یعنی کسی کو میمنہ پر مقرر فرما رہے تھے اور کسی کو میسرہ پر۔ اور اللہ تعالیٰ تمہاری اس گفتگو کو سننے والا اور دلوں کے رازوں کو جاننے والا ہے۔ یہاں ابن جریر نے ایک اعتراض وارد کیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے بعد مدینہ طیبہ سے نکلے تھے اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وہ صبح سویرے نکلے تھے۔ پھر خود ہی اس کا جواب دیا ہے کہ آپ ہفتہ کی صبح کو اپنے مجاہدین کی صفوں کو ترتیب دینے کے لیے نکلے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کا بیان آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآىٕفَتٰنِ مِنْكُمْ: جب تم میں سے دو جماعتوں نے ارادہ کیا کہ وہ ہمت ہار جائیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ہمارے بارے میں ہی نازل ہوئی۔ یعنی ہمارے دو گروہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے بارے میں۔ اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ ہمارے بارے میں نازل نہ ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ ان گروہوں کا ولی اور مددگار ہے۔ اس کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے اور اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ (طائفتان) سے مراد بنو حارثہ اور بنو سلمہ ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ: اور بے شک اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں تمہاری مدد کی تھی۔ حالانکہ تم اس وقت کمزور تھے۔ غزوۂ بدر بروز جمعہ، سترہ رمضان المبارک دو ہجری کو پیش آیا۔ یہ وہی یوم فرقان ہے۔ جس دن اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو عزت بخشی، شرک کو جڑ سے اکھیڑا اور مشرکین کو ذلیل و رسوا کر کے تباہ و برباد کیا۔ حالانکہ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد انتہائی قلیل تھی۔ مسلمانوں کا لشکر صرف تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھا۔ اس میں دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے اور باقی پیادہ۔ ان کے پاس بنیادی ضروریات کا معمولی سامان بھی نہ تھا۔ اس کے مقابلہ میں دشمن کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔ جو لوہے کی زرہوں اور ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح تھے۔ ان کے پاس ہر قسم کے جنگی ساز و سامان کے علاوہ اعلیٰ نسل کے گھوڑے بھی تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور آپ کے اصحاب کے چہروں کو روشن کیا۔ شیطان اور اس کے چیلوں کو ذلت و رسوائی سے دوچار کیا۔ اس لیے یہاں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اپنا احسان یاد کراتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہاری میدان بدر میں مدد کی تھی۔ حالانکہ اس وقت تم انتہائی کمزور اور قلیل تعداد میں تھے۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ نہ کہ لشکر کی کثرت اور جنگی ساز و سامان کی فراوانی سے۔ لہٰذا ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا (التوبہ:25) ''اور حنین کے روز بھی، جب کہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے پس نہ فائدہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی''۔ حضرت عیاض اشعری فرماتے ہیں کہ میں جنگ یرموک میں موجود تھا۔ ہمارے پانچ سپہ سالار، ابو عبیدہ، یزید بن سفیان، ابن حسنہ، خالد بن ولید اور عیاض تھے۔ یہ عیاض راوی حدیث نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے خط بھیجا کہ جب معرکہ شروع ہو تو حضرت ابو عبیدہؓ کو اپنا سپہ سالار بنالینا۔ ہم نے جواب میں لکھا موت ہمارے سر پر کھڑی ہے۔ ہماری مدد کے لیے کچھ لشکر بھیجیں۔ انہوں نے جواباً ہمیں لکھا مجھے تمہارا خط پہنچ گیا ہے۔ جس میں تم نے کمک کا مطالبہ کیا ہے۔ لیکن میں تمہاری راہنمائی اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہوں۔ جو فتح و نصرت عطا کرنے میں سب سے غالب اور لشکر کی نسبت زیادہ محفوظ ہے۔ پس اللہ سے مدد طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو غزوۂ بدر میں مدد اور نصرت سے نوازا تھا۔ حالانکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد تم سے بہت کم تھی۔ میرا خط ملتے ہی دشمن پر حملہ کر دو۔ اور اس سلسلے میں مجھے دوبارہ نہ لکھنا۔ راوی فرماتے ہیں ہم نے آپ کے حکم کے مطابق دشمن پر حملہ بول دیا۔ انہیں چار فرسخ پیچھے دھکیل کر بدترین شکست سے دوچار کیا۔ راوی فرماتے ہیں اس جنگ میں ہمیں بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔ جب ہم نے اس کے بارے میں باہمی مشورہ کیا۔ تو حضرت عیاض نے فرمایا ہم ہر شخص کو دس گھوڑے عطا کریں گے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے بعد حضرت ابو

عبیدہ نے فرمایا میرے ساتھ کون گھڑ دوڑ میں شریک ہونا چاہتا ہے۔ ایک نوجوان نے کہا آپ ناراض نہ ہوں تو تیار ہوں۔ راوی فرماتے ہیں۔ وہ نوجوان آپ سے سبقت لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت ابوعبیدہ اپنے عربی گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ کے سر کے بال دونوں طرف سے اٹھے ہوئے تھے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ حافظ الضیاء مقدسی نے بھی اسے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ بدر مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے۔ جو بدر نامی کنواں سے منسوب ہے۔ اس کنویں کو بدر بن نارین نے کھودا تھا۔ شعبی کا بھی یہی قول ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم اس کی بروقت امداد کا شکر ادا کر سکو۔

اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓٮِٕكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓٮِٕكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰى لَكُمۡ وَلِتَطۡمَٮِٕنَّ قُلُوۡبُكُمۡ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَوۡ يَكۡبِتَهُمۡ فَيَنۡقَلِبُوۡا خَآٮِٕبِيۡنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اَوۡ يُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۹﴾

"(عجب سہانی گھڑی تھی) جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما رہے تھے مومنوں سے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے۔ ہیں ہاں کافی ہے بشرطیکہ تم صبر کرو اور تم تقویٰ اختیار کرو اور اگر آدھمکیں کفار تم پر تیزی سے اسی وقت تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں۔ اور نہیں بنایا فرشتوں کے اترنے کو اللہ نے مگر خوشخبری تمہارے لئے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے اور (حقیقت تو یہ ہے) کہ نہیں ہے فتح و نصرت مگر اللہ کی طرف سے جو سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ (یہ مدد اس لئے تھی) تاکہ کاٹ دے ایک حصہ کافروں سے یا ذلیل کر دے ان کو پس لوٹ جائیں نامراد ہو کر۔ نہیں ہے آپ کا اس معاملہ میں کوئی دخل چاہے تو اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے چاہے تو عذاب دے انہیں بے شک وہ ظالم ہیں۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے"۔

اس وعدہ کے متعلق اختلاف ہے کیا یہ وعدہ غزوۂ بدر کے متعلق ہے یا اس کا تعلق غزوۂ احد سے ہے۔ علماء مفسرین کے دو قول ہیں:

1۔ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ کا تعلق وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ سے ہے۔ یہ قول حضرات حسن بصری، عامر شعبی اور ربیع بن انس وغیرہ سے روایت ہے اور ابن جریر نے اسے منتخب کیا ہے۔ عباد بن منصور حضرت حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ......غزوۂ بدر کے متعلق ہے۔ ابن ابی حاتم اسے روایت کرنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ کرز بن جابر مسلمانوں کی مدد کر رہا ہے۔ یہ سن کر انہیں بہت دکھ ہوا۔ اس وقت اس آیت کا نزول ہوا کرز کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ نہ مسلمانوں کی مدد کر سکا اور نہ ہی کفار کی۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں پہلے اللہ تعالیٰ نے ہزار ملائکہ بھیج کر مسلمانوں کی مدد کی۔ پھر ان کی

تعداد تین ہزار اور بعد میں چار ہزار کر دی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت اور اللہ کے اس فرمان: اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ (انفال:9) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں الف (ایک ہزار تعداد) کا تعین تین ہزار یا اس سے زائد ملائکہ کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا مُرْدِفِيْنَ کا ذکر کیا ہے۔ اس کا معنی ہے کہ ان جیسے کئی ہزار ملائکہ ان کے بعد آئیں گے۔ سورۂ آل عمران میں ذکر کردہ آیت میں اس آیت کے ساتھ تشبیہ ہے ظاہر یہی ہے کہ یہ آیت غزوۂ بدر کے متعلق ہے کیونکہ مشہور قول کے مطابق غزوۂ بدر میں ہی ملائکہ قتال میں شریک ہوئے تھے۔ سعید بن ابی عروبہ حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار ملائکہ سے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ وعدہ اللہ رب العزت کے اس فرمان کے متعلق ہے: وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (آل عمران:121) جبکہ یہ آیت غزوۂ احد کے متعلق ہے۔ یہ قول حضرات مجاہد، عکرمہ، ضحاک، زہری اور موسیٰ بن عقبہ وغیرہ کا ہے لیکن وہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو پانچ ہزار ملائکہ کی تائید حاصل نہ ہو سکی کیونکہ مسلمان ڈٹ کر نہ لڑ سکے اور حضرت عکرمہ فرماتے ہیں اس روز مسلمانوں کی اعانت تین ہزار ملائکہ سے بھی نہ ہوئی کیونکہ اللہ کا فرمان تھا: بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لیکن مسلمانوں نے صبر نہ کیا بلکہ بھاگ گئے اس طرح ان کی مدد ایک فرشتے سے بھی نہ کی گئی۔ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا اگر تم نے دشمن کے ساتھ جنگ پر صبر کیا، میری اطاعت کی اور مجھ سے ڈرتے رہے۔ وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا حضرات حسن، قتادہ، ربیع اور السدی کہتے ہیں اَیْ مِنْ غَضَبِهِمْ هٰذَا۔ یعنی ان کے اس غصہ کی وجہ سے۔ علامہ ضحاک نے غصہ اور وجہ دونوں کا ذکر کیا ہے۔ علامہ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں مِنْ سَفَرِهِمْ هٰذَا۔ ان کے سفر کی وجہ سے يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ۔ یعنی ان کی پیشانیوں پر نشانات ہوں گے۔ ابو اسحاق البیھقی، حارثہ بن مغرب اور وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ غزوۂ بدر کے روز ملائکہ کی علامت یہ تھی کہ انہوں نے سفید صوف پہن رکھا تھا۔ ان کے گھوڑوں کے چہروں پر مخصوص علامت تھی۔ اسے ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اس آیت میں مُسَوِّمِيْنَ سے مراد سفید صوف ہے۔ حضرت مجاہد سے روایت ہے "مُسَوِّمِيْنَ" سے مراد یہ ہے کہ ان کے گھوڑوں کی گردنوں کے بال برابر ہے۔ ان کی پیشانیوں پر گھوڑوں کی دموں کی طرح بال تھے۔ حضرت علامہ عوفی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ ملائکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حالت میں آتے کہ ان پر صوف کے نشانات لگے تھے۔ اس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے بھی اپنے آپ پر اور اپنے گھوڑوں پر صوف کے نشانات لگا دیئے۔

حضرت عکرمہ اور قتادہ فرماتے ہیں اس سے مراد قتال کی علامت ہے۔ علامہ مکحول نے اس سے مراد عمامے لئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی محترم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "مُسَوِّمِيْنَ" سے مراد نشانات لگائے ہوئے ہیں۔ غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے ملائکہ نے سیاہ اور غزوۂ حنین میں شرکت کرنے والے ملائکہ نے سرخ عمامے پہن رکھے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ غزوۂ بدر کے علاوہ ملائکہ نے کسی اور جنگ میں قتال نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے ہی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں غزوۂ بدر کے روز ملائکہ نے سفید عمامے پہن رکھے تھے۔ انہوں نے انہیں اپنی پشتوں کی طرف لٹکا رکھا تھا انہوں نے غزوۂ حنین کے دن بھی عمامے پہن رکھے تھے ملائکہ نے غزوۂ بدر کے علاوہ کسی اور غزوۂ میں قتال نہیں کیا۔ دیگر غزوات میں وہ اعانت اور تعداد کے لئے شرکت تو کرتے تھے لیکن شمشیر زنی نہیں کرتے تھے۔

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں حضرت زبیر نے غزوۂ بدر کے دن زرد عمامہ پہن رکھا تھا۔ انہوں نے تمام عمامہ اپنے سر کے اردگرد لپیٹ رکھا تھا جب ملائکہ آئے تو انہوں نے بھی زرد عمامے پہن رکھے تھے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰى لَكُمۡ.......... اللہ رب العزت نے ملائکہ کو اس لئے نازل کیا اور تمہیں ان کے نزول کی خبر اس لئے دی تاکہ تمہیں مژدہ جانفزا مل جائے اور تمہیں اطمینان قلب حاصل ہو سکے۔ نصرت و اعانت تو اللہ کی طرف سے ہے اگر وہ چاہتا تو وہ تمہیں چھوڑ کر تمہارے دشمنوں کی مدد کر دیتا۔ تمہارے ساتھ جنگ لڑنے کی انہیں کوئی ضرورت نہ تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کا حکم دینے کے بعد فرمایا: ذٰلِكَ ۛؕ وَلَوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانۡتَصَرَ مِنۡهُمۡ وَلٰكِنۡ لِّيَبۡلُوَا۟ بَعۡضَكُمۡ بِبَعۡضٍ ؕ وَالَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَلَنۡ يُّضِلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ۝ سَيَهۡدِيۡهِمۡ وَيُصۡلِحُ بَالَهُمۡ ۝ وَيُدۡخِلُهُمُ الۡجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمۡ ۝ (محمد:6-4)۔

بات یہ ہے اور اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لیتا مگر اس لئے کہ تم میں سے ایک کو دوسرے سے جانچے اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے اللہ ہرگز ان کے عمل ضائع نہ فرمائے گا۔ جلد انہیں راہ دے گا اور ان کا کام بنا دے گا اور انہیں جنت میں لے جائے گا انہیں اس کی پہچان کرا دی ہے۔

اسی لئے رب العزت نے فرمایا: وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰى لَكُمۡ وَلِتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُكُمۡ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ وہ ان عزتوں کا مالک ہے جن کا قصد نہیں کیا جا سکتا اس کی قدرت و استحکام میں کئی حکمتیں پنہاں ہیں۔

لِيَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا۔ تمہیں جہاد اور شمشیرزنی کا حکم دینے میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان تمام اقسام کا ذکر فرمایا جو لڑنے والے کفار میں ممکن تھیں۔ فرمایا لِيَقۡطَعَ طَرَفًا کفار میں سے ایک گروہ کو ہلاک کرے۔ اَوۡ يَكۡبِتَهُمۡ یا انہیں رسوا کرے اور ان کے ارادہ کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا کر ان کے غیض و غضب میں اضافہ کرے پھر وہ اس حالت میں لوٹیں کہ وہ خائب و خاسر ہوں اور انہیں مقصد نہ مل سکے پھر اللہ رب العزت نے وہ آیت ذکر فرمائی جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ دنیا و آخرت میں حکم اللہ رب العزت کے لئے ہے جو وحدہ لاشریک ہے۔ لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں۔ تمام معاملہ اللہ کے لئے ہے۔ ارشاد ربانی: فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ (رعد:40) ''بے شک آپ کے اوپر پہنچانا ہے اور ہمارے اوپر حساب''۔ لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰٮهُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ (بقرہ:272) ''انہیں راہ دینا تمہارے ذمہ لازم نہیں ہاں اللہ راہ دیتا ہے جسے چاہتا ہے''۔ اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ (قصص:56) ''بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کرو ہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے''۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں اس آیت کا مفہوم یہ ہے میرے بندوں کے حکم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی دخل ہے جو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دوں پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کی دیگر ممکنہ صورتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ یا اللہ تعالیٰ ان کے کفر کو معاف فرمائے اور گمراہی کے بعد انہیں ہدایت عطا فرمائے اَوۡ يُعَذِّبَهُمۡ یا انہیں دنیا و آخرت میں ان کے کفر اور ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کرے فرمایا۔ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ وہ اس عذاب کے مستحق ہیں۔

امام بخاری نے حضرت ابو سالم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دوسری رکعت سے سر اٹھاتے تو ''سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولك الحمد'' کہنے کے بعد دعا کرتے اللھم العن فلانا و فلانا۔ مولانا! فلاں، فلاں پر اپنی لعنت فرما۔ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل کی لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ..... امام نسائی اور امام

عبدالرزاق نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ حضرت ابو سالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی: ''مولا! فلاں پر لعنت فرما، مولا! حارث بن ہشام پر لعنت فرما، مولا نا! سہیل بن عمرو پر لعنت فرما، مولا! صفوان بن امیہ پر لعنت فرما۔'' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کی توبہ کو قبول کر لیا۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار افراد کے لئے بددعا فرمایا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت کی توفیق عطا فرمائی۔ محمد بن عجلان حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشرقین میں سے کچھ افراد کے لئے بددعا فرماتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے لئے بددعا کا ارادہ فرماتے تو رکوع سے اٹھنے کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد اس کے لئے بددعا کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی مولا! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما، کمزور مومنین کو نجات دے۔ مولا! بنو مضر پر اپنی سختی کو شدید فرما، ان پر ایسا قحط مسلط فرما جس طرح کا قحط تو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مسلط فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بلند آواز سے مانگتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فجر کی نماز میں اس طرح بددعا فرمایا کرتے تھے مولا! عرب کے قبائل میں سے فلاں فلاں پر لعنت فرما۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

امام بخاری فرماتے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب غزوۂ احد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم کامیاب ہو سکتی ہے جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کرتی ہو اس وقت آیت نازل ہوئی۔ امام بخاری حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی آخری رکعت سے سر اٹھاتے تھے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد عرض کرتے مولا! فلاں، فلاں پر اپنی لعنت بھیج اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حنظلہ بن ابی سفیان سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبداللہ کو سنا وہ فرمار ہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ، سہیل بن اشرف اور حارث بن ہشام کے لئے بددعا کی۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی۔

امام احمد فرماتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احد کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ رخ انور زخمی ہو گیا۔ طلعت زیبا سے خون رواں ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کیا ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بددعا کی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو گئے چہرہ مبارک زخمی ہو گیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''زرہیں پہن رکھی تھیں۔ خون رواں تھا۔ حضرت ابو حذیفہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھایا۔ رخ زیبا سے خون صاف کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوا تو فرمایا وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ سلوک کیا ہو جبکہ انہیں بارگاہ ربوبیت کی طرف بلاتا ہو۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۔ تمام ملک اس کے لئے ہے زمین اور آسمان والے اس کے بندے ہیں۔ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ۔ وہ ہر قسم کا تصرف فرمانے والا ہے۔ اس کے حکم کے متعلق کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ جو وہ کرتا ہے اس کے متعلق اس سے سوال

نہیں کیا جائے گا جبکہ مخلوق سے پوچھا جائے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿١٣١﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٣﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٤﴾ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿١٣٦﴾

''اے ایمان والو! نہ کھاؤ سود دوگنا چوگنا کر کے اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے۔ اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول (کریم) کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور دوڑو بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور (دوڑو) جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو تیار کی گئی پرہیز گاروں کے لیے۔ وہ (پرہیز گار) جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی اور تنگ دستی میں اور ضبط کرنے والے ہیں غصہ کو اور درگزر کرنے والے ہیں لوگوں سے اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے احسان کرنے والوں سے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کر بیٹھیں گے جو کوئی برا کام یا ظلم کریں اپنے آپ پر (تو فوراً) ذکر کرنے لگتے ہیں اللہ کا اور معافی مانگنے لگتے ہیں اپنے گناہوں کی اور کون بخشتا ہے گناہوں کو اللہ کے سوا۔ اور نہیں اصرار کرتے اس پر جو ان سے سرزد ہوا اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں۔ یہ وہ (نیک بخت) ہیں جن کا بدلہ بخشش ہے اپنے رب کی طرف سے اور جنت رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں کیا ہی اچھا بدلہ ہے کام کرنے والوں کا''۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو سودی کاروبار اور سود خوری سے منع فرما رہا ہے دور جاہلیت میں بعض لوگ سود پر قرض دیتے تھے۔ مقررہ وقت پر وہ قرض دار کو کہتے یا تو اپنا قرضہ ادا کردو یا اس میں سود میں اضافہ کرو۔ اگر وہ قرض ادا کر دیتا تو فبہا۔ وگرنہ وہ مدت میں اضافہ کرنے کے ساتھ سود میں بھی اضافہ کر دیتے۔ اس طرح ہر سال اضافہ کرتے جاتے جس کی وجہ سے تھوڑا سا قرض کئی گناہ ہو جاتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تقویٰ کا حکم دیا ہے تاکہ وہ دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو سکیں، اور اس کے ساتھ ساتھ آتش دوزخ سے بھی ڈرایا ہے پھر اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دے کر اپنے قرب کے حصول کے لیے سبقت لے جانے کی تاکید فرمائی ہے۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ: جس طرح اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے نار جہنم تیار کی ہے اسی طرح مومن کے لیے جنت تیار کی ہے جس کا عرض زمین و آسمان کے برابر ہے اس کی لمبائی کا کیا عالم ہوگا۔ جس طرح جنتی بستر کی تعریف میں فرمایا بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ (رحمٰن: 54)

یعنی اس کا استر نرم ریشم کا بنا ہوا ہے۔ جب اس کا استر اتنا نرم ہے تو اس کا ظاہر کتنا نرم ہوگا۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جنت کی چوڑائی اور لمبائی برابر ہے کیونکہ جنت عرش کے نیچے واقع ہے اور جو چیز قبہ نما گول ہو اس کی لمبائی اور چوڑائی برابر ہوتی ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث اس کی تائید کرتی ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو تو اس سے جنت فردوس مانگا کرو کیونکہ یہ سب سے اعلیٰ اور عمدہ جنت ہے اسی سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کی چھت اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔'' یہ آیت کریمہ سورۂ حدید کی اس آیت (تیزی سے آگے بڑھو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان وزمین کے برابر ہے)۔ کی مثل ہے۔ مسند امام میں ہے کہ شہنشاہِ روم ہرقل نے بطور اعتراض حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سوال بھیجا کہ آپ نے مجھے جس جنت کی دعا دی ہے اس کی چوڑائی زمین وآسمان کے برابر ہے تو فرمایئے جہنم کہاں گئی۔ رسول خدا ﷺ نے جواب میں فرمایا سبحان اللہ! جب دن آتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے۔ حضرت یعلی بن مرہؓ فرماتے ہیں کہ حمص میں میری ملاقات ہرقل کے اس قاصد سے ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہرقل کا خط لے کر گیا تھا۔ وہ اس وقت بہت بوڑھا ہو چکا تھا اس نے بیان کیا کہ جب میں نے یہ خط رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے اپنے بائیں طرف بیٹھے ہوئے ایک صحابی کو یہ خط دیا میں نے لوگوں سے خط پڑھنے والے کا نام دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حضرت معاویہؓ ہیں یہود نے بھی حضرت عمر بن خطابؓ سے یہی سوال کیا تھا۔ آپ نے انہیں ارشاد فرمایا مجھے یہ بتاؤ جب دن آتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے اور جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے۔ یہودی اس جواب سے کھسیانے ہو کر کہنے لگے کہ یہ جواب تو تورات سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہی جواب حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔'' حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب رات آتی ہے تو ہر چیز پر چھا جاتی ہے تو دن کہا جاتا ہے۔ اس نے کہا جہاں خدا چاہتا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا اسی طرح جہنم بھی وہاں ہوگی جہاں اللہ چاہے گا۔'' یہ جواب دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ دن کے وقت رات نظر نہ آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی دوسری جگہ موجود نہ ہو اسی طرح گو جنت کا عرض اتنا ہی ہے لیکن پھر بھی جہنم کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا جہنم اسی جگہ ہے جہاں خدا کی مشیت ہے۔ دوسرا یہ کہ جب دنیا کے ایک حصے میں دن ہوتا ہے تو ایک حصہ میں رات ہوتی ہے اسی طرح جنت آسمان کے اوپر اعلیٰ علیین میں ہے اور دوزخ اسفل السافلین میں ہے۔ اس قول سے مذکورہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّآءِ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کا وصف بیان کیا ہے کہ وہ تنگی اور خوشحالی، خوشی اور غمی، تندرستی اور بیماری الغرض ہر حال میں اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: اَلَّذِينَ يُنْفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً (بقرہ:274) ''ترجمہ: جو لوگ خرچ کیا کرتے ہیں اپنے مال رات اور دن میں چھپ کر اور علانیہ طور پر''۔ مقصد یہ کہ کوئی چیز بھی ان کو اللہ کی اطاعت اور اس کی خوشنودی میں مال خرچ کرنے اور اس کی مخلوق پر احسان کرنے سے نہیں روک سکتی۔

وَالْكٰظِمِينَ الْغَيْظَ: جب ان کو غصہ آتا ہے تو اس کو پی جاتے ہیں یعنی اپنے غصے کا اظہار نہیں کرتے اور برائی سے پیش آنے والے کو معاف کر دیتے ہیں۔ حدیث قدسی ہے اے ابن آدم! اگر غصے کے وقت تو مجھے یاد رکھے گا تو میں تجھے ہلاکت سے بچا لوں گا۔ امام ابو یعلی اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے غصے کو روک لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب دور کر دیتا ہے اور جو شخص اپنی زبان کو (بری باتوں سے) سے محفوظ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا عذر پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول کرتا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں کلام ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول

اللہ علیہ ﷺ نے فرمایا بہادر وہ نہیں جو کشتی میں کسی کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو پالے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا علیہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو۔ لوگوں نے عرض کی ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ تم اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کے مال کو پسند کرتے ہو کیونکہ تمہارا مال حقیقت میں وہی ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اور جو تم باقی چھوڑ جاؤ گے وہ تمہارا نہیں تمہارے وارثوں کا ہوگا پھر ارشاد فرمایا کہ تمہارے نزدیک پہلوان کون ہے۔ ہم نے عرض کی جسے کوئی گرا نہ سکے آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ پھر ارشاد فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ بے اولاد کون ہے ہم نے عرض کی جس کی اولاد نہ ہو آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ بے اولاد وہ ہے جس کی زندگی میں کوئی بچہ فوت نہ ہوا ہو۔ اس حدیث کے پہلے حصے کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں ارشاد فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ مفلس کون ہے۔ صحابہ نے عرض کی جس کے پاس مال نہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ حقیقی مفلس وہ ہے جس کے پاس مال ہو اور وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے اور اسی حالت میں مر جائے پھر آپ نے ارشاد فرمایا پہلوان کون ہے؟ عرض کی کہ وہ جسے کوئی پچھاڑ نے سکے آپ نے فرمایا کہ حقیقی پہلوان وہ ہے جسے شدید غصہ آئے اور غصے سے اس کا چہرہ سرخ اور جسم کپکپانے لگے تو وہ اس غصے کو پی جائے۔ حضرت حارثہ بن قدامہؓ نے حضور علیہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی یا رسول اللہ علیہ ﷺ مجھے کوئی ایسی نصیحت فرمائیں جو میرے لئے فائدہ مند ہو اور مختصر ہوتا کہ میں اسے یاد رکھ سکوں آپ نے فرمایا کہ غصہ نہ کر حضرت حارثہؓ نے بار بار یہی سوال دہرایا اور آپ نے ہر بار یہی جواب دیا۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ علیہ ﷺ مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ غصہ مت کرو۔ وہ شخص کہتا ہے کہ غور وفکر کے بعد کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ غصہ ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ روایت کرتے ہیں حضرت ابوذر غفاریؓ اپنے حوض پر جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ کچھ لوگوں کا وہاں سے گزر ہوا وہ اپنے ساتھ سے کہنے لگے کہ تم میں سے کون ہے جو حضرت ابوذرؓ کے حوض کو توڑ کر انہیں غصہ دلائے؟ ایک شخص نے کہا میں۔ وہ آگے بڑھا اور اس حوض کو توڑ دیا۔ حضرت ابوذر کھڑے تھے۔ آپ بیٹھ گئے اور پھر لیٹ گئے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ علیہ ﷺ نے ہمیں ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے وہ اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اگر بیٹھنے سے غصہ ختم ہو جائے تو ٹھیک ورنہ لیٹ جائے۔ ابووائل اصمعانی فرماتے ہیں ہم حضرت عروہ بن محمد کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک ایک آدمی آیا اور کوئی ایسی بات کہی جس سے وہ غصے میں آ گئے۔ جب آپ کو غصہ آیا تو آپ کھڑے ہو گئے۔ وضو فرمایا اور واپس آ گئے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ علیہ ﷺ سے مروی ہے کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصے آئے تو وہ وضو کر لیا کرے۔ اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس کا قرضہ معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ سے بچا لیتا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا لوگو! غور سے سنو جنت کے اعمال سخت اور مشکل ہیں اور جہنم کا کام آسان اور سہل۔ خوش بخت وہ ہے جو فتنوں سے بچے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غصے کے گھونٹ سے زیادہ اور کوئی پسندیدہ نہیں ہے۔ جب کوئی مومن اللہ تعالیٰ کے لئے غصہ پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور ایمان سے بھر دیتا ہے۔ رسول اللہ علیہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنا غصہ اتارنے کی طاقت رکھنے کے باوجود پی جائے اللہ تعالیٰ اس کا دل امن وامان سے بھر دیتا ہے۔ اور شخص تواضع اور انکساری کی وجہ سے قدرت کے باوجود خوبصورت کپڑا نہ پہنے اللہ تعالیٰ اسے عزت وکرامت کی خلعت پہنائے گا۔ اور جو کسی کا سر چھپائے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن بادشاہت کا تاج پہنائے گا۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص قدرت کے باوجود اپنا غصہ پی لے

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے تمام مخلوق کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ وہ جس حور کو چاہے پسند کر لے۔ اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں۔ اور اس آیت کا یہی مفہوم ہے کہ لوگوں پر اپنا غصے نہیں اتارتے بلکہ غصہ پی کر لوگوں کو تکلیف دینے کی بجائے راحت پہنچاتے ہیں۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی جناب سے ثواب کی امید رکھتے ہیں۔

وَالۡعَافِيۡنَ عَنِ النَّاسِ: وہ لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور جو ان پر ظلم کرے اسے بھی معاف کر دیتے ہیں حتیٰ کہ ان کے دلوں میں کسی کے متعلق کوئی میل نہیں ہوتا۔ یہی مومن کا کامل ترین درجہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ محسن بندوں کو دوست رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں میں تین باتوں پر قسم کھاتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ کہ درگزر کرنے سے بندے کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ یہ تواضع وانکساری کرنے والے کا مقام اللہ تعالیٰ بلند کرتا ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص یہ آرزو رکھتا ہو کہ جنت میں اس کے عالیشان محل ہوں اور درجات بلند ہوں اسے چاہیے کہ وہ ظلم کرنے والے کو معاف کرے، محروم کرنے والے کو عطا کرے اور قطع تعلق کرنے والے سے صلح رحمی کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن نداء دینے والا پکارے گا اے لوگوں کو معاف کرنے والو اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ اور اپنا اجر و انعام حاصل کر لو۔ معاف کرنے والے کا اجر جنت ہے۔

وَالَّذِيۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً: جب بھی ان سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو فوراً استغفار کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ کسی بندے سے گناہ سرزد ہو گیا۔ اس نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی اے میرے پروردگار! مجھ سے گناہ ہو گیا ہے مجھے معاف فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندے نے گناہ کیا اور اسے معلوم ہے کہ اس کا رب اس کے گناہوں کہ معاف کرتا ہے اور ان کی سزا دیتا ہے۔ پھر اس بندے سے ایک اور گناہ کا ارتکاب ہو گیا اللہ نے معاف کر دیا اور اسی طرح تیسری مرتبہ بھی معاف کر دیا۔ جب چوتھی بار گناہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا اے فرشتوں گواہ رہنا میں نے اپنے اس بندے کو معاف کر دیا اب میرا بندہ جو چاہے کرے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جب ہم آپ کی زیارت کرتے ہیں تو ہم پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور آخرت کے سوا ہر چیز بھول جاتی ہے۔ اور جب آپ سے جدا ہوتے ہیں تو دنیا کی جھنجھٹ اور اہل و عیال کی فکر میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تمہارے دلوں کی جو کیفیت میرے سامنے ہوتی ہے اگر یہی ہر وقت قائم رہتی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہاری زیارت کے لیے تمہارے گھروں پر اترتے۔ اگر تم گناہ نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایسی قوم کو لے آئے گا جو گناہ کرے گی (اور اس پر مغفرت طلب کرے گی) تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جنت کی بناوٹ کیسی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی اور اس کا گارا مشک کا، اس کے کنکر موتی اور یاقوت کے اور اس کی مٹی زعفران کی ہے۔ جو بھی اس میں داخل ہو گا اس کی نعمتوں سے بہرہ مند ہو گا۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہے گا اور اسے موت کا کھٹکا نہیں ہو گا۔ نہ اس کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ اس کا شباب ڈھلے گا۔ تین افراد کی دعا رد نہیں ہوتی۔ عادل حکمران، روزہ دار اور مظلوم جس کی دعا بادلوں پر اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا خواہ کچھ دیر کے بعد۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں جب بھی حضور ﷺ سے کوئی حدیث سنتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نفع دیتا ہے اور جب کوئی دوسرا شخص مجھ سے حدیث بیان کرتا ہے تو میں قسم لیتا ہوں اگر وہ قسم اٹھا لے تو میں اس کی تصدیق کر دیتا ہوں۔ حضرت ابو بکرؓ نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے اور انہوں نے سچ فرمایا کہ انہوں نے حضور ﷺ کو ارشاد

فرماتے ہوئے سنا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جب کوئی بندہ گناہ کرے پھر احسن طریقے سے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور اللہ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے جو شخص بھی کامل وضو کر کے "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" پڑھے اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں وہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ نے صحابہ اکرامؓ کے سامنے نبی پاک علیہ السلام جیسا وضو کیا اور فرمایا میں نے رسول اللہ علیہ السلام سے سنا ہے آپ نے فرمایا جو شخص میرے جیسا وضو کرے اور پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں اس کے دل میں کسی قسم کا خیال نہ آئے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ اس طرح یہ حدیث چاروں خلفائے راشدین حضور سید الاولین والآخرین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ قرآن پاک کی آیت کریمہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ استغفار گنہگاروں کے لیے نفع مند ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو شیطان رونے لگا۔ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا! کثرت سے لا الہ الا اللہ کا ورد کرو اور استغفار کو لازم پکڑو۔ یہ حالت دیکھ کر شیطان کہتا ہے کہ میں لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کرنا چاہتا ہوں اور وہ مجھے لا الہ الا اللہ اور استغفار سے ہلاک کرتے ہیں اور جب میں نے ان کی یہ حالت دیکھی تو میں نے انہیں خواہشات نفسانی میں مبتلا کر دیا۔ اب وہ اپنے آپ کو راہ راست پر گمان کرتے ہیں حالانکہ وہ ہلاکت میں ہیں۔ حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ابلیس نے کہا اے رب مجھے تیری عزت کی قسم میں بنی آدم کو آخری دم تک گمراہ کرتا رہوں گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے بھی میری عظمت وجلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے میں انہیں معاف کرتا رہوں گا حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ علیہ السلام مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا۔ آپ نے فرمایا جب تم سے گناہ ہو جائے تو اپنے رب سے مغفرت طلب کیا کرو۔ حتیٰ کہ اس نے جب چوتھی بار عرض کی تو آپ نے ارشاد فرمایا اپنے رب سے مغفرت طلب کرو یہاں تک شیطان مایوس ہو جائے۔

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ: یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کوئی معاف نہیں کر سکتا۔ مسند امام احمد میں ہے کہ ایک قیدی حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں گیا تو وہ کہنے لگا اے اللہ میں تیری بارگاہ میں توبہ کا خواستگار ہوں محمد علیہ السلام کی بارگاہ سے نہیں۔ آپ نے فرمایا اس نے صاحب حق کو پہچان لیا۔ اصرار کا معنی یہ ہے کہ وہ جلد ہی اپنے گناہ سے توبہ کرتے ہیں، اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور گناہ پر کاربند نہیں رہتے۔ ان سے جونہی کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا وہ گناہ پر مصر نہیں (جو گناہ کے بعد) اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہے اگرچہ اس سے ایک دن میں ستر مرتبہ بھی گناہ سرزد ہو جائے۔ یعنی ستر بار گناہ کرنے کے بعد اگر وہ اللہ سے مغفرت چاہے گا تو اسے مصر نہیں کہیں گے۔

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ: یعنی وہ جانتے ہیں کہ جو بھی اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ یہ آیت کریمہ ان دو آیات کی مثل ہے۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (التوبہ:104) "ترجمہ: کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے"۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء:110) "ترجمہ: اور جو شخص برا کام کر بیٹھے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا پائے گا"۔

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے منبر پر ارشاد فرمایا تم لوگوں پر رحم کرو تم پر رحم کیا جائے گا، تم اللہ سے مغفرت طلب کرو تمہیں معاف کر دیا جائے گا۔ باتیں بنانے والوں کے لیے ہلاکت ہے اور گناہوں پر اصرار کرنے والوں کے لیے بھی بربادی ہے۔ اللہ

تعالیٰ متقین کی یہ صفات بیان کرنے کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ ان لوگوں کی جزا اس کی طرف سے مغفرت اور ایسی جنت ہے جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے اور عمل کرنے والوں کے لیے یہ بہترین اجر ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝١٣٧ هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ۝١٣٨ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝١٣٩ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝١٤٠ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ۝١٤١ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۝١٤٢ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝١٤٣

"گزر چکے ہیں تم سے پہلے (قوموں کے عروج وزوال کے) قاعدے پس سیر کرو زمین میں اور (اپنی آنکھوں سے) دیکھو کہ کیسا انجام ہوا (دعوت حق کو) جھٹلانے والوں کا۔ یہ ایک بیان ہے لوگوں (کے سمجھانے) کے لیے اور ہدایت اور نصیحت ہے، پرہیز گاروں کے واسطے اور نہ (تو) ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تمہیں سربلند ہو گے اگر تم سچے مومن ہو (احد میں) اگر لگی ہے تمہیں چوٹ تو (بدر میں) لگ چکی ہے (تمہاری دشمن) قوم کو بھی چوٹ ایسی ہی اور یہ (ہار جیت کے) دن ہم پھراتے رہتے ہیں انہیں لوگوں میں اور یہ اس لیے کہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے اور بنالے تم میں سے کچھ شہید اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو اور اس لیے کہ نکھار دے اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور مٹا دے کافروں کو کیا تم گمان رکھتے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ ابھی دیکھا ہی نہیں اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے اور دیکھا ہی نہیں (آزمائش میں) صبر کرنے والوں کو۔ اور تم تو آرزو کرتے تھے موت کی اس سے پہلے کہ تم اس سے ملاقات کرو سو اب دیکھ لیا تم نے اس کو اور تم (آنکھوں) سے مشاہدہ کر رہے ہو"۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ: جنگ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور بہت سے زخمی اللہ تعالیٰ انہیں تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس قسم کے حالات تم سے پہلے انبیاء کے رحم پر بھی گزر چکے ہیں لیکن آخر کار غلبہ انہی کو حاصل ہوا اور کافر خائب وخاسر ہوئے۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ تم پہلی قوموں کے بارے غور وفکر کرو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کافروں کا کیا انجام ہوا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ قرآن حکیم میں ان امور کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ اور یہ اللہ کی کتاب ہمارے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ یعنی قرآن کریم میں تم سے پہلے لوگوں کے واقعات موجود ہیں اور یہ تمہارے دلوں کے لیے باعث ہدایت اور گناہوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔ پھر مسلمان کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جنگ احد میں جو کچھ ہوا اس کی وجہ سے کمزور نہ ہونا اور نہ ہی غمگین ہونا۔ فتح ونصرت اور غلبہ تمہارے ہی لیے ہے۔ اگر تمہارے کچھ لوگ زخمی اور شہید ہو گئے ہیں تو تمہارے دشمن بھی تو پہلے زخمی اور قتل ہو چکے ہیں۔ یعنی ہم کبھی دشمن کو کسی حکمت کی وجہ سے تم پر غالب کر دیتے ہیں

اگر چہ اچھا انجام تمہارے ہی حق ہوگا اور یہ وقتی شکست اس لیے ہوئی تا کہ ہم دشمن کے مقابلے میں صبر کرنے والوں کا امتحان لیں اور جو مدت سے شہادت کی آرزو کرتے تھے انہیں موقع دیں کہ وہ اپنی جان و مال ہماری راہ میں خرچ کریں یقیناً اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اس شکست کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کے گناہ معاف کرے اور نیکو کاروں کے درجات بلند کرے اور کافروں کو تباہ و برباد کرے کیونکہ وہ غالب ہو کر تکبر اور سرکشی میں مبتلا ہو جائیں گے یہی چیز ان کی ہلاکت کا باعث ہوگی۔ پھر ارشاد فرمایا کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم مصائب و مشکلات کی آزمائش سے گزرے بغیر ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا (البقرہ:214)'' ترجمہ: کیا تم خیال کر رہے ہو کہ (یونہی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر وہ حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے لوگوں پر گزرے ہیں۔ انہیں سختی اور مصیبت پہنچی اور وہ لرز اٹھے''۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت:2)'' ترجمہ: کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا''۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ...... یعنی ابتدا و آزمائش کے بغیر جنت میں داخلہ ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین اور دشمن کے مقابلے میں صبر کرنے والوں کا امتحان لیتا ہے۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ: اے مومنو! تم آج سے پہلے دشمنوں کے ساتھ مقابلے کی تمنا کیا کرتے تھے اور ان کے مقابلے کے لیے سخت پریشان تھے۔ آج تمہاری تمنا پوری ہو چکی ہے۔ اور جو کچھ تم مطالبہ کیا کرتے تھے وہ تمہارے سامنے ہے آگے بڑھ کر دشمن کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کرو۔'' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دشمن کے ساتھ مقابلے کی تمنا نہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو اور جب دشمن کے ساتھ تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ڈٹ جاؤ'' جان لو کہ جنت تلواروں کے سایے تلے ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ'' تم نے موت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا'' یعنی تلواریں آپس ٹکرا رہی ہیں نیزے حرکت میں ہیں کیا خوب گھمسان کی جنگ جاری ہے۔ یہاں موت کو جو کہ غیر محسوس چیز ہے محسوس چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ متکلمین اسے تخییل سے تعبیر کرتے ہیں یعنی غیر محسوس چیز کو محسوس خیال کرنا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى
اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَ
مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ
مِنْھَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْھَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ
قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَھُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا
اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَھُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا
ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىھُمُ
اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

''اور نہیں محمد ﷺ (مصطفیٰ) مگر (اللہ کے) رسول گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول۔ تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیئے جائیں پھر جاؤ گے تم اُلٹے پاؤں (دین اسلام سے) اور جو پھرتا ہے اُلٹے پاؤں تو نہیں بگاڑ سکے گا اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی اور جلدی اجر دے گا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو۔ اور نہیں ممکن کوئی شخص مرے بغیر اللہ کی اجازت کے۔ لکھا ہوا ہے (موت کا) مقرر وقت اور جو شخص چاہتا ہے دنیا کا فائدہ ہم دیتے ہیں اس کو اس سے اور جو شخص چاہتا ہے آخرت کا فائدہ ہم دیتے ہیں اسے اس میں سے اور ہم جلدی اجر دیں گے اپنے شکر گزار بندوں کو۔ اور کتنے ہی نبی گزرے ہیں کہ جہاد کیا ان کے ہمراہ بہت سے اللہ والوں نے سو نہ ہمت ہاری انہوں نے بوجہ ان تکلیفوں کے جو پہنچیں انہیں اللہ کی راہ میں اور نہ کمزور ہوئے اور نہ انہوں نے ہار مانی اور اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے (تکلیفوں میں) صبر کرنے والوں سے۔ اور نہیں تھی ان کی گفتگو بغیر اس کے کہ کہا انہوں نے اے ہمارے رب! بخش دے ہمارے گناہ اور جو زیادتیاں کی ہم نے اپنے کام میں اور ثابت قدم رکھ ہمیں اور فتح دے ہم کو قوم کفار پر۔ تو دے دیا اللہ تعالیٰ نے دنیا کا ثواب (یعنی کامیابی) اور عمدہ ثواب آخرت کا (یعنی نعیم جنت اور لذت وصل) اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے نیکو کاروں سے''۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ: جب غزوہ احد میں بہت صحابہ شہید ہوئے اور مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی تو شیطان نے مشہور کر دیا کہ محمد ﷺ بھی شہید ہو گئے۔ ابن قمیہ نے مشرکین کو کہا کہ میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ اس نے آپ کے چہرے مبارک پر وار کر کے زخمی کیا تھا۔ اس افواہ کا بعض صحابہ پر گہرا اثر ہوا اور وہ یقین کر بیٹھے کہ واقعی حضور ﷺ شہید کر دیے گئے ہیں۔ اس کی وجہ سے میدان جنگ سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ پہلے انبیاء کی طرح یہ بھی ایک نبی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میدان جنگ میں شہید کر دیے جائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مہاجر ایک انصاری کے پاس سے گزرا جو کہ خون میں لت پت تھا۔ اس نے اس انصاری سے کہا کیا تمہیں معلوم ہے کہ محمد شہید کر دیے گئے ہیں۔ اس انصاری نے جواب دیا اگر آپ کو شہید کر دیا گیا تو پھر بھی آپ نے اپنے فرائض نبوت کو ادا کر دیا ہے تم بھی اپنے دین پر قربان ہو جاؤ۔ اسی کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اس افواہ سے مسلمانوں میں جو کمزوری پیدا ہوئی اس کو ناپسند کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کیا محمد ﷺ انتقال کر گئے یا شہید ہو گئے تو تم خدا کے دین سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا جو اس کی اطاعت پر قائم رہے۔ اس کے دین کی حفاظت کے لیے دشمنوں سے برسرپیکار رہے۔ اور ہر حال میں اس کے رسول اللہ ﷺ کی اتباع۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ سنح کے مقام پر اپنی زمین پر تھے۔ آپ کو اطلاع ہوئی تو آپ واپس تشریف لائے اور مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ اور لوگوں سے کسی قسم کی گفتگو کیے بغیر ہی حضرت عائشہ کے حجرہ میں چلے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ حضور کا چہرہ مبارک چادر سے ڈھکا ہوا ہے۔ آپ نے حضور ﷺ کے چہرہ مبارک سے چادر ہٹا کر بوسہ لیا اور روتے ہوئے فرمانے لگے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ قسم بخدا اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا جو موت آپ کے لیے مقدر تھی وہ آ چکی ہے۔ پھر آپ مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ حضرت عمرؓ لوگوں کو خطبہ دے رہے ہیں۔ آپ نے انہیں فرمایا اے عمر بیٹھ جاؤ پھر آپ نے لوگوں کو مخاطب ہو کر فرمایا'' جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ انتقال فرما گئے ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ اس آیت کو پڑھنے لگا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ

میں نے جونہی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہ آیت سنی ایسے محسوس ہوا کہ میرے پاؤں تلے زمین نکل گئی حتی کہ میں زمین پر گر پڑا حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں فرمایا کرتے تھے۔قسم بخدا اگر حضور ﷺ اس دنیا سے وصال فرما گئے یا شہید ہو گئے تو ہم بھی اس دین پر مر مٹیں گے۔ اللہ کی قسم میں آپ کا بھائی۔ ولی، چچا زاد اور وارث ہوں اور مجھ سے زیادہ حضور ﷺ سے قرابتداری کا کون حق دار ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ: ہر شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ مدت کو پورا کرنے کے بعد ہی مرتا ہے اور یہی ان دو آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ (فاطر:11) ''ترجمہ: اور نہ کسی طویل العمر کو لمبی زندگی دی جاتی ہے اور نہ ہی کسی کی عمر کم کی جاتی ہے۔مگر یہ سب کچھ کتاب میں درج ہے''۔ دوسری آیت میں ہے: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ (انعام:2) ''ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک میعاد مقرر کی اور اللہ کے نزدیک ایک میعاد مقرر ہے''۔اس آیت کریمہ میں بزدل لوگوں کو شجاعت کی ترغیب اور خدا کی راہ میں جہاد کا شوق دلایا جا رہا ہے اور یہ حقیقت واضح کی جا رہی ہے کہ آگے بڑھنے سے نہ عمر کم ہوتی ہے اور نہ پیچھے ہٹنے سے عمر بڑھتی ہے۔ حضرت حجر بن عدیؓ جب دشمنان اسلام کا مقابلہ کرتے ہوئے دریائے دجلہ پر پہنچتے ہیں اور لشکر اسلام دریا کی موجوں کو دیکھ کر ٹھہر جاتا ہے تو آپ یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے اپنے گھوڑے کو دریا میں ڈال دیتے ہیں اور آپ کو دیکھ کر دوسرے مجاہدین بھی اپنے گھوڑوں سمیت دریا میں کود پڑتے ہیں یہ دیکھ کر ان پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور خوفزدہ ہو کر کہہ اٹھتے ہیں دیو آ گئے، دیو آ گئے۔ یہاں تک کہ بھاگ جاتے ہیں۔

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا: جس کا عمل صرف دنیا کے لیے ہوگا تو اسے جو اس کے مقدر میں ہو مل جاتا ہے لیکن آخرت میں اسے کوئی حصہ نہیں ملتا اور جو آخرت کے لیے عمل کرتا ہے تو اسے آخرت مل جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسے دنیا بھی مل جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ (الشوریٰ:20) جو آخرت کی کھیتی کا طلبگار ہو تو ہم اسے عطا کر دیں گے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ (بنی اسرائیل:18) ''ترجمہ: اور جو صرف دینا کے طلب گار ہیں ہم اس دنیا میں جتنا چاہیں انہیں جلدی دے دیتے ہیں پھر ہم اس کے لیے جہنم مقرر کر دیتے ہیں جس میں وہ اس حال میں داخل ہوگا کہ وہ مذموم اور ٹھکرا ہوا ہوگا اور جو شخص آخرت کا طلبگار ہوتا ہے اور اس کے لیے پوری جدوجہد کرتا ہے درآنحالیکہ وہ مومن بھی ہوگا۔ پس یہ وہ خوش نصیب ہے جس کی کوشش مقبول ہوگی۔'' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم شکر اور صبر کرنے والوں کو دنیا و آخرت میں اپنے افضل و احسان سے نوازیں گے۔ پھر مسلمان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ: اس کا یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم سے پہلے بھی بہت سے نبی اپنے اصحاب کی معیت میں دشمنوں کے ساتھ برسرپیکار رہے ہیں اس قول کو امام طبری نے اختیار کیا ہے۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جن حضرات نے اسے قتل پڑھا ہے اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ نبی اور اس کے بعض اصحاب کو قتل کر دیا گیا اور جو اصحاب باقی بچے وہ ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔ ان میں کسی قسم کی کمزوری اور ضعف کے آثار ظاہر نہیں ہوئے اور جنہوں نے قاتل پڑھا ہے ان کے نزدیک بھی آیت کا یہی مفہوم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے کمزوری اور ناتوانی کا اظہار نہیں کیا بلکہ ڈٹے رہے۔ اگر وہ سارے قتل ہو جاتے تو پھر اس قول کا مفہوم کیا ہوتا ہے۔ پھر طبری ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات سے ان لوگوں کو عتاب کیا ہے جنہوں نے حضور ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر ہتھیار پھینک دیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل پر ملامت کرتے ہوئے فرمایا ''اے مومنو! کیا اگر محمد ﷺ انتقال

فرما گئے یا شہید ہو گئے تو تم اپنے دین سے پھر جاؤ گے۔ اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم سے پہلے بھی کئی انبیاء علیہم السلام کے سامنے ان کے اصحاب کو شہید کر دیا گیا۔ ابن اسحاق نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ کئی انبیاء علیہ السلام کو ان کے اصحاب کی موجودگی میں شہید کر دیا گیا لیکن وہ اس کے بعد نہ تو کمزور ہوئے اور نہ ہی دشمن کے مقابلہ میں پسپائی اختیار کی بلکہ مصائب پر صبر کرتے ہوئے ڈٹ گئے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ انہوں نے "مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ" کو (قاتل) میں ھو ضمیر سے حال بنایا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ ربیون سے مراد بہت بڑا گروہ ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس سے مراد صالح اور متقی علماء کا گروہ ہے۔ علامہ طبری نے نقل کیا ہے کہ ربیون سے مراد اپنے رب کی عبادت کرنے والے ہیں۔

فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: وہ اللہ کی راہ میں پہنچنے والی مصیبتوں سے نہ تو انہوں ہمت ہاری اور نہ ہی کمزور ہوئے اور نہ ہی دشمن کے مقابلے میں ہار مانی اور اللہ تعالیٰ مصائب صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ پس انہوں نے صرف یہی کہا اے اللہ ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمارے کاموں میں ہم سے جو زیادتیاں سرزد ہوئی ہیں انہیں بھی معاف فرما دے۔ ہمیں ثابت قدم رکھ اور کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت عطا فرما۔ پس اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں فتح و کامرانی عطا فرمائی اور اس کے ساتھ ساتھ آخرت کا ثواب بھی عطا فرمایا اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥٣﴾

"اے ایمان والو! اگر پیروی کرو گے تم کافروں کی تو وہ پھیر دیں گے تمہیں الٹے پاؤں (کفر کی طرف) تو تم لوٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے۔ بلکہ اللہ حامی ہے تمہارا اور وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے۔ ابھی ہم ڈال دیں گے کافروں کے دلوں میں رعب اس لیے کہ انہوں نے شریک بنالیا اللہ کے ساتھ اس کو جس کے لیے نہیں اُتاری اللہ نے کوئی دلیل اور ان کا ٹھکانہ آتش (جہنم) ہے اور بہت بری جگہ ہے ظالموں کی۔ اور بے شک سچ کر دکھایا تم سے اللہ نے اپنا وعدہ جب کہ تم قتل کر رہے تھے کافروں کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور جھگڑنے لگے (رسول ﷺ کے) حکم کے بارے میں اور نافرمانی کی تم نے اس کے بعد کہ اللہ نے دکھا دیا تھا تمہیں جو تم پسند کرتے تھے۔ بعض تم میں سے طلبگار ہیں آخرت کے پھر پیچھے ہٹا دیا تمہیں ان کے تعاقب سے تا کہ آزمائے تمہیں اور بے شک اس نے معاف فرما دیا تم کو اور اللہ تعالیٰ بہت فضل

وکرم فرمانے والا ہے مومنوں پر۔ اور یاد کرو جب تم دور بھاگے جارہے تھے اور مڑ کو دیکھتے بھی نہ تھے کسی کو اور رسول کریم (علیہ السلام) بلارہے تھے تمہیں پیچھے سے پس اللہ نے پہنچایا تمہیں غم کے بدلے غم تاکہ تم نہ غمگین ہو اس چیز پر جو کھوگئی ہے تم سے اور نہ اس مصیبت پر جو پہنچی ہے تمہیں اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے جو کچھ تم کررہے ہو''۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا: ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کفار اور منافقین کی پیروی سے منع فرماتا ہے کیونکہ ان کی پیروی دینا وآخرت کی ہلاکت کا باعث ہے اس لیے ارشاد فرمایا کہ اگر تم ان کی پیروی کرو گے وہ تم کو الٹے پاؤں کفر کی طرف پھیر دیں گے اور اس طرح تم نقصان اٹھاؤ گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ اسی کی اطاعت اور دوستی کا دم بھریں، اسی سے مدد طلب کریں اور اسی پر بھروسہ کریں۔ فرمایا'' بلکہ تمہارا حامی ہے اور وہ بہتر مدد فرمانے والا ہے'' پھر ان کو خوشخبری دی کہ وہ ان کے دشمنوں کے دلوں میں خوف ڈال دے گا اور ان کے کفر و شرک کے سبب انہیں اس دنیا میں ذلیل و رسوا کرے گا اور آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے پانچ امور ایسے عطا کیے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ 1۔ ایک ماہ کی مسافت تک مجھے رعب و دبدبے سے نوازا گیا ہے، 2۔ میرے لیے زمین کو مسجد اور پاکیزگی کا ذریعہ بنادیا گیا ہے یعنی جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے میرے امتی کے لیے وہی جگہ مسجد اور طہارت کا ذریعہ ہے۔ 3۔ میرے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا ہے خواہ وہ ایک ماہ کی مسافت پر ہوں۔ 4۔ مال غنیمت کو میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔'' حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال اللہ تعالیٰ میری نصرت فرمائی۔ دوسری روایت میں آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں 1۔ مجھے ہر سرخ سیاہ میں مبعوث کی گیا ہے، 2۔ زمین کو میرے لیے پاکیزگی کا ذریعہ اور مسجد بنادیا گیا ہے۔ 3۔ میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ مجھ سے پہلے کسی نبی پر حلال نہیں تھا۔ 4۔ ایک ماہ کی مسافت تک مجھے میری رعب و دبدبے سے مدد کی گئی ہے۔ 5۔ مجھے شفاعت سے نوازا گیا ہے۔ تمام انبیاء علیہ السلام نے اپنی شفاعت اللہ سے طلب کر لی، میں نے اپنی شفاعت اپنے ان امتیوں کے لیے چھپا رکھی ہے کہ جن کو اس حال میں موت آئی کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اس لیے وہ غزوۂ احد کے بعد مکہ کی طرف دوڑ گیا۔ نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان نے غزوۂ احد میں تمہیں نقصان پہنچا کر مدینے کی طرف آنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ساتھ فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی استدلال کیا جاسکتا ہے کہ یہ وعدہ احد کے دن کا تھا۔ کیونکہ اس وقت دشمن کی تعداد تین ہزار تھی تاہم مقابلہ پر آتے ہی ان کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمانوں کو فتح و کامرانی حاصل ہوگئی مگر بعد میں تیراندازوں کی حکم عدولی اور بعض مجاہدوں کی پست ہمتی کی وجہ سے فتح و نصرت کا وہ وعدہ جو ثابت قدمی اور عزم و استقلال پر موقوف تھا مؤخر کر دیا گیا اس لیے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو ابتداء میں پورا کر دیا جبکہ تم کافروں کو قتل کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ جب تم نے بزدلی کا مظاہرہ کیا اور آپس میں جھگڑنے لگے اور تم نے حضور علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی کی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں نصرت و کامرانی عطا فرمائی تھی جیسے تم پسند کرتے ہو۔ تم میں سے بعض دنیا کو پسند کرتے ہیں یعنی وہ لوگ جو صرف مال غنیمت میں رغبت رکھتے ہیں اور بعض آخرت کو ترجیح دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری اس خطا کو معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مشرکین کی کثرت اور مومنین کی قلت کو بخوبی جانتا ہے۔ علامہ ابن جریر طبری کا قول ہے کہ وَلَقَدْ عَفَا

عَنْكُمْ" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نیست ونابود نہیں کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح غزوۂ احد میں اپنے نبی کی مدد کی ہے اس طرح کسی اور غزوہ میں مدد نہیں کی ہے۔ لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب فیصل اور حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ غزوۂ احد کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ تم اس کے حکم سے انہیں قتل کرنے لگے حتیٰ کہ جب تم بزدل ہو گئے اور حضور ﷺ کے حکم بارے میں جھگڑنے لگے اور ان کے حکم کی نافرمانی کی۔ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ کچھ دکھا دیا تھا جو تم پسند کرتے تھے نافرمانی کرنے والوں سے مراد وہ تیرانداز ہیں جن کو حضور ﷺ نے ایک گھاٹی پر متعین فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ یہاں پیچھے سے آنے والے دشمن کا خیال رکھنا اور اگر ہم شکست سے دوچار ہو گئے تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ اگر تم ہمیں مال غنیمت بھی اکٹھا کرتے دیکھو تو ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔ پھر جب مسلمان مشرکین کو شکست دینے کے بعد مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے تو وہ تیرانداز بھی مجاہدین میں شامل ہو گئے۔ صفیں درہم برہم ہو گئیں جبکہ کفار نے درے کو خالی پایا تو کچھ گھوڑ سواروں نے وہاں سے داخل ہو کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملہ سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے ابتداء میں اہل اسلام کا پلڑا بھاری رہا حتیٰ کہ مشرکین کے نوعلمبردار قتل ہوئے اور پھر جب مشرکین نے پیچھے سے حملہ کیا تو ان کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ شیطان نے مشہور کر دیا کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے، مسلمانوں نے اس افواہ پر یقین کر لیا تھوڑی دیر بعد جب ان کی نگاہیں روئے مبارک پر پڑیں تو انہیں سب تکالیف بھول گئیں اور وہ خوشی سے رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھے۔ آپ ارشاد فرما رہے تھے کہ

اس قوم پر اللہ کا غضب ہو جس نے اس کے رسول کا چہرہ خون سے آلود کر دیا تھا پھر آپ نے فرمایا کہ وہ ہم پر غالب نہیں آسکتے۔ اسی اثناء میں ابوسفیان نے پہاڑ کے دامن سے باآواز بلند اُعْلُ هُبُلُ کہا (ہبل کا بول بالا ہو) اور کہنے لگا "محمد (ﷺ) کہاں ہیں۔ ابن ابی قحافہ اور ابن خطاب کہاں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کیا میں اسے جواب نہ دوں۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں ضرور جواب دوں۔ دونوں نے اس کے جواب میں کہا: اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ (اللہ تعالیٰ بلند وبالا اور عظمت والا ہے)۔ ابوسفیان نے کہا ابن ابی قحافہ، اور ابن خطاب کہاں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا یہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر ہیں اور میں عمر ہوں۔ اس نے کہا کہ یہ جنگ بدر کا بدلہ ہے، گردش دوراں اسی طرح جاری رہتی ہے اور جنگ کنوایں کے ڈول کی مانند ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ مومن اور کافر میں برابری نہیں ہو سکتی۔ ہمارے شہداء جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں ہیں۔ ابوسفیان نے کہا اگر تمہارا یہ خیال صحیح ہے تو واقعی ہم گھاٹے میں ہیں پھر کہنے لگا تمہارے مقتولوں میں سے بعض کے ناک اور کان کٹے ہوئے ہوں گے لیکن یہ ہمارے سرداروں کے حکم سے نہیں ہوا لیکن ہم اس کو ناپسند بھی نہیں کرتے۔" یہ حدیث غریب ہے اور اس سیاق مضمون عجیب ہے، یہ حضرت ابن عباسؓ کی مرسلات میں سے ہے۔ جنگ احد میں نہ تو وہ خود حاضر تھے اور نہ ان کے والد گرامی۔ حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کیا ہے اور دوسری صحیح حدیثوں میں سے اس کے شواھد ملتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد میں عورتیں صفوں کے پیچھے زخمی مسلمانوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ اس دن ہم میں سے کوئی بھی طالب دنیا نہیں تھا اگر میں اس بات پر قسم کھاؤں تو سچا ہوں گا۔ حتیٰ کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا...... یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے حضور ﷺ کی حکم عدولی کی اور درہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے کی طرف لپکے۔ جب کفار نے پلٹ کر یکبارگی سے حملہ کیا تو حضور ﷺ کے ساتھ صرف سات انصاری اور دو مہاجر صحابہ باقی رہ گئے۔ جب مشرکین نے حضور ﷺ کو گھیر لیا تو آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو انہیں پیچھے ہٹائے۔ ایک انصاری اٹھے

اور مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے اور پھر جب مشرکین نے آپ کا گھیرا تنگ کی تو آپ نے یہی ارشاد فرمایا۔ اسی طرح تمام انصاری صحابہ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ نے مہاجرین سے فرمایا کہ تم نے اپنے ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا، پھر ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا "اُعْلُ هُبَلُ" آپ نے فرمایا اسے جواب دو "اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ"۔ اس نے جواباً کہا: "لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ" ہمارے پاس عزیٰ بت ہے اور تمہارے لیے کوئی عزیٰ نہیں۔ آپ نے فرمایا اسے جواب دو "اَللّٰهُ مَوْلٰنَا وَالْكَافِرُوْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ" اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ یہ جنگ بدر کا بدلہ ہے اور پھر کہنے لگا ہم نے فلاں کے بدلے میں فلاں کو قتل کر دیا۔ آپ نے فرمایا یہ برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ ہمارے شہدا زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے اور تمہارے مقتول جہنم میں ہیں اور عذاب میں مبتلا ہیں۔ پھر ابوسفیان نے کہا کہ اگر تمہارے مقتولوں میں سے بعض کا مثلہ کیا گیا ہو تو میں نے اس کا حکم دیا ہے نہ روکا، اسے پسند کیا نہ ناپسند، اس چیز نے مجھے خوش کیا نہ افسردہ۔ صحابہ کرام نے دیکھا کہ حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کر دیا گیا ہے۔ ھندہ نے ان کے جگر کو چبایا لیکن نگل نہ سکی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا اس نے حمزہؓ کے گوشت کا کوئی حصہ کھایا۔ انہوں نے عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حمزہؓ کے کسی عضو بدن کو جہنم میں لے جانا نہیں چاہتا۔ پھر آپ نے حضرت حمزہؓ کی نماز جنازہ ادا کی۔ پھر ایک انصاری کا جنازہ لایا گیا پھر اسے حضرت حمزہ کے پہلو میں رکھا گیا اور آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی، پھر انصاری کا جنازہ اٹھا لیا گیا لیکن حضرت حمزہؓ کا جنازہ وہیں رہا۔ اس طرح ستر افراد کے جنازے لائے گئے اور حضرت حمزہ کی ستر مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ صحیح بخاری میں حضرت براءؓ سے مروی ہے کہ جنگ احد کے دن جب ہم مشرکین کے مقابلہ کے لیے نکلے تو نبی کریم ﷺ نے تیر اندازوں کا ایک دستہ ایک پہاڑی درے پر مقرر فرمایا اور حضرت عبداللہ بن زبیر کو ان کا امیر بنایا اور انہیں حکم فرمایا کہ تم نے اس جگہ کو نہیں چھوڑنا خواہ ہم ان پر غالب آ گئے یا وہ ہم پر غالب آ گئے پس مسلمان جنگ میں غالب آ گئے حتیٰ کہ مشرکین کی عورتیں بدحواسی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگنے لگیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر پہاڑی درے پر مقرر تیر انداز آپس میں کہنے لگے آؤ ہم بھی مال غنیمت اکٹھا کریں۔ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا کہ حضور ﷺ نے ہمیں یہاں سے نہ ہٹنے کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے حکم ماننے سے انکار کر دیا اور مال غنیمت اکٹھا کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔ کفر نے اچانک حملہ کر کے ستر مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ ابوسفیان ایک ٹیلے پر چڑھ کر پکارنے لگا کیا تم لوگوں میں محمد (ﷺ) ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دینے سے منع فرما دیا۔ اس نے کہا کیا تم میں ابوبکر ہے؟ آپ نے جواب دینے سے منع فرمایا۔ اس نے پوچھا کیا تم میں عمر ہے؟ جواب نہ ملنے پر کہنے لگا کیا یہ سب لوگ جنگ میں کام آ گئے ہیں اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ یہ بات سن کر حضرت عمرؓ کو چارہ ضبط نہ رہا اور فرمایا اے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو تجھے رسوا کرنے کے لیے باقی رکھا ہے۔ ابوسفیان نے کہا ہبل بلند و بالا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کہو کہ اللہ بزرگ و برتر اور عظمت والا ہے۔ پھر صحابہ اور ابوسفیان کے درمیان وہی مکالمہ ہوا جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ جنگ احد میں مشرکین کو جب شکست ہوئی تو شیطان نے نداء دی اے اللہ کے بندو! پچھلی صفوں کی خبر لو۔ یہ ندا سن کر اگلی صفیں پیچھے کو لوٹیں۔ حضرت حذیفہؓ نے دیکھا کہ ان کے والد حضرت یمانؓ مسلمانوں کی تلواروں کی زد میں ہیں۔ وہ پکارتے رہے اے اللہ کے بندو! یہ میرے والد یمان ہیں مگر کسی نے ان کی نہ سنی اور اسی بھگدڑ میں ان کے والد کو شہید کر دیا گیا۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے۔ حضرت عروہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ میں یہ بھلائی آخری دم تک رہی۔ سیرت ابن اسحٰق میں ہے کہ عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے خود ہندہ اور اس کی ساتھی عورتوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا اور جب دشمن پیٹھ پھیر کر بھاگ گیا تو پہاڑی ٹیلے پر متعین تیر انداز بھی مجاہدین کے ساتھ مال غنیمت جمع کرنے میں شریک ہو گئے اور اس اہم چوکی کو خالی

چھوڑ دیا اس طرح دشمن نے پیچھے سے اچانک حملہ کر دیا۔ کسی نے آواز لگائی کہ محمد (ﷺ) شہید ہو گئے۔ پھر معاملہ الٹ ہو گیا۔ حالانکہ ہم پہلے مشرکین کے علمبردار تک پہنچ گئے تھے اور جھنڈا اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا لیکن عمرہ بنت علقمہ بن حارثہ نے اسے تھام لیا اور مشرکین کے حوالے کر دیا۔

ثُمَّ صَرَفَكُمْ: حضرت انس بن نضرؓ حضرت عمر بن خطابؓ، طلحہ بن عبیدہ اور دوسرے مہاجرین وانصار کے پاس آئے جنہوں نے ہتھیار پھینک دیئے تھے اور پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ شہادت رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے۔ انہوں نے کہا کہ تم ان کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ جس مقصد کے لیے انہوں نے جان قربان کی اس کے لیے تم بھی قربان ہو جاؤ۔ پھر وہ مشرکین کی صفوں کی طرف بڑھے اور جوانمردی سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ یہ کسی وجہ سے جنگ بدر میں حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ انہوں نے اللہ سے عہد کر رکھا تھا کہ اگر مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی جنگ میں حاضر ہونے کا موقع حاصل ہوا تو میں دلیری سے لڑوں گا۔ چنانچہ وہ اس جنگ میں شریک ہوئے اور جب مسلمانوں میں کھلبلی مچی تو کہنے لگے اے خدا میں مسلمانوں کے اس عمل سے معذرت کرتا ہوں۔ جو کچھ مشرکین نے کیا ہے اس سے بری ہوں پھر تلوار لے کر آگے بڑھے، راستے میں سعد بن معاذؓ سے ملاقات ہوئی انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے فرمایا مجھے احد پہاڑ سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے پھر جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے اور آپ کو اسی سے زیادہ تلوار اور نیزے کے زخم آئے حتیٰ کہ آپ کی بہن نے آپ کی انگلی کے پوروں کو دیکھ کر آپ کی شناخت کی۔ ایک آدمی حج کے لیے آیا۔ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے متعلق پوچھا یہ کون ہیں بتایا گیا کہ یہ قریشی ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ ان کے درمیان یہ بزرگ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ وہ شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں آپ سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا پوچھو اس نے کہا میں تمہیں اللہ کے گھر کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کیا جنگ احد میں حضرت عثمانؓ بھاگ گئے تھے۔ آپ نے جواب دیا ہاں۔ اس نے پھر پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عثمان جنگ بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بیعت رضوان میں شرکت نہیں کی آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ جوابات سن کر اس شخص نے نعرہ تکبیر بلند کیا تو حضرت عبداللہ نے اس شخص سے کہا کہ آؤ میں تمہارے سامنے ان سوالوں کی وضاحت کرتا ہوں۔ جہاں تک جنگ احد میں حضرت عثمان کے فرار ہونے کا تعلق ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا ہے، رہا جنگ بدر میں غیر حاضری کا مسئلہ تو آپ کے گھر میں حضور ﷺ کی بیٹی سخت بیمار تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے خود حکم فرمایا تھا کہ تم مدینہ میں ہی رہو، تمہیں اللہ تعالیٰ جنگ بدر میں حاضر ہونے کا اجر عطا فرمائے گا۔ اور بیعت رضوان کے موقع پر حضور ﷺ نے آپ کو اہل مکہ کی جانب سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ کیونکہ اہل مکہ میں جو عزت آپ کو حاصل تھی وہ کسی کو حاصل نہ تھی۔ آپ کے مکہ شریف جانے کے بعد اور بیعت رضوان کا واقعہ پیش آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا دایاں دست مبارک بلند کر کے فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے پھر بائیں ہاتھ پر رکھا اور بیعت کی۔

إِذْ تُصْعِدُونَ: جب تم اپنے دشمن سے ڈر کر پہاڑ پر چڑھ رہے تھے اور خوف ودہشت کی وجہ سے کسی اور سمت کی طرف متوجہ نہ ہوئے حتیٰ کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو وہیں چھوڑ دیا۔ وہ تمہیں پکار رہے تھے کہ دشمن سے نہ ڈرو واپس لوٹ آؤ۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ مشرکین کے اچانک بھرپور حملے سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے ان میں بعض مدینہ کی طرف نکل آئے اور بعض پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے تو حضور ﷺ انہیں اپنی طرف بلانے لگے اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔ مشہور مشرک شاعر عبداللہ بن زبعری نے اس واقعہ کو اپنے قصیدے میں نظم کیا ہے۔ ''اے جدائی کی آواز لگانے والے کوے! اپنی بات سناؤ تو جو کچھ کہتا ہے ہو کر رہتا ہے خیر وشر ہر چیز کی ایک انتہاء

ہے اور ان دونوں کا انجام ایک نہ ایک دن مستقبل میں آنے والا ہے۔ کاش ہمارے بزرگ میدان بدر میں اہل خزرج کے اس جزع وفزع کو دیکھتے جو نیزہ لگنے سے کر رہے تھے۔ جب قبا میں ان کے اونٹ زمین سے سینہ لگا کر بیٹھ گئے تھے اور بنوعبدالاشہل میں قتل سرگرمی سے ہونے لگا تھا۔ پھر یہ لوگ ایسے ناچتے ہوئے بڑی تیزی سے بھاگ رہے تھے جیسے پہاڑوں پر چڑھتے ہوئے شترمرغ ناچتے ہیں۔ ہم نے ان کے دوگنا اشراف قتل کر دیے اور جنگ بدر کے نقصان کو پورا کر دیا'' جنگ احد کا یہ مکمل واقعہ امام احمد نے بھی براء بن عازب سے روایت کیا ہے۔ دلائل نبوت میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ احد کے دن جب مشرکین کے اچانک حملے سے مسلمان منتشر ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف گیارہ افراد باقی تھے جن میں ایک حضرت طلحہ بن عبید اللہ تھے۔ حضور ﷺ پہاڑ پر چڑھنے لگے مشرکین نے پیچھے سے حملہ کر دیا آپ نے فرمایا کوئی ہے جو ان سے مقابلہ کرے۔ حضرت طلحہؓ نے آپ کی آواز پر لبیک کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ابھی ٹھہرو۔ اسی اثناء میں ایک انصاری صحابی مقابلے کے لیے تیار ہوئے اور دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کرنے لگے۔ ابھی حضور ﷺ اور آپ کے باقی ساتھی کچھ بلندی چڑھے ہی تھے کہ وہ انصاری صحابی شہید ہو گئے۔ مشرکین پھر آپ ﷺ کی طرف لپکے تو آپ نے فرمایا کون ہے جو ان کے ساتھ مقابلہ کرے۔ حضرت طلحہ نے پھر لبیک کہا لیکن آپ نے پھر انہیں روک دیا۔ ایک اور انصاری صحابی مقابلے کے لیے تیار ہو گئے اس طرح ایک ایک کر کے تمام انصار شہید ہو گئے تو حضرت طلحہ آگے بڑھے اور خوب جم کر مقابلہ کیا حتیٰ کہ آپ کی انگلیاں کٹ گئیں۔ سخت تکلیف کی وجہ سے آپ کی زبان سے آہ نکل گئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم بسم اللہ پڑھ لیتے یا اللہ کا نام لے لیتے تو فرشتے تمہیں اٹھا لیتے اور لوگوں کے سامنے آسمان کی بلندیوں پر لے جاتے۔ اس کے بعد حضور ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اور دوسرے صحابہ بھی آپ کے اردگرد جمع ہو گئے۔ حضرت قیس بن حازمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت طلحہؓ کا وہ ہاتھ دیکھا تھا جو حضور ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے شل ہو گیا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ احد والے دن اپنے ترکش کے تمام تیر مجھے عطا فرما دیے اور فرمایا تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں مشرکین پر تیر مارو۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ مجھے اپنے دست مبارک سے تیر پکڑاتے اور انہیں مشرکین کو مارتا۔ حتیٰ کہ آپ بغیر پھل والے تیر بھی دیتے تو میں وہ بھی چلا دیتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اس دن سفید لباس میں ملبوس دو آدمیوں کو رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں سخت جنگ کرتے ہوئے دیکھا۔ ان کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور یہ دونوں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ اس دن حضور ﷺ کے ساتھ سات انصاری اور دو مہاجر تھے۔ جب مشرکین حملے کے لیے آگے بڑھتے تو آپ فرماتے جو ان کو روکے گا اس کے لیے جنت ہے اور جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ وہ تمام انصاری صحابی یکے بعد دیگر شہید ہو گئے۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ ابی بن خلف نے مکہ میں یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ محمد (ﷺ) کو ضرور قتل کرے گا۔ جب آپ کو اس کی قسم کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا بلکہ ان شاء اللہ میں اسے قتل کروں گا۔ جنگ احد کے دن وہ سرتاپا آہنی زرہ میں غرق تھا۔ حضور ﷺ کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھا کہ آج محمد (ﷺ) بچ گئے تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ اور آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے آپ پر حملہ کر دیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے آگے بڑھ کر اس کا وار روکا اور شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ نے اس کی طرف دیکھا کہ اس کا سارا جسم لوہے میں چھپا ہوا ہے صرف ذرا سی پیشانی نظر آ رہی تھی۔ آپ نے تاک کر نیزہ لگایا جو ٹھیک نشانے پر جا کر لگا جس کی وجہ سے وہ زمین پر گر گیا۔ گو اس سے خون تو نہ نکلا لیکن وہ زور زور سے بلبلانے لگا۔ اس کے ساتھی اسے اٹھا کر لے گئے اور تسلی دینے لگے کہ کیوں گھبراتے ہو یہ معمولی سی خراش ہے۔ اس نے انہیں بتایا کہ محمد (ﷺ) نے کہا تھا کہ میں ابی کو قتل کروں گا۔ پھر کہنے لگا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تمام اہل حجاز کو یہ خراش لگتی تو وہ اس کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے۔ پھر اسی زخم سے مر کر جہنم رسید

ہوا۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے: جب رسول اللہ ﷺ احد پہاڑ کی گھاٹی میں چند صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے تو ابی بن خلف ادھر آ نکلا اور آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگا میں ہلاک ہو جاؤں گا اگر آپ بچ گئے۔ صحابہ کرامؓ نے اس پر وار کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے انہیں روک دیا۔ جب وہ قریب ہوا تو آپ نے حضرت حارث بن صمہ سے نیزہ لے کر اس پر وار کر دیا۔ حضور ﷺ کے ہاتھ میں نیزہ دیکھتے ہی وہ کپکپانے لگا۔ آپ نے اس پر نیزے کا وار کیا جس کی وجہ سے وہ لڑکھڑا کر گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ بطن راغب میں اس کافر کو موت آئی میں ایک مرتبہ رات کے پچھلے حصے میں گزرا میں نے ایک جگہ سے بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کو دیکھا اور دیکھا کہ ایک شخص کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے اس آگ میں گھسیٹا جا رہا ہے، اسے سخت پیاس لگی ہے۔ ایک دوسرا شخص کہہ رہا ہے اسے پانی نہ دینا یہ وہ ابی بن خلف ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے قتل کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دندان مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ان لوگوں پر اللہ کا سخت ترین غضب ہو جنہوں نے اپنے رسول سے یہ سلوک کیا اور اس پر بھی سخت ترین غضب ہو جسے اللہ کا رسول خدا کی راہ میں قتل کر دے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا سخت غضب اس قوم پر ہو جنہوں نے اپنے رسول کے چہرے کو خون آلود کیا۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ غزوۂ احد میں حضور ﷺ کے چار دندان مبارک شہید ہو گئے۔ آپ کے رخساروں اور ہونٹ پر بھی زخم آیا تھا۔ حضرت سعد ابن وقاصؓ فرماتے ہیں میں عتبہ بن ابی وقاص کے قتل سے زیادہ کسی اور کے قتل پر حریص نہیں تھا۔ اگرچہ وہ بد اخلاق اور اپنی قوم میں مبغوض تھا لیکن میرے لیے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہی کافی ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا اس پر شدید غضب ہو جس نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے کو زخمی کیا۔ جب اس نے آپ کے دندان مبارک کو شہید کیا تو آپ نے اس کے لیے بددعا کی کہ اے باری تعالیٰ یہ کفر کی حالت میں ایک سال کے اندر ہلاک ہو جائے۔ چنانچہ اس کا یہی انجام ہوا کہ وہ ایک سال سے پہلے واصل جہنم ہو گیا۔ ایک مہاجر صحابیؓ کا بیان ہے کہ احد کے دن حضور ﷺ پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن خدا کی قدرت اور رحمت سے آپ ان سے محفوظ رہے۔ ابی بن خلف نے قسم کھا کر کہا مجھے بتاؤ محمد (ﷺ) کہاں ہیں اگر وہ بچ گئے تو میں ہلاک ہو جاؤں گا حالانکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب ہی کھڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ جب واپس نامراد لوٹا تو صفوان نے اس پر طعنہ زنی کی اس نے کہا میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے انہیں نہیں دیکھا وہ اللہ کی حفظ و امان میں ہیں۔ ہم چار افراد نے ان کے قتل کا پختہ ارادہ کیا تھا اور آپس میں عہد و پیمان کیے لیکن انتہائی کوشش کے باوجود کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ واقدی کا کہنا ہے کہ ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ آپ کے رخسار مبارک کو زخمی کرنے والا شخص ابن قمیہ تھا۔ اور جس نے دندان مبارک کو شہید کیا وہ عتبہ بن ابی وقاص تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے والد گرامی حضرت ابو بکرؓ جب بھی غزوۂ احد کا ذکر کرتے تو فرماتے کہ وہ دن تو تھا ہی طلحہ کا جب میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ کر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لیے بڑی دلیری سے لڑ رہا ہے۔ میں نے کہا خدا کرے یہ طلحہ ہو۔ جب میں نے قریب آ کر دیکھا تو وہ طلحہ ہی تھے۔ میں نے کہا میرے لیے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میری قوم کا کوئی فرد رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرے۔ میں نے اپنے اور مشرکین کے درمیان ایک اور شخص کو بے جگری سے لڑتے ہوئے دیکھا جسے میں نہ پہچان سکا کیونکہ میں حضور ﷺ کے زیادہ قریب تھا۔ جب میں نے غور سے دیکھا کہ تو وہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے چہرے مبارک کو بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ کے دندان مبارک شہید اور چہرہ زخمی ہے۔ اور خود کی دو کڑیاں آپ کے رخسار میں دھنس ہوئی ہیں۔ میں آپ کی طرف آگے بڑھا تو آپ نے فرمایا طلحہ کی خبر لو۔ آپ ﷺ کا خون جاری تھا میں آگے بڑھ کر آپ کے چہرے مبارک سے خود کی کڑیاں نکالنے لگا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے قسم دے کر مجھے روک دیا اور خود کڑیاں

نکالنے کے لیے قریب آئے لیکن انہوں نے سوچا کہ ہاتھ سے کڑیاں نکالنے سے حضور ﷺ کو تکلیف ہوگی۔ لہٰذا اپنے دانتوں سے کھینچ کر ایک کڑی نکالی۔ لیکن اس میں ان کا بھی ایک دانت ٹوٹ گیا۔ میں نے چاہا کہ دوسری کڑی میں نکال لوں۔ لیکن ابوعبیدہؓ نے قسم دے کر مجھے پھر روک دیا۔ انہوں نے خود دوسری کڑی نکالی۔ اس بار بھی ان کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد ہم حضرت طلحہ کی طرف متوجہ ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ انہیں ستر سے زیادہ چھوٹے بڑے زخم لگے ہیں۔ ان کی انگلیاں کٹ چکی ہیں۔ ہم نے ان کے حال کی خبر لی۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کے والد نے رسول اللہ ﷺ کے زخم کا خون چوس کرا سے صاف کیا۔ انہیں کہا گیا اس خون کی کلی کر دو۔ لیکن انہوں نے قسم بخدا میں اس کی کلی نہیں کروں گا۔ پھر میدان جنگ کی طرف چلے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ انہیں دیکھ لے۔ انہوں نے اسی غزوہ میں شہادت پائی۔ حضرت سہل بن سعدؓ سے رسول اللہ ﷺ کے زخمی ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا آپ ﷺ کا چہرہ زخمی، دندان مبارک شہید اور خود کی کڑیاں آپ کے چہرہ مبارک میں دھنس گئیں۔ حضرت فاطمہؓ خون کو دھور ہی تھیں اور حضرت علیؓ ڈھال سے پانی ڈال رہے تھے۔ پھر حضرت فاطمہؓ نے جب دیکھا کہ پانی ڈالنے کی وجہ سے خون زیادہ بہہ رہا ہے تو آپ نے چٹائی کے ایک ٹکڑے کو جلا کر راکھ بنایا اور اسے زخم پر لگایا جس سے خون بہنا بند ہو گیا۔

فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ: پھر اللہ کی طرف سے تمہیں غم پہ غم پہنچا۔ یہاں باء علی کے معنی میں ہے۔ جیسے فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ (طہ:71) میں فی علی کے معنی میں ہے۔ پہلا غم شکست و ہزیمت اور حضور ﷺ کے شہید ہونے کی افواہ اور دوسرا غم مشرکین کا پہاڑ کے اوپر غالب آنے کا۔ اس وقت حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اے اللہ ان کے لئے یہ لائق نہیں کہ وہ ہم پر غالب آئیں۔'' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ پہلا غم شکست و ہزیمت کا تھا اور دوسرا حضور ﷺ کی شہادت کی افواہ اور یہ مسلمانوں کے لیے پہلے کی نسبت زیادہ سخت تھا۔ سدی فرماتے ہیں کہ پہلا غم مال غنیمت اور فتح نصرت کے چھن جانے کا تھا اور دوسرا کافروں کے مسلمانوں پر غالب آنے کا۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ تمہیں ایک تکلیف کے بعد دوسری تکلیف پہنچی یعنی تمہارے مسلمان بھائی شہید ہو گئے۔ تمہارے دشمن تم پر غالب آ گئے اور حضور ﷺ کی شہادت کی افواہ نے بھی تمہیں سخت تکلیف پہنچائی۔ یہ تمام غم پے در پے آئے تھے۔ مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں پہلے غم سے مراد حضور ﷺ کی شہادت کی افواہ ہے اور دوسرا مسلمانوں کا شہید اور زخمی ہونا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں ان اقوال میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ مسلمان مشرکین کے مال غنیمت اور ان پر فتح و نصرت سے محروم ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ مشرکین کے اچانک حملے سے بہت مسلمان شہید اور زخمی ہوئے حالانکہ اللہ تعالیٰ پہلے انہیں فتح و نصرت سے نواز دیا تھا اور یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حکم عدولی کی وجہ سے ہوا۔ اور ایک غم حضور ﷺ کی شہادت کی افواہ کا بھی تھا۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''سب کچھ اس لیے ہوا تاکہ تم اس فتح و نصرت کے چھن جانے اور زخموں سے چور چور ہونے پر غم نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی باخبر ہے''۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَ لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِيُمَحِّصَ مَا فِيْ

قُلُوْبِكُمْ ۭ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

''پھر اتاری اللہ تعالیٰ نے تم پر غم واندوہ کے بعد راحت (یعنی) غنودگی جو چھارہی تھی ایک گروہ پر تم میں سے اور ایک جماعت ایسی تھی جسے فکر پڑا ہوا تھا (صرف) اپنی جانوں کا بدگمانی کررہے تھے اللہ کے ساتھ بلاوجہ عہد جاہلیت کی بدگمانی کہتے کیا ہمارا بھی اس کام میں کچھ دخل ہے آپ فرمایئے اختیار تو سارا اللہ کا ہے چھپائے ہوئے ہیں اپنے دلوں میں جو ظاہر نہیں کرتے آپ پر۔ کہتے ہیں (اپنے دلوں میں) اگر ہوتا ہمارا اس کام میں کچھ دخل تو نہ مارے جاتے ہم یہاں (اس بے دردی سے) آپ فرمایئے اگر تم (بیٹھے) ہوتے اپنے گھروں میں تو ضرور نکل آتے (وہاں سے) وہ لوگ لکھا جاچکا تھا جن کا قتل ہونا اپنی قتل گاہوں کی طرف (یہ سارے مصائب اس لیے تھے) تاکہ آزمالے اللہ تعالیٰ جو کچھ تمہارے سینوں میں (چھپا) تھا اور صاف کردے جو (میل کچیل) تمہارے دلوں میں تھا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا سینوں کے رازوں کا بے شک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تھے تم سے اس روز جب مقابلے میں نکلے تھے دونوں لشکر تو پھیلا دیا تھا انہیں شیطان نے بوجہ ان کے کسی عمل کے اور بے شک (اب) معاف فرمادیا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے''۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس احسان کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے اس رنج وغم کے عالم میں اپنے بندوں پر کیا۔ یعنی ان پر اونگھ طاری کردی حالانکہ دشمن ان کے سامنے ہے۔ ان حالات میں اونگھ کا طاری ہونا امن کی علامت ہے۔ جیسا کہ سورۂ انفال میں واقعہ بدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ (انفال: 11) '' ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن بصورت اونگھ نازل ہوا''۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جنگ میں اونگھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور نماز میں شیطان کے فعل سے۔ حضرت ابوطلحہؓ فرماتے ہیں احد کے دن مجھے اس زور سے نیند آنے لگی کہ میری تلوار کئی بار ہاتھ سے چھوٹ کر گری۔ میں اسے ہر بار اٹھالیتا۔ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو تمام مجاہدین کی گردنیں نیند کی وجہ سے جھکی ہوئی تھیں۔ اس کے برعکس منافقین کے گروہ کو اپنی جان کا خطرہ تھا۔ یہ لوگ انتہائی بزدل اور خوفزدہ تھے۔ اس لیے اہل حق کو چھوڑ گئے۔ قتادہ کا قول ہے کہ اہل ایمان و یقین، اللہ کی راہ ثابت قدم رہنے والے اور اس پر کامل بھروسہ کرنے والوں کو یہ یقین تھا کہ خدا تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی ضرور مدد کرے گا اور اس کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو ضرور پورا کرے گا۔ اس لیے ان پر تو اونگھ طاری ہوگئی لیکن اس کے برعکس دوسرے گروہ پر اضطراب و پریشانی اور خوف کی وجہ سے اونگھ طاری نہ ہوئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق بدگمانیاں کرنے لگے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا (الفتح: 12) '' ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ تم نے خیال کرلیا تھا کہ پیغمبر اور مومنین اپنے اہل خانہ کی طرف ہرگز نہیں لوٹیں گے''۔ اسی طرح ان لوگوں نے یہ یقین کرلیا کہ مشرکین اہل اسلام پر غالب آجائیں گے اور اسلام ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا۔ اہل نفاق اور اہل شک کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ جب کوئی مشکل پیش آئی تو اللہ کے بارے میں قسم قسم کی بدگمانیوں کا اظہار کرنے لگ جاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں خبر دیتا ہے کہ وہ اس حالت میں کہتے ہیں کہ

ہمیں بھی کچھ اختیار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول انہیں فرما دیجئے کہ اختیار تو سارا اللہ کا ہے۔ وہ اپنے دلوں میں کچھ چھپائے ہوئے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے یعنی وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اگر ہم کو کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں اس طرح قتل نہ ہوتے۔ حضرت زبیر بن عوامؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر تھا جب خوف سخت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر نیند طاری کر دی اس نیند کی وجہ سے ہم میں سے ہر ایک کی ٹھوڑی سینے کے ساتھ لگنے لگی۔ میں نے اس حالت میں معتب بن قشیر کے یہ الفاظ سنے کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔ اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ: یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے جس کو اس نے تم پر نافذ کر دیا ہے اور یہ اس کا وہ حکم ہے جس سے کوئی مفر نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ اس لیے کیا تا کہ تم میں سے اچھے اور برے کی تمیز ہو جائے اور مومن و منافق میں فرق واضح ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ دل کے بھیدوں سے بھی آگاہ ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ مقابلے کے دن پیٹھ پھیر گئے تھے جب دونوں لشکر برسر پیکار تھے۔ انہیں شیطان نے کسی عمل کے سبب پھسلا دیا۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ نیکی کا ثواب اس طرح بھی دیا جاتا ہے کہ اس کے بعد کسی دوسری نیکی کی توفیق بخشی جاتی ہے اور بدی کی سزا یہ ہوتی ہے کہ اس کے بعد دوسری بدی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ: اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں سرزد ہونے والی تمام خطاؤں کو معاف فرما دیا کیونکہ وہ بہت زیادہ معاف کرنے والا اور بردبار ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے گناہوں کو معاف کرتا ہے اور ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرتا ہے۔ اس سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر مومنین کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو بھی معاف کر دیا۔ ایک مرتبہ ولید بن عقبہؓ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ سے کہا کیا وجہ ہے کہ تم حضرت عثمانؓ سے ناراض سے رہتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ انہیں میرا پیغام پہنچا دو کہ میں غزوۂ احد میں فرار نہیں ہوا تھا اور نہ غزوۂ بدر میں غیر حاضر رہا اور نہ ہی میں نے سنت عمر کو ترک کیا ہے۔ جب یہ پیغام حضرت عثمانؓ کو پہنچا تو آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اس نے غزوۂ احد میں فرار ہونے والوں کو معاف کر دیا ہے تو اس پر عار دلانے کا کیا معنی؟ اور غزوہ بدر کے دن میں حضور ﷺ کی بیٹی رقیہ کی تیمارداری میں مصروف تھا یہاں تک کہ وہ اسی بیماری میں فوت ہو گئیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے مجھے مال غنیمت سے پورا حصہ دیا ظاہر ہے حصہ اسے ملتا ہے جو جنگ میں شریک ہو۔ پس حکماً میری موجودگی ثابت ہو گئی یہاں تک سنت عمر کا تعلق ہے تو اس کی نہ میں طاقت رکھتا ہوں اور نہ عبدالرحمٰن۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٥٨﴾

''اے ایمان والو! نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کفر اختیار کیا اور جو کہتے تھے اپنے بھائیوں کو جب وہ سفر کرتے کسی علاقہ میں یا ہوتے تھے جہاد کرنے والے کہ اگر وہ ہوتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تا کہ بنائے اللہ تعالیٰ اس (خیال باطل) کو حسرت (کا باعث) ان کے دلوں میں اور (درحقیقت) اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور

مارتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو دیکھ رہا ہے۔ اور واقعی اگر تم قتل کیے جاؤ راہ خدا میں یا تم مر جاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت (جو تمہیں نصیب ہوگی) بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو اللہ کے حضور جمع کیے جاؤ گے''۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں جیسے اعتقاد رکھنے سے منع فرما رہا ہے۔ یہ کفار خیال کرتے تھے کہ ان کے جو لوگ سفر یا لڑائی میں مارے گئے اگر وہ سفر یا لڑائی میں نہ ہوتے تو نہ مرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ''یہ اعتقاد اس لیے ان کے دل میں پیدا کیا تاکہ مرنے اور قتل ہونے والوں پر ان کا افسوس اور حسرت بڑھ جائے درحقیقت زندگی اور موت اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی مشیت اور قدرت کے بغیر نہ تو کوئی زندہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو موت آ سکتی ہے۔ اس کے حکم بغیر کسی چیز کی عمر میں کمی ہو سکتی ہے نہ اضافہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی تمام مخلوق پر محیط ہے۔ کوئی بھی چیز اس پر مخفی نہیں۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: یہ آیت کریمہ دلالت کر رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں شہادت اور موت اللہ تعالیٰ کی رحمت عفو و درگزر اور اس کی خوشنودی کا ذریعہ ہے اور یہ اس فانی دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو بھی شخص مرتا یا ختم ہوتا ہے وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔ جہاں اسے اس کے اعمال کی جزا یا سزا ملے گی۔ اگر اچھے اعمال ہوں گے تو اچھی جزا اور اگر برے ہوں گے تو اس کی سزا بھی بری ہوگی۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ
يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۗ وَمَنْ
يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾
اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾
هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ
بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ
الْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

''پس (صرف) اللہ کی رحمت سے آپ نرم ہو گئے ہیں ان کے لیے اور اگر آپ ہوتے تند مزاج سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے آس پاس سے تو آپ درگزر فرمائیے ان سے اور بخشش طلب کیجئے ان کے لیے اور صلاح مشورہ کیجئے ان سے اس کام میں اور جب آپ ارادہ کر لیں (کسی بات کا) تو پھر توکل کرو اللہ پر بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے۔ اگر مدد فرمائے تمہاری اللہ تعالیٰ تو کوئی غالب نہیں آ سکتا تم پر اور اگر وہ (ساتھ) چھوڑ دے تمہارا تو کون ہے جو مدد کرے گا تمہاری اس کے بعد اور صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔ اور نہیں ہے کسی نبی کی یہ شان کہ خیانت

کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا اور لے آئے گا (اپنے ہمراہ) خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ تو کیا جس نے پیروی کی رضائے الٰہی کی اس کی طرح ہو سکتا ہے جو حق دار بن گیا ہے اللہ کی ناراضگی کا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے۔ لوگ درجہ بدرجہ ہیں اللہ کے ہاں اور اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھاتا ہے انہیں قرآن اور سنت۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے''۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ: اللہ تعالیٰ اپنے نبی معظم ﷺ اور مسلمانوں پر احسان جتلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ نبی کے حکم کی اطاعت کرنے والوں اور اس کی نافرمانی سے بچنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کے دل کو نرم کر دیا۔ اگر وہ اللہ کی یہ رحمت نہ ہوتی تو یہ نرمی اور شفقت نہ ہوتی۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ ماصلہ ہے جس کو اہل عرب معرفہ کے ساتھ بھی ذکر کرتے ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ (مائدہ:13) اور نکرہ کے ساتھ بھی جیسے (عما قَلِيْلٍ)۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا اور یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الخ (التوبہ: 128) ''ترجمہ: بیشک تمہارے پاس تم میں سے ایک برگزیدہ رسول تشریف لایا، تمہارا مشقت میں پڑنا اسے گراں گزرتا ہے، تمہاری بھلائی کا بہت ہی خواہش مند ہے، مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا اور بڑا رحیم ہے''۔ حضرت ابوامامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ بعض مومنوں کے لیے میرا دل انتہائی نرم ہے۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا: یہاں فظاً سے مراد سخت کلام ہے کیونکہ اس کے بعد ''غَلِيْظَ الْقَلْبِ'' کا لفظ ہے۔ یعنی آپ تنگ مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر منتشر ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کے اردگرد جمع کر دیا ہے اور آپ کی طبیعت کو ان کے لیے نرم کر دیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی صفات کو پہلی کتابوں میں دیکھا ہے کہ آپ نہ تو تنگ مزاج ہیں اور نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے، بلکہ معاف کرنے والے اور درگزر کرنے والے ہیں۔ حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح مجھے اللہ تعالیٰ نے اقامت فرائض کا حکم دیا ہے اسی طرح لوگوں کی دلجوئی کا حکم بھی دیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''آپ (اہل ایمان سے) درگزر فرمائیے، ان کی بخشش طلب کیجیے اور ان سے اس معاملہ میں مشورہ کیجیے۔'' یہی وجہ ہے کہ جب کوئی معاملہ پیش آتا تو حضور ﷺ صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے تھے تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ کام پوری چستی اور دل جمعی کے ساتھ کریں۔ جیسا کہ غزوۂ بدر سے پہلے آپ نے ابوسفیان کے قافلہ کی طرف پیش قدمی کرنے کے بارے میں صحابہ اکرام سے مشورہ فرمایا تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ہمیں سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم دیں تو ہم سمندر میں کود جائیں گے اور اگر آپ ہمیں برک الغمار تک لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم قوم موسیٰ علیہ السلام کی طرح نہیں کہیں گے کہ ''تم جاؤ اور تمہارا رب اور لڑو ہم تو یہاں بیٹھیں گے۔'' بلکہ ہم عرض کریں گے کہ آپ چلیے اور ہم آپ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں دشمنوں کے خلاف جہاد کریں گے اسی طرح آپ نے جنگ بدر میں لشکر کی قیام گاہ کے بارے میں بھی مشورہ کیا تو حضرت منذر بن عمروؓ نے آگے بڑھ کر پڑاؤ ڈالنے کا مشورہ دیا۔ غزوۂ احد کے موقع پر بھی صحابہ اکرام سے مشورہ کیا کہ مدینہ میں رہ کر دفاع کرنا چاہیے یا باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے تو اکثر صحابہ نے

مدینے سے باہر مقابلے کی رائے دی اور آپ نے ان کے مشورہ پر عمل کیا۔ اسی طرح غزوۂ خندق کے موقع پر صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ اس سال مدینے کی پیداوار کا تیسرا حصہ دے کر ان گروہوں سے صلح کر لی جائے لیکن حضرت سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہ کی رائے مختلف تھی۔ اس لیے آپ نے صلح کی تجویز کو ترک کر دیا اسی طرح حدیبیہ کے دن اس معاملے میں مشورہ کیا کہ کیا مشرکین کے گھروں پر حملہ کر دیا جائے تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے بلکہ عمرہ کے لیے آئے ہیں۔ آپ نے ان کی بات منظور کر لی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر واقعہ افک پر تہمت لگی تو آپ نے فرمایا اے مسلمانو! مجھے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنہوں نے میرے اہل خانہ کے بارے میں تہمت لگائی۔ قسم بخدا میرے علم میں میرے اہل خانہ نے کوئی برائی نہیں کی۔ فرمایا میں اپنے اہل خانہ کے متعلق خیر کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔ اس طرح آپ نے حضرت عائشہؓ سے جدائی کے بارے میں حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ سے مشورہ کیا۔ الغرض آپ جنگ اور دیگر معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مشورہ کرنے کا حکم وجوبی تھا یا اختیاری امر تھا تا کہ لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوتی رہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے مشورہ کرنے کا حکم ہے۔ آپ فرماتے ہیں کے یہ دونوں حضور ﷺ کے حواری اور وزیر اور مسلمانوں کے باپ ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن غنمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی مسئلہ میں تمہاری رائے ایک ہو جائے تو میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا(1)۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عزم کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد اہل رائے سے مشورہ کرنا اور پھر اس مشورہ پر کاربند ہونا۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہے(2)۔ حضرت جابر روایت فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی سے مشورہ طلب کرے تو وہ اسے مشورہ دے دے(3)۔

فَاِذَا عَزَمْتَ: جب آپ کسی معاملے میں صحابہ کرام سے مشورہ کریں تو پھر اس معاملے کو سرانجام دینے کا پختہ ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ پر توکل کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور پھر ارشاد فرمایا: اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ...... یہ آیت کریمہ: وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (آل عمران: 126) کی مثل ہے اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے پھر حکم ہوا کہ مومنین کو صرف اللہ کی ذات پر توکل اور بھروسہ کرنا چاہیے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ: حضرت ابن عباسؓ، مجاہد اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ نبی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ بدر کے مال غنیمت سے ایک چادر گم ہو گئی، صحابہ کرام نے گمان کیا کہ شاید حضور ﷺ نے چادر لے لی ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ منافقین نے رسول اللہ ﷺ پر کسی چیز کی چوری کی تہمت لگائی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس کا محبوب ہر قسم کی خیانت سے مبرا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آیت کا ایک معنی یہ کہ نبی ﷺ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ مال غنیمت میں حاصل ہونے والے بعض قیدیوں کو تقسیم کر دے اور بعض کو نہ تقسیم کرے۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی ﷺ کے لیے مناسب نہیں کہ خدا کی نازل کردہ چیز کو ترک کر دے اور اپنی امت تک نہ پہنچائے۔ یُغَلَّ کی یاء کو پیش کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس وقت معنی یہ ہوگا یہ مناسب نہیں کہ نبی کی ذات کے ساتھ خیانت کی جائے۔ قتادہ کا قول ہے کہ یہ آیت کریمہ بدر کے دن

1۔ مسند امام احمد: 227/4 2۔ ابن ماجہ: 1233 3۔ ابن ماجہ، کتاب الادب: 1233

نازل ہوئی جب آپ کے کسی صحابی نے مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے کوئی چیز لے لی۔

وَمَنْ يَّغْلُلْ :اور یہ خیانت کرنے والوں کے لیے انتہائی شدید وعید ہے۔متعدد احادیث میں بھی خیانت سے سخت منع فرمایا گیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بڑا خیانت کرنے والا وہ شخص ہے جو پڑوسی کے کھیت یا اس کے گھر کی ایک گز زمین پر قبضہ کر لے۔قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے سات زمینوں کا طوق پہنائے گا(1)۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو ہم والی بنائیں اگر اس کے پاس گھر نہ ہو تو وہ گھر بنا لے،اگر شادی شدہ نہ ہو تو شادی کر لے،اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو وہ خادم رکھ لے،اگر اس کے پاس سواری نہ ہو تو سواری رکھ لے۔ان چیزوں کے علاوہ اگر وہ کوئی چیز لے گا تو وہ خائن شمار ہوگا(2)۔اس روایت کو ابوداؤد نے بھی الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ روایت کیا ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم میں سے اس شخص کو پہچانتا ہوں جو قیامت کے دن چلاتی ہوئی بکری اٹھائے ہوئے آئے گا اور میرا نام لے کر مجھے پکارے گا تو میں کہوں گا کہ میں تمہارے لیے اس معاملہ میں اللہ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔اس سے شفاعت کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ شفاعت متواتر احادیث سے ثابت ہے۔میں نے تمہیں دین کا پیغام پہنچا دیا تھا۔میں اسے بھی پہچانتا ہوں جو قیامت کے دن بلبلاتا ہوا اونٹ اٹھائے ہوئے آئے گا اور میرا نام لے کر پکارے گا تو اسے بھی یہی کہوں گا۔اور میں اسے بھی پہچانوں گا جو ہنہناتے ہوئے گھوڑے کو اٹھائے ہوئے آئے گا اور مجھے یا محمد یا محمد کہہ کہ پکارے گا تو میں کہوں گا کہ میں تمہارے لیے اس معاملے میں اللہ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں(3)۔حضرت ابوحمید ساعدی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ ازد کے ابن اللتیبہ نامی شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل بنایا۔جب مال زکوٰۃ وصول کر کے واپس آیا تو کہنے لگا یہ مال آپ کے لیے ہے اور مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔اس کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کیا وجہ ہے کہ جب ہم کسی عامل کو کسی کام کے لیے بھیجتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تمہارے لیے ہے اور مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔اگر یہ شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہتا تو پھر دیکھتے انہیں کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں۔قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد(ﷺ) کی جان ہے تم میں سے جو کوئی اس میں سے کوئی چیز لے گا وہ قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا۔اگر اونٹ ہوگا تو بلبلا رہا ہوگا،اگر گائے ہوگی تو ڈکار رہی ہوگی اور اگر بکری ہوگی تو چلا رہی ہوگی۔پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے یہاں تک کہ ہمیں بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور تین مرتبہ فرمایا اے اللہ میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا(4)۔ایک روایت میں فرمایا کہ عمال کو ملنے والے تحائف بھی خیانت میں شمار ہوتے ہیں۔اس حدیث کو صرف امام احمد نے ہی اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور اس کی سند بھی ضعیف ہے۔حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے یمن بھیجا۔جب میں یمن کی طرف چل دیا تو مجھے پیغام دے کر واپس بلایا۔میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ میں نے تمہیں صرف اس بات کے لیے واپس بلایا ہے کہ میری اجازت کے بغیر تم جو چیز لو گے وہ خیانت ہوگی۔اور ہر خائن قیامت کے دن اپنی خیانت کے ساتھ حاضر ہوگا۔بس اسی بات کے لیے تمہیں بلایا تھا اب جاؤ اور اپنا فرض نبھاؤ(5)۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یاد فرمایا جس میں آپ نے خیانت کا ذکر فرمایا اور اس کی ہولناکیاں بیان کیں۔پھر وہی فرمایا جو گزشتہ حدیث میں گزر چکا ہے اس کے علاوہ سونے چاندی کا بھی ذکر کیا۔ایک روایت میں فرمایا اے لوگو!اگر تم میں سے کوئی عامل بنے اور ہم میں سے کوئی ایک چیز چھپائی تو وہ خیانت ہوگی۔قیامت کے دن اسی کے ساتھ حاضر ہوگا۔یہ

1۔مسند امام احمد:140/4 — 2۔سنن ابی داود،کتاب الخراج:134/3 — 3۔تفسیر الطبری:159/4

4۔مسند احمد:424,423/5 — 5۔عارضۃ الاحوذی:80,79/6

بات سن کر سانولے رنگ کے انصاری صحابی سعد بن عبادہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں عامل بننے سے دستبردار ہوتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیوں؟ عرض کی آپ کے فرمان کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا اب سنو! اگر ہم کسی کو عامل بنائیں اور اسے جو تھوڑا بہت ملے تو اسے چاہیے کہ وہ لے آئے اور اس میں سے جو اسے عطا کیا جائے وہ لے لے اور جس سے روکا جائے اس سے رک جائے (1)۔ حضرت ابو رافع فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر نماز عصر کے بعد بنو عبد الاشہل کے پاس تشریف لے جاتے اور مغرب تک وہیں ان کے ساتھ گفتگو کرتے۔ ایک دن مغرب کے وقت وہاں سے چلے۔ وقت چونکہ تنگ تھا اس لیے آپ تیز تیز قدم اٹھانے لگے، بقیع کے پاس گزرے تو فرمانے لگے افسوس ہے تجھ پر، افسوس ہے تجھ پر۔ میں نے خیال کیا کہ آپ مجھے فرمار ہے ہیں اور تھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے۔ عرض کی میں آپ کے اس ارشاد کی وجہ سے پیچھے ہٹ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا بلکہ یہ فلاں شخص کی قبر ہے جس کو میں نے فلاں قبیلے کی طرف عامل بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے خیانتاً ایک چادر اپنے پاس رکھ لی اب وہ چادر آگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے (2)۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت کے اونٹ کی پیٹھ کے چند بال لیے اور ارشاد فرمایا کہ اس میں میرا بھی وہی حق ہے جو تم میں سے کسی ایک کا ہے۔ خیانت سے بچو، خائن قیامت کے دن رسوا ہوگا۔ اگر کسی کے پاس سوئی دھاگہ یا اس سے بھی کوئی حقیر چیز ہو تو واپس کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قریب اور دور والوں کے ساتھ جہاد کرو۔ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رنج و غم سے نجات بخشتا ہے۔ اللہ کی حدود کو لوگوں پر نافذ کرو خواہ وہ قریب کے ہو یا دور کے۔ اللہ کے حکم کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے مت ڈرو (3)۔ ایک روایت میں فرمایا کہ مال غنیمت کی سوئی اور دھاگہ واپس کر دو کیونکہ یہ خیانت خائن کے لیے روز قیامت جہنم کی آگ بن جائے گی اور اس کے لیے ذلت اور رسوائی کا باعث ہوگی۔ حضرت ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مجھے عامل بنا کر بھیجا تو فرمایا اے ابو مسعود! جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں قیامت کے دن تجھے اس حال میں دیکھوں کہ تمہاری پیٹھ پر اونٹ بلبلا رہا ہو جسے تم نے خیانت سے حاصل کیا ہو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ تب میں نہیں جاؤں گا ارشاد فرمایا میں تمہیں مجبور نہیں کرتا (4)۔ ابن مردویہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی پتھر کو جہنم میں پھینکا جائے تو وہ ستر سال تک بھی نیچے جاتا رہے تو اس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ خیانت سے حاصل کی ہوئی چیز کو اسی طرح جہنم میں پھینک دیا جائے گا پھر خائن کو کہا جائے گا کہ جاؤ اسے پکڑ کر لاؤ۔ اور یہی مفہوم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ہے۔ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ خیبر کے دن صحابہ کرامؓ آپس میں باتیں کرنے لگے فلاں شہید ہے، فلاں شہید ہے۔ جب انہوں نے ایک شخص کے بارے میں کہا کہ وہ شہید ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اسے جہنم کی آگ میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے مال غنیمت کی ایک چادر چرائی تھی، پھر فرمایا جاؤ لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف ایمان والے ہی داخل ہوں گے۔ میں نے یہ اعلان کر دیا (5)۔ ایک دن حضرت عمرؓ نے عبد اللہ بن انیس سے زکوٰۃ کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے کہا کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا صدقات میں خیانت کرنے والوں کے بارے میں فرمان نہیں سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مال غنیمت سے اونٹ یا بکری چوری کرے گا تو قیامت کے دن اسے اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن انیسؓ نے فرمایا ہاں میں نے یہ فرمان سنا ہے (6)۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہؓ کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجنا چاہا۔

1۔ مسند امام احمد 192/4 2۔ مسند احمد 392/6 3۔ مسند احمد 330/5
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الامارۃ 135/3 5۔ مسند احمد 30/1 6۔ تفسیر الطبری 160/4

فرمایا اے سعد کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم بلبلاتے ہوئے اونٹ کو اٹھا کر لاؤ۔ حضرت سعد نے عرض کی نہ میں یہ عہدہ لوں گا اور نہ ہی ایسا ہونے کا احتمال رہے گا۔ حضور علیہ السلام نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی۔ حضرت صالح بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ وہ رومیوں کے خلاف جہاد میں مسلمہ بن عبدالماجد کے ساتھ شریک تھے ایک شخص کے مال سے کچھ خیانت کا مال نکلا انہوں نے اس کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا میرے والد عبداللہ بن عمرؓ نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تم جس کے سامان میں خیانت کا مال پاؤ اس کو جلا دو۔ راوی فرماتے ہیں میرا خیال ہے آپ نے فرمایا کہ اسے سزا بھی دو۔ یہ سن کر مسلمہ نے اس سامان کو کھلوایا اس میں قرآن پاک کا ایک نسخہ تھا۔ انہوں نے اس کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا کہ اسے بیچ کر اس کی قیمت کو صدقہ کر دو(1)۔ علی بن مدینی اور امامہ بخاریؒ کا قول ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ دار قطنی نے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ سالم بن عبداللہ کا فتویٰ ہے امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت حسن بصری کا بھی یہی قول ہے کہ خیانت کرنے والے کی سزا یہ ہے کہ اس کا تمام سامان جلا دیا جائے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ اس کا سامان جلا دیا جائے اور اسے غلام کی سزا سے کم کوڑے لگائے جائیں اور اسے مال غنیمت اسے محروم کر دیا جائے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالک، امام شافعی اور جمہور یہ علماء کا مذہب اس کے برعکس ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ خائن کے مال کو جلایا نہیں جائے گا بلکہ اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے خائن کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کیا لیکن اس کا سامان نہیں جلایا۔ زبیر بن مالک فرماتے ہیں جب حضرت عثمانؓ نے تمام امت کو ایک قرآن پر جمع کرنے کے لیے دیگر مصاحف کو جلانے کا حکم دیا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم میں سے جو اپنے مصحف کو چھپا سکتا ہے وہ چھپا لے کیونکہ قیامت کے دن ہر آدمی وہی چیز لائے گا جو اس نے چھپائی ہوگی۔ پھر فرمانے لگے میں نے ستر مرتبہ رسول اللہ علیہ السلام کی زبانی یہ قرآن پڑھا ہے۔ کیا میں رسول اللہ علیہ السلام کی پڑھائی ہوئی قرأت چھوڑ دوں۔ امام وکیع نے بھی اس واقعہ کو اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی مال غنیمت آتا تو آپ حضرت بلالؓ کو حکم دیتے کہ وہ لوگوں میں منادی کر دیں کہ جس کے پاس مال غنیمت ہے وہ لے آئے۔ پھر آپ اس میں سے پانچواں حصہ نکال لیتے اور باقی کو تقسیم کر دیتے۔ ایک مرتبہ تقسیم کے بعد ایک شخص بالوں کی بنی ہوئی ایک رسی لے کر آیا اور عرض کی یا رسول اللہ علیہ السلام یہ مال غنیمت میں سے ہے۔ تو آپ نے فرمایا، کیا تم نے بلال کی منادی نہیں سنی تھی جو تین مرتبہ کی گئی اس نے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا تو تم اس وقت کیوں نہیں لے کر آئے۔ اس نے عذر بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں یہ ہرگز نہیں سنوں گا، قیامت کے دن تم اس کے ساتھ آؤ گے۔

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ: جو شریعت خداوندی کی پیروی کرتے ہوئے اس کی رضا و خوشنودی حاصل کرتا اور اس کی بارگاہ سے اجر وثواب کی امید رکھتا اور اس کے دردناک عذاب سے بچنے کی سعی کرتا ہے وہ، اور جو (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے) اس کے عذاب کا مستحق ٹھہرا اور جس کا روز قیامت جہنم ٹھکانہ ہوگا، وہ برابر نہیں ہو سکتے۔ یہی حکم ان آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے: اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى (الرعد:19) ''ترجمہ: کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا وہ حق ہے وہ اس جیسا ہوگا جو اندھا ہے''۔ ''اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (القصص:61) ''ترجمہ: کیا وہ شخص جس کے ساتھ ہم نے بہت اچھا وعدہ کیا اور وہ اس وعدہ کو پانے والا بھی ہے، اس کی مانند ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیاوی زندگی کا سامان دیا''۔

1۔ مسند احمد، 22/1

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں اہل خیر وشر کے درجات بیان کیے گئے ہیں۔ ابوعبیدہ کا قول ہے کہ اہل جنت کے جنت میں مختلف درجات ہوں گے اور اسی طرح اہل جہنم کے مختلف طبقات۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (انعام:132) ''ترجمہ: ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں''۔ اس لیے اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے خوب آگاہ ہے۔ عنقریب ان کو پورا پورا بدلہ دے گا نہ تو کسی کی نیکی کو ضائع کرے گا اور نہ کسی کی برائی کو زیادہ بلکہ ان کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ: اہل ایمان پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ انہی کی جنس میں سے ایک پیغمبر بھیجا تاکہ وہ اس کے ساتھ گفتگو اور ہم نشینی کر کے فائدہ حاصل کر سکیں۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (الروم:21) اس آیت کریمہ کا بھی یہی معنی ہے کہ تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے پیدا کیے۔ دوسرے مقام پر ہے: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ..... (الکھف: 110) ''ترجمہ: آپ فرمایئے کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی کہ تمہارا خدا صرف اللہ وحدہ ہے''۔ دوسری جگہ ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (فرقان:20) ''ترجمہ: ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں چلا پھرا کرتے تھے''۔ ایک اور ارشاد ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (یوسف:109) ''ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے مردوں کو رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے''۔ ایک اور فرمان ہے: يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ (الانعام:130) ''ترجمہ: اے گروہ انس وجان کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے''۔ الغرض یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنی مخلوق کی طرف رسول انہی جنس میں سے بھیجے تاکہ وہ ان کے ساتھ ہم کلامی اور بار بار سوال کر کے ان سے دین سیکھیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ وہ رسول ﷺ ان پر قرآن حکیم کی آیات تلاوت کرتا ہے، انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے برائی سے روکتا ہے تاکہ ان کے دل شرک اور جاہلیت کی آلودگیوں سے پاک ہو جائیں اور انہیں کتاب وحکمت یعنی قرآن وسنت کی تعلیم دیتا ہے اور اس رسول ﷺ کے آنے سے پہلے کھلی اور واضح گمراہی میں تھے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿165﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿166﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ښ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿167﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿168﴾

''کیا جب تمہیں پہنچی کچھ مصیبت حالانکہ تم پہنچا چکے ہو (دشمن کو) اس سے دگنی تو تم کہہ اٹھے کہاں سے آپڑی یہ مصیبت؟ فرمایئے! یہ تمہاری طرف سے ہی آئی ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور وہ مصیبت جو پہنچی تھی تمہیں اس روز جب

مقابلہ کو نکلے تھے دونوں لشکر تو وہ اللہ کے حکم سے پہنچی تھی اور (مقصد یہ تھا کہ) دیکھ لے اللہ تعالیٰ مومنوں کو۔ اور دیکھ لے جو نفاق کرتے تھے اور کہا گیا ان سے کہ آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا بچاؤ کرو (اپنے شہر کا) بولے اگر ہم جانتے کہ جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہاری پیروی کرتے وہ کفر سے اس روز زیادہ قریب تھے بہ نسبت ایمان کے کہتے ہیں اپنے منہ سے (ایسی باتیں) جو نہیں ہیں ان کے دلوں میں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔ جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں کے بارے میں حالانکہ وہ خود (گھر) بیٹھے تھے اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے آپ فرمایئے ذرا دور تو کر دکھاؤ اپنے آپ سے موت کو اگر تم سچے ہو"۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ: یہاں غزوۂ احد کے دن پیش آنے والی مصیبت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جس میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔

قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْھَا: غزوۂ بدر میں تم نے مشرکین کو دوگنا نقصان پہنچایا یعنی ان کے ستر افراد کو قتل کیا اور ستر کو قیدی بنایا۔ اب تم پر مصیبت آئی ہے تو کہنے لگے کہ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی۔ محبوب ﷺ فرما دیجیے کہ یہ تمہاری اپنی طرف سے ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں نے جن کفار کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا۔ اس کی سزا اگلے سال یہ ملی کہ غزوۂ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے، کفار کے اچانک حملے سے صحابہ کرام میں بھگدڑ مچ گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور خود کی کڑیاں لگنے سے چہرہ مبارک زخمی ہوا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ غزوۂ بدر میں آپ کی قوم نے مشرکین جو قیدی بنایا ہے، اللہ نے اسے ناپسند فرمایا ہے۔ اب آپ کو دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ یا تو ان قیدیوں کو قتل کر دیں یا ان سے فدیہ وصول کر کے انہیں چھوڑ دیں مگر ان مسلمانوں میں اتنی ہی تعداد شہید ہوگی۔ آپ نے ان لوگوں کو جمع کر کے یہ دونوں باتیں بتا دیں تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کہ یہ لوگ ہمارے اپنے ہی قبائل کے اپنے ہی بھائی ہیں۔ کیوں نہ ہم ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیں اور اس مال سے قوت حاصل کر کے اپنے دوسرے دشمنوں سے جنگ کریں۔ پھر اگر ہم میں سے اتنے ہی آدمی شہید ہو گئے تو یہ کوئی ہمارے لیے ناپسندیدہ بات نہیں۔ چنانچہ جرمانہ وصول کر کے قیدیوں کو چھوڑ دیا گیا۔ لہٰذا اس کے بعد غزوۂ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے (2)۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ تم پر یہ مصیبت حضور ﷺ کی نافرمانی کی وجہ سے نازل ہوئی ہے کیونکہ آپ نے تم تیر اندازوں کو حکم دیا تھا کہ اپنی جگہ سے نہ ہٹو۔ تم نے نافرمانی کی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ جو چاہے کرے اس کے حکم کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔

وَمَآ اَصَابَکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ: غزوۂ احد میں جو تمہیں نقصان پہنچا کہ تم دشمن کے مقابلہ میں بھاگ گئے اور تم میں سے بعض زخمی ہوئے اور بعض شہید۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کی وجہ سے تھا۔ اس میں کئی حکمتیں پوشیدہ تھیں کہ اس میں صبر کرنے اور ثابت قدم رہنے والے بھی ظاہر ہو گئے اور منافقین کا حال بھی واضح ہو گیا۔ یعنی جب عبداللہ بن ابی اور دوسرے منافقین واپس لوٹے تو بعض مسلمانوں نے انہیں کہا کہ آؤ ہمارے ساتھ مل کر دشمن کے ساتھ جہاد کرو۔ اگر جہاد نہیں کر سکتے تو کم از کم مسلمانوں کی صفوں میں رہو تا کہ دشمن پر رعب پڑ جائے تو انہوں نے بہانے بنانے شروع کر دیے۔ اور کہا کہ اگر واقعی لڑائی شروع ہوئی تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگ نہیں ہوگی۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ایک ہزار صحابہ کی معیت میں میدان احد کی طرف نکلے تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ دوسرے لوگوں کی بات مان کر مدینہ سے نکلے ہیں اور انہوں نے میری بات تسلیم نہیں

1۔ مسند احمد، 30/1　　2۔ تفسیر الطبری، 166/4

کی۔ پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ قسم بخدا مجھے معلوم نہیں کہ ہم اپنے آپ کو کیوں قتل کروائیں۔ اس کی یہ بات سن کر منافقین اس کے ساتھ مل گئے۔ اس طرح وہ ایک تہائی لشکر لے کر واپس لوٹ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام ان کے پیچھے گئے اور انہیں کہا کہ اے میری قوم میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم اپنے نبی اور اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑ کر نہ جاؤ کہ دشمن سامنے موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہمیں جنگ کے بارے میں یقین ہوتا تو ہم تمہیں چھوڑ کر نہ جاتے۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ جنگ نہیں ہوگی۔ جب منافقین نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو انہوں نے فرمایا اے اللہ کے دشمنو! اللہ تمہیں غارت کرے، ہمیں تمہاری کوئی حاجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تم سے مستغنی کر دے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ انہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

وَهُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ: اس سے معلوم ہوا ہے کہ انسان کے مختلف احوال ہیں کبھی وہ کفر کے قریب ہو جاتا ہے اور کبھی ایمان کے نزدیک۔ پھر ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے مونہوں سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں۔ جیسا کہ انہوں نے کہا کہ اگر جنگ ہوئی تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے حالانکہ ان کو یقین تھا کہ مشرکین کے جنگ لازمی امر ہے کیونکہ مشرکین کا لشکر دور دراز سے آیا تھا اور غزوۂ بدر میں ان کے سرداروں کے قتل کی وجہ سے انہیں مسلمانوں پر بڑا غضب تھا اور ان کی تعداد مسلمانوں سے کئی گنا تھی۔ اس لیے جنگ کا برپا ہونا لابدی امر تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ان باتوں کو بہتر جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ ہمارا مشورہ مانتے اور یہیں بیٹھے رہتے اور جنگ میں شرکت نہ کرتے تو ہرگز نہ مارے جاتے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر گھر میں بیٹھا رہنا اگر کسی شخص کو موت یا قتل سے بچا سکتا تو پھر تم کبھی نہ مرتے حالانکہ موت تم پر یقینی طور پر آ کر رہے گی اگرچہ تم مضبوط گھروں میں بیٹھے ہو۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو موت کو اپنے آپ سے دور کرو۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ عبداللہ بن ابی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

"اور ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ جو قتل کیے گئے ہیں اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس (اور) رزق

دیئے جاتے ہیں شاد ہیں ان (نعمتوں) سے جو عنایت فرمائی ہیں انہیں اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اور خوش ہو رہے ہیں بسب ان لوگوں کے جو ابھی تک نہیں آملے ان سے ان کے پیچھے رہ جانے والوں سے کہ نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوش ہو رہے ہیں اللہ کی نعمت اور اس کے فضل پر اور (اس پر) کہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اجر ایمان والوں کا۔ جنہوں نے لبیک کہا اللہ اور رسول کی دعوت پر اس کے بعد کے لگ چکا تھا انہیں (گہرا) زخم ان کے لیے جنہوں نے نیکی کی ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا اجر عظیم ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کہا انہیں لوگوں نے کہ بلاشبہ کافروں نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لیے (بڑا سامان اور لشکر) سو ڈرو ان سے تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے (جوش ایمان کو) اور انہوں نے کہا کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کارساز ہے۔ (ان کے عزم توکل کا نتیجہ یہ نکلا کہ) واپس آئے یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ نہ چھوا ان کو کسی برائی نے اور پیروی کرتے رہے رضائے الٰہی کی اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ یہ تو شیطان ہے جو ڈراتا ہے (تمہیں) اپنے دوستوں سے پس نہ ڈرو ان سے بلکہ مجھ سے ہی ڈرا کرو اگر تم مومن ہو''۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا: حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چالیس یا ستر صحابہ کو بئر معونہ کی طرف بھیجا۔ جب یہ جماعت اس غار تک پہنچی جو بئر معونہ کے اوپر تھا اور وہاں پڑاؤ ڈال کر آپس میں باتیں کرنے لگے کہ کون اللہ کے رسول کا پیغام ان لوگوں تک پہنچائے گا تو ایک انصاری صحابی ابوملحان اس کے لیے تیار ہو گئے اور ان کے گھروں کے پاس پہنچ کر باآواز بلند کہا اے بئر معونہ کے باسیو! میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی رسول نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ یہ سن کر ایک کافر نیزہ پکڑے ہوئے اپنے گھر سے نکلا اور اس نے صحابی پر نیزہ اس طرح تاک کر مارا کہ وہ اس کے بدن سے آر پار ہو گیا اس صحابی کی زبان سے بے ساختہ یہ نعرہ بلند ہوا: ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ، فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ'' رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ پھر وہ کافر اس صحابی کے پیروں کے نشان دیکھتے ہوئے اس غار تک پہنچ گئے اور عامر بن طفیل رئیس قبیلہ کی سرکردگی میں تمام صحابی کو شہید کر دیا(1)۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ان شہداء کے بارے میں قرآن پاک نازل ہوا کہ ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہماری ملاقات اپنے پروردگار سے ہوئی وہ ہم سے راضی ہو گیا ہم اس سے راضی ہو گئے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہم ایک مدت تک اس آیت کو پڑھتے رہے پھر اسے منسوخ کر کے اٹھا لیا گیا۔ اور وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا نازل ہوئی۔ حضرت مسروق سے مروی ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو فرمانے لگے کہ ہم نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ہیں۔ عرش معلی کے نیچے لٹکی ہوئی قندیلوں پر ان کا بسیرا ہے وہ جنت میں جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں اور پھر ان قندیلوں کی طرف واپس لوٹ آتی ہیں۔ ایک مرتبہ ان کے پروردگار نے ان پر نظر کرم فرمائی اور پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ انہوں نے عرض کی یا باری تعالیٰ ہم کیا چاہیں گے ساری جنت تو ہمارے لیے ہے۔ ہم جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے تیسری مرتبہ بھی یہی فرمایا تو انہوں نے خیال کیا کہ اللہ کی بارگاہ سے مانگے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ انہوں نے عرض کی اے باری تعالیٰ ہماری خواہش ہے کہ تو ہماری روحوں کو واپس لوٹا دے تاکہ ایک دفعہ پھر تیری راہ میں شہید ہو جائیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا(2)۔ ایک اور روایت میں فرمایا کہ جب کوئی شخص اس دنیا سے کوچ کرتا ہے اور اللہ کی جناب سے اچھی جزاء پاتا ہے تو وہ دنیا میں واپس لوٹنا پسند نہیں کرتا

1۔ تفسیر الطبری 174،173/4
2۔ مسلم، کتاب الامارہ 1503،1502

سوائے شہید کے کہ وہ چاہتا ہے کہ اسے دنیا میں واپس لوٹایا جائے تاکہ ایک بار پھر اللہ کی راہ میں شہید ہو، کیونکہ وہ اللہ کی راہ میں شہادت کی فضیلت کا مشاہدہ خود اپنی آنکھوں سے کر لیتا ہے(1)۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کو زندہ کیا اور پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو تو اس نے عرض کی یا باری تعالیٰ مجھے ایک دفعہ پھر دنیا میں بھیج دے تاکہ تیری راہ میں ایک مرتبہ پھر قربان ہو جاؤں(2)۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ یہاں سے کوئی واپس نہیں جائے گا۔ ان کا نام عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاریؓ ہے۔ آپ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد شہید ہوئے تو میں رونے لگا اور بار بار ان کے چہرے سے کپڑا ہٹاتا۔ صحابہ کرام نے مجھے منع کیا لیکن حضور ﷺ نے منع نہ فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے جابر نہ رو تیرے باپ کا جنازہ اٹھائے جانے تک فرشتے اپنے پروں کے ساتھ اس پر سایہ فگن رہیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غزوۂ احد میں جب تمہارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے قالب میں رکھ دیا۔ جو جنت کی نہروں کا پانی پیتے ہیں اور اس کا پھل کھاتے ہیں اور عرش بریں کے نیچے لٹکی ہوئی قندیلوں میں آرام کرتے ہیں۔ جب ان کو کھانے پینے اور رہنے سہنے کے لیے بہترین نعمتیں ملیں تو کہنے لگے کاش ہماری بھائیوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کیا احسان فرمایا ہے تاکہ وہ جہاد سے منہ نہ پھیریں اور نہ جنگ سے تھک کر بیٹھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم بے فکر رہو میں تمہارا یہ پیغام پہنچا دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ آیات نازل فرمائیں(3)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیات حضرت حمزہ اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: جابر! کیا بات ہے غمگین نظر آتے ہو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے والد صاحب شہید ہو گئے اور بہت سا قرض اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر چلے گئے۔ آپ نے فرمایا سنو! میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس کسی سے بھی کلام کیا پردے کے پیچھے سے کیا لیکن تیرے باپ کے روبرو کلام کیا اور اسے فرمایا تم مجھ سے مانگو میں عطا کروں گا۔ اس نے عرض کی یا باری تعالیٰ مجھے واپس دنیا میں لوٹا دو تاکہ دوسری مرتبہ تیری راہ میں شہید ہو جاؤں۔ اللہ نے فرمایا: یہ میں پہلے ہی مقرر کر چکا ہوں کہ یہاں سے واپس کوئی نہیں جائے گا۔ انہوں نے عرض کی یا پروردگار! میرے پیچھے والوں کو میرے ان مراتب کی خبر پہنچا دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ بیہقی کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ حضرت عبداللہ نے عرض کی اے پروردگار میں تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ شہداء کی ارواح جنت کے دروازے کے قریب نہر کے کنارے پر سبز گنبد میں ہیں۔ جنت کی نعمتیں صبح وشام ان پر پہنچتی ہیں۔ اس حدیث اور اس سے پہلے گزری ہوئی احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ شہداء کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سے بعض کی روحیں جنت میں پھرتی ہیں اور بعض کی روحیں اس سبز گنبد میں ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ روحیں سیر کرتی ہوئی اس نہر پر پہنچ جاتی ہوں اور وہاں ان کا اجتماع ہوتا ہو۔ اور یہیں ان کو صبح وشام نعمتیں پہنچتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر مومن کو یہ بشارت دی جاتی ہے کہ اس کی روح جنت میں سیر کرتی ہے اور اس کے پھل کھاتی ہے۔ اور وہاں کی تروتازگی اور شادابی کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اس حدیث کے راویوں میں مذاہب اربعہ کے ائمہ میں سے تین امام شامل ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اس حدیث کو امام شافعی سے اور امام شافعی نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ مومن کی روح پرندے کی شکل میں ہوتی ہے وہ جنت کے درختوں سے پھل کھاتا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پھر اسے جسم میں لوٹا دے گا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عام مومن کی روح جنت میں پرندے کی شکل میں ہوتی ہے مگر شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے

1۔ مسند احمد 126/3 2۔ مسند احمد 361/3 3۔ مسلم، فضائل الصحابہ 1918

قالب میں ہوتی ہیں۔ اور یہ روحیں عام مسلمانوں کی نسبت ستاروں کی مانند ہیں۔ خود بخود اڑ سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو انتہائی کرم اور احسان فرمانے والا ہے یہ دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی ایمان پر موت دے۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ : وہ شہداء جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے وہ زندہ ہیں۔ اور وہاں عطا ہونے والی اللہ کی نعمتوں اور آسائشوں سے خوش ہیں۔ اور انہیں یہ بھی خوشی ہے کہ ان کے جو بھائی بعد میں شہید ہوں گے وہ بھی ان کے پاس آ جائیں گے۔ انہیں نہ تو مستقبل کا کوئی خوف ہے اور نہ گزشتہ زندگی کا کوئی غم۔ ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ وہ اس لیے خوش ہیں کہ ان کے وہ بھائی جو جہاد میں مصروف ہیں وہ شہید ہو کر آخر ان کے پاس آ جائیں گے اور ان نعمتوں میں شریک ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی ہیں۔ سدی فرماتے ہیں کہ شہید کو ایک کتاب دی جاتی ہے اس میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں دن فلاں تمہارے پاس آئے گا اور فلاں دن فلاں۔ وہ اسے پڑھ کر اس طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح اہل دنیا کسی گمشدہ چیز کے ملنے پر خوش ہوتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ جب شہداء جنت میں داخل ہوتے ہیں تو تعظیم و تکریم دیکھ کر یہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش کہ دنیا میں ہمارے بھائی بھی اس کو جان لیں تا کہ جہاد میں شامل ہو کر بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہید ہو جائیں اور ان ابدی نعمتوں سے بہرہ مند ہوں۔ سو رسول اللہ ﷺ نے ان کے احوال کی خبر دے دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے احوال کے متعلق تمہارے نبی پر آیات نازل کر دی ہیں۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ستر انصاری صحابہ کو بئر معونہ کے پاس بیک وقت شہید کر دیا گیا۔ یہ خبر سن کر رسول اللہ ﷺ کو بڑا رنج ہوا۔ آپ ایک ماہ تک قنوت میں ان کے قاتلوں کے لیے بددعا کرتے رہے اور لعنت بھیجتے رہے۔ انہی کے بارے میں قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ہماری قوم کو ہماری خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب کی زیارت سے لطف اندوز ہوئے وہ ہم سے راضی ہوا ہم اس سے راضی ہوئے۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب اپنے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو پورا ہوتے دیکھا تو خوش ہوئے۔ حضرت عبد الرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ آیت: يَسْتَبْشِرُوْنَ...... تمام مسلمانوں کے بارے میں خواہ شہید ہوں یا غیر شہید۔ کیونکہ اکثر اوقات اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کی فضیلت اور ان کے اجر و ثواب کو ذکر کر کے مومنین کے اجر و ثواب کو ذکر کرتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ: اس آیت کریمہ میں حمراء الاسد کے واقعہ کا ذکر ہے۔ اور یہ واقعہ اس طرح ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر جب مشرکین مکہ نے اچانک حملہ کر کے بہت سے مسلمانوں کو شہید اور زخمی کر کے واپس جا رہے تھے تو انہیں یہ خیال آیا کہ اگر ہم مدینہ پر حملہ کر کے اسے نیست و نابود کر دیتے تو آج ہی فیصلہ ہو جاتا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے مسلمانوں کو ان کے پیچھے جانے کے لیے تیار کیا تا کہ ان پر رعب طاری ہو جائے اور انہیں معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں میں ابھی دم خم باقی ہے اور سوائے جابر بن عبداللہؓ کے صرف انہی صحابہ کو اجازت دی جو غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔ صحابہ کرام نے زخموں سے چور چور ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر لبیک کہا۔ حضرت عکرمہؓ بیان فرماتے ہیں کہ جب مشرکین غزوۂ احد سے واپس لوٹے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے افسوس! ہم نے محمد (ﷺ) کو قتل کیوں نہیں کیا اور ان کی عورتوں کو قیدی کیوں نہیں بنایا۔ چلو واپس لوٹو۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا اسی حالت میں جلدی سے تیار ہوئے اور مشرکین کے تعاقب میں حمراء الاسد تک پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو اس طرح آتا دیکھ کر مشرکین کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ یہ کہتے ہوئے مکہ کی طرف بھاگ گئے کہ اگلے سال مقابلہ ہوگا۔ اور رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ اس واقعہ کو مستقل غزوہ شمار کیا جاتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اسی واقعہ کا بیان ہے۔ غزوۂ احد 15 پندرہ شوال بروز ہفتہ واقع ہوا۔ سولہ شوال بروز اتوار رسول اللہ ﷺ کے مؤذن نے دشمن کے پیچھے نکلنے کا اعلان کیا۔ اور یہ بھی اعلان کیا کہ آج سے وہی ہمارے

ساتھ نکلے گا جو کل غزوہ میں ہمارے ساتھ شریک تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے والد مجھے ان سات بہنوں کی حفاظت کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ اور انہوں نے مجھے فرمایا تھا کہ بیٹے ہم میں سے کسی ایک کا یہاں عورتوں کے پاس رہنا ضروری ہے۔ اور میری خواہش ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے جہاد میں شریک ہوں۔ اس لیے تم اپنی بہنوں کے ساتھ رہو۔ اس وجہ سے میں غزوۂ احد میں شریک نہ ہو سکا۔ اس پر حضور ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔ رسول اللہ ﷺ دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لیے نکلے تھے اور دشمن کو باور کرانا چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ابھی قوت موجود ہے۔ اور احد کی مشکلات و مصائب نے ہمیں کمزور نہیں کیا۔ قبیلہ بنو عبدالاشہل کے ایک صحابی کا بیان ہے کہ ہم دو بھائی غزوۂ احد میں شریک ہوئے تھے۔ ہم سخت زخمی ہو کر واپس لوٹے ہی تھے کہ مؤذن رسول اللہ ﷺ نے دشمن کا پیچھا کرنے کا اعلان کر دیا۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا کہ نہ تو ہمارے پاس سواری ہے جس پر سوار ہو کر اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جائیں اور نہ ہی زخموں کی وجہ سے جسم میں اتنی طاقت ہے کہ پیدل سفر کر سکیں۔ ہائے افسوس! ہم اس غزوہ میں شامل نہ ہو سکیں گے۔ بہر حال ہم نے ہمت نہ ہاری اور اسی حالت میں مسلمانوں کے پیچھے چل پڑے۔ چونکہ میرے زخم کچھ ہلکے تھے اس لیے جب میرے بھائی کو تکلیف زیادہ ہوتی تو اسے اٹھا لیتا حتیٰ کہ گرتے پڑتے ہم بھی لشکر رسول اللہ ﷺ میں شریک ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ اپنے بھانجے حضرت عروہ سے فرمایا کہ تمہارے والد زبیر بن العوام اور ابوبکر صدیقؓ بھی انہی لوگوں میں شامل ہیں جن کے بارے میں ''اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا'' کی آیت نازل ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ غزوۂ احد کے دن جب مسلمان کفار کے اچانک حملہ سے دوچار ہوئے اور اس کے بعد مشرکین مکہ کی طرف واپس لوٹ گئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے خیال کیا کہ کہیں یہ واپس نہ لوٹ آئیں تو آپ نے فرمایا کون ہے جو ان کے پیچھے نکلے۔ تو ستر صحابہؓ نے آپ کی آواز پر لبیک کہا۔ جن میں حضرت ابوبکرؓ اور زبیرؓ شامل تھے (1)۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ عائشہ! تمہارے دونوں باپ ابوبکرؓ اور زبیرؓ ان لوگوں میں شامل ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر لبیک کہا۔ یہ حدیث بہت سی کتب میں روایت کی گئی ہے اور اس کو مرفوع کہنا محض خطا ہے۔ کیونکہ اکثر ثقہ راویوں نے اسے حضرت عائشہؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت زبیر سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے آباء میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو اپنے بھانجے عروہ بن زبیر کو فرمایا تھا جو آپ کی بہن اسماء بنت ابی بکر کے بیٹے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابوسفیان جب تمہارے بہت سے ساتھیوں کو شہید کر کے واپس مکہ جا رہا تھا تو اس کے دل میں مدینہ پر حملہ کرنے کا خیال آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا۔ غزوۂ احد شوال میں واقع ہوا تھا۔ تاہم تاجر ذی قعدہ کے مہینہ میں مدینہ آتے اور بدر صغریٰ میں ہر سال اپنا میلہ لگاتے، اس سال بھی وہ غزوۂ احد کے بعد آئے مسلمان زخموں سے چور چور تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی تکلیف کا ذکر کیا کیونکہ انہیں مشرکین کے دوبارہ حملے سے سخت صدمہ ہوا تھا۔ آپ نے ان کو مشرکین کا تعاقب کرنے پر آمادہ کیا۔ آپ نے فرمایا حج قریب ہے۔ یہ مکہ لوٹ جائیں گے۔ ان میں اب اتنی جرأت نہیں کہ آئندہ سال سے پہلے واپس آ سکیں۔ لیکن شیطان نے اپنے پیروکاروں کو بہکانا شروع کر دیا اور انہیں خوفزدہ کیا کہ اہل مکہ کے پاس بہت سے لشکر ہیں جس کی بناء پر بعض لوگ ہمت ہار بیٹھے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی ایک بھی میرے پیچھے نہ آئے تب بھی میں دشمن کے لیے نکلوں گا۔ اس پر ستر صحابہ کرام آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ جن میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ، سعدؓ، طلحہؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، عبداللہ مسعودؓ، حذیفہ بن الیمانؓ اور ابوعبیدہ بن الجراحؓ شامل تھے۔ یہ لشکر ابوسفیان کے تعاقب میں حمراء الاسد تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان

1۔ تفسیر الطبری، 4/177

جانثاروں کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ یہ حمراء الاسد مدینہ طیبہ میں آٹھ میل دور ہے اور ابن ہشام نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن ام مکتومؓ کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا اور حمراء الاسد کے مقام پر سوموار، منگل اور بدھ تین دن تک مقیم رہے اور پھر واپس مدینہ لوٹ آئے۔ اسی قیام کے دوران قبیلہ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جو خود تو مشرک تھا لیکن اس کے قبیلے سے مسلمانوں کی صلح تھی۔ اس قبیلہ کے مسلمان اور مشرک سب آپ کے خیر خواہ تھے۔ اس نے عرض کی کہ آپ کے اصحاب کو جو صدمہ پہنچا ہے اس پر ہمیں دلی رنج ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی خوشی نصیب فرمائے۔ پھر وہ وہاں سے نکلا اور روحاء کے مقام پر ابوسفیان اور اس کے لشکر کو ملا۔ وہ واپس لوٹنے کا مشورہ کر رہے تھے اور آپس میں کہہ رہے تھے کہ ہم نے محمد (ﷺ) اور ان کے صحابہ کو کافی تکلیف پہنچائی لیکن ان کا قلع قمع کرنے سے پہلے ہی واپس لوٹ آئے۔ اب ہمیں واپس جانا چاہئے تاکہ باقی ماندہ کا کام تمام کر دیں۔ اسی اثناء میں ابوسفیان نے معبد کو دیکھا اور پوچھا کہ کیا خبر لائے ہو۔ اس نے کہا کہ محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ تمہارے تعاقب میں نکلے ہیں، وہ سخت غصے میں ہیں اور وہ مسلمان جو پہلے لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے تھے وہ بھی نکل آئے ہیں۔ اور شرمندگی کا اظہار کر رہے ہیں کہ وہ پہلے کیوں نہیں جہاد میں شامل ہوئے۔ میں نے انہیں اتنے سخت غصے میں آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا، تمہارا برا ہو یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اس نے کہا قسم بخدا اگر تم نے جلدی کوچ نہ کیا تو ان کے گھڑ سواروں کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ ابوسفیان کہنے لگے کہ ہم نے یہ اردہ کیا تھا کہ ان کے باقی ماندہ کو نیست و نابود کر دیں۔ خزاعی نے کہا کہ میں تمہیں آگے بڑھنے سے منع کرتا ہوں۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے یہ بات سن کر اپنا ارادہ بدل لیا۔ قبیلہ عبدالقیس کے دو آدمی کاروبار کے سلسلہ میں مدینہ جا رہے تھے۔ ابوسفیان نے ان سے کہا کہ تم محمد (ﷺ) کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دو تو ہم تمہیں سوق عکاظ میں بہت سی کشمش دیں گے اور پیغام یہ ہے کہ ''ہم نے تمہیں تہہ تیغ کرنے کے لیے بہت سا لشکر جمع کر لیا ہے۔'' جب یہ لوگ حمراء الاسد کے مقام پر مسلمانوں کے لشکر کے قریب سے گزرے تو یہ پیغام انہیں پہنچا دیا پیغام سن کر صحابہ کرامؓ نے کہا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر سنی تو فرمایا کہ میں نے ان کے پتھر کا نشان مقرر کیا ہے اگر وہ لوٹیں گے تو وہاں پہنچ کر گزرے ہوئے کل کی طرح مٹ جائیں گے۔ حضرت حسن بصریؒ اس آیت کریمہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جب ابوسفیان نے واپس لوٹنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان واپس پلٹ آیا تھا لیکن اللہ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا ہے۔ تم میں سے کون ان کے تعاقب میں نکلے گا یہ سن کر بہت سے صحابہ کرامؓ آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے جب ابوسفیان کو یہ خبر پہنچی کہ حضور ﷺ ان کے تعاقب کے لیے نکل آئے ہیں تو اس نے تاجروں کے ایک قافلے سے کہا اگر تم نے محمد ﷺ کو واپس لوٹا دیا تو تمہیں بہت بڑا انعام دیا جائے گا۔ تم ان کو آگاہ کر دو کہ میں نے تمہارے لیے بہت بڑا لشکر تیار کر لیا ہے۔ جب ان تاجروں نے رسول اللہ ﷺ کو ابوسفیان کا پیغام پہنچایا تو آپ نے فرمایا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ بعض مفسرین کی یہ رائے ہے کہ یہ آیت بدر کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس میں پہلی رائے ہی صحیح ہے۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ: یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے غزوۂ احد کے بعد صحابہ کرامؓ کو ڈرانا چاہا تو صحابہ کرام نے کہا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ نے یہ مبارک کلمات حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ پڑھے۔ اور رسول اللہ ﷺ یہ فرمان اس وقت ارشاد فرمایا جب غزوۂ احد کے بعد لوگوں نے آکر بتایا کہ اہل مکہ نے تمہارے لیے لشکر جمع کر رکھا ہے تو آپ نے سن کر فرمایا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (آل عمران: 173)

حضرت عبد بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اس وقت آپ کی زبان پر آخری کلمہ: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ تھا(1)۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے بعد لوگوں نے آپ سے کہا کہ اہل مکہ نے آپ کے لیے لشکر جمع کیا ہے۔ آپ کو ان سے ڈرنا چاہیے تو آپ نے فرمایا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کی سرکردگی میں ایک دستہ بھیجا تو بنوخزاعہ کے ایک اعرابی نے انہیں کہا کہ تمہارے مقابلے میں ایک بہت بڑا لشکر جمع ہے تو آپ نے فرمایا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا جب تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ تو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ پڑھا کرو۔ حضرت عوف بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کیا۔ اور جس شخص کے خلاف ہوا تھا جب وہ لوٹنے لگا تو اس نے یہ کلمہ پڑھا۔ آپ نے اسے واپس بلوا کر فرمایا کہ سستی اور کاہلی کرنے والے پر اللہ لعنت کرتا ہے، عقلمندی اور دانائی سے کام لیا کرو اور جب تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ تو پھر کہو "حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ" حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں کیسے آسودہ حال رہ سکتا ہوں جبکہ صاحب قرن صور کو اپنے منہ میں لیے ہوئے ہے اور سر کو جھکائے منتظر ہے کہ کب اس کو حکم دیا جائے اور وہ صور پھونکے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم کیا پڑھا کریں؟ فرمایا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ، عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا پڑھا کرو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن ام المومنین حضرت زینب نے فخر سے کہا کہ میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور تمہارے نکاح تمہارے خاندان والوں نے کیے ہیں۔ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا میری برات اور پاکیزگی کی آیات اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل فرمائی ہیں تو حضرت زینبؓ نے تسلیم کر لیا اور پوچھا جب تم ذکوان بن معطر کی سواری پر بیٹھے تھے تو کیا پڑھا تھا تو انہوں نے فرمایا: حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ یہ سن کر حضرت زینب فرمانے لگیں آپ نے اہل ایمان کا کلمہ پڑھا تھا۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ: یعنی جب مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو اس نے ان کے غم واندوہ کو دور کر دیا اور دشمن کی سازشوں اور چالوں کو ناکام بنا دیا اور وہ سلامتی سے مدینے کی طرف لوٹے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نعمت سے مراد یہ ہے کہ وہ صحیح سلامت واپس لوٹ آئے اور فضل سے مراد یہ ہے کہ ان دنوں ایک قافلہ وہاں سے گزرا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا مال خرید کر آگے بیچ دیا اور نفع حاصل کر کے صحابہ میں تقسیم کر دیا(1)۔ مجاہد بیان فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اب وعدہ کی جگہ بدر ہے جہاں تم نے ہمارے ساتھیوں کو قتل کیا تھا آپ نے فرمایا ممکن ہے۔ چنانچہ اگلے سال رسول اللہ ﷺ وعدہ کے مطابق مقام بدر پہنچے لیکن ابوسفیان اور اس کے ساتھی ڈر کے مارے نہ آئے۔ اتفاقاً ان دنوں بدر میں میلہ لگا ہوا تھا، مسلمانوں نے وہاں خرید وفروخت کر کے نفع کمایا۔ اس غزوہ کو بدر صغریٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کے وعدہ کے مطابق مدینہ سے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو راستے میں مسلمانوں سے مشرکین ملتے تو وہ قریش کے بارے پوچھتے وہ جواب دیتے کہ قریش نے تمہارے لیے بہت لشکر جمع کر رکھے ہیں اس طرح وہ مسلمانوں کو خوفزدہ کرنا چاہتے تھے لیکن مسلمان کہتے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ حتیٰ کہ وہ میدان بدر میں پہنچ گئے وہاں سالانہ میلہ لگا ہوا تھا، کسی نے وہاں جھگڑا نہ کیا اور تمام مسلمان امن وامان سے واپس لوٹ آئے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ: شیطان اپنے مریدوں کے ذریعے تمہیں ڈراتا ہے اور تمہیں یہ وہم دلاتا ہے کہ وہ بڑی طاقتور اور قوی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب شیطان تمہارے دل میں اس قسم کا خیال ڈالے تو تم مجھ پر ہی بھروسہ کیا کرو اور اس سے ڈرنے کی بجائے مجھ سے ڈرا کرو، کیونکہ اس کے خلاف میں ہی تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ آل عمران 229/8 2۔ دلائل النبوۃ 318/3

''ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا''۔ دوسری جگہ فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ'' ترجمہ: بے شک ہم اس دنیاوی زندگی اور اس دن جب گواہی دینے کے لیے گواہ کھڑے ہوں گے اپنے رسولوں اور مومنین کی مدد کریں گے''۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا
يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ
بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا
نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ
اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ
رُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ
اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ھُوَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

''اور (اے جان عالم) نہ غمزدہ کریں آپ کو جو جلدی سے کفر میں داخل ہوئے ہیں بے شک یہ لوگ نہیں نقصان پہنچا سکتے اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ نہ رکھے ان کے لیے ذرا حصہ آخرت (کی نعمتوں) سے اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔ بیشک جنہوں نے خرید لیا کفر کو ایمان کے عوض میں ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور نہ خیال کریں جو کفر کر رہے ہیں کہ ہم جو مہلت دے رہے ہیں انہیں یہ بہتر ہے ان کے لیے صرف اس لیے ہم تو انہیں مہلت دے رہے ہیں کہ وہ زیادہ کر لیں گناہ اور ان کے لیے عذاب ہے، ذلیل وخوار کرنے والا۔ نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو جب تک الگ الگ نہ کر دے پلید کو پاک سے اور نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ آگاہ کرے تمہیں غیب پر البتہ اللہ (غیب کے علم کے لیے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لیے اجر عظیم ہے۔ اور ہرگز نہ گمان کریں جو بخل کرتے ہیں اس میں جو دے رکھا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے لیے بلکہ یہ بخل بہت برا ہے ان کے لیے طوق پہنایا جائے گا اور انہیں وہ مال جس میں انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن اور اللہ کے لیے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے خبردار ہے''۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ: چونکہ رسول اللہ ﷺ لوگوں پر انتہائی مشفق اور مہربان تھے اس لیے کفار کی مخالفت اور عناد پر آپ غمگین ہو جایا کرتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو ان لوگوں کے کفر میں منہمک رہنے سے غمگین نہ ہوں۔ کیونکہ ان کا کفر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ ان کے کفر اختیار کرنے میں یہ حکمت کارگر ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کو کوئی اجر

عطا نہ فرمائے بلکہ ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے اسی مضمون کو مزید تاکید کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جن لوگوں نے ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کیا ہے وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ وہ اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچا رہے ہیں اور اس کے ساتھ ان کے لیے دردناک عذاب بھی ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا: اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ اہل کفر کو یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو مہلت دی ہے اس لیے ان کے لیے کوئی بھلائی کا پہلو ہے بلکہ یہ مہلت اس لیے ہے کہ وہ مزید گمراہیوں میں مبتلا ہو کر اپنا نامہ اعمال سیاہ کر لیں۔ اور یہی مفہوم ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ ...... ''ترجمہ: کیا وہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو مال و اولاد کی کثرت سے ان کی مدد کر رہے ہیں، تو انہیں بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں۔ نہیں بلکہ وہ حقیقت حال سے بے خبر ہیں''۔ دوسری آیت میں ہے: فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ ...... ''ترجمہ: پس اے حبیب ﷺ! آپ چھوڑ دیجئے اور اسے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے، ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا''۔ تیسری آیت میں ہے فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ''ترجمہ: سو تعجب میں نہ ڈال دیں تمہیں ان کے اموال اور نہ ان کی اولاد، اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ انہیں ان چیزوں کے ذریعے سے دنیاوی زندگی میں عذاب دے اور ان کا سانس اس حال میں نکلے کہ وہ کافر ہوں''۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ: یہ لابدی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو امتحان اور آزمائش میں مبتلا کرتا ہے تاکہ اس امتحان میں اس کا دوست کامیاب ہو کر ظاہر ہو جائے اور دشمن ناکام ہو کر رسوا ہو جائے۔ صابر مومن اور فاسق منافق کی پہچان ہو جائے۔ اور اس سے مراد یوم احد ہے اللہ تعالیٰ نے اس دن مومنین کا امتحان لیا تھا جس میں ان کا ایمان، صبر، ثابت قدمی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ظاہر ہوئی اور منافقین کا پردہ چاک ہو گیا۔ اور ان کی مخالفت اور جہاد سے انکار، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے خیانت بالکل واضح ہو گئی۔ اسی لیے ارشاد فرمایا کہ یہ اس کی شان نہیں ہے کہ وہ مومنین کو ایک حال میں چھوڑ دے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ پاک و پلید کو جدا جدا کرے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد میں اللہ تعالیٰ نے مومنین اور منافقین کے درمیان تمیز کر دی۔ قتادہ کا قول ہے کہ جہاد اور ہجرت کا حکم دے کر ان کے درمیان تمیز فرما دی۔ سدی فرماتے ہیں کہ منافقین نے کہا اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو ہمیں بتلائیں کہ ہم میں سے سچا مومن کون ہے اور کافر کون؟۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ: اگر اللہ تعالیٰ غیب سے پردہ اٹھانے والے اسباب پیدا نہ کرے تو تم بذات خود غیب کو نہیں جان سکتے حتیٰ کہ وہ خود ہی مومن اور منافق میں تمیز کر دیتا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے اسے غیب کے لیے چن لیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ...... (الجن: 26) ''ترجمہ: اللہ تعالیٰ غیب کو جاننے والا ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا بجز اس کے رسول کے جس کو اس نے پسند فرما لیا ہو (غیب کی تعلیم کے لیے) اور پھر مقرر کر دیتا اس رسول کے آگے اور پیچھے محافظ''۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم اس پر ایمان لا کر تقویٰ اختیار کرو گے وہ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ: اور پھر یہ لوگ گمان نہ کریں کہ ان کا جمع کردہ مال انہیں نفع دے گا بلکہ یہ اس کے دین کے لیے ضرر رساں ہے۔ اور بعض اوقات دنیا میں بھی نقصان کا موجب ہوتا ہے۔ پھر ان کے مال کے انجام کے بارے میں بتایا کہ قیامت کے دن یہ مال ان کے گلے کا طوق سانپ بنایا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور اس نے اس کی زکوٰۃ

ادا نہ کی تو یہی مال قیامت کے دن ایک گنجا سانپ بن جائے گا جس کی آنکھوں پر دو نشان ہوں گے اور طوق کی شکل میں اس کے گلے میں لپٹ جائے گا اور اس کی باچھوں کو چیر دے گا اور کہے گا میں تمہارا مال ہوں۔ میں تمہارا خزانہ ہوں۔ پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی(1)۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ قیامت کے دن اس کے مال کو زہریلے سانپ کی صورت میں بنا دیا جائے گا اور سانپ اس شخص کے پیچھے لگ جائے گا وہ اس سے بھاگے گا لیکن وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا اور کہے گا کہ میں تمہارا مال ہوں۔ پھر راوی نے دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی: سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حضرت ثوبانؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے بعد خزانہ چھوڑ جاتا ہے۔ اس کا خزانہ زہریلا ناگ بن جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں پر دو نقطے ہوتے ہیں وہ اس شخص کے پیچھے لگ جاتا ہے وہ اس سے پوچھتا ہے تیرا برا ہو تو کون ہے؟ وہ کہتا ہے میں تیرا وہ خزانہ ہوں جو تو پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اور اس کے پیچھے لگا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنا ہاتھ سانپ کے منہ میں دے دیتا ہے اور وہ اسے کھا جاتا ہے۔ اور اسی طرح اس کے باقی جسم کو بھی۔ ایک اور روایت میں ارشاد فرماتے ہیں جو شخص اپنے آقا سے اپنی حاجت طلب کرے اور وہ اسے عطا نہ کرے۔ قیامت کے دن اس کے لیے بہت بڑا اژدھا بلایا جائے گا جو پھنکارتا ہوا اس کی طرف آئے گا۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب کوئی رشتہ دار اپنے قریبی سے سوال کرے اور وہ بخل کی وجہ سے اسے عطا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے لیے پھنکارتا ہوا اژدھا نکلے گا جو اس کے گلے میں لپٹ جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے آسمانوں کتب کے احکام کو چھپایا اور انہیں بیان کرنے میں بخل سے کام لیا۔ مگر پہلا قول ہی صحیح ہے اگرچہ یہ بھی اسی کے ضمن میں آجاتا ہے۔ پھر اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے تم اس کے دیئے ہوئے مال سے اس کی راہ میں خرچ کرو۔ تمام امور کا مرجع اسی کی طرف ہے۔ تم اپنے مالوں کو خرچ کرو تاکہ قیامت کے دن وہ تمہیں فائدہ دیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں اور دل کے ارادوں سے باخبر ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ
قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝١٨١ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ
وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝١٨٢ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ
لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ
بِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝١٨٣ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ
مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝١٨٤

''بے شک سنا اللہ نے قول ان (گستاخوں) کا جنہوں نے کہا کہ اللہ مفلس ہے حالانکہ ہم غنی ہیں ہم لکھ لیں گے جو انہوں نے کہا نیز قتل کرنا ان کا انبیاء کو ناحق (بھی لکھ لیا جائے گا) اور ہم کہیں گے کہ (اب) چکھو آگ کے عذاب (کا مزہ) یہ بدلہ ہے اس کا جو آگے بھیجا ہے تمہارے ہاتھوں نے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں ظلم کرنے والا اپنے بندوں پر یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ تحقیق اللہ (تعالیٰ) نے اقرار لیا ہے ہم سے کہ ہم نہ ایمان لائیں کسی رسول پر یہاں تک کہ وہ لائے ہمارے پاس ایک قربانی کھالے اس کو آگ آپ فرمایئے آچکے تمہارے پاس رسول مجھ سے پہلے بھی دلیلوں کے ساتھ اور اس (معجزہ) کے

1۔ مسند احمد: 98/2

ساتھ بھی جو تم کہہ رہے ہو تو کیوں قتل کیا تھا تم نے انہیں اگر تم سچے ہو اگر جھٹلاتے ہیں آپ کو تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) بے شک جھٹلائے گئے رسول آپ سے جو لائے تھے معجزات اور صحیفے اور روشن کتاب''۔

لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ: حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ ''مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا (بقرہ:245)'' ترجمہ: کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تو اللہ اس قرض اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے گا، اللہ تعالیٰ رزق کو تنگ کرتا ہے اور فراخ کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے''۔ نازل ہوئی تو یہودی کہنے لگے اے محمد (ﷺ) کیا تمہارا رب فقیر ہو گیا ہے کہ اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہی مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ایک دن یہودیوں کے مدرسے گئے۔ آپ نے وہاں دیکھا کہ بہت سے لوگ فنحاص نامی یہودی عالم کے اردگرد جمع ہیں اور اس کے ساتھ اشیاع نامی یہودی عالم بھی موجود ہے۔ آپ نے فرمایا اے فنحاص! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ قسم بخدا تمہیں بخوبی معلوم ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور اس کے پاس سے حق لے کر آئے ہیں۔ ان کی صفات تورات وانجیل میں موجود ہیں۔ فنحاص نے جواب دیا اے ابوبکرؓ! ہم خدا کے محتاج نہیں بلکہ وہ ہمارا محتاج ہے۔ ہم اس کی بارگاہ میں عاجزی نہیں کرتے جس طرح کہ وہ ہمارے لیے عاجزی کرتا ہے بلکہ ہم اس سے بے پرواہیں اگر وہ ہم سے مستغنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا جس طرح تمہارے رسول (ﷺ) نے کہا۔ تمہیں تو سود سے روکتا ہے اور ہمیں سود دیتا ہے۔ اگر وہ غنی ہوتا تو ہمیں سود نہ دیتا یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سخت طیش آ گیا آپ نے اسے ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تمہارے ساتھ معاہدہ نہ ہوتا تو اے دشمن خدا میں تیری گردن اڑا دیتا۔ اس کے بعد فنحاص رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور حضرت ابوبکرؓ کی شکایت کی۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا تم نے کیوں مارا۔ آپ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس دشمن خدا نے بڑی غلط بات کہی ہے یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ یہ سن کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ فنحاص اس بات سے مکر گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

سَنَكۡتُبُ مَا قَالُوۡا: یعنی جو کچھ انہوں نے کہا ہے ہم اسے ان کے نامہ اعمال میں لکھ دیں گے۔ یہ ان کے لیے سخت وعید ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ہی ان کے قتل انبیاء کو ذکر کیا ہے۔ یعنی اللہ کے بارے میں تمہارا یہ خیال ہے اور اس کے رسولوں کے معاملہ میں تمہارا یہ رویہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی سخت سزا دے گا۔ اسی وجہ سے ارشاد فرمایا: وَّنَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ (آل عمران:181) یعنی ان کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے انتہائی حقارت آمیز انداز میں فرمایا کہ آگ کا عذاب چکھو۔

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا: یہاں ان کے اس خیال کو جھوٹا ثابت کیا جا رہا ہے جو کہتے تھے کہ پہلے سے نازل شدہ آسمانی کتابوں میں یہ حکم دے رکھا ہے کہ کسی نبی پر ایمان نہ لانا حتیٰ کہ وہ تمہیں یہ معجزہ نہ دکھائے کہ اس امت میں جب کوئی شخص قربانی کرے تو اس قربانی پر آسمان سے آگ نازل ہو اور اسے کھا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تمہارے پاس بڑے دلائل اور براہین کے ساتھ پیغمبر تشریف لائے اور ان کو وہ معجزہ بھی عطا فرمایا گیا جس کا تم نے مطالبہ کیا تھا لیکن تم نے ان کی تصدیق کرنے کی بجائے ان کی مخالفت اور تکذیب کی حتیٰ کہ ان کو قتل کر دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے دعویٰ میں سچے نہیں ہو۔ کیونکہ اگر تم سچے ہوتے تو تم رسولوں کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ ان لوگوں کے جھٹلانے کی وجہ سے تمہیں غمگین نہ ہونا چاہئے بلکہ تم سے پہلے گزرے ہوئے رسول تمہارے لیے اسوہ ہیں۔ وہ دلائل و براہین، آسمانی صحائف اور کتب کے ساتھ مبعوث کیے گئے، اس کے باوجود ان کی تکذیب کی گئی۔ ''زُبُر'' سے مراد وہ آسمانی کتابیں ہیں جو رسولوں پر صحیفوں کی طرح آسمان سے نازل ہوئیں۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۟ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۗ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

"ہر نفس چکھنے والا ہے موت کو اور پوری مل کر رہے گی تمہیں تمہاری مزدوری قیامت کے دن پس جو شخص بچا لیا گیا آتش (دوزخ) سے اور داخل کیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا اور نہیں یہ دنیوی زندگی مگر ساز و سامان دھوکہ میں ڈالنے والا۔ یقیناً تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اور یقیناً تم سنو گے ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اذیت دینے والی بہت باتیں اور اگر تم (ان دل آزاریوں پر) صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے"۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ: یہاں اللہ تعالیٰ نے عام اعلان فرمادیا ہے کہ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ...... (رحمٰن: 26)" ترجمہ: جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے اور آپ کے رب کی ذات جو بڑی عظمت اور احسان والی ہے باقی رہے گی"۔ یعنی جن و انس، ملائکہ اور حاملین عرش سب فنا ہو جائیں گے اور صرف اللہ تعالیٰ وحدہ کو دوام اور بقا حاصل ہے وہی اول وہی آخر ہے۔ اس آیت کریمہ میں تمام لوگوں کو یہ تسلی دی جارہی ہے کہ اس روئے زمین پر کوئی بھی باقی نہیں بچے گا اور جب اس کائنات کی مقرر کردہ مدت ختم ہو جائے گی اور صلب آدم سے مقرر شدہ اولاد پیدا ہو جائے گی تو تمام مخلوقات کا خاتمہ کر دیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرے گا اور ہر ایک کو اس کے چھوٹے اور بڑے عمل پر جزا یا سزا دے گا اور کسی پر بھی ایک ذرہ بھر ظلم نہیں کرے گا۔ اس لیے ارشاد فرمایا: وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال مبارک ہوا تو ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ کوئی آرہا ہے۔ پاؤں کی آہٹ تو سنائی دیتی لیکن صورت نظر نہ آتی۔ اس نے آکر کہا اے اہلبیت! تم پر اللہ کی سلامتی ہو اور رحمت و برکت بھی۔ ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے اور قیامت کے دن تمہیں تمہاری پوری اجرت مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر مصیبت کی تلافی، ہر مرنے والے کا بدلہ اور ہر فوت ہونے والا کا حاصل ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی اعتماد اور بھروسہ رکھو اور اسی سے اپنی امیدیں وابستہ کرو۔ حقیقتاً مصیبت زدہ شخص وہ ہے جو ثواب سے محروم ہو۔ اور پھر آخر میں کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے یہ کون ہے؟ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ: یعنی جسے نار جہنم سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب و کامران ہو گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایک کوڑا رکھنے کے برابر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ(1)۔ اس حدیث کو حاکم اور ابن مردویہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ جسے یہ پسند ہو کہ اسے نار جہنم سے دور کر دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے اسے اس حال میں موت آنی چاہئے کہ اس کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت

1۔ فتح الباری، کتاب الجہاد: 85/6

پر ایمان ہو اور لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہو جسے وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہو۔ یہ حدیث آیت کریمہ: لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آل عمران:102) کی تفسیر میں بھی گزر چکی ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ: یہاں دنیا کی حقارت اور ذلت کا بیان ہے کہ یہ انتہائی ذلیل، فانی اور ڈھلتی چھاؤں کی طرح ہے۔ جیسا کہ ایک مقام پر ارشاد فرمایا: بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى '' ترجمہ: البتہ تم دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت اس سے کہیں بہتر اور باقی رہنے والی ہے''۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى '' ترجمہ: پس جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس وہ بہت عمدہ اور باقی رہنے والا ہے''۔ حدیث پاک میں ہے کہ خدا کی قسم دنیا آخرت کے مقابلے میں صرف ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو لے تو اس کی انگلی کے پانی کو جو نسبت سمندر کے ساتھ ہے وہی نسبت دنیا کو آخرت سے ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ دنیا فانی اور ناپائیدار ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ جلد ہی ختم ہونے والی ہے۔ اس میں سے اللہ کی اطاعت کے لیے تھوڑا بہت حصہ لے لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا نیکی کی توفیق کوئی نہیں عطا کرسکتا۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ: یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ (بقرہ:155)'' ترجمہ: اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف، بھوک، تمہارے مال، جان اور پھلوں میں کمی کرنے کے ساتھ اور خوشخبری سنایئے ان صبر کرنے والوں کو'' کی مثل ہے۔ یعنی یہ ضروری ہے کہ مومن کو اس کے مال، جان، اولاد اور اس کے اہل وعیال میں سے کسی ایک چیز کے ساتھ آزمایا جائے اور یہ آزمائش بقدر ایمان ہوتی ہے، ایمان قوی ہو تو آزمائش بھی قوی ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو خطاب فرماتا ہے کہ جب تم مکہ سے مدینہ آؤ گے تو تمہیں غزوۂ بدر سے پہلے اہل کتاب اور مشرکین سے تکلیف دہ باتیں سننا پڑیں گی اور پھر تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم صبر اور درگزر سے کام لو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں خوشحال کردے۔ اور پھر ارشاد فرمایا یہ صبر کرنا اور تقویٰ اختیار کرنا بہت بڑی بات ہے۔ حضرت اسامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق مشرکین اور کفار کو معاف کردیتے تھے اور ان کی ایذارسانیوں پر صبر کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف جہاد کی اجازت دے دی۔ حضرت اسامہؓ ہی روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر سے قبل رسول اللہ ﷺ اپنے دراز گوش پر سوار، مجھے اپنے پیچھے بٹھائے، حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کے لیے، حارث بن خزرج کے قبیلہ میں تشریف لے گئے۔ راستہ میں آپ کا گزر ایک مجلس میں ہوا۔ جس میں مسلمان یہودی، مشرک اور عبداللہ بن ابی جو کہ ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا بھی شامل تھا۔ حضور ﷺ کی سواری سے غبار اڑا تو ابن ابی نے اپنے ناک پر رومال رکھ دیا اور کہنے لگا کہ غبار نہ اڑاؤ۔ حضور ﷺ نے قریب پہنچ کر انہیں سلام کیا اور نیچے اتر کر اسلام کی دعوت دی اور قرآن پاک کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ یہ سن کر عبداللہ بن ابی کہنے لگا مجھے آپ کا یہ انداز پسند نہیں ہے۔ آپ کی باتیں اگرچہ حق ہی سہی لیکن ہمیں ہماری مجالس میں تکلیف نہ پہنچایا کریں۔ اپنے گھر جایئے اور جو آپ کے پاس آئے اسے پیغام سنائیں۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ ضرور ہماری مجالس میں لایا کریں، ہمیں تو اس کی شدید خواہش ہوتی ہے۔ اس بات پر مسلمان اور یہود طیش میں آگئے۔ قریب تھا کہ لڑ پڑتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے افہام وتفہیم سے خاموش کرادیا۔ پھر آپ سواری پر سوار حضرت سعد بن عبادہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں جاکر حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ عبداللہ بن ابی نے یہ یہ کہا ہے۔ حضرت سعدؓ نے عرض کی آپ اسے معاف فرمایئے اور درگزر کیجیے قسم ہے اس خدا

کی جس نے آپ پر قرآن اتارا ہے۔ آپ سے اس کی دشمنی کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے لوگوں نے اسے سردار بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس کی تاجپوشی ہونے والی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ اس نے آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ ان پر حضور ﷺ نے اسے معاف کر دیا اسی طرح آپ اور آپ کے صحابہ مشرکین اور اہل کتاب کو معاف کر دیتے تھے اور ان کی تکالیف پر صبر کرتے تھے حتی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف جہاد کی اجازت دے دی۔ غزوۂ بدر میں جب قریش کے بڑے بڑے سردار قتل ہو گئے تو عبداللہ بن ابی اور اس کے مشرک ساتھی گھبرا گئے اب ان کے لیے مسلمان ہونے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں لہٰذا وہ مسلمان ہو گئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو شخص بھی حق کی دعوت دیتا ہے یا نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے تو یہ لابدی امر ہے کہ لوگ اسے اذیت پہنچاتے ہیں اور اس کا صبر، اللہ سے طلب اعانت اور اس کی بارگاہ میں رجوع کے علاوہ کوئی علاج نہیں۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝١٨٧ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١٨٨ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٨٩

"اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے لیا پختہ وعدہ تو ان لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی کہ تم ضرور کھول کر بیان کرنا اسے لوگوں سے اور نہ چھپانا اس کو تو (الٹا) انھوں نے پھینک دیا اس وعدہ کو اپنی پشتوں کے پیچھے اور انہوں نے خرید لی اس کے عوض تھوڑی سی قیمت۔ سو بہت بڑی ہے وہ چیز جو وہ خرید رہے ہیں ہرگز آپ یہ خیال نہ کریں کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنی کارستانیوں پر اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں سے جو انہوں نے کیے ہی نہیں تو ان کے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ وہ امن میں ہیں عذاب سے ان کے لیے ہی تو دردناک عذاب ہے اور اللہ ہی کے لیے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے"۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل کتاب کو زجر و توبیخ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاءؑ کے ذریعے ان سے عہد لیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ذکر کو لوگوں میں عام کرتے رہیں گے تا کہ وہ آپ کی بعثت کے انتظار میں رہیں اور جب اللہ تعالیٰ ان کو مبعوث فرمائے تو ان پر ایمان لا کر ان کی اتباع کریں لیکن انہوں نے اس عہد کی خلاف ورزی کی اور آپ کی صفات کو چھپا دیا اور دنیا و آخرت کے انعام و اکرام کے بدلے میں دنیا کے حقیر اور عارضی فوائد کو اختیار کر لیا۔ اور اس طرح انہوں نے ایک بہت بڑے گھاٹے کا سودا کیا۔ یہاں علماء کرام کے لیے بھی ضروری ہے کہ اگر انہوں نے بھی ان کا راستہ اختیار کیا تو وہ بھی اسی سزا کے مستحق ہوں گے علماء کو چاہئے کہ ان کے پاس جو نفع بخش علم ہو وہ لوگوں کو عمل کی طرف لے جائے، اسے لوگوں میں عام کریں۔ اس علم کو ہرگز نہ چھپائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص سے علم کا کوئی مسئلہ پوچھا جائے۔ وہ اسے چھپائے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ: اس آیت کریمہ میں ریا کاروں کی مذمت کی جا رہی ہے۔ یہاں ان لوگوں کی بھی مذمت ہے جو کسی غیر

کے مال پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنا مال بڑھانے کے لیے جھوٹا دعویٰ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال میں کمی کر دیتا ہے اور جو شخص ایسی چیز کے ساتھ اپنی آسودہ حالی ظاہر کرتا ہے جو اسے عطا نہیں کی گئی، وہ جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے یعنی وہ جھوٹا ہے(1)۔ ایک مرتبہ مروان نے اپنے دربان رافع سے کہا عبداللہ بن عباس کے پاس جاؤ اور انہیں عرض کرو کہ اگر اپنے کام پر خوش ہونے اور نہ کیے ہوئے کام پر تعریف پسند کرنے باعث خدا کا عذاب ہوگا تو ہم میں سے کوئی بھی اس سے نہیں بچ سکے گا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ تمہارا اس آیت سے کیا تعلق ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت: وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے جب اہل کتاب میں سے کسی نے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تھا۔ انہوں نے حق کو چھپایا اور اس کے برعکس جواب دے دیا اور باہر نکل کر یہ گمان کرنے لگے کہ ہم نے آپ کے سوال کا جواب دے دیا اور یہ بھی خواہش کرنے لگے کہ ہماری تعریف کی جائے اور حق چھپانے پر خوش بھی ہونے لگے۔ اس آیت کریمہ میں ان کی اس روش کا بیان ہے(2)۔ ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ میدان جنگ میں تشریف لے جاتے تو منافقین اپنے گھروں میں بیٹھ جاتے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے پر خوش ہوتے اور جب حضور ﷺ جنگ سے واپس تشریف لاتے تو یہ طرح طرح کے بہانے بنا کر معذرت کرتے اور قسمیں اٹھاتے اور چاہتے کہ ان کے اس طرز عمل پر تعریف کی جائے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی مروان نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے بھی اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ ان منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے اور جہاد کے لئے مسلمانوں کے ساتھ نہ جاتے۔ اگر اس لشکر کو نقصان پہنچتا تو یہ خوش ہوتے اور اگر انہیں نصرت اور کامیابی حاصل ہوتی تو یہ لوگ قسمیں اٹھا کر مسلمانوں کو راضی کرنے کی کوشش کرتے۔ یہ سن کر مروان نے کہا کہاں یہ واقعہ اور کہاں یہ آیت۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے زید بن ثابتؓ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ واقعہ انہیں بھی معلوم ہے۔ مروان نے زید بن ثابتؓ سے پوچھا کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟ انہوں نے جواب دیا ابو سعید نے سچ کہا ہے۔ پھر ابو سعید فرمانے لگے اس کے بارے میں رافع بن خدیج کو بھی معلوم ہے۔ لیکن اسے خوف ہے کہ اگر اس نے تمہیں یہ واقعہ بتا دیا تو صدقہ کی اونٹنیاں اس سے چھین لی جائیں گی۔ پھر جب وہ مروان کی مجلس سے باہر نکلے تو حضرت زیدؓ نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے کہا میں نے جو تمہاری گواہی دی ہے کیا تم اس پر میری تعریف نہیں کرو گے تو انہوں نے فرمایا تم نے سچی گواہی دی ہے تو حضرت زید فرمانے لگے کیا سچی گواہی پر تعریف نہیں ہوتی۔ یہ اس دور کا واقعہ ہے جب مروان بن حکم مدینہ کا گورنر تھا۔ اس سے پہلے اس آیت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس کا جواب گزر چکا ہے لیکن دونوں جوابوں کے بارے میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ یہ آیت کریمہ عموم پر دلالت کرتی ہے اور ان تمام واقعات کو شامل ہے۔ حضرت ثابت بن قیس انصاریؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنی ہلاکت کا بڑا خدشہ ہے۔ آپ نے پوچھا کیوں؟ تو عرض کی اللہ تعالیٰ نے ایسے عمل پر تعریف کو پسند کرنے سے منع فرمایا ہے جو اس نے خود نہ کیا ہو۔ حالانکہ مجھے تعریف پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تکبر سے منع کیا ہے۔ حالانکہ میں جمال کو پسند کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی آواز سے اپنی آوازوں کو بلند کرنے سے منع فرمایا ہے میری حالت یہ ہے کہ میری آواز انتہائی بلند ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں یہ چیز پسند نہیں ہے کہ تمہاری زندگی بہترین ہو۔ اللہ کی راہ میں تم شہید کیے جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔ انہوں نے عرض کی کیوں نہیں؟ یا رسول اللہ ﷺ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا وہ خوشگوار زندگی گزار مسیلمہ کذاب کے خلاف معرکہ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ اس آیت کریمہ میں "تَحْسَبَنَّهُمْ" کو (یَحْسَبَنَّهُمْ) بھی پڑھا

1۔ مسلم، کتاب اللباس: 1681 2۔ مسند احمد: 298/1

گیا۔ اس وقت معنی یہ ہوگا کہ وہ لوگ عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکیں گے۔ یہ اس لیے ارشاد فرمایا کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے پھر ارشاد فرمایا کہ زمین وآسمان کی بادشاہی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی وہ کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے۔ اس کے سامنے کسی چیز کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ اس لیے اس سے ڈرتے رہو اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو اور اس کے غضب اور انتقام سے بچنے کی کوشش کرو۔ اس سے بڑھ کر کوئی عظیم ہے اور نہ قدرت والا۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ رَبَّنَآ إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْإِيْمَانِ أَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿١٩٤﴾

''بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں بڑی نشانیاں ہیں اہل عقل کے لیے۔ وہ عقل مند جو یاد کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور غور کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور تسلیم کرتے ہیں) اے ہمارے مالک! نہیں پیدا فرمایا تو نے یہ (کارخانہ حیات) بے کار پاک ہے تو (ہر عیب سے) بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے اے ہمارے رب! بے شک تو نے جسے داخل کر دیا آگ میں تو رسوا کر دیا تو نے اسے اور نہیں ہے ظالموں کا کوئی مددگار اے ہمارے رب! بے شک سنا ہم نے منادی کرنے والے کو کہ بلند آواز سے بلاتا تھا ایمان کی طرف (اور کہتا تھا) کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر تو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے مالک! پس بخش دے ہمارے گناہ اور مٹا دے ہم سے ہماری برائیاں اور (اپنے کرم سے) موت دے ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ۔ اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں جو وعدہ کیا تو نے ہمارے ساتھ اپنے رسولوں کے ذریعے اور نہ رسوا کر ہمیں قیامت کے دن۔ بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا''۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قریش یہود کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ حضرت موسیٰ تمہارے پاس کیا معجزات لے کر آئے۔ انہوں نے جواب دیا عصا اور ید بیضا۔ پھر عیسائیوں کے پاس گئے اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مادر زاد اندھوں کو بینا کر دیتے، کوڑھ کے مریض کو اچھا کر دیتے اور مردوں کو زندہ کرتے۔ اس کے بعد قریش رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لیے صفا کے پہاڑ کو سونا بنا دے۔ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ نازل ہوئی۔ یعنی اہل عقل کے لیے اس کائنات میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ اگر وہ صرف انہی میں غور وفکر کریں تو یہ

1۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین: 2142

کسی معجزے سے کم نہیں ہیں۔ لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ سوال مکہ میں ہوا تھا اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آسمان کی بلندی اور سعت، زمین کی پستی اور کثافت، آسمان میں رواں دواں سیاروں اور ستاروں، زمین میں بڑے بڑے سمندروں، پہاڑوں، وسیع میدانوں، سرسبز کھیتیوں اور پودوں، رنگ رنگ کے پھلوں، مختلف النوع کے جانوروں اور معدنیات، انواع واقسام کے کھانوں، طرح طرح کے کئی خوشبوؤں، گردش لیل ونہار اور ان کے گھٹنے اور بڑھنے میں اہل عقل ودانش کے لیے نشانیاں ہیں۔ یعنی ان واضح نشانیوں میں غور وفکر کر کے انسان اپنے خالق کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ اہل عقل سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی عقل انتہائی پختہ اور پاکیزہ ہو جو آسانی سے اشیاء کی حقیقت کا ادراک کر سکے۔ اس سے مراد بے عقل گونگے بہرے نہیں ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا: وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (یوسف: 105) ''اور کتنی ہی بے شمار نشانیاں ہیں جو آسمانوں اور زمین (ہر گوشے) میں (سجی ہوئی) ہیں جن پر یہ (ہر صبح وشام) گزرتے ہیں اور وہ ان سے روگردانی کیے ہوئے ہیں''۔ پھر اللہ تعالیٰ اہل عقل کی صفات بیان فرماتا ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے، لیٹتے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر اور پھر اگر اس طرح بھی نہ پڑھ سکو تو پہلو پر لیٹ کر یعنی اہل اللہ کسی حال میں بھی اللہ کے ذکر کو ترک نہیں کرتے اور ہر حال میں اپنی زبان ودل کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ زمین وآسمان کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں اور ان حکمتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جو خالق کی عظمت وقدرت اور اختیار ورحمت پر دال ہیں۔ شیخ ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ میں جب بھی گھر سے باہر نکلتا اور میری نظر کسی چیز پر پڑتی تو میں دیکھتا کہ اس چیز میں میرے لیے ایک نعمت بھی موجود ہے اور وہ میرے لیے باعث عبرت بھی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ لمحہ بھر کے لیے غور وفکر کرنا رات بھر کے قیام سے افضل ہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ فکر وتدبر ایک ایسا آئینہ ہے جو تم پر برائیوں اور اچھائیوں کو واضح کر دیتا ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ غور وفکر ایسا نور ہے جو تیرے دل میں داخل ہوتا ہے اور بسا اوقات یہ شعر پڑھتے۔

جب انسان غور وفکر کرنے کا عادی ہو تو اس کے لیے ہر شے باعث عبرت ہوتی ہے

حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں کہ خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس کا قول باعث نصیحت اور جس کی خاموشی غور وفکر اور جس کا دیکھنا عبرت حاصل کرنے کے لیے ہو۔ حضرت لقمان حکیم فرماتے ہیں کہ طویل گوشہ نشینی غور وفکر کا باعث ہے اور طویل غور وفکر راہ جنت کی علامت ہے۔ حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ جس قدر غور وفکر زیادہ ہوگا اسی قدر سمجھ بوجھ بھی تیز ہوگی اور جس قدر سمجھ بوجھ تیز ہوگی اسی قدر علم نصیب ہوگا اور جس قدر علم زیادہ ہوگا اسی کے مطابق نیک اعمال بھی بڑھتے جائیں گے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ زبان کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھنا بہتر ہے اور اللہ کی نعمتوں میں غور وفکر کرنا سب سے افضل عبادت ہے۔ حضرت مغیث اسودؒ فرماتے ہیں کہ ہر روز قبروں کی زیارت کیا کرو تا کہ تمہیں اپنے انجام کا فکر ہو اور پھر اپنے دل میں اس منظر کو حاضر کرو کہ خدا تعالیٰ کے سامنے دو گروہ حاضر ہیں ایک جنت کی طرف جانے والا ہے اور دوسرا جہنم کی طرف۔ اور اپنے ذہنوں اور بدنوں کو دوزخ کی آگ، اس کے ہتھوڑے اور اس کے مختلف طبقات کا شعور دلاؤ۔ اس کے بعد آپ رونے لگتے۔ یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص کسی راہب کے پاس سے گزرا جو قبرستان اور گندگی کے ڈھیر کے درمیان ڈیرہ لگائے ہوئے تھا۔ اس نے راہب کو مخاطب

کرتے ہوئے کہا تیرے پاس دنیا کے دوخزانے ہیں جو تیرے لیے باعث عبرت ہیں۔ایک خزانہ قبرستان اور ایک خزانہ مال کا یعنی کوڑا کرکٹ کا ڈھیر۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ بعض اوقات کسی ویران کھنڈر کے پاس جاتے تو بڑی غمگین آواز کے ساتھ کہتے۔اے اجڑے ہوئے دیارو! تمہارے مکین کہاں ہیں؟ پھر خود ہی فرماتے کہ اللہ کی ذات کے سوا ہر شے فانی ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور قلب کے ساتھ پڑھی ہوئی دو مختصر رکعات اس رات بھر کی عبادت سے افضل ہے جس میں دل غافل ہو۔حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں اے ابن آدم! اپنے پیٹ کے ایک تہائی حصے میں کھانا کھاؤ دوسرے حصے میں پانی پیو اور تیسرے حصے کو سانس لینے کے لیے چھوڑ دو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور وفکر کرسکو۔کسی دانا کا قول ہے کہ جو شخص بغیر عبرت کے دنیا کی طرف دیکھتا ہے اسی غفلت کی مقدار اس کے دل کا نور ماند پڑ جاتا ہے۔حضرت عمرو بن عبد قیس فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے صحابہؓ سے سنا ہے کہ نور ایمان غور وفکر کا نام ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو، دنیا میں مہمان بن کر رہو، مسجدوں کو اپنا گھر بنا لو، اپنی آنکھوں کو رونا، جسم کو صبر، اور دل کو غور وفکر کی تعلیم دو۔کل کی روزی کا غم نہ کرو۔امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ رونے لگے جب پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ میں نے دنیا کی لذتوں اور خواہشات میں غور وفکر کیا اور ان سے عبرت حاصل کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ دنیا کی تمام لذات آخر کار مکدر ہو جاتی ہیں اگر اس میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت نہ ہو تو کم از کم نصیحت حاصل کرنے والے کے لیے نصیحت ہو۔حسین بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ مومن کی خوشی غور وفکر میں ہے۔اور اس کی لذت عبرت حاصل کرنے میں ہے۔ہم ہر طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتے ہیں۔ بعض غافل ایسے ہیں کہ ان کی عمر کا اکثر حصہ گزر گیا لیکن انہیں اس کا شعور تک نہ ہوا۔بعض اوقات انسان کی زندگی اس کی دلپسند خواہشات کے مطابق ہوتی ہے مگر زمانہ جلد ہی اسے بدل دیتا ہے۔ہم اللہ کی محبت میں حمد وثنا بیان کرتے ہیں۔یقیناً ان امور میں غور وفکر کرنے سے عقل مند آدمی کو عبرت حاصل ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو اس کی ذات وصفات اور قدرت پر دلالت کرنے والی نشانیوں میں غور وفکر نہیں کرتے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ ...... وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ (یوسف:106) ''ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر یہ (صبح وشام) گزرتے ہیں اور ان سے روگردانی کیے ہوتے ہیں اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حالت میں کہ وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں''۔اس کے بعد اللہ اپنے ان مومن بندوں کی تعریف فرماتا ہے جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے اس کا ذکر کرتے ہیں۔اور زمین وآسمان کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں اور اس کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں اے باری تعالیٰ! تو نے اس مخلوق کو عبث اور بیکار پیدا نہیں کیا بلکہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ برے اعمال والوں کو ان کے اعمال بد کی سزا اور اچھے عمل والوں کو ان کے اعمال حسنہ کی جزا عطا فرمائے۔پھر اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں کہ تو اس سے منزہ ہے کہ کسی چیز کو بیکار پیدا کرے۔اے عدل وانصاف کے ساتھ مخلوق کو پیدا کرنے والے! اے ہر قسم کے عیب ونقص سے پاک! ہمیں اپنی قوت وطاقت سے آگ سے بچا اور ایسے اعمال کی توفیق عطا فرما جس سے تو راضی ہو جائے اور ان اعمال کی برکت سے ہمیں جنت کی راہ دکھا اور اپنے دردناک عذاب سے محفوظ رکھ۔پھر عرض کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار! جس کو تو نے نار جہنم میں داخل کیا وہ تمام اہل حشر کے سامنے رسوا ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔اور نہ تیری مشیت اور ارادے کے سامنے انہیں کوئی بچانے والا ہوگا۔اے ہمارے رب! ہم نے ایک نداء دینے والے کی نداء سنی جو ایمان کی دعوت دے رہا تھا یعنی رسول اللہ ﷺ۔آپ ارشاد فرما رہے تھے کہ اپنے رب

پر ایمان لے آؤ۔ ہم آپ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے ایمان لے آئے اور آپ کی اتباع کی۔ اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ پر ایمان لے آئے اور تیرے نبی مکرم علیہ السلام کی اتباع کی۔ اس کی برکت سے ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔ ہماری برائیوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں نیک اور صالح لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ اور تو نے جو ان سے وعدے اپنے رسولوں کی زبانی کیے انہیں پورا فرما۔ اس کا یہ بھی مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ وہ وعدہ جو تو نے اپنے رسولوں پر ایمان لانے کا کیا تھا۔ لیکن پہلا مفہوم زیادہ ظاہر اور واضح ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ عسقلان ان دوشہروں میں سے ایک ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ستر ہزار ایسے افراد اٹھائے گا جن سے کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا اور پچاس ہزار ایسے شہداء کو اٹھائے گا جو وفد بن کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور یہیں سے شہداء کی ایسی صفیں ہوں گی جن کے کٹے ہوئے سر ان کے ہاتھوں میں ہوں گے اور ان کی رگوں سے خون جاری ہوگا اور وہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے: رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا ...... اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے ان بندوں نے سچ کہا۔ انہیں نہر بیضاء میں غسل دو۔ یہ غسل کے بعد اس نہر سے اس حال میں نکلیں گے کہ ان کا رنگ صاف سفید ہوگا اور وہ جنت میں جہاں چاہیں گے سیر کریں گے۔ یہ حدیث غریب ہے اور بعض نے اسے موضوع کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

لَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ: اے اللہ! ہمیں قیامت کے دن لوگوں کے سامنے رسوا نہ کرنا۔ تیرا وعدہ سچا ہے۔ اور وہ ضرور پورا ہوگا۔ جس کے بارے میں تیرے رسولوں نے بھی خبر دی ہے۔ یعنی قیامت کے دن ساری مخلوق تیرے سامنے حاضر ہوگی۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ابن آدم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اتنی رسوائی اور شرمندگی ہوگی کہ وہ آگ میں جانے کی تمنا کرے گا۔ رسول اللہ علیہ السلام جب نماز تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو آپ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرماتے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے پاس تھا۔ جب رات ہوئی تو رسول اللہ علیہ السلام اپنے اہل خانہ کے ساتھ کچھ دیر کے لیے محو گفتگو رہے پھر آرام فرما ہو گئے۔ جب رات کا تہائی حصہ رہ گیا تو آپ نیند سے بیدار ہوئے اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ آیت کریمہ: اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ...... تلاوت فرمائی اور پھر مسواک کی اور وضو فرمایا اور پھر گیارہ رکعت نماز ادا فرمائی۔ پھر جب حضرت بلالؓ نے اذان دی تو دو رکعت سنت ادا فرمائی اور پھر مسجد میں تشریف لا کر لوگوں کو نماز پڑھائی (1)۔ امام بخاریؒ نے دوسرے مقام پر یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں تکیے کی عرض کی طرف لیٹا، رسول اللہ علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت میمونہؓ تکیے کے طول کی طرف لیٹ گئے۔ آدھی رات یا اس سے کچھ پہلے یا بعد رسول اللہ علیہ السلام بیدار ہوئے اور اپنے دست مبارک کے ساتھ اپنی نیند کو دور کیا اور پھر آل عمران کی دس آیات تلاوت فرمائیں۔ اور پھر ایک لٹکے ہوئے مشکیزے سے پانی لے کر اچھی طرح وضو فرمایا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں بھی کھڑا ہوا اور اسی طرح سب کچھ کیا اور آپ کی بائیں جانب نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ علیہ السلام نے اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھ کر میرے کان کو پکڑا اور مجھ گھما کر اپنی دائیں جانب کر لیا اور دو دو رکعات کر کے چھ مرتبہ یعنی بارہ رکعات پڑھیں پھر وتر ادا کیے اور پھر آرام فرما گئے۔ یہاں تک موذن نے آ کر صدا دی۔ تو آپ نے دو مختصر رکعتیں ادا کیں اور باہر آ کر صبح کی نماز پڑھائی (2)۔ ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے حکم دیا کہ میں ایک رات رسول اللہ علیہ السلام کے گھر گزاروں اور آپ کی نماز کی کیفیت دیکھوں۔ حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ علیہ السلام نے لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھائی۔ میرے سوا تمام صحابہ کرام گھروں کو چلے گئے۔ جب حضور علیہ السلام میرے پاس سے گزرے تو فرمایا کون ہو؟

1۔ فتح الباری، تفسیر آل عمران: 235/8 2۔ فتح الباری، کتاب التفسیر: 237،236/8

عبداللہ ہو۔ میں نے عرض کی ہاں۔ فرمایا مسجد میں کیوں رہے ہوئے ہو۔ میں نے عرض کی میرے والد نے حکم فرمایا ہے کہ میں آج کی رات آپ کے پاس گزاروں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے میرے ساتھ آؤ۔ گھر میں داخل ہوا تو فرمایا عبداللہ بستر بچھاؤ۔ بالوں کا بنا ہوا ایک تکیہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس پر سر رکھ کر سو گئے حتیٰ کہ مجھے ان کے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ پھر آپ بیدار ہوئے اور بستر پر بیٹھ کر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور تین مرتبہ (سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ) پڑھا اور آل عمران کی آخری آیات تلاوت فرمائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان آیات کے بعد یہ دعا پڑھی (اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَ عَنْ يَمِيْنِيْ نُوْرًا وَ عَنْ شِمَالِيْ نُوْرًا وَ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ نُوْرًا وَ مِنْ خَلْفِيْ نُوْرًا وَ مِنْ فَوْقِيْ نُوْرًا وَ مِنْ تَحْتِيْ نُوْرًا وَ اَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ)'' ترجمہ: اے بار خدایا! میرے دل کان اور میری آنکھ میں نور کر دے، اور میرے دائیں اور بائیں، سامنے اور پیچھے اوپر اور نیچے نور کر دے، اور قیامت کے دن میرے نور کو عظیم کر دے''۔ یہ دعا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اس آیت کی تفسیر کے شروع میں طبرانی کے حوالے سے جو حدیث گزری ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے۔ لیکن مشہور یہی ہے کہ یہ آیت کریمہ مدنی ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابن مردویہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عطاءؒ، ابن عمرؓ اور عبید بن عمیرؒ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے درمیان اور ان کے درمیان پردہ تھا۔ ام المومنین نے حضرت عبید سے فرمایا کہ تم کیوں نہیں آیا کرتے۔ آپ نے جواب دیا کسی شاعر کا قول ہے کہ (کم ملا کرو تاکہ محبت بڑھے)۔ حضرت ابن عمرؓ نے عبید سے کہا کہ ان باتوں کو چھوڑو۔ ہم تو اس لیے حاضر ہوئے کہ آپ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی کوئی ایسی بات بتائیں جو عجیب ہو۔ آپ یہ سن کر رونے لگیں اور فرمانے لگیں کہ حضور ﷺ کے تمام کام تعجب انگیز تھے اچھا ایک واقعہ سنو! ایک رات میری باری میں حضور ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے ساتھ سو گئے پھر فرمانے لگے اے عائشہ! میں اپنے رب کی کچھ عبادت کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے جانے دو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کا قرب پسند کرتی ہوں اور میری یہ بھی خواہش ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کریں۔ آپ کھڑے ہوئے اور مشکیزے سے پانی لے کر وضو فرمایا اور بہت کم پانی استعمال کیا اور پھر نماز میں مشغول ہو گئے۔ پھر اتنا روئے کہ ریش مبارک آنسو سے تر ہو گئی اور پھر سجدے میں گئے اور اتنا روئے کہ زمین آنسوؤں سے سیراب ہو گئی۔ پھر آپ پہلو کے بل لیٹ گئے اور روتے رہے حتیٰ کہ حضرت بلالؓ نے آ کر نماز کے لیے بلایا اور آنسو دیکھ کر عرض کی۔ یا رسول اللہ آپ کس لیے روئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے وہ تمام الزامات دور فرما دیئے ہیں (جو آپ پر ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد لگائے گئے)۔ آپ نے فرمایا اے بلال! میں کیوں نہ روؤں۔ مجھ پر آج رات یہ آیت نازل ہوئی ہے اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ پھر فرمایا ہلاکت ہے اس کے لیے جس نے اس آیت کو پڑھا اور غور و فکر نہ کیا۔ عبد بن حمید کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں سلام عرض کیا تو آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ ہم نے اپنے نام بتائے۔ اور آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے اپنے رخسار کے نیچے اپنا دست مبارک رکھا اور روتے رہے حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے آنسوؤں نے زمین کو تر کر دیا ہے۔ اور حضرت بلالؓ کے جواب میں یہ بھی فرمایا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں (1)۔ امام اوزاعیؒ سے ان آیات میں غور و فکر کرنے کی غایت کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا ان آیات کو اس طرح پڑھے کہ ان کے معانی کو اچھی طرح سمجھ لے۔ ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ حضور ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ہر رات سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

1۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الرقاق: 9،8/2

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

''تو قبول فرمالی ان کی التجاان کے پروردگار نے (اور فرمایا) کہ میں ضائع نہیں کرتا عمل کسی عمل کرنے والے کا تم سے خواہ مرد ہو یا عورت بعض تمہارا جز ہے بعض کی تو وہ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے اپنے وطن سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور (دین کے لیے) لڑے اور مارے گئے تو ضرور میں مٹادوں گا ان (کے نامہ عمل) سے ان کے گناہ اور ضرور داخل کروں گا انہیں باغوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔ (یہ) جزاء ہے (ان کے اعمال حسنہ کی) اللہ کے ہاں اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے''۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ: یہاں اِسْتَجَابَ بمعنی اَجَابَ ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہجرت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ انصار کا بیان ہے کہ ہجرت کے موقع پر سب سے پہلے جو عورت مدینہ پہنچی وہ ام سلمہؓ ہی تھیں۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ صاحب عقل وایمان لوگوں نے جب اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگی جن کا ذکر پہلی آیات میں آچکا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا۔ اس لیے اس آیت کو فاء کے ساتھ شروع کیا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ''ترجمہ: جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں (تو انہیں بتادو) کہ میں ان کے قریب ہوں اور دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے۔ پس انہیں چاہئے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پاسکیں''۔

اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ: اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا ہے۔ یہاں اس کی وضاحت کی جارہی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ تم میں سے کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ہر عمل کرنے والے کو اس کی پوری پوری جزا دیتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ یعنی وہ ارشاد فرماتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک ثواب میں برابر ہے۔

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا: وہ لوگ جو دار شرک وکفر کو چھوڑ کر دار ایمان کی طرف آگئے اور دین کی خاطر اپنے دوست واحباب، بہن بھائی اور عزیز واقارب چھوڑے۔ اور وہ جن کو مشرکین نے تنگ کیا حتیٰ کہ انہیں اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور کردیا۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جن کو میری راہ میں تکلیف دی گئی۔ ان کا گناہ صرف یہی تھا کہ وہ خدا وحدہ لاشریک پر ایمان لائے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ (الممتحنہ:1) ''ترجمہ: انہوں نے رسول مکرم ﷺ اور تمہیں مکہ سے محض اس لیے نکالا کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے''۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ (بروج:8)۔ ''ترجمہ: اور نہیں ناپسند کیا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر، وہ سب پر غالب، سب خوبیوں سراہا ہے''۔

وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا: اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے کہ مومن اللہ کی راہ میں جہاد کرے، اس کی سواری زخمی ہوجائے، اس کا منہ خاک وخون

میں رنگین ہو جائے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر میں صبر، نیک نیتی اور دلیری سے آگے بڑھ کر، اور پیٹھ نہ پھیر کر جہاد کروں تو کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف فرما دے گا آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر فرمایا۔ ذرا اپنا سوال دہرانا تم نے ابھی کیا کہا تھا۔ اس نے اپنا سوال دہرایا۔ آپ نے فرمایا ہاں قرض کے سوا تمام خطائیں معاف ہو جائیں گی۔ یہ بات ابھی ابھی جبریل مجھے بتا کر گئے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں ان کی برائیوں کو معاف کر دوں گا اور ان کو ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن میں مختلف قسم کی نہریں رواں ہوں گی۔ کوئی دودھ کی ہوگی، کوئی شہد ہوگی اور کوئی شراب کی ہوگی اور کوئی صاف پانی کی۔ اور اس کے علاوہ ایسی نعمتیں ہوں گی جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسانی دل پر اس کا خیال گزرا۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف کی تا کہ ان چیزوں کی عظمت پر دلالت ہو۔ کیونکہ جو ذات عظیم اور کریم ہو اس کا عطیہ بھی عظیم اور بے انتہا ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

اگر ممدوح سزا دے تو وہ سزا سخت ہوتی ہے اور اگر عطا کرے تو وہ کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ: نیک عمل کرنے والے کی بہترین جزاء اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ حضرت شداد بن اوسؓ فرمایا کرتے تھے۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی قضا پر غمگین نہ ہو جایا کرو۔ وہ کسی مومن پر ظلم نہیں کرتا اگر تمہیں کوئی خوشی اور راحت پہنچائے تو اس کی حمد وثناء بیان کرو۔ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو صبر کرو اور نیکی وثواب کی تمنا رکھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر عمل کی بہترین اور عمدہ جزاء ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

''(اے سننے والے!) نہ دھوکا میں ڈالے تجھے چلنا پھرنا ان کا جنہوں نے کفر کیا ملکوں میں یہ لطف اندوزی تھوڑی مدت کے لیے ہے پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ بہت بری ٹھہرنے کی جگہ ہے لیکن وہ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے ان کے لیے باغ ہوں گے رواں ہوں گی ان کے نیچے ندیاں (وہ متقی) ہمیشہ رہیں گے ان میں یہ تو مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے اور جو (ابدی نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ بہتر ہیں نیکوں کے لیے''۔

لَا يَغُرَّنَّكَ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان کافروں کی خوشی ومسرت، ناز ونعمت اور خوشحالی کی طرف نہ دیکھئے۔ یہ سب عنقریب زائل ہو جائے گا اور پھر انہیں اپنے برے اعمال کی سزا میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ ہم نے ان کو جو مہلت دے رکھی ہے وہ بطور آزمائش ہے اور یہ تمام نعمتیں آخرت کے مقابلہ میں انتہائی حقیر ہیں۔ یہی مفہوم ان آیات میں بھی بیان کیا ہے۔ 1۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ...... الخ ''ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لطف اندوزی ہے اس دنیا میں (چند روزہ) پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے۔ پھر ہم انہیں چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ کفر کیا کرتے تھے''۔ 2۔ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ ...... ''ترجمہ: ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر۔ پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف''۔ 3۔ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ''ترجمہ: پس آپ کفار کو تھوڑی مہلت اور دے دیجئے کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیے''۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ: جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کافروں کے احوال اور آخرت میں ان کے ٹھکانے جہنم کا ذکر کیا تو اس کے بعد

مومنین اور متقین کے لیے انعامات کا ذکر فرماتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان متقین کو ابرار اس لیے کہا گیا کیونکہ وہ اپنے ماں باپ اور اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے۔ اس طرح تیرے والدین کا تجھ پر حق ہے۔ اسی طرح تیری اولاد کا بھی تجھ پر حق ہے۔ یہی روایت حضرت ابن عمرؓ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ ابرار وہ ہیں جو اپنی اولاد کو اذیت نہیں پہنچاتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ہر شخص کے لیے موت اچھی ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد ہو۔ اگر وہ نیک ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ارشاد فرمایا ہے: وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ اور برے لوگوں کے لیے بھی موت بہتر ہے۔ کیونکہ ان کے زندہ رہنے میں ان کے اعمال بد میں اضافہ ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ...... ''ترجمہ: اور نہ خیال کریں جو کفر کر رہے ہیں کہ ہم جو انہیں مہلت دے رہے ہیں یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ ہم تو انہیں صرف اس لیے مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ گناہ کرلیں اور ان کے لیے ذلیل وخوار کرنے والا عذاب ہے''۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع

''اور بے شک بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف اور جو اتارا گیا ان کی طرف عاجزی اور (نیازمندی) کرنے والے ہیں اللہ کے لیے۔ نہیں سودا کرتے اللہ کی آیتوں کا حقیر قیمتوں پر۔ یہ وہ ہیں جن کا ثواب ان کے رب کے پاس۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اے ایمان والو! صبر کرو اور ثابت قدم رہو (دشمن کے مقابلہ میں) اور کمربستہ رہو (خدمت دین کے لیے) اور (ہمیشہ) اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو جاؤ''۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اہل کتاب کے اس گروہ کی خبر دی ہے جو اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور قرآن حکیم پر مکمل ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پہلی سماوی کتب پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری اور اس کے سامنے خشوع وخضوع کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ان کی کتابوں میں جو نبی کریم ﷺ کی آمد کی بشارت۔ آپ کے اور آپ کی امت کے اوصاف کا ذکر ہے وہ انہیں چھپاتے نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں یہی بہترین لوگ ہیں۔ خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی۔ اللہ تعالیٰ سورۂ قصص میں ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ...... ''ترجمہ: جن کو ہم نے عطا فرمائی کتاب (نزول) قرآن سے پہلے۔ وہ اس پر ایمان لائے ہیں اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ۔ بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ ہم اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کر چکے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دو مرتبہ دیا جائے گا بوجہ ان کے صبر کے''۔ دوسری جگہ فرماتا ہے: لَيْسُوْا سَوَاۗءً...... ''سب یکساں نہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک گروہ حق پر قائم ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی رات کے وقت تلاوت کرتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں''۔ یہ صفات اہل یہود میں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور آپ کے علاوہ دوسرے یہودی علماء جو مسلمان ہو گئے۔ ان کی تعداد دس سے زیادہ نہیں۔ مگر نصرانی اکثر حق کی اطاعت کرتے

ہیں اور طلب ہدایت میں کوشاں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً...... ''ترجمہ: آپ ضرور پائیں گے سب لوگوں سے زیادہ دشمنی رکھنے والے مومنوں سے یہود کو اور مشرکوں کو۔ اور آپ ایمان والوں سے سب سے زیادہ قریب انہیں پائیں گے جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں''۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر عظیم ہے۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے جب حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے سامنے عیسائی علماء کی موجودگی میں سورۂ مریم کی آیات تلاوت فرمائیں تو آپ پر رقت طاری ہوگئی تو سب حاضرین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور روتے روتے ان کی ڈاڑھیاں تر ہوگئیں۔ اسی نجاشی کا جب انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو اس کے انتقال کی خبر دی۔ فرمایا کہ تمہارا ایک بھائی حبشہ میں انتقال کر گیا ہے۔ اس کی نماز جنازہ ادا کرو۔ پھر آپ باہر تشریف لائے اور صحابہ کرامؓ کی صفوں کو مرتب کر کے اس کی نماز جنازہ ادا کی (1)۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی نجاشی کے لیے مغفرت طلب کرو تو بعض لوگ کہنے لگے کہ آپ ہمیں اس نصرانی کے لیے استغفار کرنے کا حکم دیتے ہیں جو حبشہ میں مرگیا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کے انتقال کے وقت ارشاد فرمایا تمہارا بھائی اصحمہ انتقال کر گیا ہے۔ پھر آپ باہر تشریف لائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور عام نماز جنازہ کی طرح چار تکبیریں کہیں۔ منافقین کہنے لگے کہ حبشہ میں مرنے والے نصرانی پر نماز جنازہ پڑھی ہے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نجاشی کی وفات کے بعد ہم سنا کرتے تھے کہ اس کی قبر پر نور نظر آتا ہے۔ حاکم نے روایت کی ہے کہ نجاشی کے ایک دشمن نے اس کی سلطنت پر چڑھائی کر دی۔ مسلمان مہاجرین اس کے پاس گئے اور اسے کہا ہم چاہتے کہ آپ اس دشمن کے مقابلہ میں نکلیں ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر مقابلہ کریں گے۔ اس طرح آپ ہماری جرات و دلیری کا مظاہرہ بھی دیکھ لیں گے اور اس احسان کا بدلہ بھی اتر جائے گا جو آپ نے ہم پر کیا۔ نجاشی نے جواب دیا لوگوں کی نصرت و مدد کے مقابلہ میں اللہ کی نصرت و مدد بہتر ہے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت عباد بن منصور فرماتے ہیں میں نے حضرت حسن بصریؒ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے پہلے تھے۔ جب وہ آپ پر ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دوگنا اجر عطا فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین قسم کے لوگوں کو دوگنا اجر ملے گا۔ ان میں سے ایک اہل کتاب کا وہ شخص ہے جو پہلے اپنے نبی پر ایمان لایا اور پھر مجھ پر۔

لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ: یعنی وہ علوم و معارف کو دوسرے لوگوں سے نہیں چھپاتے۔ جس طرح کہ تم میں سے ایک گھٹیا گروہ کا شیوہ ہے۔ بلکہ وہ ان علوم کی اشاعت میں کوشاں رہتے ہیں۔ اس پر کوئی اجر بھی طلب نہیں کرتے اس لیے ارشاد فرمایا کہ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین ''اسلام'' پر ثابت قدم رہیں۔ اس تنگی و شدت کی وجہ سے اسے ترک نہ کریں حتیٰ کہ ان کی موت بھی اسی دین پر آئے۔ اور اپنے ان دشمنوں کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کریں جو اپنے دین کو چھپاتے ہیں سلف صالحین سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے۔ جائے عبادت اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی اور دوام اختیار کرنے کو مرابطہ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے اور دوسرے کئی مفسرین نے فرمایا ہے کہ مرابطہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ گناہوں

1۔ فتح الباری: 186/3

کو مٹاتا ہے اور درجات بلند کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا تکلیف کے باوجود صحیح وضو کرنا، دور سے مسجد کی طرف چل کر جانا، اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہی رباط ہے، یہی رباط ہے۔ حضرت ابو سلمہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ نے مجھ سے پوچھا۔ اے میرے بھتیجے! کیا تمہیں اس آیت کا شان نزول معلوم ہے۔ میں نے کہا، نہیں۔ تو فرمانے لگے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کوئی سرحدی چوکیاں نہ تھیں جہاں مسلمان پہرہ دیتے۔ بلکہ یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مسجدوں کو آباد کرتے ہیں، نمازوں کو وقت مقررہ پر ادا کرتے ہیں اور پھر وہاں خدا کا ذکر کرتے ہیں۔ انہی کو حکم ہو رہا ہے کہ ان پانچ نمازوں پر دوام اختیار کرو۔ اپنی خواہشات نفسانی پر کنٹرول رکھو۔ اور اپنی مسجدوں میں مرابطہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں وہ اعمال نہ بتاؤں جو گناہوں اور خطاؤں کا کفارہ ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا ناپسندیدگی کے باوجود کامل وضو کرنا، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے بھی یہ روایت مروی ہے حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا میں تمہیں ایسے اعمال بتاؤں جن سے اللہ گناہوں کو مٹاتا اور اجر و ثواب بڑھاتا ہے۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ کونسے اعمال ہیں؟ فرمایا ناپسندیدگی کے باوجود وضو کرنا، دور سے مسجد کی طرف چل کر آنا اور نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ پھر فرمایا کہ یہی اس آیت کا مفہوم ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مرابطہ سے مراد دشمن کے خلاف جہاد کرنا، اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور دشمنوں کو اسلامی حدود میں داخل ہونے سے روکنا ہے۔ اس کی ترغیب میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ جن میں ان اعمال پر کثرت ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ حضرت سہل بن سعد الساعدی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جہاد کے لیے ایک دن کی تیاری دنیا و مافیہا کے مال و اسباب سے افضل ہے (1)۔ حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک دن اور ایک رات کی جہاد کی تیاری ایک ماہ کے روزوں اور ایک ماہ کی شب بیداری سے افضل ہے۔ اگر اسی حالت میں اسے موت آ جائے، تو جتنے اعمال صالحہ کرتا تھا اس کا ثواب رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو رزق ملے گا اور وہ فتنوں سے امن میں رہے گا (2)۔ ایک روایت میں ارشاد فرمایا: ہر مرنے والے کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کی تیاری میں فوت ہو جائے اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہے گا اور وہ فتنہ قبر سے بھی محفوظ رہے گا۔ اسی مفہوم کی احادیث حضرت ابو ہریرہ سے دیگر اسناد سے بھی مروی ہیں۔ مسند امام احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس کو صبح و شام جنت سے رزق ملتا ہے۔ حضرت ام درداء سے مروی ہے کہ جو شخص اسلامی حدود کے ساحل پر تین دن تک پہرہ دے اسے پورے سال کا ثواب ملتا ہے۔ ایک دن حضرت عثمانؓ نے منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا: اب میں تمہیں وہ حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے اور جسے آج تک کسی خاص مصلحت کے باعث تمہیں نہیں سنائی۔ آپ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک دن کا پہرہ ایک ہزار راتوں کی عبادت اور دن کے وقت روزہ رکھنے سے افضل ہے (3)۔ آپ نے اس حدیث کو اب تک بیان نہ کرنے کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ مجھے ڈر تھا کہ اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے کہیں تم سب مدینہ چھوڑ کر میدان جنگ میں نہ چلے جاؤ۔ اب میں نے یہ حدیث سنادی ہے۔ اب تم میں سے جو چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا اے اللہ! گواہ رہنا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ حضرت شرحبیل بن سمط کے ساتھیوں کے پاس سے گزرے جو کسی سرحد پر پہرہ دے رہے تھے اور طویل مدت کے باعث گراں محسوس کر رہے تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے

1۔ فتح الباری، کتاب الجہاد: 85/6 2۔ مسند احمد: 20/6 3۔ مسند احمد: 61/1

فرمایا کیا میں تمہیں وہ حدیث بیان نہ کروں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک دن کا پہرہ ایک مہینے کے صوم وصلوٰۃ سے افضل ہے۔ اور جو شخص اس حالت میں فوت ہو جائے وہ عذاب قبر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور قیامت تک اس کا عمل بڑھتا رہتا ہے(1)۔ حضرت ابی بن کعب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کی سرحد پر ایک رات کے لیے ثواب کی نیت سے پہرہ دینا اگر وہ رات رمضان شریف میں نہ ہو۔ تو اس کا یہ پہرہ ایک سو سال کی نمازوں اور روزوں سے زیادہ اجر والا ہے۔ اور نیکی کی نیت کے ساتھ مسلمانوں کی سرحد کا ایک دن کا پہرہ ایک ہزار سال کے صوم وصلوٰۃ سے زیادہ اجر والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اگر اس کو صحیح سلامت اپنے اہل خانہ میں لوٹا دے تو ایک ہزار سال کی برائیاں اس کے نامہ اعمال میں نہیں لکھی جائیں گی۔ جبکہ اس کی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی۔ اور قیامت تک اسے اللہ کی راہ میں پہرہ دینے کا ثواب ملتا رہے گا۔

حضرت انس بن مالکؓ روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک رات کا پہرہ دینا اپنے اہل خانہ میں ہزار سال کے روزوں اور نمازوں سے افضل ہے۔ ہر سال کے تین سو ساٹھ دن ہیں اور ہر دن ایک ہزار سال کی مثل ہے۔ لیکن یہ حدیث غریب ہے۔ اس کے راوی سعید بن خالد کو ابوزرعہ اور دوسرے ائمہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلامی لشکر کے محافظ پر اللہ کی رحمت ہے۔ یہ حدیث منقطع ہے۔ حضرت سعد بن حنظیہ فرماتے ہیں کہ وہ غزوۂ حنین میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے شام کی نماز آپ کے ساتھ ادا کی تو ایک آدمی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا۔ عرض کی۔ یارسول اللہ! میں آپ سے آگے نکل گیا۔ فلاں پہاڑی پر چڑھ کر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ بنو ھوازن اپنی اونٹنیوں بکریوں اور عورتوں کے پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر آپ مسکرائے اور فرمایا کہ یہ سب کل ان شاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا مال غنیمت بنے گا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ آج رات ہمارا پہرہ کون دے گا۔ حضرت انس بن ابی مرثدؓ نے عرض کی میں یارسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا سوار ہو کر آؤ۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اس وادی کی طرف جاؤ اور پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاؤ۔ اور خبردار! ہم پر اس طرف سے کوئی حملہ آور نہ ہو۔ صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور دو رکعت سنتیں ادا کیں اور فرمایا کہ کیا تمہیں اپنے پہریدار کے بارے میں معلوم ہے۔ ایک آدمی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہمیں اس کے بارے میں معلوم نہیں۔ آپ نے نماز فجر کی تیاری کا حکم دیا اور نماز پڑھاتے ہوئے گھاٹی کی طرف توجہ فرماتے رہے۔ جب آپ نے نماز مکمل کی تو فرمایا کہ تمہیں خوشخبری ہو تمہارا پہرے دار آ گیا ہے ہم درختوں کے درمیان سے گھاٹی کی طرف دیکھنے لگے تو وہ شہسوار درختوں سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اور عرض کی کہ میں آپ کے حکم کے مطابق اس گھاٹی کی چوٹی پر پہنچ گیا تھا اور صبح میں نے دوسری گھاٹی کا بھی معائنہ کیا لیکن مجھے وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم رات کو اپنے گھوڑے سے نیچے اترے تھے۔ اس نے عرض کی نہیں مگر نماز اور قضاء حاجت کے وقت۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے اپنے اوپر جنت کو واجب کر لیا ہے۔ اگر تم آج کے بعد کوئی عمل بھی نہیں کرو گے تو تم پر کوئی حرج نہیں(2)۔ حضرت ابوریحانہؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے جب ہم ایک ٹیلے پر پہنچے تو وہاں رات گزارنے کا حکم ہوا۔ سردی اتنی سخت تھی کہ میں نے دیکھا کہ بعض مجاہدین زمین میں گڑھا کھود کر اس میں داخل ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے نداء دی۔ آج رات جو ہمارا پہرہ دے گا اس کو میں ایسی دعا دوں گا جس میں اس کا بھلا ہو گا۔ ایک انصاری نے عرض کی یارسول اللہ! میں پہرہ دوں گا۔ آپ نے فرمایا قریب آ جاؤ جب قریب آئے تو

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل الجہاد: 162/7 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد: 10,9/3

آپ نے اس کا نام دریافت کر کے اسے دعا دی۔ ابوریحانہ یہ دعا سن کر آگے بڑھے اور کہنے لگے۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں بھی اس کے ساتھ پہرہ دوں گا۔ آپ نے مجھے بھی پاس بلایا اور نام پوچھ کر میرے لیے بھی دعا کی۔ لیکن اس انصاری کی دعا سے یہ دعا کم تھی۔ پھر فرمایا کہ اس آنکھ پر جہنم کی آگ حرام ہے جو اللہ کے ڈر سے روئے اور اس آنکھ پر بھی جو راہ خدا میں شب بیداری کرے (1)۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی ایک وہ جو اللہ کے ڈر سے روئے اور دوسری وہ جو اللہ کی راہ میں حفاظت کے لیے بیدار رہے (2)۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بخوشی بادشاہ سے اجرت اور تنخواہ لیے بغیر مسلمانوں کی سرحد کی حفاظت کرے وہ جہنم کی آگ کو صرف قسم پوری کرنے کے لیے اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ (مریم: 71) ''ترجمہ: اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دوزخ پر ہوگا......''۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ درہم و دینار اور کپڑوں کی بیجا خواہش کرنے والا بندہ ہلاک ہوا۔ اگر اسے مال دے دیا تو راضی رہتا ہے اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص ہلاک اور برباد ہوا اگر اسے کانٹا بھی چبھ جائے تو کوئی نہیں نکالتا۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے تیار رہتا ہے اس کا سر پراگندہ اور قدم غبار آلود ہوتے ہیں۔ اگر پہریداری کے لیے اس کی ذمہ داری لگا دی جائے تو وہاں ذمہ داری نبھاتا ہے۔ اور اگر لشکر کے پچھلے حصے میں بھیجا جائے تو وہاں چلا جاتا ہے۔ اگر وہ اجازت طلب کرے تو اسے رخصت نہیں ملتی اور اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہیں کی جاتی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کی طرف خط لکھا جس میں رومی فوج کی کثرت اور اس کی تیاری کے بارے میں لکھا! اور یہ بھی بتایا کہ بہت سخت خطرہ ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ مومن پر جب کبھی سختی آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد اسے راحت و کشائش عطا فرماتا ہے۔ دو آسانیوں پر ایک سختی غالب نہیں آسکتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا...... حضرت عبداللہ بن مبارک طرطوس شہر میں محمد بن ابراہیم ابن ابی سکینہ کو الوداع کرنے کے لیے آئے جو حج کے لیے جا رہے تھے اور ان کے ہاتھ کچھ اشعار لکھ کر فضل بن عیاض کے لئے بھجوائے۔

- (اے مکہ و مدینہ میں عبادت کرنے والے! اگر تو ہم مجاہدین کو دیکھ لیتا تو تجھے معلوم ہوتا کہ عبادت ایک کھیل ہے)
- (ایک وہ شخص ہے جو اپنے رخساروں کو اپنے آنسوؤں سے تر کرتا ہے اور ہم اپنی گردنیں کٹوا کر خون میں نہاتے ہیں)
- (کسی کا گھوڑا باطل اور بیکار کاموں میں تھکتا ہے تو ہمارے گھوڑے صبح کے وقت حملہ کرنے میں تھکتے ہیں)
- (تم عنبر کی خوشبوئیں سونگھتے ہو تو ہم گھوڑوں کے ٹاپوں کی خاک اور پاکیزہ گرد و غبار سونگھتے ہیں)
- (ہمیں حضور ﷺ کی وہ حدیث پہنچی ہے جو بالکل سچی ہے جس میں جھوٹ کی گنجائش نہیں۔)
- (کہ جس شخص کی ناک میں اللہ کے گھوڑوں کی غبار داخل ہو اس میں جہنم کی بڑھکتی ہوئی آگ کا دھواں داخل نہیں ہوگا)
- (خدا کی پاکیزہ کتاب ہمارے درمیان موجود ہے جو سچ کہہ رہی ہے کہ شہید مردہ نہیں ہوتا۔)

محمد بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ مسجد حرام میں پہنچ کر جب میں نے یہ حضرت فضل بن عیاضؒ کو پہنچائے تو وہ پڑھ کر زار و قطار رونے لگے اور فرمانے لگے عبداللہ بن مبارک نے سچ کہا ہے پھر مجھ سے پوچھا کہ کیا تم احادیث روایت کرتے ہو میں نے عرض کی ہاں۔ تو فرمایا کہ جو تم نصیحت نامہ میرے پاس لائے ہو میں اس کے بدلے تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں ایک شخص نے

1۔ مسند احمد: 135,134/4 2۔ عارضہ الاحوذی، الجہاد: 138/7

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس سے میں مجاہدین کا ثواب حاصل کرسکوں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ تم نماز پڑھتے رہو اور تھکو نہ، اور ہمیشہ روزے رکھتے رہو اور کبھی ترک نہ کرو۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں تو بہت کمزور ہوں میں اس کی طاقت نہیں رکھ سکتا۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر تم ان اعمال کی طاقت بھی رکھتے تو مجاہدین کے درجے کو نہ پہنچ سکتے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ مجاہد کا گھوڑا اپنی رسی کو کھینچ کر جب ادھر ادھر چرتا ہے تو اس کا ثواب بھی مجاہد کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ: اپنے تمام امور اور احوال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اے معاذ تم جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو، اگر کوئی برائی ہو جائے تو فوراً نیکی کرو، یہ نیکی اس کو مٹا دے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ: تا کہ تم دنیا و آخرت میں فلاح پا جاؤ۔ حضرت محمد بن کعب قرظی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اے لوگو! میرے اور تمہارے درمیان جو امور ہیں۔ ان میں تم ڈرتے رہو تا کہ کل قیامت کے دن جب تمہاری مجھ سے ملاقات ہو تو تم کامیاب ہو جاؤ۔

الحمدللہ تفسیر سورۂ آل عمران ختم ہوئی

سورۂ نساء (مدنیہ)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور زید بن ثابتؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سورۂ نساء میں پانچ آیات ایسی ہیں کہ اگر ان کے بدلے میں مجھے دنیا و مافیہا مل جائے تب بھی خوش نہ ہوں۔ 1۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ..... (نساء:40) ''ترجمہ: اللہ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا''۔ 2۔ إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ ..... (نساء:31) ''ترجمہ: اگر تم کبائر سے پرہیز کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے صغیرہ گناہ بھی معاف فرما دے گا''۔ 3۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ..... (نساء:48) ''ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس کو کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ۔ اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا (جتنے جرائم ہوں) جس کے لیے چاہتا ہے''۔ 4۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ ..... (نساء:64) ''ترجمہ: اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر۔ آپ کے پاس حاضر ہوتے اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے نیز رسول (ﷺ) ان کے مغفرت طلب کرتا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو تو بہ قبول کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا پاتے''۔ حاکم نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے لیکن اس کے ایک راوی عبدالرحمٰن کے اپنے باپ سے سننے میں اختلاف ہے۔ عبدالرزاق کی اس روایت میں آیت وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا ..... (نساء:64) کی جگہ آیت: وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا (نساء:110) ''ترجمہ: جس شخص سے کوئی برا کام ہو جائے اپنے نفس پر کوئی زیادتی کر گزرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے بے شک اللہ تعالیٰ کو معاف کرے والا اور مہربان پائے گا''۔ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ پہلی حدیث میں ایک آیت کا بیان رہ گیا تھا، جس کا ذکر دوسری حدیث میں آ گیا۔ یا یہ کہ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (نساء:40) کو مکمل آیت شمار کیا جائے اور إِنْ تَكُ حَسَنَةً کو الگ آیت شمار کیا جائے تو دونوں حدیثوں میں پانچ پانچ آیات ہو گئیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سورت میں آٹھ آیات ایسی ہیں جو امت محمدیہ کے لیے ہر اس چیز سے بہتر ہیں جس پر سورج طلوع ہوتا اور غروب ہوتا ہے۔ 1۔ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ ..... (نساء:26)۔ 2۔ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ ..... (نساء:27)۔ 3۔ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ..... (نساء:28) باقی پانچ آیات وہی ہیں جو حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے اے لوگو! مجھ سے سورۂ نساء کے بارے میں پوچھو۔ میں نے قرآن پاک اس وقت پڑھ لیا تھا جب میں چھوٹا سا تھا(1)۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

1۔ المستدرک، کتاب التفسیر: 301/2

عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ①

''اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں) اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے وہ اللہ مانگتے ہو تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) اس کے واسطہ سے اور (ڈرو) رحموں (کے قطع کرنے سے) بیشک اللہ تم پر ہر وقت نگران ہے''۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تقویٰ کا حکم فرمایا ہے۔ اور یہاں تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے بعد اپنی اس قدرت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جس کے ذریعے تمام مخلوق کو ایک نفس یعنی حضرت آدم سے پیدا کیا اور پھر انہیں سے ان کی زوجہ حضرت حواء علیہ السلام کی پیدائش ان کی بائیں پسلی سے ہوئی۔ آپ نیند سے بیدار ہوئے تو حضرت حواء کو اپنے سامنے پاکر خوش ہوئے اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر باہم مانوس ہو گئے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عورت مرد سے پیدا ہوئی اس لیے اس کی حاجت وشہوت بھی مرد کے ساتھ وابستہ ہے۔ مرد زمین سے پیدا ہوا اس لیے اس کی حاجت زمین کے ساتھ وابستہ ہے۔ پس تم اپنی عورتوں کی حفاظت کرو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا اور سب سے اوپر والی پسلی زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اسے اسی طرح ٹیڑھا رہنے دو تو تم لطف اندوز ہوتے رہو گے۔

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور حواء علیہ السلام سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور ان کو دنیا کے اطراف واکناف میں پھیلا دیا۔ جن کے رنگ وروپ، صفات اور زبانیں مختلف ہیں۔ اور پھر آخر کار یہ سب لوگ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ: پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اس سے ڈرتے رہو۔ اسی خدا کے نام تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو جس طرح کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور قرابتداری کے نام پر سوال کرتا ہوں۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم معاہدے کرتے ہو اور قطع رحمی سے بچو اور صلہ رحمی اختیار کرو۔ ایک قراءت میں اَرْحَامِ میں بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر اور رشتہ داری کے واسطے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا: یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال واحوال پر نگہبان ہے جس طرح کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ (بروج:9) صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے (تم کم از کم یہ خیال ہو) کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس ذات کا لحاظ رکھو جو ہر چیز کی نگہبان اور نگران ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کی اصل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کو ایک ہی ماں باپ سے پیدا کیا گیا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے مہربانی سے پیش آئیں اور کمزوروں پر شفقت کریں۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی روایت کرتے ہیں کہ جب قبیلہ مضر کے چند لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوئے کہ غربت وفقر کی وجہ سے ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے نماز ظہر کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ آیات تلاوت فرمائیں: 1۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ...... 2۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ''ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے آگے کل کے لیے کیا بھیجا ہے''۔ اور پھر آپ نے صحابہ کرام کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دلائی تو ہر ایک نے اپنی استطاعت کے مطابق درہم ودینار، گندم اور کھجوریں صدقہ کیں (1) اور مسند امام احمد کی روایت میں ہے کہ آپ نے تین آیات تلاوت فرمائیں۔ جن میں تیسری

1۔ مسند احمد: 358/4

وَ اٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤی اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا ② وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا ③ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ④

''اور دے دو یتیموں کو ان کے مال اور نہ بدلو (اپنی) ردی چیز کو (ان کی) عمدہ چیز سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں سے ملا کر واقعی یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اگر ڈرو تم اس سے کہ نہ انصاف کر سکو گے تم یتیم بچوں کے معاملہ میں (تو ان سے نکاح نہ کرو) اور نکاح کرو جو پسند آئیں تمہیں (ان کے علاوہ دوسری) عورتوں سے دو دو تین تین اور چار چار اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی یا کنیزیں جن کے مالک ہوں تمہارے دائیں ہاتھ یہ زیادہ قریب ہے، اس کے کہ تم ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ۔ اور دیا کرو (اپنی) عورتوں کو ان کے مہر خوشی خوشی پھر اگر وہ بخش دیں تمہیں کچھ اس سے خوشدلی سے تو کھاؤ اسے لذت حاصل کرتے ہوئے خوش گوار سمجھتے ہوئے''۔

وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ یتیم بچے جب بالغ ہو جائیں تو ان کے اموال مکمل طور پر ان کے سپرد کر دیئے جائیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یتیم کا مال کھانے، اور اس کو اپنے مال کے ساتھ ملانے سے منع فرمایا ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا کہ حلال مال کو حرام مال سے نہ بدلو۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جلدی میں حرام مال کی طرف متوجہ نہ ہو جاؤ بلکہ وہ حلال مال جو تمہاری قسمت میں لکھا ہوا ہے اس کا انتظار کرو۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ لوگوں کے حرام مال کو اپنے حلال مال کے ساتھ نہ ملاؤ۔ یعنی اپنا حلال مال چھوڑ کر لوگوں کا حرام مال مت کھاؤ۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ کمزور جانور دے کر اس کے بدلے میں موٹا جانور نہ لو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ گھٹیا دے کر عمدہ نہ لو۔ سدی فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اس طرح کرتے تھے کہ یتیم کے ریوڑ سے موٹی بکریاں لے لیتے اور اس کی جگہ کمزور بکریاں دے دیتے یا کھرے درہم لے کر اس کی جگہ کھوٹے درہم رکھ دیتے اور کہتے کہ حساب برابر ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ یتیموں کے مال اپنے مال کے ساتھ نہ ملاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم اس کا سارا مال ہڑپ کر جاؤ کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے (حُوْبًا كَبِیْرًا) کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ سنن ابی داؤد میں یہ دعا مروی ہے کہ (اِغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَ خَطَایَانَا) ''ترجمہ: اے اللہ ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے''۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابو ایوب! ام ایوب کو طلاق دینا گناہ ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے جب اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ ام ایوب کو طلاق دینا گناہ ہے۔ اس پر انہوں نے طلاق کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسی طرح ابو طلحہ کے بارے میں بھی یہ روایت مروی ہے اس آیت کا یہ معنی ہوگا کہ یتیموں کا مال اپنے مال سے ملانا بہت بڑا گناہ ہے۔ اس لیے اس سے اجتناب کرو۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا: اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم میں سے کسی ایک کی پرورش میں یتیم بچی ہو اور اسے خوف ہو کہ اگر اس نے اس کے ساتھ نکاح کیا تو اس کے مہر میں کمی کر دے گا تو اسے چاہئے کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور کے ساتھ شادی کر لے کیونکہ عورتیں کثیر تعداد میں ہیں اور وہ اس میں مجبور بھی نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک آدمی کی کفالت میں یتیم بچی تھی جس کا ایک باغ تھا۔ اس شخص نے باغ کے لالچ میں حق مہر مقرر کیے بغیر ہی اس سے نکاح کر لیا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ راوی فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ وہ لڑکی اس باغ اور اس مال میں بطور شریک ہے۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اے بھانجے! اس آیت میں اس یتیم لڑکی کا ذکر ہے جو کسی شخص کی نگہداشت میں ہو اور اس کے مال میں شریک بھی ہو۔ پھر وہ شخص اس کے حسن و جمال اور مال کی وجہ سے اس کے ساتھ شادی کا ارادہ رکھتا ہو لیکن حق مہر مقرر کرنے میں انصاف سے کام نہ لیتا ہو اسے اس لڑکی کے ساتھ شادی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ہاں اگر وہ اس سے شادی کرنا چاہے تو مہر میں انصاف سے کام لے اور اسے اعلیٰ ترین مہر ادا کرے۔ اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو وہ اس کے علاوہ کسی بھی عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ لوگوں نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ (نساء: 127) نازل ہوئی۔ آپ فرماتی ہیں کہ آیت وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ (نساء: 127) کا مطلب یہ ہے کہ جب یتیم لڑکی کم مال والی اور زیادہ خوبصورت نہ ہو تو تم اس سے بے رغبتی رکھتے ہو۔ اس لیے اس آیت کریمہ میں انہیں اس چیز سے منع کیا گیا ہے کہ مال و جمال والی یتیم لڑکی سے اگر نکاح کرنا چاہیں تو انصاف کے ساتھ نکاح کریں۔

مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ: یعنی یتیم لڑکوں کے علاوہ جن سے چاہو تم نکاح کر لو۔ اگر کوئی دو سے کرنا چاہتا ہے تو دو سے کر لے اور اسی طرح تین اور چار تک نکاح کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ”ترجمہ: جس نے بنایا ہے فرشتوں کو پیغام رساں جو پردار بازوؤں والے ہیں کسی کے دو، کسی کے تین اور کسی کے چار“۔ اس آیت کریمہ میں صرف ان فرشتوں کا ذکر ہے جن کے پر دو، تین اور چار ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ بھی فرشتے موجود ہیں جن کے پر چار سے زیادہ ہوتے ہیں اور یہ حدیث پاک سے ثابت شدہ امر ہے۔ لیکن مرد کے لیے ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنا منع ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ اور جمہور علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان اور انعام کو بیان فرما رہا ہے پس اگر چار سے زیادہ کی اجازت دینی منظور ہوتی تو ضرور بیان فرما دیتا۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف جو قرآن کریم کی وضاحت کرتی ہے اس نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی امتی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بیک وقت چار سے زائد بیویاں رکھ سکے۔ اس پر علمائے کرام کا اجماع ہے۔ مگر بعض اہل تشیع کا قول ہے کہ نو تک بیویاں رکھی جا سکتی ہیں۔ بلکہ بعض نے تو یہ بھی کہا ہے کہ اس کی تعداد مقرر ہی نہیں آدمی جتنی چاہے، رکھ سکتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے عمل سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ کی نو ازواج مطہرات تھیں۔ اور بخاری شریف کی ایک معلق روایت میں گیارہ کا بھی ذکر ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پندرہ خواتین سے عقد کیا۔ ان میں سے تیرہ کی رخصتی ہوئی اور گیارہ بیک وقت آپ کے پاس رہیں۔ جب آپ کا وصال ہوا تو اس وقت نو ازواج مطہرات تھیں۔ ہمارے علماء کرام کی نزدیک یہ رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ لیکن امت کو ایک وقت میں چار سے زیادہ رکھنے کی اجازت نہیں۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت غیلان بن سلمہ جب مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں۔ حضور ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا کہ ان میں سے چار کو رکھ لو اور باقی کو طلاق دے دو۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں

انہوں نے اپنی ان بیویوں کو بھی طلاق دے دی اور اپنا مال بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ جب حضرت عمرؓ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ شاید شیطان نے تمہارے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ تم عنقریب مرنے والے ہو۔ اس لیے تم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے کر اپنا مال بیٹوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی بیویوں سے رجوع کرو اور اپنے بیٹوں سے اپنا مال واپس لے لو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا میں تمہارے مرنے کے بعد تمہاری مطلقہ بیویوں کو تمہارا وارث بنا دوں گا اور لوگوں کو حکم دوں گا کہ وہ تمہاری قبر پر سنگباری کریں اس طرح ابو رغال کی قبر پر سنگ باری کی گئی(1)۔ مرفوع حدیث تو ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی وغیرہ میں موجود ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ صرف مسند امام احمد میں ملتا ہے۔ یہ زیادتی حسن ہے۔ اگرچہ امام بخاریؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس کی دوسری سند کو ذکر کر کے اسے غیر محفوظ کہا ہے۔ مگر ان کی یہ بات محل نظر ہے۔ اس کو عبدالرزاق نے معمر سے اور امام مالک نے زہری سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ ابو زرعہ نے کہا ہے کہ یہی زیادہ اصح ہے۔ اس کے علاوہ مسند امام احمد کی روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں اور شیخین کی مقررہ کردہ شرائط ان میں موجود ہیں۔ سنن نسائی میں ہے کہ وہ دس عورتیں بھی صحابی کے ساتھ مسلمان ہوگئی تھیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر چار سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ صحابی کو دس کی دس بیویاں رکھنے کی اجازت دے دیتے حالانکہ وہ سب مسلمان بھی ہوگئی تھیں۔ اس کے باوجود بھی رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ چار کو رکھ لو اور باقی کو چھوڑ دو۔ سو ثابت ہوا کہ چار سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم با لصواب۔ اسی طرح ایک دوسری روایت حضرت عمیرہ اسدی فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہوا تو میری آٹھ بیویاں تھیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ ان میں سے چار رکھ لو(2)۔ حضرت نوفل بن معاویہؓ دیلمی فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہوا تو میری پانچ بیویاں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ ان میں سے جو چاہو چار رکھ لو اور ایک چھوڑ دو۔ میں نے ان میں سے سب سے بوڑھی ساٹھ سالہ بانجھ کو طلاق دے دی۔ یہ تمام روایات پہلی مذکورہ حدیث کی مؤید ہیں۔

فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا: یعنی اگر تمہیں خوف ہو کہ تم عورتوں کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک پر ہی اکتفاء کر دیا پھر لونڈیاں رکھ لو۔ اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ '' ترجمہ: تم بیویوں کے درمیان پورا پورا انصاف کرنے کی ہرگز طاقت نہیں رکھتے۔ اگرچہ تم اس کے بڑے خواہش مند بھی ہو''۔

ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا: بعض مفسرین نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اس طرح تمہاری تنگدستی اور مفلسی زیادہ نہیں ہوگی۔ اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً (توبہ:28) سے ماخوذ ہے۔ شاعر کا قول بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔

؎ فَمَا يَدْرِیْ الفَقِيْرُ مَتٰى غِنَاهُ وَمَا يَدْرِیْ الْغَنِیُّ مَتٰى يَعِيْلُ

(فقیر نہیں جانتا کہ وہ کب امیر ہوگا اور امیر کو معلوم نہیں کہ کب فقیر بن جائے گا۔)

جب کوئی آدمی غریب ہو جائے تو عرب کہتے ہیں '' عَالَ الرَّجُلُ عَيْلَةً '' لیکن اس آیت کی یہ تفسیر محل نظر ہے کیونکہ اگر آزاد عورتوں کی کثرت فقیری کی باعث بن سکتی ہے تو لونڈیوں کی کثرت بھی سبب ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس آیت کے بارے میں جمہور علماء کا قول ہی صحیح ہے جو فرماتے ہیں کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم ظلم نہ کرو کیونکہ جب کوئی ظلم کرتا ہے تو عرب اس کے بارے میں عَالَ فِی الْحُکْمِ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ یہی معنی حضرت ابو طالب کے مشہور قصیدہ میں بھی ہیں۔

؎ بِمِيزَانِ قِسْطٍ لَا يَخِيْسُ شَعِيْرَةً لَهُ شَاهِدٌ مِنْ نَفْسِهِ غَيْرُ عَائِلِ

1۔ المسند: 14/2
2۔ سنن ابی داود، کتاب الطلاق: 272/2

(وہ ایسے ترازو سے تولتے ہیں جو جو برابر بھی کمی نہیں کرتا۔ اور ان کا نفس گواہ ہے جو ظلم نہیں کرتا۔)

جب اہل کوفہ نے حضرت عثمانؓ پر ایک خط میں کچھ الزامات لکھ کر بھیجے تو اس کے جواب میں آپ نے لکھا۔ "اِنِّیْ لَسْتُ بِمِیْزَانٍ اَعْوَلَ۔" میں ظلم کا ترازو نہیں۔ حضرت عائشہؓ، نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے تاکہ تم ظلم نہ کرو۔ لیکن ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ یہ مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ، حضرات مجاہد، عکرمہ، حسن بصری ابو مالک، ابوغزین، نخعی، شعبی، ضحاک، عطاء خراسانی، قتادہ، سدی، مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عکرمہ نے ابو طالب کا مذکورہ شعر بھی پیش کیا ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نحلہ کا معنی مہر ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس سے مراد مقررہ شدہ مہر ہے۔ ابن زید نے فرمایا ہے کہ نحلہ کا لفظ کلام عرب میں واجب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس آیت کا مفہوم ہے کہ عورت کا مہر مقرر کیے بغیر اس سے شادی نہ کرو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ واجب مہر کے بغیر کسی عورت سے نکاح کرے۔ اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی پر مہر دینا واجب ہے۔ اور وہ مہر خوشدلی سے ادا کرے اور اس کے بعد اگر عورت اپنی مرضی سے اسے مہر واپس کر دے تو اس کا کھانا اس کے لیے حلال ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا اگر وہ اس مہر میں سے خوشدلی سے کچھ بخش دیں تو اس سے لذت حاصل کرتے ہوئے اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو جائے تو وہ اپنی بیوی سے تین درہم یا اس سے کم وبیش لے اور اس سے شہد خریدے اور اس میں بارش کا پانی ملا کر پی جائے۔ کیونکہ اس میں تین چیزیں جمع ہو جاتی ہیں۔ یعنی اس نے عورت سے جو پیسے لیے ہیں وہ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا (نساء:4) ہیں، شہد میں شفا ہے اور بارش کا پانی مباح ہے۔ حضرت ابو صالح فرماتے ہیں کہ جاہلی دور میں جب کوئی شخص اپنی بیٹی کی شادی کرتا تو مہر اپنے پاس رکھ لیتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور یہ آیت کریمہ نازل فرمائی(1)۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ باہمی مہر سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے مراد وہ ہے جس پر اس کے اہل خانہ راضی ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور اس میں تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ بیوہ عورتوں سے نکاح کرو۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی۔ ان کا مہر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جس پر اس کے اہل وعیال راضی ہو جائیں اس کے ایک راوی ابن سلمانی ضعیف ہیں۔ اور اس میں انقطاع بھی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ۝

"اور نہ دے ان نادانوں کو اپنے مال جنہیں بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری (زندگی کے) لیے سہارا اور کھلاؤ انہیں اس مال سے اور پہناؤ انہیں اور کہو ان سے بھلائی کی بات اور آزماتے رہو یتیموں کو یہاں تک کہ وہ پہنچ جائیں نکاح (کی عمر) کو پس

1۔ تفسیر الطبری:243/4

اگر محسوس کرو تم ان میں دانائی تو لوٹا دو انہیں ان کے مال۔ اور نہ کھاؤ انہیں فضول خرچی سے اور جلدی جلدی اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے اور جو سرپرست غنی ہو تو اسے چاہیے کہ (یتیموں کے مال سے) پرہیز کرے۔ اور جو سرپرست فقیر ہو تو وہ کھالے مناسب مقدار سے۔ پھر جب لوٹاؤ ان کی طرف ان کے مال، تو گواہ بنالو ان پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ ان پر حساب لینے والا''۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ: اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں لوگوں کو حکم فرمایا ہے کہ وہ کم عقل اور بیوقوفوں کو مال میں تصرف کرنے سے روکیں۔ تاکہ یہی مال تجارت وغیرہ میں لگا کر لوگوں کے لیے ذریعہ معاش بن سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کم عقل لوگوں کو ان کے مال میں تصرف کرنے سے روک دینا چاہیے۔ مثلاً اگر وہ صاحب مال نابالغ بچہ ہو یا مجنوں، دیوانہ ہو یا کم عقل اور بیوقوف اور بے دین ہو جو بری طرح سے اپنے مال کا ضیاع کر رہا ہو، اسی طرح اگر کوئی ایسا شخص ہو جس پر بہت زیادہ قرضہ ہو جسے وہ اپنے کل مال سے ادا نہ کر سکتا ہو۔ اگر قرض خواہ حاکم وقت سے درخواست کریں تو حاکم تمام مال اس کے قبضے سے لے لے گا اور اسے بے دخل کر دے گا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں سفہاء سے مراد کم عمر اولاد اور عورتیں ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حکم بن عیینہؒ، حضرت حسن بصریؒ اور ضحاکؒ سے مروی ہے کہ اس سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد یتیم ہیں۔ حضرات مجاہد، عکرمہ اور قتادہؒ کا قول ہے کہ اس سے مراد عورتیں ہیں۔ حضرت ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک عورتیں بے وقوف ہیں مگر وہ جو اپنے خاوند کی اطاعت گزار ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ سفہاء سے مراد وہ خادم ہیں جو چالاک اور عیار ہوں۔

وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اپنا وہ مال جس پر تیری گزر اوقات کا دارومدار ہے وہ اپنی بیوی یا بیٹی کو نہ دے کہ بعد میں تمہیں خرچ کے لیے ان کا منہ دیکھنا پڑے بلکہ اپنا مال اپنے پاس رکھو، اس کی حفاظت کرو اور پھر خود اپنے ہاتھ سے ان کے کھانے پینے اور پہننے پر صرف کرو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ تین قسم کے لوگوں کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا۔ ایک وہ جس کی بیوی بداخلاق ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے۔ دوسرا وہ جو اپنا مال کسی بیوقوف کو دے دے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنا مال بیوقوف کو نہ دو۔ تیسرا وہ شخص جس کا قرض کسی پر ہو اور اس نے اس قرض پر کسی کو گواہ نہ بنایا ہو۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ تم نیکی اور صلہ رحمی میں شگفتہ رویہ اپناؤ۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ فقراء اور مساکین سے اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ اور اسی طرح جس شخص کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہو اس کے کپڑے اور کھانے پینے کا خیال رکھنا چاہیے اور اس کے ساتھ خوش اخلاقی اور خوش کلامی سے پیش آنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ یتیموں کی دیکھ بھال کرو یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں۔ یہاں نکاح سے مراد سن بلوغت ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک لڑکا اس وقت بالغ ہو گا جب اسے احتلام ہونے لگے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کا فرمان بخوبی یاد ہے کہ احتلام کے بعد یتیمی نہیں رہتی اور نہ ہی مکمل دن خاموشی کا روزہ ہے۔ دوسری روایت میں فرمایا کہ تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ بچے سے جب تک اسے احتلام نہ ہو جائے۔ یا جب تک وہ پندرہ سال کو نہ پہنچ جائے۔ سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ جاگ جائے اور مجنوں سے حتیٰ کہ وہ ہوش میں آجائے۔ فقہاء کرام نے سن بلوغت کی اس حد کو صحیحین کی حدیث سے اخذ کیا ہے۔ جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن میں چودہ سال کا تھا۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے مجھے شرکت کی اجازت نہ دی۔ اور جب غزوۂ خندق میں پندرہ برس کا ہو گیا تو آپ نے مجھے اجازت عطا فرما دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو جب یہ حدیث پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ یہی بالغ اور نابالغ کی حد ہے۔ اور بلوغت کی ایک علامت زیر ناف بالوں کا اگنا بھی ہے۔ اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ 1۔ یہ بالغ

ہونے کی علامت ہے۔2۔علامت نہیں ہے۔3۔مسلمانوں میں نہیں البتہ ذمیوں میں علامت ہے۔کیونکہ ممکن ہے کہ یہ بال کسی دوا کی وجہ سے نکل آئے ہوں۔لیکن چونکہ ذمی پر بالغ ہوتے ہی جزیہ لگ جاتا ہے اس لیے وہ اسے استعمال کرنے سے گریز کرے گا۔مگر صحیح قول یہی ہے کہ یہ سب کے حق میں بلوغ کی علامت ہے۔کیونکہ یہ فطرتی بات ہے جس میں سب لوگ شریک ہیں اور اس میں علاج معالجہ کا احتمال بہت بعید ہے۔دوسرا یہ کہ یہ حدیث سے بھی ثابت ہے۔حضرت عطیہ القرظیؓ فرماتے ہیں کہ بنوقریظہ کی لڑائی کے وقت ہمیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک شخص دیکھے کہ جس کے بال نکلے آئے ہوں اسے قتل کر دیا جائے اور جس کے نہ نکلے ہوں اسے چھوڑ دیا جائے۔چنانچہ میرے بال ابھی نہیں نکلے تھے اس لیے مجھے چھوڑ دیا گیا(1)۔یہ آپ نے اس لیے فرمایا تھا کہ بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذؓ کا حکم تسلیم کیا تھا کہ وہ جو فیصلہ کریں گے،ہمیں منظور ہوگا۔آپ نے فیصلہ کیا کہ ان میں سے لڑنے والوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ابوعبید فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک لڑکے نے اپنے اشعار میں ایک لڑکی پر زنا کی تہمت لگائی۔جب حضرت عمرؓ اس پر تہمت کی حد لگانے لگے تو فرمایا دیکھو! اگر اس کے زیر ناف بال ہیں تو اس پر حد جاری کر دو ورنہ نہیں۔دیکھا تو اس کے بال ابھی نہیں اگے تھے۔اس لیے آپ نے اس پر حد ساقط کر دی۔

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا: حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ جب دیکھو کہ یہ لوگ اپنے دین کے معاملے میں صالح اور اپنے مال کی حفاظت کرنے کے قابل ہو گئے ہیں تو ان کا مال انہیں واپس کر دو۔یہی حضرت ابن عباسؓ،حسن بصریؒ اور دیگر ائمہ سے مروی ہے۔اس لیے فقہاء کرام نے فرمایا کہ جب بچہ بالغ ہو جائے اور اپنے دین اور مال کی حفاظت کرنے کے قابل ہو جائے تو اس پر مال میں تصرف کرنے کی پابندی تھی وہ ختم ہو جائے گی اور اس کے مال پر جسے نگران مقرر کیا گیا تھا وہ اس کا مال اس کے سپرد کر دے۔پھر ارشاد فرمایا کہ (فضول خرچی سے اور جلدی جلدی اس خوف سے مال نہ کھاؤ کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔)اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بلاضرورت یتیموں کا مال کھانے سے منع کیا ہے۔پھر فرمایا کہ (جو سرپرست غنی ہو اسے یتیموں کے مال سے پرہیز کرنا چاہیے) یعنی وہ ان کا مال بالکل نہ کھائے۔حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ مال اس پر مردار اور خون کی طرح حرام ہے۔

وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ: یہ آیت کریمہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کسی یتیم کے مال کا نگران ہو اور اگر وہ خود بھی محتاج و فقیر ہو تو وہ ضرورت کے مطابق اسے کھا سکتا ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ آیت کریمہ یتیم کے مال کی نگرانی کرنے والے کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ بقدر ضرورت اپنی نگرانی کے بدلے میں یتیم کے مال سے لے سکتا ہے۔فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ وہ اپنی محنت اور ضرورت کو دیکھے اگر ضرورت محنت سے کم ہو تو ضرورت کے مطابق خرچ کرے اور اگر محنت ضرورت سے کم ہو تو پھر محنت کا بدلہ لے۔اور یہ شخص اگر مالدار ہو جائے تو کیا اسے مال واپس لوٹانا پڑے گا یا نہیں۔اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ وہ واپس نہیں لوٹائے گا۔کیونکہ اس نے اپنے کام کا معاوضہ لیا ہے اور وہ ضرورت مند بھی تھا۔اصحاب شافعیؒ کے نزدیک یہی قول صحیح ہے۔اس لیے کہ اس آیت کریمہ نے فقیری کی حالت میں بغیر کسی بدلے کے اس مال کو مباح قرار دیا ہے۔حدیث پاک میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میرے پاس اپنا مال نہیں ہے اور میں ایک یتیم کا نگران ہوں۔کیا میں اس کے مال سے لے سکتا ہوں۔تو آپ نے فرمایا کہ فضول خرچی اور اسراف کے بغیر تم اس کا مال استعمال کر سکتے ہو۔بشرطیکہ تم اپنا مال بچا کر اس کا مال خرچ نہ کرو(2)۔ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے عرض کی کہ میری پرورش میں کچھ یتیم ہیں جن کے اونٹ ہیں اور میرے اپنے بھی اونٹ ہیں۔میں اپنے اونٹ

1۔مسند امام احمد:310/4 2۔سنن ابی داؤد، کتاب الوصایا:115/3

مساکین کو دودھ پینے کے لیے دے دیتا ہوں۔ کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں یتیموں کی اونٹنیوں کا دودھ پی لوں۔ آپ نے فرمایا اگر ان یتیموں کی گمشدہ اونٹنیوں کو تلاش کر کے لاتا ہے، ان کے چارے، پانی کا خیال رکھتا ہے ان کے حوض کو درست کرتا ہے اور ان کی نگہبانی بھی کرتا ہے تو بے شک تو بھی دودھ پی سکتا ہے۔ اس طرح کہ نہ ان کے بچوں کو نقصان پہنچے اور نہ ضرورت سے زیادہ لے (1)۔ اور یہی قول حضرت عطاء بن ابی رباح، عکرمہ، ابراہیم نخعی، عطیہ اوفی اور حسن بصریؒ کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تنگدستی کے دور ہو جانے کے بعد وہ مال یتیم کو واپس لوٹانا پڑے گا کیونکہ اصلاً یتیم کا مال کھانا ممنوع ہے۔ صرف ضرورت کے لیے جائز قرار دیا گیا ہے اس لیے تنگدستی ختم ہو جائے تو اس کا کھایا ہوا مال واپس کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ کوئی بے بس اور مجبور کسی غیر کا مال کھا لے تو اسے بعد میں واپس کرنا پڑتا ہے۔ حضرت عمرؓ جب امیر المومنین بنے تو آپ نے فرمایا کہ میرے بیت المال کے امین ہونے کی حیثیت اتنی ہی ہے کہ جتنی یتیم کے مال کے نگران کی ہے۔ اگر ضرورت نہ ہوئی تو بیت المال سے کچھ نہیں لوں گا اور اگر ضرورت پڑی تو قرض کے طور پر لوں گا اور جب خوشحالی ہوگی تو واپس کر دوں گا اس حدیث کو سعید بن منصور نے دوسری مسند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اسی طرح امام بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے بالمعروف کی تفسیر قرض سے کی ہے۔ ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ وہ اپنی ذات پر اپنے مال سے خرچ کرے تا کہ یتیم کے مال سے خرچ کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ حضرت عامر شعبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اتنا مجبور ہو گیا کہ اس کے لیے مردار کھانا جائز ہو جائے تو پھر یتیم کے مال سے اس کے لیے کھانا جائز ہے۔ اور بعد میں خوشحالی کے وقت اسے ادا کر دے۔ حضرت ربیعہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یتیم فقیر ہو تو اس کا ولی بقدر ضرورت اس پر خرچ کرے لیکن ولی کا اس میں کوئی حق نہیں۔ مگر یہ قول محل نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یتیم کے ولی کے لیے فرمایا ہے کہ (اگر وہ غنی ہو تو یتیم کا مال نہ لے اور اگر فقیر ہو تو احسن طریقے سے اس کا مال کھا سکتا ہے۔) جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ''ترجمہ: یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ۔ مگر اس طریقہ سے جو کہ بہت اچھا ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے''۔ یتیم کے مال کے قریب بالکل نہ جاؤ مگر اصلاح کی خاطر اور اگر تمہیں ضرورت ہو تو تم بطریق احسن اس سے کھا سکتے ہو۔

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ: یعنی جب وہ بالغ ہو جائیں اور انہیں اچھے برے کی تمیز ہو جائے تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو اور اس پر گواہ بنا لو۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یتیموں کے اولیاء کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے تا کہ بعد میں لڑائی جھگڑے کی نوبت نہ آئے اور وہ مال وصول کرنے کے بعد اس کا انکار نہ کر سکیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حساب لینے والا کافی ہے۔ یعنی حقیقی حساب لینے والا، شاہد اور نگران تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ کس نے مکمل مال واپس کیا اور کس نے اس میں کمی کی، کیونکہ وہ ان تمام امور سے بخوبی واقف ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے ابوذر! میں تمہیں ناتواں پاتا ہوں۔ میں تمہارے لیے وہی کچھ پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ ہرگز دو شخصوں کا سردار اور امیر نہ بننا اور نہ ہی کسی یتیم کا والی بننا (2)۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَ لْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ

1۔ مؤطا امام مالک، کتاب صفۃ النبی: 934
2۔ مسلم، کتاب الامارۃ: 1458،1457

تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰

''مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اس ترکہ سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ یہ حصہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مقرر ہے اور جب حاضر ہوں (ورثہ کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم بچے اور مسکین، تو دو انہیں بھی اس سے اور کہو ان سے اچھی بات اور چاہیے کہ ڈریں جو (یتیموں کے سرپرست ہیں اور سوچیں) کہ اگر چھوڑ جاتے وہ اپنے پیچھے چھوٹے کمزور بچے تو وہ کتنے فکرمند ہوتے ان کے متعلق۔ پس چاہیے کہ وہ ڈریں اللہ سے اور کہیں ایسی بات جو بالکل درست ہو۔ بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں یتیموں کے مال ظلم سے وہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور عنقریب جھونکے جائیں گے بھڑکتی آگ میں''۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ: حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ مشرکین کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنی بڑی اولاد کو اپنا وارث بنا لیتے تھے۔ لیکن عورتوں اور بچوں کو نہ دیتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اصل وراثت میں تمام حقدار برابر ہیں اگرچہ ان تمام کے حصے الگ الگ مقرر کر دیے گئے ہیں۔ کیونکہ ورثاء میں سے کوئی مرنے والے کے ساتھ قرابتداری رکھتا ہے اور کسی کا زوجیت کے لحاظ سے تعلق ہے اور کسی کا اس لحاظ سے ہے کہ میت نے اسے آزاد کیا ہے کیونکہ یہ تعلق بھی نسبی تعلق کی طرح ہے۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام کجہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ! میری دو لڑکیاں ہیں، ان کا والد فوت ہو گیا ہے اور ان کے پاس کوئی چیز نہیں۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ عنقریب یہی حدیث دوسرے الفاظ سے میراث کی دونوں آیات کی تفسیر میں پھر آئے گی۔ واللہ اعلم۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ: اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی کا ورثہ تقسیم ہونے لگے اور وہاں کوئی ایسا دور کا رشتہ دار آ جائے جس کا وراثت میں حصہ نہ ہو، اس کے علاوہ یتیم اور مساکین بھی آ جائیں تو ورثہ میں سے انہیں بھی کچھ نہ کچھ عطا کر دیا جائے۔ ابتدائے اسلام میں تو یہ واجب تھا۔ بعض نے کہا ہے مستحب ہے اور اب یہ حکم باقی ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ حکم اب بھی باقی ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ورثاء پر واجب ہے کہ خوشدلی سے ان لوگوں کو دیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ حضرات ابن سیرین، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، عطا بن ابی رباح، شہاب زہری اور یحییٰ بن یعمرؒ بھی اس کے وجوب کے قائل ہیں۔ حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت عبیدہ کو وصیت میں کچھ مال ملا تو آپ نے بکری ذبح کرنے کا حکم دیا اور اس کا گوشت دور کے رشتہ داروں اور یتیموں اور مساکین کو کھلایا۔ اور فرمایا کہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو بکری میرے مال کا حصہ تھی۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ عروہ نے جب مصعب کا مال تقسیم کیا تو اس میں سے ان لوگوں کو بھی عطا کیا۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ واجب ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ مرنے والے کو حکم ہے کہ مرنے سے پہلے ان لوگوں کے لیے وصیت کر جائے۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے اپنے باپ

کا ورثہ تقسیم کیا تو گھر میں جتنے بھی مساکین اور قرابتدار تھے، سب کو عطا کیا اور پھر یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔ اس وقت حضرت عائشہؓ زندہ تھیں۔ جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا انہوں نے صحیح نہیں کیا کیونکہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ جب مرنے والا خود ان کے لیے وصیت کر جائے تو پھر ان کو عطا کیا جاتا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ بالکل منسوخ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ آیت (یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ ...) ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت تھا جب وراثت میں تمام لوگوں کے حصے مقرر نہ تھے اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے تمام کے حصے مقرر کر دیے اور ہر مستحق کو اس کا حق ادا کر دیا تو اب صدقہ صرف وہی رہ گیا جو مرنے والا کہہ گیا۔ حضرت سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ منسوخ ہے۔ حصے مقرر کرنے سے پہلے یتیم، فقراء مساکین اور قریبی رشتہ داروں کو مرنے والے کے مال سے حصہ ملتا تھا جب وہ ورثہ کی تقسیم کے وقت حاضر ہوتے تھے۔ لیکن آیت میراث نے اسے منسوخ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق عطا کر دیا۔ اب مرنے والا ان کے لیے وصیت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ اسی طرح حضرات عکرمہ، ابوشعثاء، قاسم ابن محمد، ابوصالح، ابو مالک، زید بن اسلم، ضحاک، عطاء خراسانی، مقاتل بن حیان اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن بھی اس آیت کے نسخ کے قائل ہیں۔ یہی جمہور فقہاء اور آئمہ اربعہ کا مذہب ہے۔ لیکن ابن جریر نے یہاں انتہائی عجیب قول اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مال وصیت کی تقسیم کے وقت جب میت کے قریبی رشتہ دار آ جائیں تو ان کو عطا کرو۔ اگر یتیم اور مساکین آ جائیں تو ان سے خوش کلامی سے پیش آؤ۔ یہ ان کی طویل بحث کا ماحصل ہے۔ البتہ ان کا یہ قول محل نظر ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں تقسیم سے مراد میراث کی تقسیم ہے۔ اسی طرح دوسرے کئی حضرات نے بھی یہی بیان کیا ہے۔ جو کہ ابن جریر کی رائے کے خلاف ہے۔ آیت طیبہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ میراث کی تقسیم کے وقت یہ غریب رشتہ دار حاضر ہو جائیں اور اسی طرح غریب یتیم اور مساکین بھی آ جائیں اور وہ دیکھیں کہ سب نے اپنا اپنا حصہ لے لیا ہے تو وہ مایوس ہو جائیں گے کہ ان کے لیے کوئی چیز نہیں بچی تو اللہ تعالیٰ جو کہ بڑا ہی مہربان اور رحیم ہے، نے حکم دیا ہے کہ ان لوگوں کو بھی بطور صدقہ کچھ دے دیا جائے۔ اس طرح ان پر احسان بھی ہو جائے گا اور ان کا دل بھی نہیں ٹوٹے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ (انعام:141) ''ترجمہ: اس کے پھل سے کھاؤ جب وہ پھل دار ہو جائے تو کٹائی کے دن اس کا حق بھی ادا کرو''۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت بیان کی ہے جو اپنے مال کو خفیہ طور پر اس خوف سے لے جاتے ہیں کہ کہیں محتاجوں اور مسکینوں کو اس کی اطلاع نہ ہو جائے۔ جیسا کہ سورۂ نون میں باغ والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ انہوں نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ باغ کے پھل کو صبح صبح ہی کاٹ لیں گے تاکہ کوئی مسکین نہ پہنچ سکے۔ جب وہ اس ارادے سے باغ کی طرف نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ کو تباہ کر دیا۔ اور جو شخص دوسروں کے حقوق کا انکار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سخت سزا دیتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے جس مال میں صدقہ مل جائے وہ تباہ ہو جاتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اپنے مال کا صدقہ نہ نکالے تو اس کا مال صدقہ نہ دینے کے باعث تباہ ہو جاتا ہے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس شخص کے بارے میں ہے جو قریب المرگ ہو اور کوئی آدمی اس کے پاس موجود ہو اور اس کی ایسی وصیت کو سن رہا ہو جو اس کے ورثاء کے لیے نقصان دہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سننے والے کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس سے ڈرے اور اس کی صحیح رہنمائی کرے اور اس کے ورثاء کے لیے وہی بھلائی چاہے جو وہ اپنے ورثاء کے لیے چاہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب سعد بن ابی وقاصؓ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! میں بہت مالدار ہوں اور میرے پیچھے صرف ایک ہی بیٹی ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنا دو تہائی مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔

انہوں نے عرض کی پھر آدھا مال صدقہ کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر عرض کی کہ ایک تہائی مال صدقہ کر دوں۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن یہ بھی زیادہ ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اگر تم اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقیر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہیں(1)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ ایک تہائی سے کم یعنی چوتھائی کی وصیت کریں تو یہ اچھا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تہائی کو بھی کثیر کہا ہے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر مرنے والے کے ورثاء مالدار ہوں تو اس کے لیے مستحب ہے تو وہ اپنے ایک تہائی مال کی وصیت کرے اور اگر ورثاء غریب ہوں تو اس کے لیے ایک تہائی سے کم کی وصیت کرنا مستحب ہے۔

اس آیت کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم یتیموں کا مال استعمال کرنے میں اللہ سے ڈرو، اس میں اسراف نہ کرو اور ان کے بالغ ہونے کے خوف سے جلدی جلدی نہ کھاؤ۔ یہ قول ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ یہ قول بھی بڑا حسین اور عمدہ ہے۔ کیونکہ اس کے بعد یتیموں کا مال ناحق کھانے والوں کی سزا بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح تم چاہتے ہو کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہاری اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اس طرح تم بھی لوگوں کی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کرو جب تمہیں ان کا نگران بنا دیا جائے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں خبردار کیا ہے کہ جو ظلماً یتیم کا مال کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھرتا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا: جو لوگ بغیر کسی وجہ کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ مال قیامت کے دن ان کے پیٹوں میں بھڑکتی ہوئی آگ بن جائے گا؟ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سات ہلاکت خیز گناہوں سے بچو۔ عرض کی یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک، جادو، بے وجہ قتل، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے فرار ہونا، اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا(2)۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں معراج کی رات کا کوئی واقعہ سنائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے آدمی دیکھے جن میں ہر ایک کا ہونٹ اونٹ کے ہونٹ کی طرح لٹک رہا تھا۔ ان پر کچھ فرشتے مقرر تھے جو ان کے دونوں جبڑوں کو کھول رہے تھے، پھر جہنم کا ایک گرم پتھر لا کر ان کے منہ میں ڈال دیتے۔ وہ پتھر ان کے پیٹ سے پچھلے راستے سے نکل جاتا اور وہ بری طرح چیخ و پکار کرتے تھے۔ میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ یتیموں کا مال کھانے والے ہیں جو اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ عنقریب جہنم میں دھکیل دیے جائیں گے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ یتیم کا مال کھانے والا قیامت کے دن اپنی قبر سے اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے منہ، ناک، کانوں اور آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ ہر شخص دیکھتے ہی پہچان لے گا کہ یہ یتیم کا مال کھانے والا ہے۔ حضرت ابو برزہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں کو قیامت کے دن اس طرح اٹھایا جائے گا کہ ان کے منہ میں آگ بھڑک رہی ہوگی۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مال کھانے والے کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں دو ضعیفوں عورت اور یتیم کا مال کھانے سے بچنے کی وصیت کرتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جن کے پاس یتیم بچے پرورش پا رہے تھے۔ انہوں نے ان کے کھانے پینے کو اپنے کھانے پینے سے الگ کر دیا اور ان کی باقی ماندہ چیزوں کو بھی انہی کے لیے رکھ دیتے حتیٰ کہ یتیم خود انہیں کھا لیتے یا وہ خراب ہو جاتیں۔ اور یہ چیز ان پر سخت گراں گزری تو انہوں نے بارگاہ رسول اللہ ﷺ میں ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت (وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى) نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ

1۔ فتح الباری، کتاب الفرائض 14/12 2۔ مسلم، کتاب الایمان:92

جس کام میں تم یتیموں کی بہتری سمجھو وہ کرو۔ چنانچہ اس کے بعد پھر لوگوں نے ان کے کھانے پینے کو اپنے کھانے پینے کے ساتھ ملا لیا اور اپنے ساتھ شریک کر لیا۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾

''حکم دیتا ہے تمہیں اللہ تمہاری اولاد (کی میراث) کے بارے میں۔ ایک مرد (لڑکے) کا (حصہ) برابر ہے دو عورتوں (لڑکیوں) کے حصہ کے۔ پھر اگر ہوں صرف لڑکیاں دو سے زائد تو ان کے لیے دو تہائی ہے جو میت نے چھوڑا۔ اور اگر ہو ایک ہی لڑکی تو اس کے لیے نصف ہے۔ اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اس سے جو میت نے چھوڑا بشرطیکہ میت کی اولاد ہو اور اگر نہ ہو اس کی اولاد اور اس کے وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کا تیسرا حصہ ہے (باقی سب باپ کا) اور اگر میت کے بہن بھائی بھی ہوں تو ماں باپ کا چھٹا حصہ ہے (اور یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے جو میت نے کی اور قرض ادا کرنے کے بعد، تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کون ان میں سے زیادہ قریب ہے تمہیں نفع پہنچانے میں، یہ حصے مقرر ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ (تمہاری مصلحتوں کو) جاننے والا ہے بڑا دانا ہے''۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ: یہ آیت کریمہ، اس کے بعد والی آیت اور اس سورت کی آخری آیت کا تعلق علم میراث سے ہے۔ یہ مکمل علم ان آیات اور احادیث طیبہ سے مستنبط کیا گیا ہے۔ گویا یہ احادیث ان آیات کی تفسیر ہیں۔ ہم اس علم کے مسائل، دلائل اور ائمہ کرام کے اختلافات کو ذکر کریں گے۔ یہ مسائل اکثر احکام کی کتب میں ذکر کیے گئے ہیں۔ علم میراث کی رغبت کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ علم کی تین قسمیں ہیں اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زائد ہے۔ 1۔ محکم آیات۔ 2۔ ثابت شدہ احادیث۔ 3۔ فریضہ عادلہ یعنی مسائل میراث (1)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ علم میراث سیکھو اور دوسرے لوگوں کو سکھاؤ۔ یہ نصف علم ہے جو بھلا دیا جاتا ہے۔ اور یہ پہلی چیز ہے جو میری امت سے اٹھالی جائے گی (2)۔ حضرت ابن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ اسے نصف علم اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس کی ضرورت ہر ایک کو پیش آتی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ میری عیادت کے لیے بنو سلمہ کے محلہ میں پا پیادہ تشریف لائے۔ اس وقت میں بے ہوش تھا۔ حضور ﷺ نے پانی منگوا کر وضو فرمایا اور وضو کے باقی پانی کو مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے مال کی تقسیم کس طرح کروں تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (3)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت جابر فرماتے

1۔ ابن ماجہ، المقدمہ: 21 2۔ ابن ماجہ، کتاب الفرائض: 908 3۔ مسلم، کتاب الفرائض: 1235

ہیں کہ حضرت سعد بن ربیع کی زوجہ محترمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض یا رسول اللہ! یہ سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں۔ ان کے والد تو غزوۂ احد میں شہید ہو گئے، ان کے چچا نے ان کا کل مال لے لیا ہے اور ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔ اب مال کے بغیر ان کی شادی نہیں ہو سکتی۔ آپ نے فرمایا ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ نے ان لڑکیوں کے چچا کی طرف پیغام بھیجا کہ سعد کی بیٹیوں کو کل مال کا دو تہائی اور ان کی والدہ کو آٹھواں حصہ دو اور باقی اپنے پاس رکھ لو(1)۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابرؓ کے سوال پر اس صورت کی آخری آیت نازل ہوئی جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آرہا ہے۔ کیونکہ ان کی وارث ان کی بہنیں تھیں، ان کی بیٹیاں نہ تھیں۔ اس لیے وہ کلالہ تھے۔ دوسری حدیث کے راوی بھی خود حضرت جابر ہی ہیں جس میں سعد بن ربیع کے ورثہ کے بارے میں نازل ہونے والی آیت کا ذکر ہے۔ لیکن چونکہ امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں ذکر کیا تھا اس لیے ہم نے بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے ذکر کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اولاد کے بارے میں عدل کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ جاہلیت کے دور میں لوگ اپنی تمام میراث لڑکوں میں تقسیم کر دیتے اور لڑکیوں کو کچھ نہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اصل میراث میں لڑکیوں کا حق مقرر کر دیا۔ لیکن ان کے حصے اور لڑکوں کے حصے میں فرق رکھا ہے۔ کیونکہ مردوں کے ذمہ جو ضروریات ہیں وہ عورتوں کے ذمہ نہیں۔ مثلاً مرد کو کھانے پینے کا خرچ، تجارت اور روزی کمانے کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے یہی مناسب تھا کہ اس کا حصہ لڑکی کے حصے سے دگنا ہوتا۔ بعض دانا بزرگوں نے اس آیت کریمہ سے ایک لطیف نکتہ مستنبط کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر بہ نسبت ان کے ماں باپ کے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو ان کی اولاد کے بارے میں وصیت فرمائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ ان پر ان کے والدین سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں مروی ہے کہ قیدی عورتوں میں سے ایک عورت کا بچہ اس سے جدا ہو گیا۔ وہ دیوانوں کی طرح اپنے بچے کو ڈھونڈنے لگی اور جب اسے اپنا بچہ مل گیا تو اسے اپنے سینے سے لگایا اور دودھ پلانے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھ کر اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ بتاؤ! کیا یہ عورت اپنے اختیار کے باوجود اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے۔ انہوں نے عرض کی ہرگز نہیں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پہلے مال کا حقدار صرف لڑکا ہوتا تھا۔ اور ماں باپ کو بطور وصیت کچھ مل جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا اور لڑکے کو لڑکی سے دگنا حصہ عطا فرمایا اور ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا اور تیسرا حصہ عطا فرمایا۔ بیوی کے لیے آٹھواں اور چوتھا اور خاوند کے لیے نصف اور چوتھا حصہ مقرر فرمایا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے احکام میراث کو نازل فرمایا تو بعض لوگوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور کہنے لگے کہ بیوی کو چوتھایا آٹھواں حصہ دیا جا رہا ہے اور بیٹی کو نصف اور اس کے علاوہ چھوٹے بچوں کا حصہ بھی مقرر کر دیا گیا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی بھی جنگ کرنے اور مال غنیمت حاصل کرنے کے قابل نہیں۔ پھر کہنے لگے اس مسئلے پر خاموشی اختیار کرو۔ شاید رسول اللہ ﷺ اس کو بھول جائیں یا ہم ان کی بارگاہ میں عرض کریں کہ وہ ان احکام کو تبدیل کر دیں۔ پھر انہوں نے آپ کی بارگاہ میں عرض کی کہ آپ نے بیٹی کو باپ کی میراث سے نصف حصہ دینے کا حکم فرمایا ہے حالانکہ وہ نہ تو گھوڑے پر سوار ہو سکتی ہے اور نہ جنگ کر سکتی ہے۔ اور اسی طرح چھوٹے بچے کا میراث میں حصہ مقرر کیا گیا ہے حالانکہ وہ بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ یہ لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے کہ میراث سے صرف اسی کو حصہ دیتے جو جنگ کرنے کے قابل ہوتا۔ پس سب سے پہلے بڑے لڑکے کو حصہ دیتے پھر اس سے چھوٹے کو۔

فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں فوق کا لفظ زائد ہے۔ جیسا کہ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ (انفال:12)

1۔ مسند احمد 352/3

چیز نہیں جو بے فائدہ ہو کیونکہ اللہ کے کلام میں ایسا ہونا محال ہے۔ اس لیے کہ ان کی بات صحیح ہوتی تو فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ کی جگہ فَلَهُمَا ثُلُثُ مَا تَرَكَ کا ذکر کیا جاتا۔ ہاں اگر لڑکیاں صرف دو ہوں تو ان کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کو دو ثلث ملے گا۔ کیونکہ دوسری آیت میں دو بہنوں کو دو ثلث دیا گیا ہے۔ جب دو بہنوں کو دو ثلث عطا کیا گیا ہے تو دو بیٹیوں کو بدرجہ اولیٰ دو ثلث عطا کیا جائے گا۔ پہلے حضرت جابرؓ کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن ربیع کی دو بیٹیوں کو دو ثلث عطا کرنے کا حکم فرمایا۔ اس طرح یہ قرآن وسنت سے ثابت ہو گیا۔ اسی طرح اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر بیٹی ایک ہو اور بیٹا نہ ہو تو اسے آدھا حصہ ملتا ہے۔ پس اگر دو کو بھی آدھا حصہ دینا مقصود ہوتا تو اس کو یہاں بیان کر دیا جاتا۔ جب ایک بیٹی کے حصے کو علیحدہ ذکر کر دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ دو بیٹیوں کو وہی حصہ ملے گا جو دو سے زائد کا ہے۔

وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ: والدین کے لیے ورثہ کی مختلف صورتیں ہیں۔ 1۔ اگر مرنے والے کی اولاد ایک لڑکی سے زیادہ ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر مرنے والے کی صرف ایک بیٹی ہو تو نصف ترکہ اس بیٹی کو ملے گا اور ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اس کے علاوہ باقی جو چھٹا حصہ بچے گا وہ باپ کو بطور عصبہ مل جائے گا۔ اس صورت میں باپ کو اس کے مقرر کردہ حصے کے علاوہ عصبہ ہونے کے اعتبار سے بھی ملے گا۔ 2۔ مرنے والے کی کوئی اولاد نہ ہو اور صرف اس کے والدین ہوں تو والدہ کو اس صورت میں تیسرا حصہ ملے گا باقی کل مال باپ کو عصبہ ہونے کے لحاظ مل جائے گا۔ گویا کہ اس کو دو ثلث یعنی ماں سے دو گنا ملے گا۔ اگر مرنے والے کی اولاد نہ ہو اور والدین اور بیوی ہو یا مرنے والی عورت تھی اور اس کی کوئی اولاد نہ تھی البتہ والدین اور شوہر تھا۔ ان دونوں صورتوں میں اس بات پر اتفاق ہے کہ خاوند کو نصف ملے گا اور بیوی کو چوتھا حصہ۔ مگر اس میں اختلاف ہے کہ اس کے بعد ماں کو کیا ملے گا۔ اس میں تین قول ہیں۔ i۔ ان دونوں مسئلوں میں خاوند یا بیوی کا حصہ نکالنے کے بعد باقی مال کا تیسرا حصہ والدہ کو دیا جائے گا۔ کیونکہ باقی مال ان دونوں کی نسبت گویا کل مال ہے اور والدہ کا حصہ باپ سے نصف ہے اس لیے باقی مال کا تیسرا حصہ والدہ لے لے گی اور باقی جو دو حصے بچے وہ باپ لے لے گا۔ یہ حضرات عمر، عثمان، عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابتؓ کا قول ہے۔ اصح روایت کے مطابق حضرت علیؓ کا بھی یہی قول ہے۔ اور یہی رائے فقہائے سبعہ اور ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کی ہے۔ ii۔ ان دونوں صورتوں میں والدہ کو کل مال کا ثلث ملے گا۔ کیونکہ آیت کریمہ عام ہے۔ خواہ والدہ کے ساتھ مرنے والے کی بیوی ہو یا مرنے والی کا شوہر یا دونوں نہ ہوں۔ یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے اور حضرت علی اور معاذ بن جبلؓ سے بھی مروی ہے۔ قاضی شریح اور داؤد ظاہری کی بھی یہی رائے ہے۔ ابوالحسین محمد بن عبداللہ بن لبان بصری نے بھی اپنی کتاب "الایجاز" جو کہ علم الفرائض میں ہے، میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ بلکہ یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ آیت کے ظاہری مفہوم کے مطابق والدہ کا حصہ اسی صورت میں مقرر کیا ہے جب کہ کل مال وراثت کے حقدار صرف ماں باپ ہوں۔ مگر یہاں خاوند یا بیوی پہلے اپنا مقررشدہ حصہ لیں گے اور اس کے بعد جو باقی بچے گا وہ بلاشبہ ان دونوں کا حصہ ہے۔ اس میں سے اس کو تیسرا حصہ ملے گا۔ iii۔ اگر مرنے والا مرد ہے اور اس کی بیوی موجود ہے تو اس صورت میں والدہ کو کل مال کا تیسرا حصہ ملے گا۔ کیونکہ اس صورت میں بیوی کو کل مال کا چوتھا حصہ ملنا ہے۔ اگر کل مال کے بارہ حصے کیے جائیں تو اس کی بیوی کو تین حصے ملیں گے۔ والدہ کو چار اور باقی پانچ حصے باپ لے گا اور اگر مرنے والی عورت ہو اور اس کا خاوند موجود ہو تو ماں کو باقی مال کا تیسرا حصہ ملے گا۔ کیونکہ اگر کل مال کا تیسرا حصہ اس صورت میں ماں کو دے دیا جائے تو اسے باپ سے زیادہ حصہ ملے گا۔ مثلاً اگر کل مال کے چھ حصے کیے جائیں تو تین حصے خاوند کو ملیں

گے، دو حصے ماں کو اور باپ کے لیے صرف ایک حصہ بچے گا جو کہ ماں سے کم ہے اس لیے اس صورت میں چھ میں سے تین خاوند کو دیئے جائیں گے۔ ایک حصہ ماں کو اور دو باپ کو۔ یہ حضرت ابن سیرینؒ کا قول ہے۔ اور یہ پہلے دونوں اقوال کا مرکب ہے۔ یہ ضعیف ہے اور پہلا قول ہی اصح ہے۔ 3۔ اگر والدین کے ساتھ مرنے والے کے بھائی بھی ہوں خواہ وہ سگے ہوں یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے تو ان تمام کو باپ کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں ملے گا۔ لیکن ان کی موجودگی سے ماں کو تیسرے حصے کی بجائے چھٹا حصہ ملے گا۔ اور پھر اگر ماں کے ساتھ باپ کے علاوہ اور کوئی وارث نہ ہو تو اس صورت میں باقی سارا مال باپ کو مل جائے گا۔ جمہور علماء کے نزدیک دو بھائیوں کا وہی حکم ہے جو دو سے زائد کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور کہا کہ دو بھائیوں کی موجودگی میں ماں کو تیسرا حصہ ہی ملے گا کیونکہ قرآن حکیم میں "اِخْوَةٌ" کا لفظ آیا ہے جو کہ جمع ہے۔ اگر دو بھائی مراد ہوتے ''اَخَوَانِ'' کہا جاتا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا! یہ مسئلہ مجھ سے پہلے اسی طرح چلا آ رہا ہے میں اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا کیونکہ تمام علاقوں میں یہی رائج ہے۔ اول تو یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے راوی شعبہ پر امام مالک نے جرح کی ہے۔ پھر اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے خاص اصحاب اور شاگرد اس قول کو اختیار کرتے حالانکہ ان سب سے اس کے برعکس منقول ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ دو کو بھی "اِخْوَةٌ" کہا جاتا ہے۔ حضرت سعید بن قتادہ سے بھی یہی مروی ہے۔

فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ: اگر بھائی دو سے زیادہ ہوں وہ خود تو وارث نہیں بنیں گے لیکن ان کی موجودگی میں والدہ کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر بھائی ایک ہو تو والدہ کو تیسرا حصہ ملے گا۔ اور اگر ایک سے زیادہ ہوں گے تو اس کو چھٹا حصہ ہی ملے گا۔ علمائے کرام نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ماں کو تیسرے کی چھٹا اس لیے ملتا ہے اس لیے کہ میت کے بھائیوں کی شادی اور ان کے نان ونفقہ کی ذمہ داریاں والد پر ہوتی ہے۔ اسی حکمت کی بناء پر باپ کو زیادہ حصہ ملتا ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ سے بسند صحیح مروی ہے کہ یہ چھٹا حصہ جو ماں کا کم ہو گیا وہ انہی کو ملے گا۔ یہ قول شاذ ہے۔ حضرت ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ کا یہ قول تمام امت کے مخالف ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کلالہ وہ ہوتا ہے جس کا نہ بیٹا ہو نہ باپ۔

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ: تمام علمائے سلف وخلف کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرض وصیت پر مقدم ہوگا۔ بنظر عمیق دیکھا جائے تو اس آیت کا بھی یہی مفہوم ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ تم قرآن حکیم میں وصیت کا حکم پہلے پڑھتے ہو اور قرض کا بعد میں، لیکن یاد رکھو کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا اور بعد میں وصیت کا۔ والدہ کی طرف سے سگے بھائی وارث ہوں گے۔ علاتی بھائی وارث نہیں ہوں گے۔ آدمی اپنے سگے بھائی کا وارث ہوگا۔ نہ کہ اس بھائی کو جو صرف باپ کی طرف سے ہو(1)۔ یہ حدیث صرف حضرت حارث سے مروی ہے اور بعض محدثین نے ان پر جرح کی ہے۔ لیکن یہ علم میراث کے حافظ تھے اس لیے آپ کو اس علم سے خاص دلچسپی تھی اور اس کے حساب میں انتہائی ماہر تھے۔

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ بلکہ ابتداء اسلام میں بھی مال اولاد کو مل جاتا تھا اور ماں باپ کو اس صورت میں بطور وصیت ہی کچھ ملتا تھا۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ اب یہ منسوخ کر کے ان دونوں کے لیے علیحدہ علیحدہ حصہ مقرر کر دیا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات انسان کو باپ کی طرف سے دنیاوی یا اخروی نفع حاصل ہوتا ہے۔ جو اسے بیٹے سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہیں باپ کی طرف سے زیادہ نفع پہنچے

1۔ مسند احمد، 144/1:1

میراث میں ان دونوں کو برابر کر دیا ہے۔

فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ: میراث کے بارے یہ جو مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ بعض وراث کو کم اور بعض ورثاء کو زیادہ۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں جو کہ علیم اور حکیم ہے۔ ہر ایک کو وہ حصہ عطا کرتا ہے جس کا وہ مستحق ہو۔ اس لیے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا۔

وَلَكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ اَزۡوَاجُكُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِيۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّكُمۡ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَكُمۡ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ وَاِنۡ كَانَ رَجُلٌ يُّوۡرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امۡرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ۙ غَيۡرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ ؕ ﴿۱۲﴾

"اور تمہارے لیے نصف ہے جو چھوڑ جائیں تمہاری بیویاں بشرطیکہ نہ ہو ان کی اولاد اور اگر ہو ان کی اولاد تو تمہارے لیے چوتھائی ہے اس سے جو وہ چھوڑ جائیں (یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے وہ جو کر جائیں اور قرض ادا کرنے کے بعد اور تمہاری بیویوں کا چوتھا حصہ ہے اس سے جو تم چھوڑو بشرطیکہ نہ ہو تمہاری اولاد اور اگر ہو تمہاری اولاد تو ان کا آٹھواں حصہ ہے اس سے جو تم پیچھے چھوڑ جاؤ (یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے جو تم نے کی ہو اور (تمہارا) قرض ادا کرنے کے بعد اور اگر ہو وہ شخص جس کی میراث تقسیم کی جانے والی ہے کلالہ وہ مرد ہو عورت اور اس کا بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کے لیے ان میں سے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب شریک ہیں تہائی میں (یہ تقسیم) وصیت پوری کرنے کے بعد ہے جو کی گئی ہے اور قرض ادا کرنے کے بعد بشرطیکہ اس سے نقصان نہ پہنچایا گیا ہو (یہ نظام وراثت) حکم ہے اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے"۔

وَلَكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے مردو! تمہاری وہ عورتیں جو مر جائیں اگر ان کی اولاد نہ ہو تو تمہیں ان کے ورثہ سے نصف ملے گا۔ اگر ان کی اولاد ہو تو تمہیں چوتھائی حصہ ملے گا اور یہ قرض اور وصیت ادا کرنے کے بعد ملے گا۔ ترتیب اس طرح ہوگی کہ پہلے قرض ادا کیا جائے گا۔ پھر وصیت پوری کی جائے گی اور پھر ورثہ تقسیم ہوگا۔ اس مسئلہ پر تمام علماء امت کا اجماع ہے۔ پوتے بھی اس مسئلہ میں بیٹوں کی طرح ہیں بلکہ ان کی اولاد در اولاد کا بھی یہی حکم ہوگا۔ ان کی موجودگی میں خاوند کو چوتھائی حصہ ملے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیویوں کا حصہ بیان کیا ہے کہ ان کو اولاد کی غیر موجودگی میں چوتھا حصہ ملے گا اور ان کی موجودگی میں آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور اس چوتھائی یا آٹھویں حصے میں مرنے والے کی تمام بیویاں ہوں گی یعنی اگر وہ چار، تین یا دو ہیں تو ان کو یہی حصہ ملے گا۔ اور وہ اس حصے کو آپس میں تقسیم کر لیں گی اور اس کے بعد وصیت کا ذکر ہے جس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً: کلالہ اکلیل سے مشتق ہے۔ اور اکلیل اس تاج کو کہتے ہیں جو سر کو تمام طرف سے گھیر لے۔ یہاں اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے وارث ارد گرد کے لوگ ہوں۔ اصل اور فرع یعنی جڑ یا شاخ اس کے وارث نہ ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کلالہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا میں اپنی رائے سے جواب دے رہا ہوں۔ اگر یہ صحیح ہو تو یہ اللہ کی طرف سے اور اگر یہ غلط ہوا تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔ کلالہ وہ ہوتا ہے جس کی نہ کوئی اولاد نہ ہو نہ والد۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ابوبکر کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے حیاء آتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کا سب سے آخری زمانہ پانے والا ہوں۔ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کلالہ وہی ہے جس کی اولاد ہو نہ والد۔ حضرت علیؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، زید بن ثابتؓ کا بھی یہی قول ہے۔ امام شعبی، نخعی، حسن بصری، قتادہ اور جابر بن زیدؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ اہل مدینہ، کوفہ، بصرہ، ائمہ اربعہ اور جمہور علمائے سلف وخلف کا اسی پر اتفاق ہے اور بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع امت کا قول کیا ہے۔ بلکہ اس کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی وارد ہوئی ہے ابن لبان فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایات میں یہ بھی مروی ہے کہ کلالہ وہ ہے کہ جس کی اولاد نہ ہو۔ لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔ ممکن ہے کہ راوی نے ان کی مراد نہ سمجھی ہو۔

وَلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ: یعنی اس کلالہ کا ماں کی طرف سے کوئی بھائی یا بہن ہو۔ یہ روایت قتادہ کی حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے۔ اسی طرح حضرت نے ابوبکر سے بھی یہ تفسیر روایت کی ہے۔

فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ: ماں کی طرف سے بھائی باقی وارثوں سے کئی اعتبار سے مختلف ہے۔ 1۔ یہ اس کے بھی وارث بنیں گے جس کی وجہ سے انہیں یہاں وراثت میں حصہ مل رہا ہے۔ یعنی اپنی والدہ کے بھی وارث ہوں گے۔ 2۔ ان کے مرد اور عورت یعنی بہن بھائی دونوں میراث میں برابر ہیں۔ 3۔ یہ اسی صورت میں وارث ہوں گے جب مرنے والا کلالہ ہوگا۔ یعنی میت کے باپ دادا، بیٹے پوتے کی موجودگی میں وارث نہیں ہوں گے۔ 4۔ انہیں تیسرے حصے سے زیادہ نہیں ملے گا۔ اگرچہ تعداد میں زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ ایک روایت میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ماں کی طرف سے بہن بھائیوں میں ورثہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ مرد کو دو اور عورت کو ایک ملے گا۔ حضرت زہری فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ تب ہی کیا ہوگا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوگا۔ آیت کریمہ میں اتنا تو واضح ہے کہ اگر وہ ایک سے زیادہ ہو تو تمام کی تمام ثلث میں شریک ہوں گی۔ اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر میت کے وارثوں میں خاوند، والدہ یا دادی اور ماں کی طرف سے دو بھائی اور باپ کی طرف سے ایک یا ایک سے زائد بھائی ہو تو جمہور علماء کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کو نصف ماں یا دادی کو چھٹا اور ماں کی طرف سے بھائیوں کو تیسرا حصہ ملے گا۔ اور اسی تیسرے حصے میں سگے بھائی بھی شریک ہو گے۔ کیونکہ ان کے درمیان قدر مشترک ہے۔ یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے دور میں پیش آیا آپ نے خاوند کو نصف، والدہ کو چھٹا اور ماں کی طرف سے بھائیوں کو تیسرا حصہ دیا۔ اور جب سگے بھائیوں نے وراثت کا مطالبہ کیا تو آپ نے ان کو بھی اس تیسرے حصے میں شریک کر دیا اسی طرح حضرت عثمانؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ اور ایسی ہی ایک روایت ابن مسعود، ابن عباس اور زید بن ثابتؓ سے مروی ہے۔ حضرات سعید بن میسب، قاضی شریح، مسروق، طاؤس، ابراہیم نخعی، عمر بن عبدالعزیز، صاوی، شریکؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک، شافعی اور اسحاق بن راہویہ کی بھی یہی رائے ہے۔ لیکن حضرت علیؓ اس شرکت کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ تیسرا حصہ ماں کی طرف سے بھائیوں کو دے دیتے اور دونوں کی طرف سے اولاد کو کچھ نہ عطا فرماتے کیونکہ یہ عصبہ ہیں اور عصبہ کو اسی وقت ملتا ہے جب ذوی الفرض سے بچ جائے۔ حضرت وکیع ابن جراح فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے اس کے خلاف کوئی قول مروی نہیں۔ حضرت ابی بن کعبؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ کا بھی یہی

قول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ امام شافعی، ابن ابی لیلیٰ، ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد بن حسن، حسن بن زیاد، زفر بن ہذیل، امام احمد، یحییٰ بن آدم، نعیم بن حماد، ابوثور، داؤد بن علی ظاہریؒ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ابوالحسین بن لبان نے اپنی کتاب "ایجاز" میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَآ: اور ورثہ کی تقسیم وصیت پوری کرنے کے بعد کی جائے۔ یہ وصیت بھی عدل وانصاف پر مبنی ہونی چاہئے۔ اس سے نہ تو کسی دوسرے کا نقصان ہو اور نہ ہی کسی پر ظلم۔ یعنی اس وصیت کی وجہ سے کسی وارث کو اس کے حصے سے محروم کرنے یا اس کا حصہ کم کرنے یا اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصے زیادہ کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہو۔ اور ایسی کوشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی شریعت کی مخالفت کا مرتکب ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ وصیت کی وجہ سے کسی کو نقصان پہنچانا گناہ کبیرہ ہے۔ یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ سے موقوفاً بھی روایت کی گئی ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں۔ اسی لیے علماء میں اختلاف ہے کہ اگر مرنے والا وارث کے لیے کسی مال کا اقرار کرے تو کیا اس کا یہ اقرار صحیح ہے یا نہیں۔ اس میں دو قول ہیں۔ 1۔ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں تہمت کا خطرہ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق عطا کر دیا ہے اس لیے وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔ یہ امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ اور امام شافعیؒ کا پہلا قول بھی یہی ہے۔ اور ایک دوسرے قول میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ اقرار صحیح ہے۔ اور یہی حضرات طاؤس، عطاء، حسن بصری اور عمر بن عبدالعزیزؒ کا بھی مذہب ہے۔ امام بخاریؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور حضرت رافع بن خدیج کی حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کیونکہ انہوں کی وصیت کی تھی کہ فزاریہ نے جس چیز کا دروازہ بند کر دیا ہے اس کو نہ کھولا جائے پھر امام بخاری فرماتے ہیں بعض لوگوں کا قول ہے کہ اقرار صحیح نہیں کیونکہ اس سے دوسرے ورثاء کے بارے میں سوءِ ظن کا پہلو نکلتا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بدگمانی سے بچو اور یہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جس کی جو امانت ہو وہ اسے پہنچا دے۔" یہاں وارث یا غیر وارث کی تخصیص نہیں کی گئی لیکن یہ اختلاف اسی صورت میں ہے جب اقرار فی الواقع صحیح ہو اور نفس الامر کے مطابق ہو۔ لیکن اگر یہ حیلہ سازی اور بعض ورثاء کو زیادہ دینے اور بعض کا حصہ کرنے کا ذریعہ ہو تو یہ بالاجماع حرام ہے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ بھی یہی ثابت ہو رہا ہے۔

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَذٰ لِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِيۡهَا ۖ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۱۴﴾

"یہ حدیں اللہ کی (مقرر کی ہوئی) ہیں اور جو شخص فرمانبرداری کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی داخل فرمائے گا اسے اللہ تعالیٰ باغوں میں بہتی ہوں گی جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ اور جو نافرمانی کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے اللہ کی (مقررہ) حدوں سے داخل کرے گا اسے اللہ آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لیے عذاب ہے، ذلیل کرنے والا"۔

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ: اللہ تعالیٰ نے ورثاء کے لیے جو حصے مقرر کیے ہیں اور ان میں سے بعض کو میت کے زیادہ قریب ہونے اور ان کی

ضرورت کے مطابق حصہ عطا فرمایا ہے۔ یہ سب اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔ تم ان حدود کو نہ توڑو اور نہ ہی ان سے آگے بڑھو اور نہ ان سے تجاوز کرو۔ اس لیے اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ان احکام میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصے سے نہ تو کسی وارث کو زیادہ دے گا اور نہ ہی کسی حیلے بہانے سے کسی وارث کا حصہ کم کرے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی جنت میں داخل کرے گا جس میں نہریں رواں ہوں گی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہاں رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ کے لیے نار جہنم میں داخل کر دے گا اور یہاں اس کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا کیونکہ اس نے اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہیں ہوا۔ اسی لیے اسے اس دائمی عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص ستر سال تک نیکی کا عمل کرتا رہتا ہے اور پھر وصیت کے وقت ورثاء کے حق میں ظلم وستم سے کام لیتا ہے تو اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے اس طرح وہ نار جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور ایک شخص ستر سال تک برائی کرتا رہتا ہے لیکن وصیت میں عدل سے کام لیتا ہے تو اس کا خاتمہ بالخیر ہوتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت کریمہ پڑھ لو (تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ......)

امام ابوداؤد "الاضراب فی الوصیت" کے باب میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرد یا عورت ساٹھ سال تک اللہ کی بندگی میں مصروف رہتے ہیں اور پھر جب موت کا وقت قریب آتا ہے تو وصیت میں نقصان پہنچاتے ہیں تو وہ جہنم کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ جس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے آیت کریمہ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ پڑھی(1)۔

وَالّٰتِىۡ يَاۡتِيۡنَ الۡفَاحِشَةَ مِنۡ نِّسَآئِكُمۡ فَاسۡتَشۡهِدُوۡا عَلَيۡهِنَّ اَرۡبَعَةً مِّنۡكُمۡۚ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ فِى الۡبُيُوۡتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ يَجۡعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيۡلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاۡتِيٰنِهَا مِنۡكُمۡ فَاٰذُوۡهُمَاۚ فَاِنۡ تَابَا وَاَصۡلَحَا فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمَاؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۶﴾

"اور جو کوئی ارتکاب کرے بدکاری کا تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ طلب کرو (تہمت لگانے والے سے) ان پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند کرو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ پورا کر دے ان (کی زندگی) کو موت یا بنا دے اللہ تعالیٰ ان (کی رہائی) کے لیے کوئی رستہ۔ اور جو مرد عورت ارتکاب کریں بدکاری کا تم میں سے تو خوب اذیت دو انہیں۔ پھر اگر دونوں توبہ کر لیں اور (اپنی) اصلاح کر لیں تو چھوڑ دو انہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہے"۔

وَالّٰتِىۡ يَاۡتِيۡنَ الۡفَاحِشَةَ: ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ جب عادل گواہوں کی سچی گواہی سے کسی عورت پر زنا ثابت ہو جاتا تو اس کو گھر میں قید کر لیا جاتا اور گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دی جاتی یہاں تک کہ اس کو اسی حالت میں موت آ جاتی۔ اس آیت کریمہ میں یہی حکم بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کی سزا اس وقت تک رہے گی جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان کی رہائی کے لیے کوئی دوسرا راستہ بیان نہ کر دے اور یہاں اس راستے سے مراد وہ آیت کریمہ ہے جس نے اس حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ

1۔ مسند احمد 278/2

... کو منسوخ کر دیا اور وہاں شادی شدہ زانیہ کو سنگسار کرنے اور غیر شادی شدہ کو کوڑے مارنے کا حکم فرمایا۔ اسی طرح حضرت عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن بصری، عطاء خراسانی، ابو صالح، قتادہ، زید بن اسلم، ضحاکؒ سے بھی مروی ہے کہ اس آیت کا مفہوم منسوخ ہو چکا ہے۔ اور اس امر پر سب کا اتفاق ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو اس کا آپ پر بڑا اثر ہوتا آپ کو تکلیف محسوس ہوتی اور چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا۔ ایک دن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر وحی نازل فرمائی اور جب وحی کی یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا اے لوگو! میری بات غور سے سنو اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لیے راستہ نکال لیا ہے اگر زنا کرنے والے مرد اور عورت دونوں شادی شدہ ہوں تو پہلے انہیں سو کوڑے ماریں جائیں پھر پتھروں سے سنگسار کر دیا جائے اور اگر غیر شادی شدہ ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے اور ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا جائے(1)۔ اور یہ حدیث صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں بھی الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مروی ہے۔ ابن مردویہ کی ایک غریب حدیث میں شادی شدہ اور غیر شادی کے حکم کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ اگر زنا کرنے والے بوڑھے ہوں تو ان کو رجم کر دیا جائے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب سورۂ نساء نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بس اس کے بعد عورتوں کو قید کرنے کا حکم باقی نہیں رہا۔ امام احمد اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زانی اگر شادی شدہ ہو تو اسے کوڑے بھی لگائے جائیں اور رجم بھی کیا جائے۔ لیکن جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے صرف رجم ہی کیا جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ماعز اسلمیؓ اور غامدیہ کو رجم کیا تھا، کوڑے نہیں لگائے تھے۔ اور اسی طرح آپ نے دو یہودیوں کے رجم کا بھی حکم دیا تھا اور انہیں کوڑے نہیں لگائے تھے۔ یہ عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رجم کے ساتھ کوڑے لگانا منسوخ ہے۔

وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِہَا مِنْکُمْ: یعنی اگر مرد اس برائی کا ارتکاب کریں تو ان کو برا بھلا کہہ کر عار دلاؤ اور جوتے مار کر سزا دو۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر دیا اور حکم دیا کہ زانی اگر غیر شادی شدہ ہے تو اسے کوڑے لگائیں جائیں اور شادی شدہ ہے تو اس کو رجم کیا جائے۔ حضرات عکرمہ، عطاء، حسن بصری اور عبد اللہ بن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس مرد اور عورت کے بارے نازل ہوئی جو زنا کا ارتکاب کریں۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جواں مرد اور عورتیں ہیں جو شادی شدہ نہ ہوں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ ان مردوں کے بارے میں نازل ہوئی جو لواطت کا ارتکاب کریں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم کسی کو لواطت کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا: اگر وہ دونوں اپنی بدکاری سے باز آجائیں اور توبہ کر کے اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں تو ان سے اعراض کرو۔ یعنی درشت کلامی اور سختی سے پیش نہ آؤ۔ کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے اس نے گناہ نہ کیا ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ جب تم میں سے کسی کی لونڈی برائی کا ارتکاب کرے تو وہ اسے کوڑے لگائے اور اس پر ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے یعنی حد لگانے کے بعد اسے عار نہ دلائے کیونکہ حد اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

1۔ مسند احمد: 318/5

السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۸﴾

''توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے ان کی توبہ ہے جو کر بیٹھتے ہیں گناہ بے سمجھی سے پھر توبہ کرتے رہتے ہیں جلدی سے پس یہی لوگ ہیں (نظر رحمت سے) توجہ فرماتا ہے اللہ ان پر اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا اور نہیں توبہ (جس کے قبول کرنے کا وعدہ ہے) ان لوگوں کے لیے جو کرتے رہتے ہیں برائیاں (ساری عمر) یہاں تک کہ جب آجائے کسی ایک کو ان میں سے موت (تو) کہے بے شک میں توبہ کرتا ہوں اب اور نہ ان لوگوں کی توبہ جو مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کافر ہیں انہیں کے لیے ہم نے تیار کر رکھا ہے عذاب دردناک''۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر کوئی بندہ جہالت کی بناء پر کسی فعل بد کا ارتکاب کر بیٹھے اور پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ کا خواستگار ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے اگر چہ یہ توبہ فرشتہ موت کو دیکھنے کے بعد غرغرے سے پہلے ہو۔ حضرت مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی خطایا قصدا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے وہ جاہل ہے حتیٰ کہ وہ اس گناہ سے باز آجائے۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جو بھی گناہ کرے وہ جہالت ہے۔ قتادہ نے بھی صحابہ کرام کی ایک جماعت سے یہ روایت کی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں اللہ کی نافرمانی کرنے والا شخص جب کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ جاہل ہے۔ اور یہی قول حضرت ابن عباسؓ اور عطاءؒ سے مروی ہے۔

ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ملک الموت کو دیکھنے سے پہلے پہلے توبہ کرنے کو قریب کہا ہے۔ ضحاکؒ کہتے ہیں جس نے موت سے پہلے توبہ کر لی اس پر بھی قریب کا اطلاق ہوتا ہے۔ قتادہ اور سدیؒ فرماتے ہیں کہ صحت کی حالت میں توبہ کر لینی چاہئے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ غرغرے کی کیفیت سے پہلے توبہ کرنی چاہئے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ ''اَلدُّنْیَا كُلُّهَا قَرِیْبٌ'' حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے جب تک اسے غرغرے کی کیفیت لاحق نہ ہو(1)۔ انہی سے دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ اس کے مرنے سے ایک مہینہ پہلے تک قبول کر لیتا ہے۔ بلکہ اگر وہ مرنے سے ایک گھڑی اخلاص سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔ ایک اور روایت میں ارشاد نبوی ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو بندہ اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کرے تو میں اس کی توبہ کو قبول کر لیتا ہوں حتیٰ کہ اگر کوئی بندہ اپنی موت سے پہلے ایک مہینہ، ایک ہفتہ یا ایک دن بلکہ ایک ساعت بھی توبہ کرے گا تو میں اس کی توبہ قبول کر لیتا ہوں۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث سن کر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں عرض کی کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے (اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ......) آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں وہ حدیث سنائی ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سلمانی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے چار صحابی ایک جگہ اکٹھے ہوئے۔ ان میں سے ایک نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی توبہ قبول کر لیتا ہے جو مرنے سے ایک دن پہلے توبہ کرے دوسرے نے پوچھا کہ تم نے یہ حضور ﷺ سے خود سنا ہے۔ انہوں نے جواب دیا ہاں۔ دوسرے صحابی نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اپنی موت سے نصف دن پہلے توبہ کر لے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے۔ تیسرے صحابی نے پوچھا کہ کیا تم نے یہ حضور ﷺ سے خود سنا ہے۔ اس

1۔ مسند احمد: 132/2

نے جواب دیاہاں۔ پھر تیسرے صحابی فرمانے لگے کہ میں نے تو آپ ﷺ سے سنا ہے کہ جوشخص اپنی موت سے ایک پہر پہلے توبہ کر لے اس کی توبہ بھی قبول ہوگی۔ چوتھے صحابی نے کہا کیا تم نے یہ خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ اس نے جواب دیاہاں۔ اس پر چوتھے صحابی بولے کہ میں نے تو آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر بندہ روح نکلنے سے پہلے پہلے توبہ کرلے تو اس کی توبہ مقبول ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ غرغرہ کی کیفیت شروع ہونے سے پہلے تک قبول کرلیتا ہے۔ اس مضمون کے متعلق مرسل احادیث بھی وارد ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ غرغرہ کی کیفیت لاحق ہونے سے پہلے تک قبول کرلیتا ہے۔ حضرت ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اپنی بارگاہ سے دھتکار دیا تو اس نے مہلت طلب کی اور کہا کہ تیرے عزت اور جلال کی قسم جب تک ابن آدم کے جسم میں روح رہے گی میں اس کے دل سے نہیں نکلوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم کہ جب تک اس کے جسم میں روح رہے گی میں اس کی توبہ قبول کرتا رہوں گا۔ اور یہی مفہوم اس حدیث مرفوع میں بھی ہے جو ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان نے کہا اے اللہ! مجھے تیری عزت کی قسم میں اولاد آدم کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں روح باقی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم۔ میں انہیں معاف کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جب تک انسان زندہ ہے اور اسے اپنی زندگی کی امید ہے اگر وہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور اس کی توبہ مقبول ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَاُولٰٓئِكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا مگر جب انسان زندگی سے مایوس ہو جائے اور روح نکل کر حلق میں پہنچ جائے، سینہ میں گھٹن محسوس ہو اور غرغرے کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس وقت کی توبہ قبول نہیں کیونکہ یہ توبہ کی گھڑی نہیں۔ اسی لیے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو مرتے دم تک گناہوں پر اصرار کرتے رہے اور جب موت سامنے نظر آئی تو اس وقت توبہ کرنے لگے۔ اسی مفہوم کو اسی آیت کریمہ: فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ ''ترجمہ: پس جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم ایک اللہ پر ایمان لائے''۔ اور اسی طرح ارشاد فرمایا کہ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو اہل زمین اس کو دیکھ کر توبہ کریں گے لیکن ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا...... (انعام:158) ''ترجمہ: جس روز آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے گی تو نفع نہ دے گا کسی کو اس کا ایمان لانا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لا چکا''۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو کافر اپنے کفر و شرک پر مرے گا اسے اس کی ندامت اور توبہ کچھ فائدہ نہیں دے گی اور نہ ہی اس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اگرچہ زمین بھر سونا دینا چاہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول کرلیتا ہے اور اس کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ جب تک پردہ نہ پڑ جائے۔ عرض کی گئی کہ اس پردہ پڑ جانے سے کیا مراد ہے۔ فرمایا کہ شرک کی حالت میں جان کا نکلنا۔ انہی لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کے لیے دردناک اور دائمی عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ
مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ
كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ

اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ۝

''اے ایمان والو! نہیں حلال تمہارے لیے کہ وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی۔ اور نہ روکے رکھو انہیں تا کہ لے جاؤ کچھ حصہ اس (مہر وغیرہ) کا جو تم نے دیا ہے انہیں بجز اس صورت کے کہ ارتکاب کریں کھلی بدکاری کا۔ اور زندگی بسر کرو اپنی بیویوں کے ساتھ عمدگی سے پھر اگر تم ناپسند کرو انہیں تو (صبر کرو) شاید تم ناپسند کرو کسی چیز کو اور رکھ دی ہو اللہ تعالیٰ نے اس میں (تمہارے لیے) خیر کثیر۔ اور اگر تم ارادہ کرلو کہ بدلو ایک بیوی کو پہلی بیوی کی جگہ اور دے چکے ہو تم اسے ڈھیروں مال تو نہ لو اس مال سے کوئی چیز۔ کیا تم لینا چاہتے ہو اپنا مال (زمانہ جاہلیت کی طرح) بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے۔ اور کیوں کر (واپس) لیتے ہو تم مال کو حالانکہ مل جل چکے ہو تم (تنہائی میں) ایک دوسرے سے اور وہ لے چکی ہیں تم سے پختہ وعدہ۔ اور نہ نکاح کرو جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ دادا مگر جو ہو چکا (اس سے پہلے سو معاف ہے)۔ بے شک یہ فعل بہت بے حیائی اور نفرت کا فعل تھا اور بہت برا طریقہ تھا''۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص مرجاتا اس کے وارث اس کی عورت کے پورے حقدار سمجھے جاتے۔ اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو خود اس سے شادی کر لیتا۔ اگر وہ چاہتے تو کسی دوسرے کو نکاح میں دے دیتے۔ اور اگر وہ چاہتے تو اسے نکاح ہی نہ کرنے دیتے۔ بہرحال وہ اس عورت کے رشتہ داروں سے بھی زیادہ خیال کرتے تھے۔ جاہلیت کی اس رسم کے خلاف یہ آیت کریمہ نازل ہوئی(1)۔ ایک دوسری روایت میں آپؐ سے یہ مروی ہے کہ وہ لوگ اس عورت کو مجبور کر دیتے کہ وہ حق مہر سے دست بردار ہو جائے یا نکاح کے بغیر ہی بیٹھی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر کے ان کو ان عمل سے روک دیا(2)۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک اور روایت میں مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو اس کے ورثہ میں سے جو اس پر کپڑا ڈال دیتا وہ اس کا حق دار سمجھا جاتا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ کپڑا ڈالنے والا اس عورت کو حسین پاتا تو خود اس سے نکاح کر لیتا۔ اور اگر وہ بدصورت ہوتی تو اسے یہیں روکے رکھتا تا کہ مرنے کے بعد اس کا وارث بنے۔ حضرت عوفی روایت کرتے ہیں کہ جب کسی کا گہرا دوست فوت ہو جاتا تو وہ اپنا کپڑا اس عورت پر ڈال لیتا اور پھر اس کو نکاح کا مختار سمجھا جاتا۔ اس کے علاوہ اس کا نکاح کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس عورت کو اپنے پاس قید رکھتا حتیٰ کہ وہ عورت کچھ فدیہ دے کر اس سے اپنی جان چھڑا لیتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما کر اس رسم کو ختم کر دیا۔ حضرت زید بن اسلم روایت کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں اہل یثرب میں یہ رواج تھا کہ جب ان میں سے کوئی آدمی مرجاتا تو جو اس کے مال کا وارث بنتا وہ اس کی عورت کا بھی وارث بن جاتا۔ وہ شخص اپنی مرضی سے جہاں چاہتا اس کا نکاح کر دیتا۔ یا اس کو مجبور کر کے اپنے پاس رکھتا تا کہ اس کے مال کا وارث بن سکے۔ اسی طرح اہل تہامہ بھی عورتوں کے ساتھ برا سلوک کرتے۔ حتیٰ کہ طلاق دیتے وقت بھی یہ شرط لگا لیتے کہ وہ ان کی مرضی کے بغیر کہیں نکاح نہیں کر سکے گی اور اس سے چھٹکارے کی صورت یہی ہوتی کہ وہ عورت اسے کچھ مال

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ النساء، 245/8 | 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، 231/2

میں ابوقیس بن اسلت کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بیٹے نے اس کی بیوی سے نکاح کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ وہ خاوند کے مرنے کے بعد اس عورت کو اپنے کسی بچے کی پرورش پر مقرر کر دیتے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کا لڑکا اس کی بیوی کا زیادہ حقدار سمجھا جاتا۔ اگر وہ چاہتا تو خود سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا یا اپنے بھائی یا بھتیجے سے نکاح کر دیتا۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ ابوقیس بن اسلت کی بیوی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے خاوند کے مرنے کے بعد یہ لوگ نہ تو مجھے میراث سے حصہ دیتے ہیں اور نہ یہ مجھے کسی سے نکاح کرنے دیتے ہیں اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ دور جاہلیت میں جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کا وارث اس کی عورت پر اپنا کپڑا ڈال دیتا۔ اگر تو اس وارث کا چھوٹا بیٹا یا بھائی ہوتا تو وہ اس عورت کو روک لیتا تاکہ وہ جوان ہو کر اس کے ساتھ نکاح کر سکے۔ یا وہ عورت اس کے پاس ہی مر جاتی۔ اگر وہ عورت اس کے کپڑا ڈالنے سے پہلے ہی اپنے میکے آ جاتی تو اس کی جان چھوٹ جاتی۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جب کسی آدمی کی پرورش میں یتیم بچی ہوتی تو وہ اس کو اس امید سے اپنے پاس روکے رکھتا اگر اس کی بیوی کا انتقال ہو گیا تو وہ خود اس سے شادی کر لے گا یا اپنے بیٹے سے اس کا نکاح کرا دے گا۔ ان تمام اقوال سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کر کے عورتوں کی جان اس مصیبت سے چھڑا دی۔

وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا: اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں ارشاد فرماتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ برا سلوک کر کے ان کو مجبور نہ کرو کہ وہ اپنا مکمل حق مہر یا اس کا بعض حصہ یا کوئی اور حق چھوڑ دے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب کسی مرد کو اپنی عورت سے نفرت ہوتی اور وہ اسے چھوڑنا چاہتا لیکن مہر سے بچنے کے لیے اس کو طرح طرح کی تکالیف دیتا تاکہ وہ مہر چھوڑنے پر مجبور ہو جائے۔ حضرت ابن سلمانی فرماتے ہیں کہ ان دونوں آیات میں سے پہلی آیت امر جاہلیت کو مٹانے کے لیے اور دوسری آیت امر اسلام کی اصلاح کے لیے نازل ہوئی۔

اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ: حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرات سعید بن میسّب، شعبی، حسن بصری، محمد بن سیرین، سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ، عطاء خراسانی، ضحاک، ابو قلابہ، ابو صالح، سدی، زید بن اسلم اور سعید بن ابی ہلالؒ فرماتے ہیں کہ فاحشہ مبینہ سے مراد زنا ہے۔ یعنی جب عورت زنا جیسے فعل بد کا ارتکاب کرے تو مرد کے لیے جائز ہے کہ اپنا حق مہر واپس لے لے یا اس پر سختی کرے حتیٰ کہ وہ اپنا حق مہر چھوڑ کر خلع پر مجبور ہو جائے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا...... ''ترجمہ: اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اس میں سے لو جو تم نے انہیں دیا ہے۔ بجز اس کے کہ ان دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان پر کوئی حرج نہیں کہ عورت فدیہ دے کر اپنی جان چھڑا لے''۔ حضرت ابن عباسؓ عکرمہ اور ضحاک فرماتے ہیں کہ فاحشہ مبینہ سے مراد عورت کی نافرمانی اور لڑائی جھگڑا ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ سب کو شامل ہے۔ یعنی زنا، نافرمانی، لڑائی جھگڑا، بدزبانی وغیرہ۔ ان تمام صورتوں میں مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ عورت پر سختی کرے تاکہ وہ اپنا مکمل حق مہر یا اس کا بعض حصہ چھوڑنے پر مجبور ہو جائے اور یہی قول زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی یہ روایت پہلے گزر چکی ہے کہ یہ آیت کریمہ زمانہ جاہلیت کی رسم کو ختم کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے۔ حضرت عکرمہ اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ روایات اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ یہ آیت کریمہ جاہلی دور کی رسم ختم کرنے کے لیے نازل ہوئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی اس چیز سے روک دیا گیا۔ حضرت

عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ قریش مکہ میں یہ رواج تھا کہ جو شخص کسی شریف عورت سے شادی کرتا اور جب ان کے درمیان باہمی موافقت نہ ہو پاتی تو اسے اس شرط پر طلاق دیتا کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر کہیں شادی نہیں کرے گی۔ پھر اس عورت پر گواہ مقرر ہو جاتے اور اقرار نامہ لکھ دیا جاتا۔ اب اس عورت کو کہیں سے شادی کا پیغام آتا تو وہ عورت اسے کچھ مال دے کر راضی کر لیتی تو وہ اسے نکاح کی اجازت دے دیتا اور اگر مال نہ دیتی تو اسے اپنے پاس ہی روکے رکھتا اس کی ممانعت میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ حکم اور سورۂ بقرہ کی آیت کا حکم ایک ہی ہے۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ: یعنی عورتوں کے ساتھ شائستگی کے ساتھ گفتگو کرو اور ان کے ساتھ حسن خلق سے پیش آؤ اور حسب طاقت اپنی وضع قطع درست رکھو۔ کیونکہ جس طرح تم چاہتے ہو کہ تمہاری بیویاں بن سنور کر رہیں اس طرح ان کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ: 228) رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی گھر والی کے ساتھ بہتر سلوک کرنے والا ہو۔ میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ تم سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہوں۔ نبی کریم ﷺ اپنے اہل خانہ سے انتہائی اچھا سلوک کرتے اور ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ ان کو خوش رکھتے، نرمی کے ساتھ پیش آتے، کشادہ دلی سے ان پر خرچ کرتے۔ کبھی کبھار ان سے مزاح بھی کر لیتے حتیٰ کہ آپ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ لگائی۔ آپ خود ہی روایت فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے آگے نکل گئی اور کچھ عرصے کے بعد ہمارے درمیان دوڑ ہوئی تو اس بار حضور ﷺ آگے نکل گئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اس جیت کا بدلہ ہے۔ یعنی اس طرح آپ حضرت عائشہؓ کا دل بہلایا کرتے تھے۔ اور جس زوجہ محترمہ کے پاس آپ نے رات گزارنی ہوتی وہیں آپ کی تمام ازواج مطہرات جمع ہو جاتیں، بات چیت ہوتی اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ ان سب کے ساتھ رات کا کھانا تناول فرماتے اور پھر یہ سب اپنے اپنے حجروں میں چلی جاتیں اور آپ وہیں آرام فرماتے۔ آپ اپنی زوجہ کے ساتھ ایک ہی چادر میں آرام فرماتے اور عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد گھر تشریف لاتے تو اپنے اہل خانہ کے ساتھ سونے سے پہلے تھوڑی سی گفتگو فرماتے اسی طرح آپ ﷺ ان کو خوش رکھتے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب: 21) اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ کے اسوہ کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (مترجم)

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ: یعنی اگر تم اپنی عورتوں کو ناپسند کرتے ہو اور اس کے باوجود ان کو اپنے پاس رکھتے ہو تو ممکن ہے اس میں تمہارے لیے دنیا و آخرت کی بہتری ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مرد اس عورت پر نرمی کرے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کوئی بچہ عطا فرما دے اور وہ ان کے لیے خیر کثیر کا سبب بنے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت کو اپنے آپ سے الگ نہ کرے کیونکہ اگر اس کی کوئی عادت ناگوار ہوگی تو اس کی بہت سی عادات بھلی بھی ہوں گی۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ: اگر تم میں کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ تو پہلی بیوی کو جو مہر دیا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لے خواہ وہ مال بہت زیادہ ہو۔ سورۂ آل عمران کی تفسیر میں قنطار کی مکمل تفصیل بیان کی جا چکی ہے اسے یہاں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کو مہر میں زیادہ مال دینا بھی جائز ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ کثیر مہر دینے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابوالعجف اسلمی فرماتے ہیں کہ میں نے عمرؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ عورتوں کو بہت زیادہ مہر نہ دیا کرو۔ اگر یہ دنیاوی طور پر کوئی اچھی چیز ہوتی یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ شمار ہوتا تو اللہ کے رسول اس پر سب سے پہلے عمل کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی زوجہ یا بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں کیا۔ انسان بہت زیادہ مہر مقرر کر کے مصیبت میں پڑ

اس سے کہتا ہے کہ تو نے میرے کندھوں پر مشک لٹکا دی ہے(1)۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ منبر رسول پر چڑھ گئے اور کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے لوگو! تم عورتوں کے مہر بہت زیادہ مقرر کرنے لگے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے چار سو درہم یا اس سے کم مہر دیا ہے۔ اگر مہر میں زیادتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ اور کرامت کا باعث ہوتی تو تم ان سے سبقت نہ لے جاتے۔ خبردار! آج کے بعد کوئی آدمی چار سو درہم سے زیادہ مہر مقرر نہ کرے۔ یہ فرمایا کر آپ منبر سے نیچے اترے تو ایک قریشی عورت آپ کے سامنے آئی اور کہنے لگی اے امیر المومنین! کیا آپ نے لوگوں کو چار سو درہم سے زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس عورت نے کہا کہ کیا آپ نے اس کے بارے اللہ کا حکم نہیں سنا۔ آپ نے فرمایا وہ کیا ہے؟ عورت نے کہا کہ اللہ کا یہ ارشاد ہے: وَّاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىهُنَّ قِنۡطَارًا ...... تو حضرت عمر نے عرض کیا کہ اے اللہ مجھے معاف فرما، کہ ہر آدمی عمر سے زیادہ سمجھدار ہے۔ پھر آپ واپس لوٹے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ اے لوگو! میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع کیا تھا۔ لیکن اب جو شخص اپنے مال سے جتنا مہر دینا چاہے دے دے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ عورت نے یہ آیت کریمہ اس طرح پڑھی: وَّاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىهُنَّ قِنۡطَارًا مِّنۡ ذَهَبٍ حضرت عبداللہ بن مسعود کی بھی یہی قرات تھی اور حضرت عمرؓ نے اس عورت سے فرمایا کہ ایک عورت عمر پر غالب آگئی۔ ایک روایت میں آپ نے فرمایا۔ عورتوں کے مہر میں زیادتی نہ کرو اگر چہ وہ ذوالقصہ کی بہن ہو یعنی یزید بن حصین حارثی کی بیٹی۔ اور جس نے اس حکم کے بعد بھی مہر زیادہ مقرر کیا تو میں یہ زائد رقم لے کر بیت المقدس میں جمع کر دوں گا۔ یہ سن کر ایک دراز قد اور چپٹی ناک والی عورت کھڑی ہوئی اور کہا کہ آپ یہ حکم نہیں دے سکتے۔ آپ نے فرمایا۔ کیوں نہیں؟ تو اس نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَكَیۡفَ تَاۡخُذُوۡنَهٗ وَقَدۡ اَفۡضٰى بَعۡضُكُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ: یعنی تم عورت سے مہر واپس کیسے لے سکتے ہو حالانکہ تم اسے تنہائی میں مل چکے ہو۔ حضرت ابن عباسؓ مجاہد اور سدی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد میاں بیوی کا باہمی تعلق ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور پھر ان دونوں میاں بیوی نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے قسمیں اٹھائیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی اب بھی توبہ کرتا ہے۔ آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ مرد نے کہا میں نے جو مال اسے مہر میں دیا ہے اس کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسی مہر کے بدلہ میں وہ عورت تم پر حلال ہوئی تھی اور اگر تم نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو پھر یہ مال تمہیں کسی صورت میں نہیں مل سکے گا۔ حضرت نضرہ بن ابی نضرہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک کنواری عورت کے ساتھ نکاح کیا جب اسے دیکھا تو حاملہ تھی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے ان کے درمیان تفریق کر دی اور اس عورت کو مہر دینے کا حکم فرمایا جب کہ عورت کو کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ جو بچہ ہوگا وہ تمہارا غلام ہے۔ اور مہر خلوت کے بدلہ میں ہے(2)۔ یہی اس آیت کریمہ کا مفہوم ہے کہ جب میاں بیوی میں صحبت اور خلوت ہو چکی ہو تو مہر کیسے واپس کیا جا سکتا ہے۔

وَّاَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا: ابن عباسؓ اور دوسرے مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میثاق سے مراد عقد نکاح ہے۔ حضرت ابن عباسؓ دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اب جب تمہارا ان سے نکاح ہو چکا ہے تو اچھے طریقے سے انہیں بساؤ یا عمدہ طریقے سے انہیں الگ کر دو۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم ان عورتوں کو اللہ کی امانت سے لیتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی کلام سے انہیں حلال کرتے

1۔ مسند احمد: 41,40/1   2۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح: 241/2

ہو یعنی خطبہ نکاح میں کلمہ شہادت۔ رسول اللہ ﷺ کو معراج کی رات جو بہترین انعامات ملے ان میں سے ایک انعام یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی امت کا کوئی خطبہ جائز نہیں حتیٰ کہ وہ گواہی دیں کہ تم میرے بندے اور رسول ہو۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا۔ اپنی عورتوں سے اچھا سلوک کرو، تم نے ان کو اللہ کی امانت سے لیا ہے اور ان کو اللہ کے کلمہ کے ساتھ حلال کیا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سوتیلی ماؤں کی حرمت کو بیان فرمایا کہ ان کی تعظیم وتوقیر کو ظاہر فرمایا ہے حتیٰ کہ بیٹے پر وہ عورت بھی حرام ہے جس کے ساتھ والد نے صرف نکاح ہی کیا ہو۔ اس پر تمام امت کا اجماع ہے حضرت ابو قیس انصاریؓ جب انتقال فرما گئے تو ان کے بیٹے قیس نے اپنی سوتیلی ماں کو شادی کا پیغام بھیج دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں اپنا بیٹا خیال کرتی ہوں۔ تمہارا شمار قوم کے نیک لوگوں میں ہوتا ہے۔ لیکن میں اس مسئلہ کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گی۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور اپنا تمام قصہ بیان کیا آپ نے ارشاد فرمایا ابھی تم اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ اس کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ حضرت ابو قیس بن اسلت جن کی بیوی ام عبیدہ ضمرہ تھی اور اسود بن خلف جن کے گھر میں ابو طلحہ کی صاحبزادی تھی اور اسود بن مطلب کی بیٹی فاختہ جس کے خاوند کا نام امیہ بن خلف تھا کے بارے میں نازل ہوئی۔ امام سہیلی فرماتے ہیں کہ دور جاہلیت میں سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کرنا عام رواج تھا۔ اس لیے ارشاد فرمایا: اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ۔ یعنی سوائے اس کے جو پہلے گزر چکا۔ اور اس طرح ارشاد فرمایا کہ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے مگر جو پہلے گزر چکا ہے اس پر مؤاخذہ نہیں۔ کنانہ بن خزیمہ نے اپنے باپ کی عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا اور اسی کے بطن سے نضر بن کنانہ پیدا ہوا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے اوپر کی نسل با قاعدہ نکاح سے ہوئی نہ کہ زنا سے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ چیز جائز تھی اور وہ لوگ اسے نکاح شمار کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں وہ تمام عورتیں حرام تھیں جن کی حرمت اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمائی ہے سوائے اس کے کہ وہ سوتیلی ماں اور دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کو حلال سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما کر ان دونوں صورتوں کو حرام کر دیا۔ یہ حضرات عطاء اور قتادہ کا قول ہے۔ لیکن امام سہیلی نے جو کنانہ کا قصہ نقل کیا ہے وہ محل نظر ہے۔ بہر حال امت محمدیہ میں یہ حرام اور انتہائی ناپسندیدہ ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بے شک یہ فعل بہت بے حیائی اور نفرت کا فعل تھا اور بہت برا طریقہ تھا۔ ایک اور مقام پر قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ''ترجمہ: اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہر ہوں ان سے اور چھپی ہوئی ہوں''۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ''ترجمہ: اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ بے شک یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ''۔ اور اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ''مَقْتًا'' کے لفظ کا اضافہ کیا ہے۔ اس کا معنی بغض ہے اور یہ بذات خود بہت بری بات ہے۔ کیونکہ جو بیٹا اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیتا ہے تو اس کا یہ نکاح باپ کے ساتھ بغض کا سبب بنتا ہے کیونکہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ جو شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے وہ اس کے پہلے خاوند کے ساتھ بغض رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے امت پر امہات المومنین کے ساتھ نکاح کرنا حرام قرار دے دیا گیا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات ہونے کی وجہ سے امتی کے لیے ماں کا درجہ رکھتی ہیں اور حضور ﷺ مثل باپ کے۔ بلکہ امت کے اجماع سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ والد سے بھی عظیم ہیں، آپ کی محبت ہماری اپنی جانوں کی محبت پر بھی مقدم ہے۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ ''مَقْتًا'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس فعل

پر ناراضگی کا اظہار فرماتا ہے اور "سَآءَ سَبِيۡلًا" سے مراد یہ ہے کہ لوگوں نے یہ برا راستہ اختیار کیا تھا لیکن اب جو اس فعل کا مرتکب ہوگا اسے مرتد قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا اور اس کا سارا مال بیت اللہ میں جمع کرا دیا جائے گا اس آیت کے نزول کے بعد ایک شخص نے اپنے والد کی بیوی کے ساتھ نکاح کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو بھیجا کہ وہ اسے قتل کرے اور اس کا مال ضبط کر لے آئے۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں میرے چچا حارث بن عمیر نبی پاک ﷺ کا عطا کردہ جھنڈا ہاتھ میں لیے میرے قریب سے گزرے۔ میں نے پوچھا کہ حضور ﷺ نے آپ کو کہاں بھیجا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے مجھے اس آدمی کی گردن اڑانے بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی عورت کے ساتھ نکاح کر لیا ہے(1)۔

مسئلہ: اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ جس عورت سے باپ نے مباشرت کر لی خواہ نکاح کر کے یا ملکیت میں لا کر، یا کسی شبہ کی بنا پر۔ وہ عورت بیٹے پر حرام ہو جائے گی۔ لیکن اگر مباشرت نہ کی ہو، لیکن اگر شہوت کے ساتھ اس کو چھوا ہو یا اس کے ایسے اعضاء دیکھے ہوں جن اعضاء کو دیکھنا اجنبی عورت ہونے کی حیثیت سے جائز نہ ہو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ وہ عورت اس صورت میں اس کے بیٹے پر حرام ہوگی۔ حضرت خدیج حمصیؒ جو کہ امیر معاویہؓ کے غلام تھے انہوں نے ایک خوبصورت لونڈی حضرت معاویہؓ کے لیے خریدی اور اس کو بغیر کپڑوں کے ان کے پاس بھیج دیا۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اس سے اشارہ کر کے کہنے لگے کہ اچھے نفع کی چیز ہے اگر اس کے لیے مال ہوتا۔ پھر کہنے لگے کہ اسے یزید کے پاس بھیج دو پھر فرمایا نہیں۔ پہلے ربیعہ بن عمرو الجرشی کو بلاؤ جو بہت بڑے فقیہ تھے جب وہ آئے تو امیر معاویہؓ نے ان سے مسئلہ پوچھا کہ میں نے اس لونڈی کے کچھ اعضاء دیکھ لیے ہیں اب میں اسے اپنے لڑکے یزید کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں کیا میں اسے بھیج سکتا ہوں۔ حضرت ربیعہ نے فرمایا امیر المومنین ایسا نہ کیجئے۔ اب یہ اس کے قابل نہیں رہی۔ فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو۔ پھر فرمایا کہ عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو بلاؤ۔ ان کا رنگ انتہائی گندم گوں تھا۔ آپ نے فرمایا یہ لونڈی لے جاؤ تا کہ اس کی وجہ سے تمہارے ہاں سفید رنگ کی اولاد پیدا ہو۔ یہ عبداللہ بن مسعدہ وہی ہیں جنہیں حضور ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو عطا کیا تھا۔ انہوں نے ان کی پرورش کی اور بعد میں آزاد کر دیا۔ یہ بعد میں حضرت معاویہؓ کے پاس چلے آئے۔

حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنٰتُكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ وَعَمّٰتُكُمۡ وَخٰلٰتُكُمۡ وَبَنٰتُ الۡاَخِ وَبَنٰتُ
الۡاُخۡتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمۡ وَرَبَآئِبُكُمُ
الّٰتِىۡ فِىۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ وَحَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ ۙ وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ
اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۲۳﴾ وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا
مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ
مُّحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ ؕ فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ فَرِيۡضَةً ؕ وَلَا
جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا تَرٰضَيۡتُمۡ بِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡفَرِيۡضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۲۴﴾

1۔ مسند احمد: 291/4

''حرام کردی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری بہنیں رضاعت سے اور مائیں تمہاری بیویوں کی اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں (پرورش پارہی) ہیں ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے صحبت نہیں کی ہو ان بیویوں سے تو کوئی حرج نہیں تم پر (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) اور (حرام کی گئیں) بیویاں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری پشتوں سے ہیں اور (یہ بھی حرام ہے) کہ جمع کرو تم دو بہنوں کو مگر جو گزر چکا (سو وہ معاف ہے) یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے بہت رحم فرمانے والا ہے اور (حرام ہیں) خاوندوں والی عورتیں مگر (کافروں کی وہ عورتیں) جو تمہارے ملک میں آجائیں، فرض کیا ہے اللہ نے (ان احکام کو) تم پر اور حلال کردی گئی ہیں تمہارے لیے ماسوا ان کے تاکہ تم طلب کرو (ان کو) اپنے مالوں کے ذریعے پاکدامن بنتے ہوئے نہ زنا کار بنتے ہوئے پس جو تم نے لطف اٹھایا ہے ان سے تو دو ان کو ان کے مہر جو مقرر ہیں۔ اور کوئی گناہ نہیں تم پر جس چیز پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ مقرر کیے ہوئے مہر کے بعد بے شک اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے''۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ: نسبی، رضاعی اور سسرالی رشتے سے جو عورتیں نسب کے اعتبار سے جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان کا ذکر اس آیت میں کیا جارہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سات عورتیں نسب کے اعتبار سے اور سات سسرال کے اعتبار سے حرام ہیں اور پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ جمہور علماء نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ زنا سے لڑکی پیدا ہو وہ زانی پر حرام ہے۔ کیونکہ یہاں بنات کا لفظ ذکر کیا گیا ہے جو کہ عام ہے کیونکہ وہ بھی بیٹی ہے اور بیٹیاں حرام ہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کا مذہب ہے۔ امام شافعیؒ سے اس کی اباحت نقل کی گئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ شرعی طور پر بیٹی نہیں ہے۔ پس جیسے ورثہ کے بارے میں یہ بیٹی حکم میں شامل نہ ہو کر ورثہ میں کوئی حصہ نہیں پاتی اسی طرح وہ اس آیت کی حرمت میں بھی داخل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ: اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا کہ جس طرح تمہاری وہ ماں تم پر حرام ہے جس نے تمہیں جنا ہے۔ اسی طرح تم پر وہ ماں بھی حرام ہے جس نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رضاعت بھی اسے حرام کرتی ہے جسے ولادت حرام کرتی ہے۔ اور صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ رضاعت سے بھی وہ حرام ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔ بعض فقہاء کرام نے اس میں سے چار صورتیں اور بعض نے چھ صورتیں خصوص کی ہیں۔ جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس میں سے کچھ بھی محسوس نہیں۔ کیونکہ اس کی مثل بعض صورتیں نسب میں بھی پائی جاتی ہیں اور بعض صورتیں ایسی ہیں جو سسرالی رشتے کی وجہ سے حرام ہیں۔ اس لیے اس حدیث پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ پھر ائمہ کرام کا اس میں بھی اختلاف ہے کتنی مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ تعداد متعین نہیں۔ دودھ پیتے ہی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ یہ امام مالکؒ کا مذہب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر اور امام زہری کا بھی یہی قول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں رضاعت کا لفظ عام ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ بچہ تین مرتبہ دودھ پیے تو حرمت ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک یا دو مرتبہ چوسنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی (1)۔ یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے اور یہ امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، ابوعبید، ابوثورؒ کا مذہب ہے۔ یہی حضرت علیؓ، سیدہ عائشہؓ، ام الفضلؓ، ابن زبیرؓ، سلیمان بن مالک اور سعید بن جبیرؓ سے مروی ہے۔ بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ پانچ مرتبہ دودھ

1۔ مسلم، کتاب الرضاع، 1073، 1074

پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے اس سے کم میں نہیں اور ان کی دلیل حضرت عائشہؓ کی وہ روایت ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ پہلے قرآن مجید میں دس مرتبہ دودھ پلانے پر حرمت کا حکم نازل ہوا تھا پھر یہ منسوخ ہو گیا اور پانچ مرتبہ کا حکم ہوا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے وصال تک اسی طرح پڑھا جاتا رہا۔ اور اس کی دوسری دلیل حضرت سہلہ بنت سہیل کی حدیث ہے جس کو حضور ﷺ نے حکم دیا تھا کہ وہ سالم کو جو حضرت حذیفہؓ کے غلام تھے پانچ مرتبہ دودھ پلائیں۔ یہ امام شافعی اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ رضاعت یعنی دودھ پینا بچپن کی عمر میں ہو، اس کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس رضاعت کا اثر رضاعی ماں کے خاوند تک پہنچے گا یا نہیں۔ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا قول ہے کہ اس کا اثر اس کے خاوند تک بھی پہنچے گا یعنی وہ اس بچے یا بچی کا رضاعی باپ بن جائے گا۔ بعض سلف کا قول ہے کہ اس کا اثر دودھ پلانے والی تک ہی رہے گا اس کے خاوند تک نہیں پہنچے گا۔

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ: اس میں بیان فرمایا کہ ساس بھی حرام ہے۔ یعنی جس لڑکی سے نکاح ہو جائے۔ صرف نکاح کرنے سے ہی اس کی ماں اس پر حرام ہو جاتی ہے خواہ صحبت کرے یا نہ کرے۔ مگر جب اس مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس عورت کے ساتھ پہلے خاوند سے ایک لڑکی بھی ہے۔ اگر اس سے صحبت کی تو وہ لڑکی اس پر حرام ہو جائے گی اور اگر صحبت سے پہلے ہی طلاق دے دی تو وہ لڑکی حرام نہیں ہوگی۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں ضمیر ''امہات اور ربائب'' کی طرف لوٹ رہی ہے اس لیے صرف نکاح کرنے سے یہ حرام نہیں ہوگی۔ یعنی بیٹی سے صرف نکاح کرنے سے اس کی ماں حرام نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے ساتھ صحبت کرنے کے بعد حرام ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی لڑکی سے نکاح کیا پھر اسے دخول سے پہلے ہی طلاق دے دی تو وہ اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے۔ جس طرح کہ ربیبہ لڑکی کی ماں کو دخول سے پہلے اگر طلاق دے دی تو اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص دخول سے پہلے اپنی عورت کو طلاق دے دے تو وہ اس کی ماں کے ساتھ شادی کر سکتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اگر وہ عورت دخول سے پہلے فوت ہوگئی اور اس کی میراث اس نے لے لی سو اب اس کی ماں کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر دخول سے پہلے طلاق دے دی تو پھر اگر چاہے تو کر سکتا ہے۔ حضرت بکر بن کنانہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے میرا نکاح طائف کی ایک عورت سے کر دیا۔ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا باپ جو کہ میرا چچا بھی تھا فوت ہو گیا۔ اس کی ماں بہت مالدار تھی، میرے والد نے مجھے مشورہ دیا کہ تم اس سے نکاح کر لو۔ میں نے حضرت عباسؓ سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تم اس کی ماں سے نکاح کر سکتے ہو۔ پھر میں نے ابن عمرؓ سے یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تم اس سے نکاح نہ کرو میں نے اپنے والد کو ان دونوں فتووں کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کو خط لکھا جس میں ان دونوں فتووں کا ذکر بھی کیا۔ تو انہوں نے جواباً تحریر فرمایا کہ میں حرام کو حلال نہیں کر سکتا اور نہ ہی حلال کو حرام کر سکتا ہوں۔ تم جانو اور تمہارا کام۔ اس کے علاوہ بھی عورتیں تو بہت ہیں۔ یعنی انہوں نے نہ منع کیا نہ اجازت دی۔ چنانچہ میرے باپ نے اس کی والدہ کے ساتھ میرا نکاح کرنے کا خیال ترک کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ اس عورت کی لڑکی اور ماں دونوں حکم میں برابر ہیں۔ اگر تم نے اس کے ساتھ دخول نہ کیا ہو تو یہ دونوں حلال ہیں۔ لیکن اس کی سند میں ایک راوی مبہم ہے اور یہی قول حضرات علی، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور حضرات مجاہد اور سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے۔ حضرت معاویہؓ نے اس میں توقف اختیار کیا ہے۔ شوافع میں سے ابوالحسن، احمد بن محمد صابونی سے یہی قول مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی ایسا ہی ایک قول مروی ہے لیکن بعد میں آپ نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ قبیلہ فزارہ کی شاخ بنو کمخ کے ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا۔ اس کے بعد اس نے جب اس لڑکی کی والدہ کو دیکھا تو اس کے حسن پر فریفتہ ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا کہ میں اب لڑکی کی

والدہ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس لڑکی کو طلاق دے کر اس کی والدہ سے نکاح کر سکتے ہو۔ اس شخص نے ایسے ہی کیا اور اس عورت سے اس کی اولاد بھی ہوئی۔ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مدینہ تشریف لائے اور اس مسئلہ کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ حلال نہیں ہے۔ پھر آپ واپس کوفہ تشریف لے گئے اور اس شخص کو کہا کہ یہ عورت تم پر حرام ہے اس لیے اسے چھوڑ دو اس نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ لڑکی صرف عقد نکاح سے حرام نہیں ہوتی جب تک کہ مرد اس کی ماں سے مباشرت نہ کر لے۔ لیکن اس کے برعکس ماں لڑکی کے ساتھ صرف عقد نکاح ہوتے ہی حرام ہو جاتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دے دے یا وہ دخول سے پہلے مر جائے تو اس کی ماں اس کے لیے حلال نہیں ہوگی کیونکہ یہ مبہم ہے اس لیے اس کو ناپسند فرمایا ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عمران بن حصینؓ اور حضرات مسروق، طاؤس، عکرمہ، حسن بصری اور بہت سے تابعین سے مروی ہے۔ یہی ائمہ اربعہ اور فقہائے سبعہ کا مذہب ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ صحیح قول انہی حضرات کا ہے جو ساس کو دونوں صورتوں میں حرام بتاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حرمت کے ساتھ دخول کی شرط نہیں لگائی جیسا کہ لڑکی کی ماں کے لیے یہ شرط لگائی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس مسئلہ پر اجماع ہے اس لیے اس کی مخالفت کرنا جائز نہیں۔ نبی کریم ﷺ سے بھی ایک ضعیف روایت میں جس کی سند محل نظر ہے، مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کر لے تو اس کے لیے اس عورت کی ماں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔ چاہے اس کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ جس کسی نے کسی عورت کی ماں سے نکاح کیا اور دخول سے پہلے طلاق دے دی تو اب چاہے تو اس کی بیٹی سے شادی کر سکتا ہے۔ اس حدیث کی سند اگرچہ کمزور ہے لیکن اس مسئلہ پر امت کا اجماع اس کی صحت کا مقتضی ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ تمہاری پرورش میں وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہوں وہ بھی حرام ہیں بشرطیکہ تم نے اپنی ان سوتیلی لڑکیوں کی ماں سے صحبت کی ہو۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ خواہ گود میں پلی ہوں یا نہ پلی ہوں حرام ہیں۔ کیونکہ عموماً ایسی لڑکیاں اپنی ماں کے ساتھ ہی ہوتی ہیں اور اپنے سوتیلے باپوں کے ہاں ہی پرورش پاتی ہیں اس لیے یہاں فرما دیا کہ وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہوں۔ حالانکہ یہ حکم اس کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا ''ترجمہ: اور اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں''۔ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ اگر وہ خود پاکدامنی نہ چاہتی ہوں تو انہیں بدکاری پر مجبور کیا جائے۔ حضرت ام حبیبہؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میری بہن سے نکاح کر لیجئے، آپ نے فرمایا کیا تم یہ پسند کرتی ہو۔ عرض کی ہاں، میں آپ کو خالی نہیں رکھ سکتی اور میں اپنی بہن کو بھی اس کار خیر میں شریک کرنا چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ میرے لیے حلال نہیں انہوں نے عرض کی ہمیں تو معلوم ہوا ہے کہ آپ ابوسلمہ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کی وہ بیٹی جو ام سلمہ سے ہے۔ عرض کی ہاں۔ تو آپ نے فرمایا اول تو وہ مجھ پر حرام ہے اس لیے کہ وہ میرے پاس پرورش پا رہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تب بھی وہ مجھ پر حرام ہے کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔ ثوبیہ نے مجھے اور ابوسلمہ کو ایک ساتھ دودھ پلایا تھا۔ خبردار! اپنی بیٹیاں اور بہنیں مجھ پر پیش نہ کیا کرو(1)۔ بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر میں ام سلمہ سے نکاح نہ بھی کرتا تو تب بھی وہ میرے لیے حلال نہ تھی۔ یہاں آپ نے حسرت کی اصل صرف نکاح کو قرار دیا ہے۔ یہی مذہب ائمہ اربعہ، فقہائے سبعہ اور جمہور علمائے خلف وسلف کا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر وہ لڑکی اس شخص کی گود میں پرورش پا رہی ہے تب تو اس پر حرام ہے وگرنہ نہیں۔ حضرت اوس بن حدثان فرماتے ہیں کہ میری بیوی اولاد چھوڑ کر فوت ہوگئی اس سے مجھے بہت افسوس ہوا۔ ایک دن حضرت علی بن ابی طالبؓ سے ملاقات ہوئی۔ مجھے غمگین دیکھ کر مجھ سے دریافت

1۔ فتح الباری، کتاب النکاح 140/9

کیا کہ کیا بات ہے۔ میں نے تمام قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا اس کے پہلے خاوند کی کوئی بیٹی ہے۔ میں نے کہا ہاں وہ طائف میں رہتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے نکاح کرلو میں نے یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنائی اور ان سے پوچھا کہ اس کا پھر کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ لڑکی تمہاری گود میں ہوتی تو حرام ہوتی۔ اور وہ تمہاری گود میں نہیں بلکہ طائف میں ہے۔ اگرچہ اس کی سند صحیح ہے لیکن یہ قول انتہائی غریب ہے۔ اسی قول کو داؤد ظاہری اور اس کے ساتھیوں نے اختیار کیا ہے اور رافعی کی روایت کے مطابق امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابن حزم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ہمارے شیخ ابوعبداللہ ذھبی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ روایت شیخ ابن تیمیہ کے سامنے پیش کی تو انہوں نے اسے مشکل قرار دیا اور توقف کیا۔ حجور سے مراد گھر ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوعبیدہ سے مروی ہے کہ اگر لونڈی ملکیت میں ہو اور اس کے ساتھ اس کی لڑکی بھی ہو تو اس کے بارے میں حضرت عمرؓ سے سوال کیا گیا کہ ایک کے بعد دوسری جائز ہوئی یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں یہ پسند نہیں کرتا۔ اس کی سند منقطع ہے۔ یہی سوال حضرت ابن عباسؓ سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک آیت کریمہ سے یہ حلال معلوم ہوتی ہے اور دوسری سے حرام۔ اس لیے میں اسے ہرگز پسند نہیں کرتا۔ شیخ ابوعمرو بن عبدالبر فرماتے ہیں کہ علماء کا اس امر میں اختلاف نہیں کہ جب کوئی شخص اپنی لونڈی کے ساتھ وطی کرے تو اب اس کی بیٹی کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے نکاح میں بھی حرام قرار دیا ہے اور لونڈی احکام نکاح کا تابع ہے۔ سوائے اس روایت کے جو کہ عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔ لیکن علمائے مجتہدین اور ان کے متبعین میں سے کسی نے اس قول کو اختیار نہیں کیا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ربیبہ کی لڑکی اور اس لڑکی کی لڑکی اسی طرح جس قدر یہ رشتہ نیچے چلا جائے سب حرام ہیں۔ اسی طرح ابوالعالیہ سے یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "دَخَلْتُمْ بِهِنَّ" سے مراد نکاح کرنا ہے۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ رخصتی ہو جائے، کپڑا اٹھا لیا جائے، چھیڑ چھاڑ شروع ہو جائے اور مرد ارادہ کر کے بیٹھ جائے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اگر یہ کام عورت کے گھر میں ہو تو آپ نے فرمایا کہ دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو اس عورت کی لڑکی اس پر حرام ہو جائے گی۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ صرف خلوت اور تنہائی ہو جانے سے اس لڑکی کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اگر مباشرت کرنے، ہاتھ لگانے، اور شہوت سے اس کے عضو کی طرف دیکھنے سے پہلے طلاق دے دی تو بالاجماع اس کی لڑکی اس پر حرام نہیں ہوگی جب تک کہ اس سے مباشرت نہ کرلے۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ: یہاں بیان فرمایا کہ تمہاری وہ بہوئیں بھی تم پر حرام ہیں جو تمہاری اپنی اولاد کی بیویاں ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ منہ بولے بیٹوں کی بیویاں حرام نہیں۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا...... (احزاب:37)" ترجمہ: جب زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش پوری کرلی تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا تا کہ ایمان والوں کو کوئی حرج نہ ہو۔ اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ کرلیں۔ اور اللہ کا حکم ہر حال میں ہو کر رہتا ہے"۔ حضرت ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ نبی ﷺ نے جب حضرت زید کی زوجہ سے نکاح کرلیا تو مشرکین مکہ نے طرح طرح کی باتیں کرنا شروع کر دیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل فرمائیں۔ 1۔ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمْ...... 2۔ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ (احزاب:4)۔ 3۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ...... (احزاب:40) حضرت حسن بن محمد فرماتے ہیں کہ یہ آیات مبہم ہیں۔ مبہم کا معنی یہ ہے کہ ان میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا دونوں شامل ہیں۔ صرف نکاح ہوتے ہی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اور اس مسئلہ پر سب کا اتفاق ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ رضاعی بیٹے کی عورت کیسے حرام ہے جیسا کہ

جمہور علماء نے فرمایا ہے حالانکہ آیات کریمہ میں صلبی بیٹے کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حرمت رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے ثابت ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا کہ رضاعت سے بھی وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہو جاتے ہیں۔

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ: اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا کہ بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ یہی حکم مِلْكِ يَمِيْن کی لونڈیوں کا ہے۔ کہ وہاں بھی دو بہنوں کے ساتھ ایک ہی وقت میں مباشرت کرنا حرام ہے۔ مگر جو زمانہ جاہلیت میں ہو چکا اس سے ہم درگزر کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ آئندہ یہ کام کسی وقت بھی جائز نہیں۔ جیسا کہ ایک مقام پر ارشاد فرمایا: لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى (دخان: 56) وہاں موت کا ذائقہ نہیں چکھیں گے بجز اس پہلی موت کے پس معلوم ہوا کہ آئندہ کبھی موت نہیں آئے گی۔ صحابہ کرامؓ، تابعین، آئمہ عظام اور علمائے خلف وسلف کا اس بات پر اجماع ہے کہ دو بہنوں سے ایک کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ جو شخص مسلمان ہوا اور اگر اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں تو اسے اختیار ہے کہ ایک کو رکھ لے اور دوسری کو طلاق دے دے۔ ابو فیروز اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں دو بہنیں تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے مجھے ایک کو طلاق دینے کا حکم فرمایا(1)۔ اور ترمذی کے الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ دونوں میں سے جسے چاہو اختیار کر لو۔ حضرت ابو الخراشؓ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت میرے نکاح میں دو بہنیں تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب واپس جاؤ تو ان میں سے ایک کو طلاق دے دینا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ابو خراش وہی ضحاک بن فیروز ہو اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور شخص ہو۔ ابن مردویہ دیلمی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں۔ آپ نے فرمایا ان میں سے ایک کو طلاق دے دو۔ جس دیلمی کا پہلے ذکر ہے وہ ضحاک بن فیروز دیلمی ہیں ان کا شمار یمن کے ان امراء میں ہوتا ہے جنہوں نے مدعی نبوت اسود عنسی کو قتل کیا۔ دو لونڈیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں ایک ساتھ جمع کر کے ان کے ساتھ وطی کرنا بھی حرام ہے۔ اس کی دلیل اسی آیت کا وہ عمومی حکم ہے جو بیویوں اور لونڈیوں دونوں کو شامل ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ مکروہ ہے۔ اس پر سائل نے کہا کہ قرآن میں اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کے الفاظ ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تیرا اونٹ بھی تیرے دائیں ہاتھ کی ملکیت میں ہے۔ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ سے یہی مروی ہے۔ اگرچہ بعض سلف صالحین نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک آیت اسے حلال کرتی ہے اور دوسری حرام۔ اس لیے میں اس سے منع نہیں کرتا۔ سائل وہاں سے نکلا تو راستے میں ایک صحابی سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے ان سے بھی یہی سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں ایسا کرنے والے کو عبرت ناک سزا دیتا۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ غالباً یہ صحابی حضرت علیؓ ہیں۔ حضرت زبیر بن عوامؓ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ علامہ ابن عبد البرؒ ''استذکار'' میں فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے راوی قبیصہ بن ذویب نے حضرت علیؓ کا نام اس لیے نہیں لیا کہ وہ عبد الملک بن مروان کا مصاحب تھا اور ان لوگوں پر آپ کا نام گراں گزرتا تھا۔ حضرت ایاس بن عامرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ میری ملکیت میں دو لونڈیاں ہیں جو دونوں آپس میں بہنیں ہیں۔ ایک سے میں نے تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور میرے ہاں اس سے اولاد بھی ہوئی ہے اب میرا جی چاہتا ہے کہ اس کی بہن جو میری لونڈی ہے کے ساتھ تعلق قائم کروں۔ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پہلی لونڈی کو آزاد کر کے پھر اس کی بہن سے تعلق قائم کر سکتے ہو۔ اس نے کہا کہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ میں اس کا نکاح کرا دوں پھر اس کی بہن سے مل سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اس صورت

1۔ مسند احمد 232/4

میں یہ خرابی ہے کہ اگر اس کا خاوند اسے طلاق دے دے یا انتقال کر جائے تو وہ لوٹ کر تمہاری طرف آ جائے گی۔ اس لیے اسے آزاد کر دینے میں زیادہ سلامتی ہے۔ پھر میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ آزاد عورتوں اور لونڈیوں کے احکام حرمت وحلت کے لحاظ سے یکساں ہیں البتہ تعداد میں فرق ہے۔ یعنی آزاد عورتیں چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے ہو اور لونڈی کی تعداد میں کوئی قید نہیں اور اسی طرح رضاعت بھی کسی عورت کا دودھ پینے سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ روایت ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص مشرق یا مغرب سے صرف اس روایت کو سننے کے لیے مکہ کے لیے سفر کرے تو اس کے لیے یہ سودا مہنگا نہیں۔ یہ خیال رہے کہ حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے جس طرح حضرت عثمانؓ سے مروی ہے یعنی آپ نے فرمایا کہ ان دو لونڈیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں بیک وقت ان کے ساتھ مباشرت کرنے کو ایک آیت نے حرام قرار دیا ہے اور دوسری نے حلال۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میری لونڈیاں میری قرابت کے باعث تو حرام ہوتی ہیں لیکن جو قرابت ان کی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہے اس سے حرام نہیں ہوتیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دور جاہلیت میں بھی لوگ ان تمام رشتوں کو حرام سمجھتے تھے جن کو تم اسلام میں حرام سمجھتے ہو۔ سوائے اس کے کہ وہ سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کرنا، دونوں بہنوں کو ایک عقد میں جمع کرنا حرام نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرما کر ان دونوں کو حرام کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جو آزاد عورتیں حرام ہیں لونڈیاں بھی وہی حرام ہیں۔ لیکن لونڈیوں کی تعداد متعین نہیں۔ امام شعبی کا بھی یہی قول ہے۔ ابوعمر وفرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قول کی مثل دوسرے بزرگوں کے اقوال بھی موجود ہیں۔ لیکن اول تو ان سے اس قول کی روایت میں سخت اختلاف ہے۔ دوسرے محققین علماء نے اس قول کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ حجاز، عراق، شام، بلکہ شرق وغرب کے فقہاء نے اس قول کو قبول نہیں کیا۔ سوائے چندان لوگوں کے جو اپنے آپ کو ظاہری کہتے ہیں اور قیاس کے مخالف ہیں۔ گویا انہوں نے ایک متفق علیہ مسئلہ کی مخالفت کی ہے۔ وگرنہ فقہاء کی جماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس طرح دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اسی طرح لونڈیوں میں جو دوسگی بہنیں ہوں ان کے ساتھ بھی بیک وقت مباشرت کرنا حرام ہے۔ اور اہل اسلام کا اس امر پر اجماع ہے کہ اس آیت کریمہ میں جس طرح ماں، بہن اور بیٹی کو حرام قرار دیا گیا ہے اسی طرح یہ تمام رشتے لونڈیوں میں بھی حرام ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں حکم میں برابر ہیں۔ اسی طرح دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے اور عورت کی ماں کے ساتھ نکاح کرنے اور دوسرے خاوند کی لڑکی سے نکاح کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ اور یہی جمہور علماء کا مذہب ہے اور یہی مخالفین کے خلاف ہماری بھرپور دلیل ہے۔ (تَمَّ الْجُزْءُ الرَّبِعُ بِعَوْنِهٖ تَعَالٰی)

(پارہ پنجم) وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ: اس آیت کریمہ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ اجنبی عورتیں جو کسی کے نکاح میں ہوں تم پر حرام ہیں۔ مگر وہ عورتیں جو کافر ہوں اور میدان جنگ سے قید ہو کر تمہارے پاس آئیں تو وہ ایک حیض گزرنے کے بعد تم پر حلال ہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ اوطاس میں ہم نے کچھ شادی شدہ عورتوں کو قید کیا۔ ہم نے ان کے بارے حضور ﷺ سے پوچھا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ اس حدیث کو امام مسلم، نسائی، احمد اور امام عبدالرزاق وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ امام احمد کے یہ الفاظ ہیں کہ صحابہ کرام نے جنگ اوطاس میں کچھ عورتوں کو قید کیا جن کے خاوند مشرک تھے اور بعض صحابہؓ نے ان کے ساتھ مباشرت نہ کی پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ طبرانی کی روایت کے مطابق یہ غزوۂ خیبر کا واقعہ ہے۔ علمائے سلف کی ایک جماعت نے اس آیت کریمہ کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ لونڈی کو بیچ دینا ہی اس کے خاوند کی طرف سے طلاق کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے

1۔ مسند امام احمد 72/3

جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے کہ اس لونڈی کا بکنا ہی طلاق ہے اور پھر وہ یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی منکوحہ لونڈی بیچی جائے تو اس کا آقا اس کے جسم کا زیادہ حقدار ہے۔ حضرات ابی بن کعبؓ، جابر بن عبداللہؓ کا یہی فتویٰ ہے کہ اس کا فروخت کرنا ہی اس کی طلاق ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لونڈی کی طلاقیں چھ ہیں: 1۔ اس کا فروخت کرنا، 2۔ آزاد کرنا، 3۔ ہبہ کرنا 4۔ برأت کرنا 5۔ خاوند کا طلاق دینا۔ روایت صرف پانچ مذکور ہیں (مترجم)۔ حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ منکوحہ عورت سے نکاح کرنا حرام ہے۔ مگر لونڈی کا بکنا ہی اس کی طلاق ہے۔ یہ ان علماء کے اقوال ہیں جنہوں نے فرمایا کہ لونڈی کا فروخت کرنا ہی اس کی طلاق کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ لیکن جمہور علماء اس کے خلاف ہیں ان کے نزدیک لونڈی کو بیچنا طلاق کے قائم مقام نہیں ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ خریدار بیچنے والے کا نائب ہوتا ہے اور بیچنے والا اس نفع کو اپنی ملکیت سے نکال رہا ہے اور وہ اس کو سلب کر کے بیچ رہا ہے۔ اور ان کی دلیل حضرت بریرہؓ کی حدیث ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا اور ان کا نکاح ان کے خاوند حضرت مغیثؓ سے فسخ نہ ہوا۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریرہؓ کو نکاح کے فسخ کرنے یا باقی رکھنے کا اختیار دیا۔ تو انہوں نے نکاح کو فسخ کرنا پسند کیا۔ ان کا قصہ بہت مشہور ہے۔ اگر لونڈی کو بیچنا اس کی طلاق کے قائم مقام ہوتا تو جیسا کہ یہ بزرگ فرماتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ اس کو یہ اختیار نہ دیتے۔ اور آپ کا یہ اختیار دینا نکاح کے باقی رہنے کی دلیل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں وہی لونڈیاں مراد ہیں جو جنگ میں قید ہو کر آئی ہوں۔ واللہ اعلم۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں محصنات سے مراد پاکدامن عورتیں ہیں یعنی یہ پاکدامن عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جب تک کہ تم نکاح گواہ، مہر وغیرہ پورے کر کے ان کی عصمت کے مالک نہ بن جاؤ۔ خواہ ایک سے نکاح کرو خواہ دو، تین یا چار سے۔ یہ حضرت ابوالعالیہ اور طاؤس سے مروی ہے۔ حضرت عمرؓ اور عبیدہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ چار سے زائد عورتیں تم پر حرام ہیں لیکن لونڈیوں میں تعداد کی کوئی قید نہیں۔

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ: یعنی چار عورتوں کے علاوہ باقی کا حرام ہونا اللہ تعالیٰ نے تم پر لازم کر دیا ہے اس لیے اس کے حکم کو لازم پکڑو اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کرو

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ: یعنی اللہ تعالیٰ نے جن عورتوں کے حرام ہونے کا ذکر کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام کے لیے حلال ہیں۔ یہ حضرت عطاء کا قول ہے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ چار سے کم تم پر حلال ہیں لیکن یہ قول قرین قیاس نہیں اور صحیح قول حضرت عطاء کا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد لونڈیاں ہیں۔ اور یہی آیت ان لوگوں کی دلیل ہے جو دو بہنوں کو جمع کرنے کی حلت کے قائل ہیں اور ان لوگوں کی بھی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ اسے ایک آیت حرام کرتی ہے اور دوسری حلال۔

وَاَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ: یعنی ان حلال عورتوں میں سے چار کے ساتھ بطریق شرعی مال کے بدلے میں نکاح کر سکتے ہو لیکن لونڈیوں میں تعداد کی حد مقرر نہیں۔ یہاں نکاح شرعی مراد ہے اس لیے فرمایا کہ تم ان عورتوں کے ساتھ نکاح زنا سے بچنے کے لیے کرو۔ صرف نفسانی خواہشات مقصود نہ ہوں۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ: جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ ان سے اس فائدہ کے مقابلہ میں مہر ادا کرو جیسا کہ پہلے ارشاد فرمایا: وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ (نساء:21)۔ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (نساء:4)۔ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا (بقرہ:229)

اس آیت کے عموم سے نکاح متعہ پر استدلال کیا گیا ہے۔ یہ نکاح ابتداء اسلام میں مشروع تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا۔ امام شافعیؒ

منسوخ ہوا۔اور بعض کا قول ہے کہ صرف ایک بار مباح اور پھر منسوخ ہو گیا۔اس کے بعد پھر مباح نہیں۔حضرت ابن عباسؓ اور چند دیگر صحابہ کرام سے ضرورت کے وقت اس کی اباحت مقرر ہے۔امام احمد بن حنبل سے بھی ایک ایسی ہی روایت مروی ہے۔حضرات عبداللہ بن عباس، ابی بن کعبؓ اور حضرات سعید بن جبیر اور سدی سے "مِنْهُنَّ" کے بعد "اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى" کی قرات مروی ہے لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں۔اس کا بہترین فیصلہ حضرت علیؓ کی وہ روایت ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے دن نکاح متعہ اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا(1)۔حضرت معبد جہنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی رخصت دی تھی۔غور سے سنو! بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک حرام کر دیا ہے۔جس کے پاس اس قسم کی کوئی عورت ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے چھوڑ دے اور جو کچھ تم نے انہیں پہلے دے دیا ہے وہ ان سے نہ لو(2)۔صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے یہ حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا اور یہ حدیث کئی مختلف الفاظ سے مروی ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ: جن لوگوں نے اس آیت کو نکاح متعہ پر محمول کیا ہے وہ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جب مدت مقررہ گزر جائے تو مزید مدت بڑھا لینے اور جو کچھ پہلے دیا ہے اس کے علاوہ اور دینے میں کوئی گناہ نہیں۔سدی فرماتے ہیں کہ اگر چاہے تو پہلے سے مقرر کردہ مہر کے بعد جو اسے دے چکا ہے وقت کے ختم ہونے سے پیشتر ہی کہہ دے کہ میں اتنی اتنی مدت کے لیے پھر متعہ کرتا ہوں۔پس اس نے رحم کی برأت سے پہلے یہ زیادتی مقرر کر لی اور جب مدت پوری ہو جائے تو وہ شخص اس عورت پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتا۔وہ عورت اس سے جدا ہو جائے گی اور اس عورت پر لازم ہو جائے گا کہ ایک حیض تک ٹھہر کر اپنے رحم کی صفائی کر لے۔اس صورت میں اگر کوئی فوت ہو گیا تو وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔اور جن حضرات نے اس آیت کریمہ کو نکاح مسنونہ پر محمول کیا ہے۔ان کے نزدیک اس کا معنی واضح ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (نساء:4) کی تفسیر ہے۔یعنی مہر مقرر کرنے کے بعد اگر عورت مکمل مہر یا اس کے کچھ حصے سے دستبردار ہو جائے تو اس میں بیوی کا کوئی گناہ نہیں حضرمی فرماتے ہیں کہ یہ لوگ پہلے مہر مقرر کر دیتے تھے اور پھر جب تنگدست ہو جاتے تو اس کی بیوی مہر معاف کر دیتی۔یہ ان کے لیے جائز ہے۔اسی مفہوم کو اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے۔ابن جریر نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس آیت میں باہمی رضامندی سے یہ مراد ہے کہ وہ شخص پہلے اپنی بیوی کو مکمل مہر ادا کر دے اور پھر اسے اختیار دے دے چاہے تو اس کے ساتھ رہے چاہے تو الگ ہو جائے۔پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔حرمت و حلت کے احکام بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ان دو صفتوں کا ذکر ہونا نہایت ہی مناسب ہے کیونکہ ان احکام میں جو حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ان کو وہی بخوبی جانتا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ

1۔فتح الباری 166/9 2۔مسلم، کتاب النکاح 1024

اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

''اور جو نہ رکھتا ہو تم میں سے اس کی طاقت کہ نکاح کرے آزاد مسلمان عورتوں سے تو وہ نکاح کرے جو تمہارے قبضہ میں ہیں تمہاری کنیزیں جو مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے تمہارے ایمان (کی کیفیت) کو بعض تمہارا بعض (کی جنس) سے ہے۔ تو نکاح کرلو ان سے ان کے سرپرستوں کی اجازت سے اور دو ان کو مہران کے دستور کے موافق (تاکہ نکاح سے) وہ پاکدامن بن جائیں نہ (اعلانیہ) زنا کار اور نہ بنانے والی ہوں پوشیدہ دوست۔ اور جب وہ نکاح سے محفوظ ہو جائیں پھر اگر وہ ارتکاب کریں بدکاری کا، تو ان پر اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں کے لیے ہے۔ یہ (لونڈیوں سے نکاح کی اجازت) اس کے لیے ہے جسے خطرہ ہو بدکاری میں مبتلا ہونے کا اور تمہارا صبر کرنا بہتر ہے تمہارے لیے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو شخص آزاد، پاکدامن عورتوں سے نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ مومن لونڈیوں سے نکاح کرلے۔ ربیعہ فرماتے ہیں کہ یہاں طول سے مراد خواہش اور قصد ہے یعنی لونڈی سے نکاح کرنے کی خواہش۔ امام ابن جریر نے اس قول کو رد کیا ہے۔

فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ: یعنی وہ کسی مومن لونڈی کے ساتھ نکاح کرلے۔ جو مسلمانوں کی ملکیت میں ہو۔ حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام امور کے حقائق اور اسرار کو بہتر جانتا ہے۔ لیکن تم لوگ صرف ظاہر بین ہو۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ان لونڈیوں سے ان کے مالکوں سے اجازت لے کر نکاح کرو اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح میں اس کا ولی اس کا آقا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح غلام کے نکاح کا ولی بھی اس کا آقا ہے وہ اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کرتا ہے تو وہ زانی ہے۔ اگر لونڈی کی مالکہ عورت ہو تو اس کی اجازت سے اس لونڈی کا نکاح وہی کرے جو عورت کا نکاح کرسکتا ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ عورت عورت کا نکاح نہ کرائے اور نہ ہی عورت خود اپنا نکاح کرے۔ اور جو عورت خود اپنا نکاح کرتی ہے وہ زانی ہے۔

وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ: یعنی ان لونڈیوں کے مہر خوشدلی سے ادا کرو۔ اور ان کو حقیر سمجھتے ہوئے مہر میں کمی نہ کرو۔ محصنات کا معنی زنا سے پاک ہونا ہے اس لیے ارشاد فرمایا کہ نہ تو وہ ایسی عورتیں ہیں جو کسی دوسرے کو اپنے سے زنا کرنے سے نہ روکتی ہوں۔ اور نہ ہی ایسی ہوں جو دوسروں کے ساتھ خفیہ دوستی لگاتی ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مسافحات سے مراد وہ عورتیں ہیں جو علی الاعلان زنا کا ارتکاب کرتی ہیں۔ اور اگر ان کے پاس کوئی اس ارادے سے آئے تو انہیں روکتی نہیں۔ اور ''مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ'' سے مراد وہ عورتیں ہیں جو خفیہ طور پر اپنے آشنا بنالیتی ہیں۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لونڈی ہے جو کسی ایک شخص کو اپنا آشنا بنالیتی ہے اور اس کا اقرار بھی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ: اُحْصِنَّ کو اَحْصَنَّ بھی پڑھا گیا ہے لیکن دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ یہاں احصان سے کیا مراد ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔ 1۔ یہاں اس سے مراد اسلام ہے۔ یہ قول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت انسؓ اور بہت

مطابق یہی امام شافعی کا قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سنت اور اکثر اہل علم کی اجماع سے استدلال کرتے ہم نے یہ قول اختیار کیا ہے۔
حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ احسان سے مراد ان کا مسلمان اور پاکدامن ہونا ہے۔ لیکن یہ حدیث منکر ہے اور اس کی سند انتہائی ضعیف ہے اس لیے یہ قابل استدلال نہیں۔ حضرت قاسم اور سالم کا بھی یہی قول ہے۔

2۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں احصان سے مراد شادی شدہ ہونا ہے۔ یہ ابن عباسؓ، مجاہد، عکرمہ، طاؤس، سعید بن جبیر، حسن بصری اور قتادہؒ کا قول ہے۔ ابو علی طبری نے اپنی کتاب "الایضاح" میں امام شافعی سے یہی قول نقل کیا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ لونڈی کا محصن ہونا یہ ہے کہ کوئی آزاد اس سے نکاح کرلے۔ اور اسی طرح غلام کا محصن ہونا یہ ہے کہ وہ کسی آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرلے۔ اس قول کو ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ سے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اور ابن ابی حاطب نے امام شعبی اور نخعی سے یہی قول روایت کیا ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ دونوں قراتوں کے اختلاف سے معنی مختلف ہیں۔ اگر اُحصن پڑھا جائے تو اس کا معنی نکاح ہے۔ اور اگر اَحصن پڑھا جائے تو اس کا معنی مسلمان ہونا ہے۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ لیکن بظاہر یہاں اس سے مراد نکاح کرنا ہی ہے۔ کیونکہ آیات کا سیاق اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ ایمان کا ذکر تو آیت کریمہ میں صراحۃً مذکور ہے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ "اِذَآ اُحۡصِنَّ" سے مراد نکاح کرنا ہے۔ بہر حال جمہور کے مذہب پر اشکال باقی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جب کوئی لونڈی زنا کرے تو اس کی سزا پچاس درے ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر۔ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ لیکن آیت کا مفہوم اس بات کا مقتضی ہے کہ غیر محصنہ لونڈی زنا کرے تو اس کی کوئی حد نہیں۔ اس کے مختلف جواب دیے گئے ہیں 1۔ جمہور فرماتے ہیں کہ آیت کے منطوق کو اس کے مفہوم پر مقدم کیا جائے گا۔ اس لیے ہم نے ان روایات کے عموم کو آیت کے مفہوم پر مقدم کیا ہے جن میں لونڈیوں کو حد لگانے کا حکم ہے۔ حضرت علیؓ نے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! اپنی لونڈیوں پر حد لگاؤ۔ خواہ وہ محصنہ ہوں یا غیر محصنہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی لونڈی کے زنا کرنے پر حد لگانے کا حکم فرمایا چونکہ وہ حالت نفاس میں تھی اس لیے مجھے خوف ہوا کہ وہ کوڑے لگنے سے کہیں مر نہ جائے۔ چنانچہ میں نے اسے اس وقت حد نہ لگائی اور حضور ﷺ کو اس حال سے آگاہ کیا، آپ نے فرمایا تم نے اچھا کیا۔ جب تک وہ صحیح نہ ہو جائے اسے حد نہ لگانا(1)۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ جب وہ فارغ ہو جائے تو اسے پچاس کوڑے لگا دینا۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اس پر حد لگائے اسے برا بھلا نہ کہے اور اگر پھر زنا کرے تو اسے حد لگائے اور برا بھلا نہ کہے۔ اور اگر تیسری بار زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے بیچ دے اگرچہ بالوں کی ایک رسی کے بدلے میں فروخت کرے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ اگر تین بار اس سے یہ فعل سرزد ہو جائے تو چوتھی مرتبہ اسے فروخت کر دے۔ حضرت ابو ربیعہ مخزومی فرماتے ہیں کہ ہم چند قریشی نوجوانوں کو حضرت عمر فاروقؓ نے عمارۃ کی لونڈیوں میں سے کسی ایک پر حد جاری کرنے کو فرمایا تو ہم نے اس کو پچاس کوڑے لگائے۔

2۔ جن لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ لونڈی جب زنا کرے اور محصنہ نہ ہو تو اس پر کوئی حد نہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس لونڈی کو تعزیری سزا دی جائے گی۔ یہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے حضرات طاؤس، سعید بن جبیر، ابو عبید قاسم بن سلام اور داؤد ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور ان کی سب سے بڑی دلیل مفہوم آیت ہے اور یہ شرط کے مفاہیم میں سے ہے۔ اور اکثر کے نزدیک حجت ہے اس لیے اس کو عموم

1۔ مسلم، کتاب الحدود 1330

سے مقدم کیا جائے گا۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور زید بن خالدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس لونڈی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے زنا کیا ہو اور محصنہ نہ ہو تو آپ نے فرمایا کہ اگر وہ زنا کرے تو اس کو حد لگاؤ اور اگر دوبارہ کرے تو اس کو حد لگاؤ پھر اس کو بیچ دو اگر چہ ایک رسی کے بدلے میں۔ راوی حدیث ابن شہاب فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے یہ تیسری مرتبہ کے بعد فرمایا کہ چوتھی کے۔ کا جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں کوڑوں کی تعداد مقرر نہیں جیسا کہ محصنہ لونڈی کے بارے میں مقرر فرمائی۔ اسی طرح قرآن پاک میں بھی واضح طور پر فرمادیا گیا کہ لونڈیوں کی سزا آزاد محصنہ کے مقابلہ میں نصف ہوگی۔ پس اس لیے اس آیت کریمہ اور اس حدیث میں اس طرح تطبیق کرنا واجب ہے۔ اور یہ حکم حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اس سے بھی زیادہ صحیح ہے۔ آپ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لونڈی پر حد نہیں یہاں تک کہ وہ محصنہ ہو جائے۔ یعنی نکاح کرلے۔ اور جب وہ خاوند کی وجہ سے محصنہ ہو جائے تو آزاد عورت کے مقابلہ میں اس کی نصف حد ہے۔ یہ حدیث صحیح ابن خزیمہ میں بھی ہے۔ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ اس کو مرفوع کہنا خطا ہے کیونکہ یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔ بیہقی نے اسے عبداللہ بن عمران سے روایت کیا ہے اور اسے موقوف کہا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ والی احادیث ایک واقعہ کا فیصلہ ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث کے کئی جوابات ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس لونڈی پر محمول ہے جو منکوحہ ہو اس طرح ان دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ اس حدیث میں حد کا لفظ کسی راوی کا اپنا اضافہ ہے۔ تیسرا یہ کہ اس حدیث کو دو صحابی روایت کرتے ہیں جب کہ ابو ہریرہؓ والی حدیث کو وہ اکیلے ہی روایت کرنے والے ہیں اور وہ حدیث جو دو صحابہ سے مروی ہو وہ اس حدیث میں مقدم ہوتی ہے جو ایک صحابی سے مروی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کو امام نسائی نے صحیح مسلم کی شرائط کے مطابق عباد بن تمیم سے روایت کیا ہے۔ جو اس حدیث کو اپنے چچا جو کہ بدری صحابی ہیں سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب لونڈی زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ، پھر زنا کرے کوڑے لگاؤ، تیسری بار زنا کرے تو کوڑے لگاؤ اور چوتھی بار اس کو بیچ دو، اگر چہ بال کی رسی کے بدلے میں بیچو۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ بات بعید نہیں کہ کسی راوی نے جلد (کوڑے مارنا) پر حد کا اطلاق کر دیا ہو۔ کیونکہ اس کی سزا کوڑے ہے۔ اس نے اسی کو حد سمجھ لیا ہو۔ یا اس نے تادیباً لفظ حد کا اطلاق کیا ہو جیسا کہ لفظ حد کا اطلاق اس سزا پر بھی کیا گیا ہے جو مریضانی کو کھجور کے اس گچھے سے مار کر دی جاتی ہے جس میں سو چھوٹی چھوٹی شاخیں ہوں۔ اسی طرح لفظ حد کا اطلاق اس شخص کی سزا پر بھی کیا جاتا ہے جس نے اپنی بیوی کی لونڈی کے ساتھ زنا کیا ہو اگر چہ اس کی بیوی نے اس کو اجازت بھی دے دی ہو۔ اس کو سو کوڑے لگانا تعزیر اور تادیب کے طور پر ہے۔ جیسا کہ امام احمد اور دوسرے بزرگوں کا خیال ہے۔ کیونکہ حقیقی حد صرف یہ ہے کہ کنوارے کو سو کوڑے لگائے جائیں۔ اور شادی شدہ یا لوطی کو رجم کیا جائے واللہ اعلم۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ لونڈی جب تک منکوحہ نہ ہو اسے زنا پر نہ مارا جائے اس کی سند تو صحیح ہے۔ لیکن اس کا یہ مذہب غریب ہے۔ اگر تو انہوں نے اس سے یہ مراد لی ہے کہ اس کو نہ مارا جائے اور نہ ہی حد لگائی جائے تو ممکن ہے انہوں نے اس کریمہ کے مفہوم پر عمل کرتے ہوئے فتویٰ دے دیا ہو اور انہیں یہ حدیث نہ پہنچی ہو۔ اور اگر ان کی یہ مراد ہو کہ اس کو حد نہ لگائی جائے تو اس سے تادیباً کوڑے مارنے کی نفی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے۔

3۔ یہ آیت کریمہ منکوحہ لونڈی کی سزا پر دلالت کرتی ہے کہ اسے آزاد عورت کے مقابلہ میں نصف حد لگے گی لیکن منکوحہ ہونے سے پہلے وہ بھی کتاب وسنت کے عموم میں داخل ہے۔ یعنی اس کو بھی سو کوڑے لگیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ”ترجمہ: جو عورت اور مرد زنا کار ہوں تو لگاؤ ہر ایک کو ان میں سے سو (سو) درے“۔ جیسا کہ حدیث پاک

گھوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اگر دونوں منکوحہ ہوں تو ان کی سزا سو کوڑے اور پتھروں سے رجم کرنا ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور اسی مفہوم کی اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں۔ یہی قول داؤد ظاہری کا ہے لیکن یہ انتہائی ضعیف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منکوحہ لونڈوں کی پچاس کوڑے مارنے کا حکم دیا ہے اور شادی سے پہلے اس کی یہ سخت سزا کیسے ممکن ہے۔ حالانکہ شریعت کی اصل اس کے برعکس ہے۔ شارع علیہ السلام سے صحابہ کرامؓ نے غیر منکوحہ زانیہ لونڈی کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے جواب دیا اسے کوڑے مارو۔ لیکن یہ کہا کہ منکوحہ لونڈی کے لیے سو کوڑے مارنے کا حکم نہیں تھا۔ وگرنہ "لم تحصن" کے الفاظ ذکر کرنے کا کیا فائدہ تھا۔ اس لیے کہ یہ آیت کریمہ نازل نہ ہو چکی ہوتی تو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ لیکن چونکہ اس آیت کریمہ کے نزول سے منکوحہ لونڈی کا حکم جان لیا تھا تو آپ سے منکوحہ لونڈی کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے اسے بیان کر دیا۔ جیسا کہ جب یہ آیت کریمہ: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (احزاب:56) نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے آپ پر صلوۃ پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے صلوٰۃ کا طریقہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ سلام تو تم پہلے جانتے ہو۔

4۔ مفہوم کے متعلق یہ ابو ثور کا جواب ہے جو کئی اعتبار سے داؤد ظاہری کے قول سے بھی عجیب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ منکوحہ لونڈی کی سزا آزاد عورت کے مقابلہ میں نصف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آزاد عورت کی حد اس صورت میں رجم ہے اور رجم آدھا نہیں ہو سکتا اس لیے اس صورت میں لونڈی کو رجم کرنا پڑے گا، نکاح سے پہلے اسے پچاس کوڑے لگیں گے کیونکہ اس حالت میں آزاد عورت کی سزا سو کوڑے ہیں۔ دراصل انہیں اس آیت کو سمجھنے میں خطا ہوئی ہے۔ اس طرح انہوں نے جمہور علماء کی مخالفت کی ہے۔ بلکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس میں اختلاف نہیں کہ غلام کو زنا کی صورت میں رجم نہیں کیا جائے گا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لونڈیوں پر محصنات کے مقابلہ میں نصف عذاب ہے۔ اور محصنات کے لفظ میں جو الف لام ہے وہ عہدی ہے یعنی وہ محصنات جن کا بیان آیت کے شروع اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ میں گزر چکا ہے۔ اور یہاں اس سے مراد صرف آزاد عورتیں ہیں ان کے شادی شدہ ہونے کی قید نہیں لگائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ میں عذاب سے مراد وہ سزا ہے جو نصف ہو سکتی ہو اور وہ کوڑے ہیں نہ کہ رجم۔ مسند امام احمد کی حدیث ابو ثور کی روایات کی تردید کرتی ہے کہ ایک صفیہ نامی لونڈی نے ایک غلام سے زنا کیا جس سے بچہ پیدا ہو گیا تو اس زانی نے اس بچے پر دعویٰ کر دیا۔ جب یہ مقدمہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچا تو آپ نے انہیں حضرت علیؓ کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے فرمایا میں وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ علیہ السلام کا فیصلہ ہے۔ بچہ تو لونڈی کے آقا کا ہوگا اور زانی کو پتھر ملیں گے۔ پھر آپ نے دونوں کو پچاس پچاس کوڑے لگائے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت کریمہ کے مفہوم سے اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ کرنا مراد ہے۔ یعنی منکوحہ لونڈی پر آزاد عورت کے مقابل میں نصف سزا ہے، اس پر رجم کی صورت نہیں ہے نکاح سے پہلے نہ نکاح کے بعد۔ بلکہ سنت سے ثابت ہے کہ دونوں حالتوں میں اس کی سزا کوڑے ہیں، یہ صاحب "افصح" کا قول ہے۔ اور یہی قول امام شافعیؒ سے بھی منقول ہے جس کو امام بیہقی نے اپنی کتاب "سنن الآثار" میں ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ قول آیت کریمہ کے الفاظ سے بہت بعید ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ سے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سزا نصف ہے (منکوحہ لونڈیاں) لیکن غیر منکوحہ کی سزا کا نصف ہونا اس سے کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ منکوحہ لونڈی پر حد امام وقت ہی جاری کرے گا۔ اس صورت میں اس کے آقا کے لیے حد جاری کرنا جائز نہیں۔ اور یہی امام احمدؒ کا قول ہے اور نکاح سے پہلے آقا لونڈی پر حد جاری کر سکتا ہے اور یہ حد دونوں صورتوں میں آزاد عورت کے مقابلہ میں

نصف ہوگی۔ لیکن یہ قول بھی بعید ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ اس پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو ہمیں معلوم نہ ہوسکتا کہ لونڈیوں کے لیے نصف حد ہے۔ تو اس صورت میں انہیں بھی عموم میں داخل کر کے پوری حد یعنی سو کوڑے اور رجم ان پر بھی واجب ہو جاتا۔ جیسا کہ عام روایات سے ثابت ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اے لوگو! اپنے غلاموں پر حد جاری کرو خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ اور جو عام روایات پہلے گزر چکی ہیں ان میں منکوحہ اور غیر منکوحہ کی کوئی تفصیل نہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث جس سے جمہور علماء نے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور زنا ظاہر ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اس پر حد جاری کرے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے۔ آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ زانیہ لونڈی کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ اسے پچاس کوڑے لگائے جائیں۔ منکوحہ ہو یا غیر منکوحہ۔ اس کے بعد جلاوطن کیا جائے گا یا نہیں اس میں تین قول ہیں۔ 1۔ جلاوطن کیا جائے گا۔ 2۔ نہیں کیا جائے گا۔ 3۔ نصف سال تک کیا جائے گا۔ پورا سال نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ آزاد عورتوں کے لیے ہے۔ یہ تینوں قول امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جلاوطنی تعزیر کے طور پر ہے حد میں شامل نہیں اور یہ حاکم وقت کی رائے پر موقوف ہے۔ اگر چاہے تو جلاوطنی کرے یا نہ کرے مرد اور عورت دونوں اس میں داخل ہیں۔ امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق جلاوطنی صرف مردوں کے لیے ہے عورتوں کے لیے نہیں کیونکہ یہ عورتوں کی عزت اور عصمت کے خلاف ہے۔ اور حدیث پاک میں مردوں کو جلاوطن کرنے کا حکم وارد ہے نہ کہ عورتوں کو۔ حضرت عبادہ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر منکوحہ کو حد لگانے اور ایک سال تک جلاوطنی کا حکم فرمایا تھا۔ اس سے معنوی طور پر یہ مراد ہے کہ وہ محفوظ رہے اور اگر عورت کو جلاوطن کیا جائے تو وہ محفوظ نہیں رہ سکتی۔ دوسرا یہ کہ منکوحہ لونڈی کو پچاس کوڑے لگائیں جائیں گے اور اس کی تادیب کے لئے کچھ مار پیٹ کی جائے گی۔ پہلے حضرت سعید بن جبیرؒ سے گزر چکا ہے کہ نکاح سے پہلے اسے نہیں مارا جائے گا۔ لیکن اگر اس سے یہ مراد لی جائے کہ اسے سرے سے ہی کچھ نہ مارا جائے گا تو یہ ان کی تاویل ہوگی۔ وگرنہ یہ بھی دوسرے قول میں داخل ہے۔ تیسرا یہ کہ نکاح سے پہلے سو کوڑے لگائے جائیں اور اس کے بعد پچاس۔ اور یہ ابو داؤد ظاہری کا قول ہے جو کہ تمام اقوال میں سب سے زیادہ ضعیف اور عجیب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ نکاح سے پہلے پچاس اور نکاح کے بعد رجم کیا جائے۔ یہ ابو ثور کا قول ہے جو کہ زیادہ ضعیف اور عجیب تر ہے۔ واللہ اعلم

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ: یہاں ارشاد فرمایا کہ لونڈیوں کے ساتھ نکاح مذکورہ شرائط کی موجودگی میں صرف انہی کے لیے مباح ہے جنہیں زنا میں واقع ہونے کا خطرہ ہو اور شادی کے بغیر ان کا گزارہ نہ ہوسکتا ہو اور اس وجہ سے وہ سخت تکلیف میں ہوں تو اس صورت میں ان لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنا ان کے جائز ہے۔ اگرچہ اس حالت میں بھی اپنے نفس پر کنٹرول کرنا اور ان سے نکاح نہ کرنا بہت بہتر ہے۔ چونکہ اس سے جو اولاد ہوگی وہ اس کے آقا کی غلام ہوگی۔ ہاں اگر خاوند غریب ہے تو امام شافعیؒ کے ایک غریب قول کے مطابق اس کی اولاد آقا کی ملکیت میں نہیں ہوگی۔ اسی لیے ارشاد فرمایا:

وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ: اس آیت کریمہ سے جمہور علماء نے لونڈی کے ساتھ نکاح کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ لیکن یہ اس وقت جب وہ آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور اسے زنا میں واقع ہونے کا خوف ہو۔ کیونکہ اس میں خرابی یہ ہے کہ لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے میں اولاد غلام ہو جاتی ہے۔ اور دوسری ذلت یہ ہے کہ وہ آزاد عورتوں سے ہٹ کر لونڈیوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے اس مسئلہ میں جمہور علماء کی مخالفت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں شرط نہیں بلکہ جس کے نکاح میں کوئی آزاد عورت نہ ہو اس کے لیے لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ خواہ وہ لونڈی مومنہ ہو یا اہل کتاب میں سے۔ اگر چہ اسے

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (مائدہ:5) وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عام اور یہ آزاد اور غیر آزاد سب کو شامل ہے۔ اور محصنت سے مراد پاکدامن اور عصمت مآب عورتیں ہیں۔ لیکن یہ آیت بھی ظاہرا جمہور علماء کے مذہب پر دلالت کرتی ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝

''چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ کھول کر بیان کر دے (اپنے احکام) تمہارے لیے اور چلائے تم کو ان (کامیاب لوگوں) کی راہوں پر جو تم سے پہلے گزرے ہیں اور اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کر رہے ہیں اپنی خواہشوں کی کہ تم (حق سے) بالکل منہ موڑ لو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہلکا کرے تم سے (پابندیوں کا بوجھ) اور پیدا کیا گیا ہے انسان کمزور''۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ: اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمالیا ہے کہ وہ حلال وحرام کے مسائل کو کھول کر بیان کر دے جس طرح اس صورت اور دوسری صورتوں میں بیان فرمایا ہے۔ اور تمہیں پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے قابل تعریف راستوں پر چلائے تاکہ تم اس شریعت پر عمل پیرا ہو جاؤ جو اس کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اور وہ گناہوں سے تمہاری توبہ کو قبول کرنا چاہتا ہے۔ وہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔ یعنی وہ اپنے اقوال وافعال اور شریعت کو نافذ کرنے میں حکیم ودانا ہے۔

يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ: یہود ونصاریٰ اور بدکاری کے مرتکب شیطان کے پیروکار تمہیں راہ راست سے ہٹا کر باطل کی طرف مائل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ شریعت کے احکام اور اوامر ونواہی میں تمہارے ساتھ رعایت کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس نے کچھ شرائط کے ساتھ لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنا حلال کر دیا۔

وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا: کیونکہ انسان اپنی تخلیق کے اعتبار سے ضعیف اور کمزور ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اس پر آسانی فرماتا ہے، سختی نہیں کرتا۔ کیونکہ انسان اپنے نفس اور عزم وحوصلے کے اعتبار سے کمزور ہے۔ حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ مرد عورت کے معاملے میں کمزور ہے۔ وکیع فرماتے ہیں کہ عورتوں کے پاس مرد کی عقل جاتی رہتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ معراج سے واپس آتے ہوئے جب سدرۃ المنتہی کے قریب پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے کیا فرض کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دن رات میں پچاس نمازوں کا حکم دیا ہے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ واپس جائیے اور اپنے پروردگار سے اس میں تخفیف طلب کیجیے۔ آپ کی امت میں اس کی طاقت نہیں۔ میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں۔ وہ اس سے کم تعداد سے بھی عاجز آ گئے آپ کی امت تو سمع وبصر اور دل کے اعتبار سے ان سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ آپ واپس گئے تو دس نمازیں معاف ہو گئیں۔ واپس آئے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہی گفتگو ہوئی حتی کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ

تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝۲۹ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۳۰ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝۳۱

''اے ایمان والو! نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناجائز طریقہ سے مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے اور نہ ہلاک کرو اپنے آپ کو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہے اور جو شخص کرے گا یوں، سرکشی اور ظلم سے تو ڈال دیں گے ہم اسے آگ میں اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے۔ اگر تم بچتے رہو گے ان بڑے بڑے کاموں سے روکا گیا ہے تمہیں جن سے تو ہم محو کر دیں گے تمہارے (نامہ اعمال) سے تمہاری برائیاں اور ہم داخل کریں گے تمہیں عزت کی جگہ میں''۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طریقے سے کھانے سے منع کیا ہے۔ ناجائز طریقے سے مراد وہ تمام طریقے ہیں جو غیر شرعی ہیں خواہ اس کا تعلق سود سے ہو یا جواء سے۔ یا کوئی ایسا حیلہ اختیار کیا گیا ہو جس سے ظاہری طور پر جواز پیدا ہوتا ہو لیکن حقیقت میں وہ سود کو حلال کرنے کا ایک حیلہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کپڑا خریدتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر مجھے پسند آ گیا تو رکھ لوں گا۔ وگرنہ اس کے ساتھ ایک درہم بھی لوں گا۔ تو آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ یعنی اس کو ناجائز قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے۔ یعنی منسوخ نہیں اور نہ ہی قیامت تک منسوخ ہوگی۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا کہ ہمیں اپنے مالوں کو باطل طریقے سے کھانے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اور کھانا ہی ہمارا افضل ترین مال ہے۔ اس لیے ہم میں سے کسی کے پاس کھانا کھائے۔ اور اس طرح انہوں نے ایک دوسرے کے پاس کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ: لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ...... (نور: 61)۔

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً: یہاں تِجَارَةً: کو تجارةٌ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس طرح استثناء منقطع ہے۔ گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ حرمت والے اسباب سے مال نہ ہو۔ لیکن جائز تجارت سے ہو۔ جو فروخت اور خریدنے والے کی باہمی رضامندی سے طے ہو۔ یہ آیت کریمہ اسی طرح ہے جس طرح کہ ارشاد فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (انعام: 151) ''ترجمہ: اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام کر دیا ہے اللہ سوائے حق کے''۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا: لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ''ترجمہ: نہ چکھیں گے وہاں موت کا ذائقہ بجز اس پہلی موت کے''۔ اسی آیت کریمہ سے امام شافعیؒ نے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قبول کے بغیر بیع صحیح نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ یہی باہمی رضامندی کی دلیل ہے۔ صرف باہمی لین دین کر لینا بعض اوقات رضامندی کی دلیل نہیں بنتی۔ لیکن امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح زبانی بات چیت رضامندی کی دلیل ہے اسی طرح باہمی لین دین بھی باہمی رضامندی کی دلیل ہے بعض نے کہا ہے کہ معمولی چیزوں میں باہمی لین دین سے بیع ہو جاتی ہے اور اس میں قبول کرنے کی شرط نہیں ہے۔ اس قول کو محققین نے احتیاطاً اختیار فرمایا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیع باہمی رضامندی سے ہوتی ہے اور سودا اس کے بعد اسے اختیار ہوتا ہے کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے۔ یہ حدیث مرسل ہے اور مکمل باہمی رضامندی کا مقصد یہ ہے کہ انہیں مجلس کے اختتام تک اختیار بھی ہو۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بائع اور مشتری دونوں کا

اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں(1)۔ بخاری کے الفاظ ہیں کہ جب دو شخص باہمی خرید وفروخت کریں تو جدا ہونے سے پہلے پہلے ہر ایک کو اختیار کیا ہے۔ اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے امام احمد، امام شافعی اور جمہور سلف وخلف نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ اختیار عقد کے بعد تین دن تک ہے اور بعض اوقات ایک سال تک ہے۔ جیسا کہ ایک گاؤں والے آپس میں معاملات طے کرتے ہیں۔ امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ ان حضرات کے نزدیک مطلق لین دین سے بیع صحیح ہو جاتی ہے اور امام شافعی کے مذہب کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ وہ معمولی چیزیں جن کو لوگ بیع شمار کرتے ہیں ان میں صرف لین دین ہی کافی ہے۔ بعض اصحاب کا یہی اختیار کردہ قول ہے۔ جیسا کہ متفق علیہ ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ: اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کر کے اس کی نافرمانی کر کے اور ناجائز طریقے سے اپنا باہمی مال کھا کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے۔ یعنی جس چیز کا حکم فرماتا ہے یا جس سے منع فرماتا ہے اس میں تمہارے لیے رحمت ہے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ جب انہیں نبی کریم ﷺ نے غزوۂ ذات السلاسل میں بھیجا تو ایک سخت سرد رات میں مجھے احتلام ہو گیا۔ اور مجھے نہانے سے جان کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا میں نے تیمم کیا اور اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھادی۔ اور جب ہم واپس حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے آپ کی خدمت میں یہ واقعہ ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: اے عمرو! تو نے جنابت کی حالت میں ہی اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھادی۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! مجھے سخت سردی میں احتلام ہو گیا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ اگر میں نے غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا۔ مجھے اللہ کا یہ قول: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یاد آ گیا اس لیے میں نے تیمم کی اور نماز پڑھادی۔ آپ یہ سن کر مسکرادیئے اور کچھ ارشاد نہ فرمایا(2)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ دوسرے صحابہ نے حضور ﷺ سے یہ واقعہ ذکر کیا۔ آپ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو بلایا اور اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! مجھے ڈر تھا کہ سردی مجھے مار ڈالے گی اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یہ سن کر آپ خاموش رہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنے آپ کو کسی لوہے سے قتل کر دیا وہ قیامت تک جہنم کی آگ میں اپنے آپ کو لوہے سے قتل کرتا رہے گا۔ اور جس نے زہر کھا کر خودکشی کی وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں زہر کھاتا رہے گا(3)۔ ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے جس چیز سے خودکشی کی قیامت کے دن اسے اسی چیز کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بجلیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں سے کسی کو زخم لگ گیا اس نے چھری پکڑی اور اس کے ساتھ اپنے ہاتھ کو کاٹ لیا جس سے اس کا خون بند نہ ہونے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میرے اس بندے نے اپنے طور پر جلدی کی ہے۔ میں نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا: جو شخص کسی چیز کو حرام سمجھنے کے باوجود اس کا ارتکاب کرے گا اور ظلم وزیادتی کرتے ہوئے اس پر جرأت کرے گا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم اسے نار جہنم میں داخل کر دیں گے۔ یہ سخت وعید ہے، ہر عقلمند آدمی کو حضور قلب سے اسے سننا چاہیے اور اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

وَاِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ: یعنی اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچو گے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کو معاف فرما کر جنت میں داخل کر دیں گے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا: وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا۔ حضرت انسؓ سے مرفوعا روایت ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ

1۔ مسلم، کتاب البیوع 1163 2۔ مسند احمد، 204،203/4 3۔ مسلم، کتاب الایمان 103، 104

تعالیٰ کی طرف سے جو قرآن پاک ہمیں پہنچا ہے اس میں ہم نے اس آیت کی مثل نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کبائر کے علاوہ باقی تمام گناہوں سے درگزر فرمایا ہے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے مال و دولت اور اہل وعیال چھوڑ کر اس کی راہ پر نکل پڑیں۔ اس آیت کریمہ کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں۔ ان میں بعض کو ہم بیان کریں گے۔ حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ جمعہ کا دن کیا ہے۔ میں نے عرض کی کہ یہ وہی دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ جمعہ کا دن کیا ہے جو شخص بھی جمعہ کے دن اچھی طرح پاکیزگی حاصل کر کے جمعہ کے لیے آتا ہے اور نماز ختم ہونے تک خاموشی سے بیٹھا رہتا ہے۔ تو اس کا یہ عمل آئندہ جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے جب تک کہ وہ کسی کو قتل کرنے سے بچا رہے (1)۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اس میں آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ پھر اپنا سر مبارک جھکا دیا یہ دیکھ کر ہم میں سے ہر ایک شخص اپنا سر جھکا کر رونے لگا۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ نے کس چیز پر قسم اٹھائی۔ پھر سر مبارک اٹھایا اور آپ کے چہرے مبارک پر خوشی کے آثار تھے اور آپ کا خوش ہونا ہمارے نزدیک بہترین سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب تھا۔ آپ نے فرمایا جو شخص پانچ نمازیں پڑھتا ہے، رمضان کے روزے رکھتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور سات کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے۔ اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اسے کہا جائے گا۔ سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔(2)

تفسیر: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ! وہ گناہ کون سے ہیں۔ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا، جادو کرنا، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے فرار ہونا، سیدھی سادی پاک عورتوں پر تہمت لگانا۔ اور ایک دوسری روایت میں جادو کی جگہ ہجرت کر کے واپس اپنے وطن لوٹنے کا ذکر ہے۔ اس حدیث پاک میں جو سات گناہ ذکر کیے گئے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے علاوہ اور گناہ کبیرہ نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں جو مفہوم مخالف کے قائل ہیں۔ لیکن یہ قول انتہائی ضعیف ہے۔ اور خصوصاً جب اس کے خلاف دلیل موجود ہو یہاں تو صاف لفظوں میں دوسرے کبائر کا ذکر احادیث میں مذکور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ خبردار! غور سے سنو! اللہ کے اولیاء صرف وہی ہیں جو پانچ فرض نمازیں ادا کرتے ہیں۔ رمضان کے روزے رکھتے ہیں اور یہ روزے اس نیت سے رکھتے ہیں کہ یہ ان پر فرض کیے گئے ہیں اور نیکی سمجھتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور ان کبائر سے بچتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! گناہ کبیرہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا گناہ کبیرہ دس گناہ ہیں۔ شرک کرنا، ناحق مومن کو قتل کرنا، میدان جنگ سے فرار ہونا، یتیم کا مال کھانا، سود خوری، پاکدامن پر تہمت لگانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور بیت اللہ کی حرمت پامال کرنا جو زندگی اور موت میں تمہارا قبلہ ہے اور جو شخص مرتے دم تک ان گناہوں سے اجتناب کرتا رہا، نماز قائم کرتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا رہا وہ جنت میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ سونے کے محلات میں رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ایک دن منبر پر تشریف فرما ہوئے اور دو دفعہ فرمایا میں قسم نہیں کھاتا نیچے اتر کر دو مرتبہ ارشاد فرمایا تمہیں خوشخبری ہو جس نے پانچ نمازیں پڑھیں اور سات کبائر سے اجتناب کیا تو اسے جنت کے دروازوں سے آواز دی جائے گی کہ وہ داخل ہو جائے۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے پوچھا کیا حضور ﷺ نے ان گناہوں کو بیان بھی فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ والدین کی نافرمانی، شرک، ناحق قتل، پاکدامن پر تہمت، یتیم کا مال کھانا، میدان

1۔ مسند احمد 439/5 2۔ تفسیر الطبری 39,38/5

جنگ سے فرار، سود خوری۔ حضرت طیسلہ بن میاس بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا جسے میں کبیرہ شمار کرتا تھا۔ میری ملاقات ابن عمرؓ سے ہوئی۔ میں نے انہیں عرض کی کہ مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے جسے میں کبیرہ خیال کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: وہ کیا ہے۔ جب میں نے بیان کیا تو فرمایا وہ کبیرہ نہیں ہے۔ گناہ کبیرہ نو ہیں۔ شرک، ناحق قتل، میدان جنگ سے فرار، پاکدامن پر تہمت، سود خوری، ظلماً یتیم کا مال کھانا، مسجد الحرام میں الحاد پھیلانا، جادو کرنا، والدین کو رلانا۔ طیسلہ بیان کرتے ہیں کہ جب ابن عمرؓ نے دیکھا کہ میرا خوف کم نہیں ہوا تو فرمایا کیا تم نار جہنم سے ڈرتے ہو تو میں نے کہا ہاں۔ فرمایا کیا تم جنت میں داخل ہونے کو پسند کرتے ہو؟ میں نے عرض کی ہاں۔ فرمایا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں۔ میں نے عرض کی میری والدہ زندہ ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم اس کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ گے اور اسے کھانا کھلاتے رہو گے اور ان گناہوں سے بچتے رہو گے تو یقیناً جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حضرت طیسلہ سے مروی ہے کہ میں عرفہ کی شام کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس حاضر ہوا وہ پیلو کے درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنے سر پر پانی ڈال رہے تھے، میں نے اسے کبائر کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے گناہ کبیرہ کی پوری پوری تفصیل بیان کی اور جب پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کا ذکر کیا تو میں نے پوچھا یہ بھی قتل کی مثل گناہ کبیرہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس روایت میں جادو کا بھی ذکر ہے۔ حضرت ایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کی عبادت کی اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا، نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی، رمضان کے روزے رکھے اور کبائر سے اجتناب کیا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ ایک شخص نے کبائر کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا اللہ کے ساتھ شریک کرنا، کسی مسلمان کو قتل کرنا، میدان جنگ سے فرار ہونا(1)۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو خط لکھوا کر بھیجا جس میں فرائض، سنن اور دیت کے احکام تھے اور یہ خط حضرت عمرو بن حزمؓ کے ہاتھ بھیجا اور اس خط میں یہ بھی تھا کہ قیامت کے دن سب سے بڑا گناہ شرک، کسی مسلمان کا ناحق قتل، میدان جنگ سے فرار، والدین کی نافرمانی، پاکدامن پر تہمت، جادو کا علم سیکھنا، سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا ہے۔ ایک روایت میں جھوٹی گواہی کا بھی ذکر ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کبائر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا، کسی کو قتل کرنا، والدین کی نافرمانی، پھر ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں سب سے بڑے گناہ کبیرہ کے بارے میں نہ بتادوں؟ ہم نے عرض کی کیوں نہیں۔ ہمیں ضرور بتائیے آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جھوٹی گواہی دینا(2)۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کبیرہ کے بارے میں نہ بتادوں۔ ہم نے عرض کی ضرور یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی بات کہنا، یہ بات کر کے آپ تکیے کو چھوڑ سیدھے بیٹھ گئے اور بار بار اس کو دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش آپ خاموش ہو جائیں۔ ایک دوسری روایت میں بچے کو قتل کرنے کا ذکر بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کی پھر اس کے بعد۔ فرمایا کہ تم اپنے بچے کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا۔ میں نے عرض کی اس کے بعد کونسا بڑا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اپنی پڑوسن سے زنا کرو۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ...... (فرقان:68) (3)۔ "ترجمہ: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو نہیں پوجتے اور اس نفس کو قتل نہیں کرتے جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہ بدکاری کرتے ہیں" اور دوسری روایت میں شراب پینے کو بھی گناہ کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن

1۔ مسند احمد 414،413/5 2۔ مسند احمد 131/3 3۔ البخاری 9/8

عاص حطیم کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ سے کسی نے شراب کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کیا میرے جیسا بوڑھا شخص اللہ کے گھر میں بیٹھ کر اللہ کے رسول پر جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ شراب پینا تمام گناہوں سے سب سے بڑا ہے اور تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ شرابی نماز کا تارک ہوتا ہے اور اپنی والدہ خالہ پھوپھی سے بھی بدکاری کرنے سے نہیں چوکتا۔ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ اور بہت سے صحابہؓ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سب سے بڑے گناہ کبیرہ کی بحث چل پڑی لیکن وہ کسی فیصلے تک نہ پہنچ سکے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے مجھے اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے پاس پوچھنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ سب سے بڑا گناہ شراب پینا ہے۔ میں نے واپس آ کر انہیں بتایا۔ یہ جواب سن کر وہ بڑے متعجب ہوئے اور خود حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے انہیں بتایا کسی نے رسول اللہ علیہ السلام کے سامنے بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ کا واقعہ بیان کیا کہ جس نے ایک شخص کو گرفتار کیا تھا۔ پھر اسے کہا کہ اگر تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو درج ذیل امور میں سے ایک کرلو۔ یعنی شراب لو، کسی کو ناحق قتل کرلو یا خنزیر کا گوشت کھالو۔ اس نے غور وفکر کے بعد ان افعال میں سے شراب پینے کو اختیار کرلیا اور جب اس نے شراب پی لی تو نشے میں اس نے وہ تمام کام کرڈالے جن کو وہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ واقعہ سن کر رسول اللہ علیہ السلام سے ہمیں فرمایا کہ جو شخص شراب پیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں کرتا۔ اور شراب پینے والا اسی حالت میں اگر مرجائے اور اس کے مثانہ میں تھوڑی سی شراب ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ جنت حرام کر دیتا ہے اور اگر شراب پینے کے بعد چالیس دن کے اندر اندر مرگیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ایک اور حدیث میں جھوٹی قسم کو گناہ کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن انیس جہنیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی، جھوٹی قسم، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر بات کرے اور اس میں مچھر کے پر کے برابر زیادتی کرے اس کے دل میں سیاہ داغ بن جاتا ہے جو قیامت تک باقی رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اپنے والدین کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے۔ عرض کی کوئی اپنے والدین کو کیسے گالی دے سکتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کسی کے ماں باپ کو گالی دے اور وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے۔ ایک روایت میں فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے والدین پر لعنت کرے۔ عرض کی گئی کوئی شخص اپنے والدین کو لعنت کیسے کرسکتا ہے؟ فرمایا کہ وہ کسی کے ماں باپ کو گالی دے اور اس کے جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے(1)۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنا کفر ہے(2)۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کسی مسلمان کو بے عزت کرنا اور ایک گالی کے بدلے دو گالیاں دینا سب سے بڑا گناہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا جس شخص نے دو نمازوں کو بغیر عذر کے جمع کیا اس نے اپنے اوپر کبائر کا دروازہ کھول لیا۔ حضرت ابوقتادہ فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے حضرت فاروق اعظمؓ کا جو خط پڑھا گیا اس میں تھا کہ دو نمازوں کو بغیر عذر جمع کرنا گناہ کبیرہ ہے اور اسی طرح میدان جنگ میں سے فرار ہونا، اور لوٹ کھسوٹ بھی گناہ کبیرہ ہے۔ الغرض جو شخص ظہر اور عصر یا مغرب اور عشاء پہلے وقت یا پچھلے وقت بغیر کسی عذر شرعی کے جمع کر کے پڑھتا ہے وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔ اس سے آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں جو شخص سرے سے ہی نماز کو ترک کر دیتا ہے اس کا کیا حال ہوگا۔ اسی لیے رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا مومن اور مشرک کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔ ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے جس

1۔ صحیح بخاری: 3/8 2۔ صحیح بخاری: 18/8

نے اسے چھوڑا اسے نے کفر کیا۔ مزید فرمایا جس نے عصر کی نماز ترک کی اس کے تمام اعمال ضائع ہو گئے اور جس کی عصر کی نماز رہ گئی گویا کہ اس کا مال اور اہل عیال ہلاک ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے۔ ایک شخص حاضر خدمت میں ہوا اور کبائر کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، اللہ کی رحمت ونعمت سے مایوس ہو جانا، اس کی پوشیدہ تدبیر سے بے خوف ہو جانا سب سے بڑا گناہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی ہے۔ یہ روایت انتہائی غریب ہے۔ پہلے ایک حدیث میں گزر چکا ہے کہ ہجرت کے بعد پھر واپس لوٹنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس حدیث کو ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن اس کی سند محل نظر ہے اور اس کو مرفوع کہنا صحیح نہیں ہے۔ ٹھیک بات وہی ہے جس کو ابن جریر نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ حضرت علیؓ کوفہ کی جامع مسجد کے منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ آپ نے فرمایا: لوگو! کبیرہ گناہ سات ہیں۔ یہ سن کر لوگ متوجہ ہو گئے۔ آپ نے اس جملے کو تین مرتبہ دہرایا اور پھر فرمایا کہ تم مجھ سے اس کے بارے میں کیوں نہیں پوچھتے۔ لوگوں نے عرض کی یا امیر المومنین! یہ گناہ کونسے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، ناحق قتل کرنا، پاک دامن پر تہمت لگانا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا اور میدان جنگ فرار ہونا اور ہجرت کے بعد واپس لوٹنا۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ہجرت کے بعد واپس لوٹنا کیسے گناہ کبیرہ میں داخل ہے۔ تو انہوں نے فرمایا اے بیٹے! یہ کتنی بری بات ہے کہ ایک شخص ہجرت کرے پھر مال غنیمت میں اس کا حصہ مقرر ہو جائے اور مجاہدین میں اس کا نام درج ہو جائے اور وہ تمام ان چیزوں کو چھوڑ کر اپنے وطن لوٹ جائے اور پہلے کی طرح بدو بن جائے۔ حضرت سلمہ بن قیس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ ان چار چیزوں سے بچو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، کسی کو ناحق قتل نہ کرو، زنا نہ کرو اور نہ ہی چوری کرو۔ روای فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے میں ان سے اجتناب کرتا ہوں(1)۔ حضرت ابن عباسؓ سے پہلے روایت گزر چکی ہے کہ وصیت کے ذریعے کسی کو نقصان پہنچانا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ٹیک لگا کر آرام فرما رہے تھے کہ صحابہ کرام نے آپ کے سامنے کبائر کا ذکر چھیڑ دیا کہ مشرک، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے فرار، پاکدامن پر تہمت، والدین کی نافرمانی، جھوٹی بات، مال غنیمت میں خیانت، جادو اور سود خوری گناہ کبیرہ ہیں۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے عہد اور قسموں کو توڑتے ہیں اس کا شمار کس میں کرو گے اس کی سند میں ضعف ہے لیکن حدیث حسن ہے۔

کبائر کے بارے میں سلف صالحین کے اقوال: حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ مصر میں چند لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے پوچھا کہ قرآن پاک میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن پر عمل کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اس پر ہمارا عمل نہیں ہے۔ ہم امیر المومنین حضرت عمرؓ سے ان کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں۔ آپ ان لوگوں کو لے کر مدینے پہنچے۔ حضرت عمر فاروقؓ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے پوچھا مصر سے کب آئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ چند دن پہلے۔ پھر آپ نے پوچھا کیا اپنے والد کی اجازت سے آئے ہو۔ آپ نے اس کا جواب دیا اور اپنے ساتھ آئے ہوئے لوگوں کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ ان کو جمع کرو۔ جب وہ جمع ہوئے تو آپ نے ان میں سے ایک شخص سے فرمایا کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ اور حق اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے مکمل قرآن پاک پڑھا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ پھر فرمایا کہ تم نے مکمل قرآن اپنے دل میں محفوظ کیا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ وہ شخص کہتا ہے کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حضرت عمرؓ دلائل کے ذریعے غالب آ جاتے۔ پھر فرمایا کیا تم نے اپنی بصارت، بول چال میں اس کا احاطہ کیا ہے۔ پھر آپ

1۔ مسند احمد، 339/4

نے ان میں سے ہر ایک سے اسی طرح سوال کیا۔ پھر فرمایا کیا تم عمرؓ کو اس تکلیف میں ڈالنا چاہتے ہو کہ وہ لوگوں کو اللہ کی کتاب پر قائم کر دے۔ اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی معلوم تھا کہ ہم سے خطائیں سرزد ہوں گی۔ پھر آپ نے یہی آیت ''اِنْ تَجْتَنِبُوْا'' تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کیا اہل مدینہ کو تمہارے یہاں آنے کا سبب معلوم ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر انہیں معلوم ہو جاتا تو مجھے انہیں وعظ کرنا پڑتا۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اگر چہ حضرت حسن بصری اور حضرت عمرؓ کے درمیان انقطاع ہے۔ لیکن اس واقعہ کا مشہور ہو جانا ہی اس کی صحت کے لیے کافی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ کبائر یہ ہیں۔ 1۔ شرک، 2۔ ناحق قتل، 3۔ یتیم کا مال کھانا، 4۔ پاکدامن عورت پر تہمت لگانا، 5۔ میدان جنگ سے فرار، 6۔ ہجرت کے بعد واپس لوٹنا، 7۔ جادو، 8۔ والدین کی نافرمانی، 9۔ سودخوری، 10۔ جماعت مسلمین سے الگ ہونا، 11۔ سودا کر کے اس کو توڑ دینا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول پہلے گذر چکا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اس کی رحمت سے مایوس ہونا، اس کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہونا۔ آپ سے ہی مروی ہے کہ سورۂ نساء کی ابتداء سے لے کر تیس آیات تک کبائر کا ہی بیان ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ ''اِنْ تَجْتَنِبُوْا'' تلاوت فرمائی۔ حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، سیراب کرنے کے بعد باقی پانی روک لینا، بلاعوض اپنے نر کو کسی کی مادہ کے لیے نہ دینا۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ فالتو پانی نہ روکا جائے تاکہ اس سے گھاس وغیرہ اگ سکے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تین اشخاص کو قیامت کے دن رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔ نہ ان کا گناہوں سے تزکیہ کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو صحرا میں بچے ہوئے پانی سے مسافروں کو روکے۔ مسند امام احمد کی روایت میں ہے کہ جو شخص فالتو پانی اور گھاس سے لوگوں کو روکتا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان پر فضل واحسان نہیں فرمائے گا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ گناہ کبیرہ وہ ہیں جو عورتوں سے بیعت لینے کے ضمن میں ذکر کیے گئے ہیں اور اس سے ان کی مراد یہ آیت کریمہ ہے: اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ...... (الممتحنہ:12)'' ترجمہ: اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، نہ چوری کریں گی، نہ بدکاری کریں گی، نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ جھوٹا الزام لگائیں گی جو انہوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیا ہے۔ اور نہ ہی کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی۔'' حضرت انس بن مالکؓ سے مروی روایت پہلے گذر چکی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے کبائر کے بارے میں اقوال: ایک دفعہ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے ذکر کیا کہ کبیرہ گناہ سات ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سات سے زیادہ ہیں۔ حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے پوچھا کہ سات گناہ کبیرہ کون سے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کی تعداد ستر تک ہے۔ سات تو معمولی چیز ہے۔ ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ وہ سات کبیرہ گناہ کون سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کی تعداد ستر ہے۔ سات تو معمولی ہیں۔ ایک شخص کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ ان کی تعداد سات سو ہے۔ اور سات تو بہت معمولی تعداد ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ استغفار کرنے سے کوئی کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا، اور اصرار کرنے سے کوئی صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا۔ اسی آیت کی تفسیر میں آپ سے مروی ہے کہ کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نار جہنم، غضب الٰہی، یا عذاب کا ذکر کیا ہے۔ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ منع فرمادے وہ کبیرہ ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ چیز جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

کبائر کے بارے میں تابعین کے اقوال: حضرت عبیدہؒ سے کبائر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ شرک کرنا، ناحق قتل، میدان جنگ سے فرار، بہتان باندھنا، ہجرت کے بعد واپس لوٹنا۔ راوی حدیث ابن عون اپنے شیخ سے پوچھتے ہیں۔ کیا جادو بھی

گناہ کبیرہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ لفظ بہتان بہت سی برائیوں کو شامل ہے۔ حضرت عبید بن عمیر فرماتے ہیں کہ گناہ کبیرہ سات ہیں اور پھر ان میں سے ہر ایک کے بارے میں آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ 1۔ شرک کرنا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ...... ''ترجمہ: اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ کے ساتھ تو اس کی حالت ایسی ہے۔ گویا آسمان سے گرا ہو پس کسی پرندے نے اسے اچک لیا ہو یا ہوا نے اسے کسی دور جگہ پھینک دیا ہو۔'' 2۔ یتیم کا مال کھانا اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا ''ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ''۔ 3۔ سود خوری کرنا اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا...... ''ترجمہ: جو لوگ سود کھایا کرتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو''۔ 4۔ بہتان باندھنا اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ...... ''ترجمہ: جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر جو انجان ہیں، ایمان والیاں ہیں ان پر پھٹکار ہے دنیا اور آخرت میں، اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے''۔ 5۔ میدان جنگ سے فرار ہونا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا ''ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم مقابلہ کرو کافروں کے لشکر جرار سے تو مت پھیرنا ان کی طرف اپنی پیٹھیں''۔ 6۔ ہجرت کے بعد وطن واپس لوٹنا اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ...... ''ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹ گئے باوجود کہ ان پر ہدایت کی راہ ظاہر ہو چکی تھی''۔ 7۔ مومن کو ناحق قتل کرنا۔ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا...... ''ترجمہ: جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں......''۔ حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ گناہ کبیرہ سات ہیں۔ ناحق قتل، یتیم کا مال کھانا، سود خوری، پاکدامن عورت پر تہمت لگانا، جھوٹی گواہی، والدین کی نافرمانی، میدان جنگ سے فرار۔ حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو گالی دینا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ علماء کی ایک جماعت صحابہ کرام کو گالی دینے والے کی تکفیر کی قائل ہے۔ اور یہی حضرت امام مالکؒ سے مروی ہے۔ محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں: میں خیال نہیں کرتا کہ جو شخص حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بغض رکھتا ہو وہ حضور ﷺ سے محبت رکھتا ہو۔ حضرت زید بن اسلمؒ آیت کریمہ ''اِنْ تَجْتَنِبُوْا'' کے تحت فرماتے ہیں کہ کبائر یہ ہیں۔ شرک، اللہ کی آیات، اور اس کے رسولوں سے کفر، جادو، قتل اولاد، اللہ کے لیے بیوی اور اولاد کا قائل ہونا، اور اسی قسم کے دوسرے اقوال اور اعمال کہ جن کی وجہ سے کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ مگر وہ گناہ جس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ عمل بھی مقبول ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو نیکیوں کے بدلے میں معاف فرما دیتا ہے۔ حضرت قتادہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے جو کبائر سے اجتناب کرے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ کبائر سے اجتناب کرو، صراط مستقیم پر قائم رہو خوش باش رہو، صحیح سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری شفاعت میری امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔ اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے اپنی ''مصنف'' میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ حسن اور صحیح ہے۔ اس حدیث کے شواہد صحیح احادیث میں بھی ملتے ہیں۔ مثلاً حضور ﷺ نے شفاعت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میری شفاعت متقی، مومن کے لیے ہے نہیں بلکہ یہ شفاعت گنہگاروں اور خطا کاروں کے لیے ہے۔

گناہ کبیرہ کے بارے میں علماء اصول کے اقوال: بعض نے کہا ہے کہ گناہ کبیرہ وہ ہوتا ہے جس پر کوئی شرعی حد مقرر ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ جس گناہ پر کتاب وسنت سے کوئی مخصوص وعید ہو۔ ابوالکریم بن محمد رافعی اپنی کتاب ''شرح الکبیر'' میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اور بعد میں آنے والے سلف صالحین کے درمیان گناہ کبیرہ کے بارے میں اختلاف ہے اور اسی طرح کبیرہ اور صغیرہ میں

فرق کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔اس میں مختلف اقوال ہیں۔1۔وہ گناہ جو حد کا موجب ہو۔2۔وہ گناہ جس کے ارتکاب پر قرآن وسنت کی سخت وعید ہو۔3۔امام الحرمین فرماتے ہیں کہ ہر وہ گناہ جسے کرنے والے کی دین کے معاملہ میں لاپروائی ظاہر ہو۔4۔قاضی ابو سعید فرماتے ہیں کبیرہ وہ ہے جس کا حرام ہونا نص قرآنی میں ثابت ہو۔اور ہر وہ نافرمانی جس پر حد شرعی ہو۔خواہ وہ حد قتل ہو یا اس کے علاوہ۔اسی طرح ہر اس فرض کو ترک کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے جسے فوری ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اسی طرح جھوٹی گواہی، جھوٹی روایت اور جھوٹی قسم بھی اسی میں شامل ہے۔قاضی رویانی فرماتے ہیں کہ کبائر سات ہیں۔ناحق قتل، زنا، لواطت، شراب نوشی، چوری، غصب، قذف (تہمت) دوسری روایت میں جھوٹی گواہی بھی شامل ہے۔صاحب ''العمدہ'' نے درج چیزوں کو بھی اس میں شامل کر دیا ہے۔سود خوری، بلا عذر رمضان کا روزہ چھوڑنا، جھوٹی قسم، قطعی رحمی، والدین کی نافرمانی، میدان جنگ سے فرار، یتیم کا مال کھانا، ناپ تول میں خیانت، بغیر کسی عذر کے نماز کو وقت سے پہلے یا بعد میں پڑھنا، بلاوجہ کسی مسلمان کو مارنا، رسول اللہ ﷺ پر قصداً جھوٹ باندھنا (جھوٹ منسوب کرنا) صحابہ کرام کو گالی دینا، بلا عذر گواہی کو چھپانا، رشوت لینا، عورت اور مرد کے درمیان دلالی کرنا، حاکم وقت کے پاس چغلی کھانا، زکوٰۃ ادا نہ کرنا، قدرت کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے باز رہنا، قرآن کو سیکھ کر بھول جانا، جانور کو آگ میں جلانا، عورت کا بلاوجہ اپنے خاوند کے پاس نہ جانا، اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا، اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہونا، علمائے کرام اور حاملین قرآن کی بے ادبی کرنا، ظہار کرنا، مردار اور خنزیر کا گوشت کھانا مگر اضطراری حالت میں جائز ہے۔اس کے بعد امام رافعی فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض میں توقف کی گنجائش ہے۔کبائر کے بارے میں بعض بزرگان دین نے کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں۔ہمارے شیخ ابو عبداللہ ذہبی نے ایک کتاب لکھی ہے جن میں تقریباً ستر کبائر کا ذکر ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گناہ کبیرہ وہ ہے جس پر شارع علیہ السلام نے جہنم کی وعید سنائی ہو۔اگر اس قسم کے گناہ شمار کیے جائیں تو وہ بہت سے ہیں۔اگر گناہ کبیرہ کی یہ تعریف کی جائے کہ ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔اس اعتبار سے تو بہت زیادہ ہو جائیں گے۔واللہ اعلم

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾

''اور نہ آرزو کرو اس چیز کی بزرگی دی ہے اللہ نے جس سے تمہارے بعض کو بعض پر مردوں کے لیے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا اور مانگتے رہو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل (وکرم) کو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا: حضرت ام سلمہؓ نے ایک مرتبہ عرض کی یارسول اللہ ﷺ مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم اس ثواب سے محروم ہیں۔اسی طرح میراث میں بھی ہمیں مردوں کے مقابلہ میں نصف حصہ ملتا ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ایک روایت میں ہے کہ جب ام سلمہؓ نے یہی بات عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ...... ''ترجمہ: میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت۔'' بعض روایات میں آتا ہے کہ عورتوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ کاش ہم مرد ہوتیں تو ہم بھی ان کی طرح جہاد کرتیں۔تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یارسول اللہ! میراث میں مرد کو عورت کے مقابلے میں دگنا حصہ ملتا ہے۔اور دو عورتوں

کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ کیا اعمال میں بھی ایسا ہی ہے کہ عورت ایک نیکی کرلے تو اس کی آدھی نیکی لکھی جاتی ہے؟ اس پر اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ سدی فرماتے ہیں کہ مردوں نے کہا کہ ہمیں عورتوں کے مقابلے میں نیکیوں کا دوگنا اجر ملے گا جس طرح میراث میں ہمیں ان کے مقابلے میں دوگنا حصہ ملتا ہے۔ اور عورتوں نے کہا کہ ہمیں شہادت کا اجر ملنا چاہیے۔ ہم جہاد نہیں کرسکتیں، اگر ہم پر جہاد فرض ہو جائے تو ہم بھی جہاد کریں گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ان خواہشات سے روک دیا اور فرمایا کہ میرا فضل واحسان طلب کرتے رہا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انسان کو یہ آرزو نہیں کرنی چاہیے کہ فلاں کا مال اور اولاد میری ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس چیز سے روکا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کا فضل واحسان طلب کرتے رہا کرو۔ اس سے اس صحیح حدیث پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا جس میں نبی کریم نے فرمایا ہے کہ صرف دو شخصوں پر رشک کیا جاسکتا ہے 1۔ وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہو اور اس کو راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہو۔ اس کو دیکھ کر کوئی شخص کہے کاش! فلاں کی طرح میرے پاس بھی مال ہوتا میں اس کو راہ خدا میں خرچ کرتا۔ وہ دونوں اجر وثواب میں برابر کے حقدار ہوں گے۔ اس آیت کریمہ میں اس چیز سے منع نہیں کیا گیا۔ کیونکہ حدیث پاک میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی نیک مقصد کے لیے یہ تمنا کرنا صحیح ہے کہ اس کے پاس بھی فلاں شخص کی طرح مال ہو۔ اور آیت کریمہ نے عین تمنا سے روکا ہے۔ یعنی دنیاوی اور دینی امور میں اس قسم کی آرزو جائز نہیں۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا: یعنی مرد اور عورت میں سے ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا ملے گی۔ اگر اچھا عمل ہوگا تو جزاء اور اگر برا ہوگا تو سزا ملے گی۔ یہ ابن جریر کا قول ہے۔ اور اس سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو میراث میں وہی حصہ ملے گا جو ان کے لیے مقرر ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل واحسان کا سوال کیا کرو، اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض پر جو فضیلت دی ہے اس کی آرزو نہ کیا کرو۔ کیونکہ اس کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس قسم کی آرزو کوئی فائدہ نہیں دے سکتی بلکہ تم مجھ سے میرے فضل واحسان کا سوال کیا کرو۔ میں تمہیں عطا فرمادوں گا۔ کیونکہ میں کریم تمہیں بے بہا عنایت کرنے والا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل واحسان کا سوال کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ یاد رکھو! کہ کشادگی اور وسعت کا انتظار کرنا سب سے اعلیٰ اور افضل عبادت ہے(1)۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب بندہ وہ ہے جو اس سے وسعت اور کشادگی کی امید رکھتا ہو۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا: یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز بخوبی جانتا ہے۔ جو دنیا کا طلبگار ہو اسے دنیا عطا کر دیتا ہے اور جو فقیری کا طالب ہو اسے فقیری عطا کر دیتا ہے۔ اور جو رسوائی کا سزاوار ہو اس کو اس کے اسباب کی طرف چلا دیتا ہے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾

''اور ہر ایک کے لیے بنا دیے ہیں ہم نے وارث اس مال سے جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اور وہ لوگ جن سے بندھ چکا ہے تمہارا عہد وپیمان تو دو انہیں ان کا حصہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والا ہے۔''

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ: حضرت ابن عباسؓ اور بہت سے دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں موالی سے مراد وارث ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد عصبہ ہیں۔ ابن جریر کا قول ہے کہ عرب چچا کے بیٹے کو بھی مولیٰ کہتے ہیں۔ اس

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات: 78,77/13

طرح آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے لوگو! ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے عصبہ بنا دیا ہے جو اس مال کے وارث ہوں گے جسے اس کے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ کر مریں۔

وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ: یعنی وہ لوگ بھی وارث بنیں گے جن کو تم نے قسمیں کھا کر اور باہمی عہد و پیماں سے حلیف بنالیا ہے۔ اور ان قسموں کے ساتھ جو تم نے ان کے ساتھ وعدے کیے ہیں۔ ان وعدوں کو پورا کرو، اور میراث میں سے ان کا حصہ دو۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا۔ پھر منسوخ ہو گیا اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ انہوں نے جن کے ساتھ وعدے کیے ہیں وہ پورے کریں۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ موالی سے مراد میراث ہیں اور وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ کا مفہوم یہ ہے کہ جب مہاجرین مدینہ طیبہ آئے تو حضور ﷺ نے مہاجرین اور اہل مدینہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا اس طرح ہر مہاجر اپنے انصاری بھائی کا وارث بنتا اور اس انصاری کے ذورحم رشتہ دار وارث نہ ہوتے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو اس نے یہ حکم منسوخ کر دیا اور حکم دیا کہ اب مہاجرین کی صرف مدد کرو، عطیہ دے دیا کرو اور دین کے معاملہ میں نصیحت کیا کرو۔ لیکن میراث کا حکم ختم ہو گیا البتہ ان کے لیے وصیت کر سکتے ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ دو شخص آپس میں معاہدہ کر لیتے ہیں کہ تو میرا وارث ہوگا اور میں تیرا ہوں گا۔ اس طرح قبائل عرب بھی ایک دوسرے کے حلیف بن جاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دور جاہلیت کا جو بھی معاہدہ ہے اسلام اس کو برقرار رکھتا ہے لیکن اسلام میں اب اس قسم کے معاہدے کی گنجائش نہیں۔ ان تمام معاہدوں کو اس آیت کریمہ: وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ...... (انفال:75)'' ترجمہ: وررشتہ دار ورثہ میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں حکم الٰہی کے مطابق۔'' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس قسم کے معاہدوں کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اور جو معاہدے دور جاہلیت میں ہو چکے ہیں اسلام انہیں باقی رکھتا ہے۔ مزید ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے سرخ اونٹ دیے جائیں اور اس معاہدے کو توڑنے کے لیے کہا جائے جو دار الندوہ میں ہوا تھا میں اس کو پسند نہیں کروں گا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں بچپن میں اپنے چچاؤں کے ساتھ حلف مطیبین میں حاضر ہوا تھا۔ اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جائیں تو اس معاہدہ کو توڑنا پسند نہیں کروں گا اس کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ اور الفت قائم کی۔ حضرت قیس بن عاصمؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ سے دور جاہلیت کے معاہدے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دور جاہلیت کے معاہدوں کو نبھاؤ اور اسلام میں اس قسم کے معاہدہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہی روایت مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ حضرت داؤد بن حصین روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ام سعد بنت ربیع کے پاس قرآن پاک پڑھتا تھا اور میرے ساتھ ان کے پوتے موسیٰ بن سعد بھی پڑھتے تھے۔ یہ ام سعد بچپن میں ہی یتیم ہو گئی تھیں اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کی پرورش کی تھی۔ میں نے قرآن پاک پڑھتے ہوئے اس آیت میں ''عَقَدَتْ'' کی بجائے ''عَاقَدَتْ'' پڑھا تو انہوں نے مجھے ٹوکا اور فرمایا ''عَقَدَتْ'' پڑھو۔ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے بارے میں نازل ہوئی۔ جو ابتداء میں مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ قسم اٹھالی تھی کہ وہ اسے وراثت میں حصہ نہیں دیں گے۔ اور جب مسلمانوں کو قوت و غلبہ حاصل ہوا تو وہ مسلمان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ ان کو ان کا حصہ دو۔ لیکن یہ قول انتہائی غریب ہے۔ اور پہلا قول ہی صحیح ہے کہ ابتدائے اسلام میں لوگ معاہدہ کر کے ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے تو اس آیت کریمہ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ لیکن ان کے لیے حکم دیا گیا کہ اس سے پہلے جو معاہدہ کر چکے ہیں وہ پورا کرو۔ ان احادیث طیبہ سے ان علماء کے قول کا رد ہو جاتا ہے جو آج بھی وراثت میں باہمی معاہدے کے قائل ہیں۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب اور ایک

روایت کے مطابق امام ابن حنبل کی رائے ہے۔لیکن صحیح قول جمہور علماء کا ہے۔اور یہی قول امام شافعیؒ امام مالک اور مشہور روایت کے مطابق امام احمد کا بھی ہے۔اور اس آیت کریمہ میں یہی بیان کیا گیا ہے کہ ہر شخص وارث اس کے قریبی رشتہ دار ہوں گے خواہ والدین ہوں یا دوسرے رشتہ دار۔لیکن ان کے علاوہ دوسرے لوگ وارث نہیں بن سکتے۔حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حصہ داروارثوں کو دے کر جو باقی بچے وہ عصبہ کو دے دیں اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ترکہ کو پہلے ان وارثوں پر تقسیم کرو جن کا ذکر میراث کی دو آیتوں میں ہو چکا ہے اور ان کو عطا کرنے کے بعد جو باقی بچے وہ عصبہ کو دے دو۔اور اس آیت کریمہ کا یہ بھی مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے جن کو تم حلیف بنا چکے ہوان کو میراث سے حصہ دو مگر اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد عہد و پیمان موثر نہیں ہوں گے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت کریمہ نے ماضی و مستقبل دونوں کے عہد و پیمان کو منسوخ کر دیا ہے اب انہیں کسی صورت میں بھی وراثت میں حصہ نہیں ملے گا۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اب ان کا حصہ یہی ہے کہ ان کی مدد کی جائے اور دین کے معاملہ میں انہیں نصیحت کی جائے اور ان کو عطیہ وغیرہ دیا جائے۔اس کے علاوہ ان کے لیے وصیت بھی کر سکتا ہے۔لیکن انہیں میراث میں حصہ نہیں ملے گا۔آپ فرماتے ہیں کہ دور جاہلیت میں دو شخص آپس میں معاہدہ کر لیا کرتے تھے کہ ان میں سے جو بھی پہلے مرے گا دوسرا اس کا وارث ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے آیت ''اُولُوا الْاَرْحَام'' نازل فرما کر اس کو منسوخ کر دیا۔اور فرمایا کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو یعنی اگر کل مال تیسرے حصے سے وصیت کرنا چاہو تو وصیت کر سکتے ہو اس طرح بہت علمائے سلف سے مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ منسوخ ہو چکی ہے اور اس کی ناسخ آیت ''اُولُوا الْاَرْحَام'' ہے۔حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ میراث میں سے ان کا حصہ دے دو۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی ایک شخص کو اپنا مولیٰ بنایا تھا اور پھر اسے اپنا وارث بھی بنایا۔حضرت سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو دوسروں کی اولاد کو اپنا بیٹا بنا لیتے اور پھر انہیں اپنا وارث بنا لیتے۔اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما کر حکم دیا کہ تم وصیت کے ذریعے تو انہیں کچھ دے سکتے ہو لیکن میراث قریبی رشتہ داروں اور عصبہ کا حق ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے منہ بولے بیٹیوں کو میراث دینا ناپسند فرمایا۔لیکن وصیت میں ان کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ''فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ'' کا معنی یہ ہے کہ ان کی نصرت و اعانت کرو اور دین کے معاملہ میں ان کو نصیحت کرو۔اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ میراث سے ان کو حصہ دو۔اور اگر آیت کے یہ معنی کیے جائیں تو پھر یہ آیت نہ منسوخ ہوگی اور نہ یہ کہنا پڑے گا کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔بلکہ آیت کریمہ کی دلالت اس بات پر ہوگی کہ تم نے دوسرے لوگوں کی اعانت، وصیت اور نصیحت کا جو معاہدہ کیا ہے اسے پورا کرو۔اس طرح یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔لیکن ان کا قول محل نظر ہے۔کیونکہ دور جاہلیت میں جو معاہدے ہوتے تھے ان کی دو قسمیں تھیں۔کچھ معاہدے باہمی تعاون اور مدد و نصرت کے لیے ہوتے تھے اور بعض معاہدے ایک دوسرے کا وارث بننے کے لیے کیے جاتے۔جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔اور اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی گزر چکا ہے کہ ابتدائے اسلام میں مہاجر اپنے انصاری بھائی کا وارث بنتا تھا اور اس کے قریبی ذو رحم رشتے دار وراثت سے محروم ہو جاتے۔یہاں تک کہ یہ حکم نازل ہونا۔ان اقوال کے پیش نظر امام ابن جریر اس آیت کے محکم اور غیر منسوخ ہونے کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

''مرد محافظ ونگران ہیں عورتوں پر اس وجہ سے کہ فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر اور اس وجہ سے کہ مرد خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں سے (عورتوں کی ضرورت وآرام کے لیے) تو نیک عورتیں، اطاعت گزار ہوتی ہیں، حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں (مردوں کی) غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت سے اور وہ عورتیں اندیشہ ہو تمہیں جن کی نافرمانی کا تو (پہلے نرمی سے) انہیں سمجھاؤ اور (پھر) الگ کر دو انہیں خواب گاہوں سے اور (پھر بھی باز نہ آئیں تو) مارو انہیں پھر اگر وہ اطاعت کرنے لگیں تمہاری تو نہ تلاش کرو ان پر (ظلم کرنے کی) راہ یقیناً اللہ تعالیٰ (عظمت و کبریائی میں) سب سے بالا سب سے بڑا ہے''۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ: اس آیت کریمہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ مرد عورت کا حاکم، رئیس اور سردار ہے۔ اور اس کی کج روی پر تادیب کرنے والا ہے۔ کیونکہ مرد عورت سے افضل ہے۔ اس لیے نبوت مردوں کے ساتھ خاص ہے اور یہی وجہ ہے کہ شرعی طور پر خلیفہ المسلمین مرد ہی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جنہوں نے کسی عورت کو اپنا والی بنالیا ہو (1)۔ مردوں کی فضیلت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ جو کتاب وسنت سے ان کے ذمہ لازم ہے۔ مثلاً مہر، نان ونفقہ اور دیگر ضروریات زندگی۔ اس طرح مرد فی نفسہ عورت سے افضل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا امور میں اس کو فضیلت حاصل ہے۔ اس لیے مناسب یہی تھا کہ اسے عورت پر حاکم بنایا جائے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (بقرہ:228) ''ترجمہ: البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔'' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''قَوّٰمُوْنَ'' کا معنی یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں کا رئیس بنا دیا گیا ہے اور عورتوں پر لازم ہے کہ وہ ان تمام امور میں مردوں کی اطاعت کریں جن کی بجا آوری کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ اولاد کی نگہداشت اور مرد کے مال کی حفاظت بھی اسی میں شامل ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی کہ اس کے خاوند نے اسے تھپڑ مارا ہے۔ آپ نے اسے بدلہ لینے کا حکم فرمایا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور وہ عورت یونہی واپس لوٹ گئی۔ حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس عورت نے عرض کی کہ اس کے خاوند نے اسے مارا ہے جس کی وجہ سے اس کے چہرے پر نشان پڑ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اس کے لیے مناسب نہیں تھا اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یعنی مرد کو اختیار ہے کہ وہ عورت کی تادیب کرے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے کچھ اور چاہا تھا اور اللہ نے کچھ اور فرمادیا۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مال خرچ کرنے سے مراد مہر ادا کرنا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر مرد عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کو لعان کرنے کا حکم ہے۔ اور اگر عورت مرد پر زنا کی تہمت لگائے اور اسے ثابت نہ کرسکے تو اسے کوڑے لگانے کا حکم ہے۔

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ: نیک اور صالح عورتیں وہ ہیں جو اپنے خاوند کی اطاعت کرتی ہیں اور اس کی غیر موجودگی میں اس کی عزت اور مال کی حفاظت کرتی ہیں۔ اور حقیقت میں محفوظ تو وہی ہوتا ہے جس کی حفاظت اللہ کرنے والا ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ

1۔ صحیح بخاری، 70/9

رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بہترین عورت وہ ہے جب اس کا خاوند اسے دیکھے تو وہ اسے خوش کردے، جب وہ اس کو حکم دے تو اس کی اطاعت کرے، اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے مال اور عزت کی حفاظت کرے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی عورت پانچ نمازیں پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے، اپنی خاوند کی اطاعت کرے تو اسے کہا جائے گا کہ یہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے(1)۔

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ: یعنی جن عورتوں کی سرکشی کا تمہیں خوف ہو۔ نشوز کا معنی بلند ہونا ہے۔ اور اس سے مراد وہ عورت ہے جو اپنے خاوند پر حاوی ہونا چاہتی ہے۔ اس کی حکم عدولی کرتی ہے۔ اس سے اعراض کرتی ہے۔ اس کے ساتھ دشمنی رکھتی ہے۔ جب کسی عورت پر یہ علامات ظاہر ہوں تو مرد کو چاہیے کہ وہ پہلے اسے زبانی وعظ نصیحت کرے اور خاوند کی نافرمانی میں اللہ کی سزا سے ڈرائے اور اسے بتائے کہ اللہ تعالیٰ نے خاوند کی اطاعت اس پر لازم کی ہے اور اس کی نافرمانی کو حرام کیا ہے۔ کیونکہ مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے۔ اس لیے رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ کیونکہ مرد کو عورت پر بہت بڑا حق حاصل ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کرے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں(2)۔ اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ جس رات عورت ناراض ہو کر اپنے خاوند کے بستر کو چھوڑ دے تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ اس لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ایسی عورت کو پہلے سمجھاؤ اور اگر وہ نہ مانے تو انہیں اپنے بستر سے الگ کر دو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ اس کو اپنے ساتھ ہی سلائے لیکن خود کروٹ بدل کر سوئے اور اس کے ساتھ مجامعت نہ کرے۔ بلکہ اس سے بات چیت بھی ترک کر سکتا ہے۔ یعنی اسے پہلے سمجھائے اگر وہ بات نہ مانے تو اس کا بستر الگ کر دے، اس کے ساتھ بات چیت نہ کرے لیکن اس کو طلاق نہ دے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ علیہ السلام! عورت کے ہم پر کیا حقوق ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم کھانا کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ، اس کے چہرے پر نہ مارو، اس کو برا بھلا نہ کہو اور اگر جھگڑا ہو جائے تو اسے گھر سے نکالو(3)۔

وَاضْرِبُوْهُنَّ: اگر وہ عورت وعظ ونصیحت اور بستر سے جدا کرنے کے باوجود باز نہ آئے تو اسے معمولی مار پیٹ سکتے ہو۔ رسول اللہ علیہ السلام نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا کہ عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، وہ تمہاری خدمت گار اور محتاج ہیں۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ اس شخص کو گھر میں داخل نہ ہونے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور اگر وہ تمہاری یہ بات نہ مانیں تو انہیں سزا کے طور پر معمولی مار بھی سکتے ہو اور تم پر ان کا یہ حق ہے کہ تم انہیں اپنی حیثیت کے مطابق کھلاؤ، پلاؤ اور پہناؤ۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح نہیں مارنا چاہیے کہ جسم پر نشان پڑ جائیں۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ایسی مار نہ ہو جس سے کوئی عضو ٹوٹ جائے اور یا اس کے جسم پر کوئی عیب پڑ جائے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پہلے عورت کا بستر الگ کرو، اگر وہ مان جائے تو فبہا وگرنہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو مارنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن وہ اس طرح مارے جس سے اس کی کوئی ہڈی نہ ٹوٹے اور اگر وہ اس سے بھی باز نہ آئے تو اسے اجازت ہے کہ اس سے فدیہ لے کر طلاق دے دے۔ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی لونڈیوں کو نہ مارو۔ حضرت عمرؓ رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ عورتیں آپ کے اس حکم سے دلیر ہوگئی ہیں۔ اس پر رسول اللہ علیہ السلام نے انہیں مارنے کی اجازت دے دی۔ اب

1۔ مسند احمد، 1/191 2۔ فتح الباری، 9/293 3۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، 2/245

عورتوں کی طرف سے شکایت ملی ہے کہ ان کے خاوند ان کو مارتے ہیں۔ یاد رکھو جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ اچھے نہیں ہیں(1)۔ حضرت اشعث بن قیسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت عمر فاروقؓ کا مہمان تھا۔ انہوں نے کسی وجہ سے اپنی زوجہ محترمہ کو مارا اور پھر مجھے فرمانے لگے اے اشعث! میری تین باتیں یاد رکھو جن کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے ایک یہ کہ مرد سے نہ پوچھا جائے کہ اس نے اپنی بیوی کو کس لیے مارا ہے۔ دوسری یہ کہ وتر پڑھے بغیر نہ سویا جائے اور تیسری بات راوی کے ذہن سے نکل گئی(2)۔

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا: یعنی اگر عورت اپنے مرد کی اطاعت کرے اور اس کے تمام جائز اوامر کی بجا آوری کرے تو پھر اس پر کسی قسم کی سختی نہ کرو اور نہ اسے مارو پیٹو اور نہ یہ کہ اس سے اعراض کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا: وہ مرد جو بغیر کسی وجہ کے اپنی عورتوں کو تنگ کریں یا ان پر زیادتی کریں تو اللہ تعالیٰ خود ان سے زیادتی کا انتقام لے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عظمت و کبریائی میں سب سے بالا اور سب سے بڑا ہے۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

''اور اگر خوف کرو تم نا چاقی کا ان کے درمیان تو مقرر کرو ایک پنچ مرد کے کنبہ سے اور ایک پنچ عورت کے کنبہ سے اگر وہ دونوں (پنچ) ارادہ کریں گے صلح کرانے کا تو موافقت پیدا کر دے گا اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہر بات سے خبردار ہے''۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ: اس سے پہلی آیات میں عورت کی نافرمانی اور کجروی کو بیان کیا۔ اور یہاں اس حال کا بیان ہے جب مرد اور عورت دونوں ناراض ہوں۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں جب ایسی صورت حال بن جائے تو حاکم کسی شریف سمجھدار شخص کو مقرر کرے جو دیکھے کہ ظلم اور زیادتی کس طرف سے ہے پھر ظالم کو ظلم سے روکے اور اگر معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہو گیا ہو اور بہتری کی کوئی صورت نکل سکتی ہو تو عورت اور مرد دونوں کی طرف سے ایک ایک منصف مقرر کرے۔ یہ دونوں مل کر تحقیق کریں اور جس امر میں مصلحت دیکھیں اس کا فیصلہ کر دیں یعنی اگر ان دونوں کے اتفاق میں مصلحت ہو تو صلح کرا دے اور اگر ان کی علیحدگی میں مصلحت ہو تو ان میں علیحدگی کرائیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا ان دونوں کے اتفاق میں ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ دونوں صلح کرانے کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ وہ دونوں تحقیق کریں اگر غلطی مرد کی طرف سے ہو تو وہ اس کی عورت کو روک لیں اسے اپنی روش درست کرنے پر مجبور کریں گے اور اس دوران عورت کا نان نفقہ اس کے ذمہ لازم کریں گے۔ اگر غلطی عورت کی طرف سے ہو تو اس کو نان نفقہ نہیں دلائیں گے اور اس کو خاوند کے ساتھ صلح کرنے پر مجبور کریں گے اور اگر وہ طلاق کا فیصلہ دے تو خاوند کو طلاق دینا پڑے گی اور اسی طرح باہمی مل جل کر رہنے کا فیصلہ کریں تو ان کا یہ فیصلہ بھی مانا جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر انہوں نے فیصلہ کیا کہ میاں بیوی مل جل کر رہیں اور ان میں سے ایک نے تو اس فیصلے کو قبول کر لیا اور اسی حالت میں ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہو گیا تو ان میں جو راضی ہو گیا تھا وہ دوسرے کا وارث بنے گا اور جو راضی نہیں ہوا تھا وہ دوسرے کا وارث نہیں بنے گا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کو حکم بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ اگر تم نے ان دونوں کے درمیان صلح کرانا چاہو گے تو صلح ہو جائے گی

1۔ ابوداؤد، کتاب النکاح 245/2 2۔ مسند احمد 20/1:

اور اگر تفریق کرنا چاہو تو تفریق ہو جائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عقیل بن ابی طالبؓ نے فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ سے نکاح کیا تو اس نے کہا کہ تم میرے پاس رہو گے اور میں خود تم پر خرچ کروں گی۔ اب صورت حال یہ ہوگئی کہ جب حضرت عقیل ان کے پاس جاتے تو وہ پوچھتی کہ عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کہاں ہیں۔ وہ فرماتے ہی کہ تیری بائیں جانب جہنم میں یہ بات ان پر گراں گزری۔ اس نے پردہ کیا اور حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوگئی اور تمام قصہ بیان کیا۔ آپ یہ سن کر مسکرائے اور حضرت ابن عباسؓ کا خیال تھا کہ ان دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میں بنو عبد مناف کے دو افراد کے درمیان تفریق ناپسند کرتا ہوں۔ یہ دونوں حضرات جب حضرت عقیلؓ کے گھر آئے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور دونوں میاں بیوی اندر ہیں۔ دونوں واپس چلے گئے۔ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں ایک میاں بیوی اپنا جھگڑا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ ان کے خاندان کے دیگر افراد بھی تھے۔ آپ نے دونوں طرف سے ایک آدمی چن کر حکم بنا دیا اور فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا کیا کام ہے۔ اگر تم ان دونوں کے درمیان صلح کرانا چاہو تو صلح کرا سکتے ہو۔ اگر تفریق کرنا چاہو تو تفریق کر سکتے ہو۔ یہ سن کر عورت نے کہا کہ میں اللہ کے فیصلے پر راضی ہوں خواہ ملاپ کی صورت میں ہو یا جدائی کی صورت میں۔ لیکن مرد کہنے لگا کہ مجھے جدائی ناپسند ہے۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تمہاری بات صحیح نہیں۔ قسم بخدا میں تمہیں یہاں سے نہیں جانے دوں گا حتی کہ تم کتاب اللہ کا فیصلہ قبول کرلو خواہ تمہارے حق میں ہو یا خلاف۔ علماء کا اجماع ہے کہ ان دونوں منصفوں کو صلح اور تفریق کا اختیار ہے۔ حتی کہ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو ایک، دو یا تین طلاقوں کے ساتھ تفریق کر سکتے ہیں اور یہی امام مالک سے روایت ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ وہ صلح تو کرا سکتے ہیں لیکن تفریق نہیں اور یہی قتادہ، زید بن اسلم، احمد بن حنبل، ابوثور اور داؤد ظاہری کا مذہب ہے اور ان کی دلیل اسی آیت کا یہ حصہ اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ہے کیونکہ اس میں تفریق کا ذکر نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ دونوں طرف سے وکیل ہیں تو ان کا حکم جمع و تفریق دونوں صورتوں میں بلا اختلاف نافذ ہوگا۔ ائمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے کیا یہ دونوں حکم حاکم وقت کی طرف سے مقرر کیے جائیں گے اگرچہ میاں بیوی ان پر راضی نہ ہوں یا دونوں حکم میاں بیوی کی طرف سے وکیل ہونگے۔ پہلے قول کو جمہور علماء نے اختیار کیا ہے اور ان کی دلیل یہ ارشاد باری تعالی ہے۔ فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا (نساء:35) قرآن پاک میں ان دونوں کو حکم کہا گیا ہے۔ اس لیے حکم کا فیصلہ قطعی ہوگا خواہ کوئی راضی ہو یا ناراض آیت کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور بعض علماء نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے اور وہ دلیل دیتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ کے پاس مقدمہ پیش ہوا اور خاوند نے کہا کہ میں تفریق کو قبول نہیں کروں گا تو آپ نے فرمایا کہ تم جھوٹ بولتے ہو تمہیں بھی وہی اقرار کرنا پڑے گا جو عورت نے کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں حکموں کا فیصلہ موثر ہوتا تو آپ خاوند سے اقرار نہ کراتے۔ شیخ ابن عبد العزیز فرماتے ہیں کہ علمائے کرام اس بات پر اجماع ہے کہ اگر دونوں حکموں کا اس بات پر اختلاف ہو جائے تو دوسرے کا قول معتبر نہیں ہوگا اس امر پر بھی اجماع ہے کہ اگر وہ میاں بیوی میں اتفاق کرانا چاہیں تو ان کا فیصلہ نافذ ہوگا اور اگر جدائی کرانا چاہیں تو ان کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ لیکن جمہور علماء کا مذہب یہی ہے کہ اس میں بھی ان کا فیصلہ نافذ ہوگا خواہ انہیں وکیل نہ بھی بنایا گیا ہو۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ
الْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَ مَا

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿۳۶﴾

''اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی کو اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو نیز رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پڑوسی جو رشتہ دار ہے اور پڑوسی جو رشتہ دار نہیں اور ہم مجلس اور مسافر اور جو (لونڈی غلام) تمہارے قبضہ میں ہیں (ان سب سے حسن سلوک کرو) بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس کو جو مغرور ہو فخر کرنے والا ہو''۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ صرف اسی کے لیے عبادت کرو، اس کے توحید کا اقرار کرو، مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ کیونکہ تمام مخلوق کا خالق اور رازق وہی ہے وہی ہر وقت اور ہر حال میں اپنی مخلوق پر فضل و احسان فرماتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ حضرت معاذ بن جبلؓ سے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے۔ عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کے ذمہ کرم پر بندے کا کیا حق ہے تو فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کو عذاب نہ دے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ارشاد فرمایا کیونکہ یہ دونوں انسانوں کو عدم سے وجود میں لانے کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اکثر مقامات پر والدین کے ساتھ احسان کو اپنی عبادت کے ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ '' ترجمہ: میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرو'' ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ '' ترجمہ: آپ کے رب نے حکم فرمایا ہے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو'' پھر ارشاد فرمایا کہ رشتہ داروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو حدیث پاک میں ہے کہ مسکین پر صدقہ صرف صدقہ ہی ہے لیکن قریبی رشتے دار کو دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔ پھر یتیموں کا ذکر فرمایا کہ ان کے ساتھ بھی احسان کرو کیونکہ ان کے سر سے باپ کا شفیق سایہ اٹھ گیا جو ان کی ضروریات کا خیال رکھتا تھا اور ان پر خرچ کرتا تھا اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ احسان، مہربانی اور شفقت کے ساتھ پیش آؤ۔ پھر مساکین پر احسان کرنے کا ذکر کیا اور ان سے مراد وہ صاحب حاجت اور ضرورت مند ہیں جن کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اور ضروریات پوری کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ فقیر اور مساکین کا مکمل بیان سورہ برات کی تفسیر میں آئے گا۔ اس کے بعد اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى'' سے مراد وہ پڑوسی ہے جس کے ساتھ رشتہ داری بھی ہو اور ''وَالْجَارِ الْجُنُبِ'' سے مراد وہ پڑوسی ہے جس کے ساتھ رشتہ داری نہ ہو۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں ''وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى'' سے مراد مسلم پڑوسی ہیں اور ''وَالْجَارِ الْجُنُبِ'' سے مراد یہودی اور نصرانی ہیں۔ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ ''وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى'' سے مراد بیوی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ''وَالْجَارِ الْجُنُبِ'' سے مراد رفیق سفر ہے۔

پڑوسیوں کے بارے میں احادیث طیبہ: 1۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جبرئیل پڑوسیوں کے بارے میں مجھے وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ پڑوسی وارث بنا دیئے جائیں گے (1)۔ 2۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کے نزدیک بہترین دوست وہ ہے جو اپنے دوست کا خیر خواہ ہو اور بہترین ہمسایہ وہ ہے جو اپنے پڑوسیوں کا خیر خواہ ہو (2)۔ 3۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی شخص کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنا پیٹ تو بھرلے اور جبکہ اس کا پڑوسی بھوکا رہے (3)۔ 4۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: زنا کے بارے

1۔ مسند احمد 85/2 2۔ مسند احمد 167/2 3۔ مسند احمد 55,54/1

میں تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے عرض کی اس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور یہ قیامت تک حرام رہے گا۔ آپ نے فرمایا۔ دس عورتوں کے ساتھ زنا کرنے والا اس شخص سے کم گنہگار ہوگا جو اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرے پھر فرمایا۔ چوری کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ عرض کی اس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور قیامت تک حرام رہے گی۔ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص دس گھروں سے چوری کرے تو اس کا یہ گناہ اس کے مقابلہ میں ہلکا ہے جو اپنے پڑوسی کی چوری کرتا ہے۔ اس حدیث کو صرف امام احمد نے ہی روایت کیا ہے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔ آپ نے عرض کی یا رسول اللہ! کونسا گناہ بڑا ہے۔ فرمایا، سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے۔ جواب دیا کہ تو اپنے بچے کو اس خوف سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ مل کر کھائے گا۔ پھر عرض کی اس کے بعد کون سا گناہ فرمایا۔ پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنا۔ 5۔ ایک انصاری صحابی روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادے سے گھر سے نکلا اور جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص کھڑا ہے اور آپ اس کی طرف متوجہ ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ شاید اسے آپ سے کوئی ضروری کام ہے۔ حضور ﷺ بہت دیر تک اس کے ساتھ کھڑے گفتگو فرماتے رہے حتیٰ کہ مجھے یہ خیال گزرا کہ آپ اتنی دیر کھڑا رہنے کی وجہ سے تھک گئے ہوں گے۔ جب وہ شخص چلا گیا تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ اس کے ساتھ بہت دیر تک کھڑے رہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے اسے دیکھا ہے۔ عرض کی ہاں۔ فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ کون ہے؟ فرمایا یہ جبرائیل تھے اور مجھے پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں تاکید کر رہے تھے حتیٰ کہ مجھے خیال ہوا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنا دیں گے۔ پھر فرمایا اگر تم انہیں سلام کرتے تو وہ سلام کا جواب دیتے(1)۔ 7۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں۔ ایک شخص مضافات مدینہ سے حاضر ہوا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اور جبرائیلؑ اس جگہ نماز پڑھ رہے تھے جہاں نماز جنازہ پڑھائی جاتی تھی۔ جب جبرائیلؑ واپس لوٹ گئے تو اس شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کون شخص تھا جو آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے اسے دیکھا۔ عرض کی ہاں۔ فرمایا تم نے خیر کثیر دیکھی ہے یہ جبرائیلؑ تھے۔ جو مجھے پڑوسی کے بارے میں وصیت کر رہے تھے حتیٰ کہ مجھے خیال گزرا کہ اسے وارث بنا دیا جائے گا۔ 7۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ پڑوسیوں کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جس کا صرف ایک حق ہوتا ہے۔ یعنی اس کا حق دیگر پڑوسیوں کے مقابلے میں ادنیٰ ہے۔ دوسرا وہ کہ جس کے دو حق ہیں اور تیسرا وہ جس کے تین حق ہیں اور یہ حق کے اعتبار سے تمام پڑوسیوں سے افضل ہے۔ ایک حق والا پڑوسی وہ ہے جو مشرک ہو اور رشتہ دار نہ ہو۔ اور دو حق والا پڑوسی وہ ہے جو مسلمان ہو اس کا ایک حق پڑوسی ہونے کے اعتبار سے ہے اور دوسرا مسلمان ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اور تین حقوق والا ہمسایہ وہ ہے جو مسلمان بھی ہو اور رشتہ دار بھی ہو۔ اسے پڑوسی مسلمان اور رشتہ دار ہونے کی وجہ سے تین حقوق حاصل ہیں۔ 8۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کس کو ہدیہ بھیجوں۔ فرمایا جس کا دروازہ تمہارے قریب ترین ہو(2)۔ 9۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن سب سے پہلا جھگڑا جو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگا وہ دو پڑوسیوں کا ہوگا۔

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ: حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عورت ہے اور ان کے دوسرے مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد رفیق سفر ہے۔ حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مطلق دوست ہے خواہ وہ سفر میں ہو یا حضر میں۔ ''ابن

1۔ مسند احمد 32/5 2۔ مسند احمد 175/6

سبیل'' سے مراد مہمان ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مہمان ہے جو دوران سفر کسی کے پاس ٹھہرا ہو۔ سورۂ برأت میں بھی ''ابن سبیل'' کا ذکر آئے گا۔

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ: یہاں غلاموں کے بارے میں نصیحت کی جا رہی ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ کیونکہ غلام انتہائی بے بس ہوتا ہے اور اپنے آقا کے سامنے اس کی حیثیت قیدی کی سی ہوتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے وصال سے پہلے اپنی امت کو وصیت فرمائی کہ نماز اور غلاموں کا خوب خیال رکھنا۔ حضرت مقداد بن معدیکربؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو تو خود کھائے گا وہ تمہارے لیے صدقہ ہے اور جو تو اپنی بیوی اور غلام کو کھلائے گا وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے اپنے داروغہ سے پوچھا کیا تم نے غلاموں کو خوراک دے دی ہے۔ اس نے بتایا کہ نہیں۔ فرمایا جاؤ انہیں خوراک دو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کسی شخص کے لیے یہی گناہ کافی ہے کہ وہ ان کی خوراک روک لے جن کی خوراک کا وہ مالک ہے(2)۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غلام کو کھانا کھلاؤ، ان کو کپڑے پہناؤ اور اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو(3)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کا غلام کھانا لے کر آئے اور اگر تم اسے اپنے ساتھ نہیں بٹھاتے تو تو کم از کم اسے ایک یا دو لقمے ہی دے دو کیونکہ اس نے اس کھانے کو تیار اور گرمی برداشت کرنے کی تکلیف اٹھائی ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلائے اور اگر کھانا کم ہو تو اسے ایک دو لقمے دے دو۔ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، یہ غلام بھی تمہارے بھائی ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ اور جس کا بھائی اس کے ماتحت ہوا اسے چاہیے کہ اسے وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اور اسے سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اسے عاجز کر دے، اور اگر اسے کوئی مشکل اور سخت کام سونپے تو اس میں اس کی مدد کرے(4)۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑا خیال کرے، خود پسند، متکبر اور لوگوں پر فخر کرتا ہوا اپنے آپ کو ان سے بہتر سمجھتا ہو۔ یعنی وہ شخص اپنے آپ کو تو بہتر سمجھتا ہے لیکن حقیقت میں اللہ کے نزدیک انتہائی حقیر اور لوگوں کی نگاہ میں مبغوض ہوتا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ''مُخْتَالًا'' کا معنی متکبر ہے اور ''فَخُوْرًا'' کا معنی یہ ہے کہ جب وہ کسی کو عطا کرتا ہے تو اس پر فخر کرتا ہے لیکن خدا کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ ابو رجاء ھروی فرماتے ہیں کہ جو بھی شخص بداخلاق ہوگا وہ متکبر اور خود پسند ہوگا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ جو شخص اپنے والدین کا نافرمان ہوتا ہے وہ سرکش اور بدبخت ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ آیت کریمہ: وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا (مریم:32) ''ترجمہ: اور مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا اور مجھے جابر اور بدبخت نہیں بنایا''۔ حضرت مطرف فرماتے ہیں کہ مجھے ابوذرؓ سے ایک حدیث پہنچی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میں آپ سے ملاقات کر کے خود یہ حدیث سنوں۔ ایک دن ان سے میری ملاقات ہوگئی تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی طرف سے مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو پسند کرتا ہے اور تین کو ناپسند۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ سچ ہے۔ میں بھلا اپنے خلیل ﷺ پر کیسے بہتان باندھ سکتا ہوں۔ میں نے عرض کی کہ وہ تین شخص کون ہیں جس کو اللہ ناپسند کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا مختال اور فخور اور فرمایا کہ تم نے قرآن میں یہ آیت کریمہ نہیں پڑھی اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ ..... ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر اور خود پسندی کی علامت

1۔ مسند احمد 131/4 2۔ مسلم، کتاب الزکاۃ: 292 3۔ مسلم، کتاب الایمان: 1284 4۔ فتح الباری، کتاب الایمان: 84/1

ہے جسے اللہ پسند نہیں کرتا۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَ مَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾

”جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بھی بخل کرنے کا اور چھپاتے ہیں جو عطا فرمایا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل (وکرم) سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور روز قیامت پر اور وہ (بدقسمت) ہو جائے شیطان جس کا ساتھی پس وہ بہت برا ساتھی ہے۔ اور کیا نقصان ہوتا ان کا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور روز آخرت پر اور خرچ کرتے اس سے جو دیا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اللہ تعالیٰ ان سے خوب واقف ہے“۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ: یہاں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت بیان کی ہے جو بخل کرتے ہیں اور اپنے مال وہاں خرچ نہیں کرتے جہاں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً ماں باپ کو عطا نہیں کرتے رشتہ داروں، یتیموں، غرباء، مساکین، پڑوسیوں، مسافروں اور اپنے غلاموں پر احسان نہیں کرتے وہ خود بھی اللہ کے حق کو ادا نہیں کرتے مزید برآں لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بخل سے بڑھ کر کوئی بیماری نہیں۔ بخل سے بچو۔ تم سے پہلی قوموں کو بھی اس لیے تباہ و برباد کیا گیا کہ وہ صلہ رحمی نہیں کرتے تھے اور فسق و فجور پر ابھارتے تھے۔

وَيَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ: یعنی بخیل اللہ کی نعمتوں کو چھپاتا ہے، انہیں ظاہر نہیں کرتا یہ نعمتیں نہ اس کے کھانے پینے میں ظاہر ہوتی ہیں اور نہ ہی کسی کو عطا کرنے اور خرچ کرنے میں ظاہر ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿۸﴾ (العادیات: 8-6) اس آیت کریمہ میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو چھپاتے ہیں اس لیے انہیں دھمکی آمیز لہجے میں فرمایا: وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا یہاں کفر کا معنی چھپانا ہے۔ کیونکہ بخیل اللہ کی نعمتوں کو چھپاتا اور پوشیدہ رکھتا ہے۔ اس طرح وہ اللہ کی نعمتوں کا منکر ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نعمت عطا کرتا ہے تو وہ پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس پر ظاہر ہو۔ نبی کریم ﷺ کی ایک دعا کے یہ الفاظ ہیں: ”اے اللہ ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گزار بنادے اور ان کی وجہ سے ہمیں مدح سرا اور ان نعمتوں کو قبول کرنے والا بنادے اور ہم پر ان نعمتوں کی تکمیل فرمادے“۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان یہودیوں کے اس بخل کے بارے میں جو انہوں نے حضور ﷺ کی صفات چھپانے میں کیا۔ اس لیے اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ ہم نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ بلاشبہ اس آیت کو یہود کے بخل پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہاں مال میں بخل کا بیان ہو رہا ہے البتہ علم میں بخل بھی اس میں بدرجہ اولیٰ داخل ہے۔ اس سے پہلے قریبی رشتہ داروں، غرباء و مساکین پر خرچ کرنے کا بیان ہوا اور اسی طرح اس کے بعد والی آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اپنے مال اور ریاکاری کے طور پر خرچ کرتے ہیں یعنی ان کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ ان کے جود و سخا کی تعریف کریں، اللہ کی رضا ان کے پیش نظر نہیں

ہوتی۔ حدیث پاک میں ہے کہ تین قسم کے لوگوں پر سب سے پہلے جہنم کی آگ جلائی جائے گی۔ 1۔ ریا کار عالم 2۔ ریا کار نمازی، 3۔ ریا کار سخی۔ صاحب مال اللہ کی بارگاہ میں عرض کرے گا اے باری تعالیٰ! میں نے ہر محبوب چیز تیری بارگاہ میں خرچ کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جھوٹ کہتے ہو، تمہارا تو یہ ارادہ تھا کہ لوگ تجھے سخی کہیں۔ اور دنیا نے تمہیں سخی مشہور کر دیا۔ یعنی تم نے دنیا میں ہی اپنی جزا وصول کر لی اور یہی تمہارا ارادہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے عدی بن حاتم سے فرمایا کہ تمہارے باپ نے سخاوت سے جو چاہا تھا اسے مل گیا۔ ایک دن آپ سے عبداللہ بن جدعان کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اس کی سخاوت اور غلاموں کو آزاد کرنا اسے کوئی فائدہ دے گا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے ایک دن بھی اپنے رب سے یہ دعا نہیں مانگی کہ اے رب قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف کر دے۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت پر۔ یعنی شیطان نے انہیں اس فعل بد پر برانگیختہ کیا اور اللہ کی اطاعت سے پھیر دیا اور انہیں مختلف قسم کی امید دلا کر انہیں اپنا ہم نشیں بنا لیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

"اس شخص کے بارے میں نہ پوچھو بلکہ اس کے دوست کے بارے میں پوچھو کیونکہ ہر دوست اپنے دوست کا پیروکار ہوتا ہے"

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ: یعنی ان کو کیا نقصان ہوگا اگر وہ اللہ پر ایمان لا کر صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔ اور ریاء کو چھوڑ کر اخلاص کو اپنا لیں اور دار آخرت میں بہتر جزاء کے لیے اپنی امیدیں اللہ تعالیٰ سے وابستہ کر لیں اور اپنے مال کو ان امور پر خرچ کرے جن سے اللہ کی رضا حاصل ہو۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا: یعنی اللہ تعالیٰ اچھی اور بری نیت کو بخوبی جانتا ہے۔ اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ کون اس کی توفیق کا مستحق ہے۔ پس وہ اسے توفیق عطا کرتا ہے، اس کی راہنمائی فرماتا ہے۔ اور اس سے ایسے اچھے کام لیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص اس کی بارگاہ عالی میں حاضر ہونے کا مستحق نہ ہو اسے اپنے دروازے سے دھتکار دیتا ہے۔ اور جسے وہ اپنے دروازے سے دور کر دے اس کی دنیا و آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔ (اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾

"بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرا برابر بھی۔ (بلکہ) اگر ہو معمولی سی نیکی تو دوگنا کر دیتا ہے اسے اور دیتا ہے اپنے پاس سے اجر عظیم تو کیا حال ہوگا (ان نافرمانوں کا) جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے ایک گواہ اور (اے حبیب!) ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ اس روز تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی رسول کی کہ کاش! (انہیں دبا کر) ہموار کر دی جاتی ان پر زمین اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات"۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ: اللہ تعالیٰ ان آیات میں ارشاد فرماتا ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا بلکہ اگر کسی کی نیکی رائی کے دانے کے برابر یا اس سے بھی کم ہوگی تو اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ بلکہ اسے دوگنا کر دے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَ

نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ...... (الانبیاء: 47) ''ترجمہ: اور ہم قیامت کے دن صحیح تو لنے والے ترازو رکھ دیں گے''۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس وصیت جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو فرمائی، کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے: يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ (لقمان: 16) ''ترجمہ: پیارے فرزند! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر وزنی ہو خواہ وہ کسی چٹان میں ہو یا آسمان و زمین میں تو اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے۔'' اسی طرح سورۂ زلزال میں ارشاد فرمایا: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ...... (الزلزال: 7) ''ترجمہ: پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا'' اور شفاعت والی طویل حدیث میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ واپس جاؤ اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان دیکھو اسے جہنم سے نکال لاؤ۔ اس طرح بہت سی مخلوق جہنم سے آزاد ہو جائے گی۔ حضرت ابو سعید خدریؓ اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے بیان فرماتے کہ اگر چاہو یہ آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ...... پڑھ لو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں قیامت کے دن اللہ کے کسی بندے یا بندی کو لایا جائے گا اور پکارنے والا تمام اہل محشر کو باآواز بلند کہے گا کہ یہ فلاں کا بیٹا یا بیٹی ہے۔ جس کسی کا کوئی حق اس کے ذمے ہو وہ آکر اس سے وصول کر لے۔ اس وقت حالت یہ ہوگی کہ عورت چاہے گی اس کا حق اس کے ماں باپ، یا بھائی یا شوہر پر ہوتا کہ وہ یہ حق ان سے وصول کر لے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی: فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ (مؤمنون: 101) ''ترجمہ: کوئی رشتے داریاں نہیں رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے''۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق میں سے جو چاہے گا معاف فرما دے گا۔ لیکن حقوق العباد معاف نہیں فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا کہ لوگوں کو ان کے حقوق دو۔ بندہ عرض کرے گا اے باری تعالیٰ! دنیا ختم ہو چکی ہے میں ان کے حقوق کیسے ادا کروں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اس کے نیک اعمال لو اور ہر صاحب حق کو اس کے مطابق دے دو۔ اب اگر وہ بندہ اللہ کا دوست ہوگا اور اس کی نیکیوں میں ذرہ برابر بھی نیکی بچ گئی تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھا دے گا اور اس کے باعث اسے جنت میں داخل کر دے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ اور اگر وہ بندہ بدبخت ہوگا تو فرشتہ کہے گا اے پروردگار! اس کی نیکیاں تو ختم ہو گئی ہیں لیکن ابھی بہت سے حق دار ابھی باقی ہیں۔ ارشاد ہوگا ان کی برائیاں لو اور اس کی برائیوں کے ساتھ ملا کر دو پھر نار جہنم میں ڈال دو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (انعام: 160) ''ترجمہ: اور جو کوئی ایک نیکی لائے گا اس کی مثل دس نیکیاں ہوں گی''۔ بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک شخص نے عرض کی۔ پھر مہاجرین کو کیا اجر ملے گا تو آپ نے فرمایا کہ ان کو اس سے بھی افضل اجر ملے گا اور پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ حضرت سعید بن جبیر اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ نیکی کی وجہ سے مشرک کے عذاب میں کمی کر دی جائے گی لیکن وہ جہنم کے عذاب سے کبھی نہیں نکل سکے گا۔ اور اس کی تائید اس صحیح حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضرت عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے چچا ابو طالب آپ کی مدد کرتے تھے اور لوگوں کی ایذا رسانیوں سے آپ کو محفوظ رکھتے تھے۔ کیا یہ چیز ان کو کوئی فائدہ دے گی۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جہنم کے سب سے ہلکے طبقے میں ہوں گے۔ اگر میرا تعلق ان سے نہ ہوتا تو جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حکم صرف ابو طالب کے لیے خاص ہو اور دوسرے کفار اس کے حکم میں شامل نہ ہوں۔ کیونکہ مسند طیالسی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی مومن کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا، دنیا میں رزق کی صورت میں اس کا بدلہ عطا فرماتا ہے اور آخرت میں ثواب کی صورت میں۔ مگر اپنی نیکیوں کا کافی صلہ دنیا میں ہی پا لیتا ہے۔ جب کہ قیامت کے دن اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی۔

وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا: حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن بصری، قتادہ اور ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ ''اجر عظیم'' سے مراد جنت ہے۔ ہم بھی اس کے فضل واحسان کے وسیلہ سے جنت کا سوال کرتے ہیں۔ حضرت ابوعثمانؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ خبر پہنچی کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو ایک نیکی کے بدلے میں ایک لاکھ نیکیاں عطا فرمائے گا۔ ابوعثمان فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ حدیث سنی تو میں نے اہل بصرہ سے کہا کہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں تمہاری نسبت زیادہ رہا ہوں اور میں نے ان سے یہ حدیث نہیں سنی۔ پھر میں نے اس حدیث کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ میں مدینہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ حج پر تشریف لے گئے ہیں۔ یہ سن کر میں بھی ان کے پیچھے حج کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ جب ان سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کی کہ اہل بصرہ آپ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ کیا آپ نے واقعی یہ حدیث بیان کی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابو عثمان! اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ کیا تم نے یہ آیت کریمہ نہیں پڑھی: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا...... (بقرہ:245) ''ترجمہ: کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے اور اللہ تعالیٰ اس قرض کو کئی گناہ بڑھا دے''۔ اور ایک اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ (توبہ:38) ''ترجمہ: سونہیں ہے سروسامان دنیاوی زندگی، آخرت میں مگر قلیل''۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کو بڑھا کر دولاکھ بنا دے گا یہ حدیث اگرچہ غریب ہے مگر دوسری اسناد سے بھی مروی ہے۔

فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی ہولناکی اور شدت کو بیان فرمایا ہے کہ اس دن کیا حالت ہوگی جس دن ہر نبی اپنی امت کے متعلق گواہی دے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا...... ''ترجمہ: جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے، اور رکھ دیا جائے گا دفتر عمل، اور حاضر کیے جائیں گے انبیاء اور (دوسرے) گواہ۔'' اور اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ یَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا ''ترجمہ: اور قیامت کے دن اٹھائیں ہر امت پر ایک گواہ ان پر انہی میں سے۔'' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں پڑھ کر کیا سناؤں حالانکہ قرآن آپ پر نازل ہوا ہے۔ فرمایا ہاں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ کسی دوسرے سے قرآن پاک سنوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سورۂ نساء سے تلاوت شروع کی اور جب میں آیت ''فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا'' پر پہنچا تو فرمایا بس کرو۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے(1)۔ حضرت محمد بن فضالہ انصاری اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنوظفر میں تشریف لائے اور آپ اس چٹان پر بیٹھ گئے جو آج بھی بنوظفر کے محلہ میں موجود ہے۔ آپ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور معاذ بن جبلؓ اور دیگر صحابہ بھی تھے۔ آپ نے ایک قاری کو حکم فرمایا کہ قرآن پڑھو۔ انہوں نے تلاوت شروع کی اور جب وہ اس آیت کریمہ ''فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا'' پر پہنچے تو آپ اس قدر روئے کہ آپ کے دونوں رخسار اور ڈاڑھی مبارک تر ہو گئے اور عرض کرنے لگے اے پروردگار! جو لوگ میرے سامنے موجود ہیں ان پر تو میں گواہی دوں گا اور جن کو میں نے دیکھا نہیں ان پر گواہی کیسے ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک میں ان میں سے ہوں میں ان پر گواہ ہوں۔ اور جب تو مجھے اٹھالے گا تو تو ہی ان پر نگہبان ہوگا۔ امام ابوعبداللہ القرطبی نے اپنی کتاب ''تذکرہ'' میں ایک باب باندھا ہے جس میں انہوں نے حضور ﷺ کی امت پر شہادت کو بیان کیا ہے۔ آپ سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ ہر روز امت کو

1۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن 94/9

حضور ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے۔ آپ ان کے اسماء اور اعمال کو جانتے ہیں اس لیے قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔ پھر انہوں نے یہی آیت کریمہ تلاوت کی (1)۔ یہ اگرچہ حضرت سعید بن مسیب کا قول ہے اور اس کی سند میں انقطاع بھی ہے۔ لیکن امام قرطبی نے اسے قبول کیا ہے۔ اسے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ہر پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ پر اور جمعہ والے دن انبیاء اور والدین پر لوگوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ لیکن اس میں تعارض نہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ہمارے نبی کی خصوصیت کی وجہ سے ہر روز ان کی امت کے اعمال ان پر پیش کیے جاتے ہوں اور جمعہ کو دیگر انبیاء کے ساتھ بھی پیش کیے جاتے ہوں۔

وَيَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا: رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنے والے قیامت کے دن آرزو کریں گے کاش یہ زمین پھٹ جائے اور ان کو نگل جائے۔ اور یہ اس وقت کہیں گے جب رسوائی اور ذلت میں گرفتار ہوں گے اور ان کو زجر و توبیخ کی جائے گی۔ ارشاد فرمایا: يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ '' ترجمہ: اس دن دیکھ لے گا ہر شخص ان اعمال کو جو اس نے آگے بھیجے تھے اور کافر کہے گا اے کاش میں خاک ہوتا۔''

وَلَا يَكْتُمُونَ اللّٰهَ حَدِيثًا: یہاں بیان کیا گیا ہے کہ کافر اس دن اپنی تمام بداعمالیوں کا اقرار کر لیں گے اور کوئی چیز بھی نہ چھپا سکیں۔ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ قرآن پاک میں ایک جگہ تو یہ ہے کہ مشرکین قیامت کے دن کہیں گے۔ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ (انعام: 23) '' ترجمہ: ہمارے رب اللہ کی قسم ہم مشرک نہ تھے۔'' دوسری جگہ ارشاد ہے: لَا يَكْتُمُونَ اللّٰهَ حَدِيثًا ان دونوں آیات کا کیا مفہوم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پہلی آیت کا تعلق اس وقت کے ساتھ ہے جب وہ اہل اسلام کو جنت میں داخل ہوتا دیکھیں گے تو وہ کہیں گے آؤ ہم بھی شرک کا انکار کرتے ہیں تو اس وقت کہیں گے ہم مشرک نہیں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں بولنے لگیں گے تو اب وہ اللہ کے سامنے کوئی چیز چھپا نہ سکیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی کہ قرآن پاک میں بعض ایسی چیزیں ہیں جن میں مجھے اختلاف نظر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تمہیں قرآن کے بارے میں شک ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ لیکن مجھے ظاہری طور پر تعارض نظر آتا ہے۔ اس نے یہی دو آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ تو آپ نے ان کا مفہوم اسے سمجھایا اور ان دونوں آیات کے درمیان تطبیق بیان کی۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اس سائل کا نام نافع بن ازرق تھا۔ اور آپ نے اسے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم کسی محفل سے آرہے ہو۔ اور تم نے اپنے ساتھیوں کو کہا ہوگا کہ میں ابن عباسؓ سے قرآن کی متشابہ آیات کے متعلق سوال کروں گا۔ پس اب اگر تم واپس ان کے پاس جاؤ تو انہیں بھی یہ سمجھا دینا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝

'' اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نماز کے جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو (زبان سے) کہتے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مگر یہ کہ تم سفر کر رہے ہو یہاں تک کہ تم غسل کر لو اور اگر ہو تم بیمار یا سفر میں یا آئے کوئی تم میں

1۔ التذکرہ فی احوال الموتی: 294

سے قضائے حاجت سے یا ہاتھ لگایا ہو تم نے (اپنی) عورتوں کو پھر نہ پاؤ تم پانی تو (اس صورت میں) تیمم کر لو پاک مٹی سے اور (اس کا طریقہ یہ ہے کہ) ہاتھ پھیرو اپنے چہروں پر اور اپنے بازوؤں پر بے شک اللہ معاف فرمانے والا ہے بڑا بخشنے والا ہے''۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں نمازی کو کچھ علم نہیں ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ اور اس طرح جنبی کو مسجد میں آنے سے منع کیا ہے۔ مگر ایسا شخص کسی ضروری کام کی وجہ سے ٹھہرے بغیر ایک دروازے سے دوسرے دروازے کی طرف سے نکل جائے تو اس کا گزرنا جائز ہے۔ اور نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کا حکم شراب کی حرمت سے پہلے کا تھا۔ جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔ جس کو ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ...... (بقرہ:219) کی تفسیر کے تحت ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت حضرت عمرؓ کے سامنے تلاوت فرمائی تو انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ! ہمارے لیے شراب کے بارے میں کوئی واضح حکم نازل فرما اور جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کو تلاوت فرمائی تو انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں یہی دعا کی۔ اس آیت کے نزول کے بعد مسلمانوں نے نماز کے اوقات میں شراب کو ترک کر دیا تھا حتیٰ کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ...... ''اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور جوا کے تیر سب ناپاک ہیں۔ شیطان کی کارستانیاں ہیں۔ سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ...... کیا تم باز آنے والے ہو۔'' یہ آیت کریمہ سن کر حضرت عمرؓ نے عرض کی اے باری تعالیٰ ہم اس سے باز آ گئے، ہم اس سے باز آ گئے۔ ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ جب سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی رسول اللہ نے ایک شخص کو مقرر فرما دیا جو نماز کے وقت اعلان کرتا کہ کوئی نشہ کی حالت میں نماز کے لیے نہ آئے۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں چار آیات نازل ہوئیں۔ ایک دفعہ ایک انصاری صحابی نے کھانے کا اہتمام کیا اور مہاجرین وانصار میں سے کچھ صحابہ کو دعوت دی۔ ہم نے خوب کھایا پیا اور شراب پی حتیٰ کہ مخمور ہو گئے۔ پھر ہم اپنے مفاخر بیان کرنے لگے۔ ایک شخص نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی پکڑی اور اس کو حضرت سعدؓ کی ناک پر دے مارا جس سے آپ کی ناک پر نشان پڑ گیا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ اسلام نے شراب کو ابھی حرام نہیں کیا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ امام مسلمؒ نے اس حدیث کو تفصیلاً اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ہمارے لیے کھانے کا اہتمام کیا اور ہمیں دعوت دی۔ کھانے کے بعد انہوں نے ہمیں خوب شراب پلائی۔ شراب کی وجہ سے ہم بیخود ہو گئے۔ اس اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا۔ انہوں نے ایک شخص کو امام بنایا اس نے نماز میں سورۂ کافرون اس طرح پڑھی: قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَ نَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی(1)۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایک اور شخص نے مل کر شراب پی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان کو نماز پڑھائی اور سورۂ کافرون کو خلط ملط کر کے پڑھا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس کو ابوداؤد اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور ابن جریر کی روایت میں ہے کہ نماز پڑھانے والے حضرت علیؓ تھے۔ نشہ کی حالت میں وہ قرآن پاک کو صحیح طریقہ سے نہ پڑھ سکے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ نماز پڑھانے والے حضرت عبدالرحمٰن ہی تھے۔ اور انہوں نے سورت اس طرح پڑھی: قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ وَ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی(2)۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب التفسیر: 157/11 2۔ تفسیر الطبری: 95/5

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگ نماز کے اوقات میں شراب پینے سے اجتناب کرتے تھے۔ پھر شراب کی حرمت کا قطعی حکم نازل ہوا۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں شراب کا نشہ مراد نہیں بلکہ نیند کا خمار مراد ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد شرابی کا نشہ ہے۔ اور یہ خطاب ان لوگوں کو ہے جو نشہ کی حالت میں ہوں۔ لیکن یہ نشہ اتنا نہ ہو کہ جس کی وجہ سے وہ احکام شرع نہ سمجھ سکتے ہوں کیونکہ ایسے نشے والا شخص مجنون کے حکم میں ہوتا ہے۔ اصولیین کے نزدیک بھی یہ خطاب اسی شخص کو ہے جو کلام کو سمجھتا ہو۔ نہ کہ ایسے کو جو نشہ میں مخمور ہو جو یہ نہ سمجھتا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ کیونکہ خطاب کو سمجھنا ہی کسی کو مکلف بنانے کی شرط ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں کنایۃً کلی طور پر شراب سے اجتناب کرنے کا حکم ہو۔ کیونکہ مسلمان کو دن رات میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور شراب ان نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں ادا نہیں کر سکتا۔ اس طرح اس آیت کا معنی اس آیت کی طرح ہو جائے گا جس میں ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ یعنی اس آیت میں ان کو اسلام کی حالت میں مرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی حکم ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیشہ اللہ کی اطاعت میں لگے رہو کسی شخص کے نشہ میں ہونے کی حد یہ ہے کہ وہ اپنی بات نہ سمجھ سکتا ہو۔ کیونکہ نشے میں مخمور شخص قرآن پاک کی قرأت صحیح طریقے سے نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس میں فکر و تدبر کر سکتا ہے اور اس حالت میں خشوع خضوع بھی پیدا نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو نماز کی حالت میں اونگھ آ جائے وہ جائے اور سو جائے حتیٰ کہ جب اسے معلوم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تب نماز پڑھے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ نیند کی حالت میں استغفار کرنا چاہتا ہو اور اس کے منہ سے غلط الفاظ نکل جائیں۔

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ: حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ جنابت کی حالت میں مسجد میں داخل نہ ہو جب تک کہ غسل نہ کر لے۔ ہاں مسجد میں ٹھہرے بغیر اگر گزرنا چاہتے ہو تو اس کی اجازت ہے۔ حضرت یزید بن ابی حبیبؒ فرماتے ہیں کچھ انصاری صحابہ کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے۔ اور جب وہ جنابت کی حالت میں ہوتے تو پانی لینے کے لیے انہیں مسجد سے گزرنا پڑتا تھا۔ پھر ان کے لیے یہ رخصت نازل ہوئی۔ صحیح بخاری کی روایت بھی حضرت یزید بن ابی حبیبؒ کے قول کی تائید کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر کے دروازے کے سوا باقی تمام کے دروازے بند کر دو۔ یہ ارشاد آپ نے اپنی ظاہری زندگی کے آخری ایام میں فرمایا۔ کیونکہ آپ کے علم میں تھا کہ آپ کے بعد ان کے ابوبکر جانشین ہونگے اور انہیں ہر وقت بکثرت مسجد میں آنے کی ضرورت ہوگی تا کہ مسلمانوں کے اہم امور کا فیصلہ کر سکیں۔ اس لیے آپ نے مسجد میں کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا اور حضرت ابوبکرؓ کا باقی رہنے دیا (1)۔ بعض کتب حدیث میں حضرت ابوبکرؓ کی جگہ حضرت علیؓ کا نام ہے لیکن وہ خطاء ہے اور صحیح وہی ہے جس کا ذکر بخاری شریف میں ہے۔ اس آیت کریمہ سے اکثر آئمہ نے استدلال کیا ہے کہ جنبی کا مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے مگر گزرنا جائز ہے۔ یہی حکم حیض اور نفاس والی عورت کا ہے۔ مگر بعض علماء نے ان کے مسجد میں گزرنے کو بھی منع فرمایا ہے۔ کیونکہ ان سے مسجد کے آلودہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اگر مسجد کے آلودہ ہونے کا خدشہ نہ ہو تو گزرنا جائز ہے ورنہ حرام ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو حکم فرمایا کہ مسجد سے چٹائی لا کر مجھے دو۔ انہوں نے عرض کی کہ میں حالت حیض میں ہوں۔ آپ نے فرمایا تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کا مسجد میں گزرنا جائز ہے اور نفاس والی کا بھی یہی حکم ہے۔ حضرت عائشہؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں حائضہ عورت اور جنبی کے لیے مسجد کو حلال نہیں کرتا۔ ابو مسلم خطابی فرماتے ہیں کہ محدثین کی

1۔ فتح الباری، کتاب الصلوۃ 1/558

ایک جماعت نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس میں افلت نامی راوی مجہول ہے۔ ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ان کی سند میں افلت کی جگہ محدوج ذہلی کا ذکر ہے۔ اور یہ حدیث ام سلمہؓ سے مروی ہے۔ لیکن امام ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ یہ حدیث بھی حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے علی! میرے اور تیرے علاوہ اس مسجد میں جنبی ہونا کسی اور کے لیے حلال نہیں (1)۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے، اس کا ایک راوی ''سالم'' متروک ہے۔ اور ان کے شیخ عطیہ بن ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں کوئی شخص نماز کے قریب نہ جائے مگر مسافر اگر جنبی ہو جائے اور اسے پانی نہ ملے تو وہ پانی نہ ملنے تک اسی حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، سعید بن جبیر اور ضحاکؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن کثیر فرماتے ہیں کہ ہم سنا کرتے تھے کہ یہ حکم سفر کے لیے ہے اس کی تائید وہ حدیث پاک بھی کرتی ہے جو حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کے لیے طہارت ہے اگر اسے دس سال تک پانی نہ ملے۔ اور جب تو پانی پائے تو اس کا استعمال کر۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ ان دونوں قولوں میں سے پہلا قول ہی اولیٰ ہے یعنی حالت جنابت میں ضرورۃً مسجد سے گزرنا جائز ہے۔ کیونکہ مسافر اگر حالت سفر میں جنبی ہو جائے اور وہ پانی نہ پائے تو اس کا واضح حکم آگے بیان کر دیا جائے گا۔ عابر کا معنی راستے سے گزرنے والا ہے۔ اس کا مصدر عَبْرٌ اور عُبُوْرٌ آتا ہے۔ اور جب کوئی کسی نہر کو پار کرے تو اس وقت کہتے ہیں عَبَرَ نَهْرًا فُلَانٌ۔ اسی طرح وہ اونٹنی جو اپنی قوت اور ہمت کی بنا پر طویل سفر طے کرنے پر قادر ہو اسے عبر الاسفار کہتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ نے اس قول کی تائید کی ہے۔ یہی جمہور کا قول ہے اور آیت کے ظاہری مفہوم سے بھی یہی واضح ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس ناقص حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے جو مقصود نماز کے خلاف ہو۔ اسی طرح نماز کے محل یعنی مسجد سے بھی ناقص حالت میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے۔ یعنی حالت جنابت میں جو کہ نماز اور مسجد کی پاکیزگی کے خلاف ہے۔

حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا : یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ حالت جنابت میں مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں یہاں تک کہ غسل کر لے یا پانی کی عدم موجودگی میں تیمم کر لے۔ اس طرح اگر پانی تو موجود ہے لیکن وہ شخص جو کسی عذر کے باعث پانی کے استعمال پر قادر نہیں ہے وہ بھی تیمم کر سکتا ہے۔ لیکن امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جنبی جب وضو کر لے تو اس کا مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ حضرت عطاء ابن یسار فرماتے ہیں میں نے کئی صحابہ کرام کو دیکھا ہے کہ وہ حالت جنابت میں وضو کر کے مسجد میں بیٹھے رہتے تھے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ : وہ مرض جس سے تیمم جائز ہو جاتا ہے۔ مرض سے مراد وہ مرض ہے جس میں پانی کے استعمال سے یا تو عضو کے ضائع یا خراب ہونے کا خطرہ ہو، یا اس کے بڑھنے کا خدشہ ہو۔ بعض علماء نے ہر قسم کی بیماری میں تیمم کو جائز قرار دیا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی بیمار تھے۔ نقاہت کی وجہ سے وضو کے لیے نہ اٹھ سکے اور نہ ہی ان کا کوئی خادم تھا جو انہیں پانی پکڑاتا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ یہ روایت مرسل ہے۔ سفر میں بھی تیمم کی اجازت ہے، سفر خواہ لمبا ہو یا چھوٹا۔ غائط سے مراد نرم اور پست زمین ہے اور کنایۃً اس سے پیشاب اور پاخانہ مراد ہے۔

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ : اسے لَمَسْتُمْ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کرام اور فقہاء کرام کے دو قول ہیں۔ 1۔ اس سے مراد

1۔ سنن ترمذی، ابواب المناقب 74/13

مباشرت ہے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ ”ترجمہ: اور اگر تم مباشرت سے پہلے طلاق دو اور مہر مقرر کر چکے تھے تو نصف مہر ادا کرو“۔ میں یہی معنی مراد ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ”ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو تو پھر انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم ان سے مجامعت کرو پس تمہارے لیے ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں جسے تم شمار کرو“۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے کہ اس کا معنی جماع ہے۔ اور اسی طرح حضرت علیؓ اور ابی بن کعبؓ امام مجاہد، طاؤس، حسن بصریؒ اور بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اس لفظ کے بارے میں بحث چل نکلی۔ بعض موالی نے کہا کہ اس سے مراد جماع نہیں اور بعض عربوں نے کہا کہ اس سے مراد جماع ہے۔ میری ملاقات حضرت ابن عباسؓ سے ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ تم کس گروہ کے ساتھ تھے۔ میں نے کہا کہ میں موالی کے ساتھ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تو مغلوب ہو گئے کیونکہ لمس، مس اور مباشرت سب کا معنی جماع ہے۔ اور یہاں یہ لفظ جماع کے لیے کنایۃ استعمال ہوا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ملامست کا معنی جماع ہے لیکن اللہ انتہائی کریم ہے اس لیے صراحۃ ذکر کرنے کی بجائے کنایۃ ذکر کرتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد مطلق مس کرنا یعنی چھونا لیا ہے۔ خواہ کسی عورت کو ہاتھ کے ساتھ چھوئے یا جسم کے کسی اور حصے سے تو اس پر وضو واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ لمس سے مراد جماع سے کمتر چیز نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ بوسہ بھی مس میں داخل ہے اور اس سے بھی وضو واجب ہو جاتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ عورت کے ساتھ معانقہ کرنے، اسے ہاتھ سے چھونے اور اس کا بوسہ لینے سے وضو ضروری ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ بھی عورت کا بوسہ لینے کے بعد وضو کے قائل تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ بھی لمس میں شامل ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ مرد کا عورت سے بوس و کنار کرنا، اور اسے ہاتھ سے چھونا ملامست میں داخل ہے۔ اس لیے جو مرد اپنی بیوی کا بوسہ لے اور اسے اپنے ہاتھ سے چھوئے اس پر وضو کرنا لازمی ہے۔ لیکن آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے وضو کی حالت میں اپنی زوجہ کا بوسہ لیا اور اسی وضو کے ساتھ نماز پڑھی۔ نیا وضو نہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں آپ سے دو روایتیں ہیں۔ اگر ان دونوں روایتوں کو صحیح مان لیا جائے تو وضو والی روایت کو استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔ عورت کو مطلق چھونے سے وضو کے قائل امام شافعی اور ان کے اصحاب، اور امام مالک ہیں۔ امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ اور وہ اپنے مذہب کی تائید میں کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ”لٰمَسْتُمُ اور لَمَسْتُمُ“ دو قرأتیں ہیں۔ اور قرآن پاک میں لمس کا لفظ ہاتھ سے چھونے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ (انعام: 7)۔ اور اگر ہم اتارتے آپ پر کتاب کاغذ پر اور وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے۔ اسی طرح حضرت ماعز اسلمی نے جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اقرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے اس کا بوسہ لیا، یا ہاتھ سے چھوا ہو یعنی آپ نے لمست کا لفظ استعمال کیا جس کا معنی ہاتھ سے چھونا ہے۔ اسی طرح حدیث پاک میں ہے وَالْيَدُ زِنَاهَا اللَّمْسُ: ہاتھ کا زنا چھونا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کوئی دن ایسا گزرتا نہ جس میں رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لاتے اور بوسہ نہ لیتے۔ اور اپنے دست مبارک سے نہ چھوتے۔ اسی طرح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع ملامست سے منع فرمایا ہے اور اس میں ہاتھ سے چھونا مراد ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ لغت میں لمس کے لفظ کا اطلاق جس طرح ہاتھ کے چھونے پر کیا جاتا ہے اسی طرح جماع پر کیا جاتا ہے۔ کسی شاعر کا قول ہے:

ع وَلَمَسْتُ كَفِّيْ اَطْلُبُ الْغِنَا

"ترجمہ: میں نے اپنے ہاتھ کواس کے ہاتھ کے ساتھ ملا دیا کیونکہ میں غناء کا طالب تھا۔"

اسی طرح انہوں نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے۔آپ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی یارسول اللہ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے جو کسی اجنبی عورت سے ملا اور اس نے اس عورت کے ساتھ سوائے جماع کے تمام وہ کیا جو میاں بیوی آپس میں کرتے ہیں پس اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ "ترجمہ: نماز قائم کیجئے دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات کے حصوں میں۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں یہ نصیحت ہے نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے"۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو آپ ﷺ اس آدمی کو فرمایا وضو کرو اور نماز پڑھو۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے عرض کی کیا یہ حکم اسی کے لیے خاص ہے یا سب مومنون کے لیے عام ہے۔ آپ نے فرمایا یہ حکم سب مومنوں کے لیے عام ہے(1)۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے زائدہ سے روایت کیا ہے لیکن اس کی سند متصل نہیں۔ امام نسائی نے اسے ابن ابی لیلیٰ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ ان حضرات نے اس حدیث پاک سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو وضو کا حکم اس لیے دیا تھا کیونکہ اس نے عورت کو صرف چھوا تھا، جماع نہیں کیا تھا۔ اس حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اول تو یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ ابن ابی لیلیٰ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے درمیان ملاقات ہی ثابت نہیں۔ دوسرا یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اسے فرض نماز کا حکم فرمایا ہو جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ سے بھی مروی حدیث میں ہے کہ جو شخص بھی کوئی گناہ کرتا ہے اور پھر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ یہ حدیث سورۂ آل عمران کی آیت: ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (عمران: 135) کی تفسیر کے تحت گزر چکی ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ان دونوں قوموں میں سے پہلا قول احسن ہے یعنی جن لوگوں نے یہاں لمس سے مراد جماع لیا ہے۔ کیونکہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی زوجہ محترمہ کا بوسہ لیا اور تجدید وضو کے بغیر ہی نماز پڑھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وضو فرماتے پھر بوسہ لیتے پھر نماز ادا فرماتے اور وضو کا اعادہ نہ کرتے۔ آپ سے ہی مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی زوجہ محترمہ کا بوسہ لیا اور پھر وضو کا اعادہ کیے بغیر ہی نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ راوی حدیث حضرت عروہ عرض کرتے ہیں میرا خیال ہے کہ وہ زوجہ محترمہ آپ ہی ہیں تو آپ مسکرا دیں(2)۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن اس حدیث کی دوسری بھی اسناد ہیں۔ اور اس حدیث کو حضرت عائشہؓ سے روایت کرنے والے حضرت عروہ بن زبیرؓ ہیں۔ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وضو کے بعد میرا بوسہ لیا کرتے تھے اور ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں ان کا بوسہ لیتے تھے۔ اس سے نہ آپ کا روزہ ٹوٹتا اور نہ آپ وضو کا اعادہ فرماتے۔ حضرت زینب سہمیہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بوسہ لیتے اور پھر وضو کے اعادہ کے بغیر نماز پڑھ لیتے(3)۔

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا: اس آیت کریمہ سے بہت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ جس شخص کو پانی نہ ملے اس کے لئے تیمم جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ پانی کو تلاش نہ کر لے اور اگر اس نے پانی کو تلاش کیا اور اس کو پانی نہ ملا تو اس وقت اس کے لیے تیمم جائز ہوگا۔ کتب فقہ میں پانی کو تلاش کرنے کی کیفیت بھی ذکر کی گئی ہے۔ حضرت عمران بن حصینؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو ایک کونے میں بیٹھے ہوئے دیکھا جس نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی۔ آپ نے فرمایا تم نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی کیا تم مومن نہیں ہو۔ اس نے عرض کی یارسول اللہ! میں مومن ہوں۔ لیکن حالت جنابت میں ہوں اور پانی بھی موجود

1۔ مسند احمد 244/5 2۔ تفسیر الطبری 105/5 3۔ تفسیر الطبری 105/5

نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی صورت میں تیرے لیے مٹی کافی ہے تیمم کا لغوی معنی قصد کرنا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں تَیَمَّمَكَ اللّٰهُ بِحِفْظِهٖ اللہ اپنی حفاظت کے ساتھ تیرا قصد کرے۔ اسی طرح امراء القیس کے اس قول "تَیَمَّمْتُ الْعَیْنَ" میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ صعید زمین کے ظاہری حصے کو کہتے ہیں۔ اس میں مٹی، ریت، درخت، پتھر اور گھاس وغیرہ سب شامل ہیں۔ اور یہ امام مالکؒ کا قول ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو مٹی کے جنس سے ہو جیسے ریت، ہڑتال، چونا وغیرہ۔ اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے اس سے مراد صرف مٹی ہے اور یہ امام شافعی اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ اور ان کی دلیل یہ آیت کریمہ: فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا ہے اور اس مراد نرم چکنی مٹی ہے۔ اور ان کی دوسری دلیل حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں تمام لوگوں پر تین اعتبار سے فضیلت دی گئی ہے۔ 1۔ ہماری نماز کی صفوں کو فرشتوں کی صفوں کی طرح بنا دیا ہے۔ 2۔ تمام روئے زمین ہمارے لیے مسجد بنا دیا گیا ہے۔ 3۔ پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی کو ہمارے لیے پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں مقام فضیلت میں مٹی کو خاص کر دیا ہے۔ اگر کوئی دوسری چیز اس کے قائم مقام ہوتی تو اسے بھی یہاں بیان کر دیا جاتا اور یہاں "طیباً" سے مراد حلال ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ مٹی جو پاک ہو۔ جیسا کہ ابو ذرؓ نے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پاک مٹی مسلمان کے لیے طہارت و پاکیزگی ہے خواہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے۔ لیکن جب پانی اس کو ملے تو اسے استعمال کرلے اور یہی اس کے لیے بہتر ہے(1)۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ پاک کھیت کی مٹی ہے۔

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ: تیمم پاکیزگی میں وضو کا بدل ہے۔ نہ کہ تمام اعضاء پر مسح کرنے کا بدل ہے۔ بلکہ صرف چہرے دونوں ہاتھوں پر مسح کرنا ہی کافی ہے۔ اسی پر اجماع ہے۔ لیکن تیمم کی کیفیت میں ائمہ کرام کے بہت سے قول ہیں۔ امام شافعی کا جدید مذہب یہ ہے کہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ "يَدَيْنِ" کا اطلاق کندھوں تک بھی ہوتا ہے اور کہنیوں تک بھی ہوتا ہے جیسا کہ آیت وضو میں ہے اور اس کا اطلاق کلائی تک بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ چور کی حد کے بارے میں ارشاد فرمایا فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (المائدہ: 38) فرماتے ہیں کہ تیمم کی آیت میں "ید" کا لفظ مطلق ہے اور آیت وضو میں مقید (کہنیوں تک) ہے۔ اس لیے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے۔ کیونکہ دونوں میں وصف طہوریت پایا جاتا ہے اور بعض لوگ اس کی دلیل میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیمم کی دو ضربیں ہیں۔ ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری کہنیوں تک۔ لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں ضعف ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث ثابت نہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک زمین پر مارے اور ان کے ساتھ چہرے کا مسح کیا اور پھر دوبارہ مارا اور ان کا اپنے ہاتھوں پر مسح کیا(2)۔ اس کی سند میں بھی محمد بن ثابت العبدی ہیں جن کو بعض محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس حدیث کو بعض دوسرے ثقہ راویوں نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن انہوں نے اسے عبداللہ بن عمرؓ کے فعل پر موقوف ہے۔ امام بخاری، ابو زرعہ اور ابن عربی فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔ یعنی یہ حدیث موقوف ہے نہ مقطوع۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو مرفوع کرنا منکر ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو حضرت صمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیمم اس طرح کیا کہ اپنے چہرے مبارک اور اپنے دونوں بازوؤں پر مسح کیا۔ ابو جہیم روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بول کرتے ہوئے دیکھا اور اسی حالت میں سلام کیا، آپ نے جواب نہ دیا فارغ ہو کر آپ دیوار کے پاس گئے اور اپنے دونوں ہاتھ اس پر مارے اور ان کے ساتھ چہرے مسح کیا اور پھر دوبارہ دیوار پر ہاتھ مار کر ہاتھوں کا

1۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان: 304،303/2 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب التیمم: 90/1

مسح کیا اور پھر میرے سلام کا جواب دیا۔ امام شافعیؒ کا قدیم مذہب یہ ہے کہ چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کا دو ضربوں سے مسح کرنا واجب ہے۔ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ ایک ضرب کے ساتھ چہرے اور کلائیوں کا مسح کرنا کافی ہے۔ ایک شخص حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اگر میں جنبی ہو جاؤں اور پانی نہ پاؤں تو کیا کروں۔ آپ نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھو۔ مجلس میں حضرت عمارؓ موجود تھے۔ انہوں نے عرض کی یا امیر المومنین کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ میں اور آپ ایک لشکر میں تھے اور ہم جنبی ہو گئے ہمیں پانی نہ ملا۔ لیکن میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا اور نماز پڑھ لی۔ پھر جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے سن کر فرمایا تمہیں اتنا ہی کافی تھا پھر نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ زمین پر مارے اور ان کو جھاڑ کر اپنے چہرے اور ہاتھوں (کلائیوں تک) کا مسح کر لیا۔ حضرت عمارؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تیمم میں صرف ایک ہی ضرب ہوتی ہے۔ یعنی ایک دفعہ ہاتھ زمین پر مار کر چہرے اور ہاتھوں کا مسح کر لے(1)۔ حضرت شقیقؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ابویعلیٰ نے حضرت عبداللہؓ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص پانی نہ پائے تو کیا وہ نماز نہیں پڑھے گا تو حضرت عبداللہ نے فرمایا کیا تم کو یاد نہیں کہ جب آپ کو اور مجھے رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے لیے بھیجا اسی دوران میں جنبی ہو گیا تھا تو میں نے زمین پر لوٹ پوٹ کر نماز پڑھ لی۔ واپس اسی واقعہ کی حضور ﷺ کو خبر دی تو حضور ﷺ مسکرا دیے اور فرمایا کہ تمہارے لیے اتنا کرنا ہی کافی تھا۔ اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا اور پہلے دونوں ہاتھوں کا کلائیوں تک مسح کیا اور پھر اسی ضرب کے ساتھ چہرے کا مسح کیا۔ پھر حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ مطمئن نہیں ہوئے۔ یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا پھر تمہارا سورۂ نساء کی اس آیت کے بارے میں کیا خیال ہے جس میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر پانی نہ پاؤ تو مٹی کے ساتھ تیمم کرو۔ حضرت عبداللہ اس کا جواب نہ دے سکے اور فرمانے لگے کہ اگر ہم نے انہیں تیمم کے لیے رخصت دی ہے تو ممکن ہے کہ جس کو پانی ذرا ٹھنڈا محسوس ہو وہ بھی تیمم کرنے لگے۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا: فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ (یعنی) ''ترجمہ: مسح کرلو اپنے چہرے اور بازوؤں کا اس سے''۔ اس آیت کریمہ سے امام شافعیؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ تیمم ایسی پاک مٹی سے ہونا چاہیے جس پر غبار ہوتا کہ ہاتھوں اور چہرے پر کچھ غبار لگ جائے۔ اس سے پہلے ابن صمہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ انہوں نے آیت پیشاب میں نبی کریم ﷺ کو سلام کیا لیکن انہوں نے جواب نہ دیا اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ دیوار کے پاس گئے اپنی چھڑی سے دیوار کو کھرچ کر اس سے تیمم کیا۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ: یعنی اللہ تعالیٰ دین کے معاملے میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ تمہیں پاک اور صاف کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے پانی کی عدم دستیابی میں تمہارے لیے پاک مٹی سے تیمم کرنا مباح قرار دیا۔ تیمم تمہارے لیے بہت بڑی نعمت ہے تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ اور یہ نعمت صرف امت محمدیہ کے ساتھ خاص ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئیں۔ 1۔ ایک مہینے کی مسافت تک میری مدد کی۔ 2۔ زمین کو میرے لیے مسجد اور پاک کرنے والا بنا دیا گیا۔ میرے جس امتی کو جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں پڑھ لے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس کے پاس ہی مسجد اور وضو ہوتا ہے۔ 3۔ میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھا۔ 4۔ مجھے شفاعت دی گئی۔ 5۔ پہلے نبی کو ایک قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا لیکن مجھے تمام لوگوں کے لیے مبعوث کیا گیا(2)۔ اور مسلم کی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ جس میں ارشاد فرمایا کہ مجھے لوگوں پر تین چیزوں سے فضیلت دی گئی ہے۔ ہماری نماز کی صفوں کو فرشتوں کی

1۔ مسند احمد: 265/4
2۔ فتح الباری، کتاب التیمم: 436,435/1

صفوں کی طرح بنایا گیا ہے۔ زمین کو ہمارے لیے مسجد بنا دیا گیا اور ہم پانی نہ پائیں تو اس کی مٹی ہمارے لیے باعث پاکیزگی ہوتی ہے۔ اور اس آیت کریمہ میں اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں کا مسح کرلو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ معاف کرنے والا اور مغفرت کرنے والا ہے۔ یہ بھی اس کے عفو درگزر کا حصہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تیمّم کو مشروع کیا۔ اور اگر تمہیں پانی نہ ملے تو تمہارے لیے اس کے ساتھ نماز مباح قرار دیا۔ اور یہ سب تمہیں آسانی پہنچانے اور رخصت عطا کرنے کے لیے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ناقص حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ یعنی نشے کی حالت میں۔ یہاں تک کہ ہوش آجائے اور اپنے کہے کو سمجھنے لگے۔ اور اسی طرح جنابت کی حالت میں غسل سے پہلے نماز منع ہے یہاں تک کہ غسل کرے۔ اور بے وضو کو نماز پڑھنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ وضو کرلے لیکن جب وہ مریض ہو یا پانی کو نہ پائے تو اللہ نے اسے تیمم کرنے کی رخصت دی ہے۔ اور یہ اپنے بندے پر اس کی خاص رحمت اور شفقت ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ

آیت تیمم کا سبب نزول: ہم اس آیت کریمہ کا سبب نزول اس لیے ذکر کر رہے ہیں کیونکہ سورۂ نساء میں جو تیمم کے بارے میں آیت ہے وہ سورۂ مائدہ کی آیت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اور اس کی دلیل یہ کہ یہ آیت کریمہ شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی اور شراب جنگ احد کے کچھ عرصہ بعد اس وقت حرام ہوئی جب حضور ﷺ نے بنو نضیر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس کے برعکس سورۂ مائدہ کا شمار ان سورتوں میں ہوتا ہے جو آخر میں نازل ہوئیں اور خصوصاً اس کا ابتدائی حصہ۔ اس لیے مناسب یہی تھا کہ سبب نزول یہاں ہی ذکر کیا جائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے حضرت اسماءؓ سے ایک ہار عاریۃً لیا۔ دوران سفر مجھ سے یہ ہار گم ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو اس کی تلاش کے لیے بھیجا۔ ہار تو مل گیا لیکن اسی دوران نماز کا وقت ہوگیا۔ ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ اس لیے بغیر وضو کے ہی انہوں نے نماز پڑھ لی اور رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اس کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت اسید بن حضیرؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عرض کی اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے قسم بخدا! جو تکلیف بھی آپ کو پہنچی ہے اس کا انجام اللہ تعالیٰ آپ کے لیے اور مسلمانوں کے لیے بہتر بنا دیتا ہے (1)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ ایک سفر میں نکلے۔ جب ہم مقام بیضاء یا ذات الجیش کے مقام پر پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا تو رسول اللہ ﷺ وہاں اپنے صحابہ کے ساتھ اس کی تلاش کے لیے اقامت پذیر ہوگئے۔ وہاں نہ تو پانی قریب تھا اور نہ ہی ان کے پاس پانی تھا۔ آپ فرماتی ہیں جناب ابوبکر تشریف لائے اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھ کر آرام فرما تھے۔ اور فرمانے لگے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ اور سب لوگوں کو یہاں روک دیا ہے۔ اور اب نہ تو قریب پانی ہے اور نہ ہی ان کے پاس پانی موجود ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ انہوں نے مجھے خوب جھڑکا اور جانے کیا کیا کہا۔ اور اپنے ہاتھ سے میرے پہلو پر کچوکے لگائے۔ میں نے ذرا سی بھی حرکت نہ کی کیونکہ رسول اللہ کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ صبح جب رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور پانی نہ پایا تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور سب نے تیمم کیا۔ حضرت اسید بن حضیرؓ کہنے لگے اے آل ابوبکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر ہم سوار تھے تو اس کے نیچے سے ہار مل گیا (2)۔ حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ذات الجیش کے مقام پر رات کے آخری حصے میں قیام کیا۔ آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ بھی تھیں۔ آپ کا ایک ہار جو یمنی موتیوں کا بنا ہوا تھا گم ہوگیا۔ آپ نے اس ہار کی تلاش کے لیے لوگوں کو روک دیا یہاں تک کہ جب صبح روشن ہوگئی اور ان کے پاس پانی بھی نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے مٹی کے ساتھ پاکیزگی حاصل کرنے کی

1۔ مسند احمد: 57/6 2۔ فتح الباری، کتاب التیمم: 431/1

رخصت عطا فرمائی۔ مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اٹھے اور اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا اور پھر ان کو بلند کیا اور ان کو جھاڑے بغیر ان کے ساتھ اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا کندھوں اور بغلوں سمیت مسح کیا۔ ابن ابی یقظانؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ حضرت عائشہ کا ہار گم ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ وہیں اقامت پذیر ہو گئے یہاں تک فجر کا وقت ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ سیدہ عائشہ کو بہت ناراض ہوئے۔ جب آیت تیمم نازل ہوئی تو آپ خوش ہو گئے اور انہیں فرمانے لگے کہ تم بڑی برکت والی ہو کہ تمہاری وجہ سے یہ رخصت نازل ہوئی ہے۔ راوی فرماتے ہیں پھر ہم نے ایک ضرب کے ساتھ اپنے چہروں کا مسح کیا اور دوسری ضرب کے ساتھ اپنے ہاتھوں کا کندھوں اور بغلوں تک مسح کیا۔ حضرت اسلع بن شریک فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی ہانک رہا تھا۔ رات انتہائی سرد تھی۔ میں جنبی ہو گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے کوچ کا ارادہ فرمایا تو میں نے پسند نہ کیا کہ میں اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی ہانکوں۔ اور مجھے یہ بھی خوف تھا کہ میں نے ٹھنڈے پانی کے ساتھ غسل کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا یا بیمار پڑ جاؤں گا۔ میں نے ایک انصاری کو اونٹنی ہانکنے کے لیے کہا۔ اور خود آگ جلا کر پانی گرم کیا اور غسل کیا۔ پھر دوڑ کر حضور اور آپ کے صحابہ کے ساتھ جاملا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے اسلع! کیا وجہ ہے کہ تمہاری اونٹنی کی چال تبدیل ہو گئی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اونٹنی کو میں نہیں چلا رہا تھا بلکہ ایک انصاری چلا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا وجہ تھی۔ میں نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یہ حدیث ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۤ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

''کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ مول لے رہے ہیں گمراہی کو اور (یہ بھی) چاہتے ہیں کہ بھٹک جاؤ تم بھی راہ راست سے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور کافی ہے (تمہارے لیے) اللہ حمایتی اور کافی ہے (تمہارے لیے) اللہ تعالیٰ مددگار ہے۔ کچھ لوگ جو یہودی ہیں پھیر دیتے ہیں (اللہ کے کلام کو) اس کی اصلی جگہوں سے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی اور (کہتے ہیں) سنو تم نہ سنائے جاؤ اور (کہتے ہیں) ''رَاعِنَا'' بل دیتے ہوئے اپنی زبانوں کو طعنہ زنی کرتے ہوئے دین میں اور اگر وہ (یوں) کہتے ہم نے (آپ کا ارشاد) سنا اور (اسے) مان لیا اور (ہماری عرض) سنئے اور نگاہ (کرم) فرمایئے ہم پر، تو ہوتا بہت بہتر ان کے لیے اور بہت درست۔ لیکن (اپنی رحمت سے) دور کر دیا انہیں اللہ نے بوجہ ان کے کفر کے پس نہیں ایمان لائیں گے مگر تھوڑے سے''۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ پر جو کلام نازل فرمایا ہے اس سے اعراض کرتے ہیں اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سابقہ انبیاء سے جو علم ان کے پاس پہنچا ہے اس کو بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ صرف اس مقصد کے لیے کہ وہ اس کے بدلے معمولی دنیوی منفعت حاصل کریں۔ بلکہ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم پر اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل کیے ہیں کاش تم بھی ان کا انکار کر دو

اور جو علم نافع اور ہدایت اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہے اسے ترک کر دو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو بخوبی جانتا ہے۔ اس لیے وہ ان سے تمہیں محتاط رہنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے حمایت کرنے والا کافی ہے اور جو اس سے مدد طلب کرتا ہے اس کے لیے وہ مددگار کافی ہے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا: یہاں "من" جنس کے بیان کے لیے آیا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ "ترجمہ: بتوں کی نجاست سے پرہیز کرو"۔ میں ہے۔ یعنی یہ یہود اللہ کے کلام کی غلط تاویل کرتے ہیں اور اللہ کی مراد کے علاوہ اس کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ اور پھر یہ کام ان سے خطا سادر نہیں ہوتا بلکہ قصداً کرتے ہیں۔ اور اللہ پر بہتان باندھتے ہیں۔ کہتے ہیں اے محمد! جو آپ کہتے ہیں ہم ان کو سنتے ہیں لیکن اس میں آپ کی اطاعت نہیں کریں گے۔ یہ مجاہد اور ابن زید کا قول ہے اور ان کے کفر اور عناد میں یہی قول زیادہ بلیغ ہے۔ یعنی وہ اللہ کے کلام کو سمجھنے کے بعد اس سے روگردانی کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل پر وہ کس سزا کے مستحق ہوں گے۔

وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ: وہ کہتے ہیں کہ آپ وہ سنیں جو ہم کہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ کہہ دیتے ہیں کہ خدا کرے آپ نہ سنیں۔ یہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ مجاہد اور حسن بصری فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ آپ سنیں لیکن آپ کا قول ہمارے لیے قابل قبول نہیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ بطور تمسخر اور مذاق سے کہا کرتے تھے۔ (عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ)

وَرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ: یعنی بظاہر تو وہ کہتے تھے "راعنا" جس کا معنی ہے ہماری بات غور سے سنیے! لیکن حقیقت میں وہ اس سے دوسرا معنی مراد لیتے تھے۔ یعنی آپ کے لیے رعونت کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اس کی تفصیلی بحث آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا (بقرہ:104) کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ یعنی ان یہود کے دلوں میں تو کچھ اور ہوتا ہے لیکن ظاہر میں کچھ اور ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کر کے دین اسلام پر طعنہ زنی کے مرتکب ہوتے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا: ان کے دل بھلائی سے بہت دور ہیں، ان میں کوئی نفع بخش چیز داخل نہیں ہو سکتی اور اس کی تفسیر بھی پہلے گزر چکی ہے۔ مقصد یہی ہے کہ ان میں نفع بخش ایمان نہیں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝

"اے وہ لوگو جنہیں دی گئی کتاب ایمان لاؤ اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہم نے تاکہ تصدیق کرے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے (ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم مسخ کر دیں چہرے پھر پھیر دیں انہیں پشتوں کی طرف یا لعنت کرے ان پر جس طرح ہم نے لعنت کی سبت والوں پر اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے جو اس کے علاوہ ہے جس کو چاہتا ہے اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ کے ساتھ وہ ارتکاب کرتا ہے گناہ عظیم کا"۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کے رسول محمد ﷺ پر نازل کردہ کتاب پر ایمان لے آئیں۔ جو ان کی کتابوں میں موجود بشارت کی تصدیق کرتی ہے۔ اور یہاں ان کو اس چیز سے ڈرایا گیا ہے کہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہارے چہرے مسخ کر دیے جائیں گے۔

مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْھًا: بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ تمہارے چہروں کو مسخ کر دیا جائے۔ یعنی ان کے منہ الٹے کر دیے جائیں گے اور ان کی آنکھیں پچھلی طرف کر دی جائیں گی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ ہم تمہارے چہروں کو مٹا دیں یعنی آنکھیں کان اور ناک سب مٹا دیا جائے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ چہرے کو الٹا کر دیا جائے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے چہروں کو گردن کے پیچھے لگا دیا جائے گا اور وہ الٹے پاؤں چلیں گے اور ان کی آنکھوں کو بھی پچھلی طرف لگا دیا جائے گا(1)۔ یہ سزا اور عذاب زیادہ سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ضرب المثل بیان کی ہے جس میں ان کے حق میں روگردانی کرنے، باطل کی طرف مائل ہونے اور صراط مستقیم سے گمراہی کی طرف رجوع کرنے کا بیان ہے۔ گویا کہ وہ اس طرح الٹے پاؤں چل رہے ہیں اور بعینہ اسی طرح ہے جس طرح بعض مفسرین نے اس آیت کریمہ: اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ اَغْلٰلًا فَھِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَھُمْ مُّقْمَحُوْنَ'' ترجمہ: ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے پس وہ ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اس لیے ان کے سر اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں''۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ بھی ایک ضرب المثل ہے جو ان کی گمراہی اور راہ ہدایت قبول نہ کرنے کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو صراط المستقیم سے پھیر کر گمراہی کی طرف لوٹا دیا جائے۔ سدی نے بھی یہ فرمایا ہے کہ قبل اس کے کہ ہم ان کو حق سے روک دیں اور کفر کی طرف لوٹا دیں اور ان کو بندروں کی طرح بنا دیں۔ ابوزید نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ قبل اس کے کہ ہم ان کو حجاز کی سرزمین سے شام کی زمین کی طرف دھکیل دیں۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کعب الاحبارؓ نے جب یہ آیت کریمہ سنی تو مسلمان ہو گئے۔ عیسیٰ بن مغیرہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم نے حضرت ابراہیمؒ کے پاس کعب کے اسلام کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں مسلمان ہوئے تھے۔ وہ بیت المقدس جا رہے تھے۔ مدینہ پاک سے گزرے تو حضرت عمرؓ سے ملاقات ہو گئی تو آپ نے فرمایا اے کعب مسلمان ہو جاؤ تو انہوں نے جواب دیا کہ تم اپنے قرآن پاک میں یہ آیت نہیں پڑھتے: مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا (جمعہ:5)'' ترجمہ: ان کی مثل جنہیں تورات کا حامل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس نے کتابیں اٹھا رکھی ہیں''۔ اور میں بھی تو ان لوگوں میں سے ہوں جن کو حامل تورات بنایا گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے انہیں چھوڑ دیا۔ جب وہ حمص پہنچے وہاں ایک شخص کو آیت: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اٰمِنُوْا تلاوت کرتے سنا تو مسلمان ہو گئے اس ڈر سے کہ کہیں اس آیت کریمہ میں بیان کردہ عذاب ہم پر نہ آ جائے اور پھر اپنے وطن یمن پہنچے اور اپنے تمام اہل خانہ کو لے کر مسلمان ہو گئے۔ ایک دوسری روایت میں ان کے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ان کے استاد ابو مسلم جلیلی ان کو ملامت کیا کرتے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں سستی کی۔ ایک دفعہ انہوں نے حضرت کعبؓ کو بھیجا کہ جاؤ دیکھ کر آؤ کیا یہ وہی نبی ہیں جس کے اوصاف تورات میں بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ پہنچا تو ایک قاری کو قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ میں نے جلدی سے پانی تلاش کر کے غسل کیا اور اپنے چہرے کے اوپر ہاتھ مسخ ہونے کے خوف سے بار بار مارتا رہا اور پھر مسلمان ہو گیا۔

1۔ تفسیر الطبری: 121/5

اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ: اصحاب سبت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہفتہ کے دن حیلے سے مچھلیوں کا شکار کر کے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا۔ جس کے نتیجے میں ان کی شکلیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر کی طرح بنا دیا گیا۔ اس واقعہ کی تفصیل سورۂ اعراف میں ذکر کی جائے گی۔

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا: یعنی جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم دیتا ہے تو اس کی نہ تو کوئی مخالفت کر سکتا ہے اور نہ ہی انکار۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے ساتھ شرک کرنے والے کو معاف نہیں کرتا اور شرک کے علاوہ باقی تمام گناہوں کو جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔

آیت مذکورہ کے بارے میں وارد احادیث: 1۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کے گناہ تین طرح کے ہیں۔ 1۔ وہ گناہ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ پروا نہیں کرتا۔ 2۔ وہ گناہ ہیں جن میں سے اللہ تعالیٰ کسی چیز کو نہیں چھوڑتا۔ 3۔ وہ گناہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرماتا۔ اور تیسری قسم سے مراد شرک ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے: اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ ''ترجمہ: یقیناً جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک بنائے گا تو حرام کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس (بندے) پر جنت''۔ اور وہ قسم جس کی اللہ تعالیٰ پروا نہیں کرتا وہ بندے کا اپنے نفس پر ظلم کرنا ہے۔ اس کا تعلق بندے اور رب کے درمیان ہوتا ہے یعنی نماز، روزہ وغیرہ کا ترک۔ اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے۔ اور وہ قسم جس کو بالکل نہیں چھوڑتا، اس سے مراد بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے۔ اس کا بدلہ اور قصاص ضروری ہوگا(1)۔ 2۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظلم کی تین قسمیں ہیں۔ 1۔ وہ ظلم جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتا۔ 2۔ وہ ظلم جس کو اللہ معاف فرما دیتا ہے۔ 3۔ وہ ظلم جس کو اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑتا۔ پہلے ظلم سے مراد شرک ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ''ترجمہ: یقیناً شرک ظلم عظیم ہے''۔ دوسری قسم کے ظلم سے مراد وہ ظلم ہے جو بندہ اپنے نفس پر کرتا ہے اور اس کا تعلق بندے اور رب کے درمیان ہوتا ہے۔ تیسری قسم کے ظلم سے مراد بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے۔ جس کا بدلہ ضروری ہے(2)۔ 3۔ حضرت معاویہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو بخش دے مگر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرا ہو یا جس شخص نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا ہو۔(3) 4۔ حضرت ابوذرؓ رسول اللہ ﷺ سے حدیث قدسی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے میرے بندے! جب تک میری عبادت کرتا رہے گا اور میرے ساتھ اپنی امیدیں وابستہ رکھے گا تو میں تیری خطاؤں کو معاف کر دوں گا۔ اے میرے بندے! اگر تو میرے پاس زمین بھر خطائیں لے کر آئے گا اور شرک نہ کیا ہوگا تو میں تجھے زمین بھر مغفرت عطا کروں گا(4)۔ 5۔ حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے نے لا الہ الا اللّٰہ کہا اور پھر اسی پر اس کا انتقال ہوا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے عرض کی خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو۔ آپ نے فرمایا ہاں خواہ وہ زنا کرے یا چوری کرے۔ ابوذر فرماتے ہیں کہ میں نے تین بار یہ کلمات دہرائے تو آپ نے یہی جواب ارشاد فرمایا۔ اور چوتھی مرتبہ فرمایا ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔ یہ سن کر ابوذر اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے وہاں سے نکلے اور وہ یہ الفاظ دہرا رہے تھے کہ اگرچہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔ اس کے بعد جب بھی یہ حدیث روایت کرتے یہ الفاظ ضرور دہراتے۔ دوسری سند سے مروی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ ابوذر فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ طیبہ کے باہر میدان میں جا رہا تھا۔ ہماری نظریں احد

1۔ مسند احمد: 240/6 2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار: 158/4 3۔ مسند احمد: 99/4 4۔ مسند احمد: 154/5

پہاڑ پر تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! میں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہ! فرمایا اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا آ جائے۔ میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ تیسری شام تک اس میں کچھ باقی رہ جائے۔ سوائے اس دینار کے جسے قرضہ چکانے کے لیے رکھ لوں۔ میں اس سونے کو اللہ کے بندوں میں مٹھی بھر بھر تقسیم کر دوں گا۔ پھر کچھ دیر ہم آگے چلے تو حضور ﷺ نے فرمایا یہیں ٹھہرے رہو یہاں تک میں واپس آ جاؤں۔ آپ تشریف لے گئے اور میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے کچھ آوازیں سنیں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ حضور ﷺ کو کوئی پریشانی پیش نہ آ گئی ہو۔ میں نے پیچھے جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن مجھے آپ کا فرمان یاد آ گیا کہ یہاں سے نہ ہٹنا حتی کہ میں واپس آ جاؤں۔ اس لیے میں وہیں انتظار کرتا رہا۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو میں نے ان آوازوں کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا جبرائیل (علیہ السلام) میرے پاس آئے تھے۔ جو کہہ رہے تھے کہ آپ کی امت میں سے جو اس حال میں دنیا سے رخصت ہوگا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ میں نے پوچھا خواہ وہ زنا کرے یا چوری۔ فرمایا ہاں اگر چہ وہ زنا کرے یا چوری (1)۔ اسے بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے اور ان کے یہ الفاظ ہیں۔ ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات باہر نکلا۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ اکیلے تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں نے سوچا شاید آپ کسی کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے چاند کی روشنی میں چل پڑا۔ آپ نے پیچھے مڑ کر مجھے دیکھا اور ارشاد فرمایا تم کون ہو؟ عرض کی میں ابوذر ہوں۔ اللہ کرے میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا ابوذر آؤ۔ میں تھوڑی دیر آپ کے ساتھ چلا تو آپ نے ارشاد فرمایا آج جو غنی ہیں قیامت کے دن وہ فقیر ہوں گے مگر وہ شخص جس کو اللہ نے مال عطا فرمایا اور اس نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور نیک عمل کرتا رہا۔ پھر آپ تھوڑی دیر چلتے رہے پھر ارشاد فرمایا یہاں بیٹھ جاؤ۔ آپ نے مجھے اس جگہ بٹھایا جہاں میرے اردگرد پتھر تھے اور فرمایا یہاں بیٹھے رہنا یہاں تک کہ میں واپس آ جاؤں۔ آپ دور میدان میں نکل گئے یہاں تک میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ آپ کو گئے ہوئے کافی دیر ہو گئی۔ پھر میں نے دیکھا آپ یہ فرماتے ہوئے آ رہے ہیں اگر چہ زنا کرے یا چوری۔ مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ میں نے عرض کی اللہ کرے میں آپ پر قربان ہو جاؤں یہ آپ کس کے ساتھ گفتگو فرما رہے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ کوئی آپ کو جواب دے رہا تھا۔ آپ نے فرمایا جبرائیل میرے پاس آئے اور کہا کہ اپنی امت کو خوشخبری دے دو کہ ان میں جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا، جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! اگر چہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو۔ اس نے کہا ہاں۔ میں نے پھر یہی کلمات دہرائے تو اس نے جواب دیا ہاں اگر چہ وہ شراب بھی پیے (2)۔ 6۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! جنت اور دوزخ کو واجب کرنے والی دو چیزیں کون سی ہیں آپ نے فرمایا جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کیے بغیر مرا اس کے لیے جنت واجب ہوگی اور جو اس کے ساتھ شرک کرتے ہوئے مرا اس کے لیے جہنم واجب ہوگی۔ دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تھا اس کے لیے مغفرت حلال ہوگئی اگر اللہ چاہے اسے عذاب دے چاہے معاف فرما دے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشتا جو اس کے ساتھ شرک کرتا ہے اور اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ بندے پر ہمیشہ اللہ کی مغفرت رہتی ہے جب تک کہ پردے نہ پڑ جائیں۔ عرض کی گئی پردے سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ اور جو شخص اس حال میں اللہ سے ملے کہ اس نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے مغفرت ثابت ہو جاتی ہے اگر چاہے تو اسے عذاب دے چاہے

1۔ مسلم، کتاب الزکاۃ: 687 2۔ فتح الباری، کتاب الرقاق: 260/11

اسے معاف فرما دے۔ پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ 7۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو اس حالت میں موت آ گئی کہ اس نے اللہ کے ساتھ شرک نہیں کیا تھا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا(1)۔ 8۔ حضرت ابوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن صحابہ کرامؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہارے رب عزوجل نے مجھے یہ اختیار دیا ہے کہ میں اپنی امت میں سے ستر ہزار کا بے حساب جنت میں جانا پسند کرلوں یا اس بات کو پسند کرلوں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی چیز میری امت کے بارے میں پوشیدہ ہے۔ ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا آپ کا پروردگار اس چیز کو محفوظ چھپا کر رکھے گا۔ آپ یہ سن کر گھر تشریف لے گئے اور پھر تھوڑی دیر بعد تکبیر پڑھتے ہوئے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے رب نے مجھے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کی زیادتی عطا فرمائی ہے۔ اور پوشیدہ حصہ اس کے علاوہ ہے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ جب یہ حدیث بیان کر چکے تو ابورہم نے پوچھا اس پوشیدہ چیز کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ یہ بات سن کر لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے اور کہنے لگے تمہیں اس سے کیا لگے۔ اس پر ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا اسے چھوڑو۔ میں تمہیں اس کے بارے میں اپنے گمان بلکہ یقین کے مطابق بتاتا ہوں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے سچے دل سے یہ گواہی دی کہ اللہ وحدہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے رسول اور بندے ہیں وہ جنت میں داخل ہو جائے گا(2)۔ 9۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے ہی مروی ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میرا بھتیجا حرام سے باز نہیں آتا۔ آپ نے پوچھا اس کی دینداری کیسی ہے۔ عرض کی نماز پڑھتا ہے، اللہ کی توحید کا اقرار بھی کرتا ہے۔ فرمایا پہلے اس سے اس کا دین بطور ہبہ طلب کرو پھر اگر انکار کرے تو اسے خرید لو۔ اس نے اس شخص سے جا کر طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا اور واپس آ کر حضور ﷺ کو بتایا۔ اور عرض کی کہ وہ اپنے دین کے بارے میں بڑا حریص ہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ۔ 10۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میں نے اپنے نفس کی ہر اچھی بری خواہش کو پورا کیا آپ نے تین بار ارشاد فرمایا کیا تو گواہی نہیں دیتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اس نے عرض کی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا تمہاری یہ گواہی ان تمام چیزوں پر غالب آ جائے گی(3)۔ 11۔ ضمضم بن جوش یمامی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اے یمامی! ہرگز کسی شخص کو یہ نہ کہنا کہ اللہ تجھے معاف نہیں کرے گا یا تجھے کبھی جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ انہوں نے کہا حضرت! اس طرح تو ہم غصے میں اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کو کہتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا آئندہ اس طرح نہ کہنا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں دو شخص تھے۔ ان میں ایک تو عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا اور دوسرا بڑا گنہگار تھا۔ دونوں کا آپس میں بھائی چارہ تھا۔ وہ عابد جب بھی دوسرے کو گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا تو اسے کہتا کہ گناہ سے باز آ جاؤ۔ وہ جواب دیتا کہ میرا معاملہ میرے رب کے سپرد ہے۔ تمہیں مجھ پر نگہبان تو نہیں بنایا گیا۔ حتیٰ کہ ایک دن اس عابد نے دیکھا کہ وہ شخص کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس نے کہا افسوس ہے تجھ پر اب بھی باز آ جاؤ۔ اس نے جواب دیا میرا معاملہ میرے رب کے سپرد ہے تمہیں مجھ پر نگہبان نہیں بنایا گیا۔ اس نے کہا قسم بخدا اللہ تعالیٰ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا اور نہ ہی تجھے جنت میں داخل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لیے ملک الموت کو بھیجا۔ جب وہ دونوں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس گنہگار سے فرمایا جاؤ میری رحمت کی بناء پر جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور اس عابد سے کہا کیا تو حقیقت میں جانتا تھا۔ پھر کہا کیا تو اس چیز پر قادر تھا جو میرے قبضہ قدرت میں ہے۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے جہنم میں پھینک دو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات

1۔ مسند احمد: 79/3　　2۔ مسند احمد: 413/5　　3۔ مسند ابی یعلی: 155/6

کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اس نے اپنے منہ سے ایک ہی کلمہ نکالا تھا جس نے اس کی دنیا و آخرت کو تباہ کر دیا(1)۔ 12۔حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جس شخص نے یہ یقین کر لیا کہ میں گناہوں کی بخشش پر قادر ہوں تو میں اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہوں اور کوئی پروا نہیں کرتا جب تک وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے(2)۔13۔حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس امر پر ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ اسے ضرور پورا کرے گا اور جس امر سے سزا کا ذکر کیا ہے وہ اس کے اختیار میں ہے۔حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ہم صحابہؓ قاتل، یتیم کا مال کھانے والے، پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے والے اور جھوٹی گواہی دینے والے کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں کیا کرتے تھے یعنی ان کے جہنمی ہونے میں ہمیں کوئی شک نہیں تھا۔حتیٰ کہ یہ آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ نازل ہوئی۔اس کے بعد صحابہ کرامؓ ان لوگوں کے بارے میں اس قسم کی باتیں نہیں کرتے تھے۔ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ جب ہم نے یہ آیت کریمہ سنی تو ان لوگوں کے بارے میں اس قسم کی گفتگو سے باز آ گئے اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم گناہ کبیرہ کے مرتکب لوگوں کے لیے استغفار نہیں کیا کرتے تھے حتیٰ کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کو یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے ہوئے سنا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے اہل کبائر کے لیے موخر کر رکھا ہے(3)۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ...... (زمر:53) ''ترجمہ: آپ فرمایئے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے، یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو۔ بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے''۔نازل ہوئی۔تو ایک شخص نے یہ سن کر عرض کی یا رسول اللہ! کیا اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا بھی، آپ نے اس کی بات ناپسند فرمائی اور پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ سورۂ حٰم السجدہ کی یہ آیت کریمہ توبہ کے ساتھ مشروط ہے یعنی جب کوئی شخص کسی گناہ سے توبہ کرے اگرچہ وہ گناہ اس سے بار بار سرزد ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔اس لیے ارشاد فرمایا: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا...... یعنی وہ توبہ کی شرط کے ساتھ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے کیونکہ اگر یہاں توبہ کی شرط نہ لگائی جائے تو شرک بھی ان میں داخل ہو جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا اور اس کے علاوہ تمام گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا معاف فرما دے گا۔اگرچہ اس نے توبہ نہ بھی کی ہو۔اگر اس آیت کا یہ مفہوم لیا جائے تو یہ پہلی صورت سے زیادہ امید افزا ہے۔واللہ اعلم۔

مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ: یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ کی مثل ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔آپ فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے تو آپ نے فرمایا تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کبیرہ کے بارے میں نہ بتا دوں۔اور وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے۔پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔اور پھر ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد والدین کی نافرمانی کرنا بھی بڑا گناہ ہے۔پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ ...... (لقمان:14) ''ترجمہ: کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا، آخر کار میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے''۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٤٩﴾

1۔مسند احمد: 323/2 2۔المعجم الکبیر: 241/11 3۔کشف الاستار عن زوائد البزار: 84/4

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝

''کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جو پاکباز بتلاتے ہیں اپنے آپ کو بلکہ (یہ تو) اللہ (کی شان ہے کہ) پاکباز بنا دے جسے چاہے، اور وہ نہیں ظلم کیے جائیں گے کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر۔ دیکھئے کیسے گھڑتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور کافی ہے (انہیں رسوا کرنے کے لیے) یہ کھلا گناہ۔ کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ (اب) اعتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور طاغوت پر اور کہتے ہیں ان کے بارے میں جنہوں نے کفر کیا کہ یہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے یہی وہ (بدنصیب) ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اور جس پر لعنت بھیجے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کا کوئی مددگار''۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ حضرت حسن بصری اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیونکہ وہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں، اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوا اور کوئی داخل نہیں ہوگا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ وہ دعا کے موقع پر اپنے بچوں کو آگے کرتے اور نماز میں بھی ان کو اپنا امام بناتے۔ ان کا گمان تھا کہ یہ بے گناہ ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہودی کہا کرتے تھے کہ ہمارے جو بچے فوت ہو گئے ہیں انہیں اللہ کے ہاں قرب حاصل ہے جس کی وجہ سے ہماری شفاعت کریں اور اللہ کے سامنے ہماری صفائی بیان کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ پر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ایک دوسری روایت میں آپ نے یہود کے اپنے بچوں کو امام بنانے کا ذکر بھی کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی گنہگار کو کسی بے گناہ کی وجہ سے پاک نہیں کرتا۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ بچوں کی طرح ہمارا کوئی گناہ نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان لوگوں کی مذمت میں اتری جو ایک دوسرے کی تعریف بڑھا چڑھا کر کرتے ہیں اور دوسرے کی صفائی بیان کرتے ہیں۔ حضرت مقداد بن اسودؓ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ہم بے جا مدح کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دیں (1)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دوسرے شخص کی تعریف کرتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس کہ تو نے اپنے بھائی کی گردن کو توڑ دیا۔ پھر فرمایا جب تمہیں آپس میں اپنے ایک ساتھی کی تعریف کرنی ہو تو وہ کہے کہ میرے خیال کے مطابق وہ ایسا ہے۔ لیکن وہ یہ نہ کہے کہ وہ حقیقتاً اللہ کے نزدیک بھی وہ ایسا ہی ہے (2)۔ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ میں مومن ہوں وہ کافر ہے اور جو کہے کہ ہم عالم ہوں وہ جاہل ہے۔ اور جو کہے کہ میں جنتی ہوں وہ جہنمی ہے۔ دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ تم خود پسند نہ بن جانا۔ معبد جہنی فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ بہت کم حدیث روایت کرتے تھے اور بہت کم ایسا ہوگا کہ آپ نے جمعہ کے موقع پر یہ احادیث بیان نہ کی ہوں۔ 1۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے۔ 2۔ یہ مال انتہائی خوشنما اور دلکش ہے جو

1۔ مسلم، کتاب الزہد: 2297 2۔ مسلم، کتاب الزہد: 2296

اس کو حق کے ساتھ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دیتا ہے۔3۔ بے جا تعریف وتوصیف سے بچو کہ یہ گردن پر چھری چلانے کے مترادف ہے(1)۔ اور اس آخری حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ انسان صبح اپنے دین کو لے کر باہر نکلتا ہے اور جب واپس لوٹتا ہے تو اس کا دامن دین سے خالی ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات ایسے ہوتا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو ملتا ہے جو اسے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ وہ قسمیں اٹھا کر اس کی مدح وتعریف کرتا ہے۔ ممکن ہے اسے اتنی تعریف کے بعد کوئی شے نہ ملے لیکن اس نے اپنے اللہ کو ناراض کر لیا، پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اس کا تفصیلی بیان فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ (نجم:32) کی تفسیر کے تحت آئے گا۔

بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ: چونکہ اللہ تعالیٰ تمام امور کی حقیقت اور اصلیت کو بخوبی جانتا ہے اس لیے وہی بہتر فیصلہ کر سکتا ہے اور وہ کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ یعنی اگر کسی کا اجر کھجور کی گٹھلی کے ریشے کے برابر بھی ہوگا تو وہ اسے ضائع نہیں کرے گا۔ بہت سے مفسرین نے فرمایا ہے کہ "فتیلہ" کھجور کی گٹھلی کے درمیان باریک سے ریشے کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ دھاگہ ہے جسے انسان اپنی انگلیوں سے بٹتا ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ: اپنے آپ کی صفائی اور پاکیزگی بیان کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہیں۔ اسی طرح وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم یہود ونصاریٰ کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اور ہمیں چند روز آگ میں رہنا پڑے گا۔ اور اپنے بڑوں کے نیک اعمال پر بھروسہ کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ والدین کے اعمال بیٹوں کو کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ..... (بقرہ:134) پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان کا یہ کذب وافتراء ہی ایک ایسا واضح گناہ ہے جو ان کے لیے کافی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ: حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ "جبت" سے مراد جادو اور "طاغوت" سے مراد شیطان ہے۔ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ جبت سے مراد شیطان ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے اور ایک دوسری روایت میں مروی ہے کہ اس سے مراد شرک اور بت ہیں۔ شعبی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کاہن ہیں۔ بعض نے فرمایا ہے کہ "جبت" سے مراد حیی بن اخطب مراد ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں اس سے کعب بن اشرف مراد ہے، جوہری صحاح میں فرماتے ہیں کہ "جبت" کلمہ کا اطلاق بت، کاہن، جادوگر اور کئی دوسری چیزوں پر ہوتا ہے۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ فال، پرندوں کے اڑنے یا ان کے ناموں سے شگون لینا اور زمین پر لکیریں کھینچنا سب "جبت" میں داخل ہیں(2)۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ عربی زبان کا لفظ نہیں ہے کیونکہ اس میں ج اور ت ایک ہی کلمہ میں جمع ہو گئے ہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شیطان کی بھنبھناہٹ ہے۔ "طاغوت" کے بارے میں بحث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے طواغیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ان سے مراد وہ کاہن ہیں جن پر شیطان نازل ہوتا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد انسانی صورت میں وہ شیطان ہے جن کے پاس لوگ مقدمے لے کر جاتے ہیں اور انہیں اپنا حکم سمجھتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی عبادت اللہ کے سوا کی جائے۔

وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا: یعنی وہ اپنی جہالت اور بے دینی کی وجہ سے کافروں کو مسلمانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس طرح وہ اس

1۔ مسند احمد 93/4 2۔ مسند احمد 60/5

کتاب کا بھی انکار کرتے ہیں جو ان کے پاس موجود ہے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف اہل مکہ کے پاس گئے اہل مکہ نے کہا کہ تم اہل علم و کتاب ہو۔ ہمیں ہمارے اور محمد (ﷺ) کے بارے میں بتاؤ وہ کہنے لگے تمہارا اور محمد (ﷺ) کا کیا مقابلہ ہے۔ اہل مکہ کہنے لگے کہ ہم صلہ رحمی کرتے ہیں، مہمانوں کے لیے اونٹنیاں ذبح کرتے ہیں، پانی کی جگہ دودھ پلاتے ہیں۔ غلاموں کو آزاد کرتے ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں محمد (ﷺ) ہیں جو ہمارے ساتھ قطع رحمی کرتے ہیں قبیلہ غفار کے چند لوگ ان کے ساتھ ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو حاجیوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں اب تم خود ہی فیصلہ کرو کہ ہم بہتر ہیں یا وہ۔ اس پر ان دونوں نے کہا کہ تم ہی بہتر ہو اور سیدھے راستے پر گامزن ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان کے بارے میں اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ بھی نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بنو وائل اور بنو نضیر کے سردار جب قریش ظلے پاس آئے تو انہوں نے کہا یہ یہودیوں کے علماء اور پہلی کتابوں کا علم رکھنے والے لوگ ہیں۔ ان سے پوچھو کیا ہمارا دین بہتر ہے یا محمد ﷺ کا۔ جب انہوں نے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ تمہارا دین ان سے بہتر ہے تم ان سے اور ان کے متبعین سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے اور یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ دنیا و آخرت میں ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا کیونکہ وہ مشرکین سے مدد طلب کرنے گئے تھے اور انہوں نے یہ بات اسی لیے کی تھی تا کہ انہیں اپنی مدد کے لیے مائل کریں اور وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہو گئے۔ اس طرح انہوں نے بہت سے قبائل جمع کر کے اور اپنے ساتھ ملا کر مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ حتیٰ کہ نبی پاک ﷺ نے اپنے صحابہ سے مل کر مدینہ کے اردگرد خندق کھودی۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿٥٣﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿٥٥﴾

''کیا ان کے لیے کوئی حصہ ہے حکومت میں اگر ایسا ہوتا تو نہ دیتے یہ لوگوں کو تل برابر کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے (وہ حسد کی آگ میں جلا کریں) ہم نے تو مرحمت فرما دی ہے ابراہیم کے گھرانے کو کتاب اور حکمت اور عنایت فرما دی ہے انہیں عظیم الشان سلطنت تو ان سے کوئی ایمان لائے اس کے ساتھ اور کسی نے منہ پھیر لیا اس سے اور کافی ہے (انہیں جلانے کے لیے) جہنم کی دہکتی ہوئی آگ''۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ: ارشاد باری تعالیٰ ہے کیا وہ ملک کے کسی حصے کے مالک ہیں۔ یہ سوال انکار کے طور پر ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ملک کے کسی حصے کے مالک نہیں پھر اس کے بعد ان کے بخل کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر وہ ملک کے کسی حصے کے مالک ہوتے تو وہ لوگوں کو اور خصوصاً رسول اللہ ﷺ کو کچھ عطا نہ کرتے۔ ''نقیر'' سے مراد وہ باریک سا نشان ہے جو گٹھلی کی ایک طرف ہوتا ہے۔ اسی مفہوم کو ایک دوسری آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ ''ترجمہ: فرمائیے اگر تم مالک ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے تو اس وقت تم ضرور ہاتھ روک لیتے اس خوف سے کہ کہیں (سارے خزانے) ختم ہی نہ ہو جائیں۔ واقعی

انسان بڑا تنگدل ہے''۔

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب (ﷺ) کو نبوت کے جس عظیم منصب سے نوازا ہے اس پر وہ حسد کرتے ہیں چونکہ آپ کا تعلق عرب سے تھا بنی اسرائیل سے نہیں تھا۔ لہٰذا وہ اسی حسد کی بناء پر آپ کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ''الناس'' سے مراد ہم لوگ نہ کہ دوسرے پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کے قبائل جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ان پر کتاب نازل فرمائی۔ بعض کو بادشاہت بھی عطا فرمائی۔ وہ بڑی حکمت سے امور سلطنت چلاتے رہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ان میں بعض ایمان لائے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو انعام و اکرام کیا تھا اس کی تصدیق کی اور بعض نے اس سے اعراض کر کے انکار کیا اور لوگوں کو بھی اس سے روکنے لگے۔ یعنی جب انہوں نے اپنی ہی قوم میں سے مبعوث نبی (ابراہیم علیہ السلام) کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے مخالف ہو گئے تو یہ آپ کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں۔ حالانکہ آپ کا تعلق بنی اسرائیل سے بھی نہیں ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے بعض محمد (ﷺ) پر ایمان لے آئے اور بعض نے اعراض کیا اور آپ سے اعراض کرنے والے یہ کافر شدت سے تکذیب کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ حق اور ہدایت سے بہت دور ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ارشاد فرمایا کہ انہیں جلانے کے لیے جہنم کی دھکتی ہوئی آگ کافی ہے۔ یعنی یہ سزا ان کو ان کے کفر و عناد اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب اور اس کے رسولوں کی مخالفت کی وجہ سے دی جائے گی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۵۶﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا ﴿۵۷﴾

''بے شک جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا ہم ڈال دیں گے انہیں آگ میں جب کبھی پک جائیں گی ان کی کھالیں تو بدل کر دے دیں گے ہم انہیں کھالیں دوسری تاکہ وہ (مسلسل) چکھتے رہیں عذاب کو بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کیے عنقریب ہم داخل کریں گے انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں تا ابد۔ ان کے لیے ان باغوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم داخل کریں گے انہیں گھنے سایہ میں''۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا: اللہ تعالیٰ نے یہاں اس سزا کے بارے میں فرمایا ہے جو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ان لوگوں کو دے گا جنہوں نے اس کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں سے اعراض کیا۔ ارشاد فرمایا ہم ان کو اس آگ میں اس طرح داخل کریں گے کہ وہ آگ ان کو ہر طرف سے گھیر لے گی۔ پھر یہ بات یہیں ختم نہیں ہوگی بلکہ یہ سزا ان کے لیے دائمی ہوگی۔

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب ان کی کھال جل جائے گی تو اس کے بدلے میں ایک نئی کھال انہیں دی جائے گی جو کاغذ کی مانند صاف ہوگی۔ حضرت یحییٰ بن یزید حضرمیؒ فرماتے ہیں کہ کافر کی سو کھالیں ہوں گی اور ہر کھال کو مختلف قسم کے عذاب دیئے جائیں گے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ ان کی کھال جلے گی۔ اور جب بھی فرشتے انہیں حکم دیں گے پھر اپنی پہلی حالت پر لوٹ آئیں گے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عمرؓ کے پاس جب یہ آیت کریمہ پڑھی تو

آپ نے اسے دوبارہ پڑھنے کا حکم فرمایا۔ اس نے دوبارہ پڑھی۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے پھر فرمایا اس کی تفسیر یہ ہے کہ ان کی ایک گھڑی میں سو مرتبہ کھال تبدیل کی جائے گی۔ اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس طرح سنا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب یہ آیت کریمہ دوبارہ پڑھی گئی تو حضرت کعب نے عرض کی اے امیر المومنین! میں اس کی وہ تفسیر بیان کرتا ہوں جو میں نے مسلمان ہونے سے پہلے پڑھی تھی۔ آپ نے فرمایا، بیان کرو! اگر یہ رسول اللہ ﷺ کے قول کے موافق ہوئی تو ہم قبول کریں گے وگرنہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ تو انہوں نے بیان کیا۔ میں نے یہ پڑھا ہے کہ ایک گھڑی میں ایک سو بیس مرتبہ انکی جلد کو تبدیل کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا میں نے بھی ایسا ہی رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ حضرت ربیع بن انسؓ فرماتے ہیں کہ پہلی کتابوں میں لکھا ہے کہ جہنمی کی جلد چالیس ہاتھ اور اس کا دانت ستر ہاتھ اور اس کا پیٹ اتنا بڑا ہوگا کہ اس میں اگر پہاڑ بھی ڈال دیا جائے تو وہ سما جائے۔ اور جب آگ ان کی کھالوں کو جلا دے گی تو اس کی جگہ نئی کھالیں آ جائیں گی۔ ایک حدیث میں تو اس سے بھی زیادہ لمبائی بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ میں جہنمی بہت بڑے ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ ان کے کان کی لو سے کندھے تک کا فاصلہ سات سو سال کا ہوگا اور جلد کی موٹائی ستر گز اور ان کی ایک داڑھ احد پہاڑ کی مثل ہوگی(1)۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں جلد سے مراد ان کے لباس ہیں۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ آیت کے ظاہری مفہوم کے مخالف ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: یہاں ان خوش بخت لوگوں کے بارے میں بیان کیا جا رہا ہے جو جنت عدن میں اقامت پذیر ہوں گے۔ ان کے نیچے جگہ جگہ نہریں رواں ہوں گی۔ بلکہ وہ جہاں چاہیں گے وہیں نہر رواں ہو جائے گی اور وہ اس میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ ان کے لیے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔ یعنی یہ عورتیں حیض، نفاس، میل کچیل، گھٹیا اخلاق اور ناقص صفات سے پاک ہوں گی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ گندگی اور میل کچیل سے پاک ہوں گی۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ بول و براز، حیض، منی، تھوک، نخامہ وغیرہ سے پاک ہوں گی۔

وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا: یعنی ان کو ایسے سایہ میں داخل کریں گے جو انتہائی گھنا، خوشبودار اور دلفریب ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سوار اگر ایک سال تک بھی چلتا رہے تو وہ سایہ ختم نہیں ہوگا۔ اس درخت سے مراد شجرۂ خلد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

"بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تمہیں کہ (ان کے) سپرد کرو امانتوں کو جو ان کے اہل ہیں اور جب بھی فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان تو فیصلہ کرو انصاف سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے تمہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہر چیز دیکھنے والا ہے"۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے امانت کی صاحب امانت کے سپرد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت سمرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے تمہارے پاس کوئی امانت رکھی ہے اسے اس کی امانت واپس کرو۔ اور جو تمہارے ساتھ خیانت

1۔ مسند احمد 26/2

کرے اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔ آیت کریمہ کے الفاظ عام ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر واجب کردہ حقوق کی ادائیگی کو بھی شامل ہے جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، کفارہ اور نذر وغیرہ اور اس طرح بندوں کے باہمی حقوق کو بھی شامل ہے جیسے کسی نے کسی کے پاس امانت رکھی اور امانت رکھنے والے کے پاس کوئی دلیل یا گواہ نہ بھی ہو تب بھی اس پر لازم ہے کہ امانت مالک کو واپس کردے۔ اگر اس نے اس دنیا میں ایسا نہ کیا تو قیامت کے دن اس کی پکڑ ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن ہر صاحب حق کو اس کا حق دلوایا جائے گا یہاں تک کہ اگر بے سینگ بکری سینگی والی بکری نے مارا ہوگا تو اسے بھی بدلہ دیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ شہادت امانت کے سوا ہر شی کو مٹا دیتی ہے۔ قیامت کے دن اس کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر کیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا کہ امانت ادا کرو وہ کہے گا کہ اب میں امانت کیسے ادا کرسکتا ہوں جب کہ دنیا ہی موجود نہیں۔ اسی اثناء میں وہ امانت جہنم کے پیندے میں نظر آئے گی۔ وہ اس میں چھلانگ لگا دے گا اور اسے اپنے کاندھوں پر اٹھائے گا لیکن وہ اس کے کاندھوں سے نیچے گر جائے گی۔ وہ پھر اسے اٹھائے گا اور وہ گر جائے گی۔ اس طرح وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس عذاب میں مبتلا رہے گا۔ حضرت زاذانؒ فرماتے ہیں کہ میں یہ حدیث سن کر حضرت براء کے پاس حاضر ہوا اور انہیں یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی نے سچ کہا ہے اور پھر یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ نیک اور بد دونوں کو شامل ہے۔ ابوالعالیہ کا قول ہے کہ جس چیز کا حکم دیا جائے اور جس سے روکا جائے یہ سب امانت میں شامل ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ عورت کا اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا بھی امانت میں داخل ہے۔ ربیع بن انسؓ فرماتے ہیں کہ تیرے اور غیر کے درمیان جتنے بھی معاملات ہیں یہ سب امانت میں شامل ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ حاکم وقت عید والے دن اپنے خطبہ میں عورتوں کو نصیحت فرمائے۔ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا اور لوگوں کو امن و سکون حاصل ہوگیا تو آپ بیت اللہ میں تشریف لائے اور اپنی اونٹنی پر سوار ہوکر بیت اللہ کا طواف کیا۔ جب حجر اسود کے پاس سے گزرتے تو اپنی چھڑی مبارک سے اس کا بوسہ لیتے۔ پھر آپ نے طواف مکمل کرکے عثمان بن طلحہ کو بلایا۔ جو بیت اللہ کے کلید بردار تھے۔ اس سے چابی لی اور دروازہ کھلوا کر بیت اللہ شریف میں داخل ہوگئے۔ وہاں لکڑی کا ایک بت تھا جس کو آپ نے دست مبارک سے توڑا اور اسے نیچے پھینک دیا اور دروازے پر کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ ثابت کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی۔ تمام گروہوں کو اکیلے ہی شکست سے دوچار کیا۔ ہر قسم کی خاندانی شرافت، مال اور خون کے جھگڑے میرے ان قدموں تلے ہیں سوائے بیت اللہ کی خدمت گزاری اور حاجیوں کو پانی پلانے کے۔ اسی طویل حدیث میں ذکر ہے کہ پھر آپ مسجد حرام میں بیٹھ گئے۔ حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ بیت اللہ کی چابی مجھے عنایت فرمائیں تاکہ حاجیوں کو پانی پلانے کے منصب کے ساتھ ساتھ کعبہ شریف کی چوکیداری کا منصب بھی ہمیں مل جائے اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عثمان بن طلحہ کہاں ہے۔ اسے بلایا گیا تو آپ نے فرمایا عثمان! یہ لو اپنی چابی۔ یہ وفا اور وعدہ پورا کرنے کا دن ہے(1)۔ حضرت ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت عثمان بن طلحہ کے بارے میں نازل ہوئی جن سے رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی چابی لی تھی۔ جب آپ بیت اللہ سے باہر تشریف لائے تو آپ یہ آیت کریمہ تلاوت فرما رہے تھے آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا اور اسے چابی عطا فرمادی۔ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کعبہ سے باہر نکلے تو یہ آیت کریمہ تلاوت فرما رہے تھے۔ میں نے آپ کو اس سے پہلے یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے نہیں سنا(2)۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ شریف

1۔ سیرۃ ابن ہشام، 312/2 2۔ تفسیر الطبری، 145/5

فتح کیا تو آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا اور فرمایا کہ مجھے چابی دو۔ جب انہوں نے چابی دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو حضرت عباسؓ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں حاجیوں کو پانی پلانے کے منصب کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کی چابی برداری کا منصب بھی مجھ عطا فرما دیجئے۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے اپنے ہاتھ کو تھوڑا سا پیچھے کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا، عثمان مجھے چابی دو۔ انہوں نے چابی دینے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو حضرت عباسؓ نے پھر وہی بات کی۔ تو انہوں نے یہ سن کر پھر اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عثمان! اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو مجھے چابی دو۔ انہوں نے چابی دے دی اور عرض کی کہ یہ اللہ کی امانت ہے۔ آپ نے دروازہ کھولا وہاں آپ نے ابراہیم علیہ السلام کا مجسمہ دیکھا جس کے ساتھ ہی فال نکالنے والے تیر رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ان مشرکین پر اللہ کی لعنت ہو حضرت ابراہیم اور ان تیروں کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ پھر آپ نے پانی منگوایا اور اس میں ڈبو کر ان تمام مجسموں کو ختم کر دیا۔ پھر مقام ابراہیم کو بیت اللہ سے نکال کر کعبہ کی دیوار میں نصب کرا دیا۔ پھر آپ باہر تشریف لائے۔ بیت اللہ شریف کا طواف فرمانے لگے۔ اسی اثناء میں حضرت جبرئیل یہ آیت کریمہ لے کر حاضر ہوئے۔ یہ مشہور روایات ہیں جو اس آیت کریمہ کا سبب نزول ہیں۔ بہر حال اس آیت کریمہ کا حکم عام ہے۔ اس لیے حضرت ابن عباس اور محمد بن حنفیہ نے فرمایا ہے کہ یہاں ہر نیک اور بد کو امانت واپس کرنے کا حکم ہے۔ حضرت عثمان بن طلحہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان مسلمان ہوئے اور یہ شیبہ بن عثمان کے چچا کے بیٹے ہیں۔ ان کی نسل کے پاس کعبہ شریف کی کلید برداری کا منصب آج تک موجود ہے۔

وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لیے محمد بن کعب، زید بن اسلم اور شہر بن حوشب فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان حکماء اور امراء کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید اس وقت تک حاکم کو حاصل رہتی ہے جب تک وہ عدل کا دامن نہ چھوڑے۔ اور جب وہ ظلم کرنے لگتا ہے تو وہ اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہے (1)۔ ایک صحابی کا قول ہے کہ ایک دن کا عدل چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ: یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو امانت ادا کرنے، لوگوں کے درمیان انصاف کرنے اور اس کے علاوہ دوسرے شرعی احکام کا حکم دیا ہے یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو سننے والا اور تمہارے افعال کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی اور پھر ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ حضرت ابو یونس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا کہ انہوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور اپنے انگوٹھے کو اپنے کان کے اوپر اور ساتھ والی انگلی یعنی شہادت کی انگلی کو اپنی آنکھ پر رکھا اور فرمایا کہ میں نے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ اور اسی طرح آپ نے اپنی انگلی اور انگوٹھے کو رکھا تھا۔ ابو زکریا فرماتے ہیں کہ ہمارے استاد مقری نے بھی ہمیں یہ کیفیت بیان کی ہے۔ پھر آپ نے اپنے دائیں کے انگوٹھے اپنی دائیں آنکھ پر رکھا اور شہادت کی انگلی کو دائیں کان پر رکھا (2)۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح، حاکم نے مستدرک اور ابن مردویہ نے ابو عبد الرحمن مقری سے روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث کے راوی ابو یونس حضرت ابو ہریرہؓ کے غلام ہیں جن کا نام سلیم بن جبیر ہے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، 775　　2۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، 4/233

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿59﴾

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو (اپنے ذیشان) رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں پھر اگر جھگڑنے لگو تم کسی چیز میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور (اپنے) رسول (کے فرمان) کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور روز قیامت پر یہی بہتر ہے اور بہت اچھا ہے اس کا انجام''۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قیسؓ کے بارے میں نازل ہوئی جب ان کو رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹے سے لشکر میں بھیجا۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر کو کسی مہم کے لیے روانہ کیا اور ایک انصاری صحابی کو ان کا امیر مقرر کیا۔ جب وہ مدینہ طیبہ سے دور نکل گئے تو انہیں کسی بات پر غصہ آ گیا اور کہنے لگے کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا۔ انہوں نے جواب دیا، کیوں نہیں۔ انہوں نے کہا پھر لکڑیاں اکٹھی کرو۔ جب لکڑیاں اکٹھی ہوگئی تو ان کو آگ لگائی اور پھر کہا کہ اس آگ میں کود جاؤ۔ ان میں سے ایک نوجوان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم نے آگ سے نجات حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے دامن میں پناہ لی ہے۔ اس لیے ان سے ملاقات سے پہلے جلدی نہ کرو۔ پھر اگر وہ تمہیں یہی حکم دیں تو پھر بے جھجک آگ میں کود پڑنا۔ جب یہ لوگ واپس مدینہ طیبہ پہنچے تو حضور ﷺ کو سارا واقعہ بیان کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی بھی نکل نہ پاتے۔ فرمانبرداری اور اطاعت تو صرف نیکی میں ہوتی ہے(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سمع واطاعت مسلمان پر واجب ہے خواہ وہ چیز اسے پسند ہو یا ناپسند۔ جب تک اسے (اللہ اور اس کے رسول) کی معصیت کا حکم نہ دیا گیا ہو(2)۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سمع واطاعت پر ہماری بیعت لی خواہ ہم خوش ہوں یا ناخوش تنگی میں ہوں یا آسانی میں۔ اگرچہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جارہی ہو(3)۔ اور ہماری بیعت اس بات پر بھی تھی کہ ہم صاحب امر سے اس کے امر کو نہ چھینیں۔ مگر یہ کہ تم کھلم کھلا کفر دیکھو اور تمہارے پاس قرآن و حدیث سے کوئی دلیل ہو۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سنو اور اطاعت کرو اگرچہ کسی ایسے حبشی غلام کو تم پر امیر بنا دیا جائے جس کا سر کشمش کی طرح ہو(4)۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میرے خلیل (رسول اللہ ﷺ) نے مجھے یہ وصیت کی ہے کہ میں سنوں اور اطاعت کروں اگرچہ امیر کٹی ہوئی ناک والا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو(5)۔ خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا اگر کسی غلام کو تمہارا امیر بنا دیا جائے اور وہ قرآن کے احکام کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں اگرچہ وہ کٹی ناک والا حبشی غلام ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تمہارے پاس مختلف حاکم آئیں گے نیک اپنی نیکی کے ساتھ اور بد اپنی بدی کے ساتھ۔ پس ان امور میں ان کی بات سنو اور اطاعت کرو جو حق کے موافق

1۔ مسند احمد: 82/1 — 2۔ مسلم، کتاب الامارۃ: 1469 — 3۔ مسلم، کتاب الامارۃ: 1470
4۔ فتح الباری، کتاب الاحکام: 121/13 — 6۔ مسلم، کتاب الامارۃ: 1467

ہوں۔ اور ان کے پیچھے نماز پڑھو۔ اگر وہ نیکی کریں تو اس کا تمہیں بھی فائدہ ہے اور انہیں بھی فائدہ ہے۔ اور اگر وہ کوئی برائی کریں تو اس میں تمہیں فائدہ ہوگا اور اس کی ذمہ داری انہی پر ہوگی(1)۔ آپ سے ہی ایک اور حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں مسلسل رسول آتے رہے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور میرے بعد کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ عرض کی آپ ہمیں ان کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا کہ ان میں سے پہلے کی بیعت کرو اور پھر اس کے بعد آنے والے کو اس کے حقوق اسے عطا کرو۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کی رعایا کے بارے میں خود ہی پوچھے گا(2)۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے امیر کا کوئی ناپسندیدہ کام دیکھے تو اسے صبر کرنا چاہئے۔ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوا اور پھر اسی حالت میں مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے(3)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت یا دلیل نہیں ہوگی۔ اور جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کوئی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا(4)۔ حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص بیت اللہ کے سایے میں تشریف فرما تھے۔ لوگ آپ کے ارد گرد جمع تھے۔ میں بھی وہاں بیٹھ گیا۔ فرمانے لگے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ہم ایک جگہ اترے تو ہم میں سے بعض خیمہ لگانے میں مصروف ہو گئے۔ بعض تیر اندازی میں مشغول ہو گئے اور بعض جانور چرانے چلے گئے۔ اسی اثناء میں منادی رسول نے نداء دی۔ ہم سب آپ کی خدمت میں جمع ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا مجھ سے پہلے جتنے بھی نبی گزرے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا فرض تھا کہ وہ اپنی امت کو ان تمام نیکیوں سے آگاہ کرے جو وہ جانتا ہے۔ اور ان تمام برائیوں سے ڈرائے جنہیں وہ جانتا ہے۔ اس امت کی عافیت اس کے ابتدائی زمانے میں ہے اور آخر زمانے میں بڑی بڑی مصیبتیں نازل ہوں گی۔ اور ایسے امور پیش آئیں گے جن کو تم ناپسند کرو گے اور پھر لگا تار کئی فتنے رونما ہوں گے۔ جب ایک فتنہ آئے گا تو مومن سمجھے گا اس میں میری ہلاکت ہے۔ پھر یہ گزر جائے گا۔ اور دوسرا فتنہ آئے گا۔ مومن پھر یہی کہے گا۔ پس جو پسند کرتا ہے کہ نار جہنم سے اسے بچا لیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو اس کی موت اس حال میں آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جب کسی نے کسی امام کی بیعت کر لی اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا اسے چاہئے کہ اپنی استطاعت کے مطابق اس کی اطاعت کرے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس سے یہ امارت چھیننا چاہے تو اس کی گردن اڑا دو۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمرو کے قریب ہوا اور عرض کی کہ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تو نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ انہوں نے اپنے کانوں اور دل کی طرف ہاتھ کا اشارہ کیا اور فرمایا میرے ان کانوں نے سنا ہے اور اس دل نے محفوظ رکھا۔ پھر راوی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی پھر تمہارا چچازاد بھائی معاویہ (رضی اللہ عنہ) ہمیں آپس میں باطل طریقے سے مال کھانے ایک دوسرے کو قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (نساء:29)'' ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنا آپس ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے۔ نہ اپنے آپ کو ہلاک کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہے''۔ یہ سن کر عبداللہ تھوڑی دیر خاموش رہے۔

1۔ تفسیر الطبری،5/150 2۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء،6/495 3۔ مسلم، کتاب الامارۃ،1478
4۔ مسلم، کتاب الامارۃ،1478

پھر فرمایا کہ اللہ کی اطاعت میں ان کی اطاعت کرو اور اگر اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہ کریں(1)۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ جس میں حضرت عمار بن یاسرؓ بھی شامل تھے۔ یہ لشکر مدینہ طیبہ سے نکل کر منزل مقصود کی طرف روانہ ہوا۔ اور منزل کے قریب پہنچ کر رات کے آخری حصے میں پڑاؤ کیا۔ دشمن کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ہوگئی اور وہ رات ہی کو فرار ہو گئے۔ ان میں سے صرف ایک شخص رہ گیا اور اپنا مال و متاع لے کر رات ہی کو مسلمانوں کے لشکر میں آ گیا۔ اور حضرت عمار کے پاس آیا اور انہیں کہا اے ابو یقظان! میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ میری قوم نے جب تمہارے متعلق سنا تو وہ بھاگ گئی۔ میں اکیلا ہی باقی رہ گیا۔ کیا میرا اسلام مجھے کل فائدہ دے گا آپ نے فرمایا ہاں آپ کا اسلام آپ کو فائدہ دے گا اور فرمایا یہاں ہمارے پاس ٹھہر جاؤ۔ صبح کے وقت جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے حملہ کیا تو وہاں اس شخص کے علاوہ کسی کو نہ پایا۔ انہوں نے اس کو قید کر لیا اور اس کا مال بھی لے لیا۔ جب حضرت عمارؓ کو یہ خبر ملی تو آپ حضرت خالدؓ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اس آدمی کو چھوڑ دو، یہ مسلمان ہو چکا ہے۔ اور یہ میری امان میں ہے۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا تم نے اسے کس طرح پناہ دے دی ہے۔ اس پر دونوں کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی۔ پھر یہ معاملہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عمارؓ کی پناہ کو جائز قرار دے دیا۔ اور فرمایا دوبارہ کسی کو اپنے امیر کی طرف سے پناہ نہ دینا۔ اس پر ان دونوں میں سخت کلامی ہوگئی تو حضرت خالدؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! دیکھئے! یہ ناک کٹا غلام مجھے برا بھلا کہہ رہا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا خالد! جو عمار کو گالی دیتا ہے اللہ اسے ناپسند کرتا ہے، جو اس سے بغض رکھتا ہے اللہ اس سے بغض رکھتا ہے اور جو اس پر لعنت کرتا ہے اللہ اس پر لعنت کرتا ہے۔ حضرت عمارؓ غصے میں تھے، وہاں سے اٹھے اور چل دیئے۔ حضرت خالدؓ ان کے پیچھے گئے اور ان کا دامن پکڑ کر معذرت کی حتیٰ کہ وہ ان سے راضی ہو گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”اولی الامر“ سے مراد اہل فقہ اور اہل دین ہیں۔ مجاہد، عطاء، حسن بصری اور ابو العالیہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد علماء ہیں۔ ظاہری بات تو یہ ہے کہ یہ حکم ہے۔ امراء اور علماء دونوں کو شامل ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ”ترجمہ: کیوں نہیں منع کرتے ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے۔“ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ”ترجمہ: اہل ذکر سے سوال کرو اگر تم نہیں جانتے۔“ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ قرآن کی ان آیات اور احادیث سے ثابت ہوا کہ علماء اور امراء دونوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی اطاعت کرو یعنی اس کی کتاب پر عمل کرو اور رسول کی اطاعت کرو یعنی اس کی سنت کو مضبوطی سے تھام لو اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو یعنی ان امور میں جن میں وہ تمہیں اللہ کی اطاعت کا حکم دیں۔ اور اگر اللہ کی معصیت کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہ کرو۔ کیونکہ اللہ کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت کرنا صحیح نہیں۔ جیسا کہ پہلے حدیث پاک گزر چکی ہے کہ اطاعت صرف نیکی کے کاموں میں ہوتی ہے۔ حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہ کرو(2)۔

1۔ مسلم، کتاب الامارة 1472   2۔ مسند احمد 426/4

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ: حضرت مجاہد اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کی طرف لوٹاؤ۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بالکل واضح حکم ہے کہ اگر لوگوں کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے خواہ اس کا تعلق دین کے اصول سے ہو یا فروع سے انہیں چاہئے کہ اس سلسلہ میں قرآن اور سنت کو فیصل بنائیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ (شوریٰ:10) ''ترجمہ: اور جس بات میں تمہارے درمیان اختلاف رونما ہو جائے اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد کر دو''۔ یعنی جو حکم قرآن و حدیث کا ہے وہی حق ہے۔ اس کے علاوہ سب گمراہی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو یعنی اگر تم سچے مسلمان ہو تو اپنے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات اور لڑائی جھگڑوں میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو اپنا فیصل بنالو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کتاب و سنت کو اپنا فیصل اور حکم نہیں مانتا وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر بھی ایمان نہیں رکھتا۔ پھر ارشاد فرمایا: اپنے جھگڑوں میں قرآن و سنت کو فیصل بنانا اور ان کی طرف رجوع کرنا ہی بہتر ہے۔ عاقبت اور انجام کے اعتبار سے یہی بہتر ہے۔ اور اسی سے تمہیں اچھی جزاء ملے گی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ
اَنْ یَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ
ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۝٦٠ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ
یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝٦١ فَكَیْفَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ثُمَّ
جَآءُوْكَ یَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّاۤ اِحْسَانًا وَّتَوْفِیْقًا ۝٦٢ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَعْلَمُ اللّٰهُ مَا
فِیْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِیْغًا ۝٦٣

''کیا نہیں دیکھا آپ نے ان کی طرف جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس (کتاب) کے ساتھ جو اتاری گئی آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے (اس کے باوجود) چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے کے لیے (اپنے مقدمات) طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ انکار کریں طاغوت کا اور چاہتا ہے شیطان کہ بہکا دے انہیں بہت دور تک۔ اور جب کہا جائے انہیں آؤ اس (کتاب) کی طرف جو اتاری ہے اللہ نے اور (آؤ) رسول ﷺ (پاک) کی طرف تو آپ دیکھیں گے منافقوں کو کہ منہ موڑ لیتے ہیں آپ سے روگردانی کرتے ہوئے پس کیا حال ہوتا ہے جب پہنچتی ہے انہیں مصیبت بوجہ ان (کرتوتوں) کے جو آگے بھیجے ہیں ان کے ہاتھوں نے پھر حاضر ہوتے ہیں۔ آپ کے پاس قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی (کہتے ہیں بخدا) نہیں قصد کیا تھا ہم نے مگر بھلائی اور باہمی مصالحت کا۔ یہ لوگ ہیں خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے (اے حبیب!) چشم پوشی فرمائیے ان سے اور نصیحت کرتے رہیے انہیں اور کہیے انہیں تنہائی میں ایسی بات جو موثر ہو''۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ: ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے جو اس کے رسول اور سابقہ انبیاء پر

1۔ مسند احمد 426/4

نازل کردہ کتابوں پر ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود جب اس لڑائی جھگڑے میں فیصلے کا موقع آتا ہے تو کتاب وسنت کو اپنا فیصل نہیں مانتے بلکہ کسی اور طرف نکل جاتے ہیں۔ اس آیت کے شان نزول میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک انصاری اور یہودی کا جھگڑا ہو گیا۔ وہ یہودی کہنے لگا چلو محمد (ﷺ) سے فیصلہ کراتے ہیں لیکن وہ انصاری کہنے لگا چلو کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو بظاہر تو اسلام کا اظہار کرتے لیکن درپردہ اپنے جاہلی امیروں کو اپنا حکم بناتے۔ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں بعض دوسرے اقوال بھی ہیں۔ لیکن یہ آیت کریمہ اپنے حکم کے اعتبار سے عام ہے اور ہر اس شخص کی مذمت کرتی ہے جو کتاب وسنت سے اعراض کر کے باطل کو اپنا حکم بناتا ہے۔ یہاں طاغوت سے بھی یہی مرد ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا وہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے مقدمات کے فیصلے کرانے کے لیے طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں اور شیطان تو چاہتا کہ وہ انہیں بہت دور تک بہکا دے۔ ''صدود'' کا معنی یہ ہے کہ وہ تکبر کی وجہ سے آپ سے منہ موڑ لیتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا '' ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تو وہ کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا''۔ اس کے برعکس اللہ نے مومنین کے بارے میں ارشاد فرمایا: اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ..... (نور:51) '' ترجمہ: ایمان والوں کی بات تو اتنی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرما دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے فیصلہ سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور یہی لوگ دونوں جہانوں میں بامراد ہیں''۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ منافقین کی مذمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ ان کی اس وقت کیا حالت ہوگی جب ان کے گناہوں کے سبب سے ان پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ تمہاری بارگاہ میں چلے آتے ہیں اور معذرت کرتے ہیں اور قسمیں کھا کر عرض کرتے ہیں کہ ہم جو غیر کے پاس گئے تھے اور آپ کے دشمنوں کو جو فیصل بنایا تھا اس کا مقصد صرف ان کے ساتھ رواداری کا اظہار کرنا تھا۔ اور ان کے فیصلہ کے صحیح ہونے کا ہم اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مفہوم کو اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے۔ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ '' ترجمہ: سو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے کہ وہ دوڑ دوڑ کر یہود و نصاریٰ کی طرف جاتے ہیں۔ کہتے ہیں ہم ڈرتے ہی کہ کہیں ہم پر کوئی گردش نہ آ جائے وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ تمہیں فتح کامل دے دے یا ظاہر کر دے اپنی طرف سے کامیابی کی کوئی بات۔ تو پھر ہو جائیں اس پر جو انہوں نے چھپا رکھا تھا اپنے دلوں میں نادم''۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابو برزہ اسلمی ایک کاہن تھا جو یہود میں اختلاف کے وقت فیصلے کیا کرتا تھا۔ ایک واقعہ میں مشرکین بھی فیصلے کے لیے اس کے پاس چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ: لوگوں کی ایک قسم جنہیں منافقین کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ عنقریب انہیں اس کی سزا بھی دے گا۔ کیونکہ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں جو ظاہر و باطن تمام احوال سے آگاہ ہے۔ اس لیے آپ ان سے اعراض کریں اور ان کے دلوں میں نفاق کی جو بیماری ہے ان پر سختی نہ کریں اور ان کو اس منافقت اور شر انگیزی سے باز رہنے کی نصیحت کریں۔ اور ایسے فصیح و بلیغ کلام سے گفتگو فرمائیں جو ان کو ان افعال سے روک دے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ

فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

''اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر حاضر ہوتے آپ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے نیز مغفرت طلب کرتا ان کے لیے رسول (کریم) بھی تو وہ ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ فرمانے والا نہایت رحم کرنے والا۔ پس (اے مصطفیٰ) تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حاکم بنائیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ان کے درمیان پھر نہ پائیں اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کرلیں دل وجان سے''۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ: یہاں ارشاد ہوتا ہے ہر رسول کی اطاعت اس کی امت پر اللہ کی طرف سے فرض کر دی گئی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ رسول کی اطاعت وہی کرے گا جس کو میں توفیق عطا کروں گا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ یہاں بھی ''اذن'' سے مراد حکم خداوندی قدرت الٰہی اس کی مشیت اور توفیق مراد ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ گنہگاروں اور خطا کاروں سے ارشاد فرماتا ہے کہ جب ان سے کوئی غلطی اور خطا ہو جائے۔ انہیں چاہئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کریں کہ وہ ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے گا اور رحم فرما کر ان پر اپنی مغفرت کے دروازے کھول دے گا۔ شیخ ابو منصور صباغ اپنی مشہور کتاب میں عتبی سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی قبر انور کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور عرض کی ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' میں نے قرآن کریم کی ایک آیت سنی ہے ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا......'' میں اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا ہوں اور آپ کو اپنے رب کی بارگاہ میں شفیع بناتا ہوں۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ ۔۔۔ فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ

نَفْسِيَ الْفِدَآءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ ۔۔۔ فِيْهِ الْعَفَافُ وَ فِيْهِ الْجُوْدُ وَ الْكَرَمُ

(اے ان سب سے افضل ترین ہستی جن کے جسد خاکی کو اس سرزمین میں دفن کیا گیا ہے۔ جنکی خوشبو سے میدان اور ٹیلے مہک اٹھے۔ میری جان اس قبر پر قربان ہو جس میں آپ محو استراحت ہیں۔ اسی میں پارسائی ہے اور اسی میں جود وسخا ہے)۔

عتبی فرماتے ہیں کہ یہ شعر کہنے کے بعد اعرابی تو لوٹ گیا اور مجھے نیند آ گئی۔ میں نے خواب میں نبی پاک کی زیارت کی کہ آپ فرما رہے تھے کہ اے عتبی! جاؤ اعرابی کو خوشخبری دے دو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا ہے(1)۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی ذات مقدسہ کی قسم کھا کر ارشاد فرماتا ہے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے تمام معاملات اور امور میں رسول اللہ ﷺ کو اپنا حکم اور فیصل تسلیم نہ کرے اور جو آپ فیصلہ فرمائیں اس

1۔ ''الشامل'' العتبی

کوحق سمجھتے ہوئے اپنے ظاہر اور باطن سے اس کی پیروی نہ کرے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا یعنی جب وہ آپ کو فیصل بنالیں تو دل و جان سے آپ کی اطاعت کریں اور آپ جو فیصلہ فرمادیں اس کے بارے میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔ بلکہ ظاہر و باطن ہر لحاظ سے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ کیونکہ آپ کی بارگاہ میں نہ تو کسی کی انکار کی گنجائش ہے اور نہ ہی لڑائی جھگڑے۔ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی خواہش کو ان احکام کے تابع نہ کردے جن کو میں لے کر آیا ہوں۔ حضرت عمرہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت زبیرؓ کا کسی انصاری آدمی کے ساتھ پانی کی باری پر جھگڑا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے زبیر! پہلے اپنے باغ کو سیراب کرلو پھر اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو۔ اس پر انصاری نے کہا یارسول اللہ! آپ نے یہ حکم اس لیے فرمایا ہے کہ وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا اے زبیر! اپنے باغ کو سیراب کرو اور پھر پانی کو روکے رکھو یہاں تک کہ پانی باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے۔ پھر پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دینا۔ آپ نے جو حکم فرمایا تھا اس میں حضرت زبیر اور انصاری دونوں کے لیے سہولت تھی۔ لیکن جب اس انصاری نے اس حکم کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھا تو آپ نے حضرت زبیر کو اپنا پورا حق وصول کرنے کا حکم فرمادیا۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ آیت اسی کے بارے میں نازل ہوئی ہے (1)۔ مسند امام کی مرسل روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ یہ انصاری صحابی بدری تھے۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ ان دونوں میں جھگڑا اس بات پر تھا کہ پانی کا کھال پہلے حضرت زبیرؓ کے باغ سے گزرتا تھا اور اس کے بعد انصاری کے باغ سے۔ وہ انصاری چاہتے تھے کہ حضرت زبیر پانی کو نہ روکیں تاکہ بیک وقت دونوں باغ سیراب ہوتے رہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو حکم فرمایا کہ پہلے تم اپنا باغ سیراب کرلو پھر پڑوسی کے لیے چھوڑ دیا کرو۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ یہ جھگڑا حضرت زبیر اور حاطب بن ابی بلتعہ کے درمیان ہوا تھا۔ اس آیت کریمہ کا ایک شان نزول یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دو آدمی اپنا مقدمہ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے درمیان فیصلہ فرما دیا۔ جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا ہمیں عمر بن خطابؓ کے پاس بھیج دیجئے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے اس کے پاس چلے جاؤ۔ وہ دونوں اس کے پاس پہنچے اور تمام واقعہ بیان کیا کہ ہمارے درمیان جھگڑا ہوا اور حضور ﷺ نے اس کا فیصلہ فرمایا۔ جس کے حق میں فیصلہ ہوا اس نے حضرت عمرؓ سے کہا اے عمر! حضور ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ فرما چکے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا یہیں ٹھہرو۔ میں ابھی آکر تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں۔ آپ اندر گئے اور تلوار لے کر باہر نکلے اور اس شخص کی گردن اڑا دی جس نے کہا تھا کہ ہمیں عمرؓ کے پاس بھیج دو۔ یہ دیکھ کر دوسرا شخص بھاگ کھڑا ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی کہ عمر نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا اور اگر میں وہاں سے نہ بھاگتا تو میری بھی خیر نہ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے خیال نہ تھا کہ عمر ایک مومن کا خون بہانے میں اتنا جری ہو جائے گا۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس شخص کا خون رائے گاں ہو گیا اور حضرت عمرؓ اس کے قتل سے بری ہو گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو ناپسند کیا کہ یہ طریقہ اس کے بعد لوگوں میں جاری نہ ہو جائے اس لیے اس کے ساتھ ہی یہ آیت کریمہ: وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ نازل فرمائی۔ اسے ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں ابن لہیعہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ ابن لہیعہ ضعیف راویوں میں سے ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ دو شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے جو صاحب حق تھا، کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا میں اس فیصلے پر راضی نہیں ہوں۔ دوسرے نے کہا اب تم کیا چاہتے ہو۔ اس نے کہا چلو حضرت ابوبکرؓ کے پاس چلتے ہیں۔ دونوں آپ

1۔ فتح الباری، کتاب التفسیر 254/8

کے پاس پہنچے تو آپ نے واقعہ سن کر فرمایا کہ وہی حق ہے جو رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں۔ وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا اور کہا کہ چلو حضرت عمرؓ کے پاس چلتے ہیں۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ حال سنا آپ اندر تشریف لے گئے اور تلوار لا کر اس کا سر قلم کر دیا جس نے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾

''اور اگر ہم فرض کر دیتے ان پر کہ قتل کر دو اپنے آپ کو یا نکل جاؤ اپنے اپنے گھروں سے بجا نہ لاتے اس کو مگر چند آدمی ان میں سے اور اگر وہ کرتے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہوتا بہتر ان کے لیے اور اس طرح سختی سے (اللہ کے احکام پر) ثابت قدم ہو جاتے۔ تو اس وقت ہم بھی عطا فرماتے انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم۔ اور ضرور پہنچاتے انہیں سیدھے راستہ تک۔ اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اس کے) رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔ یہ (محض) فضل ہے اللہ تعالیٰ کا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا''۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ: اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے کہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر ان کو ان منع کردہ امور کا حکم دیا جائے جن کا ارتکاب وہ اس وقت کر رہے ہیں وہ نہ کریں۔ کیونکہ ان کی طبیعتیں اتنی گھٹیا ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کی مخالفت کے عادی ہو چکے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے بارے میں اپنے علم کا اظہار فرمایا ہے جو واقع ہی نہیں ہوئیں اور ان چیزوں کے بارے میں علم کا عالم کیا ہو گا جو واقع ہونے والی ہیں۔ یہ سن کر ایک صحابیؓ نے عرض کی کہ اگر ہمارا رب ہمیں حکم دیتا تو ہم اس کی تعمیل کرتے۔ مگر اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس امتحان سے محفوظ رکھا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو ارشاد فرمایا کہ میری امت کے کچھ ایسے افراد بھی ہیں کہ جن کے دلوں میں ایمان مضبوط پہاڑوں سے بھی زیادہ مستحکم ہے(1)۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے حضرت ثابت بن قیسؓ سے فخر سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نفسوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا تو ہم نے اپنے آپ کو قتل کر ڈالا تھا اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں دوبارہ حکم دے تو ہم پھر تعمیل حکم کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ حکم فرما دیتا تو ابن ام عبد ہی اس حکم کو بجا لانے والوں میں سے ہوتے۔ شریح بن عبید فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی تو عبداللہ بن رواحہؓ کی طرف اپنے دست مبارک سے اشارہ کیا اور فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ حکم دے دیتا تو یہ بھی اس حکم کو بجا لانے والے چند خوش نصیبوں میں ہوتے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ ان امور کو بجا لاتے ہیں جن کو کرنے کا اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے اور ان امور سے اجتناب کرتے جن سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے تو یہ ان

1۔ تفسیر الطبری 161,160/5

کے لیے بہتر ہوتا اور یہ چیز ان کے دلوں میں ایمان کی پختگی کا باعث ہوتی تو ہم اس پر ان کو اپنے خاص فضل واحسان سے اجر عظیم یعنی جنت عطا کرتے اور دنیا وآخرت میں صراط مستقیم پر چلنے میں راہنمائی کرتے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل پیرا ہوگا اور ان کے منع کردہ امور سے اجتناب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں خاص مقام عطا فرمائے گا اور اس کو اپنے انبیاء کا رفیق بنادے گا اور ان صدیقوں کا جو مرتبے میں انبیاء کے بعد ہیں پھر شہداء کا اور پھر نیک مومنوں کا۔ جن کے ظاہری اعمال اور باطنی احوال اللہ تعالیٰ کی رضا کے موافق ہوتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر نبی کو اس کے مرض کے دوران اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا یا آخرت میں رہنے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ جس مرض میں آپ نے وصال فرمایا اس میں آپ کی آواز بہت پست ہوگئی تھی۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ آپ کی زبان مبارک میں یہ الفاظ سن کر مجھے یقین ہوگیا کہ آپ کو اختیار دے دیا گیا (1)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا: "اللّٰھم الرفیق الاعلی" اے اللہ! میں بلند و بالا رفیق کا طالب ہوں۔ اس کے بعد آپ اس دار فانی سے رحلت فرماگئے (2)۔

آیت مذکورہ کا شان نزول: حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا چہرہ اترا ہوا اور رنگ اڑا ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے وجہ دریافت فرمائی تو عرض کی یا رسول اللہ! آج ایک چیز کے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔ آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ عرض کی کہ ہم صبح وشام آپ کے چہرہ انور کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور آپ کی ہم نشینی کا شرف پاتے ہیں۔ کل قیامت کے دن آپ انبیاء کے ساتھ بلند مقام پر فائز ہوں گے۔ یوں ہم آپ کے روئے تاباں کی زیارت نہیں کر سکیں گے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہوگئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیت کریمہ لے کر حاضر ہوئے اور آپ نے اپنے صحابی کو یہ خوشخبری سنائی (3)۔ یہ روایت بہت سے تابعین نے مرسلاً بیان کی ہے۔ اور یہ سند ان تمام سے بہتر ہے۔ حضرت ربیع فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم نے کہا کہ یقیناً حضور ﷺ کا درجہ آپ پر ایمان لانے والوں سے بہت بڑا ہے۔ پس جب ہم سب جنت میں جمع ہوں گے تو ایک دوسرے کی زیارت کیسے کرسکیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلند درجوں والے نچلے درجے والوں کے پاس اتر آئیں گے۔ اور جنت کی کیف آفرین بہاروں میں جمع ہوکر اللہ کی نعمتوں کو یاد کریں گے اور اس کی حمد وثناء بیان کریں گے۔ اور اپنی من پسند نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے (4)۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک صحابی حضور ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ آپ مجھے میری جان، میرے اہل وعیال اور اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ جب میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور مجھے آپ کی یاد ستاتی ہے تو مجھ سے صبر نہیں ہوتا اور جلدی سے آکر آپ کی زیارت سے قرار حاصل کرلیتا ہوں۔ اور جب میں اپنی موت اور آپ کے وصال کا تصور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ آپ انبیاء کے ساتھ مقام رفیع پر فائز ہوں گے اور میں جنت میں داخل ہو بھی گیا تب بھی آپ کی زیارت سے مشرف نہیں ہوں گا۔ نبی کریم ﷺ خاموش رہے حتیٰ کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یہ روایت کئی اسناد سے مروی ہے۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کاشانہ انور کے دروازے کے پاس رات گزارتا اور تہجد کے وقت وضو اور دوسری ضروریات آپ کے لئے بجالاتا۔

1۔ مسلم 137/7 2۔ بخاری 57/6 3۔ تفسیر الطبری 123/5 4۔ تفسیر الطبری 164/5

ایک دفعہ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا اے ربیعہ! مانگو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں جنت میں آپ کی رفاقت کا طلب گار ہوں۔ آپ نے فرمایا اس کے علاوہ اور کچھ۔ میں نے عرض کی بس یہی۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اگر میری رفاقت کے طلب گار ہو تو کثرت سجود کے ساتھ میری اعانت کرو(1)۔ عمرو بن مرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پانچوں نمازیں پڑھتا ہوں۔ اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہوں۔ اور رمضان کے روزے رکھتا ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ان اعمال پر فوت ہو گا وہ قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ اس طرح ہو گا جس طرح میری یہ دو انگلیاں یعنی آپ نے اپنی دو انگلیوں کا اشارہ کیا۔ مگر یہ شرط ہے کہ وہ اپنے والدین کا نافرمان نہ ہو۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہزار آیتیں پڑھیں۔ قیامت کے دن وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہو گا۔ حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سچا اور ایماندار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا(2)۔ اور اس سے بڑی بشارت اس حدیث میں ہے جس کو صحاح اور مسانید نے صحابہ کرام ﷺ کی ایک بہت بڑی تعداد سے تواتر سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن عمل کے لحاظ سے ان تک نہ پہنچ سکا۔ آپ نے فرمایا کہ حشر میں انسان اسی کے ساتھ ہو گا دنیا میں جس سے محبت کرتا تھا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر صحابہ کرامؓ بہت خوش ہوئے۔ ایک دوسری روایت میں آپ نے ارشاد فرمایا میں رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے محبت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے قیامت کے دن ان کے ساتھ اٹھائے گا۔ اگرچہ میرا عمل ان کے عمل کی طرح نہیں(3)۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت اپنے سے بلند درجے والے جنتیوں کو ان کے بالا خانوں میں اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم مشرق مغرب میں چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا یہ مقامات انبیاء کے لیے مخصوص ہیں کہ ان تک کوئی اور نہیں پہنچ سکتا۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ وہاں وہ لوگ بھی پہنچیں گے جو اللہ تعالیٰ پر سچے دل سے ایمان لائے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کی(4)۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک حبشی کچھ سوال پوچھنے کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا کہ سوال پوچھو اور اس کو سمجھو۔ عرض کی یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو صورت رنگ اور نبوت میں فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اگر میں اس چیز پر ایمان لاؤں جس پر آپ ایمان لائے اور ان احکام پر عمل پیرا ہو جاؤں جن پر آپ عمل پیرا ہیں کیا میں بھی آپ کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جنت میں حبشی کا رنگ اتنا سفید اور روشن ہو گا کہ ایک ہزار کی مسافت سے بھی اس کی نورانیت نظر آئے گی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ "لا الہ الا اللہ" کہنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس عہد وعدہ ہے اور جس نے "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" پڑھا اس کے نامہ اعمال میں ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! اتنی نیکیوں کے بعد پھر ہم کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص اتنے اعمال لے کر آئے گا کہ ان کو اگر پہاڑ پر رکھ دیا جائے تو وہ بھی بوجھل ہو جائے لیکن جب اس کے مقابلے میں اللہ کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت آئے گی تو وہ نعمت ہی ان اعمال کو ختم کر دے گی۔ مگر یہ کہ اللہ کی رحمت

1۔ مسلم، کتاب الصلوۃ: 353　　2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب البیوع 212/5

3۔ فتح الباری، کتاب الادب 557/10　　4۔ مسلم، کتاب الجنۃ: 2177

اور فضل واحسان اس پر اپنا سایہ کردے گا۔ اور یہ آیات نازل ہوئیں: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ ...... نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا اس حبشی نے عرض کی یارسول اللہ! جنت میں آپ کی آنکھیں جن چیزوں کا نظارہ کریں گی کیا میری آنکھیں بھی ان کو دیکھ سکیں گی۔ فرمایا۔ ہاں۔ یہ سن کر وہ اتنا روئے کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے خود اپنے دست مبارک سے اس صحابی کو قبر میں اتارا۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس کا فضل اور خصوصی رحمت ہے وہ جسے چاہے نواز دے، اپنے اعمال سے حاصل کرنا مشکل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ کون اس ہدایت کا حق دار ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَ لَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

''اے ایمان والو! ہوشیار رہو پھر (وقت آجائے تو) نکلو ٹولیاں بن کر یا نکلو سب مل کر۔ اور بے شک تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو ضرور دیر لگائیں گے اور پھر اگر پہنچے تمہیں کوئی مصیبت تو وہ کہے احسان فرمایا ہے اللہ نے مجھ پر کہ میں نہیں تھا ان کے ہمراہ (جنگ میں) حاضر۔ اور اگر ملے تمہیں فضل (فتح اور مال غنیمت) اللہ کی مہربانی سے تو ضرور کہے جیسے نہیں تھی تمہارے درمیان اور اس کے درمیان دوستی کاش میں بھی ہوتا ان کے ہمراہ تو حاصل کرتا بڑی کامیابی۔ پس چاہیے کہ لڑا کرے اللہ کی راہ میں (صرف) وہ لوگ جنہوں نے بیچ دی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے عوض اور جو شخص لڑے اللہ کی راہ میں پھر (خواہ) مارا جائے غالب آئے تو (دونوں حالتوں میں) ہم دیں گے اسے اجر عظیم''۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: یہاں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو دشمنوں سے محتاط اور ہوشیار رہنے کا حکم فرما رہا ہے۔ یعنی وہ ہتھیار بند ہو کر دشمن کے مقابلے کے لیے ہر وقت تیار رہیں۔ اور جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہو کر مجاہدین کی تعداد بڑھائیں تاکہ جب جہاد کا وقت آئے تو حالات کے مطابق گروہ در گروہ یا ایک لشکر جرار کی صورت میں نکل کر کھڑے ہوں۔ ''ثبات'' ثبت کی جمع ہے اور اس کی جمع کبھی کبھار ثبین بھی آتی ہے اور اس کا معنی گروہ ہے۔

وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ: مجاہد اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ منافقین جہاد نہیں کرتے بلکہ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اور اس کا یہ معنی ہو سکتا ہے کہ وہ خود بھی جہاد میں سستی کرتے ہیں اور دوسروں کو جہاد سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسا کہ عبداللہ بن ابی یہ کہا کرتا تھا وہ خود بھی جہاد میں شریک ہونے سے پس وپیش کرتا اور دوسرے لوگوں کو بھی جہاد سے روکتا۔ اور اگر جہاد میں مسلمان شہید ہو جاتے یا اللہ کی حکمت کی وجہ سے دشمن کو غلبہ حاصل ہو جاتا تو یہ پیچھے رہ جانے والے منافقین کو کہتا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ہم اس کے معرکہ میں شامل نہیں ہوئے اور اسے اپنے اوپر اللہ کی نعمت تصور

کرتا۔ لیکن اسے یہ معلوم نہیں کہ وہ کتنے بڑے اجر و ثواب سے محروم ہو گیا ہے۔ اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے فتح و نصرت اور مال غنیمت حاصل ہو تو اس کی حالت بری ہو جاتی ہے گویا کہ اس کا تمہارے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں تھا اور مال غنیمت نہ ملنے کی وجہ سے بڑی حسرت سے کہتا کہ کاش ان کے ساتھ میں بھی شریک ہوتا اور مجھے مال غنیمت میں حصہ مل جاتا۔ یعنی دنیاوی مال و دولت ہی اس کا مقصد حیات ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ مومنوں کو چاہیے کہ وہ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جہاد کریں جو اپنے دین کو دنیا کے حقیر مال متاع کے بدلے میں بیچ دیتے ہیں۔ ان کا یہ فعل کفر کے مترادف ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا خواہ شہید ہو جائے یا فتح و نصرت سے ہمکنار ہو ہم اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہد کا اللہ تعالیٰ خود ضامن ہوتا ہے۔ اسے یا تو شہادت کے رتبے پر فائز کر کے جنت میں داخل کر دیتا ہے یا مال غنیمت اور اجر و ثواب کے ساتھ واپس اس کے گھر لوٹ دیتا ہے(1)۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۞ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۞

''اور کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ جنگ نہیں کرتے ہو راہ خدا میں حالانکہ کئی بے بس مرد اور عورتیں اور بچے ایسے بھی ہیں جو (ظلم سے تنگ آکر) عرض کرتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہمیں اس بستی سے ظالم ہیں جس کے رہنے والے۔ اور بنا دے ہمارے لیے اپنے پاس سے دوست۔ اور بنا دے ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار۔ جو ایمان لائے ہیں وہ جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں وہ جنگ کرتے ہیں طاغوت کی راہ میں تو (اے ایمان والو) لڑو شیطان کے حامیوں سے بے شک شیطان کا فریب کمزور ہے''۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ: یہاں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دلا رہا ہے۔ اور مکہ میں جو بے بس مجبور مرد، عورتوں اور بچوں کو جو وہاں کے ماحول سے پریشان ہیں ان کو وہاں سے نکالنے کا حکم فرما رہا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس شہر یعنی مکہ سے نکال دے۔ یہاں کے رہنے والے بڑے ظالم ہیں اپنے خاص فضل و احسان سے ہمارے لیے کوئی دوست اور مددگار مقرر فرما دے۔ حضرت عبید اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے سنا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اور میری والدہ بھی مُسْتَضْعَفِيْنَ میں تھیں ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھ کر فرمایا کہ میں اور میری والدہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے معذور رکھا(2)۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ایمان والے تو اللہ کی رضا، خوشنودی اور اس کی اطاعت کے لیے جہاد کرتے ہیں اور کافر شیطان کی اطاعت میں جنگ لڑتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنے دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے پر برانگیختہ کیا اور حکم دیا کہ شیطان کے چیلوں کے خلاف جہاد کرو۔ اور شیطان کا مکر و فریب بلا شک و شبہ بڑا کمزور ہے۔

1۔ فتح الباری، کتاب فرض الخمس، 220/6   2۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ نساء، 8: 255

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧٧﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿٧٨﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾

’’کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں جب کہا گیا کہ روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم رکھو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ (ان باتوں کو تو مان لیا) کہ جب فرض کیا گیا ان پر جہاد تب ایک گروہ ان میں سے ڈرنے لگ گیا لوگوں سے جیسے ڈرا جاتا ہے خدا سے یا اس سے بھی زیادہ۔ اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار! کیوں فرض کر دیا تو نے ہم پر جہاد۔ (اور) کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں تھوڑی مدت تک۔ (اے ترجمان حقیقت انہیں) کہو دنیا کا سامان بہت قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کے لیے جو تقویٰ اختیار کیے ہے اور نہیں ظلم کیا جائے گا ان پر کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر۔ جہاں کہیں تم ہو گے آلے گی تمہیں موت اگرچہ (پناہ گزیں) ہو تم مضبوط قلعوں میں اور اگر پہنچے انہیں کوئی بھلائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر پہنچے کوئی تکلیف تو کہتے ہیں یہ آپ کی طرف سے ہے (اے میرے رسول) آپ فرمایئے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ کیا ہو گیا ہے اس قوم کو بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں جاتے جو پہنچے آپ کو بھلائی سو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچے آپ کو تکلیف سو وہ آپ کی طرف سے ہے اور بھیجا ہے ہم نے آپ کو سب لوگوں کی طرف رسول، اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کی رسالت کا) گواہ‘‘۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ: ابتداء اسلام میں جب مؤمنین مکہ میں تھے تو انہیں نماز کا حکم دیا گیا۔ اگرچہ وہ مالدار نہ تھے لیکن انہیں زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا تھا کہ فقراء اور مساکین کے ساتھ ہمدردی اور غمگساری کا اظہار ہو سکے۔ اور انہیں مسکین کی ایذاء سانیوں سے درگزر اور ان پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ حالت مسلمانوں کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کو دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا جائے تاکہ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال سکیں لیکن حالات اس کے موافق نہ تھے۔ اس کے کئی سبب تھے۔ دشمن کے مقابلہ ان کی تعداد انتہائی قلیل تھی۔ دوسرا یہ کہ مسلمان انہی کے شہر میں رہائش پذیر تھے۔ اور وہ شہر تمام روئے زمین سے محترم اور معزز تھا۔ اس لیے انہیں جہاد کا حکم نہ دیا گیا۔ لیکن اس کے برعکس جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے اور ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو انہیں جہاد کا حکم دیا گیا۔ اس کے باوجود کہ پہلے وہ دشمن کے خلاف جہاد کی شدید خواہش کرتے تھے لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو ان میں بعض نے شدید گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کیا اور کہنے لگے کہ جہاد کے اس حکم کو کچھ مدت کے لیے مؤخر کر دیا جاتا۔ اس میں خونریزی ہوتی ہے، بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہو جاتی

ہیں۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۚ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ '' ترجمہ: اور اہل ایمان کہتے ہیں کیوں نہ اتری کوئی سورت (جہاد کے بارے میں) پس جب اتاری جاتی ہے کوئی واضح سورت اور اس میں جہاد کا حکم ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں نفاق کا روگ ہوتا ہے، وہ دیکھتے ہیں آپ کی طرف، اس طرح جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو۔'' حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور ان کے کچھ ساتھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جب ہم مشرک تھے تو بڑی عزت والے تھے۔ اب مسلمان ہو گئے ہیں تو لوگ ہمیں کمزور اور ذلیل سمجھنے لگے ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ ہمیں کفار کا مقابلہ کرنے سے روکتے ہیں جس کی وجہ سے لوگ ہمیں کمزور سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے ابھی تک عفو و درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے تم ان لوگوں کے ساتھ جنگ کا خیال نہ کرو۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے ہجرت مدینہ کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا تو یہ لوگ اس سے پس و پیش کرنے لگے۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ مکہ میں مسلمانوں پر صرف نماز اور زکوٰۃ فرض تھی۔ انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں جہاد فرض کرنے کا سوال کیا۔ جب بعد میں جہاد فرض ہوا تو ان میں بعض نے پس و پیش کی اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کیا اور کیوں نہ ہمیں تھوڑی سی مدت کے لیے مہلت دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا اے محبوب ان لوگوں کو بتا دو کہ دنیا کا سامان بہت قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے۔ اس کے لیے جو متقی ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی (2)۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ: یعنی متقی کی آخرت اس کی دنیا سے بہتر ہے۔

وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا: اور تم پر کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ تمہارے مال کی پوری پوری جزاء دی جائے گی۔ یہاں لوگوں کو دنیا سے اعراض کرنے، آخرت کی رغبت دلانے اور جہاد پر برانگیختہ کرنے کا اشارہ ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو دنیا سے کم لگاؤ رکھتا ہے۔ کیونکہ دنیا ابتداء سے لے کر انتہا تک اس آدمی کی طرح ہے جو تھوڑی دیر کے لیے سوتا ہے اور خواب میں کوئی محبوب چیز دیکھتا ہے پھر بیدار ہو جاتا ہے۔ ابن نعیمؒ فرماتے ہیں کہ ابو مسہرؒ یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

وَلَا خَيْرَ فِي الدُّنْيَا لِمَنْ يَكُنْ لَهُ مِنَ اللّٰهِ فِي دَارِ الْمُقَامِ نَصِيبُ
فَإِنْ تُعْجِبِ الدُّنْيَا رِجَالًا فَإِنَّهَا مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَالزَّوَالُ قَرِيبُ

اس شخص کا دنیا میں کوئی بھلائی نہیں جس کا کل آخرت میں اللہ کی جناب سے کوئی حصہ ہے۔ اگر دنیا بعض لوگوں کو خوش رکھتی ہے (تو انہیں معلوم ہونا چاہیے) کہ یہ دنیا متاع قلیل اور زوال پذیر ہے۔

أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ تم میں سے ہر ایک کا انجام موت ہے اور اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ '' ترجمہ: جو کچھ زمین میں ہے فنا ہونے والا ہے''۔ دوسرے مقام پر فرمایا (كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ) '' ترجمہ: ہر نفس چکھنے والا ہے موت''۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ '' ترجمہ: اور نہیں مقدر کیا ہم نے کسی انسان کے لیے جو آپ سے پہلے گزرا (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنا''۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر شخص کا انجام موت ہے۔ موت سے اسے کوئی چیز نہیں بچا سکتی خواہ جہاد کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جو اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے بستر مرگ پر

1۔ المستدرک، کتاب التفسیر 307/2   2۔ تفسیر الطبری 171/5

فرمایا کہ میں بہت سے معرکوں میں شریک ہوا۔ میرے ہر عضو پر تلوار، نیزے، تیروں کے زخم کے نشان ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی موت بستر مرگ پر آ رہی ہے۔ اور شہادت کا رتبہ نصیب نہ ہوا۔ موت سے ڈرنے والے بزدلوں کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے(1)۔ یہ موت ہر حال میں آکر رہے گی خواہ تم اپنے آپ کو بلند و بالا اور مضبوط قلعوں میں بند کر لو۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں بروج سے مراد آسمان کے برج ہیں مگر یہ قول ضعیف ہے اور صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد محفوظ مقامات ہیں۔ یعنی کسی قسم کی احتیاط اسے بچا نہیں سکتی۔ جیسا کہ ابن ابی سلمٰی کا شعر ہے۔

وَمَنْ هَابَ اَسْبَابَ الْمَنَايَا يَنَلْنَهُ   وَلَوْ رَامَ اَسْبَابَ السَّمَاءِ بِسُلَّمِ

(جو موت کے اسباب سے ڈرتا ہے، موت اسے پالیتی ہے۔ اگر چہ وہ سیڑھی لگا آسمان پر بھی چڑھ جائے۔) بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے "اَلْمُشَيَّدَة اور مَشِيْدَة" دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ بعض نے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پہلے کا معنی بلند و بالا ہے اور دوسرے کا معنی چونے وغیرہ سے مزین کیا ہوا ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے یہاں ایک طویل قصہ نقل کیا ہے۔ وہ امام مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ پہلے زمانے میں ایک حاملہ عورت تھی۔ جب اس کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی تو اس نے اپنے ایک ملازم کو آگ لانے کے لیے بھیجا۔ جب وہ باہر نکلا تو اسے ایک شخص ملا۔ اس نے اس ملازم سے پوچھا کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے یا لڑکا۔ اس نے بتایا کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ اس پر اس نے کہا یہ لڑکی سو مردوں سے زنا کرے گی اور پھر اس عورت کا ملازم اس کے ساتھ شادی کرے گا۔ آخر کار لڑکی کی موت مکڑی کی وجہ سے ہوگی۔ یہ سن کر ملازم واپس لوٹا اور چھری سے اس بچی کا پیٹ چاک کر دیا اور اس خیال سے وہاں سے بھاگ نکلا کہ اب وہ مر چکی ہوگی۔ اس کی ماں نے اس کا پیٹ سی دیا۔ کچھ مدت کے بعد اس کا زخم صحیح ہو گیا اور وہ پروان چڑھنے لگی۔ حتیٰ کہ جب وہ جوان ہوئی تو اس کا شمار شہر کی خوبصورت ترین دوشیزاؤں میں ہونے لگا۔ وہ ملازم وہاں سے سمندر کے ساتھ کسی اور ملک چلا گیا اور کافی عرصہ کے بعد بہت سے مال و دولت کے ساتھ وطن واپس لوٹا۔ یہاں آکر ایک بوڑھیا سے کہنے لگا کہ میں شہر کی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اسی بڑھیا نے اسی لڑکی کا نام لے کر کہا کہ اس سے خوبصورت تمہارے شہر میں کوئی نہیں۔ اس نے کہا اسے میری طرف سے شادی کا پیغام دے دو۔ اس طرح ان دونوں کی شادی ہوگئی اور ان دونوں میاں بیوی میں بہت محبت ہوگئی۔ ایک دن اس نے باتوں باتوں میں اپنے خاوند سے پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں اور کہاں سے آئے ہیں اس نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ وہ کہنے لگی کہ میں ہی وہ لڑکی ہوں جس کے پیٹ کو تو نے چاک کیا تھا۔ پھر اس نے پیٹ پر زخم کا نشان بھی دکھا دیا۔ جب اسے یقین ہو گیا تو کہنے لگا کہ اگر تو وہی لڑکی ہے تو تم مجھے دو چیزیں بتا دو۔ ایک تو یہ تو نے سو آدمیوں سے زنا کیا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ ہو چکا ہے۔ لیکن میں ان کی تعداد نہیں جانتی۔ اس نے کہا کہ ان کی تعداد پوری سو ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ تیری موت مکڑی کے سبب ہوگی۔ اس کے بعد اس شخص نے اس کے لیے ایک بلند و بالا اور محفوظ ترین محل تعمیر کروایا تا کہ وہ مکڑی سے بچ سکے۔ ایک دن وہ دونوں میاں بیوی آرام کر رہے تھے کہ اچانک اس شخص نے چھت میں ایک مکڑی دیکھی اور اپنی بیوی کو بھی دکھائی۔ اس نے کہا کہ تم مجھے اس سے ڈراتے ہو قسم بخدا! میں اسے اپنے ہاتھ سے مار دوں گی۔ اس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ مکڑی کو اتار کر میرے پاس لاؤ۔ جب انہوں نے مکڑی اس کے پاس رکھی تو اس لڑکی نے اسے اپنے پاؤں کے انگوٹھے کے ساتھ مسل کر اسے مار ڈالا لیکن اسی دوران مکڑی کے زہر کا ایک قطرہ اس کے انگوٹھے کے ناخن اور انگلی کے درمیان پڑا جس کی وجہ سے اس کی ساری ٹانگ سیاہ ہوگئی اور آخر اسی کے باعث اس کی موت واقع ہوگئی(2)۔ جب

1۔ اسد الغابہ 111/2   2۔ تفسیر الطبری 173،172/5

باغیوں نے حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کیا اور آپ کو شہید کرنے کے درپے ہو گئے تو آپ نے امت محمد یہ کے لیے دعا مانگی اور اشعار کہے جن کا مفہوم یہ ہے۔ ''میں دیکھتا ہوں کہ موت کسی معزز آدمی کو نہیں چھوڑتی۔ اس نے عاد کے لیے نہ کوئی پناہ گاہ چھوڑی اور نہ کوئی مکان۔ وہ بند قلعے میں محسور لوگوں کے پاس بھی پہنچ جاتی ہے۔ اور پہاڑ کی بلند و بالا چوٹیوں پر بھی اپنا وار کرتی ہے۔'' یہاں ہم بادشاہ ''سرطرون'' کے قتل کا قصہ نقل کرتے ہیں۔ ابن ہشام کا قول ہے کہ کسریٰ سابور ذوالاکتاف حضر کے بادشاہ ساطرون کو قتل کرنے گیا تھا۔ اور سابور بن اردشیر بنی ساسان کا پہلا بادشاہ تھا۔ جس نے طوائف الملوکی ختم کر کے ایران میں شہنشاہیت کی بنیاد رکھی لیکن ذوالاکتاف سابور بن اردشیر کے بہت بعد آیا ہے۔ علامہ سہیلی نے اس واقعہ کی اس طرح وضاحت کی ہے کہ سابور نے ساطرون کے ملک پر حملہ کیا۔ ساطرون مقابلے کی تاب نہ لا کر قلعے میں محصور ہو گیا۔ اس حملے کی وجہ یہ تھی کہ ساطرون نے سابور کی غیر موجودگی میں اس کے ملک پر حملہ کیا تھا۔ اور ساطرون دو سال تک قلعے میں محصور رہا۔ محاصرے کے دوران ایک دن ساطرون کی بیٹی نضیرہ نے قلعے کی دیوار سے نیچے جھانکا تو اس کی نظر سابور پر پڑ گئی جو اس وقت زرق برق لباس میں ملبوس تھا۔ اور سر پر ہیرے موتیوں، سونے اور جواہرات سے مرصع تاج رکھا ہوا تھا۔ اس کے اس شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھ وہ اس پر فریفتہ ہو گئی اور اسے خفیہ طور پر پیغام بھیجا کہ اگر میں قلعے کا دروازہ کھول دوں تو میرے ساتھ شادی کرو گے۔ اس نے ہاں میں جواب دے دیا۔ اس کا باپ ساطرون شراب کا رسیا تھا۔ اس کی ہر رات شراب کے نشے میں گزرتی۔ اس نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سرہانے کے نیچے سے قلعے کی چابیاں لیں اور اپنے ملازم کے ذریعے سابور کے پاس بھیج دیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے قلعے کا دروازہ کھولنے کے گر سے آگاہ کر دیا تھا۔ اور یہ کہ وہ ایک سرمئی رنگ کی کبوتری لے اور اس کے پاؤں کو کسی نوجوان لڑکی کے حیض کے خون سے رنگے۔ پھر اسے چھوڑ دے جب یہ کبوتری قلعہ کی دیوار کے اوپر گرے گی تو قلعہ کا دروازہ خود بخود کھل جائے گا۔ اس نے ایسے ہی کیا اور دروازہ کھل گیا۔ اس نے ساطرون کو قتل کر کے بہت سے لوگوں کو تہ تیغ کر دیا اور شہر کو اجاڑ دیا۔ اور اس لڑکی کو ساتھ لے گیا اور اس کے ساتھ شادی کر لی۔ ایک رات وہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اور نیند نہ آنے کی وجہ سے کروٹیں بدل رہی تھی تو سابور نے شمع منگوائی تاکہ دیکھا جائے کہ بستر پر کوئی چیز تو نہیں ہے۔ جب بستر دیکھا تو اس سے ''آس'' کی ایک چھوٹی سی پتی نکلی۔ سابور نے کہا اسی وجہ سے تمہیں نیند نہیں آتی۔ اور وہ اس کی نازک مزاجی پر بڑا حیران ہوا اور اس سے پوچھنے لگا کہ تیرا باپ تیرے لیے کیا انتظامات کرتا تھا۔ اس نے بتایا کہ میرے لیے نرم ریشم کا بستر بچھایا جاتا تھا۔ اور باریک ریشمی لباس پہنتی تھی۔ اور مجھے نیلوں کا گودا اور مکھن کھلاتا تھا اور خالص انگوری شراب مصفّٰی شہد کے ساتھ پلاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی نازک اندامی کا یہ عالم تھا کہ اس کی پنڈلی کا گودا بھی باہر سے نظر آتا تھا۔ یہ سن کر سابور نے کہا کہ جس باپ نے تجھے اتنے ناز و نعم سے پالا اس کا بدلہ تم نے اسے یہ دیا کہ اسے قتل کرا دیا۔ میں اپنے بارے میں تجھ سے کیا توقع رکھ سکتا ہوں۔ پھر اس نے اسی وقت حکم دیا کہ اس کے بالوں کو گھوڑے کی دم کے ساتھ باندھ دیا جائے۔ اس کے حکم کی تعمیل ہوئی کہ اس کے بالوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا گیا۔ جس سے وہ اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اس واقعہ کو عرب شعراء نے بھی اپنے اپنے کلام میں نظم کیا ہے۔

وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ: اگر زرخیزی اور خوشحالی ہو یعنی مال، اولاد اور رزق کی فراوانی ہو تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ لیکن اگر قحط سالی میں مبتلا ہو جائیں اور مال و دولت میں کمی ہو جائے یا اولاد میں سے کسی کو موت آ جائے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ کی اتباع اور آپ کے دین کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہوا ہے۔ جیسا کہ فرعون کی قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا کرتی تھی: فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ... (اعراف: 131)'' ترجمہ: اور جب ان پر خوشحالی کا دور آتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر

انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے بدفالی پکڑتے ہیں۔'' ایسے یہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّعۡبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرۡفٍ‌ ...... (الحج: 11) اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو اللہ کی عبادت کنارے پر کرتا ہے۔ پھر اگر اسے کوئی بھلائی پہنچے تو مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر کوئی آزمائش پہنچے تو فوراً دین سے منہ پھیر لیتا ہے۔ یہی حال منافقین کا تھا۔ جو ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن حقیقت میں اسے ناپسند کرتے تھے۔ جب انہیں کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ اس کا سبب یہ بتاتے کہ نبی (ﷺ) کی متابعت کی وجہ سے ہم پر یہ مصائب نازل ہو رہے ہیں۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ یہاں ''حَسَنَةٌ'' سے مراد یہ ہے کہ زرخیزی اور خوشحالی ہو، ان کے مویشیوں کی بھڑوتری میں اضافہ ہو اور ان کی عورتوں کے ہاں لڑکے پیدا ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور ''سَيِّئَةٌ'' سے مراد قحط سالی اور مال و دولت میں کمی ہے۔ جس کی نسبت وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کرتے اور کہتے کہ ہم پر یہ سب مصائب اس لیے نازل ہوئے کہ ہم نے اپنے قدیم دین کو ترک کر دیا اور محمد (ﷺ) کی اتباع کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلط عقیدے کی تردید کے لیے ارشاد فرمایا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضا، قدر اور حکم سے ہوتا ہے۔ اس کا حکم ہر نیک و بد، مومن و کافر پہ جاری ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہر نیکی اور بدی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور پھر ان کے قول جو کہ شک و شبہ، کم علمی، جہالت اور ظلم کی وجہ سے صادر ہوا ہے اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ: آیت کریمہ: كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ‌ؕ کے بارے میں ایک غریب حدیث بزاز نے اپنی مسند میں روایت کی ہے۔ حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کچھ لوگوں کی معیت میں آ رہے تھے کہ ان کی آواز کچھ بلند ہو گئی۔ اور وہ دونوں حضور ﷺ کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری آوازیں کیوں بلند ہو رہی تھیں۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! حضرت ابوبکر صدیقؓ کہہ رہے تھے کہ نیکیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں اور برائیاں ہماری اپنی طرف سے۔ آپ نے پوچھا اے عمر! اس کے بارے میں تو نے کیا کہا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ نیکیاں اور برائیاں دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں سب سے پہلے اختلاف جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام میں ہوا تھا۔ میکائیل نے وہی کہا تھا جو ابوبکر نے کہا ہے۔ اور جبرائیل کا موقف وہی تھا جو عمر کا موقف ہے۔ پس جب اہل آسمان میں اختلاف ہو گیا تو اہل زمین کے درمیان اختلاف ہونا ہی تھا۔ چنانچہ دونوں فیصلے کے لیے حضرت اسرافیل علیہ السلام کے پاس گئے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ نیکیاں اور برائیاں سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر اور عمرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میرا یہ فیصلہ یاد رکھو۔ اگر اللہ یہ چاہتا کہ اس کی نافرمانی نہ ہو تو ابلیس کو پیدا نہ کرتا۔ شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث باتفاق محدثین موضوع ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ لیکن یہ خطاب عمومی طور تمام لوگوں کو شامل ہے۔

مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ‌: یعنی جو بھی تمہیں بھلائی اور نیکی حاصل ہو وہ محض اللہ کے فضل و احسان اور اس کے کرم کی وجہ سے ہے۔ اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو یہ تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا وَمَاۤ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ '' ترجمہ: اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے۔ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچی ہے۔ اور (وہ کریم) درگزر فرما دیتا ہے تمہارے بہت سے کرتوتوں سے''۔ حضرات سدی، حسن بصری، ابن جریج اور ابن زید فرماتے ہیں ''فَمِنۡ نَّفۡسِكَ‌'' سے مراد یہ ہے کہ تمہارے گناہوں کے سبب سے ہے۔ اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے ابن آدم! یہ تمہارے گناہوں کی سزا ہے۔ رسول

اللہ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو کوئی خراش آئے یا اس کا قدم پھسل جائے، یا اسے کوئی پریشانی لاحق ہو تو یہ سب اس کے اپنے گناہوں کا نتیجہ ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ اور یہی مضمون ایک صحیح حدیث میں بھی ملتا ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ مومن کو کوئی رنج یا کوئی مشقت پہنچتی ہے حتی کہ اگر اسے کانٹا بھی لگے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ حضرت ابوصالح فرماتے ہیں کہ تمہیں جو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے گناہوں کے سبب ہے لیکن اس کو مقدر کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔ ایسے مطرف بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ تم تقدیر کے بارے میں کیا چاہتے ہو۔ کیا تمہیں سورۂ نساء کی یہ آیت کافی نہیں ہے۔ پھر آپ یہ آیت پڑھ کر سناتے اور فرماتے قسم بخدا لوگوں کو تقدیر کے سپرد نہیں کیا گیا بلکہ انہیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی لیے وہ اسی کی طرف جاتے ہیں۔ یہ جبریہ اور قدریہ کی تردید میں ٹھوس اور مضبوط قول ہے۔ اور اس کی تفسیر و تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا: یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ آپ ان تک اللہ کے احکام پہنچائیں اور ان کو ان اعمال سے آگاہ کریں جن کو وہ پسند اور ناپسند فرماتا ہے۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا: اور اس امر پر اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے کہ اس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا (دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں) تمہارے اور ان کے بھی احوال اس کے مشاہدے میں ہیں اور آپ نے ان تک جو اللہ کا پیغام پہنچایا ہے وہ اس سے بھی آگاہ ہے۔ اور وہ کفر اور عناد کی وجہ سے آپ کے خلاف جس ردعمل کا اظہار کرتے ہیں اس کو بخوبی جانتا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٨١﴾

"جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی اور جس نے منہ پھیرا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان کا پاسبان بنا کر۔ اور کہتے ہیں ہم نے حکم مان لیا۔ اور جب باہر نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو رات بھر مشورہ کرتا ہے ایک گروہ ان میں سے اس کے برعکس جو آپ نے فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے جو وہ راتوں کو سوچا کرتے ہیں پس رخ (انور) موڑ لیجیے ان سے اور بھروسہ کیجیے اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز"۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ: اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب اور رسول کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ جس نے اس کی اطاعت کی سو اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی سو اس نے میری نافرمانی کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی زبان حق ترجمان سے وہی نکلتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی یقیناً اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے اپنے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی یقیناً اس نے میری نافرمانی کی (1)۔

وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا: یعنی آپ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دینا ہی لازم ہے۔ پس جو آپ کی اطاعت کرے گا وہ

1۔ فتح الباری، کتاب الجہاد 116/6

سعادت مندی اور نجات سے بہرہ مند ہوگا اور آپ کو بھی اس کی نیکیوں کا اجر ملے گا اور جو آپ سے روگردانی کرے گا وہ خائب خاسر ہوگا اور آپ پر اس کے گناہوں کا کوئی ذمہ نہیں ہوگا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ رشد و ہدایت پا جاتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچاتا ہے (1)۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ: یہاں اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ وہ ظاہری طور پر رسول اللہ ﷺ کی موافقت اور اطاعت کرتے ہیں لیکن جب وہ آپ کی محفل سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں اور تنہائی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں تو آپ کے خلاف سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اور خصوصاً رات کے وقت اپنی خفیہ محفلوں میں دین اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ: یعنی اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں سے بخوبی آگاہ ہے۔ اور اپنے ان فرشتوں کو ان کی ہر حرکت لکھنے کا حکم فرماتا ہے جو اس نے بندوں پر مقرر کر رکھے ہیں۔ یعنی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ منافقین کو سرزنش کر رہا ہے کہ وہ ان تمام خفیہ سازشوں اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور نافرمانی کے بارے میں در پردہ مجلسوں سے بخوبی آگاہ ہے۔ یہ لوگ اگرچہ ظاہری طور پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور موافقت کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ رازوں سے بھی آگاہ ہے۔ اس لیے وہ انہیں عنقریب سزا دے گا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا...... (نور: 47) ''ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم فرمانبردار ہیں۔ پھر ایک فریق ان میں سے منہ موڑ لیتا ہے (ایمان اور اطاعت کے) اس دعویٰ کے بعد اور یہ لوگ ایماندار نہیں ہیں''۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ: آپ ان سے درگزر فرمائیں اور حلم و بردباری سے پیش آئیں اور ان امور پر ان کا مواخذہ نہ کریں۔ اور لوگوں پر ان کا حال ظاہر نہ کریں۔ لیکن ان سے بے خوف رہیں۔ اللہ پر توکل کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اوپر توکل کرنے والے کا معین و مددگار ہوتا ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

''تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں؟ اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ) اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلاف کثیر۔ اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا خوف کی تو چرچا کرنے لگتے ہیں اس کا اور اگر لوٹا دیتے اسے رسول (کریم) کی طرف اور بااقتدار لوگوں کی طرف اپنی جماعت سے تو جان لیتے اس خبر (کی حقیقت) کو وہ لوگ جو نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں بات کا ان میں سے۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور (نہ ہوتی) اس کی رحمت تو ضرور تم اتباع کرنے لگتے شیطان کا سوائے چند آدمیوں کے''۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قرآن پاک تدبر اور غور و فکر سے پڑھنے کا حکم دے رہا ہے۔ کہ اس کے فصاحت و بلاغت سے بھرپور الفاظ اور حکمت و دانش سے لبریز محکم معانی میں فکر و تدبر کرو اور ان سے اعراض کر کے انہیں پس پشت نہ ڈالو۔ اسی لیے اللہ

1۔ مسلم، کتاب الجمعہ: 594

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا'' ترجمہ: کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگا دیے گئے ہیں''۔

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ: اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہ ہوتا اور کسی انسان کا وضع اور اختراع شدہ ہوتا جیسا کہ ان جاہل مشرکین اور منافقین کا خیال ہے۔تو وہ اس میں بہت زیادہ تضاد اور اختلاف پاتے۔قرآن پاک میں اس تضاد اور اختلاف کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے علمائے راسخین کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ قرآن پاک کی تلاوت سن کر یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، یہ سب ہمارے رب کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔یعنی قرآن مجید کی محکم اور متشابہ آیات سب حق ہیں اس لیے وہ متشابہ کو محکم کی طرف لوٹاتے ہیں اور اس طرح ہدایت پا جاتے ہیں۔اور اس کے برعکس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ محکم آیات کو متشابہ کے ساتھ ملا دیتے ہیں اور اس طرح وہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علمائے راسخین کی مدح وستائش کی ہے۔کج روی اختیار کرنے والوں کی مذمت بیان کی ہے۔حضرت عمر بن شعیب اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی ایسی مجلس میں بیٹھے تھے کہ جس کے بدلے میں مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جائیں تو میں پسند نہ کروں۔فرماتے ہیں کہ ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ہم نے دیکھا کہ کچھ بزرگ صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کے در اقدس پر بیٹھے تھے تو ہم ادب واحترام کی وجہ سے تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئے۔وہ قرآن پاک کی کسی آیت کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔دوران گفتگو ان میں کچھ اختلاف ہو گیا جس کی وجہ سے ان کی آواز کچھ بلند ہو گی۔یہ سن کر رسول اللہ ﷺ غصہ کی حالت میں باہر نکلے،آپ کا چہرہ مبارک سرخ تھا۔آپ نے فرمایا خاموش رہو تم سے پہلی امتیں بھی اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ وہ اپنے انبیاء کے ساتھ اختلاف کرتی تھیں۔اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات میں تحریف کر دیتی تھیں۔قرآن حکیم اس لیے نازل نہیں کیا گیا کہ اس کی بعض آیات بعض آیات کو جھٹلائیں بلکہ یہ تو ایک دوسرے کی تصدیق وتائید کرتی ہیں پس تمہیں اس میں سے جو کچھ سمجھ میں آئے اس پر عمل کرو اور جو کچھ سمجھ نہ آئے وہ کسی صاحب علم سے پوچھ لو(1)۔ایک روایت میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ تقدیر پر بحث کر رہے تھے۔اور راوی حدیث فرماتے ہیں کہ کاش میں اس مجلس میں حاضر نہ ہوتا۔حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ہم آپ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں بیٹھے دو آدمیوں کا آپس میں کسی آیت پر اختلاف ہو گیا جس کی وجہ سے ان کی آواز بلند ہوگئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں کو اس لیے ہلاک کیا گیا کہ وہ اللہ کی نازل کردہ کتاب میں اختلاف کرتے تھے(2)۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ: یہاں ان لوگوں کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے جو بغیر تحقیق کے خبر کو پھیلا دیتے ہیں حالانکہ ممکن ہے کہ وہ خبر صحیح نہ ہو۔حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے لیے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو آگے بیان کر دے(3)۔حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قیل وقال سے منع فرمایا ہے۔یعنی لوگوں کی باتوں کو بغیر غور وفکر کے آگے بیان کرنے سے منع فرمایا ہے۔پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ عادت بری ہے کہ کوئی شخص بات کرے اور پھر کہے کہ لوگ ایسا کہتے ہیں۔ایک دوسری حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص کوئی قول بیان کرے اور اسے معلوم بھی ہو کہ یہ بات غلط ہے تو اس کا شمار بھی جھوٹوں میں ہوگا(4)۔اور مناسب ہے کہ ہم یہاں اس صحیح حدیث کو ذکر

1۔مسند احمد 181/2　2۔مسند احمد 178/2　3۔مسلم، المقدمہ:10　4۔مسلم، المقدمہ:9

کریں جو حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے۔ آپ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ آپ اپنے گھر سے نکلے اور مسجد نبوی میں پہنچے اور وہاں بھی لوگوں کو یہ بات کرتے ہوئے سنا۔ لیکن آپ بذات خود حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ آپ نے نفی میں جواب ارشاد فرمایا۔ انہوں نے یہ سن کر نعرہ تکبیر بلند کیا اور لوگوں کو بتایا کہ آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں ہی اس معاملہ کی تہہ تک پہنچا تھا(1)۔ اور "یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ" کا معنی ہے کسی معاملہ کی تہہ تک پہنچنا۔ جب کوئی شخص کنواں یا چشمہ کھودے اور اس کی تہہ تک پہنچ جائے تو عرب کہتے ہیں "اِسْتَنْبَطَ الرَّجُلُ الْعَيْنَ"

لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اگر تم پر اس کا فضل و رحمت نہ ہوتی تو تم سب شیطان کی پیروی کرتے۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿٨٤﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿٨٥﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٨٧﴾

"تو (اے محبوب!) جہاد کرو اللہ کی راہ میں نہ تکلیف دی جائے گی آپ کو سوائے اپنی ذات کے اور ابھاریں آپ ایمان والوں کو (جہاد پر) عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ روک دے زوران لوگوں کا جو کفر کر رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی گرفت بہت سخت ہے نیز وہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔ جو کرے گا سفارش اچھی ہوگا اس کا حصہ اس میں سے اور جو کرے گا سفارش بری تو ہوگا اس کے لیے بوجھ اس سے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور جب سلام دیا جائے تمہیں کسی لفظ دعا سے تو سلام دو تم ایسے لفظ سے جو بہتر ہو اس سے یا (کم از کم) دوہرا دو وہی لفظ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ اللہ، نہیں کوئی معبود بغیر اس کے وہ ضرور جمع کرے گا تمہیں قیامت کے دن نہیں ذرا شک اس (کے آنے) میں اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کہنے میں"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ بذات خود اس کی راہ میں جہاد کریں اور اگر کوئی اس جہاد سے اعراض کرتا ہے تو اس کا بوجھ آپ پر نہیں ہوگا۔ اسی لیے ارشاد فرمایا کہ آپ صرف اپنی ذات ہی کے مکلف ہیں، حضرت ابو اسحٰق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت براء بن عازبؓ سے پوچھا کہ اگر ایک مسلمان کے مقابلہ میں سو دشمن ہوں تو کیا وہ اس کے ساتھ جہاد کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو تو آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کی راہ میں جہاد کرے اور مسلمانوں کو بھی جہاد کی ترغیب دیں۔ اور پھر ابن عازب نے فرمایا کہ تم نے یہ جو آیت پیش کی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے(2)۔ حضرت براءؓ روایت کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو

1۔ فتح الباری، کتاب النکاح 279/9 2۔ مسند احمد 281/4

آپ نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ میرے رب نے مجھے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے تم بھی اس کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ حدیث غریب ہے۔

وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ: یعنی مسلمانوں کو بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دلائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے دن صفیں سیدھی کرتے ہوئے صحابہ سے ارشاد فرمایا اس جنت کے لیے کھڑے ہو جاؤ جس کی چوڑائی زمین و آسمان کی مثل ہے (1)۔ جہاد کی ترغیب میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر لازم ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے خواہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرے یا وہیں رہے جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی کیا ہم اس کی بات کی لوگوں کو خوشخبری نہ سنا دیں۔ آپ نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔ اور ان ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان۔ تم جب بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس طلب کیا کرو۔ وہ بہترین اور سب سے اعلیٰ جنت ہے۔ اسی کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے۔ اور اسی سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں (2)۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابو سعید! جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور رسول اللہ ﷺ کو اپنا نبی اور رسول اللہ مان لیا اور اس پر راضی ہو گیا تو اس پر جنت واجب ہو گئی۔ یہ سن کر حضرت سعید بہت خوش ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! دوبارہ ارشاد فرمائیے آپ نے اس بات کو دہرا دیا اور فرمایا کہ اس کے علاوہ ایک اور عمل بھی ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ بندے کے سو درجات بلند کرتا ہے۔ ان ہر دو درجات کے درمیان اتنا فاصلہ اور وسعت ہے جتنی زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ عرض کی یہ عمل کیا ہے۔ فرمایا جہاد فی سبیل اللہ (3)۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: یعنی جب مسلمانوں کو جہاد پر برانگیختہ کریں گے تو دشمن کے مقابلہ کے لیے اسلام اور اہل اسلام کی حفاظت، کے لیے ان کے حوصلے بلند ہو جائیں گے اور دشمن کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا ہو گی۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ اہل کفر کی قوت اور ظلم کو ختم کر دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی گرفت بہت سخت ہے اور وہ ان کو دنیا و آخرت میں سخت سزا دینے پر قادر ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ...... ”ترجمہ: یہی حکم ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے تمہیں بعض کو بعض سے“۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً: جو شخص کسی نیکی اور بھلائی کے کام میں کسی کی سفارش یا کوشش کرتا ہے تو اسے بھی اس نیکی کا حصہ ملتا ہے اور اس کے برعکس برائی کے کام میں معاون و مددگار ہوتا ہے تو اس برائی کا بوجھ اس پر بھی پڑتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ارشاد فرمایا (جب کوئی آدمی کام کے لیے آئے) تو سفارش کیا کرو تمہیں اس کا اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان مبارک پر جو چاہے فیصلہ فرما دے (4)۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ایک دوسرے کی سفارش کرنے کے لیے اتری ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ سفارش کرنے پر اس کا اجر مل جاتا ہے خواہ کام ہو یا نہ ہو۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے۔ مجاہد نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ اور اس کا حساب لینے والا ہے۔ ابن زید کے نزدیک اس کا معنی قادر ہے۔ عبداللہ بن کثیر

1۔ مسلم، کتاب الامارۃ 1510
2۔ فتح الباری، کتاب الجہاد 11/6
3۔ مسلم، کتاب الامارۃ 1501
4۔ فتح الباری، کتاب الزکاۃ 299/3

فرماتے ہیں کہ ''مُقِیتً'' کا معنی ہمیشگی اختیار کرنے والا ہے اور ضحاک فرماتے ہیں کہ اس کا معنی رازق ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے کسی نے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق عطا کرنے والا ہے۔

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا: جب کوئی مسلمان تمہیں سلام کرے تو اس کا جواب اس سے افضل طریقہ سے دو کم از کم اس کی مثل ہی جواب دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ افضل جواب دینا مستحب ہے اور مثل جواب دینا فرض ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی السلام علیک یا رسول اللہ۔ آپ نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ پھر دوسرا شخص حاضر ہوا تو اس نے عرض کی السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ۔ آپ نے جواباً فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر تیسرا شخص آیا اور عرض کی السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ نے جواباً فرمایا وعلیک۔ اس شخص نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ فلاں فلاں شخص نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے ان کا جواب کچھ الفاظ کے اضافہ کے ساتھ دیا۔ لیکن مجھے آپ نے ایسا جواب نہیں دیا۔ آپ نے فرمایا تم نے ہمارے لیے کچھ چھوڑا ہی نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سلام کرنے والے کو جواب اس سے افضل یا اس کی مثل دو۔ اور ہم نے جواب تمہارے سلام کی مثل دے دیا ہے۔ یہ حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سلام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سے کیا جائے اور اس سے زائد الفاظ سے نہ کیا جائے۔ کیونکہ اگر سلام میں اس سے زیادہ الفاظ ہوتے تو حضور ﷺ صحابی کا جواب زائد الفاظ سے دے دیتے۔ حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور السلام علیکم یا رسول اللہ کہہ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا دس نیکیاں۔ اور دوسرا شخص آیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ یا رسول اللہ! اور پھر بیٹھ گیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا بیس نیکیاں۔ تیسرا شخص حاضر ہوا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ نے جواب دیا اور فرمایا تیس نیکیاں (1)۔ پھر اس حدیث کو ابوداؤد ترمذی اور نسائی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق میں سے جو بھی تمہیں سلام کرے اس کا جواب دو۔ اگرچہ وہ مجوسی ہو۔ انہوں نے اس آیت کو عموم پر محمول کیا ہے۔ حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان کے سلام کا جواب اس سے بہتر دو اور اگر کوئی ذمی سلام کرے تو اس کا جواب اسی طرح لوٹا دو۔ لیکن ان کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ پہلے صحیح حدیث میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر کوئی مسلمان سلام کرے تو اس کا جواب اس سے بہتر دو اور اگر وہ سلام کے تمام الفاظ استعمال کرے تو تم بھی اس کی مثل جواب دے دو۔ البتہ ذمی لوگوں کو سلام کرنے میں ابتداء نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں اگر ان میں سے کوئی تمہیں سلام کہے تو اسی کی مثل جواب دے دینا چاہئے۔ کیونکہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی یہودی تمہیں سلام کرتا ہے تو وہ تمہیں سام کہتا ہے تو تم جواب میں علیک کہہ دو۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں ابتداء نہ کرو۔ اور اگر راستہ میں تمہارا آمنا سامنا ہو جائے تو انہیں تنگ راستے کی طرف مجبور کرو (2)۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ سلام کرنا مستحب اور جواب دینا فرض ہے۔ اور یہی جمہور علماء کا قول ہے کہ جس کو سلام کیا جائے اس کے لیے جواب دینا واجب ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔ کیونکہ اس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ تم کامل مومن بن جاؤ اور تم کامل مومن نہیں بن سکتے حتیٰ کہ تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو۔ کیا تمہیں میں ایسی بات نہ بتا دوں کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو تمہاری باہمی محبت پروان چڑھنے لگے۔ فرمایا اپنے درمیان سلام کی کثرت کرو۔

1۔ مسند احمد، 439/4 2۔ مسلم، کتاب السلام: 1705

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ : یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کی خبر دی ہے اور اس امر کو بیان کیا ہے کہ وہی تمام مخلوق کے لیے الوہیت میں یکتا ہے۔ اور اس جملہ میں ضمنی طور پر قسم کا مفہوم پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے بعد والے جملہ کی ابتداء میں جو لام ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے ماقبل جملہ میں قسم کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قسم بھی ہے اور اس بات کی خبر بھی ہے کہ وہ یقیناً تمام اگلے پچھلے لوگوں کو میدان محشر میں جمع کرے گا۔ اور ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا: یعنی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں ہے اس کی کلام وعدہ وعید سب سچ اور حق ہیں کیونکہ وہی معبود حقیقی ہے اور اس کے سوا کوئی پروردگار نہیں۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿٨٨﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُھَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٨٩﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَاۗءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُھُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَھُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَھُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿٩٠﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَھُمْ ۭ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْھَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَھُمْ فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾

''سو کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ منافقوں کے بارے میں (تم) دو گروہ بن گئے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا انہیں بوجہ ان کرتوتوں کے جو انہوں نے کیے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اسے راہ دکھاؤ جسے گمراہ کر دیا اللہ نے اور جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے (ہدایت کا) راستہ۔ وہ دوست رکھتے ہیں اگر تم بھی کفر کرنے لگو جیسے انہوں نے کفر کیا تا کہ تم یکساں ہو جاؤ۔ پس نہ بناؤ تم ان سے اپنے دوست یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں۔ پس اگر وہ (ہجرت سے) منہ موڑیں تو پکڑ لو انہیں اور قتل کرو انہیں جہاں کہیں پاؤ ان کو اور نہ بناؤ ان سے (کسی کو) اپنا دوست اور نہ مددگار۔ مگر ان کو (قتل نہ کرو) جو تعلق رکھتے ہیں اس قوم سے کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ ہے یا آ گئے ہوں تمہارے پاس اس حال میں کہ تنگ ہو چکے ہوں ان کے سینے کہ جنگ کریں تم سے یا جنگ کریں اپنی قوم سے اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو مسلط کر دیتا انہیں تم پر تو وہ ضرور لڑتے تم سے پھر اگر وہ کنارہ کر لیں تم سے اور نہ جنگ کریں تمہارے ساتھ اور بھیجیں تمہاری طرف صلح (کا پیغام) تو نہیں بنائی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان پر (زیادتی کرنے کی) راہ تم پاؤ گے۔ چند اور لوگ جو

چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور امن میں رہیں اپنی قوم سے۔ (لیکن) جب کبھی پھیرے جاتے ہیں فتنہ کی طرف تو منہ کے بل گر پڑتے ہیں اس میں سو اگر نہ کنارے کریں تم سے یا نہ بھیجیں تمہاری طرف صلح (کا پیغام) اور نہ روک لیں اپنے ہاتھ تو پکڑ لو انہیں اور قتل کرو انہیں جہاں تم پاؤ انہیں اور یہی لوگ ہیں کہ دیا ہے ہم نے تمہیں ان پر کھلا اختیار"۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ: اس میں اختلاف ہے کہ منافقوں کے کس معاملہ کے بارے میں مسلمانوں کے دو گروہ تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میدان احد کی طرف جب تشریف لے گئے۔ تو کچھ منافقین بھی آپ کے ساتھ تھے جو جنگ سے پہلے واپس لوٹ آئے تو ان منافقین کے بارے میں بعض مسلمان کہنے لگے کہ انہیں قتل کر دینا چاہئے اور بعض نے کہا کہ انہیں قتل نہیں کرنا چاہئے یہ بھی ایماندار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ شہر طیبہ ہے یہ میل کچیل کو اس طرح دور کر دے گا جیسے بھٹی لوہے کی میل کو دور کر دیتی ہے(1)۔ ابن اسحٰق کا قول ہے کہ عبداللہ بن ابی تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس لوٹا اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات سو صحابہ باقی رہ گئے(2)۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مکہ میں بظاہر مسلمان ہونے کا اظہار کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی مدد بھی کرتے تھے۔ وہ اپنے کسی مقصد کے لیے مکہ سے نکلے اور کہنے لگے کہ ہمیں اصحاب رسول (ﷺ) کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی اور جب مسلمانوں کو ان کے بارے میں خبر پہنچی تو بعض کہنے لگے کہ ان بزدلوں کو قتل کر دینا چاہئے کیونکہ یہ تمہارے خلاف تمہارے دشمن کی مدد کرتے ہیں۔ اور بعض لوگوں نے کہا سبحان اللہ! کیا تم ان لوگوں کو قتل کرو گے جو تمہاری مثل کلمہ گو ہیں۔ کیا صرف اسی لیے کہ انہوں نے ہجرت نہیں اور اپنے گھروں کو نہیں چھوڑا ہم ان کے خون اور مال کو کیسے حلال سمجھ سکتے ہیں۔ اس طرح ان کے اس معاملہ میں دو گروہ ہو گئے رسول اللہ ﷺ وہاں موجود تھے لیکن آپ نے کسی گروہ کو نہیں روکا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ واقعہ افک میں جب رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر عبداللہ بن ابی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو مجھے اس کی ایذاء سے بچائے تو اس پر قبیلہ اوس اور خزرج کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ لیکن یہ قول غریب ہے(3)۔

وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ: یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو نافرمانی اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور باطل کی پیروی کرنے کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور مسلمانوں کو ارشاد فرمایا کیا تم ان کو ہدایت دینا چاہتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا اور جن کو اللہ گمراہ کر دے ان کی ہدایت کا کوئی راستہ نہیں اور نہ ہی اس کو اس سے کوئی چھٹکارا دلا سکتا ہے۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ: یعنی وہ تمہیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں تا کہ تم بھی ان کے برابر ہو جاؤ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ سخت دشمنی رکھتے ہیں اور تمہیں ناپسند کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ان میں سے کسی کو اپنا دوست یا مددگار نہ بناؤ حتیٰ کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں اور اگر وہ ہجرت نہ کریں اور کفر کا اظہار کریں تو ان کو جہاں بھی پاؤ قتل کر دو اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور معاون نہ بناؤ یعنی جب تک وہ اپنے کفر پر قائم ہیں ان سے دشمنان خدا کے خلاف مدد طلب نہ کرو اور ان کے ساتھ دوستی نہ لگاؤ۔ یہاں کچھ لوگوں کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو کسی ایسی قوم کے پاس پناہ لے لیں۔ جس کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہو چکا ہو۔ اب اس معاہدہ کی پاسداری کی وجہ سے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے گا۔ سراقہ بن مالک مدلجی بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمانوں کو غزوۂ بدر، احد اور دوسرے غزوات میں فتح حاصل ہوئی اور مسلمانوں کے غلبہ اور شان و شوکت کو دیکھ کر دیگر قبائل مسلمان ہونے لگے تو مجھے خبر

1۔ مسند احمد: 14/5 2۔ سیرۃ ابن ہشام: 64/2 3۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ النور: 453/8

ملی کہ رسول اللہ ﷺ حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں ایک لشکر میری قوم بنو دلج کی طرف بھیجنے والے ہیں۔ چنانچہ میں مدینہ طیبہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو احسان کا واسطہ دیا۔ لوگوں نے مجھے خاموش رہنے کو کہا۔ آپ نے فرمایا اسے کہنے دو جو کچھ یہ کہنا چاہے۔ میں نے عرض کی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے میری قوم کی طرف لشکر بھیجنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کے ساتھ اس شرط پر صلح کر لیں کہ اگر قریش مسلمان ہو گئے تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ اگر وہ مسلمان نہ ہوئے تو پھر بھی آپ ان کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اس کے ساتھ جاؤ اور اس کے کہنے کے مطابق اس کی قوم کے ساتھ صلح کر لو۔ حضرت خالدؓ بن ولید ان کے ساتھ گئے اور اس شرط پر ان کے ساتھ صلح کر لی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے اور اگر قریش مسلمان ہو گئے تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ: وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ نازل فرمائی۔ ابن مردویہ نے اس واقعہ کو حماد بن سلمہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ آیت کا یہ حصہ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ...... (نساء:90) نازل ہوا۔ اور سباق کلام کے زیادہ مناسب اور موافق ہے۔ اور صحیح بخاری میں صلح حدیبیہ کے واقعہ کے یہ الفاظ ہیں کہ جو چاہے اہل مکہ کے ساتھ صلح اور معاہدہ کر لے اور جو چاہے وہ محمد ﷺ اور اس کے صحابہ کرام کے ساتھ صلح اور معاہدہ کر لے(1)۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ...... (توبہ:5)'' ترجمہ: اور جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں تم انہیں پاؤ''۔ سے منسوخ ہو گئی۔

اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ: یہاں پہلے حکم سے ایک اور گروہ کا استثناء کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جن کو زبردستی میدان جنگ میں لایا جاتا ہے۔ دلی طور پر تمہارے ساتھ جنگ کرنے کو ناپسند کرتے ہیں اور ان کے لیے یہ بھی مشکل ہے کہ وہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم کے خلاف صف آراء ہوں بلکہ یہ لوگ نہ تمہارے ساتھ ہیں اور نہ تمہارے خلاف ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ: یعنی یہ اللہ کی تم پر مہربانی ہے کہ اس نے ان کو تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے روک دیا۔ پس اگر وہ کنارہ کر لیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں اب تمہارے لیے یہ مناسب نہیں کہ تم اس حالت میں ان کے ساتھ جنگ کرو۔ اس کی مثال بنو ہاشم کے وہ لوگ ہیں جو غزوۂ بدر میں مشرکین کے ساتھ مکہ سے آئے تھے لیکن جنگ کو ناپسند کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عباسؓ اور ان کے ساتھی تھے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت عباسؓ کو قتل کرنے سے منع فرمایا تھا اور انہیں قید کرنے کا حکم فرمایا تھا۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ: یہ لوگ ظاہری صورت میں تو ان لوگوں کی طرح ہیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے لیکن ان کی نیت اور ان کی نیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ وہ منافقین ہیں جو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کے سامنے آ کر اپنے اسلام کا اظہار کرتے ہیں تاکہ ان کے جان مال اور اولاد محفوظ ہو جائیں اور در پردہ کفار کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ مل کر ان کے معبودان باطل کی عبادت کرتے ہیں تاکہ ان کے نزدیک بھی ان کا اعتبار قائم رہے۔ درحقیقت یہ باطن میں ان کفار و مشرکین کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ'' ترجمہ: اور جب وہ اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔'' اور یہاں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ جب بھی ان کو فتنے کا موقع ملتا ہے تو اس میں منہمک ہو جاتے ہیں سدی فرماتے ہیں کہ یہاں فتنہ سے مراد شرک ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ مکہ کے ان لوگوں کے بارے

1۔ مسند احمد: 325/4

میں نازل ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوتے اور ریا کاری کے طور پر بظاہر مسلمان ہو جاتے اور جب واپس مکہ جاتے تو بتوں کی پوجا میں بھی شریک ہو جاتے۔ تاکہ وہ مشرکین سے بھی امن میں رہیں اور مسلمانوں سے بھی محفوظ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں حکم دیا ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی روش سے باز نہ آئیں تو ان کو قتل کر دو۔ اسی لیے ارشاد فرمایا:

فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ: یعنی اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے کنارہ نہ کریں اور نہ ہی صلح وسلامتی کا پیغام دیں اور نہ ہی اپنے ہاتھوں کو جنگ سے روکیں تو ان کو قید کر لو اور انہیں جہاں بھی پاؤ قتل کر دو اور یہی وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے تمہیں کھلا اور واضح اختیار دیا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۗ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۗ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

''اور نہیں (جائز) کسی مومن کے لیے کہ قتل کرے کسی مومن کو مگر غلطی سے اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو غلطی سے تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) آزاد کرے مسلمان غلام اور خون بہا ادا کرے مقتول کے گھر والوں کو مگر یہ کہ وہ خود ہی (خوں بہا) معاف کر دے پھر اگر ہو (مقتول) اس قوم سے جو دشمن ہے تمہاری، لیکن وہ (مقتول) خود مومن ہو تو (قاتل) آزاد کرے ایک مسلمان غلام اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ ہو چکا ہے تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ تو (قاتل) خوں بہا دے اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرے ایک مسلمان غلام تو جو شخص غلام نہ پا سکے تو روزے رکھے دو ماہ لگاتار (اس گناہ کی) توبہ اللہ کی طرف سے (یہی مقرر ہے) اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا۔ اور جو شخص قتل کرے کسی مومن کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں اور غضب ناک ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر اور اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور تیار کر رکھا ہے اس نے اس کے لیے عذاب عظیم''۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی بھی صورت میں اپنے مسلمان بھائی کو قتل کرے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی مسلمان جو یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ کا خون کسی کے لیے حلال نہیں۔ مگر تین صورتوں میں: 1۔ اگر کسی نے قتل کیا ہو تو اس کے بدلے میں اسے قتل کیا جا سکتا ہے۔ 2۔ شادی شدہ زانی کو۔ 3۔ اپنے دین سے مرتد ہونے والے اور سواد اعظم سے جدا ہونے والے۔ لیکن یہ بات ضروری ہے کہ ان تین صورتوں میں عوام کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کو قتل کرے بلکہ یہ سلطان وقت اور اس کے نائب کی ذمہ داری ہے۔

اِلَّا خَطَـًٔا: مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ استثناء منقطع ہے۔ اور اس قسم کا استثناء کلام عرب میں بہت پایا جاتا ہے۔ اس آیت

کریمہ کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ امام مجاہد اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ عیاش بن ابی ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی جو ابوجہل کا ماں کی طرف سے بھائی تھا۔ جس کا نام اسماء بنت مخرمہ تھا۔ انہوں نے ایک مشرک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک آدمی کو اسلام لانے پر سزا دے رہا تھا۔ اور وہ شخص حارث بن یزید غامدی تھا۔ عیاشؓ ابن ابی ربیعہ نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی کہ جب اسے موقع ملے گا وہ اس سے بدلہ ضرور لے گا۔ لیکن قدرت خدا کی وہ مسلمان کو سزا دینے والا شخص خود مسلمان ہوکر مدینہ کی طرف ہجرت کر گیا لیکن حضرت عیاش کو اس بات کا علم نہ ہوسکا اور فتح مکہ کے دن اس پر حملہ کر کے اس گمان میں قتل کر دیا کہ وہ اپنے قدیم دین پر قائم ہے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (1)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابودرداء کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے ایک مشرک کو قتل کرنے کے لیے تلوار بلند کی تو اس نے تلوار دیکھ کر کلمہ پڑھ لیا لیکن اس اثناء میں تلوار اپنا کام دکھا چکی تھی۔ جب اس واقعہ کا علم حضور ﷺ کو ہوا تو حضرت ابودرداءؓ نے عرض کی کہ اس شخص نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا (2)۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔ لیکن وہاں ابودرداء کی جگہ کسی اور صحابی کا ذکر ہے۔

وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا: اگر کوئی انسان کسی کو خطأ قتل کر دے تو اس پر دو چیزیں واجب ہوتی ہیں۔ 1۔ کفارہ کیونکہ اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے گو خطا کیا ہے۔ اور کفارے سے مراد یہ ہے کہ وہ مسلمان غلام آزاد کرے، کافر غلام کا آزاد کرنا کافی نہیں ہوگا۔ حضرات ابن عباسؓ، امام شعبی، ابراہیم نخعی اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ چھوٹے بچے کو آزاد کرنا کافی نہیں ہے۔ ہاں اگر اتنا بڑا ہو کہ اسلام اور ایمان کے مفہوم کو سمجھتا ہو تو پھر جائز ہے۔ اور ابن جریر کا مختار قول یہ ہے کہ اگر اس غلام لڑکے کے والدین مسلمان ہوں تو اس کا آزاد کرنا صحیح ہے وگرنہ نہیں۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک غلام کا مسلمان ہونا ضروری ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ ایک انصاری صحابی ایک سیاہ فام لونڈی کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی میرے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اگر آپ کے خیال میں یہ مومنہ ہو تو میں اسے آزاد کر دوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس لونڈی سے پوچھا کیا تو گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کیا تو گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے جواب دیا ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا تو مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان رکھتی ہے۔ اس نے جواب دیا ہاں۔ آپ نے فرمایا اسے آزاد کر دو (3)۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اگرچہ اس میں صحابی کا نام ذکر نہیں کیا گیا اور صحابی کا نام مذکور نہ ہونا اس کی صحت کے منافی نہیں۔ اس حدیث کو امام مالک، شافعی، مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ اور معاویہ بن حکم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ جب وہ صحابی لونڈی لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس سے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہیں۔ اس نے جواب دیا آسمان میں۔ فرمایا میں کون ہوں۔ اس نے جواب دیا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا اسے آزاد کر دو یہ مومنہ ہے (4)۔ 2۔ دیت (خون بہا) اور اس کا تعلق قاتل اور مقتول کے اہل خانہ کے ساتھ ہے اور یہ دیت ان کو مقتول کے بدلے میں دی جاتی ہے اور قتل خطا کی دیت پانچ قسم کے سو اونٹوں پر مشتمل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قتل خطاء کی دیت میں فیصلہ فرمایا کہ بیس اونٹنیاں جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہوں اور اسی عمر کے بیس اونٹ اور بیس اونٹنیاں جو تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہیں اور بیس اونٹنیاں جو چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہوں اور بیس اونٹنیاں جو پانچویں سال میں داخل ہو چکی ہوں۔ مقتول

1۔ تفسیر الطبری: 204/5
2۔ سنن ابی داود، کتاب الجہاد: 5، 44
3۔ مسند احمد: 451/3
4۔ الموطا، کتاب العتق: 774

کے ورثاء کو دی جائیں (1)۔ یہ روایت حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چار قسم کے اونٹ واجب ہیں۔ یہ دیت قاتل کے رشتہ داروں پر واجب ہے اس کے اپنے مال میں واجب نہیں ہوتی۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قتل خطاء کی دیت کا یہی فیصلہ کیا کہ قاتل کے دشتہ دار ادا کریں گے۔ امام شافعیؒ نے جن احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بنو ہذیل کی دو عورتوں کی آپس میں لڑائی ہوگئی۔ ان میں ایک نے دوسری کو پتھر مارا جس کی وجہ سے وہ عورت بھی فوت ہوگئی اور اس کا بچہ بھی۔ جب یہ مقدمہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا تو آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کے بچے کی دیت غلام یا لونڈی کا بیسواں حصہ ہے۔ اور اس عورت کی دیت قتل کرنے والی عورت کے وارثوں پر ہوگی (2)۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وجوب دیت میں عمد خطاء خطاء محض کے حکم میں ہے۔ لیکن چونکہ اس میں عمد کا شبہ پایا جاتا ہے اس لیے اس میں تین قسم کے سو اونٹ واجب ہوں گے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بنو خزیمہ کی طرف ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے بنو خزیمہ کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ بجائے اس کے کہ کہتے اسلمنا (ہم مسلمان ہوئے) نادانی میں صَبَأْنَا (ہم بے دین ہوئے) یہ سن کر حضرت خالدؓ نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے اپنے دونوں دست مبارک بلند کیے اور عرض کی اے باری تعالیٰ میں خالد کے فعل سے تیری بارگاہ میں برات کا اظہار کرتا ہوں اور پھر آپ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ وہ ان کے مقتولوں کی دیت ادا کریں جو ان کا نقصان ہوا ہے اسے بھی پورا کریں۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امیر یا اس کے نائب کی خطا کا بوجھ بیت المال پر ہوگا۔

اِلَّاۤ اَنۡ يَّصَّدَّقُوۡا ؕ: یعنی یہ دیت مقتول کے اہل خانہ کو دے دی جائے گی ہاں اگر وہ معاف کر دیں تو پھر دیت واجب نہیں ہوگی۔

فَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍ عَدُوٍّ لَّكُمۡ: یہاں یہ مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر مقتول مسلمان ہو اور اس کے ورثاء کافر اور حربی ہوں تو قتل پر دیت واجب نہیں ہوگی۔ اس صورت میں قاتل پر صرف ایک غلام کو آزاد کرنا واجب ہوگا۔

وَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ: اگر مقتول کے ورثاء ذمی ہوں یا وہ لوگ ہوں جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہو تو ان کو ان کے مقتول کی دیت دی جائے گی۔ پھر اگر مقتول مومن تھا تو دیت کامل دی جائے گی اور اگر کافر تھا تو بعض ائمہ کے نزدیک پھر بھی دیت مکمل ادا کی جائے گی۔ بعض نے کہا کہ کافر ہونے کی صورت میں مقتول کی دیت نصف ہوگی اور بعض کا قول ہے کہ تہائی۔ اور اس صورت میں قاتل پر مسلمان غلام آزاد کرنا بھی لازم ہے۔

فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ ۫: یعنی جو شخص غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ اگر کسی نے بغیر کسی عذر شرعی یعنی بیماری، حیض ونفاس وغیرہ کے روزہ چھوڑا تو اسے پھر نئے سرے سے دو ماہ روزے رکھنے پڑیں گے۔ سفر کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ شرعی عذر ہے اور بعض نے اس کو عذر شمار نہیں کیا۔

تَوۡبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ: یعنی اگر غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو دو مہینے روزے رکھنا ہی خطا قتل کرنے والے کی توبہ کے قائم مقام ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو کیا اس پر کفارہ ظہار کی طرح ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا واجب ہے۔ اس میں دو قول ہیں 1۔ ہاں جیسا کہ کفارہ ظہار میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ چونکہ یہ خوف دلانے، ڈرانے اور کسی نفس کو بچا قتل

1۔ النسائی، کتاب القسامۃ: 43/8　　2۔ فتح الباری، کتاب الدیات: 252/12　　3۔ فتح الباری، کتاب المغازی: 56/8

کرنے سے محتاط کرنے کا مقام ہے اس لیے یہاں کھانا کھلانے کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اس میں کچھ سہولت اور وسعت پائی جاتی ہے۔

2۔ کھانا نہیں کھلایا جائے گا کیونکہ اگر یہ واجب ہوتا تو اس کو یہاں بیان کر دیا جاتا اور اس کو بوقت حاجت مؤخر نہ کیا جاتا۔ قتل خطاء کا حکم بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے قتل عمد کا حکم بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا: اس گناہ عظیم کے مرتکب کے لیے انتہائی سخت وعید بیان فرمائی گئی ہے اور اس گناہ کا ذکر قرآن پاک میں کئی ایک مقامات پر شرک کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ''ترجمہ: اور نہیں پوجتے اللہ کے سوا کسی اور خدا کو اور نہ ہی قتل کرتے ہیں اس نفس کو۔ جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔ مگر حق کے ساتھ''۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا...... (انعام: 151) ''ترجمہ: آپ فرمائیے آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو کچھ حرام کیا تمہارے رب نے تم پر (وہ یہ) کہ نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی چیز کو ......اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام کر دیا اللہ تعالیٰ نے سوائے حق کے'' کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنے کی حرمت میں بہت سی آیات اور احادیث وارد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے لوگوں کے درمیان خون کا فیصلہ کیا جائے گا(1)۔ حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن اللہ کی اطاعت میں اور نیک عمل میں سرگرم رہتا ہے جب تک کسی مومن کو ناحق قتل نہ کرے اور جب اس کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ تو اس کی قوت عمل میں کمی آجاتی ہے(2)۔ ایک حدیث میں ہے کہ دنیا کا تباہ ہو جانا اللہ کے نزدیک کسی مسلمان کے قتل سے آسان ہے(3)۔ ایک روایت میں فرمایا اگر زمین وآسمان والے کسی مسلمان کے قتل پر جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو منہ کے بل نار جہنم میں پھینک دے(4)۔ فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل پر اعانت کی اگرچہ اشارہ و کنایہ سے کام لیا ہو۔ تو وہ قیامت کے دن اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ہوگا کہ یہ شخص اللہ کی رحمت سے محروم ہے(5)۔ حضرت ابن عباسؓ کا تو یہ خیال تھا کہ جو شخص کسی مومن کو قصداً قتل کر دے تو اس کی توبہ مقبول نہیں۔ حضرت ابن جبیر فرماتے ہیں کہ جب اہل کوفہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہو گیا تو میں حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا یہ آخری آیت ہے جس کو کسی دوسری آیت نے منسوخ نہیں کیا(6)۔ اسے مسلم، نسائی اور ابوداؤد وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اس کو کسی دوسری آیت نے منسوخ نہیں کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ میں جس توبہ کا ذکر ہے وہ اہل شرک کے لیے ہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں میں نے ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا جو شخص اسلام اور احکام اسلام سے بخوبی واقف ہو اور پھر کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے اس کی توبہ مقبول نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم ابن عباسؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت بڑھاپے کی وجہ سے آپ کی بصارت زائل ہو چکی تھی۔ آپ سے کسی شخص نے پوچھا کہ جو کسی مومن کو عمداً قتل کر دے اس کی کیا سزا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی سزا جہنم ہے۔ وہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے اس نے عرض کی اگر وہ شخص توبہ کر لے اور اعمال صالحہ پر کاربند ہو کر ہدایت یافتہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اس کی ماں اس پر روئے اسے توبہ اور ہدایت کہاں نصیب ہوتی ہے۔ قسم ہے اس ذات

1۔ مسلم، کتاب القیامۃ: 1304
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفتن: 104/4
3۔ سنن ابن ماجہ: 2619
4۔ سنن ابن ماجہ: 2620
5۔ سنن ابی داؤد: 105/4
6۔ تفسیر الطبری: 219/5

کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں نے تمہارے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی ماں اس کو روئے۔ قیامت کے روز مقتول اس قاتل کا دایاں یا بایاں ہاتھ تھامے عرش رحمٰن کے سامنے حاضر ہوگا۔ اس کا خون بہہ رہا ہوگا۔ وہ عرض کرے گا یا باری تعالیٰ! اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کس جرم میں قتل کیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ کے وصال تک اس کو کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا اور آپ کے وصال کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا(1)۔ حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ حضرات زید بن ثابتؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، نیز ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، عبید بن عمیر، حسن بصری، قتادہ اور ضحاکؒ کا بھی یہی مذہب ہے کہ قتل عمد کرنے والے کی توبہ مقبول نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مقتول قیامت کے دن قاتل کو پکڑ کر لائے گا اور عرض کرے گا اے پروردگار! اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کس جرم میں قتل کیا ہے۔ قاتل کہے گا کہ میں نے اسے تیری عزت کے لیے قتل کیا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اس کا قتل میرے لیے ہے اور ایک دوسرا شخص اپنے قاتل کو پکڑ کر حاضر کرے گا اور عرض کرے گا اے پروردگار! اس سے پوچھ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تو وہ قاتل کہے گا کہ میں نے اسے اس لیے قتل کیا کہ فلاں کی عزت بلند ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے اس کی عزت اس کو کوئی نفع نہیں دے گی اور یہ اس کے گناہ کا ذمہ دار ہوگا اور اسے نار جہنم میں پھینک دیا جائے گا(2)۔ حضرت معاویہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو معاف کر دے مگر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرے یا وہ جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے(3)۔ اس حدیث کو حضرت ابودرداءؓ نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا اس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا۔ لیکن یہ حدیث منکر ہے اور اس کی سند قابل اعتماد نہیں۔ حضرت حمیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو العالیہ میرے پاس تشریف لائے۔ اس وقت میرے پاس میرے دوست بھی تھے۔ فرمایا تم دونوں نوجوان ہو اور مجھ سے زیادہ حدیث کو یاد رکھ سکتے ہو۔ آؤ حدیث سننے کے لیے بشر بن عاصم کے پاس چلتے ہیں۔ جب ان کے پاس پہنچے تو انہیں فرمایا کہ ان کو حدیث سناؤ۔ انہوں نے بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا۔ انہوں نے ایک قبیلے پر حملہ کر دیا وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے ساتھ ایک آدمی بھی بھاگا جا رہا تھا کہ ایک لشکری اپنی تلوار لہراتے ہوئے اس کے پیچھے لگ گیا۔ اس بھاگنے والے شخص نے کہا میں مسلمان ہوں۔ لیکن لشکری نے اس کی بات پر غور نہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ جب یہ خبر رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ سخت ناراض ہوئے جب قاتل کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے دوران خطبہ ہی عرض کی کہ اس نے قتل سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو مسلمان کہا تھا۔ تو آپ نے اس کی طرف سے چہرہ انور کو پھیر لیا اور خطبہ ارشاد فرماتے رہے۔ اس نے دوسری بار یہی عرض کی۔ آپ نے پھر اعراض فرمایا اور خطبہ جاری رکھا۔ اس سے صبر نہ ہو سکا۔ اس نے پھر تیسری بار عرض کی قسم بخدا اس نے قتل کے ڈر سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کے چہرۂ مبارک سے ناراضگی کے آثار عیاں تھے اور تین دفعہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومن کو قتل کرنے والے کو ناپسند فرماتا ہے(4)۔ یہ مذہب مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی توبہ کے عدم قبولیت کا ہے۔ اور دوسرا مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان ہے اور جمہور سلف وخلف علماء کا بھی یہی مذہب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ شخص توبہ کرے اور اللہ کی بارگاہ میں رجوع کرے اور خشوع خضوع کا اظہار کرتے ہوئے نیک اور صالح اعمال پر کاربند ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور مقتول کو اپنی جناب سے عوض دے کر اسے راضی کر لے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ ...... اِلٰهًا

1۔ تفسیر الطبری 218/5 2۔ سنن نسائی، کتاب التحریم: 84/7 3۔ مسند احمد: 99/4 4۔ مسند احمد: 288/5

مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا...... (فرقان:70-68)'' ترجمہ: مگر وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے تو وہ یہ لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے اور اس نے اللہ کی طرف رجوع کیا جیسے رجوع کا حق ہے''۔ یہ خبر ہے اور خبر میں نسخ میں احتمال نہیں ہوتا۔ اس آیت کریمہ کو مشرکین کے ساتھ خاص کرنا اور اس آیت کریمہ کو مومنین کے ساتھ خاص کرنا خلاف ظاہر ہے اور کسی دلیل کا محتاج ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ...... '' ترجمہ: آپ فرمایئے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔ یہ حکم عام ہونے کی وجہ سے تمام گناہوں کو شامل ہے خواہ اس کا تعلق کفر سے ہو یا شرک سے، شک سے ہو یا نفاس سے، قتل سے ہو یا فسق سے۔ یا اس کے علاوہ کسی اور گناہ سے۔ جو بھی شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ...... '' ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا (اس جرم عظیم) کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جتنے جرائم ہوں جس کے لیے چاہتا ہے''۔ یہ آیت کریمہ بھی شرک کے علاوہ تمام گناہوں کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سورت میں جس آیت کی تفسیر ہم بیان کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی اس آیت کو ذکر کیا ہے۔ تا کہ اس کی بارگاہ بیکس پناہ میں امید وابستہ کرنے میں مزید تقویت پیدا ہو جائے۔ یہاں بخاری اور مسلم کی اس حدیث کو ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے سو افراد کو قتل کیا اور پھر اس نے ایک عالم سے دریافت کیا کہ کیا میرے لیے توبہ کی گنجائش ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تیرے اور تیری توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے اور پھر ارشاد فرمایا کہ فلاں شہر جہاں اللہ کے نیک لوگ عبادت کرتے ہیں۔ میں چلے جاؤ۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھا کہ پیغام اجل آ گیا اور رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح کو قبض کیا(1)۔ جب بنی اسرائیل کا یہ حال ہے تو اس کی امت کی توبہ بدرجہ اولیٰ قبول ہوگی۔ کیونکہ اس امت سے تو اللہ تعالیٰ نے وہ تمام بوجھ اٹھا دیے جو ان سے پہلی امتوں پر تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر آسان اور سہل دین کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ پس اس آیت کریمہ میں جو قاتل کے لیے جہنم کی سزا بیان کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سزا دینا چاہے تو وہ سزا دے سکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور بہت سے سلف صالحین سے اس آیت کی یہی تفسیر مروی ہے۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو یہ سزا دی جاسکتی ہے لیکن اس شخص کے اعمال صالحہ اس سزا کے آڑے آ جاتے ہیں اور اگر کوئی نیک عمل اور توبہ نہ ہو تو اسے اس کی یہی سزا ہوگی۔ ہاں اگر حضرت ابن عباسؓ کے قول کو تسلیم کر کے اس کے جہنم میں داخل ہونے کو فرض کر لیا جائے اور اسی طرح اگر قاتل کا کوئی نیک عمل بھی نہ ہو جو اسے سزا سے بچائے تو وہ جہنم میں داخل ہو جائے تو پھر بھی ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ یہاں خلود سے مراد بہت دیر کے لیے جہنم میں رہنا ہے نہ کہ ہمیشہ کے لیے۔ حضور ﷺ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اس کو جہنم سے نکال دیا جائے گا۔ جو حضرت معاویہؓ کی حدیث بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر اور مومن کو قتل کرنے والے کا گناہ معاف نہیں کرے گا۔ تو یہاں عَسٰى تَرَجِّیْ (امید) کے لیے ہے۔ ان دونوں صورتوں میں ترجی کا منتفی ہونا ان دونوں میں سے کسی ایک کے واقع ہونے کی نفی نہیں کرتا اور وہ قتل ہے۔ اور جہاں تک کافر کا معاملہ ہے اس کے لیے واضح حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہیں کرے گا اور اسی طرح مقتول کا قیامت کے دن قاتل سے مطالبہ اس لیے ہے کیونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے جو کہ توبہ سے ساقط نہیں ہوتے بلکہ انہیں ادا کرنا لازم

1۔ مسلم، کتاب التوبۃ: 2118 2۔ فتح الباری، کتاب الایمان: 72/1

ہوتا ہے۔ اور یہ صرف مقتول کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ باقی تمام حقوق العباد بھی اس میں شامل ہیں اور امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ توبہ کے ساتھ ساقط نہیں ہوتے۔ اور توبہ کی صحت کے لیے ان حقوق کی ادائیگی ضروری ہے۔ اگر چہ قیامت کے دن ان حقوق کی ادائیگی ممکن نہیں لیکن ان کا مطالبہ ضرور ہوگا اور مطالبہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو سزا بھی ملے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ مقتول کے کچھ نیک اعمال ہوں جن کو قاتل کے نامہ اعمال میں شامل کرلیا جائے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے قاتل کو جنت میں داخل کردے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم سے مقتول کو جنت کے محلات، اس کی نعمتیں اور اسکے درجات بلند فرما کر اس کو راضی کرلے۔ واللہ اعلم

قتل عمد کے مرتکب کے کچھ احکام ایسے ہیں جن کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے اور کچھ احکام ایسے ہیں جن کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے۔

دنیاوی احکام یہ ہیں کہ مقتول کے ورثاء کو مکمل اختیار اور غلبہ دے دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِيِّهٖ سُلۡطٰنًا (بنی اسرائیل: 33) یعنی ان کے ورثاء کو یہ مکمل اختیار ہے چاہیں تو قاتل کو قصاص میں قتل کرادیں، یا معاف کردیں یا اس کا خون بہا لے لیں جو تین قسم کے اونٹوں پر مشتمل ہوگا۔ تیس جو چوتھے سال میں داخل ہوں اور تیس پانچویں سال میں داخل ہونے والی اور چالیس گابھن اونٹنیاں۔ جیسا کہ فقہ کی کتب میں تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔ ائمہ کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کیا اس صورت میں اس پر غلام آزاد کرنا، یا ساٹھ پے در پے روزے رکھنا، یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا واجب ہے۔ امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب اور فقہاء کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ اس پر واجب ہے کیونکہ جب یہ کفارہ قاتل پر قتل خطاء میں واجب ہے تو قتل عمد میں بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔ جب انہیں یہ کہا گیا کہ یمین غموس (کسی گزشتہ یا موجودہ چیز کے بارے میں جھوٹی قسم کھانا) میں کفارہ واجب نہیں ہوتا تو انہوں نے جواب دیا کہ جان بوجھ کر چھوڑی گئی نماز کی قضا لازم ہے جیسا کہ علماء کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ خطأ چھوڑی گئی نماز کی قضا بھی لازم ہے۔ امام احمد کے اصحاب اور کچھ دوسرے علمائے فرماتے ہیں کہ قتل عمد اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس میں کفارہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ان کے نزدیک ان دو صورتوں کے درمیان اور جان بوجھ کر چھوڑی ہوئی نماز کے درمیان تفریق کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ وہ عمداً چھوڑی ہوئی نماز کی قضا کے وجوب کے قائل ہیں۔ قتل عمد میں وجوب کفارہ کے قائلین درج ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

1۔ حضرت واثلہ بن اسقع روایت کرتے ہیں کہ بنوسلیم کے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہمارے ایک ساتھی نے کسی کو عمداً قتل کردیا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے ایک غلام آزاد کرنا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر ہر عضو کے بدلے میں اس قاتل کے ہر ہر عضو کو نار جہنم سے آزاد کردے۔ اسی مفہوم کی دو اور احادیث انہی صحابی سے مروی ہیں (1)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوۡا وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰۤى اِلَيۡكُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا ۚ تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۖ فَعِنۡدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيۡرَةٌ ‌ؕ كَذٰلِكَ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ فَتَبَيَّنُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ۝۹۴

"اے اہل ایمان! جب تم سفر پر نکلو اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) تو خوب تحقیق کرلو اور نہ کہو اسے جو بھیجتا ہے تم پر سلام کہ تم مومن نہیں ہو تم تلاش کرتے ہو سامان دنیوی زندگی کا۔ پس اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں (وہ تمہیں غنی کردے گا) ایسے ہی (کافر) تم بھی تھے اس سے پہلے پھر احسان فرمایا اللہ نے تم پر تو خوب تحقیق کرلیا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے جو کچھ تم کرتے

1۔ مسند احمد: 391/3

ہو خبردار ہے''۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بنو سلیم کا ایک شخص بکریاں چراتا ہوا صحابہ کرامؓ کے پاس سے گزرا اور انہیں سلام کیا۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ یہ شخص مسلمان تو نہیں ہے لیکن اپنی جان بچانے کے لیے ہمیں سلام کیا ہے اس لیے انہوں نے اسے پکڑا کر قتل کر دیا اور بکریاں لے کر مدینہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی(1)۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور حاکم نے بھی مستدرک میں روایت کیا ہے۔ اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اسی طرح امام ابن جریر نے اسے روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کی سند ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ اور ممکن ہے بعض محدثین کے نزدیک بعض اسباب کی وجہ سے اس حدیث کی صحت محل نظر ہو۔ یعنی اس سند کے علاوہ سماک سے اس کو کسی نے روایت نہیں کیا۔ باقی عکرمہ سے اس کی روایت بھی محل نظر ہے اور وہ شخص جس کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اس میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے محلم بن ابی جثامہ اور بعض نے اسامہ بن زید بتایا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے اقوال بھی ہیں۔ ہماری رائے میں یہ تینوں اعتراض قابل توجہ نہیں ہیں۔ کیونکہ سماک سے اس حدیث کو کئی ایک کبار محدثین نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح عکرمہ کی روایت کو بھی بخاری نے حجت مانا ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ یہی روایت ایک دوسری سند سے بھی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ: ایک شخص کو اس کے والد اور قبیلہ والوں نے اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دینے کے لیے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ رات کی تاریکی میں مسلمانوں کے پاک لشکر کے قریب سے گزرا انہوں نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا حالانکہ اس نے انہیں بتایا کہ وہ مسلمان ہے۔ لیکن انہوں نے اس کی بات کو تسلیم نہ کیا اس کے والد فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدامت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھے ایک ہزار دینار اور دیت عطا فرمائی اور بڑی عزت واحترام سے روانہ کیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی(2)۔

محلم بن جثامہ کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر اضم کی طرف بھیجا۔ جب یہ لشکر بطن اضم میں پہنچا تو عامر بن اضبط الاشجعی اپنی سواری پر سوار مع اسباب ان کے قریب سے گزرے تو انہوں نے صحابہ کرام کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کی وجہ سے اسے قتل کرنے سے اعراض کیا لیکن محلم بن جثامہ کی عامر کے ساتھ پرانی رنجش تھی۔ انہوں نے اسے قتل کر کے اس کی سواری اور اسباب پر قبضہ کر لیا۔ اور جب واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ عامر نے بھی انہیں اسلامی طریقہ کے مطابق سلام کیا لیکن ان کے درمیان زمانہ جاہلیت کی کوئی رنجش تھی۔ جس کی بناء پر محلم نے تیر مار کر اسے قتل کر دیا۔ جب یہ خبر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی تو عامر کی طرف سے عیینہ اور اقرع نے بات کی اقرع نے کہا یا رسول اللہ! اگر آج یہ خوش ہوا ہے تو کل اسے حساب بھی دینا ہوگا۔ عیینہ نے کہا نہیں قسم بخدا ہم اس کو نہیں چھوڑیں گے حتیٰ کہ اس کی عورتیں وہ مصیبت چکھیں جو ہماری عورتوں نے چکھی ہے۔ محلم اپنی دونوں چادریں اوڑھے ہوئے حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا تاکہ رسول اللہ ﷺ اس کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیری بخشش نہ کرے۔ وہ وہاں سے روتا ہوا اٹھا اور ابھی سات دن بھی نہیں گزرے تھے کہ اس کا پیام اجل آ گیا۔ جب اسے دفن کیا گیا تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ زمین تمہارے ساتھی سے بھی برے لوگوں کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے لیکن یہ حکمت خداوندی ہے وہ تمہیں نصیحت کرنا

1۔ مسند احمد: 229/1 2۔ تفسیر الطبری: 223/5

چاہتا ہے۔ اس طرح اس کے بعد اس کی لاش کو دو پہاڑوں کے دامن میں رکھ کر اوپر سے پتھر ڈال دیئے گئے۔ پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مقدادؓ کو جب انہوں نے اس مومن کو قتل کر دیا جو کافروں کے ساتھ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔ جب وہ اسے قتل کرنے لگے تو اس نے اپنے اسلام کا اظہار بھی کیا تھا، کو ارشاد فرمایا کہ تم بھی تو پہلے مکہ میں اسی طرح اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔ اس کو امام بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے (2)۔ اسی روایت کو حضرت ابن عباسؓ نے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا جس میں حضرت مقداد بن اسلم بھی تھے، جب وہ اپنی منزل پر پہنچے تو انہوں نے پایا کہ دشمن فرار ہو چکا ہے اور صرف ایک شخص باقی ہے جس کے پاس بہت سا مال ہے۔ اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں لیکن حضرت مقداد نے آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا ایک صحابی نے کہا اے مقداد تو نے ایک کلمہ گو کو قتل کر دیا۔ قسم بخدا! میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں یہ واقعہ ضرور عرض کروں گا اور جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا۔ اے مقداد! تو نے ایک کلمہ گو کو قتل کر دیا۔ کل تم قیامت کے دن کیا جواب دو گے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تو آپ نے حضرت مقداد کو ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو تو نے قتل کیا وہ شخص مومن تھا اور اپنی کافر قوم کے ساتھ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔ اس نے اپنے ایمان کا اظہار بھی کیا لیکن اس کے باوجود تو نے اسے قتل کر دیا۔ اسی طرح تو بھی تو مکہ میں اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا (3)۔

فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ: یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ تمہیں غنی کر دے گا اور یہ اس سامان دنیا سے بہتر ہے جس نے تمہیں اس شخص کو قتل کرنے پر برانگیختہ کیا ہے جس نے تمہیں سلام بھی کیا اور اپنے ایمان کو بھی ظاہر کیا۔ لیکن تم نے اس سے اعراض کر کے اس پر یہ تہمت لگائی کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے یہ کیا ہے تاکہ تم دنیاوی سامان زیست حاصل کر سکو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارے لیے اس سے بہتر رزق حلال ہے۔

كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ: یعنی پہلے تمہارا حال بھی اس شخص کی طرح تھا جس نے اپنی کافر قوم کے ساتھ اپنے ایمان کو چھپایا جیسا کہ حدیث میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ ''ترجمہ اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، کمزور اور بے بس سمجھے جاتے تھے ملک میں)۔ حضرت سعید بن جبیرؒ کی تفسیر کے مطابق اس کا یہی معنی بنتا ہے کہ تم مشرکین میں اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔ جس طرح اس چرواہے نے اپنے ایمان کو چھپایا ہوا تھا۔ یہی مختار قول ابن جریر کا ہے (4)۔ اور ایک دوسرے قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے پہلے تم مسلمان نہیں تھے پس اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا یعنی تمہاری توبہ کو قبول کیا۔ اسی لیے حضرت اسامہؓ نے یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ اس کے بعد کسی کلمہ گو سے جنگ نہیں کریں گے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ میں آپ پر بڑی ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔

فَتَبَيَّنُوْا: یعنی خوب تحقیق کر لیا کرو۔ یہ ماقبل کلام کی تاکید ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس سے جو کچھ تم کرتے ہو خبردار ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ اس میں سخت وعید ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

1۔ تفسیر الطبری 222/5
2۔ فتح الباری، کتاب الدیات: 187/12
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار تفسیر سورۃ النساء: 45/3
4۔ تفسیر الطبری: 226/5

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

''نہیں برابر ہو سکتے (گھروں میں) بیٹھنے والے مسلمان سوائے معذوروں کے اور جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بزرگی دی ہے اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے (گھروں میں) بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں۔ اور سب سے وعدہ فرمایا ہے اللہ نے بھلائی کا لیکن فضیلت دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم سے۔ (ان کے لیے) بلند درجے ہیں اللہ (کی جناب سے) اور (نوید) بخشش اور رحمت اور ہے اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا''۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ: حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت کو بلایا اور اسے لکھنے کا حکم فرمایا۔ اسی اثناء میں حضرت ابن ام مکتوم جو نابینا صحابی تھے وہ آئے اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی کہ میں نابینا ہوں۔ میں کیسے جہاد میں شرکت کر سکتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ ''غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ'' نازل فرمائے(1)۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت زید بن ثابت قلم دوات اور لکھنے کے لیے اونٹ کی ہڈی لے کر آئے۔ آپ نے فرمایا لکھو: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ آپ کے پیچھے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم بیٹھے ہوئے تھے۔ عرض کی یارسول اللہ! میں نابینا ہوں تو اسی وقت (غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ) کے الفاظ نازل ہوئے۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نے عرض کی یارسول اللہ! اگر مجھ میں جہاد کی استطاعت ہوتی تو میں جہاد کرتا حضرت زید فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مجھے یہ آیت کریمہ لکھوا رہے تو آپ کی ران مبارک میری ران کے اوپر تھی اور آپ پر جب دوبارہ وحی کی کیفیت طاری ہوئی تو میری ران پر اس قدر بوجھ پڑا تو مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں میری ران ٹوٹ ہی نہ جائے۔ اور مسند امام احمد میں اس روایت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپ پر وحی نازل ہوئی جس کی وجہ سے آپ پر ایک مخصوص کیفیت طاری ہوگئی۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے حضور ﷺ کی ران سے زیادہ کوئی چیز بوجھل نہیں پائی۔ پھر جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا اے زید! لکھو۔ میں نے اونٹ کی ایک چوڑی ہڈی پکڑی اور یہ آیت کریمہ تحریر کردی۔ جب اس آیت میں ابن ام مکتوم نے مجاہدین کی فضیلت سنی تو عرض کی یارسول اللہ! جو شخص جہاد کی استطاعت نہیں رکھتا اس کا کیا ہوگا۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ ابھی ان کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ حضور ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوگئی اور جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا اے زید پڑھو۔ میں نے پڑھا تو آپ نے ''غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ'' کے الفاظ زیادہ کرادیے میں نے درمیان میں یہ الفاظ زیادہ کردیئے۔ گویا کہ آج بھی بعد میں لکھے ہوئے ان الفاظ کو لکھنے کا منظر میرے سامنے ہے۔ اور یہ الفاظ میں نے وہاں لکھے جہاں اس ہڈی میں شگاف تھا(2)۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں ''مجاہدین'' سے مراد وہ صحابہ کرامؓ ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور ''قاعدون'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس میں شریک نہ ہو سکے آپ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عبداللہ بن جحش اور ابن ام مکتوم جو کہ دونوں نابینا تھے، نے عرض کی یارسول اللہ! کیا ہمیں

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ النساء 259/8
2۔ مسند احمد: 190/5 فتح الباری، کتاب الجہاد: 46/6

رخصت ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اور ان صحابہ کو رخصت دے دی۔ اور آیت کا معنی یہ ہوا کہ مجاہدوں کو جہاد میں شریک نہ کرنے والوں پر فضیلت حاصل ہے لیکن معذور افراد مستثنیٰ ہیں۔ یعنی پہلے مطلق حکم نازل ہوا تھا۔ پھر جب غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ کے الفاظ نازل ہوئے تو ان الفاظ کی وجہ سے ان افراد کو خارج کر دیا گیا جن کے لیے کوئی ایسا عذر شرعی تھا جس کی وجہ سے وہ جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ مثلاً نابینا و لنگڑا پن اور مرض پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جہاد میں شریک نہ ہونے والوں پر مجاہدین کی فضیلت کو بیان کیا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق معذور افراد اس میں داخل نہیں ہیں۔ اور یہی تفسیر اولیٰ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم جب جہاد کے لیے کوئی سفر طے کرتے ہو یا کسی وادی کو عبور کرتے ہو وہ بھی تمہارے ساتھ ہوتے ہیں۔ عرض کی یا رسول اللہ! وہ مدینہ میں بیٹھ کر ہمارے ساتھ کیسے شریک ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ تمہارے ساتھ شریک ہیں کیونکہ وہ اپنے عذر کی وجہ سے شامل نہیں ہو سکتے۔ اس مفہوم کو ایک شاعر نے یوں نظم کیا ہے۔

يَا رَاحِلِيْنَ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ لَقَدْ
سِرْتُمْ جُسُوْمًا وَ سِرْنَا نَحْنُ اَرْوَاحًا
اِنَّا اَقَمْنَا عَلٰى عُذْرٍ وَ عَنْ قَدْرٍ
وَمَنْ اَقَامَ عَلٰى عُذْرٍ فَقَدْ رَاحَا

(اے بیت اللہ کی طرف کوچ کرنے والو! تم اپنے جسموں کے ساتھ سفر کر رہے ہو اور ہم روحانی طور پر اس سفر پر گامزن ہیں۔
ہم عذر اور تقدیر کے فیصلہ کی وجہ سے یہاں مقیم ہیں اور جو عذر کی وجہ سے مقیم ہو وہ گویا کہ سفر کرنے والا ہے)

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى: حسنیٰ سے مراد جنت اور بہت بڑا انعام ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔

وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے ان درجات کو بیان فرمایا ہے۔ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو فضیلت عطا فرمائی۔ یعنی وہ ان کو بلند و بالا جنت میں بالا خانے عطا فرمائے گا۔ ان کے گناہوں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے گا اور اپنے خاص فضل و احسان سے اپنے انوار و تجلیات، اور رحمت و برکت کی بارش سے نوازے گا۔ اسی لیے ارشاد فرمایا: دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے سو درجے تیار کیے ہیں۔ ان ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس نے اللہ کی راہ میں ایک تیر بھی چلایا اسے بھی جنت میں درجہ ملے گا۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ درجہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارے گھر کے بالا خانے کی طرح نہیں ہوگا بلکہ دو درجوں کے درمیان سو سال کا فاصلہ ہوگا(1)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ

1۔ فتح الباری، کتاب الجہاد: 11/6

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع

''بے شک وہ لوگ کہ قبض کیا ان (کی روحوں) کو فرشتوں نے اس حال میں کہ وہ ظلم توڑ رہے تھے اپنی جانوں پر فرشتوں نے انہیں کہا کہ تم کس شغل میں تھے (معذرت کرتے ہوئے) انہوں نے کہا ہم تو بے بس تھے زمین میں۔ فرشتوں نے کہا کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ تاکہ تم ہجرت کرتے اس میں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جہنم بہت بری پلٹ کر آنے کی جگہ ہے۔ مگر باقی کمزور بے بس مرد اور عورتیں اور بچے جو نہیں کر سکتے تھے (ہجرت کی) کوئی تدبیر اور نہیں جانتے تھے (وہاں سے نکلنے کا) کوئی راستہ۔ تو یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا ان سے اور اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے۔ اور جو شخص ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں پائے گا زمین میں پناہ کے لیے بہت جگہ اور کشادہ روزی اور جو شخص نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف پھر آلے اس کو (راہ میں) موت تو ثابت ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ذمہ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ: حضرت محمد بن عبد الرحمن ابو الاسود فرماتے ہیں کہ یزید کی طرف سے مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لیے جس لشکر کو تیار کیا گیا تھا اس میں میرا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ میں نے حضرت ابن عباسؓ کے غلام اور شاگرد عکرمہ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے بڑی سختی سے اس میں شامل ہونے سے منع کیا اور بتایا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بعض مسلمان جو مشرکین کے لشکر میں شامل ہو کر ان کی تعداد میں اضافہ کا باعث بنتے تھے اور بعض اوقات ان میں سے کوئی تیر لگنے سے ہلاک ہو جاتا یا وہ مسلمانوں کی تلواروں کی زد میں آ کر ہلاک ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ تھے جو مکہ میں مسلمان ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر مشرکین مکہ ان کو اپنے ساتھ لے آئے اور ان میں سے بعض غزوۂ بدر میں قتل ہو گئے تو مسلمانوں نے کہا کہ یہ ہمارے مسلمان ساتھی تھے۔ ان کو مجبور کر کے جنگ میں شریک کیا گیا تھا اس لیے وہ ان کے لیے استغفار کرنے لگے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اس کو لکھ کر مکہ میں باقی ماندہ مسلمانوں کو بھیج دی گئی۔ اور انہیں آگاہ کر دیا گیا کہ اب ان کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ یہ حکم سن کر وہ وہاں سے نکلے مشرکین مکہ نے ان کو پکڑ لیا تو انہوں نے اسلام چھپانے کے لیے تقیہ کیا تو یہ آیت کریمہ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ (عنکبوت: 10) نازل ہوئی۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان قریشی نوجوانوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے مکہ میں کلمہ پڑھ لیا تھا۔ ان میں علی بن امیہ بن خلف، ابو قیس بن ولید بن مغیرہ، ابو منصور بن حجاج اور حارث بن زمعہ بھی شامل تھے۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو ہجرت کے موقع پر مکہ میں ہی رہ گئے تھے اور جنگ بدر کے موقع پر مشرکین کے ساتھ

1۔ فتح الباری، کتاب الجہاد، تفسیر سورۃ النساء، 262/8

آئے اور ان میں بعض وہاں قتل ہو گئے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس کا حکم ہر اس شخص کے لیے عام ہے جو ہجرت پر قدرت رکھنے کے باوجود مشرکین کے ہاں اقامت پذیر رہے درآنحالیکہ وہاں اپنے دینی شعائر کو ادا نہ کر سکتا ہو۔ اگر ایسا شخص ہجرت نہیں کرتا تو وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور بالا جماع حرام کا مرتکب ہے۔ ایسے لوگوں کو اس آیت کریمہ میں اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والا کہا گیا ہے۔ جب فرشتے ان کی ارواح قبض کرنے کے لیے آتے ہیں تو وہ ان سے پوچھتے ہیں تم یہاں کیوں ٹھہرے رہے اور تم نے ہجرت کو کیوں ترک کیا۔ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم بے بس تھے۔ یہاں سے نکلنے پر قادر نہ تھے۔ تو فرشتے انہیں جواب میں کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔ حضرت سمرہ بن جندب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مشرکین کے ساتھ میل جول رکھے اور ان کے ساتھ سکونت اختیار کرے وہ بھی ان کی مثل ہے(1)۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ جب غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عباس، عقیل اور نوفل کو قید کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ اپنا اور اپنے بھتیجے کا فدیہ ادا کرو۔ انہوں نے جواب دیا کیا ہم آپ کے قبلہ کی طرف نمازیں نہیں پڑھتے۔ اور کیا ہم کلمہ شہادت کا اقرار نہیں کرتے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے یہ کیا مباحثہ شروع کر دیا ہے۔ اس میں تم مغلوب ہو جاؤ گے۔ پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی(2)۔

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ: یہاں ان لوگوں کی استثناء کی گی ہے جو ترک ہجرت میں معذور تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو مشرکین کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے۔ اور اگر یہ ہجرت پر قادر بھی ہوتے تو انہیں راستے کا کوئی علم نہیں تھا۔ اس لیے ارشاد فرمایا: لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا'' ترجمہ: یعنی یہ لوگ نہ تو ہجرت کی کوئی تدبیر کر سکتے تھے اور نہ ہی وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ جانتے تھے''۔

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ: یعنی اللہ تعالیٰ ان کا ترک ہجرت پر مؤاخذہ نہیں کرے گا بلکہ معاف فرما دے گا۔ عسیٰ کا کلمہ کلام الٰہی میں یقینی اور اثبات کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب آپ نے ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' کہا تو سجدہ کرنے سے پہلے عرض کی اے باری تعالیٰ! عیاش بن ابی ربیعہ، سلمہ بنت ہشام، ولید بن ولید اور دوسرے بے بس مسلمانوں کو مشرکین کے چنگل سے نجات عطا فرما۔ قبیلہ مضر پر اپنی گرفت کو سخت کر دے اور ان پر ایسی قحط سالی نازل فرما جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں ہوئی(3)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد اپنے دست اقدس بلند کیے اور قبلہ رو ہو کر یہ دعا مانگی اے اللہ! ولید ابن ولید، عیاش بن ابی ربیعہ، سلمہ بن ہشام اور دوسرے بے بس مسلمانوں کو مشرکین کے پنجہ سے چھٹکارا دلا۔ اور آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ نماز ظہر کے بعد بھی یہی دعا مانگا کرتے تھے۔ اس حدیث کے صحیح بخاری میں بھی شواہد ہیں۔ اور اس سند کے علاوہ دوسری اسناد سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اور میری والدہ ان بے بس اور مجبور بچوں اور عورتوں میں شامل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ترک ہجرت پر معذور قرار دیا(4)۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: یہاں ہجرت کرنے اور مشرکین کو چھوڑنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ مومن ان کو چھوڑ کر جہاں بھی جائے گا اسے وہاں کوئی نہ کوئی پناہ گاہ مل جائے گی۔ ''مُرٰغَمًا'' مصدر ہے۔ عرب کہتے ہیں ''رَاغَمَ فُلَانٌ قَوْمَهٗ مُرَاغَمًا وَّ مُرَاغَمَةً۔'' یعنی فلاں اپنی قوم کو چھوڑ گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے بھی اس کا معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا فرمایا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کا معنی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد: 93/3
2۔ تفسیر الطبری: 235/5
3۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ النساء: 264/8
4۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ النساء: 263/8

ناپسندیدہ چیز سے دور ہٹنے والا ہے۔ اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی قلعہ یا پناہ گاہ ہے۔ ظاہر معنی یہی ہے کہ اس کے پاس ایسی قوت ہو جس کے ساتھ وہ دشمن سے نجات پا سکے۔

وَّسَعَةً : کئی ایک مفسرین نے اس کا معنی رزق بیان کیا ہے جیسا کہ حضرت قتادہ فرماتے ہیں جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرتا ہے وہ گمراہی سے ہدایت کی طرف اور قلت سے غناء کی طرف راہ پالیتا ہے۔

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا: یعنی جو شخص ہجرت کے نیت سے اپنے گھر سے نکلے اور راستے میں اسے پیام اجل آ جائے تو اسے اللہ کی بارگاہ سے ہجرت کا ثواب مل جاتا ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق اجر مل جاتا ہے۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کی سو اس کی اللہ و رسول کے لیے ہجرت ہوگی اور جس نے دنیا کے حصول کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کے لیے ہجرت کی تو اسے ہجرت کا کوئی ثواب نہیں ملے گا اور اس کی ہجرت اس کے مقصد کے مطابق ہوگی(1)۔ یہ حدیث ہجرت اور باقی تمام اعمال کو شامل ہے۔ اور یہی مفہوم اس حدیث میں بھی پایا جاتا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بنو اسرائیل کے ایک شخص نے ننانوے قتل کیے اور پھر اس شخص کو قتل کر کے سو مکمل کر لیے جس سے اس نے توبہ کے بارے میں پوچھا تھا۔ اور پھر ایک عالم کے پاس گیا اور اپنی توبہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ تمہاری توبہ کے بارے میں کون حائل ہو سکتا ہے۔ اور پھر اسے حکم دیا کہ وہ اس شہر سے کوچ کر کے فلاں شہر چلا جائے جہاں اللہ کے نیک بندے اقامت پذیر ہیں۔ جب وہ شہر سے ہجرت کر کے نکلا تو راستے میں ہی پیام اجل آ گیا۔ تو رحمت اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان اختلاف ہو گیا رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ توبہ کر کے نکلا تھا۔ عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ یہ اس منزل تک ابھی نہیں پہنچا تھا جہاں اس نے جانا تھا۔ انہیں حکم ہوا کہ دونوں طرف سے زمین ناپی جائے اور جس شہر کے زیادہ قریب ہوگا اسی میں اس کا شمار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ اس طرف سے سکڑ جائے جس طرف نیک لوگوں کی بستی تھی۔ اور دوسری طرف کی زمین کو حکم دیا کہ وہ پھیل جائے اور جب انہوں نے زمین ناپی تو اس سمت والی زمین ایک بالشت کے قریب نکلی جس کی طرف ہجرت کر کے وہ جا رہا تھا۔ اس طرح رحمت کے فرشتے اس کو لے گئے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی لفظ ہیں کہ جب اس کی موت کا وقت ہوا تو وہ اپنا سینہ گھسیٹتا ہوا اس بستی کی طرف ہو گیا جس کی طرف وہ ہجرت کر کے جا رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عتیک فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنے گھر سے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلا۔ اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کہاں ہیں؟۔ اور اپنی سواری سے گر کر مر گیا تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر واجب ہو جاتا ہے یا اس کو کسی چیز نے ڈس لیا اور اس سے اس کی موت واقع ہو گئی یا وہ طبعی موت مر گیا تو اس کا اجر بھی اللہ کے ذمہ کرم پر واجب ہو جاتا ہے(2)۔ راوی فرماتے ہیں طبعی موت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ''مَاتَ حَتْفَ اَنْفِهٖ'' کے الفاظ ارشاد فرمائے جن کو میں نے آج سے پہلے کسی عرب سے نہیں سنا۔ آپ نے ارشاد فرمایا جس کو اچانک قتل کر دیا گیا اس نے جنت کو اپنے اوپر لازم کر لیا(3)۔ حضرت زبیر بن عوامؓ فرماتے ہیں کہ حضرت خالد بن حزامؓ حبشہ کی طرف ہجرت کے لیے نکلے تو دوران سفر انہیں سانپ نے ڈس لیا جس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ حضرت زبیر فرماتے ہیں کہ میں پہلے ہی حبشہ پہنچ چکا تھا اور ان کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ کیونکہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مہاجرین کے ساتھ اکثر و بیشتر کوئی نہ کوئی رشتہ دار تھا لیکن میرے ساتھ میرے قبیلہ بنو اسد کا کوئی شخص نہ تھا۔ میں حضرت خالد بن حزام کا انتظار کر رہا تھا لیکن جب ان کی وفات کی خبر پہنچی تو مجھے سخت

1۔ فتح الباری، بدء الوحی: 9/1 2۔ مسند احمد: 36/4 3۔ مسند احمد: 306/4

افسوس ہوا۔ یہ روایت انتہائی غریب ہے کیونکہ یہ واقعہ مکہ شریف کا ہے حالانکہ یہ آیت مدنی ہے۔ ممکن ہے کہ ان کا خیال ہو کہ اس کا حکم عام ہے اگر چہ یہ اس واقعہ کا شان نزول نہ تھا۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ضمرہ بن جندبؓ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کے لیے نکلے لیکن آپ تک پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں انتقال کر گئے۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ابوضمیرہ بن عیص جو کہ نابینا تھے اور مکہ میں مقیم تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ: اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً نازل ہوئی تو میں نے یہ سوچا کہ میں تو مالدار ہوں اور ہجرت کے لیے تدبیر اور حیلہ کر سکتا ہوں۔ یہ سوچ کر انہوں نے نبی پاک ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کی تیاری کی لیکن ابھی مقام تنعیم ہی میں تھے کہ پیام اجل آ گیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت ابو مالک روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو شخص میری رضا اور خوشنودی کے لیے میرے وعدے کو سچا جان کر اور میرے رسولوں پر ایمان لا کر میری راہ میں نکلتا ہے تو وہ اللہ کی ضمانت میں ہو گا چاہے تو اس کو مقام شہادت پر فائز کر کے جنت میں داخل کر دے، چاہے تو اس کو واپس لوٹا دے، اس کو اجر اور مال غنیمت بھی عطا فرما دے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو اپنے فضل و احسان سے بھی نواز دے۔ اگر اسے قتل کر دیا گیا یا وہ گھوڑے اور اونٹ سے گر کر فوت ہو گیا یا کسی چیز نے اسے ڈس لیا یا اپنے بستر پر طبعی موت مر گیا تو وہ بھی شہید ہے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ اس کے لیے جنت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حج کے لیے اپنے گھر سے نکلا اور راستے میں ہی فوت ہو گیا تو قیامت تک اس کے نامہ اعمال میں حج کا ثواب لکھا جائے گا اور جو عمرہ کے لیے نکلا اور فوت ہو گیا تو قیامت تک جہاد کرنے والے کا ثواب اسے ملتا رہے گا۔ یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے غریب ہے۔

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾

''اور جب تم سفر کرو زمین میں تو نہیں تم پر کچھ حرج اگر تم قصر کرو نماز میں اگر ڈرو تم اس بات سے کہ تکلیف پہنچائیں گے تمہیں کافر، بے شک کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں''۔

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب تم سفر پر نکلو۔ یہی الفاظ سورۂ مزمل میں بھی سفر کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ ''ترجمہ: وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ سفر کر رہے ہوں گے زمین میں''۔ تو تم پر نماز میں تخفیف کرنے سے کوئی حرج نہیں۔ اور یہ تخفیف یا تو کمیت میں ہو گی یعنی چار کی بجائے دو رکعت۔ جیسا کہ جمہور علماء نے اس آیت سے اس کو سمجھا ہے۔ اور اس سے سفر میں نماز قصر کرنے پر استدلال کیا ہے۔ اگر چہ بعض مسائل میں ان کا اختلاف ہے۔ بعض تو یہ شرط لگاتے ہیں نماز کی قصر کے لیے ضروری ہے کہ سفر طاعت کا ہو جیسے جہاد، حج، عمرہ، حصول علم، زیارت وغیرہ۔ یہ حضرت ابن عمرؓ، حضرت عطاء اور ایک روایت کے مطابق امام مالک سے مروی ہے۔ انہوں نے اس آیت کریمہ: اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ کے ظاہر سے استدلال کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ سفر قربت خداوندی کا ہو بلکہ اس سفر کا مباح ہونا ہی کافی ہے اور انہوں نے اس آیت کریمہ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ''ترجمہ: پس جو لاچار ہو جائے بھوک میں درآنحالیکہ وہ گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو''۔ سے استدلال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں جس طرح مجبوری کی حالت میں مردار کھانا مباح ہے بشرطیکہ وہ گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو اس لیے نماز کی قصر کے لیے بھی شرط ہے کہ وہ سفر معصیت کا نہ ہو۔ یہ

امام شافعی، امام احمد اور دوسرے ائمہ کا قول ہے۔ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میں تاجر ہوں اور اکثر بحرین آنا جانا رہتا ہے تو آپ نے اسے دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم فرمایا۔ یہ حدیث مرسل ہے اور بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں مطلق سفر ہی کافی ہے خواہ وہ مباح ہو یا محظور (ممنوع) حتی کہ اگر کوئی ڈاکہ وغیرہ ڈالنے کے لیے نکلتا ہے تو اس کے لیے بھی نماز قصر کرنے کی رخصت ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ، ثوری اور داؤد ظاہری کا قول ہے اور وہ اس آیت کریمہ کے عموم سے استدلال کرتے ہیں اور یہ قول جمہور علماء کے خلاف ہے اس آیت کریمہ میں قصر نماز کے لیے کافروں کے خوف کی جو شرط لگائی گئی ہے یہ اس وقت کے مخصوص حالات کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ ہجرت کے بعد ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کے اکثر سفر خوف کی حالت میں ہوتے تھے کیونکہ مشرکین کے خلاف وہ عام جنگ کے لیے نہیں نکلتے تھے۔ بعض اوقات کسی چھوٹے سے لشکر کو کسی مہم پر بھیج دیا جاتا تھا۔ تمام قبائل عرب اسلام اور اہل اسلام کے دشمن تھے۔ اس لیے قدم قدم پر دشمن کا خوف رہتا تھا۔ اور اصول کا قاعدہ ہے کہ جب کسی آیت کے منطوق کو باعتبار غالب یا کسی خاص حادثہ میں ذکر کیا جائے تو اس کا مفہوم معتبر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی کا ارادہ کریں اس کا مطلب یہ نہیں لیا جاسکتا کہ اگر وہ پاکدامنی کا ارادہ نہ کریں تو ان کو بدکاری پر مجبور کرنا جائز ہے۔ حضرت عالیہ بن امیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ سے اس آیت کریمہ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا کے بارے میں پوچھا کہ اس میں خوف کے وقت نماز قصر کرنے کا حکم ہے۔ حالانکہ اب تو امن کا دور ہے۔ آپ نے فرمایا میرے دل میں بھی یہی خیال آیا تھا۔ میں نے رسول اللہ علیہ السلام سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا ہے پس اس صدقے کو قبول کرو(1)۔ حضرت ابوحنظلہ الحذاءؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سفر کی نماز کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا دو رکعات ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ قرآن پاک میں تو خوف کے وقت قصر کرنے کا حکم ہے۔ حالانکہ ہم تو امن میں ہیں تو آپ نے جواب دیا رسول اللہ علیہ السلام کی یہی سنت ہے(2)۔ ابو وداکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سفر کی دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ رخصت آسمان سے نازل ہوئی ہے۔ اگر تم چاہتے ہو تو اسے واپس لوٹا دو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ علیہ السلام کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر میں امن کی حالت میں دو دو رکعات پڑھیں۔ اسی طرح حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام مدینہ شریف سے مکہ شریف تک اور پھر واپسی میں مدینہ تک دو دو رکعات پڑھتے رہے۔ راوی نے پوچھا کہ آپ کا مکہ میں کتنے دن کے لیے قیام تھا۔ فرمایا دس دن(3)۔ حضرت حارثہ بن وہب الخزاعی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ علیہ السلام کے ساتھ منیٰ میں دو دو رکعات نماز پڑھی۔ حالانکہ وہاں لوگوں کی کثرت اور امن وامان تھا۔ اس کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ علیہ السلام، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ کے ساتھ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کے خلافت میں ابتدائی دور میں دو دو رکعات پڑھیں۔ پھر وہ اپنی خلافت کے آخری ایام میں چار رکعات پڑھنے لگے(4)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے منیٰ میں ہمیں چار رکعات پڑھائیں جب اس کا ذکر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھ کر فرمایا کہ میں نے منیٰ میں رسول اللہ علیہ السلام، حضرات شیخین کے ساتھ دو رکعات پڑھیں کاش! میرے حصے میں ان چار رکعات کے بدلے میں دو مقبول رکعتیں ہوتیں(5)۔ یہ تمام احادیث صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز کی قصر کے لیے خوف کا پایا جانا شرط نہیں ہے۔ اسی

1۔ مسند احمد: 25/1 2۔ مسند احمد: 31/2 3۔ ابن ماجہ، کتاب الاقامہ: 342
4۔ فتح الباری، کتاب تقصیر الصلوٰۃ: 563/2 5۔ ایضاً

لیے بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں قصر سے مراد نماز کی کیفیت میں قصر کرنا ہے نہ کہ کمیت یعنی تعداد رکعات میں۔ یہ امام مجاہد، ضحاک اور سدی کا قول ہے۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بیان کردہ حدیث ہے کہ نماز، سفر و حضر میں دو دو رکعات فرض کی گئی ہیں۔ پھر سفر کی نماز کو دو رکعات ہی برقرار رکھا گیا۔ مگر حضر کی نماز میں دو رکعات کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس لیے علمائے کرام کا ایک گروہ کہتا ہے کہ جب سفر میں اصل نماز دو رکعات ہی تھیں تو پھر ان میں کمیت کے اعتبار سے قصر کیسے ہو سکتی ہے۔ اور اس سے واضح دلیل حضرت عمرؓ کی حدیث ہے۔ آپ نے فرمایا سفر، عید الاضحیٰ، عید الفطر اور جمعہ کی رسول اللہ علیہ کے ارشاد کے بموجب دو رکعات ہیں اور یہ مکمل نماز ہے، قصر نہیں (1)۔ اس کو نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند امام مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔ امام مسلم نے اپنے صحیح کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ کا حضرت عمرؓ سے سماع ثابت ہے۔ اگرچہ یحییٰ بن معین، ابو حاتم اور نسائی اس کی نفی کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی محمد علیہ کی زبان اقدس کے ذریعہ حضر میں چار رکعات اور سفر میں دو رکعات اور خوف میں ایک رکعت فرض کی ہے (2)۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول حضرت عائشہؓ کے مذکور قول کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ نے اصل نماز کے بارے میں خبر دی کہ اس کی دو رکعات ہیں لیکن حضر کی نماز میں دو رکعات زیادہ کر دی گئیں اور جب یہ چیز ثابت ہوگئی تو اب یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ حضر کی نماز کے چار فرض ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا واللہ اعلم۔ لیکن حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہؓ دونوں کی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سفر کی نماز میں دو رکعات ہے جو کہ مکمل نماز ہے، قصر نہیں اور اسی طرح حضرت عمرؓ کی حدیث سے بھی صراحۃً ثابت ہو چکا ہے۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ میں قصر سے مراد نماز کی کیفیت میں قصر کرنا ہے۔ جیسا کہ خوف کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا: اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور اس کے بعد ارشاد فرمایا: وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ الآیہ تو یہاں نماز قصر کا مقصود، کیفیت اور صفت بیان کر دی۔ اس لیے امام بخاری نے صلوٰۃ الخوف کے باب کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ...... اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا سے شروع کیا ہے اور اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دوران جنگ مجاہد سواری کے اوپر ہی دو رکعات پڑھے خواہ اس کا منہ کسی سمت ہو۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ جب تو نے سفر میں دو رکعات پڑھ لیں تو یہی نماز قصر ہے۔ ہاں اگر دشمن کا خوف ہو تو پھر قصر کی ایک رکعت ہے۔ حضرت مجاہد اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ دن ہے جب رسول اللہ علیہ اور آپ کے صحابہ عسفان کے مقام پر تھے۔ اور مشرکین ضجنان کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ پس دونوں لشکر آمنے سامنے تھے کہ ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے صحابہ کرام کو معمول کے مطابق چار رکعات پڑھائیں۔ اسی اثناء میں مشرکین نے ارادہ کیا کہ وہ حملہ کر کے مسلمانوں کے مال و متاع پر قبضہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ ابن جریر نے اس کو مجاہد، سدی، جابر اور عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کر کے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ حضرت خالد بن اسیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ ہم قرآن پاک میں صلوٰۃ خوف میں قصر کرنے کا حکم تو پاتے ہیں لیکن صلوہ سفر میں قصر کرنے کا حکم نہیں پاتے۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ ہم نے اپنے نبی علیہ کو سفر میں قصر کرتے ہوئے پایا ہے اس لیے ہم بھی اسی پر عمل پیرا ہیں۔ انہوں نے صلوٰۃ خوف کو صلوٰۃ قصر کا نام دیا اور اس آیت کو بھی صلوٰۃ خوف پر محمول کیا نہ کہ صلوٰۃ سفر کی قصر پر۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی اس کا اقرار کیا اور سفر میں قصر کرنے کے لیے رسول اللہ علیہ کے عمل سے استدلال کیا نہ کہ نص قرآنی سے۔ حضرت سماک حنفیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سفر کی نماز کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ سفر کی دو رکعات ہیں اور یہ مکمل نماز ہے۔ قصر نہیں قصر

1۔ مسند احمد: 237/1 2۔ مسلم، صلوٰۃ المسافرین: 479

تو نماز خوف میں ہوتی ہے۔ میں نے عرض کی کہ پھر یہ صلوٰۃ خوف کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دشمن سے خوف کے وقت امام ایک گروہ کو ایک رکعت نماز پڑھائے پھر یہ لوگ دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں اور پھر دوسرا گروہ آ کر امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے۔ اس طرح امام کی دو رکعات مکمل ہوں گی اور ہر ایک گروہ کی ایک ایک رکعت ہوگی (1)۔

وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۪ وَ لْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۱۰۲

''اور (اے حبیب!) جب آپ ان میں موجود ہوں اور قائم کریں آپ ان کے لیے نماز تو چاہیے کہ کھڑا ہو ایک گروہ ان سے آپ کے ساتھ اور وہ پکڑ رکھیں اپنے ہتھیار پس جب سجدہ کر چکیں تو وہ ہو جائیں تمہارے پیچھے اور آ جائے دوسرا گروہ جس نے (ابھی) نماز نہیں پڑھی پس (اب) وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ اور لیے رہیں اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار تمنا کرتے ہیں کافر اگر تم غافل ہو جاؤ اپنے اسلحہ سے اور اپنے ساز و سامان سے تو وہ ٹوٹ پڑیں تم پر یک بارگی اور نہیں کوئی حرج تم پر اگر ہو تمہیں بارش کی وجہ سے یا ہو تم بیمار تو اتار دو اپنے ہتھیار مگر (دشمن کی نقل و حرکت سے) ہوشیار رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے عذاب رسوا کرنے والا''۔

وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ: صلوٰۃ الخوف کی مختلف صورتیں ہیں۔ کبھی دشمن قبلہ کی جانب ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس۔ بعض اوقات نماز چار رکعات والی ہوتی ہے اور بعض اوقات تین رکعات والی جیسا کہ مغرب۔ کبھی دو رکعات والی ہوتی ہے جیسا کہ فجر اور سفر کی نماز۔ بعض اوقات تو نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنگ شدت اختیار کر جاتی ہے تو ہر کوئی علیحدہ علیحدہ اپنی نماز پڑھ لیتا ہے۔ خواہ قبلہ کی جانب منہ ہو یا نہ ہو۔ پیدل ہوں یا سوار۔ بلکہ اس حالت میں تو یہ بھی جائز ہے کہ دوران نماز ہی آگے بڑھتے جائیں اور دشمن پر وار کرتے رہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حالت میں ایک ہی رکعت پڑھی جائے گی جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث گزر چکی ہے۔ امام احمد بن حنبل، عطاء، جابر، حسن بصری، مجاہد، حکم، قتادہ اور حماد کا یہی قول ہے۔ اور محمد بن نصر مروزی سے یہ مروی ہے کہ خوف کے وقت فجر کی ایک ہی رکعت پڑھی جائے گی۔ یہی ابن حزم کا قول ہے۔ اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں کہ دشمن کے ساتھ سخت مقابلہ کے وقت اشارے کے ساتھ صرف ایک ہی رکعت کافی ہے اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو ایک سجدہ ہی کر لے۔ کیونکہ یہ بھی اللہ کا ذکر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ایک تکبیر ہی کافی ہے۔ شاید اس سے مراد ایک رکعت ہو۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل اور آپ کے اصحاب کا مذہب ہے۔ یہی قول حضرت جابر بن عبداللہ، ابن عمر، کعب اور کئی دوسرے صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ ان صحابہ کرام کی روایات سے ظاہراً یہی

1۔ تفسیر الطبری 247/5

معلوم ہوتا ہے کہ ایک تکبیر بھی کافی ہے جیسا کہ اسحٰق بن راہویہ کا مذہب ہے۔ اور یہی قول امیر عبدالوہاب بن بخت مکی کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک تکبیر پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کو چھوڑے نہیں بلکہ دل میں نیت کر لے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ لڑائی اور مقابلے کے عذر کے باعث نماز کو موخر کرنا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ نبی کریم نے غزوۂ خندق کے دن ظہر اور عصر کی نماز کو موخر کیا حتی کہ سورج کے غروب ہونے کے بعد ان دونوں نمازوں کو پڑھا اور اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی اور پھر عشاء۔ اسی طرح آپ نے جس لشکر کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا انہیں بھی ارشاد فرمایا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں جا کر پڑھنا۔ جب راستے میں ہی نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ بعض صحابہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کا مقصد یہ تھا کہ ہم جلدی جلدی بنو قریظہ پہنچیں نہ یہ کہ ہم نماز کو اس کے وقت سے موخر کریں۔ اس لیے انہوں نے راستے میں ہی وقت پر نماز پڑھ لی۔ بعض نے نماز کو موخر کیا اور بنو قریظہ میں پہنچ کر سورج غروب ہونے کے بعد پڑھی۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا آپ نے کسی فریق سے ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا(1)۔ ہم نے اپنی کتاب ''سیرت النبویہ'' میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ حقیقت میں حق کے زیادہ قریب وہ گروہ تھا جس نے نماز عصر کو اس کے وقت میں پڑھا۔ لیکن دوسرا گروہ بھی معذور تھا۔ اور نماز کو موخر کرنے میں اس کا عذر جہاد اور ان لوگوں کا محاصرہ کرنے میں جلدی کرنا تھا۔ جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو توڑا۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف کے نازل ہونے کی وجہ سے یہ تمام منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ وہ اس وقت نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے جب نازل ہو گئی تو نماز کی تاخیر کو منسوخ کر دیا گیا۔ حضرت ابو خدریؓ کی حدیث سے یہی ظاہر ہے۔ اس کو امام شافعی اور دوسرے اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ لیکن امام بخاری نے اپنی صحیح کے باب ''الصلوۃ عند مناہضۃ الحصون ولقاء العدو'' میں امام اوزاعی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر فتح بالکل قریب ہو اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو تو ہر شخص اشارے کے ساتھ اپنی نماز پڑھے اور اگر اشارے پر بھی قادر نہ ہوں تو نماز کو موخر کریں۔ یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے یا دشمن سے امن میں ہو جائیں تو پھر دو رکعات پڑھیں۔ اگر اس پر بھی قادر نہ ہوں تو ایک رکعت ادا کریں اور اگر ایک رکعت پر قادر نہ ہو تو صرف تکبیر کہنا کافی نہ ہوگا بلکہ وہ امن تک نماز کو موخر کریں گے۔ یہی قول مکحول کا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں تستر کے قلعہ کے محاصرہ کے وقت موجود تھا۔ فجر کا وقت ہو گیا لیکن جنگ بڑی شدت سے جاری تھی اس لیے ہم نماز نہ پڑھ سکے اور سورج کے طلوع ہونے کے بعد، ہم نے نماز پڑھی۔ اس وقت ہم حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح و نصرت کے ساتھ نوازا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اگر اس نماز کے بدلہ میں مجھے دنیا و مافیہا مل جائے تو میں تب خوش نہ ہوں(2)۔ اس کے بعد امام بخاری نے غزوۂ خندق کے دن نماز کو موخر کرنے والی حدیث کو ذکر کیا ہے اور پھر اس حدیث کو ذکر کیا ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو بنو قریظہ میں عصر کی نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ شاید ان کے نزدیک یہی مذہب زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ فتح تستر کا واقعہ حضرت عمر بن الخطابؓ کی خلافت کا ہے اور یہ کہیں بھی منقول نہیں کہ آپ نے نماز کو موخر کرنے پر انکار کیا ہو یا کسی اور صحابی نے اس پر انکار کیا ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر بھی صلوٰۃ الخوف مشروع تھی۔ کیونکہ جمہور علمائے سیرت کے مطابق غزوۂ ذات الرقاع جس میں آیت صلوٰۃ الخوف نازل ہوئی۔ غزوۂ خندق سے پہلے واقع ہوا تھا۔ ان علماء سیر میں محمد بن اسحٰق، موسیٰ اشعریؓ کی حدیث ہے۔ کیونکہ آپ غزوۂ خیبر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ مزنی، قاضی ابو یوسف اور اسماعیل بن علیہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے دن رسول اللہ ﷺ کے نماز موخر کرنے کی وجہ سے صلوٰۃ الخوف منسوخ ہو گئی۔ یہ انتہائی عجیب قول ہے کیونکہ غزوۂ خندق کے بعد بھی صلوٰۃ الخوف احادیث

1۔ فتح الباری، کتاب الخوف 436/2
2۔ فتح الباری، کتاب الخوف 434/2

سے ثابت ہے۔ اس لیے غزوۂ خندق کے دن نماز کو مؤخر کرنے کو امام اوزاعی اور مکحول کے قول پر محمول کرنا بہتر اور اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ: یعنی جب آپ خوف کی حالت میں انہیں نماز پڑھائیں۔ یہ حالت پہلی حالت کے علاوہ ہے کیونکہ پہلی حالت یعنی انتہائی خوف کے وقت ایک رکعت ہی کافی ہے۔ ہر کوئی شخص اپنی الگ نماز پڑھے گا۔ چاہے پیدل ہو یا سوار، قبلہ رو ہو یا نہ ہو۔ اور پھر یہاں اس حالت کا ذکر کیا جارہا ہے جس حالت میں تمام لوگ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں۔ جو لوگ جماعت کے وجوب کے قائل ہیں انہوں نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ جماعت کی وجہ سے بہت سے اعمال کو جائز قرار دے دیا گیا۔ اگر جماعت واجب نہ ہوتی تو ان کو جائز قرار نہ دیا جاتا۔ جنہوں نے اس آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد صلوٰۃ الخوف منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ یہاں وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ میں خاص رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے۔ تو ان کا یہ استدلال انتہائی ضعیف ہے۔ اور یہ استدلال بعینہٖ ان لوگوں کے استدلال کی طرح جنہوں نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور اس آیت کریمہ: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً...... ''ترجمہ: اے حبیب! ان کے مالوں سے صدقہ وصول کیجئے تا کہ آپ انہیں پاک اور انہیں بابرکت فرمائیں نیز ان کے لیے دعا مانگیں۔'' استدلال کیا اور کہنے لگے کہ ہم آپ کے بعد کسی کو زکوٰۃ نہیں دیں گے بلکہ اپنے ہاتھوں سے جسے چاہیں زکوٰۃ دیں گے اور ہم اپنی زکوٰۃ اسی کو دیں گے جس کی دعا ہمارے لیے سکون کا باعث ہو۔ لیکن ان کا یہ استدلال انتہائی ضعیف تھا اس لیے صحابہ کرامؓ نے ان کے اس اعراض کو مسترد کیا اور انہیں زکوٰۃ دینے پر مجبور کیا اور جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ان کے ساتھ قتال کیا۔ اس نماز کا طریقہ ذکر کرنے سے پہلے ہم اس آیت کریمہ کا شان نزول بیان کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بنو نجار کے کچھ لوگوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم دوران سفر کیسے نماز ادا کریں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ نازل فرمائی۔ پھر سال بھر وحی کا سلسلہ منقطع رہا اور اس کے تقریباً ایک سال بعد جب رسول اللہ ﷺ مشرکین کے ساتھ جنگ کے لیے مدینہ شریف سے نکلے تو ظہر کی نماز صحابہ کرام کے ساتھ پڑھی تو مشرکین کہنے لگے موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ ہم نے اس نماز کی حالت میں یکبارگی سے حملہ کیوں نہ کر لیا۔ بعض مشرکین نے کہا تمہیں اس قسم کا موقع پھر بھی مل سکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت سے پہلے یہ آیت کریمہ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا نازل فرمائی۔ اس طرح صلوٰۃ الخوف کا حکم نازل ہوا اگرچہ اس روایت کا سیاق انتہائی غریب ہے۔ لیکن اس کی تائید میں دوسری اور روایات بھی ملتی ہیں جن کو امام احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو عیاش زرقی فرماتے ہیں کہ ہم عسفان کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ خالد بن ولید کی سرکردگی میں مشرکین کا ایک دستہ ہمارے سامنے قبلہ کی جانب سے آ گیا رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی تو وہ کہنے لگے کاش! اس حالت میں ہم ان پر حملہ کر دیتے اور پھر کہنے لگے کہ اس کے بعد آنے والی نماز (عصر) ان کو اپنی جان اور اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ پس جبرائیل علیہ السلام ظہر اور عصر کے درمیان یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔ راوی فرماتے ہیں کہ جب نماز عصر کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ہتھیار لگانے کا حکم دیا اور دو صفیں بنا کر حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ ہم سب قیام اور رکوع میں شریک رہے لیکن سجدہ میں صرف پہلی صف ہی شریک ہوئی اور دوسری صف والے کھڑے ان کی حفاظت کرتے رہے۔ پھر جب سجدہ سے فارغ ہو کر پہلی صف کھڑی ہوئی تو دوسری صف والوں نے سجدہ کیا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مقام عسفان میں دو مرتبہ نماز پڑھائی۔ ایک دفعہ مقام عسفان میں اور دوسری دفعہ قبیلہ بنو سلیم کے علاقہ میں(1)۔ اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اس کے اور بھی شواہد موجود ہیں۔ ان

1۔ تفسیر الطبری 244/5

میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے جب آپ نے تکبیر کہی تو انہوں نے بھی تکبیر کہی۔ جب آپ نے رکوع کیا تو لوگوں نے بھی رکوع کیا، اسی طرح سجدہ بھی کیا اور جب آپ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے تو ان لوگوں نے جنہوں نے آپ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی تھی وہ دشمن کی طرف چلے گئے اور دوسرے گروہ نے آپ کے ساتھ آ کر نماز ادا کی۔ اس طرح دوران نماز ہی وہ ایک دوسرے کی حفاظت کرتے رہے۔ حضرت سلیمان بن قیس یشکری نے حضرت جابرؓ سے پوچھا کہ نماز قصر کی آیت کب نازل ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم شام کی طرف سے آنے والے قریش کے قافلہ کے لیے نکلے۔ ہم نخلہ کے مقام پر تھے کہ دشمنوں میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ کیا آپ مجھ سے ڈرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے کہا آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ آپ نے میرا فرمایا میرا اللہ۔ پھر آپ نے تلوار پکڑی اور اس کو ڈرایا دھمکایا اور پھر آپ نے ہتھیار سنبھالنے اور کوچ کرنے کا حکم دیا اور جب نماز کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک گروہ کو دو رکعات پڑھائیں دوسرا گروہ ان کی حفاظت کرتا رہا۔ پھر یہ پیچھے ہٹے اور پچھلی صفوں میں آ گئے اور پچھلی صفوں والے آگے چلے گئے اور انہوں نے آپ کے ساتھ دو رکعات پڑھیں۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے نماز قصر کرنے کا حکم نازل فرمایا اور مسلمانوں کو ہتھیار تھامنے کا حکم دیا۔ اور مسند کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ شخص جو تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اس کا نام غورث بن حارث تھا۔ وہ کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ آپ نے فرمایا میرا اللہ۔ یہ سن کر اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ تلوار آپ نے اٹھائی اور فرمایا کہ اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا۔ اس نے کہا مجھ پر رحم فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا نہیں۔ لیکن میں یہ عہد کرتا ہوں کہ میں نہ تو کبھی آپ کے ساتھ لڑائی کروں گا اور نہ ہی اس قوم کے ساتھ تعاون کروں گا جو آپ کے ساتھ لڑ رہی ہے۔ اس پر آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ جب وہ اپنی قوم کے پاس گیا تو کہا کہ میں اس شخص کے پاس سے آیا ہوں جو تمام روئے زمین سے افضل و بہتر ہے۔ اس روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ یزید فقیر نے حضرت جابرؓ سے سفر کی دو رکعات کے بارے میں پوچھا کیا میں ان میں قصر کروں۔ آپ نے فرمایا سفر میں دو رکعات ہی مکمل نماز ہے۔ قصر تو صرف جہاد کے وقت ہی ہوتی ہے یعنی جب دشمن کا خوف ہو تو پھر ایک رکعت ہی نماز پڑھی جاتی ہے۔ پھر آپ نے اس نماز کا طریقہ بیان کیا جو پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔ صحابہ کرام کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک گروہ کو دشمن کے سامنے کر دیا اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائی۔ پھر سامنے والے پیچھے آ گئے اور جنہوں نے ایک رکعت پڑھی تھی وہ آگے چلے گئے اور دوسرے گروہ نے آپ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی۔ اس طرح آپ کی دو رکعت ہوئیں دونوں گروہوں کی ایک ایک۔ اس حدیث کو نسائی نے شعبہ سے روایت کیا ہے اور اس کے علاوہ دوسری اسناد بھی ہیں۔ صحیح مسلم میں یہی حدیث دوسری سند سے مروی ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے محدثین نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ "وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ" سے مراد صلوٰۃ خوف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو دو گروہوں میں تقسیم کیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھائی۔ دوسرا گروہ دشمن کے سامنے کھڑا رہا۔ پھر اس گروہ نے ایک رکعت پڑھی اور پہلا گروہ دشمن کے مقابلہ میں چلا گیا۔ پھر آپ نے سلام پھیرا تو ہر گروہ نے باقی ماندہ ایک ایک رکعت مکمل کی(2)۔ اس حدیث کو بہت سے محدثین نے اپنی کتب میں معمر کی سند سے روایت کیا ہے۔ کئی اور دوسرے صحابہ کرام سے بھی یہ حدیث پاک مروی ہے۔ ابو بکر بن مردویہ نے اس حدیث کی تمام اسناد اور الفاظ کی اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ نماز

1۔ مسند احمد 390/3
2۔ مسند احمد 298/3

خوف کے دوران ہتھیار اٹھانے کے حکم کو بعض علماء نے وجوب پر محمول کیا ہے۔ انہوں نے اس آیت کریمہ کے ظاہر سے استدلال کیا ہے اور امام شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ...... اس پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی جب تم جنگ کے لیے بالکل تیار ہو اور تمہیں ہتھیار لگانے کی ضرورت ہو تو ہتھیار لگا لو۔ إِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُودًا وَّ عَلٰى جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ۚ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۚ وَتَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾

''جب تم ادا کر چکو نماز تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے) پھر جب مطمئن ہو جاؤ (دشمن کی طرف سے) تو ادا کرو نماز (حسب دستور) بے شک نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اپنے اپنے مقرر وقت پر۔ اور نہ کمزوری دکھاؤ (دشمن) قوم کی تلاش میں۔ اگر تمہیں دکھ پہنچا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچتا ہے جیسے تمہیں دکھ پہنچتا ہے۔ اور تم تو امید رکھتے ہو اللہ تعالیٰ سے اس (ثواب) کی جس کی وہ امید نہیں رکھتے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے''۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نماز خوف کے بعد بکثرت ذکر کرنے کا حکم فرمایا ہے اگرچہ دوسری نمازوں کے بعد بھی پسندیدہ اور محبوب ہے لیکن یہاں خصوصی طور پر اس کے حکم کو ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اس نماز میں آنے جانے کی رخصت اور اس کے ارکان میں تخفیف کی اجازت دی گئی ہے جو دوسری نمازوں میں نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کیا کرو۔ اگرچہ یہ ظلم دوسرے مہینوں میں ممنوع ہے لیکن ان مہینوں کی عظمت اور حرمت کی وجہ سے اس سے بچنے کی مزید تاکید فرمائی گئی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ...... یعنی مومن کو اپنے تمام احوال میں ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا اور جب تم دشمن کی طرف سے مطمئن ہو جاؤ، حالات خوف ختم ہو جائے اور تمہیں سکون و اطمینان حاصل ہو جائے تو پھر نماز کو حسب دستور یعنی اس کی تمام حدود کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کے رکوع و سجود کو اطمینان کے ساتھ مکمل کرتے ہوئے خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرو۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا: حضرت ابن عباسؓ نے ''موقوت'' کا معنی محفوظ بیان فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں جس طرح حج کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ یہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک قول ہے، حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نماز کو مسلمانوں پر متفرق طور پر فرض کیا۔ جب ایک نماز کا وقت ختم ہوتا ہے دوسری نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ: اپنے دشمن کی تلاش میں کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہ کرو بلکہ مکمل جدوجہد اور کوشش کر کے اس کے ساتھ جنگ کرو اور ہر گھات کی جگہ میں تاک لگائے رکھو۔

إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ: یعنی جس طرح میدان جنگ میں تمہیں درد و آرام اور زخموں اور قتل سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس طرح کفار یا مشرکین بھی ان اوامر سے دوچار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: إِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ

''ترجمہ: (احد میں) اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو (بدر میں) تمہاری دشمن قوم کو بھی ایسی چوٹ لگ چکی ہے۔''

وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ: یعنی درد و آرام اور تکالیف برداشت کرنے میں تم دونوں برابر ہو لیکن تم اللہ کی بارگاہ سے ثواب اور نصرت و تائید کی امید رکھتے ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تمہارے ساتھ وعدہ کیا ہے اور اپنے نبی کی زبان حق ترجمان پر وعدہ فرمایا ہے اور یہ وعدہ حق اور سچ ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں مشرکین کو اس قسم کی کوئی امید نہیں۔ اس لیے تمہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے، اس کے دین کی اشاعت کرنے اور اعلائے کلمہ حق میں شدید رغبت اور آرزو رکھنی چاہیے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا: اللہ تعالیٰ جن شرعی اور آفاقی احکام و احوال کا فیصلہ فرماتا ہے اور ان کو نافذ کرتا ہے وہ ان کو بخوبی جانتا ہے اور وہ اپنے ان افعال میں بڑا دانا ہے۔ یعنی وہ ہر حال میں حمد و ثناء کا سزاوار ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ۙ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ۚ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝ۙۚ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝

''بے شک ہم نے نازل کی ہے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ تاکہ فیصلہ کریں آپ لوگوں میں اس کے مطابق جو دکھا دیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے اور نہ بنیے بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے۔ اور مغفرت طلب کیجیے اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور مت جھگڑیں آپ ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بددیانت (اور) بدکار ہے۔ وہ چھپا سکتے ہیں (اپنے ارادے) لوگوں سے لیکن نہیں چھپا سکتے اللہ تعالیٰ سے اور وہ تو (اس وقت بھی) ان کے ساتھ ہوتا ہے جب راتوں کو مشورہ کرتے ہیں ایسی باتوں کا جو پسند نہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے گھیرے ہوئے ہے۔ سنتے ہو! تم وہ لوگ ہو کہ جھگڑتے ہو ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں پس کون جھگڑے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ہوگا (اس روز) ان کا وکیل''۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ: اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے آپ پر جو کتاب نازل فرمائی ہے یقیناً وہ حق ہے، اس میں موجود تمام اخبار اور فرامین حق ہیں۔

لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ: اس آیت کریمہ سے بعض علمائے اصول نے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنے کا اختیار تھا۔ اسی طرح انہوں نے ام سلمہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرہ مبارک کے دروازے پر کچھ جھگڑنے والوں کا شور سنا۔ آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا میں ایک انسان ہوں جو کچھ سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ تم سے کوئی اپنی دلیل کو اچھے طریقے سے پیش کرنے پر قادر ہو جس کی وجہ سے میں اس کے حق میں فیصلہ کردوں۔ اور اگر

میں اس طرح کسی کے بارے میں فیصلہ کروں اور فی الحقیقت اس کا حق دار نہ ہوتو وہ سمجھ لے کہ جہنم کی آگ کا ٹکڑا ہے۔ اب وہ چاہے تو اسے لے لے، چاہے تو اسے چھوڑ دے(1)۔ حضرت ام سلمہؓ سے ایک دوسری روایت ہے دو انصاری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وراثت کے سلسلہ میں ایک مقدمہ لے کر حاضر ہوئے یہ جھگڑا ان کے درمیان کافی قدیم تھا اور ان کے پاس کوئی گواہی وغیرہ بھی نہ تھی تو اس وقت آپ نے ان کو یہی حدیث بیان فرمائی اور فرمایا اگر میں کسی کے حق میں اس کے بھائی کی کسی چیز کا فیصلہ کردوں تو وہ نہ لے کیونکہ گویا وہ نار جہنم کا ایک ٹکڑا ہے جس کو وہ قیامت کے دن گلے میں لٹکائے ہوئے آئے گا۔ یہ سن کر وہ دونوں صحابی رونے لگے اور ان میں سے ہر ایک کہنے لگا کہ یہ حق میرے بھائی کو دے دو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم ایسا کہہ رہے ہو تو جاؤ اس کو آپس میں تقسیم کرلو۔ ہاں اس کو برابر تقسیم کرنے کے لیے قرعہ ڈال لینا اور پھر بھی تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو معاف کردے۔ حضرت اسامہ بن زید کی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جن احکام میں وحی نازل نہیں ہوتی ان میں اپنی رائے کے ساتھ فیصلہ کرتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انصار کا ایک گروہ جہاد کے لیے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلا۔ ان میں کسی ایک کی زرہ چوری ہوگئی۔ اس نے ایک شخص پر شک کیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا کہ طعمہ بن ابیرق نے میری زرہ چرائی ہے۔ جب چور نے یہ دیکھا تو اس زرہ کو ایک بے قصور آدمی کے گھر میں پھینک دیا ہے کہ اس کے گھر سے برآمد ہوجائے گی۔ تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور عرض کرو یا رسول اللہ! کہ ہمارا ساتھی تو اس چوری کے الزام سے بری ہے۔ زرہ کو تو فلاں شخص نے چوری کیا تھا۔ ہمیں یہ معلوم ہوگیا ہے کہ وہ زرہ اس کے گھر میں ہے۔ اس لیے ہمارے ساتھی کی بے گناہی کا اعلان لوگوں کے سامنے فرمایئے اور اس کی حمایت بھی کیجئے۔ کیونکہ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو وہ ہلاک ہوجائے گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے سامنے اس کی بے گناہی اور برأت کا اظہار فرمادیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اور وہ لوگ جو جھوٹ کو چھپا کر آپ کے پاس آئے تھے ان کے بارے میں يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ...... اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے بے گناہ پر جھوٹا الزام لگایا تھا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: مَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا...... ''ترجمہ: جو شخص کوئی خطا کرتا یا گناہ اور پھر کسی بے گناہ پر تہمت لگا دیتا ہے تو تحقیق وہ اس بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھاتا ہے۔'' یعنی وہ چور اور اس چور کی حمایت کرنے والوں نے ایک بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔ اس روایت کا سیاق انتہائی غریب ہے۔ مجاہد، عکرمہ، قتادہ، سدی اور ابن و ید وغیرھم نے فرمایا ہے کہ یہ آیت کریمہ بنو ابیرق کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس واقعہ کو ابن اسحٰق نے تفصیلاً روایت کیا ہے۔ اور اسی طرح اس واقعہ کو امام ترمذی اور ابن جریر نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت قتادہ ابن نعمانؓ فرماتے ہیں کہ بنو ابیرق کے قبیلہ میں ایک گھر تھا جس میں بشر، بشیر و مبشر نام کے آدمی تھے۔ بشیر بڑا منافق تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کے ہجو میں شعر کہتا پھر ان کو کسی عرب شاعر سے منسوب کر دیتا اور ان اشعار کو بڑے مزے سے پڑھتا جب صحابہ کرام کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا قسم بخدا! یہ شعر اسی خبیث آدمی کے ہیں وہ لوگ زمانہ جاہلیت سے ہی مفلس چلے آرہے تھے۔ اس دور میں اہل مدینہ کی خوراک کھجوریں اور جو تھیں اگر کوئی مال دار آدمی ہوتا تو وہ شام سے آنے والے قافلے سے میدہ خرید لیتا جس کو اپنی ذات کے لیے خاص کردیتا اور باقی اہل خانہ کھجور اور جو پر ہی گزارہ کرتے۔ میرے چچا رفاعہ بن زید نے اس قافلہ سے ایک میدہ کا تھیلا خریدا اور اسے بالاخانے میں محفوظ کردیا۔ اس بالاخانہ میں تلواروں اور زرہوں کے علاوہ دوسرے ہتھیار بھی تھے۔ کسی نے رات کے وقت اس بالاخانہ میں نقب لگائی اور میدہ اور ہتھیار چرا کر لے گیا۔ صبح میرے چچا میرے پاس آئے اور مجھے تمام واقعہ بیان کیا۔ جب ہم نے تحقیق کی تو لوگوں نے ہمیں بتایا کہ آج رات ہم نے بنو ابیرق کے گھر آگ جلتے دیکھی ہے

1۔ فتح الباری، کتاب الشہادات 288/5

اور ہمارا خیال ہے کہ وہ تمہارے گھر سے چرائے ہوئے اناج ہی کو پکار ہے ہیں۔ ابھی ہم اپنے ہی گھر میں اس کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے تھے کہ بنوابیرق نے آکر ہمیں بتایا کہ تمہارا چور لبید بن سہل ہے۔ ہمیں یہ معلوم تھا کہ وہ یہ کام نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ ایک مسلمان تھا۔ جب لبید نے یہ بات سنی تو غصے میں تلوار سونتے ہوئے گھر سے نکلے اور بنوابیرق کو کہا کہ اگر میں نے چوری کی ہے تو میری چوری ثابت کرو ورنہ اس تلوار کے ساتھ تمہاری گردنیں اڑادوں گا۔ یہ سن کر وہ منت سماجت کرنے لگے اور کہنے لگے نہیں آپ نے چوری نہیں کی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ چوری کرنے والے بنوابیرق ہی ہیں۔ میرے چچا نے مجھے کہا بیٹا جاؤ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر کرو۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہمارے قبیلہ کے کچھ لوگ بڑے ظالم ہیں انہوں نے میرے چچا رفاعہ بن زید کے گھر میں نقب لگائی اور ان کے ہتھیار اور اناج چوری کر کے لے گئے۔ آپ نے انہیں حکم فرمائیں کہ ہمیں ہمارے ہتھیار واپس کردیں، اس کے علاوہ اناج کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس کے بارے میں تحقیق کروں گا۔ جب بنوابیرق نے یہ بات سنی تو اپنے قبیلہ ہی کے ایک شخص اسید بن عروہ کے پاس آئے اور اس کے بارے میں اس کے ساتھ مشورہ کیا۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کہ قتادہ بن نعمان اور ان کے چچا نے بغیر کسی دلیل کے ان شریف لوگوں پر چوری کا الزام لگا دیا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں بھی آپ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے ان شریف لوگوں پر بغیر کسی دلیل اور ثبوت کے چوری کی تہمت لگادی۔ میں یہ سن کر پریشانی کی حالت میں واپس لوٹا اور یہ سوچ رہا تھا کہ کاش میں اپنے اس دعویٰ سے دستبردار ہو جاتا اور آپ کے ساتھ اس کے بارے میں کوئی بات نہ کرتا اسی دوران میرے چچا آگئے، مجھ سے پوچھا۔ بیٹے! چوری کا کیا فیصلہ ہوا۔ میں نے ان کو یہ تمام واقعہ سنا دیا۔ وہ کہنے گے ہم اللہ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ آیات نازل فرمائیں۔ خیانت کرنے والوں سے مراد بنوابیرق ہیں اور آپ کو استغفار کا حکم اس فرمان کی وجہ سے ہوا ہے جو آپ نے حضرت قتادہ کو فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا اگر یہ لوگ اپنے گناہ سے توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے گا اور جو شخص خود گناہ کر کے کسی اپنے گناہ سے توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے گا اور جو شخص خود گناہ کر کے کسی دوسرے پر الزام لگادے تو یہ بہت بڑا بہتان اور واضح گناہ ہے۔ یعنی بنوابیرق نے جو حضرت لبید بن سہل پر چوری کا الزام لگایا تھا۔ اور یہ آیات فَسَوۡفَ نُؤۡتِیۡهِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا تک نازل ہوئیں۔ ان آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بنوابیرق سے ہتھیار لے کر رفاعہ کو واپس کردے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میرے چچا بڑھاپے کی وجہ سے نابینا ہو چکے تھے مجھے ان کے اسلام کے بارے میں بھی کچھ شک تھا۔ میں جب ان کے پاس ہتھیار لے کر گیا تو انہوں نے کہا اے بیٹے! انہیں اللہ کی راہ میں وقف کردو۔ جس سے مجھے معلوم ہوگیا کہ وہ سچے مسلمان تھے۔ بشیر یہ آیات سن کر مشرکین کے ساتھ جاملا اور سلافہ بنت سعد بن سمعیہ کے پاس مقیم ہوگیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات وَمَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الۡحَقُّ...... نازل فرمائیں۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے اپنے اشعار میں بشیر کی سخت ہجو کی۔ جب سلافہ نے یہ ہجو سنی تو غصے میں آکر اس کا سامان اٹھایا اور اپنے گھر سے باہر کھلے میدان میں پھینک دیا اور کہا کہ تو میرے پاس کوئی خیر کی خبر نہیں لایا۔ بلکہ حسان بن ثابت کی ہجو کے اشعار لایا ہے(1)۔ اس روایت کو کئی ایک محدثین نے تفصیلاً اور مختصراً اپنی کتب میں روایت کیا ہے۔ اس کی مکمل تفصیل حاکم ابوعبداللہ نے اپنی مستدرک میں ابن اسحاق سے اس واقعہ کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ اپنی سیرت میں ذکر کی ہے جس میں حسان بن ثابتؓ کے اشعار بھی مذکور ہیں۔

1۔ سیرۃ ابن ہشام،525،524/1

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ: یہاں منافقین کی حماقت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بدکاریوں کو لوگوں کی نظروں سے چھپاتے ہیں تاکہ وہ لوگوں پر اعتراض نہ کریں۔ لیکن اللہ سے وہ حیاء نہیں کرتے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ وہ تو دل کے بھیدوں کو بھی جاننے والا ہے اور ان کے تمام اسرار پر مطلع ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا:

وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ: یہ منافقین کے لیے وعید اور دھمکی ہے کہ وہ اپنے برے اعمال سے باز آ جائیں۔ پھر ارشاد فرمایا:

هٰاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: یعنی اگرچہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ لوگ دنیاوی حکمرانوں کے سامنے جو ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اپنے جھوٹے دلائل کی وجہ سے غالب آ بھی گئے تو کل قیامت کے دن ان کے اس جھوٹے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے ان کا وکیل کون ہوگا۔ یعنی اس دن ان کا کوئی وکیل اور مددگار نہیں ہوگا۔ اس لیے ارشاد فرمایا: اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

"اور جو شخص کر بیٹھے برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا۔ اور جو کمائے گناہ کو تو وہ کماتا ہے اسے اپنے لیے اور اللہ تعالیٰ علیم (و) حکیم ہے۔ اور جو شخص کمائے کوئی خطایا گناہ پھر تہمت لگائے اس سے کسی بے گناہ کو تو اس نے اٹھالیا (بوجھ) بہتان کا اور کھلے گناہ کا۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل آپ پر اور اس کی رحمت تو تہیہ کر لیا تھا ایک گروہ نے ان سے کہ غلطی میں ڈال دیں آپ کو اور نہیں غلطی میں ڈال رہے مگر اپنے آپ کو اور نہیں ضرر پہنچا سکتے آپ کو کچھ بھی اور اتاری ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب وحکمت اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے"۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا: اللہ تعالیٰ یہاں اپنی جود وسخا اور فضل واحسان کو بیان فرماتا ہے کہ اگر کوئی شخص گناہ کر کے اس کی بارگاہ میں رجوع کرے وہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ خواہ وہ گناہ کسی قسم کا ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے بندوں پر اپنے عفو ودرگزر، حلم وکرم، وسعت رحمت اور مغفرت کو بیان فرمایا ہے۔ پس جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے گناہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا حتی کہ اس کے گناہ زمین وآسمان اور پہاڑوں سے بھی بڑے ہوں اور وہ شخص اللہ کی بارگاہ میں دامن طلب پھیلا کر مغفرت کا خواستگار ہو تو اللہ اسے معاف فرما دیتا ہے(1)۔ بنو اسرائیل میں جب کسی سے گناہ کا ارتکاب ہو جاتا تو اس کے دروازے پر اس کے گناہ کا کفارہ لکھ دیا جاتا اور اگر ان کے کپڑے پر پیشاب لگ جاتا تو اسے قینچی کے ساتھ کاٹنے کا حکم تھا۔ ایک شخص نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خیر بھی عطا فرمائی۔ تو آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں یہ سہولت عطا کی ہے وہ بنی اسرائیل سے بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے

1۔ تفسیر الطبری 273/5

لیے پانی کو پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا اور فرمایا اگر کسی سے گناہ سرزد ہو جائے یا وہ اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر توبہ کرے تو وہ یہ قبول فرمالیتا ہے! ایک عورت حضرت عبداللہ بن مغفل کے پاس آئی اور پوچھا کوئی عورت بدکاری کا ارتکاب کرے جس کی وجہ سے اسے حمل ہو جائے پھر جب بچہ پیدا ہو تو وہ اسے قتل کر دے۔ اس کے بارے میں بتائیے کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی سزا نار جہنم ہے۔ وہ روتی ہوئی واپس چلی گئی آپ نے بلایا اور اسے یہ آیت "مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا" پڑھ کر سنائی۔ اس نے جب یہ آیت کریمہ سنی۔ اس نے اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کو پونچھا اور چلی گئی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں جب بھی رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث یا بات سنتا ہوں تو اللہ تعالیٰ اس سے مجھے نفع پہنچاتا ہے۔ یہ حدیث مجھے حضرت ابوبکرؓ نے بتائی ہے اور انہوں نے سچ فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی کوئی مسلمان گناہ کر بیٹھے اور پھر وہ رکعت نماز پڑھ لے اور پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی مغفرت طلب کرلے تو اللہ تعالیٰ اسے مغفرت طلب فرما دیتا ہے(1)۔ پھر آپ نے یہ دو آیات پڑھیں مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا ...... اور وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا ...... (آل عمران: 135)" ترجمہ: اور یہ لوگ جب کوئی برا کام کر بیٹھیں یا اپنے اوپر ظلم کریں تو فوراً اللہ کا ذکر کریں اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں"۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب بھی کوئی بندہ گناہ کر بیٹھے اور پھر اچھے طریقے سے وضو کر کے نماز پڑھے اور اپنے گناہ کی معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اس کی بخشش لازم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا ...... حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ کسی مجلس سے کسی کام کے لیے تشریف لے جاتے اور واپس آنے کا ارادہ ہوتا تو مسجد میں اپنے نعلین مبارک یا کپڑا وغیرہ چھوڑ جاتے۔ ایک دفعہ آپ حسب معمول اپنے نعلین مبارک مسجد میں چھوڑے باہر تشریف لے گئے۔ میں نے پانی کا کوزہ لیا اور آپ کے پیچھے ہولیا۔ آپ کچھ دیر کے بعد بغیر قضائے حاجت کے واپس لوٹے اور ارشاد فرمایا کہ کہ ابھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت کریمہ: مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا نازل ہوئی۔ میں نے ارادہ کیا کہ اپنے صحابہ کو یہ خوشخبری سنا دوں۔ حضرت ابودرداء فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے آیت کریمہ: مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ " ترجمہ: جو برا عمل کرے گا اسے اس کی سزا ملے گی"۔ نازل ہوئی تھی جو صحابہ کرام پر بڑی شاق تھی۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! اگرچہ کوئی شخص زنا اور چوری کرے اور پھر اپنے رب سے مغفرت طلب کرے تو کیا وہ اسے معاف کر دے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں میں نے دوسری دفعہ پھر عرض کی تو آپ نے ہاں میں ارشاد فرمایا۔ اور جب میں نے تیسری بار عرض کی تو آپ نے ارشاد فرمایا ہاں اگرچہ وہ زنا اور چوری بھی کرے تو پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے۔ اگرچہ ابودرداء کی ناک خاک آلود ہو۔ راوی فرماتے ہیں کہ ابودرداء اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد اپنی انگلی ناک پر مارا کرتے تھے۔ یہ روایت اپنے سیاق کے اعتبار سے انتہائی ضعیف ہے، اس کی سند میں بھی ضعف ہے۔

وَمَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا: یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (انعام: 164) کے مثل ہے۔ یعنی کوئی شخص کسی دوسرے کو نفع نہیں پہنچائے گا بلکہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود جوابدہ ہوگا۔ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ کسی دوسرے پر نہیں ڈال سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ وہ علیم حکیم ہے اور یہ سب اس کے علم و حکمت اور عدل و رحمت کا حصہ ہیں۔

وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً اَوْ اِثْمًا: اس سے مراد بنوابیرق ہیں جنہوں نے چوری جیسے فعل شنیع کا ارتکاب کر کے اس کا الزام ایک شریف آدمی لبید بن سہل پر لگا دیا جب کا تفصیلی بیان پہلے گزر چکا ہے۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد زید بن سمین یہودی ہے۔ اس

1۔ مسند احمد: 1/8-9

کے قبیلہ والوں نے اس پر چوری کا الزام لگا دیا حالانکہ وہ اس سے بری تھا درحقیقت وہ لوگ ظالم اور خائن تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مطلع کیا۔ یہ آیت کریمہ چونکہ شان نزول کے اعتبار سے خاص ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے کہ جو شخص بھی اس قسم کے فعل وشنیع کا مرتکب ہوگا اسے یہ سزا ملے گی۔

لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ: اس آیت کا تعلق بھی بنوابیرق کے قصہ کے ساتھ تھا۔

لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ: اس گروہ سے مراد اسید بن عروہ اور اس کے ساتھی ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر بنوابیرق کی تعریف کی اور قتادہ بن نعمانؓ کو ملامت کیا کہ انہوں نے ان نیک اور بے گناہ لوگوں پر چوری کی تہمت لگائی۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس جھگڑے کا فیصلہ نازل فرما کر اپنے رسول ﷺ کو اس سے آگاہ فرما دیا اور تمام افعال میں تائید ونصرت اور حفاظت فرما کر آپ پر خاص احسان فرمایا۔ کتاب سے مراد قرآن پاک اور حکمت سے مراد سنت ہے۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ: یعنی اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے آپ جن امور سے آگاہ نہیں تھے اللہ نے ان پر آپ کو مطلع کر دیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ...... (شوریٰ:52) ''ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی آپ کی طرف (جانفزا) کلام اپنے سے بھیجا نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے''۔ اور اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ...... (قصص:89) ''ترجمہ: اور آپ کو تو یہ امید نہ تھی کہ نازل کی جائے آپ کی طرف کتاب مگر یہ محض رحمت ہے آپ کے رب کی''۔ اس لیے ارشاد فرمایا: وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾

''نہیں کوئی بھلائی ان کی اکثر سرگوشیوں میں بجز ان لوگوں کے جو حکم دیں صدقہ دینے کا یا نیک کام کا یا صلح کرانے کا لوگوں میں اور جو شخص کرے یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضامندیاں حاصل کرنے کے لیے تو ہم عطا فرمائیں گے اسے اجر عظیم۔ اور جو شخص مخالفت کرے (اللہ کے) رسول ﷺ کی اس کے بعد کہ روشن ہوگئی اس کے لیے ہدایت کی راہ اور چلے اس راہ پر جو الگ ہے، مسلمانوں کی راہ سے تو ہم پھرنے دیں گے اسے جدھر وہ خود پھرا ہے اور ڈال دیں گے اسے جہنم میں اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے''۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ لوگوں کی اکثر کلام میں کوئی بھلائی یا خیر نہیں ہوتی سوائے ان امور کے کہ وہ کسی کو صدقہ، نیکی یا لوگوں کے درمیان صلح کروانے کا حکم دیں۔ محمد بن زید فرماتے ہیں کہ ہم حضرت سفیان ثوری کی قیادت میں نکلے تو وہاں حضرت سعید بن حسان بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ سفیان ثوریؒ نے کہا کہ تم نے جوام صالح سے روایت کردہ حدیث مجھے سنائی تھی۔ مجھے دوبارہ سناؤ۔ انہوں نے حدیث کی سند بیان کر کے فرمایا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان کی تمام گفتگو اس کے لیے وبال جان ہوتی ہے سوائے اللہ

کے ذکر، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے (1)۔ حضرت سفیان نے فرمایا کیا تم نے اللہ کا یہ ارشاد: لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ نہیں پڑھا۔ اس حدیث میں بعینہ اس کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کے درمیان صلح کرواتا ہے اور نیکی اور بھلائی کی اشاعت کرتا ہے۔ وہ جھوٹا نہیں ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین امور میں اس کی رخصت دی ہے۔ جنگ لوگوں کے درمیان صلح کرانے اور اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے۔ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ کا شمار ان مہاجر صحابیات میں ہوتا ہے جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ بیعت کی (2)۔ حضرت ابو درداءؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کیا تمہیں ایسے عمل کے بارے میں نہ بتاؤں جو نماز، روزے اور صدقہ سے بھی افضل ہے۔ لوگوں نے عرض کی کیوں نہیں، ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا یہ عمل جھگڑنے والوں کے درمیان صلح کرانا ہے اور ان کے درمیان فساد ڈالنا تو نیک اعمال کو جڑ سے ختم کر دیتا ہے (3)۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ایوب انصاریؓ سے فرمایا کیا میں تمہیں ایک تجارت سے آگاہ نہ کروں۔ عرض کی (ضرور) کیوں نہیں۔ فرمایا جب لوگوں میں جھگڑا ہو جائے تو ان میں صلح کرائیں اور جب ان میں دوری پیدا ہو جائے تو ان کو قریب کرو۔

وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ: اور جو شخص یہ کام اللہ اور اس کے رسول کی رضا و خوشنودی کے لیے اخلاص اور نیکی کی نیت سے کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا کرے گا۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ: یعنی جب کوئی رسول اللہ ﷺ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور راہ پر چل نکلے یعنی شریعت کا حکم کچھ ہو اور اس کا عمل کچھ اور وہ حق کے واضح اور ظاہر ہونے کے باوجود بھی جان بوجھ کر اپنی اس روش پر گامزن رہے تو ہم اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں۔

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ: اور جو مسلمانوں کی راہ کو چھوڑ کر کوئی دوسری راہ بناتا ہے وہ بھی رسول اللہ کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مخالفت کبھی تو رسول اللہ ﷺ کے صریح حکم ہوتی ہے اور کبھی اس حکم کی جس پر امت کا اجماع ہو چکا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو کسی خطا پر جمع ہونے سے محفوظ فرمایا ہے۔ یہ عظمت و شان انہیں اپنے نبی ﷺ کے وسیلہ سے عطا ہوئی ہے۔ اس کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں جن میں سے بعض احادیث کو ہم نے اپنی کتاب "احادیث رسول" میں بیان کیا ہے۔ بعض علماء ان احادیث کے معنوی طور پر متواتر ہونے کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ انتہائی غور و فکر کے بعد اس آیت کریمہ سے اجماع امت کے دلیل ہونے پر استدلال کیا ہے۔ یہ انتہائی قوی اور خوبصورت استدلال ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے آیت کریمہ کی اس پر دلالت کو بغیر خیال کیا ہے۔ یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی راہ کی مخالفت کرنے والے کے لیے یہ وعید سنائی ہے۔

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى: اگر اس نے اپنی اس روش کو نہ چھوڑا تو ہم بھی اس کو اس کی سزا دیں گے وہ اس طرح کے ہم اس کے سینے میں اس چیز کو مزین کر دیں گے اور آہستہ آہستہ وہ جہنم تک پہنچ جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ...... (القلم:44) پس (اے حبیب!) آپ چھوڑ دیجیے مجھے اور اسے جو کتاب کو جھٹلاتا ہے ہم ان کو بتدریج گمراہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (صف:5) "ترجمہ: پس جب انہوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا"۔ آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1۔ الدر المنثور 220/2 2۔ ابن ماجہ، ابواب الفتن 1315 3۔ مسند احمد 444/6

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ...... (صافات: 22) ''ترجمہ: (اے فرشتو!) جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ کو چھوڑ کر پھر سیدھا لے چلو انہیں جہنم کی راہ کی طرف۔'' اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ...... (الکھف: 53) ''ترجمہ: اور دیکھیں گے مجرم جہنم کی آگ کو اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں۔ اور نہ پائیں گے اس سے نجات پانے کی جگہ''۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝١١٦ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝١١٧ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝١١٨ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝١١٩ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝١٢٠ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ۝١٢١ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝١٢٢

''بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس (جرم عظیم) کو کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جتنے جرائم ہوں جس کے لیے چاہتا ہے اور جو شریک ٹھہرائے (کسی کو) اللہ کے ساتھ تو وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں دور نکل گیا۔ نہیں عبادت کرتے یہ مشرک اللہ کے سوا مگر دیویوں کی اور نہیں عبادت کرتے مگر شیطان سرکش کی۔ لعنت کی ہے اس پر اللہ نے اور اس نے کہا تھا کہ میں ضرور لوں گا تیرے بندوں سے (اپنا) حصہ مقرر۔ اور میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا اور میں ضرور انہیں جھوٹی امیدوں میں رکھوں گا اور میں ضرور حکم دوں گا انہیں پس وہ ضرور چیریں گے جانوروں کے کان اور میں انہیں حکم دوں گا تو وہ ضرور بدل ڈالیں گے اللہ کی مخلوق کو۔ جو شخص بنا لے شیطان کو (اپنا) دوست اللہ کو چھوڑ کر تو نقصان اٹھایا اس نے کھلا نقصان۔ شیطان (جھوٹے) وعدے کرتا ہے ان سے اور (غلط) امیدیں دلاتا ہے انہیں اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور نہ پائیں گے اس سے بچ نکلنے کی جگہ۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے داخل کریں گے ہم انہیں ان باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے (یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں''۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ: اس آیت کریمہ کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے اس سورت کی ابتدا میں ہم نے اس کے متعلق احادیث کو بھی بیان کر دیا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں قرآن پاک میں میرے لیے اس سے زیادہ کوئی محبوب آیت نہیں۔

مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ: اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے۔ وہ راہ حق کو چھوڑ کر گمراہی کے راستے کو اختیار کر لیتا ہے اور صراط مستقیم سے دور ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال کر دنیا آخرت میں خائب و خاسر ہو جاتا ہے اور دنیاوی آخروی سعادت سے

محروم ہو جاتا ہے۔

اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ: حضرت ابی بن کعبؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مشرکین ہر بت کے ساتھ ایک دیوی کی پوجا بھی کرتے تھے(1)۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''اِنٰثًا'' سے مراد بت ہیں۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ مشرکین فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اور وہ کہتے تھے کہ ہم ان کی پوجا صرف اس لیے کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے۔ انہوں نے ان کو اپنا رب بنا لیا تھا۔ اور عورتوں کے مشابہ ان کی مورتیاں بنالی تھیں اور یہ کہتے کہ یہ اس خدا کی بیٹیوں کے مشابہ ہیں جس کی ہم پوجا کرتے ہیں اور یہ تفسیر اللہ کے اس ارشاد: اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى (نجم:19) کے مثل ہے۔ اور یہی مفہوم ان دو آیتوں میں پایا جاتا ہے۔ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا (زخرف:19) ''ترجمہ: اور انہوں نے ٹھہرایا فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں''۔ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (الصافات:158) ''ترجمہ: اور ٹھہرادیا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ''۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ''اناثا'' سے مراد مردے ہیں۔ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس سے مراد ہر ذی روح چیز ہے۔ خواہ لکڑی ہو یا پتھر(2)۔ لیکن یہ قول غریب اور عجیب ہے۔

وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا: شیطان نے ہی انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیں اور اسی نے ان کے سامنے اسے مزین کر کے پیش کیا۔ اس لیے حقیقت میں وہ اسی شیطان کی پوجا کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ (یٰسین:60) ''ترجمہ: کیا میں نے تمہیں یہ تاکیدی حکم نہیں دیا تھا اے اولاد آدم کہ شیطان کی پوجا نہ کرنا''۔ اسی لیے قیامت کے دن فرشتے ان مشرکین کے متعلق کہیں گے جو دنیا میں ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اے اللہ تو ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔ تو ہمارا مالک ہے، ہمارا ان کے ساتھ کیا واسطہ۔ بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے۔

لَّعَنَهُ اللّٰهُ: اللہ تعالیٰ نے اسے دھتکار دیا اور اپنی رحمت سے دور کر کے اپنے جوار قدس سے نکال دیا۔

لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ: نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا سے مراد معین اور معلوم مقدار ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہزار میں سے نوسو ننانوے جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں۔

وَلَاُضِلَّنَّهُمْ: میں انہیں حق سے دور کر دوں گا۔ اور ان کے لیے ترک توبہ کو مزین کروں گا۔ اور ان میں مختلف قسم کی آرزوئیں اور خواہشیں پیدا کروں گا۔ اور انہیں ٹال مٹول کرنے کا حکم دوں گا۔ اور اس طرح میں ان کو گمراہ کر دوں گا۔

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ: حضرت قتادہ اور سدی فرماتے ہیں اس سے مراد کانوں کو چیر کر علامت بنانا ہے، بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ نامی جانوروں کے اوپر خاص علامت لگانا۔

فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جانوروں کو خصی کرنا ہے۔ حدیث پاک میں اس کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے۔ (شاید اس صورت میں حکم ہے کہ جانور کی نسل ختم ہونے کا خدشہ ہو)۔ حضرت حسن بصریؒ صحیح مسلم میں چہرے پر اس قسم کے نشان بنانے کی ممانعت آئی ہے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جو ایسا کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو چہرے پر اس قسم کے نشان بنواتی ہیں اور بناتی ہیں۔ چہرے کے بال نوچتی ہیں اور دوسروں سے نچواتی ہیں اور خوبصورتی کے لیے دانتوں کو رگڑتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بناوٹ کو تبدیل کرتی ہیں(3)۔ پھر آپ نے فرمایا کیا میں ان پر لعنت نہ کروں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت

1۔ مسند احمد 135/5 2۔ تفسیر الطبری 279/5 3۔ مسلم، کتاب اللباس والزینۃ 1678

فرمائی۔ اور یہ حکم قرآن پاک میں بھی موجود ہے۔ اس سے آپ کی مراد یہ آیت کریمہ: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر: 7) ''ترجمہ: اور رسول (کریم ﷺ) جو تمہیں عطا فرمادیں وہ لے لو۔ اور جس سے تمہیں روکیں۔ اس سے رک جاؤ''۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد اللہ کے دین کو بدلنا ہے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا...... (الروم: 30) ''ترجمہ: نیز (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) اپنا رخ سیدھا کرلیں اس دین کی طرف پوری یکسوئی سے۔ (مضبوطی سے پکڑلو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔'' اور یہ معنی مراد لینا اس وقت صحیح ہوگا جب اس سے امر مراد لیا جائے گا اور پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ کی فطرت (دین) کو تبدیل نہ کرو اور لوگوں کو ان کی فطرت پر چھوڑ دو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہ اس کے ماں باپ ہوتے ہیں جو اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح اس جانور کا بچہ صحیح سلامت پیدا ہوتا ہے پھر لوگ اس کا کان کاٹ دیتے ہیں(1)۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا ہے۔ شیطان انہیں اپنے دین سے برگشتہ کردیتے ہیں۔ اور ان پر وہ چیزیں حرام کردیتے ہیں جو میں نے ان کے لیے حلال کی ہیں۔

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ: جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو ساتھی بنالیتا ہے وہ دنیا و آخرت میں ایسا خسارا اور نقصان اٹھاتا ہے جس کی تلافی ممکن نہیں پھر ارشاد فرمایا کہ شیطان ان سے جھوٹے وعدے کرتا ہے اور غلط امیدیں دلاتا ہے اور دھوکہ اور فریب کرتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اصل حقیقت کی خبر دی جارہی ہے کہ شیطان اپنے پیروکاروں کو سبز باغ دکھاتے ہوئے کہتا ہے کہ تم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو حالانکہ یہ سب جھوٹا اور اختراع ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان کا وعدہ دھوکے اور فریب پر مبنی ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت کریمہ میں ہے کہ شیطان قیامت کے دن اپنے پیروکاروں کو کہے گا۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ...... (ابراہیم: 22): ''ترجمہ: اور شیطان کہے گا جب (سب کی قسمت) کا فیصلہ ہوچکے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ سچا تھا۔ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا۔ پس میں نے تم سے وعدہ خلافی کی۔ اور نہیں تھا میرا تم پر کچھ زور مگر یہ کہ میں نے تمہیں (کفر) کی دعوت دی اور تم نے فوراً قبول کرلی۔ تو تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں آج تمہاری فریاد رسی کرسکتا ہوں۔ اور نہ تم میری فریاد رسی کرسکتے ہو اور میں انکار کرتا ہوں اس امر سے کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے۔ بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ: شیطان کے وعدوں کا اعتبار کرنے والوں ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا اور اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کرسکیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کچھ متقی اور سعادت مند لوگوں اور ان کے لیے تیار کردہ نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: وہ لوگ جنہوں نے دل کی گہرائی سے اللہ کے احکام کی تصدیق کی اور اپنے ظاہری اعضاء سے اس کے احکام کی تعمیل کی اور ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جس کے چھوڑنے کا اس نے حکم دیا۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ ہم انہیں ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے ندیاں رواں ہوں گی۔ یعنی وہ ان ندیوں کو جہاں چاہیں گے لے جائیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے۔ جو لامحالہ پورا ہوگا۔ اسی لیے اس وعدہ کو مصدر ''حَقًّا'' کے ساتھ موکد کیا گیا۔ اور پھر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون وعدہ کو سچا کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی

1۔ فتح الباری، 493/1

پروردگار ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ سب سے سچی کلام اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے۔ اور سب سے برا کام دین میں نئی بات کو گھڑنا ہے۔ اور ایسی نئی بات بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

"(نجات کا انحصار) نہ تمہاری جھوٹی امیدوں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی جھوٹی امیدوں پر (بلکہ) جو عمل کرے گا برے اسے سزا ملے گی اس کی۔ اور نہ پائے گا اپنے لئے اللہ کے بغیر کوئی دوست اور نہ مددگار اور جس نے عمل کیے اچھے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو سو وہی لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کیے جائیں گے تل بھر اور کون بہتر ہے دینی لحاظ سے اس شخص سے جس نے جھکا دیا ہو اپنا چہرہ اللہ کے لئے اور وہ احسان کرنے والا ہو اور پیروی کی ملت ابراہیم کی اس حال میں کہ وہ ہر باطل سے منہ موڑے ہوئے ہو، اور بنالیا ہے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل۔ اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرے میں لینے والا ہے"۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ: حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان اہل کتاب آپس میں فخر کرنے لگے۔ اہل کتاب کہنے لگے کہ ہمارا نبی تمہارے نبی سے پہلے مبعوث ہوا اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے نازل ہوئی۔ اس لیے ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سے زیادہ قریب ہیں۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہمیں تم سے زیادہ قرب الٰہی حاصل ہے۔ کیونکہ ہمارے نبی ﷺ خاتم النبیین ہیں اور ہماری کتاب قرآن تمام کتب سابقہ کی ناسخ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حجت و دلیل کو تمام اہل ادیان پر غالب کر دیا ہے(1)۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی قول مروی ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اہل عرب کہا کرتے تھے کہ ہم مرنے کے بعد زندہ نہیں ہوں گے اور نہ ہی ہمیں عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ یہود و نصاریٰ کہا کرتے تھے کہ جنت میں وہی داخل ہوں گے۔ اور اگر ہمیں جہنم میں جانا بھی پڑا تو یہ چند روز کے لیے ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں واضح کر دیا کہ دین صرف آرزوئیں اور اس طرح کے بلند بانگ دعوے کرنے کا نام نہیں بلکہ دین تو ایمان کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جو دلوں میں راسخ ہو جائے اور ظاہری اعمال اس کی تصدیق کریں۔ جو شخص کسی چیز کا دعویٰ کرتا ہے صرف دعویٰ کرنے سے اسے وہ چیز حاصل نہیں ہو جاتی اور نہ ہی کسی شخص کے یہ کہنے پر کہ وہ حق پر ہے اس کا حق پر ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں واضح کر دیا کہ صرف آرزو اور خواہش کرنے سے ہی عذاب سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ یہاں تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسل کی اتباع پر دار و مدار ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر الطبری 288/5

نے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو کوئی برا عمل کرے گا اس کو اس کی سزا ملے گی۔ یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر یہ آیت بڑی گراں گزری۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جب آخرت میں ہر برے عمل کی سزا دی جائے گی تو پھر فلاح اور نجات کیسے ممکن ہوگی۔ آپ نے فرمایا اے ابو بکر! اللہ تجھے معاف کرے۔ کیا تم پر غم و حزن اور مصائب نہیں آتے۔ انہوں نے عرض کی کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا بس یہی مومن کی جزاء ہے(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے خادم کو فرمایا کہ جس جگہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو سولی پر لٹکایا گیا ہے اس جگہ سے نہ جانا۔ خادم بھول گیا اور آپ کو اسی راستے سے لے گیا۔ جب آپ کی نظر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر پڑی تو آپ نے تین دفعہ فرمایا اللہ تمہیں معاف فرمائے قسم بخدا مجھے معلوم ہے کہ آپ صوم وصلوٰۃ کے پابند اور صلہ رحمی کرنے والے تھے اور مجھے اللہ کی بارگاہ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ادنی لغزشوں کا ازالہ دنیا میں ہی کر دیا ہے اور اس کے بعد تمہیں عذاب نہیں دے گا۔ اور پھر فرمایا کہ میں نے ابو بکر صدیقؓ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن دنیا میں جو برا عمل کرتا ہے اس کی اسے دنیا میں ہی سزا مل جاتی ہے(2)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے حضرت ابن زبیر کو سولی پر لٹکے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ میں نے یہ حدیث تمہارے والد سے سنی ہے(3)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر! کیا میں تمہیں وہ آیت نہ سناؤں جو ابھی نازل ہوئی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیوں نہیں، ضرور سنائیے۔ جب آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی تو مجھے یوں لگا جیسے میری کمر ہی ٹوٹ گئی ہو۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا اے ابو بکر! تمہیں کیا ہو گیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ ہم میں سے کون ہے جس سے خطا اور غلطی سرزد نہیں ہوتی۔ اگر ہمیں ہماری خطا کے اوپر سزا دی جائے گی تو ہم میں سے کون بچے گا، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابو بکر! تمہیں اور تمہارے مومن ساتھیوں کو دنیا میں ہی بدلہ دے دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ سے تمہاری ملاقات ہوگی تم گناہوں سے پاک صاف ہو گے۔ اور دوسرے لوگوں کے گناہوں کو جمع کر دیا جائے گا اور قیامت کے دن انہیں ان پر سزا دی جائے گی۔ اس حدیث کو ترمذی نے یحییٰ بن موسیٰ سے روایت کیا ہے اور اس کے ایک راوی کو ضعیف اور دوسرے کو مجہول قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ ابن جریر، ابن مردویہ نے دوسری اسناد سے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی اور کہا کہ اگر ہم سے ہر عمل کی باز پرس کی گئی تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا مومن کو دنیا میں جو مصائب و آرام میں مبتلا کیا جاتا ہے وہی اس کا بدلہ اور جزاء ہے(4)۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے معلوم ہے کہ قرآن میں سب سے سخت آیت کون سی ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ وہ کون سی آیت ہے۔ میں نے یہی آیت کریمہ تلاوت کی تو آپ نے فرمایا کہ بندہ مومن کو جو بھی تکلیف اس دنیا میں پہنچتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے(5)۔ حضرت علی بن زید کی صاحبزادی روایت کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا ہے مجھ سے اس کے بارے میں تمہارے علاوہ کسی نے نہیں پوچھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ مومن بخار، مصیبت، کانٹا چبھنے کی تکلیف حتیٰ کہ اگر وہ اپنی نقدی آستین میں رکھ کر بھول جائے اور پھر تلاش

1۔ مسند احمد: 11/1　2۔ مسند احمد: 6/1　3۔ کشف الاستار تفسیر سورۃ النساء، 46/3

4۔ تفسیر الطبری 294/5　5۔ تفسیر الطبری 295/5

کرنے پر اپنی جیب میں ڈال لے تو اس میں اس کو جو پریشانی اور تکلیف ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔حتیٰ کہ مومن کو ہر چیز کا اجر ملتا ہے حتیٰ کہ موت کے وقت روح قبض کرنے کے وقت اس کو جو تکلیف ہوتی ہے اسے اس کا بھی اجر ملتا ہے۔ایک اور روایت میں ارشاد فرماتی ہیں کہ جب بندے کے گناہ بہت زیادہ ہو جاتے ہیں اور کوئی ایسی چیز نہ ہو جو اس کے گناہوں کا کفارہ بن سکے تو اللہ تعالیٰ اسے غم وحزن میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے (1)۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔تو صحابہ کی طبیعت پر یہ حکم گراں محسوس ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صراط مستقیم پر قائم رہو، میانہ روی اختیار کرو۔مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ اس کے گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے۔یہاں تک کہ اگر اس کو کانٹا چبھے تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ بن جاتا ہے۔ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو ہم بہت غمگین ہوئے اور رونے لگے اور عرض کی یا رسول اللہ! اس آیت نے تو یہ ہمارے لیے کچھ چھوڑا نہیں۔آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔یہ ٹھیک ہے لیکن تم خوش ہو جاؤ، اعتدال کی راہ اختیار کرو اور صراط مستقیم پر قائم رہو۔دنیا میں جو بھی مصیبت تم پر نازل ہو گی وہ تمہارے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔خواہ تمہیں کانٹا بھی چبھے (2)۔زینب بنت کعب بن عجرہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کرتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ! ہمیں جو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں ہمیں ان کے بدلے میں کیا ملتا ہے۔تو آپ نے فرمایا کہ وہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔وہ فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میرے والد نے دعا کی کہ مرتے دم تک بخار ان سے جدا نہ ہو لیکن یہ بخار انہیں حج، عمرہ، جہاد فی سبیل اللہ اور فرض نماز سے نہ روکے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔جو انسان بھی آپ کے جسم کو چھوتا اسے بخار کی تپش محسوس ہوتی حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا (3)۔حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی یا رسول اللہ! اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص بھی کوئی عمل کرے گا اسے اس کی سزا ملے گی۔آپ نے فرمایا ہاں کہ جو شخص بھی کوئی برا عمل کرے گا اسے اس کی سزا ملے گی۔آپ نے فرمایا یہ بات ٹھیک ہے لیکن اس کے مقابلہ میں جو ایک نیکی کرے گا اسے دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔سو افسوس ہے اس شخص پر جس کی برائیاں اس کی نیکیوں پر غالب آ جائیں۔حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کافر ہے۔جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَهَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ (سبا: 17) (4)۔'' ترجمہ: اور بجز احسان فراموش کے ہم کسے ایسی سزا دیتے ہیں۔'' حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہاں سوء سے مراد شرک ہے۔

وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اگر وہ شخص توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔صحیح قول یہی ہے کہ یہاں لفظ سوء سے ہر قسم کی برائی مراد لی جا سکتی ہے جس کا بیان پہلے احادیث میں گزر چکا ہے۔اس قول کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔واللہ اعلم۔

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی: پہلے اللہ تعالیٰ نے برائیوں کی سزا کا ذکر کیا اور یہ بیان کیا ہے کہ جو بندہ اس کا ارتکاب کرے گا اس کو اس کی سزا ضرور ملے گی خواہ دنیا میں ملے جو کہ بندے کے لیے بہت اچھی ہے۔خواہ آخرت میں۔اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت میں عافیت عطا فرمائے۔یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان اور لطف و کرم کا بیان شروع کیا ہے۔اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے نیک اعمال کو اپنی مہربانی اور فضل سے قبول کر لیتا ہے۔خواہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت مگر اس کا صاحب ایمان ہونا شرط

1۔مسند احمد 248/2 2۔فتح الباری، کتاب المرضیٰ 103/10 3۔مسند احمد 23/3 5۔تفسیر الطبری 292/5

ہے۔ یہاں یہ بھی بیان فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور ان کی نیکیوں میں کسی قسم کی کمی نہیں کرے گا۔ "نقیر" اس چھوٹے سے نشان کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے۔ اور "فتیل" اس باریک سے دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ "قطمیر" اس انتہائی نازک غلاف کو کہتے ہیں جو گٹھلی کے اوپر ہوتا ہے۔ یہ تینوں کلمات قرآن میں استعمال کیے گئے ہیں۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا: یعنی اس سے بہتر دین والا شخص کون ہوسکتا ہے جو اپنے تمام عمل اللہ کی رضا اور نیکی کی نیت کے ساتھ کرتا ہے اور اس دین حق کی اتباع کرتا ہے جس کو اللہ کے رسول لے کر آئے۔ ان دو شرطوں کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں۔ یعنی وہ عمل خالص اور صحیح ہو۔ خالص عمل وہی ہوگا جو اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ اور صحیح عمل وہ ہوگا جو شریعت کے مطابق ہوگا۔ یعنی اس کا ظاہر اتباع شریعت کے ساتھ مزین ہو اور اس کا باطن اخلاص کے ساتھ منور ہو۔ جب ان شرطوں میں کوئی مفقود ہو جائے تو وہ عمل قبولیت کے لائق نہیں رہے گا۔ اگر عمل میں اخلاص نہ ہو تو ایسا عمل منافقت و ریاکاری بن جاتا ہے اور اگر اتباع شریعت مفقود ہو جائے تو وہ گمراہی اور جہالت بن جاتا ہے۔ اور جب یہ دونوں چیزیں یعنی اخلاص اور اتباع شریعت کا جامع ہوگا تو یہی وہ عمل ہے جس کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ ملت ابراہیمی کی پیروی کرنے سے رسول اللہ ﷺ روز قیامت تک تم اور آپ کے نقش قدم کی پیروی کرنے والوں کی اتباع ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ لَلَّذِیْنَ..... (آل عمران:68) "ترجمہ: بے شک نزدیک تر لوگ ابراہیم علیہ السلام سے وہ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی۔ نیز یہ نبی (کریم ﷺ) اور جو اس پر ایمان لائے، اللہ مددگار مومنوں کا"۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا (النحل:123) "ترجمہ: اور پھر ہم نے وحی نزل فرمائی (اے حبیب) آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملت ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا"۔ حنیف اس کو کہتے ہیں جو قصداً شرک سے بیزار ہو اور کلیۃً حق کی اطاعت میں مشغول ہو۔ حتی کہ کوئی روکنے والا اس کو روک نہ سکے۔

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع میں ترغیب کے لیے یہ آپ کا وصف بیان کیا گیا ہے کیونکہ وہ امام مقتدیٰ ہیں۔ اور آپ خلت کے اس بلند مرتبہ پر فائز ہیں جو مقامات محبت میں سب سے بلند ہے اور آپ کو یہ مقام اللہ تعالیٰ کی کثرت سے اطاعت کرنے کی بدولت حاصل ہوا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤى "ترجمہ: اور ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں جو پوری طرح احکام بجالائے"۔ علمائے سلف صالحین فرماتے ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو بھی حکم دی سر تسلیم خم کرتے ہوئے اسے سر انجام دیا۔ مقامات عبادت میں سے ہر مقام میں کوئی چھوٹی یا بڑی چیز آپ کو عبادت سے مشغول نہ کرسکی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ان دو آیات میں ذکر کیا ہے۔ وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ...... "ترجمہ: اور یاد کرو جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں سے تو پورے طور بجالایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں بنانے والا ہوں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا۔ عرض کی میری اولاد سے بھی۔ فرمایا نہیں پہنچتا میرا وعدہ ظالموں تک"۔ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا...... "ترجمہ: بلاشبہ ابراہیم ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے۔ یکسوئی سے حق کی طرف مائل ہے۔ اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے"۔ حضرت معاذ بن جبلؓ جب یمن تشریف لے گئے اور صبح کی نماز میں آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی تو یہ آیت سن کر ایک شخص نے کہا کہ حضرت ابراہیم کی والدہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں (1)۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ آپ کو خلیل اللہ کا لقب ملنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک علاقے میں قحط پڑ گیا آپ اپنے کسی دوست کے پاس موصل اور بعض نے لکھا ہے

1۔ فتح الباری، کتاب المغازی 65/8

کہ مصر گئے تا کہ وہاں سے کچھ اناج لائیں۔لیکن آپ کو وہاں سے اناج مہیا نہ ہو سکا اور جب واپس اپنے شہر کے قریب پہنچے اور ایک ریت کے ٹیلے کے قریب سے گزرے تو آپ نے دل میں سوچا کیوں نہ بوریاں اس ریت سے بھرلوں تا کہ اہل خانہ میرے خالی ہاتھ لوٹنے پریشان نہ ہوں۔ یہ سوچ کر آپ نے ریت سے بوریاں بھرلیں۔قدرت خداوندی سے وہ ریت آٹا بن گئی۔آپ گھر جا کر آرام فرما ہو گئے۔گھر والوں نے ان بوریوں کو کھولا آٹا نکال کر اسے گوندھا اور روٹیاں پکائیں۔آپ بیدار ہوئے۔روٹیاں دیکھ کر اہل خانہ سے پوچھا کہ یہ آٹا کہاں سے آیا ہے۔انہوں نے کہا کہ یہ وہی آٹا ہے جو آپ اپنے دوست کے ہاں سے لے کر آئے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ ہاں میں یہ آٹا اپنے دوست جَلَّ جَلَالُه سے لے کر آیا ہوں۔اس وجہ سے اللہ نے آپ کو خلیل اللہ کا لقب عطا فرمادیا(1)۔لیکن اس واقعہ کی صحت محل نظر ہے۔زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی روایات میں سے ہے جس کی تصدیق کی جاسکتی ہے نہ تکذیب۔اور صحیح بات یہ ہے کہ آپ کو خلیل اللہ کا لقب اس لیے دیا گیا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت تھی۔اور آپ ہر اس اطاعت کو بجالائے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب تھی۔حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری خطبوں میں ارشاد فرمایا اے لوگو! اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر بن ابی قحافہ کو بناتا۔لیکن تمہارا صاحب (محمد رسول اللہ ﷺ) اللہ کا خلیل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنا خلیل بنایا ہے۔جس طرح ابرہیم کو بنایا(2)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ کچھ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے۔جب آپ اپنے کاشانۂ انور سے باہر تشریف لائے تو آپ نے سنا کہ صحابہ کرام یہ تذکرہ کر رہے تھے کہ تعجب ہے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنی مخلوق سے خلیل بنایا۔ایک دوسرے صحابی نے کہا اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس نے موسیٰ کو کلیم بنایا۔تیسرے نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کو روح اور کلمہ بنایا۔چوتھے نے کہا کہ آدم کو صفی بنایا۔یہ باتیں سن کر آپ قریب آئے اور انہیں سلام کیا اور فرمایا میں نے تمہاری باتیں سن لی ہیں اور تمہاری یہ بات ٹھیک ہے کہ آدم صفی اللہ، ابراہیم خلیل اللہ، موسیٰ کلیم اللہ اور عیسیٰ روح وکلمۃ اللہ ہیں۔تمہاری یہ بات بالکل صحیح ہے۔ہاں سنو! میں حبیب اللہ ہوں اور یہ میں بطور فخر نہیں کہہ رہا۔قیامت کے دن میں ہی سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور میری شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی اور میں یہ بات فخر سے نہیں کہہ رہا۔اور میں سب سے پہلے جنت کے دروازے پر دستک دوں گا۔اللہ تعالیٰ دروازہ کھولے گا اور اس میں مجھے اور میرے ساتھ مومن فقراء کو داخل کرے گا۔اور مجھے اس پر فخر نہیں۔اور قیامت کے دن اولین وآخرین میں سب سے زیادہ میں معزز ومحترم ہوں گا۔میں یہ فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا بلکہ حقیقت حال سے آگاہ کر رہا ہوں۔اس حدیث کے سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن صحاح ستہ وغیرہ میں ہمیں اس کے شواہد موجود ہیں(3)۔حضرت ابن عباس مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ خلت ابراہیم کے لیے، کلام موسیٰ کے لیے تھا اور دیدار محمد ﷺ ہے(4)۔اسی مضمون کی روایات حضرت انس بن مالکؓ اور کئی دوسرے صحابہ کرامؓ، تابعین کرام اور ائمہ سلف صالحینؒ سے مروی ہیں۔حضرت عبید بن عمیرؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے عادت مبارکہ تھی کہ وہ مہمان کے ساتھ کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔ایک دن وہ مہمان کی تلاش میں نکلے۔لیکن کوئی مہمان نہ مل سکا۔جب گھر پہنچے تو وہاں ایک آدمی کھڑا دیکھا آپ نے فرمایا اے اللہ کے بندے! تم میری اجازت کے بغیر اندر کیسے داخل ہو گئے۔اس نے کہا کہ میں اس گھر کے مالک حقیقی کے حکم سے داخل ہوا ہوں۔فرمایا تم کون ہو؟ عرض کی میں ملک موت ہوں۔مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کی طرف بھیجا ہے کہ میں

1۔تفسیر الطبری 297/5 2۔فتح الباری، کتاب الصلوۃ 558/1 3۔ترمذی، ابواب المناقب 103/12
4۔المستدرک، کتاب التفسیر 369/2

اسے خوشخبری سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خلیل بنالیا۔ فرمایا وہ کون ہے۔ قسم بخدا اگر تم نے مجھے بتادیا اور وہ شخص زمین کے کسی دور دراز گوشہ میں بھی ہوا تو میں اس کے پاس ضرور پہنچوں گا۔ اور باقی زندگی اس کا پڑوسی بن کر گزار دوں گا فرشتے نے جواب دیا وہ اللہ کا بندہ آپ ہی ہیں جن کو اللہ نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ واقعی میں ہی وہ بندہ ہوں۔ فرشتے نے عرض کی ہاں آپ ہی ہیں۔ فرمایا کس بناء پر اللہ نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے۔ عرض کی آپ لوگوں کو عطا کرتے ہیں ان سے کوئی سوال نہیں کرتے۔ حضرت اسحاق بن یسار فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں خشیت القاء کر دی جب سے آپ کے دل کی دھڑکن دور سے ہی سنائی دیتی تھی۔ جیسا کہ ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کی پر پراہٹ سنائی دیتی ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بھی یہی مروی ہے کہ آپ کے سینہ مبارک میں ایسی آوازیں آتیں تھیں۔ جیسا کہ ابلتی ہوئی ہنڈیا سے آواز آتی ہے(1)۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ: یعنی زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی ملکیت اور غلامی میں ہے اور اس کی مخلوق ہے۔ اور وہی تمام چیزوں میں بغیر کسی روک ٹوک کے تصرف کرنے والا ہے۔ اس کے حکم سے کسی مجال انکار نہیں اور وہ جو کچھ کرتا ہے وہ اپنی عظمت و قدرت، عدل و حکمت اور لطف و مہربانی سے کرتا ہے۔ اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا: اللہ تعالیٰ کا علم تمام مخلوق کو محیط ہے۔ اپنے بندوں کا کوئی راز اس سے مخفی نہیں اور زمین و آسمان کی وسعتوں میں ذرا بھر یا اس سے چھوٹی یا بڑی اس کے علم سے باہر نہیں۔ ذرہ ہماری نظر سے تو چھپ سکتا ہے لیکن اس کی نظر سے مخفی نہیں رہ سکتا۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿١٢٧﴾

"اور فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے عورتوں کے بارے میں آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تمہیں ان کے بارے میں اور وہ آیتیں جو پڑھی جاتی ہیں تم پر اس کتاب (قرآن) میں (ان میں احکام ہیں) ان یتیم بچوں کے متعلق جنہیں تم نہیں دیتے ہو جو (حق) مقرر کیا گیا ہے ان کے لیے اور خواہش کرتے ہو کہ خود نکاح کر لو ان کے ساتھ (ان کا مال دبوچنے کے لیے) اور (قرآن میں احکام ہیں) کمزور بچوں کے متعلق۔ اور (وہ یہ) کہ قائم رہو یتیموں کے معاملہ میں انصاف پر اور جو کرو گے بھلائی (کے کاموں) سے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے"۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی پڑوس میں کوئی یتیم بچی ہو۔ وہی اس کا ولی وارث ہو۔ اور اس کا مال اپنے مال کے ساتھ ملالے اور پھر اس کے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش کرے کہ اس کی شادی غیر کے ساتھ کر دی تو وہ بھی اس کے مال میں شریک ہو جائے گا۔ اس طرح وہ اس کو شادی کرنے سے روکتا ہے تو ایسے شخص کے بارے میں یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد جب لوگوں نے ان یتیم بچیوں کے بارے میں حضور ﷺ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔ آپ فرماتی ہیں: وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ سے مراد پہلی آیت کریمہ: وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي

1۔ مسند احمد 25/4

الْيَتٰمٰى..... (النساء:3)'' ترجمہ: اور اگر ڈرو تم اس سے کہ نہ انصاف کرسکو گے تم یتیم بچوں کے معاملہ میں (تو) ان سے نکاح نہ کرو)'' ہے۔
وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ: آپ فرماتی ہیں کہ اس مراد یہ ہے کہ جب اس یتیم بچی کے پاس مال کم ہوتا یا وہ کم خوبصورت ہوتی تو وہ اس کے ساتھ نکاح نہ کرتے۔ یہاں ان کو اس بات سے روک دیا گیا کہ اگر وہ کسی مال اور حسن و جمال والی یتیم بچی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو عدل وانصاف سے کریں۔ اس آیت کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ جس آدمی کی کفالت و پرورش میں کوئی یتیم بچی ہے اور وہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کا اس سے نکاح جائز ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے حکم فرمایا ہے کہ وہ اسے پورا پورا حق مہر ادا کرے۔ اگر یہ نہیں کرسکتا تو اسے چھوڑ کر کسی اور سے نکاح کرلے۔ یہ مفہوم اس سورت کی پہلی آیت کا ہے جو ابتدا میں گزر چکی ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس کی بدصورتی یا کسی اور وجہ سے اس کے ساتھ نکاح نہیں کرنا چاہتا لیکن وہ اس ڈر سے کسی اور جگہ نکاح نہیں کرنے دیتا کہ اگر اس نے کسی اور سے شادی کرلی تو اس کا خاوند بھی اس کے ساتھ مال میں شریک ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دور جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ یتیم بچی کا والی اس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا۔ اس طرح کرنے سے اب اس کے ساتھ کوئی شادی نہیں کرسکتا تھا۔ اب اگر وہ لڑکی خوبصورت ہوتی تو وہ خود اس کے ساتھ شادی کرلیتا اور اس کا مال کھاتا اور اگر وہ بدصورت ہوتی تو اسے دوسروں سے نکاح کرنے سے روک دیتا۔ اور اس کے مرنے بعد اس کے مال کا وارث بن جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کردیا اور مسلمانوں کو اس سے روک دیا۔

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ: اس زمانہ میں لوگ چھوٹے بچے اور بچیوں کو ترکہ سے حصے نہیں دیا کرتے تھے۔ قرآن نے اس رسم کو ختم کردیا اور ہر ایک کے لیے اس کا حصہ مقرر کردیا اور فرمایا کہ لڑکا اور لڑکی خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے ان میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ دو۔ لیکن لڑکی کو ایک حصہ اور لڑکے کو دو حصے۔

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ: حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح تم مال و دولت اور حسن و جمال والی عورت کے ساتھ نکاح کرکے اسے اپنے لیے خاص کرلیتے ہو اس طرح غریب اور بدصورت کے ساتھ نکاح کرکے اسے اپنے لیے خاص کرلو۔
وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا: یہ ارشاد نیکی کے کام پر برانگیختہ کرنے اور حکم الٰہی کی پیروی پر رغبت دلانے کے لیے نازل ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بخوبی آگاہ ہے۔ اس لیے ہر عمل کی مکمل جزاء عطا فرمائے گا۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا
صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا
تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

''اگر کوئی عورت خوف کرے اپنے خاوند سے (اس کی) زیادتی یا روگردانی کی وجہ سے تو نہیں کوئی حرج ان دونوں پر کہ صلح کرلیں آپس میں اور صلح ہی (دونوں کے لیے) بہتر ہے اور موجود رکھا گیا ہے نفسوں میں بخل اور اگر تم احسان کرو اور مرتکب بنو تو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ پورا پورا انصاف کرو اپنی

بیویوں کے درمیان اگرچہ تم اس کے بڑے خواہشمند بھی ہو تو یہ نہ کرو کہ جھک جاؤ (ایک بیوی کی طرف) بالکل اور چھوڑ دو دوسری کو جیسے وہ (درمیان میں) لٹک رہی ہو اور اگر درست کرلو (اپنا رویہ) اور پرہیزگار بن جاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور اگر دونوں (میاں بیوی) جدا ہو جائیں تو غنی کر دے گا اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنی وسیع بخشش سے اور اللہ تعالیٰ وسیع بخشش والا حکمت والا ہے''۔

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ: اللہ تعالیٰ نے یہاں میاں بیوی کے احوال واحکام کا ذکر کیا ہے۔ کبھی مرد اپنی بیوی سے ناراض ہوتا ہے اور کبھی راضی اور خوش۔ اور بعض اوقات ایسے حالات بھی بن جاتے ہیں کہ وہ اسے جدا کر دیتا ہے۔ پہلی حالت میں جبکہ عورت کو خاوند کے ناراض ہونے کا خوف ہو تو عورت اسے راضی کرنے کے لیے اپنے تمام حقوق یا بعض سے دستبردار ہو سکتی ہے۔ مثلاً نان ونفقہ، اور خاوند کے پاس شب باشی کے حقوق کو معاف کر سکتی ہے۔ اور مرد کے لیے انہیں قبول کرنا جائز ہے۔ اور عورت کے لیے بھی اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر وہ آپس میں صلح کرلیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں اور صلح فراق سے بہتر ہے۔ حضرت ام المومنین سودہ بنت زمعہؓ کی عمر جب بہت زیادہ ہوگئی اور انہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں جدا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ وہ اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دیتی ہیں آپ نے ان کی یہ بات قبول فرمالی اور انہیں اپنے حرم میں شامل رکھا۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میاں بیوی جس چیز پر بھی صلح کرلیں جائز ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت نو ازواج مطہرات تھیں اور آپ نے ان میں آٹھ کے لیے باری مقرر کر رکھی تھی۔ کیونکہ ان میں حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت سیدہ عائشہ کو عطا فرمادی تھی۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شب باشی کے معاملہ میں ہمارے ساتھ برابری کا سلوک کرتے تھے۔ کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ اور عموماً آپ اپنی ہر زوجہ کے گھر تشریف لے جاتے، گفتگو فرماتے، حتیٰ کہ سب سے آخر میں اس کے پاس تشریف لے جاتے جس کی باری ہوتی اور اس کے پاس رات گزارتے۔ حضرت سودہ بنت زمعہؓ کی عمر جب زیادہ ہوگئی اور انہیں خوف محسوس ہوا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ مجھے چھوڑ نہ دیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری باری عائشہ کو دے دیجئے۔ آپ نے ان کی یہ بات قبول فرمالی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (2)۔ حضرت قاسم بن ابو بزہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت سودہ بنت زمعہ کو طلاق کی خبر پہنچائی تو وہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں آ گئیں اور جب آپ تشریف لائے تو عرض کی میں آپ کو اس ذات کا واسطہ دیتی ہوں جس نے اپنا کلام آپ پر نازل فرمایا اور آپ کو اپنی تمام مخلوق سے برگزیدہ بنایا۔ آپ اس طلاق سے رجوع کر لیجئے۔ میں اب بہت بوڑھی ہو چکی ہوں۔ مجھے مرد کی کوئی خواہش نہیں لیکن میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن مجھے آپ کی زوجہ کی حیثیت سے اٹھایا جائے۔ یہ بات سن کر آپ نے رجوع کرلیا۔ اس کے بعد انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اپنے دن رات کی باری آپ کی محبوب زوجہ سیدہ عائشہ کو دیتی ہوں۔ بخاری میں ہے کہ یہ آیت کریمہ اس عورت کے بارے میں نازل ہوئی جو انتہائی بوڑھی ہو چکی ہو اس کا خاوند اس سے پیار نہ کرتا ہو اور اسے طلاق دینا چاہتا ہو تو وہ کہے کہ میں آپ سے کوئی مطالبہ نہیں کرتی لیکن آپ مجھے طلاق نہ دیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جس کسی آدمی کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک بوڑھی یا بدصورت ہونے کی وجہ سے ناپسند کرتا ہو اور اس وجہ سے اسے طلاق دینا چاہتا ہو تو وہ کہے کہ تم مجھے طلاق نہ دو۔ میں تم سے کوئی مطالبہ نہیں کرتی۔ حضرت ابن سیرین سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمر بن خطابؓ سے کسی آیت کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے اس

1۔ البیہقی، کتاب القسم والنشوز: 297/7	2۔ المستدرک، کتاب النکاح: 186/2

کے انداز سوال کو ناپسند فرمایا اور اسے درہ مارا۔ ایک دوسرے آدمی نے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں اس قسم کے احکام کے متعلق سوال کرنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب کسی شخص کی بیوی بوڑھی ہو چکی ہو اور اس سے اولاد بھی نہ ہوئی اور وہ اولاد کی خاطر کسی نوجوان لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہو تو وہ دونوں جس چیز پر بھی اتفاق کر لیں جائز ہے۔ ایک شخص نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو بدصورتی، بڑھاپے، بداخلاقی، پھگڑ پن کی وجہ سے ناپسند کرتا ہو اور اسے طلاق دینے کا ارادہ کرے اور وہ عورت اس سے جدا نہ ہونا چاہتی ہو اور وہ اپنا حق مہر چھوڑ دے تو اس پر صلح جائز ہے۔ اسی طرح اگر وہ اپنی باری کسی دوسری بیوی کو دے دے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ حضرات عبیدہ سلمانی، مجاہد بن جبیر، شعبی، سعید بن جبیر، حسن بصری اور کئی دوسرے آئمہ کرام سے مروی ہے۔ میرے خیال کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ حضرت سعید بن میسب سے مروی ہے کہ محمد بن مسلم کی بیٹی حضرت رافع بن خدیج کے نکاح میں تھیں۔ بڑھاپے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے انہوں نے طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ مجھے طلاق نہ دیں۔ آپ کا جو حکم ہو وہ مجھے منظور ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے بارے میں ذکر کیا ہے جو اپنی عورت کو کسی وجہ سے ناپسند کرتا ہے تو اس شخص کو چاہیے کہ وہ عورت کو اس بات سے آگاہ کر دے کہ وہ عورت کو طلاق دینا چاہتا ہے یا اس بات پر اتفاق کر لیں کہ وہ عورت اس کے پاس ہی رہے گی اور وہ اس کی باری اور نان ونفقہ میں دوسری بیوی کو اس پر ترجیح دے گا۔ تو ان کا اس بات پر اتفاق کر لینا صحیح ہے۔ اس کو سعید بن میسب اور سلیمانؒ نے بیان فرمایا ہے کہ یہی وہ صلح ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج انصاری صحابی رسول ہیں ان کی بیوی جب بوڑھی ہو گئی تو انہوں نے ایک نوجوان عورت سے شادی کر لی اور اس نئی بیوی کو ان پر ترجیح دی تو انہوں نے ان سے طلاق کا مطالبہ کیا۔ اس پر انہوں نے انہیں ایک طلق دے دی اور جب عدت ختم ہونے کی قریب تھی کو رجوع کر لیا اور پھر نئی بیوی کو ان پر ترجیح دینے لگے یہ دیکھ کر انہوں نے پھر طلاق کا مطالبہ کیا تو آپ نے انہیں طلاق دے دی۔ اس کے بعد پھر جب وہی صورت حال پیش آئی تو انہوں نے پھر طلاق کا مطالبہ کیا تو انہوں نے فرمایا اب تمہاری صرف ایک طلاق باقی رہ گئی ہے اگر اسی حالت میں گزارہ کر سکتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ میں تمہیں طلاق دے دیتا ہوں۔ ان کی بیوی نے جواب دیا میں اس حال پر راضی ہوں۔ اور طلاق نہیں لیتی۔ اس طرح انہوں نے طلاق نہ دی اور انہیں اپنے ساتھ رہنے دیا۔ سو اس طرح ان کا اس بات پر اتفاق ہو گیا اور حضرت رافع نے بھی اسے گناہ خیال نہ کیا کیونکہ ان کی بیوی اس حالت میں رہنے پر راضی ہو گئی تھی (1)۔ اس آیت کا مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ خاوند کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ دوسری بیوی کو خواہ طلاق دے دے۔ لیکن اس کو طلاق دینے سے بہتر ہے کہ اس کو اپنے پاس رکھے اور اپنی دوسری بیوی کو پہلی بیوی پر ترجیح دے۔ لیکن اس سے بھی بہتر مفہوم یہ ہے کہ اگر عورت اپنے بعض حقوق کو چھوڑنے اور خاوند کے ساتھ ہی رہنے پر متفق ہو جائے اور خاوند اس بات کو منظور کر لے تو یہ اس کو کلی طور پر چھوڑنے سے بہتر ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سودہ بن زمعہ کو اپنے حرم میں ہی شامل رکھا۔ اور اس کے مقابلہ میں انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی۔ آپ کے اس فعل میں امت کے لیے بہترین نمونہ ہے اور اس چیز کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے نا مساعد حالات میں بھی عورت کو طلاق نہ دی جائے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی میاں بیوی کا اتفاق طلاق سے بہتر ہے۔ اور طلاق ناپسندیدہ ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک حلال کاموں میں سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے (2)۔

1۔ سنن بیہقی، کتاب القسمۃ والنشوز: 296/7 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق: 255/2

وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا: اگر تم ناپسندیدگی کے باوجود صبر کرو اور اپنی عورتوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرو تو اللہ تعالیٰ اس کو بہتر جانتا ہے اور تمہیں اس کی جزاء عطا فرمائے گا۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا: اے لوگو! تمہارے بس کی بات نہیں کہ تم اپنی بیویوں کے درمیان عدل کر سکو۔ اگر تم ظاہری طور پر ہر ایک بیوی کے لیے علیحدہ علیحدہ باری مقرر کر بھی دو تو محبت، شہوت اور جماع میں برابری نہیں کر سکو گے۔ حضرت ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت عائشہؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیونکہ آپ کو ان کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی تمام ازواج کے درمیان مساوات کرتے اور پھر عرض کرتے اے باری تعالیٰ! یہ تقسیم تو میرے بس میں ہے وہ قلبی تعلق جس کا تو مالک ہے اور میرے بس میں نہیں اس پر ملالت نہ کرنا (1)۔

فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ: یعنی جب تمہارا رجحان کسی ایک بیوی کی طرف ہو جائے تو اس کی طرف مکمل طور نہ جھک جاؤ تاکہ دوسری بیوی معلق نہ ہو جائے یعنی وہ اس طرح نہ خاوند والی رہے گی نہ مطلقہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف جھک جائے تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس طرح پیش ہوگا کہ اس کا ایک حصہ جھکا ہوا ہوگا۔

وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا: یعنی اگر تم اپنے امور کی اصلاح کرو اور اپنی بیویوں کے معاملہ میں عدل وانصاف سے کام لو۔ اور اپنے تمام احوال میں ڈرتے رہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری اس کوتاہی کو معاف کر دے گا جو کسی بیوی کی طرف زیادہ رجحان رکھنے کی وجہ سے ہوئی۔

وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ: اور یہ تیسری حالت بیان کی جارہی ہے۔ یعنی اگر وہ میاں بیوی آپس میں گزارہ کر سکیں اور ان میں جدائی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کو مستغنی کر دے گا۔ یعنی خاوند کو اس کے عوض بہتر بیوی عطا فرما دے گا اور اس بیوی کو اس کے بدلے میں بہتر خاوند عطا فرما دے گا۔

وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا: اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان بہت عظیم اور وسیع ہے اور اس کے تمام افعال، احکام اور شریعت حکمت پر مبنی ہیں۔

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿١٣١﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَ يَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿١٣٣﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿١٣٤﴾

"اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک ہم نے حکم دیا ان لوگوں کو جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور (حکم دیا) تمہیں بھی کہ ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور اگر کفر کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور ہر تعریف کا مستحق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، 242/2

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز۔ اگر چاہے تو لے جائے تمہیں اے لوگو! اور لے آئے دوسروں کو اور اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ جو شخص ارادہ کرتا ہو صرف ثواب دنیا کا (تو یہ اس کی اپنی کم نظری ہے) اللہ کے پاس تو دنیا و آخرت (دونوں) کا ثواب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والا ہر چیز دیکھنے والا ہے''۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہی زمین و آسمان کا مالک ہے، وہی حاکم حقیقی ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تم سے پہلے اہل کتاب کو بھی یہی نصیحت فرمائی تھی کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کریں۔ اور یہی وصیت تمہارے لیے ہے اور پھر ارشاد فرمایا کہ اگر تم کفر کرو گے زمین اور آسمان کی ہر چیز اللہ کی ملکیت میں ہے۔ یہ ارشاد باری تعالیٰ اسی طرح ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا تھا کہ اے قوم اگر تم کفر کرو اور تمام اہل زمین بھی تمہارے ساتھ شامل ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ غنی ہے اور ستائش کے قابل ہے۔ یعنی وہ اپنے بندوں سے مستغنی ہے اور اپنے ان تمام احکام میں جو وہ اپنے بندوں کو دیتا ہے قابل تعریف ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ کے لیے ہے اور وہی کارساز کافی ہے۔ یعنی وہ ہر نفس کے ہر فعل پر شاہد اور ہر چیز کا نگہبان ہے۔

وَاِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ: یعنی اگر تم اس کی نافرمانی کرو گے تو وہ اس پر قادر ہے کہ تمہیں ہلاک کر کے تمہارے بدلے کسی دوسری قوم کو لے آئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ''ترجمہ: اور اگر تم روگردانی کرو گے تو تمہارے عوض دوسری قوم لے آئے گا''۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ مخلوق خدا اس کے حکم کی نافرمانی کرے وہ اس کے نزدیک انتہائی ذلیل ہوتی ہے۔ اسی طرح ارشاد فرمایا اگر وہ چاہے تمہیں ہلاک کر دے اور نئی مخلوق لے آئے اور اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا: اے وہ شخص جس کا مقصد صرف حصول دنیا ہی ہے غور سے سنو! کہ اللہ کے پاس دنیا و آخرت کی نعمتیں ہیں اور اگر تو دنیا و آخرت کی نعمتوں کا سوال کرتا تو وہ تجھے عطا کر کے غنی کر دیتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا ... (بقرہ:200) ''ترجمہ: اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! دے دے ہمیں دنیا میں ہی (سب کچھ) نہیں ہے آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ۔ بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی اور بچا دے ہمیں آگ کے عذاب سے''۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ (الشوریٰ:20): یہی مفہوم اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بھی ارشاد فرمایا ہے: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ...... ''ترجمہ: جو لوگ طلبگار ہیں صرف دنیا کے ہم جلدی دے دیتے ہیں اس دنیا میں جتنا چاہتے ہیں (ان میں سے) جسے چاہتے ہیں پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لیے جہنم تاپے گا وہ اسے اس حال میں کہ وہ مذمت کیا ہوا اور ٹھکرایا ہوا ہو''۔ ابن جریر کا قول ہے کہ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا سے مراد منافقین ہیں۔ جنہوں نے حصول دنیا کے لیے ایمان کو ظاہر کیا تو ان کو مسلمانوں کے ساتھ دنیا مل جائے گی۔ یعنی مال غنیمت میں حصہ ملے گا اور آخرت میں نار جہنم میں انہیں سزا ملے گی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ ابن جریر نے اس آیت کریمہ سے وہی مفہوم مراد لیا ہے جو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا...... ''ترجمہ: جو طلبگار ہیں دنیاوی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے تو ہم پورا بدلہ دیں گے انہیں ان کے اعمال کا اس دنیا میں اور انہیں اس دنیا میں اور انہیں اس دنیا میں نقصان نہیں اٹھانا پڑے گا''۔ بلاشبہ اس آیت کریمہ کا معنی ظاہر ہے لیکن ان کا اس آیت سے پہلے پہلی آیت کی تفسیر بیان کرنا محل نظر ہے۔ چونکہ اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے اس

لیے کوتاہ ہمت کو نہیں چاہیے کہ وہ صرف حصول دنیا پر ہی اقتصا کر لے۔ بلکہ اسے تو بلند ہمت ہونا چاہیے تاکہ دنیا و آخرت کے بلند مقام اور مقاصد کو حاصل کرے۔ کیونکہ یہ سب کچھ اس ذات کے قبضہ قدرت میں ہے جو ہر نفع نقصان کا مالک ہے۔ اس کے سواء کوئی معبود نہیں۔ وہی لوگوں کے درمیان سعادت وشقاوت کو تقسیم کرنے والا ہے۔ وا اپنی اس تقسیم میں عادل ہے۔ کیونکہ وہ جس چیز کو جس کا اہل سمجھتا ہے۔ عطا فرما دیتا ہے اس لیے ارشاد فرمایا: وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

''اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر گواہی دینے والے محض اللہ کے لیے چاہے گواہی دینا پڑے تمہیں اپنے نفسوں کے خلاف یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف (جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے) وہ دولت مند ہو یا فقیر پس اللہ زیادہ خیر خواہ ہے دونوں کا تو نہ پیروی کرو خواہش نفس کی انصاف کرنے میں۔ اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ موڑ و تو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے''۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم فرما رہا ہے۔ اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے قائم رہو۔ عدل کو چھوڑ کر دائیں بائیں نہ دیکھو احکام الٰہی کی ادائیگی میں کسی سے نہ ڈرو۔ کوئی لالچ، خواہش نفسانی تمہیں عدل سے دور نہ کر دے اور اس سلسلہ میں تم ایک دوسرے کے معاون مددگار بن جاؤ۔ اور اگر تمہیں گواہی دینا پڑ جائے تو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے دو۔ جب تمہاری گواہی اللہ کے لیے ہو گی تو یہ ہر قسم کے جھوٹ وفریب، تحریف سے خالی اور سچی گواہی ہو گی۔ اور اگر چہ گواہی تمہارے خلاف بھی ہو اور اس میں تمہارے نقصان کا اندیشہ بھی ہو تو سچ اور حق کا دامن نہ چھوڑو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے مطیع اور فرمانبرداروں کے لیے ہر مشکل میں کوئی نہ کوئی راہ نکال لیتا ہے۔ اسی طرح والدین اور قریب کے رشتہ دواروں میں گواہی دینا پڑے تو کسی قسم کی رعایت نہ کرنا اگر چہ انہیں اس وجہ سے نقصان ہی ہو۔ کیونکہ حق کا ہی بول بالا ہوتا ہے۔ گواہی کے معاملہ میں نہ تو کسی دولت مندی اور غناء کا خیال رکھنا اور نہ ہی کسی کے فقیر کی وجہ اس پر ترس کھانا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کا نگہبان اور والی ہے اور وہ تم سے بہتر جانتا ہے کہ ان کی بہتری کس چیز میں ہے اور اسی طرح خواہشات نفسانی، عصبیت اور کسی کے ساتھ ناراضگی عدل ترک کرنے پر نے ابھارے بلکہ تمہیں چاہیے کہ ہر حال میں عدل کو اپنا شعار بنا لو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ ''ترجمہ: اور ہر گز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو یہی زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو''۔

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو اہل خیبر کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان کے پھلوں کی پیداوار کا اندازہ لگا کر بیت مال کا حصہ وصول کریں۔ ان یہودیوں نے ان کی رشوت دینا چاہی تاکہ وہ اس معاملہ میں نرمی سے کام لیں تو آپ نے انہیں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں اور تم میرے نزدیک کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہو۔ لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ سے محبت کی وجہ سے تمہارے سے دشمنی کی وجہ سے تمہارے ساتھ بے انصافی نہیں کروں گا۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تو کہنے لگے۔ ایسی ہستیوں کے ساتھ زمین کا نظام قائم ہے۔ سورۂ مائدہ کی تفسیر میں یہ حدیث مکمل آئے گی۔

وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا: حضرت مجاہد اور کئی دوسرے مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ اَلَیّ کا معنی تحریف کرنا اور قصداً جھوٹ بولنا ہے۔ اس طرح معنی یہ بن جائے گا کہ اگر تم گواہی میں کوئی تحریف وتبدیلی کرو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ اسے باخبر ہے اور تمہیں اس کی سزا دے گا۔ ''اعراض'' کا معنی شہادت کو چھپانا اور ترک کرنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو گواہی کو چھپائے گا وہ سخت گنہگار ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بہترین گواہ وہ ہے جو دریافت کرنے سے پہلے ہی سچی گواہی دے دے (1)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝١٣٦

''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل فرمائی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی اس سے پہلے اور جو کفر کرے اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت کے ساتھ تو وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں دور نکل گیا''۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا: یہاں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دے رہا ہے کہ وہ ایمان میں پورے پورے داخل ہو جائیں اور اس کے تمام احکام اور ارکان پر کاربند ہو جائیں۔ یہاں اہل ایمان کو جو اللہ تعالیٰ نے ''اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ ......'' کا حکم دیا ہے اس کو تحصیل حاصل نہیں کہہ سکتے بلکہ یا تکمیل کامل ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ایمان پر مضبوطی سے قائم ہو جیسا کہ ہر مسلمان ہر نماز اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہتا ہے۔ تو اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ ہمیں اس ہدایت پر ثابت قدم رکھ۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومنین کو اپنے اوپر اور اپنے رسول پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ'' ترجمہ: اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ایمان لے آؤ اس کے رسول پر'' اس کے بعد ارشاد فرمایا اس کتاب پر یعنی قرآن حکیم پر ایمان لاؤ جو میں نے اپنے رسول پر نازل کیا اور ان تمام کتابوں پر بھی ایمان لاؤ جو اس سے پہلے میں نے نازل کیں۔ یہاں قرآن پاک کے بارے میں ''نَزَّلَ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اور دوسری کتاب سماویہ کے بارے میں انزل کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک تھوڑا تھوڑا کر کے ضرورت کے مطابق نازل ہوا اور اس کے برعکس پہلی کتب سماویہ یکبارگی نازل ہوئیں۔ پھر ارشاد فرمایا جو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور روز قیامت کے دن کے قیام کا انکار کرے گا وہ سخت گمراہ ہوگا اور ہدایت کے راستہ سے نکل کر گمراہی کی راہ میں بھٹک جائے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝١٣٧ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَۨا ۝١٣٨ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝١٣٩ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا

1۔ مسلم، کتاب الاقضیۃ: 1344

فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿١٤٠﴾

''بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر بڑھتے گئے کفر میں نہیں ہے سنت الٰہی کے متعلق بخش دے انہیں اور نہ (یہ) کہ پہنچائے انہیں راہ (راست) تک۔ خوشخبری سنا دو منافقوں کو کہ بلاشبہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ وہ منافق جو بناتے ہیں کافروں کو (اپنا) دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا وہ تلاش کرتے ہیں ان کے پاس عزت؟ تو (وہ سن لیں) عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے سب کی سب۔ اور تحقیق اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر (یہ حکم) کتاب میں کہ جب تم سنو اللہ کی آیتوں کو کہ انکار کیا جا رہا ہے ان کا اور مذاق اڑایا جا رہا ہے ان کا تو مت بیٹھو ان (کفرو استہزاء کرنے والوں) کے ساتھ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی دوسری بات میں ورنہ تم بھی انہیں کی طرح ہو گے بیشک اللہ تعالیٰ اکٹھا کرنے والا ہے سب منافقوں اور سب کافروں کو جہنم میں''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: یہاں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے بارے میں بیان کیا ہے جو ایمان لا کر پھر مرتد ہو جاتا ہے، پھر مسلمان ہو جاتا ہے اور پھر اس کے بعد راہ کفر اختیار کر کے اس پر جم جاتا ہے۔ اگر وہ اسی حالت میں مر گیا تو اس کی توبہ قبول نہیں ہو گی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت کی راہ بھی نہیں دکھاتا۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نہ تو انہیں بخشے گا اور نہ ہی راہ ہدایت نصیب فرمائے گا۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا کا معنی یہ ہے کہ وہ کفر و شرک پر ہی ڈٹے رہے یہاں تک کہ ان کو موت نے آلیا حضرت علیؓ یہ آیت کریمہ تلاوت کر کے ارشاد فرماتے کہ مرتد کو تین دفعہ توبہ کے لیے کہا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرمایا کہ ان کا بھی یہی حال ہے پہلے ایمان لائے پھر کفر کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ اس کے بعد بیان فرمایا کہ یہ منافقین مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ یعنی یہ حقیقی دوست انہی کے ہیں پوشیدہ طور پر ان سے محبت کا اظہار کرتے ہیں جب تنہائی میں انہیں ملتے ہیں تو انہیں کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور انہیں بتاتے ہیں کہ ہم نے جو ایمان ظاہر کیا ہے یہ صرف مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے ہے۔ اللہ ان کی اس روش کو ناپسند کرتے ہوئے فرماتا ہے کیا یہ منافقین ان کافروں کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ تمام عزتوں کا مالک تو اللہ ہی ہے جو وحدہ لاشریک ہے وہ جسے چاہے عزت بخش دے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا (فاطر:10) ''ترجمہ: جو عزت کا طلب گار ہو (وہ جان لے) ہر قسم کی عزت اللہ کے لیے ہے''۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا: وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (المنافقون:8) ''ترجمہ: حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لے اور ایمان والوں کے لیے ہے۔ مگر منافقوں کو (اس بات کا) علم ہی نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تم حقیقی عزت چاہتے ہو تو یہ تمہیں اللہ کی بارگاہ سے ملے گی اس لیے اس کے مومن بندوں میں شامل ہو جاؤ تاکہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد اور نصرت فرمائے۔ اس موقع پر امام احمد کی یہ روایت بھی قابل ذکر ہے۔ حضرت ابو ریحانہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص فخر و غرور اور اپنی عزت ظاہر کرنے کے لیے اپنا نسب، اپنے کافر باپ دادوں سے ملائے اور اس طرح شمار کرتے کرتے نو جد تک پہنچ جائے تو وہ بھی ان کے ساتھ دسواں جہنمی ہے(1)۔

1۔ مسند احمد: 134/4

قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ: یہاں ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو سننے کے بعد بھی باز نہ آئے اور کافروں کی اس مجلس میں بیٹھے رہے یہاں اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا جا رہا تھا۔ اور ان کا تمسخر اڑایا جا رہا تھا۔ تو تمہارا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوگا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ دستر خوان پر نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چل رہا ہو۔ اس آیت کریمہ میں جس ممانعت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس سے مراد سورہ انعام کی یہ آیت کریمہ ہے جو مکہ میں نازل ہوئی: وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ کا حکم اس آیت کریمہ: وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ...... (انعام: 69) ''ترجمہ: اور نہیں ہے ان پر جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ ان کافروں سے حساب سے کچھ بوجھ۔ البتہ پرہیزگاروں پر نصیحت کرنا فرض ہے شاید وہ باز آجائیں''۔ سے منسوخ ہو گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ: یعنی جس طرح یہ منافقین کفر میں کافروں کے ساتھ شریک رہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کو جہنم میں دائمی طور پر رہنے کے لیے ان کے ساتھ شریک کر دے گا۔ اور یہ وہاں عذاب و سزا بیڑیوں اور طوق، کھولتے ہوئے پانی اور پیپ پینے کے ساتھ شریک ہوں گے۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾

''وہ جو انتظار کر رہے ہیں تمہارے (انجام) کا تو اگر ہو جائے تمہیں فتح اللہ کی طرف سے (تو) کہتے ہیں کیا نہیں تھے ہم بھی تمہارے ساتھ اور اگر ہو کافروں کے لیے کچھ حصہ (کامیابی سے) کہتے ہیں کیا نہیں غالب آگئے تھے ہم تم پر اور (اس کے باوجود) کیا نہیں بچایا تھا ہم نے تم کو مومنوں سے۔ پس (اے اہل نفاق!) اللہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن اور ہرگز نہیں بنائے گا اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر (غالب آنے کا) راستہ''۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ: یہاں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ یہ مسلمانوں کی شکست و زوال اور کفر کے غلبہ و تسلط کے انتظار میں رہتے ہیں اور اگر اللہ مسلمانوں کو فتح و نصرت مال غنیمت اور کامیابی عطا فرما دے۔ تو یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم بھی تو تمہارے ساتھ تھے اور اگر بعض اوقات صورت حال اس کے برعکس ہو جائے جیسا کہ غزوۂ احد میں ہوا تو یہ بغلیں بجانے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے خفیہ طور پر تمہاری بہت مدد کی اور مسلمانوں کو نقصان میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور اسی وجہ سے تم مسلمانوں پر غالب آئے ہو۔ سدی فرماتے ہیں: نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ کا معنی یہ ہے کہ ہم تم پر غالب آنے والے تھے اور یہ ان کافروں سے اظہار محبت ہے کیونکہ وہ مسلمان، کافر دونوں سے چالبازی اور مکر و فریب سے کام لیتے تھے۔ تاکہ وہ کافروں کی نظر میں بلند مرتبہ رہیں اور مسلمانوں کی نگاہ سے بھی نہ گریں اور یہ ان کے ضعف ایمان اور قلت ایمان کی دلیل ہے۔

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ: اے منافقو! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارا فیصلہ فرما دے گا۔ اس دنیاوی زندگی میں تم پر جو شریعت کے احکام جاری ہوتے ہیں اس سے دھوکہ نہ کھانا کیونکہ اس میں اللہ کی خاص حکمت ہے، قیامت کے دن تمہیں یہ ظاہری اعمال فائدہ نہیں دیں گے بلکہ اس دن تو دل اور سینے کے پوشیدہ رازوں کو بھی ظاہر کر دیا جائے گا۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا: ایک آدمی حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اس آیت کریمہ کا معنی پوچھا تو آپ نے فرمایا میرے قریب ہو جاؤ اور پھر اس آیت کریمہ کے ماقبل جملے کو ملا کر تلاوت فرمائی تو اس کا معنی واضح ہو گیا۔ یعنی قیامت کے دن کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔ اور یہی حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے مفسرین سے مروی ہے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ ''سبیل'' کا معنی محبت ہے اور اس آیت کریمہ کو اس کے ظاہری مفہوم پر محمول کرنا بھی صحیح ہے اور معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر اس قسم کا غلبہ عطا نہیں فرمائے گا کہ وہ ان کا کلی طور پر استحصال کر سکیں۔ بعض اوقات ان کو مسلمانوں پر فتح حاصل ہو سکتی ہے لیکن دنیا و آخرت میں بہترین انجام مسلمانوں ہی کا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا...... ''ترجمہ: بے شک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیاوی زندگی میں، اور اس دن بھی جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔'' جس طرح آیت کریمہ منافقین کے رد میں ہوگی جو کہ مسلمانوں کی قوت وسلطنت کے زوال کے انتظار میں رہتے تھے۔ اور خفیہ طور پر کافروں کے ساتھ تعلق قائم کرتے تھے۔ تاکہ جب وہ کافر مسلمانوں پر غالب آئیں تو یہ ان سے مفاد حاصل کر سکیں۔ جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ...... (المائدہ)'' ترجمہ: تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مرض ہے کہ وہ دوڑ دوڑ کر یہود و نصاریٰ کی طرف، کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہیں ہم پر کوئی گردش نہ آ جائے......''۔ بہت سے علمائے کرام سے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مسلمان غلام کو کافر کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں ایک مسلمان پر کافر کا غلبہ اور مسلمان کی تذلیل ہوتی ہے۔ اور بعض علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں وہ اس غلام کو اپنی ملک سے اسی وقت زائل کر دے

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

''بیشک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر (وہ بھی عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ) لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر تھوڑی دیر ڈانوا ڈول ہو رہے ہیں کفر و ایمان کے درمیان نہ ادھر کے اور نہ ادھر کے۔ اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے ہدایت کا راستہ''۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ: سورہ بقرہ کی ابتداء میں بھی یہ آیت کریمہ: (يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا) گزر چکی ہے۔ اور یہاں بیان فرمایا کہ یہ منافقین بزعم خویش اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ اس ذات کو کون دھوکہ دے سکتا ہے جو سینے میں چھپے ہوئے رازوں کو بھی جانتا ہے لیکن یہ لوگ اپنی جہالت اور کم عقلی کی وجہ سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ لوگوں کے سامنے ان کی یہ منافقت چھپی ہوئی ہے اور ان پر شریعت کے ظاہری احکام لاگو ہوتے ہیں۔ اسی طرح روز قیامت بھی اللہ کے سامنے حکم چل جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن قسم اٹھائیں گے کہ ہم تو صراط مستقیم پر گامزن تھے اور وہ یہ سمجھیں گے کہ یہ جھوٹی قسمیں ان کو بڑا فائدہ دیں گی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ (مجادلہ: 18) ''ترجمہ: اس روز اللہ تعالیٰ سب کو اٹھائے گا تو قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں''۔

وَهُوَ خَادِعُهُمْ: اللہ تعالیٰ ان کو ان کی منافقت کی اس طرح سزا دیتا ہے کہ ان کو سرکشی اور گمراہی میں ڈھیل دیتا جاتا ہے اس طرح وہ دنیا میں صراط مستقیم سے دور ہو جاتے ہیں اور قیامت کے دن بھی ان کا یہی حال ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ...... وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ'' ترجمہ: اس روز کہیں گے منافق مرد اور عورتیں ایمان والوں سے ذرا ہمارا بھی خیال کرو، ہم بھی روشنی حاصل کرلیں تمہارے نور سے، انہیں کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور وہاں نور تلاش کر......''۔ حدیث پاک میں ہے جو شخص لوگوں کے عیوب کو سنتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو ظاہر کر دیتا ہے اور جو ریاکاری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کی ریاکاری کی سزا دیتا ہے (1)۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کو ظاہری طور پر حکم دے گا کہ اس بندے کو جنت کی طرف لے جاؤ اور وہ اس جہنم کی طرف لے جائیں گے۔

وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى: نماز جو کہ افضل ترین اور بہترین عبادت ہے۔ اس کے بارے میں منافقین کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں نماز سے جی چراتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ نہ تو ان کی نیت نماز پڑھنے کی ہوتی ہے اور نہ ہی انہیں اس پر یقین ہوتا ہے اور نہ یہ خشیت الٰہی کا شعور۔ اس لیے وہ نماز کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کسی بھی شخص کو سستی کی حالت میں نماز کے لیے نہیں کھڑا ہونا چاہیے۔ بلکہ بڑی خوشدلی اور ذوق وشوق سے نماز کے لیے کھڑا ہونا چاہیے کیونکہ نمازی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی دعا، کو قبول کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی مغفرت بھی فرماتا ہے۔ پھر آپ یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے۔ اس آیت کریمہ میں منافقین کی نماز کے قوت ظاہری حالت کو بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد ان کے خبث باطن کا بیان بھی کیا گیا ہے کہ وہ صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔ ان کی نماز میں نہ تو اخلاص ہوتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی تعلق اور رابطہ وہ صرف لوگوں کو دکھانے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے لیے نمازیں پڑھتے ہیں اس لیے وہ ایسی نمازوں میں شریک نہیں ہوتے جن میں لوگ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے جیسا کہ اگر عشاء کی نماز کی تاخیر سے پڑھی یا فجر کی نماز کو اندھیرا میں پڑھا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافقین پر سب سے بوجھل فجر اور عشاء کی نماز ہے۔ اگر انہیں ان نمازوں کی فضیلت معلوم ہو جائے تو وہ گھٹنوں کے بل چل کر ان نمازوں کے لیے آئیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا ارادہ کیا کہ میں نماز کے لیے حکم دوں اور جب تکبیر ہو جائے تو کسی شخص کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لیے مقرر کر دوں اور پھر میں کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر جاؤں جن کے ہاتھ میں لکڑیوں کا گٹھا ہو اور ان لوگوں کے گھروں کو جلا دوں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے (2)۔ ایک دوسری روایت میں یہ ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ انہیں چوسنے والی (ہڈی) یا دو اچھے کھر ملیں گے تو وہ نماز میں ضرور حاضر ہوتا۔ اگر ان کے گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں ان کے گھروں کو آگ لگا کر جلا دیتا (3)۔ حضرت عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کے سامنے تو اچھی طرح نماز پڑھتا ہے لیکن تنہائی میں اس طرح نہیں پڑھتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنی اس نماز کے ساتھ اپنے رب کی اہانت کی ہے۔

وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا: یعنی وہ اپنی نماز میں نہ تو خشوع وخضوع کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں بلکہ انتہائی غفلت اور لاپرواہی سے نماز پڑھتے ہیں۔ اور اللہ کی رحمت سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے۔ آپ نے یہ تین بار کہا کہ وہ سورج کے غروب ہونے کا انتظار کرتا

1۔ فتح الباری، کتاب الرقاق: 335/11　2۔ فتح الباری، کتاب الاذان: 141/2　3۔ مسند احمد: 479/2

رہتا ہے اور جب سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو یہ جلدی جلدی چار رکعت پڑھ لیتا ہے اور اس میں خدا کا ذکر برائے نام ہی کرتا ہے۔(1)

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ: یعنی جو منافقین ایمان وکفر کے درمیان متحیر ومتردد ہیں نہ تو ظاہری اور باطنی پر مسلمانوں کے ساتھ ہیں اور نہ کافروں کے ساتھ بلکہ ظاہری طور مسلمانوں کے ساتھ اور باطنی طور پر کافروں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ اور بعض شکوک وشبہات کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کبھی ان کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور کبھی ان کی طرف جھک جاتے ہیں۔ حضرت مجاہد نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ یہ منافقین نہ تو صحابہ کرام کے ساتھ ہیں اور نہ یہ یہودیوں کے ساتھ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافق کا حال اس بکری کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان ہوتی ہے کبھی اس طرف چلی جاتی ہے کبھی اس طرف۔ اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس ریوڑ کے ساتھ چلے۔ حضرت ابن ابی عبیدہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک دن مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن منافق کا حال اس بکری کی طرح ہوگا جو دو ریوڑوں کے درمیان ہو کبھی اس طرف آئے اور ان کو سینگ مار جائے اور کبھی ان کو(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے انہیں بتایا کہ حدیث کے الفاظ اس طرح نہیں ہیں۔ لوگوں نے میرے والد صاحب کے بارے میں بتایا کہ یہ بھی ثقہ ہیں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ لیکن اللہ جانتا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ نے یہی الفاظ سنے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ مومن، منافق اور کافر کی مثال ان تین آدمیوں کی سی ہے جو کسی دریا کے کنارے پر پہنچے تو ان میں سے ایک دریا میں داخل ہوا اور اسے عبور کر گیا۔ پھر دوسرا داخل ہوا اور جب درمیان میں پہنچا تو باہر کھڑے نے آواز دی کہ کیوں ہلاک ہونا چاہتے ہو واپس آ جاؤ اور جو عبور کر چکا تھا اس نے کہا جان بچانا چاہتے ہو تو ادھر آ جاؤ یہ سن کر وہ کبھی اُدھر دیکھے اور کبھی اِدھر۔ حتیٰ کہ سیلاب کا ایک ریلا آیا اور اس کو بہا کر لے گیا۔ جو دریا کو عبور کر گیا وہ مومن تھا، جو دریا میں غرق ہوا وہ منافق اور جو کنارے پر کھڑا رہا وہ کافر(3)۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ منافق نہ تو مخلص مسلمان ہیں اور نہ ہی صراحۃً مشرک۔ اور پھر اس کے بعد آپ نے وہی حدیث الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ بیان کی جو گزر چکی ہے۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ منافق کی مثال اس بکری سی ہے جو سرسبز ٹیلے پر چڑھتے ہوئے دو ریوڑوں کو دیکھتی ہے اور ان میں ایک کے پاس آ کر سونگھتی ہے لیکن اسے پہچان نہیں سکتی اور پھر اسی طرح دوسرے ریوڑ کے پاس آتی ہے اور اسے سونگھتی ہے۔ لیکن اسے پہچان نہیں سکتی(4)۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا: یعنی جس کو اللہ تعالیٰ راہ راست سے ہٹا دے وہ اپنے لیے مرشد یا ولی کہاں سے پا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو راہ نجات سے دور کر دیا ہے اس لیے ان کے لیے نہ کوئی ہادی ہے نہ کوئی رہبر اور نہ ہی ان کو اس حال سے نکالنے والا ہے۔ اللہ کے حکم کے سامنے کسی کی تاب نہیں۔ اور کوئی اس سے سوال نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کی مخلوق سے ہی باز پرس کی جا سکتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ

1۔ مسلم، کتاب المساجد: 434 2۔ مسند احمد: 68/2 3۔ الدر المنثور: 720/2 4۔ تفسیر الطبری: 336/5

بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾

''اے ایمان والو! نہ بناؤ کافروں کو اپنا دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ بناؤ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے خلاف واضح دلیل۔ بے شک منافق سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے اور ہرگز نہ پائے گا تو ان کا کوئی مددگار۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ کا (دامن رحمت) اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ تعالیٰ کے لیے تو یہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور عطا فرمائے گا اللہ تعالیٰ مومنوں کو اجر عظیم۔ کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر اگر تم شکر کرنے لگو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑا قدردان ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے''۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ان سے دوستی لگانے، ان کی سنگت اختیار کرنے اور ان کے ساتھ میل جول رکھنے اور مومنین کو پوشیدہ راز ظاہر کرنے سے منع کر رہا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ ...... (آل عمران: 28) ''ترجمہ: نہ بنائیں مومن کافروں کو اپنا دوست مومنین کو چھوڑ کر اور جس نے کیا یہ کام پس نہ رہا اس کا اللہ سے کوئی تعلق مگر اسی حالت میں کہ تم کرنا چاہو ان سے اپنا بچاؤ''۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنے خلاف واضح دلیل بنا لو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جہاں ''سلطان'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کا معنی دلیل اور محبت ہے۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ: یہاں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن منافقین کو دی جانے والی سزا کا ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آگ کے نیچے ہوں گے۔ دوسرے مفسرین نے فرمایا ہے کہ جس طرح جنت میں مختلف درجات ہیں اسی طرح دوزخ میں مختلف درکات ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انہیں آگ کے صندوقوں میں بند کر کے پھینک دیا جائے گا(1)۔ ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ایسے دروازوں والے کمرے ہیں جن سے منافقین کو داخل کر کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور ان کے اوپر نیچے آگ جلا دی جائے گی۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد لوہے کے صندوق ہیں جن میں منافقین کو بند کر دیا جائے گا اور ان صندوقوں کو اس طرح بند کیا جائے گا کہ ان کو کھولنے کا کسی کو علم نہ ہوگا۔

وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا: یعنی ان منافقوں کا کوئی ایسا مددگار نہ ہوگا جو ان کو اس دردناک عذاب سے چھڑا کر باہر نکال سکے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ پھر ان منافقین میں اگر کوئی دنیا میں ہی توبہ کر لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ بشرطیکہ سچے دل سے توبہ کر کے اپنے اعمال کی اصلاح کرے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر سختی سے کاربند ہو جائے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا: یعنی جنہوں نے ریا کو اخلاص سے بدل دیا تو ان کا نیک عمل ان کو فائدہ دے گا اگرچہ وہ قلیل ہو۔ حضرت معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے دین کو خالص کر لو تو تھوڑا سا عمل بھی تمہارے لیے کافی ہے۔

فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ: یعنی جو لوگ سچے دل سے توبہ کر لیں گے وہ قیامت کے دن مومنوں کے گروہ میں داخل ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ مومنین کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ ہر ایک سے غنی اور بے نیاز ہے اور وہ بندوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے سزا دیتا ہے۔

1۔ تفسیر الطبری: 338/5

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ : یعنی تم نیک عمل کرتے رہو اور اللہ اس کے رسول پر ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔

وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا : جو اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ عزت وعظمت سے نوازتا ہے۔ اور جو اپنے دل کے ساتھ ایمان لاتا ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہے اور اسے اجر عظیم عطا کرے گا۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾

''نہیں پسند کرتا اللہ تعالیٰ کہ برملا کہی جائے بری بات مگر (اس سے) جس پر ظلم ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ اگر تم ظاہر کرو کوئی نیکی یا پوشیدہ رکھو اسے یا درگزر کرو (کسی کی) برائی سے تو بیشک اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا قدرت والا ہے''۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ : حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے لیے بددعا کرے مگر مظلوم کو اجازت ہے کہ وہ ظلم کرنے والے کے خلاف اس کے ظلم کا برملا اظہار کر سکتا ہے اور اس کو بددعا بھی دے سکتا ہے۔ لیکن وہ صبر کرے یہ صبر کرنا ہی اس کے لیے بہتر ہے۔ حضرت عطاء روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی کوئی چیز چوری ہوگئی تو وہ چور کے لیے بددعا کرنے لگیں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! اپنی اس بددعا کے ساتھ اس سے چوری کے گناہ کو کم نہ کرو(1)۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ بددعا نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ کہنا چاہیے اے اللہ! تو چور کے خلاف میری مدد کر اور اس سے میرا حق واپس دلوا دے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ظالم کے لیے مظلوم کو بددعا کرنے کی رخصت تو ہے لیکن اسے حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ ابن مالک جزری اس آیت کی تفسیر کے تحت میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمہیں برا بھلا کہتا ہے تو تم بھی اس شخص کا جواب دے سکتے ہو۔ لیکن اگر کوئی بہتان باندھتا ہے تو اس کا جواب نہیں دینا چاہیے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ (الشوریٰ: 41) ''ترجمہ: اور جو بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد پس یہ لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں''۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو آدمی آپس میں جو بھی گالی گلوچ کریں اس کا گناہ ابتداء کرنے والے پر ہے(2)۔ ہاں اگر مظلوم حد سے تجاوز کر جائے تو یہ الگ بات ہے۔ حضرت مجاہد اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی کے پاس مہمان بن کر جائے اور میزبان حق میزبانی سے عہدہ برانہ ہو اور جب وہ باہر نکلے تو کہے کہ فلاں نے مجھے اپنا مہمان بنایا حق میزبانی ادا نہ کیا۔ تو اس کا یہ عمل صحیح نہیں ہوگا ہاں اگر اس پر ظلم ہو تو اظہار ظلم کے لیے اپنی آواز بلند کر سکتا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ! آپ ہمیں مختلف مقامات پر بھیجتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ لوگ ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے۔ اس کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم کسی قوم کے پاس جاؤ اور وہ تمہاری مہمان نوازی کریں جس طرح کہ مہمان نوازی کرنے کا حق ہے تو ٹھیک ہے ورنہ تم مناسب حق ان سے لے سکتے ہو(3)۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جو مسلمان کسی کے پاس مہمان بن کر جائے اور وہ اس کی مہمان داری اور ضیافت نہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب: 278/4   2۔ ایضاً: 274/4   3۔ فتح الباری، کتاب المظالم: 107/5

کرے تو ہر مسلمان کے لیے اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنا حق ضیافت اس کے مال سے وصول کرلے(1)۔ حضرت امام احمدؒ ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ضیافت کرنا واجب ہے۔ اسی قسم کی ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرا ایک پڑوسی مجھے اذیت پہنچاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے گھر کا سامان باہر نکال کر رکھ دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اب جو بھی اس کے پاس سے گزرتا تو اس سے پوچھتا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے تو وہ جواب دیتا کہ میرا پڑوسی مجھے اذیت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ ایسے پڑوسی پر اللہ کی لعنت ہو اور اللہ اسے رسوا کرے۔ جب پڑوسی نے یہ بات سنی تو آکر یہ کہنے لگا اپنا سامان گھر لے جاؤ میں تمہیں اب کبھی تکلیف نہیں دوں گا(2)۔

اِنۡ تُبۡدُوۡا خَیۡرًا: اے لوگو! اگر تم نیکی کو ظاہر کرو یا اس کو پوشیدہ رکھو۔ یا کسی زیادتی کرنے والے کو معاف کرو تو تمہارا یہ عمل اللہ کے قرب کے باعث ہوگا۔ اور اس کا تمہیں بہت زیادہ اجر وثواب عطا کرے گا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ وہ اپنے بندے کو سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف فرما دیتا ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیۡرًا: حاملین عرش اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس بیان کرتے ہیں کہ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے تو علم کے باوجود حلم وبردباری سے کام لیتا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں اے اللہ! تیری ذات پاک ہے تو قدرت کے باوجود بھی معاف فرما دیتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا جو بندہ معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔ جو اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ اسے سربلند کر دیتا ہے(3)۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّ نَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۵۰﴾ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا ۚ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۱۵۱﴾ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ لَمۡ یُفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ اُولٰٓئِکَ سَوۡفَ یُؤۡتِیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۵۲﴾

"بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ فرق کریں اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں بعض رسولوں پر اور ہم کفر کرتے ہیں بعض کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ کفر و ایمان کے درمیان اختیار کرلیں کوئی (تیسری) راہ یہی لوگ کافر ہیں حقیقت میں اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے عذاب رسوا کرنے والا اور جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ اور اس کے (تمام) رسولوں کے ساتھ اور نہیں فرق کیا انہوں نے کسی میں ان سے یہی لوگ ہیں دے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کے اجر اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کو زجر وتوبیخ کی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے منکر ہیں۔ ان کے درمیان تفریق ڈالنے والے ہیں۔ یہ بعض انبیاء پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور اس کا سبب محض خواہش نفسانی کی اتباع اور اپنے آباؤ اجداد کے فرسودہ، بے بنیاد عقائد کی پیروی ہے۔ یہود حضرت عیسیٰ اور محمد علیہ السلام کے سوا دوسرے انبیاء پر ایمان

1۔ مسند احمد 133/4 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب 339/4 3۔ مسلم، کتاب البر: 2001

رکھتے ہیں اور اسی طرح نصاریٰ خاتم النبیین کے علاوہ باقی انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ سامری حضرت یوشعؑ کے بعد کسی کی نبوت کے قائل نہیں۔ اور مجوس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ زرادشت کو اپنا نبی مانتے تھے لیکن جب وہ ان کی شریعت کے منکر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھالیا۔۔ واللہ اعلم۔ مختصر یہ کہ جس نے ایک نبی کا انکار کیا گویا اس نے تمام کا انکار کیا۔ کیونکہ ہر اس نبی پر ایمان لانا واجب ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا اور جس نے کسی حسد، تعصب یا نفسانی خواہش کی وجہ کسی نبی کی نبوت کا انکار کیا تو شریعت کی نظر میں اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (النساء:150) یعنی یہاں واضح کر دیا گیا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے منکر ہیں۔ اور ایمان لانے میں ان کے درمیان تفریق کرتے ہیں۔ کہ ہم بعض رسولوں پر ایمان لائے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ کفر و ایمان کے درمیان کوئی تیسری راہ اختیار کریں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا حقیقت میں یہی لوگ کافر ہیں۔ یعنی ان کا کفر یقینی اور ثابت شدہ ہے کیونکہ جس نبی پر وہ ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ شریعت کی نگاہ میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اگر وہ انہیں اللہ کا رسول مان کر ایمان لاتے تو اس رسول معظم پر بھی ایمان لے آتے جو سب سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ اگر وہ آپ کی نبوت میں صحیح غور و فکر کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ آپ کی نبوت و رسالت واضح، ظاہر اور قوی ہے۔

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ جس طرح انہوں نے ہمارے نبیوں کی نبوت کا انکار کر کے ان کی اہانت کی ہے اس طرح ہم نے بھی ان کے لیے سخت عذاب تیار کیا ہے۔ اور ان کا یہ انکار صرف اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے ان کی تعلیمات میں غور و فکر ہی نہیں کیا۔ بلکہ اس سے اعراض کر کے بلاضرورت دنیا کا حقیر مال جمع کرنے میں مشغول ہو گئے یا وہ نبوت کو جانتے تھے لیکن اس کے باوجود حسد اور تعصب کی بناء پر اس پر ایمان لائے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہودی علماء کرتے تھے۔ یہ صرف حسد کی بناء پر انہوں نے آپ کی مخالفت و تکذیب کی۔ حتیٰ کہ آپ کے ساتھ جنگ و جدال کرنے کے سے بھی باز نہ رہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا کی ذلت مسلط کر دی۔ اور آخرت میں بھی ان کا یہی انجام ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (بقرہ:61)۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: اس سے امت محمدیہ مراد ہے۔ کیونکہ یہ امت اللہ کی نازل کردہ ہر کتاب پر ایمان رکھتی ہے اور اسی طرح تمام انبیاء پر بھی ان کا مل ایمان ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ (بقرہ:285) پھر اللہ تعالیٰ نے اس اجر عظیم، ثواب عمیم اور عطائے کریم کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے مومن کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ ان مومنین کو ان کا اجر عطا فرمائے گا کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا: یعنی اگر کسی مومن سے گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ اس کا گناہ معاف فرمانے اور رحم کرنے والا ہے۔

یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ
فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا
جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَیْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ
الطُّوْرَ بِمِیْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِی السَّبْتِ وَاَخَذْنَا

مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾

''مطالبہ کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ آپ اتروا دیں ان پر کتاب آسمان سے سو وہ تو سوال کر چکے ہیں موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑی بات کا انہوں نے کہا تھا (اے موسیٰ علیہ السلام) دکھاؤ ہمیں اللہ کھلم کھلا تو پکڑ لیا تھا انہیں بجلی کی کڑک نے بسبب ان کے ظلم کے پھر بنا لیا انہوں نے بچھڑے کو (اپنا معبود) اس کے بعد کہ آ چکی تھیں ان کے پاس کھلی دلیلیں پھر بھی ہم نے بخش دیا ان کا یہ (سنگین) جرم۔ اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) کو واضح غلبہ۔ اور ہم نے بلند کیا ان کے اوپر طور کو ان سے پختہ وعدہ لینے کے لیے اور ہم نے فرمایا انہیں کہ داخل ہو جاؤ اس دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے اور ہم نے فرمایا انہیں کہ حد سے نہ بڑھنا سبت میں اور ہم نے لیا تھا ان سے پختہ وعدہ''۔

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ: حضرت محمد بن کعب قرظی، سدی اور ابن قتادہ فرماتے ہیں کہ یہود نے حضور ﷺ سے مطالبہ کیا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات لکھی ہوئی نازل ہوئی تھی۔ اسی طرح آپ بھی آسمان سے لکھی کتاب لائیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا ہوا خط اترے جس پر لکھا ہو کہ حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرو۔ اور ان کا یہ مطالبہ عناد، کفر، ہٹ دھرمی پر مبنی تھا۔ جس طرح کہ کفار مکہ بھی اس قسم کے سوال کیا کرتے تھے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے: وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا (بنی اسرائیل: 90) اسی لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ: یعنی انہوں نے حضرت موسیٰ سے یہ بھی سوال اپنی سرکشی، بغاوت اور عناد کی بناء کیا تھا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ: یعنی مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے واضح معجزات دیکھنے کے باوجود انہوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکر کو بحر احمر میں غرق کر دیا اور حضرت موسیٰؑ کی قوم صحیح سلامت گزر گئی۔ یہ لوگ سمندر عبور کر کے تھوڑے دور ہی گئے تھے کہ انہوں نے وہاں کچھ لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمیں بھی ایسا معبود بنا دیجیے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کے لیے کوہ طور پر تشریف لے گئے تو آپ کے بعد آپ کی قوم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ اس واقعہ کی مکمل تفسیر سورۂ اعراف اور طٰہٰ میں بیان کی گئی ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو اللہ نے اس سزا کے طور پر انہیں یہ حکم دیا کہ ان میں سے جنہوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی وہ پوجا کرنے والوں کو قتل کریں۔ اس طرح وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کو معاف کر دیا۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) کو واضح برتری اور غلبہ عطا فرما دیا۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ: یعنی جب انہوں نے تورات کے احکام پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت موسیٰ کی تعلیمات سے منحرف ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر پہاڑ کو بلند کر دیا اور انہیں تورات کے احکام پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا تو یہ سب سجدے میں گر گئے اور سجدہ کی حالت میں ہی کنکھیوں سے دیکھنے لگے کہ کہیں یہ پہاڑ ان کے اوپر نہ گر جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ...... (الاعراف: 171) ''ترجمہ: اور جب ہم نے اٹھایا پہاڑ کے پہاڑ اس طرح کہ گویا وہ سائبان ہو اور خیال کرنے لگے

کہ وہ ضرور گر پڑے گا ان پر......"۔

وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا: یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں ارشاد فرمایا کہ بیت المقدس کے دروازے سے سجدے کی حالت میں (حِطَّةٌ) کہتے ہوئے یعنی طلب مغفرت کی دعائیں طلب کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ لیکن انہوں نے اس حکم کی مخالفت کی اور وہ اپنے پیٹھ کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے۔ اور حِطَّةٌ کی جگہ حِنْطَةٌ فِي شَعْرَةٍ کہنے لگے۔

قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ: یعنی ہم نے ہفتہ کا دن جو ان کی عبادت کا دن تھا اس کی حرمت کا لحاظ رکھنے کی نصیحت کی اور یہ حکم دیا اللہ تعالیٰ نے اس جو چیز حرام کی ہے اس سے بچو اور اس پر ہم نے ان سے سخت اور مضبوط وعدہ لے لیا لیکن انہوں نے حسب عادت مخالف اور نافرمانی کی روش اختیار کی اور مختلف حیلوں اور بہانوں سے اس فعل کا ارتکاب کرنے لگے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں اس کا تفصیلی بیان فرمایا ہے۔ اور اس کا ذکر صفوان بن عسال کی حدیث میں بھی سورہ اسراء کی تفسیر کے تحت آئے گا۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰي مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾

"(ان پر پھٹکار کی) وجہ یہ تھی کہ انہوں نے توڑ دیا اپنے وعدہ کو اور انہوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور انہوں نے قتل کیا انبیاء کو ناحق اور انہوں نے یہ (گستاخانہ) بات کہی کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں۔ (یوں نہیں) بلکہ مہر لگا دی اللہ نے بوجہ ان کے کفر کے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑی سی تعداد۔ اور ان کے کفر کے باعث اور مریم (علیہا السلام) پر بہتان عظیم باندھنے کے باعث۔ اور ان کے اس قول سے کہ ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسیٰ علیہ السلام فرزند مریم کو جو اللہ کا رسول ہے۔ حالانکہ نہ تو انہوں نے قتل کیا اور نہ اسے سولی چڑھا سکے بلکہ مشتبہ ہو گئی ان کے لیے (حقیقت) اور یقیناً جنہوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں وہ بھی شک وشبہ میں ہیں ان کے متعلق نہیں ان کے پاس اس امر کا کوئی صحیح علم بجز اس کے کہ وہ پیروی کرتے ہیں گمان کی اور نہیں قتل کیا انہوں نے اسے یقیناً۔ بلکہ اٹھا لیا ہے اسے اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا اور کوئی ایسا نہیں ہوگا اہل کتاب سے مگر وہ ضرور ایمان لائے گا مسیح پر ان کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن وہ ہوں گے ان پر گواہ"۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ: یہاں اہل کتاب کے ان گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کی وجہ سے وہ لعنت کے مستحق ہوئے اور اللہ کی رحمت سے محروم اور راہ حق سے محروم ہو گئے۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے پختہ وعدوں کو توڑا، اس کی آیات یعنی دلائل و براہین

اور معجزات کا انکار کیا جو انبیاء کے ہاتھوں سے رونما ہوئے۔ ناحق انبیاء کو قتل کیا۔ اسی طرح وہ کہتے تھے کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کا یہ قول مشرکین کے اس قول کی مثل ہے: وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ (حٰم السجدہ:5)'' ترجمہ: اور ان (ہٹ دھرموں) نے کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ہمارے دل علم و عرفان کا مرکز ہیں۔ یعنی یہ علوم وفنون کے جامع اور ان سے لبریز ہیں۔ اس کی تفسیر سورۂ بقرہ اس آیت: وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَھُمُ اللّٰہُ بِکُفْرِھِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ کی تفسیر کے تحت گزر چکی ہے۔ پہلی تفسیر کے مطابق اس کا معنی یہ ہوگا گویا کہ وہ معذرت کر رہے ہیں کہ ان کے دلوں پر پردہ پڑنے کی وجہ سے وہ نبی علیہ السلام کی بات نہیں سمجھتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کے علم کے دعویٰ کی مکمل تردید کر دی۔ اس کی تفسیر بھی سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان فرما دیا کہ یہ اپنے کفر و عصیان کی وجہ سے بہت کم ایمان لائیں گے کیونکہ ان کے دل کفر و سرکشی کے عادی ہو چکے ہیں۔

وَّ بِکُفْرِھِمْ وَقَوْلِھِمْ عَلٰی مَرْیَمَ بُھْتَانًا عَظِیْمًا: یہاں ان کے ایک قبیح جرم کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ انہوں نے اس بدکاری کا ارتکاب اس وقت کیا جب وہ حالت حیض میں تھیں۔ ان پر خدا کی لعنت ہو۔

وَّقَوْلِھِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ: یہاں ان کے ایک اور جرم کا ذکر کیا ہے کہ وہ استہزاءً اور مزاح کے طور پر کہا کرتے تھے کہ یہ مسیح (علیہ السلام) جو اللہ کے رسول ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور ان کا یہ قول مشرکین کے اس قول کی مثل ہے جو وہ استہزاء رسول اللہ علیہ السلام کے بارے میں کہا کرتے تھے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ (الحجر:6): حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پورا واقعہ اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزات اور براہین کے ساتھ مبعوث فرمایا تو یہودی آپ سے حسد کرنے لگے۔ آپ مادر زاد اندھوں کو بینا کرتے، کوڑھی کو صحیح کر دیتے، اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے، مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگتا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے معجزات تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے۔ لیکن ان واضح اور ظاہر معجزات کے باوجود یہودیوں نے آپ کی تکذیب اور مخالفت کی اور ہر ممکن اذیت پہنچانے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی شہر میں باقاعدہ سکونت اختیار نہ کرتے بلکہ آپ اور آپ کی والدہ نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ جنگلوں اور صحراؤں کی سیاحت میں گزار دیا۔ یہودیوں نے اس پر ہی بس نہ کیا بلکہ اس زمانہ میں دمشق کے بادشاہ جو کہ مشرک تھا اور ستاروں کی پوجا کرتا تھا، کے پاس پہنچ گئے۔ اس کے پیروکاروں کو یونانی کہا جاتا تھا جنہوں نے اس کو آپ کے خلاف اکسایا اور اسے بتایا کہ بیت المقدس میں ایک شخص (عیسیٰ علیہ السلام) ہے جو لوگوں کے درمیان فتنہ و فساد برپا کرتا ہے اور ان کو گمراہ کرتا ہے۔ رعایا کو بادشاہ کے خلاف بھڑکاتا ہے، بادشاہ یہ سن کر سخت غضبناک ہوا اور بیت المقدس میں اپنے گورنر کے نام خط لکھا کہ وہ (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے سولی پر چڑھا دے اور ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھے۔ اور اس طرح لوگوں کو ان کی اذیت سے بچائے جب یہ خط بیت المقدس پہنچا تو وہ اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے یہودیوں کے ایک گروہ کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت آپ کے ساتھ بارہ یا تیرہ اور ایک روایت کے مطابق سترہ حواری تھے۔ جمعہ کا دن، اور عصر کے بعد کا وقت تھا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ یہ لوگ مکان میں داخل ہو کر آپ کو گرفتار کر لیں گے یا آپ کو ان کے پاس جانا پڑے گا۔ آپ نے اپنے حواریوں کو فرمایا۔ تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ اسے میرا مشابہ بنا دیا جائے اور یہ لوگ اسے پکڑ کر سولی پر چڑھا دیں جو اس

بات کو قبول کرے گا وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ یہ سن کر ان میں سے ایک نوجوان نے کہا کہ مجھے یہ منظور ہے۔ شاید حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس نوجوان کو اس قابل نہ سمجھا۔ اس لیے آپ نے دوسری مرتبہ اور پھر تیسری مرتبہ اپنے الفاظ کا اعادہ کیا۔ مگر ہر دفعہ وہ نوجوان ہی آپ کی آواز پر لبیک کہتا۔ آپ نے فرمایا ہاں تم وہ خوش نصیب ہو۔ اللہ کے حکم سے فوراً اس کی شکل بدل گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہوگیا۔ اسی اثناء میں مکان کی چھت میں ایک شگاف پڑا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اونگھ طاری ہوئی اور آپ کو اسی حالت میں اوپر اٹھالیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ...... (آل عمران:55) ''ترجمہ: یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ! یقیناً میں پوری عمر تک پہنچاؤں گا تمہیں اور اٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف......''۔ اس کے بعد جب وہ حواری باہر نکلے تو ان لوگوں نے اس نوجوان کو عیسیٰ علیہ السلام گمان کرتے ہوئے پکڑ لیا اور رات کو سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دیا۔ اس طرح یہ یہودی اپنے گمان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا کر بہت خوش ہوئے اور بڑے زور و شور سے اس کا اظہار کرنے لگے۔ نصرانیوں میں سے بھی کچھ کم عقل اور جاہل لوگوں نے اس کو سچ تسلیم کر لیا۔ سوائے ان حواریوں کے جو روح اللہ کے ساتھ اس گھر میں موجود تھے۔ اور جنہوں نے خود اپنی آنکھوں سے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر چڑھتے ہوئے دیکھا ان کے علاوہ اکثر لوگوں نے یہودیوں کی طرح گمان کیا کہ سولی پر حضرت مسیح ہی کو چڑھایا گیا ہے۔ یہاں تک انہوں نے یہ قصہ بھی گھڑا کہ حضرت مریم علیہ السلام اس سولی کے نیچے بیٹھی روتی رہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے ساتھ گفتگو بھی کی۔ واللہ اعلم۔ دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کی آزمائش اور امتحان تھا۔ اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہوتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس حقیقت کو واضح اور ظاہر کیا۔ اور اسے اپنے معزز و مکرم رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا جن کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے معجزات اور واضح دلائل کے ساتھ مؤید کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کہ تمام جہانوں کا رب ہے اور دل کے پوشیدہ رازوں سے بھی آگاہ ہے، زمین و آسمان کی ہر چیز کو جاننے والا اور عالم ما کان وما یکون ہے۔ اس سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہوسکتی ہے۔ وہی ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ: یعنی انہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو سولی پر نہیں لٹکایا بلکہ انہوں نے ان کے مشابہ کو دیکھا اور اسی کو روح اللہ گمان کرنے لگے۔ اسی لیے اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْہِ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ: یعنی انہوں نے یقینی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ وہ شک اور وہم کا شکار تھے۔

بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ: بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا ہے۔ وہ ذات جو انتہائی طاقتور ہے اور جو اس کے دروازے پر پناہ لیتا ہے اس پر کوئی شک نہیں کر سکتا۔ اس کے تمام امور حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو آپ گھر میں تشریف لائے۔ آپ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ اس وقت وہاں آپ کے بارہ حواری موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے بعض ایسے ہیں جو مجھ پر ایمان لانے کے بعد بھی بارہ مرتبہ میرا انکار کریں گے۔ پھر ارشاد فرمایا تم میں سے کون ہے جسے اللہ تعالیٰ میرے مشابہ بنادے اور پھر اسے میری جگہ قتل کر دیا جائے اور پھر وہ جنت میں میرا رفیق ہو۔ یہ سن کر ایک نوجوان اٹھا۔ آپ نے اسے فرمایا تم بیٹھ جاؤ۔ آپ نے پھر یہی بات دوسری اور تیسری مرتبہ کہی تو وہی نوجوان کھڑا ہوا تو آپ نے فرمایا تم ہی وہ نوجوان ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس نوجون کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا اور یہودیوں نے اس نوجون کو سولی چڑھا کر قتل کر دیا، حضرت عیسیٰ کی پیش گوئی کے

مطابق حواریوں میں سے بعض نے بارہ مرتبہ آپ کا انکار کیا۔ اس کے بعد یہ لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔ 1۔ یعقوبیہ یہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ بذات خود ہم پر نازل ہوا تھا جب تک چاہا وہ رہا پھر آسمان پر چڑھ گیا۔ 2۔ نسطوریہ کہتے تھے کہ اللہ کا بیٹا ہمارے پاس آیا تھا اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اپنے پاس اوپر بلالیا۔ 3۔ اہل حق ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور پھر جب ارادہ فرمایا تو اپنے پاس اوپر اٹھالیا۔ پہلے دو گمراہ فرقے اہل حق کے مقابلہ میں قوی اور طاقتور تھے۔ اس لیے انہوں نے ان کو قتل کر دیا۔ جس سے اہل حق کی تعداد بہت کم رہ گئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اس روایت کی سند صحیح ہے۔ اس کی مثل ایک روایت نسائی نے بھی حضرت ابو معاویہ سے روایت کی ہے۔ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا محاصرہ کیا تو اس وقت آپ کے ساتھ سترہ حواری تھے۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ بنا دینا۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ تم نے ہم پر جادو کر دیا ہے یا تو عیسیٰ کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ ہم سب کو قتل کر دیں گے۔ یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے آج جو میری جگہ اپنی جان قربان کرے گا اسے اللہ تعالیٰ صلہ میں جنت عطا فرمائے گا۔ ایک حواری نے عرض کی کہ میں اس کام کے لیے تیار ہوں۔ یہ کہہ کر وہ یہودیوں کے پاس گیا اور یہ کہا کہ میں ہی عیسیٰ علیہ السلام ہوں۔ انہوں اسے پکڑ کر قتل کیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ شک و شبہ میں پڑ گئے (1)۔ ابن جریر اپنی تفسیر میں ابن وہب سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو القاء کیا کہ وہ ان کو اس دنیا سے نکالنے والا ہے تو آپ پر موت کا تصور گراں گزرا جس سے آپ گھبراہٹ سی محسوس کرنے لگے۔ آپ نے اپنے حواریوں کو بلایا اور فرمایا کہ آج رات ایک بہت ضروری کام ہے اس لیے تم سب اکٹھے ہو کر آنا۔ جب وہ رات کو آئے تو آپ نے خود ان کو کھانا کھلایا اور ان کی خدمت میں مشغول رہے اور جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ ان کے ہاتھ دھلانے لگے پھر آپ نے اپنے کپڑوں سے ان کے ہاتھ صاف کیے۔ حواریوں پر آپ کا یہ عمل بہت گراں گزرا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اس رات میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں اگر کسی نے مجھے اس سے روکا تو اس کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں اور نہ میرا اس کے ساتھ۔ یہ سن کر سب نے سر تسلیم خم کر دیا۔ جب آپ سب کام سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں نے جو بھی آج تمہاری خدمت کی ہے اس لیے کہ میرا عمل تمہارے لیے اسوہ اور نمونہ بن جائے۔ تم میں سے کوئی دوسرے کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی کوشش نہ کرے جس طرح میں نے تمہاری خدمت کی ہے اس طرح تم بھی خدمت کرنا۔ اور جس ضروری کام کے لیے میں نے تمہیں بلایا ہے وہ یہ ہے کہ آج رات تم سب مل کر بڑے خشوع خضوع سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرنا کہ وہ میری اجل کو مؤخر کر دے۔ جب وہ حواری دعا کرنے کے لیے تیار ہوئے اور انہوں نے دعا کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر نیند طاری ہوگئی آپ انہیں بیدار کرنے لگے اور فرمانے لگے سبحان اللہ! کیا تم ایک رات بھی میرے لیے جاگ نہیں سکتے انہوں نے عرض کی کہ قسم بخدا ہمیں بھی معلوم نہیں کہ ہمیں کیا ہو گیا ہے اس سے پہلے تو ہم لگا تار کئی راتیں جاگتے تھے لیکن اس رات جاگنے کی قوت و طاقت ہم میں نہیں۔ ہم جب بھی دعا کا ارادہ کرتے ہیں تو کوئی چیز قدرتی طور پر ہمارے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ چرواہا نہیں رہے گا اور بکریاں بکھر جائیں گی۔ اس طرح آپ نے انہیں اشارۃً اپنے اس دنیا سے کوچ کرنے کا بتا دیا پھر ارشاد فرمایا کہ یہ حق ہے کہ تم میں سے ایک شخص صبح مرغ کی اذان سے پہلے تین مرتبہ میرا انکار کرے گا اور تم میں سے ایک دوسرا مجھے چند درہموں کے عوض مجھے بیچ دے گا اور بیچ کر میری قیمت کھا جائے گا۔ یہ باتیں سن کر وہ حواری باہر نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ یہودی آپ کی تلاش میں ہیں۔ انہوں

1۔ تفسیر الطبری: 12/6

نے شمعون حواری کو پکڑا اور کہنے لگے کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ہے۔ اس نے انکار کر دیا کہ میں ان کا حواری نہیں ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد اسے یہودیوں کے دوسرے گروہ نے پکڑ لیا۔ اس نے پھر انکار کیا پھر جب اس نے مرغ کی اذان سنی تو رونے لگا اور بہت غمگین ہوا۔ صبح ہوتے ہی ایک حواری یہودیوں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر میں تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بتاؤں تو کیا دو گے تو انہوں نے کہا تیس درہم۔ چنانچہ اس نے وہ رقم لی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ بتا دیا۔ اس سے پہلے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا تھے۔ لیکن اب انہیں یقین ہو گیا اور انہوں نے ان کو پکڑا اور رسیوں میں جکڑ کر کھینچنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ تم ہی مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے اور شیطان کو بھگایا کرتے تھے، پاگلوں کو صحیح کیا کرتے تھے۔ کیا تم آج اپنے آپ کو اس رسی سے نہیں چھڑا سکتے۔ یہ کہہ کر وہ اس پر تھوکنے لگے اور کانٹے پھینکنے لگے حتیٰ کہ جب وہ اس لکڑی کے پاس آپ کو لے آئے جس پر وہ سولی دینا چاہتے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو اوپر اٹھا لیا اور انہوں نے آپ کے مشابہ ایک شخص کو سولی پر چڑھا دیا پھر سات دن کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور وہ عورت جس کا علاج حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا وہ روتی ہوئی اس سولی کے پاس آئیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا تم کیوں روتی ہو مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس اٹھا لیا ہے اور مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی اور انہیں تو شبہ میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ میرے حواریوں کو کہنا کہ مجھے فلاں جگہ پر ملیں۔ جب یہ خبر حواریوں کو ملی تو وہ گیارہ حواری اس جگہ پہنچ گئے۔ صرف وہ حواری نہ پہنچا جس نے آپ کو بیچا تھا اور یہودیوں کو آپ کے متعلق بتایا تھا۔ آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے کیے پر بہت نادم ہوا اور گلا گھونٹ کر خودکشی کر لی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ توبہ کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرتا۔ پھر آپ نے اس بچے کے بارے میں پوچھا جو ان کے ساتھ تھا اس کا نام یحییٰ تھا۔ آپ نے فرمایا یہ بھی تمہارے ساتھ رہے گا۔ آپ نے فرمایا جاؤ تم میں سے ہر ایک اپنی قوم کی زبان میں گفتگو کرے گا۔ جاؤ انہیں اللہ کے عذاب سے ڈراؤ اور دین کی دعوت دو(1)۔ یہ واقعہ انتہائی عجیب ہے۔ ابن اسحٰق کا قول ہے کہ بنی اسرائیل کے جس بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے اپنے آدمی بھیجے تھے، اس کا نام داؤد تھا۔ جب ان لوگوں نے آپ کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ تو آپ پر سخت پریشانی اور گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ اس روایت کو نقل کرنے والوں کے قول کے مطابق آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے باری تعالیٰ اگر تو موت کا پیالہ کسی سے دور کرنا چاہتا ہے تو مجھ سے دور کر دے۔ اور اس سخت پریشانی سے آپ کی یہ حالت ہو گئی کہ آپ کے جسم سے خون نکلنے لگا۔ اس وقت آپ کے ساتھ بارہ حواری تھے۔ جن کے نام فرطوس، یعقوبس، ویلاونخس، اُندرالیس، فیلبس، ابن یلما، متا، طوماس، یعقوب بن حلقیا، نداوسیس، قتابیا، لیودس رکریا یوطا تھے۔ اور بعض کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا تیرہ آدمی تھے۔ اور تیرھویں کا نام سرجس تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ سولی پر چڑھا دیا گیا۔ نصرانی اس سے انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی یہودیوں کی طرح یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہی سولی پر چڑھایا گیا ہے۔ اس طرح وہ رسول اللہ ﷺ کی اس سچی خبر کا بھی انکار کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دی۔ المختصر یہودی جب آپ کو قتل کرنے کے لیے آپ کے مکان میں داخل ہوئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ تیرہ حواری تھے اور چودھویں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ اور بعض کے نزدیک بارہ حواری تھے اور تیرھویں آپ تھے۔ ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ مجھے ایک عیسائی، جو کہ مسلمان ہو گیا تھا، نے خبر دی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام آ گیا کہ میں تمہیں اوپر اٹھانا چاہتا ہوں تو آپ نے اپنے حواریوں کو فرمایا۔ تم میں کون یہ پسند کرتا ہے کہ وہ جنت میں میرا رفیق ہو

1۔ تفسیر الطبری: 13/6

اور جو شخص یہ پسند کرتا ہے اسے میری جگہ قتل ہونا پڑے گا۔ سرجس نے کہا اے روح اللہ میں اس کے لیے تیار ہوں۔ آپ نے اسے اپنی جگہ بٹھا دیا۔ پھر آپ کو آسمان پر اٹھالیا گیا اور یہودیوں نے سرجس کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا۔ یہودیوں کو اس مکان میں داخل ہونے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے حواریوں کی تعداد معلوم تھی۔ لیکن وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے لیودس رکریا یوطا کو تیس درہم دیے کہ وہ انہیں بتائے کہ ان میں عیسیٰ علیہ السلام کون ہیں۔ اس نے کہا کہ جب تم داخل ہو گے تو میں ان کا بوسہ لوں گا پس تم انہی کو پکڑ لینا۔ جب وہ داخل ہوئے سو اس اثناء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا۔ لیودس نے سرجس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں دیکھا تو اس کا بوسہ لینے لگا یہودیوں نے اسے پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا۔ بعد میں لیودس شرمندہ ہوا اور اپنے گلے میں رسی ڈال کر خودکشی کر لی۔ یہ نصرانیوں کے نزدیک ملعون شخص ہے۔ بعض نصرانی کہتے ہیں کہ لیودس ہی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا۔ انہوں نے اسی کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا۔ وہ چلاتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں۔ میں تو تمہارا وہی ساتھی ہوں جس نے تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔ لیکن کسی نے اس کی نہ سنی(1)۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس شخص کو سولی چڑھایا جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ بنایا گیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا۔ ابن جریر کے مطابق آپ کے تمام حواریوں کو آپ کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا۔

وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ: اس کے بارے میں ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کے متعلق مفسرین کی مختلف آراء ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی وفات سے پہلے تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ یعنی جب آپ دجال کو قتل کرنے کے لیے آسمان سے نازل ہوں گے۔ تو اس وقت تمام مذاہب یکجا ہو جائیں گے۔ یعنی تمام لوگ دین اسلام کے پیرو ہوں گے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہی مروی ہے۔ حضرت ابو مالک فرماتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے(2)۔ حضرت ابن عباسؓ سے دوسری روایت ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مراد یہودی ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نجاشی اور ان کے ساتھی ہیں۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ قسم بخدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت آسمان میں زندہ ہیں۔ جب وہ نازل ہوں گے تو سب لوگ ان پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھالیا ہے اور وہ قیامت سے پہلے آپ کو پھر دنیا میں بھیجے گا تو نیک و بد تمام آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ یہی قتادہ، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور کئی دوسرے مفسرین کا قول ہے۔ اور یہی قول حق ہے۔ ان شاء اللہ ہم قطعی دلائل کے ساتھ بیان کریں گے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ہر اہل کتاب آپ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لاتا ہے کیونکہ موت کے وقت ہر انسان پر حق و باطل عیاں ہو جاتا ہے(3)۔ اس وقت ہر اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہر یہودی مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے۔ یہی قول مجاہد کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر کسی اہل کتاب کی گردن تلوار سے اڑا دی جائے تو روح نکلنے سے پہلے پہلے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے۔ اور وہ گواہی دیتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی قرأت میں "قَبْلَ مَوْتِهٖ" کی جگہ "قَبْلَ مَوْتِهِمْ" ہے یعنی ہر یہودی مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی یہودی چھت سے گر کر مر جائے تو آپ نے فرمایا کہ وہ چھت سے زمین پر پہنچنے سے پہلے ہی ایمان لے آتا ہے۔ حضرات مجاہد، عکرمہ، ابن سیرین،

1۔ تفسیر الطبری: 14/6　2۔ تفسیر الطبری: 18/6　3۔ تفسیر الطبری: 19/6، 21

ضحاک، جویبر وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ایک قول حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ اہل کتاب میں سے ہر ایک مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لائے گا۔ آپ کے اس ارشاد میں پہلے قول کی تائید کا احتمال بھی ہے۔ اور اس قول کی تائید کا احتمال بھی ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ تمام اہل کتاب اپنی موت سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں گے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ ہر نصرانی اور یہودی موت سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے گا۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ ان تمام اقوال میں سب سے واضح قول پہلا ہی ہے۔ یعنی جب قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے تو تمام اہل کتاب آپ کے وصال سے پہلے آپ پر ایمان لائیں گے۔ اوران کا یہ قول بلاشک وشبہ صحیح ہے۔ کیونکہ ان آیات کریمہ کے سیاق کا مقصد یہودیوں کے اس دعویٰ کو باطل کرنا ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا۔ اسی طرح نصاریٰ کے اس جاہل گروہ کے عقیدے کو غلط ثابت کرنا ہے جنہوں نے یہودیوں کی اس بات کو حق تسلیم کر لیا تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے درحقیقت بات ایسی نہیں جیسا کہ انہوں نے گمان کیا ہے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ آپ کے مشابہ کو قتل کیا اور انہیں اس بات کا علم بھی نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اوپر اٹھا لیا وہ ابھی وہاں زندہ ہیں اور قیامت سے پہلے نیچے اتریں گے۔ جس کا ذکر صحیح متواتر احادیث میں موجود ہے جن کو ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔ مسیح دجال کو قتل کریں گے۔ صلیب توڑیں گے خنزیر ماریں گے۔ جزیہ کو قبول نہیں کریں گے۔ بلکہ ان کا یہی اعلان ہوگا مسلمان ہو جاؤ ورنہ تلوار کے ساتھ تمہارا فیصلہ ہوگا۔ اس کریمہ میں یہی بیان ہوا ہے کہ اس وقت تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے اور کوئی بھی آپ کی تصدیق کرنے میں پیچھے نہیں رہے گا۔ یعنی یہ یہودیوں کا گمراہ ٹولہ اور بعض نصرانی جن کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا گیا یہ سب اس وقت آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا: یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اہل کتاب کے ان تمام اعمال کی گواہی دیں گے جن کا مشاہدہ انہوں نے آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے کیا اور پھر زمین پر دوبارہ نازل ہونے کے بعد کیا۔ اور جن مفسرین نے اس آیت کی تصدیق یہ کی ہے کہ ہر اہل کتاب اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ اسلام یا حضرت محمد ﷺ پر ایمان لے آئے گا۔ تو یہ واقعہ کے مطابق ہے۔ کیونکہ موت کے وقت ہر شخص پر وہ چیز ظاہر ہو جاتی ہے جس سے وہ جاہل ہوتا ہے اس لیے وہ اس پر ایمان لے آتا ہے لیکن وہ ایمان جو انسان موت کے فرشتے کو دیکھ کر لاتا ہے وہ اس کے لیے مفید نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتداء میں ارشاد فرمایا: وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ (النساء:18)'' ترجمہ: اور نہیں ہے یہ توبہ ان لوگوں کے لیے جو کرتے رہتے ہیں برائیاں (ساری عمر) یہاں تک کہ جب آ جائے کسی ایک کو ان میں سے موت تو وہ کہے بے شک میں اب توبہ کرتا ہوں ....''۔ اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ (المومن:84)'' ترجمہ: پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ایک اللہ پر۔'' آیت کریمہ کی یہ تفسیر امام ابن جریر کے اس استدلال کے ضعف پر دلالت کرتی ہے جو انہوں نے دوسرے قول کی تردید کے لیے کیا ہے۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر اس تفسیر کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کسی یہودی یا نصرانی کے اقرباء اس کے ورثاء نہیں بن سکتے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لا کر مرا تو وہ مومن شمار ہوگا اور اس کے دوسرے رشتہ دار کافر ہوں گے اور کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا (1)۔ ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس حالت میں ایمان لانے سے لازم نہیں کہ وہ اس سے مسلمان ہو جائے گا۔ کیونکہ حالت نزع میں ایمان اس کے لیے مفید ہے نہ اللہ کے نزدیک مقبول ہے۔

1۔ تفسیر الطبری:21/6

اسی طرح ابن عباسؓ کے اس قول میں غور وفکر کریں کہ وہ کسی دیوار سے گرتے ہوئے تلوار کے وار سے پہلے یا کسی درندے کے اسے چیر پھاڑ کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا مگر اس کا یہ ایمان لانا اس کے نفع بخش نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے حالت کفر سے حالت اسلام کی طرف پھیرے گا۔ جو شخص بھی اس میں اچھی طرح غور وفکر کرتا ہے۔ تو اس پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ درحقیقت یہی تفسیر صحیح ہے۔ بہر حال اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں زندہ ہیں اور وہ قیامت سے پہلے زمین پر اتریں گے اور ان یہود ونصاریٰ کی تکذیب فرمائیں گے جن کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مختلف قسم کے متضاد خیالات تھے۔ جن کا حق سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ یہ دونوں گروہ آپ کے بارے میں افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ یہودی تو آپ کی شان میں تنقیص کرتے ہیں۔ انہوں نے آپ پر آپ کی والدہ پر بڑے غلط قسم کے الزامات لگائے۔ اور نصاریٰ نے آپ کی شان حد سے بڑھادی۔ اور آپ کی طرف لایعنی باتیں منسوب کر دیں اور یہود کے مقابلہ میں آ کر آپ کو مقام نبوت سے اٹھا کر مقام الوہیت پر پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام عیوب ونقائص سے مبرا ہے۔

قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے زمین نازل ہونے کے بارے میں احادیث

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے عنقریب تم میں حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) عادل حاکم بن کر نازل ہوں گے۔ وہ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو ماریں گے، جزیہ کو ختم کریں گے، مال اتنا بڑھ جائے گا کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہوگا حتیٰ کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے زیادہ پسندیدہ ہوگا پھر آپ نے فرمایا اگر چاہو تو یہ آیت کریمہ "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ" پڑھ کر دیکھ لو(1)۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔ اس وقت سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد بھی حضرت ابو ہریرہؓ نے مذکورہ آیت تین مرتبہ تلاوت فرمائی۔ اور یہ وضاحت فرمائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اور مسند امام احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہما السلام فج روحاء کے مقام سے حج یا عمرہ یا ان دونوں اکٹھا احرام باندھیں گے(2)۔ اور مسند امام احمد کی دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے خنزیر کو ماریں گے، صلیب مٹا دیں گے، نماز باجماعت ہوگی اور اتنا مال عطا کریں گے کہ کوئی قبول نہیں کرے گا، خراج کو ختم کر دیں گے، روحاء کے مقام پر نازل ہوں گے، یہاں سے حج یا عمرہ یا ان دونوں کا اکٹھا احرام باندھیں گے۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے آیت کریمہ: وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ...... پڑھی اور فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے۔ راوی حدیث حضرت حنظلہ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ تمام کی تمام حدیث نبوی ہے یا آخری الفاظ حضرت ابو ہریرہؓ کے ہیں(3)۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی کہ جب تم میں مسیح بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور تمہارے امام تم میں سے ہوں گے(4)۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمام انبیاء آپس میں ان بھائیوں کی طرح ہوتے ہیں جن کا والد تو ایک ہو لیکن مائیں مختلف ہوں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین تو ایک ہی ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے سب سے زیادہ قریب ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ بس وہ نازل

1۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء: 490/6
2۔ مسلم، کتاب الحج: 915
3۔ مسند احمد: 290/2
4۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء: 491/6

ہونے والے ہیں۔ جب تم انہیں دیکھو گے تو تم انہیں پہچان لو گے۔ میانہ قد، سرخ وسپید چہرہ ہوگا اور ہلکے پیلے رنگ کی دو چادریں پہنے ہوئے ہوں گے۔ ایسے محسوس ہوگا کہ ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں، صلیب توڑ دیں گے، خنزیر ماریں گے، جزیہ ختم کریں گے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا تمام دین ختم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مسیح دجال کو ہلاک کرے گا۔ تو پھر روئے زمین پر امن کا دور دورہ ہوگا یہاں تک کہ شیر اونٹوں کے ساتھ، چیتے گائیوں کے ساتھ، اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چریں گے، بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے سانپ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ آپ چالیس برس تک زمین پر ٹھہریں گے پھر آپ کا وصال ہوگا اور مسلمان آپ کی نماز جنازہ ادا کریں گے(1)۔ ابن جریر کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ آپ لوگوں سے اسلام کے لیے جہاد کریں گے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک رومی اعماق یا دابق کے مقام پر نازل نہ ہوں گے۔ ان کے مقابلہ کے لیے مدینہ طیبہ سے ایک لشکر نکلے گا جو اس وقت کے بہترین لوگوں پر مشتمل ہوگا۔ جب وہ صف بندی کریں گے تو رومی کہیں گے کہ ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے۔ ہم میں سے جو اپنا دین بدل کر تمہارے ساتھ مل گئے انہیں ہمارے حوالے کر دو۔ ہم ان کے ساتھ لڑیں گے۔ مسلمان کہیں گے قسم بخدا ہم ان کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔ پس جنگ شروع ہوگی۔ مسلمانوں کے لشکر کا ایک تہائی حصہ شکست کھا کر فرار ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کبھی قبول نہیں فرمائے گا۔ ایک تہائی شہید ہو جائیں گے۔ اور یہ اللہ کے نزدیک بہترین شہداء میں ہوں گے۔ ایک تہائی کو فتح حاصل ہوگی پھر ان کو کسی آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا۔ یہی لوگ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔ ابھی وہ اپنی تلواروں کو زیتون کے درختوں کے ساتھ لٹکا کر مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے کہ شیطان بلند آواز سے پکارے گا کہ تمہارے بچوں میں دجال آ گیا۔ وہ اس کی جھوٹی بات کو سچ گمان کر کے واپس لوٹیں گے۔ جب وہ شام پہنچیں گے تو دجال بھی آ جائے گا۔ اسی اثناء میں جب کہ وہ اس کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیاری کر رہے ہوں گے کہ نماز کا وقت ہو جائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے اور وہ ان کی امامت کرائیں گے۔ جب دشمن خدا ان کو دیکھے گا تو اس طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے اسی حالت میں چھوڑ دیں گے تو وہ گھلتے گھلتے ہلاک ہو جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے ان کے دست مبارک سے ہلاک کرائے گا۔ اور آپ مسلمانوں کو اپنے نیزے پر لگے ہوئے اس کا خون دکھلائیں گے۔(2) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ معراج کی رات میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوئی۔ وہ آپس میں قیامت کے بارے میں بات چیت کرنے لگے۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی۔ پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باری آئی تو آپ نے فرمایا کہ قیامت کے آنے کا صحیح وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ عہد لیا ہے کہ قیامت سے پہلے دجال کا خروج ہوگا۔ اس وقت میرے پاس دو شاخیں ہوں گی۔ جب وہ مجھے دیکھے گا تو اس طرح پگھلنے لگے گا جس طرح سیسہ پگھلتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دے گا جب مجھے دیکھے گا۔ یہاں تک کہ درخت اور پتھر بھی بولیں گے اور کہیں گے: ہمارے پیچھے کافر ہے آؤ اسے قتل کر دو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمام کافروں کو ہلاک کر دے گا اور مسلمان اپنے اپنے وطنوں کو لوٹ جائیں گے۔ اس وقت یاجوج ماجوج قوم نکلے گی۔ وہ ہر طرف نکلتے ہوئے شہروں کو روندے جائیں گے۔ اور جس چیز کے پاس سے ان کا گزر ہوگا اسے ہلاک کر دیں گے، پانی سے گزریں گے تو اسے پی جائیں گے۔ لوگ واپس آ کر مجھ سے ان کی شکایت کریں

1۔ مسند احمد: 406/2
2۔ مسلم، کتاب الفتن: 2221

گے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا تو اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کر دے گا۔ ان کے مردہ جسموں کی بدبو سے آب و ہوا متعفن ہو جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا۔ بارش کے تیز پانی سے ان کی لاشوں کو سمندر میں پھینک دے گا۔ پس اس وقت قیامت اس طرح قریب ہوگی جس طرح کہ وہ حاملہ عورت جس کے حمل کے دن مکمل ہو چکے ہوں اور گھر والوں کو معلوم نہ ہو کہ وہ دن کو بچہ جنتی ہے یا رات کو(1)۔ حضرت ابونضرہؒ روایت کرتے ہیں کہ ہم عثمان بن ابی العاصؓ کی خدمت میں جمعہ کے دن حاضر ہوئے۔ تا کہ قرآن پاک کے اپنے لکھے ہوئے نسخہ کو ان کے نسخہ کے ساتھ ملائیں۔ جب جمعہ کا وقت قریب آیا تو آپ نے ہمیں غسل کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے غسل کیا پھر آپ خوشبو لے آئیں ہم نے خوشبو لگائی پھر مسجد میں ایک شخص کے پاس بیٹھ گئے تو انہوں نے دجال کے بارے میں حدیث بیان کی۔ پھر جب حضرت عثمان تشریف لائے تو ہم سب تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد ہم بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے تین شہر ہوں گے۔ ایک دو سمندروں کے سنگم پر، دوسرا حیرا میں اور تیسرا شام میں۔ لوگ تین گھبراہٹوں میں مبتلا ہوں گے۔ پھر دجال نکلے گا۔ مشرق کی طرف سے اسے شکست ہوگی وہ سب سے پہلے اس شہر کا قبضہ کرے گا جو سمندروں کے سنگم پر واقع ہو گا۔ اہل شہر تین حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک گروہ تو یہی کہے گا کہ ہم یہیں ٹھہریں گے، ہم دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے۔ ایک گروہ صحرائی بدؤں کے ساتھ مل جائے گا اور تیسرا گروہ قریب ترین شہر میں چلا جائے گا۔ دجال کے ساتھ ستر ہزار کا لشکر ہوگا۔ جن کے سروں پر تاج ہوگا۔ ان میں اکثریت یہودی مردوں اور عورتوں کی ہوگی۔ مسلمان سمٹ کر ایک گھاٹی میں محصور ہو جائیں گے وہ اپنے جانور چرنے کے لیے بھیجیں گے، دجال کا لشکر ان پر قبضہ کر لے گا۔ جس سے مسلمانوں کو ان سے بڑی تکلیف ہوگی۔ اس طرح وہ شدید قحط سالی اور تکلیف میں مبتلا ہو جائیں گے حتیٰ کہ وہ اپنی کمانوں کی تانتوں کو جلا کر آئیں گے۔ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ اچانک سمندر کی طرف سے کوئی شخص نداء دے گا تمہارے لیے امداد آ گئی وہ ایک دوسرے کو کہیں گے کہ یہ کسی آسودہ شخص کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ بن مریم فجر کی نماز کے وقت نازل ہوں گے۔ مسلمانوں کا امیر انہیں کہے گا اے روح اللہ! آگے بڑھیے! اور ہمیں نماز پڑھایئے۔ وہ فرمائیں گے کہ اس امت کے لوگ ایک دوسرے کے امیر ہیں اس لیے مسلمانوں کا امیر آگے بڑھے گا اور نماز پڑھائے گا۔ نماز کے بعد حضرت عیسیٰ اپنا نیزہ پکڑیں گے اور دجال کی طرف جائیں گے وہ آپ کو دیکھ کر سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا۔ آپ اس کے سینے پر وار کر کے اسے قتل کر دیں گے اور اس کے لشکر کو شکست دیں گے۔ اس دن انہیں کوئی چیز انہیں پناہ نہیں دے گی۔ حتیٰ کہ درخت بھی کہے گا اے مومن! میرے پیچھے کافر ہے اسے قتل کر دو۔ پتھر بھی کہے گا یہ کافر ہے اسے قتل کر دو(2)۔ حضرت ابو امامہ باہلی روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ہمیں آپ نے زیادہ تر دجال کے بارے میں آگاہ کیا اور ہمیں دجال کے فتنہ سے ڈرایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب سے اولاد آدم کو پیدا کیا ہے اس وقت سے لے کر آج تک دجال سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہر نبی نے اپنی امت کو دجال کے فتنہ سے آگاہ کیا۔ میں سب سے آخری نبی ہوں تم سب سے آخری امت۔ اور وہ یقیناً تم میں ہی آئے گا۔ اگر تو میری موجودگی میں آ گیا تو میں اسے نبٹ لوں گا اور اگر میرے بعد آئے گا تو ہر انسان اپنا خود ذمہ دار ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کا نگہبان ہو گا۔ وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا۔ پھر دائیں بائیں گھومے گا۔ اے لوگو! ثابت قدم رہنا میں تمہارے سامنے اس کی ایسی علامت بیان کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے بیان نہیں کی وہ سب سے پہلے دعویٰ نبوت کرے گا۔ لیکن خبردار میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس کے بعد وہ تمہارا رب ہونے کا دعویدار ہوگا۔ خبردار مرنے سے پہلے تم اپنے رب کا دیدار نہیں کر سکتے۔ دوسری علامت یہ کہ وہ

1۔ مسند احمد: 375/1 2۔ مسند احمد: 216/4

کانا ہوگا اور تمہارا رب ایسا نہیں۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لفظ کافر لکھا ہوا ہوگا۔ ہر مومن اسے پڑھ لے گا خواہ وہ پڑھا ہوا یا ان پڑھ۔ اس کے ساتھ ایک جنت اور آگ ہوگی، اس کی آگ حقیقت میں جنت ہے اور اس کی جنت حقیقت میں جہنم ہے۔ اور جس کو وہ اپنی آگ میں ڈالے اسے اللہ سے مدد مانگنی چاہیے اور سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھنی چاہئے تو یہ آگ اس کیلئے ٹھنڈک اور سلامتی بن جائے گی جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی بن گئی۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک اعرابی کو کہے گا کہ اگر میں تیرے مرے ہوئے ماں باپ کو زندہ کردوں کیا تو مجھے رب مان لے گا۔ تو وہ کہے گا ہاں۔ اسی وقت شیطان اس کے ماں باپ کی صورت میں ظاہر ہوگا وہ دونوں اسے کہیں گے کہ بیٹا اس کو مان لو یہ تمہارا رب ہے۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک شخص کو پکڑ کو آرے سے چیر کر دو حصوں میں تقسیم کر دے گا۔ اور لوگوں سے کہے گا کہ میرے اس بندے کی طرف دیکھنا میں اسے ابھی زندہ کرتا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود کہے گا میں اس کا رب نہیں ہوں پھر وہ اس کو زندہ کرے گا اور یہ خبیث دجال اس آدمی سے پوچھے گا۔ تمہارا رب کون ہے۔ وہ جواب دے گا میرا رب اللہ ہے اور تو دشمن خدا دجال ہے۔ خدا کی قسم! مجھے تو آج پختہ یقین ہوگیا ہے کہ تو ہی دجال ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت میں اس آدمی کا درجہ میری امت میں سب سے بلند ہوگا۔ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہمارا خیال تھا یہ شخص حضرت عمر بن خطابؓ ہوں گے۔ آپ کے شہید ہونے تک ہمارا یہی خیال رہا۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کا ایک فتنہ یہ ہوگا کہ وہ آسمان کو برسانے کا حکم دے گا تو بارش برسنے لگے گی۔ زمین کو اگانے کا حکم دے گا تو زمین اگنے لگے گی۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک قبیلہ کے پاس سے گزرے گا۔ جب اہل قبیلہ اس کی تکذیب کریں گے تو اس کے تمام جانور ہلاک ہو جائیں گے۔ اور دوسرے قبیلے کے پاس سے گزرے گا تو وہ اس کی تصدیق کریں گے تو وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو بارش ہو جائے گی زمین کو فصلیں اگانے کا حکم دے گا تو فصلیں اگیں گی۔ اور ان کے جانور موٹے تازے اور فربہ اور بہت زیادہ دودھ دینے والے ہو جائیں گے۔ مکہ مدینہ کے علاوہ تمام روئے زمین کا چکر لگائے گا اور جب مکہ یا مدینہ کا رخ کرے گا تو ہر راہ پر تلواروں سے مسلح فرشتوں کو پائے گا حتیٰ کہ سبخاء ظریب الاحمر کے قریب نازل ہوگا۔ اس وقت مدینہ طیبہ میں تین زلزلے آئیں گے جس کی وجہ سے تمام مرد اور عورتیں نکل کر دجال کے لشکر میں چلے جائیں گے۔ مدینہ طیبہ ان خبیث لوگوں کو اس طرح دور پھینکے گا جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل کو دور کر دیتی ہے اس دن کا نام یوم اخلاص ہوگا۔ یہ بات سن کر حضرت ام شریکؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس وقت عرب کہاں ہوں گے۔ فرمایا ان کی تعداد اس وقت قلیل ہوگی اور ان کی اکثریت اس وقت بیت المقدس میں ہوگی۔ اور ان کا امام ایک نیک آدمی ہوگا۔ ان کا امام ابھی صبح کی نماز پڑھانے نکلے گا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ وہ امام الٹے پاؤں پیچھے ہٹے گا تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز پڑھائیں۔ آپ اپنا دست مبارک اس کے کندھے پر رکھ کر فرمائیں گے آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ۔ یہ اقامت تمہارے لیے کہی گئی ہے اس طرح وہ امام نماز پڑھائیں گے۔ جب نماز ختم ہوگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ دروازہ کھولو۔ دروازہ کھلے گا تو سامنے دجال ستر ہزار یہودیوں کے لشکر کے ساتھ کھڑا ہوگا۔ ان کے ہاتھ میں ساگوان کے دستے والی سونے سے آراستہ تلواریں ہوں گی دجال آپ کی طرف دیکھے گا تو پانی کی طرح گھلنے لگے گا۔ اور پھر تیزی سے بھاگنے لگے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں تجھے ایک ایسی ضرب لگاؤں گا جس سے تم نہیں بچ سکو گے۔ چنانچہ آپ اسے مشرقی باب لد کے پاس اسے پکڑ لیں گے اور وہیں اسے قتل کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ لشکر یہود کو تباہ کر دے گا۔ وہ یہودی جس چیز کے پیچھے چھپیں گے اللہ اس چیز کو قوت گویائی عطا کرے اسے کوئی پتھر پناہ دے گا نہ شجر، نہ کوئی دیوار اور نہ کوئی جانور۔ لیکن برگد کا درخت نہیں بولے گا کیونکہ یہ یہودیوں کا مقدس درخت ہے۔ اس کے علاوہ ہر شجر وحجر کہے گا اے مسلم! آؤ یہ یہودی ہے

اسے قتل کردو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دجال چالیس سال اس زمین پر رہے گا۔ اس کا ایک سال نصف سال کے برابر اور باقی ایام شرارہ کی مثل ہوں گے۔ ایک شخص صبح کے وقت شہر کے ایک دروازے سے چلے گا ابھی وہ دوسرے دروازے تک نہیں پہنچے گا کہ شام ہو جائے گی۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ! ہم ان چھوٹے دنوں میں نماز کیسے پڑھیں گے فرمایا ان دنوں میں اندازہ کرلیا کرنا۔ جس طرح کہ ان دنوں میں اندازے کے ساتھ نماز پڑھا کرو گے۔ آپ نے فرمایا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام عادل حاکم اور منصف امام بن کر میری امت میں داخل ہوں گے۔ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو ہلاک کریں گے، جزیہ کو ختم کریں گے صدقہ چھوڑ دیا جائے گا۔ حتی کہ بچہ سانپ کے منہ میں اپنا ہاتھ ڈال دے گا تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بچیاں شیروں کے ساتھ کھیلیں گی۔ وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ بھیڑیاں بکریوں میں اس طرح پھرے گا جس طرح ان کا محافظ کتا۔ دنیا امن سے اس طرح بھر جائے گی جس طرح برتن پانی سے۔ سب کا کلمہ ایک ہوگا اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہوگی، جنگ وجدل ختم ہو جائے گا۔ قریش دوسروں سے اپنا ملک حاصل کرلیں گے۔ زمین چاندی کی مثل منور ہو جائے گی اور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ کی طرح پیداوار دے گی۔ حتی کہ انگور کا ایک خوشہ ایک جماعت کے لیے کافی ہوگا۔ اور انار اتنا بڑا ہوگا کہ لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت اسے کھا کر سیر ہو جائے گی۔ بیلوں کی قیمت بڑھ جائے گی۔ اور گھوڑا صرف چند درہموں میں ملے گا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ گھوڑے کیوں اتنے سستے ہو جائیں گے۔ فرمایا جنگ کے لیے اب ان کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ عرض کی گئی بیل کیوں مہنگے ہوں گے۔ فرمایا تمام زمین پر کاشت کاری کی جائے گی۔ دجال سے پہلے تین سال لوگوں پر بہت سخت ہوں گے۔ ان میں قحط سالی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ پہلے سال آسمان کو حکم دے گا کہ وہ ایک تہائی بارش کو روک لے اور زمین کو حکم دے گا کہ ایک تہائی پیداوار روک لے، تیسرے سال آسمان کو مکمل بارش روکنے کا حکم دے گا تو بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں برسے گا زمین کو مکمل پیداوار روکنے کا حکم دے گا تو زمین کوئی چیز نہیں اگائے گی۔ اس قحط سے تمام جانور ہلاک ہو جائیں گے۔ مگر جسے خدا چاہے۔ عرض کی گئی لوگ اس زمانہ میں کیسے زندہ رہیں گے فرمایا اس وقت ان کی غذا کے قائم مقام تسبیح وتہلیل اور تکبیر وتحمید ہو جائے گا۔ عبدالرحمٰن مہاروی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث معلمین کو پہنچانی چاہیے تاکہ وہ بچوں کو سکھا دیں بلکہ کہ ان کو یہ حدیث لکھوا دینی چاہیے (1)۔

اس حدیث کی یہ سند اگرچہ غریب ہے لیکن دوسری کتب حدیث میں اس کے شواہد ملتے ہیں۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ تم یہود کے ساتھ جنگ کرو گے اور ان کو قتل کردو گے۔ یہاں تک کہ پتھر کہے گا اے مسلم! یہ یہودی ہے آؤ اسے قتل کرو۔ اور مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ قیامت قائم ہونے سے پہلے مسلمان یہودیوں سے جنگ کریں گے اور ان کو قتل کردیں گے۔ حتی کہ یہودی جس درخت یا پتھر کے پیچھے چھپے گا تو وہ درخت اور پتھر کہیں گے اے مسلمان اللہ کے بندے! یہ یہودی میرے پیچھے ہے آؤ اسے قتل کردو۔ سوائے برگد کے درخت کے۔ کہ وہ یہودیوں کا مقدس درخت ہے۔ ایک دن صبح کے وقت حضور ﷺ نے دجال کا ذکر کیا۔ دوران گفتگو آپ کبھی بلند ہوتے اور کبھی پست حتی کہ ہم نے یہ خیال کیا کہ دجال اس نخلستان میں ہے۔ جب ہم شام کو واپس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمارے اڑے چہروں کو دیکھ کر فرمایا تمہیں کیا ہوا۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! صبح آپ نے دجال کا ذکر کیا تھا ہمیں یہ خیال ہوا کہ دجال اس نخلستان میں ہے۔ فرمایا دجال کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ہیں جن کا مجھے تمہارے لیے خوف ہے۔ اگر تو دجال میری موجودگی میں نکلا تو تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں میں خود اس کا کام تمام کردوں گا اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر انسان خود اپنا نگہبان ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کا نگہبان ہے۔ وہ دجال نوجوان، گھنگریالے بالوں والا ہوگا اور اس کی ایک آنکھ ابھری ہوئی ہوگا۔ وہ عبدالعزیٰ بن قطن کے بہت مشابہ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن: 1363،1359

ہوگا پس تم میں سے جو بھی اسے پائے وہ اس پر سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے۔ وہ شام وعراق کے درمیانی علاقہ سے نکلے گا۔ دائیں بائیں فساد پھیلائے گا۔ اے اللہ کے بندو۔! ثابت قدم رہنا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ زمین میں کتنی مدت ٹھہرے گا۔ فرمایا چالیس دن۔ اس کا ایک دن سال کے برابر اور ایک مہینے کے برابر اور ایک جمعہ کے برابر ہوگا اور باقی دن تمہارے عام دنوں کی طرح ہوں گے۔ ہم نے عرض کی اس کا وہ دن جو ایک سال کے برابر ہوگا کیا اس میں ایک دن کی نماز ہمارے لیے کافی ہوں گی۔ فرمایا نہیں بلکہ عام دنوں کے ساتھ اندازہ لگا کر نماز پڑھنا۔ عرض کی ہمیں اس کی تیز رفتاری کے بارے میں بتائیں۔ فرمایا اس کی رفتار ان بادلوں کی طرح ہوگی جن کو تیز ہوائیں اڑاتی ہیں۔ اس کا گزر ایک قوم کے پاس سے ہوگا۔ وہ انہیں دعوت دے گا تو وہ اس کی تصدیق کر دیں گے۔ وہ آسمان کو حکم دے گا تو بارش ہوگی، زمین کو حکم دے گا تو فصل اگے گی جس کی وجہ سے ان کے جانور موٹے تازے اور بہت زیادہ دودھ دینے والے ہو جائیں گے۔ پھر اس کا گزر کسی دوسری قوم کے پاس سے ہوگا وہ اس کی دعوت کو قبول نہیں کریں گے۔ جب وہ وہاں سے جائے گا تو ان کے مال ومویشی ہلاک ہو جائیں گے۔ کسی کھنڈر سے گزرے گا اور اسے کہے گا کہ اپنے خزانے کو باہر نکال دے تو اس کے خزانے شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے لگ جائیں۔ پھر ایک کڑیل جوان کو بلائے گا۔ تلوار کے ساتھ اس کے دو ٹکڑے کر کے اتنی دور پھینک دے گا جتنی دور تیر نشانے پر پہنچتا ہے پھر وہ اسے بلائے گا تو وہ ہنستا مسکراتا ہوا آ جائے گا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کو دمشق کے سفید مشرقی منارے کے قریب اتارے گا۔ آپ نے دو چادریں اوڑھی ہوئی ہوں گی اور آپ کے دونوں ہاتھ فرشتوں کے کندھوں پر ہوں گے، جب آپ سر کو جھکائیں گے تو اس سے پانی کے قطرے ٹپکیں گے۔ جب سر کو اوپر کریں گے تو وہ قطرے موتیوں کی طرح جھڑیں گے۔ جس کافر تک آپ کے سانس کی گرمی پہنچے گی وہ مرجائے گا اور آپ کی سانس وہاں تک پہنچے گی جہاں تک آپ کی نظر پہنچتی ہے۔ آپ اس کا پیچھا کرتے ہوئے باب لد کے پاس اسے پکڑ کر قتل کر دیں گے۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ انہیں وحی فرمائے گا کہ میں نے اپنے کچھ بندوں کو بھیجا ہے جن کے ساتھ کوئی جنگ نہیں کر سکتا۔ اس لیے تم میرے ان بندوں کو کوہ طور پر لے جاؤ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا وہ ہر طرف سے نکلیں گے۔ ان کا پہلا گروہ بحیرہ الطبریہ کے پاس پہنچے گا تو اس کا سارا پانی پی جائیں گے۔ جب ان کا آخری گروہ وہاں آئے گا تو وہ کہے گا کہ شاید کسی زمانے میں یہاں پانی تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھ مومن کوہ طور پر محصور ہوں گے اور ان کی یہ حالت ہوگی کہ ان کے لیے بیل کا ایک سر اس سے بھی اچھا معلوم ہوگا جسے تمہیں آج ایک سو دینار محبوب ہوں۔ اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے مومن دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یہاں یاجوج ماجوج کی گردنوں میں ایک گلٹی پیدا کر دے گا جس کی وجہ سے وہ تمام ہلاک ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی کوہ طور سے نیچے اتریں گے تو ایک بالشت زمین بھی نہیں پائیں گے جو ان کی لاشوں اور بدبو سے خالی ہوگی۔ پھر جناب عیسیٰ علیہ السلام اور مومنین اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی گردنوں کی مثل پرندے بھیجے گا جو انہیں اٹھا کر پھینک دیں گے جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل کرے گا جس سے کوئی گھر یا خیمہ نہیں بچے گا اور زمین ہتھیلی کی طرح دھل کر صاف ہو جائے گی۔ پھر زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھل نکالو اور اپنی برکتیں لٹاؤ۔ اس وقت ایک پورا گروہ ایک انار سے سیر ہوگا۔ اور اس کے چھلکے کو سائبان بنالے گا۔ اور ایک اونٹنی کا دودھ پورے قبیلے کے لیے کافی ہوگا۔ لوگ اسی حالت میں زندگی گزار رہے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو مومنوں کی بغلوں کے نیچے سے گزرے گی۔ اور اس کے ساتھ ان کی روح قبض ہو جائے گی بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ دھینگا مشتی

میں مصروف ہوں گے ان پر قیامت واقع ہو جائے گی(1)۔ اس حدیث کو امام احمد اور اصحاب سنن نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے بھی روایت کیا ہے۔ جس کو ہم سورۂ انبیاء میں آیت کریمہ: حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ (الانبیاء: 96) کی تفسیر کے تحت ذکر کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ یہ حدیث کون سی ہے جو آپ بیان کرتے ہیں۔ آپ بیان کرتے ہیں فلاں وقت قیامت قائم ہوگی۔ آپ نے یہ سن کر سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ پڑھا اور فرمایا کہ میرا تو یہ ارادہ ہے کہ میں تم سے کوئی حدیث بیان نہ کروں۔ میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ تم کچھ مدت کے بعد بڑے بڑے امور دیکھو گے۔ اللہ کے گھر کو جلا دیا جائے گا اور یہ یہ واقعہ رونما ہوگا۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت میں دجال آئے گا اور چالیس سال تک ٹھہرے گا اور یہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے چالیس دن، چالیس ماہ، یا چالیس سال فرمائے۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا۔ ان کی صورت عروہ بن مسعود کی طرح ہوگی۔ وہ دجال کا پیچھا کریں گے اور اسے قتل کر دیں گے۔ پھر لوگ سات سال اس طرح گزاریں گے کہ کسی کے درمیان کوئی دشمنی نہیں ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جو روئے زمین پر ہر شخص کی روح قبض کرلے گی جس کے دل میں ذرا ایمان یا بھلائی ہوگی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی پہاڑ کی غار میں داخل ہو گیا تو وہ ہوا اس کے پیچھے داخل ہو جائے گی اور اس کی روح قبض کر لے گی۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ بدترین لوگ رہ جائیں ہیں۔ جو پرندوں کی طرح ہلکے اور درندوں کی ذہنیت کے مالک ہوں گے انہیں کوئی اچھائی یا برائی کی تمیز نہیں ہوگی۔ شیطان انسانی شکل میں ظاہر ہو کر انہیں کہے گا کہ تم میرا حکم کیوں قبول نہیں کرتے۔ وہ کہیں گے تمہارا حکم کیا ہے۔ وہ انہیں بتوں کی عبادت کرنے کا حکم دے گا۔ وہ وافر رزق میں اچھی زندگی گزاریں گے۔ پھر صور پھونکا جائے گا۔ جس کو لوگ غور سے سنیں گے۔ اس کی آواز سب سے پہلے وہ شخص سنے گا جو اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا۔ وہ آواز سن کر بے ہوش ہو جائے گا اور اس کے بعد تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ شبنم یا سایہ کی مثل یا بارش نازل فرمائے گا جس سے لوگوں کے جسم دوبارہ اگ پڑیں گے۔ اس کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو لوگ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ پھر انہیں کہا جائے گا اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو۔ پھر انہیں حکم ہوگا ٹھہرو۔ اور ان سے حساب کتاب ہوگا۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان میں سے جہنم کا حصہ نکالو۔ عرض کریں گے کتنا۔ حکم ہوگا ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے۔ یہی وہ دن ہے جو نوجوانوں کو بوڑھا کر دے گا۔ اور یہی وہ دن ہے جس دن معاملہ انتہائی سخت ہوگا(2)۔ اور مسند کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم مسیح دجال کو باب لد کے قریب یا لد کی جانب قتل کریں گے(3)۔ ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے بعد امام ترمذی نے کچھ صحابہ کے نام ذکر کر کے فرمایا ہے کہ اس باب میں ان صحابہ سے بھی احادیث مروی ہیں۔ اور ان سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں حضرت عیسیٰ کے دجال کو قتل کرنے کا ذکر ہے کیونکہ وہ احادیث جن میں صرف دجال کا ذکر ہے وہ بہت زیادہ اور شمار سے باہر ہیں۔ حضرت حذیفہ بن غفاریؓ فرماتے ہیں کہ عرفات سے واپس آتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزرے اس وقت ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم دس نشانیوں کو نہ دیکھو۔ 1۔ سورج کا مغرب سے نکلنا، 2۔ دھواں کا اٹھنا، 3۔ دابۃ الارض کا نکلنا، 4۔ یاجوج ماجوج کا نکلنا، 5۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول، 6۔ دجال کا آنا، 7۔ مشرق، 8۔ مغرب، 9۔ جزیرۂ عرب میں زمین کا دھنسنا، 10۔ عدن سے ایک ایسی آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانک کر لے جائے گی۔ وہ رات بھی ان کے ساتھ گزارے گی۔ جب وہ دن کے وقت آرام کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوگی(4)۔ اس حدیث کو مسلم

1۔ مسلم، کتاب الفتن: 2255,2250 2۔ ایضا: 2260,2258 3۔ مسند احمد: 320/3 4۔ مسلم، کتاب الفتن: 2226,2225

اور اصحاب سنن نے بھی روایت کیا ہے۔ اسی طرح حدیث مسلم شریف میں حذیفہ بن اسیدؓ سے موقوفاً مروی ہے۔ حضرات ابو ہریرہؓ، عبد اللہ بن مسعود، عثمان بن ابی العاص، ابوامامہ، نواس بن سمعان، عبد اللہ بن عمرو بن عاص، مجمع بن حارثہ، ابو شریحہ اور خذیفہ بن اسیدؓ کی روایت کردہ یہ احادیث متواتر ہیں۔ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے اور دمشق میں مشرقی مینارے سے ظاہر ہونے کا بیان ہے۔ ان احادیث میں آپ کے نازل ہونے کے وقت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ آپ صبح کی نماز کے وقت نازل ہوں گے۔ اس زمانے یعنی 741 ہجری جامع اموی کا یہ مینار سفید پتھر سے بنایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ مینار پہلے آگ لگنے سے جل گیا تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ملعون عیسائیوں نے اس کو آگ لگائی تھی۔ غالب گمان یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی مینار سے ظاہر ہوں گے، خنزیر کو ہلاک کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے اور جزیہ کو ختم کریں گے اسلام کے سوا کسی دین کو قبول نہیں کریں گے جیسا کہ پہلے صحیح احادیث میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ اور نبی پاک ﷺ نے بہت عرصہ پہلے ہی اس کی خبر دے دی اور اس چیز کو ثابت کر دیا بلکہ یہ ایک شرعی حکم کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس زمانہ میں ان تمام اہل کتاب کے شکوک وشبہات ختم ہو جائیں گے اور یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرتے ہوئے دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ (النساء: 159) یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: (وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) کی مثل ہے۔ اس کو لَعَلَمٌ بھی پڑھا گیا ہے جس کا معنی نشانی اور علامت ہے، یعنی آپ کا نزول قرب قیامت کی نشانی ہے۔ کیونکہ آپ مسیح دجال کے بعد نازل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اسے آپ کے ہاتھوں ہلاک کرے گا۔ جیسا کہ صحیح حدیث ہے: اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی شفاء بھی نازل فرمائی ہے۔ آپ کے زمانے میں یاجوج ماجوج نکلیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے انہیں ہلاک کرے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ ...... (الانبیاء: 96) ’’ترجمہ: یہاں تک کہ جب کھول دیے جائیں گے یاجوج و ماجوج اور ہر وہ بلندی سے بڑی تیزی کے ساتھ نیچے اترنے لگیں گے......‘‘۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ مبارک

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ جس میں حضور ﷺ نے فرمایا جب تم (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھو گے تو پہچان لو گے۔ میانہ قد، سرخ وسپید رنگت، زرد رنگ کی دو چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔ ایسے معلوم ہوگا جیسے ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں۔ اگرچہ آپ کے سر مبارک میں تری نہیں ہوگی۔ حضرت نواس بن سمعانؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے سفید مشرقی مینارے کے پاس نازل ہوں گے۔ زرد رنگ کی چادریں اوڑھے ہوئے اور اپنے دست مبارک دو فرشتوں کے کندھوں پر رکھے ہوئے ہوں گے۔ جب آپ سر مبارک جھکائیں گے تو ایسے معلوم ہوگا جیسے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں۔ اور جب سر مبارک اٹھائیں گے تو ایسے معلوم ہوگا جیسے سفید موتی جھڑتے ہیں۔ جس کافر تک آپ کی سانس کی ہوا پہنچے گی وہ مر جائے گا۔ اور آپ کے سانس کی ہوا وہاں تک پہنچے گی جہاں تک آپ کی نگاہ پڑے گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا معراج کی رات میری ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ وہ میانہ قد، سیدھے بالوں والے، قبیلہ شنوءہ کے آدمیوں کی مثل معلوم ہوتے تھے۔ پھر میری ملاقات حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ وہ میانے قد، سرخ رنگت والے تھے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی حمام سے نکلے ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو زیادہ میرے مشابہ تھے۔ (1) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

1۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء: 477,476/6

نے ارشاد فرمایا کہ میں نے حضرت موسیٰ، عیسیٰ اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو سرخ رنگ، گھنگریالے بالوں اور کشادہ سینے والے تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے جسم اور سیدھے بالوں والے تھے۔ جٹ مردوں کی مثل معلوم ہوتے(1)۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کانا ہونے کے عیب سے پاک ہے۔ اور مسیح دجال کی دائیں آنکھ کانی ہوگی۔ جیسا کہ پھولا ہوا انگور۔ ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خواب میں کعبہ کے قریب عیسیٰ (علیہ السلام) کو دکھایا، خوبصورت گندمی رنگ والے تھے۔ ان کے بالوں کی لٹیں کندھوں پر پڑ رہی تھیں۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ دو آدمیوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر طواف کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ مسیح بن مریم (علیہ السلام) ہیں۔ پھر میں نے اس کے پیچھے ایک آدمی دیکھا جس کے بال الجھے ہوئے اور داہنی آنکھ کانی تھی۔ ابن قطن کے بہت مشابہ تھا۔ ایک شخص کے دونوں کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ مسیح دجال ہے(2)۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رنگ سرخ بیان نہیں فرمایا بلکہ گندمی فرمایا ہے۔ پھر اس کے بعد آپ نے مذکورہ حدیث بیان کی۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ ابن قطن کا تعلق قبیلہ بنوخزاعہ کے ساتھ تھا۔ یہ زمانہ جاہلیت ہی میں مر گیا تھا۔ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد چالیس سال زمین پر ٹھہریں گے۔ پھر جب آپ کا وصال ہوگا تو مسلمان آپ کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ اور مسلم شریف کی حدیث ہے کہ وہ سات سال ٹھہریں گے۔ ممکن ہے کہ چالیس سال میں وہ مدت بھی شامل ہو جو آپ نے آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے گزاری۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھایا تو اس وقت آپ کی عمر 33 سال تھی۔ ان میں یہ سات سال ملائے جائیں تو چالیس سال پورے ہو جائیں گے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ اہل جنت کی شکل وصورت حضرت آدم علیہ السلام کے مشابہ اور ان کی عمریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر یعنی تینتیس سال ہوں گی۔ ابن عساکر کی ایک روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے جب حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھایا گیا تو آپ کی عمر ڈیڑھ سو سال تھی۔ لیکن یہ قول انتہائی ضعیف اور شاذ ہے۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں بعض سلف صالحین سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ ﷺ کے روضہ مبارک میں دفن کیا جائے گا۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام گواہی دیں گے کہ انہوں نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا اور خود بھی اس کی عبودیت کا اقرار کیا۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ کے آخر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ...... (المائدہ: 116) ''ترجمہ: اور جب پوچھے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو دو خدا اللہ کے سوا۔ وہ عرض کریں گے پاک ہے تو ہر شریک سے کیا مجال تھی میری کہ میں کہوں ایسی بات، جس کا نہیں ہے مجھے کوئی حق''۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ

1۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء: 477/6 2۔ ایضاً

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓىٕكَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا۠

"سو بوجہ ظلم ڈھانے یہود کے ہم نے حرام کردیں ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لیے اور بوجہ روکنے یہود کے اللہ کے راستے سے بہت لوگوں کو۔ اور بوجہ ان کے سود لینے کے حالانکہ منع کیے گئے تھے اس سے اور بوجہ ان کے کھانے کے لوگوں کے مال ناحق اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لیے ان میں سے عذاب دردناک۔ لیکن جو پختہ ہیں علم میں ان سے (وہ بھی) اور (جو) مسلمان ہیں ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور صحیح ادا کرنے والے نماز کے اور دینے والے زکوٰۃ کے اور ایمان لانے والے اللہ اور روز آخرت کے ساتھ یہی ہیں جنہیں عنقریب ہم دیں گے اجر عظیم"۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا: اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے ان پر بہت سی ایسی پاکیزہ چیزیں حرام کردیں جو ان پر پہلے حلال تھیں۔ اور اس کا سبب وہ شنیع جرائم تھے جن کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے۔ مفسرین کرام نے اس کے دو مفہوم بیان کیے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ تحریم اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر میں مقرر تھی کہ یہ اللہ کی نازل کردہ کتاب میں تاویل اور تحریف کریں گے اور وہ چیزیں جو ان پر حلال تھیں ان کو اپنے اوپر حرام کریں گے اور اس طرح اپنی طرف سے ہی اپنے نفسوں پر تشدد اور تنگی لازم کرلیں گے۔ دوسرا یہ ہے کہ یہ تحریم شرعی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تورات میں کچھ چیزوں کو حرام کردیا جو پہلے ان پر حلال تھیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ...... "ترجمہ: سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کے لیے مگر وہ جسے حرام کیا اسرائیل نے اپنے آپ پر "یعنی حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام کیا تھا۔ اس کے علاوہ باقی تمام کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے۔ پھر تورات میں ان میں سے بعض چیزیں ان پر حرام کردی گئیں۔ جیسا کہ سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَعَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا ...(انعام:146)" ترجمہ: اور ان لوگوں پر جو یہودی بنے تھے ہم نے حرام کردیا ہر ناخن والا جانور اور گائے بکری سے ہم نے حرام کی ان پر دونوں کی چربی۔ مگر جو اٹھا رکھی ہو ان کی پشتوں یا آنتوں نے......" یعنی ہم نے یہ چیزیں ان پر اس لیے حرام کیں۔ کیونکہ وہ اس کے مستحق تھے۔ اور یہ ان کی اپنی ہی سرکشی، بغاوت، اپنے رسول کی مخالفت اور باہمی افتراق و اختلاف کا سبب اور نتیجہ ہے۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے یہود پر ان کے ظلم ڈھانے کی وجہ سے وہ پاکیزہ چیزیں حرام کردیں جو ان کے لیے حلال تھیں۔

وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَثِیْرًا: اور دوسری وجہ یہ بیان کی کہ یہ لوگ خود بھی اتباع حق سے گریز کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سے روکتے تھے۔ اور یہ چیز ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ اور وہ قدیم زمانے میں ہی اپنی اس عادت کے ساتھ مشہور تھے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ رسولوں علیہم السلام کے دشمن تھے۔ انہوں نے بہت سے انبیا کو قتل کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی۔

وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا: یہاں تیسری وجہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سود لینے سے منع کیا تھا۔ لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی اور مختلف حیلے بہانوں سے لوگوں سے سود کھایا اور باطل طریقوں سے لوگوں کے مال کو ہڑپ کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ: یعنی ان میں سے وہ لوگ جو دین میں ثابت قدم ہیں اور جن کو علم نافع میں رسوخ حاصل ہے۔ اس کی

تفسیر سورۂ عمران میں گزر چکی ہے: وَالْمُؤْمِنُوْنَ کا عطف "اَلرَّاسِخُوْنَ" پر ہے۔ اس کی خبر یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرات عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید، اسد بن سعید، اسد بن مسعید، اسد بن عبیدؓ کے بارے میں نازل ہوئی جو یہودیت کو چھوڑ کر مسلمان ہوئے اور حضور ﷺ پر نازل شدہ احکام کی تصدیق کی۔

وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ: تمام آئمہ کرام کے مصاحف نیز ابی بن کعب کے مصحف میں بھی "اَلْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ" لکھا ہوا ہے۔ اور ابن جریر کے قول کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف میں "وَالْمُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ" ہے۔ علامہ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ پہلے ائمہ کرام کی قرأت ہی صحیح ہے۔ پھر آپ نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جن کا گمان تھا کہ یہ کتابت کی غلطی کی وجہ سے لکھا گیا ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کا قول تو یہ ہے کہ یہ مدح کے طور پر منصوب ہے جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ (البقرہ:177) "ترجمہ: اور جو پورا کرتے ہیں اپنے وعدوں کو جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں اور کمال نیک ہیں جو صبر کرتے ہیں مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت"۔ اور یہ اسلوب کلام عرب میں عام پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے۔

لَا یَبْعُدَنْ قَوْمِی الَّذِیْنَ ھُمْ اُسُدُ الْعُدَاۃِ وَاٰفَۃُ الْجُزُرِ

اَلنَّازِلِیْنَ بِکُلِّ مُعْتَرَكٍ وَالطَّیِّبُوْنَ مَعَاقِدَ الْاَزْرِ

میری وہ قوم ہلاک نہ ہو جو دشمنوں کے لیے زہر قاتل، اور اونٹوں کے لیے مصیبت ہے۔ ہر معرکہ میں نازل ہوتی ہے۔ اور وہ پاک دامن ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ مجرور ہے۔ اور اس کا عطف ماقبل یعنی بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یعنی وہ نماز کو قائم کرنے پر بھی ایمان لاتے ہیں اور اس کے فرض ہونے کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ یا اس سے مراد فرشتے ہیں۔ یہی ابن جریر کا مختار قول ہے اور معنی یہ ہوگا کہ وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور فرشتوں پر بھی۔ لیکن ان کا یہ قول محل نظر ہے۔

وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ: یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں زکوٰۃ سے مراد صرف مال کی زکوٰۃ ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں اس سے مراد جان کی زکوٰۃ ہو۔ اور بیک وقت یہ دونوں چیزیں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔ واللہ اعلم

وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ: یعنی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور اچھے و برے اعمال کی جزاء و سزا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں۔ جنہیں ہم اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ ۚ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ ۚ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰھُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ عَلَیْكَ ۭ وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ﴿۱۶۵﴾

"بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح علیہ السلام کے بعد آئے۔ اور (جیسے) وحی بھیجی ہم نے ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام

اوران کے بیٹوں اور عیسیٰ علیہ السلام، ایوب علیہ السلام، یونس علیہ السلام، ہارون علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی طرف اور ہم نے عطا فرمائی داؤد علیہ السلام کو زبور۔ اور (جیسے وحی بھیجی) دوسرے رسولوں پر جن کا حال بیان کر دیا ہے ہم نے آپ سے اس سے پہلے اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر ہم نے اب تک آپ سے نہیں کیا اور کلام فرمایا اللہ نے موسیٰ سے خاص کلام (بھیجے ہم نے یہ سارے) رسول خوشخبری دینے کے لیے اور ڈرانے کے لیے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے (آنے کے بعد) اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے (کوئی تسلیم نہ کرے تو اس کی مرضی)''۔

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سکن اور عدی بن زید نے کہا اے محمد! ہمیں معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل کی ہو تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ محمد بن کعب القرظی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یَسْـَٔلُكَ اَھْلُ الْكِتٰبِ...... (النساء:153) جب نازل فرمائی اور رسول اللہ ﷺ نے یہود کے سامنے اس کی تلاوت فرمائی اور ان کو ان کے اعمال خبیثہ سے آگاہ کیا تو انہوں نے اللہ کے نازل کردہ کلام کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی نہ موسیٰ پر نہ عیسیٰ پر اور نہ ہی کسی اور نبی پر۔ رسول اللہ ﷺ رانوں کے اردگرد ہاتھوں کا دائرہ بنائے ہوئے بیٹھے تھے۔ آپ یہ سن کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ کسی ایک پر بھی نازل نہیں کیا۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ: وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖٓ...... (انعام:91)'' ترجمہ: اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر پہچاننے کا......''۔ لیکن محمد بن کعب قرظی کا یہ قول محل نظر ہے۔ کیونکہ یہ سورۂ انعام کی آیت ہے جو کہ مکیہ ہے اور سورۂ نساء کی مندرجہ بالا آیات مدنیہ ہیں۔ اور یہ آیات یہودیوں کے رد میں نازل ہوئیں جس وقت انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان پر کتاب نازل کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے عیوب اور ہرزہ سرائیاں بیان کیں اور ان کے کذب وافتراء کا پول کھولا۔ اور پھر اس کے بعد ذکر کیا کہ اس نے اپنے محبوب بندے اور رسول محمد ﷺ پر وحی نازل فرمائی۔ جیسا کہ آپ سے پہلے انبیاء پر وحی نازل فرمائی۔ زبور اس کتاب کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ انبیاء کے احوال اور واقعات سورۂ انبیاء میں ذکر کریں گے۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰھُمْ عَلَیْكَ: یعنی کچھ رسولوں کا ذکر ہم اس آیت کے نازل کرنے سے پہلے مکی سورتوں میں ذکر کر چکے ہیں۔ وہ انبیاء جن کے اسماء مبارکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر کیے ہیں۔ حضرت آدم، ادریس، نوح، ہود، صالح، ابراہیم، لوط، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب، یوسف، ایوب، شعیب، موسیٰ، ہارون، یونس، داؤد، سلیمان، الیاس، الیسع، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، اکثر مفسرین کے نزدیک ذوالکفل علیہم السلام اور ان سب کے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ۔

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ عَلَیْكَ: یعنی ان کے علاوہ بہت سے انبیاء کرام ایسے بھی ہیں جن کا قرآن پاک میں ذکر نہیں۔ اسی وجہ سے انبیاء اور رسل کی تعداد میں اختلاف ہے۔ اس کے بارے میں حضرت ابوذر ذکر کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! انبیاء کتنے ہیں۔ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ میں نے عرض کی ان میں سے رسول کتنے ہیں۔ فرمایا تین سو تیرہ۔ میں نے عرض کی ان میں سب سے پہلا کونسا ہے۔ فرمایا حضرت آدمؑ۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا وہ نبی مرسل ہیں۔ فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور ان میں اپنی خاص روح پھونکی اور پھر ان کے اعضاء کو برابر کیا۔ پھر فرمایا اے ابوذر! ان میں سے چار سریانی ہیں۔ حضرت آدم، شیث، نوح، خنوخ (ان کا مشہور نام ادریس ہے۔) یہ وہی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے لکھا۔ ان میں چار عربی ہیں۔ حضرت ہود، صالح، شعیب، اور ہمارے نبی بنی اسرائیل میں سے سب سے پہلے نبی حضرت موسیٰ اور آخری نبی حضرت عیسیٰ ہیں۔ تمام

نبیوں میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم اور آخری ہمارے نبی ہیں۔اس طویل حدیث کو ابن حبان نے اپنی کتاب ''انواع التقسیم'' میں ذکر کیا ہے۔اور اس کے راوی ابراہیم بن ہشام کو وضع حدیث سے متہم کیا ہے۔اس حدیث کی وجہ سے دوسرے ائمہ حدیث نے بھی ان پر جرح کی ہے۔یہی حدیث ایک دوسری سند سے حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے۔لیکن اس سند میں معان بن رفاعہ سلامی اور علی بن یزید دونوں راوی ضعیف ہیں۔اسی طرح اس کے ایک اور راوی قاسم بن ابوعبدالرحمن بھی ضعیف ہیں۔مسند ابی یعلی میں حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث فرمائے۔چار ہزار بنی اسرائیل کی طرف اور باقی تمام لوگوں کی طرف۔لیکن یہ سند بھی ضعف سے خالی نہیں۔اس میں ربذی اور اس کے شیخ رقاشی دونوں ضعیف ہیں۔ابویعلی کی ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا آٹھ ہزار میرے نبی بھائی گزر چکے ہیں۔ان کے بعد (حضرت) عیسیٰ آئے اور ان کے بعد میں آیا۔ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا مجھے آٹھ ہزار انبیاء کے بعد مبعوث کیا گیا۔ان میں چار ہزار بنی اسرائیل میں آئے۔یہ سند اگرچہ غریب ہے لیکن اس کے تمام راوی معروف ہیں سوائے احمد بن طارق کے کہ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ان کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کے بارے میں مجھے کوئی خبر نہیں۔

انبیاء کی تعداد کے بارے میں حضرت ابوذر کی حدیث: حضرت ابوذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں میں مسجد نبوی میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ تنہا تشریف فرما ہیں میں آپ کے پاس بیٹھ گیا اور عرض کی یارسول اللہ! آپ نے مجھے نماز کا حکم دیا ہے۔فرمایا کہ نماز بہترین چیز ہے اس میں زیادتی کرو یا کمی۔میں نے عرض کی یارسول اللہ! سب سے افضل عمل کونسا ہے۔فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور جہاد کرنا۔عرض کی سب سے افضل مومن کون ہے؟ آپ نے فرمایا جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔عرض کی یارسول اللہ! سب سے زیادہ محفوظ مسلمان کون ہے۔فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔عرض کی یارسول اللہ! سب سے افضل ہجرت کونسی ہے۔فرمایا برائیوں کو چھوڑنا۔عرض کی یارسول اللہ! سب سے افضل نماز کونسی ہے۔جس میں قیام لمبا کیا جائے۔عرض کی یارسول اللہ! کیا غلام آزاد کرنا افضل ہے۔فرمایا جس کی قیمت بہت زیادہ ہو اور اپنے مالک کے نزدیک پسندیدہ ہو۔میں نے عرض کی کونسا صدقہ افضل ہے۔فرمایا، کم مال والے کا کوشش سے صدقہ کرنا اور چپکے سے فقیر کو دے دینا۔میں نے عرض کی سب سے عظیم آیت کونسی ہے۔فرمایا آیت الکرسی۔پھر ارشاد فرمایا اے ابوذر! کرسی کے سامنے سات آسمانوں کی حیثیت اس طرح ہے جس طرح چٹیل میدان میں پڑا ہوا چھوٹا سا حلقہ۔اور عرش کو کرسی پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح چٹیل میدان کو اس حلقہ پر۔میں نے عرض کی یارسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں۔فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔عرض کی کہ ان میں سے رسول کتنے ہیں۔فرمایا تین سو تیرہ اور یہ ایک بہت بڑی پاکیزہ جماعت ہے۔میں نے عرض کی ان میں سے سب سے پہلے کون ہے۔فرمایا آدم۔میں نے عرض کی کیا وہ نبی مرسل ہیں۔فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی۔انکے اعضاء کو معتدل بنایا۔پھر فرمایا اے ابوذر! ان میں سے چار سریانی ہیں۔(حضرت) آدم، شیث، خنوخ (ادریس) اور انہوں نے یہ سب سے پہلے قلم کے ساتھ لکھا۔نوح اور چار عربی ہیں۔حضرت ھود، حضرت شعیب، حضرت صالح اور اور تمہارے نبی اے ابوذر۔بنی اسرائیل کے پہلے نبی موسیٰ ہیں اور آخری عیسیٰ ہیں۔سب سے پہلے رسول حضرت آدم اور آخری حضرت محمد ﷺ۔میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل فرمائیں۔فرمایا ایک سو چار۔اللہ تعالیٰ نے حضرت شیث پر پچاس، حضرت خنوخ پر تیس، اور حضرت ابراہیم پر دس صحیفے نازل فرمائے۔حضرت موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل فرمائے۔پھر اللہ تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل فرمایا۔میں نے عرض کی صحف ابراہیم میں کیا تھا۔فرمایا ان تمام کا لب

لباب یہ تھا" اے مغرور اور آزمائش میں مبتلا بادشاہ میں نے تمہیں اس لیے نہیں بھیجا کہ تو دنیا کو جمع کرے بلکہ میں نے تو تمہیں اس لیے بھیجا ہے تاکہ تو مظلوم کی پکار کو مجھ سے ہٹا دے۔ کیونکہ میں مظلوم کی پکار کو رد نہیں کرتا خواہ وہ کافر ہی ہو۔ اور ان میں یہ بھی تھا کہ عاقل کو چاہیے کہ وہ اپنے اوقات کو مختلف حصوں میں تقسیم کرے۔ کچھ وقت اپنے رب کے ساتھ مناجات کرنے کے لیے، اور کچھ اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کے لیے اور کچھ اللہ کی صنعت میں غور و فکر کرنے کے لیے، اور کچھ ضرورت کے مطابق کھانے پینے کے لیے مقرر کر لے۔ صاحب عقل کو چاہیے کہ اپنے آپ کو تین باتوں میں مصروف رکھے۔ توشہ آخرت کے حصول، یا گزر اوقات کے لیے تگ و دو، یا غیر حرام چیزوں میں لذت حاصل کرنے میں۔ عقلمند کو چاہیے کہ وہ اپنے وقت کا خیال رکھے، اپنے حال میں مست رہے اور اپنی زبان کی حفاظت کرے۔ اور جو شخص اپنے عمل کے مطابق اپنی کلام کا حساب رکھے تو اس کا کلام انتہائی قلیل ہوگا۔ ہاں وہ مفید چیزوں میں موقع و محل کے مطابق گفتگو کر سکتا ہے۔ میں نے عرض کی حضرت موسیٰ کے مصحف میں کیا تھا۔ فرمایا کہ اس میں عبرتیں ہی عبرتیں تھیں۔ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جسے موت کا یقین ہے اور پھر وہ مسکراتا ہے، تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے اور پھر اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا کی بے ثباتی کو دیکھتا ہے اور پھر اس پر مطمئن ہو کر بیٹھتا ہے۔ اور تعجب ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن حساب کتاب پر ایمان رکھتا ہے لیکن عمل نہیں کرتا۔ میں نے عرض کی کہ حضرت ابراہیم اور موسیٰ کی تعلیمات کا کچھ حصہ قرآن پاک میں بھی نازل ہوا آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ یہ آیت پڑھو! قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ:14) میں نے عرض کی مجھے نصیحت فرمائیے۔ فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اور تمہارے ہر عمل کی یہی بنیاد ہے۔ میں نے عرض کی مزید نصیحت فرمائیے۔ فرمایا تلاوت قرآن اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہو۔ یہ آسمان میں تمہارے لیے مقبولیت اور زمین میں تمہارے لیے نور کا باعث ہوگا عرض کی مزید فرمائیے۔ فرمایا بہت زیادہ ہنسنے سے بچو کیونکہ یہ دل کو مردہ اور چہرے سے نور کو دور کر دیتا ہے۔ عرض کی مزید ارشاد فرمائیے۔ فرمایا کہ جہاد کو لازم پکڑو کیونکہ یہی میری امت کی رہبانیت ہے۔ عرض کی مزید ارشاد فرمائیے۔ فرمایا اچھی بات کے علاوہ خاموشی اختیار کرو۔ کیونکہ خاموشی سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ اور یہ دینی معاملات میں معاون و مددگار ہوتی ہے۔ عرض کی کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا اپنے سے نچلے درجے والے کی طرف دیکھو اور اپنے اوپر لے درجے کی طرف نہ دیکھو۔ اس طرح تم اللہ کی نعمتوں کو حقیر نہیں جانو گے۔ عرض کی کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا کہ مساکین سے محبت کرو اور ان کے ساتھ بیٹھا کرو۔ اس طرح تم اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو حقیر نہیں جانو گے۔ عرض کی اور کچھ بیان فرمائیں۔ فرمایا قریبی رشتہ داروں سے تعلق قائم کرو اگرچہ وہ تجھ سے تعلق توڑیں۔ عرض کی کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا کہ حق بیان کرو اگرچہ کڑوا ہو۔ عرض کی اور۔ فرمایا کہ اللہ بارے میں کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈرو۔ میں نے عرض کی اور۔ فرمایا کہ اپنے نفس کے عیوب میں غور و فکر کرو گے تو تمہیں لوگوں کے عیوب نظر نہیں آئیں گے۔ جس امر کو تم پسند کرتے ہو لوگوں سے اس کے کرنے پر ناراض نہ ہو۔ اور تیرے لیے یہی عیب کافی ہے کہ تو لوگوں کے عیب کو جانے لیکن اپنے نفس کے عیوب سے غافل ہو۔ پھر آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے میں مار کر فرمایا تدبیر کی مثل کوئی عقل نہیں۔ حرام چیزوں سے رکنے کی مثل کوئی پرہیزگاری اور حسن خلق کی مثل کوئی حسب ونسب نہیں (1)۔ مسند امام احمد میں بھی یہ حدیث کچھ اختصار کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت ابو وداک روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدریؓ نے مجھ سے پوچھا کیا خارجی دجال کے قائل ہیں۔ میں نے عرض کی نہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں ایک ہزار بلکہ اس سے زیادہ نبیوں کے بعد آنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا۔ لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ علامات بتا دیں جو کسی

1۔ مسند احمد: 265/5

کونہیں بتائیں۔فرمایا دجال بھینگا ہے، تمہارا رب ایسا نہیں ہوسکتا۔اس کی دائیں آنکھ بھینگی اور اوپر کو اٹھی ہوئی ہے۔ جیسے چونے کی سفید دیوار پر سینڈ لگا ہوا ہو۔اس کی بائیں آنکھ چمکتے ستارے کی طرح ہے۔وہ ہر زبان میں گفتگو کرے گا۔اس کے پاس سرسبز جنت کی صورت ہوگی۔جس میں پانی رواں ہوگا۔اور اسی طرح نار جہنم کی سیاہ اور دھواں والی صورت ہوگی(1)۔ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ میں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ انبیاء کا خاتم ہوں۔ہوسکتا ہے اس میں ہزار کا لفظ زائد ہو کیونکہ دوسری روایت میں ذکر ہے کہ میں ایک ہزار یا اس سے زیادہ نبیوں کا خاتم ہوں۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا: یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم کی صفت سے مشرف فرمایا ہے۔ایک شخص ابوبکر بن عیاشؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے ایک شخص کو آیت کے اس حصے کو اس طرح وَكَلَّمَ اللّٰهَ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا پڑھتے ہوئے سنا ہے۔آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اس طرح صرف کافر کرسکتے ہیں۔پھر فرمایا میں نے اعمش سے، اعمش نے یحییٰ بن وثاب سے، انہوں نے عبدالرحمٰن سلمی، انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب سے اور حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا پڑھا۔حضرت ابوبکر بن عیاشؓ اس لیے سخت ناراض ہوئے تھے کیونکہ اس طرح پڑھنے سے قرآن پاک کی لفظی اور معنوی تحریف ہوتی ہے۔شاید یہ کوئی معتزلی ہو جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نہ تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور نہ ہی اپنی مخلوق میں سے کسی اور سے۔ایک معتزلی نے کسی بزرگ کے سامنے كَلَّمَ اللّٰهَ (بالنصب) مُوْسٰى تَكْلِيْمًا پڑھا تو انہوں نے فرمایا اے نابکار! تم نے یہاں تو اللہ کے کلام میں تحریف کر دی لیکن اس آیت: وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ (الاعراف: 143) میں کیا کرو گے۔کیونکہ اس میں تاویل وتحریف کی کوئی گنجائش نہیں۔حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام سے مشرف فرمایا تو آپ رات کی تاریکی میں چٹان پر چلتی ہوئی چیونٹی کو بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔یہ حدیث غریب ہے۔اس کی اسناد صحیح نہیں۔مگر اس کو موقوف تسلیم کرلیا جائے تو یہ اچھا ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اس دن آپ نے صوف کا جبہ، شلوار پہنی اور صوف ہی کی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔اور آپ نے گدھے کی جلد کے نعلین پہن رکھے تھے جسے ذبح کے ذریعے پاک نہیں کیا گیا تھا۔حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تین دن میں ایک لاکھ چالیس ہزار کلمات کے ساتھ کلام کیا یہ تمام کے تمام نصائح تھے۔لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کے راوی جویبر انتہائی ضعیف ہیں اور ضحاک کی حضرت ابن عباسؓ سے ملاقات ثابت نہیں حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ جبل طور پر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو یہ اس کلام کے برعکس تھا جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے ساتھ اس دن فرمایا جب موسیٰ نے اللہ کو پکارا تھا۔جب حضرت موسیٰ نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے موسیٰ میں نے تو ابھی تم سے دس ہزار زبانوں کی قوت سے کلام کیا ہے حالانکہ میرے پاس تمام زبانوں کی قوت بلکہ اس سے بھی زیادہ قوت موجود ہے۔جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کی طرف لوٹے تو وہ آپ سے کلام ربانی کے وصف کے بارے میں پوچھنے لگے۔آپ نے فرمایا مجھ میں اس کا وصف بیان کرنے کی طاقت نہیں۔انہوں نے عرض کی کہ کوئی تشبیہ بیان کردیں۔آپ نے فرمایا کیا تم نے بجلی کے کڑکنے کی آواز نہیں سنی وہ کلام اس کے مشابہ تھی لیکن اس جیسی نہیں تھی۔اس کی سند بھی ضعیف ہے۔حضرت کعب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے ساتھ اپنے کلام کے سوا تمام زبانوں میں گفتگو کی۔حضرت موسیٰ نے عرض کی اے باری تعالیٰ! یہ آپ کا کلام ہے۔فرمایا نہیں۔اگر میں اپنے کلام کے ساتھ گفتگو کرتا تو

1۔۔مسند احمد: 79/3

تم اس کو برداشت نہ کر سکتے۔ عرض کی کیا تیری مخلوق میں سے کسی کا کلام تیرے کلام کے مشابہ ہے۔ یہ روایت بھی حضرت کعب الاحبار پر موقوف ہے۔ اور وہ عموماً گزشتہ کتابوں سے اسرائیلی روایت بیان کرتے ہیں جن میں صحیح اور غیر صحیح ہر قسم کی روایات شامل ہوتیں ہیں۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ: یعنی یہ رسول اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والوں کو اس کی رضا اور خوشنودی کی خوش خبری دیتے ہیں اور اس کے حکم کی مخالفت کرنے، اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والے کو عذاب سے ڈراتے ہیں۔

لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں کو نازل فرمایا اور اپنے رسولوں کو وعدہ وعید کے ساتھ معبوث فرمایا اور یہ بھی بیان فرمادیا کہ کونسی چیز اس کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہے اور کونسی چیز اس کی ناپسندیدگی اور ناراضگی کا سبب ہے۔ تاکہ کسی معذرت کرنے والے کا کوئی عذر باقی نہ رہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ..... (طٰہٰ:134) ''ترجمہ: اور اگر ہم انہیں ہلاک کر دیتے کسی عذاب سے اس سے پہلے تو کہتے اے ہمارے رب کیوں نہ بھیجا ہماری طرف رسول.....''۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَوْ لَاۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ..... ''ترجمہ: (اور اس کی وجہ یہ ہے) کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب ان کو پہنچے انہیں کوئی مصیبت ان اعمال کے باعث جو انہوں نے کیے تھے تو وہ یہ کہنے لگے کہ اے رب کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف رسول.....''۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں۔ اسی لیے اس نے تمام ظاہری اور باطنی برائیوں کو حرام کیا۔ اس سے بڑھ کر کوئی مدح پسند نہیں اس لیے اس نے اپنی مدح خود کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی عذر قبول اور پسند کرنے والا نہیں۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے نبیوں کو خوشخبری سنانے اور اپنے عذاب سے ڈرانے والے بنا کر معبوث کیا۔ دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں (1)۔

لٰكِنِ اللّٰهُ یَشْهَدُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَیْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ یَشْهَدُوْنَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ؕ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ طَرِیْقًا ۙ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۱۶۹﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۷۰﴾

''لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعے جو اس نے آپ کی طرف اتاری اس نے اسے اتارا ہے اپنے علم سے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ تعالیٰ بطور گواہ۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے وہ گمراہ ہوئے اور گمراہی میں دور دور نکل گئے۔ بے شک جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ بخش دے انہیں اور نہ یہ کہ دکھائے انہیں (سیدھی) راہ بجز جہنم کی راہ۔ کہ ہمیشہ رہیں گے اس میں ابد تک اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے۔ اے لوگو! تحقیق آ گیا تمہارے پاس رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے پس تم ایمان

1۔ البخاری: 72/6، مسلم: 100/8

لاؤ یہ بہتر ہے تمہارے لیے اور اگر تم انکار کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا''۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ: چونکہ اس سے قبل مذکور آیات میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اثبات اور مشرکین واہل کتاب میں سے منکرین کا رد تھا۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا کہ آپ کی مخالفت اور تکذیب کرنے والے آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں تو کرتے رہیں۔ اللہ تو گواہی دیتا ہے کہ آپ وہی رسول ہیں جن پر اس نے اپنی کتاب قرآن کریم کو نازل فرمایا۔ جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ...... (حم السجدہ: 42) ''ترجمہ: اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل اور نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے......''۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس علم کو نازل فرمایا جس پر اپنے بندوں کو مطلع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ یعنی اس میں واضح دلائل، ہدایت، فرقان، اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی اور اس کی ناراضگی اور ناپسندیدگی کے احکام اور ماضی و مستقبل کے بارے میں غیبی علوم اور اپنی ان صفات قدسیہ کو ذکر کیا جن کو نہ تو کوئی نبی مرسل جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ (البقرہ: 255) اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا (طٰہٰ: 110) حضرت عطاء بن سائب فرماتے ہیں کہ مجھے ابو عبدالرحمٰن سلمی نے قرآن پاک پڑھایا۔ جب ہم میں سے کوئی قرآن پڑھ لیتا تو فرماتے کہ تم نے اللہ کے علم کو حاصل کیا ہے۔ آج تم سے کوئی بھی افضل نہیں سوائے اس کے جو عمل میں تم سے بڑھ جائے۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ: یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ فرشتے بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جو کچھ آپ پر وحی کی گئی اور آپ پر نازل کیا گیا وہ حق اور سچ ہے۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کا ایک گروہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے انہیں ارشاد فرمایا قسم بخدا! مجھے معلوم ہے کہ تم یقیناً جانتے ہوگے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ...... (النساء: 166) نازل فرمائی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: یعنی ان لوگوں نے ایک تو بذات خود کفر اختیار کیا اور حق کی اتباع نہ کی اور دوسرا لوگوں کو حق کی اتباع سے روکا۔ اس طرح یہ لوگ حق سے بہت دور نکل گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات، کتابوں اور رسولوں کے منکرین اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے کی سزا بیان کی ہے کہ وہ ان کی مغفرت نہیں فرمائے گا اور نہ ہی اس کی نیکی اور بھلائی کے راستے کی طرف راہنمائی کرے گا سوائے جہنم کے راستے کے اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ یہ استثناء منقطع ہے۔ وہ لوگ ہمیشہ کے لیے اس جہنم میں رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ چیز بہت آسان ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ: اے لوگو! تمہارے پاس محمد ﷺ اللہ کی طرف سے ہدایت، دین حق اور واضح بیان کو لے کر تشریف لائے۔ پس تم اگر ان پر ایمان لے آؤ اور ان کی اتباع کرو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: یعنی اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم اور تمہارے ایمان سے مستغنی ہے۔ تمہارا کفر اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ (ابراہیم: 8) ''ترجمہ: نیز یہ بھی فرمایا موسیٰ نے اگر تم ناشکری کرنے لگو اور جو بھی سطح زمین پر ہے، ناشکری کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ اور سب تعریفوں کا

مستحق ہے"۔ اور یہاں بیان فرمایا۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا: یعنی اسے بخوبی علم ہے کہ تم میں جو ہدایت کا مستحق ہے اسے ہدایت عطا فرما دیتا ہے اور جو ضلالت و گمراہی کا مستحق ہوا سے اس راہ پر ڈال دیتا ہے۔ اس کے تمام اقوال و افعال شرعی احکام اور قضا وقدر سب حکمت پر مبنی ہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

"اے اہل کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ تعالیٰ کے متعلق مگر سچی بات بیشک مسیح عیسیٰ علیہ السلام پسر مریم تو صرف اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ جسے اللہ نے پہنچایا تھا مریم کی طرف اور ایک روح تھی اس کی طرف سے پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو تین (خدا ہیں) باز آ جاؤ (ایسا کہنے سے) یہ بہتر ہے تمہارے لیے بے شک اللہ تو معبود واحد ہی ہے پاک ہے وہ اس سے کہ ہو اس کا کوئی لڑکا اسی کا (ملک) ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز"۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ: یہاں اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو دین کے معاملے میں غلو کرنے اور حد سے زیادہ تجاوز کرنے سے منع کر رہا ہے۔ اور نصاریٰ میں یہ چیز بہت پائی جاتی ہے جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو اس مقام و مرتبہ سے بھی بلند کر دیا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کو مقام نبوت سے نکال کر معبود بنا دیا اور خدا کی طرح پوجا کرنے لگے اور بات یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے تو حضرت عیسیٰ کے متبعین اور حواریوں کے بارے میں انتہائی غلو سے کام لیا حتیٰ کہ ان کو گناہوں سے معصوم جاننے لگے اور آنکھیں بند کر کے ان کے ہر قول کی اتباع کرنے لگے خواہ وہ حق ہو یا باطل، گمراہی ہو یا ہدایت، شر ہو یا جھوٹ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ "ترجمہ: انہوں نے بنا لیا اپنے پادریوں اور راہبوں کو پروردگار اللہ کو چھوڑ کر"۔ حضرت عمر روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس طرح نہ بڑھانا جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں مجھے عبداللہ اور رسول اللہ کہہ کر پکارنا (1)۔ حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی اے محمد! (ﷺ) اے ہمارے سردار، اے ہمارے سردار کے بیٹے! ہم میں سے سب سے بہتر کے بیٹے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! سوچ سمجھ کر بولو کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے۔ میں محمد بن عبداللہ، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ خدا کی قسم میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس مقام و مرتبہ سے بلند کرو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے (2)۔

وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ: اللہ تعالیٰ پر افتراء نہ باندھو۔ اس کے لیے بیوی اور بچے کا عقیدہ نہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے منزہ اور بالاتر ہے۔ وہ اپنی عظمت اور کبریائی میں یکتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی پروردگار ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ: یعنی حضرت مسیح اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ اور اس کی مخلوق کا ایک فرد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلمہ

1۔ مسند احمد: 23/1، البخاری: 204/4 2۔ مسند احمد: 153/3

کن کہنے سے پیدا ہوئے، اس کے رسولوں میں سے ایک رسول ہیں اور اس کا ایک کلمہ ہیں جس کو مریمؑ کی طرف القاء کیا یعنی آپ کو اس کلمہ کے ذریعے پیدا کیا جس کے ساتھ جبرائیل کو مریم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اپنے رب کے حکم سے ان میں اس روح کو پھونک دیا۔ اور یہ پھونک حضرت جبرائیل نے حضرت مریم کے سینہ پر ماری تھی۔ جس کی وجہ سے آپ حاملہ ہوئیں اور حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی۔ اس لیے حضرت عیسیٰ کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ والد کے ذریعہ پیدا نہیں ہوئے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو بھیجا تھا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے میں بھی اسی مفہوم کو بیان کیا ہے: مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ...... ''ترجمہ: نہیں مسیح ابن مریم مگر ایک رسول۔ گزر چکے ہیں اس سے پہلے بھی کئی رسول......''۔ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ''ترجمہ: بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) حضرت آدم کی مانند ہے بنایا اسے مٹی سے، پھر فرمایا اسے ہو جا تو ہو گیا۔ وَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا...... ''ترجمہ: اور یاد کرو اس خاتون کو جس نے محفوظ رکھا اپنی عصمت کو۔ پس ہم نے پھونک دیا اس میں اپنی روح سے اور ہم نے بنایا اسے اور اس کے بیٹے کو سارے جہاں والوں کے لیے نشانی''۔ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ''ترجمہ: مریم دختر عمران ہی ہے جس نے اپنے گوہر عصمت کو محفوظ ہی رکھا......''۔ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ ''ترجمہ: نہیں ہے عیسیٰ مگر ایک بندہ ہم نے انعام فرمایا ان پر......'' حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ القائے کلمہ سے مراد کن فیکون ہے۔ شاذ بن بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ وہ کلمہ حضرت عیسیٰ نہیں بن گیا بلکہ اس کلمہ سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ اور یہ قول ابن جریر کے قول سے بہتر ہے۔ انہوں نے اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ کی تفسیر کے تحت لکھا ہے کہ وہ کلمہ جبرائیل نے حضرت مریم کو سکھا دیا اسی طرح آیت کریمہ: اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ (آل عمران: 45) کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ اے مریم اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا کلمہ سکھاتا ہے۔ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ اس سے مراد وہی کلمہ ہے جو حضرت جبرائیل حضرت مریم کے پاس لے کر آئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان میں پھونکا۔ جس کی وجہ سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے یہ گواہی دی کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول، کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ جنت حق ہے اور جہنم حق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ خواہ اس کے اعمال کیسے ہوں گے۔ (1) ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے گا۔ وہ جس میں سے چاہے داخل ہو جائے۔ اس آیت کریمہ اور حدیث شریف میں ''وَرُوْحٌ مِّنْهُ'' کے الفاظ کا یہی مفہوم ہے جو کہ اس آیت کریمہ: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ''ترجمہ: اور اس نے مسخر کر دیا جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین سے سب کا سب اپنے حکم سے'' کا ہے۔ یعنی یہ روح اللہ کی مخلوق ہے اور خاص اس کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔ یہاں ''مِنْ'' برائے تبعیض نہیں ہے۔ جیسا کہ نصرانیوں کا یہ قول ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کو اللہ کا جز خیال کرتے ہیں۔ بلکہ یہاں لفظ مِنْ ابتدائے غایت کے لیے ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ''رَسُوْلٌ مِّنْهُ'' یعنی اس کی طرف سے رسول۔ اور بعض نے اس کا معنی مَحَبَّةٌ مِنْهُ۔ لیکن پہلا قول ہی زیادہ اظہر ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی تخلیق شدہ روح سے پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس روح کی نسبت اپنی ذات کی طرف اس کی عظمت بیان کرنے کے لیے کی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور خانہ کعبہ کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے فرمایا: هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ (الاعراف: 73) ''ترجمہ: یہ اونٹنی اللہ کی ہے''۔ طَهِّرْ بَيْتِیَ لِلطَّآئِفِيْنَ (الحج: 26) ''ترجمہ: میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے پاک رکھو''۔ اسی طرح ایک صحیح حدیث کے الفاظ ہیں ''میں اپنے

1۔ البخاری: 201/4، مسلم: 42/1

رب کے پاس اس کے گھر میں جاؤں گا'' یہاں بھی اضافت تشریفیہ ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ: یعنی اس بات کی تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ کوئی بیوی اور یہ یقین کرلو کہ حضرت عیسیٰ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اسی لیے ارشاد فرمایا: وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ (حضرت) عیسیٰ وران کی والدہ کو اللہ کے ساتھ شریک نہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور مبرا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تو یہ ارشاد فرمایا اور سورۂ مائدہ میں یہ ارشاد فرمایا: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (المائدہ:73) اور اسی سورت کے آخر میں ارشاد فرمایا: وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ...... '' ترجمہ: اور جب پوچھے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ بنالو مجھے اور میری ماں کو دو خدا اللہ کے سوا......''۔ اور اس سورت کی ابتداء میں ارشاد فرمایا: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ:17)۔ نصاریٰ کی جہالت کی انتہا ہے کہ ان کے کفر کی نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی ضابطہ۔ بلکہ حضرت عیسیٰ کے بارے میں ان کے اقوال اور گمراہ کن عقیدے ہیں۔ بعض تو آپ کو الٰہ سمجھتے ہیں۔ بعض اللہ کا شریک اور بعض اللہ کا بیٹا۔ اس طرح ان کے مختلف گروہ اور ان کی مختلف آراء ہیں کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ اگر دس نصرانی جمع ہو جائیں وہ گیارہ مختلف آراء میں بٹ جائیں گے۔ سعید بن بطریق اسکندری، جس کا زمانہ تقریباً چوتھی صدی ہجری ہے، نے ذکر کیا ہے کہ نصرانیوں کے مشہور بادشاہ قسطنطین، بانی قسطنطنیہ، کے زمانہ میں نصرانی علماء کی ایک بہت بڑی کانفرنس ہوئی۔ جس میں دو ہزار سے زیادہ پادری شریک ہوئے۔ ان کی آراء میں اس قدر اختلاف تھا کہ یہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اگر پچاس آدمی ایک رائے پر متفق ہوئے تو اس کے مقابلہ میں بیس دوسری رائے پر ہوئے۔ اسی طرح اگر سو کا ایک قول پر اتفاق ہوا تو ستر کا دوسرے قول پر۔ الغرض اتنی بڑی تعداد میں سے صرف تین سو اٹھارہ ایک رائے پر متفق ہو سکے۔ بادشاہ نے صرف اسی رائے کو لے لیا اور باقی آراء کو چھوڑ کر اسی کی تائید و نصرت کی۔ بادشاہ بڑا فلسفی اور شاطر تھا۔ اس نے باقی تمام اقوال اور آراء کو سرے سے ہی ختم کر دیا اور اپنے اس عقیدے کو رائج کرنے کے لیے کنیسے بنائے۔ کتابیں لکھوائیں، قانون وضع کیے۔ ان پادریوں نے اسی زمانے میں امانت کبریٰ کا عقیدہ وضع کیا اور اپنے چھوٹے بچوں کو اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ تاکہ یہ عقیدہ ان کے دل و دماغ میں راسخ ہو جائے۔ ان لوگوں کو ملکیہ کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے دوسری کانفرنس کی جس میں یعقوبیہ نامی نیا فرقہ معرض وجود میں آیا۔ تیسری کانفرنس میں نسطوریہ فرقے کا ظہور ہوا۔ یہ تینوں فرقے حضرت مسیح کے بارے میں اقانیم ثلاثہ کو ثابت کرتے ہیں۔ لیکن اس کی کیفیت میں ان کا اختلاف ہے۔ اسی طرح لاہوت اور ناسوت کے بارے میں اپنے گمان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں کہ کیا یہ دونوں حضرت عیسیٰ کے بارے متحد ہو گئے یا نہیں۔ یہ تینوں فرقے ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ تینوں کافر ہیں۔

اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ: ان برے عقائد سے بعض آجاؤ اللہ تعالیٰ تو صرف ایک ہی ہے۔ اس کی ذات اس چیز سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ: یعنی ہر چیز اس کی ملکیت اور اس کی مخلوق ہے۔ زمین اور آسمان میں ہر چیز اس کی تابع اور فرمانبردار ہے۔ وہ ہر چیز کا کارساز اور نگران ہے۔ تو پھر اس مخلوق میں سے کوئی اس کی بیوی اور بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک آیت میں ارشاد فرمایا: بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ...... (الانعام:101) اور سورۂ مریم میں ارشاد فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا (مریم:88)۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿١٧٢﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧٣﴾

''ہرگز عار نہ سمجھے گا مسیح (علیہ السلام) کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ ہی مقرب فرشتے (اس کو عار سمجھیں گے) اور جسے عار ہو اس کی بندگی سے اور وہ تکبر کرے تو اللہ جلد ہی جمع کرے گا ان سب کو اپنے ہاں۔ پھر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا انہیں ان کے اجر اور زیادہ بھی دے گا انہیں اپنے فضل (وکرم) سے لیکن جنہوں نے عار سمجھا (بندہ بننے کو) اور تکبر کیا تو عذاب دے گا انہیں دردناک عذاب اور نہ پائیں گے اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار''۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ: حضرت ابن عباسؓ اس کا معنی بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں اپنے آپ کو بڑا خیال نہیں کریں گے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ انہیں اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوگی۔ بعض حضرات نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ فرشتے انسانوں سے افضل ہیں۔ لیکن ان کا استدلال صحیح نہیں۔ کیونکہ یہاں ملائکہ کا عطف مسیح پر ہے اور استنکاف کا معنی رکنا ہے اور فرشتوں میں یہ قدرت حضرت مسیح سے زیادہ ہے اسی لیے یہاں ان کا عطف کیا گیا ہے اور رکنے پر زیادہ قادر ہونے سے ان کی افضلیت لازم نہیں آتی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس طرح لوگ حضرت مسیح کی پوجا کرتے تھے اسی طرح وہ فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمادیا کہ یہ فرشتے بھی اس کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: 'وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ'' ترجمہ: اور کفار کہتے ہیں بنالیا ہے رحمٰن نے (فلاں کو اپنا) بیٹا یہ کیونکر ہوسکتا ہے بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں''۔ اس لیے یہاں ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ: یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کو اپنے سامنے جمع فرمائے گا اور ان کے درمیان عادلانہ فیصلہ فرمائے گا۔ جس میں کسی پر ظلم وستم نہ ہوگا۔ اسی لیے ارشاد فرمایا:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نیک اعمال کے مطابق انہیں اجر وثواب عطا فرمائے گا۔ بلکہ اپنے خاص فضل واحسان اور رحمت واسعہ سے مزید انعام بھی فرمائے گا۔ ایک مرفوع حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی وضاحت فرمائی ہے کہ ''اُجُوْرَهُمْ'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔ اور زیادتی فضل کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں کے لیے نار جہنم واجب ہوچکی ہوگی ان کے لیے ان لوگوں کی شفاعت قبول فرمالے گا جن کے ساتھ انہوں نے دنیا میں کوئی احسان کیا ہوگا۔ لیکن اس کی سند ثابت نہیں ہاں اگر اس کو عبداللہ بن مسعودؓ پر موقوف مانا جائے تو ٹھیک ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا: اور وہ لوگ جو اللہ کی اطاعت اور عبادت سے رکے رہے اور تکبر کرتے رہے۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں دردناک عذب دے گا اور وہ اللہ کے سوا کوئی معاون ومددگار نہیں پائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ'' ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل وخوار ہوکر''۔ یہ لوگ اس طرح اللہ کی عبادت نہیں کرتے تھے اور تکبر کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ان کو ذلیل وخوار کرکے جہنم میں داخل کردیا جائے گا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝

''اے لوگو! آ چکی ہے تمہارے پاس ایک (روشن) دلیل تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف نور درخشاں۔ تو جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ (کی رسی) کو تو عنقریب داخل کرے گا اپنی رحمت اور فضل میں اور پہنچائے گا انہیں اپنی طرف لے جانے والی سیدھی راہ پر)''۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ: اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ تمہارے پاس میری ایک بہت بڑی دلیل آ گئی ہے اور یہ وہ دلیل ہے جو ہر قسم کے عذر کو ختم کرنے والی اور تمام قسم کے شکوک وشبہات کو زائل کرنے والی ہے۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا: ہم نے تمہاری طرف ایسا روشن نور نازل کیا ہے جو حق کو واضح کرنے والا ہے۔ ابن جریج اور کئی دوسرے مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس نور سے مراد قرآن ہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ: یعنی وہ لوگ جو اللہ کی عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے تمام امور میں اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور قرآن پاک کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔

فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ: تو اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرما کر انہیں جنت میں داخل فرمائے گا اور کئی گنا اجر وثواب عطا فرمائے گا اور اپنے خاص فضل واحسان سے ان کے درجات کو بلند فرمائے گا۔

وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا: یعنی ان کی راہنمائی ایسی واضح اور سیدھے راستے کی طرف فرمائے گا جس میں کسی قسم کی کجی نہ ہو گی۔ دنیا وآخرت میں مومن کی یہ صفت ہے کہ وہ اس دنیا میں اپنے تمام عقائد واعمال میں سلامتی اور استقامت کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔ اور آخرت میں اس صراط مستقیم پر گامزن ہو گا جو اسے جنت میں پہنچا دے گا۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی سیدھی راہ اور مضبوط رسی قرآن ہی ہے(1)۔

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

''فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تمہیں کلالہ (کی میراث) کے بارے میں اگر کوئی ایسا آدمی فوت ہو جائے نہ ہو اس کی کوئی اولاد اور اس کی ایک بہن ہو تو بہن کا نصف حصہ ہے اس کے ترکہ سے اور وہ وارث ہو گا اپنی بہن کا اگر نہ ہو اس کی بہن کی کوئی اولاد پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گا اس سے جو اس نے چھوڑا اور اگر وارث

1۔ تحفۃ الاحوذی، 218/8

ہوں بہن بھائی مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد (بھائی) کا حصہ دو عورتوں (بہنوں) کے حصے کے برابر ہے صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے (اپنے) احکام تا کہ گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

یَسْتَفْتُوْنَکَ ؕ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ: حضرت براء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی سب سے آخری نازل ہونے والی سورت سورۂ برأت ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ''یَسْتَفْتُوْنَکَ ؕ'' ہے(1)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف لائے۔ میں اس وقت بیمار تھا اور بے ہوش پڑا تھا۔ آپ نے وضو فرمایا اور پھر مجھ پر وضو کا پانی ڈالا اور جب مجھے کچھ افاقہ ہوا تو میں نے عرض کی کہ میں وراثت کے لحاظ سے کلالہ ہوں۔ میری میراث کیسے تقسیم ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت فرائض نازل فرمائی(2)۔ بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ میراث کی آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابو زبیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ''یَسْتَفْتُوْنَکَ ؕ'' میرے بارے میں نازل ہوئی۔ اس طرح اس آیت کا معنی یہ ہوا کہ یہ لوگ کلالہ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کلالہ کے بارے میں مکمل بحث پہلے گزر چکی ہے۔ یہ اکلیل (تاج) سے ماخوذ ہے جو سر کو تمام اطراف سے گھیر لیتا ہے اس لیے اکثر علماء نے اس کی تفسیر بیان کی ہے۔ کہ اس سے مراد مرنے والا وہ شخص ہے جس کی کوئی اولاد ہو نہ باپ۔ اور بعض نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ میت ہے جس کی کوئی اولاد نہ ہو۔ جیسا کہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ: امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ پر بھی کلالہ کا حکم مشتبہ ہو گیا تھا۔ جیسا کہ صحیحین میں ہے آپ فرماتے ہیں کہ تین چیزوں کے بارے میں میری خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ ان کی وضاحت فرما دیتے۔ 1۔ دادا کی میراث 2۔ کلالہ 3۔ سود کے ابواب(3)۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جتنا کلالہ کے بارے میں پوچھا ہے اتنا کسی اور کے بارے میں نہیں پوچھا۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگشت مبارک میرے سینے پر مار کر فرمایا تمہارے لیے سورۂ نساء کی وہ آخری آیت کافی ہے جو گرمیوں میں نازل ہوئی(4)۔ ایک اور روایت میں فرماتے ہیں کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ سے اس کی مزید وضاحت طلب کر لیتا تو یہ میرے لیے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوتا۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کلالہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا تمہارے لیے موسم گرما میں نازل ہونے والی آیت ہی کافی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمرؓ کو اس آیت کو سمجھنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اس میں تمہارے لیے کفایت ہے اس لیے وہ اس کا معنی پوچھنا بھول گئے۔ اس لیے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر میں اس کا معنی پوچھ لیتا تو یہ میرے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ پسندیدہ ہوتا(5)۔ حضرت سعید بن مسیبؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے نبی پاک ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ بیان نہیں کر دیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ سورۂ نساء کی ابتداء میں میراث کے بارے میں جو آیت نازل کی ہے وہ اس میت کے بارے میں ہے جس کی اولاد ہو نہ والد۔ اور یہ دوسری آیت میاں بیوی اور ماں کی طرف سے بھائیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور سورۂ نساء کی آخری آیت سگے بہن بھائیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور سورۂ انفعال کی آخری آیت قریبی رشتہ داروں کے بارے میں نازل ہوئی۔

1۔ البخاری: 63/6　　2۔ مسند احمد: 298/3　　3۔ البخاری: 157/7، مسلم: 60/6
4۔ مسلم: 345/8　　5۔ مسند احمد: 26/1، مسلم: 61/5　　6۔ مسند احمد: 38/1

کلالہ کی بحث

اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ: هلك کا معنی وہ مر گیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص:88)۔ ''ترجمہ: یعنی اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے''۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (الرحمٰن:26) ''جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے۔ باقی رہے گی آپ کے رب کی ذات۔ جو بڑی عظمت اور احسان والی ہے''۔

لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ: یعنی کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو۔ بعض مفسرین نے اس سے استدلال کیا ہے کہ کلالہ میں شرط یہ ہے کہ اس کی کوئی اولاد نہ ہو۔ والد کا نہ ہونا شرط نہیں۔ حضرت عمرؓ کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن صحیح قول جمہور کا ہے اور حضرت ابوبکرؓ کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد ہو نہ باپ۔ آیت کریمہ کے یہ الفاظ: وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر بہن کے ساتھ باپ بھی ہوتا تو اس کو ترکہ سے حصہ نہ ملتا کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ باپ بہن کو ترکے سے محروم کر دیتا ہے۔ تو اس طرح قرآن حکیم کی صریح نص سے ثابت ہوگا کہ کلالہ وہ ہے جس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اسی طرح اشارۃ النص سے یہ ثابت ہوا کہ اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کا والد نہ ہو۔ کیونکہ میت کی بہن کو والد کے ساتھ نصف نہیں ملتا۔ بلکہ وہ اس صورت میں کلی طور پر محروم رہتی ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک عورت اپنے خاوند اور سگی بہن کو چھوڑ کر مر گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے ترکہ کا نصف خاوند کے لیے اور نصف اس کی بہن کے لیے ہے۔ جب آپ سے اس کا حوالہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا(1)۔ حضرت ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیٹی اور بہن چھوڑ کر فوت ہو جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کو نصف ملے گا۔ کیونکہ وہ اس صورت میں ایک بیٹی چھوڑ گیا ہے اور ولد کا اطلاق بیٹی پر ہوتا ہے۔ اس لیے بیٹی کی موجودگی میں بہن کو کچھ نہیں ملے گا۔ لیکن جمہور صحابہ کرام نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بیٹی کو نصف ملے گا اور بہن کو بھی نصف ملے گا عصبہ ہونے کی وجہ سے اور اس کی دلیل حضرت اسودؓ کی روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بیٹی کے لیے نصف اور بہن کے لیے بھی نصف کا فیصلہ کیا(2)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص بیٹی، پوتی اور بہن چھوڑ کر فوت ہو جائے تو میراث کیسے تقسیم ہوگی۔ آپ نے فرمایا بیٹی کے لیے نصف اور بہن کے لیے نصف ہے۔ پھر فرمایا جاؤ عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھ لو وہ بھی اس مسئلہ میں میری موافقت کریں گے۔ جب وہ شخص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں حضرت موسیٰ اشعریؓ کے فیصلے سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اس میں وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ بیٹی کو نصف ہی ملے گا۔ پوتی کو چھٹا حصہ۔ اس طرح دو ثلث مکمل ہو جائیں اور جو باقی بچے گا وہ بہن کو ملے گا۔ جب حضرت ابوموسیٰ کو مسئلہ مذکور کے بارے میں اس رائے کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا جب تک تمہارے پاس یہ صاحب علم موجود ہے مجھ سے سوال نہ کیا کرو(3)۔

وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ: یعنی اگر بہن فوت ہو جائے اور اس کی نہ کوئی اولاد ہو نہ والد تو بھائی اس کے کل مال کا وارث ہوگا۔ کیونکہ اگر اس کا والد زندہ ہوتا تو اس صورت میں بھائی کو کچھ نہ ملتا۔ ہاں اگر بھائی کے ساتھ کوئی دوسرا مقرر حصے والا ہوتا جیسے خاوند یا ماں کی طرف سے بھائی۔ تو انہیں اس کا حصہ دے کر جو باقی بچتا ہے وہ بھائی کو دے دیا جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرائض کو ان کے اہل کے ساتھ ملاؤ اور جو باقی بچے وہ اس مرد کا جو سب سے زیادہ قریب ہو(4)۔

1۔ تحفۃ الاحوذی: 406/8 2۔ مسند احمد: 188/5 3۔ البخاری: 189/8 4۔ البخاری: 188/8

فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ : یعنی اگر کلالہ کے طور پر مرنے والے کی دو بہنیں ہوں تو ان کو دو ثلث ملے گا۔ اسی طرح اگر دو سے زیادہ ہوں تو ان کا بھی یہی حکم ہے۔ بعض فقہاء نے دو بیٹیوں کے حصے کا حکم اسی سے اخذ کیا ہے۔ جس طرح کہ دو سے زائد بہنوں کے ترکے کا حکم بیٹیوں کے ترکے حکم سے اخذ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ (النساء:11) اسی طرح ارشاد فرمایا: وَ اِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ یہ حکم بیٹوں، پوتوں اور بھائیوں کے عصبہ ہونے کے لحاظ سے ہے کہ جب ان میں مذکر و مونث جمع ہو جائیں تو ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ :یعنی اللہ تعالیٰ میراث کے مسائل کو تمہارے لیے بیان فرماتا ہے۔ اپنی حدود کو مقرر کرتا ہے۔ اور شریعت کے احکام کو بالکل واضح کر کے بیان فرما دیتا ہے۔

اَنْ تَضِلُّوْا ؕ : یعنی یہ اللہ تعالیٰ اس لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم اس بیان و وضاحت کے بعد حق سے بہک نہ جاؤ۔

وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ :یعنی وہ تمام امور کے عواقب، انجام اور ان کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے بندوں کے لیے کس چیز میں بھلائی ہے اور کون مرنے والی کی وراثت کا حقدار ہے۔ حضرت محمد بن سیرین روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ہمراہ کسی سفر پر جا رہے تھے۔ حضرت حذیفہؓ کی اونٹنی کا سر رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے کجاوے کے قریب تھا اور حضرت عمرؓ کی اونٹنی کا سر حضرت حذیفہؓ کی اونٹنی کے سر سے ملا ہوا تھا۔ اسی حالت میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ حضرت حذیفہ کو سنادی اور انہوں نے حضرت عمر کو۔ اس کے بعد جب عمرؓ نے حضرت حذیفہؓ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا قسم بخدا! میں نے جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنا وہ تمہیں سنا دیا۔ قسم بخدا! میں تمہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا۔ حضرت عمرؓ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے باری تعالیٰ! اگر چہ تو نے اس حکم کو ان کے لیے واضح کر دیا ہے لیکن یہ میرے لیے واضح نہیں ہوا۔ لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت حذیفہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تھا۔ حضرت سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کلالہ کی میراث کے بارے میں دریافت کیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ شاید حضرت عمرؓ اسے صحیح طور پر سمجھ نہ پائے۔ اس لیے آپ نے حضرت حفصہ سے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ طبع مبارک خوشگوار ہو تو اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھنا۔ جب انہوں نے حضور ﷺ کی طبیعت کو خوشگوار پایا تو آپ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا شاید تمہارے والد نے یہ پوچھنے کے لیے کہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس طریقہ سے صحیح طور پر سمجھ سکیں گے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔ ہاں میں اس کو صحیح طریقے سے سمجھ نہیں سکا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت حفصہ نے رسول اللہ ﷺ کلالہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اونٹ کے شانے کی ہڈی کے اوپر آیت لکھوا دی اور فرمایا کہ تمہیں تمہارے والد نے یہ پوچھنے کے لیے کہا تھا۔ کیا ان کے لیے موسم گرما میں نازل ہونے والی آیت کافی نہیں۔ اور موسم گرما کی آیت سے مراد سورۂ نساء کی یہ آیت ہے: وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ (النساء:12) جب صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کلالہ کے بارے میں پوچھا تو سورۂ نساء کی یہ آخری سوت نازل ہوئی۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ طارق بن شہاب فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اونٹ کے شانے کی ہڈی لی اور صحابہ کرام کو جمع کیا اور فرمایا کہ آج میں کلالہ کے بارے میں ایسا فیصلہ کروں گا کہ پردہ نشین عورتوں کو بھی معلوم ہو جائے گا۔ اسی اثناء میں ایک کمرے میں ایک سانپ نکل آیا جس کو دیکھ کر تمام لوگ ادھر ادھر منتشر ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امر کو

مکمل کرنے کا ارادہ فرماتا تو میں اس کو مکمل کر دیتا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ سے تین باتوں کے بارے میں پوچھ لیتا تو یہ میرے لیے تین سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند ہوتا۔ 1۔ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا۔ 2۔ وہ لوگ جو زکوٰۃ کے قائل تو ہیں لیکن زکوٰۃ نہیں ادا کرتے کیا ان کے ساتھ جہاد کرنا جائز ہے۔ 3۔ کلالہ (1)۔ اسی مفہوم کی ایک اور روایت اس سے مروی ہے جس میں زکوٰۃ کی جگہ سود کا ذکر ہے حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے آخری وقت ان کے پاس موجود تھا میں نے ان سے سنا کہ بات وہی صحیح ہے جو میں کہتا ہوں۔ میں نے عرض کی آپ کیا فرماتے ہیں فرمایا کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ میرا اور ابوبکرؓ کا کلالہ میں اختلاف ہو گیا اور بات وہی تھی جو میں کہتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے سگے بھائیوں اور ماں کی طرف سے سگے بھائیوں کو جب کہ وہ جمع ہوں ثلث میں شریک کیا۔ حضرت ابوبکرؓ اس کے خلاف تھے۔ حضرت سعید بن مسیب روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے دادا کی میراث اور کلالہ کے بارے میں ایک کاغذ پر لکھا اور پھر آپ نے اللہ سے استخارہ کیا اور یہ دعا کی اے اللہ! اگر اس میں کچھ بہتری ہے تو اس حکم کو نافذ فرما دے حتیٰ کہ جب آپ کو زخمی کیا گیا تو آپ نے وہ کاغذ منگوا کر مٹا دیا اور کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ اس میں کیا لکھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کاغذ میں دادا کی میراث اور کلالہ کے بارے میں لکھا تھا اور اللہ تعالیٰ سے استخارہ بھی کیا تھا لیکن میرا خیال ہے میں تمہیں اس چیز پر چھوڑ دوں جس پر تم ہو۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ مجھے حیاء آتی ہے کہ اس مسئلہ میں ابوبکر کی مخالفت کروں۔ حضرت ابوبکر صدیق فرمایا کرتے تھے کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد ہو نہ والد۔ اور یہی قول جمہور صحابہ کرام، تابعین ائمہ اربعہ اور فقہائے سبعہ کا تھا۔ اور اسی پر قرآن کی دلالت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمائی۔ ارشاد فرمایا: يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ واللہ اعلم۔

تَمَّتْ بِعَوْنِهٖ تَعَالٰی وَ بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ

1۔ البخاری: 178/8، مسلم 59/5

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر ابن کثیر

تالیف

مفسر قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء المصنفین ۔ بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور ۔ کراچی ۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر ابنِ کثیر

تالیف

مفسرِ قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری

علامہ محمد الطاف حسین الازہری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی - پاکستان

تفسیر ابن کثیر جلد دوم

تالیف

مفسرِ قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری

علامہ محمد الطاف حسین الازہری

زیرِ اہتمام: اِدارہ ضیاء المصنفین ° بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور ۔ کراچی ۔ پاکستان

نام کتاب	تفسیر ابن کثیر، جلد دوم
مفسر	حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ متن	ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری
	علامہ محمد الطاف حسین الازہری
	من علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر نگرانی	قاری اشفاق احمد خان، محمد انور سعید
اشاعت	اپریل 2004ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z385

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست

تفسیر سورۂ اعراف

تفسیر سورۂ انفال

تفسیر سورۂ توبہ

سورۂ مائدہ

سورۂ مائدہ مدنی ہے اور اس کی آیات کی تعداد ایک سو بیس (120) ہے۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی عضباء کی مہار تھامے ہوئی تھی جب آپ ﷺ پر مکمل سورۂ مائدہ اتری، یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس کے بوجھ سے اونٹنی کے بازو ٹوٹ جائیں گے (1)۔ ام عمرو رضی اللہ عنہا اپنے چچا سے روایت کرتی ہیں کہ وہ سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ ﷺ پر سورۂ مائدہ نازل ہوئی، یوں لگتا تھا کہ وحی کے بوجھ سے گویا اونٹنی کی گردن ٹوٹ گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے تو اس وقت سورۂ مائدہ آپ ﷺ پر نازل کی گئی، اونٹنی کے لئے (وحی کے بوجھ کے سبب) آپ ﷺ کو اٹھانا مشکل ہو گیا، اس لئے آپ ﷺ اس سے نیچے اتر گئے (2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سب سے آخر میں جو سورت اتری وہ سورۂ مائدہ اور فتح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب سے آخر میں جو سورت نازل ہوئی ہے وہ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ ہے (3)۔

حضرت جبیر بن نفیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حج کی سعادت نصیب ہوئی، وہاں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے پوچھا: اے جبیر! (کیا) تم سورۂ مائدہ پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کی! جی ہاں۔ تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یاد رکھو، سب سے آخر میں نازل ہونے والی یہی سورت ہے، اس میں جس چیز کو حلال پاؤ اسے حلال جانو، اور جو چیز تم اس میں حرام پاؤ، پس اسی کو حرام سمجھو (4)، مسند امام احمد کی روایت میں یہ اضافہ ہے! پھر میں نے آپ رضی اللہ عنہا سے رسول خدا ﷺ کے اخلاق کی بابت دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے اخلاق قرآن ہی (کا عملی نمونہ) تو تھے (5)۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ اُحِلَّتۡ لَكُمۡ بَهِیۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡكُمۡ غَیۡرَ مُحِلِّی الصَّیۡدِ وَ اَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَحۡكُمُ مَا یُرِیۡدُ ① یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهۡرَ الۡحَرَامَ وَ لَا الۡهَدۡیَ وَ لَا الۡقَلَآئِدَ وَ لَاۤ آٰمِّیۡنَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَ رِضۡوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ وَ لَا یَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡكُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا ۘ وَ تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ②

1۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 6، صفحہ 455

2۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 2، صفحہ 176

3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورہ مائدہ، جلد 11، صفحہ 185

4۔ المستدرک للحاکم، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 2، صفحہ 311

5۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 6، صفحہ 188

''اے ایمان والو! پورا کرو (اپنے) عہدوں کو، حلال کئے گئے ہیں تمہارے لئے بے زبان جانور سوائے ان کے جن کا حکم پڑھ کر سنایا جائے گا تمہیں، نہ حلال سمجھو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔
اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ (تعالیٰ) کی نشانیوں کی اور نہ عزت والے مہینہ کی اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے ہیں اور نہ (بے حرمتی کرو) جو قصد کئے ہوئے ہیں بیت حرام کا، طلب کرتے ہیں اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا۔ اور جب احرام کھول چکو تو شکار کر سکتے ہو اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کا بغض بوجہ اس کے کہ انہوں نے روکا تھا تمہیں مسجد حرام سے اس پر کہ تم زیادتی کرو اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) میں اور باہم مدد نہ کرو گناہ اور زیادتی پر اور ڈرتے رہو اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ کو یہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا فرماتے ہوئے سنو تو کان لگا کر اس کی طرف پوری توجہ مبذول کر دو کیونکہ اس کے بعد مذکور حکم یا تو خیر ہوگا جس کی بجا آوری مقصود ہے یا شر ہوگا جس سے ممانعت مطلوب ہے۔

حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا فرمائے تو مطلوبہ فعل کو کر گزرو، کیونکہ نبی کریم ﷺ بھی اس میں شامل ہیں۔

حضرت خثیمہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نے اہل ایمان کو یہ کہہ کر مخاطب فرمایا ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا جبکہ تورات میں اس کی بجائے ''یَا اَیُّهَا الْمَسَاکِیْنُ'' کے الفاظ سے خطاب ہے۔

ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی جاتی ہے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا آیا ہے ان تمام مقامات پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل ایمان کے سردار، شریف اور امیر ہیں، صحابہ کرام میں سے ہر ایک کو بجز حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن کریم میں عتاب ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ذات ایسی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عتاب نہیں ہوا۔

یہ اثر غریب ہے، اس کے الفاظ منکر ہیں اور اس کی سند بھی محل نظر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا ایک راوی عیسیٰ بن راشد مجہول ہے اور اس کی روایت منکر ہے۔ میری رائے میں ایک اور راوی علی بن بذیمہ اگرچہ ثقہ ہے لیکن غالی شیعہ ہے۔ اس کے اپنے عقائد کے موافق اس قسم کی روایت ناقابل قبول ہے۔

اس روایت میں یہ قول کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام صحابہ کو ڈانٹا گیا، اس میں اشارہ اس آیت کی طرف ہے جس میں صحابہ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری سے پہلے کچھ صدقہ دیا کریں۔ کہتے ہیں کہ اس آیت پر عمل صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی کیا، پھر یہ فرمان اترا ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۚ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ (المجادلہ: 13)

''کیا تم (اس حکم سے) ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی سے پہلے صدقہ دینا چاہئے۔ پس جب تم ایسا نہیں کر سکے تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی) یہ کہنا کہ اس آیت میں صحابہ کو عتاب ہے، محل نظر ہے، کیونکہ یہ بھی تو کہا گیا ہے کہ یہاں امر استحباب اور اختیار کے لئے تھا نہ کہ وجوب کے لئے، پھر اس پر عمل پیرا ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا اور کسی صحابی سے بھی اس کی خلاف ورزی کا صدور نہیں ہوا۔ اور یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم میں کہیں بھی عتاب نہیں ہوا یہ بات بھی محل اعتراض ہے۔ آیت انفال دیکھیں جس میں تمام صحابہ کو

عتاب ہوا جنہوں نے بدری قیدیوں سے فدیہ لے کر آزاد کر دینے کا مشورہ دیا تھا تو سوائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کوئی بھی عتاب سے محفوظ نہ رہا۔ یہ تمام چیزیں اس اثر کے ضعف پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت محمد بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا وہ مکتوب پڑھا جو عمرو بن حزم کے لئے اس وقت لکھا گیا جب انہیں آپ ﷺ نے نجران کی طرف بھیجا۔ یہ مکتوب ابی بکر بن حزم کے پاس تھا اس میں تحریر تھا: یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے بیان ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اس میں اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ تک آیات لکھی ہوئی تھیں (1)۔ حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کا وہ گرامی نامہ ہمارے پاس موجود تھا جو آپ ﷺ نے عمرو بن حزم کو یمن روانہ کرتے ہوئے تحریر کر کے دیا تھا تا کہ وہ اس کے مطابق وہاں کے لوگوں کو دین سمجھائیں، حدیث کی تعلیم دیں اور صدقات وصول کریں، اس وقت یہ مکتوب لکھ کر دیا تھا جس میں احکام اور عہد و پیمان کا اندراج تھا، آپ ﷺ نے تحریر فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کتاب ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عمرو بن حزم کے لئے عہد ہے جب انہیں یمن بھیجا، تمام معاملات میں انہیں اللہ سے ڈرنے کا حکم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں'' (2)۔

اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ عقود سے مراد عہود ہیں، ابن جریر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ عقود سے مراد وہ تمام عہد ہیں جن کی پابندی کرنے کا لوگ عزم کر لیتے ہیں خواہ یہ قسمیہ ہوں یا غیر قسمیہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ عقود سے مراد اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد ہیں یعنی حلال وحرام، فرائض اور حدود جن کا ذکر قرآن کریم میں ہوا ہے انہیں پامال نہ کرو اور نہ ان میں عہد شکنی کرو، بلکہ اس سے بھی شدید حکم سنئے: وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَ یَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (الرعد: 25)۔ '' اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ (سے کئے ہوئے) وعدہ کو اسے پختہ کرنے کے بعد اور کاٹتے ہیں ان رشتوں کو جن کے متعلق حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ انہیں جوڑا جائے اور (فتنہ و) فساد برپا کرتے ہیں زمین میں، یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے''۔

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حلال وحرام اور اس عہد کو ایفاء کرنا جو ایمان لانے کے بعد ہر مومن کے ذمہ آجاتا ہے اور اسی طرح تمام فرائض (حلال وحرام) کی پابندی کرنا۔

زید بن اسلم کہتے ہیں کہ عقود کی چھ اقسام ہیں: 1۔ اللہ کے ساتھ کیا ہوا عہد، 2۔ آپس میں یکجہتی کا قسمیہ عہد، 3۔ مشارکت کا عہد، 4۔ بیع کا عہد، 5۔ نکاح کا عہد، 6۔ قسمیہ عہد۔

محمد بن کعب کہتے ہیں کہ عقود پانچ ہیں جن میں زمانہ جاہلیت کے حلف اور تجارت میں مشارکت کے عہد و پیمان شامل ہیں۔

وہ حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ بیع وشراء مکمل ہو جانے کے بعد مجلس بیع برخاست ہو جانے سے پہلے اور خرید وفروخت کرنے والوں کے جدا ہونے سے پہلے بھی چیز کو واپس لوٹانے کا اختیار نہیں، وہ اس آیت اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ یہ آیت صرف عقد بیع کے لزوم اور ثبوت پر دلالت کرتی ہے اور خیار مجلس کی نفی کا تقاضا کرتی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا یہی مسلک

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 49
2۔ دلائل النبوۃ از امام البیہقی، جلد 5، صفحہ 413

ہے۔ لیکن امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہا اور جمہور ان کے مخالف ہیں، ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ''خرید و فروخت کرنے والے کو (چیز کے واپس لینے دینے کا) اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں'' (1)۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں! ''جب دو آدمی خرید و فروخت کر لیں تو ان میں سے ہر ایک کو (سودے کی واپسی کا) اس وقت تک اختیار ہے جب تک وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں'' (2)۔

یہ حدیث عقد بیع کے بعد خیار مجلس کے اثبات پر صراحۃً دلالت کرتی ہے اور یہ لزوم عقد کے منافی نہیں بلکہ یہ شرعی طور پر اس کا تقاضا ہے جس کا التزام کرنا ایفائے عہد کے زمرہ میں آتا ہے۔

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ یعنی اونٹ، گائے، بھیڑ، بکریاں۔ ابوالحسن، قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ عربوں کے ہاں بھی یہی ہے۔ حضرات ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ نے اس آیت سے جنین (پیٹ بچہ) کے مباح ہونے پر استدلال کیا ہے، یعنی جس حلال مادہ کو ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ سے بچہ برآمد ہو جائے تو یہ بچہ حلال ہے اگرچہ وہ مردہ ہو۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کی! یارسول اللہ! ہم اونٹنیاں، گائیں اور بکریاں ذبح کرتے ہیں، ان کے پیٹ میں سے بچہ نکل آتا ہے، تو کیا اسے ہم پھینک دیں یا کھالیں؟ فرمایا! ''اگر چاہو تو کھالو کیونکہ اس کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے'' (3)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنین کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے'' (4)۔

اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس (استثناء) سے مراد مردار، خون اور خنزیر کا گوشت ہے۔

قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد مردار اور وہ جانور ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ (المائدہ:3)۔

یہ مویشی بھی اگرچہ انعام میں سے ہیں لیکن مذکورہ عوارض کی وجہ سے حرام قرار دیے گئے، اسی لئے فرمایا: اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۗ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ایسا جانور بالکل حرام ہے، اسی لئے اس سے استدراک نہیں کیا گیا اور نہ ہی حلال کے ساتھ اس کا کوئی فرد لاحق کیا گیا ہے اس لئے یہاں فرمایا: اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ یعنی جن جانوروں کی بعض احوال میں تحریم کا حکم نہیں بتایا جانے والا ہے وہ حرام ہیں۔

غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ بعض نے کہا ہے کہ یہ محل نصب میں حال ہے۔ ''انعام'' سے مراد پالتو جانور بھی ہیں جیسے اونٹ، گائے اور بکری اور جنگلی بھی جیسے ہرن، نیل گائے اور جنگلی گدھے۔ پالتو جانوروں میں سے ان کی استثناء کر دی جو پہلے بیان ہو چکے ہیں اور وحشی جانوروں میں سے بحالت احرام سب کا شکار ممنوع قرار دے دیا۔

بعض نے اس کی مراد یہ بیان کی ہے کہ ہم نے تمہارے لئے تمام جانور ہر حال میں حلال کئے لیکن حالت احرام میں شکار کرنا حرام

1۔ بخاری و مسلم، فتح الباری، جلد 4، صفحہ 333,332,328,327,312,309۔ صحیح مسلم، کتاب البیوع، صفحہ 64-1163

2۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، 2006

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی جلد 3، صفحہ 103، عارضۃ الاحوذی، جلد 6، صفحہ 269، سنن ابن ماجہ، کتاب الذبائح، 1067

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3، صفحہ 103-104 3۔ المائدہ:3

ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (نحل: 115) یعنی ہم نے لاچار اور مجبور کیلئے مردار کا کھانا بھی مباح کر دیا ہے بشرطیکہ وہ نہ تو اللہ کی نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو۔ اسی طرح یہاں ہے کہ ہم نے تمام احوال میں تمام جانور تمہارے لئے حلال کر دیئے لیکن حالت احرام میں شکار کرنے سے باز آ جاؤ، کیونکہ یہ حرام ہے اور اس نے ہی یہ حکم دیا ہے، وہ اپنے اوامر ونواہی میں حکیم ہے، اس کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اسی لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شعائر سے مراد مناسک حج ہیں، مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد صفا، مروہ، قربانی کا جانور اور اونٹ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد اللہ کے محارم ہیں یعنی وہ چیزیں جنہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ اسی لئے فرمایا: وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ یعنی شہر حرام کی حرمت اور تعظیم کو ملحوظ خاطر رکھو، ان تمام چیزوں کو ترک کر دو جن کا کرنا اس میں ممنوع ہے، اس میں از خود لڑائی نہ چھیڑ دو اور محارم سے اجتناب کرو جیسا کہ ارشاد ہے: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ (البقرۃ: 217) ''وہ پوچھتے ہیں آپ سے کہ ماہ حرام میں جنگ کرنے کا کیا حکم ہے، آپ فرمایئے کہ اس میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے''۔ اور فرمایا: اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا (التوبہ: 26)۔ ''بیشک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ماہ ہے''۔

حضرت ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ''زمانہ گھوم کر پھر اسی صحیح شکل پر آ گیا ہے جس پر وہ اس وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق کی، سال بارہ مہینوں کا ہے۔ ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں: تین لگاتار ذو القعدہ، ذو الحجہ اور محرم اور (چوتھا) رجب، جو قبیلہ مضر کی طرف منسوب ہے اور جمادی الاخری اور شعبان کے درمیان آتا ہے'' (1)۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان مہینوں کی حرمت تا قیامت ہے جیسا کہ سلف کی ایک جماعت نے کہا ہے، حضرت ابن عباس وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں لڑائی کو حلال نہ سمجھو۔ جبکہ جمہور کہتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے اور حرمت والے مہینوں میں بھی دشمنوں کے ساتھ جہاد کا آغاز کرنا جائز ہے، انہوں نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے: فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ: 5)۔ ''پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم انہیں پاؤ''۔

اور یہاں مقصود ان چار مہینوں کا گزرنا ہے، جب اس وقت کے چار مہینے گزر گئے تو ان کے بعد جہاد جاری ہے، پھر کسی حرام مہینہ کی استثناء نہیں کی۔ امام ابو جعفر تو اس پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مہینوں میں بشمول حرمت والے مہینوں کے، اہل شرک کے ساتھ قتال کو حلال قرار دیا ہے اسی طرح اس بات پر بھی اجماع ہے کہ اگر کوئی مشرک حرم کے تمام درختوں کی چھال اپنے اوپر لپیٹ لے تو بھی قتل سے اسے امان حاصل نہیں ہوگی بشرطیکہ کسی مسلمان نے اسے امان نہ دی ہو، اس مسئلہ کی مفصل اور مبسوط بحث کسی اور جگہ ہوگی۔

وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ یعنی بیت حرام کی طرف قربانی بھیجنا ترک نہ کرو کیونکہ اس میں شعائر اللہ کی تعظیم ہے اور نہ ہی قربانی کے جانوروں کے گلے میں پٹے ڈالنے سے باز رہو، کیونکہ پٹے ڈالو گے تو یہ جانور دوسروں سے ممتاز ہو جائیں گے اور پتہ چل جائے گا کہ یہ فی سبیل اللہ ہدی کا جانور ہے، تو اس طرح لوگ اسے گزند پہنچانے سے باز رہیں گے اور جو دیکھے گا اسے بھی تحریک اور شوق پیدا ہوگا کہ وہ اس طرح اللہ کے نام کا جانور بیت اللہ کی طرف روانہ کرے، کیونکہ جو شخص دوسروں کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے تو اسے بھی عمل پیرا ہونے والے

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ توبہ، جلد 8، صفحہ 324

شخص کی مثل اجر ملے گا اور اس کے اجر میں ذرا کمی نہ ہوگی۔ اسی لئے جب حضور ﷺ حج کے ارادہ سے نکلے تو آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ (وادی عقیق) میں رات گزاری، صبح ہوئی تو آپ ﷺ باری باری اپنی ازواج کے پاس گئے، ان کی تعداد نو تھی، پھر غسل کیا، خوشبو لگائی اور دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر اپنی ہدی کی کوہان پر نشان لگایا اور گلے میں پٹہ ڈالا اور حج اور عمرہ کا احرام باندھا۔ آپ ﷺ کے پاس قربانی کے ساٹھ سے زائد بڑے خوش شکل اور خوش رنگ اونٹ تھے، جیسا کہ قرآن کہتا ہے: وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج: 32)۔ ''اور جو ادب واحترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو یہ اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے''۔

بعض سلف کہتے ہیں کہ تعظیم سے مراد یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں کی خوب دیکھ بھال کی جائے، خوب کھلایا پلایا جائے اور موٹا تازہ کیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم (قربانی کے جانوروں کی) آنکھیں اور کان دیکھ بھال کر خریدیں (1)۔

وَلَا الْقَلَآئِدَ یعنی انہیں بھی حلال نہ سمجھو۔ اہل جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ جب وہ حرام مہینوں کے علاوہ کسی مہینہ میں اپنے وطن سے نکلتے تو بالوں اور اون کا پٹہ ڈال لیتے جبکہ حرم میں رہنے والے مشرکین اپنے اوپر حرم کے درختوں کی چھال لپیٹ لیتے، اس طرح باقی لوگ انہیں امن دے دیتے اور کوئی گزند نہ پہنچاتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سورت کی دو آیتیں منسوخ ہیں، ایک آیت قلائد اور دوسری یہ آیت۔ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ (مائدہ: 42) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا سورۂ مائدہ میں سے کوئی آیت منسوخ ہے؟ فرمایا: نہیں۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ حرم کے درختوں سے قلادہ بنا کر پہن لیتے تھے اس طرح وہ لوگوں کی ایذاء سے مامون رہتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حرم کے درختوں کو کاٹنے کی ممانعت فرمادی۔

وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا جو لوگ بیت اللہ کے ارادہ سے نکلیں ان کے ساتھ لڑائی کو بھی حلال نہ جانو، اس میں داخل ہونے والا ہر شخص مامون اور محفوظ ہو جاتا ہے، اسی طرح اس شخص سے بھی لڑائی نہ کرو جس نے اللہ کے فضل اور رضا کی طلب میں بیت اللہ کا قصد کیا۔ ایسے شخص کو نہ تو بیت اللہ سے روکو اور نہ پریشان کرو۔

مجاہد، عطاء اور بہت سے حضرات يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ سے مراد تجارت لیتے ہیں یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرہ: 198)۔ ''نہیں ہے تم پر کوئی حرج کہ تم تلاش کرو اپنے رب کا فضل یعنی رزق''۔

اور ''رِضْوَانٌ'' کا معنی ہے کہ بیت اللہ کے قصد (حج وعمرہ) میں اللہ کی رضا جوئی، عکرمہ، سدی اور ابن جریج کہتے ہیں کہ یہ آیت حطم بن ہند بکری کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس شخص نے مدینہ کی چراگاہ پر ہلہ بول دیا اور مویشی چرا کر لے گیا۔ اگلے سال جب یہ عمرہ کے ارادہ سے بیت اللہ شریف کی طرف جارہا تھا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا راستہ روکنا چاہا تو اس پر یہ وحی اتری: وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ......

ابن جریر اس بات پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ جب کسی مشرک کو مسلمانوں کی امان حاصل نہ ہو تو اسے قتل کرنا جائز ہے اگر چہ وہ بیت اللہ یا بیت المقدس کے ارادہ سے جارہا ہو، ان کے حق میں یہ حکم (جو آیت میں ہے) منسوخ ہے۔ البتہ وہ شخص جو وہاں الحاد پھیلانے اور

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 97، ابن ماجہ، صفحہ 1050، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 95

شرک وکفر کے ارادہ سے جا رہا ہو اسے ضرور روکا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ (توبہ:28)۔ ''اے ایمان والو! مشرکین تو نرے ناپاک ہیں، سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ ہونے پائیں''۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ۹ ھ میں جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر بھیجا تھا تو ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ وہ بطور نیابت، رسول اللہ ﷺ کی طرف سے براءت کا اعلان کر دیں اور یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کرے گا(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ کے فرمان: وَلَاۤ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ پہلے مومن اور مشرک سب حج کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا تھا کہ وہ کسی مومن یا کافر کو نہ روکیں۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فرمان نازل کیا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا اور فرمایا: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ (توبہ:17)۔ ''مشرکین کیلئے روا نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں''۔

اور فرمایا: اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (التوبہ:18)۔ ''صرف وہی آباد کرسکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور روز قیامت پر''۔

پس مشرکین کو مسجد حرام سے روک دیا گیا(2)۔

قتادہ کہتے ہیں کہ آیت کریمہ: وَلَا الْقَلَآىِٕدَ وَلَاۤ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ منسوخ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص حج کے ارادہ سے نکلتا تو وہ درخت کی چھال وغیرہ کا قلادہ پہن لیتا تو کوئی اس سے تعرض نہ کرتا۔ جب وہ واپس لوٹتا تو بالوں کا ہار پہن لیتا تو بھی اسے کوئی گزند نہ پہنچاتا اور اس وقت مشرکین کا بیت اللہ میں داخلہ ممنوع نہیں تھا، اس وقت مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ نہ حرام مہینوں میں لڑائی کریں اور نہ بیت اللہ کے پاس۔ پھر یہ حکم اس آیت نے منسوخ کر دیا: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ:5)۔ ''قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انہیں''۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ وَلَا الْقَلَآىِٕدَ کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ حرم کا قلادہ پہن لیں تو انہیں امن دے دو۔ عرب ہمیشہ اس کا خیال رکھتے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو برا سمجھتے۔

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ جب تم احرام کھول دو تو اب تمہارے لئے وہ شکار مباح ہے جو حالت احرام میں حرام تھا۔ یہ امر ممانعت کے بعد ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ حکم وہی ثابت ہوگا جو نہی سے پہلے تھا۔ اگر نہی سے پہلے واجب تھا تو اب بھی وجوب کیلئے ہوگا اور اگر وہ حکم مستحب تھا تو اب بھی مستحب ہوگا اور اگر پہلے مباح تھا تو اب بھی مباح۔ بعض نے کہا ہے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ صرف اباحت کیلئے لیکن دونوں کے خلاف قرآن کریم کی آیات موجود ہیں۔ صحیح موقف جس میں تمام دلائل مل جائیں وہی ہے جو ہم نے بیان کیا، اسی طرح بعض علماء اصول نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔

وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ ...... بعض قراء نے ''اَنْ صَدُّوْكُمْ'' میں اَنْ کے ہمزہ کو مفتوح پڑھا ہے(3)۔ اس کا معنی ظاہر ہے یعنی وہ

1۔ فتح الباری، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 477-478 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 61 3۔ البحر المحیط، جلد 3، صفحہ 422

لوگ جو تمہیں مسجد حرام تک پہنچنے سے روکتے تھے ان کے ساتھ بغض تمہیں زیادتی پر برانگیختہ نہ کردے۔ یہ حدیبیہ والے سال کی بات ہے جب انہوں نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا۔ یہ بلاشبہ زیادتی ہے لیکن اے مسلمانو! اس کے باوجود تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم قصاص پر آمادہ ہو کر ان پر زیادتی کرو بلکہ ہر ایک کے حق میں عدل کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو اور اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرو جیسا کہ اس فرمان میں ہے: وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ (المائدہ:8)۔ ”اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو، یہی تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے“۔

بعض سلف کا قول ہے اگر کوئی تیرے معاملہ میں اللہ کی نافرمانی کرے تو تجھ پر ضروری ہے کہ تو اس کے بارے میں اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے، کیونکہ عدل سے ہی زمین و آسمان قائم ہیں۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے مقام پر تشریف فرما تھے، مشرکین نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بیت اللہ شریف سے روک رکھا تھا اور یہ صورت حال صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے سخت تشویش اور تکلیف کا باعث بنی ہوئی تھی۔ تو مشرق سے چند مشرک جو عمرہ کے ارادہ سے جا رہے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس سے گزرے تو وہ کہنے لگے کہ جیسے ان کے ساتھی مشرکین نے ہمیں روکا ہے اس طرح ہم بھی انہیں روکیں گے تو اس وقت یہ آیت اتری۔

شنآن کا معنی ہے بغض، یہ مصدر ہے اس کے تمام حروف متحرک ہیں، بعض نے پہلی نون کو ساکن کر کے بھی پڑھا ہے، لیکن مجھے علم نہیں کہ کسی قاری نے اس طرح پڑھا ہو۔ ہاں شعر میں ایسا ممکن ہے جیسا کہ یہ شعر ہے

وَمَا الْعَيْشُ اِلَّا مَايُحَبُّ وَيُشْتَهٰى وَاِنْ لَامَ فِيْهِ ذُوالشَّنْاٰنِ وَفَنَّدَا (1)

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى...... بر کا معنی ہے نیک کام کرنا اور تقویٰ کا معنی ہے برائیوں کو ترک کر دینا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نیکی اور تقویٰ میں تعاون کا حکم دیتا ہے اور باطل، گناہ اور محارم میں باہمی تعاون سے اپنے بندوں کو منع فرماتا ہے۔

اثم سے مراد ہے اس کام کو ترک کر دینا جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو اور اللہ تعالیٰ کے فرائض سے تجاوز کرنے کا نام عدوان ہے (2)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔“ عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مظلوم کی مدد کرنے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ظالم کی کیسے مدد کریں؟ فرمایا: ”اسے اس کے ظلم سے باز رکھیں، یہی اس کی مدد ہے“ (3)۔

حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ”وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی ایذاء رسانی پر صبر کرتا ہے، وہ اس شخص سے بہتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور نہ ہی ان کی ایذاؤں پر صبر کرتا ہے“ (4)۔

فرمایا: اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ ”خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا ایسا ہی ہے جس طرح اسے انجام دینے والا“۔ اس کی مؤید یہ حدیث بھی ہے: ”جس نے ہدایت کی دعوت دی تو اسے قیامت تک اس پر عمل پیرا ہونے والوں کا سا اجر ملتا رہے گا جبکہ ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 65، الشعر والشعراء: 519 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 66

3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 99۔ صحیح مسلم، کتاب البر، 1998-1999 4۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 365۔ ابن ماجہ، کتاب الفتن 1338

کے اجر میں بھی ذرا کمی نہیں ہوگی، اور جس نے گمراہی کی طرف لوگوں کو بلایا تو قیامت تک جس قدر لوگ اس کی پیروی کرتے رہیں گے اسے ان کے برابر گناہ پہنچتے رہیں گے اور ان کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی'' (1)۔

حدیث میں آتا ہے: ''وہ شخص جو کسی ظالم کے ساتھ اس کی اعانت کے لئے چلا حالانکہ اسے معلوم ہے کہ یہ ظالم ہے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا'' (2)۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۫ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

''حرام کئے گئے ہیں تم پر مردار، خون، سور کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے اور گلا گھونٹنے سے مرا ہوا، چوٹ سے مرا ہوا اوپر سے نیچے گر کر مرا ہوا، سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جسے کھایا ہو کسی درندے نے سوائے اس کے جسے تم ذبح کر لو اور (حرام ہے) جو ذبح کیا گیا ہو تھانوں پر اور (یہ بھی حرام ہے) کہ تم تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے، یہ سب نافرمانی کے کام ہیں، آج مایوس ہو گئے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا تمہارے دین سے، سو نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ سے، آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین، پس جو لاچار ہو جائے بھوک میں درآں حالیکہ نہ جھکنے والا ہو گناہ کی طرف تو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے''۔

اس آیت میں ان چیزوں کا بیان ہے جن کا کھانا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے دیا ہے۔ مَیْتَةُ (مردار) سے مراد وہ جانور ہے جو طبعی موت مر جائے، نہ اسے ذبح کیا جائے اور نہ اس کا شکار کیا جائے۔ اس کا کھانا اس لئے حرام ہے کہ اس میں جمع شدہ خون انتہائی مضر ہے، ذبح کرنے سے تو بہہ جاتا ہے۔ یہ جانور کے جسم کے اندر رکا ہوا خون بدن اور دین دونوں کے لئے ضرررساں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر مردار سوائے مچھلی کے حرام قرار دے دیا۔ مچھلی ہر صورت میں حلال ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندری پانی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ (مچھلی) حلال ہے'' (3)۔ اسی طرح ٹڈی بھی حلال ہے اگرچہ از خود مر گئی ہو، اس کے متعلقہ حدیث عنقریب آ رہی ہے۔

وَالدَّمُ اس سے مراد دم مسفوح ہے یعنی وہ خون جو ذبح کے وقت بہتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا۔ حضرت ابن عباس

1۔ صحیح مسلم، کتاب العلم: 2060۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب السنۃ، جلد 4، صفحہ 201 2۔ معجم طبرانی کبیر، جلد 1، صفحہ 227

3۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 21، سنن نسائی، جلد 1، صفحہ 176، موطا امام مالک، کتاب الطہارۃ: 22، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 237، 361، ابن ماجہ: 136

رضی اللہ عنہما سے تلی کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے کھا سکتے ہو۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو خون ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صرف وہ خون حرام ہے جو (ذبح کے وقت) بہنے والا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی یہی فرماتی ہیں کہ صرف بہنے والا خون حرام ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارے لئے دومردے اور دوخون حلال کئے گئے ہیں، دومردے، مچھلی اور ٹڈی اور دوخون، کلیجی اور تلی'' (1)۔

حضرت ابوامامہ صدی بن عجلان سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی قوم کی طرف بھیجا تاکہ میں انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلاؤں اور اسلام کے احکام ان پر پیش کروں۔ میں ان کے پاس گیا لیکن اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ ایک دن اچانک ایسا ہوا کہ وہ خون کا بھرا ہوا پیالہ لے آئے اور اس کے اردگرد کھانے کی غرض سے بیٹھ گئے اور مجھے بھی دعوت دی اور کہنے لگے: آؤ صدی! تم بھی کھاؤ، میں نے کہا کہ مقام افسوس ہے! میں تو ان کے پاس سے تمہارے ہاں آیا ہوں جو اس کا کھانا سب پر حرام کرتے ہیں، اس لئے تم بھی اس کو پیش نظر رکھو۔ وہ تمام میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ مسئلہ ذرا تفصیل سے بتاؤ تو میں نے یہی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ انہیں پڑھ کر سنا دی۔

حافظ ابوبکر بن مردویہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو روایت کیا ہے لیکن اس میں یہ اضافہ ہے: ''میں انہیں اسلام کی تبلیغ کرتا رہا لیکن وہ مسلسل انکار کرتے رہے اور اسلام نہ لائے۔ ایک دن مجھے سخت پیاس لگی تو میں نے کہا کہ تم پر افسوس ہے مجھے پانی پلاؤ، مجھے سخت پیاس لگی ہوئی ہے۔ انہوں نے پانی پلانے سے بھی انکار کر دیا، کہنے لگے کہ ہم تمہیں اسی طرح پیاسا ہی رکھیں گے یہاں تک کہ تڑپ تڑپ کر مر جاؤ۔ میں بہت پریشان ہوا۔ سخت گرمی میں اپنا کمبل لیا اور منہ لپیٹ کر تپتی ہوئی زمین پر لیٹ گیا، مجھے نیند آ گئی، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص شیشے کا جام لئے ہوئے میرے پاس آیا۔ جام ایسا تھا کہ لوگوں نے اس سے بڑھ کر خوبصورت کبھی نہ دیکھا ہو گا اور اس میں مشروب ایسا تھا جس سے بڑھ کر لذیذ لوگوں نے کبھی نہ پایا ہو گا۔ اس شخص نے جام مجھے تھما دیا۔ میں نے خوب پیا۔ جب پی کر فارغ ہوا تو میری آنکھ کھل گئی۔ اللہ کی قسم! اس کے بعد کبھی بھی نہ مجھے پیاس لگی اور نہ پیاس نے ستایا۔ میں نے سنا کہ وہ لوگ آپس میں کہہ رہے ہیں کہ یہ تمہاری قوم کا سردار ہے جو تمہارے پاس آیا ہے۔ اتنا ظلم بھی نہیں ہونا چاہئے کہ ہم اسے ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیں۔ چنانچہ وہ لوگ میرے پاس کچھ کھانے پینے کا سامان لے آئے۔ میں نے کہا کہ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے کھلا پلا دیا ہے اور انہیں اپنا سیر شدہ پیٹ دکھایا تو سب کے سب یہ کرامت دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے (2)۔ اعشیٰ نے اپنے قصیدہ میں کیا خوب کہا ہے کہ مردار کے قریب تک نہ پھٹکو اور نہ ہی تیز ہڈی سے کسی جانور کی رگ کاٹ کر اس کا خون پیو۔ اور پرستش گاہوں کا چڑھاوا بھی نہ کھاؤ اور نہ بتوں کی عبادت کرو، عبادت صرف اللہ کی کرو (3)۔

وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ یہ بھی حرام ہے خواہ سور وحشی ہو یا پالتو۔ لفظ ''لحم'' خنزیر کے تمام اجزاء کو شامل ہے حتیٰ کہ چربی کو بھی۔ یہاں ظاہریہ کی طرح تکلف اور تعسف کی ضرورت نہیں جو فرمان الٰہی اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ (الانعام: 145) میں ''انہ'' کی ضمیر کا مرجع خنزیر (مضاف الیہ) کو بناتے ہیں تاکہ اس کے تمام اجزاء حرمت میں شامل ہو جائیں لیکن لغت کے اعتبار سے یہ بہت بعید ہے کیونکہ ضمیر مضاف کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ مضاف الیہ کی طرف۔ اس تکلف کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ لفظ لحم تمام اجزاء کو شامل

1۔ مسند الامام از امام شافعی، جلد 6، صفحہ 256، مسند احمد، جلد 6، صفحہ 97، ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ: 1102

2۔ مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، جلد 3، صفحہ 641-642

3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 386

ہے جس طرح لغت عرب اور عرف عام کا بھی یہی تقاضا ہے۔

حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے شطرنج کھیلی گویا اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون کے ساتھ آلودہ کیا'' (1)۔ غور فرمائیں کہ جب صرف مس کرنے میں شریعت نے اس قدر نفرت دلائی ہے تو پھر اس کے کھانے میں کس قدر شدید دھمکی اور وعید ہوگی۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ لفظ لحم چربی وغیرہ سمیت تمام اجزا کو شامل ہے۔

صحیحین میں حدیث ہے: ''اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دے دیا ہے''۔ عرض کی گئی! یا رسول اللہ! مردار کی چربی کے بارے میں کیا حکم ہے، یہ تو کشتیوں پر طلاء کرنے، چمڑوں کو رنگنے اور اسے جلا کر روشنی کے حصول میں کام آتی ہے؟ فرمایا: ''نہیں، یہ حرام ہے'' (2)۔

حدیث ابی سفیان میں آتا ہے کہ انہوں نے ہرقل شاہ روم سے کہا تھا کہ وہ (نبی کریم ﷺ) ہمیں مردار اور خون سے منع کرتے ہیں۔

وَمَآ اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ وہ جانور بھی حرام ہے جسے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ واجب قرار دیا ہے کہ اسی کے عظیم نام پر جانور ذبح کئے جائیں، جب کوئی اس سے روگردانی کرے اور ذبح کرتے وقت کسی بت، شیطان یا مخلوق میں سے اور کسی کا بھی نام لے تو وہ جانور بالا جماع حرام ہے، ہاں جس جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے، جان بوجھ کر یا بھولے سے تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے جس کا تفصیلی بیان سورۂ انعام میں ہوگا۔

حضرت ابوالطفیل فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام چار چیزوں کی حرمت لے کر زمین پر تشریف لائے: مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور بوقت ذبح جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ یہ چار چیزیں ہمیشہ حرام رہیں، کسی وقت بھی حلال نہیں ہوئیں۔ زمین و آسمان کی تخلیق سے لے کر آج تک ہمیشہ ان کی حرمت قائم رہی۔ البتہ بنی اسرائیل کی کارستانیوں اور گناہوں کے باعث کچھ حلال چیزیں بھی حرام کر دیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو آپ وہی امر لے کر آئے جو حضرت آدم علیہ السلام لائے تھے چنانچہ آپ کے ذریعے مذکورہ چار حرام اشیاء کے علاوہ باقی سب حلال کر دی گئیں لیکن یہ بدبخت پھر بھی آپ کو جھٹلانے لگے اور نافرمانی پر کمربستہ ہو گئے۔

ان دنوں کی بات ہے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کے حاکم تھے، قبیلہ بنی ریاح کے ایک شخص ابن وثیل کا جو شاعر بھی تھا، فرزدق کے باپ غالب سے مقابلہ ہو گیا، طے یہ ہوا کہ وہ کوفہ کے پیچھے چشمہ پر جب وارد ہوں گے تو ان میں سے ہر ایک سو سو اونٹوں کی کونچیں کاٹے گا۔ جب ان کے اونٹ اس چشمہ پر پہنچے تو وہ تلواریں لے کر اپنے اپنے اونٹوں کی کونچیں کاٹنے لگے۔ مقصود ریاکاری اور فخر ونمائش تھی۔ لوگ اپنے گدھوں اور خچروں پر سوار ہو کر گوشت لینے کے ارادے سے نکلے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر یہ اعلان کرتے ہوئے آ پہنچے کہ اے لوگو! ان اونٹوں کا گوشت نہ کھانا کیونکہ ان پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔

یہ اثر غریب ہے لیکن اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی وہ حدیث کرتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے اعراب کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الشعر: 1770 2۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ: 1206، فتح الباری کتاب البیوع، جلد 4، صفحہ 424

طرح (مقابلہ میں) کونچیں کاٹنے سے منع فرمایا تھا(1)۔ایک اور حدیث ہے جو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مقابلہ کرنے والوں کا کھانا کھانے کی ممانعت فرمائی ہے(2)۔

وَالْمُنْخَنِقَةُ اس سے مراد وہ جانور ہے جو گلا گھونٹنے سے مرجائے خواہ کسی نے جان بوجھ کر گلا گھونٹا ہو یا اتفاقاً ایسا ہو گیا مثلاً رسی وغیرہ کا پھندا لگ گیا جس کے باعث وہ مر گیا، تو ایسا جانور بھی حرام ہے۔

وَالْمَوْقُوْذَةُ یہ ایسا جانور ہے جو بغیر دھار والی کسی ثقیل چیز کی ضرب سے مر گیا مثلاً لکڑی وغیرہ، تو ایسا جانور بھی حرام ہے۔زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ وہ جانور کو لاٹھیوں کے ساتھ مارتے، جب مرجاتا تو کھالیتے۔حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں معراض (بغیر پر کے درمیان سے موٹا تیر) کے ساتھ شکار کھیلتا ہوں تو وہ نشانے پر جا لگتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: ''جب تو معراض پھینکے اور وہ شکار کو چھید ڈالے (زخم لگائے) تو کھا سکتا ہے لیکن اگر وہ تیر چوڑائی کی طرف سے لگے تو یہ چوٹ لگائے ہوئے جانور کے حکم میں ہے، اسے مت کھاؤ'' (3)۔

آپ ﷺ نے اس جانور کے درمیان جسے تیر، نیزہ وغیرہ کی دھار اور نوک سے شکار کیا ہو اور اس جانور کے درمیان فرق کیا ہے جو چوڑائی کی جانب سے چوٹ کھا کر شکار ہوا۔ پہلا حلال جبکہ دوسرا حرام۔اس پر فقہاء کا اجماع ہے۔لیکن اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی زخمی کرنے والی چیز نے صدمہ تو پہنچایا لیکن وہ مرا اس کے بوجھ سے ہے اور زخمی بھی نہیں ہوا، تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ایک تو یہ ہے کہ اوپر والی حدیث کے پیش نظر حرام ہے اور یہ موقوذہ کے حکم میں ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ حلال ہے صید کلب کی اباحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔اس مسئلہ کی پوری تفصیل ہم مندرجہ ذیل فصل میں بیان کرتے ہیں۔

فصل:۔علمائے کرام رحمہم اللہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی نے شکار پر اپنا کتا چھوڑا، کتے نے شکار کو اپنے بوجھ سے مار ڈالا لیکن زخمی نہ کیا یا اسے اس قدر صدمہ پہنچایا کہ وہ مر گیا، کیا ایسا شکار حلال ہے یا حرام؟ اس مسئلہ میں دو قول ہیں:

1۔ایسا شکار حلال ہے، کیونکہ آیت کریمہ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ (المائدہ:4) ''تو کھاؤ اس میں سے جسے پکڑ رکھیں تمہارے لئے'' کا حکم عام ہے۔اسی طرح حدیث عدی رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی عام ہے۔یہ ایسا قول ہے جسے اصحاب شافعی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور ان میں سے امام نووی رحمہ اللہ اور رافعی جیسے متاخرین نے اس کی صحت کا فیصلہ دیا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے ''الام'' اور ''المختصر'' میں کلام سے صراحۃً یہ ظاہر نہیں ہوتا، کیونکہ دونوں جگہ آپ نے کہا ہے کہ ان دونوں معنوں کا احتمال ہے، پھر ہر ایک کی توجیہہ بیان کی۔یہ بات لے کر اصحاب الشافعی نے کہہ دیا کہ علی الاطلاق اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے حلال ہونے کے قول کی بحث کو قدرے ترجیح دی ہے ورنہ انہوں نے دونوں میں سے نہ تو کسی کی صراحت کی ہے اور نہ کسی کے بارے میں قطعی فیصلہ دیا ہے۔ابن صباغ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حلال ہونے کا قول نقل کیا ہے، اس کے علاوہ کچھ نقل نہیں کیا۔امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس قول کو حضرات سلمان فارسی، ابو ہریرہ، سعد بن ابی وقاص اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے لیکن یہ بہت غریب ہے۔صراحت کے ساتھ یہ قول ان حضرات سے منقول ہی نہیں، یہ ان کا اپنا تصرف ہے۔

2۔دوسرا قول یہ ہے کہ ایسا جانور حلال نہیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول دو قولوں میں سے ایک یہ ہے، مزنی نے بھی اسی کو پسند کیا

1۔سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3، صفحہ 101 2۔سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3، صفحہ 344 3۔صحیح مسلم، کتاب الصید: 1530

ہے۔ ابن صباغ کے کلام سے بھی اسی کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے، اور اسی قول کو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مشہور ہے اور یہی درست ہونے کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ یہ اصولی قواعد اور شرعی احکام سے زیادہ میل کھاتا ہے۔ ابن صباغ نے اس قول کے حق میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے استدلال کیا ہے، کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی! یا رسول اللہ ﷺ! کل ہماری دشمن سے مڈبھیڑ ہونے والی ہے اور ہمارے پاس چھریاں نہیں، کیا ہم تیز بانس یا نرکل سے ذبح کر لیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو چیز خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو اسے کھاؤ'' (1)۔

اگرچہ یہ ایک خاص موقع ومحل کے لئے ہے لیکن اس کا حکم عام ہے۔ علمائے اصول وفروع کے نزدیک عموم لفظ کا اعتبار کیا جائے گا، اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ سے بتع (شہد کی نبیذ) کے متعلق پوچھا گیا کہ اس کا کیا حکم ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کُلُّ شَرَابٍ اَسْکَرَ فَھُوَ حَرَامٌ (2)۔ یعنی ہر نشہ آور شراب حرام ہے۔ سوال خاص تھا لیکن جواب عام دیا، کیا کوئی فقیہ کہہ سکتا ہے کہ حدیث کے الفاظ صرف شہد کی شراب کے ساتھ مخصوص ہیں؟ اسی طرح مندرجہ بالا حدیث میں بھی کہ وہاں سوال تو ایک خاص صورت ذبح کے متعلق تھا لیکن آپ ﷺ نے عام اور جامع کلام فرمائی جس میں یہ صورت شامل ہے اور اس کے سوا اور بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو ''جوامع الکلم'' (ایسی کلام جس کے الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں) سے نوازا تھا۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اب اگر کتے نے شکار کو صدمہ پہنچایا یا اس کے بوجھ سے مر گیا تو یہ ان جانوروں میں نہیں شمار ہوگا جن کا خون بہایا گیا ہو، اس لئے اس حدیث کے پیش نظر حلال نہیں ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث کا کتے کے شکار کے مسئلہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، کیونکہ انہوں نے سوال تو ذبح کرنے والے آلے کی بابت کیا تھا، ان کا سوال ذبح کی جانے والی چیز کے متعلق نہیں تھا، اسی لئے حضور ﷺ نے اس سے دانت اور ناخن کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فرمایا: سوائے دانت اور ناخن کے، اور میں تمہیں اس کے متعلق آگاہ کروں گا۔ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری'' (3)۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے ورنہ اسے متصل نہیں کہا جا سکتا، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسئول عنہ آلہ تھا۔ تو اب تمہارے قول کی دلیل باقی رہتی ہی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کلام تم پر بھی مشتبہ ہوگئی ہے، حدیث کے الفاظ پر غور کریں ''مَا اَنْھَرَ الدَّمَ وَذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ فَکُلُوْہُ'' اس میں آپ ﷺ نے ''فَاذْبَحُوْا بِہٖ'' نہیں فرمایا۔ سو اس ایک جملہ سے ایک ساتھ دو حکم ثابت ہوتے ہیں۔ ذبح کرنے والے آلہ کا حکم بھی اور خود ذبیحہ کا حکم بھی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ خون کا بہانا ایسے آلہ کے ساتھ ہو جو دانت اور ناخن کے علاوہ کوئی اور ہو۔ ایک مسلک تو یہ ہے۔

دوسرا مسلک مزنی رحمہ اللہ کا ہے وہ یہ کہ تیر کے بارے میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ اگر وہ چوڑائی کی جانب سے لگا اور شکار مر گیا تو اسے مت کھاؤ اور اگر اس نے (اپنی دھار یا انی کے ساتھ) زخم کیا پھر مر گیا تو اسے کھالو۔ کتے کے بارے میں مطلق حکم ہے۔ اسے بھی اس مقید (تیز زخمی کرے پھر جانور مر جائے) پر محمول کیا جائے گا کیونکہ دونوں موجب (شکار) میں شریک ہیں اس لئے مطلق کا حکم مقید

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی: 1558 2۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ: 1585 3۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی: 1558

پر محمول کرنا واجب ہے اگر چہ سبب مختلف ہو جس طرح کفارۂ ظہار میں مطلق اعتاق (غلام آزاد کرنا) کے حکم کو کفارۂ قتل میں ایمان کے ساتھ مقید اعتاق پر محمول کیا جاتا ہے۔ بلکہ شکار کے مسئلہ میں یہ زیادہ بہتر ہے۔ یہ دلیل ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جو اس قاعدہ کی اصل کو تسلیم کرتے ہیں، چونکہ اس قاعدہ کے مسلم ہونے میں ان لوگوں میں بھی کوئی اختلاف نہیں اس لئے یا تو وہ اسے تسلیم کرلیں ورنہ کوئی مضبوط جواب دیں۔ یہ فریق یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس شکار کو کتے نے اپنے بوجھ سے مار ڈالا ہے تو اس شکار پر قیاس کرتے ہوئے یہ بھی حلال نہیں ہے جسے تیر چوڑائی کی جانب سے لگا اور مار ڈالا۔ دونوں میں وجہ مشترک یہ ہے کہ دونوں (تیر، کتا) شکار کے آلات ہیں اور دونوں نے اپنے بوجھ سے شکار کو مارا ہے تو یہ آیت کے عموم کے معارض نہیں کیونکہ قیاس عموم پر مقدم ہے جیسا کہ ائمہ اربعہ اور جمہور کا مذہب ہے، یہ مسلک بھی اچھا ہے۔

ایک اور مسلک یہ ہے کہ فرمان الٰہی: فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ (مائدہ:4) عام ہے۔ کتے جسے زخمی کریں اور جسے نہ کریں دونوں کو یہ حکم شامل ہے لیکن اس متنازعہ فیہ صورت میں یہ مرا ہوا جانور یا تو نطیح (ٹکر، سینگ وغیرہ لگنے سے جو مر جائے) ہوگا یا اس کے حکم میں، یا ''منخنقہ'' (جو گلا گھونٹنے سے مرا ہو) ہوگا یا اس کے حکم میں۔ جو بھی ہو ہر صورت اس آیت کی اس پر تقدیم ان وجوہات کی بناء پر ضروری ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے اس آیت کا حکم شکار کی حالت میں معتبر مانا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ''اگر وہ تیر عرض کی جانب سے لگے تو وہ چوٹ لگا ہوا جانور ہے اسے مت کھاؤ''، ہمیں نہیں معلوم کہ کسی عالم نے دونوں میں فرق کر کے کہا ہو کہ ضرب اور زور سے مرا ہوا جانور تو شکار کی حالت میں معتبر ہے لیکن سینگ اور ٹکر لگا ہوا جانور معتبر نہیں ہے۔ چنانچہ متنازعہ فیہ جانور کو حلال کہنا اجماع کو توڑنے کے مترادف ہے جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور نہ اسے کوئی جائز سمجھتا ہے بلکہ اکثر علماء کے نزدیک یہ ممنوع ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آیت کریمہ فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ (مائدہ:4) اپنے عموم پر باقی نہیں، اس پر اجماع اور اتفاق ہے بلکہ یہ صرف حلال حیوان کے ساتھ مخصوص ہے تو اس کے عام الفاظ سے بالاتفاق وہ وہ حیوان نکل گئے جن کا کھانا حلال نہیں ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ عموم محفوظ عموم غیر محفوظ پر مقدم ہوتا ہے۔

اس مسئلہ میں ایک اور مسلک بھی ہے کہ اس قسم کا شکار مَیتہ کے حکم میں ہے کیونکہ اس کا خون اور فاسد رطوبتیں اس میں رکی رہیں، اس لئے مردار پر قیاس کرتے ہوئے یہ بھی حلال نہیں۔

ایک مزید مسلک یہ ہے کہ آیت تحریم حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ محکم ہے اس میں نہ نسخ کی گنجائش ہے اور نہ تخصیص کی، اسی طرح آیت تحلیل يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ (المائدہ:4)۔ ''پوچھتے ہیں آپ ﷺ سے کہ کیا کیا حلال کیا گیا ہے ان کے لئے۔ آپ فرمائیے حلال کی گئی ہیں تمہارے لئے پاک چیزیں''۔ بھی محکم ہی ہونی چاہئے اور دونوں آیتوں میں تعارض بھی نہیں ہونا چاہئے اور حدیث اس کے بیان اور وضاحت کے لئے آئی ہے، تیر کا قصہ اس پر شاہد ہے کیونکہ اس میں وہ حکم بیان کیا گیا ہے جو اس آیت تحلیل میں داخل ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر تیر نے اپنی دھار اور انی سے زخم لگایا تو وہ جانور حلال ہوگا کیونکہ وہ طیبات میں سے ہے، اسی طرح اس حدیث میں وہ حکم بھی آ گیا جو آیت تحریم میں داخل ہے وہ یہ ہے کہ اگر تیر کی چوڑائی لگنے سے جانور کی موت واقع ہوئی تو وہ حلال نہیں اس لئے کہ وہ وقیذ ہے اور وقیذ آیت تحریم کا ایک فرد ہے۔ یہی مسئلہ کتے کے شکار کا ہے۔ اگر اس نے شکار کو زخمی کیا تو وہ آیت تحلیل کے حکم میں داخل ہے

اور اگر زخمی نہ کیا بلکہ صدمہ پہنچایا یا اپنے بوجھ سے مارڈالا تو یہ نطیح ہوگا یا اس کے حکم میں، اس لئے حلال نہیں ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر مقصود یہی تھا تو کتے کے شکار میں تفصیل کیوں بیان نہیں کی اور یہ کیوں نہیں کہا جو تم نے ذکر کیا ہے کہ اگر وہ زخمی کرے تو حلال ہے اور اگر زخمی نہ کرے تو حرام؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کتے کا بغیر زخمی کئے شکار کو مار ڈالنا بہت نادر ہے، بلکہ عموماً وہ اپنے پنجوں یا کچلیوں یا دونوں سے ایک ساتھ ہی شکار کو مارتا ہے، شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شکار کو ٹکر مار کر یا اپنے بوجھ سے مارے، اس لئے اس کے نادر ہونے کی بناء پر اس کا حکم بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، اور دوسری بات یہ ہے کہ اس قسم کے شکار کا حکم اس شخص کے سامنے بالکل عیاں ہے جو مَيْتَةُ، مُنْخَنِقَةُ، مَوْقُوْذَةُ، مُتَرَدِّيَةُ اور نَطِيْحَةُ کی حرمت کے متعلق علم رکھتا ہے۔ جہاں تک تیر اور معراض میں الگ الگ حکم بیان کرنے کا تعلق ہے تو اس میں بسا اوقات تیر انداز کی ناپختہ کاری یا غفلت وغیرہ کے سبب تیر خطا جاتا ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے اس لئے دونوں حکم بالتفصیل بیان کئے۔ یہی وجہ ہے کہ چونکہ کتے کے شکار میں یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے کئے ہوئے شکار میں سے کچھ کھالے اس لئے یہ حکم صراحت کے ساتھ بیان کیا، صحیحین میں حدیث ہے: ''اگر وہ (کتا) خود کھالے تو تم اسے نہ کھاؤ، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ ممکن ہے اس نے اپنے لئے ہی شکار پکڑا ہو'' (1)۔

یہ صورت بھی اکثر حضرات کے نزدیک آیت تحلیل کے عموم سے مخصوص ہے اور ان کا کہنا ہے کہ جس شکار کو کتا کھالے اس کا کھانا حلال نہیں۔ حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ حسن، شعبی اور نخعی کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صاحبین (امام ابو یوسف، محمد)، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی (مشہور روایت میں) رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی موقف ہے۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت علی، سعید، سلمان، ابوہریرہ، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ اگر چہ کتے نے شکار میں سے کچھ کھالیا ہو پھر بھی اسے کھالینا جائز ہے۔ بلکہ حضرات سعید، سلمان اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر چہ کتے کے کھانے کے بعد تھوڑا سا حصہ بھی باقی بچ جائے اس کا کھانا بھی جائز ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی (قول قدیم میں) کا یہی مذہب ہے اور قول جدید میں دونوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جیسا کہ ابن صباغ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ سند جید کے ساتھ ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کے شکار کے متعلق فرمایا: ''جب تو کتے کو شکار پر چھوڑے اور اللہ کا نام لے لے تو (اس کے کئے ہوئے شکار کو) کھاؤ اگر چہ اس نے اس میں سے کھالیا ہو اور اس کو بھی کھالے جسے تیرا ہاتھ تیری طرف لوٹائے'' (2)۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی اپنا کتا شکار پر چھوڑے تو وہ شکار کو پکڑ کر اس میں سے کچھ کھالے تو وہ باقی ماندہ شکار کھالے'' (3)۔

یہ روایت موقوف ہے اور جمہور نے حدیث عدی کو اس پر ترجیح دی ہے اور ابوثعلبہ وغیرہ کی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ جب کتے نے شکار پکڑا، کافی دیر تک مالک کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ نہ آیا تو کتے نے بھوک وغیرہ کے باعث اس میں سے کچھ کھالیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس صورت میں یہ حکم ہے کہ مالک باقی ماندہ گوشت کھالے، کیونکہ اس حالت میں یہ اندیشہ نہیں کہ کتے نے اپنے لئے شکار پکڑا ہوگا لیکن اگر کتے نے شکار پکڑتے ہی کھانا شروع کر دیا تو اس کا حکم برعکس ہے کیونکہ اس سے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید: 1530
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصید، جلد 3، صفحہ 109
3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 97

پتہ چلتا ہے کہ اس نے اپنی خاطر شکار کیا ہے۔

جہاں تک شکاری پرندوں کا تعلق ہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح طور پر کہا ہے کہ یہ کتے کے حکم میں ہیں۔ اگر یہ شکار میں سے کچھ کھالیں تو جمہور کے نزدیک اس شکار کا کھانا حرام ہے لیکن دیگر حضرات کے نزدیک حلال ہوگا۔ مزنی کا پسندیدہ مسلک یہی ہے کہ جس شکار میں سے شکاری پرندوں نے کھالیا اس کا کھانا حرام نہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ پرندوں کو کتوں کی طرح مار پیٹ کر سدھانا ممکن نہیں اور شکار کھائے بغیر یہ سیکھتے بھی نہیں، اس لئے ان کے بارے میں یہ بات قابل معافی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حکم کتوں کے بارے میں وارد ہوا ہے پرندوں کے بارے میں نہیں۔ شیخ ابوعلیؒ ''الافصاح'' میں فرماتے ہیں کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جس شکار میں سے کتا کھالے وہ حرام ہے، تو جس شکار میں سے پرندہ کھالے اس کی تحریم میں دو وجہیں ہیں، لیکن قاضی ابوطیب نے اس تفریع اور ترتیب کو ناپسند کیا ہے کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحۃً ان دونوں کو برابر قرار دیا ہے۔

وَالْمُتَرَدِّیَۃُ وہ جانور ہے جو کسی پہاڑی یا بلند جگہ سے گر کر مر جائے، یہ بھی حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی کہنا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جو کنویں میں گر جائے۔ سُدِّی کہتے ہیں کہ وہ جانور جو پہاڑ سے گرے یا کنویں میں گرے۔

وَالنَّطِیْحَۃُ وہ جانور ہے جو دوسرے جانور کے سینگ کی ٹکر سے مر جائے، یہ بھی حرام ہے اگرچہ سینگ لگنے سے زخم بھی ہوا اور خون بھی نکلا ہو، حتیٰ کہ اگر ذبح کرنے والی جگہ پر بھی لگا اور خون نکل آیا تو بھی حرام ہے۔ نَطِیْحَۃٌ فَعِیْلَۃٌ کے وزن پر بمعنی مَفْعُوْلَۃٌ یعنی مَنْطُوْحَۃٌ ہے۔ کلام عرب میں یہ صیغہ اکثر بغیر تاء کے (فعیل بمعنی مفعول) آتا ہے جیسے عَیْنٌ کَحِیْلٌ (سرمگیں آنکھ) اور کَفٌّ خَضِیْبٌ (رنگین ہاتھ)۔ ان مقامات پر کَحِیْلَۃٌ اور خَضِیْبَۃٌ نہیں کہتے۔ جب مسئلہ اس طرح ہے تو یہاں پھر تاء کیوں لگائی؟ بعض نحوی کہتے ہیں کہ یہاں ''تاء'' کو لانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ یہاں اسم کے قائم مقام ہے جس طرح کہتے ہیں، ''طَرِیْقَۃٌ طَوِیْلَۃٌ''۔ بعض نے کہا ہے کہ تاء تانیث کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ ابتداء ہی سے یہ تانیث پر دلالت کرے بخلاف کحیل اور خضیب کے کہ وہاں تانیث کلام کے ابتدائی لفظ سے ہی معلوم ہو جاتی ہے۔

وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ جس جانور پر شیر، چیتا، بھیڑیا یا کتا وغیرہ درندہ حملہ کر کے شکار کرلے اور اس کا کچھ حصہ کھالے، اس وجہ سے وہ مر گیا تو یہ بھی حرام ہے، اگرچہ اس میں سے خون بہا ہو، حتیٰ کہ ذبح والی جگہ سے بھی خون نکل آئے تب بھی بالاجماع وہ جانور حرام ہے۔ اہل جاہلیت کا دستور تھا کہ وہ درندوں کے بچے ہوئے شکار کو کھالیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مومنین پر یہ حرام قرار دے دیا۔

اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ قبل ازیں مذکور جانوروں میں سے جس کی موت کا کوئی سبب پیدا ہو جائے لیکن اس میں ابھی زندگی باقی ہو اور ذبح کے ذریعے تدارک ممکن ہو تو ذبح کرنے سے وہ حلال ہو جائے گا۔ اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کا ذکر پہلے ہوا یعنی اَلْمُنْخَنِقَۃُ وَالْمَوْقُوْذَۃُ وَالْمُتَرَدِّیَۃُ وَالنَّطِیْحَۃُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان میں سے جس کو تم ذبح کرلو جبکہ ابھی روح باقی ہو اور جان نہ نکلی ہو تو پھر ایسا جانور حلال ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر یہ جانور بوقت ذبح دم ہلائیں یا پاؤں رگڑیں، یا آنکھ پھیریں تو ذبح کر کے کھا سکتے ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ اگر تمہیں مَوْقُوْذَۃ، مُتَرَدِّیَۃ اور نَطِیْحَۃ ہاتھ پاؤں ہلاتے ہوئے مل جائیں تو انہیں ذبح کر کے کھالو (1)۔ اسی طرح طاؤس، حسن، قتادہ، ضحاک وغیرہ کہتے ہیں کہ اگر ذبح کے وقت ایسے جانور سے

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 72

کوئی ایسی حرکت صادر ہو جائے جو اس بات کی غماز ہو کہ اس میں ابھی جان باقی ہے تو وہ حلال ہے۔ جمہور فقہاء اور ائمہ ثلاثہ کا یہی مسلک ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ اس بکری کا کیا حکم ہے جسے کسی درندے نے پھاڑ ڈالا ہو اور اس کی آنتیں باہر نکل آئیں۔ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اسے ذبح نہ کیا جائے، بھلا اس میں کیا ہے جسے ذبح کیا جائے؟ ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اگر بجو مینڈھے پر حملہ کر کے اس کی کمر توڑ دے تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اسے جان نکلنے سے پہلے پہلے ذبح کر کے کھایا جا سکتا ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر وہ بالکل آخر تک پہنچ گیا تو میری رائے یہ ہے کہ اسے نہ کھایا جائے اور اگر اس کے اطراف کو ہی زخمی کیا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ سائل نے کہا کہ اس نے تو حملہ کر کے اس کی کمر توڑ دی ہے۔ تو آپؒ نے فرمایا کہ اس کا کھانا مجھے پسند نہیں کیونکہ اس قدر شدید حملہ سے جانبر ہونا بہت مشکل ہے۔ پھر آپؒ سے پوچھا گیا کہ ایک بھیڑیا بکری پر جھپٹ پڑتا ہے اور اس کا پیٹ پھاڑ دیتا ہے لیکن آنتیں نہیں نکلیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: جب اس نے اس کا پیٹ پھاڑ ڈالا تو میری رائے یہی ہے کہ اسے نہ کھایا جائے۔ یہ ہے مذہب امام مالک رحمہ اللہ، لیکن چونکہ آیت کا حکم عام ہے اس لئے امام مالکؒ نے جن صورتوں کی استثناء کی ہے ان کے لئے دلیل مخصص کی ضرورت ہے جو آیت کے حکم کو خاص کر دے۔ صحیحین میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کل دشمن سے ہمارا سامنا ہونے والا ہے جبکہ ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں، کیا ہم بانس کے ساتھ ذبح کر سکتے ہیں؟ فرمایا: ''جو چیز خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اسے کھالو سوائے دانت اور ناخن کے۔ اس کی وجہ میں تمہیں بتاؤں گا، دانت اس لئے کہ وہ ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے'' (1)۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''ذبیحہ صرف حلق اور نرخرے میں ہوتا ہے'' (2)۔ وہ حدیث جو مسند امام احمد اور سنن میں ہے کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ذبیحہ صرف حلق اور نرخرہ میں ہوتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم نے اس کی ران میں بھی زخم لگا دیا تو کافی ہے'' (3)۔ یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے لیکن اسے اس شخص پر محمول کیا جائے گا جو حلق اور نرخرہ میں صحیح طریقے سے ذبح کرنے پر قادر نہ ہو۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ مجاہد اور ابن جریج کہتے ہیں کہ **نُصُب** وہ پتھر تھے جو کعبہ کے اردگرد مشرکین نے نصب کر رکھے تھے، ان کی تعداد تین سو ساٹھ تھی۔ زمانہ جاہلیت میں عرب ان کے سامنے اپنے جانور قربان کرتے تھے اور بیت اللہ سے متصل بتوں پر ان جانوروں کا خون چھڑک دیتے تھے اور گوشت کاٹ کر ان بتوں پر چڑھاوا چڑھاتے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اس فعل شنیع سے منع فرما دیا اور ان جانوروں کا کھانا بھی حرام قرار دے دیا، اگرچہ ان جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام بھی لیا گیا ہو، کیونکہ یہ شرک ہے جسے اللہ وحدہ لا شریک اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔ **مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ** کے تحت اس کی تحریم گزر چکی ہے۔

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ یہ بھی حرام ہے۔ **اَزْلَام**، **زَلَم** کی جمع ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کا یہ دستور تھا کہ جب انہوں نے کوئی کام کرنا ہوتا تو تیروں سے فال نکالتے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے تین تیر تیار کر رکھے تھے، ایک پر لکھا تھا: **اِفْعَلْ** (کر)، دوسرے پر: **لَا تَفْعَلْ** (نہ کر) اور تیسرا تیر خالی ہوتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک پر لکھا ہوتا: **أَمَرَنِي رَبِّي** (میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے)، دوسرے پر لکھا ہوتا: **نَهَانِي رَبِّي** (میرے رب نے مجھے منع کیا ہے) اور تیسرا خالی ہوتا۔ جب انہیں کوئی کام درپیش ہوتا تو بطور قرعہ ان تیروں کو نکالتے۔ اگر تو حکم کا تیر نکل آتا تو کام کر گزرتے۔ اگر ممانعت کا نکلتا تو اس کام سے باز رہتے، اگر خالی تیر نکل آتا تو دوبارہ قرعہ اندازی کرتے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی: 1558   2۔ سنن دار قطنی، جلد 4، صفحہ 283

3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 334، سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3، صفحہ 103

اِسْتِقْسَام کا لفظ ان تیروں کے ذریعے طلب تقسیم سے ماخوذ ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اَزْلَام سے مراد وہ تیر ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے امور کی تقسیم کرتے تھے۔ محمد بن اسحاق وغیرہ کہتے ہیں کہ قریش کا سب سے بڑا بت ہبل خانہ کعبہ کے اندر، اس کنویں پر نصب کیا گیا تھا جس میں کعبہ کے ہدیئے اور اموال رکھے جاتے تھے۔ اس بت کے پاس سات تیر پڑے ہوئے تھے جن پر کچھ تحریر تھا۔ قریش اپنی مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے اور ان میں سے کوئی تیر نکالتے، اس پر جو لکھا پاتے اسی کے مطابق عمل کرتے، ذرا بھی اس سے انحراف نہ کرتے۔

صحیحین میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے نصب شدہ مجسمے پائے جن کے ہاتھوں میں تیر تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے، ان لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان بزرگوں نے کبھی بھی تیروں کے ذریعے فال نہیں پکڑی"(2)۔

حدیث صحیح میں ہے کہ سراقہ بن مالک جب نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (جب دونوں حضرات مدینہ کی طرف ہجرت کر کے جارہے تھے) کی تلاش میں نکلا تو اس نے اس طرح تیروں کے ذریعے فال نکالی۔ سراقہ کا کہنا ہے کہ پہلی مرتبہ قرعہ میں وہ تیر نکلا جو میری مرضی کے خلاف تھا۔ میں نے اس فال کو رد کر کے دوبارہ قرعہ نکالا تو بھی یہی نکلا، تیسری مرتبہ بھی یہی تیر نکلا کہ تو انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، سراقہ بال بھی نہ بیکا کرسکا۔ اس وقت تک سراقہ مسلمان نہیں ہوا تھا، بعد میں اسلام لے آیا(3)۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وہ شخص کبھی بھی (جنت کے) درجات کو نہیں پا سکے گا جو کہانت کا ارتکاب کرے یا تیروں سے فال نکالے یا بدشگونی کے باعث سفر سے واپس لوٹ آئے"(4)۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی کہتے ہیں اَزْلَام سے مراد عرب کے وہ تیر، ایرانیوں اور رومیوں کے وہ پانسے ہیں جن کے ساتھ وہ جوا کھیلا کرتے تھے(5)۔ مجاہد کا یہ کہنا کہ اَزْلَام جوئے کے لئے ہی تیار کئے گئے تھے محل نظر ہے، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ان تیروں کو استخارہ کے لئے استعمال کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی ان سے جوا بھی کھیل لیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں جوئے کو بھی اس کے حکم کے ساتھ ملا کر حرام کیا ہے، فرمایا: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ (المائدہ: 91-90)۔ "اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں شیطان کی کارستانیاں ہیں سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب اور جوئے کے ذریعہ اور روک دے تمہیں یاد الٰہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو؟" اسی طرح یہاں فرمایا: وَأَن تَسْتَقْسِمُوا۟ بِٱلْأَزْلَٰمِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ (المائدہ: 3) یعنی ایسا کرنا فسق، نافرمانی، گمراہی، ضلالت، جہالت اور شرک ہے۔ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو حکم دیا ہے کہ جب کسی معاملہ میں انہیں تردد ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ (طلب خیر) کرلیا کریں یعنی پہلے اس کی عبادت کریں پھر مطلوبہ معاملہ میں اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 76-75
2۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 387
3۔ فتح الباری، کتاب مناقب الانصار، جلد 7، صفحہ 229-228، مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 175
4۔ مجمع الزوائد، جلد 5، صفحہ 118
4۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 77-76

سے خیر کا سوال کریں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں اپنے امور میں استخارہ کی اس طرح تعلیم دیتے جس طرح آپ ﷺ ہمیں قرآن کی کوئی سورت سکھاتے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی معاملہ درپیش ہو تو وہ دو رکعت نفل پڑھے، پھر یہ دعا مانگے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ، فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ، اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ۔ وَيُسَمِّيْهِ بِاسْمِهٖ۔ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَ دُنْيَايَ وَ مَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِيْ فَاقْدُرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ، اَللّٰهُمَّ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهٗ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَ دُنْيَايَ وَمَعَاشِيْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِيْ بِهٖ (1)

''اے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کے ساتھ بھلائی کا خواستگار ہوں اور تیری قدرت کے طفیل تجھ سے قدرت کا طلب گار ہوں اور تجھ سے تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں کیونکہ تو قادر ہے، میں قادر نہیں، تو جانتا ہے، میں نہیں جانتا اور تو تمام غیب جاننے والا ہے۔ یا اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام۔ یہاں کام کا نام لے۔ میرے لئے میرے دین، دنیا، معاش اور انجام کے لحاظ سے بہتر ہے تو اسے میرے لئے مقدر فرما دے اور اسے میرے لئے آسان بنا دے۔ یا اللہ! اگر تیرے علم میں ہے کہ یہ کام میرے دین، دنیا، معاش اور عاقبت میں میرے لئے باعث شر ہے تو مجھے اس سے اور اسے مجھ سے دور فرما دے اور میرے لئے خیر مقدر فرما دے جہاں بھی ہو، پھر مجھے اس سے راضی کر دے''۔

اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ کفار اس بات سے مایوس ہو چکے ہیں کہ وہ تمہارے دین میں کچھ گڑ بڑ کریں۔ حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ مسلمان نمازی جزیرہ عرب میں اس کی پرستش کریں گے، البتہ انہیں ایک دوسرے کے خلاف اکساتا رہے گا'' (2)۔ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکین اور کفار مسلمانوں کی مشابہت سے مایوس ہو چکے ہیں کیونکہ مسلمان اہل شرک کی مخالف صفات کے باعث ان سے ممتاز ہو گئے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کو حکم دیا کہ وہ صبر کریں اور کفار کی مخالفت کے باوجود ڈٹے رہیں اور سوائے اللہ کے کسی سے نہ ڈریں، فرمایا: فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ یعنی ان کی مخالفت کو خاطر میں نہ لاؤ بلکہ صرف مجھ سے ڈرو، میں تمہاری مدد کروں گا، اپنی تائید سے تمہیں نوازوں گا ان کے مقابلے میں تمہیں فتح و نصرت سے شادکام کروں گا، ان سے تمہارے سینوں کو شفا دوں گا اور دنیا و آخرت میں تمہیں ہی سربلند رکھوں گا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ...... یہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی اور گرانقدر نعمت ہے کہ اس نے ان کے لئے ان کے دین کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا نہ انہیں اب کسی اور دین کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی اور نبی کی، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خاتم الانبیاء بنایا اور آپ ﷺ کو تمام جن وانس کی طرف مبعوث فرمایا۔ حلال وہی ہے جسے آپ ﷺ حلال کہیں اور حرام وہی ہے جسے آپ ﷺ حرام قرار دیں اور دین وہی جو آپ ﷺ مقرر فرما دیں۔ آپ ﷺ کی تمام باتیں حق وصداقت پر مبنی ہیں جن میں نہ جھوٹ کا شائبہ ہے اور نہ ان میں خلاف ورزی ممکن ہے، اسی لئے فرمایا: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا '' (الانعام:115)۔'' اور مکمل ہوگئی

1۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 3، صفحہ 344۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الاقامۃ: 440

2۔ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین: 2166

آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے "، یعنی اخبار میں صدق، اوامر ونواہی میں عدل۔ جب اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے لئے دین کو مکمل فرمایا تو ان پر نعمت بھی تمام ہوگئی اس لئے فرمایا: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ...... تم بھی اپنے لئے اسی دین کو پسند کرلو کیونکہ یہ اللہ کا محبوب دین ہے، اسی کو اس نے پسند کیا ہے اور یہی دین عطا فرما کر افضل الرسل سید الانبیاء ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ پر سب سے افضل کتاب اتاری۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ دین سے مراد اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور مؤمنین کو خبر دے دی ہے کہ اس نے دین اسلام کی تکمیل کر کے ان کے لئے ایمان کو مکمل کر دیا، اس لئے انہیں مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مکمل فرما دیا ہے۔ اس میں کبھی بھی وہ کمی نہیں کرے گا، وہ اس پر راضی ہے، کبھی اس سے ناراض نہیں ہوگا (1)۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت یوم عرفہ (9 ذی الحجہ) کو نازل ہوئی اس کے بعد کوئی حکم نہیں اترا، نہ حلال نہ حرام۔ رسول اللہ ﷺ اس حج سے واپس لوٹے تو آپ ﷺ کا وصال ہوگیا۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس حج میں میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھی۔ اس اثناء میں کہ ہم چل رہے تھے جبریل علیہ السلام آگئے، حضور ﷺ اپنی اونٹنی پر جھک گئے، اونٹنی وحی کے بوجھ کو اٹھانے سے قاصر تھی۔ اس وقت میں نے اپنی چادر آپ ﷺ پر اوڑھا دی۔ ابن جریر وغیرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یوم عرفہ کے اکیاسی دن بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ حج اکبر والے دن جب یہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ...... اتری تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے تو نبی کریم ﷺ نے رونے کا سبب پوچھا تو عرض کی کہ مجھے اس چیز نے رلایا ہے کہ ہم دیکھ رہے تھے کہ دین زیادہ ہو رہا ہے، اب وہ مکمل ہوگیا اور جب بھی کوئی چیز مکمل ہو جاتی ہے تو نقصان شروع ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: " تم نے سچ کہا ہے " (2)۔ اور حدیث بھی اس حدیث کے معنی کی تائید کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: " اسلام غربت اور اجنبیت کی حالت میں شروع ہوا اور عنقریب اسی حالت میں لوٹ جائے گا پس غرباء کیلئے خوشخبری ہے " (3)۔

طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: " اے امیر المؤمنین! تم اپنی کتاب میں ایک آیت پڑھتے ہو، اگر ہم یہود پر وہ آیت اترتی تو ہم اس دن کو عید قرار دے دیتے، آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کونسی آیت ہے؟ اس نے کہا: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ...... تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے بخوبی علم ہے کہ یہ آیت کس دن اور کس وقت نازل ہوئی یہ جمعہ کے دن عرفہ کی شام کو اتری۔ میں اللہ کی قسم عرفہ میں موجود تھا (4)۔ تمام اہل سیر، فقہاء وغیرہ کا اتفاق ہے کہ حجۃ الوداع والے یوم عرفہ کو جمعہ تھا ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایسی بات کہی تھی کہ اگر کسی اور امت پر یہ آیت اترتی تو وہ اس دن کو عید بنا کر خوشیاں مناتے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس دن اور جگہ کا علم ہے جہاں یہ آیت اتری۔ یہ جمعہ کے دن یوم عرفہ کو اتری اور الحمد للہ یہ دونوں ہمارے لئے عیدیں ہیں (5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تلاوت کی تو ایک یہودی نے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر اترتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت تو اس دن اتری جب دو عیدیں تھیں، یوم عید اور یوم جمعہ (6)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت عرفہ کے دن شام کو اتری۔ حضرت

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 79
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 79-80
3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، صفحہ 130
4۔ صحیح مسلم، کتاب التفسیر، صفحہ 2312-2313
5۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 83
6۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 82

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ آیت یوم عرفہ جمعہ کو نازل ہوئی (1)۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت یوم عرفہ کو اتری، اس وقت حضور نبی کریم ﷺ موقف میں وقوف کئے ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے کہ تمہارے نبی ﷺ پیر کو پیدا ہوئے، پیر کے دن مکہ سے ہجرت کی، پیر کو مدینہ پہنچے، پیر کے دن فتح بدر ہوئی اور پیر کے دن ہی مائدہ کی یہ آیت اتری (2)، یہ روایت غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت پیر کے دن ہوئی، پیر کے دن ہی آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا، پیر کے دن ہی ہجرت کر کے مکہ سے نکلے، پیر کو ہی مدینہ پہنچے، پیر کو ہی آپ ﷺ کا وصال ہوا اور پیر کے دن ہی حجر اسود رکھا گیا (3)۔ اس میں سورۂ مائدہ کے نزول کا ذکر نہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہو کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن اتری۔ اصل عبارت یوں ہو، یوم عیدین اثنین۔ گویا اثنین سے مراد پیر کا دن نہیں بلکہ اس سے مراد ''دو'' ہے اور راوی کو شبہ ہو گیا اور اس نے پیر کا دن سمجھ لیا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لوگوں کو یہ دن معلوم نہیں تھا، عوفی کے ذریعے سے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کو جاتے ہوئے راستہ میں اتری۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے دن اتری جب آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا تھا: ''جس کا میں مولا ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کا مولا ہے''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی روایت ہے۔ جس میں یہ بھی ہے کہ یہ 18/ذی الحجہ کی بات ہے جب آپ ﷺ حجۃ الوداع سے واپس آ رہے تھے۔ لیکن نہ یہ بات صحیح ہے اور نہ وہ بلکہ صحیح وہی ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی اور اس دن جمعہ بھی تھا۔ جیسا کہ حضرات امیر المؤمنین عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، اسلام کے پہلے بادشاہ معاویہ بن ابی سفیان، ترجمان القرآن عبد اللہ بن عباس اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اسی طرح شعبی، قتادہ، شہر بن حوشب اور دیگر ائمہ وعلماء نے بھی یہی بیان کیا ہے اور ابن جریر طبری نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ ...... اگر کوئی شخص لاچار ہو کر شدید ضرورت کے پیش نظر مذکورہ حرام چیزوں میں سے کچھ کھانے پر مجبور ہو جائے تو اس اضطراری حالت میں کچھ لے سکتا ہے، اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ وہ اپنے بے بس اور ناچار بندے کی حاجت اور ضرورت کو اچھی طرح جانتا ہے اور وہ بندے کی اس اضطراری حالت میں اس سے درگزر فرماتا ہے اور اسے معاف کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو یہ بہت پسند ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصت پر عمل کیا جائے جس طرح وہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے'' (4)۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں یہ الفاظ ہیں: ''جس نے اللہ کی دی ہوئی رخصت قبول نہ کی تو اس پر عرفات کے پہاڑوں کی مثل گناہ ہے'' (5)۔ اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ کبھی کبھی مردار کھانا واجب ہو جاتا ہے وہ اس وقت جب بھوک کی وجہ سے جان نکلنے کا اندیشہ ہو اور مردار کے علاوہ کچھ نہ پائے۔ کبھی مردار کا کھانا مستحب ہوتا ہے اور کبھی مباح یعنی حسب حال حکم ہوگا۔

اب اس میں اختلاف ہے کہ بوقت ضرورت جب حلال چیز نہ ہو تو حرام کی کتنی مقدار لے سکتا ہے؟ کیا صرف اتنی مقدار لے سکتا ہے جس سے اس کی جان بچ جائے یا پیٹ بھر کر کچھ مقدار بطور زاد راہ ساتھ رکھ لے؟ تو یہ سب اقوال موجود ہیں جن کی تفصیل احکام کی کتابوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 83 2۔ معجم طبرانی کبیر، جلد 12، صفحہ 237 3۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 277

4۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الصلاۃ، باب المسافر، جلد 4، صفحہ 182 5۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 2، صفحہ 71، جلد 4، صفحہ 158

میں مذکور ہے۔

اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ اگر بھوکے شخص کے پاس اضطراری حالت میں مردار اور کسی غیر کا کھانا موجود ہو یا حالت احرام میں شکار موجود ہو تو کیا وہ مردار کھالے یا محرم اس شکار میں سے کھالے اور فدیہ ادا کردے یا دوسرے کا کھانا بلا اجازت کھالے اور جب ممکن ہو اسے واپس کردے۔ اس مسئلہ میں دو قول ہیں، یہ دونوں قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ مردار کے کھانے کے جواز کی یہ کوئی شرط نہیں کہ اس بھوکے مجبور آدمی پر تین دن فاقے میں گزریں جس طرح عوام الناس میں مشہور ہے، یہ شرط بالکل غلط ہے، اصل بات یہی ہے کہ جب بھی وہ مجبوری اور اضطرار کی حالت میں ہو مردار کھا سکتا ہے۔ مسند امام احمد کی حدیث ہے جسے ابی واقد اللیثی نے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہم ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں ہمیں فاقہ کی نوبت آجاتی ہے تو ہمارے لئے مردار کا کھانا وہاں کب جائز ہو جاتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تمہیں صبح کو کچھ نہ ملے، شام کو کچھ نہ ملے اور نہ کوئی سبزی ملے تو تم اسے تناول کر سکتے ہو'' (1)۔ ابن عون فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی ایک کتاب دیکھی جسے میں انہیں پڑھ کر سناتا تھا اس میں یہ لکھا تھا کہ صبح وشام کچھ نہ ملنا اضطرار ہے۔ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ حرام کھانا کب حلال ہوتا ہے؟ فرمایا: جب تک تو اپنے اہل وعیال کو دودھ سے سیر نہ کر سکے اور جب تک ان کی خوراک نہ آجائے۔''

ایک اعرابی حلال وحرام کے متعلق فتویٰ لینے کے لئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں اور تمام خبیث چیزیں تمہارے لئے حرام ہیں، ہاں صرف ضرورت کے وقت تم ان میں سے کھا سکتے ہو حتیٰ کہ ان سے بے نیاز ہو جاؤ'' اس آدمی نے پوچھا کہ وہ ضرورت کیا ہے جس میں وہ حرام چیز میرے لئے حلال ہو جائے گی اور وہ غناء (بے نیازی) کیا ہے جو مجھے حرام سے بے نیاز کردے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم غناء کے خواہش مند ہو تو جو میسر آئے اپنے گھر والوں کو کھلاؤ یہاں تک کہ اس کی ضرورت نہ رہے''۔ اس نے پھر پوچھا کہ وہ غناء کیا ہے جس کے باعث میں حرام کھانے کو ترک کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو اپنے بال بچوں کو رات کے وقت دودھ سے سیر کردے تو حرام چیز سے پرہیز کر'' (2)۔

حضرت فجیع عامری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ مردار میں سے کیا ہمارے لئے حلال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! تمہارا کھانا کیا ہے؟ ہم نے کہا: صبح ایک پیالہ دودھ کا اور ایک پیالہ شام کو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بس یہی ہے اور کونسی بھوک ہو گی؟'' اور اس حالت میں انہیں مردار کھانے کی اجازت دے دی (3)۔ معاملہ یوں تھا کہ صبح وشام ایک ایک پیالہ ان کے لئے ناکافی تھا اس لئے بھوک مٹانے کے لئے انہیں اجازت دے دی کہ وہ پیٹ بھر کر کھا سکتے ہیں۔ اسی سے بعض حضرات نے دلیل پکڑی ہے جو اضطراری حالت میں پیٹ بھر کر مردار کا کھانا جائز سمجھتے ہیں اور صرف جان بچانے کے لئے تھوڑی سی مقدار کے ساتھ مقید نہیں کرتے۔

ابوداؤد کی ایک اور حدیث ہے کہ ایک آدمی اپنے اہل وعیال سمیت حرہ میں آکر ٹھہرا، کسی آدمی نے اس سے کہا کہ میری اونٹنی گم ہوگئی ہے، اگر تمہیں مل جائے تو اسے پکڑ لینا۔ یہ اونٹنی تو اسے مل گئی لیکن اس کا مالک نہ ملا۔ اونٹنی بیمار ہوگئی تو اس شخص کی بیوی نے کہا کہ اسے ذبح کردو لیکن اس نے انکار کردیا حتیٰ کہ اونٹنی مرگئی۔ اب اس کی بیوی نے کہا کہ اس کی کھال اتاردو، اس کی چربی اور گوشت کے ٹکڑے خشک کرکے رکھ لیں گے، یہ ہمارے کھانے کے کام آئیں گے۔ اس عورت کے خاوند نے کہا کہ جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت نہ

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 218 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 87 3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3، صفحہ 358-359

کرلوں ایسا نہیں کروں گا۔ چنانچہ وہ شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسئلہ پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہارے کھانے کو کچھ ہے جو تمہیں مستغنی کردے؟'' عرض کی: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر تم کھا سکتے ہو۔'' اس کے بعد اونٹنی کا مالک آ گیا تو اس نے اسے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ مالک نے اسے کہا کہ تم نے اونٹنی کو ذبح کیوں نہ کیا؟ اس آدمی نے جواب دیا کہ تیرے حیا کی وجہ سے ایسا نہ کیا(1)۔ اس حدیث سے وہ حضرات دلیل پکڑ سکتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ حالت اضطرار میں بھوکے شخص کے لئے مردار کا پیٹ بھر کر کھانا اور ضرورت کے لئے رکھ لینا جائز ہے۔

مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ حالت اضطرار میں حرام کا کھانا اس شخص کے لئے جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف میلان نہ رکھتا ہو۔ اس کے لئے اسے مباح قرار دے دیا اور دوسرے سے سکوت فرمایا جسے سورۂ بقرہ میں ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (البقرۃ:173)۔ ''لیکن جو مجبور ہو جائے درآنحالیکہ وہ نہ سرکش ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (بقدر ضرورت کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ بہت گناہ بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے''۔ اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نیت سے سفر کر رہا ہو تو اسے سفر کی رخصتوں میں سے کوئی رخصت حاصل نہیں ہوگی کیونکہ رخصتیں گناہوں سے حاصل نہیں ہوتیں۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ④

''پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا کیا حلال کیا گیا ہے ان کے لئے۔ آپ فرمائیے حلال کی گئی ہیں تمہارے لئے پاک چیزیں اور (شکار) ان کا سکھایا ہے تم نے جنہیں شکاری جانوروں سے شکار پکڑنے کی تعلیم دیتے ہوئے، تم سکھاتے ہو انہیں (وہ طریقہ) جو سکھایا ہے تمہیں اللہ نے۔ تو کھاؤ اس میں سے جسے پکڑے رکھیں تمہارے لئے اور لیا کرو اللہ کا نام اس جانور پر اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ بہت تیز ہے حساب لینے میں''۔

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبیث چیزوں کی حرمت کا ذکر کیا جو جسمانی، یا دینی یا دونوں اعتبار سے ضرر رساں ہیں۔ پھر ان میں سے ضرورت کی حالت میں استعمال کو مستثنیٰ قرار دے دیا جیسا کہ ارشاد ہے: وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْهِ ؕ (الانعام:119) ''حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مفصل بیان کر دیا ہے تمہارے لئے جو اس نے حرام کیا تم پر مگر وہ چیز کہ تم مجبور ہو جاؤ اس کی طرف''۔ حرام چیزوں کے ذکر کے بعد اب حلال چیزوں کا ذکر ہو رہا ہے فرمایا: یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ جس طرح سورۂ اعراف میں نبی کریم ﷺ کی یہ صفت بیان کی کہ آپ ﷺ ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔ عدی بن حاتم اور زید بن مہلہل رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مردار کو تو حرام قرار دے دیا ہے، اب حلال کیا ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی ذبح کئے ہوئے جانور حلال طیب ہیں۔ مقاتل کہتے ہیں کہ طیبات سے مراد ہر حلال رزق

1۔ سنن ابی داود، کتاب الاطعمۃ، جلد 3، صفحہ 358

ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے بطور دوا پیشاب پینے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ یہ طیبات میں سے نہیں ہے۔ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اس مٹی کو بیچنے کا کیا حکم ہے جسے لوگ کھاتے ہیں؟ فرمایا: وہ طیبات میں داخل نہیں۔

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ یعنی تمہارے وہ جانور بھی حلال ہیں جنہیں ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو اور پاکیزہ رزق بھی اور اسی طرح وہ شکار بھی جو تم شکاری جانوروں کے ذریعے کرتے ہو مثلاً سدھائے ہوئے کتے اور شکرے وغیرہ کے ذریعے۔ جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ کا یہی مسلک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ سے مراد سدھائے ہوئے کتے، باز، شکرے، چیتے وغیرہ اور ہر وہ پرندہ ہے جسے شکار کی تعلیم دی جا سکتی ہو۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے باز اور شکرہ کو جوارح میں شامل کیا ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ تمام شکاری پرندوں کا کیا ہوا شکار مکروہ سمجھتے تھے اور بطور دلیل یہ آیت پڑھتے: وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پرندوں میں سے باز وغیرہ جو شکار پکڑ لیں اگر وہ تمہیں زندہ مل جائے تو وہ تمہارا ہے، ذبح کر کے کھا لو ورنہ مت کھاؤ(1)۔ لیکن جمہور سے یہ منقول ہے کہ شکاری پرندوں کے ذریعے شکار، کتوں کے ذریعے کئے گئے شکار کی طرح ہے یعنی دونوں کا ایک ہی حکم ہے کیونکہ جس طرح کتا شکار کرتا ہے اسی طرح پرندے بھی اپنے پنجوں کے ساتھ شکار کرتے ہیں، اس لئے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ ائمہ اربعہ وغیر کا یہی مذہب ہے۔ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے باز کے کئے ہوئے شکار کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَكُلْ ''وہ جو پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے اسے کھا لو''(2)۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے سیاہ کتے کا کیا ہوا شکار مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا قتل کرنا واجب ہے اور اس کا پالنا بھی حرام ہے کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث ہے جسے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گدھا، عورت اور سیاہ کتا نماز کو توڑ دیتے ہیں'' میں نے عرض کی کہ سیاہ کتے کا سرخ سے کیا فرق ہے؟ فرمایا کہ سیاہ کتا شیطان ہے(3)۔ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا پھر فرمایا: ''انہیں کتوں سے کیا سروکار ان میں سے سخت سیاہ کتوں کو مار ڈالا کرو''(4)۔ جن جانوروں کے ذریعہ شکار کھیلا جاتا ہے ان کو جوارح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ ''جرح'' سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے کسب اور کمائی۔ عربوں کا قول ہے: ''فَلَانٌ جَرَحَ اَهْلَهٗ خَيْرًا''، یعنی فلاں نے اپنے گھر والوں کی بھلائی حاصل کی۔ اسی طرح کہتے ہیں: ''فَلَانٌ لَا جَارِحَ لَهٗ''، یعنی فلاں کا کوئی کمانے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ (الانعام:60)۔ ''اور وہ جانتا ہے جو کمایا تم نے دن کو''۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتوں کو مارنے کا حکم دے دیا۔ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! جس امت کو آپ ﷺ نے قتل کرنے کا حکم دیا ہے ان سے ہمارے لئے کیا حلال ہے؟ آپ ﷺ خاموش رہے تو یہ آیت اتری: يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ...... حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی اپنے کتے کو چھوڑے اور بسم اللہ پڑھ لے تو جو وہ شکار پکڑ کر اس کے پاس لائے اسے کھا سکتا ہے جب تک اس نے نہ کھایا ہو''۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبریل امین نے نبی کریم ﷺ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 90
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 91
3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 191۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، صفحہ 365
4۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، صفحہ 1200-1201

سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی لیکن پھر بھی وہ داخل نہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ داخل کیوں نہیں ہوتے ہم تو تمہیں اجازت دے چکے۔ جبریل نے کہا: ہاں لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو۔ ابو رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے مدینہ کے تمام کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دے دیا۔ میں تمام کتوں کو قتل کرنے لگا یہاں تک کہ ایک عورت کے پاس پہنچا، اس کا ایک کتا تھا جو اس کے سامنے فریاد کناں ہو کر بھونکنے لگا، مجھے اس پر ترس آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ پھر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری بات بتادی۔ آپ ﷺ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا، میں نے حکم کی تعمیل کی اور اسے بھی قتل کر دیا۔ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! جس امت کے قتل کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے اس کا کوئی فائدہ ہمارے لئے حلال بھی ہے؟ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے تو اس وقت مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ مدینہ کے کتوں کو مارنے کے بعد آس پاس کی بستیوں تک پہنچ گئے تو عاصم بن عدی، سعد بن خیثمہ اور عویم بن ساعدہ حاضر ہوئے اور عرض کی! یا رسول اللہ ﷺ! کیا ان کا کوئی فائدہ حلال ہے؟ تو اس وقت یہ آیت اتری (1)۔ محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول قتل کلاب ہے۔

مُکَلِّبِیْنَ یہ ''عَلَّمْتُمْ'' کی ضمیر فاعل سے بھی حال بن سکتا ہے اور مفعول (الْجَوَارِحِ) سے بھی یعنی جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو اس حال میں کہ انہیں شکار کی تعلیم دی گئی ہو کہ وہ اپنے پنجوں اور ناخنوں سے شکار کریں۔ اس سے بھی یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ جب شکاری جانور شکار کو اپنے صدمہ سے ہی مار ڈالے نہ کہ پنجے اور ناخن سے تو وہ حلال نہیں ہوگا جس طرح کہ علماء کی ایک جماعت کا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دو میں سے ایک قول ہے، اسی لئے فرمایا: تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ یعنی جب اسے چھوڑو تو جائے اور جب اسے شکار پر اکساؤ تو اس کی طرف بھاگ پڑے اور جب شکار کر لے تو اسے پکڑ کر مالک کے پاس لے آئے، اپنے لئے نہ پکڑ رکھے اسی لئے فرمایا: فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ جب شکاری جانور سدھایا ہوا ہو اور شکار کو پکڑ کر اپنے مالک کے پاس لائے اور اسے چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی ہو تو بالاجماع شکار حلال ہے، اگرچہ وہ اسے مار ڈالے۔ اس آیت کریمہ کی تائید میں صحیحین کی ایک حدیث ہے جو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ علیہ سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں سدھائے ہوئے کتوں کو شکار پر چھوڑتا ہوں اور چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لیتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑے تو جو وہ پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے اسے کھالو'' میں نے عرض کی: اگرچہ کتے اسے مار ڈالیں؟ فرمایا: اگرچہ مار ڈالیں بشرطیکہ کوئی اجنبی کتا ان کے ساتھ شریک نہ ہوا ہو کیونکہ تم نے اپنا کتا چھوڑتے وقت تو بسم اللہ پڑھ لی تھی لیکن دوسرے کتے پر نہیں پڑھی تھی۔'' میں نے عرض کی کہ میں نوکدار لکڑی کے ساتھ شکار کھیلتا ہوں؟ فرمایا: ''اگر تو اسے پھینکے اور یہ زخمی کر دے تو کھالے، اور اگر چوڑائی کی جانب سے لگے تو یہ جانور چوٹ لگے جانور کے حکم میں ہے اسے مت کھاؤ''(2) دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں: ''جب تو اپنے کتے کو بسم اللہ کہہ کر چھوڑے اور وہ شکار پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے اگر تو اس کو زندہ پائے تو ذبح کر لے اور اگر مرا ہوا پائے اور کتے نے اس میں سے نہ کھایا ہو تو کھالے، کیونکہ کتے کا پکڑنا ذبح کرنے کے مترادف ہے''(2)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''اگر وہ کھا

1۔ مستدرک امام حاکم، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 2، صفحہ 311

2۔ فتح الباری، کتاب الذبائح والصید، جلد 9، صفحہ 604,603,598۔ صحیح مسلم، کتاب الصید، صفحہ 1529-1531

لے تو تو نہ کھا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اس نے اپنے لئے شکار پکڑا ہوگا''۔ یہ جمہور کی دلیل ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی صحیح مذہب یہی ہے وہ یہ کہ اگر کتا شکار میں سے کھالے تو شکار مطلقاً حرام ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ سلف کی ایک جماعت سے یہ منقول ہے کہ یہ شکار مطلقاً حرام نہیں ہوتا۔

اس مسئلہ کے متعلقہ آثار

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تم (اس شکار میں سے) کھاؤ اگرچہ کتے نے اس کا دوتہائی حصہ کھا لیا ہو۔ قاسم بن سلیمان رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اس شکار کے متعلق دریافت کیا گیا جس میں سے کتے نے کھا لیا ہو تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کھاؤ اگرچہ اس کا ایک ٹکڑا ہی باقی رہ گیا ہو(1)، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب تو اپنے کتے کو چھوڑے اور وہ شکار میں سے کھالے، اگر تو اس نے دوتہائی کھایا اور ایک تہائی باقی رہ گیا تو اسے کھا سکتے ہو۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب تو اپنے سکھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑے اور بسم اللہ پڑھ لے تو جو شکار وہ تمہارے پاس لائے اسے کھا سکتے ہو، اس نے بذات خود اس میں سے کھایا ہو یا نہ کھایا ہو۔ تو یہ آثار ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ حضرات عطاء اور حسن بصری رحمہما اللہ سے مختلف اقوال مروی ہیں۔ زہری، ربیعہ، مالک رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قدیم قول بھی یہی ہے اور جدید میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی اپنے کتے کو شکار پر چھوڑے، پھر شکار کو ایسی حالت میں پائے کہ کتے نے اس میں سے کچھ کھا لیا ہے تو باقی ماندہ وہ کھا سکتا ہے۔'' ابن جریر کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند محل نظر ہے۔ اس کے راوی حضرت سعید بن میسب رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ دوسرے ثقہ راوی اسے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا قول سمجھ کر روایت کرتے ہیں(2)۔ ابن جریر کا یہ کہنا درست ہے لیکن اور متعدد روایات سے اس معنیٰ کی تائید ہوتی ہے۔ ایک اعرابی ابو ثعلبہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس شکار کے سکھائے ہوئے کتے ہیں ان کے شکار کے بارے میں مجھے فتویٰ دیجئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمہارے پاس سدھائے ہوئے کتے ہیں تو جو وہ پکڑ کر تمہارے پاس لے آئیں تم اسے کھا سکتے ہو۔'' اس نے عرض کی کہ ذبح کر سکوں یا ذبح نہ کر سکوں اور اگرچہ اس میں سے کتے نے کھا لیا ہو تو بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، اور اگرچہ کتے نے اس میں سے کھا لیا ہو'' اس نے دوبارہ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! تیر کمان کے ذریعے کئے گئے شکار کے بارے میں مجھے فتویٰ دیجئے فرمایا: ''اس کے ذریعہ جو تمہیں حاصل ہو اسے کھا سکتا ہے۔'' عرض کی کہ ذبح کر سکوں یا ذبح نہ کر سکوں پھر بھی؟ فرمایا: ''اگرچہ وہ غائب ہو جائے اور تلاش کرنے سے مل جائے بشرطیکہ کسی دوسرے شخص کے تیر کا نشان نہ ہو۔'' اس نے پھر سوال کیا کہ مجھے بوقت ضرورت مجوسیوں کے برتنوں کے استعمال سے متعلق فتویٰ عنایت فرمائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پہلے دھو لو پھر ان میں کھا پی سکتے ہو''(3)۔ اسی طرح ایک اور روایت حضرت ابی ثعلبہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو اللہ کا نام لے کر اپنے کتے کو چھوڑے تو اس کا شکار کھا سکتا ہے، اگرچہ اس نے اس میں سے کچھ کھا لیا ہو اور تیرا ہاتھ جس شکار کو تیرے لئے لایا ہو وہ بھی حلال ہے''(4)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 95
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 97
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصید، جلد 3، صفحہ 110-111
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 109

ان دونوں حدیثوں کی سندیں جید اور عمدہ ہیں۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارا شکاری کتا جو شکار پکڑ کر تمہارے پاس لائے اسے کھاؤ'' میں نے عرض کی کہ اگرچہ اس نے اس میں سے کچھ کھالیا ہو؟ فرمایا: ہاں۔ تو یہ آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اگرچہ شکاری کتے نے کچھ شکار کھالیا ہو پھر بھی باقی شکار شکاری کے لئے حلال ہے۔ کتے وغیرہ کے کھائے ہوئے شکار کو حرام نہ کہنے والے مندرجہ بالا روایات سے استدلال کرتے ہیں۔ چند دوسرے حضرات نے بین بین راہ اختیار کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ اگر شکار کرنے کے فوراً بعد وہ (کتا) کھانے لگ گیا تو وہ بقیہ حرام ہوگا جیسا کہ حدیث عدی بن حاتم میں ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے اس کی حرمت کی علت کی طرف بھی اشارہ فرمادیا تھا، حدیث یہ ہے: ''اگر وہ کھالے تو تم نہ کھاؤ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اس نے اپنے لئے شکار پکڑا ہے''۔ لیکن اگر کتا شکار کرنے کے بعد اپنے مالک کا انتظار کرتا رہا، کافی دیر انتظار کے بعد بھی وہ نہ آیا اور بھوک کی وجہ سے کتے نے اس شکار میں سے کچھ کھالیا تو بقیہ حرام نہیں ہوگا، اور انہوں نے ابوثعلبہ خشنی کی حدیث کو اسی پر محمول کیا ہے۔ یہ فرق بہت اچھا ہے، اس سے دونوں حدیثیں جمع ہو جاتی ہیں۔ استاد ابو المعالی الجوینی نے اپنی کتاب ''النہایۃ'' میں یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ کاش کوئی اس مسئلہ میں تفصیل اور تفریق کرے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش کو پورا کردیا اور بہت سے لوگوں نے یہ تفریق کی۔

بعض حضرات کا اس مسئلہ میں چوتھا قول بھی ہے کہ کتے کا کھایا ہوا شکار حرام ہے جیسا کہ حدیث عدی میں ہے، جبکہ شکرے وغیرہ کا کھایا ہوا شکار حرام نہیں کیونکہ وہ تو کھا کر ہی سیکھتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر تو شکاری پرندہ چھوڑے اور وہ شکار کو مار ڈالے تو اسے کھا سکتا ہے۔ اگر اس نے واپس آکر پر نوچے اور کچھ کھالیا تو بھی کوئی حرج نہیں، اس کو کھالو (1)۔ حضرت ابراہیم نخعی، شعبی اور حماد بن ابی سلیمان کا بھی یہی قول ہے۔

یہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرسکتے ہیں کہ انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم لوگ کتوں اور بازوں کے ذریعے شکار کھیلتے ہیں تو کیا یہ ہمارے لئے حلال ہے؟ فرمایا: ان شکاری جانوروں کا شکار تمہارے لئے حلال ہے جنہیں تم نے شکار کی تعلیم دی ہو، وہ طریقہ سکھاتے ہوئے جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے، کھاؤ اس میں سے جو وہ تمہارے پاس پکڑ لائیں اور اس پر اللہ کا نام ذکر کرو، پھر فرمایا کہ اگر تو اللہ کا نام لے کر کتا چھوڑے تو جو وہ پکڑ کر تمہارے پاس لائے اسے کھا سکتے ہو۔ میں نے عرض کی کہ اگرچہ اس نے مار ڈالا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگرچہ اس نے مار ڈالا ہو بشرطیکہ اس نے خود نہ کھایا ہو۔ میں نے پھر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اگرچہ ہمارے کتوں کے ساتھ دوسرے کتے مل گئے ہوں؟ فرمایا: یہ تسلی کئے بغیر کہ تمہارے کتے نے ہی شکار کیا ہے مت کھاؤ۔ میں نے عرض کی کہ ہم لوگ تیر کے ذریعے بھی شکار کرتے ہیں تو کیا یہ حلال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو نے اللہ کا نام لے کر تیر چھوڑا اور اس نے (شکار کو) زخمی کردیا تو اسے کھالے''۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کتے کے شکار کی حلت میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ خود نہ کھائے اور باز میں یہ شرط عائد نہیں کی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں کے حکم میں فرق ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ یعنی کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیں۔ کتے کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا شرط ہے جیسا کہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیثوں (جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) میں ہے۔ اسی لئے ائمہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ شکار کے لئے کتے کو چھوڑتے وقت اور تیر چلاتے وقت بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے۔ جمہور کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 93

اس آیت سے مراد شکاری جانور کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تو اپنے شکاری جانور کو چھوڑے تو بسم اللہ کہہ دے اور اگر بھول جائے تو کوئی حرج نہیں (1)۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھیں جس طرح صحیحین کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ربیب (سوتیلا بیٹا) عمرو بن ابی سلمہ کو کھانے کے آداب سکھاتے ہوئے فرمایا: ''اللہ کا نام لے، دائیں ہاتھ کے ساتھ اور اپنے سامنے سے کھاؤ'' (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کچھ نومسلم لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں، ہمیں نہیں معلوم ہوتا کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم بسم اللہ پڑھ کر کھالو'' (3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ ایک اعرابی آیا اور دو لقموں میں ہی سارا کھا گیا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سنو، اگر یہ بسم اللہ پڑھ لیتا تو یہ کھانا تم سب کے لئے کافی ہو جاتا۔ جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے لگے تو بسم اللہ پڑھ لیا کرے، اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو (جب یاد آ جائے) یہ کہے: بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلِهٖ وَ آخِرِهٖ (4)۔ ایک دوسری سند کے ساتھ یہ حدیث، امام احمد، ابوداؤد اور نسائی نے بھی روایت کی ہے، ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

جابر بن صبح بیان کرتے ہیں کہ میں نے مثنّٰی بن عبدالرحمٰن خزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ واسط کا سفر کیا۔ کھانا کھاتے وقت ان کا یہ معمول تھا کہ کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھتے لیکن آخری لقمہ لیتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ فِیْ اَوَّلِهٖ وَ اٰخِرِهٖ کہتے۔ میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے دادا جان امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ (جو صحابی تھے) کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ ایک آدمی کھانا کھا رہا تھا اور نبی کریم ﷺ اسے دیکھ رہے تھے، اس نے بسم اللہ نہ پڑھی یہاں تک کہ جب وہ آخری لقمہ کھانے لگا تو اس نے کہا: بِسْمِ اللّٰهِ فِیْ اَوَّلِهٖ وَ اٰخِرِهٖ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! شیطان اس کے ساتھ مل کر کھاتا رہا، جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان نے قے کر کے سارا کھانا پیٹ سے نکال دیا'' (5)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کی معیت میں کھانا کھاتے تو ہم اس وقت تک اپنے ہاتھ کھانے میں نہیں ڈالتے تھے جب تک کہ رسول اللہ ﷺ آغاز نہ فرماتے اور ہاتھ نہ ڈالتے۔ ایک مرتبہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک لڑکی گرتی پڑتی آئی جیسے اسے دھکا دیا جا رہا ہو۔ آتے ہی اس نے اپنا ہاتھ کھانے میں ڈال دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، اسی طرح ایک اعرابی آیا گویا کہ اسے کوئی دھکا دے رہا ہو، اس نے بھی کھانے میں ہاتھ ڈالنا چاہا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب کسی کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو شیطان اس کھانے کو اپنے لئے حلال کر لیتا ہے۔ وہ پہلے تو اس لڑکی کو لایا تاکہ اس کے ذریعے کھانے کو اپنے لئے حلال کر لے لیکن میں نے اس (لڑکی) کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر اس اعرابی کو لے آیا تاکہ اس کے ذریعے کھانا حلال کر لے، میں نے اس کا ہاتھ بھی تھام لیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھوں کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے'' (6)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے اور داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لیتا ہے تو شیطان (اپنے چیلوں سے) کہتا ہے کہ یہاں تمہارے لئے نہ رات گزارنے

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 99
2۔ فتح الباری، کتاب الاطعمۃ، جلد 9، صفحہ 521، صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، صفحہ 1599
3۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 379
4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، صفحہ 1086
5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3، صفحہ 347-348
6۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، صفحہ 1597

کی جگہ ہے اور نہ رات کا کھانا، اور جب وہ گھر میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھتا تو شیطان کہتا ہے کہ تمہیں رات گزارنے کی جگہ مل گئی اور جب کھانا کھاتے وقت بسم اللہ نہ پڑھے تو شیطان کہتا ہے کہ تمہیں رات گزارنے کی جگہ بھی مل گئی اور رات کا کھانا بھی''(1)۔

ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:'' شاید تم الگ الگ کھاتے ہو، کھانا مل کر کھاؤ اور بسم اللہ پڑھ لیا کرو، اس میں (اللہ کی طرف سے) تمہارے لئے برکت ڈال دی جائے گی''(2)۔

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ ۪ وَ طَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَ لَا مُتَّخِذِیْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَ مَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

'' آج حلال کر دی گئیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں اور کھانا ان لوگوں کا جنہیں دی گئی کتاب حلال ہے تمہارے لئے اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لئے اور (حلال ہیں) پاک دامن مومن عورتیں اور پاکدامن عورتیں ان لوگوں کی جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے جب دے دو تم انہیں مہران کے پاکباز بنتے ہوئے نہ بدکاری کرتے ہوئے اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہوئے اور جو انکار کرتا ہے ایمان کا تو بس ضائع ہو گیا اس کا عمل اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا۔''

حلال وحرام کی وضاحت کے بعد بطور نتیجہ فرمایا کہ آج تمہارے لئے تمام صاف ستھری اور پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں، پھر یہود ونصاریٰ کے ذبح کئے ہوئے جانوروں (کی حلت) کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابوامامہ، مجاہد، ابن جبیر، عکرمہ، عطاء، حسن، مکحول، ابراہیم نخعی، سدی اور مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ طعام سے مراد، یہود ونصاریٰ کے ذبح کئے ہوئے جانور ہیں۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان کے ہاتھوں ذبح شدہ جانور مسلمانوں کے لئے حلال ہیں کیونکہ وہ بھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا حرام سمجھتے ہیں اور ذبح کے وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کا نام نہیں لیتے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ ایسا عقیدہ رکھتے ہیں جو سراسر باطل ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے منزہ اور پاک ہے۔

صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خیبر کے موقعہ پر چربی سے بھری ہوئی ایک مشک میرے ہاتھ لگ گئی، میں نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا اور کہا کہ میں آج اس میں سے کسی کو نہیں دوں گا، ادھر متوجہ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ (پاس کھڑے) مسکرا رہے ہیں(3)۔ اس روایت سے فقہاء نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کھانے پینے اور اس قسم کی دوسری چیزیں لینا جائز ہے۔ یہ استدلال واضح ہے۔ اسی روایت سے فقہائے احناف، شوافع اور حنابلہ نے مالکیوں کے خلاف استدلال کیا ہے جو (مالکی) مسلمانوں کے لئے اس چیز کا کھانا ممنوع قرار دیتے ہیں جو یہودی اپنے عقیدہ کے مطابق حرام سمجھتے ہیں مثلاً چربی، یہودی اسے اپنے اوپر حرام سمجھتے ہیں اس لئے اصحاب مالک رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے لئے بھی اس کا کھانا جائز قرار نہیں دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ اور یہ (چربی) ان کے کھانے میں سے ہے ہی

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3، صفحہ 347، صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، صفحہ 1598
3۔ سنن ابی داؤد کتاب الاطعمۃ، جلد 3، صفحہ 346
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 65، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، صفحہ 1393

نہیں۔ لیکن جمہور نے مذکورہ روایت سے دلیل پکڑی ہے کہ وہاں ایک مسلمان چربی لے رہا ہے، حضور ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ لیکن یہ استدلال محل نظر ہے، کیونکہ یہ ایک شخصی واقعہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایسی چربی ہو جسے یہودی خود بھی حلال سمجھتے ہوں جیسے پشت کی چربی اور آنتوں وغیرہ کے ساتھ چمٹی ہوئی چربی۔ لیکن اس سے بہتر دلیل ایک اور روایت ہے کہ اہل خیبر نے بھنی ہوئی ایک بکری رسول اللہ ﷺ کو بطور تحفہ بھیجی جس کے شانے کو انہوں نے زہر آلود کر دیا تھا اور (انہیں بھی معلوم تھا کہ) شانے کا گوشت آپ ﷺ کو بہت پسند تھا۔ چنانچہ یہی گوشت لے کر جب آپ ﷺ نے دانتوں سے توڑا تو (بحکم الٰہی) اس شانے نے آپ ﷺ کو بتایا کہ میں زہر آلود ہوں، تو آپ ﷺ نے اسے پھینک دیا اور اس کا اثر آپ ﷺ کے سامنے کے دانتوں اور شہ رگ میں رہ گیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے وہ گوشت کھالیا جس سے ان کی وفات ہوگئی۔ زہر ملانے والی یہودن جس کا نام زینب تھا اسے قتل کر دیا کیونکہ وہ حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی قاتلہ تھی(1)۔ اس میں وجہ دلالت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے ساتھیوں سمیت اس گوشت کے کھانے کا عزم کر لیا اور یہودیوں سے یہ نہیں پوچھا کہ جس چربی وغیرہ کی حرمت کا تم عقیدہ رکھتے ہو اسے نکالا بھی ہے یا نہیں۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ ایک یہودی نے آپ ﷺ کی دعوت کی اور دعوت میں جو کی روٹی اور پرانی خشک چربی پیش کی (2)۔

حضرت مکحول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے وہ کھانا حرام قرار دے دیا جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، پھر اس حکم کو منسوخ کر کے اہل کتاب کا ذبیحہ حلال قرار دے دیا گیا۔ مکحول رضی اللہ عنہ کا یہ قول محل نظر ہے، کیونکہ اہل کتاب کے ذبیحہ کے مباح ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہر وہ جانور حلال ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو کیونکہ وہ (اہل کتاب) اپنے جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیتے تھے اور وہ اس کے مکلّف تھے، لہٰذا ان کے علاوہ مشرکین وغیرہ کے ذبیحہ جانور مباح نہیں ہوں گے کیونکہ وہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔ وہ ذبیحہ جانوروں پر ہی موقوف نہیں تھے بلکہ مردار بھی کھا جاتے تھے بخلاف اہل کتاب کے۔ اسی طرح جو مشرکین کے مشابہ تھے یعنی سامرہ، صائبہ، دین ابراہیم وشیث وغیرہ کے پیروکار اور عرب کے نصاریٰ جیسے بنی تغلب، تنوخ، بہرا، جذام، لخم، عاملہ اور ان جیسے دوسرے، جمہور کے نزدیک ان کے ہاتھ کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی تغلب کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور نہ کھاؤ کیونکہ وہ شراب نوشی کے لئے نصرانیت کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں(3)۔ متعدد خلف اور سلف کا یہی قول ہے۔ لیکن حضرات سعید بن مسیب اور حسن بصری رحمہما اللہ قبیلہ بنو تغلب کے ہاتھ کے ذبیحہ کو کھا لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے (3)۔ جہاں تک مجوسیوں کا تعلق ہے اگرچہ انہیں اہل کتاب کے ساتھ لاحق کر کے ان سے جزیہ وصول کیا گیا ہے لیکن نہ ان کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کو کھانا جائز ہے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ لیکن اصحاب شافعی و احمد میں سے ابوثور ابراہیم بن خالد کلبی اس کے خلاف ہیں۔ انہوں نے جب یہ بات کہی اور یہ بات لوگوں میں شہرت پکڑ گئی تو فقہاء نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اس کی تردید کی۔ جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو علم ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں ابوثور (بیل کا باپ) اپنے نام کی طرح ہے۔ شاید ابوثور نے اس حدیث کے عموم سے حجت پکڑی ہو جس میں نبی کریم ﷺ نے مجوسیوں کے بارے میں فرمایا: سُنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ(4)۔ کہ ان کے ساتھ بھی اہل کتاب کا سا طریقہ برتو۔ لیکن یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، جلد 4، صفحہ 173　2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 210-211　3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 101

4۔ مؤطا امام مالک، کتاب الزکاۃ، صفحہ 278

ثابت ہی نہیں۔ صحیح بخاری میں صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا(1)۔ اگر بالفرض ابوثور کی پیش کردہ حدیث کو صحیح بھی مان لیں تو بھی اس کا عموم اس آیت: وَطَعَامُ الَّذِينَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ سے مخصوص ہو جائے گا اور اس آیت کا مفہوم مخالف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہل کتاب کے علاوہ باقی سب اہل ادیان کا ذبیحہ ہمارے لئے حرام ہوگا۔

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ یعنی اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لئے۔ یہ اس بات کی خبر نہیں کہ ان کے دین میں تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے۔ ہاں صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ انہیں بھی یہ حکم تھا کہ وہ بھی اس جانور کا گوشت کھائیں جسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو خواہ ذبح کرنے والا انہی کی ملت میں سے ہو یا کسی اور ملت میں سے، لیکن پہلی بات زیادہ واضح ہے کہ تمہیں اجازت ہے کہ انہیں اپنے ذبیح کھلاؤ جس طرح ان کے ذبیح تم کھا لیتے ہو۔ یہ گویا بدلے، جزا اور مقابلہ کے طور پر ہے، جس طرح نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن ابی بن سلول (رئیس المنافقین) کو جب وہ مر گیا، اپنا کرتا بطور کفن پہنایا اور اسی میں اسے دفنایا گیا، علماء نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ (حضور کے چچا) مدینہ میں آئے تھے تو اس نے آپ کو اپنا کرتا پہنایا تھا تو حضور ﷺ نے بدلے کے طور پر اسے اپنا کرتا دیا۔ البتہ وہ حدیث جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”مؤمن کے سوا کسی کے ساتھ ہم نشینی نہ کرو اور متقی کے سوا کوئی تمہارا کھانا نہ کھائے“ (2)۔ اسے استحباب اور افضلیت پر محمول کیا جائے گا۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ پاکدامن آزاد مؤمن عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا تمہارے لئے حلال ہے۔ یہ مابعد کیلئے تمہید ہے، اسی لئے بعد میں فرمایا: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِينَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ بعض نے کہا ہے کہ ”مُحْصَنٰتُ“ سے مراد صرف آزاد عورتیں ہیں نہ کہ لونڈیاں۔ یہ مجاہد کا قول ہے(3)۔ ان کے اس قول میں یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے وہی مراد لیا ہو جو ان سے منقول ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ”مُحْصَنٰتُ“ سے مراد آزاد پاکدامن عورتیں لیتے ہوں۔ جس طرح ان سے منقول ایک دوسری روایت میں آتا ہے(4) اور یہی جمہور کا قول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے تاکہ ایسا نہ ہو جائے کہ ذمیہ ہونے کے ساتھ ساتھ اگر وہ غیر عفیفہ بھی ہو تو خاوند کا معاملہ ہی تلپٹ ہو جائے اور ایسی عورت مسلمان خاوند کے لئے وجہ فساد بن جائے اور خاوند کو ”اَحَشَفًا وَّسُوْءَ كَيْلَةٍ“ کے مصداق دوہری مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔ چنانچہ آیت کے ظاہر سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ”مُحْصَنٰتُ“ سے مراد وہ عفت مآب عورتیں ہیں جو زنا سے پاکدامن ہوں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ (النساء:25)۔ ”وہ پاکدامن بن جائیں نہ (اعلانیہ) زنا کار اور نہ بنانے والی ہوں پوشیدہ دوست“ پھر مفسرین اور علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ آیت ہر کتابیہ عفیفہ کو شامل ہے خواہ آزاد ہو یا لونڈی؟ ابن جریر نے سلف کی اس جماعت سے یہ قول نقل کیا ہے جو محصنة سے مراد پاکدامن عورت لیتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مراد اسرائیلی عورتیں ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے، بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ذمی عورتیں ہیں نہ کہ حربی۔ کیونکہ ارشاد ہے: قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (توبہ:29)۔ ”جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر“۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نصرانی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ اس سے بڑھ کر اور شرک کیا ہو سکتا ہے کہ نصرانیہ یہ کہے کہ اس کا رب عیسیٰ ہے۔ تو جب یہ مشرک ٹھہریں تو قرآن کریم کے مطابق مشرک عورتوں سے نکاح جائز نہیں،

1۔ فتح الباری، کتاب الجزیۃ، جلد 6 صفحہ 257 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 38

3۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 104 4۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 105

فرمایا: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (بقرہ:221)۔ ''اور نہ نکاح کرو مشرک عورتوں کے ساتھ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں''۔

حضرت ابو مالک غفاری سے مروی ہے کہ جب یہ فرمان نازل ہو: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ تو صحابہ مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح سے رک گئے یہاں تک کہ اس کے بعد یہ آیت اتری۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ تو صحابہ رضی اللہ عنہم کتابی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے لگے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے نصرانی عورتوں سے شادی کی تھی اور وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کیونکہ اس آیت میں جواز نکاح کی دلیل موجود ہے اور وہ اس آیت کو سورہ بقرہ والی آیت وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ کے لئے مخصص سمجھتے تھے۔ یہ بات اس وقت ہے جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ کتابیات بھی پہلے مشرکات کے حکم میں داخل تھیں ورنہ ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ متعدد مقامات پر اہل کتاب کا ذکر مشرکین سے الگ ہوا جیسا کہ فرمان ہے: لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ (البینۃ:1)۔ ''جن لوگوں نے اہل کتاب میں سے کفر کیا (وہ) اور مشرکین (کفار سے) الگ ہونے والے نہ تھے جب تک کہ نہ آجائے ان کے پاس ایک روشن دلیل''۔ اور فرمایا: وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا (آل عمران:20)۔ ''اور کہیے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی اور ان پڑھوں سے کہ کیا تم اسلام لائے پس اگر وہ اسلام لے آئیں تو وہ ہدایت پا گئے''۔

اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ یعنی جس طرح وہ پاکدامن ہیں، انہوں نے اپنے گوہر عصمت کی حفاظت کی اسی طرح تم بھی رضامندی کے ساتھ ان کے مہر ادا کرو۔ حضرات جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، عامر بن شعبی رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا کہ اگر کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ نکاح کرلے لیکن دخول سے پہلے وہ عورت زنا کا ارتکاب کرلے تو دونوں میاں بیوی کے درمیان تفریق کردی جائے گی اور عورت کو دیا ہوا مہر واپس لیکر خاوند کو لوٹا دیا جائے گا۔

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ جس طرح عورتوں میں پاکیزگی اور پاکدامنی کی شرط لگائی اسی طرح مردوں میں بھی یہ شرط عائد کی کہ وہ بھی پاکدامن ہوں، بدکار نہ ہوں اور نہ ہی چوری چھپے عشق لڑاتے رہیں۔ مُسَافِحِيْنَ سے مراد زانی ہیں جو معصیت سے باز نہیں آتے اور جو بھی ان کے ہاتھ چڑھ جائے اس سے مطلب برآری کرلیتے ہیں۔ ''مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ'' سے مراد وہ بدکردار ہیں جنہوں نے چوری چھپے آشنا اور معشوقائیں بنا رکھی ہوں صرف ان کے ساتھ ہی یہ حرام کاری کرتے ہیں جس طرح سورۃ نساء میں گزرا۔(1)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زانیہ عورت کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہے جب تک وہ توبہ نہ کرے، اور ایسی عورت کو کسی پاکدامن مرد کے نکاح میں دینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح بدکار مرد کا عقد کسی پاکدامن عورت سے جائز نہیں جب تک وہ توبہ کرکے زنا سے باز نہ آجائے۔ ان کی دلیل آیت کریمہ کے علاوہ یہ حدیث بھی ہے: ''کوڑوں کا سزا یافتہ زانی اپنے مثل سے ہی نکاح کرسکتا ہے''(2)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں کسی بدکار مسلمان کو پاکدامن عورت سے نکاح نہ کرنے دوں، تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ شرک تو اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور مشرک جب توبہ کرلے تو قبول کرلی جاتی ہے(3)۔

ہم اس مسئلہ کی پوری وضاحت اس آیت کریمہ کے تحت کریں گے: اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ

1۔ سورۃ نساء، کی آیت: 25 کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ 2۔ سنن ابی داؤد کتاب النکاح، جلد 2، صفحہ 221، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 324

3۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 105

مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (النور: 3) ''زانی شادی نہیں کرتا مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ اور زانیہ نہیں نکاح کرتا اس کے ساتھ مگر زانی یا مشرک۔ اور حرام کر دیا گیا ہے یہ اہل ایمان پر۔''

اسی لئے یہاں فرمایا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! جب تم اٹھو نماز ادا کرنے کے لئے تو (پہلے) دھو لو اپنے چہرے اور اپنے بازو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں پر اور دھو لو اپنے پاؤں ٹخنوں تک اور اگر ہو تم جنبی تو (سارا بدن) پاک کر لو اور اگر ہو تم بیمار یا سفر پر یا آئے کوئی تم میں سے قضاء حاجت کے بعد یا صحبت کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پاؤ تم پانی تو تیمّم کرو پاک مٹی سے یعنی مسح کر لو اپنے چہروں اور اپنے بازوؤں پر اس سے نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ کہ رکھے تم پر کچھ تنگی بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ خوب پاک صاف کرے تمہیں اور پوری کر دے اپنی نعمت تم پر تاکہ تم شکر یہ ادا کرتے رہو''۔

اکثر سلف کہتے ہیں کہ نماز کیلئے حکم وضو اس وقت ہے جب آدمی کو حدث لاحق ہو جائے یعنی بے وضو ہو۔ کچھ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم اٹھو نماز ادا کرنے کے لئے تو (پہلے) دھو لو۔ یہ دونوں اقوال قریب قریب ہیں۔ جبکہ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ آیت کا حکم عام ہے۔ اس میں نماز کے ارادہ کے وقت وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بے وضو کے حق میں وضو کرنے کا حکم واجب ہے جبکہ باوضو کیلئے مستحب۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ابتدائے اسلام میں ہر نماز کے لئے وضو کرنا واجب تھا پھر یہ منسوخ ہو گیا۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کیا کرتے، فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے وضو کیا، خُفَّین (موزے) پر مسح کیا اور ایک ہی وضو کے ساتھ کئی نمازیں پڑھیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے وہ کام کیا ہے جو آپ پہلے نہیں کیا کرتے تھے۔ فرمایا: ''اے عمر! میں نے قصداً ایسا کیا ہے'' (1)۔

فضل بن مبشر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ ایک ہی وضو کے ساتھ کئی نمازیں پڑھ لیا کرتے تھے۔ جب پیشاب کرتے یا وضو ٹوٹ جاتا تو پھر تازہ وضو کرتے اور وضو کے بچے ہوئے پانی سے موزوں پر مسح کر لیا کرتے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ رضی اللہ عنہ یہ اپنی رائے سے کرتے ہیں؟ فرمایا: نہیں! بلکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے، میں اسی طرح کرتا ہوں جس طرح میں نے آپ ﷺ کو کرتے دیکھا ہے (2)۔

حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے پوچھا گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ صفحہ 232　2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 170

نماز کے لئے تازہ وضو کرتے ہیں خواہ باوضو ہوں یا بے وضو، یہ مسئلہ انہوں نے کس سے اخذ کیا ہے اور اس کی سند کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: انہیں حضرت اسماء بنت زید بن خطاب رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہیں غسیل ملائکہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ نے بتایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا خواہ پہلے سے وضو ہو یا نہ ہو۔ جب اس حکم سے ذرا مشقت محسوس ہوئی تو آپ ﷺ کو ہر نماز کے لئے (وضو کی بجائے) مسواک کرنے کا حکم ہوا ہاں وضو ٹوٹنے کی صورت میں تازہ وضو کا حکم تھا۔ اسی چیز کے پیش نظر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ یہ خیال کرتے تھے کہ ان میں ایسا کرنے کی قوت ہے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے اور وفات تک یہ معمول رہا(1)۔ ہر نماز کے لئے مکمل وضو کرنے کا آپ رضی اللہ عنہ کا معمول استحباب پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہر نماز کے لئے وضو کیا کرتے تھے(2)۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرتے اور یہ آیت پڑھتے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ۔ نزال بن سبرہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز ادا کی، پھر صحن میں لوگوں کے مجمع میں بیٹھ گئے، پھر پانی لایا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے منہ ہاتھ دھوئے، پھر سر اور پاؤں کا مسح کیا اور فرمایا کہ یہ اس شخص کا وضو ہے جسے حدث لاحق نہ ہوا ہو۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے مٹکے سے تھوڑا سا پانی لیکر مختصر سا وضو کیا اور مذکورہ بات فرمائی۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے خفیف سا وضو کیا اور فرمایا: یہ اس شخص کا وضو ہے جو بے وضو نہیں ہوا۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ بغیر حدث کے وضو کرنا زیادتی ہے، غریب ہے، اسے اس شخص پر محمول کیا جائے گا جو اسے واجب خیال کرتا ہو، واجب سمجھنے والا واقعی زیادتی کرنے والا ہے لیکن اس کا استحباب حدیث سے ثابت ہے، عمرو بن عامر انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ ہر نماز کے وقت وضو کیا کرتے تھے، میں نے پوچھا کہ تم لوگ کیا کرتے تھے؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک وضو نہ ٹوٹتا ہم ایک ہی وضو کے ساتھ کئی نمازیں پڑھ لیا کرتے تھے(3)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص وضو پر وضو کرے اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں“ (4)۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ یہ آیت اس بات پر آگاہ کرتی ہے کہ وضو صرف نماز کے وقت ہی واجب ہے، کوئی اور کام کرتے وقت واجب نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا جب وضو ٹوٹ جاتا تو کوئی کام نہ کرتے جب تک وضو نہ کر لیتے۔ ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ حضور ﷺ جب پیشاب کرنا چاہتے تو نہ ہم آپ ﷺ سے کلام کرتے اور نہ آپ ﷺ ہم سے، نہ ہم آپ ﷺ کو سلام کہتے اور نہ آپ ﷺ ہمیں سلام کا جواب دیتے حتیٰ کہ آیت رخصت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ نازل ہوئی۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء سے نکلے۔ آپ ﷺ

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 12-13
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 112
3۔ فتح الباری، کتاب الوضوء، جلد 1، صفحہ 315
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 16

کے سامنے کھانا لایا گیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ کیا ہم وضو کے لئے پانی نہ لائیں؟ فرمایا: ''مجھے وضو کا حکم صرف اس وقت دیا گیا ہے جب نماز کا ارادہ ہو'' (1)۔ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ ﷺ قضائے حاجت کے لئے گئے، واپس لوٹے تو کھانا پیش کیا گیا اور عرض کی گئی: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ وضو نہیں فرمائیں گے؟ فرمایا: ''میں نے کوئی نماز نہیں پڑھنی کہ وضو کروں'' (2)۔

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ علماء کے ایک طائفہ نے آیت کریمہ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ سے وضو میں وجوب نیت پر استدلال کیا ہے کیونکہ تقدیر کلام یوں ہے۔ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ لَهَا یعنی جب تم اٹھو نماز ادا کرنے کے لئے تو (پہلے) دھولو اپنے چہرے'' جیسا کہ عربوں کا قول ہے: ''إِذَا رَأَيْتَ الْأَمِيرَ فَقُمْ'' یعنی ''فَقُمْ لَهُ'' (جب تو امیر کو دیکھے تو اس کے لئے کھڑا ہو جا)۔ صحیحین کی حدیث ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی (3)۔

منہ دھونے سے پہلے وضو میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے حدیث مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس شخص کا کوئی وضو نہیں جس نے اپنے وضو میں بسم اللہ نہ پڑھی'' (4)۔

ہاتھوں کو وضو کے برتن میں داخل کرنے سے پہلے دھو لینا بھی مستحب ہے۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد تو اس کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنے ہاتھ تین مرتبہ دھونے سے پہلے برتن میں نہ ڈالے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں کہاں رہا'' (5)

فقہاء کے نزدیک چہرہ کی حد طول میں سر کے بالوں کے اگنے کی جگہ سے لیکر جبڑوں اور ٹھوڑی کے آخر تک، گنجے پن اور لمبے پن کا کوئی اعتبار نہیں اور عرض میں ایک کان سے لیکر دوسرے کان تک۔ دونوں کنپٹیوں بالوں اور زلفوں کے بارے میں اختلاف ہے، ان کا تعلق سر کے ساتھ ہے یا منہ کے ساتھ؟ اسی طرح داڑھی کے لٹکتے ہوئے بالوں کا دھونا چہرہ دھونے کی فرضیت میں داخل ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ ان پر پانی بہانا واجب ہے کیونکہ چہرہ سامنے ہو تو اس کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو داڑھی ڈھانپے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ کپڑا ہٹادو کیونکہ داڑھی بھی چہرہ کا ہی حصہ ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ داڑھی منہ میں شامل ہے اس کی دلیل عربوں کا یہ قول ہے کہ جب بچے کی داڑھی نکل آئے تو کہتے ہیں: ''طَلَعَ وَجْهُهُ'' معلوم ہوا کہ عربوں کے ہاں داڑھی منہ کے حکم میں ہے۔ گھنی داڑھی کا خلال کرنا مستحب ہے۔ ابووائل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ منہ دھوتے وقت آپ رضی اللہ عنہ نے تین دفعہ اپنی داڑھی کا خلال کیا، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کرتے ہوئے دیکھا جو تم نے مجھے کرتے ہوئے دیکھا۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے اور بخاری نے حسن (6)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وضو فرماتے تو ایک چلو پانی لیکر ٹھوڑی کے نیچے سے داخل کرکے اپنی داڑھی کا خلال کرتے اور فرماتے کہ اسی طرح میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے (7)۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ داڑھی کے خلال

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 345 — 2۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 283 — 3۔ فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1، صفحہ 9
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 25 — 5۔ فتح الباری، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 263 — 6۔ عارضۃ الاحوذی، جلد 1، صفحہ 49۔ سنن ابن ماجہ، صفحہ 148
7۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 36

کے متعلق ہم نے حضرات عمار، عائشہ، ام سلمہ اور علی رضی اللہ عنہم سے روایات کی ہیں اور خلال لحیہ کے ترک کی رخصت حضرات ابن عمر، حسن بن علی رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے نخعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے مروی ہے۔

صحاح ستہ وغیرہ میں متعدد طرق سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب وضو کرتے تو کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے۔ ان دونوں کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ کیا یہ دونوں وضو اور غسل میں واجب ہیں یا مستحب؟ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ دونوں میں دونوں کو واجب قرار دیتے ہیں جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مستحب سمجھتے ہیں ان کی دلیل وہ حدیث ہے جسے اہل سنن نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحیح نماز نہ پڑھنے والے شخص سے کہا تھا کہ اس طرح وضو کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں غسل میں واجب ہیں اور وضو میں مستحب۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ناک میں پانی ڈالنا واجب ہے اور کلی کرنا مستحب، اس کی دلیل صحیحین کی حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو وضو کرے چاہئے کہ وہ ناک میں پانی ڈالے"۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے: "جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو وہ اپنے دونوں نتھنوں میں اچھی طرح پانی ڈالے" (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وضو کرنے لگے تو آپ رضی اللہ عنہ نے منہ دھویا، ایک چلو پانی لیکر کلی کی اور ناک صاف کیا، پھر ایک چلو پانی لیکر دوسرے ہاتھ کے ساتھ ملا کر منہ دھویا، پھر ایک چلو لیکر دایاں ہاتھ دھویا، پھر ایک چلو لیکر بایاں ہاتھ دھویا، پھر سر کا مسح کیا، پھر ایک چلو بھر کر دائیں پاؤں پر ڈال کر اسے دھویا، پھر پانی کا ایک چلو لیا، بائیں پاؤں پر ڈالا اور اسے دھویا، پھر فرمایا کہ اس طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے دیکھا ہے (2)۔

وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ "اِلٰی" بمعنی "مَعَ" ہے یعنی کہنیوں سمیت، اسی طرح مندرجہ ذیل آیت میں بھی اِلٰی بمعنی مَعَ ہے: "وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا (النساء: 2)۔" اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں سے ملا کر واقعی یہ بہت بڑا گناہ ہے"۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وضو کرتے تو اپنی کہنیوں پر پانی بہاتے تھے (3)۔ وضو کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ کہنیوں سے تجاوز کر کے آگے اپنے بازو کو بھی وضو میں دھولے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیحین کی یہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن میری امت آئے گی تو وضو کے اثرات سے ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں چمک رہے ہوں گے، پس تم میں سے جو اپنی چمک کو طویل کر سکتا ہے تو ضرور کرلے" (4)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے خلیل ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "مؤمن کو وہاں تک زیور پہنائے جائیں گے جہاں جہاں اس کے وضو کا پانی پہنچتا ہے" (5)۔

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ۔ بِرُءُوْسِكُمْ کی باء کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ الصاق (ملانا) کے لئے ہے اور یہ زیادہ واضح ہے یا تبعیض (بعضیت) کیلئے۔ تبعیض (بعض حصہ کے لئے ہونا) کے لئے کہنا محل نظر ہے۔ بعض علمائے اصول کہتے ہیں کہ اس آیت میں اجمال ہے

1۔ فتح الباری، کتاب الوضوء، جلد 1، صفحہ 262-263، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 212-213
2۔ فتح الباری، کتاب الوضوء، جلد 1، صفحہ 240-241، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 268
3۔ سنن دار قطنی، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 83
4۔ فتح الباری، کتاب الوضوء، جلد 1، صفحہ 235، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 216
5۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 219

جس کی وضاحت کے لئے حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ کیا آپ رضی اللہ عنہ ہمیں دکھا سکتے ہیں کہ کس طرح رسول اللہ ﷺ وضو فرمایا کرتے تھے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے وضو کے لئے پانی منگوایا۔ اپنے ہاتھوں پر پانی انڈیل کر انہیں دو دو مرتبہ دھویا، پھر تین تین دفعہ کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور تین دفعہ منہ دھویا، پھر دو مرتبہ ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے، پھر دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر کا مسح کیا۔ دونوں ہاتھ سر کے ابتدائی حصے سے گدی تک لے گئے، پھر وہاں سے اس جگہ تک لے آئے جہاں سے مسح کا آغاز کیا تھا پھر دونوں پاؤں دھوئے (1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی آپ ﷺ کے وضو کی کیفیت اسی طرح منقول ہے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے بھی آپ ﷺ کے وضو کا طریقہ مروی ہے (2)۔ ان احادیث میں ان حضرات کے لئے دلیل ہے جو پورے سر کے مسح کے وجوب کے قائل ہیں جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور ان حضرات کے لئے دلیل ہے جو گمان کرتے ہیں کہ آیت میں اجمال ہے اور ان احادیث نے وضاحت کر دی۔ احناف کا کہنا ہے کہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے یعنی پیشانی کے بالوں کی مقدار۔ اور ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ فرض مسح صرف اتنا ہے جس پر مسح کا اطلاق ہو جائے، اس کی کوئی حد مقرر نہیں اگر سر کے چند بالوں پر بھی مسح ہو گیا تو فرض پورا ہو گیا۔ دونوں فریقوں نے حدیث مغیرہ بن شعبہ سے دلیل پکڑی ہے کہ نبی کریم ﷺ پیچھے رہ گئے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ پیچھے رہ گیا جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو مجھے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں پانی کا لوٹا لے آیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اور منہ دھویا پھر آپ ﷺ اپنی کلائیوں سے کپڑا ہٹانے لگ گئے، جبہ کی آستین چونکہ تنگ تھی اس لئے جبہ کے نیچے سے اپنے دونوں ہاتھ باہر نکال لئے اور جبہ کندھوں پر ڈال لیا، پھر کلائیوں کو دھویا اور پیشانی کے بالوں پر مسح کیا، اسی طرح پگڑی اور موزوں پر بھی مسح کیا (3)۔ حنابلہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے صرف پیشانی کے بالوں کے مسح پر اکتفاء کیا اس لئے کہ آپ ﷺ نے باقی سر کا مسح پگڑی کے مسح کے ذریعے مکمل کر لیا۔ احادیث میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ آپ ﷺ پگڑی اور موزوں پر مسح کیا کرتے تھے، پس یہی اولیٰ ہے اور اس میں تمہارے موقف کی کوئی دلیل نہیں کہ پیشانی کے بالوں یا سر کے بعض حصے پر ہی مسح کرنا واجب ہے جبکہ اس کی تکمیل پگڑی پر نہ کی ہو۔

پھر علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا تین مرتبہ سر کے مسح کا تکرار کرنا مستحب ہے جس طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کا مذہب ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔

حمران بن ابان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے دیکھا، آپ رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ اپنے ہاتھوں پر پانی انڈیل کر انہیں دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر تین مرتبہ منہ دھویا پھر تین دفعہ دایاں ہاتھ کہنی سمیت دھویا پھر اسی طرح بایاں ہاتھ، پھر سر کا مسح کیا پھر تین مرتبہ دایاں پاؤں دھویا پھر اسی طرح بایاں پاؤں، پھر فرمایا کہ میں نے اس اپنے وضو کی طرح رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تھا، وضو کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا تھا: "جو میرے وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں پڑھے جن میں وہ اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں" (4)۔ ابوداؤد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے وضو کی جو

1۔ فتح الباری، کتاب الوضوء، جلد 1، صفحہ 289، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 210-211
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 31,30,27
3۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 230
4۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 59

کیفیت منقول ہے اس میں یہ ہے کہ سر کا مسح ایک مرتبہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

جو لوگ تین مرتبہ سر کے مسح کے تکرار کو مستحب قرار دیتے ہیں انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین تین بار اعضاء وضو کو دھویا (1)۔ اسی طرح حمران کی روایت میں ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا پھر اس طرح روایت کی اور اس میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا ذکر نہیں۔ اس روایت میں ہے کہ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ اپنے سر کا مسح کیا پھر تین دفعہ اپنے پاؤں دھوئے پھر فرمایا کہ میں نے اس طرح رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اس طرح وضو کیا اسے کافی ہے لیکن صحاح میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث سے تو صرف ایک بار سر کا مسح کرنا ثابت ہوتا ہے (2)۔

وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ یہ وُجُوْهَكُمْ اور اَيْدِيَكُمْ پر عطف کے باعث منصوب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی طرح پڑھتے تھے اور فرماتے کہ اس کا تعلق ''اِغْسِلُوْا'' کے ساتھ ہے۔ حضرات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عروہ رحمۃ اللہ علیہ، عطاء رحمۃ اللہ علیہ، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ، حسن رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ، ضحاک رحمۃ اللہ علیہ، سدی رحمۃ اللہ علیہ، مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ، زہری رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم تیمی کا بھی یہی قول ہے اور یہ قراءت پاؤں کے دھونے کے واجب ہونے میں ظاہر اور واضح ہے جس طرح سلف کا قول ہے۔

یہاں سے جمہور نے وضو میں ترتیب کے وجوب پر دلیل پکڑی ہے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ترتیب کو شرط قرار نہیں دیتے بلکہ اگر کسی نے پہلے پاؤں دھولئے، پھر سر کا مسح کیا اور ہاتھ دھوئے پھر منہ دھویا تب بھی جائز ہے کیونکہ آیت کریمہ میں ان اعضا کے دھونے کا حکم ہے اور واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتی۔ جمہور نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو نمازی وضو کرتے وقت سب سے پہلے منہ دھوئے کیونکہ فاء تعقیب جو ترتیب کا تقاضا کرتی ہے، کے ذریعے اسی چیز کا حکم ہے اور کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ چہرے کو تو سب سے پہلے دھونا واجب ہے پھر اس کے بعد ترتیب واجب نہیں، بلکہ قائل تو دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو آیت کے مطابق ترتیب کو واجب قرار دیتے ہیں اور دوسرے ترتیب کو مطلقاً واجب نہیں سمجھتے۔ آیت کریمہ کے الفاظ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ سے ثابت ہوتا ہے کہ منہ کا سب سے پہلے دھونا واجب ہے، اب اس کے بعد باقی اعضاء میں ترتیب کا وجوب اجماع سے ثابت ہے جس میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ تمہارا یہ کہنا کہ واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتی اسے ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ یہ ترتیب پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ بعض نحویوں، لغویوں اور فقہاء کا مذہب ہے، بالفرض اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ واؤ ترتیب لغوی پر دلالت نہیں کرتی تو شرعاً ان چیزوں کی ترتیب پر تو ضرور دلالت کرتی ہے جن میں ترتیب ہونی چاہئے، اس کی دلیل صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب بیت اللہ کا طواف کیا تو یہ آیت کریمہ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ (بقرہ: 158) پڑھتے ہوئے باب صفا سے نکلے اور فرمایا: ''میں بھی اسی سے (سعی) شروع کروں گا جسے اللہ تعالیٰ نے پہلے بیان فرمایا ہے'' (3)۔ نسائی کے الفاظ یہ ہیں: ''وہاں سے شروع کرو جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں کیا ہے''۔ اس کی سند صحیح ہے اور اس میں امر کا صیغہ ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس کا ذکر پہلے ہوا اسے پہلے کرنا واجب ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ ایسے مواقع پر واؤ شرعی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 207 2۔ سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 26-27 3۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، صفحہ 888

ترتیب پر دلالت کرتی ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ بعض جمہور کا کہنا ہے کہ آیت کریمہ میں اس کیفیت سے ترتیب کو بیان کیا گیا اور نظیر کو نظیر سے الگ کر دیا اور سر کے مسح کو ہاتھوں اور پیروں کے دھونے کے درمیان داخل کر کے ذکر کیا۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہاں ترتیب مراد ہے۔ چوتھی دلیل میں بعض جمہور کہتے ہیں کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعضاء وضو کو ایک ایک دفعہ دھو کر وضو کیا پھر فرمایا: ''یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں فرماتا'' (1)۔ کہتے ہیں کہ یا تو آپ ﷺ نے ترتیب کے ساتھ وضو فرمایا تو ترتیب واجب ہوئی، یا آپ ﷺ نے بغیر ترتیب کے وضو فرمایا، تو ترتیب واجب نہ ہوئی، لیکن کوئی بھی اس کا قائل نہیں، اس طرح ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہی (ترتیب) واجب ہے۔

ایک دوسری قراءت میں ''اَرْجُلِکُمْ'' لام کی زیر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور اس سے شیعہ نے اپنے اس موقف کے لئے استدلال کیا ہے کہ پاؤں کا مسح کرنا واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا عطف مسح راس پر ہو رہا ہے۔ سلف کی ایک جماعت سے روایت ہے جس سے مسح کے قول کا شبہ پڑتا ہے۔ ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ بن انس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا اور اس وقت ہم بھی وہاں موجود تھے اے ابوحمزہ! ہم اھواز میں حجاج کے ساتھ تھے اس نے وہاں خطبہ دیتے ہوئے وضو اور طہارت کا ذکر کیا اور کہا کہ اپنے منہ ہاتھ دھوؤ، سر کا مسح کرو اور پاؤں کو بھی دھویا کرو کیونکہ ابن آدم کے پاؤں پر ہی زیادہ گندگی لگتی ہے اس لئے پاؤں کا اندرونی حصہ، بیرونی حصہ اور ایڑی کو خوب دھویا کرو۔ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حجاج نے جھوٹ کہا، اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ یعنی اپنے سروں اور پاؤں کا مسح کرو(2)۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے پاؤں کا مسح کرتے تو انہیں اچھی طرح تر کر لیتے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ قرآن کریم میں مسح کا حکم ہے اور حدیث شریف میں (پاؤں کے) دھونے کا(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے کہ سر اور پاؤں کا مسح کرو۔ ایوب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پاؤں کا مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، علقمہ رحمۃ اللہ علیہ، ابوجعفر محمد بن علی اور ایک روایت میں حسن رحمۃ اللہ علیہ، جابر بن زید اور ایک روایت میں مجاہد اور دیگر حضرات پاؤں کے مسح کے قائل ہیں۔ شعبی کہتے ہیں کہ جبریل امین علیہ السلام پیروں کے مسح کا حکم لیکر اترے آپ کہتے کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جن دو چیزوں کے دھونے کا حکم تھا ان پر تیمم کے وقت مسح کا حکم ہوا اور (وضو میں) جن دو چیزوں کے مسح کا حکم تھا تیمم میں انہیں چھوڑ دیا گیا(3)۔ اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے عامر سے پوچھا کہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ جبریل پاؤں کے دھونے کا حکم لیکر آئے تو انہوں نے کہا کہ مسح کا حکم لیکر آئے(3)۔

یہ سب آثار بہت ہی غریب ہیں اور انہیں اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ مسح سے مراد خفیف دھونا ہے کیونکہ پاؤں دھونے کا وجوب سنت سے ثابت ہے جسے عنقریب ہم ذکر کریں گے۔ جہاں تک اس جر والی قراءت کا تعلق ہے یا تو یہ مجاورت اور تناسب کلام کی وجہ سے ہے جس طرح عربوں کے اس قول میں جُحْرُ ضَبٍ خَرِبٍ (گوہ کی ویران بل) اور اس آیت کریمہ میں ہے: عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ (الدھر: 21)۔ ''ان کے اوپر لباس ہوگا باریک سبز ریشم کا (بنا ہوا) اور اطلس کا''۔ تو مجاورت اور مناسبت کی وجہ سے دونوں متقارب الفاظ کو ایک ہی اعراب دینا لغت عرب میں عام اور جائز ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ جب موزے پہنے ہوئے ہوں تو پاؤں کے مسح کا حکم ہے۔ بعض حضرات

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، صفحہ 145 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 128 3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 129

کہتے ہیں کہ اس کی دلالت تو پاؤں کے مسح ہی پر ہے لیکن مراد اس سے ہلکا دھونا ہے جس طرح حدیث میں آیا ہے۔ بہرصورت جو بھی ہو پاؤں کا دھونا فرض ہے جس کے بغیر چارۂ کار نہیں کیونکہ آیت کریمہ اور احادیث مبارکہ عنقریب جن کا ذکر ہونے والا ہے، سے یہ بات بالکل واضح ہے۔ سب سے بہترین دلیل جس سے اس بات پر استدلال کیا جا سکتا ہے کہ مسح کا اطلاق خفیف دھونے پر ہوتا ہے۔ حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز ادا کی، پھر لوگوں کی ضروریات اور مسائل کے حل کے لئے کوفہ میں کھلی جگہ تشریف فرما ہوئے یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا، چنانچہ پانی کا کوزہ منگوایا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس میں سے ایک چُلو لیکر چہرے، ہاتھوں، سر اور پاؤں کا مسح کیا، پھر کھڑے ہو کر بقیہ پانی پی لیا اور فرمانے لگے کہ لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ سمجھتے ہیں حالانکہ میں نے اسی طرح کیا ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا اور فرمایا کہ یہ اس شخص کا وضو ہے جسے حدث لاحق نہ ہوا ہو (بے وضو نہ ہوا ہو)(1)۔ شیعہ میں سے جس نے موزوں کی طرح پاؤں کا مسح واجب قرار دیا وہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اسی طرح جس نے پاؤں کے مسح اور پاؤں کے دھونے دونوں چیزوں کو جائز کہا اس نے بھی غلطی کی۔ جن لوگوں نے ابن جریر سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ احادیث کے پیش نظر پاؤں کا دھونا واجب قرار دیتے اور آیت کو پیش نظر رکھ کر پاؤں کے مسح کو واجب کہتے ان لوگوں نے ان کے مذہب کی صحیح تحقیق نہیں کی، کیونکہ ان کی تفسیر میں ان کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ صرف پیروں کو رگڑنا واجب ہے، باقی اعضاء وضو کو نہیں، کیونکہ پاؤں زمین، مٹی وغیرہ پر لگتے رہتے ہیں اس لئے انہوں نے ان کا رگڑنا واجب قرار دیا تاکہ ان پر جو کچھ لگا ہو دور ہو جائے، لیکن رگڑنے کے لئے انہوں نے مسح کا لفظ استعمال کیا، اس پر غور نہ کرنے والے شخص نے یہ سمجھ لیا کہ ان کے نزدیک پاؤں کو دھونا اور ان کا مسح کرنا دونوں واجب ہیں۔ اسی طرح یہ بات نقل ہوتی رہی اور معاملہ بہت سے فقہاء پر مشتبہ ہو گیا حالانکہ مسح اور غسل کو جمع کرنا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ مسح تو غسل میں داخل ہے چاہے مقدم ہو یا مؤخر۔ بہرکیف امام ابن جریرؒ کا ارادہ وہی ہے جسے میں نے ذکر کر دیا ہے، پھر میں نے ان کی کلام میں مزید غور و فکر کیا تو مجھ پر یہ عیاں ہوا کہ وہ تو ''اَرْجُلَکُمْ'' کی دونوں قراءتوں میں تطبیق کی کوشش کر رہے ہیں۔ پس زیر کی قراءت (مسح) کو تو وہ ''دَلْکٌ'' (رگڑنا) پر محمول کرتے ہیں اور زبر کی قراءت (دھونا) کو دھونے پر محمول کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے دونوں کو واجب قرار دے دیا تاکہ دونوں پر عمل ہو جائے۔

پاؤں دھونے کے وجوب کے متعلقہ احادیث

حضرات امیر المؤمنین عثمان، علی، ابن عباس، معاویہ، عبد اللہ بن زید اور مقداد بن معد یکرب رضی اللہ عنہم کی روایات میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کرتے ہوئے اپنے پاؤں کو ایک مرتبہ، دو مرتبہ یا تین مرتبہ (حسب روایات) دھویا۔ عمرو بن شعیب کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا، اپنے دونوں پاؤں دھوئے، پھر فرمایا: ''یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا''۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو نماز عصر میں ہمیں دیر ہو رہی تھی اور ہم جلدی جلدی وضو کر رہے تھے اور پیروں کو بس پانی کے ساتھ چھو رہے تھے تو آپ ﷺ نے

1۔ سنن بیہقی، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 75۔ فتح الباری، کتاب الاشربۃ، صفحہ 10 صفحہ 81

بلند آواز سے فرمایا: ''وضو کو کامل طریقہ سے کرو (خشک رہ جانے والی) ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے''(1)۔ یہ حدیث صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے(2)۔ حاکم اور بیہقی کی روایت میں یہ آتا ہے: ''ایڑیوں اور پاؤں کے تلووں کے لئے آگ کا عذاب ہے''(3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ٹخنوں کے لئے آگ کی بربادی ہے''(4)۔ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کے پاؤں کو دیکھا کہ وہ ایک درہم کے برابر دھلا ہوا نہیں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہلاکت ہے ایڑیوں کے لئے آگ سے''(5)۔ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چند لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھا جن کی ایڑیوں تک پانی نہیں پہنچا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان ایڑیوں کے لئے آگ سے خرابی ہے''(6)۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں بھی یہی الفاظ ہیں(7)۔ حضرات ابوامامہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ پھر تو مسجد میں کوئی بھی چھوٹا بڑا ایسا نہ رہا جو پلٹ پلٹ کر اپنی ایڑیاں نہ دیکھتا ہو۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ یا ان کے بھائی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چند لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا، ان میں سے کسی کی ایڑی یا ٹخنے میں ایک درہم یا ناخن کے برابر جگہ خشک رہ گئی تھی اور وہاں تک پانی نہیں پہنچا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔'' پھر کیفیت یہ ہوگئی کہ جب کوئی آدمی اپنے پاؤں میں کوئی خشک جگہ دیکھتا تو دوبارہ وضو کرتا(8)۔ تو یہ احادیث صراحۃً پاؤں کے دھونے کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اگر فرض پاؤں کا مسح کرنا ہوتا یا یہ جوازی صورت ہوتی تو حدیث شریف میں پاؤں کے دھونے کو ترک کرنے والے کے لئے اس قدر وعید نہ آتی، اس لئے کہ مسح تو تمام پاؤں کو شامل ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کی صورت وہی ہے جو موزوں پر مسح کرنے کی ہے۔ اس طرح امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے شیعوں کے خلاف یہ دلیل پیش کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے وضو کیا، اس کا پاؤں ناخن کی مقدار کسی جگہ سے خشک رہ گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا: ''جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو''(9)۔ اسی قسم کی روایت بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کی ہے(10)۔ اسی طرح ابوداؤد نے بھی اسے روایت کیا ہے(11)۔ نبی کریم ﷺ نے کسی آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اس کے پاؤں کی پشت میں ایک درہم کے برابر جگہ خشک رہ گئی جہاں پانی نہیں پہنچا تھا تو آپ ﷺ نے اسے دوبارہ وضو کرنے کا حکم دیا(12)۔ ابوداؤد کی روایت میں بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ نے وضو کے ساتھ نماز لوٹانے کا بھی حکم دیا(13)۔ حضور ﷺ کے وضو کی جو کیفیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کا خلال کیا۔ اہل سنن نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ حضرت صبر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے وضو کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وضو کو پورے اور کامل طریقے سے کرو، انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں اچھی طرح پانی ڈالو، سوائے روزے کی حالت کے''(14)۔ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے

1۔ فتح الباری، کتاب الوضوء، جلد 1، صفحہ 265، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 214
2۔ فتح الباری کتاب الوضوء، جلد 1، صفحہ 267، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 216-215
3۔ مستدرک امام حاکم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 214
4۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 369
5۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 390، سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، صفحہ 155
6۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، صفحہ 155
7۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 426
8۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 134
9۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 215
10۔ سنن بیہقی، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 70
11۔ سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 44
12۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 424
13۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 45
14۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 35

روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے وضو کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی جب وضو کا پانی لیتا ہے، پھر کلی کرتا ہے، ناک میں پانی ڈالتا ہے اور ناک صاف کرتا ہے تو پانی کے ساتھ ہی اس کے منہ اور نتھنوں سے ناک صاف کرتے وقت تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق منہ دھوتا ہے تو اس کے منہ کے گناہ پانی کے ساتھ داڑھی کے اطراف سے جھڑ جاتے ہیں، پھر وہ اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ انگلیوں کے پوروں کی طرف سے جھڑ جاتے ہیں، پھر وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ پانی کے ساتھ بالوں کے کناروں سے جھڑ جاتے ہیں، پھر وہ ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھوتا ہے جیسا کہ اسے اللہ نے حکم دیا تو اس کے پاؤں کی خطائیں پانی کے ساتھ پاؤں کی انگلیوں کے پوروں سے جھڑ جاتی ہیں۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق اس کی حمد وثنا کرتا ہے پھر دو رکعتیں نماز ادا کرتا ہے تو اس طرح گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ پیدائش کے وقت تھا''۔ یہ سن کر حضرت ابوامامہ کہنے لگے: اے عمرو! دیکھو تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سن رکھا ہے؟ کیا ایک مقام میں ہی ایسے آدمی کو اس قدر عطا کیا جاتا ہے؟ تو عمرو بن عبسہ کہنے لگے: اے ابوامامہ! میں عمر رسیدہ ہو گیا ہوں، میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اور موت قریب آ چکی ہے، بھلا مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولوں۔ میں نے اس حدیث کو ایک، دو یا تین مرتبہ نہیں بلکہ سات سے بھی زائد مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

اس کی سند صحیح ہے۔ صحیح مسلم میں یہ ایک اور سند سے مروی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ '' پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے پاؤں دھوتا ہے''(1)۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن (پاؤں کو) دھونے کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اسی طرح اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت دھویا کرو''(2)۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جس میں یہ آتا ہے کہ حضور ﷺ نے نعلین (جوتے) کے اندر ہی اپنے پاؤں تر کر لئے اور انہیں رگڑا، اس سے مراد خفیف دھونا ہے۔ پاؤں جوتے کے اندر ہوں تو انہیں دھویا جا سکتا ہے اس میں کوئی مانع نہیں۔ لیکن اس میں مبالغہ کرنے والے وسواسی اور وہمی لوگوں کا رد ہے جو حد اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور حدیث ہے جسے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلاف وارد کیا ہے، یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قوم کے کوڑا کرکٹ پھینکنے والی جگہ پر آئے، وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا، پھر پانی منگوایا، وضو کیا اور نعلین پر مسح کیا''(3)۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ثقات اور حفاظ حدیث نے اسے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ '' آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا''(4)۔ میں کہتا ہوں کہ دونوں روایتوں میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ نے موزے پہن رکھے ہوں گے اور ان پر نعلین تھے۔ اسی طرح اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے جو مسند احمد رضی اللہ عنہ میں اوس بن ابی اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے وضو کیا اور نعلین پر مسح کیا پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے(5)۔ حضرت اوس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ کوڑا کرکٹ پھینکنے والی جگہ پر آئے، آپ ﷺ نے پیشاب کیا، وضو کیا اور اپنے نعلین اور پاؤں پر مسح کیا(6)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے شعبہ اور ہشیم سے الگ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرہا، صفحہ 570-571
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 128
3۔ فتح الباری، کتاب الوضوء، جلد 1، صفحہ 328
4۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 135
5۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 8
6۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 41

الگ روایت کیا ہے پھر فرماتے ہیں کہ اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس طریقہ سے آپ ﷺ نے جو وضو کیا تھا اس وقت آپ ﷺ بے وضو نہیں تھے، کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے فرائض اور اس کے رسول ﷺ کی سنن باہم متعارض اور ایک دوسرے کے منافی ہوں۔ نبی کریم ﷺ سے قطعی اور متعدد احادیث کے ذریعے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وضو میں پانی کے ساتھ پاؤں دھونا فرض ہے۔ جس تک یہ روایات پہنچیں اس کا عذر ختم ہو گیا۔

جب قرآن کریم میں (''اَرْجُلَكُمْ'' کی) زبر والی قراءت کے مطابق پاؤں کا دھونا فرض ہے اور زیر والی قراءت کے مطابق بھی یہی ثابت ہوتا ہے تو اس قطعی فرضیت کے پیش نظر بعض سلف کا تو یہ خیال ہے کہ یہ آیت مسح علی الخفین کی رخصت کے لئے ناسخ ہے اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا جاتا ہے لیکن اس کی سند صحیح نہیں ہے بلکہ آپ رضی اللہ عنہ سے جو بات ثابت ہے وہ اس کے برعکس ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان غلط ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد موزوں پر مسح کیا۔ حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی روایت کرتے ہیں کہ میں نے سورۂ مائدہ نازل ہونے کے بعد اسلام قبول کیا اور میں نے اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا (1)۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا، آپ رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا (2)۔ حدیث کے راوی حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ لوگوں کو یہ حدیث اچھی لگتی تھی کیونکہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نزول مائدہ کے بعد اسلام لائے۔ موزوں پر مسح کرنا تواتر کے ساتھ حضور ﷺ کے قول اور فعل سے ثابت ہے جو کہ احکام کی بڑی بڑی کتابوں میں مذکور ہے، اسی طرح مسح کی مدت وغیرہ اور دیگر تفصیلات ان کتابوں میں موجود ہیں۔

رافضیوں نے اس مسئلہ میں محض اپنی جہالت اور گمراہی کے باعث بغیر کسی دلیل کے اختلاف کیا ہے حالانکہ صحیح مسلم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے یہ ثابت ہے (3)۔ جس طرح صحیحین میں آپ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے نکاح متعہ سے منع فرمایا ہے (4)۔ لیکن یہ رافضی اسے بھی مباح سمجھتے ہیں۔ اسی طرح یہ آیت کریمہ وضو میں پاؤں دھونے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے، مزید برآں اس آیت کی موافقت میں حضور نبی کریم ﷺ کے فعل سے بھی یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے، لیکن یہ نادان ان سب چیزوں کے مخالف ہیں حالانکہ درحقیقت ان کے پاس کوئی صحیح اور وقیع دلیل نہیں۔

اسی طرح ان لوگوں نے کعبین (ٹخنے) کے بارے میں بھی ائمہ اور سلف سے اختلاف کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ پاؤں کی پشت پر ہیں اور ان کے نزدیک ہر پیر میں صرف ایک ہی ٹخنہ ہے جبکہ جمہور کہتے ہیں کہ کعبین سے مراد وہ دو ہڈیاں ہیں جو پنڈلی اور قدم کے درمیان جوڑ پر ابھری ہوئی ہوتی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ کوئی آدمی اس بات میں اختلاف کرتا ہو کہ کعبین جن کا ذکر آیت وضو میں ہوا ہے، سے مراد پنڈلی اور قدم کے جوڑ پر ابھری ہوئی دو ہڈیاں ہیں۔ حضرات ائمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ہر قدم میں دو کعب (ٹخنے کی ہڈی) ہیں جس طرح لوگوں میں مشہور ہے اور سنت سے ثابت ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے

7۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 363 — 1۔ فتح الباری، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 494، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 227-228

2۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 232 — 3۔ فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9، صفحہ 166۔ صحیح مسلم۔ کتاب النکاح، صفحہ 1026

وضو کیا، پھر دایاں پاؤں ٹخنوں سمیت دھویا پھر اسی طرح بایاں پاؤں (1)۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اپنی صفیں درست کرلو۔ تین بار فرمایا۔ اللہ کی قسم! یا تم اپنی صفوں کو درست کرو گے یا (بصورت دیگر) اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں مخالفت ڈال دے گا'' (2)۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ ہر آدمی ٹخنے سے ٹخنا، گھٹنے سے گھٹنا اور کندھے سے کندھا ملا لیا کرتا تھا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبین سے مراد پنڈلی اور قدم کے درمیان جوڑ کی ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں جیسا کہ اہل سنت کا مذہب ہے، نہ کہ پنڈلی کی وہ ہڈی مراد ہے جو قدم کی پشت کی طرف ہوتی ہے کیونکہ اس کا ملانا دو پاس کھڑے شخصوں میں ممکن ہی نہیں۔ یحییٰ بن حارث تیمی بیان کرتے ہیں کہ میں نے زید کے وہ شیعہ ساتھی دیکھے جو قتل ہو گئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان کا ٹخنا قدم کی پشت پر ہے۔ یہ ایسی سزا ہے جو قتل کے بعد انہیں دی گئی۔ مخالفت حق کی پاداش میں یہ ان کے لئے عبرتناک سزا ہے۔

وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ (النساء: 43) اور اگر ہو تم بیمار یا سفر پر یا آئے کوئی تم میں سے قضاء حاجت کے بعد یا صحبت کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پاؤ تم پانی تو تیمّم کرو پاک مٹی سے یعنی مسح کرلو اپنے چہروں اور اپنے بازوؤں پر اس سے) تیمّم کے احکام کی وضاحت سورۂ نساء میں گزر چکی ہے، طوالت کے خوف سے اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ وہاں ہم نے آیت تیمّم کا شان نزول بیان کر دیا تھا لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس آیت کے متعلقہ ایک حدیث روایت کی ہے جسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یوں بیان فرماتی ہیں: بیابان مقام میں میرا ہار گم ہو گیا جبکہ ہم مدینہ میں داخل ہونے ہی والے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنی سواری بٹھا دی۔ اتر کر آپ ﷺ میری گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ (والد محترم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) آئے انہوں نے مجھے شدید کچوکا لگایا اور کہنے لگے کہ تم نے ایک ہار کے بدلے لوگوں کو روک رکھا ہے، مجھے سخت تکلیف ہوئی لیکن اس خوف سے کہ حضور ﷺ کے آرام میں خلل نہ پڑے، میں نے حرکت نہ کی۔ پھر نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے اور صبح کی نماز کا وقت ہو گیا۔ پانی تلاش کیا گیا لیکن نہ مل سکا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے آل ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے تمہارے اندر برکت ڈال دی ہے، تم تو لوگوں کے لئے سراپا برکت ہو (3)۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ ''نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ کہ رکھے تم پر کچھ تنگی'' تمہیں تنگی اور مشکل میں نہیں ڈالا بلکہ بیماری کے وقت اور جب پانی میسر نہ ہو تو آسانی اور رحم فرماتے ہوئے تیمّم کو مباح قرار دے دیا اور اسے وضو کے قائم مقام بنا دیا۔ اس کے مفصل احکام، احکام کی بڑی بڑی کتابوں میں درج ہیں۔

وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ''بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ خوب پاک صاف کرے تمہیں اور پوری کر دے اپنی نعمت تم پر تاکہ تم شکریہ ادا کرتے رہو''۔

حدیث شریف میں وضو کے بعد دعا پر رغبت دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ وضو کرنے والے کو ان پاکیزہ لوگوں میں سے کر دے جو اس آیت کریمہ کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ (باری باری) اونٹ چرانا ہمارے ذمہ تھا۔ میری باری

4۔ فتح الباری، کتاب الصیام، جلد 4، صفحہ 158، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 204-205

5۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 211، سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 178

1۔ فتح الباری تفسیر سورۃ المائدہ، جلد 8، صفحہ 272

آئی تو میں شام کے وقت اونٹوں کو لیکر نکلا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے لوگوں سے گفتگو کر رہے ہیں، میں نے اس وقت آپ ﷺ کی گفتگو میں سے یہ سنا: ''جو مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر کھڑے ہو کر پوری دلجمعی اور توجہ کے ساتھ دو رکعتیں نماز پڑھتا ہے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے''۔ میں نے کہا: کیا خوب بات ہے! یہ سن کر میرے سامنے ایک شخص کہنے لگا کہ اس سے پہلے جو حضور ﷺ نے فرمایا تھا وہ اس سے بھی بہتر ہے۔ میں نے دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ابھی تمہیں آتے دیکھا تھا، تمہارے آنے سے قبل حضور ﷺ نے فرمایا تھا: تم میں سے جو کوئی عمدگی اور کامل طریقے سے وضو کرتا ہے پھر کہتا ہے: ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے داخل ہو'' (1)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب مؤمن وضو کرتا ہے اور اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کی آنکھوں کے تمام گناہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔ جب وہ اپنے ہاتھوں کو دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کی خطائیں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ گر جاتی ہیں۔ اور جب اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اس کے پاؤں کی خطائیں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ جھڑ جاتی ہیں حتیٰ کہ وہ تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے (2)۔ فرمایا: ''جو آدمی وضو کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اپنے ہاتھ یا بازوؤں کو دھوتا ہے تو ان کی تمام خطائیں نکل جاتی ہیں۔ جب وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ جب سر کا مسح کرتا ہے تو سر سے غلطیاں زائل ہو جاتی ہیں اور جب اپنے پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں سے اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔'' (3) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے لیکن اس میں سر کے مسح کا ذکر نہیں (4)۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی اچھی طرح وضو کرے پھر نماز کے لئے اٹھ کھڑا ہو تو اس کے گناہ کان، آنکھ اور پاؤں کے رستے نکل جاتے ہیں'' (5)۔

حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وضو نصف ایمان ہے، ''اَلْحَمْدُ لِلّٰه'' میزان کو بھر دیتی ہے، ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ'' سے زمین و آسمان کا درمیان بھر جاتا ہے، روزہ ڈھال ہے، صبر روشنی ہے، صدقہ دلیل ہے، قرآن تیرے حق میں یا تیرے خلاف حجت ہے، تمام لوگ صبح نکلتے ہیں اور اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتے ہیں یا تو وہ اپنے آپ کو آزاد کرا لیتے ہیں یا ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں'' (6)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حرام مال والے کا صدقہ قبول نہیں فرماتا اور نہ بغیر وضو کے نماز قبول فرماتا ہے'' (6)۔

ابوالملیح ھذلی اپنے والد صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ بغیر وضو کے نماز قبول نہیں فرماتا اور نہ مال حرام سے صدقہ'' (7)۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 209-210
2۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 215
3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 138
4۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 234-235
5۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 138
6۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، صفحہ 203-204
7۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 16، صحیح مسلم، کتاب الامارہ 4700

وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

''اور یاد رکھو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور اس کے وعدہ کو جو اس نے پختہ لیا تھا تم سے جب کہا تھا تم نے ہم نے سن لیا اور مان لیا اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو عدل کیا کرو یہی زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو وہی لوگ دوزخی ہیں اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو اپنی نعمت عظمیٰ یاد دلا رہا ہے کہ اس نے انہیں عظیم الشان دین اور بلند مرتبت رسول ﷺ عطا فرمایا اور اس عہد اور پختہ وعدہ کی بھی یاد دہانی کرا رہا ہے جو عہد مسلمانوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی اتباع، آپ ﷺ کی تائید ونصرت، دین کے معاملات انجام دینے، اس کا پیغام دوسروں تک پہنچانے، اسے مضبوطی سے تھامنے اور آپ ﷺ کے ہر حکم کو قبول کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا۔ اس نعمت اور پختہ وعدہ کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا: وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ''اور یاد رکھو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور اس کے وعدہ کو جو اس نے پختہ لیا تھا تم سے جب کہا تھا تم نے ہم نے سن لیا اور مان لیا''۔ یہ بیعت ہے جسے رسول خدا ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اسلام قبول کرتے وقت لیا کرتے تھے، ان کی بیعت ان الفاظ میں ہوتی تھی: ''ہم نے رسول اللہ ﷺ کی اس بات پر بیعت کی کہ ہم طوعاً وکرہاً (احکام) سنتے رہیں گے اور (ان کی) اطاعت کرتے رہیں گے، خواہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دے دی جائے، اور یہ کہ کسی معاملہ میں مستحق شخص سے تنازع نہیں کریں گے''۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (الحدید: 8) ''آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ (اس کا) رسول دعوت دے رہا ہے تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ بھی لے چکا ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو''۔ بعض نے کہا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں کو وہ وعدے اور عہد یاد دلائے جا رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان سے

حضور ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کی شریعت کی اطاعت کے سلسلے میں لئے تھے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے جبکہ مجاہد اور مقاتل کا کہنا ہے کہ یہاں ذریت آدم کو اپنا وعدہ یاد دلایا جا رہا ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا اور انہیں اپنے اوپر گواہ بنا کر یہ اقرار لیا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا ۛ (الاعراف: 172) '' کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا بیشک تو ہی ہمارا رب ہے ہم نے گواہی دی۔'' لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر و واضح ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی پسند کیا ہے (1)۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہر حال میں تقویٰ کی پابندی کرنے پر تاکید اور ترغیب ہے پھر انہیں آگاہ فرمادیا کہ '' اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ...... یعنی اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ، لوگوں کی خاطر نہیں اور نہ ہی شہرت حاصل کرنے کے لئے اور عدل و انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ نہ کہ ظلم و جور کے ساتھ۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد گرامی نے مجھے عطیہ دیا، میری والدہ، عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں تو اس وقت تک خوش نہیں ہوں گی جب تک آپ رسول اللہ ﷺ کو اس پر گواہ نہ بنالیں، چنانچہ میرے والد محترم اس مقصد کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری بات بتائی تو آپ ﷺ نے پوچھا: '' کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو ایسا ہی عطیہ دیا ہے؟'' عرض کی: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: '' اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو، پھر فرمایا کہ میں تو ظلم پر گواہ نہیں بنتا'' (2)۔ چنانچہ میرے والد صاحب نے وہ عطیہ واپس لے لیا۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ یعنی اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو بلکہ ہر ایک کے ساتھ عدل کو کام میں لاؤ خواہ وہ تمہارا دوست ہو یا دشمن، اسی لئے فرمایا: اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى '' عدل کیا کرو یہی زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے''۔ اس آیت میں ھو ضمیر اس مصدر (عدل) کی طرف لوٹ رہی ہے جو اعدلوا فعل سے ماخوذ ہے، قرآن کریم میں اس قسم کی مثالیں موجود ہیں جیسا کہ فرمان ہے: '' وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ (النور: 28)۔'' اور اگر کہا جائے تمہیں کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ۔ یہ (طرز معاشرت) بہت پاکیزہ ہے تمہارے لئے''۔ یہاں ھو کا مرجع فعل سے ماخوذ مصدر (رجوع) ہے۔

یہاں اسم تفضیل (اقرب) کا استعمال اس طرح ہوا ہے کہ اس کے دوسری جانب کوئی چیز مذکور نہیں یعنی مفضل علیہ کا ذکر نہیں کیا گیا، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَىِٕذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا (الفرقان: 24)۔ '' اہل جنت کا اس دن بہت اچھا ٹھکانا ہوگا اور دوپہر گزارنے کی جگہ بڑی آرام دہ ہوگی''۔ اور اسی طرح کسی صحابیہ کا قول بھی اسی طرح ہے جس میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: أَنْتَ أَفَظُّ وَأَغْلَظُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (3)۔ '' یعنی آپ تو رسول اللہ ﷺ سے سخت مزاج ہیں''۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اللہ سے ڈرو کیونکہ وہ تمہارے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے اور اعمال کے مطابق وہ تمہیں جزا دے گا۔ خیر کے بدلہ میں خیر اور شر کے بدلے میں شر، اسی لئے بعد میں فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...... '' وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 57-58 2۔ فتح الباری، کتاب الہبۃ، جلد 5، صفحہ 211، صحیح مسلم، صفحہ 1242-1244

3۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 239، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، صفحہ 1863-1864

ان لوگوں سے جو ایمان لائے'' کہ وہ ان کے گناہوں کو بخش دے گا اور جنت کی صورت میں اجر عظیم عطا فرمائے گا جو کہ اللہ کی بندوں پر رحمت ہے، اپنے اعمال کے سبب وہ جنت نہیں پا سکتے بلکہ یہ تو محض اس کا فضل و کرم اور رحمت ہے۔ بہر صورت اس کی رحمت تک پہنچنے کا سبب اعمال ہی ہیں، اللہ تعالیٰ نے بذات خود اعمال کو اپنی رحمت، فضل و کرم، عفو اور رضا کے حصول کا ذریعہ اور سبب قرار دیا ہے۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا...... ''اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو وہی لوگ دوزخی ہیں'' یہ اس کا عدل ہے، اس کی حکمت اسی میں ہے اور یہ ایسا فیصلہ ہے جس میں ظلم و جور نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ حکیمانہ اور عین عدل ہوتا ہے کیونکہ وہ عادل حکیم اور قدیر ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ...... ''اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی جب پختہ ارادہ کر لیا تھا''۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کسی جگہ اترے۔ لوگ سایہ دار درختوں کی تلاش میں ادھر ادھر چلے گئے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنا اسلحہ اتار کر درخت کے ساتھ لٹکا دیا۔ ایک بدو نے آپ ﷺ کی تلوار لیکر سونت لی پھر آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ'' اس بدو نے دو تین مرتبہ یہی سوال دہرایا اور آپ ﷺ نے یہی جواب دیا۔ یہ جواب دینے پر بدو کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلا کر سارا واقعہ سنا دیا، بدو بھی اس وقت آپ ﷺ کے پاس ہی بیٹھا تھا، اسے آپ ﷺ نے کوئی سزا نہیں دی۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کچھ عربوں نے آپ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش تیار کی تھی اور اس مقصد کے لئے اس بدو کو بھیجا لیکن یہ اپنے ناپاک منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس بدو کا نام غورث بن حرث تھا۔ اس کا قصہ صحیح حدیث میں ثابت ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کچھ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھانے کی دعوت پر بلایا، مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کو صحابہ رضی اللہ عنہم سمیت شہید کر دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سازش سے آگاہ فرما دیا اور اس طرح آپ ﷺ محفوظ رہے (2)۔ ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت کعب بن اشرف (یہودی) اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتری جب انہوں نے کعب کے گھر میں آپ ﷺ کو بلا کر (آپ ﷺ کو شہید کرنے کی) اپنی گھناؤنی سازش کا ارتکاب کرنا چاہا۔

محمد بن اسحاق، عکرمہ اور مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کے بارے میں اتری جب انہوں نے چکی کا پاٹ آپ ﷺ کے سر مبارک پر گرا کر آپ ﷺ کو شہید کرنا چاہا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ایک مسلمان نے بنو عامر کے دو آدمیوں کو غلط فہمی کی بناء پر قتل کر دیا تھا۔ ان کے لواحقین دیت کا مطالبہ کر رہے تھے چنانچہ آپ ﷺ حسب معاہدہ ان یہودیوں کے ساتھ اس مسئلہ میں بات چیت کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان بدبختوں نے آپ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش تیار کی اور یہ کام عمرو بن جحش بن کعب کے سپرد کیا اور اسے حکم دیا کہ جب نبی (ﷺ) اس دیوار کے نیچے آ کر بیٹھیں اور لوگ آپ ﷺ کے گرد جمع ہو جائیں تو چکی کا یہ پاٹ آپ ﷺ کے اوپر سے گرا دینا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اس سے آگاہ کر کے ان کی سازش کو بے نقاب کر دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ صحابہ سمیت واپس پلٹ آئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (3)۔

1۔ فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 96۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، صفحہ 1786-1887

2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 146

3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 190 تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 144

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ '' اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو''۔ تو ہر مشکل میں وہی اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور وہ اسے ہر قسم کی شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان بدبخت یہودیوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کرلیا۔ کچھ یہودی قتل کر دیئے گئے اور بقیہ کو جلاوطن کر دیا۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿١٢﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١٤﴾

''اور یقیناً لیا تھا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے مقرر کئے ان میں سے بارہ سردار اور فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز اور دیتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لائے میرے رسولوں پر اور مدد کرتے رہے ان کی اور قرض دیتے رہے اللہ کو قرض حسن تو میں ضرور دور کر دوں گا تم سے تمہارے گناہ اور میں داخل کروں گا تمہیں باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں تو جس نے کفر کیا اس کے بعد تم میں سے تو یقیناً وہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے تو بوجہ ان کی عہد شکنی کے ہم نے اپنی رحمت سے انہیں دور کر دیا اور کر دیا ان کے دلوں کو سخت وہ بدل دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو اپنی اصلی جگہوں سے اور انہوں نے بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اور ہمیشہ آپ آگاہ ہوتے رہیں گے ان کی خیانت پر بجز چند آدمیوں کے ان سے تو معاف فرماتے رہئے ان کو اور درگزر فرمائیے بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو اور ان لوگوں سے جنہوں نے کہا ہم نصرانی ہیں ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ ان سے بھی سو انہوں نے بھی بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے بھڑکا دی ان کے درمیان عداوت اور بغض (کی آگ) روز قیامت تک اور آگاہ کر دے گا انہیں اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیات میں اپنے مؤمن بندوں کو حضور ﷺ کی زبانی کئے گئے پختہ عہد کے ایفاء، حق کو قائم کرنے اور عدل کے ساتھ شہادت دینے کا حکم دیا اور انہیں اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کی یاد دہانی کرائی۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ ان عہود و مواثیق کی کیفیت بیان فرما رہا ہے جو ان سے قبل اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے لئے گئے تھے، جب انہوں نے عہد شکنی کی اور اللہ کے ساتھ کئے ہوئے

عہد و پیمان پس پشت ڈال دیئے تو ان کا حشر یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملعون ٹھہرے، اللہ تعالیٰ نے انہیں در رحمت سے دور کر دیا اور اپنی جناب سے دھتکار دیا۔ یہ چیز ان کے دلوں کے لئے ہدایت اور دین حق کی طرف پہنچنے سے حجاب بن گئی۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ...... ''اور یقیناً لیا تھا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے مقرر کئے ان میں سے بارہ سردار''۔ ان میں سے بارہ نقیب مقرر کئے گئے۔ نقیب سے مراد سردار ہیں جو قبائل پر مقرر کئے گئے ان کے ذمہ یہ تھا کہ وہ بیعت کو پورا کروائیں اور اللہ، اس کے رسول علیہ السلام اور اس کی کتاب کے احکامات کی لوگوں سے تعمیل کروائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب نافرمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے گئے تو آپ علیہ السلام نے ہر قبیلہ سے ایک نقیب (سردار) مقرر کرنے کا حکم دیا۔ روبیل قبیلہ کا نقیب شامون بن زکور تھا، شمعون قبیلہ کا شافاط بن حری، یہوذا قبیلہ سے کالب بن یوفنا، اُمین قبیلہ سے فیخائیل بن یوسف، یوسف قبیلہ سے یوشع بن نون یہی سبط افرائیم ہے۔ سبط بنیامین سے فلطمی بن رفون، سبط زبلون سے جدی بن سودی، سبط منشا بن یوسف سے جدی بن سوسی، سبط دان سے حملائیل بن جمل، سبط اُسیر سے ساطور بن ملکیل، سبط نفتالی سے نحی بن وفسی اور سبط جاد سے جوالایل بن میکی۔ میں نے تورات کے سفر رابع (چوتھے جز) میں بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد اور اسماء دیکھے ہیں لیکن یہ اسماء ابن اسحاق کے ذکر کئے ہوئے ان اسماء سے مختلف ہیں۔ اس میں یہ نام ہیں: بنی روبیل کا سردار صونی بن سادون، بنی شمعون پر شموال بن صور شکی، بنی یہوذا کا حشون بن عمیاذاب، بنی یساخر پر شال بن صاعون، بنی زبلون کا یاب بن حالوب، بنی افرائیم کا منشا بن عمنہور، بنی منشا پر حملیائیل بن یرصون، بنی بنیامین پر ابیدن بن جدعون، بنی دان پر جعیذر بن عمیشذی، بنی اُسیر پر تحایل بن عجران، بنی حاز پر سیف بن دعوابیل، اور بنی نفتالی پر اجذع بن عمینان کو نقیب مقرر کیا گیا۔

اسی طرح جب رسول خدا ﷺ نے لیلۃ العقبہ میں انصار سے بیعت لی تھی تو ان میں بھی بارہ نقیب (سردار جو اپنی قوم کے حالات کی خبر رکھے اور بھلائی کے کاموں کا انہیں پابند بنائے) مقرر فرمائے۔ تین اوس میں سے اور نو خزرج میں سے۔ قبیلہ اوس میں سے یہ حضرات تھے۔ اُسید بن حضیر، سعد بن خیثمہ اور رفاعہ بن عبدالمنذر، بعض روایتوں میں ان کے بجائے ابوالہیثم بن تیہان کا نام آتا ہے، اور قبیلہ خزرج میں سے یہ حضرات تھے: ابوامامہ اسعد بن زرارہ، سعد بن ربیع، عبداللہ بن رواحہ، رافع بن مالک بن عجلان، براء بن معرور، عبادہ بن صامت، سعد بن عبادہ، عبداللہ بن عمرو بن حرام اور منذر بن عمرو بن خنیس رضی اللہ عنہم۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں ان سعادت مندوں کا تذکرہ کیا ہے جنہیں ابن اسحاق نے نقل کیا ہے(1)۔ مقصد یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے حکم سے انصار میں بارہ سردار مقرر کئے گئے جو اپنی قوم کی طرف سے آپ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کرنے اور آپ ﷺ کے احکام کی بجا آوری پر بیعت کرنے کے پابند تھے۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ ہمیں قرآن کریم پڑھا رہے تھے، ایک آدمی نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوعبدالرحمن! کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی پوچھا کہ اس امت کے کتنے خلفاء ہوں گے؟ تو حضرت عبداللہ نے فرمایا: جب سے میں عراق میں آیا ہوں تم سے پہلے کسی نے مجھ سے یہ سوال نہیں کیا۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کے نقیبوں کی تعداد کے برابر بارہ ہوں گے'' (2)۔

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 445-443 2۔ مسند احمد، جلد 1۔ صفحہ 398

اس سند سے یہ حدیث غریب ہے۔ اس حدیث کا مضمون صحیحین کی اس حدیث سے ثابت ہے جو حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''لوگوں کا معاملہ اس طرح چلتا رہے گا جب تک کہ بارہ شخص ان کے والی نہ بن جائیں۔ پھر آپ ﷺ نے کچھ گفتگو کی جو میں نہ سن سکا، میں نے دوسروں سے پوچھا کہ اب آپ ﷺ نے کیا فرمایا ہے تو مجھے بتایا گیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ سب قریش میں سے ہوں گے''(1)۔ اس حدیث میں بارہ صالح خلفاء کی بشارت دی گئی ہے جو حق کو قائم کریں گے، لوگوں میں عدل کو عام کریں گے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خلفاء لگاتار ہوں گے اور ان کے عہد متصل ہوں گے۔ چار خلفائے راشدین تو لگاتار ہوئے: حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ انہی بارہ میں سے پانچویں خلیفہ ہیں، اسی طرح بنو عباس کے بعض خلفاء بھی ہوئے ہیں۔ اور جب تک یہ تمام کے تمام منصب خلافت پر فائز نہیں ہو جاتے قیامت نہیں آئے گی۔ انہی میں سے امام مہدی بھی ہیں جن کی بشارت احادیث میں دی گئی ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کا نام نبی کریم ﷺ کے نام پر ہوگا اور ان کے والد کا نام آپ ﷺ کے والد جیسا ہوگا۔ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جبکہ پہلے وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی ہوگی۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ اس سے مراد شیعوں کا وہ امام منتظر نہیں جس کے بارے میں شیعوں کا یہ خیال ہے کہ سامرا کی غار سے اس کا ظہور ہوگا، اس کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ اس کا کوئی وجود ہے بلکہ یہ تو صرف شیعہ کی عقل عیار اور تو ہم پرستی کا شاخسانہ ہے، اور نہ ہی ان بارہ خلفاء سے شیعوں کے فرقہ اثنا عشریہ کے بارہ امام مراد ہیں جن کے بارے میں شیعہ اپنی جہالت، کوتاہ بینی اور کم عقلی کے باعث یقین رکھتے ہیں۔ تورات میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کے ساتھ یہ بھی خوشخبری مرقوم ہے کہ آپ کی نسل میں سے بارہ عظیم لوگ ہوں گے، اس سے مراد بھی یہی بارہ خلفاء ہیں جن کا ذکر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیثوں میں ہوا ہے۔ یہودیوں کے بعض جہلاء جب اسلام لے آئے تو وہ شیعوں کو یہ باور کرانے لگے کہ اس سے مراد انہی کے بارہ امام ہیں تو ان میں سے اکثر نے جہالت، بے وقوفی اور قلت علم کے باعث تشیع اختیار کر لیا حالانکہ بات وہی حق ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ...... یہودیوں سے عہد و پیمان لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم میری حفاظت، نگہبانی اور نصرت میں ہو، اگر تم نماز قائم کرتے رہے، زکوٰۃ دیتے رہے، میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے، ان کے پیغام کو دل وجان سے قبول کرتے رہے، ان کی تائید اور مدد کرتے رہے اور اللہ کی راہ میں اس کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے رہے تو میں تم سے تمہارے گناہوں کو دور کر دوں گا، انہیں بالکل مٹا دوں گا، ان پر اپنی مغفرت کی چادر ڈال دوں گا اور ان کا تم سے بالکل مواخذہ نہیں کروں گا۔ مزید برآں تمہیں جنت سے نواز کر تمام ناخوشگوار چیزیں تم سے زائل کر دوں گا اور تمہیں اپنا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ جو شخص پختہ وعدہ کرنے کے بعد کفر کا مرتکب ہوا اور عہد شکنی کی تو وہ راہ راست سے بھٹک گیا اور ہدایت سے گمراہی کی طرف راغب ہو گیا۔

ان نادانوں نے اپنے عہد کا پاس نہ کیا بلکہ اپنے ہی کئے ہوئے وعدہ کی مخالفت کرنے لگے تو اس عہد شکنی اور مخالفت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی جس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ ہمارے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو توڑنے کے باعث ہم نے انہیں حق سے دور کر دیا، راہ ہدایت سے دھتکار دیا اور ان کے دل سخت بنا دیئے جس کی وجہ سے کوئی نصیحت، کوئی پند و موعظت ان پر اثر انداز نہیں ہوتا، ان کی عقلیں اس قدر فساد کا شکار ہو چکی ہیں کہ یہ بدبخت اللہ کی آیات میں برے طریقے سے تصرف کرنے لگے۔

1۔ فتح الباری، کتاب الاحکام، جلد 13، صفحہ 211۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، صفحہ 1452

ہیں، انہوں نے کلام الٰہی میں تحریف اور تغیر وتبدل شروع کر دیا ہے۔ من گھڑت تاویلیں کر کے آیات الٰہی کو غیر مقصود معانی پر محمول کرتے ہیں اور کبھی الفاظ میں ہی ہیرا پھیری شروع کر دیتے ہیں اور اللہ کے نام پر ایسے ایسے مسائل بیان کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں بتائے ہی نہیں ہوتے اور انہوں نے اس بڑے حصے کو فراموش کر دیا جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی، کتاب الٰہی سے منہ موڑ لیا، اس پر عمل کرنا ترک کر دیا اور روگردانی کرنے لگے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے دین کی اصل اور ان فرائض کو ترک کر دیا جن کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی عمل بھی قبول نہیں فرماتا۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے عمل ترک کر دیا پھر ان کی حالت بہت ناگفتہ بہ ہوگئی نہ دل سلیم رہے، نہ فطرت سیدھی رہی اور نہ عمل درست رہا۔

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ...... آپ ان کی خیانت، مکر وفریب اور ان سازشوں پر مطلع ہوتے رہیں گے جو یہ بدبخت آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کرتے رہتے ہیں۔ مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ خیانت سے مراد ان کا رسول خدا ﷺ کو شہید کرنے کی سازش پر اتفاق ہے۔ فرمایا کہ اس خیانت کے باوجود آپ ﷺ انہیں معاف فرمادیں، ان سے درگزر فرمالیں اور ان کی زیادتیوں سے چشم پوشی کرلیں۔ یہی حقیقی فتح ونصرت اور کامیابی ہے، جیسا کہ کسی بزرگ نے فرمایا کہ جو شخص تیرے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو تو اس کی مثل اس کے معاملہ میں اللہ کی اطاعت کر۔

دوسرا اس میں یہ مصلحت بھی کارفرما ہے کہ ممکن ہے نرم رویہ کے ذریعے ان کے دل حق کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرما دے۔ اسی لئے فرمایا: اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بہت محبوب رکھتا ہے جو ناروا سلوک کرنے والوں سے درگزر کرتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اس آیت قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (التوبہ:29) کے ساتھ منسوخ ہے۔

وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی...... وہ لوگ جنہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ نصاریٰ ہیں اور حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کے پیروکار ہیں حالانکہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے تھے ان سے ہم نے یہ عہد و پیمان لیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور مدد کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں گے اور اسی طرح ہر اس نبی پر ایمان لائیں گے جسے اللہ تعالیٰ مبعوث فرمائے گا لیکن انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح بدعہدی کی اور اپنے تمام وعدوں کو بالائے طاق رکھ دیا۔ انہیں اس کی سزا یہ دی گئی کہ ان کے درمیان بغض وعداوت کی آگ بھڑکا دی، ان کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی، وہ مختلف گروہوں میں بٹ گئے، ان میں بہت سے فرقے بن گئے، ایک دوسرے کو کافر اور ملعون ٹھہرانے لگے، ان کی آپس میں دشمنی اور عداوت اس قدر شدید ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اپنے اپنے عبادت خانہ میں بھی آنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ملکیہ فرقہ یعقوبیہ کو کافر گردانتا ہے، اسی طرح باقی نسطوریہ اور آریوسیہ وغیرہ۔ ان کی باہمی نفرت، عداوت اور دشمنی کی آگ کے شعلے قیامت تک بھڑکتے رہیں گے۔

وَسَوْفَ یُنَبِّئُهُمُ اللہُ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ اس میں نصاریٰ کو ان کی کارستانیوں اور ہرزہ سرائیوں پر وعید اور دھمکی دی جا رہی ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولا۔ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے اور یہ کہنے لگے کہ اس کی بیوی اور اولاد ہے حالانکہ وہ تو یکتا، ایک، بے مثل اور بے نیاز ہے جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کے کرتوتوں سے آگاہ فرما دے گا۔

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَـكُمۡ كَثِيۡرًا مِّمَّا كُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ الۡكِتٰبِ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ؕ قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ ۙ﴿۱۵﴾ يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَيَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۶﴾

''اے اہل کتاب! بے شک آ گیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لئے بہت سی ایسی چیزیں جنہیں تم چھپایا کرتے تھے کتاب سے اور درگزر فرماتا ہے بہت سی باتوں سے بے شک تشریف لایا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک کتاب ظاہر کرنے والی۔ دکھاتا ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انہیں جو پیروی کرتے ہیں اس کی خوشنودی کی، سلامتی کی راہیں اور نکالتا ہے انہیں تاریکیوں سے اجالے کی طرف اپنی توفیق سے اور دکھاتا ہے انہیں راہ راست''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں فرماتا ہے کہ اسی نے اپنے پیارے عظیم الشان رسول حضرت محمد ﷺ کو تمام اہل زمین خواہ عربی ہوں یا عجمی، امی ہوں یا کتابی، کی طرف رسول ﷺ بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ کو معجزات اور روشن دلائل عطا فرمائے جن سے حق و باطل کے درمیان امتیاز ہوتا ہے۔

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا...... یعنی وہ رسول کریم ﷺ ان چیزوں سے پردہ اٹھاتا ہے جو اہل کتاب نے بدل ڈالیں تھیں، جن میں تحریف کرتے، من گھڑت تاویلیں کرتے اور اپنے مطلب کے لئے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے اور یہ رسول عظیم ﷺ ان کی تبدیل کردہ ایسی بہت سی باتوں سے خاموشی اختیار کرتا ہے جنہیں بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے رجم کا انکار کیا تو گویا اس نے ناسمجھی میں قرآن کا انکار کیا۔ اس آیت میں رجم کا ہی ذکر ہے جسے اہل کتاب چھپاتے تھے(1)۔

پھر قرآن کریم کے متعلق فرمایا کہ یہ ایسی کتاب ہے جو اس نے اپنے پیارے نبی کریم ﷺ پر نازل فرمائی، یہ کتاب ہدایت ہے جو متلاشیان حق کے لئے نجات، سلامتی اور استقامت کی راہوں کو روشن کر دیتی ہے، انہیں ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جاتی ہے اور صراط مستقیم پر گامزن کر دیتی ہے۔ یہ کتاب انہیں ہلاکتوں اور آفتوں سے نجات دلاتی ہے یہ انعامات خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہے اور ناپسندیدہ چیزوں سے بچنے کا سبب۔ یہ گمراہی کو مٹاتی ہے اور ہدایت کی طرف ان کی رہنمائی کرتی ہے۔

لَـقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ ‌ؕ قُلۡ فَمَنۡ يَّمۡلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا اِنۡ اَرَادَ اَنۡ يُّهۡلِكَ الۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ‌ؕ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ‌ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ وَالنَّصٰرٰى نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ‌ ؕ قُلۡ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمۡ بِذُنُوۡبِكُمۡ‌ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ

1۔ مستدرک حاکم، کتاب الحدود، جلد 4، صفحہ 359

بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

''یقیناً کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تو مسیح بن مریم ہی ہے (اے حبیب!) آپ فرمائیے کون قدرت رکھتا ہے اللہ کے حکم میں سے کوئی چیز روک دے (یعنی) اگر وہ ارادہ فرمائے کہ ہلاک کردے مسیح بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جو کوئی بھی زمین میں ہے سب کو (تو اسے کون روک سکتا ہے) اور اللہ ہی کے لئے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اور کہا یہود اور نصاریٰ نے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں آپ فرمائیے (اگر تم سچے ہو) تو پھر کیوں عذاب دیتا ہے تمہیں تمہارے گناہوں پر بلکہ تم بشر ہو اس کی مخلوق سے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے''۔

اللہ تعالیٰ عیسائیوں کے کفر کو بیان فرما رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندے اور مخلوق حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کے بارے میں دعویٰ کیا کہ وہی ان کے خدا ہیں۔ اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے اور ان کے اس قول سے بہت ارفع اور برتر ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء میں اپنی قدرت کاملہ اور سلطنت قاہرہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا...... یعنی اگر اللہ تعالیٰ یہ ارادہ فرمائے کہ وہ مسیح بن مریم، ان کی والدہ اور روئے زمین پر بسنے والی تمام مخلوق کو ہلاک کردے تو کیا کسی کے بس میں ہے کہ وہ اسے روک لے؟ پھر فرمایا: وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ یعنی تمام موجودات کو اسی نے پیدا کیا ہے اور وہی ان کا مالک ہے، ہر چیز اس کے قبضہ اختیار میں ہے، وہ جو چاہے کرنے پر قادر ہے، اس کی قدرت، عظمت، سلطنت اور عدل ہر چیز پر حاوی ہے، کسی معاملہ میں اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی۔ اس میں نصاریٰ کا رد ہے۔ تا قیامت ان پر اللہ کی لعنتیں ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے کذب و افتراء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ یعنی ہماری نسبت اللہ کے نبیوں کی طرف ہے اور وہ اللہ کے بیٹے ہیں، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی تعلق ہے، اس لئے ان انبیاء کے امتی ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنا محبوب رکھتا ہے۔ ہم اس کے لاڈلے اور چہیتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب سے نقل کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) سے کہا تھا: ''اَنْتَ ابْنِيْ بِكْرِيْ'' (تو میرا پہلا بیٹا ہے)، پھر تاویل اور تحریف کرکے الٹ پلٹ مطلب نکال کر کہتے کہ ہم بھی خدا کے فرزند ہوئے، حالانکہ انہی میں جو عقلمند اسلام لے آئے انہوں نے اس دعویٰ کی تردید کی اور بتایا کہ یہ لفظ (ابن) ان کے ہاں تشریف، فضیلت اور اکرام کو ظاہر کرتا ہے یعنی وہ اللہ کے لاڈلے اور مقرب ہیں نہ کہ یہ معنی ہے کہ وہ صلبی بیٹے ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ اپنی کتابوں سے نقل کرتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى اَبِيْ وَاَبِيْكُمْ'' اس (اَب) سے مراد بھی سگا باپ نہیں بلکہ رب ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی طرف جا رہا ہوں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں، اپنے لئے وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے بلکہ ''اَبْنَاءُ اللّٰه'' کہہ کر مراد یہ لیتے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت، عظمت اور قرب حاصل ہے اسی لئے انہوں نے کہا: نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ۔

اللہ تعالیٰ ان کے رد میں فرماتا ہے: قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ یعنی اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ ہم اللہ کے بیٹے اور پیارے

ہیں تو پھر ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمہارے کفر، کذب اور افتراء کی پاداش میں تمہارے لئے نار جہنم کیوں تیار کی گئی ہے؟ کسی صوفی نے کسی فقیہہ سے پوچھا کہ کیا قرآن کریم میں کہیں یہ بھی ہے کہ حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں دیتا؟ فقیہہ جواب نہ دے سکا تو اس صوفی نے اس آیت قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمْ بِذُنُوۡبِکُمْ کی تلاوت کی۔ یہ قول بہت اچھا ہے اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ گزر رہے تھے، رستہ میں ایک بچہ کھیل رہا تھا۔ بچے کی ماں نے جب ان حضرات کو آتے دیکھا تو اسے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کا بچہ نہ روند دیا جائے۔ وہ دوڑتی ہوئی اور میرا بیٹا، میرا بیٹا پکارتی ہوئی آئی اور فوراً اپنے بچے کو اٹھالیا۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! یہ عورت تو اپنے بچے کو کبھی بھی آگ میں نہیں ڈال سکتی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں اور اللہ بھی اپنے محبوب کو آگ میں نہیں ڈالے گا'' (1)۔

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ...... ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے اہل کتاب! تم بھی اس کی مخلوق میں بشر ہی ہو، تمہیں دوسروں پر کوئی فضیلت یا برتری حاصل نہیں اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے تمام بندوں کے بارے میں فیصلہ فرمانے والا ہے، جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب میں مبتلا کر دے، وہ جو چاہے کرتا ہے اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے وہ سب کچھ اسی کے زیر تصرف ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے پھر وہ عدل و انصاف سے اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نعمان بن اُضاء، بحری بن عمرو اور شاس بن عدی (یہودی علماء) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ باہم گفت وشنید ہوئی۔ آخر میں آپ ﷺ نے انہیں اللہ کی طرف بلایا اور اس کے شدید عذاب سے انہیں خبردار کیا تو وہ کہنے لگے: یا محمد ﷺ! آپ ہمیں کیا ڈرا رہے ہیں، ہم خدا کی قسم، اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ نصاریٰ بھی یہی کہتے۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی (2)۔ سدی کہتے ہیں کہ ان کے ''نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ'' کہنے کی وجہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسرائیل کی طرف وحی کی کہ تمہارا بیٹا میرا پہلا بیٹا ہے اس کی اولاد چالیس دن تک جہنم میں رہے گی۔ اس عرصہ میں آگ انہیں پاک کردے گی اور ان کے گناہوں کو کھا جائے گی پھر منادی ہوگی کہ اسرائیل کی اولاد میں سے ختنہ شدہ نکال دیئے جائیں چنانچہ وہ جہنم سے باہر نکال دیئے جائیں گے، یہی مفہوم ہے ان کے اس قول کا: لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾

''اے اہل کتاب! بے شک آگیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول صاف بیان کرتا ہے تمہارے لئے (احکام الٰہی) بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا تاکہ تم یہ نہ کہو کہ نہیں آیا تھا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا۔ اب تو آگیا ہے تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اس نے تمہاری طرف اپنا عظیم رسول ﷺ بھیج دیا ہے جو خاتم النبیین ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں اور نہ کوئی رسول، بلکہ یہ سب کے بعد تشریف لانے والا ہے۔ اسی لئے فرمایا: ''عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ'' یعنی ایک طویل مدت کے بعد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ ﷺ کی بعثت کے درمیان گزری۔ اس دوران اور کوئی نبی یا

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 104
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 164، سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 514

رسول نہیں آیا۔ اس فترۃ کی مدت میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مدت چھ سو سال تھی۔ امام بخاری نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے یہی مدت نقل کی ہے(1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ مدت پانچ سو ساٹھ سال تھی۔ کچھ کہتے ہیں کہ پانچ سو چالیس سال، کوئی کہتا ہے کہ چار سو تیس برس سے کچھ زائد۔ ابن عساکر نے شعبی سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھائے جانے اور ہجرت نبی ﷺ کے درمیان نو سو تینتیس برس کا فاصلہ تھا لیکن مشہور پہلا قول ہی ہے کہ فترۃ کی مدت چھ سو سال تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ چھ سو بیس سال، لیکن ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ پہلا قول شمسی حساب سے ہے اور دوسرا قمری حساب سے۔ ہر شمسی اور قمری صدی میں تقریباً تین سال کا فرق ہوتا ہے۔ اسی لئے اہل کہف کے قصہ میں فرمایا: وَلَبِثُوْا فِیْ کَہْفِہِمْ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا (الکہف: 25) ''اور (اہل کتاب کہتے ہیں کہ) وہ ٹھہرے رہے اپنے غار میں تین سو سال اور زیادہ کئے انہوں نے (اس پر) نو سال''۔ یعنی قمری تین سو نو سال، تاکہ یہ اس شمسی تین سو سال کی مدت کے موافق ہو جائے جو اہل کتاب کے ہاں معروف تھی۔ فترۃ (انقطاع رسل) کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے اور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے درمیان ہے، اس عرصہ میں کوئی نبی نہیں آیا جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''لوگوں میں سے سب سے زیادہ ابن مریم کے قریب یقیناً میں ہوں، میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں''(2)۔

اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ان دو جلیل القدر پیغمبروں کے درمیان بھی کوئی نبی آیا ہے، جس کا نام خالد بن سنان بتاتے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طویل عرصہ کے بعد حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اس وقت کیفیت یہ تھی کہ سلامتی کی راہیں معدوم ہو چکی تھیں، ادیان بدل چکے تھے، تعلیمات الٰہی فراموش ہو چکی تھیں، اصنام پرستی، آتش پرستی اور صلیب پرستی بکثرت مروج تھی، فساد کا دور دورہ تھا، سرکشی اور جہالت نے ہر جگہ اپنے ڈیرے جمار کھے تھے سوائے چند ایک سعادت مندوں کے کہ جو سابقہ انبیاء کی شریعتوں کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے، تو ان سنگین حالات میں اللہ تعالیٰ نے اصلاح احوال اور ہدایت کے لئے اپنے پیارے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہیں، عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ باتیں سکھاؤں جن سے تم ناواقف ہو اور وہ مجھے آج ہی سکھائی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ حلال ہے، اور میں نے اپنے تمام بندوں کو حنیف (باطل سے منہ موڑ کر حق کی طرف رغبت کرنے والا) پیدا کیا ہے لیکن شیاطین ان کے پاس آتے ہیں، انہیں دین سے برگشتہ کر دیتے ہیں، ان پر میری حلال کردہ چیزیں حرام قرار دے دیتے ہیں اور انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ میرے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرائیں جن کی کوئی دلیل میں نے نازل نہیں کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمین کو دیکھا اور عرب و عجم کو سب کو ناپسند کیا سوائے چند بنی اسرائیل کے (جو توحید پر قائم ہیں) اور (مجھے) فرمایا کہ میں نے تمہیں منصب نبوت پر فائز کیا ہے تاکہ تمہیں بھی آزماؤں اور تمہاری وجہ سے اوروں کو بھی اور میں نے تم پر وہ کتاب اتاری ہے جسے پانی نہیں دھو سکتا، جسے تم سوتے جاگتے پڑھ سکتے ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں قریش کو تبلیغ کروں۔'' میں نے عرض کی: اے پروردگار! وہ تو میرا سر کچل کر روٹی کی طرح بنا دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم انہیں نکالو جس طرح انہوں نے تمہیں نکالا تھا، ان کے ساتھ جنگ کرو ہم تمہاری مدد کریں گے، ان پر خرچ کرو ہم آپ کو عطا فرمائیں گے، ان

1۔ فتح الباری، کتاب مناقب الانصار، جلد 7، صفحہ 277
2۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 477-478

کے مقابلہ میں لشکر بھیجو ہم اس سے پانچ گنا لشکر بھیجیں گے، اپنے اطاعت گزاروں کو لیکر نافرمانوں کے ساتھ لڑائی کرو۔ جنتی تین قسم کے لوگ ہیں: (1) بادشاہ عادل توفیق یافتہ اور اللہ کی راہ میں صدقہ خیرات کرنے والا، (2) رحم دل انسان جو ہر قرابت دار اور مسلمان کے ساتھ رحم اور نرمی کرنے والا ہو اور (3) فقیر حرام سے بچنے والا عیالدار (اس کے باوجود) صدقہ کرنے والا۔ اور جہنمی پانچ قسم کے لوگ ہیں: (1) گھٹیا کمینے بے دین اور ماتحت لوگ جن کا نہ کوئی گھر بار ہے اور نہ مال و دولت، (2) خائن لوگ جن کا طمع چھپائے بھی نہیں چھپتا، چھوٹی موٹی چیز میں خیانت سے بھی نہیں باز آتے، (3) مکار دھوکے باز جو صبح و شام لوگوں کو ان کے اہل و مال میں دھوکہ دیتے پھرتے ہیں، (4) بخیل یا کذاب اور (5) بدخلق اور فحش گو" (1)۔

اس حدیث کو لانے کا مقصد یہ قول ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمین کو دیکھا سوائے چند بنی اسرائیل کے سب عرب و عجم کو ناپسند فرمایا"۔ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے دین اسلام لوگوں پر مشتبہ ہو گیا تھا، لوگ طرح طرح کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ راہ ہدایت معدوم ہو چکی تھی، اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر کرم فرمایا اور اپنے پیارے محبوب ﷺ کو لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرما دیا، آپ ﷺ کو روشن شریعت عطا فرمائی تا کہ لوگوں کا عذر باقی نہ رہے اور وہ یہ نہ کہتے رہیں کہ ہمارے پاس تو کوئی رسول آیا ہی نہیں جو ہمیں ہدایت کی طرف بلاتا، تو یہ دیکھ لو تمہارے پاس بشیر و نذیر نبی محمد ﷺ تشریف لا چکا ہے۔

وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وہ نافرمانوں کو سزا دینے اور اطاعت گزاروں کو ثواب دینے پر پوری طرح قادر ہے (2)۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۰﴾ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖۗ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَ عَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾

"اور جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہوا جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں حکمران اور عطا فرمایا تمہیں جو نہیں عطا فرمایا تھا کسی کو سارے جہانوں میں اے میری قوم! داخل ہو

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، صفحہ 2197-2198، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 162-266
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 167-168

جاؤ اس پاک زمین میں جسے لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اور نہ پیچھے ہٹو پیٹھ پھیرتے ہوئے ورنہ تم لوٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے۔ کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام! اس زمین میں تو بڑی جابر قوم (آباد) ہے اور ہم ہرگز داخل نہ ہونگے اس میں جب تک وہ نکل نہ جائیں وہاں سے اور اگر وہ نکل جائیں اس سے تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے (اس وقت) کہا دو آدمیوں نے جو (اللہ سے) ڈرنے والوں سے تھے انعام فرمایا تھا اللہ نے جن پر کہ (بے دھڑک) داخل ہو جاؤ ان پر دروازہ سے اور جب تم داخل ہو گے دروازہ سے تو یقیناً تم غالب آجاؤ گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر ہو تم ایمان دار کہنے لگے اے موسیٰ! ہم تو ہرگز داخل نہ ہونگے اس میں قیامت تک جب تک وہ وہاں ہیں پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے موسیٰ نے عرض کی اے میرے رب! میں مالک نہیں ہوں بجز اپنی ذات کے اور اپنے بھائی کے پس جدائی ڈال دے ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان اللہ نے فرمایا تو یہ سرزمین حرام کر دی گئی ہے ان پر چالیس سال تک سرگرداں پھریں گے زمین میں سو نہ غمگین ہوں آپ اس نافرمان قوم (کے انجام) پر"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے، عظیم رسول اور کلیم موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دنیاوی اور اُخروی نعمتوں کی یاددہانی کراتے ہوئے راہ راست پر گامزن رہنے کی تلقین کی۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ..... یعنی یکے بعد دیگرے تم میں سے ہی نبی مبعوث فرمائے، ایک نبی رخصت ہو جاتا تو دوسرا تشریف لے آتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء کا سلسلہ چلتا رہا یہ تمام انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہ سب حضرات اللہ کی طرف بلاتے رہے اور اس کے عذاب سے خبردار کرتے رہے۔ پھر نبوت و رسالت کا شرف اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمایا۔ آپ ﷺ حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے ہیں اور آپ ﷺ تمام انبیاء و رسل سے اشرف اور افضل ہیں۔

وَّ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا اس نے تمہیں خود مختار بنایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ تمہیں خدام، بیویاں اور گھر بار عطا فرمائے۔ ملوک کا معنی یہاں بادشاہ نہیں (1)۔

وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ یعنی اس وقت جتنے لوگ تھے ان سب سے زیادہ انعامات تم پر کئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سے جب کسی شخص کے پاس بیوی، خادم اور گھر بار ہوتا تو اسے "مَلِک" (حکمران) کا نام دیتے۔ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے سوال کیا کہ کیا ہم فقراء مہاجرین میں سے نہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تیری بیوی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا: کیا رہنے کے لئے گھر ہے؟ کہا: ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تو تو اغنیاء میں سے ہے (2)۔ اس شخص نے کہا کہ میرے پاس تو خادم بھی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تو تو بادشاہوں میں سے ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سواری، خادم اور گھر ہو تو وہی بادشاہت ہے۔ ابن شوذب کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سے جس شخص کے پاس گھر اور خادم ہوتا اور اس کے پاس آنے کے لئے اجازت طلب کرنا پڑتی تو اسے بادشاہ سمجھا جاتا۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خدام کا رواج پہلے پہل ان بنی اسرائیل نے ہی دیا تھا، سدی "مَلِک" کا

1۔ مستدرک حاکم، تفسیر سورہ مائدہ، جلد 2، صفحہ 311-312، تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 169 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 169

معنی بتاتے ہیں جو اپنی ذات، اپنے مال اور اہل کا مالک ہو۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں جس کے پاس خادم، سواری اور بیوی ہوتی اسے بادشاہ لکھا جاتا۔ حضرت زید بن اسلم سے بھی اس مفہوم کی ایک روایت ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے: ''جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اس کا جسم صحیح سالم ہو، وہ اپنے گھر میں مامون ہو، اس کے پاس دن بھر کی خوراک ہو تو گویا ساری دنیا اس کے لئے سمٹ آئی'' (1)۔

وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ یعنی بنی اسرائیل کے زمانہ کے عالمین (جہان)۔ وہ اپنے زمانے کی یونانی، قبطی اور دوسری اقوام سے اشرف تھے جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (جاثیہ: 16) ''اور بے شک ہم نے عطا فرمائی بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت اور ہم نے ان کو پاکیزہ رزق دیا اور انہیں بزرگی دی (اپنے زمانے کے) اہل جہاں پر''۔

جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مشرکین جیسے خدا کی فرمائش کی تو اس کے متعلق فرمایا: قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الاعراف: 140-138) ''موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یقیناً تم جاہل (اور بے سمجھ) لوگ ہو۔ بے شک یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں تباہ ہو کر رہیں گے اور باطل ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا بغیر اللہ کے میں تلاش کروں تمہارے لئے کوئی اور خدا حالانکہ اسی نے فضیلت دی ہے تمہیں سارے جہانوں پر''۔

مقصود یہی ہے کہ وہ اپنے زمانے کے لوگوں سے افضل تھے، کیونکہ یہ حقیقت اور امر واقع ہے کہ حضور ﷺ کی امت اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے اشرف، افضل اور برتر ہے، شریعت میں ان سے کامل، راہ راست پر گامزن ہونے میں ان سے درست، نبی اس کا سب سے معزز و محترم، بادشاہت ان کی عظیم، ارزاق، اموال و اولاد ان کے زیادہ، مملکت ان کی وسیع اور عزت و غلبہ اس امت کا دائمی ہے، یہ سعادتیں انہیں حاصل نہیں ہیں فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ: 143) ''اور اسی طرح ہم نے بنا دیا تمہیں (اے مسلمانو!) بہترین امت تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر''۔

ہم نے اس امت کی فضیلت، شرف اور عظمت کے متعلق احادیث متواترہ سورۂ آل عمران میں آیت کریمہ: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: 110) کی تفسیر کے ضمن میں ذکر کر دی ہیں۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس آیت کریمہ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ میں خطاب بنی اسرائیل کے ساتھ ساتھ امت محمدیہ کو بھی ہے (2)۔ لیکن جمہور کہتے ہیں کہ اس میں خطاب صرف قوم موسیٰ کو ہے اور انہیں فضیلت صرف ان ''عَالَمِیْن'' پر حاصل ہے جو ان کے زمانہ میں تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ بعض چیزوں میں انہیں واقعۃً فضیلت دی گئی جیسے من و سلویٰ کا اترنا، بادلوں کا سایہ کرنا وغیرہ، اس قسم کی خارق عادت چیزوں سے انہیں مخصوص کیا گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ابھارا اور رغبت دلائی کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے نکل پڑیں اور بیت المقدس میں داخل ہو جائیں۔ بنی اسرائیل کا اصل وطن تو شام ہی تھا۔ بیت المقدس حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9، صفحہ 208۔ ابن ماجہ، کتاب الزہد، صفحہ 1387
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 170

انہی کے قبضہ میں تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں اور اہل وعیال سمیت حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر چلے گئے اور وہاں ہی رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک بنی اسرائیل مصر میں ہی سکونت پذیر رہے۔ اس اثناء میں عمالقہ نے شام پر قبضہ کرلیا۔ یہ بہت جابر قوم تھی، قد وقامت اور قوت وجبروت میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ وہ ان کے ساتھ جنگ کریں اور انہیں اپنے آبائی وطن سے نکال باہر کریں اور آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فتح ونصرت کی بشارت دی لیکن ان نامرادوں نے بزدلی کا مظاہرہ کیا اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو درخورِ اعتناء نہ سمجھا اور نافرمانی پر اتر آئے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں عبرتناک سزا دی وہ تیہ کی وادی میں حیران وسرگرداں پھرتے رہے، چالیس سال تک صحراؤں اور بیابانوں کی خاک چھانتے پھرے اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ارض مقدسہ سے مراد کوہ طور اور اس کے ارد گرد کا علاقہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس سے مراد اریحاء ہے، اسی طرح بعض مفسرین نے بھی اس کا ذکر کیا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ اریحاء کو نہ تو فتح کرنا مقصود تھا اور نہ وہ بیت المقدس کی طرف جانے والے رستہ میں آتا تھا کیونکہ فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد وہ تو مصر سے آرہے تھے ہاں اگر اریحاء سے مراد بیت المقدس ہو تو درست ہے جیسا کہ سدی کا قول ہے لیکن اگر اس سے مراد وہ مشہور شہر ہو جو طور کی طرف بیت المقدس کی مشرقی جانب تھا تو یہ درست نہیں ہے (1)۔

الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ یعنی وہ ارض مقدسہ جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کی زبانی تم سے کیا تھا کہ یہ ان لوگوں کی وراثت ہے جو تم میں سے اہل ایمان ہوں گے۔

وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِكُمْ...... جہاد سے اعراض نہ کرنا ورنہ نقصان اٹھاتے ہوئے لوٹو گے لیکن وہ عذر پیش کرنے لگے کہ یا حضرت! جس شہر میں آپ نے داخل ہونے اور وہاں کے مکینوں کے ساتھ جنگ کرنے کا ہمیں حکم دیا ہے اس شہر میں تو بڑی جابر قوم آباد ہے، وہ تو بڑی شان وشوکت والی ہے، ہم تو ان کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے اور جب تک وہ اس شہر میں ہیں ہم اس میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کرسکتے۔ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم اس میں داخل ہونے کے لئے تیار ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس جابر قوم کے شہر میں داخل ہونے کا حکم ہوا تو آپ اپنے ساتھیوں کو لیکر چل پڑے۔ جب آپ اریحاء کے قریب پہنچے تو آپ نے بارہ جاسوس معین کئے، ہر قبیلہ سے ایک ایک جاسوس لیا اور انہیں ان جابروں کے شہر کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ ان کے حالات کا مشاہدہ کرکے آگاہ کریں۔ جب وہ جاسوس ان کے شہر میں داخل ہوئے تو ان کے قد وقامت اور قوت وجبروت کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ وہ سب ان میں سے کسی کے باغ میں داخل ہو گئے۔ اتفاق سے باغ کا مالک پھل توڑنے کے لئے وہاں پہنچ گیا، وہ پھل توڑنے لگا تو اسے کچھ قدموں کے نشانات دکھائی دیئے، وہ نشانات کے پیچھے چلتا چلتا انہیں ڈھونڈنے لگا۔ تلاش کرتے کرتے ان میں سے جو اسے مل جاتا اسے پھلوں کے ساتھ اپنی گٹھڑی میں باندھ لیتا، اس طرح اس نے تمام کے تمام بارہ جاسوسوں کو پھلوں کے ساتھ باندھ لیا اور انہیں بادشاہ کے پاس لے گیا اور اس کے سامنے یہ سارے جاسوس ڈھیر کردیئے۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ اب تو تمہیں ہماری قوت اور شان وشوکت کا اندازہ ہو ہی گیا ہے، جاؤ اور یہ سب کچھ اپنے سردار کو بتادو، چنانچہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور سارا

1۔ اس ضمن میں سورۂ بقرہ: 58 کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

واقعہ کہہ سنایا(1)۔اس کی سند محل نظر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان بارہ نقیبوں کو بھیجا جن کا ذکر قرآن کریم میں ہوا۔ وہ چل پڑے، اس جابر قوم کا ایک آدمی انہیں ملا تو اس نے تمام کو اپنی چادر میں باندھ کر اٹھالیا اور اپنے شہر میں لے گیا اور منادی کر دی۔ سارے شہر والے وہاں جمع ہو گئے اور ان سے پوچھنے لگے کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم قوم موسیٰ میں سے ہیں، انہوں نے ہمیں تمہارے حالات کا مشاہدہ کرنے اور تمہارے متعلق خبریں لانے کے لئے بھیجا ہے۔ انہوں نے ان کو انگور کا ایک دانہ دیا جو ایک آدمی کے لئے کافی تھا، پھر وہ کہنے لگے کہ موسیٰ اور اس کی قوم کے پاس جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ یہ ہے ہمارے پھلوں کی قدر۔ چنانچہ وہ نقیب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں لوٹے اور چشم دید حالات سے آپ کو آگاہ کر دیا۔ یہ سن کر بنی اسرائیل دہشت زدہ ہو گئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ان کے شہر میں داخل ہونے اور ان کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا تو کہنے لگے: اے موسیٰ! جاؤ تم اور تمہارا رب، تم دونوں جنگ کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں(2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک لمبی لکڑی لی اور اسے اپنے بازو کے ساتھ ناپا، پھر اس کے ساتھ پچاس یا پچپن ہاتھ زمین کی پیمائش کر کے فرمایا کہ عمالقہ کے قد اس قدر لمبے تھے۔ اکثر مفسرین نے ان کے بارے میں بہت سی اسرائیلی روایات نقل کی ہیں جن میں ان کے قد کاٹھ کا ذکر ہے، کہا جاتا ہے کہ ان میں عوج بن عنق بنت آدم علیہ السلام تھا، اس کا طول تین ہزار تین سو تینتیس گز تھا اور جسم کی چوڑائی تین گز تھی لیکن یہ ایسی چیزیں ہیں جن کے ذکر سے حیا مانع ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح کے بھی مخالف ہے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا، پھر اس کے بعد سے آج تک مخلوق کے قد گھٹتے ہی رہے"(3)۔ اس شخص (عوج بن عنق) کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کافر اور ولد الزنا تھا۔ طوفان نوح کے وقت اس نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں بیٹھنے سے انکار کر دیا تھا، پھر بھی طوفان اس کے گھٹنوں تک بھی نہ پہنچا۔ یہ بالکل جھوٹ اور افتراء ہے۔ قرآن کریم اس کے خلاف ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے تو تمام کافر اہل زمین کے لئے بددعا کی تھی اور کہا تھا: رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا (نوح:26)۔ "اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا"۔

یہ دعا قبول ہوئی، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَأَنجَيْنٰهُ وَمَن مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِينَ ۝ (الشعراء:119-120)۔ "پس ہم نے نجات دی انہیں اور جو آپ کے ہمراہ اس کشتی میں تھے جو کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ پھر ہم نے غرق کر دیا اس کے بعد پیچھے رہ جانے والوں کو" اور فرمایا: لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ (ہود:43)۔ "آج کوئی بچانے والا نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے"۔

حضرت نوح علیہ السلام کا کافر بیٹا غرق ہو گیا تو عوج بن عنق بد اصل کافر کی کیا مجال تھی کہ وہ باقی زندہ رہتا یہ عقل اور شریعت کے منافی ہے بلکہ ہمیں تو یہ بھی یقین نہیں کہ عوج بن عنق نامی کوئی شخص ہوا ہوگا۔

قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ...... جب بنی اسرائیل نے اتباع الٰہی اور اطاعت موسیٰ علیہ السلام سے منہ موڑ لیا تو ان دو آدمیوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 174 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 177-178

3۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 362، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، صفحہ 2183-2184

نے انہیں کہا جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل وکرم اور انعام فرمایا تھا اور ان کے دلوں میں خوف خدا تھا اور وہ ڈرتے تھے کہ کہیں بنی اسرائیل کی نافرمانی کی پاداش میں اللہ کا عذاب نہ نازل ہو جائے۔ ایک دوسری قراءت میں ''یَخَافُوْنَ'' کی بجائے ''یُخَافُوْنَ'' (مجہول) آیا ہے(1)۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دونوں ان لوگوں میں سے تھے جنہیں عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور لوگوں کے ہاں ان کا وقار اور ہیبت تھی۔ ان دونوں کے نام یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا تھے۔

اُدْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ...... ان دونوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم اللہ پر بھروسہ کرو گے، اس کے حکم کو بجالاؤ گے اور اس کے رسول کی موافقت کرو گے تو اللہ تمہیں بے یارومددگار نہیں چھوڑے گا بلکہ دشمن کے خلاف تمہاری مدد کرے گا، تمہیں تائید ونصرت اور فتح وظفر عطا فرمائے گا اور تم یقیناً اس شہر میں داخل ہو جاؤ گے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، اس لئے ذرا ہمت کر دو، نامرد نہ بنو اور اس شہر کے دروازے میں تو داخل ہو کر دیکھو کیسے تمہیں فتح نصیب ہوتی ہے لیکن یہ وعظ اور فہمائش بے سود ثابت ہوئے۔ یہ نامراد اپنی پہلی ہی بات پر اڑے رہے، کہنے لگے: اے موسیٰ! ہم ہرگز قیامت تک اس میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ اس شہر میں ہیں، جاؤ تم اور تمہارا رب جا کر جنگ کرو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ یہ جہاد میں شرکت سے بزدلی اور مخالفت رسول کا اظہار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب انہوں نے جہاد سے روگردانی کی اور واپس مصر جانے کا پختہ عزم کر لیا تو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے انہیں بڑی نرمی اور رقت سے سمجھایا اور اپنے اس عزم سے باز رکھنے کی کوشش کی، یہ حال دیکھ کر یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اپنی قوم کو لعن طعن اور ملامت کی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان بدبختوں نے ان دو بزرگوں کو پتھر مار مار کر شہید کر دیا، ایک بڑا طوفان کھڑا کر دیا اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔ سبحان اللہ! جنگ بدر کے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا خوب جانثاری کا مظاہرہ کیا تھا! ابوسفیان کے قافلہ کو بچانے کے لئے مشرکین کا ایک بہت بڑا لشکر آ رہا تھا جس کی تعداد نو سو سے ایک ہزار تک تھی، خود اور زرہیں پہنے ہر قسم کے اسلحہ سے لیس بڑے گھمنڈ میں مسلمانوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ابوسفیان کا قافلہ تو رستہ بدل کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا لیکن یہ لشکر جنگ پر مصر رہا اور اس نے مسلمانوں کو کچل ڈالنے اور اسلام کو مٹا دینے (نعوذ باللہ من ذلک) کے ارادہ سے مدینہ کا رخ کیا۔ نبی کریم ﷺ کو ان حالات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس معاملہ میں مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑی پیاری گفتگو کی اور اپنی جانثاری کا اظہار کیا، پھر چند دوسرے مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم نے گفتگو کی لیکن آپ ﷺ یہی فرما رہے تھے کہ ''مسلمانو! مجھے مشورہ دو'' اس میں اشارہ انصار کی طرف تھا کہ وہ بھی اپنی رائے دیں کیونکہ اس وقت ان کی اکثریت تھی۔ چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! شاید آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمیں لیکر سمندر میں کود جائیں تو ہم آپ کے ساتھ کود جائیں گے، ایک آدمی بھی ہم میں سے پیچھے نہیں رہے گا، آپ ہمیں دشمن کے ساتھ جنگ میں لے چلیں ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں، ہم تو جنگ میں ڈٹ جانے والے اور دشمن کے خلاف ثابت قدم رہنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری جانثاری کے باعث آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دے گا، اللہ کا نام لے کر چلیں(2)۔ تو آپ ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہم کے اس جذبہ پر بہت مسرور ہوئے اور یہ بات آپ ﷺ کو بہت پسند آئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف نکلے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا تو

1۔ البحر المحیط: جلد 4، صفحہ 455 2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 615

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا۔ آپ ﷺ نے پھر مشورہ طلب کیا تو انصار کہنے لگے: اے گروہ انصار! رسول اللہ ﷺ کی (اس سے) مراد تمہی لوگ ہو، پھر وہ کہنے لگے، یہ بات ہے تو سنئے ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ''اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ''، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! اگر آپ برک الغماد کی طرف بھی چلیں تو ہم آپ کی پیروی کریں گے (1)۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا: ''کیا تم جنگ نہیں کرو گے؟'' انہوں نے عرض کی: ضرور کریں گے اور ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ جاؤ تم اور تمہارا رب، تم دونوں جنگ کرو ہم یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہم تو یوں کہتے ہیں کہ آپ بھی چلئے اور آپ کا رب بھی، ہم آپ کے ساتھ جنگ پر آمادہ ہیں۔ اس دن جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی جان نثاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ جواب دیا تھا ان میں سے حضرت مقداد بن عمرو کندی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔(2) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا ایک ایسا منظر دیکھا ہے میری تمنا ہے کہ یہ مجھے نصیب ہوتا اور یہ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب تھا، وہ یہ ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہیں گے کہ اے موسیٰ! تم اور تمہارا خدا جا کر جنگ کرو بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے جنگ کریں گے، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک یہ بات سن کر خوشی سے کھل گیا(3)۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے کہا تھا: یا رسول اللہ! تشریف لے چلئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں(4)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے یہ بات صلح حدیبیہ کے دن کی تھی، جب مشرکین نے مسلمانوں کا رستہ روک لیا، قربانی کے جانور بھی آگے نہ جانے دیئے اور مسلمانوں اور مناسک عمرہ کی ادائیگی میں حائل ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: میں تو اپنی قربانی کا جانور لے کر بیت اللہ شریف پہنچ کر قربان کرنا چاہتا ہوں'' تو اس وقت حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: خدا کی قسم! ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں جنہوں نے اپنے نبی سے کہہ دیا تھا: ''اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ'' بلکہ ہم تو آپ کی معیت میں لڑیں گے، جب دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بات سنی تو وہ بھی اسی طرح جان نثاری کا اظہار کرنے لگے(5)۔ اگر حدیبیہ والی اس روایت میں یہ بات ہو تو ممکن ہے پہلے بدر میں انہوں نے یہ بات کہی ہو اور حدیبیہ والے دن پھر دوبارہ یہی بات کی ہو۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ...... جب بنی اسرائیل نے جہاد سے منہ پھیر لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غضبناک ہو کر ان کے حق میں بددعا کی۔ اللہ کی بارگاہ میں عرض کرنے لگے، اے پروردگار! میں سوائے اپنے اور اپنے بھائی کے کسی کا مالک نہیں ہوں، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو میری اطاعت کرے، تیرے فرمان کو بجا لائے اور میری دعوت پر لبیک کہے بجز میرے اور میرے بھائی کے۔ اس لئے یا اللہ! ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ...... ان کی روگردانی، نافرمانی اور نامردی کے باعث جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے بددعا کی تو اللہ

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 188، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، جلد 7، صفحہ 109 2۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 314
3۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 389-390 4۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 287 و تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 8، صفحہ 273
5۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 180

تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے یہ فیصلہ فرمادیا کہ اب اس سرزمین میں ان کا داخلہ چالیس سال تک کے لئے حرام کردیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ وادی تیہ میں سرگرداں بھٹکتے رہے، صحراؤں کی چالیس سال تک خاک چھانتے رہے، کوئی راہ انہیں سجھائی نہیں دیتی تھی اور نہ اس صورت حال سے رہائی کی کوئی سبیل نظر آتی تھی۔ یہاں بہت سے خارق عادت امور رونما ہوئے۔ مثلاً ان پر بادلوں کا سایہ کرنا، من وسلویٰ کا اترنا، ان کے ساتھ جانور پر لدے ہوئے ٹھوس پتھر سے پانی کا جاری ہونا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر اپنا عصا مارا تو اس سے بارہ چشمے جاری ہوگئے ہر ایک قبیلہ کے لئے ایک چشمہ۔ اس طرح اور متعدد معجزات تھے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تائید کی۔ یہیں ہی تورات اتری اور احکام نازل ہوئے اور قبۃ العہد بنایا گیا جسے قبۃ الزمان بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ اس صحراء میں چالیس سال تک بھٹکتے رہے، صبح اٹھ کر چلتے لیکن انہیں کوئی قرار نصیب ہی نہ تھا، پھر اسی وادی میں بادل ان پر سایہ کرتا، ان پر من وسلویٰ اتارا گیا۔ یہ حدیث فتون کا حصہ ہے(1)۔ پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہوگئی، پھر اس کے تین سال بعد حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا وصال ہوا، پھر آپ کے خلیفہ یوشع بن نون کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنادیا۔ اس مدت میں اکثر اسرائیلی لقمہ اجل بن گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صرف حضرت یوشع اور حضرت کالب باقی رہ گئے۔ اس لئے بعض مفسرین قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ پر وقف تام کرتے ہیں اور ''أَرْبَعِينَ سَنَةً'' کا تعلق مابعد فعل (يَتِيهُونَ) کے ساتھ کرتے ہیں۔ یعنی یہ اس فعل کا معمول ہے اور یہی فعل اسے نصب دے رہا ہے۔ چنانچہ جب چالیس سال کی مدت ختم ہوگئی تو حضرت یوشع علیہ السلام ان میں سے باقی ماندہ لوگوں اور (آزادی کی فضا میں پروان چڑھنے والی) نئی نسل کو لیکر نکلے اور بیت المقدس کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا اور بروز جمعہ عصر کے بعد اسے فتح کرلیا۔ جب جمعہ کے دن سورج غروب ہونے لگا اور آپ کو اندیشہ ہوا کہ ہفتہ کا دن آجائے گا (جس کی عظمت کے باعث لڑائی ممکن نہ تھی) تو آپ نے سورج سے فرمایا: یعنی تو اللہ کے حکم کا پابند ہے اور میں بھی پابند ہوں، اے اللہ! اسے تھوڑی دیر کے لئے روک دے۔ چنانچہ فتح ہونے تک اللہ تعالیٰ نے سورج کو روکے رکھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ بنی اسرائیل سے کہہ دیں کہ جب وہ بیت المقدس میں داخل ہوں تو اس کے دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے اور ''حِطَّةٌ'' (ہمارے گناہ معاف فرمادے) کہتے ہوئے داخل ہوں لیکن انہوں نے اس حکم کو بدل ڈالا اور اپنی سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے اور ''حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ'' کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ یہ ساری تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے(2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ چالیس سال تک ٹامک ٹوئیاں کھاتے رہے، اسی وادی تیہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام اور ہر اس شخص کی وفات ہوگئی جس کی عمر چالیس سال سے متجاوز تھی۔ جب چالیس سال گزر گئے تو ان کی باگ ڈور حضرت یوشع علیہ السلام کے ہاتھ میں آگئی۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر بیت المقدس فتح کیا۔ جمعہ کا دن تھا، فتح کا ارادہ کیا لیکن سورج غروب ہونے لگا، انہیں اندیشہ ہوا کہ اگر ہفتہ کا دن آگیا تو انہیں رکنا پڑے گا اس لئے انہوں نے سورج کو ندادی کہ میں بھی اللہ کے حکم کا پابند ہوں اور تو بھی۔ چنانچہ آپ علیہ السلام کے حسب ارشاد سورج ٹھہر گیا یہاں تک کہ آپ علیہ السلام نے بیت المقدس فتح کرلیا۔ وہاں آپ علیہ السلام کو اس قدر مال غنیمت حاصل ہوا کہ اس قدر کبھی نہ دیکھا تھا۔ بمطابق حکم الٰہی اسے جلانے کے لئے آگ میں ڈالا لیکن آگ نے نہ جلایا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں کوئی خائن ہے جس نے مال غنیمت میں سے کچھ چرایا ہے۔ آپ علیہ السلام

1۔ یہ حدیث سورۂ طٰہٰ:40 کی تفسیر میں آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ:58

نے تمام قبائل کے سرداروں کو بلالیا جن کی تعداد بارہ تھی، ان سے بیعت لی۔ ان میں سے ایک سردار کا ہاتھ آپ علیہ السلام کے ہاتھ سے چپک گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ خیانت کا مال تیرے پاس ہے، جاؤ لیکر آؤ۔ اس نے گائے کا سونے سے بنا ہوا سر پیش کیا جس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں اور دانت موتیوں کے۔ آپ علیہ السلام نے اس کو بھی دوسرے مال کے ساتھ رکھ دیا۔ اب آگ نے سارا مال غنیمت جلا ڈالا۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ "فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ"، "اَرْبَعِیْنَ سَنَةً" کا عامل ہے اور بنی اسرائیل کا یہ گروہ چالیس سال تک بیت المقدس میں نہ داخل ہو سکا بلکہ میدان تیہ میں بھٹکتا رہا، پھر وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلے اور اس طرح بیت المقدس فتح ہوا۔ اس کی دلیل ابن جریر کے نزدیک پہلے علماء اہل کتاب کا یہ اجماع ہے کہ عوج بن عنق کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا تھا، اگر اس کا قتل واقعہ تیہ سے پہلے کا ہوتا تو بنو اسرائیل عمالقہ کے ساتھ جنگ کرنے سے اس طرح خوفزدہ نہ ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ واقعہ تیہ کے بعد ہوا۔ اس بات پر بھی ان پہلے علماء کا اتفاق ہے کہ بلعام بن باعورا نے حضرت موسیٰ کے لئے بددعا کر کے جابر قوم کی اعانت کی تھی، یہ واقعہ بھی تیہ کے بعد کا ہے کیونکہ وہ جابر قوم واقعہ تیہ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم سے ڈرتی ہی نہ تھی۔ یہ ہے ابن جریر کا استدلال۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا دس ہاتھ کا تھا اور آپ کا قدم بھی دس ہاتھ کا تھا اور آپ کی چھلانگ بھی دس ہاتھ پر محیط تھی۔ آپ نے اچھل کر عوج بن عنق کو اپنا عصا مارا، وہ اس کے ٹخنے پر لگا اور وہ مر گیا۔ اس کے جسم کو نیل پر رکھ کر پل بنا دیا گیا، سال بھر اہل نیل اس پر آتے جاتے رہے (1)۔ نوف بکالی کا کہنا ہے کہ عوج کا تخت آٹھ سو ہاتھ کا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قد دس ہاتھ تھا اور عصا بھی دس ہاتھ۔ آپ اوپر فضا میں دس ہاتھ چھلانگ لگا لیتے۔ آپ نے عوج کو عصا مارا جو اس کے ٹخنے پر لگا تو وہ مر کر گر پڑا۔ اس کے جسم کو پل بنا لیا گیا جس پر لوگ گزرتے۔

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تسلی ہے کہ ان کے متعلق جو فیصلہ نافذ ہو چکا ہے اس پر آپ افسوس اور غم نہ کریں یہ اس عذاب کے مستحق ہیں۔ اس قصہ میں یہودیوں کے لئے لعن طعن اور زجر و توبیخ ہے اور ان کی رسوائیوں، برائیوں، اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت، نافرمانی اور جہاد سے روگردانی کا بیان ہے، یہ ایسے نامرد اور کم ہمت تھے کہ دشمن کے خلاف ڈٹ جانے اور میدان جنگ میں ثابت قدمی اور جوانمردی کے جوہر دکھانے سے عاجز آ گئے حالانکہ اللہ کے رسول اور کلیم اس وقت ان میں موجود تھے اور آپ انہیں فتح و ظفر کا وعدہ بھی دے رہے تھے، مزید برآں فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی اور تباہی کا منظر یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا اور فرعونیوں کو عبرتناک عذاب سے دوچار کیا۔ اس واقعہ کو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ اس کے باوجود وہ ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے سے روگردانی کرنے لگے جو فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کے مقابلے میں عشر عشیر بھی نہ تھے۔ چنانچہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا، ان کے کرتوت عیاں ہو گئے، ایسی رسوائی اور ذلت کا انہیں سامنا کرنا پڑا جسے نہ کوئی رات ڈھانپ سکتی ہے اور نہ کوئی پردہ چھپا سکتا ہے، مزید برآں وہ اپنی جہالت میں بھٹک رہے ہیں اور اپنی گمراہی میں سرگرداں ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض اور اس کے دشمن ٹھہرے۔ اس کے باوجود وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے در رحمت سے دھتکار دیا، ان کے چہروں کو مسخ کر کے انہیں خنزیر اور بندر بنا دیا، ان پر ایسی لعنت مسلط کر دی جو انہیں دہکتے ہوئے جہنم کے ابدی عذاب کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 186-185

دور کر دے گی۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٠﴾ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۗاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾

''اور آپ پڑھ سنایئے انہیں خبر دو فرزندان آدم کی ٹھیک ٹھیک جب دونوں نے قربانی دی تو قبول کی گئی ایک سے اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے (اس دوسرے نے) کہا قسم ہے میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔ (پہلے نے) کہا (تو بلاوجہ ناراض ہوتا ہے) قبول فرماتا ہے اللہ صرف پرہیز گاروں سے تو اگر تو بڑھائے میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ تو قتل کرے مجھے (جب بھی) میں نہیں بڑھانے والا اپنا ہاتھ تیری طرف تاکہ میں قتل کروں تجھے میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو مالک ہے سارے جہانوں کا میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو اٹھالے میرا گناہ اور اپنا گناہ تاکہ تو ہو جائے دوزخیوں سے اور یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی پس آسان بنا دیا اس کے لئے اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل سو قتل کر دیا اسے اور ہو گیا سخت نقصان اٹھانے والوں سے پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا کھودتا تھا زمین کو تاکہ دکھائے اسے کہ کس طرح چھپائے لاش اپنے بھائی کی کہنے لگا ہائے افسوس! کیا قاصر رہا میں کہ ہوتا اس کوے کی مانند تو چھپا دیتا لاش اپنے بھائی کی غرض وہ ہو گیا سخت پچھتانے والوں سے''۔

اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلبی بیٹوں قابیل اور ہابیل کا قصہ بیان کر کے سرکشی، حسد اور ظلم کے انجام بد کو بیان فرمار ہا ہے کہ کس طرح ایک بھائی نے دوسرے پر ظلم روا رکھا، سرکشی اور حسد کی آگ نے اسے اپنے سگے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ اس کی اپنی قربانی تو بارگاہ خداوندی میں مسترد کر دی گئی لیکن اس کے بھائی کے نذرانہ عقیدت وعبودیت کو شرف قبول سے نوازا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس پر جل بھن گیا اور اپنے بھائی کو قتل کرنے پر کمر بستہ ہو گیا۔ مقتول کو تو جنت کی ابدی آرام گاہ مل گئی جب کہ قاتل دونوں جہانوں میں نامراد اور خائب وخاسر رہا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ ان سرکش، حاسد خنزیروں اور بندروں کے بھائی یہود وغیرہ کو آدم علیہ السلام کے دو فرزندوں (ہابیل اور قابیل) کا قصہ ٹھیک ٹھیک اور بے کم وکاست سنائیں جس میں نہ کوئی شک وشبہ ہو، نہ جھوٹ نہ تو ہم، نہ تغیر وتبدل اور نہ کمی بیشی جیسا کہ فرمایا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ (آل عمران: 62)۔ ''بے شک یہی ہے واقعہ سچا'' اور فرمایا: نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ (الکہف: 13)۔ ''اے حبیب! ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی خبر ٹھیک ٹھیک'' اور فرمایا: ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ (مریم: 34)۔ ''یہ ہے عیسیٰ بن مریم (اور یہ ہے وہ) سچی بات''۔

ہابیل اور قابیل کا قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ابتدائی دور میں حضرت آدم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ مشروع قرار دیا تھا کہ

وہ ضرورت کے پیش نظر اپنے بیٹوں کا نکاح اپنی بیٹیوں سے کیا کریں۔ اس کی صورت یہ تھی کہ آپ کے ہاں ہر ایک حمل سے لڑکا لڑکی دونوں ہوتے۔ آپ ایک حمل کے لڑکے کی شادی دوسرے حمل کی لڑکی کے ساتھ کر دیتے۔ ہابیل کی بہن خوبصورت نہیں تھی جبکہ قابیل کی بہن خوبصورت تھی۔ اس نے ارادہ کیا وہ اپنی جڑواں بہن کے ساتھ شادی کرے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے منع فرمایا۔ آخر طے یہ ہوا کہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نام پر کچھ نذر پیش کریں جس کی نذر قبول کر لی گئی اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ہابیل کی نذر مقبول ہوئی اور قابیل کی نامنظور ہوئی۔ باقی ان کا قصہ وہی ہے جو قرآن کریم کی مذکور آیتوں میں بیان کیا گیا ہے۔

اس قصہ کے بارے میں مفسرین نے کچھ اقوال ذکر کیے ہیں وہ یہاں بیان کیے جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم بیان فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں جب بھی لڑکا پیدا ہوتا تو اس کے ساتھ لڑکی بھی ہوتی۔ وہ اس طرح کرتے کہ ایک حمل کے لڑکے کا نکاح دوسرے حمل کی لڑکی کے ساتھ کر دیتے۔ یہاں تک کہ آپ کے ہاں دو بیٹے ہابیل اور قابیل پیدا ہوئے۔ قابیل کھیتی باڑی کرتا تھا اور ہابیل جانور پالتا تھا۔ قابیل بڑا تھا اور اس کی بہن ہابیل کی بہن سے زیادہ خوبصورت تھی۔ ہابیل نے قابیل کی بہن کے ساتھ نکاح کرنا چاہا لیکن قابیل نے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ یہ میری بہن ہے، میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اور تیری بہن سے بھی زیادہ خوبصورت اس لئے اس کے ساتھ شادی کرنے کا مجھے زیادہ حق ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے کہنے کے باوجود اس نے اپنی بہن ہابیل کے نکاح میں نہ دی۔ چنانچہ یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ کون اس لڑکی کے ساتھ شادی کا زیادہ حقدار ہے، ان دونوں نے بارگاہ خداوندی میں قربانی (خیرات) پیش کی۔ حضرت آدم علیہ السلام اس وقت وہاں موجود نہیں تھے بلکہ آپ مکہ شریف دیکھنے کے لئے وہاں گئے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تمہیں اس زمین پر میرے گھر کے بارے میں علم ہے؟ عرض کی: یا اللہ! نہیں۔ فرمایا: مکہ میں میرا گھر ہے وہاں جاؤ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے آسمان سے فرمایا کہ دیانتداری کے ساتھ میرے بچوں کی حفاظت کرنا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ پھر آپ نے زمین سے فرمایا، اس نے بھی انکار کر دیا۔ پھر پہاڑوں سے کہا، انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ آخر اپنے بیٹے قابیل کو حکم دیا تو اس نے تعمیل کی حامی بھر لی اور اپنے والد ماجد سے کہا کہ آپ جائیں، واپس آئیں تو اپنے اہل کو آپ حسب خواہش حالت میں پائیں گے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام روانہ ہو گئے تو دونوں نے اپنی اپنی نذر پیش کی۔ قابیل تو اترا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اس لڑکی کا میں زیادہ مستحق ہوں، یہ میری بہن ہے اور میں تجھ سے بڑا بھی ہوں اور والد محترم کا وصی بھی۔ چنانچہ ہابیل نے ایک موٹا تازہ جانور بطور نذرانہ عبودیت پیش کیا اور قابیل نے اپنی کھیتی میں سٹوں کا ایک بنڈل پیش کیا جس میں اچھی اچھی بالیاں نکال کر اس نے کھالیں۔ آگ آئی اور ہابیل کی نذر کو کھا گئی جبکہ قابیل کی نذر کو ویسے ہی چھوڑ دیا (آگ کا کھانا اس دور میں قبولیت کی علامت تھا) چنانچہ قابیل غضبناک ہو گیا اور اپنے بھائی کو دھمکیاں دینے لگا اور کہنے لگا کہ میں تمہیں قتل کر دوں گا تا کہ تو میری بہن کے ساتھ نکاح نہ کر سکے، ہابیل نے کہا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے، اللہ تعالیٰ تو پرہیز گاروں کی نذر قبول فرماتا ہے(1)۔

جڑواں بہن بھائیوں کا آپس میں نکاح ممنوع تھا جبکہ ایک حمل کے لڑکے کا دوسرے حمل کی لڑکی سے مشروع تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں بہترین، خوبصورت، سینگوں والا مرغوب مینڈھا اللہ کے نام پر پیش کیا جبکہ قابیل نے اپنی کھیتی سے غلہ کا ردی ڈھیر نذر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کی قربانی کو شرف

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 188-189

قبول بخشا اور اس جانور کو چالیس سال تک جنت میں رکھا اور یہی وہ مینڈھا ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلہ میں ذبح کیا تھا۔ یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ ہابیل نے رضا مندی کے ساتھ نہایت اچھا جانور پیش کیا تھا اور قابیل نے بادل نخواستہ نہایت ردی قسم کا غلہ نذر میں پیش کیا تھا۔ ہابیل زیادہ طاقتور اور توانا تھا لیکن خوفِ خدا اور گناہ کے ڈر سے اپنے بھائی پر ہاتھ اٹھانے سے باز رہا(1)۔

اسماعیل بن رافع مدنی کہتے ہیں کہ ہابیل نے جو مینڈھا نذر میں پیش کیا تھا وہ ہابیل کو بہت محبوب تھا، شدید محبت کے باعث وہ اپنی کمر پر اٹھائے رکھتے۔ جب قربانی کا حکم ہوا تو اسے ہی پیش کر دیا، یہ مینڈھا جنت میں چرتا اور پلتا رہا یہاں تک کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں اسے زمین پر اتارا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے ذبح کر دیا(1)۔

محمد بن علی بن حسین بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں ہابیل اور قابیل سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ فرمایا ہے کہ میری اولاد میں سے کچھ ایسے ہوں گے جو نذرانہ عبودیت پیش کریں گے، اس لئے تم اپنی اپنی قربانی پیش کرو تاکہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور جب تمہاری قربانی مقبول ہو تو مجھے قرار نصیب ہو، ہابیل نے بہترین جانور پیش کیا جبکہ قابیل نے کھیتی کا کچھ ردی حصہ۔ حضرت آدم علیہ السلام دونوں کو اپنی اپنی نذر سمیت لیکر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ وہاں اپنی اپنی چیزیں رکھ دیں۔ آگ آئی، ہابیل کی نذر کو کھا لیا جبکہ قابیل کی نذر کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ بہت برافروختہ ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام سے کہنے لگا کہ آپ کو تو ہابیل سے محبت ہے، اس کے حق میں آپ نے دعا کی اس لئے اس کی قربانی مقبول ہوگئی اور میری قربانی مسترد ہوگئی۔ پھر ہابیل سے کہنے لگا کہ میں تمہیں ٹھکانے لگا دوں گا تاکہ تجھ سے چھٹکارا پا سکوں اس طرح وہ قتل کی دھمکی دینے لگا۔ ہوا یوں کہ ایک شام ہابیل اپنے جانوروں کے پاس ہی رکا رہا، گھر آنے میں دیر ہوگئی تو حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل سے پوچھا کہ تمہارا بھائی کہاں ہے؟ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو بھیجا کہ وہ ہابیل کو بلا لائے۔ قابیل نے سوچا کہ آج بڑا سنہری موقعہ ہے، آج رات تو ضرور ہی میں ہابیل کا قصہ تمام کر دوں گا، یہ منصوبہ بنایا اور چھری لیکر نکل پڑا۔ رستہ میں ہی دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوگئی۔ قابیل کہنے لگا کہ اے ہابیل! تیری قربانی مقبول ہوئی اور میری قربانی نامنظور ہوئی، میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔ ہابیل نے کہا کہ میں نے تو عمدہ اور مرغوب چیز پیش کی تھی جبکہ تو نے ردی چیز اور اللہ تعالیٰ تو صرف عمدہ چیز ہی قبول فرماتا ہے اور وہ بھی متقین سے۔ یہ سن کر قابیل غضبناک ہوگیا اور چھری گھونپ دی۔ ہابیل کہنے لگا کہ تو خدا کو کیا جواب دے گا؟ تمہیں پتہ ہے کہ اس جرم کا اللہ تعالیٰ تمہیں کیسا بدلہ دے گا؟ لیکن اس نے ہابیل کی ایک نہ سنی اور اسے قتل کر ڈالا۔

ابن اسحاق کی ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ قابیل نے اس بناء پر بھی اپنا استحقاق پیش کیا تھا کہ ہماری ولادت جنت میں ہوئی اور ان (ہابیل اور اس کی بہن) کی زمین پر ہوئی(2)۔

اس وقت چونکہ کوئی مسکین نہ تھا جسے صدقہ دیا جاتا اس لئے اس وقت یہ دستور تھا کہ جس آدمی کی نذر اور قربانی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوتی، آسمان سے آگ اتر کر اسے جلا ڈالتی، یہ قبولیت کی علامت تھی، اور جس آدمی پر اللہ تعالیٰ راضی نہ ہوتا تو اس کی نذر کو آگ نہ جلاتی بلکہ وہ جوں کی توں رہتی اور آگ اس پر بھسم ہو جاتی۔ دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی نذر پیش کی تو ایسا ہی ہوا۔ آگ آسمان سے اتری، ایک کی قربانی کو جلا دیا اور دوسری کو باقی رکھا۔ قابیل اپنے بھائی سے کہنے لگا: یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ لوگ تمہارے بارے میں تو یہ کہیں کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 186-187 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 188

اس کی قربانی مقبول ہوئی اور میری قربانی مسترد ہوئی، قسم بخدا! یہ نہیں ہوسکتا کہ لوگ تمہیں مجھ سے بہتر سمجھیں، اس لئے میں ضرور تمہیں موت کے گھاٹ اتار دوں گا تو اس کے بھائی نے اسے کہا کہ بھلا، میرا کیا گناہ ہے، اللہ تعالیٰ تو صرف پرہیز گاروں کی نذر قبول فرماتا ہے۔ یہ اثر ابن جریر نے روایت کیا ہے (1)۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نذر اور قربانی نکاح کے تنازع کو ختم کرنے یا کسی اور سبب کے باعث نہ تھی جس طرح ایک جماعت کا موقف ہے اور الفاظ قرآن کے ظاہری مفہوم کا تقاضا بھی ہے لیکن آیت کریمہ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا کا سیاق اس بات کا مقتضی ہے کہ قابیل کے حسد اور غضب کی اصل وجہ قربانی کی عدم قبولیت تھی نہ کہ کچھ اور۔ پھر مشہور یہی ہے کہ ہابیل نے جانور کی اور قابیل نے اپنی کھیتی میں سے نذر پیش کی تھی، کچھ لوگ اس کے برعکس کہتے ہیں لیکن یہ خلاف مشہور ہے، ممکن ہے راوی کو کچھ فرق لگ گیا ہو۔

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کے عمل کو قبول فرماتا ہے جو اپنے عمل میں اللہ سے ڈرتے ہوں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے میری ایک نماز ہی قبول فرمالی ہے تو یہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔

میمون بن ابی حمزہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابی وائل کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ہمارے پاس حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ایک ابوعفیف نامی شخص آ گیا، شقیق بن سلمہ نے اسے کہا: اے ابوعفیف! کیا معاذ بن جبل کی کوئی بات ہمیں نہیں سناؤ گے؟ اس آدمی نے کہا: کیوں نہیں، میں نے انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا: لوگ (قیامت کے دن) ایک بڑے میدان میں جمع ہوں گے، ایک منادی ندا دے گا کہ متقین کہاں ہیں؟ پس متقین اللہ تعالیٰ کے بازو کے نیچے جا ٹھہریں گے نہ اللہ تعالیٰ ان سے حجاب فرمائے گا اور نہ پردہ۔ میں نے ابوعفیف سے پوچھا کہ متقین کون ہیں؟ فرمایا: وہ لوگ جو شرک اور اصنام پرستی سے باز رہے اور خالص اللہ کی عبادت کرتے رہے، انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَکَ ...... وہ صالح بھائی جس کی قربانی مقبول ہوئی اسے جب اس کے بھائی نے ناحق قتل کی دھمکی دی تو اس نے اپنے تقویٰ اور پارسائی کے موجب یہ بات کہی یعنی اے میرے بھائی! میں تمہاری طرح فعل بد کا ارتکاب نہیں کروں گا ورنہ ہم دونوں ایک جیسے خطا کار ٹھہریں گے، مجھے تو اپنے رب سے ڈر لگتا ہے کہ میں بھی تمہاری طرح برائی سے ملوث ہو جاؤں، بلکہ میں تو خالص رضائے الٰہی کے لئے صبر کروں گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! وہ (ہابیل) زیادہ طاقتور تھا لیکن تقویٰ نے اسے اس گناہ سے باز رکھا۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب دو مسلمان اپنی تلواریں لیکر آمنے سامنے (لڑائی کے لئے) آ جائیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس قاتل کا دوزخی ہونا تو قابل فہم ہے لیکن اس مقتول کا کیا قصور؟ فرمایا: "وہ بھی تو اپنے ساتھی کو قتل کرنے پر آمادہ تھا" (2)۔

جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا تو اس وقت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عنقریب فتنہ برپا ہوگا جس میں بیٹھا رہنے والا کھڑے رہنے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا، کسی نے پوچھا حضور! اگر کوئی میرے گھر میں گھس کر مجھے قتل کرنا

3۔ تفسیری طبری، جلد 6، صفحہ 187 1۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، جلد 9، صفحہ 64، صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 8، صفحہ 169

چاہے تو؟ فرمایا: پھر آدم علیہ السلام کے بیٹے کی طرح ہو جا"(1)۔ یہ حدیث حسن ہے۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے مذکورہ آیت کی تلاوت بھی فرمائی(2)۔

حضرت ابو ایوب سختیانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اس امت میں سے جس شخص نے اس آیت پر عمل کیا وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ذات ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ دراز گوش پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا، مجھے فرمانے لگے: اے ابوذر! بتاؤ، اگر لوگ بھوک اور فاقے کا شکار ہو جائیں اور (بھوک کے باعث صورتحال یہ ہو) کہ تو اپنے بستر سے اٹھ کر مسجد میں بھی نہ آسکے تو تو کیا کرے گا؟" عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرنا (بلکہ صبر کرنا)، پھر آپ ﷺ نے پوچھا! اے ابوذر! بتاؤ، اگر لوگوں کو شدید موت سے دوچار ہونا پڑے جس میں گھر ہی قبر بن جائے تو تو کیا کرے گا؟ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس وقت صبر کرنا۔" پھر آپ ﷺ نے پوچھا: اے ابوذر!" بتاؤ، اگر لوگوں میں اس قدر خونریزی ہو کہ پتھر بھی خون میں ڈوب جائیں تو تم کیا کرو گے؟" عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی معلوم ہے۔ فرمایا: "اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے گھر میں ہی بیٹھے رہنا۔" میں نے عرض کی کہ اگر مجھے پھر بھی نہ چھوڑا جائے تو؟ فرمایا: تو ان کے پاس چلے جانا جن میں سے ہے اور انہی میں سے ہو جانا۔" میں نے عرض کی: اگر میں اپنا اسلحہ لیکر نکل پڑوں تو؟ فرمایا: "تب تو بھی ان کے ساتھ شریک جرم ہو جائے گا بلکہ اگر کسی کی تلوار کی شعاعیں تمہیں خوفزدہ کریں تو بھی اپنی چادر اپنے چہرہ پر اوڑھ لے تا کہ وہ اپنے اور تمہارے گناہ (کے بوجھ) کو اٹھا لے"(3)۔

حضرت ربعی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں شریک تھے، میں نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ان (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ) سے یہ بھری محفل میں سنا ہے جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: "اگر تم آپس میں لڑائی کرو گے تو خدا کی قسم! میں اپنے سب سے دور دراز گھر کو دیکھ رہا ہوں، میں اس میں داخل ہو جاؤں گا، اگر وہاں کوئی (شرپسند) آگھسے تو میں اسے کہوں گا کہ میرا اور اپنا گناہ اپنے سر لے لے اور میں آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے جو بہتر تھا اس کی طرح بن جاؤں گا"(4)۔

اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَ اِثۡمِکَ..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے قتل کا گناہ اور تیرے وہ گناہ جو تجھ سے پہلے سرزد ہوئے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ میرے گناہوں کا بھی تو ہی سزاوار ہو جائے اور ان کا بوجھ اٹھا لے اور میرے قتل کے گناہ کا بھی۔ یہ قول مجاہد رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کیا جاتا ہے لیکن میرا خیال ہے یہ غلط ہے کیونکہ صحیح روایت جو ان سے منقول ہے وہ اس کے برعکس ہے(5)۔ یہ بھی اسی معنی کے قائل ہیں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے۔

بہرکیف آپ رحمتہ اللہ علیہ سے یہ معنی بھی منقول ہے کہ میرا ارادہ ہے کہ تو میری خطاؤں اور میرے خون ناحق کا گناہ تو اپنے سر لے لے۔ اس بناء پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاتل مقتول کے تمام گناہ اپنے ذمہ لے لیتا ہے اور اس کی تائید میں ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں جس کی کوئی اصل نہیں، حدیث یہ ہے: "قاتل مقتول کا کوئی گناہ نہیں چھوڑتا (یعنی اپنے سر لے لیتا ہے)"

حافظ ابوبکر بزار نے ایک حدیث روایت کی ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 185 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، جلد 4، صفحہ 99 3۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 149
4۔ یہ حدیث ابن مردویہ نے روایت کی ہے 5۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 193

''کسی کو باندھ کر ناحق قتل کرنا اس کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے''(1)۔ یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے اگر صحیح ہو بھی تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قتل کی تکلیف کے باعث مقتول کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے، لیکن یہ کہنا کہ مقتول کے گناہوں کا بوجھ قاتل کے سر پر لاد دیا جاتا ہے یہ درست نہیں۔ ممکن ہے بعض قاتلوں کے بارے میں ایسا اتفاق ہو جائے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو مقتول قاتل سے اپنے خون ناحق کے بدلہ کا مطالبہ کرے گا تو بدلہ میں قاتل کی نیکیاں مقتول کو دے دی جائیں گی، بقدر زیادتی وظلم نیکیاں مقتول کو مل جائیں گے۔ اگر اس کی نیکیاں ظلم کی تلافی نہ کر سکیں اور ختم ہوگئیں تو مقتول کے گناہ لیکر قاتل پر ڈال دیئے جائیں گے، یہ بھی ممکن ہے کہ مقتول کے سارے گناہ قاتل کے سر پڑ جائیں۔ حدیث صحیح سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام مظالم میں ایسا کیا جائے گا اور قتل تو سب سے بڑا اور گھناؤنا جرم ہے۔

امام ابن جریر کہتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے قتل کا گناہ اور اپنے گناہ سب لے جائے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے گناہ بھی تیرے ذمہ لگ جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ ہر شخص کو اس کے عمل کی جزا دے گا، جب معاملہ یہ ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ مقتول کے تمام گناہ قاتل کے کھاتے میں ڈال دیئے جائیں بلکہ قاتل سے خون ناحق اور ان گناہوں کا مواخذہ ہوگا جن کا ارتکاب خود اس نے کیا۔ مقتول کے گناہوں کا وہ ذمہ دار نہیں ہوگا(2)۔

اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ پھر ہابیل نے اپنے بھائی سے یہ بات کیونکر کہی کہ تجھ پر میرے قتل اور گناہ کا بوجھ ہوگا حالانکہ قتل تو حرام تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہابیل نے یہ بتا دیا کہ اگر اس کے بھائی نے اس پر اپنا ہاتھ اٹھایا اور اسے قتل کرنے کے درپے ہوا تو وہ جواباً اسے قتل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا بلکہ اپنا ہاتھ روکے رکھے گا تاکہ اگر زیادتی ہو تو اس کے بھائی کی طرف سے ہو اس کی طرف سے نہ ہو۔ اس کلام میں قابیل کے لئے نصیحت ہے۔ ہابیل نے اسے کافی سمجھایا کہ اس فعل بد سے باز رہنا ورنہ میرے اور اپنے گناہ کا بوجھ اپنے سر لو گے اور دوزخی بن جاؤ گے، لیکن اس تنبیہ سے بھی وہ اپنے ارادہ سے باز نہ آیا، اس کے نفس نے اسے دھوکہ دیا، اپنے بھائی کے قتل کو خوشنما صورت میں پیش کیا اور اسے قتل پر آمادہ کر دیا، چنانچہ باوجود پند وموعظت اور زجر وتوبیخ کے اس نے لوہا لیکر اپنے بھائی کا کام تمام کر دیا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ہابیل قتل کی دھمکی کے بعد اپنی بکریاں لیکر پہاڑ کی چوٹی پر چلے گئے تھے۔ قابیل ڈھونڈتا ڈھونڈتا وہاں جا پہنچا۔ ایک بڑا پتھر اٹھایا اور ہابیل کے سر پر دے مارا، اس طرح وہ مر گئے اور ان کی لاش کو کھلے میدان میں چھوڑ دیا(3)۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ہابیل سوئے ہوئے تھے۔ بعض اہل کتاب کہتے ہیں کہ قابیل نے گلا دبا کر اور درندوں کی طرح کاٹ کاٹ کر انہیں موت کی نیند سلایا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ جب قابیل نے قتل کا ارادہ کیا تو اپنے بھائی کی گردن مروڑنے لگا، شیطان نے دیکھا کہ اسے تو قتل کرنے کا ڈھنگ ہی نہیں آتا۔ چنانچہ اس نے ڈھنگ سکھانے کے لئے ایک جانور پکڑا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ دیا، پھر ایک اور پتھر لیکر اس کے سر پر ضربیں لگانے لگا یہاں تک کہ اس جانور کو مار ڈالا۔ قابیل نے یہ دیکھا تو اسی طریقہ کو اپنا کر اپنے بھائی کو مار ڈالا۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ قابیل نے قتل کے ارادے سے اپنے بھائی کا سر پکڑ لیا اور زمین پر گرا کر کبھی اس کو طمانچے مارتا اور کبھی گھونسے اور کبھی سر کو پیٹتا۔ اسے قتل کرنے کا طریقہ ہی نہیں آتا تھا۔ ابلیس نے کہا کہ یہ پتھر لیکر اس کے سر پر مارو۔ چنانچہ قابیل نے ایسا ہی کیا اور اپنے بھائی کا سر پتھر مار کر کچل دیا۔ پھر ابلیس تیزی سے حضرت حواء کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے حواء! قابیل نے ہابیل کو قتل کر ڈالا ہے۔ تو وہ کہنے لگیں: قتل کیا ہوتا ہے؟ ابلیس نے کہا کہ وہ نہ کھاتا پیتا ہے اور نہ ہی کوئی حرکت کرتا ہے، تو حضرت حواء کہنے لگیں کہ یہ تو موت ہے، ابلیس نے کہا ہاں واقعی موت

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 214 2۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 193 3۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 195

ہے، پھر وہ چیخنے چلانے لگیں، اسی اثناء میں حضرت آدم علیہ السلام بھی آ گئے، حضرت حواء سے فرمانے لگے کہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ لیکن وہ جواب نہ دے سکیں، دوبارہ پھر وجہ پوچھی لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، اس پر آپ نے فرمایا کہ تو اور تیری بیٹیاں اسی طرح چیختی چلاتی رہیں گی، میں اور میرے بیٹے اس سے بری ہیں۔

فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ قابیل دنیا و آخرت میں خسارہ اٹھانے والا ہو گیا اور اس سے بڑا خسارہ کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو انسان ظلم کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے تو اس کے خون (ناحق) کا بوجھ آدم (علیہ السلام) کے اس پہلے بیٹے پر بھی پڑتا ہے کیونکہ اسی نے پہلے قتل کو رواج دیا'' (1)۔

مجاہد کہتے ہیں کہ اس دن سے قاتل کے ایک پاؤں کی پنڈلی کو ران کے ساتھ لٹکا دیا گیا، اور اس کا چہرہ سورج کے سامنے کر دیا گیا، سورج کے گھومنے کے ساتھ ساتھ وہ بھی گھومتا رہتا ہے، موسم گرما میں سخت گرمی اور سرما میں برف کا عذاب اسے ملتا رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ قاتل (قابیل) جہنمیوں کے ساتھ آگ کے عذاب میں برابر کا شریک ہے، جہنم کا آدھا عذاب اس کو ہو رہا ہے، سب سے زیادہ بدبخت یہی ہے کیونکہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کیا۔ اپنے بھائی کے قتل سے لیکر قیامت تک جو خون بہتا رہے گا اس میں سے بھی اسے گناہ کا حصہ ملتا رہے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اسی نے قتل کا طریقہ رائج کیا(2)۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو بھی آدمی ناحق قتل کیا جاتا ہے اس کا گناہ آدم علیہ السلام کے پہلے (قاتل) بیٹے اور شیطان کے ذمہ ہوتا ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا...... جب اس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا تو چونکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کی لاش کو کس طرح چھپائے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے جو بھائی بھائی تھے، وہ دونوں لڑنے لگے، ایک نے دوسرے کو مار ڈالا، پھر اس نے زمین میں گڑھا کھود کر اس میں لاش رکھی اور اس پر مٹی ڈال دی۔ جب قابیل نے یہ دیکھا تو کہنے لگا: ہائے افسوس! میں تو اس کوے جیسا ہونے سے بھی قاصر رہا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔ اس طرح دفن کرنے کی ترکیب اس کی سمجھ میں آ گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ ایک کوا ایک دوسرے از خود مرے ہوئے کوے کی طرف آیا اور اس پر مٹی ڈال کر اسے چھپا دیا۔ یہ بھی آپ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک سال تک اپنے بھائی کی لاش کو اپنے کندھے پر اٹھا کر پھرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے جن سے اس نے دفن کرنے کا طریقہ سیکھا۔ اس طریقہ کو بروئے کار لا کر اس نے اپنے بھائی کو دفن کر دیا(3)۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ ایک سو سال تک اپنے بھائی کی میت کو کندھے پر اٹھائے سرگرداں رہا۔ اسے سمجھ ہی نہیں آتی تھی کہ وہ کیا کرے، کبھی لاش کو اٹھاتا اور کبھی زمین پر رکھ دیتا یہاں تک کہ دیکھا کہ ایک کوا دوسرے کو دفن کر رہا ہے۔ سو اس نے بھی ایسا ہی کیا اور کف افسوس ملنے لگا(4)۔ عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ جب وہ قتل کر بیٹھا تو بہت نادم ہوا، اپنے بھائی کی لاش کو اپنی گود میں رکھ لیا، پرندے اور درندے انتظار کرنے لگے کہ کب یہ اس لاش کو پھینکتا ہے تاکہ وہ اسے کھائیں(5)۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جب اس نے قتل کیا تو بہت شرمندہ ہوا اور اس کی لاش کو چھپانے کی کوئی ترکیب اس کی سمجھ میں نہ آئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ روئے زمین پر یہ پہلا قتل تھا اور یہ پہلی میت تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کوا بھیج کر دفن کا طریقہ سمجھایا۔ اہل تورات کا گمان ہے کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے قابیل سے پوچھا کہ تمہارا بھائی کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا:

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 383، فتح الباری کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 364 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 193 3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 197
4۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 198 5۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 197

مجھے نہیں معلوم، میں کوئی اس کا نگہبان تھوڑا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرے بھائی کا خون مجھے زمین میں سے پکار رہا ہے، اس زمین کے باعث تجھ پر میری لعنت ہے جس زمین کا منہ کھول کر تو نے اسے اپنے بھائی کا خون پلایا۔ اب تو اگر زمین میں محنت کرے گا بھی تو بھی یہ تمہیں اس وقت تک اپنی کھیتی نہیں دے گی جب تک کہ تو زمین میں سرگرداں بھٹکتا نہ پھرے۔

فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خسارہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پر ندامت مسلط کر دی۔

یہ ہیں اس قصہ کے بارے میں مفسرین کے اقوال۔ یہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے جیسا کہ قرآن کریم سے ظاہر ہے اور اس حدیث شریف سے بھی کہ روئے زمین پر جو ناحق قتل ہوتا ہے اس کے گناہ کا ایک حصہ آدم علیہ السلام کے اس پہلے بیٹے پر بھی ڈال دیا جاتا ہے کیونکہ اس نے ہی سب سے پہلے یہ طریقہ رائج کیا۔ یہ بات بالکل واضح اور عیاں ہے۔ لیکن ابن جریر حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ دونوں آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے نہیں تھے بلکہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھے، قربانی اول اول انہی سے شروع ہوئی اور سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا انتقال ہوا(1)۔ یہ قول بہت عجیب وغریب ہے اور اس کی سند میں بھی شبہ ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ اس امت کے لئے بطور مثال کے بیان ہوا ہے، ان میں سے بہتر کی تقلید کرو(2)۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث میں بھی یہی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے آدم علیہ السلام کے فرزندوں کی مثال بیان فرمائی ہے، تم ان سے خیر کو لے لو اور شر کو ترک کر دو۔ سالم بن ابی الجعد کا کہنا ہے کہ جب ایک نے اپنے دوسرے بھائی کو قتل کر دیا تو حضرت آدم علیہ السلام ایک سو سال تک غمزدہ رہے، اس دوران بالکل نہیں ہنسے، آخر کار فرشتوں نے ان کے لئے ہنسی کی دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہنسائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس قتل پر حضرت آدم علیہ السلام بہت روئے اور آپ نے چند شعر پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے:

شہر اور شہروں کی سب چیزیں بدل گئیں، زمین کا رنگ مٹیالا اور بدصورت ہو گیا، ہر چیز کا رنگ اور ذائقہ متغیر ہو گیا اور خوبصورت چہروں کی شگفتگی اور بشاشت جاتی رہی۔

اس پر آپ کو یہ جواب دیا گیا:

اے ہابیل کے والد ماجد! دونوں چل بسے، اس زندہ نے بھی اس مردہ کی راہ لی، اس نے شر کا ارتکاب کیا جس کے باعث وہ چیخنے چلانے اور ندامت کا اظہار کرنے لگا(3)۔

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قابیل بھی جلد اپنے انجام کو پہنچا اور اس نے اپنی سزا پالی۔ چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی پنڈلی اس کی ران کے ساتھ لٹکا دی گئی اور چہرہ سورج کی طرف کر دیا گیا، اس کے ساتھ ساتھ وہ بھی گھومتا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”دنیا میں جتنے بھی گناہ اس لائق ہیں کہ انہیں اُخروی عذاب کے علاوہ اس دنیا میں بھی جلد سزا دی جائے ان میں سب سے بڑھ کر گناہ سرکشی اور قطع رحمی ہے“ (4)۔ قابیل میں تو یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 189
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 199
3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 190، الامالی الشجریۃ، جلد 1، صفحہ 383
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 276

الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾

''اسی وجہ سے (حکم) لکھ دیا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جس نے قتل کیا کسی انسان کو سوائے قصاص کے اور زمین میں فساد برپا کرنے کے تو گویا اس نے قتل کر دیا تمام انسانوں کو اور جس نے بچا لیا کسی جان کو تو گویا بچایا اس نے تمام لوگوں کو اور بے شک آئے ان کے پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ، پھر بھی بہت سے لوگ ان میں سے اس کے بعد بھی زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں۔ بلاشبہ سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انہیں (چن چن) کر قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مختلف طرفوں سے یا جلاوطن کر دیئے جائیں یہ تو ان کے لئے رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں (اس سے بھی) بڑی سزا ہے۔ مگر وہ جنہوں نے توبہ کر لی اس سے پہلے کہ تم قابو پا لو ان پر (ان کو معاف کر دیا جائے گا) اور خوب جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے''۔

اس بناء پر کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے نے ناحق اپنے بھائی کا خون کیا تھا ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم لاگو کر دیا اور ان پر یہ لکھ دیا کہ جس شخص نے کسی شخص کو بغیر کسی سبب کے قتل کر ڈالا، یعنی وہ (مقتول) قتل کا مرتکب نہیں ہوا تھا کہ قصاص میں اسے دھر لیا جاتا اور نہ ہی زمین میں اس نے فساد برپا کرنے کے گناہ کا ارتکاب کیا تھا، یعنی بغیر کسی سبب اور جرم کے جس نے ایسے شخص کو قتل کر دیا گویا اس نے تمام انسانیت کو قتل کیا کیونکہ ساری مخلوق یکساں ہے اور جس نے قتل کو حرام جان کر کسی جان کو بچا لیا تو گویا اس اعتبار سے (کہ سب لوگ یکساں ہیں) سارے لوگ محفوظ ہو گئے، اسی لئے فرمایا: فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا تو میں ان کے پاس گیا۔ میں نے انہیں کہا کہ اے امیر المؤمنین! میں (باغیوں کے خلاف) آپ کی مدد کرنے کے لئے آیا ہوں، اب انہیں مارنا تو ضروری ہو گیا ہے۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! کیا تم پسند کرتے ہو کہ مجھ سمیت تمام لوگوں کو قتل کر ڈالو؟ میں نے عرض کی: نہیں، نہیں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم نے ایک بھی آدمی کو قتل کر دیا تو گویا تم نے سب انسانوں کو قتل کیا۔ اس لئے واپس چلے جائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے اور گناہ سے محفوظ رکھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں واپس لوٹ گیا اور لڑائی میں حصہ نہ لیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ کسی نفس کے احیاء کا یہ مطلب ہے کہ انسان کسی ایسے

دوسرے انسان کو قتل نہ کرے۔ جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ تو یہ ہے وہ شخص جس نے سب انسانوں کو بچا لیا، یعنی ایک ناحق خون کو بچانے کے باعث گویا سب لوگ زندگی پا گئے اور محفوظ ہو گئے (1)۔ اور جس نے ایسے شخص کو قتل کیا جس کا قتل حرام تھا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو تہ تیغ کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ جس نے کسی نبی یا عادل مسلمان امام کو قتل کیا تو گویا اس نے پوری انسانیت کا خون کیا اور جس نے کسی نبی یا عادل امام کے ہاتھ مضبوط کئے گویا اس نے پوری انسانیت کو محفوظ کر دیا (2)۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ آپ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت میں بیان کرتے ہیں کہ جس نے ایک آدمی کو قتل کیا گویا اس نے سب کو قتل کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ناحق قتل کرنے والا جہنمی ہے، یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے اس نے تمام لوگوں کو مار ڈالا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس فرمان کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالا تو وہ جہنمی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہو جاتا ہے اور اسے اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے، مزید برآں اس نے اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر اگر وہ سب لوگوں کو بھی مار ڈالتا تو بھی اس سے زیادہ عذاب اسے نہ ملتا۔ اور جو آدمی کسی کو ناحق قتل نہیں کرتا تو گویا اس سے تمام لوگوں کی زندگی محفوظ ہو گئی۔

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ جس نے کسی کو ناحق قتل کر دیا تو اس پر قصاص واجب ہے خواہ ایک کو قتل کرے یا زیادہ ہوں، کوئی فرق نہیں۔ اور اگر ولی قاتل کو معاف کر دے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو بچا لیا۔ ایک روایت میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جس نے ڈوبنے، جلنے یا ہلاکت سے کسی جان کو بچا لیا تو گویا اس نے سب کو بچا لیا۔

حسن رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ قتل کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ یہ بہت عظیم اور غیر معمولی معاملہ ہے، قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور کسی جان کو بچا لینا عظیم اجر کا موجب ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا بنی اسرائیل کی طرح ہم بھی اس حکم کے مکلف ہیں؟ فرمایا: ہاں، معبود برحق کی قسم! بنی اسرائیل کے خون اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے خونوں سے کوئی زیادہ معزز اور محترم تو نہ تھے۔ جس نے ایک آدمی کو قتل کیا گویا سب لوگوں کے قتل کا بوجھ اور گناہ اس نے اپنے ذمہ لیا اور جس نے ایک آدمی کی جان بچائی گویا وہ سب لوگوں کو محفوظ رکھنے کے اجر کا مستحق ٹھہرا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! ایسی چیز کی طرف میری رہنمائی فرمائیے جس کے باعث میں پرسکون زندگی گزار سکوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے حمزہ! کسی جان کو مار ڈالنا تمہیں محبوب ہے یا بچا لینا؟'' عرض کی کہ کسی نفس کا بچا لینا مجھے محبوب ہے، فرمایا: ''اپنی فکر اور اصلاح کرو'' (3)۔

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ...... ان کے پاس ہمارے رسول ﷺ دلائل و براہین اور روشن معجزات لیکر آئے لیکن اس کے بعد بھی اکثر لوگ زیادتی سے باز نہ آئے۔ اس آیت میں یہود کو زجر و توبیخ اور ملامت کی جا رہی ہے کہ باوجود علم کے وہ محارم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مدینہ میں رہنے والے یہودی قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع کو ہی دیکھ لیجئے کہ زمانہ جاہلیت میں وہ اوس اور خزرج کے ساتھ مل کر آپس میں لڑتے پھر جب میدان جنگ ٹھنڈا ہو جاتا اور جنگ ختم ہو جاتی تو قیدیوں کو فدیہ دیکر چھڑا لیتے اور مقتول کی دیت ادا کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو ناپسند کرتے ہوئے سورۂ بقرہ میں فرمایا: وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 207　　2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 200　　3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 175

وَ اِنۡ یَّاۡتُوۡکُمۡ اُسٰرٰی تُفٰدُوۡہُمۡ وَ ہُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیۡکُمۡ اِخۡرَاجُہُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡکِتٰبِ وَ تَکۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ یَّفۡعَلُ ذٰلِکَ مِنۡکُمۡ اِلَّا خِزۡیٌ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ یُرَدُّوۡنَ اِلٰۤی اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَ مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾ (البقرہ:85-84)'' اور یاد کرو جب لیا ہم نے تم سے پختہ وعدہ کہ تم اپنوں کا خون نہیں بہاؤ گے اور نہیں نکالو گے اپنوں کو اپنے وطن سے، پھر تم نے (اس وعدہ پر ثابت رہنے کا) اقرار بھی کیا اور تم خود اس کے گواہ ہو۔ پھر تم وہی ہونا (جنہوں نے یہ وعدے کئے) کہ اب قتل کر رہے ہو اپنوں کو اور نکال باہر کرتے ہو اپنے گروہ کو ان کے وطن سے (نیز) مدد دیتے ہو ان کے خلاف (دشمنوں کو) گناہ اور ظلم سے۔ اور اگر آئیں تمہارے پاس قیدی بن کر (تو بڑے پاکباز بن کر) ان کا فدیہ ادا کرتے ہو حالانکہ حرام کیا گیا تھا تم پر ان کا گھروں سے نکالنا۔ تو کیا تم ایمان لاتے ہو کتاب کے کچھ حصہ پر اور انکار کرتے ہو کچھ حصہ کا۔ (تم خود ہی کہو) کیا سزا ہے ایسے نابکار کی تم میں سے سوائے اس کے کہ رسوا رہے دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن تو انہیں پھینک دیا جائے گا سخت ترین عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو''۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ...... ''مُحَارَبَۃ'' کا مطلب ہے مخالفت کرنا اور برعکس کام کرنا۔ اس کا اطلاق کفر، راہزنی، بدامنی پیدا کرنا اور زمین میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانا اور اس جیسی شر کی تمام انواع پر ہوتا ہے۔ بعض سلف نے تو یہاں تک کہا ہے کہ درہم اور دینار (نقدی) کو توڑنا بھی فَسَادٍ فِی الۡاَرۡضِ کے زمرے میں آتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الۡاَرۡضِ لِیُفۡسِدَ فِیۡہَا وَ یُہۡلِکَ الۡحَرۡثَ وَ النَّسۡلَ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الۡفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ (البقرہ:205)'' اور جب وہ حاکم بن جاتا ہے تو سرتوڑ کوشش کرتا ہے کہ ملک میں فساد برپا کردے اور تباہ کردے کھیتوں کو اور نسل انسانی کو اللہ تعالیٰ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا''۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ اس میں یہ بھی ہے کہ اگر ان مشرکین میں سے کوئی مسلمانوں کے اس پر قابو پالینے سے پہلے پہلے فساد سے توبہ کرلے تو پھر اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی لیکن اگر کوئی مسلمان ان قبائح کا ارتکاب کرے، یعنی اگر قتل کرے یا زمین میں فساد برپا کرے یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرے پھر گرفتار ہونے سے پہلے مشرکین کے ساتھ جا ملے تو حد شرعی سے آزاد نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا یہی قول ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کچھ اہل کتاب اور نبی کریم ﷺ کے مابین معاہدہ ہوا لیکن انہوں نے عہد شکنی کی اور فساد پھیلانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ اختیار دے دیا کہ اگر آپ چاہیں تو انہیں قتل کرڈالیں اور اگر چاہیں تو مختلف اطراف سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالیں(2)۔ حضرت سعد رحمتہ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حروریہ (خوارج) کے بارے میں اتری۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے، جو بھی ان چیزوں کا ارتکاب کرتے ہیں وہ اس حکم میں شامل ہیں خواہ وہ مشرکین ہوں یا اور کوئی۔ جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث ہے جسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ قبیلہ عکل کے آٹھ افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام پر کاربند رہنے کی آپ ﷺ سے بیعت کی، انہیں مدینہ کی فضا راس نہ آئی اور وہ بیمار ہوگئے، اس کی شکایت انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم ہمارے چرواہے کے ساتھ جا کر اونٹوں کا دودھ اور پیشاب نہیں پیو گے؟'' انہوں نے عرض کی: کیوں نہیں۔ چنانچہ انہوں نے اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا تو صحت مند ہوگئے۔ لیکن ان ظالموں نے چرواہے کو قتل کرڈالا اور اونٹ بھگا کرلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 206، سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4، صفحہ 132 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 206

اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے پیچھے بھیجا۔ چنانچہ وہ پکڑ لئے گئے۔ انہیں گرفتار کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور پھر آپ ﷺ کے حکم سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی گئیں پھر دھوپ میں پھینک دیا گیا جہاں وہ تڑپ تڑپ کر مر گئے (1)۔ صحیحین دونوں کی روایت میں آتا ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ عکل کے ساتھ تھا یا عرینہ کے ساتھ۔ ان کے بارے میں یہ بھی آتا ہے کہ ان لوگوں کو میدان میں پھینک دیا گیا تو یہ پانی مانگنے لگے لیکن انہیں پانی نہ دیا گیا اور نہ ہی ان کے زخم داغے گئے۔ یہ وہ بدبخت تھے جنہوں نے چوری بھی کی تھی، قتل بھی کیا تھا، ایمان لانے کے بعد مرتد بھی ہو گئے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس لئے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے کا حکم دیا تھا کہ انہوں نے بھی چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری تھیں۔ مدینہ کی آب وہوا اس وقت اچھی نہ تھی۔ برسام کی بیماری تھی۔ اس وقت حضور ﷺ کے پاس تقریباً بیس انصاری شاہسوار تھے۔ جنہیں آپ ﷺ نے انہیں گرفتار کرنے کے لئے بھیجا اور ان کے ساتھ ایک قیافہ شناس کھوجی بھی روانہ کیا جو قدموں کے نشانات دیکھ کر رہنمائی کرتا (2)۔

یہ حدیث متعدد طرق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ابوداؤد، ترمذی نسائی وغیرہ نے بھی اسے روایت کیا ہے (3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کی حالت بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جو پیاس کی شدت کے باعث زمین کاٹ کھا رہا تھا۔ اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کے بیان کرنے پر ندامت ہوئی جو حجاج نے مجھ سے پوچھی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے زیادہ سخت سزا کس کو دی؟ تو میں نے اسے یہی واقعہ سنایا۔ اس روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے ان کے رنگ پیلے پڑ گئے اور پیٹ پھول گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حجاج جب منبر پر بیٹھتا تو اس حدیث کو بیان کر کے کہتا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اس ظالم قوم کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے تھے پھر انہیں دہکتی ہوئی زمین پر پھینک دیا جہاں وہ مر گئے۔ حجاج اپنے مظالم اور زیادتیوں پر اس حدیث کو بطور دلیل پیش کرتا۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ وہ سات افراد تھے چار قبیلہ عکل سے اور تین عرینہ سے۔ ان کے بارے میں یہ بھی آتا ہے کہ انہوں نے راستے بند کر دیئے تھے اور اس کے علاوہ انہوں نے زنا کا بھی ارتکاب کیا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں بیان کرتے ہیں کہ جب آئے تھے تو بھوکے ننگے اور بیمار ہو گئے تو حضور ﷺ نے ان کے اصلاح احوال کا حکم دیا۔ جب یہ صحت مند اور توانا ہو گئے تو انہوں نے اپنے وطن واپس جاتے ہوئے چرواہوں کو قتل کر دیا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ ان کے پیچھے بھیجا۔ یہ اپنے وطن کے پاس پہنچنے ہی والے تھے کہ ہم نے انہیں جا لیا۔ ہم انہیں لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، چنانچہ آپ ﷺ کے حکم سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی گئیں، وہ پانی پانی پکارتے تھے لیکن آپ ﷺ فرماتے تھے کہ تمہارے لئے آگ ہے، اسی حالت میں وہ مر گئے۔ ان کی آنکھوں میں

1۔ صحیح بخاری، جلد 9، صفحہ 12، صحیح مسلم، جلد 5، صفحہ 102

2۔ فتح الباری، کتاب الدیات، جلد 12، صفحہ 230، صحیح مسلم، کتاب القسامۃ، صفحہ 1296-1298

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود جلد 4، صفحہ 130، عارضۃ الاحوذی، ابواب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 94-95، سنن نسائی، کتاب تحریم الدم جلد 7، صفحہ 93-107

سلائیاں پھیرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا تو مذکورہ آیت اتری (1)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ اس کی سند میں ایک شخص ربذی ضعیف ہے لیکن اس روایت سے یہ معلوم ہو گیا کہ گرفتار کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس گروہ کے سردار حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ تھے اور جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں گزر چکا ہے کہ اس لشکر میں انصار سے تعلق رکھنے والے بیس شاہسوار تھے۔ لیکن یہ قول کہ ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا تو اس وقت مذکورہ آیت اتری، یہ قول منکر ہے حالانکہ صحیح مسلم کی روایت میں گزر چکا ہے کہ چونکہ انہوں نے ایسا کیا تھا اس لئے اس کے بدلے اور قصاص میں ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو فزارہ کے چند لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جو کمزوری کے باعث مرا چاہتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے حکم سے انہوں نے اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا تو صحت مند ہو گئے۔ پھر یہی اونٹ چرا کر چلتے بنے۔ انہیں واپس لایا گیا اور آپ ﷺ کے حکم سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی گئیں، ان کے بارے میں یہ آیت محاربہ اتری، اس کے بعد حضور ﷺ نے آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے والی سزا ترک کر دی۔ سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک یسار رضی اللہ عنہ نامی غلام تھا۔ چونکہ یہ نماز بڑے اچھے طریقے سے پڑھتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا۔ آپ ﷺ نے انہیں اونٹوں کی نگرانی کرنے کے لئے بھیج دیا، عرینہ کے کچھ لوگ آئے اور اسلام کا اظہار کیا، ان کے پیٹ پھولے ہوئے تھے۔ آپ نے انہیں یسار کی طرف روانہ کر دیا۔ اونٹوں کا دودھ پینے کے باعث ان کے پیٹ درست ہو گئے۔ اس کے بعد ان ظالموں نے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو ذبح کر دیا اور آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں کانٹا چبھو دیا اور اونٹ لیکر فرار ہو گئے۔ حضور ﷺ نے کرز بن جابر فہری کی قیادت میں گھوڑ سوار صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک دستہ ان کے پیچھے روانہ کیا، یہ انہیں پکڑ کر لے آئے۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں لگائی گئیں (2)۔ یہ روایت بہت غریب ہے۔ اس حدیث میں عرنیین کا قصہ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ نے اس روایت کے تمام طرق کو جمع کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ عبدالکریم سے اونٹوں کے پیشاب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ان محاربین والی روایت بیان کی کہ کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر کہنے لگے کہ ہم اسلام پر کاربند رہنے کی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، یہ جھوٹے لوگ تھے، اسلام لانا ان کا مقصود نہ تھا۔ پھر وہ کہنے لگے کہ ہمیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہیں آئی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ یہ اونٹ صبح و شام تمہارے پاس آتے ہیں ان کا پیشاب اور دودھ پیو۔ وہ اس پر عمل کرنے لگے۔ اسی اثناء میں ایک فریادی آپ ﷺ کی خدمت میں آکر کہنے لگا کہ انہوں نے راعی کو قتل کر دیا ہے اور اونٹ چرا کر لے گئے ہیں تو حضور ﷺ کے حکم سے یہ اعلان کر دیا گیا کہ اے اللہ کے شاہسوارو! سوار ہو جاؤ اور انہیں پکڑ لاؤ۔ چنانچہ جلدی جلدی صحابہ رضی اللہ عنہم تیار ہوئے۔ جو تیار ہوتا وہ دوسرے کا انتظار کئے بغیر نکل پڑتا۔ حضور ﷺ بذات خود ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ تلاش کرتے کرتے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس وقت انہیں جا لیا جب وہ جائے امن تک پہنچنے والے تھے۔ ان میں سے جو گرفتار ہوئے انہیں حضور ﷺ کے سامنے پیش کر دیا گیا تو اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ ان کی جلاوطنی یہی تھی کہ انہیں دیار اسلام سے نکال باہر کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں قتل کروا دیا، سولی پر چڑھا دیا، ہاتھ پاؤں کاٹے اور آنکھوں میں سلائیاں پھیریں۔ آپ ﷺ نے نہ اس سے پہلے کسی کا مثلہ (اعضاء بدن کاٹنا) کیا اور نہ بعد میں۔ بلکہ مثلہ سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ''وَلَا تُمَثِّلُوْا بِشَیْءٍ'' (کسی چیز کا بھی مثلہ نہ کرو)۔ ایک

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 207 2۔ معجم طبرانی کبیر، جلد 7، صفحہ 7، الاصابۃ، جلد 6، صفحہ 351

روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ انہیں قتل کرنے کے بعد جلا دیا گیا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا تعلق بنوسلیم کے ساتھ تھا۔ اس قبیلہ کے ساتھ عرینہ کا تعلق ہے(1)۔

ان عرنیین کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ حکم منسوخ ہے یا محکم؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ مذکورہ آیت کے ساتھ یہ حکم منسوخ ہے اور اس میں آپ علیہ السلام کو عتاب ہے جس طرح اس آیت میں ہے: عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (التوبہ:43)۔ ''درگزر فرمایا ہے اللہ نے آپ سے (لیکن) کیوں آپ نے اجازت دے دی تھی''۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مثلہ والی حدیث سے منسوخ ہے لیکن یہ بات ذرا محل نظر ہے، پھر اس کے قائل سے یہ سوال بھی ہے کہ ناسخ کی منسوخ سے تاخیر کی دلیل کیا ہے؟ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حکم حدود کی تعیین سے قبل کا ہے لیکن یہ قول درست نہیں لگتا کیونکہ یہ قصہ حدود کے تعین کے بعد ہوا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ اس حدیث کے ایک راوی ہیں انہوں نے سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام قبول کیا اس لئے ان کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ وقوع پذیر ہونے سے قبل حدود اسلام مقرر ہو چکی تھیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیری نہ تھیں بلکہ صرف اس کا عزم کیا تھا لیکن پھر قرآن کریم کی یہ آیات اتر آئیں جن میں ان محاربین کے حکم سے آگاہ کر دیا گیا۔ یہ قول بھی درست نہیں ہے کیونکہ صحیحین کی مذکورہ حدیث میں ہے کہ ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیری گئیں۔ ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے لیث بن سعد سے ذکر کیا کہ حضور علیہ السلام نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائی تھیں اور انہیں (ان کے زخم) داغے بغیر چھوڑ دیا گیا تو وہ کہنے لگے کہ میں نے محمد بن عجلان سے سنا ہے کہ مذکورہ آیت میں حضور علیہ السلام کو عتاب ہوا اور سزا کا طریقہ اور نوعیت بتا دی گئی اور اس کے بعد آنکھوں میں سلائیاں پھیرنے والی سزا آپ علیہ السلام نے کسی کو نہ دی، اس قول کا ذکر امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اس میں کوئی عتاب نہیں ہے، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ جو سزا انہیں ملی یہ ان کے ساتھ خاص تھی۔ اب ان کے علاوہ جو ان جیسے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں ان کا حکم اس مذکورہ آیت کریمہ میں بیان فرما دیا اس میں سلائیں پھیرنے کا حکم نہیں دیا گیا(2)۔

اسی آیت کو دلیل بنا کر جمہور علماء کہتے ہیں کہ رستوں کو بند کر کے لڑنے اور شہروں کے اندر لڑنے کا حکم ایک ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا امام مالک، اوزاعی، لیث بن سعد، شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی کو دھوکے سے اپنے گھر بلا کر قتل کر ڈالتا ہے اور اس کے تمام مال و اسباب جو اس کے پاس ہے پر قبضہ کر لیتا ہے تو ایسا شخص بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے، اس کا فیصلہ حاکم وقت کرے گا نہ کہ مقتول کے اولیاء بلکہ اگر وہ اولیاء قاتل کو معاف بھی کر دیں تو بھی معاف نہیں ہوگا اور نہ ان کی معافی کا کوئی اعتبار کیا جائے گا کیونکہ یہ جرم سلطنت کے خلاف ہے جس میں فریق ثانی حکومت ہے۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ محاربہ یہ ہے کہ کوئی شہر سے باہر رستوں کو بند کر کے فساد برپا کر دے۔ شہروں کے اندر کوئی ایسا کرے تو اس پر محاربہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہروں کے اندر تو امداد پہنچانا اور فریاد رسی کرنا ممکن ہوتا ہے، لیکن شہر سے باہر رستوں میں فریاد رسی اور امداد کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا...... اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو شخص مسلمانوں پر اسلحہ لہرائے اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 207 2۔ التوبہ: 343۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 209

رستوں میں خوف و ہراس پھیلائے، جب یہ امام وقت کے ہتھے چڑھ جائے تو اسے اختیار ہے چاہے تو اسے قتل کی سزا دے، یا سولی کی اور چاہے تو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا فیصلہ دیدے۔ تینوں سزاؤں میں اسے اختیار ہے(1)۔ سعید بن مسیب، حسن بصری، مجاہد، عطاء ضحاک اور ابراہیم نخعی وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ آیت کریمہ میں ''اَوْ'' تخییر کے لئے ہے، اس قسم کی مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں جن میں ''اَوْ'' اختیار کے لئے آیا ہے، ملاحظہ فرمائیں: جزائے صید کے متعلق فرمایا: فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا (المائدہ:95) ''تو اس کی جزا یہ ہے کہ اسی قسم کا جانور دے جو اس نے قتل کیا ہے فیصلہ کریں اس کا دو معتبر آدمی تم میں سے درآں حالیکہ یہ قربانی کعبہ میں پہنچنے والی ہو یا کفارہ ادا کرے، وہ یہ کہ چند مسکینوں کو کھانا دے یا اس کے برابر روزے رکھے''۔ فدیہ کے کفارہ میں فرمایا: فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ (البقرہ:196) ''پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اسے کچھ تکلیف ہو سر میں (اور وہ سر منڈا لے) تو وہ فدیہ دے روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے''۔

اسی طرح کفارۂ یمین کے متعلق فرمایا: اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ (المائدہ:89) ''کفارہ یہ ہے کہ کھلایا جائے دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا جو تم کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو یا کپڑے پہنائے جائیں انہیں یا آزاد کیا جائے غلام''۔

جمہور کہتے ہیں کہ یہ آیت متعدد احوال پر مشتمل ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ڈاکوؤں اور راہزنوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر وہ قتل اور ڈاکہ زنی دونوں کے مرتکب ہوں تو ان کی سزا قتل اور سولی ہوگی۔ اگر وہ صرف قتل کریں، مال نہ لوٹیں تو انہیں صرف قتل کیا جائے، سولی کی سزا نہ ہوگی، اگر صرف مال لوٹ لیں اور قتل نہ کریں تو ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف اطراف سے کاٹ دیئے جائیں گے اور اگر وہ رستہ کو پرخطر بنا دیں اور لوگوں کو ہراساں کریں لیکن مال نہ لوٹیں تو انہیں جلا وطن کر دیا جائے گا(2)۔ بہت سے سلف اور ائمہ کا یہی مذہب ہے، اب اس میں اختلاف ہے کہ کیا اسے زندہ ہی سولی پر لٹکا دیا جائے گا اور اسی طرح بھوکا پیاسا چھوڑ دیا جائے گا تاکہ وہ اپنی موت آپ مرجائے یا دوسرے فسادیوں کی عبرت کے لئے اسے نیزہ وغیرہ سے قتل کرنے کے بعد سولی چڑھایا جائے گا اور کیا تین دن تک اسے سولی پر لٹکنے دیا جائے پھر اتار لیا جائے یا اسی طرح چھوڑ دیا جائے؟ ان سب باتوں میں اختلاف ہے جن کی تفصیلات کا یہ مقام نہیں، البتہ ایک حدیث میں قدرے تفصیل ہے اگر اس کی سند صحیح ہو تو۔ وہ یہ ہے کہ عبدالملک بن مروان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی وضاحت پوچھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے لکھ بھیجا کہ یہ آیت عرنیین کے متعلق اتری جو مرتد ہو گئے تھے اور انہوں نے قتل کا ارتکاب کیا، اونٹ چرا کر لے گئے اور زنا کے مرتکب ہوئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل امین سے ان محاربین کے فیصلہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ جس نے مال چرایا ہے اور رستہ کو پرخطر بنایا ہے، چوری کی وجہ سے اس کے ہاتھ کاٹ دیں اور خوف و ہراس پھیلانے کے باعث اس کی ٹانگ کاٹ دیں، جو قتل کا مرتکب ہوا اسے قتل کر دیں۔ جو قتل، خوف و ہراس پھیلانے اور زنا کا مرتکب ہوا ہے اس کو سولی پر لٹکا دیں(3)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 214　　2۔ ترتیب مسند الشافعی، جلد 2، صفحہ 86　　3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 208-216

اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ یعنی انہیں تلاش کر کے ان پر حد قائم کی جائے یا وہ دار اسلام سے بھاگ کر کہیں اور چلے جائیں۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ، ضحاک رحمتہ اللہ علیہ، ربیع رحمتہ اللہ علیہ، زہری رحمتہ اللہ علیہ اور مالک رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف جلاوطن کر دیا جائے یا حاکم یا اس کا نائب اس کے معاملہ سے بالکل لاتعلق ہو کر اسے نکال دے۔ شعبی کہتے ہیں کہ اسے بالکل نکال باہر کیا جائے، عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ اسے دار اسلام سے خارج نہ کیا جائے بلکہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کیا جاتا رہے یونہی کئی سال اس اضطراب میں رہے۔ بعض کہتے ہیں اسے جیل میں ڈال دیا جائے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا قول ہے۔ جبکہ ابن جریر کا مختار قول یہ ہے کہ اسے اس کے شہر سے کسی دوسرے شہر منتقل کر کے قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا...... یہ جوان کی سزا کا بیان ہوا کہ ایسے شرپسندوں کو قتل کر دیا جائے، سولی چڑھا دیا جائے، ہاتھ پاؤں مختلف اطراف سے کاٹ دیئے جائیں اور جلاوطن کر دیا جائے تو یہ اس دنیا میں لوگوں کے اندر ان کی رسوائی اور تذلیل ہے۔ آخرت میں جو عذاب ان کے لئے تیار ہے وہ تو اس سے بھی بہت بڑا ہے۔

آیت کے اس حصہ میں ان لوگوں کی تائید ہے جو کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو ان کا حکم حدیث صحیح میں بیان ہوا ہے جس کے راوی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہیں کہ حضور ﷺ نے اسی طرح کا عہد ہم سے لیا جو آپ ﷺ نے عورتوں سے لیا تھا کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، نہ چوری کریں گے، نہ زنا کریں گے، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گے اور نہ ایک دوسرے کو تکلیف پہنچائیں گے، جس نے اس عہد کو ایفاء کیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ثابت ہے، لیکن اگر کوئی ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھا تو اسے سزا دی جائے گی اور یہ سزا اس کے لئے کفارہ بن جائے گی۔ جس کے گناہ پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، چاہے تو عذاب دے، چاہے تو معاف فرما دے (1)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دنیا میں کوئی گناہ کیا اور اسے اس کی سزا مل گئی تو اللہ تعالیٰ کا عدل اس سے بہت بالاتر ہے کہ وہ اسے اس گناہ کی دوبارہ سزا دے، اور جس نے اس دنیا میں گناہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کر لی اور اسے معاف فرما دیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ اسے اس گناہ کی سزا دے جو وہ معاف کر چکا ہے'' (2)۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ''خِزْيٌ'' سے مراد شر، عار، عبرت، ذلت اور عقوبت ہے۔ آخرت سے قبل دنیا میں یہ سزا ہو گی۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس نے مرتے دم تک توبہ نہ کی۔ تو ایسے شخص کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں سزا اور عتاب ہے۔ اگر توبہ کر لے تو اُخروی عذاب ٹل جائے گا (3)۔ فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا...... اس صورت میں ان لوگوں کا قول ظاہر اور واضح ہے جن کا کہنا ہے کہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی۔ لیکن جہاں تک مسلمان محاربین کا تعلق ہے کہ اگر وہ گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لیں تو ان سے قتل، سولی اور پاؤں کٹنے کی سزا ختم ہو جاتی ہے، لیکن کیا ہاتھ کٹنے کی سزا بھی ساقط ہو جائے گی؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ آیت کا ظاہر تو اسی بات کا مقتضی ہے کہ سب سزائیں ساقط ہو جائیں گی، صحابہ کا عمل بھی اسی پر تھا جس طرح حارثہ بن بدر تمیمی بصری کے بارے میں ہے کہ اس نے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، صفحہ 1333 2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الایمان، جلد 10، صفحہ 63، سنن ابی ماجہ، کتاب الحدود، 868

3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 219

فساد برپا کیا، مسلمانوں سے جنگ کی۔ اس بارے میں حضرات ابن عباس، حسن بن علی اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم سے اس نے سفارش کروائی۔ ان حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی سفارش کی لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے اسے امن دینے سے انکار کر دیا۔ وہ سعید بن قیس ہمدانی کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے اسے اپنے گھر میں ٹھہرایا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: امیر المؤمنین! اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ لڑائی کرے اور زمین میں فساد بپا کرے۔ پھر اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَیۡہِمۡ تک ان آیات کی تلاوت کی۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے شخص کے لئے امان ہے۔ سعید بن قیس نے کہا کہ یہ حارثہ بن بدر ہے۔ اس کے بعد حارثہ نے ان کی مدح میں کچھ اشعار بھی کہے(1)۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جب کوفہ کے گورنر تھے تو قبیلہ مراد کا ایک شخص ان کے پاس آیا۔ آپ فرض نماز پڑھ چکے تھے۔ وہ کہنے لگا: اے ابوموسیٰ! آپ کی پناہ لینے والا شخص کھڑا ہے، میں فلاں بن فلاں قبیلہ مراد سے ہوں۔ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف لڑتا رہا اور زمین میں فساد بپا کرتا رہا، لیکن اب میں نے گرفتار ہونے سے پہلے پہلے توبہ کر لی ہے تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اعلان فرما دیا: اے لوگو! یہ فلان ابن فلاں ہے، یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرتا رہا اور زمین میں فساد برپا کرتا رہا اور اب اس نے ہمارے قابو میں آنے سے پہلے توبہ کر لی ہے، خبردار! اب کوئی اس سے تعرض نہ کرے، اگر تو یہ اپنی توبہ میں سچا ہے تو ''فَبِھَا'' ورنہ یہ اپنے گناہوں کے باعث ہی ہلاک ہو جائے گا۔ یہ شخص کچھ مدت تک ٹھہرا رہا، پھر وہ نکل کھڑا ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہوں کی پاداش میں اسے غارت کر دیا اور یہ قتل ہو گیا(2)۔ بنو اسد کا علی نامی ایک شخص بغاوت پر اتر آیا، اس نے لڑائی کی، رستے پرخطر بنا دیئے، لوگوں کو قتل کیا اور مال لوٹا۔ قائدین لشکر اور عوام الناس سب اسے تلاش کرتے رہے لیکن اس کا کوئی سراغ نہ لگا سکے۔ آخر کار توبہ تائب ہو کر خود ہی پیش ہو گیا۔ اس کی توبہ کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ایک شخص کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا: قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۳﴾ (الزمر:53) ''اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے، یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو، بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

اس آیت کی تلاوت سنی تو ٹھہر گیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے بندے! ایک بار پھر تلاوت کرو، اس نے دوبارہ اس آیت کو دہرایا۔ چنانچہ اس نے اپنی تلوار کو نیام میں ڈال لیا اور توبہ کرتے ہوئے سحری کے وقت مدینہ شریف پہنچ گیا۔ مسجد نبوی شریف میں آیا، صبح کی نماز ادا کی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں میں یہ بھی بیٹھ گیا۔ جب صبح کی روشنی پھیلی تو لوگوں نے اسے پہچان لیا۔ اسے پکڑنے کے لئے اٹھے تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھے نہیں پکڑ سکتے کیونکہ تمہارے قابو میں آنے سے پہلے پہلے میں تائب ہو کر خود ہی آ گیا ہوں، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے، پھر آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے مروان بن حکم کے پاس لے گئے جو اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا اور آپ سے فرمانے لگے کہ یہ علی ہے، یہ تائب ہو کر آیا ہے اس لئے تم اسے کچھ نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی قتل کر سکتے ہو، چنانچہ اس سے کچھ بھی نہ تعرض کیا گیا اور یہ ان مجاہدین میں شامل ہو گیا جو سمندری رستہ سے رومیوں کے خلاف جہاد کے لئے جا رہے تھے۔ سمندر میں رومیوں کی بھی چند کشتیاں آ گئیں۔ انہوں نے اپنی کشتی ایک رومی کشتی کے ساتھ ملائی اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 221 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 222۔

رومیوں کو مارنے کے لئے ان کی کشتی میں گھس گئے۔ رومی ڈر کر دوسرے کنارے کی طرف بھاگے۔ بھاگنے کی کوشش میں کشتی ڈول گئی، ایک طرف کو جھکی اور غرق ہوگئی، ساتھ ہی سارے رومی بھی غرق ہو گئے، اور حضرت علی اسدی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ڈوب کر جام شہادت نوش کیا(1)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٣٥ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٣٦ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝٣٧

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ بے شک وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا اگر انہی کی ملکیت میں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تاکہ بطور فدیہ دیں اسے (اور نجات پائیں) عذاب سے روز قیامت نہ قبول کیا جائے گا ان سے اور ان کے لئے عذاب دردناک ہوگا بہت چاہئیں گے کہ نکلیں اس آگ سے اور وہ نہیں نکل سکیں گے اس سے اور ان کے لئے عذاب ہوگا ہمیشہ رہنے والا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ارشاد فرما رہا ہے، جب یہ اطاعت الٰہی کے ساتھ مل جائے تو اس سے مراد ہوتا ہے محارم سے اجتناب اور نواہی کا ترک کر دینا، تقویٰ کے حکم کے بعد وسیلہ پکڑنے کا حکم ہے، فرمایا: وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وسیلہ کا معنی قرب بتاتے ہیں، اسی طرح حضرات مجاہد، ابو وائل، حسن، قتادہ، عبداللہ بن کثیر، سدی اور ابن زید وغیرہ کے نزدیک بھی یہی معنی ہے۔ قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اطاعت الٰہی اور اس کی خوشنودی کے حامل اعمال کے ذریعے اس کا قرب حاصل کرو۔ ابن زید نے یہ آیت پڑھی: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ (بنی اسرائیل: 57) '' وہ لوگ جنہیں یہ مشرک پکارا کرتے ہیں، وہ خود ڈھونڈتے ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ''(2)۔

ان ائمہ حضرات نے وسیلہ کا جو معنی بتلایا ہے اس کے بارے میں مفسرین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ امام ابن جریر نے عربی کا ایک شعر بھی پیش کیا ہے جس میں وسیلہ قرب اور نزدیکی کے معنی میں استعمال ہوا ہے اس شعر کا مفہوم یہ ہے: جب چغل خور اور رقیب ہم سے غافل ہو جاتے ہیں تو پھر وصل نصیب ہو جاتا ہے اور ہماری باہمی محبت اور قرب کا رشتہ پھر سے استوار ہو جاتا ہے(3)۔

وسیلہ سے مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعہ مقصود حاصل کیا جائے۔ وسیلہ جنت میں اس اعلیٰ مقام کا نام بھی ہے جہاں نبی کریم ﷺ جلوہ فرما ہوں گے اور یہی آپ ﷺ کا گھر ہوگا۔ یہ مقام عرش کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' جو شخص اذان سن کر یہ پڑھے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ '' اے اللہ، اے اس دعوت کاملہ اور اس کھڑی ہونے والی نماز کے رب، حضرت محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز کر جس کا تو نے وعدہ کر رکھا ہے) اس کے لئے میری

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 223 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 227 3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 226

شفاعت حلال ہو جاتی ہے'' (1)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم مؤذن کو (اذان دیتے ہوئے) سنو تو جو وہ کہہ رہا ہو تم بھی وہی کہو، پھر مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ جو بھی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو، یہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے شایان شان ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں۔ پس جس نے میرے لئے وسیلہ طلب کیا اس کے لئے میری شفاعت لازم ہوگئی'' (2)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم مجھ پر درود پڑھو تو میرے لئے وسیلہ طلب کرو۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا: ''جنت میں سب سے اعلیٰ درجہ جسے صرف ایک ہی شخص پائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں'' (3)۔

اسی طرح کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت ایک دوسری سند سے مروی ہے۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے لئے (اللہ سے) وسیلہ کا سوال کیا کرو، جس نے بھی میرے لئے اس دنیا میں وسیلہ کا سوال کیا تو میں قیامت کے دن اس کا گواہ یا سفارشی بنوں گا''۔

ابن مردویہ نے دو سندوں سے روایت کی ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وسیلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا درجہ ہے جس کے اوپر کوئی درجہ نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو کہ وہ مجھے یہ وسیلہ عطا فرمائے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ''جنت میں ایک درجہ ہے جسے وسیلہ کہا جاتا ہے، جب تم اللہ سے مانگو تو میرے لئے وسیلہ بھی مانگا کرو'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہاں آپ کے ساتھ اور کون سکونت پذیر ہوگا؟ فرمایا: ''علی، فاطمہ، حسن اور حسین''۔ یہ حدیث اس سند سے غریب اور منکر ہے۔ اسی قسم کی ایک اور غریب روایت بھی ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منبر کوفہ پر فرمایا: اے لوگو! جنت میں دو موتی ہیں: ایک سفید اور دوسرا زرد، زرد تو عرش کے نیچے ہے اور مقام محمود سفید موتی کا بنا ہوا ہے جس میں ستر ہزار بالا خانے ہیں۔ ہر گھر تین میل کا ہے، اس کے کمرے، دروازے، تخت اور رہائشی گویا ایک ہی اصل سے ہیں۔ اسی کا نام وسیلہ ہے۔ اس میں حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل بیت رہائش پذیر ہوں گے۔ اسی طرح پیلے رنگ کا موتی ہوگا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے اہل خانہ سکونت پذیر ہوں گے۔

وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ محارم سے اجتناب اور احکام کی بجا آوری کے حکم کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کو ان مشرکین اور کفار کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا جو مسلمانوں کے اور اللہ کے دشمن ہیں، جو راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں اور دین اسلام کو ترک کئے ہوئے ہیں اور ابدی فلاح کا مژدہ سنا کر مؤمنوں کو جہاد کی ترغیب دلائی۔ ان مجاہدین کے لئے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن ایسی عظیم اور دائمی فلاح اور سعادت تیار کر رکھی ہے جو نہ ختم ہوگی اور نہ زوال پذیر ہوگی۔ بڑے عالی شان، دلکش اور خوش منظر بالا خانوں

1۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 94؛ کتاب التفسیر، جلد 8، صفحہ 399   2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، صفحہ 289

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13، صفحہ 101، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 265

میں یہ رہائش پذیر ہوں گے، ہر قسم کی نعمت سے شادکام ہوں گے۔ ہر قسم کے رنج والم سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہ ہوگا، نہ وہاں کوئی مایوسی ہو گی اور نہ تکلیف، نہ بیماری ہوگی اور نہ موت۔ نہ ان کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ شباب ختم ہوگا۔

اپنے نیک بندوں کے اچھے انجام کو ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ اپنے دشمن کافروں کے عبرتناک انجام کو بیان فرما رہا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا...... یعنی یہ کفار روئے زمین کے مالک بن جائیں اور اتنا ہی اور ان کی ملکیت میں آ جائے پھر یہ سب کچھ وہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کریں تا کہ یہ فدیہ دیکر وہ اس عذاب سے رہائی حاصل کر لیں جو انہیں گھیرے میں لے چکا ہوگا، پھر بھی یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور جہنم کے عذاب سے رستگاری کی کوئی سبیل نہیں ہوگی۔ اسی لئے فرمایا: وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ جس طرح ایک دوسری آیت میں فرمایا: كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا (الحج:22) ''جب بھی ارادہ کریں گے اس سے نکلنے کا فرط رنج والم کے باعث تو انہیں لوٹا دیا جائے گا اس میں''۔

وہ انتہائی کوشش کریں گے اور شدید خواہش کریں گے کہ انہیں جہنم کی شدت اور دردناک عذاب سے خلاصی مل جائے لیکن بے سود۔ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے انہیں اپنے ساتھ اوپر لے جائیں گے لیکن زبانیہ (جہنم کے محافظ فرشتے، داروغے) انہیں لوہے کے گرزوں سے مار مار کر نیچے جہنم میں پھینک دیں گے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہوگا، کبھی بھی وہ اس میں سے نہیں نکلیں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک جہنمی کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ اے ابن آدم! بتا، تو نے اپنا ٹھکانہ کیسا پایا؟ وہ جواب دے گا: بہت برا ٹھکانہ۔ اسے کہا جائے گا کہ کیا تو زمین بھر سونا فدیہ دے سکتا ہے؟ وہ عرض کرے گا: ہاں، یارب! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹا ہے، میں نے اس سے بھی کم تجھ سے مانگا تھا لیکن تو نے کچھ بھی نہ دیا۔ پھر اسے جہنم رسید کرنے کا حکم دیا جائے گا'' (1)۔

ابن مردویہ نے ایک روایت بیان کی ہے جو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک قوم جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دی جائے گی''۔ یہ سن کر یزید بن صہیب فقیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے پہلے اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بھی تو پڑھو۔ یہ کافروں کے متعلق ہے جو کبھی جہنم سے نہ نکلیں گے۔

ایک اور روایت میں یزید الفقیر بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ کچھ لوگوں کو جہنم میں سے نکال دیا جائے گا، یہ سن کر میں نے غصہ سے کہا کہ مجھے اور لوگوں پر تو کوئی تعجب نہیں لیکن اے صحابیو! تم پر تعجب ہے تم یہ گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو جہنم سے نکال دے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا۔ اس پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے مجھے ڈانٹا، لیکن آپ رضی اللہ عنہ بہت حلیم الطبع تھے، فرمانے لگے اس آدمی کو کچھ نہ کہیں۔ پھر فرمایا یہ آیت تو کفار کے لئے ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ...... پھر آپ نے فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کی: کیوں نہیں، مجھے تو سارا قرآن یاد ہے۔ فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں ہے۔ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل:79) ''اور رات کے بعض

1۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 400، صحیح مسلم، کتاب صفۃ یوم القیامۃ، صفحہ 2162، سنن نسائی، کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 36

حصہ میں (اٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو (تلاوت قرآن کے ساتھ) (یہ نماز) زائد ہے آپ کے لئے یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر"۔ یہی مقام شفاعت ہے۔ اللہ کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کے باعث جہنم میں رکھے گا اور جب اس کا ارادہ ہوگا تو انہیں جہنم میں سے نکال دے گا۔ حضرت یزید کہتے ہیں کہ اس کے بعد میرا نظریہ درست ہو گیا(1)۔

طلق بن حبیب کہتے ہیں کہ میں شفاعت کا شدید منکر تھا۔ میری ملاقات حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ہوئی۔ اہل نار کے جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے متعلق جس قدر آیات مجھے یاد تھیں میں نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پڑھ ڈالیں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے طلق! کیا تم اپنے آپ کو مجھ سے زیادہ کتاب وسنت کا عالم سمجھتے ہو؟ جو آیتیں تم نے پڑھی ہیں ان میں اہل نار مشرکین ہیں لیکن جو لوگ نکلیں گے وہ تو گنہگار اہل ایمان ہیں، گناہوں کی سزا پا لینے کے بعد ان لوگوں کو جہنم سے نکال دیا جائے گا، پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں سے اپنے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: میرے یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہو کہ "جہنم میں داخل ہونے کے بعد کچھ لوگ اس میں سے نکال لئے جائیں گے"۔ جس طرح تم قرآن کی آیات پڑھتے ہو اسی طرح ہم بھی پڑھتے ہیں(2)۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝٣٨ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٣٩ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٤٠

"اور چوری کرنے والے اور چوری کرنے والی (کی سزا یہ ہے) کہ کاٹو ان کے ہاتھ بدلہ دینے کے لئے جو انہوں نے کیا (اور) عبرتناک سزا اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔ پھر جس نے توبہ کر لی اپنے (اس) ظلم کے بعد اور اپنے آپ کو سنوار لیا تو بے شک اللہ تعالیٰ توجہ فرمائے گا اس پر بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔ سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم فرما رہا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "فَاقْطَعُوْا اَیْمَانَهُمَا" (دونوں کے دائیں ہاتھ کاٹ دو) آیا ہے(3)۔ لیکن یہ قراءت شاذ ہے۔ اگرچہ حکم تمام علماء کے نزدیک اس کے مطابق ہے لیکن یہ حکم اس قراءت کی وجہ سے نہیں ثابت ہوتا۔ بلکہ اس کے ثبوت کے اور دلائل ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی قطع ید کا طریقہ تھا جسے اسلام نے جاری رکھا اور چند مزید شروط کا اضافہ کر دیا جس کا ذکر ہم ان شاء اللہ کریں گے۔ اسی طرح قسامت، دیت اور قراض وغیرہ جیسے مسائل اسلام سے پہلے بھی تھے لیکن ناقص اور نامکمل تھے۔ اسلام نے مصلحت اور حکمت کے پیش نظر کچھ اضافہ کے ساتھ ان مسائل کو ثابت رکھا۔ زمانہ جاہلیت میں سب سے پہلے قریش نے ہاتھ کاٹنے کی رسم ڈالی جب انہوں نے چوری کے الزام میں دویک خزاعی کے ہاتھ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 178، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 355 — 2۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 280

3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 228

کاٹے تھے۔اس نے کعبہ کا خزانہ چرایا تھا۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چرایا تو کچھ اور لوگوں نے تھا لیکن وہ اس کے پاس رکھ گئے (1)۔

بعض اہل ظاہر فقہاء کا خیال ہے کہ جب بھی کوئی چور کوئی بھی چیز چرا لے خواہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا کیونکہ آیت کریمہ کا حکم عام ہے۔اس میں چوری شدہ چیز کی کوئی حد مقرر نہیں اور نہ ہی یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ محفوظ جگہ سے مال چرائے بلکہ صرف چوری کرنا قطع ید کا موجب ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ یہ آیت کریمہ خاص ہے یا عام؟ آپ نے فرمایا: یہ آیت عام ہے (2)۔آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ممکن ہے کہ اس کا وہی معنی ہو جو یہ علماء لیتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ معنی نہ ہو۔ان حضرات نے ایک حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی اس چور پر لعنت ہو جو انڈا چوری کر کے اپنا ہاتھ کٹوا لیتا ہے اور ایک رسی چوری کرتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے'' (3)۔

لیکن جمہور نے مال مسروقہ کی حد مقرر کی ہے اگرچہ اس کی مقدار میں ان کا اختلاف ہے۔ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کا الگ الگ قول ہے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی حد تین درہم خالص سکے، جب وہ انہیں چرا لے یا ان کی قیمت کے برابر یا زیادہ قیمت کی کوئی اور چیز چرا لے تو ہاتھ کاٹنا واجب ہو جاتا ہے۔اس کی دلیل انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث پیش کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ڈھال جس کی قیمت تین درہم تھی، اس کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا (4)۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تُرنجبین کی چوری کرنے والے کے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے جس کی قیمت صرف تین درہم تھی (5)۔اصحاب مالک کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فعل گویا صحابہ کا اجماع سکوتی ہے۔اور اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ پھلوں کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔احناف کا مسلک اور ہے۔وہ کہتے ہیں کہ مال مسروقہ دس درہم کے برابر ہو تو ہاتھ کاٹے جائیں گے۔جبکہ شوافع ایک چوتھائی دینار کی حد مقرر کرتے ہیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک چوتھائی دینار یا اس کی قیمت کے برابر یا اس سے زائد قیمت کی کوئی شخص چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث ہے: ''ایک چوتھائی دینار اور اس سے زائد کی چوری میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے'' (6)۔مسلم کے یہ الفاظ ہیں: ''چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر ربع دینار میں اور اس سے اوپر میں'' (7)۔یہ حدیث اس مسئلہ میں فیصلہ کن ہے۔اس میں نص ربع دینار پر ہے نہ کہ اس کی مساوی چیز پر۔جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹا گیا جس کی قیمت تین درہم تھی وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ اس وقت ایک دینار بارہ درہم کا تھا۔تو تین درہم ربع دینار کی قیمت بنی۔اس لئے اصل چوتھائی دینار ہے۔حضرات عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اور عمر بن عبدالعزیز، لیث، اوزاعی، شافعی، اسحاق بن راہویہ، ابو ثور اور داؤد رحمہم اللہ سب کا مسلک یہی ہے۔

امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ (ایک دوسری روایت میں) فرماتے ہیں کہ ہاتھ کاٹنے کا شرعی نصاب ربع دینار اور تین درہم دونوں ہیں۔جس نے دونوں میں کسی کو چرا لیا یا اس کے مساوی کوئی اور چیز چرا لی تو ہاتھ کاٹا جائے گا جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث میں ہے۔مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کے

1۔سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 193، المنمق لابن حبیب 59-64
2۔تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 229
3۔فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12، صفحہ 81، صحیح مسلم، کتاب الحدود، صفحہ 1314
4۔فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12، صفحہ 97، صحیح مسلم، کتاب الحدود، صفحہ 1314
5۔موطا امام مالک، کتاب الحدود، صفحہ 832
6۔فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12، صفحہ 96، صحیح مسلم، کتاب الحدود، جلد 1312
7۔صحیح مسلم، کتاب الحدود، صفحہ 1313

الفاظ یہ ہیں: ''چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹو، اس سے کم پر ہاتھ نہ کاٹو'' (1)۔ اس وقت ایک دینار بارہ درہم کا تھا اس لئے ربع دینار تین درہم کے برابر ہوا۔ نسائی کی ایک روایت میں حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''ڈھال کی قیمت سے کم میں چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ ڈھال کی قیمت کیا ہے؟ فرمایا: چوتھائی دینار (2)۔ تو یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دس درہم کی شرط لگانا درست نہیں۔

امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب، اور سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ ہاتھ کاٹنے کا نصاب دس درہم خالص سکے ہیں۔ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں ڈھال کی چوری میں جس چور کا ہاتھ کاٹا گیا تھا اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس کی قیمت دس درہم تھی اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈھال کی قیمت سے کم چوری پر چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ اور اس وقت ڈھال کی قیمت دس درہم تھی (3)۔ دیکھیں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ڈھال کی قیمت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اختلاف کر رہے ہیں۔ پس احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اکثر پر عمل کیا جائے کیونکہ حدود شبہات سے ختم ہو جاتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ اور ابوجعفر باقر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سارق کا ہاتھ کاٹنے کے لئے نصاب (حد) دس درہم یا ایک دینار یا ان میں سے کسی کے مساوی چیز کی چوری ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ پانچ (انگلیاں) نہ کاٹی جائیں مگر پانچ میں یعنی پانچ دینار یا پچاس درہم میں۔

جمہور نے ظاہر یہ مذہب کی اپنے حق میں پیش کردہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کہ ''چور ایک انڈا چراتا ہے تو ہاتھ کٹوا لیتا ہے اور ایک رسی چوری کر کے ہاتھ کٹوا لیتا ہے'' کے کئی جوابات دیئے ہیں:

1۔ یہ حدیث حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوخ ہے۔ لیکن یہ جواب محل نظر ہے کیونکہ تاریخ نسخ کا کوئی علم نہیں۔

2۔ انڈے سے مراد لوہے کا انڈا ہے اور اس سے مراد کشتی کا رسہ ہے (4)۔

3۔ یہ فرمان انجام اور نتیجہ کے اعتبار سے ہے یعنی چھوٹی اور معمولی چیزوں کی چوری سے آگے بڑھتے بڑھتے غیر معمولی اور قیمتی چیزیں چرانے لگ جاتا ہے جس کے نتیجہ میں ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ اور اس حدیث میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس میں زمانہ جاہلیت کے معمول کی خبر دی گئی ہو کہ وہ ہر چھوٹی بڑی چیز کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا کرتے تھے۔ گویا آپ ﷺ نے اس چور کو ملامت کی جو معمولی اور حقیر چیزوں کے عوض اپنا قیمتی ہاتھ گنوا بیٹھتا ہے۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ابوالعلاء معری (مشہور اندھا ملحد شاعر) جب بغداد آیا تو اس کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا کہ ایک چوتھائی دینار نصاب سرقہ کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ فقہاء پر اعتراض کرتا ہے، اس کے متعلق اس نے کچھ اشعار بھی کہے جو اس کی جہالت اور کم عقلی پر دلالت کرتے ہیں۔ ان اشعار کا مفہوم یہ ہے:

کیا تعجب خیز معاملہ ہے کہ ایک ہاتھ کٹنے پر دیت پانچ سو دینار ملے اور اسی ہاتھ کو چوتھائی دینار کی چوری پر کاٹ کر رکھ دیا جائے۔ یہ سمجھ سے بالاتر تناقض ہے جس پر سوائے سکوت کے اور کوئی چارہ کار نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔

1۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 80
2۔ سنن نسائی، کتاب قطع السارق، جلد 8، صفحہ 80
3۔ مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الحدود، جلد 9، صفحہ 474، سنن کبریٰ بیہقی، جلد 8، صفحہ 257-259
4۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12، صفحہ 81

جب اس کی یہ ہرزہ سرائی مشہور ہوئی تو علمائے کرام نے اسے جواب دینا چاہا لیکن یہ راہ فرار اختیار کر گیا۔ پھر علماء نے اسے جواب دیئے۔ قاضی عبدالوہاب مالکی رحمتہ اللہ علیہ کا جواب یہ تھا: جب یہ (ہاتھ) امین ہو تو ثمین (قیمتی) ہوتا ہے اور جب یہ خیانت کا مرتکب ہو جائے تو بے وقعت ہو جاتا ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ حکمت، مصلحت اور شریعت کے عظیم اسرار کا یہی تقاضا ہے، جنایات کے باب میں ایک ہاتھ کاٹنے کی قیمت پانچ سو دینار رکھی تاکہ لوگ زیادتی سے باز رہیں اور سرقہ کے باب میں تھوڑی چیز کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تاکہ اس خوف سے لوگ چوری کے جرم سے اجتناب کریں اسی لئے فرمایا: جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ یہ اس کے برے کرتوت کا بدلہ ہے۔ اس میں مناسب یہی ہے کہ جس عضو کے ساتھ اس نے یہ فعل بد کر کے لوگوں کو نقصان پہنچایا تھا اسے ہی کاٹ دیا جائے تاکہ اسے بھی اور دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے انتقام میں غالب بھی ہے اور اپنے اوامر ونواہی میں حکیم بھی۔

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ...... جو شخص اس گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لے تو اللہ تعالیٰ اس پر نظر کرم فرماتا ہے اور اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ لیکن جو مال اس نے چرایا تھا۔ اگر وہ موجود ہے تو وہ اور اگر وہ نہیں ہے تو اس کی قیمت ادا کرنا ہو گی۔ یہ جمہور کا مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ہاتھ کٹ جائے اور مال تلف ہو چکا ہو تو اس کا بدل دینا اس پر ضروری نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا جس نے ایک چادر چرائی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ کر داغ دو پھر میرے پاس لانا''۔ چنانچہ ہاتھ کاٹنے کے بعد اسے حضور ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ توبہ کر۔ اس نے کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی(1)۔

حضرت عمرو بن سمرہ بن حبیب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! میں نے بنی فلاں کا اونٹ چرالیا ہے، مجھے پاک فرمائیے۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بلا بھیجا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا ایک اونٹ گم ضرور ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔ ہاتھ کٹنے پر کہنے لگا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے (اے ہاتھ) تجھ سے پاک کر دیا تو تو چاہتا تھا کہ مجھے بھی جہنم میں لے جائے(2)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے کچھ زیورات چرا لئے۔ جن لوگوں کی چوری ہوئی تھی وہ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! اس عورت نے ہماری چوری کی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اس کا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالو'' ہاتھ کٹنے کے بعد عورت نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! کیا میرے لئے توبہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے گناہ سے اس طرح پاک ہوگئی ہو جیسا کہ آج ہی پیدا ہوئی ہو''، تو اس وقت یہ آیت اتری: فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ......(3)۔

مسند امام احمد رحمتہ اللہ علیہ میں یہ روایت ذرا وضاحت سے ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں ایک عورت نے چوری کر لی۔ جن کی چوری ہوئی تھی وہ آئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! اس عورت نے ہماری چوری کر لی ہے۔ اس عورت کے گھر والے کہنے لگے کہ ہم اس کا فدیہ دینے کو تیار ہیں لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا ہاتھ کاٹ دو'' انہوں نے پھر اس کا پانچ سو دینار فدیہ دینے کی پیشکش کی لیکن آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالو۔ چنانچہ اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اس کے بعد وہ کہنے لگی: یارسول اللہ! کیا میرے

1۔ سنن دار قطنی، کتاب الحدود، جلد 3، صفحہ 103 2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، صفحہ 863 3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 230

لئے توبہ کی گنجائش ہے؟ فرمایا: ''ہاں، تو اس گناہ سے آج ایسے پاک ہوگئی ہے جیسے پیدائش کے وقت'' (1)۔ تو اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ یہ چوری کرنے والی مخزوم قبیلے کی عورت تھی۔ اس کا واقعہ صحیحین میں بھی موجود ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر اس چور عورت کے معاملہ سے قریش کو بہت تشویش لاحق ہوئی وہ کہنے لگے کہ اس عورت کی بابت کون رسول اللہ ﷺ سے بات کرے گا؟ پھر کہنے لگے کہ آپ ﷺ کے محبوب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے بغیر کون ایسا شخص ہوسکتا ہے جو اس کی جرأت کر سکے۔ چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ یہ معاملہ لیکر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اس عورت کی سفارش کی۔ اس پر آپ ﷺ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا اور آپ ﷺ نے غصہ میں فرمایا: ''کیا تم اللہ کی حدوں میں سے ایک حد میں سفارش کرتے ہو''۔ تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! (اس غلطی پر) میرے لئے استغفار کیجئے۔ جب شام کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا، حمد وثناء کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ضرور ہاتھ کاٹ دیتا۔'' پھر آپ ﷺ کے حکم سے اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس عورت نے پھر توبہ کرلی اور بڑی عمدہ اور پختہ توبہ کی، پھر شادی بھی کرلی۔ جب یہ عورت میرے پاس آتی تو میں اس کی ضرورت رسول اللہ ﷺ سے بیان کردیا کرتی تھی۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ یہ مخزومی عورت لوگوں سے ادھار مال ومتاع لیتی، پھر انکار کر دیا کرتی تھی اس لئے آپ ﷺ نے اس کے ہاتھ کو کاٹنے کا حکم دیا(2)۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ زیور ادھار لیکر اپنے پاس ہی رکھ لیتی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ ''یہ عورت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور غصب شدہ تمام چیزیں واپس کرے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے بلال! اٹھو، اس کا ہاتھ پکڑو اور کاٹ دو'' (3)۔ چوری کے متعلقہ بہت سی احادیث کتاب الاحکام میں مذکور ہیں۔ پھر فرمایا: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ...... یعنی وہ تمام چیزوں کا مالک ہے اور وہی حقیقی حاکم ہے جس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جسے چاہے عذاب دے اور جسے چاہے بخش دے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚۖ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 177-178 2۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12، صفحہ 86۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، صفحہ 1315-1316
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4، صفحہ 132-133، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 151

تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

''اے رسول! نہ غمگین کریں آپ کو وہ جو تیز رفتار ہیں کفر میں ان لوگوں سے جنہوں نے کہا ہم ایمان لائے (صرف) اپنے منہ سے حالانکہ نہیں ایمان لائے تھے ان کے دل اور ان لوگوں سے جو یہودی ہیں، جاسوسی کرنے والے ہیں، جھوٹ بولنے کے لئے وہ جاسوس ہیں دوسری قوم کے جو نہیں آئی آپ کے پاس، بدل دیتے ہیں اللہ کی باتوں کو اس کے صحیح موقعوں سے، کہتے ہیں اگر تمہیں دیا جائے یہ حکم تو مان لو اسے اور اگر نہ دیا جائے تمہیں یہ حکم تو بچو اور جس کا ارادہ فرمالے اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنے کا تو نہیں طاقت رکھتا تو اس کے لئے اللہ سے کسی چیز کی، یہ وہی لوگ ہیں کہ نہیں ارادہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ پاک کرے ان کے دلوں کو، ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے قبول کرنے والے ہیں جھوٹ کو، بڑے حرام خور ہیں، تو اگر وہ آئیں آپ کے پاس تو چاہے فیصلہ فرمائیے ان کے درمیان یا منہ پھیر لیجئے ان سے (آپ کو اختیار ہے) اور اگر آپ منہ پھیر لیں ان سے تو نہ نقصان پہنچا سکیں گے آپ کو کچھ بھی اور اگر آپ فیصلہ کریں تو فیصلہ فرمائیے ان میں انصاف سے، بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے اور کیسے منصف بناتے ہیں آپ کو حالانکہ ان کے پاس تورات ہے، اس میں اللہ کا حکم ہے، پھر وہ منہ پھیرتے ہیں (اس سے) اس کے بعد بھی اور نہیں ہیں وہ ایمان دار، بے شک اتاری ہم نے تورات اس میں ہدایت اور نور ہے، حکم دیتے رہے اس کے مطابق انبیاء جو (ہمارے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو اور (اسی کے مطابق حکم دیتے رہے) اللہ والے اور علماء اس واسطے کہ محافظ ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب کے اور وہ تھے اس پر گواہ، پس نہ ڈرا کرو لوگوں سے اور ڈرا کرو مجھ سے اور نہ بیچا کرو میری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت سے اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے نازل فرمایا اللہ نے تو وہی لوگ کافر ہیں''۔

یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں جو کفر میں بڑے تیز ہیں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انحراف کئے ہوئے ہیں اور اپنی آراء اور خواہشات کو شریعت کے احکام پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے منہ سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل مومن نہیں۔ یہ لوگ منافق ہیں جن کے دل ویران ہیں۔ اور اسی طرح یہودی بھی ہیں، یہ بھی اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ یہ سب ایسے بد بخت ہیں جو جھوٹی باتیں بڑی توجہ سے سن کر قبول کرتے ہیں اور اس سے متاثر بھی ہوتے ہیں اور یہ ایسے لوگوں کے جاسوس ہیں جو آپ کی مجلس میں نہیں آتے۔ آپ کی باتیں سن کر ان تک پہنچاتے ہیں۔ یا

یہ مطلب ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی باتوں پر کان دھرتے ہیں اور دل و جان سے انہیں قبول کرتے ہیں۔

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِہٖ یہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی باتوں کو تبدیل کر دیتے ہیں، من گھڑت تاویلیں کرتے ہیں اور سمجھنے کے باوجود غلط معانی پہناتے ہیں۔

یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ ھٰذَا...... بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت کچھ یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا۔ کہنے لگے کہ چلیں محمد (ﷺ) سے فیصلہ کرواتے ہیں۔ اگر تو آپ ﷺ نے دیت کا فیصلہ کر دیا تو قبول کر لینا اور اگر قصاص کا فیصلہ کیا تو بالکل قبول نہ کرنا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت دو شادی شدہ یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ ان کے اپنے ہاں تورات میں شادی شدہ زانی کو رجم (سنگسار) کرنے کا حکم موجود تھا لیکن انہوں نے اسے بدل ڈالا اور اس کے بجائے اس پر اتفاق کر لیا کہ ایسے زانی کی سزا یہ ہے کہ اسے سو دُرّے لگائے جائیں، منہ کالا کر دیا جائے اور گدھے پر سواری کرائی جائے۔ ہجرت کے بعد جب یہ واقعہ رونما ہوا تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ چلو، محمد (ﷺ) سے یہ فیصلہ کرواتے ہیں۔ اگر آپ ﷺ نے سو درے اور منہ کالا کرنے کا فیصلہ دیا تو اسے قبول کر لینا اور اسے اپنے اور اللہ کے درمیان حجت بنا لینا کیونکہ یہ ایک نبی کا فیصلہ ہوگا اور اگر آپ ﷺ رجم کا فیصلہ سنائیں تو ہرگز آپ ﷺ کی پیروی نہ کرنا۔ اس سلسلہ میں کئی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کچھ یہود رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ذکر کیا کہ ان کے ایک مرد اور عورت نے زنا کیا ہے تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ تورات میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم تو ذلیل و رسوا کرتے ہیں اور کوڑے مارتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم جھوٹ کہتے ہو۔ تورات میں تو رجم کا حکم ہے۔ لاؤ، تورات پیش کرو۔ وہ تورات لے آئے اسے کھولا تو ان میں سے ایک نے اپنا ہاتھ آیتِ رجم پر رکھ دیا اور آگے پیچھے کی ساری عبارت پڑھ ڈالی۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو سامنے آیت رجم موجود تھی۔ تو وہ کہنے لگے کہ یہ سچ ہے، اس میں آیت رجم موجود ہے۔ یہ حکم تورات میں بھی ثابت ہو جانے کے بعد آپ ﷺ نے ان دونوں زانیوں کو سنگسار (رجم) کرنے کا حکم دے دیا(1)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ وہ زانی اس عورت پر جھکا اسے پتھروں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بخاری کے الفاظ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے یہود سے فرمایا کہ تم ایسے (زانی) لوگوں کے بارے میں کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم ان کا منہ کالا کر کے اور ذلیل و رسوا کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: لاؤ تورات، اسے پڑھو اگر تم سچے ہو۔ وہ تورات لے آئے اور اپنے ایک کانے یہودی سے کہا کہ پڑھو۔ اس نے تورات پڑھنا شروع کر دی۔ جب آیت رجم تک پہنچا تو اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ اس نے ہاتھ اٹھایا تو سامنے آیت رجم عیاں تھی۔ وہ کہنے لگا: یا حضرت اس میں آیت رجم ہے لیکن آپس میں ہم اسے چھپا دیتے ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کے حکم سے ان دونوں کو سنگسار کر دیا گیا(2)۔ مسلم کے الفاظ اس طرح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت لائے گئے۔ انہوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ جب یہود آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تورات میں زانی کا کیا حکم ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم اس کا منہ کالا کر کے، گدھے پر بٹھا کر شہر میں گھماتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے انہیں تورات لانے کا حکم دیا۔ وہ تورات لے آئے، ان میں سے ایک نوجوان پڑھنے لگا۔ جب آیت رجم آئی تو اس نے اپنا ہاتھ اس کے اوپر رکھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن

1۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12، صفحہ 169
2۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12، صفحہ 166 و کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 516

سلام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ، اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو نیچے سے آیت رجم نکلی۔ چنانچہ آپ علیہ السلام کے حکم سے دونوں زانیوں کو رجم کر دیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں بھی رجم کرنے والوں میں شریک تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ زانی اپنی آڑ سے زانیہ کو پتھروں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا(1)۔

ابوداؤد کی روایت میں آتا ہے کہ یہودیوں نے نبی کریم علیہ السلام کو اپنے مدرسہ میں بلایا تھا۔ آپ علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے، انہوں نے آپ کے لئے ایک گدی بچھائی جس پر آپ علیہ السلام بیٹھ گئے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارے ایک مرد نے عورت سے زنا کیا ہے اس کا فیصلہ فرمائیے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''تورات لاؤ'' تورات لائی گئی۔ آپ علیہ السلام نے گدی نکال کر اس پر تورات کو رکھ دیا اور فرمایا کہ تجھ پر بھی اور تیرے نازل کرنے والے پر بھی میرا ایمان ہے۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے سب سے بڑے عالم کو لاؤ۔ وہ ایک نوجوان کو لے آئے(2)۔ پھر وہی قصہ ہے جو گزر چکا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس نبی علیہ السلام کے پاس چلو، انہیں تخفیف اور نرمی کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ اگر تو انہوں نے رجم سے کم اور ہلکا فیصلہ دے دیا تو قبول کر لیں گے لیکن اگر رجم کا فیصلہ دیا تو قبول نہیں کریں گے۔ رجم کے علاوہ کوئی دوسرا فیصلہ ہوا تو اسے ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور سند اور دلیل پیش کریں گے کہ تیرے نبی نے یہ فیصلہ کیا تھا، چنانچہ وہ یہود رسول اللہ علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپ علیہ السلام اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے وہ آپ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ کا ان کے ایک مرد اور عورت کے بارے میں کیا فیصلہ ہے جو زنا کے مرتکب ہوئے؟ آپ علیہ السلام نے ان کے ساتھ کوئی کلام نہ کی۔ یہاں تک کہ ان کے مدرسہ میں چلے آئے۔ دروازے پر پہنچ کر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہیں اس رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی کہ تورات میں شادی شدہ زانی کا کیا حکم ہے وہ کہنے لگے کہ ایسے شخص کا منہ کالا کیا جاتا ہے، دونوں زانیوں کی پیٹھوں کو بالمقابل کر کے انہیں گدھے پر بٹھا کر شہر میں پھرایا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک نوجوان خاموش رہا۔ جب آپ علیہ السلام نے اسے خاموش دیکھا تو اسے قسم دے کر پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ چونکہ آپ نے قسم دی ہے اس لئے میں آپ کو سچ سچ بتا دیتا ہوں کہ تورات میں تو رجم کا حکم ہے۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: کیا وجہ تھی جس کے باعث تم نے اللہ کے حکم (رجم) میں رخصت پیدا کر لی؟ اس نے کہا کہ ہمارے کسی بادشاہ کے رشتہ دار نے زنا کا ارتکاب کیا تو بادشاہ نے اس سے رجم کو ساقط کر دیا۔ پھر ایک عام آدمی نے بدکاری کی تو اس نے اسے رجم کرنے کا ارادہ کیا لیکن قوم آڑے آ گئی۔ وہ کہنے لگے کہ جب تک تمہارے رشتہ دار کو رجم نہیں کیا جاتا ہم اپنے آدمی کو رجم نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ طے یہی ہوا کہ رجم کی بجائے کوئی اور سزا معین کر دی جائے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو تورات کے مطابق ہی فیصلہ کروں گا۔ تو آپ علیہ السلام کے حکم سے انہیں رجم کر دیا گیا اور اسی بارے میں یہ آیت اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ..... نازل ہوئی اور حضور علیہ السلام ان احکام جاری کرنے والوں میں سے ہیں(3)۔

ایک مرتبہ رسول اللہ علیہ السلام کے پاس ایک یہودی گزرا جس کا منہ کالا کیا ہوا تھا اور یہودی اسے کوڑے مار رہے تھے۔ آپ علیہ السلام نے انہیں بلایا اور فرمایا کہ کیا تمہاری کتاب میں زانی کی یہ حد ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ علیہ السلام نے ان کے ایک عالم کو بلایا اور کہا: ''میں تمہیں اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہ حد پاتے ہو؟ تو وہ کہنے لگا: نہیں،

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، صفحہ 1326
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4، صفحہ 155
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4، صفحہ 155، تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 232

اللہ کی قسم! اگر آپ اللہ کی قسم دیکر نہ پوچھتے تو میں ہرگز نہ بتاتا۔ ہماری کتاب میں زانی کی سزا رجم ہے لیکن بات یہ ہوئی کہ شرفاء میں زنا کی کثرت ہوگئی۔ جب ہم کسی بڑے کو پکڑتے تو چھوڑ دیتے اور جب کوئی عام آدمی قابو چڑھ جاتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ پھر ہم نے سوچا کہ سب کے لئے ایک ہی حد ہونی چاہئے تو ہمارا اتفاق درے لگانے اور منہ کالا کرنے پر ہوا۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب سے تم نے اس حکم کو مردہ بنا دیا ہے، میں اسے زندہ کرنے والا پہلا شخص ہوں۔“ پھر آپ ﷺ کے حکم سے اسے رجم کیا گیا۔ اس پر یہ وحی اتری یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ...... فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ یہ آیات یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئیں اور یہ آیت کریمہ وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (مائدہ: 47) تمام کفار کے بارے میں اتری۔ (1)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت میں آتا ہے کہ اہل فدک میں سے کسی نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ تو اہل فدک نے مدینہ کے یہود کو لکھ بھیجا کہ وہ اس کا حکم محمد (ﷺ) سے پوچھیں۔ اگر تو آپ ﷺ کوڑوں کا حکم دیں تو قبول کر لینا اور اگر رجم کا فیصلہ دیں تو بالکل قبول نہ کرنا۔ چنانچہ یہودیوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے دو بڑے عالم میرے پاس بھیجو۔ وہ دو عالم لے آئے۔ ایک ان میں سے کانا تھا جس کا نام ابن صوریا تھا ایک اور شخص تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم بڑے عالم ہو، انہوں نے کہا کہ ہمارے لوگ ہمیں بلا لائے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس تورات نہیں ہے جس میں اللہ کا حکم ہے۔ وہ کہنے لگے۔ کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے بنی اسرائیل کے لئے سمندر کو پھاڑ ڈالا، تم پر بادلوں کا سایہ کیا، تمہیں آل فرعون سے رہائی دلوائی اور بنی اسرائیل پر من وسلویٰ نازل کیا، کہ رجم کے متعلق تورات میں کیا حکم ہے؟ ان میں سے ایک دوسرے کو کہنے لگا کہ ایسی قسم میں نے پہلے نہیں سنی۔ پھر دونوں کہنے لگے کہ تورات میں یہ حکم ہے کہ نظر بازی بھی زنا ہے، بوسہ لینا بھی زنا ہے اور گلے لگانا بھی زنا ہے۔ جب چار آدمی انہیں اس طرح دخول خروج کرتا دیکھ لیں جس طرح سلائی سرمہ دانی کے اندر باہر آتی ہے تو رجم واجب ہو جاتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہی مسئلہ ہے۔“ تو آپ ﷺ کے حکم سے رجم کیا گیا۔ اس پر یہ آیت اتری فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ...... (2)۔

ایک اور روایت میں یہ آتا ہے کہ وہ ابن صوریا کے دو عالم بیٹے لائے تھے۔ حضور ﷺ کے پوچھنے پر انہوں نے تورات کا حکم بتایا کہ جب چار آدمی اس بات کی گواہی دے دیں کہ انہوں نے آلہ تناسل کو عورت کی شرمگاہ میں اس طرح دیکھا ہے کہ جس طرح سرمہ دانی میں سلائی تو رجم واجب ہو جاتا ہے۔ تو حضور ﷺ نے ان سے پوچھا کہ پھر رجم کے نفاذ سے کون سی چیز تمہیں مانع ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری سلطنت جاتی رہی اس لئے ہم یہ نہیں چاہتے کہ اپنے لوگوں کو قتل کرتے رہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے چار گواہ بلوائے۔ انہوںؑ نے آکر گواہی دی کہ واقعی ہم نے ایسی صورت دیکھی ہے جیسی سرمہ دانی میں سلائی۔ تو اس پر آپ ﷺ نے دونوں کو رجم کرنے کا حکم دے دیا (3)۔

یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تورات کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے عقیدہ کے احترام میں آپ ﷺ نے ایسا کیا تھا کیونکہ وہ بھی شریعت محمدی ﷺ کے مکلّف ہیں۔ بلکہ یہ فیصلہ تو خاص وحی الٰہی کے نتیجہ میں آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس مسئلہ کے متعلق آپ ﷺ کا یہود سے سوال کرنا اس حکمت کی بناء پر تھا تاکہ وہ بھی اس حکم کا بذات خود

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، صفحہ 1327، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 286
2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 78
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4، صفحہ 156، سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، جلد 2، صفحہ 780

اعتراف کرلیں جوان کے پاس تورات میں موجود تھا اور جسے عرصہ دراز سے انہوں نے پس پشت ڈالا ہوا تھا۔ جب انہوں نے خود اس کا اعتراف کرلیا تو ان کا عناد اور جھوٹ عیاں ہوگیا اور کتاب اللہ کی تکذیب بھی ظاہر ہوگئی۔ اب رہی یہ بات کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف اس مسئلہ میں رجوع کیوں کیا تھا تو اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خواہش اور مطلب برآری کے پیش نظر آپ ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھا تھا کہ شاید آپ ﷺ ان کے موافق فیصلہ دے دیں اور یہ ان کے لئے دلیل بن جائے، یہ بات نہیں تھی کہ وہ آپ ﷺ کے فیصلہ کی صحت کا یقین رکھتے تھے، اسی لئے فرمایا: اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ یعنی اگر دِرّے اور منہ کالا کرنے کا حکم تمہیں ملے تو قبول کر لینا۔ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا اور اگر حسب خواہش فیصلہ نہ ملے تو اتباع اور قبول کرنے سے احتراز کرنا۔ پھر ان کے بارے میں فرمایا: وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ......۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ...... یہ باطل کو خوب انہماک سے سننے والے ہیں اور حرام (رشوت) خور ہیں۔ تو جس شخص کی یہ حالت ہو کہ حرام خوری سے وہ نجس ہو چکا ہو بھلا اس کا دل کیونکر اللہ تعالیٰ پاک فرمائے گا۔ پھر اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ اگر وہ فیصلہ کروانے کے لئے آپ کے پاس آجائیں تو آپ کی مرضی ہے، فیصلہ کریں یا اعراض کرلیں، آپ ﷺ پر کوئی مواخذہ نہیں۔ کیونکہ آپ سے فیصلہ کروانے کا مقصد یہ نہیں کہ وہ حق کی پیروی کریں گے بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ حسب خواہش آپ سے فیصلہ مل جائے تاکہ ان کا مطلب نکل آئے۔

حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ...... منسوخ ہے، اس کی ناسخ یہ آیت ہے وَاَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ(1)۔

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ...... اگر آپ فیصلہ کرنا چاہئیں تو اگرچہ یہ ظالم اور بے دین ہیں پھر بھی آپ ان کے درمیان حق اور عدل کے ساتھ فیصلہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ ان یہودیوں پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمارہا ہے کہ یہ ایسے بدبخت ہیں کہ انہیں تورات عطا کی گئی، اس کے احکام کا پابند بنایا گیا۔ یہ تورات کی حقانیت کے قائل بھی ہیں، اس کے باوجود خبث باطنی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اس کے احکام کو نظرانداز کردیتے ہیں۔ خواہشات نفسانی کی تکمیل میں اور مطلب برآری کے لئے تورات میں تحریف، من گھڑت تاویل اور تغیر وتبدل بھی کرنا پڑ جائے تو اس سے بھی نہیں چوکتے فرمایا: وَكَیْفَ یُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ ...... گویا ان کا تورات پر بھی ایمان نہیں ہے۔ اگر انہیں حقیقت کی تلاش ہوتی تو وہ تورات میں بھی موجود ہے۔

پھر تورات کی مدح کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ...... یعنی یہ تورات سراپا ہدایت اور نور ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار انبیاء اس کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے رہے، پھر بعد میں اللہ والے زاہد و عابد اور علماء بھی اسی کے مطابق فیصلے کرتے رہے کیونکہ انہیں اس کتاب کا امین بنایا گیا تھا اور اس کے اظہار اور اس پر عمل کرنے کا انہیں مکلّف بنایا گیا تھا اور وہ اس پر شاہد تھے۔ اب تمہیں ان سے نہیں ڈرنا چاہئے بلکہ صرف مجھ سے ڈرو اور میری آیات کا تھوڑی قیمت کے بدلے سودا نہ کرو اور جنہوں نے اللہ کے حکم کے خلاف فیصلہ کیا وہی لوگ کافر ہیں۔ اس میں دو قول ہیں جن کا بیان عنقریب آئے گا۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 245-246

ان آیات کا اور شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے انہیں قرآن کریم میں کافر، ظالم اور فاسق کہا گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ آیات یہودیوں کے دو گروہوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ زمانہ جاہلیت میں ان میں سے ایک قبیلہ دوسرے پر غالب آ گیا اور دوسرا مغلوب ہو گیا۔ دونوں میں طے یہ پایا کہ اگر غالب گروہ کا کوئی فرد مغلوب قبیلے کے کسی فرد کو قتل کر دے تو اس کی دیت پچاس وسق ہو گی اور اگر مغلوب اور ذلیل گروہ کا کوئی فرد غالب اور اعلیٰ گروہ کے کسی فرد کو قتل کر ڈالے تو اس کی دیت ایک سو وسق ہو گی۔ حضور ﷺ کی مدینہ شریف تشریف آوری تک یہی معمول رہا۔ پھر ایک دفعہ یوں ہوا کہ ذلیل گروہ نے شرفاء کے گروہ کا کوئی آدمی قتل کر دیا۔ انہوں نے ان سے سو وسق دیت (حسب معاہدہ) کا مطالبہ کیا۔ مغلوب قبیلہ نے کہا کہ یہ عجب تماشہ ہے، ہمارا تعلق ایک ہی قبیلہ، ایک ہی نسب، اور ایک ہی شہر کے ساتھ ہے پھر دیت مختلف کیوں؟ تم نے ہم پر ظلم روا رکھا، ہم برداشت کرتے رہے۔ اب صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے، مزید زیادتی برداشت نہیں کر سکتے۔ اب جبکہ محمد (ﷺ) عادل نبی تشریف لا چکے ہیں اس لئے ہم بھی تمہیں اس قدر ہی دیت دیں گے جس قدر تم ہمیں دیا کرتے ہو۔ اس پر دونوں قبیلے طیش میں آ گئے، قریب تھا کہ دونوں میں جنگ کی آگ بھڑک اٹھنے لگے، پھر سب اس بات پر رضامند ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کروا لیتے ہیں۔ پھر شرفاء کا گروہ آپس میں کہنے لگا کہ اللہ کی قسم؟ یہ کبھی نہیں ہو گا کہ محمد (ﷺ) فریق مخالف کی نسبت تمہیں دوگنی دیت دلوائیں گے۔ یہ ناانصافی وہ نہیں کر سکتے اور نچلے طبقے والے بھی سچے ہیں کہ وہ ہم سے مغلوب ہو کر دوگنی دیت دیتے رہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ پہلے چپکے سے محمد (ﷺ) کی رائے معلوم کر لی جائے۔ اگر تو تمہاری خواہش کے مطابق ان کا فیصلہ ہوا تو انہیں منصف مقرر کر لینا، ورنہ احتراز کرنا اور ان سے فیصلہ نہ کروانا۔ انہوں نے کچھ منافقین کو اس غرض کے لئے تیار کیا اور چپکے سے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا تاکہ وہ آپ ﷺ کی رائے معلوم کر کے آئیں ان جاسوسوں کے پہنچنے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہودیوں کے برے ارادہ سے آگاہ فرما دیا اور مذکورہ بالا آیات نازل فرما دیں۔ ان یہود کے بارے میں ہی یہ آیات نازل ہوئیں (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ یہ دونوں قبیلے بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے جن کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ وجہ یہ تھی کہ بنو نضیر کو شرف اور برتری حاصل تھی اس لئے ان کے مقتولین کی پوری دیت تھی جبکہ بنو قریظہ نچلے طبقہ میں شمار ہوتے تھے اس لئے ان کے مقتولوں کی نصف دیت تھی (2)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب بنو قریظہ کا کوئی فرد بنو نضیر کے کسی فرد کو قتل کر دیتا تو اسے قصاص میں قتل کر دیا جاتا۔ اس کے برعکس کوئی نضیری قرظی کو قتل کر دیتا تو سو وسق کھجور دیت ادا کر دی جاتی۔ ایک مرتبہ بنو نضیر کے ایک آدمی نے قریظہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تو اس کا جھگڑا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لیکر آئے تو مذکورہ آیات اتریں۔ ان کے مطابق آپ ﷺ نے عادلانہ فیصلہ فرمایا (3)۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان آیات کا یہ شانِ نزول بھی بیان ہوا اس کے علاوہ پہلے اور بھی شانِ نزول بیان ہو چکا ہے کہ یہ آیات

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 246، سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیۃ، جلد 3، صفحہ 299

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیۃ، جلد 3، صفحہ 303، سنن نسائی، کتاب القسامۃ، جلد 8، صفحہ 19

3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 246، سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، جلد 4، صفحہ 168، مستدرک حاکم، کتاب الحدود، جلد 4، صفحہ 366-367

ان یہودی عورت اور مرد کے متعلق نازل ہوئیں جنہوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ دونوں اسباب ایک ہی وقت میں جمع ہو گئے ہوں اس پر یہ آیات اتری ہوں۔ بہر صورت دوسرے شان نزول کو یہ آیت وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (المآئدۃ:45) تقویت پہنچاتی ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ بہت سے حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ شان نزول اگرچہ خاص ہے لیکن حکم عام ہے۔ مسلمان بھی اس میں شامل ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے رشوت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مال حرام ہے۔ رشوت لیکر کسی شرعی مسئلہ کے خلاف فتویٰ دینا کفر ہے(1)۔ سدی کہتے ہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ دیا بلکہ جان بوجھ کر اسے ترک کر دیا یا کسی پر ظلم کیا تو وہ جان لے کہ وہ کافر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا یہ مفہوم نقل کیا جاتا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کا انکار کیا وہ کافر ہے۔ جس نے اقرار تو کیا لیکن اس کے مطابق فیصلہ نہ کیا وہ ظالم اور فاسق ہے۔ ابن جریر نے یہ معنی اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب اور ہر وہ شخص ہے جو اللہ کی کتاب میں نازل کردہ حکم کا انکار کرے۔ شعبی کہتے ہیں کہ یہ آیت وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ مسلمانوں کے لئے ہے۔ اور یہ آیت وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ یہود کے حق میں ہے، اور یہ آیت وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ نصاریٰ کے بارے میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا کفر اس آیت کے باعث ہے۔ ابن طاؤس کہتے ہیں یہ کفر وہ کفر نہیں جس میں اللہ، ملائکہ، کتابوں اور رسولوں کا انکار ہوتا ہے۔ عطاء فرماتے ہیں کہ کفر، کفر میں تفاوت ہے، اسی طرح ظلم ظلم میں اور فسق فسق میں بھی تفاوت ہوتا ہے، طاؤس کہتے ہیں کہ یہ ایسا کفر نہیں ہے جو ملت اسلام سے خارج کر دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ وہ کفر نہیں جو تم مراد لے رہے ہو(2)۔

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾

"اور ہم نے لکھ دیا تھا یہود کے لئے تورات میں (یہ حکم) کہ جان کے بدلے جان آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے لئے قصاص تو جو شخص معاف کر دے بدلہ تو یہ معافی کفارہ بن جائے گی اس کے گناہوں کا۔ اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے اتارا اللہ نے تو وہی لوگ ظالم ہیں"۔

اس آیت میں بھی یہود کو زجر و توبیخ اور سرزنش کی جا رہی ہے کہ ان کی کتاب تورات میں قصاص کا واضح حکم موجود ہے اس کے باوجود وہ جان بوجھ کر سرکشی اور لاپرواہی سے اس حکم کی مخالفت کرتے ہیں۔ نضری (بنو نضیر سے تعلق رکھنے والا) کے قتل کا قرظی (بنو قریظہ کا آدمی) سے قصاص لیتے ہیں لیکن قرظی کے قتل کا نضری سے قصاص نہیں لیتے بلکہ دیت لیکر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح رجم کے بارے میں تورات کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ شادی شدہ زانی کی سزا تو رجم مقرر کی گئی ہے لیکن انہوں نے از خود درے مارنے اور منہ کالا کرنے کی سزا طے کر لی ہے۔ اس لئے وہاں فرمایا: فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ کیونکہ انہوں نے سرکشی کے باعث جان بوجھ کر اللہ کے حکم کا انکار کیا تھا۔ اور یہاں

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 257 2۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 2، صفحہ 313

ان کے بارے میں فرمایا: فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں انہیں حکم دیا کہ وہ فیصلہ کرتے وقت عدل اور مساوات کو ملحوظ خاطر رکھیں لیکن انہوں نے مظلوم کے ساتھ انصاف نہ کیا نہ اس کی دادرسی کی بلکہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ مظلوم پر بھی ظلم کیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آیت کریمہ میں ''النَّفْسِ'' کو زبر کے ساتھ اور ''الْعَیْنُ'' کو پیش کے ساتھ پڑھا (1)۔

بہت سے علمائے اصول اور فقہاء اس آیت سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ جب ہم سے پہلی کوئی شریعت کسی حکم کو ثابت رکھے اور یہ حکم منسوخ نہ ہو تو ایسا حکم ہمارے لئے بھی شریعت ہے۔ جیسا کہ جمہور علماء سے یہ مشہور ہے مثلاً جنایات کے احکام ہماری شریعت میں بھی اسی طرح ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں تین مسلک نقل کرتے ہیں: ایک تو وہی جو بیان ہوا، دوسرا اس کے برعکس اور تیسرا مسلک یہ ہے کہ شریعت سیدنا ابراہیم علیہ السلام حجت ہے اور کوئی نہیں۔

امام ابونصر بن صباغ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب، الشامل میں اس بات پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ یہ آیت جس مفہوم پر دلالت کرتی ہے اس کے لئے یہ دلیل ہے۔ وہ یہ ہے کہ عورت کے بدلہ میں مرد کو قتل کیا جائے گا۔ مرد عورت دونوں قصاص کے معاملہ میں یکساں ہیں کیونکہ قرآنی لفظ (نفس) دونوں کو شامل ہے۔ اسی طرح نسائی وغیرہ کی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عمرو بن حزم کو لکھے گئے مکتوب میں ہے کہ ''مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔'' (2)

ایک اور حدیث میں آتا ہے: ''اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَکَافَأُ دِمَاءُ ھُمْ'' (مسلمانوں کے خون باہم مساوی ہیں) (3)۔ یہ جمہور علماء کا مذہب ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو قتل کر دے تو اس کے بدلے میں مرد کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس عورت کے ولی کو نصف دیت دی جائے گی کیونکہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہوتی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ایک روایت میں یہی مذہب ہے۔ حسن اور عثمان بستی سے بھی یہی منقول ہے۔ ایک روایت میں حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی عورت کو قتل کر دے تو قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ دیت واجب ہوگی۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں اور آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے گا لیکن جمہور نے ان دونوں چیزوں میں امام صاحب کی مخالفت کی ہے۔ ایک حدیث میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''لَا یُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِکَافِرٍ'' (4)۔ ''کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا''۔ جہاں تک غلام کا تعلق ہے تو اس بارے میں سلف سے متعدد آثار منقول ہیں کہ اگر کوئی آزاد غلام کو قتل کر دے تو اس آزاد سے غلام کا قصاص نہیں لیا جائے گا اور نہ اسے غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اس ضمن میں احادیث بھی ہیں لیکن وہ صحیح نہیں ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اس مسئلہ میں اجماع نقل کیا ہے لیکن اس سے ان کے مسلک کا بطلان لازم نہیں آتا جب تک کہ کوئی دلیل ایسی نہ ہو جو اس آیت کے حکم کو خاص کر دے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب القرأت، جلد 4، صفحہ 33، مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 236

2۔ سنن نسائی، کتاب القسامۃ، جلد 8، صفحہ 58

3۔ سنن نسائی، کتاب القسامۃ، جلد 8، صفحہ 24، سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، صفحہ 895

4۔ فتح الباری، کتاب العلم، جلد 1، صفحہ 204 و کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 167

ابن صباغ کے قول کی تصدیق اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ربیع نے ایک لونڈی کے دانت توڑ دیئے۔ ان لوگوں نے معافی طلب کی لیکن انکار کر دیا گیا۔ لونڈی کے مالک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے قصاص (بدلہ) کا حکم جاری کر دیا۔ اس پر اس عورت کے بھائی حضرت انس بن نضر کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس کے سامنے کے دانت توڑ دیئے جائیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے انس! اللہ کی کتاب میں قصاص کا حکم ہے''۔ یہ سن کر کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اس کے دانت نہیں توڑے جائیں گے۔ چنانچہ یہ ہوا کہ وہ لوگ معاف کرنے پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے قصاص کا مطالبہ ترک کر دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بعض اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ کے نام پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا کرتا ہے'' (1)۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ پہلے انہوں نے دیت پیش کی لیکن نہ وہ معاف کرنے پر آمادہ ہوئے اور نہ دیت لینے پر۔ بعد میں معافی ہو گئی۔

غرباء کی ایک جماعت کے غلام نے کسی مالدار گروہ کے غلام کا کان کاٹ دیا۔ وہ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! ہم فقیر لوگ ہیں (ہمارے پاس کچھ نہیں)۔ تو آپ ﷺ نے کوئی چیز واجب نہ کی (2)۔ یہ حدیث ذرا مشکل ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ قاتل غلام ابھی سن بلوغ کو نہ پہنچا ہو۔ ایسی صورت میں قصاص واجب ہوتا ہی نہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے دیت اپنے پاس سے دے دی ہو یا معاف کروا دی ہو۔

وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جان کے بدلے جان ہو گی، آنکھ پھوڑنے کے بدلہ میں آنکھ پھوڑی جائے گی، ناک کے بدلے میں ناک کاٹا جائے گا، دانت اکھیڑا تو اس کے بدلہ میں دانت اکھیڑ دیا جائے گا اور زخم کا بدلہ زخم سے لیا جائے گا۔ اس میں تمام مسلمان مرد عورتیں باہم برابر ہیں بشرطیکہ یہ کام عمداً کئے گئے ہوں۔ اسی طرح غلام مرد عورتیں بھی باہم یکساں ہیں جب کہ انہوں نے قصداً ایسا کام کیا ہو۔

اہم قاعدہ: اعضاء کو زخمی کر کے کاٹ دینا کبھی تو جوڑ میں ہوتا ہے، اس میں قصاص واجب ہے جیسے ہاتھ، پاؤں، ہتھیلی، قدم وغیرہ کا کاٹنا۔ لیکن اگر زخم جوڑ میں نہ ہو بلکہ ہڈی میں ہو تو امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں بھی قصاص ہے سوائے ران وغیرہ کے، کیونکہ یہ خطرناک ہے۔ امام ابوحنیفہ اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) فرماتے ہیں کہ بجز دانت کے کسی بھی ہڈی میں قصاص نہیں۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مطلق کسی ہڈی میں قصاص واجب نہیں ہے۔ یہی حضرات عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور حضرات عطاء، شعبی، حسن بصری، زہری، ابراہیم نخعی، عمر بن عبد العزیز رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ اور لیث بن سعد رحمتہ اللہ علیہ بھی اسی طرف گئے ہیں اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مذہب کے حق میں حدیث ربیع بنت نضر بطور دلیل پیش کی ہے کہ سوائے دانت کے کسی ہڈی میں قصاص نہیں۔ لیکن حدیث ربیع اس مسلک کے حق میں دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ کسی لونڈی کے دانت توڑ دیئے گئے۔ ممکن ہے کہ بغیر توڑنے کے خود بخود گر گئے ہوں۔ اس حالت میں قصاص اجماع سے واجب ہوتا ہے۔ ان کی دلیل کا تتمہ ابن ماجہ کی

1۔ فتح الباری، کتاب الصلح، جلد 5، صفحہ 306، صحیح مسلم، کتاب القسامۃ، صفحہ 1302
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، جلد 4، صفحہ 196

روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے بازو پر کہنی کے جوڑ سے نیچے تلوار ماری اور بازو کاٹ دیا۔ وہ شخص نبی کریم ﷺ کے پاس مقدمہ لے آیا تو آپ ﷺ نے اس کے لئے دیت کا فیصلہ کیا۔ اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں قصاص لینا چاہتا ہوں۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''دیت لے لو، اللہ تعالیٰ اس میں تمہارے لئے برکت ڈالے!'' اس مقدمہ میں آپ ﷺ نے قصاص کا فیصلہ نہ دیا(1)۔ شیخ ابو عمر بن عبدالبر کہتے ہیں کہ اس حدیث کی صرف یہی سند ہے اور اس کا ایک راوی دہشم بن قران عکلی اعرابی ضعیف ہے۔ اس کی حدیث قابل حجت نہیں۔ اسی طرح دوسرا راوی نمران بن جاریہ اعرابی بھی ضعیف ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ زخم کا قصاص اس وقت تک نہیں لیا جائے گا جب تک کہ وہ زخم مندمل اور درست نہ ہو جائے۔ اگر زخم کے مندمل ہونے سے پہلے قصاص لے لیا، اس کے بعد زخم بڑھ گیا تو کوئی بدلہ نہیں دلوایا جائے گا۔ اس کی دلیل مسند امام احمد کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے کسی دوسرے آدمی کے گھٹنے میں سینگ مار کر زخمی کر دیا۔ وہ شخص اپنا مقدمہ لیکر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ مجھے قصاص دلوایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پہلے ٹھیک ہو جا پھر۔'' وہ پھر حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے قصاص دلوایئے تو آپ ﷺ نے اسے قصاص (بدلہ) دلوا دیا۔ اس نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں تو لنگڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تو تمہیں منع کیا تھا لیکن تم نے بات نہ مانی۔ اب تیرے اس لنگڑے پن کا کوئی بدلہ نہیں۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے زخم کے درست ہونے سے پہلے قصاص کی ممانعت فرما دی(2)۔

مسئلہ: زخمی کرنے والے سے قصاص لیا گیا تو وہ اس میں مر گیا تو اس پر کچھ واجب نہیں۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ، شافعی، احمد اور جمہور صحابہ وتابعین کا یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر دیت واجب ہے جو اس کے مال میں سے لی جائے گی۔ حضرات عامر شعبی، عطاء، طاؤس، عمرو بن دینار، حارث عکلی، ابن ابی لیلیٰ، حماد بن ابی سلیمان، زہری، اور ثوری فرماتے ہیں کہ ''مُقْتَصّ لَہٗ'' (جس کے لئے قصاص لیا گیا) کی عاقلہ (پدری رشتہ دار) پر دیت واجب ہوگی۔ حضرات ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابراہیم بن نخعی، حکم بن عُیینہ اور عثمان بستی فرماتے ہیں کہ ''مُقْتَصّ لَہٗ'' سے بقدر اس کے (زخم کے) بدلے تو ساقط ہے باقی اس کے مال میں سے واجب ہے۔

فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ جو شخص قصاص کو معاف کر دے اور بطور صدقہ اپنے بدلے سے درگزر کرے تو یہ زخمی کرنے والے کا کفارہ ہو گیا اور زخمی کو اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائے گا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ زخمی کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ ہیثم بن عربان نخعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے اس آیت فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ کے متعلق پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بقدر معافی وصدقہ اس (زخمی) کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں(3)۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس آیت کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے جس کا دانت توڑ دیا جائے یا ہاتھ کاٹ دیا جائے یا کوئی اور عضو، یا اس کے بدن کا کوئی حصہ زخمی کر دیا جائے تو وہ اسے معاف کر دے تو اس کی مقدار گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اگر چوتھائی دیت واجب ہوتی تھی تو (درگزر کرنے سے) ایک چوتھائی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک تہائی دیت تھی تو ایک تہائی گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اگر پوری دیت تھی تو سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

ایک قریشی نے ایک انصاری کو دھکا دیا جس سے اس کے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے۔ انصاری اپنا مقدمہ حضرت امیر معاویہ رضی

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، صفحہ 880　2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 217　3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 260

اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ جب اس نے (قصاص کا) کچھ زیادہ ہی اصرار کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جاؤ، اس آدمی کو پکڑ لو (اور بدلہ لے لو) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جس مسلمان کو اس کے جسم میں ایذاء پہنچائی جائے تو وہ اسے معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے باعث اس کے درجے بلند فرما دیتا ہے اور اس کی غلطیاں معاف کر دیتا ہے۔'' وہ انصاری آپ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ کیا آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرمان سنا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے کانوں نے اسے سنا اور میرے دل نے محفوظ رکھا۔ یہ سن کر اس انصاری نے قریشی کو معاف کر دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انصاری کو کچھ مال دینے کا حکم دیا(1)۔ حضرت عدی بن ثابت کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے دانت توڑ دیئے۔ اسے تین گنا دیت تک کی پیشکش کی گئی لیکن وہ قصاص پر ہی مصر رہا تو وہاں موجود ایک صحابی نے یہ حدیث بیان کی: جو شخص خون یا اس سے کم معاف کر دے تو یہ اس کی ساری زندگی (کے گناہوں) کے لئے کفارہ ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے برابر اتنے ہی اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے'' (2)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ''جس شخص کے جسم میں کوئی ایذا پہنچائی گئی تو اس نے اللہ کی خاطر معاف کر دیا تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے'' (3)۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ پہلے گزر چکا ہے کہ ظلم، کفر اور فسق کے مختلف درجے ہیں جن میں تفاوت پایا جاتا ہے۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾

''اور ہم نے پیچھے بھیجا ان کے نقش قدم پر عیسیٰ بن مریم کو تصدیق کرنے والا جو اس کے سامنے موجود تھا یعنی تورات اور ہم نے دی اسے انجیل اس میں ہدایت اور نور تھا اور تصدیق کرنے والی تھی جو اس سے پہلے تھا یعنی تورات اور (یہ انجیل) ہدایت اور نصیحت تھی پرہیزگاروں کے لئے اور ضرور فیصلہ کیا کریں انجیل والے اس کے مطابق جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس میں اور جو فیصلہ نہ کریں اس کے مطابق جسے اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے تو وہی لوگ فاسق ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم انبیاء بنی اسرائیل کے بعد عیسیٰ بن مریم کو لائے جو تورات پر ایمان رکھتے تھے اور اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ ہم نے انہیں انجیل عطا فرمائی جو سراپا ہدایت و نور تھی۔ یہ کتاب لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی، شبہات کے ازالہ اور مشکلات کے حل میں لوگ اس سے روشنی حاصل کرتے اور یہ کتاب تورات کے موافق تھی۔ سوائے یہود کے چند ایک مختلف فیہ مسائل کے انجیل تورات کے مخالف نہ تھی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا تھا: وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 260، مسند احمد، جلد 6، صفحہ 448، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدیات، جلد 6، صفحہ 168-169

2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 316، تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 260 3۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 412

الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ (آل عمران: 50) ’’اور تاکہ میں حلال کردوں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں جو (پہلے) حرام کی گئی تھیں تم پر‘‘۔ اسی لئے علماء کا مشہور قول ہے کہ انجیل نے تورات کے بعض احکام منسوخ کر دیئے۔

وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃً لِّلْمُتَّقِیْنَ یعنی ہم نے انجیل کو سراپا ہدایت اور نصیحت بنایا۔ متقی لوگ اس سے ہدایت پاتے ہیں اور اس کے ذریعے گناہوں اور برائیوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ یہ ہدایت اور نصیحت صرف اسے ہی حاصل ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرا اور اس کی وعید اور عقاب سے لرزہ براندام رہا۔

وَلْیَحْکُمْ اَھْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللہُ فِیْہِ ’’لِیَحْکُمَ‘‘ نصب کے ساتھ بھی ایک قراءت ہے۔ اس صورت میں ’’لِیَحْکُمَ‘‘ میں لام، لام کَیْ (ناصبہ) ہوگا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہم نے انہیں انجیل دی تاکہ اپنے زمانہ میں اس کے متبعین اس کے مطابق فیصلے کریں۔ دوسری مشہور قراءت ’’وَلْیَحْکُمْ‘‘ جزم کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں لام، لام امر ہوگا، معنی یہ ہوگا: چاہئے کہ وہ انجیل کے تمام احکام پر ایمان لائیں اور اس کے مطابق فیصلے دیں۔ اس میں حضرت محمد ﷺ کی بعثت کی بشارت بھی ہے اور یہ بھی ہے کہ جب آپ ﷺ تشریف لائیں تو آپ ﷺ کی تصدیق اور اتباع ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ (آل عمران: 50) ’’آپ فرمایئے اے اہل کتاب! نہیں ہو تم کسی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تورات اور انجیل کو اور جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے‘‘۔ اور فرمایا: ’’اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ ۫ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰىھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ ۙ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (الاعراف: 157)‘‘ (یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں......‘‘

اس لئے یہاں فرمایا: وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے اپنے رب کی اطاعت سے خارج ہیں، باطل کی طرف مائل ہیں اور حق سے انحراف کرنے والے ہیں۔ یہ آیت نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُھَیْمِنًا عَلَیْہِ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً وَّمِنْھَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلٰکِنْ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىکُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اِلَی اللہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ وَاحْذَرْھُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْکَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللہُ اِلَیْکَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللہُ اَنْ یُّصِیْبَھُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِھِمْ ؕ وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُکْمَ الْجَاھِلِیَّۃِ یَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللہِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

''اور (اے حبیب) اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن) سچائی کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے (آسمانی) کتاب ہے اور (یہ قرآن) محافظ ہے اس پر، تو آپ فیصلہ فرمادیں ان کے درمیان اس سے جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور آپ نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا ہے، ہر ایک کے لئے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنادیتا تم (سب کو) ایک ہی امت لیکن آزمانا چاہتا ہے تمہیں اس چیز میں جو اس نے دی ہے تم کو، تو آگے بڑھنے کی کوشش کرو نیکیوں میں اللہ کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تم سب نے، پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جن باتوں میں تم جھگڑا کرتے تھے۔ اور یہ کہ فیصلہ فرمائیں آپ ان کے درمیان اس کے مطابق جو نازل فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اور آپ ہوشیار رہیں ان سے کہ کہیں برگشتہ نہ کردیں آپ کو اس کے کچھ حصہ سے جو اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف اور اگر وہ منہ پھیرلیں تو جان لو کہ بے شک ارادہ کرلیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ سزا دے انہیں ان کے بعض گناہوں کی اور بے شک بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔ تو کیا وہ جاہلیت کے زمانہ کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہوسکتا ہے اس قوم کے نزدیک جو یقین رکھتی ہے''۔

تورات وانجیل کی مدح وثناء، تعریف وتوصیف اور ان کے پیروکاروں کو ان کی اتباع اور اطاعت کے حکم کے بعد اب اللہ تعالیٰ قرآن عظیم کا ذکر فرمارہا ہے جو اس نے اپنے پیارے بندے اور عظیم الشان رسول ﷺ پر نازل فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے: وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ یعنی ہم نے اس کتاب کو آپ ﷺ کی طرف حق وصداقت کے ساتھ نازل کیا ہے، اس کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ یہ کتاب پہلی ان تمام کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جن میں اس کا ذکر، صفت اور مدح بیان کی گئی تھی اور ان میں یہ بھی مذکور تھا کہ یہ عظیم الشان کتاب بلند مرتبت رسول حضرت محمد ﷺ پر اترے گی، چنانچہ یہ کتاب ویسے ہی اتری جس طرح انہیں خبر دی گئی تھی، اس طرح ان صاحب بصیرت اہل کتاب کے نزدیک بھی ان کتب کی سچائی میں اضافہ ہوگیا جو احکام الٰہی کی اطاعت کرتے، شریعت کی پیروی کرتے اور رسولوں کی تصدیق کرتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل: (109-108)) ''بیشک وہ لوگ جنہیں دیا گیا ہے علم اس سے پہلے جب اسے پڑھا جاتا ہے ان کے سامنے تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے ہیں (ہر عیب اور نقص سے) پاک ہے ہمارا رب، بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہوکر رہتا ہے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے پہلے پیغمبروں کی زبانی حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کا جو وعدہ کر رکھا تھا وہ سچا ثابت ہوا۔

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا معنی امین بتاتے ہیں یعنی یہ کتاب پہلی ہر (آسمانی) کتاب کی امین ہے۔(1) ابن جریج کہتے ہیں کہ قرآن کریم سابقہ کتب پر امین ہے۔ ان کتابوں میں سے جو قرآن کے موافق ہو وہ حق ہے اور جو اس کے مخالف ہے وہ باطل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مُهَيْمِنًا کا معنی شہید (گواہ) بھی نقل کیا گیا ہے۔ اور اس کا معنی حاکم بھی نقل کیا گیا ہے یعنی سابقہ کتابوں پر حاکم ہے۔ یہ سب معانی قریب قریب ہیں۔ کیونکہ ''مُهَيْمِنٌ'' کا لفظ ان معانی کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ پہلی تمام کتب پر امین بھی ہے، شاہد بھی اور حاکم بھی۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جسے اس نے نہایت کامل، جامع اور عظیم بنایا ہے۔ اس میں

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 266

پہلی تمام کتابوں کے محاسن بھی جمع فرما دیئے اور ان کے علاوہ مزید کمالات سے بھی اسے آراستہ کر دیا۔ اس لئے اسے ان سابقہ کتب پر شاہد، امین اور حاکم بنا دیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود سنبھالی، فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: 9) ''بیشک ہم ہی نے اتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔

مجاہد سے یہ منقول ہے کہ ''مُهَیْمِنْ'' کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ قرآن پر امین ہیں۔ یہ معنی کے لحاظ سے تو درست ہے لیکن اس کی یہ تفسیر کرنا درست نہیں ہے اور عربیت کے لحاظ سے یہ تفسیر محل نظر ہے، بہرصورت صحیح تفسیر وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ تاویل کلام عرب میں مفہوم کے اعتبار سے بہت بعید ہے، بلکہ یہ تفسیر کرنا غلط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ ''مُهَیْمِنْ'' کا عطف ''مصدق'' پر ہو رہا ہے۔ اس میں بھی اسی چیز کا وصف بیان ہو رہا ہے جس چیز کا وصف مصدق میں بیان ہو رہا ہے، اگر معاملہ اسی طرح ہو جس طرح مجاہد کا کہنا ہے تو عبارت بغیر عطف کے ہونی چاہئے تھی یعنی وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ سے پہلے واؤ حرف عطف نہیں ہونا چاہئے تھا (1)۔

فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ پس اے محبوب! آپ لوگوں کے درمیان خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی، امی ہوں یا کتابی، اس قرآن عظیم کے ساتھ فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف نازل کیا ہے۔ اسی طرح ان احکام کے مطابق بھی فیصلہ کریں جن کا تعلق سابقہ شریعتوں کے ساتھ ہے، انہیں منسوخ نہیں کیا بلکہ آپ کی شریعت میں بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ثابت رکھا ہے، ابن جریر نے یہ معنی بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے نبی کریم ﷺ کو اختیار تھا اگر آپ ﷺ کی مرضی ہو تو ان (اہل کتاب) کے درمیان فیصلے کریں اور اگر مرضی نہ ہو تو اعراض کرلیں اور انہیں ان کے احکام کی طرف لوٹا دیں، لیکن جب یہ آیت اتری: وَاَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ تو آپ ﷺ کو حکم دے دیا گیا کہ آپ کتاب اللہ کے مطابق ان میں فیصلے کریں۔

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ان کی وہ آراء اور خواہشات جن کے یہ از خود پیروکار بن گئے تھے اور جن کے سبب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈال دیا تھا، اے محبوب! ان کی ان خواہشات کی اتباع میں حق کو نہ چھوڑ دینا۔ یہ لوگ تو جاہل اور بدبخت ہیں۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''شِرْعَةً'' کا معنی سبیل (واضح رستہ) اور ''مِنْهَاجَ'' کا سنت (طریقہ) بتاتے ہیں۔ بعض نے اس کے برعکس معنی بتایا ہے۔ لیکن پہلے جو بیان ہوا وہی درست ہے کیونکہ ''شِرْعَةً'' (جو شریعت کا ہم معنی ہے) اس رستہ کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کی طرف ابتداء کی جائے۔ اسی معنی میں یہ قول ہے: ''شَرَعَ فِیْ كَذَا'' (فلاں چیز میں شروع ہو گیا)۔ اسی طرح شریعت اس رستہ کو کہتے ہیں جس سے پانی کی طرف جایا جائے۔ اور ''مِنْهَاجَ'' کا معنی ہے واضح آسان رستہ۔ اور سنن بمعنی طرائق آتا ہے۔ تو ''شِرْعَةً'' کا معنی سبیل اور ''مِنْهَاجَ'' کا معنی سنت کرنا زیادہ مناسب ہے۔

پھر یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ پہلی امتیں توحید، عقائد اور اصول میں تو متحد تھیں لیکن ان کی شریعتوں کے احکام میں کچھ اختلاف تھا، جس طرح صحیح بخاری کی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا، حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''ہم گروہ انبیاء علاتی بھائی ہیں، ہمارا دین ایک ہے'' (2)۔ اس سے مراد توحید ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو مبعوث فرمایا اور ہر کتاب میں اس کا بیان ہوا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء: 25) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے، پس میری

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 268، البحر المحیط لابی حیان جلد 3، صفحہ 502
2۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 477-478

عبادت کیا کرو"۔ اور فرمایا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: 36) "اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جوانہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے)۔

البتہ شریعتیں اوامر ونواہی میں مختلف تھیں۔ ایک چیز ایک شریعت میں حرام تھی تو دوسری میں حلال کر دی گئی یا اس کے برعکس، ایک شریعت میں کوئی حکم خفیف تھا دوسری میں ذرا سخت کر دیا گیا، اس میں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت اور (باطل کے خلاف) قطعی حجت ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ سنن (طریقے) مختلف ہیں۔ یہی سنن شریعت ہے۔ تورات ایک شریعت ہے، انجیل ایک الگ شریعت ہے اور اسی طرح قرآن ایک مستقل شریعت۔ اللہ تعالیٰ ان شریعتوں میں جو چاہتا ہے حلال کر دیتا ہے اور جو چاہتا ہے حرام کر دیتا ہے، مقصد اس سے آزمائش ہے کہ کون اس کے فرمان کی اطاعت کرتا ہے اور کون نافرمانی کرتا ہے۔ جبکہ دین ایک ہی ہے اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی دین کو قبول نہیں فرماتا، اس کا مطلب ہے توحید اور اخلاص جس کی تبلیغ سارے پیغمبر کرتے رہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس آیت کے مخاطب اس امت کے افراد ہیں۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا: اے امت محمد یہ! تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے قرآن کو شریعت اور راہ عمل بنا دیا ہے۔ یہ قرآن تمہارے لئے ہے اس لئے اس کی اقتداء کرو۔ اس صورت میں قرآن کریم کی طرف لوٹنے والی ضمیر منصوب محذوف ہو گی، تقدیر ہوگی: "لِكُلٍّ جَعَلْنَاهُ" یعنی ہم نے قرآن کریم کو مقاصد صحیحہ تک پہنچنے کا رستہ اور واضح عمل کی راہ بنا دیا ہے(1)۔ لیکن پہلا قول صحیح ہے جس پر بعد والا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً اگر خطاب اس امت کو ہوتا تو پھر وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً کا کوئی معنی ہی نہیں بنتا حالانکہ یہ امت تو پہلے ہی اُمَّةً وَّاحِدَةً ہے۔ بلکہ یہ خطاب تمام امتوں کو ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے بارے میں آگاہ کیا جارہا ہے کہ اگر وہ چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک دین اور ایک ناقابل منسوخ شریعت پر جمع کر دیتا۔ لیکن اس نے (اپنی حکمت کے پیش نظر) ہر ایک رسول کو الگ الگ شریعت عطا فرمائی پھر دوسرے رسول کے ساتھ اسے کلی طور پر یا جزوی طور پر منسوخ کر دیا یہاں تک کہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری ہوئی اور آپ ﷺ کی بعثت سے تمام شریعتیں منسوخ ہوگئیں اور تمام اہل زمین کی طرف آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا، اسی لئے فرمایا: وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ یہ شریعتوں میں اختلاف اس حکمت کے پیش نظر تھا تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائے اور اطاعت گزاروں کو ثواب اور نافرمانوں کو سزا دے۔

عبداللہ بن کثیر کہتے ہیں کہ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ کا مطلب ہے جو کتاب اس نے تمہیں عطا کی ہے، اس میں آزمائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خیرات اور نیکیوں میں سبقت لے جانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ یعنی اللہ کی اطاعت، اس شریعت کی اتباع جو تمام سابقہ شریعتوں کی ناسخ ہے اور آخری آسمانی کتاب قرآن کریم کی تصدیق میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا...... اے لوگو! تمہیں قیامت کے دن اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ حق کے متعلق تمہارے اختلاف سے تمہیں آگاہ کر دے گا۔ سچے لوگوں کو ان کی سچائی کا اچھا بدلہ دے گا اور بلاوجہ حق سے روگردانی کرنے والوں، حق کو جھٹلانے والوں، قطعی دلائل و براہین کے ساتھ عناد رکھنے والے کافروں کو برے انجام سے دوچار کرے گا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ میں خطاب امت محمد ﷺ کو ہے(2)۔ لیکن پہلا قول زیادہ درست اور واضح ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 270　　2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 273

وَ اَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ پچھلی آیت میں گزرے ہوئے اسی مضمون کی یہ آیت تاکید بیان کر رہی ہے۔

وَ احْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْكَ...... اپنے ان یہودی دشمنوں سے ہوشیار رہنا، کہیں یہ اپنی باتوں سے آپ کو پھسلا نہ دیں اور حق کو آپ پر مشتبہ نہ کر دیں۔ ان سے بالکل دھوکہ نہ کھانا کیونکہ یہ لوگ جھوٹے، کافر اور خائن ہیں اور اگر یہ آپ کے حق پر مبنی فیصلہ سے اعراض کر لیں اور اللہ کے حکم کی مخالفت کریں تو آپ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی سیاہ کاریوں اور گناہوں کے باعث انہیں سزا دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور حکمت سے ہدایت کی توفیق ہی ان سے سلب کر لی ہے۔ ان کے سابقہ کرتوتوں اور گناہوں کا یہی تقاضا ہے کہ انہیں گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے دیا جائے اور انہیں ان کی بداعمالیوں کی عبرتناک سزا دی جائے اور ان میں سے اکثر ایسے نانہجار ہیں جو اطاعت الٰہی سے منحرف ہیں اور حق کے مخالف۔ جیسا کہ فرمایا: وَ مَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ (یوسف: 103) ''اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہیں، ایمان لانے والے''۔

اور فرمایا: وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (الانعام: 116) ''اور (اے سننے والے!) اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کعب بن اسد، ابن صلوبا، عبد اللہ بن صوریا اور شاس بن قیس (سب یہودی تھے) آپس میں کہنے لگے کہ چلو محمد (ﷺ) کے پاس چلتے ہیں، شاید ہم انہیں ان کے دین سے برگشتہ کر لیں۔ حسب پروگرام وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر کہنے لگے کہ آپ جانتے ہی ہیں کہ ہم یہود کے علماء، شرفاء اور زعماء ہیں، اگر ہم نے آپ کی اتباع کر لی تو ہماری اتباع میں تمام یہود آپ کی نبوت کا اقرار کر لیں گے اور وہ کبھی بھی ہماری مخالفت نہیں کریں گے۔ بس ایک تنازع کا تصفیہ مطلوب ہے، ہمارے اور ہماری قوم کے مابین ایک جھگڑا ہے۔ اگر آپ ہمارے حق میں فیصلہ دے دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ لیکن آپ ﷺ نے انکار کر دیا اس پر یہ وحی اتری: وَ اَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ...... یُّوْقِنُوْنَ۔(1)

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ...... اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے متعلق اظہار ناپسندیدگی فرما رہا ہے جو اس کے اس حکم سے انحراف کر لیتے ہیں جو محکم ہے، خیر پر مشتمل ہے اور شر سے منع کرنے والا ہے اور اس سے احتراز کر کے ایسی آراء، خواہشات اور احکام کی طرف راغب ہو جاتے ہیں جو بغیر کسی شرعی دلیل کے لوگوں کے خود ساختہ ہوتے ہیں۔ جس طرح اہل جاہلیت اپنی خود ساختہ آراء اور نفسانی خواہشات کے مطابق ضلالت اور جہالت پر مبنی احکام وضع کر لیا کرتے تھے اور جس طرح تاتاری ملکی معاملات میں چنگیز خان کے ان احکام کی پیروی کرتے جو یاسق نے وضع کئے تھے۔ دراصل یہ احکام یہودیت، نصرانیت اور اسلام جیسی مختلف شریعتوں سے ماخوذ تھے۔ بہت سے احکام ایسے بھی تھے جو صرف ذاتی رائے، عقل اور خواہش پر مبنی تھے۔ یہ احکام ان کے لئے شریعت کی شکل اختیار کر گئے جسے وہ کتاب و سنت پر ترجیح دیتے۔ جو بھی ایسا کرتا ہے وہ کافر ہے، ایسے شخص کے خلاف جہاد واجب ہے یہاں تک کہ وہ اللہ و رسول ﷺ کے حکم کی طرف لوٹ آئے اور اس کے سوا کسی بھی چھوٹے بڑے معاملہ میں کسی کا حکم تسلیم نہ کرے۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ...... کیا وہ زمانہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور اللہ کے فیصلے سے عدول کرتے ہیں۔ حالانکہ کون ہے جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے بہتر ہو۔ کون ہے جس کا فیصلہ یقین کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے زیادہ عادلانہ ہو؟ یہ یقین رکھنے والے وہ لوگ ہیں

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 273-274، سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 567

جو شریعت کی سمجھ رکھتے ہیں اور صدق دل سے اس پر ایمان لاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا حاکم ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ وہ ہر چیز سے آگاہ، ہر چیز پر قادر اور ہر چیز میں عادل ہے۔ اس لئے اس سے عمدہ اور بہتر فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے؟ حضرت حکم فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ کے فیصلے کے خلاف فیصلہ کیا تو اس کا فیصلہ جاہلیت کا ہے۔ ایک شخص نے حضرت طاؤس سے پوچھا کہ کیا میں عطیہ دینے میں اپنی اولاد میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دے سکتا ہوں؟ تو آپ نے یہ آیت اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ پڑھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض آدمی وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ تلاش کرے اور ناحق کسی آدمی کا خون بہانے پر تل جائے (1)۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

”اے ایمان والو! نہ بناؤ یہود اور نصاریٰ کو (اپنا) دوست (و مددگار)، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جس نے دوست بنایا انہیں تم میں سے سو وہ انہیں میں سے ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو، سو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے کہ وہ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں یہود و نصاریٰ کی طرف، کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم پر کوئی گردش نہ آ جائے، وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ (تمہیں) دیدے فتح کامل یا (ظاہر کر دے کامیابی کی) کوئی بات اپنی طرف سے تو پھر ہو جائیں گے اس پر جو انہوں نے چھپا رکھا تھا اپنے دلوں میں نادم اور (اس وقت) کہیں گے ایمان والے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قسمیں اٹھائی تھیں اللہ کی سخت سے سخت کہ وہ یقیناً تمہارے ساتھ ہیں، اکارت گئے ان کے اعمال اور ہو گئے وہ (سراسر) نقصان اٹھانے والے“۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو اعدائے اسلام یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع فرما رہا ہے، اور یہ خبر دے رہا ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ اہل اسلام کے دوست نہیں ہو سکتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ دوستی رکھنے اور یارانہ گانٹھنے والے کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آمدن اور اخراجات کا حساب پیش کرو۔ ان کا ایک نصرانی کاتب تھا جس نے سارا حساب پیش کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے متعجب ہوئے اور فرمایا کہ یہ محافظ ہے۔ پھر اسے فرمایا کہ شام سے ایک خط آیا ہے کیا تم مسجد میں پڑھ کر ہمیں سناؤ گے؟ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ ایسا نہیں کر سکتا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا یہ جنبی ہے؟ کہا نہیں، بلکہ نصرانی۔ تو حضرت ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 281، الاقناع لابن الباذش، جلد 2، صفحہ 635

عنہ نے مجھے جھڑکا اور میری ران پر ضرب لگائی اور فرمایا اسے نکال دو، اور پھر یہ آیت پڑھی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ (1)۔

حضرت عبداللہ بن عتبہ نے فرمایا: تم میں سے کوئی لاشعوری طور پر یہودی یا نصرانی بننے سے بچے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم سمجھ گئے کہ ان کے پیش نظر یہی آیت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرب نصاریٰ کے ذبیحہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کھاؤ لیکن یہ فرمان الٰہی: وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ یاد رکھنا (2)۔

فَتَرَى الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ...... یعنی جن لوگوں کے دلوں میں شک وشبہ اور نفاق ہے انہیں آپ دیکھیں گے کہ وہ پوشیدہ طور پر اور کھلے بندوں ان یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستی اور محبت کے روابط قائم کرنے کے لئے لپکتے ہیں اور اس دوستی کا جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم گردش زمانہ کا شکار ہو جائیں اور ہمارے مخالف ہمیں پیس کر رکھ دیں۔ اس لئے ہم ان یہود ونصاریٰ کے ساتھ رشتہ وتعلق قائم رکھے ہوئے ہیں تا کہ مشکل گھڑی میں ضرورت کے وقت یہ تعلق کام دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ...... سدی کہتے ہیں کہ "اَلْفَتْحِ" سے مراد فتح مکہ ہے (3)۔ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے فیصلہ اور حکم۔ "اَمْرٍ" سے مراد یہود ونصاریٰ پر جزیہ۔ یعنی وہ وقت آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کامل فتح عطا فرما دے گا اور ان کا سکہ چلنے لگے گا یا فتح کی کوئی اور صورت پیدا کر دے گا جس سے یہود ونصاریٰ مغلوب ہو کر جزیہ کی ادائیگی پر مجبور ہو جائیں گے۔ پھر یہ یہود ونصاریٰ سے رشتہ جوڑنے والے منافقین اس دوستی پر نادم ہوں گے جو وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ یہ بھیگی بلی بنے ہوئے ہوں گے اور ندامت کے آنسو بہا رہے ہوں گے۔ ذلت ورسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرے ہوئے کراہ رہے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے سامنے ان کے نفاق کا پردہ چاک کر دے گا۔ مسلمان تعجب سے کہیں گے کہ یہ تو اسلام اور ایمان کے بلند بانگ دعوے کیا کرتے تھے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی پختہ قسمیں کھا کر ہمیں یقین دلایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور یہود ونصاریٰ کے ساتھ اپنی دوستی کا جواز پیش کرتے۔ اب ان کا جھوٹ واضح ہو گیا اور ان کی افتراء پردازی طشت از بام ہو گئی، ان کے سارے اعمال اکارت گئے اور یہ سخت خسارہ اٹھانے والے ہو گئے، فرمایا: وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا...... اس آیت کی ابتداء میں حرف عطف، واو کے متعلق اختلاف ہے۔ ایک قرأت میں واؤ کو ثابت رکھ کر پڑھا گیا ہے۔ یہ جمہور کی قراءت ہے۔ پھر ان میں سے بعض نے "وَیَقُوْلُ" فعل کو مرفوع پڑھا ہے، جملہ ابتدائیہ ہو گا۔ بعض نے اس فعل کو منصوب پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کا عطف فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ...... پر ہو گا۔ تقدیر کلام یوں ہو گی: "اَنْ یَّاْتِیَ وَیَقُوْلَ" اہل مدینہ اس آیت کو واؤ کے بغیر پڑھتے ہیں (4)۔

ان آیات کریمہ کے شان نزول کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ آیات دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ غزوۂ بدر کے بعد ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں تو فلاں یہودی کی طرف جا رہا ہوں، اس کی پناہ لوں گا اور یہودیت کا اظہار کروں گا تا کہ وہ مشکل وقت میرے کام آئے۔ دوسرا شخص کہنے لگا کہ میں تو شام میں فلاں نصرانی کے پاس جا رہا ہوں، اس کی پناہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 276 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 275 3۔ ایضاً

4۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 281، الاقناع لابن الباذش، جلد 2 صفحہ 635

لوں گا اور نصرانیت کا اظہار کروں گا تاکہ بوقت ضرورت وہ میرے لئے نفع بخش ثابت ہو۔ اس پر یہ آیات اتریں۔

حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیات ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں بنوقریظہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے آپ سے پوچھا کہ حضور (ﷺ) ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں؟ تو آپ نے اپنے ہاتھ سے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تمہیں قتل کر دیا جائے گا(1)۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ آیات عبداللہ بن ابی بن سلول (رئیس المنافقین) کے بارے میں اتریں۔ ہوا یوں کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یارسول اللہ ﷺ! میرے بہت سے یہودی دوست ہیں لیکن میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر ان یہود کی دوستی سے براءت کا اظہار کرتا ہوں، مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دوستی کافی ہے، لیکن عبداللہ بن ابی کہنے لگا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں حالات ناسازگار نہ ہو جائیں اور ایسا نہ ہو کہ گردش زمانہ ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لے۔ اس صورت حال میں کوئی مددگار نہ ہوا تو کیا کریں گے، میں تو ان یہود کی دوستی نہیں توڑ سکتا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا کہ عبادہ کے برعکس تم یہود کی جس دوستی کے ساتھ چمٹے ہوئے ہو وہ تمہیں مبارک ہو، یہ گھاٹے کا سودا ہے لیکن عبادہ کے لئے نہیں''۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے تو یہی سودا منظور ہے۔ اس پر یہ آیات اتریں(2)۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ بدر کے میدان میں مشرکین ہزیمت سے دوچار ہوئے تو مسلمانوں نے اپنے یہودی دوستوں سے کہا کہ تم اسلام قبول کرلو کہیں ایسا نہ ہو کہ مشرکین کی طرح تمہیں بھی ایسی ہی شکست کا مزہ چکھنا پڑ جائے۔ اس پر مالک بن صیف (یہودی) کہنے لگا کہ چند ناتجربہ کار، اناڑی اور فنون حرب سے ناواقف قریش کی شکست کہیں تمہیں غلط فہمی میں مبتلا نہ کر دے اور اس فتح پر مغرور نہ ہو جانا، اگر ہم سے مقابلہ ہوا تو پھر پتہ چلے گا کہ لڑائی کیسے کہتے ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میرے یہود دوست بہت طاقتور، اسلحہ سے مکمل طور پر لیس اور شان وشوکت والے ہیں لیکن میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر ان سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ میرا حامی وناصر صرف اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہے لیکن عبداللہ بن ابی نے کہا کہ میں تو ان سے اظہار براءت نہیں کر سکتا۔ ان کی دوستی کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا کہ عبادہ کے برعکس یہود کے ساتھ تمہاری دوستی خسارے کا سودا ہے۔ اس نے کہا: تب مجھے قابل قبول ہے۔ اس پر یہ آیات اتریں(3)۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہودیوں میں سے بنوقینقاع نے عہد شکنی کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کرلیا اور وہ مغلوب ہو گئے۔ اب عبداللہ بن ابی آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ یہ میرے دوست اور خزرج کے حلیف تھے اس لئے ان کے معاملہ میں مجھ پر احسان کیجئے۔ لیکن آپ ﷺ نے غضبناک ہو کر فرمایا: مجھے چھوڑ دو۔ اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! میں اس وقت تک آپ کو نہیں چھوڑوں گا جب تک ان کے معاملہ میں آپ مجھ پر احسان نہ فرمائیں۔ یہ چارسو ننگے سر اور تین سو زرہ پوش یہ ایک جماعت ہے جو میری حمایت کرتی رہی۔ مشکل وقت میں یہ لوگ میرے کام آتے رہے، مجھے تو حوادثات زمانہ سے بہت خوف آتا ہے۔ آخر کار حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ سب تیرے لئے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب بنوقینقاع رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ پر اتر آئے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 276 2۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 275

3۔ فتح الباری، کتاب الدیات، جلد 12 صفحہ 210، المعجم الکبیر، جلد 10 صفحہ 373

کو ان پر غلبہ عطا فرمایا تو عبداللہ بن ابی ان کی حمایت میں آ کھڑا ہوا اور حضور ﷺ سے ان کے معاملہ میں نرمی کا خواستگار ہوا۔ جبکہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے براءت کا اظہار کیا حالانکہ عبداللہ بن ابی کی طرح آپ رضی اللہ عنہ بھی ان کے حلیف تھے اس پر سورۂ مائدہ کی یہ آیات اتریں: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ...... فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ(1)۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، میں ابھی آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: "میں نے تمہیں بار بار یہود کی محبت سے روکا تھا۔" تو وہ کہنے لگا کہ اسعد بن زرارہ کو تو ان سے بغض تھا پھر بھی وہ مرگیا(2)۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ٘ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾

"اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے (تو اس کی بدنصیبی) سو عنقریب لے آئے گا اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو نرم ہوں گے ایمانداروں کے لئے بہت سخت ہوں گے کافروں پر جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے یہ (محض) اللہ کا فضل (وکرم) ہے نوازتا ہے اسے جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی کشادہ رحمت والا سب کچھ جاننے والا ہے تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (پاک) ہے اور ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) وہ بارگاہ الٰہی میں جھکنے والے ہیں اور (یاد رکھو) جس نے مددگار بنایا اللہ کو اور اس کے رسول کریم کو اور ایمان والوں کو (تو وہ اللہ کے گروہ سے ہیں) بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت عظیمہ کی خبر دے رہا ہے کہ اگر کوئی اس کے دین کی حمایت و نصرت سے انحراف کرلے اس کی شریعت کو پس پشت ڈال دے اور دین اسلام سے برگشتہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کے بدلے میں ایسے سعادت مندوں کو اپنے دین کی خدمت کے لئے چن لے گا جو ان سے ہر لحاظ سے بہتر اور اعلیٰ ہوں گے جیسا کہ فرمایا: وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ (محمد:38) "اور اگر تم روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کردیئے جاؤ گے) اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے"۔ اور فرمایا: اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ (ابراہیم:20-19) "اگر اس کی مرضی ہو تو تم سب کو ناپید کردے اور لے آئے ایک نئی مخلوق۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر قطعاً دشوار نہیں"۔

اور یہاں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ یعنی جو حق سے باطل کی طرف رجوع کرے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ یہ

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 47-49

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3، صفحہ 184، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 201

آیت زعماء قریش کے بارے میں اتری۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں مرتد ہو جانے والوں کے بارے میں اتری۔

فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ اس قوم سے مراد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں۔ ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ اس سے مراد اہل قادسیہ ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قوم سبا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کندہ اور سکون قبائل کے اہل یمن ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس فرمان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ یمن کی ایک قوم ہے جو قبیلہ کندہ سے ہے، پھر سکون سے، پھر تجیب سے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اس کی قوم ہے(1)۔

اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ یہ کامل اہل ایمان کی صفات ہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے تو نہایت متواضع اور ان کے حامی و ناصر ہیں جبکہ دشمنان دین کے لئے نہایت سخت اور بھاری جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (الفتح:29)" (جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ (سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں، آپس میں بڑے رحمدل ہیں"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ آپ "ضَحُوْكٌ" (ہنس مکھ) اور "قَتَّالٌ" (سخت جنگجو) تھے، یعنی اپنے دوستوں کے لئے خندہ رو اور دشمنوں کے لئے جنگجو۔

یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ انہیں اطاعت الٰہی، اجراء حدود، نفاذ احکام الٰہی، جہاد فی سبیل اللہ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے کوئی بھی منع نہیں کر سکتا، ان فرائض کی ادائیگی سے کوئی بھی انہیں باز نہیں رکھ سکتا۔ نہ یہ کسی کی سرزنش سے متاثر ہوتے ہیں اور نہ کسی ملامت گر کی باتوں میں آتے ہیں بلکہ ہمہ تن اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کا حکم دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا ہے کہ میں اپنے سے کمتر لوگوں کو دیکھوں اور ان لوگوں کی طرف نہ دیکھوں جو (دنیاوی لحاظ سے) مجھ سے فوقیت رکھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں صلہ رحمی کروں اگرچہ دوسرے اعراض کر لیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ کسی سے بھی کسی چیز کا سوال نہ کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حق بات کہنے کا حکم دیا اگرچہ وہ کڑوی لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ میں اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کو خاطر میں نہ لاؤں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کثرت سے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ" (گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی قوت نہیں ہے مگر اللہ کے ساتھ) پڑھنے کا حکم دیا، کیونکہ یہ عرش تلے ایک عظیم خزانہ ہے(2)۔

ایک دوسری روایت میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پانچ مرتبہ بیعت لی اور سات چیزوں کا پختہ عہد لیا اور سات مرتبہ مجھ پر اللہ کو گواہ بنایا کہ میں حق کے معاملہ میں کسی کی ملامت سے نہیں ڈروں گا۔ حضرت ابوذر فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر فرمایا: "تم جنت کے بدلے میں مجھ سے بیعت کرو گے؟" میں نے عرض کی: جی ہاں۔ اور اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ تو

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 284 2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 159

آپ ﷺ نے یہ شرط لگائی کہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرنا۔ میں نے عرض کی: بہت اچھا۔ فرمایا: اگر چہ تمہارا کوڑا گر پڑے تو بھی'' (1)۔ یعنی خود سواری سے اتر کر پکڑ لینا کسی کو زحمت نہ دینا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار! جب تم میں سے کوئی حق بات دیکھے تو لوگوں کا خوف اسے حق گوئی سے باز نہ رکھے۔ حق گوئی نہ تو موت کو قریب کرتی ہے اور نہ رزق کو دور کرتی ہے'' (2)۔

اور ایک حدیث حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اپنے آپ کو اس قدر حقیر اور بیچارہ نہ بنالے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں بات کرنے کی ضرورت بھی ہو لیکن وہ خاموش رہے۔ اسے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ فلاں فلاں بات کرنے سے تجھے کونسی چیز مانع تھی وہ کہے گا کہ لوگوں کا خوف۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں اس بات کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ہی ڈرتا'' (3)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے بندے سے باز پرس کرے گا اور یہ بھی سوال کرے گا کہ اے میرے بندے! برائی کو دیکھ کر تو نے ناپسندیدگی کا اظہار کیوں نہ کیا؟ پھر اللہ تعالیٰ جب اسے خود ہی جواب سمجھا دے گا تو وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور لوگوں سے ڈرا'' (4)۔

صحیح حدیث میں آتا ہے: ''مؤمن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل و رسوا بنالے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ! وہ کیسے خود کو ذلیل کرتا ہے؟ فرمایا: ''اپنے بس سے باہر آزمائشوں کو اپنے اوپر لے لے'' (5)۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ ...... ان مذکورہ صفات سے جو کوئی متصف ہو تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کی دی ہوئی توفیق سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کشادہ اور فراخ فضل و کرم فرمانے والا ہے اور وہ بخوبی آگاہ ہے کہ اس کے فضل و عنایت کا کون مستحق ہے اور کسے محروم رکھا جانا چاہئے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا ...... یعنی تمہارے دوست کفار، یہود اور نصاریٰ نہیں بلکہ تمہارے دوست اور حامی و ناصر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کا پیارا رسول ﷺ ہے اور وہ مؤمنین ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اپنی عبادت میں خشوع و خضوع کا اظہار کرتے ہیں۔ نماز دین کا سب سے بڑا رکن ہے، نماز نام ہے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا اور زکوٰۃ غرباء و مساکین کا حق ہے، اس کے ذریعے معاشرہ کے محروم اور نادار طبقہ کی کفالت ہوتی ہے۔

بعض لوگوں کو یہ وہم سا ہو گیا کہ ''وَهُمْ رٰكِعُوْنَ''، ''وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ'' سے حال ہے۔ معنی یہ بنتا ہے کہ وہ رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ یہ بات درست نہیں۔ اگر ان کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ رکوع کی حالت میں زکوٰۃ کی ادائیگی بہ نسبت کسی اور حالت میں زکوٰۃ کی ادائیگی سے افضل ہے، حالانکہ کوئی امام بھی اس کا قائل نہیں۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے، رکوع کی حالت میں تھے کہ ایک سائل آ گیا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی۔ عتبہ بن ابی حکیم کا کہنا ہے کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا سے مراد مؤمنین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ سلمہ بن کہیل

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 172　　2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 50

3۔ سنن ابن ماجہ کتاب الفتن، صفحہ 1327، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 73　　4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 1332، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 77

5۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، جلد 9 صفحہ 111-112، سنن ابن ماجہ کتاب الفتن صفحہ 1331-1332

کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رکوع کی حالت میں اپنی انگوٹھی صدقہ کر دی تو اس وقت یہ آیت اتری، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت میں آتا ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری، یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب رکوع میں گئے تو ایک سائل آ گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی انگوٹھی اسے دے دی۔ لیکن اس روایت کے کچھ راوی مشکوک ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نماز پڑھ رہے تھے، کوئی رکوع میں تھا، کوئی سجدہ میں، کوئی قیام اور کوئی تشہد میں۔ اسی اثناء میں ایک مسکین مانگتے ہوئے آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا تمہیں کسی نے کچھ دیا ہے؟'' عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: وہ کون ہے؟ عرض کی کہ وہ شخص جو کھڑا ہے۔ فرمایا: اس نے کس حالت میں تجھے عطا کیا؟ عرض کی: رکوع کی حالت میں۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، پھر آپ نے اللہ اکبر کہا اور اس آیت وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ...... کی تلاوت کی(1)۔ اس کی سند میں کوئی کلام نہیں لیکن یہ واقعہ درست نہیں کیونکہ اس کے متعلقہ تمام روایات کی اسناد ضعیف ہیں اور راوی مجہول ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں آتا ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مؤمنین کے بارے میں اتری۔ یعنی صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

عبدالملک نے ابوجعفر سے اس آیت کے متعلق پوچھا کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی تو کہنے لگے کہ اہل ایمان کے بارے میں۔ پوچھا: وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہی جو ایمان لائے۔ پھر وہ کہنے لگے کہ ہمیں تو معلوم ہوا ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری ہے تو ابوجعفر کہنے لگے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تو اہل ایمان میں سے ہیں(2)۔ سدی بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ آیت تمام مؤمنین کے بارے میں اتری ہاں یہ ضرور ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رکوع کی حالت میں ایک سائل کو اپنی انگوٹھی دے دی۔ بہرکیف بات یہی درست ہے جیسا کہ مذکورہ احادیث میں بھی گزر چکا ہے کہ یہ آیات حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں جب آپ نے یہود کی دوستی سے بیزاری کا اظہار کیا اور اللہ و رسول کی دوستی پر رضامندی کا اظہار کیا۔ اسی لئے تو آخر میں فرمایا: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَاۗدُّوْنَ مَنْ حَاۗدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ اَوْ اَبْنَاۗءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (المجادلة:22-21) ''اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ﷺ ضرور غالب آ کر رہیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے۔ تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر (پھر) وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خواہ وہ (مخالفین) ان کے باپ ہوں یا ان کے فرزند ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبہ والے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں نقش کر دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان اور تقویت بخشی ہے انہیں اپنے فیض خاص سے۔ اور داخل کرے گا انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں، وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان سے اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ (بلند اقبال) اللہ کا گروہ ہیں۔ سن لو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہے''۔ جو آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دوستی پر راضی ہو گیا وہ دنیا و آخرت میں

1۔ یہ حدیث ابن مردویہ نے روایت کی ہے

2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 288

کامیاب وکامران ہے۔ اسی لئے فرمایا: وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۞ وَ اِذَا نَادَیْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ۞

''اے ایمان والو! مت بناؤ ان لوگوں کو جنہوں نے بنا رکھا ہے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور کفار سے (اپنے) دوست اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اگر ہو تو ایمان دار۔ اور جب تم بلاتے ہو نماز کی طرف (یعنی اذان دیتے ہو) تو وہ بناتے ہیں اسے مذاق اور تماشہ یہ (حماقت) اس لئے ہے کہ وہ ایسی قوم ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے''۔

اللہ تعالیٰ مؤمنین کو ان اعداء اسلام، اہل کتاب اور مشرکین کی دوستی سے نفرت دلا رہا ہے جنہوں نے دنیوی اور اخروی بھلائی کے حامل پاکیزہ اور جامع دین کو ہنسی مذاق اور کھیل تماشہ بنا رکھا ہے۔ یہ اس دین حنیف کا مذاق اڑاتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ بھی ایک قسم کا کھیل ہے۔ یہ سب کچھ ان کی نظر فاسد اور فکر مریض کا شاخسانہ ہے، بقول شاعر: کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو صحیح بات میں بھی عیب جوئی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی اصل مصیبت یہ ہے کہ ان کی سمجھ ہی بیمار ہے (1)۔

مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یہاں مِن بیان جنس کے لئے ہے جیسا کہ اس فرمان میں: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج: 30) ''پس پرہیز کرو بتوں کی نجاست سے''۔

بعض نے ''اَلْكُفَّارِ'' کو عطف کرتے ہوئے زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض نے اسے زبر کے ساتھ پڑھا ہے، اس صورت میں یہ ''لَا تَتَّخِذُوا'' کا معمول ہوگا، تقدیر کلام ہوگی: ''وَلَا الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ'' یعنی ان کو اور نہ ان کو دوست بناؤ۔ کفار سے مراد یہاں مشرکین ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہی آیا ہے، یعنی ''وَالْكُفَّارَ'' کی بجائے ''وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا'' کے الفاظ ہیں (2)۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ جس شریعت کو ان بدبختوں نے کھیل تماشا اور مذاق بنا رکھا ہے اگر اس پر واقعی تمہارا ایمان ہے تو تم ان کی دوستی سے باز رہو کیونکہ یہ تمہارے بھی دشمن ہیں اور دین کے بھی، جیسا کہ اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ (آل عمران: 28) ''نہ بنائیں مومن کافروں کو اپنا دوست مومنوں کو چھوڑ کر اور جس نے کیا یہ کام، پس نہ رہا (اس کا) اللہ سے کوئی تعلق مگر اس حالت میں کہ تم کرنا چاہو ان سے اپنا بچاؤ اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے (یعنی غضب سے) اور اللہ ہی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے''۔

وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا اسی طرح جب تم اذان دیکر سب سے افضل عمل نماز کی دعوت دیتے ہو تو یہ بے وقوف اسے بھی مذاق اور تماشا بنا لیتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ یہ لوگ عقل سے عاری اور سمجھ سے نابلد ہیں۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ عبادت کیا چیز ہے اور شریعت کا تقدس کیا ہوتا ہے۔ یہ کیفیت ہے شیطان کے چیلوں کی۔ ان کا گرو (شیطان) بھی جب اذان سنتا ہے تو گوز مارتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑتا ہے تاکہ وہ اذان کی آواز نہ سن سکے۔ جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پھر آ دھمکتا ہے۔ جب نماز کے

1۔ دیوان المتنبی، جلد 4، صفحہ 120 3۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 290

لئے تکبیر ہوتی ہے تو پھر دم دبائے بھاگ کھڑا ہوتا ہے، جب تکبیر ہو جائے تو پھر آ جاتا ہے اور بندے اور اس کے دل کے درمیان کھٹکتا ہے۔ اسے بہکاتا ہے اور بھولی بسری باتیں اسے یاد دلاتا ہے یہاں تک کہ نماز کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ جب تم میں سے کوئی اس صورت حال سے دو چار ہو تو سلام سے پہلے دو سجدے (سجدہ سہو) کرے(1)۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ'' میں اذان کا ذکر ہے۔

مدینہ شریف میں ایک نصرانی اذان میں جب ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کے کلمات سنتا تو کہتا کہ '' کذاب جل جائے۔'' ایک مرتبہ رات کے وقت اس کی خادمہ آگ لائی۔ وہ بھی اور اس کے گھر والے بھی سب سوئے ہوئے تھے۔ ایک شرارہ گرا جس سے تمام گھر آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ وہ بدبخت بھی جل کر خاکستر ہو گیا اور اس کے سب گھر والے بھی(2)۔ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کعبہ شریف میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہنے کا حکم دیا۔ ابوسفیان، عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام قریب ہی کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب بن اسید کہنے لگا کہ میرے باپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا اکرم ہوا کہ وہ اس غضبناک کر دینے والی چیز (اذان) کو سننے سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ حارث بن ہشام نے کہا: اللہ کی قسم! اگر اس کے برحق ہونے کا مجھے علم ہو جاتا تو اس کی پیروی کرتا۔ ابوسفیان کہنے لگا کہ میں تو کچھ نہیں کہتا، اگر کوئی بات میں نے منہ سے نکال دی تو خطرہ ہے کہ یہ کنکریاں ہی اسے میری خبر دے دیں گی۔ یہ باتیں کر رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے معلوم ہے جو باتیں تم نے کی ہیں''۔ پھر آپ نے وہ تمام باتیں ان کے سامنے منکشف فرما دیں۔ یہ سنتے ہی حارث اور عتاب بے ساختہ پکار اٹھے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ہمارے پاس کوئی اور شخص تھا ہی نہیں جو ہماری باتیں سن کر آپ کو بتا دیتا اور ہم کہتے کہ اس نے آپ کو یہ باتیں بتائی ہیں(3)۔

عبداللہ بن محیریز جو حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی گود میں (حالت یتیمی میں) پرورش پاتے رہے، شام کی طرف جانے لگے تو انہوں نے حضرت ابو محذورہ سے کہا کہ میں شام جا رہا ہوں، ممکن ہے وہاں کے لوگ مجھ سے آپ کی اذان کے متعلق سوال کریں۔ اس لئے تفصیلات سے مجھے آگاہ فرما دیں۔ تو حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم کچھ لوگ حنین کے رستے جا رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس آ رہے تھے۔ رستہ میں آپ ﷺ سے ہماری ملاقات ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن نے آپ ﷺ کے پاس نماز کے لئے اذان کہی۔ ہم نے مذاق اڑاتے ہوئے اور اذان کی نقل اتارتے ہوئے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ نے ہماری چیخ و پکار کو سنا تو ہمیں بلا بھیجا۔ ہم سب حاضر ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے سب سے اونچی آواز کس کی تھی؟'' سب نے میری طرف اشارہ کیا۔ حضور ﷺ نے باقی سب کو تو جانے دیا لیکن مجھے روک لیا اور فرمایا: ''اٹھو، اذان دو۔'' میں بادل نخواستہ اٹھا حالانکہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے حکم سے زیادہ مجھے اور کوئی چیز ناپسند نہ تھی۔ میں آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے بذات خود اذان مجھے سکھائی اور فرمایا: کہو، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ

1۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 84-85، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، صفحہ 291 وغیرہ
2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 291
3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 413

اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

جب اذان سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور ایک تھیلی عطا فرمائی جس میں کچھ چاندی تھی۔ پھر اپنا دست اقدس میری پیشانی پر رکھ دیا، پھر سارے چہرے، سینے اور جگر پر پھیرا یہاں تک کہ آپ ﷺ کا ہاتھ میری ناف تک پہنچ گیا پھر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تجھ میں اور تجھ پر برکت ڈالے''۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے مکہ شریف کا موذن بنا دیجئے۔ آپ ﷺ نے مجھے اس کی اجازت دے دی۔ میرے دل میں آپ ﷺ کی جتنی نفرت اور عداوت تھی وہ سب محبت میں بدل گئی۔ میں گورنر مکہ عتاب بن اسید کے پاس آیا اور آپ ﷺ کے حکم سے وہاں اذان دینے پر مامور ہو گیا(1)۔ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چار موذنوں میں سے ایک تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ طویل عرصہ تک اہل مکہ کے موذن رہے۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَیْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِیْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۶۰﴾ وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا یَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَ تَرٰى كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾ لَوْ لَا یَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

''آپ فرمائیے اے اہل کتاب! تم کیا ناپسند کرتے ہو ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور جو اتارا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا اس سے پہلے اور بلاشبہ بہت سے تم میں سے فاسق ہیں۔ آپ (انہیں) فرمائیے کیا میں آگاہ کروں تمہیں کہ کون برا ہے ان سے باعتبار جزاء کے اللہ کے نزدیک وہ لوگ (برے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سؤر اور (وہ برے ہیں) جنہوں نے پوجا کی شیطان کی وہی لوگ بدترین ہیں بلحاظ درجہ کے اور دوسروں سے زیادہ بھٹکنے والے ہیں راہ راست سے اور جب آتے ہیں تمہارے پاس تو کہتے ہیں ہم ایمان لا چکے حالانکہ وہ (یہاں) داخل بھی ہوئے کفر کے ساتھ اور وہ نکلے بھی کفر کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپا رہے تھے اور آپ دیکھتے ہیں بہتوں کو ان میں سے کہ بڑے تیز رفتار ہیں گناہ اور زیادتی کرنے میں اور حرام خوری میں بے شک یہ بہت ہی برے کام کرتے رہے ہیں کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے بے شک بہت برے ہیں وہ کرتوت جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے کہ جن اہل کتاب نے آپ کے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے، انہیں آپ فرمائیں: هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ۔ یعنی کیا تمہیں ہمارے اندر یہی عیب نظر آیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، صفحہ 287، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 409 وغیرہ

کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں؟ کیا یہی تمہارے بغض اور طعن و تشنیع کی وجہ ہے؟ یہ بات نہ تو معیوب ہے اور نہ قابل مذمت۔ اس میں استثناء منقطع ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (بروج:8) ''اور نہیں ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر جو سب پر غالب، سب خوبیوں سراہا ہے''۔ اسی طرح یہ آیت: وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (التوبہ:74) ''اور نہیں خشمناک ہوئے وہ مگر اس پر کہ غنی کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے''۔

اسی طرح اس حدیث میں بھی استثناء منقطع ہے: مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيْلٍ اِلَّا اَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَاَغْنَاهُ اللّٰهُ(1) ''ابن جمیل کو یہی بات ناپسند ہے کہ وہ فقیر تھا، اللہ نے اسے غنی کر دیا''۔ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ کا عطف ''اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ'' پر ہو رہا ہے، یعنی یہ کہ ہم اس بات پر بھی ایمان لائے کہ تم میں سے اکثر فاسق اور راہ راست سے منحرف ہیں۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ...... کہہ دیجئے کیا میں تمہیں بتاؤں کہ جو تم ہمارے بارے میں گمان رکھتے ہو اس سے بھی بدترین سزا تمہیں قیامت کے دن ملنے والی ہے یہ سزا تم پاکر رہو گے کیونکہ مذکورہ خصلتیں تمہارے اندر ہی پائی جاتی ہیں یعنی یہ ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا، ان پر غضبناک ہوا کہ پھر کبھی بھی ان سے راضی نہ ہوگا اور بعض کی صورتیں مسخ کر کے انہیں خنزیر اور بندر بنا دیا۔ اس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں ہو چکی ہے اور مزید وضاحت سورۂ اعراف میں ہوگی(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ دریافت کیا گیا کہ کیا بندر اور خنزیر انسانوں کی مسخ شدہ صورتیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جس قوم کو ہلاک کر دیتا ہے یا فرمایا: کہ مسخ کر دیتا ہے تو ان کی نسل ہی باقی نہیں رکھتا، بندر اور خنزیر ان سے پہلے بھی تھے''۔

ایک دوسری روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا کہ کیا بندر اور خنزیر یہود کی نسل میں سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، اللہ تعالیٰ جس قوم پر اپنا عذاب نازل کر کے ان کی صورتیں مسخ کر دے تو ان کی نسل ہی نہیں ہوتی۔ خنزیر اور بندر تو ان سے پہلے بھی تھے، لیکن جب یہود پر غضب الٰہی نازل ہوا تو اس نے انہیں مسخ کر کے ان کی طرح بنا دیا''(3)۔

ابن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سانپ جنات کی مسخ شدہ صورتیں ہیں جس طرح بندر اور خنزیر (انسانوں کی) مسخ شدہ شکلیں ہیں''(4)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔

وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ایک قراءت میں ''عَبَدَ'' فعل ماضی کا صیغہ پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں ''الطاغوت'' اس کا مفعول ہوگا، معنی یہ ہوگا کہ ان میں سے بعض ایسے بنا دیئے جو طاغوت (شیطان) کی عبادت کرتے۔ دوسری قراءت میں اضافت کے ساتھ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتِ بھی پڑھا گیا ہے(5)۔ یعنی ان میں سے شیطان کے بندے اور خادم بنا دیئے۔ اس صورت میں ''عبد'' عابد کی جمع ہوگا جیسے خادم کی جمع خَدَم۔ ایک اور قرأت میں اسے وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ جمع الجمع ہوگی یعنی عابد کی جمع عبید اور اس جمع کی جمع

1۔ فتح الباری، کتاب الزکاۃ، 3، صفحہ 331، صحیح مسلم، صفحہ 676-677 وغیرہ
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ:65، سورۂ اعراف:166
3۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، صفحہ 2050-2052
4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 395، مسند ابی داؤد طیالسی صفحہ 39
5۔ یہ حمزہ کی قرأت ہے، دیکھئے تفسیر روح المعانی، جلد 6، صفحہ 176 اور والاقناع لابن الباذش صفحہ 635

''عُبُد''۔ جس طرح ثمر کی جمع ثمار اور اس کی ثمر۔ حضرت بریدہ اسلمی اسے ''عَابِدَ الطَّاغُوْت'' پڑھتے۔ حضرت ابی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما ''عَبَدُوا'' پڑھتے۔ ابو جعفر القاری اسے مجہول ''عُبِدَ الطَّاغوتُ'' پڑھتے (1)۔ پھر معنوی لحاظ سے اسے بعید سمجھتے۔ لیکن اس میں کوئی ایسا بعد نہیں، کیونکہ اس میں ان اہل کتاب سے تعریض کی گئی ہے یعنی تم ہی وہ ہو جن میں طاغوت کی عبادت کی گئی اور تمہیں نے ایسا کیا۔ سب قراءات کا مطلب یہی ہے کہ اے اہل کتاب! تم ہمارے دین میں طعن و تشنیع کے تیر برساتے ہو حالانکہ یہ دین تو توحید کا درس دیتا ہے اور صرف اسی کی عبادت کا تقاضا کرتا ہے لیکن تم اس سے کوسوں دور ہو اور تمہارے اندر انتہائی بری صفات پائی جاتی ہیں جو ان آیات میں مذکور ہیں۔ اس کے باوجود تم ہمیں الزام دیتے ہو اور ہمیں نفرت کی نظر سے دیکھتے ہو، تم بہت ہی برے لوگ ہو، اسی لئے فرمایا: اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّ اَضَلُّ عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ اس آیت میں اسم تفضیل کے استعمال کی وہ صورت ہے جس میں دوسری طرف (مفضل علیہ) کو ذکر نہیں کیا اور نہ اس میں مشارکت کو بیان کیا گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ یَوۡمَئِذٍ خَیۡرٌ مُّسۡتَقَرًّا وَّ اَحۡسَنُ مَقِیۡلًا (الفرقان: 24) ''اہل جنت کا اس دن بہت اچھا ٹھکانا ہوگا اور دوپہر گزارنے کی جگہ بڑی آرام دہ ہوگی''۔

وَ اِذَا جَآءُوۡکُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا...... منافقین کی خصلت بد کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ یہ ظالم اہل ایمان کے ساتھ اظہار ایمان کرتے ہیں حالانکہ ان کے دل کفر کے ساتھ پوری طرح آلودہ ہیں۔ اے محبوب! جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو کفر کے ساتھ ہی آتے ہیں۔ آپ کے ایمان افروز فرامین اور دلنواز باتوں سے ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ وعظ و نصیحت انہیں کوئی فائدہ پہنچاتا ہے اس لئے جب آپ سے رخصت ہو کر جاتے ہیں تو ویسے کے ویسے ہی ہوتے ہیں۔ یہ اپنے نفاق پر پردہ ڈالتے ہیں، حقیقت کے برعکس اظہار کرتے ہیں اور ایسی چیز کے ساتھ آراستہ ہونا چاہتے ہیں جو ان کے اندر پائی ہی نہیں جاتی لیکن اللہ تعالیٰ تو ان کے دلوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ ظاہر، باطن اور چھوٹی بڑی ہر چیز سے آگاہ ہے، اس لئے وہ ان کے کرتوتوں اور سیاہ کاریوں کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

وَ تَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ یُسَارِعُوۡنَ...... ان میں سے بہت سے ایسے بدبخت ہیں جو محارم، گناہوں، ظلم و تعدی کے ارتکاب اور حرام خوری میں بہت تیز ہیں۔ ان کے یہ اعمال بہت ہی برے اور بھیانک ہیں۔

لَوۡ لَا یَنۡہٰہُمُ الرَّبّٰنِیُّوۡنَ...... یعنی ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام خوری سے کیوں نہیں منع کرتے۔ ان (یہود) کے کرتوت بھی بہت برے ہیں اور ان کے علماء و مشائخ کا منع نہ کرنا بھی بہت برا فعل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی اس آیت کے اندر سب سے زیادہ زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے (2)۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک قرآن کریم کی کوئی آیت اس آیت سے زیادہ خوفناک کرنے والی نہیں، لیکن ہم پھر بھی باز نہیں آتے (2)۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، حمد و ثناء کے بعد فرمایا: لوگو! تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ گناہوں کا ارتکاب کیا کرتے لیکن ان کے علماء و مشائخ انہیں منع نہ کرتے۔ جب وہ اپنے گناہوں میں حد سے تجاوز کر گئے تو قسم قسم کی سزاؤں سے دوچار ہوئے، اس لئے تم نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے منع کیا کرو اس سے پہلے کہ تم پر بھی ان جیسا عذاب نازل ہو جائے۔ یاد رکھو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے نہ تو رزق کم ہوتا ہے اور نہ موت قریب ہو جاتی ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جس قوم کے سامنے کوئی شخص گناہوں کا ارتکاب کرے اور وہ لوگ غلبہ اور قدرت رکھنے کے باوجود اسے باز نہ رکھیں تو اللہ تعالیٰ تمام

6۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 294 2۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 298

کو اپنے عذاب سے دوچار کر دیتا ہے'' (1)۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''جس قوم کے اندر کوئی آدمی نافرمانی والے کام کرے اور وہ لوگ اسے بدلنے پر قدرت رکھنے کے باوجود نہ بدلیں تو مرنے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ سب کو عذاب سے دوچار کر دیتا ہے'' (2)۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ؕ وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَاۤ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

''اور کہا یہود نے کہ اللہ کا ہاتھ جکڑا ہوا ہے، جکڑے جائیں ان کے ہاتھ اور پھٹکار ہو ان پر بوجہ اس (گستاخانہ) قول کے بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور ضرور بڑھا دے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی طرف آپ کے رب سے سرکشی اور انکار میں اور ہم نے ڈال دی ہے ان میں دشمنی اور بغض روز قیامت تک جب کبھی وہ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کی بجھا دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اور یہ کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی اور اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا فسادیوں کو اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو ہم ضرور دور کر دیتے ان سے ان کی برائیاں اور ہم ضرور داخل کرتے انہیں نعمت کے باغوں میں اور اگر وہ قائم کرتے تورات اور انجیل کو (اپنے عمل سے) اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے (تو فراخ رزق دیا جاتا انہیں حتیٰ کہ) وہ کھاتے اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی ان میں ایک جماعت اعتدال پسند بھی ہے اور اکثر ان میں سے بہت برا ہے جو کر رہے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ ملعون یہودیوں کی ایک بہت ہی ناروا اور نازیبا بات کا ذکر فرما رہا ہے وہ یہ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بخیل کہا اور خود کو اغنیاء۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس جسارت اور گستاخی سے بہت بلند ہے۔ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ کے ساتھ انہوں نے بخل کی تعبیر کی۔ یہ مقصد نہیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جکڑا ہوا ہے بلکہ اس کا معنی بخیل ہے، یعنی یہود یہ ہرزہ سرائی کرتے کہ اللہ تعالیٰ بخیل ہے، اس نے اپنے خزانوں کو بخل کی وجہ سے روک رکھا ہے (3)۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ یہ محاورہ اس آیت میں بھی استعمال ہوا ہے: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل: 29) ''اور نہ بنا لو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن کے ارد گرد اور نہ ہی اسے بالکل کشادہ کر دو ورنہ تم بیٹھ جاؤ گے ملامت کئے ہوئے درماندہ''۔

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 363
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4 صفحہ 122-123 سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن 1329 وغیرہ
3۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 300

اس آیت میں بخل اور اسراف سے ممانعت ہے، بخل کی تعبیر وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلٰى عُنُقِكَ کے الفاظ کے ساتھ کی۔ یہودیوں کا بھی یہی مقصد تھا۔

حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت فنحاص یہودی کے بارے میں اتری اس نے کہا تھا: إِنَّ اللّٰهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم غنی۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے پیٹا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک یہودی شاس بن قیس نے کہا تھا کہ تمہارا رب بخیل ہے، خرچ ہی نہیں کرتا۔ اس پر مذکورہ آیت اتری۔ اس میں ان یہود کی گستاخی اور ہرزہ سرائی کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا اور ان کی افتراء پردازی اور بہتان کے مقابلے میں فرمایا: غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ویسا ہی ہوا۔ بخل، حسد، بزدلی اور ذلت ان کی رگ رگ میں رچ بس چکے ہیں جیسا کہ فرمایا: ''أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ۝ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلٰى مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهِ (النساء: 54-53)'' کیا ان کے لئے کوئی حصہ ہے حکومت میں اگر ایسا ہوتا تو نہ دیتے یہ لوگوں کو تل برابر کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے''۔ اور فرمایا: وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (البقرہ: 61)'' اور مسلط کردی گئی ان پر ذلت اور غربت اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے''۔

پھر فرمایا: بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ یعنی وہ تو کشادہ فضل اور گرانقدر عطیات سے نوازتا ہے، اس کے پاس ہر چیز کے ان گنت خزانے ہیں، ہر نعمت اسی کی طرف سے ہے، تمام مخلوق ہر وقت اور تمام حالات میں اسی کی محتاج ہے جیسا کہ ارشاد ہوا: ''وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۝ (ابراہیم: 34)'' اور عطا فرمایا تمہیں ہر اس چیز سے جس کا تم نے اس سے سوال کیا اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے، بیشک انسان بہت زیادتی کرنے والا از حد ناشکرا ہے''۔

اس مضمون کی حامل متعدد آیات ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ دن رات کا خرچ اس (خزانے) میں کمی واقع نہیں کرتا۔ ذرا دیکھو، جب سے اس نے زمین و آسمان پیدا فرمایا ہے اس وقت سے اپنی مخلوق کو عطا فرما رہا ہے لیکن یہ بھی اس خزانے میں کوئی کمی نہیں لا سکا۔ اس کا عرش پانی پر ہے، اس کے دوسرے ہاتھ میں فیض ہے، وہی بلند کرتا ہے اور وہی پست کرتا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ خرچ کرو (اے بندے) تمہیں اور دیا جائے گا'' (1)۔

وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم...... اے میرے محبوب! جس قدر آپ کو زیادہ نعمتیں عطا کی جائیں گی اس قدر زیادہ آپ کے دشمن یہود وغیرہ کی سرکشی اور کفر میں اضافہ ہوگا۔ جس طرح اس سے اہل ایمان کی تصدیق، عمل صالح اور علم نافع میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح کفار حاسدین کے حسد، سرکشی اور کفر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُولٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ (حم السجدہ: 44)'' آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفاء ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے۔ انہیں گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے''۔

3۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 3، صفحہ 403، صحیح مسلم کتاب الزکاۃ، صفحہ 691، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 313-314

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ یعنی ان کی وحدت پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ ان کے دل کبھی محبت آشنا نہیں ہو سکتے۔ عداوت اور بغض کے باعث یہ مختلف گروہوں میں بٹ چکے ہیں۔ یہ حق پر کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ حضور ﷺ کے مخالف ہیں اور آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں۔

ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ اس سے مراد دین میں ان کے تنازعات اور جھگڑے ہیں۔

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ...... یہ جب بھی آپ کو نقصان پہنچانے کے اسباب پیدا کریں گے اور آپ کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکانا چاہئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے تمام منصوبوں اور چالوں کو خاک میں ملا دے گا اور انہیں منہ کی کھانی پڑے گی۔ یہ فسادی اور فتنہ پرور ہیں، فساد بپا کرنا ان کی فطرت ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا ...... یعنی یہ اہل کتاب اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آتے اور گناہوں سے باز آ جاتے تو ہم ان کے تمام گناہوں پر قلم عفو پھیر دیتے اور ان کا مقصود (جنت) انہیں عطا فرما دیتے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ...... اگر وہ تورات اور انجیل پر بغیر کسی حیل و حجت اور تغیر و تبدل کے عمل پیرا ہو جاتے تو اس کا انہیں فائدہ یہ ہوتا کہ انہیں ہدایت نصیب ہو جاتی اور وہ آخری پیغام ہدایت قرآن کریم پر ایمان لے آتے کیونکہ سابقہ کتب میں قرآن کا ذکر موجود ہے اور ان میں یہ بھی حکم ہے کہ جب قرآن کریم نازل ہو جائے تو اسی کی اتباع ضروری ہے۔

لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ اس سے مراد رزق کی فراوانی اور فراخی ہے جو آسمان سے اترتا ہے یا زمین سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مِنْ فَوْقِهِمْ سے مراد موسلا دھار بارش ہے اور مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ سے مراد زمین سے اگنے والی چیزیں (1)۔ اس طرح کا ایک اور بھی فرمان ہے: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف: 96) ”اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی“۔

اور یہ فرمان بھی ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (الروم: 51) ”پھیل گیا ہے فساد بر اور بحر میں بوجہ ان کرتوتوں کے جو لوگوں نے کیے ہیں“۔

بعض نے لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ کا معنی یہ بتایا ہے کہ وہ بغیر کسی مشقت، محنت اور کوشش کے وافر رزق حاصل کرتے۔ بعض نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ ایسا کرنے کی وجہ سے وہ لوگ خیر میں ہو جاتے جس طرح کسی کا قول ہے: هُوَ فِي الْخَيْرِ مِنْ فِرْقِهِ اِلٰى قَدَمِهِ(2)۔ ”وہ سر سے لیکر پاؤں تک خیر میں ہے) لیکن یہ قول اقوال سلف کے مخالف ہے اس لئے قابل قبول نہیں“ (3)۔

ابن ابی حاتم ایک روایت نقل کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قریب ہے کہ علم اٹھالیا جائے۔“ حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! علم کیسے اٹھالیا جائے گا حالانکہ ہم نے قرآن پڑھا اور اپنی اولاد کو بھی سکھایا۔ فرمایا: ”اے ابن لبید! تجھ پر افسوس، میں تو تمہیں تمام اہل مدینہ سے زیادہ سمجھدار جانتا تھا۔ کیا یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں میں تورات اور انجیل نہیں ہے، جب انہوں نے اللہ کے احکام ترک کر دیئے تو انہیں کیا فائدہ ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد نے بھی اسے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی چیز کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ”یہ اس وقت ہوگی جب علم جاتا رہے گا۔“ حضرت

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 305 4۔ معانی القرآن للفراء، جلد 1، صفحہ 315 5۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 306

زیاد بن لبید نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! علم کیسے چلا جائے گا حالانکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں، اپنے بچوں کو پڑھا رہے ہیں اور وہ قیامت تک اپنے بچوں کو پڑھاتے رہیں گے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابن لبید! تمہاری ماں تجھے روئے، میں تمہیں تمام اہل مدینہ سے زیادہ سمجھدار جانتا تھا۔ کیا یہود و نصاریٰ تورات اور انجیل نہیں پڑھتے لیکن ان سے وہ فائدہ نہیں اٹھاتے'' (1)۔ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ (الاعراف: 159) ''اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ایک گروہ ہے جو راہ بتاتا ہے حق کے ساتھ اور اسی حق کے ساتھ عدل کرتا ہے''۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کے متعلق فرمایا: فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ (الحدید: 27) ''پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے ان (کے حسن عمل اور حسن نیت) کا اجر''۔

اللہ تعالیٰ نے اوسط (درمیانہ) درجہ کو ان کا سب سے اعلیٰ درجہ قرار دیا حالانکہ یہ اس امت میں دوسرا (درمیانہ) درجہ ہے۔ اس سے اوپر اس امت کا تیسرا درجہ بھی ہے جو سابقین کا درجہ ہے جیسا کہ فرمایا: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا (فاطر: 33-32) ''پھر ہم نے وارث بنایا اس کتاب کا ان کو جنہیں ہم نے چن لیا تھا اپنے بندوں سے۔ پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض درمیانہ رو ہیں۔ اور بعض سبقت لے جانے والے ہیں نیکیوں میں اللہ کی توفیق سے۔ یہی (اللہ تعالیٰ کا) بہت بڑا فضل (وکرم) ہے۔ سدا بہار باغات! یہ ان میں داخل ہوں گے''۔

اس امت کی تینوں قسمیں جنت میں داخل ہوں گی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام کی امت اکہتر فرقوں میں بٹ گئی، ان میں سے ستر جہنم میں اور صرف ایک جنت میں جائے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی امت بہتر گروہوں میں تقسیم ہوگئی، ان میں سے اکہتر دوزخی اور صرف ایک جنتی ہے، اور میری امت ان دونوں سے بڑھ جائے گی، ان میں سے صرف ایک (جماعت) جنت میں جائے گی، باقی بہتر (جماعتیں) دوزخ میں جائیں گی۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ فرمایا: ''جماعتیں جماعتیں'' (2)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب یہ حدیث بیان کرتے تو ساتھ یہ آیات بھی پڑھتے: وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا ...... وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ اور یہ آیت بھی تلاوت کرتے: وَ مِمَّنْ خَلَقْنَاۤ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ (الاعراف: 181) ''اور ان میں سے جنہیں ہم نے پیدا فرمایا ایک امت ہے جو راہ دکھاتی ہے حق کے ساتھ اور حق کے ساتھ ہی عدل و انصاف کرتی ہے''۔ اور اس سے مراد امت محمد ﷺ لیتے۔ لیکن اس سند سے یہ حدیث بہت غریب ہے اور الفاظ بھی غریب ہیں۔ ستر سے اوپر فرقوں میں بٹنے والی حدیث متعدد اسناد سے مروی ہے (3)۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۶۷﴾

''اے رسول! پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہیں

1۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، صفحہ 1344، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 160-218-219

2۔ ابن مردویہ

3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران: 105

پہنچایا آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے، یقیناً اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کافروں کی قوم کو"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کو رسالت کی صفت سے خطاب فرما رہا ہے اور تمام احکامات بندوں تک پہنچانے کا آپ کو حکم دے رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور اپنے فرض منصبی کو خوب نبھایا۔ امام بخاری اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت بیان کرتے ہیں جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "جس نے تمہیں یہ بتایا کہ محمد (ﷺ) نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کسی حکم کو چھپایا ہے تو وہ جھوٹا ہے" (1)۔ پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ اس مقام پر انہوں نے اختصار کے ساتھ روایت کی ہے اور مقامات پر مفصل روایت ہے۔ اسی طرح مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے، فرماتی ہیں کہ اگر حضرت محمد ﷺ قرآن کریم میں سے کچھ چھپاتے تو اس آیت کو چھپاتے: وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ (الاحزاب: 37) "اور آپ مخفی رکھے ہوئے تھے اپنے جی میں وہ بات جسے اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن وتشنیع) کا، حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں" (2)۔ ایک آدمی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کچھ ایسی باتیں بتائی ہیں جو لوگوں سے مخفی رکھی تھیں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کسی مخصوص چیز کا وارث نہیں بنایا۔ یہ سند عمدہ ہے۔ اسی طرح کسی شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا وحی میں سے کوئی چیز آپ کے پاس ہے جو قرآن میں نہ ہو؟ فرمایا: نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ اگایا اور جانوں کو پیدا فرمایا! ہمارے پاس ایسی کوئی مخصوص چیز نہیں سوائے قرآن فہمی کے جو اللہ تعالیٰ کسی کو عطا فرما دیتا ہے اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے۔ اس نے پوچھا کہ اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت اور قیدیوں کو چھوڑ دینے کے مسائل ہیں اور مزید یہ کہ کوئی مسلمان کافر کے بدلے میں قصاصاً قتل نہ کیا جائے (3)۔

صحیح بخاری میں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس کی تبلیغ کی ذمہ داری پیغمبر خدا ﷺ کے ذمے ہے اور ہمارے ذمہ اسے قبول کرنا اور اس کی اطاعت کرنا ہے (4)۔ آپ ﷺ کی امت گواہ ہے کہ آپ ﷺ نے رسالت کی تبلیغ کی اور امانت کو پوری طرح ادا کیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں اس عظیم الشان بھری محفل میں صحابہ کرام سے اس کا اقرار کروایا اور سب کو گواہ بنایا۔ اس وقت تقریباً چالیس ہزار صحابہ کرام اس محفل میں موجود تھے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث، جسے حضرت جابر بن عبداللہ نے روایت کیا ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ نے اس دن اپنے خطبہ میں فرمایا: "اے لوگو! تم سے (اللہ کے ہاں) میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟" سب نے عرض کی کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ ﷺ نے حق تبلیغ ادا کر دیا، امانت کو پہنچا دیا اور پوری خیر خواہی کی۔ آپ ﷺ اپنی انگلی آسمان کی طرف بلند کرتے اور پھر لوگوں کی طرف جھکا کر کہتے: "اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ" (یا اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا ہے) (5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: "اے

1۔ فتح الباری، تفسیر سورہ مائدہ، جلد 8، صفحہ 275، صحیح مسلم، کتاب الایمان، صفحہ 159 وغیرہ
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، صفحہ 160
3۔ فتح الباری، کتاب العلم، جلد 1، صفحہ 204 و کتاب الدیات، جلد 12، صفحہ 246-260
4۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 503
5۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، صفحہ 890

لوگو! آج کونسا دن ہے؟ صحابہ نے عرض کی: حرمت والا دن۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کونسا شہر ہے؟ عرض کی: حرمت والا شہر۔ پھر پوچھا: یہ کونسا مہینہ ہے؟ عرض کی: حرمت والا مہینہ۔ فرمایا: تمہارے مال، تمہارے خون اور تمہاری عزتیں تم پر ایسی ہی حرمت والی ہیں جس طرح اس دن کی حرمت اس شہر میں اور اس مہینے میں ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے بار بار اسے دہرایا، پھر اپنی انگلی آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے کئی مرتبہ فرمایا: ''یا اللہ! کیا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! یہ آپ کی اپنے رب کی طرف وصیت تھی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: سنو، ہر حاضر غائب کو یہ (میرا) پیغام پہنچا دو۔ میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو'' (1)۔

وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ اگر آپ نے میرا پیغام بندوں تک نہ پہنچایا تو آپ نے حق رسالت ادا ہی نہیں کیا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو اس پر مرتب ہونے والی سزا بھی ظاہر تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ اگر آپ نے کوئی ایک آیت بھی چھپالی تو تبلیغ کا حق ادا نہ کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب یہ فرمان اترا: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ تو آپ ﷺ نے عرض کی: اے پروردگار! میں یہ کیسے کر سکوں گا، میں تو تنہا ہوں، یہ لوگ مجھ پر پل پڑیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ (2)۔

وَ اللّٰهُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ آپ میرا پیغام پہنچائیں اور اپنا فرض منصبی دلجمعی اور بلا خوف و خطر ادا کریں، دشمنوں کے خلاف میں آپ کا محافظ اور حامی و ناصر ہوں۔ آپ کسی چیز کا اندیشہ نہ رکھیں، کسی سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں، ان میں سے کوئی بھی آپ کو ذرا سی بھی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ اس آیت کے نزول سے قبل آپ ﷺ کے ساتھ کچھ پہریدار ہوتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ بیدار رہے، میں آپ ﷺ کے پہلو میں لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا بات ہے؟ فرمایا: ''کاش کہ آج رات میرا کوئی سعادت مند صحابی میرا پہرہ دیتا۔'' اسی اثناء میں میں نے ہتھیار کی آواز سنی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کون ہے؟'' جواب ملا: میں سعد بن مالک ہوں۔ فرمایا: کیسے آنا ہوا؟ عرض کی: یا رسول اللہ! میں آپ کی چوکیداری کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ آرام سے سو گئے یہاں تک کہ مجھے آپ ﷺ کے خراٹوں کی آواز آنے لگی'' (3)۔ صحیحین میں یہ حدیث ایک اور سند سے مروی ہے (4)۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ یہ ہجرت کے بعد 6ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہو چکی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت وَ اللّٰهُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کے اترنے تک آپ ﷺ کا پہرہ دیا جاتا رہا۔ جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ نے خیمہ سے اپنا سر نکال کر چوکیداروں سے فرمایا: ''اے لوگو! جاؤ، اب اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے'' (5)۔

حضرت عصمہ بن مالک خطمی فرماتے ہیں کہ اس آیت کے اترنے تک ہم آپ ﷺ کی چوکیداری کرتے رہے۔ جب یہ آیت اتری تو اس کی ضرورت نہ رہی۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ

1۔ فتح الباری، کتاب الحج، جلد 3، صفحہ 573، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 230 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 307

3۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 140 4۔ فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 81، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، صفحہ 1875

5۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 11، صفحہ 174، مستدرک حاکم [کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 313

کے پہریداروں میں شامل تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے پہرہ دار ہٹا دیئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ باہر نکلتے تو جناب ابوطالب آپ ﷺ کے ساتھ کوئی محافظ بھیجتے۔ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو ایک دفعہ حسب معمول کسی کو ساتھ بھیجنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: چچا جان! اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے، اس لئے مجھے کسی محافظ کی ضرورت نہیں۔ یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔ یہ آیت تو مدنی ہے اور یہ حدیث مکی ہے۔ اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے(1)۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی ﷺ کی عصمت (حفاظت) ہی تھی کہ اس نے اہل مکہ، اس کے زعماء، حاسدین، معاندین اور اصحاب ثروت جو آپ ﷺ کے شدید دشمن تھے اور آپ ﷺ کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے، ان کی دست برد سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو محفوظ رکھا، اپنی قدرت کاملہ اور حکمت عظیم سے آپ ﷺ کی حفاظت کے بہت سے اسباب اور ذرائع پیدا کر دیئے۔ آغاز اسلام میں جناب ابوطالب کے ذریعے آپ ﷺ کو محفوظ رکھا کیونکہ وہ قریش کے سردار اور صاحب اثر ورسوخ شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں آپ ﷺ کی محبت ڈال دی۔ یہ محبت فطری تھی نہ کہ شرعی۔ اگر وہ اسلام لے آتے تو قریش کے کافر سرغنے ان پر بھی دست درازی کرتے۔ چونکہ ان کے اور قریش کے درمیان قدر مشترک (کفر) موجود تھی اس لئے وہ ان کا احترام کرتے اور ان سے ڈرتے۔ جب جناب ابوطالب کی وفات ہوگئی تو قریش آپ ﷺ کو پھر اذیت پہنچانے لگے، پھر اللہ تعالیٰ نے انصار کے دلوں میں آپ ﷺ کی محبت پیدا کر دی۔ ان سعادت مندوں نے اسلام پر کاربند رہنے اور اس شرط پر آپ ﷺ کی بیعت کی کہ آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئیں گے۔ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ شریف منتقل ہو گئے تو انصار نے ہر طرح سے آپ ﷺ کی حفاظت کی۔ جب کبھی بھی مشرکین اور اہل کتاب نے آپ ﷺ کو گزند پہنچانے کی سازش کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا اور ان کے برے منصوبوں کو ان کے منہ پر دے مارا۔ جیسا کہ یہود نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بچا لیا اور اس کے علاج کے لئے "معوذتین" (آخری دو سورتیں) نازل فرما دیں۔ جب انہوں نے خیبر میں بکری کے شانے کو زہر آلود کر دیا تھا تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو بروقت مطلع کر کے محفوظ رکھا۔ اس قسم کے اور بھی متعدد واقعات ہیں جنہیں مفسرین نے اس آیت کے تحت ذکر کیا ہے۔ ان میں چند ایک یہ ہیں:۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت محمد بن کعب قرظی وغیرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی مقام پر قیام کرتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے لئے کوئی سایہ دار درخت منتخب کرتے جس کے نیچے آپ ﷺ دوپہر کے وقت قیلولہ کرتے۔ ایک مرتبہ ایک بدو آ گیا۔ (درخت کے ساتھ لٹکی ہوئی) آپ ﷺ کی تلوار اس نے کھینچ لی۔ پھر آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ فرمایا: اللہ عزوجل" اسی وقت بدو کا ہاتھ کانپنے لگا اور تلوار نیچے گر گئی۔ اس نے درخت کے ساتھ ٹکر ماری جس سے اس کا سر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور بھیجا ادھر ادھر بکھر گیا۔ اس وقت یہ آیت اتری(2)۔

ابن ابی حاتم ایک روایت بیان کرتے ہیں جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب غزوۂ بنی انمار پیش آیا تو رسول اللہ ﷺ ذات الرقاع کے مقام پر کھجور کے باغ میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ ﷺ ایک کنویں کی منڈیر پر پاؤں نیچے لٹکا کر بیٹھے ہوئے

1۔ معجم طبرانی کبیر، جلد 11، صفحہ 256-257 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 308

تھے۔ بنو نجار کا ایک شخص حارث کہنے لگا کہ میں محمد (ﷺ) کو ضرور قتل کر ڈالوں گا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے کہا: وہ کیسے؟ وہ کہنے لگا کہ میں آپ ﷺ سے کسی بہانے آپ ﷺ کی تلوار لے لوں گا، جب آپ ﷺ مجھے تلوار دے دیں گے تو میں اپنا منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچا دوں گا۔ چنانچہ وہ یہ منصوبہ بنا کر حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے اپنی تلوار دیجئے میں اسے ذرا دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے وہ تلوار اسے دے دی۔ پھر کیا تھا، اس کا ہاتھ کپکپی کا شکار ہو گیا اور تلوار نیچے آ گری تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تیرے اور تیرے برے ارادہ کے درمیان حائل ہو گیا''۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے۔ غورث بن حارث کا بھی قصہ مشہور ہے (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوتے تو ہمارا یہ معمول تھا کہ جب کہیں قیام ہوتا تو ہم آپ ﷺ کے لئے گھنا سایہ دار درخت چھوڑ دیتے۔ آپ ﷺ اس کے نیچے ٹھہرتے ایک دن آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے ٹھہرے اور اپنی تلوار لٹکا دی۔ ایک آدمی آیا اور تلوار لیکر کہنے لگا: یا محمد! آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تم سے اللہ بچائے گا، تلوار رکھ دو''۔ اس نے تلوار نیچے رکھ دی۔ اس وقت یہ آیت اتری (2)۔

حضرت جعدہ بن خالد بن صمہ جشمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موٹے آدمی کو دیکھا تو ہاتھ کے ساتھ اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے کہ ''اگر یہ کسی اور میں ہوتا تو تمہارے لئے بہتر تھا'' پھر ایک شخص کو پکڑ کر لایا گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یہ آپ ﷺ کو قتل کرنا چاہتا تھا وہ کانپنے لگا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ڈرو نہیں، اگر تو اس کا ارادہ کرتا تو اللہ تعالیٰ تمہیں مجھ پر قدرت نہ دیتا'' (3)۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ اے محبوب! آپ کی ذمہ داری اور فرض منصبی یہ ہے کہ آپ اللہ کا پیغام پہنچاتے رہیں۔ ہدایت اور گمراہی اس کے قبضہ اختیار میں ہے۔ جسے چاہے ہدایت سے نوازے اور جسے چاہے گمراہ کر دے جیسا کہ فرمایا: ''لَیۡسَ عَلَیۡکَ ھُدٰىھُمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ (البقرۃ: 272)'' ''نہیں ہے آپ کے ذمہ ان کو سیدھی راہ پر چلانا ہاں اللہ سیدھی راہ پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے''۔ اور فرمایا: فَاِنَّمَا عَلَیۡکَ الۡبَلٰغُ وَعَلَیۡنَا الۡحِسَابُ (الرعد: 40) ''سو آپ پر صرف تبلیغ فرض ہے اور یہ ہمارے ذمہ ہے کہ (ان سے) حساب لیں''۔

قُلۡ یٰۤاَھۡلَ الۡکِتٰبِ لَسۡتُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ حَتّٰی تُقِیۡمُوا التَّوۡرٰىۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ وَلَیَزِیۡدَنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡھُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ طُغۡیَانًا وَّکُفۡرًا ۚ فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ ھَادُوۡا وَالصّٰبِـُٔوۡنَ وَالنَّصٰرٰی مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۹﴾

''آپ فرمائیے اے اہل کتاب! نہیں ہو تم کسی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تورات اور انجیل کو اور جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اور ضرور بڑھا دے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے سرکشی اور انکار میں، پس آپ نہ افسوس کریں قوم کفار پر۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے

1۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 326، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، صفحہ 1786

2۔ رواہ ابو بکر بن مردویہ 3۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 471

اور جو یہودی بنے اور صابی اور نصرانی جو بھی (ان میں سے) ایمان لایا اللہ پر اور روز قیامت پر اور نیک عمل کئے تو نہ کوئی خوف ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب! آپ ان اہل کتاب سے کہہ دیں کہ جب تک تم تورات و انجیل کو ٹھیک ٹھیک قائم نہیں کرو گے، تمام کتابوں پر ایمان نہیں لاؤ گے اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لا کر آپ ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کی شریعت کی اقتداء نہیں کرو گے، تمہارے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تم دین پر کاربند ہو۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ سے مراد قرآن کریم ہے۔

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ...... اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ ...... ''الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد مسلمان ہیں۔ الَّذِيْنَ هَادُوْا سے مراد حاملین تورات ہیں۔ ''الصّٰبِـُٔوْنَ'' نصاریٰ اور مجوس کی ایک بے دین جماعت کو کہتے ہیں۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہ نصاریٰ اور یہود دونوں میں سے ایک گروہ ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور حکم کہتے ہیں کہ یہ مجوس کی طرح ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں: یہ ایسی قوم ہے جو ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں، غیر قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ یہ ایسی قوم ہے جو اللہ کو ایک جانتے ہیں، کسی شریعت پر عمل نہیں کرتے اور نہ ہی انہوں نے کفر ایجاد کیا۔ ابن ابی الزناد اپنے والد محترم سے بیان کرتے ہیں کہ یہ عراق کے ساتھ متصل ایک قوم تھی جو مقام کوثی میں مقیم تھی۔ یہ تمام انبیاء پر ایمان رکھتے تھے، تیس دن روزے رکھتے، یمن کی طرف منہ کر کے پانچ نمازیں پڑھتے۔ علاوہ ازیں اور بھی متعدد اقوال ہیں(1)۔ ''الصّٰبِـُٔوْنَ'' کا عطف ''اِنَّ'' کے اسم پر ہو رہا ہے اس لئے اسے بھی منصوب ہونا چاہئے تھا لیکن زیادہ فاصلہ ہو جانے کی بناء پر مرفوع پڑھنا بھی درست ہے۔

نصاریٰ تو معروف ہیں۔ یہ انجیل کے ماننے والے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ ہر فرقہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہوئے ہے اور نیک اعمال بھی کرتا ہے لیکن اب حضور خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد کوئی بھی ایمان قابل قبول نہیں جب تک وہ آپ ﷺ کی شریعت کے موافق نہ ہو کیونکہ آپ ﷺ کو تمام جن وانس کی طرف رسول بنایا گیا ہے۔ ایسے شخص کے لئے نہ کوئی مستقبل میں اندیشہ ہے اور نہ اس پر افسوس اور غم جو پیچھے چھوڑ آیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾

''بے شک ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے بھیجے تھے ان کی طرف رسول جب کبھی آیا ان کے پاس کوئی رسول وہ حکم لے کر جسے ناپسند کیا ان کے نفسوں نے تو (انبیاء کے) ایک گروہ کو تو انہوں نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا اور یہ فرض کر لیا کہ نہیں ہوگا (انہیں) عذاب تو اندھے بن گئے اور بہرے بن گئے پھر نظر رحمت فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان پر پھر وہ اندھے بن گئے اور بہرے بن گئے بہت ان میں سے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو وہ کرتے ہیں''۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 62

اللہ تعالیٰ ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد و پیمان لیا تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین کی اتباع کریں گے، لیکن انہوں نے اپنا عہد توڑ ڈالا، اپنی ذاتی آراء اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگے اور اللہ کے احکام پر انہیں مقدم جانتے۔ احکام الٰہی میں سے جو حکم ان کی خواہش کے مطابق ہوتا اسے قبول کر لیتے اور جو ان کی خواہش سے میل نہ کھاتا اسے مسترد کر دیتے۔ اسی لئے فرمایا: كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ...... صرف یہی نہیں بلکہ ان کی دیدہ دلیری اور جسارت دیکھیں کہ یہ انبیاء کی تکذیب کے علاوہ ان کے قتل سے بھی باز نہ آئے۔ یہ سب کچھ وہ اس زعم میں کرتے رہے کہ ان کے کرتوتوں پر کوئی سزا مرتب نہیں ہوگی، لیکن انہیں بڑی کڑی سزا دی گئی وہ یہ کہ حق کے نور کو دیکھنے سے ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں اور ہدایت کی آواز کو سننے سے ان کے کان بہرے ہو گئے۔ لیکن ایک مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر نظر التفات فرمائی لیکن اس کے باوجود یہ حسب معمول حق سے اندھے اور بہرے اور ہدایت سے محروم ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے، وہ جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون ضلالت کا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

”بے شک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے (یہ) کہا کہ اللہ مسیح بن مریم ہی تو ہے حالانکہ کہا تھا خود مسیح نے اے بنی اسرائیل! عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے یقیناً جو بھی شریک بنائے گا اللہ کے ساتھ تو حرام کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور نہیں ظالموں کا کوئی مددگار۔ بے شک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے (یہ) کہا کہ اللہ تیسرا ہے تین (خداؤں) سے اور نہیں ہے کوئی خدا مگر ایک اللہ اور اگر باز نہ آئے اس (قول باطل) سے جو وہ کہہ رہے ہیں تو ضرور پہنچے گا جنہوں نے کفر کیا ان میں سے دردناک عذاب۔ تو کیا نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور کیا نہیں بخشش طلب کرتے اس سے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔ نہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول۔ گزر چکے ہیں اس سے پہلے بھی کئی رسول اور ان کی ماں بڑی راستباز تھیں، دونوں کھایا کرتے تھے کھانا، دیکھو! کیسے ہم کھول کر بیان کرتے ہیں ان کے لئے دلیلیں پھر دیکھو وہ کیسے الٹے پھر رہے ہیں“۔

اللہ تعالیٰ نصاریٰ کے مختلف فرقوں ملکیہ، یعقوبیہ اور نسطوریہ کی حالت کفر بیان فرما رہا ہے کہ وہ سب لوگ کفر کے مرتکب ہوئے جنہوں نے ان میں سے یہ کہا تھا کہ مسیح علیہ السلام ہی خدا ہے۔ خدا تعالیٰ ان کی اس ہرزہ سرائی سے بہت بلند، منزہ اور مقدس ہے۔ مسیح علیہ السلام تو اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ جب انہوں نے اس دنیا میں قدم رکھا تو گہوارے میں پہلی بات ہی یہ کی تھی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، یہ نہیں

فرمایا کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں۔ قرآن کی زبانی ارشاد ہوا: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۖ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۙ (مریم: 30) '' میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا کی اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے''۔ آخر میں کہا: وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (مریم: 36) ''اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی سو اسی کی عبادت کیا کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے''۔

اسی طرح جب آپ پکی عمر کو پہنچے تو اس وقت بھی اور دور نبوت میں بھی آپ نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا جو آپ کا بھی رب ہے اور ان کا بھی۔ اسی لئے ارشاد ہوا: وَ قَالَ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ (المائدہ: 72) '' حالانکہ کہا تھا خود مسیح نے اے بنی اسرائیل! عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے یقیناً جو بھی شریک بنائے گا اللہ کے ساتھ تو حرام کردی ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے''۔

جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ (النساء: 48) '' بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے جو اس کے علاوہ ہے جس کو چاہتا ہے''۔ اور فرمایا: وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ۟ۙ (الاعراف: 50) '' اور آواز دیں گے دوزخی جنتیوں کو کہ انڈیلو ہم پر کچھ پانی یا جو کچھ دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے جنتی کہیں گے کہ اللہ نے حرام کر دی ہیں یہ دونوں چیزیں کافروں پر''۔

حدیث صحیح میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بذریعہ منادی مسلمانوں میں یہ اعلان کروا دیا کہ '' جنت میں صرف اہل ایمان واسلام داخل ہوں گے۔'' سورۂ نساء میں اس آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ کے تحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث گزر چکی ہے جس میں آتا ہے کہ (گناہ کے) دیوان تین قسم کے ہیں ایک ان میں سے ایسا دیوان ہے جسے اللہ تعالیٰ بالکل نہیں بخشتا اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ ''۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو یہی وعظ کیا اور شرک سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی (1)۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے اور اللہ تعالیٰ کو تین خداؤں میں سے تیسرا خدا سمجھتے۔ لیکن اس آیت کی تفسیر میں یہ قول عجیب وغریب ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت نصاریٰ کے ساتھ خاص ہے۔ وہ تین اقانیم (عقیدہ تثلیث) کے قائل تھے یعنی تین خدا ہیں باپ، بیٹا اور وہ کلمہ جو باپ سے بیٹے کی طرف ڈالا گیا، پھر اقانیم کے بارے میں بھی بذات خود نصاریٰ کے درمیان زبردست اختلاف پایا جاتا ہے اور ان کے ہاں بھی اس مسئلہ میں ایسی بھول بھلیاں ہیں جنہیں وہ بھی نہیں سمجھ سکتے۔ نصاریٰ کے تین فرقے یعقوبیہ، نسطوریہ اور ملکیہ ہیں جو ان اقانیم کے قائل ہیں لیکن ان کا باہمی اختلاف اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ ہر فرقہ دوسرے کو کافر گردانتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب فرقے کافر ہیں (2)۔ سدی کہتے ہیں کہ نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کو بھی خدا مانتے اور تینوں میں سے تیسرا خدا اللہ تعالیٰ کو مانتے جیسا کہ سورۂ مائدہ کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے: وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ (المائدۃ: 116) '' اور جب پوچھے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو دو خدا اللہ کے سوا وہ عرض کریں گے پاک ہے تو''۔ یہ قول زیادہ بہتر اور واضح ہے۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء: 48 2۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 313-314

وَمَامِنۡ اِلٰہٍ اِلَّآ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ یعنی خدا متعدد نہیں ہیں بلکہ تمام کائنات اور موجودات کا اللہ ایک ہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس لئے انہیں دھمکی دیتے ہوئے اور دردناک عذاب کی وعید سناتے ہوئے فرمایا: وَ اِنۡ لَّمۡ یَنۡتَہُوۡا عَمَّا یَقُوۡلُوۡنَ..... یعنی اگر یہ اپنے بہتان اور کذب سے باز نہ آئے تو انہیں عبرت ناک سزا کا سامنا کرنا ہوگا۔

اَفَلَا یَتُوۡبُوۡنَ اِلَی اللّٰہِ...... اس قدر افتراء، بہتان اور جھوٹ کے باوجود اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر یہ بہت عظیم فضل، کرم، لطف اور رحمت ہے کہ وہ ان نادانوں کو توبہ اور مغفرت کی دعوت دے رہا ہے۔ اب بھی جو توبہ کرلے اس کی رحمت اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔

مَا الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ...... یعنی حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے رسول ہی تو ہیں، ان جیسے اور بھی رسول ہوگزرے ہیں۔ جس طرح وہ رسول اللہ کے بندے تھے، اسی طرح مسیح علیہ السلام بھی اللہ کے بندے ہیں جیسا کہ فرمایا: ''اِنۡ ہُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَیۡہِ وَ جَعَلۡنٰہُ مَثَلًا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۵۹﴾ (الزخرف:59)''نہیں ہے عیسیٰ مگر ایک بندہ ہم نے انعام فرمایا ہے ان پر اور ہم نے بنا دیا ہے انہیں ایک نمونہ بنی اسرائیل کے لئے''۔

وَ اُمُّہٗ صِدِّیۡقَۃٌ آپ کی والدہ محترمہ راست باز اور سچی مومنہ تھیں۔ یہ حضرت مریم علیہا السلام کا بلندترین مقام ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نبیہ نہ تھیں جیسا کہ ابن حزم وغیرہ کا گمان ہے کہ آپ کے علاوہ حضرت سارہ ام اسحاق اور ام موسیٰ بھی نبوت کے مرتبہ پر فائز ہوئیں۔ ان کی دلیل وہ آیات ہیں جن میں ملائکہ نے حضرت سارہ اور حضرت مریم سے خطاب کیا اور یہ آیت بھی ''وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡہِ (القصص:7)'' اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہ''۔

کہتے ہیں کہ یہ نبوت کے معنی میں ہے لیکن جمہور کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف مردوں میں سے انبیاء مبعوث فرمائے جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ مِّنۡ اَہۡلِ الۡقُرٰی ؕ (یوسف:109)'' اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے''۔

حضرت ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

کَانَا یَاۡکُلٰنِ الطَّعَامَ یعنی یہ دونوں غذا کے محتاج تھے اور قضائے حاجت کے بھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ باقی لوگوں کی طرح اللہ کے بندے ہیں، الہ نہیں ہو سکتے جس طرح جاہل نصاریٰ کا گمان ہے۔

اُنۡظُرۡ کَیۡفَ نُبَیِّنُ لَہُمُ الۡاٰیٰتِ دیکھیں ہم کس طرح وضاحت کے ساتھ اپنی آیات اور دلائل و براہین ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں لیکن اس بیان اور وضاحت کے بعد بھی یہ کہاں بھٹک رہے ہیں، کیسے سرگرداں ہیں، کس بات کو تھامے ہوئے ہیں اور گمراہی کے کس رستہ کی طرف منہ اٹھائے بھاگے چلے جارہے ہیں۔

قُلۡ اَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمۡلِکُ لَکُمۡ ضَرًّا وَّ لَا نَفۡعًا ؕ وَ اللّٰہُ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۷۶﴾ قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ غَیۡرَ الۡحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوۡۤا اَہۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَ اَضَلُّوۡا کَثِیۡرًا وَّ ضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ ﴿۷۷﴾

''آپ فرمایئے کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اس کی جو نہیں مالک تمہارے نقصان کا اور نہ نفع کا اور اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ آپ فرمایئے! اے اہل کتاب! نہ حد سے بڑھو اپنے دین میں ناحق اور نہ پیروی کرو اس قوم

کی خواہشوں کی جو گمراہ ہو چکی ہے پہلے سے اور گمراہ کر چکے ہیں بہت سے لوگوں کو اور بھٹک چکے ہیں راہ راست سے''۔

اللہ تعالیٰ معبودان باطلہ کی پرستش کرنے والوں پر اظہار ناپسندیدگی فرما رہا ہے اور یہ بیان فرما رہا ہے کہ وہ الوہیت کے مستحق نہیں۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ...... اے محبوب! آپ نصاریٰ سمیت معبودان باطلہ کی پوجا کرنے والے تمام لوگوں سے یہ فرمادیں کہ کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ تمہارے بت تو بے جان مورتیاں ہیں، جن میں نہ زندگی ہے، نہ علم ہے اور نہ قوت سماعت، جبکہ وہ معبود حقیقی اپنے بندوں کے اقوال کو سنتا بھی ہے اور ہر چیز سے آگاہ بھی ہے۔ اس لئے تم اس معبود حقیقی کو چھوڑ کر کیوں جمادات کے پیچھے بھاگتے ہو جو نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ کسی چیز کا علم رکھتے ہیں اور نہ کسی کو، بلکہ خود کو بھی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ...... یعنی تم اتباع حق میں حد سے تجاوز نہ کرو اور جس کی تعظیم کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اس کی تعظیم میں حدوں کو پھلانگتے ہوئے ایسا مبالغہ نہ کرو کہ اسے نبوت کے درجے سے نکال کر الوہیت کے مقام پر کھڑا کر دو، جس طرح تم نے مسیح علیہ السلام کے بارے میں کیا۔ وہ نبی تھے لیکن تم نے انہیں الہ بنا ڈالا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ تم نے اپنے ان مشائخ، ائمہ اور بڑوں کی پیروی شروع کر دی جو خود بھی گمراہی کی وادی میں بھٹک رہے تھے۔ وہ خود بھی راہ راست سے انحراف کر کے راہ ضلالت پر گامزن ہو گئے اور دوسرے بہت سے لوگوں کو بھی گمراہی کی گہرائیوں میں پھینک دیا۔ ابن ابی حاتم ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ پہلے لوگوں میں ایک حکمران دین کا پابند اور بہت عالم فاضل تھا۔ ایک عرصہ تک وہ خود بھی کتاب وسنت کا پابند رہا اور دوسروں کو بھی اس کی پابندی کی تلقین کرتا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد شیطان اسے راہ راست سے برگشتہ کرنے کے لئے آ دھمکا، وہ اسے کہنے لگا کہ تم بھی اسی کام کے پیچھے لگے ہوئے ہو جو پہلے لوگ کرتے رہے ہیں۔ جو کام تم کر رہے ہو یہ قابل تعریف نہیں ہے لوگوں میں یہ کام تمہاری مقبولیت کا سبب نہیں بنے گا۔ ضروری ہے کہ تم کوئی نیا کام ایجاد کرو، اس کی لوگوں کو دعوت دو بلکہ اس کام کے کرنے پر انہیں مجبور کرو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کی بدعتیں لوگوں میں پھیل گئیں اور باطل جڑ پکڑ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اسے ہوش آیا۔ اب اسے بڑی ندامت ہوئی اور اس نے توبہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ سلطنت اور حکومت کو خیر باد کہہ دیا اور خلوت نشین ہو کر عبادت الٰہی میں مصروف ہو گیا۔ چند دن وہ اسی طرح عبادت میں مشغول رہا تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ملا کہ اگر تیرے گناہوں کا تعلق صرف میرے ساتھ ہوتا تو میں تمہاری توبہ قبول کر لیتا لیکن تم نے تو بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ وہ گمراہی کی حالت میں ہی مر گئے، ان کا ذمہ دار کون ہوگا۔ ان کے بوجھ سے تمہیں کیسے رہائی مل سکتی ہے۔ اس لئے میں تمہاری توبہ ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت اتری (1)۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۷۸ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۹ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ فِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۸۰ وَ لَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِيِّ وَ

1۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 300

مَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

''لعنت کئے گئے وہ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل سے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ پسر مریم کی زبان پر یہ بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے اور زیادتیاں کیا کرتے تھے نہیں منع کیا کرتے تھے ایک دوسرے کو اس برائی سے جو وہ کرتے تھے بہت برا تھا جو وہ کیا کرتے تھے۔ آپ دیکھیں گے بہتوں کو ان میں سے کہ وہ دوستی رکھتے ہیں کافروں سے بہت ہی برا ہے جو آگے بھیجا ان کے لئے ان کے نفسوں نے یہ کہ ناراض ہو گیا اللہ تعالیٰ ان پر اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اگر وہ ایمان لائے ہوتے اللہ پر اور نبی پر اور جو اتارا گیا اس پر تو نہ بناتے ان کو (اپنا) دوست لیکن اکثر ان میں سے فاسق ہیں''۔

بنی اسرائیل کے کافر اپنی نافرمانی اور لوگوں پر ظلم کے باعث حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی طویل عرصہ سے ملعون قرار دیئے جا چکے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تورات، انجیل، زبور اور قرآن کریم سب میں ان پر لعنت بھیجی گئی ہے(1)۔ ان کی حالت یہ تھی کہ یہ اپنے زمانہ میں بھی ایک دوسرے کو برائیوں کے ارتکاب سے منع نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی حدود کی ان کے سامنے خلاف ورزی ہوتی اور سر عام برائیوں کا ارتکاب ہوتا لیکن یہ بے حمیت ٹس سے مس نہ ہوتے۔ اس پر ان کی مذمت کرتے ہوئے اور دوسروں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ایک حدیث ہے جسے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ''جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے تو پہلے پہل ان کے علماء نے انہیں ٹوکا، لیکن وہ لوگ باز نہ آئے، پھر انہوں نے بھی ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور مل کر کھانا پینا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا دیئے اور عیسیٰ و داؤد علیہما السلام کی زبانی انہیں ملعون قرار دے دیا۔ اس لئے کہ وہ نافرمان اور ظالم تھے۔ رسول اللہ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے، آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ اختیار میں میری جان ہے! تم پر ضروری ہے کہ تم انہیں جبراً حق وانصاف کا پابند بناؤ''(2)۔

ابوداؤد کی حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل میں سب سے پہلے یہ برائی داخل ہوئی کہ جب کوئی شخص کسی کو خلاف شرع کام کرتے دیکھتا تو اسے کہتا: اے فلاں! اللہ سے ڈر اور اپنے اس کرتوت سے باز آ جا، یہ تمہارے لئے جائز نہیں ہے، لیکن اگلے دن جب پھر وہ گناہ کا ارتکاب کرتا تو وہ اسے منع نہ کرتا بلکہ اس کا ہمنشیں، ہم نوالہ اور ہم پیالہ بن جاتا۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل آپس میں ٹکرا دیئے۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا...... کی تلاوت فرمائی اور فرمایا: اللہ کی قسم! تم ضرور نیکی کا حکم دو گے، برائی سے منع کرو گے، ظالم کا ہاتھ پکڑ لو گے، اسے زبردستی حق کی طرف لاؤ گے اور جبراً اسے حق وانصاف کا پابند بنا دو گے''(3)۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ان کی روایت میں اور ابوداؤد کی روایت میں حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو بھی آپس میں ٹکرا دے گا اور ان کی طرح تمہیں بھی ملعون ٹھہرائے گا''(4)۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق بہت سی احادیث ہیں۔ چند ایک ہم یہاں ذکر کریں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

1۔ تفسیر طبری، جلد 6، صفحہ 317 2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 391 3۔ سنن ابی داود، کتاب الملاحم، جلد 4، صفحہ 121-122

4۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 11، صفحہ 175-177، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 1327-1328 وغیرہ

مروی ایک حدیث تو اس آیت لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ کے تحت گزر چکی ہے (1)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوثعلبہ خشنی کی حدیث اس آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ کے تحت ذکر کی جائے گی (2)۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے تم پر عذاب بھیج دے گا، پھر تم دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہیں فرمائے گا'' (3)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے منع کیا کرو اس سے پہلے کہ تم دعائیں کرو لیکن وہ قبول نہ کی جائیں'' (4)۔

حدیث صحیح میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اس پر فرض ہے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ کے ساتھ ختم کرے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان کے ذریعے، اگر یہ بھی بس میں نہ ہو تو دل سے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے'' (5)۔

حضرت عدی بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے عوام الناس کو اس وقت مبتلائے عذاب کرتا ہے جب وہ اپنے سامنے برائیاں ہوتے دیکھیں لیکن قدرت کے باوجود نفرت کا اظہار نہ کریں، اس وقت اللہ تعالیٰ سب خاص وعام کو عذاب میں گرفتار کر دیتا ہے'' (6)۔

ابوداؤد کی حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جس جگہ گناہوں کا ارتکاب شروع ہو جائے تو وہاں پر موجود شخص اگر انہیں نفرت کی نظر سے دیکھے تو وہ ایسے شخص کی طرح ہے جو وہاں حاضر ہی نہیں ہے اور جو شخص وہاں سے غائب ہو لیکن ان گناہوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھے تو وہ ایسا ہے گویا کہ وہاں موجود ہے'' (7)۔

ایک روایت میں حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''لوگوں کو اس وقت تک ہلاک نہیں کیا جائے گا جب تک ان کے عذر منقطع نہ ہو جائیں'' (8)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''خبردار! لوگوں کی ہیبت کسی آدمی کو حق گوئی سے باز نہ رکھے''۔ یہ حدیث بیان کر کے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمانے لگے: اللہ کی قسم! بہت سے مواقع پر ہم لوگوں سے ڈر گئے (9)۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: ''أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ'' (10)۔ (سب سے بہترین جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے)۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مائدہ: 63
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مائدہ: 105
3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، جلد 9 صفحہ 17، مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 388-389
4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 1327
5۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 69
6۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 192
7۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4، صفحہ 124
8۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4، صفحہ 125
9۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 1328
10۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4، صفحہ 124، عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، جلد 9، صفحہ 19-20 وغیرہ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمرۂ اولیٰ کے پاس ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! سب سے بہترین جہاد کونسا ہے؟ آپ ﷺ خاموش رہے۔ جب جمرۂ عقبہ ثانیہ پر آپ ﷺ کنکریاں مار چکے تو اس نے پھر اپنا سوال دہرایا۔ پھر بھی آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد آپ ﷺ نے سوار ہونے کے ارادہ سے رکاب میں پاؤں رکھا تو فرمایا کہ وہ سوال کرنے والا کہاں ہے؟ عرض کی: میں ہوں یا رسول اللہ! تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''كَلِمَةُ حَقٍّ تُقَالُ عِنْدَ ذِي سُلْطَانٍ جَائِرٍ (1)۔ (ظالم صاحب اقتدار کے سامنے حق بات کہنا)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی خود کو حقیر نہ بنائے'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی خود کو کیسے حقیر بنا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص خلاف شرع امر دیکھے اور کچھ نہ کہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ فلاں موقع پر حق بات کہنے سے کونسی چیز تمہیں مانع ہوئی۔ وہ عرض کرے گا کہ لوگوں کا خوف۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں اس بات کا زیادہ مستحق تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا'' (2)۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ہی مروی روایت میں آتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے سے ضرور باز پرس کرے گا یہاں تک کہ وہ فرمائے گا کہ جب تو نے برائی دیکھی تو اس پر اظہار نفرت سے کونسی چیز مانع تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو حجت سکھا دی تو وہ کہے گا: اے پروردگار! میں نے تجھ سے امید وابستہ کی اور لوگوں سے ڈر گیا'' (3)۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے: ''مسلمان کو یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے'' عرض کی گئی: بھلا مسلمان خود کو کیسے ذلیل کر سکتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اپنی استطاعت سے بڑھ کر آزمائشوں کو اپنے سر لے لے'' (4)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: یا رسول اللہ! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو کب ترک کیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا! ''جب تم میں بھی وہی ظاہر ہو جائے جو تم سے پہلی امتوں میں ظاہر ہوا تھا''۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم سے پہلی امتوں میں کیا ظاہر ہوا تھا؟ فرمایا: ''گھٹیا لوگوں کے پاس اقتدار آ جائے، بڑے لوگوں میں بدکاری عام ہو جائے اور رذیل لوگوں کے پاس علم آ جائے'' (5)۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ رذیلوں میں علم کے آنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ فاسقوں کے پاس چلا آئے۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد منافقین ہیں جو کفار کے ساتھ دوستی گانٹھتے ہیں۔

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ یعنی کفار کے ساتھ ان کا دوستی کے روابط کو مستحکم کرنا اور مسلمانوں کے ساتھ دوستی اور محبت کا ناطہ توڑ دینا یہ بہت برا فعل ہے کیونکہ ایک تو وہ اس کے نتیجہ میں نفاق کے لاعلاج مرض میں مبتلا ہو گئے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی قیامت تک ناراضی مول لی۔ اسی لئے فرمایا: اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ پھر ان کے لئے قیامت کے دن دائمی عذاب تیار پڑا ہے۔ ابن ابی حاتم حضرت اعمش سے روایت کرتے ہیں اور اس روایت کو ابن مردویہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 1330
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 1328
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن 1332
4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، جلد 9، صفحہ 111-112، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 405 وغیرہ
5۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن 1331

مسلمانو! زنا سے اجتناب کرو، اس میں چھ برائیاں مضمر ہیں، تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ دنیا میں اس سے رونق، شگفتگی اور وقار ختم ہو جاتا ہے، افلاس وفقر در آتا ہے اور عمر کم ہو جاتی ہے، آخرت میں یہ اللہ کی ناراضگی، برے حساب اور دائمی عذاب کا سبب ہے"۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ...... اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور قرآن کریم پر ایمان لے آتے تو کفار کے ساتھ دوستی کا دم نہ بھرتے اور اللہ تعالیٰ، رسول کریم ﷺ اور قرآن پاک کے ساتھ عداوت روا نہ رکھتے لیکن ان میں سے اکثر فاسق ہیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے انحراف کئے ہوئے ہیں اور آیات قرآنی کی مخالفت میں سردھڑ کی بازی لگا رہے ہیں۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾

"ضرور پائیں گے آپ سب لوگوں سے زیادہ دشمنی رکھنے والے مومنوں سے یہود کو اور مشرکوں کو اور پائیں گے آپ سب سے زیادہ قریب دوستی میں ایمان والوں سے انہیں جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے۔ اور جب سنتے ہیں (قرآن) جو اتارا گیا رسول کی طرف تو تو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو کہ چھلک رہی ہوتی ہیں آنسوؤں سے اس لئے کہ پہچان لیا انہوں نے حق کو، کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے پس تو لکھ لے ہمیں (اسلام کی صداقت کی) گواہی دینے والوں میں۔ اور کیا وجہ ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور جو آچکا ہے ہمارے پاس حق حالانکہ ہم امید کرتے ہیں کہ داخل فرمائے ہمیں ہمارا رب نیک گروہ میں تو عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ نے بعوض اس قول کے باغات، رواں ہیں ان کے نیچے نہریں، وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہی معاوضہ ہے نیکی کرنے والوں کا اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو وہی دوزخی ہیں"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیات نجاشی اور اس کے ان ساتھیوں کے بارے میں اتریں جن پر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حبشہ میں جب قرآن کریم کی تلاوت کی تھی تو وہ اس قدر روئے تھے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں (1)۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور نجاشی کا قصہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر اور سدی وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیات اس وفد کے بارے میں نازل ہوئیں جسے نجاشی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس غرض کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 2

لئے بھیجا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے کلام کو سنیں اور آپ ﷺ کی صفات حمیدہ ملاحظہ کریں۔ جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اور آپ ﷺ نے ان پر قرآن کریم پڑھا تو وہ اسلام لے آئے، بہت ہی روئے اور گڑگڑائے، پھر نجاشی کے پاس واپس لوٹ گئے اور اسے نبی کریم ﷺ کے بارے میں خبر دی۔ سدی کہتے ہیں کہ نجاشی نے ہجرت کی لیکن وہ رستہ میں ہی فوت ہو گیا۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی جس دن فوت ہوا تھا اس دن نبی کریم ﷺ نے اس کی (غائبانہ) نماز جنازہ پڑھی تھی، اور صحابہ کرام کو اس کی خبر دی تھی، اور انہیں یہ بھی اطلاع دی تھی کہ اس کی وفات حبشہ کی سرزمین میں ہوئی ہے۔

اس وفد کی تعداد میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک یہ وفد بارہ قسیس (علماء) اور پانچ راہبوں (عبادت گزار، درویش) پر مشتمل تھا، اور بعض کے نزدیک اس کے برعکس۔ کسی کے نزدیک اس وفد میں پچاس افراد تھے، کوئی کہتا ہے کہ تعداد ساٹھ سے متجاوز تھی، بعض کے نزدیک اس میں ستر آدمی تھے، واللہ اعلم۔ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ یہ اہل حبشہ میں سے کچھ لوگ تھے جنہوں نے اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا جب حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ کرام ان کے پاس تشریف لائے تھے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ ایسا گروہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر کاربند تھا، جب انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا اور قرآن کریم کو سنا تو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ابن جریر کی پسندیدہ رائے یہ ہے کہ یہ آیات اس قسم کی خصوصیات سے متصف لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں اگرچہ ان کا تعلق حبشہ سے تھا یا کسی اور علاقہ سے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود کا کفر ایسا کفر تھا جو عناد، سرکشی، انکار حق کو مسخ کرنے، لوگوں کی تحقیر اور علماء کرام کی اہانت پر مبنی تھا، اسی لئے انہوں نے بہت سے انبیائے کرام کو شہید کر ڈالا یہاں تک کہ کئی مرتبہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا، آپ ﷺ کو زہر دیا، جادو کیا اور آپ ﷺ کے خلاف اپنے جیسے مشرکین...... ان پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو...... کو اکسایا۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب بھی کوئی یہودی مسلمان کے ساتھ تنہا ہوا تو اس نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا" (1)۔ اسی قسم کی ایک اور روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کوئی بھی یہودی مسلمان کے ساتھ تنہا نہیں ہوا مگر اس کے دل میں اسے (مسلمان کو) قتل کرنے کا خیال پیدا ہوا"۔ یہ حدیث غریب ہے۔

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى یعنی وہ لوگ جنہوں نے خیال کیا کہ وہ نصاریٰ ہیں، حضرت مسیح علیہ السلام کے پیروکار ہیں، انجیل کے طریقہ پر کاربند ہیں، اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ محبت رکھنے والے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ دین مسیح پر قائم ہونے کی بناء پر ان کے دل رقت اور شفقت سے معمور ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةَ ...... (الحدید: 27) "اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰ کے تابعدار تھے شفقت اور رحمت، اور رہبانیت کو ......" اور ان کی کتاب میں مرقوم ہے: "جو تمہارے دائیں رخسار پر مارے تو اس کے سامنے بایاں رخسار کر دے"۔ اور ان کی ملت میں جنگ کرنا جائز نہیں ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ یعنی ان میں قسیس اور راہب پائے جاتے ہیں۔ "قِسِّيْسُوْنَ" سے مراد ان کے خطباء اور علماء ہیں۔ یہ "قِسِّيس" یا قس کی جمع ہے، اور کبھی کبھی قسوس بھی جمع

1۔ یہ حدیث ابوبکر بن مردویہ نے روایت کی ہے

آتی ہے۔ ''رھبان'' راہب کی جمع ہے جس کا معنی ہے عابد، یہ ''رھبۃ'' (خوف) سے مشتق ہے، راہب کی جمع رھبان ہے جس طرح راکب کی جمع رکبان اور فارس کی فرسان۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ''رھبان'' کبھی کبھی واحد استعمال ہوتا ہے تو اس وقت اس کی جمع رھابین آتی ہے جس طرح قربان کی قرابین اور جرذان کی جمع جراذین اور کبھی اس کی جمع ''رھابنۃ'' بھی آتی ہے۔

جاثمہ بن رئاب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''قسیس'' کو عبادت گاہوں اور ویرانوں میں ہی رہنے دو، مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس طرح پڑھایا ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ صِدِّيْقِيْنَ وَرُهْبَانًا اسی طرح ابن مردویہ نے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔ ایک اور روایت میں جاثمہ بن رئاب بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس سے مراد وہ راہب (درویش) ہیں جو کلیساؤں اور ویران خانقاہوں میں رہتے ہیں، انہیں وہاں ہی رہنے دو۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے پاس ''ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ پڑھا تو آپ نے مجھے ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ صِدِّيْقِيْنَ وَرُهْبَانًا پڑھایا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ میں ان علماء اور عبادت گزاروں کا وصف بیان کیا گیا ہے کہ ان میں علم، عبادت اور تواضع جیسے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ پھر ان میں حق کی اطاعت واتباع اور انصاف جیسی صفات کے پائے جانے کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ اس بناء پر کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کی بشارت ان کے ہاں موجود ہے وہ کہتے ہیں۔ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ جو (اسلام کی حقانیت کی) گواہی دیتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ میں ''الشّٰهِدِيْنَ'' سے مراد حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی امت ہے۔ آپ ﷺ کی امت شاہد ہے جو اپنے نبی ﷺ کے لئے گواہی دیں گے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور باقی رسولوں کے لئے بھی گواہی دیں گے کہ انہوں نے بھی دعوت وتبلیغ کا فریضہ ادا کر دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کاشتکار ہیں جو حبشہ سے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ نے ان پر قرآن کریم کی تلاوت کی تو وہ ایمان لے آئے اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک پڑیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''جب تم اپنے وطن واپس جاؤ گے تو شاید تم اپنے سابقہ دین کی طرف پلٹ جاؤ'' انہوں نے عرض کی کہ ہم اپنے اس دین سے ہرگز نہیں پلٹیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی اس طرح ترجمانی کی: وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ (1)۔ نصاریٰ کی یہی وہ صنف ہے جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے: وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ (آل عمران: 199)۔

اور یہ وہی ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا

1۔ معجم الطبرانی کبیر، جلد 12، صفحہ 55

بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ (القصص: 53-52) ''جن کو ہم نے عطا فرمائی کتاب (نزول) قرآن سے پہلے وہ اس پر ایمان لائے ہیں، اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کر چکے ہیں''۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ان کے ایمان، تصدیق اور اعتراف حق کا اللہ تعالیٰ نے انہیں صلہ عطا فرمایا۔ وہ ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے جدا نہیں کئے جائیں گے۔ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ حق کی اتباع اور اطاعت کا اجر ہے جہاں کہیں بھی وہ تھا، جس طرح بھی تھا، جس کے بھی ساتھ تھا، پھر حال اشقیاء کی خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور ان کی مخالفت کی اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ یہی لوگ دوزخی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

''اے ایمان والو! نہ حرام کرو پاکیزہ چیزوں کو جنہیں حلال فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اور نہ حد سے بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو اور کھاؤ اس سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے حلال (اور) پاکیزہ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم ایمان لائے ہو''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ نفس کشی کر لیں گے، شہوات دنیا سے قطع تعلق کر لیں گے اور راہبوں کی طرح زمین میں گھومیں گے۔ نبی کریم ﷺ کو جب یہ اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے انہیں بلا بھیجا اور ان کے فیصلہ کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے عرض کی کہ ہم نے اسی طرح قصد کیا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''لیکن (یاد رکھو) میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور اپنی ازواج سے مقاربت بھی کرتا ہوں۔ جس نے میری سنت کو اختیار کیا وہ تو مجھ سے ہے اور وہ جو میری سنت پر عمل پیرا نہ ہوا وہ مجھ سے نہیں'' (1)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ چند صحابہ کرام نے ازواج مطہرات سے نبی کریم ﷺ کے (شبانہ روز گھریلو) مخفی اعمال کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ ﷺ کی عبادت گزاری کا حال سن کر ان میں سے کسی نے کہا کہ میں آئندہ گوشت نہیں کھاؤں گا، کسی نے کہا کہ میں عورتوں سے مقاربت نہیں کروں گا، کسی نے کہا کہ میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ حضور نبی کریم ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے! کوئی اس طرح کہتا ہے اور کوئی اس طرح کہتا ہے، لیکن میں تو روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، سوتا بھی ہوں اور (رات کو) جاگتا بھی ہوں، گوشت بھی کھاتا ہوں اور ازواج کے ساتھ مقاربت بھی کرتا ہوں، جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ میری جماعت سے نہیں'' (2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ یا

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 10 2۔ فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9، صفحہ 104 عن انس، صحیح مسلم، کتاب النکاح، صفحہ 1020

رسول اللہ ﷺ! جب میں گوشت کھاتا ہوں تو شدید شہوت پیدا ہوتی ہے، اس لئے میں نے اپنے اوپر گوشت حرام قرار دے دیا ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ(1)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں نبی کریم ﷺ کی معیت میں طویل عرصہ تک برسرپیکار رہے، ہمارے پاس اپنی عورتیں نہ تھیں۔ جب اس طرح رہنا مشکل ہوگیا تو ہم نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گزارش کی کہ کیا ہم خصی نہ ہو جائیں تو آپ ﷺ نے ہمیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور ہمیں ایک کپڑے کے بدلہ میں محدود مدت کے لئے کسی عورت کے ساتھ نکاح (نکاح متعہ) کی رخصت عطا فرمائی۔ پھر حضرت عبداللہ نے یہ آیت پڑھی: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ(2)۔ لیکن یہ واقعہ نکاح متعہ کی تحریم سے پہلے کا ہے۔

معقل بن مقرن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنا بستر حرام قرار دے دیا ہے تو آپ ﷺ نے مذکورہ آیت کی تلاوت کی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس (پکی ہوئی) کھیری کا تحفہ لایا گیا تو ایک آدمی پیچھے ہٹ گیا، عبدالملک نے اسے کہا آؤ، قریب ہو جاؤ، اس نے کہا کہ میں نے تو اس کے کھانے کو حرام کرلیا ہے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شریک ہو جاؤ، کھاؤ اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی(3)۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ایک مہمان کی ضیافت کی، لیکن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی وجہ سے گھر آنے میں تاخیر ہوگئی۔ جب گھر واپس لوٹے تو معلوم ہوا کہ ان کی خاطر گھر والوں نے مہمان کو انتظار کروایا اور کھانا نہیں کھلایا۔ آپ نے (غضبناک ہوکر) اپنی بیوی سے کہا کہ میری خاطر تم نے مہمان کو بھوکا رکھا، یہ کھانا مجھ پر حرام ہے، آپ کی بیوی نے کہا: مجھ پر بھی حرام ہے، مہمان نے یہ دیکھتے ہوئے کہا کہ یہ کھانا مجھ پر بھی حرام ہے۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھی تو اپنا ہاتھ کھانے کی طرف بڑھایا اور کہا کہ اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کر دو، پھر آپ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا تو اس وقت مذکورہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یہ حدیث اثر منقطع ہے۔

بخاری شریف میں مذکور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے مہمانوں کے ساتھ واقعہ (4) بھی اسی کے مشابہ ہے۔ ان دونوں قصوں میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس نے اپنے اوپر کوئی کھانا، لباس یا عورتوں کے علاوہ کوئی چیز حرام کرلی تو وہ حرام نہیں ہوتی اور نہ ہی اس پر کفارہ ہے جیسا کہ امام شافعی وغیرہ علماء کا مسلک ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس شخص نے گوشت کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا اسے نبی کریم ﷺ نے کفارہ کی ادائیگی کا حکم نہیں دیا تھا۔ لیکن دوسرے علماء جن میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، کا مسلک یہ ہے کہ جس نے کوئی کھانا، پینا، لباس یا کوئی اور چیز حرام کرلی تو اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا، جس طرح کوئی شخص قسم کے ذریعے اپنے آپ کو ترک کا پابند کرلیتا ہے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم آتا ہے اسی

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 11، صفحہ 149 تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 11

2۔ فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9، صفحہ 117، صحیح مسلم، کتاب النکاح، صفحہ 1022

3۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 2، صفحہ 313-314

4۔ فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10، صفحہ 534-535

طرح (بغیر قسم کے) صرف تحریم کے باعث بھی غیر لازم کو لازم قرار دینے کی پاداش میں اس سے مواخذہ کیا جائے گا (جو کفارہ کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے) جس طرح کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (التحریم:1) ''اے نبی ﷺ! آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دیا ہے (کیا یوں) آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔ پھر فرمایا: قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ ۚ (التحریم:2) ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے تمہارے لئے تمہاری قسموں کی گرہ کھولنے کا طریقہ''۔

آیت مذکورہ کے حکم کو بیان کرنے کے بعد قسم کے کفارہ کا ذکر فرمایا ہے، یہ اس بات پر دلیل ہے کہ یمین کے ذکر کے بغیر بھی صرف تحریم، کفارہ کے لازم ہونے میں بمنزلہ یمین کے ہے، واللہ اعلم۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ بعض صحابہ کبار جن میں عثمان بن مظعون اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تھے، نے ارادہ کیا کہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لیں گے، خصی ہو جائیں گے اور ٹاٹ کا لباس پہنا کریں گے تو مذکورہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرات عثمان بن مظعون، علی بن ابی طالب، ابن مسعود، مقداد بن اسود اور سالم مولی ابو حذیفہ نے دنیا سے منہ موڑ لیا، اپنے گھروں میں بیٹھ گئے، عورتوں سے الگ تھلگ ہو گئے، ٹاٹ کا لباس پہن لیا، عمدہ طعام و لباس اپنے اوپر حرام کر لیا، بنی اسرائیل کے درویشوں کا سا کھانا اور لباس اختیار کر لیا، خصی ہونے کا ارادہ کر لیا اور اس بات پر سب نے اتفاق کر لیا کہ رات قیام میں اور دن روزہ میں بسر کیا کریں گے تو اس وقت یہ آیت کریمہ اتری: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ یعنی مسلمانوں کے طریقہ کے برعکس نہ چلو، عورتوں سے اعراض، اچھا کھانا پینا اور عمدہ لباس کو حرام کر لینا، رات بھر قیام کرنے اور دن بھر روزہ رکھنے پر اتفاق کر لینا اور خصی ہونے کا عزم کر لینا مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔ جب یہ آیت کریمہ اتری تو نبی کریم ﷺ نے ان حضرات کو بلا بھیجا اور فرمایا: ''تمہارے نفوس کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے، کبھی روزہ رکھو اور کبھی نہ رکھو، نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو۔ جس نے ہماری سنت کو ترک کر دیا وہ ہماری جماعت سے نہیں'' یہ سن کر سب نے عرض کی: یا اللہ! تیرے حکم پر ہم نے سر تسلیم خم کیا اور اس کی اتباع کی (1)۔

مذکورہ آیت کے بارے میں سدی سے یہ روایت منقول ہے کہ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ تشریف فرما ہوئے، لوگوں کو وعظ فرمایا، پھر اٹھے اور صرف عذاب الٰہی سے خوف دلاتے رہے تو دس صحابہ کرام جن میں حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عثمان بن مظعون بھی شامل تھے کہنے لگے کہ ہمیں بھی یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم عیسائی راہبوں جیسا طرز عمل اختیار کر لیں، اس لئے ہم بھی اپنے اوپر دنیاوی آسائش حرام کرتے ہیں جس طرح انہوں نے اسے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ چنانچہ بعض نے گوشت، چربی اور دن بھر کھانا حرام کر لیا، بعض نے نیند حرام کر لی، بعض نے عورتوں کو حرام قرار دے دیا۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ان میں سے تھے جنہوں نے عورتوں کو حرام کر لیا تھا، وہ اپنی اہلیہ کے قریب تک نہ جاتے اور نہ ان کی اہلیہ کے لئے ان کے قریب آنا ممکن تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ جن کا نام حولاء تھا

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 10-11

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں، آپ رضی اللہ عنہا کے پاس دوسری ازواج مطہرات بھی بیٹھی ہوئی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حولاء سے کہا: اے حولاء! تمہیں کیا ہے کہ چہرے کا رنگ فق ہے، نہ کنگھی کی ہے اور نہ خوشبو لگائی ہے؟ انہوں نے کہا: کنگھی کر کے اور خوشبو لگا کر کیا کروں، میرے خاوند نے تو اتنے دنوں سے نہ مجھ سے مقاربت کی ہے اور نہ ہی مجھ سے کپڑا ہٹایا ہے۔ اس کی بات سن کر سب ہنس پڑیں۔ اسی اثناء میں نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم کیوں ہنس رہی ہو؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں نے حولاء سے اس کے معاملہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ میرے خاوند نے اتنے عرصہ سے مجھ سے مقاربت ہی نہیں کی، تو آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور فرمایا: عثمان! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر یہ سب کچھ ترک کر دیا ہے تاکہ پوری دلجمعی کے ساتھ عبادت کر سکوں، اور اپنا سارا قصہ کہہ سنایا، حضرت عثمان رضی اللہ نے اپنے آپ کو خصی کر لینے کا عزم کر لیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہ کرنا، جاؤ اور اپنی بیوی سے مقاربت کرو'' انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرا روزہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: روزہ افطار کر دو۔ چنانچہ انہوں نے ارشاد نبوی ﷺ کی تعمیل کی۔

اب حولاء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں کہ کنگھی کی ہوئی ہے، سرمہ ڈالا ہوا ہے اور خوشبو لگائی ہوئی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں اور فرمایا: حولاء کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ گزشتہ روز وہ (میرا خاوند) میرے پاس آیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انہوں نے عورتیں، کھانا اور نیند کو حرام کر لیا ہے، یاد رکھو، میں سوتا بھی ہوں اور رات کو قیام بھی کرتا ہوں، روزہ افطار بھی کرتا ہوں اور رکھتا بھی ہوں اور عورتوں سے مقاربت بھی کرتا ہوں، جس نے مجھ سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں''، تو یہ آیت کریمہ اتری: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون سے فرمایا: ''خصی نہ ہونا کیونکہ یہ بہت بڑی زیادتی ہے''، اور ان صحابہ کو قسموں کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ (1)۔ ''نہ باز پرس کرے گا تم سے اللہ تعالیٰ تمہاری فضول قسموں پر لیکن باز پرس کرے گا تم سے ان قسموں پر جن کو تم پختہ کر چکے ہو'' اور فرمان الٰہی ''وَلَا تَعْتَدُوْا'' کے معنی میں یہ احتمال ممکن ہے کہ مباح چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر کے اپنے نفسوں کو تنگی میں نہ ڈالو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مقصود ہو کہ جس طرح حلال کو حرام نہ بناؤ اسی طرح حلال کے استعمال میں حد سے تجاوز نہ کرنا بلکہ اپنی ضرورت اور کفایت کی مقدار حاصل کرو اور زیادتی سے احتراز کرو جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (الاعراف: 31) ''اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو''۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان: 67) ''اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی (بلکہ) ان کا خرچ کرنا اسراف اور بخل کے بین بین اعتدال سے ہوتا ہے''۔

افراط و تفریط سے بچتے ہوئے میانہ روی کو مشروع قرار دیا گیا ہے اسی لئے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ پھر فرمایا: وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی اپنے تمام معاملات میں اللہ سے ڈرو، اس کی اطاعت اور خوشنودی کو پیش نظر رکھو، اس کی مخالفت اور نافرمانی ترک کر دو۔ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 9-10

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾

''نہ باز پرس کرے گا تم سے اللہ تعالیٰ تمہاری فضول قسموں پر لیکن باز پرس کرے گا تم سے ان قسموں پر جن کو تم پختہ کر چکے ہو، تو اس (کے توڑنے) کا کفارہ یہ ہے کہ کھلایا جائے دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا جو تم کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو یا کپڑے پہنائے جائیں انہیں یا آزاد کیا جائے غلام اور جو نہ پائے (ان میں سے کوئی چیز) تو وہ روزے رکھے تین دن، یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم اٹھاؤ اور حفاظت کیا کرو اپنی قسموں کی، اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم شکریہ ادا کرو''۔

لغو (فضول) قسموں کا ذکر سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے (1) یمین لغو سے مراد ایسی قسم ہے جس میں آدمی بغیر قصد کے واللہ، باللہ جیسے الفاظ بولتا رہتا ہے، یہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مذاق میں ہوتی ہے اور بعض کے نزدیک معصیت میں۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ غلبہ ظن کے موقعہ پر بھی ایسا کہنا یمین لغو کے زمرے میں آئے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ غصہ کے وقت یا بھول چوک کر قسم کھائی ہو اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس میں وہ قسم بھی شامل ہے جو اکل وشرب اور لباس کے ترک کرنے کے متعلق ہو اور بطور دلیل یہ آیت کریمہ پیش کی جاتی ہے۔ لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ اس طرح اس قسم پر بھی باز پرس نہیں ہوگی۔

لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یمین لغو سے مراد وہ قسم ہے جو بغیر قصد کے اٹھائی جاتی ہے اس کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے: وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ یعنی اللہ تعالیٰ ان قسموں پر تم سے باز پرس کرے گا جنھیں تم ارادہ اور نیت سے پختہ کر چکے ہو۔

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ ایسی پختہ قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے جو فقراء ہوں اور جن کے پاس بقدر کفایت روزی بھی نہ ہو۔

مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ حضرات ابن عباس، سعید بن جبیر اور عکرمہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد درمیانی قسم کی غذا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔ عطاء خراسانی کے نزدیک اس سے مراد وہ بہترین کھانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو فراہم کرتے ہو۔

یہ اوسط غذا روٹی اور دودھ یا روٹی اور روغن ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کا معمول تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو اپنی حیثیت سے بھی گھٹیا خوراک دیا کرتے تھے اور بعض اپنی حیثیت سے بھی بڑھ کر اچھی خوراک، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ یعنی اوسط درجہ کی روٹی اور روغن، جس میں نہ تنگدلی سے خرچ کیا گیا ہو اور نہ ہی زیادہ فراخ دلی سے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اوسط درجہ کا کھانا روٹی گوشت ہے یا روٹی اور روغن یا روٹی اور دودھ یا روٹی اور سرکہ یا روٹی گھی دودھ یا روٹی اور کھجور یا وہ بہترین غذا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔ ابن جریر کا کہنا ہے کہ درمیانے درجہ کی غذا سے مراد غذا کی

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 225

قلت اور کثرت ہے۔
غذا کی مقدار میں بھی علماء کا اختلاف ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دس مسکینوں کو صبح و شام دو وقت کھانا کھلایا جائے، حسن اور محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ دس مساکین کو ایک مرتبہ ہی کھلانا کافی ہے، وہ کھانا گوشت روٹی ہو، اگر یہ نہیں تو روٹی روغن اور دودھ، اگر یہ بھی نہ دے سکتا ہو تو روٹی روغن اور سرکہ، اور اس قدر کھلائے کہ سب مساکین خوب سیر ہو جائیں۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ہر ایک مسکین کو نصف صاع گندم یا کھجوریں وغیرہ دی جائیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر گندم ہو تو نصف صاع، کوئی اور ہو تو ایک صاع، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صاع کھجور کا کفارہ ادا کیا تھا اور لوگوں کو بھی یہی حکم دیا تھا۔ اگر کھجوریں میسر نہ ہوں تو نصف صاع گندم (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مُدّ گندم سالن کے ساتھ ہر مسکین کو دینی چاہئے۔ حضرات ابن عمر، زید بن ثابت، سعید بن مسیّب، مجاہد، عطاء، عکرمہ، سالم، ابن سیرین، زہری وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کفارۂ یمین میں مقدار واجب کا تعین مُدّ النبی ﷺ سے ہوگا (2) یعنی 56 تولہ گندم۔ لیکن اس میں سالن ضروری نہیں۔ امام شافعی نے بطور دلیل اس شخص کا قصہ بیان کیا ہے جس سے رمضان شریف میں بحالت صوم جماع کا ارتکاب ہو گیا تھا، نبی کریم ﷺ نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ ساٹھ مسکینوں کو ایسے پیمانے سے ناپ کر گندم دے جس میں پندرہ صاع کی گنجائش ہو اس طرح کہ ہر ایک کو ایک ایک مد مل سکے (3)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قسم کا کفارہ ایک مد گندم قرار دیا کرتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واجب مقدار ایک مد گندم اور دو مد غیر گندم۔
اَوْ كِسْوَتُهُمْ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دس میں سے ہر ایک کو اگر اس قدر کپڑا دے جس پر لباس کا اطلاق ہو سکتا ہو تو کافی ہے مثلاً ایک قمیص، یا شلوار، یا تہہ بند، یا عمامہ، یا چادر (4) ٹوپی کے بارے میں اصحاب شافعی کا اختلاف ہے کہ صرف ٹوپی کافی ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے "اَوْ كِسْوَتُهُمْ" کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر کوئی وفد تمہارے امیر کے پاس آئے اور وہ وفد کے افراد میں سے ہر ایک کو ایک ایک ٹوپی پہنا دے تو تم کہتے ہو کہ انہیں لباس پہنایا گیا۔ اسی طرح شیخ ابو حامد اسفرائینی نے موزہ کے بارے میں بھی دونوں وجوہات نقل کی ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ درست نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک کو اس قدر لباس دینا ضروری ہے جسے پہن کر نماز ادا کرنا صحیح ہو، مرد اور عورت ہر ایک کو شرعی ضرورت کے مطابق لباس دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہر مسکین کو چوغہ یا بڑی چادر دینی چاہئے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ادنیٰ لباس ایک کپڑا ہونا چاہئے اور اعلیٰ جس قدر چاہو۔ امام لیث رحمۃ اللہ علیہ مجاہد سے نقل کرتے ہیں کہ کفارۂ یمین میں انڈرویئر کے علاوہ ہر کپڑا جائز ہے۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ لحاف اور چادر جیسا جامع لباس ہونا چاہئے۔ وہ قمیص، جانگیا اور اوڑھنی وغیرہ کو لباس جامع نہیں سمجھتے۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دو دو کپڑے دینے چاہئیں (5)۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمامہ جسے سر پر باندھا جاتا ہے اور عباء جس سے بدن کو ڈھانپا جاتا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی تھی تو کفارہ میں بحرین کی بنی ہوئی دو چادریں دی تھیں (6)۔ حضرت

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الکفارات، صفحہ 682
2۔ الام للشافعی، جلد 7، صفحہ 58
3۔ الام للشافعی جلد 2، صفحہ 84، جلد 7، صفحہ 58
4۔ الام للشافعی، جلد 7، صفحہ 59
5۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 24
6۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 25

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''اَوْ کِسْوَتُهُمْ'' کے بارے میں فرمایا کہ ہر مسکین کو ایک عباء دی جائے۔ لیکن یہ حدیث غریب ہے۔

اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مطلق غلام مراد لیتے ہیں خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ جس طرح مومن کا آزاد کرنا درست ہے اسی طرح کافر کا بھی آزاد کرنا جائز ہے۔ امام شافعی اور دوسرے فقہاء کے نزدیک غلام کا مومن ہونا ضروری ہے۔ انہوں نے اسے قتل کے کفارہ پر قیاس کیا ہے اس لئے کہ اتحادِ موجب تو موجود ہے اگرچہ سبب مختلف ہے۔ حضرت معاویہ بن حکم کی حدیث جو مؤطا امام مالک، مسند شافعی اور صحیح مسلم میں مذکور ہے، سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا تھا۔ وہ ایک سیاہ فام لونڈی لے کر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''اللہ کہاں ہے؟'' اس نے کہا: ''آسمان میں۔'' آپ ﷺ نے پوچھا: ''میں کون ہوں؟'' جواب دیا: ''آپ اللہ کے رسول ہیں''۔ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اسے آزاد کردو، یہ تو مؤمنہ ہے''(1)۔

قسم کے کفارہ میں یہ تین چیزیں ہیں، قسم کو توڑنے والا ان میں سے کسی کی بھی ادائیگی کر دے تو بالا جماع درست ہے۔ قرآن کریم میں سب سے پہلے آسان ترین چیز ذکر کی گئی ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ۔ کھانا کھلانا لباس دینے سے زیادہ آسان ہے اور اسی طرح لباس دینا غلام آزاد کرنے کی نسبت زیادہ سہل ہے، یعنی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف عروج کیا ہے۔ اگر مکلّف ان میں سے کسی پر بھی قادر نہ ہو تو کفارہ میں تین دن کے روزے رکھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ حضرات سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جس کے پاس تین درہم بھی ہوں وہ کھانا کھلائے ورنہ روزے رکھے(2)۔ ابن جریر نے متاخرین فقہاء سے نقل کیا ہے کہ اس شخص کے لئے بھی روزوں کا کفارہ جائز ہے جس کے پاس اپنی ضروریات اور کاروباری سرمایہ کے علاوہ کوئی زائد چیز نہ ہو کہ جسے وہ کفارۂ یمین میں دے سکے۔ لیکن ابن جریر کا پسندیدہ مسلک یہ ہے کہ وہ اس قدر مفلس ہو کہ اس کے پاس اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ایک دن کی خوراک کے علاوہ کوئی چیز زائد نہ ہو۔ اب روزوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ مسلسل تین روزے رکھنا واجب ہے یا مستحب، اور کیا وقفہ سے بھی روزے رکھے جا سکتے ہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ پے در پے روزے رکھنا واجب نہیں(3)۔ امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے اس لئے کہ فرمان الٰہی فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ میں مطلق حکم ہے جس کا اطلاق مسلسل روزے رکھنے پر بھی ہوسکتا ہے اور الگ الگ رکھنے پر بھی، جس طرح رمضان شریف کے قضا روزے کہ ان میں بھی تسلسل کی کوئی قید نہیں کیونکہ ''فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ''، میں حکم مطلق ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الامّ میں ایک دوسری جگہ پے در پے کے وجوب کی صراحت کی ہے، یہی احناف اور حنابلہ کا مسلک ہے اس کی دلیل حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی ایک قرأت ہے، وہ ہے ''فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُّتَتَابِعَاتٍ''، یعنی تین دن لگاتار روزے رکھے(4)۔ اگرچہ یہ قراءت متواترہ نہیں ہے لیکن پھر بھی خبر واحد تو ہے یا پھر صحابہ کی تفسیر ہونے کی بناء پر مرفوع کے حکم میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب کفارہ کی آیت نازل ہوئی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہمیں ان تین میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں اختیار ہے، اگر چاہو تو غلام آزاد کردو، چاہو تو لباس پہنا دو، چاہو تو کھانا کھلا دو۔ جو ان میں سے کچھ بھی نہ پائے تو وہ تین دن

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، صفحہ 381، موطا امام مالک، کتاب العتق، صفحہ 776-777
2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 29
3۔ الام للشافعی، جلد 7، صفحہ 60
4۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 30

کے لگا تار روزے رکھے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ یہ یمین کا شرعی کفارہ ہے۔

وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ابن جریر اس کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ بغیر کفارہ ادا کئے ان قسموں کو نہ چھوڑو۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے وضاحت کے ساتھ اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٩٠﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿٩١﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٩٢﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾

''اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں شیطان کی کارستانیاں ہیں، سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پاؤ جاؤ۔ یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب اور جوئے کے ذریعہ اور روک دے تمہیں یاد الٰہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو؟ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (کریم) کی اور محتاط رہو اور اگر تم نے روگردانی کی تو خوب جان لو کہ ہمارے رسول کا فرض تو بس پہنچا دینا ہے کھول کر (ہمارے احکام کو) نہیں ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کوئی گناہ جو (اس حکم سے پہلے) وہ کھا پی چکے جب کہ وہ پہلے بھی ڈرتے تھے اور ایمان رکھتے تھے اور نیک عمل کیا کرتے تھے، پھر (ان احکام کے بعد بھی) ڈرتے ہیں اور (جو اترا) اس پر ایمان رکھتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں۔ اور اللہ محبت کرتا ہے اچھے کام کرنے والوں سے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو شراب نوشی اور جوئے بازی سے منع فرما رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شطرنج بھی ایک قسم کا جوا ہے۔ عطاء، مجاہد اور طاؤس کہتے ہیں کہ ہر قمار جوا ہے یہاں تک کہ بچوں کا اخروٹ، منکوں اور مہروں کے ساتھ کھیلنا بھی جوا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جوا قمار ہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ لوگ زمانہ جاہلیت میں اسلام کی آمد تک جوا کھیلا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ان اخلاق قبیحہ سے منع فرما دیا۔ حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت کے جوئے کا یہ طریقہ تھا کہ وہ شرط کے طور پر ایک یا دو بکریوں کا گوشت بیچ دیا کرتے تھے۔

زہری رحمۃ اللہ علیہ اعرج سے نقل کرتے ہیں کہ جوا یوں ہوتا تھا کہ اموال اور پھلوں پر تیر پھینکتے، اس طرح جواء کے ذریعے ان پر قبضہ جما لیتے۔ قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو ذکر الٰہی اور نماز سے غافل کر دے وہ جوا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ''پانسوں کے ذریعے کھیلے جانے والے کھیل سے اجتناب کرو کیونکہ یہ جوا ہے''۔ شاید

اس سے مراد شطرنج یا چوسر کا کھیل ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ''جس نے چوسر کا کھیل کھیلا گویا اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون کے ساتھ آلودہ کیا'' (1)۔ ایک دوسری حدیث شریف میں آتا ہے: ''جس نے نرد کا کھیل کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی'' (2)۔ حضرت عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میرے والد محترم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اس شخص کی مثال جو چوسر کھیل کر نماز کے لئے کھڑا ہو ایسے شخص کی سی ہے جو پیپ اور خنزیر کے خون سے وضو کر کے نماز ادا کرنا شروع کر دے'' (3)۔ جہاں تک شطرنج کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ چوسر سے بھی بری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے قمار و میسر میں ہی شمار کرتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسے حرام قرار دیتے ہیں جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔

''اَنْصَاب'' سے مراد وہ پتھر ہیں جو کعبہ کے اردگرد نصب کئے گئے تھے ان کے نام پر کفار اپنی قربانیاں ذبح کرتے تھے اور ان کا خون ان پتھروں پر مل دیتے۔

''اَزْلَام'' سے مراد جوئے کے تیر ہیں جنہیں تقسیم کر کے کفار فال لیتے تھے۔

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ یہ شیطانی اعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہیں اور یہ بدترین شیطانی اعمال ہیں۔ ''فَاجْتَنِبُوْهُ'' ضمیر کا مرجع ''رِجْسٌ'' ہے یعنی اسے ترک کر دو تا کہ تم فلاح پاؤ، پھر فرمایا: اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دھمکی اور تنبیہ ہے۔

حرمت شراب میں وارد شدہ احادیث کا ذکر

شراب کی حرمت کا حکم تین مرتبہ تدریجاً نازل ہوا۔ نبی کریم ﷺ مدینہ شریف تشریف لائے تو اس وقت لوگ شراب پیا کرتے تھے اور جوئے سے حاصل ہونے والا مال کھاتے تھے۔ آپ ﷺ سے ان دونوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو یہ آیت کریمہ اتری يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ (البقرہ:219) ''وہ پوچھتے ہیں آپ سے شراب اور جوئے کی بابت آپ فرمایئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے''۔ لوگوں نے کہا کہ اس کے فوائد کم اور نقصانات زیادہ بتائے گئے ہیں، حرام نہیں کیا گیا چنانچہ وہ شراب پیتے رہے، ایک دن اتفاق ایسا ہوا کہ ایک مہاجر صحابی نشہ کی حالت میں نماز مغرب ادا کرنے لگے تو دوران نماز آیات قرآنیہ کو گڈمڈ کر دیا تو اس وقت سخت تر حکم نازل ہوا، فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء:43) ''اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نماز کے جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو (زبان سے) کہتے ہو) چونکہ صراحۃً ممانعت نہ تھی اس لئے لوگ شراب پیتے رہے، صرف نماز کے وقت شراب پینا چھوڑ دیا۔ بعد ازاں حرمت شراب کے بارے میں زیادہ سخت اور قطعی حکم نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اس حکم کے نازل ہوتے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اے ہمارے رب! ہم اس

1۔ صحیح مسلم، کتاب الشعراء، صفحہ 1770　　2۔ سنن ابی داود، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 285، موطا امام مالک، کتاب الرؤیا، جلد 2، صفحہ 958 وغیرہ

3۔ مسند احمد جلد 5، صفحہ 370

سے باز آ گئے۔ جب شراب اور جوئے کی حرمت کے احکام نازل ہوئے تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے ان مسلمان بھائیوں کا کیا بنے گا جو جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے یا طبعی موت مر گئے حالانکہ وہ شراب پیا کرتے تھے اور جوئے کا مال کھاتے تھے اور یہ ایسی چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے رجس اور شیطانی عمل قرار دیا ہے۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا...... ''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر ان کی زندگی میں حرمت کا حکم نازل ہو جاتا تو وہ بھی تمہاری طرح اسے ترک کر دیتے'' (1)۔

ابو میسرہ سے روایت ہے کہ حرمت شراب کے قطعی حکم کے نازل ہونے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی تھی: ''اے اللہ! شراب کے بارے میں تسلی بخش اور قطعی حکم نازل فرما'' تو سورۂ بقرہ کی یہ آیت کریمہ اتری يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ (البقرہ:219) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ آیت سنائی گئی تو پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ ''یا اللہ! شراب کے متعلق شافی حکم نازل فرما'' تو سورۂ نساء کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (النساء:43)۔ جب مؤذن رسول ''حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة'' کہتے تو ساتھ ہی یہ ندا دیتے کہ نشہ کی حالت میں کوئی بھی نماز کے قریب نہ جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت سنائی گئی تو پھر آپ نے بارگاہ خداوندی میں اپنی مذکورہ دعا کو دہرایا۔ چنانچہ سورۂ مائدہ میں شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ یہ وحی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنائی گئی، جب یہ فرمان: فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کانوں میں پڑا تو فوراً پکار اٹھے، یا اللہ! ہم باز آ گئے (2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر رسول پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! شراب کی حرمت کا حکم نازل ہو چکا ہے۔ یہ ان پانچ چیزوں (انگور، کھجور، شہد، گندم، جو) میں سے جس سے بھی کشید کی جائے وہ شراب ہی ہے، ہر ایسی نشہ آور چیز جو عقل کو ڈھانپ دے وہ خمر ہے (3)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب تحریم خمر کا حکم آیا تو اس وقت مدینہ میں انگور کی شراب کے علاوہ پانچ قسم کی شراب کا رواج تھا (4)۔

ایک اور حدیث میں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شراب کے بارے میں تین آیات اتریں۔ سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ...... لوگوں نے کہا کہ شراب حرام ہو گئی تو انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے دیجئے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے کہ اس میں نفع ہے تو حضور ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اس کے بعد یہ آیت کریمہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى تو مشہور ہو گیا کہ شراب حرام ہو گئی ہے، لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہم شراب پی کر نماز کے قریب نہیں جائیں گے تو آپ ﷺ نے پھر سکوت فرمایا، لیکن جب یہ آیت اتری يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ...... تو رسول اللہ ﷺ نے قطعی طور پر فرما دیا کہ شراب حرام ہو گئی (5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ سے شراب کی خرید و فروخت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ قبیلہ ثقیف یا قبیلہ دوس کا ایک شخص نبی کریم ﷺ کا دوست تھا۔ وہ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ سے ملا اور شراب کا ایک مٹکا تحفتاً پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 352-352

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، جلد 3، صفحہ 325، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 53 وغیرہ

3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 8، صفحہ 277، صحیح مسلم، کتاب التفسیر، صفحہ 2322

4۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 8، صفحہ 277 5۔ مسند ابی داؤد، صفحہ 264

تمہیں علم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دے دیا ہے؟'' تو وہ آدمی اپنے غلام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ اسے بیچ دو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے اپنے غلام کو کیا حکم دیا ہے؟'' اس نے جواب دیا کہ میں نے اسے شراب فروخت کرنے کا حکم دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے شراب پینا حرام کی ہے اس نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام کی ہے'' تو اس نے اپنے غلام کو شہر سے باہر نالہ میں شراب انڈیلنے کا حکم دیا، چنانچہ اسے وہاں لنڈھا دیا گیا(1)۔

ایک دوسری حدیث تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ہر سال نبی کریم ﷺ کو شراب کا ایک مٹکا تحفہ دیا کرتے تھے۔ جب شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا تو وہ حسب معمول مٹکا لے کر آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اسے دیکھا تو مسکرا دیئے اور فرمایا: ''تمہارے بعد شراب حرام کر دی گئی ہے۔'' اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اسے بیچ کر اس کی قیمت کام میں نہ لاؤں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، ان پر گائے اور بھیڑ بکریوں کی چربی حرام کر دی گئی تھی، وہ اسے پگھلا کر بیچ ڈالتے، اللہ تعالیٰ نے شراب اور اس کی قیمت حرام کر دی ہے''۔ تقریباً اسی قسم کی ایک روایت عبدالرحمٰن بن غنم سے بھی مروی ہے، سوائے چند الفاظ کے معنی میں کوئی فرق نہیں(2)۔

ایک اور حدیث نافع بن کیسان سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد رسول اللہ ﷺ کے عہد ہمایوں میں شراب کی تجارت کیا کرتے تھے۔ وہ شام گئے اور وہاں سے تجارت کی غرض سے شراب کے کچھ مشکیزے لائے۔ ایک مشکیزہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کے لئے بڑی عمدہ شراب لے کر آیا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے کیسان! یہ تو تمہارے بعد حرام ہوگئی ہے۔'' انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اسے بیچ ڈالوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بھی حرام ہے اور اس کی قیمت بھی۔'' تو حضرت کیسان رضی اللہ عنہ نے مشکیزے لئے اور پاؤں سے ٹھوکر مار کر تمام شراب بہا دی(3)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ ابوعبیدہ، ابی بن کعب، سہیل بن بیضاء اور کچھ دوسرے ساتھی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاں موجود تھے، میں ان کو شراب پلا رہا تھا، قریب تھا کہ شراب انہیں مدہوش کر دے۔ جام گردش میں تھے کہ اتنے میں کسی نے آکر کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ شراب حرام ہوگئی ہے، انہوں نے کہا: ہم انتظار کریں گے اور دریافت کریں گے، تو دوسرے صحابہ نے کہا: اے انس! برتن میں باقی ماندہ تمام شراب بہا دو۔ خدا کی قسم! اس کے بعد انہوں نے شراب کو ہاتھ نہ لگایا۔ یہ پکی اور کچی کھجور کی شراب تھی(4)۔ جس دن شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا اس دن کچھ لوگ حضرت ابوطلحہ کے گھر جمع تھے، شراب کی محفل آراستہ تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس دن میں انہیں شراب پلا رہا تھا، وہ شراب کھجور سے کشید کی گئی تھی، اچانک منادی نے ندا دی تو انہوں نے کہا کہ باہر جا کر دیکھو۔ میں نے دیکھا تو ایک منادی اعلان کر رہا تھا کہ شراب حرام ہوگئی ہے۔ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی، ابوطلحہ رضی اللہ نے مجھے کہا کہ جاؤ اور اس شراب کو بہا دو، چنانچہ میں نے باقی تمام شراب باہر بہا دی۔ کسی نے کہا کہ ہمارے ان ساتھیوں کا کیا بنے گا جو جہاد میں شہید ہو گئے حالانکہ وہ شراب پیتے تھے تو اس وقت یہ آیت کریمہ اتری: لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا......(5)۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، صفحہ 1206، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 230 وغیرہ
2۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 227
3۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 335-336
4۔ فتح الباری، کتاب الاشربۃ، جلد 9، صفحہ 36-37، صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، صفحہ 1570-1571 وغیرہ
5۔ فتح الباری، کتاب الاشربۃ، جلد 9، صفحہ 36-37، صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، 1570-1571

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابوطلحہ اور ان کے ساتھیوں کو شراب کے جام پلا رہا تھا کہ یہاں تک کہ ان کے سرنشہ کی شدت سے ڈھلک رہے تھے میں نے منادی کو یہ ندا دیتے ہوئے سنا کہ خبردار، شراب حرام ہوگئی ہے۔ یہ سنتے ہی ہم میں سے ہر ایک نے شراب انڈیل دی اور مٹکے توڑ دیئے۔ بعض نے وضو کیا اور بعض نے غسل۔ ہم نے ام سلیم سے خوشبو لے کر لگائی پھر مسجد کی طرف نکلے۔ وہاں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ تحریم خمر کی آیت تلاوت کررہے تھے۔ آپ ﷺ نے فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ تک تلاوت کی تو ایک آدمی نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ان لوگوں کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں جو وفات پا گئے حالانکہ وہ شراب پیا کرتے تھے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: لَيۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيۡمَا طَعِمُوۡۤا۔ ایک آدمی نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ ایک اور شخص نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: ہاں، مجھے اس ذات نے بتایا ہے جس سے کبھی جھوٹ سرزد نہیں ہوا، نہ ہم جھوٹ بولتے ہیں اور نہ یہ جانتے ہیں کہ جھوٹ کیا ہے(1)۔

ایک دوسری حدیث میں قیس بن سعد بن عبادہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے رب نے شراب، شطرنج اور بربط کو حرام قرار دیا ہے، جوار باجرہ کی شراب سے بچو کیونکہ یہ دنیا کی تمام شراب کا ایک تہائی ہے''(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میری امت پر شراب، جوا، گیہوں کی شراب، شطرنج اور آلات طرب سب حرام کر دیئے ہیں اور مجھ پر نماز وتر واجب کی ہے''(3)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''جس نے جھوٹی حدیث گھڑ کر میری طرف منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔ مزید فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے خمر، جوا، شطرنج ونرد اور جوار باجرہ سے کشید کی ہوئی شراب حرام قرار دی ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے(4)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شراب کے دس متعلقات پر لعنت، خود شراب پر، پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، شراب کشید کرنے والے، بنانے والے، شراب اٹھا کر لے جانے والے، جس کی طرف لائی جائے اور اس کی قیمت کھانے والے سب پر لعنت'' (5)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اونٹوں کے باڑہ کی طرف نکلے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہوگیا۔ میں آپ ﷺ کی دائیں جانب چل رہا تھا کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے دیکھا۔ میں تھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی دائیں جانب ہوگئے۔ میں بائیں جانب چلنے لگا۔ اسی اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آتے ہوئے دکھائی دیئے تو میں تھوڑا سا ہٹ گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بائیں جانب ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ نبی کریم ﷺ اس باڑہ میں تشریف لائے، وہاں شراب کی مشکیں پڑی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے چھری منگوائی اور مشکوں کو چیر دینے کا حکم ارشاد فرمایا۔ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی گئی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''شراب، شرابی، شراب پلانے والے، خرید وفروخت کرنے والے، اٹھا کر لے جانے والے، جس کی طرف اٹھائی جائے، کشید کرنے والے، بنانے والے، اور اس کی قیمت وصول کرنے والے سب پر لعنت ہو''(6)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے چھری لانے کا حکم دیا۔ میں لے آیا، اسے تیز

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 37 2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 422 3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 165

4۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 171 5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، جلد 3، صفحہ 336، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 25 6۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 71

کروانے کے بعد حضور ﷺ نے مجھے دے دی اور فرمایا کہ صبح اسے میرے پاس لانا۔ حسب ارشاد میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ صحابہ کرام کو لے کر مدینہ کے بازاروں کی طرف نکلے، وہاں شام کی بنی ہوئی شراب کے مشکیزے رکھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے مجھ سے چھری لی اور وہاں موجود تمام مشکیزوں کو چیر دیا۔ پھر چھری مجھے تھمادی اور صحابہ کرام سے کہا کہ وہ میرے ساتھ جائیں اور میری مدد کریں، پھر مجھے حکم دیا کہ بازار میں جہاں بھی شراب کا مشکیزہ نظر آئے چیر ڈالو۔ میں نے ایسا ہی کیا، اور تمام مشکیزے چیر کر شراب انڈیل دی(1)۔

یزید خولانی بیان کرتے ہیں کہ میرا چچا شراب فروخت کیا کرتا تھا اور صدقہ بھی کرتا۔ میں نے اسے اس سے منع کیا، لیکن وہ باز نہ آیا۔ میں مدینہ شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے شراب اور اس کی قیمت کے متعلق دریافت کیا، آپ نے فرمایا: یہ بھی حرام ہے اور اس کی قیمت بھی، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اے امت محمدیہ! اگر تمہاری کتاب کے بعد کسی کتاب کا اترنا ممکن ہوتا، اور تمہارے نبی ﷺ کے بعد کسی اور نبی کو آنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں کے بارے میں بھی آیات نازل کرتا جس طرح تم سے پہلے گزری ہوئی قوموں کے بارے میں نازل فرمائی تھیں، لیکن تمہارا معاملہ قیامت تک کے لئے مؤخر کر دیا گیا، لیکن یہ تمہارے لئے بہت شدید ہے۔

حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے شراب کی قیمت کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں شراب کے متعلق آگاہ کرتا ہوں، فرمایا: میں مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ گوٹ لگائے بیٹھے تھے فرمایا: ''جس کے پاس شراب ہو وہ ہمارے پاس لے آئے'' لوگ شراب لانے لگے، کوئی مٹکا لایا، کوئی مشکیزہ لایا، کسی کے پاس جو بھی تھا لے آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ساری شراب میدان بقیع میں جمع کر کے مجھے آگاہ کرنا'' چنانچہ جب شراب جمع کر دی گئی تو آپ ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ دائیں طرف ہو کر چل پڑا، آپ ﷺ مجھ پر سہارا لئے ہوئے تھے، اسی اثناء میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ مل گئے۔ حضور ﷺ نے مجھے بائیں طرف کر دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میری جگہ اپنی دائیں طرف لے لیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آملے۔ آپ ﷺ نے مجھے پیچھے ہٹا کر انہیں اپنی بائیں جانب کر لیا اور آپ ﷺ ان دونوں حضرات کے درمیان چلنے لگے۔ جب آپ ﷺ جمع شدہ شراب پر پہنچے تو لوگوں سے فرمایا: ''جانتے ہو یہ کیا ہے؟'' لوگوں نے عرض کی: جی ہاں، یا رسول اللہ ﷺ! یہ شراب ہے۔ فرمایا: تم نے سچ کہا۔ پھر فرمایا: ''شراب، اسے کشید کرنے والے، اسے بنانے والے، شرابی، ساقی لے جانے والے، جس کی طرف لے جائی جائے، خرید و فروخت کرنے والے، اس کی قیمت کھانے والے سب پر لعنت ہو۔'' پھر آپ ﷺ نے چھری منگوائی، پھر فرمایا: ''اسے تیز کرو'' چنانچہ اسے تیز کیا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے سارے مشکیزے چیر دیئے۔ لوگوں نے عرض کی کہ اس میں منفعت بھی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، چونکہ شراب میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے اس لئے اس کے غضب سے ڈر کر ایسا کر رہا ہوں'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ خدمت میں بجالاتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ میں خود اسے ضائع کروں گا(2)۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شراب کے بارے میں چار آیات نازل ہوئیں پھر ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے ہمیں دعوت پر بلایا۔ وہاں شراب کا دور چلا، یہ تحریم خمر سے پہلے کا واقعہ ہے، اس قدر شراب پی کہ نشہ میں دھت ہو گئے، پھر

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 132-133 2۔ سنن بیہقی، کتاب الاشربۃ، جلد 8، صفحہ 286-287

آپس میں فخر کرنے لگے، انصار کہتے کہ ہم افضل ہیں اور قریش کہتے کہ ہم افضل ہیں، نوبت لڑائی تک پہنچ گئی، ایک انصاری نے اونٹ کی ہڈی لے کر سعد رضی اللہ کی ناک پر دے ماری جس سے ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تو اس وقت حرمت شراب کا قطعی حکم نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ...... فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تحریم خمر کا حکم اس بناء پر نازل ہوا کہ انصار کے دو قبیلوں نے شراب پی۔ جب نشہ میں دھت ہو گئے تو ایک دوسرے پر دست درازی کرنے لگے، جب نشہ اتر گیا تو کسی کا چہرہ زخمی تھا، کوئی سر پر چوٹ کھائے ہوئے تھا اور کسی کی داڑھی نوچی ہوئی تھی، کوئی کہتا تھا کہ میرے فلاں بھائی نے میرے ساتھ یہ زیادتی کی ہے، حالانکہ وہ تمام گہرے دوست تھے اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے بغض نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ کوئی کہتا کہ اگر یہ رحمدل اور ہمدرد ہوتا تو اس قدر مجھے تکلیف نہ پہنچاتا، اس طرح کینہ و بغض ان کے دلوں میں گھر کر گیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حرمت شراب کے متعلق وحی نازل فرما دی۔ کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو پلیدی ہے، جو لوگ اس کے عادی تھے اور جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے ان کا کیا بنے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا (2)۔

ابو بریدہ اپنے والد محترم سے بیان کرتے ہیں کہ ہم تین چار افراد کسی ٹیلے پر بیٹھے ہوئے تھے، شراب کی محفل آراستہ تھی، ہمارے پاس شراب کا مٹکا تھا، دور چل رہا تھا کہ میں وہاں سے اٹھ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام عرض کیا، اسی وقت تحریم خمر والی آیت نازل ہوئی۔ میں اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا اور فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ تک وحی سے آگاہ کیا۔ کچھ دوست شراب پی چکے تھے، بعض نے تھوڑی سی پی تھی اور جام ابھی ہاتھ میں تھا، کسی نے جام اپنے ہونٹوں سے لگا رکھا تھا، حکم الٰہی سنتے ہی سب نے اپنے اپنے جام زمین پر پٹخ دیئے اور مٹکے میں ساری شراب بہا دی اور کہا: اے ہمارے رب! ہم باز آ گئے (3)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احد کی صبح کچھ صحابہ کرام نے شراب پی لی تھی، پھر اسی دن (اکہتر) شہید ہو گئے، یہ تحریم خمر سے قبل کا واقعہ ہے، بعض یہودی کہنے لگے کہ ان شہداء کے پیٹ میں تو شراب تھی، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا (4)۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حرمت شراب کا حکم نازل ہوا تو لوگوں نے کہا کہ ان لوگوں کا کیا بنے گا جو حرمت سے پہلے شراب پیا کرتے تھے تو مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی (5)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی خیبر سے مدینہ کی طرف شراب لاتا اور بیچ کر نفع حاصل کرتا۔ ایک مرتبہ وہ شراب لے کر مدینہ شریف پہنچا تو ایک مسلمان نے اسے کہا کہ شراب تو حرام ہو گئی ہے، اس نے وہاں ہی ایک ٹیلے پر شراب رکھ دی اور چادروں کے ساتھ اسے ڈھانپ دیا۔ پھر وہ شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اطلاع ملی ہے کہ شراب حرام ہو گئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: کیا میں اس شخص کو واپس کر دوں جس سے خریدی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کو واپس کرنا بھی درست نہیں ہے"۔ وہ شخص کہنے لگا: اگر میں ایسے شخص کو دے دوں جو مجھے اس کا کچھ معاوضہ دے دے تو

1۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، صفحہ 1878، سنن بیہقی، کتاب الاشربۃ، جلد 8، صفحہ 258
2۔ سنن بیہقی، جلد 8۔ صفحہ 285-286
3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 134
4۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 8، صفحہ 277
5۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 11، صفحہ 178، مسند ابی داؤد، صفحہ 97-98

فرمایا: ''یہ بھی نہیں''۔ پھر اس شخص نے عرض کی: اس تجارت میں کچھ ایسے یتیموں کا بھی پیسہ لگا ہوا ہے جو میرے زیر پرورش ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب بحرین کا مال آئے گا تو ہمارے پاس آنا، ہم اس میں سے تمہارے یتیموں کو معاوضہ ادا کر دیں گے''۔ پھر مدینہ شریف میں تحریم خمر کا اعلان کر دیا گیا۔ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہمیں شراب کے برتنوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کے منہ کھول دو'' چنانچہ تمام شراب بہا دی گئی یہاں تک کہ وہ (پانی کی طرح) نشیبی مقامات پر کھڑی ہوگئی۔(1)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے زیر تربیت یتیم ہیں جنہیں کچھ شراب وراثت میں ملی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سب بہا دو'' عرض کی کہ کیا ہم اس کا سرکہ نہ بنا لیں؟ فرمایا: نہیں(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تورات میں بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حق اس لئے نازل کیا ہے تا کہ وہ باطل کو اس کے ذریعے نیست و نابود کر دے اور کھیل کود، ناچ گانا اور آلات موسیقی بربط، ستار، سارنگ، دف اور طنبور ان سب کو باطل کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ حرمت کے بعد جو شراب پیئے گا میں اس کو قیامت کے دن پیاسا رکھوں گا، اور بعد از حرمت جس نے اجتناب کیا میں اس کو جنت میں شراب پلاؤں گا(3)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ایک مرتبہ نشہ کی وجہ سے نماز ترک کر دی گویا کہ اس نے دنیا و مافیہا کو کھو دیا، جس نے نشہ کی وجہ سے چار مرتبہ نماز کھو دی تو اللہ تعالیٰ کو یہ حق ہے کہ وہ اسے ''طینة الخبال'' پلائے، لوگوں نے عرض کی کہ ''طینة الخبال'' کیا چیز ہے؟ فرمایا: جہنمیوں کے اجسام سے نچوڑی گئی غلاظت''(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''عقل کو ڈھانپنے والی ہر چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ جو شخص کوئی نشہ آور چیز پیئے گا اس کی چالیس دن کی نمازیں مقبول نہ ہوں گی۔ اگر وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔ اگر وہ چوتھی مرتبہ شراب نوشی کا مرتکب ہوا تو اللہ تعالیٰ کو یہ حق ہے کہ وہ اسے ''طینة الخبال'' پلائے، عرض کی گئی: ''طینة الخبال'' کیا ہے؟ فرمایا: جہنمیوں کی پیپ۔ اور جس شخص نے کسی ایسے بچے کو شراب پلائی جو حلال و حرام کی تمیز نہیں کر سکتا تو اس آدمی کو بھی اللہ تعالیٰ ''طینة الخبال'' پلائے گا''(5)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے دنیا میں شراب پی اور توبہ نہ کی تو آخرت کی شراب اس پر حرام ہے''(6)۔ حضرت ابن عمر سے ہی یہ حدیث مروی ہے ''ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے۔ جو آدمی شراب کا رسیا تھا، شراب پیتا رہا لیکن توبہ نہ کی اسے جنت کی شراب سے محروم کر دیا جائے گا''(7)۔ آپ نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت نہیں کرے گا، اپنے والدین کا نافرمان، شراب کا رسیا، اور احسان کر کے جتلانے والا''(8)۔ حضرت

1۔ مسند ابی یعلی، جلد 3، صفحہ 404
2۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، صفحہ 1573، سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، جلد 3، صفحہ 326 وغیرہ
3۔ الدر المنثور، جلد 2، صفحہ 317
4۔ سنن بیہقی، کتاب الاشربۃ، جلد 8، صفحہ 287، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 178
5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، جلد 3، صفحہ 327
6۔ فتح الباری، کتاب الاشربۃ، جلد 10 صفحہ 30، صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، صفحہ 1588 وغیرہ
7۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، صفحہ 1587
8۔ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 7، صفحہ 80-81، سنن بیہقی، کتاب الاشربۃ، جلد 8، صفحہ 288

ابو سعید رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ''احسان جتلانے والا، والدین کا نافرمان اور شراب کا رسیا کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گے''(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بھی ایک اسی قسم کی حدیث مروی ہے لیکن اس میں ان تین کے علاوہ ''ولد الزنا'' کا بھی ذکر ہے(2)۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شراب سے بچو کیونکہ یہ ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ پہلے زمانے کا ایک واقعہ ہے کہ ایک آدمی دنیا سے کنارہ کش ہو گیا، خلوت نشیں ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کرتا اور لوگوں سے الگ تھلگ رہتا۔ ایک فاحشہ عورت کا اس سے دل لگ گیا۔ اس نے اپنی خادمہ کو اس عابد کی طرف بھیجا تاکہ وہ اسے گواہی کے بہانے بلا لائے۔ وہ اس کے ساتھ چلا آیا۔ جب وہ کسی دروازے میں داخل ہوتا تو وہ دروازہ بند کر دیتی یہاں تک کہ وہ ایک خوبصورت عورت کے پاس پہنچ گیا، اس کے پاس ایک بچہ اور شراب کا مٹکا پڑا ہوا تھا۔ اس (بدکار عورت) نے عابد سے کہا: اللہ کی قسم! میں نے تمہیں کسی گواہی کے لئے نہیں بلایا بلکہ میرے بلانے کا مقصد یہ ہے کہ تم میرے ساتھ مجامعت کرو یا اس بچے کو قتل کر ڈالو یا پھر یہ شراب پیو۔ وہ درویش دوسرے گناہوں کی نسبت شراب کو ادنیٰ گناہ سمجھتے ہوئے شراب نوشی پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ اس عورت نے اسے ایک جام پلایا۔ پھر وہ خود ہی یکے بعد دیگرے جام طلب کرنے لگا یہاں تک کہ شراب کے نشہ میں دھت ہو کر لڑکے کو بھی قتل کر دیا اور بدکاری کا بھی ارتکاب کر بیٹھا، اس لئے شراب سے اجتناب کرو، کیونکہ شراب اور ایمان ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے منافی ہے(3)۔ صحیحین کی ایک حدیث اس کی تائید کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زانی جب زنا کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوتا، چور جب چوری کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوتا اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوتا''(4)۔

جب تحریم خمر کا حکم نازل ہوا تو لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے ان ساتھیوں کا کیا بنے گا جو شراب پیتے تھے اور فوت ہو گئے؟ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا...... اور جب تحویل قبلہ کی آیت اتری تو لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہمارے ان بھائیوں کا کیا ہوگا جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ(5) (اور نہیں اللہ کی یہ شان کہ ضائع کر دے تمہارا ایمان)۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے شراب پی لی تو اللہ تعالیٰ چالیس دنوں تک اس سے ناراض رہتا ہے، اگر وہ (اسی حالت میں) مر جائے تو کافر مرے گا، اور اگر وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔ اگر پھر اس نے شراب نوشی کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اسے ''طينة الخبال'' پلائے، عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ''طينة الخبال'' کیا ہے؟ فرمایا: ''اہل نار کی پیپ''(6)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا تو مجھے کہا گیا کہ تم بھی ان میں سے ہو جن پر کوئی الزام نہیں''(7)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان دو (چوسر اور شطرنج) سے بچو، کیونکہ

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 44

2۔ سنن نسائی، کتاب الاشربۃ، جلد 8، صفحہ 318، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 164

3۔ سنن بیہقی، کتاب الاشربۃ، جلد 8، صفحہ 287-288

4۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12، صفحہ 58، صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث 76

5۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 295

6۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 460

7۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث 1910، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 11، صفحہ 179 وغیرہ

یہ عجمیوں کا جواء ہے''(1)۔

يَا يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

''اے ایمان والو! ضرور آزمائے گا تمہیں اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ شکار سے پہنچ سکتے ہیں جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے تاکہ پہچان کرا دے اللہ تعالیٰ اس کی جو ڈرتا ہے اس سے بن دیکھے، پس جو شخص حد سے بڑھے گا اس (تنبیہ) کے بعد تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اے ایمان والو! نہ مارو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہوئے ہو اور جو قتل کرے شکار کو تم میں سے جان بوجھ کر تو اس کی جزا یہ ہے کہ اسی قسم کا جانور دے جو اس نے قتل کیا ہے، فیصلہ کریں اس کا دو معتبر آدمی تم میں سے درآں حالیکہ یہ قربانی کعبہ میں پہنچنے والی ہو یا کفارہ ادا کرے، وہ یہ کہ چند مسکینوں کو کھانا دے یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ چکھے سزا اپنے کام کی، معاف فرما دیا اللہ تعالیٰ نے جو گزر چکا اور جو (اب) پھر گیا تو انتقام لے گا اللہ تعالیٰ اس سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہاں مقصود کمزور اور چھوٹا شکار ہے جس کی حالت احرام میں ممانعت کر کے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لے رہا ہے، اگر وہ چاہتے تو اس شکار کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتے، اللہ تعالیٰ نے اس کے قریب جانے سے بھی منع فرما دیا ہے: تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ کی تفسیر میں مجاہد کہتے ہیں کہ چھوٹے شکار اور ان کے بچے جن تک تمہارے ہاتھ پہنچ سکتے ہیں اور ''رِمَاحُكُمْ'' کے بارے میں کہتے ہیں کہ بڑے شکار جو تیر کے ذریعے کئے جاتے ہیں(2)۔

مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت عمرۂ حدیبیہ میں نازل ہوئی۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ جنگلی جانوروں، پرندوں اور شکاری جانوروں کے غول اور جھرمٹ ان کی قیام گاہوں کے پاس سے گزرتے، قبل ازیں اس مقدار میں نہ دیکھے گئے تھے۔ چنانچہ احرام کی حالت میں انہیں اللہ تعالیٰ نے شکار کرنے سے منع فرما دیا، اس کی غرض یہ تھی لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ۔ یعنی جو شکار ان کے ٹھکانوں تک آتا ہے جسے ہاتھوں اور نیزوں کے ساتھ شکار کرنے پر وہ قادر بھی ہیں ان کی ممانعت سے اللہ تعالیٰ انہیں آزمانا چاہتا ہے تاکہ سِرًّا اور جَهْرًا اطاعت گزار کی اطاعت اور فرمانبرداری ظاہر ہو جائے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ (الملک:12)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ جس نے اس اعلان اور تنبیہ کے بعد زیادتی کی تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی پاداش میں

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 446 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 39

اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ اس آیت کریمہ میں بحالت احرام شکار کرنے کی تحریم ہے۔ یہ حکم معنی کے لحاظ سے حلال جانوروں، ان کے بچوں اور غیر ماکول جانوروں کو شامل ہے۔ جہاں تک خشکی کے غیر ماکول حیوانات کا تعلق ہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محرم کے لئے ان کا قتل کرنا جائز ہے، لیکن جمہور علماء ایسے جانوروں کے شکار کو بھی حرام کہتے ہیں اور کسی کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے سوائے ان کے جن کا ذکر صحیحین کی ایک روایت میں آتا ہے جو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانچ نقصان دہ چیزوں کو احرام اور عدم احرام دونوں حالتوں میں قتل کیا جا سکتا ہے: کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کاٹنے والا کتا'' (1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان پانچ کو قتل کرنے سے محرم پر کوئی گناہ نہیں (2)۔ حضرت ایوب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ سانپ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا: سانپ کو مارنے میں کوئی شک نہیں اور نہ ہی اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے علماء نے کاٹنے والے کتے کے حکم میں بھیڑیئے، درندے، شیر اور چیتے کو بھی شامل کیا ہے کیونکہ ان کی اذیت کتے سے بھی زیادہ ہے، زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان بن عُیینہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تمام درندے کاٹنے والے کتے کے حکم میں داخل ہیں، وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب عتبہ بن ابی لہب کو بددعا دی تھی تو کہا تھا: ''یا اللہ! شام میں اپنا ایک کتا اس پر مسلط فرما دے''۔ چنانچہ زرقاء کے مقام پر ایک بھیڑیئے نے اسے پھاڑ کر کھالیا (3)۔ ان کے علاوہ اگر کسی اور جانور کو قتل کرے گا تو فدیہ ادا کرنا ہوگا جیسے بجو، لومڑی، کفتار وغیرہ۔ امام مالک رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا پانچ جانوروں کے بچوں اور درندوں کے بچوں کا بھی یہی حکم ہے، بحالت احرام قتل کرنے سے فدیہ لازم ہوجائے گا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہر غیر ماکول جانور کو قتل کرنا محرم کے لئے جائز ہے، چھوٹے بڑے میں کوئی فرق نہیں، انہوں نے غیر ماکول ہونا مشترک علت قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احرام والے کے لئے کاٹنے والے کتے اور بھیڑیئے کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ بھیڑیا بھی بری کتا ہے، ان کے علاوہ کسی کو قتل کیا تو فدیہ ادا کرنا ہوگا، ہاں اگر کوئی اور درندہ حملہ آور ہوجائے تو قتل کرسکتا ہے، اس صورت میں فدیہ لازم نہیں ہوگا۔

امام اوزاعی اور حسن بن صالح کا بھی یہی مسلک ہے، امام زفر کے نزدیک قتل کرنے کی وجہ سے فدیہ پڑ جائے گا اگرچہ وہ درندہ حملہ آور ہوا تھا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں کوے سے مراد وہ کوا ہے جس کے پیٹ اور پیٹھ پر سفیدی ہو نہ کہ سیاہی۔ اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں ان پانچ کا ذکر کیا گیا ہے جن میں ایک ایسی صفت کا حامل کوا ہے (4)۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ ہر عام کوا مراد ہے کیونکہ صحیحین کی روایت میں یہ الفاظ مطلق ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محرم کوے کو صرف اسی صورت میں قتل کرسکتا ہے جب وہ حملہ آور ہو اور اذیت کا باعث بنے، مجاہد اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ محرم کوے کو قتل نہ کرے بلکہ بھگا دے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ محرم کس جانور کو قتل کرسکتا ہے تو آپ

1۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 355، صحیح مسلم، کتاب الحج، صفحہ 857

2۔ فتح الباری، کتاب جزاء الصید، جلد 4، صفحہ 34، صحیح مسلم، کتاب الحج، صفحہ 858 وغیرہ

3۔ دلائل النبوۃ بیہقی، جلد 2، صفحہ 338

4۔ سنن نسائی، کتاب الحج، جلد 2، صفحہ 188

نے فرمایا: ''سانپ، بچھو، چوہا، کوے کو ڈرا دھمکا کر اڑا دے، قتل نہ کرے، کاٹنے والا کتا، گدھ، حملہ آور ہونے والا درندہ۔(1)۔

وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ طاؤس کہتے ہیں کہ اس حکم کا اطلاق اس شخص پر نہیں ہوگا جس نے غلطی سے کسی جانور کو قتل کیا ہو بلکہ اس کا اطلاق ایسے شخص پر ہوگا جس نے جان بوجھ کر قتل کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''مُتَعَمِّدًا'' (قصداً) سے مقصود یہ ہے کہ کوئی اپنی احرام کی حالت کو بھول کر قتل صید کا قصد کرے، اگر حالت احرام یاد رہنے کے باوجود قصداً قتل صید کا مرتکب ہوا تو اس کا گناہ کفارہ سے کہیں زیادہ بڑا ہے، یعنی اس کا تو احرام ہی باطل ہو جائے گا(2)۔ جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ ارادتاً اور بھولے سے قتل کرنے والا دونوں فدیہ کے واجب ہونے میں برابر ہیں۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قصداً قتل کرنے والے پر قرآن کریم کی دلیل موجود ہے اور بھول کر کرنے والے کا حکم حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآنی حکم سے معتمد پر جزاء کا وجوب اور اس کا گنہگار ہونا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ جس طرح عمداً قتل کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے، اسی طرح غلطی سے قتل کرنے کی صورت میں بھی کفارہ لازم ہوگا، یہ حکم حدیث شریف اور عمل صحابہ سے ثابت ہے کیونکہ شکار کو قتل کرنا اسے تلف کرنے کے مترادف ہے اور تلف کرنے سے تاوان لازم آتا ہے خواہ عمداً کیا ہو یا بھول کر۔ لیکن قصداً کرنے والا گنہگار ہے اور خطا سے کرنے والا گنہگار نہیں۔

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ بعض نے ''جَزَآءٌ'' کو مضاف کر کے پڑھا ہے اور بعض نے عطف کر کے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ''فَجَزَآءُ'' اضافت کے ساتھ پڑھا ہے(3)۔ دونوں قراءتوں کی صورت میں حضرات مالک، شافعی، احمد اور جمہور کے مسلک کی دلیل ہے جن کا کہنا ہے کہ محرم نے جس جانور کو قتل کیا ہے اگر اس کی مثل کوئی پالتو جانور ہو تو جزاء کے طور پر وہی دینا ہوگا ورنہ اس کی قیمت، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قیمت کی ادائیگی کو ہی لازم قرار دیا ہے اگرچہ اس کی مثل کوئی پالتو جانور موجود ہو یا نہ ہو۔ اسے اختیار ہے، چاہے تو اس کی قیمت صدقہ کر دے یا قربانی کا کوئی جانور خرید لے۔ بہر حال صحابہ کرام نے مثل دینے کا جو حکم لگایا ہے وہ ہمارے لئے زیادہ قابل اتباع ہے، انہوں نے حکم لگایا ہے کہ شتر مرغ کے شکار کے بدلہ میں اونٹ، جنگلی گائے کے بدلے میں پالتو گائے، ہرن کے بدلہ میں بکری دے۔ اگر شکار کئے گئے جانور کی مثل نہ ہو تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس بارے میں یہ حکم لگایا ہے کہ وہ اس کی قیمت مکہ شریف روانہ کر دے۔

يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ یعنی دو عادل مسلمان مثلی شکار میں مثلی جانور اور غیر مثلی کی قیمت کے کفارے کا فیصلہ کریں گے۔ اب علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ شکاری بذات خود دو میں سے ایک حکم بن سکتا ہے۔ اس میں دو اقوال ہیں:

(1) نہیں بن سکتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے بارے میں ہی فیصلہ کرنے کے باعث متہم ہونے کا اندیشہ ہے۔ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

(2) وہ خود حکم بن سکتا ہے، اس لئے کہ آیت میں عمومی حکم پایا جاتا ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی قید نہیں، یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، جلد 3، صفحہ 170، عارضۃ الاحوذی، ابواب الحج، جلد 4، صفحہ 63-65 وغیرہ

2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 41

3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 43

پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہی صورت میں فیصلہ کرنے والا، فیصلے کے نفاذ کا محل نہیں بن سکتا۔ ایک اعرابی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے بحالت احرام شکار کو قتل کیا ہے، آپ کی رائے میں مجھ پر کونسی سزا لازم ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اعرابی نے کہا: آپ خلیفہ رسول علیہ ہیں، میں تو آپ سے مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آیا ہوں، آپ دوسروں سے پوچھ رہے ہیں! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! بھلا اس میں اعتراض والی کونسی بات ہے، اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ دو عادل مسلمان مل کر فیصلہ دیں۔ میں نے تو اپنے ساتھی سے مشورہ کیا ہے، جس فیصلہ پر ہمارا اتفاق ہو گیا وہ ہم تمہیں سنا دیں گے۔ اعرابی چونکہ جاہل تھا، عادلین کے مسئلہ سے آگاہ نہیں تھا، اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے نرمی اور متانت سے سمجھانا ضروری سمجھا کیونکہ جہالت کا علاج تعلیم ہے، لیکن اگر معترض صاحب علم ہو تو اس بارے میں ابن جریر حضرت قبیصہ بن جابر سے ایک روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ حج کے ارادہ سے نکلے، جب ہم فجر کی نماز ادا کرتے تو ہم اپنی سواریوں کے آگے آگے پیدل چلتے اور باتیں کرتے رہتے، ایک دن ایک ہرن دکھائی دیا، ہمارے ایک ساتھی نے اسے پتھر دے مارا، پتھر نشانہ پر لگا اور وہ ہرن مر گیا۔ وہ شخص اسے مردہ چھوڑ کر ہی چل دیا، ہمیں اس کا یہ فعل بہت برا لگا، جب ہم مکہ شریف پہنچے تو میں اس شخص کو لے کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا قصہ کہہ سنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بڑے ہی خوبرو، چاندی کی طرح سفید رنگ کے شخص بیٹھے ہوئے تھے یعنی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کچھ دیر گفتگو کی، پھر اس آدمی کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا: ''کیا تم نے عمداً قتل کیا تھا یا خطاءً'' اس نے جواب دیا کہ میں نے پتھر تو قصداً پھینکا تھا لیکن قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ارادۃً اور خطاءً دونوں کے بین بین تو نے اس فعل کا ارتکاب کیا ہے، اس لئے ایک بکری لے کر ذبح کرو، اس کا گوشت صدقہ کر دو اور چمڑا اپنے کام میں لاؤ۔ پھر ہم آپ رضی اللہ عنہ کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ شرعی حدود کی تعظیم کرو، تم نے امیر المؤمنین سے جو مسئلہ دریافت کیا تھا، انہیں اس بارے میں علم نہ تھا، اسی وجہ اسے انہوں نے اپنے ساتھی سے پوچھ کر بتایا، تم اپنی اونٹنی ذبح کرو، ممکن ہے اس سے تمہارے جرم کی تلافی ہو جائے، قبیصہ کہتے ہیں کہ عادلین کے فیصلہ والی آیت میرے ذہن میں ہی نہیں تھی۔ میری بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ درہ لئے ہوئے اچانک ہمارے پاس آ پہنچے، میرے ساتھی کو ایک کوڑا لگایا اور کہنے لگے کہ تم حالت احرام میں قتل کرتے ہو اور بیوقوف کو حکم بناتے ہو، پھر آپ رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ ہوئے، میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! اگر آپ نے مجھے مارا تو یہ زیادتی ہو گی جسے میں معاف نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اے قبیصہ بن جابر! تم نوجوان، کشادہ دل اور قادر الکلام ہو، اگر کسی نوجوان میں نو اچھی عادات ہوں اور ایک بری ہو، تو وہ ایک بری عادت تمام اخلاق حسنہ پر پانی پھیر دیتی ہے، نوجوانی کی لغزشوں سے بچ کر رہو (1)۔

ابو جریر بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حالت احرام میں میں ہرن کا شکار کر بیٹھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے دو ساتھی لے کر آؤ تا کہ وہ تمہارے بارے میں فیصلہ کریں، میں عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ کو لے آیا انہوں نے ایک فربہ بکرے کے فدیہ کا فیصلہ صادر کیا (2)۔ اربد نے بحالت احرام ایک ہرن کو روند کر قتل کر ڈالا، فیصلے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا کہ فیصلہ کرنے کے لئے میرے ساتھ دوسرا حکم تو خود بن جا، تو دونوں نے ایک

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 48-49
2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 49

میمنہ بطور فدیہ لازم قرار دیا جو گھر کا پانی اور چارہ کھا کر خوب موٹا ہو گیا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ پڑھی۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ قاتل کو دو میں سے ایک حکم بنایا جا سکتا ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

اب اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آئندہ اگر کسی محرم سے یہ جرم سرزد ہو جائے اور صحابہ کرام کا فیصلہ موجود ہو تو کیا پھر بھی نئے سرے سے دو عادلوں سے فیصلہ کروانا ضروری ہے یا ان کے فیصلوں پر ہی اکتفا کرتے ہوئے ان کی روشنی میں فتویٰ دیا جا سکتا ہے؟ اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کا فیصلہ شرعی فیصلہ ہے، جو فیصلے انہوں نے دے دیئے ہیں ان کی پیروی کی جائے اور ان سے روگردانی نہ کی جائے، اور اگر کسی صورت میں صحابہ کا فیصلہ موجود نہ ہو تو اپنے زمانے کے عادلین کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف ہے کہ صحابہ کرام کا فیصلہ موجود ہو یا نہ ہو ہر صورت میں ہر ہر فرد پر الگ الگ حکم نافذ ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ، ''مِّنْكُمْ'' میں ضمیر کے مخاطبین ہر زمانے کے مسلمان ہیں۔

هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ قربانی کے کعبہ تک پہنچنے کا مقصد یہ ہے کہ وہاں ذبح کی جائے اور حرم کے مساکین پر ہی اس کا گوشت تقسیم کیا جائے۔ اس میں سب کا اتفاق ہے۔

اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا یعنی محرم اگر مقتول شکار کی مثل نہ پائے یا صید مقتول کی مثل موجود ہی نہ ہو تو پھر جزاء، اطعام اور صیام میں اختیار ہے جیسا کہ امام مالک، ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد رحمہم اللہ کا موقف ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مشہور ہے اس لئے کہ ''اَوْ'' کا لفظ اختیار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ''اَوْ'' تخییر کے لئے نہیں بلکہ ترتیب کے لئے مستعمل ہے، اس کی صورت یہ ہو گی کہ امام مالک، ابوحنیفہ، حماد اور ابراہیم رحمہم اللہ کے نزدیک اس کی قیمت ادا کرنا ہو گی جبکہ امام شافعی کہتے ہیں کہ قیمت اس قدر ہونی چاہئے کہ اگر اس جانور کی مثل موجود ہوتی تو یہ قیمت اس کا بدل بن جائے۔ پھر اس قیمت سے غلہ خریدے اور ہر مسکین کو ایک مد (56 تولہ) صدقہ کر دے۔ یہ امام شافعی، مالک اور فقہائے حجاز کا موقف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر مسکین کو دو مد اناج دیا جائے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر گندم ہو تو ایک مد، بصورت دیگر دو مد، اگر یہ میسر نہ ہو تو روزے رکھے، ہر مسکین کو کھلانے کے بدلہ میں ایک روزہ رکھے۔ ابن جریر وغیرہ کہتے ہیں کہ ہر صاع کے بدلہ میں روزہ ہے (1)۔ جیسا کہ حلق وغیرہ کروانے والے کی جزاء ہے۔ نبی کریم ﷺ نے کعب بن عجرہ کو حکم دیا تھا کہ وہ ایک فرق چھ مساکین میں تقسیم کرے یا تین روزے رکھے۔ فرق تین صاع کا ہوتا ہے (2)۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ کھانا کہاں کھلایا جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرم میں۔ امام مالک رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ اسی جگہ کھلایا جائے جہاں شکار کو قتل کیا تھا یا اس کے قریب کسی جگہ میں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہاں چاہے کھلائے خواہ حرم میں یا غیر حرم میں۔

مسئلہ مذکورہ کے متعلق اقوال سلف کا بیان

جزاء والی آیت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ محرم جب شکار قتل کر ڈالے تو اس کی مثل جانور اس کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 53 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 196

جزاء ہوگی، اگر اس جیسا جانور نہ مل سکے تو اس کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے گا، پھر اس کی قیمت سے کھانا خریدا جائے گا، پھر ہر نصف صاع کے بدلہ میں ایک روزہ رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا میں کھانے اور روزوں کو کفارہ قرار دیا ہے، طعام پایا جائے تو اسی سے کفارہ کی ادائیگی کی جائے گی(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر کسی محرم نے شکار کو قتل کیا تو اس جیسا جانور اس پر لازم آئے گا۔ اگر اس نے ہرن وغیرہ کا شکار کیا تو اس پر ایک بکری واجب ہوگی جسے مکہ شریف میں ذبح کیا جائے گا، اگر یہ نہ پاسکے تو چھ مساکین کو کھانا کھلائے، یہ بھی نہ ہوسکے تو تین روزے رکھے۔ اگر اس نے بارہ سنگھا وغیرہ قتل کیا تو اس پر ایک گائے واجب ہوگی، نہ ملنے کی صورت میں بیس مساکین کو کھانا کھلائے۔ اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو بیس روزے رکھے۔ اگر اس نے شتر مرغ یا جنگلی گدھے وغیرہ کو قتل کیا تو اس کے بدلہ میں ایک اونٹ لازم آئے گا۔ اگر یہ میسر نہ ہوسکے تو تیس مساکین کو کھانا کھلائے، اگر اس کی توفیق نہ ہو تو تیس روزے رکھے۔ ابن جریر نے یہ اضافہ کیا ہے کہ کھانا ایک ایک مد ہو جس سے وہ خوب سیر ہو جائیں(1)۔

عطاء رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ کھانا کھلانا تو اس صورت میں ہوگا کہ جب وہ قربانی کا جانور کعبہ تک نہ پہنچا سکے۔ سدی کہتے ہیں کہ اس اختیار میں ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اختیار ہے جو چاہے ادا کردے(1)۔

لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ یعنی ہم نے اس پر کفارہ اس لئے واجب کیا ہے تاکہ وہ ہمارے حکم کی نافرمانی کے باعث اپنے کئے کی سزا کا ذائقہ چکھ لے۔

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ اس شخص کے لئے معافی ہے جس سے زمانہ جاہلیت میں اس فعل کا ارتکاب ہوا، لیکن اسلام لانے کے بعد اس نے اچھے کام کئے، شریعت کی اتباع کی اور معصیت کا مرتکب نہ ہوا۔

وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ مسلمان ہونے کے بعد اس کی حرمت کا حکم پہنچ جانے کے باوجود جس نے پھر ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا۔

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے اس آیت عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ کا مطلب پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ جاہلیت میں جو کچھ ہوگیا وہ معاف ہے اور فرمان الٰہی: وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ کے بارے میں وضاحت کی کہ حالت اسلام میں اگر دوبارہ اس کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا اور اس کے ساتھ ساتھ اس پر کفارہ بھی لازم ہے۔ میں نے پھر پوچھا کہ بار بار ایسا کرنے سے کوئی حد لازم آئے گی تو انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ میرے اس سوال پر کہ کیا امام وقت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اسے سزا دے تو انہوں نے جواب دیا: نہیں، یہ ایسا گناہ ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان ہے، البتہ فدیہ ضرور ادا کرے گا(2)۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کفارہ کے ذریعے انتقام لیتا ہے۔

جمہور متقدمین اور متاخرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ محرم جب شکار کو قتل کرے تو اس پر جزاء واجب ہوگی، پہلی، دوسری اور تیسری دفعہ اس غلطی کے ارتکاب میں کوئی فرق نہیں، اگرچہ متعدد مرتبہ ہو۔ فعل خطا اور فعل عمد دونوں حکم میں ایک جیسے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 51 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 58

اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر کسی نے بحالت احرام خطاءً کسی شکار کو قتل کیا تو ہر قتل کے وقت اس پر اس سزا کا نفاذ ہوگا، اگر جان بوجھ کر ایسا کیا تو ایک دفعہ اس پر یہ حکم لاگو ہوگا، لیکن دوبارہ ایسا کرنے کی صورت میں اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے انتقام لے گا جیسا کہ خود اس نے ارشاد فرمایا ہے(1)۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک محرم نے شکار کیا، اس پر فدیہ کا حکم صادر کر دیا گیا، وہ دوبارہ اس فعل کا مرتکب ہوا تو آسمان سے آگ اتری جس نے اسے جلا کر خاکستر کر دیا۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا انتقام جو اس آیت میں مذکور ہے وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ کے بارے میں ابن جریر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اقتدار میں غالب ہے، کوئی اسے مغلوب نہیں کر سکتا، وہ کسی سے انتقام لینا چاہے تو کوئی بھی اسے منع نہیں کر سکتا، وہ اگر کسی کو سزا دینا چاہے تو کوئی بھی نہیں روک سکتا، کیونکہ تمام مخلوق اس کی ملکیت ہے، حکم صرف اسی کا نافذ ہے، غلبہ اور قوت صرف اسے ہی حاصل ہے، وہ نافرمانوں کو نافرمانی کی ضرور سزا دیتا ہے۔

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَاۗىِٕدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾

"حلال کیا گیا ہے تمہارے لئے دریائی شکار اور اس کا کھانا فائدہ اٹھاؤ تم اور دوسرے قافلے اور حرام کیا گیا ہے تم پر خشکی کا شکار جب تک تم احرام باندھے ہوئے ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔ بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو عزت والا گھر ہے بقا کا باعث لوگوں کے لئے نیز حرمت والے مہینوں کو اور حرم کی قربانی اور گلے میں پٹے پڑے ہوئے جانوروں کو تا کہ تم خوب جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا (بھی) ہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم (بھی) ہے۔ نہیں (ہمارے) رسول پر کوئی ذمہ داری سوائے پیغام پہنچانے کے اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو چھپا رہے ہو"۔

حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن میبّب رحمۃ اللہ علیہ اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ سمندری شکار سمندر (اور دریا) سے حاصل شدہ تازہ شکار ہے اور "طَعَامُ" سے مراد وہ مچھلی جسے خشک کر کے سفر کے لئے توشہ بنا لیا جاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری مشہور روایت میں ہے کہ "صید البحر" سے مراد وہ شکار ہے جو سمندر سے زندہ حاصل کیا جائے اور طعام سے مراد وہ شکار ہے جسے سمندر ساحل پر پھینک دے۔ بہت سے صحابہ کرام اور تابعین سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "طعام بحر" سے مراد ہر وہ چیز ہے جو سمندر میں ہے اور اس کا پھینکا ہوا طعام ہے جس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی "طعام" کی یہی وضاحت منقول ہے کہ جس کو سمندر باہر پھینک دے۔ سعید بن میبّب

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 65
2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 65

رحمتہ اللہ علیہ ''طعام'' کی وضاحت کرتے ہیں کہ جسے سمندر نے تو باہر زندہ پھینکا ہو لیکن وہ باہر آ کر مر جائے۔حضرت عبدالرحمن بن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ سمندر بہت سی مردہ مچھلیوں کو باہر پھینک دیتا ہے، کیا ہم انہیں کھا سکتے ہیں۔آپ نے فرمایا: نہیں۔جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھر تشریف لائے تو قرآن کھول کر آیت کریمہ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ دیکھی تو کہا: جاؤ اور کہہ دو کہ کھالیا کرو کیونکہ سمندر کی ہر چیز طعام ہے(1)۔ابن جریر کا بھی یہی کہنا ہے کہ طعام سے مراد سمندر کی مردہ مچھلیاں ہیں۔حدیث شریف میں بھی یہی آتا ہے کہ طعام سے مراد وہ مچھلیاں ہیں جنہیں سمندر مردہ حالت میں خشکی پر پھینک دے(2)۔

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ اے مخاطبین! یہ تمہاری منفعت اور خوراک کا سامان ہے، ''سیارہ''، ''سیار'' کی جمع ہے، عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ ساحل سمندر کے قریب رہنے والوں اور دوسرے مسافرین کے لئے توشہ ہے، جو لوگ سمندری مقامات پر رہائش پذیر ہوں وہ تو تازہ شکار کر لیتے ہیں، اور مردہ مچھلی ان کا طعام ہے، یا شکار کر کے اسے خشک کر لیتے ہیں اور یہ مسافروں اور ساحل سے دور رہنے والوں کے لئے زادراہ کا کام دیتا ہے(3)۔اس قسم کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سدی سے بھی منقول ہے۔

جمہور علماء نے مردہ مچھلی کے حلال ہونے پر اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے اور اس روایت سے بھی جو امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کی قیادت میں تین سو افراد پر مشتمل ایک لشکر ساحل کی طرف روانہ کیا، میں بھی ان میں شامل تھا، ابھی ہم رستے میں ہی تھے کہ زادراہ ختم ہو گیا۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب اپنا اپنا زادراہ لا کر جمع کر دیں، میرے پاس کھجوریں تھیں۔وہ ہمیں اس جمع شدہ ذخیرہ میں سے تھوڑا تھوڑا دیتے یہاں تک کہ یہ ذخیرہ بھی ختم ہو گیا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہمیں صرف ایک ایک کھجور ملنے لگی، حالت نازک ہو گئی، آخرکار ہم سمندر تک پہنچ گئے، ساحل سمندر پر اچانک ہمیں ٹیلے کی مانند ضخیم مچھلی مل گئی جسے اٹھارہ دن تک وہ لشکر کھاتا رہا۔پھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی دو پسلیوں کو نصب کرنے کا حکم دیا اور ایک اونٹنی سوار کو اس کے نیچے سے گزرنے کے لئے کہا، وہ نیچے سے گزر گیا اور بالائی حصہ کو چھو بھی نہ سکا(4)۔

اسی طرح کی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اچانک ساحل سمندر پر ہمیں ایک ٹیلہ سا دکھائی دیا وہاں پہنچے تو ایک مرا ہوا جانور پایا جسے عنبر کہتے ہیں، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو مردہ ہے، پھر فرمایا: ہم تو رسول اللہ ﷺ کے قاصد ہیں، اضطراری حالت میں گرفتار ہیں اس لئے کھاؤ، ہم تین سو افراد تھے، ایک مہینہ وہاں ٹھہرے رہے، اس قدر گوشت کھایا کہ خوب فربہ ہو گئے۔ہم اس کی آنکھوں کے اندر سے مٹکے بھر بھر کر روغن نکالتے، اور گوشت کے جو ٹکڑے کاٹتے تھے وہ بیل جیسے بڑے بڑے ہوتے تھے۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تیرہ آدمیوں کو اس کی آنکھوں کے گڑھے میں بٹھایا تھا، ایک پسلی کو لے کر وہاں نصب کروا دیا تو ہمارے پاس سب سے بڑا اونٹ اس میں سے بآسانی گزر گیا، یعنی بہت بڑی مچھلی تھی، جو گوشت بچ گیا اسے خشک کر کے ساتھ لے لیا پھر ہم مدینہ شریف پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ایسا رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں فراہم کیا تھا، اگر اس کا گوشت تمہارے پاس ہے تو لاؤ، ہمیں بھی کھلاؤ''، ہم نے اس میں سے کچھ گوشت پیش خدمت کیا تو آپ ﷺ نے تناول فرمایا(5)۔صحیح

1۔تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 66 2۔تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 68-69 3۔تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 65

4۔فتح الباری، کتاب الشرکۃ، جلد 5، صفحہ 128، صحیح مسلم، کتاب العید، صفحہ 1537، موطا امام مالک، کتاب صفۃ النبی ﷺ، صفحہ 930-931

5۔صحیح مسلم، کتاب الصید، جلد 1535-1536

مسلم کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام کا یہ لشکر نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا جب انہیں یہ مچھلی ملی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دوسرا واقعہ ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے، پہلے وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت انہیں روانہ کیا، اسی لشکر نے اس مچھلی کو پایا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ پانی کی محدود مقدار ہی رکھ سکتے ہیں، اگر اس کے ساتھ وضو کر لیں تو پیاسے رہ جانے کا اندیشہ ہے تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کی مردہ مچھلی حلال ہے'' (1)۔ صحابہ کی ایک جماعت سے بھی یہ مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ہم حج یا عمرہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، اثناء سفر ٹڈیوں سے ہمارا سامنا ہو گیا، ہم نے اپنی لاٹھیوں اور کوڑوں کے ساتھ انہیں مارنا شروع کر دیا۔ وہ مر کر ہمارے پاس گر پڑتیں، ہم نے آپس میں کہا کہ ہم انہیں کیا کریں، ہم تو حالت احرام میں ہیں، چنانچہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سمندری شکار میں کوئی حرج نہیں'' (2)۔ حضرات جابر اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب ٹڈیوں پر بددعا کی تھی تو کہا تھا: ''اے اللہ! چھوٹی بڑی سب ٹڈیوں کو ہلاک کر دے، ان کے انڈوں کو تلف کر دے، ان کی نسل کو ختم کر دے تاکہ یہ ہماری فصلوں، باغات اور رزق کو پامال نہ کریں تو مجیب الدعوات ہے''۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ بھی تو خدائی فوج ہے، آپ کیونکر اس کو قطع نسل کی بددعا دے رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ٹڈیاں بھی سمندری مچھلیوں کی نسل سے ہی ہوتی ہیں'' (3)۔ زیاد کہتے ہیں کہ مجھے ایک شخص نے خود یہ بات بتائی ہے جس نے اپنی آنکھوں سے ٹڈی کو مچھلی سے پیدا ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حرم شریف میں ٹڈی کا شکار کرنے والے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے۔ وہ فقہاء جو سمندر کے تمام جانوروں کا کھانا جائز قرار دیتے ہیں اور کسی کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے انہوں نے اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔ بعض نے مینڈک کے علاوہ ہر چیز کو مباح قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عمر و رضی اللہ عنہما اور ابی عبد الرحمن بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ سے الگ الگ روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مینڈک کو مارنے سے منع فرمایا ہے اور بتایا کہ اس کی ٹرٹراہٹ اللہ کی تسبیح ہے (4)۔ دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ مچھلی کھالی جائے لیکن مینڈک نہ کھائے جائیں۔ ان دو کے علاوہ باقی میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ باقی جانور نہ کھائے جائیں، بعض کہتے ہیں کہ خشکی کے ماکول جانوروں کے مشابہ بحری جانور کھائے جا سکتے ہیں اور خشکی کے جو جانور نہیں کھائے جاتے ان کے مشابہ سمندر کے جانور بھی نہیں کھائے جائیں گے، مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں یہ سب وجوہات ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس طرح خشکی کا مرا ہوا جانور نہیں کھایا جاتا اسی طرح سمندر میں مری ہوئی مچھلی بھی نہیں کھائی جائے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت کریمہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (المائدہ:3) کا حکم عام ہے، اس مفہوم کی ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو تم زندہ شکار کرو، پھر وہ مر جائے تو اسے کھاؤ اور جس مچھلی کو سمندر مردہ حالت میں

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 21، سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 50 وغیرہ

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الحج، جلد 4، صفحہ 82-83، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 306 وغیرہ

3۔ سنن ابن ماجہ کتاب الصید، صفحہ 1073-1074

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاداب، جلد 4، صفحہ 368، سنن نسائی، کتاب الصید، جلد 7، صفحہ 210، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 453-499

باہر پھینک دے تو اسے مت کھاؤ'' (1)۔ جمہور اصحاب مالک، شافعی، احمد نے حدیث عنبر اور اس حدیث '' کہ سمندر کا پانی پاک اور اس کا مردہ حلال'' سے استدلال کیا ہے، اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' ہمارے لئے دو مردہ جانور اور دو خون حلال ہیں، دو مردہ جانور تو مچھلی اور ٹڈی ہیں، اور دو خون کلیجی اور تلی ہیں'' (2)۔

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا یعنی حالت احرام میں شکار کرنا تم پر حرام ہے۔ اس آیت میں خشکی کے شکار کی حرمت پر دلالت ہے، اگر محرم نے جان بوجھ کر شکار کیا تو نہ صرف گنہگار ہوگا بلکہ تاوان بھی ادا کرنا ہوگا، اگر غلطی سے شکار کیا تو تاوان لازم آئے گا اور اس کا کھانا اس پر حرام ہے، کیونکہ اس کے حق میں بمنزلہ مردار ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک قول میں یہاں تک کہتے ہیں کہ دوسرے احرام والوں اور غیر احرام والوں کے لئے بھی اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر شکاری نے اس میں سے کھالیا تو کیا دوبارہ فدیہ لازم ہوگا؟ اس بارے میں دو قول ہیں:۔

(1) ہاں، دگنا تاوان لازم ہوگا، عطاء سے منقول ہے کہ اگر محرم شکاری اس کو ذبح کرلے پھر کھالے تو دو کفارے لازم ہوں گے۔

(2) اس کے کھانے کی وجہ سے کوئی فدیہ نہیں ہوگا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے، اس کی توجیہ ابو عمر نے یوں کی ہے کہ حد جاری ہونے سے پہلے اگر زانی بار بار وطی کرلے تو اس پر ایک ہی حد واجب ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شکار اس نے کھایا تھا صرف اس کی قیمت ادا کرنا ضروری ہوگا، ابوثور کہتے ہیں کہ اگر محرم نے شکار کو قتل کردیا تو صرف اسی کا کفارہ لازم آئے گا، اس میں سے کھانا اس کے لئے حلال ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کے لئے کھانا مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' حالت احرام میں خشکی کا شکار تمہارے لئے حلال ہے بشرطیکہ وہ شکار نہ تم نے خود کیا ہو اور نہ ہی وہ تمہارے لئے کیا گیا ہو'' (3)۔ اس حدیث کا بیان آگے آئے گا، یہ کہنا کہ شکاری کے لئے اس کا کھانا مباح ہے، یہ عجیب بات ہے، غیر شکاری کے لئے محرم کے شکار کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ یہ ممنوع ہے، دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ غیر شکاری کے لئے اس کا کھانا مباح ہے خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم۔

اگر غیر محرم نے شکار کر کے محرم کو ہدیہ بھیج دیا تو بعض حضرات مطلق جواز کے قائل ہیں، اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس کے لئے شکار کیا گیا ہے یا نہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ غیر محرم کے کئے گئے شکار کا گوشت محرم کھا سکتا ہے؟ انہوں نے فتویٰ دیا کہ کھا سکتا ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو سارا ماجرا کہہ سنایا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' اگر تم اس کے برعکس فتویٰ دیتے تو میں تمہارے سر پر ضرب لگاتا'' (4)۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانا قطعاً ناجائز ہے کیونکہ آیت کا حکم عام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ محرم کے لئے شکار کا کھانا مکروہ ہے کیونکہ آیت کریمہ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا میں ابہام ہے۔ حضرات ابن عمر اور علی رضی اللہ عنہما سے بھی اس کی کراہت منقول ہے (5)۔ امام مالک، شافعی، احمد اور جمہور کہتے ہیں کہ غیر محرم نے اگر محرم کی خاطر شکار کیا تو محرم کے لئے اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اس کی تائید حدیث صعب بن جثامہ سے ہوتی

1۔ رواہ ابن مردویہ
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، صفحہ 1102، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 17
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، جلد 2، صفحہ 171، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 362
4۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 82
5۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 71

ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جنگلی گدھے کا ہدیہ بھیجا۔ آپ ﷺ نے واپس لوٹا دیا، جب آپ ﷺ نے صعب کے چہرے پر ناگواری کے اثرات محسوس کئے تو فرمایا: ''ہم تو صرف محرم ہونے کی وجہ سے تمہیں لوٹا رہے ہیں''(1)۔ اس کی توجیہہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ گمان کیا تھا کہ شکار صرف آپ ﷺ کی خاطر کیا گیا ہے، اس وجہ سے واپس کر دیا۔ اگر محرم کی نیت سے شکار نہ کیا گیا ہو تو اس کے لئے اس کا کھانا جائز ہے جیسا کہ حدیث ابی قتادہ میں ہے کہ انہوں نے ایک جنگلی گدھے کا شکار کیا، وہ حالت احرام میں نہ تھے البتہ ان کے ساتھی احرام باندھے ہوئے تھے، اس لئے انہوں نے کھانے میں توقف کیا، پھر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کسی نے شکار کا پتہ بتایا تھا یا شکار کرنے میں مدد دی تھی؟'' عرض کی: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر کھاؤ۔'' آپ ﷺ نے خود بھی اس سے تناول فرمایا(2)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حالت احرام میں خشکی کا شکار تمہارے لئے حلال ہے بشرطیکہ نہ تم نے بذات خود کیا ہو اور نہ تمہاری خاطر کیا گیا ہو''(3)۔ عامر بن ربیعہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مقام عرج پر بحالت احرام دیکھا، گرمی کا موسم تھا، ایک ارغوانی چادر کے ساتھ آپ نے اپنا چہرہ ڈھانپا ہوا تھا، آپ کے پاس شکار کا گوشت لایا گیا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کھاؤ، انہوں نے کہا: کیا آپ نہیں کھائیں گے، فرمایا: میرا معاملہ اور ہے، یہ شکار میری خاطر کیا گیا ہے، اس لئے میں نہیں کھاؤں گا(4)۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ قیاما للناس سے مراد یہ ہے کہ جو بھی اس کی طرف سفر کرتا ہے وہ امن میں ہو جاتا ہے۔ انہیں سے یہ بھی روایت ہے کہ اسے لوگوں کے دین کے لئے سہارا اور انکے حج کے لئے نشانیاں بنایا۔

سعدی نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان چار چیزوں کو لوگوں کے لئے سہارا بنایا۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے معاملات کا نگہبان ہے۔

ابن جریر نے کہا ان اقوال کے الفاظ میں اگرچہ اختلاف ہے۔ تاہم ان کے معانی اسی مفہوم کی طرف لوٹتے ہیں جو ہم نے بیان کیا ہے کہ کسی شے کا قوام ایسی چیز ہوتی ہے جو اسکی درستگی اور اصلاح کا باعث ہو۔ جس طرح بادشاہ یا ملک کا سربراہ اپنی رعیت اور ملک میں بسنے والے لوگوں کے امور کو درست کرنے والا ہوتا ہے کیونکہ وہی ان کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے، مظلوم کو ظالم کے ظلم سے بچاتا ہے اور جو لوگ رعیت پر سرکشی کرتے ہیں اور حدود سے تجاوز کرتے ہیں انکی زیادتیوں سے بادشاہ رعیت کا دفاع کرتا ہے۔ اسی طرح کعبہ مکرمہ، محترم مہینے، ھدی اور قلائد سے عربوں کے معاملات کی اصلاح کا باعث تھے۔ گویا دور جاہلیت میں یہی چیزیں انکی زندگی اور امور کی نگہبان تھیں۔ جبکہ اسلام میں یہ مسلمانوں کے لئے انکے اور مناسک حج کی نشانیاں، انکی نمازوں میں منہ کرنے کی جہت اور ان کا قبلہ ہے جس کی طرف منہ کرنے سے ان کا فرض مکمل ہوتا ہے۔

پھر ابن جریر نے کہا جو کچھ ہم نے کہا ہے علماء تفسیر کے بھی ایسے ہی اقوال ہیں۔ بشر بن معاذ نے جامع بن حماد کے واسطہ سے بیان کیا تو یزید بن زریع نے سعید کے واسطہ سے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چاروں چیزوں کو دور جاہلیت میں بھی روکنے والا بنایا اگر ایک آدمی کتنا بھی جرم کر لیتا پھر وہ حدود حرم میں پناہ لے لیتا تو اسے نہ پکڑا جاتا اگر ایک آدمی حرمت والے مہینوں میں اپنے باپ کے قاتل

1۔ فتح الباری، کتاب الھبۃ، جلد 5، صفحہ 202، صحیح مسلم کتاب الحج، صفحہ 850

2۔ فتح الباری، کتاب جزاء الصید، جلد 4، صفحہ 22، 28-29، صحیح مسلم، کتاب الحج، صفحہ 854-853

3۔ اس کی تخریج قریب ہی گزری ہے

4۔ موطا امام مالک، کتاب الحج، صفحہ 354

کو ملتا تو اس سے کوئی تعرض نہ کرتا جب کوئی بیت اللہ شریف کی زیارت کا قصد کر لیتا وہ بالوں کا قلادہ اپنے گلے کی زینت بنا لیتا تو یہ قلادہ اسے لوگوں سے محفوظ کر دیتا اگر کوئی بھاگ جاتا اس کے گلے میں ازخر (گھاس) یا ببول درخت کا چھلکا بطور قلادہ موجود ہوتا تو قلادہ اسے لوگوں سے محفوظ کر دیتا پھر وہ جانور اپنے گھر پہنچ جاتا اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو دور جاہلیت میں لوگوں کے لئے بقاء کا ذریعہ بنایا۔ اس کے مثل حضرت ابن زید اور ابن عباس سے مروی ہے۔ سورت کے آغاز میں شہر حرام، اور قلائد کا ذکر ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

ابن جریر نے کہا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے لوگو جان لو زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ تمہارے مخفی اور ظاہر اعمال میں سے کوئی بھی چیز اس پر مخفی نہیں وہ تمہارے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے تاکہ تمہیں بدلہ عطا کرے جو اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے اور سرکشی کا مظاہرہ کرے اللہ تعالیٰ اسے سخت سزا دینے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرے اور اسکی طرف توبہ کرے ان کے گناہوں کو بخشنے والا ہے، ان کے عیوب پر پردہ پوشی فرمانے والا ہے اور لوگوں کے سامنے انہیں ذلیل و رسوا نہیں کرتا۔ اس سے پہلے جو گناہ ہو چکے ہیں اسکی توبہ کے بعد سزا دینے میں ان پر رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کا ذکر بندوں کو اسکی طرف سے دھمکی اور وعید ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے لوگو جس رسول کو ہم نے تمہاری طرف بھیجا کہ تمہیں آنے والے عذاب سے ڈرائے اور اس شان سے بھیجا جس میں تمہارے دلائل ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کے ذمہ صرف ہمارا پیغام حق پہنچانا ہے اطاعت پر تمہیں ثواب دینا اور نافرمانی پر عقاب دینا ہمارے ذمۂ کرم پر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم میں سے جو مطیع ہیں، ہمارے پیغام کو قبول کرنے والے ہیں جن چیزوں کا حکم دیا اس پر عمل کرنے والے ہیں انہیں جانتا ہے اور جو نافرمان ہیں ہمارے پیغام کا انکار کرنے والے ہیں، ہمارے احکام کے تارک ہیں انہیں بھی خوب جانتے ہیں۔ تم میں سے جس نے جو عمل کیا اپنے اعضاء سے اسے ظاہر کیا اور اس کی زبان نے اس نقطہ کو ادا کیا اسے جانتے ہیں۔ جس ذات کی یہ شان ہو اس پر تمہارے سینوں کے پوشیدہ راز، نفوس کے ظاہر اعمال اور آسمان و زمین کی کوئی چیز بھی مخفی نہیں اسی کے قبضہ قدرت میں ثواب اور سزا ہے۔ پس اس شان کا حامل ہے کہ اس کے عذاب سے ڈرا جائے اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔

ابن جریرؒ نے کہا ہے علماء نے اس شکار کی صفت کے بارے میں اختلاف کیا ہے جو اس آیت میں حرام قرار دیا گیا۔ بعض علماء نے کہا خشکی کے شکار سے مراد ہے وہ شکار ہے جو خشکی اور سمندر میں زندگی بسر کرتا ہو جبکہ سمندر کے شکار سے مراد وہ شکار ہے جو صرف پانی میں رہتا ہو خشکی پر نہ رہتا ہو وہ پانی میں ہی پناہ ڈھونڈتا ہو۔

عمران بن جریر نے ابو مجلد سے اس آیت وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا کی تفسیر میں نقل کیا ہے جو شکار (جانور) خشکی اور سمندر میں زندگی بسر کرتا ہو اسے شکار نہ کرے اور جو صرف پانی میں زندگی بسر کرتا ہو اس کا شکار جائز ہے۔

عطار سے مروی ہے جو شکار خشکی میں زندگی بسر کرتا ہو اسے محرم پکڑ لے تو اس محرم پر اس کی جزا ہوگی جیسے کچھوا، کیکڑا اور مینڈک بعض علماء نے کہا خشکی کے شکار سے مراد وہ شکار ہے جو سمندر کی نسبت خشکی میں زیادہ عرصہ رہتا ہو۔

ابن جریج نے کہا میں نے عطاء سے پانی میں جنم لینے والے جانوروں کے بارے میں پوچھا کیا وہ خشکی کا شکار ہے یا سمندر کا تو انہوں

نے کہا جہاں وہ زیادہ رہتا ہے وہ اسی کا شکار ہے۔

عطاء بن ابی ارباح سے مروی ہے جہاں وہ اکثر بچے دیتا ہے تو وہ اسی کا شکار شمار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ

ابن جریر نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے لوگو اللہ سے ڈرو اللہ تعالیٰ نے جو آیات تمہارے نبی پر نازل کی ہیں ان میں جن فرائض کا تمہیں حکم دیا اور جن چیزوں سے تمہیں منع کیا ان کے بارے میں اسکی اطاعت کرنے میں محتاط رہو۔ آیات میں جن چیزوں سے منع کیا وہ یہ ہیں شراب، جواء کی تمام قسمیں خشکی کا شکار پکڑنا اور اسے قتل کرنا جبکہ تم احرام کی حالت میں ہو کیونکہ تم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اگر تم نے اس کی نافرمانی کی ہوگی تو وہ تمہیں سزا دے گا اور اگر تم نے اطاعت کی ہوگی تو وہ تمہیں جزاء دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَاۗىِٕدَ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے بیت اللہ شریف کو ان لوگوں کے لئے سہارا بنا دیا ہے جن کا کوئی سہارا نہ ہو یعنی ان کا کوئی ایسا رئیس نہ ہو جو قوی کو ضعیف پر گناہ کا ارتکاب کرنے والے کو نیکی کرنے والے اور ظالم کو مظلوم پر ظلم کرنے سے روک سکے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے محترم مہینوں، قربانی کے جانوروں اور قلادوں کو بھی یہی شان دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں سے ہر ایک ایک چیز کے ساتھ بعض کو بعض سے روک دیا ہے جبکہ ان کا کوئی سہارا نہ تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو ان کے دین کی نشانیاں اور ان کے معاملات کے مصالح بنا دیا ہے۔

مجاہد سے مروی ہے کہ بیت اللہ شریف کو کعبہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ مربع شکل کا ہے۔ حضرت عکرمہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ابن جریر نے کہا کعبہ سے مراد تمام حرم ہے اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کا نام اس لئے دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جانوروں کے شکار کرنے، کنٹے کو توڑنے اور اس کے درخت کاٹنے کو حرام قرار دیا ہے۔

ابن جریر نے قیاما للناس کا معنی قواما للناس کیا ہے اس ضمن میں انہوں نے چند آثار کا ذکر کیا ہے۔

ھناء نے ہمیں ابن ابی زائدہ سے روایت کیا ہے کہ ہمیں اس نے بتایا جس نے نصیف کو مجاہد سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ آیت میں قیاما للناس کا معنی قواما للناس ہے۔

سعید بن جبیر نے قیاما للناس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ لوگوں کے دین کی اصلاح کا باعث بنایا انہیں سے ایک روایت ہے کہ لوگوں کے دین کی تقویت کا باعث بنایا۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــَٔـلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْــَٔـلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾

''آپ فرما دیجئے نہیں برابر ہو سکتا ناپاک اور پاک اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے ناپاک کی کثرت، سو ڈرتے رہو اللہ

تعالیٰ سے اے عقل والو! تاکہ تم نجات پا جاؤ۔ اے ایمان والو! مت پوچھا کرو ایسی باتیں کہ اگر ظاہر کی جائیں تمہارے لئے تو بری لگیں تمہیں اور اگر پوچھو گے ان کے متعلق جب کہ اتر رہا ہے قرآن تو ظاہر کر دی جائیں گی تمہارے لئے معاف کر دیا ہے اللہ نے ان کو اور اللہ بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے، تحقیق پوچھا تھا ان کے متعلق ایک قوم نے تم سے پہلے پھر وہ ہو گئے ان احکام کا انکار کرنے والے"۔

قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَ الطَّیِّبُ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اے محمد! آپ فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں۔

وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ اے انسان! نفع بخش معمولی سی بھی حلال چیز ضرر رساں حرام سے بہتر ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "کفایت کرنے والی قلیل چیز اس کثیر سے بہتر ہے جو یاد الٰہی سے غافل کر دے"۔ ثعلبہ بن حاطب انصاری نے عرض کی: یا رسول اللہ: دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے رزق وافر عطا فرمائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "وہ قلیل جس کا تم شکر ادا کرتے رہو اس کثیر سے بہتر ہے جس کا شکر ادا کرنے سے تم قاصر رہو" (1)۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ اے اصحاب عقول سلیمہ! خدا سے ڈرو، حرام سے اجتناب کرو، حلال پر قناعت کرو تاکہ تم دنیا و آخرت میں فلاح پا جاؤ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو آداب سوال سکھا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے سوالات سے منع فرمادیا جن کے دریافت کرنے اور چھان بین کرنے میں ان کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ یہ ایسے امور ہیں کہ اگر ان کے لئے ظاہر کر دیئے جائیں تو ممکن ہے کہ ان کے لئے باعث رنج و تکلیف ہوں اور ان کی سماعت پر گراں گزریں۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "کوئی بھی مجھے کسی کے بارے میں کوئی خبر نہ بتایا کرے، میری خواہش ہے کہ جب میری ملاقات تم سے ہو تو میرا دل تمہارے بارے میں ہر خلش سے پاک ہو" (2)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اس طرح کا خطبہ پہلے میں نے کبھی نہ سنا تھا، اس میں آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم اس سے آگاہ ہو جاتے جس کے بارے میں مجھے علم ہے تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے" تو صحابہ کرام اپنا منہ ڈھانپ کر گریہ وزاری کرنے لگے، ایک آدمی اٹھ کر پوچھنے لگا کہ میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: فلاں۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ لَا تَسْــٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اتری (3)۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم ﷺ سے کچھ سوالات کئے اور خوب اصرار کیا تو آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: "آج جس چیز کے بارے میں بھی تم مجھ سے پوچھو گے میں تمہیں اس سے آگاہ کر دوں گا۔" صحابہ کرام یہ سن کر لرز گئے کہ کوئی نیا معاملہ درپیش ہے، میں دائیں بائیں جس طرف بھی متوجہ ہوتا تو دیکھتا کہ ہر ایک صحابی اپنا منہ ڈھانپے رو رہا ہے، ایک آدمی اٹھا جس کے نسب میں لوگ شک کیا کرتے تھے اور پوچھا: یا نبی اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تمہارا باپ حذافہ ہے" پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہنے لگے، ہمیں سوالات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم اس بات پر راضی ہیں کہ اللہ

1۔ اسد الغابۃ لابن الاثیر، جلد 1 صفحہ 284 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 265، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 396، وغیرہ
3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 8، صفحہ 280، صحیح مسلم، کتاب الفضائل صفحہ 1832 وغیرہ

ہمارا رب ہے، اسلام ہمارا دین ہے اور محمد ﷺ ہمارے رسول ہیں، ہم فتنوں کے ظہور سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے خیر اور شر کو کبھی بھی آج کی طرح عیاں نہیں دیکھا، جنت اور دوزخ میرے سامنے ہیں گویا اس دیوار کے پیچھے انہیں دیکھ رہا ہوں''(1)۔

امام زہری کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن حذافہ کے سوال پر ان کی والدہ نے کہا کہ میں نے تجھ سے بڑھ کر کوئی ناسمجھ بچہ نہیں دیکھا، زمانہ جاہلیت میں تو لوگ بڑے بڑے کرتوت کیا کرتے تھے، بالفرض اگر مجھ سے بھی ایسی ہی کسی غلطی کا ارتکاب ہوجاتا تو حضور ﷺ کی زبانی مجھے سرعام رسوا کردیتا، تو عبداللہ کہنے لگے: قسم بخدا! اگر آپ ﷺ کسی حبشی غلام کو بھی میرا باپ قرار دے دیتے تو میں اس کی طرف ہی منسوب ہوتا(2)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے، فرطِ غضب کی وجہ سے چہرہ سرخ تھا، آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، ایک آدمی نے اٹھ کر پوچھا کہ میرا ٹھکانہ کیا ہے؟ فرمایا: ''جہنم میں''۔ ایک اور آدمی اٹھا اور پوچھا کہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: ''حذافہ۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوکر عرض کرنے لگے: ہم اس بات پر راضی ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے، اسلام ہمارا دین ہے، محمد ﷺ ہمارے نبی ہیں اور قرآن ہمارا امام ہے، یارسول اللہ! جاہلیت اور شرک کا عہد ابھی تھوڑی مدت پہلے تو ختم ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد کون ہیں، چنانچہ آپ ﷺ کا غصہ فرو ہوگیا اور یہ آیت کریمہ اتری: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ(3)۔ اس آیت کریمہ کے شان نزول میں سدی کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ غضبناک ہوکر اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''مجھ سے پوچھو جو بھی پوچھنا چاہتے ہو، جس چیز کے بارے میں دریافت کروگے اس سے میں تمہیں آگاہ کردوں گا۔'' تو بنی سہم کا ایک قریشی نوجوان عبداللہ بن حذافہ اٹھ کھڑا ہوا جس کے نسب میں طعن کیا جاتا تھا اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: تمہارا باپ فلاں ہے، آپ ﷺ نے اسے اس کے باپ کی طرف ہی منسوب کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے، حضور ﷺ کی قدم بوسی کی اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہمیں کافی ہے کہ اللہ ہمارا رب ہے، آپ ہمارے نبی ہیں، اسلام ہمارا دین ہے اور قرآن ہمارا امام ہے، ہمیں معاف فرمادیجئے اللہ تعالیٰ آپ پر کرم نوازی فرمائے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی طرح عرض کرتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ راضی ہوگئے، اسی دن آپ ﷺ نے فرمایا: ''بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر''(4)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب بعض لوگوں نے آپ ﷺ سے بطور استہزاء فضول قسم کے سوالات کرنا معمول بنالیا، کوئی پوچھتا کہ میرا باپ کون ہے؟ کوئی کہتا: میری اونٹنی گم ہوگی ہے وہ کہاں ہے؟(5)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب فرضیت حج کی آیت نازل ہوئی۔ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا (آل عمران: 97)۔ ''اور اللہ کے لئے فرض ہے لوگوں پر حج اس گھر کا جو طاقت رکھتا ہو وہاں تک پہنچنے کی''۔ تو لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ہر سال؟ آپ ﷺ نے سکوت فرمایا، پھر لوگوں نے دریافت کیا: کیا ہر سال؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا تم پر فرض ہو جاتا، اور اگر ہر سال حج فرض ہوجاتا تو تمہارے بس میں نہ ہوتا''۔ تو اس وقت مذکورہ بالا آیت کریمہ کا نزول ہوا۔ اسی طرح کی ایک روایت

1۔ فتح الباری، کتاب الفتن، جلد 13، صفحہ 43، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، صفحہ 1834 وغیرہ
2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 80-81
3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 82-81
4۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 81
5۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مائدۃ، جلد 6 صفحہ 68 وغیرہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے''۔ ایک آدمی نے کہا: کیا ہر سال یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ نے اس شخص سے اعراض فرمایا، اس نے دو تین مرتبہ اپنا سوال دہرایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سائل کہاں ہے؟'' عرض کی: وہ فلاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا، اگر ایسا ہو جاتا تو تم اس کی طاقت نہ رکھتے اور اگر اسے ترک کر دیتے تو کافر ہو جاتے''۔ اس وقت یہ آیت اتری (1)۔ اسی قسم کی ایک روایت ابوامامہ باہلی سے بھی مروی ہے کہ حج کی فرضیت کے بارے میں ایک اعرابی نے بار بار پوچھا کہ کیا حج کرنا ہر سال ضروری ہے تو آپ ﷺ بہت غضبناک ہوئے، قدرے توقف کے بعد فرمایا: تیرا بھلا ہو، اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرضیت حج سے تجھے کون بچا سکتا تھا، اللہ کی قسم! اگر میں ہاں کر دیتا تو ہر سال حج واجب ہو جاتا، اگر ایسا ہوتا تو تم کافر ہو جاتے، سنو تم سے پہلے قوموں کی ہلاکت کا باعث اسی طرح کی چیزیں بنی تھیں، قسم بخدا! اگر میں تمہارے لئے تمام دنیا و مافیہا کو حلال کر دوں اور ایک قدم کی مقدار جگہ حرام کر دوں تو تم ضرور اس کے ارتکاب کی کوشش کرو'' تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ ...... (2)۔

آیت کریمہ میں ایسی اشیاء کے متعلق سوال کرنے سے ممانعت ہے کہ جن کے متعلق اگر انسان کو علم ہو جائے تو اس کے لئے تکلیف کا باعث بنے، اس لئے اس قسم کے سوالات سے احتراز ضروری ہے، کیا ہی پیاری حدیث شریف ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: ''تم ایک دوسرے کے متعلق باتوں سے مجھے آگاہ نہ کیا کرو، کیونکہ میری خواہش ہے کہ جب تمہیں ملوں تو میرا دل ہر قسم کی خلش سے پاک ہو'' (3)۔

وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ یعنی اگر تم نے نزول وحی کے وقت ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کیا جس سے تمہیں منع کر دیا گیا ہے تو تمہیں ضرور اس سے آگاہ کر دیا جائے گا، یہ اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ قبل ازیں جو ہو چکا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے، اللہ تعالیٰ نہایت مہربان درگزر فرمانے والا ہے۔

بعض نے اس آیت وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم بلاوجہ نئے نئے سوالات نہ کرو، مبادا تمہارے سوال کے باعث تم پر سختی اور تنگی وارد ہو جائے، حدیث شریف میں ہے: ''مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس کے سوال پر غیر حرام چیز حرام ہو گئی (4)۔ لیکن اگر کوئی حکم قرآن مجید میں اجمالی ہو اور تمہیں اس کی وضاحت درکار ہو تو تمہاری ضرورت کے پیش نظر میں ضرور اس کی وضاحت کروں گا''۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا یعنی وہ جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تذکرہ نہیں فرمایا یہ وہی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے، اس لئے اس بارے میں منشائے الٰہی کے مطابق تم بھی خاموش رہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس چیز کے بیان کو میں نے ترک کر دیا ہے تم بھی اسے ویسا ہی رہنے دو، تم سے پہلے قومیں کثرت سوال اور انبیائے کرام کے ساتھ اختلافات کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں'' (5)۔ ایک اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 82 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 82-83

3۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 395-396، سنن ابی داؤد، کتاب الاداب، جلد 4، صفحہ 265 وغیرہ

4۔ فتح الباری، کتاب الاعتصام، جلد 3، صفحہ 264، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، صفحہ 1831

5۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، صفحہ 1831، سنن نسائی، کتاب المناسک، جلد 5، صفحہ 110 وغیرہ

حدیث میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں انہیں ضائع مت کرو، اور کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو، اور کچھ چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں ان کی پردہ دری نہ کرو اور بعض باتوں سے دانستہ سکوت اختیار فرمایا ہے، یہ محض اس کی مہربانی ہے اس لئے ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو'' (1)۔

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں نے ان ممنوعہ مسائل کے بارے میں دریافت کیا تو انہیں جواب دیا گیا لیکن وہ ان پر ایمان نہ لائے، اس سبب سے وہ کافر ہوگئے۔ ان کے سوالات طلب ہدایت کی غرض سے نہ تھے بلکہ بطور عناد اور استہزاء۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا: ''اے لوگو! تم پر حج فرض ہوگیا ہے''۔ تو بنی اسد کا ایک آدمی پوچھنے لگا: یا رسول اللہ! کیا ہر سال؟ اس پر نبی کریم ﷺ نہایت غضبناک ہوئے اور فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا، اور اگر ایسا ہو جاتا تو تم اس کی استطاعت نہ رکھتے اور کافر ہو جاتے، جس چیز کے بیان کو میں نے ترک کر دیا ہے تم بھی اسے ترک کر دو، جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اسے بجالاؤ، اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اس سے باز آجاؤ''۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے ذریعے مسلمانوں کو ایسے سوالات سے منع فرما دیا جس طرح کہ نصاریٰ نے مائدہ (دسترخوان) کے متعلق سوال کیا تھا، لیکن مائدہ کی قدر نہ کرنے کے باعث کافر ہوگئے۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے سوال سے منع فرما دیا کیونکہ قرآن کریم میں اگر سختی کا حکم نازل ہوگیا تو یہ تمہارے لئے باعث تکلیف ہوگا، بلکہ تم حکم الٰہی کا انتظار کرو، تمہارے سوال کئے بغیر ہی قرآن کریم تمہارے سوال کی وضاحت کے لئے نازل ہو جائے گا (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب فرضیت حج کی آیت نازل ہوئی اور کسی شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہر سال؟ یہ حدیث پیچھے گزر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ کے متعلق فرماتے ہیں کہ بحیرہ، وصیلہ، سائبہ اور حام کے متعلق سوالات کی ممانعت ہے اسی لئے تو بعد میں فرمایا مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ...... (المائدہ:103)

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ معجزات طلب کرتے انہیں اس سے منع کر دیا گیا، قریش تقاضا کرتے کہ ان کے لئے نہریں جاری ہو جائیں اور صفا پہاڑ ان کے لئے سونا بنا دیا جائے وغیرہ وغیرہ، جیسا کہ یہود کا مطالبہ تھا کہ ہم پر آسمان سے کتاب اتاری جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا (بنی اسرائیل:59) ''اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیئے گئے تھے) اور ہم نے دی تھی قوم ثمود کو ایک اونٹنی جو روشن نشانی تھی پس انہوں نے زیادتی کی اس پر اور ہم نہیں بھیجتے ایسی نشانیاں مگر لوگوں کو (عذاب سے) خوفزدہ کرنے کے لئے''۔ اور فرمایا: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَاۗءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَنُقَلِّبُ اَفْـــِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝ (الانعام:111-109) ''اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی پوری کوشش سے کہ اگر آ

1۔ مستدرک حاکم، کتاب الاطعمۃ، جلد 4، صفحہ 115
2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 83

گئی ان کے پاس کوئی نشانی تو ضرور ایمان لائیں گے اس کے ساتھ۔ آپ فرمائیے کہ نشانیاں تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا خبر کہ جب یہ نشانی آجائے گی تو (تب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اور ہم چھوڑ دیں گے انہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ اور اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ لیکن اکثر ان میں سے (بالکل) جاہل ہیں۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّ لَا وَصِيْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ ۙ وَّ لٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

”نہیں مقرر کیا اللہ تعالیٰ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن جنہوں نے کفر کیا وہ تہمت لگاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹی اور اکثر ان میں سے کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں اور جب کہا جاتا ہے انہیں کہ آؤ اس کی طرف جو نازل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اور آؤ (اس کے) رسول کی طرف کہتے ہیں کافی ہے ہمیں جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں (کیا پھر بھی وہ انہیں کی پیروی کریں گے)“۔

حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بحیرہ سے مراد وہ جانور ہے جسے بتوں کی نذر کر دیتے، اس کا دودھ دوہنا ممنوع قرار دے دیتے اور کوئی بھی اس کا دودھ استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ سائبہ سے مراد وہ جانور ہے جسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے، بار برداری اور سواری کے لئے اسے کام میں لانا ممنوع سمجھتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دوزخ میں پیٹ کے بل گھسٹتے ہوئے دیکھا، یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے جانوروں کو بتوں کی نذر کرنے کا قبیح طریقہ رائج کیا“ اور وصیلہ سے مراد وہ اونٹنی ہے جس سے پہلی دفعہ ایک نر پیدا ہوا اور پھر مادہ۔ اگر وہ مسلسل دو مادہ کو جنم دیتی تو اسے بتوں کے لئے چھوڑ دیتے۔ حام سے مراد وہ نر اونٹ ہے جس کی جفتی سے ان کی مقرر کردہ تعداد میں بچے پیدا ہو چکے ہوں تو ایسے اونٹ کو بھی بتوں کے لئے خاص کر دیتے، نہ اس پر سواری کرتے اور نہ سامان لادتے (1)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے دیکھا کہ جہنم (کی آگ) کا بعض بعض کو کھا رہا ہے، عمرو کو اس میں گھسٹتے ہوئے پایا، یہ وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے جانوروں کو بتوں کے نام کرنے کی رسم ڈالی“ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اکثم بن جون رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے اکثم! میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ کو دوزخ میں پیٹ کے بل گھسٹتے ہوئے دیکھا، میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو تجھ سے بڑھ کر اس کا ہم شکل ہو اور نہ اس سے زیادہ تمہارا ہم شکل۔“ اکثم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس کی مشابہت میرے لئے نقصان دہ ہوگی؟ فرمایا: ”نہیں، تم مومن

1۔ فتح الباری تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 8، صفحہ 283، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، صفحہ 2192
2۔ فتح الباری تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 8، صفحہ 284

ہو اور وہ کافر تھا''، یہ وہی پہلا شخص تھا جس نے دین ابراہیمی کو مسخ کر ڈالا، بحیرہ، سائبہ اور حام کو بتوں کی نذر کرنے کی بدعت رائج کی''(1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے جس نے سائبہ اور بت پرستی کی بدعت جاری کی وہ ابوخزاعہ عمرو بن عامر ہے، میں نے اسے جہنم میں اپنی انتڑیوں کو گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے''(2)۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے سائبہ کی رسم جاری کرنے والے اور دین ابراہیمی کو تبدیل کرنے والے شخص سے میں بخوبی آگاہ ہوں'' صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! وہ کون ہے؟ فرمایا: ''یہ بنوکعب قبیلہ سے تعلق رکھنے والا عمرو بن لحی ہے، میں نے اسے دوزخ میں ناک گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے جس کی بو تمام دوزخیوں کے لئے بڑی اذیت ناک ہے اور میں جانتا ہوں کہ بحیرہ کی بدعت کا موجد کون ہے'' عرض کی: یارسول اللہ! وہ کون ہے؟ فرمایا: قبیلہ بنی مدلج کا ایک شخص تھا، اس کی دو اونٹنیاں تھیں، اس نے دونوں کے کان کاٹ دیئے، پہلے تو ان کا دودھ بھی اپنے اوپر حرام کر لیا، لیکن چند دنوں کے بعد ہی پھر پینا شروع کر دیا۔ دوزخ میں اس کی حالت یہ ہے کہ یہ دونوں اونٹنیاں اپنے منہ سے اسے کاٹ رہی ہیں اور پاؤں سے اسے روند رہی ہیں''(3)۔ یہ عمرو لحی بن قمعہ کا بیٹا ہے، بنی خزاعہ کا رئیس جو قبیلہ جرہم کے بعد کعبہ کے متولی بنے تھے، یہ وہ پہلا بدبخت شخص ہے جس نے دین ابراہیمی میں رخنہ اندازی کی، حجاز میں بت پرستی کو رواج دیا اور لوگوں کو بتوں کی پرستش اور ان کے تقرب کی طرف بلایا، جانوروں وغیرہ کے بارے میں عصر جاہلیت کے رسم و رواج کی طرح ڈالی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر سورۂ انعام میں کیا ہے فرمایا: وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ...... (الانعام: 136-39)۔ ''اور انہوں نے بنا رکھا ہے اللہ کے لئے اس سے جو پیدا فرماتا ہے فصلوں اور مویشیوں سے مقررہ حصہ......)

بحیرۃ سے مراد وہ اونٹنی ہے کہ جب وہ پانچ بچے جن چکتی تو دیکھتے، اگر پانچواں بچہ نر ہوتا تو اسے ذبح کر لیتے اور صرف مرد ہی کھا سکتے، عورتوں پر اسے حرام سمجھتے، اگر وہ مادہ ہوتا تو اس کے کان چیر دیتے اور کہتے کہ یہ بحیرہ ہے۔

سائبۃ سے مراد وہ بکری ہے جو تعریف میں بحیرہ کی مثل ہے، اس میں ہوتا یہ تھا کہ چھ مادہ بچے جننے کے بعد ساتویں حمل میں اگر ایک یا دو نر ہوتے تو اس کو ذبح کر دیتے اور صرف مرد ہی اس کا گوشت کھاتے، عورتوں پر یہ حرام سمجھا جاتا۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ سائبہ وہ اونٹنی ہے جو متواتر دس مادہ بچے جن لیتی تو اسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا، نہ اس پر سواری کی جاتی، نہ ہی اس کی اون کو کام میں لایا جاتا اور نہ ہی اس کا دودھ سوائے مہمان کے کسی کے لئے جائز سمجھا جاتا(4)۔ ابوروق کا قول ہے کہ سائبہ سے اونٹنی وغیرہ مراد ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام کے لئے نکلتا اور اس کا کام تکمیل کو پہنچ جاتا تو وہ اس جانور کو بتوں کے لئے چھوڑ دیتا، پھر اس جانور سے جو بھی بچہ پیدا ہوتا اسے بھی بتوں کے لئے ہی مخصوص کر دیا جاتا۔ سدی کہتے ہیں کہ جب کسی شخص کا مقصد پورا ہو جاتا یا مرض سے شفایاب ہو جاتا یا بہت سا مال و اسباب ہاتھ لگ جاتا تو وہ اپنا کچھ مال بتوں کے نام کر دیتا۔ اگر کوئی شخص اس مال مویشی سے تعرض کرتا تو اسے سخت سزا دی جاتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وَصِيْلَةٍ سے مراد وہ بکری ہے جو سات بچے جنتی، ساتواں اگر نر ہوتا اور مردہ پیدا ہوتا تو اس کو صرف مرد ہی کھا سکتے تھے عورتیں نہیں، اگر وہ مادہ ہوتا تو اسے زندہ رکھتے۔ اگر ایک ہی شکم سے نر اور مادہ دونوں پیدا ہوتے تو دونوں کو زندہ رکھتے اور کہتے کہ اس مادہ نے اپنے ساتھ والے نر کو بھی وَصِيْلَةٍ بنا دیا اور یہ بھی ہم پر حرام ہے۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں

1۔ تفسیر طبری، جلد 17، صفحہ 86-87 | 2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 446

3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 87 | 4۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 89

کہ وَصِيْلَة وہ اونٹنی ہے جو متواتر دو مادہ بچے جنے تو کہتے کہ متصل دو مادہ پیدا ہوئے جن کے درمیان نر نہیں ہے، چنانچہ اس کے کان کاٹ کر اسے بتوں کی نذر کر دیتے (1)۔ محمد بن اسحاق کا کہنا ہے کہ وَصِيْلَة سے مراد وہ بکری ہے کہ جس کے پانچ دفعہ حاملہ ہونے سے جڑواں جڑواں دس بچے پیدا ہوتے، اسے چھوڑ دیا جاتا اس کے بعد جو بھی نر یا مادہ پیدا ہوتا اسے صرف مرد کھاتے نہ کہ عورتیں، اگر وہ مردہ ہوتی تو دونوں کھاتے (2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اگر کسی نر کی جفتی سے دس بچے پیدا ہوتے تو کہتے کہ یہ حام ہے، اسے چھوڑ دو، یعنی اس نے اپنی پیٹھ کو بار برداری اور سواری وغیرہ سے بچالیا ہے، اس پر نہ وہ سامان لادتے، نہ اس کے بال کاٹتے، نہ اسے کسی چراگاہ سے منع کرتے اور نہ ہی کسی حوض سے پانی پینے سے روکتے اگرچہ وہ حوض کسی اور کا ہوتا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حام وہ اونٹ ہے جو ان کی مطلوبہ تعداد میں بچے جن لیتا تو اس پر مور کے پر لگا کر بتوں کے نام کر دیتے (3)۔ مالک بن نضلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے تھا، نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا: ''کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے؟'' میں نے عرض کی: ہاں۔ فرمایا: ''کونسا؟'' میں نے عرض کی: اونٹ، گھوڑے، بھیڑ بکریاں اور غلام ہر قسم کا مال میرے پاس موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے تجھے مال و دولت سے نوازا ہے تو اس (خوشحالی) کے آثار بھی تجھ پر ظاہر ہونے چاہئیں'' پھر فرمایا: ''کیا تمہارے اونٹ صحیح سالم کانوں والے بچے جنتے ہیں؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں، لیکن کیا اونٹ کے بچے ایسے ہی (سالم کانوں والے) نہیں پیدا ہوتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ممکن ہے کہ تم استرا لیکر بعض کے کان کاٹ دیتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ بحیرہ ہو گئے ہیں اور اب ان سے استفادہ حرام ہو گیا ہے۔'' میں نے عرض کی: ہاں، فرمایا: ''ایسا ہرگز نہ کرنا، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا وہ سب حلال ہے''۔ پھر یہ آیت پڑھی مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ (4)۔ بحیرہ وہ ہے جس کے وہ کان کاٹ دیتے، کسی صورت میں بھی عورتوں کے لئے اس سے استفادہ حرام سمجھتے۔ سائبہ کو بتوں کی نذر کر دیتے، وصیلہ وہ بکری ہے کہ جب وہ ساتواں بچہ جنتی تو اس کے کان اور سینگ کاٹ کر کہتے کہ یہ وصیلہ ہے، اسے ذبح نہ کرتے، جہاں چاہے چرے، جس حوض سے چاہے پانی پیئے کوئی منع نہیں کر سکتا تھا۔ حدیث شریف کے اندر اس کی تفسیر یونہی بیان کی گئی ہے۔

وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو نہ تو مشروع قرار دیا ہے اور نہ ہی یہ وجہ قربت ہیں۔ مشرکین نے از خود افتراء پردازی سے کام لیتے ہوئے انہیں مشروع کر لیا اور قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ لیا، اس سے انہیں کچھ نہیں حاصل ہوگا بلکہ یہ تو ان کے لئے باعث وبال ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا جب انہیں اللہ کے دین، شریعت، اوامر اور نواہی کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہمارے آباؤ اجداد کاربند تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا اگرچہ ان کے آباؤ اجداد حق کو نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہی ہدایت یافتہ ہوں پھر بھی وہ انہی کی اتباع کریں گے، یہ کیسا عجیب معاملہ ہے، ان کے پیروکار وہی ہو سکتے ہیں جو ان سے بھی زیادہ جاہل اور گمراہ ہوں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 91، تفسیر قرطبی، جلد 6، صفحہ 337-336 عن مالک بن انس
2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 89
3۔ تفسیر قرطبی، جلد 6، صفحہ 338-337
4۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 137-136

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾

''اے ایمان والو! تم پر اپنی جانوں کا فکر لازمی ہے، نہیں نقصان پہنچا سکے گا تمہیں جو گمراہ ہوا جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو، اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے تم سب نے پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جو تم (اس دنیا میں) کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کریں اور بقدر استطاعت نیکیاں کریں، اور انہیں اللہ تعالیٰ آگاہ فرما رہا ہے کہ جس نے اپنا معاملہ درست کر لیا تو کسی قریب یا بعید شخص کا فساد اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب بندہ حلال اور حرام کردہ چیزوں میں میری اطاعت کرے تو کوئی گمراہ شخص اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔(1)

عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ یہ بطور اغراء منصوب ہے۔

لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ...... یعنی ہر آدمی کو اس کے اپنے عمل کی جزاء دی جائے گی اگر نیک عمل ہوگا تو اچھی جزاء ملے گی اور اگر برا ہوگا تو بری جزاء۔ اس آیت میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ اگر کوئی شخص خود نیکوکار اور صالح ہو تو کسی کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اس پر لازم نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس غلط فہمی کا پہلے ہی ازالہ فرما دیا تھا۔ آپ ایک روز خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے، حمد وثناء کے بعد فرمایا: تم یہ آیت عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ...... پڑھتے ہو اور اس کا غلط مفہوم لیتے ہو، میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''لوگ جب برائی کو دیکھیں اور پھر اس کو درست نہ کریں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔'' مزید حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! جھوٹ سے احتراز کرو، کیونکہ یہ ایمان کے منافی ہے(2)۔

ابو امیہ شعبانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم نے اس آیت کے بارے میں ایک باخبر شخص سے پوچھا ہے، میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلکہ نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو یہاں تک کہ جب تم دیکھو کہ لوگ ایسے بخل میں گرفتار ہیں جس کی اطاعت کی جاتی ہے، خواہشات نفسانی کے اسیر ہو گئے ہیں، خود پسندی کا شکار ہیں اور دنیا کو ترجیح دینے لگے ہیں تو اس وقت اپنی فکر کرنا، لوگوں سے الگ تھلگ ہو جانا، تمہارے بعد ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں ڈٹ جانے والا شخص اس قدر مشکل میں ہوگا گویا کہ وہ آگ کے انگارے کو تھامے ہوئے ہے اور اس میں نیک عمل کرنے والا شخص پچاس آدمیوں کے اعمال کے برابر اجر پائے گا'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمارے پچاس آدمیوں کا اجر یا ان کے؟ فرمایا: ''بلکہ تمہارے پچاس نیکوکار آدمیوں کا سا اجر پائے گا''(3)۔

کسی شخص نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ابھی تو چونکہ نصیحت قبول کر لی جاتی ہے اس لئے یہ وہ زمانہ نہیں ہے عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ تم کسی کے بھلے کی بات کرو گے لیکن وہ الٹا تمہارے ساتھ برا سلوک کرے گا اور تمہاری بات قبول نہیں کی جائے گی۔ تو اس وقت لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر خاموشی سے بیٹھے رہنا، اپنی فکر کرنا۔ اس وقت ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 97

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4، صفحہ 122، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 5 وغیرہ

3۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 11، صفحہ 181-182 وغیرہ

کی گمراہی کے سبب تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے دو آدمیوں کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی، ہاتھا پائی تک نوبت جا پہنچی تو ایک آدمی نے کہا کہ میں کھڑا ہو کر انہیں سمجھا نہ دوں، نیکی کا حکم دوں اور برائی سے منع کردوں، پاس ہی بیٹھے ہوئے ایک دوسرے شخص نے کہا: انہیں چھوڑو، اپنی فکر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ۔ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا: ٹھہرو، اس آیت کی یہ تاویل کرنے کا اس وقت موقعہ نہیں ہے، قرآن کریم جیسا اترا ہے اترا ہے، اس کی بعض آیات ایسی ہیں کہ جن کے نازل ہونے سے پہلے ہی ان کی تاویل گزر چکی، بعض ایسی ہیں کہ جن کی تاویل رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہو چکی، بعض ایسی آیات ہیں جن کی تاویل حضور اکرم ﷺ کے وصال سے کچھ دن بعد واقع ہوئی، بعض ایسی آیات ہیں جن کی تاویل آج کے بعد سامنے آئے گی، کچھ ایسی آیتیں ہیں جو اس وقت ظاہر ہوں گی جب قیامت برپا ہونے کا وقت ہوگا اور کچھ کی تاویل قیامت کے دن جب حساب کتاب ہو رہا ہوگا۔ جب تک تمہارے دل متحد ہیں، تمہاری خواہشات و جذبات ایک ہیں، تم افتراق و انتشار کا شکار نہیں ہوئے اور نہ ہی ایک دوسرے کے درپے آزار ہو تو نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے منع کرتے رہو، اور جب ایسا وقت آ جائے کہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے، جذبات بدل جائیں، گروہ بندی کا شکار ہو جاؤ اور ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو تو اس وقت سب سے الگ تھلگ ہو کر اپنی فکر کرنا۔ اس وقت اس آیت کی اس تاویل کا محل ہوگا(1)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ اب تو آپ آرام سے بیٹھے رہیں، نہ نیکی کا حکم دیں اور نہ برائی سے روکیں، یہی بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ...... آپ نے جواب میں فرمایا: یہ حکم نہ میرے لئے ہے اور نہ ہی میرے ساتھیوں کے لئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''خبردار، ہر حاضر شخص غائب کو بھی یہ پیغام پہنچائے'' ہم اس وقت حاضر تھے اور تم غائب، لیکن اس آیت کا مصداق ہمارے بعد آنے والے لوگ ہیں جن کی بات کوئی نہیں سنے گا(2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک اکھڑ مزاج اور تیز زبان والا شخص آیا اور کہا کہ چھ آدمی ہیں، تمام کے تمام جید عالم اور مجتہد ہیں، سوائے خیر کے ہر قسم کی خست انہیں ناپسند ہے لیکن ایک دوسرے پر شرک کا الزام لگاتے ہیں تو وہاں موجود آدمیوں میں سے ایک نے کہا کہ شرک کا الزام دھرنے سے بڑھ کر اور کیا خست ہو سکتی ہے؟ تو حضرت عبداللہ نے فرمایا: خدا تمہارا بھلا کرے! کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں حکم دوں کہ جاؤ اور انہیں قتل کردو، نہیں، بلکہ انہیں نصیحت کرو، منع کرو، اس کے باوجود اگر وہ باز نہ آئیں تو ان سے دستکش ہو جاؤ اور اپنی فکر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ(3)۔

ابومازن کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ شریف گیا، وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی نے یہ آیت پڑھی تو اکثریت نے کہا کہ ابھی اس کی تاویل کا موقع نہیں(4)۔ حضرت جبیر بن نفیر کہتے ہیں کہ میں صحابہ کرام کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا، میں سب سے کم سن تھا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے موضوع پر بحث چھڑی، میں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ...... تو سب یک زبان ہو کر میری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ قرآن کریم کی ایک آیت نکال کر یہ حکم لگا رہے ہو حالانکہ نہ تمہیں اس کے مفہوم سے آگاہی ہے اور نہ اس کی تاویل سے۔ میں نے دل میں کہا کہ کاش میں نہ بولتا، پھر وہ تبادلہ خیالات میں مشغول ہوگئے۔ جب مجلس برخاست ہونے لگی تو انہوں نے فرمایا کہ تم کم سن بچے ہو، آیت کا مفہوم تم نہیں سمجھتے، ممکن ہے تم ایسا زمانہ پاؤ

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 296۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 95 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

جس میں بخل عام ہو، خواہشات نفسانی کی پیروی معمول بن جائے، ہر آدمی اپنی رائے پر ڈٹ جائے تو یہ وہ زمانہ ہوگا جس میں تمہارے لئے ضروری ہے کہ اپنی فکر کرنا، تم ہدایت یافتہ ہوئے تو کوئی گمراہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا(1)۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور کہا: الحمد للہ! گزشتہ دور میں بھی اور دور حاضر میں بھی ہر مومن کے ساتھ منافق ہے جو اس کے عمل کو ناپسند کرتا ہے(2)۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کر دو تو پھر کوئی گمراہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ حضرت کعب کہتے ہیں کہ یہ زمانہ اس وقت آئے گا جب دمشق کے کنیسہ کو منہدم کر کے مسجد بنا دیا جائے گا اور تعصب کا دور دورہ ہوگا تو اس وقت اس آیت کا مصداق سامنے آئے گا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ شَهَٰدَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ حِينَ ٱلْوَصِيَّةِ ٱثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ ءَاخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى ٱلْأَرْضِ فَأَصَٰبَتْكُم مُّصِيبَةُ ٱلْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُونَهُمَا مِنۢ بَعْدِ ٱلصَّلَوٰةِ فَيُقْسِمَانِ بِٱللَّهِ إِنِ ٱرْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِى بِهِۦ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَٰدَةَ ٱللَّهِ إِنَّآ إِذًا لَّمِنَ ٱلْءَاثِمِينَ ﴿١٠٦﴾ فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰٓ أَنَّهُمَا ٱسْتَحَقَّآ إِثْمًا فَـَٔاخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ ٱلَّذِينَ ٱسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ ٱلْأَوْلَيَٰنِ فَيُقْسِمَانِ بِٱللَّهِ لَشَهَٰدَتُنَآ أَحَقُّ مِن شَهَٰدَتِهِمَا وَمَا ٱعْتَدَيْنَآ إِنَّآ إِذًا لَّمِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٠٧﴾ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يَأْتُوا۟ بِٱلشَّهَٰدَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَآ أَوْ يَخَافُوٓا۟ أَن تُرَدَّ أَيْمَٰنٌۢ بَعْدَ أَيْمَٰنِهِمْ ۗ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَٱسْمَعُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْفَٰسِقِينَ ﴿١٠٨﴾

''اے ایمان والو! آپس میں تمہاری گواہی جب آ جائے کسی کو تم سے موت وصیت کرتے وقت (یہ ہے کہ) دو معتبر شخص تم میں سے ہوں یا دو اور غیروں میں سے اگر تم سفر کر رہے ہو زمین میں پھر پہنچے تمہیں موت کی مصیبت، روکو ان دو گواہوں کو نماز پڑھنے کے بعد تو وہ قسم کھائیں اللہ کی اگر تمہیں شک پڑ جائے (ان الفاظ سے) کہ ہم نہ خریدیں گے اس قسم کے عوض کوئی مال اور اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی ہو اور ہم نہیں چھپائیں گے اللہ کی گواہی (اگر ہم ایسا کریں) تو یقیناً ہم اس وقت گنہگاروں میں (شمار) ہوں گے۔ پھر اگر پتہ چلے کہ وہ دونوں گواہ سزاوار ہوئے ہیں کسی گناہ کے تو دو اور کھڑے ہو جائیں ان کی جگہ ان میں سے جن کا حق ضائع کیا ہے پہلے گواہوں نے اور (یہ نئے دو گواہ) قسم اٹھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی زیادہ ٹھیک ہے ان دو کی گواہی سے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا (اگر ہم ایسا کریں تو) بیشک اس وقت ہم ظالموں میں شمار ہونگے۔ یہ طریقہ زیادہ قریب ہے کہ گواہ دیا کریں گواہی جیسا کہ چاہئے یا خوف کریں اس بات کا کہ لوٹائی جائیں گی قسمیں (میت کے وارثوں کی طرف) ان کی قسموں کے بعد اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سنو اس کا حکم اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا فاسق قوم کو''۔

یہ آیت کریمہ ایک حکم عزیز پر مشتمل ہے جس کے بارے میں بعض نے کہا ہے کہ یہ منسوخ ہے(3)۔ اکثر نے کہا ہے کہ یہ حکم محکم ہے، نسخ کا دعویٰ کرنے والے پر وضاحت ضروری ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 96 2۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 97-98 3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 124

ترکیب کلام میں شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ مبتدا ہے اور ''اثْنٰنِ'' خبر۔ تقدیر کلام یوں ہے: ''شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ شَهَادَةُ اثْنَيْنِ'' مضاف (شَهَادَةُ) کو حذف کر کے مضاف الیہ (اثْنٰنِ) کو اس کے قائم مقام رکھ دیا۔ بعض کے نزدیک تقدیر کلام ''اَنْ يَّشْهَدَ اثْنٰنِ'' ہے اور ''ذَوَا عَدْلٍ''، ''اثْنٰنِ'' کی صفت بنے گا۔

مِنْكُمْ یعنی مسلمانوں میں سے اور بعض نے کہا ہے کہ اہل موصی میں سے دو معتبر گواہ ہوں (1)۔

اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ یعنی غیر مسلم اہل کتاب میں سے دو گواہ ہوں۔

اگر ''مِنْكُمْ'' سے مراد قبیلہ موصی کے دو گواہ لیں تو یہاں مطلب ہوگا قبیلہ غیر موصی کے دو گواہ۔

اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ یعنی تم سفر کرو۔

فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ اور تمہیں موت کی مصیبت آپہنچے تو تم میں سے دو معتبر گواہ ہوں، اگر مسلمان نہ ہوں تو غیر مسلم ہی سہی۔ قاضی شریح کے نزدیک مسلمان گواہوں کے مفقود ہونے کی صورت میں ذمیوں اور یہود و نصاریٰ کی گواہی صرف سفر میں وصیت کے وقت معتبر ہو گی (2)، اسی قسم کی روایت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہے، باقی تینوں ائمہ نے اس کی مخالفت کی ہے ان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں پر اہل ذمہ کی شہادت جائز نہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ذمی کی ذمی پر گواہی جائز قرار دیتے ہیں۔ امام زہری کہتے ہیں کہ سنت یہی ہے کہ کافر کی شہادت نہ سفر میں جائز ہے اور نہ حضر میں، اس کا حق صرف مسلمان کو ہی حاصل ہے (3)۔ ابن زید اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام کی بات ہے، ایک مسلمان مر گیا اس کے پاس کوئی دوسرا مسلمان موجود نہیں تھا، علاقہ دارالحرب تھا، لوگ کافر تھے، وراثت کا کوئی قانون نہ تھا، وصیت کے ذریعے وراثت تقسیم ہوتی، پھر وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا، وراثت کا قانون لاگو ہو گیا اور لوگ اس پر عمل کرنے لگے (4)۔ ابن جریر نے اسے نقل کیا اور یہ چیز محل نظر ہے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ میں اختلاف ہے کہ کیا وہ ان دونوں کو وصی بنائے گا یا گواہ؟ اس بارے میں دو اقوال ہیں:

(1) وصی بنائے گا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ایک آدمی سفر پر ہو اور اس کے پاس مال و دولت ہو، اسی اثناء میں اسے موت آجائے، اگر تو وہ مسلمانوں میں سے دو آدمی پالے تو ترکہ ان کے سپرد کر کے دو اور معتبر مسلمانوں کو ان پر گواہ بنا دے۔

(2) دونوں گواہ ہوں گے، آیت کریمہ کا ظاہر سیاق اسی کا مقتضی ہے، اگر ان دونوں گواہوں کے ساتھ تیسرا وصی موجود نہ ہو تو ان میں وصایت اور شہادت کے دونوں اوصاف جمع ہو گئے، جیسا کہ تمیم الداری اور عدی بن بداء کے قصہ میں عنقریب آئے گا ان شاء اللہ۔

ابن جریر نے ان دونوں کے گواہ بننے کی صورت میں ایک اشکال کا اظہار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ گواہ پر تو قسم ہوتی ہی نہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ قانون اس آیت کریمہ کے ضمن میں پائے جانے والے حکم سے مانع ہو، کیونکہ یہ ایک مستقل حکم ہے جسے دیگر احکام کے قیاس کے مطابق جاری کرنا لازم نہیں آتا، یہ ایک خاص موقعہ کے لئے خاص شہادت ہے، اس میں بہت سی باتوں کی گنجائش ہے جو دیگر احکام میں نہیں۔ لیکن اگر شک و شبہ کا قرینہ ہو تو اس آیت کے مطابق یہ گواہ قسم اٹھائیں گے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 101　2۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 104　3۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 106　4۔ ایضاً

تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد روک لو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نماز عصر کے بعد۔ امام زہری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی کسی نماز کے بعد، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ نماز سے مراد ان کی اپنی مذہبی نماز ہے، مطلب یہ ہے کہ دونوں گواہ نماز کے بعد اکٹھے ہوں تا کہ کثیر لوگوں کے اجتماع کے سامنے گواہی عمل میں آئے۔

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ...... اگر تمہیں شک پڑ جائے کہ ان دونوں نے خیانت کا ارتکاب کیا ہے یا غلط بیانی کی ہے تو اس صورت میں وہ اللہ کی قسم کھائیں گے کہ ہم اپنی جھوٹی قسم کے ذریعے اس فانی دنیا کا حقیر سا عوض نہیں لیں گے اگر چہ اس سے کسی قریبی رشتہ دار کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ کیوں نہ ہو اور ہم اللہ کی گواہی کو ہرگز نہیں چھپائیں گے۔ شہادت کے شرف اور عظمت کے پیش نظر اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، اگر ہم شہادت میں تحریف، تبدیل، تغییر یا چھپانے کے مرتکب ہوئے تو ہم گنہگاروں میں سے ہوں گے۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ...... اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ اگر دونوں گواہوں یا وصیوں کے بارے میں مشہور ہو جائے اور ثابت ہو جائے کہ انہوں نے خیانت کی ہے اور متوفی کے مال کو وارثوں تک پہنچانے میں غبن سے کام لیا ہے تو جن کا حق مارا گیا ہے ان میں سے دو گواہ ان کی بجائے اٹھ کھڑے ہوں۔

''اَوْلَيٰنِ'' کی قراءت میں اختلاف ہے، مذکورہ قراءت جمہور کی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے اس قراءت کی روایت کی ہے۔ دوسری قراءت میں ''اَوَّلِيْنَ'' پڑھا گیا ہے، ایک اور قراءت میں ''اَوَّلَانِ'' پڑھا گیا ہے۔ جمہور کی قراءت کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ جب خبر صحیح سے ان دونوں کی خیانت ثابت ہو جائے تو مستحقین ترکہ میں سے دو قریب ترین ورثاء اٹھ کھڑے ہوں اور قسم اٹھا کر کہیں کہ ہماری یہ گواہی کہ ان دونوں نے خیانت کی ہے ان کی گواہی سے زیادہ درست اور صحیح ہے اور ان پر خیانت کا الزام لگانے میں ہم نے زیادتی نہیں کی، اگر ہم نے ان پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو ہم گنہگار ہیں۔

اس قسم کی صورت حال میں ورثاء کی طرف سے قسم اور ان کے قول کی طرف رجوع کرنا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مقتول کے اولیاء قسم اٹھاتے ہیں جب قاتل کی جانب سے خیانت کا انکشاف ہو جائے تو مستحقین قاتل کے خلاف قسم اٹھاتے ہیں جس طرح کہ ''قسامت'' میں یہ مسئلہ مذکور ہے اور حدیث شریف میں بھی اسی طرح وارد ہوا ہے۔ تمیم داری سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میرے اور عدی بن بداء کے علاوہ سب لوگ اس جرم سے بری ہیں، ہم دونوں سے ہی اس گناہ کا ارتکاب ہوا۔ یہ دونوں عیسائی تھے، اسلام سے پہلے وقتاً فوقتاً شام جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ تجارت کی غرض سے شام آئے۔ بنی سہم کا بدیل بن ابی مریم نامی ایک غلام کچھ سامان تجارت لیکر ان کے پاس آیا۔ اس سامان میں سب سے زیادہ قیمتی چیز چاندی کا ایک پیالہ تھا جو وہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا ان دونوں کو وصی بنایا اور کہا کہ وہ اس کا ترکہ اس کے اہل وعیال تک پہنچا دیں۔ تمیم کہتے ہیں کہ جب وہ مر گیا تو ہم نے وہ پیالہ سامان میں سے نکال کر ایک ہزار درہم میں بیچ دیا اور اس کی رقم باہم تقسیم کر لی۔ جب ہم اس کے اہل وعیال کے پاس پہنچے تو سامان ترکہ ان کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے پیالہ کو مفقود پایا۔ چنانچہ انہوں نے پیالے کے بارے میں ہم سے دریافت کیا تو ہم نے لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ بس یہی ترکہ تھا جو ہم نے تمہارے سپرد کر دیا ہے، پیالہ اس میں تھا ہی نہیں۔ تمیم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ شریف تشریف آوری کے بعد مجھے اسلام لانے کی سعادت نصیب ہوئی تو یہ گناہ مجھے بہت کھٹکا، چنانچہ میں بدیل کے گھر والوں کے پاس آیا اور سارا واقعہ کہہ سنایا اور انہیں حقیقت سے آگاہ کر دیا اور اپنے حصے کے پانچ سو درہم انہیں ادا کر دیئے اور انہیں آگاہ کر دیا کہ اس قدر رقم میرے ساتھی کے پاس بھی ہے، چنانچہ وہ

لوگ عدی کے پاس آدھمکے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس سے اس کے مذہب کے مطابق قسم لیں، اس نے قسم اٹھالی تو اس وقت یہ آیت اتری۔ اب حضرت عمرو بن العاص اور ان میں سے ایک دوسرا شخص اٹھے اور قسم اٹھائی کہ ہماری شہادت بہ نسبت ان کی شہادت کے زیادہ معتبر اور درست ہے۔ اس خیانت کے انکشاف اور دو وارثوں کی قسم کی بناء پر عدی سے پانچ سو درہم لے لئے گئے۔ کچھ عرصہ بعد یہی جام مسروق مکہ شریف میں مل گیا۔ خریداروں نے کہا کہ ہم نے یہ پیالہ تمیم اور عدی سے خریدا ہے، چنانچہ سہمی کے اولیاء میں سے دو آدمی اٹھے اور قسم کھائی کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ درست ہے اور یہ جام ہمارے متوفی ساتھی کا ہے۔ چونکہ ان دونوں کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان سے ان کے دین کے مطابق قسم لینے کا حکم دیا۔ یہ قسم نماز عصر کے بعد ہوئی تھی(1)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قصہ سلف میں مشہور و معروف تھا اور وہ اس کی صحت سے بھی آگاہ تھے۔ اس کی تائید ابن جریر کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مسلمان دیار غیر میں فوت ہو گیا۔ جب اس کی حالت نازک ہوگئی اور وصیت کرنا چاہی تو اسے کوئی بھی ایسا مسلمان میسر نہ آسکا جسے وہ اپنی وصیت پر گواہ بنادے۔ چنانچہ اس نے اہل کتاب میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنالیا۔ اب یہ دونوں کوفہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور متوفی کا ترکہ اور وصیت پیش کر دی، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں اس طرح کا ایک واقعہ پیش آیا تھا، اس کے بعد یہ اپنی نوعیت کا دوسرا واقعہ ہے۔ نماز عصر کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے قسم لی کہ انہوں نے خیانت کی نہ جھوٹ بولا، تغیر و تبدل کیا نہ کچھ چھپایا اور یہ متوفی کے ترکہ اور وصیت کے عین مطابق ہے، چنانچہ ان کی شہادت کو درست قرار دے دیا گیا اور اسی پر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کر دیا(2)۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں اس نوعیت کا جو واقعہ ہوا تھا وہ عدی اور تمیم کا ہی واقعہ تھا، حضرت تمیم نے سنہ 9 ہجری میں اسلام قبول کیا تھا۔ اور یہ حکم بعد کا ہے، اس کے نسخ کا دعویٰ کرنے والے پر ضروری ہے کہ وہ اپنے موقف کی تائید میں دلیل لائے۔

سدی سے منقول ہے کہ آیت کریمہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ حالت حضر میں موت کے وقت وصیت کرنے کے بارے میں ہے کہ وہ شخص بوقت موت وصی بنالے اور دو شخص گواہ مقرر کردے کہ اس کے دوسروں کے کیا حقوق ہیں اور اس کے ذمے دوسروں کے کیا واجبات ہیں۔ اور آیت کریمہ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ سفر کے بارے میں ہے۔ اگر حالت سفر میں کسی کو موت آجائے اور اس کے پاس کوئی مسلمان موجود نہ ہو تو یہود، نصاریٰ یا مجوس میں سے دو آدمی بلا کر انہیں وصیت کر دے اور اپنی میراث ان کے حوالے کر دے۔ وہ دونوں متوفی کی میراث اس کے اہل و عیال تک پہنچا دیں۔ اگر تو وہ وصیت درست تسلیم کر کے ترکہ وصول کرلیں تو ''فبھا'' ورنہ ورثاء حاکم کی عدالت میں مقدمہ پیش کر دیں۔ اب فرمان الٰہی تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ کے مطابق نماز کے بعد ان سے قسم لی جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ میرا چشم دید واقعہ ہے۔ اہل میت نے انکار کر دیا اور دونوں گواہوں کو ڈرایا دھمکایا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز عصر کے بعد قسم لینا چاہی تو میں نے کہا کہ یہ تو غیر مسلم ہیں انہیں صلوٰۃ عصر کی کیا پرواہ ہے، انہیں تو ان کی اپنی دینی نماز کے بعد قسم دلائی جائے۔ اپنے دین کے مطابق نماز کے بعد دونوں قسم اٹھائیں کہ ہم حقیر مال کی خاطر اپنی قسموں کا سودا

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 117-116، عارضة الاحوذی تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 11، صفحہ 184-182، سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیۃ، جلد 3، صفحہ 307-308 وغیرہ

2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 110

نہیں کریں گے اگر چہ کوئی قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہم اللہ کی گواہی کو چھپائیں گے، اگر ایسا کیا تو ہم گنہگار ہیں۔ ان کے متوفی نے بس یہی وصیت کی تھی اور یہی اس کا ترکہ تھا۔ قسم اٹھانے سے پہلے امام انہیں سمجھائے کہ اگر تم نے کچھ چھپایا یا خیانت کی تو تم اپنی قوم میں رسوا ہو جاؤ گے پھر کبھی بھی تمہاری شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور سزا کے بھی مستحق ٹھہرو گے، جب وہ انہیں یہ بات کہہ دے تو ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ یہی ایک ایسی صورت ہے جس میں امکان ہے کہ گواہ درست طریقے سے گواہی دیں اور انہیں اس بات کا اندیشہ رہے گا کہ مسلمانوں کی دوبارہ قسموں کے بعد کہیں ہماری قسمیں رد نہ کر دی جائیں (1)۔

حضرت ابراہیم اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ اس آیت کریمہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی بحالت سفر قریب الوفات ہو تو وہ دو مسلمان گواہ مقرر کر دے۔ اگر مسلمان نہ مل سکیں تو اہل کتاب میں سے دو آدمی گواہ بنا لے۔ وہ دونوں ترکہ متوفی کے ورثاء کے پاس لائیں اگر تو وہ ان کی تصدیق کر دیں تو بہتر، اگر وہ خیانت کا الزام لگا دیں تو دونوں گواہ عصر کے بعد قسم اٹھائیں کہ نہ تو ہم نے خیانت کی اور نہ کچھ چھپایا ہے، اور نہ ہی تغیر و تبدل کیا ہے (2)۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا اگر اس بات کا انکشاف ہو جائے کہ ان کافروں نے جھوٹ بولا ہے اور غبن کا ارتکاب کیا ہے تو ان کے بجائے میت کے اولیاء میں سے دو شخص اٹھ کھڑے ہوں اور قسم اٹھائیں کہ ان کافروں کی شہادت باطل ہے اور ہم زیادتی نہیں کر رہے، تو اس صورت میں کافروں کی شہادت رد کر دی جائے گی اور میت کے اولیاء کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔ بہت سے آئمہ اور اسلاف نے اس آیت کا مقتضی اسی حکم کو قرار دیا ہے (3)۔

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اس حکم کی مشروعیت اسی پسندیدہ سبب کی بناء پر ہے کہ ذمی گواہوں کو قسم دلائی جائے تا کہ گواہی درست طریقہ سے عمل میں آئے۔

اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ درست طریقے سے قسموں کی ادائیگی سے مقصود یہ ہے کہ گواہ حلف باللہ کی تعظیم و احترام اور ان کے جھوٹ و خیانت کا پول کھل جانے کے نتیجہ میں لوگوں کے درمیان رسوائی کے خوف سے سچ بولیں، پھر فرمایا کہ اپنے تمام امور میں اللہ سے ڈرو، اس کی بات سنو اور سر تسلیم خم کر لو۔ اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو نافرمان ہیں، اس کی اطاعت سے منحرف ہیں اور اس کی شریعت کی اتباع سے پہلو تہی کرتے ہیں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

"جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو پھر پوچھے گا (ان سے) کیا جواب ملا تمہیں؟ عرض کریں گے کوئی علم نہیں ہمیں بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے سب غیبوں کا۔"

اس آیت کریمہ میں اس بات سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے خطاب کر کے ان سے پوچھے گا کہ جن قوموں کی طرف انہیں مبعوث کیا گیا تھا انہوں نے دعوت و تبلیغ کا کیا جواب دیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَنَسْــَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْــَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ (الاعراف: 6) "سو ہم ضرور پوچھیں گے ان سے بھیجے گئے (رسول) جن کی طرف اور ہم ضرور پوچھیں گے

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 110-111 2۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 110 3۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 113

رسولوں سے''۔ اور فرمایا: فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الحجر:93-92)''پس آپ کے رب کی قسم! ہم پوچھیں گے ان سب سے ان اعمال کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے''۔

انبیائے کرام نے دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا، بعض نے قبول کیا اور بعض نے رد کر دیا۔ انہوں نے بچشم خود ان چیزوں کا مشاہدہ کیا تھا پھر ان کا ''لَا عِلْمَ لَنَا'' کہنے کا کیا مطلب ہے؟ حضرات مجاہد، حسن بصری، سدی وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس دن اس قدر ہولناکی اور دہشت ہوگی کہ وہ خوف کے مارے کہیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں (1)۔

سدی سے منقول ہے کہ ''لَا عِلْمَ لَنَا'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں ایسے لوگوں کے قائم مقام رکھ کر یہ کہا گیا ہے جن پر مدہوشی طاری ہو جاتی ہے اس لئے جب سوال کیا جائے گا تو کہیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں۔ پھر کچھ دیر بعد جب اطمینان قلبی حاصل ہوگا تو وہ اپنی اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ مَاذَآ اُجِبْتُمْ کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے تمہارے بعد کونسا طرز عمل اختیار کیا، کیا کیا اعمال کرتے رہے، تو جواب میں انبیائے کرام علیہم السلام عرض کریں گے لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور ابن جریر نے بھی اسی کو پسند کیا ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام از راہ ادب وتعظیم عرض کریں گے: یارب! تیرے علم محیط وکامل کے مقابلہ میں ہمیں کچھ علم نہیں اگرچہ ہمیں ان لوگوں کے بارے میں علم ہے جنہوں نے ہماری دعوت پر لبیک کہی، لیکن ہم تو صرف ظاہر پر آگاہ ہیں باطن کے متعلق ہمیں کچھ علم نہیں، صرف تو ہی ہر چیز پر مطلع اور آگاہ ہے، تمہارے علم کے مقابلہ میں ہمارا علم عدم علم کی طرح ہے کیونکہ غیبوں کو جاننے والا تو ہی ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰي وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝

''جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم! یاد کرو میرا انعام اپنے پر اور اپنی والدہ پر جب میں نے مدد فرمائی تمہاری روح القدس سے باتیں کرتا تھا تو لوگوں سے (جبکہ تو ابھی) پنگھوڑے میں تھا اور جب پکی عمر کو پہنچا اور جب سکھائی میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل اور جب تو بناتا تھا کیچڑ سے پرندے کی سی صورت میرے اذن سے پھر پھونک مارتا تھا اس میں تو وہ (مٹی کا بے جان پتلا) بن جاتا تھا پرندہ میرے اذن سے اور (جب) تو تندرست کر دیا کرتا تھا مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے اذن سے اور جب تو (زندہ کر کے) نکالا کرتا تھا مردوں کو میرے اذن سے اور جب میں نے روک دیا تھا بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو آیا تھا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو کہا جنہوں نے کفر کیا تھا ان سے کہ یہ سب

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 125

(معجزات) نہیں ہیں مگر کھلا ہوا جادو اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ ایمان لاؤ میرے ساتھ اور میرے رسول کے ساتھ انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے مولا!) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں"۔

اللہ تعالیٰ ان احسانات، خوارق عادت، اور روشن معجزات کا تذکرہ فرما رہا ہے جن سے اس نے اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو سرفراز فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے عیسیٰ! میرے انعام کو یاد کرو کہ میں نے تمہیں بغیر باپ کے صرف ماں کے ذریعے پیدا کیا اور میں نے تمہیں اپنے کمال قدرت پر ایک روشن نشانی اور قطعی دلیل قرار دیا، اور تمہاری والدہ پر بھی میں نے احسان کیا، ظالم اور جاہل تمہاری والدہ پر بدکاری کی جو تہمت لگاتے تھے اس سے براءت اور پاکدامنی کی دلیل تجھی کو ٹھہرایا۔

اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ...... روح القدس یعنی جبریل علیہ السلام کے ذریعے تمہاری مدد کی اور بچپن اور پکی عمر میں تمہیں نبی اور داعی الی اللہ بنایا۔ پنگھوڑے میں جب تم ابھی بالکل چھوٹے بچے تھے میں نے تمہیں قوت گویائی عطا فرمائی اور تم نے ہر عیب سے اپنی والدہ محترمہ کی برأت اور پاکدامنی کی گواہی دی، بندگی کا اعتراف کیا، میرا پیغام لوگوں تک پہنچایا اور میری عبادت کی انہیں دعوت دی اسی لئے فرمایا: تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا یعنی تم دعوت و تبلیغ کا فریضہ بچپن اور پکی عمر میں انجام دیتے رہے۔ "تُكَلِّمُ" کے ضمن میں دعوت کا معنی پایا جاتا ہے کیونکہ بڑی عمر میں لوگوں سے گفتگو کرنا کوئی عجیب بات نہیں ہے، تعجب تو اس گفتگو پر ہے جو بچپن میں کی جائے جس وقت بچہ گفتگو پر قادر نہیں ہوتا۔

وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ...... میں نے تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دی، لکھنا پڑھنا اور سمجھ بوجھ عطا فرمائی، تورات اور انجیل سکھائی۔ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ حدیث شریف میں تورات کا ذکر آتا ہے تو کبھی اس سے مراد یہ اور دوسری کتب ہوتی ہیں۔

وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ...... تم میرے حکم سے پرندے کی سی شکل بناتے تھے پھر اس (بے جان پتلے) میں پھونک مارتے تو وہ جاندار پرندہ بن جاتا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اڑتا۔

وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ اس کی وضاحت سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں (1)۔

وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ تم مردوں کو بلاتے تو وہ اللہ کے اذن، ارادہ، قدرت اور مشیت سے زندہ ہو کر قبروں سے باہر نکل آتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب مردوں کو زندہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو دو رکعت نفل ادا کرتے تھے، پہلی رکعت میں تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ اور دوسری رکعت میں "الٓمّٓ تَنْزِيْلُ" کی تلاوت کرتے، ان دو رکعتوں کی ادائیگی کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے، پھر ان سات اسماء کا ورد کرتے: يَا قَدِيْمُ، يَا قَيُّوْمُ، يَا اَللّٰهُ، يَا رَحْمٰنُ، يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ، يَا نُوْرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، يَا رَبِّ، یہ اسماء زبردست تاثیر کے حامل ہیں۔

وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ...... اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ میری نعمت اور احسان کو یاد کرو کہ جب تم بنی اسرائیل کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت اور رسالت پر قطعی دلائل و براہین لیکر آئے تھے تو انہوں نے تمہیں جھٹلایا، جادوگر ہونے کی تہمت لگائی، تمہیں قتل کرنے اور سولی دینے کے درپے ہو گئے تو اس وقت میں نے تمہیں ان (کے ظلم) سے بچالیا، تمہیں اپنی طرف اٹھالیا، ان کی آلودگی سے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران: 49

تمہیں پاک رکھا اور ان کے شر سے محفوظ کر دیا۔ یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان آپ کو آسمان دنیا کی طرف اٹھائے جانے کے بعد کا ہے یا پھر روز قیامت وقوع پذیر ہوگا۔ اس مستقبل کے واقعہ کو ماضی سے تعبیر کرنا اس کے یقینی تحقق پر دلالت کرتا ہے، یہ غیب کے وہ اسرار و رموز ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر نبی حضرت محمد ﷺ کو آگاہ فرما دیا ہے۔

وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مخلص اور جانثار ساتھی اور مددگار بنا دیئے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وحی سے کیا مراد ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ یہاں وحی الہام (چپکے سے دل میں کوئی بات ڈال دینا) کے معنی میں ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِیْهِ (القصص: 7) "اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہ"۔ بغیر کسی شک وشبہ کے یہاں وحی کا معنی الہام ہے۔ اسی طرح شہد کی مکھی کے بارے میں فرمایا: وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا (النحل: 69-68) "اور ڈال دی آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات کہ بنا یا کر پہاڑوں میں (اپنے) چھتے اور درختوں (کی شاخوں) اور ان چھپروں میں جو لوگ بناتے ہیں۔ پھر رس چوسا کر ہر قسم کے پھلوں سے پس چلتی رہا کر اپنے رب کی آسان کی ہوئی راہوں پر"۔ اسی طرح یہاں بھی وحی سے مراد الہام ہے یعنی حواریوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ حکم بجالائیں اور یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ میں نے تمہارے واسطہ سے ان پر وحی بھیجی اور انہیں اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ انہوں نے اس پر لبیک کہی، سر تسلیم خم کر لیا اور اطاعت الٰہی پر کمربستہ ہوگئے۔ اور کہا: "اٰمَنَّا وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ"۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰیَةً مِّنْكَ ۚ وَ ارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

"جب کہا تھا حواریوں نے اے عیسیٰ بن مریم کیا یہ کر سکتا ہے تیرا رب کہ اتارے ہم پر ایک خوان آسمان سے، (ان کی اس تجویز پر) عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ڈرو اللہ سے اگر تم مومن ہو۔ حواریوں نے کہا ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ ہم کھائیں اس سے اور مطمئن ہوجائیں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم ہوجائیں اس پر گواہی دینے والوں سے۔ عرض کی عیسیٰ بن مریم نے اے اللہ ہم سب کے پالنے والے اتار ہم پر خوان آسمان سے بن جائے ہم سب کے لئے خوشی کا دن (یعنی) ہمارے اگلوں کے لئے بھی اور پچھلوں کے لئے بھی اور (ہوجائے) ایک نشانی تیری طرف سے اور رزق دے ہمیں اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بلاشبہ میں اتارنے والا ہوں اسے تم پر پھر جس نے کفر اختیار کیا اس کے بعد تم سے تو بے شک میں عذاب دوں گا اسے ایسا عذاب کہ نہیں دوں گا کسی کو بھی اہل جہان سے"۔

یہ ہے مائدہ کا قصہ۔ چونکہ اس سورت میں "مائدۃ" کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام ہی سورۂ مائدہ رکھ دیا گیا۔ یہ ایک اور عظیم احسان ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہرہ ور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور آسمان سے مائدہ نازل فرما دیا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک روشن معجزہ اور قطعی حجت ہے، بعض آئمہ کا کہنا ہے کہ یہ قصہ انجیل سے مذکور نہیں ہے، نصاریٰ کو مسلمانوں کے ذریعے اس کا علم ہوا۔

"حواریون" سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں جنہوں نے نزول مائدہ کا مطالبہ کیا تھا۔ اکثر قراء نے تو "یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ" پڑھا ہے، بعض دوسرے قاری تَسْتَطِیْعُ رَبَّكَ پڑھتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا آپ اپنے رب سے یہ سوال کر سکتے ہیں۔ "مَآئِدَۃً" سے مراد وہ دستر خوان ہے جس پر کھانا چنا گیا ہو۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حواریوں نے نزول مائدہ کا سوال اپنی ضرورت اور فقر کی وجہ سے کیا تھا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ہر روز ان پر ایک خوان اترا کرے جس سے وہ اپنی خوراک حاصل کر کے کھائیں اور عبادت پر قوت حاصل کریں تو حضرت مسیح علیہ السلام نے انہیں جواب دیا کہ اگر تم صاحب ایمان ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس قسم کا سوال نہ کرو، طلب رزق میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا یہی مطالبہ تمہارے لئے باعث فتنہ بن جائے اور نافرمانی کی پاداش میں عذاب کے سزاوار بن جاؤ۔

قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا...... حواریوں نے کہا: ہم محتاج ہیں، کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے اس لئے ہمیں سامان خورونوش کی ضرورت ہے، ہماری خواہش ہے کہ ہم اس دستر خوان سے اپنی خوراک حاصل کریں۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہم اطمینان قلبی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جب ہم آسمان سے دستر خوان اترتا ہوئے دیکھیں تو ہمیں پورا پورا اطمینان ہو جائے گا اور تیسرا مقصد یہ ہے کہ ہمیں کامل یقین ہو جائے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچے رسول ہیں اور چوتھا مقصد یہ ہے کہ ہم لوگوں کو آگاہ کریں گے اور گواہی دیں گے کہ یہ اللہ کی طرف سے ایک نشانی ہے اور آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی نبوت و رسالت کی صداقت پر واضح دلیل ہے۔

قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ...... ان کے مطالبہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی، عرض کی: یا اللہ، اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے دستر خوان نازل فرما جو ہمارے اگلے اور پچھلے لوگوں کے لئے عید ہو یعنی ہم اس دن کو جس میں مائدہ اترے عید بنالیں گے جس کی نہ صرف ہم بلکہ بعد میں آنے والے بھی تعظیم بجالائیں گے، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا" سے مراد یہ ہے کہ ہم اس روز نماز پڑھیں گے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے "عید" کا یہ معنی نقل کیا گیا ہے کہ وہ ہمارے لئے اور بعد والوں کے لئے عبرت اور نصیحت کا باعث بنے، بعض نے کہا ہے کہ سب کے لئے کافی ہو جائے۔

وَاٰیَۃً مِّنْكَ تیرے کمال قدرت اور میری دعا کی مقبولیت کی دلیل بن جائے تاکہ لوگ میری رسالت کی تصدیق کریں۔

وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ تو اپنی جناب سے بغیر محنت اور تکلیف کے ہمیں خوشگوار رزق عطا فرما۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ...... اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! تمہاری امت میں سے نزول مائدہ کے باوجود جس نے کفر کیا اور سرکشی اختیار کی تو اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ کسی نے ایسے عذاب کا ذائقہ نہ چکھا ہوگا، جیسا کہ فرمایا: وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (المومن:46) "اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) داخل کردو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں"۔ اسی طرح منافقین کے بارے میں فرمایا: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا (النساء:145) "بے شک منافق سب سے نچلے

طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے"۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ روز قیامت جنہیں سخت ترین عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا وہ تین ہیں: (1) منافقین (2) نزول مائدہ کے بعد جنہوں نے کفر کیا (3) آل فرعون (1)۔

نزول مائدہ کے متعلق سلف کی روایات

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تیس روزے رکھ سکتے ہو، پھر تم اس سے جو بھی سوال کرو گے وہ تمہیں عطا فرمائے گا، کیونکہ کام کرنے والے کی اجرت اس پر لازم ہے جس کی خاطر کام انجام دیا گیا ہو، چنانچہ انہوں نے حسب ارشاد روزے رکھے پھر عرض کی: اے بھلائی کی تعلیم دینے والے! آپ نے فرمایا تھا کہ مزدور کو مزدوری ضرور دی جاتی ہے آپ کے حکم پر ہم نے تیس روزے رکھے، تیس دن ہم جس کی نوکری کر لیں وہ ضرور ہمیں کھلاتا ہے یا اجرت دیتا ہے تو کیا اب تمہارا رب آسمان سے دسترخوان نازل کرے گا؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ......

چنانچہ فرشتے آسمان سے مائدہ لیکر اترے جس میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں یہاں تک کہ ان کے سامنے رکھ دیا، سب لوگوں نے اس میں سے کھایا (2)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آسمان سے مائدہ اترا تو اس میں روٹی اور گوشت تھا، انہیں حکم دیا گیا کہ وہ نہ تو اس میں خیانت کریں اور نہ ہی کل تک کے لئے جمع کر کے رکھیں، لیکن ان لوگوں نے خیانت کی اور ذخیرہ کر کے رکھ لیا۔ اس نافرمانی کے نتیجہ میں ان کی شکلیں مسخ کر کے انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا (3)۔ بنی عجل کے ایک آدمی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہیں بنی اسرائیل کے مائدہ کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟ میں نے عرض کی: نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نزول مائدہ کا سوال کیا تھا جس سے ان کی خوراک کا بندوبست ہو جائے اور وہ خوراک کبھی ختم نہ ہو۔ ان کا مطالبہ پورا کر دیا گیا، مائدہ اترا تو انہیں یہ باور کرا دیا گیا کہ یہ دسترخوان مستقل اور دائمی ہے بشرطیکہ وہ نہ اس میں سے کوئی چیز چھپائیں، نہ اس میں خیانت کریں اور نہ یہ کل کے لئے بچا کر رکھیں، اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان پر ایسا عذاب اترے گا جو کسی پر نہیں اترا ہوگا، لیکن صرف ایک دن ہی گزرا تھا کہ انہوں نے اس میں سے چھپا لیا اور خیانت کے مرتکب ہوئے، نتیجتاً انہیں عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دیا گیا شاید ہی دنیا میں کسی کو اس قدر شدید عذاب کا سامنا ہوا ہو اور اے اہل عرب! تم اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی دمیں پکڑے ان کے پیچھے بھاگتے تھے (ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے) اللہ تعالیٰ نے تم پر کرم فرمایا اور تمہی میں سے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا جس کے حسب و نسب اور شرافت سے تم بخوبی آگاہ ہو۔ اس نبی نے تمہیں خبر دی ہے کہ تم عنقریب عجمیوں پر غلبہ پاؤ گے اور تمہیں سونا چاندی ذخیرہ کرنے سے منع کیا ہے لیکن اللہ کی قسم، جو بھی دن رات گزرتا ہے تمہیں سونا چاندی ذخیرہ کرنے اور اپنا خزانہ بڑھانے کی فکر ہوتی ہے، خبردار! کہیں ایسا نہ ہو کہ قوم عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں بھی دردناک عذاب میں مبتلا کر دے (4)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 136
2۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 31-130
3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 134
4۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 134

اسحاق بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مائدہ میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں، لوگوں نے جس قدر چاہا کھایا، کچھ لوگوں نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ شاید کل یہ نہ اترے اس میں سے چرالیا چنانچہ مائدہ کا آنا بند ہو گیا(1)۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ مائدہ مچھلی اور روٹی پر مشتمل تھا وہ جب چاہتے اور جہاں فروکش ہوتے اس میں سے کھاتے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ جہاں اترتے ان پر یہ کھانا اتر آتا۔ عطیہ عوفی کا کہنا ہے کہ مائدہ میں مچھلی ہوتی تھی جس میں ہر چیز کا ذائقہ موجود ہوتا تھا۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ہر روز مائدہ میں انواع واقسام کے جنتی پھل اترتے وہ جس قدر چاہتے کھالیتے۔ چار ہزار آدمی اس دسترخوان سے کھاتے تھے لیکن کھانا کم نہیں ہوتا تھا، جس قدر کھاتے اتنی مقدار میں اس کی جگہ اللہ تعالیٰ اور کھانا بھیج دیتا۔ جتنی مدت اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ وہب بن منبہ سے ہی منقول ہے کہ اس میں جو کی روٹیاں اور مچھلیاں ہوتیں، اللہ تعالیٰ نے اس دسترخوان میں اس قدر برکت ڈال دی کہ لوگ یکے بعد دیگرے آکر خوب سیر ہو کر کھاتے لیکن وہ کھانا جوں کا توں رہتا، سب لوگوں کے کھانے کے بعد بھی اسی طرح بچا رہتا۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مائدہ میں گوشت کے علاوہ ہر چیز ہوتی۔ میسرہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے سامنے جب وہ مائدہ آتا تو سوائے گوشت کے ہر قسم کا کھانا ان کے ہاتھ لگتا(2)۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ اس میں چاول کی روٹیاں ہوتی تھیں۔

حضرت سلمان الخیر فرماتے ہیں کہ جب حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ کا سوال کیا تو آپ کو یہ سخت ناگوار گزرا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زمین سے جو رزق تمہیں عطا فرماتا ہے اسی پر قناعت کرو اور آسمان سے نزول مائدہ کا سوال مت کرو کیونکہ اگر یہ آسمان سے اتر آیا تو یہ ایک معجزہ ہوگا، قوم ثمود نے بھی تمہاری طرح اپنے نبی سے ایک معجزے کا مطالبہ کیا تھا لیکن معجزہ دیکھ لینے کے باوجود انہوں نے کفر کیا اسی کی پاداش میں انہیں ہلاک کر دیا گیا، کہیں تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی نہ ہو لیکن وہ اپنے مطالبہ پر مصر رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب ان کے پیہم اصرار کو دیکھا تو دعا کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اون کا لباس اتار دیا۔ سیاہ بالوں سے بنا ہوا ایک جبہ اور چوغہ پہن لیا۔ وضو اور غسل کر کے اپنی جائے نماز میں داخل ہوئے، کافی دیر تک نماز میں مشغول رہے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو قبلہ رو کھڑے ہو گئے دونوں قدم جوڑ دیئے اور ٹخنہ سے ٹخنہ ملالیا، انگلیاں سیدھی کرلیں، اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر سینہ پر باندھ لیا، نگاہیں نیچی کرلیں، خشوع و خضوع سے سر جھکا لیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، ڈاڑھی بھیگ گئی۔ آنسو زمین پر گرنے لگے یہاں تک کہ سامنے کی زمین تر ہو گئی، اس وقت بارگاہ خداوندی میں دعا کی: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور دو اوپر نیچے بدلیوں کے درمیان مائدہ اتار دیا، لوگ اپنی نظروں سے آسمان سے مائدہ کو اترتے ہوئے دیکھ رہے تھے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس خوف سے کہ ان کے کفر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نہ نازل کر دے، رو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کر رہے تھے کہ اے اللہ! ان کے لئے اس مائدہ کو رحمت بنا دے نہ کہ زحمت۔ الٰہی! کتنی عجیب چیزوں کا میں نے تجھ سے سوال کیا جو تو نے مجھے عطا فرما دیں، الٰہی! ہمیں اپنا شکر گزار بنا۔ مولا! میں اس مائدہ کے غضب اور عذاب کا سبب بننے سے تیری پناہ مانگتا ہوں، الٰہی! اسے سراپا سلامتی اور عافیت بنا دے اور اسے فتنہ نہ بنا۔ آپ دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ مائدہ آپ کے اور حواریوں کے سامنے آکر ٹھہر گیا، اس میں سے اس قدر عمدہ خوشبو مہک رہی تھی کہ اس جیسی خوشبو انہوں نے کبھی نہ سونگھی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے حواری اس غیر معمولی نعمت پر شکر بجالاتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی جگہ سے رزق عطا فرما دیا جہاں سے انہیں امید

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 133 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 134

ہی نہیں تھی اور انہیں ایک تعجب خیز اور عبرت ناک نشانی دکھائی۔ یہودیوں نے اس امر عجیب کو دیکھا تو رنج والم سے شکستہ خاطر ہو گئے، غضب کے مارے دانت پیسنے لگے اور اسی غیظ وغضب کے عالم میں چل دیئے، اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حواری اور آپ کے ساتھی آئے اور دستر خوان کے ارد گرد بیٹھ گئے، دستر خوان رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہم میں سے کون اس رومال کو ہٹانے کی جسارت کرے گا، کون ہے ہم میں سے جسے اپنے نفس پر زیادہ ضبط، وثوق اور اطمینان ہو، ہم میں سے کون ہے جو آزمائش میں زیادہ پورا اترنے والا ہو، جو ان صفات کا حامل ہو چاہئے کہ وہ دستر خوان سے رومال کو ہٹائے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھیں، اس کی حمد وثناء کریں اور اس کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھائیں۔ حواریوں نے عرض کی: اے روح اللہ، اے کلمۃ اللہ! آپ سے بڑھ کر اس کا حقدار کون ہو سکتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھے، تازہ وضو کیا، پھر جائے نماز میں داخل ہو کر نماز میں مصروف ہو گئے، کچھ دیر تک گریہ وزاری کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ وہ دستر خوان سے پردہ اٹھانے کی اجازت مرحمت فرمائے اور اسے قوم کے لئے باعث برکت ورزق بنائے، پھر دستر خوان کے پاس آ کر بیٹھ گئے رومال ہٹایا اور دعا کی: اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ رومال ہٹایا تو دیکھا کہ دستر خوان پر بڑی بڑی بھنی ہوئی مچھلیاں ہیں، نہ ان پر چھلکے ہیں اور نہ کانٹے۔ روغن ان سے بہہ رہا ہے، سوائے مولی کے ان کے ارد گرد ہر قسم کی سبزیاں ہیں، ان کے سر کی طرف سرکہ ہے اور دم کی طرف نمک، سبزیوں کے ارد گرد پانچ روٹیاں ہیں، ان میں سے ایک پر زیتون، دوسری پر کھجوریں اور پانچ انار ہیں۔ حواریوں کے رئیس شمعون نے کہا: یا روح اللہ، یا کلمۃ اللہ! کیا یہ اس دنیا کا کھانا ہے یا جنت کا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ اس قدر عجائب ومعجزات دیکھ لینے کے بعد تم عبرت حاصل کرو اور مسائل کی چھان بین سے باز آ جاؤ؟ مجھے تو خدشہ ہے کہ کہیں یہی نشانی تمہارے لئے عذاب کا سبب نہ بن جائے۔ شمعون نے کہا: الٰہ اسرائیل کی قسم! اے صدیقہ (مریم علیہا السلام) کے بیٹے! میرا مقصد سوال کرنا نہیں تھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ نہ تو دنیا کا کھانا ہے اور نہ جنت کا، بلکہ یہ ایسا کھانا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے فضاء ہی میں پیدا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ''کُنْ'' ہو جا تو پلک جھپکنے سے ہی پہلے وہ وجود میں آ گیا، جو تم نے مانگا تھا اس سے اللہ کا نام لیکر کھاؤ، اس کی حمد وثناء اور شکر ادا کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں مزید نعمتیں عطا فرمائے گا کیونکہ وہ ایجاد کرنے والا، کامل قدرت والا اور قدردان ہے۔ انہوں نے کہا: اے روح اللہ، اے کلمۃ اللہ! ہماری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس نشانی کے اندر ایک اور نشانی دکھائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: سبحان اللہ! کیا یہ نشانی جو تم دیکھ چکے ہو، کافی نہیں یہاں تک کہ ایک اور نشانی کا مطالبہ کرنے لگ گئے ہو؟ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مچھلی سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے مچھلی! اللہ کے حکم سے دوبارہ اس طرح زندہ ہو جا جس طرح پہلے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس مچھلی کو زندہ کر دیا، وہ تر وتازہ ہو کر تڑپنے لگی اور شیر کی طرح منہ کھولنے لگی، اس کی آنکھیں گھومنے اور چمکنے لگیں، اس کے جسم پر چھلکے بھی ظاہر ہو گئے۔ یہ دیکھ کر لوگ ڈر گئے اور پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو فرمایا: تمہیں کیا ہے کہ تم نشانی کا سوال کر رہے تھے، جب تمہارے رب نے وہ نشانی تمہیں دکھا دی تو تم اس سے ڈرنے لگے اور اسے ناپسند کرنے لگے؟ مجھے تو شدید خطرہ ہے کہ کہیں تمہارا یہ کیا دھرا تمہارے لئے عذاب کا سبب نہ بن جائے، فرمایا: اے مچھلی! اللہ کے حکم سے پہلے کی طرح ہو جا، چنانچہ وہ مچھلی پہلے کی طرح بھنی ہوئی بن گئی۔ لوگوں نے کہا: اے عیسیٰ! پہلے آپ کھائیں پھر ہم کھائیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: معاذ اللہ! پہلے وہی کھائے جس نے نشانی کا مطالبہ کیا تھا۔ جب حواریوں نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں کھا رہے ہے تو وہ خوفزدہ ہو گئے اور

اندیشہ کرنے لگے کہ نزول مائدہ کہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب نہ بن جائے اور اس کا کھانا نقصان کا موجب نہ بن جائے، چنانچہ انہوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھا تو فقراء اور مریضوں کو بلایا اور فرمایا کہ اللہ کے رزق اور اپنے نبی کی دعوت میں سے کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو جس نے تم پر اسے اتارا ہے، تمہارے لئے یہ باعث رحمت و برکت ہوگا اور دوسروں کے لئے باعث عقوبت۔ اللہ کے نام سے کھانا شروع کرو اور الحمدللہ پر اختتام کرو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، تیرہ سو مردوں عورتوں نے اس میں سے کھایا، خوب سیر ہو کر اٹھے۔ جب سب لوگوں نے شکم بھر کر کھا لیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں نے دیکھا کہ کھانا تو جوں کا توں ہے اس میں ذرا بھی کمی واقع نہیں ہوئی، پھر لوگوں کے دیکھتے دیکھتے مائدہ آسمان کی طرف بلند ہو گیا، جس فقیر نے اس میں سے کھا با غنی ہو گیا، جس مریض نے اس میں سے کھایا تندرست ہو گیا، پھر ہمیشہ غنی اور تندرست رہے۔ جن حواریوں اور ان کے ساتھیوں نے کھانے سے احتراز کیا تھا وہ سخت نادم ہوئے اور مرتے دم تک کھانے کی حسرت ان کے دلوں میں باقی رہی۔ اس کے بعد جب مائدہ اترا تو بنی اسرائیل ہر طرف سے اس پر پل پڑے، غنی فقیر، چھوٹے بڑے، تندرست مریض سب دھکم پیل کرتے ہوئے ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھا تو سب کی باری مقرر فرما دی ایک دن آ کر جو کھاتے وہ دوسرے دن نہ آتے، چالیس دن گزر گئے، مائدہ ایک دن کے ناغہ سے ان پر اترتا، وہ دن بھر خوب سیر ہو کر اس میں سے کھاتے، پھر مائدہ بحکم الٰہی آسمان کی طرف بلند ہو جاتا، لوگ اس کے سایہ کو زمین پر پڑتا ہوا دیکھتے یہاں تک کہ وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ مائدہ میں میرا رزق صرف فقراء، یتیموں اور مریضوں کے لئے ہے، مالداروں کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ جب آپ نے ایسا کہا تو یہ بات مالداروں کو سخت ناگوار گزری، نکتہ چینی کرنے لگے، خود بھی شک میں پڑ گئے اور لوگوں کو بھی شکوک و شبہات میں مبتلا کرنا شروع کر دیا اور مائدہ کے بارے میں نازیبا اور بری باتوں کی تشہیر کرنے لگے، شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور اس نے نیک لوگوں کے دلوں میں بھی وسوسے ڈالنا شروع کر دیئے یہاں تک کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا: ہمیں صحیح صحیح بتانا کہ آسمان سے نزول مائدہ کیا واقعی حق ہے؟ کیونکہ ہم میں سے اکثر لوگ شکوک و شبہات کا شکار ہیں۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! تم ہلاک ہو گئے، اپنے نبی سے تم نے مطالبہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے مائدہ کی دعا کریں۔ جب اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی تم پر اپنی رحمت اور رزق اتارا اور اپنی نشانیاں اور عبرتیں دکھائیں تو تم جھٹلانے پر اتر آئے اور شک کرنے لگے، اب عذاب کی خوشخبری سن لو۔ یہ عذاب تم پر آنے ہی والا ہے، ہاں اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرما دے تو یہ دوسری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میں اپنی شرط کے مطابق جھٹلانے والوں کو ضرور پکڑوں گا جس نے نزول مائدہ کے بعد کفر کیا اس کو اس قدر شدید عذاب دوں گا کہ ایسا عذاب کسی کو نہ دیا گیا ہوگا۔ شام ہوئی اور شک کرنے والے امن و سکون سے اپنی عورتوں کے ساتھ اپنی خواب گاہوں میں محو استراحت ہو گئے، سوئے تھے تو بہترین شکل صورت تھی لیکن آخر شب ان کی شکلوں کو مسخ کر کے خنزیر بنا دیا اور یہ گندگی اور نجاست میں پھرنے لگے۔ یہ روایت بہت عجیب و غریب ہے، ابن حاتم نے اسے مختلف مقامات پر الگ الگ کر کے بیان کیا ہے، میں نے تسلسل قائم رکھتے ہوئے اسے ایک واقعہ کی صورت میں بیان کر دیا ہے۔

یہ تمام روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کے نتیجہ میں بنی اسرائیل پر اترا تھا، قرآن کریم کا ظاہر سیاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ۔

کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ مائدہ اترا ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اسے بطور مثال بیان فرمایا ہے، جب ناشکری کی صورت میں انہیں عذاب کا خوف دلایا گیا تو وہ اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئے اور کہا کہ ہمیں اس کی ضرورت ہی نہیں۔ مجاہد اور حسن تک یہ اسانید درست ہیں۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نصاریٰ مائدہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور نہ ہی ان کی کتاب انجیل میں کہیں اس کا ذکر ہے، اگر مائدہ اترا ہوتا تو انجیل میں جا بجا اس کا ذکر آتا اور تواتر سے انجیل میں مذکور ہوتا۔ لیکن جمہور کا موقف یہی ہے کہ مائدہ اترا تھا، ابن جریر نے اسی کو پسند کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نزول مائدہ کی خبر اپنے اس فرمان میں دی ہے: فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور وعید برحق ہے اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے، اخبار و روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، مورخین بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ بن نصیر نے بلاد مغرب کی فتوحات کے وقت وہاں مائدہ پایا جو انواع واقسام کے موتیوں اور جواہرات سے مرصع تھا۔ انہوں نے امیر المومنین ولید بن عبدالملک کے پاس بھیج دیا، لیکن مائدہ ابھی رستہ میں ہی تھا کہ وہ فوت ہو گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بھائی خلیفہ سلیمان بن عبدالمالک کی خدمت میں پیش کیا گیا، لوگوں نے اسے دیکھا، اس پر لگے ہوئے نفیس اور یگانہ موتی اور جواہرات دیکھ کر بہت متعجب ہوئے، کہا جاتا ہے کہ یہ مائدہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا تھا۔ واللہ اعلم۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قریش نے حضور اکرم ﷺ سے فرمائش کی کہ اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ صفا کی پہاڑی کو ہمارے لئے سونا بنا دے پھر ہم ایمان لے آئیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا ایمان لے آؤ گے؟'' انہوں نے کہا: ہاں آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ حضرت جبریل امین آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے: اگر آپ چاہیں تو صفا کی پہاڑی ان کے لئے سونا بن جائے لیکن اس کے بعد بھی اگر وہ کفر پر اڑے رہے تو انہیں ایسا عذاب دوں گا جو کسی کو نہ دیا ہوگا، اور اگر آپ چاہیں تو میں ان کے لئے در توبہ و رحمت کھول دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مولا! تیری توبہ اور رحمت ہی کے ہم طلب گار ہیں'' (1)۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ڲ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝١١٦ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝١١٧ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١١٨

''اور جب پوچھے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو دو خدا اللہ کے سوا؟ وہ عرض کریں گے پاک ہے تو ہر شریک سے کیا مجال تھی میری کہ میں کہوں ایسی بات جس کا نہیں ہے مجھے کوئی حق، اگر میں نے

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 314، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 242

کہی ہوتی ایسی بات تو تو ضرور جانتا اس کو تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے، بیشک تو ہی خوب جاننے والا ہے تمام غیبوں کا۔ نہیں کہا میں نے انہیں مگر وہی کچھ جس کا تو نے حکم دیا مجھے کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے اور تھا میں ان پر گواہ جب تک میں رہا ان میں، پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی نگران تھا ان پر اور تو ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے''۔

روز قیامت اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان لوگوں کی موجودگی میں خطاب فرمائے گا جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کو معبود بنا رکھا تھا۔ اس میں نصاریٰ کو کھلی دھمکی اور برسر عام زجر و توبیخ ہے۔ قتادہ نے اس پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (المائدہ:119)۔

سدی کہتے ہیں کہ یہ خطاب اور جواب دنیا میں ہی ہے، ابن جریر نے اسی موقف کو درست قرار دیا ہے، اس کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان دنیا کی طرف اٹھائے جانے والے واقعہ کے ساتھ ہے۔ ابن جریر نے اپنے موقف کے اثبات کے لئے دو طرح سے استدلال کیا ہے ایک یہ کہ کلام صیغہ ماضی (قَالَ) کے ساتھ ہے، دوسرا یہ کہ ''اِنْ تُعَذِّبْهُمْ'' اور ''اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ'' میں اسلوب شرطیہ ہے، بات دنیا میں ہی ہوئی ہوگی تبھی تو عذاب اور مغفرت کی شرط روز قیامت کے لئے اٹھا رکھی ہے (1)۔ لیکن یہ دونوں دلیلیں محل نظر ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت سے متعلقہ بہت سے امور کی تعبیر ماضی کے صیغہ سے کی گئی ہے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ تحقق اور ثبوت پر دلالت کرے۔

جہاں تک اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ کا تعلق ہے تو اس کا مفہوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان گنہگاروں سے بیزاری ظاہر کرنا اور ان کے بارے میں فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔ شرط پر اس کو معلق کرنا اس کے وقوع کا مقتضی نہیں ہوسکتا، قرآن کریم میں اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں۔ قتادہ وغیرہ نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ زیادہ واضح اور درست ہے کہ یہ خطاب قیامت کے دن ہوگا اور اس کا مقصد نصاریٰ کو دھمکی اور ڈنکے کی چوٹ انہیں زجر و توبیخ کرنا ہے تاکہ سب کے سامنے ان کا پول کھل جائے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب قیامت کا دن ہوگا تو تمام انبیاء اور ان کی امتوں کو بلایا جائے گا پھر عیسیٰ علیہ السلام کو بلایا جائے گا، اللہ تعالیٰ ان پر کئے گئے اپنے احسانات کا تذکرہ فرمائے گا۔ وہ اقرار کریں گے پھر اللہ تعالیٰ ان سے یہ سوال کرے گا تو وہ انکار کریں گے کہ میں نے تو اپنی امت سے اپنی پرستش کی فرمائش نہیں کی تھی۔ نصاریٰ کو بلایا جائے گا، جب ان سے پوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ ہمیں تو عیسیٰ علیہ السلام نے ہی اپنی پرستش کا حکم دیا تھا۔ یہ سن کر خوف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے، ہر ایک فرشتہ آپ کے سر اور جسم کے ایک ایک بال کو پکڑ لے گا۔ ان نصاریٰ کو ایک ہزار سال تک ہاتھ پاؤں جوڑے بٹھا رکھا جائے گا یہاں تک کہ ان پر حجت قائم ہو جائے گی، حقیقت واضح ہو جائے گی، صلیب کو ان کے سامنے اٹھایا جائے گا پھر انہیں آگ میں دھکیل دیا جائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ توفیق ایزدی سے کس قدر حسن ادب پر مبنی ہے آپ کے دل میں کیسی عمدہ دلیل القاء کی گئی اور کیسا اچھا جواب آپ کو سکھایا گیا، عرض کی: اے اللہ! تو پاک ہے، مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 138

میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں، بالفرض اگر میں نے ایسا کہا بھی ہے تو تو اسے ضرور جانتا ہوگا، کیونکہ تجھ پر کوئی چیز مخفی نہیں، نہ میں نے ایسی بات کہی، نہ ارادہ کیا اور نہ ہی مجھے اس کا خیال آیا، تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے لیکن میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے کیونکہ غیبوں کو جاننے والا تو ہی ہے۔ میں نے انہیں صرف وہی کہا تھا جس کی تبلیغ کا تو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے، صرف یہی میں نے انہیں کہا تھا۔ جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا، نگہبانی کرتا رہا اور ان کے اعمال پر مطلع رہا لیکن جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ان کا نگران ہو گیا اور تو ہر چیز سے آگاہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا، وعظ و نصیحت کی اور فرمایا: ''اے لوگو! تم قیامت کے دن ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر مختون اٹھائے جاؤ گے جس طرح بوقت پیدائش تھے، سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ میری امت کے چند آدمیوں کو لایا جائے گا اور (دوزخی ہونے کے سبب) انہیں بائیں طرف رکھا جائے گا، میں کہوں گا کہ یہ تو میرے امتی ہیں۔ کہا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کے بعد انہوں نے کیسی کیسی بدعتوں کو رواج دیا اور کیا کیا کرتوت کرتے رہے تو میں بھی وہی کہوں گا جو عبد صالح (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا تھا: وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا...... کہا جائے گا کہ آپ کے بعد یہ لوگ مرتد ہو گئے تھے'' (1)۔

فرمان الٰہی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ...... مشیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینے کو متضمن ہے، وہ جو چاہے کرے، اس سے باز پرس نہیں ہوسکتی جبکہ سب لوگوں سے باز پرس ہوگی، دوسری بات جو اس آیت کے ضمن میں پائی جاتی ہے وہ ان نصاریٰ سے بیزاری کا اظہار کرنا ہے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ باندھا، اللہ تعالیٰ کا شریک، بیوی اور بیٹا ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی افتراء پردازی اور ہرزہ سرائی سے بہت ہی بلند ہے۔ اس آیت کریمہ کی بہت ہی اعلیٰ وارفع شان ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک رات نبی کریم ﷺ نماز میں صبح تک اس کی تلاوت کرتے رہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک رات نبی کریم ﷺ نماز میں مصروف ہو گئے۔ اسی آیت کی تلاوت فرمانے لگے یہاں تک کہ رکوع اور سجدہ میں یہی آیت پڑھتے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ ساری رات اسی آیت کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ رکوع و سجود میں بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے رب سے اپنی امت کے لئے شفاعت کا سوال کرتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاعت عطا فرمادی اور یہ ان شاء اللہ ہر اس شخص کے لئے ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا'' (2)۔

ایک دوسری روایت جسرہ بنت دجاجہ سے مروی ہے، کہتی ہیں کہ وہ عمرہ کے ارادہ سے نکلیں، ربذہ کے مقام پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہیں یہ روایت بیان کرتے ہوئے سنا: نبی کریم ﷺ نے نماز عشاء پڑھائی۔ پھر کچھ صحابہ نماز کی غرض سے وہاں مسجد میں ہی رہ گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جب انہیں نماز میں مصروف دیکھا تو اپنی آرام گاہ کی طرف تشریف لے آئے۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو پھر آپ ﷺ اپنے مصلیٰ پر آکر نماز میں مشغول ہو گئے، میں بھی آیا اور آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے لگا۔ آپ ﷺ نے مجھے دائیں جانب کھڑا ہونے کا اشارہ کیا تو میں دائیں جانب ہو گیا، پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ آئے، وہ ہمارے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں بائیں جانب کھڑا ہونے کا اشارہ کیا تو وہ اس طرف ہو گئے، ہم

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 8، صفحہ 286، مسند ابی داؤد طیالسی، صفحہ 343 2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 149

تینوں الگ الگ اپنی نمازیں پڑھنے لگے اور تلاوت قرآن کرنے لگے۔ لیکن نبی کریم ﷺ صبح تک ایک ہی آیت کو دہراتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ آپ ﷺ سے رات بھر ایک ہی آیت کی تلاوت کا سبب دریافت کریں۔ انہوں نے کہا: جب تک آپ ﷺ خود نہیں بیان فرما دیتے میں نہیں پوچھوں گا۔ میں نے ذرا ہمت کر کے پوچھ ہی لیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ ایک ہی آیت کو بار بار دہراتے رہے حالانکہ سارا قرآن آپ کے سینہ میں ہے؟ اگر ہم میں سے کوئی ایسا کرتا تو ہم ضرور اس پر خفا ہوتے، آپ نے فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لئے دعا کر رہا تھا'' میں نے عرض کی کہ آپ کو کیا جواب ملا؟ فرمایا: ''جو وعدہ مجھ سے کیا گیا ہے اگر لوگ اس پر مطلع ہو جائیں تو اکثر نماز پڑھنا ہی چھوڑ دیں'' میں نے عرض کی کہ کیا لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سنا دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں ضرور'' میں ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یارسول اللہ! اگر لوگوں تک یہ خوشخبری پہنچ گئی تو وہ عبادات سے ہی احتراز کرنے لگیں گے تو آپ ﷺ نے مجھے واپس بلا لیا اور وہ آیت یہ تھی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کی تلاوت فرمائی تو اپنے ہاتھ اٹھائے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کی: ''اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ'' (اے اللہ! میری امت) اور آپ ﷺ زار و قطار رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو بھیجا کہ جاؤ اور محمد ﷺ سے رونے کا سبب پوچھو؟ جبریل امین آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رونے کا سبب دریافت کیا تو آپ ﷺ نے جبریل کو بتا دیا جو بتانا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد ﷺ سے جا کر کہہ دو کہ ہم تمہیں تمہاری امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آزردہ نہیں کریں گے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ دیر سے تشریف لائے، ہم نے گمان کیا کہ شاید آپ ﷺ تشریف نہیں لائیں گے، جب آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اتنا طویل سجدہ کیا کہ ہم سمجھنے لگے گویا آپ ﷺ کی روح ہی پرواز کر گئی ہے۔ جب آپ ﷺ نے سر اٹھایا تو فرمایا: ''میرے رب نے میری امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ کیا تھا کہ میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ میں نے عرض کی: یارب! جو تو چاہے، یہ تیرے ہی بندے اور تیری مخلوق ہیں، دوسری مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ نے مشورہ لیا تو میں نے یہی عرض کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! میں تمہیں تمہاری امت کے بارے میں ہرگز ناامید نہیں کروں گا اور مجھے یہ بشارت دی ہے کہ میرے ساتھ سب سے پہلے ستر ہزار جنت میں جائیں گے اور ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار امتی ہوں گے اور ان سب سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا، پھر پیغام بھیجا دعا کرو، تمہاری دعا قبول کی جائے گی، مانگو، تمہیں دیا جائے گا۔ میں نے جبریل سے پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ میری فرمائش کو پورا کر دے گا؟ جبریل نے جواب دیا کہ اسی غرض کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے تا کہ وہ آپ کی آرزو کو پورا فرما دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا فرما دیا ہے، میں اس پر فخر و غرور نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے میرے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں اور میں زندہ و تندرست چل پھر رہا ہوں اور مجھ پر یہ بھی اللہ کی عنایت ہے کہ میری امت نہ تو بھوک و افلاس سے مرے گی اور نہ مغلوب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے کوثر عطا فرمایا ہے، یہ جنت میں ایک نہر کا نام ہے جو بہتی ہوئی میرے حوض میں آئے گی۔ اس نے مجھے عزت و غلبہ، نصرت اور رعب سے سرفراز فرمایا ہے جو میری امت کے سامنے ایک ماہ کی مسافت سے لوگوں پر اثر انداز ہوتا ہے، مجھے یہ بھی شرف بخشا کہ میں سب انبیاء سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا، اور یہ کہ میرے لئے اور میری امت کے لئے مال غنیمت جائز قرار دے دیا

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 170

ہے اور ایسی بہت سی چیزیں ہمارے لئے حلال فرمادی ہیں جو پہلی امتوں پر حلال نہ تھیں اور دین کے معاملہ میں ہمارے اوپر کوئی سختی روانہیں رکھی'' (1)۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١٩﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٢٠﴾

''فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ ہے وہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو ان کا سچ، ان کے لئے باغات ہیں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ سے، یہی ہے بڑی کامیابی۔ اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی سب آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کذاب، ملحد نصاریٰ سے بیزاری کا اظہار کیا اور مشیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا، اپنے پیارے بندے اور رسول ﷺ کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صدق کی وضاحت توحید سے کی ہے، یعنی یہ (روز قیامت) ایسا دن ہے جس میں موحدین کے لئے توحید نفع بخش ہو گی ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، نہ انہیں وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ منتقل کیا جائے گا اور نہ ہی تھوڑی سی دیر کے لئے بھی انہیں جنت کو چھوڑنا پڑے گا، اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی رضا کو حاصل کر لیا۔ فرمایا: اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے اور اللہ تعالیٰ کی رضا بہت بڑی چیز ہے۔ جیسا کہ فرمایا: وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (التوبہ:72) ''اور رضائے خداوندی سب نعمتوں سے بڑی ہے''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس روز اللہ تعالیٰ جنتیوں کے سامنے جلوہ افروز ہو گا اور فرمائے گا کہ مجھ سے مانگو، مجھ سے سوال کرو میں تمہیں عطا فرماؤں گا تو وہ اپنے رب کی رضا کا سوال کریں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میری رضا ہی نے تو تمہیں میرے گھر میں اتارا ہے اور میرا اکرم تمہارے لئے ہے اس لئے مانگو جو مانگتے ہو، میں تمہیں مرحمت فرماؤں گا، پھر وہ اللہ کی رضا کے طلبگار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں گواہ بنا کر فرمائے گا کہ وہ ان سے راضی ہو گیا ہے۔'' اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے جس سے بڑھ کر کامیابی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ (الصافات:61) ''ایسی ہی عظیم الشان کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے''۔ دوسری جگہ فرمایا: وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ (المطففین:26) ''اس کے لئے سبقت لے جانے کی کوشش کریں سبقت لے جانے والے''۔ فرمایا: لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وہی ہے جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے، ہر چیز میں تصرف کرنے والا اور ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ تمام مخلوق اس کے قبضہ قدرت میں ہے، ہر چیز اس کے غلبہ اور قدرت کے تحت سرافگندہ ہے، نہ اس کا کوئی مثیل ہے اور نہ ہم پلہ، نہ ہی اس کا کوئی وزیر ہے اور نہ ہی معاون، نہ اس کا کوئی باپ ہے اور نہ بیوی بچے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ رب۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب سے آخر میں سورۃ المائدہ نازل ہوئی۔

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 393

سورۃ الانعام

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورۂ انعام مکہ شریف میں رات کے وقت یکبارگی نازل ہوئی۔ ستر ہزار فرشتے اسے لیکر حاضر ہوئے اور بلند آواز سے تسبیح پڑھتے جارہے تھے(1)۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی اونٹنی کی لگام تھامے ہوئی تھی کہ آپ ﷺ پر ایک ہی دفعہ پوری سورۂ انعام اتری یوں محسوس ہوتا تھا کہ وحی کے بوجھ سے اونٹنی کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ فرشتوں کی گونج میں یہ سورت نازل ہوئی اور حالت یہ تھی کہ وہ فرشتے زمین وآسمان کے درمیان فضا کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورۂ انعام نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے تسبیح پڑھی اور فرمایا: ''اس سورت کے جلو میں اس قدر فرشتے اترے کہ انہوں نے افق کو گھیر لیا''(2)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سورۂ انعام فرشتوں کے جلوس کے ساتھ نازل ہوئی جنہوں نے زمین وآسمان کو گھیر رکھا تھا، فرشتوں کی تسبیح کے باعث گونج پڑ رہی تھی اور زمین کانپ رہی تھی''۔ اور رسول اللہ ﷺ بھی پڑھ رہے تھے ''سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ''(3)۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سورۂ انعام بیک وقت ستر ہزار فرشتوں کی تسبیح وتحمید کے ساتھ اتری''۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

''سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور بنایا اندھیروں کو اور نور کو پھر بھی جنہوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر ٹھہرا رہے ہیں اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر مقرر کی ایک معیاد اور ایک معیاد مقرر ہے اللہ کے نزدیک پھر بھی تم شک کر رہے ہو اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں وہ جانتا ہے تمہارے بھید بھی اور تمہاری کھلی باتیں بھی اور جانتا ہے جو تم کما رہے ہو''۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کریمہ کی مدح اور زمین وآسمان کی تخلیق پر اپنی حمد بیان فرما رہا ہے تاکہ بندے اس کی حمد وثناء کرنا سیکھ لیں۔ شب و روز میں اس نے اپنے بندوں کے فائدہ کے لئے تاریکیاں اور نور پیدا فرمایا۔ ظلمات کو جمع لایا گیا ہے اور نور کو واحد، کیونکہ اشرف واعلیٰ چیز کو

1۔ معجم طبرانی کبیر، جلد 12، صفحہ 215 2۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 314-315 3۔ رواہ ابن مردویہ

مفرد ہی لاتے ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: عَنِ الْيَمِينِ وَ الشَّمَآئِلِ (النحل:48) دائیں سے (بائیں طرف) اور بائیں سے (دائیں طرف)۔ اور اسی طرح اس سورت کے آخر میں فرمایا: وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ (الانعام:153) ''اور بیشک یہ ہے میرا راستہ سیدھا سواس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کردیں گے تمہیں اللہ کے راستہ سے''۔ پہلی آیت میں یمین اور دوسری میں الٰہی رستہ اشرف چیزیں ہیں اس لئے مفرد لائے گئے ہیں۔

ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ اس کے باوجود بھی (کہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے) بعض بندے کفر کا ارتکاب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا شریک اور ہمسر قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کی بیوی اور بچے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے اعلیٰ وارفع اور منزہ ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ...... وہی ہے جس نے تمہیں یعنی تمہارے باپ آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ آدم علیہ السلام تمام بنی نوع انسان کے اصل ہیں، انہی سے تمام لوگ پیدا ہوئے اور مشرق و مغرب میں پھیل گئے۔ پھر آدم علیہ السلام نے اپنی مقررہ مدت پوری کی اور پھر پیام موت آگیا اور آخرت کو سدھارے۔ اس صورت میں پہلے ''اَجَلًا'' سے مراد موت اور دوسرے سے مراد آخرت ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی منقول ہے کہ پہلے لفظ ''اَجَلًا'' سے مراد تخلیق اور موت کے درمیان زندگی ہے اور دوسرے لفظ ''اَجَلٌ'' سے مراد، موت اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے درمیان والی زندگی ہے(1)۔ ''اَجَلِ'' خاص ہر انسان کی عمر ہے اور ''اَجَلِ'' عام ساری دنیا کی عمر ہے یعنی دنیا کا کمال پھر اس کی انتہا، اختتام اور زوال پھر دار آخرت کی طرف سفر کے اوقات ''اَجَلِ'' عام کی تعبیر ہے۔

حضرات ابن عباس اور مجاہد کہتے ہیں کہ پہلے ''اَجَلًا'' سے مراد مدت دنیا اور ''اَجَلٌ مُّسَمًّى'' سے مراد موت تک کی عمر انسان ہے، گویا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے: وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ (الانعام:60) ''اور وہ وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تمہیں رات کو اور جانتا ہے جو کمایا تم نے دن کو''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ایک اور روایت میں آتا ہے کہ پہلے ''اَجَلًا'' سے مراد نیند ہے جس میں روح قبض کرلی جاتی ہے پھر بیداری کے وقت واپس جسم میں اسے لوٹا دیا جاتا ہے اور ''اَجَلٌ مُّسَمًّى'' سے مراد انسان کی موت کی مقررہ معیاد ہے۔(2) ''عِنْدَهٗ'' کا مطلب یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو اس کا علم نہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ (الاعراف:187) ''اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے نہیں ظاہر کرے گا اسے اپنے وقت پر مگر وہی''۔ اور فرمایا: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۝ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ۝ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا (النازعات:44-42) ''یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی۔ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق۔ آپ کے رب تک اس کی انتہا ہے''۔

ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ اس کے باوجود پھر بھی تم قیامت کے بارے میں شک کرتے ہو۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ...... اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے اگرچہ جہمیہ کے موقف کے انکار پر سب نے اتفاق کیا ہے، جہمیہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بذات خود ہر جگہ موجود ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمان میں ہر جگہ پکارا جاتا ہے اور اس کی عبادت کی جاتی ہے زمین و آسمان کے مکین اس کی الوہیت کا اقرار کرتے ہیں اور اسے اللہ کہہ کر پکارتے ہیں سوائے کافر جن

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 146 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 1475

وانس کے۔ اسی طرح کا مفہوم اس آیت کریمہ سے بھی ماخوذ ہے: وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ (الزخرف: 84) ''اور وہی ایک آسمان میں خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے) یعنی وہ زمین و آسمان کے رہنے والوں کا معبود ہے نہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آسمانوں اور زمین میں ہے وہ معبود ہے۔ اس لئے وہ تمہارے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور باطن کو بھی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر پوشیدہ اور کھلی بات کو جانتا ہے۔ اس صورت میں ''یَعْلَمُ'' کا تعلق فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کے ساتھ ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان میں تمہارے مخفی اور ظاہری امور کو جانتا ہے اور جو تم کرتے ہو اس سے بھی واقف ہے۔

'' تیسرا قول یہ ہے کہ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ پر وقف تام ہے۔ اس کے بعد پھر نئے سرے سے کلام کا آغاز ہوتا ہے۔

وَ یَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ وہ تمہارے تمام اچھے برے اعمال کو جانتا ہے۔

وَ مَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤ اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ⑥

''اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی اپنے رب کی نشانیوں سے مگر وہ ہو جاتے ہیں اس سے منہ پھیرنے والے۔ بے شک انہوں نے جھٹلایا حق کو جب وہ آیا ان کے پاس، سو اب آیا چاہتی ہیں ان کے پاس خبریں اس چیز کی جس کے ساتھ وہ مذاق کیا کرتے تھے۔ کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے قومیں جنہیں ہم نے (ایسا) تسلط دیا تھا زمین میں جو ہم نے تمہیں نہیں دیا اور ہم نے بھیجے بادل ان پر موسلا دھار برسنے والے اور ہم نے بنا دیں نہریں جو بہتی تھیں ان کے (گھروں اور باغوں کے) نیچے سے، پھر ہم نے ہلاک کر دیا انہیں بوجہ ان کے گناہوں کے اور پیدا کر دی ہم نے ان کے بعد ایک اور قوم''۔

سرکش مشرکین کے بارے میں اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ جب بھی اس کی وحدانیت اور اس کے پیغمبروں کی صداقت پر دلالت کرنے والا کوئی معجزہ، نشانی یا حجت آتی ہے تو وہ اس سے اعراض کرنے لگتے ہیں، اس کی طرف دیکھنا تک گوارا نہیں کرتے اور نہ ہی کچھ پرواہ کرتے ہیں۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ..... حق کو جھٹلانے پر انہیں سخت دھمکی اور وعید سنائی جارہی ہے، انہوں نے حق کو جھٹلایا، اب اس تکذیب کا نتیجہ ان کے سامنے آکر رہے گا اس کا وبال ان پر ضرور پڑے گا اور وہ یقیناً برے انجام سے دوچار ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ انہیں وعظ و نصیحت کرتے ہوئے اور سابقہ امتوں کے برے انجام سے ڈراتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے ان جیسے لوگوں کو کس طرح دنیا میں عبرت ناک عذاب سے دوچار کیا حالانکہ وہ قوت، کثرت مال و اسباب، تسلط و غلبہ اور شان و شوکت میں ان سے

کہیں زیادہ تھے فرمایا: اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ...... یعنی ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا جو دنیا میں بہت زیادہ اموال، اولاد واعمار، جاہ ومرتبہ، خوشحالی اور لشکروں کے مالک تھے، مزید انعام یہ فرمایا کہ آسمان سے موسلا دھار بارش برسائی، زمین میں چشمے جاری کر دیئے، ہر طرف نہریں رواں تھیں، اور اس سے مقصد انہیں مہلت دینا تھا پھر ان کے گناہوں اور نافرمانیوں کی پاداش میں انہیں درجہ بدرجہ ہلاکت کی طرف لے جانا تھا۔ پس ان کے جرائم اور گناہوں کے باعث انہیں ہلاک کر دیا اور ان کی جگہ دوسری قومیں پیدا کر کے آباد کیں۔ پہلے لوگ تو گزشتہ کل کی طرح چلے گئے اور داستان عبرت بن گئے۔ ان کے بعد ایک نئی نسل کو ہم نے پیدا کیا تاکہ ہم انہیں آزمائیں لیکن انہوں نے بھی پہلے لوگوں جیسے برے اعمال کئے اس کے نتیجہ میں انہی کی طرح انہیں بھی ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا، چنانچہ اے لوگو! خبردار! کہیں تم بھی ایسے ہی اعمال بد کا مرتکب نہ ہونا ورنہ تمہیں بھی ان جیسے انجام بد سے دوچار ہونا پڑے گا۔ تم کوئی ان سے نہ زیادہ معزز ہو اور نہ طاقتور اور جس رسول کی تم تکذیب کر رہے ہو یہ تو ان کے رسول سے بھی زیادہ محترم ہے، اگر اللہ تعالیٰ کا لطف و احسان نہ ہو تو تم سخت سزا کے حقدار ہو۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۞ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۞ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۞ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۞

”اور اگر ہم اتارتے آپ پر کتاب (لکھی ہوئی) کاغذ پر اور وہ چھو بھی لیتے اس کو اپنے ہاتھوں سے تب بھی کہتے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا اور بولے کیوں نہ اتارا گیا ان پر فرشتہ اور اگر ہم اتارتے فرشتہ تو فیصلہ ہو گیا ہوتا ہر بات کا پھر نہ مہلت دی جاتی انہیں اور اگر ہم بناتے نبی کسی فرشتہ کو تو بناتے اس کو انسان (کی شکل میں) تو (یوں) ہم مشتبہ کر دیتے ان پر جس شبہ میں وہ اب ہیں اور بلا شبہ مذاق اڑایا گیا رسولوں کا آپ سے پہلے پھر گھیر لیا انہیں جو مذاق اڑاتے تھے رسولوں کا اس چیز نے جس کے ساتھ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ آپ فرمائیے سیر کرو زمین میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا“۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کے عناد، ہٹ دھرمی، بہتان تراشی، تکبر اور حق کے بارے میں ان کے نزاع کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کوئی کتاب ان پر نازل کر دیتے جیسا کہ ان کی فرمائش ہے، اور وہ اس کتاب کو اپنی آنکھوں سے اترتا ہوا دیکھ لیتے، ہاتھ کے ساتھ ٹٹول کر خوب تسلی کر لیتے پھر بھی یہ کافر کہتے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے محسوسات کے متعلق ان کے تکبر وعناد کو ان آیات میں بیان فرمایا ہے: وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۞ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ (الحجر: 15-14) ”اور اگر ہم کھول بھی دیتے ان پر دروازہ آسمان سے اور وہ سارا دن اس میں سے اوپر چڑھتے رہتے۔ پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے“ اور وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا

يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ (الطور: 44) ''اور اگر وہ دیکھ لیں آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا تو یہ (احمق) کہیں گے یہ تو بادل ہے تہہ در تہہ''۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ...... وہ کہتے ہیں کہ آپ (رسول اکرم ﷺ) کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا تاکہ وہ بھی آپ کے ساتھ لوگوں کو ڈراتا۔ کفار کی اس فرمائش کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر ہم نے ان کی فرمائش کو پورا کرتے ہوئے فرشتہ اتار دیا اور یہ کھلی دلیل دیکھ کر بھی ایمان لانے میں انہوں نے پس و پیش کی تو ان پر ایسا عذاب مسلط کیا جائے گا جو ان کی جڑوں کو بھی اکھیڑ کر رکھ دے گا، پھر مزید مہلت بھی نہیں دی جائے گی۔ جیسا کہ فرمایا: مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ (الحجر: 8) ''ہم نہیں اتارا کرتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ اور انہیں اس کے بعد مزید مہلت نہیں دی جاتی''۔ اور فرمایا: يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ (الفرقان: 22) ''جس روز وہ دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہو گی اس روز مجرموں کے لئے''۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا...... اگر ہم بشر رسول کے ساتھ کسی فرشتے کو اتار دیتے تو وہ بھی بشری لباس اور انسانی شکل و صورت میں آتا تاکہ اس کے ساتھ ہمکلام ہونا اور استفادہ کرنا تمہارے لئے ممکن ہوتا، اگر ایسا ہوتا تو بھی معاملہ ان پر مشتبہ ہو جاتا جس طرح اب وہ رسول بشر کے معاملہ میں شکوک و شبہات کا شکار ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: 95) ''(ایسا نہیں ہو سکتا) فرمائیے اگر ہوتے زمین میں (انسانوں کی بجائے) فرشتے جو اس پر چلتے (اور اس میں) سکونت اختیار کرتے تو ہم (ان کی ہدایت کے لئے) ان پر اتارتے آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر''۔

یہ تو محض اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی طرف انہی میں سے رسول مبعوث فرماتا ہے تاکہ دعوت و تبلیغ، باہم گفتگو اور استفادہ کا کام آسان ہو جائے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ..... (آل عمران: 164) ''یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے انہیں......''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر کوئی فرشتہ ان کے پاس آتا تو وہ بشری لباس میں ہی آتا کیونکہ نور کی ہیبت و جلال کے باعث اسے دیکھنے کی بھی ان میں تاب نہ ہوتی (1)۔

لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ...... اور معاملہ پھر بھی ان پر مشتبہ ہو جاتا۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ...... کفار کے جھٹلانے اور استہزاء کرنے پر نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے اور آپ ﷺ اور مومنین کے ساتھ فتح و نصرت اور دنیا و آخرت میں عافیت کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا...... تم زمین میں چل پھر کر دیکھو، اپنی ذات میں غور و فکر کرو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو جھٹلانے والوں اور سرکش لوگوں کو کس دردناک عذاب اور عبرتناک انجام سے دوچار کیا، ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کے آثار اور کھنڈرات ان کی تباہی و بربادی کی داستان کو بیان کر رہے ہیں۔ یہ تو دنیاوی عذاب تھا، آخرت میں ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے وہ اس پر مستزاد ہے، اور یہ بھی دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنے پیغمبروں اور مومن بندوں کو بچا لیا۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 152

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲ وَلَهٗ مَا سَكَنَ
فِى الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۳ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۴ قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵ مَنْ يُّصْرَفْ
عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝۱۶

"آپ (ان سے) پوچھئے کس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے؟ آپ (ہی انہیں) بتائیے (سب کچھ) اللہ ہی کا ہے، اس نے لازم کرلیا ہے اپنے آپ پر رحمت فرمانا، یقیناً جمع کرے گا تمہیں قیامت کے دن ذرا شک نہیں اس میں (مگر) جنہوں نے نقصان میں ڈال دیا ہے اپنے آپ کو تو وہ نہیں ایمان لائیں گے اور اسی کا ہے جو بس رہا ہے رات میں اور دن میں اور وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ آپ فرمائیے کیا بغیر اللہ تعالیٰ کے کسی کو (اپنا) معبود بناؤں (وہ اللہ جو) پیدا فرمانے والا ہے آسمانوں کو اور زمین کو اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے اور خود نہیں کھلایا جاتا۔ فرمائیے بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں سب سے پہلے سر جھکانے والا (نیز یہ حکم دیا گیا ہے کہ) ہرگز نہ بننا شرک کرنے والوں سے۔ آپ فرمائیے میں ڈرتا ہوں اگر میں نافرمانی کروں اپنے رب کی، بڑے دن کے عذاب سے۔ وہ شخص ٹال دیا گیا عذاب جس سے اس روز تو یقیناً رحم فرمایا اللہ نے اس پر اور یہی کھلی کامیابی ہے"۔

اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ وہ زمین و آسمان اور ان میں موجود ہر چیز کا مالک ہے اور اس نے اپنی ذات پر رحمت کرنا لازم کرلیا ہے۔ جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنے پاس لوح محفوظ میں لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے" (1)۔

لَيَجْمَعَنَّكُمْ میں لام قسمیہ ہے، اس سے پہلے قسم مقدر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ وہ ضرور اپنے بندوں کو ایک مقررہ روز (روز قیامت) جمع کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کو اس دن کے بارے میں کوئی شک نہیں۔ البتہ جھٹلانے والے سرکش کفار شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ سے رب العالمین کے حضور کھڑا ہونے کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا وہاں پانی کے چشمے ہوں گے؟ فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یقیناً وہاں چشمے ہیں، اولیاء اللہ انبیائے کرام کے حوضوں پر وارد ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتوں کو بھیجے گا جن کے ہاتھوں میں لاٹھیاں ہوں گی اور وہ کفار کو ان حوضوں سے دور دھکیل دیں گے" (2)۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: "ہر نبی کا ایک حوض ہوگا اور مجھے امید ہے کہ میرے حوض پر سب سے زیادہ بھیڑ ہوگی" (3)۔ فرمایا: ان کفار نے آخرت کے لحاظ سے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال لیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے، نہ یہ

1۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 384، صحیح مسلم، کتاب التوبہ، صفحہ 7-21-2108 2۔ رواہ ابن مردویہ
3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9، صفحہ 270

دوبارہ زندہ کئے جانے پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ہی اس دن کے ہولناک انجام سے ڈرتے ہیں۔

وَلَہٗ مَا سَکَنَ...... زمین و آسمان میں بسنے والی ہر قسم کی مخلوق اسی کی پیدا کردہ ہے اور اسی کے زیر انتظام اور زیر تصرف ہے، وہی ہر معاملہ کی تدبیر فرماتا ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اپنے بندوں کی باتوں کو خوب سنتا ہے، ان کی حرکات، اسرار اور دلوں کے بھیدوں سے بخوبی آگاہ ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ جنہیں توحید عظیم اور شرع قویم کے ساتھ سرفراز فرما کر مبعوث کیا ہے اور لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف دعوت دینے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ (الزمر: 64) ''آپ فرمائیے اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں''۔ مطلب یہ ہے کہ میں تو اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کسی اور کو معبود نہیں بنا سکتا جس نے بغیر کسی نمونے اور مثال کے زمین و آسمان کی تخلیق کی۔ وہ تو بے نیاز ہے، وہی سب کو کھلاتا ہے لیکن اسے نہیں کھلایا جاتا، وہ بغیر کسی احتیاج کے اپنی ساری مخلوق کا رازق ہے جیسے فرمایا: وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات: 56) ''اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن و انس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں''۔

بعض نے ''لَا يَطْعَمُ'' پڑھا ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ خود کچھ نہیں کھاتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل قبا کے ایک انصاری نے نبی کریم ﷺ کو کھانے پر بلایا، ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ دعوت پر گئے۔ آپ ﷺ کھانے اور ہاتھ دھونے سے فارغ ہوئے تو یہ دعا مانگی: ''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو کھلاتا ہے اور خود نہیں کھاتا، اس نے ہم پر احسان فرمایا اور ہدایت دی، ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور ہر اچھی آزمائش کے ساتھ ہمیں آزمایا، شکر ہے اس ذات کا جسے نہ چھوڑا جا سکتا ہے، نہ اس کی نعمتوں کا بدلہ دیا جا سکتا ہے، نہ کفران نعمت کیا جا سکتا ہے نہ ہی اس سے بے نیاز ہونا ممکن ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا، برہنگی میں لباس پہنایا، گمراہی سے ہدایت دی، باطنی اندھے پن میں بصیرت عطا فرمائی اور ساری مخلوقات پر ہمیں فضیلت عنایت فرمائی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (1)۔

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ...... آپ (اے نبی معظم ﷺ) کہہ دیں کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس امت میں سب سے پہلے میں سر تسلیم خم کر دوں اور شرک سے اجتناب کروں۔ اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو مجھے عظیم دن (روز قیامت) کے عذاب کا خوف ہے۔ جس شخص سے یہ عذاب ٹال دیا گیا اس پر تو اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔ جیسا کہ فرمایا: فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (آل عمران: 185) پس جو شخص بچا لیا گیا آتش (دوزخ) سے اور داخل کیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا)۔

''فَوْز'' کا معنی ہے منافع کا حصول اور خسارہ کی نفی۔

وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷ وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۱۸ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۟ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۟ وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

1۔ مستدرک حاکم، کتاب الدعا، جلد 1، صفحہ 546

وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

''اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی دکھ تو نہیں کوئی دور کرنے والا اس دکھ کو سوائے اس کے اور اگر پہنچائے تجھے کوئی بھلائی (اس کو کوئی روک نہیں سکتا) وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور وہ غالب ہے اپنے بندوں پر اور وہ بڑا دانا ہر چیز سے خبردار ہے۔ آپ پوچھئے کون سی چیز بڑی (معتبر) ہے گواہی کے لحاظ سے؟ آپ ہی بتائیے اللہ، وہی گواہ ہے میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے، کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خدا اور بھی ہیں؟ آپ فرمائیے میں تو (ایسی جھوٹی) گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرمائیے وہ تو صرف ایک خدا ہی ہے اور بے شک میں بیزار ہوں ان (بتوں) سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔ جنہیں ہم نے دی ہے کتاب وہ پہچانتے ہیں اس نبی کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو جنہوں نے نقصان میں ڈال دیا ہے اپنے آپ کو تو وہ نہیں ایمان لائیں گے اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے بہتان لگایا اللہ پر جھوٹا یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو؟ بے شک فلاح نہیں پائیں گے ظلم کرنے والے۔''

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ نفع ونقصان کا مالک ہے، وہی جس طرح چاہے اپنی مخلوقات میں تصرف کرنے والا ہے، نہ کوئی اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے اور نہ اس کی تقدیر کو کوئی رد کر سکتا ہے۔

فرمایا: وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ...... اسی طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا: مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ (فاطر:2) ''جو عطا فرمائے اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اپنی) رحمت سے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جو روک دے، تو اسے کوئی دینے والا نہیں اس کے روکنے کے بعد''۔ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ'' (1)۔ اسی لئے فرمایا: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وہی وہ ذات ہے جس کے سامنے گردنیں جھکی ہوئی ہیں، بڑے بڑے جابر جس کی کبریائی کے سامنے سرنگوں ہیں اور چہرے جس کے سامنے مطیع وفرمانبردار ہیں۔ ہر چیز پر وہ غالب ہے، تمام مخلوق اس کی فرمانبردار ہے، اس کی عظمت جلالت، کبریائی، رفعت اور قدرت کے سامنے ہر چیز سرافگندہ اور عاجز ہے، ہر چیز پر اس کا حکم نافذ ہے، اس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہے، وہ اشیاء کے موقع ومحل سے اچھی طرح آگاہ ہے، اگر وہ عطا فرماتا ہے تو مستحق کو ہی عطا فرماتا ہے اور اگر روک دیتا ہے تو غیر مستحق سے ہی روکتا ہے۔

پھر فرمایا: قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً...... سب سے بڑی شہادت کس کی شہادت ہے، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان بطور گواہ کافی ہے، وہی جانتا ہے کہ میں کونسا پیغام تمہارے پاس لیکر آیا ہوں اور یہ بھی جانتا ہے کہ تم نے اس کے جواب میں کیا کہا اور یہ قرآن مجھ پر اتارا گیا ہے تاکہ میں تمہیں بھی ڈراؤں اور ہر اس شخص کو بھی جس تک یہ قرآن پہنچے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ

1۔ فتح الباری، کتاب الاعتصام، جلد 3، صفحہ 264، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، صفحہ 343

الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود: 17) ''اور جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے''۔

مَنْۢ بَلَغَ سے مراد وہ شخص ہے جس تک قرآن پہنچ جائے، جس شخص تک قرآن کریم پہنچ گیا گویا اس کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے ہو گئی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا پیغام دوسروں تک پہنچاؤ، جس شخص تک کتاب اللہ کی ایک آیت بھی پہنچ گئی اس تک اللہ کا پیغام پہنچ گیا'' (1)۔ ربیع بن انس نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کی اتباع کرنے والے پر لازم ہے کہ آپ ﷺ کی طرح دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے اور لوگوں کو خبردار کرے۔

اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ...... اے مشرکو! کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں۔ آپ فرمادیں کہ میں تو ایسی گواہی نہیں دیتا جیسا کہ فرمایا: فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ (الانعام: 150) ''پھر اگر وہ (جھوٹی) گواہی دے بھی دیں تو آپ نہ گواہی دیجئے''۔

اور فرمایا: قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔

پھر اللہ تعالیٰ اہل کتاب کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ اور قرآن کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنی اولاد کو جانتے ہیں کیونکہ گزشتہ انبیاء ورسل کو آپ کے اوصاف و کمالات اور اخبار و علامات کا علم تھا۔ تمام رسولوں کو آپ ﷺ کی آمد کی خوشخبری دی گئی تھی، آپ ﷺ کے وصف، آپ ﷺ کے وطن، ہجرت کے مقام حتیٰ کہ آپ ﷺ کی امت کے وصف کا ذکر بھی ان کی کتابوں میں مرقوم تھا، اس لئے فرمایا: اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال لیا ہے یہ وہی ہیں جو آپ ﷺ کی ذات پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ سارے پیغمبر آپ ﷺ کی آمد کی خوشخبری سناتے رہے، ہر دور میں آپ ﷺ کی شان بیان کرتے رہے اور آپ ﷺ کے وجود کی پیشین گوئی کرتے رہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ...... اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے اور دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مبعوث فرمایا ہی نہ ہو اور اس شخص سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور دلائل و براہین کو جھٹلائے۔

اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ نہ جھوٹی تہمت لگانے والا فلاح پائے گا اور نہ جھٹلانے والا۔

وَ یَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْٓا اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ ۚ وَ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ یُجَادِلُوْنَكَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۵﴾ وَ هُمْ یَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ یَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَ اِنْ یُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

''اور (یاد کرو) وہ دن جب ہم جمع کریں گے سب کو پھر ہم کہیں گے انہیں جو شرک کیا کرتے تھے کہ کہاں ہیں تمہارے شریک

1۔ مصنف عبد الرزاق بحوالہ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 13

جن کے (خدا ہونے کا) تم دعویٰ کیا کرتے تھے۔ پھر نہیں ہوگا کوئی عذر ان کا بجز اس کے کہ کہیں گے کہ اس اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے نہ تھے ہم شرک کرنے والے۔ دیکھو کیسا جھوٹ باندھا انہوں نے اپنے نفسوں پر اور گم ہوگئیں ان سے جو افترا بازیاں کیا کرتے تھے۔ اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کے دلوں پر پردے تا کہ نہ سمجھیں وہ اسے اور ان کے کانوں میں گرانی ہے اور اگر وہ دیکھ لیں ہر ایک نشانی بھی تو نہیں ایمان لائیں گے ان کے ساتھ یہاں تک کہ جب حاضر ہوں آپ کے پاس جھگڑتے ہوئے، آپ سے (تو) کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں یہ (قرآن) مگر جھوٹے قصے پہلے لوگوں کے۔ اور وہ روکتے ہیں اس سے اور دور بھاگتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے نفسوں کو اور وہ (اتنا بھی) نہیں سمجھتے''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ قیامت کے دن ہم ان سب کو جمع کریں گے اور ان سے ان بتوں اور معبودوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے کہ تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے خدا ہونے کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے جیسا کہ فرمایا: وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (القصص:72) ''اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں آواز دے کر فرمائے گا کہاں ہیں وہ جنہیں تم میرا شریک خیال کرتے تھے''۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ...... یہاں فتنہ کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی حجت بتایا ہے۔ عطاء خراسانی کے نزدیک اس کا معنی معذرت ہے، فتنہ کا معنی آزمائش بھی کیا گیا ہے۔ جواب میں ان کی معذرت اور حجت یہی ہوگی کہ اللہ کی قسم ہم تو مشرک تھے ہی نہیں۔ ابن جریر اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ روز قیامت آزمائش کے وقت شرک سے عذر پیش کرتے ہوئے ان کا یہی بہانہ ہوگا کہ وہ قسم اٹھا کر کہیں گے کہ ہم نے تو شرک کا ارتکاب کیا ہی نہیں (1)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اے ابن عباس! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ لیکن یہ کیسے ہوگا؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب مشرکین دیکھیں گے کہ جنت میں تو صرف اہل صلوٰۃ ہی داخل ہو رہے ہیں تو آپس میں کہیں گے کہ آؤ ہم شرک کا انکار کر دیں، چنانچہ وہ شرک کا انکار کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی زبانوں پر مہر لگا دے گا تو پھر ان کے ہاتھ اور پاؤں گواہی دینے لگیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے، اے شخص! کیا اب بھی تمہارے دل میں کوئی شک ہے؟ قرآن کریم میں جس چیز کا بھی ذکر کیا گیا ہے وہ صریح ہے، وضاحت طلب نہیں، لیکن تم اس کی توجیہ نہیں کر سکتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور منافقین تو مدینہ شریف میں ظاہر ہوئے۔ منافقین کے بارے میں تو آیت مجادلہ اتری يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ (المجادلہ:18) ''جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے'' اور اسی طرح ان لوگوں کے بارے میں فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ'' جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: ''ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا (المومن:74-73) '' پھر پوچھا جائے گا ان سے کہاں ہیں وہ جنہیں تم شریک ٹھہراتے تھے۔ اللہ کے سوا (بصد یاس) کہیں گے وہ تو گم ہو گئے ہم سے''۔

2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 167

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ...... ان میں سے بعض ایسے ہیں جو آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں، لیکن یہ ان کے لئے ذرا بھی مفید نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ قرآن کو سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے جس کے باعث وہ نفع رساں سماعت سے محروم ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً (البقرہ: 171)۔

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا...... جس قدر بھی دلائل و براہین اور آیات و بنیات دیکھ لیں پھر وہ بھی ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ وہ عقل سے عاری ہیں اور انصاف سے کوسوں دور۔ جیسا کہ فرمان ہے: وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ (الانفال: 23)۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ...... جب وہ آپ کے پاس حجت بازی اور حق کے معاملہ میں فضول مناظرہ کے لئے آتے ہیں تو وہ کافر کہہ دیتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ پہلی کتابوں سے ماخوذ اور منقول ہے، وہ نہ صرف لوگوں کو نبی کریم ﷺ سے روکتے ہیں بلکہ خود بھی دور دور رہتے ہیں۔

يَنْهَوْنَ کی تفسیر میں دو قول ہیں: 1۔ وہ لوگوں کو اتباع حق، تصدیق رسول اور اطاعت قرآن سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں، گویا دو افعال قبیحہ کا ارتکاب کرتے ہیں، نہ خود استفادہ کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو استفادہ کرنے دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کو حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے سے دور رکھتے ہیں(1)۔

2۔ لوگ نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچاتے تو آپ ﷺ کے چچا ابو طالب لوگوں کو اذیت رسانی سے منع کرتے۔ انہیں کے بارے میں یہ آیت اتری اور یہی يَنْهَوْنَ کا مفہوم ہے(2)۔ سعید بن ابی ہلال کہتے ہیں کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ کے چچاؤں کے بارے میں اتری ان کی تعداد دس تھی، بظاہر وہ آپ ﷺ کے بڑے غمخوار اور ہمدرد تھے لیکن مخفی طور پر سب سے زیادہ مخالف تھے، یہ سب قتل نبی ﷺ سے لوگوں کو روکتے تھے لیکن خود ایمان کی دولت سے محروم تھے۔

وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ وہ لاشعوری طور پر اس کرتوت کے ذریعے اپنی ہی ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں اور اس کا وبال انہی پر پڑنے والا ہے۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢٧ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۗ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝٢٨ وَقَالُوْۤا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝٢٩ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۗ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۗ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۗ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝٣٠

''اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں سے بلکہ عیاں ہو گیا ان پر جسے چھپایا

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 172 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 173، مستدرک حاکم تفسیر سورۂ انعام، جلد 2، صفحہ 315

کرتے تھے پہلے اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے (جیسے ان کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ اور کہتے ہیں نہیں کوئی زندگی بجز ہماری اس دنیاوی زندگی کے اور ہم نہیں اٹھائے جائیں گے (قبروں سے) اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے اللہ کے حضور میں۔ اللہ فرمائے گا کیا یہ (قبروں سے اٹھنا) حق نہیں؟ کہیں گے بیشک (حق ہے) ہمارے رب کی قسم۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اب چکھو عذاب بسبب اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ کفار کی اس حالت کو بیان فرمارہا ہے جب روز قیامت وہ جہنم کے کنارے کھڑے ہوں گے، طوق اور زنجیروں کا مشاہدہ کریں گے اور اپنی آنکھوں سے قیامت کے ہوشربا اور دلدوز امور کو دیکھیں گے تو کہہ اٹھیں گے یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ...... یعنی وہ تمنا کریں گے کہ انہیں ایک دفعہ موقعہ دیا جائے اور دنیا کی طرف واپس بھیج دیا جائے تا کہ وہ نیک اعمال کریں، اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں بلکہ مومنین میں سے ہو جائیں۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ...... اپنے دلوں کے اندر جس کفر، تکذیب اور معاندت کو چھپائے ہوئے تھے وہ سب کچھ ظاہر اور عیاں ہو گیا اگرچہ دنیا یا آخرت میں انہوں نے اس کا انکار کیا ہو جیسا کہ ذرا پہلے اللہ تعالیٰ فرمایا تھا: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ (الانعام: 24-23) ''پھر نہیں ہو گا کوئی عذر ان کا بجز اس کے کہ کہیں گے کہ اس اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے نہ تھے ہم شرک کرنے والے دیکھو کیسا جھوٹ باندھا انہوں نے اپنے نفسوں پر''۔ اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ قیامت کے دن یہ عیاں ہو جائے گا کہ وہ دنیا میں پیغمبروں کی صداقت کو جانتے تھے اگرچہ اپنے پیروکاروں اور چیلوں کے سامنے اس کے برعکس کا اظہار کیا کرتے تھے، تو جاننے کے باوجود ایمان نہ لانا اس دن ظاہر ہو جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہوں نے فرعون سے کہا: لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ (بنی اسرائیل: 102) ''تو خوب جانتا ہے کہ نہیں اتارا ان نشانیوں کو مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے یہ بصیرت افروز ہیں''۔ فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں فرمایا: وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (النمل: 14) ''اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا ان کے دلوں نے (ان کا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا''۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان سے مراد وہ منافقین ہوں جو لوگوں کے سامنے تو اپنے ایمان کا اظہار کیا کرتے تھے لیکن دل میں کفر چھپائے ہوئے تھے۔ یہاں کفار کی کلام کی خبر دی جارہی ہے جو وہ روز قیامت کریں گے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سورت تو مکی ہے اور نفاق بعض اہل مدینہ اور اطراف مدینہ کے بدوؤں میں ظاہر ہوا تھا پھر اس کی تفسیر منافقین سے کرنا کیسے ممکن ہے؟ ان سے منافقین مراد لینے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ نفاق مدینہ شریف میں ہی ظاہر ہوا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ عنکبوت میں بھی تو وقوع نفاق کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ یہ سورت مکی ہے۔ فرمایا: وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ (العنکبوت: 11) ''اور ضرور دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور ضرور دیکھ لے گا منافقوں کو''۔ اس صورت میں دار آخرت میں منافقین کی بابت خبر دی جارہی ہے کہ جب وہ عذاب کا معائنہ کریں گے تو اس وقت ان کے کرتوتوں کا نتیجہ سامنے آجائے گا اور وہ دنیا میں اپنے دل میں جو کفر، نفاق اور بغض مخفی کئے بیٹھے تھے وہ عیاں ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ میں اضراب کا معنی یہ ہے کہ وہ جو دنیا کی طرف واپسی کی تمنا کر رہے ہیں وہ اس بناء پر نہیں کہ انہیں ایمان کے ساتھ شدید محبت اور لگاؤ ہے بلکہ

اس عذاب کے خوف سے جس سے وہ اپنے کفر ونفاق کی پاداش میں دوچار ہوئے اس لئے وہ دنیا کی طرف دوبارہ لوٹنے کا سوال کریں گے تا کہ وہ اس عذاب سے رہائی حاصل کرلیں جس کا مشاہدہ وہ کر چکے ہیں۔

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ...... بالفرض اگر ان کی خواہش کو پورا کر بھی دیا جائے اور انہیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے پھر بھی وہ پہلے کی طرح کفر ونفاق اور مخالفت حق پر کمربستہ ہو جائیں گے۔ ان کا یہ کہنا کہ ہم اللہ کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے بلکہ مومن بن جائیں گے یہ بات سراسر جھوٹ ہے بلکہ دنیا میں لوٹ کر پھر یہی کہیں گے کہ زندگی تو محض دنیاوی زندگی ہی ہے اور ہم دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے جائیں گے۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ...... کاش کہ آپ دیکھتے جب انہیں اپنے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ کیا قیامت اور دوبارہ زندہ کیا جانا برحق نہیں ہے اور تم جو اعتقاد رکھتے تھے وہ باطل نہیں ہے؟ وہ کہیں گے: بے شک، اپنے رب کی قسم! پھر حکم ہوگا کہ اپنے کفر اور تکذیب کا مزہ چکھو، اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ (الطور:15) ''کیا یہ (آگ) جادو (کا کرشمہ) ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آ رہی''۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

''بے شک خسارہ میں رہے وہ جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملاقات (کی خبر) کو یہاں تک کہ جب آ گئی ان پر قیامت اچانک بولے ہائے افسوس! اس کوتاہی پر جو ہم سے ہوئی اس زندگی میں اور وہ اٹھائے ہوئے ہیں اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر، ارے کتنا برا بوجھ ہے جسے وہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر کھیل اور تماشا اور بے شک آخرت کا گھر بہتر ہے ان کے لئے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں، تو کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے''۔

لقاء باری تعالیٰ کی تکذیب کرنے والوں کے خسارہ، نامرادی اور ان کی بے راہ روی اور افعال قبیحہ پر ندامت کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے کہ جب قیامت اچانک آئے گی تو وہ اپنی کوتاہیوں اور اعمال بد پر کف افسوس ملیں گے۔ ''فِيْهَا'' میں ''هَا'' ضمیر کا مرجع حیات دنیوی، اعمال اور دار آخرت ہو سکتا ہے۔ وہ اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے اور یہ کس قدر برا بوجھ ہے! قتادہ کہتے ہیں کہ ''يَزِرُوْنَ'' یعنی ''يَحْمِلُوْنَ''۔ ابن مرزوق کہتے ہیں کہ کافر یا فاجر جب اپنی قبر سے نکلے گا تو وہ ایک مجسمہ دیکھے گا جو انتہائی بدشکل اور سخت بدبودار ہوگا وہ اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ کہے گا کہ کیا تو مجھے پہچانتا نہیں؟ وہ کہے گا: اللہ کی قسم! نہیں، البتہ اللہ تعالیٰ نے تیرے چہرے کو بدشکل بنا دیا ہے اور تجھے بدبودار کر دیا ہے، وہ کہے گا: میں تمہارا عمل خبیث ہوں، جس کا ارتکاب تو دنیا میں کیا کرتا تھا، دنیا میں کتنا طویل عرصہ تو مجھ پر سوار رہا اب میں تجھ پر سواری کروں گا، یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا: وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ۔ سدی کہتے ہیں کہ جب کوئی ظالم اپنی قبر میں داخل ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک بدصورت، سیاہ رنگ، بدبودار اور میلے کچیلے کپڑوں والا بھی سکونت پذیر ہو جاتا ہے، وہ ظالم اسے دیکھ کر کہتا ہے: تو کتنا بدشکل ہے! وہ کہتا ہے کہ اسی طرح تیرا عمل قبیح تھا، میں اس کا

عکس ہوں، وہ کہے گا، تو کس قدر بد بودار ہے! وہ جواب دے گا: اسی طرح تمہارے اعمال بد بودار تھے، پھر وہ کہے گا: تیرے کپڑے کتنے میلے کچیلے ہیں! وہ جواب دے گا: تمہارے اعمال بھی ایسے ہی تھے، ظالم اس سے پوچھے گا: تو کون ہے؟ وہ کہے گا کہ میں تمہارا عمل ہوں۔ پھر وہ قیامت تک اس کے ساتھ رہے گا۔ قیامت کے دن جب اسے اٹھایا جائے گا تو وہ ظالم سے کہے گا کہ دنیا میں میں نے تجھے لذات و شہوات سمیت اٹھائے رکھا اور آج تو مجھے اٹھائے گا، پھر وہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو جائے گا اور اسے دوزخ کی طرف ہانک کرلے جائے گا، یہی اس آیت کا مفہوم ہے (1)۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ...... اکثر دنیاوی زندگی لہو ولعب اور کھیل کود ہے، دار آخرت تو صرف متقین کے لئے ہے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝٣٣ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۝٣٤ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝٣٥ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ۭ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝٣٦

''(اے حبیب!) ہم جانتے ہیں کہ رنجیدہ کرتی ہے آپ کو وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو بلکہ یہ ظالم (دراصل) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اور بے شک جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلائے جانے پر اور ستائے جانے پر یہاں تک کہ آ پہنچی انہیں ہماری مدد اور نہیں کوئی بدلنے والا اللہ کی باتوں کو اور آ ہی چکی ہیں آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں۔ اور اگر گراں ہے آپ پر ان کا (حق سے) روگردانی کرنا تو اگر آپ سے ہو سکے تو تلاش کرلو کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں (تو اس پر چڑھ جاؤ) پھر لے آؤ ان کے پاس کوئی معجزہ (تو بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے) اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو جمع کر دیتا انہیں ہدایت پر تو آپ نہ ہو جائیں ان سے جو (حقیقت کا) علم نہیں رکھتے۔ صرف وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور ان مردہ (دلوں) کو اٹھائے گا اللہ تعالیٰ پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے''۔

قریش کی تکذیب اور مخالفت پر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دے رہا ہے کہ ہمیں ان کی تکذیب اور آپ ﷺ کے حزن و ملال کا اچھی طرح علم ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ (فاطر:8) ''پس نہ گھلے آپ کی جان ان کے لئے فرط غم سے'' اور فرمایا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء:3) ''(اے جان عالم!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس غم میں کہ وہ ایمان نہیں لا رہے''۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (الکہف:6) ''تو کیا آپ (فرط غم سے) تلف کر دیں گے اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس قرآن کریم پر افسوس کرتے ہوئے''۔

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ...... درحقیقت وہ آپ کو کذب سے متہم نہیں کرتے بلکہ یہ ظالم حق کے ساتھ معاندت اور نفرت کے باعث وہ اللہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 179

تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوجہل نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ آپ کے لائے ہوئے پیغام کو جھٹلاتے ہیں تو اس پر یہ آیت اتری (1)۔

ابو یزید مدنی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی ابوجہل کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اس نے آپ ﷺ کے ساتھ مصافحہ کیا تو کسی آدمی نے اس سے کہا کہ تم اس بے دین شخص سے مصافحہ کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا: خدا کی قسم! مجھے علم ہے کہ یہ نبی ہے لیکن ہم نے کب عبد مناف کی غلامی قبول کی؟ اس پر ابو یزید نے مذکورہ آیت کی تلاوت کی۔ ابوصالح اور قتادہ کہتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں لیکن پھر بھی ہٹ دھرمی اختیار کئے ہوئے ہیں۔

امام زہری رحمتہ اللہ علیہ ابوجہل کے قصہ میں بیان کرتے ہیں کہ ایک شب ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس بن شریق حضور ﷺ کی تلاوت قرآن سننے کے لئے آئے، وہ اس طرح چھپکے سے آئے کہ کسی کو دوسرے کے بارے میں محسوس تک نہ ہوا۔ وہ صبح تک قرآن سنتے رہے، صبح کا اجالا ہوا تو ہر ایک نے اپنی اپنی راہ لی، رستہ میں تینوں کی ملاقات ہوگئی تو ہر ایک دوسرے سے پوچھنے لگا کہ کیسے آنا ہوا؟ ہر ایک نے اپنا مقصد بیان کر دیا، پھر تمام نے یہ عہد کیا کہ دوبارہ قرآن سننے کے لئے نہیں آئیں گے کیونکہ انہیں یہ اندیشہ تھا کہ انہیں دیکھ کر کہیں نوجوان اس آزمائش میں نہ پڑ جائیں اور کہیں اسلام کی طرف نہ راغب ہو جائیں۔ جب دوسری رات ہوئی تو ان میں سے ہر ایک شخص پھر تلاوت قرآن سننے کے لئے آ گیا اور یہ سمجھنے لگا کہ اس کے باقی دونوں ساتھی معاہدہ کا پاس کرتے ہوئے نہیں آئیں گے، صبح کے وقت جب تینوں کی ملاقات ہوئی تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور ایک مرتبہ پھر معاہدہ کیا کہ دوبارہ اس غرض کے لئے نہیں آئیں گے۔ تیسری رات پھر یہ تینوں حضور ﷺ کی محفل میں حاضر ہو گئے، صبح ہوئی تو پھر ایسا نہ کرنے کا عہد کر لیا، پھر اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔ اب اخنس بن شریق اپنی لاٹھی تھامے ابوسفیان کے پاس آیا اور پوچھنے لگا: اے ابوحنظلہ! جو قرآن تم نے محمد ﷺ سے سنا ہے اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ ابوسفیان کہنے لگا: اے ابوثعلبہ! اللہ کی قسم! میں نے چند ایسی چیزیں سنی ہیں جنہیں میں خوب پہچانتا ہوں اور ان کے مفہوم کو بھی سمجھتا ہوں لیکن چند چیزیں ایسی سنی ہیں جنہیں نہ تو میں جانتا ہوں اور نہ ہی مجھے ان کے مفاہیم کا علم ہے، تو اخنس نے کہا! اللہ کی قسم! میری حالت بھی ایسی ہے، پھر وہ وہاں سے نکل کر ابوجہل کے گھر آیا اور پوچھنے لگا: اے ابوالحکم! جو کچھ تم نے محمد ﷺ سے سنا اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے اور تم نے کیا سنا؟ ابوجہل نے جواب دیا: ہم اور بنی عبد مناف سیادت اور شرف کے حصول کے لئے جھگڑتے رہے، انہوں نے دعوتیں کیں تو ہم نے بھی دعوتیں کیں، انہوں نے بھلائی کے کام کئے تو ہم نے بھی کئے، وہ لوگوں کو عطا کرتے رہے تو ہم بھی نوازشات کرتے رہے یہاں تک کہ جب ہم قافلہ سے بازی لے گئے اور مقابلہ کے دو گھوڑوں کی طرح (ہم مرتبہ) ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ ہم میں سے ایک نبی مبعوث ہوا ہے جس کے پاس آسمان سے وحی اترتی ہے، ہم بھلا یہ شرف کہاں سے حاصل کریں؟ اللہ کی قسم! ہم نہ تو اس پر ایمان لائیں گے اور نہ تصدیق کریں گے۔ یہ بات سن کر اخنس چلا گیا (2)۔

اس آیت کے بارے میں سدی کہتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن اخنس بن شریق نے بنو زہرہ سے کہا کہ محمد ﷺ تمہارا بھانجا ہے اور تم اس بات کے زیادہ حقدار ہو کہ اپنے بھانجے کا دفاع کرو کیونکہ اگر وہ واقعی سچے نبی ہیں تو آج تمہیں اس سے نہیں لڑنا چاہئے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو تمہیں یہ زیادہ حق پہنچتا ہے کہ اس کے ساتھ لڑائی سے باز رہو۔ ذرا ٹھہرو، میں ابوالحکم (ابوجہل) سے ملاقات کر لوں۔ اگر وہ محمد ﷺ

1۔ مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ انعام، جلد 2، صفحہ 315-316 2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 315-316

پر غالب آ گیا تو صحیح سالم واپس چلے جاؤ گے اور اگر اس جنگ میں محمد ﷺ غالب آ گیا تو تم نے اپنی قوم کے ساتھ جنگ کی ہی نہیں، اسی دن سے اس کا نام اخنس پڑ گیا حالانکہ اس کا نام ''ابی'' تھا۔ اب اخنس تنہائی میں ابوجہل سے ملا اور کہا: اے ابوجہل! مجھے بتاؤ، کیا محمد ﷺ سچے ہیں یا جھوٹے؟ یہاں میرے علاوہ اور کوئی قریشی نہیں ہے جو ہماری بات سن سکے۔ تو ابوجہل نے کہا: افسوس ہے تم پر، محمد ﷺ واقعی سچے ہیں، انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اگر بنو قصی علم برداری، موسم حج میں سقایت، کعبہ شریف کی کلید برداری اور نبوت کا شرف لے جائیں تو قریش کے لئے کونسا شرف باقی رہ جاتا ہے؟ اسی بناء پر فرمایا: فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ..... آیات سے مراد حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے(1)۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ..... اس آیت میں نبی کریم ﷺ کے لئے تسلی اور ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو صبر کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ فتح و نصرت کا وعدہ فرما رہا ہے۔ جس طرح دوسرے رسولوں کی مدد کی گئی اور انہیں کامیابی سے ہمکنار کیا گیا یہاں تک کہ تکذیب اور اذیت رسانی کے بعد عاقبت انہی کے حصہ میں آئی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا و آخرت کی نصرت حاصل ہوگئی۔ اسی لئے فرمایا: لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے ساتھ فتح و نصرت کا جو وعدہ کر رکھا ہے وہ ضرور پورا ہوگا اس میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (الصافات: 173-171) ''اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی۔ اور بیشک ہمارا لشکر ہی غالب ہوا کرتا ہے''۔ اور فرمایا: كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (المجادلۃ: 21) ''اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آ کر رہیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے''۔

وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَإِ الْمُرْسَلِينَ سابقہ انبیاء و رسل کے حالات سے آپ ﷺ آگاہ ہو چکے کہ کیسے جھٹلانے والوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کی گئی اور توفیق ایزدی نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ اس میں آپ ﷺ کے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ ہے۔

وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ..... حق سے ان کا روگردانی کرنا اگر آپ پر گراں گزرتا ہے تو آپ اس کا کوئی علاج نہیں کر سکتے، اگر آپ یہ کر سکتے ہیں کہ زمین میں سرنگ لگا کر کوئی نشانی لے آئیں یا آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جائیں اور کوئی بہتر نشانی لے آئیں تو ایسا کر گزریں، اس کے باوجود یہ ایمان نہیں لائیں گے (2)۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ان کا ایمان لانا منظور ہوتا تو وہ ضرور انہیں ہدایت پر جمع کر دیتا، اس لئے آپ حقیقت کا علم نہ رکھنے والے لوگوں میں سے نہ ہو جائیں، اسی طرح کا ایک اور ارشاد ہے: وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا (یونس: 99) ''حضرت ابن عباس آیت کریمہ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس بات کے بہت زیادہ حریص تھے کہ تمام کے تمام لوگ ایمان لے آئیں اور ہدایت پر آپ ﷺ کی اتباع کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آگاہ فرما دیا کہ ایمان تو وہی لاتا ہے جس کے مقدر میں ازل سے ہی یہ سعادت لکھی جا چکی ہے۔

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ اے محمد ﷺ! آپ کی دعوت پر تو صرف وہی لوگ لبیک کہیں گے جو آپ کی بات سننے، سمجھنے اور محفوظ رکھنے کی استعداد رکھتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا۔ لِّيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ (یاسین: 70) '' تاکہ وہ بروقت

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 182-181 4۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 184

خبردار کرے اسے جو زندہ ہے اور تا کہ حجت تمام کردے کفار پر''۔

وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ...... ''مَوْتٰى'' (مردوں) سے مراد کفار ہیں، ان کے دل مردہ ہیں، انہیں ان مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے جن کے اجسام سے روحیں نکل چکی ہوں، اس سے مقصود کفار کی رسوائی اور تذلیل ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

''اور بولے کیوں نہیں اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے؟ آپ فرمایئے بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ اتارے کوئی نشانی لیکن اکثر ان میں سے کچھ نہیں جانتے۔ اور نہیں کوئی (جانور) چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے دو پروں سے مگر وہ امتیں ہیں تمہاری مانند۔ نہیں نظر انداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے۔ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو (تو وہ) بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں (سرگرداں ہیں)، جسے چاہے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اور جسے چاہے لگادے اسے سیدھے راستہ پر''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کے بارے میں بتا رہا ہے کہ وہ کوئی نشانی یا خارق عادت بات کا مطالبہ کررہے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے ایمان کے لئے یہ شرط لگائی کہ زمین میں چشمے جاری ہو جائیں لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا (بنی اسرائیل:59) ''ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کریں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ''۔ اس مطالبہ پر فرمایا کہ اے محبوب! آپ انہیں بتادیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر پوری طرح قادر ہے لیکن اس کی حکمت تاخیر کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ ان کے مطالبہ کو پورا کرتے ہوئے اگر اس نے کوئی نشانی نازل کردی اور پھر بھی وہ ایمان نہ لائے تو انہیں سخت عذاب کا سامنا کرنا ہوگا جیسا کہ گزشتہ امتوں کے ساتھ ہو چکا ہے، قوم ثمود کو دیکھو جس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا (بنی اسرائیل:90) ''اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کردیئے گئے تھے)۔ اور ہم نے دی تھی قوم ثمود کو ایک اونٹنی جو روشن نشانی تھی پس انہوں نے زیادتی کی اس پر۔ اور ہم نہیں بھیجتے ایسی نشانیاں مگر لوگوں کو (عذاب سے) خوفزدہ کرنے کے لئے''۔ اور فرمایا: اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ (الشعراء:4) ''اگر ہم چاہیں تو اتاریں ان پر آسمان سے کوئی نشانی پس ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئیں''۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ...... ''اُمَمٌ'' کا معنی ہے اصناف، یعنی جانور اور پرندے تمہاری طرح انواع واقسام کے ہیں جن کے اپنے اپنے نام ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ پرندے، جن اور انسان الگ الگ امتیں ہیں اور یہ تمہاری طرح ہی اللہ کی مخلوق ہیں (1)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 188-187

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ہر قسم کی مخلوق بری ہو یا بحری اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے وہ کسی کے رزق اور انتظام سے غافل نہیں ہوتا جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا: وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّھَا وَمُسْتَوْدَعَھَا کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (ہود: 6) ''اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق، وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے''۔ وہ تمام مخلوقات کے اسماء، تعداد، مقامات حتیٰ کہ ان کی حرکات وسکنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، فرمایا: وَکَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّۃٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَھَا اللّٰہُ یَرْزُقُھَا وَاِیَّاکُمْ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (العنکبوت: 60) ''اور کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں جو اٹھائے نہیں پھرتے اپنا رزق۔ اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے انہیں بھی اور تمہیں بھی اور وہ سب باتیں سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

حضرت جابر بن عبداللہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک سال ٹڈی دل نہ آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تو کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ آپ رضی اللہ عنہ دل گرفتہ ہوگئے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے شام عراق وغیرہ کی طرف کچھ آدمی بھیج کر دریافت کرایا کہ کیا وہاں ٹڈی دل دکھائی دیا ہے؟ یمن کی طرف بھیجا گیا آدمی مٹھی بھر ٹڈیاں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا اور انہیں آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے ڈال دیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو تین بار اللہ اکبر کہا، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار مخلوقات پیدا کی ہیں، ان میں سے چھ سو سمندر میں ہیں اور چار سو خشکی میں، ان امتوں (مخلوقات) میں سے سب سے پہلے ٹڈی دل کو ہلاک کیا جائے گا، اس کی ہلاکت کے ساتھ لگا تار مخلوقات کی ہلاکت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا جیسے لڑی ٹوٹنے کے بعد منکے گرنے لگتے ہیں''(1)۔

ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمْ یُحْشَرُوْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جانوروں کی موت ہی ان کا حشر ہے،(2) ایک دوسرا قول یہ ہے کہ بہائم کے حشر سے مراد یہ ہے کہ انہیں روز قیامت دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا جس طرح فرمایا: وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ (التکویر: 5) ''اور جب وحشی جانور یکجا کر دیئے جائیں گے''۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو بکروں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کو سینگ مار رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیوں سینگ مار رہے ہیں؟'' عرض کی: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور قیامت کے دن ان دونوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا''(3)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فضاؤں میں اڑنے والے پرندوں تک کے بارے میں آگاہ کر دیا(4)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے سینگ قیامت کے دن سینگ والے سے قصاص لے گا''(5)۔

حضرت ابوہریرہ ''اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ ہر قسم کی مخلوق چوپائے، جانور، پرندے وغیرہ کو زندہ کر کے اٹھائے گا اور اس کا عدل اپنی انتہاء کو پہنچ جائے گا حتیٰ کہ بے سینگ سینگ والے سے قصاص لے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم سب مٹی بن جاؤ، اس لئے اس وقت کافر بھی یہ تمنا کرے گا: یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا (النباء: 40) ''کہے گا کاش! میں خاک ہوتا''(6)۔

وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّبُکْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ ہماری آیات کو جھٹلانے والے جہالت، قلت علم اور عدم فہم میں گونگوں اور بہروں کی طرح ہیں نہ وہ گفتگو کر سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ وہ تاریکیوں میں سرگرداں ہیں، انہیں کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا، پھر بھلا وہ کیسے

1۔ کنز العمال، صفحہ 31484　　2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 188　　3۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 162
4۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 189　　5۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 72　　6۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 189-188

ان تاریکیوں سے نکل کر راہ راست پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ۝ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ (البقرہ:18-17) ''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی۔ پھر جب جگمگا اٹھا اس کا آس پاس تو لے گیا اللہ ان کا نور اور چھوڑ دیا انہیں گھپ اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ نہیں پھریں گے''۔ اسی طرح فرمایا: أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ۚ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا ۗ وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ (النور:40) ''یا (اعمال کفار) ایسے اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتے ہیں چھا رہی ہوتی ہے اس پر موج، اس کے اوپر ایک اور موج (اور) اس کے اوپر بادل۔ (تہ در تہ) اندھیرے ہیں ایک دوسرے کے اوپر۔ جب وہ نکالتا ہے اپنا ہاتھ تو نہیں دیکھ پاتا اسے۔ اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے تو اس کے لئے کہیں نور نہیں''۔ اسی لئے فرمایا: مَن يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ...... وہ جس طرح چاہے اپنی مخلوق میں تصرف فرمانے والا ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝٤٠ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِن شَاءَ وَتَنسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ ۝٤١ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ۝٤٢ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝٤٣ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ۝٤٤ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝٤٥

''آپ فرمائیے بھلا بتاؤ تو اگر آئے تم پر اللہ کا عذاب یا آ جائے تم پر قیامت کیا اس وقت اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ بلکہ اسی کو پکارو گے تو دور کر دے گا وہ تکلیف پکارا تھا تم نے جس کے لئے اگر وہ چاہے گا اور تم بھلا دو گے انہیں جنہیں تم نے شریک بنا رکھا تھا۔ اور بے شک بھیجے ہم نے رسول امتوں کی طرف آپ سے پہلے (جب انہوں نے سرکشی کی) تو ہم نے پکڑ لیا انہیں سختی اور تکلیف سے تاکہ وہ گڑگڑائیں۔ تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ جب آیا ان پر ہمارا عذاب تو وہ (توبہ کرتے اور) گڑگڑاتے لیکن سخت ہو گئے ان کے دل اور آراستہ کر دیا ان کے لئے شیطان نے جو وہ کیا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے بھلا دیں وہ نصیحتیں جو انہیں کی گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے۔ یہاں تک کہ جب وہ خوشیاں منانے لگے اس پر جو انہیں دیا گیا تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک اب وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔ تو کاٹ کر رکھ دی گئی جڑ اس قوم کی جس نے ظلم کیا تھا۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہان والوں کا''۔

اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو وہ ارادہ کرے اور اپنی مخلوق میں جیسے چاہے تصرف کرتا ہے، اس کے حکم کو نہ کوئی بدل سکتا ہے اور نہ ٹال سکتا ہے، وہ یکتا ہے، کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جب اس سے مانگا جائے تو وہ جسے چاہے عطا فرما دیتا ہے، اسی لئے فرمایا: ''قُلْ

اَرَءَيْتَكُمْ...... ''ذرا بتاؤ تو سہی اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے یا قیامت آجائے تو اللہ کے علاوہ کس کو پکارو گے، مطلب یہ ہے کہ تم غیر اللہ کو نہیں پکارو گے کیونکہ تمہیں بخوبی علم ہے کہ اس عذاب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں ٹال سکتا، اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک ٹھہرانے میں واقعی سچے ہو تو تجربہ کر کے دیکھ لو، بلکہ بوقت ضرورت تم اسی کو پکارو گے پھر اگر وہ چاہے گا تو تم سے عذاب کو دور کردے گا، اس وقت تمام بت اور شرکاء تم سے پہلو بچا کر رفو چکر ہو جائیں گے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ (بنی اسرائیل: 67)'' اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے''۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ...... ہم نے آپ سے پہلے امتوں کی طرف بھی رسول بھیجے۔ جب انہوں نے جھٹلایا اور نافرمانی کی تو ہم نے انہیں فقر، تنگدستی اور امراض و آلام کے عذاب میں جکڑ لیا تاکہ وہ خشوع و خضوع سے گڑگڑاتے ہوئے اسی کو پکاریں۔

فَلَوْ لَاۤ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا...... جب انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا گیا تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے اور کیوں نہ انہوں نے ہماری طرف رجوع کیا۔ لیکن اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے دل سخت ہو چکے ہیں، نہ ان میں رقت ہے اور نہ خشوع و خضوع، اسی وجہ سے وہ متاثر نہیں ہوتے، مزید برآں شیطان نے ان کے لئے شرک، معاندت اور معاصی کو آراستہ کر دیا ہے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ...... جب انہوں نے پند و نصائح سے روگردانی کی اور انہیں پس پشت ڈال دیا تو ہم نے بڑی فراوانی کے ساتھ رزق کے دروازے ان پر کھول دیئے تاکہ ڈھیل دیکر انہیں درجہ بدرجہ عذاب کے قریب کیا جائے۔ اس خفیہ تدبیر سے اللہ کی پناہ! اسی لئے فرمایا: ''حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا......'' جب وہ اموال، اولاد اور ارزاق کی فراوانی پر شاداں و فرحاں ہو گئے تو ہم نے اچانک غفلت میں ہی انہیں پکڑ لیا جب کہ وہ ہر خیر سے مایوس ہو چکے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے وسیع رزق عطا فرماتا ہے اور اسے یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر ہے تو اس کی کوئی رائے نہیں، اور جس پر اللہ تعالیٰ تنگدستی مسلط کر دے اور وہ غور و فکر نہ کرے کہ اسے مہلت دی گئی ہے اور آزمایا گیا ہے تو ایسے شخص کی بھی کوئی رائے نہیں، پھر اس آیت کی تلاوت کی، رب کعبہ کی قسم! مجرموں کو جب پکڑنا مقصود ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ پہلے انہیں اپنی نعمتیں عطا فرما دیتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی قوم کو اس وقت اپنے عذاب میں جکڑتا ہے جب وہ گمراہی میں مست ہو جائیں اور اللہ کے انعامات سے دھوکے کا شکار ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکہ نہ کھاؤ کیونکہ دھوکہ کھانے والے فاسق لوگ ہی ہوتے ہیں۔

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ، ''اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ'' سے مراد دنیاوی آسائش و آرام اور مال و دولت کی فراوانی ہے۔ ابن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم کسی کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ اسے باوجود گناہوں کے حسب خواہش عطا فرما رہا ہے تو سمجھ لو یہ استدراج (ڈھیل) ہے، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ...... (1)۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے: ''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی بقاء اور ترقی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے میانہ روی اور پاکدامنی کی نعمت سے سرفراز فرما دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی جڑ کاٹنے کا ارادہ فرماتا ہے تو ان پر رزق فراخ کر دیتا ہے اور خیانت کا دروازہ کھول دیتا ہے، فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً...... (2)۔

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 145، تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 195　2۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 22

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَ خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝۴۶ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۷ وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۴۸ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۴۹

''آپ فرمائیے بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر لے لے اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور مہر لگا دے تمہارے دلوں پر تو کوئی خدا ہے اللہ کے سوا جو لا دے تمہیں یہ چیزیں؟ ملاحظہ ہو کس کس رنگ سے ہم بیان کرتے ہیں (توحید کی) دلیلیں پھر بھی وہ منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ آپ فرمائیے یہ تو بتاؤ اگر آ جائے تم پر اللہ کا عذاب اچانک یا کھلم کھلا تو کون ہلاک کیا جائے گا بغیر ظالم لوگوں کے۔ اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشخبری سنانے کے لئے اور (عذاب جہنم سے) ڈرانے کے لئے۔ تو جو ایمان لائے اور اپنے آپ کو سنوار لیا تو کوئی خوف نہیں ہوگا انہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو پہنچے گا انہیں عذاب بوجہ اس کے کہ وہ حکم عدولی کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ سرکش جھٹلانے والوں سے کہہ دیں کہ تم ذرا بتاؤ تو سہی اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سماعت اور بصارت کو سلب کر لے جس طرح یہ نعمت اس نے تمہیں عطا کر رکھی ہے جیسا کہ فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ (الملک:23) ''فرمائیے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور بنائے تمہارے لئے کان، آنکھیں'' یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سماعت و بصارت کے ذریعے انتفاع شرعی سے محروم کر دیئے گئے۔ ہیں اسی لئے فرمایا: وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ (یونس:31) ''یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا'' اور فرمایا: وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ (الانفال:24) ''اور خوب جان لو کہ اللہ (کا حکم) حائل ہو جاتا ہے انسان اور اس کے دل (کے ارادوں) کے درمیان''۔

مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ یعنی اگر تمہاری سماعت و بصارت کو سلب کر لیا جائے تو اللہ کے سوا کیا کوئی انہیں لوٹانے پر قادر ہے؟ ہرگز نہیں، کسی میں یہ طاقت نہیں۔ اسی لئے فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ذرا غور کرو کہ ہم اپنی باتیں اور دلائل کس قدر وضاحت سے بیان فرماتے ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ان کے بنائے ہوئے معبود سب باطل اور سراپا گمراہی ہیں، لیکن تعجب اس پر ہے کہ وہ باوجود اس بیان اور وضاحت کے حق سے روگردانی کرتے ہیں اور باقی لوگوں کو اتباع حق سے روکتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ...... ان سے فرمائیے جانتے ہو کہ اگر اچانک تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو جائے اور غفلت کے عالم میں تمہیں آ دبوچے یا وہ عذاب کھلم کھلا تمہارے پاس آ جائے تو اس کی گرفت میں وہی ظالم لوگ آئیں گے جو شرک کا ارتکاب کرتے رہے اور اللہ کے وہ بندے نجات پا جائیں گے جو خدائے واحد کی عبادت کرتے رہے انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے جیسا کہ فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الانعام:83) ''وہ جو ایمان لائے اور نہ ملایا انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے''۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ...... ہم پیغمبروں کو مبعوث فرماتے ہیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کو خیرات کی خوشخبری دیں اور کفار کو عقوبت و عذاب سے ڈرائیں اسی لئے فرمایا: فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ...... پیغمبروں کے پیغام کو جس نے دل و جان سے قبول کرلیا اور ان کی اتباع کر کے اپنے اعمال کو سنوار لیا تو انہیں مستقبل کے بارے میں کوئی خوف نہیں ہوگا اور ماضی میں جو چیز ان سے فوت ہوگئی، اور اپنے پیچھے دنیا میں جو امور چھوڑے ان پر انہیں کوئی حزن نہیں ہوگا کیونکہ ان کے پچھلوں کا اللہ تعالیٰ حامی و ناصر ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا...... جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اس پاداش میں کہ انہوں نے رسولوں کے ساتھ کفر کیا، اللہ کے اوامر اور اطاعت سے اجتناب کیا، نواہی اور محارم کا ارتکاب کیا اور حرمات کی پردہ دری کی ان کے لئے سخت عذاب ہے۔

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ
اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۗ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنْذِرْ
بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ
يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۗ مَا
عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۗ
اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ
عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًاۢ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ
بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

”آپ فرمائیے کہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ خود جان لیتا ہوں غیب کو اور نہ یہ کہتا ہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں۔ نہیں پیروی کرتا میں مگر وحی کی جو بھیجی جاتی ہے میری طرف۔ آپ فرمائیے کیا (کبھی) برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا تو کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔ اور ڈرائیے اس (قرآن) سے انہیں جو ڈرتے ہوں اس سے کہ اٹھایا جائے گا انہیں ان کے رب کی طرف اس حالت میں کہ نہیں ہوگا ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارشی، (انہیں ڈرائیے) تا کہ یہ (کامل) پرہیز گار ہو جائیں۔ اور نہ دور ہٹاؤ انہیں جو پکارتے رہتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام طلب گار ہیں (فقط) اس کی رضا کے نہیں آپ پر ان کے حساب سے کوئی چیز اور نہ آپ کے حساب سے ان پر کوئی چیز ہے تو پھر بھی اگر آپ دور ہٹائیں انہیں تو ہو جائیں گے آپ بے انصافی کرنے والوں سے۔ اور اسی طرح ہم نے آزمائش میں ڈال دیا بعض کو بعض سے تا کہ کہیں (مالدار کافر نادار مسلمانوں کو دیکھ کر) کیا یہ ہیں احسان کیا ہے اللہ نے جن پر ہم میں سے۔ کیا نہیں جانتا اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ اپنے شکر گزار (بندوں کو) اور جب آئیں آپ کی خدمت میں وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں پر تو (ان سے) فرمائیے سلام ہو تم پر، لازم کرلیا ہے تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے

آپ پر رحمت فرمانا، تو جو کوئی کر بیٹھے تم میں سے برائی نادانی سے پھر توبہ کر لے اس کے بعد اور سنوار لے (اپنے آپ کو) تو بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرما رہا ہے، (اے حبیب) آپ فرما دیں لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ...... (1)۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خزانے نہ تو میرے قبضہ میں ہیں اور نہ ہی میں خود بخود (بغیر اذن الٰہی) ان میں تصرف کر سکتا ہوں، اور نہ میں اس بات کا مدعی ہوں کہ میں از خود غیب کو جان لیتا ہوں بلکہ علم غیب تو (ذاتی طور پر) صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے اور میں صرف اس غیب سے باخبر ہوتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ مجھے آگاہ فرما دے۔ اور نہ میں اس بات کا دعویدار ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، میں تو بشر ہوں، کوئی عام بشر نہیں بلکہ ایسا بشر ہوں جس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی اترتی ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان فرمایا ہے اور مجھے وحی کے متحمل ہونے کا شرف مرحمت فرمایا ہے، میرا اگر کوئی دعویٰ ہے تو صرف یہ ہے اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ جو وحی میری طرف ہوتی ہے میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں، اس سے بالشت بھر بلکہ اس سے بھی کمتر انحراف نہیں کرتا۔ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ آپ فرما دیں کہ کیا وہ شخص جو حق کی پیروی کرتا ہے اور اس کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور وہ شخص جو گمراہی کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے اور حق کی اتباع نہیں کرتا دونوں برابر ہو سکتے ہیں: اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ کیا تم اتنی بھی سمجھ نہیں رکھتے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (الرعد:19) "تو کیا جو شخص جانتا ہے کہ جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے وہ حق ہے وہ اس جیسا ہوگا جو اندھا ہے۔ نصیحت صرف وہی قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں"۔

وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ...... اے محمد آپ اس قرآن کریم کے ذریعے ان لوگوں کو ڈرائیں جو اپنے رب کے خوف سے لرزاں رہتے ہیں، اپنے رب اور برے حساب سے ڈرتے ہیں اور وہ جو اندیشہ رکھتے ہیں قیامت کے دن انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور جمع کیا جائے گا، اس دن اللہ تعالیٰ کے سوا نہ ان کا کوئی حامی و ناصر ہوگا اور نہ ہی کوئی سفارشی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے رہائی کے لئے سفارش کرے اگر اللہ تعالیٰ عذاب دینا چاہے۔ آپ انہیں اس دن سے ڈرائیں جس میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی حاکمیت نہیں ہوگی تاکہ یہ لوگ تقویٰ اختیار کریں اور دنیا میں ایسے اچھے اعمال کریں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں اپنے عذاب سے چھٹکارا عطا فرمائے اور

1۔ کفار مکہ صرف دنیاوی زندگی پر یقین رکھتے تھے۔ ان کی جدوجہد اور کدوکاوش کا محور دولت، عزت، اقتدار اور وقار کا حصول تھا۔ شرف انسانی کا کوئی تصور ان کے ذہن میں نہ تھا، غرباء کو لوٹنا، اقرباء کو قتل کرنا، اپنی ہی بچیوں کو زندہ درگور کرنا، رہزنی، غارت گری، شراب نوشی، بدکاری اور بدمعاشی ان کا مشغلہ تھا۔ گویا انسانی لباس میں وہ وحشی درندے تھے جن کے لئے یہ سمجھنا ناممکن تھا کہ انسان بھی منصب نبوت پر فائز ہو سکتا ہے، اس لئے جب نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت کیا تو یہ مشرکین طرح طرح کی شرطیں لگانے لگے کہ ان کی مالی حالت سدھر جائے، صحرا گلزار بن جائیں، پہاڑوں کی جگہ کھیت لہلہانے لگیں، ندیاں بہنے لگیں، چوری ہو جائے تو چور کا سراغ بتائیں وغیرہ۔ پھر وہ دیکھتے کہ آپ کھاتے پیتے ہیں، دنیاوی کاروبار کرتے ہیں اور آپ کے بال بچے بھی ہیں۔ اس بگڑی ہوئی پست ذہنیت کی اصلاح کے لئے آپ ﷺ تشریف لائے اور واضح کر دیا کہ مجھے مادی خواہشات کی تکمیل کے لئے نہیں بھیجا گیا بلکہ میری بعثت کا مقصد نیکی، تقویٰ، پاکیزگی اور خوش اخلاقی کا درس دینا ہے۔ میری ذات میں تم جن عمدہ افکار، بلند کردار، اعلیٰ اخلاق، علمی کمالات اور معجزات کا مشاہدہ کر رہے ہو، ان سب کے باوجود میں انسان ہوں فرشتہ نہیں۔ میرے یہ کمالات دیکھ کر مجھے خدا نہ سمجھ لینا۔ مجھے خدائی کا دعویٰ نہیں اور نہ اس بات کا کہ اللہ کی قدرت کے سارے خزانے میرے قبضہ میں ہیں، خود بخود جیسے چاہوں تصرف کروں یا مجھے اللہ کے بتلائے بغیر خود بخود غیب کا علم ہو جاتا ہے، یہ دعویٰ بھی نہیں بلکہ میں تو صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں۔

آپ ﷺ کو علم، اختیار اور بشریت میں عام انسانوں کی طرح سمجھنے والوں کا رد اس طرح فرمادیا: قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ (جس کی آنکھیں اللہ کے نور سے روشن ہوں اور جو اندھیرے میں بھٹک رہا ہو، کیا دونوں یکساں ہیں؟)

گرانقدر اجر وثواب سے نوازے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ...... وہ خوش قسمت جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں آپ انہیں ہرگز اپنے آپ سے دور نہ ہٹائیں بلکہ اپنے ہم نشین اور مقربین بنائے رکھئے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (الکھف: 28) ''اور روکے رکھئے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام طلب گار ہیں اس کی رضا کے اور نہ ہٹیں آپ کی نگاہیں ان سے۔ کیا آپ چاہتے ہیں دنیوی زندگی کی زینت اور نہ پیروی کیجئے اس (بدنصیب) کی غافل کر دیا ہے ہم نے جس کے دل کو اپنی یاد سے اور وہ اتباع کرتا ہے اپنی خواہش کی اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے''۔

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ یہ لوگ اپنے رب کو پکارتے ہیں، صبح وشام اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سامنے ہی دست سوال دراز کرتے ہیں۔ حضرات سعید بن میسّب، مجاہد، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فرض نماز ہے یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ فرمایا: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: 60) ''اور تمہارے رب نے فرمایا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا''۔ ان اعمال صالحہ سے ان کا مقصود محض رضائے الٰہی کا حصول ہے، اور جس قدر بھی انہیں عبادت واطاعت کی توفیق ارزانی ہوتی ہے اس میں وہ انتہائی مخلص ہیں۔

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ...... جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان بدبختوں کے جواب میں کہا تھا جو ایمان لانے پر آمادہ نہیں تھے: قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿111﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿112﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ (الشعراء: 111-113) ''انہوں نے کہا کیا ہم (قوم کے رئیس) ایمان لائیں تجھ پر حالانکہ تمہاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے کیا خبر کہ وہ کس نیت سے ایمان لائے ہیں۔ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں (حقیقت کا) شعور ہے''۔ یعنی (ان کا حساب تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، ان کا حساب مجھ سے نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی میرا حساب ان سے)۔

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اگر آپ ان فرمانبرداروں کو دور ہٹا دیں گے تو آپ نامناسب کام کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چند سربرآوردہ قریشی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرے، دیکھا کہ آپ کے پاس حضرات خباب، صہیب، بلال اور عمار رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے ہیں تو انہوں نے کہا: اے محمد (ﷺ)! کیا یہی (گھٹیا) لوگ آپ کو پسند ہیں؟ تو ان لوگوں کے بارے میں وحی اتری: وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ...... اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (1)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ چند معززین قریش کا حضور ﷺ کے پاس سے گزر ہوا، آپ ﷺ کے پاس صہیب، عمار، بلال اور خباب رضی اللہ عنہم جیسے نادار صحابہ حاضر تھے، انہوں نے کہا: اے محمد! کیا یہی آپ کے پسندیدہ لوگ ہیں؟ کیا یہی لوگ ہیں کہ ہمیں چھوڑ کر ان پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ہے؟ کیا ان فاقہ مستوں کی پیروی کرتے ہوئے ہم تمہارے پیروکار بن جائیں؟ انہیں اپنی بارگاہ سے نکال باہر کریں، اگر آپ ان کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں گے تو ہم آپ کی پیروی کریں گے، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی نازل ہوا۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ...... وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ...... (2)۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ...... کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ اقرع بن حابس اور عیینہ

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 420 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 200

بن حصین وغیرہ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ حضرات صہیب، بلال، عمار، خباب جیسے غریب ومسکین صحابہ کے ساتھ تشریف فرما ہیں، جب شمع رسالت ﷺ کے اردگرد ان نادار پروانوں کو دیکھا تو انہیں بڑے حقیر لگے، تنہائی میں وہ نبی کریم ﷺ سے کہنے لگے کہ ہم آپ کے ساتھ شریک مجلس ہونا چاہتے ہیں لیکن یہ ایسی ممتاز مجلس ہو جس کے باعث سارے عرب ہماری فضیلت کے معترف ہو جائیں، آپ کے پاس عربوں کے وفود آتے رہتے ہیں ہمارے لئے یہ باعث شرم ہے کہ وہ ہمیں ان گنواروں کے ساتھ دیکھیں، اس لئے جب ہم آپ کے پاس آئیں تو آپ انہیں اپنی محفل سے اٹھا دیا کریں اور جب ہم فارغ ہو جایا کریں تو پھر اگر آپ کی مرضی ہو تو انہیں اپنے پاس بٹھا لیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔'' انہوں نے کہا کہ ہمیں اس معاہدہ کی ایک دستاویز لکھ دیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے کاغذ منگوایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاہدہ تحریر کرنے کے لئے بلایا اور ہم (نادار صحابہ) ایک کونے میں دبکے بیٹھے تھے کہ جبریل امین وحی لیکر آئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ اس آیت کا اترنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کاغذ پھینک دیا اور ہمیں اپنے پاس بلا لیا، چنانچہ ہم حاضر خدمت ہو گئے (1)۔ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور اقرع بن حابس اور عیینہ ہجرت کے کچھ عرصہ بعد اسلام آئے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت چھ صحابہ کرام کے بارے میں اتری ان میں سے حضرت ابن مسعود بھی تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے، آپ ﷺ کے قریب رہتے اور آپ ﷺ کے ارشادات سنتے۔ قریش نے کہا کہ آپ ہمیں چھوڑ کر ان لوگوں کو قرب عطا کرتے ہیں تو اس وقت یہ آیت اتری (2)۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ...... اسی طرح ہم نے بعض کو بعض سے آزمایا اور امتحان لیا تاکہ (مالدار کافر نادار مسلمانوں کو دیکھ کر) کہیں کہ کیا یہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے جن پر احسان کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعثت کے ابتدائی دور میں رسول اللہ ﷺ کے پیروکاروں کی اکثریت نادار اور بدحال مردوں، عورتوں، غلاموں اور لونڈیوں کی تھی اشراف قریش میں سے تو چند ایک نے آپ ﷺ کی اتباع کی تھی، جس طرح قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا تھا: وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ (ہود: 27) ''اور ہم نہیں دیکھتے تمہیں کہ پیروی کرتے ہوں تمہاری بجز ان لوگوں کے جو ہم میں حقیر وذلیل (اور) ظاہر بین ہیں''۔

اور جس طرح شاہ روم ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے اشراف ہیں یا کمزور لوگ؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا تھا کہ کمزور لوگ آپ ﷺ کے پیروکار ہیں تو اس پر ہرقل نے کہا تھا کہ رسولوں کی پیروی کرنے والے ایسے لوگ ہی ہوتے ہیں (3)، مقصد یہ ہے کہ مشرکین مکہ کمزور اور نادار مومنین کا تمسخر اڑایا کرتے تھے اور جس پر بس چلتا طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے اور ان فاقہ مستوں کو دیکھ کر کہتے کہ کیا یہی ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں چھوڑ کر جن پر احسان فرمایا ہے اور ایمان کی دولت سے انہیں سرفراز فرما دیا ہے؟ جو چیز انہوں نے اپنائی ہے اگر واقعی یہ خیر ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیوں اس سے محروم رکھا ہے۔ جس طرح ان کا کہنا تھا: لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ (الاحقاف: 11) ''اگر یہ (اسلام) کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف'' اور جس طرح فرمان الٰہی ہے: وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا (مریم: 73) ''اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 201
2۔ مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ، جلد 3، صفحہ 319 وغیرہ
3۔ فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1، صفحہ 32

جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں وضاحت سے (تو) کافر کہتے ہیں ایمان والوں سے کہ (یہ تو بتاؤ) ہم دونوں گروہوں میں سے کس کی رہائش گاہ آرام دہ ہے اور کس کی نشست گاہ خوبصورت ہے''۔ اس کے جواب میں فرمایا: وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا (مریم: 74) ''اور (ان احمقوں نے یہ نہ سوچا) کہ کتنی قومیں ان سے پہلے تھیں جن کو ہم نے برباد کر دیا، وہ ساز و سامان اور ظاہری سج دھج میں (ان سے) بہتر تھیں)۔ جنہوں نے اَهٰۤؤُلَاۤءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا کہا تھا ان کے جواب میں فرمایا: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ یعنی کیا اللہ تعالیٰ ان شکر گزار، راست گفتار، بلند کردار اور نیک طینت لوگوں کو نہیں جانتا، وہی انہیں توفیق عطا فرماتا ہے، سلامتی کی راہوں تک رہنمائی کرتا ہے، اپنے کرم سے انہیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور انہیں صراط مستقیم پر گامزن کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (العنکبوت: 69) ''اور جو (بلند ہمت) مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کے لئے ہم ضرور دکھادیں گے انہیں اپنے راستے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ہر وقت) محسنین کے ساتھ ہے)۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ تمہارے رنگوں کو بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے'' (1)۔

آیت کریمہ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ ...... کے بارے میں حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ عتبہ، شیبہ، مطعم، حارث اور قرظہ عبد مناف کے چند کافر شرفاء کے ساتھ جناب ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے ابوطالب! تمہارا بھتیجا محمد ﷺ اگر ہمارے غلاموں اور حلیفوں کو اپنے پاس سے دور ہٹادے تو کیا ہی بہتر ہے۔ یہ ہمارے غلام اور ہمارے ہی آزاد کردہ ہیں، اگر وہ انہیں اپنی محفل سے اٹھا دیں تو یہ ہمارے لئے زیادہ باعث عزت ہوگا اور اس طرح آپ ﷺ کی پیروی اور تصدیق کرنا ہمارے لئے نسبتاً آسان ہوگا۔ ابوطالب حاضر خدمت ہوئے اور حضور ﷺ سے ساری بات کہہ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی کہ آپ ایسا بھی کر دیکھیں تاکہ ہم دیکھ لیں کہ ان کی خواہش کیا ہے اور (مطالبہ پورا ہونے پر) وہ کیا کرتے ہیں اور کس طرح اپنی بات نبھاتے ہیں تو اس وقت مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

شکر گزار بندوں سے مراد یہ ہستیاں ہیں: حضرات بلال، عمار بن یاسر، سالم مولی ابی حذیفہ، صبیح مولیٰ (آزاد کردہ) اسید اور حلفاء میں ابن مسعود، مقداد بن عمرو، مسعود بن القاری، واقد بن عبداللہ حنظلی، عمرو بن عبد عمرو ذوالشمالین، مرثد بن ابی مرثد، ابومرثد الغنوی جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ تو کفار کے سرغنوں، ان کے آزاد کردہ غلاموں اور حلیفوں کے بارے میں یہ آیت اتری: وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَاۤءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا۔ جب یہ آیت اتری تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے مشورے کی معذرت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل کیا: وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا (2)۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ...... اور جب ہماری آیتوں پر ایمان لانے والے آپ کے پاس آئیں تو انہیں کہیں کہ آپ ﷺ پر سلامتی ہو، مطلب یہ ہے کہ سلام کہہ کر ان کی عزت افزائی کریں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی وسیع اور بے پایاں رحمت کی خوشخبری سنائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر از خود محض اپنے فضل و کرم سے رحمت کو لازم کرلیا ہے۔ تم میں سے جو بھی نادانی سے برائی

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر، 87-1986 وغیرہ 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 202

کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے، گناہوں سے باز آ جائے، دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم کر لے اور مستقبل میں اپنے اعمال کو سنوار لے تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

کسی بزرگ نے کہا ہے: کُلُّ مَنْ عَصَى اللّٰهَ فَهُوَ جَاهِلٌ (اللہ تعالیٰ کا ہر نافرمان جاہل ہے)۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں ''اَلدُّنْیَا كُلُّهَا جَهَالَةٌ(1)۔ (دنیا تمام کی تمام نادانی ہے)۔ اس نادانی میں اگر تم میں سے کوئی گناہ کر بیٹھے اور پھر نادم و پشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرے، آئندہ اس گناہ کے نہ کرنے پر پختہ ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ مغفرت فرمانے والا اور مہربان ہے۔ اللہ کی رحمت ہر چیز کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے بارے میں تقدیر مقرر کر دی تو عرش پر لوح محفوظ میں لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے''(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ مخلوق کے بارے میں فیصلہ سے فارغ ہو گا تو عرش کے نیچے سے ایک کتاب نکالے گا جس میں لکھا ہو گا کہ میری رحمت میرے غضب پر حاوی ہے اور میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں، پھر اپنی ایک یا دو مٹھی بھر مخلوق کو دوزخ سے نکالے گا جنہوں نے بھلائی کے کام نہ کئے ہوں گے ان کی پیشانیوں پر لکھا ہو گا کہ یہ ''عُتَقَاءُ اللّٰهِ'' (اللہ کے آزاد کردہ) ہیں''(2)۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم تورات میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے سو رحمتیں پیدا فرمائیں، پھر مخلوق کو پیدا کر کے ایک رحمت ان میں تقسیم کر دی اور باقی ننانوے رحمتیں اپنے پاس رکھ لیں۔ فرماتے ہیں کہ اس ایک رحمت کے باعث لوگ ایک دوسرے پر مہربانی کرتے ہیں، آپس میں مہر و محبت سے پیش آتے ہیں، ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے میل ملاقات رکھتے ہیں اسی کے باعث اونٹنی، گائے، بھیڑ بکریاں، پرندے اور سمندروں میں مچھلیاں اپنے بچوں کے ساتھ شفقت کرتی ہیں جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس رحمت کو اپنی رحمت کے ساتھ شامل فرما لے گا اور اس کی رحمت بہت بہتر اور وسیع ہے(3)۔ اس مضمون کی بہت سی احادیث وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (الاعراف: 156)۔ کے ضمن میں ذکر کی جائیں گی۔ اس آیت کے مناسب یہ حدیث بھی ہے، نبی کریم علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبل سے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ وہ حق یہ ہے کہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں'' پھر فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ بندے اگر یہ حکم بجا لائیں تو اللہ پر ان کا کیا حق ہے؟ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا نہ کرے(4)۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٥٥﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿٥٦﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ۭ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ

1۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 287، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، 2107-2108 وغیرہ
2۔ رواہ ابن مردویہ
3۔ صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، 2108، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، صفحہ 1435 وغیرہ
4۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 347، صحیح مسلم، کتاب الایمان، صفحہ 58-59 وغیرہ

لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

''اور اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں آیتوں کو تاکہ ظاہر ہو جائے راستہ گنہگاروں کا۔ آپ فرمائیے مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں پوجوں انہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا، آپ فرمائیے میں نہیں پیروی کرتا تمہاری خواہشوں کی ایسا کروں تو گمراہ ہو گیا میں اور نہ رہا میں ہدایت پانے والوں سے۔ آپ فرمائیے بے شک میں قائم ہوں ایک روشن دلیل پر اپنے رب کی طرف سے اور جھٹلا دیا تم نے اسے۔ نہیں ہے میرے پاس جس کی تم جلدی مچا رہے ہو، نہیں ہے حکم (کسی کا) سوائے اللہ کے، وہی بتاتا ہے حق اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ آپ فرمائیے اگر میرے پاس ہوتی وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو (کبھی کا) فیصلہ ہو گیا ہوتا اس بات کا میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی نہیں جانتا انہیں سوائے اس کے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور سمندر میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ لکھی ہوئی ہے روشن کتاب میں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے گزشتہ آیات میں دلائل و براہین کے ذریعے رشد و ہدایت کی راہ کو بیان کر دیا ہے اسی طرح ہم ان لوگوں کے لئے اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو ان کی وضاحت کے محتاج ہیں تاکہ رسولوں کی مخالفت کرنے والے مجرمین کا رستہ خوب واضح ہو جائے۔ ایک دوسری قراءت میں وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلَ الْمُجْرِمِيْنَ خطاب کے صیغہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا۔ معنی یہ ہو گا ''تاکہ تم مجرمین کے رستہ کو واضح طور پر جان لو''۔ اس صورت میں خطاب نبی کریم ﷺ کو ہو گا یا ہر کسی کو۔

قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ...... جو شریعت اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھ پر نازل کی ہے، میں علی وجہ البصیرۃ اس پر قائم ہوں اور تم نے اس حق کو جھٹلا دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ تک پہنچا ہے۔ جس عذاب کے اترنے کی تم جلدی مچا رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے، حکم تو صرف اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ جس عذاب کے لئے تم بڑے بے تاب ہو اگر وہ چاہے تو جلدی لے آئے اور اگر چاہے تو اپنی حکمت عظیمہ کے پیش نظر تمہیں مہلت دے دے کیونکہ اللہ تعالیٰ حق ہی بیان فرماتا ہے اور مسائل کا تصفیہ کرنے اور بندوں کے درمیان فیصلہ نافذ کرنے میں وہ سب سے بہتر ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ...... آپ فرما دیں کہ جس عذاب کی تم جلدی کر رہے ہو اگر وہ میرے بس میں ہوتا تو تم جس عذاب کے مستحق ہو میں تمہیں علی الفور اس میں جھونک دیتا اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے بخوبی آگاہ ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت اور صحیحین کی اس حدیث کے درمیان تطبیق کیسے ممکن ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ نے نبی کریم ﷺ سے گزارش کی: یارسول اللہ! کیا یوم احد سے بھی کوئی سنگین دن آپ پر گزرا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری قوم کی طرف سے مجھے تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور سب سے زیادہ سخت تکلیف مجھے یوم عقبہ میں پہنچی جب میں نے اپنے آپ کو (دعوت دین کی خاطر) ابن عبد یالیل پر پیش کیا لیکن اس نے میری دعوت کو قبول نہ کیا، میں غمزدہ دل گرفتہ ہو کر چل دیا، قرن ثعالب کے مقام پر مجھے (شدت غم سے)

کچھ افاقہ ہوا، میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک بادل مجھ پر سایہ فگن ہے، اس میں مجھے جبریل علیہ السلام دکھائی دیئے، انہوں نے مجھے ندا دیتے ہوئے کہا: آپ کی قوم نے جو کچھ آپ سے کہا ہے اور (دعوت کے جواب میں) جس ردعمل کا اظہار کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے سن لیا، اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتہ کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا ہے تا کہ آپ جو چاہئیں اسے حکم دیں۔ ''مَلَكُ الْجِبَالِ'' (پہاڑوں کا فرشتہ) حاضر ہوا اور سلام عرض کیا پھر کہا: اے محمد! اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی باتوں کو سن لیا ہے اور مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تا کہ آپ جو چاہیں مجھے حکم ارشاد فرمائیں (میں بجالانے کے لئے تیار ہوں) اگر آپ کی خواہش ہو تو میں ان دو پہاڑوں کو ان پر گرادوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کفار کی نسلوں سے ایسے افراد پیدا فرمائے گا جو اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے''(1)۔ مسلم کے لفظ یہ ہیں کہ فرشتہ نے عذاب اور ان کو نیست و نابود کردینے کی پیشکش کی لیکن حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے تاخیر کی خواہش کی اور انہیں مہلت دینے کی درخواست کی تا کہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوسکیں جو کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں، تو اس حدیث اور مذکورہ بالا آیت کے مابین موافقت کیسے ممکن ہے؟ آیت کریمہ میں آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو عذاب لے آتا اور حدیث شریف میں قدرت کے باوجود عذاب کی دعا نہیں کرتے بلکہ عذاب کو ٹالنے کے لئے کہہ رہے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا مدعا یہ ہے کہ طلب عذاب کے وقت عذاب کو ان پر مسلط کرنا اگر آپ ﷺ کے دائرہ اختیار میں ہوتا تو آپ ﷺ ضرور ایسا کرتے اور حدیث شریف میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ انہوں نے وقوع عذاب کا مطالبہ کیا تھا، بلکہ یہ تو ''مَلَكُ الْجِبَالِ'' کی پیشکش تھی کہ اگر آپ چاہیں تو ''اخشبين'' (مکہ شریف کے دو پہاڑ جو جنوباً اور شمالاً اسے گھیرے ہوئے ہیں) کو ان پر گرادوں، اسی بناء پر آپ ﷺ نے ان کے لئے مہلت اور نرمی کی خواہش کی تھی۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''غیب کی باتیں پانچ ہیں جنہیں بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (لقمان: 34)'' بیشک اللہ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم۔ اور وہی اتارتا ہے مینہ۔ اور جانتا ہے جو کچھ (ماؤں کے) رحموں میں ہے۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائے گا۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں مرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے(2)۔ حدیث عمر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ جب جبریل امین حضور ﷺ کی خدمت میں ایک اعرابی کی شکل وصورت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے ایمان، اسلام اور احسان کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے اپنے جوابات کے ضمن میں فرمایا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، پھر آپ ﷺ نے ان آیات کی تلاوت کی جو مذکورہ بالا حدیث میں مرقوم ہیں(3)۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ اس کا علم کریم بر و بحر کی تمام موجودات کو محیط ہے، کوئی چیز اس پر مخفی نہیں، زمین و آسمان میں ایک ذرہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں، شاعر صرصری نے کیا خوب کہا ہے: ''اللہ تعالیٰ پر کوئی ذرہ بھی مخفی نہیں ہے خواہ وہ دیکھنے والوں کو نظر آئے یا ان کی نظروں سے اوجھل رہے''۔

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا جب وہ جمادات تک کی حرکات کو جانتا ہے تو کیا خیال ہے وہ حیوانات خصوصاً جن وانس کی حرکات و

1۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 312-313، صحیح مسلم، کتاب الجهاد، صفحہ 20-1421

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ انعام، جلد 8، صفحہ 219

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، صفحہ 37-38

اعمال کو نہیں جانتا؟ یقیناً اسے علم ہے جیسا کہ فرمایا: یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ (المومن:19) ''وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور ان باتوں کو جنہیں سینے میں چھپائے ہوئے ہیں''۔ اس مذکورہ بالا فرمان کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بر و بحر میں موجود ہر درخت پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو بھی پتہ گرتا ہے وہ اسے لکھ لیتا ہے۔

وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ...... حضرت عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ ہر درخت بلکہ سوئی کے ناکے پر بھی ایک فرشتہ مقرر ہے، جب درخت سرسبز و شاداب ہوتا ہے تو اسے بھی لکھ لیتا ہے اور جب سوکھ جائے تو اسے بھی ضبط تحریر میں لاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دوات اور الواح (تختیوں) کو پیدا فرمایا اور دنیا میں رونما ہونے والے تمام امور اس میں رقم کر دیئے، حتیٰ کہ یہ بھی لکھ دیا کہ مخلوق کیسی پیدا ہوگی اور اسی طرح حلال و حرام رزق اور نیک و بد اعمال سب درج کر دیئے، پھر آپ نے مذکورہ آیت کی تلاوت کی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ تیسری زمین کے نیچے اور چوتھی زمین کے اوپر ایسے جن ہیں کہ اگر وہ تمہارے سامنے ظاہر ہو جائیں تو تمہیں کوئی نور دکھائی نہ دے۔ زمین کے ہر کونے پر اللہ تعالیٰ کی مہر ہے جس پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر ہر روز ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے محفوظ رکھو۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَ یَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ یُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ هُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ﴿۶۲﴾

''اور وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تمہیں رات کو اور جانتا ہے جو کمایا تم نے دن کو پھر اٹھاتا ہے تمہیں (نیند سے) دن میں تاکہ پوری کر دی جائے (تمہاری عمر کی) معیاد مقرر۔ پھر اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے پھر وہ بتائے گا تمہیں جو تم کیا کرتے تھے۔ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک کہ جب آ جائے تم میں سے کسی کی موت تو قبض کر لیتے ہیں اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر لوٹائے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا حقیقی مالک ہے، سنتے ہو اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے تیز حساب کرنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ رات کو نیند کے وقت اپنے بندوں کی ارواح کو قبض کر لیتا ہے اور یہ موت اصغر ہے، جس طرح فرمایا: اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ (آل عمران:55) ''یاد کرو جب فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ! یقیناً میں پوری عمر تک پہنچاؤں گا تمہیں اور اٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف''۔ اور فرمایا: اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى (الزمر:42) ''اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا (ان کی روحیں) حالت نیند میں پھر روک لیتا ہے ان روحوں کو جن کی موت کا فیصلہ کرتا ہے اور واپس بھیج دیتا ہے دوسری روحوں کو مقررہ میعاد تک''۔ اس آیت میں دو موتوں کا ذکر ہے: موت اکبر اور موت اصغر، اسی طرح اس مقام پر بھی چھوٹی بڑی دو وفاتوں کا ذکر ہے، فرمایا کہ وہی ہے جو رات کے وقت تمہیں قبض کر لیتا ہے اور دن کے وقت جو اعمال تم سے سرزد ہوتے ہیں انہیں جانتا ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے جو

مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم محیط پر دلالت کرتا ہے، وہ رات کے وقت بندوں کے سکون اور دن بھر کی حرکات کی حالت سے بخوبی آگاہ ہے جیسا کہ فرمایا: سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ (الرعد:10) ''سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے اور وہ بھی جو چھپا رہتا ہے رات کے وقت اور جو چلتا پھرتا رہتا ہے دن کے وقت''۔ اسی طرح فرمایا: وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (القصص:73) ''اور محض اپنی رحمت سے اس نے بنا دیا ہے تمہارے لئے رات اور دن کو تاکہ تم آرام کرو رات میں اور تلاش کرو (دن میں) اس کے فضل (رزق) سے''۔ اور اسی مفہوم میں یہ آیت بھی ہے: وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (النباء:11-10) ''نیز ہم نے بنا دیا رات کو پردہ پوش۔ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لئے بنایا''۔ اسی لئے فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ، وہی ہے جو رات کو تمہیں وفات دیتا ہے اور دن بھر کے تمہارے اعمال کا علم رکھتا ہے پھر دن میں (دوڑ دھوپ کے لئے) تمہیں بیدار کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر ہے، جب انسان سو جاتا ہے تو اس کی روح کو قبض کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس کی روح کو قبض کرنے کا حکم فرمائے تو فرشتہ قبض کئے رکھتا ہے ورنہ واپس اس (کے جسم) کی طرف لوٹا دیتا ہے'' اس آیت کریمہ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ کا یہی مدعا ہے۔

لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى...... ہر انسان کی روح کو قبض کر لیا جاتا ہے تاکہ اس کی مقرر میعاد پوری ہو جائے پھر قیامت کے دن تمہیں اس کی طرف ہی لوٹنا ہے پھر وہ تمہیں آگاہ کرے گا جو کچھ تم کرتے رہے اور اس پر بدلہ دے گا، خیر کا بدلہ خیر اور شر کا شر۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ...... وہی ہر چیز پر غالب ہے، ہر چیز اس کی عظمت اور کبریائی کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے اور وہی اپنے نگہبان فرشتے بھیجتا ہے جو انسانی بدن کی حفاظت کرتے ہیں جس طرح ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے: لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (الرعد:11) ''انسان کے لئے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی وہ نگہبانی کرتے ہیں اس کی اللہ تعالیٰ کے حکم سے''، یعنی ایسے محافظ فرشتے ہیں جو انسان کے اعمال کو محفوظ کر کے اس کا ریکارڈ تیار کر رہے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ (الانفطار:10) ''حالانکہ تم پر نگراں (فرشتے) مقرر ہیں''۔ اسی طرح فرمایا: اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (ق:18-17) ''ایک دائیں جانب اور (دوسرا) بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے۔ وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لئے) تیار ہوتا ہے''۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ یہاں تک کہ تم میں سے کسی کے پاس پیام اجل آ جاتا ہے اور جان لبوں پر آ جاتی ہے تو ہمارے مقرر کردہ فرشتے اس کی روح کو قبض کر لیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ملک الموت کے مددگار فرشتے ہیں جو جسم سے روح کو نکالتے ہیں، جب وہ روح حلق تک پہنچ جاتی ہے تو ملک الموت اسے قبض کر لیتا ہے۔ اس کے متعلقہ احادیث اللہ تعالیٰ کے فرمان: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (ابراہیم:27) ''ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس پختہ قول (کی برکت) سے'' کے تحت ذکر کی جائیں گی۔

وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ وہ میت کی روح کی حفاظت میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے بلکہ محفوظ رکھتے ہیں اور اس جگہ پہنچا دیتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے۔ اگر وہ نیکوکار ہو تو ''علیین'' میں اور اگر فاجر ہو تو ''سجین'' میں خدا کی پناہ!

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ......ابن جریر کے نزدیک ''رُدُّوْٓا'' میں واوِ جمع کا مرجع فرشتے ہیں(1)۔ یہاں ہم امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ ایک حدیث ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میت کے پاس ملائکہ آتے ہیں، اگر وہ صالح ہو تو کہتے ہیں: اے نفس طیبہ! باہر آجا، تو پاکیزہ جسم میں تھا، قابل تعریف حالت میں آجا، تجھے خوشخبری ہو جنت کے آرام وسکون، پھل پھول اور ایسے رب کی جو تجھ پر ناراض نہیں ہے۔ جب مسلسل اسے یہ کہا جاتا ہے تو اس کی روح نکل آتی ہے، پھر اسے آسمان کی طرف بلند کیا جاتا ہے اور اس کا دروازہ کھلوایا جاتا ہے، پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ کہا جاتا ہے کہ فلاں تو آسمان کے فرشتے کہتے ہیں: خوش آمدید، اے پاکیزہ نفس! تو پاک جسم کے اندر تھا تو قابل ستائش حالت میں داخل ہوجا۔ تجھے جنت کے آرام وسکون اور ایسے پروردگار کی بشارت ہو جو تجھ پر ناراض نہیں ہے، لگاتار اسے یہ کہا جاتا ہے یہاں تک کہ فرشتے اسے آسمان تک لے جاتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ (اپنی شان کے مطابق) جلوہ فرما ہے اور اگر وہ بدکار آدمی ہو تو کہتے ہیں: نکل اے خبیث نفس جو خبیث بدن میں تھا، مذموم حالت میں باہر نکل، تجھے کھولتے ہوئے پانی، پیپ اور ان جیسے دوسرے عذاب کی خوشخبری ہو، فرشتے اسے یہ کہتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کی روح نکل آتی ہے پھر وہ اسے لیکر آسمان کی طرف چلے جاتے ہیں دروازے کھلوانے پر پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ جواب میں بتایا جاتا ہے کہ فلاں ہے، فرشتے کہتے ہیں: پھٹکار ہو تم پر اے خبیث نفس جس کا مسکن بھی خبیث تھا تو ذلیل ہو کر لوٹ جا۔ آسمان کے دروازے تیرے لئے نہیں کھولے جائیں گے پھر اسے قبر میں واپس کر دیا جاتا ہے۔ صالح آدمی اپنی قبر میں سکون سے بیٹھ جاتا ہے تو پہلے کی طرح فرشتے اسے خوش آمدید کہتے ہیں اور بدکار آدمی بیٹھتا ہے تو اسے بھی پہلے کی طرح کہا جاتا ہے''(2)۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ''رُدُّوْٓا'' میں واوِ جمع سے مراد ساری مخلوق ہو، تمام کو روز قیامت اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اپنے عدل وانصاف سے ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا جیسا کہ ارشاد ہے: قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (الواقعہ:50-49) ''آپ فرما دیجئے بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی۔ سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں''۔ اور فرمایا: وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا (الکہف:47) ''اور ہم جمع کریں گے پس نہیں پیچھے رہنے دیں گے ان میں سے کسی کو''۔ اسی لئے فرمایا: مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ، وہی حقیقی مالک ہے، سنو حکم اسی کا ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾

''آپ فرمائیے کون نجات دیتا ہے تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں جسے تم پکارتے ہو گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آہستہ (اور کہتے ہو) اگر نجات دی اللہ نے ہمیں اس (مصیبت) سے تو ہم ضرور ہو جائیں گے اس کے شکر گزار (بندے)؟

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 218　　2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 64-365

فرمائیے اللہ ہی نجات دیتا ہے تمہیں اس سے اور ہر مصیبت سے پھر تم شریک ٹھہراتے ہو۔ فرمائیے وہ قادر ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے اور خلط ملط کردے تمہیں مختلف گروہوں میں اور چکھائے تم میں سے بعض کو شدت دوسروں کی دیکھو کیوں کر ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں (توحید کی) دلیلوں کو تاکہ یہ لوگ (حقیقت کو) سمجھ لیں''۔

بر و بحر کی تاریکیوں سے اپنے پریشان حال لاچار بندوں کو نجات دلانے پر اللہ تعالیٰ ان پر اپنا احسان بیان فرما رہا ہے۔ وہی اللہ ہی تو ہے جو اپنے مجبور بندوں کو مصائب و آلام سے رہائی دلاتا ہے جب وہ بری مہیب خطرات اور بحری گرداب کی لپیٹ میں ہوتے ہیں، ان کے مخالف تند و تیز جھکڑ چل رہے ہوتے ہیں اور ان کی ناؤ ڈوبنے ہی والی ہوتی ہے تو وہ اس وقت صرف اسی وحدہ لاشریک کے سامنے دامن طلب پھیلاتے ہیں، اسی کے سامنے دعا کے لئے اپنے ہاتھ پھیلاتے ہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ (بنی اسرائیل: 67) ''اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے'' اور فرمایا: هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ (یونس: 22) ''وہی ہے جو سیر کراتا ہے تمہیں خشک زمین اور سمندر میں یہاں تک کہ جب تم سوار ہوتے ہو کشتیوں میں اور وہ چلنے لگتی ہیں مسافروں کو لے کر موافق ہوا کی وجہ سے اور وہ مسرور ہوتے ہیں اس سے (تو اچانک) آلیتی ہے انہیں تند و تیز ہوا اور آلیتی ہیں انہیں موجیں ہر جگہ (طرف) سے اور وہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ انہیں گھیر لیا گیا تو (اس وقت) پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے۔ (کہتے ہیں اے کریم!) اگر تو نے بچا لیا ہمیں اس (طوفان) سے تو ہم یقیناً ہو جائیں گے (تیرے) شکر گزار (بندوں) سے''۔ اور اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (النمل: 63) ''بھلا کون راہ دکھاتا ہے تمہیں بر و بحر کے اندھیروں میں اور کون بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لئے اپنی (باران) رحمت سے پہلے کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ برتر ہے اللہ تعالیٰ ان سے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں''۔

فرمایا: قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ...... آپ ان سے کہیں کہ کون ہے جو تمہیں بر و بحر کی تاریکیوں سے رستگاری عطا کرتا ہے کہ تم اسے بلند آواز سے اور آہستہ آہستہ پکارتے ہو کہ اگر تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دے تو ہم شکر گزار بن جائیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ انہیں بتا دیں کہ صرف اس مصیبت سے ہی نہیں بلکہ ہر کرب و الم میں اللہ تعالیٰ ہی تمہیں نجات عطا فرماتا ہے، تم پھر بھی شرک پر اتر آتے ہو اور خوشحالی کے دور میں اس کے ساتھ ساتھ دوسرے باطل معبودوں کی پرستش میں لگ جاتے ہو۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا...... آپ انہیں آگاہ کر دیں کہ تمہیں نجات دینے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دینے پر قادر ہے جیسا کہ ارشاد ہے: رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا (بنی اسرائیل: 69-66) ''تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لئے کشتیوں کو سمندر میں تاکہ تم تلاش کرو

(بحری سفر کے ذریعہ) اس کا فضل۔ بیشک وہ تمہارے ساتھ ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ پس جب وہ خیر و عافیت سے تمہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے (تو) تم روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان (واقعی) بڑا ناشکرا ہے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ اللہ دھنسا دے تمہارے ساتھ خشکی کے کنارہ کو یا بھیج دے تم پر اولے برسانے والا بادل پھر اس وقت تم نہیں پاؤ گے اپنے لئے کوئی کارساز۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے سمندر میں دوسری مرتبہ اور بھیجے تم پر سخت اندھی جو کشتیوں کو توڑنے والی ہو پھر غرق کر دے تمہیں بوجہ کفر کے جو تم نے کیا۔ پھر تم نہیں پاؤ گے اپنے لئے ہم سے اس ڈبونے پر کوئی انتقام لینے والا)''

حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت میں خطاب مشرکین کو ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ یہ دھمکی امت محمد ﷺ کو ہے لیکن انہیں معاف کر دیا گیا ہے، یہاں ہم اس کے متعلقہ چند احادیث اور آثار ذکر کریں گے۔ استعانت اللہ سے ہی ہے، اسی پر بھروسہ اور اعتماد ہے۔ مذکورہ آیت کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فرقے فرقے بنا کر خلط ملط کر دے۔ یہ انتشار اور تفرقہ بازی بھی ایک عذاب ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ'' (یا اللہ! تیری پناہ) اور جب یہ فرمان اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اترا تو بھی آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ'' اور جب یہ ارشاد ہوا۔ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ تو فرمایا: ''هٰذِهٖ اَهْوَنُ وَاَيْسَرُ'' (یہ نسبتاً آسان اور معمولی ہے)(1)۔ اگر اس پر بھی آپ ﷺ پناہ مانگ سکتے تو ضرور مانگتے۔ حضرت جابر سے ہی مروی ایک دوسری حدیث میں ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ'' کے الفاظ ہیں اور آخر میں صرف ''هٰذَا اَيْسَرُ'' کے الفاظ ہیں(2)۔ اس آیت کے متعلقہ بہت سی احادیث ہیں۔

☆ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سنو! یہ بات ہو کر رہے گی لیکن ابھی تک اس کا وقت نہیں آیا''(3)۔

☆ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں مسجد بنی معاویہ کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعتیں ادا کیں، ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پھر آپ ﷺ کافی دیر تک اپنے رب سے مناجات کرتے رہے پھر (فراغت کے بعد) فرمایا: ''میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا تھا، میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ وہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کرے یہ درخواست مقبول ہوئی، اور میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ گزارش کی کہ وہ میری امت کو قحط میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کرے، اسے بھی شرف قبول عطا ہوا، اور میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ میرے امتی باہم برسر پیکار نہ ہوں لیکن اس سے مجھے روک دیا (اور یہ دعا منظور نہ ہوئی)''(4)۔

☆ حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس حرہ بنی معاویہ (انصار کا ایک گاؤں) میں آئے اور مجھے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری اس مسجد میں رسول اللہ ﷺ نے کہاں نماز ادا کی تھی؟ میں نے کہا: جی ہاں، پھر

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ انعام، جلد 8، صفحہ 219، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، جلد 9، صفحہ 174 وغیرہ
2۔ رواہ ابوبکر بن مردویہ فی تفسیرہ
3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ انعام، جلد 11، صفحہ 87-186، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 71-170
4۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، صفحہ 2216، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 175

میں نے مسجد کے ایک کونہ کی طرف اشارہ کر کے بتا دیا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس مقام پر آپ ﷺ نے کونسی تین دعائیں مانگی تھیں؟ میں نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: وہ ذرا مجھے بھی بتائیں۔ میں نے بتایا: آپ ﷺ نے دعا کی تھی کہ کوئی غیر میرے امتیوں پر غلبہ نہ پالے اور اللہ تعالیٰ انہیں قحط سالی میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کرے، یہ دو دعائیں قبول ہوئیں، اور آپ ﷺ نے (تیسری) یہ دعا کی کہ وہ آپس میں نہ لڑتے بھڑتے رہیں، تو یہ دعا منظور نہ ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے درست بیان کیا ہے۔ روز قیامت تک مسلمان باہم دست بگریبان رہیں گے(1)۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں موجود نہیں ہے، البتہ اس کی سند جید اور قوی ہے۔ اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے لیکن اس میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے آٹھ رکعت نماز ادا کی جنہیں بہت زیادہ طویل کیا۔

☆ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری کے لئے آیا۔ مجھے بتایا گیا کہ آپ ﷺ ابھی تشریف لے گئے ہیں۔ میں جہاں بھی جاتا اور جس شخص کے پاس سے گزرتا مجھے یہی کہا جاتا کہ آپ ﷺ ذرا پہلے چلے گئے ہیں۔ تلاش کرتے کرتے میں آپ ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو میں نے آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا، میں بھی (نماز کے لئے) آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے بہت لمبی نماز پڑھی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ نے بہت لمبی نماز پڑھی ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے بیم ورجا کی نماز ادا کی ہے، میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کی درخواست کی، دو کو شرف قبول عطا ہوا اور تیسری نامنظور ہوئی ......'' پھر آپ ﷺ نے مذکورہ بالا تین دعاؤں کا ذکر کیا(2)۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو چاشت کے آٹھ نوافل ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا: ''میں نے صلوٰۃ خوف ورجا ادا کی ہے اور اپنے رب سے تین چیزیں مانگی ہیں......''(3)۔

☆ حضرت عبداللہ بن خباب بن الارت سے مروی ہے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ رات بھر نماز میں مصروف رہے، فجر ہوئی تو آپ ﷺ نے سلام پھیرا، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ رات بھر ایسی نماز پڑھتے رہے کہ اس جیسی نماز پڑھتے ہوئے میں نے آپ کو نہیں دیکھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، یہ صلوٰۃ خوف ورجا تھی جس میں میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا تھا۔ دو تو اس نے مجھے عطا فرما دیں لیکن ایک سے روک دیا۔ میں نے اپنے رب سے یہ عرض کی کہ وہ ہمیں اس عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کرے جس عذاب سے اس نے پہلی امتوں کو ہلاک کیا تھا، یہ عرض مقبول ہوئی۔ میں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ وہ کسی دشمن کو ہم پر مسلط نہ کرے یہ درخواست بھی منظور ہوئی، اور میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ ہمیں فرقے فرقے بنا کر مختلط نہ کرے لیکن اس سوال سے مجھے منع کر دیا''(4)۔ اسی مفہوم کی ایک اور حدیث حضرت نافع بن خالد خزاعی سے بھی مروی ہے۔ ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے نافع سے پوچھا کہ کیا آپ کے والد محترم نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے بالمشافہہ سنی ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں، میں

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 445
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، صفحہ 1303، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 240
3۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 164
4۔ سنن نسائی، کتاب قیام اللیل، جلد 3، صفحہ 17-216، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 9-108، وغیرہ

نے انہیں لوگوں کو یہ بتاتے ہوئے سنا ہے کہ انہوں نے بالمشافہہ رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے (1)۔

☆ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا ہے اور میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھ لئے ہیں، میری امت کی بادشاہی زمین کی ان حدوں تک پہنچے گی جو میرے لئے سمیٹ دی گئی تھی، اور مجھے سرخ وسفید (سونا و چاندی) دونوں خزانے عطا کر دیئے گئے۔ میں نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ وہ میری امت کو عمومی قحط کے ساتھ ہلاک نہ کرے اور وہ ان پر کوئی ایسا دشمن مسلط نہ کرے جو سب کو ہلاک کر دے اور یہ کہ ہمیں تفرقہ بازی اور گروہ بندی سے خلط ملط نہ کرے اور ایک دوسرے کو باہم چپقلش کا ذائقہ نہ چکھائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! میں جب کوئی فیصلہ کرتا ہوں تو اسے رد نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے آپ کی امت کے لئے آپ کو یہ عطا فرمایا کہ میں انہیں عمومی قحط کے ذریعے ہلاک نہیں کروں گا اور نہ ان پر کسی ایسے دوسرے دشمن کو مسلط کروں گا جو انہیں نیست و نابود کر دے بلکہ یہ ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے، قتل کریں گے اور ناروا سلوک کریں گے۔'' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اپنی امت پر صرف گمراہ کن اماموں اور لیڈروں سے اندیشہ ہے، جب میری امت میں تلوار چلنا شروع ہو گئی تو پھر قیامت تک یہ نہیں رکے گی'' (2)۔

☆ حضرت نافع بن خالد خزاعی رحمتہ اللہ علیہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں وہ صحابی تھے اور بیعت رضوان کرنے والوں میں شامل تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب لوگوں کے حلقہ میں نماز ادا کرتے تو مکمل رکوع و سجود کے ساتھ ہلکی اور مختصر نماز پڑھتے۔ ایک دن آپ ﷺ نے جلوس کیا تو اسے بہت طویل کر دیا یہاں تک کہ ہم میں سے بعض نے ایک دوسرے کو اشارہ کے ساتھ خاموشی اختیار کرنے کے لئے کہا کہ شاید آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو کسی آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے بہت لمبا جلوس کیا ہے یہاں تک کہ ہم ایک دوسرے کو اشارہ سے بتانے لگے کہ آپ ﷺ پر وحی اتر رہی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ میں تو صلوٰۃ رجا پڑھ رہا تھا جس میں میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کے لئے دعا کی، دو چیزیں اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرما دیں اور تیسری سے منع فرما دیا......'' باقی ماندہ وہی حدیث ہے جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے (3)۔ ابو مالک کہتے ہیں کہ میں نے نافع رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے والد گرامی نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے خود سنی ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں، میں نے انہیں یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے یہ حدیث سنی ہے۔

☆ حضرت ابی بصرۃ غفاری سے مروی حدیث میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب سے چار چیزوں کا سوال کیا، تین مجھے عطا ہوئیں اور ایک نامنظور ہوئی۔ تین چیزیں تو وہی ہیں جن کا ذکر بار بار گزر چکا ہے اور چوتھی دعا یہ تھی کہ ''اللہ تعالیٰ میری پوری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے'' یہ دعا بھی قبول ہوئی (4)۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا، اس نے دو مجھے عطا فرما دیں اور تیسری سے روک دیا۔ میں نے عرض کی: اے میرے رب! میری امت کو بھوک کی حالت میں ہلاک نہ کرنا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہاری یہ دعا قبول ہوئی۔ میں نے عرض کی: اے رب! ان پر مشرکین کو مسلط نہ کرنا جو ان کا قلع قمع کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 223 2۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 123

3۔ رواہ ابو بکر بن مردویہ 4۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 396

کہ یہ بھی تمہارے لئے منظور ہے میں نے گزارش کی: اے میرے رب! انہیں باہم جنگ و جدال کا خوگر نہ بنانا، اس گزارش کو اللہ تعالیٰ نے قبول نہ فرمایا''(1)۔

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنے پروردگار سے چار چیزوں (کی آزمائش) سے اپنی امت کے محفوظ رہنے کی دعا کی۔ دو سے تو اللہ تعالیٰ نے میری امت کو بچا لیا لیکن باقی دو نا منظور ہوئیں۔ میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ آسمان سے پتھر برسانے، زمین میں غرق کرنے، امتیوں کو تفرقہ و انتشار میں ڈالنے اور باہم برسر پیکار رہنے کے عذاب کو اٹھا لے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پتھر برسانے اور زمین میں غرق کرنے کے عذاب سے بچا لیا، لیکن دو عذابوں کو اٹھانے سے انکار کر دیا یعنی باہم قتل و غارت اور گروہ بندی(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ ''قُلْ هُوَ الْقَادِرُ ......'' اتری تو نبی کریم ﷺ اٹھے، وضو کیا پھر یہ دعا کی: ''اے اللہ! میری امت پر اوپر سے اور پاؤں تلے سے عذاب نازل نہ کرنا، نہ انہیں گروہ بندی میں مبتلا کرنا اور نہ ہی انہیں ایک دوسرے کی قوت کا ذائقہ چکھانا'' جبریل امین حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا محمد! اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے عذاب نازل کرنے سے پناہ دے دی ہے(3)۔ مذکورہ بالا احادیث کے مضمون کی حامل ایک اور حدیث دو مختلف طرق سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے(4)۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ ''عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ'' سے مراد پتھراؤ ہے اور ''تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ'' سے مراد زمین میں دھنس جانا ہے۔ اس امت کے بارے میں چار چیزوں کا تذکرہ ہے جن میں سے دو ہو چکیں اور دو باقی ہیں۔ ان میں سے دو ایسی چیزیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے وصال سے پچیس سال بعد ہی ظاہر ہونے لگیں، مسلمان گروہ بندی، تفرقہ اور انتشار کا شکار ہو گئے اور ایک دوسرے کے خلاف جنگ و جدال پر اتر آئے۔ باقی دو عذابوں (پتھراؤ اور زمین میں دھنسنا) کا وقوع بھی ضرور ہوگا(5)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد یا برسر منبر چیخ چیخ کر فرماتے تھے: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد: قُلْ هُوَ الْقَادِرُ...... تم پر نازل ہو چکا۔ اگر آسمان سے تم پر عذاب آیا تو تم میں سے کوئی نہیں بچے گا، اگر پاؤں تلے سے عذاب آیا تو تمہیں زمین میں دھنسا کر ہلاک کر دیا جائے گا اور کوئی باقی نہیں رہے گا۔ اور اگر تم انتشار اور تفرقہ کا شکار ہو کر جنگ و جدال پر اتر آئے تو یہ سب سے بدترین عذاب ہوگا۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ''مِّنْ فَوْقِكُمْ'' سے مراد بدکردار قائدین اور امراء ہیں اور ''مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ'' سے مراد برے خدام، گھٹیا پیروکار اور کمینے لوگ ہیں(6)۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ قول بھی معقول ہے لیکن پہلا زیادہ واضح اور قوی ہے کیونکہ اس کی تائید قرآن کریم سے ہوتی ہے ارشاد ہوتا ہے: ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ (الملک: 17-16) ''کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا۔ تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے''۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے: ''اس امت میں پتھراؤ، زمین میں دھنسنا اور صورتوں کا مسخ

1۔ معجم طبرانی کبیر، جلد 1، صفحہ 10608 2۔ رواہ ابوبکر بن مردویہ 3۔ ایضاً

4۔ الدر المنثور، جلد 3، صفحہ 289، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الفتن، جلد 4، صفحہ 100

5۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 35-134، تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 226 6۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 21-220

ہونا ضرور ہوگا" (1)۔ اس کا ذکر قیامت کی علامات اور اشراط میں آتا ہے اور قیامت سے پہلے ان علامات کا ظہور ہوگا۔ عنقریب ان کا ذکر آئے گا، انشاء اللہ!

اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا یعنی وہ تمہارے اندر اختلاف پیدا کر کے تمہیں مختلف فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر دے، جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی سوائے ایک کے سب دوزخی ہیں"۔

وَّیُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب وقتل کے ساتھ ایک دوسرے پر مسلط کر دے۔

اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ...... دیکھیں کیسے ہم طرح طرح سے اپنی آیات وضاحت وتفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی آیات اور دلائل و براہین پر غور وفکر کرو اور سمجھو۔ حضرت زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ...... اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں تلوار سے مارنے لگو" صحابہ نے عرض کی کہ ہم تو گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں"، تو کسی نے کہا: ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ہم مسلمان ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو قتل کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو اس وقت یہ آیات اتریں: وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ؕ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (2)۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ؕ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾

"اور جھٹلایا اسے آپ کی قوم نے حالانکہ یہ حق ہے، فرمایئے نہیں ہوں میں تمہارا ذمہ دار۔ ہر ایک خبر (کے ظہور) کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب جان لوگے۔ اور (اے سننے والے!) جب تو دیکھے انہیں کہ بے ہودہ بحثیں کر رہے ہیں ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لے ان سے یہاں تک کہ وہ الجھنے لگیں کسی اور بات میں اور اگر (کہیں) بھلا دے تجھے شیطان تو مت بیٹھو یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے پاس۔ اور نہیں ہے ان پر جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے ان کافروں کے حساب سے کچھ بوجھ البتہ پرہیزگاروں پر نصیحت کرنا فرض ہے شاید وہ باز آجائیں"۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ...... آپ ﷺ کی قوم قریش نے آپ ﷺ کے لائے ہوئے قرآن کریم، پیام ہدایت اور بیان کو جھٹلایا حالانکہ یہی تو حق ہے جس سے بڑھ کر کوئی حق نہیں۔ آپ انہیں فرما دیں کہ میں نہ تو تمہارا محافظ ہوں اور نہ ذمہ دار جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ (الکہف: 9) "اور فرمایئے حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پس جس کا جی چاہے وہ ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر کرتا رہے"۔ یعنی میرے ذمہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے پیغام کو تم تک پہنچانا ہے اور تمہارے ذمہ یہ

1۔ عارضۃ الاحوذی، کتاب الفتن، جلد 9، صفحہ 33 وغیرہ
2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 225

ہے کہ تم اس پیغام کو گوش ہوش سے سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ جس نے میری اتباع کی وہ دنیا و آخرت میں سعادت مند ہے اور جس نے میری مخالفت کی وہ دنیا و آخرت میں بدبخت ہے، اسی لئے فرمایا: لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر خبر کی ایک حقیقت ہے یعنی ہر خبر کو ضرور وقوع پذیر ہونا ہے اگرچہ کچھ عرصہ بعد ہی، جیسا کہ ارشاد ہے: وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ (ص:88) "اور (اے کفار) تم ضرور جان لوگے اس کی خبر کچھ عرصہ بعد" اور فرمایا: لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ (الرعد:38) "ہر معیاد کے لئے ایک نوشتہ ہے"۔ یہ کھلی دھمکی اور زوردار وعید ہے اسی لئے بعد میں فرمایا: وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔

وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ...... اور جب تم (اے مخاطب) ان لوگوں کو دیکھو جو تکذیب اور استہزاء کے ساتھ ہماری آیتوں میں بحث کرتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لو یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں الجھنے لگیں۔

وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ...... اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آ جانے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا۔ اس آیت کا مخاطب امت کا ہر ہر فرد ہے کہ وہ ان جھٹلانے والوں کے ساتھ نہ بیٹھے جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں تحریف کرتے ہیں انہیں غیر موزوں مقام پر رکھتے ہیں اور برعکس مفہوم لیتے ہیں۔ اگر بھولے سے تم ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ تو پھر یاد آ جانے کے بعد ہرگز نہ بیٹھنا۔ اسی لئے حدیث شریف میں ہے: "رُفِعَ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ" (1) (میری امت سے خطا، نسیان اور وہ کام جس پر مجبور کر دیا گیا ہو معاف ہے) اور اس آیت کی طرف یہ ارشاد اشارہ کرتا ہے: وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ (النساء:140) "اور تحقیق اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر (یہ حکم) کتاب میں کہ جب تم سنو اللہ کی آیتوں کو کہ انکار کیا جا رہا ہے ان کا اور مذاق اڑایا جا رہا ہے ان کا تو مت بیٹھو ان (کفر و استہزاء کرنے والوں) کے ساتھ۔ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی دوسری بات میں ورنہ تم بھی انہیں کی طرح ہو گے"۔ یعنی اگر تم ان کی صحبت میں بیٹھے اور ان کی باتوں کو خاموشی کے ساتھ سن کر تائید کی تو تم بھی انہی جیسے ہو گئے۔

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ...... جب متقی لوگوں نے ان کی مجلس سے اجتناب کیا اور ان کے ہمنشین نہ بنے تو وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآں ہو گئے اور ان کے گناہ میں شریک ہونے سے رہائی پا گئے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب کفار آیات میں فضول بحثیں کرنے لگیں اور تم ان سے احتراز کرو اور منہ پھیر لو تو اب تم پر کوئی مضائقہ اور ذمہ داری نہیں۔ بعض دوسرے حضرات یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر وہ ان نانہجاروں کے ساتھ بیٹھ جائیں تو بھی ان کے استہزاء کی ذمہ داری ان پر نہیں، اور ان حضرات کا یہ خیال ہے کہ یہ آیت سورت نساء مدنیہ کی آیت اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ منسوخ ہے۔ یہ قول مجاہد، سدی، ابن جریج وغیرہ کا ہے (2)۔ ان کے اس قول کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے تمہیں ان سے اعراض کرنے کا حکم اس لئے دیا ہے تاکہ وہ ان کے لئے وعظ و نصیحت اور تنبیہ کا موجب بن جائے، شاید وہ احتیاط کریں، اپنے اس کرتوت سے باز آ جائیں اور دوبارہ اس کے مرتکب نہ ہوں۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، صفحہ 659　　2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 230

يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

''اور چھوڑ دے جنہوں نے بنالیا ہے اپنا دین کھیل اور دل لگی اور دھوکہ میں ڈال دیا ہے انہیں دنیوی زندگی نے اور نصیحت کرو قرآن سے تاکہ ہلاک نہ ہو جائے کوئی آدمی اپنے عملوں کی وجہ سے، نہیں ہے اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ سفارشی اور اگر وہ معاوضہ میں دے ہر بدلہ تو نہ قبول کیا جائے گا اس سے، یہی وہ لوگ ہیں جو ہلاک کئے گئے ہیں بوجہ اپنے کرتوتوں کے، ان کے لئے پینے کو کھولتا ہوا پانی ہے اور دردناک عذاب ہے بوجہ اس کفر کے جو وہ کرتے رہے تھے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا اور دل لگی کا سامان بنا رکھا ہے اور دنیاوی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے، ان لوگوں سے ترک تعلق کر لیں، ان سے منہ پھیر لیں اور کچھ عرصہ کے لئے مہلت دے دیں کیونکہ لامحالہ انہیں عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا، اسی لئے فرمایا کہ آپ قرآن کے ذریعے انہیں نصیحت کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے کرتوتوں کے باعث ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیئے جائیں۔ ضحاک، مجاہد، حسن وغیرہ کے نزدیک ''تُبْسَل'' کا معنی ہے ''تُسَلَّم'' (سپرد کر دیا جائے)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے ''تُفْتَضَح'' (رسوا کیا جائے)۔ قتادہ کے نزدیک اس کا معنی ہے ''تُحْبَس'' (روک رکھا جائے)۔ مرہ اور ابن زید کے نزدیک اس کا معنی ہے ''تُؤَاخَذ'' (مواخذہ نہ کیا جائے)۔ کلبی کے نزدیک اس کا معنی ہے ''تُجْزٰی'' (بدلہ نہ دیا جائے)۔ یہ تمام کے تمام اقوال اور عبارات قریب المعنی ہیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ ہلاکت کے سپرد کرنا، بھلائی سے روکنا اور حصول مطلوب سے باز رہنا جس طرح فرمایا: كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ (المدثر: 39-38) ''ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے۔ سوائے اصحاب یمین کے''۔

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ...... نہ ان کا کوئی حمایتی ہوگا اور نہ سفارشی جیسا کہ فرمایا: مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (البقرہ: 254) ''اس سے پہلے کہ آجائے وہ دن جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ (کفار کے لئے) دوستی ہوگی اور نہ (ان کے لئے) شفاعت اور جو کافر ہیں وہی ظالم ہیں''۔

وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ...... اگر وہ بدلہ میں ہر چیز دے دے قبول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا (آل عمران: 91) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے کفر ہی کی حالت میں تو ہرگز نہ قبول کیا جائے گا ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا اگرچہ وہ (اپنی نجات کے لئے)''۔ اسی طرح فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا......

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۪ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۬ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ

الشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

"آپ فرمائیے کیا ہم پوجیں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے ہمیں اور نہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور (کیا) ہم پھر جائیں الٹے پاؤں اس کے بعد کہ ہدایت دی ہے ہمیں اللہ نے؟ مثل اس شخص کے کہ بھٹکا دیا ہو اسے جنوں نے زمین میں اور وہ حیران و پریشان ہو۔ اس کے ساتھی ہوں جو اسے بلا رہے ہوں ہدایت کی طرف کہ ہمارے پاس آجا، آپ فرمائیے اللہ کی رہنمائی ہی حقیقی رہنمائی ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم گردن جھکا دیں سارے جہانوں کے رب کے سامنے اور یہ کہ صحیح صحیح ادا کرو نماز اور ڈرو اس سے اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے اور وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اور جس روز وہ کہے گا کہ تو ہو جا تو بس وہ ہو جائے گا۔ اسی کا فرمان حق ہے۔ اور اسی کی حکومت ہوگی جس دن پھونکا جائے گا صور، جاننے والا ہے ہر چھپی چیز کا اور ہر ظاہر چیز کا اور وہی ہے حکمت والا سب کچھ جاننے والا"۔

سدی کہتے ہیں کہ مشرکین نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ ہمارے طریقہ کی پیروی کرو اور دین محمدی کو ترک کر دو اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فرمان نازل فرمایا: قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ...... کہ آپ کہہ دیں کہ کیا ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بے کس و بے بس بتوں کو پرستش کریں جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، اور کیا پھر الٹے پاؤں کفر کی طرف لوٹ جائیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں راہ ہدایت پر گامزن کیا ہے۔ ہماری مثال تو پھر ایسے شخص کی سی ہوگی جسے کسی شیطان نے بہکا دیا ہو۔ ایمان لانے کے بعد اگر تم کفر اختیار کرو تو تمہاری مثال ایسے مسافر کی سی ہے جو اپنے ساتھیوں کی رفاقت میں عازم سفر ہوا لیکن رستہ بھول گیا، شیطانوں نے اسے بھٹکا کر حیرت کی دلدل میں پھنسا دیا۔ اب وہ تصویر حیرت بنا کھڑا ہے، اس کے ساتھی سیدھی راہ پر گامزن ہیں اور وہ اسے اپنی طرف بلا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہماری طرف آ جاؤ کیونکہ ہم درست رستے پر چل رہے ہیں، لیکن وہ انکار کر دیتا ہے اور اپنی گمراہی پر ہی بضد رہتا ہے۔ یہ اس شخص کی مثال ہے جو نبی اکرم ﷺ کو اچھی طرح جان لینے کے باوجود بہکے ہوئے لوگوں کی پیروی کرتا ہے۔ سیدھی راہ کی طرف بلانے والے حضرت محمد ﷺ ہیں اور سیدھا رستہ اسلام ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ "اسْتَهْوَتْهُ" کا مطلب ہے کہ اسے گمراہ کر دیا (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے باطل معبودوں، ان کی طرف دعوت دینے والوں اور ان حق پرستوں کی مثال بیان کی ہے جو صراط مستقیم کی طرف بلاتے ہیں، ان کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو رستہ سے بھٹک گیا اور سرگرداں ادھر ادھر منہ اٹھائے پھرنے لگا، کوئی پکارنے والا اسے پکارتا ہے کہ اے فلاں ابن فلاں! اس (غلط) رستہ کی طرف آؤ اور اس کے دوسرے ہمسفر اسے بلا رہے ہیں کہ اے فلاں! اس (سیدھی) راہ کی طرف آؤ۔ اگر وہ پہلے داعی کی بات کو تسلیم کر لے، اس کے پیچھے پیچھے چلنا شروع کر دے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اسے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دے گا اور اگر اس نے حق و ہدایت کے داعی کی آواز پر لبیک کہی تو وہ راہ ہدایت کو پالے گا۔ پہلا داعی جنگل کے جنوں میں سے (شیطان) ہے۔ یہ ایسے شخص کی مثال ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان معبودان باطلہ کی پوجا شروع کر دیتا ہے اور اسی میں اپنی مصلحت سمجھتا ہے۔ جب موت آئے گی تو اسے سخت ندامت اور ہلاکت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ راہ سے بھٹکانے والے شیاطین جنات ہیں جو اسے اس کا اور اس کے باپ دادا کا نام لیکر بلاتے ہیں،

3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 236

چنانچہ وہ ان کی پیروی کرنے لگتا ہے اور اس سے اپنا مفاد وابستہ کر لیتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ شیاطین اسے ہلاکت کی گھاٹی میں پھینک دیتے ہیں اور بسا اوقات اسے نگل جاتے ہیں یا کسی بے آب و گیاہ جنگل میں بھوکا پیاسا چھوڑ آتے ہیں جہاں وہ پیاس کی وجہ سے موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ تو یہ مثال ہے ایسے گمراہ کی جس نے معبودان باطلہ کی پرستش کی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ''حَیۡرَانَ'' سے مراد حیران و پریشان آدمی ہے جسے اس کے ساتھی سیدھے رستہ کی طرف بلائیں اور یہ ایسے شخص کی مثال ہے جو ہدایت پانے کے بعد گمراہی اختیار کر لے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''حَیۡرَانَ'' سے مراد ایسا شخص ہے جو اللہ کی ہدایت کو قبول نہیں کرتا بلکہ وہ ایسا بد بخت ہے کہ شیطان کی اطاعت کرتا ہے، گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور حق سے انحراف کر کے بھٹک جاتا ہے حالانکہ اس کے ہمسفر اسے ہدایت کی طرف بلاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اسے جس چیز کا حکم دے رہے ہیں وہ ہدایت ہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ان شیطانوں کا گمراہ کردہ ہے جن کے اولیاء انسان ہیں۔ ہدایت تو صرف اللہ ہی کی ہدایت ہے اور گمراہی وہ ہے جس کی دعوت جن دیتے ہیں، اسے ابن جریر نے روایت کیا ہے پھر کہتے ہیں کہ یہ تو اس بات کی مقتضی ہے کہ اس کے ساتھی اسے گمراہی کی طرف بلا رہے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہ عین ہدایت ہے۔ لیکن یہ رائے ظاہر آیت کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے کہ اس کے ہمسفر اسے ہدایت کی طرف بلاتے ہیں تو اسے گمراہی قرار دینا جائز نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو خبر دی ہے کہ یہ ہدایت ہے(1)۔ اور معاملہ تو ایسے ہی ہے جیسا کہ ابن جریر نے کہا کیونکہ سیاق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آیت کریمہ میں ''حَیۡرَانَ'' حال ہونے کی بناء پر محل نصب میں ہے یعنی وہ حیرت، گمراہی اور جہل کی حالت میں گھرا ہوا ہے اور اس کے ہمسفر سیدھی راہ پر چل رہے ہیں، وہ اسے اپنے ساتھ اس راہ پر چلنے کے لئے بلانا شروع کر دیتے ہیں۔ تقدیر کلام یوں ہوگی کہ وہ ان کی دعوت کو ٹھکرا کر ان کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیتا ہے اور ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے ہدایت عطا فرما دیتا اور اسے راہ راست کی طرف لوٹا دیتا اسی لئے فرمایا: قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَ مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّضِلٍّ (الزمر: 37) ''اور جس کو ہدایت بخش دے اللہ تعالیٰ تو اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں'' اور فرمایا: اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰى هُدٰٮهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ (النحل: 37) ''آپ خواہ کتنے ہی حریص ہوں ان کے ہدایت یافتہ ہونے پر مگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا جنہیں وہ (پیہم سرکشی کے باعث) گمراہ کر دیتا ہے اور نہیں ان کے لئے کوئی مدد کرنے والا''۔

وَ اُمِرۡنَا لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ..... اور ہمیں یہ حکم ہوا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور اخلاص سے صرف اسی کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور ہمیں یہ بھی حکم ہوا ہے کہ ہم ہر حالت میں نماز قائم کریں اور تقویٰ اختیار کریں اور قیامت کے دن سب کو جمع کر کے اسی کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ وہی وہ ذات ہے جس نے اعتدال و توازن کے ساتھ آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، یہ اور جو کچھ ان میں ہے، وہی ان تمام کا خالق، مالک اور مدبر ہے، قیامت کے دن وہ صرف ''کُنۡ'' فرمائے گا تو پلک جھپکنے کی دیر میں ساری چیزیں از خود دوبارہ ظہور میں آ جائیں گی۔

وَ يَوۡمَ يَقُوۡلُ كُنۡ فَيَكُوۡنُ میں لفظ ''یَوۡمَ'' منصوب ہے، اس کے نصب کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:۔

(1) وَاتَّقُوۡهُ (کی ضمیر منصوب) پر عطف کی بناء پر تقدیر کلام یوں ہوگی: وَاتَّقُوۡهُ وَاتَّقُوۡا يَوۡمَ يَقُوۡلُ كُنۡ فَيَكُوۡنُ۔

(2) خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ (کے مفعول) پر عطف کے باعث۔ یعنی خَلَقَ يَوۡمَ يَقُوۡلُ كُنۡ فَيَكُوۡنُ۔ اس صورت میں ابتدائے ''خلق

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 237

''اور اعادۂ'' خلق'' کا ذکر ہوا جو بہت زیادہ مناسب ہے۔

(3) اس سے پہلے فعل مقدر ہے، عبارت یوں ہوگی: ''اُذْكُرْ يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ''۔

قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ وَلَهُ الْمُلْكُ یہ دونوں جملے محل جر میں ہیں اور ''رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' سے صفت بن رہے ہیں۔ اور يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ کی دو ترکیبیں ہوسکتی ہیں:۔

(1) وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ سے بدل ہے۔

(2) وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ کی ظرف ہے جیسا کہ ارشاد ہے: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن:16) ''کس کی بادشاہی ہے آج؟ (کسی کی نہیں) صرف اللہ کی جو واحد (اور) قہار ہے''۔ اور جیسا کہ فرمایا: اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۚ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا (الفرقان:26) ''اس دن سچی بادشاہی (خداوند) رحمٰن کی ہوگی اور وہ دن کافروں کے لئے بڑا مشکل ہوگا''۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض کا کہنا ہے کہ یہاں ''صُوَرِ''، ''صورۃ'' کی جمع ہے یعنی جس دن صورتوں میں پھونکا جائے گا تو وہ زندہ ہو جائیں گی۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ جمع ایسے ہی ہے جیسا کہ ''سُوَر'' (شہر پناہ) سورۃ کی جمع ہے(1)۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ صور سے مراد وہ قرن (سینگ) ہے جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک صحیح وہی ہے جس کی تائید احادیث سے ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسرافیل صور کو منہ میں لے ہوئے ہیں، سر جھکائے ہوئے منتظر ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم صادر ہوتا ہے''(2)۔ ایک اعرابی نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! سور کیا ہے فرمایا: ''یہ قرن ہے جس میں پھونک مار کر بجاتے ہیں''(3)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے حلقہ میں تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جب آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے فارغ ہوا تو صور کو پیدا کیا اور اسے اسرافیل کے حوالے کر دیا، وہ اسے اپنے منہ کے ساتھ لگائے ہوئے، آنکھیں عرش کی طرف ٹکائے ہوئے منتظر ہیں کہ کب (صور پھونکنے کا) حکم ہوتا ہے۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! صور کیا ہے؟ فرمایا: ''قرن''۔ میں نے عرض کی کہ یہ کیسا ہے؟ فرمایا: ''بہت بڑا، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ معبوث فرمایا ہے، اس کا منہ آسمانوں اور زمین کے عرض کی مقدار بڑا ہے، اس میں تین پھونکیں ماری جائیں گی۔ پہلی پھونک (نفخہ اولیٰ) گھبراہٹ اور خوف پیدا کرنے والی ہوگی، دوسری سب کو بے ہوش کر دینے والی اور تیسری رب العالمین کے حضور آ کھڑا ہونے کی۔ اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل کو پہلی پھونک کا حکم ارشاد فرمائے گا، اسرافیل پھونکیں گے تو زمین و آسمان کے مکین گھبراہٹ اور سراسیمگی کا شکار ہو جائیں گے سوائے ان کے جن پر اللہ تعالیٰ اپنا کرم فرمادے۔ اسرافیل مسلسل کافی دیر تک صور پھونکتے رہیں گے، ذرا بھی سستی نہیں کریں گے یہ اللہ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ (ص:15) ''اور نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ (کفار) مگر ایک کڑک کی جس کے بعد کوئی مہلت نہیں ہوگی''۔ اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو زمین سے اکھیڑ دے گا اور یہ بادل کی طرح اڑ رہے ہوں گے اور سراب کی صورت اختیار کر لیں گے۔ زمین اپنے مکینوں سمیت لرز رہی ہوگی، اس پر زلزلہ طاری ہو گا اور اس طرح جھولنے لگے گی جیسے سمندر میں شکستہ کشتی جسے تند و تیز موج کے تھپیڑے ادھر ادھر دھکیل رہے ہوں اور یہ کشتی اپنے سواروں

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 214 2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 73 3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 162

سمیت الٹ جائے، ایسی قندیل کی طرح جو چھت کے ساتھ معلق ہو اور ہوائیں اسے جھلا رہی ہوں۔ یہی کیفیت ہے جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے: يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۗ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ (النازعات:8-6) ''جس روز تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی۔ اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہوگا۔ کتنے دل اس روز (خوف سے) کانپ رہے ہوں گے''۔ لوگ پشت کے بل گر پڑیں گے، مائیں دودھ پینے والے بچوں کو بھول جائیں گی، حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے، بچے بوڑھے ہو جائیں گے، شیاطین خوف کے مارے بھاگ کر زمین کے کناروں تک آ جائیں گے، لیکن فرشتے انہیں زدوکوب کر کے واپس لائیں گے اور لوگ پیٹھ دکھا کر بھاگیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے امر سے انہیں کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ وہ ایک دوسرے کو پکارتے رہیں گے لیکن اللہ کے سوا کوئی سننے والا نہ ہوگا اسی کو اللہ تعالیٰ نے يَوْمَ التَّنَادِ (المومن:32) ''(پکار کا دن) کہا ہے''۔ لوگ اسی صورت حال سے دوچار ہوں گے کہ زمین ہر گوشے سے پھٹنے لگی گی، ایسے امر عظیم کا سامنا ہوگا جس سے کبھی واسطہ نہ پڑا اور شدید کرب اور ہولناکی سے دوچار ہوں گے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، پھر وہ آسمان کی طرف دیکھیں گے تو اسے پگھلی ہوئی دھات کی طرح پائیں گے، پھر آسمان ریزہ ریزہ ہو جائے گا، ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر جائیں گے، سورج اور چاند گرہن کی لپیٹ میں آ جائیں گے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لیکن مردوں کو اس کی خبر تک نہ ہوگی'' حضرت ابوہریرہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان: فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (النمل:87) ''ہر کوئی جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے گھبرا جائے گا مگر جنہیں خدا نے چاہا (وہ نہیں گھبرائیں گے)''۔ میں کن لوگوں کو مستثنیٰ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شہداء ہیں''۔ گھبراہٹ اور پریشانی تو زندوں کو ہوا کرتی ہے اور شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن کی گھبراہٹ اور پریشانی سے بچا لیا ہے، کیونکہ یہ گھبراہٹ تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جسے وہ شریر مخلوق پر اتارے گا۔ قیامت کے اس ہولناک منظر کو اللہ تعالیٰ اس طرح بیان فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝ (الحج:2-1) ''اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار (کی ناراضگی) سے بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔ جس روز تم اس (کی ہولناکیوں) کو دیکھو گے تو غافل ہو جائے گی ہر دودھ پلانے والی (ماں) اس (لخت جگر) سے جس کو اس نے دودھ پلایا، اور گرا دے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے وہ نشہ میں مست ہوں حالانکہ وہ نشہ میں مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی بڑا سخت ہوگا (وہ اس کی ہیبت سے حواس باختہ ہوں گے''۔ اللہ تعالیٰ کے حسب منشا وہ اس عذاب میں رہیں گے، طویل عرصہ تک اس کیفیت سے دوچار رہیں گے، پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل کو موت اور بے ہوشی لانے والا صور پھونکنے کا حکم دے گا، چنانچہ سب زمین و آسمان والے سوائے اس کے جسے خدا چاہے، بے ہوش ہو جائیں گے۔ اس حالت میں ہوں گے کہ ملک الموت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: اے پروردگار! آسمانوں اور زمین کے سب مکین مر گئے ہیں سوائے ان کے جنہیں تو نے باقی رکھا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا حالانکہ وہ سب سے زیادہ جانتا ہے کہ کون باقی بچا؟ وہ عرض کریں گے: یا رب! تو باقی ہے، تو ہمیشہ زندہ ہے، تجھے کبھی بھی موت آنے والی نہیں، عرش اٹھانے والے فرشتے، جبریل اور میکائیل بھی باقی ہیں اور میں بھی۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جبریل اور میکائیل بھی مر جائیں، تو عرش بول اٹھے گا: یا رب! جبریل اور میکائیل پر بھی موت آئے گی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ خاموش رہو کیونکہ عرش کے نیچے ہر ایک پر میں نے موت لکھ دی ہے۔ تو وہ دونوں بھی مر جائیں گے، پھر ملک الموت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرے گا: اے پروردگار!

جبریل اور میکائیل بھی مر گئے تو اللہ تعالیٰ پوچھے گا حالانکہ وہ بہتر جانتا ہے کہ کون باقی ہے؟ وہ عرض کریں گے: یارب! تو باقی ہے، تو ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے جس پر کبھی بھی موت آنے والی نہیں، عرش کو اٹھانے والے فرشتے باقی ہیں اور میں بھی۔ اللہ تعالیٰ حکم فرمائے گا کہ عرش کو اٹھانے والے بھی مر جائیں چنانچہ وہ بھی مر جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ عرش کو حکم دے گا اور وہ صور اسرافیل سے لے لے۔ پھر عزرائیل اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ اے پروردگار! عرش اٹھانے والے بھی مر گئے ہیں پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا حالانکہ وہ بہتر جانتا ہے کہ کون باقی ہے؟ وہ عرض کریں گے: یارب! تو باقی ہے، تو ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے جسے کبھی موت آنے والی نہیں اور میں باقی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو بھی میری مخلوق ہے میں نے تمہیں اس مقصد کے لئے پیدا کیا جو تم نے دیکھ لیا، اب تم بھی مر جاؤ، چنانچہ عزرائیل بھی مر جائے گا۔ باقی رہے گا تو صرف اللہ تعالیٰ جو یکتا ہے، قہار ہے، احد ہے، بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد، وہ اول بھی ہے اور آخر بھی۔ وہ آسمانوں اور زمینوں کو اس طرح لپیٹ دے گا جس طرح رجسٹر لپیٹ دیا جاتا ہے، پھر انہیں پھیلا دے گا۔ تین دفعہ انہیں کھولا اور لپیٹا جائے گا پھر فرمائے گا: میں جبار ہوں، میں جبار ہوں، میں ہی جبار ہوں (تین مرتبہ)، پھر وہ تین مرتبہ اعلان فرمائے گا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ؟ ''آج بادشاہی کس کے لئے ہے؟'' لیکن کوئی بھی جواب نہیں دے گا، پھر خود ہی فرمائے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن: 16) ''صرف اللہ کی جو واحد (اور) قہار ہے''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (ابراہیم: 48) ''یاد کرو اس دن کو جب کہ بدل دی جائے گی یہ زمین دوسری (قسم کی) زمین سے اور آسمان بھی (بدل دیئے جائیں گے)''۔ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کو پھیلا کر دراز کر دے گا پھر انہیں کھینچے گا جس طرح عکاظی چمڑا کھینچا جاتا ہے: لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا (طہٰ: 107) ''نہ نظر آئے گا تجھے اس میں کوئی موڑ اور نہ کوئی ٹیلہ''۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ہی جھڑک ہو گی کہ سب کے سب اس نو مولود زمین پر پہلے کی طرح جمع ہو جائیں گے، جو زمین کے اندر تھا وہ اندر ہی رہے گا اور جو باہر تھا وہ باہر۔ پھر اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے سے ان پر پانی نازل فرمائے گا، آسمان کو حکم دے گا کہ بارش برسا، چنانچہ آسمان چالیس دن تک برستا رہے گا یہاں تک کہ پانی ان پر بارہ ہاتھ بلند ہو جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اجسام کو حکم دے گا کہ وہ اس طرح بڑھتے بڑھتے ظاہر ہو جائیں جس طرح نباتات اور سبزیاں اگتی ہیں۔ جب ان کے جسم پہلے کی طرح مکمل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے عرش کو اٹھانے والے فرشتے زندہ ہو جائیں چنانچہ وہ زندہ ہو جائیں گے اور وہ اسرافیل کو حکم دے گا تو وہ صور لیکر اپنے منہ پر رکھ لے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جبریل اور میکائیل زندہ ہو جائیں، وہ بھی زندہ ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ارواح کو بلائے گا، مسلمانوں کی روحیں نور کے باعث چمک دمک رہی ہوں گی جبکہ کفار کی روحیں سخت تاریک ہوں گی۔ ان سب روحوں کو صور میں ڈال دیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل کو نفخہ بعث (دوبارہ زندہ کرنے والی پھونک) کا حکم دے گا، وہ اسے بجالائیں گے تو تمام کی تمام ارواح باہر نکل آئیں گی، یوں محسوس ہو گا کہ یہ شہد کی مکھیاں ہیں۔ زمین و آسمان کے درمیان فضا بھر جائے گی، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میری عزت اور جلال کی قسم! ہر روح اپنے جسم میں لوٹ جائے تو تمام ارواح اپنے اپنے اجسام میں نتھنوں کے رستے داخل ہو جائیں گی اور اس طرح سرایت کر جائیں گی جس طرح زہر کسی مار گزیدہ کے جسم میں سرایت کرتا ہے پھر زمین پھٹ جائے گی اور لوگ باہر نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑنے لگیں گے اور سب سے پہلے میری قبر کھلے گی، اس وقت یہ عالم ہو گا: مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ (القمر: 8) ''ڈرتے ڈرتے بھاگے جا رہے ہوں گے بلانے والے کی طرف، کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے)۔ لوگ برہنہ پا، برہنہ جسم اور غیر مختون اللہ کی طرف تیزی سے چلیں گے، ایک ہی مقام پر کھڑے ہوں گے، ستر برس اسی طرح گزر

جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو تمہاری طرف متوجہ ہوگا اور نہ تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا، تم گریہ وزاری کرنے لگو گے یہاں تک کہ آنسو بھی خشک ہو جائیں گے، پھر تم خون کے آنسو رونے لگو گے، ٹھوڑی تک پسینہ سے شرابور ہو جاؤ گے اور تم کہو گے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں (فیصلہ کے لئے) ہماری شفاعت کرے، پھر آپس میں کہو گے کہ باپ آدم علیہ السلام سے بڑھ کر کون اس کا مستحق ہو سکتا ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اپنی روح پھونکی اور سب سے پہلے کلام کی۔ چنانچہ سب لوگ اکٹھے ہو کر آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور ان کے سامنے اپنا مقصد پیش کریں گے۔ وہ شفاعت کرنے سے انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ میں اس کا مستحق نہیں ہوں، پھر وہ ایک ایک کر کے سارے انبیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مدعا بیان کریں گے لیکن (حامی بھرنے سے) سب انکار کر دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر وہ میرے پاس آ جائیں گے۔ میں ''فحص'' پر سجدہ میں گر جاؤں گا۔ حضرت ابو ہریرہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ''فحص'' کیا ہے؟ فرمایا: عرش کا سامنے والا حصہ۔ اب اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو میری طرف بھیجے گا جو میرا بازو پکڑ کر مجھے اٹھا دے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے فرمائے گا: یا محمد! میں عرض کروں گا: حاضر ہوں یا رب! اللہ تعالیٰ پوچھے گا حالانکہ وہ بہتر جانتا ہے کہ کیا چاہتے ہو؟ میں عرض کروں گا: اے پروردگار! تو نے میرے ساتھ شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے چنانچہ یہ منصب مجھے عطا فرما اور اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ شفاعت کا حق میں نے تمہیں عطا فرما دیا، تم شفاعت کر سکتے ہو اور میں لوگوں کے درمیان فیصلہ نافذ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: پھر میں واپس لوٹ کر لوگوں کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا، ہم کھڑے ہی ہوں گے کہ آسمان سے زوردار آواز سنائی دے گی کہ ہم خوفزدہ ہو جائیں گے، زمین کے رہنے والے جن وانس سے دوگنی مقدار میں آسمان دنیا کے فرشتے اتریں گے۔ جب وہ زمین کے قریب آئیں گے تو زمین ان کے نور کی وجہ سے چمک اٹھے گی، وہ صفیں باندھ لیں گے۔ ہم ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے اندر ہمارا رب ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ نہیں، وہ تشریف لانے ہی والا ہے۔ پھر دوسرے آسمان سے اس قدر فرشتے اتریں گے کہ ان کی تعداد پہلے آسمان کے فرشتوں اور جن وانس سے دوگنی ہوگی۔ وہ بھی جب زمین کے قریب پہنچیں گے تو وہ ان کے نور سے چمکنے لگی گی، وہ بھی اپنی اپنی صفیں باندھ لیں گے۔ ہم ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے اندر ہمارا پروردگار ہے؟ وہ کہیں گے نہیں، بلکہ وہ تشریف لانے والا ہے۔ پھر اس سے بھی دو چند فرشتوں کا نزول ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بادلوں میں فرشتوں کے ساتھ تشریف فرما ہوگا، اس دن اس کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے حالانکہ اس وقت وہ چار ہیں۔ ان کے قدم سب سے نچلی زمین کی تہہ میں ہیں، زمین وآسمان ان کے سینہ کے برابر ہیں، عرش الٰہی ان کے کندھوں پر ہوگا۔ اللہ کی تسبیح کے باعث آواز گونج رہی ہوگی وہ کہہ رہے ہوں گے: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (یٰسین :63-60) ''پاک ہے وہ اللہ جو عرش اور سطوت والا ہے، پاک ہے وہ جو ملک اور بادشاہت کا مالک ہے، پاک ہے وہ جو ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے جسے کبھی موت نہیں آتی، پاک ہے وہ جو مخلوق کو مارتا ہے اور اسے موت نہیں آتی۔ وہ انتہائی پاک، مقدس، مقدس اور مقدس ہے، ہمارا برتر واعلیٰ رب پاک ہے جو فرشتوں اور روح کا بھی رب ہے۔ ہمارا برتر رب پاک ہے جو مخلوقات کو مارتا ہے لیکن اسے موت نہیں آتی''۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی کرسی کو جہاں چاہے رکھ دے گا، اس پر جلوہ فرما ہوگا اور آواز دے گا: اے جن وانس کے گروہ! میں نے جب سے تمہیں پیدا کیا ہے اس وقت سے لیکر آج کے دن تک خاموش رہا، تمہاری باتیں سنتا رہا، تمہارے اعمال دیکھتا رہا۔ اب تم خاموش رہو اور غور سے سنو، تمہارے اعمال نامے تمہیں پڑھ کر سنائے جائیں گے۔

جس نے اپنے نامہ اعمال کو اچھا پایا تو وہ اللہ کا شکر بجالائے، اور جو اچھا نہ پائے تو وہ صرف اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ جہنم کو حکم دے گا تو اس میں سے ایک سخت سیاہ چمکیلی صورت نمودار ہوگی، پھر فرمائے گا: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ۝۶۰ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۶۱ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۲ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (یٰسین: 63-60) ''کیا میں نے تمہیں یہ تاکیدی حکم نہیں دیا تھا اے اولادِ آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے (بایں ہمہ) گمراہ کر دیا شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو۔ کیا تم عقل (وخرد) نہیں رکھتے تھے۔ یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا''۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (یٰسین: 59) ''اور حکم ہوگا اے مجرمو! (میرے دوستوں سے) آج الگ ہو جاؤ''۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو الگ الگ کر دے گا اور تمام امتیں گھٹنوں کے بل گر پڑیں گی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الجاثیۃ: 28) ''اور آپ دیکھیں گے ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا۔ ہر گروہ کو بلایا جائے گا اس کے صحیفہ (عمل) کی طرف۔ (انہیں کہا جائے گا) آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے''۔ اللہ تعالیٰ جن وانس کے سوا باقی تمام مخلوقات کے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔ وحشی جانوروں اور چوپایوں کے درمیان تصفیہ فرمائے گا یہاں تک کہ سینگ والی ظالم بکری سے بے سینگ کے لئے بدلہ لیا جائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ فیصلہ سے فارغ ہوگا تو کوئی بھی ایسا جانور نہیں بچے گا جسے انصاف نہ ملا ہو، پھر اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ مٹی ہو جاؤ تو اس وقت کافر کہے گا: يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا (النباء: 40) ''کہے گا کاش! میں خاک ہوتا''۔ پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ سب سے پہلے قتل وخون کے مقدمات پیش ہوں گے۔ وہ ہر مقتول جسے قاتل نے اللہ کی راہ میں قتل کیا تھا وہ آئے گا اور اللہ تعالیٰ ہر قاتل کو حکم دے گا تو وہ مقتول کا سر اٹھائے جس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا وہ عرض کرے گا، یارب! اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا.......... حالانکہ وہ بہتر جانتا ہے...... کہ کیوں قتل کیا تھا؟ وہ مجاہد عرض کرے گا کہ میں نے اسے تیری عزت کی خاطر قتل کیا تھا، اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ تم نے سچ کہا ہے تو اللہ تعالیٰ سورج کی طرح اس کے چہرہ کو منور کر دے گا پھر ملائکہ اسے جنت میں لے جائیں گے۔ دوسرے مقتول آئیں گے جنہیں قاتلوں نے اللہ کی رضا کے لئے قتل نہیں کیا ہوگا، سر کو اٹھائے ہوئے ہوں گے جس سے خون بہہ رہا ہوگا وہ سر عرض کرے گا کہ یارب! اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا...... حالانکہ وہ زیادہ جانتا ہے...... کہ تو نے کیوں قتل کیا تھا؟ وہ کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے اپنی عزت کی خاطر اسے قتل کیا تھا، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو برباد ہو جائے! غرضیکہ ہر قاتل سے قصاص لیا جائے گا اور ہر زیادتی کا بدلہ ملے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے چاہے تو ظالم کو عذاب دے، چاہے تو رحم فرما دے۔ پھر باقی ماندہ مخلوقات کے مقدمات کی باری آئے گی۔ اللہ تعالیٰ انصاف فرمائے گا اور ہر ظالم سے مظلوم کو حق دلایا جائے گا اور زیادتی کا بدلہ لیا جائے گا یہاں تک کہ دودھ میں پانی کی ملاوٹ کر کے بیچنے والے کو پابند کیا جائے گا کہ وہ پانی نکال کر دودھ کو خالص بنائے۔ جب اللہ تعالیٰ مقدمات کے فیصلے سے فارغ ہو جائے گا تو ایک منادی ندا دے گا جسے ساری مخلوق سنے گی کہ ہر گروہ اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ مل جائے۔ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے ہر ایک شخص کے سامنے اس کے معبود کھڑے ہوں گے۔ ایک فرشتہ حضرت عزیر علیہ السلام کی صورت میں اور ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں نمودار ہوگا۔ چنانچہ یہود حضرت عزیر کے پیچھے ہو جائیں گے اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے، پھر ان کے یہ فرضی معبود انہیں دھکیل کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے اسی

بات کا اللہ تعالیٰ تذکرہ فرماتے ہوئے کہتا ہے: لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۖ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (الانبیاء: 99) ''(سوچو) اگر یہ خدا ہوتے تو نہ داخل ہوتے جہنم میں۔ اور (جھوٹے خدا اور ان کے پجاری) سب اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔ اب جبکہ صرف مومنین باقی رہ جائیں گے جن میں منافقین بھی ہوں گے، اللہ تعالیٰ اپنی شایان شان ہیئت پر تشریف لائے گا اور فرمائے گا: اے لوگو! سب لوگ اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ چلے گئے ہیں، تم بھی اپنے خداؤں کے ساتھ شامل ہو جاؤ، وہ عرض کریں گے: خدا کی قسم! ہمارا معبود تو صرف اللہ ہی ہے اور اس کے سوا ہم کسی کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی سے پردہ ہٹا دے گا اور اپنی عظمت اور حقیقی شان میں جلوہ فرما ہوگا جس کے باعث وہ پہچان لیں گے کہ وہی ان کا رب ہے تو سب اپنے اپنے چہروں کے بل سجدہ ریز ہو جائیں گے لیکن منافق پیٹھ کے بل گریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی پیٹھوں کو گائے کے سینگوں کی طرح (سخت اور سیدھا) بنا دے گا، اس بناء پر وہ سجدہ کے لئے جھک نہ سکیں گے پھر اللہ تعالیٰ کے حکم پر وہ اپنے سر اٹھا لیں گے۔ اب جہنم کے سامنے پل صراط رکھا جائے گا جو خنجر یا تلوار کی دھار سے بھی زیادہ تیز ہوگا جس پر جا بجا آنکس اور کانٹے ہوں گے اس کے نیچے سخت پھسلواں اور خطرناک پل ہوگا۔ وہ پل جھپکنے یا بجلی چمکنے یا ہوا، عمدہ گھوڑے، تیز رفتار سوار کے گزرنے کی دیر میں اسے عبور کر لیں گے۔ بعض تو صحیح سالم نجات پا جائیں گے، کچھ زخمی ہو کر اور بعض کٹ کٹ کر جہنم میں گر جائیں گے، پھر جب جنتی جنت میں بھیجے جانے لگیں گے تو وہ کہیں گے کہ اب اللہ تعالیٰ کے پاس کون ہماری سفارش کرے گا تاکہ ہم جنت میں داخل ہو جائیں؟ چنانچہ وہ کہیں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ کون اس کا مستحق ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا، اپنی روح پھونکی اور سب سے پہلے کلام کی، سب مل کر آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور اپنا مطالبہ پیش کریں گے تو وہ اپنی لغزش کا ذکر کر کے معذرت کر لیں گے اور کہیں گے کہ میں تو اس کا اہل نہیں، تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ کے پہلے رسول ہیں۔ چنانچہ سب نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور شفاعت کی درخواست پیش کریں گے تو وہ بھی اپنی غلطی کا ذکر کر کے کہیں گے کہ میں اس کے شایاں نہیں، اور کہیں گے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل بنایا ہے۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور اپنا مدعا عرض کریں گے وہ بھی اپنی خطا کا ذکر کر کے کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں البتہ تم موسیٰ کے پاس جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سرگوشی کرتے ہوئے انہیں اپنے قریب کیا، کلام کی اور تورات عطا فرمائی۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آ کر شفاعت کی درخواست پیش کریں گے وہ بھی اپنی لغزش کا ذکر کر کے کہیں گے کہ میں اس کے شایاں نہیں، تم عیسیٰ کے پاس جاؤ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ چنانچہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور ان کے سامنے اپنا مقصد رکھیں گے وہ کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں لیکن تم محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے۔ مجھے اپنے رب کے ہاں تین شفاعتوں کا حق ہوگا جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ کر رکھا ہے۔ اب میں جنت کی طرف آؤں گا دروازے کے حلقہ کو پکڑ کر دروازہ کھلواؤں گا۔ دروازہ کھول دیا جائے گا، مجھے سلام کیا جائے گا اور خوش آمدید کہا جائے گا۔ جنت میں داخل ہو کر جب میں اپنے رب کی زیارت کروں گا تو سجدہ ریز ہو جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ اس قدر اپنی تحمید و تمجید کی مجھے توفیق مرحمت فرمائے گا کہ جس جیسی توفیق کسی کو نہ ملی ہوگی پھر فرمائے گا: یا محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور شفاعت کرو آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، مانگو، آپ کو عطا کیا جائے گا۔ جب میں اپنا سر اٹھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ پوچھے گا حالانکہ وہ بہتر جانتا ہے کہ کیا چاہتے ہو؟ میں عرض کروں گا: اے پروردگار! تو نے میرے ساتھ شفاعت کا وعدہ کر رکھا ہے، اہل جنت کے بارے میں میری شفاعت کو قبول فرما کر وہ جنت میں داخل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے

تمہاری شفاعت قبول کی اور انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔

نبی کریم ﷺ فرماتے تھے: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم دنیا میں جس قدر اپنی بیویوں اور مساکن کو پہچانتے ہو جنتی اس سے بھی زیادہ اپنی ازواج اور مساکن کو پہچان لیں گے۔ ہر آدمی کے نصیب میں بہتر بیویاں ہوں گی ان میں سے دو اولادِ آدم میں سے ہوں گی اور ستر حوریں ان دو کو حوروں پر فضیلت حاصل ہوگی کیونکہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہیں۔ وہ ایک کے پاس آئے گا جو یاقوت سے بنے ہوئے بالاخانے میں موتیوں سے آراستہ سونے کے تخت پر براجمان ہوگی اور سندس نرم و گداز ریشم کے ستر جوڑے زیب تن کئے ہوئے ہوگی۔ وہ اس کی کمر پر ہاتھ رکھے گا تو اس کا عکس اس کے سینے، کپڑے، جلد اور گوشت کے پار دوسری طرف دیکھ لے گا، جسم اس قدر شفاف ہوگا کہ اس کی پنڈلی کا گودا تک اسے نظر آئے گا جس طرح کوئی یاقوت کی لڑی دیکھتا ہے۔ دونوں کے دل ایک دوسرے کے لئے آئینہ ہوں گے۔ وہ ایک دوسرے سے نہیں اکتائیں گے جب بھی وہ اس کے پاس آئے گا تو اسے باکرہ ہی پائے گا۔ قوت مردانگی میں ذرا کمزوری واقع نہیں ہوگی اور نہ عورت کو اس سے اس بات کا شکوہ ہوگا۔ ایسے میں آواز آئے گی کہ ہمیں علم ہے کہ تم میں سے کسی کا جی نہیں بھرے گا لیکن تمہاری دوسری بیویاں بھی تو ہیں، چنانچہ وہ باری باری ہر ایک کے پاس جائے گا، جس کے پاس بھی وہ آئے گا وہ کہے گی: اللہ کی قسم! مجھے جنت میں تم سے زیادہ کوئی خوبصورت دکھائی نہیں دیتا اور نہ ہی جنت میں کوئی ایسی چیز ہے جو تجھ سے زیادہ مجھے محبوب ہو۔

جب دوزخی دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے جنہیں ان کے برے اعمال نے ہلاکت کے گڑھے میں پھینکا ہوگا تو ان میں سے بعض ایسے ہوں گے آگ جن کے قدموں تک ہوگی اس سے تجاوز نہیں کرے گی اور بعض کی نصف پنڈلی تک، بعض کے گھٹنوں تک، بعض کی کمر تک اور کچھ ایسے ہوں گے کہ جن کا پورے کا پورا جسم سوائے چہرہ کے آگ کی لپیٹ میں ہوگا، کیونکہ چہرے پر اللہ تعالیٰ نے آگ حرام کر دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کروں گا: اے پروردگار! میری امت کے اہل نار کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جن اپنے امتیوں کو پہچانتے ہو دوزخ سے نکال لو۔ چنانچہ وہ نکل آئیں گے یہاں تک کہ کوئی بھی وہاں باقی نہیں رہے گا، پھر اللہ تعالیٰ شفاعت عام کی اجازت مرحمت فرمائے گا۔ ہر نبی اور ہر شہید اپنی اپنی شفاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر شخص کو دوزخ سے نکال لو جس کے دل میں دینار کے وزن برابر بھی ایمان ہو، تو اس مقدار کے حامل اہل ایمان دوزخ سے نکل آئیں گے کوئی باقی نہ رہے گا۔ پھر مزید شفاعت کا حق دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ ایک تہائی دینار کے برابر، پھر فرمائے گا ایک چوتھائی دینار کی مقدار، پھر فرمائے گا کہ ایک قیراط کے مساوی بھی، پھر فرمائے گا کہ اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو تو بھی دوزخ سے نکال لو، چنانچہ تمام دوزخ سے رہائی حاصل کرلیں گے یہاں تک کہ کوئی بھی ایسا شخص دوزخ میں نہیں رہے گا جس نے اللہ کے لئے کوئی نیک کام کیا تھا اور کوئی بھی مستحق شفاعت باقی نہیں رہے گا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی اس بے پایاں رحمت کو دیکھ کر ابلیس بھی طمع کرنے لگے گا کہ کوئی اس کی سفارش کرے۔

اب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب میں باقی رہ گیا ہوں اور میں تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں، چنانچہ وہ اپنا ہاتھ جہنم میں ڈالے گا اور بے شمار دوزخیوں کو جو کوئلوں کی طرح سیاہ ہو چکے ہوں گے، دوزخ سے نکالے گا، انہیں جنت کی ایک نہر جس کا نام نہر حیوان ہے، میں

ڈال دیا جائے گا، وہ از سر نو اس طرح شاداب اور شگفتہ ہو جائیں گے جیسے سیلاب کے کوڑا کرکٹ میں نباتات۔ سورج کی دھوپ میں سبز اور سایہ میں زرد دکھائی دیں گے وہ تروتازہ سبزیوں کی طرح اگیں گے یہاں تک کہ ذرات کی طرح پھیلے ہوں گے ان کی گردنوں پر لکھا ہوگا ”اَلْجَهَنَّمِیُّوْنَ عُتَقَاءُ الرَّحْمٰنِ“ (رحمٰن کے آزاد کردہ جہنمی)، اس تحریر سے اہل جنت انہیں پہچان لیں گے کہ انہوں نے اللہ کی رضا کے لئے کچھ نیک کام کئے تھے۔ وہ جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ چاہے گا جنت میں رہیں گے اور وہ تحریر ان کی گردنوں میں معلق ہوگی، پھر وہ درخواست کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! اس تحریر کو مٹا دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اس تحریر کو ختم کر دے گا“ (1)۔ طبرانی نے اس طویل حدیث کو ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ مشہور ہے حالانکہ یہ بہت غریب ہے۔ متفرق احادیث میں اس کے بعض اجزاء کے شواہد موجود ہیں اور بعض الفاظ میں نکارت ہے۔ قاضی مدینہ اسماعیل بن رافع اس کے منفرد راوی ہیں۔ یہ مختلف فیہ آدمی ہے۔ بعض نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور بعض نے ضعیف۔ بہت ائمہ جیسے احمد بن حنبل، ابی حاتم رازی اور عمرو بن علی اس کی نکارت حدیث پر متفق ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ متروک ہے۔ ابن عدی کا کہنا ہے کہ اس کی ساری احادیث محل نظر ہیں اور اس کے راوی ضعیف ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی اسناد میں کئی اعتبار سے اختلاف ہے۔ میں نے انہیں ایک علیحدہ جزء میں الگ کر کے بیان کر دیا ہے۔ سیاق عبارت بھی عجیب ہے۔ بہت سی احادیث کو ملا کر ایک حدیث بنا لیا گیا ہے اس لئے وہ قابل انکار ٹھہری۔ میں نے اپنے شیخ حافظ ابوالحجاج المزی سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ انہوں نے ولید بن مسلم کی ایک تصنیف دیکھی ہے جسے اس نے اس حدیث کے بعض مفردات کے شواہد کے طور پر جمع کر رکھا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿٧٤﴾ وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٨﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿٧٩﴾ ۚ

”اور یاد کرو جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کیا تم بناتے ہو بتوں کو خدا، بے شک میں دیکھتا ہوں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں۔ اور اسی طرح ہم نے دکھا دی ابراہیم کو ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی تاکہ وہ ہو جائیں کامل یقین کرنے والوں میں۔ پھر جب چھا گئی ان پر رات (تو) دیکھا انہوں نے ایک ستارا، بولے (کیا) یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا (تو) بولے میں نہیں پسند کرتا ڈوب جانے والوں کو، پھر جب دیکھا چاند کو چمکتے ہوئے تو کہا (کیا) یہ میرا رب ہے (؟) پھر جب وہ (بھی) غروب ہو گیا تو آپ نے کہا اگر نہ ہدایت دیتا مجھے میرا رب تو ضرور ہو جاتا میں بھی اس

1۔ رواہ الطبرانی فی الطوالات

گمراہ قوم سے۔ پھر جب دیکھا سورج کو جگمگاتے ہوئے (تو) بولے (کیا) یہ میرا رب ہے (؟) یہ تو ان سب سے بڑا ہے، لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا (تو) آپ نے فرمایا اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔ بے شک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو یک سو ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے''۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہیں بلکہ تارخ تھا (1)۔ فرماتے ہیں کہ آزر سے مراد صنم ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ، والدہ کا نام مثانی، بیوی کا نام سارہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا نام ہاجر تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیز تھیں۔ اکثر علماء نسب کا یہی کہنا ہے کہ آپ کے والد کا نام تارخ تھا۔ مجاہد اور سدی کہتے ہیں کہ آزر بت کا نام ہے۔ گویا کہ اس بت کی خدمت کرنے کے باعث یہی نام غالب آ گیا۔ ابن جریر وغیرہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کے ہاں گالی اور معیوب بات کو آزر کہا جاتا تھا۔ اس کا معنی ہے ٹیڑھا (2)۔ لیکن یہ معنی نہ کسی سے نقل کیا ہے اور نہ ہی کسی کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ معتمر بن سلیمان نے ذکر کیا ہے کہ میں نے اپنے والد محترم کو یہ بتاتے ہوئے سنا کہ آزر کا معنی ٹیڑھا ہے اور یہ نہایت سخت کلمہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا۔ پھر ابن جریر کہتے ہیں کہ درست یہی ہے کہ آپ کے باپ کا نام آزر تھا۔ پھر علماء نسب کا یہ قول کہ ان کے باپ کا نام تارخ تھا بطور اعتراض پیش کر کے جواب دیتے ہیں کہ ممکن ہے کہ دو نام ہوں جیسا کہ اکثر لوگوں کے ہوتے ہیں یا ان میں سے ایک لقب ہو (3)۔ ان کا یہ کہنا جید اور قوی ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِی کی قراءت میں اختلاف ہے، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یزید مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ''اٰزَرُ'' منادی مرفوع ہے اس کے پہلے حرف ندا ''یا'' مقدر ہے۔ جمہور علماء اسے فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، یہ ''اَبِیْهِ'' سے بدل ہے یا عطف بیان۔ عجمی علم ہونے کی بناء پر غیر منصرف ہے یا احمر اور اسود کی طرح وصف ہونے کی وجہ سے۔ جس شخص کا یہ خیال ہے کہ یہ فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جس کے مطابق تقدیر کلام یوں بنتی ہے: ''یَا اَبَتِ اَتَتَّخِذُ اٰزَرَ اَصْنَامًا اٰلِهَةً'' تو یہ لغت کے اعتبار سے بہت بعید ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اداۃ استفہام کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا کیونکہ یہ صدر کلام کا تقاضا کرتا ہے۔ ابن جریر وغیرہ نے اس کی تثبیت کی ہے اور قواعد عربیہ میں یہ مشہور ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو نصیحت کی، عبادت اصنام پر انہیں ٹوکا اور منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے جیسا کہ ارشاد ہوا: وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ...... فرمایا: کیا تم نے اصنام کو اپنا معبود بنا لیا ہے، میں

1۔ اکثر علمائے اہل سنت کی رائے ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا، آزر آپ کا چچا تھا کیونکہ نبی کریم ﷺ کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر نہ تھا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: لَمْ اَزَلْ اُنْقَلُ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِیْنَ اِلٰی اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ وَالْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ'' (میں ابتداء سے آخر تک پاک لوگوں کی پشتوں سے پاک خواتین کے رحموں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہوں اور مشرک نجس ہیں)۔ کفر پر مرنے والے کی مغفرت نہیں ہوتی۔ اپنے والد کی وفات کے کئی سال بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کی تکمیل کرتے ہوئے دعا مانگی: ''رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ''۔ اگر والدین کافر ہوتے تو آپ کافر کے لئے کیوں دعائے مغفرت کرتے۔

''اَبٌ'' (باپ) کا لفظ چچا کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: ''نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا''۔ اس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے آباء میں ذکر کیا حالانکہ آپ چچا ہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: ''ردوا علی ابی''۔ یہاں ''اب'' (باپ) سے مراد آپ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔

2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 243 3۔ ایضاً، جلد 7، صفحہ 244

تمہیں اور تمہارے طریقہ کو اختیار کرنے والے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ کھلی گمراہی میں سرگرداں ہیں، حیرت اور جہل میں بھٹک رہے ہیں، ہدایت کی راہ انہیں نظر نہیں آتی، جہالت اور گمراہی میں تمہارا معاملہ ہر صاحب عقل، سلیم الفطرت کے لئے واضح اور ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے: ''وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۫ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ (مریم: 48-41)'' اور ذکر کیجئے آپ کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا۔ وہ بڑا راست باز نبی تھا۔ جب انہوں نے کہا اپنے باپ سے کہ اے میرے باپ تو کیوں عبادت کرتا ہے اس کی جو نہ کچھ سنتا ہے اور نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اے میرے باپ! بیشک آیا ہے میرے پاس وہ علم جو تیرے پاس نہیں آیا، اس لئے تو میری پیروی کر میں دکھاؤں گا تجھے سیدھا راستہ۔ اے باپ! شیطان کی پوجا نہ کیا کر۔ بے شک شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اے باپ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تجھے پہنچے عذاب (خدائے) رحمٰن کی طرف سے تو تو بن جائے شیطان کا ساتھی۔ باپ نے کہا کیا روگردانی کرنے والا ہے تو میرے خداؤں سے اے ابراہیم! اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا اور دور ہو جا میرے سامنے سے کچھ عرصہ۔ ابراہیم نے (جواب میں) کہا سلام ہو تم پر۔ میں مغفرت طلب کروں گا تیرے لئے اپنے رب سے۔ بیشک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے اور میں الگ ہو جاؤں گا تم سے اور (ان سے بھی) جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا''۔ حضرت ابراہیم اپنے باپ کے لئے جب تک وہ حیات رہے دعائے مغفرت کرتے رہے۔ جب آپ کے والد کی موت شرک پر ہوئی اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ مشرک کو استغفار کا کوئی فائدہ نہیں تو آپ نے استغفار کرنا ترک کر دیا اور بیزاری ظاہر کی جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ...... اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (التوبہ: 114)'' اور نہ تھی استغفار ابراہیم کی اپنے باپ کے لئے مگر ایک وعدہ (کو پورا کرنے) کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا اور جب ظاہر ہو گئی آپ پر یہ بات کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو آپ بیزار ہو گئے اس سے۔ بیشک ابراہیم بڑے ہی نرم دل (اور) بردبار تھے''۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ کا والد اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے اس سے بیزاری کا اظہار کر دیا۔ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ روز قیامت حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے ملیں گے تو وہ انہیں کہے گا: اے بیٹے! آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے: اے پروردگار! کیا تو نے میرے ساتھ یہ وعدہ نہیں کر رکھا کہ تو قیامت کے دن مجھے رسوا نہیں کرے گا اور آج اس سے بڑھ کر اور کونسی رسوائی ہو سکتی ہے کہ میرا باپ نامراد ہے؟ کہا جائے گا: اے ابراہیم! اپنے پیچھے دیکھو تو کیا دیکھیں گے کہ ان کے باپ کی بجائے ایک لتھڑا ہوا بجو ہے جسے ٹانگوں سے پکڑ کر آگ میں پھینک دیا جائے گا(1)۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ...... زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کے باعث ہم ابراہیم پر یہ عیاں کر دیں گے کہ ان کی تخلیق میں اس بات پر دلالت موجود ہے کہ وہ اپنی بادشاہی اور تخلیق میں وحدہ لاشریک ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب، جیسا کہ ارشاد ہے: قُلِ

1۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 387، تفسیر سورۃ الشعراء، جلد 8، صفحہ 499

اُنْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (یونس:101) ''فرمائیے غور سے دیکھو! کیا کیا (عجائبات) ہیں آسمانوں اور زمین میں) اور فرمایا: اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الاعراف:185) ''کیا انہوں نے غور سے نہیں دیکھا آسمانوں اور زمین کی وسیع مملکت میں''۔ اور فرمایا: اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ (سبا:9) ''کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ انہیں آگے اور پیچھے سے آسمان اور زمین نے گھیر رکھا ہے۔ اگر ہم چاہئیں تو دھنسا دیں انہیں زمین میں یا گرا دیں ان پر چند ٹکڑے آسمان سے۔ درحقیقت اس میں (کھلی) نشانی ہے ہر اس بندے کے لئے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے''۔ ملکوت کی وضاحت میں ابن جریر نے مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، سدی وغیرہ سے نقل کیا ہے(1)۔ الفاظ مجاہد کے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آسمان کھول دیئے گئے، آپ نے ان کے اندر ہر چیز کو دیکھ لیا حتیٰ کہ نظر عرش تک پہنچ گئی۔ اور ساتوں زمینیں کھل گئیں، آپ نے ان کے اندر موجود ہر چیز کو دیکھ لیا، پھر بندوں کے گناہوں کو دیکھ کر بددعا کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہوں، شاید کہ یہ توبہ کر کے اپنے گناہوں سے باز آجائیں۔ ابن مردویہ نے اس بارے میں دو مرفوع حدیثیں حضرت معاذ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہیں لیکن ان کی اسناد صحیح نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے زمین وآسمان کی تمام ظاہر اور مخفی چیزیں منکشف کر دیں۔ مخلوق کے اعمال تک ان پر پوشیدہ نہ رہے۔ جب آپ گنہگاروں پر لعنت بھیجنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ایسا نہیں کر سکتے اور آپ کی بددعا کو واپس لوٹا دیا پھر وہ پہلی حالت میں لوٹ آئے۔ اس لئے اس بات کا احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار آپ کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہو گئے، پردے ہٹ گئے اور آپ نے اپنی ظاہری آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر لیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مشاہدہ دل کی آنکھ سے ہو، اللہ تعالیٰ نے بصیرت عطا فرمائی اور آپ نے اپنے دل کی آنکھ سے ہر چیز کا مشاہدہ کر کے اسے پہچان لیا اور ان میں موجود اللہ تعالیٰ کی غالب حکمتوں اور قطعی دلالت کو جان لیا جیسا کہ امام احمد اور ترمذی رحمہما اللہ سے حدیث منام مروی ہے حضور فرماتے ہیں: ''میرا رب میرے پاس (عالم خواب میں) بہترین صورت میں تشریف لایا اور فرمانے لگا: اے محمد! عالم بالا میں کیا بحث ہو رہی ہے؟ میں نے عرض کی: اے رب! میں نہیں جانتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان رکھ دیا یہاں تک کہ میں نے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی۔ اب ہر چیز مجھ پر عیاں ہو گئی اور میں نے سب کچھ پہچان لیا''(2)۔

وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ بعض نے کہا ہے کہ اس میں واؤ زائدہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں زائدہ ہے: وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ (الانعام:55) ''اور اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں آیتوں کو تاکہ ظاہر ہو جائے راستہ گنہگاروں کا''۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ زائدہ نہیں ہے بلکہ اپنے معنی میں استعمال ہو رہی ہے۔ مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے وسیع بادشاہی دکھا دی تاکہ وہ صاحب علم اور صاحب ایقان ہو جائیں۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ..... جب رات چھا گئی اور انہیں اپنے پردہ میں چھپا لیا تو آپ نے ایک ستارہ دیکھا۔ کہا: (کیا) یہ میرا رب ہے؟ جب وہ ڈوب کر اوجھل ہو گیا تو آپ نے کہا کہ میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا کیونکہ غائب ہونے والی چیز خدا نہیں ہو سکتی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ کو معلوم تھا کہ ان کا رب ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہے زائل ہونے والا نہیں(3)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 245
2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب التفسیر، جلد 12، صفحہ 13-111، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 243
3۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 248

''اَفَلَ'' کا معنی ہے غائب ہونا۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا...... پھر جب چاند کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہا کیا یہ میرا رب ہے؟ جب وہ بھی ڈوب گیا تو فرمایا: اگر میرا حقیقی رب میری رہنمائی نہ فرماتا تو میں بھی اس گمراہ قوم میں سے ہوتا۔ پھر جب سورج کو جگمگاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ سب سے بڑا ہے اور سب سے زیادہ روشن ہے۔ جب وہ بھی غائب ہو گیا تو کہا: اے میری قوم! میں تمہارے شرکاء سے بیزار ہوں۔ میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جو بڑی قدرت کی مالک ہے جس نے بغیر کسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی، میں شرک سے اعراض کر کے یکسوئی کے ساتھ توحید کی طرف متوجہ ہوں، اس لئے فرمایا: وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ اس مقام پر مفسرین کا اختلاف ہے کہ کیا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام غور و تدبر ہے یا (اپنی قوم کے ساتھ) مقام مناظرہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے مقام غور و فکر قرار دیتے ہیں۔ ابن جریر نے اسے ہی اختیار کیا ہے اور اس فرمان لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ سے استدلال کیا ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہی تھی جب وہ پہلی دفعہ اس غار سے باہر نکلے تھے جہاں ان کی والدہ نے انہیں جنم دیا تھا۔ کیونکہ نمرود بن کنعان کے خوف سے وہ اس غار میں پناہ گزیں ہو گئی تھیں۔ واقعہ یوں ہے کہ نمرود کو نجومیوں نے بتایا کہ اس کی سلطنت میں ایک ایسا بچہ ہونے والا ہے جس کے ہاتھوں اس کی سلطنت برباد ہو گی۔ تو اس نے اس سال پیدا ہونے والے تمام بچوں کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ جب حضرت ابراہیم کی والدہ حاملہ ہوئیں اور وضع حمل کا وقت قریب آ گیا تو آپ انہیں لیکر شہر سے باہر ایک غار میں چلی گئیں۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنم دیا اور وہاں ہی چھوڑ دیا۔ دوسرے مفسرین کی طرح ابن جریر نے بھی آپ کے متعلق کافی خارق عادت چیزوں کا تذکرہ کیا ہے (1)۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کے مقابلے میں اس مقام پر ایک مناظر کی حیثیت رکھتے ہیں اسی لئے تو ان کے بے جان مجسموں اور بتوں کا بطلان کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مقام اول میں اپنے والد کے ساتھ گفتگو میں عبادت اصنام کی غلطی کو منکشف کیا، وہ اصنام جو انہوں نے زمین پر آسمانی ملائکہ کی شکل میں بنا رکھے تھے تاکہ یہ بے جان ڈھانچے خالق عظیم کے سامنے ان کی شفاعت کریں حالانکہ یہ اصنام ان کی اپنی نظروں میں بہت حقیر تھے اور اس قابل نہ تھے کہ ان کی عبادت کریں، بلکہ وہ تو ملائکہ کی عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ تک رسائی کا وسیلہ پکڑتے تھے تاکہ وہ ان کے لئے اللہ کے ہاں رزق، فتح و نصرت اور دوسری ضروری چیزوں کی سفارش کریں چنانچہ عبادت ہیاکل کے بارے میں ان کی غلطی اور گمراہی واضح ہو گئی۔ یہ ہیاکل (مجسمے اور پتلے) سات سیاروں کے تھے: قمر، عطارد، زہرہ، شمس، مریخ، مشتری اور زحل۔ ان کے نزدیک سب سے زیادہ روشن اور افضل سورج تھا، پھر قمر، پھر زہرہ۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بیان کیا کہ زہرہ ستارے کو لیں، یہ معبود بننے کی صلاحت نہیں رکھتا کیونکہ یہ خود پابند ہے، ایک معین رفتار سے چلتا ہے، اپنے مدار پر چلتا ہے، دائیں بائیں نہیں جھک سکتا اور اپنے لئے بھی کچھ تصرف کرنے پر قادر نہیں ہے بلکہ یہ تو اجرام فلکی میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے روشن پیدا کیا ہے کیونکہ اس میں اس کی بہت سی عظیم حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ یہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے پھر مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت طے کرتے کرتے نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے، پھر اسی طریقہ سے اگلی رات کو نمودار ہوتا ہے۔ جب اس کی اپنی یہ کیفیت ہے کہ یہ مجبور محض اور بے بس ہے تو کیونکر یہ معبود بن سکتا ہے۔ پھر آپ قمر کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور وہی کچھ بیان کرتے ہیں جو زہرہ کے بارے میں بیان کیا تھا۔ پھر اسی طرح سورج کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جب سب سے زیادہ روشن

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 50-249

ان اجرام ثلاثہ کی الوہیت کی نفی ہوگئی، ان باطل خداؤں کی خدائی پر کاری ضرب لگا دی اور قطعی دلیل سے یہ بات ثابت ہوگئی تو کہا: قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ یعنی میں ان کی عبادت اور اطاعت سے لاتعلق ہوں۔ اگر یہ واقعی خدا ہیں تو تم ان سب کو لیکر میرے خلاف تدبیر کرو اور میرے ساتھ ذرا بھی رعایت نہ کرو۔ میں نے تو اپنا رخ اس ذات کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ایجاد کیا، یکسو ہوکر اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں، یعنی میں تو اس ذات کی عبادت کرتا ہوں جس نے ان اشیاء کو بغیر مثال کے پیدا فرمایا، ہر چیز اس کے دائرہ اختیار میں ہے وہ تمام چیزوں کا انتظام فرمانے والا ہے، ہر چیز کی بادشاہی اس کے قبضہ قدرت میں ہے، وہی ہر چیز کا خالق، رب، مالک اور معبود ہے۔ جیسا کہ فرمایا: اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (الاعراف: 54) ''بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا عرش پر (جیسے اسے زیبا ہے) ڈھانکتا ہے رات سے دن کو درآں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے اور (پیدا فرمایا) سورج اور چاند اور ستاروں کو وہ سب پابند ہیں اس کے حکم کے۔ سن لو! اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''۔ چنانچہ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مقام پر غور وفکر کرنے والے ہوں اور پہلے شرک کے خیالات میں مبتلا ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ تو خود ان کی براءت کا اظہار فرما رہا ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (الانبیاء: 52-51) ''اور یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم علیہ السلام کو ان کی دانائی اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔ یاد کرو جب آپ نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پوجا پاٹ پر تم جمے بیٹھے ہو''۔ اور فرمایا: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ اجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل: 23-120) ''بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے۔ اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے۔ وہ (ہر لحہ) شکر گزار تھے اللہ تعالیٰ کی (پیہم) نعمتوں کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا اور انہیں ہدایت فرمائی سیدھے راستہ کی طرف۔ اور ہم نے مرحمت فرمائی انہیں دنیا میں بھی (ہر طرح کی) بھلائی اور وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب!) آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملت ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا''۔ اور فرمایا: قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام: 161) ''آپ فرمائیے بے شک مجھے پہنچا دیا ہے میرے رب نے سیدھی راہ تک یعنی دین مستحکم (جو) ملت ابراہیم علیہ السلام ہے جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے اور نہیں تھے وہ مشرکوں سے''۔ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ (ہر بچہ فطرت سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے''۔

صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ خَلَقْتُ عِبَادِيْ حُنَفَاءَ(1) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بندوں کو حنیف (باطل سے منہ موڑ کر خدا کی طرف رجوع کرنے والا) پیدا کیا ہے''۔ اللہ تعالیٰ اسی چیز کو بیان فرماتا ہے: فِطْرَتَ اللّٰهِ

1۔ یہ دونوں حدیثیں سورۂ نساء: 119 کے تحت گزر چکی ہیں۔ ان کی تخریج وہاں دیکھئے۔

الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۭ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (الروم:30) "(مضبوطی سے پکڑلو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔ کوئی ردوبدل نہیں ہوسکتا اللہ کی تخلیق میں"۔ اور فرمایا: وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى (الاعراف:172) "اور (اے محبوب) یاد کرو جب نکالا آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو اور گواہ بنادیا خود ان کو ان کے نفسوں پر (اور پوچھا) کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا بیشک تو ہی ہمارا رب ہے"۔ ایک قول کی رو سے اس کا معنی وہی ہے جو "فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا" کا ہے۔ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔ جب تمام مخلوق کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ ان کی فطرت میں خداپرستی اور اعتراف عبودیت کی صفت رکھ دی گئی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ توحید باری تعالیٰ اور خداشناسی کے معاملہ میں متردد تھے حالانکہ آپ امت تھے، اللہ کے اطاعت گزار، مخلص اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے اور مشرک نہیں تھے، بلکہ آپ تو رسول اللہ ﷺ کے بعد بغیر کسی شک وشبہ کے تمام لوگوں سے زیادہ فطرت سلیمہ کے مالک تھے۔ آپ اپنی قوم کے مقابلے میں مناظر تھے نہ کہ ناظر (غوروفکر کرنے والے) اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۸۳﴾

"اور جھگڑنے لگی ان سے ان کی قوم آپ نے کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ اس نے ہدایت دیدی ہے مجھے۔ اور نہیں ڈرتا میں ان سے جنہیں تم شریک بناتے ہو اس کا۔ مگر یہ کہ چاہے میرا ہی پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا، گھیرے ہوئے ہے میرا رب ہر چیز کو (اپنے) علم سے تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرو گے اور کیسے ڈروں میں (ان سے) جنہیں تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے حالانکہ تم نہیں ڈرتے (اس سے) کہ تم نے شریک بنایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسے کہ نہیں اتاری اللہ نے اس کے متعلق تم پر کوئی دلیل تو (تم ہی بتاؤ) دونوں فریقوں سے کون زیادہ حقدار ہے امن (وسلامتی) کا؟ اگر تم (کچھ) جانتے ہو۔ وہ جو ایمان لائے اور نہ ملایا انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے انہیں کے لئے ہی امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے دی تھی ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں۔ ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے چاہتے ہیں، بے شک آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خبر دے رہا ہے جب توحید کے متعلق آپ کی قوم آپ سے مناظرہ ومجادلہ کر رہی تھی فرمایا: اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ کیا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو۔ وہ تو وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں،

اس نے مجھے بصیرت عطا فرمائی، حق کی طرف راہ دکھائی اور میں اس کی طرف سے ہی (یکتائی کی) دلیل پر قائم ہوں اس لئے میں کیونکر تمہارے اقوال فاسدہ اور شبہات باطلہ کی طرف متوجہ ہو سکتا ہوں۔

وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ...... تمہارے قول کے بطلان پر میرے پاس یہ دلیل ہے کہ تمہارے یہ خدا جن کی تم پرستش کرتے ہو کسی چیز میں اثر انداز نہیں ہو سکتے، نہ میں ان سے ڈرتا ہوں اور نہ ان کی مجھے ذرا بھی پرواہ ہے، اگر یہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو تم انہیں لیکر میرے مقابلے میں آ جاؤ، جلدی کرلو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـــًٔا یہ استثناء منقطع ہے، یعنی نفع ونقصان پہنچانے کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہی کچھ بگاڑ سکتا ہے اگر چاہے تو۔ کیونکہ اس کا علم تمام چیزوں کو محیط ہے اور کوئی بھی چیز اس پر مخفی نہیں۔ تو میں جو کچھ تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں کیا تم اس سے نصیحت نہیں پکڑتے؟ کیا تم عبرت حاصل نہیں کرتے کہ تمہارے یہ خود ساختہ معبود باطل ہیں تاکہ تم ان کی عبادت سے باز آ جاؤ یہ دلیل ایسی ہی ہے جیسی حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم عاد کے سامنے پیش کی تھی، قرآن کریم نے اسے اس طرح بیان فرمایا ہے: قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَ مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ (ہود: 56-53) ''انہوں نے کہا اے ہود! نہیں لے آیا تو ہمارے پاس کوئی دلیل اور نہیں ہیں ہم چھوڑنے والے اپنے خداؤں کو تمہارے کہنے سے اور نہیں ہیں ہم تجھ پر ایمان لانے والے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ مبتلا کر دیا ہے تجھے ہمارے کسی خدا نے دماغی خلل میں۔ ہود نے کہا میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان بتوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو، اس کے سوا پس سازش کرلو میرے خلاف سب مل کر پھر مجھے مہلت نہ دو۔ بلاشبہ میں نے بھروسہ کرلیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کوئی جاندار بھی ایسا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے''۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ...... میں ان اصنام سے کیوں ڈروں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو حالانکہ تم نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہرالیا ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی۔ یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک سلطان کا معنی دلیل ہے، جس طرح یہ آیت ہے: اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ (الشوریٰ: 21) ''کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے مقرر کیا ہے ان کے لئے ایسا دین جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی''۔ اور اسی طرح یہ فرمان: اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (النجم: 23) ''نہیں ہیں یہ مگر محض نام جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں نازل کی اللہ نے ان کے بارے میں کوئی سند''۔

فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ...... وہ دو گروہ جن میں سے ایک اس ذات کی عبادت میں مشغول رہا جو نفع ونقصان کا مالک ہے اور دوسرا گروہ جو ان بتوں کی عبادت کرتا رہا جو نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان، جب قیامت کا دن ہوگا تو ان میں سے کون اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون ہونے کا مستحق ہوگا؟ فرمایا کہ قیامت کے دن وہی لوگ امن والے اور ہدایت یافتہ ہوں گے جو صرف اس ذات یکتا و بے ہمتا کی عبادت کرتے رہے اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ نہ ہونے دیا۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ جب یہ آیت وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اتری تو صحابہ عرض کرنے لگے: ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے آپ

پر ظلم نہ کیا ہو؟ تو یہ آیت اتری: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان: 13)۔ ''یعنی ظلم عظیم تو شرک ہے'' (1)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ جب مذکورہ بالا آیت اتری تو لوگوں پر بہت شاق گزری، عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہ کیا ہو؟ فرمایا: اس کا مطلب وہ نہیں جو تم لے رہے ہو، کیا تم نے عبد صالح (لقمان حکیم) کا قول نہیں سنا (2)۔ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۛ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان: 13) ''اے میرے فرزند! کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا۔ یقیناً شرک ظلم عظیم ہے''، یعنی ظلم سے مراد شرک ہے۔

متعدد صحابہ سے یہ حدیث مروی ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے کہا گیا ہے کہ تم ان اہل ایمان میں سے ہو''۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں باہر نکلے۔ جب مدینہ سے باہر ہوئے تو اچانک ایک سوار ہماری طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گویا کہ یہ سوار تمہاری ملاقات کے ارادہ سے آرہا ہے، وہ سوار جب ہمارے پاس پہنچا تو ہمیں سلام کیا، ہم نے سلام کا جواب دیا، نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کہاں سے آئے ہو؟'' عرض کی: رسول اللہ ﷺ سے ملنے کی خواہش ہے، فرمایا: ''تم نے اپنا مطلوب پالیا ہے'' اس نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے سکھائیے کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔'' اس نے کہا کہ میں نے (ان سب باتوں کا) اقرار کرلیا۔ جب وہ روانہ ہونے لگا تو اس کے اونٹ کا پاؤں چوہوں کے بل میں پھنس گیا، اس کا اونٹ گرا اور وہ بھی ساتھ ہی سر کے بل گر پڑا اور مر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس آدمی کو میرے پاس لایا جائے'' حضرات عمار بن یاسر اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم جلدی سے اٹھالائے اور آدمی کو بٹھا دیا اور عرض کی: یارسول اللہ! یہ آدمی تو مرچکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ذرا توقف کے بعد انہیں فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اس آدمی کی طرف سے منہ کیوں پھیرا؟ میں نے دو فرشتوں کو دیکھا جو جنت کے پھل اس کے منہ میں ڈال رہے تھے تو مجھے پتہ چل گیا کہ یہ بھوکا مرا ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ان خوش بختوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ پھر فرمایا: ''اپنے بھائی کو لو اور اس کا انتظام کرو'' چنانچہ ہم اسے اٹھا کر لے گئے، غسل دیا، خوشبو لگائی، کفن پہنایا اور اٹھا کر قبر تک لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور فرمایا: لحد (بغلی قبر) بناؤ، شق (کھلی قبر) نہیں کیونکہ لحد ہمارے لئے ہے اور شق دوسروں کے لئے اور یہ ان لوگوں میں سے تھا جو عمل تھوڑا کرتے ہیں لیکن اجر زیادہ ملتا ہے'' (3)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس روایت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے کہ ایک اعرابی سامنے آ گیا۔ اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں اپنا وطن، گھر بار اور مال و اسباب چھوڑ کر حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ کے طفیل ہدایت پاؤں اور آپ کے فرامین حاصل کروں۔ میں اس طرح آپ تک پہنچا ہوں کہ زمین کے سبزہ پر گزارہ کرتا رہا۔ اب مجھے دین کی تعلیمات سے آگاہ کریں۔ آپ ﷺ نے دین پیش کیا تو اس نے قبول کرلیا۔ ہم اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ وہ جانے لگا تو اس کے اونٹ کا پاؤں چوہوں کے بل میں پھنس گیا۔ اعرابی گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا، اس نے سچ کہا تھا کہ وہ اپنے وطن، اہل و عیال اور مال و

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ انعام، جلد 8، صفحہ 294 2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 378 3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 359

اسباب کو چھوڑ کر اس مقصد کے لئے آیا ہے تا کہ وہ میرے طفیل راہ ہدایت پالے، میری باتیں سنے، یہ آدمی مجھ تک اس حال میں پہنچا کہ دوران سفر اسے زمین کا سبزہ ہی بطور خوراک میسر تھا، کیا تم نے ایسے لوگوں کے بارے میں سن رکھا ہے جن کا عمل قلیل ہو لیکن اجر کثیر ہو؟ یہ ان میں سے ہے۔ کیا تم نے ایسے لوگوں کے بارے میں سنا ہے جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ شرک کی آمیزش نہ کی انہی لوگوں کے لئے امن ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں؟ بلاشبہ یہ بھی انہی میں سے ہے۔'' ایک روایت میں یہ ہے: ''اس نے عمل کم کیا اور اجر زیادہ پایا۔'' حضرت عبداللہ بن سنجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جسے عطا کیا گیا تو اس نے شکر ادا کیا، جسے نہ دیا گیا تو اس نے صبر کیا، جس نے ظلم کیا اور پھر مغفرت طلب کی اور جس پر ظلم ہوا تو اس نے معاف کر دیا'' اتنا کہہ کر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس شخص کو کیا اجر ملے گا؟ فرمایا: اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (1)۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ...... یعنی ہم نے ابراہیم کو مناظرہ کے وقت قوم کے خلاف حجت عطا فرمائی۔ مجاہد وغیرہ اس حجت سے مراد وہ حجت لیتے ہیں جس کا ذکر اس آیت میں ہے: وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ...... اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے امن و ہدایت کا فیصلہ فرما دیا، ارشاد ہوتا ہے: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ پھر فرمایا: وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ...... یہاں دَرَجٰت کا لفظ اضافت اور بغیر اضافت کے دونوں طرح پڑھا گیا ہے جیسا کہ سورۂ یوسف میں ہے، دونوں صورتوں میں معنی تقریباً ایک جیسا ہی ہوگا۔

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ تمہارا پروردگار اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے، وہ جانتا ہے کہ کس کو اس نے ہدایت دینی ہے اور کس کو گمراہ کرنا ہے اگرچہ اس پر بہت سے دلائل و براہین قائم ہو جائیں۔ جس طرح فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس: 97-96) ''بیشک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آ جائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب''۔ اسی لئے یہاں فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْــَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾

''اور ہم نے عطا فرمائے انہیں اسحٰق اور یعقوب، ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور نوح کو ہدایت دی تھی ان سے پہلے اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو (راہ راست دکھائی) اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں

1۔ ابن مردویہ، معجم طبرانی کبیر، جلد 7، صفحہ 138

نیکو کاروں کو۔ اور (ہم نے ہدایت دی) زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو (یہ) سب صالحین میں سے تھے۔ اور (ہدایت دی) اسمٰعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور ان سب کو ہم نے فضیلت دی سارے جہان والوں پر۔ اور ہدایت دی ان کے کچھ باپ دادوں اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں کو اور ہم نے چن لیا ان (سب کو) اور ہدایت دی ان (سب) کو راہ راست کی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے رہنمائی کرتا ہے اس کے ساتھ جس کی چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ضائع ہو جاتا ان سے وہ (عمل) جو وہ کیا کرتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے ہم نے عطا کی تھی جنہیں کتاب اور حکمت اور نبوت، تو اگر انکار کریں اس کا یہ (مکہ والے) تو ہم نے مقرر کر دیئے ہیں اس کو ماننے کے لئے ایسے لوگ جو اس کے ساتھ کفر کرنے والے نہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہدایت دی تھی اللہ نے تو انہیں کے طریقہ کی پیروی کرو۔ آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا تم سے اس (تبلیغ قرآن) پر کوئی اجرت، نہیں ہے وہ (قرآن) مگر نصیحت سارے جہانوں کے لئے''۔

اللہ تعالیٰ ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اسحاق جیسا بیٹا عطا فرمایا حالانکہ آپ کافی عمر رسیدہ ہو چکے تھے، آپ اور آپ کی زوجہ محترمہ دونوں اولاد سے مایوس ہو چکے تھے۔ فرشتے جو قوم لوط کی طرف جا رہے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں میاں بیوی کو اسحاق کی خوشخبری دی۔ آپ کی زوجہ محترمہ نہایت تعجب سے کہنے لگیں: يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (ہود: 73-72) ''وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔ بلاشبہ یہ تو عجیب و غریب بات ہے فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو! بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے''۔ فرشتوں نے نہ صرف اسحاق کی خوشخبری دی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کی نبوت اور نسل کے برقرار رہنے کی بھی بشارت سنائی جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (الصافات: 112) ''اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحٰق کی (کہ) وہ نبی ہوگا (زمرہ) صالحین میں سے)۔ یہ کمال درجے کی بشارت اور عظیم نعمت ہے فرمایا: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَاۗءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (ہود: 71) ''تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحاق کی۔ اور اسحاق کے بعد یعقوب کی''۔ یعنی تمہاری زندگی میں ہی اس مولود (اسحٰق) کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جس سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ بیٹا اور پوتا دونوں باعث سکون و راحت ہوں گے۔ پوتے کی ولادت سے چونکہ نسل برقرار رہتی ہے اس لئے اس کی ولادت سے خوشی دوچند ہو جاتی ہے۔ بوڑھا اور بڑھیا کے بارے میں عموماً یہی خیال کیا جاتا ہے کہ ان کے ہاں بوجہ ضعف اولاد پیدا نہیں ہو سکتی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے بیٹے کی بشارت دی جو ان عمر رسیدہ میاں بیوی کے ہاں پیدا ہوگا اور مزید کرم یہ کیا کہ ساتھ ہی ایسے پوتے کی بھی خوشخبری دے دی جس کی نسل برقرار رہے گی کیونکہ یعقوب عقب سے بنا ہے جس میں نسل اور اولاد کا معنی پایا جاتا ہے۔ یہ صلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمایا جب انہوں نے رضائے الٰہی کی خاطر اپنی قوم سے ناطہ توڑ دیا، ان سے الگ تھلگ ہو گئے اور عبادت الٰہی کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ کر دور دراز چل دیئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوم اور خاندان کے بدلہ میں صلبی صالح اولاد عطا فرمائی جو آپ کے ہی دین پر قائم رہے تاکہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، ارشاد ہوتا ہے: فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا (مریم: 49) ''پس جب وہ جدا ہو گیا ان سے اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تو عطا فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب۔

اور سب کو ہم نے نبی بنایا''۔ اور یہاں فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا۔

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ...... اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی اور ابراہیم علیہ السلام کو نیک اولاد عطا فرمائی اور دونوں (اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام) عظیم خصوصیات کے مالک ہیں۔ جہاں تک حضرت نوح علیہ السلام کا تعلق ہے تو طوفان نوح میں تمام اہل زمین غرق ہو گئے صرف وہی سعادت مند باقی رہے جو آپ پر ایمان لائے اور یہ وہی ہیں جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے، یہی وہ لوگ ہیں جو آپ کی ذریت ہیں اور تمام لوگ آپ کی اولاد میں سے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کے بعد جو بھی نبی آیا وہ آپ کی اولاد میں سے تھا جس طرح ارشاد ہے: وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ''۔ اور فرمایا: ''وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ (الحدید:26)'' اور ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے رکھ دی ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب''۔ اور فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا (مریم:58)'' یہ وہ (مقدس ہستیاں ہیں) جن پر انعام فرمایا اللہ تعالیٰ نے انبیاء (کرام کے زمرہ) سے یہ آدم کی اولاد سے تھے اور بعض ان کی اولاد جن کو ہم نے سوار کیا تھا (کشتی میں) نوح علیہ السلام کے ساتھ اور بعض ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے تھے۔ اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا۔ جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے رحمٰن کی آیتیں تو وہ گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور (زاروقطار) روتے ہوئے''۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ ہم نے آپ (ابراہیم) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو بھی ہدایت دی۔ ''ذُرِّيَّتِهٖ'' میں ضمیر کا مرجع نوح علیہ السلام کو بنائیں تو یہ بات واضح ہے جس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ یہ مرجع سب سے زیادہ قریب ہے (1)۔ اور اگر ضمیر کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹائیں تو بھی اچھا ہے کیونکہ سیاق کلام اسی کا تقاضا کرتا ہے لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ اس طرح حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں شمار ہوں گے حالانکہ آپ اولاد میں سے نہیں بلکہ آپ کے بھتیجے ہیں، ہاں یہ ممکن کہ بطور تغلیب آپ کو اپنی اولاد میں شامل کر لیا ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو تغلیباً حضرت یعقوب علیہ السلام کے آباء میں داخل کیا گیا ہے حالانکہ آپ تو چچا تھے: اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرہ:133)'' بھلا کیا تم (اس وقت) موجود تھے جب آپہنچی یعقوب علیہ السلام کو موت۔ جب کہ پوچھا اس نے اپنے بیٹوں سے کہ تم کس کی عبادت کرو گے میرے (انتقال کر جانے) کے بعد۔ انہوں نے عرض کی ہم عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے بزرگوں ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام کے خدا کی جو خدائے وحدہ لاشریک ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے''۔ اور جس طرح اس فرمان میں ہے: فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۙ اِلَّآ اِبْلِيْسَ (الحجر:30)'' پس سربسجود ہو گئے فرشتے سارے کے سارے۔ سوائے ابلیس کے''۔ ملائکہ کو حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو اس حکم میں ابلیس بھی شامل تھا اور مخالفت کے باعث مذموم ٹھہرا، چونکہ وہ فرشتوں کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا اس لئے ان جیسا معاملہ کرتے ہوئے تغلیباً اسے بھی ان کے ساتھ اس حکم میں شامل کر دیا ورنہ وہ تو جنوں میں سے تھا جس کی تخلیق آگ سے ہوئی تھی اور فرشتوں کی تخلیق نور سے ہوئی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ابراہیم علیہ السلام یا نوح علیہ السلام کی

5۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 260

اولاد میں ہوا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیٹی کی اولاد بھی مرد کی نسل میں ہی شمار کی جاتی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بن باپ پیدا ہوئے۔ آپ کو آپ کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام کے واسطے سے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حجاج نے یحییٰ بن یعمر کو بلا بھیجا اور کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) نبی کریم ﷺ کی ذریت سے ہیں اور یہ دعویٰ بھی کرتے ہو کہ اس کا ثبوت قرآن کریم میں موجود ہے۔ میں نے سارا قرآن پڑھا ہے مجھے تو کہیں یہ چیز نظر نہیں آئی؟ آپ نے فرمایا: کیا تم نے سورۂ انعام پڑھی ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ...... وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى حجاج نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: کیا عیسیٰ ذریت ابراہیم میں سے نہیں ہیں حالانکہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے؟ اس نے کہا کہ آپ نے سچ کہا ہے، یعنی بیٹی کے سبب سے ذریت میں شمار کئے گئے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی ذریت کے لئے وصیت کرتا ہے، یا کوئی چیز وقف کر دیتا ہے یا انہیں کچھ ہبہ کر دیتا ہے تو اس میں بیٹیوں کی اولاد بھی شامل ہوگی لیکن اگر وہ اپنے بیٹوں کو کچھ عطا کرے یا کوئی چیز وقف کر دے تو اس صورت میں صرف صلبی بیٹے اور پوتے ہی مستحق ہوں گے۔ انہوں نے عربی شاعر کے شعر سے دلیل پکڑی ہے جو کہتا ہے کہ ہمارے بیٹے وہی ہیں جو ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے تو اجنبیوں کے بیٹے ہیں۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ بیٹیوں کے بیٹے بھی ان میں داخل ہوں گے اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو یہ فرمانا ہے: إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ(1)۔ ''میرا یہ بیٹا سید ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا''۔ تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بیٹا کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ بھی نبی کریم ﷺ کے بیٹوں میں داخل ہیں۔ چند دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ یہ حقیقت نہیں بلکہ تجوز ہے۔

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ یہاں ان کے اصول، فروع اور ہم طبقہ حضرات کا ذکر کیا اور یہ بھی بیان کیا کہ ہدایت اور برگزیدگی میں سب شامل ہیں اسی لئے فرمایا: وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ پھر فرمایا: ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ یعنی انہیں یہ مقام اللہ تعالیٰ کی توفیق اور ہدایت کے سبب حاصل ہوا۔

وَلَوْ اَشْرَكُوْا...... اگر وہ شرک کرتے تو ان کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے۔ یہاں شرک کے معاملہ کی شدت، سنگینی اور اس کے ارتکاب کی مذمت بیان کرنا مقصود ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر:65) ''اور بیشک وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے۔ کہ اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال''۔ یہ جملہ شرطیہ ہے اور شرط کے لئے ضروری نہیں کہ وہ لازماً واقع ہو جس طرح فرمان ہے: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (الزخرف:81) ''آپ فرمائیے (بفرض محال) اگر رحمٰن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا''۔ اور جیسا کہ فرمایا: لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ (الانبیاء:17) ''اگر ہمیں یہی منظور ہوتا کہ ہم (اس کائنات کو) کھیل تماشہ بنائیں تو ہم بنا لیتے اسے خود بخود (ہمیں کون روک سکتا تھا) مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں''۔ اور جس طرح یہ ارشاد ہے: لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۖ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (الزمر:4) ''اگر اللہ چاہتا کہ کسی کو بیٹا بنائے تو چن لیتا اپنی مخلوق سے جس کو چاہتا۔ وہ پاک ہے۔ وہی اللہ ہے جو ایک ہے سب سے زبردست''۔

1۔ فتح الباری، کتاب الصلح، جلد 5، صفحہ 307، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 7، صفحہ 94

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ...... یہی وہ ہستیاں ہیں جنہیں ہم نے کتاب، حکمت اور نبوت سے سرفراز کیا۔ ان کے باعث ہم نے اپنے بندوں پر لطف و کرم کیا اور بے پایاں رحمت سے نوازا اور ہدایت کی شاہراہ کو روشن کیا۔ اب بھی اگر مکہ والے نبوت کا انکار کر دیں اور اللہ کی ان نعمتوں کو فراموش کر دیں تو ہم ان کے بدلے میں ایسے لوگ (مہاجرین، انصار) مقرر کر دیں گے جو ہماری کسی بات کا انکار نہیں کریں گے اور نہ ہی ایک حرف تک کو رد کریں گے بلکہ تمام قرآن کریم پر محکم ہو یا متشابہ ایمان لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ہمیں بھی ان اہل ایمان میں سے بنادے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ...... اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ یہ انبیاء جن کا ذکر ان کے آباء، ذریت اور اخوان کے ساتھ ہوا ہے، یہی ہدایت یافتہ ہیں سو ان کی اقتداء اور اتباع کریں۔ جب رسول کریم ﷺ کو یہ حکم ہے تو آپ ﷺ کی امت تو آپ ﷺ کی شریعت کے تابع اور آپ ﷺ کے حکم کی غلام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا کہ کیا سورۂ صٓ میں سجدہ ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ...... فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ پھر فرمایا کہ وہ ان میں سے ہے (1)۔

قُلْ لَّاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا...... آپ فرمادیں کہ میں قرآن کریم کی تبلیغ پر نہ تو اجرت کا طلب گار ہوں اور نہ تم سے کسی چیز کا خواہش مند۔ یہ قرآن تو سارے جہانوں کے لئے نصیحت ہے تاکہ وہ گمراہی سے ہدایت اور کفر سے ایمان کی طرف لوٹ آئیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

''اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر پہچاننے کا۔ جب کہا انہوں نے کہ نہیں اتاری اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز (یعنی وحی)۔ آپ پوچھئے کس نے اتاری تھی وہ کتاب جسے لے آئے تھے موسیٰ (جو سراسر) نور تھی اور (سراپا) ہدایت تھی لوگوں کے لئے، تم نے بنا لیا ہے اسے الگ الگ کاغذ ظاہر کرتے ہو اسے اور چھپا لیتے ہو (اس کا) بہت سا (حصہ) اور تمہیں سکھایا گیا جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ آپ فرمادیجئے اللہ! پھر چھوڑ دیجئے انہیں (تاکہ) وہ اپنی بیہودہ باتوں میں کھیلتے رہیں اور یہ (قرآن) کتاب ہے۔ ہم نے اتارا ہے اس کو بابرکت ہے تصدیق کرنے والی ہے اس (وحی) کی جو اس سے پہلے (نازل ہوئی) اور اس لئے تاکہ ڈرائیں آپ مکہ (والوں) کو اور جو اس کے اردگرد ہیں۔ اور جو ایمان لائے ہیں آخرت کے ساتھ وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر (بھی) اور وہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں''۔

جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجانہ لائے۔ حضرات ابن عباس، مجاہد اور عبد اللہ بن کثیر کہتے

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ انعام، جلد 8، صفحہ 294

ہیں کہ یہ آیت قریش کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ بعض کے نزدیک یہ آیت یہود کی ایک جماعت کے حق میں نازل ہوئی۔ بعض کا یہ کہنا ہے کہ فنحاص نامی یہودی کے بارے میں یہ آیت اتری اور ایک چوتھا قول یہ ہے کہ یہود کے ایک آدمی مالک بن صیف کے متعلق اتری۔ ان بدبختوں نے کہا: مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ۔ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ یہ آیت کریمہ مکی ہے اور یہود (جو مدینہ میں تھے) آسمان سے وحی الٰہی اور کتابوں کے نزول کا انکار نہیں کرتے تھے، البتہ قریش اور تمام عرب صرف اس بناء پر حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے تھے کہ آپ ﷺ بشر ہیں جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا: اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ (یونس:2) ''کیا (یہ بات) لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے وحی بھیجی ایک مرد (کامل) پر جو ان میں سے ہے کہ ڈراؤ لوگوں کو''۔ اور جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے: وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓىِٕكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل:94) ''اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی ان کے پاس ہدایت مگر اس چیز نے کہ انہوں نے کہا کہ کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر! (ایسا نہیں ہو سکتا) فرمائیے اگر ہوتے زمین میں (انسانوں کی بجائے) فرشتے جو اس پر چلتے (اور اس میں) سکونت اختیار کرتے تو ہم (ان کی ہدایت کے لئے) ان پر اتارتے آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر''۔ اور یہاں فرمایا: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ۔

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ...... اے محبوب! آپ انزال کتب کا انکار کرنے والوں سے فرما دیں کہ یہ کتاب تورات کس نے نازل کی ہے جس کے بارے میں تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمران کو عطا فرمایا تھا، یہ کتاب سراپا نور اور ہدایت ہے تاکہ لوگ اس سے اپنی مشکلات کے ازالہ کے لئے روشنی پائیں اور شبہات کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کر سکیں، لیکن تم ایسے بدبخت ہو کہ تم تورات کو ورق ورق کر کے اور پارہ پارہ کر کے اصل کتاب سے لکھتے ہو، اس میں تحریف، تبدیل اور من گھڑت تاویلات کا ارتکاب کر کے یہ دعویٰ کرتے ہو کہ یہ بھی وحی الٰہی ہے جس کا ذکر اس کتاب میں موجود ہے حالانکہ یہ نہ تو اس میں موجود ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے اسی لئے فرمایا: تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا۔

وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَلَاۤ اٰبَآؤُكُمْ قرآن کریم کو کس نے اتارا جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ماضی اور مستقبل کے حالات سے آگاہ کر دیا ہے جنہیں نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے مخاطب مشرکین ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمان ہیں۔

قُلِ اللّٰهُ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں ''اللّٰهُ'' لفظ جلالۃ کی خبر ''اَنْزَلَهٗ'' مقدر ہے یعنی آپ فرما دیں کہ اسے اللہ ہی نے اتارا ہے۔ اس کلمہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول معین ہے، ایسا نہیں جیسا کہ بعض متاخرین نے کہا ہے کہ انہیں خطاب صرف ایک کلمہ (اللہ) سے ہے۔ اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ ایک مفرد کلمہ بھی جملہ بن سکتا ہے حالانکہ لغت عرب میں مفرد کلمہ کا لانا کوئی مفید اور مکمل کلام متصور نہیں ہوتا جس پر مخاطب کی تسلی ہو جائے۔

ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ آپ انہیں بادیہ ضلالت و جہالت میں بھٹکنے دیں یہاں تک کہ ان کے پاس پیام اجل آ جائے تو اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 269

وقت ان کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتر جائے گی اور وہ جان لیں گے کہ انجام خیر کس کا ہے، ان کا یا اللہ کے متقی بندوں کا؟

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ...... یہ عظیم الشان کتاب جسے ہم نے اتارا ہے، بڑی بابرکت ہے اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اس کے اتارنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اہل مکہ، اس کے اردگرد بسنے والوں اور تمام بنی نوع انسان کو بروقت خبردار کریں۔ آپ ﷺ کی رسالت آفاقی اور ہمہ گیر ہے جیسا کہ فرمایا: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف: 158) ’’آپ فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف‘‘۔ اور فرمایا: لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام: 19) ’’تا کہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے‘‘۔ اور ارشاد ہوا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود: 17) ’’اور جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے‘‘۔ اسی طرح ارشاد ہوا: تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان: 1) ’’بڑی (خیر و) برکت والا ہے وہ جس نے اتارا ہے الفرقان اپنے (محبوب) بندہ پر تا کہ وہ بن جائے سارے جہان والوں کو (غضب الٰہی سے) ڈرانے والا‘‘۔ اور فرمایا: وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ (آل عمران: 20) ’’اور کہئے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی اور ان پڑھوں سے کہ کیا تم اسلام لائے پس اگر وہ اسلام لے آئیں جب تو ہدایت پا گئے اور اگر منہ پھیر لیں تو اتنا ہی آپ کے ذمہ تھا کہ آپ پیغام پہنچا دیں (جو آپ نے پہنچا دیا) اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو‘‘۔ اس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے پانچ خصوصیات سے نوازا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہ ہوئیں، آپ ﷺ نے ان تمام کا ذکر فرمایا ان میں سے ایک ہے: ’’پہلے ہر نبی ایک مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے‘‘(1)۔ اسی لئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ یعنی ہر وہ شخص جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا وہ اس بابرکت کتاب پر بھی ایمان لائے گا جو کتاب (قرآن) اے محمد ہم نے آپ پر نازل کی ہے۔

وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ یہ صرف کتاب اللہ پر ایمان ہی نہیں لاتے بلکہ ایسے سعادت مند ہیں کہ جو نمازیں اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کی ہیں پابندی سے ان کی ادائیگی کرتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿93﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۗؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿94﴾

’’اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا یا کہے کہ وحی کی گئی ہے میری طرف حالانکہ نہیں وحی کی گئی اس

6۔ یہ حدیث شریف سورۂ نساء: 43 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

کی طرف کچھ بھی اور (کون زیادہ ظالم ہے اس سے) جو کہے کہ میں (بھی) نازل کروں گا ایسا ہی (کلام) جیسے نازل کیا ہے اللہ نے۔ کاش تم دیکھو جب ظالم موت کی سختیوں میں (گرفتار) ہوں اور فرشتے بڑھا رہے ہوں (ان کی طرف) اپنے ہاتھ (اور انہیں کہیں کہ) نکالو اپنی جانوں کو۔ آج تمہیں دیا جائے گا ذلت کا عذاب اس وجہ سے کہ تم بہتان لگاتے تھے اللہ تعالیٰ پر ناحق اور تم اس کی آیتوں (کے ماننے) سے تکبر کیا کرتے تھے۔ اور بے شک آ گئے ہو تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمہیں پہلی دفعہ اور تم چھوڑ آئے ہو جو ہم نے عطا فرمایا تھا تمہیں اپنے پیچھے اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ ان سفارشیوں کو جن کے متعلق تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں۔ بیشک ٹوٹ گئے تمہارے سارے رشتے اور کھو گئے تم سے جو تم دعوے کیا کرتے تھے''۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا...... استفہام نفی کے معنی میں ہے یعنی اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشی کرتا ہے، اس کے شرکاء یا اولاد قرار دیتا ہے یا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے رسول بنا کر لوگوں کی طرف بھیجا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو اسے مبعوث نہیں فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے: اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ عکرمہ اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مسیلمہ کذاب کے بارے میں اتری۔

وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ...... اور اس شخص سے بڑھ کر بھی کون ظالم ہو سکتا ہے جو اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بھی اس قرآن جیسا کلام نازل کر سکتا ہے، یہ شخص بڑا ظالم اور زیاں کار ہے جو بہتان تراشی کر کے وحی الٰہی کے ساتھ معارضہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر اس چیز کو یوں بیان کیا گیا ہے: وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ (الانفال: 31) ''اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ماری آیتیں تو کہتے ہیں (اجی رہنے دو) سن لیا ہم نے اگر ہم چاہئیں تو کہہ لیں ایسی آیتیں''۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ...... کاش کہ آپ ان ظالموں کو موت کی سکرات اور سختی میں دیکھتے جبکہ فرشتے ضرب کاری لگانے کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوں، ''بَسَطَ اِلَیْهِ'' کا یہ مفہوم ان آیات میں بھی ہے: لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ (المائدہ: 28) ''تو اگر تو بڑھائے میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ تو قتل کرے مجھے''، وَّیَبْسُطُوْٓا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ (الممتحنہ: 2) ''اور بڑھائیں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ''۔ ضحاک اور ابو صالح کہتے ہیں کہ یہاں عذاب کے لئے ہاتھ اٹھانا مراد ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ (الانفال: 50) ''اور (اے مخاطب!) اگر تو دیکھے جب جان نکالتے ہیں کافروں کی فرشتے (اور) مارتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر''۔

اسی لئے فرمایا: وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ یعنی ملائکہ انہیں مارنے کے لئے اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوں گے تاکہ ان کے اجسام سے روحوں کو نکال سکیں، اسی لئے وہ کفار سے کہیں گے کہ اپنی روحوں کو نکالو، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کافر مرنے لگتا ہے تو فرشتے اسے، عبرتناک عذاب، بیڑیوں، پھندوں، دوزخ، کھولتا ہوا پانی اور غضب الٰہی کی بشارت دیتے ہیں تو اس کافر کی روح جسم میں بکھر جاتی ہے اور باہر نکلنے سے انکار کر دیتی ہے تو ملائکہ اسے زدوکوب کرتے ہیں تاکہ روح باہر نکل آئے اور یہ کہتے ہیں: اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْیَوْمَ...... کہ اپنی روحوں کو نکالو، آج تمہیں بہت رسوا کن عذاب دیا جائے گا بوجہ اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے تھے، اتباع آیات اور اطاعت رسل پر تکبر کیا کرتے تھے۔ بہت سی احادیث متواترہ میں مومن اور کافر کی حالت نزع کو بیان کیا گیا ہے اور مومن کی کیفیت یوں بیان

فرمائی: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ (ابراہیم:27)'' ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس پختہ قول (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی''۔ ابن مردویہ نے یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث سند غریب سے نقل کی ہے۔

وَ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى...... تم روز قیامت ہمارے پاس تنہا تنہا آؤ گے اور یہ حال ہوگا: وَ عُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الکھف:48)'' اور وہ پیش کئے جائیں گے آپ کے رب کی بارگاہ میں صفیں باندھے ہوئے۔ (پھر ہم انہیں کہیں گے کہ) آج تم آ گئے ہو ہمارے پاس جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمہیں پہلی بار''۔ یعنی جس طرح ہم نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح تمہیں دوبارہ لوٹائیں گے اور تم ایسے نانہجار تھے کہ اس کا انکار کیا کرتے تھے اور اسے محال سمجھتے تھے، تو یہ ہے وہ یوم بعث۔

وَ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ دنیا میں جو مال و متاع تم نے جمع کر رکھا تھا وہ تم اپنے پیچھے چھوڑ آؤ گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: '' ابن آدم کہتا ہے کہ میرا مال، میرا مال ہے لیکن تیرا مال تو فقط اتنا ہی تھا جو کھا کر تم نے فنا کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا (اور توشہ آخرت بنا لیا) باقیماندہ سب کچھ ختم ہو جانے والا اور دوسروں کے لئے ترکہ ہے''(1)۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: '' قیامت کے دن ابن آدم کو لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے کہاں جمع کر رکھا ہے؟ وہ کہے گا کہ اے رب! میں نے جمع کیا اور وہیں چھوڑ آیا، پھر فرمائے گا: اے ابن آدم! وہ کہاں ہے جو تو نے اپنے لئے آگے بھیجا ہے؟ وہ دیکھے گا کہ کچھ بھی نہیں بھیجا۔'' اور پھر مذکورہ آیت کی تلاوت کی(2)۔

وَ مَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ...... '' یہاں انہیں زجر و توبیخ اور سرزنش کی جا رہی ہے اس لئے کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے، اصنام و اوثان اور شرکاء کی اس خیال سے عبادت کیا کرتے تھے کہ وہ دنیاوی زندگی میں انہیں نفع پہنچاتے ہیں اور اگر بالفرض قیامت آ بھی گئی تو بھی یہ ان کے لئے مفید ثابت ہوں گے لیکن جب قیامت کا دن ہوگا تو تمام تعلقات و وسائل ٹوٹ جائیں گے، گمراہی زائل ہو جائے گی اور جو وہ افتراء باندھتے تھے اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ برسر عام اعلان فرمائے گا: اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (الانعام:22)'' کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے (خدا ہونے کا) تم دعویٰ کیا کرتے تھے''۔ انہیں کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے، کیا اس وقت وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا غالب آ سکتے ہیں؟ اسی لئے فرمایا: وَ مَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ...... کہ اب ہمیں تمہارے ساتھ وہ شرکاء نہیں دکھائی دے رہے جنہیں تم میرے ساتھ عبادت میں شریک سمجھتے تھے۔

لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ...... '' بَيْنَكُمْ '' کو مرفوع بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں معنی ہوگا، جماعت اور منصوب بھی پڑھا گیا ہے یعنی تمہارے اسباب و وسائل منقطع ہو جائیں گے اور تمہارے تمام معبود اور بت تم سے منہ پھیر لیں گے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (البقرہ:166)'' جب بیزار ہو جائیں گے وہ جن کی تابعداری کی گئی ان سے جو تابعداری کرتے رہے اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور ٹوٹ جائیں گے ان کے تعلقات اور کہیں گے تابعداری کرنے والے کاش! ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا (دنیا میں) تو ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے وہ (آج) بیزار ہو گئے ہیں ہم سے یونہی دکھائے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کے (برے)

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، صفحہ 2273، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 368 2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9، صفحہ 258-258

اعمال کہ باعث پشیمانی ہوں گے ان کے لئے اور وہ (کسی صورت میں) نہ نکل پائیں گے آگ (کے عذاب) سے''۔ اور فرمایا: فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ (المومنون: 101) ''تو جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے'' اور فرمایا: اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (العنکبوت: 25) ''تم نے بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (وپیار) کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں۔ پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور پھٹکار بھیجو گے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانا آتش (جہنم) ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار''۔ اور فرمایا: وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ (القصص: 64) ''اور (انہیں) کہا جائے گا (لو) اب پکارو اپنے شریکوں کو تو وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے'' اور فرمایا: وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ...... وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (یونس: 30-28) ''اور (ان کی پشیمانی کا تصور کرو) جس روز ہم جمع کریں گے ان سب کو (میدان حشر میں) پھر مشرکوں کو حکم دیں گے ...... اور گم ہو جائے گا ان سے جو وہ افتراء باندھا کرتے تھے''۔

اس مضمون کی اور بھی بہت ساری آیات ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۭ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٧﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ ہی پھاڑنے والا ہے دانے اور گٹھلی کو، نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے، یہ ہے اللہ پس کدھر تم بہکے چلے جا رہے ہو۔ وہ نکالنے والا ہے صبح کو (رات کی تاریکی سے) اور بنایا ہے اس نے رات کو آرام کے لئے اور (بنایا) ہے سورج اور چاند کو حساب کے لئے، یہ اندازہ ہے (مقرر کیا ہوا) سب سے زبردست، سب کچھ جاننے والے کا۔ اور وہی ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لئے ستاروں کو تاکہ سیدھی راہ معلوم کر سکو ان سے خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں بیشک ہم نے کھول کر بیان کر دیئے ہیں دلائل ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ دانے اور گٹھلی کو زمین میں پھاڑ دیتا ہے تو دانوں سے انواع واقسام کی فصلیں اور گٹھلیوں سے رنگارنگ قسم قسم کے ذائقوں والے پھل پیدا ہوتے ہیں، اسی لئے فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى کی وضاحت اپنے اس فرمان: يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ سے کی ہے یعنی وہ جاندار نباتات کو اس دانے اور گٹھلی سے نکالتا ہے جو بے جان جمادات کی طرح ہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ .... وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ (یٰسین: 36-33) ''اور ایک نشانی ان کے لئے یہ مردہ زمین ہے۔ ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ اس سے کھاتے ہیں .... اور خود ان کے نفسوں کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں وہ (ابھی) نہیں جانتے''۔

وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ کا عطف فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى پر ہے، پھر اس کی تفسیر بیان کی اور پھر مُخْرِجُ الْمَيِّتِ کا عطف اس پر کر دیا گیا۔ مفسرین نے اس کی وضاحت اپنی اپنی عبارات کے ذریعے کی ہے جو تقریباً ہم معنی ہیں اور مقصود و مدعا میں تمام قریب قریب ہیں، کوئی کہتا ہے کہ وہ بے جان انڈے سے جاندار مرغی پیدا کرتا ہے اور اس کے برعکس مرغی سے انڈا۔ کوئی کہتا ہے کہ فاجر سے ولد صالح اور مرد صالح سے ولد فاجر پیدا کرتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی مفاہیم بیان کئے گئے ہیں جو تمام کے تمام آیت کا مدعا بن سکتے ہیں۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ان سب چیزوں کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے جو یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں تو پھر (اس کی قدرت کے کرشمے دیکھنے کے باوجود) تم کدھر بھٹکے بھٹکے پھر رہے ہو، کیوں حق سے روگردانی کر کے باطل کے ساتھ چمٹے ہو اور غیر خدا کی پوجا کرتے ہو۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ..... اس کی قدرت کا اعجاز تو دیکھو کہ اس نے روشنی اور تاریکی کی تخلیق کی جیسا کہ آغاز سورت میں فرمایا: وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (الانعام: 1) یعنی وہی وہ ذات ہے جو صبح کی روشنی کو رات کی تاریکی میں سے نکالتا ہے تو سارا عالم جگمگ جگمگ کر اٹھتا ہے اور سارا افق منور ہو جاتا ہے، تاریکی مضحمل ہو جاتی ہے، رات اپنی تاریکی سمیت پیٹھ پھیر لیتی ہے اور دن کا اجالا ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے جیسا کہ فرمایا: يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا (الاعراف: 54) ''ڈھانکتا ہے رات سے دن کو درآں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے''۔ اللہ تعالیٰ نے ان مختلف متضاد چیزوں کو پیدا کرنے پر اپنی قدرت کی اعجاز آفرینیوں کا ذکر کیا ہے جو چیزیں اس کی کمال قدرت و عظمت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ بیان فرمایا کہ وہ صبح کو پھاڑنے والا ہے اور اس کے مقابلہ میں فرمایا: وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا یعنی رات کو باعث راحت و آرام بنا دیا جس میں چیزیں سکون پاتی ہیں جیسا کہ فرمایا: وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى (الضحیٰ: 2-1) ''قسم ہے روز روشن کی۔ اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے''۔ اور فرمایا: وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى (اللیل: 2-1) ''قسم ہے رات کی جب وہ (ہر چیز پر) چھا جائے۔ اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے'' اور فرمایا: وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۙ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا (الشمس: 4-3) ''اور قسم ہے دن کی جب آفتاب کو روشن کر دے۔ اور رات کی جب وہ اسے چھپا لے''۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی بیوی نے آپ سے کثرت شب بیداری کا شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سوائے صہیب کے سب کے لئے رات کو پرسکون بنا دیا ہے اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ کیفیت تھی کہ جب انہیں جنت یاد آتی تو اس کے شوق میں رات بھر بیدار رہتے اور جب دوزخ یاد آ جاتی تو (خوف سے) نیند ہی اڑ جاتی۔

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا سورج اور چاند دونوں اپنے اپنے مقررہ مدار پر اپنے اپنے ناقابل تغیر ضابطہ کے مطابق چل رہے ہیں جس سے وہ سر مو انحراف نہیں کر سکتے، ہر ایک کی معین منازل ہیں جنہیں وہ موسم گرما اور سرما میں طے کرتے ہیں، اسی گردش کے نتیجہ میں دن رات گھٹتے بڑھتے اور چھوٹے بڑے ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ (یونس: 5) ''وہی ہے جس نے بنایا سورج کو درخشاں اور چاند کو نور اور مقرر کیں اس کے لئے منزلیں'' اور جیسا کہ فرمایا: لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسین: 40) ''نہ سورج کی یہ مجال کہ (پیچھے سے) چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کو یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے۔ اور سب (سیارے) اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں''۔ اور فرمایا: وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف: 54) ''اور (پیدا فرمایا) سورج اور چاند اور ستاروں کو وہ سب پابند ہیں اس کے حکم کے''۔

ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ یہ ساری چیزیں اس عزیز و غالب کی تقدیر کے مطابق محوحرکت ہیں جس پر نہ تو غلبہ پایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی مخالفت کی جاسکتی ہے اور اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، زمین و آسمان میں ایک ذرہ تک اس کے علم سے باہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ جب لیل و نہار اور شمس و قمر کی تخلیق کا ذکر فرماتا ہے تو عموماً اپنے کلام کا اختتام عزیز وعلیم کے الفاظ پر کرتا ہے۔ جس طرح اس آیت میں ہے اور اسی طرح اس آیت میں بھی: وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۙ وَ الشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۗ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (یٰسین: 38-37) ''اور دوسری نشانی ان کے لئے رات ہے۔ ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو یکلخت وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اور (یہ) آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف۔ یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے (اس) عزیز (اور) علیم (خدا) کا''۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے سورہ حم السجدہ کے آغاز میں زمین و آسمان اور ان کے اندر پائی جانے والی چیزوں کی تخلیق کا ذکر کیا تو فرمایا: وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ۗ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (حم السجدة: 12) ''اور ہم نے مزین کر دیا آسمان دنیا کو چراغوں سے۔ اور اسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ (سارا) نظام سب سے غالب، سب کچھ جاننے والے (خدا) کا ہے''۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ۗ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۗ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ۗ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ بعض سلف کہتے ہیں کہ جس شخص نے تین مقاصد کے علاوہ ستاروں کے ساتھ کسی اور مقصد کو وابستہ کر لیا وہ خطاکار اور افتراء پرداز ہے وہ تین مقاصد یہ ہیں:۔

1۔ یہ آسمان کے لئے باعث زینت ہیں۔

2۔ شیاطین کو مار بھگانے کا آلہ ہیں۔

3۔ بحر و بر کی تاریکیوں میں راہ دکھانے کا ذریعہ ہیں۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ہم نے اپنی آیتیں بڑی وضاحت کے ساتھ ایسے لوگوں کے لئے بیان کر دی ہیں جو عقل و شعور کے مالک ہیں، حق کی معرفت رکھتے ہیں اور باطل سے احتراز کرتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿٩٨﴾ وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ اُنْظُرُوْۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٩٩﴾

''اور وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے پھر (تمہارے لئے) ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک امانت رکھے جانے کی۔ بیشک ہم نے تفصیل سے بیان کر دی ہیں دلیلیں ان لوگوں کے لئے جو (حقیقت کو) سمجھتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے اتارا بادل سے پانی۔ تو ہم نے نکالی اس کے ذریعے سے اگنے والی ہر چیز پھر ہم نے نکال لیں اس سے ہری ہری بالیں،

نکالتے ہیں اس سے (خوشہ جس میں) دانے ایک دوسرے پر چڑھے ہوتے ہیں۔ اور (نکالتے ہیں) کھجور سے یعنی اس کے گابھے سے گچھے نیچے جھکے ہوئے اور (ہم نے پیدا کئے) باغات انگور اور زیتون اور انار کے، بعض (شکل و ذائقہ میں) ایک جیسے ہیں اور بعض الگ الگ۔ دیکھو ہر درخت کے پھل کی طرف جب وہ پھلدار ہو اور (دیکھو) اس کے پکنے کو۔ بے شک ان میں نشانیاں ہیں (اس کی قدرت کاملہ کی) اس قوم کے لئے جو ایماندار ہے"۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں ایک ہی نفس یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا جیسا کہ فرمان ہے: "یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً" (النساء: 1) "اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں"۔

فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ مستقر سے مراد رحم مادر اور مستودع سے مراد صلب پدر ہے (1)۔ بعض حضرات کے نزدیک اس کے برعکس۔ کچھ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ مستقر سے مراد دنیا اور مستودع سے مراد قبر ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مستقر سے مراد رحم مادر اور قرارگاہ دنیا اور مستودع سے مراد موت کے بعد کا ٹھکانا (قبر)۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مستقر سے مراد وہ عمل ہے جو مرنے کے بعد رک جاتا ہے اور مستودع سے مراد دار آخرت ہے لیکن ان تمام اقوال میں سے پہلا قول زیادہ واضح اور درست ہے۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ...... ہم نے اپنی آیتیں ان لوگوں کے لئے بالتفصیل بیان کر دی ہیں جو فہم و ادراک کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے معنی کو محفوظ رکھتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً...... اپنی مخلوق پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا کہ آسمان سے مناسب مقدار میں پانی نازل کیا جو سراپا برکت ہے جس سے بندوں اور تمام جاندار مخلوق کے لئے رزق کا انتظام ہوتا ہے، اسی پانی کا کرشمہ ہے کہ اس سے ہرا گنے والی چیز پیدا کر دی جیسا کہ فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (الانبیاء: 30) "اور ہم نے پیدا فرمائی پانی سے ہر چیز جاندار" اور اسی پانی سے ہم نے لہلہاتی فصلیں اور سرسبز درخت اگائے پھر اس کے بعد ہم ان میں دانے اور پھل پیدا کر دیں گے اسی لئے فرمایا: نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ہم ان میں سے ہی ایسے دانے نکالتے ہیں جو تہہ در تہہ اوپر تلے جڑے ہوئے ہوتے ہیں یعنی خوشے، گچھے اور سٹے وغیرہ۔

وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا...... "قِنْوَانٌ"، "قِنْو" کی جمع ہے اس کا معنی ہے تازہ کھجوروں کا گچھا۔ اور "دَانِیَةٌ" کا مطلب ہے جھکا ہوا جس کا پکڑنا آسان ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ" کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ چھوٹے چھوٹے کھجوروں کے درخت جن کے خوشے زمین کے ساتھ لگے ہوئے ہوں (2)۔ اہل حجاز کی قراءت "قِنْوَانٌ" ہے جبکہ بنو تمیم کی "قِنْیَانٌ"۔ یہ "قِنْو" کی جمع ہے جیسے صنو کی صنوان۔

وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ اور ہم اس سے انگوروں کے باغات پیدا کرتے ہیں۔ کھجور اور انگور کا ذکر فرمایا اس لئے کہ اہل حجاز کے نزدیک یہ سب سے بہتر اور افضل پھل سمجھے جاتے ہیں بلکہ ساری دنیا میں یہ بہترین پھل ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے ساتھ اپنے

1۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 287　　2۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 293

بندوں پر احسان جتلایا ہے: وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ (النحل: 67) ''اور (ہم پلاتے ہیں تمہیں) کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم بناتے ہو اس سے میٹھا رس اور پاک رزق''۔ یہ آیت تحریم خمر سے پہلے کی ہے۔

وَ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ زیتون اور انار کے باغات بھی جو پتوں اور شکل کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مشابہ اور قریب قریب جبکہ ذائقہ اور طبیعت کے لحاظ سے بالکل مختلف۔

اُنْظُرُوْۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ یَنْعِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھو کہ اس نے عدم سے وجود بخشا، یہ لکڑی ہی تو تھی جس سے انگور اور کھجور جیسے انواع و اقسام کے رنگ برنگے، قسم قسم کے ذائقوں والے خوشبودار پھل نمودار ہو گئے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَ فِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ (الرعد: 4) ''اور زمین میں (مختلف قسم کے) ٹکڑے ہیں جو قریب قریب ہیں اور باغات ہیں انگوروں کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں، کچھ ایک تنے سے پھوٹی ہیں اور کچھ الگ الگ تنوں سے سیراب کیا جاتا ہے ایک ہی پانی سے (اس کے باوجود) ہم فضیلت دیتے ہیں بعض (درختوں) کو بعض پر ذائقہ اور بو میں''۔ اسی لئے یہاں فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ اے لوگو! اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور رحمت کی کرشمہ سازیاں ہیں صرف ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں۔

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝۱۰۰

''اور بنایا انہوں نے اللہ کا شریک جنوں کو حالانکہ اللہ نے پیدا کیا ہے انہیں اور گھڑ لئے ہیں انہوں نے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں محض جہالت سے پاک ہے وہ اور برتر ہے اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں''۔

یہاں ان مشرکین کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو بھی شریک عبادت سمجھتے ہیں اور جنوں کو بھی اپنا معبود بنا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کر لیتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ تو اصنام کی عبادت کیا کرتے تھے پھر جنوں کی عبادت کا کیا مقصد؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اصنام کی پرستش محض جنوں اور شیطانوں کے بہکانے اور ان کی اطاعت کے باعث کرتے تھے جیسا کہ فرمایا: اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ۝ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا ۝ یَعِدُهُمْ وَ یُمَنِّیْهِمْ ؕ وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (النساء: 117-120) ''نہیں عبادت کرتے یہ مشرک اللہ کے سوا مگر دیویوں کی اور نہیں عبادت کرتے مگر شیطان سرکش کی لعنت کی ہے اس پر اللہ نے اور اس نے کہا تھا کہ میں ضرور لوں گا تیرے بندوں سے (اپنا) حصہ مقرر اور میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا اور میں ضرور انہیں جھوٹی امیدوں میں رکھوں گا اور ضرور حکم دوں گا انہیں پس وہ ضرور چیریں گے جانوروں کے کان اور میں انہیں حکم دوں گا تو وہ ضرور بدل ڈالیں گے اللہ کی مخلوق کو۔ اور جو شخص بنا لے شیطان کو (اپنا) دوست اللہ کو چھوڑ کر تو نقصان اٹھایا اس نے کھلا نقصان۔ شیطان (جھوٹے) وعدے کرتا ہے ان سے اور (غلط) امیدیں دلاتا ہے انہیں اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا''۔ اور جیسا کہ ارشاد ہے: اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّیَّتَهٗۤ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ (الکہف: 50) ''(اے اولاد آدم!) کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست مجھے چھوڑ کر'' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے فرمایا: یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ

عَصِيًّا (مریم:44) ''اے میرے باپ! شیطان کی پوجا نہ کیا کر۔ بے شک شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے''۔ اور جس طرح یہ فرمان: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (یٰسین:61-60) ''کیا میں نے تمہیں یہ تاکیدی حکم نہیں دیا تھا اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے''۔ اور قیامت کے دن فرشتے کہیں گے: سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (سبا:41) ''تو پاک ہے ہر شرک سے، ہمارا مالک تو ہے ہمارا ان سے کیا واسطہ، بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے''۔ اسی لئے فرمایا: وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ انہوں نے جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرالیا حالانکہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو کیسے معبود بنایا جاسکتا ہے جیسا کہ قول ابراہیم علیہ السلام ہے: اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات:96-95) ''کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو''۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو پیدا کرنے میں مستقل ہے تو صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کی جانی چاہئے۔

وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ اللہ تعالیٰ ان گمراہوں کی گمراہی پر تنبیہ فرمارہا ہے جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے جس طرح یہود عزیر کو اور نصاریٰ عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا خیال کرتے تھے اور مشرکین عرب ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (1)۔ ''اور وہ بہت برتر و بالا ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کیا کرتے ہیں''۔

خَرَقُوْا کا معنی ہے انہوں نے گھڑلیا، بہتان باندھا اور جھوٹ بولا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے اٹکل پچو اور اندازہ لگایا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ انہوں نے وضع کرلیا۔ سدی کے نزدیک اس کا معنی ہے انہوں نے قرار دیا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک عبادت قرار دے دیا حالانکہ اس نے انہیں بلاشرکت غیرے تنہا ہی پیدا کیا ہے اور کسی سے مدد نہیں لی۔ وہ حقیقت کا ادراک نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی عظمت سے ناواقفیت کی بناء پر وہ یہ افتراء پردازی کرتے ہیں کیونکہ ایک معبود کو یہ بات زیب ہی نہیں دیتی کہ اس کے بیٹے بیٹیاں اور بیوی ہو اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ تخلیق میں اس کا کوئی شریک ہو(2)۔ اسی لئے فرمایا: سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ یہ گمراہ جاہل اللہ تعالیٰ کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ اس کی اولاد، شرکاء، مدمقابل اور نظراء ہیں اللہ تعالیٰ ان کی اس ہرزہ سرائی سے منزہ، مبرا اور ارفع ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۰۱

''موجد ہے آسمانوں اور زمین کا، کیوں کر ہوسکتا ہے اس کا کوئی لڑکا حالانکہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی اور پیدا فرمایا ہے اس نے ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے''۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وہ زمین و آسمان کا موجد، خالق اور بغیر کسی نمونہ اور مثال کے وجود بخشنے والا ہے۔ بدعت کو بھی بدعت اسی لئے کہا جاتا ہے کہ پہلے اس کی کوئی نظیر نہیں ہوتی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 298
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان 159، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ الانعام، جلد 11 صفحہ 188-190

اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ...... اس کا بیٹا کیونکر ہوتا، اس کی تو بیوی ہی نہیں اور بیٹا تو دو متناسب چیزوں کے ذریعے سے پیدا ہوتا ہے جبکہ مخلوق میں سے کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے نہ تو متناسب ہے اور نہ مشابہ، کیونکہ وہ تو ہر چیز کا خالق ہے نہ اس کی بیوی ہے اور نہ اولاد، فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا .... وَکُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا (مریم:95-89)'' اور کفار کہتے ہیں بنالیا ہے رحمٰن نے (فلاں کو اپنا) بیٹا۔ (اے کافرو!) یقیناً تم نے ایسی بات کی ہے جو سخت معیوب ہے.......... اور وہ سب پیش ہوں گے اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا''۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اپنی قدرت سے پیدا کیا اور وہی ہر چیز کے بارے میں علم رکھتا ہے تو پھر اس کی بیوی کیسے ہوسکتی ہے، اور نہ ہی جب اس کی کوئی نظیر ہے تو پھر اس کا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس سے پاک اور بہت بلند ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۰۲﴾
لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۰۳﴾

''یہ اللہ ہے (جو) تمہارا پروردگار ہے، نہیں کوئی خدا سوائے اس کے، پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا، پس عبادت کرو اس کی اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں اور وہ گھیرے ہوئے ہے سب نظروں کو اور وہ بڑا باریک بین (اور) پوری طرح باخبر ہے''۔

یہی اللہ ہے جو تمہارا پروردگار ہے، جس نے ہر چیز کی تخلیق کی، نہ اس کی اولاد ہے اور نہ بیوی، بجز اس کے کوئی معبود نہیں، پس اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرو اور یہ بھی اعتراف کرو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ اس کی اولاد ہے اور نہ بیوی، نہ اس کا کوئی مثیل ہے اور نہ کوئی ہم پلہ۔ وہ ہر چیز کا محافظ اور نگہبان ہے، ہر ایک چیز کا مدبر، رازق اور دن رات حفاظت فرمانے والا وہی ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ میں ائمہ سلف کے کئی اقوال ہیں:۔

آنکھیں اس دنیا کے اندر اسے نہیں دیکھ سکتیں اگرچہ آخرت میں دیدار کریں گی۔ احادیث نبویہ سے یہ بات بالتواتر ثابت ہے۔ یہ احادیث متعدد طرق سے صحاح، مسانید اور سنن میں مذکور ہیں(1) جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ جس نے یہ گمان کیا کہ محمد (ﷺ) نے اپنے رب کو دیکھا تو وہ جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف اس کے برعکس ہے، آپ مطلق رؤیت کے قائل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دل کی آنکھوں کے ساتھ دو مرتبہ اپنے رب کا دیدار کیا۔ سورۂ نجم کے اوائل میں ان شاء اللہ یہ مسئلہ بیان کیا جائے گا۔ اسماعیل بن علیہ اور ہشام بن عبداللہ کا بھی یہی موقف ہے کہ آنکھیں دنیا میں اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔ چند دوسرے حضرات یہ مفہوم لیتے ہیں کہ آنکھ بھر کر اس کو نہیں دیکھا جاسکتا تو دار آخرت میں مومنین کو حاصل ہونے والی رؤیت سے اس کی تخصیص ہوگئی۔ معتزلہ کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ دنیا میں دیکھا جاسکتا ہے اور نہ آخرت میں۔ معتزلہ کا یہ کہنا اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے منافی ہے۔ یہ ان کی جہالت اور کم فہمی پر دلالت کرتا ہے حالانکہ قرآن و حدیث سے رؤیت باری تعالیٰ ثابت ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ (القیامۃ:23-22)''کئی چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے''۔

کفار کے بارے میں فرمایا: كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (المطففین: 15) ''یقیناً انہیں اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن روک دیا جائے گا''۔ امام شافعی فرماتے ہیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ روز قیامت مومنین کو دیدار الٰہی سے نہیں روکا جائے گا۔ حضور نبی کریم ﷺ سے متعدد صحابہ کرام (ابوسعید، ابوہریرہ، انس، صہیب، بلال وغیرہ) نے یہ روایت کی ہے کہ دار آخرت میں مومنین جوار قدس اور باغات جنت میں بیٹھے دیدار الٰہی سے شادکام ہوں گے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی ان سعادت مندوں میں شریک فرمائے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ عقلیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں (1)۔ یحیٰ بن حصین کا یہ کہنا بہت عجیب ہے اور ظاہر آیت کے خلاف ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں ادراک رؤیت کے معنی میں ہے۔ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اثبات رؤیت اور نفی ادراک کے درمیان کوئی منافات نہیں، کیونکہ ادراک رؤیت سے خاص ہے اور خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی۔ پھر وہ ادراک یہاں جس کی نفی کی گئی ہے اس کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہی کہ اس کا مطلب ہے معرفت حقیقت اور حقیقت کو جاننے والا بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا اگر مومنین دیکھیں گے لیکن اس کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکے گی، جس طرح کوئی شخص چاند کو دیکھتا ہے تو وہ اس کی حقیقت اور ماہیت کا ادراک نہیں کر سکتا۔ جب چاند کی حقیقت کو جاننا محال ہے تو اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو پہچاننا بدرجہ اولیٰ محال ہے وہ تو بے مثل بڑی عظیم ذات ہے، ابن علیہ کہتے ہیں کہ عدم رؤیت دنیا میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ادراک رؤیت سے خاص ہے اور ادراک کا معنی ہے احاطہ کر لینا۔ اور عدم احاطہ عدم رؤیت کو مستلزم نہیں جس طرح مکمل علم کا احاطہ نہ ہونے کے باعث یہ لازم نہیں آتا کہ مطلق علم ہے ہی نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا (طٰہٰ: 110) ''اور لوگ نہیں احاطہ کر سکتے اس کا اپنے علم سے''۔ اور صحیح مسلم میں ہے: لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ (2)۔ ''میں اس طرح تیری ثناء کا احاطہ نہیں کر سکتا جس طرح تو نے اپنی ثناء کی ہے''۔ اس عدم احاطہ کا یہ مطلب تو نہیں لیا جا سکتا کہ مطلق ثناء بھی ممکن نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ مفہوم بتاتے ہیں کہ کوئی بھی آنکھ اس کو نہیں گھیر سکتی (3)۔ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ سے کہا گیا: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ تو آپ نے فرمایا: ''کیا تم آسمان کو نہیں دیکھ سکتے؟'' سائل نے کہا: کیوں نہیں۔ فرمایا کہ کیا بیک وقت تمام کا تمام دیکھ سکتے ہو؟ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کی شان اس سے بلند تر ہے کہ آنکھیں اس کا ادراک کر سکیں۔ عطیہ عوفی اس آیت ''وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ'' کے بارے میں کہتے ہیں کہ مومنین اللہ تعالیٰ کا دیدار ضرور کریں گے لیکن اس کی عظمت و جلالت کے باعث ان کی آنکھیں اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکیں گی جبکہ اللہ تعالیٰ ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے، مذکورہ آیت کا یہی مطلب ہے۔ (4) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس فرمان: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ کے بارے میں فرمایا: ''اگر جن و انس اور شیاطین و ملائکہ پیدائش سے لیکر موت تک سب کی ایک صف بنا دی جائے تو بھی ہرگز اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتے۔'' یہ حدیث غریب ہے، صحاح ستہ میں یہ مذکور نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا تھا، حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ؟ تو آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا نور بھی

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 336   2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ: 352

3۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 299   4۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 299

تو خدا تعالیٰ کا ہی نور ہے۔ جب وہ اپنے کامل نور کے ساتھ جلوہ فرما ہوگا تو اس وقت کوئی بھی اس کا ادراک نہیں کر سکے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس وقت کوئی چیز اس کے سامنے قائم نہیں رہے گی (1)۔ اس کی تائید میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی صحیحین کی یہ حدیث ہے: ''اللہ تعالیٰ نہ سوتا ہے اور نہ ہی مناسب ہے کہ وہ سوئے، وہ میزان کو پست کرتا ہے اور اٹھاتا ہے، رات ہونے سے پہلے دن کے اعمال اور دن طلوع ہونے سے پہلے رات کے اعمال اس کے حضور پیش کئے جاتے ہیں، اس کا حجاب نور ہے، اگر وہ اپنے نور سے پردہ اٹھا دے تو اس کا جلوہ منتہائے بصر تک تمام مخلوق کو جلا ڈالے'' (2)۔ سابقہ کتب میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت باری کا تقاضا کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا تھا: اے موسیٰ! جو بھی زندہ میرا جلوہ دیکھے گا مر جائے گا اور جس خشک چیز پر میری تجلی پڑ گئی ریزہ ریزہ ہو جائے گی، فرمایا: وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الاعراف: 143) ''پھر جب تجلی ڈالی ان کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اسے پاش پاش اور گر پڑے موسیٰ علیہ السلام بے ہوش کر۔ پھر جب آپ کو ہوش آیا تو عرض کی پاک ہے تو (ہر نقص سے) میں توبہ کرتا ہوں تری جناب میں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں''۔ یہاں ادراک خاص کی نفی ہے اس سے روز قیامت رؤیت کی نفی لازم نہیں آتی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حسب منشا اپنے مومن بندوں کے سامنے تجلی فرمائے گا۔ جہاں تک اس کے جلال اور عظمت کا تعلق ہے تو وہ ذات بہت عظیم، مقدس، منزہ و برتر ہے، آنکھیں جس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتیں، اسی بناء پر حضرت عائشہ رضی اللہ ہا دار آخرت میں تو رؤیت کی قائل تھیں جبکہ دنیا میں اس کی نفی کرتی تھیں، وہ اس آیت کریمہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ سے دلیل پکڑتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب رؤیت کی نفی ہے اس سے مراد وہ ادراک ہے جو رؤیت عظمت وجلال کے معنی میں ہے۔ یہ نہ تو بشر کے لئے ممکن ہے، نہ فرشتوں کے لئے اور نہ ہی کسی اور چیز کے لئے۔

وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وہ نگاہوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ان کی حقیقت کو جانتا ہے کیونکہ وہی تو ان کا خالق ہے جس طرح فرمایا: اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الملک: 14) '' (نادانو!) کیا وہ نہیں جانتا (بندوں کے احوال کو) جس نے (انہیں) پیدا کیا ہے۔ وہ بڑا باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے''۔ سدی کہتے ہیں کہ کبھی کبھی ابصار مبصرین کے معنی میں ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے مطلب یہ ہوگا کہ کوئی چیز اسے نہیں دیکھ سکتی اور وہ خلائق کو دیکھتا ہے۔ ابوالعالیہ

وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ کے بارے میں کہتے ہیں کہ چیزوں کے استخراج میں وہ بہت باریک بین ہے اور ان کے مقامات سے اچھی طرح باخبر ہے (3)۔ جس طرح حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ (لقمان: 16) '' (لقمان نے کہا) پیارے فرزند! اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر وزنی یا پھر وہ کسی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین میں (چھپی) ہو تو لے آئے گا اسے اللہ تعالیٰ۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے''۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ نجم، جلد 12 صفحہ 170-171، مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ انعام، جلد 2 صفحہ 316 2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان: 161-162
3۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 304

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

''بے شک آئیں تمہارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں اپنے رب کی طرف سے تو جس نے آنکھوں سے دیکھا تو اس نے اپنا فائدہ کیا اور جو اندھا بنا رہا تو اس نے اپنا نقصان کیا اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان اور اسی طرح ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں (توحید) کی دلیلوں کو اور تاکہ بول اٹھیں یہ لوگ کہ آپ نے خوب پڑھ سنایا ہے اور تاکہ ہم واضح کر دیں اس کو اس قوم کے لئے جو علم رکھتی ہے''۔

بَصَآئِرُ سے مراد وہ روشن دلائل اور نشانیاں ہیں جو قرآن کریم میں ہیں اور جنہیں رسول اللہ ﷺ لیکر تشریف لائے۔

فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ اسی مضمون کی یہ آیت بھی ہے: فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا (یونس:108) ''تو جو ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ ہدایت قبول کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو وہ گمراہ ہوتا ہے اپنی تباہی کے لئے''۔ اسی لئے فرمایا: وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا یعنی جو شخص آنکھیں کھولنے والے دلائل آ جانے کے بعد بھی اندھا بنا رہا اور گمراہ ہو گیا تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا جیسا کہ فرمایا: فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (الحج:46) ''حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں''۔

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ میں تم پر نہ محافظ مقرر کیا گیا ہوں اور نہ رقیب، میرے ذمہ یہ فریضہ ہے کہ تم تک اللہ کے پیغام کو پہنچا دوں، ہدایت اور گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے ہدایت سے نواز دے اور جسے چاہے گمراہ کر دے۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ...... جس طرح ہم نے تفصیلاً توحید کا بیان کرتے ہوئے یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسی طرح ہر مقام پر ہم جاہلوں کے سامنے ہم اپنی آیات کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اس لئے بھی کہ جھٹلانے والے مشرکین اور کفار یہ کہیں کہ اے محمد! تم نے سابقہ اہل کتب سے یہ باتیں سیکھ کر نقل کر لی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دَرَسْتَ بمعنی تلوت یہ محض ان کا فضول جھگڑا ہے(1)۔ جس طرح ان کے کذب وعناد کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴿۴﴾ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا (الفرقان:5-4) ''اور کہنے لگے کفار کہ نہیں یہ (قرآن) مگر محض بہتان جو گھڑ لیا ہے اس نے اور مدد کی ہے اس کی اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے سو یہ (کہہ کر) انہوں نے بڑا ظلم کیا ہے اور سفید جھوٹ بولا ہے۔ اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے جنہیں اس شخص نے لکھوا لیا ہے''۔ ان کفار کے سرغنہ کے بارے میں فرمان ہے: اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (المدثر:25-18) ''اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی۔ اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی۔ پھر دیکھا، پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا۔ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا۔ پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے۔ یہ نہیں مگر انسان کا کلام''۔

وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ہم ایسے لوگوں کے لئے وضاحت سے بیان کرتے ہیں جو حق کو پہچان کر اس کی اتباع کرتے ہیں اور باطل کو

1۔ معجم طبرانی کبیر، جلد 11 صفحہ 137

پہچان کراس سے اجتناب کرتے ہیں، انہیں (کفار کو) گمراہ کرنے اور ان (مومنین) کے سامنے حق بیان کرنے اور ہدایت دینے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، فرمایا: يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (البقرہ:26) ''گمراہ کرتا ہے اللہ اس سے بہتیروں کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہتیروں کو''۔ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ (الحج:53) ''یہ سب اس لئے تاکہ اللہ تعالیٰ بنادے جو وسوسہ ڈالتا ہے شیطان ایک آزمائش ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل بہت سخت ہیں''۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الحج:54) ''اور بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے ایمان والوں کو راہ راست کی طرف''۔ وَ مَا جَعَلْنَاۤ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ يَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِيْمَانًا وَّ لَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَ لِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْكٰفِرُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (المدثر:31) ''اور ہم نے نہیں مقرر کئے آگ کے داروغے مگر فرشتے۔ اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا۔ تاکہ یقین کرلیں اہل کتاب اور بڑھ جائے اہل ایمان کا ایمان اور نہ شک میں مبتلا ہوں اہل کتاب اور مومن۔ اور تاکہ کہنے لگیں جن کے دلوں میں روگ ہے اور کفار کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس بیان سے۔ یونہی اللہ تعالیٰ (ایک ہی بات سے) گمراہ کردیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو بغیر اس کے''۔ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل:82) ''اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے۔ اور قرآن نہیں بڑھاتا ظالموں کے لئے مگر خسارہ کو''۔ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّ هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ (حم السجدۃ:44) ''آپ فرمایئے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے۔ انہیں گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے''۔ اور اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کریم متقین کے لئے ہدایت ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دے دیتا ہے اسی لئے فرمایا: وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ''دَارَسْتَ'' ہے یعنی تو نے پڑھا اور سیکھا (1)۔ اور حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ''دَرَسَتْ'' بمعنی ''تَقَادَمَتْ وَانْمَحَتْ'' ہے یعنی یہ قدیم چیز ہے جسے تم نے سیکھ لیا۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں بچے ''دَارَسْتَ'' پڑھتے ہیں حالانکہ صحیح دَرَسَتْ ہے (2)۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں دَرَسَتْ سین مفتوح اور تاء ساکن۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ جو تم ہمیں سنا رہے ہو، یہ تو بہت قدیم ہے، بہت عرصہ پہلے یہ بیت چکی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک قراءت میں دَرَسَ بھی ہے (3)۔ اس کا معنی ہے ''قَرَأَ''، یعنی حضور ﷺ نے یہ پڑھ کر سیکھ رکھا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ''دَرَسْتَ'' ہی پڑھایا ہے یعنی سین ساکن اور تاء مفتوح (4)۔

اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ لَوْ شَآءَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 306 2۔ تسیر طبری، جلد 7 صفحہ 308 3۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 307
4۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 238-239

اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾

"پیروی کیجئے آپ اس کی جو وحی کی جاتی ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے، نہیں کوئی معبود بجز اس کے اور منہ پھیر لو مشرکوں کی طرف سے۔ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو وہ شرک نہ کرتے۔ اور نہیں بنایا ہم نے آپ کو ان پر نگہبان۔ اور نہیں ہیں آپ ان کے ذمہ دار"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی پیروی کرنے والوں کو حکم ارشاد فرما رہا ہے کہ آپ کی آپ کے رب کی طرف سے جو وحی کی گئی ہے اس کی پیروی کریں اور اسی پر عمل کریں کیونکہ یہ وحی آپ کے رب کی طرف سے حق ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور مشرکین سے اعراض فرمالیں، انہیں معاف فرمادیں، ان سے درگزر فرمائیں اور ان کی ایذاء رسانی کو برداشت کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان پر فتح ونصرت عطا فرمادے۔ آپ یہ بات یاد رکھیں کہ انہیں گمراہ کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اگر وہ چاہے تو تمام لوگوں کو ہدایت پر جمع فرمادے اور اگر وہ چاہے تو کوئی بھی شرک نہ کرے لیکن اس کی مشیت میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ وہ جو کرتا ہے اس سے اس کے متعلق باز پرس نہیں کی جاسکتی بلکہ وہ لوگوں سے باز پرس کرتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا...... آپ ان کے نگہبان نہیں کہ ان کے اقوال وافعال کی حفاظت کرتے رہیں اور نہ ہی ان کے رزق اور باقی معاملات کے ذمہ دار ہیں آپ کے ذمہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دینا ہے جس طرح فرمایا: فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشیہ: 22-21) "پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں۔ آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔ آپ ان کو جبر سے منوانے والے تو نہیں ہیں"۔ اور فرمایا: فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد: 40) "سو آپ پر صرف تبلیغ فرض ہے اور یہ ہمارے ذمہ کہ (ان سے) حساب لیں"۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

"اور تم نہ برا بھلا کہو انہیں جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا (ایسا نہ ہو) کہ وہ بھی برا بھلا کہنے لگیں اللہ کو زیادتی کرتے ہوئے جہالت سے۔ یونہی آراستہ کردیا ہے ہم نے ہر امت کے لئے ان کا عمل پھر اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے انہوں نے پھر وہ انہیں بتائے گا جو وہ کیا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ السلام اور مومنین کو مشرکین کے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے منع فرما رہا ہے، اگرچہ اس میں ایک گونہ مصلحت تو ہے لیکن نقصان اس سے بڑھ کر ہے وہ ہے مشرکین کا مقابلہ میں مومنین کے معبود حقیقی کو برا بھلا کہنا حالانکہ وہ وہ ذات ہے بجز جس کے کوئی معبود نہیں۔ جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کفار ومشرکین نے کہا: اے محمد! ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے باز آجاؤ ورنہ ہم بھی تمہارے رب کی ہجو کریں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اصنام کو گالی دینے سے مسلمانوں کو منع فرمادیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی جہالت کے باعث زیادتی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے لگیں (1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کفار کے بتوں کو برا بھلا کہا کرتے تھے، تو کفار بھی جواباً جہالت وعناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے پر اتر آئے تو اس وقت یہ آیت اتری:

1۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 309

سدی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جب جناب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو قریش نے کہا کہ آئیں ابوطالب کے پاس چلتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ اپنے بھتیجے کو باز رکھو کیونکہ ہمارے لئے یہ بات باعث شرم ہے کہ ابوطالب کے مرنے کے بعد محمد (ﷺ) کو قتل کردیں اور عرب یہ کہنے لگیں کہ ابوطالب ان کی حفاظت کرتے رہے اس لئے بس نہ چل سکا۔ اب جبکہ وہ مر گئے تو ان (نابکاروں) نے قتل کردیا ہے چنانچہ ابوسفیان، ابوجہل، نضر بن حارث، امیہ بن خلف، ابی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط، عمرو بن العاص اور اسود بن بختری یہ ٹھان کر ایک وفد کی صورت میں آدھمکے اور مطلب نامی ایک شخص کو اجازت لینے کی خاطر بھیجا۔ ابوطالب نے اندر آنے کی اجازت دے دی وہ سب آگئے تو انہوں نے کہا: اے ابوطالب! تم ہمارے بڑے اور سردار ہو، محمد (ﷺ) نے نہ صرف ہمیں بلکہ ہمارے خداؤں کو بھی اذیت پہنچائی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ تم انہیں بلا کر انہیں ہمارے خداؤں کے ذکر سے منع کردو، ہم بھی اسے اور اس کے خدا کو چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ ابوطالب نے نبی کریم ﷺ کو بلایا۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے آپ ﷺ سے کہا: یہ تمہاری قوم اور چچا زاد ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: بات کیا ہے اور تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہماری خواہش ہے کہ تم ہمیں اور ہمارے خداؤں کو اپنی حالت پر چھوڑ دو، ہم بھی تمہیں اور تمہارے خدا کو ترک کردیں گے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں ایسی بات سے آگاہ کردوں کہ اگر تم نے اس کو اپنا لیا تو سارے عرب کے مالک بن جاؤ گے، سارا عجم سرنگوں ہو جائے گا اور وہ تمہیں خراج ادا کریں گے“۔ ابوجہل نے کہا: تمہارے باپ کی قسم! یہ ایک ہی بات کیا ہم تو تمہاری ایسی دس باتیں قبول کرنے کے لئے آمادہ ہیں، بتائیں وہ بات کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کہہ دو ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ یہ سننا تھا کہ تمام نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ ابوطالب نے کہا: بھتیجے! کوئی اور بات کرو تمہاری قوم کو اس بات سے وحشت ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: چچا جان! اس کے علاوہ کوئی دوسری بات مجھے زیبا نہیں۔ اگر وہ سورج کو بھی لا کر میرے ہاتھ میں رکھ دیں تو بھی اس کے سوا کوئی دوسری بات نہیں کروں گا۔“

اس بات سے مقصود یہ تھا کہ انہیں مایوس کردیں۔ چنانچہ وہ غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے کہ تم ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے باز آجاؤ ورنہ ہم تمہیں اور تمہارے خدا کو برا بھلا کہیں گے۔ تو یہ مطلب ہے اس آیت کا فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (1)۔ تو یہاں زیادہ فساد کے مقابلہ میں مصلحت کو ترک کردیا گیا ہے، درج ذیل حدیث بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ شخص ملعون ہے جو اپنے والدین کو گالی دے“ صحابہ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! آدمی کیسے اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟“ فرمایا: یہ کسی آدمی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ (جواباً) اس کے باپ کو گالی دیتا ہے۔ یہ کسی کی ماں کو برا بھلا کہتا ہے تو وہ بھی (جواباً) اس کی ماں کو برا بھلا کہتا ہے“ (2)۔

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ جس طرح ہم نے اس قوم مشرکین کے لئے، اصنام کی محبت، حمایت اور نصرت خوشنما بنادی ہے اسی طرح گزشتہ اقوام کے لئے بھی ہم نے ان کے فاسد اعمال کو ان کے لئے پرکشش بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اور جو اختیار کرتا ہے اس میں اس کی حجت بالغہ اور حکمت تامہ ہوتی ہے۔

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ …… پھر انہیں انجام کار اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹنا ہے پھر وہ انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا اور ان کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ خیر کے بدلے خیر اور شر کے بدلہ میں شر۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 309-310 2۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 309

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا یُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

''اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی پوری کوشش سے کہ اگر آ گئی ان کے پاس کوئی نشانی تو ضرور ایمان لائیں گے اس کے ساتھ۔آپ فرمائیے کہ نشانیاں تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا خبر کہ جب یہ نشانی آ جائے گی تو (تب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے۔اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اور ہم چھوڑ دیں گے انہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کے بارے میں آگاہ فرمارہا ہے کہ وہ بڑی پختہ قسمیں اٹھا کر کہتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ اور خارق عادت امر آ جائے تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے اور اس کی تصدیق کریں گے۔

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ آپ ان لوگوں کو جو محض سرکشی اور کفر وعناد کے باعث معجزات طلب کرتے ہیں نہ کہ طلب ہدایت کے لئے، فرمادیں کہ یہ معجزات تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اگر وہ چاہے تو تمہارے پاس لے آئے، چاہے تو ترک کر دے۔قریش نے رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کی اور کہا کہ اے محمد (ﷺ)! تم ہمیں یہ بتاتے ہو کہ موسیٰ نے اپنا عصا پتھر پر مارا تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، عیسیٰ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے اور قوم ثمود کو اونٹنی کا معجزہ عطا ہوا تھا۔آپ بھی چند معجزات لائیں تب ہم تمہاری تصدیق کریں گے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم کونسا معجزہ چاہتے ہو؟'' انہوں نے کہا کہ صفا کی پہاڑی کو ہمارے لئے سونا بنا دیں۔آپ نے فرمایا: ''اگر ایسا ہو جائے تو کیا میری تصدیق کرو گے؟'' انہوں نے کہا: ہاں، قسم بخدا! اگر آپ نے ایسا کر دیا تو ہم سب آپ کی پیروی کریں گے۔چنانچہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے۔جبریل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں تو صفا پہاڑ سونا بن جائے گا۔اگر اس معجزہ کے آنے کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں سخت عذاب دے گا اور اگر آپ کی خواہش ہو تو انہیں اپنی حالت پر چھوڑ دیں، جس کی خواہش ہوئی وہ توبہ کرلے گا تو حضور ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے، رہنے دیں، جو چاہے توبہ کرلے۔تو اس وقت یہ آیات اتریں: وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ (1)۔یہ روایت مرسل ہے اور متعدد طرق سے اس کے شواہد موجود ہیں۔فرمایا: 'وَ مَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (بنی اسرائیل:59)'' اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیئے گئے تھے''۔

وَ مَا یُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں ''یُشْعِرُكُمْ'' کے مخاطب مشرکین ہیں۔گویا کہ اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے کہ تمہیں کیا خبر کہ جو قسمیں وہ اٹھاتے ہیں، وہ واقعی ان میں سچے ہیں، اس صورت میں آیت کریمہ میں ''اِنَّهَا'' کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔یہ جملہ مستانفہ ہوگا اور یہ اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ جو معجزات انہوں نے طلب کئے ہیں ان کے آجانے کے باوجود وہ ایمان نہیں لائیں گے اور بعض نے ''تُؤْمِنُوْنَ'' مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے۔بعض نے کہا ہے کہ ''یُشْعِرُكُمْ'' کا خطاب مومنین کو ہے یعنی اے مومنو! تمہیں کیا معلوم۔اس صورت میں ''اَنَّهَاۤ'' کو پہلے کی طرح کسرہ کے ساتھ بھی پڑھنا جائز ہے اور ''یُشْعِرُكُمْ'' کا

1۔تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 311-312

معمول ہونے کی بناء پر بالفتح پڑھنا بھی درست ہے۔ اس صورت میں ''لَا یُؤْمِنُوْنَ'' میں ''لا'' صلہ (زائدہ) ہوگا جس طرح ان آیات میں ''لا'' زائدہ ہے: مَامَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (الاعراف: 12) ''کس چیز نے روکا تجھے اس سے کہ تو سجدہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھے''۔ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (الانبیاء: 95) ''اور ناممکن ہے اس بستی کے لئے جس کو ہم نے برباد کر دیا کہ اس کے باشندے پھر لوٹ کر آئیں''۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اے مومنو! تمہیں کیا خبر کہ وہ اپنا مطلوبہ معجزہ پا کر ایمان لے آئیں گے۔ تم تو ان کے ایمان کے بارے میں حریص ہو اس لئے خواہش رکھتے ہو کہ شاید معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ''اَنَّهَآ'' بمعنی ''لعلّها'' ۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ''لعلّها'' ہی ہے۔ اس کی تائید میں عربوں کا یہ قول پیش کرتے ہیں۔ اِذْهَبْ اِلَی السُّوْقِ اَنَّكَ تَشْتَرِیْ لَنَا شَیْئًا ''بازار جاؤ شاید تم ہمارے لئے کچھ خرید لاؤ''۔ اس جملہ میں ''اَنَّكَ'' بمعنی ''لَعَلَّكَ'' ہے، اسی طرح بعض کے نزدیک اس شعر میں بھی ''اَنَّ'' بمعنی ''لَعَلَّ'' ہے:

اَعَاذِلُ مَا یُدْرِیْكَ اَنَّ مَنِیَّتِیْ اِلٰی سَاعَةٍ فِی الْیَوْمِ اَوْ فِیْ ضُحَی الْغَدِ

(اے ملامت گر! تمہیں کیا معلوم، شاید آج کسی وقت یا کل چاشت کے وقت میری موت آ جائے)۔

ابن جریر کا یہ پسندیدہ قول ہے، اس پر انہوں نے کئی شعری شواہد پیش کئے ہیں (1)۔

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب مشرکین نے وحی الٰہی کا انکار کر دیا تو ان کے دل کسی چیز پر ثابت نہ رہے اور ہر معاملہ سے ان کے دل اور نگاہیں پلٹ گئیں۔ مجاہد اس کا معنی یہ بتاتے ہیں کہ ہم ان کے اور ایمان کے درمیان حائل ہو جائیں گے، اگر ان کے پاس ہر طرح کی نشانی آ جائے پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ہم پہلی مرتبہ ان کے اور ایمان لانے کے درمیان حائل ہو گئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اقوال و افعال سرانجام دینے سے پہلے ہی خبر دے دی ہے کہ وہ کیا کہیں گے اور کیا اعمال کریں گے۔ فرمایا: وَلَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ (فاطر: 14) ''اور (حقیقت حال سے) تجھے کوئی آگاہ نہیں کر سکتا خدائے خبیر کی مانند''۔ اور فرمایا: اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ ...... لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ (الزمر: 58-56) ''(اس وقت) کوئی شخص یہ کہنے لگے صد حیف! ان کوتاہیوں پر جو مجھ سے سرزد ہوئیں اللہ کے بارے میں...... کاش! مجھے ایک بار پھر موقع دیا جائے تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں گا''۔ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ اگر انہیں دنیا میں لوٹا دیا جائے پھر بھی ہدایت کو قبول نہیں کریں گے، فرمایا: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (الانعام: 28) ''اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے (جیسے ان کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں''۔ فرمایا: وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ ...... اگر انہیں دنیا میں لوٹا بھی دیا گیا پھر بھی ان کے اور ہدایت کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی جس طرح پہلے دنیا میں ان کے اور ایمان کے درمیان ہم حائل ہو گئے تھے (2) اور ہم انہیں چھوڑ دیں گے تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ طغیان کا معنی سرکشی ہے، کفر اور ضلال بھی معنی کیا گیا ہے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰی وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ﴿111﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 313
2۔ تفسیر طبری، جلد 7 صفحہ 313-315

''اور اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ لیکن اکثر ان میں سے (بالکل) جاہل ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو بڑی پختہ قسمیں اٹھا اٹھا کر یہ کہتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ آ گیا تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے، اگر ہم ان کے مطالبہ کو پورا کر دیں اور ان پر ایسے فرشتے اتاریں جو رسولوں کی تصدیق کر کے رسالت کی خبر دیں تو وہ بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ وہ مطالبہ کرتے ہیں: اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا (بنی اسرائیل:92) ''یا آپ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو (بے نقاب کر کے) ہمارے سامنے لے آئیں''۔ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ (الانعام:124) ''کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ دیا جائے جیسے دیا گیا اللہ کے رسولوں کو''۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا (الفرقان:21) ''اور کہا ان لوگوں نے جو امید نہیں رکھتے تھے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو۔ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اپنے دلوں میں اور انہوں نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی''۔

وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى...... فرشتوں کے نزول کے علاوہ مردے اپنی قبروں سے اٹھ کر ان سے ہم کلام ہو جائیں اور ہم ہر چیز لا کر ان کے سامنے جمع کر دیں (تب بھی ایمان نہیں لائیں گے) بعض نے ''قِبَلًا'' قاف کے کسرہ اور باء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ معائنہ اور روبرو ہونے کے معنی میں ہے۔ دوسرے حضرات نے ''قُبُلًا'' قاف اور باء دونوں کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے یا تو وہی معنی ہوگا جس کا ذکر اوپر ہوا یا اس کا معنی ہے فوج درفوج اور گروہ درگروہ۔ یعنی لوگ اگر فوج درفوج آ کر بھی رسولوں کی تصدیق کر دیں پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے، فرمایا: مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، ان کے ہاتھ میں نہیں۔ وہ جسے چاہے راہ ہدایت پر گامزن کر دے اور جسے چاہے گمراہی کی گھاٹی میں پھینک دے، وہ جو چاہے کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں کی جا سکتی جبکہ ان سے باز پرس ہوگی اس لئے کہ وہ علیم، حکیم، غالب اور قہار ہے۔ ان کفار کی حقیقت ایسے ہی ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿96﴾ وَلَوْ جَاۗءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس:96) ''بے شک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آ جائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب''۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿112﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـــِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿113﴾

''اور اسی طرح بنا دیئے ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن (یعنی) سرکش انسان اور جن جو چپکے چپکے سکھاتے تھے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں (لوگوں کو) دھوکہ دینے کے لئے اور اگر چاہتا آپ کا رب تو وہ یہ نہ کرتے، سو چھوڑ دیجئے انہیں اور جو وہ بہتان باندھتے ہیں۔ اور (چھوڑ یئے) تاکہ مائل ہو جائیں اس کی طرف ان کے دل جو نہیں ایمان لائے آخرت پر اور تاکہ پسند کریں اسے اور کرتے رہیں جو گناہ وہ اب کر رہے ہیں''۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اے محمد (ﷺ) جس طرح آپ کے دشمن ہیں جو آپ کی مخالفت کرتے ہیں، آپ سے دشمنی اور عناد رکھتے ہیں اسی طرح آپ سے پہلے ہر نبی کے دشمن اور مخالفین تھے اس لئے آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے بھی ظاہر ہے: وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا (الانعام: 34) ''اور بے شک جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلائے جانے پر اور ستائے جانے پر''۔ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۗ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ (حم السجدة: 43) ''(اے حبیب!) نہیں کہا جاتا آپ کو مگر وہی جو کہا گیا پیغمبروں کو آپ سے پہلے۔ بیشک آپ کا پروردگار (اہل ایمان کیلئے) بہت بخشنے والا اور (منکرین کے لئے) دردناک عذاب دینے والا ہے''۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ (الفرقان: 31) ''اور (اے حبیب!) اسی طرح ہم نے بنائے ہر نبی کے لئے دشمن جرائم پیشہ لوگوں سے''۔ اور ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ آپ جو پیغام لائے ہیں جو بھی یہ پیغام لیکر آیا اس کے ساتھ دشمنی روا رکھی گئی (1)۔

شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یہ ''عَدُوًّا'' سے بدل ہے یعنی شیاطین جن وانس میں سے ان کے دشمن تھے۔ ہر اس کو شیطان کہتے ہیں جو شر میں بے نظیر ہو اور رسولوں سے دشمنی یہی جن وانس میں شیاطین کرتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جنوں میں بھی شیاطین ہیں اور انسانوں میں بھی، یہ ایک دوسرے کو گناہ پر اکساتے رہتے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک دن نماز پڑھنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر! شیاطین جن وانس سے (اللہ کی) پناہ مانگو۔'' عرض کی کہ کیا انسانوں میں بھی شیطان ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں (2)۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت مروی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ لوگوں کی مجلس میں تشریف فرما تھے، مجلس طویل ہوگئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر! کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟'' میں نے عرض کی: یارسول اللہ! نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اٹھو، دو رکعت نماز پڑھ لو'' میں ارشاد کی بجا آوری کے بعد حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا: ''اے ابوذر! کیا تم نے شیاطین جن وانس سے تعوذ کیا تھا؟'' میں نے عرض کی: نہیں، یارسول اللہ! کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں؟ فرمایا: ''ہاں، اور یہ شیاطین جن سے بھی زیادہ شر انگیز ہوتے ہیں'' (3)۔ حضرت ابوذر سے ہی ایک اور روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے عرض کی: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اٹھو اور نماز پڑھو'' میں نماز پڑھ کر پھر بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر! شیطان جن وانس کی شر سے ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ'' پڑھو۔'' میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا انسانوں میں بھی شیطان ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' (4)۔

متعدد طرق سے یہ حدیث الفاظ میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شیاطین جن اور شیاطین انس ایک دوسرے کی طرف وحی کرتے ہیں۔ حضرت عکرمہ آیت کریمہ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ انسانوں میں بھی شیطان ہیں اور جنوں میں بھی۔ شیطان انس،

1۔ فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 22، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 42
2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 5
3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 4
4۔ مسند احمد، جلد 8 صفحہ 178

شیطان جن کے دل میں کوئی شرانگیز بات القاء کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے کو خوشنما باتوں کی تعلیم محض دھوکہ دینے کے لئے دیتے ہیں۔ سدی اور عکرمہ رحمتہ اللہ علیہما اس بارے میں فرماتے ہیں کہ انسانی شیاطین وہ ہیں جو انسانوں کو گمراہی کی تلقین کرتے ہیں اور جناتی شیاطین وہ ہیں جو جنات کو گمراہی کی تعلیم دیتے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ میں نے تو اپنے ساتھی کو اس طریقہ سے بہکا دیا تو بھی اس طرح اپنے ساتھی کو گمراہی میں ڈال دے۔ اس طریقے سے وہ ایک دوسرے کو سکھاتے ہیں اور گناہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ ابن جریر نے اس سے یہ سمجھا کہ عکرمہ اور سدی کے نزدیک شیاطین انس سے مراد وہ شیاطین جن ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں نہ کہ اس سے مراد شیاطین انس ہیں جو انسانوں میں سے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عکرمہ کے ظاہر کلام کا یہی تقاضا ہے۔ لیکن کلام سدی ایسا نہیں اگرچہ اس میں اس معنی کا احتمال ضرور ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا کے بارے میں یہ منقول ہے کہ جس طرح انسانوں کو گمراہ کرنے والے انسانی شیطان ہیں اسی طرح جنوں میں بھی شیاطین ہیں جو انہیں گمراہ کرتے ہیں۔ جن و انس کے شیاطین آپس میں ملتے ہیں اور ایک دوسرے کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اس طرح گمراہ کرو۔ بہرکیف صحیح وہی ہے جو حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ میں گزرا کہ انسانی شیطان انہی میں سے ہیں اور ہر شے کا شیطان اس کا سرکش فرد ہے۔ اسی لئے صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''سیاہ کتا بھی شیطان ہے'' (1)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ کتوں کا شیطان ہے۔ مجاہد اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ جنوں کے کفار شیاطین جن ہیں وہ شیاطین انس جو کفار انس ہیں، کی طرف دھوکہ دینے کے لئے ملمع شدہ بات کی وحی کرتے ہیں۔ عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ میں مختار کے پاس گیا اس نے مجھے بڑے احترام سے ٹھہرایا اور مہمان نوازی کی۔ قریب تھا کہ وہ میرے لئے شب بسری کا انتظام کر دیتا۔ اس نے مجھے کہا کہ جاؤ اور لوگوں کے ساتھ گفتگو کرو۔ میں نکلا ایک آدمی نے مجھ سے پوچھا کہ وحی کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا کہ وحی دو قسم کی ہے، ایک وہ جو اس فرمان میں مذکور ہے بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ (یوسف: 3) ''اس قرآن کے ذریعہ جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے)۔ اور دوسری وہ ہے جو شیطانی وحی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا یہ سنتے ہوئے حاضرین نے مجھے پکڑنا چاہا اور زدوکوب کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے انہیں کہا کہ میں تو تمہارا مہمان ہوں اور ایک بات تمہیں بتا رہا تھا، چنانچہ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ دراصل عکرمہ نے یہ بات مختار پر پیش کی تھی۔ یہ بدبخت ابن ابی عبید ہے خدا اس کا ناس کرے، یہ خیال کیا کرتا تھا کہ اس پر بھی وحی اترتی ہے۔ اس کی بہن صفیہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی زوجہ تھیں اور پاکباز اور صالح خاتون تھیں۔ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ مختار دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر وحی اترتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ وہ اس آیت کا مصداق ہے: وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ (الانعام: 122) ''اور بے شک شیطان ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کے دلوں میں (اعتراضات)''۔

يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ...... وہ ایک دوسرے کی طرف ایسی خوشنما اور پرکشش بات القاء کرتے ہیں کہ جاہل سامع سنتے ہی دھوکہ کھا جاتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت، ارادہ اور قضاء وقدر یہی ایسے ہے کہ ہر نبی کا ان میں سے دشمن ہو۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ: 365

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ آپ انہیں بھی ترک کر دیں اور ان کی الزام تراشی کو بھی۔ ان کی ایذاء رسانی کو نظر انداز کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں کیونکہ ان کے مقابلے وہی آپ کے لئے کافی ہے اور وہی آپ کا مددگار ہے۔

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ...... آپ انہیں چھوڑ دیں تا کہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل، عقلیں اور کان اس کی طرف جھک جائیں۔ سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد کافروں کے دل ہیں۔

وَلِيَرْضَوْهُ اور یہ (اس لئے بھی) کہ وہ اسے پسند کرلیں اور اس کا ارادہ کرلیں، ایسی بیہودہ باتوں پر تو وہی لبیک کہتا ہے جس کا آخرت پر ایمان نہ ہو، جس طرح فرمایا: فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۝ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ (الصافات: 163-161) ”پس تم اور جن (جھوٹے خداؤں) کی پوجا کرتے ہو۔ تم (سب مل کر) اللہ کے خلاف (کسی کو) نہیں بہکا سکتے۔ مگر اسے جو تاپنے والا ہے بھڑکتی آگ کو“۔ اور فرمایا: اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ (الذاریات: 9-8) ”بے شک تم مختلف (بے ربط) باتوں میں پڑے ہو۔ منہ پھیرے ہے اس (قرآن) سے جس کا منہ ازل سے ہی پھیر دیا گیا ہے“۔

وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ اور تا کہ وہ ان اعمال کا ہی ارتکاب کرتے رہیں جن کا وہ اب کر رہے ہیں۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

”(آپ ان سے پوچھئے) کیا اللہ کے سوا میں تلاش کروں کوئی اور منصف حالانکہ وہی ہے جس نے اتاری ہے تمہاری طرف کتاب مفصل۔ اور جن کو ہم نے دی ہے کتاب وہ (اچھی طرح) جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) اتارا گیا ہے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ۔ تو (اے سننے والے!) ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں سے اور مکمل ہوگئی آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے نہیں کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کا اور وہی ہے سب کچھ سننے والا جاننے والا“۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے مشرکین سے آپ فرما دیں کہ کیا میں اپنے اور تمہارے درمیان اللہ کے سوا کسی اور کو منصف قرار دے لوں حالانکہ اس نے تمہاری طرف ایک تفصیلی کتاب نازل کی ہے اور جن یہود و نصاریٰ کو ہم نے کتاب عطا کی ہے وہ بھی یہ جانتے ہیں کہ یہ حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے کیونکہ قرآن اور صاحب قرآن کے بارے میں سابقہ انبیائے کرام کی بشارتیں ان کی کتابوں میں موجود ہیں، پس تم شک میں نہ پڑ جاؤ جس طرح اس آیت میں ہے: فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (یونس: 94) ”اور (اے سننے والے!) اگر تجھے کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے (اپنے نبی کے ذریعے) تیری طرف اتارا تو دریافت کر ان لوگوں سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے۔ بیشک آیا ہے تیرے پاس حق تیرے رب کی طرف سے پس ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں سے“۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ سے شک کا اندیشہ تھا اس لئے منع فرمایا، بلکہ یہ شرط ہے اور ضروری نہیں کہ شرط واقع بھی ہو جائے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نہ شک کرتا ہوں اور نہ سوال“۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا اللہ تعالیٰ جو فرمائے اور خبر دے اس میں سچا ہے اور جو فیصلہ فرمائے اور حکم دے اس میں وہ عادل ہے (1)۔ جس چیز کی وہ خبر دے وہ حق ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا، جس چیز کا وہ حکم دے وہ عین عدل ہوتا ہے جس کے سوا کوئی عدل نہیں ہوسکتا اور جس چیز سے وہ منع فرمادے وہ چیز باطل ہے کیونکہ وہ کسی چیز سے منع فرماتا ہے تو اس چیز کے فساد کے باعث ہی منع کرتا ہے جیسا کہ فرمایا: يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ (الاعراف: 157) ''وہ نبی حکم دیتا ہے انہیں نیکی کا اور روکتا ہے انہیں برائی سے''۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ...... کسی کے بس میں نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو تبدیل کردے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ وہ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا ہے اور ان کی حرکات وسکنات کو جاننے والا ہے۔ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا ملے گی۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١١٧﴾

''اور (سننے والے!) اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے، وہ نہیں پیروی کرتے سوائے گمان کے اور نہیں ہیں وہ مگر محض تخمینے لگاتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون بہکتا ہے اس کی راہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو''۔

فرمایا کہ اکثر بنی آدم کی حالت یہ ہے کہ وہ گمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ (الصافات: 71) ''اور بہک گئے تھے ان سے قبل بہت سے پہلے لوگ'' اور فرمایا: وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف: 103) ''اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہیں، ایمان لانے والے''۔ گمراہی میں مبتلا ہونے کے باوجود تماشا یہ ہے کہ ان بدبختوں کو اپنے معاملہ کے بارے میں بھی یقینی علم نہیں یہ محض جھوٹے ظن وتخمین کے گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔ خرص کا معنی ہے انکل پچو اور اندازہ لگانا اسی سے خرص النخل ہے یعنی کھجور کے درخت پر جو کھجوریں ہیں ان کا اندازہ اور تخمینہ لگانا۔ ان کا ظن وتخمین کی وادی میں بھٹکنا تقدیر الٰہی کے باعث ہے۔ وہ جانتا ہے جو اس کی راہ سے گمراہ ہوجاتا ہے تو اس کے لئے اس راہ ضلال کو آسان بنادیتا ہے اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی جانتا ہے اور ان کے لئے راہ راست آسان بنادیتا ہے اور ہر ایک کے لئے وہی آسان ہے جس (مقصد) کے لئے اسے پیدا کیا گیا۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَاۗىِٕهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿١١٩﴾

''تو کھاؤ اس میں سے لیا گیا ہے نام خدا جس پر اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان لانے والے ہو اور کیا ہوا تمہیں کہ نہیں کھاتے ہو

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 9 عن قتادۃ

تم اس جانور کو لیا گیا ہے اللہ کا نام جس پر حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مفصل بیان کر دیا ہے تمہارے لئے جو اس نے حرام کیا تم پر مگر وہ چیز کہ تم مجبور ہو جاؤ اس کی طرف۔ اور بے شک بہت سے لوگ گمراہ کرتے ہیں اپنی خواہشوں سے۔ بے علمی کے باعث بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لئے مباح قرار دے دیا ہے کہ وہ اس ذبیحہ کو کھائیں جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے وہ مباح نہیں بلکہ حرام ہے۔ جس طرح کفار قریش مردار کا کھانا اور ان جانوروں کا کھانا مباح سمجھتے تھے جنہیں بتوں وغیرہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر اس جانور کا کھانا جائز قرار دیا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو، فرمایا: وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ یعنی اس نے حرام چیزوں کے بارے میں تمہیں تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بتا دیا ہے۔ ''فَصَّلَ'' تشدید اور تخفیف دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے (1)۔ دونوں صورتوں میں بیان اور وضاحت کے معنی میں ہو گا۔

اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ہاں اضطراری اور مجبوری کی حالت میں جو کچھ تمہیں ملے (خواہ حرام ہو) تمہارے لئے مباح ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ مشرکین کی مردار اور غیر خدا کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو حلال سمجھنے کے بارے میں فاسد آراء کا ذکر کر کے ان کی جہالت سے پردہ اٹھاتا ہے فرمایا: وَ اِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی زیادتی، کذب اور افتراء سے خوب واقف ہے۔

وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

''اور ترک کر دو ظاہری گناہ کو اور چھپے ہوئے کو بے شک وہ لوگ جو کماتے ہیں گناہ (تو) جلدی ہی سزا دی جائے گی انہیں (اس گناہ کی) جس کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے''۔

مجاہد اس کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ خفیہ اور اعلانیہ معصیت ترک کر دو۔ ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد وہ گناہ ہے جس کے کرنے والے نے اس کی نیت کی ہو (2)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مخفی اور اعلانیہ، قلیل اور کثیر گناہ مراد ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ ظاہری اثم سے مراد ان رنڈیوں اور فاحشہ عورتوں سے زنا کرنا ہے جنہوں نے بطور علامت اپنے گھروں کے اوپر جھنڈے لگا رکھے تھے اور باطنی اثم سے مراد ان عورتوں کے ساتھ چوری چھپے زنا کرنا ہے جن کے ساتھ خفیہ تعلقات ہوں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ ظاہری گناہ سے مراد محرم عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا ہے، صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ یہ ساری توضیحات اس میں شامل ہیں، کسی کی تخصیص نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الاعراف: 33) ''آپ فرمائیے بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو ظاہر ہیں ان میں سے اور جو پوشیدہ ہیں''۔ اس لئے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ یعنی جس گناہ کا بھی وہ ارتکاب کریں گے خواہ ظاہر ہو یا باطن، اللہ تعالیٰ عنقریب انہیں اس کا بدلہ دے گا۔ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ گناہ کیا ہے؟ فرمایا: اَلْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ النَّاسُ عَلَيْهِ (3)۔ ''گناہ وہ ہے جو تمہارے

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 12　　2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 14　　4۔ صحیح مسلم، کتاب البر 1980، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 182

دل میں کھٹکے اور تمہیں یہ ناپسند ہو کہ لوگ اس پر مطلع ہو جائیں''۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

''اور مت کھاؤ اس جانور سے کہ نہیں لیا گیا اللہ کا نام اس پر اور اس کا کھانا نافرمانی ہے اور بے شک شیطان ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کے دلوں میں (اعتراضات) تاکہ وہ تم سے جھگڑیں اور اگر تم نے ان کا کہنا مانا تو تم مشرک ہو جاؤ گے''۔

وہ شخص جس کا یہ کہنا ہے کہ ذبیحہ پر جب اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ حرام ہے خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو، اس نے اس آیت سے ہی استدلال کیا ہے۔ اس مسئلہ میں فقہائے کرام رحمہم اللہ کے تین اقوال ہیں: بعض کہتے ہیں کہ اس قسم کا ذبیحہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو، حلال نہیں۔ خواہ تسمیہ (بِسْمِ اللّٰهِ ....) دانستہ چھوڑا گیا ہو یا غیر دانستہ۔ حضرات ابن عمر، نافع، عامر، ابن سیرین، بہت سے متقدمین و متاخرین فقہاء، ابوثور، داؤد الظاہری اور محمد بن علی الطائی الشافعی سے یہی روایت ہے۔ ان حضرات نے اپنے موقف کی تائید میں مذکورہ بالا آیت اور یہ آیت صید پیش کی ہے: فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ (المائدۃ:4) ''تو کھاؤ اس میں سے جسے پکڑے رکھیں تمہارے لئے اور لیا کرو اللہ کا نام اس جانور پر''۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان: وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ کے ذریعے اس کو مؤکد کیا ہے، ''اِنَّهٗ'' میں ضمیر کا مرجع یا اکل (ایسے ذبیحہ کا کھانا) ہے، یا پھر الذبح علی غیر اللہ (غیر اللہ کے نام پر ذبیحہ) ہوسکتا ہے۔ اور مختلف احادیث جو ذبیحہ اور صید (شکار) کے وقت تسمیہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ بھی مذکورہ موقف کو پختہ کرتی ہیں، جس طرح عدی بن حاتم اور ابوثعلبہ کی احادیث ہیں: ''جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑو اور اس وقت بسم اللہ پڑھ لو تو وہ جو شکار پکڑ کر تمہارے پاس لائے، تو اس میں سے کھا سکتے ہو'' (1)۔ یہ دونوں حدیثیں صحیحین میں ہیں اور رافع بن خدیج کی حدیث بھی: ''جس کا خون بہا ہو اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اسے کھاؤ'' (2)۔ مسلم کی بھی ایک حدیث ہے جسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنوں سے فرمایا: ''تمہارے لئے ہر وہ ہڈی جائز ہے جس پر اللہ کا نام لیا جائے'' (3)۔ اور حدیث جندب بن سفیان البجلی میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے (عید الاضحیٰ کی) نماز پڑھنے سے پہلے جانور ذبح کر دیا اسے چاہئے کہ وہ اس کی بجائے ایک دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے نماز تک ذبح نہیں کیا وہ (نماز کے بعد) اللہ کا نام لیکر ذبح کر دے'' (4)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! لوگ ہمارے پاس گوشت لیکر آتے ہیں اور تحفہ میں دیتے ہیں، ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا تھا یا نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم خود بسم اللہ پڑھ کر کھا لو'' (5)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ نو مسلم لوگ تھے۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ تسمیہ (بسم اللہ پڑھنا) ذبح کے وقت ضروری ہے اور انہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ عین ممکن ہے انہوں نے نو مسلم ہونے کے باعث تسمیہ ترک کر دیا ہو۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے کھاتے وقت احتیاطاً تسمیہ کا حکم دیا تاکہ اگر بالفرض ذبح کے وقت تسمیہ ترک بھی ہو گیا ہو تو یہ اس کا بدل بن جائے اور انہیں تمام احکام کے ٹھیک طریقہ سے اجراء کا حکم ارشاد فرمایا۔ اس مسئلہ میں دوسرا مسلک یہ ہے کہ ذبح کے وقت تسمیہ شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ دانستہ یا نادانستہ جس طرح بھی چھوڑ دیا کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ امام شافعی کا

1۔ دیکھئے تخریج کے لئے تفسیر سورۂ مائدہ: 4
2۔ فتح الباری، کتاب الذبائح، جلد 9 صفحہ 631، صحیح مسلم، کتاب الاضاحی 1558
3۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ: 332
4۔ فتح الباری، کتاب الذبائح، جلد 9 صفحہ 630، صحیح مسلم، کتاب الاضاحی: 1551
5۔ فتح الباری، کتاب الذبائح، جلد 9 صفحہ 634

مذہب ہے، امام مالک سے بھی اس طرح کی ایک روایت ہے، حضرت عطاء بن ابی رباح، ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہ منقول ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے آیت کریمہ وَلَا تَاۡكُلُوۡا مِمَّا لَمۡ يُذۡكَرِ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ وَاِنَّهٗ لَفِسۡقٌ کو " ذبح لغیر اللہ " پر محمول کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: اَوۡ فِسۡقًا اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ (الانعام: 146) " یا جو نافرمانی کا باعث ہو (یعنی) وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند کیا جائے "۔ اور ابن جریج عطاء سے اس کی یہ وضاحت نقل کرتے ہیں کہ ان جانوروں کے کھانے کی ممانعت ہے جنہیں قریش بتوں کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے اور اسی طرح مجوس کے ذبائح کھانے کی بھی ممانعت ہے۔ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا اختیار کردہ یہ مسلک قوی ہے اور متاخرین میں سے کسی نے اس کو اس طرح قوی بنانے کی کوشش کی ہے کہ " وَاِنَّهٗ لَفِسۡقٌ میں واؤ حالیہ ہے، آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ اس حال میں کہ وہ فسق ہو، اور فسق وہی چیز ہے جسے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ پھر یہ دعویٰ کیا کہ یہ توجیہہ متعین ہے اور یہ جائز نہیں کہ واؤ عاطفہ ہو کیونکہ اس سے جملہ اسمیہ کا جملہ فعلیہ پر عطف لازم آئے گا جو درست تصور نہیں کیا جاتا۔ لیکن یہ توجیہہ اس آیت کریمہ وَاِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ لَيُوۡحُوۡنَ اِلٰٓى اَوۡلِيٰٓـئِهِمۡ سے ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ یہاں لامحالہ واؤ عاطفہ ہی ہے۔ جس واؤ کے بارے میں یہ خیال ہے کہ وہ حالیہ ہے اگر واقعی یہ درست ہو تو اس کا اس پر عطف ممتنع ہوگا اور اگر اس کا عطف جملہ طلبیہ (لَا تَاۡكُلُوۡا) پر کیا جائے تو ان پر بھی وہی اعتراض وارد ہوگا جو وہ دوسرے پر کر رہے ہیں۔ اگر واؤ حالیہ نہ ہو تو ان کا دعویٰ سرے سے ہی ختم ہو جائے گا اور توجیہ باطل ہو جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مردار ہے۔ اس مذہب کی تائید ایک مرسل حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے وہ اس پر اللہ کا نام لے یا نہ لے کیونکہ اگر وہ نام لیتا تو اللہ ہی کا لیتا۔ " یہ مرسل ہے اور اس کی تائید دار قطنی کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: جب مسلمان ذبح کرے اور اللہ کا نام نہ بھی لے تو اسے کھایا جا سکتا ہے کیونکہ مسلمان میں گویا خدا کا ہی کوئی نام ہے "(1) یعنی ذبح کرے گا تو نیت یہی ہوگی کہ وہ خدا کے نام پر ذبح کر رہا ہے۔ بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے دلیل پکڑی ہے جو ابھی گزری ہے کہ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کہ نو مسلم لوگ ہمارے پاس گوشت کا تحفہ لاتے ہیں، ہمیں علم نہیں ہوتا کہ انہوں نے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: " تم خود بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ " اگر تسمیہ شرط ہوتا تو حضور انہیں بغیر تحقیق کے کھانے کی اجازت نہ دیتے (2)۔ اس مسئلہ میں تیسرا مذہب یہ ہے کہ اگر بھولے سے ذبیحہ پر بسم اللہ ترک ہوگئی تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر جان بوجھ کر تسمیہ ترک کر دیا تو جانور حرام ہوگا۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے حضرات علی، ابن عباس، سعید بن مسیب، عطاء، طاؤس، حسن بصری وغیرہ (رضی اللہ عنہم) سے بھی یہی منقول ہے۔ امام ابوالحسن مرغینانی نے اپنی کتاب " ہدایہ " میں نقل کیا ہے کہ امام شافعی سے پہلے اس بات پر اجماع تھا کہ قصداً تسمیہ ترک کر دینے سے ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے، اسی لئے امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر مشائخ کہتے ہیں کہ اگر کوئی حاکم ایسے ذبیحہ کے بیع کی اجازت دے دے تو اس کا حکم نافذ نہیں ہوگا کیونکہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔ صاحب ہدایہ کا یہ کہنا عجیب ہے حالانکہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے پہلے بھی ایسا اختلاف ثابت ہے (3)۔ امام ابوجعفر بن جریر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نے (تسمیہ) بھول جانے والے کے ذبیحہ کو حرام قرار دے دیا وہ متفق علیہ دلیل سے نکل گیا

1۔ سنن دار قطنی، باب الصید والذبائح، جلد 4 صفحہ 295-296
2۔ دیکھئے سنن بیہقی کتاب الصید والذبائح، جلد 9 صفحہ 239
3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 20

اور اس نے اس بات کی مخالفت کی جو اس حدیث سے ثابت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کے لئے خود اس کا مسلمان ہونا ہی کافی ہے، اگر وہ ذبح کرتے وقت تسمیہ بھول جائے تو چاہئے کہ کھاتے وقت اللہ کا نام لے''(1)۔ ابن جریر وغیرہ نے شعبی اور محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے کہ وہ بھولے سے ترک تسمیہ کو مکروہ سمجھتے تھے اور لفظ کراہت کا اطلاق عموماً حرام پر کرتے (2)۔ امام ابن جریر کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ جمہور کے مقابلے میں ایک دو افراد کے قول کو وقعت نہیں دیتے اور جمہور کی بات کو اجماع ہی شمار کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ بہت سے پرندے میرے پاس لائے گئے، ان میں سے بعض پر تو اللہ کا نام لیا گیا اور کچھ پر بھولے سے اللہ کا نام نہ لیا گیا، دونوں قسم کے پرندے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل گئے تو حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کھاؤ کھاؤ۔ محمد بن سیرین سے یہی سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جن پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا انہیں نہ کھاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ اس مذہب کی تائید میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے: إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ(3)۔ ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، نسیان اور جس غلطی پر مجبور کر دیا جائے معاف فرما دیا ہے''۔ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو ذبح کے وقت بسم اللہ بھول جائے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا نام مسلمان کے مسلمان ہونے میں ہی مضمر ہے'' لیکن اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ مروان بن سالم ابو عبداللہ شافعی اس کے راوی ہیں جن پر بہت سے ائمہ نے جرح کی ہے۔ میں نے اس مسئلہ کے بارے میں ایک الگ رسالہ لکھا ہے جس میں ائمہ کے مذاہب، ماخذ، دلائل، مناقضات اور معارضات سب ذکر کر دیئے ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس آیت کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ کیا اس کا حکم منسوخ ہے یا نہیں؟ بعض نے کہا ہے کہ اس کا حکم بالکل منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم اور واجب العمل ہے۔ اسی بناء پر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور اہل علم کا قول ہے۔ حضرات عکرمہ اور حسن بصری رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ اور فرمایا: وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ۔ یہ آیت منسوخ ہے اور اس حکم سے وہ کھانا مستثنیٰ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے: وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ (المائدۃ: 5) ''اور کھانا ان لوگوں کا جنہیں دی گئی کتاب حلال ہے تمہارے لئے اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لئے''(4)۔ مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا: وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ پھر مسلمانوں پر رحم کرتے ہوئے اسے منسوخ کر دیا اور فرمایا: ''الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ (المائدۃ: 5)'' آج حلال کر دی گئیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں اور کھانا ان لوگوں کا جنہیں دی گئی کتاب حلال ہے تمہارے لئے''۔ یعنی پہلے حکم کو اس آیت کے ذریعے منسوخ فرما دیا اور اہل کتاب کا کھانا حلال قرار دے دیا۔ پھر ابن جریر کہتے ہیں کہ صحیح تو یہی ہے کہ اہل کتاب کے کھانے کے حلال ہونے اور اللہ کا نام نہ لئے گئے ذبیحہ کے حرام ہونے میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ ان کا یہ کہنا درست ہے اور جس نے مطلق نسخ کا قول کیا ہے تو اس کے ذہن میں بھی اس کی تخصیص مراد ہے۔

وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ...... ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ مختار دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی طرف وحی اترتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے اور پھر مذکورہ آیت تلاوت کی۔ ابو زمیل کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا

1۔ سنن بیہقی، کتاب الصید والذبائح، جلد 9 صفحہ 239
2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 19-20
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق: 659
4۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 21

ہوا تھا، اس وقت مختار حج کی غرض سے آیا ہوا تھا۔ ایک آدمی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے ابن عباس! ابواسحاق گمان کرتا ہے کہ آج رات اس پر وحی اتری ہے۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے، وہ آدمی بدکا اور حیرانی سے کہنے لگا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے کہ وحی دو قسم کی ہوتی ہے! وحی الٰہی اور وحی شیطانی۔ اللہ کی وحی حضرت محمد ﷺ کی طرف ہے اور شیطان کی وحی اس کے دوستوں کی طرف۔ پھر مذکورہ آیت پڑھی۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا ہی قول پہلے گزر چکا ہے(1)۔

لِيُجَادِلُوْكُمْ حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ یہود نبی کریم ﷺ سے جھگڑتے اور کہتے کہ بڑی عجیب بات ہے کہ جس جانور کو ہم قتل کر دیں وہ تو کھا سکتے ہیں اور جس جانور کو خود اللہ تعالیٰ مار دے اسے نہیں کھا سکتے؟ تو اس وقت یہ آیت اتری: وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ (2)۔ یہ روایت مرسل ہے اور ابوداؤد نے اسے متصلاً روایت کیا ہے۔ یہ تین وجوہات سے محل نظر ہے:

1۔ یہود مردار کے کھانے کو جائز ہی نہیں سمجھتے تھے، پھر وہ مجادلہ کیونکر کرتے۔

2۔ یہ آیت سورۂ انعام میں ہے جو مکی ہے اور یہود تو مدینہ میں تھے۔

3۔ اس حدیث کو ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور ترمذی کے الفاظ ہیں کہ چند لوگ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے۔ پھر اس حدیث کا ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے، سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہ مرسل ہے(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ جب یہ آیت کریمہ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اتری تو اہل فارس نے قریش کو کہلا بھیجا کہ اس بارے میں محمد ﷺ سے بحث مباحثہ کرو اور کہو کہ جس کو تم اپنے ہاتھ سے چھری کے ساتھ ذبح کرو وہ تو حلال ہے اور جس کو خدا نے اپنی سنہری شمشیر سے ذبح کیا یعنی مردار وہ حرام ہے، یہ کیا عجیب معاملہ ہے! تو اس وقت یہ آیت اتری: وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ یعنی فارس کے شیاطین اپنے قریشی دوستوں کے دل میں یہ بات ڈالتے ہیں(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کفار کہا کرتے تھے کہ کیا تعجب خیز بات ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ مار دے اسے نہ کھاؤ اور جسے تم ذبح کرو اسے کھالو تو اس وقت یہ آیت وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اتری(5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہود کا لفظ نہیں ہے(6)۔ اس لئے اشکال سے بچنے کا یہی محفوظ راستہ ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور یہود بھی تو مردار کھانا پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ سے مروی ہے کہ شیطان اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں کہ تم جسے قتل کرو اسے کھاؤ اور جسے اللہ تعالیٰ مار دے اسے نہ کھاؤ۔ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جس کو تم قتل کرو وہ وہ ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اور جو مر گئے وہ وہ ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا(7)۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ مشرکین قریش اور اہل فارس کے درمیان خط و کتابت ہوئی، اہل فارس نے انہیں لکھ بھیجا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں حالانکہ بڑی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے اپنی سنہری چھری کے ساتھ ذبح کر ڈالے اسے نہیں کھاتے اور جسے وہ خود ذبح کریں اسے کھا لیتے ہیں تو مشرکین نے یہ سب کچھ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام: 112 — 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 101 تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 18-19

3۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ انعام، جلد 11 صفحہ 190-191 — 4۔ معجم طبرانی کبیر، جلد 11 صفحہ 241

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 101، سنن ابن ماجہ، کتاب الذبائح 1059 — 6۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 18 — 7۔ ایضاً

صحابہ کرام کی طرف لکھ بھیجا تو ان کے دلوں میں ایک شبہ پیدا ہو گیا تو اس وقت یہ آیات اتریں: وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ...... اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ۔ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (1)۔ سدی اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے مسلمانوں سے کہا کہ تم کیونکر یہ دعویٰ کر سکتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہو حالانکہ معاملہ یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ قتل کر دے تم اسے نہیں کھاتے اور جسے تم خود ذبح کرو اسے کھا لیتے ہو؟ تو فرمایا: وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (2)۔ یعنی اگر مردار کھانے کے معاملہ میں تم نے ان کی حجت کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے انحراف کیا تو تم بھی مشرک بن جاؤ گے جیسا کہ فرمایا: اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ: 31) ''انہوں نے بنایا اپنے پادریوں اور اپنے راہبوں کو (اپنے) پروردگار اللہ کو چھوڑ کر)''۔ یہ سن کر عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے؟ فرمایا: ہاں، وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے بلکہ انؔ کے لئے وہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا دیتے تھے، اس میں وہ ان کی پیروی کرتے تو یہ عبادت ہی ٹھہری'' (3)۔

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

''کیا وہ جو (پہلے) مردہ تھا پھر زندہ کیا ہم نے اسے اور بنا دیا اس کے لئے نور چلتا ہے جس کے اجالے میں لوگوں کے درمیان وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو نہیں نکلنے والا ان سے یونہی آراستہ کر دیئے گئے کافروں کے لئے وہ اعمال جو وہ کیا کرتے تھے''۔

یہ مثال ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے لئے بیان فرما رہا ہے، وہ مومن جو پہلے مردہ تھا یعنی گمراہی میں بھٹکتا ہوا ہلاکت کے قریب تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندگی بخشی، اس کے دل کو ایمان کے ساتھ زندہ کر دیا، اسے راہ ہدایت پر گامزن کیا اور اتباع رسل کی توفیق ارزانی فرمائی اور اس کے لئے قرآن کی صورت میں نور پیدا کر دیا جس کی برکت سے وہ ہدایت پاتا ہے اور درست تصرف کرتا ہے، کیا یہ (سعادتمند) اس (بدنصیب کی) طرح ہی ہے جو جہالتوں، خواہشات نفسانی اور مختلف قسم کی گمراہیوں میں بھٹکتا پھر رہا ہے ان سے نکلنے کی کوئی راہ اسے دکھائی نہیں دیتی اور نہ ہی ان سے چھٹکارا پانے کی کوئی سبیل اسے نظر آتی ہے۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تاریکی میں اپنی مخلوق کو پیدا کیا، پھر ان پر اپنے نور کی بارش کی۔ جس تک وہ نور پہنچ گیا وہ ہدایت پا گیا اور جس تک وہ نور نہ پہنچا وہ گمراہ ہو گیا (4)۔ جیسا کہ ارشاد ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ۬ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ: 257) ''اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا نکال لے جاتا ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف اور جنہوں نے کفر کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں نکال لے جاتے ہیں انہیں نور سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں''۔ اور فرمایا: اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الملک: 22) ''کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا پڑتا چلا جا رہا ہے وہ راہ راست پر ہے یا جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے''۔ اور فرمایا: مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَ الْاَصَمِّ وَ الْبَصِيْرِ وَ السَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (ہود: 24) ''ان دونوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 16
2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 18
3۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورہ توبہ، جلد 11 صفحہ 238-239
4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 176-196

فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا ہو۔ کیا یکساں ہے ان دونوں کا حال۔ کیا تم (اس مثال میں) غور وفکر نہیں کرتے''۔ اور فرمایا: وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَ الْبَصِیْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ (فاطر:23-19)'' اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا۔ اور نہ (یکساں ہیں) اندھیرے اور نور۔ اور نہ (یکساں ہے) سایہ اور تیز دھوپ۔ اور نہ ایک جیسے ہیں زندے اور مردے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں۔ نہیں ہیں آپ مگر بروقت ڈرانے والے''۔ اس مضمون کی متعدد آیات ہیں جن میں وجہ مناسبت نور اور ظلمات کی مثالیں ہیں اور اوائل سورت میں بھی انہی کا ذکر ہوا۔ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (الانعام:1)۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد دو معین آدمیوں کی مثال ہے اور وہ ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، اسلام لانے سے قبل مردہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ہدایت دیکر زندہ کر دیا اور قرآن کا نور عطا فرما دیا جس سے بصیرت کی آنکھ کھل گئی اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد عمار بن یاسر ہیں۔ لیکن جو ظلمات میں ہے اس سے مراد ابو جہل ہے لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے جس میں ہر مومن و کافر داخل ہے۔

كَذٰلِكَ زُيِّنَ ...... یعنی کفار کی جہالت اور گمراہی کے باعث ان کے اعمال ان کی نگاہوں میں آراستہ کر دیئے گئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے، وہ یکتا، معبود حقیقی اور وحدہ لاشریک ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِیْهَا لِیَمْكُرُوْا فِیْهَا ؕ وَمَا یَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا كَانُوْا یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

''اور اسی طرح ہم نے بنایا ہر بستی میں اس کے بڑے لوگوں کو وہاں کے مجرم تاکہ وہ مکر وفریب کیا کریں اس میں اور نہیں فریب دیتے مگر اپنے آپ کو اور وہ (اس بات کو) نہیں سمجھتے۔ اور جب آئے ان کے پاس کوئی نشانی کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ دیا جائے جیسے دیا گیا اللہ کے رسولوں کو، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دل کو) جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت کو، عنقریب پہنچے گی جنہوں نے جرم کئے ذلت اللہ کے ہاں اور عذاب سخت بوجہ ان مکروں کے جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سے فرماتا ہے کہ اے محمد! جس طرح آپ کی بستی میں بڑے بڑے لوگ اور زعماء مجرم ہیں جو کفر کی طرف لوگوں کو اکساتے ہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور آپ کی مخالفت وعداوت میں پیش پیش ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں، اسی طرح آپ سے پہلے رسولوں کو بھی اسی طرح آزمایا گیا لیکن آخرکار فتح انہی کی ہوئی اور وہ جھٹلانے والے ناہنجار تباہ کر دیئے گئے۔ فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ (الفرقان:31)'' اور (اے حبیب!) اسی طرح ہم نے بنائے ہر نبی کے لئے دشمن جرائم پیشہ لوگوں سے''۔ اور فرمایا: وَاِذَاۤ اَرَدْنَاۤ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا (بنی اسرائیل:16)'' اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہلاک کر دیں

کسی بستی کو (اس کے گناہوں کے باعث) تو (پہلے) ہم (نبیوں کے ذریعہ) وہاں کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں مگر وہ (الٹا) نافرمانی کرنے لگتے ہیں"۔ بعض نے کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے انہیں اطاعت کا حکم دیا لیکن انہوں نے مخالفت کی اس لئے ہم نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اور بعض کے نزدیک معنی یہ ہے کہ ہم نے تقدیر میں لکھا ہوا حکم دیا تا کہ وہ مکر وفریب کریں۔

اَکٰبِرَ مُجْرِمِیْهَا...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی یہ وضاحت منقول ہے کہ ہم نے حکام کو سب سے زیادہ شریر بنا دیا۔ جب انہوں نے نافرمانی کی تو سب بستی والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ اکابر سے مراد بستی کے زعماء اور لیڈر ہیں، جھٹلانا ان زعماء کا وطیرہ ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَ قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ۙ وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ (سبا: 35-34) "اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر یہ کہ (برملا) کہہ دیا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے ہم اس (دین) کا جو دے کر تم بھیجے گئے ہو انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے (تم کون ہوں ہمیں ڈرانے والے) ہمارا مال بھی (تم سے) زیادہ ہے اور اولاد بھی۔ اور ہمیں عذاب نہیں دیا جا سکتا"۔ اور فرمایا: وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (الزخرف: 23) "اور اسی طرح جب بھی ہم نے بھیجا آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا تو کہا وہاں کے عیش پرستوں نے کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نشانات قدم کی پیروی کرنے والے ہیں"۔ یہاں مکر سے مراد ان کا خوشنما باتوں کے ذریعے لوگوں کو گمراہی کی دعوت دینا ہے جیسا کہ قوم نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۝ (نوح: 22) "اور انہوں نے بڑے بڑے مکر وفریب کئے"۔ اور جیسا کہ یہ ارشاد ہے: وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ یَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضِ ﹰالْقَوْلَ ۚ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِیْنَ ۝ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰی بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ ۝ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا (سبا: 33-31) "کاش! تم (وہ منظر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کئے جائیں گے اپنے رب کے روبرو۔ اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ کہیں گے وہ لوگ جو (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار ہوتے۔ جواب دیں گے متکبران کمزوروں کو کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت (قبول کرنے) سے جب (نور ہدایت) تمہارے پاس آیا تھا، درحقیقت تم خود مجرم تھے۔ کہیں گے وہ کمزور لوگ ان مغروروں سے (یوں نہیں) بلکہ تمہارے شب و روز کے مکر وفریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسر بنائیں"۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں مکر سے مراد عمل ہے۔

وَمَا یَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ یعنی ان کے مکر وفریب اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا وبال خود انہیں پر پڑے گا جس طرح ان آیات میں فرمایا: وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (العنکبوت: 13) "اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور دوسرے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ"، وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ (النحل: 23) "اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں وہ گمراہ کرتے رہتے ہیں جہالت سے۔ کتنا برا (اور گراں) ہے یہ بوجھ جسے وہ اپنے اوپر لاد رہے ہیں"۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ...... جب ان کے پاس کوئی آیت، برہان یا حجت آتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے

جب تک کہ ہمارے پاس بھی وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لیکر نہیں آتے جو رسولوں کی طرف آتے ہیں جس طرح فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا (الفرقان: 21) ''اور کہا ان لوگوں نے جو امید نہیں رکھتے تھے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو''۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کہاں اس نے رسالت کو ودیعت کرنا ہے، کون اس بار گراں کو اٹھانے کا متحمل ہے اور کون اس شرف کی صلاحیت رکھتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (الزخرف: 32-31) ''اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دو شہروں میں بڑا ہے۔ کیا وہ بانٹا کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو؟''۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ مکہ اور طائف کے جو لوگ ان کی نظروں میں قابل احترام تھے ان میں سے کسی پر یہ قرآن کیوں نہیں اتارا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ملعون محض، بغض وحسد اور عناد وتکبر کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو حقیر سمجھتے تھے جس طرح ان آیات میں اس چیز کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرمارہا ہے: وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا (الفرقان: 41) ''اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہ وہ صاحب ہیں جن کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے''، وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (الانبیاء: 36) ''اور جب دیکھتے ہیں آپ کو وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے تو آپ سے بس تمسخر کرنے لگتے ہیں۔ (کہتے ہیں) کیا یہی وہ صاحب ہیں جو (برائی سے) ذکر کیا کرتے ہیں تمہارے خداؤں کا۔ حالانکہ وہ (کفار) رحمٰن کے ذکر سے خود (یکسر) انکاری ہیں''۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (الانبیاء: 41) ''اور بیشک مذاق اڑایا گیا ان رسولوں کا بھی جو آپ سے پہلے تشریف لائے تھے پس نازل ہوا ان پر جو تمسخر کیا کرتے تھے ان میں سے وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے''۔ کیسی عجیب بات تھی کہ یہ کم بخت ایک طرف تو آپ کا مذاق اڑاتے اور دوسری طرف آپ ﷺ کی فضیلت، شرافت اور عالی نسبی کے بھی اسی طرح معترف تھے، جس طرح آپ ﷺ کے خاندان، قبیلہ اور وطن مکہ کی طہارت وعظمت کے قائل تھے۔ اللہ، ملائکہ اور تمام مومنین کی طرف سے آپ ﷺ پر درود ہو۔ حتیٰ کہ یہ لوگ بعثت سے قبل آپ ﷺ کو امین کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے اور اس چیز کا اعتراف رئیس کفار ابو سفیان نے بھی اس وقت کیا تھا جب شاہ روم ہرقل نے اس سے آپ ﷺ کے نسب کے بارے میں سوال کیا تھا تو اس نے بتایا تھا کہ آپ ﷺ ہم میں شریف النسب ہیں۔ پھر ہرقل نے پوچھا کہ اعلان نبوت سے پہلے انہوں نے کبھی جھوٹ بھی بولا ہے؟ کہا: نہیں۔ یہ گفتگو کافی طویل ہے(1)۔ اس کے ذریعے شاہ روم نے یہ استدلال کیا کہ آپ ﷺ کی ظاہری عمدہ صفات آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت اور قرآن کی حقانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنی فضیلت اس طرح بیان فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل کو چن لیا اور اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمالیا''(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنی آدم پر یکے بعد دیگرے گزرنے والے قرون میں سے سب سے بہتر قرن میں مجھے معبوث کیا گیا اور سب سے بہتر قرن وہی ہے جس میں مجھے بھیجا گیا''(3)۔ حضرت عباس

1۔ فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 31-32
2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل 1782، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 107
3۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6 صفحہ 566

رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ لوگ آپ علیہ السلام کے متعلق جو کہتے جب اس کی خبر آپ علیہ السلام تک پہنچی تو آپ علیہ السلام نے منبر پر فرمایا: ''میں کون ہوں؟'' صحابہ نے عرض کی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا: ''میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے سب سے بہتر مخلوق میں رکھا اور لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا اور مجھے سب سے بہتر گروہ میں رکھا اور پھر قبائل بنائے اور مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خاندان بنائے اور میرا قبیلہ سب سے بہتر قرار دیا، میں خاندان کے لحاظ سے بھی تم سے افضل ہوں اور ذات کے اعتبار سے بھی'' (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''جبریل نے مجھ سے کہا کہ میں نے دنیا بھر کے مشارق اور مغارب چھان ڈالے ہیں لیکن محمد (علیہ السلام) سے افضل کسی آدمی کو نہیں پایا۔ دنیا کے مشرق و مغرب میں تلاش کی لیکن بنو ہاشم سے زیادہ فضیلت رکھنے والا کوئی خاندان نظر نہ آیا'' (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو آپ علیہ السلام کے دل کو چن لیا اور آپ علیہ السلام کو رسالت کے ساتھ مبعوث فرمادیا۔ پھر حضرت محمد علیہ السلام کے دل کے بعد بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو سب میں سے صحابہ کرام کے دلوں کو بہتر پایا تو انہیں اپنے نبی کا وزراء بنادیا، یہ ایسے سعادت مند ہیں کہ آپ علیہ السلام کے دین کی سربلندی کے لئے جہاد کرتے ہیں، پس مسلمان جسے اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہوتا ہے اور جسے مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی ایسا ہی ہوتا ہے (3)۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے مجھے فرمایا: ''اے سلمان! مجھ سے بغض نہ رکھنا ورنہ اپنے دین سے الگ ہو جاؤ گے'' میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں آپ سے کیسے بغض رکھ سکتا ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے وسیلہ سے ہمیں ہدایت دی ہے؟ فرمایا: ''تم قوم عرب سے بغض رکھو گے تو گویا مجھ سے بغض رکھو گے'' (4)۔ روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ جب آپ پر اس کی نظر پڑی تو خوفزدہ ہو گیا، پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ابن عباس رسول اللہ علیہ السلام کے چچازاد بھائی ہیں، تو اس نے کہا: ''اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ''۔

سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا...... یہاں ان لوگوں کے لئے سخت وعید اور شدید دھمکی ہے جو رسولوں کی اطاعت اور ان کے احکامات کی بجا آوری سے پہلو تہی کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو انہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمیشہ ہمیشہ کی ذلت کا سامنا کرنا ہوگا، جس طرح یہ دنیا میں تکبر و نخوت کا مظاہرہ کرتے رہے اسی طرح روز قیامت انہیں ذلت اور رسوائی سے واسطہ پڑے گا، فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ (المومن: 60) ''بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہونگے ذلیل و خوار ہو کر''۔

وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ مکر عموماً مخفی ہوتا ہے، اس میں لطیف حیلہ بازی اور فریب ہوتا ہے۔ قیامت کے دن مکر کے مقابلہ میں انہیں سخت عذاب دیا جائے گا جو ان کے مکر کی پوری پوری جزاء ہوگی اور اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم روا نہیں رکھتا۔ فرمایا: يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (الطارق: 9) جس دن تمام سربستہ رازوں، خفیہ باتوں اور ضمائر سے پردہ اٹھا دیا جائے گا۔ صحیحین کی ایک حدیث میں رسول اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں: ''قیامت کے دن ہر باغی اور جفا کار کی سرین کے ساتھ ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن

4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 210 — 5۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 1 صفحہ 176

6۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 379 — 7۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 440-441

فلاں کی بغاوت اور جفا کا نتیجہ ہے"(1)۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ غدر چونکہ مخفی ہوتا ہے جس پر لوگ اطلاع نہیں پا سکتے اس لئے روز قیامت یہ اس جفا کار پر اس کے کرتوتوں کے باعث پھیل جائے گا۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

"اور جس (خوش نصیب) کے لئے ارادہ فرماتا ہے اللہ کہ ہدایت دے اسے تو کشادہ کر دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے اور جس (بدنصیب) کے لئے ارادہ فرماتا ہے کہ اسے گمراہ کر دے تو بنا دیتا ہے اس کے سینہ کو تنگ، بہت تنگ، گویا وہ زبردستی چڑھ رہا ہے آسمان کی طرف اسی طرح ڈال دیتا ہے اللہ تعالیٰ ناپاکی ان پر جو ایمان نہیں لاتے"۔

اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے، اسلام کو اس کے لئے آسان بنا دیتا ہے اور راہ ہدایت اس کے لئے روشن کر دیتا ہے، یہ بندے پر اللہ تعالیٰ کے کرم اور خیر کی علامت ہے جیسا کہ فرمایا: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الزمر:22) "بھلا وہ (سعادتمند) کشادہ فرما دیا ہو اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لئے تو وہ اپنے رب کی طرف سے دیئے ہوئے نور پر ہے"۔ اور فرمایا: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (الحجرات:7) "لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا ہے تمہارے نزدیک ایمان کو اور آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں میں اور قابل نفرت بنا دیا ہے تمہارے نزدیک کفر، فسق اور نافرمانی کو۔ یہی لوگ راہ حق پر ثابت قدم ہیں"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ توحید اور ایمان کو قبول کرنے کے لئے بندے کے دل میں وسعت پیدا کر دیتا ہے۔ ابوجعفر سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا مومن زیادہ زیرک ہے؟ فرمایا: "جو موت کو اکثر یاد کرتا رہے اور موت کے بعد کے لئے زیادہ تیاری کرتا رہے"۔ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ شرح صدر کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ ایسا نور ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں ڈال دیتا ہے جس سے دل کشادہ اور وسیع ہو جاتا ہے" صحابہ نے عرض کی کہ کیا اس کی کوئی نشانی ہے جس سے اس کی پہچان ہو جائے؟ فرمایا: "اس کی نشانی یہ ہے کہ انسان آخرت کی طرف مائل ہو جاتا ہے، دنیا سے اجتناب کرتا ہے اور موت آنے سے پہلے موت کے لئے تیاری کرتا ہے۔" ایک دوسری روایت میں اس آیت کے بارے میں حضور ﷺ فرماتے ہیں: "جب ایمان دل کے اندر داخل ہو جائے تو دل وسیع بھی ہو جاتا ہے اور کشادہ بھی" صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس کی کوئی نشانی بھی ہے؟ تو آپ ﷺ نے وہی نشانی بتائی جس کا تذکرہ اس سے پہلے والی حدیث میں ہو چکا ہے(2)۔ اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے(3)۔

وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا، "ضَيْقَ" کا لفظ فتح ضاد اور سکون یاء (ضَيْقَ) کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور ایک دوسری قراءت میں "ضَيِّقَ" یاء کی تشدید اور کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ دو قراءتیں ہیں جیسے "هَيِّن" اور "هَيْن"۔ بعض نے

1۔ فتح الباری، کتاب الجزیۃ، جلد 6 صفحہ 283، صحیح مسلم، کتاب الجہاد: 1359-1361

2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 26 3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 27

''حَرِجًا'' فتح حاء اور کسرہ راء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ گنہگار کے معنی میں ہے۔ ایک دوسری قراءت میں ''حَرَجًا'' حاء اور راء دونوں کے فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے، یہ وہ دل ہے جو ہدایت کے لئے کشادہ نہیں ہوتا اور نہ ایمان جیسی کوئی نفع بخش چیز اس دل میں سرایت کرتی ہے (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنی مدلج کے ایک بدو سے پوچھا کہ ''حَرَجَة'' کیا ہے؟ اس نے کہا کہ گھنے درختوں کے جھنڈ میں گھرا ہوا یہ ایک درخت ہے جس تک نہ کوئی چرواہا پہنچ سکتا ہے، نہ کوئی جانور اور نہ ہی کوئی اور چیز۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسی طرح منافق کا دل ہے بھلائی نام کی کوئی چیز اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر اسلام کو تنگ کر دیتا ہے حالانکہ اسلام میں تو بہت وسعت ہے جیسا کہ فرمایا: مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج: 78) ''اور (حق کی پاسبانی اور اشاعت کے لئے) نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی''۔ کافر کا دل چونکہ سخت تنگ ہوتا ہے اس لئے اسلام وہاں نہیں سما سکتا۔ مجاہد اور سدی کہتے ہیں کہ ''حَرَجًا ضَيِّقًا'' کا معنی ہے شکی یعنی وہ شک میں مبتلا رہتا ہے۔ عطاء خراسانی اس کا مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ اس دل تک بھلائی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا اقرار کرنے سے اس کا سینہ نہایت تنگ بنا دیتا ہے، یہ کلمہ اس کے دل میں داخل ہی نہیں ہو پاتا اور اسے سنتے ہی اس کی حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی ہے، عجیب کشمکش میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اسے بہت گراں سمجھتا ہے گویا اسے آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہے، سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس کا سینہ اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ ایمان اس تک راہ نہیں پاتا۔ سدی کہتے ہیں گویا کہ ضیق صدر کے باعث اسے آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہے۔ عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ اس شخص کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو آسمان پر چڑھنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس طرح ابن آدم آسمان تک نہیں پہنچ سکتا اسی طرح اس تنگ دل کے اندر توحید اور ایمان گھر نہیں کر سکتا ہاں اگر اللہ تعالیٰ ڈال دے تو یہ الگ بات ہے۔ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس شخص کے دل کو اللہ تعالیٰ نے سخت تنگ بنا دیا وہ کیسے مسلمان ہو سکتا ہے۔ امام ابو جعفر بن جریر کہتے ہیں کہ یہ قلب کافر کی مثال دی گئی ہے کہ شدت ضیق کے باعث ایمان اس کے دل تک رسائی نہیں پا سکتا، اس کا ایمان قبول کرنا اور تنگی کے باعث ایمان کا دل تک پہنچنا ایسے ہی ممتنع ہے جس طرح اس کا آسمان تک پہنچنا ممتنع اور محال ہے کیونکہ ایسا کرنا اس کے بس اور طاقت سے باہر ہے (2)۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس طرح اس شخص کا سینہ تنگ کر دیتا ہے جسے وہ گمراہ کرنا چاہے اسی طرح وہ اس پر شیطان مسلط کر دیتا ہے، نہ صرف اس پر بلکہ اس قماش کے دوسرے لوگوں پر بھی جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کر دیتے ہیں تو وہ شیطان انہیں گمراہ کرتا ہے اور اللہ کی راہ سے دور کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ''رِجْسَ'' سے مراد شیطان ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس میں بھلائی نہ ہو۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اس کا معنی عذاب بتاتے ہیں۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

''اور یہ ہے راستہ آپ کے رب کا (بالکل) سیدھا۔ ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں دلیلیں ان لوگوں کے لئے جو نصیحت قبول کرتے ہیں ان کے لئے سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے ہاں اور وہی ان کا دوست ہے بسبب ان نیک اعمال کے جو وہ

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 28　　5۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 30

کیا کرتے تھے''۔

راہ حق سے گمراہ اور راہ ہدایت سے روکنے والوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ اس ہدایت اور دین حق کے شرف پر آگاہ فرما رہا ہے جس کو لیکر رسول کریم ﷺ تشریف لائے، فرمایا: ''وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا''، ''مُسْتَقِيْمًا'' حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے، معنی یہ ہوگا: اے محمد! وہ دین جو ہم نے آپ کو اس وحی (قرآن) کے ذریعے آپ کو عطا فرمایا ہے یہی صراط مستقیم ہے۔ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم کے وصف میں منقول ہے کہ یہ اللہ کا سیدھا راستہ، اس کی مضبوط رسی اور ذکر حکیم ہے۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ...... ہم نے تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اپنی آیات ایسے لوگوں کے لئے بیان کردی ہیں جو فہم و فراست اور عقل و شعور رکھتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے فرامین میں غور و فکر کر کے انہیں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں یہ ایسے سعادت مند ہیں جنہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نعمتوں بھری جنت سے سرفراز فرمائے گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے جنت کا وصف ''دَارُ السَّلٰمِ'' بیان فرمایا ہے اس لئے کہ جس طرح وہ انبیائے کرام کے نقوش پا کی پیروی کرتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن ہو کر سلامت رہے اور گمراہی اور کجی کی طرح طرح کی آفات سے محفوظ رہے اسی طرح قیامت کے دن بھی ان کے لئے سلامتی کا گھر (جنت) ہی ہوگا۔

وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ ان کا محافظ، حامی اور ناصر ہے اس لئے کہ وہ نیک اعمال بجالایا کرتے تھے، انہی اعمال صالحہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر بن گیا، اور اپنے فضل و کرم سے انہیں جنت سے نوازا۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

''اور جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ ان سب کو (اور فرمائے گا) اے جنوں کے گروہ! بہت گمراہ کیا تم نے انسانوں کو اور کہیں گے ان کے دوست انسانوں میں سے اے ہمارے رب! فائدہ اٹھایا ہم نے ایک دوسرے سے اور پہنچ گئے ہم اپنی اس معیاد پر جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی۔ اللہ فرمائے گا آگ تمہارا ٹھکانا ہے ہمیشہ رہو گے اس میں مگر جسے اللہ تعالیٰ (نجات دینا) چاہے، بے شک آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے: اے محمد! آپ جو احکام انہیں بتاتے ہیں اور بروقت ڈراتے ہیں اسے بھی یاد کریں اور اس دن کو بھی جب اللہ تعالیٰ جنات و شیاطین اور ان کے ان پیروکار انسانوں کو جمع کرے گا جو دنیا میں ان کی عبادت کیا کرتے تھے، ان کی پناہ لیتے، انہی کی اطاعت کرتے اور ایک دوسرے کی طرف خوشنما باتیں دھوکہ دینے کے لئے القاء کیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا اور فرمائے گا کہ اے گروہ جن! تم نے انسان کو بہت گمراہ کرلیا جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ (یٰسین: 62-60)

''کیا میں نے تمہیں یہ تاکیدی حکم نہیں دیا تھا اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے (بایں ہمہ) گمراہ کر دیا شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو۔ کیا تم عقل (و خرد نہیں رکھتے تھے)''۔ حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس کا یہی مفہوم بتاتے ہیں یعنی تم نے کثیر انسانوں کو گمراہ کر دیا۔

وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ...... ان جنوں کے انسانی دوست جواب میں کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! واقعی ایسا تھا، ہم میں سے بعض بعض سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''استمتاع'' یہ تھا کہ جن و شیاطین ناروا باتوں کا حکم دیتے اور انسان ان پر عمل پیرا ہوتے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص سفر کرتا ہوا کسی جگہ اترتا تو کہتا کہ میں اس وادی کے سب سے بڑے جن کی پناہ لیتا ہوں، یہ تھا ان کا ''استمتاع''، قیامت کے دن وہ اس کا عذر پیش کریں گے، اور جنوں کا انسانوں سے ''استمتاع'' (فائدہ اٹھانا) یہ تھا کہ انسان ان سے مدد طلب کر کے ان کی تعظیم کرتے تو وہ تکبر سے کہتے کہ ہم جن و انس کے سردار ہیں۔

وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا...... اجل سے مراد موت ہے۔

قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ...... دوزخ تمہارا اور تمہارے اولیاء کا ٹھکانا ہے جس میں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے، ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی کو اس سے محفوظ رکھ سکتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ استثناء کے معنی کا مرجع برزخ ہے، بعض نے کہا ہے کہ مدت دنیا، اور بھی اس ضمن میں بہت سے اقوال ہیں جن کا تذکرہ سورۂ ہود کی اس آیت کریمہ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (ہود: 107) ''وہ دوزخ میں رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں مگر جتنا چاہے آپ کا پروردگار۔ بیشک آپ کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا کرتا ہے جو چاہتا ہے''۔ کے ضمن میں کیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مقتضا یہ ہے کہ کسی آدمی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کوئی حکم لگائے اور نہ یہ مناسب ہے کہ وہ کسی کو جنتی یا دوزخی قرار دے(1)۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٢٩﴾

''اور یونہی ہم مسلط کرتے ہیں بعض ظالموں کو بعض پر بوجہ ان (کرتوتوں) کے جو وہ کرتے رہتے تھے''۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی یہ تفسیر منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ان کے اعمال کے مطابق دوست بنا دیتا ہے۔ مومن مومن کا دوست ہے جہاں بھی ہو اور جیسا بھی ہو، اسی طرح کافر کافر کا ولی ہے جہاں بھی ہو اور جیسی بھی حیثیت کا مالک ہو، ایمان محض تمنا اور تصنع کا نام نہیں(2)۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی یہ تفسیر بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ آگ میں ظالموں کو ایک دوسرے کا ولی بنا دے گا دوزخ میں وہ ایک دوسرے کے پیچھے ہوں گے۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے زبور میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں منافقوں سے انتقام لوں گا، یہی مطلب ہے اس آیت کا: وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ''ظٰلِمِيْنَ'' سے مراد ظالم جن اور ظالم انسان لیتے ہیں اور یہ معنی بیان کرتے ہوئے انہوں نے یہ آیت پڑھی: وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (الزخرف: 36) ''اور جو شخص (دانستہ) اندھا بنتا ہے رحمان کے ذکر سے، تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے ایک شیطان، پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے''۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم ظالم جنوں کو ظالم انسانوں پر مسلط کر دیتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث ہے: ''مَنْ أَعَانَ ظَالِماً سَلَّطَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ''(3) ''جس نے ظالم کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 34 2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 35 3۔ ابن عساکر

اعانت کی اللہ تعالیٰ اسے ہی اس پر مسلط کر دیتا ہے''۔ کسی شاعر کا کہنا ہے:

کوئی بھی ہاتھ نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اس سے بالاتر ہے اور کوئی بھی ظالم ایسا نہیں ہے کہ جسے دوسرے ظالم سے واسطہ نہ پڑے۔

آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح ہم نے ان خسارہ اٹھانے والے انسانوں کو اس گروہ جن کا دوست بنا دیا جنہوں نے انہیں گمراہ کر دیا، اسی طرح ہم ظالموں سے سلوک کریں گے کہ انہیں ایک دوسرے پر مسلط کر دیں گے، ایک دوسرے کے ذریعے سے انہیں ہلاک کر دیں گے اور ہم ان کے ظلم اور بغاوت کا بدلہ ان کی باہمی عداوت سے لیں گے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝

''اے گروہ جنوں اور انسانوں کے! کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے سناتے تھے تمہیں ہماری آیتیں اور ڈراتے تھے تمہیں تمہاری اس دن کی ملاقات سے کہیں گے ہم گواہی دیتے ہیں اپنے خلاف اور دھوکہ میں مبتلا کیا تھا انہیں دنیوی زندگی نے اور گواہی دیں گے اپنے خلاف کہ وہ کفر کرتے رہے تھے''۔

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کافر جنوں اور انسانوں کو سرزنش کرتے ہوئے پوچھے گا کہ کیا تمہارے پاس ہمارے رسول نہیں آئے، کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک نہیں پہنچایا؟ یہاں استفہام تقریری ہے یعنی بات کو ثابت اور لازم کرنے کے لئے یہ اسلوب اختیار کیا ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ اے گروہ جن وانس! کیا تم میں سے تمہارے پاس رسول نہیں آئے اور رسول تو صرف انسانوں میں سے ہوتے ہیں نہ کہ جنوں میں سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول بنی آدم سے ہوتے ہیں اور جنوں میں سے صرف ڈرانے والے ہوتے ہیں۔ ضحاک بن مزاحم کا خیال ہے کہ جنوں میں بھی رسول ہوتے ہیں اور وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں لیکن یہ استدلال محل نظر ہے، کیونکہ اس کا احتمال ضرور ہے لیکن صریح اور قطعی بات نہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ (الرحمٰن:21-19) ''اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے ہیں۔ ان کے درمیان آڑ ہے آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان''۔ یعنی لولو اور مرجان کھاری اور میٹھے سمندر سے نکلتے ہیں حالانکہ یہ تو صرف کھاری سمندر سے برآمد ہوتے ہیں نہ کہ میٹھے سے۔ تو جس طرح یہاں انہیں دونوں کی طرف منسوب کیا اسی طرح رسولوں کی نسبت بھی جنوں اور انسانوں کی طرف کی۔ یہ بات واضح ہے۔ بعینہ یہی جواب ابن جریر نے دیا ہے(1)۔ اور اس بات کی دلیل کہ رسل انسانوں میں سے ہی ہیں یہ ارشاد ہے: ''اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰي نُوْحٍ وَّالنَّـبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ .... رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَي اللّٰهِ حُجَّــةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء:165-163)۔'' بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح علیہ السلام کے بعد آئے .... رسول خوشخبری دینے کے لئے اور ڈرانے کے لئے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے (آنے) کے بعد''۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ فرمان: وَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 36

جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ (العنکبوت: 27) ''اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب)۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت اور کتاب کو آپ کی اولاد میں محصور کر دیا اور کوئی بھی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے نبوت جنوں میں تھی اور آپ کی بعثت سے منقطع ہوگئی۔ مندرجہ ذیل آیات بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبوت صرف انسانوں میں ہے: فرمایا: '' وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ (الفرقان: 20) '' اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں''۔ اور فرمایا: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (یوسف: 109) '' اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے''۔ اور یہ بات واضح ہے کہ اس معاملہ میں جن انسانوں کے تابع ہیں اسی لئے جنات کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ۝ قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ وَ مَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُ ۚ اُولٰٓىِٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (الاحقاف: 32-29) ''اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سنیں۔ تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو۔ پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے۔ انہوں نے (جا کر) کہا اے ہماری قوم! ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی رہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور راہ راست کی طرف۔ اے ہماری قوم! قبول کر لو اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو اور بچالے گا تمہیں دردناک عذاب سے۔ اور جو قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو تو وہ اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں زمین میں (کہ اس سے بچ کر بھاگ نکلے) اور نہیں اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔ یہ (منکر لوگ) کھلی گمراہی میں ہیں''۔

ترمذی کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورۂ رحمٰن کی تلاوت کرتے ہوئے اس آیت کو پڑھا: '' سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (الرحمٰن: 32-31) '' ہم عنقریب توجہ فرمائیں گے تمہاری طرف اے جن وانس! پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' (1) اور فرمایا: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ ...... یعنی ہم نے اقرار کیا کہ رسول ہمارے پاس تیرے پیغامات لیکر تشریف لائے، انہوں نے حق تبلیغ ادا کر دیا اور اس دن کی ملاقات سے ہمیں خبردار کرتے رہے کہ ہر صورت میں یہ دن آئے گا، لیکن دنیا میں وہ غافل ہو گئے اور دنیاوی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا۔ دنیا کی زینت اور شہوات نے انہیں مبتلائے فریب رکھا اور انہیں رسولوں کی تکذیب اور معجزات کی مخالفت کی پاداش میں ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا گیا اور جب قیامت کا دن ہو گا تو ان کے اعضاء ان کے خلاف بولیں گے وہ خود اپنے خلاف گواہی دے دیں گے کہ وہ تو دنیا میں رسولوں کے لائے ہوئے پیغام کا انکار کرتے رہے اور کفر کا ارتکاب کرتے رہے۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ رحمٰن، جلد 12 صفحہ 177-178

عَمِلُوۡا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾

''یہ اس لئے کہ نہیں ہے آپ کا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو ظلم سے اس حال میں کہ ان کے باشندے بے خبر ہوں۔ اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں ان کے عمل کے مطابق۔ اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبر اس سے جو وہ کرتے ہیں''۔

ذٰلِكَ اَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ رَّبُّكَ...... یعنی ہم نے رسولوں کو مبعوث کر کے اور کتابیں نازل کر کے اتمام حجت کر دی ہے اور جن وانس کے عذر کو ختم کر دیا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے پاس دعوت توحید ورسالت پہنچی ہی نہ ہو اور ظلم سے پکڑ کر دھر لیا جائے بلکہ ہم نے لوگوں کے تمام عذر ختم کر دیئے۔ اگر ہم نے کسی کو عذاب دیا تو ارسال رسل کے بعد ہی ایسا کیا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے: '' وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ (فاطر:24)'' اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ ہو گزرا ہو)۔'' وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِىۡ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ ۚ (النحل:36)'' اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا (بنی اسرائیل:15)'' اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو''۔ كُلَّمَاۤ اُلۡقِىَ فِيۡهَا فَوۡجٌ سَاَلَهُمۡ خَزَنَـتُهَاۤ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ نَذِيۡرٌ ۞ قَالُوۡا بَلٰى قَدۡ جَآءَنَا نَذِيۡرٌ ۙ فَكَذَّبۡنَا (الملک:9-8)'' جب بھی اس میں کوئی جتھا جھونکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا۔ پس ہم نے اس کو جھٹلایا''۔ اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔

امام ابو جعفر بن جریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان'' بِظُلۡمٍ ''میں دو باتوں کا احتمال ہے:۔

1۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ کسی قوم کو شرک وغیرہ کی وجہ سے ہلاک کر دے حالانکہ وہ غافل ہو اور اسے اپنے اس گناہ کے بارے میں علم ہی نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ عقوبت میں جلدی نہیں کرتا جب تک کہ وہ ان کے پاس رسول نہ بھیج دے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے دلائل وبراہین سے آگاہ کرے اور قیامت کے دن ملنے والے عذاب سے ڈرائے۔ اگر وہ غفلت میں ہی لوگوں کو پکڑ لے تو وہ یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر اور نذیر آیا ہی نہیں۔

2۔ یہ بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں تنبیہ کئے بغیر اور رسل اور آیات کے ذریعے نصیحت کے بغیر ہی ہلاک کر دے ورنہ ان پر ظلم لازم آتا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔ اس کے بعد ابن جریر نے وجہ اول کو ترجیح دی اور بلاشبہ یہ قوی ہے (1)۔

لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے اور نافرمانی کا ارتکاب کرنے والے ہر ایک کے عمل کے مراتب اور منازل ہیں جن تک اللہ تعالیٰ اسے پہنچا دیتا ہے۔ جیسا عمل ویسا ہی ثمرہ اور نتیجہ۔ اچھا عمل تھا تو بدلہ بھی اچھا اور اگر برا تھا تو برا ثمرہ ہی مرتب ہو گا (2)۔ میری رائے میں اس مفہوم کا احتمال ہے کہ کفار جن وانس میں سے ہر ایک کے جہنم میں درجات ہیں جیسا کہ فرمایا: قَالَ لِكُلٍّ ضِعۡفٌ وَّلٰـكِنۡ لَّا تَعۡلَمُوۡنَ (الاعراف:38)'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے''۔ اور فرمایا: اَلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ زِدۡنٰهُمۡ عَذَابًا فَوۡقَ الۡعَذَابِ بِمَا كَانُوۡا يُفۡسِدُوۡنَ (النحل:88)'' جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) روکا اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہم نے بڑھا دیا اور عذاب ان کے لئے پہلے عذاب پر اس وجہ سے کہ وہ فتنہ وفساد برپا کیا کرتے تھے''۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعۡمَلُوۡنَ اے محمد! ان کے تمام اعمال تیرے رب کے علم میں ہیں، اس نے انہیں شمار کر کے محفوظ رکھا ہوا ہے،

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 37
2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 38

قیامت کے دن وہ انہیں ان کے اعمال سیئہ کی سزا ضرور دے گا۔

وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ؕ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

''اور آپ کا پروردگار غنی ہے رحمت والا ہے اگر چاہے تو لے جائے (تباہ کردے) تمہیں اور تمہاری جگہ لے آئے تمہارے بعد جسے چاہے جیسے پیدا کیا تمہیں دوسری قوم کی اولاد سے۔ بے شک جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ضرور آنے والا ہے اور نہیں ہو تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے آپ فرمایئے اے میری قوم! تم عمل کیئے جاؤ اپنی جگہ پر میں اپنا کام کرنے والا ہوں، تو تم جان لو گے کہ کس کے لئے ہوتا ہے اچھا انجام اس دنیا کے گھر کا بے شک فلاح نہیں پاتے ظلم کرنے والے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! آپ کا رب ہر اعتبار سے تمام مخلوق سے غنی اور بے نیاز ہے اور لوگ تمام احوال میں اس کے محتاج ہیں۔ اس کے ساتھ وہ رحیم بھی ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (البقرہ: 143) '' بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت مہربان (اور) رحم فرمانے والا ہے''۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ...... اگر تم اس کے فرامین کی مخالفت کرو گے تو اگر وہ چاہے تو تمہیں برباد کر کے ایسی قوم کو تمہارا جانشین بنادے جو اس کی اطاعت گزار ہو۔ وہ اس پر پوری طرح قادر ہے، ایسا کرنا اس کے لئے بہت آسان ہے۔ جس طرح اس نے پہلی قوموں کو ہلاک کر دیا اور پھر ان کے بعد دوسری قوموں کو لے آیا اسی طرح وہ ان کو ہلاک کر کے دوسروں کو لانے پر بھی قادر ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَ يَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا (النساء: 133) '' اگر چاہے تو لے جائے تمہیں اے لوگو! اور لے آئے دوسروں کو اور اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے''۔ اور فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ (فاطر: 17-15) '' اے لوگو! تم سب محتاج ہو اللہ تعالیٰ کے۔ اور اللہ ہی غنی ہے سب خوبیوں سراہا۔ اگر اس کی مرضی ہو تو تم سب کو ناپید کر دے اور لے آئے ایک نئی مخلوق۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر قطعاً دشوار نہیں''۔ اور فرمایا: وَ اللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ (محمد: 38) '' اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہے (کسی کا محتاج نہیں) بلکہ تم (اس کے) محتاج ہو۔ اور اگر تم روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کر دیئے جاؤ گے''۔ اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے)۔ ابان بن عثمان آیت کریمہ كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ کی تفسیر کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ '' ذُرِّيَّة '' اصل کو بھی کہتے ہیں اور نسل کو بھی۔

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ اے محبوب! آپ انہیں آگاہ کر دیں کہ قیامت کے بارے میں جو وعدہ ان سے کیا جاتا ہے وہ لامحالہ پورا ہو کر رہے گا اور تم (اے نابکارو) اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ وہ تمہیں دوبارہ زندہ کر کے لوٹانے پر قادر ہے اگرچہ تم خاک اور گلی سڑی ہڈیاں ہی کیوں نہ بن جاؤ وہ قادر ہے اور کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: '' اے بنی آدم! اگر تم عقل و

شعور رکھتے ہو تو اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! جس بات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ہو کر رہے گی اور تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔''

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا...... یہ شدید دھمکی اور سخت وعید ہے یعنی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم راہ راست پر چل رہے ہو تو اسی پر چلتے رہو لیکن میں تو اپنے طریقے اور رستے پر چلتا ہوں جیسا کہ ارشاد ہے: وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ (ہود: 121) ''اور آپ فرما دیجئے انہیں جو ایمان نہیں لائے کہ تم عمل کرتے رہو اپنی جگہ پر، اور ہم (اپنے طور پر) عمل پیرا ہیں۔ اور تم بھی انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہیں''۔ تمہیں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ دار دنیا کی بھلائی کس کے لئے ہے: میرے لئے یا تمہارے لئے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ کئی ممالک میں آپ کو اقتدار عطا فرمایا، مخالفین کی پیشانیاں آپ کے ہاتھ میں دے دیں جیسے چاہیں سلوک کریں، مکہ پر فتح عطا فرمائی، جھٹلانے والوں اور عداوت رکھنے والوں پر آپ کو غلبہ عطا فرمایا اور نہ صرف جزیرہ عرب میں بلکہ یمن اور بحرین میں بھی آپ کا حکم نافذ ہو گیا اور یہ سب کچھ آپ کی حیات مبارکہ میں ہوا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد ہمایوں میں بہت سے علاقے اور ممالک فتح ہوئے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (المجادلۃ: 21) ''اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آ کر رہیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے''۔ اور فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ (المومن: 52-51) ''بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیوی زندگی میں اور اس دن میں (مدد کریں گے) جس دن گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے۔ اس روز نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور ان کے لئے لعنت ہوگی۔ اور ان کے لئے (دوزخ کا) بدترین گھر ہوگا''۔ اور فرمایا: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء: 105) ''اور بے شک ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں پند و موعظت کے (بیان کے) بعد کہ بلاشبہ زمین کے وارث تو میرے نیک بندے ہوں گے''۔ اور فرمایا: فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ (ابراہیم: 14-13) ''پس وحی بھیجی ان کی طرف ان کے پروردگار نے کہ (مت گھبراؤ) ہم تباہ کر دیں گے ان ظالموں کو۔ نیز ہم یقیناً آباد کریں گے تمہیں (ان کے) ملک میں انہیں (برباد کرنے) کے بعد۔ یہ (وعدہ نصرت) ہر اس شخص کے لئے ہے جو ڈرتا ہے میرے روبرو کھڑا ہونے سے اور خائف ہے میری دھمکی سے''۔ اور فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْــــًٔا (النور: 55) ''وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کئے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے۔ اور مستحکم کر دے گا ان کے لئے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لئے اور وہ ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالت خوف کو امن سے۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں۔ کسی کو میرا شریک نہیں بناتے''۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو یہ سرفرازی عطا فرمائی اور شاندار اقتدار عطا فرمایا: اول آخر، ظاہر باطن ہر حال میں اس کا شکر اور احسان ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا

لِشُرَكَآىِٕنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآىِٕهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآىِٕهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

''اور انہوں نے بنا رکھا ہے اللہ کے لئے اس سے جو پیدا فرماتا ہے فصلوں اور مویشیوں سے مقررہ حصہ اور کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کے لئے۔ تو وہ (حصہ) جو ہو ان کے شریکوں کے لئے تو وہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کو اور جو (حصہ) ہو اللہ تعالیٰ کے لئے تو وہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کو، کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں''۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشرکین کو زجر و توبیخ اور ان کی مذمت کی جارہی ہے جنہوں نے طرح طرح کی بدعتیں کو رواج دیا ہوا تھا، کفر و شرک کا برملا ارتکاب کیا کرتے تھے اور دوسری مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے حالانکہ وہی ہر چیز کا خالق ہے، اسی لئے فرمایا کہ ان ظالموں نے ان فصلوں اور مویشیوں میں سے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا، ایک حصہ خدا کے لئے مقرر کر رکھا ہے اور بزعم خویش کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے شرکاء کا۔ جو حصہ شرکاء کے نام کا ہے وہ اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کی راہ میں خرچ کیا جا سکتا ہے البتہ جو حصہ اللہ کے نام کا ہے وہ شرکاء تک پہنچ سکتا ہے اور ان کی اغراض کے لئے خرچ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ دشمنان خدا جب کوئی فصل کاشت کرتے یا پھلدار درخت لگاتے تو اس کا کچھ حصہ اللہ کے نام پر اور کچھ حصہ بتوں کے نام پر مقرر کر دیتے۔ بتوں کے نام کا جو بھی حصہ ہوتا اس کو تو محفوظ کر لیتے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ کے لئے مقرر کردہ حصہ میں سے کوئی چیز گر جاتی تو اس کو بتوں کے حصہ میں ملا دیتے اور اگر پانی بتوں کے مقررہ حصہ سے تجاوز کر کے اللہ تعالیٰ کے لئے مقررہ حصہ تک پہنچ جاتا تو اسے بھی بتوں کے حصہ میں شریک کر لیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ کی پیداوار یا پھل میں کچھ گر جاتا اور بتوں کے حصہ میں مل جاتا تو کہتے کہ یہ مستحقین کا حصہ ہے، اور اسے اللہ تعالیٰ کے حصہ میں نہ ملاتے۔ اور اگر پانی اللہ تعالیٰ کے نام کے حصہ سے تجاوز کر کے بتوں کے حصہ کو سیراب کر دیتا تو وہ بھی سارا حصہ انہی بتوں کے نام کر دیتے۔ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کے استفادہ حرام سمجھتے اور ان تمام کو بتوں کی نذر کر دیتے اور یہ سمجھتے کہ وہ تو محض تقرب الٰہی کی خاطر ان سے استفادہ حرام قرار دیتے ہیں (1)۔ مندرجہ بالا آیت اسی چیز کی وضاحت کرتی ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ خدا کے نام کا کوئی بھی جانور ہوتا اسے ذبح کرنے کے بعد اس وقت تک نہ کھاتے جب تک کہ اللہ کے نام کے ساتھ بتوں کا نام نہ لیتے اور ان کے معبودوں کے نام پر جو جانور ہوتے ان کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیتے ہی نہ تھے بلکہ صرف بتوں کا نام لیتے، پھر یہ آیت سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ تک پڑھی۔ یعنی یہ کیسی بری تقسیم ہے۔ پہلے تو تقسیم میں ہی انہوں نے غلطی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا رب، مالک، خالق ہے، ہر چیز اس کے تصرف، قدرت اور مشیت کے سامنے سرنگوں ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔ پھر جو تقسیم فاسدہ کی اس کی بھی حفاظت نہ کر سکے بلکہ اس میں بھی ظلم و جور روا رکھا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں فرمایا:۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ (النحل: 57) ''اور تجویز کرتے اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں سبحان اللہ! اور ان کے لئے تو وہ (بیٹے) ہیں جنہیں وہ پسند کرتے ہیں''۔ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ (الزخرف: 15) ''اور بنا دی ہے (مشرکوں نے) اس کے لئے اس کے بندوں سے اولاد۔ بے شک انسان کھلا ناشکر گزار ہے''۔ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا

1۔ تفسیر طبری، جلد 8، صفحہ 41-40

قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى (النجم:22-21)'' کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لئے نری بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے''۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيۡرٍ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ قَتۡلَ اَوۡلَادِهِمۡ شُرَكَآؤُهُمۡ لِيُرۡدُوۡهُمۡ وَلِيَلۡبِسُوۡا عَلَيۡهِمۡ دِيۡنَهُمۡ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوۡهُ فَذَرۡهُمۡ وَمَا يَفۡتَرُوۡنَ ۝۱۳۷

''اور یونہی خوشنما بنا دیا ہے بہت سے مشرکوں کے لئے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو ان کے شریکوں نے تاکہ ہلاک کر دیں انہیں اور مشتبہ کر دیں ان پر ان کا دین اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو ایسا نہ کرتے تو چھوڑ دیجئے انہیں اور جو وہ بہتان باندھتے ہیں''

جس طرح شیاطین نے ان کے لئے یہ عمل خوشنما بنا دیا کہ وہ بتوں سے الگ اللہ تعالیٰ کے لئے اسی کی تخلیق کردہ فصلوں اور مویشیوں میں سے حصہ مقرر کریں اسی طرح انہوں نے افلاس کے خوف سے اولاد کو اور عار کے خوف سے بیٹیوں کو قتل کر دینے کا گھناؤنا عمل ان کی آنکھوں میں آراستہ کر دیا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ان کے شرکاء شیاطین ہیں جو انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ محتاجی کے خوف سے اپنی اولاد کو زندہ درگور کر دیں۔ سدی کہتے ہیں کہ ان کے شیاطین نے انہیں قتل بنات کا حکم دیا۔ ''لِيُرۡدُوۡهُمۡ'' کا معنی ہے تاکہ وہ انہیں ہلاک کر دیں اور وَلِيَلۡبِسُوۡا عَلَيۡهِمۡ دِيۡنَهُمۡ کا مطلب ہے تاکہ وہ ان کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں (1)۔ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ یہ اس ارشاد کی طرح ہے: وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰى ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ (النحل:58)'' اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو بیٹی (کی پیدائش) کی تو (غم سے) اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ (رنج واندوہ سے) بھر جاتا ہے۔ چھپتا پھرتا ہے لوگوں (کی نظروں) سے اس بری خبر کے باعث جو دی گئی ہے اسے''۔ اور اس فرمان کی طرح: وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ ۝ بِاَىِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۝ (التکویر:9)'' اور جب زندہ درگور کی ہوئی (بچی) سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی''۔ وہ اس لئے بھی اپنی اولاد کو قتل کر ڈالتے تھے کہ انہیں افلاس کا اندیشہ ہوتا اور مال کے تلف ہو جانے کا خوف ہوتا اس وجہ سے انہیں اس سے منع کر دیا گیا۔ یہ سب شیطان کی کارستانی کا نتیجہ تھا۔

وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوۡهُ یہ جو کچھ ہوا اللہ کی مشیت، ارادہ اور اختیار سے ہوا۔ اس میں اس کی خاص حکمت ہے۔ اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی اور ان سے باز پرس ہوگی۔

فَذَرۡهُمۡ وَمَا يَفۡتَرُوۡنَ اے محبوب! آپ انہیں چھوڑ دیں، انہیں ان کی گمراہی اور جہالت سمیت نظر انداز کر دیں، عنقریب آپ کے اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا۔

وَقَالُوۡا هٰذِهٖۤ اَنۡعَامٌ وَّحَرۡثٌ حِجۡرٌ ۖ لَّا يَطۡعَمُهَاۤ اِلَّا مَنۡ نَّشَآءُ بِزَعۡمِهِمۡ وَاَنۡعَامٌ حُرِّمَتۡ ظُهُوۡرُهَا وَاَنۡعَامٌ لَّا يَذۡكُرُوۡنَ اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهَا افۡتِرَآءً عَلَيۡهِ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ۝۱۳۸

''اور بولے یہ مویشی اور کھیتی رکی ہوئی ہے کوئی نہیں کھا سکتا انہیں سوائے اس کے جسے ہم چاہیں (یہ بات) اپنے گمان سے (کہتے ہیں) اور بعض مویشی ہیں، حرام ہیں جن کی پشتیں (سواری کے لئے) اور بعض مویشی ہیں کہ نہیں ذکر کرتے نام خدا

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 43

ان (کی ذبح) پر (یہ سب محض) افتراء ہے اللہ پر، عنقریب سزا دے گا انہیں جو وہ بہتان باندھا کرتے تھے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حجر کا معنی ہے حرام یعنی جو وصیلہ انہوں نے حرام کر لیا تھا (1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ (مویشیوں اور کھیتی کی) تحریم اور سخت گیری ان پر شیاطین کی طرف سے تھی نہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے معبودوں کی خاطر انہیں روک لیا تھا اور اپنے اوپر حرام قرار دے دیا۔

لَا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ سدی کہتے ہیں کہ وہ کہا کرتے کہ ہماری مرضی کے بغیر ان کا کھانا حرام ہے، یہ آیت کریمہ اس آیت کی طرح ہے: قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (یونس: 59) ''آپ فرمائیے بھلا بتاؤ تو جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اتارا پس بنا لیا ہے تم نے اس سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال۔ پوچھئے کیا اللہ تعالیٰ نے (ایسا کرنے کی) تمہیں اجازت دی ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو''۔ اور اس آیت کی طرح: مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (المائدۃ: 103) ''نہیں مقرر کیا اللہ تعالیٰ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن جنہوں نے کفر کیا وہ تہمت لگاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹی اور اکثر ان میں سے کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں''۔ سدی کہتے ہیں کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام یہ وہ جانور ہیں جن پر عرب سواری کرنا حرام سمجھتے یا یہ وہ جانور ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے نہ بوقت پیدائش اور نہ بوقت ذبح (2)۔ ابووائل کے نزدیک اس سے مراد وہ بحیرہ مویشی ہیں جن پر سوار ہو کر حج کو نہیں جاتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ان کے چند اونٹ ایسے ہوتے جن پر وہ اللہ کا نام نہیں لیتے تھے، نہ ان پر سواری کرتے، نہ دودھ دوہتے، نہ بوجھ لادتے، نہ نسل کشی کرتے اور نہ کوئی دوسرا کام لیتے۔

افْتِرَآءً عَلَيْهِ یہ سب اللہ پر افتراء اور جھوٹ ہے۔ شریعت الٰہی سے اس کا کوئی تعلق نہیں، نہ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا حکم دیا اور نہ وہ اس پر راضی ہے۔

سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ اللہ تعالیٰ پر جو وہ بہتان باندھتے ہیں اور افتراء پردازی کرتے ہیں اس کی پاداش میں عنقریب اللہ انہیں بدلہ دے گا۔

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

''اور بولے جو ان مویشیوں کے شکموں میں ہے وہ نرا ہمارے مردوں کے لئے ہے اور حرام ہے ہماری بیویوں پر اور اگر وہ مرا ہوا (پیدا) ہو تو پھر وہ سب (مرد و زن) اس میں حصہ دار ہیں۔ اللہ جلدی بدلہ دے گا انہیں ان کے اس بیان کا، بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو ان مویشیوں کے شکموں میں ہے، اس سے مراد دودھ ہے جسے مرد تو پیتے رہتے لیکن اپنی عورتوں پر اسے حرام قرار دے دیتے اور جب بکری کوئی نر بچہ جنم دیتی تو اسے ذبح کر لیتے، صرف اسے مرد ہی کھاتے، عورتوں پر حرام سمجھتے، اگر بچہ مادہ ہوتا تو اسے چھوڑ دیتے اور ذبح نہ کرتے، اگر مردہ بچہ ہوتا تو سب مرد و زن اسے کھانے میں شریک ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 46 2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 47

اس زیادتی سے منع فرمادیا۔ شعبی کہتے ہیں کہ بحیرہ جانور کا دودھ صرف مرد پیتے اور اگر کوئی جانور مر جاتا تو مرد وزن سب کھاتے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد سائبہ اور بحیرہ جانور ہیں۔

سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ وصف سے مراد ان کا قول کاذب ہے جس طرح فرمایا: وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ (النحل:116) ''اور نہ بولو جھوٹ جن کے بارے میں تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں (یہ کہتے ہوئے) کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس طرح تم افتراء باندھو گے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹے بہتان تراشتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے''۔

إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ بلاشبہ وہ اپنے افعال، اقوال، شریعت اور قضاء وقدر میں حکیم ہے اور اپنے بندوں کے اچھے برے اعمال کو جانتا ہے اور ان کی پوری پوری جزاء دے گا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ ۚ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٤٠﴾

''یقیناً نقصان اٹھایا جنہوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو حماقت سے بغیر جانے اور حرام کر دیا جو رزق دیا تھا انہیں اللہ نے بہتان باندھ کر اللہ تعالیٰ پر، بے شک وہ گمراہ ہو گئے اور نہ تھے وہ ہدایت پانے والے''۔

جن لوگوں نے یہ قبیح افعال کئے وہ دنیا وآخرت میں خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ دنیا میں خسارہ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا، دولت جاتی رہی اور جو بدعات انہوں نے رائج کی تھیں ان کے باعث نفع بخش اشیاء سے محروم ہو گئے۔ اور آخرت میں خسارہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے اور افتراء پردازی کی پاداش میں انہیں بدترین ٹھکانے میں دھکیل دیا جائے گا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ (یونس:69-70) ''آپ فرمایئے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (چند روزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر تم جہالت عرب پر آگاہ ہونا چاہو تو سورۂ انعام کی ایک سو تیس کے بعد والی آیات پڑھ لو یعنی۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ.........(1)۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۚ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۖ وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٤١﴾ وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَفَرْشًا ۚ كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٤٢﴾

''اور وہ وہی ہے جس نے پیدا کئے ہیں باغات کچھ چھپروں پر چڑھائے ہوئے اور کچھ بغیر اس کے اور کھجور اور کھیتی الگ الگ

2۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6 صفحہ 551

ہیں کھانے کی چیزیں ان کی اور زیتون اور انار (جو شکل میں) ایک جیسے اور (ذائقہ میں) مختلف، کھاؤ اس کے پھل سے جب وہ پھلدار ہو اور ادا کرو اس کا حق جس دن وہ کٹے۔ اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا فضول خرچی کرنے والوں کو۔ اور (پیدا فرمائے) بعض مویشی بوجھ اٹھانے والے اور بعض زمین پر لٹا کر ذبح کرنے کے لئے۔ کھاؤ اس میں سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔

اللہ تعالیٰ زروع، ثمار اور انعام سب کا خالق ہے، جن میں یہ مشرکین اپنی فاسد آراء کے ساتھ تصرف کرتے ہیں، ان کی غلط تقسیم کرکے اور جزء جزء کرکے کسی کو حلال ٹھہراتے ہیں اور کسی کو حرام۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرما رہا ہے کہ جس طرح اس نے کھیتیاں، باغات اور مویشی پیدا کئے اسی طرح اسی ذات نے انواع واقسام کے باغات پیدا کئے ہیں، فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ۔ مَعْرُوْشٰتٍ سے مراد چھپروں اور ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے باغات ہیں اور "غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ" سے مراد وہ باغات ہیں جو خشکی اور پہاڑوں پر اگتے ہیں(1)۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ "مَعْرُوْشٰتٍ" سے مراد وہ بیلیں ہیں جنہیں چھپروں پر چڑھا دیا گیا ہو جیسے انگور اور "غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ" سے مراد وہ باغات ہیں جنہیں چھپروں پر نہیں چڑھایا جاتا۔ یہ ایسے پھل ہیں جو ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور غیر مشابہ بھی۔ دیکھنے میں ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن ذائقہ میں مختلف۔

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ...... جب پھل پک جائیں تو کھاؤ اور کھیتی کاٹنے کے وقت غریبوں کا حق ادا کرو۔ بعض نے اس سے زکوٰۃ مفروضہ مراد لی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس سے زکوٰۃ مفروضہ ہی مراد لیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی موقف ہے کہ جس دن کھیتی برداشت کی جائے اور اس کی پیداوار ناپی یا تولی جائے تو اسی روز یہ حق ادا کر دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے جب آدمی کاشت کرتا تو کٹائی کے دن حق ادا نہ کرتا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ پھر شریعت نے عشر (دسواں حصہ) مقرر کر دیا اور جو سٹوں اور خوشوں میں سے گر جائے وہ مسکینوں کا حصہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جس شخص کی کھجوریں دس وسق ہوں چاہئے کہ وہ ایک خوشہ مسجد میں مساکین کے لئے لٹکا دے(2)۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں غلہ اور پھل میں صدقہ ادا کرنا مقصود ہے۔ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ کے علاوہ غریبوں کے لئے ایک مزید حق ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ زکوٰۃ کے علاوہ یہ حق فقراء ومساکین کو دیا کرتے تھے۔ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ یہاں مراد زکوٰۃ نہیں بلکہ ایسا صدقہ ہے جو ان فقراء کو دیا جاتا ہے جو کھیتی وغیرہ کاٹتے وقت وہاں آ جائیں۔ مجاہد بھی یہی کہتے ہیں کہ جب کوئی مسکین اس وقت آ جائے تو کچھ نہ کچھ اسے دے دیا کریں۔ کاشت کرتے وقت ایک مٹھی دی جائے اور مٹھی بھر برداشت کرتے وقت اور کٹائی کرتے ہوئے جو گر جائے وہ بھی ان کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ مٹھی بھر مساکین کو دیا جاتا تھا اور ایک مٹھا جانوروں کو چارہ(3)۔ ایک مرفوع حدیث جسے ابن مردویہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، میں اس سے مراد وہ ہے جو خوشوں سے گر جائے۔ جبکہ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ پہلے یہ چیز واجب تھی پھر اللہ تعالیٰ نے عشر یا نصف عشر کے حکم سے اسے منسوخ کر دیا(4)۔ میری رائے یہ ہے کہ اسے منسوخ قرار دینا محل نظر ہے کیونکہ یہ ایسی چیز تھی جو پہلے

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 52

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 125، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 359-360

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 57

4۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 61

واجب تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل بیان کی اور فرض مقدار مقرر کر دی کہ کس قدر نکالا جائے۔ کہتے ہیں کہ یہ زکوۃ سنہ 2 ہجری میں فرض ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو کھیت کاٹتے وقت اس میں سے مساکین کو صدقہ نہیں دیتے جیسا کہ سورۂ ن میں باغ والوں کے بارے میں فرمایا: اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ وَ لَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَ هُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۙ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۙ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝ فَانْطَلَقُوْا وَ هُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۙ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۙ وَّ غَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۙ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝ عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (القلم: 33-17) ” جب انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ ضرور توڑ لیں گے اس کا پھل صبح سویرے۔ اور انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا۔ پس چکر لگا گیا اس باغ پر ایک چکر لگانے والا آپ کے رب کی طرف سے درآنحالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ چنانچہ (لہلہاتا) باغ کٹے ہوئے کھیت کی مانند ہو گیا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ندا دی صبح سویرے۔ کہ سویرے سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو۔ سو وہ چل پڑے اور ایک دوسرے کو چپکے چپکے کہتے جاتے کہ (خبردار!) اس باغ میں ہرگز داخل نہ ہو آج تم پر کوئی مسکین۔ اور تڑکے چلے (یہ سمجھتے ہوئے) کہ وہ اس ارادہ پر قادر ہیں۔ پھر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے (غالبًا) ہم راستہ بھول گئے۔ نہیں نہیں ہماری تو قسمت پھوٹ گئی۔ ان میں جو زیرک تھا بول اٹھا کہ کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم (اس کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ کہنے لگے پاک ہے ہمارا رب، بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ پھر ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ کہنے لگے تف ہے ہم پر ہم ہی سرکش تھے۔ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں (اس کا) بدلہ دے گا جو بہتر ہو گا اس سے ہم (اب) اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ (دیکھ لیا) ایسا ہوتا ہے عذاب۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے۔ کاش! یہ لوگ (اس حقیقت کو) جانتے“۔

وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ عطا کرنے میں اسراف سے کام نہ لو۔ ایسا نہ ہو کہ استطاعت سے زیادہ دے کر خود محتاج ہو جاؤ۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ بعض لوگ جب کھیتی کاٹتے تو مقابلے میں اس قدر زیادہ دیتے کہ بات اسراف تک پہنچ جاتی تو اس وقت یہ حکم ”وَلَا تُسْرِفُوْا“ نازل ہوا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ یہ حکم ثابت بن قیس کے بارے میں اترا، انہوں نے اپنی کھجور کے پھل توڑے اور اعلان کر دیا کہ آج جو بھی میرے پاس آئے اسے عطا کروں گا۔ شام ہوئی تو کوئی پھل باقی نہ بچا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور اسراف سے منع فرما دیا۔ ایاس بن معاویہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز کرنے کا نام اسراف ہے۔ سدی ”وَلَا تُسْرِفُوْا“ کے بارے میں کہتے ہیں کہ تم اس قدر مال عطا نہ کرو کہ خود محتاج بن جاؤ۔ محمد بن کعب اور سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ زکوۃ دینے سے نہ رکو ورنہ اپنے رب کی نافرمانی کرنے والے بن جاؤ گے، پھر ابن جریر عطاء کے قول کو اختیار کرتے ہیں کہ ہر چیز میں اسراف کی مخالفت اور نہی ہے، بلاشبہ یہ بات درست ہے لیکن آیت کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسراف کا تعلق کھانے کے ساتھ ہے یعنی کھانے میں اسراف نہ کرو کیونکہ عقل و دین دونوں کے لئے یہ نقصان دہ ہے جس طرح فرمایا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ (الاعراف: 31) ”کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو“۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَالْبَسُوْا وَتَصَدَّقُوْا فِيْ غَيْرِ اِسْرَافٍ وَلَا

مَخِيلَةٍ ''(1) ''کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ کرو بغیر اسراف اور نمود و نمائش کے''۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا بعض نے کہا ہے کہ ''حَمُوْلَةً'' سے مراد وہ اونٹ ہیں جو بار برداری اور سواری کے کام آتے ہیں اور ''فَرْش'' سے مراد چھوٹے اونٹ (2)۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت میں ''حَمُوْلَةً'' سے مراد اونٹ، گھوڑے، خچر، گدھے اور ہر وہ جانور لیا گیا ہے جو سواری اور بار برداری کے کام آئے اور ''فَرْش'' سے مراد بھیڑ بکریاں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ میرے خیال میں انہیں ''فَرْش'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ پست قامت ہونے کی وجہ سے یہ زمین کے قریب ہوتے ہیں (3)۔ حسن، قتادہ، ضحاک رحمتہ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ ''حَمُوْلَةً'' سے مراد اونٹ اور گائیں جبکہ ''فَرْش'' سے مراد بھیڑ بکریاں۔ سدی کے نزدیک ''حَمُوْلَةً'' سے مراد اونٹ اور ''فَرْش'' سے مراد اونٹ گائے کے بچے اور بھیڑ بکریاں ہیں۔ ہر وہ جانور جو سواری اور بار برداری کے کام آئے وہ ''حَمُوْلَةً'' ہے، عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ ''حَمُوْلَةً'' سواری اور بار برداری کا جانور ہے اور ''فَرْش'' وہ جانور جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اور دودھ پیا جاتا ہے۔ بکری پر بوجھ نہیں لادا جاتا بلکہ اس کا دودھ پیا جاتا ہے اور اس کے بالوں سے لحاف اور بچھونے بنائے جاتے ہیں۔ عبدالرحمٰن کا یہ قول اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کی تائید کرتا ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ (یٰسین: 72-71) ''کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے پیدا فرمائے ان کے لئے اس مخلوق سے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی، مویشی پھر (اب) یہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے تابعدار بنا دیا انہیں ان کا۔ پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا (گوشت) کھاتے ہیں)۔ اور فرمایا: وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ (النحل: 66) ''اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں ایک عبرت ہے۔ دیکھو! ہم تمہیں پلاتے ہیں جو ان کے شکموں میں گوبر اور خون ہے ان کے درمیان سے نکال کر خالص دودھ جو بہت خوش ذائقہ ہے پینے والوں کے لئے''۔ اور فرمایا: وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ (النحل: 80) ''اور (اسی نے بنائے ہیں) بھیڑوں کی صوف اور اونٹوں کی اون اور بکریوں کے بالوں سے مختلف گھریلو سامان اور استعمال کی چیزیں ایک وقت مقرر تک''۔ اور فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ (المومن: 81-79) ''اللہ پاک وہ ہے جس نے بنائے تمہارے لئے مویشی تاکہ ان میں سے کسی پر سواری کرو اور کسی کا (گوشت) کھاؤ۔ اور تمہارے لئے ان میں طرح طرح کے فائدے ہیں اور ان میں سے ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ ان پر سوار ہو کر اس منزل تک پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم لدے پھرتے ہو۔ اور وہ دکھاتا ہے تمہیں اپنی نشانیاں۔ پس اللہ تعالیٰ کی کن کن آیتوں کا تم انکار کرو گے''۔

كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ...... جو پھل، کھیتیاں اور جانور اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کئے ہیں ان میں سے کھاؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری خاطر بطور رزق پیدا کئے ہیں اور شیطان کے طریقہ اور اس کے اوامر کی پیروی نہ کرو جس طرح ان مشرکین نے کی جنہوں نے بہتان تراشی سے کام لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق کو حرام قرار دے دیا۔ اے لوگو! شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ

1۔ فتح الباری، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 252 2۔ مستدرک حاکم، تفسیر سورۃ انعام، جلد 2 صفحہ 317 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 64

عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (فاطر: 6) ''یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے (اپنا) دشمن سمجھا کرو۔ وہ فقط اس لئے (سرکشی کی) دعوت دیتا ہے اپنے گروہ کو تا کہ وہ جہنمی بن جائیں''۔ اور فرمایا: يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا (الاعراف: 27) ''اے اولاد آدم! نہ فتنہ میں مبتلا کر دے تمہیں شیطان جیسے نکالا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے (اور) اتروا دیا ان سے ان کا لباس تا کہ دکھلا دے انہیں ان کے پردہ کی جگہیں''۔ اور فرمایا: اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا (الکہف: 50) ''(اے اولاد آدم!) کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست مجھے چھوڑ کر حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت برا بدلہ ہے''۔ اس مضمون کی حامل اور بہت بھی متعدد آیات ہیں۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

''(پیدا فرمائے) آٹھ جوڑے۔ بھیڑ سے دو (نر و مادہ) اور بکری سے دو (نر و مادہ) آپ پوچھئے کیا دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادائیں یا جسے لئے ہوتے ہیں (اپنے اندر) دو ماداؤں کے رحم بتاؤ مجھے علم کے ساتھ اگر ہو تم سچے اور اونٹ سے دو (نر و مادہ) اور گائے سے دو (نر و مادہ) آپ پوچھئے کیا دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا جسے لئے ہوئے ہیں (اپنے اندر) دو ماداؤں کے رحم کیا تم تھے موجود جب وصیت کی تمہیں اللہ نے اس بات کی تو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو بہتان باندھے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا تا کہ گمراہ کرے لوگوں کو اپنی جہالت سے بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو ظالم ہے۔''

اللہ تعالیٰ قبل از اسلام عربوں کی جہالت سے پردہ اٹھا رہا ہے کہ انہوں نے مویشی اپنے اوپر حرام کر لئے تھے اور انہیں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام جیسے انواع واقسام کے جانوروں میں تقسیم کر رکھا تھا، اسی طرح مویشیوں، فصلوں اور پھلوں کے بارے میں بھی طرح طرح کی بدعتیں رائج کر رکھی تھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسی نے تمام باغات پیدا کئے ہیں خواہ انہیں چھپروں پر چڑھایا جائے یا نہ چڑھایا جائے، اسی طرح ہر قسم کے مویشی جو سواری، بار برداری اور دوسرے مقاصد کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، اسی نے پیدا کئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان مویشیوں کی اقسام کا ذکر کیا۔ پہلی قسم غنم ہے۔ اگر یہ سفید ہو تو بھیڑ ہوتی ہے اور سیاہ رنگ کی بکری ہوتی ہے۔ مذکر و مونث دونوں کا ذکر کیا۔ پھر اونٹ نر اور مادہ اور اسی طرح بقر (گائے بیل) کا۔ اور یہ بھی بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی کو بھی حرام نہیں کیا اور نہ ہی ان کے بچوں کو حرام قرار دیا بلکہ یہ تمام کے تمام بنی آدم کے لئے پیدا کئے گئے تا کہ وہ ان کا گوشت کھائیں، دودھ پئیں، سواری کریں، بار برداری کا کام لیں اور اسی طرح دیگر منافع حاصل کریں، جیسا کہ فرمایا: ''وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (الزمر: 6)'' اور پیدا کئے تمہارے لئے جانوروں میں سے آٹھ جوڑے''۔

اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ یہ کافروں کے اس قول کا رد ہے: مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا (الانعام :140) ''جوان مویشیوں کے شکموں میں ہے وہ نرا ہمارے مردوں کے لئے ہے اور حرام ہے ہماری بیویوں پر''۔

نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو تو مجھے یقین سے بتاؤ کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام جیسے جن جانوروں کی تحریم کے تم قائل ہو، اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ کیسے حرام کر دیئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آٹھ جوڑوں میں سے دو بھیڑ اور دو بکری کے ملا کر چار جوڑے ہوئے۔

قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ...... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ان میں سے کسی کو حرام نہیں کیا اور نہ ہی اس کو حرام کیا ہے جسے دونوں مادائیں اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہوں۔ پیٹ کے اندر نر ہوتا ہے یا مادہ تو پھر تم بعض کو حلال اور بعض کو حرام کیوں قرار دیتے ہو۔ اگر تم سچے ہو تو مجھے یقین سے بتاؤ۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا انہوں نے جو نئی بدعات ایجاد کیں اور چیزوں کو خود حرام قرار دے کر اس تحریم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی اس پر ان کے ساتھ استہزاء اور ملامت کی جا رہی ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا.......... یعنی ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی بھی ظالم نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا الزام لگاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ سب سے اولین شخص جو اس آیت میں داخل ہے وہ عمرو بن لحی بن قمعہ ہے کیونکہ یہ سب سے پہلا بدبخت انسان ہے جس نے انبیاء کے دین میں رخنہ ڈالا اور تغیر و تبدل کیا اور سب سے پہلے سائبہ، وصیلہ اور حام کی رسم ڈالی۔ حدیث صحیح سے یہ ثابت ہے (1)۔

قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

''آپ فرمائیے میں نہیں پاتا اس (کتاب) میں جو وحی کی گئی ہے میری طرف کوئی چیز حرام کھانے والے پر جو کھاتا ہے اسے مگر یہ کہ مردار ہو یا (رگوں کا) بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کیونکہ وہ سخت گندا ہے یا جو نافرمانی کا باعث ہو (یعنی) وہ جانور جس پر ذبح کے وقت بلند کیا جائے غیر خدا کا نام، پھر جو شخص لاچار ہو جائے نہ نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ تجاوز کرنے والا (حد ضرورت سے) تو بیشک آپ کا رب بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے اور پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیں جنہوں نے بہتان تراشی سے ان چیزوں کو حرام قرار دے لیا ہے جو اللہ تعالیٰ انہیں بطور رزق عطا فرمائی تھیں کہ مجھ پر اترنے والی وحی میں میں نہیں پاتا کہ کسی پر ان میں سے کوئی چیز حرام ہو سوائے ان چیزوں کے جن کا ذکر یہاں کیا گیا ہے، بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ سوائے ان مذکورہ چیزوں کے میں حیوانات میں سے کوئی بھی حرام نہیں پاتا۔ اس آیت میں صرف چار حرام چیزوں کا ذکر ہے جبکہ سورۂ مائدہ (2)۔ اور متعدد احادیث میں اور بھی حرام کردہ چیزوں کا ذکر ہے۔ یہ تحریمات اس آیت کے مفہوم کو رفع کرنے والی ہیں۔ اس لئے بعض لوگ اسے نسخ کہتے ہیں یعنی اس

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مائدہ: 103 2۔ دیکھئے سورۂ مائدہ: 3

کا حکم منسوخ ہے۔ اکثر متاخرین اسے منسوخ نہیں قرار دیتے کیونکہ اس سے اصل کی اباحت کو بھی رفع کرنا لازم آئے گا۔

اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا بہتے ہوئے خون کو کہتے ہیں۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو لوگ یہود کی طرح رگوں کے اندر گردش کرنے والے خون کو بھی لے لیتے۔ عمران بن جریر کہتے ہیں کہ میں نے ابومجلز سے خون کے بارے میں دریافت کیا کہ جو خون ذبیحہ کے سر کے ساتھ چمٹا ہوا ہو یا وہ خون جس کی سرخی ہنڈیا پکاتے وقت ظاہر ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے بہتے ہوئے خون سے منع فرمایا ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بہتا ہوا خون حرام ہے البتہ جو خون گوشت کے ساتھ لگ جائے اس میں کوئی حرج نہیں۔ قاسم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا جنگلی جانوروں کے گوشت، اور ہنڈیا میں خون اور سرخی ظاہر ہو جانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتی تھیں (1)۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے موقعہ پر پالتو گدھے کے گوشت کی ممانعت فرما دی تھی تو آپ نے فرمایا: ہاں، حکم بن عمرو رسول اللہ ﷺ سے ایسی روایت کرتے ہیں لیکن بحر العلوم یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا انکار کرتے ہیں اور بطور دلیل یہ آیت پڑھتے ہیں: قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اہل جاہلیت بعض چیزیں کھاتے اور بعض ناپاک سمجھ کر کراہت کے باعث ترک کر دیتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا، آپ ﷺ کو کتاب عطا فرمائی، حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دیا، جن چیزوں کو حلال کیا وہ حلال ہیں اور جسے حرام قرار دیا وہ حرام ہے اور جس کے متعلق سکوت اختیار فرمایا وہ مباح ہے۔ پھر یہی آیت پڑھی (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کی ایک بکری مر گئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے اس کی (کھال کی) مشک کیوں نہ بنالی'' فرماتی ہیں کہ بعد میں جب بھی کوئی بکری مر جاتی تو ہم اس کی کھال کی مشک بنا لیا کرتے تھے۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا: اس کا کھانا تمہارے لئے جائز نہیں ہے لیکن دباغت کے بعد اس سے استفادہ کر سکتے ہو''۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اس بکری کی کھال اتروا کر اس کی مشک بنوالی جو کافی عرصہ کے بعد ان کے پاس ہی پھٹی (4)۔ ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سیہہ کے کھانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے مذکورہ آیت کی ہی تلاوت فرمائی۔ ایک بوڑھا جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہنے لگا کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ (خار پشت) خبائث میں سے ایک خبیث چیز ہے (5)۔ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر حضور ﷺ نے فرمایا ہے تو ایسا ہی ہے جیسا آپ نے فرمایا۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ...... اس آیت کریمہ میں حرام کردہ چیزوں میں سے کوئی چیز کھانے پر اگر کوئی لاچار ہو جائے جبکہ نہ تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہو اور نہ ہی ضرورت سے زیادہ کھائے تو یہ اس کے لئے جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس آیت کی مفصل تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے (6)۔ اس آیت کریمہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں ان مشرکین کا رد مقصود

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 71 — 2۔ فتح الباری، کتاب الذبائح والصید، جلد 9 صفحہ 654 سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3 صفحہ 356 وغیرہ

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3 صفحہ 354-355، مستدرک حاکم، کتاب الاطعمۃ، جلد 4 صفحہ 115

4۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 11 صفحہ 569، سنن نسائی، کتاب الفرع والعتیرۃ، جلد 7 صفحہ 173 وغیرہ

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3 صفحہ 354 — 6۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 173

ہے جنہوں نے اپنی ہی آراء فاسدہ کے باعث، بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام وغیرہ کی تحریم کی طرح طرح کی بدعات رائج کر رکھیں تھیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ انہیں آگاہ کر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو وحی کی ہے اس میں ان جانوروں کی حرمت کا حکم مجھے تو نہیں ملا بلکہ اللہ تعالیٰ نے صرف چار چیزوں (مردار، بہتا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور جسے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے) کو اس آیت کریمہ میں حرام قرار دیا ہے۔ ان کے علاوہ کسی چیز کو حرام نہیں کیا بلکہ سکوت اختیار فرمایا اس لئے یہ مباح ہیں تو تم یہ کیسے دعویٰ کرتے ہو کہ یہ چیزیں حرام ہیں؟ تم نے کہاں سے انہیں حرام قرار دے لیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو حرام کیا ہی نہیں؟ اس بناء پر بعد میں حرام کردہ دوسری چیزوں کی حرمت باقی ہی نہیں رہتی جن کے بارے میں علماء کا مشہور مسلک یہ ہے کہ وہ حرام ہیں مثلاً پالتو گدھے، جنگلی درندے اور ہر پنجے سے نوچنے والے پرندے کا گوشت۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۗ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۫ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

''اور ان لوگوں پر جو یہودی بنے تھے ہم نے حرام کر دیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری سے ہم نے حرام کی ان پر دونوں (گائے بکری) کی چربی مگر جو اٹھا رکھی ہو ان کی پشتوں یا آنتوں نے یا جو ملی ہوئی ہو ہڈی کے ساتھ، یہ ہم نے سزا دی تھی انہیں بسبب ان کی سرکشی کے اور یقیناً ہم سچے ہیں''۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے یہود پر ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا، اسی طرح گائے، بکری اور ان کی چربی بھی حرام کر دی سوائے اس چربی کے جو پیٹھ، انتڑیوں اور ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔

كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ سے مراد وہ جانور اور پرندے ہیں جو اپنے سموں اور پنجوں کے ذریعے نوچتے ہیں اور ان کی انگلیاں پھٹی ہوئی اور الگ الگ نہیں ہوتیں جیسے اونٹ، شترمرغ، مرغابی اور بطخ (1)۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت میں اس سے مراد اونٹ اور شترمرغ ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کی انگلیوں کے درمیان خلا اور کشادگی نہ ہو۔ ایک دوسری روایت میں وہ کہتے ہیں کہ اس سے ہر وہ جانور مراد ہے جس کی انگلیاں متفرق ہوں، مرغ بھی ان میں شامل ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اونٹ، شترمرغ اور کچھ پرندے اور مچھلیاں ہیں، انہی سے ایک روایت ہے کہ اس سے مقصود اونٹ، شترمرغ اور پرندوں میں سے بطخ وغیرہ اور ہر وہ چیز جس کی انگلیوں میں کشادگی نہ ہو۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد شترمرغ اور اونٹ ہیں جن کے پنجے کھلے کھلے ہوں۔ جن جانوروں اور پرندوں کے پنجے کھلے کھلے ہوتے یہود انہیں کھا لیتے۔ جانوروں اور چڑیوں کی انگلیاں چونکہ کھلی کھلی ہیں اس لئے وہ انہیں کھا لیتے۔ اونٹ، شترمرغ اور مرغابی کے پنجے چونکہ کھلے کھلے نہیں اس لئے وہ انہیں نہ کھاتے اور اسی طرح جنگلی گدھا بھی نہ کھاتے (2)۔

وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ ...... گائے اور بکری کی وہ چربی جسے حرام قرار دیا وہ پٹھوں اور گردوں کی چربی ہے۔ یہود کہتے تھے کہ اسے اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے حرام قرار دے دیا تھا اس لئے ہم بھی اسے حرام سمجھتے ہیں۔

اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ ...... یعنی وہ چربی حرام نہیں جو پیٹھ کے ساتھ چمٹی ہوئی ہو۔ امام ابو جعفر بن جریر کہتے ہیں کہ حوایا حاویاء، حاویۃ یا

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 72
2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 73

حویۃ کی جمع ہے یہ پیٹ کے اندر کی چیز کو کہتے ہیں جو اندر جمع ہو جائے۔ اس سے مراد آنتیں اور اوجھ وغیرہ ہے۔

اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ اسی طرح وہ چربی بھی حلال قرار دے دی جو ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ دم کی ہڈی، پاؤں، پہلو، سر، آنکھ اور ہر ہڈی کے ساتھ چمٹی ہوئی چربی حلال ہے۔

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ان پر یہ تنگی ان کی سرکشی اور نافرمانی کے باعث کی تھی جیسا کہ فرمایا: فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا (1)۔ ''سو بوجہ ظلم ڈھانے یہود کے ہم نے حرام کر دیں ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لئے اور بوجہ روکنے یہود کے اللہ کے راستے سے بہت لوگوں کو۔

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ہم نے جو بدلہ انہیں دیا ہم اس میں عادل ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے: اے محمد! ان یہود پر ان چیزوں کی حرمت کے متعلق ہم نے جو خبر آپ کو دی ہے اس میں ہم سچے ہیں اور ہماری بات درست ہے نہ کہ یہود کی جن کا دعویٰ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا (2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ سمرہ نے شراب بیچی ہے تو آپ نے فرمایا کہ خدا سمرہ کو ہلاک کرے کیا اسے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان معلوم نہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کی یہود پر لعنت ہو جن پر چربی حرام کر دی گئی تھی لیکن وہ نکال کر بیچ دیتے تھے'' (3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے فتح مکہ کے زمانہ میں حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب، مردار، خنزیر اور اصنام کی بیع کو حرام قرار دے دیا ہے۔'' عرض کی گئی: یا رسول اللہ! مردار کی چربی کا کیا حکم ہے کیونکہ اس چربی سے کھالوں کو روغن کیا جاتا ہے، کشتیوں پر چڑھائی جاتی ہے اور لوگ اسے جلا کر روشنی حاصل کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، یہ حرام ہے۔'' پھر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے، کیونکہ جب ان پر اللہ تعالیٰ نے چربی حرام قرار دے دی تو وہ اسے صاف کر کے بیچنے لگے اور اس کی قیمت کھانے لگے'' (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم کے پیچھے تشریف فرما تھے اور نگاہیں آسمان کی طرف بلند تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہود پر اللہ تعالیٰ کی لعنتیں ہوں، ان پر اللہ تعالیٰ نے چربی کو حرام کیا تھا لیکن وہ بیچ کر اس کی قیمت استعمال کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا کھانا کسی قوم پر حرام کیا ہے اس کی قیمت بھی اس پر حرام کی ہے'' (5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں حجر اسود کے سامنے تشریف فرما تھے، آپ ﷺ کی نگاہیں آسمان پر لگی ہوئی تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے (6)۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی طبیعت ناساز ہو گئی تو ہم مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ آپ ﷺ کھڑے ہیں اور عدن کی بنی ہوئی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا ہے، پھر آپ ﷺ نے اپنے چہرہ اقدس سے چادر ہٹائی اور فرمایا: ''یہود پر اللہ کی لعنت ہو جو بکریوں کی چربی کو حرام تو سمجھتے ہیں لیکن اس کی قیمت کھا جاتے ہیں''۔ ایک دوسری روایت میں ہے: ''ان پر چربی حرام کی گئی لیکن وہ بیچ کر اس کی قیمت کھانے لگے، اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا کھانا حرام کیا ہے اس کی قیمت بھی حرام قرار دی ہے (7)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 73 2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 77

3۔ فتح الباری، کتاب البیوع، جلد 4 صفحہ 414، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ 1207

4۔ فتح الباری، کتاب البیوع، جلد 4 صفحہ 424، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ 1207 وغیرہ

5۔ رواہ ابن مردویہ 6۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 247 7۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 280

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

''پھر اگر وہ جھٹلائیں آپ کو تو آپ فرمائیے تمہارا پروردگار کشادہ رحمت والا ہے اور نہیں ٹالا جا سکتا اس کا عذاب اس قوم سے جو جرائم پیشہ ہو''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے پیارے محمد! اگر یہ مشرکین، یہود اور اس قماش کے دوسرے لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیں کہ تمہارا رب بہت وسیع مغفرت والا ہے، یہ ان کے لئے اللہ کی وسیع رحمت طلب کرنے اور اتباع رسول میں ترغیب ہے۔

وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی مخالفت میں یہ ان کے لئے ترہیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عموماً ترغیب وترہیب کو ایک جگہ ذکر فرمایا ہے جیسا کہ اس سورت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الانعام: 165) ''بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔ اور فرمایا: وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ (الرعد: 6) ''اور اے (محبوب!) بلاشبہ آپ کا رب بہت بخشنے والا (بھی) ہے لوگوں کے لئے ان کے ظلم (زیادتی) کے باوجود۔ اور بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا (بھی) ہے''۔ اور فرمایا: نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (الحجر: 50-49) ''بتا دو میرے بندوں کو کہ میں بلاشبہ بہت بخشنے والا از حد رحم کرنے والا ہوں۔ اور (یہ بھی بتا دو کہ) میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے''۔ اور فرمایا: غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ (المومن: 3) ''گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا سخت سزا دینے والا''۔ فرمایا: اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ (البروج: 14-12) ''بے شک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔ بیشک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور وہی بہت بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے''۔ اس قسم کی متعدد آیات ہیں۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

''اب کہیں گے جنہوں نے شرک کیا اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم حرام کرتے کسی چیز کو، ایسا ہی جھٹلایا تھا انہوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ چکھا انہوں نے ہمارا عذاب، آپ فرمائیے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے تو نکالو اسے ہمارے لئے، تم نہیں پیروی کرتے مگر نرے گمان کی اور نہیں ہو تم مگر اٹکلیں مارتے ہو۔ آپ فرمائیے اللہ ہی کے لئے کامل دلیل ہے سو اگر وہ چاہتا تو ہدایت فرماتا تم سب کو۔ آپ فرمائیے لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اسے۔ پھر اگر وہ (جھوٹی) گواہی دے بھی دیں تو آپ نہ گواہی دیجئے ان کے ساتھ اور نہ تم پیروی کرنا

ان کی خواہشوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور جو نہیں ایمان لاتے آخرت پر اور وہ اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر ٹھہراتے ہیں''۔

یہاں مناظرانہ طرز کلام ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے اور مشرکین کے ایک شبہ کو بیان کیا ہے جو وہ اپنے شرک اور از خود حرام کردہ چیزوں کے جواز میں پیش کرتے تھے۔ وہ شبہ یہ تھا کہ مشرکین کہتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے شرک اور تحریم پر آگاہ ہے اور وہ اس بات پر قادر بھی ہے کہ وہ ہمارے اس نظریہ کو بدل ڈالے اس طرح کہ ایمان ہمارے دلوں میں ڈال دے، ہمارے اور کفر کے درمیان حائل ہو جائے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی مشیت اور ارادہ میں بھی اسی طرح ہے اور وہ اس معاملہ میں ہم سے راضی ہے، اسی بناء پر انہوں نے کہا: لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ (الانعام:178) اسی طرح یہ فرمان بھی ہے: وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ (الزخرف:20) ''اور (کفار) کہتے ہیں کہ اگر چاہتا (خداوند) رحمٰن تو ہم انہیں نہ پوجتے''۔ اسی طرح یہ آیت بھی اسی مضمون کی حامل ہے: كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (یونس:39) ''اسی طرح (بے علمی سے) جھٹلایا انہوں نے جو ان سے پہلے تھے''۔ یعنی اس شبہ کی وجہ سے ہی ان سے پہلے لوگ گمراہ ہوئے۔ ان کی یہ بہت ہی حقیر، باطل اور طفلانہ دلیل ہے کیونکہ اگر ان کی یہ دلیل صحیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کے بڑوں کو عذاب کا ذائقہ نہ چکھاتا، نہ تباہ و برباد کرتا اور نہ یکے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجتا۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ .... اے حبیب! آپ ان سے فرمادیں کہ کیا تمہارے پاس اس چیز کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس طرز عمل سے راضی ہے، اگر علم ہے تو اسے ظاہر کرو اور وضاحت سے بیان کرو، تم تو محض وہم وگمان اور اعتقاد فاسد کی پیروی کر رہے ہو، اٹکلیں لگاتے پھرتے ہو اور اپنے دعویٰ میں اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہو مشرکین یہ کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ فرمادیا کہ یہ کبھی اللہ تعالیٰ کے قرب کا سبب نہیں بن سکتے (1)۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میں چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ .... اے پیارے محمد! آپ فرمادیں کہ ہدایت یافتہ کو ہدایت دینے اور گمراہ کو گمراہ کرنے میں اس کی حکمت تامہ اور حجت کاملہ ہے۔ اگر وہ چاہے تو سب کو ہدایت یافتہ بنا دے جس طرح فرمایا: ''وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (الانعام:35)'' اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو جمع کر دیتا انہیں ہدایت پر''۔ اور فرمایا: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ (یونس:99) ''اور اگر چاہتا ہے آپ کا رب تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں''۔ اور فرمایا: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (ہود:118) ''اور اگر چاہتا آپ کا رب تو بنا دیتا سب لوگوں کو ایک ہی امت (لیکن حکمت کا یہ تقاضا نہیں اس لئے) وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے۔ مگر وہ جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا (وہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں گے) اور اسی (رحمت) کے لئے انہیں پیدا فرمایا ہے۔ اور پوری ہوگئی آپ کے رب کی (یہ) بات کہ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو جن وانسان (دونوں) سے''۔ ضحاک کہتے ہیں کہ نافرمان اور باغی کی کوئی دلیل نہیں بلکہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی مکمل دلیل ہے۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ .... فرمائیے کہ لے آؤ اپنے گواہ جو یہ گواہی دیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں حرام کی تھیں۔ اگر وہ جھوٹی

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 78 عن ابن عباس

گواہی دے بھی دیں تو بھی آپ ان کے ساتھ گواہ نہ بننا کیونکہ ان کی یہ شہادت جھوٹ اور مکر وفریب پر مبنی ہے آپ حسب معمول ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے رب کے ساتھ شریک وعدیل ٹھہراتے ہیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٥١﴾

”آپ فرمائیے آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو کچھ حرام کیا ہے تمہارے رب نے تم پر (وہ یہ) کہ نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی (کے خوف) سے، ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہر ہوں ان سے اور جو چھپی ہوئی ہوں اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام کردیا ہے اللہ نے سوائے حق کے، یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے جن کا تا کہ تم (حقیقت) کو سمجھو“۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کی آخری وصیت دیکھنا چاہتا ہو تو وہ یہ آیات پڑھ لے: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا ...... لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۂ انعام کی ان آیات کو آیات محکمات میں سے قرار دیا ہے جو ام الکتاب ہیں۔(2) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کون ہے جو میرے ساتھ تین باتوں کا عہد کرے؟“ پھر آپ نے ”قُلْ تَعَالَوْا“ والی آیات کی آخر تک تلاوت فرمائی، فرمایا: ”جس نے ان باتوں کے عہد کو پورا کیا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔ جس نے ان باتوں کی بجا آوری میں کمی اور کوتاہی کی اور اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی اسے پکڑ لیا تو یہ اس کی سزا ہوگی اور جس نے اس عہد کی تعمیل کو آخرت تک موخر کیے رکھا تو اس کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو معاف فرمادے“ (3)۔ حضرت ابوعوانہ سے مروی ایک حدیث میں بھی ان تین باتوں کے عہد کا ذکر ہے۔ اس آیت کی تفسیر یوں ہوگی، اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ سے فرماتا ہے کہ اے میرے محبوب! ان مشرکین سے فرمادیں جو غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں، اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو حرام قرار دیتے ہیں اور ناحق اپنی اولاد کو قتل کر دیتے ہیں کہ یہ ساری کارستانیاں ان کی اپنی من گھڑت آراء اور شیطان کے بہکاوے کا نتیجہ ہیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ...... آپ انہیں کہہ دیں کہ آؤ، میں تمہیں پڑھ سناتا ہوں اور ان چیزوں کے بارے میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں جو واقعتاً تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں، میں یہ باتیں ظن وتخمین اور اٹکل پچو سے نہیں بتا رہا بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے حکم سے تمہیں بتا رہا ہوں، ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ سیاق کلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہاں کچھ کلام محذوف ہے وہ ہے: ”اَوْصَاكُمْ“ تقدیر کلام یوں ہوگی: وَاَوْصَاكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا اسی

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ انعام، جلد 11 صفحہ 191
2۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۂ انعام، جلد 2 صفحہ 317
3۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۂ انعام، جلد 2 صفحہ 318

لئے آیت کے آخر میں فرمایا: ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ عربوں کا قول: أَمَرْتُكَ اَنْ لَا تَقُوْمَ ''میں نے تمہیں کھڑا نہ ہونے کا حکم دیا ہے''۔ اسی قبیل سے ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس جبریل آئے اور انہوں نے مجھے یہ خوشخبری دی ہے کہ آپ کی امت میں جو شخص بھی اس حال میں مرا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا: اگر چہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہو اور چوری کی ہو؟ انہوں نے کہا: اگر چہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ میں نے (دوبارہ) پوچھا: اگر چہ وہ زانی اور چور ہو؟ کہا: اگر چہ وہ زانی اور چور ہو۔ میں نے (تیسری دفعہ) پوچھا: اگر چہ اس نے زنا کیا ہو، چوری کی ہو اور شراب پی ہو؟ انہوں نے جواب دیا: اگر چہ اس نے زنا کیا ہو، چوری کی ہو اور شراب پی ہو''(1)۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے والے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تھے اور تیسری مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا: ''وَاِنْ رَغِمَ أَنْفُ أَبِيْ ذَرٍّ'' (اگر چہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہو جائے)۔ چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حدیث مکمل کرنے کے بعد یہ الفاظ بھی بیان کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے ابن آدم! جب تک تو مجھ سے دعا مانگتا رہے گا اور مجھ سے ہی امید وابستہ کئے رکھے گا، میں تیرے گناہوں کو بخشتا رہوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں (کہ تو نے کتنے گناہ کئے)۔ اگر تو زمین بھر خطائیں میرے پاس لائے گا تو میں تجھے زمین بھر مغفرت عطا کردوں گا بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہو۔ اور اگر تو نے اس قدر خطائیں کیں جو آسمان تک پہنچ گئیں پھر مجھ سے بخشش طلب کی تو میں تمہاری ان تمام خطاؤں کو بخش دوں گا''(2)۔ اس کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے، فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النسا: 116) ''بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس (جرم عظیم) کو کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جتنے جرائم ہوں جس کے لئے چاہتا ہے''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ(3)۔ ''جو اس حال میں مرا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا، وہ جنت میں داخل ہوگا''۔ متعدد آیات اور احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سوائے شرک کے ہر گناہ کی بخشش ہو سکتی ہے۔ حضرت عبادہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ''اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اگر چہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا سولی پر چڑھا دیا جائے یا تمہیں جلا دیا جائے''(4)۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا تاکیدی حکم دیا جن میں سے ایک یہ تھا کہ ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ خواہ تمہیں جلا دیا جائے، یا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا سولی پر لٹکا دیا جائے''۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا دوسری چیز جس کی اللہ تعالیٰ نے وصیت کی ہے اور حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ والدین کے ساتھ احسان کرو جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل: 23) ''اور حکم فرمایا آپ کے رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو''۔ بعض نے ''وَقَضٰى'' کی بجائے ''وَصّٰى'' پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اکثر اپنی اطاعت اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کو ملا کر بیان فرماتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝۱۴ وَاِنْ

1۔ فتح الباری، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 283، صحیح مسلم، کتاب الایمان 95

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعاء، جلد 13 صفحہ 59-60، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 154

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 94　　4۔ ابن مردویہ

جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (لقمان:15-14) ''کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ (آخر کار) میری طرف ہی (تمہیں) لوٹنا ہے۔ اور اگر وہ دباؤ ڈالیں تم پر کہ تو میرا شریک ٹھہرائے اس کو جس کا تجھے علم تک نہیں، تو ان کا یہ کہنا نہ مان البتہ گزران کر وان کے ساتھ دنیا میں خوبصورتی سے۔ اور پیروی کر واس کے راستہ کی جو میری طرف مائل ہوا، پھر میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے، پس میں آگاہ کروں گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے''۔ اگرچہ والدین مشرک ہی ہوں پھر بھی حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، فرمایا: وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (البقرة:83) ''اور یاد کرو جب لیا تھا ہم نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے (اس بات کا) کہ نہ عبادت کرنا بجز اللہ کے اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا''۔ اس مضمون کی حامل بہت سی آیات قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا: ''اپنے (مقررہ) وقت پر نماز پڑھنا''۔ میں نے عرض کی کہ پھر کونسا؟ فرمایا: ''والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔'' میں نے عرض کی کہ پھر کونسا؟ فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتائیں۔ اگر میں مزید سوال کرتا تو آپ ﷺ مزید جواب دیتے (1)۔ حضرت ابوالدرداء اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک یہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خلیل رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ وصیت کی: ''اپنے والدین کی اطاعت کرو، اگر وہ تمہیں یہ بھی حکم دیں کہ ساری دنیا انہیں دے دو تو ایسا بھی کر گزرو'' (2)۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ...... والدین اور اجداد کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیٹوں اور پوتوں کے بارے میں تاکیدی حکم دیا کہ مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ شیاطین کے بہکانے سے مشرکین اپنی اولاد کو قتل کیا کرتے تھے، ننگ و عار کے باعث اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اور بعض اوقات تنگدستی کے خوف سے لڑکوں کو بھی قتل کر ڈالتے۔ اسی بناء پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسا گناہ سب سے بڑا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اللہ تعالیٰ کا شریک اور مدمقابل ٹھہرائے حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے''۔ میں نے (دوبارہ) پوچھا: پھر کونسا؟ فرمایا: ''کھانے میں شریک ہونے کے خوف سے تمہارا اپنی اولاد کو قتل کرنا'' میں نے (تیسری دفعہ) عرض کی کہ پھر کونسا؟ فرمایا: ''تمہارا اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا'' (3)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ (الفرقان:68) ''اور جو نہیں پوجتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو اور نہیں قتل کرتے اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے مگر حق کے ساتھ، اور نہ بدکاری کرتے ہیں''۔

مِّنْ اِمْلَاقٍ۔ ''اِمْلَاقٍ'' کا معنی فقر ہے۔ سورۂ اسراء میں فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (بنی اسرائیل:31) یعنی مستقبل میں فقر کے اندیشہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو اسی لئے وہاں فرمایا: نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ہم انہیں بھی اور تمہیں بھی رزق دیتے ہیں۔ اس آیت میں بچوں کے رزق سے آغاز کیا کیونکہ انہی کا اہتمام مقصود تھا یعنی انہیں رزق مہیا کرنے کے سبب سے تم اپنے فقر کا خوف نہ رکھو۔

1۔ فتح الباری، کتاب مواقیت الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 9، صحیح مسلم، کتاب الایمان 89

2۔ ابن مردویہ

3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ بقرۃ، جلد 8 صفحہ 163، صحیح مسلم، کتاب الایمان 90

سب رزق تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہے لیکن یہاں چونکہ فقر حاصل ہے اس لئے فرمایا: نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَ اِیَّاهُمۡ کیونکہ یہاں یہی بات اہم ہے کہ تمہیں بھی اور انہیں بھی ہم ہی رزق عطا فرماتے ہیں۔

وَلَا تَقۡرَبُوا الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ اسی مضمون کی یہ آیت بھی ہے: قُلۡ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ وَ الۡاِثۡمَ وَ الۡبَغۡیَ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَ اَنۡ تُشۡرِكُوۡا بِاللّٰهِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا وَّ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ (الاعراف:33) ’’آپ فرمائیے بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو ظاہر ہیں ان سے اور جو پوشیدہ ہیں اور (حرام کر دیا) گناہ کو اور سرکشی کو بغیر حق کے اور یہ کہ شریک ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ جس کے لئے نہیں اتاری اللہ نے کوئی سند اور یہ کہ تم کہو اللہ پر ایسی بات جو تم نہیں جانتے ہو‘‘۔ اس کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: وَ ذَرُوۡا ظَاهِرَ الۡاِثۡمِ وَ بَاطِنَهٗ (الانعام:120) کے تحت گزر چکی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی بھی غیور نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس نے ظاہری باطنی بے حیائی کی تمام باتیں حرام کر دی ہیں‘‘ (1)۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو دیکھ لوں تو میں تلوار کے ساتھ اسے قتل کر ڈالوں۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’کیا تم سعد کی غیرت پر تعجب کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! میں سعد سے بھی زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی غیور ہے، اسی وجہ سے اس نے بے حیائی کی تمام ظاہری باطنی باتیں حرام قرار دے دی ہیں‘‘ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! ہم غیرت مند ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: قسم بخدا! مجھے بھی غیرت آتی ہے اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہے اور اسی غیرت کے باعث اس نے بری باتوں سے منع فرمایا ہے‘‘ (3)۔ اسی سند سے مروی ہے: میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہیں (4)۔

وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَقِّ یہاں نہی تاکید کے لئے ہے ورنہ یہ بھی فواحش کی نہی میں داخل ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’کسی بھی مسلمان کا جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، خون حلال نہیں ہے سوائے تین کے: شادی شدہ زانی، قتل کا بدلہ قتل اور مرتد‘‘ (5)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کا سوائے تین خصلتوں کے باعث خون حلال نہیں ہے: شادی شدہ جو زنا کا مرتکب ہوا سے رجم کیا جائے، وہ آدمی جس نے قصداً قتل کیا ہو تو قصاص کے طور پر اسے قتل کیا جائے، اور وہ شخص جو دائرہ اسلام سے نکل کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرے ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے یا سولی پر لٹکا دیا جائے یا جلاوطن کر دیا جائے‘‘ (6)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب باغیوں نے گھیرے میں لے رکھا تھا تو اس وقت آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ’’کسی مسلمان کا تین باتوں کے بغیر خون روا نہیں ہے: وہ شخص جو اسلام لانے کے بعد کافر ہو جائے، یا شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب ہو، یا ناحق کسی کو قتل کر دے‘‘ خدا کی قسم! میں کبھی زنا کا مرتکب نہیں ہوا نہ جاہلیت میں نہ اسلام میں، نہ میں نے کبھی یہ تمنا کی ہے کہ ہدایت پا لینے کے بعد اسلام کے علاوہ کوئی اور دین بدل لوں اور نہ ہی میں نے کسی کو قتل کیا ہے۔ جب یہ حقیقت ہے تو پھر تم کس بناء پر مجھے

1۔ اس حدیث کی تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ نساء: 165
2۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12 صفحہ 174، صحیح مسلم کتاب اللعان 1136
3۔ ابن مردویہ
4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 202-203
5۔ فتح الباری، کتاب الدیات، جلد 12 صفحہ 201، صحیح مسلم، کتاب القسامۃ 1303
6۔ سنن نسائی، کتاب تحریم الدم، جلد 7 صفحہ 101-102، سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 126

قتل کرنا چاہتے ہو؟ (1)۔ اہل حرب میں جس کے ساتھ امن کا معاہدہ ہو جائے اور دیار اسلام میں رہنے کی اسے اجازت مل جائے تو اسے قتل کرنے کی سخت ممانعت اور زجر و توبیخ وارد ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو کسی عہد دیئے گئے شخص کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے بھی پہنچ جاتی ہے'' (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ایسے معاہد ذمی کو قتل کیا جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ حاصل تھا تو اس نے اللہ کے ذمہ کو پامال کیا۔ ایسا شخص جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا حالانکہ اس کی خوشبو کا یہ عالم ہے کہ وہ ستر سال کی مسافت سے بھی پہنچ جاتی ہے'' (3)۔

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ یہ وہ باتیں ہیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے، مقصد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کو اچھی طرح سمجھ لو۔

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۙ﴿۱۵۲﴾

''اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقہ سے جو بہت اچھا ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور پورا کرو ناپ اور تول انصاف کے ساتھ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی طاقت کے برابر اور جب بھی بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ ہو (معاملہ) رشتہ دار کا اور اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرو، یہ ہیں وہ باتیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے تمہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو''۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب مذکورہ آیت اور یہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا (النساء:10) ''بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں یتیموں کے مال ظلم سے''۔ اتری تو جس شخص کے زیر کفالت کوئی یتیم تھا اس نے اس یتیم کا کھانا پینا اپنے کھانے پینے سے الگ کر دیا اس خوف کے پیش نظر کہ کہیں یتیم کا کھانا اس کے کھانے میں نہ شامل ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب یتیم کی خوراک میں سے کچھ بچتا تو اسی کے لئے رکھ چھوڑتے۔ یا تو وہ اسے دوبارہ کھا لیتا یا گل سڑ کر خراب ہو جاتا۔ یہ بات ان پر بہت گراں اور تکلیف دہ تھی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس بات کا تذکرہ کیا تو اس وقت یہ فرمان اترا: وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ (البقرہ:220) ''اور پوچھتے ہیں آپ سے یتیموں کے بارے میں فرمایئے (ان سے الگ تھلگ رہنے سے) ان کی بھلائی کرنا بہتر ہے اور اگر (کاروبار میں) تم انہیں ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں''۔ چنانچہ اس کے بعد وہ اکٹھا ہی کھانے پینے لگے (4)۔ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ شعبی رحمۃ اللہ علیہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ بلوغت کو پہنچ جائے۔ سدی کہتے ہیں کہ تیس سال کی عمر کو پہنچ جائے (5)۔ بعض نے چالیس سال اور بعض نے ساٹھ سال کی مدت قرار دی ہے، لیکن یہ باتیں مقصود سے بہت زیادہ دور ہیں۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، جلد 9 صفحہ 2-3، سنن نسائی، کتاب تحریم الدم، جلد 7 صفحہ 91-92 وغیرہ
2۔ فتح الباری، کتاب الدیات، جلد 12 صفحہ 259
3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدیات، جلد 6 صفحہ 175-176 سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات 896
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوصایا، جلد 3 صفحہ 114-115
5۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 85

وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ اللہ تعالیٰ لین دین میں عدل وانصاف برقرار رکھنے کا حکم ارشاد فرما رہا ہے جیسا کہ اس کو ترک کرنے پر سخت وعید آئی ہے: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۖ﴿۲﴾ وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ؕ﴿۳﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ﴿۴﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۙ﴿۵﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (المطففین :6-1) ''بربادی ہے (ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کے لئے۔ جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو (ان کو) نقصان پہنچاتے ہیں۔ کیا وہ (اتنا) خیال بھی نہیں کرتے کہ انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا ایک بڑے دن کے لئے۔ جس دن لوگ (جوابدہی کے لئے) کھڑے ہوں گے پروردگار عالم کے سامنے''۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں میں سے ایک قوم کو اسی گناہ کی پاداش میں ہلاک کر دیا کہ وہ ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ناپ تول کرنے والوں سے فرمایا: ''تم ایسے کام کے ذمہ دار ہو جس کے باعث پہلی امتوں کو ہلاک کر دیا گیا''(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے موالی! اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو خصلتوں کی خوشخبری دی ہے، ان کے باعث کئی قومیں ہلاک ہوئیں اور وہ خصلتیں ہیں ناپ اور تول''۔

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا جس نے ادائیگی حق میں پوری پوری کوشش کی، اس کے باوجود اگر کوئی غلطی ہوگئی تو کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ...... کے بارے میں فرمایا: جس نے صحیح نیت کے ساتھ پورا پورا ناپا اور تولا، اللہ تعالیٰ تو نیت کو بخوبی جانتا ہے، تو اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ لفظ وسعت کی یہی تاویل ہے۔

وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى یہ اس آیت کی طرح ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ (المائدۃ:8) ''اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ''۔ اسی طرح سورۂ نساء کی اس آیت کے مشابہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ قول و فعل میں ہر دور و نزدیک کے ساتھ عدل کا حکم دیتا ہے(2)۔ اللہ ہر حال میں ہر ایک کے لئے ہر وقت عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے۔

وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایفائے عہد کا بھی حکم دیا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ تم اس کے اوامر و نواہی اور کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونے میں اس کی اطاعت کرو۔ یہی ایفائے عہد ہے(3)۔

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ان باتوں کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور سابقہ غلطیوں سے باز آجاؤ تذکرون کو ذال کی تشدید کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے(4)۔

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

''اور بیشک یہ ہے میرا راستہ سیدھا سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کر دیں گے تمہیں اللہ کے راستہ سے یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں جن کا تاکہ تم متقی بن جاؤ''۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب البیوع، جلد 5 صفحہ 222-223
2۔ دیکھئے سورۂ نساء:135
3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 86
4۔ الاقناع لابن الباذش:644

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان آیات وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ، اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوریٰ:13) ''اسی دین کو قائم رکھنا اور تفرقہ نہ ڈالنا اس میں''۔ اور اس قسم کی دوسری آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جماعت اور سواد اعظم کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم دیا ہے، اختلاف اور تفرقہ سے منع فرمایا ہے اور انہیں آگاہ کر دیا ہے کہ پہلی قومیں باہمی چپقلش اور اللہ کے دین میں جھگڑوں کے باعث ہلاک ہوگئیں (1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے زمین پر ایک خط کھینچا پھر فرمایا: ''یہ اللہ کا سیدھا رستہ ہے''۔ پھر دائیں بائیں کچھ خطوط کھینچے اور فرمایا: ''یہ وہ رستے ہیں جن میں سے ہر ایک رستہ پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور اپنی طرف بلا رہا ہے''۔ پھر آپ ﷺ نے اسی مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی (2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے سامنے اس طرح زمین پر خط کھینچا اور فرمایا: ''هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ'' (یہ اللہ کا راستہ ہے)۔ پھر دائیں بائیں دو خط کھینچے اور فرمایا: ''هٰذِهٖ سُبُلُ الشَّيْطَانِ'' (یہ سب شیطانی راستے ہیں)۔ پھر آپ ﷺ نے درمیان والے خط پر ہاتھ رکھا اور مذکورہ آیت وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا...... کی تلاوت فرمائی (3)۔ ایک آدمی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ صراط مستقیم کیا ہے؟ فرمایا: نبی کریم ﷺ نے ہمیں اپنے انتہائی قرب میں مقام عطا کئے رکھا، گویا آپ ﷺ کی نگاہ جنت پر ہے، آپ کے دائیں طرف بھی رستے ہیں اور بائیں طرف بھی کچھ رستے۔ پھر وہاں کچھ لوگ موجود ہیں جو ہر گزرنے والے کو اپنی طرف بلاتے ہیں۔ جو ان کے بلائے ہوئے رستوں پر چل پڑا تو یہ رستے اسے دوزخ میں لے جائیں گے اور جس نے سیدھا رستہ پکڑ لیا تو یہ اسے جنت میں لے جائے گا۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی مذکورہ آیت کی تلاوت کی (4)۔ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال بیان فرمائی ہے۔ اس کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں، ان میں کھلے دروازے لگے ہوئے ہیں اور ان دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں۔ اس صراط مستقیم پر ایک داعی بیٹھا ہوا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے لوگو! تم سب صراط مستقیم میں داخل ہو جاؤ، ادھر ادھر بکھر کر بھٹک نہ جانا۔ اور ایک اور داعی رستہ کے اوپر بیٹھا بلا رہا ہے۔ جب کوئی انسان ان دوسرے دروازوں میں سے کوئی دروازہ کھولنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تجھ پر افسوس! اسے مت کھولو، ورنہ اسی میں داخل ہو جاؤ گے۔ صراط مستقیم تو اسلام ہے، دیواریں حدود اللہ ہیں، کھلے ہوئے دروازے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ رستہ کے سرے پر بیٹھنے والا داعی کتاب اللہ ہے اور رستہ کے اوپر بیٹھا ہوا داعی ہر قلب مسلم میں اللہ کا واعظ (انسان کا ضمیر) ہے (جو برے کاموں سے اس کے دل میں کھٹک پیدا کرتا ہے)''(5)۔

فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ صراط مستقیم کو واحد ذکر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حق ایک ہی ہے۔ اور چونکہ شیطانی راستے متفرق اور قسم قسم کے ہیں اس لئے سبل جمع کا صیغہ ذکر کیا، جیسا کہ ارشاد ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۗ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرۃ:257) ''اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا نکال لے جاتا ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف اور جنہوں نے کفر کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں نکال لے جاتے ہیں انہیں نور

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 88
2۔ مسند احمد: جلد 1 صفحہ 465، مستدرک حاکم، تفسیر سورۃ انعام، جلد 2 صفحہ 318 وغیرہ
3۔ سنن ابن ماجہ، المقدمۃ 6، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 397
4۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 88-89
5۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الامثال، جلد 10 صفحہ 295-297، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 182-183

سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں''۔ نور واحد اور ظلمات جمع کا صیغہ مذکور ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو ان تین آیات پر عمل پیرا ہونے کا میرے ساتھ عہد کرے؟ پھر آپ ﷺ نے قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ والی تین آیات کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا: ''جس نے ان کے حق کو پورا کیا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ثابت ہے، جس نے کوتاہی کی اور دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ نے اسے پکڑ لیا تو اسے سزا مل گئی اور جسے آخرت تک مہلت ملی رہی تو اس کا معاملہ اللہ کے پاس ہے۔ چاہے تو پکڑ لے، چاہے تو معاف فرما دے''۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٤﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٥٥﴾

''پھر عطا فرمائی ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب تاکہ پوری کر دیں نعمت ان پر جو نیک عمل کرتے ہیں اور تاکہ تفصیل ہو جائے ہر چیز کی اور (یہ کتاب) باعث ہدایت و رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے پر ایمان لائیں۔ اور یہ (قرآن) کتاب ہے ہم نے اتارا ہے اسے بابرکت ہے سو پیروی کرو اس کی اور ڈرو (اللہ سے) تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ میں تقدیر کلام یوں ہوگی: ثُمَّ قُلْ يَا مُحَمَّدُ مُخْبِرًا عَنَّا بِاَنَّا آتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ''پھر اے محمد! ہماری طرف سے خبر دیتے ہوئے کہہ دیں کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ...... اس پر دلالت کر رہا ہے(1)۔ لیکن میری رائے میں ابن جریر کا یہ قول محل نظر ہے، کیونکہ ''ثم'' یہاں صرف خبر کا خبر پر عطف کرنے کے لئے ہے نہ کہ ترتیب بتانے کے لئے جیسا کہ شاعر کے قول میں ہے۔

قُلْ لِمَنْ سَادَ ثُمَّ سَادَ أَبُوْهُ ثُمَّ قَدْ سَادَ قَبْلَ ذٰلِكَ

(یعنی اس شخص سے کہہ دو جو سردار بنا، پھر اس کا باپ سردار بنا، پھر اس سے پہلے اس کے دادا کو سروری ملی۔

جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کو صراط مستقیم قرار دے کر اس کی اتباع کا حکم دیا تو اس پر تورات اور صاحب تورات کی مدح کا عطف کیا اور فرمایا:

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ اکثر مقامات پر اللہ تعالیٰ قرآن کریم اور تورات کا ایک ساتھ ذکر فرماتا ہے: وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا (الاحقاف: 12) ''حالانکہ اس سے پہلے کتاب موسیٰ رہنما اور رحمت بن کر آ چکی ہے۔ اور یہ کتاب (قرآن) تو اس کی تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے''۔ اور فرمایا: قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ (الانعام: 92) ''آپ پوچھئے کس نے اتاری تھی وہ کتاب جسے لے آئے تھے موسیٰ علیہ السلام (جو سراسر) نور تھی اور (سراپا) ہدایت تھی لوگوں کے لئے تم نے بنالیا ہے اسے الگ الگ کاغذ ظاہر کرتے ہو اسے اور چھپا لیتے ہو (اس کا) بہت سا (حصہ)''۔ اور اس کے بعد فرمایا:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مشرکین کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 890-90

مُوْسٰى (القصص: 48) "پھر جب آ گیا ان کے پاس حق ہماری جناب سے تو وہ کہنے لگے کیوں نہ دیئے گئے انہیں اس قسم کے معجزے جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے"۔ اور فرمایا: اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۗ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ (القصص: 48) "(ان نابکاروں سے پوچھو) کیا انہوں نے انکار نہیں کیا تھا ان معجزات کا جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔ انہی نے کہا (موسیٰ وہارون) دو جادوگر ہیں، جو ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں نیز انہوں نے کہا تھا ہم ان تمام کا انکار کرتے ہیں"۔ جنوں کے بارے میں فرمایا: يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ (الاحقاف: 30) "اے ہماری قوم! ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی رہنمائی کرتی ہے حق کی طرف"۔

تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا انہیں ہم نے ایسی کتاب عطا فرمائی جو ان کی شریعت میں ان کی تمام ضروریات کے لئے کامل اور جامع تھی جیسا کہ فرمایا: وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (الاعراف: 145) "اور ہم نے لکھ دی موسیٰ کے لئے تختیوں میں ہر چیز نصیحت پذیری کے لئے"۔

عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ یعنی یہ اچھا کام کرنے والے، ہمارے اوامر کو بجالانے والے اور اطاعت گزار کی جزاء ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال کا صلہ ضرور عطا فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۞ (الرحمٰن: 60) "کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے"۔ اور جس طرح فرمایا: وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۗ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرۃ: 124) "اور یاد کرو جب آزمایا ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند باتوں سے تو انہیں پورے طور پر بجالایا۔ اللہ نے فرمایا بیشک میں بنانے والا ہوں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا"۔ اور فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ (السجدۃ: 24) "اور ہم نے بنایا ان میں سے بعض کو پیشوا، وہ رہبری کرتے رہے ہمارے حکم سے جب تک وہ صابر رہے۔ اور تک وہ ہماری آیتوں پر پختہ یقین رکھتے تھے"۔ ربیع بن انس ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے موسیٰ کو جو کتاب دی وہ ساری عطاؤں میں سے سب سے بہتر عطاء ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جس نے دنیا میں نیک کام کیا اللہ تعالیٰ آخرت میں اسے کامل عطاء سے نوازے گا۔ ابن جریر کے نزدیک تقدیر کلام یوں ہے: تَمَامًا عَلٰى اِحْسَانِهٖ(1)۔ "احسان کے باعث مکمل کتاب عطا فرمائی" اس صورت میں "اَلَّذِيْ" مصدر یہ ہوگا جس طرح اس فرمان میں ہے: وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا (التوبہ: 69) "اور (لذتوں میں) میں بھی ڈوبے رہے جیسے وہ ڈوبے رہے تھے"۔ یہاں "اَلَّذِيْ خَاضُوْا" خوض مصدر کے معنی میں ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے درج ذیل شعر میں بھی "اَلَّذِيْ" مصدر یہ ہے:

وَثَبَّتَ اللّٰهُ مَا آتَاكَ مِنْ حَسَنٍ فِي الْمُرْسَلِيْنَ وَنَصْرًا كَالَّذِيْ نُصِرُوْا (2)

بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہاں "اَلَّذِيْ"، "اَلَّذِيْنَ" کے معنی میں ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ کی قرأت میں تَمَامًا عَلَى الَّذِيْ اَحْسَنُوْا" آیا ہے(3)۔ مجاہد "اَلَّذِيْ اَحْسَنَ" سے مومنین اور محسنین مراد لیتے تھے۔ بغوی محسنین سے مراد انبیاء اور مومنین لیتے تھے یعنی ان پر ہم نے تورات کی فضیلت ظاہر کر دی (4)۔ جیسا کہ فرمایا: قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 91
2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 374
3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 90
4۔ تفسیر بغوی، جلد 2 صفحہ 142-143

بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِكَلَامِیْ (الاعراف:144) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر اپنی پیغمبری سے اور اپنے کلام سے''۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہیں حضور خاتم النبیین ﷺ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر بھی فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ ان دونوں حضرات کی فضیلت کے بہت سے دلائل ہیں۔ یحیٰ بن یعمر ''احسن'' کو پیش کے ساتھ (اسم تفضیل کا صیغہ) پڑھتے تھے(1) جو ''اَلَّذِیْ هُوَ اَحْسَنُ'' کی تاویل میں ہے۔ اور فرماتے کہ میں اس قراءت کے بدلہ میں کسی دوسری قراءت کو جائز نہیں سمجھتا اگرچہ عربی میں وہ بھی درست ہو۔ بعض نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے: تَمَامًا عَلٰی اِحْسَانِ اللّٰهِ اِلَیْهِ یعنی اس پر مزید کرم کرتے ہوئے اور احسان کو مکمل کرتے ہوئے۔

وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً...... اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر جو کتاب نازل کی اس کی یہاں مدح بیان کی جارہی ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ...... یہاں اتباع قرآن کی دعوت دی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قرآن کریم پر عمل پیرا ہونے، اس پر غور وفکر کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی رغبت دلا رہا ہے۔ فرمایا کہ یہ سراپا برکت ہے اس شخص کے لئے جس نے اس کی پیروی کی اور اس پر عمل کیا۔ دنیا و آخرت میں اس کے لئے برکت ہی برکت ہے کیونکہ یہ کتاب اللہ کی مضبوط رسی ہے۔

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ صَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِی الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

''(ہم نے اسے اتارا ہے) تاکہ یہ نہ کہو کہ اتاری گئی تھی کتاب تو صرف دو گروہوں پر ہم سے پہلے اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے۔ یا یہ نہ کہو کہ اگر اتاری گئی ہوتی ہم پر کتاب تو ہوتے ہم زیادہ ہدایت پانے والے ان سے، بے شک آگئی ہے تمہارے پاس روشن دلیل اپنے رب کی طرف سے اور سراسر ہدایت اور رحمت، تو کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو اور منہ پھیرا ان سے۔ عنقریب ہم سزا دیں گے انہیں جو منہ موڑتے ہیں ہماری آیتوں سے برے عذاب سے اس وجہ سے کہ وہ منہ پھیرا کرتے تھے''۔

ابن جریر اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے تاکہ تم (اے مشرکو!) یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے یہود ونصاریٰ پر تو کتاب اتری لیکن ہم پر کوئی کتاب نہیں اتری(2)۔ یہ بیان ان کے عذر کو ختم کرنے کے لئے ہے جیسا کہ ارشاد ہے: وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ (القصص:47) ''(اور اس کی وجہ یہ ہے) کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب پہنچے انہیں کوئی مصیبت ان اعمال کے باعث جو انہوں نے کئے ہیں تو وہ یہ نہ کہنے لگیں کہ اے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تاکہ ہم پیروی کرتے تیری آیات کی''۔

طَآئِفَتَيْنِ سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 91
2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 93

وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ یہود و نصاریٰ جو کچھ کہتے تھے ہم تو اسے سمجھ ہی نہ سکتے تھے کیونکہ ان کی زبان ہماری زبان سے مختلف تھی۔ اس لئے ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے ناسمجھ اور غافل رہے اور اس بناء پر ان جیسے اعمال نہ کر سکے۔

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا .... ہم نے (قرآن نازل کر کے) ان کے اس بہانہ کو بھی ختم کر دیا کہ اگر یہود و نصاریٰ کی طرح ان پر بھی کتاب اترتی تو وہ ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ جیسا کہ فرمایا: ’’وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ (فاطر: 42)‘‘ اور (کفار مکہ) اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ زیادہ ہدایت قبول کریں گے پہلی امتوں سے‘‘۔ چنانچہ فرمایا:

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ نبی عربی محمد (ﷺ) کی زبان اقدس کے ذریعے تمہارے رب کی طرف سے قرآن کریم تمہارے پاس آ گیا ہے جس میں حلال و حرام کا بیان ہے، یہ دلوں کے لئے سراپا ہدایت ہے اور ان بندوں کے لئے اللہ کی بے پایاں رحمت ہے جو اس کی اتباع کرتے ہیں۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور رسول کریم ﷺ کے لائے ہوئے پیغام سے فائدہ نہ اٹھایا۔ ظلم کی انتہا دیکھیں کہ خود بھی قرآن سے دور رہا اور لوگوں کو بھی اس حیات بخش پیغام سے دور کرتا رہا جس طرح ابتدائے سورت میں فرمایا: وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ (الانعام: 26) ’’اور وہ روکتے ہیں اس سے اور دور بھاگتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے نفسوں کو‘‘۔ اور فرمایا: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ (النحل: 88) ’’جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) روکا اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہم نے بڑھا دیا اور عذاب ان کے پہلے عذاب پر‘‘۔ مندرجہ بالا دونوں آیتوں کی طرح یہاں بھی ان کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ یہ بھی ممکن ہے کہ اس آیت کا مطلب وہ ہو جو حضرات ابن عباس، مجاہد اور قتادہ نے بیان کیا ہے یعنی اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا (ایمان نہ لایا) اور ان سے منہ پھیر لیا (عمل پیرا نہ ہوا) جیسا کہ ارشاد ہے: فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (القیامۃ: 32-31) ’’نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی، بلکہ اس نے (حق کو) جھٹلایا اور اس سے منہ پھیر لیا‘‘۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ کافر دل سے تکذیب کرتے ہیں اور اعضاء کے ذریعے نیک اعمال ترک کر دیتے ہیں، لیکن گزشتہ معنی (جو سدی نے بیان کیا ہے) وہ اس معنی کی نسبت زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ یہ فرمان: فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا اس فرمان کی طرح ہے: ’’اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ (النحل: 88) ’’جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) روکا اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہم نے بڑھا دیا اور عذاب ان کے پہلے عذاب پر اس وجہ سے کہ وہ فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے‘‘۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْۤ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

''کس کی انتظار کر رہے ہیں بجز اس کے کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا خود آئے آپ کا رب یا آئے کوئی نشانی آپ کے رب کی۔ (لیکن) جس روز آئے گی کوئی نشانی آپ کے رب کی تو نہ نفع دے گا کسی کو اس کا ایمان لانا جو نہیں ایمان لا چکا تھا اس سے پہلے یا نہ کی تھی اپنے ایمان کے ساتھ کوئی نیکی۔ آپ (انہیں) فرمایئے تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں''۔

کفار، رسولوں کی مخالفت کرنے والوں، آیات کو جھٹلانے والوں اور اللہ کے رستہ سے ہٹانے والوں کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ کیا وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں یا آپ کا رب آ جائے، اور یہ قیامت کے دن ضرور ہوگا، یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آ جائے۔ جب آپ کے رب کی کوئی نشانی آ جائے گی تو پھر کسی کو اس کا ایمان فائدہ نہیں پہنچا سکے گا، یہ وقوع قیامت سے قبل ضرور ہوگا اور یہ قیامت کی نشانیوں اور علامتوں میں سے کوئی علامت اور نشانی ہوگی۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔ جب لوگ اس صورت حال کو دیکھیں گے تو تمام اہل زمین ایمان لے آئیں گے''(1)۔ یہ اس وقت ہوگا جب کسی شخص کو جو پہلے ایمان نہیں لایا تھا، اس کا ایمان نفع نہیں دے گا۔ اس مفہوم کی ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھوڑی سی الفاظ کی تبدیلی سے مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ ظاہر ہو گئیں تو کسی شخص کو اس کا ایمان لانا فائدہ نہیں دے گا جو قبل ازیں ایمان نہیں لایا تھا یا اپنے ایمان میں کوئی نیک کام نہ کیا تھا: (1) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، (2) دجال کا نکلنا اور (3) دابۃ الارض کا خروج''(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہونے لگے۔ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو سب لوگ ایمان لے آئیں گے۔ یہ وہ گھڑی ہوگی جب کسی ایسے شخص کا ایمان اسے فائدہ نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے مغرب سے سورج کے طلوع ہونے سے قبل توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی''(3)۔ حضرت ابوذر جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ جب سورج غروب ہوتا ہے تو کہاں جاتا ہے؟'' میں نے عرض کی کہ میں نہیں جانتا، فرمایا: ''وہ عرش کے نیچے جا کر سجدہ ریز ہو جاتا ہے، پھر اٹھتا ہے تا کہ اسے حکم دیا جائے کہ واپس لوٹ جاؤ۔ اے ابوذر! وہ دن قریب ہے جب اسے کہا جائے گا کہ پچھلے پاؤں گردش کرتے ہوئے لوٹ جا یہ وہ وقت ہوگا جب کسی آدمی کو جو پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا، اس کا ایمان نفع نہیں دے گا''(4)۔ حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کمرہ سے ہماری طرف متوجہ ہوئے، اس وقت ہم قیامت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ تم اس کی دس نشانیاں نہ دیکھ لو: سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، زبردست دھواں اٹھنا، دابۃ الارض کا ظہور، یاجوج و ماجوج کا خروج عیسیٰ بن مریم کی تشریف آوری، دجال کا نکلنا، زلزلے کے ذریعے تین دفعہ زمین کا دھنس جانا، ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک جزیرہ عرب میں، اور عدن کے نیچے سے آگ کا

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ انعام، جلد 8 صفحہ 296-297 صحیح مسلم، کتاب الایمان، 137-138 وغیرہ

2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 103، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 445-446، صحیح مسلم، کتاب الایمان 138 وغیرہ

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 99

4۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ یٰسین، جلد 8 صفحہ 541، صحیح مسلم، کتاب الایمان 138 وغیرہ

نمودار ہونا جس کی ہولناکی سے لوگ پریشان ادھر ادھر بھاگ رہے ہوں گے، رات کو سونا چاہئیں گے تو آگ ان کے ساتھ ہوگی، دو پہر کو آرام کرنا چاہئیں گے تو بھی آگ ان کے ساتھ ہوگی'' (1)۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! مغرب سے طلوع شمس کی نشانی کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ رات اس قدر طویل ہو جائے گی کہ دو راتوں کے برابر ہوں گی۔ رات کو جاگ کر عبادت کرنے والے اٹھیں گے اور حسب معمول نماز تہجد پڑھیں گے، ستارے اپنی اپنی جگہ پر دکھائی دیں گے، ڈوبے ہوئے نہیں ہوں گے، پھر وہ سو جائیں گے، پھر اٹھ کر نماز پڑھیں گے، پھر سو جائیں گے، پھر اٹھیں گے تو ان کے پہلو لیٹے لیٹے سن ہو جائیں گے، رات بہت طویل ہو جائے گی، لوگ پریشان ہو جائیں گے اور صبح ہونے کا نام ہی نہیں لے گی۔ اسی اثناء میں کہ وہ مشرق سے طلوع آفتاب کا انتظار کر رہے ہوں گے کہ اچانک وہ مغرب سے طلوع ہو جائے گا تو اسے دیکھ کر لوگ ایمان لے آئیں گے لیکن ایمان انہیں فائدہ نہیں دے گا'' (2)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا سے مراد مغرب سے طلوع شمس ہے (3)۔ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مغرب کی جانب توبہ کا ایک دروازہ کھول رکھا ہے جس کا عرض ستر برس کی مسافت کی مقدار ہے، سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے قبل یہ بند نہیں ہوگا (4)۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''لوگوں پر ضرور ایک ایسی رات آنے والی ہے جو تین راتوں کے برابر ہوگی۔ جب ایسا ہوگا تو (تہجد کے) نوافل پڑھنے والے پہچان لیں گے، وہ اٹھ کر نفل پڑھیں گے پھر سو جائیں گے، پھر اٹھیں گے اور حسب معمول نفل پڑھ کر سو جائیں گے۔ لوگ اسی صورت حال سے دوچار ہوں گے کہ اچانک ایک دوسرے کو پکار کر پوچھیں گے کہ یہ کیا ہے؟ پھر گھبرا کر مساجد کی طرف نکل جائیں گے، اچانک دیکھیں گے کہ سورج تو مغرب سے طلوع ہو چکا ہے، یہاں تک کہ جب سورج آسمان کے وسط تک پہنچ جائے گا تو پھر لوٹ جائے گا اور حسب عادت مشرق سے طلوع ہوگا، اس وقت ایمان لانا بے سود ہوگا (5)۔ یہ حدیث غریب ہے اور صحاح ستہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ تین مسلمان مدینہ شریف میں مروان کے پاس بیٹھے، انہوں نے سنا کہ وہ علامات قیامت کا ذکر کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ سب سے پہلی علامت خروج دجال ہے۔ تو وہ تینوں یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مروان سے جو کچھ سنا تھا بیان کر دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مروان نے وہ بات نہیں کی جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر یاد رکھی ہے وہ یہ ہے: ''قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی یہ ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور پھر چاشت کے وقت دابۃ الارض کا ظہور۔ ان میں سے جو بھی پہلے رونما ہوئی دوسری اس کے فوراً بعد ظاہر ہو جائے گی۔'' پھر حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے مغرب سے طلوع شمس والی نشانی ظاہر ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بھی سورج غروب ہوتا ہے تو عرش کے نیچے آکر سجدہ ریز ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے واپس لوٹنے کی اجازت طلب کرتا ہے تو اسے لوٹنے کی اجازت دے دی جاتی ہے یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کو مغرب سے طلوع آفتاب منظور ہوگا تو اس وقت حسب معمول سورج سجدہ ریز ہونے کے بعد واپسی کے لئے اذن طلب کرے گا لیکن اس

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن 2225-2226، سنن ابی داؤد کتاب الملاحم، جلد 4 صفحہ 114-115 وغیرہ
2۔ ابن مردویہ
3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ انعام، جلد 11 صفحہ 191، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 31
4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعاء، جلد 13 صفحہ 55-57، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن 1353
5۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 392

لوٹنے کا اذن نہیں ملے گا، پھر دوبارہ عرض کرے گا پھر بھی کوئی جواب نہیں ملے گا، یہاں تک کہ جب رات کا کچھ حصہ جتنا اللہ کو منظور ہوا، گزر جائے گا اور سورج یہ پہچان لے گا کہ اگر اب اسے واپس لوٹنے کی اجازت مل بھی گئی تو وہ مشرق سے طلوع نہیں ہو سکے گا تو عرض کرے گا کہ اے رب! مشرق کس قدر بعید ہے، لوگوں میں سے کوئی ہے جو مجھے وہاں تک پہنچا سکے۔ یہاں تک کہ جب افق طوق کی شکل اختیار کر لے گا تو سورج کو لوٹنے کا حکم ہوگا اور اسے کہا جائے گا کہ اپنی جگہ سے ہی طلوع ہو جاؤ، چنانچہ سورج لوگوں پر مغرب سے طلوع ہو گا۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسی آیت کی تلاوت کی (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو ابلیس چیختے چلاتے ہوئے سجدہ میں گر جائے گا اور عرض کرے گا: الٰہی! مجھے حکم دے تاکہ میں اس کو سجدہ کروں جسے تو چاہے۔ تو جہنم کے داروغے (محافظ فرشتے) ابلیس کے پاس جمع ہو جائیں گے اور اسے کہیں گے کہ یہ سب آہ و زاری کس لئے؟ وہ کہے گا کہ میں نے ایک مقررہ وقت تک کے لئے اللہ تعالیٰ سے مہلت کی درخواست کی تھی اور یہی وہ وقت مقرر و معلوم ہے۔ پھر کے ایک سوراخ میں سے دابۃ الارض نکلے گا جو پہلا قدم انطاکیہ میں رکھے گا، ابلیس آ کر اسے طمانچہ دے مارے گا۔'' یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے، شاید یہ حدیث انہوں نے اس خزانے میں سے لی ہو جو انہوں نے جنگ یرموک میں پایا تھا۔ ابن سعدی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک دشمن جنگ کر رہا ہے، ہجرت منقطع نہیں ہوگی'' (2)۔ حضرات معاویہ، عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہجرت کی دو صورتیں ہیں:۔ ایک گناہوں سے نیکیوں کی طرف ہجرت اور دوسری اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنا۔ یہ اس وقت تک باقی رہے گی جب تک توبہ قبول ہوتی رہے گی اور سورج کے مغرب سے طلوع ہونے تک توبہ قبول کی جاتی رہے گی۔ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو کسی کے دل میں جو کچھ ہے اس پر مہر لگ جائے گی اور جو عمل ہو گیا سو ہو گیا مزید عمل کی گنجائش نہیں ہوگی''۔ اس حدیث کی سند حسن ہے لیکن صحاح ستہ میں سے کسی نے اسے روایت نہیں کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیات قیامت میں سے سوائے چار کے باقی سب گزر گئیں۔ جو چار باقی ہیں وہ یہ ہیں: مغرب سے طلوع آفتاب، دجال کا آنا، دابۃ الارض کا ظہور اور یاجوج ماجوج کا خروج۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس نشانی پر اعمال کا اختتام ہو جائے گا اور مہر لگ جائے گی وہ ہے مغرب سے سورج کا طلوع ہونا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ .... (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل غریب حدیث مروی ہے۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ سورج اور چاند اس دن ایک ساتھ مل کر مغرب سے طلوع ہوں گے جب وہ آسمان کے نصف تک پہنچ جائیں گے تو واپس پلٹ جائیں گے اور جہاں تھے وہاں لوٹ جائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب پہلی علامت ظاہر ہوگی تو کراماً کاتبین کا فریضہ ختم ہو جائے گا اور وہ وقت آ جائے گا جب اجسام اعمال پر گواہی دیں گے (4)۔

لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ جب کوئی کافر اس دن ایمان لائے گا تو اس کا ایمان مقبول نہیں ہوگا۔ اگر کوئی پہلے صاحب ایمان تھا اور اعمال بھی نیک تھے تو اسے خیر عظیم سے نوازا جائے گا لیکن اگر وہ صاحب ایمان نیک اعمال نہیں کرتا تھا تو اب توبہ کر بھی لی تو اس کی توبہ قابل قبول نہ ہوگی جس طرح گزشتہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے، اور اسی پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن 2260، سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4 صفحہ 114 وغیرہ

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 192 3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 101 4۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 103

خَيْرًا کو محمول کیا جائے گا یعنی اب اس کا عمل صالح قبول نہیں ہوگا جبکہ پہلے وہ اعمال صالحہ نہیں کیا کرتا تھا۔

قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ یہاں کفار کے لئے شدید دھمکی ہے اور ان لوگوں کے لئے سخت وعید ہے جو ایمان لانے میں ٹال مٹول کرتے رہے اور اس وقت تک اپنی توبہ کو مؤخر کرتے رہے جس وقت توبہ کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ یہ حکم سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے وقت ہوگا جب قیامت قریب آجائے گی اور اس کی اشراط وعلامات ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گی جیسا کہ فرمایا: فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ (محمد: 19) ''پس کیا یہ لوگ انتظار کررہے ہیں قیامت کا کہ آجائے ان پر اچانک بے شک اس کی نشانیاں تو آہی گئی ہیں، (تو جب قیامت ان پر آگئی) تو اس وقت ان کو سمجھنا کب نصیب ہوگا''۔ اور فرمایا: فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا (المومن: 85-84) ''پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

''بے شک وہ جنہوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں اور ہوگئے کئی گروہ (اے محبوب ﷺ!) نہیں ہے آپ کا ان سے کوئی علاقہ۔ ان کا معاملہ صرف اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہ بتائے گا انہیں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے''۔

یہ آیت یہود ونصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ اس آیت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے قبل یہود اور نصاریٰ آپس میں لڑتے جھگڑتے، اختلاف کرتے، اس طرح ان کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور انہوں نے اپنے دین کو پارہ پارہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا تو یہ آیت اتری (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ اس امت کے اہل بدعت، اہل شبہات اور اہل ضلالت ہیں (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس امت کے بارے میں اتری۔ حضرت ابو امامہ ''وَكَانُوْا شِيَعًا'' سے مراد خوارج لیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اس سے مراد اہل بدعت ہیں۔ ظاہر بات یہی ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے، اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ کے دین سے الگ ہو جائے اور اس کی مخالفت کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تا کہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔ اسلام کا رستہ ایک ہی ہے، نہ اس میں کوئی اختلاف ہے اور نہ افتراق۔ جو لوگ الگ الگ ہو کر مختلف فرقے اور گروہ بن گئے، تو اللہ کا رسول اس سے بری ہے۔ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ (الشوریٰ: 13) ''اس نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لئے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی آپ کی طرف بھیجا ہے''۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''ہم خصوصاً انبیاء گویا علاتی اولاد ہیں ہمارا دین ایک ہے'' (4)۔ اور یہی صراط مستقیم ہے اور خدائے واحد کی پرستش کا یہی وہ

1۔ تفسیری طبری، جلد 8 صفحہ 105 2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 105 3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 105

4۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 478، صحیح مسلم، کتاب الفضائل 1837

پیغام ہے جو تمام رسول یکے بعد دیگرے پہنچاتے رہے اور اب رسول اللہ ﷺ کی شریعت کو مضبوطی سے تھام لینے کا نام دین ہے باقی سب جہالت اور گمراہی ہے جس سے تمام رسول بری ہیں اسی لئے فرمایا: لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ۔

اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ...... یہ اس آیت کی طرح ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـِٕيْنَ وَ النَّصٰرٰى وَ الْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (الحج: 17) ''بے شک اہل ایمان، یہودی، ستارہ پرست، عیسائی، آتش پرست اور مشرک ضرور فیصلہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ان سب (گروہوں) کے درمیان قیامت کے دن''۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حکم وعدل میں اپنے لطف و کرم اور بندہ پروری کو یوں بیان فرماتا ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

''جو کوئی لائے گا ایک نیکی تو اس کے لئے دس ہوں گی اس کی مانند اور جو کوئی کرے گا ایک برائی تو نہ بدلے ملے گا اسے مگر اس (ایک برائی) کے برابر اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا''۔

یہ آیت کریمہ اس اجمال کی تفصیل بیان کرتی ہے جو اس آیت میں ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ (النمل: 89) ''جو شخص نیک عمل لے کر آئے گا تو اسے کہیں بہتر اجر ملے گا اس نیک عمل سے''۔ اس آیت کی موافقت میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: ''تمہارا رب عزوجل بہت رحم فرمانے والا ہے۔ کسی شخص نے اگر کسی نیکی کا ارادہ کیا لیکن نہ کر سکا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اگر اس نے وہ نیکی کر لی تو اس کے لئے (خلوص نیت کے مطابق) دس سے لیکر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ اگر کسی نے برائی کا ارادہ کیا لیکن بجا نہ لایا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اگر اس نے برائی کر لی تو اس کے لئے ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ چاہے تو اس برائی کو مٹا ڈالتا ہے۔ ہلاک وہی ہوگا جو ہلاک ہونے پر مصر ہے'' (1)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے ایک نیک کام کیا اس کا اجر دس گنا بلکہ اس سے بھی زائد ہے، اور جس نے برائی کی تو اس کی جزاء اس کے مثل ہی ہوگی یا میں بخش دوں گا۔ جس شخص نے زمین بھر برائیاں کیں اور مجھے اس حال میں ملا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا تو میں اس قدر اسے بخشش عطا کروں گا، جو شخص ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے، میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں، جو شخص ایک ہاتھ میرے قریب ہوتا ہے، میں دو ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں۔ جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے، میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں'' (2)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا عمل میں نہ لا سکا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر عمل میں لایا تو اس کی مثل دس نیکیاں، اور اگر کسی نے گناہ کا ارادہ کیا لیکن ارتکاب نہ کیا تو اس کے لئے کچھ نہیں لکھا جائے گا، اگر وہ کر گزرا تو اس پر صرف ایک ہی برائی لکھی جائے گی'' (3)۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ گناہ کا ارادہ کرنے کے بعد اس سے باز رہنے والے اور گناہ کو ترک کر دینے والے لوگوں کی تین قسمیں ہیں:۔

1۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11 صفحہ 323، صحیح مسلم، کتاب الایمان 118 وغیرہ 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 153

3۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا 2068، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب 1255

1۔ کبھی تو وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے گناہ ترک کردیتا ہے، تو یہ ایسا شخص ہے جسے اللہ کی خاطر گناہ سے باز رہنے کے صلہ میں ایک نیکی ملتی ہے۔ یہ اس کے عمل اور نیت پر موقوف ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ''اس نے میری خاطر گناہ کو ترک کیا۔''

2۔ کبھی کبھی یوں ہوتا ہے کہ وہ شخص باوجود ارادہ گناہ کے غفلت اور نسیان کی وجہ سے گناہ کا کام ترک کردیتا ہے تو یہ ایسا شخص ہے کہ نہ اس کے لئے ثواب ہے اور نہ عتاب۔ کیونکہ اس نے نہ خیر کی نیت کی ہے اور نہ ہی برائی کا ارتکاب کیا ہے۔

3۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص برائی کرنے کا عزم مصمم کرلیتا ہے اور برائی میں ملوث ہونے کے تمام اسباب و ذرائع بھی مہیا کرلیتا ہے لیکن عاجزی اور سستی کی وجہ سے اسے ترک کرنا پڑتا ہے، یہ ایسا شخص ہے اگرچہ اس نے گناہ نہیں کیا لیکن یہ بمنزلہ مرتکب کے ہی سمجھا جائے گا جس طرح حدیث صحیح میں آتا ہے:

''جب دو مسلمان اپنی اپنی تلوار لیکر باہم لڑائی پر آمادہ ہوجائیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔'' صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ! اس قاتل کے دوزخی ہونے کی تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن مقتول کا کیا قصور؟ فرمایا: ''وہ اپنے مدمقابل کو قتل کرنے کے درپے تھا'' (1)۔ یعنی اگر اس کا بس چلتا تو وہ بھی قتل کرڈالتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا تو (اسی وقت) اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔ اگر وہ بجالایا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور جس نے برائی کا ارادہ کیا تو جب تک وہ کرنہ لے اس پر برائی نہیں لکھی جاتی۔ اگر وہ برائی کو عمل میں لے آئے تو اس پر صرف ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔ اگر وہ اسے ترک کردے تو ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس شخص نے میرے خوف کی وجہ سے بدی سے احتراز کیا ہے۔'' حضرت خریم بن فاتک اسدی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لوگ چار قسم کے ہیں اور اعمال چھ قسم کے۔ 1۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو دنیا و آخرت میں سعادت منداور خوشحال ہوتے ہیں، 2۔ بعض صرف دنیا میں خوش نصیب ہوتے ہیں لیکن آخرت میں بدنصیب، 3۔ بعض دنیا میں تنگدست اور مسکین ہوتے ہیں لیکن آخرت میں خوشحال اور سعادت منداور 4۔ بعض لوگ دنیا و آخرت دونوں جگہ بدنصیب ہوتے ہیں۔ جہاں تک اعمال کا تعلق ہے تو اعمال کی دو قسمیں ایسی ہیں جو واجب کردینے والی ہیں اور بعض ایسے اعمال ہیں کہ برابر برابر بدلہ ملتا ہے، بعض کا دس گنا اور بعض کا سات سو گنا۔ دو واجب کردینے والے اعمال یہ ہیں: 1۔ جو شخص مسلمان مومن مرجائے اس حال میں کہ وہ اللہ کا شریک نہیں بناتا تھا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور 2۔ جو شخص کافر مرا اس کے لئے دوزخ واجب ہوگی۔ 3۔ جس نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن نہ کر سکا تو اللہ تعالیٰ تو جانتا ہی ہے کہ وہ نیکی کا خیال اپنے دل میں لایا تھا اور وہ اسے بجالانے پر بھی حریص بھی تھا تو ایسے شخص کے لئے ایک نیکی کا اندراج کردیا جاتا ہے۔ 4۔ جس نے برائی کا ارادہ کیا تو اس پر یہ درج نہیں کی جائے گی۔ اگر وہ بجالایا تو صرف ایک ہی برائی درج ہوگی نہ کہ زائد۔ 5۔ جس نے نیکی کا فعل انجام دیا اسے دس گنا زیادہ ثواب ملے گا اور 6۔ جس نے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کیا اسے سات سو گنا اجر ملے گا'' (2)۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''نماز جمعہ میں تین (قسم کے) آدمی حاضر ہوتے ہیں: ایک وہ آدمی جو فضول اور بلا مقصد آ

1۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 84-85، صحیح مسلم، کتاب الفتن 2213-2214

2۔ سنن نسائی، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 49، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 345 وغیرہ

گیا تو اس کا حصہ بھی لغو ہی ہوگا۔ دوسرا وہ آدمی جو مسجد میں دعا کے لئے حاضر ہوا۔ یہ ایسا شخص ہے جس نے بارگاہ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے۔ اب یہ اللہ کی مرضی ہے چاہے تو اسے عطا فرما دے، چاہے تو روک لے، اور تیسرا آدمی وہ ہے جو مسجد میں پرسکون اور خاموش رہتا ہے، نمازیوں کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے آگے نہیں بڑھتا اور نہ کسی کو اذیت پہنچاتا ہے تو یہ ایسا شخص ہے جس کے لئے یہ جمعہ آئندہ جمعہ تک اور مزید تین دن تک کے لئے کفارہ بن جاتا ہے۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ حضرت ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جمعہ اپنے اور آئندہ جمعہ کے درمیان اور مزید تین دنوں تک گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے'' (1)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان مذکور ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہر ماہ تین دن کے روزے رکھے تو گویا اس نے زمانہ بھر کے روزے رکھے۔'' اس کی تصدیق قرآن کریم میں ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ایک دن کا روزہ دس دن کے برابر اس طرح سال بھر کے چھتیس روزے تین سو ساٹھ دنوں (ایک سال) کے برابر ہوئے (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سلف کی ایک جماعت کے نزدیک ''الْحَسَنَةِ'' سے مراد کلمہ توحید (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) ہے اور ''السَّيِّئَةِ'' سے مراد شرک ہے (3)۔ اس آیت کی تفسیر میں اور بھی متعدد احادیث و آثار وارد ہوئے ہیں لیکن وہی کافی ہیں جن کا ذکر ہوا۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٦١﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٦٣﴾

''آپ فرمایئے بے شک مجھے پہنچا دیا ہے میرے رب نے سیدھی راہ تک یعنی دین مستحکم (جو) ملت ابراہیم (علیہ السلام) ہے جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے اور نہیں تھے وہ مشرکوں سے۔ آپ فرمایئے بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ کے لئے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔ نہیں کوئی شریک اس کا اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی سید المرسلین ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کی خبر دے دیں جو کہ صراط مستقیم کی طرف پہنچا کر آپ پر کیا ہے جس میں نہ کوئی کجی ہے اور نہ انحراف۔ یہ ثابت اور مستحکم دین ہے جو ملت ابراہیم ہے جو باطل سے ہٹ کر حق کی طرف مائل تھے اور مشرک نہ تھے، جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں ملت ابراہیم کے متعلق فرمایا: وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (البقرۃ:130) ''اور کون روگردانی کر سکتا ہے دین ابراہیم علیہ السلام سے بجز اس کے جس نے احمق بنا دیا ہو اپنے آپ کو''، وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج:78) ''اور (سرتوڑ) کوشش کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے چن لیا ہے تمہیں (حق کی پاسبانی اور اشاعت کے لئے) اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی۔ پیروی کرو اپنے باپ ابراہیم کے دین کی''، اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ

1۔ مجمع الزوائد، جلد 2 صفحہ 173 2۔ سنن نسائی، کتاب الصوم، جلد 4 صفحہ 219، عارضۃ الاحوذی، ابواب الصوم، جلد 3 صفحہ 392 وغیرہ

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 108-109

الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل :23-120) ’’بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے۔ اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے۔ وہ (ہر لمحہ) شکر گزار تھے اللہ تعالیٰ کی (پیہم) نعمتوں کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا اور انہیں ہدایت فرمائی سیدھے راستہ کی طرف۔ اور ہم نے مرحمت فرمائی انہیں دنیا میں بھی (ہر طرح کی) بھلائی اور وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب!) آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملت ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا‘‘۔ حضور نبی کریم ﷺ کو اتباع ملت ابراہیم کے حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ ﷺ سے اکمل اور افضل تھے، کیونکہ آپ ﷺ کی ہی وہ ذات ہے جس نے ملت ابراہیم کو نفوذ اور کمال بخشا جس کی نظیر پہلے نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں، اولاد آدم کے علی الاطلاق سردار ہیں اور مقام محمود پر فائز ہیں کہ روز قیامت ساری مخلوق بشمول حضرت خلیل علیہ السلام آپ ﷺ ہی کی طرف رجوع کرے گی۔ ابن ابزیٰ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب صبح ہوتی تو یہ فرماتے: ’’ہم ملت اسلام، کلمہ اخلاص، اپنے نبی محمد ﷺ کے دین اور ملت ابراہیم جو حق کی طرف راغب تھے اور مشرک نہ تھے، پر صبح کرتے ہیں‘‘ (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا دین اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے؟ فرمایا: ’’وسعت وفراخی والا دین حنیف‘‘ (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میری ٹھوڑی اپنے کندھے پر رکھ لی تاکہ میں حبشیوں کا کھیل دیکھ سکوں، یہاں تک کہ میں ہی اکتا کر پیچھے ہٹ گئی (حضور اکتا کر الگ نہیں ہوئے)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ اس دن حضور ﷺ نے فرمایا: ’’یہود اس بات کو جان لیں کہ ہمارے دین میں بڑی کشادگی ہے کیونکہ مجھے فراخ دین حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہے‘‘ (3)۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ.......... اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو حکم دے رہا ہے کہ آپ ان مشرکین کو بتادیں جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں کہ میں تمہارا مخالف ہوں، میری نماز، میری قربانیاں اور نیاز مندیاں تمام کی تمام اللہ وحدہ لاشریک کے لئے ہیں۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (الکوثر:2) ’’پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لئے اور قربانی دیں‘‘ مشرکین تو بتوں کی عبادت کرتے اور انہی کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ان کی مخالفت کرنے، ان کے اعمال سے انحراف کرنے اور عزم، نیت اور قصد کے ساتھ اللہ کے لئے مخلص ہو جانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ نسک سے مراد حج وعمرہ میں قربانی کرنا ہے (4)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الاضحیٰ کے دن دو مینڈھے قربان کئے اور ذبح کرتے وقت یہ دعا مانگی: اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ☆ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔

وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس امت میں سے پہلا مسلمان ہوں۔ جس طرح انہوں نے کہا ایسا ہی ہے کیونکہ تمام انبیاء اسلام کی طرف ہی دعوت دیتے رہے، اصل اسلام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنا جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء:25) ’’اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے

1۔ ابن مردویہ 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 236 3۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 116 4۔ تفسیری طبری، جلد 8 صفحہ 112

کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو''۔ اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ''فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَمَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ (یونس:72)'' بایں ہمہ اگر تم منہ موڑے رہو تو نہیں طلب کیا میں نے تم سے کچھ اجر نہیں میرا اجر مگر اللہ کے ذمہ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں مسلمانوں سے''۔ اور فرمایا: وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصۡطَفَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۞ اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۞ وَوَصّٰى بِهَآ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰى لَـكُمُ الدِّيۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡـتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ (البقرة:132-130)'' اور کون روگردانی کر سکتا ہے دین ابراہیم سے بجز اس کے جس نے احمق بنا دیا ہو اپنے آپ کو اور بے شک ہم نے چن لیا ابراہیم کو دنیا میں اور بلاشبہ وہ قیامت کے دن نیکوکاروں سے ہوں گے اور یاد کرو جب فرمایا اس کو اس کے رب نے (اے ابراہیم!) گردن جھکا دو۔ عرض کی میں نے اپنی گردن جھکا دی سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے۔ اور وصیت کی اسی دین کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے اے میرے بچو! بے شک اللہ نے پسند فرمایا ہے تمہارے لئے یہی دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو''۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی: رَبِّ قَدۡ اٰتَيۡتَنِىۡ مِنَ الۡمُلۡكِ وَعَلَّمۡتَنِىۡ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَنۡتَ وَلِىّٖ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِىۡ مُسۡلِمًا وَّاَلۡحِقۡنِىۡ بِالصّٰلِحِيۡنَ (یوسف:101)'' اے میرے رب! عطا فرمایا تو نے مجھے یہ ملک نیز تو نے سکھایا مجھے باتوں کے انجام کا علم۔ اے بنانے والے آسمانوں اور زمین کے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں۔ مجھے وفات دے در آنحالیکہ میں مسلمان ہوں اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: يٰقَوۡمِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ فَعَلَيۡهِ تَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِيۡنَ ۞ فَقَالُوۡا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۞ وَنَجِّنَا بِرَحۡمَتِكَ مِنَ الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ (یونس:85)'' اے میری قوم! اگر تم ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم سچے مسلمان ہو۔ انہوں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ پر ہی ہم نے بھروسہ کیا ہے۔ اے ہمارے رب! نہ بنا ہمیں فتنہ (کا موجب) ظالم قوم کے لئے۔ اور نجات دے ہمیں اپنی رحمت سے کافروں (کے ظلم و ستم) سے''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰٮةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ (المائدة:44)'' بے شک اتاری ہم نے تورات اس میں ہدایت اور نور ہے حکم دیتے رہے اس کے مطابق انبیاء جو (ہمارے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو اور (اسی کے مطابق حکم دیتے رہے) اللہ والے اور علماء''۔ اور فرمایا: وَاِذۡ اَوۡحَيۡتُ اِلَى الۡحَوَارِيّٖنَ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِىۡ وَبِرَسُوۡلِىۡ ۚ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَاشۡهَدۡ بِاَنَّنَا مُسۡلِمُوۡنَ (المائدة:111)'' اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ ایمان لاؤ میرے ساتھ اور میرے رسول کے ساتھ انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے مولا!) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں''۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرما دیا کہ اس نے تمام رسولوں کو دین اسلام کے ساتھ ہی مبعوث فرمایا لیکن ان کی شریعتوں میں تفاوت اور اختلاف تھا جس میں سے بعض بعض کے لئے ناسخ تھیں یہاں تک کہ جب حضور ﷺ تشریف لے آئے تو تمام شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔ صرف آپ ﷺ کی شریعت ایسی ہے جو کبھی منسوخ نہ ہو گی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ قائم و دائم اور منصور رہے گی، قیامت تک اس کے جھنڈے بلندیوں پر لہراتے رہیں گے اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہم...... گروہ انبیاء...... گویا علاتی بھائی ہیں، ہمارا دین ایک ہے''۔ نَحۡنُ مَعَاشِرُ الۡاَنۡبِيَاءِ اَوۡلَادُ عَلَّاتٍ دِيۡنُنَا وَاحِدٌ (1)۔ اولاد العلات سے

4۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 478، کتاب الفضائل 1837

مراد وہ بھائی ہیں جن کا باپ ایک ہو لیکن مائیں مختلف ہوں، دین بمنزلہ باپ کے ہے جو ایک ہے، اور شرائع مختلف ہیں جو گویا مائیں ہیں جس طرح اخیافی بھائی اس کے برعکس ہوتے ہیں یعنی ماں ایک اور باپ الگ الگ، اور حقیقی بھائی ایک ہی ماں اور ایک ہی باپ کی اولاد ہوتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھ کر تکبیر تحریمہ کہتے: ''اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفاً وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ☆ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ...... پھر یہ دعا مانگتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُكَ ☆ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعًا ☆ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ☆ وَاهْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ ☆ لَا یَهْدِیْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّیْ سَیِّئَهَا لَا یَصْرِفُ عَنِّیْ سَیِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ ☆ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَیْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ (1)۔ ''اے اللہ! تو ہی حقیقی بادشاہ ہے، کوئی معبود نہیں بجز تیرے، تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ، میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اپنے گناہ کا اعتراف کیا اس لئے میرے تمام گناہوں کو بخش دے، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخشتا، اور مجھے اخلاق حسنہ تک پہنچا، تیرے سوا کوئی بھی اخلاق حسنہ کی راہ نہیں دکھا سکتا، برے اخلاق دور فرما دے، تیرے سوا کوئی بھی مجھ سے اخلاق سیئہ دور نہیں کر سکتا، تو بڑا بابرکت اور برتر ہے، میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں''۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

''آپ فرمائیے کیا اللہ کے سوا میں تلاش کروں کوئی اور رب حالانکہ وہ رب ہے ہر چیز کا اور نہیں کماتا کوئی شخص (کوئی چیز) مگر وہ اسی کے ذمہ ہوتی ہے۔ اور نہ اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ پھر اپنے رب کی طرف ہی تمہیں لوٹ کر جانا ہے تو وہ بتائے گا تمہیں جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب! آپ ان مشرکین کو اللہ کے لئے خالص عبادت اور اسی پر توکل کرنے کی خبر دے دیں اور انہیں کہہ دیں کہ کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا رب بنا لوں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔ وہ حقیقی رب ہے جو مجھے مرتبہ کمال تک پہنچاتا ہے، میری حفاظت اور نگہبانی کرتا ہے اور میرے معاملات کی تدبیر فرماتا ہے۔ میں تو صرف اسی پر بھروسہ کروں گا، اسی کی طرف رجوع کروں گا کیونکہ وہ نہ صرف میرا رب ہے بلکہ ہر چیز کا رب اور مالک ہے، تمام مخلوق اور ہر امر اسی کا ہے۔ جس طرح گزشتہ آیت اپنے ضمن میں اخلاص عبادت کو لئے ہوئے تھی اسی طرح اس آیت میں اخلاص توکل کا حکم ہے۔ یہ دونوں چیزیں قرآن کریم میں اکثر یکجا دکھائی دیتی ہیں جیسا کہ درج ذیل آیات سے واضح ہے: اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ (الفاتحہ:4) ''تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں''، فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ (ہود:123) ''اسی کی عبادت کیجئے۔ اور اسی پر بھروسہ رکھئے''۔ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا (الملک:29) ''فرمائیے وہ (میرا خالق) بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہوا ہے''۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا (المزمل:9) ''مالک ہے شرق و غرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس بنائے رکھئے اسی کو اپنا کارساز''۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْهَا...... قیامت کے دن جو کچھ وقوع پذیر ہوگا اس کی خبر دی جا رہی ہے اللہ تعالیٰ عدل سے فیصلہ فرمائے گا

5۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین 534-536، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 94-95

اور تمام نفوس کو اپنے ہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، خیر کے بدلہ میں خیر اور شر کے بدلہ میں شر۔ اور یہ نہیں ہوگا کہ غلطی کسی کی ہو اور دھر کسی اور کو لیا جائے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (فاطر:18) ''اور اگر بلائے گا پشت پر بوجھ اٹھانے والا (کسی کو) اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے تو نہ اٹھائی جا سکے گی اس کے بوجھ سے کوئی شے اگر چہ کوئی قریبی رشتہ دار ہی ہو''۔ اور فرمایا: فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّ لَا هَضْمًا (طٰہٰ:112) ''اسے اندیشہ نہ ہوگا کسی ظلم کا یا حق تلفی کا''۔ علمائے تفسیر کہتے ہیں کہ اس پر یہ ظلم نہیں کیا جائے گا کہ کسی اور کے گناہ کا بوجھ اس پر رکھ دیا جائے اور نہ یہ ہوگا کہ اس کی نیکیوں میں کمی کر دی جائے۔ فرمایا: كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ (المدثر:39-38) ''ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے۔ سوائے اصحاب یمین کے''۔ مطلب یہ ہے کہ ہر نفس اپنے اعمال میں گروی اور محبوس ہے، سزا ملے بغیر رہائی نہیں ہوگی سوائے اصحاب یمین کے کہ ان کے نیک اعمال کی برکت ان کی اولاد اور اقارب تک پہنچتی ہے جس طرح سورۂ طور میں فرمایا: وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (الطور:21) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ، ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم کمی نہیں کریں گے ان کے عملوں (کی جزا) میں ذرہ بھر''۔ یعنی جنت کے بلند مقام میں ان کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی ملا دیتے ہیں اگر چہ اعمال میں وہ ان کے شریک نہیں ہوتے، بلکہ صرف اصل ایمان میں شریک تھے۔ ہم ان بلند مرتبہ لوگوں کے اعمال میں ذرا کمی نہیں کرتے۔ فرمایا: كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (الطور:21) ''ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں اسیر ہوگا''۔

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ...... تم اپنی جگہ جو اعمال کرنا چاہتے ہو کر لو، ہم اپنی شان کے مطاق اپنا کام کریں گے۔ آخر کار تمہیں ایک دن ہمارے رب کے ہاں پیش ہونا ہی ہے اور ہم بھی پیش ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور تمہیں بھی اپنے اپنے اعمال سے آگاہ فرمائے گا اور دنیا میں آخرت کے متعلق جو ہمارا اختلاف تھا وہ بھی عیاں ہو جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا: قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَ لَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ هُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ (سبا:26-25) ''فرمائیے تم سے باز پرس نہیں ہوگی ان جرموں کی جو ہم نے کئے اور نہ ہم سے باز پرس ہوگی تمہارے کرتوتوں کی۔ فرمائیے ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق (وانصاف) کے ساتھ۔ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖؗ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۶۵

''اور وہی ہے جس نے بنایا تمہیں (اپنا) خلیفہ زمین میں اور بلند کیا ہے تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں تاکہ آزمائے تمہیں اس چیز میں جو اس نے تمہیں عطا فرمائی ہے، بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

وہ اللہ ہے جس نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا کہ تم نسل در نسل اور قرن بعد قرن زمین کو آباد کرتے ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ (الزخرف:60) ''اور اگر ہم چاہتے تو ہم بسا دیتے تمہارے بدلے فرشتے زمین میں جو تمہارے جانشین ہوتے''۔ اور یہ فرمان: وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ (النمل:62) ''اور (کس نے) بنایا ہے تمہیں زمین میں (اگلوں کا) خلیفہ''۔ اور یہ فرمان: اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرۃ:30) ''میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک نائب''۔ اور فرمایا:

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (الاعراف: 129) ''عنقریب تمہارا رب ہلاک کر دے گا تمہارے دشمن کو اور (ان کا) جانشین بنا دے گا تمہیں زمین میں پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو''۔

وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ارزاق، اخلاق، محاسن، مَساوی، مناظر، اشکال اور الوان میں تفاوت پیدا کر دیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے جیسا کہ فرمایا: نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (الزخرف: 32) ''ہم نے خود تقسیم کیا ہے ان کے درمیان سامان زیست کو اس دنیوی زندگی میں اور ہم نے ہی بلند کیا ہے بعض کو بعض پر مراتب میں تا کہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں''۔ اور فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل: 21) ''دیکھو! کیسے بزرگی دی ہے ہم نے بعض کو بعض پر اور آخرت باعتبار درجوں کے سب سے بڑی اور باعتبار فضل و کرم سب سے اعلیٰ ہے''۔

لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات میں جو فرق مراتب اور تفریق مدارج ملحوظ رکھا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ تمہیں آزمائے۔ دولت مند کو دولت دیکر آزمائے پھر اس سے شکر بجالانے کا وہ سوال کرے گا اور فقیر کو فقر سے آزماتا ہے پھر اس سے پوچھے گا کہ کیا اس نے صبر کیا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک دنیا شیریں اور سرسبز وشاداب ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس دنیا میں جانشین بنانے والا ہے، پھر وہ دیکھنے والا ہے کہ تم کیا عمل کرتے ہو، دنیا سے اور عورتوں سے ڈرو، کیونکہ بنی اسرائیل میں رونما ہونے والا سب سے پہلا فتنہ عورتوں کے ہی متعلق تھا'' (1)۔

اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۡ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اس میں ترہیب اور ترغیب ہے کہ اس کا حساب اور عقاب ہر اس شخص پر جلد آنے والا ہے جو اس کی نافرمانی اور رسولوں کی مخالفت کرتا ہے، اور وہ اس شخص کے لئے غفور و رحیم ہے جس نے اللہ کو اپنا دوست بنایا اور اس کے رسولوں کی پیروی کی۔ قرآن کریم میں اکثر مقامات پر ترغیب و ترہیب کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے: وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ (الرعد: 6) ''اور اے (محبوب!) بلاشبہ آپ کا رب بہت بخشنے والا (بھی) ہے لوگوں کے لئے ان کے ظلم (زیادتی) کے باوجود۔ اور بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا (بھی) ہے''۔ اور فرمایا: نَبِّئْ عِبَادِيْۤ اَنِّيْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۙ وَ اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (الحجر: 49) ؟؟ بتا دو میرے بندوں کو کہ میں بلاشبہ بہت بخشنے والا از حد رحم کرنے والا ہوں۔ اور (یہ بھی بتا دو کہ) میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے''۔ علاوہ ازیں اور بھی متعدد آیات ہیں جو ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہیں۔ کبھی تو اللہ تعالیٰ رغبت دلا کر اور جنت کا وصف بیان کر کے اپنی طرف بلاتا ہے اور کبھی ترہیب، دوزخ، عبرتناک عذاب، قیامت اور اس کی ہولناکیوں کو ذکر کر کے اپنی طرف بندوں کو بلاتا ہے، اور کبھی ایک ساتھ دونوں کو بیان فرماتا ہے تا کہ یہ اسلوب ہر قسم کے آدمی میں اس کے حسب حال کارگر اور مفید ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان لوگوں میں سے بنائے جو اس کے اوامر کی اطاعت کرتے ہیں، نواہی کو ترک کرتے ہیں اور اس کی اخبار کی تصدیق کرتے ہیں، وہ قریب ہے، دعاؤں کو قبول فرمانے والا، بڑا سخی، کریم اور وہاب ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر مومن یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کتنا سخت ہے تو کوئی بھی جنت کی طمع نہ کرے اور اگر کافر یہ جان لے کہ اللہ کی رحمت کتنی بے پایاں ہے تو کوئی بھی جنت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے بنائے۔ ایک حصہ اپنی مخلوق میں تقسیم کر دیا جس کے باعث یہ

7۔ صحیح مسلم، کتاب الرقاق 2098

باہم رحم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس ننانوے حصے ہیں''(1)۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اپنی کتاب (لوح محفوظ) میں لکھ دیا، یہ کتاب اللہ کے پاس عرش کے اوپر ہے، کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے''(2)۔ ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے بنائے، اپنے پاس ننانوے حصے رکھ لئے اور ایک حصہ زمین پر اتارا، اسی ایک حصہ کے باعث تمام مخلوقات آپس میں رحم اور ہمدردی کرتی ہے حتیٰ کہ (اسی کی برکت سے) جانور اپنے بچے سے اس خدشہ کے پیش نظر اپنا پاؤں اٹھالیتا ہے کہ کہیں اس کو لگ نہ جائے''(3)۔

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 484 2۔ صحیح مسلم، جلد 8 صفحہ 97 3۔ صحیح مسلم، کتاب التوبۃ: 2108

سورۂ اعراف (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓصٓ ۚ ﴿١﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣﴾

''الف۔لام۔میم۔صاد۔یہ کتاب ہے نازل کی گئی ہے آپ کی طرف پس چاہئے کہ نہ ہو آپ کے سینہ میں کچھ تنگی اس (کی تبلیغ) سے (یہ نازل کی گئی ہے) تاکہ آپ ڈرائیں اس سے اور یہ نصیحت ہے مومنوں کے لئے۔(اے لوگو!) پیروی کرو جو نازل کیا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اور نہ پیروی کرو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے دوستوں کی بہت ہی کم تم نصیحت قبول کرتے ہو''۔

حروف مقطعات، ان کے مفاہیم اور ان کے متعلق علماء کے اختلاف کی بحث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الٓمّٓصٓ ''أنا اللہ أفصل'' کا مخفف ہے(1)۔

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ...... یہ عظیم الشان کتاب آپ کے رب کی طرف سے آپ پر اتاری گئی ہے۔اس کے بارے میں نہ کوئی شک وشبہ آپ کے دل میں پیدا ہو اور نہ اس کی تبلیغ اور اس کے ذریعے انذار سے آپ کے سینہ میں کوئی تنگی رونما ہو، بلکہ اس آیت کا مصداق بن جایئے: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف:35) ''پس (اے محبوب!) آپ صبر کیجئے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا تھا''۔کتاب کو نازل کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ آپ اس کے ذریعے کفار کو ڈرائیں اور یہ مومنین کے لئے سراپا نصیحت ہے۔پھر اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ ...... یعنی اس نبی امی ﷺ کے نقوش پا کی پیروی کرو جو ہر چیز کے خالق و مالک کی طرف سے یہ جلیل القدر کتاب لائے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے دوستوں کی پیروی نہ کرو اور حضور ﷺ کے لائے ہوئے پیغام سے انحراف نہ کرو ورنہ تم حکم الٰہی کے منحرف گردانے جاؤ گے۔

قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ یہ ارشاد ان آیات کی طرح ہے: وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف:103) ''اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہیں، ایمان لانے والے''۔ وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانعام:116) ''اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے''۔ وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ

1۔تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 115

مُشْرِكُوْنَ (یوسف:106) ''اور نہیں ایمان لاتے ان میں سے اکثر اللہ کے ساتھ مگر اس حالت میں کہ وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں''۔

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآىٕلُوْنَ ۝٤ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝٥ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٦ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآىٕبِيْنَ ۝٧

''اور کتنی بستیاں تھیں برباد کر دیا ہم نے انہیں۔ پس آیا ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت یا جب وہ دوپہر کو سو رہے تھے۔ پس نہ تھی ان کی (چیخ و) پکار جب آیا ان پر ہمارا عذاب بجز اس کے کہ انہوں نے کہا بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ سو ہم ضرور پوچھیں گے ان سے بھیجے گئے (رسول) جن کی طرف اور ہم ضرور پوچھیں گے رسولوں سے۔ پھر ہم ضرور بیان کریں گے (ان کے حالات) ان پر اپنے علم سے اور نہ تھے ہم ان سے غائب''۔

کتنی ہی ایسی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے پیغمبروں کی مخالفت اور تکذیب کے سبب ہلاک کر دیا اور ان پر دنیا و آخرت کی ذلت اور رسوائی مسلط کر دی۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے بھی ان کا انجام واضح ہوتا ہے: وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (الانبیاء:41) ''اور بیشک مذاق اڑایا گیا ان رسولوں کا بھی جو آپ سے پہلے تشریف لائے تھے پس نازل ہوا ان لوگوں پر جو تمسخر کیا کرتے تھے ان میں سے وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے''۔ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ (الحج:45) ''پس کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے کنوئیں ہیں جو بیکار ہو چکے ہیں اور کتنے چونے سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں (جو ویران پڑے ہیں)''۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ (القصص:58) ''اور ہم نے کتنے شہر برباد کر دیئے جب وہ فخر کرنے لگے اپنی خوشحالی پر۔ پس یہ ہیں ان کے گھر جن میں سکونت نہیں کی گئی ان کے بعد مگر بہت کم عرصہ۔ اور (آخرکار) ہم ہی ان کے وارث بنے''۔

فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآىٕلُوْنَ یعنی ان میں سے بعض ایسے لوگ تھے جن پر رات کے وقت اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا یا دوپہر کے وقت جب وہ آرام کر رہے تھے۔ یہ دونوں اوقات غفلت اور لہو و لعب کے اوقات ہیں۔ جیسا کہ درج ذیل ارشادات میں بھی آتا ہے: اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىٕمُوْنَ ۝ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ (الاعراف:98-97) ''تو کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آجائے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات اس حال میں کہ وہ سو رہے ہوں یا کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آجائے ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت جبکہ وہ کھیل کود رہے ہوں''۔ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (النحل:57-45) ''کیا بے خوف (اور نڈر) ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے برے مکر کئے کہ مبادا گاڑ دے اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں یا آجائے ان پر عذاب اس طرح کہ (ان کو اس کی آمد کا) شعور ہی نہ ہو یا پکڑ لے انہیں جب وہ (اپنے کاروبار میں) دوڑ دھوپ کر رہے ہوں پس نہیں وہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے۔ یا پکڑ لے انہیں جب کہ وہ خوفزدہ ہو چکے ہوں۔

پس بیشک تمہارا رب بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ...... یعنی جب عذاب الٰہی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا تو سوائے اس کے ان کے لئے کوئی چارہ کار ہی نہ رہا کہ انہوں نے اپنے گناہوں کا برملا اعتراف کر لیا اور یہ بھی کہ وہ واقعی اس کے سزاوار ہیں جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ''وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ (الانبیاء:11)'' اور کتنی بستیاں ہم نے برباد کر دیں (کیونکہ) وہ ظالم تھیں اور ہم نے پیدا فرما دی ان کی (بربادی) کے بعد ایک دوسری قوم''۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی واضح دلیل ہے کہ ''کوئی قوم اس وقت تک ہلاک نہیں کی جاتی جب تک اس کے تمام عذر بہانے ختم نہ ہو جائیں۔'' عبدالملک سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے ہوگا تو انہوں نے جواب میں یہی آیت فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ .... پڑھی (1)۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ یہ ان ارشادات کی طرح ہے: وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ (القصص:65)'' اور اس دن اللہ تعالیٰ آواز دے گا انہیں پھر پوچھے گا تم نے کیا جواب دیا تھا (ہمارے) رسولوں کو''۔ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (المائدۃ:109)'' جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو پھر پوچھے گا (ان سے) کیا جواب ملا تمہیں؟ عرض کریں گے کوئی علم نہیں ہمیں بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے سب غیبوں کا''۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام امتوں سے بھی پوچھے گا کہ انہوں نے پیغمبروں کو تبلیغ کا کیا جواب دیا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے بھی تبلیغ وارشاد کے متعلق سوال کرے گا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''تم سب ذمہ دار ہو اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی، بادشاہ سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا، مرد سے اس کے گھر والوں کے متعلق پوچھا جائے گا، عورت سے اس کے شوہر کے گھر کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی اور غلام سے اس کے آقا کے مال کے متعلق دریافت کیا جائے گا'' (2)۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن نامہ اعمال رکھا جائے گا تو وہ ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن ان کے ہر چھوٹے بڑے عمل سے باخبر فرما دے گا، کیونکہ وہ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے، نہ کوئی چیز اس سے اوجھل ہے اور نہ وہ کسی چیز سے غافل بلکہ وہ تو چور نظروں اور دلوں کے بھیدوں سے بھی پوری طرح باخبر ہے: وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (الانعام:59)'' اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ لکھی ہوئی ہے روشن کتاب میں''۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑧ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ⑨

''اور (اعمال کا) تولنا اس دن برحق ہے پس جن کے بھاری ہوئے ترازو تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں اور جن کے ہلکے ہوئے ترازو تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو بوجہ اس کے کہ ہماری آیتوں کے ساتھ بے انصافی کیا کرتے تھے''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 120 2۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، جلد 8 صفحہ 77، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ 1459

فرمایا کہ قیامت کے دن اعمال کا وزن کرنا برحق ہے تاکہ کسی کو اللہ تعالیٰ سے ظلم کا شکوہ باقی نہ رہے، جیسا کہ فرمایا: "وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ (الانبیاء: 47)" اور ہم رکھ دیں گے صحیح تولنے والے ترازو قیامت کے دن پس ظلم نہ کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر۔ اور اگر (کسی کا کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے۔ اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے"۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء: 40) " بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرہ برابر بھی۔ (بلکہ) اگر ہو معمولی سی نیکی تو دوگنا کر دیتا ہے اسے اور دیتا ہے اپنے پاس سے اجر عظیم"، فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۭ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۭ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۭ نَارٌ حَامِيَةٌ (القارعۃ: 11-6) " پھر جس کے (نیکیوں کے) پلڑے بھاری ہوں گے، تو وہ دل پسند عیش (ومسرت) میں ہوگا۔ اور جس کے (نیکیوں کے) پلڑے ہلکے ہوں گے۔ تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ ایک دہکتی ہوئی آگ"، فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ۝ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ (المومنون: 103-101) " تو جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے۔ البتہ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب و کامران ہوں گے۔ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو، وہ جہنم میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے"۔

فصل: ۔ میزان میں قیامت کے دن کیا رکھا جائے گا؟ بعض نے کہا ہے کہ قیامت کے دن میزان میں اعمال رکھے جائیں گے۔ اگرچہ یہ اعراض (غیر محسوس چیزیں) ہیں لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں اجسام میں تبدیل کر دے گا، اسی قسم کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے(1)۔ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ قیامت کے دن سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران دو بادلوں یا دو سائبانوں یا پر پھیلائے ہوئے محو پرواز پرندوں کے دو جھنڈوں کی صورت میں آئیں گی۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ قرآن کریم اپنے قاری کے پاس ایک خوش رنگ نوجوان کی صورت میں آئے گا۔ وہ پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں وہ قرآن ہوں جس نے تمہیں راتوں کو بیدار رکھا اور دنوں کو (حالت روزہ میں) پیاسا رکھا(2)۔ اسی طرح قصہ سوال قبر میں آتا ہے جسے حضرت براء رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: " قبر میں مومن کے پاس مہکتی ہوئی خوشبو والا ایک خوبرو نوجوان آتا ہے، وہ پوچھتا ہے کہ تو کون ہے، وہ کہتا ہے کہ میں تیرا عمل صالح ہوں"(3)۔ کافر اور منافق کے بارے میں اس کے برعکس ذکر فرمایا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اعمال ہی کا وزن کیا جائے گا جیسا کہ حدیث بطاقہ میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا، اس کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ ایک پلڑے میں ننانوں رجسٹر رکھ دیئے جائیں گے، ہر رجسٹر تا حد نظر وسیع اور ضخیم ہوگا۔ پھر کاغذ کا ایک ٹکڑا (بطاقہ) لایا جائے گا جس میں " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ " مرقوم ہوگا۔ وہ آدمی پوچھے گا: اے پروردگار! ان بڑے بڑے رجسٹروں کے مقابلے میں اس پرزہ کی کیا حیثیت؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا، چنانچہ کاغذ کا وہ ٹکڑا دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ گناہوں کے رجسٹروں والا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 2 صفحہ 149
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب 1242، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 348-352
3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 287

پلڑا ہلکا ہو جائے گا اور وہ کاغذ کا ٹکڑا بھاری ہو جائے گا'' (1)۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ صاحب عمل کا وزن کیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: '' قیامت کے دن ایک موٹا آدمی لایا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی اس کا وزن نہیں ہوگا'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (الکہف: 105) (2)۔ '' تو ہم ان (کے اعمال تولنے) کے لئے روز قیامت کوئی ترازو نصب نہیں کریں گے''۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تعریف میں فرمایا: '' کیا تمہیں اس کی پتلی پتلی پنڈلیوں پر تعجب ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میزان میں یہ احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہوں گی۔'' (3) ان ساری روایات میں یوں تطبیق پیدا کی جاسکتی ہے کہ کبھی اعمال کا وزن ہوگا، کبھی اعمال ناموں کا اور کبھی صاحب عمل کا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰

'' اور یقیناً ہم نے ہی آباد کیا تمہیں زمین میں اور مہیا کر دیئے تمہارے لئے اس میں زندہ رہنے کے اسباب، بہت ہی کم تم شکر ادا کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان جتلا رہا ہے کہ اسی ذات نے تمہیں زمین میں آباد کیا اور تمام اسباب معیشت مہیا فرما دیئے۔ زمین کو اس نے قرارگاہ بنا دیا، اس میں پہاڑ گاڑ دیئے، اس میں نہریں اور دریا جاری کر دیئے، اسی زمین پر تمہاری رہائش گاہیں ہیں، پھر آسمان سے بارشوں کو تمہارا فرمانبردار بنا کر تمہیں یہ توفیق ارزانی فرمائی کہ تم اپنی محنت سے زمین کے شکم سے اپنے لئے روزی نکال سکتے ہو۔ زندگی کو برقرار رکھنے اور معیشت کے تمام اسباب و ذرائع اس ذات نے ہی تو تمہیں فراہم کئے ہیں جس سے تم سامان زیست حاصل کرتے ہو لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے، جیسا کہ فرمایا: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (ابراہیم: 34) '' اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔ بیشک انسان بہت زیادتی کرنے والا از حد ناشکرا ہے''۔ لفظ '' مَعَايِشَ '' کو سوائے عبدالرحمٰن بن ہرمز کے باقی سب نے '' یَاء '' کے ساتھ پڑھا ہے (4)۔ صرف انہوں نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ یہ بغیر ہمزہ کے ہے کیونکہ یہ '' معیشة '' کی جمع ہے اور یہ '' عاش یعیش عیشا '' سے مشتق ہے۔ '' مَعِيْشَة '' کی اصل '' مَعْيِشَة '' ہے۔ کسرہ یاء پر ثقیل تھا، اس لئے اسے نقل کر کے ماقبل (عین) کو دے دیا۔ '' مَعِيْشَةٌ '' بن گیا۔ جب اس کی جمع بنائی گئی تو ثقل کے زائل ہو جانے کی وجہ سے '' یاء '' کی حرکت دوبارہ لوٹ آئی۔ اس کا وزن مفاعل ہے کیونکہ اس میں یاء اصلی ہے بخلاف مدائن، صحائف اور بصائر کے جو کہ '' مدينة ''، '' صحيفة '' اور '' بصيرة '' کی جمعیں ہیں اور یہ مدن، صحف اور '' بصر '' سے مشتق ہیں، کیونکہ ان میں یاء زائدہ ہے، اس لئے ان کی جمع '' فعائل '' کے وزن پر بنی۔ اس بناء پر ہمزہ آئے گا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ڰ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝۱۱

'' اور بے شک ہم نے پیدا کیا تمہیں پھر (خاص) شکل و صورت بنائی تمہاری، پھر حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، نہ تھا وہ سجدہ کرنے والوں میں سے''۔

1۔ تحفۃ الاحوذی، ابواب الایمان، جلد 7 صفحہ 395-397
2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ کہف، جلد 6 صفحہ 117، صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین 2147
3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 420-421
4۔ البحر المحیط، جلد 4 صفحہ 271

اللہ تعالیٰ اس مقام پر اولاد آدم کو حضرت آدم علیہ السلام کو فضیلت اور ابلیس کی انسان دشمنی اور حسد سے متنبہ فرما رہا ہے تاکہ وہ اس سے احتراز کریں اور اس کے طریقہ کی پیروی سے باز رہیں۔ فرمایا: وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ...... ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (الحجر: 29-28) ''اور (اے محبوب!) یاد فرماؤ جب آپ کے رب نے کہا تھا فرشتوں کو میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو کھنکھناتی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار کیچڑ تھی۔ تو جب میں اسے درست فرمادوں اور پھونک دوں اس میں خاص روح اپنی طرف سے تو گر جانا اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے''۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لیسدار مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی اور بشر کی صورت دی کر اس میں اپنی روح پھونکی تو ملائکہ کو حکم دیا کہ ان کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں۔ بجز ابلیس کے تمام فرشتے تعمیل ارشاد میں سجدہ ریز ہو گئے۔ دراصل اس سجدہ سے مقصود اللہ تعالیٰ کی شان اور جلالت کی تعظیم تھی۔ ابلیس کے بارے میں سورۂ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں ہم نے جو مفہوم بیان کیا ہے یہ ابن جریر کا اختیار کردہ ہے جس کا مدعا یہ ہے کہ اگرچہ خطاب کی ضمیر جمع ہے لیکن اس کے مخاطب صرف آدم علیہ السلام ہیں (1)۔ حضرت ابن عباس وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لوگوں کو مردوں کی پیٹھوں میں پیدا کیا جاتا ہے پھر عورتوں کے رحموں میں ان کی صورتیں بنتی ہیں (2)۔ اس صورت میں خطاب کی ضمیر (کُمْ) سے مراد ذریت آدم علیہ السلام ہے (3)۔ ربیع بن انس، سدی، قتادہ اور ضحاک اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ہم نے آدم کو پیدا کیا پھر اس کی ذریت کی صورت بنائی۔ لیکن یہ بات غور طلب ہے کیونکہ اس کے فوراً بعد فرمایا: ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مراد آدم علیہ السلام ہیں نہ کہ آپ کی ذریت۔ اور پھر جمع کی ضمیر لانے کا سبب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام ابو البشر ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ کے بنی اسرائیل سے فرمایا: ''وَظَلَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (البقرۃ: 57)'' اور ہم نے سایہ کر دیا تم پر بادل کا اور اتارا تم پر من وسلویٰ''۔ اس سے مراد ان کے وہ آباء ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئے۔ لیکن ان کے آباؤ اجداد پر احسان کرنا بھی انہی پر احسان ہے کیونکہ یہ ان کی اولاد ہیں۔ لیکن یہ اس آیت کے برعکس ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾ (المومنون: 12) ''اور بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے جوہر سے''۔ یہاں لفظ انسان سے مراد صرف آدم علیہ السلام ہیں۔ جنس انسان نہیں، کیونکہ مٹی سے تخلیق صرف حضرت آدم علیہ السلام کی ہوئی اور آپ کی ذریت کی تخلیق نطفہ سے ہوتی ہے۔ چونکہ باپ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے اس لئے یہ بھی کہنا درست ہے کہ آپ کی ذریت بھی مٹی سے بنی ہے۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کس چیز نے روکا تجھے اس سے کہ تو سجدہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھے ابلیس نے کہا (کیونکہ) میں بہتر ہوں اس سے، تو نے پیدا کیا مجھے آگ سے اور تو نے پیدا کیا اسے کیچڑ سے''۔

بعض نحوی کہتے ہیں کہ اَلَّا تَسْجُدَ میں ''لا'' زائدہ ہے اور یہ تاکید انکار کے لئے آیا ہے جیسا کہ شاعر کے اس قول ''مَا اِنْ رَأَیْتُ وَلَا

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 127 2۔ مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ اعراف، جلد 2 صفحہ 319 3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 127

سَمِعْتُ بِمِثْلِهٖ(1)۔ میں ''اِن'' زائدہ ہے اور ''ما'' نافیہ کی تاکید بیان کر رہا ہے۔ اسی طرح اس آیت میں بھی ''لا'' زائدہ ہے اور یہ فرمان: لَمْ یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ (الاعراف: 11) بھی پہلے آچکا ہے۔ لیکن ابن جریر کا پسندیدہ مسلک یہ ہے کہ یہاں ''لا'' زائدہ نہیں ہے بلکہ کہتے ہیں کہ ''مَنَعَکَ''، فعل ایک اور فعل کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے تقدیر کلام یوں ہوگی: مَا اَحْوَجَكَ وَاَلْزَمَكَ وَ اضْطَرَّكَ اَنْ لَا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ'' تجھے کس چیز نے مجبور کیا کہ تو سجدہ نہ کرے جب کہ میں نے تمہیں حکم دیا تھا''۔ یہ قول قوی اور عمدہ ہے۔

اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ابلیس نے نافرمانی کا ایسا عذر پیش کیا جو درحقیقت اس انکار کے گناہ سے بھی بڑا گناہ ہے، اس نے اس لئے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ خود کو بہتر سمجھتا تھا۔ اس کا زعم تھا کہ میں افضل اور اشرف ہوں اس لئے مفضول کو سجدہ کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا جا سکتا۔ پھر اس نے برتری اور افضلیت کی وجہ یہ بتائی کہ اس کی تخلیق آگ سے ہوئی اور آگ مٹی سے افضل اور اشرف ہے۔ اس ملعون کی نظر صرف عنصر اور جسد خاکی پر محدود رہی لیکن جو عظیم شرف اس جسد خاکی کو ملا اس کی رفعتوں تک اس کی نظر پرواز نہ کر سکی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے آدم علیہ السلام کی تخلیق کی اور اس میں اپنی روح پھونکی لیکن اس مردود نے فرمان الٰہی فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (الحجر: 29) کے مقابلے میں اپنے قیاس فاسد کو ترجیح دی۔ اس لئے تعمیل ارشاد میں ملائکہ سے الگ تھلگ رہ گیا اور اپنے آپ کو سجدہ میں جھکانے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس بناء پر اللہ کی رحمت سے مایوس ہو گیا جو درحقیقت اس کی بہت بڑی غلطی تھی۔ اس طرح اس نے یہ جو قیاس باندھا تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہے، اس قیاس اور دعویٰ میں بھی وہ غلطی پر تھا کیونکہ مٹی کی طبیعت میں وقار، حلم، سنجیدگی، مستقل مزاجی اور ثابت قدمی جیسی صفات پائی جاتی ہیں۔ مزید برآں اس مٹی میں نباتات، نشوونما، روئیدگی اور اصلاح کی استعداد بھی پائی جاتی ہے۔ جبکہ آگ کی شان ہے جلانا، تیزی، تندی اور طیش۔ یہی وجہ تھی کہ ابلیس کے عنصر ناری نے اس کے ساتھ خیانت کی اور وہ توبہ پر آمادہ نہ ہوا لیکن آدم علیہ السلام کے عنصر خاکی نے انہیں نفع پہنچایا کہ لغزش کے بعد اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں عجز و نیاز اور خشوع و خضوع سے توبہ اور مغفرت کے خواستگار رہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ملائکہ کی تخلیق نور سے ہوئی، ابلیس کی آگ کے شعلہ سے اور آدم کی مٹی سے''(2)۔ حضرت عائشہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فرشتوں کو عرش کے نور سے پیدا کیا گیا، جنوں کو آگ کے شعلہ سے اور آدم کو مٹی سے''۔ ایک اور روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حوروں کو زعفران سے پیدا کیا گیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا۔ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے قیاس سے کام لینے والا ابلیس تھا اور قیاس ہی کی بناء پر شمس و قمر کی عبادت کی جانے لگی(3)۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِیْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۱۵﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا اتر جاؤ یہاں سے مناسب نہیں ہے تیرے لئے کہ تو غرور کرے یہاں رہتے ہوئے پس نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔ بولا مہلت دے مجھے اس دن تک جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک تو مہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے''۔

ابلیس کو نافرمانی اور حکم عدولی کی صورت میں جنت سے نکل جانے کا حکم ہوا۔ فرمایا کہ تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ تو یہاں تکبر کرتا۔ اکثر

1۔ الشعر والشعراء لابن قتیبہ 243 2۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد 2294 3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 131

مفسرین کے نزدیک ''مِنْهَا'' کی ضمیر کا مرجع جنت ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ضمیر اس مرتبہ عالیہ کی طرف لوٹ رہی ہو جو ابلیس کو عالم ملکوت میں حاصل تھا۔

فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ نکل جا، تو ذلیل اور حقیر لوگوں میں سے ہے۔ یہ ابلیس کی ہٹ دھرمی اور ضد کا بدلہ تھا۔ اس پر اس لعین کے ذہن میں ایک اور بات آئی۔ اس نے قیامت تک اللہ تعالیٰ سے مہلت کی درخواست کی: اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی درخواست منظور کر کے اسے مہلت دے دی: اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت مضمر تھی۔ اس کے ارادہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا، اس کی مشیت کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا اور نہ اس کے فیصلہ کو کوئی مسترد کر سکتا ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ۟ۙ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ۟

''کہنے لگا اس وجہ سے کہ تو نے مجھے (اپنی رحمت سے) مایوس کر دیا میں ضرور تاک میں بیٹھوں گا ان (کو گمراہ کرنے) کے لئے تیرے سیدھے راستہ پر پھر میں ضرور آؤں گا ان کے پاس (بہکانے کے لئے) ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے اور تو نہ پائے گا ان میں سے اکثر کو شکر گزار''۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو قیامت تک مہلت دے دی۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ وہ شتر بے مہار کی طرح جو چاہے کر سکتا ہے اس لئے وہ سرکشی اور عناد پر اتر آیا اور کہنے لگا: فَبِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ کا معنی ہے جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا۔ دوسرے حضرات اس کا معنی بیان کرتے ہیں: جس طرح تو نے مجھے ہلاکت میں ڈالا۔ یعنی جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا اور ہلاکت میں ڈالا میں بھی اس آدم کی اولاد میں تاک میں بیٹھوں گا جس کے باعث میں راندۂ درگاہ بنا ہوں۔ میں صراط مستقیم پر بیٹھ کر گھات لگاؤں گا اور اولاد آدم کو گمراہ کرتا رہوں گا تاکہ وہ نہ تجھے وحدہ لاشریک مانیں اور نہ تیری عبادت کریں۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ ''فَبِمَاۤ'' میں با قسمیہ ہے، معنی یہ ہوگا: مجھے قسم ہے تیرے اغواء کی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہاں صراط مستقیم سے مراد حق ہے۔ عون بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد طریق مکہ ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ لفظ عام ہے، ان کے علاوہ اور معانی کو بھی شامل ہے (1)۔ حضرت سبرہ بن ابی الفاکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شیطان مختلف رستوں سے ابن آدم کی تاڑ میں بیٹھتا ہے۔ وہ اسلام کی راہ میں اس کی گھات میں بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا تو اسلام لائے گا اور اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کر دے گا لیکن وہ شخص اس کی نافرمانی کر کے اسلام قبول کر لیتا ہے۔ پھر وہ اس کی راہ ہجرت پر آ بیٹھتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ کیا تو ہجرت کرے گا اور اپنی زمین اور آسمان (وطن) چھوڑ دے گا۔ مہاجر کی وقعت تو ایک گھوڑے سے بھی زیادہ نہیں ہوتی لیکن وہ شخص اس کی نافرمانی کر کے ہجرت کر لیتا ہے۔ پھر وہ اس کی راہ جہاد پر ڈیرہ جما لیتا ہے۔ جہاد جان سے بھی ہوتا ہے اور مال سے بھی۔ اور کہتا ہے کہ تو جنگ کرے گا تو قتل ہو جائے گا، تیری بیوی کا اور کے ساتھ نکاح کر دیا جائے گا اور تیرا مال لوگوں میں تقسیم ہو جائے گا لیکن وہ اس کی نافرمانی کر کے جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص ایسا کرے اور مر جائے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے۔ اگر وہ قتل ہو جائے یا غرق ہو جائے یا کوئی جانور اسے کچل ڈالے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرما

1۔ تفسیر طبری، جلد 5 صفحہ 134-135

دے'' (1)۔

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ یعنی میں انہیں آخرت کے بارے میں تشکیک میں مبتلا کر دوں گا۔

وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ میں دنیا ان کے لئے مرغوب بنا دوں گا۔

وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ میں دین کے معاملہ کو ان پر مشتبہ کر دوں گا۔

وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ میں ان کے لئے گناہوں کو بہت لذیذ اور خوشنما بنا دوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بالترتیب ان کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ میں ان کی دنیا، امر آخرت، ان کی حسنات اور سیئات کی طرف سے آؤں گا۔ حضرت قتادہ یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں سامنے سے ان کے پاس آؤں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ نہ دوبارہ زندہ کیا جائے گا، نہ جنت ہوگی اور نہ دوزخ، اور ان کے پیچھے سے آؤں گا اور دنیا کو ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر ان کے دل دنیا میں ہی لگا دوں گا، اور دائیں طرف سے ان کی نیکیوں پر دھاوا بولوں گا اور نیک کام کرنے سے باز رکھوں گا، اور اسی طرح بائیں طرف سے آ کر انہیں گناہوں کے ارتکاب کی دعوت دوں گا۔ شیطان نے یہ نہیں کہا کہ میں اوپر سے بھی آؤں گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اوپر سے اللہ کی رحمت برستی ہے اور یہ مردود انسان اور اللہ کی رحمت کے درمیان حائل نہیں ہو سکتا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ اور عَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں سے وہ دیکھ سکتے ہیں اور مِنۡ خَلۡفِهِمۡ اور عَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ کا مطلب ہے جہاں سے وہ نہیں دیکھ سکتے۔ ابن جریر جامع معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد خیر اور شر کے تمام راستے ہیں۔ خیر سے وہ ملعون روکتا ہے اور شر کو نہایت حسین و جمیل شکل میں پیش کرتا ہے (2)۔

وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ یعنی موحدین۔ یہ بات تو ابلیس نے محض اپنے وہم و گمان کی بناء پر کی تھی لیکن واقعہ کے مطابق درست ثابت ہوئی جیسا کہ ارشاد ہے: وَلَقَدۡ صَدَّقَ عَلَيۡهِمۡ اِبۡلِيۡسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوۡهُ اِلَّا فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِالۡاٰخِرَةِ مِمَّنۡ هُوَ مِنۡهَا فِيۡ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ حَفِيۡظٌ (سبا: 21-20) '' اور بیشک سچ کر دکھایا ان (ناشکروں) پر شیطان نے اپنا گمان سو وہ اس کی تابعداری کرنے لگے بجز مومنوں کے ایک گروہ کے (جو حق پر ڈٹا رہا) اور نہیں حاصل تھا شیطان کو ان پر ایسا قابو (کہ وہ بے بس ہوں) مگر یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ہم دکھانا چاہتے تھے کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کے متعلق شک میں مبتلا ہے، اور (اے حبیب!) آپ کا رب ہر چیز پر نگہبان ہے''۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ شیطان کے تسلط سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یوں دعا کرتے: '' اے اللہ! میں اپنے دین و دنیا، اہل و عیال اور مال میں تجھ سے عفو اور عافیت کا خواستگار ہوں۔ یا اللہ! میری لغزشوں کو ڈھانپ دے، پرخطر چیزوں سے امن عطا فرما اور اوپر سے، نیچے سے، دائیں سے، بائیں سے اور میرے اوپر سے مجھے اپنے حفظ و امان میں رکھ۔ یا اللہ! میں نیچے سے شیطان کے ہتھکنڈوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں'' (3)۔ یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، آپ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ یہ دعا صبح و شام کیا کرتے تھے۔ وکیع کہتے ہیں کہ من تحتی (نیچے سے) کا مطلب ہے زمین میں دھنس جانا (4)۔

قَالَ اخۡرُجۡ مِنۡهَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ؕ لَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكُمۡ

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 483
2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 137
3۔ کشف الاستار، جلد 4 صفحہ 60
4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 25 سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 318-319

اَجْمَعِيْنَ ⑱

”فرمایا نکل جا یہاں سے ذلیل (اور) راندہ ہوا جس کسی نے پیروی کی تیری ان سے تو یقیناً میں بھر دوں گا جہنم کو تم سب سے“۔

اللہ تعالیٰ ابلیس کو عالم بالا سے نیچے دھتکار دینے کے حکم کو مزید پختہ کر کے فرماتا ہے: اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ”مَذْءُ وْمًا“، ”ذأم یذأم ذأمًا“ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ کبھی ہمزہ کو ترک کر کے بھی پڑھتے ہیں یعنی ذیم اور ذام۔ ان دونوں لفظوں کا عیب کے موقع پر استعمال لفظ ذم سے زیادہ بلیغ ہے۔ ”مَدْحُوْر“ کا معنی ہے: دور کیا ہوا، دھتکارا ہوا، راندہ (1)۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ”مَذْءُوْم“ اور ”مَدْحُوْر“ دونوں ہم معنی ہیں۔

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ...... ایسا ہی ایک اور مقام پر ارشاد ہے: قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ ۚ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۚ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا (بنی اسرائیل: 63-65) ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا چلا جا (جو مرضی کر) سو جو تیری پیروی کرے گا ان سے تو بے شک جہنم ہی تم سب کی پوری پوری سزا ہے۔ اور گمراہ کرنے کی کوشش کر جن کو تو گمراہ کر سکتا ہے ان میں سے اپنی آواز (کی فسوں کاری) سے اور دھاوا بول دے ان پر اپنے گھوڑ سواروں اور پیادہ دستوں کے ساتھ اور شریک ہو ان کے مالوں میں اور اولاد میں اور ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا رہ۔ اور وعدہ نہیں کرتا ان سے شیطان مگر مکر و فریب کا۔ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا۔ اور (اے محبوب!) کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کارسازی کے لئے“۔

وَ يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ⑲ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ⑳ وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

”اور اے آدم! رہو تم اور تمہاری بیوی جنت میں اور کھاؤ جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا اس (خاص) درخت کے ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے اپنا نقصان کرنے والوں سے پھر وسوسہ ڈالا ان کے (دلوں میں) شیطان نے تاکہ بے پردہ کر دے ان کے لئے جو ڈھانپا گیا تھا ان کی شرمگاہوں سے اور (انہیں) کہا کہ نہیں منع کیا تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے مگر اس لئے کہ کہیں نہ بن جاؤ تم دونوں فرشتے یا کہیں نہ ہو جاؤ ہمیشہ زندہ رہنے والوں سے۔ اور قسم اٹھائی ان کے سامنے کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں“۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت حوا کو جنت میں رہائش عطا فرمائی اور انہیں اجازت دے دی کہ وہ سوائے ایک درخت کے تمام درختوں کے پھل کھا سکتے ہیں۔ اس کی تفصیلات سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں (2)۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ مقام عطا

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 139   2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ :35

فرمایا اور جنت ان کا مسکن بن گئی تو شیطان حسد کی آگ میں جلنے لگا، مکر وفریب، دھوکہ اور وسوسہ کے ذریعے اس نے کوششیں شروع کر دیں تا کہ وہ انہیں جنت کے آرام و سکون اور خوبصورت لباس سے محروم کر دے۔ اس لئے اس نے جھوٹ اور افتراء سے کام لیتے ہوئے ان دونوں حضرات سے کہا کہ اس درخت سے تمہیں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا یہاں ہمیشہ رہنے والے لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ اگر تم نے اس درخت میں سے کھا لیا تو پھر یہ چیز تمہیں ضرور حاصل ہو گی۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے: قَالَ یٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا یَبْلٰى (طٰہٰ:120) ''اس نے کہا اے آدم! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ہمیشگی کے درخت پر اور ایسی بادشاہی پر جو کبھی زائل نہ ہو''۔

اَنْ تَكُوْنَا میں ''لَا'' مقدر ہے اصل میں ہے: لِئَلَّا تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ۔ اس قسم کی اور بھی مثالیں قرآن کریم میں ہیں: فرمایا: یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا (النساء:176) ''صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے (اپنے) احکام تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ''، یعنی ''لِئَلَّا تَضِلُّوْا''۔ اسی طرح فرمایا: وَ اَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ (لقمان:10) ''اور کھڑے کر دیئے ہیں زمین میں اونچے اونچے پہاڑ تا کہ زمین ڈولتی نہ رہے''۔ یعنی ''لِئَلَّا تَمِیْدَ بِكُمْ''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور یحیٰ بن ابی کثیر ''مَلِكَيْنِ'' لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے تھے(1)۔ جبکہ جمہور لام کو مفتوح پڑھتے ہیں۔

وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ابلیس نے اللہ کی قسم کھا کر انہیں اپنی بات اور خیر خواہی کا یقین دلایا۔ کہنے لگا کہ میں تو تمہارا مخلص ہوں۔ میں تم سے پہلے یہاں رہائش پذیر رہا ہوں تو اس کے چپے چپے سے خوب واقف ہوں۔ ''قاسم'' باب مفاعلہ ہے جس میں عموماً اشتراک کا خاصہ پایا جاتا ہے لیکن اشتراک نہیں پایا جاتا۔ قسم صرف ایک طرف سے تھی جیسا کہ اس شعر میں بھی ہے:

وَقَاسَمَهَا بِاللهِ جَهْدًا لَأَنْتُمْ   أَلَذُّ مِنَ السَّلْوٰى إِذَا مَا نَشُوْرُهَا (2)

جب ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی تو دونوں حضرات دھوکہ میں آ گئے اور اللہ کے نام پر مومن کبھی دھوکہ کھا ہی جاتا ہے، کسی عالم کا کہنا ہے: مَنْ خَدَعَنَا بِاللهِ انْخَدَعْنَا لَهٗ(3)۔ ''جس نے ہمیں اللہ کے نام پر دھوکہ دیا ہم اس کے دھوکہ میں آ جاتے ہیں''۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۲۳﴾

''پس شیطان نے نیچے گرا دیا ان کو دھوکہ سے، پھر جب دونوں نے چکھ لیا درخت سے تو ظاہر ہو گئیں ان پر ان کی شرم گاہیں اور چپٹانے لگ گئے اپنے (بدن) پر جنت کے پتے اور ندا دی انہیں ان کے رب نے کیا نہیں منع کیا تھا میں نے تمہیں اس درخت سے اور کیا نہ فرمایا تھا تمہیں کہ بلاشبہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ دونوں نے عرض کی اے ہمارے پروردگار! ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور اگر نہ بخشش فرمائے تو ہمارے لئے اور نہ رحم فرمائے ہم پر تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں سے ہو

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 140   2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 141، دیوان الھذلیین، جلد 1 صفحہ 158   3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 141

جائیں گے"۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کھجور کے درخت کی طرح طویل القامت تھے اور آپ کے سر کے بال گھنے اور لمبے تھے۔ جب ان سے یہ خطا سرزد ہوگئی تو ان کی شرمگاہ ظاہر ہوگئی، جبکہ پہلے وہ اسے نہیں دیکھتے تھے۔ اب پریشانی میں جنت کے اندر ادھر ادھر بھاگنے لگے تو جنت کے ایک درخت کے ساتھ ان کے بال الجھ گئے۔ آپ نے درخت سے کہا کہ مجھے چھوڑ دو لیکن درخت نے جواب دیا کہ میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ندا دی: اے آدم! کیا مجھ سے بھاگتے ہو؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! مجھے تجھ سے حیا آتا ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس درخت سے آدم وحواء کو منع کیا گیا تھا وہ خوشۂ گندم تھا۔ جب اس میں سے انہوں نے کھالیا تو ان کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہوگئیں۔ اب وہ انجیر کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگ گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام ادھر ادھر بھاگنے لگے تو ایک جنتی درخت کی شاخوں میں آپ کے بال پھنس گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ندا دی: اے آدم! تم مجھ سے بھاگتے ہو؟ عرض کی: نہیں، بلکہ یا اللہ! مجھے تجھ سے حیا آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں تمام جنت نہیں عطا فرمادی تھی، اور سوائے ایک درخت کے جنت کی ہر چیز تمہارے لئے مباح کردی؟ عرض کی: کیوں نہیں، اے پروردگار! لیکن تیری عزت کی قسم! میرے تو گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی تیرے نام کی جھوٹی قسم کھا سکتا ہے، یہی مطلب ہے اس آیت کا وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری عزت کی قسم! میں تمہیں زمین پر اتاروں گا اور وہاں تم بغیر کدوکاوش کے اسباب معیشت نہیں پاسکو گے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتار دیا گیا۔ جنت میں تو ہر قسم کی وافر نعمتیں اور آسائشیں میسر تھیں لیکن یہاں زمین پر کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو لوہے کی صنعت سکھائی اور کھیتی باڑی کا حکم دیا۔ آپ نے فصل کاشت کی، اسے سیراب کیا، کھیتی پک گئی تو آپ نے اسے کاٹ لیا۔ اسے کوٹ کر دانے الگ کر لئے۔ پھر پیسا، پھر آٹا گوندھا اور روٹیاں پکا کر کھائیں۔ اس طرح جو مشقت اللہ تعالیٰ نے ان کی قسمت میں مقدر فرمادی تھی، اسے اٹھایا(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پتے انجیر کے درخت کے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ پتے کپڑے کی شکل کے تھے۔ حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ اس آیت یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا (الاعراف: 27) کے تحت بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کا لباس نورانی تھا، وہ ایک دوسرے کی شرمگاہوں کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ جب انہوں نے شجر ممنوعہ میں سے کھالیا تو ان کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہوگئیں۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! اگر میں توبہ اور استغفار کرلوں تو؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تب میں تمہیں جنت میں داخل کردوں گا لیکن ابلیس ملعون نے توبہ کے بجائے مہلت کی درخواست کی۔ ہر ایک کو اپنا مطلوب مل گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے ممنوعہ پھل کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس درخت سے میں نے تمہیں منع کیا تھا، تم نے کیوں اس میں سے کھایا؟ جواب دیا کہ مجھے حواء نے کھانے کو کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں حواء کو یہ سزا دیتا ہوں کہ یہ حمل کے دوران بھی تکلیف اٹھائے گی اور وضع حمل کے وقت بھی اسے درد والم سے گزرنا ہوگا۔ یہ سن کر حواء رونے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ولادت کے وقت تم بھی روؤ گی اور تمہارا بچہ بھی(3)۔ ضحاک بن مزاحم کہتے ہیں کہ یہ کلمات رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ...... حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے سیکھے تھے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 143 2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 142 3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 144

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیچے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک۔ (نیز) فرمایا اسی زمین میں تم زندہ رہو گے اور اس میں مرو گے اور اسی سے تم اٹھائے جاؤ گے''۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ''اهْبِطُوْا'' سے خطاب حضرت آدم علیہ السلام، حضرت حواء، ابلیس اور سانپ کو ہے۔ بعض نے سانپ کا ذکر نہیں کیا، بہرصورت اصل عداوت اور آویزش آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان تھی، اسی لئے سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا (طٰہٰ:123) ''دونوں اتر جاؤ یہاں سے اکٹھے'' حواء تو آدم علیہ السلام کے تابع تھیں اور سانپ ابلیس کے۔ مفسرین نے ان مقامات کا بھی ذکر کیا ہے جہاں جہاں سے انہیں زمین پر اتارا گیا۔ یہ تمام اسرائیلی روایات ہیں جن کی صحت کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر ان مقامات کی تعیین کے ساتھ کوئی دینی یا دنیاوی مفاد وابستہ ہوتا تو قرآن وحدیث میں ان کا ضرور ذکر آتا۔

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ یعنی قرارگاہ اور عمریں جن کی حد مقرر کر دی گئی ہے اور یہ سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''مُسْتَقَرٌّ'' سے مراد قبر لیتے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے فوق الارض اور تحت الارض (یعنی دنیا اور قبر)۔

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ اسی مضمون کی یہ آیت بھی ہے: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (طٰہٰ:55) ''اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور (روز حشر) اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے ایک بار پھر''۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس نے بنی آدم کے لئے زمین کو گھر بنا دیا۔ یہاں ہی جینا ہے، یہاں ہی مرنا ہے اور پھر یہاں سے ہی قبروں سے اٹھ کر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے جہاں وہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

''اے اولاد آدم بے شک اتارا ہم نے تم پر لباس جو ڈھانپتا ہے تمہاری شرمگاہوں کو اور باعث زینت ہے اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بہتر ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں''۔

اللہ تعالیٰ کا بندوں پر احسان ہے جس نے انہیں لباس اور زینت بخشی۔ لباس تو جسم اور پردہ کی جگہوں کو چھپانے کے کام آتا ہے اور ''رِیْش'' وہ لباس ہے جو بدن کی ظاہری آرائش اور زیب وزینت کا کام دیتا ہے۔ لباس ضروریات میں سے ہے اور ''رِیْش'' ضرورت سے اضافی، لیکن تکمیل کرنے والی چیز ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ کلام عرب میں ''رِیَاش'' (''رِیْش'' کی جمع) سے مراد گھریلو ساز وسامان اور (ضرورت سے زائد) ظاہری کپڑے ہیں۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی مال منقول ہے(1)۔ ایک اور روایت میں آپ اس کا معنی بتاتے ہیں: لباس، آسائش اور عیش وتنعم۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے نزدیک اس کا معنی

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ اعراف، جلد 6 صفحہ 73

حسن و جمال ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے نیا لباس زیب تن کیا، جب گلے تک پہن لیا تو کہنے لگے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ایسا لباس پہنایا جو ستر عورت کا بھی کام دیتا ہے اور وجہ زینت بھی ہے۔ پھر کہنے لگے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے کوئی نیا کپڑا پایا اور گلے تک پہن کر یہ کہا: اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ایسا لباس پہنایا جس سے میں اپنی شرمگاہ کو ڈھانپتا ہوں اور اپنی زندگی میں اس سے آراستہ ہوتا ہوں، پھر اتارا ہوا پرانا کپڑا صدقہ کر دیا تو وہ اپنی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کے ذمہ، جوار اور حفاظت میں آ گیا اور موت کے وقت بھی" (1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان لڑکے سے تین درہم میں ایک قمیص خریدی اور کلائیوں سے ٹخنوں تک پہن لی۔ پہنتے وقت کہنے لگے۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے وہ لباس عطا فرمایا جس سے میں زینت حاصل کرتا ہوں اور اپنی شرمگاہ کو چھپاتا ہوں۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یہ بات آپ اپنے طور پر کہہ رہے ہیں یا رسول اللہ ﷺ سے سن کر؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ سے لباس پہنتے وقت یہ سنا تھا" (2)۔

وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ بعض نے "لِبَاسُ" کو منصوب پڑھا ہے۔ بقیہ حضرات نے مبتدا ہونے کی بناء پر اسے مرفوع پڑھا ہے اور ذٰلِكَ خَيْرٌ اس کی خبر ہے۔ اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ لباس تقویٰ سے مراد وہ لباس ہے جو متقین قیامت کے روز پہنیں گے۔ زید بن علی، سدی، قتادہ اور ابن جریج کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے ایمان۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی عمل صالح بیان کیا گیا ہے۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ سے یہ معنی بیان کیا گیا ہے: چہرے کا حسن اور شگفتگی۔ حضرت عروہ بن زبیر اس کا معنی بتاتے ہیں خشیت الٰہی۔ عبدالرحمٰن ابن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ لباس تقویٰ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور ستر عورت کرے۔ یہ تمام کے تمام معانی قریب قریب ہیں۔ اس کی تائید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ آپ منبر رسول ﷺ پر آئے قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا اور کبوتر بازی سے منع کیا پھر فرمایا: اے لوگو! مخفی اور پوشیدہ پوشیدہ کام کرنے سے بچو کیونکہ میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! جو کوئی چوری چھپے کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کر دیتا ہے۔ اگر اچھا ہو تو نیک نامی اور اگر برا ہو تو بدنامی۔" پھر آپ نے مذکورہ آیت کی تلاوت کی (3)۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۷

"اے اولاد آدم! نہ فتنہ میں مبتلا کر دے تمہیں شیطان جیسے نکالا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے (اور) اتروا دیا ان سے ان کا لباس تاکہ دکھلا دے انہیں ان کے پردہ کی جگہیں۔ بے شک دیکھتا ہے تمہیں وہ اور اس کا کنبہ جہاں سے تم نہیں دیکھتے ہو انہیں۔ بلاشبہ ہم نے بنا دیا ہے شیطانوں کو دوست ان کا جو ایمان نہیں لاتے"۔

اللہ تعالیٰ بنی آدم کو ابلیس اور اس کے کنبہ سے ہوشیار رہنے کی تلقین فرما رہا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ اس کی قدیم عداوت

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 44 تحفۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 10 صفحہ 5-6 وغیرہ
2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 157-158
3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 149، الادب المفرد: 441 وغیرہ

کو بیان فرما رہا ہے کہ اس ملعون نے آدم علیہ السلام کو نعمت و آسائش سے بھرپور جنت سے نکال کر اس دار المحن میں لا کھڑا کیا اور ان کے کشف عورت کا باعث بنا۔ یہ سب کچھ اس کی غیر معمولی عداوت کا نتیجہ تھا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا (الکہف: 50) ''(اے اولاد آدم!) کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست مجھے چھوڑ کر حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت برا بدلہ ہے''۔

وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَاۤ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

''اور جب کرتے ہیں کوئی بے حیائی کا کام (تو) کہتے ہیں پایا ہم نے ایسا ہی کرتے ہوئے اپنے باپ دادا کو اور اللہ نے بھی ہمیں حکم دیا اس کا۔ آپ فرما دیجئے بے شک اللہ حکم نہیں دیتا بے حیائیوں کا کیا ایسی بات لگاتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے۔ آپ فرمائیے حکم دیا ہے میرے رب نے عدل و انصاف کا اور سیدھا کرو اپنے چہرے (قبلہ کی طرف) ہر نماز کے وقت اور عبادت کرو اس کی اس حال میں کہ تم خالص کرنے والے ہو اس کے لئے عبادت کو جس طرح اس نے پہلے پیدا کیا تھا تمہیں ویسے ہی تم لوٹو گے۔ ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت دے دی اور ایک گروہ ہے کہ مقرر ہوگئی ان پر گمراہی، انہوں نے بنا لیا شیطانوں کو (اپنا) دوست اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں''۔

مجاہد فرماتے ہیں کہ مشرکین مادر زاد برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے، عورت صرف اپنے سامنے کوئی چیز چپکا لیتی اور کہتی کہ آج جسم کا بعض حصہ یا پورا جسم کھلا رہے گا لیکن کھلا ہوا حصہ کسی پر حلال نہیں تو اس وقت یہ آیت وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً...... اتری۔ قریش کے علاوہ باقی سارے عرب طواف کرتے وقت اپنا معمول کا لباس بھی اتار دیتے تھے۔ اس کی توجیہہ یہ بیان کرتے کہ ایسے کپڑوں میں طواف انہیں زیب نہیں دیتا جو کپڑے پہن کر انہوں نے گناہ کئے ہیں۔ صرف قریش جو حمسی تھے، کپڑے پہنے ہوئے طواف کرتے۔ اگر کوئی قریشی حمسی (مذہب سے لگاؤ رکھنے والا) کسی کو عاریۃً اپنا کپڑا دے دیتا تو وہ اسے پہن کر طواف کر لیتا اور جس کے پاس نیا کپڑا ہوتا وہ بھی اسے پہن کر طواف کر لیتا پھر وہ اسے اتار دیتا جس کا کوئی مالک نہ سمجھا جاتا۔ جس شخص کے پاس نیا کپڑا نہ ہوتا اور نہ کسی حمسی سے عاریۃً ملتا تو وہ بالکل برہنہ طواف کرتا اور عورتیں صرف یہ کرتیں کہ اپنی شرمگاہوں پر کچھ رکھ لیتی تھیں تاکہ کچھ نہ کچھ پردہ ہو جائے۔ عورتیں عموماً رات کے وقت برہنہ طواف کرتیں۔ یہ (برہنہ طواف کرنا) ایسی چیز تھی جو انہوں نے از خود ایجاد کر لی تھی اور یہ اپنے آباؤ اجداد کی تقلید میں اندھا دھند اس کی پیروی کئے جا رہے تھے اور مزید ستم ظریفی یہ کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے اس فعل کو اللہ کا حکم یقین کرتے۔ اس پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرمایا: وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً...... ان کے رد میں فرمایا: قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ...... یعنی اے محبوب! آپ ان جھوٹے دعویداروں سے کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں دیتا۔ تم اللہ تعالیٰ پر ایسے بہتان باندھتے ہو جن کی صحت کا تمہیں علم ہی نہیں۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ آپ فرما دیں کہ میرے رب نے تو عدل وانصاف اور اپنی عبادت میں استقامت کا حکم دیا ہے۔ اس میں رسولوں کی متابعت ہے جنہیں معجزات سے نوازا گیا، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ کی اور اخلاص اختیار کرنے کا حکم دیا، اور اللہ تعالیٰ کسی بھی عمل کو اس وقت تک قبول نہیں فرماتا جب تک دونوں چیزیں اس میں نہ پائی جائیں یعنی وہ کام شریعت کے مطابق ہو اور دوسرا اس میں اخلاص پایا جائے۔

كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ اس کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں: موت کے بعد وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ حسن بصری اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ جس طرح اس نے پہلے دنیا میں پیدا کیا اسی طرح قیامت کے دن تم زندہ ہو کر لوٹو گے۔ قتادہ یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ پہلے اس نے پیدا کیا جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھے، پھر مر گئے پھر اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ جس طرح اس نے پہلے پیدا کیا اسی طرح وہ دوبارہ لوٹائے گا۔ اس معنی کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے وعظ ونصیحت میں فرمایا: ''تمہیں برہنہ پا، برہنہ جسم اور غیر مختون اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا، پھر آیت پڑھی: كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (الانبیاء: 104) (1)۔ مجاہد اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر اٹھایا جائے گا۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ جس طرح تقدیر میں لکھا جا چکا ہے یا جیسا تمہارا علم تھا۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ جس کی تخلیق شقاوت پر ہوئی تو اس کا انجام بھی شقاوت پر ہوگا اگرچہ وہ نیک اعمال کرتا رہے۔ اور جس کی تخلیق سعادت پر ہوئی اسی سعادت پر ہی اٹھایا جائے گا اگرچہ وہ برے اعمال کرتا رہا جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگر ساری عمر برے کام کرتے رہے لیکن انجام بہت سعید ہوا (2)۔ سدی كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ کا معنی بیان کرتے ہیں کہ جس طرح تخلیق کے بعد دو فریق (ہدایت یافتہ اور گمراہ) بن گئے اسی طرح لوٹو گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مومن پیدا کیا اور کسی کو کافر جیسا کہ فرمایا: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ (التغابن: 2) ''وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مومن ہیں''۔ جس طرح کافر یا مومن پیدا کیا اسی طرح وہ انہیں لوٹائے گا۔ اس قول کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! تم میں سے ایک شخص جنتیوں کا سا عمل کرتا ہے یہاں تک جب اس کے اور جنت کے درمیان ایک گز کی دوری رہ جاتی ہے تو اس پر نوشتہ تقدیر غالب آ جاتا ہے تو وہ دوزخیوں جیسے عمل شروع کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ دوزخی بن جاتا ہے۔ اور ایک شخص دوزخیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو تقدیر اس پر غالب آ جاتی ہے اور وہ جنتیوں کے سے اعمال کرنا شروع کر دیتا ہے اس طرح وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے'' (3)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: ''کوئی شخص لوگوں کی نظروں میں جنتیوں جیسے اعمال کرتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے اور کوئی آدمی لوگوں کی نظروں میں دوزخیوں کے سے اعمال کرتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔ اعمال کا دارومدار تو خاتمہ پر ہے'' (4)۔ ایک اور حدیث میں

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ مائدہ، جلد 6 صفحہ 69، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 8 صفحہ 157
2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 156-157
3۔ صحیح بخاری، کتاب القدر، جلد 8 صفحہ 152
4۔ صحیح بخاری، کتاب القدر، جلد 8 صفحہ 155
5۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ 2206 سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد 1414

آتا ہے: ''ہر شخص کو اسی کیفیت میں اٹھایا جائے گا مرتے وقت جیسا تھا'' (5)۔ اس حدیث کے درمیان اور اس آیت: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم: 30) ''پس آپ کر لیں اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف پوری یکسوئی سے (مضبوطی سے پکڑ لو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے''۔ اور ان احادیث کے درمیان تطبیق ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں'' (1)۔ اور صحیح مسلم کی حدیث ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا ہے لیکن شیاطین انہیں ان کے دین سے برگشتہ کر دیتے ہیں'' (2)۔ تو حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان اور مذکورہ آیت اور احادیث کے درمیان تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لئے پیدا کیا کہ وہ مومن ہوں کیونکہ فطرت میں ایمان، توحید اور اس بات کا علم رکھ دیا گیا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں جیسا کہ عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا عہد لیا، یہ چیز فطرت کے اندر رکھ دی۔ اس کے باوجود تقدیر میں یہ لکھ دیا کہ ان میں کچھ مومن ہوں اور کچھ کافر، کچھ سعادت مند اور کچھ بدبخت۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ۔ حدیث میں آتا ہے: لوگ صبح اٹھتے ہیں اور اپنے آپ کا سودا کرتے ہیں، کچھ تو خود کو رہائی دلا لیتے ہیں اور کچھ خود کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں'' (3)۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہر حال میں مخلوق میں نافذ ہونے والی ہے۔ کیونکہ وہی وہ ذات ہے: وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى (الاعلیٰ: 3) ''اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا، پھر اسے راہ دکھائی''۔ الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ: 50) ''جس نے عطا کی ہر چیز کو (موزوں) صورت پھر (مقصد تخلیق کی طرف) ہر چیز کی رہنمائی کی''۔ صحیحین کی حدیث ہے: ''جو تم میں سے ہو اس کے لئے اہل سعادت کے اعمال آسان کر دیئے جاتے ہیں اور جو اہل شقاوت میں سے ہو اس کے لئے ان جیسے اعمال آسان کر دیئے جاتے ہیں'' (4)۔ اس لئے فرمایا: فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ۔ اس کی علت یہ بیان فرمائی: اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ اس میں ان لوگوں کی غلطی پر واضح دلیل ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی گناہ یا غلط عقیدہ پر عذاب نہیں دے گا جب کہ اسے اپنے عقیدہ اور عمل کے صحیح ہونے کا کامل یقین ہو، عذاب صرف اسی کو ہو گا جو یقینی علم کے باوجود اپنی گمراہی پر بضد رہے اور عناد پر اصرار کرے۔ ان لوگوں کا یہ خیال بالکل درست نہیں ہے کیونکہ اگر یہ واقعی اسی طرح ہوتا تو اس فریق کے درمیان جو گمراہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ہدایت یافتہ گمان کرتا ہے اور اس فریق کے درمیان جو واقعتاً ہدایت یافتہ ہے، کوئی فرق نہ ہوتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دونوں فریقوں کے الگ الگ نام بھی لئے ہیں اور ہر ایک کا حکم بھی بیان فرمایا ہے (5)۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾

''اے آدم کی اولاد! پہن لیا کرو اپنا لباس ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک اللہ نہیں پسند کرتا فضول خرچی کرنے والوں کو''۔

7۔ فتح الباری کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 245-246، صحیح مسلم، کتاب القدر 2047 — 2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ 2197

3۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ 203 — 4۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 120 صحیح مسلم، کتاب القدر 2039-2040

5۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 159

اس آیت کریمہ میں ان مشرکین کا رد ہے جو مادرزاد برہنہ بیت اللہ شریف کا طواف کیا کرتے تھے، مرددن کے وقت اور عورتیں رات کو ایسا کرتیں۔ اللہ تعالیٰ نے لباس زیب تن کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ ''زِیْنَة'' کا معنی یہاں لباس ہے اور لباس سے مراد وہ ہے جو شرمگاہ کو ڈھانپ لے، اسی طرح عمدہ کپڑے اور دوسرا (زیب وزینت کا) سامان بھی لباس میں شامل ہے، تو یہاں ہر نماز کے وقت لباس پہننے کا حکم دیا جا رہا ہے (1)۔ متعدد ائمہ سلف نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہ آیت مشرکین کے برہنہ ہو کر طواف کرنے کے بارے میں ہی نازل ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ یہ آیت جوتے پہن کر نماز پڑھنے کے متعلق نازل ہوئی لیکن اس کی صحت محل نظر ہے۔ اس آیت کریمہ اور اس کے ہم معنی حدیث شریف کے پیش نظر ہر نماز کے وقت زیب وزینت کرنا اور اپنے آپ کو سنوارنا مستحب ہے، خصوصاً یوم جمعہ اور یوم عید کو، اور بہتر ہے کہ خوشبو لگائی جائے کیونکہ یہ بھی زینت ہے، اسی طرح مسواک کی جائے کیونکہ یہ نظافت کا ذریعہ ہے۔ سب سے افضل لباس سفید لباس ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سفید کپڑے پہنو، کیونکہ یہی سب سے اچھے کپڑے ہیں، اسی میں اپنے مردوں کو کفن پہناؤ۔ سب سے بہترین سرمہ اثمد ہے، یہ بصارت کو تیز کرتا ہے اور بال اگاتا ہے'' (2)۔ حضرت تمیم الداری نے ایک ہزار درہم میں ایک چادر خریدی۔ اسے اوڑھ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا...... کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ اس نصف آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام طب جمع فرما دی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو چاہو کھاؤ، جو چاہو پہنو لیکن دو خصلتوں سے احتراز ضروری ہے: اسراف اور تکبر (3)۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ کرو بغیر اسراف اور نمود وغرور کے، اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندے پر اپنی نعمتوں کا اثر دیکھے (4)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ''بغیر فضول خرچی اور نمود کے کھاؤ، صدقہ کرو اور پہنو'' (5)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابن آدم نے اپنے پیٹ سے زیادہ برا برتن کوئی نہیں بھرا، ابن آدم کو تو چند لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی کمر سیدھی رکھ سکیں۔ اگر وہ (مزید) کھانا ہی چاہتا ہے تو (خیال رکھے کہ) ایک تہائی پیٹ غذا کے لئے ہو، ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس لینے کے لئے چھوڑ دے'' (6)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسراف یہ ہے کہ تو طلب سے زیادہ کھائے'' (7)۔ سدی کہتے ہیں کہ جو لوگ ننگے بیت اللہ کا طواف کرتے تھے وہ حج کے دنوں میں چربی اپنے اوپر حرام کر لیا کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنی تحریم میں زیادتی نہ کرو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دیئے ہوئے رزق میں سے کھانے پینے کا حکم دیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ''لَا تُسْرِفُوْا'' کا معنی بیان کرتے ہیں کہ حرام نہ کھاؤ کیونکہ یہ اسراف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا مطلب بتاتے ہیں کہ کھانے پینے میں اسراف نہ کرو۔ ابن جریر کہتے ہیں ''مُسْرِفِيْنَ'' بمعنی ''مُعْتَدِيْنَ'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو حلال وحرام کے معاملہ میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور حرام کو حلال جان کر اور حلال کو حرام کر کے غلو کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تو صرف یہی بات پسند ہے کہ اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال سمجھا

1۔ صحیح مسلم، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 2320 وغیرہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 51، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 247 وغیرہ

3۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، جلد 7 صفحہ 182

4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 182

5۔ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 5 صفحہ 79

6۔ تحفۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 7 صفحہ 51، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 132

7۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 5 صفحہ 154

جائے اور حرام کردہ چیزوں کو حرام۔ یہی وہ عدل ہے جس کا حکم دیا گیا ہے(1)۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

”آپ فرمائیے کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے لئے اور (کس نے حرام کئے) لذیذ پاکیزہ کھانے، آپ فرمائیے یہ چیزیں ایمان والوں کے لئے ہیں اس دنیوی زندگی میں بھی (اور) صرف انہیں کے لئے ہیں قیامت کے روز، یونہی ہم مفصل بیان کرتے ہیں آیتوں کو ان لوگوں کے لئے جو (حقیقت) کو جانتے ہیں“۔

اللہ تعالیٰ اس شخص کا رد فرما رہا ہے جو از خود بغیر کسی شرعی حکم کے کھانے، پینے یا پہننے کی کوئی چیز اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے۔ فرمایا: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ...... یعنی اے محبوب! آپ ان مشرکین سے کہہ دیں جو اپنی آراء فاسدہ اور بدعت سیئہ کے باعث از خود ہی چیزوں کو حرام قرار دے رہے ہیں کہ کس نے اللہ کی عطا کردہ زینت کو حرام کیا ہے۔ اس زینت کو تو اس نے اس دنیا میں اپنے عبادت گزار مومن بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اگرچہ یہاں مشرکین بھی اس میں شریک ہیں لیکن قیامت کے دن یہ نعمتیں صرف اور صرف ان مومنوں کے لئے ہوں گی جن میں کوئی بھی کافر ان کے ساتھ شریک نہیں ہوگا کیونکہ جنت کفار پر حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عرب برہنہ حالت میں سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہوئے بیت اللہ کا طواف کرتے تو اس وقت مذکورہ آیت اتری جس میں کپڑے پہن کر طواف کا حکم ہوا(2)۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

”آپ فرمائیے بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو ظاہر ہیں ان سے اور جو پوشیدہ ہیں اور (حرام کر دیا) گناہ کو اور سرکشی کو بغیر حق کے اور یہ کہ شریک ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ جس کے لئے نہیں اتاری اللہ نے کوئی سند اور یہ کہ تم کہو اللہ پر ایسی بات جو تم نہیں جانتے ہو“۔

مسند امام احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں، اسی وجہ سے اس نے ظاہری اور باطنی بے حیائی کی باتوں کو حرام کر دیا ہے اور کوئی ایسا شخص نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ سے زیادہ مدح محبوب ہو“(3)۔

اَلْفَوَاحِشَ کے متعلق بحث سورۃ انعام میں گزر چکی ہے(4)۔

سدی کہتے ہیں کہ ”اِثْم“ سے مراد معصیت اور ”بَغْی“ سے مراد لوگوں پر ناحق زیادتی کرنا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”اِثْم“ سے مراد تمام گناہ ہیں اور ”بَغْی“ کا معنی ہے اپنے اوپر زیادتی کرنا۔ سارے معانی کا حاصل یہ ہے کہ ”اِثْم“ سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا تعلق فاعل کی ذات کے ساتھ ہو اور ”بَغْی“ سے مراد وہ ظلم اور زیادتی ہے جو دوسرے لوگوں تک تجاوز کر جائے۔ دونوں چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 162 2۔ معجم کبیر، جلد 12 صفحہ 13

3۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 147، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ 2113 وغیرہ 4۔ دیکھئے تفسیر سورۃ انعام: 151

اَنۡ تُشۡرِکُوۡا بِاللّٰهِ...... یہ بھی حرام ہے کہ بغیر کسی سند اور دلیل کے تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگو اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگو کہ اس کی اولاد ہے یا اس طرح کی اور باتیں کرنے لگو جن کا تمہیں کوئی علم ہی نہیں، یہ بھی حرام ہے، ارشاد ہوتا ہے: فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ (الحج:30) ''پس پرہیز کرو بتوں کی نجاست سے''۔

وَلِکُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ لَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿۳۴﴾ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ ۙ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَاسۡتَکۡبَرُوۡا عَنۡهَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۳۶﴾

''اور ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے، سو جب آ جائے ان کا مقررہ وقت تو نہ وہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں ایک لمحہ اور نہ وہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اے اولاد آدم! اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے جو بیان کریں تم پر میری آیتیں تو جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اصلاح کر لی تو نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور غرور کیا ان سے وہ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں''۔

ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے، جب وہ معین وقت آ جاتا ہے تو ایک گھڑی کے لئے بھی تقدیم و تاخیر کی گنجائش نہیں ہوتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو متنبہ کیا کہ عنقریب تمہارے پاس رسول آئیں گے جو تمہیں ہماری آیات سنائیں گے۔ پھر ترغیب و ترہیب دلاتے ہوئے فرمایا: فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصۡلَحَ...... یعنی جس نے تقویٰ اختیار کیا، محرمات کو ترک کر دیا اور اپنی اصلاح کر کے اطاعت خداوندی میں مصروف ہو گیا تو اسے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ غم۔ لیکن جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان پر عمل پیرا ہونے سے تکبر کرتے رہے ان کا ٹھکانا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَوۡ کَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِکَ یَنَالُهُمۡ نَصِیۡبُهُمۡ مِّنَ الۡکِتٰبِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوۡنَهُمۡ ۙ قَالُوۡۤا اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوۡا ضَلُّوۡا عَنَّا وَشَهِدُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ کَانُوۡا کٰفِرِیۡنَ ﴿۳۷﴾

''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے بہتان باندھا اللہ پر جھوٹا یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو، انہیں مل جائے گا ان کا حصہ جو ان کی قسمت میں لکھا ہے۔ یہاں تک کہ جب آئیں گے ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے جو قبض کریں گے ان کی روحوں کو تو (ان سے) کہیں گے کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے اللہ کے سوا، کہیں گے وہ گم ہو گئے ہم سے اور گواہی دیں گے اپنے نفسوں پر کہ وہ کافر تھے''۔

اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹی تہمت لگائے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: اُولٰٓئِکَ یَنَالُهُمۡ نَصِیۡبُهُمۡ مِّنَ الۡکِتٰبِ اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ عوفی کہتے ہیں کہ ان کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو اچھا عمل کرے گا اس کے نصیب میں اس کی جزا بھی اچھی ہو گی اور جو برائی کرے گا اسے بدلہ بھی ایسا

ہی ملے گا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جس خیر وشر کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا وہ پائیں گے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عمل، رزق اور عمر ہے یہ قول معنی اور سیاق کے لحاظ سے قوی ہے۔ اور یہ فرمان: حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ اس آیت کے ساتھ معنی میں مماثلت رکھنے والی یہ آیات بھی ہیں: اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (یونس: 70-69) ''جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (چند روزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے''۔ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا...... (لقمان: 24-23) ''اور جس نے کفر کیا تو نہ غمزدہ کرے آپ کو اس کا کفر۔ ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پس ہم آگاہ کریں گے انہیں جو انہوں نے کیا تھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں (چھپا) ہے۔ ہم لطف اندوز ہونے دیں گے......''۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ ملائکہ جب ان مشرکین کی ارواح کو قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو انہیں موت کے وقت ڈرائیں گے، پھر ارواح کو قبض کرنے کے بعد انہیں دوزخ کی طرف لے جائیں گے اور انہیں کہیں گے کہ کہاں ہیں وہ تمہارے معبود، دنیا میں جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے اور انہیں اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ اب انہیں بلاؤ تاکہ وہ تمہیں دوزخ سے رہائی دلوائیں۔ وہ کہیں گے کہ وہ سب ہم سے روپوش ہو گئے ہمیں ان سے کسی نفع یا خیر کی امید نہیں۔ وہ اپنے نفسوں پر گواہی دیں گے اور یہ اعتراف کر لیں گے کہ وہ کفر کرتے رہے۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾

''اللہ تعالیٰ فرمائے گا داخل ہو جاؤ ان امتوں میں جو گزر چکی ہیں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں سے (ان کے پاس) دوزخ میں (داخل ہو جاؤ)، جب بھی داخل ہوگی کوئی امت وہ لعنت بھیجے گی دوسری امت پر یہاں تک کہ جب جمع ہو جائیں گی اس میں سب امتیں۔ تو کہے گی آخری امت پہلی امتوں کے متعلق اے ہمارے رب! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا پس دے ان کو دگنا عذاب آگ سے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے اور کہیں گی پہلی امتیں پچھلی امتوں سے کہ نہیں ہے تمہیں ہم پر کوئی فضیلت پس چکھو عذاب بوجہ اس کے جو تم کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ ان مشرکین سے جو افتراء پردازی کرتے رہے اور اس کی آیات کو جھٹلاتے رہے، فرمائے گا: ادْخُلُوْا فِيْۤ اُمَمٍ...... یعنی تم اپنے جیسی اور اپنی ہی صفات کی حامل جن وانس کی ان قوموں اور امتوں میں داخل ہو جاؤ جو تم سے پہلے گزریں۔ ان میں شامل ہو کر جہنم کی راہ لو۔ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ ''فِيْۤ اُمَمٍ'' سے بدل ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ''فِيْۤ اُمَمٍ'' میں ''فِيْ'' بمعنی ''مع'' ہو۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا جیسا کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا: ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (العنکبوت:25) ''پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور پھٹکار بھیجو گے ایک دوسرے پر''۔ اور جیسا کہ یہ ارشاد ہے: اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (البقرة:67-1661) ''جب بیزار ہو جائیں گے وہ جن کی تابعداری کی گئی ان سے جو تابعداری کرتے رہے اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور ٹوٹ جائیں گے ان کے تعلقات اور کہیں گے تابعداری کرنے والے کاش! ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا (دنیا میں) تو ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے وہ (آج) بیزار ہو گئے ہیں ہم سے یونہی دکھائے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کے (برے) اعمال کہ باعث پشیمانی ہوں گے ان کے لئے اور وہ (کسی صورت میں) نہ نکل پائیں گے آگ (کے عذاب) سے''۔

حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا...... جب وہ تمام دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو بعد میں داخل ہونے والے پیروکار اپنے ان متبوعین کے بارے میں کہیں گے جن کا جرم ان پیروکاروں سے زیادہ شدید اور بھیانک تھا اور وہ ان سے پہلے جہنم رسید ہو چکے ہوں گے، یہ پیروکار روز قیامت اللہ تعالیٰ سے اپنے متبوعین کا شکوہ کریں گے کہ وہی ان کی گمراہی کا سبب بنے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے دوگنے عذاب کی فرمائش کریں گے: رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ (الاحزاب:67-66) ''جس روز وہ منہ کے بل آگ میں پھینکے جائیں گے تو (بصد یاس) کہیں گے اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ تعالیٰ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسول اکرم کی۔ اور عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم نے پیروی کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑے لوگوں کی پس ان (ظالموں نے) ہمیں بہکا دیا سیدھی راہ سے۔ اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے''۔

قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے اور ہر ایک کو اس کے جرم کے مطابق سزا ہوگی جیسا کہ فرمایا: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا (النحل:88) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) روکا اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہم نے بڑھا دیا اور عذاب''۔ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (العنکبوت:13) ''اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور دوسرے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ''۔ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ (النحل:25) ''اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں وہ گمراہ کرتے رہتے ہیں جہالت سے''۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ...... یعنی متبوعین اپنے متبعین سے کہیں گے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں جس طرح ہم گمراہ تھے اسی طرح تم نے بھی گمراہی اختیار کی۔ اس لئے اب تم بھی اپنے اعمال بد کا مزہ چکھو۔ ان کی یہ حالت ایسی ہی ہے جیسا کہ اس آیت میں بیان کی گئی ہے، میدان محشر میں اس صورت حال سے دوچار ہوں گے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَاۗءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَ

جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (سبا: 33-31)'' کاش! تم (وہ منظر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کئے جائیں گے اپنے رب کے روبرو۔ اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ کہیں گے وہ لوگ جو (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار ہوتے۔ جواب دیں گے متکبران کمزوروں کو کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت (قبول کرنے) سے جب (نور ہدایت) تمہارے پاس آیا تھا، درحقیقت تم خود مجرم تھے۔ کہیں گے وہ کمزور لوگ ان مغروروں سے (یوں نہیں) بلکہ تمہارے شب و روز کے مکر و فریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسر بنائیں۔ اور دل ہی دل میں پچھتائیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو۔ اور ہم ڈال دیں گے طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر کیا (خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے) کیا انہیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو کیا کرتے تھے''۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ ۝ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ۝

''بے شک جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تکبر کیا ان سے نہ کھولے جائیں گے ان کے لئے آسمان کے دروازے اور نہ داخل ہوں گے جنت میں جب تک نہ داخل ہو اونٹ سوئی کے ناکہ میں اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں جرم کرنے والوں کو۔ ان کے لئے دوزخ کا ہی بچھونا ہو گا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا۔ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو''۔

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کے بارے میں بعض نے کہا ہے کہ نہ تو ان دروازوں سے ان کا کوئی عمل صالح بلند ہوتا ہے اور نہ کوئی دعا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان کی ارواح کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے روح فاجر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ فرشتے فاجر کی روح قبض کرنے کے بعد اسے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ آسمان تک جب اسے لیکر پہنچتے ہیں تو ملاء اعلیٰ کے جن فرشتوں کے پاس سے گزر ہوتا ہے تو وہ پوچھتے ہیں کہ یہ خبیث روح کس کی ہے؟ فرشتے اس کا سب سے زیادہ قبیح نام جس کے ساتھ وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا، لیکر بتائیں گے کہ یہ فلاں ہے، حتیٰ کہ وہ اس روح خبیثہ کو لیکر آسمان تک پہنچ جاتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں لیکن دروازہ نہیں کھولا جاتا پھر آپ ﷺ نے اسی آیت لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کی تلاوت کی۔ یہ اس طویل حدیث کا ایک حصہ ہے جسے ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء بن عازب سے مکمل روایت کی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ کے ساتھ جا رہے تھے۔ قبر تک پہنچے تو لحد ابھی تیار نہیں ہوئی تھی۔ آپ ﷺ وہاں بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ارد گرد بیٹھ گئے، ہم ایسے خاموش تھے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ ﷺ زمین کو کرید رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: ''عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو...... دو یا تین مرتبہ ایسا کہا۔ پھر فرمایا: جب مومن دنیا سے لاتعلق ہو کر آخرت کا رخ کرتا ہے تو آسمان سے اس پر اس قدر روشن چہرے والے فرشتے اترتے ہیں گویا کہ ان کے چہرے سورج ہیں۔ وہ جنت کا کفن اور جنت کی ہی خوشبو لئے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ تاحد نظر فرشتے ہی فرشتے ہوتے ہیں۔ پھر ملک الموت اس کے سرہانے آ کر بیٹھ

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4، صفحہ 239، سنن نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4، صفحہ 78، سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1 صفحہ 494

جاتا ہے اور کہتا ہے: اے نفس مطمئنہ! مغفرت خداوندی اور رضائے الٰہی کی طرف چل۔ یہ سنتے ہی وہ روح اس طرح نکل پڑتی ہے جس طرح مشک کے منہ سے پانی کے قطرے بہنے لگتے ہیں۔ روح نکلتے ہی ملک الموت اسے لے لیتا ہے اور پلک جھپکنے کی دیر بھی فرشتے اس روح کو نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ اسے جنتی کفن پہنا دیتے ہیں اور جنتی خوشبو لگاتے ہیں۔ یہ کستوری کی ایسی عمدہ خوشبو ہوتی ہے جو روئے زمین پر بہترین ہوسکتی ہے، پھر فرشتے اسے لیکر آسمان کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ ملاء اعلیٰ کے جن فرشتوں کے پاس سے بھی گزر ہوتا ہے وہ پوچھتے ہیں کہ یہ پاکیزہ روح کس کی ہے۔ فرشتے اس کا خوبصورت اور محبوب نام ذکر کر کے کہتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے، یہاں تک کہ اس روح کو لیکر آسمان تک پہنچ جاتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں۔ اس روح کے لئے آسمان کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ ہر آسمان کے فرشتے اسے اگلے آسمان تک رخصت کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ ساتویں آسمان تک اس روح کو لیکر جا پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کا نامہ اعمال علیین میں درج کرلو اور اسے واپس زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے بندوں کو اسی سے پیدا کیا ہے، اسی میں لوٹاتا ہوں اور اسی سے پھر زندہ کر کے نکالوں گا۔ اب اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں، اسے بٹھا کر سوال کرتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے، پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے، پھر وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کون شخص ہیں جنہیں تمہاری طرف مبعوث کیا گیا؟ وہ کہتا ہے کہ یہ تو اللہ کے رسول ہیں۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ تمہارا عمل کیا تھا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے کتاب اللہ پڑھی تھی، اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ اب آسمان سے ایک ندا آتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، اس کے لئے جنت کا بستر تیار کرو، جنت کا اسے لباس پہناؤ اور اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دو تاکہ جنت کی خوشبو اس تک پہنچتی رہے اور اس کی قبر تاحد نظر کشادہ ہوجاتی ہے۔ ایک خوبصورت خوش لباس مہکتی خوشبو والا آدمی اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہیں مبارک ہو، آج وہ وعدہ پورا کیا جاتا ہے جو دنیا میں تیرے ساتھ کیا جاتا رہا۔ وہ پوچھے گا کہ تم بھلائی لانے والے کون ہو؟ وہ کہے گا کہ میں تیرا عمل صالح ہوں۔ تو صاحب قبر کہے گا: اے رب! قیامت قائم کردے، اے رب! اسی وقت قیامت لے آتا کہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف لوٹ آؤں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جب ایک کافر دنیا سے منقطع ہوکر آخرت کا رخ کرتا ہے تو اس پر نہایت سیاہ چہروں والے فرشتے نازل ہوتے ہیں جن کے پاس ٹاٹ ہوتے ہیں۔ وہ تاحد نظر اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت اس کے سرہانے آکر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے خبیث روح! غضب الٰہی کی طرف نکل کر چل۔ لیکن وہ روح جسم کے اندر بکھر جاتی ہے تو ملک الموت اسے اس طرح کھینچتا ہے جس طرح سیخ بھیگی ہوئی اون سے نکالی جاتی ہے۔ فرشتے اس روح کو پکڑ لیتے ہیں اور ذرا دیر کے لئے بھی اسے نہیں چھوڑتے۔ یہاں تک کہ اسے ٹاٹ کے اندر لپیٹ لیتے ہیں، اس سے مردار کی سی سخت بدبو نکلتی ہے، فرشتے اسے لیکر آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں۔ ملاء اعلیٰ کے جن فرشتوں کے پاس سے گزرتے ہیں، وہ پوچھتے ہیں کہ یہ خبیث روح کیا ہے؟ وہ اس کا انتہائی قبیح نام لیکر بتاتے ہیں کہ یہ فلاں ابن فلاں ہے یہاں تک کہ اسے آسمان دنیا تک لے جاتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں لیکن آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے نامہ اعمال کو سب سے نچلی زمین کے نیچے سجین میں رکھ دو۔ اور اس کی روح کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ''وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (الحج: 31)'' اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ تعالیٰ کے

ساتھ تو اس کی حالت ایسی ہے گویا وہ گرا ہوا آسمان سے پس اچک لیا ہوا سے کسی پرندنے یا پھینک دیا ہوا سے ہوانے کسی دور جگہ میں''۔ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھا کر سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: افسوس! مجھے نہیں معلوم۔ پھر وہ پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے وہ ہائے ہائے کرتا کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم۔ پھر وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کون شخص ہیں جو تم میں مبعوث ہوئے۔ وہ اظہار تاسف کرتے ہوئے جواب دیتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ چنانچہ آسمان سے ندا آتی ہے کہ اس بندے نے جھوٹ بولا۔ اس کے لئے دوزخ کا فرش تیار کرو اور جہنم کا ایک دروازہ اس کی طرف کھول دو تاکہ اس کی حرارت اور باد سموم اس کی طرف آتی رہے۔ اس کی قبر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف کی پسلیوں میں پھنس جاتی ہیں۔ پھر اس کے پاس انتہائی بدصورت، بدلباس اور بدبودار شخص آتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ تجھے ناخوشگوار چیز کی بشارت ہو۔ آج تمہیں وہی ملنے والا ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ پوچھے گا کہ شر کی خبر لانے والا تو کون ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ تو صاحب قبر کہے گا کہ اے رب! قیامت قائم نہ کرنا (تاکہ دوزخ سے بچ جاؤں) (1)۔

ایک اور روایت میں مذکورہ حدیث کے علاوہ یہ الفاظ بھی ہیں کہ ''جب مومن کی روح نکلتی ہے تو زمین و آسمان کے تمام فرشتے اس پر درود بھیجتے ہیں۔ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ہر دروازے کے فرشتوں کی یہ دعا ہوتی ہے کہ اس کی روح بلند ہوتی رہے۔ کافر کی روح پر ایک ایسا فرشتہ مقرر ہوتا ہے جو اندھا، گونگا اور بہرہ ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایسا گرز ہوتا ہے کہ اگر پہاڑ پر مارا جائے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اسے مارا جاتا ہے تو وہ مٹی بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دوبارہ اسے پہلی شکل پر لے آتا ہے۔ پھر ایک اور ضرب لگتی ہے تو وہ چیخ اٹھتا ہے جسے سوائے جن وانس کے ہر مخلوق سنتی ہے۔ اب جہنم کا دروازہ اس پر کھول دیا جاتا ہے اور آگ کا بچھونا اس کے لئے تیار کیا جاتا ہے'' (2)۔ قریب قریب ایسی ہی ایک روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (3)۔ ابن جریج اس ارشاد: لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کے بارے میں کہتے ہیں کہ نہ ان کے اعمال بلند ہونے کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ ان کی ارواح کے لئے۔

وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ یعنی جس طرح سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزرنا محال ہے اسی طرح ان کا جنت میں داخل ہونا محال ہے۔ ''جَمَلُ'' کا معنی اونٹ ہے۔ حضرت ابن عباس اسے ''جُمَّل'' (جیم مضموم اور میم مشدد) پڑھتے۔ موٹے رسّے کو ''جُمَّل'' کہتے ہیں۔

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ...... ان کا بچھونا بھی جہنم کا ہوگا اور اوڑھنا بھی۔ ان ظالموں کی یہی سزا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 287-288 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 295-296

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد 1423-1424، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 364-365

"اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے (ہمارا قانون یہ ہے کہ) ہم تکلیف نہیں دیتے کسی کو مگر جتنی اس کی طاقت ہے وہ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور ہم نکال لیں گے جو کچھ ان کے سینوں میں کینہ ہے رواں ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں اور کہیں گے ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے راہ دکھائی ہمیں اس بہشت کی اور ہم ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے تھے اگر نہ ہدایت دیتا ہمیں اللہ تعالیٰ بے شک آئے ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ۔ اور ان (خوش نصیبوں) کو آواز دی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے وارث بنائے گئے ہو تم جس کے بوجہ ان عملوں کے جو تم کیا کرتے تھے۔"

بدبختوں کے ذکر کے بعد اب سعادت مندوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی وہ لوگ جو دل سے ایمان لائے اور اپنے اعضاء سے نیک اعمال کرتے رہے۔ یہ ان لوگوں کے برعکس ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا اور تکبر کی وجہ سے ان سے منحرف رہے۔ اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ ایمان اور عمل دشوار نہیں بلکہ بہت سہل ہیں اس لئے فرمایا: لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ......۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ "غِلّ" کا معنی ہے حسد اور بغض۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب مومنین آگ سے نجات پا جائیں گے تو انہیں جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا۔ وہاں دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے ان کے باہمی مظالم کا تصفیہ ہوگا، جب ان کے دل (رنجشوں اور کدورتوں سے) پاک صاف ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں داخل ہونے کا اذن ملے گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آدمی کو جنت میں اپنی منزل دنیاوی مسکن کی نسبت زیادہ سہل محسوس ہوگی" (1)۔ سدی کہتے ہیں کہ جنتیوں کو جب جنت کی طرف لے جایا جائے گا تو وہ جنت کے دروازے پر ایک درخت پائیں گے جس کے نیچے دو چشمے رواں ہوں گے۔ وہ ایک چشمہ سے پانی پئیں گے تو ان کے دلوں کی ساری کدورت جاتی رہے گی۔ یہی شراب طہور ہے۔ دوسرے چشمہ سے وہ غسل کریں گے تو نعمتوں کی شگفتگی اور تازگی ان کے چہروں پر ظاہر ہو جائے گی، پھر نہ کبھی ان کے بال پراگندہ ہوں گے اور نہ رنگ متغیر ہوگا (2)۔ اس قسم کی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ جس کا ذکر اس آیت وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا (الزمر: 73) "اور لے جایا جائے گا انہیں جو ڈرتے رہے تھے (عمر بھر) اپنے رب سے جنت کی طرف گروہ در گروہ"۔ کے تحت ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ میں، عثمان، طلحہ اور زبیر ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ۔ آپ رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! یہ آیت ہم اہل بدر کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر جنتی کو دوزخ کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت نہ دیتا تو میرا یہی ٹھکانا ہوتا۔ پھر اس پر شکر ادا کرتا ہے۔ اور ہر دوزخی کو جنت کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت نصیب کر دیتا تو یہ ٹھکانا میرا ہوتا۔ تو یہ چیز اس کے لئے حسرت کا باعث بن جاتی ہے" (4)۔ اس لئے اہل جنت کو ندا دی جائے گی کہ یہ ہے وہ جنت جس کا تمہیں وارث بنایا گیا ہے۔ یہ تمہارے اچھے اعمال کا بدلہ ہے۔ اعمال صالحہ کی ہی وجہ سے تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوئی اور جنت میں جلیل القدر مقام تمہیں حاصل ہوا اور تم نے حسب اعمال اپنا اپنا مرتبہ پا لیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت ہے۔ جس کے باعث تم جنت کے مستحق ٹھہرے ورنہ صرف اعمال جنت کا مستحق

1۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، جلد 3 صفحہ 167-168　2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 183　4۔ سنن نسائی، ابن مردویہ

نہیں بناتے۔ اس حدیث کا بھی یہی مفہوم ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خوب جان لو، تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں ہرگز داخل نہیں کر سکتا''۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ بھی نہیں؟ فرمایا، میں بھی نہیں، ہاں اس صورت میں جب اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی رحمت اور فضل و کرم فرما دے'' (1)۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۗ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

''اور آوازیں گے جنتی دوزخیوں کو بے شک ہم نے پا لیا جو وعدہ فرمایا تھا ہمارے ساتھ ہمارے رب نے سچا تو کیا تم نے بھی پایا جو وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے سچا وہ کہیں گے ہاں۔ تو پھر اعلان کرے گا ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان یہ کہ لعنت ہو اللہ کی ظالموں پر جو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے اور چاہتے ہیں اسے کہ ٹیڑھا ہو جائے اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں''۔

جب دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو جنتی انہیں بطور سرزنش اور زجر و توبیخ یہ ندا دیں گے کہ ہم نے تو اس وعدہ کو سچا پایا جو ہمارے رب نے ہمارے ساتھ کیا تھا، کیا تمہارے ساتھ جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا، تم نے سچا پایا، یہاں ''اَنْ'' مفسرہ ہے اور یہ قول محذوف کی تفسیر بیان کر رہا ہے اور قد تحقیق کے لئے آیا ہے۔ تو کافر جواب دیں گے کہ ہاں۔ جیسا کہ سورۂ صافات میں اس شخص کے متعلق فرمایا جس کا کوئی کافر ساتھی تھا: فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (الصافات: 59-54) ''پس جب اس نے جھانکا تو دیکھا اپنے یار کو جہنم کے وسط میں۔ جنتی بول اٹھے گا بخدا! تو تو مجھے ہلاک کرنا ہی چاہتا تھا۔ اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی (آج) پکڑ کر لائے جانے والوں میں سے ہوتا۔ (جنتی کہیں گے) کیا اب تو ہمیں مرنا نہیں ہو گا بجز اپنی پہلی موت کے اور نہ ہمیں (اب) عذاب دیا جائے گا''۔ یعنی یہ مومن اپنے کافر رفیق کی بات جو وہ دنیا میں کہا کرتا تھا، ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھے گا اور اسے اس پر سرزنش کرے گا، اسی طرح ملائکہ بھی دوزخیوں کو سرزنش کرتے ہوئے کہیں گے: هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْۤا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۗ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الطور: 16-14) ''(انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ کیا یہ (آگ) جادو کا (کرشمہ) ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آ رہی۔ اس میں (تشریف لے) چلو، اب چاہے صبر کرو یا نہ کرو۔ دونوں برابر ہیں تمہارے لئے تمہیں اسی کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے''۔ اسی طرح غزوۂ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے مقتولین کفار کو اس طرح ندا دی تھی: ''اے ابوجہل بن ہشام، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ...... آپ ﷺ نے سب سرداران قریش کا نام لیکر فرمایا۔ تمہارے رب نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا، کیا تم نے اسے سچا پایا؟ میرے ساتھ جو میرے رب نے وعدہ فرمایا تھا، میں نے تو اسے سچا پایا''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! آپ ایسے لوگوں سے خطاب فرما رہے ہیں جو مر چکے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو میں کہہ رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، لیکن وہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 122-123 صحیح مسلم، کتاب صفة القیامة والجنة والنار 2169

جواب نہیں دے سکتے" (1)۔

فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ .... ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ ظالموں اور کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔ ان کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں اللہ کے رستے اور انبیاء کی شریعت سے لوگوں کو روکتے ہیں اور ان کی شدید خواہش ہے کہ صراط مستقیم ٹیڑھا اور غیر مستقیم ہو جائے تا کہ کوئی بھی اس کی اتباع نہ کرے، مزید برآں ان ظالموں کا آخرت پر بھی کوئی ایمان نہیں۔ قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے منکر ہیں۔ انہیں نہ حساب کتاب کا خطرہ ہے اور نہ جہنم کا خوف، اسی وجہ سے یہ لوگ اپنی بداعمالیوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور نہ برائیوں کے ارتکاب سے ڈرتے ہیں، یہ بہت ہی برے لوگ ہیں۔

وَ بَیْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَ عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ كُلًّۢا بِسِیْمٰىهُمْ ۚ وَ نَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ۫ لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَ هُمْ یَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۷﴾

"اور ان دونوں (جنت و دوزخ) کے درمیان پردہ ہے اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو پہچانتے ہوں گے سب کو ان کی علامت سے اور وہ آواز دیں گے جنتیوں کو کہ سلامتی ہو تم پر (اور ابھی) جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور وہ جنت میں داخل ہونے کے خواہش مند ہوں گے۔ اور جب پھیری جائیں گی ان کی نگاہیں دوزخیوں کی طرف (تو) کہیں گے اے ہمارے رب! نہ کر تو ہمیں ظلم پیشہ لوگوں کے ساتھ"۔

اہل جنت اور اہل نار کی باہمی گفتگو کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک آڑ ہو گی جو دوزخیوں کو جنت تک پہنچنے سے روکے گی۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس "حِجَابٌ" (پردہ) سے مراد سور (دیوار) ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے: فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ (الحدید:13) "پس کھڑی کر دی جائے گی ان کے اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہو گا۔ اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہو گا"۔ اور "اَعْرَاف" بھی یہی ہے جس کے بارے میں فرمایا: وَ عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ۔ سدی کہتے ہیں کہ "حِجَابٌ" سے مراد سور ہے اور یہی "اَعْرَاف" ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "اَعْرَاف" سے مراد "حِجَابٌ" (پردہ) ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہے۔ سور اس کا دروازہ ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ "اَعْرَاف"، "عَرْف" کی جمع ہے۔ ہر بلند جگہ کو "عَرْف" کہتے ہیں۔ مرغ کی کلغی کو بلند ہونے کی وجہ سے "عُرْفُ الدِّیْكِ" کہتے ہیں (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "اَعْرَاف" سے مراد ہر بلند اور نمایاں چیز ہے اور یہاں اس کا معنی ہے مرغ کی کلغی کی طرح بلند دیوار۔ ایک اور روایت میں یہ معنی آپ سے منقول ہے کہ "اَعْرَاف" جنت اور دوزخ کے درمیان ایک ٹیلہ ہے، گنہگاروں کو یہاں روکا جائے گا۔ ایک اور روایت میں آپ سے منقول ہے کہ "اَعْرَاف" جنت اور دوزخ کے درمیان دیوار کو کہا جاتا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ "اَعْرَاف" کی وجہ تسمیہ یہ ہے اہل اعراف لوگوں کو پہچان لیں گے۔ اصحاب اعراف کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کون ہیں؟ اس بارے میں مفسرین کی تعبیرات اگرچہ مختلف ہیں لیکن معنی و مفہوم کے لحاظ سے قریب قریب

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 97-98، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ 2203
2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 413

ہیں یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور گناہ مساوی ہوں گے۔ حضرات ابن عباس، حذیفہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور دیگر بہت سے سلف اور خلف کا یہی قول ہے۔ ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ان لوگوں کے بارے میں دریافت کیا گیا جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہی تو اصحاب اعراف ہیں جو جنت میں داخل نہیں ہوں گے لیکن اس کی خواہش ضرور رکھیں گے'' (1)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہو جائیں گی، نیز اصحاب اعراف کے متعلق بھی دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ وہ نافرمان لوگ ہیں جو والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے نکلے اور قتل ہو گئے۔'' ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب اعراف کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے والدین کی نافرمانی کے ساتھ اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے۔ والدین کی نافرمانی انہیں دخول جنت سے مانع ہوگی اور اللہ کی راہ میں جہاد انہیں دوزخ سے مانع ہوگا'' (2)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں اصحاب اعراف کے متعلق یہ آتا ہے: ''یہ ایسے لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور گناہ مساوی تھے۔ ان کے گناہوں نے انہیں جنت میں جانے سے روکے رکھا اور ان کی نیکیاں انہیں دوزخ سے باز رکھنے کا سبب بنیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کرنے تک یہاں دیوار پر ٹھہرے رہیں گے (3)۔ شعبی کہتے ہیں کہ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن اور ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان اصحاب اعراف کے متعلق حقیقت کے برعکس گفتگو کر رہے تھے میں نے انہیں کہا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو میں تمہیں وہ بات بتا دیتا ہوں جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اصحاب اعراف کے متعلق ذکر کی ہے۔ انہوں نے کہا: ضرور بتائیں۔ میں نے جواب دیا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جن کی نیکیاں آگ سے خلاصی کا سبب بنیں اور جن کے گناہوں نے جنت سے انہیں باز رکھا۔

وَ اِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ...... وہ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا مانگتے رہیں گے، اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ ان پر جلوہ فرما ہوگا اور انہیں فرمائے گا: جاؤ، جنت میں داخل ہو جاؤ، میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کا حساب لیا جائے گا جس کی ایک نیکی بھی (گناہوں سے) بڑھ گئی وہ جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور جس کا (نیکیوں کی نسبت) ایک گناہ بھی زیادہ ہوا وہ دوزخ میں داخل ہوگا پھر آپ نے فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ (المومنون: 102) ''البتہ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے'' والی دو آیتیں پڑھیں۔ پھر فرمایا: میزان تو ایک دانہ کی مقدار کے فرق سے بھی اوپر اٹھ جائے گا اور نیچے جھک جائے گا۔ جس کی نیکیاں اور برائیاں مساوی ہوئیں وہ اصحاب اعراف میں سے ہے۔ انہیں پل پر کھڑا کر دیا جائے گا۔ وہاں یہ اہل جنت اور اہل نار کو پہچان لیں گے۔ جب جنتیوں کو دیکھیں گے تو انہیں ندا دیں گے کہ تم پر سلامتی ہو اور جب ان کی نظریں بائیں جانب پھیری جائیں گی تو اہل نار کو دیکھ کر کہیں گے: رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ وہ ان کی منازل سے اللہ کی پناہ مانگیں گے۔ اصحاب حسنات کو نور عطا کیا جائے گا، سامنے بھی نور ہوگا اور دائیں جانب بھی، اس کی رہنمائی میں وہ چلیں گے۔ ہر بندے کو بھی نور عطا کیا جائے گا اور ہر امت کو بھی۔ جب یہ پل صراط پر آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ہر منافق مرد اور عورت سے نور سلب کر لے گا۔ جب اہل جنت منافقین کی یہ حالت دیکھیں گے تو کہیں گے: رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا (التحریم: 8) ''اے ہمارے رب! مکمل فرما دے ہمارے لئے ہمارا نور''۔ لیکن اصحاب اعراف کا نور ان کے سامنے ہوگا، ان سے نور نہیں چھینا جائے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا: لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَ هُمْ يَطْمَعُوْنَ۔ طمع اور خواہش یہی ہوگی کہ انہیں بھی جنت میں داخل کر دیا

1۔ ابن مردویہ
2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 193
3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 190

جائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بندہ جب کوئی نیکی کرتا ہے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جب کوئی برائی کرتا ہے تو صرف ایک ہی لکھی جاتی ہے۔ وہ شخص برباد ہوا جس کی اکائیاں اس کی دہائیوں پر غالب آگئیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اعراف جنت اور دوزخ کے درمیان دیوار ہے۔ اصحاب اعراف یہاں ٹھہرے ہوئے ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دے گا تو انہیں ایک نہر کی طرف لے جایا جائے گا جس کا نام نہر حیات ہے، اس کے کنارے سونے کے ہیں جن پر موتی جڑے ہوئے ہیں اور اس کی مٹی کستوری ہے۔ انہیں اس نہر میں غسل دیا جائے گا یہاں تک کہ ان کے بدن درست ہو جائیں گے اور ان کی گردنوں پر ایک سفید روشن (تل جیسا) نشان ظاہر ہوگا جس سے معلوم ہوگا کہ یہ اصحاب اعراف ہیں۔ جب ان کے رنگ شگفتہ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ جس چیز کی تمنا ہو مانگ سکتے ہو۔ وہ اپنی خواہش ظاہر کریں گے۔ جب ان کی خواہش پوری ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ تمہاری تمنا پوری ہوئی اور اس کی مثل ستر گنا زیادہ تمہیں عنایت کیا جاتا ہے۔ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے لیکن وہ سفید نشان ابھی جوں کا توں ان کی گردنوں پر موجود ہوگا جس سے وہ پہچانے جائیں گے اور انہیں مساکین اہل جنت کا نام دیا جائے گا(1)۔ رسول اللہ ﷺ سے اصحاب اعراف کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جن کا سب سے آخر میں فیصلہ ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکے گا تو اصحاب اعراف سے فرمائے گا کہ تم ایسے لوگ ہوں کہ تمہاری نیکیوں نے تمہیں دوزخ سے بچالیا ہے لیکن وہ تمہیں جنت کا مستحق نہ بنا سکیں۔ تم میرے آزاد کردہ ہو۔ جاؤ، جہاں چاہو جنت میں عیش کرو۔'' بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اصحاب اعراف سے مراد ناجائز پیدا ہونے والے لوگ ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن جنات کو بھی ثواب و عقاب ہوگا۔ صحابہ نے ان کے ثواب اور ان کے مومنین کے متعلق آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومن جنات اعراف پر ہوں گے۔ یہ امت محمد ﷺ کے ساتھ جنت میں نہیں ہوں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اعراف کیا ہے؟ فرمایا: یہ جنت کی ایک دیوار ہے جس میں نہریں جاری ہیں اور اس میں درخت اور پھل بھی اگتے ہیں(2)۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اصحاب اعراف صلحاء فقہاء اور علماء لوگ ہیں(3)۔ ابومجلز آیت کریمہ وَ بَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد فرشتے ہیں جو اہل جنت اور اہل نار کو پہچانتے ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ .... اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ اور جب جنتی جنت میں داخل کئے جائیں گے تو کہا جائے گا: اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۔ یہ قول بہت غریب ہے اور ظاہر سیاق کے بھی خلاف ہے، اسی طرح مجاہد کا قول بھی غرابت سے خالی نہیں ہے۔ بہرصورت جمہور کا قول مقدم ہے اور اس کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔ قرطبی وغیرہ نے اصحاب اعراف کے بارے میں بارہ اقوال نقل کئے ہیں۔(4) کوئی کہتا ہے کہ اس سے مراد صلحاء ہیں، کسی کے نزدیک انبیاء اور کسی کے نزدیک ملائکہ۔

يَعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ اہل جنت کو چہروں کی سفیدی سے اور اہل نار کو چہروں کی سیاہی سے پہچان لیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ مقام اس لئے دیا ہے تاکہ وہ اہل جنت اور اہل نار کو پہچان لیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 191 | 2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 465

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 193 | 4۔ تفسیر قرطبی، جلد 7 صفحہ 211

وہ دوزخیوں کو چہروں کی سیاہی سے پہچان لیں گے اور اللہ سے پناہ مانگیں گے کہ وہ انہیں اس ظالم قوم میں سے نہ بنائے۔ یہاں وہ اہل جنت کو سلام کہیں گے۔ خود وہ اگرچہ جنت میں داخل نہیں ہوئے لیکن اس کی خواہش ضرور رکھتے ہیں اور وہ انشاء اللہ اس میں داخل ہوں گے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ اس آیت لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ طمع اس لئے رکھا ہے کہ اس کے ذریعے ان کی تکریم مقصود ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی خواہش سے آگاہ فرمادیا ہے۔

وَ اِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ......... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اہل اعراف دوزخیوں کو دیکھیں گے اور انہیں پہچان لیں گے تو دعا کریں گے: رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ سدی کہتے ہیں کہ جب دوزخی ان کے پاس سے گزریں گے تو وہ دعا کریں گے (1)۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ دوزخیوں کو دیکھنے کے باعث ان کے چہرے جھلس جائیں گے۔ پھر جب وہ اہل جنت کو دیکھیں گے تو یہ چیز جاتی رہے گی۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ وہ دوزخیوں کے چہروں کو سیاہ اور آنکھوں کو نیلا دیکھیں گے تو اللہ کے حضور دعا کریں گے: رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

''اور پکاریں گے اعراف والے ان لوگوں کو جنہیں وہ پہچانتے ہوں گے ان کی علامتوں سے (انہیں) کہیں گے نہ فائدہ پہنچایا تمہیں تمہارے جتھے نے اور (نہ اس ساز وسامان نے) جس کی وجہ سے تم غرور کیا کرتے تھے۔ (اے سرکشو!) کیا یہ (جنتی) وہی (نہیں) ہیں جن کے متعلق تم قسمیں اٹھایا کرتے تھے کہ نہیں عطا کرے گا انہیں اللہ اپنی رحمت سے۔ (دیکھو! انہیں تو حکم مل گیا ہے کہ) داخل ہو جاؤ جنت میں نہیں کوئی خوف تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے''۔

قیامت کے دن اہل اعراف مشرکین کے زعماء اور قائدین کو دوزخ میں ان کی علامات سے پہچان کر انہیں ملامت اور سرزنش کریں گے اور کہیں گے کہ تمہاری کثرت اور جمعیت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا، بلکہ تمہارا انجام یہی ہوا کہ تمہیں عبرتناک عذاب میں دھکیل دیا گیا ہے۔ کیا یہ (اہل اعراف) وہی نہیں ہیں جن کے متعلق تم (اے مشرکین!) یہ قسمیں اٹھایا کرتے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نہیں نوازے گا، ذرا دیکھو تو، انہیں تو جنت میں داخل ہونے کا حکم ہو رہا ہے: اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اصحاب اعراف کا اہل جنت اور اہل نار سے مکالمہ ہو گا تو اللہ تعالیٰ مالدار متکبرین (کفار) سے فرمائے گا: اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ...... حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب اعراف وہ لوگ ہیں جن کے اعمال برابر ہوں گے۔ نیکیاں انہیں جہنم سے مانع ہوں گی اور برائیاں جنت میں داخل ہونے سے رکاوٹ بن جائیں گی۔ انہیں اعراف پر ٹھہرایا جائے گا جہاں یہ اہل جنت اور اہل دوزخ کو ان کی علامات سے پہچان لیں گے، جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرما چکے گا تو انہیں طلب شفاعت کا اذن ہو گا۔ چنانچہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں اس لئے اپنے رب کے پاس ہماری سفارش کریں۔ وہ فرمائیں گے کہ کیا تمہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سوا کسی کو اپنے ہاتھ سے بنایا ہو،

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 197

اس میں اپنی روح پھونکی ہو، اس کے معاملہ میں اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے گئی ہو اور ملائکہ نے سجدہ کیا ہو؟ سب کہیں گے: نہیں۔ آپ فرمائیں گے کہ اس کے باوجود میں اللہ تعالیٰ کی کنہہ اور حقیقت سے آگاہ نہیں۔ میں تمہاری شفاعت نہیں کر سکتا، لیکن تم میرے بیٹے ابراہیم کے پاس جاؤ۔ سب اکٹھے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آجائیں گے اور شفاعت کا سوال کریں گے۔ آپ فرمائیں گے کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے علاوہ کسی کو اپنا خلیل بنایا ہو اور میرے سوا کسی کو اس کی قوم نے اللہ کی رضا کے لئے آگ میں ڈالا ہو؟ وہ کہیں گے: نہیں۔ آپ فرمائیں گے کہ پھر بھی میں کنہ ذات باری سے واقف نہیں ہوں، میں تمہاری سفارش نہیں کر سکتا، البتہ تم میرے بیٹے موسیٰ کی طرف جاؤ۔ وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر شفاعت کے خواستگار ہوں گے۔ وہ فرمائیں گے کہ کیا کوئی میرے سوا ہے جس کے ساتھ اللہ نے باتیں کی ہوں اور اپنا قرب بخشا ہو؟ وہ کہیں گے: نہیں۔ آپ فرمائیں گے کہ اس کے باوصف میں نہ تو حقیقت خداوندی سے آگاہ ہوں اور نہ میں تمہاری سفارش کر سکتا ہوں، لیکن تم عیسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر شفاعت کی درخواست کریں گے۔ آپ فرمائیں گے کہ کیا میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا کیا ہو؟ کیا کوئی ایسا ہے جس نے میرے سوا اللہ کے اذن سے مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو صحت یاب کیا ہو اور مردوں کو زندہ کیا ہو؟ جواب دیں گے: نہیں۔ آپ فرمائیں گے کہ مجھے تو اپنی فکر ہے۔ میں کنہ خداوندی سے واقف نہیں ہوں اور نہ ہی میں تمہاری سفارش کر سکتا ہوں۔ لیکن تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ پھر میری خدمت میں حاضر ہوں گے میں اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر مار کر کہوں گا: ''أَنَا لَهَا'' (میں ہی اس کا اہل ہوں)۔ پھر میں عرش الٰہی کے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا اور اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی ایسی حمد وثناء کی توفیق عطا فرمائے گا کہ ایسی ثنا کسی نے نہ سنی ہوگی۔ پھر میں سجدہ میں گر جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ، مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا، شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ پھر میں اپنا سر اٹھاؤں گا، پھر اپنے رب کی حمد وثناء کروں گا اور اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے فرمائے گا: اپنا سر اٹھاؤ، مانگو، تمہیں عطا کیا جائے گا، سفارش کرو، تمہاری سفارش قبول ہوگی۔ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا کہ اے پروردگار! میری امت کی مغفرت فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بخش دیا، یہ آپ ﷺ کی مرضی پر موقوف ہیں۔ اس مقام کو دیکھ کر ہر نبی اور ہر فرشتہ مجھ پر رشک کرے گا۔ یہی مقام محمود ہے۔ اب میں انہیں لیکر جنت کی طرف آؤں گا اور جنت کا دروازہ کھلواؤں گا۔ میرے لئے اور ان کے لئے جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔ انہیں ایک نہر کی طرف لے جایا جائے گا جسے نہر حیوان کہا جاتا ہے۔ اس کے دونوں کنارے موتیوں سے مرصع ہوں گے، اس کی مٹی کستوری ہوگی اور کنکر یاقوت کے ہوں گے اس نہر میں یہ لوگ نہائیں گے تو ان کے رنگ جنتیوں کے سے ہو جائیں گے اور اہل جنت کی سی خوشبو سے معطر ہو جائیں گے گویا کہ وہ چمکتے ہوئے ستارے ہیں لیکن ان کے سینوں پر سفید نشانات باقی رہیں گے جن سے ان کی پہچان ہو گی، انہیں مساکین اہل جنت کہا جائے گا(1)۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۟ۙ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَ مَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 199-200

یَجْحَدُوْنَ ﴿۵۰﴾

''اور آواز دیں گے دوزخی جنتیوں کو کہ انڈیلو ہم پر کچھ پانی یا جو کچھ دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے جنتی کہیں گے کہ اللہ نے حرام کر دی ہیں یہ دونوں چیزیں کافروں پر جنہوں نے بنا لیا تھا اپنے دین کو کھیل اور تماشہ اور فریب میں مبتلا کر دیا تھا انہیں دنیا کی زندگی نے سو آج ہم فراموش کر دیں گے انہیں جیسے بھلا دیا تھا انہوں نے اس دن کی ملاقات کو اور جس طرح وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے''

اللہ تعالیٰ دوزخیوں کی ذلت سے پردہ اٹھا رہا ہے کہ وہ جنتیوں سے طعام وشراب کا سوال کریں گے لیکن وہ انہیں کچھ نہیں دیں گے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی اپنے باپ سے بھائی سے کہے گا کہ میں تو اس آگ میں جل بھن گیا، تھوڑا سا پانی مجھ پر بہا دو تو جواب ملے گا: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے بہترین صدقہ پانی ہے، کیا تم نے نہیں سنا کہ اہل نار اہل جنت سے پانی کی فریاد کریں گے، کہیں گے: اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ...... ابوصالح سے روایت ہے کہ جب جناب ابوطالب بیمار ہوئے تو لوگوں نے انہیں کہا کہ تم اپنے بھتیجے سے کہو کہ وہ تمہیں جنتی انگوروں کا ایک خوشہ منگوا دیں، شاید اس سے شفا ہو جائے۔ قاصد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی حاضر تھے، آپ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ پھر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ کفار صرف دنیاوی زندگی میں ہی یقین رکھتے ہیں۔ دین کو انہوں نے کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ دنیا، اس کی زیب وزینت اور آرائش سے اس قدر فریب کھائے ہوئے ہیں کہ آخرت کی انہیں کوئی فکر ہی نہیں۔ آخرت کا سامان کرنے سے یہ بالکل غافل ہیں۔

فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ............ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا جو فراموش کئے گئے لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھول جائے، اس کے علم سے تو کوئی چیز مخفی نہیں جیسا کہ فرمایا: فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى (طٰہٰ:52) ''جو کتاب میں (مرقوم) ہے۔ نہ بھٹکتا ہے میرا رب اور نہ (کسی چیز کو) بھولتا ہے''۔ آیت کریمہ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا میں یہ بطور مقابلہ ومشاکلہ کہا گیا ہے جیسا کہ فرمایا: نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ (التوبۃ:67) ''انہوں نے بھلا دیا ہے اللہ کو تو اس نے بھی فراموش کر دیا ہے انہیں''۔ اور فرمایا: كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى (طٰہٰ:126) ''اسی طرح آئی تھیں تیرے پاس ہماری آیتیں سو تو نے انہیں بھلا دیا۔ اسی طرح آج تجھے فراموش کر دیا جائے گا''، وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا (الجاثیۃ:34) ''اور (انہیں) کہہ دیا گیا آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے فراموش کئے رکھا اپنے اس دن کی ملاقات کو''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ بھلائی کرنے کو فراموش کر دیا ہے اور انہیں عذاب دینا فراموش نہیں کیا۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم بھی انہیں اسی طرح ترک کر دیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات کو ترک کئے رکھا۔ مجاہد یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم انہیں آگ میں چھوڑ دیں گے۔ سدی کہتے ہیں کہ ہم انہیں اپنی رحمت سے ترک کر دیں گے جیسا کہ انہوں نے اس دن کی ملاقات کے لئے اعمال کو ترک کئے رکھا۔ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے سے پوچھے گا: کیا میں نے تمہیں بیوی نہیں عطا کی تھی؟ کیا میں نے تم پر اپنا کرم نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے تمہارے لئے گھوڑے، اونٹ اور مویشی مسخر نہیں کئے تھے، تو سرداری کرتا تھا اور خوشحال زندگی بسر کرتا تھا، وہ عرض کرے گا: کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھے یقین تھا کہ تیری میرے ساتھ ملاقات

ہو گی؟ وہ کہے گا: نہیں، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج میں بھی تمہیں اسی طرح فراموش کرتا ہوں جس طرح تم نے مجھے بھلائے رکھا(1)۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَاۗءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٥٣﴾

”اور بیشک لے آئے ہم ان کے پاس ایک کتاب جسے ہم نے واضح کر دیا ہے (اپنے) علم (کامل) سے دراں حالیکہ وہ ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایمان لاتے ہیں، کافر کس چیز کے منتظر ہیں؟ یہ کہ قرآن کی دھمکی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ جس روز ظاہر ہوگا اس کا انجام تو کہیں گے جو بھلائے ہوئے تھے اسے اس سے پہلے کہ بے شک لائے تھے ہمارے رب کے رسول حق (پیغام)، تو کیا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں تو وہ سفارش کریں ہمارے لئے یا ہمیں واپس بھیج دیا جائے تا کہ ہم عمل کریں اس کے برعکس جو ہم کیا کرتے تھے، بے شک انہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو اور گم ہو گیا ان سے جو وہ بہتان باندھا کرتے تھے“۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مبعوث فرما کر اور اپنی کتابیں نازل کر کے مشرکین کے لئے اتمام حجت کر دی اور ان کے تمام عذر ختم کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے مفصل کتاب عطا فرمائی جیسا کہ ارشاد ہے: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ (ہود: 1) ”یہ وہ کتاب ہے محفوظ و مستحکم بنا دی گئی ہیں جس کی آیتیں پھر ان کی وضاحت کر دی گئی ہے“۔

فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ یعنی ہم نے اپنے علم سے اس کی تفصیل بیان کی ہے جیسا کہ فرمایا: اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ (النساء: 166) ”کہ اس نے اسے اتارا ہے اپنے علم سے“۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق اس آیت ”كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ“ کے ساتھ ہے(2)۔ لیکن ان کا یہ قول غور طلب ہے۔ کیونکہ دونوں آیات کے درمیان طویل فاصلہ ہے اور اس قول پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ یہاں اصل بات تو یہ ہے کہ جب انہیں یہ بتا دیا گیا کہ وہ آخرت میں کیا خسارہ اٹھانے والے ہیں تو پھر اس بات کا ذکر کیا کہ دنیا میں رسول مبعوث کر کے اور کتابیں نازل کر کے ان کے تمام حیلے بہانے اور عذر ختم کر دیئے گئے جیسا کہ فرمایا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل: 15) ”اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو“۔ اسی نے فرمایا: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ کیا وہ اس عذاب، عبرتناک سزا، جنت یا دوزخ کا انتظار کر رہے ہیں جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ اس کا معنی بدلہ ہے۔ ربیع کہتے ہیں کہ یوم حساب آنے تک یہ بدلہ ملتا رہے گا یہاں تک کہ یوم حساب آئے گا اور جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اس وقت جزاء کا معاملہ ختم ہو جائے گا۔ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ...... جب قیامت کے دن انجام عیاں ہو جائے گا تو وہ لوگ جنہوں نے عمل کو ترک کر دیا تھا اور دنیا میں اس سے کلی طور پر انحراف کئے ہوئے تھے وہ کہیں گے کہ اللہ کے رسول حق لیکر آئے تھے۔ کیا اب ہمارے لئے کوئی سفارشی ہیں جن کی سفارش سے ہم اس ناگفتہ بہ صورت حال سے رہائی حاصل کر لیں۔ یا پھر ہمیں دنیا میں لوٹا دیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد 2279-2280، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 492 وغیرہ 2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 203

جائے تا کہ ہم اپنے سابقہ اعمال کے برعکس اعمال کریں جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۞ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (الانعام: 28-27) ''اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں سے بلکہ عیاں ہو گیا ان پر جسے چھپایا کرتے تھے پہلے اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے (جیسے ان کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں گے جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں''۔ اور یہاں فرمایا: قَدْ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ...... یعنی آگ کا دائمی عذاب مول لیکر انہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا اور ان کے معبودان باطلہ سب رفو چکر ہو گئے۔ وہ نہ تو ان کی سفارش کر سکتے ہیں، نہ امداد کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس اندوہناک حالت سے چھٹکارا دلا سکتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۫ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۞

''بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا عرش پر (جیسے اسے زیبا ہے) ڈھانکتا ہے رات سے دن کو درآں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے اور (پیدا فرمایا) سورج اور چاند اور ستاروں کو وہ سب پابند ہیں اس کے حکم کے۔ سن لو! اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''۔

اللہ تعالیٰ نے عالم سماوی اور عالم ارضی کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا جس کا ذکر متعدد آیات میں ہوا ہے۔ وہ چھ دن یہ ہیں: اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ۔ جمعہ کے روز ہی ساری مخلوق مجتمع ہوئی اور اسی دن آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ اب ان دنوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ دن ہمارے ان دنوں کی طرح تھے جیسا کہ فوراً ذہن میں اسی کا خیال آتا ہے یا وہ ہر ایک دن ہزار سال کا تھا جیسا کہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ روایت ہے۔ ہفتہ کے دن کچھ نہیں پیدا کیا گیا۔ اس دن چونکہ تخلیق منقطع ہو گئی تھی اس لئے اسے السبت (ہفتہ) کہتے ہیں اس کا لغوی معنی ہے منقطع کرنا۔ جہاں تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا تعلق ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جبکہ آپ ﷺ نے میرا (ابو ہریرہ) ہاتھ پکڑ رکھا تھا: ''اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن زمین کو پیدا کیا، اتوار کو اس میں پہاڑ پیدا کئے، پیر کو اس میں درخت پیدا کئے، منگل کو مکروہ چیزوں کی تخلیق کی، بدھ کو نور پیدا کیا، جمعرات کو اس میں تمام جانور پھیلا دیئے اور جمعہ کے دن عصر کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو عصر اور مغرب کے درمیان جمعہ کی آخری گھڑی میں پیدا فرمایا''(1)۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام سات ایام میں تخلیق کا عمل جاری رہا جبکہ آیت کریمہ میں چھ ایام کا ذکر ہے۔ اس لئے امام بخاری اور دوسرے حفاظ حدیث نے اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے اور یہ فیصلہ دیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کعب احبار سے یہ سنا ہوگا۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار 2149، 2150، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 327

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اس مقام پر لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ اس معاملہ میں ہمارا مسلک تو وہی ہے جو حضرات مالک، اوزاعی، ثوری، لیث، شافعی، احمد اسحاق بن راہویہ اور دوسرے متقدمین اور متاخرین علماء کا ہے اور وہ مسلک یہ ہے کہ جس طرح بیان ہوا ہے اس پر اسی طرح بغیر کیفیت اور تشبیہ بیان کئے اور بغیر صفات باری کا انکار کئے یقین کر لیا جائے۔ مشبہین کے ذہن میں فوری طور پر جو بات جاتی ہے، اللہ سے وہ بہت بعید ہے کیونکہ مخلوق میں سے کوئی چیز اس کے مشابہ اور مماثل نہیں وہ سمیع اور بصیر ہے۔ بلکہ حقیقت وہی ہے جو ائمہ حضرات نے کہا ہے۔ ان میں سے امام بخاری کے شیخ نعیم بن حماد خزاعی ہیں جنہوں نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیا، اس نے کفر کا ارتکاب کیا، اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا انکار کیا جس سے اس نے اپنی ذات کو متصف کیا ہے، وہ بھی کافر ہوا، اللہ اور اس کے رسول نے اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کی ہیں ان میں تشبیہ نہیں۔ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے وہ اوصاف جو آیات کریمہ اور احادیث صحیحہ میں وارد ہوئے ہیں اس طرح ثابت کئے جس طرح وہ جلال خداوندی کے لائق تھے اور اللہ تعالیٰ سے تمام نقائص کی نفی کر دی تو ایسا شخص راہ ہدایت کا مسافر ہے۔ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا یعنی رات کی تاریکی دن کی روشنی سے جاتی رہتی ہے اور دن کی روشنی رات کی تاریکی سے ختم ہو جاتی ہے۔ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو تیزی سے طلب کرتا ہے۔ اس میں تاخیر ممکن نہیں۔ بلکہ ایک کے رخصت ہونے کے فوراً بعد دوسرا چلا آتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۙ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۭ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسین: 40-37) ''اور دوسری نشانی ان کے لئے رات ہے۔ ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو یکلخت وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اور (یہ) آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف۔ یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے (اس) عزیز (اور) علیم (خدا) کا۔ اور (ذرا) چاند کو دیکھو ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لئے منزلیں، آخر کار ہو جاتا ہے کھجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند۔ نہ سورج کی یہ مجال کہ (پیچھے سے) چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کو یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے۔ اور سب (سیارے اپنے اپنے) فلک میں تیر رہے ہیں''۔ اسی لئے فرمایا: يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ۔ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ دونوں قریب المعنی ہیں یعنی ہر چیز اس کے زیر تصرف، اس کے حکم، مشیت اور ارادہ کے سامنے سرافگندہ ہے، اسی لئے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تمام بادشاہی اسی کی ہے اور اس میں تصرف بھی اسی کے ساتھ خاص ہے۔ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ یہ اس ارشاد کی طرح ہے: تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَاۗءِ بُرُوْجًا (الفرقان: 61) ''بڑی (خیرو) برکت والا ہے جس نے بنائے ہیں آسمان میں برج''۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جس شخص نے عمل صالح کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کیا بلکہ اپنی تعریف کی اس نے کفر کیا اور اس کا عمل ضائع ہو گیا اور جس شخص نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کوئی طاقت دے دی ہے تو اس نے وحی الٰہی کا انکار کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (1)۔ حضرت ابو الدرداء سے مروی ایک دعائے ماثورہ میں آتا ہے: ''اے اللہ! تیرے لئے ہی تمام کی تمام بادشاہی ہے، تیرے لئے ہی تمام تعریفیں خاص ہیں اور ہر امر تیری طرف لوٹتا ہے، میں تجھ سے ہر خیر کا خواستگار ہوں اور ہر شر سے تیری پناہ کی درخواست کرتا ہوں'' (2)۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 206 2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدعا 1264 وغیرہ

بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾

''دعا کرو اپنے رب سے گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آہستہ بے شک اللہ نہیں دوست رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو۔ اور نہ فساد پھیلاؤ زمین میں اس کی اصلاح کے بعد اور دعا مانگو اس سے ڈرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے بے شک اللہ کی رحمت قریب ہے نیکو کاروں سے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دعا کا طریقہ سکھا رہا ہے جو دنیا و آخرت میں ان کی بہتری کا سبب ہے۔ فرمایا: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً یعنی گڑگڑاتے ہوئے، سراپا عجز بن کر اور چپکے چپکے سے اپنے رب کو پکارو جیسا کہ فرمایا: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ (الاعراف: 205) ''اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں''۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ بلند آواز سے دعا مانگا کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اپنے اوپر ترس کھاؤ، تم نہ تو کسی بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ غائب کو۔ تم جس ذات کو پکارتے ہو وہ سمیع بھی ہے اور قریب بھی''(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً کا معنی بتاتے ہیں سرًا یعنی خاموشی اور چپکے سے۔ ابن جریر کہتے ہیں: ''تَضَرُّعًا'' یعنی طاعت الٰہی میں عاجزی، انکسار اور اپنے آپ کو فروتر جانتے ہوئے۔ اور ''خُفْيَةً'' کا مطلب ہے کہ خشوع قلب اور اس کی وحدانیت اور ربوبیت پر یقین کامل پیش نظر رہے۔ ریاکاری اور تصنع کے طور پر بلند آواز میں دعا نہ ہو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا کہ آدمی حافظ قرآن ہوتا لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی، ایک آدمی فقہ میں متبحر ہو جاتا لیکن لوگوں کو محسوس تک نہ ہوتا اور ایک آدمی اپنے گھر میں لمبی لمبی نمازیں پڑھتا، اس کے گھر میں مہمان بھی ہوتے تو بھی کسی کو پتہ نہ چلتا لیکن آج کل ہمیں ایسے لوگوں سے واسطہ پڑ رہا ہے جو خفیہ عبادت پر قادر ہونے کے باوجود علی الاعلان عبادت کرتے ہیں۔ پہلے مسلمان پوری کوشش اور دلجمعی سے دعا کیا کرتے تھے تو سوائے ان کے اور اللہ کے درمیان مناجات کے ان کے منہ سے کوئی آواز سنائی ہی نہیں دیتی تھی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اور اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک صالح بندے کے بارے میں فرمایا: اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا (مریم: 3) ''جب اس نے پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے''(2)۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ دعا میں چیخنا اور بلند آواز سے پکارنا مکروہ ہے۔ دعا میں تو عاجزی، انکسار اور خفاء کا حکم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والے کسی شخص کو پسند نہیں فرماتا خواہ وہ تجاوز دعا میں ہو یا کسی اور معاملہ میں۔ ابومجلز کہتے ہیں کہ تجاوز کا مطلب یہ ہے کہ (مثلاً) وہ مقامات انبیاء کے حصول کی دعا نہ کرے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کا بیٹا یہ دعا مانگ رہا ہے: اے اللہ میں تجھ سے جنت، اس کی نعمتیں، اس کے ریشمی کپڑوں کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ، اس کی زنجیروں اور بیڑیوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے بیٹے! تم نے تو خیر کثیر کا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے اور شر کثیر سے اس کی پناہ مانگی ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''عنقریب ایسے لوگ ہوں گے جو دعا میں حد سے تجاوز کر جایا کریں گے''۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''یہ وضو اور دعا میں حد سے تجاوز کریں گے''۔ پھر یہ آیت پڑھی اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا۔ تمہیں اس قدر دعا کافی ہے کہ تو کہے: یا اللہ! میں تجھ سے جنت اور ہر اس قول و فعل کا سوال کرتا ہوں جو جنت کے قریب کر دے اور تجھ سے دوزخ اور دوزخ کے قریب

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، جلد 8 صفحہ 101-102 صحیح مسلم، کتاب الذکر 2076 6۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 206-207

کرنے والے ہر قول وعمل سے تیری پناہ مانگتا ہوں (1)۔ حضرت عبداللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو یوں دعا مانگتے ہوئے دیکھا: ''اے اللہ! میں جنت میں دائیں جانب سفید محل کا تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ تو انہوں نے کہا: بیٹے! صرف جنت کا سوال کرو اور عذاب سے پناہ مانگو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''ایسے لوگ ہوں گے جو دعا اور وضو میں زیادتی سے کام لیں گے'' (2)۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا اللہ تعالیٰ اصلاح کے بعد زمین میں فساد برپا کرنے اور ہر ضرر رساں فعل سے منع فرما رہا ہے۔ کیونکہ جب امور صحیح سمت میں چل رہے ہوں، پھر اس کے بعد فساد کا شکار ہو جائیں تو یہ چیزیں بندوں کے لئے زیادہ نقصان کا باعث بنتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا اور اپنی عبادت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ خوف و رجا کے عالم میں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ اس کی بارگاہ میں اپنا دامن طلب پھیلاؤ۔ فرمایا: وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا یعنی اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور ثواب کی امید کرتے ہوئے، پھر فرمایا: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ یعنی اس کی رحمت ان نیکوکاروں کے انتظار میں ہے جو اس کے اوامر کی اتباع کرتے ہیں اور نواہی سے اجتناب کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ...... (الاعراف: 156) ''اور میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر سو میں لکھوں گا اس کو ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں ......'' یہاں قریبۃ ہونا چاہئے تھا لیکن قریب ذکر فرمایا حالانکہ اسم (رحمت) مونث ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ رحمت لفظ ثواب کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مضاف الیہ (اللہ) کا اعتبار کیا گیا ہے۔ مطر وراق کہتے ہیں کہ طاعت الٰہی کے سبب ان کے ساتھ اللہ کا کیا ہوا وعدہ ضرور پورا ہوگا کیونکہ یہ اس کا فیصلہ ہے کہ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝

''اور وہی خدا ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری سناتے ہوئے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے، یہاں تک کہ جب وہ اٹھا لاتی ہیں بھاری بادل تو ہم لے جاتے ہیں اسے کسی ویران شہر کی طرف پھر ہم اتارتے ہیں اس سے پانی پھر پیدا کرتے ہیں اس کے ذریعہ ہر قسم کے پھل، اسی طرح ہم نکالیں گے مردوں کو تا کہ تم نصیحت قبول کرو اور جو سرزمین عمدہ زرخیز ہے (کثرت سے) نکلتی ہے اس کی پیداوار اپنے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے نہیں نکلتی اس سے (پیداوار) مگر قلیل گھٹیا، اسی طرح ہم مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لئے جو شکر گزار ہے''۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرما دیا کہ وہی زمین و آسمان اور ہر چیز کا خالق ہے، وہی متصرف، حاکم اور مدبر ہے اور پھر دعا مانگنے کا طریقہ بھی سکھا دیا، تو اب اللہ تعالیٰ اس بات پر آگاہ فرما رہا ہے کہ وہی رزاق ہے اور وہ قیامت کے دن مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا، فرمایا: وَهُوَ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 77، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 172

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 24، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 55 وغیرہ

الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا یعنی وہ بارش برسانے والے بادلوں سے پہلے ہواؤں کو چاروں طرف پھیلا دیتا ہے۔ بعض نے ''نُشْرًا'' کی بجائے ''بُشْرًا'' پڑھا ہے جیسا کہ فرمایا: وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ (الروم: 46) ''اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو (بارش کا) مژدہ سناتے ہوئے''۔

بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ میں رحمت سے مراد بارش ہے جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ (الشوریٰ: 28) ''اور وہی ہے جو برساتا ہے مینہ اس کے بعد کہ لوگ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں اور پھیلا دیتا ہے اپنی رحمت کو اور وہی کارساز حقیقی (اور) سب تعریفوں کے لائق ہے''۔ اور فرمایا: فَانْظُرْ اِلٰۤی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (الروم: 50) ''پس (چشم ہوش سے) دیکھو رحمت الٰہی کی علامتوں کی طرف (تمہیں پتہ چلے گا) کہ وہ کیسے زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد۔ بیشک وہی خدا مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے''۔

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا یعنی جب ہوائیں بوجھل بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ یہ بادل وافر اور کثیر پانی کی وجہ سے بوجھل ہو جاتے ہیں اور زمین کی طرف جھک جاتے ہیں جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل کہتے ہیں: ''میں نے اپنا چہرہ اس ذات کے حضور جھکا دیا جس کے سامنے شیریں میٹھے پانی کو اٹھائے ہوئے بادل اور وزنی چٹانوں کو اٹھائے ہوئے زمین سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے (1)۔

سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ یعنی بنجر اور قحط زدہ زمین کی طرف ان بادلوں کو لے آتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۖۚ اَحْیَیْنٰهَا (یٰسین: 33) ''اور ایک نشانی ان کے لئے یہ مردہ زمین ہے۔ ہم نے اسے زندہ کر دیا''۔ اس لئے فرمایا: فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی یعنی جس طرح ہم اس زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندگی بخشتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن ہم ان اجسام میں زندگی لوٹا دیں گے جو بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے، اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا، چالیس دن تک زمین پر بارش برستی رہے گی، اس بارش کے سبب سے قبروں میں پڑے ہوئے اجسام اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح زمین میں دانہ اگتا ہے، اس مضمون کی متعدد آیات قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ احیاء الارض بعد الموت کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کئے جانے کے لئے بطور مثال بیان فرماتا ہے اسی لئے فرمایا: لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔

وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ یعنی زرخیز اور عمدہ زمین کی پیداوار جلدی اور عمدگی سے نکلتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا (آل عمران: 37) ''اور پروان چڑھایا اسے اچھا پروان چڑھانا''۔

وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا اس سے مراد شور والی، سیم زدہ اور سنگلاخ زمین ہے جس سے گھٹیا اور قلیل پیداوار ہوتی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مومن اور کافر کی مثال بیان کی گئی ہے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جو علم اور ہدایت دے کر مجھے مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال کثیر بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی۔ جو زمین زرخیز ہوتی ہے وہ پانی کو قبول کر لیتی ہے اور سبزہ اور پیداوار لاتی ہے۔ کچھ زمین بنجر ہوتی ہے جو پانی کو روک لیتی ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے، لوگ خود بھی پیتے ہیں اور کھیتوں کو سیراب کر کے زراعت بھی کرتے ہیں۔ اور کچھ زمین چٹیل ہوتی ہے جو نہ پانی کو روکتی ہے اور نہ کچھ اگاتی ہے۔ تو یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے دین سیکھا اور مجھے جس کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے،

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 231

اس سے استفادہ کیا، علم بھی حاصل کیا اور عمل بھی کیا، اور اس شخص کی مثال ہے جس نے اس سے بالکل استفادہ نہ کیا اور نہ اس ہدایت کو قبول کیا جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے (1)۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

"بے شک ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو انہوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اللہ کے سوا۔ بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آ جائے۔ ان کی قوم کے سرداروں نے کہا (اے نوح!) ہم دیکھتے ہیں تمہیں کھلی گمراہی میں۔ آپ نے کہا اے میری قوم! نہیں ہے مجھ میں ذرا گمراہی بلکہ میں تو رسول ہوں سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے۔ پہنچاتا ہوں تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور نصیحت کرتا ہوں تمہیں اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے"۔

حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ اور ان کے متعلقات کو سورت کے اوائل میں ذکر کرنے کے بعد اب دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے قصص کا آغاز ہوتا ہے۔ ابتداء حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر سے ہوتی ہے کیونکہ آپ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے رسول ہیں جنہیں اس دنیا میں مبعوث کیا گیا۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے: نوح بن لامك بن متوشلح بن اخنوح "ادریس علیہ السلام اور آپ نے ہی فن کتابت ایجاد کیا"۔ "بن برد بن مهليل بن قنين بن يانش بن شيث بن آدم عليهم السلام۔ محمد بن اسحاق وغیرہ نے آپ علیہ السلام کا یہ نسب بیان کیا ہے۔ سوائے ان انبیاء کے جنہیں شہید کیا گیا کسی نبی نے بھی حضرت نوح علیہ السلام جیسی تکالیف نہیں اٹھائیں۔ یزید رقاشی کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام اپنے آپ پر بہت نوحہ کرتے تھے اس لئے نوح نام پڑ گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس صدیاں گزری ہیں۔ اس عرصہ میں یہ تمام لوگ اسلام پر کاربند رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ پہلے پہل اصنام پرستی کا رواج یوں ہوا کہ صالح لوگ مر گئے تو ان کے معتقدین نے ان کی قبور پر مساجد بنا لیں اور ان کی تصویریں بنا کر مسجدوں میں رکھ لیں تاکہ انہیں دیکھ کر ان کی یاد تازہ ہوتی رہے، وہ ان جیسی عبادت کرتے رہیں اور ان کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ جب کچھ زمانہ گزر گیا تو انہوں نے ان تصویروں کے مجسمے بنا لئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان مجسموں کی پوجا ہونے لگی۔ ان کے نام بھی انہوں نے صالحین کے نام پر رکھ لئے یعنی ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر وغیرہ۔ جب (بت پرستی) کا یہ معاملہ بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعے لوگوں کو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کا حکم دیا: يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ......۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ آپ کی قوم کے زعماء قائدین اور سربر آوردہ لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا کہ تم ہمیں جو اصنام کی

1۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 30، صحیح مسلم، کتاب الفضائل 1787-1788

عبادت سے روک رہے ہو، اس میں ہم تمہیں کھلی گمراہی اور غلطی پر دیکھ رہے ہیں۔ فُجار کا یہی حال ہے کہ انہیں نیکوکار گمراہی میں ہی دکھائی دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ (المطففین: 32) ''اور جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں''، وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَيْهِ ؕ وَ اِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِيْمٌ (الاحقاف: 11) ''اور کفار اہل ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف۔ اور کیونکہ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوئی قرآن سے تو یہ اب ضرور کہیں گے کہ (اجی) یہ تو وہی پرانا جھوٹ ہے''۔ اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ...... حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ رب العالمین کا فرستادہ ہوں، وہی ہر چیز کا رب اور مالک ہے۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ...... رسول کی یہی شان ہوا کرتی ہے کہ وہ مبلغ فصیح و بلیغ، ناصح و خیر خواہ اور عالم من اللہ ہوتا ہے، مخلوق میں سے کوئی بھی ان صفات میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا جس طرح صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے عرفہ کے دن فرمایا جہاں لوگوں کا ایک جمع غفیر تھا: ''لوگو! تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ لوگوں نے کہا: ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کردیا، اپنا فرض پورا کردیا اور نصیحت کردی۔ آپ اپنی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور پھر نیچے لوگوں کی طرف کرکے کہتے: اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا''(1)۔

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

''کیا تم تعجب کرتے ہو اس پر کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعہ جو تم میں سے ہے تاکہ وہ ڈرائے تمہیں (غضب الٰہی سے) اور تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے پھر بھی انہوں نے جھٹلایا نوح کو تو ہم نے نجات دی ان کو اور جو آپ کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے غرق کردیا ان (بدبختوں) کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو بے شک وہ لوگ دل کے اندھے تھے''۔

یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ یہ تو کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ اس نے تم پر لطف و کرم اور احسان فرماتے ہوئے تم میں سے ایک آدمی کو وحی کا متحمل بنایا تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے اور تم اللہ کے عذاب سے ڈرنے لگو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

فَكَذَّبُوْهُ لیکن وہ آپ علیہ السلام کی تکذیب اور مخالفت میں انتہا کو پہنچ گئے۔ سوائے چند ایک کے کوئی بھی ان میں سے ایمان نہ لایا جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر اس کا ذکر ہوا ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ ہم نے نوح علیہ السلام کو اور آپ کے ان ساتھیوں کو بچا لیا جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج 890

وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا جیسا کہ فرمایا: مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا (نوح:25) ''اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرض کر دیا گیا پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا۔ پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار''۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ یہ لوگ حق کو دیکھنے سے اندھے تھے، نہ یہ حق کو دیکھ سکتے تھے اور نہ اس کی طرف راہ پا سکتے تھے۔ اس قصہ میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کی خاطر اپنے دشمنوں سے انتقام لیا، اپنے رسول اور مومنین کو نجات بخشی اور کفار کو ہلاکت میں ڈال دیا، جیسا کہ ارشاد ہے: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا (المومن:51) ''بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی''۔ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ آخر کار غلبہ، فلاح اور فتح متقین کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح اس نے قوم نوح کو غرق کر کے ہلاک کر دیا اور حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے مومن ساتھیوں کو بچا لیا۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ قوم نوح اس قدر تھی کہ میدان اور پہاڑ ان سے تنگ پڑ گئے تھے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس قوم کو عذاب دیتا ہے زمین ان سے بھری ہوئی ہوتی ہے اور زمین کا کوئی ایسا ٹکڑا نہیں ہوتا جس کا کوئی مالک نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ نجات یافتہ اسی لوگ تھے۔ ایک ان میں سے جرہم تھا جس کی زبان عربی تھی۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۶۵ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۶۶ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۷ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝۶۸ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۗ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۶۹

''اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا کیا تم نہیں ڈرتے۔ کہنے لگے وہ سردار جو کافر تھے آپ کی قوم سے کہ (اے ہود!) ہم تو خیال کرتے ہیں کہ تم نرے نادان ہو اور ہم گمان کرتے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔ ہود (علیہ السلام) نے کہا اے میری قوم! نہیں مجھ میں ذرا نادانی بلکہ میں تو رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے۔ پہنچاتا ہوں تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور میں تو تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں جو دیانتدار ہو۔ کیا تم تعجب کرتے ہو کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعے جو تم میں سے ہے تاکہ وہ ڈرائے تمہیں (عذاب الٰہی سے) اور یاد کرو جب اس نے بنا دیا تمہیں جانشین قوم نوح کے بعد اور بڑھا دیا تمہیں جسمانی لحاظ سے قد و قامت میں تو یاد کرو اللہ (تعالیٰ) کی نعمتوں کو شاید تم کامیاب ہو جاؤ''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے قوم نوح کی طرف نوح کو بھیجا اسی طرح قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو رسول بنا کر بھیجا۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد تھے۔ میں کہتا ہوں کہ یہی قوم عادِ اُولیٰ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ یہ عاد بن ارم کی اولاد تھے جو عالیشان مکانات میں رہتے تھے جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ

الْعِمَادِ ﴿﴾ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ (الفجر:8-6) ''کیا آپ نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد ارم کے ساتھ۔ جو اونچے ستونوں والے تھے۔ نہیں پیدا کیا گیا جن کا مثل (دنیا کے) ملکوں میں''۔ یہ ان کی زبردست قوت اور طاقت کی دلیل تھی جیسا کہ فرمایا: فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ (حم السجدہ:15) ''پس قوم عاد نے تو سرکشی اختیار کی زمین میں ناحق۔ اور کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوی ہے۔ اور وہ (تو) ہمیشہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے''۔ ان کی رہائش گاہیں یمن میں احقاف کے مقام پر تھیں یہ ریگستانی پہاڑی علاقہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرموت کے کسی آدمی سے پوچھا کہ کیا تم نے سرزمین حضرموت کے فلاں فلاں مقامات پر سرخ رنگ کا ٹیلہ دیکھا ہے جس میں سرخ رنگ کی مٹی ملی ہوئی ہے اور اس کے فلاں فلاں کناروں پر پیلو اور بیری کے درخت ہیں، کیا تم نے وہ جگہ دیکھی ہے؟ وہ کہنے لگا: جی ہاں، امیر المومنین! اللہ کی قسم! آپ ایسے شخص کی طرح اس کا وصف بیان کر رہے ہیں جس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ فرمایا: میں نے دیکھا تو نہیں، البتہ اس کے بارے میں مجھے بتایا گیا ہے۔ وہ شخص پوچھنے لگا کہ اس میں کیا ہے؟ فرمایا: اس میں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے(1)۔ اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ قوم ہود کے مساکن یمن میں تھے اور حضرت ہود علیہ السلام کو یہاں دفن کیا گیا۔ آپ حسب ونسب کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ اور افضل تھے اور آپ کا خاندان سب سے زیادہ شریف تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اشرف اور اعلیٰ قبائل سے رسول مبعوث فرماتا ہے، لیکن آپ علیہ السلام کی قوم جس طرح جسمانی لحاظ سے بہت قوی اور شدید تھی اسی طرح ان کے دل بھی بہت سخت تھے اور سب امتوں سے بڑھ کر انہوں نے حق کی تکذیب کی، اس لئے ہود علیہ السلام نے انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت، اطاعت اور تقوی کی دعوت دی۔ جونہی یہ دعوت کانوں میں پڑی وہ بھپر گئے اور آپ کی قوم کے کافر سردار اور زعماء آپ سے کہنے لگے کہ تم نادانی اور گمراہی کا شکار ہو، اس لئے کہ تم ہمیں اپنے بتوں کی عبادت سے منحرف کرنا چاہتے ہو اور ایک خدا کی عبادت کا پابند کرنا چاہتے ہو۔ ایک الہ کی بات ان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ قریش کے زعماء کو بھی ان کی طرح ایک معبود پر بڑا تعجب ہوتا تھا، وہ کہتے تھے: اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (ص:5) ''کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا''۔

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ .... یعنی جس طرح تم گمان کرتے ہو حقیقت اس طرح نہیں بلکہ میں تو ہر چیز کے خالق و مالک اور رب کی طرف سے تمہارے پاس حق لیکر آیا ہوں۔ میں اللہ کے پیغامات تم تک پہنچا رہا ہوں، میں تمہارا خیر خواہ بھی ہوں اور دیانتدار بھی۔ یہی وہ صفات (تبلیغ، نصیحت اور امانت) ہیں جن سے رسول متصف ہوتے ہیں۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ ...... یعنی تم اس بات پر تعجب نہ کرو کہ اللہ نے تمہیں میں سے ایک رسول اس لئے بھیجا تا کہ وہ تمہیں خبردار کرے، بلکہ تمہیں تو اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ ...... یعنی تم اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو یاد کرو کہ اس نے تمہیں نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے بنایا جن کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے تمام مخالفین اور جھٹلانے والوں کو نیست و نابود کر دیا اور مزید نعمت تم پر یہ کی کہ تمہیں جسمانی لحاظ سے قد و قامت اور قوت و جاہت میں تمہیں بے مثال بنا دیا جیسا کہ قصہ طالوت میں ہے: وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (البقرۃ:247) ''اور زیادہ دی ہے

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 217

اسے کشادگی علم میں اور جسم میں''۔

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ ...... ''اَلآءَ''، ''ال'' اور ''الی'' کی جمع ہے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝

''وہ کہنے لگے (اے ہود!) کیا تم اس لئے آئے ہو ہمارے پاس کہ ہم عبادت کریں ایک اللہ کی اور چھوڑ دیں ان (معبودوں) کو جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا۔ سو لے آؤ ہم پر وہ (عذاب) جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو۔ ہود (علیہ السلام) نے کہا واجب ہو گیا تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب کیا، تم جھگڑا کرتے ہو مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (حالانکہ) نہیں اتاری اللہ نے ان کے لئے کوئی سند، سو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔ پھر ہم نے نجات دے دی ہود کو اور جو ان کے ہمراہ تھے اپنی خاص رحمت سے اور ہم نے کاٹ کر رکھ دی جڑ ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور نہ تھے وہ ایمان لانے والے''۔

اللہ تعالیٰ قوم ہود کی سرکشی، تمرد، عناد اور انکار کے بارے میں آگاہ فرما رہا ہے، انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام سے کہا:

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ ...... کفار قریش نے بھی ایسا ہی کہا تھا: وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (الانفال: 32) ''اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب''۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ وہ بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے ان کے بتوں کے نام یہ تھے: صداء، صمود اور ہباء(1)۔ اس لئے ہود علیہ السلام نے فرمایا: قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ یعنی تمہاری اس ہرزہ سرائی کے باعث تم پر عذاب الٰہی اور غضب خداوندی واجب ہو گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ ''رِجْسٌ'' رجز (عذاب) سے مقلوب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا معنی ناراضگی بتاتے ہیں۔

اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ ...... یعنی کیا تم میرے ساتھ ان اصنام کے بارے میں جھگڑتے ہو جنہیں تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے معبودان کا نام دے رکھا ہے، حالانکہ یہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کی تمہیں کوئی سند اور دلیل دی ہے۔ اس لئے فرمایا: مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ...... اس میں رسول کی طرف سے قوم کو زبردست دھمکی اور وعید ہے، چنانچہ اس کے فوراً بعد فرمایا: فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ...... اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ان کی ہلاکت کا نقشہ کھینچا ہے کہ ان پر ایک

2۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 217-220، تفسیر التحریر والتنویر، جلد 8 صفحہ 211-212 از طاہر بن عاشور

سخت ہوا بھیجی گئی جس نے ہر چیز کو نیست و نابود کر دیا۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ (الحاقۃ: 8-6) ''رہے عاد، تو انہیں برباد کر دیا گیا آندھی سے جو سخت سرد، بے حد تند تھی۔ اللہ نے مسلط کر دیا اسے ان پر (مسلسل) سات رات اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑنے والی تھی تو تو دیکھتا قوم عاد کو ان دنوں کہ وہ گر پڑے ہیں۔ گویا وہ مڈھ ہیں کھوکھلی کھجور کے۔ کیا تمہیں نظر آتا ہے ان کا کوئی باقی ماندہ فرد''۔ جب انہوں نے سرکشی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نہایت تند و تیز ہوا مسلط کر کے ہلاک کر دیا۔ ہوا انہیں زمین سے اٹھا کر فضا میں لے جاتی پھر وہاں سے زمین پر سر کے بل پٹخ دیتی اور اس طرح ان کا سر دھڑ سے الگ ہو جاتا، اسی لئے فرمایا: كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ لوگ یمن میں عمان اور حضر موت کے درمیان آباد تھے۔ اس کے علاوہ وہ ساری زمین میں دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور انہوں نے وہاں کے مکینوں کو اپنی بے پناہ خداداد قوت کے طفیل مغلوب کر لیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جو ان میں خاندانی شرافت اور ذاتی سعادت و وجاہت کے باعث ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ وہ ایک خدا کو مانیں، اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں اور لوگوں پر ظلم کرنے سے باز آجائیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور الٹا جھٹلانے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر کون طاقتور ہے، صرف چند ایک سعادت مند تھے جنہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی اتباع کی وہ بھی اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔ جب اس قوم نے اللہ تعالیٰ پر سرکشی کی، اس کے نبی کو جھٹلایا، زمین میں فساد بپا کرنے لگے، تکبر کرنے لگے اور بلا ضرورت بڑے بڑے محل بنانے لگے تو حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں سمجھاتے ہوئے فرمایا: اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ (الشعراء: 131-128) ''کیا تم تعمیر کرتے ہو ہر اونچے مقام پر ایک یادگار بے فائدہ۔ اور اپنی رہائش کے لئے بناتے ہو مضبوط محلات اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑے ظالم و بے درد بن کر گرفت کرتے ہو۔ پس (اب تو) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو''۔ آپ علیہ السلام کی قوم کہنے لگی: يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ہود: 56-53) ''اے ہود! نہیں لے آیا تو ہمارے پاس کوئی دلیل اور نہیں ہیں ہم چھوڑنے والے اپنے خداؤں کو تمہارے کہنے سے اور نہیں ہیں ہم تجھ پر ایمان لانے والے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ مبتلا کر دیا ہے تجھے ہمارے کسی خدا نے دماغی خلل میں۔ ہود نے کہا میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان بتوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو اس کے سوا، پس سازش کر لو میرے خلاف سب مل کر پھر مجھے مہلت نہ دو۔ بلاشبہ میں نے بھروسہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کوئی جاندار بھی ایسا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر (چلانے والا) ہے''۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب یہ کفر پر بضد رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تین برس تک بارش روک لی۔ اس کی وجہ سے وہ سخت مشکل سے دوچار ہو گئے۔ اس زمانہ میں جب وہ کسی آفت میں مبتلا ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے کشادگی مطلوب ہوتی تو وہ بیت اللہ شریف میں اللہ تعالیٰ کی حرمت کا واسطہ دے کر دعا کرتے تھے۔ یہ ان کا معروف دستور تھا۔ اس دور میں ان کی قوم کے کچھ لوگ (عمالیق) مکہ میں آباد تھے

اور یہ عملیق بن لاوذ بن سام بن نوح کی اولاد تھے۔ ان دنوں وہاں اس قبیلہ کا سردار معاویہ بن بکر نامی شخص تھا۔ اس کی ماں کا تعلق قوم عاد سے تھا، جس کا نام جلهده بنت خیبری تھا۔ چنانچہ قوم عاد نے تقریباً ستر افراد پر مشتمل ایک وفد حرم شریف کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ وہاں بارش کی دعا کریں۔ یہ لوگ مکہ کے باہر معاویہ بن بکر کے پاس ٹھہرے۔ ایک مہینہ اس کے پاس قیام کیا۔ وہاں شراب پیتے اور دو مغنیہ لونڈیوں کے گیت سنتے۔ جب ان کا قیام طویل ہو گیا تو معاویہ کو قوم عاد کی فکر لاحق ہوئی کہ وہ تو قحط سالی کے باعث مر رہے ہیں لیکن شرم کی وجہ سے انہیں روانہ ہونے کے لئے بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس نے چند شعر کہے جن میں ان کے رخصت ہو جانے کی تعریض تھی۔ اس نے اپنی مغنیات سے یہ شعر گانے کو کہا: اشعار کا ترجمہ یہ ہے:۔

سن، اے قیل! اٹھ، تجھ پر افسوس! جا کر دعا مانگ، شاید اللہ تعالیٰ ہم پر برسنے والے بادل بھیج دے اور سرزمین عاد کی پیاس بجھا دے کیونکہ شدت پیاس کی وجہ سے نوبت یہ آ گئی ہے کہ عاد کے افراد درست طریقے سے بات بھی نہیں کر سکتے، ہمیں نہیں امید کہ کسی بڑے اور چھوٹے میں زندگی کی رمق موجود ہو۔ ان کی عورتیں خوشحالی کی زندگی بسر کر رہی تھیں لیکن اب وہ بھی بھوک اور پیاس کی وجہ سے بے سدھ پڑی ہیں جنگلی جانور کھلے عام ان کی بستیوں میں آ گھستے ہیں اور انہیں کوئی خطرہ ہی نہیں کہ وہ کسی عاد کے فرد کے تیر کا نشانہ بن جائیں گے، لیکن تم ہو کہ تمہارے تو شب و روز شہوات کی نذر ہو رہے ہیں۔ ایسے وفد پر لعنت، بہت منحوس وفد ہے۔ نہ انہیں سلام ہو اور نہ آداب (1)۔

یہ سن کر ان لوگوں میں اپنے مقصد کا احساس بیدار ہوا۔ وہ حرم شریف پہنچے اور وہاں اپنی قوم کے لئے دعا کی۔ اس وفد کا سربراہ قیل بن عتر تھا۔ خدا کی قدرت کہ تین بادل (سفید، سیاہ اور سرخ) ظاہر ہوئے، پھر آسمان سے قیل کو ندا آئی کہ ان بادلوں میں سے جو چاہے اپنی قوم کے لئے منتخب کر لے۔ اس نے کہا کہ میں سیاہ بادل پسند کرتا ہوں کیونکہ اس سے زیادہ بارش برستی ہے۔ پھر ندا آئی کہ تو نے تو راکھ اور خاک کو پسند کیا ہے۔ یہ عاد کے کسی فرد کو باقی نہیں رکھے گا۔ یہ نہ تو باپ کو چھوڑے گا اور نہ بیٹے کو، سوائے بنی لوذیہ کے سب کو برباد کر کے رکھ دے گا۔ بنو لوذیہ عاد کا ایک قبیلہ تھا جو مکہ میں آباد تھا، ان پر یہ وبال نہ پڑا۔ باقی ساری قوم عاد تباہ ہوگئی۔ قوم عاد کی نسل سے باقی بچ جانے والے یہی بنی لوذیہ تھے جنہیں عاد اُخریٰ (ثانی) کہا جاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ سیاہ بادل بھیجا جو قیل نے منتخب کیا تھا۔ یہ مغیث نامی وادی سے اٹھا۔ لوگ اس دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ تو بارش برسانے والا بادل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٤﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ (الاحقاف: 24) ''(نہیں نہیں!) بلکہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کے لئے تم جلدی مچا رہے تھے۔ (یہ تند) ہوا ہے اس میں دردناک عذاب ہے۔ تہس نہس کر کے رکھ دے گی ہر چیز کو''۔ کہتے ہیں کہ اس بادل کے اندر جو کچھ تھا، سب سے پہلے اسے جس نے پہچانا اور معلوم کیا کہ اس میں ہوا ہے وہ ایک قوم عاد کی ممید نامی عورت تھی، جب اسے بادل کی حقیقت سے آگاہی ہوئی تو وہ چیختے ہوئے بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جب وہ ہوش میں آئی تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تم نے کیا دیکھا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے ہوا دیکھی ہے جس کے اندر آگ ہے اور کچھ لوگ اس آگ کے شعلوں کو کھینچ رہے ہیں، چنانچہ سات دن اور آٹھ راتیں متواتر اللہ تعالیٰ نے اس ہوا کو ان پر مسلط کئے رکھا، اور ان میں سے کوئی بھی ہلاکت سے نہ بچ سکا۔ حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے مومن ساتھی الگ تھلگ ہو کر ایک پناہ گاہ میں بیٹھ گئے۔ ہوا نے انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچائی۔ انہیں تو ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا مس کرتی اور روحوں کو تازگی اور فرحت بخشتی لیکن قوم عاد پر یہ طوفان بادو باراں سنگباری کرتا تھا اور انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا (2)۔ اس قصہ کا

3۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 218-219 ایضاً، صفحہ 219-217

سیاق عجیب وغریب ہے، پھر بھی یہ کثیر فوائد کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ (ہود: 58) ''اور جب آ گیا ہمارا حکم تو ہم نے نجات دے دی ہود کو اور جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ بوجہ اپنی رحمت کے اور ہم نے نجات دیدی انہیں سخت عذاب سے''۔ حارث بکری سے روایت ہے کہ میں علاء بن حضرمی کی شکایت لیکر رسول اللہ ﷺ کے پاس جا رہا تھا۔ جب میں ربذہ (جگہ کا نام) کے پاس سے گزرا تو وہاں بنو تمیم کی ایک بڑھیا کو دیکھا جو ان سے الگ ہوگئی۔ اس بڑھیا نے مجھے کہا: اے اللہ کے بندے! مجھے رسول اللہ ﷺ سے ایک کام ہے، کیا تم مجھے آپ ﷺ تک پہنچا دو گے؟ میں نے اسے سواری پر بٹھا لیا۔ جب مدینہ شریف پہنچا تو مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ سیاہ جھنڈا پھڑ پھڑا رہا تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تلوار اٹھائے کھڑے تھے۔ میں نے پوچھا کہ لوگ کیوں جمع ہیں؟ جواب ملا کہ حضور ﷺ حضرت عمرو بن العاص کی زیر قیادت ایک لشکر بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں بیٹھ گیا۔ جب حضور ﷺ اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے تو میں نے حاضری کی اجازت مانگی، مجھے اجازت مل گئی۔ میں حاضر خدمت ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہارے اور بنو تمیم کے درمیان کوئی رنجش ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، لیکن زیادتی ان کی ہے۔ میں آپ کے پاس آ رہا تھا کہ بنو تمیم کی ایک بڑھیا کے پاس سے گزرا جو ان سے الگ رہ گئی تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دو۔ یہ دروازہ پر کھڑی ہے۔ اسے بھی حاضر ہونے کا اذن مل گیا۔ وہ بھی اندر داخل ہوگئی۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمارے اور بنو تمیم کے درمیان ایک آڑ بنا دیجئے۔ یہ سن کر وہ بڑھیا غیرت میں آ گئی اور برافروختہ ہو کر بولی: یا رسول اللہ! پھر آپ کے پاس آنے والے پریشان حال اور مجبور کس کے پاس جائیں گے؟ میں نے کہا کہ میری مثال تو اس ضرب المثل کی سی ہے کہ بکری اپنی موت کو خود کھینچ لائی۔ میں اس بڑھیا کو سوار کر کے لایا، مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ یہ میری دشمن ثابت ہو گی۔ میں اس بات سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پناہ مانگتا ہوں کہ وفد عاد کے سردار کی طرح بن جاؤں۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا۔ حالانکہ آپ ﷺ بہتر جانتے تھے کہ اس کا کیا قصہ ہے؟ چونکہ آپ ﷺ سننے کے خواہش مند تھے اس لئے میں نے عرض کی: جب قوم عاد قحط کا شکار ہوگئی تو انہوں نے قیل کی قیادت میں ایک وفد روانہ کیا، وہ مکہ آ کر معاویہ بن بکر کے پاس ایک مہینہ ٹھہرا رہا۔ شراب نوشی کرتا اور جرادہ نامی دو مغنیات کے گیت سنتا جب ایک مہینہ گزر گیا تو وہ مہرہ کی پہاڑیوں کی طرف نکلا اور یہ دعا کی: اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں کسی مریض کی صحت یابی کے لئے دعا کی خاطر نہیں آیا اور نہ کسی قیدی کو چھڑانے کے لئے فدیہ کا خواستگار ہوں۔ اے اللہ! قوم عاد پر بارش برسا۔ چنانچہ تین بادل اس کے پاس سے گزرے۔ ان میں سے ندا آئی کہ کوئی بادل منتخب کر لو۔ اس نے ان میں سے سیاہ ابر کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اسے اس میں سے آواز آئی کہ اسے لے لو، اس میں تو راکھ ہے۔ یہ بادل قوم عاد کے کسی فرد کو نہیں باقی رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انگوٹھی کے دائرہ کی مقدار ان پر ہوا بھیجی جس نے سب کا قلع قمع کر دیا۔ عربوں میں یہ دستور ہو گیا کہ جب وہ کسی غرض کے لئے کسی شخص یا وفد کو روانہ کرتے تو اسے کہتے کہ قوم عاد کے وفد کی طرح نہ ہو جانا (1)۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی

1۔ تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ ذاریات، جلد 9 صفحہ 161-162، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 482 وغیرہ

الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۷۴ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۷۵ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۷۶ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷۷ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝۷۸

''اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا۔ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا۔ بے شک آ چکی ہے تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے، یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لئے نشانی ہے پس چھوڑ دو اس کو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے برائی سے ورنہ پکڑ لے گا تمہیں عذاب دردناک۔ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے بنایا تمہیں جانشین عاد کے بعد اور ٹھکانا دیا تمہیں زمین میں تم بناتے ہو اس کے میدانی علاقوں میں عالیشان محل اور تراشتے ہو پہاڑوں میں مکانات، سو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ کہا ان سرداروں نے جو تکبر کیا کرتے تھے ان کی قوم سے ان لوگوں کو جنہیں وہ کمزور و ذلیل سمجھتے تھے جو ان میں سے ایمان لائے تھے کیا تم یقین رکھتے ہو کہ صالح رسول ہے اپنے رب کی طرف سے۔ انہوں نے کہا بیشک ہم اس پر جسے دیکر انہیں بھیجا گیا ہے ایمان لانے والے ہیں۔ کہنے لگے وہ لوگ جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو اس چیز کے جس پر تم ایمان لائے ہو منکر ہیں۔ پس انہوں نے کونچیں کاٹ ڈالیں اس اونٹنی کی اور انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے اور کہا اے صالح! لے آؤ ہم پر اس (عذاب) کو جس کا تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا اگر تم اللہ کے رسولوں سے ہو پھر آ لیا انہیں زلزلہ کے جھٹکوں نے تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے''۔

حضرت ثمود کا سلسلہ نسب یہ ہے: ثمود بن عاثر بن ارم بن سام بن نوح۔ آپ جدیس بن عاثر کے بھائی ہیں، اسی طرح قبیلہ طسم بھی۔ ان تمام قبائل کا تعلق عرب عاربہ (عرب قدیم) سے تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہوئے۔ قوم ثمود قوم عاد کے بعد ہوئی۔ حجاز اور شام کے درمیان وادی قری اور اس کے اطراف تک ان کے مساکن مشہور ہیں۔ نبی کریم ﷺ سنہ 9ھ کو تبوک جاتے ہوئے ان کے دیار اور مساکن پر سے گزرے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب سمیت یہاں ٹھہرے تو آپ نے ثمود کی حجر نامی بستی میں قیام کیا۔ لوگوں نے ان چشموں میں سے پانی پیا جن سے قوم ثمود پیتی تھی، اسی پانی سے آٹا گوندھا اور یہی پانی ہانڈیوں میں ڈالا، تو نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ہانڈیاں بہا دیں اور گندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیں، پھر آپ ﷺ اپنے صحابہ سمیت کوچ کر کے اس چشمہ پر اترے جہاں سے ناقہ ثمود پانی پیتی تھی اور آپ ﷺ نے اس قوم کے پاس جانے سے منع فرما دیا جن پر اللہ کا قہر نازل ہوا آپ نے فرمایا: ''مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قوم ثمود کی طرح تم بھی مبتلائے عذاب نہ ہو جاؤ اس لئے ان پر داخل نہ

ہونا'' (1)۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے حجر کے مقام پر یہ فرمایا تھا: ''اس عذاب رسیدہ قوم کے پاس سے نہ گزرنا مگر روتے ہوئے۔ اگر رو نہیں سکتے تو ان پر داخل ہی نہ ہونا ورنہ تم بھی ان جیسے عذاب کا شکار ہو جاؤ گے'' (2)۔ مسند احمد میں ہے کہ غزوہ تبوک کو جاتے ہوئے لوگ تیزی سے اہل حجر کی طرف روانہ ہوئے تا کہ وہاں قیام کریں۔ حضور نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے یہ اعلان کروا دیا کہ نماز تیار ہے۔ ابو کبشہ کہتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا اور آپ فرمار ہے تھے کہ تم اس قوم کے پاس کیوں جا رہے ہو جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔ ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! ہم ان پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں اس سے بھی بڑھ کر تعجب خیز بات نہ بناؤں: تم میں سے ایک آدمی (خود رسول اللہ) تمہیں ماضی کی بھی خبر دے رہا ہے اور مستقبل کی بھی۔ اس لئے سیدھے ہو جاؤ اور اپنے آپ کو درست کر لو۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں اگر تم پر عذاب آ جائے اور عنقریب ایک قوم آنے والی ہے جو اپنے آپ سے کسی چیز کو ٹال نہیں سکیں گے'' (3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حجر کے مقام سے گزرے تو آپ نے فرمایا: ''معجزات اور نشانیاں نہ مانگو، قوم صالح نے معجزہ مانگا تھا تو انہیں اونٹنی ملی جو ایک رستہ سے آتی اور دوسرے رستہ سے جاتی۔ انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ ایک دن یہ ان کے چشمے کا پانی پیتی اور دوسرے دن یہ سب اس کا دودھ پیتے لیکن انہوں نے جب اسے مار ڈالا تو ایک سخت کڑک نے انہیں آ لیا اور وہ تمام کے تمام ہلاک ہو گئے سوائے ایک آدمی کے جو حرم شریف کے اندر تھا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ کون تھا؟ فرمایا: ابو رغال۔ وہ بھی جب حرم سے باہر نکلا تو اسے بھی اس عذاب نے گھیر لیا (4)۔

اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا...... یعنی ہم نے قبیلہ ثمود کی طرف اس کے بھائی صالح کو رسول بنا کر بھیجا۔ انہوں نے بھی اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی تمام انبیاء کرام اسی کی دعوت دیتے رہے جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء: 25) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو''۔ اور فرمایا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: 36) ''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ...... یعنی میری رسالت کی صداقت پر دلیل تمہارے پاس آ چکی ہے۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا تھا۔ خود ہی تجویز دی کہ فلاں چٹان سے جو حجر کے ایک طرف اکیلی چٹان تھی جس کا نام کاتبہ تھا، دس ماہ کی گابھن اونٹنی نکلے جو دودھ بھی دیتی ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے یہ عہد و پیمان لے لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے یہ نشانی ظاہر کر دی تو انہیں ایمان لانا ہوگا اور اتباع کرنا ہوگی جب انہوں نے یہ وعدہ کر لیا تو حضرت صالح علیہ السلام دعا کے لئے اٹھے۔ دعا کی تو وہ چٹان حرکت میں آ گئی، پھر وہ پھٹ گئی اور اس کے اندر سے کشادہ پیٹ والی مضبوط اونٹنی نمودار ہو گئی، بچہ جس کے پہلوؤں میں حرکت کر رہا تھا، بالکل اسی طرح جس طرح انہوں نے مطالبہ کیا تھا۔ یہ دیکھ کر ان کا سردار جندع بن عمرو اور اس کے ماتحت لوگ ایمان لے آئے۔ ثمود کے بقیہ اشراف نے بھی ایمان لانا چاہا لیکن ذؤاب بن عمرو بن لبید، حباب (منتظم بت خانہ) اور رباب بن

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 117
2۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 118 صحیح مسلم، کتاب الزہد 2285-2286، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 74
3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 231
4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 296

صمعر بن جلیس نے انہیں منع کر دیا۔ جندع کا ایک چچازاد بھائی شہاب بن خلیفہ بھی ایمان لانا چاہ رہا تھا یہ بھی زعماء ثمود میں سے تھا لیکن ان تینوں نے اسے بھی باز رکھا۔ ان لوگوں کے کہنے سے اس نے بھی ایمان لانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس کے متعلق مومنین ثمود میں سے ایک آدمی نے یہ شعر کہے۔ اس مومن کا نام مھوش بن عثمہ بن ذمیل تھا۔ اشعار کا ترجمہ یہ ہے: آل عمرو کے کچھ لوگوں نے ثمود کے معزز رئیس شہاب کو دین نبی کی طرف بلایا تھا اور اس نے اس دعوت کو قبول کر لینے کا ارادہ بھی کر لیا تھا۔ اگر وہ ایمان لے آتا تو صالح علیہ السلام طاقتور ہو جاتے لیکن آل حجر کے گمراہوں نے ہدایت کے بعد اسے گمراہ کر دیا(1)۔ وضع حمل کے بعد اونٹنی اور اس کا بچہ ایک عرصہ تک اس قوم میں رہے۔ ایک دن اونٹنی چشمہ سے پانی پیتی اور دوسرے دن سب لوگوں کی باری ہوتی۔ جس دن پانی پینے کی اونٹنی کی باری ہوتی اس دن یہ اونٹنی کا دودھ پیتے اور جس قدر چاہتے اس کے دودھ سے اپنے برتن بھر لیتے جیسا کہ فرمایا: وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَیْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ (القمر: 28) ''اور انہیں آگاہ کر دیجئے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان۔ سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں''۔ اور فرمایا: هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ (الشعراء: 155) ''یہ ایک اونٹنی ہے ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقرر دن تمہاری باری ہے''۔ وہ وہاں وادی کے اندر چرتی، ایک رستہ سے جاتی اور دوسرے سے واپس آتی تاکہ لوگوں کو آمدورفت میں آسانی ہو کیونکہ پانی پی کر اس کی کوکھیں باہر نکل آتی تھیں اور اس کا جسم بہت موٹا تازہ، فربہ، ضخیم اور پر ہیبت تھا۔ جب وہ جانوروں کے پاس سے گزرتی تو وہ ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوتے۔ جب ایک طویل عرصہ گزر گیا اور وہ حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب میں حد سے تجاوز کر گئے تو انہوں نے اونٹنی کو قتل کرنے کا عزم مصمم کر لیا تاکہ ہر روز چشمہ کے پانی سے استفادہ کر سکیں۔ تمام نے اونٹنی کے قتل پر اتفاق کیا۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ قاتل کے ساتھ تمام لوگوں نے حتیٰ کہ پردہ نشیں عورتوں اور بچوں نے بھی اتفاق کیا کہ وہ قتل پر راضی ہیں۔ اس آیت کریمہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے: فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۪ۙ فَدَمْدَمَ عَلَیْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا (الشمس: 14) ''پھر بھی انہوں نے جھٹلایا رسول کو اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ پس ہلاک کر دیا انہیں ان کے رب نے ان کے گناہ (عظیم) کے باعث اور سب کو پیوند خاک کر دیا''۔ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا (بنی اسرائیل: 59) ''اور ہم نے دی تھی قوم ثمود کو ایک اونٹنی جو روشن نشانی تھی پس انہوں نے زیادتی کی اس پر''۔ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ (الاعراف: 77) ''پس انہوں نے کونچیں کاٹ ڈالیں اس اونٹنی کی'' چونکہ وہ سب اس قتل پر راضی تھے اس لئے تمام کی طرف اس کی نسبت کی۔ ابن جریر وغیرہ فرماتے ہیں کہ اونٹنی کو قتل کرنے کا سبب یہ تھا کہ ان میں عنیزہ بنت غنم نامی ایک بڑھیا کافرہ تھی۔ اس کی کنیت ام عثمان تھی۔ اسے حضرت صالح علیہ السلام سے شدید عداوت تھی۔ اس کی بیٹیاں بھی بہت خوبصورت تھیں اور مال و دولت بھی بہت تھا۔ اس کا خاوند ذواب بن عمرو رؤسائے ثمود میں سے تھا۔ ایک اور صدوف بنت محیا نامی بہت خوبصورت اور مالدار عورت تھی۔ یہ ایک مسلمان کی بیوی تھی لیکن اپنے شوہر سے الگ ہوگئی تھی۔ ان دونوں شریر عورتوں نے ناقہ کے قاتل سے وعدے کر رکھے تھے۔ صدوف نے ایک حباب نامی سے وعدہ کیا کہ وہ اس کی ہے بشرطیکہ وہ ناقہ کو قتل کر دے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے یہ پیشکش اپنے چچازاد مصدع بن مہرج سے کی۔ اس نے قبول کر لی۔ عنیزہ نے قدار بن سالف کو بلایا۔ یہ نیلے سرخ رنگ کا کوتاہ قامت شخص تھا اور یہ حرامی تھا۔ اصل میں اس کا باپ صنیان تھا لیکن سالف کے گھر پیدا ہونے کی وجہ سے اسی کا بیٹا مشہور ہو گیا۔ اس عورت نے اس بدبخت کو یہ پیشکش کی کہ اونٹنی کو قتل کرنے کی صورت میں میری بیٹیوں میں سے جو چاہے گا میں تجھے دینے کے لئے تیار ہوں چنانچہ قدار

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 226

بن سالف اور مصدع بن مہرج نے کچھ اور اوباش لوگوں کو اپنی ناپاک سازش میں شریک کرلیا۔ سات آدمی ان کے پیروکار بن گئے۔ اور ان کی کل تعداد نو ہوگئی۔ یہی وہ نو ہیں جن کے بارے میں ارشاد ہوا: وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا يُصْلِحُوْنَ (النمل: 48) ''اور اس شہر میں نو شخص تھے جو فتنہ وفساد برپا کیا کرتے تھے اس علاقہ میں اور اصلاح کی کوئی کوشش نہ کرتے)۔ یہ سب اپنی اپنی قوم کے سردار تھے۔ انہوں نے ایک کافر قبیلہ کو اپنے ساتھ ملا لیا وہ بھی ان کے ساتھ ہو لئے۔ تمام کے تمام اپنے منصوبے کی تکمیل کے لئے نکلے اور ناقہ کی تاک میں بیٹھ گئے اور چشمہ سے اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ ناقہ کے رستہ میں واقع ایک چٹان کے پیچھے قدار گھات لگا کر بیٹھ گیا اور دوسری چٹان کے پیچھے مصدع۔ جب اونٹنی مصدع کے پاس سے گزری تو اس نے اس پر تیر چلایا جو اس کی پنڈلی میں لگا۔ اسی اثناء میں عنیزہ نکلی اور اپنی سب سے خوبصورت بیٹی کو لے آئی جس نے اپنے چہرہ سے پردہ ہٹا کر اپنے حسن و جمال کی نمائش کی۔ قدار اس سے متاثر ہو کر تلوار لیکر اٹھا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں، وہ زمین پر گر پڑی، اس نے اپنے بچے کو ہشیار رہنے کی تلقین کی غرض سے ایک چیخ ماری پھر اس بدبخت نے اس کے سینہ پر نیزہ مار کر اسے ذبح کر دیا۔ اونٹنی کا بچہ بھاگ کر ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور ایک سخت چیخ ماری۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نے کہا تھا: اے رب! میری ماں کہاں ہے؟ کہتے ہیں کہ اس نے تین دفعہ چیخ ماری اور پھر چٹان کے اندر داخل ہو کر غائب ہو گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان بدبختوں نے اس بچے کو بھی قتل کر ڈالا۔ جب حضرت صالح علیہ السلام تک یہ خبر پہنچی تو آپ وہاں تشریف لائے، وہ لوگ وہاں ہی جمع تھے۔ جب آپ نے اونٹنی کو دیکھا تو رونے لگے اور فرمایا: تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ (ہود: 65) ''لطف اٹھا لو اپنے گھروں میں تین دن تک''۔ جس دن انہوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا وہ بدھ کا دن تھا۔ جب شام ہوئی تو ان نو بدبختوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کا عزم کر لیا اور کہنے لگے کہ اگر یہ سچا ہے تو ہم اپنے انجام سے پہلے ہی اس کا کام تمام کر دیتے ہیں اور اگر یہ جھوٹا ہے تو ہم اسے اونٹنی کے پاس ہی بھیج دیتے ہیں، اس بارے میں ارشاد ہوتا ہے: قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ (النمل: 51-49) ''انہوں نے کہا آؤ اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کر لیں کہ شب خون مار کر صالح اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے۔ پھر کہہ دیں گے اس کے وارث سے کہ ہم تو (سرے سے) موجود ہی نہ تھے جب انہیں ہلاک کیا گیا اور (یقین کرو) ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔ اور انہوں نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی اور وہ سمجھ ہی نہ سکے (ہماری تدبیر کو) تم (خود ہی) دیکھ لو کیا (ہولناک) انجام ہوا ان کے مکر کا''۔ جب اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا انہوں نے عزم کر لیا اور سب اس پر متفق ہو گئے تو رات کے وقت اللہ کے نبی کو قتل کرنے کے لئے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ناہنجاروں پر پتھروں کی بارش نازل کر دی جس سے وہ اپنی قوم سے قبل ہی اپنے بھیانک انجام کو پہنچے۔ مہلت کا پہلا دن جمعرات کا دن تھا۔ اس دن جب صبح اٹھے تو حضرت صالح علیہ السلام کے فرمان کے مطابق ان کے چہرے پیلے ہو چکے تھے۔ مہلت کے اگلے دن جمعہ کو ان کے چہرے سرخ ہو گئے۔ تمتع دنیاوی کا تیسرا دن ہفتہ تھا۔ اس روز سب کے چہرے سیاہ ہو گئے اتوار کی صبح کو جب یہ لوگ اٹھے تو خوشبو لگا کر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرنے لگے۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ ان کا کیا حشر ہونے والا ہے اور نہ ہی یہ جانتے تھے کہ عذاب کی کیفیت کیا ہوگی۔ جب سورج طلوع ہوا تو آسمان سے ایک سخت کڑک نے انہیں آ گھیرا اور نیچے زمین میں ایک خوفناک زلزلہ پیدا ہوا۔ روحیں نکل گئیں اور یک لخت تمام کے تمام بے جان، بے سدھ لاشے بن گئے: فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ۔ ان میں سے کوئی بھی باقی نہ بچا، نہ چھوٹا نہ بڑا، نہ مرد نہ عورت۔ کہتے ہیں کہ ایک کلبہ بنت سلق

نامی عورت بچ گئی جسے ذریعہ کہا جاتا ہے۔ یہ کافرہ تھی اور حضرت صالح علیہ السلام کی شدید دشمن تھی۔ جب اس نے عذاب دیکھا تو تیز رفتاری سے بھاگنے لگی۔ ایک قبیلہ کے پاس آئی اور انہیں اپنی قوم کی سرگزشت سے آگاہ کیا۔ پھر ان سے پینے کے لئے پانی مانگا، جب اس نے پانی پیا تو مرگئی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ قوم ثمود میں سے سوائے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے متبعین کے کوئی بھی نہ بچا۔ ان کا ایک آدمی ابو رغال عذاب کے وقت حرم شریف میں مقیم تھا، اس لئے عذاب سے محفوظ رہا۔ جب ایک دن وہ حرم سے باہر نکلا تو ایک پتھر اس کو لگا اور اس کا کام تمام ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ ابو رغال طائف کے قبیلے ثقیف کا جد اعلیٰ تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ ابو رغال کی قبر کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون ہے؟'' صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''یہ قوم ثمود کے ایک فرد ابو رغال کی قبر ہے، یہ اس وقت حرم میں تھا۔ حرم نے اس سے عذاب کو روکے رکھا جب یہ (حرم سے) نکلا تو اپنی قوم جیسے عذاب سے دوچار ہوا۔ اسے یہاں دفن کر دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کی سونے کی چھڑی بھی یہاں مدفون ہے۔ لوگوں نے تلواروں کے ساتھ اس کی قبر کھودنے کے بعد اس چھڑی کو نکال لیا۔ اس قسم کی ایک اور روایت بھی ہے (1)۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

''تو (صالح) نے منہ پھیر لیا ان کی طرف سے اور (بصد حسرت) کہا اے میری قوم! بیشک پہنچا دیا میں نے تم کو پیغام اپنے رب کا اور میں نے خیر خواہی کی تمہاری لیکن تم تو پسند ہی نہیں کرتے (اپنے) خیر خواہوں کو''

یہ حضرت صالح علیہ السلام کی طرف سے اپنی قوم کو سرزنش ہے کہ وہ مخالفت، سرکشی، قبول حق سے انکار اور ہدایت سے انحراف کی وجہ سے اس شدید عذاب سے دوچار ہوئے۔ وہ (ہلاک شدہ لوگ) سن رہے تھے اس لئے آپ نے انہیں زجر و توبیخ اور سرزنش کی۔ مردوں کا سننا صحیحین کی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو بدر کے میدان میں فتح مبین حاصل ہوئی تو آپ ﷺ نے وہاں تین دن قیام فرمایا۔ تین دن کے بعد آپ ﷺ آخر شب کو اپنی سواری پر سوار ہو کر قلیب (وہ کھائی جہاں مقتولین قریش کو دفن کیا گیا تھا) کے پاس آئے اور فرمانے لگے: ''اے ابو جہل بن ہشام، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے فلاں ابن فلاں! کیا تم نے اس وعدہ (عذاب) کو سچا پایا ہے جو تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کیا تھا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! کیا آپ مردوں سے کلام فرما رہے ہیں؟ فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میری باتوں کو ان سے زیادہ نہیں سن رہے، لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے'' (2)۔ سیرت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا: ''نبی کے قبیلہ میں سے تم برے لوگ ہو۔ تم نے مجھے جھٹلایا جبکہ لوگوں نے میری تصدیق کی، تم نے مجھے نکالا لیکن لوگوں نے مجھے پناہ دی، تم میرے قتل کے درپے ہوا اور لوگوں نے میری مدد کی تم اپنے نبی کے لئے برا خاندان ہو'' (3)۔ اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ...... یعنی میں نے اپنے رب کا پیغام تم تک پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم نے استفادہ نہ کیا۔ تم نہ تو حق کو پسند کرتے ہو اور نہ اپنے خیر خواہ کو۔ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ہر نبی جس کی امت ہلاک ہوئی وہ حرم میں آ کر قیام پذیر ہو جاتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 8 صفحہ 230، سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارۃ، جلد 3 صفحہ 181-182

2۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 97-98، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ 2203 3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 639

عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حج کو جاتے ہوئے وادی عسفان کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر! یہ کونسی وادی ہے؟ عرض کی: یہ وادی عسفان ہے۔ فرمایا: ہود اور صالح علیہما السلام یہاں سے اونٹنیوں پر سوار ہو کر گزرے تھے جن کی نکیلیں کھجور کی رسیوں کی تھیں۔ تہہ بند کمبلوں کے تھے اور چادریں پوستین کی تھیں اور وہ لبیک کہتے ہوئے بیت عتیق کے حج کو جا رہے تھے(1)۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

''اور (بھیجا ہم نے) لوط کو جب انہوں نے کہا اپنی قوم سے کہ کیا تم کیا کرتے ہو ایسی بے حیائی (کا فعل) جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا ساری دنیا میں بے شک تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ تو حد سے گزرنے والے ہو''۔

لُوْطًا سے پہلے ''اَرْسَلْنَا'' یا ''اُذْكُرْ'' فعل مقدر ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے: لوط بن ھارون بن آزر۔ آپ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سرزمین شام کی طرف ہجرت کی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سدوم اور اس کے گرد ونواح کی بستیوں کے مکینوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ آپ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے، نیکی کا حکم دیتے، گناہوں اور بے حیائی کے ان کاموں سے روکتے جو خود ان کی ایجاد تھے اور پہلے کسی نے ان کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرنا۔ یہ ایسی چیز تھی جس کا خیال حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر اب تک ان کے سوا کسی کے دل میں آیا ہی نہیں تھا اور نہ پہلے یہ چیز معروف تھی۔ اہل سدوم نے اس بد فعلی، بدمعاشی اور غیر طبعی فعل کو رواج دیا۔ خلیفہ ولید بن عبد الملک بانی جامع دمشق نے کہا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں قوم لوط کا قصہ بیان نہ کرتا تو مجھے اس بات کا گمان بھی نہ ہوتا کہ کوئی مرد کسی مرد کے ساتھ بد فعلی کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ............ یعنی اس مقصد کے لئے عورتوں کو پیدا کیا گیا ہے لیکن تم انہیں چھوڑ کر مردوں سے مطلب برآری کرتے ہو، یہ بہت بڑی زیادتی اور جہالت ہے کیونکہ جس چیز کا جو محل نہیں تم اس کو محل بناتے ہو۔ اسی لئے ایک دوسری آیت میں فرمایا: هٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِیْۤ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ (الحجر: 71) ''یہ میری (قوم کی) بچیاں ہیں اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو (تو ان سے نکاح کر لو)''۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی رہنمائی کی کہ جائز طریقے سے عورتوں کی طرف رجوع کرو لیکن ان بدمعاشوں نے کہا کہ ہمیں عورتوں میں رغبت ہی نہیں ہے: قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ (ہود: 79) ''کہنے لگے تم خوب جانتے ہو ہمیں تمہاری (قوم کی) بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں۔ اور تم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں''۔ یعنی تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ ہمیں ان عورتوں میں نہ کوئی رغبت ہے اور نہ خواہش اور ہماری غرض سے تم آگاہ ہو کہ ہمارا مطلوب تمہارے مہمان ہیں۔ مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے اپنا مطلب نکال لیا کرتی تھیں۔

وَ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْیَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 234

''اور نہ تھا کوئی جواب ان کی قوم کے پاس سوائے اس کے کہ وہ بولے باہر نکال دو انہیں اپنی بستی سے یہ لوگ تو بڑے پاکباز بنتے ہیں''۔

حضرت لوط علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کے مقابلے میں یہ ان کا جواب تھا کہ وہ آپ کو جلا وطن کرنے پر تل گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو صحیح سالم وہاں سے نکال لیا اور قوم کو ذلیل و رسوا کر کے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا۔

اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ بغیر عیب کے انہوں نے ان پاکباز نفوس کی طرف عیب کو منسوب کیا۔ یہ معنی قتادہ نے بیان کیا ہے۔ مجاہد یہ معنی بیان کرتے ہیں: یہ ایسے لوگ ہیں جو مردوں اور عورتوں کی ادبار (دبر کی جمع) سے بچتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

''پس ہم نے نجات دیدی لوط کو اور ان کے گھر والوں کو بجز ان کی بیوی کے، وہ ہوگئی پیچھے رہ جانے والوں سے اور برسایا ہم نے ان پر (پتھروں کا) مینہ تو دیکھو کیسا (عبرت ناک) انجام ہوا مجرموں کا''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے لوط اور ان کے گھرانے کو بچا لیا اور سوائے ان کے گھر والوں کے کوئی بھی ان پر ایمان نہ لایا جیسا کہ ارشاد ہے: فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ (الذاریات: 36-35) ''(نزول عذاب سے پہلے) ہم نے نکال لیا وہاں کے تمام ایمانداروں کو پس نہ پایا ہم نے اس (ساری) بستی میں بجز ایک مسلم گھر کے''۔ آپ کے گھرانے میں صرف آپ کی بیوی کو نجات نہ ملی کیونکہ وہ آپ پر ایمان نہیں لائی تھی، بلکہ اپنی قوم کے دین پر کاربند رہی، حضرت لوط علیہ السلام کے خلاف ان لوگوں کو اکساتی، در پردہ ان کی مدد کرتی اور کچھ مخصوص اشارات کے ذریعے آپ کے پاس آنے والے مہمانوں کی خبر ان تک پہنچاتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے گھر والوں کو لیکر رات کے وقت نکل جائیں۔ آپ کو یہ بھی حکم تھا کہ نہ اپنی بیوی کو اس بارے میں آگاہ کریں اور نہ اسے شہر سے باہر نکالیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کے پیچھے چلی تھی۔ جب قوم پر عذاب آیا تو پیچھے پلٹ پلٹ کر دیکھنے لگی اس لئے خود بھی اس عذاب کا شکار ہوگئی۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ نہ وہ شہر سے نکلی اور نہ لوط علیہ السلام نے اسے آگاہ کیا بلکہ ان بدبختوں کے ساتھ وہاں ہی رہی۔ اسی لئے یہاں فرمایا: اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ غابرین کا معنی ہے پیچھے رہ جانے والے۔ بعض نے اس کا معنی ہلاک ہونے والا کیا ہے۔ یہ تفسیر بالالازم ہوگی۔

وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا اس کی تفسیر اس آیت میں ہے: وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَ مَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ (ہود: 83-82) ''اور ہم نے برسائے ان پر پتھر آگ میں پکے ہوئے پے در پے جو نشان زدہ تھے آپ کے رب کی جانب سے۔ اور نہیں (لوط کی) بستی (مکہ کے) ظالموں سے کچھ دور''۔ اس لئے فرمایا: فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ۔ اے محبوب! آپ دیکھیں، نافرمانوں اور جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اغلام بازی کرنے والے کی سزا یہ ہے کہ اسے بلندی سے نیچے گرا کر اس پر سنگباری کی جائے جس طرح قوم لوط کے ساتھ ہوا۔ دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ اسے رجم کر دینا چاہئے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے اور اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو تم قوم لوط کا سا فعل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کرو'' (1)۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اس کی سزا زانی کی سی ہے۔ اگر شادی شدہ ہو تو اسے رجم کر دیا جائے اور اگر غیر شادی شدہ ہو تو اسے سو درے لگائے جائیں۔ یہ امام شافعی کا دوسرا قول ہے۔ عورتوں کی دبر میں یہ فعل کرنا چھوٹی لواطت ہے۔ یہ بالا جماع حرام ہے۔ اس کے برخلاف کسی کا ایک آدھ شاذ قول ہے۔ متعدد احادیث اس کی ممانعت میں وارد ہوئی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں (2)۔

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۸۵

''اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو، انہوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔ بے شک آ گئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے تو پورا کرو ناپ اور تول کو اور نہ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ فساد برپا کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔''

قوم شعیب علیہ السلام مدین بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام میکیل بن یشجر کے فرزند ارجمند تھے۔ سریانی زبان میں آپ کا نام یثرون تھا۔ مدین کا لفظ قبیلہ پر بھی بولا جاتا ہے اور شہر پر بھی۔ مدین حجاز کے رستہ میں مقام معان کے قریب ہے ارشاد ہوتا ہے: وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْیَنَ وَجَدَ عَلَیْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ یَسْقُوْنَ (القصص:23) ''جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے''۔ یہی اصحاب ایکہ ہیں جس کا ذکر ان شاء اللہ عنقریب ہوگا۔

قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ...... تمام رسولوں کی دعوت کا مدعا یہی تھا۔ تمہارے پاس ایک روشن نشانی آ چکی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے میری نبوت اور رسالت کی صداقت پر متعدد دلائل و براہین قائم کر دیئے ہیں۔ توحید اور خدائے یکتا کی عبادت کی دعوت دینے کے بعد آپ نے انہیں لوگوں کے ساتھ معاملات کے بارے میں وعظ فرمایا کہ اپنے ناپ تول کو درست کر لو، اموال میں لوگوں کو نقصان نہ پہنچاؤ اور نہ ان کے ساتھ خیانت کرو اور ناپ تول کے معاملہ میں چپکے سے کمی کر کے لوگوں کو فریب نہ دو جیسا کہ ارشاد ہے: وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (المطففین:6-1) ''بربادی ہے (ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کے لئے ...... پروردگار عالم کے سامنے''۔ اس میں زبردست دھمکی اور سخت وعید ہے، جس سے ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق ذکر فرما رہا ہے جنہیں حسن استدلال، فصیحانہ انداز کلام اور جزالت وعظ کے باعث خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 158، تحفۃ الاحوذی، کتاب الحدود، جلد 5 صفحہ 21 وغیرہ
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ:223

عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

''اور مت بیٹھا کرو راستوں پر کہ ڈرا رہے ہو تم (راہ گیروں کو) اور روک رہے ہو تم اللہ کی راہ سے جو ایمان لایا اللہ کے ساتھ اور تلاش کرتے ہو اس میں عیب اور یاد کرو (وہ وقت) جب تم تھوڑے تھے پھر اس نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو! کیا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا۔ اور اگر ایک گروہ تم میں سے ایمان لا چکا ہے اس کے ساتھ جو دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ ایمان نہ لایا تو (ذرا) صبر کرو یہاں تک کہ فیصلہ کر دے اللہ ہمارے درمیان اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے''۔

حضرت شعیب علیہ السلام انہیں حسی اور معنوی طور پر قطع طریق سے منع فرما رہے ہیں، فرمایا: وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ یعنی تمام رستوں کو روک کر نہ بیٹھ جایا کرو۔ اگر لوگ تمہیں اپنے اموال نہ دیں تو تم انہیں قتل کی دھمکیاں دینے لگ جاتے ہو۔ سدی وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ غنڈے ٹیکس کے نام پر ان سے دسواں حصہ وصول کر لیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ تم ان مومنین کو دھمکیاں دیتے ہو جو حصول ہدایت کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آتے ہیں۔ لیکن پہلا معنی زیادہ واضح ہے کہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بِكُلِّ صِرَاطٍ''۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان کردہ مفہوم اس ارشاد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے: وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا یعنی تمہاری خواہش ہے کہ اللہ کا رستہ ٹیڑھا ہو جائے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا...... یعنی تم اپنی قلت کے باعث کمزور اور بے بس تھے، پھر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے تمہاری تعداد میں اضافہ ہو گیا اور تم قوی بن گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو اپنے ذہنوں میں رکھو اور گزشتہ قومیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور تکذیب رسل کے باعث جس ہولناک تباہی سے دوچار ہوئیں، ان سے عبرت حاصل کرو۔

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ...... یعنی میرے بارے میں تم دو گروہوں میں بٹ چکے ہو۔ ایک گروہ میری رسالت پر ایمان لا چکا ہے جبکہ دوسرا گروہ ایمان سے انحراف کئے ہوئے ہے۔ صبر کرو اور انتظار سے کام لو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ اچھا انجام متقین کی قسمت میں لکھا ہوا ہے اور کفار کے نصیب میں سوائے تباہی و بربادی کے اور کچھ نہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

''کہنے لگے وہ سردار جو غرور و تکبر کیا کرتے تھے ان (شعیب علیہ السلام) کی قوم سے یا تو ہم نکال کر رہیں گے تمہیں اے

شعیب! اور جو ایمان لائے تمہارے ساتھ اپنی بستی سے یا تمہیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں، شعیب نے کہا اگر چہ ہم اس (ارتداد) کو ناپسند بھی کرتے ہوں۔ پھر تو ہم نے ضرور بہتان باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اگر ہم لوٹ آئیں تمہارے دین میں اس کے بعد کہ جب نجات دے دی ہمیں اللہ نے اس سے اور نہیں کوئی وجہ ہمارے لئے کہ ہم لوٹ آئیں اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ جو پروردگار ہے ہمارا، گھیرے ہوئے ہے ہمارا رب ہر چیز کو اپنے علم سے، صرف اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، اے ہمارے رب فیصلہ فرما دے ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے''۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں کفار نے آپ کے ساتھ اور آپ کے مومن ساتھیوں کے ساتھ انتہائی بدسلوکی کا مظاہرہ کیا اور انہیں دھمکی دی کہ یا تم ہماری بستی چھوڑ کر جلاوطن ہو جاؤ یا پھر ہمارے دین کی طرف لوٹ آؤ اور ہمارے ہم عقیدہ بن جاؤ۔

آیت کریمہ میں خطاب اگر چہ صرف شعیب علیہ السلام کو ہے لیکن مراد آپ کے پیروکار بھی ہیں۔

اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ...... حضرت شعیب علیہ السلام فرمانے لگے کہ اگر ہم تمہاری دعوت کو ناپسند کرتے ہوں تو پھر بھی تم ایسا ہی کرو گے۔ اگر ہم تمہاری ملت کی طرف لوٹ آئے اور تمہارے دین میں داخل ہو گئے تو یہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان ہوگا کہ ہم نے بھی تمہاری طرح اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرا لئے۔ اس میں کفار کی اتباع سے نفرت دلانا مقصود ہے۔ فرمایا: وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ آپ نے اپنے عزم اور ارادے کو بھی مسبب حقیقی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا کیونکہ وہ ہر چیز سے باخبر ہے اور اس کا علم اور قدرت ہر چیز کو محیط ہے۔

عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ہم اپنے تمام امور میں جنہیں اختیار کرتے ہیں یا ترک کرتے ہیں، صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا...... اے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے اور ہماری مدد کر کیونکہ تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اور تو ہی عادل ہے جو کبھی ظلم نہیں کرتا۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٩٠﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩١﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٢﴾

''اور کہا ان رئیسوں نے جو کافر تھے ان کی قوم سے کہ اگر تم پیروی کرنے لگو شعیب کی تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے پھر پکڑ لیا انہیں زلزلہ نے تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے۔ جن (بدبختوں) نے جھٹلایا شعیب کو وہ یوں نابود کر دیئے گئے گویا کبھی بستے ہی نہ تھے ان مکانوں میں۔ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو ہو گئے وہی نقصان اٹھانے والے''۔

اللہ تعالیٰ اہل مدین کی سرکشی، کفر، گمراہی اور مسخ شدہ فطرت کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ وہ مخالفت حق میں اس قدر دور جا چکے تھے کہ انہوں نے قسم اٹھا کر کہا: لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا: فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ یعنی انہیں سخت زلزلہ نے پکڑ لیا اور وہ سب کے سب منہ کے بل گرے پڑے موت کے منہ میں چلے گئے۔ یہ سزا انہیں اس وجہ سے ملی کیونکہ

وہ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو ڈرایا کرتے تھے اور جلا وطنی کی دھمکیاں دیا کرتے تھے جیسا کہ سورۂ ہود میں ان کے متعلق ارشاد ہے: وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (ہود:94) ''اور جب آپہنچا ہمارا حکم (یعنی عذاب) تو ہم نے بچالیا شعیب کو اور انہیں جو ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے اور آلیا ظالموں کو خوفناک کڑک نے تو صبح کی انہوں نے اپنے گھروں میں اس حال میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے''۔

ان دونوں آیتوں میں مناسبت یہ ہے کہ جب ان کفار نے ''اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ؟'' کہہ کر حضرت شعیب علیہ السلام کا مذاق اڑایا تو ایک زبردست کڑک نے انہیں ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ سورۂ شعراء میں ان کے متعلق فرمایا: فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (الشعراء:189) ''سو انہوں نے جھٹلایا شعیب علیہ السلام کو تو پکڑ لیا انہیں چھتری والے دن کے عذاب نے۔ بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا''۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اگر واقعی یہ حق ہے تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ چنانچہ انہیں یہ خبر دی گئی کہ ان پر یہ عذاب آپہنچا ہے۔ ان پر تین عذاب جمع ہو گئے آسمان سے بادل اترا جس میں آگ کے شعلے اور چنگاریاں تھیں، پھر آسمان سے ایک دلدوز چیخ اور ہولناک کڑک پیدا ہوئی اور پاؤں تلے زمین سے زلزلے کے شدید جھٹکے لگنے شروع ہو گئے جس سے ان کی جانیں نکل گئیں اور یہ بے سدھ ہو کر اپنے گھروں میں ڈھیر ہو گئے: فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ۔ پھر فرمایا: كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ کبھی اس بستی میں آباد ہی نہیں ہوئے جس سے وہ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو جلا وطن کرنا چاہتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ہرزہ سرائی کے مقابلے میں فرمایا: اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾

''تو منہ پھیر لیا ان کی طرف سے اور کہا اے میری قوم بیشک میں نے پہنچا دیئے تھے تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور میں نے نصیحت کی تھی تمہیں۔ تو (اب) کیونکر غم کروں میں کافر قوم (کے ہولناک انجام) پر''۔

قوم کے عبرتناک انجام سے دوچار ہونے کے بعد آپ علیہ السلام نے ان سے منہ پھیر لیا اور سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ...... یعنی میں نے اپنا فرض منصبی ادا کر دیا لیکن تم ہی کفر پر ڈٹے رہے اس لئے اب میں کیوں کافر قوم پر افسوس کروں؟

وَ مَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿٩٤﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩٥﴾

''اور نہ بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر یہ کہ (جب نبی جھٹلایا گیا) تو ہم نے مبتلا کر دیا وہاں کے باشندوں کو سختی اور تکلیف میں تاکہ وہ گڑگڑانے لگیں پھر ہم نے بدل دی تکلیف کی جگہ راحت حتیٰ کہ وہ پھلے پھولے اور کہنے لگے بے شک (یونہی) پہنچا کرتی تھی ہمارے باپ دادا کو (کبھی) تکلیف اور (کبھی) راحت تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک اور اس کا انہیں خواب و خیال بھی نہ تھا''۔

بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں کو تکلیف اور سختی کے ساتھ آزمایا۔ ''اَلْبَاْسَآءِ'' سے مراد جسمانی امراض اور بدنی اسقام ہیں اور ''الضَّرَّآءِ'' سے مراد فقر و فاقہ اور حاجت وغیرہ۔ اس آزمائش کا مقصد یہ تھا کہ وہ گڑگڑاتے ہوئے بارگاہ خداوندی کی طرف جوع کریں۔ لیکن وہ ایسا کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، پھر اس کے برعکس آزمائش میں انہیں ڈال دیا۔ ان کی سختی کو راحت میں بدل دیا، جیسا کہ فرمایا: ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ یعنی ان کی حالت کو شدت سے خوشحالی، مرض و سقم سے صحت و عافیت اور تنگدستی سے فارغ البالی کی طرف پھیر دیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات پر اس کا شکر بجا لائیں لیکن اس کے باوجود وہ اس پر تیار نہ ہوئے۔ ''حَتّٰى عَفَوْا'' میں عفو کا معنی ہے پھلنا پھولنا اور بڑھنا۔ یعنی جب وہ پھلے پھولے اور ان کے اموال و اولاد میں کثرت ہوگئی۔

وَقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا............ انہیں اللہ تعالیٰ نے فقر و فاقہ سے بھی آزمایا اور خوشحالی سے بھی تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں اور گڑگڑائیں اور اس کی طرف رجوع کریں لیکن کوئی چیز بھی ان کے لئے کارگر ثابت نہ ہوئی، بلکہ وہ کہنے لگے کہ ہمیں جو سختی اور مشکل کے بعد راحت نصیب ہوئی ہے، یہ آج کی بات نہیں بلکہ شروع ہی سے یہ چکر چل رہا ہے۔ ہمارے باپ دادا بھی تو ایسے ہی حالات سے دوچار ہوتے رہے ہیں۔ زمانہ اسی الٹ پھیر کا نام ہے۔ وہ نادان مقصود الٰہی کو نہ بھانپ سکے اور دونوں حالتوں میں انہیں ابتلاء کا شعور ہی نہ ہوا۔ ان کی حالت مومنین کے برعکس ہے۔ مومنین مصیبت کے وقت صبر کرتے ہیں اور راحت کے وقت اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جس طرح صحیحین کی حدیث میں آتا ہے: ''مومن کا معاملہ بڑا عجب ہے، اللہ تعالیٰ اس کے حق میں جو بھی فیصلہ فرمائے، وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے اور یہ صبر کرے تو بھی یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی راحت نصیب ہو اور شکر کرے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے'' (1)۔ مومن وہ ہے جو تکلیف اور راحت دونوں حالتوں میں آزمائش کو پہچان جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے: ''مومن آزمائش سے دوچار رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے گناہوں سے پاک صاف کر دیتی ہے، اور منافق کی مثال گدھے کی سی ہے، وہ نہیں جانتا کہ کیوں اسے باندھا گیا اور کیوں کھولا گیا۔'' چنانچہ آخر میں ارشاد فرمایا: فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ یعنی ہم نے اچانک انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا جبکہ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا جیسا کہ حدیث میں ہے: ''اچانک موت مومن کے لئے رحمت ہے جبکہ کافر کے لئے وجہ تاسف و حسرت'' (2)۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٦﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ﴿٩٧﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩٨﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩٩﴾

''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی، لیکن انہوں نے جھٹلایا (ہمارے رسولوں کو) تو پکڑ لیا ہم نے انہیں بوجہ ان کرتوتوں کے جو وہ کیا کرتے تھے۔ تو کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آ جائے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات اس حال میں کہ وہ سو رہے ہوں یا کیا بے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد 2295، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 332-333، جلد 6 صفحہ 15

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 188، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 424، جلد 4 صفحہ 219

خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آ جائے ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت جبکہ وہ کھیل کود رہے ہوں۔ تو کیا یہ بے خوف ہو گئے ہیں اللہ کی خفیہ تدبیر سے، پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ کی خفیہ تدبیر سے سوائے اس قوم کے جو نقصان اٹھانے والی ہوتی ہے''۔

خبر دی جا رہی ہے کہ جن بستیوں کی طرف رسول مبعوث فرمائے گئے، ان کے مکینوں کی قلیل تعداد ایمان لائی جیسا کہ فرمایا: فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (یونس: 8-9) ''پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی تو نفع دیتا اسے اس کا ایمان (کسی سے ایسا نہ ہوا) بجز قوم یونس علیہ السلام کے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں ایک مدت تک''۔ یعنی کوئی بھی بستی والے سب کے سب ایمان نہیں لائے سوائے قوم یونس علیہ السلام کے۔ یہ عذاب کا مشاہدہ کر لینے کے بعد ایمان لے آئے جیسا کہ فرمایا: وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۚ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (الصافات: 148-147) ''اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں کچھ وقت تک''، اور فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (سبا: 34) ''اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر یہ کہ (برملا) کہہ دیا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے ہم اس (دین) کا جو دے کر تم بھیجے گئے ہو انکار کرتے ہیں''۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا...... یعنی اگر یہ بستیوں والے صدق دل سے رسولوں کے پیغام پر ایمان لے آتے، ان کی تصدیق کرتے، ان کی اتباع میں اپنے آپ کو مصروف رکھتے اور احکام کو بجالا کر اور محرمات سے اجتناب کر کے تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمان سے بارش کی صورت میں ان پر برکتیں نازل کرتے اور زمین سے نباتات اور پیداوار کے ذریعے اپنی رحمت کے خزانے ان پر کھول دیتے۔ لیکن ان لوگوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور گناہوں کا ارتکاب کیا جس کی پاداش میں ہم نے انہیں ہلاکت اور بربادی کی عبرتناک سزا دی۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے اوامر کی مخالفت اور نواہی کے ارتکاب پر جسارت کے خوفناک انجام سے خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى...... یعنی کیا یہ بستی والے کافر ہمارے عذاب سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ وہ عذاب راتوں رات آ جائے جبکہ یہ سوئے ہوئے ہوں اور کیا یہ لوگ بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس ہمارا عذاب چاشت کے وقت آ جائے اور اس وقت یہ کھیل کود میں مصروف ہوں اور ان کی غفلت میں عذاب انہیں گھیر لے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر، عذاب، انتقام، قدرت اور غفلت و سہو میں پکڑ سے وہ امن میں ہو گئے ہیں۔ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ اس لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مومن نیک اعمال کرتا ہے تو بھی وہ (خدا سے) لرزاں و ترساں رہتا ہے جبکہ فاجر بے خوف ہو کر گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَاۗءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۱۰۰

''کیا یہ (حقیقت) واضح نہ ہوئی ان لوگوں پر جو وارث بنے زمین کے اس کے اصلی مالکوں (کی تباہی) کے بعد کہ اگر ہم چاہئیں تو سزا دیں انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے اور مہر لگا دیں ان کے دلوں پر تا کہ وہ کچھ سن ہی نہ سکیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ کیا ان لوگوں کے لئے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ اگر ہم چاہئیں تو انہیں

ان کے گناہوں کے سبب عذاب میں مبتلا کر دیں۔ ابن جریر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کیا ان لوگوں کے لئے ظاہر نہیں ہوا جو پہلے ہلاک شدہ زمین کے اصلی مالکوں کے بعد زمین میں ان کے وارث بنے اور انہیں کی ڈگر پر چل نکلے، ان جیسے اعمال اپنا لئے اور اپنے رب کے ساتھ سرکشی اختیار کر لی کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے ساتھ بھی ان ہلاک شدگان جیسا سلوک کرے اور ان کے دلوں پر مہر ثبت کر دے، پھر یہ کسی وعظ و نصیحت کو سن ہی نہ سکیں (1)۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں فرمایا: اَوَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ ؕ اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ (السجدة:26) ''کیا یہ چیز ان کی ہدایت کا باعث نہ بنی کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا حالانکہ یہ چل پھر رہے ہیں ان کے مکانوں میں۔ بیشک ان میں (عبرت کی) کئی نشانیاں ہیں۔ کیا وہ (ان درو دیوار سے داستان عبرت) نہیں سن رہے؟''، اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی (طٰہٰ:128) ''کیا (یہ بات) انہیں راہ راست نہ دکھا سکی کہ کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے (بداعمالیوں کے باعث) ان سے پہلے برباد کر دیا چلتے پھرتے ہیں یہ لوگ جن کے (اجڑے ہوئے) مکانوں میں۔ اس میں (ہماری قدرت کی) نشانیاں ہیں دانشمندوں کے لئے''، اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ وَّ سَكَنْتُمْ فِیْ مَسٰكِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ (ابراہیم:45-44) ''ف (اے کافرو!) کیا تم قسمیں نہیں اٹھایا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تمہیں یہاں سے کہیں جانا نہیں ہے اور تم آباد تھے ان لوگوں کے (متروکہ) گھروں میں جنہوں نے ظلم کئے تھے اپنے آپ پر''، وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا (مریم:98) ''اور کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے۔ کیا محسوس کرتے ہو ان میں سے کسی کو یا سنتے ہو ان کی کوئی آہٹ''، اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ (الانعام:6) ''کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے قومیں جنہیں ہم نے (ایسا) تسلط دیا تھا زمین میں جو ہم نے تمہیں نہیں دیا اور ہم نے بھیجے بادل ان پر موسلا دھار برسنے والے اور ہم نے بنا دیں نہریں جو بہتی تھیں ان کے (گھروں اور باغوں کے) نیچے سے پھر ہم نے ہلاک کر دیا انہیں بوجہ ان کے گناہوں کے اور پیدا کر دی ہم نے ان کے بعد ایک اور قوم''، قوم عاد کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ وَ لَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِیْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِیْهِ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْـِٕدَةً ۖ٘ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَ لَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَ صَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ (الاحقاف:27-25) ''پس جب ان پر صبح ہوئی تو نہ دکھائی دی کوئی چیز بجز ان کے (ویران) مکانوں کے۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرموں کو۔ اور ہم نے ان کو وہ قوت و طاقت بخشی تھی جو ہم نے تمہیں نہ دی اور ہم نے عطا کئے تھے انہیں کان، آنکھیں اور دل۔ لیکن ان کے کسی کام نہ آئے ان کے کان، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کیونکہ وہ انکار کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور احاطہ کر لیا ان کا اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اور ہم نے برباد کر دیئے وہ گاؤں جو تمہارے اردگرد (آباد) تھے اور ہم نے مختلف انداز میں اپنی نشانیاں پیش کیں شاید وہ (حق کی طرف) لوٹ آئیں''، وَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِیْ ۫ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ (سبا:45) ''اور (انبیاء کی) تکذیب کی جو ان سے پہلے گزرے۔ اور یہ (کفار مکہ) نہیں پہنچے دسویں حصہ کو بھی جو (قوت، دبدبہ)

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 9

ہم نے ان کو دیا تھا پس جب انہوں نے جھٹلایا میرے رسولوں کو تو کتنا ہولناک تھا میرا عذاب'' ۔ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ (الملک: 18) ''اور جو لوگ ان سے پہلے گزرے انہوں نے بھی جھٹلایا (خود دیکھ لو) کہ (ان) پر میرا عذاب کتنا سخت تھا''، فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (الحج: 46-45) ''پس کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ وبالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے کنوئیں ہیں جو بیکار ہو چکے ہیں اور کتنے چونے سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں (جو ویران پڑے ہیں) کیا انہوں نے سیر وسیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ (ان کھنڈرات کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ (حق کو) سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ نصیحت سن سکتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں''، وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (الانبیاء: 41) ''اور بیشک مذاق اڑایا گیا ان رسولوں کا بھی جو آپ سے پہلے تشریف لائے تھے پس نازل ہوا ان لوگوں پر جو تمسخر کیا کرتے تھے ان میں سے وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے''۔ اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں جو دشمنان خدا کے ساتھ انتقام اور دوستان خدا کے ساتھ فضل وکرم پر دلالت کرتی ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۝١٠١ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝١٠٢

''یہ بستیاں ہیں ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی کچھ خبریں اور بے شک آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ اور نہ ہوا یہ کہ ایمان لاتے اس پر جس کو جھٹلا چکے تھے اس سے پہلے اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر۔ اور نہ پایا ہم نے ان کی اکثریت کو وعدہ کا پابند اور ضرور پایا ان میں سے بہتوں کو حکم عدولی کرنے والا''۔

حضرات نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کا تذکرہ ہوا اور یہ بھی بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو ہلاک کر دیا اور مومنین کو نجات دی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبانی دلائل و براہین اور معجزات کے ذریعے حق واضح کر کے کفار کے تمام عذر اور بہانے ختم کر دیئے۔ ارشاد ہوتا ہے: تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ...... یعنی اے محبوب! یہ (اجڑی ہوئی) بستیاں اور (کھنڈرات) ہیں جن کی خبروں سے ہم آپ کو آگاہ کرتے ہیں۔ ان کے پاس اللہ کے رسول اپنی رسالت کی صداقت پر معجزات اور دلائل لیکر آئے جیسا کہ فرمایا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل: 15) ''اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو''، اور فرمایا: ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝١٠٠ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (ہود: 101-100) ''یہ ان بستیوں کی بعض خبریں ہیں جو ہم بیان کر رہے ہیں آپ سے ان میں سے کچھ قائم ہیں اور کچھ کٹ گئی ہیں، اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر زیادتی کی تھی''۔

فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ یہاں باء سببیہ ہے یعنی وہ رسولوں کے پیغام پر ایمان لانے والے نہ تھے اس سبب سے کہ

انہوں نے پہلے حق کی تکذیب کر دی تھی۔ یہ توجیہ اچھی ہے اسے ابن عطیہ نے نقل کیا ہے(1)۔ اس طرح کا یہ ارشاد بھی ہے: وَنُقَلِّبُ اَفۡـِٕدَتَهُمۡ وَاَبۡصَارَهُمۡ كَمَا لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام: 110) ''اور اے (مسلمانو!) تمہیں کیا خبر کہ جب یہ نشانی آجائے گی تو (تب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ''، اس لئے یہاں فرمایا: كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝ وَمَا وَجَدۡنَا لِاَكۡثَرِهِمۡ...... یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ کفار کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ ان گزشتہ امتوں کی اکثریت وعدہ کی پابند ہی نہ تھی۔ اکثر لوگ اطاعت الٰہی اور عہد اَلَسْتُ کو فراموش کر گئے۔ اس عہد سے مراد وہ عہد ہے جو روز ازل عالم ارواح میں ان سے لیا گیا۔ یہ عہد ان کی فطرت و جبلت میں رکھ دیا گیا اور اسی پر انہیں پیدا کیا گیا۔ وہ وعدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا رب اور مالک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس چیز کا انہوں نے اقرار بھی کیا اور گواہی بھی دی تھی لیکن پھر مخالفت پر اتر آئے، اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور بغیر کسی عقلی اور شرعی حجت کے اللہ کے ساتھ غیروں کی عبادت کرنے لگے حالانکہ فطرت سلیمہ میں اس کے برعکس چیز ودیعت کی گئی ہے اور تمام کے تمام رسول بھی شرک اور بت پرستی سے سختی کے ساتھ منع کرتے رہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا ہے، شیاطین ان کے پاس آتے ہیں اور انہیں اپنے دین سے برگشتہ کر دیتے ہیں اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کر دیتے ہیں''(2)۔ صحیحین کی حدیث میں آتا ہے: ''ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں''(3)۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ (الانبیاء: 25) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو''، وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِهَةً يُّعۡبَدُوۡنَ (الزخرف: 45) ''اور آپ پوچھئے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے۔ کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند رحمٰن کے علاوہ اور خدا تاکہ ان کی پوجا کی جائے''، وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِىۡ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ‌ۚ (النحل: 36) ''ور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔ اس قسم کی اور بھی کئی آیات ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس ارشاد: فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا مِنۡ قَبۡلُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یوم میثاق میں بندوں نے جو اقرار کیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی سے تھا اس لئے اس علم کی بناء پر فرمایا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے(4)۔ واقعی ایسا ہی ہوا۔ یوم میثاق کو جو انہوں نے اقرار کیا تھا وہ مجبوری سے تھا۔ یہ فرمان اس فرمان کی طرح ہے: وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا (الانعام: 28) ''اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے (جیسے ان کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں''۔

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوۡا بِهَا‌ۚ فَانْظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ۝۱۰۳

''پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے انکار کر دیا ان کا سو دیکھو کیسا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا''

1۔ المحرر الوجیز، جلد 6 صفحہ 22

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا 2197

3۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 222، صحیح مسلم، کتاب القدر 2047

4۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 11

ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے سابقہ رسولوں نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو دلائل و براہین اور معجزات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا۔ لیکن انہوں نے ظلم اور عناد کے باعث انکار کر دیا اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے جیسا کہ فرمایا: وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (النمل: 14) ''اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا ان کے دلوں نے (ان کا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا۔ پس آپ ملاحظہ فرمائیے کیا (ہولناک) انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا''۔ یعنی جن لوگوں نے صراط مستقیم سے انحراف کیا اور رسولوں کی تکذیب کی، اے محبوب! دیکھیں ہم نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا اور کس طرح انہیں موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے سامنے غرق دریا کر دیا۔ فرعون اور اس کی قوم کے عبرتناک انجام کی تعبیر کا یہ نہایت بلیغ انداز کلام ہے اور موسیٰ علیہ السلام اور مومنین کے لئے زیادہ تسکین اور تشفی کا حامل ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٠٥﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾

''اور کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اے فرعون! بلاشبہ میں رسول ہوں پروردگار عالم کا۔ واجب ہے مجھ پر کہ میں نہ کہوں اللہ پر سوائے سچی بات کے، میں آیا ہوں تمہارے پاس روشن دلیل لے کر تمہارے رب کی طرف سے پس بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔ فرعون نے کہا اگر تم لائے ہو کوئی نشانی تو پیش کرو اسے اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو''۔

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان مناظرہ کی خبر دے رہا ہے۔ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اس کی قوم قبطیوں کی موجودگی میں دلائل و براہین اور معجزات کے ساتھ لاجواب کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ میں اس ذات کا فرستادہ ہوں جو ہر چیز کی خالق، رب اور مالک ہے اور مجھ پر واجب ہے کہ میں حق بات پیش کروں۔ بعض حضرات نے آیت کریمہ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ میں ''عَلٰی'' بمعنی باء لیا ہے۔ معنی ہوگا ''جَدِيْرٌ بِذٰلِكَ'' یعنی میں اس چیز کا مستحق ہوں۔ علیٰ اور باء ایک دوسرے کی جگہ آتے رہتے ہیں جیسے: ''رَمَيْتُ بِالْقَوْسِ'' اور ''عَلَى الْقَوْسِ''۔ ''جَاءَ عَلٰى حَالٍ حَسَنَةٍ'' اور ''بِحَالٍ حَسَنَةٍ''۔ بعض مفسرین نے حقیق کو حریص کے معنی میں لیا ہے (1)۔ بعض مدنی حضرات کی قراءت یہ ہے: ''حَقِيْقٌ عَلَيَّ'' (2)۔ یعنی مجھ پر واجب ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی بات بتاؤں جو اس کی طرف سے مجھ تک پہنچے۔

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ...... میں تمہارے پاس وہ قطعی حجت لیکر آیا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رسالت کی صداقت پر عطا فرمائی ہے۔ بنی اسرائیل کو اپنی قید، غلامی اور قہر و ظلم سے آزاد کرو اور انہیں اس رب کی عبادت کرنے دو جو نہ صرف ان کا رب ہے بلکہ تمہارا بھی۔ بنی اسرائیل کوئی معمولی لوگ نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی حضرت اسرائیل (یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ) علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ ...... یعنی فرعون آپ علیہ السلام سے کہنے لگا کہ میں نہ تو تمہاری تصدیق کروں گا اور نہ تمہاری اطاعت کروں

3۔ تفسیر بغوی، جلد 2 صفحہ 185 4۔ یہ قرأت نافع ہے، دیکھئے الاقناع از ابن باذش، جلد 2 صفحہ 648

گا، اگر کوئی تمہارے پاس معجزہ ہے تو اسے سامنے لے آؤ تا کہ ہمیں پتہ چل جائے کہ تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّ نَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾

"تو ڈال دیا موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا تو فوراً وہ صاف اژدہا بن گیا اور نکالا اپنا ہاتھ (گریبان سے) تو فوراً وہ سفید (روشن) ہو گیا دیکھنے والوں کے لئے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو وہ اچانک صاف اور بہت بڑا اژدہا بن گیا جو منہ کھولے ہوئے اور پھنکارتے ہوئے تیزی سے فرعون کی طرف لپکا۔ جب فرعون نے اسے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو اپنے تخت سے نیچے کود گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ وہ اسے اس سے روک لیں۔ آپ علیہ السلام نے اسے پکڑ لیا(1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ وہ اتنا بڑا اژدہا بن گیا جتنا بڑا شہر ہوتا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ وہ نر اژدہا تھا، جب اس نے اپنا منہ کھولا تو اس کا ایک جبڑا زمین پر تھا اور دوسرا محل کی دیوار کے اوپر۔ پھر وہ فرعون کو پکڑنے کے لئے اس کی طرف بڑھا۔ جب فرعون نے اسے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تو چیخ اٹھا اور چھلانگ لگا دی، ساتھ ہی ہوا خارج ہو گئی اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ چیختے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ اس سانپ کو پکڑ لو۔ میں تم پر ایمان لاؤں گا اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ روانہ کر دوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑ لیا تو اس نے دوبارہ لاٹھی کی شکل اختیار کر لی۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے تو آپ سے فرعون نے کہا کہ کیا میں تمہیں بتاؤں تم کون ہو؟ فرمایا: بتاؤ۔ تو اس نے (قرآنی الفاظ میں) کہا: اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا (الشعراء:18) "کہا موسیٰ! کیا ہم نے تجھے پالا نہیں تھا اپنے یہاں جبکہ تو بچہ تھا"۔ آپ علیہ السلام نے اس کا جواب دیا۔ پھر فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا کہ اسے پکڑ لو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علی الفور اپنا عصا پھینک دیا جس نے اچانک اژدھے کی شکل اختیار کر لی اور وہ لوگوں پر حملہ کرنے لگا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ایک دوسرے کو کچلنے کے باعث پچیس ہزار آدمی لقمہ اجل بن گئے۔ فرعون اپنی ہزیمت و رسوائی کے زخم چاٹتا ہوا اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔

وَّ نَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ آپ علیہ السلام نے اپنی قمیص میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو وہ چمکتے اور جگمگاتے ہوئے باہر نکلا۔ یہ سفیدی نہ برص کی وجہ سے تھی اور نہ کسی اور مرض کے باعث جیسا کہ ارشاد ہے: وَ اَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ (النمل:12) "اور ذرا ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید چمکتا ہوا بغیر کسی تکلیف کے"۔ جب آپ اپنی آستین میں ہاتھ کو واپس لے جاتے تو وہ پہلے رنگ کی طرف لوٹ جاتا۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۹﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

"کہنے لگے قوم فرعون کے رئیس واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے چاہتا ہے کہ نکال دے تمہیں تمہارے ملک سے تو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو"۔

جب فرعون کے حواس بحال ہوئے اور وہ پھر اپنے تخت پر آ بیٹھا تو اس کے درباریوں اور قوم کے زعماء نے فرعون کی تائید کرتے

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 14-15

ہوئے اور اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا کہ یہ (موسیٰ) واقعی ماہر جادوگر ہے۔ پھر یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپس میں مشاورت کرنے لگے کہ کیا تدبیر اختیار کرنی چاہئے اور کونسا حیلہ اس کے نور کو بجھانے، اس کی بات کو دبانے اور اس کے کذب وافتراء کا پردہ فاش کرنے میں کارگر ثابت ہوسکتا ہے، انہیں یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ لوگ اس کے سحر سے متاثر ہوکر اس کی طرف مائل ہوجائیں گے جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ موسیٰ کو ہم پر برتری اور غلبہ حاصل ہوجائے گا اور وہ ہمیں اپنی ہی سرزمین سے نکال باہر کرے گا۔ لیکن جس چیز کا اندیشہ تھا اسی سے وہ دوچار ہوئے جیسا کہ ارشاد ہے: وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ (القصص: 6) ''اور ہم دکھائیں فرعون اور ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کی جانب سے (وہی خطرہ) جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے''۔ جب انہوں نے آپس میں مشاورت کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف منصوبہ تیار کرلیا تو اس بات پر اتفاق رائے ہوا جسے اللہ تعالیٰ یوں بیان فرمارہا ہے:۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿١١١﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿١١٢﴾

''بولے مہلت دو اسے اور اس کے بھائی کو اور بھیجو شہروں میں ہرکارے تاکہ وہ لے آئیں تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو''۔

زعماء اور سرداروں نے فرعون سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی (ہارون علیہ السلام) کو روک لیں اور اپنی قلمرو کے تمام شہروں میں ہرکارے دوڑا دیں تاکہ وہ ماہر جادوگروں کو اکٹھا کرکے لے آئیں۔ اس زمانہ میں فن جادوگری بہت عروج پر تھا۔ قوم فرعون کے بعض لوگوں کو یقین تھا اور بعض کو وہم کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ ان کے جادوگروں کی شعبدہ بازی کے قبیل سے ہے۔ اس لئے انہوں نے اس معجزہ کے مقابلہ میں اسی نوعیت کی چیز پیش کرنے کا عزم کیا اور اس غرض کے لئے جادوگر جمع کرلئے جس طرح اللہ تعالیٰ فرعون کے متعلق فرماتا ہے کہ اس نے کہا: اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٥٧﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى (طٰہٰ: 60-57) ''کہنے لگا موسیٰ: کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ نکال دو ہمیں اپنے ملک سے اپنے جادو کی طاقت ہے سو ہم بھی لائیں گے تیرے مقابلہ میں جادو ویسا ہی۔ پس اب مقرر کرو ہمارے اور اپنے درمیان مقابلے کا دن نہ ہم پھریں اس سے اور نہ ہی تو پھرے، جمع ہونے کی جگہ ہموار اور کھلی ہو۔ آپ نے فرمایا (تمہارا چیلنج منظور ہے) جشن کا دن تمہارے لئے مقرر کرتا ہوں اور یہ خیال رہے کہ سارے لوگ چاشت کے وقت جمع ہوجائیں۔ پھر فرعون واپس مڑا اور اکٹھا کیا اپنی فریب کاریوں کو پھر خود آیا''۔ یہاں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿١١٤﴾

''اور آگئے جادوگر فرعون کے پاس جادوگروں نے کہا یقیناً (آج تو) ہمیں بڑا انعام ملنا چاہئے اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آجائیں۔ فرعون نے کہا بیشک اور (اس کے علاوہ) تم خاصان بارگاہ سے ہوجاؤ گے''۔

یہاں اس شرط کا ذکر ہورہا ہے جس پر فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے ہوئے جادوگروں نے اتفاق کیا تھا۔ یعنی اگر وہ موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے تو فرعون انہیں گرانقدر عطیات سے نوازے گا۔ فرعون نے ان کے ساتھ یہ وعدہ کرلیا اور انہیں یقین دلایا کہ

وہ نہ صرف انہیں منہ مانگا انعام دے گا بلکہ اپنے مقربین اور خاصان میں بھی شامل کرلے گا۔ فرعون سے پختہ وعدہ لینے کے بعد وہ میدان میں اترے اور موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے:

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾

''جادوگروں نے کہا اے موسیٰ! یا تو تم (پہلے) ڈالو ورنہ ہم ہی (پہلے) ڈالنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم ہی ڈالو پس جب انہوں نے ڈالا تو جادو کر دیا انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر اور خوفزدہ کر دیا انہیں اور مظاہرہ کیا انہوں نے بڑے جادو کا''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے درمیان مبارزت اور مقابلہ کا احوال بیان ہو رہا ہے، جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ یا تو آپ پہل کریں اور اپنا ہنر دکھائیں یا پھر ہم ڈالتے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى (طٰہٰ: 65) ''یا ہم ہی ہو جائیں پہلے پھینکنے والے؟''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا: تم پہلے ڈالو اور اپنے ہنر کے اظہار کا آغاز کرو۔ مقابلہ میں ان سے پہل کروانے میں یہ حکمت تھی تاکہ پہلے لوگ ان جادوگروں کا کرشمہ دیکھ لیں اور اس میں خوب غور و تامل کر لیں۔ اور جب جادوگر اپنی شعبدہ بازی اور نظر فریبی سے فارغ ہو جائیں تو پھر حق طلب اور انتظار کے بعد اپنی پوری تابنا کی اور رعنائی کے ساتھ عیاں ہو جائے۔ یہ چیز دلوں میں زیادہ وقیع، موثر اور کارگر ثابت ہوتی ہے اور ہوا بھی اسی طرح۔ اسی لئے فرمایا: فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ جب جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لکڑیاں پھینکیں اور انہوں نے سانپوں کی شکل اختیار کر لی تو لوگوں کی نظریں فریب کھا گئیں۔ انہیں یہ خیال ہونے لگا کہ یہ واقعتاً وہی چیزیں ہیں جو انہیں دکھائی دے رہی ہیں حالانکہ یہ صرف شعبدہ اور خیال تھا جیسا کہ فرمایا: فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَ اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى (طٰہٰ: 69-66) ''پھر کیا تھا یکا یک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں آپ کو یوں دکھائی دینے لگیں ان کے جادو کے اثر سے جیسے وہ دوڑ رہی ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ ہم نے فرمایا (اے کلیم) مت ڈرو یقیناً تم ہی غالب رہو گے۔ اور زمین پر پھینک دو جو (عصا) تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے، یہ نگل جائے گا جو انہوں نے کاریگری کی ہے۔ انہوں نے جو کاریگری کی ہے وہ تو فقط جادوگر کا فریب ہے اور نہیں فلاح پاتا جادوگر جہاں بھی وہ جائے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے بہت موٹی موٹی رسیاں اور لمبی لمبی لاٹھیاں پھینکیں، ان کے جادو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال ہوا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ پندرہ ہزار جادوگر صف آراء ہوئے۔ ہر ساحر کے پاس رسی اور لاٹھی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا ٹیکتے ہوئے اپنے بھائی کے ساتھ نکلے اور فرعون کے دربار میں پہنچ گئے۔ فرعون اپنی محفل لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ سب سے پہلے جادوگروں نے اپنے جادو کے کرشمہ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام، پھر فرعون اور پھر سب لوگوں کی نظر بندی کر دی۔ پھر ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی رسی اور لاٹھی پھینکی تو وہ رسیاں اور لاٹھیاں اچانک پہاڑوں کی طرح سانپ بن گئیں سارا میدان سانپوں سے بھر گیا، سانپ ایک دوسرے کے اوپر رینگ رہے تھے۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ تیس ہزار سے زائد جادوگر تھے۔ جادو سے لوگوں کی نظر بندی ہوگئی اور یہ منظر دیکھ کر سب دہشت زدہ ہو گئے۔ قاسم بن ابی برہ کہتے ہیں کہ فرعون نے ستر ہزار جادوگر اکٹھے کئے۔ انہوں

نے ستر ہزار رسیاں اور ستر ہزار لاٹھیاں ڈالی تھیں جو رینگتے ہوئے سانپوں کی شکل اختیار کر گئیں(3)۔اسی لئے فرمایا: وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ۚ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ۚ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ۖ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ۙ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

”اور ہم نے وحی کی موسیٰ کو کہ ڈال دے اپنا عصا تو فوراً وہ نگلنے لگا جو فریب انہوں نے بنا رکھا تھا تو ثابت ہو گیا حق اور باطل ہو گیا جو (جادو) وہ کیا کرتے تھے یوں فرعونی مغلوب ہو گئے وہاں (بھرے مجمع میں) اور پلٹے ذلیل وخوار ہو کر اور گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے (اور) کہنے لگے ہم تو ایمان لے آئے سارے جہانوں کے پروردگار پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا“۔

اس زبردست مقابلے میں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اپنا عصا ڈال دو۔ جونہی آپ نے اپنا عصا زمین پر ڈالا تو وہ فوراً ان کے شعبدہ اور فریب کو نگلنے لگا۔ جس رسی یا لکڑی کے پاس سے گزرتا اسے ہڑپ کر لیتا۔ یہ چیز دیکھ کر جادوگروں کی آنکھیں کھل گئیں، وہ پہچان گئے کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ کوئی خدائی اور آسمانی چیز ہے، فوراً سجدہ ریز ہو گئے اور کہنے لگے: اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ۙ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ کا عصا اژدھا بن کر ان رسیوں اور لاٹھیوں کا پیچھا کرنے لگا حتیٰ کہ تمام کو نگل گیا۔ پھر آپ نے اسے پکڑ لیا تو وہ اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ آیا۔ یہ منظر دیکھ کر سارے جادوگر ایمان لے آئے اور سجدہ میں گر گئے اور کہنے لگے کہ اگر یہ جادو ہوتا تو ہم کبھی بھی مغلوب نہ ہوتے۔ قاسم بن ابی برہ کہتے ہیں کہ جادوگروں نے سجدہ سے سر اٹھانے سے پہلے پہلے جنت اور دوزخ کو دیکھ لیا تھا(2)۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ۚ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

”فرعون نے کہا تم تو ایمان لائے ہوئے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں (اس کے مقابلہ کی) تمہیں اجازت دیتا۔ بیشک یہ ایک فریب ہے جو تم نے (مل کر) کیا ہے شہر میں تاکہ تم نکال دو یہاں سے اس کے اصلی باشندوں کو ابھی (اس کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ میں (پہلے) کٹوا دوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مختلف طرفوں سے پھر تمہیں سولی پر لٹکا دوں گا سب کے سب کو۔ وہ بولے (پروا نہیں) ہم تو اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں اور تو کیا ناپسند کرتا ہے ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اپنے رب کی آیتوں پر جب وہ آئیں ہمارے پاس اے ہمارے رب! انڈیل دے ہم پر صبر اور وفات دے ہمیں ہمیں اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں“۔

جادوگروں کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور فرعون کے شرمناک ہزیمت سے دوچار ہونے کے بعد وہ جادوگروں کو

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 20 2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 21

دھمکیاں دینے لگا کہ یہ سب کچھ تمہاری اور موسیٰ کی ملی بھگت سے ہوا۔ تم نے موسیٰ سے مل کر یہ سازش تیار کی تا کہ تم اس شہر سے اصلی باشندوں کو نکال کر خود قابض ہو جاؤ۔ یہ موسیٰ تمہارا ہی سردار ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ (طٰہٰ: 71) ''وہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سکھایا ہے جادو (کا فن)''۔ نہ صرف فرعون بلکہ ہر ذی عقل وشعور یہ جانتا تھا کہ فرعون کی یہ بات جھوٹ اور باطل ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے تو مدین سے واپس آتے ہی فرعون کو خدائے یکتا کی طرف بلایا اور اپنی صداقت پر معجزات دکھائے۔ اسی وقت فرعون نے اپنی تمام قلمرو سے ماہر جادوگر بلوا لئے اور ان کے ساتھ گرانقدر عطیات کا وعدہ کیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ اور فرعون کے قرب کے بہت زیادہ حریص تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ان میں سے کسی کو پہچانتے بھی نہ تھے بلکہ ان میں سے نہ کسی کو دیکھا تھا اور نہ کسی سے ملاقات ہوئی تھی۔ فرعون کو اس بات کا بخوبی علم تھا لیکن اپنی شرمناک شکست کو چھپانے اور جاہل عوام کو دھوکہ دینے کے لئے اس نے یہ بات کہی جیسا کہ فرمایا: فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ (الزخرف: 54) ''یوں اس نے احمق بنادیا اپنی قوم کو سو وہ اس کی پیروی کرنے لگے''، اور وہ جاہل فرعون کے اس دعویٰ ''اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى'' کی بھی تصدیق کرتے تھے۔ کیسی جاہل اور گمراہ قوم تھی! سدی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے رئیس کے درمیان ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا کہ تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں تم پر غالب آ گیا تو کیا تو مجھ پر ایمان لائے گا اور میری رسالت کی گواہی دے گا تو اس ساحر نے کہا کہ کل میں ایسے جادو کا مظاہرہ کرنے والا ہوں جس پر کوئی جادو غالب نہیں آسکتا۔ اللہ کی قسم! اگر تم مجھ پر غالب آ گئے تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا اور اس بات کی گواہی دوں گا کہ تم سچے ہو، فرعون انہیں اس وقت دیکھ رہا تھا اسی لئے اس نے سازش کا الزام لگایا۔

لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا...... یعنی تم یہ چاہتے تھے کہ جمع ہو کر سلطنت پر قبضہ جمالو اور اس ملک کے اکابرین اور رؤساء کو نکال باہر کرو تا کہ اس ملک میں تمہارا سکہ چلنا شروع ہو جائے۔ عنقریب تم جان لو گے کہ میں تمہارا کیا حشر کرنا چاہتا ہوں۔ پھر اپنی دھمکی کی وضاحت ان الفاظ میں کی: لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ...... یعنی میں تمہارا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹ ڈالوں گا اور پھر سولی پر لٹکا دوں گا ایک دوسری آیت میں آتا ہے کہ میں تمہیں کھجور کے درختوں کے ساتھ پھانسی پر لٹکا دوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مختلف اطراف سے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور پھانسی دینے کی سزا فرعون کی ایجاد ہے۔

اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ وہ جادوگر کہنے لگے کہ ہمیں یہ یقین ہو گیا کہ ہمیں ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے اور اس کا عذاب تیرے اس عذاب سے زیادہ شدید ہے جس کی تو ہمیں دھمکی دے رہا ہے۔ آج ہم اس عذاب پر صبر کریں گے تا کہ اخروی عذاب سے نجات پا جائیں، اسی لئے بارگاہ خداوندی میں دعا کرنے لگے: رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا...... یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر انڈیل دے تا کہ ہم تیرے دین پر ثابت قدم رہیں اور جب آخری وقت آئے تو تیری اور تیرے نبی موسیٰ علیہ السلام کی اتباع میں سر جھکے ہوئے ہوں چنانچہ فرعون کو کھری کھری سناتے ہوئے کہنے لگے: فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى (طٰہٰ: 75-72) ''پس (ہمارے بارے میں) جو فیصلہ تو کرنا چاہتا ہے کر دے۔ (ہمیں ذرا پروا نہیں) تو صرف اس (فانی) دنیوی زندگی کے بارے میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے یقیناً ہم ایمان لائے ہیں اپنے رب پر تا کہ وہ بخش دے ہمارے لئے ہماری خطاؤں کو اور اس قصور کو بھی جس پر تم نے مجبور کیا ہے یعنی فن سحر۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا

ہے۔ بے شک جو شخص بارگاہ الٰہی میں مجرم بن کر آئے تو اس کے لئے جہنم (کا شعلہ زار) ہے نہ وہ مر ہی سکے گا اس میں اور نہ وہ زندہ ہوگا۔ اور جو شخص حاضر ہوگا بارگاہ الٰہی میں مومن بن کر اس حال میں اس نے عمل بھی نیک کئے ہوں تو یہ وہ (سعادت مند) ہیں جن کے لئے بلند درجات ہیں"۔ دن طلوع ہوا تھا تو یہ جادوگر اور کافر تھے جبکہ دن کے آخری حصہ میں شہداء اور نیکوکار بن گئے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿١٢٧﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ڐ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٨﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٩﴾

"اور کہا قوم فرعون کے سرداروں نے (اے فرعون!) کیا تو (یونہی) چھوڑے رکھے گا موسیٰ اور اس کی قوم کو تاکہ فساد برپا کرتے رہیں اس ملک میں اور چھوڑے رہے موسیٰ تجھے اور تیرے خداؤں کو۔ اس نے (برافروختہ ہوکر) کہا (ہرگز نہیں بلکہ) ہم تہ تیغ کردیں گے ان کے لڑکوں کو اور زندہ چھوڑ دیں گے ان کی عورتوں کو۔ اور ہم بے شک ان پر غالب ہیں۔ فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم کو (اس آزمائش میں) مدد طلب کرو اللہ سے اور صبر و استقامت سے کام لو۔ بلاشبہ زمین اللہ ہی کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے (مخصوص) ہے۔ قوم موسیٰ نے کہا ہم تو ستائے گئے اس سے پہلے بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس اور اس کے بعد بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس آپ نے کہا عنقریب تمہارا رب ہلاک کردے گا تمہارے دشمن کو اور (ان کا) جانشین بنادے گا تمہیں زمین میں پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو"۔

فرعون اور قوم کے زعماء کے درمیان جو بات طے ہوئی اور ان کے دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کا بغض اور اذیت رسانی کا جو جوش مضمر تھا، اس سے پردہ اٹھایا جارہا ہے۔ سرداروں نے فرعون سے کہا: اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو یونہی چھوڑے رکھیں گے تاکہ وہ ہماری قوم کے افراد کو برگشتہ کرتے رہیں اور اپنے دین کی دعوت دیتے رہیں۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کو فساد کا نام دے کر اس قدر خوفزدہ ہوگئے! فسادی تو وہ بذات خود تھے لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے کہا: وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ بعض نے کہا ہے کہ یہاں واؤ حالیہ ہے۔ معنی یہ ہوگا: کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو ترک کئے رکھیں گے تاکہ وہ فساد برپا کرتے رہیں درآں حالیکہ اس نے آپ کی اور آپ کے معبودان کی عبادت کو چھوڑ رکھا ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس طرح پڑھا ہے: "وَقَدْ تَرَكُوْكَ اَنْ يَعْبُدُوْكَ اٰلِهَتَكَ"۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ واؤ عاطفہ ہے۔ معنی یہ ہوگا: کیا آپ اسے چھوڑ دیں گے کہ وہ فساد بپا کرے اور آپ اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ دے۔ بعض نے "الهة" کی بجائے "اِلَاهَتَكَ" (تیری عبادت) پڑھا ہے۔ پہلی قراءت کی بناء پر بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ فرعون کا بھی کوئی خدا تھا جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ پوشیدہ طور پر اپنے خدا کی عبادت کرتا تھا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس کے گلے میں ایک مورتی لٹکی ہوئی تھی جس کو

وہ سجدہ کرتا تھا(1)۔اس بناء پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب وہ لوگ کسی خوبصورت گائے کو دیکھتے تو فرعون انہیں اس کی پرستش کرنے کا حکم دیتا۔ اسی لئے سامری نے ایک بچھڑا بنایا تھا جس کے اندر سے آواز نکلتی تھی۔فرعون نے اپنے درباریوں اور سرداروں کے اکسانے پر ان کی بات کو قبول کرتے ہوئے کہا: سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ یہ اس نوعیت کا دوسرا حکم تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل بھی آپ کے وجود سے خوفزدہ ہونے کی بناء پر اس نے یہ حکم جاری کیا تھا،لیکن اس کی تدبیر بے سود رہی اور معاملہ اس کے قصد کے برعکس رہا۔بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے اور انہیں مغلوب رکھنے کی غرض سے یہ حکم اس نے دوبارہ لاگو کر دیا لیکن اس کا ارادہ دھرے کا دھرا رہ گیا،اس کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو عزت بخشی جبکہ فرعون کو ذلیل و رسوا کر دیا،وہ خاک آلود ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اسے لشکر سمیت غرق کر دیا۔جب بنی اسرائیل کو تکلیف پہنچانے کا فرعون نے عزم مصمم کر لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا۔اور آپ نے ان کے ساتھ اچھے انجام کا وعدہ کیا اور یقین دلایا کہ ملک تمہارا ہی ہوگا: اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ......۔

اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ...... بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ کی آمد سے قبل بھی ہم ذلت و رسوائی کا شکار تھے اور آپ کی آمد کے بعد بھی صورت حال جوں کی توں ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں موجودہ حالت اور آئندہ پیش آنے والے حالات پر آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ...... اس آیت کے ذریعے انہیں اس عزم پر ابھارنا مقصود ہے کہ جب راحت کا دور آئے اور تکلیف ختم ہو جائے تو اللہ کا شکر ادا کرنا۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝١٣٠ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝١٣١

”اور بے شک ہم نے پکڑ لیا فرعونیوں کو قحط سالی اور پھلوں کی پیداوار میں کمی سے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔تو جب آتا ان پر خوشحالی (کا دور) (تو) کہتے ہم مستحق ہیں اس کے اور اگر پہنچتی انہیں کوئی تکلیف (تو) بدفالی پکڑتے موسیٰ سے اور آپ کے ساتھیوں سے سن لو! ان کی بدفالی تو (مکافات عمل کے قانون کے مطابق) اللہ کے پاس سے ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے“۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے آل فرعون کو قحط سالی اور پھلوں کی پیداوار میں کمی کر کے آزمایا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔رجاء بن حیوۃ کہتے ہیں کھجور کے درخت کو صرف ایک ہی کھجور لگتی تھی۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ...... جب ان پر راحت کا دور آتا،شادابی کا دور دورہ ہوتا اور پیداوار خوب ہوتی تو کہتے کہ ہم ہی تو اس کے مستحق تھے۔اور اگر وہ قحط سالی کا شکار ہو جاتے اور مشکل وقت آ جاتا تو کہتے کہ یہ سب موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست کا نتیجہ ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،سنو،یہ نحوست اور بدفالی مکافات عمل کا نتیجہ ہے موسیٰ علیہ السلام کا اس میں کوئی قصور نہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ لفظ طائر سے مراد مصائب لیتے ہیں۔وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر لوگ اصلی سبب کو نہیں سمجھتے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

1۔تفسیر طبری،جلد 9 صفحہ 25 2۔تفسیر طبری،جلد 9 صفحہ 30،الدر المنثور،جلد 3 صفحہ 108

''عِنْدَ اللّٰهِ'' کا معنی ''مِنْ قِبَلِ اللّٰهِ'' (من جانب اللہ) لیتے ہیں (1)۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

''اورانہوں نے کہا کیسی ہی تو لے آئے ہمارے پاس نشانی (معجزہ) تا کہ تو جادو کرے ہم پر اس سے ہرگز نہیں ہم تم پر ایمان لانے والے پھر بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون (یہ سب) واضح نشانیاں تھیں، پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ (پیشہ ور) مجرم تھے۔ اور جب آجاتا ان پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ! دعا کر ہمارے لئے اپنے رب سے اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے ساتھ ہے۔ اگر تم ہٹا دو گے ہم سے یہ عذاب تو ہم ضرور ایمان لائیں گے تم پر اور ضرور روانہ کر دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔ پھر جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب ایک مقررہ میعاد تک جس کو وہ پہنچنے والے تھے تو فوراً انہوں نے (توبہ کا عہد) توڑ دیا''۔

فرعونیوں کے حق کے ساتھ عناد و سرکشی اور باطل پر اصرار کا ذکر ہو رہا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے: وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ...... یعنی تم کیسی ہی کوئی نشانی، دلیل اور معجزہ ہمارے پاس لے آؤ جس کے ذریعے تم ہمیں جادو کر دو، ہم اسے مسترد کر دیں گے، نہ اسے قبول کریں گے اور نہ تم پر ایمان لائیں گے۔ اس سرکشی کے نتیجہ میں انہیں طرح طرح کی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما طوفان کا معنی بتاتے ہیں بارش کی کثرت جو غرق کر دے اور فصلوں اور پھلوں کو تلف کر دے۔ ایک دوسری روایت میں آپ سے طوفان بمعنی کثرت اموات منقول ہے۔ مجاہد کہتے ہیں: سیلاب اور طاعون۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''طوفان یعنی موت'' (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا ایک اور معنی منقول ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناگہانی آفت، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ (القلم: 19) ''پس چکر لگا گیا اس باغ پر ایک چکر لگانے والا آپ کے رب کی طرف سے درآنحالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے''۔

جراد (ٹڈی) مشہور و معروف ہے۔ اس کا کھانا حلال ہے جیسا کہ صحیحین کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے ٹڈی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شریک ہوئے، ہر موقعہ پر ٹڈیاں کھانے کا اتفاق ہوا (2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہمارے لئے دو مردہ چیزیں اور دو خون حلال ہیں: مچھلی، ٹڈی، کلیجی اور تلی'' (3)۔ رسول اللہ ﷺ سے ٹڈی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 31 2۔ صحیح بخاری کتاب الذبائح والصید، جلد 7 صفحہ 117 صحیح مسلم، کتاب الصید 1546

3۔ سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمۃ 1101-1102، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 97 وغیرہ

اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ لشکر ہے نہ میں اسے کھاتا ہوں اور نہ اسے حرام قرار دیتا ہوں" (1)۔ آپ ﷺ کو اس کا کھانا مرغوب نہیں تھا اس لئے اسے ترک کر دیا جس طرح گوہ بھی آپ کو ناپسند تھا حالانکہ اس کے کھانے کی آپ ﷺ نے اجازت دی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہ ٹڈی کھاتے، نہ گردے اور نہ گوہ، حالانکہ آپ ﷺ نے ان چیزوں کو حرام نہیں قرار دیا تھا۔ ٹڈی تو اس وجہ سے کہ وہ عذاب ہے، گردے اس بناء پر کہ وہ پیشاب کے قریب ہیں اور گوہ سے اجتناب کی وجہ آپ ﷺ کا یہ فرمان تھا: "مجھے اندیشہ ہے کہ یہ (گوہ) کسی مخلوق کی مسخ شدہ صورت ہے۔" اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن عساکر کہتے ہیں کہ یہ روایت غریب ہے۔ بہر صورت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ٹڈی کو شوق سے کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کاش ایک دو ٹوکریاں مل جائیں تاکہ ہم کھائیں (2)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پلیٹیں بھر بھر کر ٹڈیاں تحفہ بھیجا کرتی تھیں (3)۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: "مریم بنت عمران علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ مجھے ایسا گوشت کھلا جس میں خون نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ٹڈی کھلائی۔ مریم نے عرض کی: یا اللہ! بغیر پرورش کے اس کو زندگی اور بغیر آواز کے اسے ایک دوسرے کے پیچھے رکھ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ٹڈیوں کو نہ مارو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا لشکر ہے۔" مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس ارشاد: فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ کے متعلق کہتے ہیں کہ گزشتہ زمانہ میں یہ ٹڈیاں دروازوں کے کیل کھا جاتی تھیں اور لکڑی چھوڑ دیتیں۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ میں صحراء کی طرف نکلا تو میں نے اچانک فضا میں ٹڈی دل دیکھا۔ ایک آدمی پر نظر پڑی جوان میں سے ایک ٹڈی پر سوار تھا، یہ شخص مسلح تھا۔ جب وہ اپنے ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرتا تو ٹڈیاں بھی اس کے ہاتھ کے ساتھ ہی مائل ہو جاتیں اور وہ بار بار کہہ رہا تھا کہ دنیا و مافیہا سب باطل ہے۔ قاضی شریح سے جراد کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اسے برباد کرے۔ اس میں سات جابر چیزوں کی تخلیقی صفات ہیں: اس کا سر تو گھوڑے کا سر ہے، گردن بیل کی، سینہ شیر کا، پر گدھ کے، پاؤں اونٹ کے، دم سانپ کی اور پیٹ بچھو کا۔ اور اس آیت "اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ" کے تحت ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کر چکے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج یا عمرہ کے لئے نکلے، رستہ میں ہمیں ٹڈی دل سے سامنا ہو گیا۔ ہم نے احرام کی حالت میں انہیں لکڑیوں کے ساتھ مارنا شروع کر دیا۔ اس کے متعلق ہم نے حضور ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "صید بحر میں کوئی حرج نہیں" (4)۔ حضرات انس اور جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جراد کے لئے بددعا کرتے تو یوں کہتے: "اے اللہ! ان کے بڑوں کو ہلاک کر دے، چھوٹوں کو قتل کر دے، ان کے انڈوں کو تباہ کر دے، ان کی نسل کو قطع کر دے اور ہمارے اسباب معیشت اور ارزاق سے ان کے منہ بند کر دے، تو ہی دعاؤں کو سننے والا ہے"۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ خدائی لشکر کے لئے قطع نسل کی بددعا کر رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ سمندر کی مچھلیوں کی اولاد ہے"۔ زیاد کہتے ہیں کہ انہیں ایک شخص نے جس نے اپنی آنکھوں سے ٹڈیوں کو مچھلیوں سے پیدا ہوتے ہوئے دیکھا ہے، بتایا کہ مچھلیاں جب ساحل سمندر کے قریب انڈے دیتی ہیں اور ساحلی پانی خشک ہو جاتا ہے تو جب اس پر دھوپ پڑتی ہے، ٹڈیاں انڈوں سے نکل نکل کر اڑنے لگتی ہیں۔ اور اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ کے تحت

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمة، جلد 3 صفحہ 357

6۔ موطا امام مالک، کتاب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 2 صفحہ 933

7۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصید 1073

1۔ تحفة الاحوذی، ابواب الحج، جلد 3 صفحہ 586، سنن ابن ماجہ، کتاب الصید 1074

ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزار قسم کی مخلوق پیدا کی ہے، چھ سو سمندر میں اور چار سو خشکی پر، اور جلد ہلاک ہو جانے والی مخلوق ٹڈی ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تلوار کے (ہلاک شدگان) مقابلہ میں وباء کی کوئی حقیقت نہیں اور ٹڈی کے مقابلہ میں لکڑی کی کوئی حیثیت نہیں''۔ یہ حدیث غریب ہے۔

قُمَّل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک وہ گھن اور سسری ہے جو گندم کو لگ جاتی ہے۔ اور آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ اس کا معنی چھوٹی چھوٹی ٹڈیاں ہیں جن کے پر نہیں ہوتے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''قُمَّل'' چھوٹے چھوٹے سیاہ رنگ کے کیڑوں کو کہتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے نزدیک اس سے مراد پسو ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ''قُمَّل''، ''قُمَّلَة'' کی جمع ہے اور اس سے مراد چیچڑی کے مشابہ کوئی کیڑا ہے۔ بعض اہل بصرہ کے نزدیک اس کا معنی چیچڑی ہے(1)۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ روانہ کر دو تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے شدید بارش کی صورت میں ان پر طوفان بھیجا، موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ فرعونی ڈر گئے کہ یہ اللہ کا عذاب ہے۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ اپنے رب سے دعا کریں تا کہ وہ اس طوفان کو ہم سے ٹال دے، پھر ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے عذاب ٹل گیا لیکن پھر بھی نہ وہ ایمان لائے اور نہ بنی اسرائیل کو آزاد کیا۔ اس سال معمول سے بڑھ کر فصلیں ہوئیں، پھلوں کی بہتات ہوگئی، پیداوار کی فراوانی ہوگئی اور ہر طرف سبزہ ہی سبزہ دکھائی دینے لگا تو وہ کہنے لگے کہ یہی تو ہماری تمنا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈیوں کا لشکر بھیج دیا وہ جس چیز پر بیٹھتیں اسے تباہ کر ڈالتیں، وہ سمجھ گئے کہ اب کوئی فصل باقی نہیں بچے گی۔ پھر دوڑے دوڑے حضرت موسیٰ کے پاس دعا کے لئے حاضر ہوئے اور وعدہ کیا کہ ہم اس عذاب کے دور ہوتے ہی آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ روانہ کر دیں گے۔ آپ کی دعا سے یہ عذاب بھی ٹل گیا، پھر بھی وہ ایمان نہ لائے اور نہ ہی بنی اسرائیل کو اپنی قید سے آزاد کرنے پر تیار ہوئے۔ انہوں نے گھروں میں غلہ ذخیرہ کر لیا اور کہنے لگے کہ اب کوئی خطرہ نہیں، ڈھیروں غلہ ہمارے گھروں میں موجود ہے، اچانک اللہ تعالیٰ نے گھن کا عذاب ان پر نازل کر دیا۔ غلے کو گھن کھانے لگا۔ ایک آدمی دس جریب غلہ پسوانے کے لئے لے جاتا تو چکی تک پہنچتے پہنچتے بمشکل تین قفیز باقی رہ جاتا۔ پھر وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوئے حسب سابق مشکل ٹلنے کی صورت میں ایمان لانے اور بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کا پختہ وعدہ کیا لیکن پھر اپنے وعدہ سے مکر گئے۔ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے مینڈک کی ٹرٹراہٹ سنی تو آپ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ تمہیں اور تمہاری قوم کو اس سے کوئی خطرہ ہے؟ وہ کہنے لگا کہ اس سے تو کوئی خاص خطرہ نہیں۔ ابھی شام بھی نہ ہونے پائی تھی کہ لوگوں کے سارے جسم پر مینڈک کودنے لگے۔ جب کوئی بات کرنے کے لئے اپنا منہ کھولتا تو مینڈک اچھل کر اس کے منہ میں چلا جاتا بڑے پریشان ہوئے، پھر بھاگم بھاگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی اور اپنا وعدہ دہرایا۔ عذاب دور ہو جانے کے بعد پھر بھی ایمان نہ لائے۔ اب خون کا عذاب نازل ہوا۔ نہروں اور تالابوں سے پانی لاتے ہیں تو خون بن جاتا ہے، برتنوں میں پانی رکھتے ہیں تو وہ بھی خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ انہوں نے فرعون سے شکایت کی کہ ہم تو خون کی سخت آزمائش سے دوچار ہیں، پینے کو پانی بھی نہیں ملتا۔ فرعون کہنے لگا کہ اس (موسیٰ علیہ السلام) نے تم پر جادو کر دیا ہے تو وہ کہنے لگے کہ

1۔ مجاز القرآن لابی عبیدۃ، جلد 1 صفحہ 226، تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 33

اس نے ہم پر جادو کہاں سے کر دیا، ہم تو اپنے برتنوں میں پانی کی بجائے تازہ خون پاتے ہیں۔ اب پھر چارو ناچار موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فریاد کی، ساتھ ہی اپنے عہد کی تجدید کی۔ آپ علیہ السلام کی دعا سے یہ عذاب بھی چھٹ گیا لیکن وہ نہ تو ایمان لانے پر آمادہ ہوئے اور نہ بنی اسرائیل کو رہا کرنے پر تیار ہوئے۔

محمد بن اسحاق بن یسار کہتے ہیں کہ جب جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو دشمن خدا فرعون مغلوب اور ناکام ہو کر لوٹا۔ پھر بھی کفر اور سرکشی پر ہی بضد رہا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلسل اپنی نشانیاں اس پر ظاہر کیں، قحط سالی کا شکار ہوا، طوفان، ٹڈی، جوئیں، مینڈک اور پھر خون کی شکل میں عذاب میں مبتلا ہوا۔ طوفان آیا تو اس کا پانی زمین پر ٹھہر گیا، نہ ہل چلا سکتے تھے اور نہ کچھ کاشت کر سکتے تھے۔ جب بھوک سے حالت غیر ہوگئی تو کہنے لگے: قَالُوْا یٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ...... موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور عذاب ٹل گیا لیکن پھر بھی انہوں نے اپنا وعدہ ایفاء نہ کیا۔ ٹڈی کا عذاب آیا، ساری فصلیں تباہ ہونے لگیں، صورت حال یہ ہوگئی تھی کہ وہ دروازوں کے لوہے کے کیل کھا جاتیں حتیٰ کہ ان کے گھر گرنے لگے۔ پھر انہوں نے وعدہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کروائی لیکن پھر بھی اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ پھر جوؤں کا عذاب آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس ٹیلے کی طرف آؤ۔ وہاں آپ نے بحکم خداوندی ایک پتھر پر ضرب لگائی تو اس سے بے شمار جوئیں نکل آئیں۔ گھر اور کھانے ان سے بھر گئے، نیندیں حرام ہوگئیں اور سکون برباد ہو گیا۔ پھر انہوں نے حسب سابق اپنا وعدہ دہراتے ہوئے دعا کروائی، لیکن عذاب ٹلنے کے بعد پھر عہد شکنی کی۔ پھر مینڈکوں کا لشکر آ گیا۔ گھر، کھانے اور برتن سب ان سے بھر گئے۔ پھر خون کا عذاب آیا۔ نہر یا کنویں سے پانی نکالیں تو خون، برتن میں سے پانی لیں تو خون برآمد ہوتا(1)۔ حضرت عبید اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ مینڈکوں کو نہ مارو کیونکہ جب فرعونیوں پر ان کا عذاب بھیجا گیا تھا تو ان میں سے ایک مینڈک اللہ کی خوشنودی کی خاطر آگ کے تنور میں گر پڑا تھا، چنانچہ اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے ٹھنڈی چیز (پانی) کو ان کا مسکن بنا دیا اور ان کی آواز کو تسبیح قرار دے دیا۔ زید بن اسلم ''دَمَ'' (خون) سے مراد نکسیر پھوٹنے کا عذاب لیتے ہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

'' پھر ہم نے بدلہ لیا ان سے اور غرق کر دیا انہیں سمندر میں کیونکہ انہوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو اور وہ اس (آنے والے) عذاب سے بالکل غافل تھے۔ اور ہم نے وارث بنا دیا اس قوم کو جسے ذلیل وحقیر سمجھا جاتا تھا (انہیں وارث بنایا) اس زمین کے شرق وغرب کا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی اور پورا ہو گیا آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے متعلق بوجہ اس کے کہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے برباد کر دیا جو کیا کرتا تھا فرعون اور اس کی قوم اور (برباد کر دیئے) جو بلند مکان وہ تعمیر کیا کرتے تھے''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 37

فرعونیوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی متعدد نشانیاں دکھائی گئیں اور یکے بعد دیگرے کئی قسم کی آزمائشوں سے دوچار ہوئے، لیکن پھر بھی اپنی سرکشی اور تمرد سے باز نہ آئے تو انہیں اس بحر (قلزم) میں غرق کر دیا گیا جس میں شگاف ڈال کر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے رستہ بنا دیا۔ آپ بنی اسرائیل سمیت سمندر میں اتر پڑے اور بعافیت اسے عبور کر لیا۔ پھر فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت ان کے پیچھے سمندر میں اترا۔ جب وہ تمام کے تمام سمندر کے اندر چلے گئے تو پانی نے بہتے ہوئے انہیں اپنے نرغہ میں لے لیا اور وہ سب ڈوب گئے۔

اس عبرتناک عذاب کی وجہ یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے تھے اور ان سے غفلت برتتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنے احسان سے آگاہ فرما رہا ہے کہ اس نے اس ذلیل اور کمزور قوم کو اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ (القصص:6-5) ”اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا ملک (مصر) میں اور بنا دیں انہیں پیشوا اور بنا دیں انہیں (فرعون کے تاج و تخت کا) وارث۔ اور تسلط بخشیں انہیں سرزمین (مصر) میں اور ہم دکھائیں فرعون اور ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کی جانب سے (وہی خطرہ) جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے“۔ اور فرمایا: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ (الدخان:28-25) ”وہ چھوڑ گئے بہت سے باغات اور چشمے۔ (سرسبز) کھیتیاں اور شاندار مقامات۔ اور بہت سارا ساز و سامان جس میں وہ عیش کیا کرتے تھے۔ یونہی ہوا۔ اور ہم نے وارث بنا دیا ان تمام چیزوں کا دوسرے لوگوں کو“۔ حضرات حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ کے نزدیک مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا سے مراد سرزمین شام ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى ...... اللہ تعالیٰ کی یہ اچھی بات اور عمدہ وعدہ وہ ہے جس کا ذکر ”وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ......“ والی ان آیات میں ہوا ہے جن کا بیان ابھی ابھی ہوا ہے۔ پھر فرمایا: وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ ...... فرعونی جو عمارات بنایا کرتے تھے، جو فصلیں کاشت کرتے تھے اور جو بھی محلات تعمیر کرتے تھے ہم نے انہیں تباہ و برباد کر کے کھنڈرات بنا دیا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝۱۳۸ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۳۹

”اور ہم نے پار اتارا بنی اسرائیل کو سمندر سے تو گزرے وہ ایک ایسی قوم پر جو مگن بیٹھے تھے اپنے بتوں کی عبادت میں، بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ! بناؤ ہمارے لئے بھی ایک (ایسا) خدا جیسے ان کے خدا ہیں۔ موسیٰ نے فرمایا یقیناً تم جاہل (اور بے سمجھ) لوگ ہو۔ بے شک یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں تباہ ہو کر رہیں گے اور باطل ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں“۔

بنی اسرائیل کے جاہلوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کا بیان ہو رہا ہے، جب انہوں نے بخیریت سمندر کو عبور کر لیا اور اس سے قبل وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانیاں بچشم خود دیکھ چکے تھے تو ان کا گزر ایک بت پرست قوم سے ہوا جو اپنے بتوں کی پرستش میں مگن تھی۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ کنعانی تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا تعلق قبیلہ لخم سے تھا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ وہ گائے جیسے بتوں کی

عبادت کرتے تھے۔ اسی سے متاثر ہو کر بعد میں بنی اسرائیل بچھڑے کی عبادت میں مبتلا ہو گئے۔ وہ کہنے لگے: یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا...... یعنی ان کے خداؤں جیسا ایک خدا ہمارے لئے بھی بنا دو۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم تو بالکل جاہل اور نادان ہو، تمہیں اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت سے آگاہی ہی نہیں ہے، وہ تو شریک اور مثیل سے منزہ ہے۔ یاد رکھو یہ لوگ جس عقیدہ کو اپنائے ہوئے ہیں یہ بھی تباہ ہونے والا ہے اور ان کا عمل بھی باطل ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ابن جریر نے ایک روایت بیان کی ہے جو حضرت ابو واقد اللیثی سے مروی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ ہم (کچھ صحابہ) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ سے حنین کی طرف جا رہے تھے۔ رستہ میں کفار کا ایک بیری کا درخت تھا جہاں وہ ٹھہرتے تھے اور اس کے ساتھ اپنا اسلحہ لٹکا دیا کرتے تھے۔ اس درخت کو ''ذات انواط'' کہا جاتا تھا۔ ہم اس درخت کے پاس سے گزرے تو یہ بیری کا ایک بہت بڑا سرسبز درخت تھا۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمارے لئے بھی ان جیسا ایک ''ذات انواط'' بنا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم نے وہی بات کہی جو قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی: اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے فرمایا: تم پہلے لوگوں کے (غلط) طریقے پر چلنا چاہتے ہو(1)۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَ اِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾

''موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کیا بغیر اللہ کے میں تلاش کروں تمہارے لئے کوئی اور خدا حالانکہ اسی نے فضیلت دی ہے تمہیں سارے جہانوں پر۔ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے نجات دی تمہیں فرعونیوں سے جو چکھاتے تھے تمہیں سخت عذاب مار ڈالتے تھے تمہارے فرزندوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور احسانات یاد دلا رہے ہیں کہ اس نے انہیں فرعون کی قید، ظلم وستم، قہر، اور ذلت ورسوائی سے رہائی دلوائی، عزت اور غلبہ عطا فرمایا اور دشمن کو سامنے ہلاک کر کے انہیں تسکین اور تشفی بخشی۔ اس کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے(2)۔

وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

''اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰ علیہ السلام سے تیس رات کا اور مکمل کیا اسے دس مزید راتوں سے۔ سو پوری ہو گئی اس کے رب کی میعاد چالیس راتیں۔ اور (طور پر جاتے وقت) کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میرا نائب رہنا میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کے راستہ پر''۔

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 218　　2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ: 49

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ہدایت عطا کر کے احسان فرمایا، اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا، انہیں تورات عطا فرمائی جس میں احکام اور شریعت کی دیگر تفصیلات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دنوں کے روزے رکھے۔ جب میعاد پوری ہوگئی تو آپ نے مسواک کر لی تو اللہ تعالیٰ نے مزید دس دنوں کا اضافہ کر کے چالیس دن کی تکمیل کا حکم دیا۔ ان دس دنوں کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کون سے دن تھے۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ تیس دن ذوالقعدہ کے تھے اور دس دن ذوالحجہ کے۔ اس طرح یوم نحر (عیدالاضحیٰ کا دن) کو چالیس دن کی میعاد پوری ہوئی۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور اسی دن دین محمدی ﷺ کی تکمیل ہوئی جیسا کہ ارشاد ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ:3) ''آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین''۔ جب میعاد پوری ہو گئی اور موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جانے کا ارادہ کیا جیسا کہ ارشاد ہے: یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ وَ وٰعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ (طٰہٰ:80) ''اے بنی اسرائیل! (دیکھو!) ہم نے بچالیا تمہیں تمہارے دشمن سے اور ہم نے تم سے وعدہ کیا (کوہ) طور کی دائیں جانب کا''۔ تو اس وقت جاتے جاتے ہوئے آپ نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب مقرر کر دیا اور انہیں اصلاح اور عدم فساد کی تاکید کی۔ یہ بطور تنبیہ و تذکیر کے تھا ورنہ حضرت ہارون علیہ السلام بذات خود عظیم المرتبت نبی تھے جن کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا مقام و مرتبہ تھا۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِیْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۴۳﴾

''اور جب آئے موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر اور گفتگو کی ان سے ان کے رب نے (تو اس وقت) عرض کی اے میرے رب! مجھے دیکھنے کی قوت دے تاکہ میں تیری طرف دیکھ سکوں۔ اللہ نے فرمایا تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے مجھے البتہ دیکھو اس پہاڑ کی طرف سو اگر یہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر تو تم بھی دیکھ سکو گے مجھے پھر جب تجلی ڈالی ان کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اسے پاش پاش اور گر پڑے موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر۔ پھر جب آپ کو ہوش آیا تو عرض کی پاک ہے تو (ہر نقص سے) میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ جگہ پر پہنچے اور انہیں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے دیدار کی درخواست کی:

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ لفظ ''لَنْ'' نے بہت سے علماء کے لئے اشکال پیدا کر دیا ہے، کیونکہ یہ لفظ ہمیشہ کی نفی کے لئے آتا ہے۔ اس بناء پر معتزلہ نے دنیا و آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ کی نفی پر استدلال کیا ہے، لیکن یہ قول نہایت ضعیف اور بودا ہے کیونکہ احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مومنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ ان احادیث کا بیان ان آیات وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ (القیامۃ:22) ''کئی چہرے اس روز ترو تازہ ہوں گے۔ اور اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے'' اور كَلَّآ

اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُوْنَ (المطففين: 1) ''یقیناً انہیں اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن روک دیا جائے گا'' کے تحت ہوگا۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ لفظ ''لَن'' صرف دنیا میں ہمیشہ کی نفی کیلئے ہے۔ اس صورت میں اس آیت کریمہ اور دار آخرت میں رؤیت باری کے ثبوت کی قطعی دلیل کے درمیان تطبیق پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس مقام میں کلام ایسا ہی ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام: 103) ''نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں اور وہ گھیرے ہوئے سب نظروں کو اور وہ بڑا باریک بین (اور) پوری طرح باخبر ہے''۔ سورۂ انعام میں اس پر بحث ہو چکی ہے(1)۔ سابقہ کتابوں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے موسیٰ! جو زندہ مجھے دیکھے گا مر جائے گا اور جس خشک چیز پر میری تجلی پڑ گئی وہ فنا ہو جائے گی۔ اسی لئے فرمایا: فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی...... اس وقت آپ ﷺ نے اپنی انگلی کے ساتھ اشارہ بھی کیا...... تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ ابو اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ اشارہ انگشت شہادت سے تھا(2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ کو پڑھتے وقت اپنے انگوٹھے کو اپنی چھنگلیا کے اوپر رکھ کر بتایا کہ اس قدر تجلی سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ حمید نے ثابت سے کہا: دیکھو، اس طرح۔ ثابت نے اپنا ہاتھ اٹھا کر حمید کے سینہ پر مارا اور کہنے لگے کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے تو میں اسے کیسے چھپاؤں؟ مسند امام احمد میں بھی اسی طرح روایت ہے(3)۔ ترمذی اور حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف چھنگلیا کی مقدار تجلی فرمائی تھی کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر خاک بن گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے(5)۔ حضرت سفیان ثوری کہتے ہیں کہ پہاڑ زمین میں دھنس گیا اور سمندر میں جا گرا۔ ابو بکر ہذلی کہتے ہیں کہ وہ پہاڑ زمین کے نیچے دھنس گیا، اب وہ قیامت تک ظاہر نہیں ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جب پہاڑوں پر تجلی فرمائی تو اس کی عظمت کے باعث چھ پہاڑ اڑ گئے۔ تین مدینہ میں آ گرے اور تین مکہ میں۔ مدینہ میں احد، ورقان اور رضوی ہیں جبکہ مکہ میں: حراء، ثبیر اور ثور'' یہ حدیث غریب بلکہ منکر ہے۔ تجلی سے پہلے کوہ طور سپاٹ، چکنا اور صاف تھا۔ جب تجلی ہوئی تو یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، کئی پہاڑ بن گئے جن میں غاریں اور درے نمودار ہو گئے۔ جب اللہ تعالیٰ کا نور اس پر پڑا تو اس نے ہموار زمین کی شکل اختیار کر لی ہے۔ بعض ''دَكًّا'' کا معنی فتنہ (آزمائش) کرتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ فرمان: وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ...... اس وجہ سے تھا کہ پہاڑ انسان سے بڑا اور زیادہ طاقتور اور مستحکم ہے۔ جب پہاڑ پر تجلی ہوئی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ پہاڑ کی یہ کیفیت دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر جلوہ فرمایا تو وہ مٹی ہو گیا۔ قتادہ نے ''صَعِق'' کا معنی کیا ہے میت یعنی موسیٰ علیہ السلام فوت ہو کر گر پڑے۔ یہ تفسیر درست نہیں ہے۔ ''صَعِق'' کا معنی غشی ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس اور دیگر علماء نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ مجاہد کا موت کے معنی میں لینا درست نہیں ہے اگرچہ لغوی اعتبار سے یہ معنی لینا صحیح ہے جیسا کہ اس آیت میں یہ لفظ موت کے معنی میں استعمال ہوا ہے: وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام: 103
2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 53
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 125
4۔ تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ اعراف، جلد 8 صفحہ 451-452 مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 320-321
5۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 52-53

الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ (الزمر:68) '' اور پھونکا جائے گا صور، پس غش کھا کر گر پڑے گا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے بجز ان کے جنہیں اللہ چاہے گا (کہ بیہوش نہ ہوں) پھر دوبارہ (جب) اس میں پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے ہو کر (حیرت سے) دیکھنے لگ جائیں گے''۔ اس آیت میں ''صَعِقَ'' کا معنی موت ہے کیونکہ قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے لیکن خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا میں قرینہ غشی پر دلالت کرتا ہے وہ قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا: ''فَلَمَّآ اَفَاقَ'' اور افاقہ (ہوش میں آنا) تو غشی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

قَالَ سُبْحٰنَكَ...... ہوش میں آنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام عرض کرنے لگے: اے اللہ! تو اس بات سے منزہ اور پاک ہے کہ دنیا میں کوئی شخص تمہیں دیکھ سکے ورنہ وہ مر جائے گا۔ میں نے رؤیت کی خطا سے توبہ کی اور سب سے پہلے مجھے یقین ہے کہ تجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا یا اس کا معنی ہے کہ میں بنی اسرائیل میں سے سب سے پہلا مؤمن ہوں۔ لیکن زیادہ بہتر وہی معنی ہے جو پہلے بیان ہوا کہ میں سب سے پہلے یہ ایمان لانے والا ہوں کہ قیامت تک تجھے مخلوق میں سے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں محمد بن اسحاق بن یسار سے ایک طویل عجیب وغریب اثر نقل کیا ہے (1)۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ انہوں نے اسرائیلیات سے لیا ہے۔ وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا کے متعلق حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک یہودی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ شکایت لیکر آیا کہ ایک انصاری نے مجھے طمانچہ مارا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے بلاؤ۔ جب وہ انصاری حاضر ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تم نے اس کے منہ پر کیوں تھپڑ مارا ہے؟ عرض کی: یا رسول اللہ! میں اس یہودی کے پاس سے گزرا تو اسے میں نے یہ کہتے ہوئے سنا: قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام لوگوں پر فضیلت دی۔ میں نے کہا: کیا محمد ﷺ پر بھی؟ تو اس نے کہا: ہاں، اس پر مجھے غصہ آ گیا تو میں نے اسے تھپڑ رسید کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو۔ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے اور سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ میں موسیٰ کو عرش کا پایہ تھامے کھڑا دیکھوں گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ انہیں پہلے ہوش آ چکا ہو گا یا تجلی طور کی بے ہوشی کے بدلہ میں وہ بے ہوش ہوئے ہی نہیں ہوں گے'' (2)۔ مسند امام احمد میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی باہم جھگڑ پڑے۔ دونوں اپنے اپنے نبی کو فضیلت دینے لگے۔ یہودی نے آپ ﷺ سے شکوہ کیا تو اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو، کیونکہ قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، مجھے سب سے پہلے افاقہ ہو گا، میں دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کی ایک جانب پکڑے ہوئے ہوں گے، نہ معلوم کہ انہیں مجھ سے پہلے ہوش آ جائے گا یا اللہ تعالیٰ انہیں اس (بے ہوشی) سے مستثنیٰ قرار دے دے گا'' (3)۔ ابوبکر بن ابی الدینا کہتے ہیں کہ اس تنازعہ میں یہودی کو طمانچہ مارنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، لیکن صحیح بات وہی ہے جو صحیحین کی روایت میں گزری کہ وہ ایک انصاری تھا۔ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان لَا تُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰى مُوْسٰى ''مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو'' اس فرمان: لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلَى الْاَنْبِیَآءِ وَلَا عَلٰى یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى کی طرح ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بات از روئے تواضع کے تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بات آپ ﷺ کو اپنی فضیلت کا علم ہو جانے سے قبل کی ہے۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ غضب اور تعصب کے طور پر فضیلت دینے سے آپ ﷺ نے منع فرما دیا اور بعض نے کہا کہ صرف اپنی رائے اور خواہش کے پیش نظر ایسی فضیلت

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 50-52 2۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 430، صحیح مسلم، کتاب الفضائل 1845 وغیرہ

3۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل: 1844، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 264 وغیرہ

دینے کی ممانعت کی گئی ہے۔اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے، ظاہر ہے کہ یہ بے ہوشی میدان محشر میں قیامت کے ہولناکی اور نازک صورت حال کی وجہ سے ہوگی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوقات کے درمیان فیصلہ کیلئے جلوہ فرما ہو تو اللہ تعالیٰ کی تجلی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ موسیٰ مجھ سے پہلے ہوش میں آ جائیں گے یا طور کی بے ہوشی کے بدلہ میں بے ہوش ہوں گے ہی نہیں۔ قاضی عیاض اپنی کتاب الشفاء کے اوائل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تجلی فرمائی تو وہ دس فرسخ کی مسافت سے تاریک رات میں کسی چٹان پر چلتی ہوئی چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ بات بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو بھی اس خصوصیت سے نوازا ہو کیونکہ معراج شریف میں آپ ﷺ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا(1)۔ اس بات سے گویا انہوں نے اس حدیث کی صحت ثابت کی ہے لیکن اس کی صحت محل نظر ہے۔ اس کی سند کے راوی غیر معروف ہیں۔ اس قسم کی روایت عادل ثقہ سے قبول کی جاتی ہے۔

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَ بِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر اپنی پیغامبری سے اور اپنے کلام سے اور لے لو جو میں نے دیا ہے تمہیں اور ہو جاؤ شکر گزار بندوں سے اور ہم نے لکھ دی موسیٰ کے لئے تختیوں میں ہر چیز نصیحت پذیری کے لئے اور (لکھ دی) تفصیل ہر چیز کی۔ پھر (فرمایا) پکڑ لو اسے مضبوطی سے اور حکم دو اپنی قوم کو کہ پکڑ لیں اس کی اچھی باتیں۔ عنقریب میں دکھاؤں گا تمہیں نافرمانوں کا (برباد شدہ) گھر"۔

اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں اپنی پیغمبری اور ہم کلامی کے ساتھ سارے لوگوں پر چن لیا۔ یہاں "النَّاسِ" سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے لوگ ہیں اور اس میں ذرا بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ ساری اولاد آدم کے سردار ہیں، اسی لئے آپ کو خاتم الانبیاء والمرسلین بنایا، آپ کی شریعت قیامت تک جاری رہے گی اور آپ ﷺ کے امتی سارے انبیاء کی امتوں سے زیادہ ہوں گے۔ آپ ﷺ کے بعد شرف و فضیلت میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مرتبہ ہے، پھر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے: فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ جو کلام اور مناجات میں نے تمہیں عطا کی ہے اسے پکڑ لو اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرو اور اس چیز کا مطالبہ نہ کرو جسے برداشت کرنے کی تم میں طاقت نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے ان تختیوں کے اندر ہر بات کی نصیحت اور تفصیل بیان کر دی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ الواح جواہر تھے، اللہ تعالیٰ نے ان میں مواعظ اور حلال و حرام کے احکام کی تمام تفصیلات درج کر دی تھیں۔ ان الواح (تختیاں) پر تورات مرقوم تھی جس کے بارے میں فرمایا: وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ (القصص:43) "اور ہم نے دی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اس کے بعد کہ ہم نے ہلاک کر دیا تھا پہلی (نافرمان) قوموں کو (یہ کتاب) لوگوں کے لئے بصیرت افروز

1۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، صفحہ 94

ہے''۔ بعض کہتے ہیں کہ تورات لکھے جانے سے پہلے ہی یہ الواح آپ علیہ السلام کو دے دی گئی تھیں۔ بہرصورت میں یہ مطالبہ رؤیت کے نامنظور ہونے کا صلہ اور عوض تھا۔ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ...... یعنی اطاعت کے عزم مصمم کے ساتھ اس کو لے لو اور اپنی قوم کو بھی اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو حکم ہوا وہ بنی اسرائیل کے حکم سے سخت ہے، کیونکہ آپ کے حکم کے ساتھ قوت کا لفظ ہے اور قوم موسیٰ کے لئے حکم میں احسن کا لفظ ہے۔

سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ عنقریب تم میری نافرمانی کرنے والوں کا انجام دیکھ لو گے کہ کس طرح انہیں ہلاک کیا جاتا ہے۔ یہ بات بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی اپنے مخاطب سے کہے: سَاُرِيْكَ غَدًا اِلٰى مَا يَصِيْرُ اِلَيْهِ حَالُ مَنْ خَالَفَ اَمْرِيْ'' کہ کل میں تمہیں اس شخص کا انجام دکھاؤں گا جو میرے حکم کی مخالفت کرتا ہے۔ یعنی اس سے نافرمان اور مخالف کو دھمکی اور وعید مقصود ہے(1)۔ بعض نے اس ارشاد کا یہ معنی کیا ہے: ہم عنقریب تمہیں فاسقین کا ملک یعنی شام عطا فرمائیں گے۔ بعض نے کہا ہے کہ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ سے مراد فرعونیوں کے گھر ہیں، لیکن پہلی بات زیادہ بہتر ہے، کیونکہ یہ فرمان حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے مصر کو چھوڑنے کے بعد کا ہے اور یہ دوسرا قول میدان تیہ میں داخل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل سے خطاب ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝۱۴۶ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۷

''میں پھیر دوں گا اپنی نشانیوں سے ان لوگوں (کی توجہ) کو جو غرور کرتے پھرتے ہیں زمین میں ناحق اور اگر دیکھ لیں تمام نشانیوں کو (تو بھی) نہ ایمان لے آئیں ان پر اور دیکھ بھی لیں راہ رشد و ہدایت تب بھی نہ بنائیں اسے (اپنا) راستہ اور اگر دیکھیں گمراہی کے راستہ کو (تو جھٹ) بنالیں اسے (اپنی) راہ، یہ (ساری غلط روی) اس لئے ہے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور (ہمیشہ) رہے ان سے غفلت برتنے والے اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو ضائع ہو گئے ان کے سارے اعمال کیا انہیں جزا دی جائے گی سوائے اس کے جو وہ کیا کرتے تھے؟ (ہرگز نہیں)''۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ...... یعنی میں ان لوگوں سے اپنی عظمت، شریعت اور احکام پر دلالت کرنے والے دلائل و براہین کی فہم ہی سلب کر لوں گا جو میری اطاعت سے تکبر و غرور کے نشہ میں سرتابی کرتے ہیں اور لوگوں پر ناحق گھمنڈ کرتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے ناحق تکبر کیا اس لئے انہیں جہالت کی تاریکیوں میں پھینک کر ذلیل کر دیا گیا جیسا کہ ارشاد ہے: وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام: 110) ''اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ'' اور فرمایا: فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (الصف: 5) ''پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا''۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ حیا میں رہنے والا اور متکبر علم حاصل نہیں کر سکتے۔ ایک اور بزرگ کہتے ہیں کہ جس شخص نے ایک گھڑی علم سیکھنے

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 59

کی ذلت کو برداشت نہیں کیا وہ ہمیشہ جہالت کی ذلت برداشت کرتا رہے گا۔ سفیان بن عیینہ رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں (اللہ تعالیٰ) ان سے قرآن فہمی کی توفیق چھین لوں گا اور اپنی آیات سے انہیں محروم کردوں گا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ خطاب اس امت کو ہے۔

وَ اِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ یہ اس ارشاد کی طرح ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ لَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ (یونس:96) ''بیشک وہ لوگ کہ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آجائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب''۔

وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا...... یعنی اگر ہدایت اور نجات کا رستہ ان پر ظاہر ہو جائے تو اس رستہ کے مسافر نہیں بنتے۔ لیکن اگر گمراہی اور ہلاکت کا رستہ ان کے لئے ظاہر ہو جائے تو بے دھڑک اس پر چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس حالت تک پہنچنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا......۔

وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ...... یعنی جو شخص بھی ہماری آیات اور قیامت کے دن کو جھٹلاتا ہے اور مرتے دم تک اس پر بضد رہتا ہے تو ایسے شخص کے اعمال اکارت جاتے ہیں۔ پھر فرمایا: هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ یعنی ہم ان کے حسب اعمال انہیں بدلہ دیتے ہیں۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ ادلے کا بدلہ۔

وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَ لَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَ لَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ وَ رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَ یَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۱۴۹﴾

''اور بنالیا قوم موسیٰ نے ان کے (طور پر جانے کے) بعد اپنے زیورات سے ایک بچھڑا جو محض ڈھانچہ تھا اس سے گائے کی آواز آتی تھی۔ کیا نہ دیکھا انہوں نے کہ وہ نہ بات کر سکتا ہے ان سے اور نہ انہیں ہدایت کی راہ بتا سکتا ہے انہوں نے (خدا) بنالیا اسے اور وہ (بڑے) ظالم تھے۔ اور جب وہ سخت پشیمان ہوئے اور انہیں نظر آگیا کہ وہ (راہ راست سے) بھٹک گئے (تو) کہنے لگے کہ اگر نہ رحم فرماتا ہم پر ہمارا رب اور نہ بخش دیتا ہمیں تو ہم ضرور ہو جاتے نقصان اٹھانے والوں سے''۔

بنی اسرائیل کے وہ لوگ گمراہ ہوئے جنہوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ یہ بچھڑا دراصل سامری کا خود ساختہ کرشمہ اور فریب تھا۔ اس نے قبطیوں سے کچھ زیورات عاریتاً لئے اور انہیں گلا کر بچھڑے جیسا ایک ڈھانچہ تیار کر لیا اور اس کے اندر مٹھی بھر وہ مٹی ڈالی جو اس نے حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں تلے سے حاصل کی تھی۔ یہ مجسمہ تیار ہو گیا تو اس کے اندر سے گائے کی سی آواز آنے لگی۔ بنی اسرائیل نے اس کی پرستش شروع کر دی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے مقررہ وقت پر طور پر چلے گئے تھے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس فتنہ سے آگاہ فرما دیا جیسا کہ فرمایا: فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ (طٰہٰ:85) ''کہ ہم نے تو آزمائش میں بتلا کر دیا ہے تمہاری قوم کو تمہارے (چلے آنے کے) بعد اور گمراہ کر دیا ہے انہیں سامری نے''۔ اس بچھڑے کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا یہ گوشت پوست اور خون رکھنے والا بچھڑا تھا جس سے آواز نکلتی یا محض سونے کا

ڈھانچہ تھا جس کے اندر ہوا گزرنے کے باعث گائے جیسی آواز پیدا ہوتی؟ یہ دونوں قول ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب بچھڑے نے آواز نکالی تو وہ اس کے اردگرد رقص کرنے لگے اور فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ کہنے لگے کہ یہ تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے، موسیٰ تو بھول ہی میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (طٰہٰ: 89) ''کیا ان احمقوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ اختیار رکھتا ہے ان کے لئے کسی ضرر کا اور نہ نفع کا''۔ اور یہاں فرمایا: اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا اللہ تعالیٰ ان پر اظہار ناپسندیدگی فرما رہا ہے کہ یہ نادان بچھڑے کی عبادت میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو گئے اور زمین و آسمان کے خالق و مالک کو فراموش کر بیٹھے۔ ایسے ڈھانچے کی انہوں نے عبادت شروع کر دی جو نہ ان سے کلام کر سکتا ہے اور نہ ہدایت کی طرف ان کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ ان کی آنکھوں پر جہالت اور گمراہی کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی شے کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے (1)۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ...... جب وہ اپنے کئے پر نادم اور پشیمان ہوئے اور انہیں اپنی گمراہی پر یقین آ گیا تو کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہماری مغفرت نہ فرمائے تو ہم بڑے خسارے میں رہیں گے اور ہلاک ہو جائیں گے۔ گویا انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر کے بارگاہ خداوندی کی طرف رجوع کر لیا۔ ایک قراءت میں ''لَئِنْ لَّمْ تَرْحَمْنَا'' اور ''تَغْفِرْ لَنَا'' (تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ) بھی آیا ہے (2)۔ اس صورت میں ''رَبَّنَا'' منادیٰ ہوگا۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۫ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖ٭ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾

''اور جب واپس آئے موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف خشمناک (اور) غمگین ہو کر (تو) بولے (اے قوم!) بہت بری جانشینی کی ہے تم نے میری میرے بعد کیا تم نے جلد بازی کی اپنے رب کے فرمان سے اور (غصہ سے) پھینک دیں تختیاں اور پکڑ لیا سر اپنے بھائی کا (اور) کھینچا اسے اپنی طرف ہارون (علیہ السلام) نے کہا اے میری ماں جائے اس قوم نے کمزور و بے بس بنا دیا مجھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں مجھے سو نہ ہنساؤ مجھ پر دشمنوں کو اور نہ شمار کرو مجھے اس ظالم قوم کے ساتھ موسیٰ (علیہ السلام) نے التجا کی اے میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو زیادہ رحم کرنے والا ہے تمام رحم کرنے والوں سے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرنے کے بعد نہایت خشمناک اور غضبناک ہو کر واپس لوٹے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 334، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 194، جلد 6 صفحہ 450

2۔ یہ حمزہ اور کسائی کی قراءت ہے، دیکھئے الاقناع لابن الباذش 649

ابوالدرداء کہتے ہیں کہ ''اَسِف'' انتہائی شدید غصہ کو کہتے ہیں۔ واپس آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے: بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْ بَعْدِیْ...... یعنی میرے بعد بچھڑے کی پرستش کر کے تم نے انتہائی برا کام کیا ہے۔ کیا تم یہ چاہتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ سے کلام کو ترک کر کے جلدی تمہارے پاس آ جاتا۔ لیکن تقدیر میں یہی بات تھی۔

وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ...... غصہ کی حالت میں آپ نے وہ تختیاں زمین پر ڈال دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ وہ تختیاں زمرد کی تھیں یا یاقوت کی یا لکڑی کی۔ اس واقعہ میں اس حدیث شریف کی تائید ہے: لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ (1)۔ ''سنی سنائی بات آنکھوں دیکھی ہوئی چیز کی طرح نہیں ہے''۔ ظاہر عبارت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے غضبناک ہو کر تختیاں پھینک دیں۔ یہ جمہور علماء کا قول ہے۔ ابن جریر نے اس سلسلہ میں قتادہ سے ایک عجیب و غریب قول نقل کیا ہے (2)۔ جس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔ ابن عطیہ اور دیگر علماء نے اس کا رد کیا ہے اور یہ واقعی رد کے قابل ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ قتادہ نے یہ بات اہل کتاب سے لی ہے اور ان میں بکثرت جھوٹی روایت گھڑنے والے اور زنادقہ موجود ہیں۔ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ اس خیال سے آپ نے اپنے بھائی کا سر کھینچا کہ ممکن ہے انہوں نے لوگوں کو بچھڑے کی پرستش سے منع کرنے میں کوئی کوتاہی کی ہو۔ ایک دوسری آیت میں یوں کہا: ''قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْۤا ۙ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِیْ ۝ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ ۚ اِنِّیْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ (طٰہٰ: 94-92)'' موسیٰ نے (آ کر غصہ سے) کہا اے ہارون! کس چیز نے تجھے روکا کہ جب تو نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا۔ تو (انہیں چھوڑ کر) میرے پیچھے نہ چلا آیا۔ کیا تو نے بھی میری حکم عدولی کی۔ ہارون نے کہا اے میری ماں جائے (بھائی!) نہ پکڑو میری ڈاڑھی کو اور نہ میرے سر (کے بالوں) کو، میں نے اس خوف سے (ان پر سختی نہ کی) کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے پھوٹ ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا''۔ یہاں یہ جواب دیا: ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ...... ''ابْنَ اُمَّ'' (میرے ماں جائے) یہ الفاظ کہنے میں حکمت یہ ہے کہ آپ کے جذبہ شفقت کو ابھارنا مقصود تھا کیونکہ یہ الفاظ زیادہ رقت انگیز اور مؤثر ہیں ورنہ وہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سگے بھائی تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بھائی کے بےقصور ہونے کا یقین ہو گیا تو آپ نے انہیں چھوڑ دیا۔ ارشاد ہوتا ہے: وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِيْعُوْۤا اَمْرِیْ (طٰہٰ: 90) ''اور بے شک کہا تھا انہیں ہارون نے (موسیٰ کی واپسی سے پہلے) اے میری قوم! تم تو فتنہ میں مبتلا ہو گئے اس سے، اور بلاشبہ تمہارا رب تو وہ ہے جو بے حد مہربان ہے پس تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو''۔ جب ثابت ہو گیا کہ ہارون بے گناہ ہیں اور آپ کا غصہ فرو ہو گیا تو آپ نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کی: رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم فرمائے بذات خود دیکھنے والا سننے والے کی طرح نہیں ہوتا۔ اللہ رب العزت نے انہیں خبر دی کہ ان کے بعد ان کی قوم فتنہ (شرک) میں مبتلا ہو گئی ہے، لیکن یہ سن کر انہوں نے تختیاں نہیں پھینکیں۔ جب انہیں بچشم خود دیکھ لیا تو (غصہ میں) تختیاں ڈال دیں''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِيْنَ ۝۱۵۲ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا ۫ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۵۳

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 215-271 2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 65

''بے شک جنہوں نے بنالیا بچھڑے کو معبود جلدی ہی پہنچے گا انہیں غضب ان کے رب کی طرف سے اور رسوائی دنیا کی زندگی میں اور اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں بہتان باندھنے والوں کو۔ اور جنہوں نے کئے برے کام پھر توبہ کی اس کے بعد اور ایمان لائے بے شک آپ کا رب اس کے بعد بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے''۔

بچھڑے کی پرستش کے نتیجہ میں جو غضب بنی اسرائیل پر نازل ہوا وہ یہ تھا کہ ان کی توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوئی جب تک انہوں نے ایک دوسرے کو قتل نہیں کر دیا، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے کہ: فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (البقرۃ:54) ''پس چاہئے کہ توبہ کرو اپنے خالق کے حضور سو قتل کرو اپنوں کو (جنہوں نے شرک کیا) یہ بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک۔ پھر حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ بیشک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔ جہاں تک ذلت کا تعلق ہے تو اس کے بعد انہیں دنیاوی زندگی میں ذلت و رسوائی کا سامنا ہوا۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ہر صاحب بدعت کو ذلت کی سزا دی جاتی ہے۔ بدعت اور ہدایت کی مخالفت کرنے کے نتیجہ میں ملنے والی ذلت صاحب بدعت کے دل سے نکل کر اس کے کندھوں پر آ پڑتی ہے، جیسا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بدعت کی ذلت اہل بدعت کے کندھوں پر سوار ہو جاتی ہے اگر چہ وہ عمدہ خچروں اور گھوڑوں پر سواری کرتے ہوں (دنیاوی ٹاٹھ باٹھ اور شان و شوکت رکھتے ہوں) پھر بھی ان کے چہروں پر نحوست اور ذلت برستی ہے۔ ابو قلابہ جرمی کہتے ہیں کہ ہر مفتری کو قیامت تک یہ سزا ملتی رہے گی۔ سفیان بن عُیَینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر بدعتی ذلیل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو متنبہ فرما رہا ہے اور ان کی رہنمائی کر رہا ہے کہ وہ ہر گناہ سے اپنے بندوں کی توبہ قبول فرما لیتا ہے، اگر چہ وہ کفر، شرک، نفاق اور شقاق ہی ہو، اسی لئے اس کے بعد فرمایا: وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا ...... یعنی جو گناہوں کے بعد توبہ کر لیں تو اس کے بعد اے محبوب، اے رسول توبہ، اے نبی رحمت! آپ کا رب بڑا غفور رحیم ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو کسی عورت کے ساتھ زنا کرے پھر اسی کے ساتھ شادی کرے تو آپ نے یہی آیت دس بار تلاوت کی۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿154﴾

''اور جب فرو ہو گیا موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ تو اٹھا لیا ان تختیوں کو اور ان کی تحریر میں ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں''۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہو گیا تو آپ نے وہ تختیاں پکڑ لیں جو آپ نے قوم کے بچھڑا پرستی میں مبتلا ہو جانے پر غیرت اور غضب میں آ کر پھینک دی تھیں۔

وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ ...... اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ جب آپ نے تختیوں کو نیچے ڈالا تھا تو وہ ٹوٹ گئیں، پھر غصہ تھم جانے کے بعد آپ نے انہیں جمع کر لیا، اس لئے بعض سلف کہتے ہیں کہ ان میں ہدایت اور رحمت کے احکام تھے۔ جہاں تک تفصیلی احکام کا تعلق ہے وہ ضائع ہو گئے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ یہ ٹکڑے شاہان بنی اسرائیل کے خزانوں میں دولت اسلامیہ کے زمانہ تک موجود رہے'' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ''۔ اس بات کی واضح دلیل کہ وہ تختیاں پھینکنے سے ٹوٹ گئیں اور وہ جنتی جوہر سے بنی ہوئی تھیں، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھینکنے کے بعد انہیں اٹھایا تو اس میں پایا: هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ۔ ''رھبة'' اپنے ضمن میں خشوع وخضوع کا معنی لئے ہوئے ہے اس لئے اسے لام کے ساتھ متعدی کیا۔ قتادہ اس فرمان ''اَخَذَ الْاَلْوَاحَ'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! میں ان الواح میں یہ لکھا ہوا پاتا ہوں کہ ایک بہترین امت ہوگی جو نیکی کا حکم دے گی اور برائیوں سے منع کیا کرے گی۔ اے رب کریم! اس امت کو میری امت بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ احمد (ﷺ) کی امت ہے پھر عرض کی: اے پروردگار! میں ان تختیوں میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جو سب سے آخر میں ہوگی لیکن جنت میں سب سے پہلے جائے گی۔ اے رب! وہ میری امت بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ احمد ﷺ کی امت ہے، پھر عرض کی: اے رب کریم! ان الواح میں ایک ایسی امت کا ذکر ہے جن کی کتاب ان کے سینوں میں محفوظ ہوگی وہ اسے پڑھیں گے حالانکہ اس سے پہلے کے لوگ صرف دیکھ کر پڑھ سکتے ہیں اگر ان کی کتاب کو سامنے سے ہٹالیا جائے تو پھر انہیں کچھ یاد ہی نہیں رہتا اور نہ وہ کچھ پہچان سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت کو حفظ کی ایسی قوت بخشی ہے جو پہلی کسی امت کو عطا نہیں فرمائی، یا اللہ! انہیں میری امت بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ احمد ﷺ کی امت ہے۔ پھر عرض کی: یا اللہ! ان الواح میں ایک امت کا احوال درج ہے کہ وہ تیری ہر کتاب پر ایمان لائے گی اور وہ گمراہوں کے خلاف جہاد کریں گے حتیٰ کہ کانے دجال سے بھی لڑیں گے، یا اللہ! ان لوگوں کو میرے امتی بنادے۔ فرمایا: یہ امت احمد ﷺ ہے۔ پھر عرض کی: یا اللہ! ان تختیوں میں ایک ایسی امت کے افراد کا ذکر ہے جو صدقات خود ہی کھالیا کریں گے اور اس پر بھی انہیں اجر ملے گا حالانکہ ان سے پہلے کے لوگ جب صدقہ کرتے تو قبولیت کی یہ نشانی تھی کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے اس پر آگ بھیجتا تو وہ اسے کھالیتی۔ اگر آگ ویسے ہی چھوڑ دیتی تو صدقہ مسترد سمجھا جاتا اسے درندے اور پرندے کھالیتے۔ لیکن یہ ایسی امت ہے جن کے امیروں سے صدقات لیکر غرباء کو دے دیئے جاتے ہیں، یا اللہ! یہ میری امت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ امت احمد ﷺ ہے، پھر عرض کی: اے پروردگار! ان تختیوں میں ایک امت کا حال مرقوم ہے کہ جب ان میں سے کوئی کسی نیکی کا ارادہ کرے گا لیکن ابھی عمل میں نہ لایا ہوگا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جائے گی، اگر وہ کرے گا تو اس کے لئے دس سے لیکر سات سوگنا تک نیکیاں لکھی جائیں گی، اے رب کریم! اسے میری امت بنادو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ امت محمد ﷺ ہے۔ پھر عرض کی: اے اللہ! میں الواح میں ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں کہ جن کے لئے شفاعت قبول ہوگی اور ان کی شفاعت بھی دوسروں کے حق میں مقبول ہوگی، اسے میری امت بنادو۔ فرمایا: یہ امت احمد ﷺ ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ تختیاں نیچے ڈال دیں اور عرض کی: اے اللہ! مجھے احمد کی امت میں سے بنادے۔

وَ اخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَ اِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

''اور چن لئے موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے ستر آدمی ہمارے وعدہ ملاقات کے لئے، پھر جب پکڑ لیا انہیں زلزلہ (کے جھٹکوں) نے تو موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا انہیں اس سے پہلے اور مجھے بھی۔ کیا

تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس (غلطی) کے جو کی (چند) احمقوں نے ہم سے، نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش۔ تو گمراہ کرتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے، تو ہی ہمارا کارفرما ہے بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم سے ستر افراد کا انتخاب کریں۔ چنانچہ حسب ارشاد آپ ستر آدمیوں کو لیکر گئے تا کہ وہ سب اپنے رب سے دعا مانگیں: جب دعا کی تو یہ کہنے لگے اے اللہ! ہمیں وہ کچھ عطا فرما جو تو نے نہ ہم سے قبل کسی کو عطا کیا ہو اور نہ ہمارے بعد کسی کو عطا کرے۔ یہ دعا اللہ تعالیٰ کو ناگوار گزری تو انہیں زلزلے کے جھٹکوں نے گھیر لیا۔ سدی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم میں سے تیس آدمی لائیں جو بچھڑے کی پرستش کی معافی مانگیں اور ایک وقت مقرر کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ستر افراد منتخب کئے پھر انہیں لیکر مقررہ وقت اور مقررہ جگہ پر پہنچے تا کہ وہ اپنے گناہ کی معذرت کریں۔ جب اس مقررہ جگہ پر پہنچے تو کہنے لگے: اے موسیٰ! جب تک ہم اللہ کو اپنی آنکھوں سے علی الاعلان نہ دیکھ لیں، ہم کبھی بھی آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ تم نے تو خدا سے باتیں کر لیں، اب ہمیں بھی خدا کو دکھلایئے۔ اس جسارت کی سزا انہیں یہ ملی کہ ان پر بجلی گری اور وہ سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر رونے لگے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے کہ یا اللہ! میں بنی اسرائیل کو کیا جواب دوں گا۔ ان کے اچھے لوگوں کو تو نے ہلاک کر دیا۔ پھر عرض کی: رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ

......محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر بہترین افراد کا انتخاب کیا اور انہیں کہا کہ چلو، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہ کی توبہ کرو اور باقی اپنی قوم کے لئے بھی توبہ کی درخواست پیش کرو۔ روزے رکھو اور صاف ستھرے کپڑے پہنو۔ چنانچہ آپ انہیں لیکر اللہ تعالیٰ کے وعدہ ملاقات پر طور کی جانب روانہ ہوئے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اذن اور علم کے بغیر یہاں نہیں آتے تھے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو ان ستر افراد نے مطالبہ کیا کہ ہم اپنے رب کے کلام کو سننا چاہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کر لیا۔ جب آپ علیہ السلام پہاڑ کے قریب پہنچے تو ایک بادل سایہ فگن ہو گیا جس نے سارے پہاڑ کو گھیر لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس میں داخل ہو گئے اور آپ نے اپنے ساتھیوں کو بھی قریب آنے کے لئے کہا۔ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے تو ایک بہت ہی روشن نور آپ کی پیشانی پر ضیاء بار ہوتا جسے کوئی بھی ابن آدم دیکھنے کی تاب نہ رکھتا تھا، اس لئے آپ اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیتے۔ وہ ستر افراد بھی قریب ہوئے اور اس بادل میں داخل ہو گئے۔ داخل ہوتے ہی سجدہ میں گر پڑے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو کلام کرتے ہوئے سنا، اللہ تعالیٰ موسیٰ کو حکم دے رہا ہے منع فرما رہا ہے، یہ کرو، وہ نہ کرو۔ جب اس سے فارغ ہوئے اور بادل چھٹ گیا تو وہ یہ مطالبہ کرنے لگے: ''لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ (البقرة: 55)'' ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر۔ پس (اس گستاخی پر) آلیا تم کو بجلی کی کڑک نے''۔ اس بے جا مطالبہ پر انہیں بجلی نے پکڑ لیا وہ تمام کے تمام مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کرنے لگے اور دعا مانگنے لگے: رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ ...... یا اللہ! انہوں نے بے وقوفی اور نادانی کا مظاہرہ کیا، کیا تو میرے پیچھے بنی اسرائیل کو ہلاک کر دے گا(1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، شبر اور شبیر سب مل کر ایک دامن کوہ کی طرف نکلے۔ حضرت ہارون علیہ السلام ایک ٹیلے پر کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 72

موت دے دی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف آئے تو وہ آپ سے پوچھنے لگے کہ ہارون کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ان کا وصال ہوگیا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ نہیں، بلکہ تم نے انہیں قتل کیا ہے۔ وہ بڑے نرم خو اور اچھی طبیعت کے مالک تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اچھا، تم کچھ آدمی منتخب کرلو۔ انہوں نے ستر افراد کا انتخاب کیا۔ یہی مطلب اس آیت کا ہے: وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا۔ جب وہ تمام حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس پہنچے تو کہنے لگے: اے ہارون! آپ کو کس نے قتل کیا ہے؟ وہ کہنے لگے: مجھے تو کسی نے نہیں قتل کیا، بلکہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے وفات دی ہے۔ اب یہ لوگ کہنے لگے: اے موسیٰ! آج کے بعد آپ کی نافرمانی نہیں کی جائے گی۔ اس گستاخی کی سزا کے طور پر ایک زبردست کڑک نے انہیں آلیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دائیں بائیں متوجہ ہوتے اور یہ دعا کرتے: رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ...... پھر اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو زندہ کردیا اور سب کو نبی بنا دیا(1)۔ یہ اثر بہت ہی غریب ہے۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، مجاہد اور ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ عذاب ان پر اس لئے نازل ہوا تھا کیونکہ انہوں نے بچھڑا پرستی پر سکوت اختیار کئے رکھا اور اپنی قوم کو منع نہ کیا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا۔

اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ یعنی یہ تیری طرف سے آزمائش اور امتحان ہے۔ حکم صرف تیرا ہی نافذ ہے۔ وہی ہوتا ہے جو تو چاہے۔ جسے چاہے تو ہدایت دے دے اور جسے چاہے گمراہ کردے۔ جسے تو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے تو گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ تو جس سے روک لے اسے کوئی عطا نہیں کرسکتا اور جسے تو عطا فرمائے اس سے کوئی روک نہیں سکتا۔ بادشاہی تمام کی تمام تیرے لئے خاص ہے اور حکم تمام کا تمام تیرا ہی ہے۔ تیرے لئے ہی ہر چیز کا پیدا کرنا اور ہر حکم کرنا خاص ہے۔

اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا...... تو ہی ہمارا کارساز ہے، ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ ''غَفر'' کا معنی ہے ڈھانپنا اور گناہ کا مواخذہ نہ کرنا۔ جب مغفرت کے ساتھ رحمت مل جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ اس کو اس طرح کے گناہ میں مبتلا نہیں کرے گا۔

وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ یعنی تیرے سوا کوئی بھی گناہوں کو نہیں بخشتا۔ اے اللہ! اس دنیا میں بھی ہمارے لئے اچھائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ''حَسَنَةً'' کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے(2)۔

اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہیں یہود اس لئے کہتے ہیں کہ کیونکہ انہوں نے اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ کہا تھا(3)۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا میں خیر و برکت۔ اور آخرت میں بھی۔ بے شک ہم نے رجوع کیا ہے تیری طرف) اللہ نے فرمایا میرا عذاب پہنچاتا ہوں میں اسے جسے چاہتا ہوں اور میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر سو میں لکھوں گا اس کو ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ اور وہ جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول ''اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ'' کے جواب میں فرمایا: عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ...... یعنی میں جو چاہتا ہوں کرتا

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 73
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ: 201
3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 79

ہوں اور جو چاہتا ہوں حکم دیتا ہوں، ہر چیز میں میری خاص حکمت اور عدل ہوتا ہے۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ یہ آیت عظیمہ عام اور ہر چیز کو شامل ہے جیسا کہ حاملین عرش کی زبانی ارشاد ہوتا ہے: ''رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا (المومن: 7)'' (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو گھیرے ہوئے ہے ہر شے کو (اپنی) رحمت اور علم سے''۔ حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی آیا، اس نے اپنے اونٹ کو بٹھا کر باندھ دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی امامت میں نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اپنی اونٹنی کھولی اور اس پر سوار ہو کر یہ دعا کرنے لگا: اے اللہ! مجھ پر اور محمد (ﷺ) پر اپنی رحمت کر اور ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ بنا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: بتاؤ یہ زیادہ گمراہ (اور بے وقوف) ہے یا اس کا اونٹ، کیا تم نے اس کی بات سنی؟ صحابہ نے عرض کی: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ اس نے رحمت کے سو حصے کئے، ایک حصہ (ساری مخلوق میں) تقسیم کر دیا جس سے جن وانس اور جانور ایک دوسرے پر شفقت کرتے ہیں اور باقی ننانوے حصے اپنے لئے مخصوص کر لئے۔ بتاؤ ان میں سے زیادہ کون گمراہ ہے (1)؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں، ان میں سے ایک رحمت ایسی ہے (جو مخلوق میں تقسیم کی) جس سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے، اسی کے باعث وحشی جانور ایک دوسرے پر مہربانی کرتے ہیں اور بقیہ ننانوے رحمتیں قیامت تک اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس روک لیں'' (2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں، ننانوے اس کے پاس ہیں اور ایک اس نے تمہارے درمیان تقسیم کر دی۔ اس کے ذریعے تم، جن وانس اور تمام مخلوق کے درمیان باہم رحم کرتے ہو۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اس رحمت کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ خاص کرے گا'' (3)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے ایک اس نے مخلوق کے درمیان تقسیم کر دی۔ لوگ وحوش اور پرندے اس کے ذریعے ہی باہم ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں'' (4)۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے''! ''وہ شخص جو باعتبار دین فاجر ہے اور وہ شخص جو معاشی لحاظ سے احمق ہے ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ شخص بھی ضرور جنت میں داخل ہوگا جسے گناہوں کے باعث آگ نے جلا رکھا ہوگا۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس قدر مغفرت فرمائے گا کہ ابلیس بھی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھے گا، شاید اسے بھی کچھ حصہ نصیب ہو جائے'' (5)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ یعنی مذکورہ صفات کے حامل لوگوں کے لئے میں اپنی رحمت اپنے فضل وکرم اور احسان سے ان پر واجب کر دوں گا جیسا کہ فرمایا: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام: 54)۔

لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ...... یعنی ان لوگوں کے لئے جو شرک اور کبیرہ گناہوں سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ نفوس یا زکوٰۃ اموال۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کو شامل ہو کیونکہ آیت مکی ہے، اور یہ لوگ ہماری آیتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان صفات سے متصف

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 271، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 312

2۔ صحیح مسلم، کتاب التوبۃ 2108، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 439

3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 55-56

4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد 1435، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 55

5۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 168

امت محمد ﷺ ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

”(یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات میں اور انجیل میں۔ وہ نبی حکم دیتا ہے انہیں نیکی کا اور روکتا ہے انہیں برائی سے اور حلال کرتا ہے ان کے لئے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان سے ان کا بوجھ اور (کاٹتا ہے) وہ زنجیریں جو جکڑے ہوئے تھیں انہیں۔ پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی امی) پر اور تعظیم کی آپ کی اور امداد کی آپ کی اور پیروی کی اس نور کی جو اتارا گیا آپ کے ساتھ وہی (خوش نصیب) کامیاب و کامران ہیں“۔

سابقہ کتب سماویہ میں مذکور حضرت محمد ﷺ کے اوصاف جمیلہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ انبیاء کرام اپنی امتوں کو آپ ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دیتے رہے اور انہیں آپ کی متابعت کی تاکید کرتے رہے۔ آپ ﷺ کی صفات حمیدہ ان کی کتابوں میں موجود ہیں جنہیں ان کے علماء اور راہب اچھی طرح جانتے ہیں۔ مسند احمد میں ایک اعرابی روایت بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک دودھ دینے والا جانور مدینہ شریف لایا۔ جب میں اس کی فروخت سے فارغ ہو گیا تو میں نے کہا کہ اس آدمی (محمد ﷺ) سے ضرور ملاقات کروں گا اور ان کی باتیں سنوں گا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان جا رہے ہیں۔ میں بھی پیچھے پیچھے چل پڑا۔ یہ حضرات ایک یہودی کے پاس آئے جو تورات کھولے ہوئے پڑھ رہا تھا تاکہ اپنے خوبصورت نوجوان قریب الوفات بیٹے کی مصیبت پر اپنے آپ کو دلاسہ دے سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ”تجھے تورات نازل کرنے والے کی قسم، صحیح صحیح بتاؤ کیا تم اپنی کتاب میں میرے اوصاف اور بعثت کا ذکر پاتے ہو؟“ اس نے اپنا سر ہلا کر نفی میں جواب دیا۔ تو اس کا وہ قریب الموت بیٹا بول اٹھا کہ تورات نازل کرنے والے کی قسم! ہم اپنی کتاب میں آپ کا اور آپ کی بعثت کا ذکر پاتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ مر گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس اپنے بھائی سے یہودیوں کو ہٹا دو یعنی یہ مسلمان ہو گیا ہے اس لئے یہودیوں کا اس پر کوئی حق نہیں، پھر آپ ﷺ نے اس کے کفن اور نماز جنازہ کا اہتمام فرمایا(1)۔ حضرت ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے اور ایک اور آدمی کو تبلیغ اسلام کے لئے ہرقل شاہ روم کی طرف بھیجا گیا۔ جب ہم مقام غوطہ دمشق پہنچے تو جبلہ بن ایہم غسانی کے پاس گئے اس وقت وہ اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ہمارے پاس بات چیت کرنے کے لئے اپنا ایک قاصد بھیجا۔ ہم نے کہا: اللہ کی قسم! ہم قاصد کے ساتھ مذاکرات نہیں کریں گے۔ ہمیں تو بادشاہ کی طرف بھیجا گیا ہے، اگر اجازت مل گئی تو اس سے بات چیت کریں گے ورنہ قاصد کے ساتھ کوئی بات نہیں ہوگی۔ قاصد نے واپس جا کر جبلہ کو صورت

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 411

حال سے آگاہ کیا۔ بادشاہ نے ہمیں بلالیا اور کہنے لگا کہ بات کرو۔ ہشام بن العاص نے اس کے ساتھ گفتگو کی اور اسلام کی دعوت دی، اس نے سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ہشام رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ سیاہ کپڑے پہننے کا کیا مطلب ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے قسم اٹھا رکھی ہے کہ جب تک تمہیں شام سے نہ نکال باہر کروں اس وقت تک یہ سیاہ لباس نہیں اتاروں گا۔ ہم نے کہا: اللہ کی قسم! یہ تخت ہم تم سے ضرور لیں گے اور ملک اعظم کا ملک بھی ضرور چھین لیں گے۔ ان شاء اللہ۔ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے ہمیں اس کی خبر دی ہے۔ وہ کہنے لگا کہ تم اس کے اہل نہیں بلکہ وہ ایسے لوگ ہوں گے جو دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو نماز پڑھتے ہیں، بتاؤ تمہارا روزہ کیسا ہے؟ ہم نے اسے بتایا تو اس کے چہرہ پر سیاہی پھیل گئی۔ کہنے لگا کہ جاؤ۔ بادشاہ تک پہنچانے کے لئے اس نے ایک قاصد ہمارے ساتھ روانہ کر دیا، اس کی رہنمائی میں ہم نے سفر شروع کر دیا۔ جب ہم شہر کے قریب پہنچے تو ہمارا رہبر کہنے لگا کہ تمہاری یہ سواریاں بادشاہ کے شہر میں داخل نہیں ہوسکتیں، اگر چاہو تو ہم تمہیں بہترین گھوڑے اور خچر مہیا کر دیں۔ ہم نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہم تو انہیں سواریوں پر شہر میں داخل ہوں گے۔ بادشاہ کو بھی اس بات سے آگاہ کر دیا گیا تو اس نے ہمیں اپنی ہی اونٹنیوں پر بیٹھے داخلہ کی اجازت دے دی۔ ہم اپنی تلواریں لٹکائے بادشاہ کے محل کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں ایک بالا خانہ کے نیچے ہم نے اپنی سواریاں بٹھا دیں، بادشاہ بالا خانے سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہم نے اترتے ہی ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ'' کا نعرہ بلند کیا جس سے سارا محل لرز اٹھا جیسے ہوائیں ٹہنیوں اور خوشوں کو حرکت دیتی ہیں۔ بادشاہ نے ہمیں یہ کہلوا بھیجا کہ تمہیں یہاں اپنے دین کے اس طرح مظاہرہ کی اجازت نہیں ہے، پھر اس نے ہمیں اپنے پاس بلوالیا۔ ہم اس کے پاس گئے تو وہ اپنی مسند پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس پوپ اور دیگر عمائدین سلطنت موجود تھے۔ اس کی مجلس کی ہر چیز سرخ تھی، اس کا ماحول بھی سرخ تھا اور کپڑے بھی سرخ ہی پہن رکھے تھے۔ ہم اس کے قریب گئے تو وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ تم نے مجھے وہ سلام کیوں نہیں کیا جو تم آپس میں کرتے ہو؟ بادشاہ کے پاس ایک قادر الکلام عربی کا ماہر ترجمان موجود تھا۔ ہم نے اس کے ذریعہ سے جواب دیا کہ ہمارا سلام آپ کے لئے جائز نہیں اور آپ کا سلام و آداب کا طریقہ اپنانا اور یہ سلام آپ کو کرنا ہمارے لئے جائز نہیں ہے۔ اس نے پوچھا کہ تمہارا سلام کیسے ہوتا ہے؟ ہم نے کہا: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ''۔ اس نے پوچھا کہ تم اپنے بادشاہ کو کس طرح سلام کرتے ہو؟ ہم نے کہا: یہی۔ اس نے پوچھا کہ وہ تمہیں سلام کا جواب کیسے دیتا ہے؟ ہم نے کہا کہ انہی الفاظ میں جواب دیتا ہے۔ اس نے پوچھا کہ تمہارا شعار اور امتیازی کلام کیا ہے؟ ہم نے کہا: ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ''۔ جب ہم نے بلند آواز سے یہ کہا تو سارا محل لرز اٹھا حتیٰ کہ وہ پریشان ہو کر اپنا سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔ اس نے پوچھا کہ یہاں جو کلمہ تم نے بلند کیا ہے جس کی وجہ سے سارا محل لرز گیا ہے، جب تم اپنے گھروں میں یہ کلمہ کہتے ہو تو کیا تمہارے گھر بھی اسی طرح کانپنے لگتے ہیں؟ ہم نے جواب دیا کہ پہلے تو اس طرح کبھی نہیں ہوا، صرف آپ کے ہاں ہی اس کلمہ کی گونج پڑی ہے۔ اس نے کہا: میری خواہش ہے کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ جب تم یہ نعرہ بلند کرتے تو تمہاری ہر چیز کانپ اٹھتی اور میرا آدھا ملک بھی نکل جاتا اور آدھا باقی رہ جاتا۔ ہم نے پوچھا: وہ کیوں؟ اس نے کہا کہ امر نبوت مستحکم اور پختہ ہو جانے سے یہ بات زیادہ آسان ہے۔ پھر اس نے ہم سے آنے کی غرض پوچھی، ہم نے اسے آگاہ کر دیا۔ پھر اس نے پوچھا کہ تمہاری نماز اور روزہ کیسے ہوتا ہے؟ ہم نے اسے ان کے متعلق بتا دیا۔ اس نے کہا کہ جاؤ، اور اس نے ہمیں مہمان خانے میں ٹھہرانے کا حکم دیا۔ ہم وہاں تین دن ٹھہرے رہے۔ پھر ایک رات بادشاہ نے ہمیں بلایا۔ ہم اس کے پاس گئے اور پھر وہی بات چیت ہوئی جو پہلی ملاقات میں ہو چکی تھی۔ اس نے ایک بڑے ڈبے کی شکل جیسی سونے کی بنی ہوئی چیز منگوائی۔ اس میں چھوٹے چھوٹے خانے بنے ہوئے تھے جن پر دروازے بھی

تھے۔اس نے ایک خانہ کا قفل کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ ریشمی کپڑا نکالا اس میں ایک سرخ تصویر بنی ہوئی تھی۔ یہ تصویر ایک صحت مند موٹی موٹی آنکھوں والے شخص کی تھی، موٹی رانیں، گردن لمبی۔ ڈاڑھی گھنی، زلفیں نہایت خوبصورت۔اس نے پوچھا: اس کے متعلق جانتے ہو؟ ہم نے کہا: نہیں۔اس نے بتایا: یہ آدم علیہ السلام ہیں ان کے جسم پر بہت بال تھے۔ پھر اس نے ایک اور خانہ کھولا اور ایک سیاہ ریشمی کپڑا نکالا۔اس میں ایک گورے رنگ کی تصویر تھی، بال بہت نرم، آنکھیں سرخ، بڑا سا سر اور خوبصورت ڈاڑھی۔ پوچھنے لگا کہ کیا اس کے متعلق جانتے ہو؟ ہم نے کہا: نہیں۔اس نے بتایا کہ یہ نوح علیہ السلام ہیں۔ پھر اس نے ایک اور خانہ کھول کر سیاہ ریشمی کپڑا نکالا۔ یہ ایسے شخص کی تصویر تھی جس کی رنگت نہایت گوری، آنکھیں بہت خوبصورت، کشادہ پیشانی، لمبے رخسار، سفید ڈاڑھی اور ہنستا مسکراتا مکھڑا۔ پوچھا: جانتے ہو یہ کون ہیں؟ ہم نے کہا: نہیں۔اس نے بتایا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ پھر اس نے ایک اور خانہ کھولا تو اس میں سفید چمکتی دمکتی تصویر تھی اور یہ تصویر اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی تھی۔اس نے پوچھا: کیا انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا: ہاں۔ یہ محمد ﷺ ہیں۔ تصویر دیکھ کر ہم رونے لگے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کھڑا تھا پھر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! یہ وہی (محمد ﷺ) ہیں۔ ہم نے کہا: ہاں، وہی ہیں۔ گویا تم ان کو دیکھ رہے ہو۔ وہ کچھ دیر تصویر کو دیکھتا رہا پھر کہنے لگا کہ سنو، یہ آخری خانہ تھا لیکن میں نے تمہیں آزمانے کے لئے اس کو پہلے ہی کھول دیا۔ پھر اس نے ایک اور خانہ کا دروازہ کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ ریشمی کپڑا نکالا۔ اس میں ایک تصویر تھی، رنگت گندم گوں نکھری ہوئی، چھوٹے چھوٹے گھنگریالے بال، دھنسی ہوئی آنکھیں، تیز نظر، ترش رو، جڑے ہوئے دانت، سکڑے ہوئے ہونٹ گویا کہ غضبناک آدمی، کہنے لگا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی تصویر ہے۔اس کے ساتھ ہی اس سے مشابہت رکھنے والی ایک اور تصویر تھی لیکن اس کے بال سنورے ہوئے تھے، تیل لگا ہوا تھا، کشادہ پیشانی، آنکھیں موٹی۔اس کے متعلق اس نے بتایا کہ یہ ہارون بن عمران علیہ السلام کی تصویر ہے۔ پھر اس نے ایک اور دروازہ کھول کر سفید ریشمی کپڑا نکالا۔اس میں ایک ایسے آدمی کی صورت تھی، گندمی رنگت، درمیانہ قد، سیدھے بال اور چہرے پر غصہ عیاں تھا، کہنے لگا کہ یہ لوط علیہ السلام کی تصویر ہے۔ پھر سفید ریشمی کپڑے پر بنی ایک اور تصویر نکالی، رنگ سرخی مائل سفید، ناک اونچی، رخسار ہلکے اور چہرہ گورا چٹا۔ بتانے لگا کہ یہ اسحاق علیہ السلام کی تصویر ہے۔ پھر اس نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے مشابہ ایک اور تصویر نکالی لیکن اس کے ہونٹ پر تل تھا۔ کہنے لگا کہ یہ یعقوب علیہ السلام کی تصویر ہے۔ پھر سیاہ ریشم کے ٹکڑے پر بنی ہوئی ایک اور تصویر نکالی۔ رنگ سفید، خوبصورت چہرہ، ناک اونچی، خوش قامت، چہرہ پرنور، رنگ سرخی مائل اور چہرے سے خشوع وخضوع ٹپک رہا تھا۔ کہنے لگا کہ یہ تمہارے نبی کے جد امجد اسماعیل علیہ السلام کی تصویر ہے۔ پھر اس نے ایک اور صورت نکالی۔ یہ تصویر حضرت آدم علیہ السلام سے ملتی جلتی تھی چہرہ گویا آفتاب ہے۔ کہنے لگا کہ یہ یوسف علیہ السلام کی تصویر ہے، پھر سفید ریشم پر بنی ایک اور تصویر نکالی، رنگ سرخ، پتلی پنڈلیاں، آنکھیں ذرا تنگ تنگ، بڑا پیٹ، چھوٹا قد اور تلوار حمائل کئے ہوئے۔ کہنے لگا کہ یہ داؤد علیہ السلام کی تصویر ہے۔ پھر اس نے ایک اور سفید ریشمی کپڑے پر بنی تصویر نکالی، موٹی رانیں، لمبی ٹانگیں اور گھوڑے پر سوار۔ کہنے لگا کہ یہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی تصویر ہے، پھر سفید ریشم پر بنی اور گورے رنگ کی تصویر نکالی، اٹھتی ہوئی بھرپور جوانی، سیاہ ڈاڑھی، گھنے بال، خوبصورت آنکھیں اور چمکتا سفید مکھڑا۔ کہنے لگا کہ یہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی تصویر ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ یہ تصویریں آپ کو کہاں سے ملیں، ہم جانتے ہیں کہ یہ انبیاء کی ہی تصویریں ہیں کیونکہ ہم نے اپنے نبی علیہ السلام کی تصویر کو بالکل حقیقت کے موافق پایا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ انہیں اپنی اولاد سے ہونے والے انبیاء دکھا دے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی تصویریں

حضرت آدم علیہ السلام کو دے دیں۔ یہ تصویریں مغربی علاقہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے خزانہ میں محفوظ رہیں۔ پھر وہاں سے ذوالقرنین نے یہ تصویریں نکال کر حضرت دانیال علیہ السلام کے سپرد کر دیں۔ پھر وہ (بادشاہ) کہنے لگا: اللہ کی قسم! میری تو خواہش تھی کہ میں اپنے ملک اور بادشاہت کو خیر باد کہہ دوں اور مرتے دم تک تم میں سے کسی کمترین کی غلامی اختیار کرلوں۔ پھر اس نے ہمیں انعام و اکرام کے ساتھ نوازنے کے بعد رخصت کر دیا اور واپسی سفر کے بھی انتظامات کر دیئے۔

جب ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے سارا واقعہ بیان کیا تو آپ رو دیئے اور فرمانے لگے: مسکین، اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق اس کے شامل حال ہوتی تو وہ ضرور ایسا کرتا۔ پھر آپ فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ (نصاریٰ) اور یہود اپنی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کے اوصاف جمیلہ پاتے ہیں(1)۔ عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی اور پوچھا کہ مجھے تورات میں آپ ﷺ کے اوصاف کے متعلق بتایئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! تورات میں بھی آپ کا ایسا ہی وصف اور ذکر ہے جیسا کہ قرآن میں: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا (الاحزاب:45) ''اے نبی (مکرم!) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا''۔ اور امیوں کا محافظ بنایا ہے، تم میرے بندے اور رسول ہو۔ تمہارا نام متوکل ہے، نہ سخت مزاج اور نہ سنگدل۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت تک واپس اپنے پاس نہیں بلائے گا جب تک آپ اس غلط راہ پر چلنے والی امت کو سیدھا نہ کر دیں یعنی وہ کلمہ پڑھ کر ایمان لے آئیں اور آپ ان کے بند دلوں، بہرے کانوں اور اندھی آنکھوں سے پردے اٹھا دیں۔ عطاء کہتے ہیں کہ میں نے یہی سوال حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے کیا تو ان کا جواب بھی بعینہٖ یہی تھا، ایک حرف کا بھی اختلاف نہ تھا سوائے اس کے کہ آپ اپنے لہجہ میں ''غلفًا'' کو غلوفیا، ''صمًا'' کو صمومیا اور ''عمیًا'' کو عمومیا پڑھتے تھے(2)۔ بخاری میں بھی یہ روایت ہے لیکن اس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ آپ ﷺ بازاروں میں شور وشغب نہیں کرتے، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ درگزر کرتے ہیں اور معاف فرما دیتے ہیں(3)۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث بیان کر کے فرمایا کہ اسلاف کے کلام میں لفظ تورات کا اطلاق عموماً ساری آسمانی کتب پر ہوتا ہے اور بعض احادیث میں معاملہ کچھ اس طرح ہی ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم بیان کرتے ہیں کہ میں تجارت کی غرض سے شام کی طرف نکلا۔ جب میں شام کے قریب پہنچا تو اہل کتاب میں سے ایک آدمی مجھے ملا۔ اس نے پوچھا کہ تمہارے ہاں کوئی شخص نبی ہے۔ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے پوچھا کہ تم اس کی تصویر دیکھ کر پہچان لوگے؟ میں نے کہا: ہاں۔ چنانچہ وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا جہاں بہت سی تصویریں تھیں لیکن مجھے نبی کریم ﷺ کی تصویر نظر نہ آئی۔ اسی اثناء میں ان کا ایک آدمی ہمارے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ کیا بات ہے۔ ہم نے اسے آگاہ کر دیا۔ وہ ہمیں اپنے گھر لے گیا۔ اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی میری نظر نبی کریم ﷺ کی تصویر پر پڑی، آپ ﷺ کے پیچھے ایک شخص کھڑا آپ کو تھامے ہوئے ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس تصویر میں آپ کے پیچھے کس شخص کی تصویر ہے جو آپ کو پکڑے ہوئے ہے۔ اس نے بتایا کہ یہ نبی نہیں ہے، لیکن اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی ہوتا تو یہی ہوتا، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہ آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے بعد ہونے والے خلیفہ ہیں۔ میں نے غور کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تصویر تھی(4)۔ حضرت اقرع مؤذن عمر رضی اللہ عنہ بیان

1۔ دلائل النبوۃ از امام بیہقی، جلد 1 صفحہ 385-390
2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 83
3۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 87
4۔ معجم کبیر، جلد 2 صفحہ 125

کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک پادری کو بلانے کے لئے بھیجا۔ جب وہ حاضر ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم کتاب میں میرا بھی ذکر پاتے ہو۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیسے میرا ذکر ہوا ہے؟ اس نے کہا کہ کتاب میں آپ کو قرن کہا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا درہ اٹھایا اور پوچھا کہ قرن کیا؟ اس نے کہا کہ اس کا مطلب ہے: مرد آہن، شدید گرفت والا امیر۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میرے بعد ہونے والے خلیفہ کے متعلق کیا لکھا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ خلیفہ صالح ہوں گے لیکن اپنے اقرباء کو ترجیح دیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عثمان پر رحم فرمائے (تین بار کہا)۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا پھر اس کے بعد؟ اس نے کہا کہ پارۂ آہن جیسا مرد یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر افسوس کرنے لگے۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! وہ خلیفہ صالح ہوں گے لیکن جب وہ خلافت سنبھالیں گے تو تلوار نیام سے باہر ہوگی اور خون بہہ رہا ہوگا (1)۔

یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ یہ رسول اللہ ﷺ کی صفت ہے جو سابقہ کتب سماویہ میں موجود ہے اور واقعی آپ اس کی عملی تصویر تھے کہ سوائے خیر کے کسی چیز کا حکم نہ دیتے اور سوائے شر کے کسی چیز سے منع نہ فرماتے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کو یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرماتے ہوئے سنو تو اس کی طرف اپنے کان لگا لو کیونکہ اس کے بعد بیان کی جانے والی چیز خیر ہوگی جس کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے یا شر ہوگی جس سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے۔ اور سب سے اہم اور عظیم چیز جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ ہے صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرنا اور کسی کو اس کا شریک عبادت نہ بنانا جس طرح کہ تمام انبیاء کو یہی پیغام دے کر بھیجا گیا، ارشاد ہوتا ہے: ''وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:36)'' اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔ حضرات ابو حمید اور ابو اسید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''جب تم مجھ سے مروی کوئی حدیث سنو جسے تمہارے دل قبول کر لیں اور تمہارے شعور اور رگ و پے نرم پڑ جائیں اور تم یہ سمجھنے لگو کہ یہ بات تمہاری ذہنیت کے قریب ہے تو یقیناً تمہاری نسبت وہ میرے زیادہ قریب ہوگی (یعنی وہ حدیث میری ہوگی) اور اگر تم مجھ سے مروی کوئی حدیث سنو جس کا تمہارے دل انکار کر دیں اور تمہاری ذہنیت اور شعور اسے بعید سمجھے تو یہ بات تمہاری نسبت مجھ سے زیادہ بعید ہوگی'' (2)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سنو تو اس کے بارے میں ایسا گمان رکھو جو زیادہ درست، مبارک اور شائستہ ہو (3)۔

وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ آپ ان کے لئے ایسی چیزیں حلال فرماتے ہیں جو انہوں نے از خود اپنے اوپر حرام کر کے خواہ مخواہ تنگی اور مشکل پیدا کر لی تھی جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام وغیرہ۔ اور آپ خبائث کو حرام کرتے ہیں جیسے خنزیر کا گوشت، ربا اور دیگر چیزیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تو حرام قرار دیا ہے لیکن انہوں نے حلال کر لیا ہے (4)۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا کھانا حلال کیا ہے وہی طیب و پاک ہے اور بدن و دین کے لئے مفید ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے وہ خبیث ہے اور جسم کے لئے بھی نقصان دہ ہے اور دین کے معاملہ میں بھی ضرر رساں۔ وہ لوگ جو کسی چیز کی خوبی اور قباحت کو جانچنے کے لئے عقل کو معیار قرار

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 213-214
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 497، جلد 5 صفحہ 425
3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 122
4۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 84

دیتے ہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اس کا جواب دیا گیا ہے لیکن یہاں اس کی تفصیلات کا موقع نہیں۔ جن چیزوں کی حلت وحرمت کے متعلق نص موجود نہ ہوان کی حلت وحرمت پہچاننے کی کسوٹی بعض علماء کے نزدیک عرب ہیں۔ خوشحالی کے دور میں عرب جس چیز کا استعمال مفید اور طیب سمجھیں وہ حلال ہے اور جس چیز کو خبیث اور ضرررساں سمجھیں وہ حرام ہے۔ اس مسئلہ میں بھی بڑی لمبی چوڑی بحث ہے۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ یعنی آپ آسانی، نرمی اور تخفیف لیکر تشریف لائے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مجھے آسان دین حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہے(1)۔ اسی طرح جب آپ ﷺ نے حضرات معاذ اور ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن کا امیر بنا کر بھیجا تو انہیں ہدایت کی: ''خوش کرو، وحشت زدہ نہ کرو، آسانی پیدا کرو، مشکل نہ پیدا کرو، ایک دوسرے کے تابع بن کر رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو'' (2)۔ صحابی رسول حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا اور آپ ﷺ کی تخفیف اور آسانی پیدا کرنے کا مشاہدہ کیا(3)۔ پہلی امتوں پر بہت شدید احکام نافذ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت پر وہ احکام نرم اور آسان کردیئے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ میری امت کے دلوں کے خیالات اور ارادوں کو نظرانداز فرما دیتا ہے جب تک وہ باتیں زبان سے نہ نکالیں یا ان پر عمل نہ کریں'' (4)۔ اور فرمایا: ''میری امت سے خطا، نسیان اور ہر وہ عمل معاف ہے جو لاچاری سے کیا گیا ہو'' (5)۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ دعا مانگنے کی تلقین کی ہے: رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وَارْحَمْنَا ۚ أَنتَ مَوْلَىٰنَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَٰفِرِينَ (البقرۃ:286) ''اے ہمارے رب! نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا خطا کر بیٹھیں اے ہمارے رب! نہ ڈال ہم پر بھاری بوجھ جیسے تو نے ڈالا تھا ان پر جو ہم سے پہلے گزرے ہیں اے ہمارے پروردگار! نہ ڈال ہم پر وہ بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں قوت نہیں اور درگزر فرما ہم سے اور بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر تو ہی ہمارا دوست (اور مددگار) ہے۔ تو مدد فرما ہماری قوم کفار پر''۔ صحیح مسلم سے یہ ثابت ہے کہ جب یہ دعا مانگی جائے تو ہر سوال پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تجھے عطا فرما دیا، میں نے تمہیں دے دیا ہے(6)۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ...... یعنی جو لوگ آپ پر ایمان لائے، آپ کی تعظیم کی، آپ کی مدد کی اور آپ کے لائے ہوئے نور قرآن کریم کی اتباع کی تو یہی لوگ دنیا وآخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُۥ مُلْكُ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِۦ وَيُمِيتُ ۖ فَـَٔامِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَٰتِهِۦ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٨﴾

''آپ فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف وہ اللہ جس کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 266، جلد 6 صفحہ 116-233
2۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 4، صفحہ 79، صحیح مسلم، کتاب الجہاد 1359
3۔ فتح الباری، کتاب العمل فی الصلاۃ، جلد 3 صفحہ 81 مسند احمد، جلد 4 صفحہ 420-423
4۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، جلد 7، صفحہ 59، صحیح مسلم، کتاب الایمان، صفحہ 117-116
5۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 659
6۔ صحیح مسلم کتاب الایمان: 116

زمین کی۔ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے جو خود ایمان لایا ہے اللہ پر اور اس کے کلام پر اور تم پیروی کرو اس کی تا کہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ''۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اے محبوب! آپ سارے لوگوں کو فرما دیں۔ یہ خطاب سب لوگوں کو ہے خواہ کوئی سرخ ہو یا کالا، عربی ہو یا عجمی۔ آپ انہیں فرما دیں کہ میں تم سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔ یہ آپ ﷺ کا خصوصی شرف اور عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا اور تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرمایا: قُلِ اللّٰهُ ۟ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۟ وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ (الانعام:19) '' آپ ہی بتایئے اللہ وہی گواہ ہے میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تا کہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے'' اور فرمایا: وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود:17) '' اور جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے''، اور فرمایا: وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ (آل عمران:20) '' اور کہئے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی اور ان پڑھوں سے کہ کیا تم اسلام لائے پس اگر وہ اسلام لے آئیں جب تو ہدایت پا گئے اور اگر منہ پھیر لیں تو اتنا ہی آپ کے ذمہ تھا کہ آپ نے پیغام پہنچا دیا''۔ اس مضمون کی حامل بہت سی آیات ہیں، اسی طرح احادیث بھی اتنی زیادہ ہیں جن کا شمار ممکن نہیں اور یہ بات ضروریات دین میں سے ہے اور ہر ایک کو معلوم بھی ہے کہ آپ ﷺ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہوگئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رنجیدہ کر دیا۔ ناراضگی کی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس چل پڑے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ معافی مانگتے ہوئے ان کے پیچھے چل پڑے، لیکن انہوں نے معافی نہ دی بلکہ دروازہ بند کر لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس پلٹے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم بھی اس وقت آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اس ساتھی نے (عمر کو) ناراض کیا ہے۔'' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گھر بھی نہ آنے دیا۔ اس پر نادم ہو کر حاضر ہوئے، سلام کیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھ گئے اور صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ یہ سن کر حضور ﷺ کو حضرت عمر پر غصہ آ گیا۔ حضرت ابوبکر کہتے بھی رہے کہ یا رسول اللہ! زیادتی میری طرف سے تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: '' کیا تم میرے ساتھی کو چھوڑ دینا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: اے لوگو! میں تم تمام کی طرف رسول بن کر آیا ہوں لیکن تم نے کہا کہ جھوٹ کہتے ہو اور صرف ابوبکر نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں'' (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' مجھے پانچ خصوصیات کے ساتھ نوازا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں اور میں یہ فخر یہ نہیں کہہ رہا: مجھے سرخ و سیاہ تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، ایک مہینہ کی مسافت پر مجھے (دشمن پر) رعب کے ذریعے نصرت عطا ہوئی، مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا حالانکہ مجھ سے قبل کسی کے لئے حلال نہیں ہوا، تمام زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے اور مجھے مقام شفاعت عطا فرمایا گیا ہے، میں نے اپنی امت کے لئے اسے قیامت کے دن تک کے لئے بچا کر رکھا ہوا ہے اور یہ شفاعت ہر اس کے لئے ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا'' (2)۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ رات کو نماز

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ اعراف، جلد 6، صفحہ 75
2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 301

پڑھنے کے لئے اٹھے، کچھ صحابہ کرام آپ ﷺ کی نگرانی اور حفاظت کرنے لگے۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: ''آج رات مجھے پانچ ایسی چیزیں عنایت ہوئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہ ہوئیں: مجھے تمام کے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھ سے پہلے رسول کو صرف اپنی قوم کی طرف ہی بھیجا جاتا تھا، مجھے دشمن پر رعب کے ذریعے فتح ونصرت عطا ہوئی اگرچہ میرے اور میرے دشمنوں کے درمیان ایک مہینہ کی دوری ہو، مگر میرا رعب چھا جاتا ہے، میرے لئے ہر قسم کا مال غنیمت حلال کر دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے اس کا کھانا گناہ کبیرہ تھا، وہ اسے جلا دیا کرتے تھے، میرے لئے تمام زمین کو مسجد اور باعث طہارت بنا دیا گیا ہے، جہاں کہیں نماز کا وقت آیا (اس مٹی سے) مسح کر کے نماز پڑھ لی جبکہ مجھ سے پہلے لوگ صرف اپنے اپنے کلیساؤں، گرجاؤں میں ہی نماز پڑھتے تھے اور پانچویں چیز یہ کہ مجھ سے کہا گیا کہ ایک سوال کر لو، کیونکہ ہر نبی نے اپنا اپنا سوال کر لیا لیکن میں نے اپنا سوال اور درخواست قیامت تک ملتوی کر دی ہے۔ یہ تمہارے لئے ہے اور ہر اس شخص کے لئے جو توحید کی گواہی دے'' (1)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری امت میں سے یا کسی یہودی یا نصرانی نے میری آمد کی خبر سن لی، پھر بھی مجھ پر ایمان نہ لایا تو وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا (2)۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس امت میں سے جو یہودی یا نصرانی میرے بارے میں سنتا ہے لیکن مجھ پر ایمان نہیں لاتا وہ آگ میں داخل ہوگا'' (3)۔ اسی قسم کی روایت مسند امام احمد میں بھی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (4)۔ پانچ خصوصیات والی حدیث صحیحین میں بھی موجود ہے جس کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں (5)۔

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ...... یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے اس قول مبارک میں بھی ہے: ''وہ جس نے مجھے بھیجا ہے وہ ہر چیز کا خالق، رب اور مالک ہے، اسی کے ہاتھ میں تمام بادشاہی، زندہ کرنا اور مارنا ہے اور ہر قسم کا حکم اسی کے لئے خاص ہے''۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ...... پہلے بتایا گیا کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کے رسول ہیں پھر انہیں آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کی اتباع کا حکم ہوا۔ آپ ﷺ ہی کی وہ ذات ہے جس کا (اے لوگو!) تم سے وعدہ ہوا اور سابقہ کتب میں تمہیں آپ ﷺ کی آمد کی خوشخبری دی گئی، ان کتابوں میں آپ ﷺ کا وصف اور نشانیاں بیان کی گئیں ہیں اسی لئے فرمایا: ''النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ''۔ اس نبی امی کی اتباع کرو جو اللہ اور اس کے کلام پر ایمان رکھتے ہیں، ان کے نقوش پا کو اپنے لئے خضر راہ بنا لو تاکہ تمہیں راہ راست نصیب ہو جائے۔

وَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

''اور موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم سے ایک گروہ ہے جو راہ بتاتا ہے حق کے ساتھ اور اسی حق کے ساتھ عدل کرتا ہے۔''

بنی اسرائیل میں ایک ایسا گروہ بھی ہے جو حق کی اتباع کرتا ہے اور حق کے ساتھ ہی عدل کرتا ہے جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَ هُمْ یَسْجُدُوْنَ (آل عمران: 113) ''اہل کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے یہ تلاوت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی رات کے اوقات میں اور وہ سجدے کرتے ہیں''، وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 222 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 396 3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان 134-135

4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 350 5۔ فتح الباری، کتاب التیمم، جلد 1 صفحہ 436، صحیح مسلم کتاب المساجد 370-371

اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (آل عمران: 199) ''اور بے شک بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف اور جو اتارا گیا ان کی طرف عاجزی (اور نیازمندی) کرنے والے ہیں اللہ کے لئے۔ نہیں سودا کرتے اللہ کی آیتوں کا حقیر قیمت پر۔ یہ وہ ہیں جن کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے بیشک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے''، اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا (القصص: 53-52) ''جن کو ہم نے عطا فرمائی کتاب (نزول) قرآن سے پہلے وہ اس پر ایمان لائے ہیں۔ اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کر چکے تھے۔ یہ لوگ ہیں جنہیں دیا جائے گا ان کا اجر دو مرتبہ بوجہ ان کے صبر کے''، اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (البقرۃ: 121) ''جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں وہی ایمان لائے ہیں اس کے ساتھ''، اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (بنی اسرائیل: 109-107) ''بیشک وہ لوگ جنہیں دیا گیا ہے علم اس سے پہلے جب اسے پڑھا جاتا ہے ان کے سامنے تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے۔ اور کہتے ہیں (ہر عیب اور نقص سے) پاک ہے ہمارا رب، بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ اور گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل گریہ وزاری کرتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے (خضوع و) خشوع کو بڑھا دیتا ہے''۔ ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں ایک عجیب وغریب خبر بیان کی ہے کہ بنی اسرائیل نے جب اپنے انبیاء کو قتل کیا اور کفر کیا تو اس وقت وہ بارہ گروہ تھے۔ ان میں سے صرف ایک گروہ نے بقیہ گروہوں کے ان کرتوتوں سے بیزاری کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ وہ ان کے اور ان بقیہ گروہوں کے درمیان تفریق ڈال دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زمین میں ایک سرنگ کھول دی وہ اس میں چلتے چلتے ملک چین میں جا نکلے۔ وہاں وہی موحد مسلمان تھے جو ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ اس فرمان کا مصداق ہے: وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا (بنی اسرائیل: 104) ''اور ہم نے حکم دیا فرعون کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو کہ تم آباد ہو جاؤ اس سرزمین میں پس جب آئے گا آخرت کا وعدہ تو ہم لے آئیں گے تمہیں سمیٹ کر''۔ اور وعدۂ آخرت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ہیں۔ ابن جریج حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کہتے ہیں کہ وہ اس سرنگ میں ڈیڑھ سال چلتے رہے (1)۔ سدی کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں مذکور امت سے مراد وہ قوم ہے جس کے درمیان اور تمہارے درمیان شہد کی ایک نہر ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰي مُوْسٰٓي اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 88-87

مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝١٦٠ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٦١ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝١٦٢

''اور ہم نے بانٹ دیا انہیں بارہ قبیلوں میں جو الگ الگ قومیں ہیں اور ہم نے وحی بھیجی (موسیٰ علیہ السلام) کی طرف جب پانی طلب کیا آپ سے آپ کی قوم نے (ہم نے وحی کی) کہ مارو اپنے عصا سے اس پتھر کو۔ تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے۔ جان لیا ہر ایک گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ۔ اور ہم نے سایہ کر دیا ان پر بادل کا اور ہم نے اتارا ان پر منّ وسلوٰی۔ (اور فرمایا) کھاؤ ان پاک چیزوں کو جو ہم نے دی ہیں تمہیں۔ اور نہیں ظلم کیا انہوں نے ہم پر بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے۔ اور جب کہا گیا انہیں کہ آباد ہو جاؤ اس شہر میں اور کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو اور کہو (اے کریم) بخش دے ہمیں اور داخل ہو دروازہ سے جھکتے ہوئے ہم بخش دیں گے تمہاری خطائیں۔ (اور) زیادہ دیں گے احسان کرنے والوں کو۔ تو بدل ڈالی جنہوں نے ظلم کیا تھا ان سے بات خلاف اس کے جو کہی گئی تھی انہیں تب ہم نے بھیج دیا ان پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ ظلم کیا کرتے تھے''۔

ان آیات کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ وہ سورت مدنی ہے اور یہ سیاق آیات مکی ہے۔ ہم نے اس سیاق اور (ان آیات کے) سیاق کے درمیان فرق واضح کر دیا تھا جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں (1)۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛۚ كَذٰلِكَ ۛۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝١٦٣

''اور پوچھو ان سے حال اس بستی کا جو آباد تھی ساحل سمندر پر جب کہ وہ حد سے بڑھنے لگے ہفتہ (کے حکم کے بارے) میں جب آیا کرتیں ان کے پاس ان کی مچھلیاں ان کے ہفتہ کے دن پانی پر تیرتی ہوئیں اور جو دن ہفتہ کا نہ ہوتا تو وہ نہ آتیں ان کے پاس (اس طرح بے دھڑک) ہم نے آزمائش میں ڈالا انہیں بہ سبب اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے''۔

یہ آیت کریمہ سورۂ بقرہ کی آیت وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ (البقرۃ:65) ''اور تم خوب جانتے ہو انہیں جنہوں نے نافرمانی کی تھی تم میں سے سبت کے قانون کی'' کی وضاحت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرماتا ہے کہ جو یہودی آپ کے پاس ہیں، ان سے ان لوگوں کے قصہ کے بارے میں دریافت کریں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی تھی تو ان کی مخالفت اور نافرمانی کی انہیں اچانک سزا دی گئی، اور آپ ان لوگوں کو ان اوصاف کو چھپانے سے بھی ڈرائیں جو وہ آپ کے متعلق اپنی کتابوں میں پاتے ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ یہ بھی اپنے اسلاف جیسے عذاب سے دوچار ہو جائیں۔ جس بستی کا یہاں ذکر ہو رہا ہے اس کا نام ایلہ تھا۔ یہ بحر قلزم

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 60

کے کنارے پر واقع تھی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ بستی (ایلہ) مدین اور طور کے درمیان واقع ہے(1)۔ ابن زید کہتے ہیں کہ اس بستی کا نام مقنا تھا جو مدین اور عینونیٰ کے درمیان واقع تھی۔

اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ یعنی یوم سبت (ہفتہ) کے متعلق اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کرتے تھے۔

اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا...... ''شُرَّعًا'' کا معنی ہے ظاہر ہوتے ہوئے اور پانی پر تیرتے ہوئے۔ یعنی وہ مچھلیاں ہفتہ کے دن تو پانی پر اچھلتے کودتے اور تیرتے ہوئے آتی تھیں اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا تو کنارے پر بالکل نہیں آتی تھیں۔ سنیچر کے دن مچھلیاں بے دھڑک ظاہر ہوتیں لیکن اس دن ان کا شکار حرام قرار دے دیا، بقیہ ایام میں شکار حلال تھا لیکن مچھلیاں پانی کے اوپر ظاہر ہی نہ ہوتیں۔ اس سے ان کی آزمائش مقصود تھی۔ فرمایا: كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ یعنی ہم ان کی نافرمانی اور عصیاں شعاری کے سبب اسی طرح آزماتے ہیں۔(2) یہ ایسے لوگ تھے جو حیلے بہانے اور فریب سے اللہ تعالیٰ کے محارم اور ممنوع چیزوں کی حرمت کو پامال کرتے رہتے اور حرام چیز کے ارتکاب کے لئے بظاہر ایسے جائز اسباب بروئے کار لاتے جن کے پس پردہ ممنوع چیز کا ارتکاب مضمر ہوتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم ان چیزوں کا ارتکاب نہ کرو جن کا ارتکاب یہود کیا کرتے تھے کہ تم بھی (ان کی طرح) حیلوں بہانوں سے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال بنالو''(3)۔

وَ اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىِٕيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

''اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے کہ تم کیوں نصیحت کرتے ہو اس قوم کو، اللہ جنہیں ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں عذاب دینے والا ہے سخت عذاب؟ انہوں نے کہا تاکہ معذرت پیش کر سکیں تمہارے رب کے دربار میں (کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا) اور شاید وہ ڈرنے لگیں۔ پھر جب انہوں نے فراموش کر دی جو انہیں نصیحت کی گئی تھی (تو) ہم نے نجات دے دی انہیں جو روکتے تھے برائی سے اور پکڑ لیا ہم نے ان کو جنہوں نے ظلم کیا برے عذاب سے، بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے سرکشی کی جس سے وہ روکے گئے تھے ہم نے حکم دیا انہیں کہ بن جاؤ بندر راندے ہوئے۔''

سنیچر کے دن مچھلیوں کے شکار کی ممانعت کے متعلق اس بستی والے تین گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ وہ تھا جس نے حیلہ سازی سے سنیچر کے دن مچھلیوں کا شکار کر کے ممنوع چیز کا ارتکاب کیا تھا، اس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں ہو چکی ہے(4)۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو ان لوگوں کو اس سے منع کرتا تھا اور اس فعل کے ارتکاب سے دور رہتا تھا۔ تیسرے گروہ میں وہ لوگ تھے جو خاموش تماشائی بنے رہے، نہ انہوں نے خود اس ممنوع چیز کا ارتکاب کیا اور نہ ہی دوسروں کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی بلکہ یہ منع کرنے والے لوگوں سے کہتے: لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا؟ یعنی تم انہیں کیوں منع کرتے ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ لوگ ہلاک ہونے والے ہیں

1۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 90 2۔ ایضاً صفحہ 92 3۔ تاریخ بغداد، جلد 5، صفحہ 99-98 4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 65

اور یہ عذاب الٰہی کے مستحق بن چکے ہیں اس لئے تمہارا انہیں منع کرنا بے سود ہے۔ انہوں نے جواب دیا: مَعۡذِرَةً اِلٰی رَبِّکُمۡ بعض نے ''مَعۡذِرَةٌ'' کو مرفوع پڑھا ہے(1)۔ اس صورت میں یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی، تقدیر کلام یوں ہوگی: ''هٰذَا مَعۡذِرَةٌ''۔ بقیہ حضرات نے اسے منصوب پڑھا ہے یعنی ہم انہیں اس لئے منع کرتے ہیں تا کہ ہم پروردگار عالم کے سامنے یہ معذرت پیش کر سکیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جو عہد ہم سے لیا گیا تھا اس سے ہم عہدہ برآ ہوئے تھے۔

وَلَعَلَّهُمۡ یَتَّقُوۡنَ معذرت کے علاوہ انہیں روکنے کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ شاید یہ لوگ ڈر کر اس ممنوع چیز کو ترک کر دیں اور توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں۔ اگر انہوں نے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ ان پر نظر کرم فرمائے گا۔

فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُکِّرُوۡا بِهٖۤ جب انہوں نے نصیحت کو فراموش کر دیا تو ہم نے برائی سے منع کرنے والوں کو نجات دی اور نافرمانوں کو سخت عذاب سے دوچار کیا۔ آیت کریمہ میں تیسرے گروہ (جس نے سکوت اختیار کیا تھا) کے متعلق کوئی حکم بیان نہیں کیا کہ انہیں کیسا بدلہ ملا کیونکہ جزا عمل کے مطابق ہوتی ہے۔ ان غیر جانبدار رہنے والے لوگوں نے نہ تو قابل مدح کام کیا ہے کہ ان کی تعریف کی جائے اور نہ ہی انہوں نے کوئی گناہ کا کام کیا ہے کہ ان کی مذمت کی جائے، پھر بھی ان کے متعلق علماء کے دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی ہلاک شدگان میں سے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ نجات یافتہ گروہ میں سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہفتہ کے دن ساحل سمندر پر مچھلیاں بے دھڑک اور کثیر مقدار میں تیرتے ہوئے آتیں۔ جب ہفتہ کا دن گزر جاتا تو وہ ان کے قابو میں نہ آتیں۔ اسی طرح کچھ عرصہ گزر گیا۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ ہفتہ کے دن بھی مچھلیاں پکڑنے لگے۔ بعض لوگوں نے انہیں منع کیا اور کہنے لگے کہ تم ان مچھلیوں کا شکار کرتے ہو حالانکہ ہفتہ کے دن تو ان کا شکار حرام ہے؟ اس وعظ و نصیحت سے سوائے ان کی سرکشی اور گمراہی کے کچھ اضافہ نہ ہوا۔ لیکن کچھ لوگ انہیں مسلسل منع کرتے رہے۔ جب ایک طویل عرصہ گزر گیا تو روکنے والے لوگوں میں سے چند ایک نے اپنے گروہ سے کہا کہ ان لوگوں پر تو عذاب واجب ہو چکا ہے، ان کو کیوں نصیحت کرتے ہو؟ یہ لوگ منع کرنے والوں کی نسبت اللہ کی خاطر زیادہ غضبناک تھے۔ چنانچہ منع کرنے والے کہنے لگے: مَعۡذِرَةً اِلٰی رَبِّکُمۡ وَلَعَلَّهُمۡ یَتَّقُوۡنَ۔ یہ سب منع کرنے والے تھے۔ جب ان نافرمانوں پر غضب الٰہی کی بجلی کوندی تو یہ دونوں گروہ بچ گئے جبکہ حیلے سے شکار کرنے والے نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا اور انہیں بندر بنا دیا(2)۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ رو رہے ہیں اور قرآن کریم آپ کی گود میں ہے۔ میں قریب جانے سے ذرا جھجکا۔ پھر میں آگے بڑھ کر بیٹھ گیا اور عرض کی: میں قربان جاؤں آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا: ان اوراق (قرآن) نے مجھے رلایا ہے۔ وہ سورۂ اعراف تھی جس کی آپ تلاوت کر رہے تھے۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کہ ایلہ کی بستی کو جانتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ فرمانے لگے کہ یہاں کچھ یہودی آباد تھے۔ ہفتہ کے دن مچھلیاں ساحل پر نمودار ہوتیں، پھر غائب ہو جاتیں جنہیں حاصل کرنے کے لئے انہیں بڑی تگ و دو کرنا پڑتی۔ ہفتہ کے دن خوب موٹی تازہ اور عمدہ مچھلیاں پانی کے اوپر تیرتے ہوئے بکثرت آتیں۔ کچھ عرصہ اسی طرح گزر گیا۔ پھر شیطان نے انہیں اکسایا اور ان کے دلوں میں یہ حیلہ ڈال دیا کہ ہفتہ کے دن تو تمہیں مچھلیاں کھانے کی ممانعت ہے۔ ہفتہ کے دن پکڑ کر کسی اور دن کھا لیا کرو۔ ایک جماعت نے اس خیال کو اپنا لیا۔ دوسری جماعت کا یہ موقف تھا کہ ہفتہ کے دن مچھلیوں کو پکڑنا اور کھانا سب کچھ حرام ہے۔ اسی بحث و تمحیص میں جمعہ کا دن آ گیا تو یہ لوگ اپنی

1۔ دیکھئے الاقناع: 650 2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 39

عورتوں اور بچوں کو لیکر نکلے۔ ان کے دائیں طرف روکنے والی جماعت تھی جو ان سے الگ تھلگ تھی اور بائیں جانب وہ جماعت تھی جس نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ دائیں طرف والے انہیں کہنے لگے کہ ہم تمہیں منع کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ عذاب الٰہی سے دوچار ہو جاؤ۔ بائیں طرف والے انہیں کہنے لگے: لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا...... دائیں طرف والوں نے جواب دیا: مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ اگر تو وہ باز آجائیں تو یہی ہمارا مقصود ہے تاکہ وہ عذاب سے بچ جائیں اور اگر وہ باز نہیں آتے تو ہم رب تعالیٰ کے ہاں عذر تو پیش کر سکیں گے۔ وہ لوگ اپنی غلطی پر مصر رہے تو دائیں جانب والے انہیں کہنے لگے کہ اے اللہ کے دشمنو! تم پھر بھی باز نہ آئے، اللہ کی قسم! صبح ہونے سے پہلے پہلے یا تو تمہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا یا تم پر پتھروں کی بارش برسے گی یا اسی نوعیت کے کسی اور عذاب سے تمہیں سابقہ پڑے گا۔ یہ منع کرنے والے اور غیر جانبدار رہنے والے شہر سے باہر رہے اور نافرمان شہر کے اندر چلے گئے اور شہر پناہ کا دروازہ بند کر لیا۔ جب صبح ہوئی تو باہر رہنے والوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، آوازیں دیں لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ آخر کار انہوں نے سیڑھی لگائی اور ایک آدمی فصیل کو پھلانگ کر اندر چلا گیا۔ دیکھا تو یہ سب لوگ بندر بنے ہوئے تھے، ان کی لمبی لمبی دمیں تھیں۔ شہر پناہ کا دروازہ کھولا تو باقی سب لوگ بھی اندر آگئے۔ ان بندروں نے اپنے رشتہ دار انسانوں کو پہچان لیا لیکن انسان اپنے رشتہ دار بندروں کو نہ پہچان سکے۔ یہ بندر اپنے قریبی انسانوں کے پاس آتے، ان کے کپڑے سونگھتے اور روتے تو وہ انہیں کہتے کہ کیا ہم نے تمہیں منع نہیں کیا تھا تو وہ اشارہ سے اثبات میں جواب دیتے۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اور فرمانے لگے کہ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ منع کرنے والے نجات پا گئے لیکن دوسروں کے بارے میں ایسا نہیں سمجھتا۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ ہم بھی ناپسندیدہ چیزوں کا ارتکاب کرتے ہوئے لوگوں کو دیکھتے ہیں لیکن انہیں کچھ نہیں کہتے۔ میں (عکرمہ) نے کہا: میں قربان جاؤں کہ یہ (غیر جانبدار رہنے والے) بھی تو انہیں ناپسند کرتے تھے اور ان کی مخالفت کرتے تھے اور کہتے تھے۔ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اس سے ظاہر ہوا کہ وہ شریک عذاب نہیں کئے جاسکتے۔ اس پر خوش ہو کر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے ایک خوبصورت جوڑا عطا فرمایا(1)۔ ابن رومان کہتے ہیں کہ سنیچر کے دن مچھلیاں ساحل پر بکثرت دکھائی دیتیں۔ جب شام ہو جاتی تو آئندہ سنیچر تک کے لئے غائب ہو جاتیں۔ ایک آدمی نے ان کا شکار کرنے کے لئے ڈوری اور میخ لی اور ہفتہ کے دن ایک مچھلی پکڑ کر پانی میں ہی ڈوری کے ساتھ باندھ دی اور ڈوری کا دوسرا سرا باہر گڑے ہوئے کیل کے ساتھ باندھ دیا۔ اگلے دن (اتوار) کی شام کو اس نے اس بندھی ہوئی مچھلی کو پکڑ لیا اور بھون کر کھانے لگا۔ جب لوگوں نے اس کی بو سونگھی تو دوڑے دوڑے اس کے پاس آئے۔ اس سے پوچھا تو اس نے انکار کر دیا۔ جب لوگوں کا اصرار بڑھتا گیا تو اس نے بتا ہی دیا کہ اس نے ایک مچھلی پکڑی تھی۔ اگلے ہفتہ کو اس نے پھر ایسا ہی کیا۔ جب مچھلی بھون کر اتوار کی شام کو کھانے لگا تو اس کی بو پا کر پھر لوگ اس کے پاس آدھمکے اور پوچھنے لگے۔ وہ شخص کہنے لگا کہ اگر تم چاہو تو اس طرح کرو جیسا میں کرتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کیا کرتے ہو؟ اس نے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ وہ بھی اسی طرح کرنے لگے اور اس طرح اکثر لوگوں کا یہ معمول بن گیا۔ ان کا ایک ربض نامی شہر تھا جسے وہ رات کے وقت بند کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ رات کے دوران ہی ان کی صورتیں مسخ ہو گئیں۔ اس شہر کے اردگرد قرب وجوار میں بسنے والے لوگ جو شہر میں طلب معاش کے لئے آیا کرتے تھے، جب وہ صبح کے وقت آئے تو انہوں نے دیکھا کہ شہر کا دروازہ تو بند پڑا ہے۔ انہوں نے آوازیں دیں لیکن جواب ندارد۔ شہر پناہ پھلانگ کر اندر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تو بندر بن چکے ہیں۔ اور یہ اپنے جان پہچان والے لوگوں کی طرف بڑھ رہے تھے

1۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 95-94

اوران سے لپٹ رہے تھے(1)۔اس بستی کے متعلق ہم نے کافی آثار سورۂ بقرہ میں نقل کئے ہیں(2)۔بعض علماء کا ایک دوسرا قول بھی ہے کہ خاموش رہنے والے بھی ہلاک ہوئے تھے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہیں سبت (ہفتہ) کے بارے میں آزمایا گیا۔اس دن ان پر مچھلیاں حرام قرار دے دی گئیں۔ہفتہ کا دن ہوتا تو یہ مچھلیوں کو پانی پر تیرتے ہوئے دیکھتے۔ہفتہ کا دن گزرتے ہی یہ بھی غائب ہو جاتیں۔کچھ عرصہ یہ صورت حال برقرار رہی۔پھر ان میں سے ایک آدمی نے مچھلی کو پکڑا۔اس کے ناک میں رسی ڈال کر اسے پانی میں ہی چھوڑ دیا اور رسی کا دوسرا سرا باہر ایک میخ کے ساتھ باندھ دیا۔اگلے دن اسے بھون کر کھا گیا۔لوگ اسے دیکھتے رہے، کسی نے بھی ناپسندیدگی کا اظہار نہ کیا اور نہ ہی کسی نے منع کیا۔صرف چند لوگ ایسے تھے جو انہیں اس کام سے منع کرتے تھے۔یہ کام لوگوں کا معمول بن گیا اور اعلانیہ ہونے لگا تو بعض لوگوں نے منع کرنے والے گروہ سے کہا: لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا منع کرنے والوں نے جواب دیا: مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ تین گروہ تھے۔ان میں سے صرف وہ لوگ بچے جو منع کرتے تھے، باقی سب ہلاک ہو گئے۔لیکن آپ رضی اللہ عنہ کا حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ کے قول کی طرف رجوع اس قول سے بہتر ہے کہ خاموش رہنے والے بھی نجات پا گئے۔

وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا...... اس ارشاد کی دلالت اس بات پر ہے کہ باقی ماندہ لوگ نجات پا گئے۔''بَئِيْسٍ''میں بہت سی قراءات ہیں(3)۔اس کا معنی ہے شدید، دردناک اور تکلیف دہ۔''خٰسِئِيْنَ'' کا معنی ہے حقیر، ذلیل اور گھٹیا۔

اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٧﴾

''اور یاد کرو جب اعلان کر دیا آپ کے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہے گا ان پر روز قیامت تک ایسے (جابر) جو چکھائیں گے انہیں برا عذاب۔بے شک آپ کا رب جلدی عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ غفور رحیم (بھی) ہے''۔

تاذن ''تفعل'' کے وزن پر اذن سے مشتق ہے اس کا معنی ہے آگاہ کیا یا حکم دیا۔قوت کلام میں یہ لفظ قسم کا معنی رکھتا ہے، اسی لئے اس کے بعد ''لَيَبْعَثَنَّ''میں لام قسم لایا گیا ہے۔آیت کا معنی یہ ہوا کہ آپ کے رب نے یہ اعلان فرما دیا ہے کہ قیامت تک وہ ان یہود پر ان کی عصیاں شعاری، نافرمانی اور حیلہ سازی کے سبب ضرور ایسے جابر مسلط کرتا رہے گا جو انہیں بدترین عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر سات سال یا تیرہ سال خراج لگائے رکھا، اور سب سے پہلے خراج لاگو کرنے والے آپ ہی تھے۔پھر یہ یہود یونانی، کشدانی اور کلدانی بادشاہوں کے قہر وغضب کا شکار ہوئے، پھر نصرانیوں کے زیر تسلط ذلت کی زندگی بسر کرتے رہے اور انہیں جزیہ اور خراج دیتے رہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ان کی ذلت، بے چارگی اور ان سے جزیہ وصول کرنا ہے۔اسلام آیا تو نبی کریم ﷺ ان پر غالب آ گئے۔قیامت تک یہ امت ان پر غالب رہے گی۔اوائل اسلام میں وہ بطور ذمی جزیہ ادا کرتے تھے پھر آخر کار وہ دجال کے مددگار بن کر نکلیں گے، لیکن مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر انہیں قتل کر ڈالیں گے۔یہ قیامت کے قریب ہوگا۔

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ...... آپ کا رب اس شخص کو جلد سزا دینے والا ہے جو اس کی نافرمانی کرے اور شریعت کی مخالفت کرے اور

1۔تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 97-96 2۔دیکھئے سورۂ بقرہ: 60 3۔تفصیل کے لئے دیکھئے البحر المحیط، جلد 4 صفحہ 413-412

ہر شخص کے لئے غفور رحیم بھی ہے جو توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرے۔ عقوبت کے ساتھ رحمت کو بھی ذکر کیا گیا

وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی وَ یَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا ۚ وَ اِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا فِیْهِ ؕ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَ الَّذِیْنَ یُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۷۰﴾

''اور ہم نے بانٹ دیا انہیں زمین میں کئی گروہوں میں ان میں سے کچھ نیک ہیں اور کچھ اور طرح ہیں اور ہم نے آزمایا انہیں نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ) کی طرف رجوع کریں پھر جانشین بنے ان کے بعد وہ ناخلف جو وارث ہوئے کتاب کے وہ لیتے ہیں مال اس دنیا کا اور (بایں ہمہ) کہتے ہیں کہ ضرور بخش دیا جائے گا ہمیں۔ اور اگر آجائے ان کے پاس اور مال اس جیسا تو لے لیں اسے بھی کیا نہیں لیا گیا تھا ان سے پختہ وعدہ کتاب میں کہ نہ منسوب کریں اللہ کی طرف کوئی بات سوائے حق کے اور پڑھ لیا انہوں نے جو کتاب میں تھا۔ اور دار آخرت بہتر ہے ان کے لئے جو متقی ہیں۔ تو کیا تم (اتنا) بھی نہیں سمجھتے اور جنہوں نے مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے کتاب کو اور قائم کیا نماز کو، بے شک ہم ضائع نہیں کریں گے اجر اصلاح کرنے والوں کا''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کا شیرازہ بکھیر دیا اور انہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے ساری دنیا میں پھیلا دیا جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرمایا: وَّ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا (بنی اسرائیل: 104) ''اور ہم نے حکم دیا فرعون کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو کہ تم آباد ہو جاؤ اس سرزمین میں پس جب آئے گا آخرت کا وعدہ تو ہم لے آئیں گے تمہیں سمیٹ کر''۔

مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ان میں سے کچھ نیکوکار ہیں اور کچھ برے جس طرح جنوں کا قول ہے: وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآىِٕقَ قِدَدًا (الجن: 11) ''اور ہم میں بعض نیک بھی ہیں اور بعض اور طرح کے۔ ہم بھی تو کئی راستوں پر گامزن ہیں''۔

وَ بَلَوْنٰهُمْ...... ہم نے انہیں خوشحالی اور تنگدستی، ترغیب اور ترہیب، عافیت اور بلا کے ساتھ آزمایا تاکہ وہ باز آجائیں۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ...... اس نسل جس میں اچھے اور برے دونوں طرح کے لوگ تھے، کے بعد ناخلف ان کے جانشین بن گئے جو کتاب (تورات) کے وارث بنے، مجاہد کہتے ہیں کہ ان سے مراد نصاریٰ ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ صفت رکھنے والے سارے لوگ مراد ہوں جو حق کو بیچ کر دنیاوی مال و متاع حاصل کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بہلاتے رہتے ہیں کہ عنقریب توبہ کرلیں گے لیکن جب پھر لالچ دیا گیا تو پھر دنیا کمانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے کلام کا سودا کرنے لگتے اور دنیا طلبی اور نفس پرستی کا شکار ہو کر آیات الٰہی میں کھلم کھلا تحریف کا ارتکاب کر لیتے۔ جیسا کہ فرمایا: وَ اِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ اور جس طرح حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ گناہ

کرتے، پھر اعتراف گناہ کر کے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے طلب گار بن جاتے۔ ضرورت پڑنے پر پھر اس گناہ کا ارتکاب کر کے دنیاوی سامان حاصل کر لیتے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ دنیا کا جو مال و متاع انہیں ملتا خواہ حلال ہوتا یا حرام وہ اسے بے دھڑک قابو کر لیتے اور ساتھ ساتھ مغفرت کی بھی تمنا رکھتے۔ وہ اس مغالطہ کا شکار تھے کہ ان سے باز پرس نہیں ہوگی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! یہ بہت ہی برے ناخلف تھے جو انبیاء و رسل کے بعد کتاب اللہ کے وارث بنے اور ان سے کتاب الٰہی کا پابند رہنے کا عہد بھی لیا گیا تھا لیکن انہوں نے عہد شکنی کی جیسا کہ فرمایا: فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ...... (مریم:59) ''پس جانشین بنے ان کے بعد وہ ناخلف جنہوں نے ضائع کیا نمازوں کو............''۔

يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى...... دنیاوی حرص ولالچ میں مبتلا ہونے کے باوجود یہ مغالطہ کا شکار ہیں اور اللہ تعالیٰ سے جھوٹی آرزئیں وابستہ کئے ہوئے ہیں اور اس دھوکہ میں مبتلا ہیں کہ ان کے گناہوں کو نظرانداز کر دیا جائے گا اور جب پھر انہیں موقع ملتا ہے تو حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر حق کو بیچ کر دنیاوی مال و متاع ہڑپ کر جاتے ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل جس شخص کو قاضی مقرر کرتے وہ رشوت خور ہوتا۔ ان کے سربرآوردہ لوگوں نے مل کر یہ طے کیا کہ کوئی آدمی رشوت نہیں لے گا پھر ان میں سے جب کوئی آدمی رشوت لیتا تو اسے کہا جاتا کہ تم رشوت لیکر کیوں فیصلے کرتے ہو؟ وہ کہتا: کوئی بات نہیں، مجھے ضرور بخش دیا جائے گا۔ باقی لوگ اس کرتوت پر اسے لعنت ملامت کرتے۔ جب وہ (قاضی) مرجاتا یا اسے معزول کر دیا جاتا اور اس کی جگہ وہی آدمی لے لیتا جو پہلے اسے رشوت خوری پر ملامت کیا کرتا تھا تو وہ اس منصب پر فائز ہونے کے بعد خود بھی رشوت لینا شروع کر دیتا۔ اسی لئے دنیا ان کے پاس آتی تو وہ اسے سمیٹنے سے دریغ نہ کرتے۔

اَلَمۡ يُؤۡخَذۡ عَلَيۡهِمۡ مِّيۡثَاقُ الۡكِتٰبِ...... اللہ تعالیٰ ان پر اظہار ناپسندیدگی فرما رہا ہے کہ اس کے باوجود انہوں نے یہ کام کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے حق واضح کریں گے اور اسے ہرگز نہیں چھپائیں گے جیسا کہ فرمایا: وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكۡتُمُوۡنَهٗ فَنَبَذُوۡهُ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ وَاشۡتَرَوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَبِئۡسَ مَا يَشۡتَرُوۡنَ (آل عمران:187) ''اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی کہ تم ضرور کھول کر بیان کرنا اسے لوگوں سے اور نہ چھپانا اس کو تو (الٹا) انہوں نے پھینک دیا اس وعدہ کو اپنی پشتوں کے پیچھے اور انہوں نے خرید لی اس کے عوض تھوڑی سی قیمت۔ سو بہت بری ہے وہ چیز جو وہ خرید رہے ہیں''۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ گناہوں کی بخشش کی اللہ تعالیٰ سے تمنا رکھتے ہیں لیکن ان گناہوں سے باز نہیں آتے۔ اس سلسلہ میں انہیں ہوش مندی سے کام لینا چاہیے۔

وَالدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم کی ترغیب دلا رہا ہے اور گناہوں کے ہولناک عتاب سے ڈرا رہا ہے۔ جو آدمی محارم سے اجتناب کرے، خواہشات نفسانی کو خیرباد کہہ دے اور اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بن جائے تو ایسے شخص کے لئے ثواب بہت بہتر ہے۔ کیا یہ دین کے بدلے دنیا خریدنے والے ذرا بھی عقل نہیں رکھتے تاکہ وہ اپنی نادانی اور زیادتی سے باز آجائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو کتاب الٰہی کو مضبوطی سے تھامتے ہیں جو انہیں اتباع سیدنا محمد ﷺ کی راہ دکھاتی ہے اور اس طرح ہی ان کی کتابوں میں مرقوم ہے، فرمایا:

وَالَّذِيۡنَ يُمَسِّكُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ...... یعنی جو اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں، اس کے اوامر کی اتباع کرتے ہیں، نواہی سے اجتناب کرتے ہیں اور اس کے ساتھ نماز قائم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایسے سعادت مندوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

''اور جب ہم نے اٹھایا پہاڑ ان کے اوپر اس طرح گویا وہ سائبان ہے اور خیال کرنے لگے کہ وہ ضرور گر پڑے گا ان پر (ہم نے کہا) پکڑ لو جو ہم نے دیا ہے تمہیں (پوری) قوت سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ''۔

جب ہم نے ان کے اوپر سائبان کی طرح پہاڑ کو بلند کیا جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَ رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِیْثَاقِهِمْ (النساء:54) ''اور ہم نے بلند کیا ان کے اوپر طور کو ان سے پختہ وعدہ لینے کے لئے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے پہاڑ کو ان کے سروں پر لا کھڑا کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب انہیں لیکر ارض مقدس کی طرف چلے اور غصہ فرو ہو جانے کے بعد آپ نے تختیاں پکڑ لیں اور احکام خداوندی پر کاربند رہنے کا انہیں حکم دیا تو یہ چیز ان پر بہت گراں گزری اور انہوں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پہاڑ ان کے سروں پر لا کھڑا کیا جس طرح سائبان ہوتا ہے۔ فرشتے ان کے اوپر اس پہاڑ کو بلند کئے ہوئے تھے۔ ابوبکر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ یہ کتاب ہے، اس میں حلال وحرام اور امر و نہی کا بیان ہے، کیا تم اسے قبول کرتے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ پہلے اسے پڑھ کر سنائیں، اگر فرائض اور حدود آسان ہوئے تو قبول کر لیں گے۔ دوبارہ انہیں کتاب کو قبول کرنے کا حکم ہوا لیکن پھر یہ کہنے لگے کہ اس کی حدود و فرائض کو ملاحظہ کرنے سے پہلے قبولیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ متعدد بار یہ تکرار ہوئی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو وحی کی۔ وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر فضا میں بلند ہو گیا۔ جب وہ ان کے سروں کے اوپر چھا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ اگر تورات اور اس کے احکام کو قبول نہیں کرو گے تو یہ پہاڑ تم پر آ گرے گا۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے دیکھا کہ پہاڑ گرا ہی چاہتا ہے تو وہ بائیں رخسار کے بل سجدہ میں گر گئے اور دائیں آنکھ سے پہاڑ کو دیکھنے لگے کہ کہیں اوپر گر نہ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی بائیں رخسار پر سجدہ کرتے ہیں اس اعتقاد کے پیش نظر کہ ایسے ہی سجدہ سے تو ان سے عذاب ٹلا تھا۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ جب تختیوں کو کھولا گیا جس میں کتاب اللہ تھی اور اللہ تعالیٰ کی تحریر کردہ تھی تو زمین کا ہر پہاڑ، ہر درخت اور ہر پتھر لرز گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی یہودی پر تورات پڑھی جاتی ہے تو وہ جھومنے اور سر ہلانے لگ جاتا ہے(1)۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْكَ رُءُوْسَهُمْ (بنی اسرائیل:51) ''پس وہ حیرت سے آپ کی طرف (دیکھ کر) سروں کو جنبش دیں گے''۔

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

''اور (اے محبوب) یاد کرو جب نکالا آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو اور گواہ بنا دیا خود ان کو ان کے نفسوں پر (اور پوچھا) کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا بیشک تو ہی ہمارا رب ہے ہم نے گواہی دی (یہ اس لئے

1۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 109

ہوا) کہ کہیں تم یہ نہ کہو روز حشر کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔ یا یہ نہ کہو کہ شرک تو صرف ہمارے باپ دادا نے کیا تھا (ہم سے) پہلے اور ہم تو تھے ان کی اولاد ان کے بعد تو کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے اس شرک کی وجہ سے جو کیا تھا باطل پرستوں نے اور اسی طرح ہم مفصل بیان کرتے ہیں نشانیاں تا کہ وہ (ان میں غور کریں) اور کفر سے باز آ جائیں''۔

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت کو روز ازل میں نکالا اور انہیں ان کے اپنے نفوس پر گواہ بنایا کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا رب، مالک اور معبود حقیقی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو انسان کی فطرت اور جبلت میں ودیعت کر دی گئی ہے جیسا کہ فرمایا: فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا‌ ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا‌ ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَـلۡقِ اللّٰهِ (الروم:30) ''پس آپ کر لیں اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف پوری یکسوئی سے (مضبوطی سے پکڑلو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔ کوئی رد و بدل نہیں ہوسکتا اللہ کی تخلیق میں''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نومولود فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح ایک چوپایہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے، کیا تم دیکھتے ہو کہ کوئی کان کٹا ہو'' (1)۔ حضرت عیاض بن حمار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا ہے، شیاطین ان کے پاس آتے ہیں اور انہیں دین سے برگشتہ کر دیتے ہیں اور میری حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دے دیتے ہیں'' (2)۔ حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چار غزوات میں شرکت کی۔ مجاہدین نے کفار کو قتل کرنے کے بعد ان کے بچوں کو پکڑ لیا۔ آپ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو یہ بات آپ ﷺ کو بہت ناگوار گزری، آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ بچوں کو پکڑ رہے ہیں'' ایک آدمی نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا یہ مشرکین کے بچے نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اچھے لوگ بھی تو مشرکین کی اولاد ہیں۔ سنو، ہر جان فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتی ہے اور وہ مسلمان ہی رہتی ہے حتیٰ کہ جب وہ گفتگو پر قادر ہوتے ہیں تو اس کے والدین اسے یہودی اور نصرانی بنا دیتے ہیں'' (3)۔ احادیث میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ساری ذریت نکالی گئی اور انہیں اصحاب یمین اور اصحاب شمال میں تقسیم کر دیا گیا۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی ربوبیت کی گواہی لی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ایک دوزخی سے پوچھا جائے گا کہ اگر روئے زمین پر ہر چیز تیری ملکیت بن جائے تو کیا یہ سب کچھ فدیہ میں دیکر نجات حاصل کرنا چاہو گے؟ وہ کہے گا: ''ہاں۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تو تم سے اس سے بھی کمتر چیز کا سوال کیا تھا۔ میں نے آدم کی پشت ہی سے تم سے یہ عہد لیا تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا لیکن تم شریک بنانے پر مصر رہے'' (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مقام نعمان میں عرفہ کے دن روحوں سے عہد لیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے تمام ذریت کو نکالا اور انہیں سامنے پھیلا دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے گفتگو فرمائی وہ گفتگو یہ تھی: اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ‌ ؕ قَالُوۡا بَلٰى‌ ۛۚ شَهِدۡنَا ...... اَفَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس ذریت کو ذرات کی طرح پھیلا دیا گیا تھا (5)۔ ابن جریر سے روایت ہے کہ

1۔ فتح الباری، کتاب القدر، جلد 11 صفحہ 493، صحیح مسلم، کتاب القدر 2047-2048
2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ 2197
3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 112-113، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 435
4۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 363، صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین 2160-2161
5۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 272، مستدرک حاکم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 28

ضحاک بن مزاحم کا ایک بیٹا فوت ہو گیا جو صرف چھ دن کا تھا۔ ضحاک نے جابر سے کہا کہ جب تم میرے بیٹے کو لحد میں رکھو تو اس کا چہرہ کھلا رکھنا اور اس کے (کفن کے) بند کھول دینا کیونکہ میرے بیٹے کو بٹھایا جائے گا اور اس سے سوال ہوگا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب میں فارغ ہوا تو میں نے ضحاک سے کہا: اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے! تمہارے بیٹے سے کیا سوال ہوگا اور کون سوال کرے گا؟ وہ کہنے لگے کہ اس سے اس میثاق کے بارے میں پوچھا جائے گا جس کا اقرار اس نے صلب آدم میں کیا تھا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی صلب پر ہاتھ پھیرا اور اس میں سے قیامت تک پیدا ہونے والی ارواح کو نکال لیا اور ان سے یہ عہد لیا کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق کی کفالت اپنے ذمہ لے لی اور پھر ان ارواح کو صلب آدم میں واپس لوٹا دیا۔ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک یہ عہد و پیمان کرنے والے پیدا ہوتے رہیں گے۔ اب ان میں سے جس نے دوسرے میثاق کو پالیا اور اس کا حق ادا کر دیا تو پہلا میثاق بھی اس کے لئے نفع بخش ثابت ہوگا لیکن ان میں سے جس نے دوسرے میثاق کا اقرار نہ کیا، اس کے لئے میثاق اول بھی کوئی کام نہیں آئے گا اور جو دوسرے میثاق کو پانے سے پہلے پہلے بچپن میں مر گیا تو وہ میثاق اول یعنی فطرت سلیمہ پر مرا (1)۔ روایات کے ان تمام طرق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روایات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم کی پشت سے اس طرح ذریت نکالی جس طرح کنگھی میں سے سر کے بال نکلتے ہیں، پھر انہیں فرمایا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۗ قَالُوْا بَلٰى۔ فرشتوں نے کہا: شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ (2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ ...... کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، پھر اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اس میں سے ذریت نکالی اور فرمایا کہ انہیں میں نے جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ اہل جنت کے سے عمل کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اس میں سے کچھ اور ذریت نکالی، فرمایا کہ انہیں میں نے دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ دوزخیوں جیسے اعمال کریں گے''۔ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! پھر عمل کا کیا مقصد (جب سب کچھ طے ہو چکا ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو جنت کے لئے پیدا فرماتا ہے تو اس سے جنتیوں کے سے اعمال کرواتا ہے یہاں تک کہ وہ اہل جنت کے اعمال پر فوت ہو جاتا ہے تو وہ اسے عمل صالح کے باعث جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے دوزخیوں جیسے اعمال کرواتا ہے یہاں تک کہ وہ دوزخیوں جیسے کسی عمل پر مر جاتا ہے، اس کے باعث وہ اسے دوزخ میں داخل کر دیتا ہے'' (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا فرمایا تو ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو قیامت تک پیدا ہونے والی تمام روحیں پیٹھ سے ظاہر ہو گئیں۔ ان میں سے ہر ایک انسان کی پیشانی میں نور کی چمک رکھ دی پھر انہیں آدم علیہ السلام پر پیش کیا۔ وہ عرض کرنے لگے: اے پروردگار! یہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ تیری ذریت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں ایک آدمی کو دیکھا جس کی پیشانی کی چمک نے آپ کو زیادہ متاثر کیا۔ عرض کرنے لگے: یا رب! یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ تمہاری اولاد میں سے طویل عرصہ کے بعد ہوگا جس کا نام داؤد ہوگا۔ عرض کی: اے رب

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 112　2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 113

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 226-227، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 44-45 وغیرہ

تعالیٰ! تو نے اس کی عمر کتنی مقرر فرمائی ہے؟ فرمایا: ساٹھ سال۔ عرض کی: اے پروردگار! میں نے اپنی عمر کے چالیس سال اسے ہبہ کر دیئے۔ جب آدم علیہ السلام کی عمر ختم ہوئی تو ان کے پاس ملک الموت آ گئے۔ آپ علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ کیا میری عمر کے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ ملک الموت نے کہا کہ کیا آپ نے یہ چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے دیئے تھے۔ آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا چنانچہ آپ کی ذریت میں بھی انکار کی عادت پڑ گئی۔ آدم سے بھول چوک ہوئی، آپ کی اولاد بھی بھول کا شکار ہونے لگی، آدم سے خطا ہوئی چنانچہ آپ کی ذریت بھی غلطیاں کرنے لگی'' (1)۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''تمام ذریت کو آدم علیہ السلام پر پیش کیا گیا اور بتایا گیا کہ یہ تمہاری ذریت ہے۔ آپ نے دیکھا تو اس میں جذام و برص کے مریض اور اندھے بھی تھے اور اسی طرح انواع واقسام کی بیماریوں میں مبتلا افراد بھی تھے۔ آدم علیہ السلام نے کہا: اے پروردگار! تو نے ان کے ساتھ ایسا کیوں کیا ہے؟ فرمایا: تاکہ یہ میری نعمتوں پر شکر ادا کرتے رہیں۔ عرض کی: اے پروردگار! یہ سب لوگوں سے نمایاں نور والے کون ہیں؟ فرمایا: اے آدم! یہ تمہاری اولاد میں سے ہونے والے انبیاء ہیں۔'' حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اعمال از سر نو نتیجہ خیز ہوں گے یا یہ کہ تقدیر نافذ ہو چکی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام ذریت نکالی پھر انہیں اپنے نفسوں پر گواہ بنایا، پھر ان کی دو مٹھیاں بھریں اور فرمایا: یہ جنتی ہیں اور وہ دوزخی ہیں۔ اہل جنت کو جنتیوں جیسے اعمال کے لئے تیار کیا جائے گا (2) اور اہل نار کو دوزخیوں کے سے عمل کے لئے تیار کیا جائے گا''۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پیدا کر دی اور تقدیر لکھ دی تو اپنے دائیں ہاتھ میں اہل یمین کو لیا اور بائیں ہاتھ میں اہل شمال کو، اور فرمایا: اے اصحاب یمین! انہوں نے عرض کی: ''لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ عرض کرنے لگے: کیوں نہیں۔ پھر فرمایا: اے اصحاب شمال! عرض کرنے لگے کہ ہم حاضر ہیں۔ فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ عرض کی: کیوں نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام کو خلط ملط کر دیا۔ کسی نے عرض کی: اے پروردگار! انہیں خلط ملط کرنے میں کیا حکمت ہے؟ فرمایا: ان کے اعمال مختلف ہی رہیں گے (جس کی بناء پر یہ امتیاز باقی رہے گا) اور یہ اپنے اپنے اعمال ہی کرتے رہیں گے۔ ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کہیں اہل نار قیامت کے دن یہ نہ کہیں کہ ہم تو اس سے غافل تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں لوٹا دیا'' (3)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روز ازل میں قیامت تک پیدا ہونے والی روحوں کو جمع کیا، انہیں قوت گویائی عطا فرمائی۔ ان سے عہد و پیمان لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم کو بھی تم پر گواہ بناتا ہوں تاکہ تم قیامت کے دن لاعلمی کا اظہار نہ کرتے رہو۔ اچھی طرح جان لو کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں، میرے علاوہ کوئی رب نہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا۔ میں تمہاری طرف اپنے پیغمبر روانہ کروں گا جو تمہیں میرا عہد و میثاق یاد دلائیں گے اور میں تم پر اپنی کتابیں بھی نازل کروں گا۔ انہوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب اور معبود ہے۔ تیرے سوا نہ کوئی رب ہے اور نہ کوئی معبود۔ اس دن تمام نے اطاعت کا اقرار کیا۔ پھر ان کے باپ آدم علیہ السلام کو ان کے سامنے لایا گیا انہوں نے اپنی اولاد میں دیکھا کہ امیر بھی ہیں اور غریب

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ اعراف، جلد 11 صفحہ 196، مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ اعراف، جلد 2 صفحہ 326

2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 117، الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 604 3۔ ابن مردویہ

بھی، خوبصورت بھی ہیں اور بدصورت بھی۔ عرض کرنے لگے: اے پروردگار! اگر تو سب کو ایک جیسا پیدا فرما دیتا تو؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے یہ چیز محبوب ہے کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ پھر آدم علیہ السلام نے ان میں انبیاء دیکھے جو چراغوں کی طرح سراپا نور تھے۔ باقی ذریت سے الگ صرف ان سے نبوت و رسالت کا ایک اور عہد لیا گیا جس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: ''وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ (الاحزاب:7)'' اور (اے حبیب!) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا''، اسی لئے فرمایا: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ (الروم:30) ''پس آپ کرلیں اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف پوری یکسوئی سے (مضبوطی سے پکڑ لو)''، هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی (النجم:56) ''یہ ڈرانے والا (رسول عربی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے''، وَ مَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ (الاعراف:102) ''اور نہ پایا ہم نے ان کی اکثریت کو وعدہ کا پابند''۔ یہ تمام احادیث اور آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صلب آدم علیہ السلام سے تمام ذریت کو نکالا، پھر جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان امتیاز کر دیا۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا اپنی ربوبیت کی گواہی لینے کا تعلق ہے تو اس کا ذکر صرف حضرات ابن عباس اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم کی احادیث میں ہے جو کہ موقوف ہیں، مرفوع نہیں، اس لئے بعض سلف اور خلف فرماتے ہیں کہ اس اشہاد (گواہ بنانا) سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو توحید پر پیدا کیا ہے جس طرح حضرات ابو ہریرہ اور عیاض بن حمار رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث میں گزر چکا ہے۔ اسی طرح حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں بھی جو انہوں نے حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اسی لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے، یہی وجہ ہے کہ ''مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ'' فرمایا گیا ہے نہ کہ ''مِنْ اٰدَمَ'' اور ''مِنْ ظُهُوْرِهِمْ'' کہا گیا ہے۔ ''مِنْ ظَهْرِهٖ''، نہیں کہا گیا یعنی نسل در نسل اور قرن بعد قرن اولاد کا سلسلہ جاری کر دیا، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: ''وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ (الانعام:165)'' اور وہی ہے جس نے بنایا تمہیں (اپنا) خلیفہ زمین میں''، اور فرمایا: وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ (النمل:62) ''اور (کس نے) بنایا ہے تمہیں زمین میں (اگلوں کا) خلیفہ''، ایک دوسرے مقام پر فرمایا: كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّیَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِیْنَ (الانعام:134) ''جیسے پیدا کیا تمہیں دوسری قوم کی اولاد سے''۔

وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی یعنی انہیں حالاً اور قالاً دونوں طرح اس کا گواہ بنایا۔ شہادت کبھی قول کے ساتھ ہوتی ہے جیسا کہ یہاں فرمایا:

قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤی اَنْفُسِنَا اور کبھی کبھی شہادت حال کے ذریعے ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِیْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ (التوبہ:17) ''نہیں ہے روا مشرکوں کے لئے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو حالانکہ وہ خود گواہی دے رہے ہیں اپنے نفسوں پر کفر کی''، یعنی یہ زبان سے تو نہیں کہتے لیکن ان کی حالت ان کے کفر پر شاہد ہے۔ اسی طرح اس آیت وَ اِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ (العادیات:7) ''اور وہ اس پر (خود) گواہ ہے''، میں بھی شہادت حالی ہے۔ جس طرح کہ سوال کبھی قال کے ذریعہ ہوتا ہے اور کبھی حال کے ذریعے''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ (ابراہیم:34) ''اور عطا فرمایا تمہیں ہر اس چیز سے جس کا تم نے اس سے سوال کیا''۔ اس بات پر کہ اشہاد سے مراد فطرت میں توحید کو ودیعت کر دینا ہے، یہ دلیل بھی ہے کہ ان کے شریک ٹھہرانے میں اس اشہاد کو ان کے خلاف حجت قرار دیا ہے۔ اگر واقعتاً تمام ذریت آدم کو نکال کر اور سامنے حاضر کر کے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ربوبیت کی گواہی اور عہد لیا ہوتا تو انہیں ضرور یاد ہوتا تاکہ یہ ان کے خلاف حجت قرار دیا جا سکتا لیکن یہ تو کسی کو یاد ہی نہیں ہے اگر یہ

کہا جائے کہ فرمان رسول ﷺ ہی یاددہانی کے لئے کافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جھٹلانے والے مشرکین ہیں جو رسولوں کی تکذیب کے ساتھ ساتھ ان کی خبروں کی بھی تکذیب کرتے ہیں حالانکہ قرآن کریم نے اس شہادت کو ایک مستقل حجت قرار دیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد فطرت ہے جس پر انسان کو پیدا کر کے اس میں اقرار توحید ودیعت کر دیا، اسی لئے فرمایا: اَنْ تَقُوْلُوْا ...... تا کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو توحید سے غافل تھے یا یہ کہ شرک تو ہمارے آباؤ اجداد نے کیا تھا۔ ان کے کئے کی ہمیں کیوں سزا دی جائے۔

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿175﴾ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿176﴾ سَآءَ مَثَلَاۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿177﴾

"اور پڑھ سنایئے انہیں حال اس کا جسے دیا ہم نے (علم) اپنی آیتوں کا تو وہ کترا کر نکل گیا ان سے تب پیچھے لگ گیا اس کے شیطان تو ہو گیا وہ گمراہوں میں اور اگر ہم چاہتے تو بلند کر دیتے اس کا رتبہ ان آیتوں کے باعث لیکن وہ تو جھک گیا پستی کی طرف اور پیروی کرنے لگا اپنی خواہش کی تو اس کی مثال کتے جیسی ہے اگر تو حملہ کرے اس پر تب بھی ہانپے اور اگر تو اسے چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔ یہ حال ہے ان لوگوں کا جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ آپ سنائیں (انہیں) یہ قصہ شاید وہ غور وفکر کرنے لگیں بہت بری کہاوت ہے اس قوم کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور (وہ) اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے"۔

ان آیات کا مصداق کون تھا؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جس کا نام بلعم بن آبر تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ایک روایت میں اس کا نام صیفی بن راہب آتا ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ اہل بلقاء میں سے ایک شخص تھا جو اسم اعظم جانتا تھا اور یہ بیت المقدس میں مقیم تھا۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ اہل یمن میں سے تھا، اسے بلعم کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی آیات کا علم عطا فرمایا لیکن اس نے ان کی قدر نہ کی۔ حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا۔ چونکہ مستجاب الدعوات تھا اس لئے لوگ مشکلات میں اس کی طرف رجوع کرتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے تبلیغ کی غرض سے شاہ مدین کی طرف روانہ کیا۔ اس بادشاہ نے اسے اپنی طرف مائل کر لیا، اسے جاگیر عطا کی اور گرانقدر انعام واکرام سے نوازا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین سے مرتد ہو کر بادشاہ کے دین کا پیروکار بن گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ شخص امیہ بن ابی الصلت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے، ممکن ہے ان کی مراد یہ ہو کہ یہ امیہ بھی بلعم کے مشابہ تھا۔ یہ پہلی شریعتوں کا بہت عالم فاضل تھا لیکن اپنے علم سے استفادہ نہ کر سکا۔ اس نے رسول خدا ﷺ کا عہد مبارک پایا۔ آپ ﷺ کی نشانیاں، آیات بینات اور معجزات اس تک پہنچے اور ہر صاحب بصیرت کے لئے یہ چیزیں روز روشن کی طرح عیاں ہوئیں۔ اس کی آپ ﷺ سے ملاقات بھی ہوئی لیکن پھر بھی آپ ﷺ کی اتباع پر

آمادہ نہ ہوا بلکہ مشرکین کے ساتھ دوستی قائم رکھی، ان کی مدد اوران کی ہی تعریف کرتا رہا۔ مقتولین بدر پر اس نے بڑا بلیغ مرثیہ بھی کہا۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس کی زبان مومن تھی، دل مومن نہیں تھا۔ توحید الٰہی اور حکم وامثال پر مشتمل اس نے بڑی فصیح و بلیغ شاعری کی ہے لیکن دولت ایمان سے محروم رہا اور اسلام کے لئے اس کو شرح صدر عطا ہی نہ ہوا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس شخص کو تین دعاؤں کا حق عطا کیا گیا کہ قبول ہوں گی۔ اس کی ایک بیوی تھی جس میں سے اس کا ایک بیٹا تھا۔ اس کی بیوی نے اسے کہا کہ ان میں سے ایک دعا میرے لئے مخصوص کردو۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے، تم کیا چاہتی ہو؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ مجھے بنی اسرائیل کی سب سے زیادہ خوبصورت عورت بنادے۔ اس نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ خوبصورت عورت بنادیا۔ جب اسے علم ہوا کہ بنی اسرائیل میں اس جیسی کوئی حسین عورت ہے ہی نہیں تو وہ اپنے شوہر سے اعراض کرنے لگی اور اس کے اطوار اور خیالات ہی بدل گئے۔ اس کے لئے یہ سب کچھ ناقابل برداشت تھا اس لئے اس نے اللہ تعالیٰ سے (دوسری) دعا کی کہ وہ اسے کتیا بنادے۔ چنانچہ وہ کتیا بن گئی۔ دو دعائیں یونہی ختم ہوگئیں۔ اس کے بیٹے آکر کہنے لگے کہ ہم اپنی ماں کو اس شکل میں نہیں دیکھ سکتے لوگ ہمیں عار دلاتے ہیں اس لئے دعا کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اسے پہلی حالت پر لوٹادے۔ چنانچہ وہ پہلے جیسی بن گئی اس طرح تینوں دعائیں اکارت گئیں۔ اس عورت کو بسوس (بے برکتی) کا نام دیا گیا۔ ان آیات کا مشہور شان نزول یہی ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانے میں ایک شخص تھا اور بعض کے نزدیک اس کا تعلق جبارین کے شہر سے تھا، اسم اعظم جانتا تھا اور مستجاب الدعوات تھا۔ یہ بات بالکل ہی غلط اور خلاف حقیقت ہے کہ اسے نبوت عطا کی گئی پھر اس سے وہ محروم ہوگیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جابروں کے شہر کی طرف بڑھے تو بلعم کے پاس اس کی قوم کے افراد آئے اور اسے کہنے لگے کہ موسیٰ مرد آہن ہے اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہے۔ اگر وہ ہم پر غالب آگیا تو ہمیں تباہ وبرباد کردے گا اس لئے تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ موسیٰ اور اس کے لشکر کو ہم سے دور کردے۔ وہ کہنے لگا کہ اگر یہ دعا میں نے کردی تو میری دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہوجائیں گی۔ وہ اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے مطلوبہ دعا کردی۔ دعا کا کرنا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے تمام علم وفضل سے محروم کردیا، یہی مطلب اس آیت فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ کا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ جب میدان تیہ میں سرگرداں بنی اسرائیل کے چالیس سال بیت گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون کو نبی بناکر بھیجا۔ آپ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اپنی نبوت کے متعلق آگاہ کیا اور انہیں یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبارین کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور آپ کی تصدیق کی۔ لیکن بنی اسرائیل کا ایک بلعام نامی آدمی نافرمانی کرکے جبارین کے پاس چلا گیا اور انہیں کہنے لگا کہ تمہیں بنی اسرائیل سے خوفزدہ ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں کیونکہ جب تم ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نکلو گے تو میں ان پر بددعا کروں گا اور وہ سب ہلاک ہوجائیں گے۔ ان جبارین کے پاس ہر قسم کا دنیاوی ساز وسامان موجود تھا لیکن بلعم ان کی عورتوں سے تمتع نہیں کرسکتا تھا کیونکہ وہ بہت بڑی بڑی تھیں۔ اس لئے وہ اپنی ہی گدھی سے مطلب برآری کرلیا کرتا تھا، اس لئے اس کے بارے میں ارشاد ہوا: فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۔ اس آیت کے ہم معنی ایک حدیث حضرت حذیفہ بن یمان سے مروی ہے جس میں رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ”مجھے تمہارے بارے میں اس آدمی کا سا اندیشہ ہے جو قرآن کا علم رکھتا تھا یہاں تک کہ قرآن کی رونق اور شگفتگی اس کے چہرہ پر عیاں تھی، اس کی چادر اسلام تھی جس کو اس نے اوڑھے رکھا پھر وہ کترا کر اس سے نکل گیا اور اس نے اسے پس پشت ڈال دیا۔ اپنے پڑوسی کو تلوار لیکر قتل کرنے کے درپے ہوگیا اور اس پر شرک کی تہمت لگانے لگا“ میں نے عرض کی:

اے اللہ کے نبی! ان دونوں میں کون شرک کا زیادہ مستحق ہے تہمت لگانے والا یا جس پر تہمت لگائی گئی؟ فرمایا: ''بلکہ، تہمت لگانے والا''(1)۔

وَلَوْشِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ...... یعنی اگر ہم چاہتے تو اسے اپنی آیات کی برکت سے دنیا کی غلاظت اور گندگی سے بالاتر رکھتے لیکن وہ دنیاوی زیب وزینت، لذات اور شہوات کی طرف مائل ہوگیا اور دنیا نے اسے فریب اور دھوکہ میں ڈال دیا جس طرح دنیا عموماً عقلمند لوگوں کو فریب دیا کرتی ہے۔ ابوالزاہریہ کہتے ہیں کہ اسے ایک پل کے اوپر شیطان دکھائی دیا۔ اس کی سواری نے تو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا لیکن بلعام نے شیطان کو سجدہ کیا۔ سیار بیان کرتے ہیں کہ بلعام مستجاب الدعوات تھا وہ شام یا کسی اور سرزمین میں رہتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ساتھ اس سرزمین کا رخ کیا جہاں یہ مقیم تھا۔ وہاں کے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت زیادہ خوفزدہ ہوگئے۔ بھاگے بھاگے بلعام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس شخص (موسیٰ) اور اس کے لشکر پر بددعا کرو۔ وہ کہنے لگا کہ میں اپنے رب سے مشورہ کر لوں۔ چنانچہ اس نے مشورہ کیا تو اسے بددعا سے منع کر دیا گیا اور اسے کہا گیا کہ وہ میرے بندے ہیں اور ان میں میرا نبی بھی ہے۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میں نے بددعا کے متعلق اپنے رب سے مشورہ کیا ہے لیکن مجھے اس سے منع کر دیا گیا ہے۔ لوگوں نے اسے تحائف دیکر ورغلایا اور بددعا کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ میں اپنے رب سے مشورہ کرلوں۔ جب مشورہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے کسی چیز کا حکم نہ دیا۔ کہنے لگا کہ میں نے مشورہ کیا ہے لیکن مجھے کوئی مشورہ نہیں ملا۔ لوگ کہنے لگے کہ اگر بددعا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتی تو وہ پہلے کی طرح تمہیں منع کر دیتا۔ چنانچہ وہ ان کے فریب میں آگیا اور بددعا کرنے لگا جب وہ ان کے لئے بددعا کرتا تو ان کی بجائے اپنی قوم پر بددعا کے الفاظ اس کی زبان پر جاری ہوجاتے۔ اس نے اپنی قوم کے لئے فتح کی دعا کرنا چاہی لیکن دعا موسیٰ اور آپ کے لشکر کے حق میں نکل گئی یا آخر میں ان شاء اللہ کے الفاظ کہہ دیتا جس سے دعا اللہ کی مشیت کے ساتھ مشروط ہوجاتی، اس کے ساتھی کہنے لگے کہ تم تو ہم پر ہی بددعا کر رہے ہو۔ وہ کہنے لگا کہ میری زبان پر تو اسی طرح دعا کے الفاظ جاری ہوتے ہیں اور اگر میں ان کے حق میں بددعا کر بھی دوں تو بھی قبول نہیں ہوگی۔ البتہ میں تمہیں ایک تدبیر بتاتا ہوں جس کے باعث ممکن ہے وہ ہلاک ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زنا بہت مبغوض ہے۔ اگر وہ زنا میں مبتلا ہوجائیں تو ان کی ہلاکت یقینی ہے۔ اس لئے تم ایسا کرو کہ جب وہ آئیں تو ان کے سامنے اپنی عورتوں کو بھیج دینا۔ وہ مسافر لوگ ہیں شاید اس جال میں پھنس جائیں اور اس طرح اپنی ہلاکت کو دعوت دے دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ بادشاہ کی ایک بہت ہی خوبصورت اور شان وشوکت کی مالک بیٹی تھی۔ بادشاہ نے یا بلعام نے اسے تاکید کی کہ موسیٰ کے علاوہ کسی اور کے تصرف میں نہ آنا۔ چنانچہ بنی اسرائیل زنا میں مبتلا ہوگئے۔ بنی اسرائیل کا ایک سردار شہزادی کے پاس آیا اور اس سے تمتع کرنا چاہا لیکن اس نے کہا کہ میں موسیٰ کے سوا کسی کو اپنے اوپر قدرت نہیں دوں گی۔ وہ کہنے لگا: دیکھو، میرا مقام ومرتبہ بہت زیادہ ہے اور میں بڑے اونچے منصب پر فائز ہوں۔ چنانچہ شہزادی نے اس سلسلہ میں اپنے باپ سے مشورہ منگوا بھیجا۔ بادشاہ نے کہا کہ اس کی خواہش پوری کر دو۔ وہ دونوں رنگ رلیاں منا رہے تھے کہ ان کے پاس اولاد ہارون علیہ السلام میں سے ایک شخص تھا۔ اس نے دونوں پر اپنے نیزے کا ایسا بھرپور وار کیا کہ دونوں حالت غیر میں نیزے میں پرو دیئے گئے۔ اس نے دونوں کو نیزے پر بلند کیا اور تمام لوگوں نے یہ منظر دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون کی بیماری مسلط کر دی جس میں ستر ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے۔ سیار بیان کرتے ہیں کہ بلعام اپنی گدھی پر سوار تھا معلولی تک آیا۔ یہاں سے سواری

1۔ مسند ابی یعلی

آ گے نہیں بڑھ رہی تھی وہ سواری کو مارنے لگ گیا۔ سواری اکڑ گئی اور کہنے لگی کہ مجھے کیوں مارتے ہو؟ کیا تم سامنے نہیں دیکھتے وہ کیا ہے؟ اس نے دیکھا کہ سامنے شیطان ہے، وہ سواری سے اتر کر شیطان کو سجدہ کرنے لگا اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا...... بلعام کو بلعم بھی کہتے ہیں اس کے باپ کا نام باعوراء، باعور یا ابر تھا۔ بلعوم بن باعوراء بن شتھوم بن قوشتم بن ماب بن لوط بن ہاران۔ بعض نے اسے ابن حران بن آزر بتایا ہے۔ یہ بلقاء کے ایک دیہات میں مقیم تھا۔ سالم ابوالنضر کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شام میں ارض بنی کنعان کا قصد کیا تو بلعام کی قوم اس کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ یہ موسیٰ بن عمران بنی اسرائیل کو لیکر آیا ہے تاکہ ہمیں اپنی سرزمین سے باہر نکال دے، ہمیں قتل کر دے اور ہماری جگہ بنی اسرائیل کو آباد کر دے۔ ہم تمہاری قوم ہیں۔ ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا، تم مستجاب الدعوات ہو ان کے حق میں بددعا کر دو۔ وہ کہنے لگا ارے کم بختو! موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، ان کے مددگار فرشتے ان کے ساتھ ہیں اور مومنین بھی ان کے دست و بازو ہیں۔ میں کیسے بددعا کروں حالانکہ میں جانتا ہوں سو جانتا ہوں؟ وہ کہنے لگے کہ ہم کہاں جائیں گے۔ اس طرح وہ اس سے زاریاں کرتے رہے اور بددعا کے لئے اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ وہ ان کے فریب میں آ گیا۔ وہ اپنی گدھی پر سوار ہو گیا اور اس پہاڑ کی طرف متوجہ ہوا جہاں سے وہ بنی اسرائیل کے لشکر کو دیکھ سکتا تھا اس پہاڑ کا نام حسبان تھا۔ تھوڑی دور جا کر اس کی سواری بیٹھ گئی۔ وہ اسے مارنے لگا، پھر وہ تھوڑی دور جا کر رک گئی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اسے قوت گویائی عطا فرمائی اور وہ کہنے لگی: اے بلعام! تو کہاں جا رہا ہے، کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ میرے سامنے فرشتے ہیں جو مجھے پیچھے دھکیل رہے ہیں، کیا تو اللہ کے نبی اور اہل ایمان پر بددعا کرنا چاہتا ہے؟ لیکن وہ پھر بھی باز نہ آیا۔ وہ اپنی سواری کو مارتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی سواری کو آزاد چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ پہاڑ پر چڑھا اور جیش موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ہو کر بددعا کرنے لگا۔ جب وہ بددعا کرتا تو وہ اس کی اپنی ہی قوم کے حق میں نکلتی۔ جب وہ اپنی قوم کے لئے دعائے خیر کرنا چاہتا تو وہ قوم موسیٰ علیہ السلام کے حق میں نکل جاتی۔ اس کی قوم والے کہنے لگے کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ تم ان کے حق میں دعائے خیر کر رہے ہو اور ہمارے لئے بددعا کر رہے ہو۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے اس پر قدرت نہیں۔ چنانچہ اس کی زبان لمبی ہو کر اس کے سینہ پر لٹک گئی۔ اب وہ اپنی قوم سے کہنے لگا کہ میری تو دنیا و آخرت برباد ہو گئی۔ اب حیلہ اور مکر سے ہی کام چلے گا۔ میں تمہیں ایک تدبیر بتاتا ہوں۔ اپنی عورتوں کو بناؤ سنگھار کر کے کچھ سامان کے ساتھ بیچنے کے بہانے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور انہیں یہ تاکید کر دو کہ اگر بنی اسرائیل کا کوئی شخص کسی عورت کو اپنے تصرف میں لانا چاہے تو وہ انکار نہ کرے۔ اگر ان کا ایک فرد بھی زنا کا مرتکب ہو گیا تو تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب عورتیں لشکر میں داخل ہوئیں تو اہل کنعان کی ایک عورت جس کا نام کسبتی تھا جو قوم کے سردار صور کی بیٹی تھی، بنی اسرائیل کے ایک زعیم کے پاس سے گزری جس کا نام زمری بن شلوم تھا اور یہ بنی شمعون بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کا سردار تھا۔ جب اس نے اس عورت کو دیکھا تو اس کے دل کو بھا گئی۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے آیا اور کہنے لگا کہ میرا خیال ہے آپ یہیں کہیں گے کہ یہ تجھ پر حرام ہے، اس کے قریب نہ جانا۔ آپ نے فرمایا: ہاں، یہ تم پر حرام ہے۔ وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! اس معاملہ میں میں آپ کی بات پر عمل نہیں کر سکتا۔ وہ اس عورت کو لیکر اپنے خیمہ میں چلا گیا اور اس سے حرام کاری کی۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں طاعون کی بیماری پھیلا دی جب یہ واقعہ ہوا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دست راست فخاص بن عیزار بن ہارون غائب تھا۔ جب وہ واپس آیا تو طاعون کی بیماری اپنے ڈیرے جما چکی تھی۔ جب اسے زمری کے واقعہ کا علم ہوا تو اس نے اپنا نیزہ اٹھایا جو تمام کا تمام لوہے کا بنا ہوا تھا اور زمری کے خیمہ میں داخل ہو گیا۔ وہ دونوں

اکٹھے لیٹے ہوئے تھے۔ اس نے دونوں کو اپنے نیزے میں پرو لیا اور فضا میں انہیں بلند کرتا ہوا باہر نکلا فخاص تنومند قوی شخص تھا۔ اس نے نیزہ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہنی اپنے پہلو پر رکھ لی اور نیزہ منہ کے ساتھ ٹیک کیا۔ انہیں باہر لیکر نکلا تو یہ کہتے جا رہا تھا: اے اللہ! ہم تیرے نافرمان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔ اس کے بعد طاعون کی بیماری ختم ہوگئی۔ زمری کی بدمعاشی سے لیکر اس کے قتل تک ستر ہزار یا کم از کم بیس ہزار آدمی طاعون کی نذر ہو کر لقمہ اجل بن گئے۔ یہ سب کچھ دن کے قلیل حصہ میں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل اپنے ذبیحہ کی سری، پائے اور اپنے اموال اور نفیس چیزوں میں سے پہلی پہلی چیز فخاص کی اولاد کو نذر کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے باپ عیزار کا پہلوٹھی کا بیٹا تھا اور اسی کے سبب ان سے طاعون کی بیماری رفع ہوئی (1)۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ...... اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابوالنضر کی روایت کے مطابق بلعام کی زبان لٹک کر اس کے سینے پر آ گئی تھی تو اسے کتے کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو دونوں حالتوں میں ہانپتا ہے خواہ اسے جھڑکا جائے یا ویسے چھوڑ دیا جائے۔ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ گمراہی پر ڈٹے رہنے، ایمان کی طرف بلانے یا نہ بلانے سے اس کے استفادہ نہ کرنے میں اس کی مثال کتے کی سی ہے جو دونوں حالتوں میں زبان لٹکائے ہانپتا رہتا ہے۔ ایسے شخص کو ایمان کی دعوت دینا اور نہ دینا دونوں چیزیں برابر ہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: ''سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (البقرۃ: 6)'' یکساں ہے ان کے لئے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے''، اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (التوبۃ: 80)'' آپ بخشش طلب کریں ان کے لئے یا نہ کریں اگر آپ بخشش طلب کریں ان کے لئے ستر بار جب بھی نہ بخشے گا اللہ تعالیٰ انہیں''۔ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ کافر، منافق اور گمراہ کا دل کمزور اور ہدایت سے خالی ہوتا ہے اس لئے وہ بہت دھڑکتا اور مضطرب رہتا ہے۔ اس کی اس حالت کو کتے کے ہانپنے کی حالت کے ساتھ تعبیر کیا۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ اے محبوب! بلعام کے احوال سے واقفیت رکھنے والوں کو یہ واقعات سنائیں کہ بلعام کا کیا حشر ہوا، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے دور کر دیا، وہ گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر پڑا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسم اعظم کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے جو اسے نعمت بخشی تھی اس نے اس کی قدر نہ کی۔ اس کا استعمال ناحق کرنے لگ گیا بلکہ اس نے یہاں تک جسارت کی کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے پیروکار حزب الرحمٰن پر بددعا کرنے لگ گیا، اسی لئے فرمایا: لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ تاکہ یہ لوگ بلعام جیسے کام کرنے سے احتراز کریں کیونکہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے، انہیں اپنے زمانہ کے لوگوں پر امتیازی شان عطا فرمائی اور ان کی کتابوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اوصاف بیان کر دیئے جنہیں وہ اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ اس لئے یہ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ جس طرح ان کے انبیاء نے انہیں حکم دیا ہے اس کے مطابق حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں، آپ کی تائید کریں اور ہر قسم کی مدد کریں۔ لہٰذا جس شخص نے ان میں سے کتاب الٰہی کی مخالفت کی اور اس کے احکام کو چھپایا تو اسے دنیا و آخرت کے رسوا کن عذاب سے واسطہ پڑے گا۔

سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ...... یعنی ان لوگوں کی مثال بہت بری ہے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں، ان کی مثال کتوں کی سی ہے جن کا مقصد حرص و طمع، کھانا پینا اور شہوت رانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ جو علم و ہدایت سے منحرف ہو کر شہوات اور خواہشات کا غلام بن گیا وہ کتے کے مشابہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 125-126

ہو گیا، کیسی بدترین مثال ہے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہماری مثال بری مثال نہیں ہے، ہبہ دیکر واپس لینے والا کتے کی طرح ہے جو قے کر کے پھر اس کو کھا جائے'' (1)۔

وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود ہی اتباع حق اور اطاعت مولیٰ سے انحراف کر کے اور دنیاوی لذات وخواہشات میں مبتلا ہو کر اپنے آپ پر ظلم کیا۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

'' جسے ہدایت بخشے اللہ تعالیٰ سو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جنہیں گمراہ کر دے تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے وہ گمراہ اور خائب وخاسر ہی رہتا ہے۔ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا، اسی لئے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں آتا ہے: اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَهْدِيْهِ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ(2)۔ '' سب تعریفیں اللہ کے لئے ہے، ہم اس کی حمد کرتے ہیں، اسی سے مدد طلب کرتے ہیں، اسی سے ہدایت کے طلب گار ہیں، اسی سے مغفرت کے خواستگار ہیں اور ہم اپنے نفس کی شرارتوں اور برے اعمال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں''۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

'' اور بے شک ہم نے پیدا کئے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان ان کے دل (تو) ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں ان سے اور ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں ان سے اور ان کے کان تو ہیں لیکن وہ سنتے نہیں ان سے، وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہی لوگ تو غافل (وبے خبر) ہیں''۔

یعنی ہم نے بہت سے جن اور انسان جہنم کے لئے پیدا اور تیار کئے ہیں۔ ایسے لوگ جہنمیوں جیسے اعمال کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو ان کے پیدا ہونے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ کیسے کیسے کام کریں گے۔ چنانچہ اس نے اپنے علم کے مطابق زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے لوح محفوظ میں اس چیز کو درج کر دیا۔ جس طرح حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال قبل ساری مخلوق کی تقدیروں کو لکھ دیا تھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا'' (3)۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجنۃ، جلد 3 صفحہ 215، صحیح مسلم، کتاب الهبات 1240-1241 وغیرہ

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 287، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 392 وغیرہ

3۔ صحیح مسلم، کتاب القدر 2044

ﷺ کو کسی انصاری بچے کے جنازہ میں شریک ہونے کے لئے بلایا گیا، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ (بچہ) کتنا اچھا ہے! یہ تو جنت کی چڑیا ہے، اس نے کوئی برا کام کیا ہی نہیں اور نہ یہ اس عمر کو پہنچا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا فرمایا اور اس کے مستحقین کو بھی پیدا فرما دیا حالانکہ یہ ابھی اپنے آباء کی صلبوں میں تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا کیا اور دوزخی بھی پیدا کر دیئے جبکہ یہ ابھی اپنے آباء کی پیٹھوں میں تھے" (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: "پھر اللہ تعالیٰ (رحم مادر میں) اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کے متعلق چار چیزیں لکھتا ہے، اس کا رزق، اس کی عمر، اس کا عمل اور یہ کہ بدبخت ہوگا یا سعادت مند" (2)۔ اور پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے صلب آدم سے تمام ذریت نکالی تو اسے اصحاب یمین اور اصحاب شمال دو گروہوں میں تقسیم کر دیا اور فرمایا کہ یہ (ایک) جنتی ہے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں، اور یہ (دوسرا) دوزخی ہے، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اس موضوع کی احادیث تو بہت زیادہ ہیں لیکن مسئلہ تقدیر بھی ایک نازک مسئلہ ہے جس کی تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا...... یعنی وہ ان اعضاء سے استفادہ نہیں کرتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حصول ہدایت کا سبب بنایا ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (الاحقاف:26) "اور ہم نے عطا کئے تھے انہیں کان، آنکھیں اور دل۔ لیکن ان کے کسی کام نہ آئے ان کے کان، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کیونکہ وہ انکار کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا"، اور فرمایا: صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (البقرة:18) "یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ نہیں پھریں گے" یہ منافقین کے بارے میں ہے اور کافروں کے بارے میں فرمایا: صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (البقرة:171) "یہ لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے"، بظاہر ان کے اعضاء درست تھے۔ اگر وہ گونگے، بہرے اور اندھے تھے تو صرف ہدایت سے۔ جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (الانفال:23) "اور اگر جانتا اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی تو انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر سنا دیتا انہیں (قبول حق کی استعداد کے بغیر) تو وہ پیٹھ پھیر دیتے روگردانی کرتے ہوئے"، اور فرمایا: فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (الحج:46) "حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں"، ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (الزخرف:37-36) "اور جو شخص (دانستہ) اندھا بنتا ہے رحمان کے ذکر سے، تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے ایک شیطان، پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے۔ اور شیاطین روکتے ہیں ان (اندھوں) کو راہ ہدایت سے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں"۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ وہ لوگ جو حق بات کو نہیں سنتے اور نہ اسے دل میں جگہ دیتے ہیں اور نہ راہ ہدایت کو دیکھتے ہیں، ڈنگروں اور حیوانوں کی طرح ہیں جو اپنے حواس اور اعضاء کو صرف کھانے پینے اور زندگی برقرار رکھنے کے لوازمات میں استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً (البقرة:171) "اور مثال ان کی جنہوں نے کفر (اختیار) کیا ایسی ہے جیسے کوئی چلا رہا ہو ایسے (جانوروں) کے پیچھے جو نہیں سنتے سوائے خالی پکار اور آواز کے"، یعنی جب انہیں ایمان کی دعوت دی جاتی ہے تو اس وقت ان کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے حیوانوں کو راعی (چرواہا) بلاتا ہے تو وہ سوائے اس کی آواز کے کچھ نہیں سنتے اور نہ ہی اس کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب القدر 2050 2۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 165، صحیح مسلم، کتاب القدر 2036

بات کو سمجھتے ہیں، اس لئے ان کے بارے میں فرمایا: بَلْ هُمْ اَضَلُّ کہ یہ ڈنگروں سے بھی زیادہ گمراہ اور بدتر ہیں کیونکہ ڈنگر اگرچہ بات کو سمجھتے تو نہیں، پھر بھی جب ان کا مالک انہیں بلاتا ہے تو اس کی طرف رخ کر لیتے ہیں لیکن ان انسان نما ڈنگروں نے کبھی بھی اپنے خالق حقیقی کی آواز پر لبیک نہیں کہی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ حیوان وہی کچھ کرتے ہیں جس مقصد کے لئے انہیں پیدا کیا گیا ہے یا تو فطری طور پر ایسا کرتے ہیں یا پھر سدھانے سے، برخلاف کافر کے کہ اسے تو پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے اور اسے یکتا مانے لیکن یہ کفر اور شرک کا ارتکاب کرنے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو بشر اللہ کی اطاعت کرتا ہے وہ قیامت کے دن اپنے جیسے فرشتوں سے افضل ہوگا، اور جو بشر کفر کرتا ہے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَاۗىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٠﴾

”اور اللہ ہی کے لئے ہیں نام اچھے اچھے سو پکارو اسے انہیں ناموں سے، اور چھوڑ دو انہیں جو کجروی کرتے ہیں اس کے ناموں میں۔ انہیں سزا دی جائے گی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے“۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، ایک کم سو۔ جس نے ان کا ورد کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وہ وتر (طاق) کو پسند فرماتا ہے“ (1)۔

ترمذی شریف میں اس کے بعد یہ اسمائے حسنیٰ مذکور ہیں: ”هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ الْحَلِيْمُ الْعَظِيْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِىُّ الْكَبِيْرُ الْحَفِيْظُ الْمُقِيْتُ الْحَسِيْبُ الْجَلِيْلُ الْكَرِيْمُ الرَّقِيْبُ الْمُجِيْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِيْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيْدُ الْحَقُّ الْوَكِيْلُ الْقَوِىُّ الْمَتِيْنُ الْوَلِىُّ الْحَمِيْدُ الْمُحْصِىُ الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ الْمُحْيِى الْمُمِيْتُ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الْفَرْدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِى الْمُتَعَالِى الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّءُوْفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِىُّ الْمُغْنِى الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِى الْبَدِيْعُ الْبَاقِى الْوَارِثُ الرَّشِيْدُ الصَّبُوْرُ“ (2)۔

یہ حدیث غریب ہے۔ ابن ماجہ نے کچھ کمی بیشی کے ساتھ یہی نام ذکر کئے ہیں (3)۔ زہیر بن محمد کہتے ہیں کہ یہ اسمائے گرامی اہل علم نے قرآن کریم میں سے جمع کئے ہیں۔ بہرصورت اسماء حسنیٰ صرف ننانوے سمجھ لینا درست نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کو کوئی رنج والم اور غم پہنچے وہ یہ دعا کرے: اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں تیرے بندے اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، مجھ میں تیرا حکم نافذ ہے، میرے بارے میں تیرا فیصلہ عادلانہ ہے۔ میں تیرے ہر اس نام کے ساتھ تجھ سے سوال کرتا ہوں جس سے تو نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے یا اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا اپنی مخلوق میں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، جلد 8 صفحہ 100، صحیح مسلم، کتاب الذکر: 2062
2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 37-43
3۔ سنن ابن ماجہ کتاب الدعاء: 1269-1270

سے کسی کو سکھایا ہے یا اسے اپنے علم غیب میں اپنے ساتھ مخصوص کیا ہے کہ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار، میرے سینہ کا نور اور میرے غم و حزن کو کافور کرنے والا بنادے۔ جو شخص یہ دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے حزن و غم کو فرحت و انبساط میں بدل دے گا۔'' عرض کی گئی: یا رسول اللہ! کیا ہم یہ یاد نہ کرلیں؟ فرمایا: ''جو بھی اسے سنے چاہئے کہ وہ اسے یاد کرے''(1)۔ بعض علماء نے کتاب وسنت سے اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار نام جمع کیے ہیں(2)۔

وَذَرُوا الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡۤ اَسۡمَآىِٕهٖ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ الحاد یہ تھا کہ مشرکین ''لات'' (بت کا نام) کو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں شریک کردیتے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ انہوں نے اللہ سے لات اور عزیز سے عزیٰ مشتق کیا ہوا تھا۔ یہ بھی الحاد کی ایک شکل ہے کہ اللہ کے اسماء گرامی میں سے بتوں کے نام مشتق کرلئے جائیں۔ قتادہ الحاد کا معنی شرک کرنا بتاتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی تکذیب منقول ہے۔ کلام عرب میں الحاد کا معنی ہے: راہ راست سے ہٹ جانا، کجی، ظلم اور انحراف۔ اسی لئے لحد (قبر) کا لفظ ہے کیونکہ اسے قبلہ رخ پھیرا جاتا ہے۔

وَمِمَّنۡ خَلَقۡنَاۤ اُمَّةٌ یَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَقِّ وَبِهٖ یَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱۸۱﴾

''اور ان میں سے جنہیں ہم نے پیدا فرمایا ایک امت ہے جو راہ دکھاتی ہے حق کے ساتھ اور حق کے ساتھ ہی عدل وانصاف کرتی ہے''۔

ہماری پیدا کردہ امتوں میں سے ایک امت ایسی ہے جو قول وفعل کے اعتبار سے حق پر قائم ہے۔ حق گو ہے اور حق کے ساتھ ہی فیصلہ کرتی ہے۔ اس امت سے مراد امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتسلیم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس آیت کو پڑھتے تو فرماتے: ''یہ (آیت) تمہارے لئے ہے اور تم سے پہلے ایک قوم (قوم موسیٰ) کو اسی کی مثل عطا ہوئی یعنی وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰۤى اُمَّةٌ یَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَقِّ وَبِهٖ یَعۡدِلُوۡنَ (الاعراف:59)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت میں سے ایک قوم حق پر قائم رہے گی یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم نزول فرمائیں۔'' صحیحین کی ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔ ان کا کوئی مخالف اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑنے والا انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا یہاں تک کہ قیامت آجائے''(3)۔ ایک دوسری روایت میں ہے: یہاں تک کہ اللہ کا حکم (موت) آجائے، وہ اسی پر کاربند رہیں گے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس حال میں کہ وہ شام میں ہوں گے۔

وَالَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمۡلِیۡ لَهُمۡ ؕ اِنَّ كَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ ﴿۱۸۳﴾

''اور جنہوں نے تکذیب کی ہماری آیتوں کی تو ہم آہستہ آہستہ پستی میں گرادیں گے انہیں اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا۔ اور میں مہلت دیتا ہوں انہیں۔ بیشک میری خفیہ تدبیر بہت پختہ ہے''۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ان کے لئے معیشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے رزق کی فراوانی کردی جاتی ہے۔ یہ اس سے دھوکہ کھا کر یقین کر بیٹھتے ہیں کہ ان کی غیر معمولی شان ہے۔ جیسا کہ فرمایا: فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖ فَتَحۡنَا عَلَیۡهِمۡ اَبۡوَابَ كُلِّ

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 391-452، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الرقاق، جلد 2 صفحہ 159-160

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الادب، جلد 10 صفحہ 281

3۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 167 صحیح مسلم، کتاب الامارۃ 1524

شَیْءٍ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام:56-44) ''پھر جب انہوں نے بھلا دیں وہ نصیحتیں جو انہیں کی گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے۔ یہاں تک کہ جب وہ خوشیاں منانے لگے اس پر جو انہیں دیا گیا تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک اب وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔ تو کاٹ کر رکھ دی گئی جڑ اس قوم کی جس نے ظلم کیا تھا۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہان والوں کا''۔ اس لئے فرمایا: وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ یعنی میں انہیں مہلت دیتا ہوں کیونکہ میری خفیہ تدبیر بہت پختہ ہے۔

اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا ٜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸۴﴾

''کیا اب تک نہیں غور و فکر کیا انہوں نے۔ ان کے صاحب پر تو جنون کا ذرا اثر نہیں۔ نہیں ہے وہ مگر کھلم کھلا ڈرانے والا''۔

کیا ان جھٹلانے والوں نے کبھی غور و فکر نہیں کیا کہ ان کے ساتھی (محمد ﷺ) کو ذرا بھی جنون نہیں، بلکہ وہ تو اللہ کے سچے رسول ہیں اور حق کے داعی ہیں۔ آپ ﷺ ہر اس شخص کو ڈرانے والے ہیں جس میں عقل و شعور ہو۔ درج ذیل آیات میں بھی آپ ﷺ سے جنون کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ (التکویر:22) ''اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں''۔ قُلْ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰی وَ فُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ٜ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ (سبا:46) ''(اے حبیب!) آپ (انہیں) فرمایئے میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں (یہ تو مان لو) تم اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ دو دو یا اکیلے اکیلے پھر خوب سوچو۔ (تمہیں ماننا پڑے گا) تمہارے اس رفیق میں جنون کا شائبہ تک نہیں ہے۔ نہیں ہے وہ مگر بروقت خبردار کرنے والا تمہیں سخت عذاب کے آنے سے پہلے''۔ یعنی میں تمہیں صرف یہ کہتا ہوں کہ تم تعصب اور ہٹ دھرمی سے بالاتر ہو کر خلوص نیت سے ایک ایک کر کے یا دو دو مل کر کھڑے ہو جاؤ پھر اس ذات کے متعلق غور و فکر کرو جسے میں نے رسول بنا کر بھیجا ہے کہ کیا اس میں جنون نام کی کوئی چیز ہے یا نہیں؟ اگر تم ایسا کرو تو تم پر یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ آپ ﷺ واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے صفا پہاڑ پر کھڑے ہو کر قریش کو بلایا۔ آپ ﷺ ایک ایک قبیلہ کا نام لیکر انہیں پکارنے لگے، اے بنی فلاں، اے بنی فلاں، ادھر آؤ۔ پھر آپ نے انہیں عذاب الٰہی اور حوادثات سے ڈرایا۔ ان میں سے ایک کہنے لگا کہ یہ تو مجنون ہے۔ صبح تک وہ یہی ہرزہ سرائی کرتا رہا تو اس وقت یہ آیت اتری۔

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّ اَنْ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

''کیا انہوں نے غور سے نہیں دیکھا آسمانوں اور زمین کی وسیع مملکت میں اور (اس میں) جو چیز پیدا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس میں کہ شاید نزدیک آ گئی ہو ان کی مقررہ میعاد۔ تو کس بات پر وہ اس (قرآن) کے بعد ایمان لے آئیں گے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا ہماری نشانیوں کو جھٹلانے والے زمین و آسمان کی ہماری بادشاہت و سلطنت اور ہر چیز پر ہمارے اختیار و اقتدار میں غور و فکر نہیں کرتے۔ انہیں تو تدبر سے کام لیکر عبرت حاصل کرنی چاہئے تھی اور یہ علم ہو جانا چاہئے تھا کہ نہ اس کی کوئی نظیر ہے اور نہ شبیہ۔ اور یہ سب کچھ اسی کا ہے۔ اور صرف وہی عبادت و اطاعت کا مستحق ہے۔ اس لئے ان لوگوں پر ضروری ہے کہ وہ اس پر ایمان لائیں، اس کے رسول کی تصدیق کریں، اس کی اطاعت کی طرف رجوع کریں، بتوں کی غلامی کا پٹہ اتار پھینکیں اور اس بات سے ہوشیار رہیں کہ

موت قریب ہے کہیں غفلت میں کفر و شرک کی موت مر کر جہنم کا ایندھن نہ بن جائیں۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ یعنی اگر یہ لوگ حضرت محمد ﷺ کی تخویف اور انذار سے ڈر کر آپ کی رسالت کی تصدیق نہیں کرتے تو اس کے علاوہ اور کونسی تخویف اور ترہیب ہے جس کی وہ تصدیق کریں گے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شب اسراء کو میں نے فلاں فلاں چیز دیکھی۔ جب ہم ساتویں آسمان تک پہنچے تو میں نے اوپر دیکھا تو بجلی اور بجلی کی کڑک تھی۔ میں ایک قوم کے پاس سے گزرا جن کے پیٹ مٹکوں کی طرح پھولے ہوئے تھے، ان میں سانپ تھے جو باہر سے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ سود خور ہیں۔ جب میں آسمان دنیا پر اترا تو میں نے نیچے نظر ڈالی تو دھند، دھواں اور کچھ آوازیں تھیں۔ میں نے پوچھا: اے جبرئیل: یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا: یہ شیاطین ہیں جو بنی آدم کی آنکھوں کے سامنے گھومتے رہتے ہیں تاکہ وہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی میں غور و فکر نہ کرسکیں۔ اگر یہ رکاوٹ نہ بنتے تو انسان عجیب و غریب چیزیں دیکھتے'' (1)۔

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ١٨٦

''جسے گمراہ کردے اللہ تعالیٰ تو نہیں کوئی ہدایت دینے والا اسے۔ وہ رہنے دیتا ہے انہیں کہ اپنی گمراہی میں بھٹکتے رہیں''۔

جس پر اللہ تعالیٰ گمراہی لکھ دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اگرچہ وہ کتنی ہی نشانیاں اور معجزات دیکھ لے، اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔا (المائدۃ:41) ''اور جس کو ارادہ فرمالے اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنے کا تو نہیں طاقت رکھتا تو اس کیلئے اللہ سے کسی چیز کی''، قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (یونس:101) ''فرمائیے غور سے دیکھو! کیا کیا (عجائبات) ہیں آسمانوں اور زمین میں اور فائدہ نہیں پہنچاتیں آیتیں اور ڈرانے والے اس قوم کو جو ایمان نہیں لانا چاہتے''۔

يَسْـَٔـلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔـلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ١٨٧

''وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے قیامت کے متعلق کہ کب ہوگا اس کا وقوع آپ کہئے کہ اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے نہیں ظاہر کرے گا اسے اپنے وقت پر مگر وہی یہ (حادثہ) بہت گراں ہے آسمانوں اور زمین میں۔ نہ آئے گی تم پر مگر اچانک۔ وہ پوچھتے ہیں آپ سے گویا آپ خوب تحقیق کرچکے ہیں اس کے متعلق۔ آپ فرمائیے اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

يَسْـَٔـلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ ایسا ہی ایک اور ارشاد ہے: يَسْـَٔـلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ (الاحزاب:63) ''لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں''۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت قریش کے بارے میں اتری اور بعض کے نزدیک یہ آیت ایک یہودی گروہ کے متعلق نازل ہوئی

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 353-363

لیکن پہلا قول راجح ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے (اور یہود تو مدینہ میں مقیم تھے)۔ قریش مکہ وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہوئے اور اس کے وجود کو جھٹلاتے ہوئے قیامت کے وقت کے متعلق پوچھا کرتے تھے جیسا کہ ان آیات میں ہے: وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (یونس:48) ''اور وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ (عذاب کا) وعدہ اگر تم سچے ہو''، يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ (الشوریٰ:18) ''جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے خبردار! جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے متعلق، وہ بڑی گمراہی میں (مبتلا) ہیں''۔

اَيَّانَ مُرْسٰهَا یعنی اس کا وقوع کب ہوگا، کب دنیا ختم ہوگی اور قیامت آئے گی۔

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اگر آپ سے قیامت کے وقت سے متعلق دریافت کیا جائے تو آپ اس معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیں کیونکہ وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا اور اس کے معین وقت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، اسی لئے فرمایا: ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ قتادہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے علم سے آسمانوں اور زمین کے مکین بے بہرہ ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب قیامت آئے گی تو یہ آسمانوں اور زمین کے باشندوں پر بہت بھاری ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ کوئی چیز بھی اس کی ضرر سے محفوظ نہیں رہے گی۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ جب قیامت وقوع پذیر ہوگی تو آسمان پھٹ جائے گا، ستارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے، سورج کو لپیٹ دیا جائے گا، پہاڑ اکھیڑ دیئے جائیں گے اور وہی کچھ رونما ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے، یہی ثقل ہے۔ ابن جریر کا پسندیدہ قول وہی ہے جو قتادہ کا ہے یعنی قیامت کے وقت کا علم زمین و آسمان والوں پر ثقیل ہے (1)۔ یعنی وہ اس سے لاعلم ہیں جیسا کہ فرمایا: لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً لیکن اس سے زمین و آسمان والوں پر اس کے ثقیل ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ سدی اس کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ یہ (قیامت) آسمانوں اور زمین میں مخفی ہے۔ اس کے وقوع کا علم نہ کسی مقرب فرشتہ کو ہے اور نہ کسی فرستادہ نبی کو۔ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً یعنی قیامت اچانک آئے گی، لوگوں کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوگا۔ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''قیامت لوگوں کو اچانک دبوچ لے گی، اس وقت حالت یہ ہوگی کہ ایک آدمی اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا، ایک آدمی اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہا ہوگا اور ایک آدمی بازار میں اپنا سودا لگا رہا ہوگا اور میزان کو اوپر نیچے کر رہا ہوگا'' (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو، جب لوگ اسے (مغرب سے) طلوع ہوتا ہوا دیکھ لیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے، لیکن اس وقت ایمان لانا اس شخص کو کوئی فائدہ نہیں دے گا جو پہلے ایمان نہیں لایا تھا یا اپنے ایمان میں اس نے بھلائی کے کام نہیں کئے تھے۔ قیامت ضرور قائم ہوگی، اس وقت دو آدمی اپنے درمیان کپڑا پھیلائے ہوئے ہوں گے لیکن نہ وہ خرید و فروخت کر سکیں گے اور نہ اسے لپیٹ سکیں گے۔ خدا کی قسم! قیامت ضرور آئے گی اور اس وقت حالت یہ ہوگی کہ ایک دودھ دوہے گا لیکن اسے پینا نصیب نہ ہوگا۔ قیامت ضرور وقوع پذیر ہوگی کہ اس وقت ایک آدمی اپنا حوض درست کر رہا ہوگا لیکن پانی پینے پلانے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اللہ کی قسم! قیامت قائم ہوگی، ایک آدمی نے لقمہ اپنے منہ کی طرف اٹھایا ہوگا لیکن کھانے کی بھی مہلت نہیں ہوگی'' (3)۔

1۔ تفسیر طبری: 9-139
2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 140
3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 132

يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ آپ سے قیامت کے متعلق یوں پوچھتے ہیں گویا کہ آپ کے اور ان کے درمیان رشتہ الفت و محبت ہے اور گویا کہ آپ ان کے دوست ہیں۔ جب لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے قیامت کے متعلق سوال کیا تو ان کا سوال ایسے لوگوں کا سا تھا جنہیں یہ یقین ہو کہ آپ ﷺ نے قیامت کے متعلق خوب تحقیق کر لی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ وحی کی کہ اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس نے اسے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے اور اس پر نہ کوئی مقرب فرشتہ اطلاع پا سکتا ہے اور نہ کوئی رسول۔ قتادہ کہتے ہیں کہ قریش نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ کے اور ہمارے درمیان رشتہ داری ہے اس لئے ہمیں بتا دیں کہ قیامت کب آئے گی، اس وقت یہ آیت اتری۔ مجاہد كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا کا معنی بتاتے ہیں: گویا آپ اس کی خوب تحقیق کر کے اس کے علم کو جان چکے ہیں۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں: گویا آپ کو اس کا علم ہے حالانکہ اس کا علم اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے مخفی رکھا ہے اور یہ معنی بیان کر کے ساتھ ہی یہ آیت پڑھی: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ (لقمان: 34) '' بیشک اللہ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم''۔ یہ قول زیادہ راجح ہے اسی لئے فرمایا: قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ جبرئیل علیہ السلام لوگوں کو امور دین کی تعلیم کی غرض سے ایک اعرابی کے روپ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور ایک طالب ہدایت سائل کے انداز میں آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گئے اور پہلے آپ ﷺ سے اسلام کے متعلق سوال کیا، پھر ایمان کے متعلق، پھر احسان کے متعلق۔ پھر سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: '' جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے کی نسبت زیادہ نہیں جانتا''، یعنی میں تم سے اسے زیادہ نہیں جانتا اور نہ ہی کوئی شخص اس معاملہ میں دوسرے شخص سے زیادہ عالم ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جبرئیل نے آپ ﷺ سے قیامت کی علامات دریافت کیں تو آپ ﷺ نے قیامت کی نشانیاں بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں، پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ ہر جواب کے بعد جبرئیل کہتے تھے '' صَدَقْتَ '' (آپ ﷺ نے درست فرمایا)، اس لئے اس سائل پر صحابہ کو بڑا تعجب ہوا کہ سوال بھی کر رہا ہے اور ساتھ تصدیق بھی کر رہا ہے۔ جب وہ اعرابی چلا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' یہ جبرئیل تھے جو (اس طریقہ سے) تمہیں دین کی تعلیم دینے آئے تھے۔'' ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ (جبرئیل) جس صورت میں بھی میرے پاس آئے میں نے انہیں پہچان لیا سوائے اس (آج کی) صورت کے''(1)۔ ایک اعرابی نے بلند آواز سے آپ ﷺ کو ندا دی: یا محمد! رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح بلند آواز میں جواب دیا: '' کیا ہے؟'' وہ پوچھنے لگا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: '' نادان! قیامت ضرور آئے گی لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟'' اس نے عرض کی: میں اس کے لئے بڑی بڑی نمازیں اور روزے تو نہیں تیار کر سکا، البتہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ(2)۔ یعنی قیامت کے دن آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔ اس حدیث کو سن کر صحابہ بہت زیادہ خوش ہوئے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جب آپ ﷺ سے قیامت کے متعلق پوچھا جاتا جس کے علم کی لوگوں کو ضرورت نہیں تھی تو آپ ﷺ لوگوں کی رہنمائی زیادہ اہم چیز کی طرف کر دیتے، وہ اہم چیز یہ ہے کہ وہ وقوع قیامت سے قبل اس کے لئے تیاری کر لیں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 19، صحیح مسلم، کتاب الایمان 39، سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 223-224، عارضۃ الاحوذی، ابواب الایمان، جلد 10 صفحہ 80

2۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، جلد 5 صفحہ 14 صحیح مسلم، کتاب البر 2032 وغیرہ

اگر چہ تعیین وقت کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ دیہاتی عرب جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے تو آپ ﷺ سے وقوع قیامت کے متعلق سوال کرتے تو آپ ﷺ ان میں سے کسی نوخیز لڑکے کی طرف اشارہ کر کے فرماتے: ''اگر یہ زندہ رہا تو اس پر بڑھاپا آنے سے پہلے پہلے ہی تم پر قیامت آجائے گی'' (1)۔ اس سے مراد موت ہے جو عالم برزخ میں لے جاتی ہے۔ اس مضمون کی متعدد احادیث معمولی سے تغیر الفاظ کے ساتھ مروی ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل فرمایا: ''تم مجھ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہو حالانکہ اس کا علم تو اللہ کے ہاں ہے، پھر بھی میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ آج اس روئے زمین پر جتنے متنفس ہیں ان پر سو سال بھی نہیں گزریں گے (کہ قیامت آجائے گی)'' (2)۔ یعنی موجودہ لوگ اس صدی کے گزرنے سے قبل فوت ہو جائیں گے گویا یہ ان کے لئے قیامت ہوگی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''شب اسراء میری ملاقات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) سے ہوئی۔ یہ حضرات قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ معاملہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔ وہ کہنے لگے کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے، پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع کیا وہ بھی کہنے لگے کہ مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ پھر یہ معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سپرد ہوا۔ آپ فرمانے لگے کہ ''اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، لیکن اس کی نشانی یہ ہے کہ دجال نکلے گا۔ میرے پاس دو شاخہ ہوگا۔ جب وہ مجھے دیکھے گا تو سیسے کی طرح پگھل جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا حتیٰ کہ درخت اور پتھر پکاریں گے کہ اے مسلمان! میرے نیچے کافر ہے، آؤ اسے قتل کر ڈالو۔ اللہ تعالیٰ اس طرح تمام کفار کو ہلاک کر دے گا۔ پھر لوگ اپنے اپنے شہروں اور وطنوں کو واپس لوٹ جائیں گے۔ اس وقت یاجوج و ماجوج نکلیں گے۔ وہ ہر طرف سے ابل پڑیں گے۔ شہروں کو پامال کر دیں گے۔ جس چیز پر سے ان کا گزر ہوگا اسے تباہ و برباد کر دیں گے، جس چشمہ پر جائیں گے اس کا پانی پی کر اسے خالی کر دیں گے۔ پھر میرے پاس آکر ان کی شکایت کریں گے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا وہ ان سب کو ہلاک کر دے گا حتیٰ کہ زمین ان کی لاشوں کی سڑانڈ سے بدبودار اور مسموم ہو جائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جس میں ان کی لاشیں بہہ کر سمندر میں جا گریں گی۔ پھر پہاڑ اکھیڑ دیئے جائیں گے اور زمین چمڑے کی طرح پھیلا دی جائے گی، اس وقت قیامت اس قدر قریب ہوگی جیسے نو ماہ کی حاملہ کہ جس کے متعلق اس کے گھر والوں کو علم نہیں ہوتا کہ دن یا رات کس وقت وضع حمل ہو جائے'' (3)۔ ان بڑے بڑے اکابر اولوالعزم رسولوں کو بھی قیامت کا علم نہ تھا، اس لئے انہوں نے یہ معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سپرد کر دیا تو انہوں نے اس کی علامات سے پردہ اٹھایا کیونکہ آپ اس امت کے آخری دور میں زمین پر اتریں گے، رسول اللہ ﷺ کے احکام نافذ کریں گے، مسیح دجال کو قتل کریں گے اور آپ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو ہلاک کرے گا۔ یہ ساری ایسی چیزیں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو آگاہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے، اس کے مقررہ وقت پر وہی اسے ظاہر کرے گا، لیکن میں تمہیں اس کی علامتیں بتا دیتا ہوں وہ یہ کہ اس سے پہلے فتنہ و فساد اور ہرج ہوگا''۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! فتنہ تو ہمیں معلوم ہے، ہرج کا کیا معنی ہے۔ فرمایا: اہل حبشہ کی زبان میں اس کا معنی قتل ہے، پھر فرمایا: ''لوگ آپس میں اس قدر انجان اور اجنبی بن جائیں گے کہ کوئی کسی کو نہیں پہچانے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن 2269
2۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ 1966
3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 375، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن 1365-1366

گا''(1)۔ رسول اللہ ﷺ قیامت کا ذکر کرتے رہے حتیٰ کہ یہ آیت اتری: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا۔ ہمارے نبی کو اللہ تعالیٰ نے بڑی شان عطا فرمائی ہے، آپ ﷺ نبی الرحمۃ ہیں، نبی التوبہ ہیں، نبی الملحمہ ہیں، سب سے آخر میں تشریف لانے والے ہیں اور آپ ﷺ حاشر ہیں کہ آپ ﷺ کے قدموں پر تمام لوگوں کا حشر ہوگا، آپ ﷺ فرماتے ہیں ''میں اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح ہیں''(2)۔ آپ ﷺ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر فرمایا۔ اس قدر عظمت، رفعت اور شان کے باوجود اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ قیامت کے وقت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

''آپ کہئے نہیں میں مالک ہوں میں اپنے آپ کے لئے نفع کا اور نہ ضرر کا، مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ اور اگر میں (تعلیم الٰہی کے بغیر) جان لیتا غیب کو تو خود ہی بہت جمع کر لیتا خیر سے اور نہ پہنچتی مجھے کوئی تکلیف۔ نہیں ہوں میں مگر ڈرانے والا (نافرمانوں کو) اور خوشخبری سنانے والا اس قوم کو جو ایمان لائی ہے''۔

اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ ﷺ ان تمام امور کو اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کر دیں اور اپنے بارے میں خبر دے دیں کہ مجھے مستقبل کا علم نہیں، مجھے صرف اس چیز کا علم ہے جس پر اللہ تعالیٰ مجھے مطلع فرما دے جیسا کہ فرمایا: عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا...... (الجن: 28-27) ''(اللہ تعالیٰ) غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو......''۔

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ(3)۔ ابن جریج اور مجاہد اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر مجھے اپنی موت کا یقینی علم ہوتا تو میں جلد جلد اعمال صالحہ کر لیتا، لیکن یہ قول غور طلب ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ہر عمل اچھا تھا(4)۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آپ ﷺ کوئی عمل کرتے تو اسے مستقل اور لگاتار کرتے(5)۔ آپ ﷺ کے تمام اعمال ایک ہی طرز پر تھے، تمام احوال میں آپ کی نظر اللہ

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 389 2۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، جلد 7 صفحہ 68، صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ 592

3۔ اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ الوہیت کی نفی فرما رہے ہیں کہ میں خدا نہیں کیونکہ خدا تو وہ ہے جس کی قدرت کامل اور اختیار مستقل ہے، جو چاہے کرے، اسے روکا نہ جا سکے اور میرے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ ''لَاۤ اَمْلِكُ'' سے اختیار کامل کی نفی کی اور ''اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ'' سے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ کوئی نادان یہ نہ سمجھے کہ حضور اکرم ﷺ کو نفع و ضرر کا کوئی اختیار نہیں۔ اختیار ہے لیکن اتنا جس قدر عطا کیا گیا۔

اسی طرح وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ...... میں بھی الوہیت کی نفی ہے اور یہ اعلان آپ ﷺ نے بر سبیل تواضع و ادب کیا ورنہ امور غیبیہ کی خبر دینا تو آپ ﷺ کے عظیم معجزات میں سے ہے۔ متعدد آیات و احادیث سے آپ ﷺ کا امور غیبیہ پر مطلع ہونا ثابت ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا...... (الجن: 27-26)، اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى (النجم: 10)۔ علاوہ ازیں سینکڑوں احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو غیبی امور پر مطلع کیا مثلاً رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''آج میں نے اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی بڑی حسین اور پیاری صورت میں زیارت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی جس کی ٹھنڈک میں نے سینے میں محسوس کی پھر میں نے وہ جان لیا جو آسمانوں اور جو زمین میں تھا۔'' یہ فرق ملحوظ خاطر رہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم، ذاتی، غیر متناہی اور غیر محدود ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کا علم حادث، عطائی، متناہی اور محدود ہے لیکن یہ محدود علم بھی اس قدر وسعتوں کا حامل ہے کہ مخلوق کی رسائی اس تک ممکن نہیں۔

4۔ فتح الباری، کتاب الصوم، جلد 4 صفحہ 235، صحیح مسلم، کتاب الصوم 541 5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 48

تعالیٰ پر ہوتی۔ہاں یہ معنی ہوسکتا ہے کہ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو لوگوں کو موت کی تیاری کے لئے رہنمائی کر دیتا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خیر بمعنی مال لیا ہے اور یہی بہتر ہے۔ایک روایت میں آتا ہے کہ اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو جب میں کوئی چیز خریدتا تو مجھے علم ہوتا کہ اس میں کس قدر نفع ہے اور اسے اس وقت تک نہ بیچتا جب تک کہ مجھے منافع کی توقع نہ ہوتی، اور فقر مجھے لاحق نہ ہوتا(1)۔دوسرے حضرات اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں خوشحالی کے دور میں قحط سالی کے لئے اور سستے دور میں گرانی کے زمانہ کے لئے چیزیں جمع کر لیتا(2)۔

وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ یعنی میں شر کے وقوع سے پہلے ہی اس سے اجتناب کر لیتا اور اس سے محفوظ ہو جاتا۔پھر فرمایا کہ آپ عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور جنات کی خوشخبری دینے والے ہیں جیسا کہ فرمایا: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا (مریم:97) ''صرف اس لئے ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں اتار کر تاکہ آپ مژدہ سنائیں اس سے پرہیزگاروں کو اور ڈرائیں اس کے ذریعہ اس قوم کو جو بڑی جھگڑالو ہے''۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٨٩﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿١٩٠﴾

''وہ (خدا ہے) جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک نفس سے اور بنایا اس سے اس کا جوڑا تاکہ اطمینان حاصل کرے اس (جوڑے) سے۔پھر جب مرد ڈھانپ لیتا ہے عورت کو تو حاملہ ہو جاتی ہے ہلکے سے حمل سے پھر چلتی پھرتی رہتی ہے اس کے ساتھ۔پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو دعا مانگتے ہیں (میاں بیوی) اللہ سے جوان کا رب ہے کہ اگر تو عنایت فرمائے ہمیں تندرست لڑکا تو ہم ضرور ہو جائیں گے (تیرے) شکر گزار بندوں سے۔پس جب اللہ عطا کرتا ہے انہیں تندرست لڑکا تو دونوں بناتے ہیں اللہ کے ساتھ شریک اس میں جو اس نے انہیں دیا۔تو بلند و برتر ہے اللہ ان سے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا اور ان سے ان کی زوجہ حواء کو پیدا کیا پھر ان دونوں سے نسل کا سلسلہ آگے بڑھا۔جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات:13) ''اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے''، يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (النساء:1) ''اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا'' اس آیت کریمہ میں فرمایا: وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا اس طرح کا فرمان ایک اور مقام پر

1۔الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 622 2۔تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 143

بھی ہے: وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (الروم: 21) ''اور اس کی (قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں تا کہ تم سکون حاصل کرو ان سے اور پیدا فرما دیئے تمہارے درمیان محبت اور رحمت (کے جذبات)''، جس قدر زوجین (میاں بیوی) کے درمیان الفت ہوتی ہے اس سے بڑھ کر کسی بھی دو روحوں کے درمیان الفت نہیں ہوتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ساحر اپنی چال کے ذریعے بعض اوقات میاں بیوی کے درمیان تفرقہ ڈال دیتا ہے۔

فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا جب خاوند اپنی بیوی کے ساتھ مقاربت کرتا ہے تو شروع میں وہ اپنے پیٹ کے اندر ہلکا سا بوجھ محسوس کرتی ہے۔ یہ حمل کا آغاز ہوتا ہے جس میں عورت کو کوئی خاص تکلیف نہیں محسوس ہوتی۔ حمل پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر علقہ (جما ہوا خون) اور پھر مضغہ (گوشت کی بوٹی) کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

فَمَرَّتْ بِهٖ مجاہد اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ حمل کو لئے پھرتی ہے۔ مہران کہتے ہیں کہ وہ حمل کو ہلکا محسوس کرتی ہے۔ ایوب کہتے ہیں کہ میں نے حسن سے اس کا معنی پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اگر میں عربی (اہل زبان) ہوتا تو پہچان جاتا کہ اس کا یہ معنی ہے، بہر صورت اس کا معنی یہی ہے کہ وہ اس حمل کو لئے پھرتی ہے، قتادہ اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ اس کا حمل نمایاں ہو گیا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ وہ حمل کو لئے اٹھ بیٹھ سکتی ہے(1)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ حمل کو لئے پھرتی ہے لیکن اسے شک ہوتا ہے کہ حمل ہے یا نہیں۔

فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ...... جب حمل ذرا بوجھل ہو جاتا ہے اور پیٹ کے اندر بچہ ذرا بڑھنے لگتا ہے تو دونوں (زوجین) اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اگر اس نے صحیح سالم بچہ عطا کر دیا تو وہ شکر گزار ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میاں بیوی کو دھڑکا لگا رہتا ہے کہ ان کا بچہ کہیں جانور کی شکل کا نہ ہو۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر خدا ہم کو لڑکا دے تو ہم شکر گزار ہوں گے، جب اللہ تعالیٰ انہیں صحیح سالم بچہ عطا فرما دیتا ہے تو اس کی عطاء میں اس کے شریک ٹھہرانے لگتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے منزہ و برتر ہے جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ مفسرین نے اس مقام پر بہت سی احادیث اور آثار کا ذکر کیا ہے جنہیں بیان کرنے کے بعد ہم ان میں سے صحیح کی نشاندہی کریں گے ان شاء اللہ۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب حواء نے بچے کو جنم دیا تو ابلیس ان کے ارد گرد منڈلانے لگا، ان کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا، ابلیس نے حواء کو مشورہ دیا کہ نومولود کا نام عبد الحارث رکھنا، پھر یہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ حواء نے اپنے بچے کا نام عبد الحارث رکھا اور وہ زندہ رہا۔ یہ شیطان کی وحی اور حکم سے تھا''(2)۔ یہ حدیث تین علتوں کے باعث محل بحث ہے:

(1)۔ اس کا ایک راوی عمر بن ابراہیم بصری ہے، ابن معین نے اگرچہ اس کی توثیق کی ہے لیکن ابو حاتم کے نزدیک یہ قابل حجت نہیں۔ لیکن ابن مردویہ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوعاً روایت کی ہے۔

(2)۔ یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ حضرت سمرہ پر موقوف ہے۔ جیسا کہ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ حضرت سمرہ نے اپنا قول بیان کیا ہے۔ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ حضرت سمرہ نے فرمایا: آدم نے اپنے بیٹے کا نام عبد الحارث رکھا۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 143

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 11، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ اعراف، جلد 11 صفحہ 200-201، مستدرک حاکم، کتاب التاریخ، جلد 2 صفحہ 545

(3)۔ اس کے ایک راوی حسن رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی اور تفسیر بیان کی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر یہ مرفوع حدیث ان کی روایت کردہ ہوتی تو اس سے وہ عدول کر کے اور تفسیر بیان نہ کرتے۔ ابن جریر نے ان سے اس بارے میں نقل کیا ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ نہیں بلکہ کسی اور اہل ملت کا ہے۔ معمر کہتے ہیں کہ آیت کریمہ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا میں حسن کے نزدیک مشرک ذریت آدم ہے۔ قتادہ سے روایت ہے کہ حسن اس سے مراد یہود و نصاریٰ لیتے جنہیں اللہ اولاد عطا فرماتا ہے لیکن وہ انہیں اپنی روش پر ڈال کر یہودی نصرانی بنا ڈالتے ہیں (1)۔ یہ تفسیر ہے اس آیت کی جو حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے، یہ بہترین تفسیر ہے اور آیت کا جو محمل بیان کیا گیا ہے وہ بھی بجا اور بہتر ہے۔ اگر یہ حدیث ان کے ذہن میں ہوتی تو اس سے کبھی بھی اعراض نہ کرتے اور ان جیسے متقی اور پرہیزگار شخص سے بعید ہے کہ وہ حدیث کو ترک کر کے اپنی طرف سے آیت کی تفسیر بیان کر دے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے یہ روایت موقوفاً اپنے قول سے کی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے حضرات کعب اور وہب جیسے کسی اہل کتاب سے لی ہو جو مسلمان ہو گئے تھے، اس کا بیان بھی انشاء اللہ آئے گا لیکن اس روایت سے ہم عہدہ برآں ہو گئے ہیں۔

اس بارے میں چند آثار بھی مروی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت حواء کے ہاں جو اولاد ہوتی ان کی عبودیت وہ اللہ کے لئے مخصوص کر دیتیں اور عبداللہ، عبیداللہ وغیرہ نام رکھتیں۔ یہ بچے مر جاتے تھے۔ چنانچہ ابلیس حضرت آدم علیہ السلام اور حواء کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر تم اپنی اولاد کا کوئی دوسرا نام رکھو گے تو وہ زندہ رہے گی۔ اس کے بعد ان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے عبدالحارث رکھا اس پر یہ آیات هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ...... اتریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ حواء کو شک تھا کہ حمل ہے یا نہیں۔ جب انہوں نے حمل کا بوجھ محسوس کیا تو ان دونوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اگر اس نے انہیں صحیح سالم بچہ عطا فرمایا تو وہ شکر بجا لائیں گے۔ اب شیطان ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: کیا تمہیں پتہ ہے کہ کیسا بچہ پیدا ہوگا، ممکن ہے جانور ہو یا کچھ اور؟ اس نے غلط بات کو ان کے لئے خوشنما بات بنا کر پیش کیا اور شیطان تو کھلا دھوکے باز ہے۔ اس سے پہلے جو بھی آدم علیہ السلام و حواء علیہما السلام کے ہاں بچے پیدا ہوتے تھے مر جاتے تھے۔ شیطان نے انہیں کہا کہ اگر تم نے اپنے پیدا ہونے والے بچے کا نام میرے نام پر نہ رکھا تو بچہ صحیح سالم پیدا نہ ہوگا بلکہ پہلے کی طرح مر جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضرت حواء کو حمل ہوا تو وہ حضرات آدم و حواء علیہما السلام سے آ کر کہنے لگا کہ میں وہی ہوں جس نے تمہیں جنت سے نکالا تھا۔ تم میری اطاعت کرو ورنہ میں اپنے کرتب سے اس کے دو سینگ پیدا کر دوں گا اور یہ تمہارا پیٹ پھاڑ کر باہر نکلے گا۔ میں یوں کر دوں گا، میں فلاں کر دوں گا، اس طرح شیطان دونوں کو ڈراتا دھمکاتا رہا لیکن انہوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ خدا کی قدرت کہ مردہ بچہ پیدا ہوا۔ دوسری مرتبہ شیطان پھر آیا اور پھر اپنی دھمکیوں کو دہرانے لگا۔ اب بھی وہ اس کی دھمکیوں میں نہ آئے۔ بچہ اس بار بھی مردہ پیدا ہوا۔ تیسری مرتبہ انہوں نے بچے کی محبت سے مجبور ہو کر اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس اثر کو آپ کے تلامذہ جیسے مجاہد، سعید بن جبیر، اور عکرمہ کے علاوہ سلف اور خلف میں سے متعدد مفسرین نے نقل کیا ہے۔ یہ اثر اہل کتاب سے ماخوذ محسوس ہوتا ہے۔ ابن ابی حاتم کی روایت کے مطابق انہوں نے اسے حضرت ابی بن کعب سے بیان کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بات اہل کتاب سے نقل کی گئی ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 148

''جب اہل کتاب تمہیں کوئی بات بتائیں تو نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب'' (1)۔ اہل کتاب کی روایات تین اقسام پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے بعض ایسی روایات ہیں جن کی صحت قرآن وحدیث سے ثابت ہوتی ہے، دوسری وہ روایات ہیں جن کا کذب قرآن وحدیث سے ثابت ہو جاتا ہے، اور تیسری قسم کی وہ روایات ہیں جن کے متعلق ہمارے دین میں سکوت اختیار کیا گیا ہے، ان کی روایت کی اجازت ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''بنی اسرائیل سے بیان کرو، کوئی حرج نہیں'' (2)۔ لیکن نہ ان اسرائیلیات کی تصدیق کی جاسکتی ہے اور نہ تکذیب جیسا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب۔ یہ اثر دوسری قسم سے تعلق رکھتا ہے یا پھر تیسری قسم سے لیکن یہ غور طلب ہے۔ جس نے اس اثر کو کسی صحابی یا تابعی سے روایت کیا ہے وہ اسے تیسری قسم سے شمار کرتا ہے، ہمارا مذہب تو اس معاملہ میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جیسا ہے کہ اس آیت میں حضرات آدم وحواء مراد نہیں بلکہ مشرکین ہیں۔ اسی لئے فرمایا: فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ ان آیات میں حضرات آدم وحواء کا ذکر ان کے بعد ہونے والے والدین کے لئے بطور تمہید کیا گیا ہے کہ بعد میں آنے والے والدین شرک کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس میں استطراد ہے کہ پہلے دونوں کا انفرادی ذکر ہوا، اس کے بعد جنس کی طرف کلام منتقل ہوگئی جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ (الملک: 5) ''اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے'' ظاہر ہے کہ مصابیح سے مراد ستارے ہیں جو آسمان کے لئے باعث زینت ہیں اور شیاطین کو مار بھگانے کے آلات بھی ہیں۔ ان کو شیطانوں پر نہیں مارا جاتا۔ اس آیت میں بھی ستاروں کے وجود سے ان کی جنس کی طرف استطراد وانتقال مقصود ہے۔ اس کی اور بھی بہت سی مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ٘ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ٘ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ٘ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَ لَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَ تَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَ هُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

''کیا وہ شریک بناتے ہیں اسے جس نے پیدا نہیں کی کوئی چیز اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور وہ نہیں طاقت رکھتے ان کو مدد پہنچانے کی اور نہ اپنی آپ مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم بلائے انہیں ہدایت کی طرف تو نہ پیروی کریں گے تمہاری۔ یکساں ہے تمہارے لئے خواہ تم بلاؤ انہیں یا تم خاموش رہو (اے کفار) بے شک وہ جنہیں تم پوجتے ہو اللہ کے سوا بندے ہیں تمہاری

1۔ صحیح بخاری، کتاب الشہادات، جلد 3 صفحہ 237، سنن ابی داؤد، کتاب العلم، جلد 3 صفحہ 318 وغیرہ

2۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 7 صفحہ 431، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 46 وغیرہ

طرح تو پکار و انہیں پس چاہئے کہ قبول کریں تمہاری پکار کو اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں چلتے ہیں وہ جن کے ساتھ یا کیا ان کے ہاتھ ہیں پکڑتے ہیں وہ جن کے ساتھ یا کیا ان کی آنکھیں ہیں دیکھتے ہیں جن سے یا کیا ان کے کان ہیں وہ سنتے ہیں جن کے ساتھ آپ کہیے پکارو اپنے شریکوں کو پھر سازش کرو میرے خلاف اور مت مہلت دو مجھے۔ یقیناً میرا حمایتی اللہ ہے جس نے اتاری یہ کتاب۔ اور وہ حمایت کیا کرتا ہے نیک بندوں کی۔ اور جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا وہ طاقت نہیں رکھتے تمہاری امداد کی اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر تم بلاؤ انہیں ہدایت کی طرف تو وہ نہ سنیں گے اور تو دیکھے گا انہیں کہ دیکھ رہے ہیں تیری طرف حالانکہ انہیں کچھ نظر نہیں آتا''۔

ان مشرکین پر اظہار ناپسندیدگی کیا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے انداد، اصنام اور اوثان کو شریک عبادت کرتے ہیں جو بذات خود اللہ کی مخلوق اور بنائی ہوئی چیزیں ہیں، کسی معاملہ میں انہیں کچھ بھی قدرت حاصل نہیں، نہ یہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ سنوار سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے پجاریوں کی مدد کر سکتے ہیں بلکہ یہ بے جان مجسمے ہیں جو نہ حرکت کرتے ہیں، نہ سنتے ہیں اور نہ ہی دیکھتے ہیں بلکہ ان کے پجاری ان سے اس لحاظ سے بہتر ہیں کہ وہ سن سکتے ہیں، دیکھ سکتے ہیں اور پکڑ سکتے ہیں، اسی لئے فرمایا: اَیُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ۔ یعنی کیا تم ایسے معبودان کو شریک ٹھہراتے ہو جن میں کوئی چیز پیدا کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ (الحج:73-74) ''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے پس غور سے سنو اسے! بیشک جن معبودوں کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ تو مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں اس (معمولی سے) کام کے لئے اور اگر چھین لے ان سے مکھی بھی کوئی چیز تو وہ نہیں چھڑا سکتے اسے اس مکھی سے۔ (آہ!) کتنا بے بس ہے ایسا طالب اور کتنا بے بس ہے ایسا مطلوب۔ نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسے اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور (اور) سب پر غالب ہے''۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر متنبہ فرما رہا ہے کہ ان کے معبود مل کر ایک مکھی بنانے کی بھی قدرت نہیں رکھتے بلکہ ان کی بے بسی کا تو یہ عالم ہے کہ اگر ایک مکھی کھانے کی معمولی سی چیز ان سے چھین لے تو اسے واپس لینے پر بھی قادر نہیں۔ جس کی یہ حالت ہو بھلا وہ کیسے معبود بن سکتا ہے کہ اس سے رزق بھی طلب کیا جائے اور مدد بھی۔ بلکہ یہ معبودان باطلہ بھی اللہ کی مخلوق ہے اور انہیں گھڑا گیا ہے جیسا کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا: اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ (الصافات:95) ''کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو؟''۔

وَ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا...... یعنی وہ اپنے عبادت گزاروں کی ذرا بھی مدد نہیں کر سکتے بلکہ اگر کوئی ان کے ساتھ بھی برا سلوک کرے تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بتوں کو توڑ پھوڑ دیتے تھے اور ان کی انتہائی اہانت و تذلیل کیا کرتے تھے، اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: فَرَاغَ عَلَیْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْیَمِیْنِ (الصافات:93) ''پھر پوری قوت سے ضرب لگائی ان پر داہنے ہاتھ سے)، اور فرمایا: فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا کَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ (الانبیاء:58) ''پس آپ نے انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا مگر ان کے بڑے بت کو کچھ نہ کہا تاکہ وہ لوگ (اس افتاد کے بارے میں) اس کی طرف رجوع کریں''۔ اسی طرح حضرات معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما بتوں کو توڑ دیا کرتے تھے۔ یہ دونوں نوجوان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا۔ جب رسول اللہ

ﷺ مدینہ شریف تشریف لائے تو یہ دونوں نوجوان رات کے وقت چپکے سے مشرکین کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیتے اور بیواؤں کو بطور ایندھن استعمال کرنے کے لئے دے دیتے تا کہ ان کی قوم کو اس سے عبرت حاصل ہو اور وہ اپنے طرز عمل پر غور کریں۔ عمرو بن جموح اپنی قوم کا سردار تھا، اس کا ایک خاص بت تھا جس کی وہ عبادت کرتا اور اسے خوشبو لگا کر رکھتا۔ یہ دونوں حضرات رات کو آتے، اس بت کو اوندھا کر کے اسے غلاظت کے ساتھ آلودہ کر دیتے۔ عمرو بن جموح اپنے بت کی یہ درگت بنی ہوئی دیکھتا تو اسے صاف کر کے اور خوشبو لگا کر رکھ دیتا اور اس کے پاس ایک تلوار رکھ کرتا کید کرتا کہ اس کے ساتھ اپنی حفاظت کرنا لیکن یہ حضرات پھر آ کر اس بت کی خبر لیتے وہ پھر اسے نہلا دھلا کر اور خوشبو لگا کر رکھ دیتا۔ آخر ایک رات کو انہوں نے بت کو پکڑا اور اسے ایک مردہ کتے کے ساتھ باندھ کر ایک کنویں میں لٹکا دیا۔ جب عمرو بن جموح نے اپنے خدا کی یہ درگت بنی دیکھی تو اس کی آنکھیں کھل گئیں، اسے معلوم ہو گیا کہ اس کا دین باطل ہے۔ وہ اپنے بت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: اگر تو واقعی خدا ہوتا تو اس طرح کتے کے ساتھ کنویں میں نہ پڑا ہوتا۔ پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور بہترین مسلمان ثابت ہوئے، غزوۂ احد میں شہادت کی سعادت سے سرفراز ہوئے(1)۔

وَ اِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى...... یعنی یہ بت کسی کی پکار کو نہیں سن سکتے۔ انہیں پکارنا اور نہ پکارنا برابر ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا يَسۡمَعُ وَلَا يُبۡصِرُ وَلَا يُغۡنِىۡ عَنۡكَ شَيۡـًٔا (مریم:42) ''اے میرے باپ تو کیوں عبادت کرتا ہے اس کی جو نہ کچھ سنتا ہے اور نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے''۔ پھر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہ بت بھی اللہ کی مخلوق ہیں بلکہ انسان ان سے بہتر ہیں کیونکہ وہ سنتے ہیں، دیکھتے ہیں اور پکڑتے ہیں جبکہ بت ان صفات سے محروم ہیں۔

قُلِ ادۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ...... یعنی تم میرے مقابلہ میں اپنی مدد کے لئے اپنے شرکاء کو لے آؤ اور مجھے پلک جھپکنے کی دیر بھی مہلت نہ دو اور اپنا سارا زور صرف کر لو۔

اِنَّ وَلِىِّۦَ اللّٰهُ الَّذِىۡ نَزَّلَ الۡكِتٰبَ ‌ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيۡنَ یعنی میرا حمایتی اور مددگار اللہ تعالیٰ ہے، وہ مجھے کافی ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی پناہ میں آیا۔ وہ دنیا و آخرت میں نہ صرف میرا بلکہ ہر صالح مسلمان کا وہ دوست اور مددگار ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کے جواب میں فرمایا تھا: اِنۡ نَّقُوۡلُ اِلَّا اعۡتَرٰٮكَ بَعۡضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوۡٓءٍ‌ ؕ قَالَ اِنِّىۡۤ اُشۡهِدُ اللّٰهَ وَاشۡهَدُوۡۤا اَنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ۙ﴿۵۴﴾ مِنۡ دُوۡنِهٖ‌ فَكِيۡدُوۡنِىۡ جَمِيۡعًا ثُمَّ لَا تُنۡظِرُوۡنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّىۡ تَوَكَّلۡتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّىۡ وَرَبِّكُمۡ‌ ؕ مَا مِنۡ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ ۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ (ہود:56-54) ''ہم تو یہی کہیں گے کہ مبتلا کر دیا ہے تجھے ہمارے کسی خدا نے دماغی خلل میں۔ ہود نے کہا میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان بتوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو اس کے سوا۔ پس سازش کر لو میرے خلاف سب مل کر پھر مجھے مہلت نہ دو۔ بلاشبہ میں نے بھروسہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کوئی جاندار بھی ایسا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر (چلانے والا) ہے''، اور جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ۙ﴿۷۵﴾ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمُ الۡاَقۡدَمُوۡنَ ۖ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمۡ عَدُوٌّ لِّىۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ﴿۷۷﴾ الَّذِىۡ خَلَقَنِىۡ فَهُوَ يَهۡدِيۡنِ (الشعراء:76-75) ''کیا تم نے دیکھ لیا ان (کی بے بسی) کو جن کی تم پرستش کیا کرتے ہو۔ تم اور تمہارے گزشتہ آباؤ اجداد۔ پس وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے۔ جس نے مجھے پیدا فرمایا پھر (ہر قدم پر) وہ میری رہنمائی کرتا ہے''، اور جیسا کہ آپ علیہ السلام

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 453، الروض الانف، جلد 1 صفحہ 280

نے اپنے باپ اور قوم سے فرمایا: اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٦﴾ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴿٢٧﴾ وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ (الزخرف:28-26) ''میں بیزار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ بجز اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا بیشک وہی میری رہنمائی کرے گا۔ اور آپ نے بنا دیا کلمہ توحید کو باقی رہنے والی بات اپنی اولاد میں، تاکہ وہ (اس کی طرف) رجوع کریں''۔

وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ...... یہ پہلے گزرے ہوئے مضمون کی تاکید ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں خطاب کا صیغہ ہے اور وہاں غائب کا۔ اسی لئے فرمایا: لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَی الْهُدٰی...... اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ (فاطر:14) ''اگر تم انہیں پکارو تو نہ سن سکیں گے تمہاری پکار''۔

وَتَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ چونکہ ان بتوں کے ڈھانچے انسانی شکل کے ہیں اور ان کی آنکھیں بھی بنی ہوئی ہیں اس لئے محسوس یہ ہوتا ہے کہ یہ اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھ رہے ہیں حالانکہ یہ تو بے جان جمادات ہیں۔ چونکہ یہ انسانی شکل وصورت رکھتے ہیں اور دیکھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اس لئے ان کے لئے جمع عاقل کی ضمیر استعمال کی حالانکہ ان کے لئے مونث کی ضمیر لانی چاہئے تھے۔ سدی ان بتوں سے مراد مشرکین لیتے ہیں لیکن پہلی بات ہی درست ہے(1)۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿١٩٩﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿٢٠٠﴾

''قبول کیجئے معذرت (خطا کاروں سے) اور حکم دیجئے نیک کاموں کا اور رخ (انور) پھیر لیجئے نادانوں کی طرف سے۔ اور اگر پہنچے آپ کو شیطان کی طرف سے ذرا سا وسوسہ تو فوراً پناہ مانگئے اللہ سے، بے شک وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''خُذِ الْعَفْوَ'' کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ان کے وہ اموال لے لیں جو ان کی ضروریات سے زائد ہوں اور وہ بھی جو وہ آپ کے پاس لائیں۔ یہ سورۂ براءت میں فرائض صدقات، ان کے مصارف اور باقی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے کی بات ہے جب آپ کے پاس صدقات آتے تھے۔ آپ سے ہی ایک اور روایت میں اس کا یہ معنی منقول ہے کہ ضرورت سے زائد خرچ کر دو۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اس کے معنی میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دس سال تک مشرکین سے درگزر کرنے کا حکم دیا پھر آپ کو ان پر سختی برتنے کا حکم ہوا(2)۔ مجاہد کہتے ہیں: بغیر تجسس کے لوگوں کے اخلاق اور اعمال سے صرف نظر کرو(3)۔ کئی ایک روایات میں اس کا یہ معنی آتا ہے کہ لوگوں جیسے اخلاق سے اجتناب کرو(4)۔ حضرت ابوالزبیر فرماتے ہیں کہ لوگوں کے اخلاق سے بچو، اللہ کی قسم! جس کی میں صحبت اختیار کروں ضرور اس کی کوئی عادت اپنا لوں گا(5)۔ حضرت عیینہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے جبرئیل! اس سے کیا مقصود ہے؟'' انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ اس کو معاف کر دیں جو آپ پر ظلم کرے، اس شخص کو عطا کریں جو آپ کو محروم رکھے اور اس سے صلہ رحمی کریں جو آپ سے قطع تعلق کرے''(6)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

1۔ دیکھئے تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 153
2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 155
3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 154
4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ اعراف، جلد 6 صفحہ 86 وغیرہ
5۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 154
6۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 155

ہوا اور پہلے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے اچھے اعمال سے آگاہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عقبہ! اس شخص سے صلہ رحمی کر جو تجھ سے قطع تعلقی کرے، اس کو دے جو تجھے محروم رکھے اور اس سے اعراض کر لے جو تجھ پر ظلم کرے'' (1)۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ عرف کا معنی معروف (نیکی) ہے۔ آپ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ عیینہ بن حصن اپنے بھتیجے حر بن قیس کے پاس آکر ٹھہرے۔ حر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقربین اور خاصان میں سے تھے اور قرآن کریم کے عالم تھے۔ اس وقت نوجوان اور بوڑھے قاری علماء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس مشاورت کے رکن ہوتے تھے۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے (حر) سے کہا کہ امیر المومنین کے ہاں تمہارا اچھا خاصا اثر ورسوخ ہے، اس لئے مجھے آپ سے ملاقات کی اجازت لے دو۔ انہوں نے حامی بھر لی۔ چنانچہ ان کے کہنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملاقات کی اجازت دے دی۔ جب عیینہ آپ سے ملے تو کہنے لگے: اے ابن خطاب! اللہ کی قسم، نہ تو آپ نے ہمیں کافی مال و دولت دیا ہے اور نہ ہمارے ساتھ عدل کیا ہے۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا اور قریب تھا کہ آپ اسے مار ڈالیں تو حر کہنے لگے: امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ حکم دیا: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ اور یہ جاہلین میں سے ہے۔ اللہ کی قسم! جونہی آپ پر یہ آیت پڑھی گئی آپ نے فوراً اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا اور کوئی سزا نہیں دی۔ آپ کتاب اللہ کے بڑے ماہر عالم تھے (2)۔ حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر اہل شام کے ایک قافلہ پر سے گزرے۔ اس میں گھنٹی بج رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: یہ ممنوع ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تم سے زیادہ جانتے ہیں، بڑے بڑے گھنٹوں کی ممانعت ہے۔ یہ سن کر آپ خاموش رہے اور آیت کا یہ حصہ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ پڑھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ عرف کا معنی معروف متعدد علماء سے منقول ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ معروف، عارفہ اور عارف سب ہم معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ اللہ کے بندوں کو نیکی (معروف) کا حکم دیں۔ لفظ معروف میں تمام طاعات داخل ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کو جاہلوں سے اعراض کا حکم ہوا۔ اگرچہ بظاہر حکم آپ کو ہی ہے لیکن درحقیقت یہ امت کے لئے تعلیم ہے کہ وہ بھی ظلم و تعدی کو برداشت کریں۔ اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس سے بھی اعراض کر لو جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بارے میں نادانی کا مظاہرہ کرے یا اس شخص سے درگزر کر لو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے اور اس کی وحدانیت سے لاعلم ہو یا اس شخص سے صرف نظر کر لو جو مسلمانوں کے ساتھ برسرپیکار ہو (3)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اخلاق کی تعلیم دی ہے۔ اس مضمون کو کسی دانا نے بڑی عمدگی کے ساتھ اپنے شعروں کے اندر بیان کیا ہے۔ ان میں جناس بھی پائی جاتی ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِعُرْفٍ كَمَا أُمِرْتَ وَ أَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ

وَلِنْ فِي الْكَلَامِ لِكُلِّ الْأَنَامِ فَمُسْتَحْسَنٌ مِنْ ذَوِي الْجَاهِ لِيْنَ

ترجمہ: معاف کر دینے کی خو اپناؤ اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے نیکی کا حکم کرو اور جاہلوں سے منہ موڑ لو۔ تمام مخلوق کے ساتھ شائستہ اور نرم گفتگو کرو۔ بلند مرتبہ لوگوں کے لئے نرمی اختیار کرنا زیادہ مستحسن ہے۔

کسی عالم کا کہنا ہے کہ لوگ دو قسم کے ہیں۔ ایک محسن شخص، یہ شخص جو عطا کرے اسے لے لو، اس کی طاقت سے بڑھ کر اسے مکلف نہ بناؤ اور نہ ناجائز تنگ کرو، دوسرا بدکردار آدمی، اسے نیکی کا حکم دو۔ اگر وہ اپنی گمراہی پر بضد رہے اور ساری تدبیریں رائیگاں جائیں تو اس

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 148، عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 247
2۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ اعراف، جلد 6 صفحہ 76
3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 156

سے اعراض کرلو، ممکن ہے اس طریقہ سے وہ باز آجائے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ (المومنون: 98-96) ''دور کرو اس چیز سے جو بہت بہتر ہے برائی کو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں وہ بیان کرتے ہیں۔ اور کہئے میرے رب! میں پناہ طلب کرتا ہوں تیری شیطانوں کے وسوسوں سے۔ اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں میرے رب اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں''، اور فرمایا: وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (حم السجدۃ: 35-34) ''نہیں یکساں ہوتی نیکی اور برائی۔ برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے پس ناگہاں وہ شخص، تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے، یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان (خصائل حمیدہ) کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو''۔ اور یہاں فرمایا: وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ...... ان تین آیات میں جو اعراف، حٰمٓ السجدہ اور مومنون میں مذکور ہیں، اللہ تعالیٰ انسانوں کی رہنمائی فرما رہا ہے کہ گنہگار کے ساتھ عفو اور درگزر کا معاملہ کرو ممکن ہے اس طرح وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آجائے، اسی لئے فرمایا: فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔ پھر اللہ تعالیٰ بندوں کی توجہ اس طرف مرکوز کر رہا ہے کہ شیطان سے اس کی پناہ مانگو کیونکہ اس کے ساتھ احسان کا کوئی فائدہ نہیں، احسان کے باوجود یہ باز نہیں آتا بلکہ یہ ہر وقت تمہاری ہلاکت اور بربادی کے درپے رہتا ہے، یہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور تم سے پہلے تمہارے باپ (آدم علیہ السلام) کا دشمن تھا۔ ابن جریر وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ...... کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر شیطان کی طرف تم پر ایسا غصہ مسلط ہو جائے جو تمہیں جاہل سے اعراض کرنے میں رکاوٹ بن جائے اور اس سے بدلہ لینے پر اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگ کیونکہ اللہ تعالیٰ جاہل کی جہالت کو سننے والا ہے، اسی طرح جو تم اس کے وسوسہ سے پناہ مانگتے ہو یا کوئی بھی جو کلام کرتا ہے وہ اسے خوب سنتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کس طرح شیطانی وسوسہ دور ہوگا اور اسی طرح باقی مخلوقات کے معاملات کو بھی خوب جانتا ہے(1)۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت خُذِ الْعَفْوَ...... اتری تو رسول اللہ ﷺ نے عرض کی: ''اے پروردگار! غضب کا کیا علاج؟'' تو اس وقت یہ آیت وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ...... اتری۔ استعاذہ کی بحث میں ان دو آدمیوں کا قصہ گزر چکا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے لڑ پڑے۔ غصہ کی شدت کے باعث ایک آدمی کی ناک پھولنے لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر وہ اسے پڑھے تو اس کا غصہ فرو ہو جائے وہ کلمہ یہ ہے: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ''۔ اس کو یہ بات بتائی گئی تو اس نے کہا کہ مجھے جنون نہیں ہے(2)۔ نزغ کا معنی ہے فساد خواہ غصہ کی وجہ سے ہو یا کسی اور سبب سے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ (بنی اسرائیل: 53) ''اور آپ حکم دیجئے میرے بندوں کو کہ وہ ایسی باتیں کیا کریں جو بہت عمدہ ہوں۔ بے شک شیطان فتنہ وفساد برپا کرنا چاہتا ہے ان کے درمیان''۔ عیاذ کا معنی ہے شر سے پناہ مانگنا۔ ملاذ (پناہ لینا) طلب خیر میں ہوتا ہے جیسا کہ حسن بن ہانی اپنے اشعار میں کہتا ہے:

اے وہ ذات اپنی امیدوں میں میں جس کی پناہ لیتا ہوں اور وہ ذات خطرات میں میں جس کی پناہ لیتا ہوں۔ لوگ اس ہڈی کو نہیں جوڑ

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 156
2۔ صحیح بخاری، جلد 8 صفحہ 19، صحیح مسلم، جلد 8 صفحہ 30، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 240 وغیرہ

سکتے جسے تو توڑ دے، اور جسے تو جوڑے لوگ اس کو توڑ نہیں سکتے (1)۔

استعاذہ کے متعلق احادیث گزر چکی ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىِٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَ اِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

''بے شک وہ لوگ جو تقویٰ اختیار کئے ہیں جب چھوتا ہے انہیں کوئی خیال شیطان کی طرف سے تو وہ (خدا کو) یاد کرنے لگتے ہیں تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں شیطان کھینچ لے جاتے ہیں انہیں گمراہی میں، پھر (انہیں گمراہ کرنے میں) وہ کوتاہی نہیں کرتے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے ان متقی بندوں کے بارے میں خبر دے رہا ہے جنہوں نے اللہ کے اوامر کی اطاعت کی اور نواہی سے اجتناب کیا کہ جب انہیں کوئی شیطانی خیال چھوتا ہے، وہ اللہ کو یاد کرنے لگتے ہیں تو اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ طائف اور طیف دونوں قراءتیں مشہور ہیں (2)۔ بعض نے کہا ہے کہ دونوں ہم معنی ہیں، بعض نے ان کے درمیان فرق کیا ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا معنی غضب ہے۔ بعض نے اس کا معنی بتایا ہے آسیب زدہ ہونا۔ بعض کے نزدیک اس کا معنی گناہ کا ارادہ کرنا اور بعض کے نزدیک گناہ کا ارتکاب کرنا۔ جب بھی متقین ایسی صورت حال سے دوچار ہوتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے عتاب، ثواب، وعدہ اور وعید کو یاد کر کے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اپنے گناہ سے توبہ کر لیتے ہیں اور اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اسے مرگی کا دورہ پڑتا تھا، وہ عرض کرنے لگی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے شفایاب فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تیری مرضی ہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں وہ تجھے شفا عطا فرما دے گا اور اگر تو چاہے تو صبر کرو اور تم سے (روز قیامت) کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔'' اس نے کہا کہ اگر حساب نہ ہو تو میں صبر کروں گی (3)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے مرگی کا مرض ہے اور میرا ستر کھل جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے میری شفا کے لئے دعا فرمایئے، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو میں تمہاری شفاء کے لئے دعا کرتا ہوں اور اگر تیری مرضی ہو تو صبر کر اس کے بدلے میں تیرے لئے جنت ہے۔'' اس نے عرض کی کہ میں صبر کروں گی در آں حالیکہ میرے لئے جنت ہو۔ لیکن آپ دعا فرمائیں کہ میرا ستر نہ کھلے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ پھر اس کے بعد کبھی وہ بے پردہ نہیں ہوئی (4)۔ ایک نوجوان مسجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا۔ ایک عورت کو اس سے عشق ہو گیا۔ وہ نوجوان کو اپنی طرف مائل کرتی رہی اور ڈورے ڈالتی رہی حتیٰ کہ ایک دن وہ اس کے گھر آ ہی گیا۔ اسی اثناء میں اسے یہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ...... یاد آ گئی، وہ وہاں ہی غش کھا کر گر پڑا، تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آیا تو اسی آیت کو یاد کر کے پھر گر پڑا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اس کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے باپ کے ساتھ تعزیت کی۔ اسے رات کے وقت ہی دفن کیا جا چکا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سمیت اس کی قبر پر نماز مغفرت پڑھی۔ پھر اس نوجوان کو ندا دی اور فرمایا: اے نوجوان! وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا: اے عمر! اللہ تعالیٰ نے مجھے

1۔ دیوان المتنبی، جلد 2 صفحہ 272
2۔ دیکھئے الاقناع لابن الباذش 652
3۔ ابن مردویہ
4۔ مستدرک حاکم، کتاب الطب، جلد 4 صفحہ 218 وغیرہ

دونوں جنتیں بخش دی ہیں۔

وَ اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ یعنی ان کے ساتھی انسانی شیاطین جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (بنی اسرائیل: 27) ''بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں''۔ ان شیاطین کے پیروکار، ان کی باتوں پر کان دھرنے والے اور ان کے اوامر کو قبول کرنے والے گناہوں میں شیاطین کی مدد کرتے ہیں، گناہوں کو ان پر آسان اور خوشنما بنا دیتے ہیں۔ ''مد'' کا معنی ہے زیادتی (1)۔ یعنی وہ ان کی گمراہی اور جہالت میں اضافہ کر دیتے ہیں، ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ یعنی یہ شیطان اپنی کوششوں میں کوتاہی نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نہ انسان اپنے اعمال بد میں کوتاہی کرتے ہیں اور نہ شیاطین انہیں ان سے باز رکھتے ہیں۔ ایک اور معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ گمراہی کی طرف کھینچ لے جانے والے جن اور شیاطین اپنے انسانی دوستوں کو وحی کرتے ہیں پھر وہ اس سے اکتاتے نہیں۔ سدی وغیرہ کرتے ہیں کہ شیاطین اپنے دوست انسانوں کو گمراہی میں دھکیلتے ہیں اور شر میں ان کی مدد کرنے سے بدل نہیں ہوتے کیونکہ یہ ان کی فطرت ہے۔ جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا (مریم: 83) ''کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم نے مسلط کر دیا ہے شیطانوں کو کفار پر وہ انہیں (اسلام کے خلاف) ہر وقت اکساتے رہتے ہیں''۔

وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۲۰۳

''اور (اے محبوب ﷺ) جب آپ نہیں لاتے ان کے پاس کوئی آیت تو کہتے ہیں کیوں نہ بنالیا تم نے خود اسے۔ فرمایئے میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میرے رب سے۔ یہ روشن دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہیں اس قوم کے لئے جو ایمان لاتی ہے''۔

جب یہ لوگ کسی معجزے یا نشانی کا مطالبہ کرتے ہیں اور آپ اسے پیش نہیں کرتے تو یہ کہتے ہیں کہ تم نے کیوں نہ اخذ کر لی، کیوں نہ تم نے خود ہی گھڑ لی یا کیوں نہ آسمان سے تم یہ نشانی لے آئے۔

وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ...... آیت سے مراد معجزہ اور خارق عادت امر ہے جیسا کہ فرمان ہے: اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ (الشعراء: 4) ''اگر ہم چاہیں تو اتاریں ان پر آسمان سے کوئی نشانی پس ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئی''۔ وہ کفار نبی کریم ﷺ سے فرمائش کرتے کہ تم اللہ تعالیٰ سے نشانی طلب کرنے میں کوشش کیوں نہیں کرتے تاکہ ہم اسے دیکھ کر ایمان لے آئیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے یہ اعلان کروایا: قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ یعنی میں اپنے رب کی مرضی کے بغیر کوئی اقدام نہیں کر سکتا، میں تو وحی الٰہی کا پابند ہوں۔ وہ از خود کوئی معجزہ یا نشانی بھیجے تو میں اسے قبول کر کے پیش کر دیتا ہوں اور اگر وہ روک لے تو میں اس کی مرضی کے بغیر اس کا مطالبہ نہیں کرتا کیونکہ وہ بڑی حکمت والا اور ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے، پھر قرآن کے متعلق فرمایا جو سب سے بڑا معجزہ، سب سے سچی حجت اور سب سے زیادہ واضح ہے: هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۲۰۴

''اور جب پڑھا جائے قرآن (مجید) تو کان لگا کر سنو اسے اور چپ ہو جاؤ تاکہ تم پر رحمت کی جائے''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 159

قبل ازیں یہ بیان ہوا کہ قرآن کریم روشن دلائل، ہدایت اور رحمت کا سرچشمہ ہے۔ اب یہاں اللہ تعالیٰ اس کی عظمت اور احترام کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی تلاوت کو خاموشی سے سننے کا حکم دے رہا ہے، اس کی تلاوت کے وقت کفار قریش کی طرح شور و غل نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ اس آیت میں ہے: لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ (حم السجدۃ: 26) ''مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور و غل مچا دیا کرو'' لیکن خاموشی سے سننے کی یہ تاکید فرض نماز میں ہے جب امام بہ آواز بلند قراءت کر رہا ہو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''امام کو اس لئے مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو خاموشی سے سنو'' (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ نماز میں بھی باتیں کر لیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت کریمہ اور ایک دوسری آیت کریمہ نازل ہوئی تو انہیں سکوت کا حکم دیا گیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نماز میں ایک دوسرے کو سلام کہہ دیا کرتے تھے اس لئے یہ آیت اتری (2)۔ ایک دن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے چند لوگوں کو امام کے ساتھ ساتھ قراءت کرتے ہوئے سنا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے انہیں فرمایا کہ کیا اب بھی تم نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے سکوت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور یہی آیت انہیں پڑھ کر سنائی (2)۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ یہ آیت ایک انصاری نوجوان کے متعلق نازل ہوئی۔ وہ نماز میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ قراءت کیا کرتا تھا۔ اس وقت یہ آیت اتری (2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک جہری نماز سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے؟'' ایک آدمی نے عرض کی: جی ہاں، یارسول اللہ! تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا ہے کہ میرے ساتھ متصل قرآن پڑھا جا رہا ہے'' (3)۔ اس فرمان کو سننے کے بعد لوگ جہری نمازوں میں آپ ﷺ کے ساتھ قراءت کرنے سے رک گئے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ مقتدی جہری نماز میں امام کے پیچھے قراءت نہ کریں۔ امام کی قراءت ہی کافی ہے اگرچہ اس کی آواز مقتدیوں تک نہ بھی پہنچے لیکن سری نمازوں میں اپنے دل میں قراءت کریں۔ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ آہستہ یا اونچی آواز میں قراءت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ...... میں کہتا ہوں کہ یہ چند علماء کا مسلک ہے کہ مقتدی پر جہری نمازوں میں قراءت واجب نہیں نہ فاتحہ اور نہ کوئی اور سورت۔ یہ امام شافعی کا قدیم قول ہے، اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جدید قول یہ ہے کہ مقتدی امام کے وقفوں کے درمیان سورۂ فاتحہ پڑھے۔ یہ چند صحابہ اور تابعین کا بھی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ یہ فرماتے ہیں کہ مقتدی پر قراءت بالکل واجب نہیں، نہ سری نمازوں میں اور نہ جہری نمازوں میں، کیونکہ حدیث میں آتا ہے: جس کا امام ہو اس کی قراءت ہی اس (مقتدی) کی قراءت ہے'' (4)۔ یہی مذہب زیادہ صحیح ہے، کسی اور جگہ اس کی مفصل وضاحت کی گئی ہے۔ اس مسئلہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ سری اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت واجب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب فرض نماز میں قرآن پڑھا جا رہا ہو تو خاموشی سے سنو۔ طلحہ بن عبید اللہ بن کریز کہتے ہیں کہ عبید بن عمیر اور عطاء بن ابی رباح

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ 303، سنن نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2 صفحہ 141-142 وغیرہ
2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 162
3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 107-108 سنن نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2 صفحہ 140، موطا امام مالک، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 86-87 وغیرہ
4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 339

باہم گفتگو کر رہے تھے، دوسری طرف ایک واعظ وعظ کر رہا تھا۔ میں نے انہیں کہا کہ تم ذکر کو کیوں نہیں سنتے تاکہ تم وعدہ رحمت کے سزاوار بن جاؤ؟ انہوں نے میری طرف دیکھا، پھر گفتگو میں مصروف ہو گئے، میں نے دوبارہ انہیں تنبیہ کی، پھر انہوں نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور دوبارہ بات چیت کرنے لگے۔ تیسری بار میرے نصیحت کرنے پر انہوں نے فرمایا: بھئی! یہ حکم نماز میں ہے(1)۔ مجاہد کا بھی اس بارے میں یہی قول ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر نماز کے باہر قرآن پڑھا جا رہا ہو تو باتیں کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح حضرات سعید بن جبیر، ضحاک، ابراہیم نخعی، قتادہ، شعبی، سدی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی موقف ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ حکم نماز اور خطبہ جمعہ سے متعلق ہے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز اور ذکر کے وقت یہ حکم ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ عیدین اور جمعہ کے خطبوں اور جہری نمازوں میں خاموشی سے سننا واجب ہے۔ ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ نماز اور خطبہ میں سکوت مطلوب ہے جیسا کہ حدیث میں اس کا حکم آیا ہے۔ مجاہد اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ جب امام آیت خوف یا آیت رحمت کی تلاوت کرے تو کوئی مقتدی اس پر بولنے لگے۔ آپ سکوت کی تلقین کرتے۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تو قرآن کو سنے تو اس پر غور کر اور خاموش رہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کتاب اللہ کی ایک آیت غور سے سنے تو اس کے لئے دوگنا نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو یہ قیامت کے دن اس کے لئے نور بن جائے گا''(2)۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝٢٠٥ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝٢٠٦

''اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے اور زبان سے بھی چلائے بغیر (یوں یاد کرو) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی اور نہ ہو جاؤ (یاد الٰہی سے) غافل رہنے والوں سے۔ بے شک جو مقرب ہیں تیرے رب کے وہ تکبر نہیں کیا کرتے اس کی عبادت سے اور پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اس کی اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ صبح و شام اپنے ذکر کا حکم دیتا ہے جیسا کہ ان دونوں اوقات میں اپنی عبادت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ (ق:29) ''اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے''۔ یہ شب معراج پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے اور یہ آیت مکی ہے۔ ''غُدُوّ'' کا معنی ہے اول نہار اور ''آصال'' اصیل کی جمع ہے جیسے ''أیمان'' یمین کی جمع ہے۔ آخر نہار کو اصیل کہتے ہیں۔

تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ یعنی خوف و رجا کے عالم میں اپنے رب کو اپنے دل میں بھی یاد کرو اور ذرا اونچی آواز سے بھی، چلا چلا کر نہیں اسی لئے فرمایا: وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ اور ذکر کا یہی مستحب طریقہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہمارا رب قریب ہے تاکہ ہم سرگوشی کے انداز میں اسے پکاریں یا دور ہے تاکہ ہم اونچی آواز میں اس سے مخاطب ہوں؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فرمان نازل کیا: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرۃ:186) ''اور جب پوچھیں آپ سے (اے میرے حبیب) میرے بندے میرے متعلق تو (انہیں بتاؤ) میں (انکے) بالکل نزدیک ہوں قبول کرتا ہوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 163 2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 341

دعا دعا کرنے والے کی جب وہ دعا مانگتا ہے مجھ سے'' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی سفر میں بعض لوگ بلند آواز سے دعا کرنے لگے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: ''اے لوگو! اپنے اوپر ترس کھاؤ، تم نہ کسی بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ کسی غائب کو۔ تم جس کو پکار رہے ہو وہ سننے والا اور قریب ہے، جس قدر تم میں سے کوئی اپنی سواری کی گردن کے قریب ہوتا ہے وہ اس سے بھی زیادہ قریب ہے''(1)۔ اس آیت کریمہ کا وہ بھی مطلب ہوسکتا ہے جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا (بنی اسرائیل: 110) ''اور نہ تو بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو اسے اور تلاش کرو ان دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ''۔ کیونکہ مشرکین جب قرآن کریم کو سنتے تھے تو اسے، اس کے نازل کرنے والے اور اسے لانے والے کو برا بھلا کہتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بہت بلند آواز سے قرآن کریم نہ پڑھنے کا حکم دے دیا تاکہ مشرکین سن کر مذاق نہ اڑا سکیں اور زیادہ دھیمی آواز میں پڑھنے سے بھی روک دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ کے ساتھی بھی نہ سن پائیں۔ بلکہ درمیانی آواز کو اپنانے کا حکم ہوا اور یہی اس آیت میں مذکور ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور ابن جریر کا یہ خیال ہے کہ اس آیت سے مراد سامع قرآن کو یہ حکم ہے کہ وہ قرآن کو سنتے وقت اس طریقہ سے ذکر کرے۔ لیکن یہ قول بہت بعید ہے اور اس انصات (سکوت اختیار کرنا) کے منافی ہے جس کا آیت کریمہ میں حکم دیا گیا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ حکم نماز اور خطبہ کے ساتھ خاص ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس وقت خاموشی اختیار کرنا سری اور جہری ذکر سے افضل ہے۔ جو چیز ان دونوں نے بیان کی ہے اس کی متابعت نہیں کی گئی، بلکہ مقصد یہ ہے کہ بندوں کو صبح و شام کثرت ذکر پر برانگیختہ کیا جائے تاکہ وہ غافلوں میں نہ ہو جائیں، اسی بناء پر ان ملائکہ کی مدح کی گئی ہے جو بغیر کسی غفلت اور سستی کے دن رات اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مصروف رہتے ہیں، فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ...... فرشتوں کے اس طرح ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے تاکہ بندے کثرت اطاعت وعبادت میں ان کی پیروی کریں۔ فرشتوں کے سجدہ کا ذکر ہوا، اس لئے ہمیں بھی سجدہ کرنے کا حکم ہوا جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''تم بھی اس طرح اپنی صفیں کیوں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے سامنے باندھتے ہیں، وہ پہلی پہلی صفوں میں کھڑا ہونے کی خواہش رکھتے ہیں اور صفوں میں خوب منظم انداز میں کھڑے ہوتے ہیں''(2)۔ یہاں جس سجدہ کا حکم ہوا ہے وہ قرآن کریم کا پہلا سجدہ تلاوت ہے، آیت سجدہ تلاوت کرنے والے اور سننے والے پر بالا جماع یہ سجدہ واجب ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے سجدات قرآن میں سے شمار کیا ہے(3)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، جلد 8 صفحہ 101، صحیح مسلم، کتاب الذکر 2076

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ 322، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 177-178 وغیرہ

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ 335

سورۃ الانفال

یہ سورت مدنی ہے۔ اس میں پچھتر آیات ہیں، اس کے کلمات کی تعداد ایک ہزار چھ سو اکتیس (۱۶۳۱) ہے اور حروف کی تعداد پانچ ہزار دو سو چورانوے (۵۲۹۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ①

”دریافت کرتے ہیں آپ سے غنیمتوں کے متعلق، آپ فرمایئے غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں۔ پس ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اور اصلاح کرو اپنے باہمی معاملات کی اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اگر تم ایمان دار ہو“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورۂ انفال غزوۂ بدر کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ انفال سے مراد وہ اموال غنیمت ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی ملکیت ہیں، کسی اور کا ان پر کوئی حق نہیں۔ علماء کی کثیر تعداد سے انفال بمعنی غنائم منقول ہے، یہ نفل (غنیمت) کی جمع ہے۔ ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انفال کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی میدان جنگ میں اپنے مدمقابل کو مار کر اس کا گھوڑا اور ہتھیار وغیرہ چھین لے تو یہ چیزیں انفال ہیں۔ اس آدمی کے دوبارہ سوال کرنے پر آپ نے یہی جواب دیا۔ اس نے پھر سہ بارہ سوال کیا کہ قرآن کریم میں مذکور انفال کا کیا مطلب ہے؟ اپنے لگاتار سوال سے اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو تنگ کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما غصہ میں آگئے اور فرمانے لگے کہ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مارا تھا یہاں تک کہ وہ خون آلود ہو گیا۔ اس کی ایڑیوں اور پاؤں پر خون بہنے لگا۔ وہ آدمی کہنے لگا کہ کیا تم بھی وہ نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے عمر کا بدلہ تم سے لیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نفل کی تفسیر میدان جنگ میں اس چھینے ہوئے مال غنیمت سے کی ہے جو امام بعض اشخاص کو اصل غنائم کی تقسیم کے بعد اضافی طور پر دے دیتا ہے۔ اکثر فقہاء نے نفل کا یہی معنی لیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب کسی چیز کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ فرماتے کہ نہ میں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو منع کرنے والا، حکم دینے والا، حلال کرنے والا اور حرام کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے خمس (پانچویں حصے) کے بارے میں دریافت کیا جو چار حصے نکالنے کے بعد باقی رہ جاتا ہے تو یہ آیت اتری: یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ حضرات ابن مسعود اور مسروق فرماتے ہیں کہ نفل سے مراد وہ مال نہیں جو بروز جنگ چھینا جائے بلکہ اس سے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ انفال، جلد 6 صفحہ 76

مراد وہ مال ہے جو جنگ کے لئے صفیں درست کرنے اور مڈ بھیڑ سے پہلے ہاتھ آئے۔ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ نفل سے مراد وہ جانور، غلام، لونڈی ساز وسامان اور مال ومتاع ہے جو بغیر جنگ کئے مسلمانوں کو مل جائے۔ اس کے مالک نبی علیہ السلام ہیں۔ یہ صرف آپ کا حق ہے جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے انفال کی تفسیر مال فئے سے کی ہے اور فئے وہ مال ہے جو بغیر جنگ کئے کفار سے لیا گیا ہو۔ بعض دوسرے حضرات کا خیال ہے کہ انفال سے مراد سرایا سے حاصل ہونے والا مال ہے(1)۔ یعنی لشکر کے کسی دستہ کو اس کے کسی کارنامہ یا حوصلہ افزائی کی خاطر امام وقت عام تقسیم سے کچھ زیادہ دے دے۔ شعبی نے اس کی صراحت کی ہے، ابن جریر کا پسندیدہ قول بھی یہی ہے کہ اس سے مراد وہ اضافی چیز ہے جو سارے لشکر میں تقسیم کے بعد کسی کو دی جائے اس کی دلیل مسند احمد کی حدیث ہے جس کے راوی حضرت سعد بن ابی وقاص ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں میرا بھائی عمیر قتل ہو گیا میں نے بھی سعید بن العاص کو قتل کر کے اس کی تلوار اپنے قبضہ میں لے لی جس کا نام ذوالکتیفہ تھا۔ میں اس تلوار کو لے کر نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: "جاؤ، اسے اموال مقبوضہ میں ڈال دو" میں لوٹا تو اس وقت میری حالت کو خدا ہی بہتر جانتا تھا ایک تو بھائی قتل ہو چکا تھا دوسرا چھینی ہوئی تلوار بھی لے لی گئی۔ ابھی میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سورۂ انفال کی یہ آیات نازل ہوئی تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاؤ، اپنا چھینا ہوا مال لے لو" (2)۔

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! آج اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو ہزیمت سے دوچار کر کے مجھے تسکین بخشی ہے اب یہ تلوار مجھے عنایت فرما دیجئے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: "یہ تلوار نہ تمہاری ہے اور نہ میری، اسے رکھ دو" میں تلوار رکھ کر واپس لوٹا اور یہ خیال کرنے لگا کہ ممکن ہے یہ تلوار کسی ایسے شخص کو مل جائے جس نے میری طرح جانثاری کا مظاہرہ نہ کیا ہو۔ اچانک مجھے پیچھے سے کسی نے آواز دی۔ میں رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ کیا میرے بارے میں کوئی وحی اتری ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم نے مجھ سے تلوار مانگی تھی لیکن وہ میری نہیں تھی۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے اس کا مالک بنا دیا ہے اس لئے اب تمہیں عطا کرتا ہوں۔ اس وقت یہ آیت اتری: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ (3)۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں چار آیات اتریں۔ جنگ بدر میں ایک تلوار میرے ہاتھ لگ گئی۔ میں نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یہ تلوار مجھے بخش دیجئے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: "جہاں سے لی ہے اسے وہاں ہی رکھ دو"۔ آپ نے دو مرتبہ یہی فرمایا۔ میں نے پھر عرض کی تو بھی آپ نے یہی فرمایا۔ اس وقت سورۂ انفال کی یہ آیت اتری، مجھ سے متعلق دوسری آیت وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا (الاحقاف:15) ہے، تیسری آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ...... (المائدہ:90) ہے اور چوتھی آیت جو میرے بارے میں نازل ہوئی وہ آیت وصیت ہے(4)۔

ابو اسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن ابن عائذ کی تلوار میرے قبضہ میں آگئی، اس تلوار کو مرزبان کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جب رسول اللہ علیہ السلام نے اپنا اپنا لوٹا ہوا مال جمع کروانے کا حکم دیا تو میں نے بھی یہ تلوار مال غنیمت کے ذخیرہ میں رکھ دی۔ آپ علیہ السلام کی یہ عادت کریمہ تھی کہ آپ علیہ السلام کسی کا سوال رد نہیں کرتے تھے۔ ارقم بن ابی الارقم مخزومی نے اس تلوار کو دیکھ کر حضور

1۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 169　2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 180

3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 178　4۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ 1977-1878

علیہ وسلم سے اسے مانگ لیا، اور آپ نے انہیں وہ تلوار عطا کر دی(1)۔

آیت کا دوسرا شان نزول

ابوامامہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے سورۂ انفال کے متعلق دریافت کیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ سورت ہم اصحاب بدر کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب ہم مال غنیمت کے بارے میں جھگڑنے لگے اور لہجے تلخ ہو گئے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے تقسیم غنائم کا اختیار ہمارے ہاتھوں سے نکال کر رسول اللہ علیہ وسلم کو تفویض کر دیا۔ چنانچہ آپ علیہ وسلم نے یہ مال غنیمت مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا(2)۔

حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ میں بدر میں رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست فاش سے دوچار کیا۔ مسلمانوں کا ایک گروہ بھاگتے ہوئے مشرکین کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرنے لگا اور دوسرا ایک گروہ لشکر قریش کا محاصرہ کر کے انہیں گرفتار کرنے اور مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گیا۔ ایک جماعت آپ علیہ وسلم کو گھیرے ہوئے آپ کی حفاظت کر رہی تھی تاکہ دشمن آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔ جب رات ہوئی اور مال غنیمت کی تقسیم کا مرحلہ آیا تو مال غنیمت اکٹھا کرنے والوں نے کہا کہ چونکہ ہم نے یہ جمع کیا ہے اس لئے ہم ہی اس کے حقدار ہیں کسی اور کا اس میں حصہ نہیں۔ دشمن کا تعاقب کرنے والے کہنے لگے کہ تم ہم سے زیادہ اس کے مستحق نہیں، ہم نے ہی دشمن کو روکے رکھا اور انہیں ہزیمت سے دوچار کیا۔ رسول اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر مامور حضرات کہنے لگے کہ ہمیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ مبادا دشمن آپ کو کوئی گزند پہنچا دے۔ ہم وہاں مصروف رہے۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور علیہ وسلم نے مسلمانوں کے درمیان مال غنیمت کی منصفانہ تقسیم کر دی۔ رسول اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب دشمن کی سرزمین پر حملہ آور ہوتے تو وہاں ہی ایک چوتھائی مال غنیمت تقسیم کر دیتے اور جب واپس لوٹتے تو ایک تہائی تقسیم کر دیتے اور آپ اسے اپنے لئے ناپسند کرتے تھے(3)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ غزوۂ بدر کے دن رسول اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ جو اس طرح کارنامہ انجام دے گا اور اس طرح سرفروشی کا مظاہرہ کرے گا اسے ایسا ایسا انعام دیا جائے گا۔ اب نوجوان آگے بڑھ کر اپنی طاقت اور صلاحیت کا مظاہرہ کرنے لگے اور بوڑھے پیچھے جھنڈوں کے نیچے رہ گئے۔ جب مال غنیمت آیا تو وہ نوجوان آ گئے جن کے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا۔ بوڑھے کہنے لگے کہ تمہیں ہم پر کوئی ترجیح حاصل نہیں ہم تو تمہارے پشت پناہ بنے ہوئے تھے۔ اگر تمہیں شکست ہوتی تو تم ہمارے پاس ہی پناہ لیتے۔ اس طرح مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق تنازعہ شروع ہو گیا جس کا تصفیہ اس آیت کے نزول سے ہوا(4)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ بدر کے دن آپ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی کو قتل کیا اسے یہ یہ انعام ملے گا اور جس نے کسی کو قید کیا اسے فلاں فلاں انعام دیا جائے گا۔ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ دو قیدی لے آئے اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! آپ نے ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا تھا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! اگر آپ نے ان لوگوں کو اس طرح عطا کر دیا تو آپ کے دوسرے اصحاب کیلئے کچھ نہ بچے گا۔ ہم آپ کے ساتھ آپ کی حفاظت کی غرض سے رکے رہے تاکہ دشمن پیچھے سے آپ کو نقصان نہ پہنچا سکے ورنہ یہ بات نہیں کہ ہمیں معاوضہ کی ضرورت ہی نہ تھی اور یا ہم بزدلی کی بناء پر

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 173-174 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 322

3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 323-324، عارضۃ الاحوذی، ابواب السیر، جلد 7 صفحہ 51-53، متدرک حاکم، کتاب قسم الفئ، جلد 2 صفحہ 136

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 77، متدرک حاکم تفسیر سورۂ انفال، جلد 2 صفحہ 326-327

رکے رہے۔ چنانچہ جھگڑا شروع ہوگیا۔ اسوقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہ بھی: وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ...... (الانفال:41)۔

امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الاموال الشرعیۃ'' میں لکھتے ہیں کہ انفال سے مراد اموال غنیمت اور وہ اموال ہیں جو مسلمان اہل حرب سے حاصل کریں۔ آیت کریمہ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ کے مطابق پہلے اموال غنیمت رسول اللہ ﷺ کی ملکیت میں دیئے گئے جنہیں آپ ﷺ نے بدر کے دن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق تقسیم فرما دیا۔ اس میں سے خمس 1/5 نہیں نکالا۔ پھر آیت خمس کے نازل ہونے سے یہ آیت منسوخ ہوگئی(1)۔ ابن زید کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم (قائم) ہے۔ ابوعبید کہتے ہیں کہ اس بارے میں اور بھی آثار ہیں۔

انفال جمع شدہ غنائم کو کہتے ہیں لیکن ان میں سے خمس قرآن وحدیث کے مطابق نبی کریم ﷺ کے اہل کیلئے خاص ہے۔ کلام عرب میں انفال سے مراد ہر وہ احسان ہے جو محسن نے بطور مہربانی کیا ہو، اس پر واجب نہ ہو۔ یہی وہ مال غنیمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مومنین کیلئے حلال کیا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے جو صرف اس امت کے ساتھ خاص ہے ورنہ پہلی امتوں پر مال غنیمت حرام تھا(2)۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے پانچ ایسی خصوصیات سے نوازا گیا ہے جو مجھ سے قبل کسی کو عطا نہیں ہوئیں ان میں سے ایک آپ ﷺ نے یہ ذکر کی کہ میرے لئے غنائم کو حلال کیا گیا ہے حالانکہ مجھ سے پہلے یہ کسی کیلئے حلال نہ ہوئیں(3)۔ پھر ابوعبید کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے اس چیز کو نفل کہا جاتا ہے جو امام وقت فوج کے بعض افراد کو دیتا ہے اس میں وہ انہیں دوسروں پر ترجیح دیتے ہوئے اصل حصہ سے کچھ زائد عطا کر دیتا ہے یہ دراصل ان کی کارکردگی اور سرفروشی کے اعتراف میں انہیں دیا جاتا ہے۔ اس قسم کے نفل کی چار صورتیں ہیں جو امام وقت کسی کو دیتا ہے، ان میں سے ہر صورت مستقل ہے نفل کی پہلی صورت مقتول کا لوٹا ہوا مال ہے، اس میں سے خمس 1/5 نہیں نکالا جاتا۔ دوسرا وہ نفل جو خمس نکالنے کے بعد باقی مال غنیمت میں سے دیا جاتا ہے مثلاً امام دشمن کے خلاف کسی مہم میں کوئی فوجی دستہ روانہ کرتا ہے تو وہ مال غنیمت لے کر لوٹتا ہے۔ امام خمس نکالنے کے بعد ایک چوتھائی یا ایک تہائی اس دستہ میں تقسیم کر دے۔ تیسری صورت اس نفل کی ہے جو خمس میں دیا جاتا ہے جب سارا مال غنیمت اکٹھا ہو جائے اور اس میں سے خمس نکال کر امام کے ہاتھ میں دے دیا جائے تو اب اس خمس میں سے وہ اپنی صوابدید کے مطابق جس کو جتنا چاہے عطا کر دے۔ چوتھی صورت اس نفل کی ہے جو خمس نکالنے سے پہلے جملہ مال غنیمت میں سے دیا جاتا ہے۔ یہ عموماً سائیسوں، چرواہوں، گائیڈوں، سقاؤں اور دیگر مزدوروں وغیرہ کو دیا جاتا ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ مال غنیمت میں سے خمس نکالنے سے پہلے مجاہدین کو مقتولین کا جو چھینا ہوا مال واسباب دیا جاتا ہے وہ انفال میں شامل ہے(4)۔ ابوعبید کہتے ہیں کہ نفل کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس سے مراد وہ مال ومتاع ہے جو مجاہدین کو حضور ﷺ اپنے خمس میں سے عطا کیا کرتے تھے کیونکہ خمس کا خمس حصہ آپ کے ساتھ خاص تھا۔ جس چاہیں عطا فرمائیں۔ یہ بھی نفل کی ایک صورت ہے۔ چنانچہ امام کو چاہئے کہ وہ دشمن کی کثرت، شان وشوکت اور مسلمانوں کی قلت اور موقع کی نزاکت کا لحاظ رکھتے ہوئے اور سنت رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے اجتہاد سے کچھ حصہ مقرر کر دے۔ اگر ایسی مصلحت درپیش نہ ہو تو نفل کا نکالنا لازمی نہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ امام

1۔ الاموال الشرعیۃ 426 2۔ دیکھئے الاموال الشرعیۃ 426, 428, 430

3۔ اس حدیث کی تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ نساء:13 4۔ کتاب الام للشافعی، جلد 4 صفحہ 66

ایک فوجی دستہ دشمن سے نبرد آزما ہونے کیلئے روانہ کرتا ہے اور لڑائی سے قبل ان سے کہہ دیتا ہے کہ جس شخص نے جو مال غنیمت جمع کیا خمس نکالنے کے بعد وہ اس کا مالک ہے تو یہ شرط لگانا درست ہے کیونکہ باہمی رضامندی سے اس پر اتفاق ہو گیا۔ ابو عبید کی کلام ختم ہوئی لیکن ان کا یہ کہنا کہ غنائم بدر میں سے خمس نہیں نکالا گیا۔ یہ بات غور طلب ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس کی تردید کرتا ہے کہ مجھے بدر کے دن خمس میں سے دو اونٹنیاں ملیں۔ اس کا مفصل بیان میں نے کتاب السیرۃ میں کر دیا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ یعنی اپنے امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اپنے باہمی معاملات کو درست کرلو، ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو اور نہ آپس میں جھگڑو۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم تمہیں عطا فرمایا ہے وہ اس مال سے بہتر ہے جس کے سبب تم جھگڑنے ہو۔

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی تقسیم پر راضی ہو جاؤ۔ کیونکہ آپ فرمان الٰہی کے مطابق عدل وانصاف سے تقسیم فرماتے ہیں۔ سدی فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ باہم جھگڑا اور گالی گلوچ نہ کرو(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ہنس رہے ہیں یہاں تک کہ آپ کے سامنے کے دانت ظاہر ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ مسکرانے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے دو امتی اللہ رب العزت کے سامنے گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک کہتا ہے کہ اے پروردگار! میں اس سے اپنے ظلم کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ اللہ پاک اس سے فرماتا ہے کہ اپنے ظلم کا بدلہ چکاؤ۔ وہ عرض کرتا ہے کہ اے پروردگار! میرے پاس تو کوئی نیکی باقی نہیں رہی۔ تو مظلوم کہتا ہے: اے رب تعالیٰ! میرے گناہوں کا بوجھ اس پر لاد دے۔ یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ آبدیدہ ہو گئے۔ پھر فرمایا: ''وہ بڑا ہی سخت دن ہوگا جس دن لوگ اس بات کے ضرورت مند ہوں گے کہ کوئی ان کے گناہوں کا بوجھ اٹھالے۔ اللہ تعالیٰ طالبِ انتقام سے فرمائے گا کہ اپنی نظر اٹھا اور جنت کی طرف دیکھ۔ وہ اپنا سر اٹھائے گا اور عرض کرے گا: اے پروردگار! میں چاندی کے بنے ہوئے شہر دیکھ رہا ہوں، سونے کے موتیوں سے مرصع محلات مجھے دکھائی دے رہے ہیں، یہ کس نبی کیلئے ہیں؟ کس صدیق کیلئے ہیں؟ کس شہید کیلئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ سب کچھ اس کے لئے ہے جو اس کی قیمت ادا کرے۔ وہ بندہ عرض کرے گا: اے پروردگار! کون اس کی قیمت ادا کرسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو اس کی قیمت ادا کرسکتا ہے۔ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار وہ کیسے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو اپنے بھائی کو معاف کر دے۔ وہ عرض کرے گا کہ میں نے اسے معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ و اور دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور باہمی معاملات کی اصلاح کرلو کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مومنین کے درمیان صلح کروا دے گا'' (2)۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴

''صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ کی آیتیں تو یہ بڑھا دیتی ہیں ان کے ایمان کو اور صرف اپنے رب پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں (اور) جو صحیح صحیح ادا کرتے

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 178 2۔ المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ، جلد 4 صفحہ 391-392

ہیں نماز کو، نیز اس سے جو ہم نے انہیں دیا خرچ کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں انہی کے لئے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور باعزت روزی''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ منافقین فریضہ صلوۃ کی ادائیگی کے وقت آیات قرآنیہ سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوتے، نہ صدق دل سے آیات الٰہی پر ایمان لاتے ہیں، نہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، نہ ادھر ادھر ہوں تو نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی زکوۃ ادا کرتے ہیں۔ یہ مومن نہیں ہیں بلکہ مومن تو وہ ہیں جن کے وصف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ...... یعنی کمال ایمان والے وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب ان پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ایمان اور تصدیق میں اضافہ کا سبب بن جاتی ہیں اور وہ صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں کسی اور کے ساتھ اپنی امیدیں وابستہ نہیں کرتے۔

حقیقی مومن کی یہی پہچان ہے کہ جب اللہ کا ذکر ہو تو اس کا دل خوف سے کانپنے لگتا ہے۔ وہ اللہ کے اوامر کی تعمیل کرتا ہے اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ (آل عمران: 135) ''اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کر بیٹھیں کوئی برا کام یا ظلم کریں اپنے آپ پر (تو فوراً) ذکر کرنے لگتے ہیں اللہ کا اور معافی مانگنے لگتے ہیں اپنے گناہوں کی اور کون بخشتا ہے گناہوں کو اللہ کے سوا اور نہیں اصرار کرتے اس پر جو ان سے سرزد ہوا اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں''۔ اور فرمایا: وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (النازعات: 41-40) ''اور جو ڈرتا رہا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور (اپنے) نفس کو روکتا رہا ہوگا (ہر بری) خواہش سے''۔ تو جنت اس کا ٹھکانا ہے۔

سدی کہتے ہیں کہ اس آیت میں اس مرد مومن کا ذکر ہے جو ظلم یا معصیت کا ارادہ کرتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو اس کا دل خوف سے کانپ اٹھتا ہے۔ حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دل کے کانپنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح کھجور کی شاخ جلتی ہے اس طرح اس کے تن بدن میں ایک سوزش سی پیدا ہو جاتی ہے اور اس پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ جب تیری یہ کیفیت ہو تو اس وقت اللہ سے دعا مانگ، کیونکہ ایسے وقت کی دعا مقبول ہوتی ہے۔

وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا یہ اس ارشاد کی طرح ہے: وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (التوبۃ: 124) ''اور جب کبھی نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو بعض ان میں سے وہ ہیں جو (شرارتاً) کہتے ہیں کہ کس کا تم میں سے زیادہ کر دیا ہے اس سورۃ نے ایمان۔ تو وہ (سن لیں) ایمان والوں کے ایمان میں اس سورۃ نے اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں''۔

امام بخاری اور دیگر ائمہ نے اس قسم کی آیات سے ایمان کی زیادتی اور تفاوت پر استدلال کیا ہے جیسا کہ جمہور امت کی کا مذہب ہے بلکہ شافعی، احمد بن حنبل اور ابو عبید رحمہم اللہ جیسے متعدد ائمہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے جیسا کہ ہم نے شرح بخاری کے شروع میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ یعنی وہ اس کے سوا کسی سے امید نہیں رکھتے۔ اس کے سوا کسی کا قصد نہیں کرتے، صرف اسی کی جناب میں پناہ لیتے ہیں۔ وہ اسی سے اپنی ضروریات طلب کرتے اور صرف اسی کی طرف رغبت کرتے ہیں۔ وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ وہ جو چاہے ہوتا

ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا، ہر چیز اس کے زیر تصرف ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے حکم کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اسی لئے حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توکل ایمان کا جامع ہے۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ مومنین کے عقیدہ کو ذکر کرنے کے بعد اب ان کے اعمال کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ یہ اعمال بھلائی کی تمام اقسام کو شامل ہیں۔ نماز قائم کرنا اللہ کا حق ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ کا مطلب قتادہ کے نزدیک نماز کے اوقات، وضو، رکوع وسجود میں تمام آداب کی پابندی کی جائے۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے: نماز کے اوقات کی پابندی کرنا، اچھی طرح وضو کرنا، کامل طریقے سے رکوع وسجود کرنا، تلاوت قرآن کرنا، تشہد اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنا۔ یہ مطلب ہے اقامتِ صلوٰۃ (يقيمون الصلوٰة) کا اور انفاق (ينفقون) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق اور مال و دولت سے جو زکوٰۃ کے قابل ہوں ان میں سے زکوٰۃ ادا کرنا اور تمام واجب اور مستحب حقوق العباد کی ادائیگی کرنا۔ مخلوق تمام کی تمام اللہ کا کنبہ ہے، اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی مخلوق کیلئے سب سے زیادہ نافع ہو۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ کی عطا میں سے خرچ کرو کیونکہ یہ اموال اے ابن آدم! تمہارے پاس امانتیں ہیں اور یہ بہت جلد جدا ہو جانے والے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ان صفات سے متصف لوگ ہی حقیقی مومن ہیں۔ حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرا گذر نبی کریم ﷺ کے پاس سے ہوا تو آپ نے فرمایا! ''اے حارث! تم نے صبح کیسے کی؟'' میں نے عرض کی کہ میں نے ایک سچے اور حقیقی مومن کی حیثیت سے صبح کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: غور کرلو کیا کہہ رہے ہو، ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے، بتاؤ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ میں نے عرض کی! میں نے دنیا سے ترک تعلق کرلیا، رات کو جاگ کر عبادت کرتا ہوں اور دن کو روزہ رکھ کر پیاس برداشت کرتا ہوں، اور گویا کہ میں اپنے رب کے عرش کو نمایاں طور پر دیکھ رہا ہوں، گویا کہ میں اہل جنت کو باہم ملاقاتیں کرتا دیکھ رہا ہوں اور اہل نار کو جہنم میں بلبلاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے حارث! تم نے حقیقت ایمان کو پالیا ہے، اس پر کاربند رہنا'' (1)۔ یہ تین مرتبہ آپ نے فرمایا۔

عمرو بن مرہ اس فرمان کے متعلق کہتے ہیں کہ قرآن کریم لغت عرب کے مطابق نازل ہوا۔ جیسا کہ یہ قول ہے: فُلَانٌ سَيِّدٌ حَقًّا وَفِي الْقَوْمِ سَادَةٌ (فلاں حقیقی سردار ہے اگرچہ قوم کے اور بھی سردار ہیں) اسی طرح فُلَانٌ تَاجِرٌ حَقًّا وَفِي الْقَوْمِ تُجَّارٌ (فلاں حقیقی تاجر ہے اگرچہ اور بھی تاجر ہیں)۔ وَفُلَانٌ شَاعِرٌ حَقًّا وَفِي الْقَوْمِ شُعَرَاءُ (فلاں حقیقی شاعر ہے اگرچہ قوم میں اور شاعر بھی ہیں) اسی طرح اس آیت میں ''حَقًّا'' کی حیثیت ہے یعنی یہی حقیقت میں مومن ہیں اگرچہ مومن اور بھی ہیں۔

لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یعنی مقامات، منازل اور جنت کے درجات جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (آل عمران: 163) ''لوگ درجہ بدرجہ ہیں اللہ کے ہاں اور اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے جو وہ کرتے ہیں''۔

وَمَغْفِرَةٌ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور نیکیوں کی قدر کرتا ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جنت میں درجات کے اندر تفاوت ہوگا۔ بعض درجات بعض سے بالاتر ہوں گے، اسی طرح اہل جنت میں سے بعض بعض کے اوپر ہوں گے۔ اوپر والا نیچے والے درجہ کے حامل شخص پر اپنی فضیلت دیکھے گا اور نیچے والے شخص کو یہ محسوس نہیں ہوگا کہ اس پر کسی کو فضیلت دی گئی ہے۔ اس لئے صحیحین کی حدیث

1۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 266-267

میں حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''نیچے والے علیین والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم افق میں ستاروں کو دیکھتے ہو۔'' صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ تو انبیاء کے مقامات ہیں جنہیں اور کوئی نہیں پا سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ ایسے لوگ ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی'' (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: اہل جنت بلند درجات والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم افق میں ستارے دیکھتے ہو اور ابوبکر و عمر بھی انہی میں سے ہیں ان پر بھی یہ انعام ہوگا'' (2)۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ﴿۵﴾ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ؕ﴿۶﴾ وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴿۷﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ﴿۸﴾

''جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے حق کے ساتھ اور بے شک اہل ایمان کا ایک گروہ (اس کو) ناپسند کرنے والا تھا جھگڑ رہے تھے آپ سے سچی بات میں اس کے بعد کہ وہ واضح ہو چکی تھی گویا وہ ہانکے جا رہے تھے موت کی طرف درآں حالیکہ وہ (موت کو) دیکھ رہے ہیں اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ نے ایک کا ان دو گروہوں سے کہ وہ تمہارے لئے ہے اور تم پسند کرتے تھے کہ نہتا گروہ تمہارے حصے میں آئے اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو حق کر دے اپنے ارشادات سے اور کاٹ دے کافروں کی جڑ تا کہ ثابت کر دے حق کو اور مٹا دے باطل کو اگرچہ ناپسند کریں (اس کو) عادی مجرم''۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ كَمَآ اَخْرَجَكَ میں ''كَمَا'' کو لانے کی غرض کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں تشبیہ کی صورت ہے۔ پہلی آیت میں مذکور مومنین کے تقویٰ، باہمی معاملات کی اصلاح اور اللہ و رسول کی اطاعت (مشبہ) کو ان کی بہتری اور مفاد (وجہ شبہ) میں اس مضمون (مشبہ بہ) کے ساتھ تشبیہ دی جس کا ذکر یہاں ہو رہا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جس طرح تم نے مال غنیمت کے متعلق جھگڑنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہتری اور مصلحت کے پیش نظر اس کا اختیار تم سے لے کر اپنے رسول ﷺ کی تحویل میں دے دیا اور آپ ﷺ نے حسب ارشاد خداوندی منصفانہ اور مساویانہ تقسیم کر دی، اس میں تمہارا ہی فائدہ تھا اسی طرح تم نے مسلح لشکر کے ساتھ جنگ کرنے کو بھی ناپسند کیا۔ وہ لشکر جرار جو اپنے دین کی خاطر اور اپنے قافلہ کی حفاظت کی خاطر بڑے طمطراق سے نکلا تھا، اس کے ساتھ برسرپیکار ہونے کو ناپسند کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بغیر کسی طے شدہ پروگرام کے اللہ تعالیٰ نے تمہاری دشمن کے ساتھ مڈبھیڑ کرادی جس کا ثمرہ شاندار فتح کی صورت میں مرتب ہوا۔ تم جنگ کو ناپسند کرتے تھے لیکن اسی میں اللہ تعالیٰ نے تمہارا مفاد رکھ دیا جیسا کہ فرمایا: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ: 216) ''فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد اور وہ ناپسند ہے تمہیں اور ہو سکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 145، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ 2177
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 61

ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو اور (حقیقت حال) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"۔

بعض دوسرے حضرات اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ جس طرح مومنین کے ایک گروہ کی ناپسندیدگی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے گھر سے حق کے ساتھ نکالا اسی طرح وہ جنگ کو بھی ناپسند کرتے ہیں اور وہ حق بات ظاہر ہوجانے کے باوجود آپ سے جھگڑتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جس طرح وہ مجبوراً مدینہ سے نکلے اسی طرح وہ حق بات میں آپ کے ساتھ جھگڑتے ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ میدان بدر کی طرف نکلنے اور اس بارے میں جھگڑا کرنے کے متعلق یہ آیت اتری جبکہ وہ مشرکین کے ساتھ قتال کو ناپسند کررہے تھے۔ بعض نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ اب وہ انفال کے بارے میں آپ سے جھگڑ رہے ہیں جس طرح بدر کے دن انہوں نے آپ ﷺ سے جھگڑا کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ تو ہمیں تجارتی قافلہ کے تعاقب کی غرض سے لائے تھے اور ہم کو گمان بھی نہ تھا کہ جنگ کا سامنا ہوگا ورنہ تیاری کرکے آتے (1)۔

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ شریف سے اس تجارتی قافلہ کے ارادہ سے نکلے جو ابوسفیان کی قیادت میں بہت سامال و اسباب لے کر شام سے واپس لوٹ رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس قافلہ کی راہ روکنے کے لئے مسلمانوں کو آمادہ کیا، چنانچہ تین سو دس سے کچھ زائد صحابہ نکل کھڑے ہوئے اور آپ کی زیر قیادت بدر کے رستہ پر ساحل کی طرف چل دیئے۔ جب ابوسفیان کو آپ ﷺ کے متوقع حملہ کی خبر ہوئی تو اس نے اہل مکہ کو خبردار کرنے کیلئے ضمضم بن عمرو کو مکہ روانہ کیا۔ مکہ والے تقریباً ایک ہزار افراد پر مشتمل مسلح لشکر لے کر نکلے۔ ابوسفیان سیف البحر کی طرف سے قافلہ کو بچا کر نکل گیا۔ اہل مکہ کا لشکر آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ وہ بدر کے چشمہ پر پہنچ گئے۔ بغیر کسی طے شدہ سابقہ پروگرام کے اللہ تعالیٰ نے دونوں لشکروں کو ٹکرا دیا تاکہ حق کا بول بالا ہو، مسلمانوں کو فتح نصیب ہو اور حق و باطل کے درمیان امتیاز ہوجائے جیسا کہ اس کا بیان عنقریب ہوگا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو قریش کے اس لشکر کے متعلق خبر ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ سے یہ وعدہ کیا کہ دو گروہوں میں سے ایک پر اللہ تعالیٰ آپ کو فتح عطا فرمائے گا۔ قافلہ یا لشکر۔ بہت سے مسلمانوں کی خواہش یہ تھی کہ تجارتی قافلہ ہاتھ آجائے تاکہ بغیر جنگ کئے بہت سامال و متاع حاصل ہوجائے جیسا کہ فرمان ہے: وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ......۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "مجھے یہ خبر ملی ہے کہ ابوسفیان کا قافلہ آرہا ہے، کیا تمہیں رغبت ہے کہ ہم قافلہ کی راہ روک لیں شاید اللہ ہمیں بہت سامال و دولت عطا فرمادے۔ ہم نے کہا: جی ہاں۔ ہم تیار ہیں۔ ہم آپ ﷺ کی قیادت میں نکلے۔ جب ایک دو دن کا سفر کرلیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کفار کے ساتھ جنگ کرنے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے، انہیں پتہ چل چکا ہے کہ تم ان کے قافلہ کی راہ روکنے کیلئے نکل پڑے ہو۔ ہم نے عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم! دشمن کے ساتھ لڑنے کی ہم میں طاقت نہیں۔ ہم تو تجارتی کارواں کے ارادہ سے نکلے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "کفار کے ساتھ قتال میں تمہارا کیا خیال ہے؟" ہم نے پھر وہی جواب دیا۔ اب حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یارسول اللہ! ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ جاؤ تم اور تمہارا رب جاکر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم گروہ انصار نے اس وقت یہ تمنا کی کہ کاش مقداد کی طرح ہم کہہ دیتے، اگر اس طرح کہتے تو یہ ہمیں مال عظیم کے حصول سے زیادہ محبوب تھا۔ اس وقت یہ آیت اتری: كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ......(2)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 181-182　　2۔ معجم کبیر، جلد 4 صفحہ 174-176

حضرت علقمہ بن ابو وقاص لیثی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بدر کی طرف نکلے۔ جب آپ ﷺ مقام روحاء پر پہنچے تو آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا: ''تمہاری کیا رائے ہے؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! ہمیں اطلاع مل چکی ہے کہ کفار فلاں مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے پھر خطبہ ارشاد فرمایا اور صحابہ سے رائے دریافت فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسی گفتگو کی۔ آپ ﷺ نے پھر اپنا سوال دہرایا تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یارسول اللہ! آپ کا روئے سخن ہماری جانب ہے؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو عظمت بخشی اور آپ پر کتاب نازل کی! نہ میں برک الغماد (یمن کا علاقہ) گیا ہوں اور نہ مجھے اس کی مسافت کا علم ہے اگر آپ برک الغماد کا سفر کریں تو بھی ہم آپ کا ساتھ دیں گے ہم قوم موسیٰ کی طرح نہیں کہیں گے کہ جاؤ تم اور تمہارا رب لڑائی کرو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ بھی تشریف لے چلیں اور آپ کا رب بھی، ہم آپ کے ساتھ ساتھ رہیں گے۔ ممکن ہے آپ کسی اور غرض کیلئے نکلیں ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے کوئی نئی صورت پیدا کر دی ہو۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے اسے کر گزریں۔ جس سے چاہیں آپ ناطہ جوڑ لیں اور جس سے چاہیں رشتہ توڑ لیں۔ جس سے چاہیں آپ دشمنی کریں اور جس کے ساتھ چاہیں دوستی کریں اور جس قدر چاہیں ہمارے اموال لے لیں تو اس پر یہ آیات اتریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے کفار کے ساتھ قتال کے متعلق مشورہ کیا تو بعض اہل ایمان نے اسے ناپسند کیا۔ اس پر یہ آیات اتریں۔

یُجَادِلُوْنَكَ فِی الْحَقِّ...... مجاہد کے نزدیک حق سے مراد قتال ہے۔ سدی اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ وہ مشرکین کے ساتھ جنگ کے متعلق آپ سے جھگڑتے ہیں حالانکہ یہ بات ان کیلئے واضح ہے کہ آپ وہی کرتے ہیں جس کا آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو۔ ابن زید کہتے ہیں کہ اس آیت (یُجَادِلُوْنَكَ......) سے مراد مشرکین ہیں یعنی یہ مشرکین حق بات کے بارے میں آپ سے جھگڑتے ہیں، جب انہیں اسلام کی دعوت دی جاتی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے گویا کہ انہیں موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہے اور وہ اسے دیکھ رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ کسی اور کی صفت نہیں بلکہ اہل کفر کی یہ صفت بیان ہو رہی ہے۔ لیکن ابن جریر کہتے ہیں کہ ابن زید کا یہ قول کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ اس سے پہلے اہل ایمان کی بات ہو رہی ہے اس لئے اس سیاق کا یہی تقاضا ہے کہ یہ بھی انہی کے متعلق خبر ہو۔ صحیح قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن اسحاق کا ہے کہ یہ مومنین کے متعلق خبر ہے (1)۔

مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فتحیاب ہو کر بدر سے لوٹے تو آپ سے کہا گیا کہ اب تجارتی قافلہ کی بھی خبر لینی چاہئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت قیدی تھے بول اٹھے کہ یہ اقدام درست نہیں ہے۔ پوچھا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ساتھ دو میں سے ایک گروہ کا وعدہ کیا تھا سو ایک جس کا وعدہ ہوا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرما دیا ہے (2)۔

وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ...... تمہاری تو یہ خواہش تھی کہ نہتا اور غیر مسلح تجارتی قافلہ بغیر جنگ کئے تمہارے ہاتھ آ جائے لیکن اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ حق کا بول بولا ہو اور اس کی مرضی تھی کہ تمہارا ٹکراؤ مسلح کافر سورماؤں کے ساتھ ہوتا کہ وہ ان پر تمہیں فتح وظفر سے نوازے، اپنے دین کو غلبہ عطا فرمائے، اسلام کا کلمہ بلند کر دے اور اسے تمام ادیان پر غالب کر دے، وہی امور کے انجام کو جاننے والا

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 183-184
2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 229-314

ہے۔ وہی حسن تدبیر سے ہر چیز کا انتظام فرماتا ہے اگرچہ لوگ اس کے برعکس کی خواہش رکھتے ہوں۔ جیسا کہ فرمایا: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ (البقرۃ:216) ''فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد اور وہ ناپسند ہے تمہیں اور ہوسکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو اور (حقیقت حال) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

متعدد حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث بدر روایت کی ہے جس کا خلاصہ ہم پیش کرتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کے متعلق سنا کہ وہ قافلہ لے کر واپس پلٹ رہا ہے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس کا راستہ روکنے کے لئے بلایا۔ فرمایا کہ یہ قریش کا کارواں ہے جس میں ان کا بہت سا مال ومتاع ہے۔ اس پر چڑھائی کردو شاید اللہ تعالیٰ تمہیں یہ بہت سارا مال عطا فرمادے۔ لوگوں نے جلدی کی، کچھ مسلح ہو کر نکلے اور کچھ غیر مسلح ہی نکل پڑے، کیونکہ یہ تو ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ جنگ کریں گے۔ ابوسفیان جب حجاز کے قریب ہوا تو اس نے اپنے جاسوس پھیلا دیئے اور ہر ملنے والے سے نبی کریم ﷺ کی خبریں پوچھتا۔ ایک آدمی سے اسے معلوم ہوگیا کہ آپ ﷺ اور آپ کے ساتھی اس کے قافلہ کا راستہ روکنے کیلئے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکہ روانہ کردیا اور اہل مکہ کے نام پیغام بھجوایا کہ اپنے اموال کی حفاظت کے لئے نکلو۔ محمد (ﷺ) قافلہ پر حملہ آور ہوا چاہتے ہیں۔ ضمضم جلدی سے مکہ روانہ ہوگیا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ اپنے جانباز اصحاب کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب آپ وادئ ذفران تک پہنچے اور وہاں قیام فرمایا تو آپ کو معلوم ہوگیا کہ قریش اپنا لشکر لے کر اپنے قافلہ کے دفاع کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے مجلس مشاورت بلائی اور اپنے صحابہ کو قریش کے تازہ اقدام سے آگاہ کیا۔ حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما باری باری اٹھے اور بڑی اچھی گفتگو کی۔ پھر حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا ہے اسے کر گذریئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اللہ کی قسم! ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ جاؤ تم اور تمہارا رب جا کر لڑائی کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ لیکن ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ تشریف لے چلیے ہم آپ کے ساتھ نصرت خداوندی کی معیت میں لڑیں گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمیں برک الغماد (حبشہ کا ایک شہر) کی طرف بھی نے چلیں تو وہاں جا کر بھی ہم آپ کے ساتھ مل کر لڑیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو دعائے خیر سے نوازا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! مجھے مشورہ دو''۔ آپ ﷺ کا روئے سخن انصار کی طرف تھا کیونکہ وہ تعداد میں زیادہ تھے اور دوسری یہ بات تھی کہ انہوں نے عقبہ میں آپ کے ساتھ اس بات پر بیعت کی تھی کہ جب آپ مکہ سے نکل کر ہمارے پاس مدینہ آجائیں گے تو آپ کی حفاظت کی ذمہ ہم پر ہوگی۔ ہم اس طرح آپ کی حفاظت کریں گے جس طرح اپنی اولاد اور عورتوں کی کرتے ہیں اور یہ اندیشہ تھا کہ کہیں انصار یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم پر تو صرف مدینہ شریف کے اندر ہی آپ کی حفاظت ضروری ہے۔ باہر کسی دوسری جگہ جا کر دشمن سے لڑنا ہماری ذمہ داری نہیں۔ جب آپ ﷺ نے انصار کی رائے دریافت کرنا چاہی تو حضرت سعد بن معاذ عرض کرنے لگے: اللہ کی قسم، یارسول اللہ، شاید آپ کی مراد ہم لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے عرض کی: ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی اور یہ گواہی دی کہ جو آپ لائے ہیں وہ حق ہے اور اس معاملہ میں ہم نے کامل اطاعت کا آپ سے پختہ عہد کیا، اللہ کی قسم! اگر آپ ہمیں لے کر سمندر میں کود جانے کیلئے کہیں تو ہم آپ کے ساتھ سمندر میں چھلانگ لگادیں گے۔ ہم دشمن سے لڑنا ناپسند نہیں کرتے، ہم جنگ میں ڈٹ جانے والے

اور قتال کے وقت بہادری کے جوہر دکھانے والے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری جانب سے ایسی سرفروشیاں دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اللہ کا نام لے کر ہمیں اپنے ساتھ رکھتے ہوئے تشریف لے چلیے۔

آپ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو پر بہت مسرور ہوئے پھر آپ ﷺ نے کوچ کرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ تمہیں خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ دو طائفوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم! گویا میں یقینی طور پر کفار کے مقتل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں (1)۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝٩ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝١٠

"یاد کرو تم جب فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے تو سن لی اس نے تمہاری فریاد (اور فرمایا) یقیناً میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں۔ اور نہیں بنایا فرشتوں کے نزول کو اللہ نے مگر ایک خوشخبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت غالب ہے حکمت والا ہے"۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے روز نبی کریم ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا تو ان کی تعداد تین سو سے کچھ زائد تھی۔ مشرکین کو دیکھا تو وہ ایک ہزار سے بھی اوپر تھے۔ آپ ایک تہبند اور ایک چادر زیب تن کئے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ قبلہ رو ہو کر یہ دعا مانگنے لگے: "اے اللہ! جو وعدہ تو نے میرے ساتھ کر رکھا ہے اسے پورا فرما" "یا اللہ! اگر یہ مٹھی بھر مسلمان ہلاک ہو گئے تو زمین پر پھر کبھی بھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی"۔ آپ ﷺ اس طرح اپنے رب سے نیازمندانہ فریاد کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کی چادر مبارک آپ کے کندھوں سے نیچے گر پڑی۔ حضرت ابوبکر آئے اور چادر اٹھا کر آپ کے شانوں پر ڈال دی۔ پھر پیچھے سے آپ کو اپنے بازوؤں میں لے کر عرض کی: اے اللہ کے نبی! رب کریم سے التجائیں کافی ہو چکیں، وہ آپ کے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا، اس وقت یہ آیت اتری: اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ...... اس دن جب دونوں لشکر باہم برسرپیکار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شرمناک ہزیمت سے دوچار کیا۔ ان کے ستر افراد قتل ہو گئے اور ستر ہی قیدی بنا لئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرات ابوبکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم سے اسیران جنگ کے متعلق مشورہ لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! یہ ہمارے ہی بھائی بند، رشتہ دار اور خاندان والے ہیں، میری تو رائے یہ ہے کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا جائے۔ ان سے جو فدیہ وصول کریں گے وہ کفار کے خلاف ہماری تقویت اور معاشی استحکام کا باعث ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت سے سرفراز فرما دے اور یہ لوگ ہمارے دست و بازو بن جائیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے ابن خطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی! میری رائے ابوبکر جیسی نہیں ہے، میری رائے تو یہ ہے کہ آپ عمر کو اس کے فلاں رشتہ دار کو قتل کرنے کا حکم دیں وہ اسے قتل کر ڈالے، علی کو اپنے بھائی عقیل کی گردن زدنی کا حکم ارشاد فرمائیں اور حمزہ کو اپنے فلاں بھائی کی گردن مارنے کا حکم دیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہم یہ ثابت

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 185-186، سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 606-607

کر سکیں کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کیلئے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔ یہ قیدی کفار کے زعماء، قائدین اور سردار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی اور ان قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا۔ اگلے دن میں صبح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ اور ابوبکر رو رہے ہیں، میں نے عرض کی کہ رونے کا سبب کیا ہے؟ تاکہ اگر مجھے رونا آئے تو میں بھی رووٴں ورنہ رونے والی صورت بنالوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہ رونا فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کی وجہ سے ہے، اللہ کی قسم! وہ درخت جو میرے سامنے ہے اس سے بھی زیادہ قریب میں نے عذاب کو دیکھا ہے جس کا سبب یہ فدیہ ہے۔ اس وقت یہ وحی نازل ہوئی: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ...... فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (الانفال: 69-67) ''نہیں مناسب نبی کے لئے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کرلے زمین میں۔ تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمہارے لئے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور دانا ہے۔ اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطاء اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں بوجہ اس کے جو تم نے لیا ہے بڑی سزا سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی ہے حلال (اور) پاکیزہ اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

چنانچہ مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ جب آئندہ سال احد کا معرکہ پیش آیا تو بدر کے دن فدیہ لینے کی سزا مسلمانوں کو ملی کہ ان میں سے ستر افراد شہید ہوگئے اور کچھ صحابہ حضور ﷺ کو چھوڑ کر میدان جنگ سے فرار ہوگئے، آپ ﷺ کے سامنے کے چار دانت مبارک ٹوٹ گئے، خود سر مبارک میں دھنس گیا اور آپ کے چہرۂ انور پر خون بہنے لگا۔ اس وقت یہ آیت اتری: اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آل عمران: 165) ''کیا جب پہنچی تمہیں کچھ مصیبت حالانکہ تم پہنچا چکے ہو (دشمن کو) اس سے دگنی تو تم کہہ اٹھے کہاں سے آپڑی یہ مصیبت؟ فرمائیے! یہ تمہاری طرف سے ہی آئی ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔ یعنی فدیہ لے کر چھوڑنے کے سبب(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ سے مراد حضور ﷺ کا دعا کرنا ہے(2)۔ ابو صالح کہتے ہیں کہ آپ ﷺ بدر کے روز بڑی عاجزانہ اور اصرار کے ساتھ دعا مانگنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! اپنی التجاؤں کو مختصر فرمائیے، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بدر کے دن مقداد بن اسود کے سرفروشانہ منظر کو دیکھا، اگر مجھے یہ نصیب ہوجاتا تو روئے زمین کے خزانوں سے مجھے زیادہ محبوب تھا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ اس وقت مشرکین پر بددعا کر رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم قوم موسیٰ کی طرح نہیں کہیں گے کہ تم اور تمہارا خدا جاکر لڑائی کرو۔ بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی، آپ کے آگے بھی اور پیچھے بھی۔ تو میں نے دیکھا کہ یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس کھل گیا اور آپ بہت مسرور ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بدر کے دن نبی کریم ﷺ فرما رہے تھے: اے اللہ! میں تجھے اپنا وعدہ یاد دلاتا ہوں ورنہ تیری عبادت کرنے والا بھی کوئی باقی نہیں رہے گا۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور عرض کی کہ حضور! بس یہی کافی ہے۔ آپ ﷺ اٹھے تو یہ فرما رہے تھے: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر: 45) ''عنقریب یہ جماعت پسپا ہوگی اور پیٹھ پھیر کر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد 1383-1385، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 61، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 30-31
2۔ تفسیر طبری، جلد 1 صفحہ 190

بھاگ جائیں گے'' (1)۔

بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ یعنی ایک ہزار فرشتے جو لگا تار منظم صفوں میں اتر رہے ہوں گے۔ ''مُرْدِفِيْنَ'' سے مراد مدد بھی ہو سکتی ہے یعنی فرشتے تمہاری مدد کر رہے ہوں گے۔ بعض اس کا مطلب لیتے ہیں: ایک دوسرے کے پیچھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جبریل امین ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے دائیں جانب تھے اور ادھر ہی حضرت ابوبکر تھے۔ اور میکائیل ایک ہزار فرشتوں کی قیادت کرتے ہوئے آپ کے بائیں جانب مقرر تھے اور ادھر ہی میں تھا (2)۔ اگر اس روایت کی سند صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ''مُرْدِفِيْنَ'' کا معنی ہوگا کہ ایک ہزار کے پیچھے اتنی مقدار میں اور بھی تھے، یہی وجہ ہے کہ بعض نے ''مُرْدَفِيْنَ'' دال کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ مشہور بات تو وہی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جبریل کے ساتھ پہلو بہ پہلو چلنے والے پانچ سو فرشتے تھے اور اتنی ہی مقدار میں میکائیل کے ساتھ تھے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان ایک مشرک کا پیچھا کر رہا تھا، اسی اثناء میں مسلمان نے اوپر سے مشرک کے سر پر کوڑا برسنے کی آواز سنی اور شہسوار کی آواز بھی سنی جو کہہ رہا تھا کہ حیزوم آگے بڑھو۔ مشرک وہاں ہی زمین پر گر کر ڈھیر ہو گیا۔ کوڑے کی ضرب سے اس کا سر پھٹ گیا اور چہرہ زخمی ہو گیا حالانکہ کسی انسان نے اس پر حملہ نہیں کیا تھا۔ اب پیچھا کرنے والے انصاری نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتائی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا ہے، یہ آسمانی مدد تھی۔ اس دن ستر کفار کیفر کردار کو پہنچے اور ستر ہی اسیر ہوئے (4)۔ حضرت معاذ بن رفاعہ بن رافع الزرقی اپنے والد صاحب سے روایت کرتے ہیں جو بدری صحابی تھے کہ جبریل امین نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ آپ اہل بدر کو کیا مقام دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں۔ تو حضرت جبریل نے کہا کہ اسی طرح وہ ملائکہ بھی افضل ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے (5)۔

صحیحین میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو حاطب بن ابی بلتعہ کے قتل کا مشورہ دیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اس نے بدر میں شرکت کی ہے اور تمہیں کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر پر متوجہ ہوا اور فرمایا جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے (6)۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى...... یعنی فرشتوں کو بھیجنا اور ان کے متعلق تمہیں آگاہ کرنا صرف تمہیں خوشخبری دینے کیلئے تھا اور اس لئے تاکہ تمہیں دلی اطمینان اور تسکین حاصل ہو جائے، ورنہ اللہ تعالیٰ دشمنوں کے خلاف تمہاری مدد پر پوری طرح قادر ہے۔ یہ مدد بھی تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی تھی اسی لئے فرمایا: وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۤ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ڕ ذٰلِكَ ړ وَلَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ (محمد: 4) ''پھر جب (میدان جنگ میں) تمہارا کفار سے آمنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو۔ یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر لو تو پھر کس کر باندھو رسیاں۔ بعد ازاں یا تو احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لو یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے یہی حکم ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا، لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے تمہیں بعض کو بعض سے۔ اور جو مار ڈالے گئے اللہ کی رہ میں پس اللہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہونے دے گا۔ وہ پہنچا دے گا انہیں بلند مدارج پر اور سنوار دے گا ان کے حالات کو۔ اور داخل

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 92-93 2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 192 3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 195

4۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد 1384-1385 5۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 103 6۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 98

کرے گا انہیں بہشت میں جس کی پہچان اس نے انہیں کرادی تھی"۔

وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران: 141-140) "اور یہ (ہار جیت کے) دن ہم پھراتے رہتے ہیں انہیں لوگوں میں اور یہ اس لئے کہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے اور بنالے تم میں سے کچھ شہید اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو اور اس لئے کہ نکھار دے اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور مٹادے کافروں کو"۔

جہاد کی یہی حکمت اور فلسفہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کے ہاتھوں کفار کو سزا دیتا ہے۔ پہلی کافر امتوں کو مختلف قسم کے آسمانی عذابوں سے دوچار کر کے ہلاک کر دیا جاتا تھا جیسے قوم نوح کو طوفان کے ذریعے ہلاک کیا گیا، قوم عاد کو سخت آندھی کے ذریعے، قوم ثمود کو سخت چیخ سے، قوم لوط کو الٹ کر پتھروں کی بارش برسا کر ہلاک کر دیا اور قوم شعیب کو پہاڑ الٹا کر ہلاک کر دیا گیا۔ فرعون اور اس کے پیروکار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے انہیں پانی میں غرق کر دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی اس میں کفار کے خلاف جہاد فرض قرار دیا گیا اور یہی حکم آپ کے بعد کی شریعتوں میں بھی برقرار رہا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ...... (القصص: 43) "اور ہم نے دی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اس کے بعد کہ ہم نے ہلاک کر دیا تھا) پہلی قوموں کو (یہ کتاب) بصیرت افروز ہے"۔

مومنین کا کفار کو قتل کرنا کفار کیلئے زبردست اہانت تھی اور مسلمانوں کیلئے دلی تسکین کا باعث تھا۔ جیسا کہ اس امت کے مومنین سے فرمایا: قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ (التوبۃ: 14) "جنگ کرو ان سے، عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا کرے گا انہیں اور مدد کرے گا تمہاری ان کے مقابلے میں اور (یوں) صحتمند کر دے گا اس جماعت کے سینوں کو جو اہل ایمان ہے"۔ اس لئے قریش کے سربرآوردہ لوگوں کا قتل ان مسلمانوں کے ہاتھوں سے جنہیں وہ حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے ان کفار کیلئے زیادہ تکلیف دہ تھا اور اہل ایمان کے سینوں کو زیادہ ٹھنڈک اور تسکین پہنچانے والا تھا۔ ابوجہل کا عین میدان کارزار میں قتل ہو جانا اس کیلئے اس موت سے زیادہ باعث اہانت تھا جو موت اسے اپنے بستر پر آتی خواہ کسی آفت کے ذریعے ہی ہوتی جس طرح ابولہب لعنۃ اللہ علیہ پھنسیوں سے دوچار ہو کر گل سڑ گیا تھا کہ کوئی اس کا عزیز رشتہ دار بھی اس کی لاش کے قریب نہیں آتا تھا۔ دور سے ہی اس کی لاش پر پانی پھینک کر اسے غسل دیا گیا اور ایک گڑھے میں پھینک کر اسے دفنا دیا۔ اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ یعنی عزت صرف اس کیلئے، اس کے رسول کے لئے اور ان پر ایمان لانے والوں کیلئے ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جیسا کہ ارشاد ہے: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المومن: 51) "بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے"۔ پھر فرمایا کہ وہ حکیم بھی ہے یعنی باوجود اس کے کہ وہ خود بھی اپنی قوت و جبروت سے کفار کو قتل کرنے پر قادر ہے پھر بھی اس نے تمہیں ان کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا اس میں اس کی خاص حکمت مضمر ہے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَ لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى

الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

''یاد کرو جب اللہ نے ڈھانپ دیا تمہیں غنودگی سے تاکہ باعث تسکین ہو اس کی طرف سے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی تاکہ پاک کردے تمہیں اس سے اور دور کردے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کردے تمہارے دلوں کو اور جمادے اس سے تمہارے قدموں کو یاد کرو جب وحی فرمائی آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو۔ میں ڈال دوں گا کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب سو تم مارو (ان کی) گردنوں کے اوپر اور چوٹ لگاؤ ان کے ہر بند پر یہ حکم اس لئے ہے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ اور جو مخالفت کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (اے حق کے دشمنو!) یہ سزا ہے پس چکھو اسے نیز (یادرکھو) کافروں کے لئے آتش (جہنم) کا عذاب بھی ہے''۔

اللہ تعالیٰ مجاہدین بدر کو اپنے احسانات یاد دلا رہا ہے جب اس نے ان پر غنودگی طاری کردی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کے باعث جس خوف میں مبتلا تھے اس سے وہ مامون ہو گئے، انہیں دلی اطمینان اور قلبی تسکین نصیب ہوگئی احد کے دن بھی اللہ تعالیٰ نے یہ احسان فرمایا تھا: ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ (آل عمران: 154) ''پھر اتاری اللہ تعالیٰ نے تم پر غم و اندوہ کے بعد راحت (یعنی) غنودگی جو چھا رہی تھی ایک گروہ پر تم میں اور ایک جماعت ایسی تھی جسے فکر پڑا ہوا تھا (صرف) اپنی جانوں کا''۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن مجھ پر بھی غنودگی طاری ہوگئی تھی، بار بار تلوار میرے ہاتھ سے گر پڑتی اور بار بار میں اسے اٹھاتا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا وہ ڈھال سر پر لگائے نیند میں جھول رہے تھے(1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے روز صرف حضرت مقداد کے پاس گھوڑا تھا۔ ہم سب رات کو خوب سوئے لیکن چشم مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات بیدار رہی۔ آپ ﷺ صبح تک درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے رہے اور رو رو کر اللہ سے دعائیں مانگتے رہے(2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لڑائی میں اونگھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن اور تسکین کا باعث ہوتی ہے جبکہ نماز میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے(3)۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اونگھ سر میں ہوتی ہے اور نیند دل میں۔ میں کہتا ہوں کہ غنودگی احد کے دن صحابہ کرام پر طاری ہوئی، یہ بہت مشہور بات ہے، اور یہ آیت کریمہ قصہ بدر کے متعلق ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بدر میں بھی غنودگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر مسلط کردی گئی۔ اللہ تعالیٰ مومنین پر مایوسی کے وقت ایسی کیفیت طاری کردیتا ہے تاکہ ان کے دلوں کو تسکین کی دولت نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ مطمئن ہو جائیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور انعام ہے جس سے وہ اہل ایمان کو نوازتا ہے اور اس آیت کے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران: 154 — 2۔ مسند ابویعلیٰ، جلد 1 صفحہ 242 — 3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 193

مصداق بھی: فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الانشراح:6-5) حدیث شریف میں آتا ہے کہ بدر کے دن رسول خدا ﷺ اپنے لئے تیار شدہ عریش (چھپر) میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصروف دعا تھے، اسی اثناء میں آپ ﷺ کو اونگھ آ گئی، پھر آپ مسکراتے ہوئے اٹھے اور فرمایا: اے ابوبکر! تمہیں خوشخبری ہو، یہ جبریل ہیں جو غبار سے اٹے ہوئے ہیں"۔ پھر آپ یہ آیت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر:45) تلاوت کرتے ہوئے عریش سے باہر تشریف لائے۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بدر کے میدان میں مشرکین نے پانی پر قبضہ کر لیا۔ نبی کریم ﷺ بدر میں اترے تو مشرکین ان مجاہدین اور پانی کے درمیان حائل ہو گئے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو بڑی دقت اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرنے لگا کہ تم اپنے آپ کو اللہ کا دوست سمجھتے ہو اور تمہارے اندر اس کا رسول بھی ہے، پھر بھی پانی پر مشرکین کا قبضہ ہے، تمہیں تو غسل کیلئے بھی پانی نہیں ملتا، نماز پڑھنا ہو تو تیمّم کرتے ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی موسلا دھار بارش نازل کر دی۔ مجاہدین پانی سے خوب سیراب ہوئے اور نہا دھو کر تازہ دم ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ان سے شیطان کے وسوسہ کو دور بھگا دیا۔ مجاہدین جہاں قیام پذیر تھے وہ ریتلی زمین تھی اس لئے بارش برسنے سے ریت جم گئی اور انہیں چلنے پھرنے میں آسانی ہو گئی، اسی طرح اس پر جانوروں کا چلنا بھی آسان ہو گیا۔ قلبی تسکین حاصل ہو جانے اور تازہ دم ہو جانے کے بعد مجاہدین اپنے دشمنوں کی طرف بڑھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور مومنین کی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی جن میں سے پانچ سو پہلو بہ پہلو حضرت جبریل کی قیادت میں تھے اور پانچ حضرت میکائیل کے ساتھ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشرکین قریش اپنے تجارتی قافلہ کی مدافعت کیلئے نکلے اور بدر کے چشمہ پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کو شدید پیاس کا سامنا کرنا پڑا۔ نمازیں بھی جنابت اور حدث کی حالت میں (تیمّم کر کے) پڑھنا پڑتیں۔ اللہ تعالیٰ نے بارش برسا کر اس مشکل کو دور کر دیا۔ اتنی موسلا دھار بارش برسی کہ وادی لبریز ہو کر بہنے لگی۔ مسلمان خوب سیراب ہوئے اور پانی جمع کر لیا، اپنی سواریوں کو بھی پلایا اور نہا دھو کر پاکیزگی بھی حاصل کر لی۔ مزید کرم نوازی یہ ہوئی کہ وہ ثابت قدم ہو گئے، کیونکہ مجاہدین جہاں قیام پذیر تھے وہاں ریت تھی، بارش کی وجہ سے ریت سخت ہو گئی جس پر قدم جمانا آسان ہو گیا۔ مشہور یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بدر کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے وہاں پہلے آنے والے چشمہ پر قیام کیا۔ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ! یہ منزل جس پر آپ نے قیام کیا ہے، کیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ یہاں ٹھہریں ہیں جس سے ہمیں تجاوز کرنے کی مجال نہیں یا آپ نے جنگی چال اور تدبیر کے طور پر اس جگہ کا انتخاب کیا؟ آپ نے فرمایا: "میں نے جنگی تدبیر کے پیش نظر اس مقام کا انتخاب کیا"۔ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! یہ مقام مناسب نہیں، ہم آگے چل کر آخری چشمہ پر قبضہ کر لیتے ہیں جو مشرکین کے قریب ہو، ہم وہاں حوض بنا کر سارا پانی جمع کر لیں گے۔ ہمارے پاس پانی ہوگا اور دشمن اس سے محروم رہے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت حباب رضی اللہ عنہ نے جب یہ رائے دی تو اس وقت آسمان سے ایک فرشتہ اترا۔ جبریل امین حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس فرشتہ نے کہا: اے محمد! آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے اور آپ کیلئے یہ ارشاد ہے کہ حباب کی رائے درست ہے۔ رسول اللہ ﷺ جبریل کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم اس کو جانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ تمام فرشتوں کو تو میں نہیں جانتا، لیکن یہ ہے فرشتہ، شیطان نہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خوب بارش برسائی جس کے باعث مجاہدین کی طرف دلدلی زمین دب کر سخت ہو گئی اور آمد و رفت میں آسانی

ہوگئی، لیکن کفار نشیب میں تھے وہاں کیچڑ ہو جانے کی وجہ سے ان کیلئے چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا (1)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ غنودگی سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بارش برسا دی جس کی وجہ سے غبار دب گیا اور زمین سخت ہوگئی، مسلمان بہت خوش ہوئے اور ان کے قدم زمین پر ثابت ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کی رات بارش برسی، ہم نے درختوں اور ڈھالوں کے نیچے بارش سے پناہ لی۔ رسول اللہ ﷺ ساری رات بیدار رہے اور مسلمانوں کو جہاد پر ابھارتے رہے۔(2)

لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ تاکہ وہ تمہیں حدث اصغر اور حدث اکبر سے اس پانی کے ذریعے پاک کر دے۔ یہ ظاہری طہارت ہے۔

وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ رجز سے مراد شیطانی وسوسہ اور برا خیال ہے۔ یہ باطنی طہارت ہے جیسا کہ اہل جنت کے بارے میں فرمایا: عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ۡ وَّ حُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ (الدہر:21) ''ان کے اوپر لباس ہوگا باریک سبز ریشم کا (بنا ہوا) اور اطلس کا اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے''۔ اس آیت میں ظاہری زینت و آرائش کا ذکر ہے۔ اور باطنی زینت وطہارت کے متعلق فرمایا: وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (الدہر:21) ''اور پلائے گا انہیں ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ شراب''۔ یعنی یہ شراب طہور سینوں کو ان کے بغض، عناد، حسد اور کینہ سے پاک کر دے گی۔

وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ یعنی بارش برسانے کی ایک حکمت یہ بھی تھی تاکہ اللہ تعالیٰ صبر اور دشمن کے خلاف پیش قدمی کے ذریعے تمہارے دلوں کو تقویت عطا فرمائے۔ یہ ظاہری شجاعت ہے اور وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ میں باطنی شجاعت کا ذکر ہے۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ...... نزول ملائکہ مجاہدین کیلئے مخفی انعام ہے تاکہ وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان فرشتوں کو جنہیں اس نے اپنے نبی اپنے دین اور اپنے مومنین کی جماعت کی نصرت وتائید کیلئے روانہ کیا تھا، وحی فرمائی کہ اہل ایمان کو ثابت قدم رکھنا اور ان کی مدد کرنا۔ بعض نے یہ معنی کیا ہے کہ ان کے ساتھ مل کر لڑنا۔ بعض کے نزدیک معنی یہ ہے کہ ان کی تعداد کو بڑھانا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک فرشتہ ایک مجاہد کے پاس آتا اور اسے کہتا کہ مشرکین کے حوصلے پست ہوگئے ہیں وہ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے ہم پر حملہ کیا تو ہم ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے۔ مسلمان ایک دوسرے کو یہ بات بتاتے جس سے ان کے قلوب کو تقویت ملتی۔

سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ...... یعنی اے فرشتو! تم مومنین کو ثابت قدم رکھو، ان کے دلوں کو مضبوط کرو، میں اپنے نافرمانوں اور اپنے رسول کو جھٹلانے والوں کے دلوں میں اپنا رعب ڈال دوں گا۔ تم ان کی گردنوں پر ضرب لگا کر انہیں کاٹ ڈالو، ان کے سروں پر وار کر کے انہیں پھوڑ ڈالو اور ان کے پور پور اور بند بند زخمی کر ڈالو۔ ''فوق الاعناق'' کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی سروں پر مارنے کا ہے اور بعض کے نزدیک گردنوں پر مارنے کے معنی میں ہے۔ اس معنی کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ (محمد:4) ''پھر جب (میدان جنگ میں) تمہارا کفار سے آمنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو۔ یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر لو تو پھر کس کر باندھو رسیاں''۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''مجھے اس لئے مبعوث نہیں کیا گیا کہ اللہ کے عذاب میں مبتلا کروں، مجھے تو گردنیں مارنے اور قید کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے''۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ گردنیں مارنا اور سر پھوڑنا مراد ہے۔ مغازی اموی میں مرقوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ بدر کے روز مقتولین کے پاس سے گذرے اور آپ یہ فرما رہے تھے کہ ان کے سر پھوڑے ہوئے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ ہی کہنے لگے کہ ایسے لوگوں کے

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 620 2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 194-195

سر ٹوٹے پھوٹے ہیں جو ہمیں بہت عزیز تھے لیکن وہ بہت نافرمان اور ظالم تھے۔ آپ ﷺ کے فرمان کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات ملی تو اس طرح شعر بن گیا:

یُفَلِّقُ هَامًا مِنْ رِجَالٍ اَعِزَّةٍ عَلَیْنَا وَهُمْ کَانُوْا اَعَقَّ وَاَظْلَمَا (1)

رسول اللہ ﷺ نے پہلے مصرعہ کے ابتدائی دو الفاظ کہے اور آپ کی خواہش تھی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ شعر کو مکمل کریں کیونکہ شعر کہنا آپ ﷺ کے شایان شان نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ (یٰسین: 69) ''اور نہیں سکھایا ہم نے اپنے نبی کو شعر اور نہ یہ ان کے شایان شان ہے''۔ حضرت ربیع بن انس کہتے ہیں کہ لوگ بدر کے دن ملائکہ کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کو پہچان لیتے تھے کیونکہ ملائکہ گردنوں کے اوپر، پوروں پر اور جوڑوں پر ضرب لگاتے تھے۔ یہ ایسے نشانات تھے گویا آگ نے انہیں جلایا ہے۔

وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ بنان بنانۃ کی جمع ہے اس کا معنی پورے بھی ہیں اور جوڑ بھی۔ اوزاعی اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اے فرشتو! ان کفار کے چہروں اور آنکھوں پر مارو اور ان پر آگ کے انگارے برساؤ۔ اور کسی کافر کو گرفتار کر لینے کے بعد ایسا کرنا جائز نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قصہ بدر میں فرماتے ہیں کہ ابوجہل نے یہ تاکید کر رکھی تھی کہ مسلمانوں کو قتل نہ کرنا بلکہ زندہ پکڑ لینا تاکہ وہ جو تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں، طعن و تشنیع کے تیر برساتے ہیں اور لات و عزی سے انحراف کئے ہوئے ہیں، تم انہیں اس کا مزہ چکھا سکو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وحی کی اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...... ابوجہل سمیت انہتر سورماؤں کو قتل کر دیا گیا۔ عقبہ بن ابی معیط کو گرفتار کر لیا گیا، بعد میں اسے بھی قتل کیا گیا جس سے مقتولین کی تعداد ستر ہو گئی اس عبرتناک سزا اور شرمناک ہزیمت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور اپنی الگ راہ اپنا لی شریعت کو پس پشت ڈال دیا اور ایمان لانے سے اجتناب کرتے رہے۔ ایسے لوگوں کی سزا کے بارے میں فرمایا: وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ یعنی وہ مخالفت کرنے والے پر غالب ہے، کوئی چیز اس سے فوت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کوئی چیز اس کے غضب کے سامنے ٹھہر سکتی ہے۔ وہ منزہ و برتر ہستی ہے جس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔ پھر فرمایا: ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ...... اس میں خطاب کفار کو ہے یعنی تم اس عبرتناک عذاب کا مزہ چکھو اور یہ بھی یاد رکھو کہ تمہارے لئے آخرت میں بھی اندوہناک عذاب تیار ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

''اے ایمان والو! جب تم مقابلہ کرو کافروں کے لشکر جرار سے تو مت پھیرنا ان کی طرف (اپنی) پیٹھیں۔ اور جو پھیرے گا ان کی طرف اس روز اپنی پیٹھ بجز اس صورت کے کہ پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لئے یا پلٹ کر آنے والا ہو اپنی جماعت کی طرف تو وہ مستحق ہوگا اللہ کے غضب کا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے''۔

میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانے والوں کو آتش جہنم کی دھمکی دی جا رہی ہے کہ اے ایمان والو! جب کفار کے لشکر جرار سے تمہارا مقابلہ ہو تو اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر پیٹھ پھیر کر راہ فرار اختیار نہ کرنا، ہاں اگر وہ جنگی چال کے پیش نظر پینترا بدل کر حملہ کرنا چاہتا ہو مثلاً

1۔ الشعر والشعراء، جلد 2 صفحہ 648

وہ اپنے مدمقابل کے سامنے سے بھاگ کھڑا ہوا اور اسے یہ محسوس کروائے کہ ڈر کر بھاگا ہے، دشمن اس کے تعاقب میں لگ جائے تو وہ پلٹ کر اس پر وار کر کے اس کا کام تمام کر دے، اس طرح کے فرار میں کوئی حرج نہیں یا وہ بھاگ کر مسلمانوں کے کسی اور دستہ میں شامل ہو جائے، اس مقصد کے پیش نظر کہ ان کی ممکنہ امداد کی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ کسی اور دستہ کے اندر ہو اور وہ بھاگ کر اپنے امیر یا قائد لشکر کے پاس آ جائے تو وہ بھی اس رخصت میں داخل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کے ایک مہم پر بھیجے ہوئے فوجی دستہ (سریہ) میں شریک تھا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ میں بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر ہم سوچنے لگے کہ اب کیا کریں۔ ہم تو میدان جنگ سے بھاگ آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے سزاوار ہو گئے ہیں؟ پھر باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ ہم مدینے چلتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اگر تو ہماری توبہ قبول ہوگئی تو بہتر ورنہ کہیں نکل جائیں گے۔ چنانچہ ہم نماز فجر سے پہلے حاضر خدمت ہو گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "تم کون ہو؟" ہم نے عرض کی کہ ہم پیٹھ پھیر کر فرار ہونے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ تم پلٹ کر آنے والے ہو، میں تمہارا اور تمام مسلمانوں کا مرکز ہوں" یہ سن کر ہم آگے بڑھے اور آپ ﷺ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا(1)۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ نے آخر میں آیت کا یہ حصہ بھی پڑھا: اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ۔ جب فارس کی سرزمین پر جنگ جسر میں حضرت ابو عبیدہ پل پر لشکر مجوس کی کثرت کے باعث شہید ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ بھاگ کر میری طرف آ جاتے تو میں ان کیلئے مرکز ثابت ہوتا۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا: اے لوگو میں تمہارا بلکہ ہر مسلمان کا مرکز ہوں۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اے لوگو! تم اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ یہ آیت صرف اہل بدر کیلئے تھی۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ہم دشمن سے جنگ کے وقت ثابت قدم نہیں رہ سکتے اور ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارا مرکز امام ہے یا لشکر تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مرکز تو رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا...... تو آپ فرمانے لگے کہ یہ آیت تو صرف بدر کے متعلق اتری ہے نہ اس سے قبل کیلئے اور نہ بعد کیلئے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ مُتَحَيِّزًا سے مراد نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کی پناہ لینے والا ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی جو اپنے قائد یا ساتھیوں کی طرف بھاگ کر آ جائے۔ لیکن اگر فرار ان اسباب میں سے کسی سبب کے علاوہ ہو تو وہ حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سات ہلاکت خیز چیزوں سے اجتناب کرو"۔ عرض کی گئی: یارسول اللہ! وہ کونسی چیزیں ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جہاد سے پیٹھ پھیر کر فرار ہو جانا اور سیدھی سادی پاکدامن مومن عورتوں پر تہمت لگانا" (2)۔ اس لئے قرآن کریم میں اس کی سزا بھی سخت بیان ہوئی ہے فرمایا: فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔ حضرت بشیر بن معبد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بیعت کی غرض سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ پر یہ شرط عائد کی کہ میں اس بات کی گواہی دوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کروں، زکوٰۃ ادا کروں، حج کروں، ماہ رمضان کے روزے رکھوں اور اس کی راہ میں جہاد کروں۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! دو چیزوں کو بجالانے کی مجھ میں طاقت نہیں ایک تو جہاد ہے جس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر کوئی پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلا تو وہ غضب

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الجہاد، جلد 7 صفحہ 212-213، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 46 وغیرہ

2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ نساء: 31

الٰہی کا مستحق ہوگا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ موت کے خوف سے کہیں یہ گناہ مجھ سے بھی نہ ہو جائے۔ دوسری چیز صدقہ ہے، اللہ کی قسم! غنیمت کے سوا میرے پاس کوئی مال نہیں اور دس اونٹنیاں ہیں جن سے دودھ حاصل کرتا ہوں اور یہ سواری کے کام بھی آتی ہیں۔ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''جہاد بھی نہ کرو اور صدقہ بھی نہ دو تو پھر جنت کیسے حاصل کرو گے؟'' میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں ہر شرط پر بیعت کرتا ہوں (1)۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تین چیزیں ایسی ہیں جن کے ساتھ کوئی عمل نفع نہیں دیتا: شرک، والدین کی نافرمانی اور جہاد سے فرار'' (2)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے یہ پڑھا: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ میدان جنگ سے بھاگا ہو'' (3)۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔ حضرت زید (خادم رسول ﷺ) نے اس کے سوا اور کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

بعض حضرات کا یہ موقف ہے کہ جہاد سے فرار صرف صحابہ پر حرام تھا کیونکہ ان پر جہاد فرض عین تھا۔ بعض نے اس حکم کو انصار کے ساتھ خاص کیا ہے کیونکہ انہوں نے راحت و آرام اور تنگی و سختی ہر حالت میں کامل اطاعت کی بیعت کی تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ اس آیت سے مراد صرف اہل بدر ہیں۔ اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ شان و شوکت رکھنے والی کوئی جماعت نہیں تھی، صرف مٹھی بھر مجاہدین تھے جن کے بارے میں حضور ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی تھی: ''یا اللہ! اگر تو اس مٹھی بھر گروہ کو ہلاک کردے گا تو پھر تیری بھی عبادت نہیں کی جائے گی''۔ اس لئے حضرت حسن بصری آیت کریمہ وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ میں ''یَوْمَىِٕذٍ'' سے مراد یوم بدر لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ آج اگر کوئی اپنے مرکز یا شہر کی طرف بھاگ کر پناہ لے لے تو کوئی حرج نہیں۔ یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ یوم بدر میں جانے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے آتش جہنم قرار دی ہے۔ اس کے بعد جنگ احد ہوئی اس کے بارے میں فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ...... وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ (آل عمران: 155) ''بے شک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تھے تم سے اس روز جب مقابلہ میں نکلے تھے دونوں لشکر تو پھسلا دیا انہیں شیطان نے بوجہ ان کے کسی عمل کے اور بے شک (اب) معاف فرما دیا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں''۔ پھر سات سال بعد غزوۂ حنین میں بھی یہ صورت حال درپیش ہوئی جس کے بارے میں فرمایا: ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ﴿۲۵﴾ ...... ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ (التوبہ: 27-25) ''پھر تم پیٹھ پھیرتے ہوئے مڑے ...... پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس پر چاہے گا رحمت سے توجہ فرمائے گا''۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اہل بدر کے متعلق نازل ہوئی (4)۔ اگرچہ یہ آیت اہل بدر کے متعلق اتری ہے لیکن یہ دوسروں کے میدان جنگ سے فرار ہونے کی حرمت کی منافی نہیں ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اسے ہلاک کرنے والی چیزوں میں شمار کیا گیا ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَیْدِ

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 224 2۔ معجم کبیر، جلد 2 صفحہ 95 3۔ معجم کبیر، جلد 5 صفحہ 89، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 85 وغیرہ

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 46، مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 327 وغیرہ

الْكٰفِرِيْنَ ⑱

''پس تم نے نہیں قتل کیا انہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا انہیں اور (اے محبوب!) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مشت خاک) جب آپ نے پھینکی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔ تاکہ احسان فرمائے مومنوں پر اپنی جناب سے بہترین احسان، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ تو ہوا اور بلاشبہ اللہ کمزور کرنے والا ہے کفار کے مکروفریب کو''۔

اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے اور بندوں سے جو بھی عمل صالح سرزد ہوتا ہے وہ محض اس کی توفیق سے ہوتا ہے اس لئے حمد وثنا اور شکر کے لائق صرف وہی ہستی ہے جو امور خیر میں بندوں کی مدد کرتی ہے۔ اس لئے فرمایا: فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ یعنی تم نے اپنی قوت وطاقت کے بل بوتے پر اپنے دشمنوں کو قتل نہیں کیا کیونکہ تمہارے دشمن کی تعداد زیادہ تھی اور تم قلیل مقدار میں تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر فتح وظفر سے نوازا ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ (آل عمران: 123) ''اور بے شک مدد کی تھی تمہاری اللہ تعالیٰ نے (میدان) بدر میں حالانکہ تم بالکل کمزور تھے۔ پس ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے تاکہ تم (اس بروقت امداد کا شکر ادا کر سکو'' اور اسی طرح فرمایا: لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ ﴿۲۵﴾ (التوبہ: 25) ''بے شک مدد فرمائی تمہاری اللہ تعالیٰ نے بہت سے جنگی میدانوں میں۔ اور حنین کے روز بھی جب کہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے پس نہ فائدہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے۔ پھر تم مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے''۔ اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ کامیابی کثرت تعداد اور زیادتی اسلحہ پر موقوف نہیں بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جیسا کہ فرمایا: كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرۃ: 249) ''کہ بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اذن سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے''۔

اب اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے مٹھی بھر مٹی پھینکنے (کے معجزہ) کا ذکر فرما رہا ہے کہ جب آپ ﷺ عاجزانہ دعا اور نیازمندانہ فریاد کے بعد عریش سے باہر تشریف لائے تو آپ نے مٹھی بھر خاک لے کر کفار کے چہروں پر پھینکی اور فرمایا کہ تمہارے چہرے بگڑ جائیں۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کو بھرپور حملہ کا حکم دے دیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ مٹی کفار کے چہروں تک پہنچ گئی اور ہر ایک کی آنکھ میں کچھ مٹی پڑی جس کی بناء پر اس کی توجہ جنگ سے ہٹ گئی۔ اس لئے فرمایا: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى یعنی اللہ تعالیٰ نے وہ مٹی ان کی آنکھوں میں جھونک کر انہیں سرنگوں کیا تھا، آپ نے نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بدر کے دن اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی: ''اے اللہ! اگر یہ مٹھی بھر ہلاک ہو گئے تو پھر کبھی بھی زمین پر تیری عبادت نہ ہو گی۔'' تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا کہ مٹھی بھر مٹی لے کر کفار کے چہروں پر پھینک دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک مٹھی مٹی کی بھری اور کفار کی طرف پھینک دی۔ کوئی بھی کافر ایسا نہ تھا جس کی آنکھ، کان اور منہ میں مٹی نہ پڑی ہو۔ چنانچہ وہ دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ سدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے روز حضرت علی سے فرمایا کہ ''مجھے زمین سے کچھ کنکریاں اٹھا کر دو''۔ انہوں نے گرد آلود کنکریاں آپ ﷺ کو دیں۔ آپ ﷺ نے کفار کے چہروں پر انہیں پھینکا تو ہر مشرک کی آنکھوں میں اس میں سے کچھ مٹی داخل ہو گئی وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمان ان کا پیچھا کر کے انہیں قتل اور اسیر کرنے لگے اس وقت یہ آیت اتری۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ

بدر کے روز نبی کریم علیہ السلام نے تین مٹھی کنکریاں پکڑیں۔ ایک کفار کے میمنہ پر، ایک میسرہ پر اور تیسری سامنے پھینکی اور فرمایا کہ چہرے بگڑ جائیں۔ چنانچہ کفار کو ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا۔ متعدد ائمہ کے نزدیک مٹی یا کنکریاں پھینکنے کا واقعہ بدر کے دن کا ہے اگرچہ غزوۂ حنین کے دن بھی حضور علیہ السلام نے ایسا کیا تھا۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے روز ہم نے آسمان سے ایک آواز سنی، جس طرح تھال میں کنکریاں گرنے کی آواز ہوتی ہے۔ یہ رسول اللہ علیہ السلام کے مٹھی بھر مٹی پھینکنے کی آواز تھی۔ چنانچہ ہم فتح یاب ہوئے(1)۔ یہ قول غریب ہے۔ علاوہ ازیں دو اور غریب قول ہیں۔ ایک قول عبدالرحمٰن بن جبیر سے منقول ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے غزوۂ خیبر کے موقعہ پر ایک کمان منگوائی۔ آپ کی خدمت میں ایک لمبی کمان پیش کی گئی۔ آپ نے حکم دیا کہ کوئی اور لاؤ۔ چنانچہ ایک اور کمان پیش کی گئی۔ آپ نے قلعہ کی طرف تیر پھینکا جو گھومتا ہوا سردار قبیلہ ابن ابی الحقیق کو جالگا اور اسے قتل کر دیا جبکہ وہ اپنے بستر پر موجود تھا۔ تو اس پر یہ آیت اتری: وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ۔ یہ روایت بہت غریب ہے اگرچہ ابن جبیر تک اس کی سند عمدہ ہے۔ شاید انہیں کوئی شبہ پڑ گیا ہو یا یہ سمجھ لیا ہو کہ آیت کا حکم عام ہے۔ بدر کے علاوہ اور اس قسم کے واقعات کو بھی شامل ہے ورنہ سیاق تو ایک بات کا مقتضی ہے کہ یہ آیت قصہ بدر کے ساتھ خاص ہے۔

دوسری غریب روایت مستدرک حاکم میں صحیح سند کے ساتھ حضرات سعید بن مسیب اور امام زہری سے مروی ہے کہ یہ آیت غزوۂ احد کے دن نازل ہوئی جب نبی کریم علیہ السلام نے ابی بن خلف کو ایک نیزہ مارا تھا اس نے آہنی زرہ پہنی ہوئی تھی لیکن آپ علیہ السلام کا لگایا ہوا نیزہ اس کی ہنسلی کی ہڈی کو چھیدتا ہوا آگے نکل گیا اور وہ گھوڑے پر لڑکھڑانے لگا۔ اس کے کئی دن بعد اسی تکلیف میں وہ مر گیا اس کے ساتھ ہی برزخ کا عذاب شروع ہو گیا۔ یہ ختم بھی نہ ہونے پائے گا کہ آخرت کے دائمی عذاب سے دوچار ہو جائے گا(2)۔ یہ روایت بھی غریب ہے، شاید ان کے نزدیک بھی آیت عام ہو، کسی مخصوص واقعہ کے ساتھ خاص نہ سمجھتے ہوں۔

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا تاکہ مومنین اللہ تعالیٰ کے احسان عظیم کو پہچان لیں کہ اس نے باوجود قلت تعداد کے دشمن کی کثیر تعداد پر انہیں غلبہ عطا فرمایا اور اس کا شکر ادا کریں(3)۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے ہر اچھی آزمائش سے ہمیں آزمایا ہے''۔

إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ یعنی اللہ تعالیٰ دعاؤں اور التجاؤں کو سننے والا ہے اور یہ جاننے والا ہے کہ کون فتح اور غلبہ کا مستحق ہے۔

ذَٰلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ فتح و نصرت کے حصول کے بعد یہ ایک اور بشارت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو آگاہ فرمادیا کہ وہ مستقبل میں بھی کفار کی چالوں کو ناکام بنا دے گا اور انہیں ذلیل و خوار کر کے تباہ و برباد کر دے گا۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾

''(اے کفار!) اگر تم فیصلہ کے طلب گار تھے تو (لو) آگیا تمہارے پاس فیصلہ، اور اگر تم (اب بھی) باز آجاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر تم پھر شرارت کرو گے تو ہم پھر سزا دیں گے اور نہ فائدہ پہنچائے گی تمہیں تمہاری جماعت کچھ بھی چاہے اس کی تعداد بہت زیادہ ہو اور یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 204-205 2۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 327

3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 668 تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 206

اللہ تعالیٰ کفار سے فرما رہا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت اور اپنے اور اپنے دشمن مومنین کے درمیان فیصلہ طلب کر رہے تھے تو تمہاری مانگی ہوئی چیز تمہیں مل گئی۔ ابو جہل نے بدر کے روز دعا کی تھی: اے اللہ! ہم دونوں فریقوں میں سے جو زیادہ قطع تعلق کرنے والا ہے اور زیادہ غیر معروف باتیں پیش کرنے والا ہے، اسے آج ذلیل کر دینا، تو یہ ابو جہل کی طرف سے فتح کی دعا تھی اس پر یہ آیت اتری: اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ...... (1)۔ سدی کہتے ہیں کہ مشرکین نے مکہ سے بدر کی طرف نکلتے وقت غلاف کعبہ کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کی تھی اور کہا تھا: اے اللہ! دونوں میں سے جو اعلیٰ لشکر ہے۔ دونوں میں سے جو معزز گروہ ہے اور دونوں میں سے جو بہتر قبیلہ ہے اس کی مدد فرما، تو اس پر یہ آیت اتری اور اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ تمہاری دعا پوری ہوئی اور ہم نے حق کے علمبرداروں کو فتح سے ہمکنار کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس سے مراد ان کا یہ کہنا ہے: وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (الانفال:32) ''اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب''۔

وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی اگر اب بھی تم کفر اور تکذیب سے باز آ جاؤ تو یہ دنیا و آخرت میں تمہارے لئے بہتر ہے۔

وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ (بنی اسرائیل:8) ''اور اگر تم (فسق و فجور کی طرف) لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے''، یعنی اگر تم پھر کفر اور گمراہی کی طرف لوٹو گے تو ہم پھر تمہیں ایسے ہی عبرتناک عقاب سے دوچار کریں گے۔ سدی اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر تم دوبارہ مدد طلب کرو گے تو ہم پھر اپنے حبیب ﷺ کو فتح و نصرت سے سرفراز کریں گے لیکن پہلا قول زیادہ قوی ہے۔

وَ لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ...... جس قدر بھی تم لشکر جمع کر لو، لیکن امید نہیں کہ اس قدر تم جمع کر سکو گے، یہ تمہیں کچھ فائدہ نہیں دیں گے، کیونکہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات ہو اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا اور یقیناً اللہ تعالیٰ مومنین کے ساتھ ہے اور یہی نبوی جماعت اور مصطفوی لشکر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢١﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نہ روگردانی کرو اس سے حالانکہ تم سن رہے ہو۔ اور نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ بے شک سب جانوروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے (انسان) ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے اور اگر جانتا اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی تو انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر سنا دیتا انہیں (قبولِ حق کی استعداد کے بغیر) تو وہ پیٹھ پھیر دیتے روگردانی کرتے ہوئے''۔

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 421، مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 328

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دے رہا ہے اور انہیں اپنے رسول کی مخالفت کرنے اور سرکش کافروں کی سی روش اختیار کرنے سے منع کر رہا ہے اسی لئے فرمایا: وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ یعنی اس کی اطاعت، اس کے اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے اجتناب کو ترک نہ کرو۔ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ، حالانکہ تمہیں اچھی طرح علم ہے جس چیز کی طرف آپ ﷺ تمہیں بلا رہے ہیں۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ جن کی مشابہت اختیار کرنے سے روکا جا رہا ہے بعض کے نزدیک وہ مشرکین ہیں (1)۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد منافقین ہیں کیونکہ یہی اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم نے سن کر اطاعت کی حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی اس بداخلاق اور بدطینت قسم کے متعلق فرمایا:

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ..... یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین ڈنگر وہ ہیں جو سماع حق سے بہرے ہیں اور فہم حق سے گونگے ہیں، اسی لئے ان کے متعلق فرمایا: الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ یہ سب سے زیادہ بری مخلوق ہے کیونکہ جس مقصد کیلئے اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو پیدا کیا ہے اور ان کی فطرت میں جو کچھ رکھ دیا ہے وہ اسی کے مطابق چل رہے ہیں، گویا وہ اس میں اللہ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں لیکن یہ ایسے بدفطرت ہیں کہ انہیں پیدا تو عبادت الٰہی کیلئے کیا گیا ہے لیکن یہ کفر و شرک پر بضد ہیں، اسی لئے ڈنگروں کے مشابہ قرار دیتے ہوئے ان کے بارے میں فرمایا: وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً (البقرۃ:171) ''اور مثال ان کی جنہوں نے کفر (اختیار) کیا ایسی ہے جیسے کوئی چلا رہا ہو ایسے (جانوروں) کے پیچھے جو نہیں سنتے سوائے خالی پکار اور آواز کے''۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (الاعراف:179) ''وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہی لوگ تو غافل (وبے خبر) ہیں''۔

بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد بنو عبدالدار سے تعلق رکھنے والے قریشی ہیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اس سے مراد منافقین ہیں۔ بہرصورت یہاں مشرکین اور منافقین میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں فہم صحیح کی صلاحیت مفقود ہے۔ عقل سلیم نام کی کوئی چیز ان میں نہیں اور یہ دونوں عمل صالح سے بھی عاری ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ آگاہ فرما رہا ہے کہ اگر بالفرض ان میں عقل و شعور ہوتا اور بھلائی کی توقع ان سے ہوتی تو ضرور اللہ تعالیٰ انہیں سنا دیتا اور سمجھا بھی دیتا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: لیکن ان میں خیر سرے سے مفقود ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں سمجھایا ہی نہیں کیونکہ اسے بخوبی علم ہے کہ اگر اس نے انہیں سنا بھی دیا تو بھی یہ روگردانی کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

''اے ایمان والو! لبیک کہو اللہ اور (اس کے) رسول کی پکار پر جب وہ رسول بلائے تمہیں اس امر کی طرف جو زندہ کرتا ہے تمہیں اور خوب جان لو کہ اللہ (کا حکم) حائل ہو جاتا ہے انسان اور اس کے دل (کے ارادوں) کے درمیان بیشک اسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے''۔

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے حکم پر لبیک کہو جب اللہ کا رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جس میں تمہاری ہی اصلاح اور مصلحت کارفرما ہو۔ ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، نبی کریم ﷺ میرے پاس سے گذرے تو آپ

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 210

نے مجھے آواز دی۔ میں نماز ختم کرنے کے بعد حاضر خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا کہ فی الفور میرے پاس آنے سے تمہیں کونسی چیز مانع تھی؟ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں یہاں سے نکلنے سے پہلے قرآنِ کریم کی عظیم ترین سورت سکھاؤں گا۔ آپ ﷺ جب تشریف لے جانے لگے تو میں نے آپ کو یاد دلایا۔ اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ صحابی رسول حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آپ ﷺ نے وہ سورت سورۂ فاتحہ بتائی اور فرمایا کہ یہی السبع المثانی ہے یعنی سات آیتیں جنہیں نماز میں بار بار دہرایا جاتا ہے(1)۔ اس حدیث کے متعلق بحث سورۂ فاتحہ کے اوائل میں گزر چکی ہے۔

لِمَا يُحْيِيْكُمْ مجاہد کے نزدیک اس کا معنی ہے لِلْحَقِّ (حق کی طرف)۔ قتادہ اس سے مراد قرآن لیتے ہیں جس میں نجات، بقاء اور حیات ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ اس سے مقصود اسلام ہے یعنی کفر کے ساتھ موت کے بعد اسلام میں ان کیلئے احیاء ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر کے نزدیک اس سے مراد جنگ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ذلت کے بعد عزت بخشی، کمزوری کے بعد قوت سے نوازا اور مغلوب ہوجانے کے بعد غلبہ عطا فرمایا۔

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ حضرت ابن عباس اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مومن اور کفر کے درمیان اور کافر اور ایمان کے درمیان حائل ہوجاتا ہے(2)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوجاتا ہے یہاں تک کہ وہ کافر کو عقل وفہم کی صلاحیت سے محروم کردیتا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس طرح حائل ہوتا ہے کہ بندہ اس کے اذن کے بغیر نہ ایمان لاسکتا ہے اور نہ کفر کرسکتا ہے۔ قتادہ اس فرمان کو اس ارشاد کے مشابہ قرار دیتے ہیں: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق:16) ''اور ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں''۔

اس آیت کے ساتھ مناسبت رکھنے والی بہت سی احادیث ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: يَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ ''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ''۔ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم آپ پر اور آپ کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان لاچکے ہیں، کیا آپ کو ہم پر کوئی اندیشہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جنہیں وہ بدلتا رہتا ہے''(3)۔ حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''ہر دل رحمٰن رب العالمین کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ جب وہ اسے سیدھا رکھنا چاہے تو اسے سیدھا رکھتا ہے اور جب اسے ٹیڑھا کرنا چاہے تو ٹیڑھا کردیتا ہے۔'' اور آپ یہ فرمایا کرتے تھے: يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ ''اور فرمایا کہ میزان رحمٰن کے ہاتھ میں ہے جو اسے پست اور بلند کرتا ہے''(4)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ کیا کرتے تھے، میں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے جب چاہے اسے ٹیڑھا کردے اور جب چاہے اسے سیدھا کردے''(5)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت ہے کہ آپ ﷺ یہ دعا اکثر کیا کرتے تھے۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا دل بدل جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے جس بشر کو بھی پیدا

1۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ انفال، جلد 6 صفحہ 77
2۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۂ انفال، جلد 2 صفحہ 328
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 112، عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8 صفحہ 307-308
4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 182، سنن ابن ماجہ، المقدمۃ: 72
5۔ مسند احمد، جلد 9 صفحہ 91

کیا ہے اس کا دل اس کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس کو سیدھا رکھے اور اگر چاہے تو اسے ٹیڑھا کر دے اس لئے ہم اپنے پروردگار سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہدایت سے نوازنے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرے اور ہم اس سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنی جناب سے ہمیں اپنی رحمت سے سرفراز کرے، وہی بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے"۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا آپ مجھے ایسی دعا نہیں سکھائیں گے جو میں اپنے لئے مانگتی رہوں؟ فرمایا: تم یہ دعا مانگا کرو: اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ اغْفِرْلِي ذَنْبِي وَأَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِي وَأَجِرْنِي مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا أَحْيَيْتَنِي (1)۔ "اے اللہ! اے نبی محمد ﷺ کے رب! میرے گناہ بخش دے، میرے دل کے غصہ کو کافور کر دے اور جب تک تو مجھے زندہ رکھے مجھے گمراہ کن فتنوں سے اپنی پناہ عطا فرما"۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی مانند ہیں جیسے چاہے انہیں پھیر دے، پھر آپ نے یہ دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفُ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا إِلٰى طَاعَتِكَ (2)۔ "اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے"۔

وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

"اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے (جو اگر برپا ہو گیا تو) نہ پہنچے گا صرف انہیں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو فتنہ اور آزمائش سے خبردار کر رہا ہے جو گنہگاروں اور نیکوکاروں سب کو شامل ہے، وہ صرف گنہگاروں اور عصیاں شعاروں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جب یہ آزمائش آتی ہے تو سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: اے ابوعبداللہ! اب تمہارے آنے کا کیا مقصد؟ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے، تم نے انہیں کھو دیا، پہلے ان کی حفاظت نہیں کی اور اب ان کے خون کا بدلہ لینے چلے آئے ہو؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ اور حضرات ابوبکر، عمر اور عثمان کے عہد میں قرآن کریم کے اندر پڑھا کرتے تھے: وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً لیکن ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہم خود ایسے فتنہ سے دوچار ہو جائیں گے (3)۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرات علی، عمار، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے متعلق اتری (4)۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عرصہ دراز سے ہم اس آیت کو پڑھ رہے تھے، لیکن ہم یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ہم اس آیت کا مصداق بن جائیں گے۔ اب ہم اس کے مصداق بن گئے ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت خاص اہل بدر کے بارے میں اتری ہے، جنگ جمل کے موقعہ پر وہی اس کا مصداق ٹھہرے اور آپس میں برسر پیکار ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص ہے۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اندر برائی کو جڑ نہ پکڑنے دیں ورنہ اللہ تعالیٰ سب کو عذاب سے دوچار کر دے گا۔ یہ تفسیر بہت خوب اور عمدہ ہے۔ اس لئے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حکم تمہارے لئے بھی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر شخص کو فتنہ اور

1۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 302-301
2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 168، صحیح مسلم، کتاب القدر: 2045
3۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 165، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الفتن، جلد 4، صفحہ 91
4۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 218

آزمائش کا سامنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن: 15) ''بلاشبہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں'' تم میں سے جو پناہ مانگے چاہئے کہ وہ گمراہ کن آزمائشوں اور فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگے۔

آیت کریمہ میں خطاب اگرچہ صحابہ کرام کو ہے لیکن اس میں بیان کی گئی تحذیر اور تنبیہ صحابہ اور غیر صحابہ سب کو شامل ہے۔ ایسی بہت سی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں جو فتنوں سے تحذیر کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ ایک مستقل کتاب میں ان شاء اللہ اس کی وضاحت ہوگی جس طرح ائمہ کرام نے مستقل تصنیفات میں یہ فریضہ انجام دیا ہے۔ خصوصی طور پر جس چیز کا تذکرہ یہاں ہونے والا ہے وہ مسند احمد کی روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ خواص کے عمل (بد) کے سبب سے عوام الناس کو عذاب نہیں دیتا، لیکن جب وہ اپنے درمیان برائی کو پھیلتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اسے روکنے پر قادر ہونے کے باوجود نہیں روکتے تو پھر اللہ تعالیٰ خواص و عوام سب کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے'' (1)۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عقاب بھیجے گا، پھر تم اس سے دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہیں فرمائے گا'' (2)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر کسی قوم کو مسلط کر دے گا پھر تم اللہ سے (کشائش کی) دعا مانگو گے لیکن وہ قبول نہیں کرے گا (3)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد زریں میں اگر کوئی شخص اس قسم کی کوئی (نازیبا) بات اپنے منہ سے نکال بیٹھتا تو اسے منافق سمجھا جاتا، لیکن میں تم میں سے ایک آدمی کی زبان سے ایسے چار منافقانہ کلمات سن رہا ہوں۔ تمہیں چاہئے کہ نیکی کا حکم دو، برائی سے منع کرو اور خیر پر انگیختہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تم سب کو پیس کر رکھ دے گا یا تم پر شریر اور بدکردار حکمران مسلط کر دیئے جائیں گے، پھر اچھے لوگ دعا کریں گے تو ان کی دعا بھی مقبول نہ ہوگی (4)۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے، انہوں نے اپنی دونوں انگلیوں سے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ حدود اللہ پر قائم رہنے والے، ان کو توڑنے والے اور ان میں تساہل اور غفلت برتنے والے ان سب کی مثال ایسے لوگوں کی ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ کچھ نچلے حصہ میں بیٹھ گئے اور کچھ کشتی کے اوپر والے حصے میں۔ نیچے والوں کو پانی کی ضرورت پڑی، وہ اوپر والوں کے پاس سے گذرے اور ان کی تکلیف کا باعث بنے۔ اس لئے انہوں نے یہ طے کیا کہ ہم کشتی کے اپنے نچلے حصہ میں سوراخ کر کے پانی حاصل کرلیں اس طرح ہم اوپر والوں کی ایذاء کا باعث نہیں بنیں گے۔ اگر تو اوپر والوں نے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کا ہاتھ پکڑ لیا تو سب نجات پا جائیں گے'' (5)۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب میری امت میں گناہ عام ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب سے دوچار کر دے گا''۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ان میں نیکوکار لوگ نہیں ہوں گے؟ فرمایا: ''ضرور ہوں گے''۔ عرض کی: ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ فرمایا: جس عذاب میں لوگ مبتلا ہوں گے اسی عذاب کا انہیں بھی سامنا ہوگا لیکن پھر بعد از موت انہیں اللہ کی مغفرت اور خوشنودی نصیب ہوگی'' (6)۔

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 192 — 2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 389-388 — 3۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 391

4۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 390 — 5۔ صحیح بخاری، کتاب الشرکۃ، جلد 3، صفحہ 182، عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، جلد 9، صفحہ 19 وغیرہ

6۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 361

ایک اور حدیث میں ہے: ''جس قوم میں گناہوں کا ارتکاب ہونے لگے اور وہ گنہگاروں سے قوی اور کثیر تعداد میں ہوں، پھر بھی انہیں منع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ سب کو اپنے عقاب میں گرفتار کر دیتا ہے'' (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب زمین میں برائی پھیل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا عذاب اتار دیتا ہے۔ عرض کی کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بھی تو ہوتے ہیں؟ فرمایا: پھر انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نوازا جاتا ہے'' (2)۔

وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَیَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

''اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے کمزور اور بے بس سمجھے جاتے تھے ملک میں (ہر وقت) ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں اچک نہ لے جائیں تمہیں لوگ، پھر اللہ نے پناہ دی تمہیں اور طاقت بخشی تمہیں اپنی نصرت سے اور عطا کیں تمہیں پاکیزہ چیزیں تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر اپنے انعام اور احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ وہ تعداد میں کم تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑھا دیا۔ وہ کمزور، بے بس اور خوفزدہ تھے۔ اس نے انہیں تقویت اور فتح و نصرت سے نوازا۔ وہ تنگدست اور مفلوک الحال تھے، اس نے انہیں پاکیزہ رزق عطا فرما دیا اور ان نعمتوں پر ادائے شکر کا پابند بنا دیا، چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور اسکے تمام اوامر کی تعمیل کی۔ مکی دور میں مسلمانوں کی یہ حالت تھی، وہ تعداد میں کم تھے۔ کمزور اور بے بس تھے، ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے اور ان کی قلت اور بے کسی کے باعث ساری دنیا کے کافر، مشرک، مجوسی اور رومی ان کے دشمن تھے اور ان کا نام و نشان تک مٹا دینے پر تلے ہوئے تھے، انہیں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں اعدائے دین انہیں اچک نہ لے جائیں۔ ہجرت مدینہ تک مسلمان اس نازک اور تکلیف دہ صورت حال سے دو چار رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی اجازت مرحمت فرما کر انہیں پناہ گاہ عطا کر دی۔ ان قدسی صفات نفوس نے مدینہ شریف میں پناہ لی، اہل مدینہ نے بڑے تپاک سے ان کا استقبال کیا بدر اور دیگر مواقع پر ان کی بھرپور مدد کی، اپنے اموال ان کی خدمت میں پیش کر دیئے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں مذکور لوگ عربوں میں سب سے زیادہ گھٹیا، خستہ حال، تنگدست، بھوکے ننگے اور بے راہ تھے۔ ان میں سے جو زندہ رہتا وہ شقاوت اور بدنصیبی کی زندگی بسر کرتا اور جو ان میں سے مرتا آتش جہنم میں جا گرتا۔ انہیں کھایا جا رہا تھا لیکن انہیں کھانے کو کوئی چیز دستیاب نہ تھی۔ اللہ کی قسم! ہمیں نہیں معلوم کہ روئے زمین پر ان سے بڑھ کر بھی کوئی ذلیل اور گھٹیا ہوگا۔ جب اسلام آیا تو انہیں اسلام کی نعمت میسر آ گئی۔ اسلام کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین پر اقتدار عطا فرمایا، فراخ رزق عطا فرمایا اور انہیں بادشاہ اور حاکم بنا دیا۔ جو تم شان و شوکت دیکھ رہے ہو یہ سب اسلام کے ذریعے ہی حاصل ہوئی ہے اس لئے اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرو، کیونکہ تمہارا پروردگار منعم حقیقی ہے وہ شکر کو محبوب رکھتا ہے اور شکر گذار بندوں کو مزید نعمتوں سے نوازتا ہے (3)۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4، صفحہ 123-122 وغیرہ 2۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 41 3۔ تفسیر طبری، جلد 9، صفحہ 220

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۸

''اے ایمان والو! نہ خیانت کرو اللہ اور رسول سے اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں میں اس حال میں کہ تم جانتے ہو اور خوب جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد (سب) آزمائش ہے اور بے شک اللہ اسی کے پاس اجر عظیم ہے''۔

یہ آیت حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنو قریظہ کے یہود کی طرف بھیجا تا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہوئے قلعہ خالی کر دیں۔ یہودیوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا انہوں نے اپنے ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ تمہیں ذبح کر دیا جائے گا۔ فوراً حضرت ابولبابہ کو (افشائے راز کی اس غلطی کا) احساس ہوا اور وہ بھانپ گئے کہ انہوں نے تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ قسم اٹھالی کہ وہ کھانا نہیں کھائیں گے خواہ اسی حالت میں مرجائیں یا پھر اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمالے۔ وہ مسجد میں آئے اور اپنے آپ کو ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا نو دن اسی حالت میں گزر گئے۔ بھوک پیاس کی شدت کے باعث غش کھا کر گر جاتے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ لوگ توبہ کی قبولیت پر بشارتیں دیتے ہوئے ان کے پاس آئے اور انہیں ستون سے کھولنا چاہا، لیکن انہوں نے کہا کہ مجھے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنے ہاتھ سے کھولیں گے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خود اپنے ہاتھ سے کھولا۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے اپنا سارا مال صدقہ کرنے کی نذر مانی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک تہائی صدقہ کافی ہے'' (1)۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری کیونکہ اس طرح کا فتنہ و فساد برپا کرنا اللہ و رسول کے ساتھ خیانت ہے (2)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابوسفیان مکہ سے نکلا۔ تو جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دے دی کہ ابوسفیان فلاں مقام پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خبر دے دی کہ ''ابوسفیان فلاں جگہ پر ہے۔ اسے پکڑنے کیلئے نکلو لیکن یہ بات صیغۂ راز میں رہے''۔ ایک منافق نے ابوسفیان کو لکھ بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں پکڑنا چاہتے ہیں اس لئے محتاط ہو جاؤ، تو اس وقت یہ آیت لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ (3) اتری۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے، اس کی سند اور سیاق بھی غور طلب ہے۔ صحیحین میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا قصہ ہے کہ انہوں نے فتح مکہ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قصد سے قریش کو آگاہ کرنے کیلئے ایک خط لکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط کے متعلق آگاہ فرما دیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیچھے آدمی بھیج دیا۔ خط پکڑا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب کو بلایا تو انہوں نے اپنی غلطی کا اقرار کر لیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! کیا میں اس کی گردن نہ اڑا دوں، اس نے اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کے ساتھ خیانت کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو، اس نے بدر میں شرکت کی ہے، تمہیں کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا کہ تم جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے'' (4)۔

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 236-237، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 482، 453، 502

2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 222

3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 221

4۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 98، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ: 1941-1942

صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے اگر چہ یہ بات صحیح ہے کہ اس آیت کا شانِ نزول خاص ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک عموم لفظ کا اعتبار ہوگا نہ کہ سبب خاص کا اور خیانت کا اطلاق تمام چھوٹے بڑے اور لازم متعدی گناہوں پر ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما: وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ امانت سے مراد وہ اعمال ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو امین بنایا ہے یعنی فرائض۔ مطلب یہ ہوا کہ ان فرائض کو نہ توڑو۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ سنت کو ترک نہ کرو اور معصیت کا ارتکاب نہ کرو۔ حضرت عروہ بن زبیر اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں یوں نہ ہو کہ کسی کے سامنے تو اس کی مرضی کے مطابق بات کرو اور پھر اس کی عدم موجودگی میں اس کے برعکس باتیں کرنا شروع کر دو۔ ایسا کرنا امانتوں کیلئے باعث ہلاکت ہے اور تمہارے لئے خیانت۔ سدی کہتے ہیں کہ جس نے اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کی گویا اس نے لوگوں کی امانتوں میں خیانت کا ارتکاب کیا۔ لوگ نبی کریم ﷺ سے بات سن کر دوسروں کو بتا دیتے تھے اس طرح وہ خبر مشرکین تک پہنچ جاتی۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اللہ ورسول کے ساتھ خیانت سے منع کیا ہے جس طرح منافقین کیا کرتے تھے۔

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ یعنی تمہارے اموال اور اولاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے آزمائش اور امتحان ہے۔ ان چیزوں کو عطا کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ آیا تم ان نعمتوں کا شکر بجالا کر اس کی اطاعت کرتے ہو یا ان کی محبت میں منہمک ہو کر اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہو جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (التغابن: 15) ''بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر عظیم ہے''۔ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَیْرِ فِتْنَةً (الانبیاء: 35) ''اور ہم خوب آزماتے ہیں تمہیں برے اور اچھے حالات سے دوچار کر کے''۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (المنافقون: 9) ''اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے۔ اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ گھاٹے میں ہوں گے''۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ (التغابن: 14) ''اے ایمان والو! تمہاری کچھ بیبیاں اور تمہارے کچھ بچے تمہارے دشمن ہیں۔ پس ہوشیار رہو ان سے''۔

وَ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ یعنی اس کا ثواب، عطا اور جنت تمہارے لئے اموال و اولاد سے بہتر ہے کیونکہ ان میں سے بعض دشمن ثابت ہوتے ہیں اور اکثر کا تو کوئی فائدہ ہی نہیں حاصل ہوتا۔ اللہ تعالیٰ متصرف مطلق اور دنیا و آخرت کا مالک ہے اور اسی کے پاس قیامت کے دن اجر عظیم اور ثواب جزیل ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے ابن آدم! تو مجھے تلاش کر، میں تمہیں مل جاؤں گا۔ اگر تو نے مجھے پالیا تو ہر چیز کو پالیا۔ اور اگر تو نے مجھے کھو دیا تو ہر چیز کو کھو دیا۔ میں ہر چیز سے تجھے محبوب ہوں''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جس شخص میں وہ پائی جائیں وہ ایمان کی حلاوت پالیتا ہے: جس شخص کو اللہ اور اس کا رسول ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں، جو کسی کے ساتھ محبت کرے تو صرف رضائے الٰہی کی خاطر اور جسے آگ میں ڈالا جانا اس بات سے زیادہ پسند ہو کہ اسلام کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جائے'' (1)۔ بلکہ حب رسول ﷺ مال، اولاد بلکہ اپنی ذات پر بھی مقدم ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث شریف میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 10، صحیح مسلم، کتاب الایمان: 66

میں اسے اس کی ذات، اہل، مال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں'' (1)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۲۹

''اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل میں تمیز کی قوت اور ڈھانپ دے گا تم سے تمہارے گناہ اور بخش دے گا تمہیں۔ اور اللہ بڑے فضل (وکرم) والا ہے''۔

فرقان سے مراد مخرج یا نجات یا نصرت خداوندی یا حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہے۔ یہ آخری تفسیر ابن اسحاق کی ہے جو پہلے معانی کی نسبت عام ہے بلکہ ان تمام کو شامل ہے۔ کیونکہ جو شخص اوامر الٰہی کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ یہ چیز اس کی نجات، نصرت الٰہی، دنیاوی امور سے بخیر و خوبی عہد برآ ہونے۔ قیامت کے دن سعادت کے حصول، گناہوں کی مغفرت اور پردہ پوشی اور اجر عظیم کا سبب ہوگی جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الحدید: 28) ''اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اس کے رسول (مقبول) پر اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لئے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے اور بخش دے گا تمہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۳۰

''اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا تا کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں۔ وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنیوالا ہے''۔

اس وقت کو یاد کرو جب کفار آپ کے متعلق تدبیریں کر رہے تھے تا کہ آپ کو قید کر دیں یا شہید کر دیں یا جلا وطن کر دیں۔ اثبات کا معنی ہے قید کرنا بندھن ڈالنا، یہ لفظ کسی کے متعلق ارادۂ بد کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ کفار نے جب یہ مشورہ کیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کو قید میں ڈال دیں یا شہید کر دیں یا جلا وطن کر دیں تو آپ ﷺ کے چچا جناب ابو طالب نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے آپ کے بارے میں کیا مشورہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''کفار یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ وہ مجھے قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلا وطن کر دیں''۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کو کس نے اس کی خبر دی ہے؟ فرمایا: ''میرے رب نے''۔ انہوں نے کہا کہ آپ کا رب کتنا اچھا ہے، اس کی بھلائی کے طلب گار رہو۔ آپ نے فرمایا: ''میں اس کی بھلائی کا خواہاں بنوں؟ بلکہ وہ میری بھلائی چاہتا ہے''۔ تو اس وقت یہ آیت اتری (2)۔ اس روایت میں ابو طالب کا ذکر بہت ہی عجیب و غریب بلکہ قابل انکار ہے کیونکہ یہ آیت مدنی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کے خلاف کفار کی اس سازش کا واقعہ ہجرت کی رات تھا اور جناب ابو طالب تو ہجرت سے تین سال قبل وفات پا گئے تھے اور ان کی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 10، صحیح مسلم، کتاب الایمان: 67 2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 227

وفات کا ہی نتیجہ تھا کہ کفار بڑی دیدہ دلیری سے آپ ﷺ کے درپے آزار ہو گئے اور اس قسم کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گئے ورنہ ابوطالب تو اپنی زندگی میں ہمیشہ آپ ﷺ کی تائید اور مدد کرتے رہے اور آپ ﷺ کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور ان کی زندگی میں کفار کو آپ ﷺ کے خلاف اس قسم کی سازش کی جرأت نہ ہوئی۔ صحیح بات وہی ہے جو ہم نے کہی ہے اور اسکی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ سرداران قریش کی ایک جماعت اپنی قومی پارلیمنٹ (دارالندوہ) میں جمع ہوئی اور سب آپ ﷺ کے متعلق مشورہ کرنے لگے۔ ابلیس بھی ایک شیخ جلیل کی صورت میں آدھمکا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ ابلیس نے جواب دیا کہ میں شیخ نجد ہوں۔ میں نے سنا کہ تم نے ایک اجلاس طلب کیا ہے۔ میں بھی چلا آیا تا کہ تم میرے مشورے اور نصیحت سے محروم نہ رہو۔ انہوں نے ابلیس کو بھی اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی، چنانچہ وہ اندر داخل ہو گیا اور کہنے لگا کہ اس شخص (محمد ﷺ) کے بارے میں خوب غور وفکر کر لو ورنہ مجھے تو یقین ہے کہ وہ تم پر غالب آجائے گا۔ ان میں سے ایک شخص نے رائے دی کہ اسے قید میں ڈال دو تا کہ حوادثات زمانہ کا شکار ہو کر اپنی موت آپ مر جائے جس طرح اس سے پہلے زہیر اور نابغہ جیسے نامور شعراء اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں کیونکہ یہ بھی تو ان کی طرح شاعر ہی ہے۔ اس پر دشمن خدا شیخ نجدی چیخ اٹھا کہ یہ مناسب رائے نہیں ہے۔ خدا کی قسم! اس کا رب اسے قید خانہ سے نکال کر اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچا دے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے ساتھی قید خانہ پر ہلہ بول دیں اور اسے رہا کروا کر لے جائیں اور تم پر حملہ کر کے تمہیں تمہاری سرزمین مکہ سے ہی نکال باہر کریں۔ وہ کہنے لگے کہ شیخ نے سچ کہا ہے، کوئی دوسری تجویز پیش کرو، ایک دوسرا آدمی کہنے لگا کہ اسے جلاوطن کر کے سکون وراحت حاصل کر لو۔ جب وہ یہاں سے نکل جائے گا تو پھر ہمیں اس سے کوئی سروکار ہی نہیں ہوگا کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ تمہاری تو جان چھوٹ جائے گی۔ شیخ نجدی پھر بول اٹھا اور کہنے لگا کہ یہ رائے بھی مناسب نہیں ہے، کیا تمہیں اس کی شیریں بیانی اور طلاقت لسانی کا علم نہیں۔ اس کی گفتگو دلوں کو موہ لیتی ہے۔ جو بھی اس کا کلام سنتا ہے گرویدہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر تم نے ملک بدر کر دیا تو وہ باہر سے سارے عرب کو اکٹھا کر کے تم پر حملہ کر دے گا، تمہیں اپنے شہر سے نکال دے گا اور تمہارے شرفاء کو قتل کے گھاٹ اتار دے گا۔ وہ کہنے لگے: قسم بخدا! اس نے سچ کہا ہے، کسی اور تجویز کے بارے میں سوچو۔ ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں جو تمہیں رائے دینا والا ہوں وہ تم نے نہیں سوچی ہوگی اور میں نہیں سمجھتا کہ اس سے بہتر کوئی رائے ہو سکتی ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ تم ہر قبیلہ سے ایک ایک بہادر نوجوان منتخب کر لو، ہر ایک کے پاس تلوار ہو پھر وہ یکبارگی اس (محمد ﷺ) پر حملہ کر دیں۔ جب وہ اسے قتل کر دیں گے تو اس کا خون سارے قبائل میں بٹ جائے گا اور یہ یقینی بات ہے کہ بنی ہاشم پورے قریش کے ساتھ جنگ کا خطرہ مول نہیں لے سکتے، مجبوراً وہ دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے۔ اس طرح ہم اس کی اذیت سے پرسکون ہو جائیں گے اور ہمیں چین نصیب ہو جائے گا۔ اس پر شیخ نجدی پکار اٹھا اللہ کی قسم! رائے تو یہ ہے۔ بات تو وہ ہے جو اس نوجوان نے کہی ہے۔ اس کے بغیر کوئی رائے نہیں ہو سکتی۔ اس پر اتفاق رائے کے بعد مجلس برخاست ہوئی اور سب نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔

اب جبریل امین حاضر ہوئے اور نبی کریم ﷺ کو قریش کی اس سازش سے آگاہ کیا اور کہا کہ آج کی رات اپنے بستر پر نہ سونا۔ چنانچہ آپ ﷺ اس رات اپنے بستر پر نہ سوئے اور اسی وقت آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم مل گیا۔ مدینہ شریف پہنچنے کے بعد سورۂ انفال نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا...... اور ان کفار نے جو یہ کہا تھا کہ اس کے

بارے میں حوادث زمانہ کا انتظار کرو، پہلے شعراء کی طرح یہ بھی ختم ہو جائے گا، اس کے بارے میں فرمایا: اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ (الطور:30) ''کیا یہ (نابکار) کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں (اور) ہم انتظار کر رہے ہیں ان کے کے متعلق گردش زمانہ کا) چونکہ اس دن آپ ﷺ کے قتل کی سازش کی گئی اس لئے اسے یوم الزحمہ کہا جاتا ہے''(1)۔ ان کفار کے جلاوطن کر دینے کے خیال کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا: وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل:76) ''اور انہوں نے ارادہ کرلیا ہے کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے اور (اگر انہوں نے یہ حماقت کی) تب وہ نہیں ٹھیریں گے (یہاں) آپ کے بعد مگر تھوڑا عرصہ'' جب قریش اپنی ناپاک سازش پر عملدرآمد کیلئے جمع ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہجرت کرنے کا حکم فرمادیا تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور حکم دیا کہ میری سبز چادر لے کر میرے بستر پر لیٹ جاؤ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ اب رسول خدا ﷺ باہر تشریف لائے، شمشیر بکف نوجوان دروازے پر کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک مٹھی بھر مٹی لی اور ان کے سروں پر پھینک دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دیکھنے سے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں۔ آپ يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ...... فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (یٰسین:9-1) کی تلاوت کرتے ہوئے ان کے بیچ میں سے نکل گئے۔

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا روتی ہوئی نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں۔ آپ ﷺ نے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگیں: ابا جان! میں کیوں نہ روؤں، سرداران قریش حجر اسود کے پاس کھڑے لات، عزیٰ اور منات کی قسمیں کھا رہے ہیں کہ وہ آپ کو دیکھتے ہی قتل کر ڈالیں گے اور ان میں سے ہر ایک آپ کے قتل میں شریک ہونا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''بیٹی! وضو کیلئے پانی لاؤ'' چنانچہ آپ ﷺ وضو کرنے کے بعد کعبہ شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قریشیوں نے آپ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ ہے وہ۔ ساتھ ہی ان کے سر جھک گئے اور گردنیں ٹیڑھی ہو گئیں، وہ اپنی نظریں بھی نہ اٹھا سکے۔ رسولِ خدا ﷺ نے مٹھی بھر مٹی لے کر ان کی طرف پھینکی اور فرمایا کہ یہ چہرے بگڑ جائیں ان میں سے جس کی آنکھوں میں وہ مٹی پڑی وہ کافر ضرور بدر کے دن قتل ہوا(3)۔

حضور ﷺ اپنے کاشانہ اقدس سے نکل کر غار میں جا پہنچے اور مشرکین رات بھر آپ ﷺ کے گھر پر پہرہ دیتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ کے گھر کے اندر آدھمکے۔ لیکن جب وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر الٹی کر دی۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگے کہ تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ چنانچہ وہ آپ کے نشانات قدم کا کھوج لگاتے ہوئے چل دیئے۔ جب پہاڑ کے قریب پہنچے تو اشتباہ ہو گیا۔ پہاڑ کے اوپر چڑھ کر جب وہ غار کے قریب سے گزرے تو وہاں دیکھا کہ غار کے دہانے پر مکڑی نے جالا بن رکھا ہے۔ آپس میں کہنے لگے کہ اگر وہ یہاں داخل ہوتا تو یہاں مکڑی کا جالا نہ ہوتا۔ آپ ﷺ تین دن غار میں قیام پذیر رہے(4)۔ فرمایا: وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔ یعنی میں نے اپنی پختہ خفیہ تدبیر سے ان کی چال کو ناکام بناتے ہوئے آپ ﷺ کو ان کفار سے نجات دی(5)۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 480-483 2۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 2 صفحہ 469-470

3۔ مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، جلد 3 صفحہ 157، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، جلد 8 صفحہ 148

4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 348 5۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 669

الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۱ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۲ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۳۳

''اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتے ہیں (اجی رہنے دو) سن لیا ہم نے اگر ہم چاہئیں تو کہہ لیں ایسی آیتیں نہیں ہیں یہ مگر کہانیاں اگلے لوگوں کی اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں ان میں۔ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا انہیں حالانکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں''۔

اللہ تعالیٰ قریش کے کفر، سرکشی، عناد، ہٹ دھرمی اور باطل دعویٰ کی خبر دے رہا ہے کہ جب وہ آیات قرآنیہ سنتے ہیں تو کہتے ہیں: قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ان کا یہ دعویٰ بے بنیاد اور محض زبانی ہرزہ سرائی ہے ورنہ انہیں تو متعدد بار چیلنج کیا گیا ہے کہ قرآن کی سورتوں میں سے کسی ایک سورت جیسی کوئی سورت لا کر دکھاؤ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ وہ اپنے اس دعویٰ سے اپنے آپ کو بھی فریب دیتے ہیں اور اپنے ہمنواؤں کو بھی دھوکہ دیئے ہوئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ بات کہنے والا نضر بن حارث تھا۔ وہ لعین بلاد فارس کی طرف گیا ہوا تھا اور وہاں کے شاہان ایران رستم واسفندیار کی تاریخ سے آگاہ تھا۔ جب وہ واپس آیا تو رسول اللہ ﷺ اپنی بعثت کا اعلان فرما چکے تھے اور لوگوں کو قرآن کریم کی آیات پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ کسی مجلس سے اٹھ جاتے تو وہ آ کر بیٹھ جاتا اور ان لوگوں کو رستم واسفندیار کے قصے کہانیاں سناتا، پھر کہتا کہ بتاؤ کون سا اچھا قصہ گو ہے، میں یا محمد؟ یہی وجہ ہے کہ جب بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غالب کر دیا تو اسے بھی قید کر لیا گیا۔ رسول خدا ﷺ نے اپنے سامنے اس کی گردن زدنی کا حکم دیا۔ چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا۔ اسے اسیر کرنے والے حضرات مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے۔ جب اسے قتل کرنے کا حکم ہوا تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! یہ میرا قیدی ہے، مجھے ملنا چاہئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قرآن کریم کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ حضرت مقداد نے دوبارہ عرض کی: یارسول اللہ! یہ میرا اسیر ہے۔ تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی: ''یا اللہ! مقداد کو اپنے فضل و کرم سے غنی کر دے!'' حضرت مقداد رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ یہی (دعا) تو میرا مدعا تھا جس کی خاطر میں بار بار اصرار کر رہا تھا۔ تو یہ آیت وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا...... نضر بن حارث کے بارے میں اتری (1)۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن حضور ﷺ نے تین کافروں کے قتل کا حکم دیا: عقبہ بن ابی معیط، طعیمہ بن عدی اور نضر بن حارث۔ ان تینوں کو قتل کر دیا گیا۔ سعید بن جبیر نے طعیمہ کے بجائے مطعم بن عدی کا نام لیا ہے (2)۔ لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ مطعم تو بدر سے پہلے ہی مر چکا تھا، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس دن فرمایا تھا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان اسیران کے بارے میں مجھ سے سوال کرتا تو میں سب کے سب اسے عطا فرما دیتا (3)۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب آپ ﷺ طائف سے مکہ واپس لوٹے تو اس نے آپ ﷺ کو پناہ دی تھی۔

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ ''اَسَاطِيْرُ''، ''اُسْطُوْرَةٌ'' کی جمع ہے یعنی یہ (قرآن) پہلے لوگوں کے افسانے اور کتابیں ہیں جن سے سیکھ

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 231-232 2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 232

3۔ صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، جلد 4 صفحہ 11، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 61 وغیرہ

کر یہ لوگوں کو سناتے ہیں۔ ان کفار کا یہ کہنا سفید جھوٹ اور صریح دروغ گوئی ہے جیسا کہ ایک اور آیت میں ان کے متعلق فرمایا: وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (الفرقان :6-5)'' اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے اس شخص نے لکھوالیا ہے انہیں پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح وشام (تا کہ ازبر ہو جائیں) آپ فرمایئے اتارا ہے اس کو اس (خدا) نے جو جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو۔ واقعی وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ ...... یہ دعا ان کی جہالت، تکذیب، عناد اور ہٹ دھرمی کا آئینہ دار ہے۔ یہی تو ان میں عیب تھا کہ وہ اپنی جہالت اور گمراہی پر اصرار کرتے تھے۔ بہتر تو یہ تھا کہ وہ کافر اللہ تعالیٰ سے یوں دعا مانگتے: یا اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے حق ہے تو ہمیں اس کی راہ دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق ارزانی فرما۔ لیکن یہ نادان تو اپنے لئے سزا مول لینے پر تلے ہوئے تھے اور عذاب کے لئے جلدی مچا رہے تھے جیسا کہ فرمایا: وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَ لَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَ لَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (العنکبوت :53)'' وہ آپ سے جلدی عذاب نازل ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں اور اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو آ جاتا ان پر عذاب۔ اور (اپنے وقت پر) وہ ان پر اچانک آئے گا اور انہیں ہوش تک نہ ہوگا''۔ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (ص:16)'' اور (مذاقاً) کہتے ہیں اے ہمارے رب جلدی دے دے ہمارے حصہ (کا عذاب) یوم حساب سے پہلے''۔ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۝ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ (المعارج :3-1)'' مطالبہ کیا ہے ایک سائل نے ایسے عذاب کا جو ہو کر رہے۔ (وہ سن لے) یہ تیار ہے کفار کے لئے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں کا مالک ہے''۔ اسی طرح سابقہ جاہل امتوں نے بھی ایسا ہی مطالبہ کیا تھا جیسا کہ قوم شعیب علیہ السلام نے کہا: فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (الشعراء :187)'' (ہم تمہاری بات نہیں مانتے) لو اب گرادو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر تم راستبازوں میں سے ہو''۔ کفار مکہ نے یوں کہا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ ...... بعض کہتے ہیں کہ ابوجہل نے یہ مطالبہ کیا تھا تو اس پر یہ آیت اتری: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ...... بعض کہتے ہیں کہ عذاب کا مطالبہ کرنے والا النضر بن حارث تھا جس کے مطالبہ کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ۔ اور بعض کے نزدیک مندرجہ ذیل آیات بھی اسی کے بارے میں نازل ہوئیں: وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (ص:16)۔ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام :94)'' اور بے شک آ گئے ہو تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمہیں پہلی دفعہ''۔ عطاء کہتے ہیں کہ اس مضمون کی دس سے زائد آیات قرآنیہ ہیں۔ بریدہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن العاص کو احد کے دن گھوڑے پر سوار یہ کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! محمد ﷺ جو کچھ کہتے ہیں اگر وہ سچ ہے تو مجھے میرے گھوڑے سمیت زمین میں دھنسا دے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ایسا مطالبہ کرنے والے اس امت کے جاہل اور بے وقوف لوگ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور فضل وکرم سے انہیں نظر انداز کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے کہہ رہے تھے: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ تو نبی کریم ﷺ فرماتے: ''بس بس''۔ یعنی یہاں سے آگے اور کچھ نہ پڑھو، لیکن وہ اس کے ساتھ یہ بھی ملا کر پڑھتے: اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ '' مگر تیرا ایک شریک ہے، تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کی ملک کا بھی''۔ پھر ساتھ ہی کہہ دیتے: '' غُفْرَانَكَ '' (تیری مغفرت کے طلب گار ہیں)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَ

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ...... اتاری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہیں دو امانیں حاصل تھیں: (1) نبی کریم ﷺ کا وجود مسعود۔ (2) استغفار۔ اب نبی کریم ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد صرف ایک امان (استغفار) باقی رہ گئی ہے۔ قریش ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد (ﷺ) کو ہم میں سے امتیازی اعزاز عطا فرمایا ہے، پھر کہنے لگے: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ...... لیکن اپنے اس مطالبہ پر نادم ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے لگے تو اس وقت یہ آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ...... نازل ہوئی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انبیاء جب تک اپنی قوم کے درمیان موجود ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دیتا۔ جب وہ باہر نکل جائیں پھر عذاب آتا ہے (2)۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ یعنی اہل مکہ میں سے بعض ایسے تھے جو پہلے ہی ایمان لا چکے تھے۔ وہ استغفار کرتے اور نمازیں پڑھتے تھے۔ ضحاک اور ابو مالک کہتے ہیں کہ اس سے مراد مکہ میں رہائش پذیر مومنین ہیں جو ہجرت کے بعد یہاں رہ گئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دو امانیں عطا فرمائی ہیں جب تک یہ دونوں انہیں حاصل رہیں گی یہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہیں گے۔ ایک امان کو تو اللہ تعالیٰ نے واپس اپنے پاس بلا لیا اور دوسری (استغفار) امان باقی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنی امت کے لئے دو امانیں نازل کی ہیں۔ جب میں رخصت ہو جاؤں گا تو ان میں قیامت تک کے لئے استغفار چھوڑ جاؤں گا'' (3)۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''شیطان نے کہا: اے پروردگار! تیری عزت کی قسم! میں تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے میں ان کی مغفرت کرتا رہوں گا'' (4)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: بندہ جب تک اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا رہے، عذاب سے محفوظ رہتا ہے (5)۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْۤا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

''(مکہ سے آپ کی ہجرت کے بعد) اب کیا وجہ ہے ان کے لئے کہ نہ عذاب دے انہیں اللہ حالانکہ وہ روکتے ہیں (مسلمانوں کو) مسجد حرام سے اور نہیں ہیں وہ اس کے متولی اس کے متولی تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں لیکن ان کی اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی اور نہیں تھی ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس بجز سیٹی اور تالی بجانے کے۔ سو چکھو اب عذاب بوجہ اس کے کہ تم کفر کیا کرتے تھے''۔

اہل مکہ اسی قابل تھے کہ انہیں عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دیا جاتا لیکن رسول اللہ ﷺ کی برکت سے وہ عذاب سے محفوظ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے مکہ چھوڑ کر ہجرت کر لی تو اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں ان پر اپنا عذاب مسلط کر دیا۔ ان کے زعماء قتل

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 235
2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 237
3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ انفال، جلد 11 صفحہ 212-213
4۔ مستدرک حاکم، کتاب التوبہ والانابۃ، جلد 4 صفحہ 261، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 29-41-76
5۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 20

ہوئے اور سربرآوردہ لوگ قیدی بنے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ ہدایت فرمائی کہ وہ شرک اور فساد جیسے جن گناہوں سے آلودہ ہیں ان سے استغفار کریں۔ قتادہ، سدی وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ مشرکین استغفار نہیں کرتے تھے، اگر وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہوتے تو اس عذاب سے دوچار نہ ہوتے (1)۔ اور اگر مکہ میں یہ کمزور اور بے بس مومنین استغفار نہ کرتے ہوتے تو ان پر ایسا عذاب آتا جسے ٹالنا ان مشرکین کے لئے محال ہو جاتا، لیکن ان نفوس قدسیہ کے طفیل یہ عذاب سے بچے رہے جیسا کہ یوم حدیبیہ میں فرمایا: هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (الفتح: 25) "یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں بھی روک دیا مسجد حرام (میں داخل ہونے) سے اور قربانی کے جانوروں کو بھی کہ وہ بندھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں۔ اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں) چند مسلمان مرد اور چند مسلمان عورتیں جن کو تم نہیں جانتے (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم روند ڈالو گے انہیں سو تمہیں پہنچے گی ان کی وجہ سے عار بےعلمی کے باعث۔ (نیز) تاکہ داخل کردے اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے۔ اگر یہ (کلمہ گو) الگ ہو جاتے تو (اس وقت) جنہوں نے کفر کیا ان میں سے تو ہم انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے)۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں تھے تو اللہ پاک نے فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ شریف تشریف لے گئے تو یہ فرمان نازل ہوا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ مکہ شریف میں بقیہ کمزور اہل ایمان استغفار میں مصروف تھے۔ جب وہ بھی مکہ سے نکل گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ...... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کا اذن دے دیا۔ یہی وہ عذاب تھا جس کا وعدہ کیا گیا تھا (2)۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ کی ناسخ ہے بشرطیکہ استغفار کا صدور ان مشرکین سے ہو۔ حضرات عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورۂ انفال میں وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ والی آیت کو اس کے بعد والی آیات وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ...... فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ نے منسوخ کر دیا۔ چنانچہ اہل مکہ سے جنگ ہوئی اور انہیں بھوک اور ضرر سے دوچار ہونا پڑا (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ سے اہل شرک کو مستثنیٰ کر دیا اور انہیں عذاب کا مستحق قرار دیتے ہوئے فرمایا: وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ ...... یعنی اللہ تعالیٰ انہیں کیوں نہ عذاب دے حالانکہ یہ ان مومنین کو مسجد حرام سے روک رہے ہیں جو درحقیقت اس میں نماز پڑھنے اور اس کا طواف کرنے کے اہل ہیں، اسی لئے فرمایا: وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ یعنی وہ کفار مسجد حرام کے اہل نہیں بلکہ اس کے صحیح اہل تو نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب ہیں جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (التوبہ: 18-17) "نہیں ہے روا مشرکوں کے لئے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو حالانکہ وہ خود گواہی دے رہے ہیں اپنے نفسوں پر کفر کی۔ یہ وہ (بدنصیب) ہیں ضائع ہو گئے جن کے تمام اعمال اور (دوزخ کی) آگ میں ہی یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ صرف وہی آباد کر سکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور روز قیامت پر اور قائم کیا نماز کو اور ادا کیا زکوٰۃ کو اور نہ ڈرتا ہو اللہ کے سوا کسی سے پس امید ہے کہ یہ لوگ ہو جائیں ہدایت پانے والوں سے"۔ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 236 2۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 234 4۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 238

وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ (البقرۃ: 217) ”لیکن روک دینا اللہ کی راہ سے اور کفر کرنا اس کے ساتھ اور (روک دینا) مسجد حرام سے اور نکال دینا اس میں بسنے والوں کو اس سے، اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اللہ کے نزدیک)۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کی آل ”اولیا“ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: ”تمام متقی“۔ اور ساتھ ہی یہ آیت تلاوت فرمائی: اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (1)۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے قریش کو جمع کیا اور پوچھا: ”کیا تم میں کوئی غیر قریشی بھی ہے؟“ انہوں نے جواب دیا کہ ہم میں ہمارے بھانجے، خلفاء اور غلام ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”ہمارے حلیف، بھانجے اور غلام ہمیں میں سے ہیں، لیکن تم میں سے میرے اولیاء صرف متقی لوگ ہیں“ (2)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اولیاء سے مراد حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد مجاہدین ہیں جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں (3)۔ پھر اللہ تعالیٰ مسجد حرام میں ان کے معاملہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً یعنی بیت اللہ شریف میں یہ لوگ برہنہ طواف کرتے، منہ میں انگلیاں رکھ کر سیٹیاں بجاتے اور اسی طرح تالیاں بجاتے۔ ”مُكَآءً“ کا مطلب ہے سیٹی کی آواز نکالنا اور ”تَصْدِيَةً“ کا مطلب ہے تالی بجانا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک بھی ان دونوں الفاظ سے یہی مراد ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سیٹی بجا کر، اپنا رخسار جھکا کر اور دونوں ہاتھوں سے تالی بجا کر بتایا کہ وہ کفار اس طرح کیا کرتے تھے (4)۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مشرکین اپنے رخسار زمین پر ٹیک دیتے، تالی بجاتے اور سیٹی کی آواز نکالتے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ بیت اللہ کا بائیں طرف سے طواف کرتے تھے۔ مجاہد اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اس طرح نبی علیہ السلام اور مومنین کی عبادت میں حرج پیدا کرنا چاہتے تھے۔ امام زہری کہتے ہیں کہ وہ اس طرح مومنین کا مذاق اڑاتے۔ سعید بن جبیر اور عبدالرحمٰن بن زید تصدیۃ کا معنی بتاتے ہیں لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا۔

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ضحاک، ابن جریج اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس سے مراد عذاب بدر ہے جب انہیں قتل کیا گیا اور قیدی بنایا گیا (5)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اہل اقرار پر عذاب تلوار کے ذریعے آتا ہے اور اہل تکذیب پر چیخ اور زلزلہ کے ذریعے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

”بے شک کافر خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے اور یہ آئندہ بھی (اسی طرح) خرچ کریں گے پھر ہو جائے گا یہ خرچ کرنا ان کے لئے باعث حسرت وافسوس پھر وہ مغلوب کر دیئے جائیں گے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ دوزخ کی طرف اکٹھے کئے جائیں گے تاکہ الگ کر دے اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے اور رکھ دے سب ناپاکوں کو ایک دوسرے کے اوپر پھر اکٹھا کر دے ان سب کو پھر ڈال دے اس مجموعہ کو جہنم میں یہی لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں“۔

1۔ معجم صغیر، جلد 1 صفحہ 115　2۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۃ انفال، جلد 2 صفحہ 328　3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 239
4۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 241　5۔ تفسیر طبری، جدو 9 صفحہ 243

جب قریش بدر میں شرمناک ہزیمت کے بعد مکہ واپس لوٹے اور ابوسفیان بھی اپنا قافلہ لیکر واپس پہنچ گیا تو عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ اور کچھ دیگر قریشی جن کے باپ، بیٹے اور بھائی جنگ بدر میں کام آچکے تھے، ابوسفیان کے پاس گئے۔ اور باقی قریش کو بھی اکٹھا کرلیا جن کا تجارتی قافلہ میں سرمایہ لگا ہوا تھا۔ کہنے لگے: اے گروہ قریش! محمد ﷺ نے تمہیں شکست دیکر تمہارے شرفاء کو قتل کردیا ہے۔ قافلہ کا سارا مال ہمیں دے دو تاکہ اسے ہم جنگ کی تیاری میں صرف کریں اور مسلمانوں سے اپنے مقتولین اور ہزیمت کا بدلہ چکائیں۔ چنانچہ سب لوگوں نے اس مقصد کے لئے اپنا اپنا حصہ پیش کردیا۔ اس بارے میں مذکورہ بالا دونوں آیتیں نازل ہوئیں(1)۔ جبکہ ضحاک کہتے ہیں کہ یہ آیات اہل بدر کے متعلق اتریں۔ بہرصورت ان کا حکم عام ہے اگرچہ شان نزول خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ کفار اپنے اموال اس مقصد کے لئے خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو راہ راست کی اتباع سے روکیں اور یہ مستقبل میں بھی ایسا کرتے رہیں گے لیکن ان کے اموال اکارت جائیں گے اور پھر ان کے لئے حسرت وندامت کا باعث بن جائیں گے اس لئے کہ انہیں اپنا مقصود حاصل نہیں ہوگا۔ ان کا مقصد تو یہ ہے کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں اور اپنے کلمہ کو کلمہ حق پر غالب کردیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کرنے والا ہے اگرچہ کفار کو یہ بات بری لگے۔ وہ ہر صورت میں اپنے دین کی مدد کرنے والا، اپنے کلمہ کو عام کرنے والا اور اپنے دین کو ہر دین پر غلبہ عطا فرمانے والا ہے۔ ان کفار کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب جہنم۔ ان میں سے جو زندہ رہا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور کانوں سے سن لیا کہ کس طرح اسے رسوائی سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے اور ان میں سے جو قتل ہوگیا یا مرگیا تو اس کے نصیب میں ابدی رسوائی اور سرمدی عذاب ہے۔ اسی لئے فرمایا: فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ......۔

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا معنی بتاتے ہیں: تاکہ اہل سعادت اہل شقاوت سے الگ ہو جائیں۔ سدی کہتے ہیں: تاکہ مومن کافر سے ممتاز ہوجائے۔ اس میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ تمیز اور تفریق آخرت میں ہو جیسا کہ ارشاد ہے: ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ (یونس: 28) ''ان سب کو (میدان حشر میں) پھر ہم حکم دیں گے مشرکوں کو اپنی اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ تم اور تمہارے جھوٹے معبود۔ پھر ہم منقطع کر دیں گے'' اور فرمایا: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ (الروم: 14) ''اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس دن وہ جدا جدا ہو جائیں گے''، اور دوسری آیت میں فرمایا: يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ (الروم: 43) ''اس روز یہ لوگ جدا جدا ہو جائیں گے''۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ امتیاز اور فرق دنیا میں ہو کیونکہ دونوں فریقوں کے اعمال الگ الگ نوعیت کے ہیں۔ اس صورت میں ''لِيَمِيْزَ'' میں لام تعلیلیہ ہوگا۔ وہ مال جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے جسے وہ صراط مستقیم سے روکنے کے لئے استعمال کر رہے ہیں اس کے لئے یہ علت ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے انہیں اس مال پر اس لئے قدرت دی تاکہ خبیث کو طیب سے الگ کر دیا جائے یعنی کون اللہ کے دشمن کافروں کے ساتھ جہاد کرکے اس کی اطاعت کرتا ہے اور کون اس سے سرتابی کرکے اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ (آل عمران: 67-166) ''اور وہ مصیبت جو پہنچی تھی تمہیں اس روز جب مقابلہ کو نکلے تھے دونوں لشکر تو وہ اللہ کے حکم سے پہنچی تھی اور (مقصد یہ تھا کہ) دیکھ لے اللہ تعالیٰ مومنوں کو اور دیکھ لے جو نفاق کرتے تھے اور کہا گیا ان سے آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا بچاؤ کرو (اپنے شہر کا) بولے اگر ہم جانتے کہ جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہاری

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 245، سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 333

پیروی کرتے''۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ...... (آل عمران:179) ''نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو جب تک الگ الگ نہ کردے پلید کو پاک سے اور نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ آگاہ کرے تمہیں غیب پر''۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران:142) ''کیا تم گمان رکھتے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ ابھی دیکھا ہی نہیں اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے اور دیکھا ہی نہیں (آزمائش میں) صبر کرنے والوں کو''۔ اور اس جیسی آیت سورۂ براءت میں بھی ہے۔ آیت کا اس صورت میں معنی یہ ہوا کہ ہم نے تمہارے ساتھ برسرپیکار کفار کو آزمایا اور اموال خرچ کرنے پر انہیں قدرت دی اس کا مقصد یہ تھا: لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ...... ''رَكَمَ يَرْكُمُ'' کا معنی ہے کسی چیز کو اوپر نیچے تہ در تہ جمع کرنا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے: ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا (النور:43) ''پھر اسے تہ بہ تہ کر دیتا ہے'' ان تمام کفار کو جمع کر کے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ یہ بدبخت دنیا میں بھی خسارے کا شکار ہیں اور آخرت میں بھی خائب و خاسر اور نامراد رہیں گے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَ اِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

''فرما دیجئے کافروں کو کہ اگر وہ (اب بھی) باز آجائیں تو بخش دیا جائے گا انہیں جو ہو چکا۔ اور اگر وہ (پہلے کرتوت) دہرائیں تو گزر چکا ہے (ہمارا) طریقہ پہلے (نافرمانوں) کے ساتھ۔ اور (اے مسلمانو!) لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ باقی نہ رہے کوئی فساد اور ہو جائے دین پورے کا پورا اللہ کے لئے تو پھر اگر وہ باز آجائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ اور اگر وہ روگردانی کریں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے وہ کیا ہی بہترین کارساز ہے اور کتنا بہترین مددگار ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ کفار سے کہہ دیں کہ اگر وہ اپنے کفر، مخالفت اور عناد سے باز آجائیں اور دین اسلام میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلیں تو کفر سمیت ان کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اسلام میں نیکی اختیار کی اس سے زمانہ جاہلیت کے گناہوں کا بھی مواخذہ نہ ہوگا اور جو اسلام لا کر بھی برائیاں کرتا رہا اس سے دونوں زمانوں کے متعلق مواخذہ ہوگا'' (1)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''اسلام ماقبل کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور توبہ بھی پہلے کئے ہوئے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے'' (2)۔

وَ اِنْ يَّعُوْدُوْا...... یعنی اگر یہ اپنی سابقہ روش پر قائم رہے، جھٹلاتے رہے اور ہٹ دھرمی برتتے رہے تو پہلے لوگوں کے بارے میں جو ہمارا طریقہ تھا اسے وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ انہوں نے بھی جب اپنے کفر اور عناد پر اصرار کیا تو ہم نے انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ مجاہد، سدی اور ابن اسحاق ''سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ'' سے مراد بدر میں شرکت کرنے والے قریش اور دوسری امتیں لیتے ہیں (3)۔

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ...... ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابو عبدالرحمٰن! اللہ تعالیٰ

1۔ صحیح بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین، جلد 9 صفحہ 17، صحیح مسلم، کتاب الایمان 111 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 199 3۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 248

نے فرمایا: وَاِنۡ طَآٮِٕفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا ۚ (الحجرات: 9) ''اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو''۔ جس طرح کتاب اللہ میں مذکور ہے آپ لڑائی میں کیوں نہیں حصہ لیتے؟ آپ نے فرمایا: اے بھتیجے! اس آیت کریمہ کے سبب شریک جنگ نہ ہونے کی عار اس عار سے بہتر ہے کہ میں کسی مومن کو عمداً قتل کر کے اس آیت کا مصداق بن جاؤں: وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيۡهَا (النساء: 93) ''اور جو شخص قتل کرے کسی مومن کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں''۔ اس شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے: وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے تو ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عہدہ برآ ہو چکے ہیں۔ اسلام کو ماننے والے کم تھے۔ آدمی اپنے دین میں سخت آزمائش سے دوچار ہوتا تھا یا تو وہ اسے قتل کر ڈالتے یا پابند سلاسل کر دیتے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو فتنہ باقی نہ رہا۔ جب اس شخص نے دیکھا کہ آپ اس سے اتفاق رائے نہیں کر رہے اور نہ اس کے مطلب کی بات کر رہے ہیں، تو وہ پوچھنے لگا کہ علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو تو خود اللہ تعالیٰ نے ہی معاف فرما دیا ہے لیکن ان کی مغفرت تمہیں پسند نہیں۔ جہاں تک علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور داماد ہیں۔ اور ہاتھ کے اشارہ سے بتایا کہ دیکھو وہ نبی کی بیٹی ہیں۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس تشریف لائے، اور فرمایا: قتال فتنہ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ فتنہ کیا ہے؟ حضور نبی کریم ﷺ مشرکین کے ساتھ قتال کیا کرتے تھے، اس وقت فتنہ درپیش تھا اور تمہارا اقتدار حاصل کرنے کے لئے لڑنا فتنہ نہیں ہے (1)۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فتنہ کے دور میں دو آدمی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اسے آپ دیکھ ہی رہے ہیں، آپ صحابی رسول ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں، کونسی چیز ہے جو اس فتنہ میں آپ کے خروج میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رکاوٹ صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا خون مسلمان پر حرام قرار دیا ہے۔ لوگ کہنے لگے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ آپ نے فرمایا کہ ہم نے قتال کیا یہاں تک کہ فتنہ بھی دب گیا اور دین بھی خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو گیا لیکن تم مسلمانوں کے دو گروہوں کو اس لئے بھڑانا چاہتے ہو تاکہ فتنہ کھڑا ہو اور دین غیر اللہ کے لئے ہو جائے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں کبھی بھی ایسے آدمی سے نہیں لڑوں گا جو ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا اقرار کرے۔ سعد بن مالک کہنے لگے کہ میں بھی ایسے شخص کے ساتھ قتال نہیں کروں گا۔ اس پر ایک آدمی نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں ہے: وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ؟ دونوں حضرات کہنے لگے کہ ہم نے قتال کا یہ فریضہ انجام دے دیا ہے حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہا اور دین سارے کا سارا اللہ کے لئے ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''فِتۡنَةٌ'' کا معنی شرک لیتے ہیں بعض علماء فتنہ سے مراد کسی مسلمان کو اپنے دین سے برگشتہ کرنا لیتے ہیں۔

وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ توحید خالص اللہ کے لئے ہو جائے۔ قتادہ، حسن اور ابن جریر کہتے ہیں کہ دین سے مراد ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہنا ہے۔ ابن اسحاق کے نزدیک اس سے مراد توحید ہے جس میں شرک کی ذرا بھی آمیزش نہ ہو۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ دین کے ساتھ کفر کا اختلاط نہ ہو۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس

3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ انفال، جلد 6 صفحہ 78

میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں کافروں کے ساتھ جنگ کروں یہاں تک کہ وہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے قائل ہو جائیں۔ جب وہ اس کے قائل ہو جائیں تو ان کے جان و مال محفوظ ہو گئے مگر حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے''(1)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص اظہار شجاعت کے لئے لڑتا ہے، ایک حمیت کی خاطر لڑتا ہے اور ایک نمود و نمائش کی خاطر جنگ کرتا ہے، ان میں سے کس کا قتال فی سبیل اللہ ہے؟ فرمایا: ''جس شخص نے اس مقصد کے لئے جہاد کیا تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، وہ فی سبیل اللہ ہے''(2)۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ یعنی اگر وہ کفر کے ساتھ تمہارے قتال سے بھی باز رہیں تو تم بھی ان سے اپنے ہاتھ روک لو، اگر چہ تم ان کے دلوں کے حالات سے واقف نہیں لیکن اللہ تعالیٰ تو ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اسی طرح درج ذیل آیات میں فرمایا: ''فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ (التوبۃ:5)'' پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ''، ''فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ (الاحزاب:5)'' وہ تمہارے دینی بھائی ہیں''، ''وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (البقرۃ:193)'' اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (وفساد) اور ہو جائے دین صرف اللہ کے لئے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو (سمجھ لو کہ) سختی (کسی پر) جائز نہیں مگر ظالموں پر''۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص پر تلوار اٹھائی، قتل کے خوف سے اس نے کہہ دیا: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ''، لیکن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے تلوار کا وار کر کے اسے قتل کر دیا۔ جب نبی کریم ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے حضرت اسامہ سے فرمایا: اس کے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہہ دینے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا، قیامت کے دن تم ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے ساتھ کیا کرو گے؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس نے تو صرف اپنے بچاؤ کی خاطر ایسا کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اس کے دل کو چیر کر دیکھا تھا؟'' آپ ﷺ بار بار اس بات کو دہراتے کہ قیامت کے دن ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا کون ضامن اور ذمہ دار ہوگا؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت مجھے یہ تمنا ہوئی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا تا کہ اس مسئلہ کی نوبت ہی نہ آتی(3)۔

وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا...... یعنی اگر یہ کفار مسلسل تمہاری مخالفت کرتے رہے اور لگا تار آمادہ جنگ رہے تو تم یقین کر لو کہ اللہ تمہارا کارساز اور حامی و ناصر ہے اور وہ کتنا ہی بہترین کارساز اور مددگار ہے! عبدالملک بن مروان نے حضرت عروہ سے بذریعہ خط کچھ چیزوں کے متعلق دریافت کیا تو حضرت عروہ نے مطلوبہ مسائل کی تفصیل لکھ بھیجی۔ فرمایا: تم پر سلامتی ہو! میں تمہارے ساتھ اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ امابعد۔ تم نے مجھ سے رسول اللہ ﷺ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے متعلق تفصیلات پوچھی ہیں، میں ان سے تمہیں آگاہ کر رہا ہوں۔ نیکی کی قوت اور برائی سے بچنے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ کے طفیل ہے۔ ہجرت کا معاملہ یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منصب نبوت پر فائز کیا۔ آپ کیسے اچھے نبی، اچھے سید اور اچھے ساتھی تھے! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنت میں آپ ﷺ کے رخ انور کی ہمیں زیارت نصیب کرے، آپ ﷺ کی ملت پر ہمیں زندہ رکھے، اور آپ ﷺ کی ملت پر ہی ہمیں وفات دے کر دوبارہ زندہ فرمائے۔ جب آپ ﷺ نے اپنی قوم کو ہدایت اور نور (قرآن کریم) کی طرف دعوت دینا شروع کی تو لوگوں نے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 12، صحیح مسلم، کتاب الایمان 51-52

2۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 42، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ 1512-1513

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان 97، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 44-45 وغیرہ

شروع شروع میں اس دعوت کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دی، البتہ وہ آپ کی بات سن لیا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ نے ان کے بتوں کی خبر لی اور کچھ مالدار قریشی طائف سے مکہ آئے تو ان لوگوں پر آپ ﷺ کی تبلیغ بہت ناگوار گزری، وہ آپ ﷺ کی باتوں کو کراہت کی نظر سے دیکھنے لگے، آپ ﷺ پر سختی کرنے لگے۔ آپ ﷺ کی اطاعت کرنے والے کو برگشتہ کرنے کی پوری کوشش کرتے، چنانچہ عوام الناس بھی آپ ﷺ سے اعراض کر گئے، صرف چند لوگ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ڈٹے رہے۔ کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ پھر ان کے رؤساء نے باہم یہ مشورہ کیا کہ ان کے اعزہ واقارب میں سے جو بھی اس نبی کی اطاعت کرے اس پر سختی کی جائے۔ اس طرح ایک سخت آزمائش اور زلزلہ بپا کر دینے والے فتنہ کا آغاز ہوا۔ بہت سے مومنین اس فتنہ سے دوچار ہوئے اور کچھ کو اللہ تعالیٰ نے اس سے محفوظ رکھا۔ جب مسلمانوں پر ظلم وستم حد سے تجاوز کر گیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہجرت حبشہ کا حکم دے دیا۔ اس وقت حبشہ میں بڑا اچھا بادشاہ تخت نشین تھا اسے نجاشی کہا جاتا تھا۔ اس کی سرزمین میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا تھا، تمام لوگ اس کی تعریفیں کرتے تھے۔ سرزمین حبشہ اس وقت قریش کا تجارتی مرکز بھی تھا، یہاں آکر وہ تجارت کیا کرتے تھے اور ان کے تاجروں کی وہاں رہائش گاہیں بھی تھیں جہاں انہیں بے پناہ رزق، امن اور تجارت کی سہولتیں دستیاب تھیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے حکم سے ستم رسیدہ اور مظلوم عام مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے کیونکہ انہیں ہر وقت اپنی جان کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ نبی کریم ﷺ مکہ میں ہی ٹھہرے رہے۔ چند سال یہ صورت حال چلتی رہی۔ وہ ہر مسلمان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے۔ اس کے بعد اسلام مکہ میں پھیلنا شروع ہو گیا اور ان میں سے چند شرفاء نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ جب انہوں نے یہ کیفیت دیکھی تو انہوں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ چنانچہ اب وہ نرمی کے ساتھ برتاؤ کرنے لگے۔ مسلمانوں کی پہلی آزمائش یہی تھی جس نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت پر مجبور کر دیا۔ جب کفار کا رویہ نرم ہو گیا اور ان کے کچھ رؤساء بھی اسلام لے آئے تو ان مہاجرین حبشہ نے واپس مکہ آنے میں کچھ عافیت محسوس کی جو پہلے قریش کے مظالم سے تنگ آکر ہجرت پر مجبور ہو گئے تھے۔ جب ان مہاجرین کو علم ہوا کہ مکہ کے حالات کچھ سازگار ہو گئے ہیں تو وہ مکہ واپس لوٹ آئے۔ اسی اثناء میں مدینہ شریف کے کچھ انصار بھی اسلام لے آئے اور مدینہ میں اسلام کی اشاعت ہونے لگی۔ اہل مدینہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری دیتے۔ قریش کے لئے یہ صورت حال ناقابل برداشت تھی۔ اب پھر انہوں نے مشورہ کیا کہ مسلمانوں پر سختی کرنی چاہئے۔ چنانچہ وہ ایک بار پھر بڑی سرگرمی سے مسلمانوں پر مظالم توڑنے لگے جس سے مسلمانوں کو بڑی نازک اور اندوہناک کیفیت سے گزرنا پڑا۔ یہ دوسرا فتنہ تھا۔ پہلا فتنہ وہ تھا جس کے باعث انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی اور دوسرا فتنہ وہ ہے جس سے وہ حبشہ سے واپس آکر دوچار ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کے پاس مدینہ شریف کے ستر رؤساء جو اسلام لا چکے تھے، حج کے موقعہ پر حاضر ہوئے اور عقبہ کے مقام پر آپ ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی اور یہ عہد و پیمان باندھا کہ ہم آپ ﷺ کے ہیں اور آپ ﷺ ہمارے ہیں۔ اگر آپ ﷺ کے اصحاب میں سے کوئی یا آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائیں گے تو ہم آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی اس طرح مدافعت کریں گے جس طرح اپنی کرتے ہیں۔ قریش کو اس معاہدہ کا علم ہوا تو انہوں نے مزید سختی شروع کر دی تو اب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا۔ یہ دوسرا فتنہ تھا جس کے نتیجہ میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ ہجرت پر مجبور ہو گئے، اسی کے بارے میں فرمایا: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ(1)۔ یہ خط حضرت عروہ بن زبیر

1۔ تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 249-250

نے ولید بن عبد الملک بن مروان کو لکھا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ خط عبد الملک کو لکھا گیا تھا۔

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

"اور جان لو کہ جو کوئی چیز تم غنیمت میں حاصل کرو تو اللہ کے لئے ہے اس کا پانچواں حصہ اور رسول کے لئے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس پر جسے ہم نے اتارا اپنے (محبوب) بندہ پر فیصلہ کے دن جس روز آمنے سامنے ہوئے تھے دونوں لشکر۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

مال غنیمت کے متعلق تفصیل بیان ہو رہی ہے جو تمام امتوں میں سے صرف اس امت شریفہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا۔ غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو کفار پر چڑھائی کر کے قوت وغلبہ کے ذریعے ان سے حاصل کیا جائے، اور فئے اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر قتال کے ہاتھ آجائے مثلاً وہ مال جو صلح کے ذریعے حاصل ہو جائے اور وہ مال جس کا کوئی وارث نہ ہو، اسی طرح جزیہ، خراج وغیرہ، یہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر علماء خلف وسلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ بعض علماء فئے کا اطلاق غنیمت پر اور غنیمت کا فئے پر کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قتادہ کے نزدیک یہ آیت سورۂ حشر کی اس آیت کی ناسخ ہے: مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی...... (الحشر: 9)" جو مال پلٹا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے تو وہ اللہ کا ہے، اس کے رسول کا ہے اور رشتہ داروں کا......"۔ آیت انفال نے اس آیت حشر کو منسوخ کر دیا اور مال غنیمت کے پانچ حصوں میں سے چار حصے مجاہدین کے لئے مخصوص کر دیئے اور پانچواں حصہ ان کے ساتھ خاص کر دیا جن کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے یعنی اللہ، رسول، رشتہ دار، یتیم، مسکین اور مسافر (1)۔ لیکن یہ قول بہت بعید ہے کیونکہ یہ آیت غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی اور وہ بنی نضیر کے بارے میں اتری، اور اس میں سارے علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ واقعہ بنو نضیر غزوہ بدر کے بعد رونما ہوا۔ یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ لیکن جو حضرات فئے اور غنیمت میں فرق کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ وہ آیت اموال فئے کے بارے میں ہے اور یہ آیت اموال غنیمت کے متعلق۔ اور جو لوگ فئے اور غنیمت کے معاملہ کو امام وقت کے سپرد کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ امام کی مرضی پر موقوف ہے جس طرح چاہے کرے، اس طرح دونوں آیات کے درمیان منافات باقی نہیں رہے گی یعنی سورۂ حشر کی آیت اور انفال کی یہ آیت تخمیس۔

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ اس بات کی تاکید بیان ہو رہی ہے کہ مال غنیمت میں سے خمس (پانچواں حصہ) نکالنا ضروری ہے چاہے وہ کم ہو یا زیادہ اور اگرچہ سوئی دھاگہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (آل عمران: 161) "اور جو کوئی خیانت کرے گا تو لے آئے گا (اپنے ہمراہ) خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا"۔

فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ اس بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ کے نام کا الگ حصہ نکالا جائے گا یا اللہ و رسول دونوں ایک ہی مصرف ہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ خمس میں سے اللہ تعالیٰ کا حصہ نکال کر کعبہ شریف پر صرف کیا جائے گا۔ حضرت ابو العالیہ

2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 2

الرباحی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مال غنیمت کے پانچ حصے کرتے۔ چار حصے تو مجاہدین میں تقسیم کر دیتے اور پانچوں حصہ (خمس) میں سے آپ مٹھی بھر نکال کر کعبہ کے لئے وقف کر دیتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حصہ تھا۔ پھر آپ ﷺ باقی ماندہ خمس کو آیت میں مذکورہ پانچ مصارف پر تقسیم کر دیتے۔ ایک حصہ رسول خدا ﷺ کا، ایک قرابت داروں کا، ایک یتیموں کا، ایک مساکین کا اور ایک مسافرین کا(1)۔

بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کا نام بطور تبرک لیا گیا ہے۔ پہلے حصہ کا بیان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہو رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی سریہ (فوجی دستہ) روانہ کرتے اور وہ مال غنیمت لیکر لوٹتا تو آپ ﷺ اس کے پانچ حصے کرتے اور پھر پانچویں حصہ کے مزید پانچ حصے کرتے پھر یہ آیت پڑھتے: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ......(2)۔

فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ صرف افتتاح کلام کے لئے ہے ورنہ زمین وآسمان کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے حصے کو ایک ہی حصہ قرار دیا ہے۔ اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ایک صحابی نے وادی القریٰ کے مقام پر نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! غنیمت کے متعلق آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں سے خمس تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور باقی چار حصے لشکر کے''۔ اس نے عرض کی کیا اس میں کوئی کسی سے زیادہ حقدار نہیں؟ فرمایا: ''ہرگز نہیں، یہاں تک کہ وہ حصہ جو تو اپنی جیب سے نکالتا ہے اس کا بھی تو اپنے مسلمان بھائی سے زیادہ مستحق نہیں''(3)۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے مال کے پانچویں حصہ کی وصیت کی اور فرمایا کہ کیا میں اپنے مال میں سے اس حصہ پر راضی نہ ہو جاؤں جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لئے پسند کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جاتے تھے۔ ان میں سے چار حصے تو جنگ کرنے والوں کے مابین تقسیم کر دیئے جاتے اور پھر پانچوں حصہ کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا۔ ان میں سے ایک حصہ اللہ ورسول ﷺ کے لئے ہوتا۔ یہی ایک چوتھائی آپ ﷺ کے قرابت داروں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ آپ ﷺ خمس میں سے کچھ نہیں لیتے تھے(4)۔ حضرت عبداللہ بن ابی بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا حصہ نبی ﷺ کا حصہ ہے اور رسول ﷺ کا حصہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کا ہے۔ حضرت عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ اللہ ورسول ﷺ کا ایک ہی حصہ ہے آپ ﷺ حسب خواہش جہاں چاہئیں صرف کریں اور اپنی امت کے کسی فرد کو جس قدر دینا چاہئیں عنایت فرما دیں۔ اس کی تائید مسند احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، مقدام بن معدیکرب کندی بیان کرتے ہیں کہ وہ عبادہ بن صامت، ابوالدرداء اور حارث بن معاویہ کندی رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ حضرات احادیث رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ کرنے لگے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فلاں فلاں غزوہ میں رسول اللہ ﷺ نے خمس کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا تھا؟ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ میں صحابہ کو مال غنیمت کے ایک اونٹ کے پیچھے نماز پڑھائی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور کچھ بال اپنی چٹکی میں لیکر فرمایا: یہ (اونٹ کے) بال بھی مال غنیمت کا حصہ ہیں اور یہ میرے نہیں ہیں، میرا حصہ تو تمہارے ساتھ صرف خمس ہے۔ پھر یہ خمس بھی تمہیں دے دیا جاتا ہے۔ سوئی دھاگہ اور اس سے چھوٹی بڑی ہر چیز غنیمت میں جمع کروا دیا کرو اور مال غنیمت میں خیانت نہ کرو کیونکہ مال غنیمت میں خیانت کرنے

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 3-4

2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 3

3۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب قسم الفیء، جلد 6 صفحہ 324

3۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 4

والوں کے لئے دنیا و آخرت میں عار اور نار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قریب اور دور والوں سے جہاد کرو اور کسی کی ملامت کو خاطر میں نہ لاؤ، سفر و حضر میں حدود اللہ کو قائم کرو۔ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک بہت بڑا دروازہ ہے، اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ دکھ، رنج اور غم سے نجات عطا فرماتا ہے"(1)۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں اس سند سے مروی نہیں۔ ابوداؤد اور نسائی نے اختصار کے ساتھ یہ روایت کی ہے(2)۔ نبی کریم ﷺ مال غنیمت میں بعض چیزیں اپنے لئے مخصوص کرلیا کرتے تھے مثلاً غلام، لونڈی، گھوڑا، تلوار وغیرہ، جیسا کہ ابن سیرین، شعبی اور دیگر علماء نے اس کی صراحت کی ہے(3)۔ مسند احمد اور ترمذی کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں آتا ہے کہ ذوالفقار نامی تلوار آپ ﷺ نے بدر کے دن مال غنیمت میں سے لی تھی اور یہی وہ تلوار ہے جس کے بارے میں احد کے دن آپ ﷺ نے خواب دیکھا تھا(4)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہ (رضی اللہ عنہا) بھی اسی طرح آئی تھیں(5)۔ ابوداؤد اور نسائی میں حضرت یزید بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم باڑے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا جس کے پاس چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا۔ ہم نے اسے پڑھا تو اس پر یہ تحریر تھا: محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنی زہیر بن قیس کے نام۔ اگر تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اور مال غنیمت میں سے خمس اور نبی کریم ﷺ کا خاص حصہ ادا کرتے رہو تو تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امان میں ہو۔" ہم نے پوچھا کہ یہ کس نے لکھا ہے۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے(6)۔ یہ ساری احادیث اسی موقف کو ثابت کرتی ہیں اس لئے اکثر حضرات نے اسے آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ خمس میں امام وقت مسلمانوں کی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر تصرف کرے گا جس طرح وہ مال فی میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔ ہمارے شیخ علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ امام مالک اور اکثر سلف کا یہی قول ہے اور سب اقوال سے زیادہ صحیح ہے۔ جب یہ ثابت اور معلوم ہوگیا تو اب اس بات میں اختلاف باقی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خمس میں سے جو حصہ لیا کرتے تھے، آپ ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد اس حصہ کا مصرف کیسے ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حصہ آپ ﷺ کے بعد امام وقت یا خلیفۃ المسلمین کا ہوگا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے مفاد عامہ میں خرچ ہوگا۔ کچھ دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ اسے آیت میں مذکور بقیہ مصارف پر تقسیم کردیا جائے گا(7)۔ یہ اہل عراق کی ایک جماعت کا خیال ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ خمس تمام کا تمام قرابت داروں کے لئے ہے۔ منہال بن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن محمد بن علی اور علی بن حسین رحمہما اللہ سے خمس کے بارے میں دریافت کیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو ہمارا حصہ ہے۔ میں نے علی سے کہا کہ آیت کریمہ میں تو یتیم، مسکین اور مسافر بھی اس کے مصارف ذکر کئے گئے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ اس سے مراد بھی ہمارے یتیم اور مسکین ہیں۔ قیس بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حسن بن محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ...... کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے تو کلام کا افتتاح ہو رہا ہے ورنہ دنیا و آخرت کا مالک وہی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ان دونوں حصوں کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک آپ ﷺ کا حصہ آپ ﷺ کے بعد والے خلیفہ کو ملے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے قرابت داروں کو ملے گا۔ بہر صورت اتفاق رائے اس بات پر

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 31
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 82، سنن نسائی، کتاب قسم الفیء، جلد 7 صفحہ 131
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 152
4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب السیر، جلد 7 صفحہ 54، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 271
5۔ سنن ابوداؤد، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 152
6۔ سنن ابوداؤد، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 153، سنن نسائی، کتاب قسم الفیء، جلد 7 صفحہ 134 وغیرہ
7۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 8

ہے کہ ان دونوں حصوں کو جہاد کی تیاری اور گھوڑوں وغیرہ پر صرف کیا جائے۔ خلافت سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما میں یہی معمول رہا (1)۔ ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرات ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے حصہ کو کھیتی باڑی اور جہاد میں صرف کیا کرتے تھے۔ ابراہیم سے پوچھا گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس بارے میں کیا کیا کرتے تھے۔ فرمایا: وہ اس بارے میں سب سے زیادہ سخت تھے (2)۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ قرابت داروں کا حصہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب پر صرف ہوگا کیونکہ بنو عبدالمطلب نے زمانہ جاہلیت اور عہد اسلام میں بنو ہاشم کی مدد کی اور رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں یہ بھی ان کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ ان میں سے مسلمانوں نے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ساتھ دیا تھا اور کافروں نے خاندانی غیرت، عصبیت، حمیت اور جناب ابوطالب کی اطاعت کرتے ہوئے یہ مشقت برداشت کی۔ بنو عبد شمس اور بنو نوفل بھی اگرچہ آپ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے لیکن انہیں کوئی حصہ نہیں ملے گا کیونکہ یہ لوگ آپ ﷺ کے مخالفین میں سے تھے، بلکہ یہ تو خود آپ ﷺ کے خلاف جنگیں بھڑکاتے رہے اور دیگر قریش کو آپ ﷺ کو مخالفت پر اکساتے رہے، اسی لئے جناب ابوطالب نے اپنے قصیدۂ لامیہ میں ان کی بہت شدید مذمت کی ہے (3)۔ حضرت جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل اور حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد الشمس بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! آپ نے بنی مطلب کو تو خمس خیبر میں سے عطا کیا ہے اور ہمیں چھوڑ دیا ہے حالانکہ ہم اور وہ (رشتہ داری کے لحاظ سے) آپ ﷺ کے نزدیک یکساں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی چیز ہیں'' (4)۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے نہ مجھے جاہلیت میں چھوڑا اور نہ اسلام میں (5)۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ آپ ﷺ کے قرابت داروں میں صرف بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں۔ کچھ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ صرف بنو ہاشم ہیں۔ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ بنو ہاشم میں فقراء ہیں۔ اس لئے صدقہ کے بجائے خمس میں سے ان کا حصہ مقرر کر دیا۔ اور یہی رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار ہیں جن کے لئے صدقہ حلال نہیں ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قرابت دار سب قریش ہیں۔ نجدہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذوی القربیٰ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے انہیں لکھ بھیجا کہ ہم تو یہی خیال کرتے تھے کہ اس سے مراد ہم ہی ہیں لیکن ہماری قوم نے انکار کر دیا وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تمام قریش ہیں۔ اسے مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے (6)۔ ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمہارے لئے لوگوں کے میل کچیل سے اعراض کر لیا کیونکہ خمس کا پانچواں حصہ تمہارے لئے کافی ہے۔''

یتٰمٰی سے مراد مسلمانوں کے یتیم بچے ہیں۔ علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا صرف فقراء یتیم اس کے حقدار ہیں یا غنی اور فقیر سب یتیم؟ دونوں قول ہیں۔

مسٰکین سے مراد وہ محتاج ہیں جن کے پاس اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے بھی کچھ نہ ہو۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 6-7
2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 6
3۔ دیکھئے قصیدہ لامیہ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 277-278
4۔ صحیح مسلم، جلد 5 صفحہ 197
5۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6 صفحہ 533، سنن نسائی، کتاب قسم الفیء، جلد 7 صفحہ 130-131
6۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد 1445، سنن ابوداؤد، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 146 سنن نسائی، کتاب قسم الفیء، جلد 7 صفحہ 128-129

ابن السبیل سے مراد ایسا مسافر ہے جو اتنی مسافت کا سفر کر چکا ہو جس میں قصر صلوٰۃ کرنا جائز ہو اور اس کے پاس زاد سفر نہ ہو۔ سورۂ برأت میں آیت صدقات کی تفسیر میں اس کا بیان ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا یعنی مال غنیمت میں سے خمس الگ کر کے حکم الٰہی کی اطاعت کرو اگر تم اللہ، یوم آخرت اور رسول کریم ﷺ پر اتارے گئے احکامات پر ایمان رکھتے ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفد عبدالقیس سے فرمایا: ”میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار سے منع کرتا ہوں۔ میں تمہیں اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں، پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ ایمان باللہ کیا ہے؟ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور غنیمت میں سے خمس ادا کرنا......“(1)۔ آپ ﷺ نے خمس کو بھی ایمان میں شامل کیا۔ امام بخاری نے ”اَدَاءُ الْخُمُسِ مِنَ الْاِیْمَانِ“ (خمس کی ادائیگی ایمان کا جزء ہے) کے تحت ایک باب باندھا ہے اور وہاں اس حدیث کو ذکر کیا ہے، ہم نے شرح بخاری میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ...... یعنی بدر کے دن جو حکم ہم نے تقسیم غنیمت کے متعلق اپنے محبوب بندے پر اتارا۔ اللہ تعالیٰ اپنے انعام اور احسان سے آگاہ فرما رہا ہے کہ بدر کے دن اس نے مسلمانوں کو ایسا غلبہ عطا فرمایا کہ حق و باطل الگ الگ ہو گئے۔ اسلام اور کفر میں فرق واضح ہو گیا اس لئے اسے یوم فرقان کہتے ہیں کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے کلمہ ایمان کو کلمہ کفر پر برتری عطا فرمائی، اپنے دین کو غلبہ اور بالا دستی عطا فرمائی اور اپنے نبی اور اپنی جماعت کو تائید و نصرت سے نوازا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یوم الفرقان سے یوم بدر مراد ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان فرق کر دیا(2)۔ یہ پہلا غزوہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ نے شرکت فرمائی۔ مشرکین عتبہ بن ربیعہ کے زیر قیادت تھے۔ جمعہ کے دن سترہ یا انیس رمضان المبارک کو یہ معرکہ پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی تعداد تین سو دس سے کچھ اوپر تھی جبکہ مشرکین نو سو اور ہزار کے بین بین تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کفار کو شرمناک ہزیمت سے دوچار کیا۔ ان کے ستر سے زائد سورماؤں کو قتل کر دیا گیا اور اتنی مقدار میں ہی قیدی بنا لئے گئے۔ مستدرک حاکم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لیلۃ القدر کو انیسویں رات میں تلاش کرو کیونکہ اس کی صبح کو معرکۂ بدر پیش آیا تھا(3)۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لیلۃ الفرقان کو جب دونوں لشکر باہم برسرپیکار ہوئے تھے رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی اور یہ جمعہ کی رات تھی۔ اہل مغازی اور اہل سیر کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ یزید بن ابی حبیب جو اپنے زمانے کے امام دیار مصریہ تھے کہتے ہیں کہ بدر کا دن پیر کا دن تھا لیکن کسی اور نے اس کی متابعت نہیں کی اور جمہور کا قول بہر حال مقدم ہے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾

”جب تم وادی کے نزدیک والے کنارے پر تھے اور وہ (لشکر کفار) دور والے کنارہ پر تھا اور (تجارتی) قافلہ نیچے کی طرف

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 20، صحیح مسلم، کتاب الایمان 47-48
2۔ مستدرک حاکم، کتاب المغازی، جلد 3 صفحہ 23
3۔ مستدرک حاکم، کتاب المغازی، جلد 3 صفحہ 20

تھا تم سے اور اگر تم لڑائی کے لئے وقت مقرر کرتے تو پیچھے رہ جاتے وقت مقرر سے لیکن (یہ بلا ارادہ جنگ اس لئے تھی) تا کہ کر دکھائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا تا کہ ہلاک ہو جسے ہلاک ہونا ہے دلیل سے اور زندہ رہے جسے زندہ رہنا ہے دلیل سے اور بیشک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، جاننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ یوم فرقان کے متعلق فرما رہا ہے کہ جب تم وادیٔ بدر میں مدینہ کی طرف قریب والے کنارے پر ٹھہرے تھے اور مشرکین مکہ کی طرف مدینہ سے دور والے کنارے پر ٹھہرے تھے اور ابوسفیان اپنے قافلہ سمیت سمندر کی طرف سے نیچے جا رہا تھا۔ اگر تم اور مشرکین پہلے جنگ کا پروگرام بناتے تو یقیناً جگہ اور وقت کے متعلق اختلاف پڑ جاتا۔ اس کا ایک اور مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر تم آپس میں طے شدہ پروگرام کے مطابق جنگ کے لئے تیار ہوئے ہوتے اور پھر تمہیں ان کی کثرت تعداد اور اپنی قلت اور بے سروسامانی کا علم ہو جاتا تو تم اختلاف کا شکار ہو جاتے اور تم ہمت ہار بیٹھتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے بلا ارادہ دونوں لشکروں کے درمیان مقابلہ کروا دیا تا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اہل اسلام کو عزت بخشنے اور شرک اور اہل شرک کو ذلیل کرنے کا جو ارادہ فرمایا تھا وہ تکمیل پذیر ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور لطف سے اپنے ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا(1)۔ حدیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان قریش کے تجارتی قافلہ کے ارادہ سے نکلے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی پروگرام کے دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ کروا دی(2)۔ ابوسفیان اپنے قافلہ کے ساتھ شام سے لوٹا۔ ابوجہل اپنے ساتھیوں کو لیکر اس قافلہ کی مدافعت کے لئے نکلا۔ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان میدان کارزار گرم ہو گیا، حالانکہ اس سے پہلے دونوں ایک دوسرے سے بے خبر تھے۔ دونوں کو ایک دوسرے کا اس وقت علم ہوا جب فریقین کے پانی لانے والے لوگ پانی پر اکٹھے ہوئے۔ سیرت محمد بن اسحاق میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ سیدھے اپنے ارادہ سے جا رہے تھے۔ جب آپ ﷺ صفراء کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے بسبس بن عمر اور عدی بن ابی الزغباء کو ابوسفیان کے متعلق معلومات لانے کے لئے روانہ کیا۔ یہ دونوں مقام بدر پر پہنچے وہاں بطحاء کے ایک ٹیلہ کے ساتھ اپنے اونٹ بٹھا دیئے اور اپنا مشکیزہ بھرنے کے لئے پانی کی تلاش میں نکلے۔ اسی اثناء میں انہوں نے دو لڑکیوں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے سنا، ایک دوسری سے کہہ رہی تھی کہ میرا قرض واپس کرو۔ اس نے جواب دیا کہ کل پرسوں تک قافلہ واپس آنے والا ہے۔ جب قافلہ آ جائے گا تو میں تمہارا حساب بے باق کر دوں گی۔ مجدی بن عمرو بیچ میں کہنے لگا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ یہ سن کر دونوں حضرات اپنی اپنی سواری پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو واقعہ کی اطلاع دی۔ ان دونوں حضرات کے واپس ہو جانے کے بعد ابوسفیان اکیلا قافلہ سے آگے آگے یہاں پہنچا اور مجدی بن عمرو سے پوچھنے لگا کہ کیا اس چشمہ پر کوئی مشکوک آدمی تم نے دیکھا ہے؟ وہ کہنے لگا: نہیں۔ البتہ دو سوار آئے تھے جنہوں نے اپنی سواریوں کو اس ٹیلے کے پاس بٹھا دیا، پھر چشمہ سے پانی بھر کر واپس روانہ ہو گئے۔ ابوسفیان اس جگہ آیا جہاں انہوں نے اپنی سواریاں بٹھائی تھیں۔ وہاں مینگنیاں اٹھائیں اور انہیں توڑ کر دیکھا تو ان میں گٹھلیاں تھیں۔ کہنے لگا: اللہ کی قسم! یہ یثرب کے لوگ تھے۔ پھر وہ جلدی سے واپس لوٹا اور اپنے قافلہ کا رخ ساحل سمندر کی طرف کر دیا اور رستہ بدل کر سمندر کے کنارے کنارے سفر کرنے لگا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ قافلہ اب محفوظ ہو گیا ہے تو اس نے ایک قاصد کے ذریعے قریشیوں کو یہ پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے قافلہ، اموال اور آدمیوں کو بچا لیا ہے اس لئے تم واپس لوٹ جاؤ۔ لیکن ابوجہل نے یہ بات ان سنی کر دی اور کہنے لگا کہ ہم

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 672، تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 11 2۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 92

واپس نہیں جائیں گے بلکہ میدان بدر میں پہنچ کر اپنے ڈیرے جمائیں گے۔ بدر میں اس وقت ایک بازار لگا کرتا تھا۔ وہاں ہم تین دن قیام کریں گے، کھائیں پئیں گے، اونٹ ذبح کریں گے، شراب کے جام لنڈھائیں گے اور مغنیہ لونڈیوں کے دلربا گیت سنیں گے، اس طرح سارے عرب میں ہماری دھوم مچ جائے گی، ہر ایک پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی اور لوگ ہم سے لرزہ براندام رہیں گے۔ اخنس بن شریق نے کہا: اے گروہ بنوزہرہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اموال محفوظ کر دیئے ہیں اور تمہارے ساتھی کو بچالیا ہے اس لئے واپس لوٹ جاؤ۔ چنانچہ بنوزہرہ کے افراد واپس لوٹ آئے۔ نہ انہوں نے جنگ میں شرکت کی اور نہ بنوعدی نے (1)۔ رسول اللہ ﷺ جب بدر کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے حضرات علی، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن عوام اور چند دیگر صحابہ کو خبر لانے کے لئے بھیجا۔ قریش کے لئے پانی لانے والے دو غلام ان کے ہاتھ لگ گئے۔ ایک بنوسعید بن العاص کا تھا اور دوسرا بنوالحجاج کا۔ یہ حضرات ان دونوں کو پکڑ کر لے آئے۔ جب واپس پہنچے تو حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ چنانچہ صحابہ نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم قریش کے سقے ہیں، انہوں نے ہمیں پانی لانے کے لئے بھیجا ہے۔ صحابہ سمجھے کہ یہ ابوسفیان کے آدمی ہیں اس لئے انہیں مارنا شروع کر دیا۔ آخرکار انہوں نے خوفزدہ ہو کر کہہ دیا کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں، اس پر ان کی جان چھوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک رکعت مکمل کر کے سلام پھیر دیا اور فرمایا: ”جب انہوں نے تمہارے ساتھ سچ بولا تو تم انہیں پیٹنے لگے اور جب جھوٹ بولا تو تم نے انہیں چھوڑ دیا۔ اللہ کی قسم! انہوں نے سچ بولا ہے اور یہ قریش کے آدمی ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ بتاؤ، قریش کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ وادیٔ قصویٰ پر اس ٹیلے کے پیچھے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ان کی تعداد کتنی ہے؟ کہنے لگے: بہت زیادہ۔ پھر پوچھا: بتاؤ ان کی تیاری اور تعداد کیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہمیں نہیں معلوم۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اچھا پھر یہ بتاؤ کہ وہ ہر روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ ایک دن نو اور ایک دن دس۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کی تعداد نو سو اور ہزار کے درمیان ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ رؤسائے قریش میں سے کون کون ان میں شامل ہے؟ انہوں نے بتایا: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر بن نوفل، طعیمہ بن عدی بن نوفل، نضر بن حارث، زمعہ بن الاسود، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج، سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدود۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ”هٰذِهٖ مَكَّةُ قَدْ اَلْقَتْ اِلَيْكُمْ اَفْلَاذَ كَبِدِهَا“ (یہ لو مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف بھیج دیئے ہیں) (2)۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن عرض کی: یارسول اللہ! کیا ہم آپ کے لئے عریش (چھپر) نہ بنا دیں۔ آپ ﷺ وہاں تشریف فرما رہیں اور ہم وہاں آپ ﷺ کے پاس اپنی سواریاں بٹھا کر میدان کارزار میں کود جائیں۔ کل جب مقابلہ ہوگا تو اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان پر غلبہ اور عزت عطا فرمائی تو بہت بہتر ہے اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ اور اگر کوئی دوسری صورت حال ہوئی تو آپ ان سواریوں پر سوار ہو کر مدینہ شریف ہمارے لواحقین کے پاس تشریف لے جائیں۔ اللہ کی قسم! ان میں سے کوئی بھی آپ کی تائید و نصرت میں پس و پیش نہیں کرے گا، وہ ہم سے زیادہ آپ ﷺ کو محبوب رکھتے ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ جنگ ہونے والی ہے تو کوئی بھی ان میں سے آپ کا ساتھ چھوڑ کر پیچھے نہ رہتا بلکہ آپ انہیں ہر خدمت کے لئے کمربستہ پاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مشورہ کو پسند کیا اور انہیں دعائے خیر سے نوازا اور آپ ﷺ کے لئے عریش تیار کر دیا گیا جہاں آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، اور کوئی تیسرا شخص نہ تھا (3)۔ جب صبح کے وقت قریش کا لشکر ٹیلے کے پیچھے نمودار ہوتا ہوا دکھائی دیا تو آپ

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 617-619 2۔ ایضاً 3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 620-621

ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں اپنی عرض یوں پیش کی: ''اے اللہ! یہ قریش اپنے فخر وغرور اور نخوت وتکبر کے ساتھ تیرے ساتھ جنگ کرنے اور تیرے رسول کو جھٹلانے کے لئے آئے ہیں، یا اللہ! آج انہیں ذلیل ورسوا کردے''(1)۔

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنۢ بَيِّنَةٍ...... محمد بن اسحاق اس کی تفسیر بیان کرتے ہیں: تاکہ جس نے کفر کرنا ہے وہ آیات بینات اور دلیل ملاحظہ کرنے کے بعد کفر کرے اور اسی طرح جسے ایمان لانا ہے وہ حجت کے بعد ایمان لائے(2)۔ یہ عمدہ تفسیر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی طے شدہ پروگرام کے تمہیں دشمنوں کے خلاف بھڑا دیا تاکہ وہ ان کے خلاف تمہاری مدد کرے اور کلمہ حق کو باطل پر بالا دستی اور رفعت عطا فرمائے تاکہ معاملہ واضح ہوجائے اور حجت روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے اور کسی کے لئے کوئی حجت یا شک وشبہ باقی نہ رہے۔ اب جو ہلاک ہونا چاہتا ہے وہ معاملہ کے واضح ہوجانے اور حجت کے عیاں ہوجانے کے بعد ہوگا، اسی طرح جو ایمان لانا چاہتا ہے اور زندہ رہنا چاہتا ہے اس پر بھی حجت مخفی نہیں۔ یہاں حیاۃ کا معنی ایمان ہے کیونکہ ایمان ہی دلوں کی زندگی ہے جیسا کہ فرمایا: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ (الانعام:122) ''کیا وہ جو (پہلے) مردہ تھا پھر زندہ کیا ہم نے اسے اور بنادیا اس کے لئے نور چلتا ہے جس کے اجالے میں لوگوں کے درمیان''۔ واقعہ افک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر جس نے ہلاک ہونا تھا ہو گیا(3)۔ یعنی بہتان باندھا اور جھوٹی تہمت لگائی۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری دعا، خشوع وخضوع اور فریاد کو سننے والا ہے اور تمہارے بارے میں خوب علم رکھتا ہے کہ تم اپنے کافر اور ہٹ دھرم دشمن کے خلاف فتح ونصرت کے مستحق ہو۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

''یاد کرو جب دکھایا اللہ نے آپ کو لشکر کفار خواب میں قلیل۔ اور اگر دکھایا ہوتا آپ کو لشکر کثیر تعداد میں تو ضرور تم لوگ ہمت ہار دیتے اور آپس میں جھگڑنے لگتے اس معاملہ میں لیکن اللہ نے (تمہیں) بچالیا بے شک وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے اور یاد کرو جب اللہ نے دکھایا تمہیں لشکر کفار جب تمہارا مقابلہ ہوا تمہاری نگاہوں میں قلیل اور قلیل کردیا تمہیں ان کی نظروں میں تاکہ کر دکھائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں سارے معاملات''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو لشکر کفار قلیل تعداد میں دکھایا۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے اس چیز کا ذکر کیا تو یہ خبر ان کے لئے ثابت قدمی اور اطمینان کا باعث بنی(4)۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ان آنکھوں سے انہیں قلت میں دیکھا جن سے آپ سوتے تھے۔ لیکن یہ قول غریب ہے کیونکہ آیت کریمہ میں صراحۃً لفظ منام مذکور ہے اس لئے بغیر دلیل کے تاویل کی ضرورت ہی نہیں۔

وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا...... یعنی اگر اللہ تعالیٰ لشکر کفار کو کثرت میں دکھاتا تو تم ہمت ہار بیٹھتے، بزدلی کا شکار ہوجاتے اور آپس میں جھگڑنے لگتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی قلیل تعداد دکھا کر تمہیں اس سے بچالیا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید اور سینے کے راز خوب جانتا ہے۔

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 621
2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 672-673
3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ نور، جلد 8 صفحہ 452، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ 2131 وغیرہ
4۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 12

وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ...... یہ بھی اللہ تعالیٰ کا مومنین پر لطف و کرم تھا کہ اس نے بوقت جنگ بھی مسلمانوں کو کفار کی تعداد کم دکھائی تاکہ وہ کفار پر پوری جرأت اور مردانگی سے حملہ آور ہو جائیں اور کسی تذبذب کا شکار نہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کفار ہماری نظروں میں اس قدر کم دکھائی دیتے تھے کہ میں نے ان کا حساب لگا کر اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ ان کی تعداد ستر ہوگی؟ اس نے کہا: نہیں، بلکہ ان کی تعداد سو ہے، پھر ہم نے ان کے ایک شخص کو قید کر لیا اور اس سے کفار کی تعداد کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ ہماری تعداد ایک ہزار تھی (1)۔

وَيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کفار کی نظروں میں بھی مسلمانوں کو قلیل کر کے دکھایا تاکہ وہ خوفزدہ ہو کر بھاگ نہ جائیں۔ گویا ہر ایک فریق کو قلیل مقدار میں دکھا کر اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایک دوسرے کے مقابلہ پر برانگیختہ کیا۔ دونوں لشکر اپنی اپنی فتح کے یقین میں برسرِ پیکار ہو گئے۔

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا مقصد یہ تھا کہ اللہ وہ کام کر دکھائے جسے ہر حال میں ہو کر رہنا تھا یعنی اللہ تعالیٰ اس جنگ کے ذریعے کفار کو عذاب سے دوچار کرے اور مومنین کو اپنے انعام و احسان سے سرفراز کرے (2)۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور حکمت سے ہر فریق کو دوسرے پر اکساتا رہا اور لڑائی سے پہلے دونوں فریق ایک دوسرے کو قلیل مقدار میں دیکھتے رہے۔ جب دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ مومنین کی مدد کی جس کی وجہ سے کافروں کو مسلمان اپنی تعداد سے دوگنا نظر آنے لگے جیسا کہ فرمایا: قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ (آل عمران: 13) ”بے شک تھا تمہارے لئے (عبرت کا) نشان (ان) دو گروہوں میں جو ملے تھے (میدان بدر میں) ایک گروہ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں اور دوسرا کافر تھا دیکھ رہے تھے (مسلمان انہیں) اپنے سے دو چند (اپنی) آنکھوں سے اور اللہ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے یقیناً اس واقعہ (بدر) میں بہت بڑا سبق ہے آنکھ والوں کے لئے“۔ تو یہ ہے دونوں آیتوں کے درمیان تطبیق۔ ان میں سے ہر ایک حق اور سچ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ؗ45 وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ؗ46

”اے ایمان والو! جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی۔ اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے گی تمہاری ہوا اور (ہر مصیبت میں) صبر کرو۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو لڑائی کے آداب، تدابیر اور دشمن کے مقابلہ کے وقت شجاعت و مردانگی کی تعلیم دے رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غزوے میں سورج ڈھلنے کے بعد رسول خدا ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: ”اے لوگو! دشمن سے لڑائی کی تمنا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے رہا کرو۔ لیکن جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ڈٹ

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 13 2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 14، سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 673

جاؤ اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے"۔ پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر ہی یہ دعا مانگی: "اے اللہ، کتاب نازل فرمانے والے، بادلوں کو چلانے والے اور لشکروں کو ہزیمت سے دوچار کرنے والے! انہیں شکست دے اور ہمیں ان پر اپنی نصرت عطا فرما" (1)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دشمن سے مڈبھیڑ کی خواہش نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو۔ لیکن جب دشمن سے سامنا ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کرو۔ اگر وہ شور وغل مچائیں اور چیخنا چلانا شروع کر دیں تو تم خاموشی اختیار کر لو" (2)۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تین مواقع پر خاموشی کو پسند فرماتا ہے: تلاوت قرآن کے وقت، جہاد کے وقت اور جنازہ کے وقت" (3)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: "میرا کامل بندہ وہ ہے جو دشمن کے ساتھ مقابلہ کے وقت بھی میرا ذکر کرتا رہے" (4)۔ یعنی اس نازک وقت میں بھی وہ میرے ذکر، دعا اور استعانت کو ترک نہ کرے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ کی مصروف ترین گھڑی میں بھی اپنا ذکر فرض کیا ہے۔ عطاء فرماتے ہیں کہ لڑائی کے وقت خاموش رہنا اور اللہ کا ذکر کرنا واجب ہے پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی۔ آپ سے پوچھا گیا کہ بلند آواز سے ذکر کریں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

حضرت کعب الاحبار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو قراءت قرآن اور اپنے ذکر سے زیادہ محبوب چیز کوئی نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ لوگوں کو نماز اور قتال میں اس کا حکم نہ دیتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے قتال کے وقت بھی لوگوں کو ذکر کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً ...... شاعر کہتا ہے: اے میری محبوبہ! میں نے اس وقت (میدان جنگ میں) تجھے یاد کیا جب خطی نیزے حرکت میں تھے اور گندم گوں نیزے ہمارے خون سے سیراب ہو رہے تھے (5)۔ اسی طرح عنترہ کہتا ہے کہ میں نے تجھے اس وقت یاد کیا جب نیزے ہمارے خون پی چکے تھے اور ہندی تلواروں سے ہمارا خون ٹپک رہا تھا (6)۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں دشمن سے نبرد آزما ہوتے وقت ثابت قدم رہنے، ڈٹ جانے اور صبر کرنے کا حکم دیا۔ نہ وہ ہمت ہاریں، نہ بزدلی دکھائیں اور نہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں بلکہ ثابت قدم رہ کر اس نازک وقت میں بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کریں، اسی سے مدد طلب کریں، اسی پر بھروسہ کریں، اسی سے فتح ونصرت کا سوال کریں اور اپنی اس حالت میں بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں۔ جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اسے بجا لائیں، جس چیز سے منع کیا ہے اس سے اجتناب کریں اور آپس میں جھگڑنے اور اختلافات سے احتراز کریں ورنہ وہ کم ہمت ہو جائیں گے، ان کی ہوا اکھڑ جائے گی، قوت کمزور پڑ جائے گی، وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی اور زوال شروع ہو جائے گا۔ اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے صبر کی تلقین فرمائی اور ساتھ یہ بھی مژدہ سنا دیا کہ وہ صابرین کے ساتھ ہے۔ صحابہ کرام نے شجاعت، پامردی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی ایسی ایسی مثالیں قائم کی ہیں اور ایسے ایسے ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں جن کی نظیر نہ پہلی امتوں میں ملتی ہے اور نہ بعد میں۔ یہ رسول کریم ﷺ کی برکت اور ان کی اطاعت کا ہی نتیجہ تھا کہ انہوں نے قلیل مدت میں باوجود قلت تعداد اور قلت اسباب کے نہ صرف مشرق ومغرب کے ممالک کو فتح کیا بلکہ ان لوگوں کی اقلیم دل کے بھی فرمانروا بن گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان نفوس قدسیہ نے رومیوں، ایرانیوں، ترکیوں، بربریوں، حبشیوں، قبطیوں اور دیگر بہت سی اقوام کو مغلوب کر کے اللہ کا کلمہ بلند کر دیا، اس کے دین کو تمام ادیان پر غلبہ دے دیا اور تیس

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 4 صفحہ 92، صحیح مسلم، کتاب الجہاد 1362
2۔ سنن دارمی، کتاب السیر، جلد 2 صفحہ 135
3۔ معجم کبیر، جلد 5 صفحہ 213
4۔ عارضة الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 82
5۔ شرح المفصل، جلد 2 صفحہ 67
6۔ دیوان عنترة: 150

سال سے بھی کم مدت میں سلطنت اسلامیہ مشرق ومغرب میں پھیل گئی۔ رضی اللہ عنہم۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حشر بھی اس پاک جماعت کے ساتھ کرے۔ وہ کریم اور وہاب ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾

اور (دیکھو!) نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جو نکلے تھے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور (محض) لوگوں کے دکھلاوے کے لئے اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے (اپنے علم اور قدرت سے) گھیرے ہوئے ہے۔ اور یاد کرو جب آراستہ کر دیئے ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال اور (انہیں) کہا کہ کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر آج ان لوگوں میں سے اور میں نگہبان ہوں تمہارا تو جب آمنے سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور بولا میں بری الذمہ ہوں تم سے میں دیکھ رہا ہوں وہ جو تم نہیں دیکھ رہے، میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ یاد کرو جب کہہ رہے تھے منافق اور وہ جن کے دلوں میں (شک کا) روگ تھا کہ مغرور کر دیا ہے انہیں ان کے دین نے۔ اور جو شخص بھروسہ کرتا ہے اللہ پر تو بیشک اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ مومنین کو لڑائی میں اخلاص اور کثرت ذکر کا حکم فرمانے کے بعد اب انہیں ان مشرکین کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرما رہا ہے جو حق کو مٹانے کے لئے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھلاوے کے لئے گھروں سے نکلے تھے جیسا کہ ابوجہل نے کہا تھا جب اسے یہ کہا گیا کہ قافلہ تو بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے اس لئے واپس چلنا چاہئے تو اس وقت اس نے کہا تھا کہ نہیں، اللہ کی قسم! ہم تو ضرور بدر کے چشمہ پر جا کر ٹھہریں گے، جانور ذبح کر کے گوشت کھائیں گے، شراب کا دور چلے گا اور گیت سنیں گے اس طرح پورے عرب پر ہمیشہ کے لئے ہمارا رعب ودبدبہ چھا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان کے سارے ارمان دھرے کے دھرے رہ گئے، ان کی تدبیر الٹ ہو گئی اور ان کی بزم عیش وطرب مکدر ہو گئی۔ یہاں ہی وہ قتل ہو کر گرے اور اس جگہ گڑھے میں ان سب کو پھینک دیا گیا۔ یہاں بھی ذلت ورسوائی اور بدبختی سے دوچار ہوئے اور آخرت میں تو ان کے لئے ابدی عذاب کا پہلے ہی وعدہ ہو چکا ہے۔ اسی لئے فرمایا: وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ یعنی جو مقصد وہ لیکر آئے تھے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے اسی لئے تو انہیں بدترین سزا دی۔ آیت کریمہ میں جن کی مشابہت نہ اختیار کرنے کا حکم ہوا ہے وہ مشرکین ہیں جنہوں نے بدر کے میدان میں رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں جنگ لڑی۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ قریش مکہ سے بدر کی طرف مغنیہ دوشیزاؤں اور آلات طرب کے ساتھ نکلے تو اس وقت یہ آیت وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ...... نازل ہوئی۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ...... جس غرض کے لئے مشرکین آئے تھے اور جس چیز کا انہوں نے ارادہ کیا تھا اسے شیطان نے ان کی نگاہوں میں نہایت حسین انداز میں پیش کیا اور انہیں یہ لالچ دلایا کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور انہیں یہ جو دھڑ کا لگا ہوا تھا کہ کہیں ان کی عدم موجودگی میں ان کے دشمن بنو بکر مکہ پر ہلہ نہ بول دیں اس خدشہ کو ابلیس نے یہ کہہ کر دور کر دیا کہ میں تمہارا نگہبان ہوں، تم بے فکر رہو۔ یہ ساری باتیں ابلیس نے سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت اختیار کر کے کہیں جو بنو مدلج کا سردار اور اپنے علاقہ کا رئیس تھا۔ شیطان اس طرح کے جھوٹے جال تیار کر کے اور سنہری سپنے دکھا کر لوگوں کو پھنساتا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے: يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (النساء: 120)۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ بدر کے روز ابلیس اپنا جھنڈا اور لاؤ لشکر لیکر مشرکین کے ساتھ شامل ہو گیا اور ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ آج کوئی بھی تمہیں مغلوب نہیں کر سکتا اور میں تمہارا حامی و ناصر ہوں۔ جب دونوں لشکر لڑنے لگے اور شیطان کی نظر ملائکہ پر پڑی تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اِنِّىْ بَرِىْۗءٌ مِّنْكُمْ...... ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ابلیس بنو مدلج کے ایک شخص کا روپ دھار کر آیا اور اپنے ساتھی شیاطین کو بھی لے آیا اور مشرکین سے کہنے لگا: لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ۔ جب میدان بدر میں صف بندی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ایک مٹھی بھر مٹی لیکر کفار کے چہروں پر پھینکی، اس سے وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ ادھر جبرئیل شیطان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت شیطان کا ہاتھ کسی مشرک کے ہاتھ میں تھا، جب شیطان نے جبرئیل علیہ السلام کو آتے ہوئے دیکھا تو اپنا ہاتھ چھڑایا اور اپنے لشکر سمیت دم دبا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ایک آدمی کہنے لگا: اے سراقہ! تم تو ہمارے حمایتی ہونے کے دعویدار تھے؟ اس نے جواب دیا: اِنِّىْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ فرشتوں کو دیکھ کر وہ بھاگا اور اس وقت یہ بات کہی (1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جب شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگا تو حارث بن ہشام نے اسے پکڑ لیا، اس نے اس کے چہرہ پر تھپڑ مار دیا جس کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ دوسرے لوگوں نے اسے کہا: اے سراقہ! اس حال میں تم ہمیں چھوڑے جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا:

اِنِّىْ بَرِىْۗءٌ مِّنْكُمْ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ پر ایک گھڑی کے لئے بے خودی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کیفیت کے دور ہو جانے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو خوشخبری دی کہ جبرئیل امین اپنا نورانی لشکر لیکر میمنہ میں شامل ہو گئے ہیں، میکائیل اپنے لشکر سمیت میسرہ میں اور اسرافیل ایک اور ہزار کے لشکر کے ساتھ شریک ہو گئے ہیں۔ ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کے روپ میں کفار کی پیٹھ ٹھونک رہا تھا اور انہیں بتا رہا تھا کہ آج کوئی تم پر غالب نہیں ہو سکتا۔ جب اس لعین نے ملائکہ کو دیکھا تو الٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا کہ میں تم سے بری الذمہ ہوں، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔ حارث بن ہشام نے اسے سراقہ سمجھ کر پکڑ لیا۔ ابلیس نے اس کے سینہ پر زور کا گھونسہ رسید کیا جس سے حارث گر پڑا۔ ابلیس دم دبا کر بھاگ نکلا یہاں تک کہ سمندر میں گر گیا۔ وہاں اپنا کپڑا بلند کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کرنے لگا کہ اے پروردگار! میں تجھے وہ وعدہ یاد دلاتا ہوں جو تو نے میرے ساتھ کر رکھا ہے (2)۔

حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جب قریش نے مکہ سے نکلنے کا عزم مصمم کر لیا تو انہیں یاد آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو ان کے دشمن بنو بکر ان کی عدم موجودگی میں مکہ پر ہلہ بول دیں۔ قریب تھا کہ یہ خیال انہیں اپنے عزم سے باز رکھتا کہ اسی اثناء میں ابلیس سراقہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 19   2۔ کتاب المغازی از امام واقدی 71، معجم کبیر، جلد 5 صفحہ 47-48

بن مالک بن جعشم مدلجی کی شکل میں نمودار ہوا۔ سراقہ بنو کنانہ کے شرفاء میں سے تھا، اور کہنے لگا کہ اس بات کا میں ذمہ دار ہوں کہ بنو کنانہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ چنانچہ وہ تیزی سے نکل پڑے (1)۔ محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ابلیس انہیں ہر منزل پر سراقہ کی شکل میں دکھائی دیتا اور انہیں ذرا سا بھی شک نہ گزرتا۔ بدر کے دن جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تو یہ ملعون فرشتوں کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حارث بن ہشام یا عمیر بن وہب نے اسے بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تو کہنے لگا کہ کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ شیطان انہیں بے یار و مددگار موت کے منہ میں دھکیل کر فرار ہو گیا۔ اور کہنے لگا: اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّنۡکُمۡ...... (2)۔ قتادہ بیان کرتے ہیں کہ جب ابلیس نے جبرئیل امین کو دیگر ملائکہ کے ساتھ اترتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ ان کے مقابلہ کی کوئی تاب نہیں لاسکتا اور بھاگتے ہوئے کہنے لگا کہ جو میں دیکھ رہا ہوں تم نہیں دیکھ سکتے اور میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ یہ خوف خدا والی اس کی بات جھوٹی تھی۔ خدا کا خوف تو اسے تھا ہی نہیں بلکہ اسے معلوم تھا کہ وہ مقابلہ کی طاقت وقوت ہی نہیں رکھتا۔ اس دشمن خدا کی یہی عادت ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو جھوٹی آرزوؤں کے سہارے حق کے مقابلہ میں لا کھڑا کرتا ہے، جب اس کے چیلے اس کے دام فریب میں پھنس جاتے ہیں اور حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی شروع ہو جاتی ہے تو یہ اپنے چیلوں کو میدان جنگ میں تنہا اور بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنی راہ لیتا ہے (3)۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: كَمَثَلِ الشَّيۡطٰنِ اِذۡ قَالَ لِلۡاِنۡسَانِ اكۡفُرۡ‌ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّنۡكَ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الۡعٰلَمِيۡنَ (الحشر: 16) ''منافقین اور یہود کی مثال شیطان کی سی ہے جو (پہلے) انسان کو کہتا ہے انکار کر دے۔ اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں، میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب العالمین ہے''۔ وَقَالَ الشَّيۡطٰنُ لَـمَّا قُضِىَ الۡاَمۡرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمۡ وَعۡدَ الۡحَـقِّ وَوَعَدْتُّكُمۡ فَاَخۡلَفۡتُكُمۡ‌ؕ وَمَا كَانَ لِىَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُكُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِىۡ‌ ۚ فَلَا تَلُوۡمُوۡنِىۡ وَلُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ‌ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصۡرِخِكُمۡ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُصۡرِخِىَّ‌ ؕ اِنِّىۡ كَفَرۡتُ بِمَاۤ اَشۡرَكۡتُمُوۡنِ مِنۡ قَبۡلُ‌ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ (ابراہیم: 22) ''اور شیطان کہے گا جب (سب کی قسمت کا) فیصلہ ہو چکے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ وعدہ سچا تھا۔ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا پس میں نے تم سے وعدہ خلافی کی۔ اور نہیں تھا میرا تم پر کچھ زور مگر یہ کہ میں نے تم کو (کفر) کی دعوت دی اور تم نے (فوراً) قبول کر لی میری دعوت۔ سو تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں (آج) تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ میں انکار کرتا ہوں اس امر سے کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے۔ بیشک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے''۔ حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں اب تمہارے ساتھ بدر میں ہوتا اور میری بینائی درست ہوتی تو میں تمہیں اس گھاٹی کے بارے میں بتاتا جہاں سے ملائکہ نکلے تھے، مجھے اس بارے میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں (4)۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو۔ ثابت قدم رکھنے کی یہ صورت تھی کہ ایک فرشتہ ایک مسلمان کے پاس اس کی جانی پہچانی شکل میں آتا اور کہتا کہ خوش ہو جاؤ، یہ کفار کوئی چیز نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اس لئے بے جگری سے لڑو اور سخت حملہ کر دو۔ ابلیس جو سراقہ کی شکل میں کفار کے ساتھ شریک جنگ ہوا تھا، ملائکہ کو دیکھتے ہی الٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا: اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّنۡکُمۡ...... ابوجہل گھوم پھر کر اپنے لشکر کے حوصلے بڑھا رہا تھا اور انہیں زوردار جنگ پر اکسا رہا تھا۔ کہنے لگا کہ سراقہ نے تو مومنین کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی، وہ چھوڑ کر چلا گیا تو کیا ہوا۔ اس کے فرار سے خوفزدہ نہ ہو اور نہ دل چھوٹا

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 19
2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 663
3۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 19
4۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 633

کرو۔ پھر لات وعزیٰ کی قسم اٹھا کر کہنے لگا کہ ہم محمد اور اس کے ساتھیوں کو رسیوں میں جکڑ کر اور گرفتار کئے بغیر نہیں لوٹیں گے، اس لئے تم انہیں قتل نہ کرو بلکہ گرفتار کرو۔ ابوجہل کا یہ فریب ایسے ہی تھا جیسا کہ جادوگروں کے ایمان لانے پر فرعون نے اپنی قوم کو دیا تھا: اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا (الاعراف: 123) ''بیشک یہ ایک فریب ہے جو تم نے (مل کر) کیا ہے شہر میں تا کہ تم نکال دو یہاں سے اس کے اصلی باشندوں کو''، اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ (طٰہٰ: 71) ''وہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سکھایا ہے جادو (کا فن)''۔ یہ محض اس کا بہتان اور جھوٹا الزام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابوجہل اس امت کا فرعون ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ابلیس یوم عرفہ سے زیادہ کسی دن حقیر، ذلیل، گھٹیا، درماندہ اور غضبناک نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس دن عام رحمت اور گناہوں سے معافی اترتے دیکھتا ہے سوائے یوم بدر کے (کہ اس دن اس کی ذلت ورسوائی اس سے بھی زیادہ تھی)۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یوم بدر کو کیا ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے ملائکہ کو جو جبرئیل کی زیر قیادت اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا'' (1)۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ...... اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے مسلمانوں کو مشرکین کی نگاہوں میں قلیل کر دکھایا اور اسی طرح مشرکین کو مسلمانوں کی نظروں میں کم کر دیا۔ تو مشرکین کہنے لگے کہ ان مٹھی بھر مسلمانوں کو ان کے دین نے مغرور اور فریب خوردہ بنا دیا ہے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کو ضرور شکست دیں گے، اس میں انہیں ذرا بھی شک نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ قتادہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ان مٹھی بھر مسلمانوں کو حکم الٰہی پر سختی سے کاربند دیکھا۔ ابوجہل نے جب لشکر اسلام پر نظر ڈالی تو بڑے فخر اور نخوت سے کہنے لگا کہ آج کے بعد اللہ کی عبادت کرنے والا کوئی باقی نہیں رہے گا (2)۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو دین کا طعنہ دینے والے منافقین تھے جو مکہ میں رہتے تھے اور بدر کے دن انہوں نے یہ بات کہی۔ عامر شعبی کہتے ہیں کہ یہ مکہ کے کچھ افراد تھے جنہوں نے زبانی زبانی اسلام قبول کر رکھا تھا لیکن بدر کے دن مشرکین کے ساتھ نکلے۔ جب انہوں نے مسلمانوں کی قلت کو دیکھا تو کہنے لگے: غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ۔ مجاہد کا کہنا ہے کہ یہ قریش کا ایک گروہ تھا جو قیس بن ولید بن مغیرہ، ابوقیس بن فاکہ بن مغیرہ، حارث بن زمعہ بن اسود بن مطلب، علی بن امیہ بن خلف اور عاص بن منبہ بن حجاج پر مشتمل تھا۔ قریش کے ساتھ مکہ سے نکلے تو شک اور تذبذب کا شکار تھے، لیکن جب انہوں نے اصحاب رسول ﷺ کی قلت کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے فریب میں مبتلا کر رکھا ہے، اسی لئے تو یہ بے سروسامانی کے عالم میں اتنے بڑے لشکر کے ساتھ مقابلہ کا خطرہ مول لے رہے ہیں (3)۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسے لوگ تھے جو معرکہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے اس لئے انہیں منافقین کا نام دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کا اقرار کیا ہوا تھا اور یہ مکہ میں مقیم تھے۔ بدر کے دن مشرکین کی معیت میں نکلے، جب مسلمانوں کی قلت کو دیکھا تو یہ بات کہنے لگے۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ جو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتا ہے تو اسے جان لینا چاہئے کہ وہ اللہ غالب اور عظیم قدرت کا مالک ہے جو اس کی پناہ لے لے اس پر کوئی ظلم نہیں کر سکتا اور وہ اپنے افعال میں حکیم بھی ہے، وہ ان افعال کو اپنے اپنے صحیح مقام پر رکھتا ہے۔ جو مستحق نصرت ہو اس کی مدد فرماتا ہے اور جو ذلت ورسوائی کا اہل ہو اسے اس سے دوچار کر دیتا ہے۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا

1۔ موطا امام مالک، کتاب الحج، جلد 1 صفحہ 422 2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 21 3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 641

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٥٠﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٥١﴾

''اور (اے مخاطب!) اگر تو دیکھے جب جان نکالتے ہیں کافروں کی فرشتے (اور) مارتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر۔ اور (کہتے ہیں) چکھو آگ کا عذاب یہ بدلہ ہے اس کا جو آگے بھیجا ہے تمہارے ہاتھوں نے اور اللہ تعالیٰ ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ہے (اپنے) بندوں پر''۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ سے فرماتا ہے کہ اگر آپ موت کے وقت کفار کی حالت دیکھتے تو آپ کو ان کی بہت زیادہ ہولناک، قبیح اور بری حالت دکھائی دیتی، جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرتے ہیں تو وہ اس وقت ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں کہ اپنی بداعمالیوں کے باعث دہکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مشرکین اپنے چہرے مسلمانوں کی طرف کرتے تو وہ تلواروں کے ساتھ ان پر حملہ کرتے اور اگر وہ پیٹھ پھیرتے تو فرشتے ان کی پشتوں پر مارتے ہوئے انہیں دبوچ لیتے۔ کچھ دیگر حضرات بھی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ بھی بدر کا ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے ابوجہل کی پشت پر کانٹوں کے سے نشانات دیکھے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ فرشتوں کی ضرب کے نشانات ہیں'' (1)۔ اگرچہ سیاق کلام تو اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ واقعہ بھی بدر کا ہے لیکن دراصل یہ ہر کافر کے حق میں عام ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اہل بدر کے ساتھ مخصوص نہیں کیا بلکہ فرمایا: وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى...... سورۂ قتال میں بھی اسی بات کا ذکر ہے (2)۔ اور سورۂ انعام میں یہ فرمان بھی گزرا ہے: وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ (الانعام:93) ''کاش تم دیکھو جب ظالم موت کی سختیوں میں (گرفتار) ہوں اور فرشتے بڑھا رہے ہوں (ان کی طرف) اپنے ہاتھ (اور انہیں کہیں کہ) نکالو اپنی جانوں کو''۔ یعنی جب ان کفار کی روحیں عذاب اور غضب الٰہی کو دیکھ کر جسم سے نکلنے سے انکار کر دیتی ہیں تو فرشتے جبراً ان روحوں کو نکالنے کے لئے اپنے رب کے حکم سے ان کفار پر ہاتھ اٹھاتے ہیں اور انہیں مارتے پیٹتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ جب ملک الموت حالت نزع میں کافر کے پاس بھیانک صورت میں آتے ہیں تو کہتے ہیں: اے خبیث روح! گرم ہوا، کھولتے ہوئے پانی اور گرم سائے کی طرف نکل جا۔ لیکن اس کی روح بدن میں بکھر جاتی ہے تو فرشتے اس کے جسم سے روح کو اس طرح شدت کے ساتھ نکالتے ہیں جس طرح بھیگی ہوئی روئی سے سیخ کو نکالا جاتا ہے۔ (3) اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ فرشتے انہیں عذاب حریق کی خوشخبری دیتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ...... یعنی یہ سزا دنیاوی زندگی میں تمہاری بداعمالیوں اور سیاہ کاریوں کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرتا، بلکہ وہ تو عادل حاکم ہے، ظالم نہیں۔ وہ منزہ، برتر، غنی اور حمید ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کر دیا ہے اور تم پر بھی اسے حرام ٹھہرایا ہے۔ اس لئے آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں تمہارے لئے شمار کر رہا ہوں۔ جو شخص بھلائی پائے تو وہ اس پر اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے سوا پائے تو وہ صرف اپنے آپ کو ہی ملامت کرے'' (4)۔ اسی لئے فرمایا:

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 22
2۔ دیکھئے سورۂ محمد: 27
3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 288-296
4۔ صحیح مسلم، کتاب البر 1994-1995

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

"جیسے دستور تھا فرعونیوں کا۔ اور جو (زبردست) لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے کفر کیا آیات الٰہی کے ساتھ تو پکڑ لیا انہیں اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث، بے شک اللہ قوت والا سخت عذاب دینے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب! آپ کی رسالت کو جھٹلانے والوں کے ساتھ بھی ہم نے وہی سلوک روا رکھا جو ان سے پہلے نافرمان اور جھٹلانے والی قوموں کے ساتھ رکھا تھا۔ اس قماش کے لوگوں کے بارے میں ہمارا یہ قانون اور سنت ہے کہ ہم انہیں عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دیتے ہیں۔ فرعونیوں اور ان سے پہلی امتوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی اور آیات الٰہی کے ساتھ کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں اور سیاہ کاریوں کے سبب سے ہلاک کر دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ قوت والا اور شدید عتاب دینے والا ہے۔ نہ اس پر کوئی غالب آ سکتا ہے اور نہ بھاگ کر جان چھڑا سکتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ۙ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

"یہ اس لئے کہ اللہ نہیں بدلنے والا کسی نعمت کو جس کا انعام اس نے فرمایا ہو کسی قوم پر یہاں تک کہ بدل ڈالیں وہی اپنے آپ کو اور بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ (کفار مکہ کا طرز عمل بھی) فرعونیوں اور ان (سرکشوں) کا سا ہے جو پہلے گزر چکے انہوں نے جھٹلایا اپنے رب کی آیتوں کو پس ہم نے ہلاک کر دیا انہیں بوجہ ان کے گناہوں کے اور ہم نے غرق کر دیا فرعونیوں کو اور (وہ) سب کے سب ظالم تھے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے ہر حکم میں عادل اور منصف ہے۔ جب تک بندہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے وہ اسے دی ہوئی نعمت نہیں چھینتا جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (الرعد: 11) "بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا کسی قوم کی (اچھی یا بری) حالت کو جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے۔ اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا تو کوئی ٹال نہیں سکتا اسے۔ اور نہ ہی ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی مددکرنے والا ہوتا ہے"۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ...... جیسا کہ فرعونیوں اور ان جیسے پہلے لوگوں کے ساتھ ہوا جب انہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور وہ تمام کی تمام نعمتیں ان سے چھین لیں جو باغات، چشموں، کھیتوں، خزانوں اور محلات کی شکل میں انہیں عطا فرمائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ ظلم تو انہوں نے اپنے ہاتھوں اپنے اوپر کیا ہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ۖۚ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ

مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

"بلاشبہ بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ انسان ہیں جنہوں نے کفر کیا پس وہ کسی طرح ایمان نہیں لاتے وہ جن سے (کئی بار) آپ نے معاہدہ کیا پھر وہ توڑتے رہے اپنا عہد ہر بار اور وہ (عہد شکنی سے) ذرا نہیں پرہیز کرتے۔ پس اگر آپ پائیں انہیں (میدان) جنگ میں تو (انہیں عبرتناک سزا دے کر) منتشر کردو انہیں جو ان کے پیچھے ہیں شاید وہ سمجھ جائیں"۔

زمین پر چلنے والے جانداروں میں سے بدترین وہ کافر ہیں جو ہرگز ایمان نہیں لاتے۔ اور یہ ایسے نابکار ہیں کہ جب بھی عہد کرتے ہیں توڑ دیتے ہیں اور جب بھی اپنے عہد و پیمان کی قسموں کے ساتھ پختہ کرتے ہیں دغا بازی کر جاتے ہیں اور اس عہد شکنی اور دوسرے گناہوں میں انہیں خوف خدا ہے ہی نہیں۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ جب آپ لڑائی میں ان پر غلبہ پالیں تو انہیں ایسی عبرتناک سزا دیں کہ ان کے پچھلوں کا بھی زہرہ آب ہو جائے، اور وہ بھی خوفزدہ ہو کر ایسے کرتوت کرنے سے باز آجائیں۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآىِٕنِيْنَ ﴿۵۸﴾

"اور اگر آپ اندیشہ کریں کسی قوم سے خیانت کا تو پھینک دو ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح طور پر بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا خیانت کرنے والوں کو"۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اگر کسی قوم کے ساتھ آپ نے معاہدہ کیا ہو اور آپ کو ان کی عہد شکنی اور وعدہ خلافی کا اندیشہ ہو تو آپ واضح طور پر معاہدہ ان کے منہ پر دے ماریں اور انہیں اس کی اطلاع کر دیں تاکہ فریقین کو برابر برابر یہ علم ہو جائے کہ اب معاہدہ باقی نہیں رہا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ ولید بن مسلم اس کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ کچھ مدت پہلے ہی انہیں معاہدہ کی منسوخی کی اطلاع دے دو۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اگرچہ وہ کفار کے ساتھ ہو پھر بھی اللہ تعالیٰ کو یہ چیز پسند نہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور شاہ روم کے درمیان عارضی صلح کا معاہدہ تھا۔ معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے کچھ دن پہلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لشکر لیکر ارض روم کی طرف روانہ ہونے لگے تاکہ جونہی صلح نامہ کی مدت ختم ہو، ان پر حملہ کر دیا جائے تو ایک بزرگ اپنی سواری پر یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے: اللہ اکبر، اللہ اکبر، وعدہ ایفاء کرو، عہد شکنی نہ کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "جب کسی کا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو جائے تو وہ نہ گرہ کھولے اور نہ باندھے جب تک معاہدہ کی مدت ختم نہ ہو جائے یا جب تک واضح طور پر معاہدہ منسوخ نہ کر دیا جائے۔" یہ سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور لشکر سمیت واپس لوٹ آئے (1)۔ حدیث یاد دلانے والے بزرگ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کسی شہر کے قلعہ کے پاس پہنچے تو اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ پہلے مجھے شہر والوں کو دعوت اسلام دینے دیجئے جس طرح رسول اللہ ﷺ دعوت دیا کرتے تھے۔ پھر آپ شہر والوں سے فرمانے لگے کہ میں بھی تمہی میں ایک شخص تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا۔ اگر تم بھی اسلام لے آؤ تو تمہارے بھی وہی حقوق و فرائض ہوں گے جو ہمارے ہیں۔ اگر تم انکار کرو تو تمہیں ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کرنا ہو گا۔ اور اگر اسے بھی منظور نہ کرو تو ہم عدم معاہدہ میں یکساں ہیں، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآىِٕنِيْنَ۔ تین دن آپ متواتر انہیں یہ دعوت دیتے

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 111، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 83 وغیرہ

رہے۔ چوتھے دن صبح کے وقت حملہ کر کے نصرت الٰہی سے شہر فتح کر لیا(1)۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿59﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿60﴾

"اور ہرگز نہ خیال کریں کافر کہ وہ بچ کر نکل گئے یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے اور تیار رکھو ان کے لئے جتنی استطاعت رکھتے ہو قوت و طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے تاکہ تم خوفزدہ کر دو اپنی جنگی تیاریوں سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور دوسرے لوگوں کو ان کھلے دشمنوں کے علاوہ تم نہیں جانتے ہو انہیں (البتہ) اللہ جانتا ہے انہیں اور جو چیز خرچ کرو گے راہ خدا میں اس کا اجر پورا پورا دیا جائے گا تمہیں اور (کسی طرح) تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ بچ کر نکل گئے ہیں اور ہم انہیں پکڑنے پر قدرت نہیں رکھتے، بلکہ وہ ہمہ وقت ہمارے قبضہ وقدرت میں ہیں، وہ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (العنکبوت: 4) "کیا خیال کر رکھا ہے انہوں نے جو کر رہے ہیں برے کرتوت کہ وہ ہم سے آگے نکل جائیں۔ بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں"۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (النور: 57) "یہ خیال ہرگز نہ کیجئے کہ کفار عاجز کرنے والے ہیں (ہمیں) زمین میں اور ان کا ٹھکانا آتش (جہنم) ہے۔ اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے"۔ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿196﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۣ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (آل عمران: 96-197) "(اے سننے والے!) نہ دھوکہ میں ڈالے تجھے چلنا پھرنا ان کا جنہوں نے کفر کیا ملکوں میں یہ لطف اندوزی تھوڑی مدت کے لئے ہے پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ بہت بری ٹھہرانے کی جگہ ہے"۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کے لئے حسب استطاعت و طاقت آلات حرب کی تیاری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ...... مسند امام احمد میں حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور قوت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: "اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ" (سن لو، قوت رمی میں ہے) دو بار آپ ﷺ نے یہ فرمایا(2)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "تیر اندازی کرو اور گھوڑ سواری کرو۔ تیر اندازی گھوڑ سواری سے بہتر ہے"(3)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھوڑوں کے مالک تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں: ایک آدمی کے لئے یہ گھوڑے اجر و ثواب کا باعث بنتے ہیں، ایک آدمی کے لئے نہ مفید نہ نقصان دہ اور ایک آدمی کے لئے عذاب کا باعث بنتے ہیں۔ جس شخص کو اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے وہ وہ شخص ہے جو جہاد کی نیت سے گھوڑوں کی پرورش کرے اور انہیں مرغزار یا باغ میں چرائے۔ یہ گھوڑے جو بھی چریں گے اس کے بدلے میں اسے نیکیاں حاصل ہوں گی اور اگر وہ رسی توڑ کر کہیں چڑھ جائیں تو ان کے نشانات قدم اور لید پر بھی نیکیاں ملتی ہیں۔ اگر وہ گھوڑے کسی نہر کے پاس سے گزرتے ہوئے پانی پی لیں حالانکہ مالک کا ارادہ پانی پلانے کا نہیں تھا تو اس پر بھی اسے نیکیاں حاصل ہوں گی۔ تو یہ ایسا

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 440 2۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ 1522، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 14 وغیرہ

3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 13، سنن نسائی، کتاب الخیل، جلد 6 صفحہ 243

شخص ہے جسے گھوڑوں کی پرورش پر اجر وثواب ملتا ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جس نے گھوڑے اسے نیت سے پالے تاکہ وہ دوسروں سے بے نیاز ہو جائے اور یہ شخص ان کی گردنوں اور پیٹھوں میں اللہ تعالیٰ کا حق نہ بھولا تو یہ گھوڑے اس کے لئے پردہ ہوں گے (نہ ثواب نہ گناہ)۔ اور تیسرا وہ شخص ہے جس نے گھوڑے فخر وریاء اور مقابلہ بازی کے لئے رکھے تو یہ اس کے لئے وبال اور عذاب کا موجب ہوں گے۔'' آپ ﷺ سے گدھوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کے متعلق کوئی خاص حکم مجھ پر نہیں اترا، البتہ یہ ایک جامع اور عام آیت ہے: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (زلزال: 8-7)'' (1) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گھوڑے تین قسم کے ہیں: رحمٰن کے، شیطان کے اور انسان کے۔ رحمانی گھوڑا وہ ہے جسے جہاد کے لئے پالا جائے۔ شیطانی گھوڑا وہ ہے جسے جوابازی اور شرطیں لگانے کے لئے رکھا جائے اور انسانی گھوڑا وہ ہے جسے کوئی انسان کسب معاش کے لئے رکھ لیتا ہے تو یہ گھوڑا فقر سے پردہ ہے'' (2)۔ اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ تیراندازی گھوڑسواری سے افضل ہے، امام مالک کا مسلک اس کے برعکس ہے لیکن حدیث شریف کے پیش نظر جمہور علماء کا مذہب قوی ہے، حضرت معاویہ بن خدیج ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ آپ اپنے ایک گھوڑے کے پاس کھڑے تھے۔ معاویہ پوچھنے لگے کہ آپ کا یہ گھوڑا آپ کی کیا خدمت بجالاتا ہے؟ آپ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ اس گھوڑے کی دعا میرے حق میں قبول ہوگئی ہے۔ پوچھا کہ ایک جانور کی کیا دعا ہو سکتی ہے؟ فرمایا: خدا کی قسم! ہر گھوڑا ہر صبح یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو نے اپنے بندوں میں سے ایک بندہ مجھے عطا کیا ہے اور میرا رزق اس کے ہاتھ میں دے دیا ہے، اس لئے تو مجھے اس کے نزدیک اس کے اہل، مال اور اولاد سے بھی زیادہ محبوب بنا دے (3)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر عربی گھوڑے کو ہر فجر کے وقت دو دعاؤں کی اجازت ملتی ہے، وہ کہتا ہے کہ یا اللہ! تو نے مجھے بنی آدم کے ایک فرد کے حوالے کیا ہے اس لئے مجھے اس کے نزدیک اس کے اہل وعیال اور مال سے بھی زیادہ محبوب بنا دے'' (4)۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں کے ساتھ خیر وبرکت بندھی ہوئی ہے اور ان کے مالک نصرت الٰہی سے نوازے جاتے ہیں۔ جس شخص نے جہاد کے لئے گھوڑا پالا اور اس پر خرچ کیا تو وہ ایسے شخص کی طرح ہے جو ہر وقت اپنا ہاتھ پھیلائے صدقہ کرتا رہتا ہے، اپنے ہاتھ کو کسی وقت بھی نہیں سمیٹتا'' (5)۔ اس قسم کی اور بھی متعدد احادیث ہیں۔ بخاری شریف کی حدیث میں خیر کی وضاحت بھی موجود ہے، فرمایا: ''قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں کے ساتھ خیر وابستہ ہے یعنی اجر اور غنیمت'' (6)۔

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ...... تاکہ تم اپنی جنگی تیاریوں سے کفار اور دیگر ان دشمنوں کو خوفزدہ کرو جو کھل کر سامنے نہیں آئے۔ تم انہیں نہیں جانتے لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کے متعلق بخوبی علم ہے۔ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ سے مراد یا تو یہود بنو قریظہ ہیں یا اہل فارس یا جن وشیاطین۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ اس سے مراد جنات ہیں۔ ایک منکر حدیث میں آتا ہے: ''جس گھر میں عمدہ گھوڑا ہو وہ کبھی بدنصیب نہیں ہو سکتا'' (7)۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ ان سے مراد منافقین ہیں (8)۔ یہ قول زیادہ بہتر ہے اور اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے: وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (التوبہ: 101) '' اور

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 4 صفحہ 635، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ 680-682 وغیرہ
2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 395
3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 162
4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 170، سنن نسائی، کتاب الخیل، جلد 6 صفحہ 223
5۔ معجم کبیر، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 54-56
6۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 4 صفحہ 34
7۔ معجم کبیر، جلد 17 صفحہ 189
8۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 32

تمہارے آس پاس بسنے والے دیہاتیوں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ مدینہ کے رہنے والے پکے ہو گئے ہیں نفاق میں تم نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں انہیں''۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ...... یعنی جو بھی تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے خرچ کرو گے تو تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ عطا کیا جائے گا۔ ابوداؤد کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک درہم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا تک ملے گا جیسا کہ اس آیت سے بھی واضح ہے: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (البقرة:261) ''مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ جو اگاتا ہے سات بالیں (اور) ہر بال میں سو دانہ ہو اور اللہ تعالیٰ (اس سے بھی) بڑھا دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے اور اللہ وسیع بخشش والا جاننے والا ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ پہلے رسول اللہ ﷺ صرف مسلمانوں کو صدقات و خیرات دینے کا حکم دیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت کریمہ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ...... اتری تو آپ نے اس کے بعد ہر دین کے آدمی کو صدقہ دینے کا حکم دے دیا۔ یہ روایت بھی غریب ہے۔

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦١﴾ وَ اِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٣﴾

''اور اگر کفار مائل ہوں صلح کی طرف تو آپ بھی مائل ہو جائیے اس کی طرف اور بھروسہ کیجئے اللہ تعالیٰ پر بیشک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے اور اگر وہ ارادہ کریں کہ آپ کو دھوکہ دیں (تو آپ فکرمند کیوں ہوں) بیشک کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ۔ وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت اور مومنوں (کی جماعت) سے اور اسی نے الفت پیدا کر دی ان کے دلوں میں۔ اگر آپ خرچ کرتے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تو نہ الفت پیدا کر سکتے ان کے دلوں میں لیکن اللہ تعالیٰ نے الفت پیدا کر دی ان کے درمیان، بلاشبہ وہ زبردست ہے حکمت والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر کسی قوم سے عہد شکنی اور خیانت کا اندیشہ ہو تو واضح طور پر معاہدہ ان کے منہ پر دے مارو اور اسے کالعدم قرار دے دو۔ اگر وہ تمہارے ساتھ عہد شکنی کریں اور آمادہ جنگ ہو جائیں تو پھر پوری قوت سے ان کے ساتھ لڑائی کرو اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہو جائیں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ اور صلح کی اس پیشکش کو قبول کر لو۔ یہی وجہ ہے کہ جب حدیبیہ کے موقع پر مشرکین نے صلح کا مطالبہ کیا اور نو سال تک جنگ بندی کی پیشکش تو آپ ﷺ نے اسے قبول فرما لیا حالانکہ ان مشرکین نے بڑی کڑی شرائط عائد کی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب اختلاف یا کوئی اور امر رونما ہوگا، اگر ہو سکے تو صلح کر لینا'' (1)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت بنوقریظہ کے بارے میں اتری لیکن یہ بات غور طلب ہے کیونکہ ذکر واقعہ بدر کا ہو رہا ہے۔ حضرات ابن

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 90

عباس، مجاہد، زید بن اسلم، عطاء، عکرمہ، حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت سورۂ براءت کی اس آیت سیف سے منسوخ ہے: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (التوبہ:29) ''جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر''۔ یہ بات بھی قابل تامل ہے کیونکہ آیت براءت میں قتال کا حکم حسب امکان ہے۔ لیکن اگر دشمن کثیر تعداد میں ہو تو عارضی صلح کر لینا جائز ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں ذکر ہو رہا ہے اور صلح حدیبیہ بھی اس کی دلیل ہے اس لئے دونوں آیتوں کے درمیان نہ کوئی تناقض ہے اور نہ منافات، نہ نسخ ہے اور نہ تخصیص۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ...... یعنی ان کے ساتھ صلح کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں کیونکہ وہی آپ کا حامی و ناصر اور آپ کے لئے کافی ہے اور اگر وہ صلح کے ذریعے دھوکہ دینا چاہیں تاکہ وہ اس دوران مزید قوت حاصل کر کے جنگی تیاریوں میں اضافہ کر لیں تو صرف اللہ تعالیٰ ہی آپ کے لئے کافی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمت عظیمہ کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے مہاجرین و انصار کے ذریعے آپ کی مدد فرمائی، ارشاد ہوتا ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو آپ پر ایمان لانے کی توفیق ارزانی فرمائی اور تمام کو اتحاد و اتفاق کی دولت سے مالا مال کر کے آپ کی اطاعت، تائید اور مدد پر آمادہ کر دیا، فرمایا: لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ۔ ان کے درمیان بغض و عداوت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ زمانہ جاہلیت میں انصار (اوس اور خزرج) ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ ہر وقت باہم برسر پیکار رہتے تھے، جنگوں کا ایسا سلسلہ شروع تھا جس کے ختم ہونے کی کوئی امید ہی نہیں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے نور ایمان سے اس عداوت و نفرت کو محبت و الفت میں بدل دیا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (آل عمران:103) ''اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی جب کہ تم تھے (آپس میں) دشمن پس اس نے الفت پیدا کر دی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی اور تم (کھڑے) تھے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تو اس نے بچا لیا تمہیں اس (میں گرنے) سے یونہی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پر ثابت رہو''۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے موقعہ مال غنیمت کی تقسیم کے بعد انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے گروہ انصار! کیا میں نے تمہیں گمراہ نہیں پایا پھر اللہ تعالیٰ نے میرے طفیل تمہیں ہدایت دے دی، کیا تم محتاج نہ تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے سبب تمہیں غنی کر دیا۔ تم انتشار کا شکار تھے، اللہ تعالیٰ نے میری برکت سے تمہارے درمیان الفت پیدا کر دی''۔ آپ ﷺ جب بھی کوئی بات کہتے تو انصار ہر بات پر عرض کرتے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہم پر اس سے بھی بڑھ کر احسان ہے(1)۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ غالب اور زبردست ہے وہ توکل کرنیوالے کو ناامید نہیں کرتا، اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے افعال و احکام میں حکیم بھی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رشتہ داری کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور نعمت کی ناشکری کی جاتی ہے لیکن دلوں کے باہمی قرب جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی جس کا ذکر اس آیت میں ہے: لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ۔ شاعر اس چیز کا یوں اظہار کرتا ہے:

اگر کسی لغزش کے باعث تیرا کوئی رشتہ دار تجھ سے لاتعلق ہو جائے اور تجھے دھوکہ دے کر تجھ سے بے نیاز ہو جائے تو وہ تمہارا رشتہ دار

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 200۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ 738

ہی نہیں۔ بلکہ تمہارا رشتہ دار تو وہ ہے جو تمہاری دعوت پر لبیک کہے اور تمہارے دشمن کے مقابلہ میں تمہارا ساتھ دے۔

ایک اور شاعر کہتا ہے:

میں نے لوگوں کے ساتھ دوستی کر کے انہیں آزمالیا ہے، نتیجہ یہی نکلا کہ قرابت داری کسی قطع تعلقی کرنے والے کے لئے قرب کا باعث نہیں بنتی بلکہ صرف محبت ہی تعلق استوار کرنے کا قریب ترین ذریعہ ہے۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ اشعار بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کلام کا تسلسل ہے یا کسی راوی نے اس کا اضافہ کر دیا ہے(1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی باہمی محبت رضائے الٰہی کی خاطر تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو راہ خدا میں باہم محبت کرتے ہیں(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رشتہ داری ٹوٹ جاتی ہے اور نعمت کی ناشکری کی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جب دلوں کو قریب کر دیا تو اب کوئی چیز ان میں جدائی نہیں ڈال سکتی، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ......(3)۔ عبدہ بن ابی لبابہ بیان کرتے ہیں کہ میری ملاقات حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی، انہوں نے میرے ساتھ مصافحہ کر کے فرمایا: خدا کی رضا کے لئے دو باہم محبت کرنے والے جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں اور خندہ پیشانی سے ایک دوسرے کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہیں تو دونوں کے گناہ درخت کے خشک پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ یہ بات تو بہت آسان ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایسا مت کہو، کیونکہ الفت کے متعلق اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے: لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ۔ ان کی اس بات سے میں پہچان گیا کہ وہ مجھ سے زیادہ سمجھدار ہیں۔ ولید بن ابی مغیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب دو مسلمان باہم ملاقات کرتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو دونوں کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، میں نے ان سے کہا کہ صرف ایک مصافحہ سے دونوں کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ کیا تم نے یہ فرمان نہیں سنا: لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ آپ مجھ سے زیادہ عالم ہیں۔ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ ہم یہ سوچا کرتے تھے کہ سب سے پہلی چیز جو لوگوں میں سے اٹھ جائے گی وہ الفت ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملتا ہے اور مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح سخت آندھی سے درخت کے خشک پتے جھڑ جاتے ہیں، ان کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کی مقدار ہوں۔''

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۴﴾ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۶۶﴾

2۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 100	3۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۂ انفال، جلد 2 صفحہ 328	4۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۂ انفال، جلد 2 صفحہ 329

''اے نبی (مکرم) کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور جو آپ کے فرمانبردار ہیں مومنوں سے اے نبی! برانگیختہ کیجئے مومنوں کو جہاد پر اگر ہوں تم سے بیس آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دوسو پر اور اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی (صبر کرنے والے) تو غالب آئیں گے ہزار کافروں پر کیونکہ یہ کافر وہ لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔ (اے مسلمانو!) اب تخفیف کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر اور وہ جانتا ہے کہ تم میں کمزوری ہے تو اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دوسو پر اور اگر ہوئے تم میں سے ایک ہزار (صابر) تو وہ غالب آئیں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ اور مومنین کو جہاد، دشمن سے برسرپیکار ہونے اور مدمقابل سے نبرد آزما ہونے پر برانگیختہ کررہا ہے اور انہیں یہ اطمینان دلا رہا ہے کہ وہ دشمن کے مقابلے میں انہیں کافی ہے، ان کا مددگار اور حامی ہے، اگرچہ دشمن کو کثرت تعداد، لاؤلشکر اور اسلحہ میں برتری حاصل ہو اور اگرچہ مومنین قلت میں ہوں۔ شعبی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ مسلمان کافی ہیں جو آپ کے ساتھ ہیں۔ اس لئے حکم ہوا: يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجاہدین کو صف بندی اور مقابلہ کے وقت قتال پر ابھارتے اور ان کا دل بڑھاتے جیسا کہ بدر کے دن آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس جنت کے حصول کے لئے اٹھو جس کا عرض آسمان اور زمین ہے۔ حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ زمین و آسمان کی مقدار چوڑائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ صحابی کہنے لگے: واہ واہ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اس بات کا کیا مقصد ہے؟ عرض کرنے لگے کہ اس امید سے میں نے یہ بات کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اہل جنت سے بنادے۔ فرمایا: ''یقیناً تم اہل جنت میں سے ہو۔'' انہوں نے اپنی تلوار کی نیام توڑ ڈالی اور چند کھجوریں نکال کر کھانے لگے، پھر باقی ماندہ کھجوریں پھینک دیں اور کہنے لگے کہ اگر زندگی ملی تو پھر کھجوریں کھاتے رہیں گے، اب مزید انتظار گراں گزر رہا ہے۔ اپنی تلوار لیکر میدان جنگ میں گھس گئے اور شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھاتے ہوئے شہید ہوگئے(1)۔

حضرت سعید بن میب اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت اتری جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور اس طرح مسلمانوں کی تعداد چالیس ہوگئی۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ یہ آیت مدنی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہجرت حبشہ کے بعد اور ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ میں اسلام لائے۔ پھر اللہ تعالیٰ مومنین کو بشارت دیتے ہوئے حکم ارشاد فرما رہا ہے: اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ...... یعنی دس کفار کے مقابلہ میں ایک مسلمان ڈٹ جائے۔ پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا، البتہ بشارت باقی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جب یہ فرمان نازل ہوا تو مسلمانوں پر بہت شاق گزرا کیونکہ اس میں یہ حکم تھا کہ دس کافروں کے مقابلہ میں ایک مسلمان ڈٹ جائے اور راہ فرار اختیار نہ کرے پھر اس حکم میں تخفیف کر دی گئی، فرمایا: اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ...... لیکن بقدر تخفیف تعداد اور صبر بھی ناقص ہوگیا(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے یہ حکم تھا کہ بیس مسلمان دو سو کفار سے فرار نہ ہوجائیں پھر اس حکم میں تخفیف ہوئی، اب ایک سو مسلمان دو سو کفار سے پیچھے نہ ہٹیں(2)۔ یعنی اگر دشمن دوگنی تعداد میں ہو تو اس کا مقابلہ کرنا مسلمانوں پر فرض ہے، بھاگنا جائز نہیں لیکن اگر دشمن کا لشکر دوگنا سے بھی زیادہ ہے تو اس صورت میں قتال سے پہلوتہی کر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارة 1509-1511، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 136-137

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ انفال، جلد 6 صفحہ 79

لینا جائز ہے (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ یَغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ ہم صحابہ کے بارے میں اتری ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنۡکُمۡ...... تلاوت کر کے فرمایا کہ پہلا حکم اٹھ گیا (2)۔

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّکُوۡنَ لَہٗۤ اَسۡرٰی حَتّٰی یُثۡخِنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ تُرِیۡدُوۡنَ عَرَضَ الدُّنۡیَا ٭ۖ وَ اللّٰہُ یُرِیۡدُ الۡاٰخِرَۃَ ؕ وَ اللّٰہُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۶۷﴾ لَوۡ لَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمۡ فِیۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۶۸﴾ فَکُلُوۡا مِمَّا غَنِمۡتُمۡ حَلٰلًا طَیِّبًا ۫ۖ وَّ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۶۹﴾

''نہیں مناسب نبی کے لئے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کرلے زمین میں۔ تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمہارے لئے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب (اور) دانا ہے اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطاء اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں بوجہ اس کے جو تم نے لیا ہے بڑی سزا سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی ہے حلال (اور) پاکیزہ اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسیران بدر کے متعلقہ صحابہ کرام سے مشورہ لیا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر قدرت عطا کی ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھ کر عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! ان کی گردنیں اڑادی جائیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے اعراض کرلیا اور پھر فرمایا: ''لوگو! اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تمہارے قبضہ میں دیا ہے۔ یہ کل تک تمہارے بھائی تھے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پھر اپنی بات دہرائی، نبی کریم ﷺ نے پھر اپنا منہ پھیر لیا اور وہی فرمایا۔ اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! ہماری رائے تو یہ ہے کہ آپ انہیں معاف فرمادیں اور ان سے فدیہ قبول کرلیں۔ اس مشورہ سے آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس سے غم کے آثار محو ہوگئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں معاف کر کے فدیہ قبول کرلیا تو اس پر یہ وحی اتری: لَوۡ لَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ...... (3)۔ اس سورت کے آغاز میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس قسم کی ایک حدیث گزر چکی ہے (4)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''ان قیدیوں کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! یہ لوگ آپ کی قوم اور آپ کے اہل ہیں، انہیں زندہ رہنے دیں اور توبہ کروالیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت فرمادے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کو اپنے وطن سے نکالا، آپ ان کی گردنیں ماردینے کا حکم ارشاد فرمائیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یوں اپنا مشورہ پیش کیا: یا رسول اللہ! اس وادی میں درخت بکثرت ہیں، اسے آگ لگوا کر سب کفار کو اس میں پھینک دیا جائے۔ نبی کریم ﷺ خاموش رہے اور کسی کو کوئی جواب نہ دیا۔ پھر آپ ﷺ اٹھ کر تشریف لے گئے اور صحابہ کرام قیاس آرائیاں کرنے لگ گئے۔ کچھ کہنے لگے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے قبول ہوگی، کچھ کہنے لگے کہ عمر کی اور کچھ کا یہ خیال تھا کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی جائے گی۔ پھر آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ بعض دلوں کو اس قدر نرم کردیتا ہے کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض دلوں کو اس قدر سخت کردیتا ہے کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اے ابوبکر! تمہاری مثال ابراہیم علیہ السلام

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 39
2۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 329
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 243
4۔ دیکھئے اس سورت کی آیت: 9

کی سی ہے جنہوں نے کہا تھا: فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (ابراہیم: 36) ''پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بیشک تو غفور رحیم ہے''۔ اور اے ابوبکر! تمہاری مثال عیسیٰ علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کی تھی: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (المائدہ: 118) ''اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے''۔ اور اے عمر! تمہاری مثال موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے یہ دعا کی تھی: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ (یونس: 88) ''اے ہمارے رب! برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو تا کہ وہ نہ ایمان لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو''۔ اور اے عمر! تمہاری مثال نوح علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے یہ دعا کی تھی: رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا (نوح: 26) ''اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا''۔ سنو! تم اس وقت محتاج ہو، ان قیدیوں میں سے کوئی بھی بغیر فدیہ ادا کئے رہا نہ ہو ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے۔'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! سوائے سہیل بن بیضاء کے کیونکہ وہ اسلام کا ذکر کیا کرتا تھا۔ آپ ﷺ خاموش رہے، اس دوران میں اس قدر خوفزدہ رہا کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں آسمان سے مجھ پر پتھر نہ برسنے شروع ہو جائیں یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سہیل بن بیضاء بقیہ کفار سے مستثنیٰ ہے۔ اس پر یہ آیت مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰی...... اتری (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی اسیران بدر میں شامل تھے۔ انہیں کسی انصاری نے قید کیا تھا اور انصار نے انہیں قتل کرنے کی دھمکی دی۔ نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوگئی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''آج رات میں اپنے چچا عباس کی وجہ سے سو نہیں سکا، انصار انہیں قتل کرنے کی سوچ رہے ہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو انصار کے پاس جاؤں؟ آپ نے فرمایا کہ ضرور جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انصار کے پاس آئے اور انہیں کہنے لگے کہ عباس کو چھوڑ دو، انہوں نے کہا: واللہ! ہم ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی رضا اس میں ہو تو بھی۔ وہ کہنے لگے کہ اگر آپ ﷺ کی رضا اسی میں ہے تو آپ انہیں لے جائیے۔ چنانچہ انصار نے انہیں رہا کر دیا۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے کہنے لگے: عباس! اسلام قبول کر لو۔ اللہ کی قسم! تمہارا اسلام قبول کرنا مجھے اپنے والد کے اسلام لانے سے بھی زیادہ محبوب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو تمہارے اسلام لانے کی بہت خوشی ہوگی۔ اسیران بدر کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا، انہوں نے عرض کی کہ یہ سب آپ کے ہی قبیلہ کے لوگ ہیں، انہیں چھوڑ دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے قتل کر دینے کی رائے دی۔ آخر کار آپ ﷺ نے فدیہ لیکر انہیں آزاد کر دیا، اس پر یہ آیت مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰی...... نازل ہوئی (2)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس بدر کے دن حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ اپنے صحابہ کو قیدیوں کے بارے میں اختیار دے دیں، چاہیں تو فدیہ قبول کر لیں اور اگر چاہیں تو قتل کر دیں، لیکن فدیہ لینے کی صورت میں آئندہ سال ان قیدیوں کی تعداد کے برابر ان میں سے قتل ہوگی۔ صحابہ نے فدیہ قبول کر لیا (3)۔ یہ حدیث نہایت ہی غریب ہے۔ ایک اور حدیث

1۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 8 صفحہ 476-477، مستدرک حاکم، کتاب المغازی، جلد 3 صفحہ 21-22، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 383-384

2۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 329

3۔ تحفۃ الاحوذی، ابواب السیر، جلد 5 صفحہ 185-188

میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسیران بدر کے متعلق صحابہ سے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو انہیں قتل کر ڈالو اور اگر چاہو تو ان سے زر فدیہ قبول کرلو، لیکن اس صورت میں ان کی مقدار تم میں سے شہید ہوں گے۔'' ان ستر شہیدوں میں سے آخری حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ تھے جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آیت کریمہ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى...... کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اگر پہلے ہی سے یہ حکم الٰہی نہ ہوتا کہ مال غنیمت تمہارے لئے حلال ہے اور اگر بیان کرنے سے پہلے عذاب نہ دینا ہمارا دستور نہ ہوتا تو اس فدیہ لینے کی تمہیں ضرور سزا دی جاتی (1)۔ اعمش کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ پہلے سے حکم ہے کہ وہ کسی بدری صحابی کو عذاب نہیں دے گا۔ مجاہد اور سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اگر ان کی مغفرت کا حکم پہلے سے مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو ان پر فدیہ لینے کی صورت میں عذاب نازل ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ اگر لوح محفوظ میں یہ نہ لکھا ہوتا کہ مال غنیمت اور قیدی تمہارے لئے حلال ہیں تو ان قیدیوں سے زر فدیہ لینے کی صورت میں تم سزا سے دوچار ہو جاتے۔ پھر فرمایا: فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ...... یعنی یہ پہلے سے لکھا جا چکا ہے کہ اس امت کے لئے مال غنیمت حلال ہے، اس کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے پانچ خصوصیات سے نوازا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہ ہوئیں۔ ایک مہینہ کی مسافت پر مجھے رعب سے مدد دی گئی ہے، تمام زمین کو میرے لئے مسجد اور سبب طہارت بنایا گیا ہے، میرے لئے غنائم کو حلال کیا گیا ہے حالانکہ مجھ سے قبل کسی کے لئے یہ حلال نہ تھیں اور مجھے شفاعت کے منصب سے نوازا گیا ہے اور پہلے ایک نبی کو صرف اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے'' (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے سوا کسی بھی سیاہ سر والے لوگوں کے لئے غنیمت کو حلال نہیں کیا گیا۔'' (3) اس لئے ارشاد ہوتا ہے: فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسیران بدر سے فدیہ وصول کرلیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ہر ایک سے چار سو کی رقم بطور فدیہ وصول کی (4)۔ قیدیوں کے بارے میں جمہور علماء کا یہ موقف ہے کہ ان کے متعلق امام وقت کو اختیار ہے۔ چاہے تو انہیں قتل کر دے جس طرح یہود بنو قریظہ کے ساتھ کیا گیا تھا اور اگر چاہے تو زر فدیہ لیکر انہیں چھوڑ دے جیسا کہ اسیران بدر کے ساتھ ہوا تھا، یا مسلمان قیدیوں کے بدلے میں انہیں رہا کر دے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے سلمہ بن اکوع کی ایک عورت اور اس کی بیٹی کو ان مسلمانوں کے بدلے میں رہا کر دیا جو مشرکین کے پاس قید تھے۔ اور اگر امام کی مرضی ہو تو کافر قیدیوں کو غلام بنا کر بھی رکھ سکتا ہے۔ یہ امام شافعی اور علماء کی ایک جماعت کا موقف ہے۔ اس مسئلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف بھی ہے جو کتب فقہ میں مرقوم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

''اے نبی (کریم) آپ فرمائیے ان قیدیوں سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں اگر جان لی اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کوئی خوبی تو عطا فرمائے گا تمہیں بہتر اس سے جو لیا گیا ہے تم سے اور بخشے گا تمہارے (قصور) اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور اگر وہ

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 676
2۔ فتح الباری، کتاب التیمم، جلد 1 صفحہ 435-346، صحیح مسلم، کتاب المساجد 370-371
3۔ تحفۃ الاحوذی تفسیر سورۃ انفال، جلد 8 صفحہ 474
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 61-62

ارادہ کریں آپ سے دھوکہ بازی کا (تو حیرت کیوں ہو) انہوں نے تو دھوکہ کیا ہے اللہ سے پہلے ہی (اسی لئے) تو اللہ نے قابو دے دیا (تمہیں) ان پر اور اللہ تعالیٰ علیم (و) حکیم ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن فرمایا: ''مجھے معلوم ہے کہ بنی ہاشم کے اور کچھ دیگر لوگ زبردستی لڑائی کے لئے لائے گئے ہیں، ان کی خواہش نہ تھی کہ وہ ہمارے ساتھ لڑائی کریں، تم میں سے کوئی بھی اگر ان میں سے کسی کو پالے تو قتل نہ کرے۔ ابوالبختری بن ہشام کو بھی نہ قتل کیا جائے اور عباس بن عبدالمطلب کو بھی نہ قتل کیا جائے کیونکہ یہ لوگ انہیں بادل نخواستہ اپنے ساتھ کھینچ لائے ہیں''۔ اس پر ابوحذیفہ بن عتبہ کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے باپ، بھائیوں، بیٹوں اور قبیلہ والوں کو تو قتل کر دیں اور عباس کو چھوڑ دیں؟ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے مل گیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ جب رسول اللہ ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوحفص!...... حضرت عمر رضی اللہ فرماتے ہیں کہ یہ پہلا دن تھا جس میں آپ ﷺ نے مجھے میری کنیت (ابوحفص) سے یاد فرمایا تھا...... کیا رسول اللہ (ﷺ) کے چچا کے چہرہ پر تلوار کا وار کیا جائے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! مجھے اجازت فرمائیے، میں اس منافق کی گردن اڑا دوں گا۔ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! مجھے اس بات کی وجہ سے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے...... میں ہر وقت اس دن کی جسارت کے سبب خوفزدہ رہتا ہوں، صرف اطمینان کی ایک ہی صورت ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جاؤں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ میری شہادت کو اس کا کفارہ بنا دے۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں آپ شہید ہو گئے، رضی اللہ عنہ (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس رات بدری قیدی گرفتار ہو کر آئے اس رات رسول اللہ ﷺ رات کے اوائل میں بیدار رہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے، آپ کو نیند نہیں آ رہی؟ فرمایا: مجھے اپنے چچا عباس کی بیڑیوں میں قید ہونے کی وجہ سے کراہنے کی آواز آ رہی ہے، صحابہ نے اس وقت آپ کی بیڑیاں کھول دیں۔ اس کے بعد آپ محو استراحت ہو گئے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ سب قیدیوں میں سے انہیں زیادہ زرفدیہ ادا کرنا پڑا کیونکہ وہ بہت مالدار تھے اس لئے انہوں نے سو اوقیہ سونا فدیہ ادا کیا۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعض انصار نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے بھانجے عباس کو بغیر فدیہ وصول کئے چھوڑ دیں آپ نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! اس سے ایک درہم بھی نہ چھوڑنا (2)۔ قریش نے فدیہ کی رقم رسول اللہ ﷺ کے پاس روانہ کی۔ ہر ایک نے حسب خواہش اپنے اپنے قیدی سے فدیہ وصول کر لیا۔ عباس عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! میں تو مسلمان تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اسلام کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر تم اپنے دعویٰ میں واقعی سچے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ بظاہر تو تم ہمارے مخالف تھے، اس لئے اپنا، اپنے بھتیجوں نوفل بن حارث اور عقیل بن ابی طالب اور حلیف عتبہ بن عمرو کا بھی فدیہ ادا کرو۔'' عرض کی: یا رسول اللہ! میرے پاس تو اتنی رقم نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: '' وہ مال کہاں ہے جو تم نے اور ام الفضل نے دفن کیا تھا؟ تم نے اسے کہا تھا کہ اگر میں اس سفر میں مارا جاؤں تو یہ دفن شدہ مال میرے بیٹوں فضل، عبداللہ اور قثم کو دے دینا'' عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم، مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ جس بات کی آپ نے خبر دی ہے وہ میرے اور ام فضل کے علاوہ کسی کو معلوم ہی نہ تھی۔ پھر کہنے لگے کہ میرے پاس سے بیس اوقیہ سونا مسلمانوں کے ہاتھ لگا ہے، اسے زرفدیہ شمار کر لیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، وہ مال تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ انہیں اپنا، اپنے بھتیجوں

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 628-629　2۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 5 صفحہ 109

اور حلیف کا فدیہ ادا کرنا پڑا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ ...... ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام لانے کے بعد بیس اوقیہ کے بدلہ میں بیس غلام عطا فرمائے جو سب مالدار تھے اور اس کے ساتھ ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی بھی امید کرتا ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اسلام کی خبر دی اور عرض کی کہ جو بیس اوقیہ سونا مجھ سے لیا گیا ہے اسی حساب میں مجھے چھوڑ دیا جائے لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں مجھے ایسے بیس غلام عطا فرمائے جو سب کمانے والے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے بارے میں اتری جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ ہم تو پہلے ہی سے آپ پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ہم تو اپنی قوم میں آپ کی خیر خواہی کرتے رہے تو اس وقت یہ وحی اتری: إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا ...... یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ تمہارے دلوں میں ایمان اور تصدیق ہے تو جو تم سے لیا گیا ہے وہ اس سے بہتر بدلہ تمہیں عطا فرمائے گا اور شرک سمیت تمام گناہوں کی مغفرت فرما دے گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس آیت کے مقابلہ میں ساری دنیا پا لینے کو بھی ترجیح نہیں دیتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے سو گنا زیادہ بہتر بدلہ عطا فرمایا ہے اور مجھے قوی امید ہے کہ اس نے میرے گناہ بھی بخش دیئے ہیں۔ یہ دونوں خصوصیات (بہتر بدلہ اور مغفرت) مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہیں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ بحرین کا مال جو کہ اسی ہزار درہم، دینار تھا، بارگاہ نبوت ﷺ میں پہنچا، آپ ﷺ اس وقت نماز ظہر کے لئے وضو فرما چکے تھے۔ آپ ﷺ نے ہر شکایت کرنے والے کو عطا فرمایا اور کسی سائل کو محروم نہ کیا۔ نماز تب پڑھی جب سارا خزانہ اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس میں سے لے لو اور گٹھڑی باندھ لو۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما کرنے لگے کہ یہ میرے لئے اس مال سے بہتر ہے جو ہم سے لیا گیا اور مجھے مغفرت کی بھی امید ہے۔ یہ مال ابن حضرمی نے بحرین سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس قدر مال آپ ﷺ کے پاس نہ اس سے پہلے آیا تھا نہ بعد میں۔ یہ سارا خزانہ ایک چٹائی پر بکھیر دیا گیا اور نماز کے لئے اذان ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور مال کے پاس کھڑے ہو گئے اور نمازی بھی اکٹھے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے سب کو دینا شروع کر دیا، اس دن نہ گنتی تھی اور نہ ناپ تول، سخاوت کے دریا بہہ رہے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر میں گٹھڑی باندھ لی لیکن وہ اسے اٹھا نہ سکے۔ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! خدارا اٹھوا دیجئے۔ آپ کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی حتیٰ کہ دانت نظر آنے لگے، آپ ﷺ فرمانے لگے کہ کچھ بوجھ ہلکا کر لو، جس قدر اٹھا سکتے ہو اتنا ہی لو (1)۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جاتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک وعدہ تو پورا فرما دیا ہے اور دوسرے کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ کیا کرتا ہے۔ آپ ﷺ اس مال کے پاس کھڑے رہے حتیٰ کہ ایک درہم بھی باقی نہ بچا اور ایک درہم تک آپ ﷺ نے اپنے گھر والوں کو نہ بھیجا۔ پھر آپ ﷺ نے نماز ادا کی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس بحرین سے مال آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے مسجد میں پھیلا دو۔ یہ سب سے زیادہ مال تھا جو آپ ﷺ کی خدمت میں آیا تھا۔ آپ ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے اور اس مال کی طرف ذرا توجہ نہ کی۔ نماز کے بعد آپ ﷺ تشریف لائے اور جسے دیکھتے عطا فرماتے، اسی اثناء میں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 114

حضرت عباس رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! مجھے بھی عطا فرمائیے، میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ ادا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لے لو۔ چنانچہ انہوں نے گٹھڑی باندھ لی لیکن اٹھا نہ سکے۔ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! کسی کو حکم فرمائیں کہ وہ مجھے اٹھانے میں مدد کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ عرض کرنے لگے پھر آپ ہی یہ مہربانی فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، چنانچہ انہوں نے کچھ بوجھ ہلکا کر کے گٹھڑی اٹھائی اور چل دیئے۔ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے حضور ﷺ ان کی حرص کی وجہ سے انہیں دیکھتے رہے۔ جب سارا مال تقسیم ہو چکا اور ایک درہم تک باقی نہ بچا تو آپ ﷺ وہاں سے اٹھے (1)۔ امام بخاری نے متعدد مقامات پر تعلیقاً جزم کے صیغہ سے یہ روایت کی ہے۔

وَاِنۡ يُّرِيۡدُوۡا خِيَانَتَكَ...... یعنی اگر یہ لوگ اپنی ظاہری خوش کن باتوں کے ساتھ خیانت اور فریب کا ارادہ کریں تو یہ پریشان ہونے والی بات نہیں، یہ تو بدر سے پہلے بھی کفر کر کے خیانت کا ارتکاب کر چکے ہیں اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان اسیران بدر پر قدرت اور غلبہ عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عباس اور ان کے دیگر ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ ہم اپنی قوم میں آپ ﷺ کی خیر خواہی کرتے رہیں گے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی سرح کاتب کے بارے میں اتری جب وہ مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملا تھا۔ سدی نے کہا ہے کہ یہ آیت عام اور سب کو شامل ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالَّذِيۡنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوۡۤا اُولٰۤـئِكَ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يُهَاجِرُوۡا مَا لَـكُمۡ مِّنۡ وَّلَايَتِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوۡا‌ ۚ وَاِنِ اسۡتَـنۡصَرُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ فَعَلَيۡكُمُ النَّصۡرُ اِلَّا عَلٰى قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ‌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۷۲﴾

''یقیناً جو لوگ ایمان لائے ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے راہ خدا میں اور وہ جنہوں نے پناہ دی (مہاجرین کو) اور (ان کی) مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی نہیں تمہارے لئے ان کی وارثت سے کوئی چیز یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ مدد طلب کریں تم سے دین کے معاملہ میں تو فرض ہے تم پر ان کی امداد مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان (صلح کا) معاہدہ ہو چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے''۔

مسلمانوں کی اقسام بیان ہو رہی ہیں۔ ایک تو مہاجر ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کی خاطر اپنے گھر اور مال و متاع کو خیر باد کہہ دیا اور دین کو قائم رکھنے کے لئے جان و مال کا نذرانہ پیش کر دیا۔ دوسری قسم مدینہ شریف میں مقیم انصار ہیں جنہوں نے مکہ سے آنے والے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے گھروں میں پناہ دی، اپنے اموال میں انہیں شریک کر کے ان کی غمگساری کی اور ان کے ساتھ مل کر دشمن کے خلاف جہاد کر کے اللہ کے رسول کی مدد کی۔ یہ دونوں فریق ایک دوسرے کے دوست ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ

1۔ سنن کبریٰ از امام بیہقی، کتاب قسم الفیء والخراج، جلد 6 صفحہ 356

نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ کا رشتہ استوار کر دیا۔ ایک انصاری اور ایک مہاجر دونوں بھائی بھائی بن گئے، یہ مؤاخات قرابت داری سے بھی مقدم تھی، اس لئے وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بنتے تھے لیکن بعد میں اسے منسوخ کر دیا گیا(1)۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مہاجرین اور انصار آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور ولی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آزاد کردہ قریشی اور بنوثقیف کے آزاد شدہ لوگ قیامت تک ایک دوسرے کے دوست ہیں''(2)۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ دنیا و آخرت میں ایک دوسرے کے دوست ہیں(3)۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مہاجرین اور انصار کی تعریف فرمائی ہے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ (التوبہ: 100) ''اور سب سے آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے اور جنہوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اس سے اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے باغات بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں''۔ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ (التوبہ: 117) ''یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نبی پر نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے پیروی کی تھی نبی کی مشکل گھڑی میں''۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: 9-8) ''(نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لئے ہے جنہیں (جبراً) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی راست باز لوگ ہیں۔ اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو''۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں انصار کے متعلق یہ بات وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا (الحشر: 9) بہت خوب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی جو فضیلت ان مہاجرین کو عطا فرمائی ہے اس پر انہیں ذرا حسد نہیں۔ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ مہاجرین کو انصار پر افضلیت حاصل ہے اور اس پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ مسند بزار میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ہجرت اور نصرت میں اختیار دیا تو میں نے ہجرت کو پسند کر لیا(4)۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا...... حمزہ نے ولایۃ کی واؤ کو مکسور پڑھا ہے(5)۔ باقی قراء نے مفتوح پڑھا ہے جیسے ''دِلَالَة'' اور ''دَلالة''۔ یہ مومنین کی تیسری قسم ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے لیکن ہجرت نہ کی بلکہ اپنے اپنے علاقہ میں مقیم رہے۔ نہ ان کا مال غنیمت میں کوئی حصہ ہے اور نہ خمس میں ہاں اگر جہاد میں شریک ہوں تو اور بات ہے۔ حضرت یزید بن خصیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو کسی فوجی دستہ یا لشکر کا قائد بنا کر بھیجتے تو اسے تقویٰ اور اپنے ساتھی مسلمانوں کے ساتھ خیرخواہانہ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ نساء، جلد 5 صفحہ 190 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 363
3۔ مسند ابو یعلیٰ، جلد 8 صفحہ 446 4۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، مناقب حذیفہ، جلد 3، صفحہ 265-266 5۔ الاقناع لابن الباذش: 656

سلوک کی تاکید کرتے اور فرماتے: ''اللہ کا نام لیکر راہ خدا میں جہاد کے لئے نکلو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرو۔ جب اپنے مشرک دشمن سے ملو تو انہیں تین میں سے ایک شرط قبول کرنے کی دعوت دو، ان تینوں میں سے جس کو وہ منظور کرلیں تو تم بھی اسے قبول کر لینا اور ان سے اپنا ہاتھ روک لینا۔ پہلے انہیں اسلام کی دعوت دو، اگر وہ منظور کرلیں تو تم بھی قبول کر کے جنگ سے باز رہو، پھر انہیں دار کفر سے دار مہاجرین کی طرف منتقل ہو جانے کے لئے کہو اور انہیں بتادو کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کے بھی وہی حقوق و فرائض ہوں گے جو مہاجرین کے ہیں۔ اگر وہ اپنے علاقہ میں ہی اقامت پر مصر رہیں تو انہیں بتا دینا کہ وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہوں گے۔ دینی فرائض تو ان پر بھی مسلمانوں جیسے ہوں گے لیکن انہیں فیٔ اور غنیمت میں سے حصہ نہیں ملے گا سوائے اس کے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہو جائیں۔ اور اگر وہ (مشرکین) اس شرط کو ماننے سے انکار کر دیں تو انہیں جزیہ ادا کرنے کا حکم دو، اگر وہ اس شرط کو تسلیم کر لیں تو اسے قبول کر لینا اور لڑائی سے باز رہنا لیکن اگر وہ اسے بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیں تو اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان سے جہاد کرو'' (1)۔

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ...... اگر یہ دیہاتی جنہوں نے ہجرت نہیں کی، کسی دینی لڑائی میں اپنے دشمن کے خلاف تم سے مدد طلب کریں تو تم ان کی مدد کرو، ان کی امداد کرنا تم پر فرض ہے لیکن اگر وہ کسی ایسی کافر قوم کے مقابلہ میں تم سے امداد طلب کرتے ہیں جن کے ساتھ تمہارا صلح کا کوئی معاہدہ ہو چکا ہے تو پھر تمہیں اجازت نہیں ہے کہ عہد شکنی کر کے ان کے خلاف لڑنا شروع کر دو۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ؕ﴿۷۳﴾

''اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ ایک دوسرے کے حمایتی ہیں، اگر تم (ان حکموں پر) عمل نہیں کرو گے تو برپا ہو جائے گا فتنہ ملک میں اور (پھیل جائے گا) بڑا فساد''۔

قبل ازیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ مومنین آپس میں ایک دوسرے کے دوست، حمایتی اور ولی ہیں، اب یہاں مومنین اور کفار کے درمیان کسی بھی ایسے تعلق کو ختم کر دیا جو باہمی دوستی، حمایت اور موالات پر مبنی ہو جیسا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دو مختلف مذاہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ نہ مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا'' (2)۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ صحیحین میں بھی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کافر اور کافر مسلمان کا وارث نہیں'' (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''دو مختلف مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں'' (4)۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ ابن جریر امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نو مسلم سے یہ عہد لیا: ''نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور جہاں کہیں تمہیں شرک کی آگ بھڑکتی نظر آئے، وہاں برسر پیکار ہو جانا'' (5)۔ اس سند سے یہ روایت مرسل ہے۔ ایک دوسری سند سے یہ روایت

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر 1356-1357، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 351
2۔ مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 240
3۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، جلد 8 صفحہ 194، صحیح مسلم، کتاب الفرائض: 1233
4۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 6 صفحہ 387، سنن ابو داؤد، کتاب الفرائض، جلد 3 صفحہ 125-126 وغیرہ
5۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 54

متصل بھی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین میں مقیم رہے“ پھر فرمایا: ”اسے دونوں جانب بھڑکتی ہوئی آگ دکھائی نہیں دیتی“ (1)؟ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”جو مشرک کی موافقت کرے اور اس کے ساتھ سکونت پذیر ہو جائے وہ اس جیسا ہی ہے“ (2)۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تمہارے پاس وہ شخص آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم راضی اور مطمئن ہو تو اس کا نکاح کر دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں زبردست فتنہ وفساد بپا ہوگا۔“ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! اگرچہ اس میں کچھ (غیر تسلی بخش چیز) ہو۔ آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: جب تمہارے پاس کوئی شخص (رشتہ طلب کرنے کے لئے) آئے جس کا دین اور اخلاق تمہارے لئے رضا مندی کا باعث ہو تو اس کا نکاح کر دو“ (3)۔ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین پر زبردست فتنہ وفساد بپا ہوگا، اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر تم نے مشرکین سے اجتناب نہ کیا اور اہل ایمان کے ساتھ دوستی اور موالات کا رشتہ استوار نہ کیا تو لوگوں میں معاملہ مشتبہ ہو جائے گا، مومنوں اور کافروں کے درمیان اختلاط کسی بھی بڑے فتنہ کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے اور کسی وقت بھی فساد کی آگ بھڑک سکتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

”اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اور جنہوں نے پناہ دی اور ان کی امداد کی وہی (خوش نصیب) لوگ سچے ایماندار ہیں۔ انہیں کے لئے بخشش ہے اور باعزت روزی۔ اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت بھی کی اور جہاد بھی کیا تمہارے ساتھ مل کر تو وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور رشتہ دار (ورثہ میں) ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں حکم الٰہی کے مطابق یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے“۔

دنیا میں مومنین کا حکم بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ اپنی ان نوازشات کا تذکرہ فرما رہا ہے جن سے اہل ایمان آخرت میں سرفراز کئے جائیں گے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی حقیقت اور ان کے سچا مومن ہونے کی تصدیق فرمائی جس طرح کہ اس سورت کے آغاز میں بھی اس چیز کو ظاہر کیا جا چکا ہے۔ ان سعادت مندوں کے لئے مغفرت ہے، اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے گا اور انہیں ایسا پاکیزہ اور عزت کا رزق عطا فرمائے گا جو ان کے لئے باعث شرف و برکت ہوگا، ہمیشہ ہمیشہ انہیں ملتا رہے گا، نہ منقطع ہوگا اور نہ ختم ہوگا، اس رزق کے حسن اور تنوع کے باعث نہ یہ بددل ہوں گے اور نہ اس سے اکتائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ذکر فرماتا ہے کہ دنیا میں ایمان اور عمل صالح میں ان کی پیروی کرنے والے آخرت میں ان کے ساتھ ہوں گے جیسا کہ فرمایا: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ...... (التوبہ:100) ”اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے......“ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ...... (الحشر:10) ”اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے......“۔ ایک متفق علیہ متواتر حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ

6۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 45، سنن نسائی، کتاب القیامۃ، جلد 8 صفحہ 36

7۔ سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 93

1۔ تحفۃ الاحوذی، کتاب النکاح، جلد 4 صفحہ 205 تحفۃ الاشراف، جلد 9 صفحہ 141

أَحَبَّ'' (1)۔ (آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت تھی) ایک اور حدیث میں آتا ہے: ''مَنْ أَحَبَّ قَوْمًا فَهُوَ مِنْهُمْ'' (جس نے کسی قوم سے محبت کی وہ انہی میں سے ہے)۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس کا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔ مسند احمد میں ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''مہاجرین اور انصار آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور حمایتی ہیں۔ فتح مکہ کے موقعہ پر آزاد کردہ قریشی اور آزاد شدہ بنوثقیف قیامت تک ایک دوسرے کے ولی ہیں'' (2)۔

بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتٰبِ اللّٰهِ یعنی حکم الٰہی میں رشتہ دار باہم ایک دوسرے کے زیادہ مستحق ہیں۔ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ سے مراد صرف وہی قرابت دار نہیں جن کا وارثت میں کوئی حصہ مقرر نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ عصبہ بنتے ہیں بلکہ وارث سے وسیلہ پکڑتے ہیں جیسے خالہ، ماموں، پھوپھی، نواسے نواسیاں، بھانجے بھانجیاں وغیرہ۔ بعض حضرات کا یہی خیال ہے وہ اس آیت کو دلیل بنا کر کہتے ہیں کہ یہ اس بارے میں صریح اور واضح ہے، لیکن حق یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور یہ تمام قرابت داروں کو شامل ہے جیسا کہ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رضی اللہ عنہ، عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ، حسن رحمتہ اللہ علیہ، قتادہ رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت حلف اور بھائی چارہ کے ذریعے وارث بننے کے لئے ناسخ ہے جیسا کہ پہلے یہ دستور تھا کہ لوگ ان دونوں چیزوں کے باعث باہم ایک دوسرے کے وارث بنا کرتے تھے۔ اس صورت میں یہ آیت اسم خاص کے ساتھ ذوی الارحام کو شامل ہوگی۔ اور جو انہیں وارث نہیں بناتے وہ کئی دلیلیں پیش کرتے ہیں، ان میں سے قوی ترین حجت یہ حدیث ہے: ''اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دلوا دیا ہے، اس لئے کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں'' (3)۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر یہ بھی حق دار ہوتے تو ان کے حصے بھی کتاب اللہ میں مقرر ہو جاتے۔ جب یہ بات نہیں تو وہ وارث بھی نہیں ہوں گے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 5 صفحہ 14، صحیح مسلم، کتاب البر 2032 وغیرہ

2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 343

3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الوصایا 3 صفحہ 114، تحفۃ الاحوذی، ابواب الوصایا، جلد 6 صفحہ 309 وغیرہ

سورۂ توبہ (مدنیہ)

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝

''یہ قطع تعلق (کا اعلان) ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا مشرکوں میں سے (اے مشرکو!) پس چل پھر لو ملک میں چار ماہ اور جان لو کہ تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ تعالیٰ کو اور یقیناً اللہ تعالیٰ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو''۔

یہ سورت سب سے آخر میں رسول خدا ﷺ پر نازل ہوئی جیسا کہ امام بخاری حضرت براء سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے آخر میں آیت کریمہ يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ (النساء:176) اتری، اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت سورۂ براءت ہے(1)۔ اس سورت کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں لکھی جاتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے ہوئے مصحف الامام میں اس سورت کے شروع میں اسے نہیں لکھا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عثمان سے یہ دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے آپ نے سورۂ انفال اور سورۂ براءت کو ملا دیا ہے حالانکہ انفال مثانی میں سے ہے اور براءت مئین میں سے، اور ان دونوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں لکھی اور اسے سبع طوال میں شامل کر دیا، آخر اس کا سبب کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ پر یکبارگی متعدد سورتیں اترتی تھیں۔ جب آپ ﷺ پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ﷺ کسی کاتب وحی کو بلا کر فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو جس میں یہ ذکر ہے۔ مدینہ شریف میں سب سے پہلے سورۂ انفال کا نزول ہوا اور سب سے آخر میں سورۂ براءت اتری، دونوں میں مشابہت کے باعث مجھے یہ گمان گزرا کہ اس کا تعلق بھی اسی کے ساتھ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا اور آپ ﷺ نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ سورت اسی میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ میں نے ان دونوں سورتوں کو ملا دیا اور ان دونوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں لکھی اور اسے میں نے سبع طوال میں رکھا۔(2) اسے امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں دوسری اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ اس سورت کی ابتدائی آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس لوٹ رہے تھے، حج کا موسم تھا۔ آپ ﷺ کو یہ خیال گزرا کہ مشرکین اس سال بھی حسب معمول حج کے لئے آئیں گے اور برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کریں گے، یہ بات آپ ﷺ کے لئے نہایت ناگوار تھی اور آپ ﷺ کو یہ پسند نہ تھا کہ ان مشرکین کے ساتھ خلط ملط ہو کر ارکان حج ادا کریں، اس لئے آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر بھیجا تا کہ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ براءت (توبہ)، جلد 8 صفحہ 316 2۔ تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 8 صفحہ 377-480، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 57، سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 208-209، مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 330 وغیرہ

آپ لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دیں اور مشرکین کو آگاہ کر دیں کہ وہ اس سال کے بعد حج کے لئے نہ آئیں اور لوگوں میں سورۂ براءت کا اعلان کر دیں۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا تاکہ قریبی رشتہ داری کے ناطے آپ ﷺ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیں، اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖٓ...... اس سے پہلے مبتدا (ھذہ) مقدر ہے۔ اس آیت کے بارے میں مفسرین کے درمیان بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے کچھ حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت میں ان مشرکین سے لاتعلقی کا اعلان ہے جن کے ساتھ مطلق معاہدے ہوئے تھے، جن کی کوئی مدت معین نہ تھی یا ایسے عہد و پیمان تھے جن کا وقت چار ماہ سے کم تھا، اس صورت میں چار ماہ مکمل کئے جائیں گے، لیکن جن کے عہد کا وقت مقرر تھا تو وہ بدستور انتہائے مدت تک باقی رہا، اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ عہد کس نوعیت کا تھا جیسا کہ فرمایا: فَاَتِمُّوۡٓا اِلَيۡهِمۡ عَهۡدَهُمۡ اِلٰى مُدَّتِهِمۡ......... (توبہ: 4) اور حدیث شریف میں ایسے عہد کی پابندی کا حکم موجود ہے جس کا بیان عنقریب ہوگا۔ جس کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ کوئی عہد تھا، اس کی وقت مقررہ تک پابندی ضروری تھی۔ یہ سب سے بہتر اور قوی قول ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ علی بن ابی طلحہ اس فرمان کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ جن لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ ہو چکا تھا، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے چار ماہ کی حد مقرر کر دی کہ وہ اس مدت میں جہاں چاہیں گھومیں پھریں اور جن کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہیں تھا، ان کے لئے حرمت والے مہینوں کے گزر جانے کی حد مقرر فرما دی یعنی یوم نحر (دس ذی الحجہ) سے اختتام محرم تک یہ پچاس دن بنتے ہیں۔ محرم کے ختم ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان لوگوں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دے دیا جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ تھا، یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کر لیں، اور جن کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو چکا تھا ان کے بارے میں حکم ہوا کہ انہیں دس ذی الحجہ سے دس ربیع الثانی تک چار ماہ کے لئے مہلت ہے، پھر اس مدت کے ختم ہونے کے بعد اگر وہ دین اسلام میں داخل نہ ہوں تو ان کے ساتھ جنگ کریں(1)۔ محمد بن کعب القرظی وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سنہ 9 ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے روانہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سورۂ براءت کی تیس یا چالیس آیات دے کر بھیجا تاکہ وہ یہ آیات لوگوں کو سنا دیں اور اعلان کر دیں کہ مشرکین کو چار ماہ کی مہلت حاصل ہے، اس مدت میں وہ جہاں چاہیں گھومیں پھریں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرفہ کے دن ان آیات کو پڑھ کر سنایا اور دس ذی الحجہ سے دس ربیع الثانی تک چار ماہ کی مہلت کا اعلان کیا۔ آپ ان کے گھروں اور ٹھکانوں تک جا جا کر انہیں یہ آیات سناتے اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں حضور نبی کریم ﷺ کا یہ حکم بھی سنایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کعبہ کو نہ آئے اور نہ ہی کوئی برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔ ابن ابی نجیح مجاہد سے بیان کرتے ہیں کہ براءت کا اعلان قبیلہ خزاعہ، مدلج اور ان لوگوں کے لئے ہے جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس لوٹے تو آپ ﷺ نے حج کا ارادہ کیا تھا، لیکن پھر فرمایا: ''مشرکین آئیں گے اور برہنہ بدن طواف کریں گے، اس لئے میں حج کرنا پسند نہیں کرتا یہاں تک کہ یہ (رسم بد) ختم ہو جائے''۔ آپ ﷺ نے حضرات ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما کو روانہ کیا، انہوں نے ذوالمجاز کے بازاروں، ان کے ٹھکانوں، گلی کوچوں اور قیام گاہوں میں جا کر یہ اعلان کیا کہ انہیں دس ذی الحجہ سے دس ربیع الثانی تک چار ماہ کی مہلت ہے، پھر ان مشرکین کے ساتھ معاہدہ ختم ہو جائے گا اور ایمان نہ لانے والوں کے ساتھ جنگ ہوگی۔ سدی اور قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ امام زہری رحمتہ اللہ علیہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 60

کہتے ہیں کہ شوال سے محرم کے اختتام تک مہلت تھی لیکن یہ قول غریب ہے کیونکہ جس مدت کا حکم ابھی انہیں پہنچا ہی نہ تھا، اس کا حساب کیسے لگایا جا سکتا تھا، انہیں تو صحابہ کرام کے ذریعے یوم نحر (دس ذی الحجہ) کو اس حکم کی اطلاع ملی۔ اسی لئے فرمایا:

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ۙ

''اور اعلان عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں کے لئے بڑے حج کے دن کہ اللہ تعالیٰ بری ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول بھی اب بھی اگر تم تائب ہو جاؤ تو یہ بہتر ہے تمہارے لئے۔ اور اگر تم منہ پھیرے رہو تو خوب جان لو کہ تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ تعالیٰ کو اور خوش خبری سنا دو کافروں کو دردناک عذاب کی''۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے حج اکبر یعنی نحر (قربانی) کے دن جو حج کے ایام میں سے سب سے افضل، ظاہر اور بڑا ہے، یہ عام اعلان اور تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین سے بیزار اور لاتعلق ہے اور اس کا رسول بھی ان سے بری الذمہ ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ...... یعنی اگر تم شرک اور گمراہی سے توبہ کرلو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے اور اگر تم اپنی گمراہی پر ڈٹے رہے تو یاد رکھنا کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے، بلکہ وہ تم پر پوری طرح قادر ہے، تم اس کے زیر تصرف وقدرت ہو اور ان کفار کے لئے دردناک عذاب کی بشارت ہے، دنیا میں بھی یہ ذلت ورسوائی اور عبرتناک سزا سے دوچار ہوں گے اور آخرت میں بھی بڑے بھاری گرز اور آہنی طوق کے عذاب کا سامنا کریں گے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس حج میں قربانی والے دن مجھے بھی ان لوگوں کے ساتھ بھیجا جنہوں نے منیٰ میں جا کر یہ اعلان کیا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے اور نہ ہی کوئی ننگا شخص طواف کرے۔ حمید کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہیں سورۂ براءت کے اعلان کا حکم ارشاد فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہمارے ساتھ منیٰ میں دس ذی الحجہ کو سورۂ برأت کی آیات پڑھ کر سنائیں اور یہ اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کعبہ کو نہ آئے اور نہ کوئی برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے (1)۔ حج اکبر کا دن عید الاضحیٰ کا دن ہے۔ اسے اکبر اس لئے کہا جاتا ہے کہ لوگ اسے حج اصغر کہتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرکین سے براءت اور دیگر احکام کی منادی کروا دی اس لئے اگلے سال حجۃ الوداع کے موقعہ پر جس میں رسول اللہ ﷺ نے حج کیا تھا، کوئی مشرک حج کرنے کے لئے نہ آیا۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں جو کتاب الجہاد میں مذکور ہیں (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے زمانہ میں جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا، پھر اس سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج مقرر فرما دیا (3)۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ یہ بیان کیا کرتے تھے کہ اس سال حج کے موقعہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے براءت کے اعلان کا حکم دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہمارے پیچھے روانہ کیا اور انہیں براءت کی منادی کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ امیر حج بدستور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی رہے۔ اس روایت میں اس لحاظ سے غرابت ہے کہ عمرۂ جعرانہ کے سال امیر حج حضرت عتاب بن اسید رضی

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ براءت (توبہ)، جلد 6 صفحہ 81 2۔ صحیح بخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، جلد 4 صفحہ 124 3۔ مصنف عبدالرزاق

اللہ عنہ تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو سنہ 9 ہجری میں امیر الحج تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کی طرف براءت کے اعلان کے لئے بھیجا تو میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ لوگوں نے کس چیز کی منادی کی تھی؟ فرمایا کہ ہم نے یہ منادی کردی تھی کہ جنت میں سوائے مومن کے کوئی اور داخل نہیں ہوسکتا، کوئی برہنہ شخص آئندہ بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکے گا اور جس شخص کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا کوئی عہد و پیمان ہے تو اس کی مدت چار ماہ ہے۔ جب چار مہینے گزر جائیں گے تو اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری الذمہ ہیں، اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کعبہ کو نہ آئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں منادی کرتا رہا یہاں تک کہ میری آواز بیٹھ گئی(1)۔ شعبی کی ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جب انہیں رسول اللہ ﷺ نے اعلان برأت کے لئے بھیجا تھا، جب اعلان کرتے کرتے ان کی آواز بیٹھ گئی تو میں نے اعلان کرنا شروع کر دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ لوگ کیا منادی کرتے تھے؟ فرمایا کہ ہم چار چیزوں کا اعلان کرتے تھے، وہ یہ کہ کوئی برہنہ شخص بیت اللہ کا طواف نہ کرے، جس کا رسول خدا ﷺ کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے تو اسے مدت کی تکمیل تک پورا کیا جائے گا، جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوگا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے۔ ابن جریر نے ایک اور سند سے شعبی سے اسے روایت کیا ہے۔ شعبہ نے بھی شعبی سے یہ روایت کی ہے لیکن اس میں یہ ہے کہ جس کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی عہد ہے تو اس کی مدت چار ماہ تک کے لئے ہے۔ باقی روایت وہی ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ مجھے خدشہ ہے کہ یہ بات کسی راوی نے وہم کی بناء پر نقل کردی ہے کیونکہ مہلت کے بارے میں اس کے خلاف متعدد روایات ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اعلان براءت کے لئے بھیجا۔ جب وہ ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اعلان میں کروں گا یا میرے اہل بیت میں سے کوئی شخص۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے روانہ فرمادیا(2)۔ ترمذی نے حماد بن سلمہ سے اسے روایت کیا ہے اور اسے حسن غریب کہا ہے۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ جب سورۂ براءت کی دس آیات اتریں تو نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان آیات کے ساتھ انہیں بھیجا تاکہ وہ اہل مکہ کو یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں، پھر آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ ''ابوبکر سے جاملو۔ جہاں بھی وہ تمہیں ملیں (پیغام والا) مکتوب ان سے لے لینا اور اہل مکہ کے پاس جا کر انہیں پڑھ کر سنانا''۔ میں جحفہ کے مقام پر حضرت ابوبکر سے جاملا اور مکتوب ان سے لے لیا، وہ واپس لوٹے اور عرض کی: یا رسول اللہ! کیا میرے بارے میں کوئی وحی اتری ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا کہ یہ پیغام آپ خود پہنچائیں گے یا وہ آدمی جو آپ میں سے ہو''(3)۔ اس سند میں ضعف ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فوری طور پر واپس لوٹ آئے، بلکہ جس طرح حضور ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنایا تھا اس کے مطابق مناسک حج کی ادائیگی کے بعد واپس لوٹے، جیسا کہ ایک دوسری روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں اس اعلان براءت کے ساتھ بھیجنا چاہا تو انہوں نے عذر پیش کرتے ہوئے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں نہ تو خوش بیان ہوں اور نہ ہی خطیب۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ حتمی بات ہے کہ یہ پیغام یا تو میں خود پہنچاؤں یا تم پہنچاؤ''۔ حضرت

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 299 2۔ تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ براءت (توبہ)، جلد 8 صفحہ 485 3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 151

علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اگر یہ ضروری ہے تو میں پیغام لے جانے کے لئے حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو ثبات اور دل کو ہدایت عطا فرمائے گا۔“ پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک ان کے منہ پر رکھا(1)۔ ہمدان کے ایک شخص زید بن یثیغ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت علی سے دریافت کیا کہ کس چیز کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا تھا؟ یعنی جب حج کے موقعہ پر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کو روانہ کیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے چار چیزوں کے ساتھ روانہ کیا گیا: جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوگا، کوئی ننگا شخص بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کرے گا، جس کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے تو اس کی مدت انتہائے معاہدہ تک ہوگی اور اس سال کے بعد مشرکین حج کعبہ کو نہیں آئیں گے(2)۔ ترمذی نے اسے قلابہ سے اور انہوں نے سفیان بن عیینہ سے اس کی روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے(3)۔ شعبہ نے اسے ابی اسحاق سے روایت کیا ہے۔ ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ابی اسحاق سے اسے روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے بھی حضرت علی سے یہ روایت کی ہے اور ان مذکورہ بالا چار چیزوں کا ذکر کیا ہے(4)۔ زید بن یثیغ سے روایت ہے کہ سورۂ براءت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سورۂ براءت لے لی۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس لوٹے تو عرض کی کہ کیا میرے بارے میں کوئی وحی اتری ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ مجھے یہ حکم ہوا تھا کہ اس پیغام کو یا تو میں خود پہنچاؤں یا میرے اہل بیت میں سے کوئی شخص“۔ چنانچہ حسب ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مکہ پہنچ کر مذکورہ بالا چار باتوں کا اعلان کر دیا۔ محمد بن اسحاق ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر سورۂ براءت نازل ہوئی تو اس وقت آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے بھیج چکے تھے، عرض کی گئی: یا رسول اللہ! کاش یہ پیغام بھی آپ ابوبکر کو پہنچا دیتے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس پیغام کو صرف میرے اہل بیت میں سے ہی کوئی آدمی پہنچائے گا“۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: ”سورۂ براءت کے اس قصہ کو لے جاؤ اور عید قربان کے دن جب لوگ منیٰ میں اکٹھے ہوں گے تو یہ اعلان کر دینا کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہیں ہوگا، اس سال کے بعد کسی مشرک کو حج کی اجازت نہیں، کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور جس شخص کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی عہد و پیمان ہے تو اسے اس کی مقررہ مدت تک پورا کیا جائے گا“۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی عضباء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر نکلے یہاں تک کہ رستہ میں ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا ملے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو پوچھنے لگے کہ کیا امیر بن کر آئے ہو یا مامور؟ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تو مامور اور ماتحت ہی ہوں۔ پھر دونوں حضرات نے سفر جاری رکھا۔ وہاں پہنچ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے لئے حج کے انتظامات کئے اور جن مقامات پر حج ہوتا تھا وہاں حج کا بندوبست کیا۔ دسویں ذوالحجہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے ہوئے کہا کہ اے لوگو! کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا، اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، کوئی شخص ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور جس شخص کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی عہد و پیمان ہے، انتہائے مدت تک اس کی تکمیل ہوگی۔ چنانچہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کعبہ کے لئے نہ آیا اور نہ کسی نے برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 150 — 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 79

3۔ تحفۃ الاحوذی تفسیر سورۂ توبہ، جلد 8 صفحہ 488-499 — 4۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 64

ہوئے۔ چنانچہ مشرکین میں سے جن کے ساتھ عام اور غیر معینہ مدت کے لئے عہد تھا اس کی مدت تو چار ماہ مقرر ہوگئی اور جن کے ساتھ مقررہ مدت کے لئے عہد و پیمان تھا وہ تکمیل مدت تک بدستور قائم رہا۔ ابن جریر میں روایت ہے کہ ابوصہباء بکری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حج اکبر کے دن سے متعلق دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے لئے امیر حج بنا کر بھیجا اور مجھے ان کے ساتھ سورۂ براءت کی چالیس آیتیں دیکر روانہ کیا۔ حضرت ابوبکر نے میدان عرفات میں عرفہ کے دن خطبہ دیا۔ خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے علی! اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچاؤ۔ چنانچہ میں نے سورۂ براءت کی چالیس آیات لوگوں کو پڑھ کر سنائیں۔ پھر وہاں سے لوٹ کر منیٰ میں آ گئے اور جمرہ پر کنکریاں پھینکیں اور اونٹ کی قربانی کی، پھر میں نے اپنا سر منڈوایا، مجھے پتہ چلا کہ سب حجاج عرفہ کے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں موجود نہیں تھے اس لئے میں نے لوگوں کے خیموں اور قیام گاہوں میں گھوم پھر کر یہ پیغام سب لوگوں تک پہنچا دیا۔ میرا خیال ہے کہ شاید اس وجہ سے تم لوگوں کا یہ گمان ہو گیا ہے کہ یہ دس ذی الحجہ کا واقعہ ہے حالانکہ پیغام پہنچانے والا واقعہ یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کو ہوا تھا(1)۔ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے ابو جحیفہ سے حج اکبر کے دن کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ یوم عرفہ ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا یہ آپ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں یا صحابہ کرام سے سن کر؟ انہوں نے کہا کہ سب کچھ اسی میں ہے۔ عبدالرزاق نے عطاء سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ حج اکبر سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ عرفہ کا دن ہے، یہ حج اکبر کا دن ہے، اس لئے کوئی شخص اس میں روزہ نہ رکھے۔ راوی عمر بن ولید کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کے بعد حج کیا۔ جب مدینہ شریف آیا تو میں نے اہل مدینہ میں سے سب سے افضل شخص کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے مدنیہ کے سب سے افضل شخص کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ وہ سعید بن مسیب ہیں، مجھے یوم عرفہ کے روزہ کے متعلق بتائیے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسے شخص کی طرف سے اس کا حکم بتاتا ہوں جو مجھ سے سو درجے بہتر اور افضل ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا ابن عمر رضی اللہ عنہ اس دن کے روزہ سے منع فرماتے تھے اور اسی دن کو حج اکبر قرار دیتے تھے(2)۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اسے روایت کیا ہے، اسی طرح حضرات ابن عباس، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور طاؤس رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یوم عرفہ حج اکبر کا دن ہے۔ اس بارے میں ایک حدیث مرسل بھی ہے جسے ابن جریج نے ابن مخرمہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفہ کے دن اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ آج حج اکبر کا دن ہے۔ ایک اور سند سے ابن مخرمہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میدان عرفات میں خطبہ دیا، حمد و ثناء کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حج اکبر سے مراد قربانی کا دن ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ایک روایت میں آتا ہے کہ حج اکبر کا دن قربانی کا دن (دس ذی الحجہ) ہے۔ حارث الاعور کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حج اکبر کے دن کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس سے مراد یوم نحر ہے۔ شعبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ یوم نحر کو سفید خچر پر سوار ہو کر باہر صحراء کی طرف جا رہے تھے کہ ایک آدمی نے آپ کی سواری کی لگام پکڑ لی اور آپ سے حج اکبر کے دن سے متعلق سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ تو آج ہی کا دن ہے، سواری کی لگام چھوڑ دو۔ عبداللہ بن ابی اوفی اور عبدالملک بن عمیر کا بھی یہی قول ہے۔ اعمش حضرت

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 65 2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 68

عبداللہ بن سنان سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے عیدالاضحیٰ کے دن اپنے اونٹ پر سوار ہو کر ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا کہ آج عیدالاضحیٰ، قربانی اور حج اکبر کا دن ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ حج اکبر کا دن قربانی والا دن ہے۔ اسی طرح حضرات ابو جحیفہ، سعید بن جبیر، عبداللہ بن شداد، نافع بن جبیر، شعبی، ابراہیم نخعی، مجاہد، عکرمہ، ابو جعفر الباقر، زھری اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے اختیار کیا ہے اور صحیح بخاری کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چند صحابہ کو منیٰ میں اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا، اسی طرح اور متعدد احادیث اس ضمن میں وارد ہوئی ہیں۔ امام ابو جعفر بن جریر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نحر کے دن (دس ذی الحجہ) جمروں کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''یہ حج اکبر کا دن ہے''۔ اسی طرح اسے ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ شعبہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سرخ رنگ کی اونٹنی پر سوار تھے جس کے کان کا کنارہ کٹا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ آج کا دن کون سا دن ہے؟'' صحابہ نے عرض کی کہ آج یوم نحر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے سچ کہا، حج اکبر کا دن''۔ حضرت ابوبکرہ سے روایت ہے کہ اس دن آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے، لوگوں نے اس کی نکیل پکڑ رکھی تھی، آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کونسا دن ہے؟'' راوی کہتے ہیں کہ ہم خاموش رہے کیونکہ ہمارا یہ خیال تھا کہ آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام لیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ حج اکبر کا دن نہیں ہے؟'' اس کی سند صحیح ہے۔ حضرت احوص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کونسا دن ہے؟'' صحابہ نے جواب دیا کہ آج حج اکبر کا دن ہے۔ حضرت سعید بن میسّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج اکبر کا دن یوم نحر کا دوسرا دن (گیارہ ذی الحجہ) ہے۔ اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حج اکبر سے مراد حج کے تمام ایام ہیں۔ سفیان کا بھی یہی کہنا ہے، یعنی یوم مفرد ہے لیکن مراد تمام دن ہیں جن میں حج کی ادائیگی ہوتی ہے۔ جس طرح یوم جمل اور یوم صفین کہہ کر ان لڑائیوں کے تمام دن مراد لئے جاتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے حج اکبر کے دن کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں اس سے کیا سروکار ہے؟ یہ تو اس سال تھا جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کیا تھا۔ ابن سیرین سے حج اکبر کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ دن تھا جس میں رسول اللہ ﷺ اور دیہاتی لوگوں نے حج کیا تھا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④

''بجز ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے نہ کمی کی تمہارے ساتھ ذرہ بھر اور نہ انہوں نے مدد کی تمہارے خلاف کسی کی تو پورا کرو ان سے ان کا معاہدہ ان کی مدت (مقررہ) تک۔ بیشک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو''

چار ماہ کی مہلت بیان کرنے کے بعد اس حکم سے استثناء ہو رہا ہے۔ مشرکین میں سے جس کے ساتھ غیر معینہ مدت کے لئے مطلق معاہدہ تھا، اسے چار ماہ کی مہلت دی، اس مدت میں وہ جہاں چاہے، آزادی کے ساتھ گھومے پھرے، لیکن جس کے ساتھ کسی معینہ مدت تک کے لئے معاہدہ ہوا تھا تو مقررہ مدت تک اس کی پابندی لازمی قرار پائی۔ اس بارے میں احادیث گزر چکی ہیں۔ جس کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معاہدہ تھا، اسے مقررہ میعاد تک نبھانے کا حکم ہوا بشرطیکہ وہ معاہدے والا شخص عہد شکنی نہ کرے اور نہ ہی مسلمانوں کے

خلاف کسی کی امداد کرے۔ یہ ایسا شخص ہے جس کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو اس کی مقررہ مدت تک پورا کیا جائے گا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے معاہدہ کے ایفاء پر برانگیختہ کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ یعنی عہد پورا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انہیں اور گرفتار کرو انہیں اور گھیرے میں لے لو انہیں اور بیٹھو ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ۔ پھر اگر یہ توبہ کرلیں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ، بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

آیت کریمہ میں مذکور حرمت والے مہینوں کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ وہ چار مہینے ہیں جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہوا ہے: مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ (التوبہ: 36) ''ان میں سے چار عزت والے ہیں یہی دین قیم ہے پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں اپنے آپ پر''۔ ابوجعفر الباقر کا بھی یہی قول ہے لیکن ابن جریر کہتے ہیں کہ ان حرمت والے مہینوں میں سے ان کے حق میں آخری مہینہ محرم ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے۔ ضحاک کا بھی یہی مسلک ہے، لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت بیان کی ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے اور اسی طرح حضرات مجاہد، عمرو بن شعیب، محمد بن اسحاق، قتادہ، سدی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہ قول ہے کہ ان مہینوں سے وہ چار مہینے مراد ہیں جن میں مشرکین کو مہلت عطا کی گئی اور جن کا ذکر اس فرمان فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ (توبہ: 2) میں ہے۔ پھر فرمایا: فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ یعنی جب یہ چار ماہ گزر جائیں جن میں ہم نے مشرکین کے ساتھ جنگ کرنا تم پر حرام قرار دے دیا ہے اور ان میں انہیں مہلت عطا کی ہے، تو جہاں کہیں ان مشرکوں کو پاؤ قتل کر ڈالو۔ تو یہی چار ماہ مراد ہیں کیونکہ عہد کو مذکور کے ساتھ وابستہ کرنا بہ نسبت مقدر کے ساتھ وابستہ کرنے سے بہتر ہے۔ ان حرمت والے چار ماہ کا حکم اس سورت میں ایک دوسری آیت کے تحت بیان کیا جائے گا۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ یعنی زمین کے کسی مقام پر بھی تم انہیں پالو تو قتل کر ڈالو۔ یہ حکم عام ہے، لیکن مشہور یہی ہے کہ حرم شریف میں جنگ کی حرمت کے باعث یہ حکم خاص ہوگیا، یعنی حرم کے علاوہ جہاں پاؤ، قتل کر ڈالو جیسا کہ فرمایا: وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ (البقرۃ: 191) ''اور نہ جنگ کرو ان سے مسجد حرام کے قریب یہاں تک کہ وہ (خود) تم سے وہاں جنگ کرنے لگیں، سو اگر وہ لڑیں تم سے تو پھر قتل کرو انہیں''۔

وَخُذُوْهُمْ یعنی انہیں گرفتار کرلو اگر تم انہیں قتل کرنا چاہو یا قید کرنا چاہو۔

وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ یعنی تم صرف اسی پر اکتفاء نہ کرو کہ اگر وہ تمہیں مل جائیں تو جنگ کرلو، بلکہ تم خود ان پر چڑھائی کرو، ان کے قلعوں میں ہی ان کا محاصرہ کرلو اور گھات کے مقامات اور رستوں میں ان کی تاک میں بیٹھ جاؤ یہاں تک کہ ان پر قافیہ تنگ کردو اور انہیں مجبور کردو تاکہ وہ یا تو جنگ پر آمادہ ہو جائیں یا اسلام لے آئیں اسی لئے فرمایا: فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ...... اسی لئے حضرت

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ کے ساتھ جہاد کرنے میں اسی آیت کریمہ اور اس جیسی دوسری آیات سے استدلال کیا تھا کہ ان کے ساتھ جہاد اس صورت میں حرام ہے جب وہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور تمام واجبات کی بجا آوری کریں۔ اس آیت کریمہ میں بالترتیب اعلیٰ سے ادنیٰ ارکان اسلام کا ذکر ہے۔ شہادتین کے بعد سب سے عظیم رکن نماز ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، نماز کے بعد زکوٰۃ، اس کا نفع فقراء اور محتاجین کو حاصل ہوتا ہے، مخلوق کے ساتھ متعلقہ افعال میں اس کا مرتبہ سب سے بلند ہے، یہی وجہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کو عموماً ایک ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے لوگوں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں'' (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہیں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہوا ہے۔ جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کی کوئی نماز نہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ زکوٰۃ کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، آپ کتنے عظیم فقیہ تھے! حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے لوگوں کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ اس بات کی گواہی دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، ہمارے قبلہ کی جانب منہ کریں، ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں اور ہم جیسی نمازیں پڑھنے لگیں تو ان کے خون اور مال ہم پر حرام ہیں مگر حق کے ساتھ۔ ان کے بھی وہی حقوق و فرائض ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں'' (2)۔ یہ روایت صحیح بخاری اور ابن ماجہ کے سوا سنن میں بھی حضرت عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے۔ امام ابوجعفر بن جریر حضرت ربیع بن انس سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دنیا کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ صرف خدائے واحد کی اخلاص کے ساتھ عبادت کرتا تھا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا تو اس نے دنیا کو اس حال میں چھوڑا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی تھا''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہی اللہ کا دین ہے جسے انبیاء و رسل لیکر تشریف لاتے رہے اور اپنے رب کی طرف سے اپنی اپنی امتوں کو اس کا پیغام پہنچاتے رہے اس سے پہلے کہ باتیں بلاوجہ طول پکڑنے لگیں اور خواہشات اختلاف کا شکار ہونے لگیں۔ اس کی تصدیق اس آخری وحی سے ہوتی ہے: فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ۔ ان کی توبہ یہی ہے کہ وہ بتوں کو خیر باد کہہ کر صرف اپنے رب حقیقی کی عبادت کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ ایک اور آیت میں فرمایا: فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ (3) ''پس اگر یہ توبہ کرلیں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں دین میں''۔ ضحاک کہتے ہیں کہ یہ آیت آیت السیف (تلوار والی آیت) ہے جس نے نبی کریم ﷺ اور مشرکین کے درمیان ہر قسم کے عہد و پیمان اور ہر قسم کی مدت کو منسوخ کر دیا۔ عوفی اس آیت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ جب سے سورۂ براءت اتری ہے کسی مشرک کے لئے نہ کوئی عہد ہے اور نہ کوئی ذمہ، انہیں فقط چار ماہ کی مہلت حاصل تھی۔ سورۂ براءت کے نزول سے قبل جس مشرک کے ساتھ کوئی عہد و پیمان تھا، اس کی مدت اعلان براءت سے دس ربیع الثانی تک چار ماہ کے لئے تھی۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ لوگ جن کے ساتھ معاہدہ تھا اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتے تو ان کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 12، صحیح مسلم 51-52

2۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 108-109، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 199-224-225 3۔ التوبہ: 11، حوالہ روایت تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 78

ساتھ جنگ کریں، ان کے ساتھ کئے گئے تمام عہد و پیمان اور شرائط منسوخ کر دیں۔ ابن ابی حاتم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو چار تلواروں کے ساتھ بھیجا، ایک تو مشرکین عرب کے بارے میں، فرمایا: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ:5) ''تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انہیں''۔ یہ روایت اسی طرح اختصار کے ساتھ مروی ہے۔ میرا خیال ہے کہ دوسری تلوار اہل کتاب کے ساتھ جہاد کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ:29) ''جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں''۔ اور تیسری تلوار منافقین کے ساتھ جہاد ہے، فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ (التوبہ:73) ''اے نبی کریم! جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں کے ساتھ''۔ اور چوتھی تلوار باغیوں کے ساتھ جنگ کرنا ہے، فرمایا: وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ (الحجرات:9) ''اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے پر تو پھر سب (مل کر) لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف''۔ پھر اس آیت سیف کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ضحاک اور سدی کا کہنا ہے کہ یہ آیت اس آیت کے ساتھ منسوخ ہے: فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً (محمد:4) ''بعد ازاں یا تو احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لو'' اور قتادہ اس کے برعکس کہتے ہیں۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

''اور اگر کوئی شخص مشرکوں میں سے پناہ طلب کرے آپ سے تو پناہ دیجئے اسے تا کہ وہ سنے اللہ کا کلام پھر پہنچا دیجئے اسے اس کی امن گاہ میں۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ ایسی قوم ہیں جو (قرآن کو) نہیں جانتے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرمار ہا ہے کہ میں نے آپ کو جن مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور جن کی جانیں اور اموال آپ کے لئے مباح کر دیئے ہیں، اگر ان میں سے کوئی آپ سے امن کا خواستگار ہو تو اسے امن دیجئے تا کہ وہ قرآن کریم سن لے۔ آپ اسے قرآن کریم سنا کر اور امور دین کی تعلیم دے کر اس پر اللہ کی حجت قائم کر دیں گے۔ پھر فرمایا: ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ یعنی اسے اس وقت تک امن حاصل ہے جب تک وہ اپنے وطن، گھر اور امن گاہ تک نہیں پہنچ جاتا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ یعنی ہم نے اس جیسے لوگوں کے لئے اس لئے امان مشروع قرار دی ہے تا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کو سیکھیں اور پیغام خداوندی اس کے بندوں میں عام ہو جائے۔ ابن ابی نجیح مجاہد سے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی انسان آپ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کی باتیں اور قرآن کریم سننے کے لئے آئے تو وہ امن میں ہے یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کلام الٰہی سنے اور جہاں سے آیا تھا، وہاں اپنی امن گاہ تک بعافیت واپس چلا جائے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر اس شخص کو امان دے دیا کرتے تھے جو طلب ہدایت کے لئے آتا یا کوئی پیغام لیکر آتا جیسا کہ حدیبیہ والے دن ہوا۔ قریش کے قاصد عروہ بن مسعود،

مکرز بن حفص، سہیل بن عمرو وغیرہ یکے بعد دیگرے مذاکرات کی خاطر بلاخوف وخطر مسلمانوں کے پاس آتے رہے۔ جب انہوں نے صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ کی انتہائی تعظیم بجالاتے ہوئے دیکھا تو وہ دم بخود رہ گئے، یہ شان تو انہوں نے قیصر وکسریٰ کے درباروں میں بھی نہ دیکھی تھی۔ واپس پلٹ کر ان قاصدوں نے اپنی قوم کو اس حقیقت سے آگاہ کیا۔ یہ اور اس قسم کی دیگر چیزیں ان میں سے اکثر لوگوں کی ہدایت کا باعث بنیں (1)۔ جب مسیلمہ کذاب کا قاصد رسول خدا ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پہنچا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر قاصدوں کو قتل کرنا ناجائز نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا'' (2)۔ آخرکار اللہ تعالیٰ نے یہ موقعہ عطا فرمادیا اور اس شخص کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کوفہ میں گورنری کے زمانہ میں قتل کر دیا گیا۔ اسے ابن النواحہ کہا جاتا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانہ امارت کے دوران یہ بات ظاہر ہوئی کہ یہ مسیلمہ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے بلا بھیجا اور اسے فرمایا کہ اب تو قاصد نہیں ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس ملعون کی گردن اڑا دی گئی۔ مقصد یہ ہے کہ جو شخص دار حرب سے دار اسلام کی طرف پیغام رسانی، تجارت، مصالحت، ادائے جزیہ یا ایسی دیگر اغراض کے لئے آئے اور امام وقت یا اس کے نائب سے امان کی درخواست کرے تو اسے امان اس وقت تک حاصل ہوگی جب تک وہ دار اسلام میں رہے اور اپنے وطن اور امن گاہ تک پہنچ جائے۔ لیکن علماء کا کہنا ہے کہ ایسے شخص کے لئے سال بھر دار اسلام میں قیام کرنا جائز نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک قیام کرسکتا ہے۔ چار ماہ سے زائد اور سال سے کم قیام کے بارے میں امام شافعی اور دیگر علماء کے دو قول ہیں۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

''کیونکر ہوسکتا ہے (ان عہد شکن) مشرکوں کے لئے کوئی معاہدہ اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے مسجد حرام کے پاس۔ تو جب تک وہ قائم رہیں تمہارے معاہدہ پر تم بھی قائم رہو ان کے لئے بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پرہیزگاروں سے''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین سے اعلان برأت انہیں چار ماہ کی مہلت دیئے جانے اور اس مدت کے اختتام پر جہاں مل جائیں انہیں تہ تیغ کرنے کی حکمت بیان فرمارہا ہے، ارشاد ہوتا ہے: كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ یعنی ان مشرکین کے لئے کیسے کوئی عہد و پیمان اور امان ہوسکتی ہے اور کیسے انہیں ان کی موجودہ گمراہی کی حالت پر چھوڑا جاسکتا ہے حالانکہ یہ اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی جن کے ساتھ حدیبیہ والے دن معاہدہ ہوا جیسا کہ فرمایا: هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ (الفتح: 25) ''یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں بھی روک دیا مسجد حرام (میں داخل ہونے) سے اور قربانی کے جانوروں کو بھی کہ وہ بندھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں''۔

فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ...... یعنی دس سال کی مدت کے لئے جو صلح تمہارے اور مشرکین کے درمیان حدیبیہ کے مقام پر ہوئی

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 308-309
2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 600

ہے جب تک وہ مشرکین اس معاہدہ کی پابندی کرتے ہیں اور جنگ نہ کرنے کے عہد کو نبھاتے ہیں، اس وقت تک اس عہد کا ایفاء تم پر بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے اس عہد کو نبھایا۔ اہل مکہ کے ساتھ یہ معاہدہ ذی القعدہ سنہ 6 ہجری تک برقرار رہا یہاں تک کہ قریش نے خود ہی عہد شکنی کی اور اپنے حلیف بنو بکر کی رسول اللہ ﷺ کے حلیف بنو خزاعہ کے خلاف مدد کی اور اپنے حلفاء کے ساتھ مل کر حرم شریف کے اندر خزاعہ کے لوگوں کو قتل کیا۔ اس عہد شکنی کے باعث رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک سنہ 8 ہجری کو اہل مکہ پر لشکر کشی کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بلد حرام (مکہ) پر فتح عطا فرمائی اور اہل مکہ پر آپ ﷺ کو پورا تسلط عطا فرما دیا۔ ان میں سے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا، آپ ﷺ نے باوجود قدرت اور غلبہ کے سب کو آزاد کر دیا، انہی لوگوں کو "طلقاء" (آزاد کیے گئے) کہا جاتا ہے، ان کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی۔ ان میں سے جو کفر پر مصر رہے اور ادھر ادھر بھاگ گئے انہیں آپ ﷺ نے چار ماہ کے لئے امان دے دی، اس دوران انہیں کہیں بھی آنے جانے کی مکمل آزادی تھی۔ ان میں سے صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابوجہل وغیرہ تھے۔ پھر بعد از اں اللہ تعالیٰ نے انہیں قبول اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ جو مقدر فرماتا ہے اور جو کرتا ہے اس پر وہ حمد و ستائش کیا ہوا ہے۔

كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾

"کیونکر (ان کے معاہدہ کا لحاظ رکھا جائے) حالانکہ اگر وہ غالب آ جائیں تم پر تو نہ لحاظ کریں تمہارے بارے میں کسی رشتہ داری کا اور نہ کسی عہد کا۔ راضی کرنا چاہتے ہیں تمہیں (صرف) اپنے منہ (کی باتوں) سے اور انکار کر رہے ہیں ان کے دل۔ اور اکثر ان میں سے فاسق ہیں"۔

اللہ تعالیٰ مومنین کو مشرکین کے ساتھ عداوت رکھنے اور لاتعلقی کرنے پر برانگیختہ کر رہا ہے اور یہ بیان فرما رہا ہے کہ وہ اپنے کفر و شرک کے باعث کسی عہد و پیمان کے مستحق نہیں ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو تمہیں نیست و نابود کرنے میں ذرا کسر نہیں اٹھا رکھیں گے اور نہ تمہاری رشتہ داری اور عہد و پیمان کا لحاظ رکھیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "اِلًّا" کا معنی قرابت اور ذِمَّةً کا معنی عہد منقول ہے۔ تمیم بن مقبل کے مندرجہ ذیل شعر میں بھی "الال" کا معنی قرابت داری ہے:

أَفْسَدَ النَّاسَ خُلُوفٌ خَلَفُوْا قَطَعُوْا الْإِلَّ وَأَعْرَاقَ الرَّحِمْ (1)

(نااہل جانشینوں نے لوگوں کو بگاڑ دیا ہے، جنہوں نے قرابت داری اور رشتہ داری کی رگوں کو کاٹ دیا ہے)۔

اسی طرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس شعر میں بھی:

وَجَدْنَاهُمْ كَاذِبًا إِلُّهُمْ وَذُو الْإِلِّ وَالْعَهْدِ لَا يَكْذِبُ (2)

(ہم نے انہیں جھوٹی اور فریب پر مبنی رشتہ داری والا پایا اور رشتہ داری اور عہد و پیمان والا شخص جھوٹ نہیں بولتا)۔

ابن ابی نجیح مجاہد سے بیان کرتے ہیں کہ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا میں "اِلّ" کا معنی اللہ ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں "لَا يَرْقُبُوْنَ اللّٰهَ وَلَا غَيْرَهٗ" (نہ وہ اللہ کا لحاظ رکھیں گے اور نہ کسی اور کا)۔ ابن جریر ابی مجلز سے بیان کرتے ہیں کہ لفظ "اِل" (بمعنی اللہ) جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل میں بصورت "ایل" آیا ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر اور مشہور ہے، اور اکثر نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔ مجاہد

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 85 2۔ ایضاً

سے ''ال'' بمعنی عہد اور قتادہ سے ''ال'' بمعنی قسم منقول ہے۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

''انہوں نے بیچ دیں اللہ کی آیتیں تھوڑی سی قیمت پر (مزید برآں) روکا انہوں نے (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے۔ بیشک وہ بہت برا تھا جو وہ کیا کرتے تھے۔ نہیں لحاظ کرتے کسی مومن کے حق میں کسی رشتہ داری اور نہ کسی وعدہ کا۔ اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں پس اگر یہ توبہ کرلیں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوۃ تو تمہارے بھائی ہیں دین میں۔ اور ہم کھول کر بیان کرتے ہیں (اپنی) آیتیں اس قوم کے لئے جو علم رکھتی ہے''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کی مذمت کرتے ہوئے اور مومنین کو ان کے خلاف جہاد پر ابھارتے ہوئے فرماتا ہے: اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا...... یعنی انہوں نے آیات الٰہی کی اتباع کے مقابلہ میں دنیا کے گھٹیا اور خسیس امور میں منہمک ہونے کو ترجیح دی ہے اور اہل ایمان کو بھی اتباع حق سے باز رکھنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں، یہ مشرکین نہایت ہی برے اعمال کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً اس آیت کی تفسیر گزر چکی ہے اور اسی طرح اس سے بعد والی آیت کی بھی وضاحت ہو چکی ہے۔ حافظ ابوبکر البزار کی ایک حدیث ہے جسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اللہ کے لئے اخلاص اور عبادت پر دنیا کو چھوڑا کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا، نماز قائم کرتا تھا اور زکوۃ دیتا تھا تو اس نے دنیا کو اس حالت میں چھوڑا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی تھا'' (1)۔ یہی وہ اللہ کا دین ہے جسے پیغمبر لاتے رہے اور اس کی تبلیغ کرتے رہے اس سے پہلے کہ باتیں بلا فائدہ طویل ہو جائیں اور خواہشات مختلف ہو جائیں، اس کی تصدیق اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے: فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اور دوسری آیت میں فرمایا: فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ توبہ سے مراد بت پرستی کو ترک کرنا ہے۔ پھر حضرت بزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک حدیث ''وَهُوَ عَنْهُ رَاضٍ'' (کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی تھا) کے الفاظ پر ختم ہو جاتی ہے اور بقیہ کلام راوی حدیث ربیع بن انس کا ہے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝

''اور اگر یہ لوگ توڑ دیں اپنی قسمیں اپنے معاہدہ کے بعد اور طعن کریں تمہارے دین پر تو جنگ کرو کفر کے پیشواؤں سے۔ بیشک ان لوگوں کی کوئی قسمیں نہیں ہیں (ایسوں سے جنگ کرو) تاکہ یہ لوگ (عہد شکنی سے) باز آجائیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ مشرکین جن کے ساتھ تم نے ایک معینہ مدت کے لئے معاہدہ کر رکھا ہے، اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں، عہد شکنی کریں اور تمہارے دین کے معاملہ میں زبان طعن دراز کرنے لگیں تو کفر کے ان سرغنوں کے ساتھ جنگ کرو، ممکن ہے وہ اپنے کفر، عناد اور

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 132

گمراہی سے باز آ جائیں۔ اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو گالی دے، دین اسلام پر طعن کرے یا اس کا مذاق اڑائے تو اسے قتل کر دیا جائے، اسی لئے فرمایا: فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ...... قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ ''اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ'' (کفر کے سردار اور سرغنے) ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف جیسے لوگ ہیں۔ مصعب بن سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کسی خارجی کے پاس سے گزرے تو اس خارجی نے آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا کہ یہ کفر کے پیشواؤں میں سے ہے۔ یہ سن کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے جھوٹ کہا ہے، میں نے تو کفر کے پیشواؤں کے ساتھ جنگ کی ہے، اسے ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ اعمش حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد اس آیت والوں کے ساتھ جنگ نہیں کی گئی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے، اگرچہ سبب نزول کے اعتبار سے اس سے مراد مشرکین قریش ہیں لیکن یہ انہیں بھی شامل ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی۔ عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر بیان کرتے ہیں کہ وہ بھی اس لشکر میں شامل تھے جسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف بھیجا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں روانہ کرتے وقت فرمایا کہ تمہیں کچھ ایسے لوگ ملیں گے جن کے سر منڈے ہوئے ہوں گے، تلواروں کے ساتھ ان کے شیطانی ٹھکانوں پر حملہ کرنا۔ اللہ کی قسم! ان میں سے ایک آدمی کو قتل کرنا دیگر ستر آدمیوں کے قتل کرنے سے مجھے زیادہ پسند ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے(1)۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

''کیا نہیں جنگ کرو گے تم اس قوم کے ساتھ جنہوں نے توڑ ڈالا اپنی قسموں کو اور ارادہ کیا انہوں نے رسول کو نکال دینے کا اور انہی نے آغاز کیا تھا تم پر (زیادتی کا) پہلی مرتبہ۔ کیا تم ڈرتے ہو ان سے۔ (سنو!) اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو، اگر ہو تم (سچے) ایماندار۔ جنگ کرو ان سے، عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا کرے گا انہیں اور مدد کرے گا تمہاری ان کے مقابلے میں اور (یوں) صحت مند کر دے گا اس جماعت کے سینوں کو جو اہل ایمان ہے اور (یوں) دور فرما دے گا غصہ ان کے دلوں کا۔ اور اپنی رحمت سے توجہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے''۔

یہاں بھی ان مشرکین کے خلاف جہاد پر برانگیختہ اور آمادہ کیا جا رہا ہے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے جلا وطن کرنے کا ارادہ کیا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (الانفال:30) ''اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا تاکہ آپ

1۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 215 تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 88-89

کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں۔ وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے"۔ اور فرمایا: يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ (الممتحنہ: 1) "انہوں نے نکالا ہے رسول (مکرم) کو اور تمہیں بھی (مکہ سے) محض اس لئے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے"۔ اور فرمایا: وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا (بنی اسرائیل: 76) "اور انہوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے"۔

وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد یوم بدر ہے جب مشرکین مکہ اپنے تجارتی قافلہ کو بچانے کی خاطر نکلے تھے۔ قافلہ تو عافیت سے بچ کر نکل گیا لیکن یہ سرکشی اور غرور و نخوت کے نشہ میں اہل ایمان کے ساتھ جنگ پر مصر رہے۔ اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ کی عہد شکنی اور اپنے حلفاء بنو بکر کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے حلفاء بنو خزاعہ کے ساتھ جنگ کرنا ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال ان پر چڑھائی کر دی اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فتح مبین عطا فرمائی۔

اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے فرماتا ہے کہ تم ان (مشرکین) سے نہ ڈرو، بلکہ مجھ سے ڈرو، کیونکہ میں ہی اس بات کا حقدار ہوں کہ بندے میری عقوبت اور سطوت سے ڈریں، میرے ہاتھ میں ہی ہر معاملہ ہے، وہی ہوتا ہے جو میں چاہوں اور جو میں نہ چاہوں، وہ ہرگز نہیں ہوتا۔ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے پر پوری طرح قادر تھا لیکن پھر بھی مومنین کو ان کے خلاف جہاد کرنے کا حکم فرمایا، اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ۔ یہ بات تمام مومنین کے لئے عام ہے۔ مجاہد، عکرمہ اور سدی کہتے ہیں کہ یہ بنو خزاعہ کے ساتھ خاص ہے۔ اس فرمان وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ میں ضمیر کا مرجع بھی یہی ہیں۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غضبناک ہو جاتیں تو رسول اللہ ﷺ ان کی ناک پکڑ لیتے اور فرماتے کہ اے عویش! یہ دعا پڑھو: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ اغْفِرْ ذَنْبِي وَأَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِي وَأَجِرْنِي مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ" (1)۔ یعنی اے اللہ! اے نبی کریم محمد (ﷺ) کے رب! میرے گناہ بخش دے، میرے دل کا غصہ دور کر دے اور مجھے گمراہ کن فتنوں سے پناہ عطا فرما۔

وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ...... یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہے توبہ قبول فرماتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے خوب واقف ہے اور اپنے تمام کائناتی اور شرعی اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ عادل حاکم ہے جو کبھی بھی ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی ذرہ بھر نیکی اور بدی ضائع کرتا ہے بلکہ دنیا و آخرت میں اس کی جزا دیتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۶

"کیا تم یہ خیال کر رہے ہو کہ تمہیں (یونہی) چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ ابھی تک پہچان نہیں کرائی اللہ نے ان کی جو جہاد کریں گے تم میں سے اور جنہوں نے نہیں بنایا بغیر اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے (کسی کو اپنا) محرم راز۔ اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے جو تم کرتے ہو"۔

4۔ ابن عساکر، ترجمہ موذن عمر بن عبد العزیز

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے مومنو! کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم تمہیں یونہی چھوڑ دیں گے اور ایسے امور کے ساتھ تمہاری آزمائش نہیں کریں گے جن میں سچے اور جھوٹے کے درمیان امتیاز ہو جائے، اسی لئے فرمایا: وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ ......۔ ''وَلِيجَةً'' کا معنی ہے محرم راز۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ظاہر اور باطن میں اللہ اور اس کے رسول کے لئے مخلص ہیں۔ یہاں ایک قسم کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے جن کی صفات آیت کریمہ میں مذکور ہیں، ان کی متضاد صفات کے حامل دوسری قسم کے لوگوں کا ذکر نہیں جیسا کہ شاعر نے اپنے اس شعر میں کہا ہے:

وَمَا أَدْرِیْ إِذَا يَمَّمْتُ اَرْضًا أُرِيْدُ الْخَيْرَ أَيُّهُمَا يَلِيْنِیْ

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: الٓمّٓ ﴿﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (العنکبوت: 3-1) ''الف۔ لام۔ میم۔ کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔ اور بے شک ہم نے آزمایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے، پس اللہ تعالیٰ ضرور دیکھے گا انہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے تھے اور ضرور دیکھے گا (ایمان کے) جھوٹے (دعویداروں) کو''۔ اور فرمایا: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ (آل عمران: 142) ''کیا تم گمان رکھتے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنت میں''، اور فرمایا: مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ (آل عمران: 179) ''نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو''۔ کلام کا ماحاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے جہاد شروع کیا تو اس کی حکمت بھی بیان کر دی، وہ ہے بندوں کی آزمائش تاکہ مطیع اور نافرمان کے درمیان فرق واضح ہو جائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے باخبر ہے جو ہو چکی ہے، جو ہوگی اور جو نہیں ہوگی، کسی بھی کیفیت میں کوئی چیز ہو وہ اس کے رونما ہونے سے قبل اور ظہور پذیر ہوتے ہوئے جانتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اور نہ ہی اس کے سوا کوئی رب ہے۔ اس کی قضاء و قدر کو کوئی رد کرنے والا بھی نہیں۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٨﴾

''نہیں ہے روا مشرکوں کے لئے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو حالانکہ وہ خود گواہی دے رہے ہیں اپنے نفسوں پر کفر کی۔ یہ وہ (بدنصیب) ہیں ضائع ہو گئے جن کے تمام اعمال اور (دوزخ کی) آگ میں ہی یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ صرف وہی آباد کر سکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور روز قیامت پر اور قائم کیا نماز کو اور ادا کیا زکوٰۃ کو اور نہ ڈرتا ہو اللہ کے سوا کسی سے پس امید ہے کہ یہ لوگ ہو جائیں ہدایت پانے والوں سے''۔

اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کے نام پر تعمیر کردہ مساجد کو آباد کریں۔ ''مسٰجد'' جمع کے بجائے مفرد ''مسجد'' بھی پڑھا گیا ہے (1)۔ اس قراءت کے مطابق اس سے مراد مسجد حرام ہوگی جو اس روئے

4۔ دیکھئے الاقناع لابن الباذش: 657

زمین پر تمام مساجد سے زیادہ افضل و اشرف ہے جسے شروع دن سے ہی اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا اور اس کی بنیاد حضرت خلیل علیہ السلام نے رکھی۔ یہ مشرکین مساجد کو آباد کرنے کے مستحق نہیں حالانکہ یہ خود اپنے اوپر کفر کی گواہی دے رہے ہیں یعنی ان کی حالت ان کے کفر کی نشاندہی کر رہی ہے۔ انہیں یہ کہنے کی وجہ یہ ہے جس طرح سدی کہتے ہیں کہ اگر آپ نصرانی سے پوچھیں کہ تمہارا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: نصرانی۔ اگر آپ یہودی سے اس کے دین کے متعلق پوچھیں تو وہ کہے گا: یہودی۔ صابی اپنا دین صابی بتائے گا اور مشرک کہے گا کہ میں مشرک ہوں۔ اسی لئے فرمایا: اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ...... یعنی شرک کے باعث ان کے اعمال اکارت گئے اور جہنم میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور فرمایا: وَمَا لَهُمْ اَلَّا یُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ یَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِیَآءَهٗ ۚ اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (الانفال: 34) '' (مکہ سے آپ کی ہجرت کے بعد (اب کیا وجہ ہے ان کے لئے کہ نہ عذاب دے انہیں اللہ حالانکہ وہ روکتے ہیں (مسلمانوں کو) مسجد حرام سے اور نہیں ہیں وہ اس کے متولی اس کے متولی تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں لیکن ان کی اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی''۔ اسی لئے فرمایا: اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کو آباد کرنے والوں کے ایمان کی گواہی دی جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِذَا رَأَیْتُمُ الرَّجُلَ یَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهٗ بِالْاِیْمَانِ '' (1)۔ (جب تم کسی آدمی کو مسجد میں آمد و رفت کا عادی دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو)، پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اسے ترمذی، حاکم اور ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ حافظ ابو بکر البزار وغیرہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' بلاشبہ مسجدوں کو آباد کرنے والے ہی اللہ والے ہیں۔'' حدیث کے الفاظ یہ ہیں: '' اِنَّمَا عُمَّارُ الْمَسَاجِدِ هُمْ اَهْلُ اللّٰهِ '' (2)۔ دار قطنی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے: '' جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو آفت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو اہل مساجد کو دیکھ کر (آفت کو) ان لوگوں سے دور کر دیتا ہے'' (3)۔ پھر انہوں نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔ الحافظ بہائی مستقصی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: '' میری عزت و جلال کی قسم! میں اہل زمین کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہوں، لیکن جب میں اپنے گھروں (مساجد) کو آباد کرنے، میری رضا کی خاطر آپس میں محبت کرنے والوں اور سحری کے وقت استغفار کرنے والوں کو دیکھتا ہوں تو ان سے عذاب کو ٹال دیتا ہوں''۔ ابن عساکر نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: '' شیطان انسان کے لئے بھیڑیا ہے جس طرح بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے کہ وہ (ریوڑ سے) دور اور الگ تھلگ رہ جانے والی بکری کو دبوچ لیتا ہے۔ تفرقہ بازی اور پھوٹ سے بچو اور جماعت، اکثریت اور مسجد کو تھامے رکھو'' (4)۔ عبد الرزاق روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن میمون الاودی کا کہنا ہے کہ میں نے صحابہ کرام کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ مساجد زمین پر اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اس شخص کو عزت سے نوازے جو یہاں اس کی ملاقات کے لئے آئے۔ مسعودی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ جو شخص نماز کے لئے اذان سنے، پھر بھی وہ اس پکار پر لبیک کہتا ہوا مسجد میں نہ آیا بلکہ (گھر میں ہی) نماز پڑھ لی تو اس کی کوئی نماز نہیں، یہ اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ...... اسے ابن مردویہ نے

1۔ تحفۃ الاحوذی تفسیر سورۂ توبہ، جلد 8 صفحہ 490-491، مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 332 وغیرہ
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 1 صفحہ 217 3۔ سنن دار قطنی 4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 232-233

روایت کیا ہے۔ ایک اور سند سے اسے مرفوعاً روایت کیا گیا ہے اور بھی متعدد طرق سے اس کے شواہد موجود ہیں جن کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ...... یعنی اس نے نماز کو قائم کیا جو بدنی عبادات میں سے سب سے بڑی عبادت ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی جو مخلوق کے ساتھ بھلائی پر مبنی اعمال میں سے سب سے زیادہ افضل ہے۔ اور وہ صرف اللہ سے ڈرا، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے خوف کو خاطر میں نہ لایا تو ایسے لوگ ہی ہدایت یافتہ ہیں۔ ابن ابی طلحہ اس آیت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کو یکتا مانا اور یوم آخرت پر ایمان لایا، پانچوں نمازیں قائم کیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے صرف اس کی عبادت کی تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ''عسیٰ'' کا لفظ قرآن کریم میں وجوب اور تحقق کے معنی میں آیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل: 79) ''یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر''۔ اس سے مراد شفاعت ہے۔ محمد بن اسحاق بن یسار کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''عسیٰ'' کا معنی حق ویقین ہے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝19 اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝20 يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝21 خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝22

''کیا تم نے ٹھہرا لیا ہے حاجیوں کو پانی پلانے (والے) کو اور مسجد حرام کے آباد کرنے (والے) کو اس شخص کی مانند جو ایمان لے آیا اللہ پر اور روز قیامت پر اور جہاد کیا اس نے اللہ کی راہ میں۔ وہ نہیں یکساں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ان لوگوں کو جو ظالم ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔ بہت بڑا ہے (ان کا) درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔ اور یہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔ خوشخبری دیتا ہے انہیں ان کا رب اپنی رحمت اور اپنی خوشنودی کی اور (ایسے) باغات کی کہ ان کے لئے ان میں دائمی نعمت ہوگی۔ ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ اس میں تا ابد۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی اجر عظیم ہے''۔

عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے کہا: بیت اللہ کو آباد کرنا اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت بجالانا ایمان اور جہاد سے بہتر ہے۔ وہ حرم شریف کے متولی اور منتظم ہونے پر فخر کرتے اور اس بناء پر تکبر کرتے کہ وہ اہل حرم اور اسے آباد کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے فخر وغرور اور حق سے روگردانی کا ذکر کیا اور مشرکین اہل حرم سے کہا: قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝66 مُسْتَكْبِرِيْنَ ڰ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ (المومنون: 67-66) ''(وہ وقت یاد کرو) جب ہماری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں اور تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جایا کرتے تھے۔ غرور وتکبر کرتے ہوئے (پھر صحن حرم میں) تم داستان سرائی کیا کرتے تھے اور قرآن کی شان میں بکواس کیا کرتے تھے''۔ یعنی یہ مشرکین حرم کی وجہ سے تکبر ونخوت کا شکار ہیں، حرم شریف میں

داستان سرائی کرتے ہیں لیکن قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ سے دور بھاگتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور نبی کریم ﷺ کی معیت میں جہاد کو، مشرکین کے بیت اللہ کو آباد کرنے اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت سے افضل قرار دیا اور یہ واضح فرما دیا کہ شرک کے ہوتے ہوئے یہ خدمت ان کے لئے اللہ کے ہاں ذرا بھی نفع بخش نہیں۔ فرمایا: لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی جن مشرکین کا یہ گمان تھا کہ وہ مسجد حرام کو آباد کرنے والے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے شرک کے باعث ظالم قرار دیا اور فرمایا کہ یہ خدمت گزاری ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی ایک اور بھی تفسیر نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عباس بن عبدالمطلب کے بارے میں اتری۔ جب انہیں غزوۂ بدر میں قید کر لیا گیا تو انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ اگر تم اسلام لانے، جہاد کرنے اور ہجرت کرنے میں ہم سے سبقت لے گئے ہو تو کیا ہوا، ہم بھی مسجد حرام کو آباد کیا کرتے تھے، حاجیوں کو پانی پلاتے تھے اور قیدیوں کو رہائی دلواتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی یہ ساری خدمت گزاری شرک کی حالت میں تھی، اس لئے وہ نامنظور ہے(1)۔ ضحاک بن مزاحم کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر مسلمان حضرت عباس اور دیگر اسیران بدر کو شرک کی عار دلانے لگے تو حضرت عباس نے کہا کہ ہم مسجد حرام کو آباد کیا کرتے تھے، غلام آزاد کرواتے، بیت اللہ پر غلاف چڑھاتے اور حاجیوں کو پانی پلاتے، اس پر یہ آیت کریمہ اتری۔ عبدالرزاق شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے درمیان یہ گفتگو ہوئی تو اس وقت یہ آیت اتری۔ ابن جریر محمد بن کعب القرظی سے بیان کرتے ہیں کہ طلحہ بن شیبہ، عباس بن عبدالمطلب اور علی بن ابی طالب اپنی اپنی وجہ افتخار باتیں کرنے لگے۔ طلحہ کہنے لگا کہ بیت اللہ شریف کا کلید بردار ہوں، اگر میں چاہوں تو اس کے اندر رات گزاروں۔ عباس نے کہا کہ حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری میرے ہاتھ میں ہے، اگر میں چاہوں تو مسجد حرام میں رات بسر کروں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ مجھے نہیں معلوم کہ تم دونوں کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے لوگوں سے پہلے چھ ماہ قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور میں نے جہاد کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ سدی نے بھی اسے روایت کیا ہے لیکن ان کی روایت میں طلحہ بن شیبہ کے بجائے شیبہ بن عثمان کا نام ہے۔ عبدالرزاق حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت علی، عباس اور شیبہ کے متعلق اتری جنہوں نے یہ باتیں کی تھیں۔ حضرت عباس کہنے لگے کہ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں حاجیوں کو زمزم پلانے کی ذمہ داری سے مجھے ہٹا نہ دیا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنی ذمہ داری پر قائم رہو، کیونکہ اس میں تمہارے لئے خیر ہے''۔ محمد بن ثور نے بھی حضرت حسن سے اسی طرح روایت کی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث مرفوع وارد ہوئی ہے جس کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ عبدالرزاق حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں اسلام کے بعد سوائے حجاج کو پانی پلانے کے کوئی اور نیک عمل نہ کروں۔ ایک اور آدمی کہنے لگا کہ اسلام کے بعد مجھے بھی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ مسجد حرام کو آباد کرنے کے علاوہ کوئی عمل نہ کروں۔ ایک اور آدمی کہنے لگا کہ جو کچھ تم نے کہا ہے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اس سے افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹ پلائی اور فرمایا کہ منبر رسول ﷺ کے پاس اپنی آوازیں بلند نہ کرو۔ اس دن جمعہ تھا۔ جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے سوال کیا تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی(2)۔ ایک دوسری سند سے بھی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں چند صحابہ کی جماعت میں منبر رسول ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان میں سے ایک آدمی کہنے لگا کہ اسلام کے بعد مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں سوائے حاجیوں کو پانی

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 95
2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 95-96

پلانے کے اور کوئی عمل صالح نہ کروں۔ ایک اور شخص کہنے لگا: بلکہ مسجد حرام کو آباد کرنا اور دوسرا آدمی کہنے لگا کہ جہاد فی سبیل اللہ تمہاری باتوں سے بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں جھڑکا اور فرمایا کہ منبر رسول علیہ السلام کے پاس اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو۔ یہ جمعہ کے دن کی بات ہے۔ لیکن جب میں نے جمعہ کی نماز پڑھ لی تو میں رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس مختلف فیہ مسئلہ کے متعلق آپ علیہ السلام سے دریافت کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ اسے مسلم، ابوداؤد، ابن جریر، ابن مردویہ، ابن ابی حاتم اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ وَ اِخۡوَانَكُمۡ اَوۡلِيَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡكُفۡرَ عَلَى الۡاِيۡمَانِ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝ قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ وَ اَبۡنَآؤُكُمۡ وَ اِخۡوَانُكُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ وَعَشِيۡرَتُكُمۡ وَ اَمۡوَالُ ۨاقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ۝

"اے ایمان والو! نہ بنالو اپنے باپوں، اور اپنے بھائیوں کو دلی دوست اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان پر اور جو دوست بناتا ہے انہیں تم میں سے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔ (اے حبیب!) آپ فرمائیے اگر ہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ کاروبار اندیشہ کرتے ہو جس کے مندے کا اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو زیادہ پیارے ہیں تمہیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو نافرمان ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ ترک تعلق کا حکم دیا ہے اگر چہ وہ باپ اور بیٹے ہی کیوں نہ ہوں اور اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ قلبی دوستی اور روابط سے منع فرما دیا ہے۔ ان کے ساتھ دوستی رکھنے والوں کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: لَا تَجِدُ قَوۡمًا يُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ يُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَوۡ كَانُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَهُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَهُمۡ اَوۡ عَشِيۡرَتَهُمۡ ؕ اُولٰٓـئِكَ كَتَبَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡاِيۡمَانَ وَاَيَّدَهُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡهُ ؕ وَيُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ (المجادلۃ: 22) "تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر (پھر) وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی خواہ وہ (مخالفین) ان کے باپ ہوں یا ان کے فرزند ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبہ والے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں نقش کر دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان اور تقویت بخشی ہے انہیں اپنے فیض خاص سے۔ اور داخل کرے گا انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں"۔ حافظ بیہقی روایت کرتے ہیں کہ بدر کے دن حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے باپ نے ان کے سامنے اپنے معبودان باطلہ کی ستائش شروع کر دی، پہلے تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ پہلو تہی کرتے رہے، لیکن جب معاملہ حد سے تجاوز کر گیا تو باپ بیٹے کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ حضرت ابوعبیدہ نے آگے بڑھ کر اپنے باپ کا کام تمام کر دیا تو اس پر یہ آیت "لَا تَجِدُ قَوۡمًا يُّؤۡمِنُوۡنَ......" نازل ہوئی (2)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ 1499، الاحسان فی ترتیب صحیح ابن حبان کتاب السیر، جلد 7 صفحہ 65

2۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب السیر، جلد 9 صفحہ 27

حکم دیا کہ آپ ان لوگوں کو دھمکی دے دیں جو اپنے اہل وعیال، رشتہ دار اور خاندان کو اللہ، اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ پر ترجیح دیتے ہیں، فرمایا: قُلۡ اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ یعنی اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان، تمہارے اموال جنہیں تم کماتے ہو، تجارت جس کے مندے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور مکانات جو اپنے حسن اور عمدگی کی بناء پر تمہیں بہت پسند ہیں، اگر یہ تمام چیزیں تمہیں اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ تم کو کس عتاب سے دوچار کرتا ہے اور کس عبرتناک سزا کا تمہیں سامنا کرنا پڑتا ہے، اسی لئے فرمایا: حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ۔ زہرہ بن معبد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ مجھے سوائے میری ذات کے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا یُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ ''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کی ذات سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں''۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: فَأَنْتَ الْآنَ وَاللّٰهِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ ''اللہ کی قسم! اب آپ ﷺ مجھے میرے نفس سے بھی زیادہ پیارے ہیں''۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَلْآنَ يَا عُمَرُ!(1)۔ (اے عمر! اب (تم مومن کامل ہوئے ہو))۔ ایک اور صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ(2)۔ ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی بھی کامل مومن نہیں بن سکتا یہاں تک کہ میں اسے اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں''۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جب تم عمدہ چیزوں کی خرید وفروخت میں لگ جاؤ گے، گائے بیل کی دمیں تھام لو گے، کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد ترک کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا، وہ اسے اس وقت تک دور نہیں کرے گا جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف نہیں لوٹو گے''(3)۔ مسند احمد میں ایک اور سند سے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے(4)۔

لَقَدۡ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیۡ مَوَاطِنَ کَثِیۡرَۃٍ ۙ وَّ یَوۡمَ حُنَیۡنٍ ۙ اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡکُمۡ شَیۡئًا وَّ ضَاقَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّیۡتُمۡ مُّدۡبِرِیۡنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ وَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ اَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡہَا وَ عَذَّبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ وَ ذٰلِکَ جَزَآءُ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ یَتُوۡبُ اللّٰہُ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۷﴾

''بے شک مدد فرمائی تمہاری اللہ نے بہت سے جنگی میدانوں میں۔ اور حنین کے روز بھی۔ جب کہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے پس نہ فائدہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی اور تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، جلد 8 صفحہ 161، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 336　2۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 10، صحیح مسلم، کتاب الایمان 67

3۔ سنن ابوداؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 274، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 42　4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 84

پھر تم مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔ پھر نازل فرمائی اللہ نے اپنی (خاص) تسکین اپنے رسول پر اور اہل ایمان پر اور اتارے وہ لشکر جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے کافروں کی۔ پھر رحمت سے توجہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اس کے بعد جس پر چاہے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

مجاہد کہتے ہیں کہ سورۂ براءت کی جو آیت پہلے نازل ہوئی وہ یہی آیت ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ مومنین پر اپنے فضل و احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے رسول کی معیت میں لڑے جانے والے بہت سے غزوات میں ان کی مدد فرمائی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی تائید اور تقدیر کے طفیل ہوا نہ کثرت تعداد اور مال و اسباب اور اسلحہ کی فراوانی کے باعث۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ تنبیہ کر دی کہ فتح وظفر صرف اسی کی جانب سے ہے خواہ تعداد کم ہو یا زیادہ۔ غزوۂ حنین ہی کو لے لیں جب اہل ایمان کی کثرت نے انہیں گھمنڈ میں ڈال دیا، لیکن یہ کثرت ذرا بھی ان کے کام نہ آئی اور وہ پیٹھ پھیر کر راہ فرار اختیار کر گئے، صرف چند صحابہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ مومنین پر اپنی تائید و نصرت نازل فرمائی جس کا ذکر ان شاء اللہ عنقریب ہی تفصیلاً کیا جائے گا، تاکہ مومنین یہ اچھی طرح جان لیں کہ کامیابی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتی ہے اور فتح و نصرت کا دارومدار اس کی امداد پر ہے اگرچہ تعداد کم ہی ہو۔ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرہ:249) ''کہ بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اذن سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہترین ساتھی چار ہیں، بہترین فوجی دستہ چار سو (افراد) کا ہے، بہترین لشکر چار ہزار (افراد) کا ہے اور بارہ ہزار کو قلت کے باعث کبھی مغلوب نہیں کیا جا سکتا'' (1)۔ ترمذی کا کہنا ہے کہ یہ حدیث حسن اور نہایت غریب ہے۔ جریر بن حازم کے علاوہ کسی نے اس کو مسنداً روایت نہیں کیا۔ زہری نے نبی کریم ﷺ سے اسے مرسلاً روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ اور بیہقی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے جسے اکثم بن جون نے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح روایت کیا ہے (2)۔ غزوۂ حنین فتح مکہ کے بعد شوال سنہ 8 ہجری میں پیش آیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول خدا ﷺ فتح مکہ سے فارغ ہو چکے تھے، اس کے امور نبٹائے جا چکے تھے، اکثر اہل مکہ اسلام لا چکے تھے اور رسول اللہ ﷺ انہیں آزاد بھی کر چکے تھے۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ قبیلہ ہوازن آپ ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیاری کر رہا ہے، مالک بن عوف النضری ان کا قائد ہے۔ قبیلہ ثقیف تمام کا تمام اس کے ساتھ ہے، علاوہ ازیں بنو جشم، بنو سعد بن بکر، بنو ہلال اور بنو عمرو بن عامر اور عون بن عامر کے کچھ لوگ بھی مالک بن عوف کا ساتھ دے رہے تھے۔ یہ سب لوگ اپنی عورتوں، بچوں، بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کے ہمراہ تمام کے تمام جنگ کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ مہاجرین، انصار اور قبائل عرب پر مشتمل دس ہزار کا وہ لشکر لیکر نکلے جو فتح مکہ کے لئے آپ ﷺ کی زیر قیادت آیا تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ اہل مکہ میں سے وہ دو ہزار نو مسلم بھی تھے جنہیں آپ ﷺ نے آزاد کر دیا تھا۔ یہ (بارہ ہزار کا) لشکر لے کر آپ ﷺ ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ مکہ اور طائف کے درمیان وادی حنین میں دونوں لشکروں کی مڈ بھیڑ ہوئی۔ صبح کی تاریکی میں یہ معرکہ پیش آیا۔ قبیلہ ہوازن نے وادی میں کمین گاہیں بنا رکھی تھیں، وہاں وہ گھات لگائے بیٹھے تھے۔ جب لشکر اسلام ان کے قریب سے گزرنے لگا تو انہوں نے بے

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 36، تحفۃ الاحوذی، ابواب السیر، جلد 5 صفحہ 165-166 وغیرہ

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد، جلد 2 صفحہ 944، سنن کبریٰ بیہقی، کتاب السیر، جلد 9 صفحہ 156-157

خبری میں اچانک مسلمانوں پر ہلہ بول دیا، ان پر تیروں کی بارش کر دی، تلواریں بے نیام کئے مسلمانوں پر پل پڑے اور اپنے قائد کے حکم کے مطابق یکبارگی اسلامی لشکر پر حملہ کر دیا، اس غیر متوقع ناگہانی صورت حال سے خوفزدہ ہو کر مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے جیسا کہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے پائے استقلال میں ذرا لغزش نہ آئی اور آپ ﷺ ثابت قدم رہے۔ اس روز آپ ﷺ سفید خچر پر سوار تھے اور اسے دشمن کی جانب بڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی سواری کی دائیں رکاب پکڑے ہوئے تھے اور حضرت ابوسفیان بن حارث بائیں رکاب کو تھامے ہوئے تھے۔ یہ دونوں حضرات سواری پر بوجھ ڈال رہے تھے تاکہ وہ زیادہ تیز نہ چلے۔ آپ ﷺ بلند آواز سے اپنا نام مبارک لیکر مسلمانوں کو واپس لوٹ آنے کے لئے پکار رہے تھے اور فرما رہے تھے: إِلَيَّ يَا عِبَادَ اللّٰهِ إِلَيَّ أَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ''میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو میری طرف، میں اللہ کا رسول ہوں'' اور اس پر خطر حالت میں بھی آپ ﷺ یہ فرما رہے تھے: أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ☆ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ ''میں نبی ہوں، اس میں ذرا جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں''۔ اس نازک گھڑی میں آپ ﷺ کے ساتھ صرف سو یا اسی کے قریب صحابہ ثابت قدم رہے۔ ان میں سے حضرات ابوبکر، عمر، عباس، علی، فضل بن عباس، ابوسفیان بن حارث، ایمن بن ام ایمن، اسامہ بن زید وغیرہم رضی اللہ عنہم تھے۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ چونکہ بلند آواز والے تھے اس لئے آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ بلند آواز سے اصحاب شجرہ (درخت والوں) کو بلائیں یعنی وہ مہاجرین اور انصار جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی کہ وہ آپ ﷺ کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ چنانچہ حسب ارشاد حضرت عباس رضی اللہ عنہ انہیں ندا دینے لگے اور کبھی ''يَا أَصْحَابَ السَّمُرَةِ'' ''ببول کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو'' کے الفاظ سے انہیں بلاتے اور کبھی ان الفاظ کے ساتھ: ''يَا أَصْحَابَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ (اے حاملین سورۂ بقرہ)۔ یہ سنتے ہی تمام صحابہ لبیک لبیک کہتے ہوئے واپس پلٹے یہاں تک کہ اگر کسی کا اونٹ واپس لوٹنے پر آمادہ نہ ہوا تو اس نے اپنی زرہ پہنی، اپنی سواری سے نیچے کود گیا اور اسے چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ جب آپ ﷺ کے پاس چند لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے انہیں بھرپور حملہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعا مانگی کہ ''یا اللہ! میرے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ پورا فرما''، اور مٹھی بھر مٹی لیکر کفار کی طرف پھینکی تو ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کے منہ اور آنکھوں میں مٹی نہ پڑی ہو، اس طرح انہیں لڑائی کا ہوش ہی نہ رہا، وہ شکست کھا کر بھاگے، مسلمانوں نے انہیں قتل کرتے ہوئے اور قیدی بناتے ہوئے ان کا پیچھا کیا۔ جب باقی ماندہ لشکر اسلام واپس لوٹا تو کفار قید ہو کر حضور ﷺ کے سامنے کھڑے تھے۔ حضرت ابوعبدالرحمن فہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ان کا نام یزید بن اسید ہے، یزید بن انیس بھی کہا جاتا ہے اور کرز بھی...... بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھا۔ سخت گرمی والے دن ہم روانہ ہوئے۔ دوپہر کے وقت ہم درختوں کے سائے تلے اتر گئے۔ جب سورج ڈھل گیا تو میں نے زرہ پہنی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ ﷺ اپنے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ سلام پیش کرنے کے بعد میں نے عرض کی: حضور! شام ہونے والی ہے (اور اب ہوائیں بھی ٹھنڈی ہو گئی ہیں)، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال کو آواز دی۔ وہ تیزی سے ایک درخت کے نیچے سے اٹھے جس کا سایہ پرندے کے سائے جیسا تھا، عرض کرنے لگے: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَأَنَا فِدَاءُكَ ''میں حاضر ہوں، ہر خدمت بجا لانے کے لئے تیار ہوں اور میری جان آپ پر فدا ہو''۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھوڑے پر زین کس دو۔ انہوں نے زین نکالی جس کے دونوں پلے کھجور کے پتوں سے

بنے ہوئے تھے، جس میں فخر وغرور والی کوئی بات نہ تھی۔ انہوں نے زین کس دی تو آپ ﷺ سوار ہوئے اور ہم بھی سوار ہو گئے۔ ہم شام کو اور رات بھر صف بستہ رہے، پھر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ۔ اس صورت حال میں رسول اللہ ﷺ نے آواز دی: ''اے اللہ کے بندو! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں''۔ پھر آپ ﷺ اپنے گھوڑے سے نیچے کود گئے اور مٹی کی ایک مٹھی لی۔ جو شخص میری نسبت آپ ﷺ کے زیادہ قریب تھا، اس کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے اسے ان کے چہروں پر پھینکا اور فرمایا: ''چہرے بگڑ جائیں''۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ یعلی بن عطاء کہتے ہیں کہ ان مشرکین کا کہنا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی شخص ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں اور منہ میں مٹی نہ پڑی ہو اور ہمیں زمین و آسمان کے درمیان ایسی گونج سنائی دی جیسے لوہا کسی لوہے کے طشت پر بج رہا ہے(1) حافظ بیہقی نے اسی طرح دلائل النبوۃ میں روایت کی ہے(2)۔

محمد بن اسحاق حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ مالک بن عوف اپنے لشکر کے ساتھ نکلا اور رسول اللہ ﷺ کی آمد سے قبل ہی وہ تنگ وادی (حنین) کی کمین گاہوں میں بھرپور تیار کر کے بیٹھ گئے۔ جب صبح سویرے تاریکی میں رسول اللہ ﷺ لشکر اسلام کے ہمراہ وادی میں سے گزرنے لگے تو کمین گاہوں میں چھپے ہوئے لشکر کفار نے اچانک دھاوا بول دیا۔ اس غیر متوقع حملہ سے مسلمانوں کے پاؤں پھسل گئے، وہ شکست کھا کر بھاگے، کوئی کسی کی طرف متوجہ نہ ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ دائیں طرف ہو گئے اور فرمانے لگے: ''اے لوگو! میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں، میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں''۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ مسلمانوں کی سواریاں ایک دوسرے کو کچل رہی تھیں۔ جب رسول ﷺ نے یہ معاملہ دیکھا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اونچی آواز سے ندا دو: ''اے گروہ انصار، اے درخت کے نیچے بیعت رضوان کرنے والو۔'' یہ آواز سنتے ہی تمام صحابہ لبیک لبیک کہتے ہوئے واپس پلٹے۔ اگر کسی شخص کا اونٹ واپسی پر آمادہ نہ ہوتا تو وہ زرہ اپنی گردن میں ڈالتا، تلوار اور کمان پکڑ کر اس آواز کی جانب قصد کر لیتا یہاں تک کہ ایک سو مسلمان رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں جنگ کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ بڑی بے جگری سے لڑنے لگے۔ اول اول منادی تو انصار کو ہوئی لیکن آخر میں صرف خزرج کے ساتھ خاص ہو گئی کیونکہ وہ جنگ کے وقت ڈٹ کر مقابلہ کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری پر میدان جنگ کو ملاحظہ کیا تو لوگوں کو صبر و استقلال سے لڑتے دیکھ کر فرمایا: ''اب میدان کارزار گرم ہوا ہے''۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ واپس آئے تو قیدی رسول اللہ ﷺ کے سامنے پڑے تھے، ان میں سے جسے چاہا اللہ تعالیٰ نے قتل کروا دیا اور جسے چاہا شکست سے دوچار کر دیا اور ان کے اموال و اولاد اپنے رسول ﷺ کو فئے میں عطا کر دیئے(3)۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے ان سے کہا کہ اے ابوعمارہ! کیا آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کو حنین کے دن چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: لیکن رسول اللہ ﷺ فرار نہیں ہوئے بلکہ ثابت قدم رہے، دراصل ہوازن ماہر تیز انداز تھے، جب ہماری ان سے مڈبھیڑ ہوئی اور ہم نے ان پر بھرپور حملہ کیا تو وہ شکست کھا گئے، لیکن ہمارے لوگ مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے تو انہوں نے ہم پر تیروں کی بارش کر دی، اس غیر متوقع حملہ کی تاب نہ لاتے ہوئے ہمارے ساتھی پسپا ہو گئے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار ہیں اور ابوسفیان بن حارث اس کی لگام پکڑے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں: أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ ''میں ہی نبی ہوں اس میں ذرا بھی شک نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں'')(4)۔ یہ ہے آپ

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 286
2۔ دلائل النبوۃ، جلد 5 صفحہ 141
3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 442-445
4۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 4 صفحہ 37، صحیح مسلم، کتاب الجہاد: 1401

کی کامل بے نظیر شجاعت! میدان کارزار میں آپ تنہا رہ گئے ہیں سارا لشکر پسپا ہو چکا ہے، آپ ﷺ خچر پر سوار ہیں جو نہ تیز رفتاری سے چل سکتا ہے، نہ بھاگ سکتا ہے اور نہ ہی پلٹ کر حملہ کر سکتا ہے، اس کے باوجود آپ اسے دشمنوں کی طرف بڑھا رہے ہیں اور اپنا نام لیکر نداء دے رہے ہیں تا کہ نہ پہچاننے والے بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچان لیں۔ یہ سب شجاعت، ثابت قدمی اور حوصلہ اس بناء پر تھا کہ آپ ﷺ کو ذات باری تعالیٰ پر کامل اعتماد اور مکمل توکل تھا اور یہ قطعی علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد کرے گا، آپ کی رسالت کو مکمل فرمائے گا اور آپ کے دین کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے گا، اس لئے فرمایا: ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اس آیت کریمہ میں جنود سے مراد لشکر ملائکہ ہے جیسا کہ امام ابو جعفر بن جریر نے ایک مشرک کے حوالہ سے روایت بیان کی ہے، جس کا کہنا ہے کہ حنین کے دن جب ہماری اہل ایمان کے ساتھ مڈبھیڑ ہوئی تو ہم نے انہیں ایک بکری کے دودھ دوہنے کی دیر بھی اپنے سامنے جمنے نہ دیا۔ جب ہم نے انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا تو ہم نے ان کا تعاقب شروع کر دیا یہاں تک کہ ہم سفید خچر پر سوار ایک شخص کے پاس پہنچ گئے، کیا دیکھا کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ تھے۔ ہم نے دیکھا کہ آپ کے پاس من موہنی صورت والے خوبصورت لوگ موجود تھے جنہوں نے ہمیں کہا کہ تمہارے چہرے مسخ ہو جائیں، واپس چلے جاؤ۔ بس اسی وقت ہمیں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے۔ یہ فرشتے ہی تھے۔ حافظ ابو بکر بیہقی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں بھی حنین کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ لوگ آپ ﷺ کو چھوڑ کر پیٹھ پھیر گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ مہاجرین وانصار میں سے صرف اسی جوانمرد ثابت قدم رہے، میں بھی انہیں میں سے تھا۔ ہم ڈٹے رہے اور پیٹھ نہیں دکھائی۔ انہی ڈٹے رہنے والے حضرات پر اللہ تعالیٰ نے سکون واطمینان نازل فرمایا۔ رسول خدا ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار مسلسل پیش قدمی کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کے خچر نے ٹھوکر کھائی تو آپ ﷺ زین سے ایک طرف کو جھک گئے۔ میں نے عرض کی کہ حضور! اوپر ہو جائیے، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ہمیشہ بلند رکھے! آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے ایک مٹھی مٹی کی دو"، میں نے ایک مٹھی بھر مٹی آپ ﷺ کے ہاتھ میں دے دی۔ آپ ﷺ نے یہ مٹی ان کے چہروں کی طرف پھینکی، تمام دشمنوں کی آنکھیں مٹی سے بھر گئیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ مہاجرین اور انصار کہاں ہیں؟ میں نے عرض کی کہ وہ یہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں آواز دو۔ میں نے انہیں آواز دی تو وہ چمکتی ہوئی تلواریں اپنے دائیں ہاتھوں میں لئے حاضر ہو گئے۔ اب مشرکین اس ہجوم کی تاب نہ لاتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے (1)۔ مسند امام احمد میں بھی اس قسم کی روایت عفان سے مروی ہے (2)۔ شیبہ بن عثمان کا بیان ہے کہ حنین کے دن جب رسول اللہ ﷺ تنہا رہ گئے تھے، مجھے اپنے باپ اور چچا کی یاد آ گئی جنہیں غزوۂ بدر میں حضرات علی اور حمزہ رضی اللہ عنہما نے قتل کر دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ آج آپ ﷺ سے انتقام لینے کا بڑا اچھا موقعہ ہے۔ یہ ارادہ لئے میں آپ ﷺ کی دائیں جانب آگے بڑھا لیکن وہاں چاندی جیسی سفید چمکتی ہوئی زرہ پہنے عباس بن عبد المطلب موجود تھے۔ میں نے سوچا کہ یہ چچا ہیں، کبھی بھی آپ ﷺ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ پھر بائیں جانب آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب موجود ہیں۔ میں نے سوچا کہ یہ آپ ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں۔ یہ بھی ہرگز آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے پھر میں پشت کی طرف سے آیا تو اب یہی تاخیر تھی کہ میں تلوار سونت کر آپ ﷺ پر وار کر دوں لیکن اچانک میرے اور آپ کے درمیان بجلی جیسا آگ کا شعلہ بلند ہوا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ شعلہ میری آنکھوں میں آ پڑے گا۔ چنانچہ میں نے اپنا ہاتھ اپنی آنکھ پر رکھ لیا اور پسپائی اختیار کر لی۔ اسی اثناء میں رسول اللہ

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5 صفحہ 142 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 453-454

ﷺ میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اے شیبہ، اے شیبہ! میرے قریب آؤ، اے اللہ! اس سے شیطان کو دور کردے۔'' میں نے نگاہ اٹھا کر آپ کی طرف دیکھا تو آپ مجھے میری آنکھوں اور کانوں سے بھی زیادہ محبوب تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے شیبہ! کفار کے ساتھ جنگ کرو''(1)۔ ایک اور روایت میں شیبہ بیان کرتے ہیں کہ حنین کے دن میں بھی رسول خدا ﷺ کے ساتھ نکلا۔ اللہ کی قسم! میں اسلام یا اس کی معرفت کی بناء پر نہیں نکلا تھا، بلکہ قریش پر ہوازن کا غلبہ مجھے ناپسند تھا۔ میں آپ ﷺ کے ساتھ کھڑا تھا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں تو چتکبرے گھوڑے دیکھ رہا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بجز کافر کے کسی اور کو دکھائی نہیں دیتے'' پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر مارا اور دعا کی: اے اللہ! شیبہ کو ہدایت نصیب فرما۔'' پھر دوسری اور تیسری مرتبہ ہاتھ مار کر آپ ﷺ نے یہی دعا کی۔ اللہ کی قسم! تیسری مرتبہ میرے سینے سے آپ ﷺ کا ہاتھ اٹھانا ہی تھا کہ آپ ﷺ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ اس کے بعد حدیث کی باقی تفصیلات ذکر کیں(2)۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں غزوۂ حنین میں شریک تھے۔ دونوں لشکر باہم برسر پیکار تھے تو میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ دھاری دار کپڑا آسمان سے اتر رہا ہے، وہ ہمارے اور دشمنان اسلام کے درمیان گر پڑا تو کیا دیکھتے ہیں کہ چیونٹیاں بکھری ہوئی ہیں جنہوں نے تمام وادی کو بھر دیا۔ اس وقت کفار شکست سے دوچار ہو گئے۔ ہمیں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ فرشتے تھے(3)۔ یزید بن عامر سوائی سے جو مشرکین کے ساتھ حنین میں شریک ہوئے اور بعد میں اسلام لے آئے، جب اس رعب کے متعلق دریافت کیا جاتا جسے حنین کے دن اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں میں ڈال دیا تھا تو اس کے جواب میں وہ کنکریاں لیکر کسی طشت میں رکھ کر بجاتے اور کہتے کہ ہم اپنے دلوں میں اس طرح کی گونج پاتے تھے۔ اس کی تائید یزید بن اسید کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُوتِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ(4)۔ ''مجھے رعب کے ساتھ مدد دی گئی ہے اور مجھے جامع کلمات (جن کے الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں) عطا کئے گئے ہیں''، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰهُ سَکِیۡنَتَهٗ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ......۔

ثُمَّ یَتُوۡبُ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ...... اللہ تعالیٰ نے باقی ہوازن پر مہربانی فرمائی، انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور سر تسلیم خم کرتے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ ﷺ اس وقت مکہ کے قریب جعرانہ کے مقام پر پہنچ چکے تھے اور غزوہ کو تقریباً بیس دن گزر چکے تھے۔ اس مقام پر آپ نے انہیں اختیار دیا کہ اپنے قیدی واپس لے لو یا اپنے اموال۔ انہوں نے قیدیوں کو واپس لینا پسند کیا۔ آپ ﷺ نے بچوں اور عورتوں سمیت ان کے چھ ہزار قیدی انہیں لوٹا دیئے اور مال غنیمت مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا۔ فتح مکہ کے دن آزاد کردہ نو مسلموں کو بھی مال غنیمت میں سے تالیف قلوب کی خاطر آپ ﷺ نے سو سو اونٹ عطا فرمائے۔ ان میں سے مالک بن عوف نضری بھی تھا جسے آپ ﷺ نے بدستور اپنی قوم پر عامل کی حیثیت سے برقرار رکھا۔ اس نے آپ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہا جس میں وہ کہتا ہے: میں نے حضرت محمد ﷺ جیسا تمام مخلوق میں نہ دیکھا ہے اور نہ سنا ہے۔ جب آپ ﷺ سخاوت کرتے ہیں تو گرانقدر عطیات سے نوازتے ہیں اور جب چاہیں مستقبل کے بارے میں آگاہ کر دیتے ہیں۔ جب لشکر نیزے اور تلواریں لئے میدان جنگ میں کود جاتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ ﷺ شیر ہیں جو اپنے ٹھکانہ میں اپنے بچوں کی حفاظت کرتا ہے(5)۔

1۔ دلائل النبوت از بیہقی، جلد 5 صفحہ 145 2۔ دلائل النبوت، جلد 5 صفحہ 146 3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 449

4۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد: 372 5۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 491، دلائل النبوت از بیہقی، جلد 5 صفحہ 199، اسد الغابۃ، جلد 5 صفحہ 43

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ
هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَاۗءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ﴿٢٨﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ
وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٢٩﴾

''اے ایمان والو! مشرکین تو نرے ناپاک ہیں سو وہ قریب نہ ہونے پائیں مسجد حرام سے اس سال کے بعد۔ اور اگر تم اندیشہ کرو تنگدستی کا تو غنی کردے گا تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اگر چاہے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑا دانا ہے۔ جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ دیں وہ جزیہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں''۔

اللہ تعالیٰ پاکیزہ دین اور پاکیزہ شخصیت کے حامل اہل ایمان کو حکم دے رہا ہے کہ وہ اس آیت کے نزول کے بعد ان مشرکین کو مسجد حرام کے قریب تک نہ پھٹکنے دیں جو بلحاظ دین و عقیدہ نجس ہیں۔ یہ آیت کریمہ سنہ 9 ہجری میں نازل ہوئی، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اسی سال روانہ کیا اور حج کے موقعہ پر یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے اور نہ ہی کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حکم شرعی کو تکمیل تک پہنچایا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے غلام اور ذمی کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ مسند احمد کی ایک اور مرفوع روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس سال کے بعد ہماری اس مسجد میں کوئی مشرک داخل نہ ہو سوائے معاہدہ والوں اور خدام کے'' (1)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو مسلمانوں کی مساجد میں داخل ہونے سے روکو، ان کے پیش نظر ممانعت کی وجہ یہی آیت کریمہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ...... تھی۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرم تمام کا تمام مسجد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا یہ آیت کریمہ مشرک کے نجس ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں ہے: اَلْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ (2)۔ ''مومن نجس نہیں ہوتا''۔ جہاں تک مشرک کے بدن کے نجس ہونے کا تعلق ہے، جمہور علماء کے نزدیک مشرک کا بدن اور ذات نجس نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا کھانا حلال قرار دیا ہے۔ جبکہ ظاہریہ مشرکین کے ابدان کے نجس ہونے کے قائل ہیں۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ان کے ساتھ مصافحہ کرے، اسے چاہئے کہ وہ وضو کرے۔ اسے ابن جریر نے بیان کیا ہے۔

اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اس حکم کے نزول پر بعض لوگوں نے کہا کہ اس طرح تو ہمیں کساد بازاری کا سامنا کرنا ہوگا، تجارت ختم ہو جائے گی اور ان بازاروں سے جو منافع ہم حاصل کرتے تھے، ان سب سے ہم ہاتھ دھو

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 392
2۔ صحیح بخاری، کتاب الغسل، جلد 1 صفحہ 79

بیٹھیں گے، اس پر یہ فرمان: اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً...... عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ نازل ہوا۔ یعنی جس کاروبار کے ٹھپ ہو جانے کا تمہیں اندیشہ ہے، یہ اس کا عوض ہے۔ مشرکین کے ساتھ قطع تعلقی کی صورت میں متوقع کاروباری نقصان کے اندیشہ کو اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کے ساتھ دور کر دیا کہ وہ اس کے بدلہ میں انہیں جزیہ دلائے گا(1)۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، قتادہ، ضحاک وغیرہ سے اسی طرح مروی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ یعنی وہ تمہاری مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور اس کے اوامر ونواہی مبنی بر حکمت ہیں کیونکہ وہی اپنے اقوال و افعال میں کامل ہے اور اپنی مخلوق اور اوامر میں عادل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے ان تجارتی منافع کے عوض میں اہل ذمہ سے جزیہ دلانے کا وعدہ فرمایا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ...... ان اہل کتاب نے جب حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کفر کیا تو ان کا کسی بھی نبی کے ساتھ ایمان باقی نہ رہا اور نہ ہی اس کی شریعت پر، بلکہ وہ اپنے عقائد میں اپنی ذاتی آراء، خواہشات اور اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کرتے ہیں، اس وجہ سے نہیں کہ وہ اللہ کا دین اور اس کی شریعت ہے، کیونکہ اگر ان کا اپنی اپنی شریعتوں پر صحیح ایمان ہوتا تو وہ ضرور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لے آتے، کیونکہ تمام انبیاء آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خوشخبری اور آپ ﷺ کی اتباع کا حکم دیتے رہے۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے انکار کر دیا حالانکہ آپ ﷺ افضل الرسل ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ وہ سابقہ انبیاء کی شریعتوں کو اس بناء پر تھامے ہوئے نہیں ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں بلکہ لذات وخواہشات کے اسیر ہونے کی وجہ سے، اس لئے باقی انبیاء کے ساتھ ان کا ایمان انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا جبکہ یہ سید الانبیاء، افضل الرسل، خاتم النبیین اور اکمل الرسل کے ساتھ کفر کرتے ہوں۔ اس لئے فرمایا: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ...... یہ آیت کریمہ اہل کتاب کے ساتھ جہاد کا پہلا حکم ہے۔ اس سے پہلے مشرکین کے ساتھ امور طے ہو چکے تھے، لوگ فوج در فوج دین میں داخل ہو چکے تھے اور جزیرہ عرب راہ راست پر چل نکلا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہود ونصاریٰ کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم سنہ 9 ہجری میں نازل ہوا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے رومیوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری شروع کر دی، آپ ﷺ نے لوگوں کو اپنے ارادہ سے مطلع کیا اور انہیں شریک جہاد ہونے کی دعوت دی، مدینہ کے اردگرد بسنے والے قبائل عرب کو بھی شرکت کرنے کے لئے پیغام بھیجا۔ تمام لوگ آپ ﷺ کے ساتھ تیار ہو گئے۔ تقریباً تیس ہزار افراد پر مشتمل لشکر جمع ہو گیا۔ مدینہ اور اردگرد کے بسنے والے منافقین ہی پیچھے رہ گئے۔ یہ سال شدید گرمی اور قحط کا سال تھا۔ نبی کریم ﷺ نے رومیوں کے خلاف جنگ کرنے کی غرض سے شام کا قصد کیا اور تبوک کے مقام پر فروکش ہو گئے۔ یہاں آپ ﷺ نے تقریباً بیس دن قیام فرمایا، پھر واپسی کے متعلق اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور لوگوں کے ضعف اور ناسازگاری حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے، عنقریب ان شاء اللہ اس کا بیان ہوگا۔ جن حضرات کی یہ رائے ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب یا ان کے مشابہ مثلاً مجوسیوں سے لیا جائے گا، انہوں نے اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔ اس ضمن میں ایک حدیث شریف بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام عجمیوں سے جزیہ لیا جائے گا اگرچہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے۔ البتہ عربوں میں سے صرف اہل کتاب سے ہی لیا

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 547-548

جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتابی، مجوسی، بت پرست اور دیگر کفار پر جزیہ عائد کرنا جائز ہے۔ ان مذاہب کے تفصیلی دلائل کا یہ مقام نہیں۔

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ یعنی اگر وہ اسلام نہ لائیں تو ذلیل و مغلوب ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔ چونکہ یہ لوگ ذلیل، حقیر اور گھٹیا ہیں اس لئے اہل ذمہ کی نہ تو عزت و توقیر جائز ہے اور نہ ہی انہیں مسلمانوں پر مقدم اور بلند کرنا درست ہے، بلکہ یہ ذلیل، حقیر اور بدبخت ہیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو، جب ان میں سے کسی کے ساتھ رستہ میں تمہاری ملاقات ہو جائے تو اسے تنگی کی طرف مجبور کر دو'' (1)۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی تذلیل اور تحقیر کی خاطر ان پر ایسی ہی معروف شرطیں لاگو کی تھیں اور یہ شرائط عبد الرحمٰن بن غنم اشعری کی روایت میں موجود ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے وہ معاہدہ تحریر کیا تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اہل شام کے نصاریٰ کے مابین طے ہوا تھا کہ یہ فلاں فلاں شہر کے نصاریٰ کی طرف سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے عہد نامہ ہے کہ جب آپ کے لشکر ہم پر حملہ آور ہوئے تو ہم نے تم سے اپنی جان و مال، اہل و عیال اور اہل ملت کے لئے امان کی درخواست کی اور ہم نے اپنے اوپر یہ شرائط عائد کیں کہ ہم اپنے شہر میں اور اس کے ارد گرد کوئی نیا دیر، کلیسا، گرجا گھر اور خانقاہ تعمیر نہیں کریں گے، ان میں سے مسمار ہو جانے والی عبادت گاہ کی تجدید نہیں کریں گے، مسلمانوں کے مخصوص علاقوں میں کوئی عبادت گاہ نہیں بنائیں گے، مسلمانوں کو دن رات کے کسی وقت میں بھی اپنے گرجا گھروں میں اترنے سے نہیں روکیں گے، راہ گزر اور مسافر کے لئے ہم ان کے دروازے کھلے رکھیں گے اور ہر آنے والے مسلمان کو ہم تین دن ٹھہرائیں گے اور مہمان نوازی کریں گے، ہم اپنے کلیساؤں اور گھروں میں کسی جاسوس کو پناہ نہیں دیں گے، مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دیں گے، اپنی اولاد کو قرآن نہیں سکھائیں گے، شرک کا اظہار نہیں کریں گے اور نہ اس کی طرف کسی کو دعوت دیں گے، اپنے کسی قرابت دار کو اسلام قبول کرنے سے نہیں روکیں گے، مسلمانوں کی عزت کریں گے، اگر وہ ہماری مجلسوں میں بیٹھنا چاہیں تو اٹھ کر انہیں جگہ دیں گے، کسی چیز میں ہم مسلمانوں کی مشابہت اختیار نہیں کریں گے، نہ لباس میں، نہ ٹوپی میں، نہ عمامہ اور نہ ہی مانگ نکالنے میں، ہم ان کی زبان نہیں بولیں گے، ان کی کنیتیں نہیں رکھیں گے، تلواریں حمائل نہیں کریں گے، زین ڈالے ہوئے گھوڑے پر سواری نہیں کریں گے، کوئی اسلحہ نہیں بنائیں گے اور نہ اپنے پاس رکھیں گے، اپنی انگوٹھیوں پر عربی نقش نہیں بنوائیں گے، شراب فروشی نہیں کریں گے، اپنے سروں کے سامنے کے بالوں کو کٹوا دیں گے، جہاں کہیں ہوں گے زنار ڈالے رہیں گے، اپنے گرجا گھروں پر صلیب کا نشان ظاہر نہیں کریں گے، مسلمانوں کی گزرگاہوں اور بازاروں میں صلیب اور اپنی مذہبی کتب کا اظہار نہیں کریں گے، اپنے کلیساؤں میں بلند آواز سے ناقوس نہیں بجائیں گے، مسلمانوں کی موجودگی میں بلند آواز سے اپنی مذہبی کتابیں نہیں پڑھیں گے، پراگندہ بال اور شوریدہ حال باہر نہیں نکلیں گے، اپنے مردوں پر بین نہیں کریں گے اور نہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے رستوں اور بازاروں میں آگ لیکر چلیں گے، مسلمانوں کے پڑوس میں اپنے مردے نہیں دفن کریں گے، مسلمانوں کے حصہ میں آئے ہوئے غلام ہم نہیں لیں گے، مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کریں گے اور ان کے گھروں میں نہیں جھانکیں گے۔ جب میں یہ عہد نامہ لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس میں اس شرط کا اضافہ کر دیا کہ ہم کسی مسلمان کو نہیں ماریں گے۔ یہ وہ شرائط ہیں جو ہم نے قبول کیں، اسی بناء پر ہمیں امان حاصل

1۔ صحیح مسلم، کتاب السلام: 1707

ہوئی، اگر ہم نے ان شرائط کی خلاف ورزی کی تو ہمیں آپ کی طرف سے کوئی ذمہ حاصل نہیں ہوگا اور آپ کے لئے ہم پر وہ سب سلوک جائز ہوگا جو آپ دشمنوں اور مخالفین کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٣٠﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٣١﴾

''اور کہا یہود نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ اور کہا نصرانیوں نے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کی (بے سروپا) بات ہے ان کے مونہوں سے نکلی ہوئی نقل اتار رہے ہیں ان لوگوں کے قول کی جنہوں نے کفر کیا پہلے ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ، کدھر بھٹکے چلے جا رہے ہیں انہوں نے بنالیا اپنے پادریوں اور اپنے راہبوں کو (اپنے) پروردگار اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح فرزند مریم کو بھی۔ حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں بجز اس کے کہ وہ عبادت کریں (صرف) ایک خدا کی۔ نہیں کوئی خدا بغیر اس کے، وہ پاک ہے اس سے جسے وہ اس کا شریک بناتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ مومنین کو کافر یہود و نصاریٰ کے خلاف ان کی اس بے سروپا اور من گھڑت بات کی وجہ سے جہاد پر برانگیختہ کر رہا ہے، یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت ارفع اور بلند ہے۔ سدی وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں حضرت عزیر علیہ السلام کی بابت یہ شبہ اس لئے پڑا کہ جب عمالقہ بنی اسرائیل پر غالب آ گئے اور انہوں نے ان کے علماء کو قتل کر دیا اور ان کے زعماء کو گرفتار کر لیا تو حضرت عزیر علیہ السلام بنی اسرائیل کی بربادی اور علم کے اٹھ جانے پر رنجیدہ خاطر ہو کر اس قدر روئے کہ آپ کی پلکیں بھی جھڑ گئیں۔ آپ ایک دن حسب معمول گریہ وزاری کر رہے تھے کہ آپ کا گزر ایک قبرستان سے ہوا۔ وہاں ایک عورت قبر پر بیٹھی رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی: ہائے، مجھے کھلانے والے اور پہنانے والے! آپ علیہ السلام نے اس عورت سے کہا کہ تم پر افسوس! اس سے قبل تمہیں کون کھلاتا تھا؟ اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ۔ تو آپ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ اس پر وہ عورت کہنے لگی کہ اے عزیر! مجھے بتاؤ کہ علماء سے پہلے بنی اسرائیل کو کون تعلیم دیتا تھا، فرمایا: اللہ۔ تو وہ عورت کہنے لگی کہ پھر آپ ان پر کیوں روتے ہیں؟ حضرت عزیر علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس میں تو ان کے لئے نصیحت کا پہلو ہے۔ پھر آپ کو فرمایا گیا کہ فلاں دریا پر جا کر غسل کرو اور وہاں دو رکعتیں ادا کرو، وہاں تمہیں ایک بزرگ ملیں گے، وہ جو تمہیں کھلائیں بلا جھجک کھا لینا۔ چنانچہ آپ تعمیل ارشاد کرتے ہوئے وہاں پہنچے اور حکم بجا لائے۔ ایک بزرگ انہیں آ کر کہنے لگے کہ اپنا منہ کھولو، انہوں نے اپنا منہ کھولا تو اس بزرگ نے تین مرتبہ آپ کے منہ میں ایک بہت بڑی چیز ڈالی۔ حضرت عزیر علیہ السلام واپس پلٹے تو آپ تورات کے سب سے بڑے عالم بن چکے تھے۔ آپ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس تورات لیکر آیا ہوں، انہوں نے کہا کہ آپ جھوٹے نہ تھے۔ آپ نے اپنی ایک انگلی پر قلم باندھ لیا اور اس ایک انگلی کے ساتھ ہی تمام تورات لکھ ڈالی۔ جب بنی اسرائیل دشمن کے ساتھ قتال سے واپس لوٹے اور علماء بھی واپس پہنچ گئے تو انہیں حضرت عزیر علیہ السلام کی بابت آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ وہ تورات کے وہ تمام نسخے نکال لائے جو انہوں نے پہاڑوں میں محفوظ کر دیئے تھے اور ان

کے ساتھ حضرت عزیر علیہ السلام کے لکھوائے ہوئے نسخہ کا مقابلہ کیا تو اسے بالکل درست پایا۔ اس کمال کو دیکھ کر بعض جاہل کہنے لگے کہ آپ کے ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ اللہ کے بیٹے ہیں (1)۔ جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نصاریٰ کی گمراہی کا تعلق ہے تو وہ بالکل واضح ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ یعنی سوائے افتراء اور بہتان تراشی کے ان کے پاس اپنے دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں۔

یُضَاهِـُٔوْنَ...... اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ یعنی یہ ناہنجار سابقہ قوموں کی تقلید کر رہے ہیں، جس طرح وہ گمراہ ہوئے یہ بھی ان کی مشابہت اختیار کر کے گمراہی کی دلدل میں پھنس گئے، ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، یہ کس طرح حق سے بھٹک کر باطل کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انہیں دعوت اسلام پہنچی تو وہ بھاگ کر شام چلے گئے۔ زمانہ جاہلیت میں وہ عیسائیت قبول کر چکے تھے۔ ان کی بہن اور ان کی قوم کے چند افراد قید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بہن پر احسان کرتے ہوئے آزاد کر دیا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس لوٹیں اور انہیں اسلام کی طرف راغب کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جانے کی تلقین کی۔ چنانچہ عدی مدینہ شریف حاضر ہو گئے۔ وہ اپنے قبیلہ طئی کے سردار تھے اور ان کا باپ حاتم طائی سخاوت میں مشہور و معروف آدمی تھا۔ لوگ ان کی آمد کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔ جب عدی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی گردن میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی، حضور ﷺ اس وقت یہ آیت کریمہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ...... تلاوت فرما رہے تھے۔ عدی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ وہ اپنے علماء اور راہبوں کی عبادت تو نہیں کرتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، لیکن وہ ان پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا کرتے تھے، اس میں لوگ ان کی پیروی کرتے، بس یہی تو ان کی عبادت کرنا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عدی! کیا کہتے ہو؟ کیا اللہ اکبر کہنا تمہارے لئے نقصان دہ ہے؟ کیا تمہیں اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ بڑی کسی چیز کا علم ہے؟ کیا نقصان ہے تمہارا؟ کیا ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہنا تمہیں نقصان پہنچاتا ہے؟ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کوئی معبود ہے؟'' پھر آپ ﷺ نے عدی کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کی گواہی دی۔ اس پر آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہود غضب الٰہی کے سزاوار ٹھہرے اور نصاریٰ گمراہ ہیں'' (2)۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرات حذیفہ بن یمان اور عبداللہ بن عباس وغیرہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے حلال و حرام میں اپنے علماء اور راہبوں کی اتباع کی۔ سدی کہتے ہیں کہ انہوں نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر اپنے بزرگوں کی باتوں کو ترجیح دینا شروع کر دی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا وہ جسے حرام قرار دے وہی حرام ہے اور جسے وہ حلال کر دے وہی حلال ہے، اسی کی شریعت ہی قابل اتباع ہے اور صرف اسی کا حکم ہی نافذ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود اور رب نہیں، وہ شرکاء، نظراء، اعوان و انصار، اضداد و اولاد تمام سے اعلیٰ و ارفع اور منزہ و مقدس ہے۔

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ یَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 111-112
2۔ تحفۃ الاحوذی تفسیر سورۃ توبہ، جلد 8 صفحہ 492-494، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 378-379

''(یہ لوگ) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے اور انکار فرماتا ہے اللہ مگر یہ کہ کمال تک پہنچا دے اپنے نور کو اگر چہ ناپسند کریں (اس کو) کافر۔ وہی (قادر مطلق) ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو (کتاب) ہدایت اور دین حق دے کر تا کہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر اگر چہ ناگوار گزرے (یہ غلبہ) مشرکوں کو''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مشرکین اور اہل کتاب میں سے کفار کی یہ خواہش ہے کہ وہ محض اپنی حجت بازی اور افتراء پردازی سے کتاب ہدایت اور دین حق کے نور کو بجھا دیں ان لوگوں کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو اپنی پھونک سے سورج کی شعاعوں یا چاند کے نور کو بجھانا چاہے، لیکن ایسا کرنا ناممکن ہے، اسی طرح ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ کے لائے ہوئے دین کو تکمیل تک پہنچائے اور دوسرے ادیان پر غلبہ عطا فرمائے۔ اس لئے ان کے ارادہ اور خواہش کے مقابلہ میں فرمایا: وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّآ أَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ لغوی اعتبار سے ''کافر'' اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کو چھپا دیتا ہے اور اسے ڈھانپ دیتا ہے۔ رات کو بھی ''کافر'' اسی لئے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی اشیاء کو (اپنی تاریکی میں) چھپا لیتی ہے۔ کسان چونکہ دانے زمین میں چھپا دیتا ہے اس لئے اسے بھی کافر کہتے ہیں جیسا کہ فرمایا: أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ (الحدید: 20) ''اور نہال کر دے کسانوں کو اس کی (شاداب و سرسبز) کھیتی''۔

هُوَ الَّذِيْٓ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ ہدایت سے مراد صداقت پر مبنی خبریں، ایمان صحیح اور علم نافع ہے۔ دین حق سے مراد وہ اعمال صالحہ ہیں جو دنیا و آخرت میں نفع کا موجب بنیں۔

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ تا کہ اللہ تعالیٰ اسے تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے جیسا کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین کے مشارق اور مغارب میرے لئے سمیٹ دیئے ہیں، عنقریب میری امت کا ملک زمین کے سمیٹے گئے مقامات تک پہنچے گا'' (1)۔ مسند امام احمد میں مسعود بن قبیصہ یا قبیصہ بن مسعود سے روایت ہے کہ بنو محارب کے ایک قبیلہ نے صبح کی نماز ادا کی، نماز سے فراغت کے بعد ان میں سے ایک نوجوان کہنے لگا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''تمہیں زمین کے مشارق و مغارب کی فتوحات حاصل ہوں گی، تمہارے حکام دوزخی ہیں بجز متقی اور امین لوگوں کے'' (2)۔ مسند احمد میں ہی حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''یہ دین ضرور اس جگہ تک پہنچے گا جہاں دن اور رات پہنچتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی بھی پختہ اور کچے (شہری و دیہاتی) گھر کو نہیں چھوڑے گا مگر اس میں اس دین کو داخل فرما دے گا۔ معزز لوگوں کو وہ عزت سے سرفراز کرے گا اور ذلیل لوگوں کو ذلت میں ڈال دے گا، ایسی عزت جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اسلام کو معزز و غالب کر دے گا اور ایسی ذلت جس کے ذریعے وہ کفر کو ذلیل کر دے گا۔'' حضرت تمیم الداری فرماتے کہ اس چیز کو میں نے اپنے گھر والوں میں ہی ملاحظہ کر لیا ہے، ان میں سے مسلمان ہونے والوں نے خیر، شرف اور عزت و غلبہ پا لیا ہے اور کفر پر ڈٹے رہنے والوں کو ذلت، حقارت اور جزیہ کا سامنا کرنا پڑا ہے (3)۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''روئے زمین پر کوئی بھی کچا پکا گھر باقی نہیں رہے گا مگر اس میں اسلام کا کلمہ داخل ہوگا۔ یہ (اسلام) معزز کو معزز اور ذلیل کو ذلیل بنا دے گا۔ یا تو اللہ تعالیٰ انہیں عزت سے نوازے گا اور انہیں اہل اسلام میں داخل کر دے گا یا انہیں ذلیل و رسوا کر دے گا اور وہ اسلام کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کریں گے'' (4)۔ مسند میں ہی حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن 2215 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 366-367 3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 103 4۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 4

خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عدی! اسلام قبول کرلو، سلامت رہو گے'' میں نے عرض کی کہ میں تو ایک دین کا پیروکار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تم سے زیادہ تمہارے دین کو جانتا ہوں''۔ میں نے کہا: (کیا) آپ ﷺ مجھ سے زیادہ میرے دین کو جانتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، کیا تم رکوسیہ میں سے نہیں ہو اور تم اپنی قوم کے مال غنیمت میں سے ایک چوتھائی ہڑپ کر جاتے ہو؟'' میں نے عرض کی: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے دین میں یہ چیز تمہارے لئے حلال نہیں''، جونہی آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی میں نے آپ ﷺ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''دیکھو، مجھے بخوبی علم ہے کہ تمہیں کونسی چیز اسلام لانے سے مانع ہے، تم یہ خیال کرتے ہو کہ اسلام کے پیروکار کمزور اور ناچار لوگ ہیں جنہیں عربوں نے نکال باہر کیا ہے، کیا تم حیرہ کو جانتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ دیکھا تو نہیں، البتہ اس کے بارے میں سن رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ ضرور اس دین کو مکمل فرمائے گا یہاں تک کہ ایک اونٹنی سوار عورت حیرہ سے نکلے گی اور بغیر کسی کی امان کے بیت اللہ کا طواف کرے گی، اور ضرور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح ہوں گے'' میں نے (تعجب سے) پوچھا: کسریٰ بن ہرمز؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، کسریٰ بن ہرمز، اور مال کی اس قدر فراوانی ہوگی کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا'' حضرت عدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک اونٹنی سوار عورت حیرہ سے نکلتی ہے اور بغیر کسی کی پناہ کے بیت اللہ کا طواف کرتی ہے۔ اور میں کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو فتح کرنے والوں میں خود شامل تھا، اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تیسری پیشین گوئی بھی ضرور وقوع پذیر ہوگی اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے(1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''دن اور رات کی حکمرانی ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لات وعزیٰ کی عبادت کی جانے لگے'' میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرا گمان تو یہ تھا کہ آیت کریمہ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ کے نازل ہونے کے بعد یہ بات تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عنقریب جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا تو ہر وہ شخص فوت ہو جائے گا جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا اور وہ لوگ باقی بچ جائیں گے جن میں کوئی بھلائی نہیں ہوگی، یہ لوگ اپنے باپ دادا کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے''(2)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

''اے ایمان والو! بے شک اکثر پادری اور راہب کھاتے ہیں لوگوں کے مال ناجائز طریقہ سے اور روکتے ہیں (لوگوں کو) راہ خدا سے اور جو لوگ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اسے اللہ کی راہ میں تو انہیں خوشخبری سنا دیجئے دردناک عذاب کی۔ جس دن تپایا جائے گا (یہ سونا چاندی) جہنم کی آگ میں پھر داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پشتیں (اور انہیں بتایا جائے گا) کہ یہ ہے جو تم نے جمع کر رکھا تھا اپنے لئے تو (اب) چکھو (سزا اس

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 377-378، جلد 4 صفحہ 257　2۔ صحیح مسلم، کتاب الفتح: 2230

کی) جو تم جمع کیا کرتے تھے''۔

اَحْبَار سے مراد علماء یہود ہیں جیسا کہ فرمایا: لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ (المائدۃ:63) ''کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے مشائخ اور علماء گناہ کے بات کہنے سے اور حرام کھانے سے''۔

رُهْبَان عیسائیوں کے عبادت گزار درویشوں کو کہا جاتا ہے اور قِسِّيْس ان کے علماء کو جیسا کہ فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا (المائدۃ:82) ''یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں''۔ آیت کریمہ سے مقصود لوگوں کو علماء سوء اور گمراہ عابدوں درویشوں سے متنبہ اور خبردار کرنا ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء میں سے جو بگڑ جائیں ان میں یہود کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے اور جو ہمارے عابد بگڑ جاتے ہیں ان میں نصاریٰ کی مشابہت موجود ہوتی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے: ''تم ضرور پہلے لوگوں کے مکمل طور پر نقش قدم چلو گے''۔ صحابہ نے پوچھا: یہود و نصاریٰ کے؟ آپ نے فرمایا: ''اور کون؟'' ایک دوسری روایت میں آتا ہے: ایرانیوں اور رومیوں کی روش پر؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا لوگوں میں سے صرف یہی ہیں؟''(1)۔ مقصود کلام اقوال وافعال میں ان کی مشابہت اختیار کرنے سے خبردار کرنا ہے، اس لئے فرمایا: لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے دینی مقام و مرتبہ، منصب اور ریاست وسروری کے باعث دنیا ہڑپ کرتے ہیں اور لوگوں کے مال ہتھیا لیتے ہیں جیسا کہ یہودی علماء کو اہل جاہلیت پر شرف و برتری حاصل تھی اور ان کے پاس ان کی طرف سے خراج، تحائف اور ٹیکس پہنچتے رہتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا تو یہ بدستور ریاست وسروری کی طمع میں اپنی گمراہی اور کفر وعناد پر ڈٹے رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نور نبوت کے ساتھ ان کی اس حکمرانی کو بجھا کر راکھ کر دیا، سروری ان سے چھین لی، ذلت وحقارت ان پر مسلط کر دی اور یہ غضب الٰہی کے سزاوار ہو گئے۔

وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی وہ حرام خوری کے ساتھ لوگوں کو اتباع حق سے روکتے، حق کو باطل کا لباس پہناتے اور اپنے جاہل پیروکاروں کو یہ باور کراتے کہ وہ تو خیر کے داعی ہیں حالانکہ وہ اس طرح نہ تھے جیسا کہ وہ گمان کرتے تھے بلکہ وہ تو جہنم کی طرف بلانے والے تھے اور قیامت کے دن یہ بے یار و مددگار ہوں گے۔

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ...... اس میں رؤساء کی تیسری قسم کا ذکر ہو رہا ہے، کیونکہ عوام الناس علماء، صوفیاء اور مالدار لوگوں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ جب ان تین طبقات کے حالات بگڑ جائیں تو لوگوں کے حالات بھی بگڑ جاتے ہیں جیسا کہ ابن مبارک نے فرمایا:

هَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ وَأَحْبَارُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُهَا

(دین کو نہیں بگاڑا مگر بادشاہوں، علماء سوء اور درویشوں نے)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک ''کنز'' اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو اور جس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں، اگرچہ وہ مال سات زمینوں کے نیچے پوشیدہ ہو اور جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے اگرچہ وہ زمین پر ظاہر ہی ہو، کنز ہوگا۔ حضرات ابن عباس، جابر، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی موقوفاً اور مرفوعاً یہی روایت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی موقف ہے، آپ فرماتے ہیں کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا ہو چکی وہ کنز نہیں ہے اگرچہ وہ زمین میں مدفون ہو اور جس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی وہ کنز ہے جس کے ساتھ

1۔ فتح الباری، کتاب الاعتصام، جلد 13 صفحہ 300، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 25

صاحب کنز کو داغا جائے گا اگر چہ وہ مال زمین کے اوپر ہو۔ حضرت خالد بن اسلم سے روایت ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکلے تو آپ نے فرمایا کہ یہ حکم زکوٰۃ سے پہلے تھا، جب زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اموال کی پاکیزگی کا سبب بنا دیا(1)۔ حضرات عمر بن عبدالعزیز اور عراک بن مالک رحمہما اللہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ اس حکم کو اس فرمان خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (توبہ:103) منسوخ کر دیا۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تلوار کا زیور بھی کنز میں شامل ہے۔ میں تمہیں وہی بات بتا رہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار ہزار اور اس سے کم مقدار تو نفقہ ہے جبکہ اس سے زائد کنز ہے۔ یہ قول غریب ہے۔ سونا چاندی کی قلت کی مدحت اور کثرت کی مذمت میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں، ان میں سے چند ایک ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی آیت کے متعلق روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سونا چاندی جمع کرنے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہو'' تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا۔ یہ بات صحابہ کرام پر بہت شاق گزری، وہ کہنے لگے کہ پھر ہم کونسا مال رکھیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں تمہیں معلوم کر کے بتاتا ہوں، عرض کی: یا رسول اللہ! صحابہ پر یہ چیز تو بہت گراں گزری ہے اور وہ دریافت کر رہے ہیں کہ ہم کونسا مال رکھ سکتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''لِسَانًا ذَاكِرًا، وَّقَلْبًا شَاكِرًا، وَزَوْجَةً تُعِيْنُ أَحَدَكُمْ عَلَى دِيْنِهٖ(2)۔ ''ذکر کرنے والی زبان، شکر ادا کرنے والا دل اور بیوی جو دینی امور میں مددگار ہو''۔ یہ روایت مسند امام احمد میں بھی موجود ہے لیکن اس میں اس راوی کا نام موجود نہیں جس نے براہ راست اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے(3)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سونے اور چاندی کے متعلق (مذکورہ) آیت نازل ہوئی تو صحابہ کہنے لگے کہ ہم پھر کونسا مال رکھ سکتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں تمہیں معلوم کر کے بتاتا ہوں، یہ کہہ کر آپ اپنی سواری تیز دوڑاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے جا ملے، میں (ثوبان) بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا، انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم کس قسم کا مال رکھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''شکر ادا کرنے والا دل، ذکر کرنے والی زبان اور بیوی جو امر آخرت میں معاون ہو''(4)۔ اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے سالم بن ابی الجعد سے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اسے حسن کہا ہے، امام بخاری سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ سالم نے حضرت ثوبان سے یہ روایت نہیں سنی(5)۔ اس لئے بعض حضرات نے ان سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ نازل ہوئی تو یہ بات مسلمانوں پر گراں گزری، کہنے لگے کہ ہم میں سے کوئی بھی اپنی اولاد کے لئے مال باقی نہیں چھوڑ سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں تمہاری اس پریشانی کا ازالہ کرتا ہوں، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ چلے اور حضرت ثوبان آپ کے پیچھے تھے، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: اے اللہ کے نبی! صحابہ کرام پر تو یہ آیت بہت شاق گزری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لئے فرض کی ہے کہ تاکہ تمہارے باقی ماندہ اموال پاک ہو جائیں اور میراث کے احکام بھی ان اموال کے متعلق مقرر کئے ہیں جو تمہارے بعد باقی رہ جاتے ہیں۔'' (یہ سن کر از راہ مسرت) حضرت عمر رضی اللہ عنہ تکبیریں کہنے لگے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں آدمی کا بہترین خزانہ نہ بتلاؤں...... نیک عورت، جب اس کا خاوند اسے دیکھے تو اسے مسرور کر دے، جب اسے حکم

1۔ فتح الباری کتاب الزکاۃ، جلد 3 صفحہ 271، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 8 صفحہ 324 2۔ مصنف عبدالرزاق 3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 366

4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 282 5۔ تحفۃ الاحوذی تفسیر سورۂ توبہ، جلد 8 صفحہ 491-492، سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، جلد 1 صفحہ 596

دے تو وہ اسے بجالائے اور جب وہ اس سے غائب ہو تو اس کی حفاظت کرے''۔ اسے ابوداؤد، حاکم اور ابن مردویہ نے یحییٰ بن یعلی سے روایت کیا ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ صحیحین کی شروط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اسے روایت نہیں کیا(1)۔ حسان بن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سفر میں تھے، وہ ایک جگہ اترے تو اپنے غلام سے کہنے لگے کہ بڑی چھری لاؤ تا کہ ہم اس کے ساتھ ذرا کھیلیں۔ میں نے اس پر اظہار ناپسندیدگی کیا تو حضرت شداد کہنے لگے کہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے، کوئی ایسی بات نہیں کی، میں تو ایسی باتوں سے احتیاط کرتا ہوں، آج کی بات کو فراموش کر دو اور یہ حدیث ذہن نشین کر لو جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے: ''جب لوگ سونا چاندی خزانہ کرنے لگیں تو تم ان کلمات کو خزانہ کر لینا'': اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِی الْأَمْرِ، وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ، وَأَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ حُسْنَ عِبَادَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ قَلْباً سَلِيْماً، وَأَسْأَلُكَ لِسَاناً صَادِقاً، وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ، وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ(2)۔ ''اے اللہ! میں تجھ سے ثابت قدمی اور ہدایت پر پختگی کا سوال کرتا ہوں، میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی نعمتوں کے شکر اور عمدہ طریقہ سے عبادت کی توفیق ارزانی فرما، میں تجھ سے قلب سلیم اور لسان صادق کا خواستگار ہوں، میں تجھ سے ہر اس خیر کا سوال کرتا ہوں جو تو جانتا ہے اور ہر اس شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو تیرے علم میں ہے اور ہر اس برائی سے تیری مغفرت کی امید کرتا ہوں جو تو جانتا ہے کیونکہ تو ہی غیبوں کو بخوبی جاننے والا ہے''۔

یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ...... یہ کلام انہیں خاموش کرانے، سرزنش اور استہزاء کرنے کے لئے کہی جائے گی جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے: ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ (الدخان: 49-48) ''پھر انڈیل اس کے سر کے اوپر کھولتا پانی (اسے) عذاب دینے کے لئے۔ لو چکھو۔ تم بڑے معزز و مکرم ہو''۔ یعنی یہ اس کا بدلہ ہے اور یہ ہے وہ جس کو تم اپنے لئے جمع کیا کرتے تھے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جو شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے اور اسے اطاعت الٰہی پر ترجیح دیتا ہے تو اسی چیز کی وجہ سے اسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ جب ان لوگوں کے ہاں اموال کو جمع کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا سے بھی زیادہ ترجیح یافتہ ہے تو انہیں ان اموال کا عذاب دیا جائے گا جیسا کہ لعین ابولہب عداوت رسول ﷺ میں پوری طرح سرگرم تھا اور اس کی بیوی اس معاملہ میں اس کی معاون تھی، قیامت کے دن بھی وہ اپنے خاوند کے لئے عذاب کے بھڑکانے میں مددگار ہوگی۔ قیامت کے روز اس کی گردن میں مونج کی رسی ہوگی، وہاں بھی لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ میں ڈالے گی تا کہ اپنے خاوند کی آگ کو تیز تر کر دے۔ جس طرح یہ اموال مالدار لوگوں کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہیں، اسی طرح دار آخرت میں یہ ان کے لئے سب سے زیادہ ضرر رساں ثابت ہوں گے، ان اموال کو آتش جہنم میں دہکایا جائے گا اور ان کے ساتھ ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! خزانہ کرنے والے آدمی کی جلد کو پھیلا دیا جائے گا اور اس پر ہر دینار اور ہر درہم الگ الگ رکھا جائے گا اور انہیں گرم کر کے اسے اس طرح داغا جائے گا کہ کوئی دینار اور درہم دوسرے دینار درہم کے ساتھ مس نہیں کرے گا۔ ابن مردویہ نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن یہ درست نہیں۔ مصنف عبدالرزاق میں حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ قیامت کے دن خزانہ ایک اژدھا کی شکل اختیار کر کے اپنے مالک کا پیچھا کرے گا اور وہ اس سے

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 126، متدرک حاکم تفسیر سورۂ توبہ، جلد 5 صفحہ 333
2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 123

بھاگے گا، وہ کہے لگا کہ میں تمہارا خزانہ ہوں، اس کا جو عضو اس کے سامنے آئے گا اسے پکڑ لے گا۔ ابن جریر حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کیا کرتے تھے: ''جو شخص اپنے بعد خزانہ چھوڑ جاتا ہے، وہ قیامت کے دن ایک نہایت زہریلے گنجے سانپ کی صورت میں ظاہر ہوگا جس کی آنکھوں پر نقطے ہوں گے، وہ اس کے پیچھے لگ جائے گا۔ خزانہ کا مالک پوچھے گا کہ تیری بربادی ہو، تو کون ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں وہی تمہارا خزانہ ہوں جس کو تم (دنیا میں) چھوڑ آئے تھے، وہ اس کا پیچھا کرتا رہے گا یہاں تک کہ اس کا ہاتھ نگل جائے گا اور پھر سارا جسم''۔ اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں سعید سے روایت کیا ہے۔ دراصل یہ حدیث صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (1)۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں ادا کرتا اس کے اسی مال کو قیامت کے دن آگ کی بڑی بڑی تختیوں کی شکل دے دی جائے گی اور ان کے ساتھ اس کے پہلو، پیشانی اور پشت کو ایسے دن میں داغا جائے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی، پھر بندوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا، اس کے بعد یہ شخص اپنی راہ لے گا، جنت کی طرف یا جہنم کی طرف...... (2)۔ امام بخاری اس آیت کی تفسیر میں روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن وہب رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ میں ربذہ کے مقام پر مقیم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا، میں نے پوچھا کہ اس جگہ آپ کی اقامت کا کیا سبب ہے؟ آپ فرمانے لگے: ہم شام میں تھے، میں نے یہ آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ...... پڑھی تو حضرت معاویہ کہنے لگے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نہیں بلکہ اہل کتاب کے بارے میں اتری ہے، حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں بھی ہے اور ان کے بارے میں بھی (3)۔ ابن جریر کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: میرے اور ان (معاویہ) کے درمیان اختلاف رائے ہوگیا۔ انہوں نے میری شکایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بذریعہ خط مجھے اپنے پاس آنے کا حکم دیا۔ میں حاضر ہوگیا، جب میں مدینہ شریف پہنچا تو لوگ مجھ پر اس طرح ہجوم کر آئے گویا اس سے قبل انہوں نے مجھے دیکھا ہی نہ تھا۔ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس چیز کا شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم مدینہ شریف کے قریب کسی جگہ رہائش کرلو، بہرکیف میں نے یہ کہہ دیا کہ میں اپنے موقف سے سرمو انحراف نہیں کرسکتا (4)۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ اہل وعیال کے اخراجات سے زائد مال کا ذخیرہ کرنا حرام ہے، آپ نہ صرف برملا یہ فتویٰ دیتے بلکہ اس موقف کے اختیار کرنے کا لوگوں کو حکم دیتے اور اس پر ابھارتے اور اس نظریہ کے مخالفین کے ساتھ سختی سے پیش آتے۔ حضرت امیر معاویہ نے انہیں اس سے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے، حضرت معاویہ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں لوگ اس کی ضرر کا شکار نہ ہو جائیں چنانچہ انہوں نے یہ شکایت امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی اور یہ مطالبہ کیا کہ حضرت ابوذر کو اپنے پاس بلالیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ شریف بلالیا اور تنہا ربذہ کے مقام پر ٹھہرا دیا۔ وہاں ہی خلافت عثمانی میں آپ کی وفات ہوئی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کا امتحان لینا چاہا کہ کیا واقعی آپ کے قول وفعل میں یکسانیت ہے، چنانچہ آپ نے ان کی طرف ایک ہزار دینار بھیجے، انہوں نے اسی دن تمام دینار تقسیم کر دیئے، پھر حضرت معاویہ نے اسی شخص کو آپ کی طرف روانہ کیا جو دینار لایا تھا کہ وہ انہیں جا کر کہے کہ مجھ تو معاویہ نے کسی اور شخص کی طرف بھیجا تھا، میں غلطی سے آپ کے پاس آ گیا، اس لئے دینار واپس کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا:

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 6 صفحہ 82، الاحسان، بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الزکاۃ، جلد 5 صفحہ 106
2۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ: 682
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 6 صفحہ 82
4۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 121

افسوس! وہ تو اب میرے پاس نہیں رہے، البتہ جب میرا مال آئے گا تو دیناروں کے حساب سے واپس کر دوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے، سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت اہل قبلہ کے بارے میں ہے۔ احنف بن قیس رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: میں مدینہ شریف آیا، وہاں قریش کے بڑے بڑے لوگوں کی محفل جمی ہوئی تھی، میں اس محفل میں پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سخت کھردرا لباس پہنے، سخت جسم خستہ حال شخص وہاں آ گیا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا: مال جمع کرنے والوں کو آگ کی بشارت ہو، آتش جہنم میں گرم کیا ہوا پتھر ان کی چھاتی کے سرے پر رکھ دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ کندھے کی ہڈی سے باہر نکل آئے گا اور کندھے کی ہڈی پر رکھا جائے گا حتیٰ کہ چھاتی کے سرے سے باہر نکل آئے گا، لوگوں نے اپنے سر جھکا لئے ان میں سے کسی کو جواب دیتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا۔ یہ کہہ کر وہ آدمی چلا گیا تو میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا، وہ ایک ستون کے پاس بیٹھ گیا، میں نے اسے کہا میرا خیال ہے کہ آپ کی بات ان لوگوں پر ناگوار گزری ہے۔ انہوں نے کہا: یہ لوگ کچھ نہیں جانتے۔ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر سے فرمایا: ''میرے لئے یہ بات باعث مسرت نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑ کی مقدار سونا ہو اور تین دن گزرنے کے باوجود اس میں سے کچھ باقی بچ جائے ہاں اگر قرض کی ادائیگی کے لئے کچھ اپنے پاس رکھ لوں (تو کوئی مضائقہ نہیں)'' (1)۔ اسی حدیث کے باعث حضرت ابوذر نے یہ موقف اختیار کر لیا۔ مسند احمد میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، آپ کے پاس مقررہ وظیفہ پہنچا۔ آپ کی لونڈی نے آپ کی ضروریات کی بہم رسانی میں خرچ کر دیا، صرف سات بچ گئے۔ آپ نے اسے اس کے بدلہ میں فلوس خریدنے کو کہا۔ میں نے کہا: اگر آپ اپنی گھریلو ضروریات اور مہمانوں کے لئے رکھ لیں (تو بہتر ہے)۔ آپ نے فرمایا: میرے خلیل نے مجھے یہ وصیت کی ہے کہ جو سونا چاندی محفوظ کر کے رکھا جائے وہ اپنے مالک کے لئے انگارہ ہے یہاں تک کہ وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دے (2)۔ حافظ ابن عساکر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِلْقَ اللّٰهَ فَقِيْرًا وَلَا تَلْقَهُ غَنِيًّا ''اللہ سے فقیر بن کر ملنا، غنی بن کر نہ ملنا''۔ انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ میرے لئے کیونکر ممکن ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مَاسُئِلْتَ فَلَا تَمْنَعْ، وَمَا رُزِقْتَ فَلَا تَخْبَأْ ''جو تجھ سے مانگا جائے اس (کے عطا کرنے) میں بخل نہ کر اور جو تجھے رزق عطا کیا جائے اسے چھپا کر نہ رکھ'' انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ کیسے ممکن ہے؟ آپ نے فرمایا: هُوَ ذَاكَ وَإِلَّا فَالنَّارُ (3)۔ ''بس یہی ہے ورنہ آگ''۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل صفہ میں سے ایک شخص فوت ہو گیا اور اس نے اپنے پیچھے دو دینار یا درہم چھوڑے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(آگ کے) دو داغ ہیں، تم اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھو'' (4)۔ حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ اہل صفہ میں سے ایک شخص فوت ہو گیا، اس کے تہہ بند سے ایک دینار برآمد ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک داغ''، پھر ایک اور شخص کی وفات ہوئی تو اس کے تہہ بند سے دو دینار ملے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''(آگ کے) دو داغ''۔ ابن ابی حاتم حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت لاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی اس حال میں مرا کہ اس کے پاس سونا اور چاندی تھا تو اللہ تعالیٰ ہر قیراط کے بدلہ میں آگ کی ایک تختی بنا دے گا جس کے ذریعے اس کے قدم سے لیکر ٹھوڑی تک (جسم) داغا جائے گا'' (5)۔ حافظ ابویعلی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دینار کے اوپر دینار، اور درہم کے اوپر درہم

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 117 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 165-175-176 3۔ ابن عساکر

4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 137 -138 -412 5۔ ابن ابی حاتم

نہیں رکھا جائے گا، بلکہ کھال کو پھیلا دیا جائے گا اور ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ ہے جسے تم اپنے لئے سنبھال سنبھال کر رکھتے تھے، اب اپنے خزانہ کئے ہوئے مال کا ذائقہ چکھو'' (1)۔ اس کا راوی سیف کذاب اور متروک ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۶﴾

''بے شک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ہے کتاب الٰہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، ان میں سے چار عزت والے ہیں، یہی دین قیم ہے پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں اپنے آپ پر اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے''۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے حج کے موقعہ پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''سنو، زمانہ گھوم کر اپنی اس اصلی شکل پر واپس آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ تین متواتر ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور (قبیلہ) مضر کا رجب جو جمادی الآخرہ اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کون سا دن ہے؟'' ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ ﷺ اسے کوئی اور نام دیں گے۔ پھر فرمایا: ''کیا یہ یوم نحر (قربانی کا دن) نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کی: ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کون سا مہینہ ہے؟'' ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا، ہم نے سمجھا شاید آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ فرمایا: ''کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کی: کیوں نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''یہ کونسا شہر ہے؟'' ہم نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ہی علم ہے۔ آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی، ہمیں گمان ہوا کہ شاید آپ اسے کوئی اور نام دیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ بلدہ (مکہ) نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کی: جی ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر اس طرح حرمت والی ہیں جس طرح اس دن کی حرمت اس مہینہ میں اور تمہارے اس شہر میں، عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو، سنو! کیا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا؟ جو تم میں سے موجود ہے اسے چاہئے کہ وہ غائب شخص تک میرا پیغام پہنچا دے۔ ممکن ہے کہ جس شخص تک وہ میری بات پہنچائے گا وہ سننے والے کی نسبت زیادہ اسے محفوظ رکھنے والا ہو'' (2)۔ ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس قسم کی روایت کی ہے۔ ابوحرہ رقاشی اپنے چچا جو صحابی ہیں، سے روایت کرتے ہیں جن کا کہنا ہے کہ وسط ایام تشریق میں میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی نکیل تھامے لوگوں کو آپ سے دور ہٹا رہا تھا اس وقت آپ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''خبردار! زمانہ گھوم کر اپنی اس ہیئت پر واپس آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا فرمائے۔ جس دن سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کی ہے مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کتاب میں بارہ ہے،

1۔ مسند ابویعلیٰ
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 37، صحیح بخاری، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 6 صفحہ 83، صحیح مسلم، کتاب القیامۃ: 7305-1306

ان میں سے چار حرمت والے ہیں، سو ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو" (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حرمت والے مہینے محرم، رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں...... حضور علیہ السلام کے اس فرمان کہ "زمانہ گھوم کر اپنی اصل ہیئت کی طرف لوٹ آیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کی" کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ اپنی اصل کیفیت پر لوٹ آیا ہے جس طرح ابتداء میں یہ بغیر کسی تقدیم و تاخیر، کمی بیشی اور تغیر و تبدل کے موجود تھا جیسا کہ تحریم مکہ کے بارے میں آپ نے فرمایا: "اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اس دن سے حرمت والا بنایا ہے جس دن اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا، اللہ تعالیٰ کے حرمت عطا کرنے کے باعث یہ قیامت تک حرمت والا ہے" اسی طرح زمانہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ گھوم کر اپنی اصل پر لوٹ آیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کی۔ بعض مفسرین اور متکلمین کے نزدیک اس ارشاد سے مقصود یہ ہے کہ اس سال رسول اللہ علیہ السلام نے ذوالحجہ کے مہینہ میں حج ادا فرمایا اور عربوں میں یہ رواج تھا کہ وہ مہینوں کو آگے پیچھے کر دیا کرتے تھے جس کے باعث ان کا حج عموماً ذوالحجہ کے علاوہ کسی اور مہینہ میں ہوتا تھا، اس لئے ان حضرات کا خیال یہ ہے کہ سنہ 9 ہجری کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حج ذوالقعدہ میں ہوا لیکن یہ بات محل نظر ہے، اس کے متعلق گفتگو عنقریب آیت کریمہ "اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ" کے تحت ہوگی اور اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب طبرانی کی روایت ہے جس میں بعض سلف نے یہ کہا ہے کہ حجۃ الوداع کے سال اتفاق سے یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے حج کا ایک ہی دن تھا یعنی یوم نحر (قربانی کا دن)۔

فصل: ۔ شیخ علم الدین سخاوی نے اپنی کتاب "اَلْمَشْهُوْرُ فِي أَسْمَاءِ الْاَيَّامِ وَالشُّهُوْرِ" میں بیان کیا ہے کہ محرم کی وجہ تسمیہ اس کا حرمت والا مہینہ ہونا ہے لیکن میرے نزدیک تاکید حرمت کی بناء پر اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ عرب اسے بدلتے رہتے تھے، ایک سال اسے حلال قرار دیتے اور ایک سال حرام۔ اس کی جمع محرمات، محارم اور محاریم آتی ہے۔ صفر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں جنگ و جدال اور سفر پر نکلنے کے باعث ان کے گھر خالی ہو جاتے تھے جب کوئی جگہ اس کے مکین سے خالی ہو جائے تو کہتے ہیں "صَفِرَ الْمَكَانُ"۔ اس کی جمع اصفار آتی ہے جیسے "جمل" (اونٹ) کی جمع اَجمال۔ ربیع الاول نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں وہ مقیم ہو جاتے۔ ارتباع کا معنی ہے کسی جگہ اقامت اختیار کر لینا۔ اس کی جمع اَربعاء بھی آتی ہے جیسے نصیب کی جمع اَنصباء اور اَربعۃ بھی آتی ہے جیسے رغیف (روٹی) کی اَرغفۃ۔ ربیع الآخر کی وجہ تسمیہ بھی وہی ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے۔ البتہ یہ اقامت کا دوسرا مہینہ ہے۔ جمادی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں پانی جم جاتا تھا۔ ان کے حساب میں مہینے گردش نہیں کرتے تھے (بلکہ ہر مہینہ ایک ہی موسم میں آتا تھا) لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ ان مہینوں کا حساب تو چاند پر موقوف ہے اس لئے ان مہینوں کا مختلف موسموں میں گردش کرنا ضروری ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ جب پہلی مرتبہ اسے یہ نام دیا گیا تو یہ سخت سردی کے موسم میں آیا ہو۔ اس کی جمع جمادیات آتی ہے جیسے حباری (سرخاب) کی جمع حباریات۔ یہ مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے جمادی الاولیٰ والاول (پانی جمنے کا پہلا مہینہ) اور جمادی الآخر والآخرۃ (پانی جمنے کا دوسرا مہینہ)۔ رجب ترجیب (تعظیم) سے ماخوذ ہے۔ اس کی جمع اَرجاب، رجاب اور رجبات آتی ہے۔ شعبان تَشَعُّبُ الْقَبَائِلِ وَتَفَرُّقُهَا لِلْغَارَةِ "قبائل کا غارت گری کے لئے ادھر ادھر متفرق ہو جانا اور بکھر جانا" سے ماخوذ ہے۔ تشعب کا معنی ہے بکھرنا اور جدا جدا ہونا۔ اس کی جمع شعابین اور شعابات آتی ہے۔ رمضان رمضاء سے ہے جس کا معنی ہے شدت حرارت۔ جب اونٹنیوں کے بچے سخت پیاسے ہو جائیں تو کہا جاتا ہے "رَمَضَتِ الْفِصَالُ"۔ اس کی جمع رمضانات، رماضین اور ارمضۃ آتی ہے۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ اللہ

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 72-73 (کچھ اضافہ کے ساتھ)

تعالیٰ کے ناموں سے ہے، غلط اور ناقابل التفات ہے۔ اس ضمن میں ایک حدیث بھی وارد ہوئی ہے لیکن وہ ضعیف ہے، میں نے کتاب الصیام کے شروع میں اسے بیان کر دیا ہے۔ شوال ''شَالَتِ الْاِبِلُ بِاَذْنَابِهَا لِلطِّرَاقِ'' (اونٹوں کا دم اٹھانا) سے ماخوذ ہے۔ اس کی جمع شواول، شواویل اور شوالات آتی ہے۔ ذوالقعدہ کی قاف پر زبر اور زیر دونوں جائز ہیں۔ اس کو یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں عرب جنگ وجدال اور سفر سے بیٹھ جاتے تھے۔ اس کی جمع ذوات القعدہ آتی ہے۔ ذوالحجہ کی ''حاء'' پر زبر اور زیر دونوں آسکتی ہیں۔ چونکہ عرب اس مہینہ میں حج کی ادائیگی کرتے اس لئے اس کا یہ نام پڑ گیا۔ اس کی جمع ذوات الحجہ آتی ہے۔

دنوں کے نام: دنوں میں پہلا یوم الاحد (اتوار) ہے۔ اس کی جمع آحاد، اوحاد اور وحود آتی ہے۔ سوموار کو یوم الاثنین کہتے ہیں، اس کی جمع ''اثانین'' آتی ہے۔ ہفتہ کا تیسرا دن ''الثلاثاء'' (منگل) ہے۔ یہ مذکر ومونث دونوں طرح استعمال کیا جاتا ہے، اس کی جمع ''ثلاثاوات'' اور ''اثالث'' آتی ہے۔ بدھ کے دن کو ''الاربعاء'' کہا جاتا ہے، اس کی جمع اربعاوات اور ارابیع آتی ہے۔ جمعرات کو الخمیس کہتے ہیں۔ اس کی جمع ''اخمسة'' اور ''اخامس'' آتی ہے۔ اس کے بعد جمعہ۔ اس کی میم پر پیش، سکون اور زبر پڑھنا جائز ہے، اس کی جمع جمع اور جماعات آتی ہے۔ ہفتہ کے دن (سنیچر) کو السبت نام دیا گیا، اس کا لغوی معنی ہے کاٹنا اور قطع کرنا، چونکہ اس دن پر ہفتہ کے تمام دنوں کا اختتام ہو جاتا ہے اس لئے اس کا یہ نام رکھا گیا، قدیم عربوں کے ہاں ہفتے کے دنوں کے مندرجہ ذیل نام مروج تھے: ''اَوَّلُ، اَهْوَنُ، جُبَارُ، دُبَارُ، مُؤْنِسُ، اَلْعَرُوْبَةُ، شِيَارُ'' قدیم عربی شاعری میں بھی ان ناموں کا ذکر ملتا ہے۔

مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ زمانہ جاہلیت میں بھی عربوں کی اکثریت ان چار مہینوں کو حرام سمجھتی تھی، البتہ بسل نامی ایک گروہ بڑی شدت سے سال کے آٹھ مہینوں کو حرمت والا خیال کرتا تھا(1)۔ نبی کریم علیہ السلام کے فرمان میں رجب کی نسبت قبیلہ مضر کی طرف کی گئی ہے، اس سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حرمت وعزت والا رجب وہ مہینہ ہے جو جمادی الآخرہ اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔ قبیلہ ربیعہ کے نزدیک حرمت والا رجب وہ مہینہ ہے جو شعبان اور شوال کے درمیان آتا ہے یعنی رمضان۔ اس لئے نبی کریم علیہ السلام نے وضاحت فرما دی کہ حرمت والا رجب مضر کا ہے نہ کہ ربیعہ کا۔ تین لگاتار اور ایک الگ مہینے کو حرمت والا قرار دینے میں حکمت یہ ہے تاکہ لوگ آسانی سے مناسک حج وعمرہ کی ادائیگی کر سکیں۔ حج کے مہینہ سے قبل ایک مہینہ (ذوالقعدہ) حرام قرار دے دیا تاکہ سفر حج میں دقت نہ ہو کیونکہ لوگ اس مہینہ میں جنگ وجدال سے باز آجاتے ہیں۔ چونکہ ذوالحجہ میں حج کی ادائیگی کرنا ہوتی ہے اور اس کے احکام بجالانا ہوتے ہیں اس لئے اسے حرام قرار دے دیا۔ اس کے بعد محرم بھی حرمت والا قرار دیا گیا تاکہ حجاج امن وسکون سے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ سکیں۔ بیت اللہ شریف کی زیارت اور عمرہ کی غرض سے آنے والوں کے لئے درمیان سال میں رجب کو حرام کر دیا تاکہ لوگ اپنے مقصود کو پالینے کے بعد اطمینان سے بلاخوف وخطر اپنے وطن کو لوٹ جائیں۔

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یعنی حرام ومعزز قرار دیئے گئے مہینوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنا ہی سیدھا دین اور سچی شریعت ہے۔ اس لئے فرمایا: فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ۔ یعنی ان عزت والے مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، کیونکہ بہ نسبت دوسرے مہینوں کے ان مہینوں میں گناہ زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ حرم شریف میں نافرمانی اور برائی کا گناہ اور جگہ سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (الحج: 25) ''اور جو ارادہ کرے اس میں زیادتی کا ناحق تو ہم اسے چکھائیں گے دردناک

1۔ دیکھئے سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 101-102

عذاب''۔ اسی طرح ان حرمت والے مہینوں کا گناہ بھی سخت اور زیادہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعی اور دیگر بہت سے علماء کے نزدیک شہر حرام میں دیت بھی سخت ہوتی ہے، اسی طرح حرم شریف کے اندر قتل کی اور ذی محرم رشتہ دار کے قتل کی بھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ''فِيۡهِنَّ'' میں ضمیر سے مراد سال کے سارے مہینے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے چار کو مختص کر کے حرمت والا قرار دے دیا۔ چنانچہ ان مہینوں میں اعمال سیئہ کا گناہ زیادہ ہوتا ہے اور اعمال صالحہ کا اجر و ثواب عظیم ہوتا ہے۔ حضرت قتادہ اس فرمان فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِيۡهِنَّ اَنۡفُسَكُمۡ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان حرام مہینوں میں ظلم کا گناہ اور بوجھ دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے، اگرچہ ظلم ہر حالت میں ظلم ہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ جس امر کو چاہے بڑا بنا دے۔ ذرا غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بعض کو چن لیا۔ فرشتوں اور انسانوں میں سے اپنے رسول چن لئے، کلام میں سے اپنے ذکر کو منتخب کیا، زمین میں سے مساجد کو پسند کر لیا، مہینوں میں سے رمضان اور حرمت والے مہینوں کو چن لیا، دنوں میں جمعہ کو اور راتوں میں شب قدر کو پسند فرما لیا، اس لئے ان تمام چیزوں کی عظمت کو ملحوظ خاطر رکھو جنہیں اللہ تعالیٰ نے عظمت بخشی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظمت عطا کئے گئے امور کی تعظیم عقلمند اور سمجھدار لوگوں پر ضروری ہے۔ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ ان مہینوں کی حرمت کو پامال نہ کرو(1)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ان مہینوں میں سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کرو جیسا کہ مشرکین کا معمول تھا جس کے بارے میں فرمان ہے: اِنَّمَا النَّسِيۡٓءُ زِيَادَةٌ فِى الۡكُفۡرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا (التوبہ:37) ''بے شک (حرمت والے مہینوں کو) ہٹا دینا تو اور اضافہ کرنا ہے کفر میں۔ گمراہ کئے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں''۔ ابن جریر نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ كَآفَّةً...... حرمت والے مہینہ میں آغاز جنگ کی تحریم کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ منسوخ ہے یا محکم۔ اس مسئلہ میں دو قول ہیں: پہلا قول جو زیادہ مشہور ہے وہ یہ ہے کہ تحریم منسوخ ہے کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِيۡهِنَّ اَنۡفُسَكُمۡ پھر مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا۔ ظاہری سیاق تو اس بات کا شعور دلاتا ہے کہ یہ حکم عام ہے۔ اگر حرام مہینوں میں قتال حرام ہوتا تو ان کے گزر جانے کی قید ساتھ ہی بیان کر دی جاتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ ایک حرام مہینے (ذوالقعدہ) میں ہی کیا تھا جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ ماہ شوال میں ہوازن کی طرف نکلے۔ جب آپ نے ان کو شکست دی اور ان کے اموال غنیمت میں حاصل کر لئے تو ان کے بچے کھچے شکست خوردہ لوگ بھاگ کر طائف میں پناہ گزین ہو گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے طائف کا قصد کیا اور چالیس روز تک ان کا محاصرہ کئے رکھا، پھر بغیر فتح کئے واپس لوٹ آئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے شہر حرام میں ان کا محاصرہ کیا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ابتداء کرنا حرام ہے اور ان مہینوں کی حرمت کا حکم منسوخ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهۡرَ الۡحَـرَامَ وَلَا الۡهَدۡىَ وَلَا الۡقَلَٓائِدَ وَلَاۤ آٰمِّيۡنَ الۡبَيۡتَ الۡحَـرَامَ (المائدۃ:2) ''اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ (تعالیٰ) کی نشانیوں اور نہ عزت والے مہینہ کی''، اور فرمایا: اَلشَّهۡرُ الۡحَـرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَـرَامِ وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰى عَلَيۡكُمۡ (البقرۃ:194) ''حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کا بدلہ ہے اور ساری حرمتوں میں (فریقین کے رویہ میں) برابری چاہئے تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو''۔ اور فرمایا: فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُـرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ (التوبہ:5) ''پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے تو قتل کرو مشرکین

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 127

کو"۔ اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ ہر سال کے چار مہینے ہیں نہ کہ تسییر کے مہینے جو کہ دو قولوں میں سے ایک ہے۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً یہ فرمان اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ ما قبل سے الگ اور نیا حکم ہو جس کا مقصد مسلمانوں کو جہاد پر ابھارنا ہو یعنی جس طرح کفار تمہارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں اسی طرح تم بھی سب مل کر ان خلاف برسرپیکار ہو جاؤ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس فرمان کے ذریعے اہل ایمان کو شہر حرام میں مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت دی جا رہی ہو جبکہ پہل ان کی طرف سے ہو جیسا کہ فرمایا: اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ (البقرة: 194) "حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کا بدلہ ہے اور ساری حرمتوں میں (فریقین کے رویہ میں) برابری چاہئے" اور فرمایا: وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ (البقرة: 191) (اور نہ جنگ کرو ان سے مسجد حرام کے قریب یہاں تک کہ وہ (خود) تم سے وہاں جنگ کرنے لگیں، سو اگر وہ لڑیں تم سے تو پھر قتل کرو انہیں"۔ یہی جواب رسول اللہ ﷺ کے شہر حرام میں اہل طائف کا محاصرہ کرنے کا ہے کہ آپ کا یہ محاصرہ ہوازن اور ان کے حلفاء بنو ثقیف کے ساتھ لڑائی کا تتمہ تھا۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے لڑائی میں پہل کی تھی اور لوگوں کو جمع کر کے اہل ایمان کو جنگ کی دعوت دی تھی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ان کا قصد کیا۔ جب وہ طائف میں قلعہ بند ہو گئے تو آپ ﷺ ان کی طرف بڑھے تاکہ انہیں قلعوں سے نکال باہر کریں۔ انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا اور ایک جماعت کو قتل کر دیا۔ منجنیق وغیرہ کے ذریعے چالیس روز تک محاصرہ جاری رہا۔ اس جنگ کا آغاز حرمت والے مہینے میں نہ تھا لیکن جنگ نے طول پکڑا اور حرمت والے مہینہ کا آغاز ہو گیا۔ اس طرح کئی روز تک محاصرہ جاری رہا، چنانچہ جنگ جاری رکھنا تو جائز ہے لیکن ان مہینوں میں جنگ کا آغاز کرنا جائز نہیں۔ اس کی بہت سی نظائر ہیں۔ اس کے متعلقہ احادیث ہم نے سیرت میں تحریر کر دی ہیں۔

اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

"(حرمت والے مہینوں کو) ہٹا دینا تو اور اضافہ کرنا ہے کفر میں۔ گمراہ کئے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں۔ حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام کر دیتے اسی کو دوسرے سال تاکہ پوری کریں گنتی ان مہینوں کی جنہیں حرام کیا ہے اللہ نے تاکہ اس حیلہ سے حلال کر لیں جسے حرام کیا ہے اللہ نے۔ آراستہ کر دیئے گئے ہیں ان کے لئے ان کے برے اعمال۔ اور اللہ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کفر اختیار کئے ہے"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ مشرکین کی مذمت فرما رہا ہے کہ وہ اپنی فاسد آراء کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی شریعت میں ناحق تصرف کرتے، اپنی ناپاک خواہشات سے احکام الٰہیہ کو تبدیل کر دیتے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دے لیتے، کیونکہ اس قدر ان میں قوت غضبیہ، جوانمردی اور حمیت پائی جاتی تھی کہ وہ مسلسل تین ماہ اس تحریم کی پابندی نہیں کر سکتے تھے جو جنگ وجدال جیسی ضروریات کی تکمیل سے مانع تھی، اس لئے قبل از اسلام انہوں نے اس طریقہ کو رواج دے لیا کہ وہ محرم کو حلال کر کے اس کی حرمت کو صفر کی طرف منتقل کر دیتے، اس طرح شہر حرام کو حلال اور شہر حلال کو حرام قرار دے لیتے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ چار ماہ کی تعداد پوری رہے۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "النَّسِيْٓءُ" کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ عربوں کا ایک سردار جنادہ بن

عوف بن امیہ کنانی جس کی کنیت ابوثمامہ تھی، ہر سال حج کے لئے آتا اور یہ منادی کر دیتا کہ خبردار! ابوثمامہ کی بات کو نہ تو رد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی معیوب گردانا جاسکتا ہے، سنو! پہلے سال کا صفر حلال ہے اور دوسرے کا حرام، اس طرح وہ ایک سال کے محرم کو حرام اور دوسرے سال کے محرم کو حلال قرار دے لیتا، اس کی تقلید میں عرب اس طرح کرتے، اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ(1)۔ لیث بن ابی سلیم مجاہد سے بیان کرتے ہیں کہ بنو کنانہ کا ایک شخص گدھے پر سوار ہو کر ہر سال حج کے موقعہ پر آتا اور کہتا: اے لوگو! مجھ پر نہ تو عیب لگایا جاسکتا ہے، نہ میرے مقابلہ میں آواز بلند کی جاسکتی ہے اور نہ میری بات کو رد کیا جاسکتا ہے ہم نے محرم کو حرام کیا اور صفر کو مؤخر کر دیا۔ آئندہ سال پھر وہ ایسی ہی بات دہراتا اور کہتا: ہم نے صفر کو حرام قرار دیا اور محرم کو مؤخر کر دیا، یہی اس آیت لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ کا مطلب ہے، یعنی وہ چار حرام مہینوں کی تعداد پوری رکھتے اور شہر حرام کو مؤخر کر کے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مہینہ کو حلال کر لیتے(2)۔ ابووائل، ضحاک اور قتادہ سے بھی تقریباً یہی منقول ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اس آیت کے متعلق ایک اور چیز بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں بنو کنانہ کا قلمس نامی ایک شخص تھا، اس وقت یہ لوگ حرمت والے مہینوں میں تغیر و تبدل نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ اگر کوئی ایسے مہینے میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی پالیتا تو اس کی طرف اپنا ہاتھ دراز نہیں کرتا تھا۔ ایک مرتبہ قلمس نے لوگوں سے کہا کہ ہمارے ساتھ جنگ کے لئے نکلو تو لوگوں نے کہا کہ یہ تو حرمت والا مہینہ ہے۔ اس نے اس کا حل تجویز کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس سال اس کو مؤخر کر دیتے ہیں، اس سال یہ دونوں (محرم اور صفر) مہینے صفر ہیں اور آئندہ سال ہم ان دونوں کو محرم قرار دے لیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔ جب اگلا سال آیا تو اس نے کہا کہ ماہ صفر میں لڑائی مت کرو، اسے بھی محرم کے ساتھ حرام کر لو۔ بہرکیف یہ قول بہت عجیب و غریب اور محل نظر ہے کیونکہ اس طرح تو وہ ایک سال تین مہینوں کو اور آئندہ سال پانچ مہینوں کو حرمت والا قرار دیتے تھے، بھلا اس قول کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان یُحِلُّوْنَہٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَہٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ مجاہد سے بھی ایک عجیب قول منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالحجہ میں حج فرض کیا، مشرکین ذوالحجہ کو محرم کا نام دے لیتے، باقی مہینوں کی ترتیب وہی رہتی۔ جب سال کے اختتام پر ذوالحجہ کا مہینہ آتا تو اس میں ایک مرتبہ پھر حج کرتے، پھر محرم کے متعلق سکوت اختیار کر لیتے اور اس کا ذکر ہی نہ کرتے۔ پھر دوبارہ اس کا نام صفر رکھ دیتے، پھر رجب کو جمادی الآخرۃ، پھر شعبان کو رمضان، پھر شوال کو رمضان، پھر ذوالقعدہ کو شوال، پھر ذوالحجہ کو ذوالقعدہ اور پھر محرم کو ذوالحجہ قرار دے کر اس میں حج کرتے اور اسے ذوالحجہ کا ہی نام دیتے۔ پھر وہ اس عمل کا اعادہ کرتے، اس طرح وہ دو سال ہر مہینے میں حج کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس سال حج کیا، اس سال مشرکین کی گنتی کے مطابق دوسرے برس کا ماہ ذوالقعدہ تھا۔ پھر جب نبی کریم ﷺ نے حج ادا فرمایا تو اس وقت ذوالحجہ کا ہی مہینہ تھا، یہی بات آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمائی کہ ''زمانہ گھوم کر اپنی اس اصلی حالت پر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کی''(3)۔ مجاہد کا قول بھی محل اعتراض ہے کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حج اگر ذوالقعدہ میں ہوا ہے تو یہ کیسے درست ہو سکتا ہے اور یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے جبکہ فرمان الٰہی ہے: وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۙ وَرَسُوْلُہٗ (التوبہ:3) ''اور اعلان عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں کے لئے بڑے حج کے دن کہ اللہ تعالیٰ بری ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول بھی''۔ اس فرمان کی منادی حج ابوبکر میں کی گئی، اگر یہ حج ذوالحجہ میں نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے ''یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ'' (حج اکبر کا دن) نہ فرماتا اور ان کے **فعل نسیء** (تقدیم و

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 130
2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 131
3۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 131

تاخیر) سے مجاہد کی یہ بات لازم نہیں آتی کہ سال ان پر گھومتا رہتا اور وہ دو سال ہر ایک مہینہ میں حج کرتے کیونکہ نسی ء تو اس تکلف کے بغیر بھی حاصل ہو سکتی ہے، کیونکہ وہ ایک سال محرم کو حلال کر لیتے اور اس کے عوض صفر کو حرام قرار دے لیتے اور اس طرح سال کے بقیہ مہینے اپنی اپنی جگہ اپنے اصلی ناموں کے ساتھ برقرار رہتے۔ پھر دوسرے سال وہ محرم کو حرام قرار دیتے اور اسے اپنی حرمت پر ہی چھوڑ دیتے اور سال کے باقی مہینے اپنی اپنی ہیئت پر باقی رہتے۔ گویا وہ ایک سال محرم کو حلال اور دوسرے سال حرام گردانتے تا کہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مہینوں کی گنتی میں موافقت پیدا کر دیں۔ چنانچہ ان کا طریقہ یہ تھا کہ کبھی تو وہ لگا تار تین حرمت والے مہینوں میں سے تیسرے مہینہ (محرم) کی حرمت کو مقدم رکھتے اور کبھی اسے ماہ صفر کی طرف مؤخر کر دیتے۔ باقی جہاں تک حضور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کہ ''زمانہ گھوم گھما کر اپنی ہیئت پر آ گیا ہے'' کا تعلق ہے، اس کے متعلق گفتگو ہم کر چکے ہیں، یعنی مہینوں کی گنتی اور حرمت و عزت والے مہینوں کی تحریم اس نظام کے موافق ہو گئی ہے جو نظام شروع سے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا تھا نہ کہ جاہل عربوں کے مطابق جو نسئی پر اعتقاد رکھتے تھے۔ ابن ابی حاتم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عقبہ میں کھڑے ہوئے جہاں مسلمانوں کا جم غفیر جمع تھا، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: ''نسئی (تقدیم و تاخیر) شیطان کی طرف سے کفر میں زیادتی ہے جس سے وہ کفار کو گمراہ کرتا ہے، وہ ایک سال اسے (محرم) حلال کر لیتے اور دوسرے سال حرام۔'' یہی ان کا وطیرہ تھا کہ وہ ایک سال محرم کو حرام سمجھتے اور صفر کو حلال، پھر محرم کو حلال قرار دے لیتے، یہی نسئی ہے، امام محمد بن اسحاق نے اپنی کتاب السیرۃ میں اس پر بہت عمدہ اور مفید گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے نسئی اور حلال و حرام مہینوں میں تغیر و تبدل کی طرح ڈالنے والا قلمس تھا، اس کا نسب یہ ہے: حذیفہ بن عبد فقیم بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، پھر اس کے بعد اس کے بیٹے عباد نے اس کی جگہ لی، پھر عباد کے بعد اس کا بیٹا قلع، پھر اس کا بیٹا امیہ، پھر امیہ کا بیٹا عوف، پھر آخر میں ابو ثمامہ جنادہ بن عوف۔ اسی کے زمانہ میں اسلام کا ظہور ہوا۔ عرب جب حج سے فارغ ہوتے تو اس کے پاس جمع ہو جاتے یہ انہیں خطبہ دیتا۔ رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کی حرمت بیان کرنے کے بعد ایک سال محرم کو حلال کر دیتا اور اس کی جگہ صفر کو حرام قرار دیتا اور دوسرے سال محرم کو حرام رکھتا تا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کردہ مہینوں کی گنتی موافق رہے۔ یعنی وہ اللہ کے حرام کردہ مہینہ کو حلال اور حلال کردہ کو حرام کر دیتا تھا(1)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۳۸ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَـيْـــًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۹

''اے ایمان والو! کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ جب کہا جاتا ہے تمہیں کہ نکلو راہ خدا میں تو بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو۔ کیا تم نے پسند کر لی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں۔ سو نہیں ہے سر و سامان دنیوی زندگی کا آخرت میں مگر قلیل اگر تم نہیں نکلو گے تو اللہ عذاب دے گا تمہیں دردناک عذاب۔ اور بدل کر لے آئے گا کوئی دوسری قوم تمہارے علاوہ۔ اور تم

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 44

نہ بگاڑ سکو گے اس کا کچھ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔

اللہ تعالیٰ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک سفر نہ ہونے والوں کو عتاب فرما رہا ہے، اس وقت سخت گرمی کا موسم تھا، پھل پک چکے تھے اور سائے گھنے ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ ...... یعنی اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمہیں راہ خدا میں جہاد کی دعوت دی جاتی ہے تو تم بوجھل اور کاہل بن کر عیش پرستی، راحت و آرام اور پکے ہوئے پھلوں کی طرف مائل ہو جاتے ہو، کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کو پسند کر لیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ دنیا سے اعراض اور آخرت میں رغبت دلاتے ہوئے فرماتا ہے: فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایسے ہی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی اس انگلی (اور اپنی شہادت کی انگلی کے ساتھ آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا) کو سمندر میں ڈبوتا ہے، اسے دیکھنا چاہئے کہ اس کی انگلی کیا چیز لیکر لوٹی ہے؟'' (1)۔ ابو عثمان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے بصرہ میں اپنے دوستوں سے سنا ہے کہ آپ یہ حدیث بیان کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلہ میں ایک لاکھ کا اجر عطا فرماتا ہے۔'' حضرت ابو ہریرہ فرمانے لگے بلکہ میں نے تو یہ بھی سن رکھا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلہ میں دو لاکھ کا ثواب عطا فرماتا ہے۔'' پھر آپ نے آیت کے اس حصہ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ کی تلاوت کی۔ دنیا میں سے جو گزر چکا اور جو باقی ہے وہ سب اللہ کے نزدیک قلیل ہے۔ حضرت اعمش اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ دنیاوی مال و متاع تو ایک مسافر کے زادِ راہ کی طرح ہے۔ ابن ابی حازم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ جب عبدالعزیز بن مروان کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو کہنے لگے کہ میرے پاس میرا کفن لاؤ تاکہ میں اسے دیکھ لوں۔ جب کفن ان کے سامنے رکھا گیا تو اس پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگے کہ اس بڑی دنیا سے میرا حصہ صرف یہی (کفن) ہے جو میں لئے جا رہا ہوں، پھر پیٹھ پھیر کر رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہائے دنیا! تم پر افسوس، تمہارا کثیر بھی قلیل ہے اور تمہارا قلیل تو بہت ہی معمولی ہے اگرچہ ہم تمہارے بارے میں فریب خوردہ رہے۔ پھر ترک جہاد پر دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: ''اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قبیلہ کو راہ جہاد میں نکلنے کے لئے کہا لیکن انہوں نے سستی کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا، یہ ان کے لئے عذاب تھا۔ مزید فرمایا: وَیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ یعنی اگر تم اللہ کے نبی اور دین کی نصرت و حمایت کے لئے کمربستہ نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ تمہارے بدلہ میں اور قوم لے آئے گا جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ (محمد: 38) ''اور اگر تم روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کر دیئے جاؤ گے) اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے''۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَلَا تَضُرُّوْهُ شَیْـًٔا ...... یعنی جہاد سے انحراف اور کاہلی کا مظاہرہ کر کے تم اللہ تعالیٰ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ تمہارے بغیر بھی دشمن کو مغلوب کرنے پر قادر ہے۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ یہ آیت کریمہ اور یہ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (التوبہ: 41) ''(جہاد کے لئے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھل''، اور یہ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ (التوبہ: 120) ''نہیں مناسب تھا مدینہ والوں کے لئے اور جو ان کے اردگرد دیہاتی لوگ ہیں کہ پیچھے بیٹھ رہتے اللہ کے رسول پاک سے''۔ اس فرمان الٰہی: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ (التوبہ: 122) ''اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن نکل کھڑے ہوں سارے کے سارے۔ تو کیوں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، احمد 2193، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 228-229

نہ نکلے ہر قبیلہ سے چند آدمی'' کے ساتھ منسوخ ہیں، یہ قول حضرات ابن عباس، عکرمہ، حسن اور زید بن اسلم سے منقول ہے لیکن ابن جریر اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حکم تو ان لوگوں کے متعلق ہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کی دعوت دیں تو ان پر جہاد کے لئے نکلنا ضروری ہو جاتا ہے، اگر وہ جہاد کو ترک کر دیں تو سخت عتاب کے سزاوار ٹھہریں گے (1)۔ یہ توجیہ عمدہ ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

''اگر تم مدد نہ کرو گے رسول کریم کی تو (کیا ہوا) ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ نے جب نکالا تھا ان کو کفار نے۔ آپ دوسرے تھے دو سے جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر نازل کی اللہ نے اپنی تسکین ان پر اور مدد فرمائی ان کے ایسے لشکروں سے جنہیں تم نے نہ دیکھا اور کر دیا کافروں کی بات کو سرنگوں اور اللہ کی بات ہی ہمیشہ سربلند ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم اللہ کے رسول کی مدد نہیں کرو گے تو کیا ہوا، وہ بذات خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حامی و ناصر اور محافظ و مؤید ہے جیسا کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت مدد کی جب ہجرت کے سال کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکال دیا۔ مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے، قید میں ڈالنے یا جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سچے دوست اور ساتھی حضرت ابوبکر بن قحافہ کو لیکر مکہ سے نکلے، تین دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں پناہ لی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے والے واپس پلٹ جائیں اور وہ مدینہ شریف کی طرف عازم سفر ہو جائیں۔ غار ثور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھبراہٹ کا شکار ہو کر یہ سوچنے لگے کہ کہیں کفار ان کی اطلاع پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے کے درپے نہ ہو جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دلاسا اور اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا: ''اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے؟'' حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ میں نے غار کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اگر ان میں سے کوئی اپنے قدموں پر نظر ڈالے تو ضرور اپنے قدموں کے نیچے ہمیں دیکھ لے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا گمان ہے اللہ جن کا تیسرا ہو'' (2)۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تائید و نصرت سے نوازا۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سکون و اطمینان نازل کیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے سے ہی پرسکون تھے لیکن یہ تجدید تسکین کے منافی نہیں ہے، اس لئے فرمایا: وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کفار کے کلمہ سے مراد شرک ہے اور اللہ کا کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی بہادری کے جوہر دکھانے کے لئے لڑتا ہے، دوسرا حمیت کی خاطر جنگ کرتا اور تیسرا محض دکھاوے کے لئے، تو ان میں سے کون راہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 135

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 6 صفحہ 83، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ 1854 وغیرہ

خدا کا مجاہد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اس مقصد کے لئے جنگ کی تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو وہ راہ خدا کا مجاہد ہے''(1)۔

وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ اللہ تعالیٰ انتقام لینے اور غلبہ پانے میں سب سے زیادہ طاقتور ہے، اس کے دروازے پر پناہ لینے والے اور اس کے فرمان کو مضبوطی سے تھامنے والے کو ظلم کا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا اور وہ اپنے اقوال وافعال میں حکیم بھی ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

''(جہاد کے لئے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں۔ یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (اپنا نفع نقصان) جانتے ہو''۔

ابوالضحیٰ مسلم بن صبیح کہتے ہیں کہ یہ آیت سورۂ برأت کی نازل ہونے والی سب سے پہلی آیت ہے۔ ایک حضرمی کا خیال ہے کہ جب لوگوں میں سے کوئی علیل یا کبیر السن ہوتا تو وہ کہتا کہ میں گناہ کا ارتکاب نہیں کروں گا، اس وقت یہ آیت کریمہ اتری۔ اس میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو غزوۂ تبوک کے سال رسول اللہ ﷺ کی معیت میں اہل کتاب کے رومی کفار کے ساتھ جنگ کے لئے نکلنے کا حکم فرما رہا ہے۔ مومنوں پر ہر حال میں یہ حکم حتمی ہے، خواہ رضا کارانہ نکلیں یا بادل نخواستہ، خواہ تنگی ہو یا آسانی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''خِفَافًا'' اور ''ثِقَالًا'' سے مراد یہ ہے کہ خواہ تم بوڑھے ہو یا جوان کسی کا بھی عذر اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔ پھر وہ شام کی طرف نکلے اور جہاد کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جب سورت برأت کی تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے تو فرمانے لگے: میرا خیال یہ ہے کہ ہمارا رب ہمیں جہاد پر نکلنے کے لئے کہہ رہا ہے خواہ ہم بوڑھے ہوں یا جوان، اس لئے اے میرے بیٹو! میرا سامان تیار کرو۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے عرض کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شرکت کی یہاں تک کہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا، اسی طرح آپ حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ادوار میں بھی مسلسل جہاد کرتے رہے۔ اب ہم آپ کی طرف سے جہاد میں شریک ہوں گے لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے سفر کا عزم کر لیا۔ چنانچہ کشتی پر سوار ہو گئے، دوران سفر ہی کشتی میں آپ کا وصال ہو گیا۔ نو دنوں تک کوئی جزیرہ نہ آیا جس میں آپ کو دفنایا جاتا۔ نو دن کے بعد جب آپ کو دفن کیا گیا تو آپ کا جسم مبارک جوں کا توں تھا، اس میں ذرا بھی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ حضرات ابن عباس، عکرمہ، ابوصالح، حسن بصری، سہیل بن عطیہ، مقاتل بن حیان، شعبی، زید بن اسلم اور دیگر متعدد علماء سے ''خِفَافًا'' و ''ثِقَالًا'' کی یہی تفسیر منقول ہے یعنی بوڑھے اور جوان۔ مجاہد اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ خواہ تم جوان ہو یا بوڑھے، غنی ہو یا مسکین۔ ابوصالح وغیرہ نے بھی یہی کہا ہے۔ حکم بن عتیبہ کہتے ہیں کہ تم مشغول ہو یا غیر مشغول۔ عوفی حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر نقل کرتے ہیں کہ طوعاً و کرہاً جہاد کے لئے نکلو۔ ابن ابی نجیح مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ اہل ایمان کہنے لگے: ہم میں بھاری بھر کم بھی ہیں، ضرورت مند بھی، جاگیردار بھی، مصروف کار بھی اور خوشحال بھی۔ اس پر آیت کریمہ اتری اور اللہ تعالیٰ نے کسی کا بھی عذر قبول نہ کیا۔ حضرت حسن بصری خوشحالی اور تنگی سے بھی اس آیت کی تفسیر بیان کرتے۔ بہرکیف ان تمام معانی وتفاسیر کا احتمال ہے کیونکہ آیت کے اندر عموم پایا جاتا ہے۔ امام ابوعمرو اوزاعی کہتے ہیں کہ جب اندرون روم جہاد مقصود ہو تو لوگ ہلکے پھلکے اور سوار ہو کر چلیں اور اگر ساحل سمندر پر لڑائی کا حکم ہو تو ہلکے پھلکے اور بوجھل، سوار اور

1۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 44، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ 1512-1513

پیدل ہر حالت میں نکلیں، یہ مسئلہ کی تفصیل ہے۔ حضرات ابن عباس، محمد بن کعب، عطاء خراسانی وغیرہ کا قول ہے کہ یہ آیت کریمہ اس آیت فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ (التوبہ:122) ''تو کیوں نہ نکلے ہر قبیلہ سے چند آدمی'' سے منسوخ ہے، اس کے متعلق گفتگو ان شاء اللہ عنقریب ہوگی۔ سدی ''خِفَافًا'' و ''ثِقَالًا'' کا معنی بیان کرتے ہیں: غنی اور فقیر، قوی اور ضعیف۔ ایک فربہ اندام بھاری بدن شخص (غالباً حضرت مقداد) حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور موٹاپے کی شکایت کر کے جنگ میں شریک نہ ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو یہ حکم صحابہ کرام پر بہت گراں گزرا تو اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کرتے ہوئے فرمایا: لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى وَ لَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (التوبہ:91) ''نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جو نہیں پاتے وہ مال جسے خرچ کریں (اگر یہ پیچھے رہ جائیں) کوئی حرج جب کہ وہ مخلص ہوں اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے''۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، پھر آپ تمام زندگی سوائے ایک سال کے کسی غزوہ سے پیچھے نہ رہے۔ آپ یہ آیت پڑھ کر فرماتے کہ میں بھی ان دونوں حالتوں سے خالی نہیں ہوں، خفیف ہوں یا ثقیل۔ حضرت ابوراشد حرانی بیان کرتے ہیں کہ میں حمص میں شاہسوار رسول ﷺ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے ملا۔ آپ تابوت میں بیٹھے جہاد کے لئے جا رہے تھے اور حالت یہ تھی کہ آپ کی ہڈی اتر گئی ہے۔ میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو آپ معذور ہیں۔ آپ فرمانے لگے کہ ہمارے بارے میں سورۂ بحوث (برأت) اتری جس میں یہ حکم ہے: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا (1)۔ حیان بن زید شرعبی کہتے ہیں کہ ہم والی حمص صفوان بن عمرو کے ساتھ جراجمہ کی جانب جہاد کیلئے نکلے۔ میں نے دمشق کے ایک عمر رسیدہ شیخ فانی کو دیکھا کہ جس کے ابرو آنکھوں پر گر چکے ہیں لیکن پھر بھی شریک جہاد ہے۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: اے چچا جان! آپ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معذور ہیں۔ اس نے اپنے ابرو اٹھا کر کہا: اے میرے بھتیجے! اللہ تعالیٰ نے خفیف اور ثقیل دونوں حالتوں میں ہمیں جہاد کو نکلنے کے لئے کہا ہے۔ سنو، اللہ تعالیٰ جس شخص سے محبت فرماتا ہے، اسے آزماتا ہے (2)۔ پھر اسے اجر عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف اپنے شکر گزار، صابر ذاکر اور عبادت گزار بندوں کو ہی آزماتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنے رسول کی رضا اور خوشنودی کے لئے جان و مال کا نذرانہ پیش کرنے کی رغبت دلاتے ہوئے فرماتا ہے: وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ...... یعنی یہ دنیا و آخرت میں تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ تم خرچ کم کرتے ہو لیکن اس کے عوض تمہیں دنیا میں بہت سا مال غنیمت حاصل ہو جاتا ہے اور آخرت میں جس عزت سے نوازا جائے گا وہ اس پر مستزاد ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کا کفیل ہے، اگر وہ اسے (شہادت کی) موت دے دے تو اسے جنت میں داخل فرماتا ہے اور اگر اسے اپنے گھر کی طرف لوٹا دے تو اجر و غنیمت کے ساتھ'' (3)۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:216) ''فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد اور وہ ناپسند ہے تمہیں اور ہو سکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو اور (حقیقت حال) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: ''اسلام

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 139-140 • 2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 138

3۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 166، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ: 1496

لے آؤ۔" اس نے کہا کہ میں اس کی طرف رغبت نہیں پاتا۔ تو آپ علیہ نے فرمایا: "مسلمان ہو جاؤ اگرچہ تمہارا جی نہ بھی چاہے"(1)۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾

"اگر ہوتا وہ مال نزدیک یا سفر آسان تو ضرور پیچھے چلتے آپ کے لیکن دور معلوم ہوتی ہے انہیں مسافت۔ اور ابھی قسم کھائیں گے اللہ کی (اور کہیں گے) کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور نکلتے تمہارے ساتھ۔ ہلاک کر رہے ہیں اپنے آپ کو اور اللہ جانتا ہے کہ وہ قطعاً جھوٹے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو زجر و توبیخ فرما رہا ہے جو غزوۂ تبوک میں نبی کریم علیہ کے ساتھ شریک نہ ہوئے اور طرح طرح کے عذر اور بہانے تراش کر جہاد میں عدم شرکت کی اجازت لے لی۔ فرمایا: لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا...... یعنی اگر آسانی سے حاصل ہونے والا مال غنیمت ہوتا اور قریب کا سفر درپیش ہوتا تو یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ شریک جہاد ہو جاتے لیکن شام کا سفر ان پر بہت شاق اور بھاری ہے۔ جب تم لوگ ان کے پاس واپس لوٹو گے تو یہ اللہ کے نام کی قسمیں اٹھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے اندر استطاعت ہوتی اور کوئی عذر نہ ہوتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کو تو علم ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

"درگزر فرمایا ہے اللہ نے آپ سے (لیکن) کیوں آپ نے اجازت دے دی تھی انہیں یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے آپ پر وہ لوگ جنہیں نے سچ کہا اور آپ جان لیتے جھوٹوں کو۔ نہ اجازت مانگیں گے آپ سے جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور روز قیامت پر کہ (نہ) جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے پرہیزگاروں کو۔ صرف وہی اجازت مانگتے ہیں آپ سے جو نہیں ایمان رکھتے اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر اور شک میں مبتلا ہیں ان کے دل تو وہ شک میں ڈانواں ڈول ہیں"۔

کیا ہی خوب عتاب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عتاب سے پہلے ہی عفو کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ؟ قتادہ کہتے ہیں کہ یہاں تو عتاب ہے لیکن سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ کو رخصت عطا فرمائی کہ اگر آپ چاہیں تو انہیں اجازت دے سکتے ہیں، فرمایا: فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ (النور:62) "پس جب وہ اجازت مانگیں آپ سے اپنے کسی کام کے لئے، تو اجازت دیجئے ان میں سے جسے آپ چاہیں"۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ چند لوگوں کے بارے میں اتری۔ وہ ایک

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 109-181

دوسرے سے کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرو۔ اگر تمہیں اجازت مل جائے تو اپنے گھر بیٹھ جانا اور اگر اجازت نہ ہو تو بھی شریک جہاد نہ ہونا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب انہوں نے عذر ظاہر کر کے آپ سے اجازت چاہی تو آپ نے انہیں کیوں چھوڑ دیا۔ آپ ان میں سے کسی کو بھی عدم شریک جہاد ہونے کی اجازت نہ دیتے تاکہ آپ کو علم ہو جاتا کہ آپ کی اطاعت کا اظہار کرنے میں سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ وہ تو پہلے ہی سے غزوہ میں عدم شرکت کا عزم کئے ہوئے تھے اگرچہ آپ انہیں اجازت نہ بھی دیتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دے دی کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص بھی غزوہ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت طلب نہیں کرتا کیونکہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے لوگ جہاد کو قرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور جب انہیں جہاد کی دعوت دی جاتی ہے تو فوراً تعمیل ارشاد کرتے ہوئے نکل کھڑے ہوتے ہیں، پھر فرمایا کہ جہاد میں عدم شرکت کی اجازت وہ لوگ طلب کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ہی ثواب آخرت کے امیدوار ہیں۔ حضور ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کی صحت میں انہیں شک ہے، اسی شک میں یہ حیران اور متردد ہیں، ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں تو دوسرا پیچھے ہٹاتے ہیں، کسی معاملہ میں انہیں ثابت قدمی اور استقلال حاصل نہیں۔ یہ حیران و ششدر ہلاکت کے گڑھے میں گرنے والی قوم ہے۔ یہ نہ ادھر کے ہیں اور نہ ادھر کے۔ اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کر دے اس کی کوئی راہ ہدایت نہیں۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝٤٦ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاْاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝٤٧

"اور اگر انہوں نے ارادہ کیا ہوتا (جہاد پر) نکلنے کا تو انہوں نے تیار کیا ہوتا اس کے لئے کچھ سامان لیکن ناپسند کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے کھڑے ہونے کو اس لئے پست ہمت کر دیا انہیں اور کہہ دیا گیا تم بیٹھے رہو بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ۔ اگر نکلتے تمہارے (لشکر) میں تو نہ زیادہ کرتے تم میں بجز فساد کے اور دوڑ دھوپ کر کے تمہارے درمیان فتنہ پردازی کرتے۔ اور تم میں ان کے جاسوس (اب بھی) موجود ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو"۔

اگر ان لوگوں کا جہاد کا ارادہ ہوتا تو ضرور اس کے لئے تیاری کرتے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہی نہ تھی کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ جہاد کے لئے نکلتے، اس لئے انہیں پیچھے ہی رکھا اور کہہ دیا گیا کہ تم بھی بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی معیت میں ان کے خروج کے لئے اپنی کراہت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا ...... چونکہ یہ لوگ بزدل اور بے یار و مددگار رہیں اس لئے یہ اگر تمہارے ساتھ نکلتے بھی تو تمہارے درمیان فساد میں ہی اضافہ کرتے اور چغل خوری کے ذریعے تمہارے اندر بغض، عداوت اور فتنہ کی آگ بھڑکا دیتے۔

وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ یعنی تمہارے اندر ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ان کی اطاعت کرتے ہیں، انہیں مخلص سمجھتے ہوئے ان کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں۔ یہ بھولے لوگ ان کی شرانگیز فطرت سے بے خبر ہیں جس کا لازمی نتیجہ مسلمانوں کے درمیان بہت بڑے فتنہ، شر اور فساد کی صورت میں نکلتا ہے۔ مجاہد، زید بن اسلم اور ابن جریر اس کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ تمہارے اندر ایسے جاسوس ہیں جو تمہاری باتیں سن

کر ان تک پہنچا دیتے ہیں لیکن اس تفسیر سے ان کے اہل ایمان کے ساتھ نکلنے کی خصوصیت باقی نہیں رہتی بلکہ یہ تو تمام احوال میں عام ہے، اس لئے پہلی تفسیر ہی سیاق کی مناسبت سے زیادہ موزوں ہے جسے قتادہ اور دیگر مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اجازت طلب کرنے والوں میں عبداللہ بن ابی ابن سلول اور جد بن قیس بھی تھے، یہ اپنی اپنی قوم میں بڑے جاہ و مرتبہ والے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں پیچھے ہی رکھا کیونکہ اسے یہ علم تھا کہ یہ ناہنجار لشکر اسلام کے ساتھ شریک ہو کر ان میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائیں گے اور لشکر کے اندر ایسے لوگ بھی موجود تھے جو ان کے جاہ و مرتبہ کے باعث ان سے محبت و عقیدت رکھتے تھے اور ان کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے علم تام کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ یعنی جو کچھ ہوا، جو ہونے والا ہے اور جو وقوع پذیر نہیں ہوا، ان سب کو اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے اس لئے فرمایا: لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا ان کی حالت کے متعلق آگاہ کیا کہ اگر وہ نکلتے تو کیا ہوتا، باوجود اس کے وہ جہاد کے لئے نکلے ہی نہیں۔ اس لئے ارشاد فرمایا: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (الانعام: 28)۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (الانفال: 23) "اور اگر جانتا اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی تو انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر سنا دیتا انہیں (قبول حق کی استعداد کے بغیر) تو وہ پیٹھ پھیر دیتے روگردانی کرتے ہوئے"۔ مزید فرمایا: وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (النساء: 68-66) "اور اگر ہم فرض کر دیتے ان پر کہ قتل کرو اپنے آپ کو یا نکل جاؤ اپنے گھروں سے تو نہ بجا لاتے اس کو مگر چند آدمی ان میں سے اور اگر وہ کرتے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہوتا بہتر ان کے لئے اور اس طرح سختی سے (اللہ کے احکام پر) ثابت قدم ہو جاتے تو اس وقت ہم بھی عطا فرماتے انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم اور ضرور پہنچاتے انہیں سیدھے راستہ تک"۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ ۴۸

"(اے حبیب!) وہ کوشاں رہے فتنہ انگیزی میں پہلے بھی اور الٹ پلٹ کرتے تھے آپ کے لئے تجویزیں یہاں تک کہ آ گیا حق اور غالب ہوا اللہ کا حکم اور وہ ناخوش تھے"۔

اللہ تعالیٰ منافقین کے خلاف اپنے نبی علیہ السلام کو ابھار رہا ہے یعنی یہ وہ بدفطرت لوگ ہیں جنہوں نے اے میرے پیارے رسول، طویل عرصہ اپنے افکار و آراء اس مقصد کے حصول میں جھونک دیئے تاکہ وہ آپ اور آپ کے صحابہ کے خلاف سازش کے جال بچھا دیں اور دین کو بے یار و مددگار چھوڑ کر اس کے چراغ کو بجھا دیں۔ مدینہ شریف میں قدم رنجہ فرماتے ہی تمام عرب اکٹھے ہو کر پل پڑے اور دوسری طرف مدینہ کے یہود اور منافقین بھی آپ ﷺ کے ساتھ برسر پیکار ہو گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں آپ ﷺ کو فتح و نصرت سے نوازا اور اپنا کلمہ بلند کر دیا تو عبداللہ بن ابی اور اس کے دیگر منافق ساتھی کہنے لگے کہ یہ امر تو غالب آ چکا ہے، چنانچہ علی الاعلان مقابلہ کی طاقت نہ پاتے ہوئے وہ بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر جب بھی اللہ تعالیٰ اسلام اور اہل اسلام کو عزت اور غلبہ عطا فرماتا تو یہ تیخ پا ہو جاتے، اسی لئے فرمایا: حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

''اوران میں سے بعض کہتے ہیں اجازت دیجئے مجھے (کہ گھر ٹھہرا رہوں) اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے۔خبر دار فتنہ میں تو وہ گر چکے۔اور بے شک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۔''

منافقین میں سے ایک شخص ایسا بھی ہے جو اے میرے رسول، آپ سے یہ کہتا ہے کہ مجھے گھر بیٹھے رہنے کی اجازت دے دیں اور رومی عورتوں کے سبب مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنے اس کرتوت کی وجہ سے خود ہی فتنہ میں پڑ چکے ہیں۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے بنوسلمہ کے رئیس جد بن قیس سے فرمایا: ''اے جد! کیا تم اس سال رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہو؟'' وہ کہنے لگا: یارسول اللہ! آپ تو مجھے معاف ہی رکھیں اور آزمائش میں نہ ڈالیں، اللہ کی قسم! میری قوم اچھی طرح جانتی ہے کہ مجھ سے زیادہ عورتوں کا رسیا اور مشتاق کوئی نہیں، مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر میں نے رومی عورتوں کو دیکھ لیا تو ان سے باز نہیں رہ سکوں گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے اعراض کرتے ہوئے اسے اجازت دے دی۔ تو جد بن قیس کے بارے میں ہی یہ آیت اتری۔ یعنی اسے تو رومی عورتوں سے خطرہ تھا، حالانکہ یہ تو محض بہانہ تھا۔ اصل فتنہ وآزمائش جس سے وہ دوچار ہوا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑنا تھا، درحقیقت اسے اپنی جان بچانے کی رغبت زیادہ تھی(1)۔ یہ منافق بنوسلمہ کا رئیس تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا: اے بنوسلمہ! تمہارا سردار کون ہے؟'' کہنے لگے کہ جد بن قیس جو پرلے درجے کا بخیل ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بخل سے زیادہ بری بیماری کونسی ہو سکتی ہے! اب تمہارا سردار نوجوان خوبرو بشر بن براء بن معرور ہے''(2)۔ آیت کے آخر میں فرمایا کہ جہنم کافروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے جس سے بچ نکلنے یا فرار ہو جانے کی کوئی راہ نہیں۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ يَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

''اگر پہنچے آپ کو کچھ بھلائی تو بری لگتی ہے انہیں۔اور اگر پہنچے آپ کو کوئی مصیبت تو کہیں کہ ہم نے درست کر لیا تھا اپنا کام پہلے ہی اور لوٹتے ہیں خوشیاں مناتے ہوئے۔آپ فرمائیے ہرگز نہیں پہنچے گی ہمیں کوئی تکلیف بجز اس کے جو لکھ دی ہے اللہ نے ہمارے لئے۔وہی ہمارا حامی و ناصر ہے اور اللہ پر ہی توکل کرنا چاہئے مومنوں کو۔''

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو ان بدبختوں کی آپ کے ساتھ عداوت سے آگاہ فرما رہا ہے کہ جب بھی آپ کو فتح و نصرت سے نوازا جاتا ہے تو آپ اور آپ کے صحابہ تو بہت مسرور ہوتے ہیں لیکن ان منافقین کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے اور یہ ناشاد ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی ناسازگار چیز آپ کو پہنچے تو یہ کم بخت خوشی سے اچھلتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کی متابعت سے احتراز کر کے پہلے ہی احتیاطی تدابیر کر لی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو ان کی عداوت کا جواب تلقین کرتے ہوئے فرماتا ہے: قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَا...... یعنی اے میرے محبوب! آپ انہیں کہہ دیں کہ ہمیں صرف وہی مصیبت پہنچ سکتی ہے جو ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے مقدر فرما دی ہے، ہم اس کی مشیت اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 148-149، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 516 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 308، سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 461

تقدیر کے ماتحت ہیں، وہی ہمارا مولیٰ ہے، ہم اسی پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں، وہی ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

"فرمایئے کیا تم منتظر ہو ہمارے متعلق (کہ ہم مارے جائیں یہ مرنا نہیں) مگر ایک بھلائی ان دو بھلائیوں سے (جن کے ہم خواہاں ہیں) اور ہم انتظار کرتے ہیں تمہارے لئے کہ پہنچائے تمہیں اللہ عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے پس تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔ فرمایئے خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا تم سے بے شک تم ایک نافرمان قوم تھے۔ اور نہیں منع کیا ہے انہیں کہ قبول کئے جائیں ان سے ان کے اخراجات سوائے اس کے کہ انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور نہیں آتے نماز ادا کرنے کے لئے مگر سست سست اور نہیں خرچ کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناخوش ہیں"۔

اے میرے محبوب! آپ ان منافقین سے کہہ دیں کہ تم ہمارے بارے میں دو بھلائیوں میں سے ایک کا انتظار کر رہے یعنی شہادت یا فتح ونصرت، لیکن ہم تمہارے بارے میں اس بات کے منتظر ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے عذاب بھیج کر سزا دے یا پھر ہمارے ہاتھوں سے تمہیں قید اور قتل کرے۔ اس لئے تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا...... یعنی اے منافقو! تم خوشی خوشی خرچ کرو یا بادل نخواستہ، وہ کبھی بھی قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ تم فاسق لوگ ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے نفقات کی عدم قبولیت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ...... یعنی وہ اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کے ساتھ کفر کے مرتکب ہوئے اور اعمال کی قبولیت کا دارومدار ایمان پر ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ جب نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں تو انتہائی بے دلی سے گرتے پڑتے حاضر ہوتے ہیں یعنی اعمال بجالانے کی بھی ان میں ہمت اور قصد نہیں۔ مزید برآں جب یہ خرچ کرتے ہیں تو بڑی بددلی سے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ اس وقت تک نہیں اکتاتا جب تک تم نہ اکتا جاؤ، اور اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ چیز کو ہی قبول فرماتا ہے"۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان منافقین کے نہ تو کسی نفقہ کو قبول فرماتا ہے اور نہ کسی عمل کو، وہ صرف متقین کی طرف سے قبول فرماتا ہے۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

"سو نہ تعجب میں ڈال دیں تمہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد۔ یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں ان چیزوں سے دنیوی زندگی میں اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ کافر ہوں"۔

یہ فرمان فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ایسے ہی ہے جیسا کہ دو اور مقامات پر فرمایا: اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (طٰہٰ:131) ''اور آپ مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھئے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے کافروں کے چند گروہوں کو یہ محض زیب و زینت ہیں دنیوی زندگی کی (اور انہیں اس لئے دی ہیں) تاکہ ہم آزمائیں انہیں ان سے۔ اور آپ کے رب کی عطا بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے''، اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (المومنون:55) ''کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت) سے تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں''۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا حضرت حسن بصری کے نزدیک ''بِهَا'' کی ضمیر سے مقصود زکوۃ اور انفاق فی سبیل اللہ ہے، چونکہ نہ وہ اپنے اموال کی زکوۃ دیتے ہیں اور نہ خیرات کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انہیں اس کی پاداش میں عذاب دے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ آیت کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیر کلام یوں ہے: فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْاٰخِرَةِ ''دنیاوی زندگی میں ان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ انہیں اس کے بدلہ آخرت میں عذاب دے''۔ ابن جریر نے حضرت حسن کا قول ہی پسند کیا ہے(1)۔ اور یہی قول قوی اور عمدہ ہے۔

وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ اور اللہ تعالیٰ یہ بھی چاہتا ہے کہ جب وہ مریں تو کفر کی حالت میں ہی موت کے گھاٹ اتر جائیں تاکہ یہ ان کے لئے زیادہ تکلیف دہ اور شدت عذاب کا باعث بن جائے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ! یہ ان بدبختوں کے لئے استدراج (نعمتیں عطا کر کے آہستہ آہستہ جہنم میں جھونک دینا) ہے۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝

''اور قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں لیکن وہ ایسی قوم ہیں جو ڈرتے رہتے ہیں۔ اگر مل جائے انہیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا گھس بیٹھنے کی جگہ تو (دیکھئے گا) وہ منہ پھیر لیں گے اس طرف منہ زوری کرتے ہوئے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو ان منافقین کی بزدلی، گھبراہٹ، خوف اور سراسیمگی کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی قسمیں اٹھا کر یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم تو تمہی میں سے ہیں حالانکہ حقیقت میں ان کا تمہارے ساتھ دور کا بھی واسطہ و تعلق نہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ یہ لوگ ڈرپوک ہیں اور مارے خوف کے قسم اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں۔ اگر یہ لوگ کوئی قلعہ، پناہ گاہ یا غار یا سرنگ پا لیں تو تمہیں چھوڑ کر منہ زور گھوڑے کی طرح سرپٹ دوڑتے ہوئے اس کی پناہ لے لیں کیونکہ ان کا تمہارے ساتھ میل جول مجبوری کی وجہ سے ہے نہ کہ محبت کے باعث۔ ان کی دلی خواہش تو یہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ناتا توڑ لیں لیکن ضرورت اور مجبوری کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ اس لئے اسلام جوں جوں ترقی کرتا ہے اور فتح و نصرت، غلبہ و رفعت کے جھنڈے گاڑتا چلا جاتا ہے، توں توں ان کے غم و حزن اور روگ میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ جب بھی مسلمانوں کو خوشی نصیب ہوتی ہے، انہیں یہ خوشی ناگوار گزرتی ہے اور یہ چاہتے ہیں کہ تم سے میل جول نہ رکھیں، اسی لئے فرمایا: لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً......

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 153

وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّلْمِزُكَ فِی الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ یُعْطَوْا مِنْهَاۤ اِذَا هُمْ یَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

''اور بعض ان میں سے طعن کرتے ہیں آپ پر صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں۔ سو اگر انہیں دیا جائے ان سے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں نہ دیا جائے ان سے تو اس وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ اور (کیا اچھا ہوتا) اگر وہ خوش ہو جاتے اس سے جو دیا تھا انہیں اللہ اور اس کے رسول نے۔ اور کہتے کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ۔ عطا فرمائے گا ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اس کا رسول۔ ہم تو اللہ کی طرف ہی رغبت کرنے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے محبوب! ان منافقین میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو تقسیم صدقات کے معاملہ میں آپ پر عیب اور تہمت لاتے ہیں حالانکہ یہ خود متہم اور بدبخت ہیں۔ ان کی ناراضگی کی وجہ مالی منفعت کے سوا کوئی اور نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر تو انہیں صدقات وزکوٰۃ میں سے کچھ حصہ مل جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر نہ ملے تو غصہ سے پیچ وتاب کھانے لگتے ہیں۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس صدقات کا مال آیا، آپ ﷺ نے اسے ادھر ادھر تقسیم کر دیا تو ایک انصاری نے کہا کہ یہ کوئی عدل نہیں ہے، اس وقت یہ آیت اتری۔ قتادہ اس آیت کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے کچھ صدقات کی تقسیم میں آپ پر طعن کرتے ہیں۔ ایک نو مسلم بدو نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اس وقت آپ ﷺ سونا چاندی تقسیم کر رہے تھے، کہنے لگا: اے محمد! اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں عدل کرنے کا حکم دیا ہے تو تم عدل نہیں کرتے۔ تو نبی کریم ﷺ فرمانے لگے: ''تمہاری بربادی ہو! کون ہے جو میرے بعد تمہارے ساتھ عدل کرے''۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے اور اس قماش کے لوگوں سے بچ کر رہنا۔ میری امت میں اس جیسے لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ جب وہ نکلیں تو انہیں قتل کر ڈالو، پھر جب نکلیں تو انہیں قتل کر دو اور پھر جب نکلیں تو انہیں قتل کر ڈالو'' ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے!''، ''نہ تو میں تمہیں کوئی چیز عطا کرتا ہوں اور نہ تم سے کچھ روکتا ہوں، میں تو خازن ہوں''۔ قتادہ نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کے مشابہ صحیحین کی ایک روایت ہے جس کے راوی حضرت ابو سعید ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ حنین سے حاصل شدہ غنائم کی تقسیم کر رہے تھے تو ذوالخویصرہ حرقوص نامی ایک شخص نے آپ ﷺ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ عدل کریں، آپ نے عدل نہیں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو خائب وخاسر ہے اگر میں نے بھی عدل نہیں کیا''۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے جب اسے پیٹھ پھیر کر جاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''اس کی نسل سے ایسی قوم جنم لے گی کہ تم میں سے ایک شخص ان کی نمازوں اور روزوں کے مقابلہ میں اپنی نماز اور روزہ کو حقیر اور معمولی سمجھے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے۔ جہاں کہیں بھی تم انہیں پالو قتل کر ڈالو، آسمان تلے یہ بدترین مقتول ہیں'' (1)۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں اس چیز پر آگاہ کر رہا ہے جو ان کے حق میں اس سے بہتر ہے، فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا...... یہ آیت کریمہ ایک اعلیٰ ادب اور اشرف راز کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ اس میں یہ درس ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عطا پر راضی رہے، صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور رسول ﷺ کی اطاعت، آپ ﷺ کے اوامر کی بجا آوری، نواہی سے اجتناب، آپ ﷺ کی اخبار کی تصدیق اور آپ ﷺ کے نقوش پا کی

1۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6 صفحہ 617-618، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ 744 وغیرہ

اتباع کی توفیق اسی سے طلب کرے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

”زکوٰۃ تو صرف ان کے لئے ہے جو فقیر، مسکین اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والے ہیں اور جن کی دلداری مقصود ہے، نیز گردنوں کو آزاد کرانے اور مقروضوں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے یہ سب فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا دانا ہے“۔

تقسیم صدقات کے معاملہ میں جاہل منافقین کے نبی کریم ﷺ پر اعتراض اور تہمت کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا کہ صدقات کی تقسیم کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے، یہ معاملہ اس نے کسی اور کے سپرد نہیں کیا بلکہ خود ہی ان کی تقسیم فرمائی ہے، خود ہی ان کا حکم بیان کیا ہے اور مذکورہ آٹھ مصارف مقرر کر دیئے ہیں۔ زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں دربار رسالت میں حاضر ہوا اور نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، ایک آدمی آیا اور آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ مجھے زکوٰۃ میں سے کچھ عطا کیجئے۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ صدقات کے معاملہ میں کسی نبی یا غیر نبی کے حکم پر راضی نہیں ہوا یہاں تک کہ خود اس نے تقسیم کر دی ہے اور آٹھ مصارف مقرر کر دیئے ہیں، اگر تو ان میں سے کسی مصرف میں ہے تو میں تمہیں عطا کر دوں گا“ (1)۔ علماء کرام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا ان مذکورہ آٹھ اصناف کو زکوٰۃ دینا واجب ہے یا جن اصناف کو ممکن ہو؟ اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مذکورہ تمام اصناف کو زکوٰۃ دینا واجب ہے، یہ قول امام شافعی اور ایک جماعت کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تمام اصناف میں زکوٰۃ کی تقسیم واجب نہیں ہے بلکہ بقیہ اصناف کے ہوتے ہوئے ایک کو ہی تمام کی تمام زکوٰۃ دے دینا بھی درست ہے۔ یہ قول امام مالک، سلف اور خلف کی ایک جماعت کا ہے جن میں حضرات عمر، حذیفہ، ابن عباس، ابوالعالیہ، سعید بن جبیر اور میمون بن مہران شامل ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ عام اہل علم کا یہی قول ہے۔ بہرکیف آیت کریمہ میں اصناف کا ذکر مصارف بیان کرنے کے لئے ہے نہ کہ ان سب اصناف کو دینے کے وجوب کے لئے (2)۔ ان اقوال کے دلائل اور بحث و مناظرہ کا یہ مقام نہیں۔ آیت کریمہ میں فقراء کو بقیہ اصناف پر مقدم رکھا کیونکہ شدت فاقہ و احتیاج کے باعث وہ دوسروں سے زیادہ محتاج ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسکین فقیر سے بھی زیادہ بری حالت والا ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ نہیں ہے جس کے پاس مال نہ ہو بلکہ فقیر سے مراد تنگدست اور مفلوک الحال ہے اگرچہ وہ کچھ کما بھی لیتا ہو۔ اس روایت میں ”اخلق“ کا لفظ آیا ہے جس کا معنی ابن علیہ نے پیشہ رکھنے والا کیا ہے۔ لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، حسن بصری، ابن زید، ابن جریر اور دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ فقیر وہ ہے جو دست سوال دراز کرنے سے احتراز کرے اور مسکین وہ ہے جو گلیوں بازاروں میں گھوم کر اور لوگوں کا پیچھا کر کے سوال کرے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جو اپاہج ہو اور مسکین وہ ہے جس کا جسم صحیح سالم ہو۔ منصور بن ابراہیم کہتے ہیں کہ اس سے مہاجر فقراء مراد ہیں۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ دیہاتیوں کو اس میں سے کچھ نہ ملے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ مسلمان فقراء کو مساکین نہ کہو۔ مساکین تو اہل کتاب ہیں۔ اب ہم ان آٹھ اصناف کی متعلقہ احادیث ذکر کرتے ہیں:۔

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 117

2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 166

1۔ فقراء:۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زکوٰۃ غنی اور طاقتور صحت مند آدمی کے لئے حلال نہیں'' (1)۔ اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبیداللہ بن عدی بن خیار سے روایت ہے کہ دو آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور صدقہ کے مال کا سوال کیا۔ جب آپ ﷺ نے ان پر نظر دوڑائی تو انہیں توانا پایا، آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: ''اگر تم چاہو تو میں تمہیں عطا کر دوں لیکن غنی اور قوی کماؤ شخص کے لئے اس میں کوئی حصہ نہیں'' (2)۔ ابن ابی حاتم کتاب الجرح والتعدیل میں بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر عبسی کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اہل کتاب ہیں۔ لیکن یہ قول نہایت غریب ہے اگر سند صحیح بھی ہو۔ ابو حاتم نے اس ابوبکر کی جہالت پر واضح حکم نہیں لگایا لیکن وہ مجہول کے حکم میں ہے۔

2۔ مساکین:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسکین وہ نہیں ہے جو گھوم پھر کر لوگوں پر منڈلاتا ہے اور ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں اسے لوٹا دیں'' صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! پھر مسکین کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص جو اس قدر خوشحالی نہ پائے جو اسے بے نیاز کر دے، نہ اس کی حالت بھانپ کر اس پر صدقہ کیا جائے اور نہ وہ خود لوگوں سے کسی چیز کا سوال کرے'' (3)۔

3۔ العاملین:۔ اس سے مراد صدقات جمع کرنے والے ہیں، اسی مال میں سے انہیں اجرت ملے گی۔ حضور ﷺ کے قرابت دار جن پر صدقہ حرام ہے وہ اس عہدے پر فائز نہیں ہو سکتے، کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے جس کے راوی عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث ہیں، وہ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست لیکر گئے کہ آپ ﷺ انہیں صدقات وصول کرنے پر عامل بنا دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ محمد اور آل محمد کے لئے حلال نہیں ہے، یہ تو لوگوں کا میل کچیل ہے'' (4)۔

4۔ مؤلفۃ القلوب:۔ ان کی متعدد اقسام ہیں۔ ان میں سے بعض کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ تاکہ وہ اسلام لے آئیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے صفوان بن امیہ کو غنائم حنین میں سے عطا کیا تھا حالانکہ وہ شرک کی حالت میں شریک جنگ ہوا تھا۔ صفوان کا بیان ہے کہ حضور ﷺ مجھے عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے حالانکہ آپ ﷺ پہلے مجھے سب سے زیادہ مبغوض تھے (5)۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جنہیں اس لئے عطا کیا جاتا ہے تاکہ ان کا اسلام عمدہ اور دل ثابت ہو جائے جیسا کہ حنین کے دن مکہ کے آزاد کردہ زعماء کو آپ ﷺ نے سو سو اونٹ دیئے اور فرمایا: ''میں ایک شخص کو عطا کرتا ہوں حالانکہ دوسرا اس سے زیادہ مجھے محبوب ہوتا ہے اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں اللہ تعالیٰ اسے اوندھے منہ جہنم میں نہ گرا دے'' (6)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے خام سونا مٹی سمیت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے اسے چار افراد اقرع بن حابس، عیینہ بن بدر، علقمہ بن علاثہ اور زید الخیر کے درمیان تقسیم کر کے فرمایا: ''میں ان کی دلجوئی کر رہا ہوں'' (7)۔ ان میں سے بعض وہ ہیں

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 110، تحفۃ الاحوذی، ابواب الزکاۃ، جلد 3 صفحہ 316-317 وغیرہ
2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 118، سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 5 صفحہ 99-100
3۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 154، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ 719
4۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 753
5۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل 1806، تحفۃ الاحوذی، ابواب الزکاۃ، جلد 3 صفحہ 333-234
6۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 154، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ 733
7۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 166، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ: 741

جنہیں اس لئے دیا جاتا ہے تاکہ ان جیسے دوسرے لوگ اسلام لے آئیں۔ بعض کو عطا کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے تاکہ وہ اطراف واکناف کے لوگوں سے صدقہ جمع کریں یا آس پاس کے دشمنوں سے مسلمانوں کی حفاظت کریں۔ اس کی تفصیلات احکام کی کتابوں میں موجود ہیں۔ کیا نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد یہ مصرف باقی ہے اور کیا اب بھی تالیف قلب اور دلجوئی کی خاطر صدقات میں سے کچھ دیا جاسکتا ہے؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ حضرات عمر رضی اللہ عنہ، عامر رحمتہ اللہ علیہ، شعبی رحمتہ اللہ علیہ اور ایک جماعت کا یہ کہنا ہے کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد مؤلفۃ القلوب کو نہیں دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اہل اسلام کو غلبہ عطا فرمایا، مختلف ممالک پر اقتدار عنایت فرمایا اور لوگوں کو ان کا ماتحت بنا دیا اس لئے یہ مصرف باقی نہ رہا(1)۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اب بھی انہیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اور یہ مصرف ختم نہیں ہوا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فتح مکہ اور فتح ہوازن کے بعد عطا فرمایا تھا۔ یہ ایسا معاملہ ہے جس کی کبھی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے۔

5۔ رقاب (آزادئ گردن):۔ حضرات حسن بصری، مقاتل بن حیان، عمر بن عبدالعزیز، سعید بن جبیر، نخعی، زہری اور ابن زید فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مکاتب ہیں یعنی وہ غلام جنہوں نے مقررہ رقم کی ادائیگی پر مالکوں سے اپنی آزادی کو مشروط کر رکھا ہو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے اور یہی قول حضرات شافعی اور لیث رحمہما اللہ کا ہے۔ حضرات ابن عباس اور حسن فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے مال سے غلام خرید کر آزاد کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی مسلک امام احمد، مالک اور اسحاق رحمھم اللہ کا ہے یعنی زکوٰۃ کے مال سے مکاتب کو بھی آزاد کروایا جاسکتا ہے اور مستقل ایک غلام کو خرید کر بھی۔ احادیث میں غلام آزاد کرنے کی فضیلت اور اجرو ثواب کا ذکر آیا ہے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ آزاد کردہ غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کا عضو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے حتیٰ کہ شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ بھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر نیک عمل کا اجر اس جیسا ہی ملتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ مَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الصافات:39) ''اور نہیں بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر اسی کا جو تم کیا کرتے تھے''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تین افراد ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ کے ذمے حق ہے: 1۔ غازی جو راہ خدا میں جہاد کے لئے نکلے، 2۔ مکاتب غلام جو ادائیگی مال کا ارادہ رکھتا ہو، 3۔ اور وہ نکاح کرنے والا جس کا مقصود عفت اور پاکدامنی ہو'' (2)۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! ایسے عمل پر میری رہنمائی فرمائیں جو مجھے جنت کے قریب کر دے اور دوزخ سے دور۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اَعْتِقِ النَّسَمَةَ وَفُكَّ الرَّقَبَةَ ''نسمہ آزاد کر اور گردن کو رہائی دلا''۔ اس نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا یہ دونوں ایک ہی چیز نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، نسمہ کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ تو اکیلا کسی غلام کو آزاد کر دے اور ''فك رقبه'' (گردن آزاد کرانا) سے مقصود یہ ہے کہ تو ادائیگی قیمت میں (کسی غلام کی) مدد کرے'' (3)۔

6۔ غارمین (مقروض):۔ ان کی بھی کئی اقسام ہیں۔ ایک شخص وہ ہے جو کسی کا بوجھ خود اٹھالے یا کسی کے قرضہ کا ضامن بن جائے اور وہ اس پر لازم ہو جائے، پھر اس کا اپنا مال ختم ہو جائے یا وہ ادائیگی قرض میں خود مقروض ہو جائے یا کسی برائی کے ارتکاب پر قرض — یا لیکن پھر توبہ کرلی، ایسے لوگوں کو مال زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا۔ اس مسئلہ میں اصل حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی کی حدیث ہے، کہتے ہیں

1۔ دیکھئے تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 162-163

2۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 6 صفحہ 61، تحفۃ الاحوذی، ابواب فضائل الجہاد، جلد 5 صفحہ 296 وغیرہ

3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 299

کہ میں کسی کا ضامن بن گیا، پھر میں اس سلسلہ میں سوال کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھہرو یہاں تک کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آ جائے، اس میں سے ہم تمہیں عطا کرنے کا حکم دیں گے'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے قبیصہ! سوال تین شخصوں کے لئے جائز ہے: ایک وہ جو کسی کا ضامن بنا تو ایسے شخص کے لئے سوال جائز ہے، یہاں تک کہ جب وہ مطلوبہ رقم پالے تو سوال سے رک جائے، دوسرا وہ شخص جسے کسی ایسی آفت نے آ دبوچا جس نے اس کا مال نیست و نابود کر دیا، ایسے شخص کے لئے بھی سوال کرنا جائز ہے یہاں تک کہ ضروریات زندگی پالے اور تیسرا وہ شخص جسے فاقہ نے آلیا حتی کہ اس کے قرابت داروں میں سے تین صاحب عقل و شعور آدمیوں نے کھڑے ہو کر اس کی گواہی دی کہ بلاشبہ فلاں آدمی فاقہ کا شکار ہو گیا ہے، ایسے آدمی کے لئے بھی دست سوال دراز کرنا جائز ہے یہاں کہ اس کی ضروریات پوری ہو جائیں۔ ضرورت سے زائد سوال حرام ہے، اگر کوئی سائل ایسا مال کھائے گا تو وہ حرام کھائے گا(1)۔ عہد رسالت میں ایک شخص نے باغ خریدا۔ باغ کے پھل کو اس قدر نقصان پہنچا کہ وہ شخص مقروض ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس پر صدقہ کرو''۔ لوگوں نے اسے صدقہ دیا۔ اس کے باوجود جب قرض کی ساری رقم پوری نہ ہوئی تو آپ ﷺ نے قرض خواہوں سے فرمایا: ''جو تمہیں ملے لے لو، علاوہ ازیں تمہارے لئے کچھ نہیں'' (2)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ایک قرضدار کو بلائے گا اور اسے اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھے گا: اے ابن آدم! کس غرض کے لئے تو نے یہ قرض لیا اور کس بناء پر لوگوں کے حقوق ضائع کئے؟ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! تو بہتر جانتا ہے کہ میں نے قرض لیا لیکن نہ میں نے اسے کھایا، نہ پیا اور نہ کسی دوسرے مقصد میں اڑایا بلکہ میرے ہاں آگ لگ گئی یا چوری ہو گئی یا کوئی اور آفت آ گئی۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندے نے سچ بولا، آج میں اس کی طرف سے ادائیگی قرض کا زیادہ مستحق ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک چیز منگوا کر میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دے گا تو اس کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے اسے جنت میں داخل فرما دے گا'' (3)۔

7۔ **فی سبیل اللہ**:۔ ان میں وہ مجاہدین شامل ہیں جن کا دیوان میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ امام احمد، حسن اور اسحاق رحمہم اللہ کے نزدیک حج بھی راہ خدا میں داخل ہے، کیونکہ اس ضمن میں حدیث وارد ہوئی ہے۔

8۔ **ابن السبیل**:۔ اس سے مراد وہ مسافر ہے جو کسی جگہ سے گزر رہا ہو، اس کے پاس زاد راہ باقی نہ رہا ہو تا کہ وہ سفر جاری رکھ سکے، اسے زکوٰۃ کے مال میں سے اس قدر دیا جائے کہ وہ اپنے شہر پہنچ سکے اگرچہ وہ وہاں مالدار ہی ہو۔ یہی حکم ایسے مسافر کا ہے جس نے سفر کا آغاز ہی بے سروسامانی کی حالت میں کیا، اسے آمد و رفت کے لئے بقدر کفایت مال زکوٰۃ دیا جائے گا۔ اس کی دلیل اس آیت کریمہ کے علاوہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مالدار کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں ہے بجز پانچ کے: زکوٰۃ وصول کرنے والا یا ایسا آدمی جس نے اپنے مال سے زکوٰۃ کا مال خرید لیا یا مقروض یا راہ خدا میں جہاد کرنے والا یا ایسا غنی شخص جسے کوئی مسکین زکوٰۃ میں ملی ہوئی کوئی چیز دے دے'' (4)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''غنی کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں بجز اس کے جو راہ خدا میں ہو، مسافر ہو یا ایسا شخص جسے فقیر پڑوسی تحفہ دے دے یا اپنے ہاں بلا لے'' (5)۔

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ یعنی یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے، اس نے اپنی تقدیر، تقسیم اور فرض کرنے سے ہی اسے مقدر کیا ہے اور اللہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ: 722
2۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ: 1191
3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 197-198
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 119، سنن ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، جلد 1 صفحہ 598-590
5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 119

تعالیٰ تمام ظاہری باطنی امور اور بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ اپنے اقوال، افعال، شریعت اور احکام میں حکیم ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔

وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾

"اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو (اپنی بدزبانی سے) اذیت دیتے ہیں نبی (کریم) کو اور کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے۔ فرمایئے وہ سنتا ہے جس میں بھلا ہے تمہارا یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مومنوں (کی بات) پر اور سراپا رحمت ہے ان کے لئے جو ایمان لائے تم میں سے اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے دردناک عذاب ہے"۔

کچھ منافقین ایسے ہیں جو نازیبا گفتگو سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کانوں کا کچا ہے، جس کسی نے کوئی بات آکر کہی اس کی تصدیق کر دی۔ جب ہم اس کے پاس جا کر قسمیں اٹھاتے ہیں تو وہ ہماری بھی تصدیق کر دیتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ خیر اور بھلائی کے کان ہیں اور جھوٹے اور سچے کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اہل ایمان کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں، مزید برآں آپ ﷺ اہل ایمان کے لئے رحمت ہیں اور کفار پر اللہ تعالیٰ کی حجت، اس لئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾

"(منافق) قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی تمہارے سامنے تاکہ خوش کریں تمہیں۔ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہے کہ اسے راضی کریں اگر وہ ایمان دار ہیں کیا وہ نہیں جانتے کہ جو کوئی مخالفت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو اس کے لئے آتش جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں یہ بہت بڑی رسوائی ہے"۔

قتادہ اس آیت کریمہ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ...... کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک منافق کہنے لگا کہ یہ ہمارے رؤساء ہیں جو بہت زیرک اور عقلمند ہیں۔ اگر محمد (ﷺ) کی باتیں برحق ہوتیں تو کیا یہ بے وقوف ہیں جو نہیں مانتے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن لی اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ کی باتیں حق ہیں اور تو گدھے سے بھی زیادہ شریر ہے۔ پھر اس صحابی نے یہ بات حضور ﷺ تک پہنچا دی۔ آپ ﷺ نے اس منافق کو بلوا کر پوچھا کہ تمہیں یہ بات کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ لیکن وہ شخص قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا کہ اس نے تو یہ بات کی ہی نہیں۔ اس وقت وہ صحابی دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! تو سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا کر دکھا، اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ...... یعنی کیا انہیں اس بات کا علم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے اور ان کے مقابلہ میں آکھڑا ہوتا ہے۔ اس کے لئے رسوا کن عذاب جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اس سے بڑھ کر اور ذلت اور شقاوت کیا ہو سکتی ہے۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

''ڈرتے رہتے ہیں منافق کہ کہیں نازل (نہ) کی جائے اہل ایمان پر کوئی سورت جو آگاہ کردے انہیں جو کچھ منافقوں کے دلوں میں ہے۔ آپ (انہیں) فرمائیے کہ مذاق کرتے رہو یقیناً اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم خوفزدہ ہو''۔

مجاہد کہتے ہیں کہ منافقین آپس میں کوئی بات کرتے پھر کہتے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس راز کو افشاء نہ کردے (1)۔ یہ آیت کریمہ اس آیت کے مشابہ ہے: وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ يَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (المجادلۃ: 8) ''اور جب آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام دیتے ہیں جیسے اللہ نے آپ کو سلام نہیں دیا۔ اور وہ کہا کرتے ہیں آپس میں کہ (اگر یہ سچے رسول ہیں) تو اللہ تعالیٰ ہماری ان باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ کافی ہے انہیں جہنم، اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے''۔ یہاں اس آیت میں فرمایا: قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع کر کے تمہیں رسوا کردے گا اور تمہاری حقیقت سے پردہ اٹھائے گا جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ (محمد: 29) ''کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر نہیں کرے گا ان کے دلی کھوٹوں کو''۔ یہی وجہ ہے کہ اسے سورۂ فاضحہ کا نام بھی دیا جاتا تھا یعنی منافقین کو رسوا کرنے والی سورت۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾

''اور اگر آپ دریافت فرمائیں ان سے تو کہیں گے بس ہم تو صرف دل لگی اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ آپ فرمائیے (گستاخو!) کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے تم مذاق کیا کرتے تھے؟ (اب) بہانے مت بناؤ۔ تم کافر ہو چکے (اظہار) ایمان کے بعد اگر ہم معاف بھی کردیں ایک گروہ کو تم میں سے تو عذاب دیں گے دوسرے گروہ کو کیونکہ وہی (اصلی) مجرم تھے''۔

ایک منافق کہنے لگا کہ میرے خیال میں یہ قرآن پڑھنے والے بہت پیٹو، جھوٹے اور بزدل ہیں۔ جب یہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچادی گئی تو یہ منافق آپ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار سفر پر روانہ تھے، کہنے لگا: یا رسول اللہ! ہم تو یونہی ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ...... كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ۔ اس منافق نے آپ ﷺ کی تلوار کو تھام رکھا تھا اور اس کے پاؤں پتھروں پر ٹھوکریں کھا رہے تھے لیکن آپ ﷺ اس کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں فرما رہے تھے (2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اس قسم کی روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر کسی شخص نے مسجد میں یہ کہہ دیا کہ میں نے ان قرآن خوانوں کی طرح کوئی پیٹو،

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 17   2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 173

جھوٹا اور بزدل نہیں دیکھا۔ ایک صحابی نے سن کر اسے کہا کہ تم نے جھوٹ بولا ہے اور تو منافق ہے۔ میں ضرور رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتاؤں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ تک یہ بات پہنچ گئی اور وحی بھی نازل ہوگئی۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس منافق کو دیکھا کہ وہ پتھروں پر ٹھوکریں کھاتا آپ ﷺ کی اونٹنی کا تنگ تھامے یہ کہتا چلا جارہا تھا کہ یارسول اللہ! ہم تو ہنسی مذاق کررہے تھے۔ تو اس کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ فرمان پڑھا: اَبِاللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ(1)۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کو جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منافقین کی بھی ایک جماعت تھی جس میں ودیعہ بن ثابت اور مخشی بن حمیر بھی موجود تھے۔ یہ مسلمانوں کو ڈرانے دھمکانے اور ان میں سراسیمگی پیدا کرنے کے لئے ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کیا تم رومیوں کی لڑائی کو ایسے ہی خیال کرتے ہو جیسا کہ عربوں کی آپس میں لڑائی، اللہ کی قسم! کل ہم بھی تمہارے ساتھ رسیوں میں جکڑ لئے جائیں گے۔ مخشی بن حمیر کہنے لگا کہ اس بات کی وجہ سے میری خواہش تو یہ ہے کہ بے شک ہم میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مار دیئے جائیں لیکن ہمارے بارے میں قرآن نہ اترے۔ اسی اثناء میں حضور ﷺ نے حضرت عمار سے فرمایا: ''ان لوگوں کی خبر لینا، یہ جل گئے ہیں، ان سے ان باتوں کے متعلق پوچھنا جو انہوں نے کی ہیں۔ اگر وہ انکار کریں تو کہنا کہ تم نے ایسے ایسے باتیں کی ہیں۔'' چنانچہ حضرت عمار ان کے پاس گئے اور ساری بات کہہ دی۔ وہ سبھی منافق عذر پیش کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے۔ ودیعہ نے آپ ﷺ کی اونٹنی کا تنگ پکڑ کر کہا: یارسول اللہ! ہم تو ہنسی مذاق کررہے تھے۔ مخشی بن حمیر نے کہا: یارسول اللہ! میرے اور میرے باپ کے نام نے مجھے اس حماقت پر اکسایا ہے، مجھے معاف کردیں۔ اس آیت کریمہ میں جسے معاف کیا گیا وہ یہی مخشی ہے، جنہوں نے بعد میں اپنا نام عبدالرحمن رکھ لیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی! مجھے شہادت کی موت دینا اس طرح کہ میرے وجود کا بھی کسی کو علم نہ ہو۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں انہوں نے شہادت پائی اور ان کا نشان تک نہ ملا(2)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر آپ ﷺ سفر پر روانہ تھے۔ منافقین کا ایک گروہ بھی آپ ﷺ کے سامنے چل رہا تھا، وہ کہنے لگے کہ یہ (رسول اللہ ﷺ) روم کے محلات اور قلعے فتح کرنے کا گمان کئے ہوئے ہے حالانکہ یہ چیز بہت بعید اور محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان کی باتوں پر آگاہ کردیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو میرے پاس لاؤ۔ جب انہیں بلایا گیا تو آپ ﷺ نے کہا کہ تم نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں۔ وہ قسمیں اٹھا کر کہنے لگے کہ ہم تو بس یونہی ہنسی مذاق کررہے تھے۔ عکرمہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے معاف کردیا تھا، یہ کہا کرتا تھا: یا اللہ! میں ایک ایسی آیت سنتا ہوں جس میں میری خطاء کا ذکر ہے، اس سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل دہل جاتے ہیں۔ اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت کی ایسی موت نصیب کرنا کہ کوئی آدمی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے غسل دیا گیا، مجھے کفن دیا گیا اور مجھے دفن کیا گیا۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا، ان کے سوا تمام شہداء کی لاشیں مل گئیں۔

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ ...... یعنی اب تم اپنی اس بات کا عذر پیش نہ کرو جس کے ساتھ تم نے تمسخر اڑایا تھا۔ ایمان لانے کے بعد تم کفر کے مرتکب ہوئے۔ تم تمام کو معاف نہیں کیا جائے گا بلکہ ضرور تمہیں عذاب کی بھٹی میں جھونکا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس غلط اور گمراہ کن بات کی وجہ سے تم مجرم ٹھہرے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 172 2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 524-525، اسد الغابۃ، جلد 5 صفحہ 126، وغیرہ

يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۞٦٧ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۞٦٨

"منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک جیسے ہیں حکم دیتے ہیں برائی کا اور روکتے ہیں نیکی سے اور بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھ (حقیقت یہ ہے کہ) انہوں نے بھلا دیا ہے اللہ کو تو اس نے بھی فراموش کر دیا ہے انہیں۔ بیشک منافق ہی نافرمان ہیں وعدہ کیا ہے اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار سے دوزخ کی آگ کا ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں یہی کافی ہے انہیں۔ نیز لعنت کی ہے ان پر اللہ نے اور انہی کے لئے ہے دائمی عذاب"۔

منافقین اہل ایمان کے برعکس اوصاف کے حامل ہیں۔ مومنین تو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں لیکن یہ منافقین برائی کا حکم دیتے ہیں، نیکی سے منع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ انہوں نے ذکر الٰہی کو فراموش کر دیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جیسے کوئی کسی کو فراموش کر دیتا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: اَلْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا (الجاثیہ: 34) "آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے فراموش کئے رکھا اپنے اس دن کی ملاقات کو"۔ اور منافقین تو فاسق لوگ ہیں جو راہ حق سے خارج اور راہ ضلالت میں داخل ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ...... یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے مذکورہ کرتوت کے باعث ان سے نار جہنم کا وعدہ کر رکھا ہے، یہ منافق اور کافر اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہی عذاب انہیں کافی ہے، یہ ملعون ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دھتکار کر اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞٦٩

"(منافقو!) تمہاری حالت بھی ایسی ہے جیسے ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے، وہ زیادہ تھے تم سے قوت میں اور مال اور اولاد کی کثرت میں۔ سو لطف اٹھایا انہوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے اور تم نے بھی لطف اٹھایا اپنے (دنیوی) حصہ سے اسی طرح جیسے لطف اٹھایا انہوں نے جو تم سے پہلے ہو گزرے اپنے (دنیوی) حصہ سے اور (لذتوں میں) تم بھی ڈوبے رہے جیسے وہ ڈوبے رہے تھے یہی وہ لوگ ہیں ضائع ہو گئے جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اور یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں"۔

ان لوگوں کو بھی دنیا و آخرت میں پہلے لوگوں جیسا عذاب پہنچا۔ خلاق سے مراد دین ہے۔

وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا...... سابقہ لوگوں کی طرح تم بھی ہرزہ سرائی، جھوٹ اور باطل میں مشغول رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال اکارت گئے۔ ان پر انہیں کوئی ثواب حاصل نہیں ہوگا کیونکہ یہ اعمال ہی فساد کا شکار ہیں۔ اور یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں

کیونکہ انہیں اپنے اعمال کا اجر وثواب نہ حاصل ہو سکا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس طرح آج کی رات گزشتہ رات کے مشابہ ہوتی ہے اسی طرح ہم میں بھی پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے ساتھ مشابہت رکھنے والے موجود ہیں۔ پہلے لوگوں سے مراد بنی اسرائیل ہیں ہمیں جن کے مشابہ قرار دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور ان کی پیروی کرو گے یہاں تک کہ ان کا کوئی آدمی اگر گوہ کے بل میں داخل ہوا تو تم بھی ضرور داخل ہو جاؤ گے۔'' اسی قسم کی ایک اور روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم ضرور پہلے لوگوں کے طریقہ کی پیروی کرو گے، بالشت بہ بالشت، بازو بہ بازو اور ہاتھ بہ ہاتھ یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کی بل میں گھسے ہوں تم بھی ضرور اس میں داخل ہو جاؤ گے''، صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ کون ہیں، کیا یہ اہل کتاب ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اور کون؟ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ایک اور روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: ''اگر تم چاہو تو قرآن کی اس آیت کَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ پڑھ لو''، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خلاق سے مراد دین ہے۔

وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا اہل فارس و روم کی طرح؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اور لوگ کون ہو سکتے ہیں؟(1)۔ اس حدیث کے اور بھی شواہد موجود ہیں(2)۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

''جنہیں الٹ دیا گیا تھا۔ آئے تھے ان سب کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر اور نہ تھا اللہ (کا یہ دستور) کہ ظلم کرتا ان پر بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ رسولوں کو جھٹلانے والے منافقین کو وعظ و نصیحت فرما رہا ہے۔ کیا یہ لوگ سابقہ امتوں کے انجام سے بے خبر ہیں، کیا انہیں یہ علم نہیں کہ رسولوں کو جھٹلانے کی انہیں کیا سزا ملی۔ قوم نوح کو دیکھیں جس نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی، پانی میں غرق کر کے ان سب کو ملیامیٹ کر دیا گیا۔ صرف اللہ اور اس کے رسول حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے باقی بچے۔ قوم عاد نے جب حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلایا تو انہیں شدید آندھی کے ذریعے ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں جس کی پاداش میں سخت گرجدار چیخ کے ذریعے انہیں نیست و نابود کر دیا گیا۔ قوم ابراہیم کو دیکھیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدد کی اور قوم پر غلبہ عطا فرمایا اور ان کے بادشاہ ملعون نمرود کو پیس کر رکھ دیا۔ اصحاب مدین (قوم شعیب علیہ السلام) سخت زلزلے اور سائبان والے دن کے عذاب سے دوچار ہوئے۔ ''الْمُؤْتَفِكٰتِ'' سے مراد قوم لوط ہے جن کی بستیاں الٹا دی گئی تھیں، ان کا مسکن مدائن تھا، ایک اور مقام پر فرمایا: وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى (النجم:53)'' اور (لوط کی) اوندھی بستی کو بھی پٹخ دیا''۔ یعنی ''الْاُمَّةَ الْمُؤْتَفِكَةَ''۔ موصوف محذوف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ان کی بستیوں کا مرکز اور اصل یعنی سدوم مراد ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو تباہ و برباد کر کے پیوند خاک کر دیا کیونکہ وہ اللہ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کو جھٹلاتے تھے اور ایسی بدکاری کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 176 2۔ فتح الباری، کتاب الاعتصام، جلد 13 صفحہ 300، صحیح مسلم، کتاب البر: 1999

ارتکاب کرتے تھے جس کی پہلے کوئی مثال موجود نہ تھی۔ اللہ کے رسول ان قوموں کے پاس قطعی اور واضح دلائل و براہین لیکر تشریف لائے۔

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ...... انہیں تباہ و برباد کر کے اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا کیونکہ اس نے تو اپنے رسول مبعوث کر کے اور تمام علل زائل کر کے اتمام حجت کر دی تھی بلکہ انہوں نے خود ہی تکذیب رسل اور مخالفت حق کے باعث اپنے اوپر ظلم کیا اور اس خوفناک اور تباہ کن انجام سے دوچار ہوئے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

'' نیز مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں حکم کرتے ہیں نیکی کا اور روکتے ہیں برائی سے اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی لوگ ہیں جن پر ضرور رحم فرمائے گا اللہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے''۔

منافقین کی صفات ذمیمہ ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی صفات حمیدہ کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ ان کی شان یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور ہمدرد ہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: '' مومن مومن کے لئے دیوار کی طرح ہے جس کا بعض بعض کو تقویت پہنچاتا ہے'' (1)۔ یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کر دیں۔ ایک اور حدیث صحیح میں آتا ہے: '' ایک دوسرے کے ساتھ محبت رکھنے اور رحم کرنے میں مومنین کی مثال جسد واحد کی سی ہے، جب اس کا کوئی عضو تکلیف کا شکار ہو تو سارا جسم بخار اور بیداری میں اس کا ساتھ دیتا ہے'' (2)۔

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران: 104) '' ضرور ہونی چاہئے تم میں ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے''۔ مزید برآں یہ اہل ایمان نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے ہیں اور ہر امر و نہی میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ انہی مذکورہ صفات سے متصف ہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ عزیز ہے وہ اپنے اطاعت گزار بندہ کو عزت عطا فرماتا ہے کیونکہ عزت صرف اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کے لئے ہے، اور اہل ایمان کو ان صفات حمیدہ سے نوازنے اور منافقین کو صفات مذمومہ کے ساتھ خاص کرنے میں وہ حکیم ہے اور اس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

'' وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے باغات کا رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں یہ ہمیشہ رہیں گے ان

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 129، صحیح مسلم، کتاب البر 1999

2۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 91، صحیح مسلم، کتاب البر 1999-2000

میں نیز (وعدہ کیا ہے) پاکیزہ مکانات کا سدا بہار باغوں میں اور رضائے خداوندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے یہی تو بڑی کامیابی ہے''۔

اہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو عمدہ چیزیں اور دائمی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں ان سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے ساتھ ایسی جنت کا وعدہ کر رکھا ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہوگی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ قیام پذیر رہیں گے اور وہاں ان کے لئے خوبصورت پرسکون محلات ہوں گے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو جنتیں سونے کی بنی ہوئی ہوں گی، جن کے برتن بلکہ ہر چیز بھی سونے کی ہوگی اور دو جنتیں چاندی کی ہوں گی جن کے برتن اور دیگر چیزیں بھی چاندی کی ہوں گی، ہمیشہ رہنے والی جنت میں اہل بہشت اور دیدار الٰہی کے درمیان صرف اللہ تعالیٰ کے چہرے پر کبریائی کی چادر حائل ہوگی''(1)۔ اسی حدیث میں آتا ہے: ''جنت میں مومن کے لئے ایک ہی کھوکھلے موتی سے بنا ہوا خیمہ ہوگا جس کا طول آسمان میں ساٹھ میل ہوگا، اس میں مومن کی بیویاں ہوں گی لیکن وہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ پائیں گی''(2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، نماز قائم کی، رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے، اگرچہ اس نے راہ خدا میں ہجرت کی یا اسی جگہ رکا رہا جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔'' صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو اس کی خبر نہ دے دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں سو درجات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر مسافت ہے جس قدر زمین و آسمان کے درمیان، جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ یہ جنت کا سب سے اعلیٰ اور افضل حصہ ہے، اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں، اور اسی کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے''(3)۔ حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اہل جنت جنت میں بالا خانہ اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان پر ستارے دیکھتے ہو''(4)۔ یہ بات جاننا ضروری ہے کہ جنت میں سب سے اعلیٰ مقام وہ ہے جسے وسیلہ کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ عرش کے قریب ہے۔ جنت میں یہی مقام حضور ﷺ کا مسکن ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم مجھ پر درود پڑھو تو میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرو عرض کی گئی: یا رسول اللہ! وسیلہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جنت میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے جسے صرف ایک شخص ہی پائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں گا''(5)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم موذن کو (اذان دیتے) سنو تو اسی کی مثل کہو، پھر مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر میرے لئے وسیلہ طلب کرو۔ یہ جنت میں ایک مقام ہے جو بندگان خدا میں سے صرف ایک کو نصیب ہوگا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں۔ جس نے اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کا سوال کیا، قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگئی''(6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ رحمٰن، جلد 6 صفحہ 181، صحیح مسلم، کتاب الایمان: 163

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ رحمٰن، جلد 6 صفحہ 182، صحیح مسلم کتاب الجنۃ: 2182

3۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 103، تحفۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 7 صفحہ 235-237 وغیرہ

4۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 143، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ 2177

5۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 265

6۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ: 288-289

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو، کیونکہ جس نے بھی دنیا میں میرے لئے وسیلہ مانگا میں بروز قیامت اس کا گواہ یا شفیع ہوں گا'' (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! ہمیں جنت کے بارے میں کچھ بتایئے، اس کی عمارت کیسی ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی اینٹیں سونے اور چاندی کی، اس کا گارہ کستوری، اس کے سنگریزے لؤلؤ اور یاقوت اور اس کی مٹی زعفران۔ جو اس میں داخل ہوگا خوش وخرم رہے گا کبھی تنگدل نہ ہوگا، ہمیشہ رہے گا اسے کبھی موت نہیں آئے گی، نہ اس کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ جوانی ڈھلے گی'' (2)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا بیرونی حصہ اندر سے اور اندرونی حصہ باہر سے نظر آئے گا۔'' ایک اعرابی اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! یہ کس کے لئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسے شخص کے لئے جو عمدہ و پاکیزہ گفتگو کرے، کھانا کھلائے، ہمیشہ روزے رکھے اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھے جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں'' (3)۔ طبرانی نے اسے حضرات عبداللہ بن عمرو اور ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ ان کے نزدیک سوال کرنے والے ابو مالک تھے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سنو، کیا کوئی جنت کی تیاری کرنے والا ہے؟ جنت کی کوئی چار دیواری نہیں۔ رب کعبہ کی قسم! یہ تو چمکتا دمکتا بقعۂ نور، مہکتے پھولوں والا گلستان، پختہ محلات، جاری نہریں، پکے ہوئے پھل، حسین وجمیل بیویاں اور ریشمی ملبوسات ہیں۔ یہ ہمیشگی اور سلامتی کا مقام ہے، پھل ہیں، سبزہ ہے اور عالی شان دلکش محلات میں قسم قسم کی نعمتیں ہیں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: جی ہاں، یا رسول اللہ! ہم بھی اس کے لئے تیار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو ان شاء اللہ۔ تو سب نے کہا ان شاء اللہ (4)۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ یعنی اہل جنت کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا تمام جنتی نعمتوں سے زیادہ جلیل القدر اور عظیم ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا کہ اے جنتیو! وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ''۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ عرض کریں: اے پروردگار! ہم کیوں نہ راضی ہوں جبکہ تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں تمہیں اس سے بھی افضل چیز عنایت نہ کردوں؟ وہ عرض کریں گے: یارب! اس سے افضل چیز کونسی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''میں نے اپنی رضا تمہیں عطا فرمائی آج کے بعد میں کبھی بھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا'' (5)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم مزید کسی چیز کی خواہش رکھتے ہو کہ میں تمہیں عطا کروں؟ وہ عرض کریں گے: اے پروردگار! جو تو نے ہمیں عطا فرما دیا ہے اس سے بہتر کیا ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''رِضْوَانِي اَكْبَرُ'' (6)۔ حافظ ضیاء مقدسی نے اپنی کتاب ''صفة الجنة'' میں کہا ہے کہ یہ حدیث میرے نزدیک صحیح کی شرط پر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ

1۔ معجم طبرانی
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 304-305
3۔ تحفۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 7 صفحہ 231
4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد: 1448-1449
5۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 142، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ: 2176
6۔ مسند بزار

هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

’’اے نبی کریم! جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں کے ساتھ اور سختی کیجئے ان پر اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انہوں نے یہ نہیں کہا حالانکہ یقیناً انہوں نے کہی تھی کفر کی بات اور انہوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد اور انہوں نے ارادہ بھی کیا ایسی چیز کا جسے وہ نہ پا سکے۔ اور نہیں خشمناک ہوئے وہ مگر اس پر کہ غنی کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل وکرم سے۔ سو اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ بہتر ہوگا ان کے لئے اور اگر وہ روگردانی کریں تو عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ عذاب الیم دنیا اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کا روئے زمین میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار‘‘۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرنے اور ان کے ساتھ سختی برتنے کا حکم فرما رہا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کی اتباع کرنے والے اہل ایمان کے ساتھ نرمی اور تواضع کا حکم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس بات سے بھی آگاہ کر دیا کہ آخرت میں کفار ومنافقین کا ٹھکانا جہنم ہے۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت گزر چکی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو چار تلواروں کے ساتھ مبعوث کیا گیا! ایک تلوار مشرکین کے لئے، جس کے متعلق قرآن فرماتا ہے: فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ (التوبہ:5) ’’پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے تو قتل کرو مشرکین کو‘‘۔ دوسری تلوار کافر اہل کتاب کے لئے ارشاد ہے: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ:29) ’’جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ دیں وہ جزیہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں‘‘، تیسری تلوار منافقین کے لئے جیسا کہ فرمایا: جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اور چوتھی تلوار باغیوں کے لئے، قرآن میں ارشاد ہے: فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات:9) ’’تو پھر سب (مل کر) لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف‘‘۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب منافقین اپنے نفاق کا اظہار کرنے لگیں تو تلوار کے ساتھ ان سے جہاد کیا جائے گا۔ ابن جریر نے اسے اختیار کیا ہے(1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہاتھ سے جہاد کرو، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو کم از کم ناگواری اور نفرت کا اظہار ضرور کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ تلوار سے اور منافقین کے ساتھ زبان سے جہاد کا حکم فرمایا اور ان کے ساتھ نرمی کو ختم کر دیا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ کفار کے ساتھ تلوار سے جہاد کرو اور منافقین پر بذریعہ کلام سختی کرو، یہی ان کے ساتھ جہاد ہے۔ حضرات حسن، قتادہ اور مجاہد فرماتے ہیں کہ منافقین کے ساتھ جہاد ان پر شرعی حدود کا قائم کرنا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان سب اقوال کے درمیان کوئی تضاد نہیں، حالات کے مطابق کسی بھی قول پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 183-184

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ ایک جہنی اور ایک انصاری کے درمیان لڑائی ہوگئی۔ جہنی انصاری پر غالب آ گیا۔ یہ منافق انصار سے کہنے لگا کہ تم اپنے بھائی کی مدد نہیں کرو گے؟ واللہ! ہماری اور محمد (ﷺ) کی مثال ایسے ہی ہے جیسا کہ اس مقولہ میں کہا گیا ہے: ''سَمِّنْ كَلْبَكَ يَاْكُلْكَ'' (اپنے کتے کو موٹا تازہ کرو کہ تمہیں ہی کاٹ کھائے)۔ مزید کہنے لگا کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت والے ذلیلوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔ ایک صحابی نے یہ بات سن کر نبی کریم ﷺ تک پہنچا دی۔ آپ ﷺ نے اس منافق سے پوچھا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ قسم اٹھا کر کہنے لگا کہ اس نے تو ایسی بات کی ہی نہیں تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اپنی قوم کے ان لوگوں پر بہت صدمہ ہوا جو جنگ حرہ میں قتل ہو گئے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو جب میرے شدت حزن کی خبر ملی تو انہوں نے مجھے ایک حدیث لکھ بھیجی جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَ لِاَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ ''اے اللہ! انصار اور فرزندان انصار کی مغفرت فرما''۔ راوی ابن الفضل کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی دعا میں انصار کے پوتوں کو بھی شامل کیا تھا یا نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حاضرین میں سے کسی سے حضرت زید بن ارقم کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ وہی زید ہیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے کانوں کی سنی ہوئی بات کی صداقت پر اللہ تعالیٰ نے خود گواہی دی ہے''۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو ایک منافق کہنے لگا کہ اگر یہ (محمد ﷺ) سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی زیادہ برے ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ یہ بات سن کر کہنے لگے: اللہ کی قسم! آپ ﷺ سچے ہیں اور یقیناً تو گدھے سے زیادہ برا ہے۔ پھر انہوں نے یہ بات آپ ﷺ تک پہنچا دی لیکن یہ کہنے والے منافق نے اپنی بات کا انکار کر دیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت زید کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی۔ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے لیکن صرف ان الفاظ تک کہ ''اللہ تعالیٰ نے زید کی سنی ہوئی بات کی تصدیق کی'' (2)۔ شاید بعد والا حصہ راوی موسیٰ بن عقبہ کا اپنا قول ہو۔ محمد بن فلیح نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرنے کے بعد کہا: ابن شہاب نے کہا، اس کے بعد مابعد روایت موسیٰ سے روایت کر دی جنہوں نے ابن شہاب سے روایت کی۔ بہر کیف اس قصہ میں مشہور یہ ہے کہ یہ غزوۂ بنو مصطلق کے موقعہ پر پیش آیا۔ شاید آیت کے ذکر کرنے میں راوی کو وہم ہو گیا ہو۔ ارادہ اور آیت ذکر کرنے کا ہوگا لیکن اسے ذکر کر بیٹھا۔ مغازی اموی میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے تو میری قوم نے مجھے کہا کہ حضور ﷺ سے معذرت کر لو اور پھر گناہ باقی رہے جائے گا اس سے استغفار کر لینا۔ کعب ان لوگوں میں شامل تھے جو اس غزوہ سے پیچھے رہ گئے تھے اور ان کے بارے میں قرآن بھی اترا۔ کچھ منافقین بہانے تراش کر گھروں میں بیٹھ گئے لیکن کچھ حضور ﷺ کے ساتھ شریک سفر ہو گئے تھے، ان میں سے ایک جلاس بن سوید بن صامت بھی تھا۔ ام عمیر بن سعد اس کی زوجیت میں تھیں اور حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاں پرورش پائی تھی۔ جب منافقین کے بارے میں قرآن نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی باتوں کو ظاہر کر دیا تو جلاس کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر یہ آدمی (رسول اللہ ﷺ) اپنی بات میں سچا ہے تو ہم گدھوں سے زیادہ بد ہیں۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو سن لیا، آپ کہنے لگے: اے جلاس! تم مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو، میرے نزدیک سب سے زیادہ بہادر ہو اور تمہیں تکلیف پہنچنا مجھ پر بہت شاق گزرتا ہے لیکن تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر میں اسے ذکر کروں تو رسوائی ہے اور اگر چھپاؤں تو

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 186 2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ منافقون، جلد 6 صفحہ 192

میری ہلاکت۔ ان دو میں ایک دوسری سے زیادہ آسان ہے۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جلاس کی ساری بات آپ کو بتادی۔ جب جلاس کو اس معاملہ کا پتہ چلا تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قسمیں اٹھا کر کہنے لگا کہ عمیر نے جھوٹ بولا ہے، میں تو یہ بات کی ہی نہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس سے آپ ﷺ نے جلاس کو بھی آگاہ کر دیا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ جلاس نے توبہ کر لی تھی اور اپنے نفاق سے باز آ گئے تھے (1)۔ یہ توبہ والی بات ابن اسحاق کا اپنا اضافہ ہے، حضرت کعب کی کلام میں یہ چیز شامل نہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر اس آیت کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت جلاس بن سوید بن صامت کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ اور اس کا سوتیلا بیٹا مصعب قبا سے آ رہے تھے۔ جلاس کہنے لگا کہ اگر محمد (ﷺ) کا لایا ہوا پیغام برحق ہے تو ہم ان گدھوں سے بھی بدترین ہیں جن پر ہم سوار ہیں۔ یہ سن کر حضرت مصعب کہنے لگے: اللہ کی قسم، اے دشمن خدا! میں ضرور تمہاری بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچاؤں گا۔ مجھے تو اپنے بارے میں قرآن نازل ہونے یا کسی آفت کا شکار ہونے یا غلطی میں ملوث ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اور جلاس قباء سے آ رہے تھے کہ اس نے یہ باتیں کیں۔ اگر مجھے اس غلطی میں ملوث ہو جانے یا کسی مصیبت سے دوچار ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں ہرگز یہ بات آپ کو نہ بتاتا۔ حضور ﷺ نے جلاس کو بلا کر پوچھا: اے جلاس! کیا تم نے وہ بات کی ہے جو مصعب کہہ رہے ہیں؟ اس نے قسم اٹھا کر انکار کر دیا۔ اس وقت یہ آیت اتری (2)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ گستاخانہ بات کہنے والا جلاس بن سوید بن صامت تھا اور حضور ﷺ تک اس بات کو پہنچانے والے اس منافق کے پروردہ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ تھے، اس منافق نے پہلے تو انکار کر دیا لیکن جب اس بارے میں قرآن اترا تو اس نے خلوص دل سے توبہ کر لی اور اپنے نفاق سے باز آ گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک درخت تلے تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: عنقریب تمہارے پاس ایک انسان آئے گا اور تمہاری طرف شیطان کی آنکھ سے دیکھے گا۔ جب وہ آئے تو اس سے گفتگو مت کرنا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک نیلے رنگ کا شخص نمودار ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور پوچھا: تم اور تمہارے ساتھی مجھے کس بناء پر گالیاں دیتے ہو؟۔ وہ شخص چلا گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے آیا، سب نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ انہوں نے ایسی بات نہیں کی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے درگزر فرمایا: اس وقت یہ آیت اتری۔

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا بعض کہتے ہیں کہ اس کا نزول جلاس بن سوید کے بارے میں ہوا جب اس نے اپنے سوتیلے بیٹے کو اس بناء پر قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ انہوں نے اس کی بات کو نبی کریم ﷺ تک پہنچانے کا عزم ظاہر کیا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ عبداللہ بن ابی کے بارے میں اتری جس نے نبی کریم ﷺ کو شہید کرنا چاہا تھا۔ سدی کہتے ہیں کہ آیت کے اس حصہ کا نزول چند لوگوں کے بارے میں ہوا جنہوں نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ وہ ہر صورت میں عبداللہ بن ابی کی تاجپوشی کر کے اسے اپنا بادشاہ بنالیں گے خواہ رسول اللہ ﷺ راضی نہ بھی ہوں۔ یہ بھی روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کو جاتے ہوئے دوران سفر ایک رات کو دس سے اوپر کچھ منافقین نے حضور ﷺ کو دھوکے سے قتل کرنے کا ارادہ کیا، ضحاک کہتے ہیں کہ انہی کے بارے میں اس آیت کا نزول ہوا۔ یہ بات حافظ ابوبکر بیہقی کی روایت سے واضح ہو جاتی ہے جس کے راوی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ہیں، کہتے ہیں کہ میں اور عمار رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے آگے پیچھے تھے۔ باری باری ہم میں سے ایک نکیل پکڑتا اور دوسرا ہانکتا تھا۔ جب ہم عقبہ پہنچے تو اچانک بارہ سوار سامنے آئے اور رستہ روک لیا۔ میں نے

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 519-520 2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 184

رسول اللہ ﷺ کو ان کی طرف متوجہ کیا، آپ ﷺ نے انہیں للکارا تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے ان لوگوں کو پہچانا؟'' ہم نے عرض کی: نہیں۔ یا رسول اللہ! وہ نقاب ڈالے ہوئے تھے، البتہ ان کی سواریوں کو ہم پہچان چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ منافق ہیں اور قیامت تک منافق ہی رہیں گے۔ کیا تم جانتے ہو کہ وہ کس ارادے سے آئے تھے؟'' ہم نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کا ارادہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مزاحمت کر کے عقبہ میں آپ کو گرا دیں۔'' ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم ان میں سے ہر ایک کے خاندان والوں کو یہ پیغام نہ بھیج دیں کہ وہ اپنے اپنے آدمی کا سر بھیج دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ عرب آپس میں چہ میگوئیاں کرتے رہیں کہ لو جی محمد (ﷺ) نے ان لوگوں کو ساتھ لیکر جہاد کیا، جب ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں غلبہ عطا فرمایا تو انہیں قتل کر دینے کے درپے ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ ارْمِهِمْ بِالدُّبَيْلَةِ'' (اے اللہ! انہیں دبیلہ کی مار مار)۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! دبیلہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ آگ کا انگارہ ہے جو رگ دل پر گر کر ہلاک کر دیتا ہے(1)۔ حضرت ابوالطفیل سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو آپ ﷺ نے ایک منادی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے عقبہ کا رستہ اختیار کیا ہے اس لئے اور کوئی شخص عقبہ نہ آئے۔ دریں اثناء کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ آپ ﷺ کی اونٹنی کی نکیل تھامے آگے آگے چل رہے تھے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ پیچھے سے ہانک رہے تھے کہ اچانک ایک اونٹنی سوار گروہ نے حضرت عمار کو گھیر لیا۔ حضرت عمار ان اونٹنیوں کے چہروں پر مارنے لگ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ سے فرمایا: ''ٹھہرو، ٹھہرو۔'' تھوڑا سا نیچے میدان میں آکر حضور ﷺ سواری سے اتر گئے اور عمار بھی واپس آ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمار! کیا تم نے ان لوگوں کو پہچانا؟'' عرض کرنے لگے کہ میں نے سواریوں کو تقریباً پہچان لیا ہے لیکن سوار نقاب پوش تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ کیا ارادہ لئے آئے تھے؟'' عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کا ارادہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کو بدکا کر آپ ﷺ کو نیچے گرا دیں۔'' حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی سے ان کی تعداد دریافت کی تو انہوں نے چودہ بتائی، وہ کہنے لگے کہ اگر تم بھی ان میں شامل تھے تو پندرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے تین کے نام گنوائے۔ وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم نے رسول اللہ ﷺ کے منادی کے اعلان کو سنا ہی نہیں تھا اور نہ ہی ہمیں یہ علم تھا کہ ہمارے ساتھی کس ارادہ سے آئے ہیں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بقیہ بارہ افراد دنیا و آخرت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والے ہیں(2)۔ حضرت عروہ بن زبیر سے بھی ایسی ہی روایت مروی ہے اور یہ بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بطن وادی میں چلنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ خود حضرات حذیفہ و عمار کے ساتھ روانہ ہوئے اور ان رذیل بدبخت منافقین نے نقاب ڈالے ہوئے پیچھا کرنا شروع کر دیا اور ارادہ کیا کہ وہ بھی عقبہ کے رستہ سفر جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو ان کے ارادہ پر مطلع کر دیا۔ حضرت حذیفہ آپ ﷺ کے حکم سے واپس لوٹے اور ان منافقین کی سواریوں کو مارنا شروع کر دیا۔ منافقین گھبرا کر خائب و خاسر واپس پلٹے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرات حذیفہ و عمار کو ان منافقین کے نام اور دھوکہ سے آپ ﷺ کو شہید کرنے کی بنائی ہوئی ان کی سازش سے آگاہ کر دیا اور ساتھ ہی ان کے نام کو پوشیدہ رکھنے کا بھی حکم دے دیا(3)۔ صحیح مسلم میں

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5 صفحہ 260-261
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 453-454
3۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5 صفحہ 256-257

ہے کہ اہل عقبہ کے ایک آدمی اور حضرت حذیفہ کے درمیان کچھ تعلق تھا، آپ نے انہیں اللہ کا واسطہ دیکر اصحاب عقبہ کی تعداد پوچھی۔ لوگ بھی انہیں کہنے لگے کہ بتادو۔ کہنے لگے: کہ ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ چودہ تھے۔ اگر مجھے شامل کیا جائے تو پندرہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ ان میں سے بارہ نے دنیا و آخرت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کی۔ ان تین افراد کو تو معذور سمجھا گیا جنہوں نے کہا تھا کہ ہمیں آپ ﷺ کی منادی کا علم نہ تھا اور نہ ہی اس بات کا کہ یہ لوگ کیا غرض لیکر آئے ہیں۔ سخت گرمی کا موسم تھا، پانی کمیاب تھا۔ آپ ﷺ نے فرمادیا تھا کہ مجھ سے پہلے وہاں کوئی نہ پہنچے۔ لیکن پھر بھی کچھ لوگ پہلے پہنچ گئے۔ ان لوگوں کو وہاں موجود پا کر آپ ﷺ نے انہیں ملعون ٹھہرایا۔ حضرت عمار بن یاسر حضرت حذیفہ سے روایت کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے ساتھیوں میں بارہ منافق ہیں جو نہ تو جنت میں داخل ہوں گے اور نہ جنت کی خوشبو پائیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ آٹھ کو تو دبیلہ ہی کافی ہے یعنی آگ کا شعلہ جو ان کے کندھوں کے درمیان ظاہر ہوگا اور سینوں تک پہنچے گا'' (1)۔ اسی وجہ سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو راز دان رسول ﷺ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے صرف انہیں منافقین کے نام بتلائے تھے۔ طبرانی میں ان کے یہ نام مذکور ہیں: معتب بن قشیر، ودیعہ بن ثابت، جد بن عبداللہ بن نبتل بن حارث جس کا تعلق قبیلہ عمرو بن عوف سے تھا، حارث بن یزید طائی، اوس بن قیظی، حارث بن سوید، سعد بن زرارہ، قیس بن قہد، سوید اور داعس جن کا تعلق بنو حبلی سے تھا، قیس بن عمرو بن سہل، زید بن لصیت اور سلالہ بن حمام یہ دونوں قینقاع سے تھے، یہ سب بظاہر مسلمان تھے (2)۔

وَمَا نَقَمُوۡٓا اِلَّآ اَنۡ اَغۡنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ یعنی ان کے نزدیک رسول ﷺ کا اس کے علاوہ کوئی گناہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضور ﷺ کی برکت سے غنی بنا دیا۔ اگر ان پر سعادت کی تکمیل ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ ضرور انہیں ہدایت نصیب فرماتا جیسا کہ حضور ﷺ نے انصار سے فرمایا تھا: ''کیا تم گمراہ نہیں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دے دی، تم بکھرے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان الفت پیدا کر دی اور تم محتاج تھے تو اللہ تعالیٰ نے میرے طفیل تمہیں غنی کر دیا۔'' جب بھی آپ ﷺ ایک احسان کا ذکر فرماتے تو انصار عرض کرتے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اس سے بھی زیادہ احسان ہے (3)۔ یہ صیغہ ''مَا نَقَمُوۡٓا'' اس جگہ بولا جاتا ہے جہاں کوئی گناہ نہ ہو جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّآ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ (البروج:8) ''اور نہیں ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر''، حدیث شریف میں آتا ہے: مَا يَنۡقِمُ ابۡنُ جَمِيۡلٍ اِلَّا اَنۡ كَانَ فَقِيۡرًا فَاَغۡنَاهُ اللّٰهُ ''ابن جمیل کو کوئی چیز ناپسند نہیں سوائے اس کے کہ وہ فقیر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے خوشحال کر دیا''۔ پھر اللہ تعالیٰ ان منافقین کو توبہ کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے: فَاِنۡ يَّتُوۡبُوۡا يَكُ خَيۡرًا لَّهُمۡ...... یعنی اگر وہ اپنے کرتوت سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا، دنیا میں قتل اور غم و اندوہ سے دوچار کر کے اور آخرت میں ذلت و رسوائی اور عبرتناک عذاب جہنم میں مبتلا کر کے، ان کا کوئی دوست اور حامی و ناصر نہیں ہے جو ان کی مدد کرے، نفع پہنچائے اور شر کو ان سے دور رکھے۔

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰٮنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰٮهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى

1۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ المنافقین: 2143-2144 2۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 165-167

3۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 8 صفحہ 47، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ: 738

يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝

''اور کچھ ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے وعدہ کیا اللہ کے ساتھ کہ اگر اس نے دیا ہمیں اپنے فضل سے تو ہم دل کھول کر خیرات دیں گے اور ضرور ہو جائیں گے نیکو کاروں میں، پس جب اس نے عطا فرمایا انہیں اپنے فضل سے تو کنجوسی کرنے لگے اس کے ساتھ اور روگردانی کر لی اور وہ منہ پھیرنے والے ہیں۔ پس اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے نفاق جما دیا ان کے دلوں میں اس دن تک جب ملیں گے اس کو اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف ورزی کی اللہ سے جو وعدہ انہوں نے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے راز کو اور ان کی سرگوشی کو اور یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے سارے غیبوں کو''۔

منافقین میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد و پیمان کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے خوشحال کر دیا تو وہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے صدقہ کریں گے اور نیکوکار لوگوں میں سے ہو جائیں گے لیکن انہوں نے اپنا وعدہ ایفاء نہ کیا اور نہ ہی اپنے دعویٰ کو سچ کر دکھایا۔ اس بدعہدی اور نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ ''نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ!'' حضرات ابن عباس اور حسن بصری رضی اللہ عنہم جیسے اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت ثعلبہ بن حاطب انصاری کے بارے میں نازل ہوئی اس نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے فراوانی مال کی دعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ثعلبہ! تجھ پر افسوس، تھوڑا جس کا تو شکر بجالا سکے اس زیادہ سے بہتر ہے جس (کے شکر) کی تم میں طاقت نہیں۔'' اس نے دوبارہ دعا کے لئے درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ تم بھی اللہ کے نبی کی طرح رہو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں چاہوں تو پہاڑ سونا اور چاندی بن کر میرے ساتھ چلیں۔'' وہ کہنے لگا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا! اگر آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ مجھے رزق عطا فرما دے تو میں ہر صاحب حق کو اس کا حق دوں گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: ''اے اللہ! ثعلبہ کو مال عطا فرما''۔ اس نے بکریاں رکھ لیں۔ ان میں ایسے اضافہ ہوا جیسے کیڑے بڑھتے ہیں اور شہر مدینہ ان کے لئے تنگ ہو گیا۔ وہ مدینہ شریف سے نکل کر ایک وادی میں رہائش پذیر ہو گیا حتیٰ کہ ظہر اور عصر کی نمازیں تو باجماعت ادا کر لیتا اور باقی چھوڑ دیتا۔ پھر بکریوں میں اور اضافہ ہوا تو وہ مزید مدینہ شریف سے دور چلا گیا۔ اب سوائے جمعہ کے کسی نماز میں شریک نہ ہوتا۔ بکریاں کیڑوں کی طرح بڑھتی رہیں یہاں تک کہ جمعہ بھی چھوٹ گیا۔ حالات دریافت کرنے کے لئے اسے آنے جانے والے قافلوں سے رابطہ کرنا پڑتا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''ثعلبہ نے کیا کیا؟'' صحابہ نے ساری صورت حال سے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: يَا وَيْحَ ثَعْلَبَةُ، يَا وَيْحَ ثَعْلَبَةُ، يَا وَيْحَ ثَعْلَبَةُ (ہائے! ثعلبہ ہلاک ہو گیا، ثعلبہ ہلاک ہو گیا، ثعلبہ ہلاک ہو گیا) اسی اثناء میں جب یہ آیت کریمہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (التوبہ:103)'' (اے حبیب!) وصول کیجئے ان کے مالوں سے صدقہ'' نازل ہوئی اور زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے دو آدمی مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجے، ان میں ایک آدمی جہنہ قبیلہ سے تھا اور دوسرا سُلیم سے۔ آپ ﷺ نے انہیں پروانہ لکھا دیا کہ کیسے مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرنی ہے۔ اور انہیں فرمایا: ''ثعلبہ اور بنی سلیم کے فلاں شخص کے پاس جاؤ اور ان سے زکوٰۃ وصول کر لو''۔ دونوں ثعلبہ کے پاس گئے اور رسول اللہ

ﷺ کا تحریری فرمان سنا کر اس سے زکوٰۃ طلب کی تو وہ کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ ہے، یہ تو جزیہ کی بہن ہے، مجھے نہیں معلوم یہ کیا ہے؟ جاؤ فارغ ہو کر پھر میرے پاس آنا۔ وہ دونوں وہاں سے بنوسلیم کے شخص کی طرف چل دیئے۔ جب اس سلمی کو ان کے بارے میں پتہ چلا تو اس نے بہترین اونٹ صدقہ کے لئے الگ کر دیئے اور ان جانوروں لیکر انہیں ملا۔ وہ کہنے لگے کہ نہ تو یہ جانور تم پر واجب ہیں اور نہ ہم یہ جانور وصول کریں گے۔ اس نے کہا کہ آپ انہیں قبول کر لیں۔ میں تو راضی خوشی عمدہ جانور ہی دینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اس سے وہی جانور وصول کر لئے۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں سے بھی زکوٰۃ جمع کرتے رہے۔ فارغ ہو کر پھر ثعلبہ کے پاس آئے تو وہ کہنے لگا کہ مجھے حکم نامہ دکھاؤ جو تم لیکر آئے ہو۔ اسے پڑھ کر کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ ہے، یہ تو جزیہ کی بہن ہے، تم چلے جاؤ، میں سوچ لوں۔ جب وہ دونوں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں واپس لوٹے تو آپ ﷺ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا: ''یَا وَیْحَ ثَعْلَبَةَ'' (ہائے! ثعلبہ برباد ہو گیا)۔ اور آپ نے بنو سلیم کے آدمی کے حق میں دعا خیر فرمائی۔ پھر دونوں نے تمام واقعہ عرض کر دیا، جو کچھ ثعلبہ نے کیا اور جو سلمی نے کیا تمام سے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ...... نازل ہوئی۔ اس موقع پر ثعلبہ کا ایک قریبی رشتہ دار رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا جب اس نے یہ سب کچھ سنا تو فوراً ثعلبہ کے پاس جا کر کہنے لگا کہ اے ثعلبہ! تجھ پر افسوس، تمہارے بارے میں تو یہ یہ قرآن نازل ہوا ہے۔ چنانچہ ثعلبہ دوڑتا دوڑتا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ اس کی طرف سے زکوٰۃ قبول فرما لیں۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے''۔ اب یہ اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تمہارا اپنا عمل ہے، میں نے تو تمہیں کہہ دیا تھا لیکن تم نے میری بات نہ مانی۔'' جب رسول اللہ ﷺ نے اس سے زکوٰۃ وصول کرنے سے بالکل انکار کر دیا تو وہ واپس اپنے گھر لوٹ آیا۔ آپ ﷺ نے اپنے وصال تک اس سے کوئی چیز وصول نہ کی۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو یہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ آپ رسول اللہ ﷺ اور انصار کے ہاں میرے مقام و مرتبہ کو جانتے ہیں، اس لئے میری زکوٰۃ قبول کیجئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تجھ سے اسے قبول نہیں فرمایا۔ اس طرح انہوں نے انکار کر دیا اور اپنے انتقال تک قبول نہ کیا۔ عہد فاروقی میں پھر یہ زکوٰۃ کا مال لیکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے امیر المومنین! میرا یہ مال زکوٰۃ قبول فرمائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اسے نہ رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا اور نہ حضرت ابوبکر نے تو میں کیسے اسے قبول کر لوں؟ آپ نے بھی اپنے انتقال تک اسے قبول نہ کیا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی تو پھر مال لیکر آیا اور کہنے لگا کہ آپ اسے قبول کر لیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس مال کو نہ رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا، نہ حضرت ابوبکر نے اور نہ حضرت عمر نے تو میں کیسے قبول کر لوں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے بھی قبول نہ کیا۔ اسی طرح وہ خلافت عثمانی میں مر گیا(1)۔

بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ...... یعنی ان کی وعدہ خلافی اور کذب کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے''(2)۔ اس کے اور بھی شواہد ہیں۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ...... اللہ تعالیٰ آگاہ فرما رہا ہے کہ وہ ہر قسم کے راز اور مخفی چیزوں کو خوب جانتا ہے۔ دلوں کے راز اور سینوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 189-190 2۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 15

کے بھید اس پر مخفی نہیں ہیں۔ یہ منافقین اگر چہ اس بات کا اظہار کرتے رہیں کہ اگر انہیں مال حاصل ہو گیا تو وہ صدقہ بھی کریں گے اور شکر بھی بجا لائیں گے لیکن ایسا کریں گے نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ان سے بھی زیادہ انہیں جانتا ہے کیونکہ وہ غیوب پر پوری طرح مطلع ہے۔ ہر غیب، شہادت، راز، سرگوشی، ظاہر اور باطن ہر چیز کا اس کو مکمل علم ہے۔

اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ فَیَسۡخَرُوۡنَ مِنۡهُمۡ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنۡهُمۡ ۫ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۷۹﴾

"جو لوگ (ریاکاری کا) الزام لگاتے ہیں خوشی خوشی خیرات کرنے والوں پر مومنوں سے اور جو (نادار) نہیں پاتے بجز اپنی محنت و مشقت کی مزدوری کے تو یہ ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سزا دے گا انہیں اس مذاق کی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے"۔

منافقین کی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بھی کسی حالت میں بھی ان کے طعن و تشنیع، طنز اور عیب جوئی سے محفوظ نہیں رہ سکتا حتیٰ کہ صدقہ و خیرات کرنے والے بھی ان کی معترض زبانوں سے نہیں بچ سکتے۔ اگر کوئی مال کثیر صدقہ کر دے تو اسے ریاکار کہہ دیتے ہیں اور اگر کوئی معمولی چیز پیش کرے تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے صدقہ سے بے نیاز ہے، جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو ہم اپنی پیٹھوں پر صدقات کا مال رکھ کر لاتے۔ ایک آدمی نے بہت سا مال صدقہ کیا تو منافقین کہنے لگے کہ یہ ریاکار ہے۔ ایک اور شخص آیا جس نے صرف ایک صاع پیش کیا تو یہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اس کے صدقہ سے غنی ہے۔ اس وقت یہ آیت اتری (1)۔ ابو السلیل سے روایت ہے کہ ایک آدمی بقیع میں کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ مجھے میرے باپ یا چچا نے بتایا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بقیع میں یہ فرماتے ہوئے سنا: "جو شخص صدقہ دے گا میں قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا۔" راوی (صحابی) کہتے ہیں کہ میں نے اپنے عمامہ کی ایک یا دو تہیں کھولیں تا کہ صدقہ کر دوں لیکن پھر مجھے اس (حرص) نے آلیا جس میں ابن آدم مبتلا ہو جاتا ہے اور میں نے دوبارہ اسے اپنے عمامہ میں باندھ لیا۔ ایک آدمی آیا بقیع میں میں نے کوئی شخص اس سے زیادہ سیاہ، پست قامت اور مذموم نہ دیکھا وہ ایک اونٹنی ہانک کر لا رہا تھا اس سے زیادہ خوبصورت اونٹنی مجھے بقیع میں دکھائی نہ دی۔ وہ کہنے لگا: یا رسول اللہ! کیا صدقہ دوں؟ فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: یہ اونٹنی لے لیجئے۔ ایک آدمی نے طنز کرتے ہوئے کہا کہ لو یہ اس اونٹنی کا صدقہ کر رہا ہے، اس کی اونٹنی اس سے بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن لی، فرمایا: "تو جھوٹا ہے، بلکہ یہ شخص تجھ سے بھی بہتر ہے اور اونٹنی سے بھی"، تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: "سینکڑوں اونٹ رکھنے والوں کے لئے ہلاکت۔" صحابہ نے عرض کی: سوائے کس شخص کے یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: "سوائے اس شخص کے جو اپنے مال کو اس طرح، اس طرح خرچ کرے" اور آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جمع کر کے (لپ بنا کر) دائیں بائیں اشارہ کیا۔ پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: "قلیل المال کثیر العبادت شخص نے فلاح پالی" (2)۔ اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ چالیس اوقیہ سونا لائے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور ایک غریب انصاری ایک صاع اناج لائے۔ بعض منافقین کہنے لگے کہ عبدالرحمٰن نے ریاکاری کے طور پر یہ سونا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ اس شخص (انصاری) کے صدقہ سے بے نیاز ہے (3)۔ حضرت

1۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 136، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ: 706 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 37 3۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 194

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ اپنے صدقات جمع کرو۔ لوگوں نے اپنے صدقات جمع کر لئے۔ پھر آخر میں ایک شخص ایک صاع کھجوریں لیکر حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! یہ کھجوروں کا ایک صاع ہے۔ میں رات بھر کنویں سے پانی نکالنے کی مزدوری کرتا رہا، مجھے دو صاع کھجوریں بطور اجرت ملیں۔ ایک صاع میں نے اہل وعیال کے لئے رکھ لیا اور دوسرا آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کھجوروں کو تمام اموال صدقات پر بکھیر دینے کا حکم دیا۔ منافقین اس شخص کا مذاق اڑانے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے بے نیاز ہیں، بھلا تمہارے صاع کو کیا کریں گے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ کیا کوئی اہل صدقات میں سے باقی بچ گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا''۔ تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سو اوقیہ سونا صدقہ کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ کیا تم مجنون ہو؟ وہ کہنے لگے مجھ میں جنون والی کوئی بات نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تمہیں شعور ہے جو کچھ کر رہے ہو؟ وہ کہنے لگے: ہاں، میرے پاس آٹھ ہزار ہیں۔ چار ہزار میں نے اللہ تعالیٰ کو قرض دیئے اور باقی چار ہزار اپنی ضروریات کے لئے رکھ لئے۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہارے اس مال میں بھی برکت ڈالے جو تم نے اپنے لئے روک کے رکھا اور اس میں بھی جو عطا کیا''۔ یہ دیکھ کر منافقین طنز کرنے لگے کہ عبدالرحمٰن نے محض ریاکاری کے طور پر اتنا زرکثیر صدقہ کیا ہے۔ یہ منافق جھوٹے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے رضا کارانہ پر بخوشی اتنا مال پیش کیا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر کے ہر ایک کی حقیقت واضح کر دی (1)۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اہل ایمان میں سے بخوشی صدقہ کرنے والوں میں حضرات عبدالرحمٰن بن عوف اور بنو عجلان کے عاصم بن عدی شامل تھے۔ نبی کریم ﷺ نے صدقہ پر رغبت دلائی اور اس پر ابھارا تو حضرت عبدالرحمٰن نے چار ہزار اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے سو وسق کھجوریں صدقہ کیں۔ اس پر منافقین نے دونوں حضرات کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہوئے ان کے صدقہ کو ریاکاری پر محمول کیا۔ جب بنوانیف سے تعلق رکھنے والے حضرت ابوعقیل نے اپنی محنت کی کمائی سے ایک صاع کھجوریں صدقہ میں دیں تو یہ بدبخت منافقین ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تو ابوعقیل کے صدقہ سے غنی ہے (2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ کرو کیونکہ میں مجاہدین کی ایک جماعت کو جہاد پر بھیجنا چاہتا ہوں'' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! میرے پاس چار ہزار ہیں، دو ہزار میں اپنے رب کو قرض دیتا ہوں اور باقی دو ہزار میرے اہل وعیال کے لئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اس مال میں بھی برکت ڈالے جو تم نے عطا کیا اور اس میں بھی جو تم نے روک کے رکھا''۔ ایک انصاری رات بھر محنت مزدوری کر کے دو صاع کھجوریں لایا۔ عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! دو صاع کھجوریں ملی ہیں، ایک صاع میں اپنے رب کو قرض دیتا ہوں اور دوسرا صاع میرے اہل وعیال کے لئے۔ یہ سن کر منافقین مذاق اڑانے لگے اور کہنے لگے کہ ابن عوف نے تو محض نمود ونمائش کے لئے اس قدر مال دیا ہے اور انصاری کے بارے میں کہنے لگے کہ کیا اللہ اور اس کا رسول اس کے صاع سے بے نیاز نہیں ہیں؟ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (3)۔ حضرت ابوعقیل کہتے ہیں کہ میں دو صاع کھجوروں کے عوض رات بھر اپنی پیٹھ پر پانی ڈھوتا رہا۔ ایک صاع میں اپنے گھر والوں کے لئے لے آیا اور دوسرا صاع رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں لے آیا۔ کھجوریں پیش کیں اور سارا واقعہ بتا دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے صدقہ کے مال پر بکھیر دو''۔ منافقین تمسخر

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 194-195 2۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 196 3۔ کشف الاستار، جلد 3 صفحہ 51

اڑانے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کو اس مسکین کے صدقہ کی کیا ضرورت۔ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی (1)۔ حضرت ابو عقیل کا نام حجاب یا عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن ثعلبہ تھا (2)۔

فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ منافقین کے برے کرتوت اور اہل ایمان کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کی سزا تمسخر سے دی۔ یہ بطور مقابلہ و مشاکلہ ہے کیونکہ جزاء کا تعلق عمل کی جنس سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اہل ایمان کو غالب کرنے کیلئے منافقین کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جس طرح تمسخر اڑانے والا شخص دوسرے سے کرتا ہے اور آخرت میں ان منافقین کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٨٠﴾

”آپ بخشش طلب کریں ان کے لئے یا نہ کریں اگر آپ بخشش طلب کریں ان کے لئے ستر بار جب بھی نہ بخشے گا اللہ تعالیٰ انہیں یہ محض اس لئے کہ انہوں نے انکار کیا اللہ کا اور اس کے رسول (مکرم) کا۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا نافرمان قوم کو“۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو آگاہ فرما رہا ہے کہ یہ منافقین مغفرت کے اہل نہیں اور اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار کریں تو بھی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔ آیت کریمہ میں ستر کا عدد یا تو کثرت اور مبالغہ کے لئے آیا ہے اور زیادہ کا احتمال بھی ہو سکتا ہے، یا پھر اس سے ستر کا عدد ہی مقصود ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب یہ آیت اتری تو میں نے سنا کہ میرے رب نے مجھے ان کے متعلق رخصت دے دی ہے۔ اللہ کی قسم! میں ان کے لئے ستر مرتبہ سے بھی زائد استغفار کروں گا، شاید اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دے“۔ ان پر شدید غضب کے باعث اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (المنافقون: 6) (3) (یکساں ہے ان کے لئے کہ آپ طلب مغفرت کریں ان کے لئے یا طلب مغفرت نہ کریں ان کے لئے)۔ شعبی کہتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن ابی نزع کی کیفیت سے دوچار ہوا تو اس کا بیٹا حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میرا باپ قریب الموت ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ اس کے پاس تشریف لے جائیں اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائیں۔ آپ ﷺ نے اس سے اس کا نام پوچھا۔ اس نے بتایا: حباب۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بلکہ تو عبد اللہ ہے۔ حباب تو شیطان کا نام ہے۔“ حضور ﷺ اس کے ساتھ چلے حتیٰ کہ عبد اللہ بن ابی کے پاس تشریف لے گئے، اسے اپنی پسینے والی قمیص پہنائی اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ ﷺ سے عرض کی گئی کہ کیا آپ اس کا جنازہ پڑھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً، میں ان کے لئے ستر، ستر اور ستر مرتبہ استغفار کروں گا“ (4)۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨١﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 196
2۔ اسد الغابۃ، جلد 1 صفحہ 438، الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 250
3۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 199-200
4۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 199

"خوش ہو گئے پیچھے چھوڑے جانے والے اپنے (گھر) بیٹھے رہنے پر اللہ کے رسول کی (جہاد پر) روانگی کے بعد اور نا گوار تھا انہیں کہ جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے راہ خدا میں اور (دوسروں کو بھی) کہتے مت نکلو اس سخت گرمی میں، فرمایئے دوزخ کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ کچھ سمجھتے۔ تو انہیں چاہئے کہ ہنسیں تھوڑا اور روئیں زیادہ یہ سزا ہے جو وہ کمایا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ ان منافقین کی مذمت کر رہا ہے جو غزوۂ تبوک میں صحابہ کرام سے پیچھے رہ گئے اور پھر اپنی اس کارگزاری پر اترنے لگے، یہ بات انہیں پسند نہ تھی کہ وہ حضور ﷺ کی معیت میں اپنے جان و مال کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کریں۔ چونکہ سخت گرمی کا موسم تھا، پھر پھل پک چکے تھے اور سائے گھنے ہو گئے تھے، اس لئے یہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ گرمی میں مت نکلنا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ انہیں آگاہ کر دیں کہ اس مخالفت کی وجہ سے جس آتش جہنم کا تمہیں سامنا کرنا پڑے گا وہ اس گرمی کی نسبت تو بہت زیادہ گرم ہے بلکہ دنیاوی آگ سے بھی زیادہ گرم ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بنی آدم کی آگ جسے تم جلاتے ہو، آتش جہنم کے ستر اجزاء میں سے ایک جزء ہے"۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ آگ بھی کافی ہے۔ فرمایا: "آتش جہنم اس سے انہتر جزء زیادہ ہے" (1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک اور روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تمہاری یہ آگ آتش جہنم کا سترواں حصہ ہے، حالانکہ دو مرتبہ اسے سمندر میں ڈالا گیا، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کسی کے لئے اس میں نفع نہ رکھتا" (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار سال تک آگ کو بھڑکایا یہاں تک کہ یہ سرخ ہو گئی، پھر ایک ہزار سال اسے جلایا حتیٰ کہ سفید ہو گئی، پھر ایک ہزار سال اسے روشن کیا یہاں تک کہ سیاہ ہو گئی۔ یہ تاریک رات کی طرح سیاہ ہے" (3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (البقرہ: 24) "تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں" تلاوت کی اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اسے ایک ہزار سال روشن کیا حتیٰ کہ یہ سفید ہو گئی، پھر ہزار سال یہاں تک کہ سرخ ہو گئی پھر مزید ہزار سال حتیٰ کہ یہ سیاہ ہو گئی۔ یہ رات کی طرح سیاہ ہے اس کے شعلے بھی نہیں چمکتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "اگر آتش جہنم کا ایک انگارہ مشرق میں ہو تو مغرب والے اس کی حرارت محسوس کریں" (4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر اس مسجد میں ایک لاکھ سے زائد لوگ ہوں اور ان میں ایک دوزخی سانس لے اور اس کا سانس ہر ایک تک پہنچ جائے تو مسجد حاضرین سمیت جل جائے گی"۔ حافظ ابو یعلی کی یہ روایت غریب ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن سب سے ہلکے عذاب والا وہ دوزخی ہوگا جس کے آتش جہنم سے بنے ہوئے دو جوتے اور دو تسمے ہوں گے جن کی وجہ سے اس کا دماغ ہنڈیا کی طرح ابل رہا ہوگا، اس کا خیال ہوگا کہ اس سے زیادہ سخت عذاب کسی کو نہیں ہو رہا حالانکہ وہ سب سے زیادہ ہلکے عذاب والا ہوگا" (5)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بروز قیامت سب سے ادنیٰ عذاب والا شخص آگ کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 6 صفحہ 330، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ 2184، موطا امام مالک، کتاب جہنم 994
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 244
3۔ تحفۃ الاحوذی، ابواب صفۃ جہنم، جلد 7 صفحہ 316-317، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد 1445
4۔ معجم طبرانی
5۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 144، صحیح مسلم کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 135

بنے ہوئے دو جوتے پہنے گا جن کی حرارت کی وجہ سے اس کا دماغ جوش مارنے لگے گا" (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اہل جہنم میں سب سے کم عذاب والا وہ شخص ہوگا جسے دو جوتے پہنائے جائیں گے جن کی وجہ سے اس کا دماغ ابلنے لگے گا" (2)۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ بہت سی آیات بھی آتش جہنم کے متعلق وارد ہوئی ہیں، فرمایا: كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ (المعارج: 16-15) "بیشک آگ بھڑک رہی ہوگی۔ نوچ لے گی گوشت پوست کو"۔ يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿٢٠﴾ وَلَهُم مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ (الحج: 22-19) "انڈیلا جائے گا ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی۔ گل جائے گا اس کھولتے پانی سے جو کچھ ان کے شکموں میں ہے اور ان کی چمڑیاں بھی گل جائیں گی۔ اور ان (کو مارنے) کے لئے گرز ہوں گے لوہے کے۔ جب بھی ارادہ کریں گے اس سے نکلنے کا فرط رنج والم کے باعث تو انہیں لوٹا دیا جائے گا اس میں۔ اور (کہا جائے گا) کہ چکھو جلتی ہوئی آگ کا عذاب"۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ (النساء: 56) "بے شک جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا ہم ڈال دیں گے انہیں آگ میں جب بھی پک جائیں گی ان کی کھالیں تو بدل کر دے دیں گے ہم انہیں کھالیں دوسری تاکہ وہ (مسلسل) چکھتے رہیں عذاب کو"۔ اور یہاں فرمایا: قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا ۚ لَّوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ یعنی اگر ان میں سمجھ بوجھ اور عقل و شعور ہوتا تو وہ ضرور گرمی میں بھی رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کے لئے نکلتے تاکہ وہ اس آتش جہنم سے محفوظ رہتے جو اس گرمی سے کئی گنا زیادہ گرم ہے لیکن ان کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو گرمی سے بچنے کے لئے آگ کی پناہ لیتا ہے، ایک شاعر کہتا ہے:

تو نے سرد گرم کے خوف سے اپنی عمر فنا کر ڈالی حالانکہ تیرے لئے بہتر یہ تھا کہ تو آگ سے بچنے کے لئے گناہوں سے احتراز کرتا۔

پھر اللہ تعالیٰ ان منافقین کو دھمکی دیتے ہوئے فرماتا ہے: فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دنیا قلیل ہے، یہ بدبخت جس قدر چاہیں اس میں ہنس لیں۔ جب دنیا ختم ہو جائے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف چلے جائیں گے تو یہ رونے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! رویا کرو، اگر رونا نہ آئے تو بتکلف رؤو۔ دوزخی اس قدر روئیں گے کہ ان کے آنسو چہروں پر یوں بہنے لگیں گے، گویا کہ وہ (چہرے) ندیاں ہیں یہاں تک کہ ان کے آنسو خشک ہو جائیں گے، پھر خون بہنے لگیں گے کہ آنکھیں زخمی ہو جائیں گی۔ اس قدر خون اور آنسو بہیں گے کہ اگر ہماری کشتیاں چلائی جائیں تو چلنے لگیں" (3)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ دوزخی جب دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو کچھ عرصہ آنسو بہاتے ہوئے روئیں گے، پھر کچھ عرصہ پیپ بہائیں گے۔ جہنم کے داروغہ انہیں کہیں گے: اے بدبختو! رحم کی جگہ دار دنیا میں تم نے رونا ترک کئے رکھا، کیا آج تم کوئی فریادرس پالو گے؟ وہ چیخ چیخ کر بلائیں گے: اے اہل جنت، اے ہمارے رشتہ دارو، اے ہمارے والدین، اے ہماری اولاد! ہم قبروں سے پیاسے نکلے، محشر میں بھی پیاسے ہی رہے اور آج بھی پیاسے ہیں، کچھ پانی ہمیں دے دو یا کچھ رزق دے دو جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے۔ چالیس سال کے بعد انہیں جواب ملے گا: إِنَّكُم مَّاكِثُونَ (الزخرف: 77) "تمہیں تو یہاں ہمیشہ (جلتے) رہنا ہے"۔ اب وہ ہر بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان: 195-196 2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 438-439

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد 1446، مسند ابی یعلی، جلد 7 صفحہ 162

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ﴿۸۳﴾

''(اے حبیب!) پھر اگر لے جائے آپ کو اللہ تعالیٰ ان کے کسی گروہ کے پاس پھر وہ اجازت طلب کریں آپ سے جہاد پر نکلنے کی تو آپ فرمایئے نہیں نکلو گے تم میرے ہمراہ کبھی اور ہرگز جنگ نہیں کرو گے میری معیت میں کسی دشمن سے، تم نے تو (خود) پسند کیا تھا (گھر) بیٹھ رہنا پہلی مرتبہ تو اب بیٹھے رہو پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام سے فرما رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو اس غزوہ سے بسلامت واپس لے آئے گا تو ان منافقین میں سے ایک گروہ کسی اور غزوہ میں شرکت کے لئے آپ سے درخواست کرے گا تو بطور تعزیر وعقوبت انہیں صاف صاف کہہ دینا کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ جہاد کے لئے نہیں نکل سکتے اور نہ ہی میرے ساتھ مل کر دشمن سے جنگ کر سکتے ہو۔ اس کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ یہ اس فرمان کی طرح ہے: وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام: 110) ''اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ''۔ کیونکہ برائی کا بدلہ اس کے بعد برائی کی ہی شکل میں ملتا ہے اور نیکی کا بدلہ اس کے بعد نیکی ہے جیسا کہ عمرۂ حدیبیہ میں فرمایا: سَیَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا...... (الفتح: 15) ''کہیں گے (پہلے سفر جہاد سے) پیچھے چھوڑے جانے والے جب تم روانہ ہو گے اموال غنیمت کی طرف تاکہ تم ان پر قبضہ کرلو......''۔

فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ''خٰلِفِیْنَ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو مجاہدین سے پیچھے رہ گئے یا عورتیں مراد ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ عورتیں مراد لینا درست نہیں کیونکہ ''خٰلِفِیْنَ'' مذکر کا صیغہ ہے، اگر عورتیں ذکر کرنا مقصود ہوتا تو ''خوالف'' یا ''خالفات'' کا لفظ ذکر کیا جاتا۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

''اور نہ پڑھیے نماز جنازہ کسی پر ان میں سے جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر۔ بے شک انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول مکرم کے ساتھ۔ اور وہ مرے اس حالت میں کہ وہ نافرمان تھے''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو منافقین سے برأت کا اظہار کرنے، ان میں سے کسی کی بھی نماز جنازہ نہ پڑھنے اور استغفار یا دعا کے لئے اس کی قبر پر کھڑا نہ ہونے کا حکم دیا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا اور مرتے دم تک کفر پر اڑے رہے۔ یہ حکم ہر منافق کے بارے میں عام ہے اگرچہ اس آیت کا سبب نزول رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کی وفات ہوئی تو اس کا بیٹا عبداللہ رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ میرے باپ کے کفن کے لئے اپنی قمیص عطا فرمائیں آپ علیہ السلام نے اسے وہ عطا کر دی، پھر اس نے عرض کی کہ آپ خود اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائیں۔ جب آپ علیہ السلام اس کا جنازہ پڑھانے کے لئے اٹھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ السلام کا دامن پکڑ کر عرض کی: یا رسول اللہ! آپ اس کا جنازہ پڑھیں گے حالانکہ آپ کے رب نے آپ کو اس سے منع فرمایا ہے: آپ

ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیتے ہوئے فرمایا ہے: اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (توبہ:80)۔ میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ وہ منافق ہے۔ تاہم رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی جس پر یہ آیت وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ...... نازل ہوئی(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ روایت بیان کرتے ہوئے سنا، فرماتے ہیں: جب عبداللہ بن ابی مر گیا تو اللہ کے رسول ﷺ کو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بلایا گیا۔ جب آپ ﷺ جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں نے آپ ﷺ کے سامنے آکر عرض کی: یارسول اللہ! کیا دشمن خدا عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھیں گے جس نے فلاں فلاں دن یہ یہ کیا تھا، اس کے سارے کرتوت بیان کر دیئے۔ آپ ﷺ مسکراتے رہے، جب میرا اصرار بڑھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمر! پیچھے ہٹو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے۔ اگر مجھے یہ علم ہو کہ ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ضرور زیادہ کروں''۔ چنانچہ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے بعد آپ ﷺ اس کی قبر پر کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اتنی جسارت پر بڑی ندامت ہوئی۔ بس تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ یہ آیت کریمہ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ...... نازل ہوگئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے وصال تک نہ کسی منافق کا جنازہ پڑھا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوئے(2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی مر گیا تو اس کا بیٹا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: یارسول اللہ! اگر آپ تشریف نہ لائے تو ہمیشہ ہمیں اس کی عار دلائی جاتی رہے گی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ وہاں تشریف لے گئے لیکن اسے قبر میں داخل کیا جا چکا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے داخل کرنے سے پہلے کیوں نہ بتایا؟ چنانچہ اسے قبر سے باہر نکالا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کے سارے جسم پر اپنی تھوک مبارک لگا دی اور اسے اپنی قمیص بھی پہنائی(3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رئیس المنافقین مرنے لگا تو اس نے وصیت کی کہ رسول اللہ ﷺ اس کا جنازہ پڑھائیں۔ جب وہ مر گیا تو اس کا بیٹا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے باپ کی خواہش آپ ﷺ تک پہنچائی۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ اس منافق نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ مجھے حضور ﷺ کی قمیص میں کفن دیا جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اپنی قمیص اتار کر اسے پہنا دی اس پر یہ آیت اتری''(4)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو جبرئیل نے آپ ﷺ کا دامن پکڑ لیا اور یہ فرمان الٰہی سنایا: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ...... اسے طبری اور حافظ ابویعلی نے روایت کیا ہے لیکن یہ ضعیف ہے(5)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی نے اپنی بیماری کے ایام میں رسول اللہ ﷺ کو بلایا۔ جب آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''تمہیں تو یہود کی محبت نے ہلاک کر دیا''۔ وہ کہنے لگا: یارسول اللہ! میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے تاکہ آپ میرے لئے استغفار کریں سرزنش کرنے کے لئے آپ کو نہیں بلایا، پھر اس کے بیٹے حضرت عبداللہ نے آپ ﷺ سے قمیص کی درخواست کی تاکہ وہ اپنے باپ کو اس میں کفن دے سکیں آپ ﷺ نے اسے عطا فرما دی، رئیس المنافقین کی نماز جنازہ بھی پڑھی اور اس کی قبر پر بھی کھڑے ہوئے اس وقت یہ آیت اتری(6)۔ بعض سلف کا یہ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 6 صفحہ 15، صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین 2141 وغیرہ

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 16، تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 8 صفحہ 495-499

3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 371

4۔ مسند بزار

5۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 205، مسند ابی یعلی، جلد 7 صفحہ 144-145

6۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 206

کہنا ہے کہ اس منافق کو قمیص پہنانے کی غرض یہ تھی کہ جب حضرت عباس اسیران بدر میں آئے تو ان کے قد و قامت کے مطابق کسی کی قمیص انہیں پوری نہ آئی سوائے عبداللہ بن ابی کے۔ چونکہ یہ گرانڈیل اور طویل القامت تھا اس لئے اس کی قمیص حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پہنا دی گئی۔ حضور ﷺ نے اس منافق کو اپنی قمیص دیکر بدلہ چکا دیا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ اس آیت کے نزول کے بعد نہ کسی منافق کا جنازہ پڑھتے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوتے جیسا کہ حضرت ابوقتادہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کسی جنازہ کے لئے کہا جاتا تو آپ ﷺ پہلے اس کے متعلق دریافت کرتے۔ اگر لوگ اس کی تعریف کرتے تو آپ ﷺ جنازہ پڑھا دیتے بصورت دیگر آپ ﷺ میت کے لواحقین سے کہہ دیتے کہ تم جانو اور یہ۔ اور آپ ﷺ خود جنازہ نہ پڑھتے (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجہول الحال شخص کا جنازہ اس وقت تک نہ پڑھتے جب تک حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ شریک نہ ہوتے کیونکہ انہیں منافقین کے بارے میں علم تھا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں منافقین کے متعلق آگاہ کر دیا تھا۔ اسی لئے انہیں راز دان رسول ﷺ کہا جاتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کا جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے چٹکی لی، گویا آپ انہیں جنازہ سے روکنا چاہتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے اور استغفار کے لئے ان کی قبروں پر کھڑا ہونے سے منع کر دیا تو اہل ایمان کے لئے اسے مشروع قرار دے دیا کیونکہ یہ کام مسلمانوں کے لئے بڑا نفع بخش اور باعث قربت ہے۔ اس کے کرنے سے اجر جزیل عطا ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے جنازہ میں شرکت کی اور نماز پڑھے جانے تک ساتھ رہا اس کے لئے ایک قیراط (ثواب) ہے اور جو دفن کئے جانے تک جنازہ کے ساتھ شریک رہا اس کے لئے دو قیراط“۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! دو قیراط کیا ہیں؟ فرمایا: ”سب سے چھوٹا قیراط احد (پہاڑ) کی مقدار ہے“ (2)۔ مومن کی قبر پر کھڑا ہونے کے متعلق حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ اس پر کھڑے ہو جاتے اور فرماتے: ”اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو، کیونکہ اب اس سے سوال کیا جا رہا ہے“ (3)۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

”اور نہ تعجب میں ڈالیں آپ کو ان کے مال اور ان کی اولاد۔ یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں ان سے دنیا میں اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ کافر ہوں“۔

اس قسم کی آیت کی تفسیر گزر چکی ہے (4)۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 299-300
2۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 110، صحیح مسلم، کتاب الجنائز: 652
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 215
4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ: 55

''اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورۃ (جس میں حکم ہوتا ہے کہ) ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو اللہ کے رسول کے ہمراہ تو اجازت طلب کرنے لگتے ہیں آپ سے جو طاقت والے ہیں ان میں سے اور کہتے ہیں رہنے دیجئے ہمیں تا کہ ہوں ہم پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ، انہوں نے یہ پسند کیا کہ ہو جائیں پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ اور مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر تو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔''

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت فرمارہا ہے جو جہاد سے پیچھے رہ گئے، باوجود قدرت، خوشحالی اور وسعت کے لڑائی سے اعراض کیا اور حضور علیہ السلام سے اجازت لیکر عورتوں کے ساتھ گھر بیٹھ گئے۔ اس سے بڑھ کر ذلت اور عار کیا ہو سکتی ہے کہ انسان بوقت ضرورت عورتوں کی طرح عاجز بن کر بیٹھا رہے۔ یہ لوگ جنگ کے وقت انتہائی بزدل ہوتے ہیں لیکن جب امن و امان ہو تو بڑے باتونی۔ جیسا کہ ان کے متعلق ایک اور مقام پر فرمایا: فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ (الاحزاب: 19) ''پھر جب خوف (ودہشت) چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا رہی ہوتی ہیں اس شخص کی مانند جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ پھر جب خوف دور ہو جائے تو تمہیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝ (محمد: 21-20) ''اور اہل ایمان کہتے ہیں کیوں نہ اتری کوئی نئی سورت (جہاد کے بارے میں) پس جب اتاری جاتی ہے کوئی واضح سورت اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے۔ تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہوتا ہے کہ وہ تکتے ہیں آپ کی طرف جیسے تکتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ پس ان کے لئے بہتر یہ تھا کہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے۔ پھر جب حکم ناطق ہو چکا تو اگر وہ سچے رہتے اللہ تعالیٰ سے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا''۔

وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ...... یعنی جہاد سے اعراض کرنے اور راہ خدا میں رسول اللہ علیہ السلام کا ساتھ نہ دینے کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اور اب انہیں اپنے نفع نقصان کا بھی علم نہیں۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

''لیکن رسول اور جو ایمان لائے اس کے ساتھ انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اور انہی کے لئے ساری بھلائیاں ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ تیار کر رکھے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے باغات بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہنے والے ہیں ان میں۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے''۔

منافقین کی مذمت اور مومنین کی مدح کے بعد صحابہ رسول علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ یہ وہ سعادت مند ہیں جنہوں نے اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کیا۔ انہی کے لئے بھلائیاں اور مکمل کامیابی ہے۔ آخرت میں انہیں اللہ تعالیٰ جنت الفردوس اور بلند درجات سے نوازے گا۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾

''اور آئے بہانہ بنانے والے بدو تا کہ اجازت مل جائے انہیں اور بیٹھ رہے وہ جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ اور اس کے رسول سے عنقریب پہنچے گا جنہوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب دردناک''

اللہ تعالیٰ ترک جہاد میں ان اصحاب عذر کی حالت بیان فرما رہا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی کمزوری اور جہاد پر عدم قدرت کا عذر پیش کیا۔ ان کا تعلق مدینہ کے اردگرد بسنے والے قبائل عرب سے تھا۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''مُعَذِّرُوْنَ'' کی بجائے ''مُعْذِرُوْنَ'' قرأت نقل کی ہے جس کا معنی ہے اہل عذر (1)۔ اور آیت کی تفسیر میں یہی زیادہ واضح ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا: وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی یہ لوگ نہ آئے اور نہ عذر پیش کیا۔ مجاہد کہتے ہیں یہ بنو غفار کے لوگ تھے جنہوں نے عذر پیش کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے عذر کو قبول نہ فرمایا۔ حسن، قتادہ اور محمد بن اسحاق کا بھی یہی کہنا ہے لیکن پہلا قول زیادہ واضح اور درست ہے، اس کی وجہ ہم نے بیان کر دی ہے کہ اس کے بعد فرمان ہے: وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی دوسرے اعراب معذرت کے لئے آنے سے رکے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں المناک عذاب کی دھمکی دیتے ہوئے فرمایا:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

''نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جو نہیں پاتے وہ مال جسے خرچ کریں (اگر یہ پیچھے رہ جائیں) کوئی حرج جب کہ وہ مخلص ہوں اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے۔ نہیں ہے نیکوکاروں پر الزام کی کوئی وجہ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور نہ ان پر (کوئی الزام ہے) جو جب حاضر ہوئے آپ کے پاس تا کہ آپ سوار کریں انہیں تو فرمایا آپ نے میں نہیں پاتا جس پر میں تمہیں سوار کروں وہ لوٹتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھیں بہا رہی ہوتی ہیں آنسو اس غم میں کہ افسوس نہیں ان کے پاس جو وہ خرچ کریں۔ الزام تو بس ان لوگوں پر ہے جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے حالانکہ وہ مال دار ہیں وہ راضی ہو گئے اس پر کہ ہو جائیں پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ۔ اور مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پس وہ (کچھ) نہیں جانتے''۔

اللہ تعالیٰ وہ عذر بیان فرما رہا ہے جن کے ہوتے ہوئے جہاد سے پیچھے رہ جانے والے پر کوئی گناہ نہیں۔ ان میں سے بعض عذر تو وہ

1۔ معانی القرآن للفراء، جلد 1 صفحہ 44، تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 210

ہیں جو دائمی ہوتے ہیں کسی وقت بھی زائل نہیں ہوتے مثلاً طبعی جسمانی کمزوری جس کے باعث جہاد کرنے کی طاقت نہ ہو، اندھا پن، لنگڑا پن۔ پہلے ان لازمی عوارض کا ذکر کیا، اور بعض عوارض ایسے ہیں جو عارضی ہوتے ہیں مثلاً کوئی شخص بیمار ہو گیا جس کی وجہ سے راہ خدا میں جہاد پر نہ نکل سکا یا فقیر ہونے کے باعث ضروریات اور لوازمات جہاد حاصل نہ کر سکا۔ ایسے لوگوں پر جہاد میں عدم شرکت پر کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ خیر خواہی کا مظاہرہ کریں، لوگوں کے درمیان خوف و ہراس نہ پھیلائیں اور نہ وہ انہیں راہ حق میں جہاد سے روکیں، مزید برآں وہ نیکوکار بھی ہوں، اس لئے فرمایا: مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ حضرت ابو ثمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ ہمیں بتائیے کہ خدا کے لئے مخلص اور خیر خواہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جو اللہ کے حق کو بندوں کے حق پر ترجیح دیتا ہے، جب اسے کوئی دو معاملات درپیش ہوں یا دنیا اور آخرت کا معاملہ درپیش ہو تو وہ پہلے آخرت کا معاملہ انجام دیتا ہے اس کے بعد دنیاوی معاملہ۔ امام اوزاعی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لوگ استسقاء کے لئے نکلے، ان میں حضرت بلال بن سعد بھی تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد حاضرین سے کہا: کیا تم سب اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والے نہیں ہو؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں، تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی: اے اللہ! ہم تیرا فرمان: مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ سنتے ہیں، یا اللہ! ہم سب نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا، اس لئے ہماری مغفرت فرما، ہم پر اپنی رحمت نازل کر کے بارش برسا۔ انہوں نے خود بھی ہاتھ بلند کئے اور باقی لوگوں نے بھی، دعا کی دیر تھی کہ بارش برسنے لگی۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت عائذ بن عمرو مزنی کے بارے میں اتری، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا، میں سورۂ براءت لکھ رہا تھا، میں نے قلم اپنے کان پر رکھا ہوا تھا، جہاد کی آیتیں نازل ہو رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ انتظار کر رہے تھے کہ اب کیا حکم نازل ہوتا ہے۔ اسی اثناء میں ایک نابینا آ کر عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میں نابینا ہوں، میرے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس وقت یہ آیت لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاۗءِ...... اتری۔ پھر ان لوگوں کا بیان ہے جو لوازمات جہاد نہ پانے کے باعث جہاد میں شرکت کرنے سے معذور تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جہاد پر نکلنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام کا ایک گروہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جن میں حضرت عبد اللہ بن مغفل بن مقوی مزنی بھی تھے، یہ لوگ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! ہمیں سواریاں عطا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تمہاری سواری کے لئے کچھ نہیں پاتا'' چنانچہ یہ صحابہ روتے ہوئے واپس لوٹے۔ جہاد میں عدم شرکت ان پر بہت شاق گزری اور نفقات اور سواری نہ ملنے کے باعث غم سے نڈھال ہو گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی اللہ و رسول کے ساتھ شدید محبت اور وابستگی دیکھی تو قرآن کریم میں ان کے عذر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاۗءِ...... فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قبیلہ مزینہ سے تعلق رکھنے والے بنو مقرن کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ یہ سات افراد تھے۔ بنی عمرو بن عوف کے سالم بن عوف، بنی واقف کے حرمی بن عمرو، بنی مازن سے عبد الرحمٰن بن کعب جن کی کنیت ابو لیلیٰ تھی، بنی المعلی کے فضل اللہ، بنی سلمہ سے عمرو بن عتمہ، عبد اللہ بن عمرو مزنی اور بنی حارثہ کے علبہ بن زید۔ محمد بن اسحاق نے کچھ تبدیلی کے ساتھ اس طرح یہ نام گنوائے ہیں: بنی عمرو بن عوف سے سالم بن عمیر، بنی حارثہ سے علبہ بن زید، بنی مازن سے ابو لیلی عبد الرحمٰن بن کعب، بنی سلمہ سے عمرو بن حمام بن جموح، عبد اللہ بن مغفل مزنی بعض کے نزدیک یہ عبد اللہ بن عمرو مزنی تھے، بنی واقف کے ھرمی بن عبد اللہ اور عرباض بن ساریہ فزاری۔ ان کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 10 صفحہ 211

متعلق یہ وحی نازل ہوئی (1)۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم مدینے میں ایسے لوگ چھوڑ آئے ہو کہ تم جو خرچ کرتے ہو، جس وادی میں چلتے ہو اور جو دشمن کو نقصان پہنچاتے ہو، وہ بھی تمہارے ساتھ اجر میں شریک ہیں'' پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم جس وادی کو طے کرتے ہو اور جہاں چلتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہیں''۔ صحابہ نے عرض کی: حالانکہ وہ تو مدینہ میں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عذر نے انہیں روک رکھا ہے'' (2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم مدینہ میں چند لوگ چھوڑ آئے ہو، جس وادی کو تم طے کرتے ہو اور جس رستہ پر تم چلتے ہو وہ اجر میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔ بیماری نے انہیں پابند کر دیا'' (3)۔ پھر ان لوگوں کو ملامت کی جا رہی ہے جو خوشحال ہونے کے باوجود جہاد سے رخصت طلب کرتے ہیں اور عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہنے پر راضی ہو گئے ہیں، انہیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾

''وہ بہانے پیش کریں گے تمہارے پاس جب تم لوٹ کر جاؤ گے ان کی طرف۔ فرمائیے بہانے مت بناؤ ہم نہیں اعتبار کریں گے تم پر، آگاہ کر دیا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری خبروں پر۔ اور دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارا عمل اور اس کا رسول پھر لوٹائے جاؤ گے اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو پھر وہ آگاہ کرے گا تمہیں جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم لوٹو گے ان کی طرف تاکہ تم معاف کر دو انہیں سو منہ پھیر لو ان سے یقیناً وہ ناپاک ہیں۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلہ اس کا جو وہ کمایا کرتے تھے۔ وہ قسمیں کھاتے ہیں تمہارے لئے تاکہ تم خوش ہو جاؤ ان سے۔ سو (یاد رکھو) اگر تم خوش ہو بھی گئے ان سے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوگا نافرمانوں کی قوم سے''۔

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کو منافقین کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ جب تم مدینہ واپس لوٹو گے تو یہ منافقین طرح طرح کے عذر، بہانے پیش کریں گے لیکن انہیں کہہ دینا کہ ہم تمہاری باتوں پر یقین نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے حالات سے باخبر کر دیا ہے۔ عنقریب اللہ اور اس کا رسول ﷺ تمہارے اعمال کو لوگوں پر ظاہر کر دیں گے۔ پھر تمہیں اس ذات کے حضور پیش کیا جائے گا جو ظاہر اور باطن کو اچھی طرح جانتا ہے وہ تمہیں تمہارے اعمال پر آگاہ کر کے جزا دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے متعلق بتایا کہ وہ عنقریب تمہارے سامنے عذر پیش کرتے ہوئے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے چشم پوشی کر لو اور انہیں سرزنش نہ کرو، اس لئے اظہار حقارت کرتے ہوئے ان سے

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 518
2۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 4 صفحہ 31
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 300، صحیح مسلم، کتاب الامارہ 1518، سنن ابن ماجہ کتاب الجہاد 923

اعراض کرلو کیونکہ یہ نجس اور پلید ہیں، یہ خبیث النفس اور بدعقیدہ لوگ ہیں۔ ان کی بدکرداری اور برے اعمال کے باعث ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ مزید اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تمہیں راضی کرنے کے لئے قسمیں اٹھاتے ہیں، اگر ان کی قسموں پر یقین کرتے ہوئے تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو بھی اللہ تعالیٰ ایسی فاسق قوم سے راضی نہیں ہوگا جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے انحراف کئے رکھا۔ ''فٰسِقِیْنَ'' کا معنی ہے خارجین یعنی اطاعت سے نکلنے والے۔ یہ ''فسق'' سے بنا ہے جس کا معنی ہے خروج۔ خرابی پیدا کرنے کے لئے جب چوہا اپنی بل سے نکلتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''اَلْفَارَۃُ فُوَیْسِقَۃٌ''۔ جب کھجور کے خوشے نکل آئیں تو کہتے ہیں: ''فَسَقَتِ الرُّطَبَۃُ''۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

''اعرابی زیادہ سخت ہیں کفر اور نفاق میں اور حقدار ہیں کہ نہ جانیں وہ احکام جو نازل کئے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔ اور بعض بدو ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ جو وہ (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں وہ تاوان ہے اور منتظر ہیں تمہارے لئے (زمانہ کی) گردشوں کے۔ (حقیقت میں) انہیں پر ہے بری گردش۔ اور اللہ تعالیٰ سمیع (و) حلیم ہے۔ اور کچھ دیہاتیوں میں سے وہ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روز قیامت پر اور سمجھتے ہیں جو وہ خرچ کرتے ہیں قرب الٰہی اور رسول (پاک) کی دعائیں لینے کا ذریعہ ہے، ہاں ہاں وہ ان کے لئے باعث قرب ہے، ضرور داخل فرمائے گا انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں، بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

اللہ تعالیٰ دیہاتی بدوؤں کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ ان میں کفار، منافقین اور مومنین سبھی موجود ہیں۔ ان کا کفر اور نفاق دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ عظیم اور شدید ہے اور یہ زیادہ اس بات کے سزاوار ہیں کہ ان حدود سے ناواقف رہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیں، جیسا کہ اعمش نے ابراہیم سے روایت کی کہ ایک بدو زید بن صوحان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، وہ اپنے ساتھیوں سے محو کلام تھے۔ جنگ نہاوند میں ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا تھا، بدو انہیں کہنے لگا کہ آپ کی باتیں تو میرے دل کو بھاتی ہیں لیکن یہ کٹا ہوا ہاتھ مجھے شک میں ڈال دیتا ہے (کہ شاید چوری میں کٹا ہو) زید کہنے لگے کہ میرے ہاتھ سے تمہیں کیا شک ہوا یہ تو بایاں ہے؟ بدو کہنے لگا کہ مجھے نہیں معلوم (چوری میں) دایاں ہاتھ کاٹا جاتا ہے یا بایاں۔ اس پر زید بن صوحان نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا ہے: اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَنْ لَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے صحراء میں سکونت اختیار کی وہ سخت مزاج ہو گیا، جو شکار کے پیچھے دوڑا وہ غافل ہو گیا اور جس نے بادشاہ کی ہمنشینی اختیار کی وہ فتنہ میں مبتلا ہو گیا(2)۔ تندی، بدمزاجی، اجڈپن اور درشت روی چونکہ بادیہ نشینوں میں پائی جاتی ہے اس لئے

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 4 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصید، جلد 3 صفحہ 111، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 357 وغیرہ

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کوئی رسول مبعوث نہیں فرمایا، بلکہ رسولوں کی بعثت شہری اور متمدن لوگوں سے ہوتی رہی جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی (یوسف:109) ''اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے''۔ ایک مرتبہ ایک بدو نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تو اسے راضی کرنے کے لئے آپ ﷺ کو کئی گناہ زیادہ ہدیہ لوٹانا پڑا، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ قریشی، ثقفی، انصاری یا دوسی کے علاوہ کسی کا ہدیہ قبول نہ کروں'' (1)۔ کیونکہ یہ لوگ مکہ، مدینہ، طائف اور یمن جیسے شہروں میں رہتے ہیں۔ یہ بدوؤں سے زیادہ نرم مزاج اور با اخلاق ہیں جبکہ ان میں سختی اور درشتی پائی جاتی ہے۔

بچوں کو بوسہ دینے کے متعلق حدیث اعرابی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کچھ بدو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پوچھنے لگے کہ تم لوگ اپنے بچوں کو چومتے ہو؟ صحابہ نے کہا: ہاں۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو نہیں چومتے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں سے رحمت نکال دی ہے تو بھلا میں کیا کرسکتا ہوں'' (2)۔

وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون اس بات کا مستحق ہے جسے ایمان اور علم کی توفیق دی جائے اور وہ اپنے بندوں کے درمیان علم، جہالت، ایمان، کفر اور نفاق کی تقسیم میں حکیم ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے متعلق اس سے باز پرس نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ علیم اور حکیم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات سے آگاہ کیا کہ بعض دیہاتی ایسے ہیں جو راہ خدا میں خرچ کرنے کو جرمانہ اور خسارہ سمجھتے ہیں اور وہ تمہارے بارے میں حوادثات زمانہ اور گردش لیل ونہار کا انتظار کر رہے ہیں لیکن یہ حوادث اور آفات ان پر ہی پڑیں گی اور برا وقت ان پر ہی آئے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کون اس کی مدد کا مستحق ہے اور کون نامرادی کا۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ...... اعراب کی یہ قسم ممدوح اور قابل ستائش ہے۔ یہ راہ خدا میں خرچ کر کے اسے قرب الٰہی اور دعائے رسول ﷺ کے حصول کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں، سو یہ قرب انہیں حاصل ہوگیا اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمادے گا، کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۰۰﴾

اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے اور جنہوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہوگئے وہ اس سے اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے باغات بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک یہی بہت بڑی کامیابی ہے''۔

اللہ تعالیٰ سابقین اولین مہاجر و انصار اور اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں سے اپنی رضا کی خبر دے رہا ہے، اس کی رضا یہ

1۔ سنن نسائی، کتاب العمری، جلد 6 صفحہ 280، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 295

2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل 1808

ہے کہ اس نے ان سعادت مند ہستیوں کے لئے دائمی نعمتوں بھری جنت تیار کر رکھی ہے۔ شعبی کہتے ہیں کہ سابقین اولین وہ مہاجر اور انصار ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان کی تھی۔ حضرات ابوموسیٰ اشعری، سعید بن مسیب، محمد بن سیرین، حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قبلتین کی طرف نماز پڑھی۔ محمد بن قرظی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو یہ آیت وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ یہ تمہیں کس نے پڑھایا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ابی بن کعب نے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے ساتھ رہنا، میں تمہیں ابی کے پاس لیکر جاؤں گا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہیں کہنے لگے کہ کیا تم نے اسے یہ آیت اس طرح پڑھائی ہے؟ جواب دیا: ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا تم نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا؟ حضرت ابی نے جواب دیا: ہاں۔ تو حضرت عمر کہنے لگے کہ میرا خیال تو یہ تھا کہ ہمیں ایسی رفعت حاصل ہے جو ہمارے بعد کوئی نہیں حاصل کر سکتا۔ حضرت ابی کہنے لگے کہ اس آیت کی تصدیق ان آیات میں موجود ہے: وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الجمعہ:3) ''اور دوسرے لوگوں کا بھی ان میں سے (تزکیہ کرتا ہے تعلیم دیتا ہے) جو ابھی ان سے آکر نہیں ملے۔ اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے''۔ وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (الحشر:10) ''اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے''۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا (الانفال:74) ''اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا'' (1)۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ لفظ ''الْاَنْصَارِ'' کو ''السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' پر عطف کرتے ہوئے پیش کے ساتھ پڑھتے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دے دی کہ وہ مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین اور اخلاص کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والوں سے راضی ہو گیا۔ اب ان لوگوں کے لئے ہلاکت اور بربادی ہے جو ان ہستیوں کے ساتھ بغض رکھتے ہیں، انہیں سب وشتم کرتے ہیں۔ سب کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں یا بعض کے ساتھ۔ خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو نبی کریم ﷺ کے بعد تمام صحابہ کے سردار اور سب سے افضل ہیں۔ صدیق اکبر اور خلیفہ اعظم ہیں۔ رافضی ٹولہ خصوصی طور پر صحابہ کرام سے عداوت و بغض رکھتا ہے اور انہیں گالیاں دیتا ہے، ''نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ!'' یہ چیز اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ان ناہنجاروں کی عقلیں الٹ گئی ہیں اور ان کے دل اوندھے ہو گئے ہیں۔ جب یہ ان خوش نصیبوں کو گالیاں دیتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا تو ان کا ایمان بالقرآن کے ساتھ کیا واسطہ؟ ان کا تو قرآن پر ایمان ہی نہ رہا، لیکن اہل سنت ان لوگوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور ان لوگوں کو برا بھلا کہتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے ہاں ملعون ہیں۔ یہ ان لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جنہیں اللہ دوست رکھتا ہے اور ان کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں جو اللہ کے دشمن ہیں، یہ متبع ہیں، بدعتی نہیں، (خدا اور سول کی) اقتداء کرتے ہیں، (نئے نئے طریقوں کی) ابتداء نہیں کرتے۔ یہی فلاح پانے والا اور مومن بندگان خدا کا گروہ ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۭ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ڀ مَرَدُوْا عَلَي النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠١﴾

''اور تمہارے آس پاس بسنے والے دیہاتیوں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ مدینہ کے رہنے والے پکے ہو گئے ہیں نفاق میں تم نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں انہیں۔ ہم عذاب دیں گے انہیں دوبار پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔''

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 8

اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دے رہا ہے کہ مدینہ کے اردگرد بسنے والے قبائل میں بھی منافق ہیں اور اہل مدینہ میں بھی بعض لوگ منافق ہیں جو اپنے نفاق پر مصر اور ڈٹے ہوئے ہیں، کہا جاتا ہے: ''شَیْطَانٌ مَّرِیْدٌ وَّمَارِدٌ''۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: تَمَرَّدَ فُلَانٌ عَلَی اللّٰہِ'' فلاں نے اللہ تعالیٰ کی سرکشی کی''۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ اس فرمان: وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ (محمد:30)'' اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو دکھادیں یہ لوگ سو آپ پہچان تو چکے ہیں ان کو ان کے چہرہ سے۔ اور آپ ضرور پہچان لیا کریں گے انہیں ان کے انداز گفتگو سے'' کے منافی اور متضاد نہیں، کیونکہ اس آیت میں جو پہچاننے کی بات ہو رہی ہے وہ ان صفات کی بناء پر ہے جن کا اس آیت میں ذکر ہوا، نہ کہ اس کا یہ مقصد ہے کہ آپ ﷺ انہیں علی التعیین پہچانتے ہیں، البتہ اہل مدنیہ میں سے بعض منافقین کو آپ جانتے تھے جن سے صبح و شام میل جول اور ملاقات ہوتی۔ اس کی تصدیق حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! وہ گمان کرتے ہیں کہ مکہ میں ہمارا کوئی اجر نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں تمہارے اجر ضرور ملیں گے اگرچہ تم لومڑی کی بل میں ہی کیوں نہ ہو'' پھر آپ ﷺ نے میری طرف اپنا سر جھکا کر فرمایا: '' میرے اصحاب میں بعض منافقین بھی ہیں'' (1)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے بعض منافقین اور جھوٹی باتوں کے ذریعے خوف و ہراس پھیلانے والوں کی قلعی کھول دی اور آیت کریمہ'' وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا '' کی تفسیر کے تحت گزر چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو چودہ یا پندرہ منافقین کے بارے میں آگاہ کر دیا لیکن یہ تخصیص اس بات کی مقتضی نہیں کہ آپ ﷺ تمام منافقین کے ناموں اور ذاتوں پر مطلع تھے۔ حرملہ نامہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اپنے ہاتھ سے زبان کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ ایمان یہاں ہے اور اپنے ہاتھ سے دل کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ نفاق یہاں ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت ہی کم کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے دعا کی: '' یا اللہ! اس کی زبان کو ذاکر اور دل کو شاکر بنا دے، اور اسے میری اور میرے ساتھ محبت کرنے والوں کی محبت عطا فرما اور اس کے معاملہ کو خیر کی طرف منتقل کر دے۔'' اب اس کی منافقت جاتی رہی۔ وہ عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میرے منافق ساتھی ہیں جن کا میں سردار تھا، کیا میں انہیں آپ کے پاس نہ لے آؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: '' جو ہمارے پاس آئے ہم اس کے لئے استغفار کرتے ہیں اور جو نفاق پر ڈٹا رہے اس کا اللہ وارث، کسی کا پردہ مت چاک کرنا'' (2)۔ حضرت قتادہ نے اس آیت کے متعلق کہا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو بہ تکلف لوگوں کے بارے میں اپنا علم ظاہر کرتے ہیں کہ فلاں جنتی ہے اور فلاں دوزخی۔ جب تم ان میں سے کسی سے اس کی ذات کے متعلق سوال کرو گے تو وہ کہے گا کہ مجھے نہیں معلوم۔ میری زندگی کی قسم! تم دوسروں کے احوال جاننے سے زیادہ اپنے نصیب کو جانتے ہو، تم نے ایسا دعویٰ کیا جس کا دعویٰ انبیاء علیہم السلام کو بھی نہ تھا، دیکھیں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الشعراء:112)'' مجھے کیا خبر کہ وہ کس نیت سے ایمان لائے ہیں''۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ (ہود:86)'' جو بچ رہے اللہ تعالیٰ کے دیئے سے وہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ایماندار ہو۔ اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان''۔ اور رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: '' اے فلاں! نکل جاؤ، تم منافق ہو، اے فلاں! نکل جاؤ، تم منافق ہو'' آپ ﷺ نے بڑی ذلت و رسوائی کے ساتھ منافقین کو مسجد سے باہر نکال دیا۔ حضرت عمر رضی

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 83　　2۔ ابن عساکر

اللہ عنہ آئے تو یہ لوگ مسجد سے نکل رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سمجھا شاید نماز جمعہ ہو چکی ہے اور لوگ واپس چلے گئے ہیں، اس لئے شرم کے بارے میں ان نکلنے والے منافقین سے چھپ گئے، وہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس گمان کی بناء پر چھپ گئے، کہ انہیں ان کے متعلق علم ہو چکا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ لوگوں نے ابھی نماز جمعہ پڑھی ہی نہیں۔ ایک مسلمان نے انہیں بتایا: عمر! تمہیں بشارت ہو، اللہ تعالیٰ نے آج منافقین کا پول کھول دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ مسجد سے نکالا جانا عذاب اول ہے اور عذاب ثانی عذاب قبر ہوگا(1)۔ مجاہد سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد قتل اور قید ہے۔ ایک دوسری روایت میں کہتے ہیں کہ ایک عذاب بھوک اور دوسرا عذاب قبر، پھر انہیں عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ عذاب دنیا اور عذاب قبر، پھر آتش جہنم کا عظیم عذاب۔ حضرت حسن بصری کہتے ہیں: دنیا میں عذاب اور قبر میں عذاب۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ دنیا میں عذاب اموال اور اولاد ہے، اس پر یہ آیت پڑھی: فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (التوبہ:55) ''سو نہ تعجب میں ڈال دیں تمہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد۔ یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں ان چیزوں سے دنیوی زندگی میں''، یہ مصائب ان کے لئے عذاب ہیں اور مومنین کے لئے باعث اجر و ثواب اور آخرت میں عذاب آتش جہنم ہے، فرمایا: ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ایک عذاب ان کے لئے اسلام کی ترقی و غلبہ اور اس پر ان کی خشمنا کی، دوسرا عذاب قبر جب وہ قبروں میں جائیں گے پھر عذاب عظیم یعنی عذاب آخرت جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ سعید نے قتادہ سے روایت کرتے ہوئے کہا: عذاب دنیا اور عذاب قبر، پھر آخرت میں عذاب عظیم۔ اور انہوں نے یہ بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے رازدارانہ طریقے سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بارہ منافقوں کے متعلق آگاہ کیا، فرمایا: ان میں سے چھ کو دبیلہ کافی ہے یعنی آتش جہنم کا شعلہ جو ان کے کندھوں کے درمیان ظاہر ہو کر سینے تک چلا جائے گا اور چھ اپنی موت مر جائیں گے۔ سعید نے یہ بھی ذکر کیا کہ جب کوئی شخص مر جاتا اور اس کے منافق ہونے کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شبہ ہوتا تو آپ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے، اگر وہ جنازہ پڑھتے تو آپ رضی اللہ عنہ بھی پڑھ لیتے ورنہ ترک کر دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اللہ کا واسطہ دیکر پوچھا: تاکہ کیا میں ان میں سے ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، لیکن آپ کے سوا میں کسی کا ذمہ دار نہیں۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٢﴾

''کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اعتراف کر لیا ہے اپنے گناہوں کا۔ انہوں نے ملا جلا دیئے ہیں کچھ اچھے اور کچھ برے عمل۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ان کی توبہ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

پہلے منافقین کا بیان ہوا جو اعراض، تکذیب اور شک کے باعث مجاہدین سے پیچھے رہ گئے۔ اب ان گنہگاروں کا حال بیان ہو رہا ہے جو کاہلی اور راحت طلبی کے باعث جہاد سے رکے رہے حالانکہ انہیں ایمان اور تصدیق حق حاصل تھی، فرمایا کہ کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا، ان کے ملے جلے اعمال ہیں، اچھے بھی اور برے بھی، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عفو و غفران کے مستحق ہیں۔ یہ آیت کریمہ اگرچہ چند معین اشخاص کے بارے میں نازل ہوئی لیکن اس کا حکم گناہوں میں ملوث ہونے والے تمام خطا کار مخلص

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 10

مسلمانوں میں عام ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ذبح (کا حکم) ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابولبابہ اور ان کے ساتھیوں کی ایک جماعت کے متعلق اتری جو غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک جہاد نہ ہو سکے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لوگ ابولبابہ اور ان کے ساتھ پانچ، سات یا نو دیگر افراد تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ سے واپس لوٹے تو انہوں نے خود کو مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھ لیا اور قسم اٹھائی کہ انہیں سوائے رسول اللہ ﷺ کے کوئی نہیں کھولے گا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں رہا کر کے معاف فرما دیا۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آج رات دو آنے والے میرے پاس آئے، انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور ہم سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنے ہوئے ایک شہر تک پہنچے۔ وہاں ہمیں کچھ لوگ ملے جن کا آدھا جسم تو انتہائی خوبصورت دکھائی دیتا تھا جبکہ باقی جسم انتہائی قبیح۔ میرے دونوں ساتھیوں نے انہیں کہا کہ اس نہر میں غوطہ لگاؤ، انہوں نے اس میں غوطہ لگایا، پھر ہمارے پاس واپس آئے تو ان کی یہ قباحت جاتی رہی اور وہ انتہائی خوبصورت ہو گئے۔ میرے ساتھیوں نے مجھے کہا: یہ جنت عدن ہے اور یہ آپ کا مقام ہے، پھر انہوں نے بتایا کہ یہ لوگ جن کا آدھا جسم خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ملے جلے اچھے برے اعمال کئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا(1)۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

''(اے حبیب!) وصول کیجئے ان کے مالوں سے صدقہ تاکہ آپ پاک کریں انہیں اور بابرکت فرمائیں انہیں اس ذریعے سے نیز دعا مانگئے ان کے لئے۔ بے شک آپ کی دعا (ہزار) تسکین کا باعث ہے ان کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ (تعالیٰ) ہی توبہ قبول فرماتا ہے اپنے بندوں سے اور لیتا ہے صدقات کو، اور بیشک اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ ان کے اموال میں سے صدقہ وصول کریں جو ان کے لئے طہارت اور پاکیزگی کا باعث ہو گا۔ اگرچہ بعض نے ''اَمْوَالِهِمْ'' کی ضمیر کا مرجع ان لوگوں کو بنایا ہے جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا اور اچھے برے اعمال کو ملا لیا، لیکن یہ حکم عام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض قبائل عرب نے یہ یقین کر لیا تھا کہ امام زکوٰۃ وصول کرنے کا مستحق نہیں بلکہ یہ حکم (وصولی زکوٰۃ) صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھا، انہوں نے اسی آیت خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً سے استدلال کیا لیکن حضرت ابوبکر صدیق اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس تاویل اور فہم فاسد کو مسترد کرتے ہوئے ان مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جنگ کی۔ یہاں تک کہ یہ اسی طرح خلیفہ کو زکوٰۃ ادا کرنے لگے جس طرح رسول اللہ ﷺ کو ادا کیا کرتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک فرما دیا تھا کہ اللہ کی قسم! اگر انہوں نے مجھ سے اونٹنی کا بچہ...... یا رسی...... روک لی جو وہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کیا کرتے تھے تو میں منع زکوٰۃ پر ان سے جنگ کروں گا(2)۔

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 6 صفحہ 86 2۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، جلد 9 صفحہ 115، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 51-52

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ یعنی آپ ان کے لئے دعا اور استغفار کریں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کسی قوم کا صدقہ آتا تو آپ ان کے لئے دعا کرتے۔ میرے والد محترم آپ ﷺ کے پاس صدقہ لائے تو آپ ﷺ نے یہ دعا کی: ''اے اللہ! آل ابی اوفی پر رحم فرما'' (1)۔ ایک عورت نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے لئے اور میرے خاوند کے لئے دعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے یوں دعا کی: ''اللہ تعالیٰ تم پر اور تمہارے خاوند پر رحم فرمائے'' (2)۔

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ بعض نے ''صَلٰوتَكَ'' کو ''صَلَوَاتِكَ'' جمع پڑھا ہے اور بعض نے مفرد۔ ''سَكَنٌ'' کا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک رحمت ہے اور قتادہ کے نزدیک وقار۔ پھر فرمایا: وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کون آپ کی دعا کا مستحق اور اہل ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی شخص کے لئے دعا کرتے تو اسے، اس کے بیٹوں اور پوتوں کو بھی دعا میں شامل کرتے (3)۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ اس میں توبہ اور صدقہ کی ترغیب دلائی جارہی ہے جن سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آگاہ فرمارہا ہے کہ جو شخص توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر نظر کرم فرماتا ہے اور جو حلال کمائی سے صدقہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں قبول فرماتا ہے پھر اسے بڑھاتا ہے یہاں تک کہ ایک کھجور احد پہاڑ کی طرح ہوجاتی ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ صدقہ قبول فرماتا ہے اور اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیکر اس طرح بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے ایک شخص اپنے بچھیرے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ ایک کھجور احد جیسی ہوجاتی ہے'' (4)۔ اس کی تصدیق قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ اور فرمایا: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (البقرۃ: 276) ''مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صدقہ سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جاتا ہے، پھر یہ آیت اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ ...... پڑھی (5)۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں عبداللہ بن شاعر سکسکی دمشقی جو اصل میں حمص کے تھے، فقیہ تھے اور متعدد صحابہ سے روایت بھی کی تھی، کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے ایک قصہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی زیر قیادت لوگوں نے جہاد کیا۔ ایک مسلمان نے خیانت کرتے ہوئے سو دینار رومی اڑالئے۔ جب لشکر واپس چلا گیا تو اسے بڑی ندامت ہوئی، وہ امیر لشکر کے پاس آیا لیکن اس نے دینار قبول کرنے سے انکار کردیا، کہنے لگا کہ اب تو لوگ بکھر چکے ہیں، میں قبول نہیں کروں گا، قیامت کے دن انہیں لیکر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوجانا۔ وہ شخص صحابہ کرام کے پاس گیا، انہوں نے بھی ایسا ہی جواب دیا۔ جب دمشق آیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر دینار قبول کرنے کی درخواست کی، انہوں نے بھی انکار کردیا۔ وہ شخص روتا دھوتا اور اپنی حالت پر افسوس کرتا ہوا نکلا۔ اس کا گزر عبداللہ بن شاعر سکسکی سے ہوا، انہوں نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ اس شخص نے سارا واقعہ بیان کردیا۔ عبداللہ نے کہا کہ کیا تم میری بات مانو گے، اس نے کہا: ہاں۔ عبداللہ نے یہ تدبیر بتائی کہ معاویہ کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ آپ مجھ سے اپنا خمس قبول فرمالیں اور باقی اسی دینار لشکر کی طرف سے صدقہ کردیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف سے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ 756-757 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 88-89 3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 385-386-400
4۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ: 276 5۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 19-20، مزید تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 276

توبہ قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے اسماء اور مقامات سے آگاہ ہے۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے، اگر میں نے یہ فتویٰ دیا ہوتا تو یہ مجھے ان تمام چیزوں سے محبوب تھا جو میری ملکیت میں ہیں۔ اس شخص نے بڑی عمدہ تدبیر بتائی۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾

''اور فرمائیے عمل کرتے رہو پس دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو اور (دیکھے گا) اس کا رسول اور مومن۔ اور لوٹائے جاؤ گے اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کا پس وہ خبردار کرے گا تمہیں اس سے جو تم کیا کرتے تھے''۔

مجاہد کہتے ہیں کہ اس آیت میں مخالفین اوامر الٰہی کے لئے وعید ہے کہ عنقریب ان کے اعمال اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور مومنین پر پیش کئے جائیں گے اور یہ قیامت کے دن ضرور ہوگا جیسا کہ فرمایا: يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ (الحاقۃ:18) ''وہ دن جب تم پیش کئے جاؤ گے، تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا''، اور فرمایا: يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (الطارق:9) ''یاد کرو اس دن کو جب سب راز فاش کر دیئے جائیں گے''، اور ایک مقام پر فرمایا: وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ (العادیات:10) ''اور ظاہر کر دیا جائے گا جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے''۔ اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی لوگوں پر اعمال ظاہر کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم میں سے کوئی سخت ٹھوس چٹان کے اندر عمل کرے جس کا نہ کوئی دروازہ ہو اور نہ کوئی سوراخ، اسے بھی اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظاہر کر دے گا جیسا بھی وہ عمل ہو''(1)۔ حدیث میں آیا ہے کہ زندہ لوگوں کے اعمال ان کے برزخ میں موجود قریبی مردہ رشتہ داروں پر پیش کئے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے اعمال قبروں میں تمہارے اقارب وعشائر پر پیش کئے جاتے ہیں، اگر وہ اچھے ہوں تو انہیں بڑی مسرت ہوتی ہے اور اگر اس کے برعکس ہوں تو وہ کہتے ہیں: اے اللہ! انہیں اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرما(2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے اعمال تمہارے مردہ اقارب وعشائر پر پیش کئے جاتے ہیں، اگر وہ اچھے ہوں تو انہیں خوشی ہوتی ہے اور اگر ایسے نہ ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! انہیں اس وقت تک موت نہ دینا جب تک انہیں تو ہدایت نہ دے دے جس طرح ہمیں ہدایت عطا فرمائی تھی''(3)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تمہیں کسی مسلمان کا عمل بھلا لگے تو کہہ: اِعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ(4)۔ اس قسم کی ایک حدیث بھی وارد ہوئی ہے جسے حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے لئے مناسب نہیں کہ کسی پر (اس کے اعمال دیکھ کر) خوش ہو جاؤ، یہاں تک کہ تم انتظار کرو کہ اس کا خاتمہ کیسے ہوتا ہے کیونکہ ایک عمل کرنے والا ایک زمانہ تک نیک عمل کرتا رہتا ہے۔ اگر وہ اس پر مر گیا تو جنت میں داخل ہوگا، پھر یہ شخص (عمل صالح سے) انحراف کر کے برے کام کرنا شروع کر دیتا ہے اور ایک بندہ ایک زمانہ تک برے کام کرتا ہے اگر اس پر اسے موت آ گئی تو وہ داخل نار ہوگا، لیکن وہ اس سے اعراض کرتا ہے اور اعمال صالحہ کرنے لگتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو موت سے پہلے اس سے عمل کرواتا ہے۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ اس شخص سے کیسے عمل کرواتا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ اسے عمل صالح کی توفیق عطا فرماتا ہے پھر اسی پر

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 28
2۔ منحۃ المعبود، جلد 1 صفحہ 157
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 164-165
4۔ صحیح بخاری کتاب التوحید، جلد 8 صفحہ 189

اسے موت دے دیتا ہے''(1)۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾

''اور دوسرے لوگ ہیں (جن کا معاملہ) ملتوی کر دیا گیا ہے اللہ کا حکم (آنے) تک چاہے وہ عذاب دے انہیں اور چاہے توبہ قبول فرمالے ان کی۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا دانا ہے''۔

حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ضحاک وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ تین اشخاص تھے جن کی توبہ کی قبولیت مؤخر ہوگئی۔ یہ تھے: مرارہ بن ربیع، کعب بن مالک اور ہلال بن امیہ۔ یہ حضرات ان لوگوں میں شامل تھے جو کاہلی، راحت طلبی، پکے پھلوں اور گھنے سایوں سے لطف اندوز ہونے کے باعث غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے۔ یہ بات نہ تھی کہ ان میں شک ونفاق پایا جاتا تھا۔ ان میں سے ابولبابہ وغیرہ ایک گروہ نے خود کو ستونوں کے ساتھ باندھ لیا اور ان مذکورہ تین اشخاص نے کچھ نہ کیا۔ ستونوں سے اپنے آپ کو باندھنے والوں کی توبہ ان سے پہلے مقبول ہوئی جبکہ ان کی توبہ کی قبولیت تاخیر میں پڑ گئی یہاں تک کہ یہ آیات نازل ہوئیں: لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (التوبہ: 117) ''یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نبی پر نیز مہاجرین اور انصار پر''، وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (التوبۃ: 118) ''اور ان تینوں پر بھی (نظر رحمت فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین باوجود کشادگی کے''۔ اس کا تفصیلی بیان حدیث کعب بن مالک میں آئے گا۔

اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ...... یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عفو اور رحم وکرم پر ہیں، اگر وہ چاہے تو انہیں عذاب سے دوچار کر دے اور اگر چاہے تو ان کی توبہ قبول فرمالے لیکن اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے، وہ جانتا ہے کہ کون سزا کا مستحق ہے اور کون عفو ودرگزر کا، اور وہ اپنے اقوال وافعال میں حکیم بھی ہے۔ نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَي التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿١٠٨﴾

''اور وہ لوگ جنہوں نے بنائی ہے مسجد نقصان پہنچانے کے لئے کفر کرنے کے لئے اور پھوٹ ڈالنے کے لئے مومنوں کے درمیان اور (اسے) کمین گاہ بنایا ہے اس کے لئے جو لڑتا رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے اب تک اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ صاف جھوٹے ہیں آپ نہ کھڑے ہوں اس میں کبھی۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اس میں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف ستھرا رہنے کو۔ اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں سے''۔

ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ شریف میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل قبیلہ خزرج کا ایک آدمی ابوعامر الراہب

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 120

رہتا تھا، اس نے جاہلیت میں نصرانیت کو قبول کرلیا اور اہل کتاب کا علم حاصل کیا۔ وہ بڑا عبادت گزار تھا اور اسے خزرج میں ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی اور مسلمان آپ ﷺ کے زیر قیادت اکٹھے ہو گئے، اسلام کو سربلندی نصیب ہوئی اور غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار پر غلبہ عطا فرما دیا تو لعین ابو عامر اس پر پیچ پا ہو گیا اور مسلمانوں کے خلاف عداوت پر کمر بستہ ہو گیا۔ اپنے مقاصد مذمومہ کی تکمیل کی خاطر وہ بھاگ کر مشرکین مکہ کے پاس چلا گیا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے لگا۔ عربوں میں سے اس کی قماش کے لوگ اکٹھے ہو کر احد کے سال مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لئے آ دھمکے اور اس میں مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچا لیکن عاقبت متقین کے لئے ہی ہے۔ اس فاسق نے میدان احد میں دونوں صفوں کے درمیان گڑھے کھود رکھے تھے ان میں سے ایک کے اندر رسول اللہ ﷺ گر پڑے، اس دن آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس زخمی ہو گیا، دائیں جانب کے نچلے سامنے والے چار دانت ٹوٹ گئے اور سر مبارک میں بھی چوٹ آئی۔ احد میں جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو دعوت مبارزت کے وقت یہ لعین اپنی قوم انصار کی طرف بڑھا اور انہیں مخاطب کر کے اپنی مدد اور موافقت کے لئے مائل کرنا چاہا۔ جب انصار نے اس کی گفتگو سنی تو کہنے لگے: اے فاسق، اے دشمن خدا! تیری وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی آنکھ کو ٹھنڈا نہ کرے۔ چنانچہ انصار نے اس کی خوب خبر لی اور برا بھلا کہا تو یہ مایوس ہو کر واپس لوٹا اور کہنے لگا کہ میرے بعد میری قوم کو نظر لگ گئی۔ اس کے فرار ہونے سے قبل رسول اللہ ﷺ نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا تھا اور اسے قرآن کریم بھی سنایا تھا لیکن اس بدبخت نے اسلام لانے سے انکار کر دیا اور کفر پر ہی سرکشی اختیار کئے رکھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بددعا دی تھی کہ یہ پردیس میں دھتکارا ہوا مر جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی یہ بددعا قبول ہوئی۔ ہوا یوں کہ جب لوگ احد سے فارغ ہو گئے اور اس ملعون نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ روز افزوں ترقی کر رہے ہیں تو وہ شاہِ روم ہرقل کے پاس گیا تا کہ نبی کریم ﷺ کے خلاف اس سے مدد لے سکے۔ ہرقل نے اس سے وعدہ کر کے مدد کی امید دلائی۔ وہ ملعون وہاں ہی قیام پذیر ہو گیا اور اپنی قوم انصار کے منافقین کو لکھ بھیجا کہ وہ ایک ایسا لشکر لیکر آ رہا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کر کے ان پر غالب آ جائے گا اور انہیں ان کے مشن سے اعراض کرنے پر مجبور کر دے گا۔ مزید انہیں یہ حکم دیا کہ ایک پناہ گاہ بناؤ جہاں اس کی طرف سے آدمی پیغامات ان تک پہنچا سکے اور جب وہ بذات خود ان کے پاس آئے تو یہ جگہ اس کے لئے کمین گاہ کا کام دے۔ چنانچہ منافقین نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مسجد قبا کے قریب ایک مضبوط مسجد کی بنیاد رکھی اور رسول اللہ ﷺ کے غزوۂ تبوک پر روانہ ہونے سے پہلے اس کی تعمیر سے فارغ ہو گئے۔ مسجد کی تکمیل کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ اس مسجد میں نماز پڑھیں تا کہ آپ کے نماز پڑھنے سے ہمیں اس کے اثبات اور بقاء پر دلیل مل جائے۔ مزید انہوں نے ذکر کیا کہ انہوں نے یہ مسجد ضعیفوں اور سخت سرد راتوں میں اہل علت کے لئے بنائی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وہاں نماز پڑھنے سے بچائے رکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہم سفر پر روانہ ہو رہے ہیں لیکن جب لوٹیں گے تو ان شاء اللہ''۔ جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ شریف کی طرف عازم سفر ہوئے اور آپ ﷺ کے اور مدینہ کے درمیان ایک آدھ دن کا سفر رہ گیا تو جبرئیل امین مسجد ضرار کی خبر لئے حاضر ہو گئے کہ اس مسجد کے تعمیر کے پس پردہ ان منافقین کے عزائم یہ ہیں کہ اہل ایمان کو تکلیف پہنچائی جائے، یہاں کفر کی باتیں ہوں اور مسجد قبا میں نماز پڑھنے والے مومنین کے درمیان تفرقہ ڈالا جائے حالانکہ مسجد قباء وہ مسجد ہے جس کی بنیاد شروع دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ شریف پہنچنے سے قبل ہی ایک آدمی کو روانہ کیا تا کہ وہ مسجد ضرار کو منہدم کر دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگ تھے جنہوں نے یہ

مسجد بنائی۔ ابو عامر نے انہیں کہا تھا کہ مسجد بناؤ اور اس میں جس قدر ممکن ہو اسلحہ جمع کرلو، میں قیصر کے پاس جارہا ہوں، وہاں سے لشکر لاؤں گا اور محمد اور اس کے ساتھیوں کو نکال باہر کروں گا۔ مسجد کی تعمیر سے فراغت کے بعد وہ نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم نے اپنی ایک مسجد تعمیر کی ہے، ہماری خواہش ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں اور ہمارے لئے برکت کی دعا کریں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا...... الظّٰلِمِيْنَ نازل ہوا۔ حضرات زہری، یزید بن رومان، عبداللہ بن ابی بکر، عاصم بن عمرو بن قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام تبوک سے واپسی پر ذی اوان کے مقام پر ٹھہرے، اس کے اور مدینہ شریف کے درمیان چند گھنٹوں کی مسافت ہے۔ جب آپ علیہ السلام تبوک روانہ ہونے کے لئے تیاری کررہے تھے تو اس وقت مسجد ضرار کے بانی منافقین آپ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے عرض کی تھی: یارسول اللہ! ہم نے بیماروں، ضرورت مندوں اور بارش یا سردی میں نہ آسکنے والوں کے لئے مسجد بنائی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں اس میں نماز پڑھائیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں سفر پر جارہا ہوں اور کئی دیگر مصروفیات ہیں یا آپ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اگر ہم واپس آئے تو ان شاء اللہ تمہارے پاس آئیں گے اور تمہیں اس مسجد میں نماز پڑھائیں گے۔ اب تبوک سے واپسی پر جب آپ علیہ السلام ذی اوان کے مقام پر ٹھہرے تو یہاں اس مسجد کی خبر آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی۔ آپ علیہ السلام نے بنوسالم کے مالک بن دخشم اور بلعجلان کے معن بن عدی یا ان کے بھائی عامر بن عدی کو بلایا اور فرمایا: "تم دونوں اس مسجد کی طرف جاؤ جس کے بنانے والے ظالم ہیں اور اسے منہدم کردو اور جلادو"۔ یہ دونوں حضرات جلدی جلدی نکلے یہاں تک کہ بنی سالم بن عوف کے پاس آگئے۔ یہ مالک بن دخشم کا قبیلہ تھا۔ مالک نے معن سے کہا: ذرا ٹھہریں، میں اپنے لوگوں سے آگ لیکر آتا ہوں، وہ گئے اور کھجور کی ایک شاخ لیکر اسے آگ لگائی، پھر وہ دونوں فوراً نکل کھڑے ہوئے اور مسجد ضرار میں داخل ہوگئے، منافقین وہاں موجود تھے، انہوں نے مسجد کو آگ لگادی اور اسے مسمار کردیا، یہ دیکھ کر منافق رفوچکر ہوگئے اور ان کے متعلق یہ فرمان نازل ہوا: وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا...... اس مسجد کے بانی بارہ آدمی تھے: بنی عبد بن زید سے خدام بن خالد، اسی کے گھر سے مسجد شقاق کی راہ نکالی گئی۔ بنی عبید سے ثعلبہ بن حاطب، بنی ضبیعہ بن زید سے معتب بن قشیر، بنی ضبیعہ بن زید سے ابو حبیبہ بن ازعر، بنی عمرو بن عوف سے عباد بن حنیف، حارثہ بن عامر اور اس کے دو بیٹے مجمع اور زید، نبتل الحارث، مخرج، بجاد بن عثمان اور ودیہ بن ثابت(1)۔

وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى...... یعنی اس مسجد کے بنانے والے قسمیں اٹھاتے ہیں کہ مسجد کی تعمیر سے ان کا مقصد بھلائی اور لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنا ہے لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق اپنے قصد اور نیت میں جھوٹے ہیں بلکہ مسجد کی تعمیر سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ مسجد قبا کو نقصان پہنچائیں، وہاں کفریہ باتیں کریں، مسلمانوں کے درمیان تفریق ڈالیں اور اس شخص کو کمین گاہ فراہم کریں جس نے پہلے بھی اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام سے جنگ کی تھی۔ یہ شخص ابو عامر فاسق ہے جسے راہب کہا جاتا تھا۔ اللہ کی اس پر لعنت ہو۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا حضور علیہ السلام کو اس مسجد میں قیام کی ممانعت کی جارہی ہے اور اس حکم میں امت آپ علیہ السلام کے تابع ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسجد قبا میں نماز پڑھنے پر برانگیختہ کیا جس کی بنیاد اول یوم سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔ تقویٰ سے مراد اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ہے۔ یہ مسجد مومنین کو اکٹھا کرنے والی اور اسلام اور اہل اسلام کے لئے قلعہ اور پناہ گاہ ہے، اس لئے فرمایا: لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ۔ سیاق کلام کا تقاضا تو یہی ہے کہ یہاں مسجد قبا کا ذکر ہے، اسی لئے حدیث صحیح میں رسول اللہ علیہ السلام نے

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 530 تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 23

فرمایا: ''مسجد قبا میں نماز عمرہ کی طرح ہے'' (1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر اور پیدل مسجد قبا جایا کرتے تھے'' (2)۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنی عمرو بن عوف کے پاس پہلی تشریف آوری کے وقت اس مسجد کی بنیاد رکھی تو جہت قبلہ کی تعیین جبرئیل علیہ السلام نے کی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ آیت فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا اہل قبا کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ پانی کے ساتھ استنجاء کیا کرتے تھے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا نازل ہوئی تو رسول خدا ﷺ نے عویم بن ساعدہ کو بلا کر پوچھا: یہ کونسی طہارت ہے جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف کی ہے؟ عرض کی: یا رسول اللہ! ہم میں سے جب کوئی مرد یا عورت حاجت سے فارغ ہوتا ہے تو فرج یا مقعد کو پانی سے دھو لیتا ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہی بات ہے (3)۔ ایک دفعہ حضور ﷺ مسجد قبا تشریف لائے اور اہل قبا سے فرمانے لگے: ''اللہ تعالیٰ نے تمہاری مسجد کے قصہ میں طہارت کے متعلق تمہاری خوب تعریف کی ہے، یہ کونسی طہارت ہے جو تم کرتے ہو؟'' وہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! ہم اور تو کچھ نہیں جانتے بجز اس کے کہ ہم یہود کے پڑوسی تھے۔ وہ قضائے حاجت کے بعد اپنی پیٹھوں کو دھوتے تھے، ہم نے بھی یہ طریقہ اختیار کر لیا (4)۔ رسول اللہ ﷺ نے عویم بن ساعدہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس بناء پر تمہاری تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے: فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا؟ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! ہم پانی کے ساتھ استنجاء کرتے ہیں (5)۔ حضرت خزیمہ بن ثابت کہتے ہیں کہ یہ آیت اہل قبا کے متعلق نازل ہوئی وہ قضائے حاجت کے بعد پانی سے طہارت کرتے تھے (6)۔ رسول اللہ ﷺ قبا تشریف لائے اور ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے طہارت کے متعلق تمہاری بہت تعریف کی ہے، کیا اس کے متعلق مجھے نہیں بتاؤ گے؟ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم نے پانی کے ساتھ استنجاء کرنے کا حکم تورات میں پایا (اور اس پر عمل کرنا شروع کر دیا) (7)۔ سلف کی ایک جماعت نے صراحت کی ہے کہ اس آیت میں مسجد قباء کا ذکر ہے۔ اس جماعت میں حضرات ابن عباس، زہری، عروہ بن زبیر، عوفی، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم، حسن بصری، سعید بن جبیر اور قتادہ شامل ہیں (8)۔ جبکہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ مدینہ شریف کے اندر مسجد رسول ﷺ ہی وہ مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ یہ بات صحیح ہے۔ آیت اور اس کے درمیان کوئی تناقض یا تضاد نہیں کیونکہ جب مسجد قباء کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تو مسجد رسول اللہ ﷺ کی تقویٰ پر بنیاد تو بدرجہ اولیٰ لازم آتی ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ میری یہ مسجد ہے'' (9)۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں دو آدمیوں کا اس مسجد کے بارے میں اختلاف ہو گیا جس کی بنیاد تقویٰ پر استوار ہوئی۔ ایک کہنے لگا کہ یہ مسجد نبوی ہے اور دوسرا کہنے لگا کہ یہ مسجد قباء ہے، دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میری یہ مسجد ہے'' (10)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''دو آدمیوں کا مسجد تقویٰ کے متعلق اختلاف رائے ہو گیا، ایک کہتا تھا کہ یہ مسجد نبوی ہے اور دوسرا کہتا کہ مسجد قباء ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میری مسجد ہے'' (11)۔ یہ اختلاف کرنے والے نبی خدرہ اور بنی عمرو بن عوف

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب القیامۃ الصلاۃ: 452
2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج 1016، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 4-5
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 11، تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ توبہ، جلد 8 صفحہ 503 وغیرہ
4۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 67
5۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 422
6۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 30
7۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 6
8۔ تفسیر بغوی، جلد 2 صفحہ 328
9۔ مسند احمد، جد 5 صفحہ 116
10۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 331
11۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 67-89 وغیرہ

سے تعلق رکھتے تھے(1)۔ حمید خراط مدنی نے ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن ابی سعید سے پوچھا کہ مسجد تقویٰ کے بارے میں آپ نے اپنے والد صاحب سے کیا سنا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت اپنی کسی زوجہ محترمہ کے حجرہ میں تشریف فرماتے تھے، میں نے عرض کی: یارسول اللہ! وہ مسجد کہاں ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی؟ آپ ﷺ نے کچھ کنکریاں پکڑ کر زمین پر پھینک دیں اور فرمایا: ''وہ تمہاری یہی مسجد ہے'' (2)۔ امام مسلم نے بھی اسے روایت کیا ہے(3)۔ سلف اور خلف کی ایک جماعت کا یہی خیال ہے کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے۔ حضرات عمر، ابن عمر، زید بن ثابت اور سعید بن میسّب رحمہم اللہ سے یہی مروی ہے۔ آیت کریمہ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى...... اس بات کی دلیل ہے کہ ان قدیم مساجد میں نماز پڑھنا مستحب ہے جن کی بنیاد شروع سے ہی اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت پر رکھی گئی ہے اور اسی طرح اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ان صالح اور عامل بندوں کی معیت میں نماز پڑھنا بھی مستحب ہے جو مکمل وعمدہ وضو کرنے اور گندگی سے بچنے کی پابندی کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ نے اس میں سورۂ روم کی تلاوت کی۔ قرأت میں آپ ﷺ کو شک گزرا، نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن ہم پر مشتبہ ہو جاتا ہے، تم میں سے کچھ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں لیکن وضو اچھی طرح نہیں کرتے، جو شخص ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہو وہ وضو اچھی طرح کیا کرے'' (4)۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کمال طہارت عبادت میں قیام کو آسان بنا دیتا ہے اور یہ تکمیل وحسن عبادت پر معاون ہے۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ پانی کے ساتھ طہارت بڑی عمدہ چیز ہے لیکن فرمان الٰہی: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ میں جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ وہ ہیں جو گناہوں سے پاکیزگی حاصل کرتے ہیں۔ اعمش کہتے ہیں کہ اس طہارت سے مراد گناہوں سے توبہ اور شرک سے پاکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل قبا سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے طہارت میں تمہاری تعریف کی ہے، تم کیا کرتے ہو؟'' وہ کہنے لگے کہ ہم پانی کے ساتھ استنجاء کرتے ہیں۔ آیت کریمہ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اہل قبا کے بارے میں نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ہم ڈھیلوں کے ساتھ طہارت کے بعد پانی کے ساتھ دھو لیتے ہیں(5)۔ اسے صرف محمد بن عبدالعزیز نے زہری سے روایت کیا ہے اور ان سے سوائے ان کے بیٹے کے کسی نے روایت نہیں کیا۔ اس تصریح کا مقصد یہ ہے کہ یہ چیز فقہاء میں مشہور ہے لیکن بہت سے یا تقریباً سبھی متاخرین محدثین اسے نہیں جانتے۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾

''تو کیا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ کے تقویٰ پر اور (اس کی) رضا جوئی پر بہتر ہے یا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی وادی کے کھوکھلے دہانے کے کنارے پر جو گرنے والا ہے پس وہ گر پڑا اسے لیکر دوزخ کی آگ میں۔ اور اللہ تعالیٰ راہ حق پر نہیں چلاتا ظالم قوم کو۔ ہمیشہ ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے کھٹکتی رہے گی ان کے دلوں میں مگر یہ کہ پارہ پارہ ہو جائیں ان کے دل اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے''۔

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 23 2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 27 3۔ صحیح مسلم، کتاب الحج 1015

4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 471-472 5۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 3 صفحہ 130-131

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک وہ شخص جس نے مسجد کی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی پر رکھی اور دوسرا وہ جس نے نقصان پہنچانے، کفریہ باتیں کرنے، مسلمانوں کے درمیان انتشار پھیلانے اور اللہ و رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والے کو پناہ گاہ مہیا کرنے کے لئے مسجد کی بنیاد رکھی، برابر نہیں ہو سکتے۔ ان منافقین نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک گڑھے کے کنارے پر رکھی ہے جو گرنے والا ہوا اور وہ انہیں جہنم میں لے گرے۔ اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا اور نہ مفسدین کے عمل کی اصلاح فرماتا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مسجد ضرار سے دھواں نکلتا ہوا دیکھا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ ہمیں بتایا گیا کہ چند لوگوں نے مسجد ضرار کی جگہ کو کھودا تو وہاں سے دھواں نکلتا ہوا پایا۔ قتادہ بھی یہی کہتے ہیں۔ خلف بن یٰسین کوفی کہتے ہیں کہ میں نے منافقین کی وہ مسجد دیکھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کیا ہے۔ اس میں ایک سوراخ تھا جس میں سے دھواں اٹھ رہا تھا، آج کل یہ کوڑا کرکٹ اور گندگی پھینکنے کی جگہ ہے (1)۔

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ...... یعنی ان منافقین کی بنائی ہوئی یہ عمارت اس فعل شنیع کی وجہ سے ان کے دلوں میں شک اور نفاق کا باعث بنی رہے گی۔ ان کے اس کرتوت کے باعث ان کے دلوں میں نفاق راسخ کر دیا گیا جس طرح بچھڑے کے پجاریوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کر دی گئی۔

إِلَّآ أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ بجز اس کے کہ ان کے دلوں کو موت کے ذریعے پارہ پارہ کر دیا جائے۔ آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے اعمال کو جانتا ہے اور اچھے برے اعمال کا بدلہ دینے میں وہ حکیم ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْاٰنِ ۚ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾

"یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں ایمانداروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس عوض میں کہ ان کے لئے جنت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے اس پر پختہ وعدہ تورات اور انجیل اور قرآن (تینوں) کتابوں میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے (اے ایمان والو!) پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے۔ اور یہی تو سب سے بڑی فیروزمندی ہے"۔

اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ان کی جانوں اور مالوں کے عوض جنت دے دی بشرطیکہ وہ انہیں اس کی راہ میں خرچ کریں، یہ محض اس کا فضل و کرم اور احسان ہے۔ اپنے اطاعت گزار بندوں پر فضل و کرم فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے وہ عوض عطا فرمایا جس کا وہ مالک ہے یعنی جنت۔ اسی لئے حضرات حسن بصری اور قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ سودا کیا اور گراں قدر قیمت عطا کی۔ شمر بن عطیہ کہتے ہیں کہ ہر مسلمان کے گلے میں اللہ تعالیٰ کے لئے بیعت (عہد و پیمان) ہے وہ اسے مکمل طور پر بجا لائے یا اسے پورا کرتے کرتے موت آ جائے، پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی (2)۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جو آدمی جہاد کے لئے نکلا، اس نے اللہ کے ساتھ بیعت کر لی یعنی اس عہد و پیمان کو قبول کر لیا اور اسے پورا بھی کیا۔ محمد بن قرظی وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 33
2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 35

نے لیلۃ العقبہ میں بیعت کے وقت رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ آپ جو چاہیں اپنے رب کے لئے اور اپنے لئے شرط عائد کردیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں اپنے رب کے لئے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور اپنے لئے یہ شرط عائد کرتا ہوں کہ تم میری بھی ایسے ہی حفاظت کرو گے جس طرح تم اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہو“ بیعت کرنے والوں نے عرض کی کہ جب اس حکم کو ہم بجالائیں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جنت“ وہ کہنے لگے کہ بڑا نفع بخش سودا ہے، ہم اس سے انحراف نہیں کریں گے اور نہ ہی عہد شکنی۔ اس پر یہ آیت اتری۔

يُقَاتِلُوۡنَ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَيَقۡتُلُوۡنَ وَيُقۡتَلُوۡنَ یعنی اگرچہ وہ قتل کریں یا قتل ہو جائیں، دونوں چیزیں برابر ہیں، یا دونوں چیزیں جمع ہو جائیں ہر صورت میں ان کے لئے جنت واجب ہے، اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے: ”جو شخص راہ خدا میں نکلا، میرے رستہ میں جہاد اور میرے رسولوں کی تصدیق کے سوا اس کی اور کوئی غرض نہ تھی، اللہ تعالیٰ اس کا ذمہ دار ہے کہ وفات کے بعد اسے جنت میں داخل فرمادے یا اسے اس کے ٹھکانے میں واپس پہنچادے جہاں سے وہ نکلا تھا اور اجر و ثواب یا مال غنیمت پالے“(1)۔

وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا...... اس وعدہ کی تاکید ہے اور خبر بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خود ہی اپنے اوپر فرض کرلیا ہے اور اپنی بڑی کتابوں تورات، انجیل اور قرآن میں اسے بیان کردیا ہے۔

وَمَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ مِنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيۡثًا (النساء: 87) ”اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کہنے میں“، وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيۡلًا (النساء: 122) ”اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں“۔ اس لئے فرمایا: فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَيۡعِكُمُ...... یعنی اس شخص کو خوشی منانی چاہئے جو اس عہد و پیمان کو پورا کرتا ہے کہ اس کے لئے بہت بڑی کامیابی اور دائمی نعمتیں ہیں۔

اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّآئِحُوۡنَ الرّٰكِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَالنَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَالۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۱۲﴾

”توبہ کرنے والے، (اللہ کی) عبادت کرنے والے، حمد و ثناء کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور نگہبانی کرنے والے اللہ کی (مقررہ) حدوں کی، (اے میرے رسول!) خوشخبری سنادیجئے ان (کامل) مومنوں کو“۔

اس آیت میں ان مومنین کی تعریف ہے جن کے نفوس اور اموال اللہ تعالیٰ نے ان صفات جمیلہ اور خصائل جلیلہ کے عوض خرید لئے۔ یہ سعادت مند تمام گناہوں سے توبہ کرنے والے اور تمام فواحش کو ترک کرنے والے ہیں۔ اپنے رب کی عبادت پابندی سے کرنے والے ہیں۔ یہ ہوئے ان کے اقوال اور افعال۔ اقوال میں سے خاص ترین حمد ہے اس لئے فرمایا: ”الۡحٰمِدُوۡنَ“ اور اعمال میں سے افضل روزے ہیں۔ کھانے، پینے اور جماع سے باز رہنا روزہ ہے اور ”سیاحة“ سے روزہ مراد ہے اس لئے فرمایا: ”السَّآئِحُوۡنَ“ جیسا کہ ایک اور آیت میں نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو ”سائحات“ کہا گیا ہے جس کا معنی ہے ”صائمات“ (روزہ دار)۔ اسی طرح رکوع وسجود سے نماز مراد ہے، اس لئے فرمایا: الرّٰكِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ یہ حضرات صرف اپنی ذاتی مصلحت کو ہی پیش نظر نہیں رکھتے بلکہ اس کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، جلد 4 صفحہ 104، صحیح مسلم، کتاب الامارة 1496-1495

ساتھ ساتھ خلق خدا کو بھی نفع پہنچاتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے لوگوں کی رہنمائی اطاعت الٰہی کی طرف کرتے ہیں اور وہ اس بات کا علم رکھتے ہیں کہ کونسا فعل کرنا چاہئے اور کس سے اجتناب واجب ہے، علم وعمل کی رو سے حلال وحرام میں یہی حدود اللہ کی حفاظت ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ خیر خواہی بھی، اس لئے فرمایا: وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ کیونکہ ایمان ان تمام چیزوں پر مشتمل ہے اور ان سے متصف شخص کے لئے سعادت ہی سعادت ہے۔

سیاحت بمعنی صیام کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "سَآئِحُوْنَ" کا معنی ہے "صائمون" (روزہ دار)۔ حضرات ابن عباس اور سعید بن جبیر سے بھی یہی معنی منقول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں سیاحت کا لفظ "صوم" (روزہ) کے معنی میں استعمال ہوا ہے ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس امت کی سیاحت "صیام" (روزے) ہے (1)۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، عطاء، عبدالرحمٰن سلمی، ضحاک بن مزاحم، سفیان بن عیینہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے کہ "سَآئِحُوْنَ" سے مراد ہے رمضان کے روزے رکھنے والے۔ ابوعمرو عبدی اس کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ مومنین جو ہمیشہ روزے رکھتے ہیں اور حدیث مرفوع میں بھی یہ وارد ہوا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سَآئِحُوْنَ صائمون" ہیں۔ یہ حدیث موقوف زیادہ صحیح ہے۔ عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے "سَآئِحِیْنَ" کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ "صائمین" ہیں۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ یہ قول کہ سیاحت سے مراد صیام ہے سب سے زیادہ صحیح اور مشہور ہے۔ سیاحت کا معنی جہاد بھی منقول ہے اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے سیاحت کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میری امت کی سیاحت راہ خدا میں جہاد ہے" (2)۔ عمارہ بن غزیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سیاحت کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے بدلہ میں جہاد فی سبیل اللہ اور ہر اونچی جگہ پر تکبیر عطا فرمائی ہے۔" عکرمہ کہتے ہیں کہ "سَآئِحُوْنَ" سے مراد طالب علم ہیں، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس سے مراد مہاجرین ہیں۔ سیاحت سے مراد وہ نہیں ہے جو بعض عبادت گزار اور درویش مراد لیتے ہیں کہ زمین میں سیر وسیاحت کرنا، اور غاروں، جنگلوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر خلوت نشین ہو جانا۔ یہ چیز جائز نہیں ہے، ہاں جب فتنوں کا دور دورہ ہو اور دین میں آزمائشیں درپیش ہوں تو یہ جائز ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ زمانہ آنے والا ہے جب آدمی کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جنہیں وہ لیکر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش گاہوں میں پناہ لے گا اور فتنوں سے محفوظ رہنے کے لئے اپنے دین کو لیکر بھاگا پھر رہا ہوگا" (3)۔ علی بن ابی طلحہ اور عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ کا معنی نقل کرتے ہیں: اطاعت الٰہی پر کاربند رہنے والے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے، ان سے دو اور معانی بھی منقول ہیں: فرائض کی حفاظت کرنے والے اور احکام خداوندی بجالانے والے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 39　　2۔ سنن ابی داؤد　　3۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 11

تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرٰهِيْمَ لِأَبِيْهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ أَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرٰهِيْمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

''درست نہیں ہے نبی کے لئے اور نہ ایمان والوں کے لئے کہ مغفرت طلب کریں مشرکوں کے واسطے اگرچہ وہ مشرک ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں، جب کہ واضح ہوگیا ان پر کہ یہ دوزخی ہیں۔ اور نہ تھی استغفار ابراہیم کی اپنے باپ کے لئے مگر ایک وعدہ (کو پورا کرنے) کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا اور جب ظاہر ہوگئی آپ پر یہ بات کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو آپ بیزار ہوگئے اس سے۔ بیشک ابراہیم بڑے ہی نرم دل (اور) بردبار تھے''۔

حضرت مسیب سے مروی ہے کہ جب جناب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے، اس وقت ان کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''چچا جان! ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہہ دیں، اس کلمہ کی بدولت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی (مغفرت کے لئے) حجت پیش کروں گا''۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کہنے لگے: اے ابوطالب! کیا تم ملت عبدالمطلب سے اعراض کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں ملت عبدالمطلب پر قائم ہوں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں آپ کے لئے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے''۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ...... اور یہ إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ ۚ (القصص:56) ''بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں، البتہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے''، نازل ہوئیں(1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کرتے ہوئے سنا تو میں نے اسے کہا کہ کیا تم اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کر رہے ہو؟ اس نے کہا کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے استغفار نہیں کی تھی؟ میں نے نبی کریم ﷺ سے اس چیز کا تذکرہ کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(2)۔ اس روایت میں ''لَمَّا مَاتَ'' (جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد مر گئے) کے الفاظ بھی ہیں، نہ معلوم وہ الفاظ سفیان نے کہے ہیں یا اسرائیل نے یا پھر یہ الفاظ حدیث میں موجود ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ الفاظ مجاہد سے ثابت ہیں(3)۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی معیت میں سفر پر تھے، ہم ایک ہزار کے قریب تھے۔ ایک جگہ آپ ﷺ نے ہمیں ٹھہرایا اور دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا ہوا آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اللہ سے اپنی والدہ کے لئے استغفار کی درخواست کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی تو آگ کے خوف سے دل اتنا پسیجا کہ آنسو جاری ہوگئے۔ میں نے تمہیں تین چیزوں سے منع کیا تھا: میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا، اب قبروں کی زیارت کیا کرو، تاکہ ان کی زیارت تمہیں آخرت یاد دلائے، میں نے تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا، اب کھاؤ اور جو چاہو ذخیرہ کرلو اور میں نے تمہیں برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا، اب جس برتن میں چاہو پیو لیکن نشہ آور چیز مت پینا''(4)۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عازم مکہ ہوئے۔ ایک جگہ ایک قبر کے نشانات دکھائی دیئے تو وہاں بیٹھ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 8 صفحہ 341، صحیح مسلم، کتاب الایمان 54، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 533
2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 99
3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 45
4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 355

کر آپ ﷺ خطاب فرمانے لگے، پھر آنسو بہاتے ہوئے آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! جو آپ نے کیا وہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کے لئے اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی اجازت دی۔ پھر میں نے اپنی والدہ کے لئے استغفار کی اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی۔'' راوی کہتے ہیں کہ اس دن سے زیادہ کبھی آپ ﷺ کو روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا (1)۔ ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ قبرستان کی طرف نکلے۔ ہم بھی آپ ﷺ کے پیچھے چل دیئے آپ ﷺ وہاں ایک قبر کے پاس بیٹھ کر کافی دیر تک مناجات کرتے رہے، پھر آپ ﷺ رونے لگے، آپ ﷺ کے رونے کی وجہ سے ہم بھی رونے لگے۔ جب آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہونے کے لئے اٹھے۔ آپ ﷺ نے انہیں اور ہم سب کو بلایا اور پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے رلایا ہے؟ ہم نے عرض کی کہ آپ کو روتے دیکھ کر ہمیں بھی رونا آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس قبر کے پاس میں بیٹھا تھا وہ آمنہ کی قبر تھی۔ میں نے اپنے رب سے ان کی زیارت کے لئے اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت دے دی''۔ پھر ابن ابی حاتم نے ایک اور سند سے تقریباً یہی روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے: ''اور میں نے اپنی والدہ کے لئے دعا کی درخواست کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی اور مجھ پر یہ آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ ...... نازل فرمائی، چنانچہ مجھ پر رقت طاری ہوگئی جس طرح ایک بچہ پر والدہ کے ملاپ کے لئے ہو جایا کرتی ہے، میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا، اب تم ان کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ آخرت یاد دلاتی ہیں'' (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس لوٹے اور عمرہ کے لئے احرام باندھا تو عسفان کی گھاٹی سے اتر کر آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم عقبہ کی جانب چلو میں آتا ہوں، آپ ﷺ تشریف لے گئے اور اپنی والدہ محترمہ کی قبر پر کافی دیر مناجات کرتے رہے، پھر آپ ﷺ بہت روئے۔ آپ ﷺ کے رونے کی وجہ سے صحابہ بھی رونے لگے، اور کہنے لگے کہ اس جگہ اللہ کے نبی کے رونے کی وجہ یہ ہے کہ امت میں کوئی نئی چیز پیدا ہوگئی ہے جس کی اس میں وسعت نہیں۔ صحابہ کو روتے دیکھ کر آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم لوگوں کو کس چیز نے رلایا ہے؟ عرض کی: یارسول اللہ! ہم آپ کے رونے کی وجہ سے رونے لگے۔ ہم نے سمجھا شاید امت میں کوئی نئی چیز رونما ہوگئی ہے جو اس کی وسعت سے باہر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، ایک اور بات تھی، وہ یہ کہ میں اپنی والدہ محترمہ کی قبر کے پاس ٹھہرا اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ مجھے قیامت کے دن اپنی والدہ کے لئے شفاعت کی اجازت مرحمت فرما دے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ میرا دل پسیج گیا اور میں رونے لگا کیونکہ وہ میری والدہ ہیں، پھر جبرئیل امین میرے پاس یہ وحی وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرٰهِيمَ لِأَبِيهِ ...... لائے اور کہنے لگے کہ آپ ﷺ بھی اس طرح اپنی والدہ سے دستکش ہو جائیں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے برأت کا اظہار کیا تھا تو مجھے بڑا رحم آیا کیونکہ وہ میری والدہ ہیں۔ میں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ وہ میری امت سے چار چیزوں کو اٹھا لے۔ دو چیزوں کو اس نے اٹھا دیا اور دو کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ میری امت سے آسمان سے سنگباری، زمین میں غرق، فرقہ بندی اور آپس کی لڑائی روک لے۔ اللہ تعالیٰ نے سنگباری اور زمین میں دھنسائے جانے سے میری امت کو محفوظ کر دیا لیکن باہمی قتل وغارت اور انتشار کو رفع کرنے سے انکار کر دیا'' (3)۔ آپ ﷺ اپنی والدہ محترمہ کی قبر کی طرف اس لئے گئے تھے کہ وہ ایک چٹان تلے مدفون تھیں۔ یہ حدیث بہت ہی غریب

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 42 2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 1 صفحہ 189-190 3۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 374-375

ہے اور اس کا سیاق بھی بہت عجیب ہے اور اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب اور قابل انکار وہ روایت ہے جو خطیب بغدادی نے اپنی کتاب السابق واللاحق میں ایک مجہول سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی والدہ کو زندہ کیا، وہ ایمان لائیں اور پھر فوت ہوگئیں، اسی طرح الروض میں سہیلی کی روایت بھی جس کی سند میں مجہولین کی ایک جماعت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے والدین کو زندہ کیا اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے(1)۔ حافظ ابن دحیہ کہتے ہیں کہ یہ نئی زندگی ہے جیسا کہ سورج غروب ہونے کے بعد واپس پلٹا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کی، امام طحاوی کہتے ہیں کہ سورج واپس لوٹنے والی حدیث ثابت ہے۔ امام قرطبی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے والدین کو زندہ کیا جانا نہ عقلاً ممتنع ہے اور نہ شرعاً، بلکہ میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے چچا جناب ابو طالب کو بھی زندہ کیا اور وہ بھی آپ ﷺ پر ایمان لائے(2)۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تمام باتیں صحت حدیث پر موقوف ہیں اگر حدیث صحیح ہے تو کوئی مانع نہیں(3)۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے منع کر دیا۔ آپ ﷺ نے عرض کی کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بھی تو اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا، اس پر یہ آیت اتری: وَمَا كَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰهِيۡمَ لِاَبِيۡهِ...... علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ پہلے لوگ مشرکین کے لئے استغفار کیا کرتے تھے، جب یہ آیت اتری تو وہ اپنے اموات کے لئے استغفار سے رک گئے۔ انہیں اپنے زندہ مشرکین کے لئے استغفار سے نہیں منع کیا گیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ چند صحابہ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! ہمارے آباؤ اجداد میں سے کچھ ایسے تھے جو پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا کرتے، صلہ رحمی کرتے، قیدیوں کو آزاد کرواتے اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے، کیا ہم ان کے لئے دعائے مغفرت نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں، اللہ کی قسم! میں بھی اپنے والد کے لئے استغفار کروں گا جیسا کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ کے لئے کیا تھا''۔ اس وقت یہ آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ يَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ نازل ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا كَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰهِيۡمَ لِاَبِيۡهِ...... پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے کلمات کی وحی کی ہے جو میرے کانوں میں داخل ہوئے اور دل میں قرار پذیر ہوگئے۔ مجھے یہ حکم ہوا کہ میں بحالت شرک مرنے والے کے لئے دعائے مغفرت نہ کروں اور جس شخص نے اپنا فالتو مال (راہ خدا میں) صدقہ کر دیا وہ اس کے لئے باعث خیر ہے اور جس نے روکے رکھا وہ اس کے لئے باعث شر ہے اور ضروریات کے لئے خرچ کرنے پر کوئی ملامت نہیں''(4)۔ حضرت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی مر گیا، اس کا ایک مسلمان بیٹا تھا جو اس کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہوا۔ اس بات کا تذکرہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کیا گیا تو آپ

1۔ الروض الانف از سہیلی، جلد 1 صفحہ 259611 ‏ ‏ 2۔ التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ از قرطبی، جلد 14-16

3۔ طلب مغفرت ان کے لئے جائز ہے جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا، کفر و شرک کی حالت میں وفات پانے والوں کے لئے مغفرت کا دروازہ بند ہے۔ وہ تمام روایات ضعیف ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو اپنے والدین کے حق میں دعائے مغفرت سے منع فرما دیا کیونکہ ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ان روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ بہر صورت یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے والدین کو زندہ کیا، وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور پھر فوت ہوگئے۔ زرقانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''ان رسول اللہ ﷺ سال ربه ان يحيي ابويه فاحياهما له فآمنا به ثم اماتهما'' متعدد ائمہ حدیث وفقہ و تفسیر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے اسے مخالف مفہوم کی احادیث کے لئے ناسخ قرار دیا ہے۔

4۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 43

ﷺ نے فرمایا کہ اس مسلمان بیٹے کے لئے مناسب یہی تھا کہ وہ اس کے جنازہ کے ساتھ جاتا اور تدفین میں شریک ہوتا اور جب تک وہ زندہ تھا اس کی بہتری کے لئے دعا کرتا اور مرنے کے بعد اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتا اور اس کے لئے دعا نہ کرتا(1)۔ اس کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ابو طالب فوت ہو گئے تو میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کے چچا کی گمراہی کی حالت میں وفات ہو گئی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ، اسے دفنا دو اور میرے پاس آنے تک اور کچھ نہ کرنا'' (2)۔ پھر پوری حدیث بیان کی۔ روایت میں آتا ہے کہ جب جناب ابو طالب کا جنازہ آپ ﷺ کے پاس سے گزرا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''چچا جان! میں نے صلہ رحمی کا حق ادا کر دیا''۔ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ میں کسی اہل قبلہ کی نماز جنازہ ترک نہیں کروں گا اگرچہ وہ ناجائز حمل والی حبشن ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے سوا کسی کے لئے دعا سے منع نہیں کیا۔ زامل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے میرے لئے اور میری والدہ کے لئے دعائے مغفرت کی۔ میں نے کہا کہ آپ کے باپ کے لئے؟ فرمایا: نہیں کیونکہ میرا باپ مشرک مر گیا تھا(3)۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کی موت تک دعائے مغفرت کرتے رہے جب ان پر یہ عیاں ہو گیا ہے کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے برأت کا اظہار کر دیا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آپ علیہ السلام کے والد کی وفات ہو گئی تو آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ دشمن خدا ہے۔ مجاہد، ضحاک، قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ عبید بن عمیر اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ سے دست برداری کا اظہار کریں گے جب آپ کی ملاقات اپنے والد سے اس حالت میں ہو گی کہ اس کا چہرہ غبار آلود ہو گا اور وہ کہے گا: اے ابراہیم! میں تمہاری نافرمانی کرتا رہا لیکن آج میں نافرمانی نہیں کروں گا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: اے پروردگار! تو نے میرے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے کہ تو مجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا، اور اس سے بڑھ کر اور رسوائی کیا ہو سکتی ہے کہ میرا باپ تیری رحمت سے دور ہو؟ آپ سے کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے دیکھو، دیکھیں گے کہ ایک بجو کی شکل میں مسخ شدہ آلودہ لاش ہے جسے پاؤں سے کھینچ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ''اَوَّاهٌ'' کا معنی بتاتے ہیں، بہت زیادہ دعا کرنے والا(5)۔ عبداللہ بن شداد بن الہاد سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے ''اَوَّاهٌ'' کا معنی پوچھا تو آپ ﷺ نے بتایا: بہت زیادہ خشوع وخضوع اور زاری کرنے والا(6)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی رحیم بھی منقول ہے۔ مجاہد، عمر بن شرحبیل، قتادہ، حسن بصری، وغیرہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 44　　2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 214 سنن نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4 صفحہ 79-80

3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 44

4۔1 حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا، آزر آپ کا چچا تھا کیونکہ نبی کریم ﷺ کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر نہ تھا، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''میں ابتداء سے آخر تک پاک لوگوں کی پشتوں سے پاک خواتین کے رحموں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہوں اور مشرک نجس ہیں۔'' آیت کریمہ میں لفظ ''اب'' سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے اور ''اب'' کا لفظ چچا کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کی وفات کے کئی سال بعد تعمیر کعبہ کی تکمیل کرتے ہوئے دعا مانگی: رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ (ابراہیم: 41)۔ چچا کو باپ کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (البقرہ: 133)۔ اس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے آباء میں ذکر کیا گیا ہے حالانکہ آپ علیہ السلام چچا ہیں، اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: ''ردوا علی ابی''، یہاں بھی ''اب'' سے مراد آپ ﷺ کے چچا عباس ہیں۔

5۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 47　　6۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 51

کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس کا معنی ہے صاحب ایقان اور آپ سے اس کا معنی مومن بھی نقل کیا گیا ہے، علی بن ابی طلحہ نے مومن کے ساتھ تواب (بہت زیادہ توبہ کرنے والا) کا بھی اضافہ کیا ہے۔ عوفی کہتے ہیں کہ اہل حبشہ کی زبان میں "اَوَّاہٌ" مومن کو کہتے ہیں۔ ابن جریج کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالنجادین نامی ایک شخص کے بارے میں فرمایا کہ وہ "اَوَّاہٌ" ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں ذکر آتا تو وہ دعا کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتا(1)۔ سعید بن جبیر اور شعبی "اَوَّاہٌ" کا معنی بتاتے ہیں تسبیح پڑھنے والا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی منقول ہے: چاشت کے وقت تسبیح کی پابندی کرنے والا۔ حضرت ابوایوب کہتے ہیں کہ "اَوَّاہٌ" وہ شخص ہے کہ جب اسے اپنی خطائیں یاد آجائیں تو استغفار کرنے لگے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ "اَوَّاہٌ" سے مراد ہر وقت لرزاں وترساں رہنے والا شخص ہے۔ پوشیدہ طور پر اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ فوراً اس سے توبہ کر لیتا ہے۔ ابن جریر حسن بن مسلم بن بیان سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تسبیح بیان کرتا۔ اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ "اَوَّاہٌ" ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص کو دفن کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے، تو "اَوَّاہٌ" تھا یعنی بکثرت تلاوت قرآن کرنے والا۔ ابو یونس باہلی سے مروی ہے کہ میں نے مکہ شریف میں ایک رومی الاصل قصہ گو شخص کو سنا کہ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کر رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص بیت اللہ شریف کا طواف کرتا اور اپنی دعا میں اوہ اوہ کرتا۔ جب اس کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ "اَوَّاہٌ" ہے۔ حضرت ابوذر مزید فرماتے ہیں کہ رات میں باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت اس شخص کو دفن کر رہے ہیں اور آپ ﷺ کے پاس چراغ ہے(2)۔ ابن جریر کی یہ روایت غریب ہے۔ حضرت کعب الاحبار سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کے ذکر پر اوہ اوہ کرتے اس لئے "اَوَّاہٌ" نام دیا گیا(3)۔ امام ابن جریر کہتے ہیں کہ سب سے بہتر اور مناسب سیاق قول یہ ہے کہ "اَوَّاہٌ" کا معنی ہے بہت زیادہ دعا کرنے والا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے وعدہ کی بناء پر اپنے باپ کے لئے استغفار کیا اور ابراہیم بہت زیادہ دعا کرنے والے اور ظالم وبدخواہ کے لئے بہت حلیم تھے، یہی وجہ ہے کہ شدت ایذاء کے باوجود حضرت ابراہیم اپنے والد کے لئے استغفار کرتے رہے، آپ کے والد کی ایذاء رسانی اس فرمان میں ملاحظہ کریں: اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (مریم: 47-46) "کیا روگردانی کرنے والا ہے تو میرے خداؤں سے اے ابراہیم! اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کردوں گا اور دور ہو جا میرے سامنے سے کچھ عرصہ۔ ابراہیم نے (جواب میں) کہا سلام ہو تم پر۔ میں مغفرت طلب کروں گا تیرے لئے اپنے رب سے۔ بیشک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے"۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باوجود ایذاء رسانی کے اپنے باپ کے ساتھ بردباری کا مظاہرہ کیا، دعا اور استغفار کیا۔ اسی لئے فرمایا: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ(4)۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۱۵ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 59
2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 50
3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 51
4۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 51-52

مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿۱۱۶﴾

''اورنہیں ہے اللہ تعالیٰ کا دستور کہ گمراہ کردے کسی قوم کو اسے ہدایت دینے کے بعد یہاں تک کہ بیان کردے ان کے لئے وہ چیزیں جن سے انہیں بچنا چاہئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے (ساری) بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور نہیں ہے تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی حامی اور نہ کوئی مددگار''۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کریمہ اور حکم عادل کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ کسی قوم کو بذریعہ انبیاء ورسل اتمام حجت کئے بغیر ہلاک نہیں کرتا جیسا کہ فرمایا: وَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَهَدَيۡنٰهُمۡ فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰى عَلَى الۡهُدٰى (حم السجدہ: 17) ''باقی رہے ثمود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر''۔ مجاہد اس آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوۡمًا...... کے متعلق کہتے ہیں کہ مشرکین کے لئے مومنین پر ترک استغفار کا حکم خاص ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی اطاعت اختیار کرنے یا نافرمانی کرنے کا حکم مومنین کے لئے عام ہے، چاہے اطاعت اختیار کریں یا نافرمانی۔ ابن جریر اس آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں کہ وہ مشرک اموات کے لئے تمہارے استغفار کی وجہ سے تم پر گمراہی کا حکم لگادے اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ہدایت مرحمت فرمائی اور ایمان لانے کی توفیق ارزانی فرمائی یہاں تک کہ وہ تمہیں اس سے منع فرمادے اور تم اس سے رک جاؤ۔ البتہ ممانعت کے ذریعے اس کی کراہت بیان کرنے سے پہلے پہلے جب کہ تم نے اس نہی کی مخالفت بھی نہیں کی، یہ نہیں ہوسکتا کہ تم پر گمراہی کا حکم لگادیا جائے، کیونکہ اطاعت اور معصیت کا انحصار تو امر اور نہی پر ہے۔ وہ شخص جسے نہ کوئی حکم دیا گیا اور نہ ممانعت کی گئی تو اسے مطیع یا عاصی کہا ہی نہیں جاسکتا(1)۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ...... ابن جریر کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کفار ومشرکین کے ساتھ برسرپیکار ہونے کی ترغیب دلا رہا ہے اور یہ یقین دہانی کرارہا ہے کہ اس کی مدد ان کے شامل حال ہے، وہ مالک ارض وسماء کی نصرت وتائید پر بھروسہ رکھیں اور دشمنوں سے خوف زدہ نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی وناصر ہے(2)۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم وہ سن رہے ہو جو میں سن رہا ہوں؟'' صحابہ نے عرض کی کہ ہمیں تو کچھ نہیں سنائی دے رہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں آسمان کی چرچراہٹ سن رہا ہوں اور یہ باعث تعجب نہیں کیونکہ آسمان میں ایک بالشت بھر بھی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ سجدہ یا قیام میں نہ ہو''۔ کعب الاحبار کہتے ہیں کہ روئے زمین پر سوئی کے سرے کے برابر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ مقرر نہ ہو اور آسمان کے فرشتوں کی تعداد مٹی کے ذرات سے بھی زیادہ ہے اور حاملین عرش میں سے ایک کے ٹخنے اور سر کے درمیان ایک سو سال کی مسافت ہے۔

لَقَدۡ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ فِىۡ سَاعَةِ الۡعُسۡرَةِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا كَادَ يَزِيۡغُ قُلُوۡبُ فَرِيۡقٍ مِّنۡهُمۡ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّهٗ بِهِمۡ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۱۷﴾

''یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نبی پر نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے پیروی کی تھی نبی کی مشکل گھڑی میں اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ٹیڑھے ہوجائیں دل ایک گروہ کے ان میں سے پھر رحمت سے توجہ فرمائی ان پر، بے شک وہ ان سے بہت شفقت کرنے والا رحم فرمانے والا ہے''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 11، صفحہ 50 2۔ ایضاً، صفحہ 51

مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ غزوۂ تبوک کے متعلق نازل ہوئی جب اہل ایمان شدید مشکلات میں اس غزوہ کے لئے نکلے، قحط سالی اور چلچلاتی دھوپ کا سامنا تھا، پانی اور زادراہ کی کمیابی تھی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ مجاہدین تبوک کے سال سخت گرم موسم میں شام کی طرف عازم سفر ہوئے اور انہیں بڑی مشقت سے دوچار ہونا پڑا، کیفیت یہ تھی کہ دو آدمی ایک کھجور نصف نصف کر کے گزارہ کرتے، پھر یہ حالت ہو گئی کہ ایک جماعت کے حصہ میں ایک کھجور آتی، وہ باری باری اسے لے کر چوستے اور پانی پی کر دل بہلاتے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان پر توجہ فرمائی اور وہ بخیر و عافیت اس غزوہ سے واپس لوٹ آئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس تنگی کی کیفیت پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب سخت گرمی میں تبوک کی طرف نکلے، ایک جگہ ہم نے پڑاؤ کیا، وہاں ہم اس قدر شدید پیاس سے دوچار ہوئے کہ ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ ہماری جان ہی نکل جائے گی۔ اگر کوئی آدمی پانی کی تلاش میں نکلتا تو وہ یقین کر لیتا کہ لوٹنے سے قبل ہی موت اسے دبوچ لے گی۔ لوگ اپنے اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے پیٹ سے پانی نکالتے اور اسے پی لیتے۔ باقی ماندہ اپنے جگر پر لگا لیتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا ہے، ہمارے لئے دعا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم یہ پسند کرتے ہو؟ عرض کی: جی ہاں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا کے لئے اپنے ہاتھ بلند کر دیئے۔ دعا کے ختم ہونے سے پہلے پہلے موسلا دھار بارش برسنے لگی، پھر بارش تھم گئی۔ لوگوں نے پانی ذخیرہ کر لیا۔ پھر ہم نے جب باہر نکل کر دیکھا تو ہمیں پڑاؤ سے باہر بارش کا نام ونشان بھی دکھائی نہ دیا(1)۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ”الْعُسْرَةِ“ سے مراد نفقہ، سواری، راشن اور پانی کی تنگی مراد ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ ایسی مشکل گھڑی میں اللہ تعالیٰ نبی (ﷺ)، مہاجرین اور انصار پر مائل بہ کرم ہوا، اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل حق سے منحرف ہو گئے، وہ دین کے متعلق شک کرنے لگے اور جس مشقت اور شدت کا انہیں سامنا تھا، اس کی وجہ سے اضطراب کا شکار ہو گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا کرم فرمایا اور انہیں رجوع الی اللہ اور ثبات علی الدین کی توفیق ارزانی فرمائی۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُھُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۱۱۸ؑ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹

”اور ان تینوں پر بھی (نظر رحمت فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی ان پر زمین باوجود کشادگی کے اور بوجھ بن گئیں ان پر ان کی جانیں اور جان لیا انہوں نے کہ نہیں کوئی جائے پناہ اللہ تعالیٰ سے مگر اسی کی ذات۔ تب اللہ تعالیٰ ان پر مائل بہ کرم ہوا تاکہ وہ بھی رجوع کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ“۔

عبیداللہ بن کعب بن مالک اپنے والد محترم کے رہبر تھے جب وہ بینائی سے محروم ہو گئے وہ اپنے والد محترم حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا غزوۂ تبوک والا قصہ بیان کرتے ہیں جب وہ حضور ﷺ کی معیت میں جہاد میں شرکت سے پیچھے رہ گئے۔ حضرت کعب بن مالک رضی

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 55

اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بجز غزوۂ تبوک کے کسی اور غزوہ سے رسول اللہ ﷺ کی ہمرکابی سے محروم نہیں رہا۔ البتہ غزوۂ بدر میں مجھے شرکت کا موقع نہ ملا لیکن اس غزوہ میں شریک نہ ہونے والوں میں سے کسی کو عتاب نہیں ہوا کیونکہ رسول اللہ ﷺ قریش کے تجارتی قافلہ کے تعاقب میں نکلے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی پروگرام کے دونوں لشکروں کے درمیان تصادم کروا دیا۔ میں لیلۃ العقبہ کو حضور ﷺ کے ساتھ موجود تھا جب ہم نے اسلام پر کاربند رہنے کے لئے عہد و پیمان کیا تھا۔ یہ شرف مجھے بدر میں شرکت سے زیادہ محبوب ہے اگرچہ غزوۂ بدر لوگوں میں زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ میری داستان یہ ہے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس غزوہ میں شرکت سے پیچھے رہا اس سے پہلے میں کبھی بھی اس قدر قوی اور خوشحال نہ تھا جس قدر اب تھا اور اس سے قبل نہ ہی کبھی میرے پاس دو سواریاں جمع ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو کسی اور کا نام لے کر اسے مخفی رکھتے۔ یہ غزوہ سخت گرمی کے موسم میں پیش آیا۔ طویل، کٹھن جنگلوں کا سفر اور کثیر التعداد دشمن کا سامنا تھا۔ آپ ﷺ نے اہل ایمان کو آزاد چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق تیاری کر سکیں اور اپنے ارادہ سے انہیں باخبر کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کی کثیر تعداد شریک تھی جن کے ناموں کا اندراج کسی رجسٹر میں نہیں تھا، اس لئے اگر کوئی شخص اس غزوہ سے غائب ہونا چاہتا تو وہ یہ گمان کر سکتا تھا کہ اس کا نام مخفی رہے گا جب تک کہ اس کے بارے میں وحی نہیں اترتی۔ اس غزوہ کے وقت پھل پک چکے تھے، سائے گھنے ہو گئے تھے اور میں ان سے لطف اندوز ہونے کی طرف مائل تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور مومنین جہاد کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ میں صبح تیاری کے لئے نکلتا لیکن بغیر تیاری کا سامان کئے واپس لوٹ آتا اور اپنے دل میں کہتا کہ میں جب چاہوں گا تیاری کر لوں گا۔ یہی صورت حال جاری رہی کہ ایک دن لوگ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سفر پر روانہ ہو گئے، میں نے ابھی تک کوئی تیاری نہیں کی تھی، میں نے سوچا کہ ایک دو دن میں تیاری کر کے لشکر کے ساتھ جا ملوں گا، اسی طرح دن گزرتے گئے یہاں تک کہ لشکر بہت دور جا چکا تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ کوچ کر کے لشکر کو پا لوں، کاش کہ میں نے ایسا کیا ہوتا لیکن یہ بھی نہ کر سکا۔ رسول اللہ ﷺ کے سفر پر روانہ ہو جانے کے بعد جب میں باہر نکلتا تو مجھے یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا کہ پیچھے رہ جانے والوں میں یا تو نفاق کی تہمت سے متہم لوگ ہیں یا پھر معذور۔ تبوک پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے مجھے یاد کرتے ہوئے فرمایا کہ کعب بن مالک نے کیا کیا؟ بنو سلمہ کا ایک آدمی کہنے لگا کہ اسے آرام کوشی اور راحت طلبی نے روک لیا ہے۔ اس پر حضرت معاذ بن جبل نے کہا کہ تم نے بہت بری بات کی ہے، اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! ہم اس کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ جب مجھے یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لا رہے ہیں تو مجھے فکر دامن گیر ہو گئی اور میں آپ ﷺ کی ناراضگی سے بچنے کے لئے کسی جھوٹ کی تدبیر کرنے لگا اور اس سلسلہ میں اپنے گھر والوں میں سے ہر ایک صاحب رائے سے مشورہ کرنے لگا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اب تشریف لانے ہی والے ہیں تو جھوٹ کا خیال میرے دل سے جاتا رہا اور مجھے یقین ہو گیا کہ جھوٹ بول کر میرے لئے نجات ممکن نہیں۔ اس لئے میں نے سچ بولنے کا عزم کر لیا۔ صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ پہنچ گئے۔ جب آپ ﷺ سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو رکعتیں ادا کرتے، پھر مجلس عام ہوتی۔ حسب معمول دو رکعتیں ادا کرنے کے بعد جب آپ ﷺ لوگوں کی محفل میں بیٹھے تو جہاد سے پیچھے رہ جانے والے لوگ آنے لگے۔ وہ قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنے عذر بہانے پیش کرتے، ان لوگوں کی تعداد اسی سے زائد تھی۔ حضور ﷺ ان کے ظاہری عذر قبول فرماتے، ان کے لئے استغفار کرتے اور ان کے دلوں کے بھید اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے۔ میں نے بھی حاضر خدمت ہو کر سلام عرض کیا تو آپ ﷺ نے غضب آمیز تبسم فرماتے ہوئے کہا کہ آگے آؤ۔ میں آگے

بڑھ کر آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''تم کیونکر پیچھے رہے۔ کیا تم نے سواری نہیں خرید رکھی تھی؟'' میں نے عرض کی: یارسول اللہ! اگر میں آپ کے سوا اہل دنیا میں سے کسی اور کے پاس بیٹھا ہوتا تو میں کوئی بہانہ بنا کر اس کی ناراضگی سے محفوظ رہ سکتا تھا کیونکہ مناظرانہ گفتگو اور بحث وتمحیص کا مجھے سلیقہ آتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر میں آج آپ کے ساتھ جھوٹ بولوں جس سے آپ تو راضی ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ مجھ پر ناراض ہو جائے گا۔ اور اگر میں آپ کے ساتھ سچ بولوں جس سے آپ مجھ پر ناراض ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے اچھے انجام کی امید ہے۔ جنگ میں عدم شرکت کا میرے پاس کوئی عذر نہ تھا۔ اللہ کی قسم! اس سے پہلے میں اس قدر فارغ البال اور خوشحال نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے سچ بولا ہے۔ اٹھو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں فیصلہ فرما دے''۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ بنوسلمہ کے کچھ لوگ اٹھ کر میرے پیچھے آ گئے اور مجھے کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہمیں علم نہیں کہ اس سے قبل تم نے کوئی گناہ کیا ہے، تم پیچھے رہ جانے والے دوسرے لوگوں کی طرح عذر پیش کرنے سے بھی قاصر رہے۔ رسول اللہ ﷺ کا تمہارے لئے دعائے مغفرت کرنا تمہارے لئے کافی ہوتا۔ وہ مجھے مسلسل ملامت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے جھوٹا بہانہ پیش کرنے کا ارادہ کر لیا، پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا میرے علاوہ بھی کوئی اور ایسا شخص ہے جسے یہ حکم ملا ہو؟ انہوں نے کہا کہ تمہاری طرح دو اور آدمی ہیں جنہوں نے تمہاری طرح سچ بولا اور انہیں بھی تمہارے جیسا جواب ملا۔ میں نے پوچھا کہ وہ دونوں کون ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ مرارہ بن ربیع العامری اور ہلال بن امیہ الواقفی۔ یہ دونوں نیکوکار آدمی تھے جنہوں نے بدر میں شرکت کی تھی۔ یہ میرے لئے مثال تھے۔ جب میں نے ان کا نام سنا تو اپنی راہ لی۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہم تینوں کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرما دیا۔ لوگ ہم سے اجتناب کرنے لگے اور ان کا رویہ بالکل بدل گیا۔ زمین بھی مجھے عجیب لگنے لگی، یہ وہ زمین ہی نہ رہی جسے میں پہچانتا تھا۔ اسی کیفیت پر پچاس راتیں گزر گئیں۔ میرے دونوں ساتھی تو ہمت ہار کر خانہ نشیں ہو گئے اور وہاں ہی گریہ وزاری کرتے رہتے، البتہ میں زیادہ سخت جان اور حوصلہ مند تھا۔ میں مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں شریک ہوتا، بازاروں میں جاتا لیکن کوئی بھی میرے ساتھ کلام نہیں کرتا تھا۔ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کی محفل میں شریک ہوتا اور سلام عرض کرتے ہوئے اپنے دل میں سوچتا کہ کیا سلام کے جواب میں آپ ﷺ نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی ہے یا نہیں، پھر آپ ﷺ کے قریب ہی نماز ادا کرتا اور کنکھیوں سے آپ ﷺ کو دیکھتا۔ جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو آپ ﷺ میری طرف نظر فرماتے اور جب میں آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ ﷺ اعراض فرما لیتے۔ جب اس بائیکاٹ پر طویل عرصہ گزر گیا تو میں اپنے انتہائی محبوب چچازاد بھائی ابوقتادہ کے گھر دیوار پھلانگ کر گیا اور اسے سلام کیا لیکن اس نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے کہا: اے ابوقتادہ! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ کیا تمہیں علم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ وہ پھر بھی خاموش رہے۔ دوبارہ یہی بات دہرائی لیکن پھر بھی انہوں نے سکوت اختیار کئے رکھا، سہ بارہ میرے کہنے پر صرف انہوں نے یہی جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو جاری ہو گئے اور میں دیوار پھلانگ کر واپس لوٹ آیا۔ ایک دفعہ میں مدینہ شریف کے بازار سے گزر رہا تھا کہ شام کا ایک قبطی جو مدینہ شریف میں اشیائے خوردنی بیچ رہا تھا، میرا پتہ پوچھنے لگا۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کر کے اسے میرا پتہ بتا دیا۔ وہ میرے پاس آیا اور مجھے شاہ غسان کا ایک مکتوب تھما دیا، میں پڑھا لکھا تھا، خط پڑھا تو اس کا مضمون یہ تھا: ''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں کمتر اور معمولی آدمی نہیں بنایا، ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری دلجوئی کریں گے''۔ یہ خط پڑھ کر میں نے سوچا کہ یہ بھی ایک آزمائش ہے، چنانچہ میں نے اس خط کو

تنور میں ڈال کر جلا دیا۔ جب پچاس میں سے چالیس راتیں گزر گئیں تو رسول اللہ ﷺ کا قاصد میرے پاس آپ ﷺ کا یہ حکم لے کر آیا کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ۔ میں نے پوچھا کہ اسے طلاق دے دوں یا اور کیا کروں؟ جواب دیا کہ صرف الگ تھلگ رہو اور اس کے قریب نہ جاؤ۔ میرے دونوں ساتھیوں کو بھی یہی حکم ملا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میکے چلی جاؤ اور اس وقت تک وہاں رہو جب تک اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں کوئی فیصلہ نہیں فرما دیتا۔ ہلال بن امیہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی: یا رسول اللہ! ہلال بوڑھے کمزور آدمی ہیں، ان کا کوئی خادم نہیں، اگر میں ان کی خدمت کروں تو کیا آپ ﷺ کو ناپسند ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، لیکن وہ تمہارے قریب نہ آئے''۔ وہ کہنے لگیں: اللہ کی قسم! انہیں کسی چیز میں رغبت ہی نہیں، وہ تو آپ ﷺ کی ناراضگی کے دن سے آج تک مسلسل رو رہے ہیں۔ میرے کسی عزیز نے مجھے مشورہ دیا کہ تم بھی رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیوی سے خدمت لینے کی اجازت طلب کر لو، ہلال کی بیوی کو بھی تو اپنے خاوند کی خدمت کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ میں نے کہا: بخدا! میں رسول اللہ ﷺ سے اس بات کی اجازت طلب نہیں کروں گا۔ میں جوان آدمی ہوں، اگر میں نے آپ ﷺ سے اس کی اجازت مانگی تو معلوم نہیں آپ ﷺ کیا فرمائیں۔ اس طرح مزید دس راتیں گزر گئیں اور مجموعی طور پر قطع تعلق کے پچاس دن پورے ہو گئے۔ پچاسویں دن کی صبح نماز فجر ادا کرنے کے بعد میں اپنے گھر کی چھت پر اس حالت میں بیٹھا ہوا تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے، میری جان مجھ پر تنگ پڑ چکی تھی اور زمین اپنی فراخی کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی تھی کہ ایک پکارنے والے نے سلع پہاڑ کے اوپر سے آواز دی: اے کعب بن مالک! تمہیں بشارت ہو! میں یہ سن کر سجدہ ریز ہو گیا اور مجھے علم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ کو شرف قبولیت سے نوازا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد لوگوں کو ہماری توبہ کی قبولیت کے متعلق آگاہ کر دیا۔ لوگ ہمیں خوشخبری سنانے کے لئے دوڑے کچھ لوگ میرے دونوں ساتھیوں کی طرف بھاگے۔ ایک شخص نے ایک گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اسے سرپٹ دوڑاتا ہوا میری طرف چل نکلا لیکن پہاڑ کے اوپر سے بنو اسلم کے ایک شخص کی آواز گھوڑے سے بھی زیادہ تیز تھی، وہ آواز اس سوار سے پہلے مجھ تک پہنچ گئی۔ میں نے اس بلند آواز سے خوشخبری سنانے والے شخص کو بشارت کے بدلہ میں اپنے کپڑے اتار کر دے دیئے۔ اس دن میرے پاس اور کپڑے نہیں تھے، اس لئے میں نے خود ادھار لے کر کپڑے پہنے۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے ارادہ سے نکلا، لوگ جوق در جوق مجھے مبارکباد دے رہے تھے۔ میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ محفل میں تشریف فرما تھے۔ طلحہ بن عبداللہ جلدی سے میری طرف اٹھے، مصافحہ کیا اور مجھے مبارکباد دی۔ ان کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی شخص بھی میری طرف نہیں اٹھا۔ میں طلحہ کی اس کرم نوازی کو کبھی بھی فراموش نہ کر سکا۔ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام عرض کیا تو آپ ﷺ کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں بشارت ہو، جب سے تم پیدا ہوئے ہو یہ دن تمہاری زندگی کا بہترین دن ہے''۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ بشارت آپ ﷺ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔'' رسول اللہ ﷺ جب مسرور ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ چمک اٹھتا، گویا چاند کا ٹکڑا ہے، مسرت آپ ﷺ کے چہرہ سے ہی عیاں ہو جاتی۔ جب میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا تو میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میری توبہ کی قبولیت کا تقاضا یہ ہے کہ میں اپنا سارا مال و متاع اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر صدقہ کر دوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: '' کچھ مال اپنے پاس بچا کر رکھ لو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے''۔ میں نے عرض کی کہ میں اپنا خیبر والا حصہ اپنے پاس رکھ لیتا ہوں۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے سچائی کی بدولت نجات عطا فرمائی ہے، اس لئے اب قبولیت توبہ کے بعد ضروری ہے کہ میں تادم حیات سچ

بولوں۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کے سبب کسی مسلمان کو آزمایا ہو۔ اس کے بعد میں نے آج تک جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولا اور مجھے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آئندہ بھی جھوٹ سے محفوظ رکھے گا۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ...... وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبول اسلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر سب سے بڑا انعام یہ فرمایا کہ مجھے سچ بولنے کی توفیق ارزانی فرمائی ورنہ آپ ﷺ کے ساتھ جھوٹ بولنے والوں کی طرح میں بھی ہلاک ہو جاتا کیونکہ ان جھوٹ بولنے والوں کے لئے سخت ترین الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ (التوبہ: 96-95) ”قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم لوٹو گے ان کی طرف تا کہ تم معاف کر دو انہیں سو منہ پھیر لو ان سے یقیناً وہ ناپاک ہیں۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلہ اس کا جو وہ کمایا کرتے تھے۔ وہ قسمیں کھاتے ہیں تمہارے لئے تا کہ تم خوش ہو جاؤ ان سے۔ سو (یاد رکھو) اگر تم خوش ہو بھی گئے ان سے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوگا نافرمانوں کی قوم سے“۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم تین اشخاص تھے جن کا معاملہ ان لوگوں سے ملتوی کر دیا گیا جن کے ظاہری عذر کو رسول اللہ ﷺ نے قبول فرماتے ہوئے ان سے بیعت لی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی لیکن ہمارا فیصلہ مؤخر کر دیا گیا یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ہمارے متعلق فیصلہ کر دیا، اس لئے فرمایا:

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا (1)۔ اس آیت کریمہ میں جن تین افراد کا ذکر ہے ان کے نام یہ ہیں: کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع، ان تینوں کا تعلق انصار سے تھا (2)۔ حضرت مجاہد، قتادہ، سدی وغیرہ کا یہی قول ہے۔ بعض نے مرارہ کی ولدیت ربیع کی بجائے ربیعہ نقل کی ہے لیکن صحیح ربیع ہی ہے جیسا کہ صحیحین کی روایت میں بھی آتا ہے (3)۔ یہ کہنا کہ باقی دونوں بدر میں شریک ہوئے تھے، درست نہیں ہے، یہ امام زہری کی خطا ہے۔ ان تینوں میں سے کوئی بھی بدر میں شریک نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تین حضرات کی تنگی اور کرب کا ذکر کیا جس سے یہ مسلمانوں کے بائیکاٹ کے سبب دوچار تھے، ان کی جانیں ان پر تنگ پڑ گئی تھیں اور زمین اپنی فراخی کے باوجود انہیں تنگ محسوس ہوتی تھی، کشائش کے تمام رستے مسدود دکھائی دیتے تھے، انہیں کچھ سجھائی نہ دیتا کہ کیا کریں، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے حکم پر انہوں نے صبر کیا، سر تسلیم خم کر لیا اور ثابت قدم رہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے سچائی اور جھوٹا بہانہ نہ بنانے کے باعث ان پر کرم فرمایا اور اس مدت کے عتاب کے بعد ان کی توبہ کو قبول فرما لیا اور ان کا صدق خیر اور قبول توبہ پر منتج ہوا، اس لئے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ یعنی سچ بولو اور سچ کو لازم پکڑو، تم اہل صدق میں سے ہو جاؤ گے اور ہلاکتوں سے نجات پا لو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے راہ کشائش پیدا فرما دے گا۔ اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں: ”سچائی کو اختیار کرو، کیونکہ سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے، آدمی ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی تلاش میں کوشاں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ فسق و فجور کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور فسق و فجور دوزخ کی طرف لے جاتا ہے۔ ایک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہے

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 6 صفحہ 3، صحیح مسلم، کتاب التوبہ 212-2128 وغیرہ

2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 56-57

3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 57

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب لکھ لیا جاتا ہے(1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جھوٹ کسی صورت میں بھی جائز نہیں، نہ سنجیدگی کے طور پر اور نہ بطور ہنسی مذاق، چاہو تو یہ آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ پڑھ لو، پھر فرمایا کہ کیا تم اس میں کسی کے لئے رخصت پاتے ہو؟(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''الصّٰدِقِیۡنَ'' سے مراد حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تم سچے لوگوں کی معیت اختیار کرنا چاہتے ہو تو زہد اختیار کرو اور لوگوں سے کنارہ کش ہو جاؤ۔

مَا كَانَ لِاَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ وَمَنۡ حَوۡلَهُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ اَنۡ يَّتَخَلَّفُوۡا عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَرۡغَبُوۡا بِاَنۡفُسِهِمۡ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ لَا يُصِيۡبُهُمۡ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخۡمَصَةٌ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوۡنَ مَوۡطِئًا يَّغِيۡظُ الۡكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوۡنَ مِنۡ عَدُوٍّ نَّيۡلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۙ﴿۱۲۰﴾

''نہیں مناسب تھا مدینہ والوں کے لئے اور جو ان کے اردگرد دیہاتی لوگ ہیں کہ پیچھے بیٹھ رہتے اللہ کے رسول پاک سے اور نہ یہ کہ متوجہ ہوتے اپنے نفسوں کی طرف ان ﷺ سے بےفکر ہو کر۔ یہ اس لئے کہ نہیں پہنچتی انہیں کوئی پیاس اور نہ کوئی تکلیف اور نہ بھوک راہ خدا میں اور نہ وہ چلتے ہیں کسی چلنے کی جگہ جس سے کافروں کو غصہ آئے اور نہیں حاصل کرتے وہ دشمن سے کچھ مگر یہ کہ لکھا جاتا ہے ان کے لئے ان (تمام تکلیفوں) کے عوض نیک عمل۔ بیشک اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا نیکوں کا اجر''۔

اللہ تعالیٰ ان اہل مدینہ اور اردگرد کے قبائل والوں کو عتاب فرما رہا ہے جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے سے پیچھے رہے اور جس مشقت کا آپ ﷺ کو سامنا کرنا پڑا اس میں ان لوگوں نے ذرا بھی اظہار ہمدردی نہ کیا، اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو اجر سے محروم کر لیا کیونکہ نہ تو انہیں پیاس برداشت کرنا پڑی، نہ کوئی اور تکلیف اور نہ ہی بھوک کا سامنا کرنا پڑا اور نہ ہی کسی ایسی راہ پر چلے جس سے دشمن خوفزدہ ہو جاتا اور نہ دشمن پر غلبہ حاصل کیا مگر ان اعمال کے باعث ان کے لئے لکھ لیا گیا جو اعمال ان کی قدرت کے تحت داخل نہیں تھے بلکہ ان کے افعال کے نتیجہ میں اعمال صالحہ اور اجر عظیم کا ظہور ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اِنَّا لَا نُضِيۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا (الکہف:30) ''ہم ضائع نہیں کرتے کسی کا اجر جو عمدہ اور (مفید) کام کرتا ہے''۔

وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ نَفَقَةً صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً وَّلَا يَقۡطَعُوۡنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ لِيَجۡزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحۡسَنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾

''اور وہ (مجاہدین) نہیں خرچ کرتے تھوڑا اور نہ زیادہ۔ اور نہ طے کرتے ہیں کسی وادی کو مگر یہ کہ لکھ لیا جاتا ہے ان کے لئے تاکہ صلہ دے انہیں اللہ تعالیٰ بہترین ان کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ راہ خدا میں جہاد کرنے والے یہ لوگ جو تھوڑا یا بہت خرچ کرتے ہیں اور دشمن سے نبرد آزما ہونے کے لئے کسی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 30 صحیح مسلم، کتاب البر، 2012 وغیرہ
2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 63

وادی کو طے کرتے ہیں تو ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے۔ گزشتہ آیت کی طرح یہاں کُتِبَ لَھُمْ کے ساتھ ''بہ'' کا اضافہ نہیں کیا گیا کیونکہ یہ افعال ان کے ذاتی ہیں جو ان کی مرضی سے صادر ہوتے ہیں، اس لئے فرمایا: لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اس آیت کریمہ سے حَظِّ وافر اور نصیب عظیم حاصل ہوا۔ اس غزوہ میں آپ نے بیش بہا اور گرانقدر مال و متاع پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن حباب سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور جیش عسرت (غزوہ تبوک میں شریک ہونے والا لشکر) کی تیاری کے لئے ساز و سامان فراہم کرنے پر برانگیختہ کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سو اونٹ مع پالان و کجاوے پیش کر دیئے، دوبارہ حضور ﷺ کے رغبت دلانے پر مزید مکمل ساز و سامان کے ساتھ سو اونٹ آپ ﷺ کی نذر کر دیئے۔ پھر حضور ﷺ منبر کی ایک سیڑھی نیچے اترے اور لوگوں کو چندہ دینے پر ابھارا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر ایک سو تیار اونٹ دینے کا اعلان کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ خوشی سے اس طرح اپنا ہاتھ ہلا رہے تھے (راوی عبدالصمد نے اس پر اپنا ہاتھ نکال کر بتایا) اور فرما رہے تھے کہ ''اس کے بعد کوئی عمل عثمان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا'' (1)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے میں ایک ہزار دینار لائے جن سے نبی کریم ﷺ نے جیش عسرت کو تیار کیا۔ آپ ﷺ نے ان دیناروں کو اپنی گود میں ڈال لیا، آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے انہیں الٹ پلٹ کر رہے تھے اور فرما رہے تھے: مَا ضَرَّ ابْنَ عَفَّانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ ''آج کے بعد کوئی عمل بھی ابن عفان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا'' متعدد بار آپ ﷺ نے اس جملہ کو دہرایا (2)۔ قتادہ اس فرمان وَلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ کے متعلق کہتے ہیں کہ جو لوگ راہ خدا میں جس قدر زیادہ اپنے اہل و عیال سے دور ہوں گے وہ اس قدر زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوں گے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن نکل کھڑے ہوں سارے کے سارے۔ تو کیوں نہ نکلے ہر قبیلہ سے چند آدمی تاکہ تفقہ حاصل کر سکیں دین میں اور ڈرائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ (نافرمانیوں سے) بچیں''۔

اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں غزوۂ تبوک کے لئے نکلنے کا بیان ہے۔ سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جہاد کے لئے نکلنا ہر مسلمان پر واجب تھا جب رسول اللہ ﷺ جہاد کے لئے روانہ ہوں، اس لئے فرمایا: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (التوبہ: 41) ''(جہاد کے لئے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھل'' اور فرمایا: مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ...... (التوبہ: 120) ''نہیں مناسب تھا مدینہ والوں کے لئے اور جو ان کے ارد گرد دیہاتی لوگ ہیں'' اور اس آیت کے ذریعے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام قبائل کے نکلنے یا اگر تمام نہیں نکل سکتے تو ہر قبیلہ سے ایک جماعت کے نکلنے سے مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نکلنے والے بذریعہ وحی دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں اور جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹیں تو دشمن کے حالات سے انہیں آگاہ کر کے خبردار کریں۔ اس طرح اس سفر میں دو باتیں (تفقہ اور جہاد) جمع ہو گئیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے بعد ہر قبیلہ سے نکلنے والا طائفہ یا تو تفقہ فی الدین کے لئے ہوگا یا جہاد کے لئے کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 75 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 62

اہل ایمان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ تمام کے تمام نکل کھڑے ہوں اور رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ دیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر جماعت میں سے کچھ حضور ﷺ کی اجازت سے جہاد پر جائیں، ان کی عدم موجودگی میں جو قرآن کریم اترے اسے وہ لوگ سیکھتے رہیں جو آپ ﷺ کے ساتھ باقی رہ گئے ہیں۔ جب وہ لوگ سفر سے واپس لوٹیں تو یہ انہیں کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی پر قرآن نازل کیا ہے جسے ہم نے سیکھ لیا ہے، اس طرح وہ لوگ ان سے نازل شدہ قرآن کریم سیکھ لیں پھر حضور ﷺ اور سریہ بھیج دیں، یہی مفہوم اس فرمان کا ہے: لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ تاکہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ پر اترنے والے قرآن کریم کو سیکھیں اور جب وہ لوگ ان کے پاس لوٹیں تو انہیں سکھا دیں تاکہ وہ بھی ڈرتے رہیں (1)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت ان صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی جو تفقہ فی الدین کے بعد دیہات میں چلے گئے، وہاں انہیں خوشحالی اور راحت میسر آئی اور لوگوں کو انہوں نے ہدایت کا پیغام بھی پہنچایا۔ لوگ کہنے لگے کہ تم نبی ﷺ اور صحابہ کا ساتھ چھوڑ کر ہمارے پاس آ گئے ہو۔ اس بات سے وہ بہت دل گرفتہ ہوئے۔ وہاں سے انہوں نے کوچ کیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اس پر ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں فرمایا کہ ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے چند لوگ طلب خیر میں نکلیں، دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں، قرآن و حدیث کو سنیں اور جا کر تمام لوگوں کو اس سے خبردار کریں تاکہ وہ بھی ڈرتے رہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے لشکر روانہ کئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ جہاد کا حکم دیا تھا۔ دوسری جماعت کو یہ حکم ہوا کہ وہ دین سیکھنے کے لئے نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے اور ایک گروہ اپنی قوم کے پاس جائے، وہاں تبلیغ کا فریضہ انجام دے اور انہیں گزشتہ قوموں کے واقعات سے ڈرائے (2)۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بذات خود جہاد کے لئے تشریف لے جائیں تو اہل عذر کے سوا کسی کے لئے پیچھے رہ جانا جائز نہیں اور اگر آپ ﷺ خود قیام پذیر رہیں اور سریہ بھیج دیں تو آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر اس میں شرکت جائز نہیں۔ جب لوگ سریہ کے ساتھ روانہ ہو جائیں اور ان کی عدم موجودگی میں اترنے والی وحی سے حضور ﷺ باقی رہ جانے والے لوگوں کو آگاہ فرما دیں تو جب یہ سریہ واپس لوٹے تو حضور ﷺ کے ساتھ قیام کرنے والے لوگ انہیں کہہ دیں کہ تمہارے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی پر قرآن اتارا ہے، اس طرح وہ انہیں پڑھا دیں اور ان میں تفقہ پیدا کریں۔ یہی اس آیت کا مفہوم ہے (3)۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس سے اس آیت کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت جہاد کے بارے میں نہیں ہے بلکہ جب رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ مضر کے لئے قحط کی بددعا کی اور وہ تمام قحط کا شکار ہو گئے تو وہ لوگ مدینہ میں آ کر قیام کرنے لگے اور جھوٹ موٹ خود کو مسلمان ظاہر کرنے لگے۔ صحابہ کرام پر ان کی مہمان نوازی بار گراں بن گئی اور ان لوگوں نے صحابہ کو سخت مشکل سے دوچار کر دیا۔ اس پر بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو آگاہ کیا کہ یہ لوگ مومن نہیں ہیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو واپس ان کے قبائل کی طرف روانہ کر دیا اور ان کی قوم کو دوبارہ ایسا کرنے سے منع کیا۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ہر عرب قبیلہ سے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرتے، وہ آپ ﷺ سے پوچھتے کہ آپ ہمیں کس چیز کے کرنے کا حکم ارشاد فرماتے ہیں اور جب ہم اپنے قبائل کے پاس جائیں تو انہیں کس چیز کا حکم دیں تو رسول اللہ ﷺ انہیں اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیتے اور ان کی قوم کے لئے نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا پیغام بھیجتے۔ جب وہ لوگ اپنی قوم کے پاس جاتے تو انہیں کہتے کہ جو شخص اسلام قبول کرے گا وہ ہم میں سے ہے اور وہ اس طرح انہیں ڈراتے یہاں تک کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 67 2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 68 3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 68

ایک مومن اپنے کافر والدین سے قطع تعلق کر لیتا۔ نبی کریم ﷺ ان لوگوں کو تبلیغ کرتے اور انہیں ڈراتے۔ جب یہ لوگ اپنی قوم کے پاس واپس جاتے تو انہیں اسلام کی دعوت دیتے، آگ سے ڈراتے اور جنت کی بشارت دیتے(1)۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّمَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ (توبہ:39) اتری تو منافقین کہنے لگے کہ وہ دیہاتی ہلاک ہو گئے جو محمد (ﷺ) سے پیچھے رہ گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ جہاد پر روانہ نہیں ہوئے۔ چند صحابہ کرام دیہات میں اپنی قوم کو دین سکھانے کی غرض سے گئے ہوئے تھے۔ اس پر یہ آیت اتری، اور یہ آیت بھی: وَالَّذِيْنَ يُحَاۗجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ (الشوریٰ:16) ''اور جو لوگ حجت بازی کرتے ہیں اللہ (کے دین) کے بارے میں اس کے بعد کہ (اکثر حق شناس) اس کو مان چکے ہیں، سو ان کی حجت بازی لغو ہے ان کے رب کے نزدیک اور ان پر (اللہ کا) غضب ہے اور انہی کے لئے سخت عذاب ہے''(2)۔ حضرت حسن بصری اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں: تاکہ جہاد پر نکلنے والے لوگ اپنی قوم کے پاس لوٹ کر انہیں اس شان و شوکت اور فتح و نصرت سے آگاہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خلاف انہیں عطا فرمائی(3)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٣﴾

''اے ایمان والو! جنگ کرو ان کافروں سے جو آس پاس ہیں تمہارے اور چاہئے کہ وہ پائیں تم میں سختی اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے''۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دے رہا ہے کہ وہ سب سے پہلے ان کفار کے ساتھ جہاد کریں جو مملکت اسلامیہ کے زیادہ قریب ہیں، الاقرب فالاقرب کے اصول کے مطابق۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جزیرۂ عرب میں رہنے والے مشرکین کے ساتھ جہاد کا آغاز کیا۔ جب آپ ﷺ ان سے فارغ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مکہ، مدینہ، طائف، یمن، یمامہ، ہجر، خیبر، حضر موت اور جزیرۂ عرب کے دیگر علاقے فتح ہو گئے اور تمام قبائل عرب کے لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ساتھ جہاد کا حکم دے دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اہل روم کے ساتھ جہاد کے لئے تیاری کی جو جزیرۂ عرب کے سب سے زیادہ قریب اور اہل کتاب ہونے کے ناطے دعوت اسلام کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ آپ ﷺ تبوک پہنچے، لیکن مسلمانوں کی خستہ حالی، تنگدستی اور قحط سالی کے پیش نظر واپس تشریف لے آئے۔ یہ سنہ 9ھ کا واقعہ ہے۔ پھر ہجرت کے دسویں سال آپ ﷺ حجۃ الوداع میں مشغول ہو گئے اور حجۃ الوداع کے اکیاسی دن بعد آپ ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرما لیا۔ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے وزیر، صدیق اور خلیفہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امور سلطنت سنبھال لئے۔ اس وقت دین میں کجی واقع ہو چکی تھی، قریب تھا کہ دین کی عمارت میں دراڑیں پڑ جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بدولت دین کی عمارت کو ثابت و قائم رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دین کی بنیادوں کو مستحکم کیا۔ دین سے بدکے ہوئے لوگوں کو آپ واپس چار و ناچار دین کی طرف لائے۔ مرتدین کو واپس اسلام میں داخل کیا، منکرین زکوٰۃ سے زکوٰۃ وصول کی۔ جاہل کے سامنے حق واضح کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی نیابت کا حق ادا کر دیا، پھر آپ نے صلیب

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 68
2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 69
3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 70 تفسیر بغوی، جلد 2 صفحہ 239

پرست رومیوں اور آتش پرست ایرانیوں کے خلاف اسلامی لشکر تیار کئے اور قیصر وکسریٰ کو مغلوب کر دیا اور ان کے خزانوں کو راہ خدا میں خرچ کر دیا۔ ان فتوحات کی پیشین گوئی حضور ﷺ نے پہلے ہی فرما دی تھی۔ ان فتوحات کی تکمیل آپ رضی اللہ عنہ کے وصی اور ولی عہد شہید محراب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کفار وملحدین کو ذلیل ورسوا کر دیا، باغیوں اور منافقوں کا قلع قمع کر دیا اور شرق وغرب کے ممالک پر فتح حاصل کی۔ دور ونزدیک کے ممالک سے اموال کے خزانے آپ کے پاس لائے گئے جنہیں آپ نے شرعی احکام کے مطابق تقسیم کر دیا، پھر آپ کو شہید کر دیا گیا۔ آپ نے قابل ستائش زندگی بسر کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مہاجرین وانصار تمام صحابہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق ہو گیا۔ آپ نے سلطنت اسلامیہ کو خوبصورت لباس پہنایا۔ آپ کے عہد میں دعوت اسلامی تمام ممالک تک پھیل گئی اور تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو گئی۔ مشرق ومغرب میں اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ اللہ کا کلمہ غالب آ گیا اور دین کا پرچم بلندیوں پر لہرانے لگا اور ملت حنیفیہ نے دوسری اقوام پر مکمل تسلط حاصل کر لیا۔ مسلمان ایک قوم پر فتح حاصل کرنے کے بعد دوسری قوم کا رخ کرتے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ کے مصداق قریب کے کفار کا قلع قمع کرتے۔

وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً چاہئے کہ لڑائی کے وقت کفار تم میں سختی محسوس کریں کیونکہ کامل مومن وہ ہے جو اپنے مومن بھائی کے لئے نرم خو ہو اور دشمن کافر کے لئے سخت مزاج جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں اہل ایمان کا وصف بیان کیا گیا ہے: فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ (المائدۃ: 54)'' (تو اس کی بدنصیبی) سو عنقریب لے آئے گا اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم کہ محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو نرم ہوں گے ایمانداروں کے لئے بہت سخت ہوں گے کافروں پر''، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (الفتح: 29)'' (جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور وہ (سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں، آپس میں بڑے رحم دل ہیں''۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ (التوبہ: 73)'' اے نبی کریم! جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں کے ساتھ اور سختی کیجئے ان پر''۔ ایک حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اَنَا الضَّحُوْكُ الْقَتَّالِ'' میں (دوستوں کے لئے) ہنس مکھ اور (دشمنوں کے لئے) جنگجو ہوں''۔

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ یعنی تم کفار کے ساتھ جہاد کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے بشرطیکہ تم نے تقویٰ اور اطاعت اختیار کی۔ پہلی تین صدیوں میں غلبہ والی یہ کیفیت برقرار رہی کیونکہ اس دور میں اہل ایمان نے استقامت اختیار کی، اطاعت الٰہی کو اپنا شعار بنائے رکھا، اس لئے وہ مسلسل فتوحات حاصل کرتے رہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بے حد وحساب فتوحات سے نوازا، ان کے دشمن ذلت ورسوائی کی زندگی بسر کرتے رہے لیکن اس کے بعد جب پرفتن دور کا آغاز ہوا، خواہشات نفسانی نے ڈیرے ڈال لئے اور شاہان اسلام باہم دست بگریبان ہونے لگے تو دشمنان اسلام کی نظریں مملکت اسلامیہ پر لگ گئیں۔ مسلمانوں کے اختلافات اور بادشاہوں کے باہمی تنازعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمن سلطنت اسلامیہ پر حملہ آور ہو گئے اور بغیر کسی مزاحمت کے یکے بعد دیگرے اسلامی علاقے فتح کرتے چلے گئے یہاں تک کہ مملکت اسلامیہ کے اکثر حصے پر وہ قابض ہو گئے۔ جب بھی کوئی اسلامی بادشاہ اٹھا، اس نے اوامر الٰہی کو حرز جان بنایا اور اللہ تعالیٰ پر توکل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے فتح عطا فرمائی اور اس نے بہت سے علاقہ جات دشمن سے واگزار کروا لئے۔ اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ وہ دشمنان اسلام پر مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمائے اور پوری دنیا میں

اپنے کلمہ کا بول بالا فرمائے، وہ بہت سخی اور کریم ہے۔

وَ اِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ اَيُّكُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ اِيۡمَانًا‌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّهُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا اِلٰى رِجۡسِهِمۡ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾

''اور جب کبھی نازل ہوتی ہے کوئی سورۃ تو بعض ان میں سے وہ ہیں جو (شرارتاً) کہتے ہیں کہ کس کا تم میں سے زیادہ کر دیا ہے اس سورۃ نے ایمان۔ تو وہ (سن لیں) ایمان والوں کے ایمان میں اس سورۃ نے اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے تو بڑھا دی اس سورت نے ان میں اور پلیدی ان کی (سابقہ) پلیدی پر اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے''۔

جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو منافقین (از راہ تمسخر) ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّهُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ یہ آیت کریمہ ان بڑے بڑے دلائل میں سے ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے جیسا کہ اکثر علمائے خلف وسلف کا مسلک ہے بلکہ متعدد علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ شرح بخاری کے اوائل میں اس پر مبسوط بحث ہو چکی ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ...... یعنی وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا روگ ہے، یہ سورت ان کی پلیدی اور شک وشبہ میں مزید پلیدی اور شک وشبہ پیدا کر دیتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَنُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ (بنی اسرائیل:82) ''اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: قُلۡ هُوَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًى وَّشِفَآءٌ‌ ؕ وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرٌ وَّهُوَ عَلَيۡهِمۡ عَمًى‌ ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوۡنَ مِنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ (حم السجدۃ:44) ''آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے۔ انہیں گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے''۔ یہ کس قدر ان کی بدبختی ہے کہ دلوں کو ہدایت دینے والی چیز ان کی گمراہی اور تباہی کا سبب بن جائے جیسا کہ ایک بیمار کو اگر اچھی غذا بھی دی جائے تو بھی اس کی صحت کے لئے مضر ہوگی۔

اَوَلَا يَرَوۡنَ اَنَّهُمۡ يُفۡتَنُوۡنَ فِىۡ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوۡ مَرَّتَيۡنِ ثُمَّ لَا يَتُوۡبُوۡنَ وَلَا هُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ ؕ هَلۡ يَرٰٮكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوۡا‌ ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾

''کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں ہر سال ایک بار یا دو بار پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت قبول کرتے ہیں اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو دیکھنے لگتے ہیں ایک دوسرے کی طرف کیا دیکھ تو نہیں رہا تمہیں کوئی پھر چل دیتے ہیں۔ پھیر دیئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کیونکہ یہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا ان منافقین کو دکھائی نہیں دیتا کہ انہیں ہر سال ایک دو مرتبہ آزمایا جاتا ہے لیکن پھر بھی یہ اپنے گزشتہ گناہوں

سے باز نہیں آتے اور نہ ہی اپنے آئندہ احوال میں نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ انہیں قحط سالی اور بھوک سے آزمایا جاتا تھا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ سال میں ایک دو مرتبہ جنگ کی آزمائش کا انہیں سامنا کرنا پڑتا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ہر سال ایک دو جھوٹی افواہیں سنتے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ گمراہ ہو جاتے (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے کہ معاملات کی سنگینی اور سختی میں اضافہ ہو رہا ہے، لوگوں کا بخل بڑھتا جا رہا ہے اور ہر آنے والا سال پہلے سے زیادہ شر کا حامل ہے (2)۔

وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ...... اس آیت میں بھی منافقین کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا کوئی تمہیں دیکھ تو نہیں رہا؟ پھر یہ حق سے اعراض کر لیتے ہیں۔ دنیا میں ان کی یہ حالت ہے کہ یہ نہ تو حق پر ثابت رہتے ہیں، نہ اسے قبول کرتے ہیں اور نہ ہی اسے سمجھتے ہیں جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (المدثر: 51-49) ''پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس نصیحت سے روگرداں ہیں۔ گویا وہ بھڑکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں جو بھاگے جا رہے ہیں شیر سے''۔ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۝ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ (المعارج: 37-36) ''پس ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف ٹکٹکی باندھے بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ ایک گروہ دائیں طرف سے اور دوسرا گروہ بائیں طرف سے''۔

ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۭ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ...... یہ اس فرمان کی طرح ہے: فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (الصف: 5) ''پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔ یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے خطاب کو نہیں سمجھتے اور نہ ہی سمجھنے کا ارادہ رکھتے ہیں بلکہ یہ تو اس سے متنفر ہیں، اسی لئے ان کی یہ حالت ہو گئی ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝١٢٨ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۫ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝١٢٩

''بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت ہی خواہش مند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے۔ (اے حبیب!) پھر اگر منہ موڑ لیں تو آپ فرما دیں کافی ہے مجھے اللہ نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے''۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر اپنا احسان جتلا رہا ہے کہ اس نے ان کی طرف ان کی جنس میں سے اور ان کی ہی زبان بولنے والا رسول بھیجا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (البقرة: 129) ''اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے''، ایک اور مقام پر فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران: 164) ''یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے''۔ اور جیسا کہ حضرت

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 73 2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن 1340-1341، مستدرک حاکم، کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 441-442

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی سے اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کے قاصد سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ہمیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا ہے جس کے نسب، اوصاف، نشست و برخاست، آمد و رفت اور صدق و امانت سب چیزوں سے ہم بخوبی واقف ہیں(1)۔ جعفر بن محمد اپنے والد گرامی سے اس فرمان لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جاہلیت کی ولادت میں سے کوئی چیز بھی آپ کو نہیں پہنچی۔ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں: خَرَجْتُ مِنْ نِّكَاحٍ وَّلَمْ اَخْرُجْ مِنْ سِفَاحٍ(2)۔ ''میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں، بدکاری سے پیدا نہیں ہوا''۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''میں نکاح سے پیدا ہوا اور آدم سے لے کر اپنی ولادت تک بدکاری سے پیدا نہیں ہوا اور زمانہ جاہلیت کی بدکاری کا مجھ میں شائبہ تک نہیں''۔

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ یعنی امت کا تکلیف میں پڑنا آپ پر بہت گراں اور شاق گزرتا ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا: بُعِثْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحَةِ(3)۔ ''مجھے آسان دین حنیف دیکر بھیجا گیا ہے''۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ سے فرمایا: اِنَّ هٰذَا الدِّيْنَ يُسْرٌ(4)۔ ''دین تو نہایت آسان ہے''۔ اور آپ کی لائی ہوئی شریعت نہایت سہل، نرم اور اس شخص پر آسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ اسے آسان بنا دے۔

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ یعنی آپ تمہاری ہدایت، دنیاوی اور اخروی نفع کے بہت خواہش مند ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس قدر معلومات بہم پہنچائیں کہ فضا میں اڑتے ہوئے پرندے تک کے متعلق علم عطا فرما دیا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''میں نے ہر وہ چیز تمہارے سامنے وضاحت سے بیان کر دی ہے جو تمہیں جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کر دے''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے اسے علم ہے کہ تم میں سے ایک شخص تمہیں اس کے متعلق عنقریب مطلع کرے گا۔ خبردار! میں تمہیں کمر بند سے پکڑ کر پیچھے ہٹا رہا ہوں کہ کہیں تم پروانے کی طرح آگ میں نہ گر جاؤ''(5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ محو خواب تھے کہ دو فرشتے آپ ﷺ کے پاس آئے۔ ان میں ایک پائنتی بیٹھ گیا اور دوسرا سرہانے۔ پائنتی والے فرشتے نے سرہانے والے فرشتے سے کہا کہ آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کی امت کی مثال ایسے لوگوں کی سی ہے جو سفر پر روانہ ہوئے، سفر کرتے کرتے ایک جنگل تک پہنچ گئے۔ ان کے پاس کوئی زادہ راہ باقی نہیں تھا جس کے ذریعے وہ اس جنگل کو عبور کر لیتے اور واپس چلے آتے۔ اسی اثناء میں ان کے پاس ایک خوش پوش شخص آیا اور کہنے لگا کہ اگر میں تمہیں سرسبز و شاداب باغات اور جاری حوضوں پر لے چلوں تو کیا تم میرے پیچھے چلو گے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ وہ شخص انہیں لے کر سرسبز باغات اور جاری حوض پر لے گیا، انہوں نے وہاں سے خوب کھایا پیا اور موٹے تازے ہو گئے تو اس شخص نے کہا کہ کیا تمہاری حالت خستہ نہ تھی، اور میں نے تمہیں کہا تھا کہ اگر میں تمہیں سرسبز باغ اور جاری حوض پر لئے چلوں تو کیا تم میری پیروی کرو گے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔ پھر اس شخص نے انہیں کہا کہ تمہارے لئے ان سے بھی زیادہ سرسبز باغات اور جاری حوض ہیں کیا تم میرے پیچھے چلو گے؟ ایک گروہ کہنے لگا کہ اس شخص نے پہلے بھی ہمارے ساتھ سچ بولا ہے، ہم ضرور اس کی پیروی کریں گے جبکہ ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا کہ ہمیں یہی کافی ہے اور ہم اسی پر راضی ہیں، مزید کی ضرورت نہیں''(6)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 336
2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 76
3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 266، جلد 6 صفحہ 233
4۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 16، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 69
5۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 399
6۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 287

رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ مانگنے کے لئے آیا، عکرمہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں وہ خون بہا کی ادائیگی میں مدد کا خواہاں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کچھ عطا فرمایا اور پوچھا کہ کیا میں نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے؟ اعرابی نے کہا: نہیں، بلکہ حسن سلوک بھی نہیں کیا۔ یہ سن کر بعض صحابہ سخت غضبناک ہو گئے اور اعرابی کی طرف اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن آپ ﷺ نے انہیں اشارہ سے منع کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور اس اعرابی کو اپنے گھر بلا کر مزید عطا فرمایا اور پوچھا کہ کیا میں نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے! آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''تم ہمارے پاس مانگنے کے لئے آئے اور ہم نے تمہیں عطا کیا لیکن تم نے وہ بات کہی جو تم نے کہی، اس پر میرے صحابہ کے دلوں میں تمہارے بارے میں رنجش ہے، اگر تم ان کے سامنے بھی وہی بات کہو جو تم نے میرے سامنے کہی ہے تو ان کی رنجش دور ہو سکتی ہے''۔ اس نے کہا: ہاں، جب وہ اعرابی آیا تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''یہ آدمی ہمارے پاس مانگنے کے لئے آیا اور ہم نے اسے عطا کیا لیکن اس نے وہ بات کی جو کی۔ ہم نے اسے بلا کر مزید عطا کیا، اس کا خیال ہے کہ وہ راضی ہو گیا ہے، اے اعرابی! کیا اسی طرح ہے؟ اس نے کہا: ہاں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری مثال اور اس اعرابی کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جس کی اونٹنی بھاگ گئی لوگ (اسے پکڑنے کے لئے) اس کے پیچھے دوڑے لیکن اونٹنی اور زیادہ بدک گئی۔ اونٹنی کے مالک نے انہیں کہا کہ اس اونٹنی کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو، میں اس کا زیادہ خیر خواہ ہوں اور مجھے اس کے بارے میں زیادہ علم ہے۔ چنانچہ وہ اونٹنی کی طرف بڑھا اور گھاس کے چند تنکے لے کر اسے اپنی طرف بلایا، اونٹنی اس کے پاس آ گئی اور اس نے اس پر پالان کس لیا۔ اگر میں بھی تمہاری طرح اس کی ناروا بات پر اس سے ناراض ہو جاتا تو یہ شخص دوزخ میں چلا جاتا''(1)۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ اسی طرح اور مقام پر فرمایا: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢١٥﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢١٦﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (الشعراء: 217-215) ''اور آپ نیچے کیا کیجئے اپنے پروں کو ان لوگوں کے لئے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اہل ایمان سے پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیں میں بری الذمہ ہوں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے ہو۔ اور بھروسہ کیجئے سب سے غالب ہمیشہ رحم کرنے والے پر''۔ اسی طرح اس آیت کریمہ میں فرمایا: فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یعنی اگر یہ لوگ آپ کی شریعت طاہرہ کاملہ سے روگردانی کریں تو آپ کہہ دیں کہ مجھے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے توکل کیا جیسا کہ فرمان ہے: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (المزمل: 9) ''مالک ہے شرق و غرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس بنائے رکھیئے اسی کو اپنا کارساز''۔

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ یعنی وہ ہر چیز کا مالک اور خالق ہے کیونکہ وہ اس عرش عظیم کا رب ہے جو زمین و آسمان اور ان کے درمیان تمام مخلوقات کی چھت ہے، ہر چیز اس کے عرش کے نیچے اس کی قدرت میں ہے۔ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اس کی تقدیر ہر چیز میں جاری ہے اور وہ ہر ایک کی ضروریات کا کفیل ہے۔ حضرت ابن عباس حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی اس سورت کی آخری دو آیتیں یہ ہیں یعنی لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ...... (2)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جمع و تدوین قرآن کا کام ہوا، لوگ لکھتے جاتے تھے اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لکھواتے جاتے تھے۔ جب سورۂ براءت کی اس آیت ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۚ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (توبہ: 127) پر پہنچے تو لوگوں نے گمان کیا کہ یہ آیت سب سے آخر میں

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 3 صفحہ 160 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 117

نازل ہوئی تھی لیکن حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس کے بعد دو آیتیں لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ...... پڑھائی تھیں اور یہی آیتیں سب سے آخر میں نازل ہوئیں۔ جس طرح افتتاح ہوا تھا اسی طرح اس سورت کا اختتام بھی اللہ تعالیٰ کے نام پر ہوا جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہی مطلب اس آیت کا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء: 5) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو'' (1)۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ سورۂ براءت کی آخری دو آیتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کوئی اور گواہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان آیات کو سنا اور حفظ کر کے محفوظ کر لیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان آیات کو رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا، پھر فرمایا کہ اگر یہ تین آیات ہوتیں تو میں انہیں علیحدہ سورت کی شکل دے دیتا، اسے کسی سورت میں رکھ دو، چنانچہ صحابہ کرام نے ان آیات کو سورۂ براءت میں شامل کر دیا (2)۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا تھا۔ آپ کے حکم سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس فریضہ کو انجام دیا اور متعدد صحابہ ان کی معاونت کرتے، اس دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود رہے۔ حضرت زید کہتے ہیں کہ میں نے سورۂ براءت کا آخری حصہ خزیمہ بن ثابت یا ابوخزیمہ کے پاس پایا (3)۔ اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت نے اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کیا تھا جیسا کہ خزیمہ بن ثابت نے کہا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح و شام سات مرتبہ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ پڑھے اللہ تعالیٰ اسے تمام ضروریات میں کافی ہے (4)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ وہ صدق دل سے پڑھے یا کذب دل سے، لیکن ان الفاظ کی زیادتی غریب ہے۔ ایک مرفوع روایت میں بھی اسی طرح آتا ہے لیکن یہ اضافہ قابل انکار ہے۔

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 134
2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 199
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ توبہ، جلد 6 صفحہ 119
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 321

سورۂ یونس (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓرٰ ۚ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۱﴾ اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنۡہُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَہُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ قَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ اِنَّ ہٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲﴾

”الف۔لام۔را۔یہ آیتیں ہیں کتاب حکیم کی۔کیا (یہ بات) لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے وحی بھیجی ایک مرد (کامل) پر جو ان میں سے ہے کہ ڈراؤ لوگوں کو اور خوش خبری دو انہیں جو ایمان لائے کہ ان کے لئے مرتبہ بلند ہے ان کے رب کے ہاں کفار نے کہا بلاشبہ یہ جادوگر ہے کھلا ہوا“۔

حروف مقطعات کے متعلق بحث سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکی ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت میں بیان کیا ہے کہ ”الٓرٰ“، ”اَنَا اللّٰہُ اَرٰی“ کا مخفف ہے یعنی میں اللہ ہوں، ہر چیز کو دیکھ رہا ہوں۔ضحاک وغیرہ کہتے ہیں کہ کتاب حکیم سے مراد قرآن کریم ہے۔حسن کہتے ہیں کہ اس سے مراد تورات وزبور ہیں۔قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن کریم سے پہلے کی تمام کتب مراد ہیں (1)۔لیکن یہ قول غیر معروف ہے۔

اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا...... اللہ تعالیٰ کفار کے اس تعجب پر اظہار ناپسندیدگی فرما رہا ہے کہ اس نے بشر میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا ہے جیسا کہ گزشتہ قوموں کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: اَبَشَرٌ یَّہۡدُوۡنَنَا (التغابن:6) ”کیا انسان ہماری رہبری کریں گے“ حضرات ہود اور صالح علیہما السلام نے اپنی قوموں سے فرمایا: اَوَ عَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَکُمۡ ذِکۡرٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَلٰی رَجُلٍ مِّنۡکُمۡ (الاعراف:63) ”کیا تم تعجب کرتے ہو اس پر کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعہ جو تم میں سے ہے“ کفار قریش کا یہ کہنا تھا: اَجَعَلَ الۡاٰلِہَۃَ اِلٰـہًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ (ص:5) ”کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا۔بیشک یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے“۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا تو عربوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت عظیم ہے کہ وہ محمد جیسے بشر کو رسول بنا کر بھیجے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا......۔

اَنَّ لَہُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ”قَدَمَ صِدۡقٍ“ کا معنی نقل کرتے ہیں: پہلے ہی بیان پر تصدیق کی سعادت حاصل کرنا۔عوفی نے آپ رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی اجر حسن نقل کیا ہے،

1۔تفسیر طبری، جلد 111 صفحہ 80

ضحاک، ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا (الکھف: 2) ''تا کہ وہ ڈرائے سخت گرفت سے''۔ مجاہد کے نزدیک اس کا معنی نماز، روزہ، صدقہ اور تسبیح جیسے اعمال صالحہ ہیں اور حضور ﷺ ان کے لئے شفاعت کریں گے۔ قتادہ کے نزدیک اس سے مراد سلف صدق ہے۔ ابن جریر نے مجاہد کا قول پسند کیا ہے کہ اس سے مراد اعمال صالحہ ہیں جس طرح کہا جاتا ہے ''لَهٗ قَدَمٌ فِي الْاِسْلَامِ'' اور جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اس شعر میں ہے:

لَنَا الْقَدَمُ الْعُلْيَا اِلَيْكَ وَخَلْفُنَا لِاَوَّلِنَا فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ تَابِعُ (1)

(ہمیں آپ کے ساتھ راست اقدام اور اعمال عظیمہ حاصل ہیں اور ہمارے خلف اطاعت الٰہی میں ہمارے سلف کے تابع ہیں)۔

ذوالرمہ اپنے شعر میں کہتا ہے:

لَكُمْ قَدَمٌ لَا يُنْكِرُ النَّاسُ اَنَّهَا مَعَ الْحَسَبِ الْعَادِيِّ طَمَّتْ عَلَى الْبَحْرِ

(تمہارے ایسے کارنامے ہیں جن کے متعلق لوگ انکار نہیں کر سکتے کہ وہ باوجود قدیم خاندانی شرافت کے سمندر پر بھی حاوی ہیں)۔

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ باوجود اس کے کہ ہم نے انہی میں سے ایک رسول بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا لیکن یہ میرے پیارے رسول کو جادوگر کا نام دیتے ہیں، یہ کس قدر جھوٹے ہیں!

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

''بیشک تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا عرش پر (جیسے اسے زیبا ہے) ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے۔ کوئی نہیں شفاعت کرنے والا مگر اس کی اجازت کے بعد۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا پروردگار ہے۔ سو عبادت کرو اس کی۔ تو کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟''۔

اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا پروردگار ہے، اس نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ بعض نے کہا ہے کہ ہمارے دنوں جیسے چھ دن تھے اور بعض کا کہنا ہے کہ ایک دن ہزار سال کی طرح تھا جیسا کہ اس کا بیان عنقریب ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہوا۔ عرش مخلوقات میں سے سب سے بڑا ہے اور تمام مخلوقات کے لئے چھت ہے۔ سعد طائی کہتے ہیں کہ عرش سرخ یاقوت کا بنا ہوا ہے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نور سے پیدا کیا۔ یہ بات عجیب و غریب ہے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ یعنی وہ تمام مخلوقات کے معاملات کی تدبیر فرماتا ہے، اس کی شان یہ ہے: لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ (سبا: 3) ''نہیں چھپی ہوئی اس سے ذرہ برابر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں''۔ ایک معاملہ دوسرے معاملہ سے اسے مشغول نہیں کر سکتا، مختلف قسم کے سوالات اسے مغالطہ میں نہیں ڈال سکتے، وہ اصرار کرنے والوں کے اصرار سے اکتاتا نہیں، پہاڑوں، سمندروں، بیابانوں، آبادیوں اور جنگلوں میں بڑی چیز کی تدبیر اسے چھوٹی چیز سے غافل نہیں کر سکتی، فرمایا: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود: 6) ''اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق''۔ اس کے علم کی یہ کیفیت ہے: وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ

1۔ دیوان حسان 114 تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 87

اِلَّا یَعۡلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ (الانعام:59) ''اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ لکھی ہوئی ہے روشن کتاب میں''۔ حضرت سعد بن اسحاق بن کعب بن عجرۃ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ...... ''اتری تو مسلمانوں سے ایک بہت بڑے قافلہ کی ملاقات ہوئی، وہ عرب دکھائی دیتے تھے، انہوں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم جنات میں سے ہیں، مدینہ شریف سے نکلے ہیں اور اس آیت نے ہمیں نکالا ہے۔

مَا مِنۡ شَفِیۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِهٖ اس کا طرح کا مضمون متعدد آیات میں ہے، فرمایا: ''مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ (البقرۃ:255) ''کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے''، وَکَمۡ مِّنۡ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغۡنِیۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَیۡئًا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ یَّاۡذَنَ اللّٰهُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَرۡضٰی (النجم:25) ''اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لئے چاہے اور پسند فرمائے''۔ وَلَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَهٗ (سبا:23) ''اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لئے اس نے اجازت دی ہو''۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ...... وہی اللہ ہی تمہارا پروردگار ہے، صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔ اور اے مشرکین! کیا تم اپنے معاملہ میں غور و فکر نہیں کرتے، کس قدر تعجب خیز بات ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی عبادت کرتے ہو حالانکہ تمہیں علم ہے کہ پیدا کرنے والی ذات صرف وہی ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ (الزخرف:87) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے اللہ نے''، ایک اور مقام پر فرمایا: قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبۡعِ وَرَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۸۶﴾ سَیَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ ؕ قُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ (المومنون:87-86) ''پوچھئے کون ہے مالک سات آسمانوں کا اور (کون ہے) مالک عرش عظیم کا؟ وہ کہیں گے (یہ سب) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ آپ فرمائیے تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے''۔

اِلَیۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِیۡعًا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالۡقِسۡطِ ؕ وَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا یَكۡفُرُوۡنَ ﴿۴﴾

''اسی کی طرف لوٹنا ہے تم سب نے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے۔ بیشک وہی ابتداء کرتا ہے پیدائش کی پھر وہی دہرائے گا اسے تاکہ جزا دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے انصاف کے ساتھ۔ اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہوگا بوجہ اس کے کہ وہ کفر کرتے رہتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ آگاہ فرما رہا ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوق کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، جس طرح اس نے تخلیق کا آغاز کیا تھا، اسی طرح وہ دوبارہ پیدا کر کے اسے لوٹائے گا اور یہ اس کے لئے ذرا مشکل نہیں جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَیۡهِ (الروم:27) ''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے۔ پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ اسے آسان تر ہے''۔ دوبارہ پیدا کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالۡقِسۡطِ۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا...... قیامت کے دن کفار کو ان کے کفر کے باعث طرح طرح کے عذاب دیئے جائیں گے جیسے جھلسا دینے والی ہوا، گرم کھولتا ہوا پانی اور سیاہ دھواں۔ اس بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے: هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ۝ وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ (ص:57) ''یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہئے کہ وہ اسے چکھیں۔ اور اس کے علاوہ اس کی مانند طرح طرح کا عذاب''، هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ (الرحمٰن:44-43) ''یہی وہ جہنم ہے جسے جھٹلایا کرتے تھے مجرم۔ وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان جو از حد گرم ہوگا)۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝

''وہی ہے جس نے بنایا سورج کو درخشاں اور چاند کو نور اور مقرر کیں اس کے لئے منزلیں تاکہ تم جان لو گنتی برسوں کی اور حساب۔ نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے مگر حق کے ساتھ تفصیل سے بیان کرتا ہے (اپنی قدرت کی) نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔ بیشک گردش لیل ونہار میں اور جو کچھ پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں (ان میں اس کی) نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو متقی ہے''۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ اس نے ایسی نشانیاں پیدا کی ہیں جو اس کی قدرت کاملہ اور سلطنت عظیمہ پر دلالت کرتی ہیں اور اس نے سورج سے نکلنے والی شعاعوں کو ضیاء اور چاند سے نکلنے والی شعاعوں کو نور بنایا، ہر ایک کی نوعیت الگ الگ ہے، پھر ان دونوں کے درمیان تفاوت پیدا کر دیا تاکہ دونوں مشتبہ نہ ہو جائیں۔ دن میں سورج کی بادشاہت ہے اور رات کو چاند کی بادشاہت اور چاند کی منزلیں مقرر کر دیں، شروع میں چاند بہت چھوٹا دکھائی دیتا ہے، پھر اس کے نور اور جسامت میں اضافہ ہونا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ چودھویں کی رات بدر کامل بن جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ مہینہ کے اختتام پر پہلی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسین:40-39) ''اور (ذرا) چاند کو دیکھو ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لئے منزلیں، آخرکار ہو جاتا ہے کھجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند۔ نہ سورج کی یہ مجال کہ (پیچھے سے) چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کو یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے۔ اور سب (سیارے اپنے اپنے) فلک میں تیر رہے ہیں''۔ اور فرمایا: وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا (الانعام:97) ''اور (بنایا ہے) سورج اور چاند کو حساب کے لئے''۔ اور یہاں فرمایا: وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ...... سورج کے ذریعے دنوں کو پہچانا جاتا ہے اور چاند کی گردش سے مہینوں اور سالوں کا حساب لگایا جاتا ہے۔

مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے عبث اور فضول نہیں پیدا کیا بلکہ اس میں اس کی کی حکمت عظیمہ اور حجت بالغہ کارفرما ہے جیسا کہ فرمایا: وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ (ص:27) ''اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ۔ یہ تو کفار کا گمان ہے۔ پس بربادی ہے کفار کے لئے آ

گ (کے عذاب) سے"۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (المومنون: 116-115) "کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔ پس بہت بلند ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے (بے مقصد تخلیق سے) نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ وہ مالک ہے عزت والے عرش کا"۔

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ آیات سے مراد دلائل و براہین ہیں۔

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اختلاف لیل ونہار سے مراد گردش لیل ونہار ہے، دن اور رات یکے بعد دیگرے آتے ہیں، کوئی متاخر نہیں ہو سکتا جیسا کہ فرمایا: يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا (الاعراف: 54) "ڈھانکتا ہے رات سے دن کو درآں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے"، اور فرمایا: لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ (یٰسین: 40) "نہ سورج کی یہ مجال کہ (پیچھے سے) چاند کو آ پکڑے"، اور فرمایا: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا (الانعام: 97) "وہ نکالنے والا ہے صبح کو (رات کی تاریکی سے) اور بنایا ہے اس نے رات کو آرام کے لئے"۔

مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمانوں اور زمین میں پائی جانے والی وہ نشانیاں ہیں جو اس کی عظمت پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ فرمایا: وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (یوسف: 105) "اور کتنی ہی (بے شمار) نشانیاں ہیں جو آسمانوں اور زمین (کے ہر گوشہ) میں"، قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (یونس: 101) "فرمائیے غور سے دیکھو! کیا کیا (عجائبات) ہیں آسمانوں اور زمین میں اور فائدہ نہیں پہنچاتیں آیتیں اور ڈرانے والے اس قوم کو جو ایمان نہیں لانا چاہتے"۔ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (سبا: 2) "کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ انہیں آگے اور پیچھے سے آسمان اور زمین نے گھیر رکھا ہے"، اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ (آل عمران: 190) "بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں بڑی نشانیاں ہیں اہل عقل کے لئے"۔ اور یہاں فرمایا: الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ یعنی ایسی قوم کے لئے نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عتاب، ناراضگی اور عذاب سے ڈرتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸﴾

"بیشک وہ لوگ جو امید نہیں رکھتے ہم سے ملنے کی اور خوش وخرم ہیں دنیوی زندگی سے اور مطمئن ہو گئے ہیں اس (کے ساز و سامان) سے اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غفلت برتتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے بہ سبب ان عملوں کے جو وہ کماتے رہے۔"

ان بدبخت لوگوں کی حالت بیان کی جا رہی ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات پر ذرا بھی یقین نہیں رکھتے، یہ لوگ دنیوی زندگی پر خوش وخرم ہیں اور اسی پر ان کے نفوس مطمئن اور قانع ہو گئے ہیں۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے دنیاوی زندگی کو نہ تو آراستہ کیا اور نہ اس میں کوئی رفعت پیدا کی، پھر بھی اس پر راضی ہو گئے اور یہ لوگ آیات کونیہ سے غافل ہیں، ان میں غور وفکر نہیں کرتے اور شریعت سے بھی بالکل غافل ہیں، اس کی اطاعت نہیں کرتے، بروز قیامت ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ یہ دنیا میں کئے ہوئے

جرائم، معاصی اور کفر کا بدلہ ہوگا۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

''یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے پہنچائے گا انہیں ان کا رب (منزل مقصود تک) ان کے ایمان کے باعث۔ رواں ہوں گی ان کے نیچے نہریں نعمت (وسرور) کے باغوں میں۔ (بہار جنت کو دیکھ کر) ان کی صدا وہاں یہ ہوگی پاک ہے تو اے اللہ اور ان کی دعا یہ ہوگی کہ ''سلامتی ہو'' اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''۔

یہاں ان سعادت مندوں کی حالت سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، رسولوں کی تصدیق کی اور ہر امر بجالاتے ہوئے نیک اعمال کئے، اللہ تعالیٰ انہیں عنقریب ان کے ایمان کے طفیل منزل مقصود تک پہنچا دے گا۔ ''بِاِيْمَانِهِمْ'' میں ''باء'' سببیہ بھی ہو سکتی ہے یعنی دنیا میں ان کے ایمان کے سبب اللہ تعالیٰ بروز قیامت انہیں پل صراط پر رہنمائی عطا فرمائے گا یہاں تک کہ وہ اسے عبور کر کے جنت تک پہنچ جائیں گے۔ اور یہ ''باء'' استعانت کے لئے بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ مجاہد کا قول ہے کہ ان کے لئے ایسا نور ہوگا جس کی مدد سے وہ چلیں گے (1)۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ انسان کے اعمال صالحہ ایک خوبصورت مجسمے اور عمدہ خوشبو کی شکل اختیار کر لیں گے۔ جب آدمی اپنی قبر سے اٹھے گا تو یہ اعمال اس کے آگے آگے چلیں گے اور ہر خیر کی بشارت دیں گے، وہ پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ جواب ملے گا کہ میں تمہارا عمل ہوں، اس کا عمل نور بن کر اس کے سامنے چلے گا یہاں تک کہ اسے جنت میں داخل کر دے گا، یہی مطلب اس فرمان يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ کا ہے، اور کافر کا عمل نہایت قبیح صورت اور بدبودار ہوا کی شکل میں سامنے آئے گا، وہ اپنے برے ساتھی کے ساتھ چمٹا رہے گا یہاں تک کہ اسے جہنم میں لا گرائے گا (2)۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا...... یہ اہل جنت کا حال ہے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ جب اہل جنت پرندہ کو اڑتا ہوا دیکھیں گے تو اس کی خواہش کریں گے اور کہیں گے: سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ۔ یہ ان کی صدا ہوگی۔ ایک فرشتہ ان کے پاس ان کی مرغوب چیز لیکر آئے گا، اور سلام کرے گا اور وہ اس سلام کا جواب دیں گے جس کو یوں بیان فرمایا: وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ جب وہ کھالیں گے تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں گے، یہ ان کی آخری پکار ہو گی جسے بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ اہل جنت میں جب کوئی کسی کھانے والی چیز کی خواہش کرے گا تو کہے گا: سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ۔ اس پر دس ہزار خادم حاضر ہو جائیں گے، ہر خادم کے پاس سونے کی پلیٹ ہوگی، ہر پلیٹ میں الگ الگ کھانا ہوگا اور وہ ہر پلیٹ میں سے کچھ نہ کچھ تناول کرے گا۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ جب کوئی جنتی کوئی چیز مانگے گا تو سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہے گا۔ یہ آیت ان آیات کے مشابہ ہے: تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ (الاحزاب: 44) ''انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب کریم سے ملیں گے ہمیشہ سلامت رہو''، لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِيْمًا ۝ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (الواقعة: 26-25) ''نہ سنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں۔ بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی''، سَلٰمٌ

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 89 2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 89، الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 345

قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (یٰسین :58) ''تم سلامت رہو۔ (انہیں) یہ کہا جائے گا اپنے رحیم رب کی طرف سے''، وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (الرعد:24-23) ''اور فرشتے (یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے ان پر ہر دروازہ سے سلامتی ہو تم پر''۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ محمود و معبود ہے، اسی لئے اس نے ابتدائے خلق، استمرار خلق، ابتدائے کتاب اور ابتدائے تنزیل کے وقت اپنی حمد بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (الکہف:1) ''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب''، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (الانعام:1) ''سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو)، اور دیگر احوال جن کی شرح بہت طویل ہے۔ وہ دنیا میں اول و آخر محمود ہے اور آخرت کے تمام احوال میں بھی محمود ہے، اس لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ اہل جنت کے دلوں میں تسبیح اور تحمید اس طرح ڈال دی جائے گی جس طرح نفس میں (خیر و شر) کا الہام کیا جاتا ہے(1)۔ جوں جوں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بڑھتی جائیں گی توں توں اس کی تسبیح و تحمید میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا، نہ اس کا اختتام ہوگا اور نہ انتہاء۔ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑪

''اور اگر جلد بازی کرتا اللہ لوگوں کو شر پہنچانے میں جیسے وہ جلد بازی کرتے ہیں بھلائی کے لئے تو پوری کر دی گئی ہوتی ان کی میعاد، (لیکن یوں نہیں بلکہ) ہم چھوڑے رکھتے ہیں انہیں جو توقع نہیں رکھتے ہماری ملاقات کی تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں''۔

اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنے لطف و کرم اور حلم کو بیان فرما رہا ہے کہ بندے اگر تنگدلی، بیزاری اور غضب کی حالت میں اپنے لئے اور اپنے اموال و اولاد کے لئے بددعا کر بھی دیں تو بھی وہ اس کو قبول نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بندے دلی طور پر شر کا قصد نہیں رکھتے، اس لئے اس حالت میں وہ بددعا قبول نہیں کرتا، یہ اس کا لطف و کرم اور رحمت ہے، لیکن اس کے برعکس جب بندے اپنے حق میں یا اپنی اولاد یا اموال کے لئے خیر و برکت اور اضافے کی دعا کرتے ہیں تو وہ قبول فرما لیتا ہے، اس لئے فرمایا:

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ ...... یعنی جب بھی وہ ایسی دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ اسے قبول کر لیتا تو وہ ہلاک ہو جاتے، لیکن ایسا کرنا مناسب نہیں جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے اوپر بددعا نہ کرو، اپنی اولاد کے لئے بددعا نہ کرو اور اپنے اموال کے لئے بددعا نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم قبولیت کی گھڑی میں بددعا کرو اور وہ مقبول ہو جائے''(2)۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ (بنی اسرائیل:11) ''اور دعا مانگا کرتا ہے انسان برائی کے لئے جیسے دعا مانگا کرتا ہے بھلائی کے لئے''، مجاہد اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ بوقت غضب انسان کا اپنی اولاد یا مال کے لئے یہ قول ہے کہ ''یا اللہ! اس میں برکت نہ ڈال اور اس پر اپنی لعنت کر'' اگر اللہ تعالیٰ شر میں جلدی دعا قبول کرے جس طرح وہ خیر میں قبول فرماتا ہے تو لوگوں کو ہلاک کر ڈالے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ الجنۃ، جلد 2 صفحہ 2180-2181، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 349-354-384 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 88

مَرَّ كَاَنۡ لَّمۡ يَدۡعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡمُسۡرِفِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۱۲

''اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف (تو اس وقت) پکارتا ہے ہمیں لیٹا ہوا ہو یا بیٹھا ہوا ہو یا کھڑا ہوا ہو۔ پھر جب ہم دور کر دیتے ہیں اس سے اس کی تکلیف (تو) چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں (کبھی) پکارا ہی نہیں تھا کسی تکلیف میں جو اسے پہنچی تھی۔ اسی طرح آراستہ کر دیئے گئے حد سے بڑھنے والوں کے لئے وہ کرتوت جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ انسان کی اکتاہٹ، بیزاری، پریشانی اور قلق کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ (حم السجدة:51) ''اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگ جاتا ہے''۔ یہ دونوں آیتیں ہم معنی ہیں۔ جب انسان سخت حالات سے دوچار ہو جاتا ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے، ہمت ہار بیٹھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے ہر حالت میں بڑی لمبی چوڑی دعائیں مانگتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اسے شدت سے کشائش عطا فرما دیتا ہے اور اس کی تکلیف کو رفع کر دیتا ہے تو یہ شخص اعراض کر لیتا ہے اور پہلوتہی کرتے ہوئے یہ سمجھتا ہے کہ اسے تو کوئی تکلیف پہنچی ہی نہیں اور نہ اس نے کوئی دعا کی تھی۔ اس روش کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ لیکن وہ سعادت منداس حکم سے مستثنیٰ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت، راست روی اور اپنی توفیق سے نوازا۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (ہود:11) ''مگر وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں (وہ ایسے کم ظرف نہیں ہوتے''، اور جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کا معاملہ بہت عجیب ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ اس کے لئے باعث خیر ہوتا ہے، اگر اسے مصیبت پہنچے اور وہ اس پر صبر کرے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اسے خوشی میسر آئے اور وہ اس پر شکر کرے تو یہ بھی اس کے لئے موجب خیر ہے(1)۔ یہ نوازش سوائے اہل ایمان کے کسی کے لئے نہیں''۔

وَ لَقَدۡ اَهۡلَكۡنَا الۡقُرُوۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا ۙ وَ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَ مَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ۝۱۳ ثُمَّ جَعَلۡنٰكُمۡ خَلٰٓئِفَ فِى الۡاَرۡضِ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لِنَنۡظُرَ كَيۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۱۴

''اور بیشک ہم نے ہلاک کر دیا کئی قوموں کو جو تم سے پہلے تھیں جب وہ زیادتیاں کرنے لگے۔ اور آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لیکر اور وہ (ایسے) نہیں تھے کہ ایمان لاتے۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرم قوم کو پھر ہم نے بنایا تمہیں جانشین زمین میں اور ان کے بعد تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ سابقہ اقوام کے عبرتناک انجام سے آگاہ فرما رہا ہے، انبیائے کرام ان کے پاس واضح دلائل و براہین لیکر آئے لیکن انہوں نے جھٹلا دیا۔ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو ان کا جانشین بنایا ہے اور ان کی طرف اپنا رسول مبعوث فرمایا ہے تا کہ وہ دیکھے کہ یہ لوگ اطاعت کرتے ہیں یا نہیں۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا شیریں اور سرسبز ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں جانشین بنا کر دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے کیسے عمل کرتے ہو، دنیا سے بچو اور عورتوں سے احتیاط کرو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2295، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 332-333، جلد 6 صفحہ 15

سے پہلے رونما ہونے والا فتنہ عورتوں کی وجہ سے تھا" (1)۔ ایک مرتبہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک رسی آسمان سے لٹکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کھینچ لیا، پھر وہ دوبارہ معلق ہوگئی، اب ابوبکر نے اسے کھینچ لیا، پھر لوگ منبر کے اردگرد ناپنے لگ گئے۔ وہ رسی منبر کے اردگرد عمر کے ناپ میں تین ہاتھ لمبی نکلی۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ چھوڑو اپنا خواب، ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو کہنے لگے: اے عوف! اپنا وہ خواب سنائیں۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ کیا آپ کو میرے خواب کی اب ضرورت ہے، اس وقت آپ نے مجھے جھڑک نہیں دیا تھا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، افسوس! میں نہیں چاہتا تھا کہ تم خلیفہ رسول ابوبکر رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر دو۔ جب حضرت عوف رضی اللہ عنہ خواب بیان کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے کہ لوگ منبر تک تین تین ہاتھ اسے ماپنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان تین میں سے ایک تو خلیفہ تھا، دوسرا وہ جو خدا کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتا اور تیسرا شہید ہے، پھر اس آیت کی تلاوت کی: ثُمَّ جَعَلۡنٰكُمۡ خَلٰٓئِفَ فِي الۡاَرۡضِ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لِنَنۡظُرَ كَيۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ۔ اور فرمانے لگے: اے عمر! اب تم نے خلافت سنبھالی ہے، دیکھو کس طرح عمل کرتے ہو۔ ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرنے کا جو آپ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا تھا وہ احکام الٰہی کے بارے میں تھا۔ اور لفظ شہید سے مقصود یہ تھا کہ عمر کے لئے شہادت کہاں جبکہ سارے مسلمان ان کے اطاعت گزار ہوں گے (2)۔

وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَيۡرِ هٰذَآ اَوۡ بَدِّلۡهُ ؕ قُلۡ مَا يَكُوۡنُ لِيۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِيۡ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّيۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۵﴾ قُلۡ لَّوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوۡتُهٗ عَلَيۡكُمۡ وَلَاۤ اَدۡرٰٮكُمۡ بِهٖ ۖ فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِيۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶﴾

"اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری روشن آیتیں (تو) کہنے لگتے ہیں وہ جو توقع نہیں رکھتے ہم سے ملنے کی کہ لے آیئے (دوسرا) قرآن اس (قرآن) کے علاوہ یا ردوبدل کر دیجئے اسی میں۔ فرمایئے مجھے اختیار نہیں کہ ردوبدل کردوں اس میں اپنی مرضی سے۔ میں نہیں پیروی کرتا (کسی چیز کی) بجز اس کے جو وحی کی جاتی ہے میری طرف۔ میں ڈرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں، بڑے دن کے عذاب سے آپ فرما دیجئے اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو میں نہ پڑھتا اسے تم پر اور نہ ہی وہ آگاہ کرتا تمہیں اس سے۔ میں تو گزار چکا ہوں تمہارے درمیان عمر (کا ایک حصہ) اس سے پہلے۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے"۔

اللہ تعالیٰ ان مشرکین قریش کی سرکشی اور ہٹ دھرمی کا ذکر فرما رہا ہے جو قرآن کا انکار کرتے اور اس سے روگردانی کرتے۔ جب رسول اللہ ﷺ ان پر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے اور واضح دلائل پیش کرتے تو یہ کہتے کہ اس قرآن کو چھوڑیں، کسی اور طرز پر لکھا ہوا قرآن لائیں یا اس قرآن میں ردوبدل کر کے اسے کوئی اور شکل دے دیں، اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: قُلۡ مَا يَكُوۡنُ لِيۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِيۡ یعنی اپنی مرضی سے ردوبدل کرنا میرے اختیار میں نہیں، میں تو عبد مامور اور رسول مبلغ ہوں، میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھے کی جاتی ہے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس قرآن

1۔ صحیح مسلم، کتاب الرقاق، جلد 4 صفحہ 2098
2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 94

کریم کی حقانیت کی دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ یعنی جو قرآن میں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے اذن، مشیت اور ارادہ سے ہی ہوتا ہے۔ میں از خود قرآن نہیں پیش کرتا، نہ اپنی طرف سے کہتا ہوں اور نہ جھوٹ موٹ افتراء باندھتا ہوں، اس کی دلیل یہ ہے کہ تم اس جیسا قرآن لانے سے عاجز ہو اور جب سے میں نے تمہارے درمیان پرورش پائی ہے اس وقت سے لیکر بعثت تک تم میری صداقت اور امانت سے اچھی طرح آگاہ ہو، تم مجھ پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکتے، اس لئے فرمایا: فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی کیا تمہارے پاس عقلیں نہیں ہیں جن کے ذریعے تم حق و باطل کے درمیان امتیاز کر سکو، جب ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں سے نبی کریم ﷺ کے متعلق سوالات کئے تھے۔ ان میں سے ایک سوال ہرقل نے یہ کیا کہ کیا تم نے اعلان نبوت سے پہلے اس نبی کو کبھی جھوٹ میں متہم پایا؟ ابوسفیان نے کہا: نہیں۔ اس وقت ابوسفیان کفار کا سرغنہ اور مشرکین کا لیڈر تھا، اس کے باوجود حق کا اعتراف کرنا پڑا اور فضیلت وہی ہے جس کی گواہی دشمن دیں۔ ہرقل کہنے لگا کہ جب وہ نبی لوگوں کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیونکر جھوٹ بول سکتا ہے(1)۔ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی شاہ حبشہ سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایسا رسول مبعوث فرمایا ہے جس کی صداقت، امانت اور نسب سے ہم خوب واقف ہیں(2)۔ قبل از نبوت آپ ﷺ نے چالیس سال کا عرصہ گزارا۔ حضرت سعید بن مسیّب کہتے ہیں کہ تینتالیس سال، لیکن مشہور قول پہلا ہی ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

"پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افتراء باندھے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا یا جھٹلائے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو۔ بے شک مجرم فلاح نہیں پاتے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کوئی ظالم، سرکش اور مجرم نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے اور گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے رسول مبعوث کیا ہے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہو، اس سے بڑھ کر کوئی مجرم اور ظالم نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے جھوٹے شخص کا معاملہ تو غبی اور کند ذہن لوگوں پر بھی پوشیدہ نہیں تو بھلا ایسے شخص کا حال کس طرح انبیائے کرام کے ساتھ مشتبہ ہو سکتا ہے؟ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا، اللہ تعالیٰ اس کی نیکوکاری یا بدکاری پر ایسے دلائل قائم فرما دیتا ہے جو اظہر من الشمس ہوتے ہیں۔ جس شخص نے حضرت محمد ﷺ اور مسیلمہ کذاب کو دیکھا ہے، اس پر دونوں کے درمیان فرق دن کی روشنی اور آدھی رات کی تاریکی کے درمیان فرق سے بھی زیادہ واضح ہوگا، دونوں کے اخلاق و عادات، افعال اور کلام سے ہر صاحب بصیرت شخص حضرت محمد ﷺ کی صداقت اور مسیلمہ کذاب، سجاح اور اسود عنسی کے کذب پر استدلال کر سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ ﷺ کے استقبال کے لئے دوڑے، میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ جب میں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو پہچان گیا کہ آپ ﷺ کا چہرہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلے میں نے آپ ﷺ سے یہ سنا: "اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، رات کو نماز پڑھو جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے"(3)۔ ضمام بن ثعلبہ جب اپنی قوم بنو سعد بن بکر کا وفد لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے

1۔ فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 32، صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، جلد 3 صفحہ 1395

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 201-203، جلد 5 صفحہ 299-292

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9 صفحہ 300، سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 423

پوچھا کہ یہ آسمان کس نے بلند کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے۔ پھر پوچھا کہ یہ پہاڑ کس نے نصب کئے ہیں؟ فرمایا: اللہ نے، پھر پوچھا کہ یہ زمین کس نے بچھائی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے۔ ضمام نے کہا کہ میں اس ذات کی قسم دیکر پوچھتا ہوں جس نے آسمان کو بلند کیا، یہ پہاڑ نصب کئے اور یہ زمین بچھائی، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ سے نماز، زکوٰۃ، حج اور روزوں کے متعلق دریافت کیا اور ہر سوال قسم دیکر پوچھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کر جواب دیتے۔ ضمام نے کہا کہ آپ ﷺ نے سچ فرمایا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں اس میں کمی بیشی نہیں کروں گا (1)۔ اس شخص نے صرف اسی پر اکتفاء کیا اور دلائل و براہین کا مشاہدہ کر لینے کے بعد آپ ﷺ کی صداقت پر ایمان لے آیا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُبَيِّنَةٌ كَانَتْ بَدِيهَتُهُ تَأْتِيكَ بِالْخَبَرِ (2)

(اگر آپ ﷺ کے پاس واضح دلائل نہ بھی ہوتے تو آپ کا چہرہ انور آپ کی صداقت کی خبر دینے کے لئے کافی تھا)۔

البتہ جس صاحب بصیرت نے مسیلمہ کذاب کو دیکھا تو وہ اس کے رکیک اقوال، سوقیانہ گفتگو، قبیح افعال اور خود ساختہ قرآن جو حسرت اور رسوائی کے دن اسے داخل نار کر دے گا، سے اس مدعی نبوت کی حقیقت کو پہچان سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس کلام اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ...... اور مسیلمہ ملعون کے اس کلام کے درمیان کس قدر فرق ہے، وہ کہتا ہے: ''يَا ضِفْدَعُ بِنْتُ ضِفْدَعَيْنِ، نَقِّي كَمَا تُنَقِّيْنَ، لَا الْمَاءَ تُكَدِّرِيْنَ وَلَا الشَّارِبَ تَمْنَعِيْنَ'' اے مینڈکی، مینڈکوں کی اولاد، تو ٹرا جس طرح تو ٹراتی ہے، نہ تو پانی کو آلودہ کر سکتی ہے اور نہ پینے والے کو روک سکتی ہے''۔ مزید کہتا ہے: لَقَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَى الْحُبْلٰى، اِذَا اَخْرَجَ مِنْهَا نَسَمَةً تَسْعٰى، مِنْ بَيْنِ صِفَاقٍ وَحَشَا ''اللہ تعالیٰ نے حاملہ پر انعام فرمایا جب باریک جھلی اور انتڑیوں کے درمیان سے زندہ روح کو نکالا''۔ اور کہتا ہے: اَلْفِيْلُ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْفِيْلُ، لَهٗ خُرْطُوْمٌ طَوِيْلٌ وَذَنْبٌ قَصِيْرٌ ''ہاتھی، تمہیں کیا معلوم ہاتھی کیا ہے، اس کی لمبی سونڈ اور چھوٹی دم ہے'' مزید کہتا ہے: وَالْعَاجِنَاتِ عَجْنًا، وَالْخَابِزَاتِ خُبْزًا، وَاللَّاقِمَاتِ لَقْمًا، اِهَالَةً وَسَمْنًا، اِنَّ قُرَيْشًا قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ ''قسم ہے آٹا گوندھنے والیوں کی، روٹی پکانے والیوں کی، سالن اور گھی میں لقمے ڈال کر کھانے والیوں کی کہ قریش ظالم قوم ہے''۔ اسی طرح کے اس کے اور بھی خرافات اور بکواسات ہیں جنہیں اگر بچے بھی پڑھتے ہیں تو بطور تمسخر و استہزاء وہ بھی ایسا کلام پڑھنے سے نفرت کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل و رسوا کر دیا، یوم حدیقہ میں وہ ہلاک ہو گیا، اس کا شیرازہ بکھر گیا، اس کے ساتھی اور قریبی اسے ملعون ٹھہرانے لگے۔ یہ لوگ توبہ کرتے ہوئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور برضا و رغبت دین اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے تقاضا کیا کہ وہ مسیلمہ کے خود ساختہ قرآن میں سے کچھ سنائیں، انہوں نے معذرت کی لیکن آپ نے سننے پر اصرار کیا تاکہ دوسرے لوگ بھی سن کر اس ہدایت اور علم کی فضیلت کو پہچان لیں جو انہیں حاصل ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے مسیلمہ کا کلام پیش کیا جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ جب وہ سنا چکے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم پر افسوس، وہ تمہاری عقلوں کو کس طرح کھلونا بنائے ہوئے تھا؟ یہ کلام تو کسی بے وقوف سے بھی صادر نہیں ہو سکتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص زمانہ جاہلیت میں مسیلمہ کے دوست تھے، ایک دفعہ وہ مسیلمہ کے پاس آئے، اس وقت انہوں نے اسلام قبول نہیں

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 573-575 2۔ دیوان حسان، جلد 1 صفحہ 482

کیا تھا، مسیلمہ نے انہیں کہا کہ اس مدت میں تمہارے صاحب یعنی رسول اللہ ﷺ پر کیا وحی اتری ہے؟ کہنے لگے کہ ایک نہایت مختصر مگر جامع سورت نازل ہوئی ہے اور وہ ہے: وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ...... مسیلمہ تھوڑی دیر غور وفکر کے بعد کہنے لگا کہ اس قسم کی سورت مجھ پر بھی اتری ہے اور وہ یہ ہے: یَا وَبْرُیَا وَبْرُ اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَانِ وَصَدْرٌ، وَسَائِرُکَ حَفْرٌ نَقْرٌ "اے وبر، اے وبر (خرگوش جیسا جانور) تو تو دو کان اور ابھرا ہوا سینہ ہے اور باقی سارا جسم ہیچ اور معمولی ہے"، پھر پوچھنے لگا: اے عمرو! اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ عمرو کہنے لگا: اللہ کی قسم! تمہیں معلوم ہے کہ تم میرے نزدیک جھوٹے ہو۔ دیکھیں جب ایک مشرک پر حالت شرک میں حضرت محمد ﷺ کا حال اور آپ ﷺ کا صدق اور مسیلمہ کا حال اور اس کا کذب مشتبہ نہیں ہوا تو اصحاب بصیرت اور عقول سلیمہ کے مالک لوگوں پر یہ چیز کیسے مشتبہ ہو سکتی ہے، اس لئے فرمایا: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ (الانعام: 94) "اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا یا کہے کہ وحی کی گئی ہے میری طرف حالانکہ نہیں وحی کی گئی اس کی طرف کچھ بھی اور (کون زیادہ ظالم ہے اس سے) جو کہے کہ میں (بھی) نازل کروں گا ایسا ہی (کلام) جیسے نازل کیا ہے اللہ نے"۔ اور یہاں فرمایا: فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ اسی طرح وہ شخص ہے جو اس حق کو جھٹلاتا ہے جو رسول لیکر آئے اور جس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں، اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: "اَعْتَی النَّاسِ عَلَی اللّٰهِ رَجُلٌ قَتَلَ نَبِیًّا اَوْ قَتَلَهٗ نَبِیٌّ(1) "سب سے زیادہ بدبخت اور سرکش وہ شخص ہے جس نے کسی نبی کو قتل کیا یا کسی نبی نے اسے قتل کیا"۔

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝۱۸ وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا کَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ فِیْمَا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۹

"اور (یہ مشرک) عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع پہنچا سکتی ہیں اور وہ کہتے ہیں یہ (معبود) ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ آپ فرمائیے کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس بات سے جو وہ نہیں جانتا نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں پاک ہے وہ اور بلند و بالا ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔ اور نہیں تھے لوگ (ابتداء میں) مگر ایک ہی امت پھر (اپنی کجروی سے) باہم اختلاف کرنے لگے۔ اور اگر ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی آپ کے رب کی طرف سے تو فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان ان امور میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ ان مشرکین پر اظہار ناپسندیدگی فرمارہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبودان باطلہ کی پرستش کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ معبود اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے اور ان کی سفارش انہیں نفع پہنچائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ یہ باطل خدا نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، بلکہ یہ تو کسی چیز کے مالک بھی نہیں۔ ان کے متعلق مشرکین جو عقیدہ رکھے ہوئے ہیں، وہ بالکل غلط ہے، وہ ان کے لئے

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 407

کبھی بھی کچھ نہیں کر پائیں گے، اس لئے فرمایا: قُلۡ اَتُنَبِّـُٔوۡنَ اللّٰهَ...... یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دے رہے ہو جو نہ آسمانوں میں ہے اور نہ زمین میں؟ پھر اللہ تعالیٰ شرک اور کفر سے اپنی تنزیہہ اور پاکی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ پھر اللہ تعالیٰ اس بات سے آگاہ فرما رہا ہے کہ یہ شرک بعد میں رونما ہوا، پہلے اس کا کوئی وجود نہ تھا، پہلے تو تمام لوگ ایک ہی دین (اسلام) پر کاربند تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس صدیاں گزریں، اس دوران تمام لوگ دین اسلام کے پیروکار رہے، پھر اس کے بعد لوگوں میں اختلاف پڑنا شروع ہو گیا اور بتوں اور دیگر معبودان باطلہ کی پرستش ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے آیات بینات، دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کے ساتھ اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا، لِّيَهۡلِكَ مَنۡ هَلَكَ عَنۢ بَيِّنَةٍ (الانفال: 42) ''تا کہ ہلاک ہو جسے ہلاک ہونا ہے دلیل سے اور زندہ رہے جسے زندہ رہنا ہے دلیل سے''۔

وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ...... یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے ہی یہ بات طے نہ ہو چکی ہوتی کہ وہ حجت قائم ہونے سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتا اور یہ کہ ایک مقررہ مدت تک وہ اپنی مخلوق کو مہلت دیتا ہے، تو ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ ہو چکا ہوتا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ وہ اہل ایمان کو سعادت سے نوازتا ہے اور کفار کو ذلت سے دوچار کرتا ہے۔

وَيَقُوۡلُوۡنَ لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلۡ اِنَّمَا الۡغَيۡبُ لِلّٰهِ فَانۡتَظِرُوۡا ۚ اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ۝٢٠

''اور کہتے ہیں کیوں نہ نازل کی گئی ان پر کوئی آیت ان کے رب کی طرف سے؟ سو آپ فرمایئے غیب تو صرف اللہ کے لئے ہے پس انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں''۔

یہ جھٹلانے والے سرکش کافر مطالبہ کرتے ہیں کہ محمد (ﷺ) پر کیوں نہ کوئی دلیل اتاری گئی جس طرح قوم ثمود کو اونٹنی عطا کی گئی، یا صفا پہاڑ ان کے لئے سونا بن جاتا، یا مکہ کے پہاڑوں کو زائل کر کے ان کی جگہ باغات آباد کئے جاتے اور نہریں جاری کی جاتیں یا اس طرح کے دیگر معجزات اور دلائل۔ ان تمام مطالبات کے پورا کرنے پر اللہ تعالیٰ تو پوری طرح قادر ہے لیکن وہ اپنے اقوال وافعال میں حکیم ہے جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِىۡۤ اِنۡ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيۡرًا مِّنۡ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۙ وَيَجۡعَلۡ لَّكَ قُصُوۡرًا ۝١٠ بَلۡ كَذَّبُوۡا بِالسَّاعَةِ ۚ وَاَعۡتَدۡنَا لِمَنۡ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيۡرًا ۝١١ (الفرقان: 11-10) ''بڑی (خیرو) برکت والا ہے اللہ تعالیٰ پر اگر چاہے تو بنا دے آپ کے لئے بہتر اس سے (یعنی ایسے) باغات رواں ہوں جن کے نیچے نہریں اور بنا دے آپ کے لئے بڑے بڑے محلات۔ بلکہ یہ تو جھٹلاتے ہیں قیامت کو۔ اور ہم نے تیار کر رکھی ہے ان کے لئے جو جھٹلاتے ہیں قیامت کو بھڑکتی ہوئی آگ''، وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ (بنی اسرائیل: 59) ''اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیئے گئے تھے)''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مخلوق میں میری سنت اور طریقہ یہ ہے کہ جب میں ان کے مطالبہ کو پورا کرتے ہوئے ان کی مطلوبہ دلیل انہیں دے دوں، اگر تو وہ اس پر ایمان لے آئیں تو بہتر ورنہ میں انہیں فوراً عذاب سے دوچار کر دیتا ہوں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو اختیار دیا، اگر آپ ﷺ چاہیں تو ان کے مطالبہ کو پورا کر دیں، اس صورت میں اگر وہ ایمان لائے تو فبہا ورنہ عذاب کی چکی میں انہیں پیس کر رکھ دیا جائے گا، اور اگر آپ ﷺ چاہیں تو انہیں مہلت دے دیں۔ آپ ﷺ نے اسی کو اختیار کرتے ہوئے انہیں معاف فرما دیا۔ اس لئے ان کے مطالبہ کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے

نبی علیہ السلام سے فرما رہا ہے: فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ یعنی تمام امور اور ان کے عواقب کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ یعنی اگر تم اپنے مطالبات پورا ہوئے بغیر ایمان نہیں لاتے تو میرے بارے میں اور اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرو حالانکہ وہ کفار ان مطلوبہ معجزات سے بڑھ کر آپ علیہ السلام کے معجزات کا مشاہدہ کر چکے تھے، وہ دیکھ چکے تھے کہ جب آپ علیہ السلام نے چودھویں کی رات چاند کی طرف اشارہ کیا تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس طرف اور دوسرا دوسری طرف جا گرا، یہ ان زمینی معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ ہے جن کا مطالبہ انہوں نے کیا تھا یا نہیں۔ اگر تو ان کے مطالبات طلب ہدایت کی غرض سے ہوتے تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور پورا فرما دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ وہ تو محض عناد اور تعنت کے باعث ایسے مطالبات کر رہے ہیں، اس لئے انہیں اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں جانتا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایمان نہیں لائے گا جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ (یونس:96) ''بیشک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آ جائیں ان کے پاس ساری نشانیاں''، وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (الانعام:110) ''اور اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ''۔ ایمان نہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں تکبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ فرمایا: وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ (الحجر:15-14) ''اور اگر ہم کھول بھی دیتے ان پر دروازہ آسمان سے اور وہ سارا دن اس میں سے اوپر چڑھتے رہتے۔ پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے''، وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ (الطور:44) ''اور اگر وہ دیکھ لیں آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا تو یہ (احمق) کہیں گے یہ تو بادل ہے تہہ در تہہ''، وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (الانعام:7) ''اور اگر ہم اتارتے آپ پر کتاب (لکھی ہوئی) کاغذ پر اور وہ چھو بھی لیتے اس کو اپنے ہاتھوں سے تب بھی کہتے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا''۔ ایسے معاندین مطالبات پورا ہونے کے باوجود بھی بہت کم ایمان لاتے ہیں، اس لئے معجزات پیش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ کثرت فجور و فساد کے باعث محض عناد اور تعنت کے طور پر یہ لوگ بے جا مطالبات کرتے ہیں، اس لئے فرمایا: فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ
مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝21 هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓى
اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّ
جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ
لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝22 فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي
الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ

اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

''اور جب ہم لطف اندوز کرتے ہیں لوگوں کو (اپنی) رحمت سے اس تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچی تو فوراً وہ مکر وفریب کرنے لگتے ہیں ہماری آیتوں میں۔ فرمائیے اللہ زیادہ تیز ہے اس فریب کی سزا دینے میں۔ بیشک ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) قلم بند کر رہے ہیں جو فریب تم کر رہے ہو۔ وہی ہے جو سیر کراتا ہے تمہیں خشک زمین اور سمندر میں یہاں تک کہ جب تم سوار ہوتے ہو کشتیوں میں اور وہ چلنے لگتی ہیں مسافروں کو لے کر موافق ہوا کی وجہ سے اور وہ مسرور ہوتے ہیں اس سے (تو اچانک) آلیتی ہے انہیں تند و تیز ہوا اور آلیتی ہیں انہیں موجیں ہر جگہ (طرف) سے اور وہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ انہیں گھیر لیا گیا تو (اس وقت) پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے۔ (کہتے ہیں اے کریم!) اگر تو نے بچالیا ہمیں اس (طوفان) سے تو ہم یقیناً ہو جائیں گے (تیرے) شکر گزار (بندوں) سے۔ پھر جب وہ بچالیتا ہے انہیں تو وہ سرکشی کرنے لگتے ہیں زمین میں ناحق اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تمہیں پر پڑے گا لطف اٹھالو دنیوی زندگی سے پھر ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تمہیں۔ پھر ہم آگاہ کریں گے تمہیں جو کچھ تم کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ جب وہ لوگوں کو مصیبت کے بعد رحمت، شدت کے بعد خوشحالی، خشک سالی کے بعد زرخیزی و شادابی اور قحط کے بعد بارش جیسی نعمتوں سے نوازتا ہے تو وہ ہماری نشانیوں میں فریب سے کام لینا شروع کر دیتے ہیں، ان کو جھٹلاتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا ...... (یونس: 12) ''اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف (تو اس وقت) پکارتا ہے ہمیں لیٹا ہوا ہو یا بیٹھا ہوا ہو یا کھڑا ہوا ہو......'' حدیث صحیح میں آتا ہے کہ رات کے وقت بارش برسنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو فجر کی نماز پڑھانے کے بعد پوچھا: ''کیا تم جانتے ہو کہ آج رات تمہارے رب نے کیا فرمایا؟'' صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندوں نے صبح کی تو ان میں سے کچھ مومن تھے اور کچھ کافر۔ جس شخص نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے بارش برسی وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں کے ساتھ کفر کرنے والا ہے اور جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے وہ میرے ساتھ کفر کرنے والا اور ستارے پر ایمان رکھنے والا ہے''(1)۔

قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا یعنی اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دیکر آہستہ آہستہ عذاب کے قریب لا رہا ہے، مجرم یہ گمان کرتا ہے کہ اسے عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا حالانکہ وہ مہلت کے دن گزار رہا ہوتا ہے، پھر اچانک اسے پکڑ لیا جاتا ہے۔ کراماً کاتبین اس کے تمام افعال لکھ کر شمار کر رہے ہیں، قیامت کے روز وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ان تمام چھوٹے بڑے اعمال کو پیش کر دیں گے جن کی وہ جزا دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ آگاہ فرما رہا ہے کہ وہی تمہیں خشکی اور سمندر میں سیر کراتا ہے، وہی تمہاری حفاظت اور نگہداشت کرتا ہے۔ جب تم کشتیوں میں سوار ہو جاتے ہو اور وہ موافق ہوا کے باعث مسافروں کو لے کر تیزی سے چلتی ہیں تو وہ تیز رفتاری کے باعث بہت خوش ہو جاتے ہیں، اسی اثناء میں تند و تیز ہوا کشتیوں کو آلیتی ہے اور موجیں ہر طرف سے اُمڈ آتی ہیں، اور وہ یقین کر لیتے ہیں کہ وہ گھیر لئے گئے، اب ان کی ہلاکت یقینی ہے تو وہ خالص اعتقاد رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو عجز و نیاز سے پکارتے ہیں، اس وقت وہ کسی بت وغیرہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جیسا کہ فرمایا: وَ اِذَا

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، جلد 2 صفحہ 41، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 83-84

مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الۡبَحۡرِ ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِیَّاہُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰکُمۡ اِلَی الۡبَرِّ اَعۡرَضۡتُمۡ ؕ وَ کَانَ الۡاِنۡسَانُ کَفُوۡرًا (بنی اسرائیل: 67)'' اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ پس جب وہ خیر و عافیت سے تمہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے (تو) تم روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان (واقعی) بڑا ناشکرا ہے''۔ اور یہاں فرمایا: دَعَوُا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ...... یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے عقیدہ کو خالص کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ، اگر تو نے اس طوفان سے نجات دے دی تو ہم شکرگزار بندوں میں سے بن جائیں گے، تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جس طرح ہم نے اب صرف تجھے ہی پکارا ہے اسی طرح صرف تیری ہی عبادت کریں گے۔ جب اللہ تعالیٰ اس طوفان سے انہیں نجات دلاتا ہے تو وہ فوراً زمین میں ناحق ظلم کرنا شروع کر دیتے ہیں گویا کہ انہوں نے اس مصیبت میں ہمیں پکارا ہی نہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغۡیُکُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ یعنی اس بغاوت اور ظلم کا وبال صرف تمہیں پر ہوگا، تم کسی اور کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

''بغاوت اور قطع تعلقی سے بڑھ کر کوئی ایسا گناہ نہیں جس کی سزا اللہ تعالیٰ اخروی عذاب کے علاوہ دنیا میں بھی جلدی دے دیتا ہے''(1)۔

مَّتَاعَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا...... یعنی اس حقیر دنیاوی زندگی کا لطف اٹھالو، پھر تمہیں لوٹ کر ہماری طرف ہی آنا ہے، ہم تمہیں تمہارے اعمال سے آگاہ کریں گے اور پورا پورا اجر دیں گے۔ جو خیر کو پائے اسے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہئے اور جس کے نصیب میں اس کے برعکس ہو تو وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا کَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا یَاۡکُلُ النَّاسُ وَ الۡاَنۡعَامُ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَہَا وَ ازَّیَّنَتۡ وَ ظَنَّ اَہۡلُہَاۤ اَنَّہُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَیۡہَاۤ ۙ اَتٰىہَاۤ اَمۡرُنَا لَیۡلًا اَوۡ نَہَارًا فَجَعَلۡنٰہَا حَصِیۡدًا کَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَ اللّٰہُ یَدۡعُوۡۤا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۵﴾

''پس حیات دنیوی (کے عروج وزوال) کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے سو گھنی ہو کر اگی پانی کے باعث سرسبزی زمین کی جس سے انسان بھی کھاتے ہیں اور حیوان بھی یہاں تک کہ جب لے لیا زمین نے اپنا سنگار اور وہ خوب آراستہ ہو گئی اور یقین کر لیا اس کے مالکوں نے کہ (اب) انہوں نے قابو پا لیا ہے اس پر (تو اچانک) آپڑا اس پر ہمارا حکم (عذاب) رات یا دن کے وقت پس ہم نے کاٹ کر رکھ دیا اسے گویا کل وہ یہاں تھی ہی نہیں۔ یونہی ہم وضاحت سے بیان کرتے ہیں (اپنی قدرت کی) نشانیوں کو اس قوم کے لئے جو غور و فکر کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بلاتا ہے (امن و) سلامتی کے گھر کی طرف۔ اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف''۔

اللہ تعالیٰ دنیاوی زندگی کی زیب و زینت اور اس کے جلد زوال پذیر ہونے کی مثال ایسی سبزی کے ساتھ پیش فرما رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسائے ہوئے پانی کے سبب زمین سے پیدا کیا۔ یہ سبزی انواع و اقسام کے پھلوں، کھیتوں، ترکاریوں اور چارہ کی شکل

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 276، عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9 صفحہ 315-316

میں نمودار ہوئی، ان میں انسانوں اور حیوانوں کے لئے خوراک کا سامان ہے۔ جب زمین نے اپنا سنگار لے لیا اور مختلف شکلوں اور رنگوں میں اگنے والی سرسبز چیزوں کے باعث خوب آراستہ ہوگئی تو زمین کے مالک جنھوں نے کھیتی باڑی کی تھی اور پودے لگائے تھے، گمان کرنے لگے کہ وہ اپنی پیداوار کو حاصل کرنے پر پوری طرح قادر ہیں تو اچانک دن یا رات کے وقت ہمارا حکم آ پہنچا، بجلی کوندی یا سخت آندھی آئی جس نے فصلوں کو تباہ کر دیا اور پھلوں کو تلف کر دیا، شادابی اور تازگی کے بعد سوکھے ڈھیر کی شکل اختیار کر لی گویا کہ اس کا وجود تھا ہی نہیں، اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے: ''اہل دنیا میں سے اس شخص کو لایا جائے گا جسے سب سے زیادہ نعمتیں عطا کی گئی تھیں، اسے آگ میں غوطہ دیا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ کیا کبھی تم نے بھلائی دیکھی، کیا کبھی تمہیں کوئی نعمت ملی؟ وہ کہے گا کہ نہیں (1)۔ ایک اور شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ مصائب سے دوچار رہا، اسے جنت میں غوطہ دے کر پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے کبھی کوئی مصیبت دیکھی؟ وہ کہے گا: نہیں۔'' اللہ تعالیٰ ان ہلاک شدگان کے متعلق ایک اور مقام پر فرماتا ہے: ''فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا (ہود: 66-67)'' اور صبح کی انہوں نے اس حال میں کہ وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے گرے پڑے تھے۔ (انہیں یوں نابود کر دیا گیا) گویا وہ یہاں کبھی آباد ہی نہ ہوئے تھے''۔ پھر فرمایا: كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ یعنی ہم ایسے لوگوں کے لئے وضاحت سے دلائل و براہین بیان کرتے ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں اور زوال دنیا کی اس مثال سے عبرت حاصل کرتے ہیں، اہل دنیا تو اس سے دھوکہ کھا جاتے ہیں اور اس پر مکمل اعتماد کر لیتے ہیں لیکن یہ دنیا فریب دیکر نکل جاتی ہے۔ اس دنیا کی فطرت یہ ہے کہ یہ اس شخص سے بھاگتی ہے جو اسے طلب کرے اور اس شخص کو طلب کرتی ہے جو اس سے فرار اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر دنیاوی زندگی کی ایسی ہی مثالیں بیان فرمائی ہیں، ارشاد ہوتا ہے: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِیْمًا تَذْرُوْهُ الرِّیٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا (الکہف: 45)'' بیان فرمائیے ان سے دنیوی زندگی کی (ایک اور) مثال یہ پانی کی طرح ہے جسے ہم نے اتارا ہے آسمان سے پس گنجان ہو کر اگتی ہیں اس پانی سے زمین کی انگوریاں پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ خشک بوسیدہ گھاس ہو جاتی ہے اڑائے پھرتی ہیں اسے ہوائیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔ اسی طرح سورۂ زمر اور حدید میں بھی ایسی مثالیں بیان کی گئی ہیں (2)۔ عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کہتے ہیں کہ میں نے مروان بن حکم کو منبر پر اس طرح آیت پڑھتے ہوئے سنا: وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُهْلِكَهُمْ اِلَّا بِذُنُوْبِ اَهْلِهَا۔ لیکن یہ قرأت قرآن کریم میں موجود نہیں ہے۔ عباس بن عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی طرح پڑھتے ہیں لوگوں نے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ابی بن کعب نے مجھے اسی طرح یہ آیت پڑھائی ہے (3)۔ بہر کیف یہ قرأت غریب ہے، شاید تفسیر و تشریح کی خاطر اس کا اضافہ کیا گیا ہو۔

وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ...... دنیا اور اس کے زوال پذیر ہونے کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ جنت کے حصول میں رغبت دلا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کا نام دار السلام رکھا ہے یعنی آفات، نقائص اور مصائب سے سلامتی والا گھر۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے کہا گیا: چاہئے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں سوئی رہیں، دل بیدار رہے اور کان سنتے رہیں۔ پس میری آنکھیں سو گئیں، میرا دل بیدار رہا اور میرے کان سنتے رہے، پھر مجھے کہا گیا کہ میری اور میرے لائے ہوئے پیغام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سردار نے گھر بنایا، پھر دعوت کی اور ایک

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1445 2۔ دیکھئے سورۂ زمر: 21، سورۂ حدید: 20 3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 102-103

دعوت دینے والے شخص کو بھیجا۔ جس شخص نے دعوت قبول کی وہ گھر میں داخل ہوا، دستر خوان سے کھایا اور سردار اس سے راضی ہوگیا۔ جس شخص نے دعوت قبول نہ کی، وہ نہ تو گھر میں داخل ہوا، نہ کھانا کھایا اور نہ ہی سردار اس سے راضی ہوا، اللہ تعالیٰ سید و سردار ہے، گھر اسلام ہے، دستر خوان جنت ہے اور داعی حضرت محمد ﷺ ہیں'' (1)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ اسے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کیا ہے، کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ جبرئیل میرے سرہانے ہیں اور میکائیل میری پائنتی۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ آپ ﷺ کی کوئی مثال بیان کریں تو دوسرے نے کہا: (اے سونے والے) سنو آپ ﷺ کے کان سنتے ہیں، سمجھو، آپ ﷺ کا دل بیدار ہے۔ آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کی امت کی مثال ایسے بادشاہ کی سی ہے جس نے گھر بنایا، پھر اس میں ایک کمرہ بنایا، اس میں دستر خوان چن دیا، پھر لوگوں کو دعوت طعام دینے کے لئے ایک قاصد روانہ کیا۔ بعض نے قاصد کی دعوت کو قبول کر لیا اور بعض نے رد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے، گھر اسلام ہے، کمرہ جنت ہے اور آپ اے محمد ﷺ قاصد (رسول) ہیں۔ جس نے آپ کی دعوت کو قبول کیا وہ اسلام میں داخل ہوگیا اور جو اسلام میں داخل ہوگیا وہ جنت میں داخل ہوگیا اور جو جنت میں داخل ہوگیا اس نے اس میں سے کھالیا'' (1)۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر روز سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے دونوں طرف دو فرشتے ہوتے ہیں، وہ آواز دیتے ہیں جسے جن و انس کے علاوہ تمام مخلوق سنتی ہے، وہ کہتے ہیں: اے لوگو! اپنے رب کی طرف آؤ، تھوڑا جو کفایت کرے وہ اس کثیر سے بہتر ہے جو (یاد الٰہی سے) غافل کر دے'' (2)۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٦﴾

''ان کے لئے جنہوں نے نیک عمل کئے نیک جزاء ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اور نہ چھائے گا ان کے چہروں پر (رسوائی کا) غبار اور نہ ذلت (کا اثر ہوگا)، یہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کرنے والوں کے لئے دار آخرت میں جزائے خیر ہوگی جیسا کہ فرمایا: ''هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن: 60)'' ''کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے)۔ ''زِيَادَةٌ'' سے مراد ہے اعمال کے اجر و ثواب کو کئی گنا کر دینا، ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ ملتا ہے۔ جنت میں حور و قصور، مسرت بخش چیزیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں شامل ہے اور سب سے بڑا انعام اہل جنت کو دیدار الٰہی کی صورت میں ملے گا۔ اعمال کے اجر سے بڑھ کر جو اضافی نعمتیں انہیں عطا کی جائیں گی، رؤیت باری تعالیٰ ان سب سے عظیم نعمت ہوگی۔ وہ اپنے اعمال کے باعث ان کے مستحق نہیں ہوں گے بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رحمت کے طفیل۔ حضرات ابوبکر، حذیفہ بن یمان، عبداللہ بن عباس، سعید بن مسیب، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عبدالرحمٰن بن سابط، مجاہد، عکرمہ، عامر بن سعد، عطاء، ضحاک، حسن، قتادہ، سدی، محمد بن اسحاق اور دیگر علمائے خلف و سلف نے ''زِيَادَةٌ'' کی تفسیر رؤیت باری تعالیٰ سے کی ہے، اس بارے میں متعدد احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا: ''جب اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی کرنے والا ندا دے گا: اے اہل جنت! اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ ایک وعدہ کر رکھا ہے وہ اسے پورا کرنا چاہتا ہے۔ وہ پوچھیں گے کہ وہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 102-103 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 197، مستدرک حاکم تفسیر سورۂ شوریٰ، جلد 2 صفحہ 444-445

کونسا وعدہ ہے؟ کیا ہمارے وزن (ترازو میں) بھاری نہیں ہوئے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے چہروں کو چمکتا دمکتا نہیں بنایا، ہمیں جنت میں داخل کیا اور دوزخ سے پناہ دی؟ اچانک ان کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ قسم بخدا! دیدار الٰہی سے بڑھ کر اہل جنت کے لئے کوئی نعمت زیادہ محبوب اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والی نہیں ہوگی'' (1)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک منادی کرنے والے کو بھیجے گا جو ندا دے گا کہ اے اہل جنت! اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ جزائے خیر اور مزید عطا کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ ''اَلْحُسْنٰی'' (جزائے خیر) جنت ہے اور ''زِيَادَةٌ'' دیدار الٰہی ہے'' (2)۔

وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ یعنی میدان حشر میں ان کے چہروں پر سیاہی اور کدورت نہیں چھائے گی جس طرح فاسق و فاجر کفار کے چہروں پر چھا رہی ہوگی، اور نہ ہی انہیں ذلت و رسوائی سے واسطہ پڑے گا۔ ظاہر و باطن ہر حالت میں وہ اہانت سے محفوظ ہوں گے جیسا کہ ان کے متعلق فرمایا: فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا (الدہر: 11) ''پس بچالے گا انہیں اللہ تعالیٰ اس دن کے شر سے۔ اور بخش دے گا انہیں چہروں کی تازگی اور دلوں کا سرور''۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور رحمت سے ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرمائے!

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

''اور جنہوں نے برے کام کئے تو برائی کی سزا اس جیسی ہوگی اور چھا رہی ہوگی ان پر ذلت۔ نہیں ہوگا ان کے لئے اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا۔ گویا ڈھانپ دیئے گئے ہیں ان کے چہرے کالی رات کے کسی ٹکڑے سے۔ وہی دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور (ان کی پشیمانی کا تصور کرو)''۔

ان سعادت مند حضرات کا تذکرہ ہو چکا جنہیں نہ صرف کئی گنا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا بلکہ اس پر مزید بھی عطا ہوگی۔ اب بدبخت لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جن کے متعلق عدل ہوگا اور انہیں اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کے مساوی جزا دے گا، ان کے گناہوں کی سزا زیادہ نہیں ہوگی۔ بروز قیامت ان کے چہروں پر ذلت چھا رہی ہوگی، یہ نتیجہ ہوگا ان کے گناہوں اور خوف کا جیسا کہ ان کی حالت کو ان آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے: وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ (الشوریٰ: 45) ''اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ پیش کئے جا رہے ہوں گے دوزخ پر اس حال میں کہ عاجز و درماندہ ہوں گے''، وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ (ابراہیم: 43-42) ''اور تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ان کرتوتوں سے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۔ وہ تو انہیں صرف ڈھیل دے رہا ہے اس دن کے لئے جبکہ (مارے خوف کے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی آنکھیں۔ بھاگم بھاگ جا رہے ہوں گے اپنے سر اٹھائے ہوئے''۔

مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ کوئی انہیں بچانے والا نہیں ہوگا جو انہیں عذاب الٰہی سے محفوظ رکھ سکے جیسا کہ فرمایا: يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 163، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 333 وغیرہ 2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 105-107

اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ اِلْمُسْتَقَرُّ (القیامۃ :12-10) ''(اس روز) انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے۔ ہرگز نہیں، وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں۔ صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانا ہوگا''۔

كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ...... دار آخرت میں ان کے چہروں کے سیاہ ہوجانے کے متعلق بتایا جارہا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں ہے: يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (آل عمران :107-106) ''اس دن (جبکہ) روشن ہوں گے کئی چہرے اور کالے ہوں گے کئی منہ تو وہ جو سیاہ رو ہوں گے (انہیں کہا جائے گا) کہ کیا تم نے کفر اختیار کرلیا تھا ایمان لانے کے بعد تو اب چکھو عذاب (کی اذیتیں) بوجہ اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے اور وہ (خوش نصیب) لوگ روشن ہوں گے جن کے چہرے تو وہ رحمت الٰہی (کے سائے) میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ (عبس :40-38) ''کتنے ہی چہرے اس دن (نور ایمان سے) چمک رہے ہوں گے۔ ہنستے ہوئے خوش وخرم۔ اور کئی منہ اس دن غبار آلود ہوں گے''۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَاۗؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاۗؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢٨ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝٢٩ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝٣٠

''اور (ان کی پشیمانی کا تصور کرو) جس روز ہم جمع کریں گے ان سب کو (میدان حشر میں) پھر ہم حکم دیں گے مشرکوں کو اپنی اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ تم اور تمہارے جھوٹے معبود۔ پھر ہم منقطع کردیں گے ان کے باہمی تعلقات اور کہیں گے ان کے معبود (اے مشرکو!) تم ہماری تو عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ پس کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کہ ہم تمہاری پرستش سے بالکل بے خبر تھے۔ وہاں آزمالے گا ہر شخص جو اس نے آگے بھیجا تھا اور انہیں لوٹا دیا جائے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ان کا مالک حقیقی ہے اور گم ہوجائے گا ان سے جو وہ افتراء باندھا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس دن ہم تمام جن وانس اور نیک و بد کو جمع کریں گے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ (الکہف :47) ''اور ہم جمع کریں گے انہیں پس نہیں پیچھے رہنے دیں گے ان میں سے کسی کو''۔

ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا...... پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی جگہ ٹھہرے رہو اور مومنین کی جگہ سے الگ تھلگ ہوجاؤ۔ درج ذیل آیات میں بھی اس چیز کو بیان کیا گیا ہے: وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (یٰسین :59) ''(اور حکم ہوگا) اے مجرمو! (میرے دوستوں سے) آج الگ ہوجاؤ''، وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ (الروم :14) ''اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس دن وہ جدا جدا ہوجائیں گے''، ایک اور آیت میں یہ الفاظ ہیں: يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ (الروم :43) ''اس روز یہ لوگ جدا جدا ہوجائیں گے''۔ یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ مقدمات کے فیصلہ کے لئے جلوہ فرما ہوگا۔ اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے التجا کریں گے کہ وہ جلد فیصلہ فرمائے اور اس مشکل مقام سے راحت بخشے۔ حدیث شریف میں حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''ہم قیامت کے دن سب لوگوں سے اونچی

جگہ پر ہوں گے'' (1)۔ اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں اس حکم کے متعلق خبر دے رہا ہے جو مشرکین اور ان کے بتوں کو قیامت کے دن ہوگا: مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وہ بت ان مشرکین کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان سے بیزاری ظاہر کریں گے جیسا کہ فرمایا: كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ (مریم:82) '' ہرگز نہیں۔ وہ جھوٹے خدا انکار کر دیں گے ان کی عبادت کا)، اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا (البقرۃ:88) '' جب بیزار ہو جائیں گے وہ جن کی تابعداری کی گئی ان سے جو تابعداری کرتے رہے''، وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً (الاحقاف:6-5) '' اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔ اور جب جمع کئے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے''۔ ان لوگوں کے شرکاء ان کے دعوائے عبادت کا انکار کرتے ہوئے کہیں گے: فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ یعنی ہمیں تمہاری عبادت سے متعلق کوئی علم نہیں، تم ہماری عبادت کرتے تھے جس کا ہمیں شعور تک نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی ہمارے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے کہ ہم نے تمہیں نہ اپنی عبادت کی دعوت دی، نہ حکم دیا اور نہ اس پر راضی ہوئے۔ مشرکین کو اس طرح لاجواب کر دیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے معبودان باطلہ کی عبادت کرتے رہے جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ انہوں نے نہ تو اس کا حکم دیا تھا، نہ اس پر راضی ہوئے اور نہ اس چیز کا ارادہ کیا۔ یہی ان کے شرکاء شدید ضرورت کے وقت ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے جن کی خاطر انہوں نے اس اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ترک کئے رکھا جو ہمیشہ زندہ ہے، ہر چیز کو قائم رکھے ہوئے ہے، سمیع، بصیر، قادر اور علیم ہے۔ اسی نے رسول مبعوث فرمائے اور کتابیں نازل کیں اور صرف اپنی عبادت کا حکم دیا، فرمایا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ (النحل:36) '' اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے سو ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن پر گمراہی مسلط ہو گئی''۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء:25) '' اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو''، وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ (الزخرف:45) '' اور آپ پوچھئے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے۔ کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند رحمٰن کے علاوہ اور خدا تاکہ ان کی پوجا کی جائے''۔ مشرکین کی کئی اقسام ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ ان کے احوال اور اقوال وضاحت سے بیان کر کے ان کا بھرپور رد کیا ہے۔

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ یعنی قیامت کے روز حساب کے وقت ہر آدمی آزمائش کرے گا اور اپنے اچھے برے اعمال جان لے گا جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (الطارق:9) '' یاد کرو اس دن کو جب سب راز فاش کر دیئے جائیں گے''۔ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ (القیامۃ:13) '' آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا''، وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۚ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (بنی اسرائیل:14-13) '' اور ہم نکالیں گے اس

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 345

کے لئے روز قیامت ایک کتاب جسے وہ (اپنے سامنے) کھلا ہوا پائے گا۔ (اسے حکم ملے گا) پڑھو اپنا دفتر عمل تم خود ہی کافی ہو آج اپنی باز پرس کرنے کے لئے''۔ بعض نے آیت کریمہ میں ''تَبْلُوْا'' کی بجائے ''تتلو'' پڑھا ہے اور اس کا ترجمہ پڑھنا کیا ہے۔ بعض نے اس کا معنی ''تتبع'' کیا ہے یعنی وہ اچھے برے اعمال کی اتباع کریں گے (سزا پائیں گے)۔ بعض نے اس کی تفسیر اس حدیث شریف سے کی ہے: ''ہر امت اپنے معبود کے پیچھے چلے گی، آفتاب پرست آفتاب کے پیچھے، قمر پرست قمر کے پیچھے اور بت پرست بتوں کے پیچھے''(1)۔

وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ...... انہیں مالک حقیقی کی طرف لوٹایا جائے گا اور تمام امور اسی حاکم عادل کے روبرو پیش ہوں گے جن کا وہ فیصلہ کرکے اہل جنت کو جنت میں اور اہل دوزخ کو دوزخ میں داخل کرے گا، اور تمام معبودان باطلہ مشرکین سے گم ہو جائیں گے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۳۱ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۳۲ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳

''آپ پوچھئے کون رزق دیتا ہے تمہیں آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور (کون) نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور کون ہے جو انتظام فرماتا ہے ہر کام کا؟ تو وہ (جواباً) کہیں گے اللہ! پس آپ کہئے (جب حقیقت یہ ہے) تو تم (شرک سے) کیوں نہیں بچتے۔ یہ ہے اللہ جو تمہارا حقیقی پروردگار ہے۔ پس حق کے بعد کیا ہے بجز گمراہی کے۔ پھر تمہیں (حق سے) کدھر موڑا جا رہا ہے۔ یونہی ثابت ہو چکی ہے آپ کے رب کی بات ان پر جو فسق و فجور کرتے ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین پر ان کے اعتراف وحدانیت وربوبیت کے ساتھ اپنی وحدانیت کی دلیل قائم کرتے ہوئے فرماتا ہے: قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ یعنی کون ہے جو آسمان سے بارش برساتا ہے، اور اپنی قدرت ومشیت کے ساتھ زمین کو پھاڑ کر اس میں سے اناج، انگور، ترکاریاں، زیتون، کھجور، گھنے باغات، پھل اور گھاس نکالتا ہے، کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے، انہیں بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ صرف اللہ ہی کی ذات ہے، اگر وہ اپنا رزق روک لے تو کون ہے جو تمہیں رزق مہیا کرے؟

اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ یعنی وہ کون ذات ہے جس نے تمہیں قوت سماعت اور قوت بصارت ہبہ کی، اگر وہ چاہے تو ان قوتوں کو سلب کرلے فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ...... (الملک: 23) ''آپ فرمایئے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان، آنکھیں بنائیں......''، قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ...... (الانعام: 46) ''آپ فرمایئے بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر لے لے اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں......''۔

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ...... کون ہے جو اپنی قدرت عظیمہ اور احسان عمیم کے ساتھ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ اس آیت کے متعلق اختلاف پیچھے گزر چکا ہے، بہرصورت یہ آیت ان تمام اختلافات کو شامل ہے۔

7۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 6 صفحہ 56، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 164

وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے، وہی پناہ دیتا ہے اور اسے پناہ کی ضرورت نہیں، وہی متصرف حاکم ہے جس کے حکم کو ٹالنے والا کوئی نہیں، وہ جو کرتا ہے اس کے متعلق پوچھ گچھ نہیں کی جاسکتی جبکہ لوگوں سے پوچھا جاتا ہے، فرمایا: يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۝ (الرحمٰن:29) ''مانگ رہے ہیں اس سے (اپنی حاجتیں) سب آسمان والے اور زمین والے۔ ہر روز وہ ایک نئی شان سے تجلی فرماتا ہے''، زمین و آسمان اور ان میں بسنے والے سب ملائکہ، جن اور انسان اس کے دست نگر، غلام اور تابع ہیں۔

فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ یعنی وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام چیزوں کا خالق، مالک، رازق اور مدبر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ انہیں کہہ دیں کہ اگر تم اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی عبادت سے ڈرتے کیوں نہیں۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ...... یہ تم اعتراف کر چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے، وہی تمہارا پروردگار اور خالق حقیقی ہے جو اس بات کا حقدار ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے۔ حق کے بعد بجز گمراہی کے کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود باطل ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، جب یہ حقیقت ہے تو تم لوگ اس کی عبادت سے منہ موڑ کر غیروں کی عبادت کیوں کرتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہی رب ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز میں تصرف بھی اسے ہی حاصل ہے۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ...... یعنی جس طرح ان مشرکین نے کفر کیا اور اپنے شرک اور غیر اللہ کی عبادت پر مصر رہے حالانکہ یہ اعتراف کر چکے تھے کہ وہی خالق، رازق، اور متصرف ہے جس نے اپنے رسولوں کو توحید کا پیغام دیکر بھیجا، اسی طرح ان پر اللہ تعالیٰ کی بات ثابت ہوگئی کہ یہ بدبخت اور دوزخی ہیں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (الزمر:71) ''کہیں گے بیشک آئے تھے لیکن ثبت ہو چکا تھا (لوح محفوظ میں) عذاب کا حکم کفار پر''۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ (٣٤) قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ (٣٥) وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُھُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ (٣٦)

''(اے حبیب!) آپ پوچھئے کیا تمہارے معبودوں میں کوئی ہے جو آغاز آفرینش بھی کرے پھر (فنا کے بعد) اسے لوٹا بھی دے۔ آپ ہی فرمائیے اللہ ہی آفرینش کی ابتداء بھی کرتا ہے اور (فنا کے بعد) اسے لوٹاتا بھی ہے۔ پس (ہوش کرو) تم کدھر پھرے جاتے ہو۔ آپ پوچھئے کیا تمہارے معبودوں میں سے کوئی حق کی طرف رہنمائی کرسکتا ہے۔ (خود ہی جواباً) فرمائیے اللہ ہی حق کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔ تو کیا جو راہ دکھائے حق کی وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہی راہ نہ پائے مگر یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے۔ (اے مشرکین) تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسے غلط فیصلے کرتے ہو۔ اور نہیں

پیروی کرتے ان میں سے اکثر مگر محض وہم وگمان کی۔ بلاشبہ وہم وگمان بے نیاز نہیں کرسکتا حق سے ذرہ بھر۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں''۔

یہاں مشرکین کے دعوائے شرک اور عبادت اصنام کا رد اور ابطال کیا جا رہا ہے، فرمایا:

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ　یعنی کس نے آسمانوں اور زمین کی آفرینش کا آغاز کیا، پھر ان میں اس قدر مخلوقات پیدا کیں، اجرام سماوی اور ارضی بکھیر دیئے، پھر وہ ہر چیز کو فنا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا؟ وہ اللہ ہی ہے جو یہ سب کچھ کرتا ہے وہ مستقل بالذات ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، تو پھر تم راہ راست سے بھٹک کر کیوں باطل کی طرف منہ اٹھائے جا رہے ہو۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ　یعنی تم جانتے ہو کہ تمہارے یہ شرکاء کسی گمراہ کو ہدایت دینے کی قدرت نہیں رکھتے، صرف معبود حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے جو حیران و ششدر اور گمراہ لوگوں کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ...... یعنی کیا ایک بندہ اس کی اتباع کرے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور بصیرت عطا فرماتا ہے یا اس کی جو اندھا اور گونگا ہونے کے باعث خود رہنمائی کا محتاج ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا (مریم:42) ''اے میرے باپ تو کیوں عبادت کرتا ہے اس کی جو نہ کچھ سنتا ہے اور نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے''۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿٩٥﴾ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات:95) ''کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو''۔ اسی طرح کی اور متعدد آیات ہیں۔

فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے، کس طرح تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان یکسانیت پیدا کر دی، انہیں اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہرا دیا اور اس کے ساتھ ان کی بھی عبادت کرنے لگے؟ تم نے صرف رب حقیقی کی عبادت کیوں نہ کی ہو جو ہر چیز کا مالک، حاکم اور ہادی ہے اور اپنی دعاؤں میں صرف اسی کی طرف رجوع کیوں نہ کیا؟ پھر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ان لوگوں کے دین و اعتقاد کی بنیاد کسی دلیل اور برہان پر نہیں ہے، بلکہ یہ وہم وگمان کی پیروی کر رہے ہیں، اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ اس میں ان کے لئے دھمکی اور شدید وعید ہے کیونکہ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بدلہ دے گا۔

وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ
تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا
بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا
لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ
بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤٠﴾

''اور نہیں ہے یہ قرآن کہ گھڑ لیا گیا ہو اللہ تعالیٰ (کی وحی آئے بغیر) بلکہ یہ تو تصدیق کرنے والا ہے اس وحی کی جو اس سے

پہلے نازل ہو چکی ہے اور الکتاب کی تفصیل ہے ذرہ شک نہیں اس میں کہ رب العلمین کی طرف سے (اتری) ہے۔ کیا یہ (کافر) کہتے ہیں کہ اس نے خود گھڑ لیا ہے اسے۔ آپ فرمایئے پھر تم بھی لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور (امداد کے لئے) بلا لو جن کو تم بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اگر تم (اپنے الزام میں) سچے ہو۔ بلکہ انہوں نے جھٹلایا اس چیز کو جسے وہ پوری طرح نہ جان سکے اور نہیں آیا ان کے پاس اس کا انجام اسی طرح (بے علمی سے) جھٹلایا انہوں نے جو ان سے پہلے تھے پھر دیکھ لو کیسا انجام ہوا ظالموں کا۔ اور ان میں سے کچھ ایمان لائیں گے اس پر اور ان میں سے کچھ ایمان نہیں لائیں گے اس پر اور آپ کا رب خوب جانتا ہے مفسدوں کو"۔

یہاں اعجاز قرآن کا بیان ہو رہا ہے کہ تمام انسان اس جیسا قرآن نہیں لا سکتے، اس جیسی دس سورتیں بلکہ اس جیسی ایک سورت بھی نہیں لا سکتے کیونکہ قرآن کریم اپنی فصاحت، بلاغت، ایجاز، حلاوت اور دنیا و آخرت کے متعلق کثیر نفع بخش معانی پر مشتمل ہونے کے باعث صرف اللہ تعالیٰ کا ہی کلام ہو سکتا ہے جس کے مشابہ کوئی چیز نہیں، نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں اور نہ اقوال میں، اسی طرح اس کی کلام بھی مخلوق کی کلام کے مشابہ نہیں ہو سکتی، اس لئے فرمایا: وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ...... یعنی یہ قرآن صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہو سکتا ہے اور یہ کلامِ بشر کے مشابہ نہیں۔ یہ قرآن کریم تو سابقہ آسمانی کتب کی تصدیق کرتا ہے اور ان میں وقوع پذیر ہونے والی تحریف، تاویل اور تغیر و تبدل کو بیان کرتا ہے اور تمام تفصیلات سے آگاہ کرتا ہے اور اس کے من جانب اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں، اس میں تمام احکام اور حلال و حرام کا شافی اور کافی بیان ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں گزرا کہ اس میں اس کی خبر ہے جو تم سے پہلے گزرا اور پیشین گوئی ہے جو تمہارے بعد ہو گا اور تمہارے معاملات کا فیصلہ ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ...... یعنی اگر تم افتراء کا الزام لگاتے ہو اور قرآن کریم کے من عند اللہ ہونے میں شک کرتے ہو اور یہ دعویٰ کرتے ہو کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کا بنایا ہوا ہے تو محمد ﷺ بھی تمہاری طرح بشر ہیں، اگر تمہارے خیال کے مطابق انہوں نے خود اس قرآن کو گھڑا ہے تو تم کم از کم قرآن کریم جیسی ایک سورت ہی لے آؤ اور جس قدر ممکن ہو تم جن و انس سے اس سلسلہ میں تعاون حاصل کرو۔ یہ چیلنج کا تیسرا مرحلہ تھا۔ پہلے مرحلہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں چیلنج کیا اور دعوت دی کہ اگر وہ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کی طرف سے ہے، تو وہ اس جیسا قرآن پیش کریں اور جس سے چاہیں مدد حاصل کر لیں۔ ساتھ ہی یہ خبر بھی دے دی کہ یہ ان کے بس کا روگ نہیں اور ان کے لئے ایسا کرنا ممکن ہے، فرمایا: قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل: 88)" (بطور چیلنج) کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ لے آئیں اس قرآن کی مثل تو ہرگز نہیں لا سکیں گے اس کی مثل اگرچہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے مددگار"۔ پھر دوسرے مرحلہ میں تخفیف کرتے ہوئے چیلنج کو دس سورتوں تک محدود کر دیا، فرمایا: اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (ہود: 13)" کیا کفار کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن خود) گھڑ لیا ہے آپ فرمایئے (اگر ایسا ہے) تو تم بھی لے آؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی اور بلا لو (اپنی مدد کے لئے) جس کو بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم (اس الزام تراشی میں) سچے ہو"۔ پھر چیلنج کو ایک سورت تک محدود کرتے ہوئے یہاں فرمایا: اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ...... اسی طرح سورۂ بقرہ میں انہیں چیلنج کیا اور بتا دیا کہ وہ اس کی استطاعت نہیں رکھتے، فرمایا: فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ (البقرۃ: 24)" پھر اگر ایسا نہ کر سکو

اور ہرگز نہ کر سکو گے تو ڈرو اس آگ سے"، حالانکہ فصاحت ان کی فطرت میں شامل تھی، ان کی شاعری اور معلقات عربی ادب اور فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے جو کلام پیش کیا، اس جیسا کلام لانا کسی کے بس کی بات نہیں، اس لئے اس کلام الٰہی کی بلاغت، حلاوت، جزالت، رونق، افادہ اور برتری کو دیکھتے ہوئے بعض لوگ ایمان لے آئے کیونکہ یہ قرآن کریم کا سب سے زیادہ فہم و ادراک رکھتے تھے اور اس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے تھے جیسا کہ فنون سحر کے متعلق علم ہونے کے باعث جادوگر یہ پہچان گئے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو عصا کا معجزہ دکھایا ہے یہ تائید الٰہی کے بغیر صادر نہیں ہو سکتا اور اذن الٰہی کے بغیر یہ کسی کے بس میں نہیں، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس زمانہ میں مبعوث فرمایا گیا جب فن طب اپنے عروج پر تھا۔ معالجین بڑی بڑی امراض کا علاج کر دیا کرتے تھے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام باذن الٰہی مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشتے اور مردوں تک کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ ان امراض کا علاج ان کی طب میں بھی نہیں تھا، اس لئے سلیم الفطرت لوگ جان گئے کہ آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "ہر نبی کو معجزات عطاء کئے گئے جن پر لوگ ایمان لائے، اور مجھے قرآن عطا کیا گیا، مجھے امید ہے کہ میرے پیروکار سب (انبیاء) سے زیادہ ہوں گے"(1)۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا...... بلکہ انہوں نے قرآن کریم کو جھٹلا دیا، نہ اسے سمجھ سکے اور نہ پہچان سکے اور ابھی تک اس کا انجام ان تک نہیں پہنچا اور نہ ہی اس میں موجود ہدایت اور حق کو حاصل کر پائے بلکہ جہالت اور سفاہت کے باعث جھٹلانے میں مصروف رہے۔ اسی طرح سابقہ قوموں نے جھٹلایا تھا، دیکھو ظالموں کا کیا انجام ہوا، کس طرح تکذیب کی سزا دیتے ہوئے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اے جھٹلانے والو! تم بھی بچو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی ایسے ہی انجام سے دوچار کر دیا جائے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ...... جن لوگوں کی طرف نبی کریم ﷺ کو قرآن کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے ان میں سے بعض آپ ﷺ کی اتباع کریں گے اور آپ ﷺ کی رسالت سے فائدہ اٹھائیں گے اور بعض ایمان نہیں لائیں گے بلکہ کفر پر ہی مر جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ مفسدین سے بخوبی آگاہ ہے، وہ بہتر جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔ وہ عادل ہے ظالم نہیں۔ وہ ہر شخص کو وہی عطا فرماتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـــًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

"اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیجئے میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم بری الذمہ ہو اس سے جو میں کرتا ہوں، اور میں بری الذمہ ہوں اس سے جو تم کرتے ہو۔ اور ان میں سے کچھ (بظاہر) کان لگاتے ہیں آپ کی طرف۔ تو کیا آپ سناتے ہیں بہروں کو خواہ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں۔ اور ان میں سے کچھ (بظاہر) دیکھتے ہیں آپ کی طرف تو کیا آپ راہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 6 صفحہ 224، صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 92

دکھاتے ہیں اندھوں کو خواہ وہ کچھ نہ دیکھتے ہوں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا لوگوں پر ذرہ برابر لیکن لوگ ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اگر یہ مشرکین آپ کو جھٹلائیں تو آپ ان سے اور ان کے عمل سے بیزاری کا اظہار کریں اور کہہ دیں کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (الکافرون: 1-6) ''آپ فرما دیجئے اے کافرو! میں پرستش نہیں کیا کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس (خدا) کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ اور نہ ہی میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین''۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں نے اپنی مشرک قوم سے کہا: إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ (الممتحنہ: 4) ''ہم بیزار ہیں تم سے اور ان معبودوں سے جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا''۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ...... یعنی ان میں سے بعض آپ کے خوبصورت کلام، قرآن عظیم اور ایسی فصیح صحیح احادیث سنتے ہیں جو قلوب، ادیان اور ابدان تمام کے لئے نفع بخش ہیں، یہی ان کے لئے کافی ہے لیکن یہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ بہرے ہیں اور بہروں کو سنانے پر آپ قادر نہیں اور نہ ہی آپ مشیت الٰہی کے بغیر انہیں ہدایت دے سکتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ...... ان میں سے بعض آپ کو دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آپ کو عطا کردہ سنجیدگی، خوبصورتی، خلق عظیم اور اہل بصیرت اور عقلمند لوگوں کے لئے آپ کی نبوت کے دلائل ملاحظہ کرتے ہیں۔ یہ بھی اہل ایمان کی طرح آپ کو دیکھتے ہیں لیکن ان کی طرح انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی، بلکہ اہل ایمان تو آپ کو چشم توقیر کے ساتھ دیکھتے ہیں اور یہ چشم حقارت کے ساتھ، فرمایا: وَإِذَا رَأَوْكَ إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا (الفرقان: 4-1) ''اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں''۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بات سے آگاہ فرما رہا ہے کہ وہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اگرچہ وہ اس قرآن کے ذریعے ہدایت عطا فرماتا ہے جسے ہدایت دینا چاہے، جسے چاہے اندھے پن سے بصیرت عطا فرما دیتا ہے، اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردوں میں مستور دلوں کو کھول دیتا ہے۔ وہ حاکم اور متصرف ہے، اس سے باز پرس نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ علیم، حکیم اور عادل ہے جبکہ لوگوں سے باز پرس ہوگی، اس لئے فرمایا: إِنَّ اللهَ لَا يَظْلِمُ...... حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اسے حرام ٹھہرایا ہے، اس لئے ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں تمہارے لئے شمار کر رہا ہوں، پھر تمہیں ان (اعمال) کی پوری پوری جزا دوں گا۔ جو خیر پائے اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور جو اس کے برعکس پائے تو وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے''(1)۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۚ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝45

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4، صفحہ 1995-1994

"اور جس روز اللہ تعالیٰ جمع کرے گا انہیں (وہ خیال کریں گے) گویا وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی دن کی، پہچانیں گے ایک دوسرے کو (تب حقیقت کھلے گی کہ) گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو اور وہ ہدایت یافتہ نہیں تھے"۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو یاد دلا رہا ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو وہ اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے، اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں جمع کرے گا تو وہ خیال کریں گے کہ وہ دنیا میں محض دن کی ایک گھڑی ہی ٹھہرے ہیں جیسا کہ ان آیات میں اس چیز کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ (الاحقاف:35) "جس روز وہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو خیال کریں گے کہ وہ نہیں ٹھہرے تھے دنیا میں مگر دن کی فقط ایک گھڑی"، كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا (النازعات:46) "گویا وہ جس روز اس کو دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح"، يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۝ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا (طٰہٰ:104-101) "جس روز پھونکا جائے گا صور میں اور ہم جمع کریں گے مجرموں کو اس دن اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ چپکے چپکے آپس میں کہیں گے کہ نہیں رہے تم دنیا میں مگر صرف دس دن۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جبکہ ان میں سب سے زیادہ زیرک کہے گا کہ نہیں ٹھہرے ہو تم مگر صرف ایک دن"، وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ (الروم:55) "اور جس روز قیامت قائم ہوگی قسمیں اٹھائیں گے مجرم، کہ نہیں ٹھہرے وہ (دنیا میں) مگر ایک گھڑی"، یہ تمام آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دار آخرت میں دنیاوی زندگی بہت مختصر محسوس ہوگی جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے: كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ۝ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْــَٔـلِ الْعَاۗدِّيْنَ ۝ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (المومنون:114-112) "(ذرا بتاؤ) کتنے سال تم زمین میں ٹھہرے رہے؟ کہیں گے ہم ٹھہرے تھے بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ آپ پوچھ لیں سال گننے والوں سے۔ ارشاد ہوگا تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ، کاش! تم اس (حقیقت) کو (پہلے ہی) جان لیتے"۔

يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ یعنی اولاد اپنے والدین کو اور قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کو پہچانیں گے جس طرح وہ دنیا میں تھے، لیکن ہر ایک کو اپنی فکر دامن گیر ہوگی، اس حقیقت کو متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے: فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ (المومنون:101) "تو جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی"، وَلَا يَسْــَٔـلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا (المعارج:10) "اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا"۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا...... یہ اس فرمان کی طرح ہے: وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (المطففین:10) "تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لئے"۔ ان لوگوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو خسارہ میں ڈال دیا، سنو، یہی واضح خسارہ ہے، اس شخص کے خسارہ سے بڑھ کر اور کیا خسارہ ہو سکتا ہے جسے حسرت وندامت کے دن اپنے ساتھیوں سے الگ کر دیا جائے۔

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا

يُظْلَمُوْنَ ۝

''اور خواہ ہم دکھادیں آپ کو کچھ (عذاب) جس کا ہم نے وعدہ کیا ہے ان سے یا (پہلے ہی) ہم اٹھالیں آپ کو۔ ہر حالت میں ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر اللہ تعالیٰ گواہ ہے اس پر جو وہ کرتے ہیں۔ اور ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے، پس جب آیا ان کا رسول (اور انہوں نے اس کو جھٹلایا) تو فیصلہ کر دیا گیا ان کے درمیان انصاف کے ساتھ اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ السلام سے خطاب فرما رہا ہے، ارشاد ہوتا ہے: وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ ...... یعنی اگر ہم آپ کی زندگی میں ہی ان سے انتقام لے لیں تا کہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں یا آپ کو وفات دے دیں، ہر صورت میں انہیں ہماری طرف ہی لوٹنا ہے اور آپ کے بعد اللہ تعالیٰ ان کے افعال پر گواہ ہے۔ حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: '' آج رات اس حجرہ کے پاس مجھ پر میری ساری اگلی پچھلی امت پیش کی گئی۔'' ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! پیدا ہونے والی مخلوق کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا (اس کی تو سمجھ آتی ہے) اور جو ابھی پیدا نہیں ہوا اسے کیسے پیش کیا گیا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: '' ان کی خاکی صورتیں میرے سامنے لائی گئیں یہاں تک کہ میں ان میں سے ہر انسان کو اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں جس طرح تم میں سے ہر ایک شخص اپنے ساتھی کو جانتا ہے'' (1)۔

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ...... ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے اور جب قیامت کے دن ان کا رسول آئے گا تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (الزمر: 69) '' اور جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے''۔ ہر امت کو اس کے رسول کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا، ان کا نامہ اعمال سامنے رکھا جائے گا جو ان پر گواہی دے گا اور نگران فرشتے بھی گواہ ہوں گے۔ اس طرح یکے بعد دیگرے تمام امتیں پیش ہوں گی۔ یہ امت شریفہ اگرچہ آخری امت ہے لیکن قیامت کے دن یہ اولین امت بن جائے گی جن کے درمیان اللہ تعالیٰ سب سے پہلے فیصلہ فرمائے گا جیسا کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: '' ہم (سب سے) آخر میں آنے والے ہیں، (لیکن) قیامت کے دن (سب سے) مقدم ہوں گے، تمام مخلوقات، سے پہلے ہمارا حساب ہو گا'' (2)۔ اس امت کو یہ فوقیت رسول اللہ علیہ السلام کے شرف وعظمت کے باعث حاصل ہوئی۔ قیامت تک آپ علیہ السلام پر درود وسلام ہو۔

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝

''اور وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ (عذاب کا) وعدہ اگر تم سچے ہو آپ کہئے نہیں مالک ہوں میں اپنے آپ کے لئے ضرر کا اور نہ نفع کا مگر جتنا چاہے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے لئے میعاد مقرر ہے جب آئے گی ان کی مقرر میعاد تو نہ وہ پیچھے رہ سکیں گے ایک لمحہ اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ آپ فرمائیے (اے منکرو!) ذرا غور تو کرو اگر آ جائے تم پر اس کا عذاب راتوں رات یا دن

1۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 181
2۔ فتح الباری، کتاب تعبیر الرؤیا، جلد 12 صفحہ 423 صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 586

دہاڑے (تو تم کیا کرلو گے) کس چیز کا جلدی مطالبہ کر رہے ہیں اس سے مجرم۔ کیا جب عذاب نازل ہو جائے گا تب ایمان لاؤ گے اس پر (فرشتے انہیں کہیں گے) اب (آنکھیں کھلیں) تم تو اس عذاب کے لئے بڑی جلدی مچا رہے تھے پھر کہا جائے گا ظالموں سے کہ چکھو (اب) دائمی عذاب (کا مزہ) کیا تمہیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو تم کمایا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ کفار و مشرکین کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ وہ عذاب کے لئے بڑے بے چین ہیں، نزول عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں اور تعیین سے قبل وقت عذاب کے متعلق سوال کر رہے ہیں حالانکہ اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ فرمایا: يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ (الشوریٰ:18) " جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے"۔ عذاب ضرور آئے گا، اگرچہ انہیں اس کا وقت معین معلوم نہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ ﷺ کو جواب تلقین فرما رہا ہے: قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا...... یعنی میں تو وہی بات کہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سکھائی ہے اور اس کے آگاہ کئے بغیر میں از خود کسی بھی ایسی چیز پر قادر نہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص کی ہے، میں اس کا بندہ اور رسول ہوں، میں نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی لیکن اس کے وقت معین سے مجھے آگاہ نہیں کیا گیا۔ اور ہر امت کے لئے ایک مقررہ مدت ہے، جب وہ مدت گزر جاتی ہے تو ایک گھڑی کی بھی تقدیم و تاخیر ممکن نہیں ہوتی جیسا کہ فرمایا: " وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا (المنافقون:11) " اور اللہ تعالیٰ مہلت نہیں دیا کرتا کسی شخص کو جب اس کی موت کا وقت آجائے"۔ پھر اللہ تعالیٰ خبردار کر رہا ہے کہ اس کا عذاب انہیں اچانک دبوچ لے گا، فرمایا: قُلْ اَرَءَيْتُمْ...... تَسْتَعْجِلُوْنَ اے محبوب! آپ انہیں فرما دیں کہ تم غور کرو، اگر تم پر عذاب الٰہی راتوں رات یا دن دہاڑے آجائے تو کیا کرو گے، عذاب میں کونسی ایسی چیز ہے جسے مجرم جلد طلب کر رہے ہیں۔ کیا جب یہ عذاب واقع ہوگا تو اس وقت ایمان لاؤ گے؟ اس وقت ایمان لانے کا کیا فائدہ؟ اس وقت کہا جائے گا، لو اب وہ عذاب آگیا جس کے لئے تم جلدی مچایا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، اس بارے میں قرآن کریم کہتا ہے: فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ (المؤمن:85-84) " پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب۔ یہی دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو (قدیم سے) اس کے بندوں میں جاری ہے۔ اور سراسر خسارہ میں رہے اس وقت حق کا انکار کرنے والے"۔

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا...... بروز قیامت انہیں بطور سرزنش یہ کہا جائے گا جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرمایا: يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿۱۳﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الطور:16-13) " اس روز انہیں دھکے دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ کیا یہ (آگ) جادو (کا کرشمہ) ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آرہی۔ اس میں (تشریف لے) چلو، اب چاہے صبر کرو یا نہ کرو۔ دونوں برابر ہیں تمہارے لئے تمہیں اسی کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے"۔

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ڤ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ

نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾

''اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے کیا یہ واقعی سچ ہے؟ آپ فرمائیے ہاں! بخدا یہ سچ ہے۔ اور تم (اللہ تعالیٰ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اور اگر ہر ظالم شخص کے لئے روئے زمین کی دولت ہو تو بھی وہ ساری دولت بطور فدیہ دے دے اور وہ ظالم دل ہی دل میں پچھتانے لگے جب دیکھا انہوں نے عذاب کو اور فیصلہ کر دیا گیا ان کے درمیان انصاف سے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

یہ کفار آپ ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ مرکر مٹی ہو جانے کے بعد کیا قبروں سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جانا اور قیامت کا وقوع پذیر ہونا برحق ہے، آپ انہیں کہہ دیں ہاں، قسم بخدا، یہ برحق ہے اور تمہارا مرکر مٹی بن جانا تمہیں دوبارہ زندہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتا جس طرح کہ اس نے پہلے تمہیں عدم سے وجود بخشا۔ بلکہ اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف لفظ ''کُنْ'' (ہو جا) فرماتا ہے تو وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ قرآن کریم میں اس آیت جیسی اور صرف دو آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو منکرین قیامت پر اپنے نام کی قسم کھانے کا حکم دے رہا ہے: وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ (سبا:3) ''اور کفار کہتے ہیں ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ فرمائیے ضرور آئے گی مجھے اپنے رب کی قسم''، زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (التغابن: 7) ''گمان کرتے ہیں کفار کہ انہیں ہرگز دوبارہ زندہ نہ کیا جائے گا۔ فرمائیے کیوں نہیں، میرے رب کی قسم تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا پھر تمہیں آگاہ کیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے''۔ جب قیامت قائم ہوگی تو کافر خواہش کریں گے کہ کاش زمین بھر سونا دے کر عذاب سے رہائی پا لیں، لیکن بے سود، جب یہ عذاب الٰہی کو دیکھیں گے تو دل ہی دل میں ندامت محسوس کریں گے، ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

''سن لو! بیشک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں سن لو! یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے''۔

اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا مالک ہے، اس کا وعدہ حق ہے جو ہر صورت میں پورا ہوگا، وہ مردوں کو زندہ کر کے اپنی طرف لوٹائے گا، وہ پوری طرح اس پر قادر ہے اور سمندروں، میدانوں اور اطراف عالم میں بکھرے ہوئے اجسام سے بخوبی آگاہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

''اے لوگو! آگئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کی طرف سے اور (آگئی ہے) شفا ان روگوں کے لئے جو

سینوں میں ہیں اور (آ گئی ہیں) ہدایت اور رحمت اہل ایمان کے لئے (اے حبیب!) آپ فرمائیے یہ کتاب محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے نازل ہوئی ہے پس چاہئے کہ اسی پر خوشی منائیں۔ یہ بہتر ہے ان تمام چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ مخلوق پر اپنے احسان عظیم کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے رسول کریم ﷺ پر قرآن عظیم نازل کیا، فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ مَّوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ...... یعنی اے لوگو! تمہارے پاس پروردگار عالم کی طرف سے نصیحت آ گئی جو فحش چیزوں سے روکنے والی ہے، سینوں کے روگوں اور شکوک وشبہات کے لئے شفاء ہے، پلیدی اور گندگی کو زائل کرنے کی اس میں قوت ہے اور یہ اہل ایمان کے لئے سراپا ہدایت اور رحمت ہے، جیسا کہ فرمایا: وَنُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ وَلَا يَزِيۡدُ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل: 82) ''اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفاء ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے۔ اور قرآن نہیں بڑھاتا ظالموں کے لئے مگر خسارہ کو''، قُلۡ هُوَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًى وَّشِفَآءٌ (حم السجدۃ: 44) ''آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفا ہے''۔

قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ...... یعنی ہدایت اور دین حق کی جو نعمت اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمائی ہے لوگوں کو اس پر خوشی منانی چاہئے اور یہی نعمت زیادہ خوشی منائی جانے کی مستحق ہے، اور یہ فانی دنیا کی زیب وزینت اور مال ومتاع سے بہتر ہے۔ ابن ابی حاتم اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ جب عراق کا خراج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ رضی اللہ عنہ اپنے خادم کے ساتھ اسے ملاحظہ کرنے کے لئے نکلے۔ آپ اونٹوں کو شمار کرنے لگے لیکن یہ تو شمار میں آنے والے نہیں تھے، آپ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے کہنے لگے الحمد للہ۔ آپ کا غلام کہنے لگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ بات ایسی نہیں ہے، یہ وہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ...... بلکہ اس کا تعلق مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ کے ساتھ ہے(1)۔

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ فَجَعَلۡتُمۡ مِّنۡهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلۡ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمۡ اَمۡ عَلَى اللّٰهِ تَفۡتَرُوۡنَ ۝٥٩ وَمَا ظَنُّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ۝٦٠

''آپ فرمائیے بھلا بتاؤ تو جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اتارا پس بنا لیا ہے تم نے اس سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال۔ پوچھئے کیا اللہ تعالیٰ نے (ایسا کرنے کی) تمہیں اجازت دی ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو۔ اور کیا گمان ہے ان لوگوں کا جو افتراء کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹا کہ قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ فضل وکرم فرماتا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے''۔

حضرات ابن عباس، مجاہد، ضحاک، قتادہ، عبدالرحمن بن زید بن اسلم وغیرہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں ان مشرکین پر اظہار ناپسندیدگی کیا جا رہا ہے جو بعض جانوروں کو حلال اور بعض کو بحائر، سوائب اور وصائل نام دے کر حرام قرار دے دیتے تھے جیسا کہ فرمایا: وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 368

مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا (الانعام:136) ''اور انہوں نے بنا رکھا ہے اللہ کے لئے اس سے جو پیدا فرماتا ہے فصلوں اور مویشیوں سے مقررہ حصہ''۔ ابوالاحوص عوف بن مالک بن نضلہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ میں خستہ حالت میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہارے پاس مال ہے؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون سا مال؟'' میں نے عرض کی: ہر قسم کا مال میرے پاس ہے، نوکر چاکر، غلام، اونٹ، گھوڑے اور بھیڑ بکریاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ تجھے مال عطا فرمائے تو اس کے آثار تم پر ظاہر ہونے چاہئیں اور فرمایا: تمہارے اونٹ تندرست بچے جنم دیتے ہیں لیکن تم استرا لے کر ان کے کان کاٹ دیتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ بحائر ہیں اور ان کی چھال چیر کر صرم نام دے دیتے ہو اور اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال پر انہیں حرام کر لیتے ہو'' میں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمایا ہے وہ تمہارے لئے حلال ہے، (یادرکھو) اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے قوی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چھری تمہاری چھری سے تیز دھار ہے''(1)۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے جو بغیر کسی دلیل کے محض اپنی آراء اور خواہشات نفسانی کے باعث اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دے لیتے ہیں، ان لوگوں کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی قیامت کے دن جب وہ ہماری طرف لوٹ کر آئیں گے تو انہیں کس قسم کے سلوک کا گمان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ابن جریر کہتے ہیں کہ دنیا میں ان لوگوں کو جلد سزا نہ دینا اللہ کا فضل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ذو فضل (صاحب فضل) کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے دنیا میں منفعت بخش چیزیں انسان کے لئے مباح کر دیں اور صرف وہی چیز حرام قرار دی جو دینی یا دنیوی اعتبار سے انسان کے لئے ضرر رساں ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں بجالاتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں اور خود کو تنگی اور حرج میں ڈالتے ہوئے بعض کو حلال اور بعض کو حرام کر لیتے ہیں۔ اس چیز کا ارتکاب مشرکین نے اپنے خودساختہ قوانین میں اور اہل کتاب نے دین میں بدعتوں کو رواج دے کر کیا۔ ابن ابی حاتم اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ بن صباح اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کے دن خدا پرستوں کو لایا جائے گا تو تین اقسام کے لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوں گے۔ پہلی قسم کے ایک آدمی کو لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: ''اے میرے بندے! تو کس غرض کے لئے عمل کرتا رہا؟'' وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! تو نے جنت پیدا کی، اس میں اہل طاعت کے لئے درخت، پھل، نہریں، حوریں اور رنگارنگ نعمتیں تیار کیں، میں اس جنت کی خاطر راتوں کو جاگ کر تیری عبادت کرتا رہا اور دن کو پیاسا رہ کر روزے رکھتا رہا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے میرے بندے! تو نے حصول جنت کے لئے عمل کیا، یہ ہے جنت، اس میں داخل ہو جاؤ۔ یہ میرا تم پر فضل ہے کہ میں نے تمہیں دوزخ سے آزاد کیا اور یہ بھی میرا فضل ہے کہ میں تمہیں جنت میں داخل کروں گا۔ چنانچہ وہ اور اس کے ساتھی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر دوسری قسم میں سے ایک آدمی لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بھی پوچھے گا کہ اے میرے بندے! تو نے کس مقصد کے لئے عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! تو نے دوزخ اور اس میں زنجیریں، بھڑکتی ہوئی آگ، جھلسا دینے والی ہوا، گرم کھولتا ہوا پانی اور گنہگاروں کے لئے کئی قسم کے عذاب پیدا کئے ہیں، میں جہنم کے خوف سے راتوں کو بیدار رہا اور دنوں کو پیاسا رہا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے میرے

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 473، جلد 4، صفحہ 136-137، جلد 3 صفحہ 473-474

بندے! تو نے آگ سے ڈر کر عمل کیا، میں نے تمہیں آگ سے رہائی دی اور یہ میرا فضل ہے کہ میں تمہیں جنت میں داخل کروں گا۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت جنت میں داخل ہو جائے گا۔ پھر تیسری قسم میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا، اس سے بھی اللہ تعالیٰ پوچھے گا: اے میرے بندے! تو کس مقصد کے لئے عمل کرتا رہا؟ وہ جواب دے گا: اے پروردگار! صرف تیری محبت اور تیرے شوق کی خاطر۔ تیری عزت کی قسم! میں تیری محبت اور شوق میں راتوں کو بیدار رہ کر عبادت کرتا رہا اور دن کو روزہ رکھتے ہوئے پیاسا رہا، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے! تو نے میری محبت اور شوق میں عبادت کی، اللہ تعالیٰ اس شخص کے سامنے جلوہ فرما ہوگا اور فرمائے گا کہ یہ ہوں میں، میرا دیدار کرو، پھر فرمائے گا کہ یہ میرا فضل ہے کہ میں تمہیں آگ سے بچا کر جنت میں داخل کروں گا، اپنے ملائکہ کو تمہاری زیارت کراؤں گا اور بذات خود تم پر سلامتی نازل کرتا رہوں گا۔ چنانچہ وہ شخص اپنے ساتھیوں کے ساتھ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾

’’اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ آپ تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کچھ قرآن اور (اے لوگو!) نہ تم کچھ عمل کرتے ہو مگر (ہر حال میں) ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم شروع ہوتے ہو کسی کام میں۔ اور نہیں چھپا ہوتا آپ کے رب سے ذرہ برابر بھی زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں کوئی چھوٹی چیز اس ذرہ سے اور نہ بڑی مگر وہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ہے‘‘۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو خبر دے رہا ہے کہ وہ ہر گھڑی اور ہر لحظہ، آپ کے، آپ کی امت کے اور تمام مخلوقات کے احوال کو جانتا ہے۔ زمین و آسمان میں ذرہ برابر بھی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اور اس سے بھی ہر چھوٹی بڑی چیز لوح محفوظ میں موجود ہے جیسا کہ فرمایا: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (الانعام:59) ’’اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی نہیں جانتا نہیں سوائے اس کے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور سمندر میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ لکھی ہوئی ہے روشن کتاب میں‘‘۔ وہ درخت، جمادات اور حیوانات کی حرکات سے بھی بخوبی آگاہ ہے: فرمایا: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود:6) ’’اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق‘‘، وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (الانعام:38) ’’اور نہیں کوئی (جانور) چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے دو پروں سے مگر وہ امتیں ہیں تمہاری مانند)۔ جب ان اشیاء کی حرکات کے متعلق اسے پورا پورا علم ہے تو مکلف اور مامور بالعبادۃ انسان کی حرکات کے متعلق اس کے علم کی کیفیت کیا ہوگی جیسا کہ فرمایا: وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ (الشعراء:217-219) ’’اور بھروسہ کیجئے سب سے غالب ہمیشہ رحم کرنے والے پر جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور (دیکھتا رہتا ہے جب) آپ چکر لگاتے ہیں سجدہ کرنے والوں (کے گھروں) کا‘‘۔ اس لئے یہاں فرمایا: وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ ......۔

جب جبرئیل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ سے احسان کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا

کہ تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو (کم از کم یہ کیفیت ہونی چاہئے کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے"(1)۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾

"سنو! بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (عمر بھر) پرہیزگاری کرتے رہے۔ انہیں کے لئے بشارت ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں۔ نہیں بدلتیں اللہ تعالیٰ کی باتیں یہی بڑی کامیابی ہے"۔

آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ کو اپنا شعار بنائے رکھا، قیامت کی ہولناکیوں کا انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ دنیا میں چھوڑی ہوئی چیزوں کے متعلق انہیں کوئی حزن وملال دامن گیر ہوگا۔ حضرات عبداللہ بن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور دیگر علمائے سلف فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جب انہیں دیکھا جائے تو خدا یاد آ جائے۔ اس طرح کی ایک حدیث بھی ہے جس کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں کہ ایک آدمی نے پوچھا: یا رسول اللہ! اولیاء اللہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ جب انہیں دیکھا جائے تو خدا یاد آ جائے"(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بعض بندگان خدا ایسے ہیں جن پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے" پوچھا گیا: یا رسول اللہ! یہ کون ہیں تاکہ ہم ان سے محبت کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ ایسے لوگ ہیں جو بغیر کسی مالی منفعت اور نسبی تعلق کے محض رضائے الٰہی کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، ان کے چہرے سراپا نور ہوں گے اور انہیں نور کے منبروں پر بٹھایا جائے گا۔ جب لوگ خوفزدہ ہوں گے تو انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور جب لوگ حزن وغم کا شکار ہوں گے تو انہیں کوئی حزن نہیں ہوگا"، پھر آپ ﷺ نے اس آیت اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ...... کی تلاوت کی(3)۔ اسے ابوداؤد نے بھی سند جید کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن ابوزرعہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان سند منقطع ہے(4)۔ حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مختلف قبائل اور ہر طرف سے ایسے لوگ جمع ہوں گے جن میں کوئی نسبی تعلق نہ ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت وخلوص کا رشتہ مستحکم کئے رکھے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے لئے نور کے منبر رکھوائے گا جن پر وہ بیٹھیں گے، لوگ خوفزدہ ہوں گے لیکن انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور یہی اولیاء اللہ ہیں جنہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے"(4)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ کے متعلق فرمایا: "رؤیا صالحہ (سچے خواب) ہیں جنہیں ایک مسلمان دیکھتا ہے یا اس کی خاطر کسی کو دکھائے جاتے ہیں"(5)۔ ایک آدمی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے اس آیت لَهُمُ الْبُشْرٰى...... کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے ایسا سوال کیا ہے جسے تم سے پہلے صرف ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: "یہ سچے خواب ہیں جنہیں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 19، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 37
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 241
3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 132
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 288، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 343
5۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 445

مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے لئے کسی کو دکھائے جاتے ہیں، یہ دنیاوی زندگی میں اس کے لئے بشارت ہے اور آخرت میں اس کے لئے بشارت جنت ہے"(1)۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: یا رسول اللہ! اس آیت لَهُمُ الْبُشْرٰى ...... کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے ایسی چیز کے متعلق سوال کیا ہے جس کے متعلق میری امت میں سے تم سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں کیا، یہ سچے خواب ہیں جنہیں ایک شخص دیکھتا ہے یا اس کی خاطر (کسی کو) دکھائے جاتے ہیں"(2)۔ ایک آدمی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں آپ سے کتاب اللہ کی ایک آیت لَهُمُ الْبُشْرٰى ...... کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سے پہلے کسی نے مجھ سے اس آیت کے متعلق سوال نہیں کیا، میں نے اس کے متعلق نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے یہی فرمایا تھا: "اس کے متعلق تم سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں پوچھا۔ یہ سچے خواب ہیں جنہیں بندۂ مومن نیند میں دیکھتا ہے یا اس کے لئے کسی کو دکھائے جاتے ہیں"(3)۔ حضرت عبادہ بن صامت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ آخرت کی بشارت جنت ہے، دنیا کی بشارت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "رؤیا صالحہ جنہیں ایک بندہ دیکھتا ہے یا کسی کو اس کی خاطر دکھائے جاتے ہیں۔ یہ نبوت کے چوالیس یا ستر اجزاء میں سے ایک جزء ہیں"(1)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ایک آدمی کوئی عمل کرتا ہے جس کی لوگ ستائش اور تعریف کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ دنیا میں ہی مومن کے لئے بشارت ہے"(4)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے متعلق فرمایا: "یہ سچے خواب ہیں جو مومن کے لئے بشارت ہیں، یہ انچاس اجزائے نبوت میں سے ایک جزء ہیں۔ جو شخص ان (سچے خوابوں) کو دیکھے تو اسے دوسروں کو بتانا چاہئے اور جو برا خواب دیکھے تو یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے (جس کے ذریعے) وہ آدمی کو پریشان کرتا ہے۔ چاہئے کہ آدمی اپنی بائیں طرف تین مرتبہ تھوک دے، اکبر اللہ کہے اور یہ خواب کسی کو نہ بتائے"(5)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ایک اور حدیث میں سچے خوابوں کو چھیالیس اجزائے نبوت میں سے ایک جزء قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس آیت لَهُمُ الْبُشْرٰى ...... کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "دنیا میں سچے خواب ہیں جنہیں بندہ دیکھتا ہے اور کسی کو اس کے لئے دکھائے جاتے ہیں اور آخرت میں بشارت جنت ہے۔" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رؤیا حسنہ (اچھے خواب) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہیں اور یہ مبشرات میں سے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ" (نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور مبشرات باقی رہ گئے)(6)۔ حضرت ابن مسعود، ابن عباس، ابوہریرہ، مجاہد، عروہ بن زبیر، یحییٰ بن ابی کثیر، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح وغیرہ نے یہی تفسیر بیان کی ہے کہ دنیا میں بشارت سے مراد سچے خواب ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد بندۂ مومن کو مرتے وقت جنت اور مغفرت کی بشارت ہے جو فرشتے اسے دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ

1۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 134
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 315
3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 134-135
4۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2034، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 156
5۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 219-220
6۔ دیکھئے مندرجہ بالا تمام آثار تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 134-137

رَّحِيۡمٍ (حم السجدہ:32-30) ''بیشک وہ (سعادت مند) جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ شے ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو گے۔ یہ میزبانی ہے بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے''۔ حدیث براء رضی اللہ عنہ میں ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو سفید لباس میں ملبوس نورانی چہروں والے فرشتے اس کے پاس آکر کہتے ہیں: اے پاکیزہ روح! راحت و ریحان اور ایسے رب کی طرف چلو جو (تجھ پر) ناراض نہیں ہے تو وہ روح اس کے منہ سے اس طرح (آسانی کے ساتھ) نکل جاتی ہے جس طرح مشک کے منہ سے پانی کا قطرہ ٹپک پڑتا ہے (1)۔ آخرت میں ان کے لئے بشارت یہ ہے جیسا کہ فرمایا: لَا يَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡاَكۡبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوۡمُكُمُ الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ (الانبیاء:103) ''نہ غمناک کرے گی انہیں وہ بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (انہیں بتائیں گے) یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا''، ایک اور مقام پر فرمایا: يَوۡمَ تَرَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ يَسۡعٰى نُوۡرُهُمۡ بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَ بِاَيۡمَانِهِمۡ بُشۡرٰٮكُمُ الۡيَوۡمَ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۝ (الحدید:12) ''جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ ضوفشانی کر رہا ہوگا ان کا نور ان کے آگے بھی اور ان کی دائیں جانب بھی۔ (مومنو!) تمہیں مژدہ ہو آج ان باغوں کا بہہ رہی ہیں جن کے نیچے نہریں تم ہمیشہ وہاں رہو گے۔ یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے''۔

لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ...... اس وعدہ کی نہ تو خلاف ورزی ہوسکتی ہے اور نہ اس میں تغیر و تبدل ممکن ہے بلکہ یہ ہر صورت میں پورا ہو کر رہے گا اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

وَلَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ ۘ اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ؕ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝۶۵ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ۝۶۶ هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيۡلَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ۝۶۷

''اور نہ غمزدہ کریں آپ کو ان کی باتیں، یقیناً ساری عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، وہ سب کچھ سننے والا ہر چیز جاننے والا ہے۔ خبردار بے شک اللہ کے ملک میں ہے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے اور کس کی پیروی کر رہے ہیں جو لوگ پکار رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا (دوسرے) شریکوں کو؟ نہیں پیروی کر رہے مگر وہم و گمان کی اور نہیں وہ مگر اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔ وہی ہے جس نے بنائی تمہارے لئے رات تاکہ تم آرام کرو اس میں اور روشن دن بنایا، بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو (غور سے) سنتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ان مشرکین کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں۔ ان کے مقابلہ میں آپ اللہ تعالیٰ سے مدد

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 213، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 287 وغیرہ

طلب کریں اور اسی پر بھروسہ کریں کیونکہ عزت وغلبہ تمام کا تمام اللہ تعالیٰ کے لئے، اس کے رسول ﷺ کے لئے اور اہل ایمان کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال کو ہمیشہ سننے والا اور ان کے احوال کو خوب جاننے والا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بات سے باخبر کر رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ملک اسی کے لئے ہے اور یہ مشرکین ایسے بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو نفع ونقصان اور کسی چیز کے مالک نہیں اور ان مشرکین کے پاس ان کی پرستش کی کوئی دلیل نہیں بلکہ وہ محض وہم وگمان، اٹکل پچو اور جھوٹ وافتراء کی بنیاد پر ایسا کر رہے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بات سے آگاہ فرما رہا ہے کہ اس نے بندوں کے لئے رات بنائی تاکہ وہ تھکاوٹ، درماندگی اور جدوجہد سے راحت وسکون حاصل کریں اور حصول معاش، سفر اور دیگر اغراض ومقاصد کے حصول کی خاطر روشن دن بنایا۔ اس میں ایسے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ان دلائل وبراہین کو سنتے ہیں، ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور عظمت خالق پر ان کے ذریعے استدلال کرتے ہیں۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

''انہوں نے کہا بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا۔ وہ پاک ہے۔ وہ تو بے نیاز ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں تمہارے پاس کوئی دلیل اس (بیہودہ بات) کی کیا بہتان باندھتے ہو اللہ تعالیٰ پر جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔ آپ فرمایئے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (چند روزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے''۔

ان لوگوں کی مذمت کی جا رہی ہے جو اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ وہ پاک ہے، ہر چیز سے بے نیاز ہے اور ہر چیز اس کی محتاج ہے، زمین وآسمان کی ہر چیز اس کی ملکیت ہے تو بھلا مخلوق میں سے کوئی کیسے اس کا بیٹا ہو سکتا ہے جبکہ ہر چیز اس کی مملوک اور غلام ہے۔ اس جھوٹے دعویٰ اور بہتان کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ شدید دھمکی، سخت وعید اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا (مریم: 95-89) ''اور کفار کہتے ہیں بنا لیا ہے رحمٰن نے (فلاں کو اپنا) بیٹا۔ (اے کافرو!) یقیناً تم نے ایسی بات کی ہے جو سخت معیوب ہے۔ قریب ہے آسمان شق ہو جائیں اس (خرافات) سے اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ گر پڑیں لرزتے ہوئے۔ کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ رحمٰن کا ایک بیٹا ہے۔ اور نہیں جائز رحمٰن کے لئے کہ وہ بنائے کسی کو (اپنا) فرزند۔ کوئی ایسی چیز نہیں، جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر وہ حاضر ہوگی رحمٰن کی بارگاہ میں بندہ بن کر۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کا شمار کر رکھا ہے اور انہیں گن لیا ہے اچھی طرح۔ اور وہ سب پیش ہوں گے اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا''۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان جھوٹ بولنے والوں اور اللہ تعالیٰ پر یہ افتراء باندھنے والوں کو کہ اس کی اولاد ہے، دھمکی دی ہے کہ وہ نہ دنیا میں فلاح پائیں گے اور نہ

آخرت میں۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دیتا ہے اور کچھ مدت تک انہیں لطف اندوز ہونے دیتا ہے پھر انہیں عذاب شدید کی طرف دھکیل دیتا ہے جیسا کہ یہاں فرمایا: مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

''اور آپ پڑھ سنایئے انہیں نوح (علیہ السلام) کی خبر، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اگر گراں ہے تم پر میرا قیام اور میرا پند و نصیحت کرنا اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے پس (سن لو) میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کر لیا سو تم بھی کوئی متفقہ فیصلہ کر لو اپنے شریکوں سے مل کر پھر نہ ہو تمہارا یہ فیصلہ تم پر مخفی پھر کر گزرو میرے ساتھ (جو جی میں آئے) اور مجھے مہلت نہ دو۔ بایں ہمہ اگر تم منہ موڑے رہو تو نہیں طلب کیا میں نے تم سے کچھ اجر، نہیں میرا اجر مگر اللہ کے ذمہ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں مسلمانوں سے۔ تو آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا پس ہم نے نجات دی انہیں اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے بنا دیا انہیں ان کا جانشین اور ہم نے غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ ذرا دیکھو کیسا انجام ہوا ان کا جنہیں ڈرایا گیا تھا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرما رہا ہے کہ آپ ان جھٹلانے والے اور مخالفت کرنے والے کفار مکہ کو نوح (علیہ السلام) کی خبر سنائیں جنہیں ان کی قوم نے جھٹلایا پھر کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اور تمام کو غرق آب کر کے تباہ و برباد کر دیا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کفار مکہ کو بھی ایسی ہی تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑ جائے۔

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ...... حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر تمہارے درمیان میرا قیام اور دلائل و براہین الٰہیہ کے ساتھ وعظ و نصیحت کرنا تم پر گراں گزرتا ہے تو مجھے کوئی خدشہ نہیں، میں نے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر رکھا ہے، اس لئے اب مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ تمہارا ردعمل کیا ہوتا ہے اور نہ میں دعوت و تبلیغ سے باز آؤں گا۔ تم اپنے شرکاء کی معاونت سے ایک متفقہ فیصلہ کر لو اور میرے خلاف لائحہ عمل ترتیب دو۔ خوب واضح فیصلہ کر لو جس میں کسی قسم کا کوئی خفاء یا التباس نہ رہے پھر اگر تم اپنے آپ کو حق پر گمان کرتے ہو تو جو چاہو میرے ساتھ کر گزرو اور مجھے ایک گھڑی کی بھی مہلت نہ دو، مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں اور نہ میں تم سے ڈرتا ہوں کیونکہ تمہاری کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ (ہود: 55-54) ''میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان بتوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو اس کے سوا، پس سازش کر لو میرے خلاف سب مل کر پھر مجھے مہلت نہ دو۔ بلاشبہ میں نے بھروسہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے''۔

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ...... یعنی اگر تم جھٹلا رہے ہو اور اطاعت سے اعراض برت رہے ہو تو بڑی عجیب بات ہے، میں نے وعظ و تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت تو طلب نہیں کی۔ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور میں اسلام پر کار بند ہوں۔ اول سے لے کر آخر تک اسلام ہی تمام انبیاء کا دین ہے اگرچہ ان کی شریعتیں مختلف تھیں جیسا کہ فرمایا: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدة:48) ''ہر ایک کے لئے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ''، حضرت نوح علیہ السلام کہہ رہے ہیں: وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا: اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرة:131) ''اور یاد کرو جب فرمایا اس کو اس کے رب نے (اے ابراہیم!) گردن جھکا دو۔ عرض کی میں نے اپنی گردن جھکا دی سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے۔ اور وصیت کی اسی دین کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے اے میرے بچو! بے شک اللہ نے پسند فرمایا ہے تمہارے لئے یہی دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو''، حضرت یوسف علیہ السلام کہہ رہے ہیں: رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف:101) ''اے میرے رب! عطا فرمایا تو نے مجھے یہ ملک نیز تو نے سکھایا مجھے باتوں کے انجام کا علم۔ اے بنانے والے آسمانوں اور زمین کے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں۔ مجھے وفات دے در آں حالیکہ میں مسلمان ہوں اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ (یونس:84) ''اے میری قوم! اگر تم ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم سچے مسلمان ہو''، جادوگروں نے کہا: رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (الاعراف:126) ''اے ہمارے رب! انڈیل دے ہم پر صبر اور وفات دے ہمیں اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں)، بلقیس نے کہا: رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (النمل:44) ''اے میرے رب! میں (آج تک) ظلم ڈھاتی رہی اپنی جان پر اور (اب) ایمان لائی ہوں سلیمان کے ساتھ اللہ پر جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے''۔ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا (المائدة:44) ''بے شک اتاری ہم نے تورات اس میں ہدایت اور نور ہے حکم دیتے رہے اس کے مطابق انبیاء جو (ہمارے) فرمانبردار تھے''، وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ (المائدة:111) ''اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ ایمان لاؤ میرے ساتھ اور میرے رسول کے ساتھ انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے مولا!) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں''۔ حضور خاتم النبیین سید البشر ﷺ کہتے ہیں: اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (الانعام:164-163) ''بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ کے لئے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا نہیں کوئی شریک اس کا اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں''، حدیث شریف میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''ہم گروہ انبیاء علاتی بھائی (ایک باپ کی مختلف ماؤں سے اولاد) ہیں اور ہمارا دین ایک ہے''(1)۔ یعنی اگرچہ شریعتیں متنوع ہیں لیکن دین سب کا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنا۔

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ...... انہوں نے (حضرت) نوح (علیہ السلام) کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ان کے پیروکاروں سمیت کشتی میں سوار

1۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 477-478، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1837

کر کے نجات دی اور انہیں ان کا زمین پر جانشین بنا دیا اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے، دیکھو ڈرائے جانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ کیسے ہم نے اہل ایمان کو بچا لیا اور جھٹلانے والوں کو ہلاک کر دیا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

"پھر ہم نے بھیجے نوح (علیہ السلام) کے بعد اور رسول ان کی قوموں کی طرف پس وہ لائے ان کے پاس روشن دلیلیں تو وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے اس پر جسے وہ جھٹلا چکے تھے پہلے، یونہی ہم مہر لگا دیتے ہیں سرکشوں کے دلوں پر"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے نوح (علیہ السلام) کے بعد اور رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے، وہ ان کے پاس اپنی نبوت و رسالت کی صداقت کے لئے دلائل و براہین اور معجزات لائے لیکن یہ نہیں تھے کہ ان رسولوں کے پیغام پر ایمان لاتے جسے وہ پہلے جھٹلا چکے تھے جیسا کہ فرمایا: وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام:110) "اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ"۔

كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی اور وہ پہلی تکذیب کے سبب ایمان نہ لائے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے بعد ان جیسے لوگوں کے دلوں پر بھی مہر لگا دیتا ہے اور وہ بھی ایمان نہیں لاتے یہاں تک کہ عذاب الیم کو دیکھ لیں۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان امتوں کو ہلاک کر دیا جو رسولوں کو جھٹلاتی تھیں اور ایمان لانے والے کو نجات عطا فرمائی، یہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہوا کیونکہ آپ سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لوگ اسلام پر کاربند چلے آرہے تھے۔ پھر لوگ بت پرستی کا شکار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، اس لئے قیامت کے دن اہل ایمان آپ سے کہیں گے کہ آپ اہل زمین کی طرف مبعوث ہونے والے پہلے رسول ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں گزریں اس دوران تمام لوگ اسلام پر قائم رہے۔ فرمایا: وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ (بنی اسرائیل:17) "اور کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا ہے نوح کے بعد"۔ اس میں ان مشرکین عرب کے لئے انذار عظیم ہے جنہوں نے حضور سید الرسل، خاتم النبیین ﷺ کو جھٹلایا۔ جب پہلے انبیاء و رسل کو جھٹلانے والوں کو عبرتناک عذاب سے دوچار ہونا پڑا تو ان کے بارے میں کیا گمان ہے جنہوں نے آپ ﷺ کو جھٹلا کر ان سے بھی بڑے جرم کا ارتکاب کیا؟

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

"پھر ہم نے بھیجا ان رسولوں کے بعد موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف اپنی نشانیوں

کے ساتھ تو فرعونیوں نے غرور و تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ پھر جب آیا ان کے پاس حق ہماری طرف سے تو انہوں نے کہہ دیا کہ یقیناً یہ کھلا جادو ہے موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا (عقل کے اندھو) کیا تم کہتے ہو (ایسی بات) حق کے متعلق جب وہ تمہارے پاس آیا (سوچو!) کیا یہ جادو ہے؟ اور نہیں کامیاب ہوتے جادوگر۔ کہنے لگے کیا تم اس لئے آئے ہو ہمارے پاس تاکہ ہٹا دو ہمیں اس (دین) سے جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو۔ اور ہو جائے صرف تم دونوں کے لئے بڑائی سرزمین (مصر) میں۔ اور ہم لوگ تو تم کو نہیں مانیں گے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان رسولوں کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف دلائل و براہین کے ساتھ مبعوث کیا لیکن انہوں نے اتباع حق سے تکبر و غرور کیا کیونکہ وہ مجرم لوگ تھے۔ جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا تو کہنے لگے کہ یہ واضح جادو ہے گویا کہ انہوں نے اپنی سرکشی اور ضد پر قسم کھا رکھی تھی حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ان کا کہنا محض جھوٹ اور بہتان ہے جیسا کہ فرمایا: وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (النمل: 14) "اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا ان کے دلوں نے (ان کا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا"۔

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ...... موسیٰ (علیہ السلام) انہیں کہنے لگے کہ تم حق کے متعلق یہ کہہ رہے ہو، کیا یہ جادو ہے؟ جادوگر تو کبھی بھی فلاح نہیں پا سکتے۔ وہ کہنے لگے کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو تاکہ تم ہمیں اس دین سے برگشتہ کر دو جس پر ہمارے آباؤ اجداد قائم تھے اور سرزمین مصر میں تمہارے لئے اور تمہارے بھائی ہارون کے لئے حکمرانی قائم نہ یہ تمام قصص سے عجیب و غریب ہے۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام سے مکمل احتیاط برتتا تھا، قدرت کی کرشمہ سازی دیکھیں کہ اسی کے گھر میں آپ پرورش پاتے رہے اور بیٹے کے طور پر اسی کے پاس پروان چڑھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا سبب پیدا کر دیا جس کی وجہ سے آپ علیہ السلام فرعون کے پاس سے نکل گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو نبوت و رسالت سے نوازا اور ہمکلامی کا شرف عطا فرمایا۔ پھر اسی فرعون کی طرف آپ کو بھیجا تاکہ آپ اسے توحید کا پیغام دے کر عبادت الٰہی کی دعوت دیں۔ فرعون بڑے جاہ و جلال اور عظمت و سطوت کا مالک تھا اور ایک عظیم سلطنت کا فرمانروا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے تو سوائے آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے کوئی آپ کا معاون نہیں تھا۔ آپ کی دعوت کے جواب میں فرعون نے سرکشی اور تکبر کا مظاہرہ کیا، حمیت اور غیرت میں آ کر اس کا نفس خبیثہ حق کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اعراض کیا اور ناحق دعویٰ کیا، بغاوت پر اتر آیا اور بنی اسرائیل میں سے اہل ایمان کی اہانت و تذلیل کرنے لگا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی حفاظت فرمائی اور کبھی بھی نہ سونے والی آنکھ کے ساتھ ان کی نگہداشت کی۔ فرعون اور آپ علیہ السلام کے درمیان مناظرہ و مجادلہ جاری ہوا اور آپ یکے بعد دیگرے اپنے معجزات دکھاتے رہے جنہوں نے عقلوں کو دنگ کر دیا اور یہ ایسے معجزات تھے جن کا ظہور تائید الٰہی کے بغیر ناممکن ہے، فرمایا: وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا (الزخرف: 48) "اور ہم نہیں دکھاتے تھے انہیں کوئی نشانی مگر وہ بڑی ہوتی پہلی سے"۔ فرعون اور اس کے درباریوں نے تکذیب، انکار، عناد اور تکبر پر عزم صمیم کر لیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے عذاب سے دوچار کر دیا جسے رد نہیں کیا جا سکتا اور ایک صبح کو انہیں غرق کر دیا، فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الانعام: 45) "تو کاٹ کر رکھ دی گئی جڑ اس قوم کی جس نے ظلم کیا تھا۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہان والوں کا"۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓی اَلْقُوْا مَآ
اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰی مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَیُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَیُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾

''اور فرعون نے حکم دیا (فوراً) لے آؤ میرے پاس ہر ماہر جادوگر پھر جب آ گئے جادوگر تو کہا انہیں موسیٰ (علیہ السلام) نے ڈالوں (میدان میں) جو تم ڈالنے والے ہو۔ پھر جب ڈال دیا انہوں نے تو موسیٰ نے فرمایا یہ جو تم لائے ہو یہ جادو ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ملیامیٹ کر دے گا اسے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں سنوارتا شریروں کے کام کو۔ اور اللہ تعالیٰ حق کو حق کر دکھاتا ہے اپنے ارشادات سے اور خواہ ناپسند ہی کریں (اسے) مجرم''۔

جادوگروں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے، اس سورت، سورۂ طٰہٰ اور سورۂ شعراء میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔ فرعون لعین نے لوگوں کو فریب دینا چاہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق مبین کا مقابلہ جادوگروں کے خرافات، ملمع سازی اور شعبدہ بازی کے ذریعے کرنا چاہا لیکن یہ سارا کھیل اس کے خلاف گیا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس طرح محفل عام میں براہین الٰہیہ غالب آ گئیں اور جادوگر اسلام لے آئے: وَ اُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ (الاعراف: 120-122) ''اور گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے (اور) کہنے لگے ہم تو ایمان لے آئے سارے جہانوں کے پروردگار پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا''۔ فرعون نے تو یہ خیال کیا تھا کہ وہ جادوگروں کے بل بوتے پر علام الغیوب رب کے رسول پر غلبہ پائے گا لیکن خائب و خاسر رہا اور دوزخ کا سزاوار ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ...... مُّلْقُوْنَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس لئے یہ کہا تھا کیونکہ فرعون نے جادوگروں کے ساتھ یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ کامیابی کی صورت میں وہ انہیں اپنا مقرب بنا لے گا اور بہت بڑا انعام عطا کرے گا، فرمایا: قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا (طٰہٰ: 66-65) ''جادوگر بولے اے موسیٰ! کیا پہلے آپ پھینکیں گے یا ہم ہی ہو جائیں پہلے پھینکنے والے؟ آپ نے فرمایا نہیں، تم ہی (پہلے) پھینکو''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ یہ تھا کہ آغاز جادوگروں کی طرف سے ہوتا کہ لوگ ان کی کارگزاری کو دیکھ لیں پھر آپ حق پیش کر کے باطل کو ملیامیٹ کر دیں۔ اس لئے جب انہوں نے رسیاں پھینکیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا، لوگ خوفزدہ ہو گئے اور بہت عظیم جادو لائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ﴿۶۸﴾ وَ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی (طٰہٰ: 69-67) ''موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ ہم نے فرمایا (اے کلیم!) مت ڈرو یقیناً تم ہی غالب رہو گے۔ اور زمین پر پھینک دو جو (عصا) تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے یہ نگل جائے گا جو انہوں نے کاریگری کی ہے۔ انہوں نے جو کاریگری کی ہے وہ تو فقط جادوگر کا فریب ہے اور نہیں فلاح پاتا جادوگر جہاں بھی وہ جائے''۔ جب جادوگروں نے رسیاں ڈال دیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ...... ابن ابی سلیم کہتے ہیں: مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ آیات اللہ تعالیٰ کے حکم سے جادو سے شفا کا باعث ہیں۔ ایک برتن میں پانی ڈال کر اس پر یہ آیات پڑھی جائیں پھر سحر زدہ آدمی کے سر پر اس پانی کو انڈیل دیا جائے۔ وہ آیات یہ ہیں: فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰی مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ......'' ۔ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ (الاعراف: 118)

''تو ثابت ہو گیا حق اور باطل ہو گیا جو (جادو) وہ کیا کرتے تھے''، اِنَّمَا صَنَعُوۡا کَیۡدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا یُفۡلِحُ السّٰحِرُ حَیۡثُ اَتٰی (طٰہٰ: 69) ''انہوں نے جو کاریگری کی ہے وہ تو فقط جادوگر کا فریب ہے اور نہیں فلاح پاتا جادوگر جہاں بھی وہ جائے''۔

فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوۡسٰۤی اِلَّا ذُرِّیَّۃٌ مِّنۡ قَوۡمِہٖ عَلٰی خَوۡفٍ مِّنۡ فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۠ئِہِمۡ اَنۡ یَّفۡتِنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ لَعَالٍ فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ اِنَّہٗ لَمِنَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۸۳﴾

''پس نہ ایمان لائے موسیٰ پر بجز ان کی قوم کی اولاد کے (وہ بھی) ڈرتے ہوئے فرعون سے اور اپنے سرداروں سے کہ کہیں وہ انہیں بہکا نہ دے۔ اور واقعی فرعون بڑا سرکش (بادشاہ) تھا ملک میں۔ اور واقعی وہ حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا''۔

اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی آیات بینات، براہین ساطعہ اور دلائل قاطعہ پر قوم فرعون میں سے صرف چند نوجوان ایمان لائے، وہ بھی فرعون اور اس کے درباریوں سے خوفزدہ تھے کہ کہیں وہ انہیں کفر والی پہلی حالت پر نہ لوٹا دیں کیونکہ فرعون ملعون بڑا جابر، سرکش اور متمرد حکمران تھا، اسے بہت زیادہ سطوت اور ہیبت حاصل تھی اور اس کی رعایا اس سے بہت ڈرتی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے علاوہ قوم فرعون میں سے جو ذریت ایمان لائی ان کی تعداد بہت کم تھی، اس میں فرعون کی بیوی (آسیہ)، مومن آل فرعون، فرعون کا خازن اور اس کی بیوی شامل تھی (1)۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ ذُرِّیَّۃٌ مِّنۡ قَوۡمِہٖ سے مراد بنی اسرائیل ہے۔ ابن عباس، ضحاک اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ قلیل جماعت تھی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ''ذُرِّیَّۃٌ'' سے مراد ان لوگوں کی اولاد ہے جن کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت پہلے بھیجا گیا تھا اور وہ لوگ کافی عرصہ پہلے مر گئے۔ ابن جریر نے مجاہد کا قول پسند کیا ہے کہ ''ذُرِّیَّۃٌ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو بنی اسرائیل سے تھے نہ کہ قوم فرعون سے، کیونکہ دو مذکور چیزوں میں سے قریب ترین کی طرف ضمیر لوٹتی ہے اور قریب ترین لفظ موسیٰ ہے۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کہ کیونکہ انہوں نے ''ذُرِّیَّۃٌ'' سے مراد بنی اسرائیل کے چند نوجوان مراد لئے ہیں حالانکہ مشہور یہ ہے کہ بنی اسرائیل تمام کے تمام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے اور انہوں نے آپ کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا تھا بلکہ وہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہی سابقہ کتب میں آپ کا ذکر، اوصاف اور آپ کی آمد کی بشارت پاتے تھے اور انہیں یہ علم تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے طفیل انہیں فرعون کی غلامی سے آزادی عطا فرمائے گا اور اس پر غلبہ سے نوازے گا، اس لئے فرعون کو جب اس حقیقت کے متعلق علم ہوا تو وہ آپ علیہ السلام سے بہت احتیاط برتنے لگا لیکن یہ احتیاط اس کے کسی کام نہ آئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو فرعون بنی اسرائیل پر بہت سختی کرنے لگا اس پر بنی اسرائیل چلا اٹھے: قَالُوۡۤا اُوۡذِیۡنَا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَاۡتِیَنَا وَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جِئۡتَنَا ؕ قَالَ عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یُّہۡلِکَ عَدُوَّکُمۡ وَ یَسۡتَخۡلِفَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرَ کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ (الاعراف: 129) ''قوم موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہم تو ستائے گئے اس سے پہلے بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس اور اس کے بعد بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس آپ نے کہا عنقریب تمہارا رب ہلاک کر دے گا تمہارے دشمن کو اور (ان کا) جانشین بنا دے گا تمہیں زمین میں پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو''۔ جب یہ بات ثابت ہے تو ''ذُرِّیَّۃٌ'' سے مراد قوم موسیٰ (بنو اسرائیل) کے سوا کیا ہو سکتا ہے جو فرعون اور اس کی اشرافیہ سے خوفزدہ تھے کہ کہیں وہ انہیں اپنے دین سے برگشتہ نہ کر دیں اور بنی اسرائیل میں قارون کے سوا کوئی ایسا شخص نہ تھا جس سے اس بات کا اندیشہ ہوتا کیونکہ قارون قوم موسیٰ میں سے ہونے کے باوجود فرعون کا طرفدار، حامی اور تعلق دار تھا۔ جس شخص نے یہ کہا ہے کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 11، صفحہ 150

''مَلَا۟ئِهِمْ'' کی ضمیر کا مرجع فرعون ہے لیکن جمع کی ضمیر اس کے پیروکاروں اور ہمنواؤں کے باعث لائی گئی ہے یا فرعون سے پہلے لفظ ''آل'' (مضاف) محذوف ہے، مضاف الیہ (فرعون) کو مضاف کے قائم مقام رکھ دیا گیا، اس شخص کا یہ قول بعید از قیاس ہے، اگرچہ ابن جریر نے بعض نحویوں سے یہ توجیہات نقل کی ہیں۔ جو چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بنی اسرائیل تمام مومن تھے، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

''اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میری قوم! اگر تم ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم سچے مسلمان ہو۔ انہوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ پر ہی ہم نے بھروسہ کیا ہے۔ اے ہمارے رب! نہ بنا ہمیں فتنہ (کا موجب) ظالم قوم کے لئے۔ اور نجات دے ہمیں اپنی رحمت سے کافروں (کے ظلم وستم) سے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا: يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ...... یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کے لئے کافی ہے جو اس پر بھروسہ کرتا ہے، فرمایا: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (الزمر: 36) ''کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندے کے لئے؟ (یقیناً کافی ہے)''، وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق: 3) ''اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کے لئے وہ کافی ہے''، اللہ تعالیٰ عموماً عبادت اور توکل کو ایک ساتھ بیان فرماتا ہے، ارشاد ہوتا ہے: فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (ہود: 123) ''اسی کی عبادت کیجئے۔ اور اسی پر بھروسہ رکھئے''، قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ (الملک: 29) ''فرمائیے وہ (میرا خالق) بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہوا ہے''، رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (المزمل: 9) ''مالک ہے شرق وغرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس بنائے رکھئے اس کو اپنا کارساز''۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو متعدد مرتبہ نمازوں میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں'' پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ بنی اسرائیل نے توکل کو اختیار کرتے ہوئے عرض کی: عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ یعنی اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا، اے ہمارے پروردگار! ظالم قوم کو ہمارے اوپر فتح عطا کر کے مسلط نہ کر دینا ورنہ وہ یہ سمجھنے لگیں گے کہ انہیں اس لئے تسلط عطا ہوا ہے کیونکہ وہ حق پر ہیں اور ہم باطل پر، اس طرح وہ اور زیادہ ظلم وستم کے پہاڑ توڑ کر آزمائش میں مبتلا کر دیں گے۔ ابو مجلز اور ابو الضحیٰ سے یہی معنی بیان کیا گیا ہے (1)۔ مجاہد اس لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں نہ تو آل فرعون کے ہاتھوں عذاب میں مبتلا کر اور نہ اپنی طرف سے عذاب دے ورنہ قوم فرعون کہے گی کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو مبتلائے عذاب نہ ہوتے اور نہ ہمیں ان پر تسلط واقتدار حاصل ہوتا (1)۔

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ یعنی ہمیں اپنی رحمت اور احسان سے اس کافر قوم سے نجات عطا فرما کیونکہ ہم تجھی پر ایمان لائے ہیں اور تجھی پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا

1۔ تفسیر طبری، جلد 11، صفحہ 152

الصَّلٰوةَ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

''اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف کہ مہیا کرو اپنی قوم کے لئے مصر میں چند گھر، اور بناؤ اپنے ان گھروں کو قبلہ رخ اور قائم کرو نماز۔ اور (اے موسیٰ)، خوشخبری دو مومنوں کو''۔

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کی قوم سے نجات دلانے کا سبب اور رہائی کی کیفیت یاد دلا رہا ہے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ وہ مصر میں اپنی قوم کے لئے چند گھر مہیا کریں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ انہیں گھروں کو مسجدیں بنا لینے کا حکم ہوا، حضرات مجاہد، ابو مالک، ربیع بن انس، ضحاک، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور زید بن اسلم کا یہی قول ہے۔ جب فرعون اور قوم فرعون کی طرف سے آزمائش شدت اختیار کر گئی اور بنی اسرائیل پر قافیہ حیات تنگ کر دیا گیا تو بنی اسرائیل کو کثرت صلوٰۃ کا حکم ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرۃ: 153) ''اے ایمان والو! مدد طلب کیا کرو صبر اور نماز (کے ذریعہ) سے''۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی سنگین معاملہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ نماز پڑھتے (1)۔ اس لئے اس آیت میں فرمایا: وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً ...... یعنی اپنے گھروں کو قبلہ بنا لو اور نماز قائم کرو اور اہل ایمان کو اجر و ثواب اور فتح و نصرت کی نوید سنا دو۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ ہم فرعونیوں کے سامنے علی الاعلان نماز نہیں پڑھ سکتے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں گھروں میں ہی نماز پڑھ لینے کی اجازت دے دی اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے گھر قبلہ رخ بنا لیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کو یہ اندیشہ ہوا کہ فرعونی انہیں عبادت گاہوں میں قتل کر دیں گے تو انہیں حکم ہوا کہ وہ کعبہ کی جہت اپنے گھروں کو مساجد بنا لیں جہاں وہ چھپ کر نمازیں پڑھتے رہیں۔ قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ سعید بن جبیر اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اپنے گھروں کو آمنے سامنے بنا لو۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

''اور عرض کی موسیٰ نے اے ہمارے پروردگار! تو نے بخشا ہے فرعون اور اس کے سرداروں کو سامان آرائش اور مال و دولت دنیوی زندگی میں اے ہمارے مولا! کیا اس لئے کہ وہ گمراہ کرتے پھریں (لوگوں کو) تیری راہ سے۔ اے ہمارے رب! برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو تاکہ وہ نہ ایمان لائیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا قبول کر لی گئی تمہاری دعا پس تم ثابت قدم رہو اور ہرگز نہ چلنا اس طریقہ پر جو جاہلوں کا (طریقہ) ہے''۔

جب فرعون اور اس کے زعماء نے قبول حق سے انکار کر دیا اور ظلم، عناد، انکار، سرکشی اور تکبر کے باعث کفر اور گمراہی پر مصر رہے تو

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 35

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر بددعا کی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: اے ہمارے پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو سامان آرائش و تجمل اور مال و دولت کی فراوانی سے کیا اس لئے نوازا کہ وہ لوگوں کو تیرے رستہ سے برگشتہ کرتے رہیں۔ ''لِيُضِلُّوا''، ''یاء'' کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی اے پروردگار! تو نے انہیں یہ نعمتیں بطور استدراج بخشیں حالانکہ تو جانتا ہے کہ وہ میری رسالت پر کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ فرمایا: لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ (طٰہٰ: 131) ''تا کہ ہم آزمائیں انہیں ان سے) اور ''یاء'' کے ضمہ کے ساتھ بھی اسے پڑھا گیا ہے یعنی تو اپنی نوازشات کے ذریعے جسے چاہتا ہے فتنہ میں ڈال دیتا ہے تا کہ ان انعامات کو دیکھ کر وہ گمراہ شخص یہ گمان کرے کہ ان عطیات سے نوازے جانے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ اے ہمارے پروردگار! ان کے اموال کو نیست و نابود کر دے۔ ضحاک، ابو العالیہ اور ربیع بن انس کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال کو منقوش حالت میں ہی پتھر بنا دیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ان کی کھیتیاں پتھروں میں تبدیل ہو گئیں۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شکر کو پتھر میں تبدیل کر دیا۔ محمد بن کعب نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے سامنے سورۂ یونس کی تلاوت کی۔ جب وہ اس آیت رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ پر پہنچے تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے پوچھا: اے ابو حمزہ! طمس کیا چیز ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان کے تمام اموال پتھر بن گئے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے ایک غلام سے کہا کہ میرے پاس تھیلی لاؤ۔ وہ آپ کے پاس تھیلی لایا، اس میں چنے اور انڈے تھے جو پتھر میں بدل چکے تھے۔

وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ...... حضرت ابن عباس اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے اور یہ ایمان نہ لانے پائیں حتیٰ کہ عذاب الیم کو دیکھ لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی خاطر غضبناک ہو کر فرعون اور اس کے سرداروں کے لئے بددعا کی تھی جن کے متعلق آپ کو یقین تھا کہ ان میں کوئی خیر نہیں اور نہ ایمان لانے کی رغبت ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے کہا تھا: رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح: 27-26) ''اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔ اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار سخت ناشکر گزار ہوگی''۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کو قبول فرمایا جس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا حضرات ابو العالیہ، ابو صالح، عکرمہ، محمد بن کعب قرظی اور ربیع بن انس کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے آل فرعون کی بربادی کے لئے کی گئی تمہاری دعا کو شرف قبولیت عطا کیا ہے۔ اس آیت سے بعض حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ امام کی قرأت فاتحہ پر مقتدی کا صرف آمین کہہ دینا قرأت کے قائم مقام ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔

قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا...... یعنی جس طرح ہم نے تم دونوں کی دعا کو قبول کیا اس طرح تم بھی میرے حکم پر ڈٹے رہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا معنی بتاتے ہیں کہ میرے احکام کا نفاذ کرو یہی استقامت ہے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ فرعون اس دعا کے بعد چالیس سال زندہ رہا۔ محمد بن کعب اور علی بن حسین کہتے ہیں کہ چالیس دن۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدْوًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا

اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ
الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ
لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾

''اور ہم پار لے گئے بنی اسرائیل کو سمندر سے پھر پیچھا کیا ان کا فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے۔ حتیٰ کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو (بصد یاس) کہنے لگا میں ایمان لایا کہ کوئی سچا خدا نہیں بجز اس کے جس پر ایمان لائے تھے بنی اسرائیل اور (میں اعلان کرتا ہوں کہ) میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ کیا اب؟ اور تو نافرمانی کرتا رہا اس سے پہلے اور تو فتنہ وفساد برپا کرنے والوں سے تھا سو آج ہم بچالیں گے تیرے جسم کو (سمندر کی تند موجوں سے) تا کہ تو ہوجائے اپنے پچھلوں کے لئے (عبرت کی) نشانی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ ہماری نشانیوں سے غفلت برتنے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی کی کیفیت بیان فرمارہا ہے۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں مصر سے نکلے۔ یہ فرعون کی ایمان لانے والی ذریت کو چھوڑ کر چھ لاکھ جنگجو افراد تھے، انہوں نے قبطیوں سے بڑی تعداد میں زیورات عاریۃً لے رکھے تھے جنہیں یہ لے کر نکل گئے، فرعون غصہ سے باؤلا ہوگیا۔ اس نے لشکر جمع کرنے کے لئے مختلف شہروں اور صوبوں میں ہرکارے دوڑا دیئے اور نہایت شان وشوکت کے ساتھ لشکر جرار لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چل نکلا۔ اللہ تعالیٰ کی منشاء بھی یہی تھی۔ مملکت مصر میں سے کوئی بھی صاحب ثروت واقتدار اور بااثر شخص فرعون کا ساتھ دینے سے پیچھے نہ رہا۔ چنانچہ علی الصبح انہوں نے بنی اسرائیل کو پا لیا، اس وقت کی کیفیت کو قرآن کریم یوں بیان کرتا ہے: فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ (الشعراء:61) ''پس جب ایک دوسرے کو دیکھ لیا دونوں گروہوں نے تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے (ہائے) ہم تو یقیناً پکڑ لئے گئے''۔ جب بنی اسرائیل ساحل سمندر تک پہنچے اور فرعون ان کا پیچھا کرتے ہوئے قریب پہنچ گیا تو سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہوجائے۔ بنی اسرائیل زور دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھنے لگے کہ اس مشکل سے خلاصی کیونکر ممکن ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو یہاں ہی چلنے اور راہ پیدا کرنے کا حکم ہوا ہے اور انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا: كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (الشعراء:62) ''ہرگز نہیں، بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا''۔ معاملہ کی سنگینی اور تنگی آسانی میں بدل گئی اور یاس وقنوطیت کے بادل چھٹ گئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا پر اپنا عصا مارنے کو کہا۔ آپ نے اپنا عصا مارا تو دریا پھٹ گیا، پانی کا ہر ٹکڑا عظیم پہاڑ کی شکل اختیار کر گیا، بارہ رستے بن گئے، ہر خاندان کے لئے ایک ایک رستہ اور اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کو حکم دیا کہ وہ دریا کی نمناک زمین کو خشک کردیں، قرآن کریم کہتا ہے: فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰى (طٰہٰ:77) ''راہ میں سمندر حائل ہو'' تو عصا کی ضرب سے ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ بنالیجئے، نہ تمہیں پیچھے سے پکڑے جانے کا ڈر ہوگا اور نہ کوئی اور اندیشہ)۔ پانی کی دیواروں میں دریچے بن گئے تا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر اطمینان حاصل کرلیں کہ وہ زندہ وسلامت ہیں اور انہیں کوئی گزند نہیں پہنچی۔ بنی اسرائیل تمام کے تمام دریا کو عبور کر گئے۔ جب آخری اسرائیلی دریا سے باہر نکلا تو دوسرے کنارے پر فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت پہنچ چکا تھا، اس لشکر میں دوسرے رنگوں کے علاوہ صرف سیاہ رنگ کے گھوڑوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ فرعون نے جب یہ ہولناک منظر دیکھا تو خوفزدہ ہوکر پسپا ہونے کا ارادہ

کرلیا، لیکن اب فرار کہاں، واپسی کے رستے مسدود ہو چکے تھے، تقدیر نافذ ہو چکی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبولیت پا چکی تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک گھوڑی پر سوار فرعون کے گھوڑے کے پاس سے گزرے۔ جب گھوڑے نے اس گھوڑی کو دیکھا تو ہنہنانے لگا۔ جبرئیل علیہ السلام نے اپنی گھوڑی کو دریا میں ڈال دیا، فرعون کا گھوڑا بھی دریا میں کود پڑا، فرعون اس پر قابو نہ پا سکا اور بادل نخواستہ دریا میں داخل ہو گیا لیکن اپنے امراء کے سامنے بہادری کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا کہ بنی اسرائیل ہم سے زیادہ دریا میں داخل ہونے کے مستحق نہیں۔ چنانچہ وہ تمام کے تمام دریا میں گھس گئے۔ میکائیل علیہ السلام ان کے لشکر کو ہانک رہے تھے تاکہ کوئی پیچھے باقی نہ رہ جائے۔ جب وہ سب کے سب دریا میں داخل ہو گئے اور اس کے نرغہ میں آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے دریا کی رکی ہوئی موجوں کو مل جانے کا حکم دے دیا۔ اب کوئی فرعونی بچ نہ سکا۔ موجیں انہیں بلند کرتیں اور پھر نیچے پھینک دیتیں۔ موجوں نے جمع ہو کر فرعون کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور سکرات موت طاری ہو جانے پر وہ پکار اٹھا: اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (یونس: 90) ''میں ایمان لایا کہ کوئی سچا خدا نہیں بجز اس کے جس پر ایمان لائے تھے بنی اسرائیل اور (میں اعلان کرتا ہوں کہ) میں مسلمانوں میں سے ہوں''۔ وہ اس وقت ایمان لایا جس وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ تھا: فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ (المومن: 85-84) ''پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب۔ یہی دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو (قدیم سے) اس کے بندوں میں جاری ہے۔ اور سراسر خسارہ میں رہے اس وقت حق کا انکار کرنے والے''۔ اس لئے فرعون کے اس اعلان ایمان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ یعنی کیا اب تو ایمان لا رہا ہے حالانکہ اس سے قبل تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا رہا اور تو ان فسادی لوگوں میں سے تھا جن کا شیوہ لوگوں کو گمراہ کرنا تھا، فرمایا: وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ (القصص: 41) ''اور ہم نے بنایا تھا انہیں ایسے پیشوا جو بلا رہے تھے (اپنی رعایا کو) آگ کی طرف۔ اور روز حشر ان کی مدد نہیں کی جائے گی''۔ یہ ہے فرعون کا قصہ اور اس کا انجام۔ اس کا تعلق ان غیبی اسرار کے ساتھ ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کیا، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب فرعون نے کہا: اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ تو جبرئیل مجھ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے دریا سے کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ٹھونس دیا اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں اسے رحمت خداوندی نہ آ لے'' (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جبرئیل نے مجھے بتایا ہے کہ اگر آپ مجھے دیکھتے جب میں نے دریا کی مٹی لے کر فرعون کے منہ میں اس خدشہ کے پیش نظر ٹھونس دی کہ کہیں رحمت خداوندی جوش میں نہ آ جائے'' (2)۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب صحیح کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تو اس نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بلند آواز سے اعلان کیا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ ...... اس وقت جبرئیل علیہ السلام کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے بارے میں غضب پر سبقت نہ لے جائے تو انہوں نے اپنے دونوں پروں کے ساتھ دریا کی مٹی لی اور فرعون کے منہ پر

4۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ یونس، جلد 11 صفحہ 271، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 309

5۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ یونس، جلد 11 صفحہ 272، مسند ابی داؤد طیالسی: 341

دے ماری۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر سلف کہتے ہیں کہ بعض بنی اسرائیل کو فرعون کی موت میں شک گزرا تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا کہ وہ فرعون کے بلا روح جسد کو اس کی معروف زرہ سمیت ایک ٹیلے پر پھینک دے تا کہ بنی اسرائیل کو اس کی موت کا یقین ہو جائے۔ چنانچہ دریا نے اس کے صحیح سالم بلا روح جسم کو ایک ٹیلے پر پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج ہم تیرے بدن کو محفوظ کرتے ہیں تا کہ تو بنی اسرائیل کے لئے اپنی موت و ہلاکت کی نشانی بن جائے اور اس بات کی دلیل ہو جائے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے اور کوئی چیز اس کے غضب کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔ فرعونیوں کو عاشورہ کے دن ہلاک کیا گیا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہود عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کونسا دن ہے جس کا تم روزہ رکھتے ہو؟'' یہود کہنے لگے کہ اس دن موسیٰ (علیہ السلام) نے فرعون پر غلبہ پایا تھا، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: ''تم ان (یہود) سے زیادہ موسیٰ کے مستحق ہو اس لئے اس دن کا روزہ رکھا کرو'' (1)۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٣﴾

''اور ہم نے عطا فرمایا بنی اسرائیل کو بہترین ٹھکانا اور ہم نے انہیں پاکیزہ رزق بخشا۔ پس انہوں نے اختلاف نہ کیا حتیٰ کہ آ گیا ان کے پاس حقیقت کا علم۔ (اے حبیب!) بیشک آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان روز قیامت جن باتوں میں وہ جھگڑا کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنے دینی اور دنیاوی انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا...... بعض نے کہا ہے کہ اس باعزت مسکن سے مراد بیت المقدس کے قریب واقع بلاد مصر و شام ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکر کو ہلاک کر دیا تو سرزمین مصر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکومت قائم ہو گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ (الاعراف: 137) ''اور ہم نے وارث بنا دیا اس قوم کو جسے ذلیل و حقیر سمجھا جاتا تھا (انہیں وارث بنایا) اس زمین کے شرق و غرب کا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی اور پورا ہو گیا آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے متعلق بوجہ اس کے کہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے برباد کر دیا جو کیا کرتا تھا فرعون اور اس کی قوم اور (برباد کر دیئے) جو بلند مکان وہ تعمیر کیا کرتے تھے''۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا: فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٥٧﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٥٨﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (الشعراء: 59-57) ''سو ہم نے نکالا انہیں (سرسبز) باغوں اور (بہتے ہوئے) چشموں اور (بھرپور) خزانوں اور شاندار محلات سے۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا''۔ اور فرمایا: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (الدخان: 25) ''وہ چھوڑ گئے بہت سے باغات اور چشمے''، لیکن وہ مسلسل بیت المقدس (وطن خلیل علیہ السلام) کا مطالبہ کرتے رہے۔ ان دنوں بیت المقدس پر قوم عمالقہ کی حکومت تھی۔ بنو اسرائیل کو جب ان کے ساتھ لڑائی کا حکم ہوا تو وہ ہمت ہار بیٹھے اور جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس حکم عدولی کی پاداش میں وہ چالیس

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ یونس، جلد 6 صفحہ 91

سال تک دشت تیہ میں بھٹکتے رہے، اس دوران حضرت ہارون اور پھر حضرت موسیٰ علیہما السلام کا وصال ہوگیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل حضرت یوشع بن نون کے ساتھ نکلے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بیت المقدس پر فتح عطا فرمادی۔ بیت المقدس کی فرمانروائی ان کے ہاتھ میں رہی یہاں تک کہ کچھ مدت کے لئے بخت نصر نے اس پر قبضہ جمالیا، پھر دوبارہ بنی اسرائیل نے اقتدار لے لیا، پھر شاہان یونان ایک طویل عرصہ تک بیت المقدس پر حکومت کرتے رہے۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ یہود جو یونانیوں کے زیر تسلط تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف شاہان یونان سے ساز باز کرنے لگے اور چغلیاں کھاتے ہوئے انہیں کہتے کہ یہ شخص رعایا کو تمہارے خلاف بھڑکا کر اقتدار پر قبضہ جمالے گا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لئے کچھ آدمی بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے انہیں آپ کے کسی حواری پر آپ کا گمان ہوگیا۔ چنانچہ انہوں نے اس حواری کو پکڑ کر سولی دے دی اور سمجھنے لگے کہ انہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو ہی سولی دی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۞ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (النساء: 158-157) ''اور نہیں قتل کیا انہوں نے اسے یقیناً بلکہ اٹھالیا ہے اسے اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا''۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے تقریباً تین سو سال بعد ایک یونانی بادشاہ قسطنطین نصرانیت کو قبول کرتے ہوئے بیت المقدس میں داخل ہوا۔ اس سے پہلے وہ فلسفی تھا، کہتے ہیں کہ وہ تقیہ اور حیلہ بنا کر دین نصاریٰ میں اس لئے داخل ہوا تھا تاکہ اس میں فساد اور خرابی پیدا کردے۔ چنانچہ عیسائی پادریوں نے اس کے حکم پر نئے قوانین وضع کئے، نئی شریعت ایجاد کی، طرح طرح کی بدعتوں کو رواج دیا، چھوٹے بڑے کنیسے، عبادت گاہیں اور ہیاکل تعمیر کئے۔ اس زمانہ میں دین نصرانیت خوب پھیلا اور اس تغیر و تبدل، وضع و تحریف اور کذب و بہتان سمیت اس کی خوب تشہیر ہوئی جبکہ دین مسیح پر صرف چند راہب کاربند رہے جنہوں نے جنگلوں، بیابانوں اور چٹیل میدانوں میں عبادت گاہیں تعمیر کرلیں۔ نصاریٰ نے شام، جزیرہ اور روم پر اپنی حکومت قائم کرلی اور اس مذکور بادشاہ نے قسطنطنیہ اور قمامہ کے شہر آباد کئے، بیت المقدس میں بیت لحم اور کنائس بنائے اور بُصریٰ جیسے عظیم شہر بسائے، بڑی بڑی پختہ اور پرشکوہ عمارتیں بنوائیں۔ اس وقت سے صلیب پرستی کا آغاز ہوا اور انہوں نے کنیسے تعمیر کئے، خنزیر کا گوشت حلال قرار دے لیا، اس طرح دین کے اصول و فروع میں نئی نئی بدعات گھڑ لی گئیں۔ امانت حقیرہ کا اصول وضع کرکے اسے امانت کبیرہ کا نام دے لیا اور کئی دیگر قوانین بادشاہ کے اشارہ پر وضع کرلئے۔ غرض یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ تک اس پر ان کی حکومت قائم رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بیت المقدس فتح ہوگیا۔ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ یعنی ہم نے انہیں ایسا حلال رزق فراہم کیا جو طبعی اور شرعی لحاظ سے نافع ہے۔

فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ یعنی مسائل میں ان کا اختلاف اس وقت رونما ہوا جب ان کے پاس علم آگیا اور یہ اختلاف ان کے لئے روا نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ ہر چیز بیان کردی تھی اور کسی چیز میں کوئی التباس یا شبہ باقی نہیں رکھا تھا۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''یہود اکہتر فرقوں میں بٹ گئے، نصاریٰ بہتر فرقوں میں اور یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی، ان میں سے ایک جنتی ہے اور بہتر دوزخی'' عرض کی گئی: یارسول اللہ! یہ (جنتی) کون ہیں؟ فرمایا: ''اس طریقہ پر کاربند لوگ جس پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔''(1) اس لئے فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ......

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ

1۔ سنن ابی داؤد کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 197-198، مستدرک حاکم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 128-129 وغیرہ

جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٩٧﴾

''اور (اے سننے والے!) اگر تجھے کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے (اپنے نبی کے ذریعے) تیری طرف اتارا تو دریافت کر ان لوگوں سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے۔ بیشک آیا ہے تیرے پاس حق تیرے رب کی طرف سے پس ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں سے اور ہرگز نہ ہونا ان لوگوں سے جنہوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو، ورنہ تو ہو جائے گا نقصان اٹھانے والوں سے بیشک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آ جائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب''۔

قتادہ بن دعامہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ''نہ میں شک کرتا ہوں اور نہ سوال کرتا ہوں۔'' حضرات ابن عباس، سعید بن جبیر اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے، اس میں امت کے لئے تثبیت اور اس بات کی آگاہی ہے کہ ان کے نبی ﷺ کے اوصاف اہل کتاب کی سابقہ آسمانی کتابوں میں موجود ہیں جیسا کہ فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (الاعراف: 157) ''(یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں''، پھر اس علم کے باوجود کہ وہ اپنے بچوں کی طرح آپ کو جانتے ہیں، حق میں تلبیس پیدا کرتے ہیں، کتاب الٰہی میں تحریف وتبدیل کے مرتکب ہوتے ہیں اور قیام حجت کے باوجود ایمان نہیں لاتے، اسی لئے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ...... الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۔ یعنی یہ لوگ اس وقت ایمان نہیں لائیں گے جب ایمان نافع ہوتا ہے بلکہ اس وقت ایمان لانے کا اعلان کریں گے جب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کے خلاف بددعا کرتے ہوئے کہا تھا: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس: 88) ''اے ہمارے رب! برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو تاکہ وہ نہ ایمان لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو''۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ (الانعام: 111) ''اور اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ لیکن اکثر ان میں سے (بالکل) جاہل ہیں''۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾

''پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی تو نفع دیتا اسے اس کا ایمان (کسی سے ایسا نہ ہوا) بجز قوم یونس کے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں ایک مدت تک''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان سابقہ امتوں میں کوئی امت سب کی سب ایمان لے آتی جن کی طرف ہم نے رسول مبعوث فرمائے اور جس رسول کو بھی مبعوث کیا اس کی تکذیب کی گئی جیسا کہ فرمایا: يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (یٰسین:30) ''صد افسوس ان بندوں پر نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگ گئے''، كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ (الذاریات:52) ''اسی طرح نہیں آیا ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے یہی کہا کہ یہ ساحر ہے یا دیوانہ''، وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (الزخرف:23) ''اور اسی طرح جب بھی ہم نے بھیجا آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا تو کہا وہاں کے عیش پرستوں نے کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نشانات قدم کی پیروی کرنے والے ہیں''۔ حدیث صحیح میں آتا ہے: ''انبیاء مجھ پر پیش کیے گئے، کسی نبی کے ساتھ امتیوں کی بڑی بڑی جماعتیں تھیں، کسی نبی کے ساتھ ایک امتی، کسی کے ساتھ دو اور کسی کے ساتھ ایک آدمی بھی نہ تھا'' (1)۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی امت کی کثرت کا ذکر کیا، پھر آپ ﷺ نے اپنی امت کی کثرت کا ذکر فرمایا جس نے مشرق و مغرب کو ڈھانپ رکھا تھا۔ غرض یہ کہ قوم یونس کے علاوہ کسی بستی کے لوگ تمام کے تمام ایمان نہیں لائے۔ قوم یونس نینوا کے باشندے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے انہیں جس عذاب سے ڈرایا تھا، اس کے آثار دیکھ لینے کے بعد خوفزدہ ہو کر آپ کی قوم ایمان لائی۔ حضرت یونس علیہ السلام اس دوران باہر نکل گئے تھے۔ جب آپ کی قوم کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی، آہ و زاری اور عجز و نیاز سے اللہ تعالیٰ کی مدد چاہی اور اپنے بچوں اور مال مویشیوں کو لے کر اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ وہ انہیں اس عذاب سے رہائی دلا دے جس سے ان کے نبی نے انہیں ڈرایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور کچھ مدت کے لئے عذاب کو ٹال دیا جیسا کہ فرمایا: اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ۔ مفسرین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا دنیاوی عذاب کے ساتھ اخروی عذاب بھی ان سے ٹال دیا گیا یا صرف دنیاوی عذاب؟ اس میں دو اقوال ہیں: 1۔ صرف دنیاوی عذاب ان سے دور کر دیا گیا کیونکہ آیت کریمہ میں صرف اسی کا ذکر ہے۔ 2۔ دنیا و آخرت دونوں کے عذاب کو ان سے دور کر دیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۚ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (الصافات:148-147) ''اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں کچھ وقت تک''، اس آیت میں ان پر ایمان کا اطلاق ہوا اور ایمان اخروی عذاب سے نجات دلاتا ہے، ظاہر بات یہی ہے۔ ''وَاللّٰهُ اَعْلَمُ''۔ قتادہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جب کسی بستی والوں نے کفر کیا اور پھر عذاب کے نزول کے وقت ایمان لے آئے تو ان کے اس ایمان نے انہیں کوئی نفع نہ پہنچایا بجز قوم یونس کے۔ جب حضرت یونس علیہ السلام انہیں چھوڑ کر چلے گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب عذاب الٰہی انہیں اپنی لپیٹ میں لینے ہی والا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں توبہ کی رغبت ڈال دی۔ انہوں نے ٹاٹ کا لباس پہنا، اپنے مویشیوں اور ان کے بچوں کو جدا جدا کر دیا اور چالیس دن تک بارگاہ خداوندی میں فریاد کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خلوص نیت، صدق توبہ اور ندامت کو دیکھتے ہوئے اس عذاب کو ٹال دیا جس کے سیاہ بادل ان پر منڈلا رہے تھے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ قوم یونس ارض موصل میں نینوا کے رہنے والی تھی۔ (2) حضرت ابن مسعود ''لولا کانت'' کی بجائے ''ھلا کانت'' پڑھتے۔ ابوالجلد کہتے ہیں کہ جب ان پر عذاب نازل ہوا تو وہ تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ان

1۔ مستدرک حاکم، کتاب الاہوال، جلد 4 صفحہ 577-578
2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 171

کے سروں پر منڈ لانے لگا۔ وہ اپنے ایک عالم کے پاس جا کر کہنے لگے کہ ہمیں ایک دعا سکھا دیں جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس عذاب کو ٹال دے۔ اس عالم نے یہ دعا کرنے کی تلقین کی: یَا حَیُّ حِیْنَ لَا حَیَّ ، یَا حَیُّ مُحْیِ الْمَوْتٰی، یَا حَیُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ''اے ہمیشہ زندہ رہنے والے جب کہ کوئی ہمیشہ زندہ رہنے والا نہیں، اے ہمیشہ زندہ رہنے والے، مردوں کو زندہ کرنے والے، ایک ہمیشہ زندہ رہنے والے، بجز تیرے کوئی معبود نہیں''۔ چنانچہ یہ دعا کرنے سے عذاب ٹل گیا۔ سورۂ صافات میں یہ قصہ اپنی تفصیلات کے سمیت ذکر کیا جائے گا،'' ان شآء اللہ''۔

وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

''اور اگر چاہتا ہے آپ کا رب تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب۔ کیا آپ مجبور کرنا چاہتے ہیں لوگوں کو یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں۔ اور کوئی بھی ایسا شخص نہیں کہ وہ ایمان لا سکے بغیر حکم الٰہی کے۔ اور (سنت الٰہی یہ ہے کہ) وہ ڈالتا ہے (گمراہی کی) آلودگی ان لوگوں پر جو بے سمجھ ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو اس کے اذن سے تمام روئے زمین کے لوگ آپ کی رسالت پر ایمان لے آتے لیکن اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت مضمر ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (ہود: 119-118) ''اور اگر چاہتا آپ کا رب تو بنا دیتا سب لوگوں کو ایک ہی امت (لیکن حکمت کا یہ تقاضا نہیں اس لئے) وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر وہ جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا (وہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں گے) اور اسی رحمت کے لئے انہیں پیدا فرمایا ہے۔ اور پوری ہوگئی آپکے رب کی (یہ) بات کہ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو جن وانس (دونوں) سے''، اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا (الرعد: 31) ''کیا نہیں جانتے ایمان والے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا''۔ اسی لئے یہاں فرمایا: اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ یعنی لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کرنا آپ کی ذمہ داری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت سے نواز دے اس لئے: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ (فاطر: 8) ''پس نہ گھلے آپ کی جان ان کے لئے فرط غم سے''، لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (البقرۃ: 272) ''نہیں ہے آپ کے ذمہ ان کو سیدھی راہ پر چلانا ہاں اللہ سیدھی راہ پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے''، لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء: 3) ''(اے جان عالم!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس غم میں کہ وہ ایمان نہیں لا رہے''، اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ (القصص: 56) ''بیشک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں''، فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد: 7) ''(تو ہماری مرضی) سو آپ پر صرف تبلیغ فرض ہے اور یہ ہمارے ذمہ ہے کہ (ان سے) حساب لیں''، فَذَكِّرْ ۣ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشیہ: 22) ''پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں۔ آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔ آپ ان کو جبر سے منوانے والے تو نہیں ہیں''۔ اور اس طرح کی دیگر متعدد آیات اس

بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے، اپنے علم، حکمت اور عدل کی بناء پر اپنی مشیت کے مطابق کسی کو گمراہ کرتا ہے یا ہدایت مرحمت فرماتا ہے، اس لئے فرمایا: وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ...... یعنی کسی کے اختیار میں نہیں کہ وہ اذن الٰہی کے بغیر ایمان لے آئے اور اللہ تعالیٰ گمراہی کی آلودگی ایسے لوگوں پر ڈال دیتا ہے جو دلائل و براہین کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دینے اور گمراہ کرنے میں عادل ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ وَ مَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

''فرمایئے غور سے دیکھو! کیا کیا (عجائبات) ہیں آسمانوں اور زمین میں اور فائدہ نہیں پہنچاتیں آیتیں اور ڈرانے والے اس قوم کو جو ایمان نہیں لانا چاہتے۔ پس وہ انتظار نہیں کر رہے مگر ان لوگوں جیسے حالات کا جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے آپ فرمایئے اچھا انتظار کرو بیشک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔ (جب وہ عذاب آ جائے گا) پھر ہم بچا لیں گے اپنے رسولوں کو اور انہیں جو ایمان لائے۔ بلاشبہ ایسا ہی ہوگا۔ یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم بچالیں گے اہل ایمان کو''۔

اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنی نعمتوں اور عقلمند لوگوں کے لئے زمین و آسمان میں پیدا کی گئی طرح طرح کی نشانیوں میں غور و فکر کی دعوت دے رہا ہے جیسے درخشندہ ستارے، سیارے، سورج، چاند، دن، رات اور ان کا یکے بعد دیگرے آنا اور چھوٹا بڑا ہونا، آسمان کی رفعت، حسن و زیبائش اور بارش جس سے بنجر زمین کو زرخیزی عطا کی جاتی ہے اور انواع و اقسام کی کھیتیاں، نباتات، پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں، رنگا رنگ کے جانور اور حیوان اور ان سے حاصل شدہ منافع، پہاڑ، میدان، جنگل، آبادیاں، ویرانے، سمندر، اس کے عجائبات اور موجیں۔ اس کے باوجود اس کا مسخر ہونا اور بحری سفر کرنے والوں کے لئے اس کا مطیع ہونا جہاں ان کی کشتیاں اس خالق حقیقی کے حکم سے چلتی ہیں جس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔

وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ یعنی آسمانی اور زمینی نشانیاں اور اللہ تعالیٰ کے رسول اپنے دلائل و براہین اور معجزات کے ساتھ ایسی قوم کو کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں جس کے دل میں ایمان لانے کا کوئی جذبہ ہی نہیں جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (یونس: 54) ''بیشک وہ لوگ کہ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا...... یعنی یہ لوگ ان سابقہ قوموں جیسے حالات کا انتظار کر رہے ہیں جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور اس تکذیب کی پاداش میں انہیں مبتلائے عذاب کر دیا گیا۔ آپ ان کو فرما دیں کہ تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کو بچا لیتے ہیں، اور مومنین کو نجات دینا ہمارے ذمہ ہے جیسا کہ فرمایا: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام: 54) ''لازم کرلیا ہے تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے آپ پر رحمت فرمانا''۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے

ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب (لوح محفوظ) لکھی جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے''(1)۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَ لَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۷﴾

''فرمائیے اے لوگو! اگر تمہیں کچھ شک ہو میرے دین کے بارے میں تو (سن لو) میں عبادت نہیں کرتا ان (بتوں) کی جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا، لیکن میں تو عبادت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی جو مارتا ہے تمہیں۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں اہل ایمان سے۔ نیز (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) اپنا رخ سیدھا کر لے اس دین کی طرف ہر کجی سے بچتے ہوئے اور ہرگز نہ ہو جانا شرک کرنے والوں سے اور نہ عبادت کر اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے تجھے اور نہ ضرر پہنچا سکتا ہے تجھے۔ اور اگر تو ایسا کرے گا تو پھر تیرا شمار ظالموں میں ہوگا۔ اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف تو نہیں کوئی دور کرنے والا اسے بجز اس کے۔ اور اگر ارادہ فرمائے تیرے لئے کسی بھلائی کا تو کوئی رد کرنے والا نہیں اس کے فضل کو۔ سرفراز فرماتا ہے اپنے فضل و کرم سے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور وہی بہت مغفرت فرمانے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ کہہ دیں: اے لوگو! اگر تمہیں میرے لائے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دین حنیف میں شک ہے تو یاد رکھو میں ان معبودان باطلہ کی عبادت نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو بلکہ میں تو صرف اس وحدہ لاشریک کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں اسی طرح مارے گا جس طرح اس نے تمہیں پیدا کیا تھا، پھر اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔ اگر تمہارے یہ معبود حق ہیں تو تم انہیں بلا لو اور ان سے کہو کہ وہ مجھے نقصان پہنچالیں۔ ان میں تو نفع و نقصان پہنچانے کی استعداد و صلاحیت ہی نہیں نفع و نقصان تو صرف اس وحدہ لاشریک ذات کے ہاتھ میں ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں مومنین میں سے ہو جاؤں۔

وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم باطل سے اعراض کرتے ہوئے اپنا رخ سیدھے دین کی طرف کر لو اور شرک سے انحراف کرتے ہوئے اسی یکتا ذات کی عبادت کرو، اس لئے فرمایا: وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اس کا عطف وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ پر ہو رہا ہے۔

وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ ...... اس میں اس بات کا بیان ہے کہ خیر و شر اور نفع و ضرر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے، اس میں کوئی اس کا شریک نہیں، اس لئے صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 4 صفحہ 129، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، جلد 4 صفحہ 2107

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمر بھر خیر کے طلب گار رہو اور اپنے رب کے نفحات (جھونکے) کو سامنے رکھو، کیونکہ رحمت الٰہی کی ہواؤں کے ایسے جھونکے ہیں جن سے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے نواز دیتا ہے اور اس سے التجا کرو کہ وہ تمہاری عیب پوشی کرتا رہے اور آفات سے محفوظ رکھے'' آخر میں فرمایا: وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ یعنی توبہ کرنے اور توکل اختیار کرنے والے کے لئے وہ غفور رحیم ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

''(اے حبیب!) فرمائیے اے لوگو! بے شک آ گیا ہے تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف سے تو جو ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ ہدایت قبول کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو وہ گمراہ ہوتا ہے اپنی تباہی کے لئے اور میں تم پر نگران نہیں ہوں۔ اور (اے حبیب!) آپ پیروی کرتے رہیں جو وحی کی جاتی ہے آپ کی طرف اور (ظلم کفار پر) صبر کیجئے یہاں تک کہ فیصلہ فرمادے اللہ، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دے رہا ہے کہ آپ لوگوں کو اس بات کی خبر دے دیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام انہیں پہنچا ہے وہ برحق ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں۔ اب جو ہدایت کو قبول کر کے اس کی اتباع کرتا ہے تو اس کا فائدہ اسی کو ہوگا اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اور میں تم پر محافظ نہیں ہوں اور نہ تمہیں زبردستی مسلمان بنانے کے لئے مجھے نگران مقرر کیا گیا ہے، میری ذمہ داری تو صرف تمہیں ڈرانے کی ہے اور ہدایت دینا مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ...... یعنی آپ وحی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور مخالفین کی مخالفت پر صبر کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادے اور وہ اپنے عدل اور حکمت کے ساتھ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

سورۂ ہود (مکیہ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کو کس چیز نے بوڑھا بنا دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے سورۂ ہود، واقعہ، عم یتساءلون اور واذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا" (1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ بوڑھے ہوگئے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "سورۂ ہود، واقعہ، مرسلات، عم یتساءلون اور واذا الشمس کورت نے مجھے بوڑھا کر دیا" (2)۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں (واقعہ، حاقۃ اور واذا الشمس کورت) نے بوڑھا کر دیا (3)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کو کس نے بوڑھا کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "سورۂ ہود اور واقعہ نے" (4)۔

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴿١﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ط اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ ﴿٢﴾ وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ط وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿٣﴾ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ج وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤﴾

"الف۔ لام۔ را۔ یہ وہ کتاب ہے محفوظ و مستحکم بنادی گئی ہیں جس کی آیتیں۔ پھر ان کی وضاحت کر دی گئی ہے بڑے دانا اور ہر چیز سے باخبر (خدا) کی طرف سے۔ کہ تم نہ عبادت کرو مگر صرف اللہ کی۔ بے شک میں تمہیں اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں۔ اور یہ کہ مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (صدق دل سے) متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف وہ لطف اندوز کرے گا تمہیں زندگی کی راحتوں سے اچھی طرح مقرر میعاد تک اور عطا کرے گا ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو اس کی زیادہ نیکی (کا ثواب)۔ اور اگر تم (یونہی) روگردان رہے تو میں اندیشہ کرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب سے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تمہیں لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے"۔

حروف ہجاء (مقطعات) کے متعلق بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ فرمایا: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ...... یعنی یہ ایسی کتاب ہے جو الفاظ اور عبارت کے لحاظ سے محکم ہے اور بلحاظ معنی مفصل ہے۔ گویا یہ کتاب صورۃً اور معنیً درجۂ کمال پر فائز ہے۔ مجاہد اور قتادہ سے یہی معنی مروی ہے اور ابن جریر نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ فرمایا کہ یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں جو اپنے اقوال و افعال میں حکیم اور نتائج امور سے بخوبی آگاہ ہے۔

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ یعنی یہ محکم و مفصل قرآن اس لئے نازل کیا گیا تا کہ تم اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَآ

1۔ مسند ابی یعلی، جلد 1 صفحہ 102
2۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ واقعہ، جلد 12 صفحہ 181
3۔ معجم کبیر، جلد 6 صفحہ 148
4۔ معجم کبیر، جلد 10 صفحہ 125-126

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء:25) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو''۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:36) ''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔

اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ یعنی مخالفت کی صورت میں میں تمہیں عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور اطاعت کی صورت میں ثواب کی نوید سنانے والا ہوں جیسا کہ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر تمام قبائل قریش کو بلایا پہلے سب سے زیادہ قریبی قبیلہ کو پھر اس سے زیادہ قریب، اس طرح یکے بعد دیگرے سب کو بلایا، جب وہ تمام جمع ہوگئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے گروہ قریش! اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ ایک لشکر صبح صبح تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو بتاؤ تم میری تصدیق کرو گے؟ وہ کہنے لگے کہ ہمیں کبھی تجربہ نہیں ہوا کہ آپ نے کسی وقت جھوٹ بولا ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''سنو، میں تمہیں عذاب شدید سے ڈراتا ہوں'' (1)۔

وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ...... یعنی میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ گزشتہ گناہوں سے استغفار کرلو اور آئندہ گناہوں سے توبہ کرلو اور ہمیشہ اس پر پختہ رہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک مقررہ میعاد تک دنیاوی راحت وسکون سے لطف اندوز کرے گا اور ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو آخرت میں زیادہ اجر وثواب سے نوازے گا جیسا کہ فرمایا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (النحل:97) ''جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی''۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''جو بھی تم رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر خرچ کرو گے تمہیں اس کا اجر ملے گا حتیٰ کہ جو کھانا اپنی بیوی کو کھلاتے ہو (اس کا بھی ثواب ملے گا)'' (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس فرمان وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ جس نے برائی کی اس کی برائی لکھ لی جاتی ہے اور جس نے نیکی کی اس کے لئے دس نیکیاں لکھ لی جاتی ہیں۔ اگر دنیا میں اسے کی گئی برائی کی سزا مل جائے تو دس نیکیاں اس کے لئے باقی رہتی ہیں اور اگر دنیا میں اس کی سزا نہ ملے تو اس کی دس نیکیوں میں سے ایک لے لی جاتی ہے اور باقی نو نیکیاں بچ جاتی ہیں، پھر فرمایا کہ وہ شخص ہلاک ہوگیا جس کی اکائیاں اس کی دہائیوں پر غالب آگئیں (3)۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا...... اس میں اوامر الٰہی سے روگردانی کرنے والوں اور رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے لئے شدید دھمکی ہے کہ قیامت کے دن انہیں ضرور اسے عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔ پھر فرمایا کہ تمہیں بروز قیامت لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے، اپنے اولیاء کے ساتھ احسان کرنے، اپنے دشمنوں سے انتقام لینے اور مخلوقات کو دوبارہ زندہ کرنے پر وہ قادر ہے۔ یہ مقام ترہیب ہے جیسا کہ اس سے پہلے مقام ترغیب گزرا۔

اَلَاۤ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑤

''سنو! وہ دہرا کر رہے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ چھپا لیں اللہ تعالیٰ سے (اپنے دلوں کا بغض) سنتے ہو! جس وقت وہ خوب

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ لہب، جلد 8 صفحہ 737، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 193-194

2۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 136، صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، جلد 3 صفحہ 1250-1251

3۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 182

اوڑھ لیتے ہیں اپنے کپڑے۔ تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں (پوشیدہ) ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ کھلے آسمان تلے بول و براز اور جماع سے احتراز کرتے اس وقت یہ آیت اتری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یثنون کو تثنونی پڑھتے۔ راوی محمد بن عباد بن جعفر کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اے ابوالعباس! ''مَا تَثْنَوْنِیْ صُدُوْرُهُمْ'' کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے کہا کہ ایک آدمی اپنی عورت سے صحبت کرتے وقت شرم محسوس کرتا یا خلوت کرنے میں اسے حیا دامن گیر ہو جاتی تو اس وقت یہ آیت اتری (1)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ کھلے آسمان تلے خلوت کرنے اور اپنی عورتوں کے ساتھ صحبت کرنے سے شرم محسوس کرتے تو ان کے متعلق یہ آیت اتری (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''یَسْتَغْشُوْنَ'' کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ اپنے سروں کو ڈھانپ لیتے ہیں (1)۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ سے یہ معنی منقول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں شک کرتے ہیں اور برے اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں (2)۔ مجاہد اور حسن وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے کہ جب وہ کوئی بات کرتے ہیں یا کام کرتے ہیں تو اپنے سینوں کو دوہرا کر لیتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ وہ اس طرح اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ سے چھپا لیں گے لیکن اللہ تعالیٰ انہیں آگاہ فرما رہا ہے کہ جب وہ رات کی تاریکی میں سوتے وقت اپنے اوپر کپڑا اوڑھ لیتے ہیں تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو وہ پوشیدہ رکھتے ہیں یا ظاہر کرتے ہیں، وہ دلوں کے رازوں، بھیدوں اور نیتوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ زہیر بن ابی سلمٰی نے اپنے مشہور معلقہ میں کیا خوب کہا ہے:

فَلَا تَكْتُمُنَّ اللّٰهَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ لِيَخْفٰى وَمَهْمَا يُكْتَمِ اللّٰهُ يَعْلَمِ

يُؤَخَّرْ فَيُوْضَعْ فِيْ كِتَابٍ فَيُدَّخَرْ لِيَوْمِ حِسَابٍ اَوْ يُعَجَّلْ فَيُنْقَمِ (3)

(اپنے دلوں کے راز اللہ تعالیٰ سے چھپانے کی کوشش نہ کرو، جس قدر بھی اللہ تعالیٰ سے چھپایا جائے گا وہ جان لے گا، اسے مؤخر کر دیا جاتا ہے، نامہ اعمال میں درج کر کے یوم حساب تک کے لئے جمع کر لیا جاتا ہے یا جلد اس کا انتقام لے لیا جاتا ہے)۔ زمانہ جاہلیت کے اس شاعر نے بھی صانع کے وجود، جزئیات کے متعلق اس کے علم، معاد، جزاء اور نامہ اعمال لکھے جانے کا اعتراف کیا ہے۔ عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ جب کوئی کافر نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرتا تو اپنا سینہ آپ سے موڑ لیتا اور اپنا سر ڈھانپ لیتا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لیکن ''مِنْهُ'' کی ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کے بعد ارشاد ہے: اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ ۙ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اَلَآ اِنَّهُمْ تَثْنَوْنِیْ صُدُوْرُهُمْ پڑھا ہے، اس کا معنی بھی تقریباً وہی ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

''اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق۔ وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے''۔

اللہ تعالیٰ اس حقیقت سے آگاہ فرما رہا ہے کہ وہ بر و بحر میں چھوٹی بڑی تمام جاندار مخلوق کے رزق کا کفیل ہے اور ان کے ٹھکانے اور

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 91 2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 185، الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 400 3۔ دیوان زہیر: 18

ودیعت رکھے جانے کی جگہ کو جانتا ہے۔ ''مُسْتَقَرَّ'' سے مراد زمین میں ان کی قرار گاہ ہے جہاں ان کے سفر کی انتہاء ہوتی ہے اور ''مُسْتَوْدَعَ'' سے مراد وہ گھونسلہ وغیرہ ہے جہاں یہ پناہ لیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جہاں جاندار پناہ لیتے ہیں وہ ان کا ''مُسْتَقَرَّ'' ہے اور جہاں مرتے ہیں وہ ''مُسْتَوْدَعَ'' ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ''مُسْتَقَرَّ'' سے مراد رحم اور ''مُسْتَوْدَعَ'' سے مراد صلب (پیٹھ) ہے(1)۔ ابن ابی حاتم نے یہاں مفسرین کے اقوال ذکر کیے ہیں۔ یہ سب کچھ اس کتاب (لوح محفوظ) میں لکھا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس میں ہر چیز کا بیان ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ (الانعام:38) ''اور نہیں کوئی (جانور) چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے دو پروں سے مگر وہ امتیں ہیں تمہاری مانند۔ نہیں نظر انداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے''، وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (الانعام:59) ''اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی نہیں جانتا انہیں سوائے اس کے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور سمندر میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ لکھی ہوئی ہے روشن کتاب میں''۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ ۷ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۞ ۸

''اور وہی (خدا) ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں۔ اور (اس سے پہلے) اس کا عرش پانی پر تھا۔ (زمین اور آسمان پیدا کیے) تاکہ آزمائے تمہیں کہ تم میں سے کون اچھا ہے عمل کے لحاظ سے۔ اور اگر آپ (انہیں) کہیں کہ یقیناً تم اٹھائے جاؤ گے موت کے بعد تو ضرور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا۔ اور اگر ہم ملتوی کر دیں ان سے عذاب کچھ عرصہ تک تو (از رہ مذاق) کہیں گے کہ کس چیز نے روک دیا ہے اس عذاب کو۔ وہ کان کھول کر سن لیں جس دن عذاب آجائے گا ان پر تو نہیں پھیرا جا سکے گا ان سے اور گھیر لے گا انہیں وہ (عذاب) جس کا وہ تمسخر اڑایا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے اور یہ کہ اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق چھ دنوں میں کی، اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے بنو تمیم! بشارت قبول کرو'' وہ کہنے لگے کہ ہمیں آپ نے بشارت دی اب کچھ عطا فرمائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اہل یمن! تم بشارت قبول کرو''، انہوں نے کہا

1۔ دیکھیے تفسیر سورۃ انعام: 98

کہ ہم نے قبول کیا، آپ ہمیں مخلوق کی ابتداء کے بارے میں بتائیں کہ کس طرح ہوئی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر چیز سے پہلے اللہ تعالیٰ تھا، اس کا عرش پانی پر تھا اور اس نے لوح محفوظ میں ہر چیز کے متعلق لکھ دیا''۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دوران میرے پاس ایک شخص آکر کہنے لگا کہ تمہاری اونٹنی زانوؤں کی رسی کھلوا کر بھاگ گئی ہے، میں اس کے پیچھے نکلا اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا تھا(1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ صحابہ کرام نے آغاز آفرینش کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے (دوسری روایت میں آتا ہے کہ اس کے ساتھ) کوئی چیز نہ تھی۔ اس کا عرش پانی پر تھا، اس نے ہر چیز کا تذکرہ لکھ دیا پھر زمین و آسمان کی تخلیق کی''(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا''(3)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خرچ کرو، میں تمہیں زیادہ دوں گا'' اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، دن اور رات کا خرچ اس میں کمی نہیں لاتا'' اور فرمایا: ''کیا تم نے غور کیا کہ زمین و آسمان کی پیدائش سے لیکر اس نے کتنا خرچ کیا لیکن جو اس کے دائیں ہاتھ میں ہے، وہ اس میں کمی نہیں لا سکا، اس کا عرش پانی پر تھا، اس کے ہاتھ میں میزان ہے جسے وہ جھکاتا اور بلند کرتا ہے''(4)۔ حضرت ابورزین لقیط بن عامر بن منتفق عقیلی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عماء (بادل) میں، اس کے نیچے بھی ہوا تھی اور اوپر بھی ہوا، پھر اس کے بعد اس نے عرش کو پیدا کیا''(5)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ کسی چیز کو پیدا کرنے سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا۔ وہب بن منبہ، ضمرہ، قتادہ اور ابن جریر وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ اس فرمان وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے کس طرح اس نے آفرینش کا آغاز کیا۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا تو اس پانی کے دو حصے کئے۔ ایک حصہ عرش کے نیچے رکھا یہی بحر مسجور ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ بلندی کی وجہ سے عرش کو عرش کہا جاتا ہے۔ سعد طائی کہتے ہیں کہ عرش سرخ یاقوت کا بنا ہوا ہے۔ محمد بن اسحاق اس فرمان هُوَ الَّذِيْ...... عَلَى الْمَآءِ کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح تھا جس طرح اس نے اپنے متعلق بیان کیا ہے، پانی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا، اس پر عرش تھا اور عرش پر جلال واکرام، عزت و سلطان، ملک وقدرت، حلم وعلم اور رحمت ونعمت کا مالک خداوند رحمٰن جلوہ فرما تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ پانی کس چیز پر تھا؟ آپ نے فرمایا کہ ہوا کے دوش پر۔

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق اپنے ان بندوں کے فائدے کے لئے کی ہے جن کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے عبث اور فضول پیدا نہیں کیا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ (ص:27) ''اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ۔ یہ تو کفار کا گمان ہے۔ پس بربادی

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 431-432
2۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 128
3۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2044
4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 92
5۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ ہود، جلد 10 صفحہ 272-273، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 11

ہے کفار کے لئے آگ (کے عذاب) سے"، اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (المومنون:115) "کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے"، فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ (المومنون:116) "پس بہت بلند ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے (بے مقصد تخلیق سے) نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ وہ مالک ہے عزت والے عرش کا"، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذاریات:56) "اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں"۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں اَیُّكُمْ اَكْثَرُ عَمَلًا "تم میں سے کس کا عمل زیادہ ہے" نہیں بلکہ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا "تم میں سے کس کا عمل اچھا ہے" فرمایا ہے اور کوئی بھی عمل اس وقت تک "حسن" (اچھا) نہیں ہوسکتا جب تک وہ شریعت رسول اللہ ﷺ کے مطابق خالص رضائے الٰہی کے لئے نہ ہو۔ کوئی بھی عمل جب ان دونوں شرطوں میں سے کسی ایک کو بھی مفقود پائے گا تو وہ رائیگاں اور باطل جائے گا۔

وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ...... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے رسول! اگر آپ ان مشرکین کو آگاہ کریں کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد عنقریب انہیں اسی طرح دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا جس طرح اس نے انہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا تو باوجود اس کے کہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی زمین وآسمان کو پیدا کیا ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزخرف:87) "اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے اللہ نے"، وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ (العنکبوت:61) "اور (اے حبیب!) اگر آپ پوچھیں ان (مشرکوں) سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور کس نے فرمانبردار بنایا ہے سورج اور چاند کو تو وہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے"، پھر بھی وہ قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے لوٹائے جانے کا انکار کر دیں گے حالانکہ دوبارہ زندہ کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے کی نسبت آسان ہے جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ (الروم:7) "اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے۔ پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے"، مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۚ (لقمان:28) "نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند"۔

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ کفر وعناد کے باعث یہ اسے جادو کہتے ہیں اور اس کی تصدیق کرنے پر آمادہ نہیں۔

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ...... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم ان مشرکین سے ایک خاص مدت تک عذاب اور مواخذہ موخر کر دیں اور ایک مقررہ میعاد تک انہیں مہلت دے دیں تو بھی یہ جھٹلاتے ہوئے اور جلدی مچاتے ہوئے کہیں گے کہ کس چیز نے ہم سے عذاب کو روک رکھا ہے کیونکہ ان کی فطرتیں تکذیب وشک کی عادی ہو چکی ہیں، اب اس سے چھٹکارا ممکن نہیں۔

"اُمَّة" کا لفظ قرآن وحدیث میں متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے، اس سے مراد مدت بھی لی جاتی ہے جیسا کہ مذکورہ آیت اور اس آیت میں: وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ (یوسف:45) "اور (اس وقت) بولا وہ شخص جو بچ گیا تھا ان دو (قیدیوں) سے اور (اب) اسے یوسف کی یاد آئی ایک عرصہ بعد"، امام ومقتدی کے معنی میں بھی اس کا استعمال کیا جاتا ہے: اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ۭ وَلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (النحل:120) "بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے۔ اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے"۔ ملت ودین کے معنی میں بھی جیسا کہ مشرکین کہتے: اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى

اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ (الزخرف:22) ''کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نشانات قدم کی پیروی کرنے والے ہیں''۔ جماعت کے معنی میں بھی جیسا کہ ان آیات میں ہے: وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ (القصص:23) ''اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے''، وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:36) ''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''، وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (یونس:47) ''اور ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے پس جب آیا ان کا رسول (اور انہوں نے اس کو جھٹلایا) تو فیصلہ کر دیا گیا ان کے درمیان انصاف کے ساتھ اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا''، یہاں امت سے مراد مومن و کافر سب لوگ ہیں جن کی طرف رسول مبعوث کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس امت میں سے جس یہودی اور نصرانی نے میرے بارے میں سنا پھر مجھ پر ایمان نہ لایا وہ آگ میں داخل ہوگا'' (1)۔ تابعدار امت وہ ہے جو رسولوں کی تصدیق کرے جیسا کہ فرمایا: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:110) ''ہو تم بہترین امت جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں (کی ہدایت و بھلائی) کے لئے''، حدیث صحیح میں آتا ہے: ''میں کہوں گا: میری امت، میری امت'' (2)۔ اور امت کا لفظ فرقہ اور طائفہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے کہ جیسا کہ ارشاد ہے: وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (الاعراف:159) ''اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ایک گروہ ہے جو راہ بتاتا ہے حق کے ساتھ اور اسی حق کے ساتھ عدل کرتا ہے''، مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ (آل عمران:113) ''اہل کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے''۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۞ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۙ۞ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۞

''اور اگر ہم چکھائیں کسی انسان کو اپنی طرف سے رحمت (کا مزہ) پھر ہم چھین لیں اس رحمت کو اس سے تو وہ بڑا مایوس (اور) ناشکرا بن جاتا ہے۔ اور اگر ہم چکھاتے ہیں اسے کوئی نعمت اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ دور ہو گئیں سب تکلیفیں مجھ سے۔ بیشک وہ بڑا خوش ہونے والا اترانے والا ہے مگر وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں (وہ ایسے کم ظرف نہیں ہوتے) وہی ہیں جن کے لئے بخشش بھی ہے اور بڑا اجر بھی ہے''۔

سوائے اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کے تمام لوگوں میں پائی جانے والی صفات مذمومہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ جب انسان کو نعمت کے بعد شدت سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ مستقبل کی ہر نعمت سے مایوس ہو جاتا ہے اور گزشتہ نعمتوں کا انکار کر دیتا ہے۔ اسی طرح اگر تکلیف کے بعد اسے نعمت سے نوازا جائے تو کہہ اٹھتا ہے کہ میری ساری تکلیفیں جاتی رہیں۔ اس کے بعد اب مجھے نہ سختی کا سامنا کرنا ہوگا اور نہ کسی دوسری تکلیف کا۔ پھر وہ اس نعمت پر خوش ہوتے ہوئے اترانے لگ جاتا ہے لیکن وہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو تکالیف اور شدائد پر صبر کرتے ہیں اور خوشحالی، فارغ البالی اور عافیت کے وقت اچھے اعمال کرتے ہیں ان کے لئے تکلیف کے عوض مغفرت اور نیک اعمال کے بدلہ میں اجر کبیر ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے'' مومن کو جو بھی غم، روگ، تکلیف،

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 134 2۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 8 صفحہ 473، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 183

دکھ اور مرض لاحق ہوتا ہے یہاں تک کہ جو کانٹا بھی اسے چبھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کی خطائیں معاف فرما دیتا ہے(1)۔ایک اور حدیث میں آتا ہے ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے''، ''مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ باعث خیر و برکت ہے: اگر اسے خوشی میسر آئے اور وہ اس پر شکر بجالائے تو یہ اس کے لئے موجب خیر ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے اور وہ اس پر صبر کرے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے، مومن کے سوا یہ کسی اور کی خصوصیت نہیں''(2)۔اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر:3-1) ''قسم ہے زمانہ کی۔یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے۔بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے۔اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے''، اور فرمایا: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا (المعارج:19) ''بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے''۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ وَضَآىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ یَّقُوْلُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِیْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ۝۱۲ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۱۳ فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۴

''پس کیا یہ ہوسکتا ہے کہ آپ چھوڑ دیں کچھ حصہ اس کا جو وحی کی جاتی ہے آپ کی طرف اور تنگ ہو جائے اس کے ساتھ آپ کا سینہ (اس اندیشہ سے) کہ کافر یہ کہیں گے کہ کیوں نہ اتارا گیا اس پر خزانہ یا کیوں نہ آیا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ، آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے۔کیا کفار کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن خود) گھڑ لیا ہے۔آپ فرمائیے (اگر ایسا ہے) تو تم بھی لے آؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی اور بلا لو (اپنی مدد کے لئے) جس کو بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم (اس الزام تراشی میں) سچے ہو۔پس اگر وہ نہ قبول کر سکیں تمہاری دعوت تو پھر جان لو کہ یہ قرآن محض علم الٰہی سے اتارا گیا ہے اور (یہ بھی جان لو کہ) نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے۔پس کیا (اب) تم اسلام لے آؤ گے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو مشرکین کی ہرزہ سرائیوں اور دل آزاریوں پر تسلی دے رہا ہے، وہ آپ پر طعن و تشنیع کرتے ہوئے کہتے: وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۝ اَوْ یُلْقٰۤى اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (الفرقان:8-7) ''اور کفار بولے کیا ہوا ہے اس رسول کو کہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں ایسا کیوں نہ ہوا کہ اتارا جاتا اس کی طرف کوئی فرشتہ اور وہ اس کے ساتھ مل کر (لوگوں کو) ڈراتا۔یا (ایسا کیوں نہ ہوا) کہ اتارا جاتا اس کی طرف خزانہ یا (کم از کم) اس کا ایک باغ ہی ہوتا کھایا کرتا اس (کی آمدنی) سے اور ان ظالموں نے (یہاں تک) کہہ دیا کہ تم پیروی نہیں کر رہے ہو مگر ایک ایسے شخص کی جس پر جادو کیا گیا ہے''۔اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تلقین فرما رہا ہے کہ مشرکین کی اس ہرزہ سرائی پر آپ رنجیدہ اور دل گرفتہ نہ ہوں اور نہ ہی ان کی یہ بے رخی آپ کو پیغام حق سے باز رکھے جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ

1 فتح الباری، کتاب المرضی، جلد 10 صفحہ 103، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1992-1993 2۔صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقائق، جلد 4 صفحہ 2295

نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ (الحجر: 97) ''اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں''۔ اور یہاں فرمایا: فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ ...... یعنی کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ ان مشرکین کے کہنے پر کچھ وحی سے دستبردار ہو جائیں۔ آپ تو نذیر ہیں۔ سابقہ انبیاء و رسل کا اسوہ آپ کے سامنے موجود ہے، انہیں بھی جھٹلایا گیا اور ایذاء دی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا یہاں تک کہ نصرت الٰہی نے ان کی دستگیری فرمائی۔ پھر اللہ تعالیٰ اعجاز قرآن کو بیان فرما رہا ہے کہ کسی فرد بشر میں اس قدر اہلیت اور صلاحیت نہیں کہ وہ اس جیسا قرآن یا اس جیسی دس سورتیں یا کم از کم اس جیسی ایک سورت ہی لا سکے کیونکہ کلام الٰہی کلام مخلوق کے مشابہ نہیں جس طرح اس کی صفات مخلوق کی صفات کے ساتھ ذرہ بھر بھی مشابہت نہیں رکھتیں، اسی طرح اس کی ذات کے مشابہ بھی کوئی چیز نہیں۔ وہ ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار۔ پھر فرمایا: فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ ...... اگر وہ اس جیسا قرآن لانے کی تمہاری دعوت کو قبول نہ کریں تو تم جان لو کہ وہ اس سے عاجز ہیں۔ یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے اس میں علم، اوامر اور نواہی ہیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

''جو طلب گار ہیں دنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت تو ہم پورا بدلہ دیں گے انہیں ان کے اعمال کا اس زندگی میں اور انہیں اس میں نقصان نہیں اٹھانا پڑے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں نہیں ہے جن کے لئے آخرت میں مگر آگ۔ اور اکارت گیا جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا اور (درحقیقت) مٹ جانے والا تھا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ریاکاروں کو دنیا میں ہی ان کی نیکیوں کا بدلہ دے دیا جاتا ہے اور ان پر ذرہ بھر ظلم نہیں کیا جاتا۔ جو شخص دنیا طلبی کی خاطر نماز، روزہ اور تہجد جیسے نیک اعمال کرتا ہے تو اس کے اعمال اکارت جاتے ہیں اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھاتا ہے۔ مجاہد اور ضحاک وغیرہ سے یہی منقول ہے۔ حضرت انس بن مالک اور حسن کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ اس کا نزول ریاکاروں کے حق میں ہوا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جو شخص دنیا طلبی کی نیت سے نیک اعمال کرتا ہے تو اللہ اسے دنیا میں ہی اس کی نیکیوں کا بدلہ دے دیتا ہے، پھر آخرت میں اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی جس کا اسے اجر دیا جائے۔ مومن کو دنیا میں بھی اس کی نیکیوں کا بدلہ دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی اجر و ثواب سے نوازا جائے گا(1)۔ اس مضمون کی ایک حدیث مرفوع بھی وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل: 21-18) ''جو لوگ طلب گار ہیں صرف دنیا کے ہم جلدی دے دیتے ہیں اس دنیا میں جتنا چاہتے ہیں (ان میں سے) جسے چاہتے ہیں۔ پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے جہنم۔ تاپے گا وہ اسے اس حال میں کہ وہ مذمت کیا ہوا (اور) ٹھکرایا ہوا ہوگا۔ اور جو شخص طلب گار ہوتا ہے آخرت کا اور جدوجہد کرتا ہے اس کے لئے پوری طرح درآنحالیکہ وہ مومن بھی ہو، پس یہ وہ (خوش نصیب ہیں) جن کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 12

کوشش مقبول ہوگی۔ ہر ایک کی ہم امداد کرتے ہیں ان کی بھی (جو طالب دنیا، ہیں) اور ان کی بھی (جو طالب آخرت ہیں) آپ کے رب کی بخششوں سے۔ اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں۔ دیکھو! کیسے بزرگی دی ہے ہم نے بعض کو بعض پر اور آخرت باعتبار درجوں کے سب سے بڑی اور باعتبار فضل و کرم سب سے اعلیٰ ہے''۔ اور فرمایا: مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَۃِ نَزِدْ لَہٗ فِیْ حَرْثِہٖ ۚ وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْہَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ نَّصِیْبٍ (الشوریٰ:20) ''جو طلب گار ہو آخرت کی کھیتی کا تو ہم (اپنے فضل و کرم سے) اس کی کھیتی کو اور بڑھا دیں گے۔ اور جو شخص خواہش مند ہے (صرف) دنیا کی کھیتی کا تو ہم اسے دیں گے اس سے اور نہیں ہوگا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ''۔

اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَیَتْلُوْہُ شَاہِدٌ مِّنْہُ وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْسٰۤی اِمَامًا وَّرَحْمَۃً ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُہٗ ۚ فَلَا تَکُ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْہُ ۚ اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝

''تو کیا وہ شخص (انکار کرسکتا ہے) جس کے پاس روشن دلیل ہو اپنے رب کی طرف سے اور اس کے پیچھے ایک سچا گواہ بھی آ گیا ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس سے قبل کتاب موسیٰ بھی آچکی ہو جو امام اور سراپا رحمت ہے؟ (قطعاً نہیں بلکہ) یہ لوگ تو ایمان لائیں گے اس پر، اور جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے۔ پس (اے سننے والے!) نہ پڑ جا شک میں اس کے متعلق۔ بلاشبہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے''۔

اللہ تعالیٰ ان اہل ایمان کی حالت بیان فرما رہا ہے جو اس فطرت پر قائم ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا یعنی اعتراف توحید جیسا کہ فرمایا: فَاَقِمْ وَجْہَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا (الروم:30) ''پس آپ کرلیں اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف پوری یکسوئی سے (مضبوطی سے پکڑ لو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسا کہ جانور صحیح سالم بچہ پیدا کرتا ہے، کیا تم کوئی کان کٹا بچہ پاتے ہو؟''(1)۔ حدیث قدسی میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا ہے، لیکن شیطان ان کے پاس آکر انہیں دین سے برگشتہ کر دیتے ہیں، میری حلال کردہ چیزوں کو وہ ان پر حرام قرار دے دیتے ہیں اور میرے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک بنانے کا انہیں حکم دیتے ہیں جس کی میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری''(2)۔ مسند اور سنن میں حدیث ہے: ''ہر بچہ اسی ملت پر پیدا ہوتا ہے حتیٰ کہ اپنی زبان کے ذریعے اظہار کلام کرنے لگے''(3)۔ مومن اپنی اس فطرت پر باقی رہتا ہے۔

وَیَتْلُوْہُ شَاہِدٌ مِّنْہُ، ''شَاہِدٌ'' سے مراد وہ پاکیزہ، مکمل اور معظم شریعتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو عطا کیں اور جن کا اختتام حضرت محمد ﷺ کی شریعت پر ہوا، اس لئے حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ابو العالیہ، ضحاک، ابراہیم نخعی اور سدی وغیرہ کہتے ہیں کہ ''شَاہِدٌ'' سے مراد حضرت جبرئیل ہیں۔ حضرات علی، حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ ''شَاہِدٌ'' حضرت محمد ﷺ ہیں، یہ دونوں قریب المعنی

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف:30 2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف: 30-102 3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 353

ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جبرئیل علیہ السلام دونوں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں، جبرئیل آپ ﷺ کی طرف اور آپ ﷺ اپنی امت کی طرف۔ بعض نے کہا ہے کہ "شَاهِدٌ" سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے جس کا کوئی قائل ثابت ہی نہیں۔ پہلے دونوں اقوال برحق ہیں۔ کیونکہ مومن کو ایسی فطرت حاصل ہوتی ہے جو اجمالی طور پر شریعت کی گواہی دیتی ہے اور باقی تفصیلات شریعت سے مل جاتی ہیں فطرت جن کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر ایمان لاتی ہے، اس لئے فرمایا: اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ اس سے مراد قرآن ہے جسے جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ تک پہنچایا اور آپ ﷺ نے اسے اپنی امت تک۔ پھر فرمایا: وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً یعنی قرآن کریم سے قبل اللہ تعالیٰ نے کتاب موسیٰ (تورات) نازل کی جو امام وقدوہ ہے، اس کی پیروی کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی ہے، جو شخص کماحقہ اس پر ایمان لایا وہ لازماً قرآن کریم پر بھی ایمان لائے گا، اس لئے فرمایا: اُولٰٓىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ پھر تکذیب قرآن کرنے والوں کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ یعنی ساری روئے زمین کے مشرک، کافر اور اہل کتاب خواہ وہ کسی رنگ، شکل یا نسل سے تعلق رکھتے ہوں، جو بھی قرآن کریم کا انکار کرتے ہیں وہ جہنمی ہیں جیسا کہ فرمایا: لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ (الانعام:19) "تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے"، قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا (الاعراف:158) "آپ فرمایئے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف"۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس امت کا کوئی بھی یہودی یا نصرانی میرے پیغام کو سنتا ہے پھر مجھ پر ایمان نہیں لاتا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا" (1)۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ میں جو بھی حدیث سنتا اس کا مصداق یا تصدیق قرآن کریم میں پالیتا۔ جب میں نے یہ (مندرجہ بالا) حدیث سنی تو سوچنے لگا کہ کتاب اللہ میں اس کا مصداق کہاں ہے؟ چنانچہ تلاش کے بعد اس حدیث کی تصدیق اس آیت سے ملی: وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ۔ "الْاَحْزَاب" سے مراد تمام ملتوں والے ہیں۔

فَلَا تَكُ فِیْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ...... یعنی قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے اس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ فرمایا: "الٓمّٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (السجدة:1)" الف۔ لام۔ میم۔ اس کتاب کا نزول، اس میں ذرا شک نہیں، سب جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے"، الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۚ فِيْهِ (البقرة:2-1) "الف لام میم یہ ذی شان کتاب ذرا شک نہیں اس میں"۔

وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ اس فرمان کی طرح مندرجہ ذیل آیات بھی ہیں: وَ مَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف:103) "اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہیں، ایمان لانے والے"، وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانعام:116) "اور (اے سننے والے!) اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے"، وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (سبا:20) "اور بیشک سچ کر دکھایا ان (ناشکروں) پر شیطان نے اپنا گمان سو وہ اس کی تابعداری کرنے لگے بجز مومنوں کے ایک گروہ کے (جو حق پر ڈٹا رہا)"۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ اُولٰٓىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَ يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 34 عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

هٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَ مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو بہتان لگاتا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا۔ یہ لوگ پیش کئے جائیں گے اپنے رب کے سامنے اور کہیں گے گواہ یہی وہ (گستاخ) ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا۔ خبردار! اللہ کی پھٹکار ہو ظالموں پر جو بدنصیب روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور چاہتے کہ اس راہ (راست) کو ٹیڑھا بنا دیں اور وہی آخرت کے منکر ہیں۔ یہ لوگ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز کرنے والے نہیں تھے زمین میں اور نہ ہی ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار تھا دوگنا کر دیا جائے گا ان کے لئے عذاب نہ وہ (آوازِ حق) سن سکتے تھے اور نہ وہ (نورِ حق) دیکھ سکتے تھے۔ یہی وہ (بدقسمت) ہیں جنہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو اور گم ہو گئیں ان سے وہ باتیں جو وہ تراشا کرتے تھے۔ یقیناً یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے''۔

دار آخرت میں ملائکہ، انبیاء و رسل اور تمام جن و انس کے سامنے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے والوں کی رسوائی کا بیان ہو رہا ہے جیسا کہ حضرت صفوان بن محرز بیان کرتے ہیں: میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ آپ نے قیامت کے روز سرگوشی کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کیا سن رکھا ہے؟ آپ نے کہا کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کرے گا، اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر لوگوں سے چھپا لے گا اور گناہوں کا اقرار کروائے گا اور فرمائے گا کہ کیا تمہیں فلاں گناہ یاد ہے؟ فلاں گناہ اور فلاں؟ حتیٰ کہ جب وہ اس سے تمام گناہوں کا اقرار کروا لے گا اور وہ مومن اپنے بارے میں یہ یقین کر لے گا کہ بس اب وہ ہلاک ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تمہاری پردہ پوشی کی اور لو آج بھی میں تمہاری مغفرت کرتا ہوں۔'' پھر اس کی نیکیوں کا نامہ اعمال اسے عطا کیا جائے گا۔ کفار اور منافقین کے بارے میں گواہ کہیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب پر جھوٹ بولتے تھے، ان ظالموں پر خدا کی لعنت (1)۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ...... یعنی وہ جو لوگوں کو اتباع حق اور راہ ہدایت سے روکتے ہیں، انہیں جنت سے دور کر دیتے ہیں اور ٹیڑھے اور غیر معتدل رستہ کی تلاش میں رہتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو آخرت کے منکر ہیں اور اس کے وجود اور وقوع کی تکذیب کرتے ہیں، یہ لوگ زمین میں اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار ہے بلکہ یہ خود اللہ تعالیٰ کے قبضہ، قدرت، غلبہ اور اقتدار کے تحت ہیں اور وہ دار آخرت سے پہلے دار دنیا میں ہی ان سے انتقام لینے پر قادر ہے، فرمایا: اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ (ابراہیم: 42) ''وہ تو انہیں صرف ڈھیل دے رہا ہے اس دن کے لئے جبکہ (مارے خوف کے) کھلی کی کھلی رہ

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 93، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، جلد 4 صفحہ 2120

جائیں گی آنکھیں''۔ حدیث صحیح میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑ لے تو پھر نہیں چھوڑتا'' (1)۔ اس لئے فرمایا: یُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ...... ان کے لئے عذاب کو دوگنا کر دیا جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کان، آنکھیں اور دل عطا فرمائے لیکن ان اعضاء نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا بلکہ سماع حق سے یہ بہرے بنے رہے اور نور حق کو دیکھنے سے اندھے بنے رہے جیسا کہ آگ میں داخل ہوتے وقت وہ کہیں گے: وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (الملک: 10)'' وہ کہیں گے کاش! ہم (ان کی نصیحت کو) سنتے اور سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے''، اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ (النحل: 88)'' جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) روکا اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہم نے بڑھا دیا اور عذاب ان کے پہلے عذاب پر''، اس لئے ہر امر کے ترک پر اور ہر نہی کے ارتکاب پر انہیں عذاب دیا جائے گا، اس لئے صحیح ترین قول یہی ہے کہ کفار و مشرکین بلحاظ آخرت فروع شرع (اوامر و نواہی) کے مکلّف ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا...... یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود کو خسارہ میں ڈال لیا کیونکہ دہکتی ہوئی آگ میں انہیں عذاب دیا جائے گی۔ وہ آگ کبھی بھی فرو نہیں ہوگی اور پلک جھپکنے کی دیر بھی بھسم نہ ہوگی جیسا کہ فرمایا: كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِیْرًا (بنی اسرائیل: 97)'' جب بھی سرد ہونے لگے گی (جہنم کی آگ) تو ہم ان کے لئے اس کی آنچ کو بڑھا دیں گے''، اللہ تعالیٰ کے سوا جن انداد و اصنام کی یہ پرستش کرتے رہے، قیامت کے دن وہ تمام ان سے منہ موڑ کر گم ہو جائیں گے اور انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ الٹا نقصان پہنچائیں گے جیسا کہ فرمایا: وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ (الاحقاف: 6)'' اور جب جمع کئے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے''، وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّیَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا سَیَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِمْ ضِدًّا (مریم: 82-81)'' اور انہوں نے بنا لئے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا کہ وہ ان کے لئے مددگار بنیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ جھوٹے خدا انکار کر دیں گے ان کی عبادت کا۔ اور وہ (الٹے) ان کے دشمن ہو جائیں گے''۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَیْنِكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّ یَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ (العنکبوت: 25)'' کہ تم نے بنالیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (و پیار) کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں۔ پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور پھٹکار بھیجو گے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانا آتش (جہنم) ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار''، اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ (مریم: 82-81)'' جب بیزار ہو جائیں گے وہ جن کی تابعداری کی گئی ان سے جو تابعداری کرتے رہے اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور ٹوٹ جائیں گے ان کے تعلقات''، اور اس طرح کی دیگر آیات بھی ان کے خسارہ اور تباہی پر دلالت کرتی ہیں، اس لئے فرمایا: لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ اللہ تعالیٰ ان کی حالت کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ آخرت میں یہ لوگ سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والے ہوں گے کیونکہ انہوں نے (جنت کے) درجات کے بدلہ میں (جہنم کے) درکات کو پسند کر لیا ہے۔ نعیم جنت کے عوض آتش جہنم قبول کر لی، سربمہر عمدہ شراب کی بجائے جھلسا دینے والی ہوا اور گرم کھولتا ہوا پانی، حوروں کے بجائے پیپ، بلند محلات کی بجائے دوزخ کی گھاٹی اور قرب و دیدار رحمٰن کے بجائے اس کا غضب و عقوبت پسند کر لیا، اس لئے بلاشبہ یہ لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 93۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997

والے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ كَالْاَعْمٰی وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِیْرِ وَالسَّمِیْعِ ؕ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

''بے شک جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور عجز و نیاز سے جھک گئے اپنے پروردگار کی طرف یہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا ہو۔ کیا یکساں ہے ان دونوں کا حال۔ کیا تم (اس مثال میں) غور و فکر نہیں کرتے''۔

بدبختوں کے ذکر کے بعد اب ان سعادت مند کا ذکر ہو رہا ہے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے۔ ان کے دل ایمان لائے اور ان کے اعضاء بذریعہ قول و فعل اعمال صالحہ کرتے رہے اور اعمال سیئہ سے احتراز کرتے رہے۔ اس بناء پر وہ اس جنت کے وارث بن گئے جس میں بالا خانے، قرینے سے رکھے ہوئے پلنگ، جھکے ہوئے پھلوں کے خوشے، عالیشان بستر، خوبرو صالح بیویاں، انواع و اقسام کے پھل، لذیذ کھانے، عمدہ مشروبات اور سب سے بڑھ کر دیدار الٰہی کی نعمت، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، نہ انہیں موت آئے گی، نہ بڑھاپا، نہ مرض، نہ نیند، نہ تھوک اور نہ رینٹ بلکہ کستوری جیسا خوشبودار پسینہ آئے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کفار اور مومنین کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ ...... بدبخت لوگ اندھے اور بہرے شخص کی طرح ہیں جبکہ سعادت مند لوگ ایک دیکھنے اور سننے والے شخص کی طرح ہیں۔ کافر دنیا میں نور حق دیکھنے سے اندھا ہے اور آخرت میں بھی بھلائی کا چہرہ نہیں دیکھ سکے گا، اسی طرح وہ دلائل و براہین سننے سے بہرہ ہے اور نفع بخش چیزوں کو سننے سے قاصر ہے، فرمایا: وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ (الانفال: 23) ''اور اگر جانتا اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی تو انہیں ضرور سنا دیتا''، جبکہ مومن ذہین، فطین، عقلمند اور صاحب بصیرت ہوتا ہے، وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کر کے حق کی اتباع کرتا ہے اور شر کو ترک کر دیتا ہے۔ حجت کو غور سے سننے کے بعد حجت اور شبہ کے درمیان تفریق کر لیتا ہے، اس لئے باطل اس کی طرف راہ نہیں پا سکتا تو کیا یہ دونوں یکساں ہیں؟ آخر میں فرمایا: اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے، عبرت نہیں پکڑتے اور دونوں گروہوں کے درمیان فرق محسوس نہیں کرتے جیسا کہ دوسری آیات میں فرمایا: لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (الحشر: 20) ''یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی اور اہل جنت۔ اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں''، وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ۙ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۙ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۚ۝ وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ۝ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ (فاطر: 24-19) ''اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا۔ اور نہ (یکساں ہیں) اندھیرے اور نور۔ اور نہ (یکساں ہے) سایہ اور تیز دھوپ۔ اور نہ ایک جیسے ہیں زندے اور مردے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں۔ نہیں ہیں آپ مگر بروقت ڈرانے والے۔ ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا۔ اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا

نہ ہو گزرا ہو''۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٥﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٦﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾

''اور بیشک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف۔ (انہوں نے کہا اے قوم) میں تمہیں کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں۔ کہ تم نہ عبادت کرو کسی کی سوائے اللہ تعالیٰ کے بیشک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا دردناک دن نہ آ جائے۔ تو کہنے لگے ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا (اے نوح!) ہم نہیں دیکھتے تمہیں مگر انسان اپنے جیسا اور ہم نہیں دیکھتے تمہیں کہ پیروی کرتے ہوں تمہاری بجز ان لوگوں کے جو ہم میں حقیر و ذلیل (اور) ظاہر بین ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہیں ہم پر کوئی فضیلت ہے بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں''۔

حضرت نوح علیہ السلام وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بت پرست مشرکین کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اِنِّىْ لَكُمْ...... يَوْمٍ اَلِيْمٍ یعنی اگر تم نے غیر اللہ کی عبادت کی تو میں تمہیں عذاب الٰہی سے واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔ میری دعوت یہی ہے کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کیونکہ اگر تم کفر پر ڈٹے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت میں دردناک عذاب سے دوچار کر دے گا۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا...... ''الْمَلَاُ'' سے مراد ان کفار کے سردار اور زعماء ہیں وہ حضرت نوح علیہ السلام سے کہنے لگے کہ تم ہماری طرح بشر ہو، فرشتے نہیں، جب یہ بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں چھوڑ کر تمہاری طرف کیسے وحی نازل کر دی؟ پھر یہ کہ گھٹیا اور معمولی قسم کے لوگ آپ کی پیروی کر رہے ہیں۔ اشرافیہ اور رؤساء میں سے کوئی بھی آپ کی فرمانبرداری کرنے کے لئے تیار نہیں، مزید برآں یہ لوگ غور و فکر اور سوچ بچار کے باعث ایمان نہیں لائے بلکہ جونہی آپ نے انہیں دعوت دی یہ بغیر کسی تامل اور غور و فکر کے آپ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ کی اطاعت کرنے لگے، اسی لئے انہوں نے کہا: وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ۔

وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ...... وہ کہتے کہ اس نئے دین میں داخل ہونے کے بعد ہم نہیں دیکھتے کہ تمہیں ہم پر فضیلت حاصل ہو گئی ہو، سیرت و صورت میں تمہیں ہم پر برتری حاصل ہو گئی ہو اور تمہاری معاشی حالت ہم سے زیادہ سدھر گئی ہو بلکہ جس نیکی، صلاح، عبادت اور سعادت آخرت کے حصول کا تم دعویٰ کر رہے ہو اس میں ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ یہ تھا کفار کا اعتراض حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں پر۔ یہ اعتراض ان کی جہالت، کم علمی اور کم عقلی کی دلیل ہے کیونکہ متبعین حق کا معمولی اور گھٹیا ہونا حق کے لئے باعث عار نہیں ہے۔ حق حق ہی ہے خواہ اس کی اتباع کرنے والے بڑے لوگ ہوں یا کمتر، بلکہ حق بات یہ ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ حق کے پیروکار شریف لوگ ہی ہوتے ہیں اگرچہ وہ فقراء ہوں اور حق کا انکار کرنے والے رذیل اور گھٹیا لوگ ہوتے ہیں اگرچہ وہ مالدار اور خوشحال ہوں۔ عموماً ہوتا یہی ہے کہ حق کی اتباع کرنے والے کمزور لوگ ہوتے ہیں اور زعماء و اشراف حق کی مخالفت کرتے ہیں جیسا کہ

فرمایا: وَ كَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (الزخرف:23) ''اور اسی طرح جب بھی ہم نے بھیجا آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا تو کہا وہاں کے عیش پرستوں نے کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نشانات قدم کی پیروی کرنے والے ہیں''۔ جب ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان سے نبی کریم ﷺ کی صفات کے متعلق دریافت کیا تھا تو اس نے ایک سوال یہ کیا تھا کہ آپ ﷺ کی اتباع کرنے والے اثر ونفوذ والے لوگ ہیں یا کمزور؟ ابوسفیان نے کہا تھا کہ کمزور لوگ، تو ہرقل نے کہا کہ ایسے لوگ رسول کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کفار کا اہل ایمان کے متعلق ''بَادِیَ الرَّاْیِ'' کہنا یعنی بلا تامل ایمان لانے والے ظاہر بین لوگ، مذمت اور عیب کا باعث نہیں کیونکہ حق جب واضح ہو جائے تو اس کی قبولیت میں رائے اور فکر کی گنجائش باقی نہیں رہتی بلکہ فوری طور پر بلا سوچے سمجھے اس کی اتباع ضروری ہو جایا کرتی ہے۔ عقلمند کا یہی شیوہ ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد وہ تردد و تامل کا شکار نہیں ہوتا۔ تردد اور شک میں صرف جاہل اور غبی شخص ہی مبتلا ہوتا ہے۔ تمام پیغمبر واضح اور جلی دلائل لیکر تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جسے بھی اسلام کی دعوت دی اس نے جھجک کا اظہار کیا سوائے ابوبکر کے کہ انہوں نے تردد کا مظاہرہ نہیں کیا'' اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حق کو واضح اور جلی شکل میں ملاحظہ کر چکے تھے اس لئے فوراً اسے قبول کر لیا۔

وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ چونکہ ان کی آنکھیں نور حق دیکھنے سے اندھی تھیں اس لئے ان کی رائے میں اہل ایمان کو ان پر کوئی فضیلت حاصل نہیں تھی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ آواز حق کو سننے اور نور حق کو دیکھنے سے قاصر تھے بلکہ شکوک وشبہات اور جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے۔ دراصل یہی لوگ افتراء پرداز، جھوٹے اور رذیل ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

''آپ نے فرمایا اے میری قوم! بھلا یہ بتاؤ اگر میرے پاس روشن دلیل ہو اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا فرمائی ہو مجھے خاص رحمت اپنی جناب سے پھر پوشیدہ کر دی گئی ہو تم پر (اس کی حقیقت) تو کیا ہم جبراً مسلط کریں تم پر یہ دعوت درآنحالیکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو''۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی کافر قوم کے رد میں کہتے ہیں کہ اے میری قوم! اگر مجھے اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل، یقین محکم، امر جلی اور نبوت صادقہ کی شکل میں رحمت عظیمہ حاصل ہو جبکہ تم پر یہ نعمت دین مخفی رہی، نہ تم اس کی طرف راہ پا سکے اور نہ تم نے اس کی قدر کی بلکہ اس کی تکذیب اور رد کے درپے ہو گئے تو کیا ہم اسے تمہارے ناپسند کرنے کے باوجود تم پر جبراً مسلط کر دیں گے۔

وَ یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ لٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ یٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾

''اور اے میری قوم! میں طلب نہیں کرتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی مال۔ نہیں میرا اجر مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور میں (تمہیں

خوش کرنے کے لئے) ان کو نکالنے والا نہیں جو ایمان لے آئے ہیں۔ بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں البتہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم ایسی قوم ہو جو (حقیقت سے) ناواقف ہے۔ اور اے میری قوم! کون مدد کرسکتا ہے میری اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اگر میں نکال دوں اہل ایمان کو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے''۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ میں دعوت وتبلیغ اور اظہار خیر خواہی کا معاوضہ تم سے طلب نہیں کرتا بلکہ میں تو صرف اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کا خواستگار ہوں۔ شاید ان کفار کو یہ گوارا نہ تھا کہ معمولی قسم کے لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس بیٹھیں، اس لئے انہوں نے آپ سے مطالبہ کیا ہوگا کہ ہماری نفاست اور جاہ وحشمت کا تقاضا ہے کہ آپ ان لوگوں کو دھکے مار کر اپنے پاس سے نکال باہر کریں، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس طرح کا مطالبہ کفار قریش نے بھی حضور ﷺ سے کیا تھا کہ پہلے آپ معمولی قسم کے لوگوں کو اپنی محفل سے نکال دیں پھر ہم آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کی بات سنیں گے، اس پر یہ آیت اتری: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ (الانعام: 52) ''اور نہ دور ہٹاؤ انہیں جو پکارتے رہتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام''، اور فرمایا: وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (الانعام: 53) ''اور اسی طرح ہم نے آزمائش میں ڈال دیا بعض کو بعض سے تاکہ کہیں (مالدار کافر نادار مسلمانوں کو دیکھ کر) کیا یہ ہیں احسان کیا ہے اللہ نے جن پر ہم میں سے۔ کیا نہیں جانتا اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ اپنے شکرگزار (بندوں کو)''۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۱

''اور میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں خود بخود جان لیتا ہوں غیب کو اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ہی یہ کہتا ہوں کہ جن لوگوں کو تمہاری نگاہیں حقیر جانتی ہیں کہ ہرگز نہیں دے گا انہیں اللہ تعالیٰ کچھ بھلائی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ (اگر میں ایسا کروں تو) میں بھی ہو جاؤں گا ظالموں سے''۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو بتا رہے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، میرے ذمہ یہ فریضہ ہے کہ میں اس وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دوں، اس پر میں تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، ہر چھوٹے بڑے اور عظیم حقیر کے لئے میری دعوت عام ہے۔ جس نے میری دعوت کو قبول کیا وہ نجات پا گیا۔ آپ علیہ السلام انہیں اس بات سے بھی آگاہ کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں از خود تصرف کرنے کی مجھ میں قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ کے آگاہ کئے بغیر نہ ہی مجھے غیب کا علم حاصل ہے اور نہ میں کوئی فرشتہ ہوں بلکہ میں انسان ہوں جسے منصب رسالت پر فائز کر کے معجزات عطا کئے گئے ہیں اور جن لوگوں کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو، ان کے متعلق میں یہ نہیں کہتا کہ انہیں ان کے اعمال حسنہ کا ثواب نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی حقیقت سے بخوبی واقف ہے۔ اگر وہ ظاہر کی طرح باطن میں بھی ایماندار ہیں تو انہیں اچھی جزاء ملے گی۔ اگر ان کے ایمان لانے کے بعد بھی کوئی ان کے متعلق بری بات کہتا ہے تو وہ ظالم اور جہالت پر مبنی بات کہنے والا ہے۔

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿ؕ۳۴﴾

''وہ (برافروختہ ہوکر) بولے اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور اس جھگڑے کو بہت طول دیا۔ (اس مباحثہ کو رہنے دو) اور لے آؤ ہمارے پاس جس (عذاب) کی تم ہمیں دھمکی دیتے رہتے ہو اگر تم سچے ہو۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہی لے آئے گا اسے تمہارے پاس اگر چاہے گا اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے اور نہیں فائدہ پہنچائے گی تمہیں میری خیر خواہی اگرچہ میرا ارادہ ہو کہ میں تمہاری خیر خواہی کروں اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دے، وہ پروردگار ہے تمہارا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے''۔

قوم نوح نے جلد بازی میں عذاب الٰہی کے نزول کا مطالبہ کر دیا، کہنے لگے: اے نوح (علیہ السلام) تم نے ہمارے ساتھ بہت جھگڑا کیا اور اس جھگڑے کو بہت طول دے دیا، ہم کسی صورت میں بھی تمہاری پیروی نہیں کریں گے، اس لئے اگر تو سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے دھمکاتے رہتے ہو۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ عذاب لانا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، جب اس کی مرضی ہوگی وہ عذاب لے آئے گا اور اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکے گی۔ فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں گمراہ کرنا چاہے تو میری تبلیغ، انذار اور خیر خواہی تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گی، وہی تمہارا پروردگار ہے اور اس کی طرف ہی تمہیں لوٹ کر جانا ہے، تمام امور کا مالک، متصرف، حاکم اور عادل وہی ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا، ہر چیز کو پیدا کرنا اسی کے اختیار میں ہے اور ہر حکم کا مالک وہی ہے۔ وہی ہر چیز کا آغاز کرنے والا ہے اور وہی دوبارہ زندہ کر کے لوٹائے گا، دنیا و آخرت کا مالک بھی وہی ہے۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾

''کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود گھڑ لیا ہے اسے۔ آپ فرمایئے اگر میں نے خود گھڑا اسے تو مجھ پر ہوگا وبال میرے جرم کا اور میں بری الذمہ ہوں ان گناہوں سے جو تم کرتے ہو''۔

اس قصہ کے وسط میں یہ جملہ معترضہ ہے، اس کا مقصد اس قصہ کی تاکید اور تثبیت ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ یہ کفار اور منکرین آپ پر از خود قرآن کریم کے گھڑ لینے کا الزام عائد کر رہے ہیں تو آپ انہیں کہہ دیں کہ اگر میں نے خود اسے گھڑ لیا ہے تو میرے اس جرم کا وبال مجھ پر ہے اور میں تمہارے جرائم سے بری الذمہ ہوں یعنی میں جو قرآن پیش کر رہا ہوں یہ میرا خود ساختہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والے کی سزا سے میں بخوبی واقف ہوں۔

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿ۚۖ۳۶﴾ وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ یَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿ؕ۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ

وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾

''اور وحی کی گئی نوح (علیہ السلام) کی طرف کہ نہیں ایمان لائیں گے آپ کی قوم سے بجز ان کے جو ایمان لا چکے، اس لئے آپ غمگین نہ ہوں اس سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔ اور بنائیے ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے اور نہ بات کیجئے مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ظلم کیا۔ وہ ضرور غرق کر دیئے جائیں گے۔ اور نوح کشتی بنانے لگے اور جب بھی گزرتے ان کے پاس سے ان کی قوم کے سردار (تو) آپ کا مذاق اڑاتے۔ آپ کہتے اگر تم مذاق اڑاتے ہو ہمارا تو (ایک دن) ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے جس طرح تم مذاق اڑاتے ہو۔ سو تم جان لو گے کہ کس پر آتا ہے عذاب جو رسوا کر دے گا اسے اور (کون ہے) اترتا ہے جس پر عذاب ہمیشہ رہنے والا''۔

قوم نوح نے عذاب کے لئے جلد بازی کی تو حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے کہا: رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح:26) ''اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا''، فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (القمر:10) ''آخر کار آپ نے دعا مانگی اپنے رب سے کہ میں عاجز آ گیا ہوں پس تو (ان سے) بدلہ لے''۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ علیہ السلام کو آگاہ کر دیا: اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ اس لئے آپ ان پر غم نہ کریں اور نہ ہی ان کا انجام آپ کو رنجیدہ خاطر کرے۔ پھر کشتی بنانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا...... یعنی ہمارے سامنے اور ہماری تعلیم کے مطابق کشتی بنائیں اور ظالموں کے متعلق ہمارے ساتھ بات چیت نہ کرنا کیونکہ انہیں غرق کیا جانے والا ہے۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو لکڑیاں لانے، کاٹنے اور خشک کرنے کا حکم دیا، اس میں سو سال لگے، پھر لکڑیاں چیر کر کشتی تیار کرنے میں مزید ایک سو سال صرف ہوئے۔ بعض نے کہا ہے کہ چالیس سال لگے۔ محمد بن اسحاق تورات سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ساگوان کی لکڑی سے کشتی بنانے کا حکم دیا۔ اس کا طول اسی ہاتھ اور عرض پچاس ہاتھ تھا، اندر باہر سے اسے تارکول کے ساتھ روغن کیا گیا تھا اور پانی کاٹ کر رستہ بنانے کے لئے اس کا اگلا تنگ حصہ بھی بنایا گیا تھا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کا طول تین سو ہاتھ اور عرض پچاس ہاتھ تھا۔ حسن کہتے ہیں کہ طول چھ سو ہاتھ اور عرض تین سو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس کا طول بارہ سو ہاتھ اور عرض چھ سو۔ بعض نے طول دو ہزار اور عرض ایک سو ہاتھ بتلایا ہے، ''وَاللّٰهُ اَعْلَمُ''۔ تمام کہتے ہیں کہ اس کشتی کی اندرونی اونچائی تیس ہاتھ تھی۔ تین درجے تھے، ہر درجہ کی بلندی دس ہاتھ تھی۔ سب سے نچلے حصے میں چوپائے اور جنگلی جانور تھے، درمیانے درجے میں انسان اور سب سے بالائی درجے میں پرندے۔ اس کا دروازہ عرض میں تھا۔ اوپر سے کشتی بالکل بند تھی۔ امام ابو جعفر بن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک غریب اثر نقل کیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے گزارش کی کہ آپ کسی ایسے مردے کو زندہ کریں جس نے کشتی نوح دیکھ رکھی ہو اور وہ ہمیں اس کشتی کی بابت تفصیلات سے آگاہ کرے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں لیکر ایک ٹیلے پر تشریف لے گئے اور وہاں سے مٹھی بھر مٹی لیکر فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ حواری کہنے لگے کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، فرمایا کہ یہ حام بن نوح کا ٹخنہ ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنا عصا اس ٹیلے پر مار کر فرمایا: ''قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ'' (اللہ کے حکم سے اٹھو) تو اچانک وہ (حام) اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بوڑھا دکھائی دیتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تم اسی حالت میں مرے تھے؟ اس نے جواب دیا: نہیں، مرا تو میں جوانی کی حالت میں ہی تھا لیکن اب مجھے یہ گمان ہوا کہ قیامت قائم ہو

چکی ہے، اس دہشت کے باعث میں بوڑھا ہو گیا۔ آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ سفینہ نوح کے متعلق ہمیں بتاؤ۔ اس نے کہا کہ اس کا طول بارہ سو ہاتھ اور عرض چھ سو ہاتھ تھا۔ اس کے تین درجے تھے، ایک میں چوپائے اور جنگلی جانور، دوسرے میں انسان اور تیسرے میں پرندے۔ جب جانوروں کا گوبر زیادہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ ہاتھی کی دم ٹٹولو آپ نے دم ٹٹولی تو اس میں سے نر اور مادہ خنزیر نکل آئے اور دونوں گوبر پر پل پڑے۔ جب چوہے کشتی کو درمیان سے کترنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ شیر کی پیشانی پر ضرب لگاؤ۔ چنانچہ آپ کے ضرب لگانے سے شیر کے نتھنوں سے نر و مادہ بلی کا جوڑا برآمد ہوا اور چوہوں پر لپکا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حام سے پوچھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو شہروں کے غرقاب ہونے کا علم کیسے ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ انہوں نے اس غرض کے لئے کوے کو روانہ کیا لیکن وہ مردار کھانے میں لگ گیا۔ آپ علیہ السلام نے اس کے لئے ہمیشہ ڈرتے رہنے کی بددعا کی، یہی وجہ ہے کہ وہ گھروں سے مانوس نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے کبوتر کو روانہ کیا، وہ اپنی چونچ میں زیتون کا پتہ اور پنجوں میں مٹی لیکر آیا جس سے معلوم ہو گیا کہ شہر غرق ہو چکے ہیں آپ علیہ السلام نے اس کی گردن میں خصرہ کا طوق ڈال دیا اور اس کے لئے انس و امان کی دعا کی، اس لئے یہ گھروں سے مانوس ہے، حواریوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم اسے اپنے ساتھ نہ لے چلیں تاکہ یہ ہمارے ساتھ بیٹھ کر اور باتیں سنائے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ شخص تمہارے ساتھ کیسے جا سکتا ہے جس کا رزق ہی نہ ہو؟ فرمایا: اللہ کے حکم سے اپنی پہلی حالت پر لوٹ جا۔ چنانچہ وہ مٹی میں تبدیل ہو گیا(1)۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ...... آپ کشتی بنانے لگے۔ جب بھی قوم کے سردار آپ کے پاس سے گزرتے تو آپ کا مذاق اڑاتے اور آپ کی غرق کرنے کی دھمکی کی تکذیب کرتے لیکن آپ فرماتے: قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا...... اس میں شدید وعید اور دھمکی ہے۔ آخر میں فرمایا: فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ......۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝

"یہاں تک کہ جب آ گیا ہمارا حکم اور ابل پڑا تنور تو ہم نے (نوح کو) فرمایا سوار کر لو کشتی میں ہر جنس سے نر و مادہ دو اور اپنے گھر والوں کو سوائے ان کے جن پر پہلے ہو چکا ہے حکم اور (سوار کر لو) جو ایمان لا چکے ہیں اور نہیں ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ مگر تھوڑے لوگ"۔

وعدۂ خداوندی کے مطابق آسمان سے نہ تھمنے والی، لگاتار اور موسلا دھار بارش برسنے لگی، بلکہ اس کی کیفیت یوں تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ (القمر:12-11) "پھر ہم نے کھول دیئے آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش کے ساتھ۔ اور جاری کر دیا ہم نے زمین سے چشموں کو پھر دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کے لئے جو پہلے مقرر ہو چکا تھا۔ اور ہم نے سوار کر دیا نوح کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر۔ وہ بہتی جا رہی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے۔ (یہ طوفان) بدلہ تھا اس (نبی کا) جس کا انکار کیا گیا تھا"۔

تنور سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک سطح زمین ہے یعنی تمام روئے زمین نے بہتے ہوئے چشموں کی شکل اختیار

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 35-36

کرلی یہاں تک کہ آگ کی جگہ تنور سے بھی پانی ابلنے لگا۔ جمہور سلف وخلف کا یہی قول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ''تَنُّوْرُ'' کا معنی صبح کا پھوٹنا اور فجر کا روشن ہونا منقول ہے لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ مجاہد اور شعبی کہتے ہیں کہ یہ تنور کوفہ میں تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ ہندوستان میں ایک چشمہ ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ یہ جزیرہ میں ایک چشمہ ہے جسے عین الوردة کہا جاتا ہے لیکن یہ سب اقوال غریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے ساتھ جاندار مخلوق کی ہر جنس میں سے ایک جوڑا نر و مادہ سوار کرنے کا حکم دیا۔ بعض نے کہا ہے کہ جاندار مخلوقات کے علاوہ نباتات میں سے بھی۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے پرندوں میں سے طوطا کشتی میں داخل کیا گیا اور حیوانات میں سے سب سے آخر میں گدھا آیا۔ جب یہ سوار ہونے لگے تو ابلیس اس کی دم کے ساتھ لٹک گیا اور اپنا بوجھ اس پر ڈال دیا، اس بوجھ کے باعث گدھے کے لئے اٹھنا مشکل ہو گیا، حضرت نوح علیہ السلام گدھے سے کہنے لگے، تیرا ناس ہو، تمہیں کیا ہو گیا ہے، کشتی میں داخل ہو جاؤ لیکن پھر بھی وہ اٹھنے سے قاصر رہا، حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: داخل ہو جاؤ اگرچہ ابلیس تمہارے ساتھ ہو، چنانچہ وہ دونوں کشتی میں داخل ہو گئے۔ بعض سلف نے ذکر کیا ہے کہ وہ شیر کو اپنے ساتھ کشتی میں سوار نہیں کر سکتے تھے، اس لئے اسے بخار میں مبتلا کر کے عاجز بنا دیا گیا۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''جب نوح نے کشتی میں ہر جنس کا ایک جوڑا (نر اور مادہ) سوار کر لیا تو آپ کے ساتھی کہنے لگے کہ شیر کی موجودگی میں باقی مویشی کس طرح اطمینان سے رہیں گے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر بخار مسلط کر دیا۔ زمین پر آنے والا یہ پہلا بخار تھا۔ پھر لوگوں نے چوہوں کی شکایت کی کہ یہ ہمارا کھانا اور مال و متاع خراب کر رہے ہیں تو بحکم خدا شیر کی چھینک سے ایک بلی برآمد ہوئی جس کے خوف سے تمام چوہے چھپ گئے۔

وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ یعنی کشتی میں اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کو بھی سوار کر لو بجز ان کے جو ایمان نہیں لائے اور جن کے متعلق ایک بات پہلے سے طے ہو چکی ہے۔ ان میں سے ایک آپ علیہ السلام کا بیٹا یام تھا جو از خود آپ سے الگ ہو گیا تھا اور آپ علیہ السلام کی بیوی تھی جو اللہ اور اس کے رسول کی منکر تھی۔

وَمَنْ اٰمَنَ...... یعنی اپنی قوم کے اہل ایمان کو بھی اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا لیں لیکن ساڑھے نو سو سال کی طویل مدت کے قیام کے باوجود صرف چند لوگ آپ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ کل اسی افراد تھے جن میں ان کی عورتیں بھی شامل تھیں۔ حضرت کعب الاحبار کہتے ہیں کہ بہتر افراد تھے۔ بعض نے دس تعداد بتلائی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کے تین بیٹے سام، حام اور یافث تھے، ان تینوں کی بیویاں اور یام کی بیوی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی بھی کشتی میں سوار تھی لیکن یہ بات محل نظر ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ وہ بھی ہلاک ہو گئی کیونکہ وہ اپنی قوم کے دین پر قائم تھی، اس لئے اسے بھی اسی عذاب کا سامنا کرنا پڑا جس عذاب سے وہ کفار دوچار ہوئے تھے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا بھی اپنی قوم جیسا انجام ہوا۔

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿41﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰى نُوْحُۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿42﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَاۗءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿43﴾

''اور نوح نے کہا سوار ہو جاؤ اس (کشتی) میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہی اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا ہے۔ بیشک میرا پروردگار غفور رحیم ہے اور وہ چلنے لگی انہیں لے کر ایسی موجوں میں جو پہاڑ کی مانند ہیں اور پکارا نوح (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے کو اور وہ (ان سے) الگ تھا بیٹا سوار ہو جاؤ ہمارے ساتھ اور نہ ملو کافروں کے ساتھ بیٹے نے کہا (مجھے کشتی کی ضرورت نہیں) میں پناہ لے لوں گا کسی پہاڑ کی وہ بچالے گا مجھے پانی سے۔ آپ نے کہا (بیٹا) آج کوئی بچانے والا نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے۔ اور (اسی اثناء میں) حائل ہو گئی ان کے درمیان موج پس ہو گیا وہ ڈوبنے والوں سے''۔

کشتی میں سوار ہونے والوں کو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اس میں سوار ہو جاؤ، سطح آب پر اس کا چلنا اور پھر لنگر انداز ہونا اللہ تعالیٰ کے نام سے ہی ہے۔ ابو رجاء عطاردی نے اسے ''بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٰىهَا وَمُرْسِيهَا'' پڑھا ہے(1)۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۞ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ (المومنون: 28) '' پھر جب اچھی طرح بیٹھ جائیں آپ اور آپ کے ساتھ کشتی کے عرشہ پر تو کہنا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم (کے جور و ستم) سے اور یہ بھی عرض کرنا کہ اے میرے رب! اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے''۔ اس لئے کشتی میں یا کسی جانور پر سواری کرتے وقت اور دیگر امور کے آغاز وقت تسمیہ (بسم اللہ پڑھنا) مستحب ہے جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۞ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ (الزخرف: 13-12) ''اور جس نے ہر قسم کی مخلوق پیدا فرمائی اور بنا دیں تمہارے لئے کشتیاں اور مویشی جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم جم کر بیٹھو ان کی پیٹھوں پر)۔ اور حدیث شریف میں بھی اس کی رغبت دلائی گئی ہے، اس کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ سورۂ زخرف میں ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے لئے ڈوبنے سے امان اس میں ہے کہ وہ کشتیوں میں سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھیں: بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ، وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ، بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ(2)۔

اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ فرمانا اس مقام کے ساتھ بہت مناسبت رکھتا ہے کیونکہ کافروں سے انتقام کا ذکر کرتے ہوئے ان کی غرقابی کے متعلق بیان کیا اور اپنے قہر و غضب کے ذکر کے ساتھ یہ بھی بیان کر دیا کہ وہ غفور رحیم بھی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دونوں قسم کی صفات کو عموماً ایک جگہ لایا جاتا ہے، فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (الاعراف: 167) '' بے شک آپ کا رب جلدی عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ غفور رحیم (بھی) ہے''، وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ (الرعد: 2) ''اور اے (محبوب!) بلاشبہ آپ کا رب بہت بخشنے والا (بھی) ہے لوگوں کے لئے ان کے ظلم (زیادتی) کے باوجود۔ اور بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا (بھی) ہے''۔

اس طرح کی دیگر متعدد آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور انتقام کو یکجا ذکر کیا ہے۔

وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ یعنی کشتی انہیں لے کر اس پانی کی سطح پر چلنے لگی جس نے تمام روئے زمین بلکہ پہاڑوں کی چوٹیوں کو بھی ڈھانپ لیا اور پندرہ ہاتھ یا بقول بعض اسی میل پہاڑوں سے بھی بلند ہو گیا۔ اس پانی پر کشتی اللہ تعالیٰ کے حکم، اس کے فضل و کرم اور اس کی حفاظت میں چل رہی تھی جیسا کہ فرمایا: اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ ۞ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ (الحاقۃ: 12-11)

1۔ الدر المصون للسمین الحلبی، جلد 6 صفحہ 326
2۔ معجم کبیر، جلد 12 صفحہ 124-125

''ہم نے جب سیلاب حد سے گزر گیا تو تمہیں کشتی میں سوار کر دیا۔ تا کہ ہم بنا دیں اس واقعہ کو تمہارے لئے یادگار اور محفوظ رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان''۔ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر: 13-15) ''اور ہم نے سوار کر دیا نوح کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر۔ وہ بہتی جارہی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے۔ (یہ طوفان) بدلہ تھا اس (نبی) کا جس کا انکار کیا گیا تھا۔ اور ہم نے باقی رکھا اس (قصہ) کو بطور نشانی۔ پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا''۔

وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ...... یہ یام نامی آپ علیہ السلام کا چوتھا بیٹا تھا، یہ کفر پر بضد رہا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی پر سوار ہوتے وقت اسے ایمان لانے اور کشتی میں سوار ہو جانے کی دعوت دی تا کہ وہ غرق ہونے سے محفوظ ہو جائے لیکن وہ کہنے لگا کہ میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا وہ مجھے اس پانی سے بچالے گا۔ کہتے ہیں کہ اس نے شیشے کی ایک کشتی بنالی تھی۔ اس قول کا تعلق اسرائیلیات سے ہے جس کی حقیقت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ قرآن پاک تو یہ کہتا ہے کہ اس نے کہا تھا: سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ۔ اپنی جہالت کے باعث اسے یہ یقین تھا کہ طوفان پہاڑوں کی چوٹیوں تک نہیں پہنچ سکتا، اس لئے اگر وہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا تو پانی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور وہ غرق ہونے سے نجات پا جائے گا۔ اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ یعنی آج اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوئی چیز بچانے والی نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں عاصم (اسم فاعل) بمعنی معصوم (اسم مفعول) ہے یعنی بچنے والا جس طرح طاعم (کھانے والا) بمعنی مطعوم (کھلایا ہوا) اور کاس (پہنانے والا) بمعنی مکسو (پہنایا گیا)۔ پھر کیا ہوا، اس کے متعلق فرمایا: وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ۔

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

''اور حکم دیا گیا اے زمین! نگل لے اپنے پانی کو اور اے آسمان تھم جا اور اتر گیا پانی اور حکم الٰہی نافذ ہو گیا اور ٹھہر گئی کشتی جودی (پہاڑ) پر اور کہا گیا ہلاکت و بربادی ہو ظالم قوم کے لئے''۔

جب اللہ تعالیٰ نے سوائے کشتی والوں کے تمام اہل زمین کو ہلاک کر دیا تو زمین کو اس پانی کے نگل جانے کا حکم دیا جو نیچے سے پھوٹ کر سطح زمین پر جمع ہو گیا تھا اور آسمان کو بھی تھم جانے کا حکم دیا۔ پانی کم ہونے لگا، تمام کفار کا قلع قمع ہو گیا اور ان میں سے کوئی بھی زندہ باقی نہ بچا۔ کشتی اپنے سواروں سمیت جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ پہاڑ جزیرہ میں ہے۔ باقی پہاڑوں نے تکبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو بہت بلند سمجھا لیکن اس پہاڑ نے تواضع کا اظہار کیا، اس لئے یہ غرق ہونے سے بچ گیا اور اسی پر کشتی نوح علیہ السلام لنگر انداز ہوئی (1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ کشتی ایک مہینہ تک اس پہاڑ پر ٹھہری رہی یہاں تک کہ وہ سب اس سے اتر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سرزمین جزیرہ کے جودی پہاڑ پر اس کشتی کو عبرت اور نشانی کے طور پر باقی رکھا حتیٰ کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے بھی اسے دیکھ لیا، حالانکہ اس کے بعد کتنی کشتیاں بنیں اور نیست و نابود ہو گئیں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جودی موصل میں پہاڑ ہے، بعض نے کہا ہے کہ یہ کوہ طور ہی ہے۔ نوبہ بن سالم کہتے ہیں کہ میں نے زر بن حبیش کو دیکھا کہ وہ ابواب کندہ سے داخل ہو کر دائیں طرف زاویہ میں بکثرت نماز پڑھتے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ جمعہ کے روز یہاں بکثرت نماز پڑھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ سفینہ نوح یہاں لنگر انداز ہوئی تھی،

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 48

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کشتی میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ مع اہل وعیال اسی افراد تھے۔ وہ ایک سو پچاس دن کشتی میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی کا رخ مکہ شریف کی طرف کر دیا، یہاں وہ چالیس دن تک بیت اللہ کا طواف کرتی رہی پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا رخ جودی پہاڑ کی طرف موڑ دیا جہاں وہ آ کر ٹھہر گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کوے کو خشکی کی خبر لانے کے لئے بھیجا لیکن وہ مردار کھانے میں لگ گیا اور خبر لانے میں دیر کر دی۔ آپ نے کبوتر کو روانہ کیا۔ وہ زیتون کا پتہ اور اپنے پنجوں میں خشک مٹی لایا جس سے آپ علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ پانی خشک ہو چکا ہے۔ آپ جودی پہاڑ سے نیچے اترے اور ایک بستی کی بنیاد رکھی جسے ''ثمانین'' نام دیا گیا۔ ایک دن صبح کے وقت جب وہ لوگ بیدار ہوئے تو اسی مختلف زبانیں بول رہے تھے جن میں سے سب سے اعلیٰ عربی زبان تھی، کوئی شخص دوسرے کی گفتگو نہیں سمجھ پا رہا تھا اس لئے حضرت نوح علیہ السلام ترجمانی کرتے (1)۔ کعب الاحبار کہتے ہیں کہ جودی پہاڑ پر قرار پذیر ہونے سے پہلے کشتی مشرق اور مغرب کے درمیان چکر لگاتی رہی۔ قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ دس رجب کو کشتی میں سوار ہوئے۔ ایک سو پچاس دن کشتی چلتی رہی اور ایک ماہ جودی پر ٹھہری رہی۔ دس محرم کو وہ کشتی سے باہر نکلے، اس قسم کی ایک حدیث مرفوع بھی ہے (2)۔ انہوں نے اس دن روزہ بھی رکھا، ''وَاللّٰهُ اَعْلَمُ''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کچھ یہود کے پاس سے گزرے جنہوں نے عاشورۂ محرم کا روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کونسا روزہ ہے؟ وہ کہنے لگے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو نجات عطا فرمائی اور فرعون کو غرق کر دیا اور اسی دن کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری۔ چنانچہ حضرات نوح و موسیٰ علیہما السلام نے شکرانہ کے طور پر روزہ رکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں موسیٰ کا سب سے زیادہ حقدار ہوں اور اس دن کے روزے کا بھی میں زیادہ مستحق ہوں''۔ پس آپ ﷺ نے اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ سے فرمایا: ''تم میں جو آج صبح روزے سے تھا وہ اپنا روزہ مکمل کرے اور جو شخص غذا کھا چکا ہے وہ باقی دن بغیر کھائے پیئے مکمل کرے'' (3)۔ یہ روایت اس سند سے غریب ہے لیکن اس کے بعض حصے کی شاہد حدیث صحیح موجود ہے (4)۔

وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اور کہا گیا کہ ظالم قوم کے لئے خسارہ، ہلاکت اور رحمت الٰہی سے دوری ہو۔ وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے، کوئی ایک بھی باقی نہ بچا۔ تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ کو قوم نوح میں سے کسی پر رحم فرمانا مقصود ہوتا تو وہ بچے کی ماں پر رحم کرتا''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال ٹھہرے رہے۔ آپ علیہ السلام نے ایک درخت لگایا جو سو سال تک پھلتا پھولتا رہا، پھر آپ اسے کاٹ کر کشتی بنانے لگے۔ یہ دیکھ کر آپ کی قوم کے لوگ جب آپ کے پاس سے گزرتے تو تمسخر اڑاتے اور پوچھتے کہ آپ خشکی پر کشتی تیار کر رہے ہیں یہ چلے گی کیسے؟ آپ فرماتے کہ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ جب آپ فارغ ہوئے اور پانی ابلنے لگا جس سے تمام رستے اور سڑکیں زیر آب آ گئیں تو ایک بچے کی ماں کو اپنے بیٹے کے متعلق اندیشہ ہوا، اسے اپنے بیٹے سے شدید محبت تھی۔ وہ اسے لے کر ایک پہاڑ کی طرف نکلی یہاں تک کہ پہاڑ کے ایک تہائی حصہ تک پہنچ گئی۔ جب پانی وہاں پہنچا تو مزید اوپر چڑھتے ہوئے دو تہائی پہاڑ تک پہنچ گئی۔ جب پانی وہاں بھی پہنچ گیا تو پہاڑ کے اوپر جا ٹھہری لیکن پانی وہاں تک بھی پہنچ گیا۔ جب پانی اس کی گردن تک پہنچا تو اس نے

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 431
2۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 47
3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 359-360
4۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 91، صحیح مسلم، کتاب الصوم، جلد 2 صفحہ 795

اپنے بچے کو ہاتھوں میں لے کر بلند کرلیا لیکن دونوں غرق ہو گئے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی پر رحم فرماتا تو اس بچے کی ماں پر رحم کرتا" (1)۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے۔ کعب الاحبار اور مجاہد بن جبیر نے یہ قصہ اسی طرح بیان کیا ہے۔

وَ نَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۴۷﴾

"اور پکارا نوح نے اپنے رب کو اور عرض کی میرے پروردگار! میرا بیٹا بھی تو میری اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بہتر حکم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح! وہ تیرے گھر والوں سے نہیں (کیونکہ) اس کے عمل اچھے نہیں۔ پس نہ سوال کیا کرو مجھ سے جس کا تجھے علم نہ ہو۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ نہ ہو جانا نادانوں سے۔ عرض کرنے لگے میرے پروردگار! میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے کہ میں سوال کروں تجھ سے ایسی چیز کا جس کا مجھے علم نہیں۔ اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں ہو جاؤں گا زیاں کاروں سے"۔

یہاں حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کی حقیقت حال کے متعلق استفسار کر رہے ہیں کہ اے پروردگار! میرا بیٹا بھی تو میرے اہل میں سے ہے اور تو نے میرے ساتھ میرے اہل کی نجات کا وعدہ کر رکھا ہے، تیرا وعدہ حق ہے جس کی خلاف ورزی ممکن نہیں، پھر میرا بیٹا کیسے غرق ہو گیا حالانکہ تو احکم الحاکمین ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! یہ تیرے اس اہل میں سے نہیں جس کی نجات کا میں نے وعدہ کر رکھا ہے۔ نجات کا وعدہ تو صرف تمہارے اہل کے ایماندار لوگوں کے ساتھ ہے، اس لئے فرمایا: وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ (ہود: 40) اور یہ بیٹا ان میں شامل تھا جن کے متعلق کفر اور مخالفت نوح علیہ السلام کے باعث غرق کئے جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ متعدد آئمہ نے اس قول کو رد کیا ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا نہیں تھا بلکہ بدکاری سے پیدا ہوا۔ مجاہد، حسن، عبید بن عمیر، ابو جعفر باقر اور ابن جریج سے یہ منقول ہے کہ وہ آپ علیہ السلام کی بیوی سے کسی اور خاوند کا لڑکا تھا۔ بعض حضرات نے اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ اور فَخَانَتٰهُمَا (التحریم: 10) "پھر ان دونوں نے ان دونوں سے خیانت کی" سے استدلال کرتے ہوئے اسے حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ آپ کی بیوی کا بیٹا تھا، اس سے یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ وہ آپ علیہ السلام کے نطفہ سے نہ تھا اور یہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ اسے مجازی طور پر آپ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا کیونکہ وہ آپ کے ہاں پرورش پاتا رہا لیکن ان دونوں اقوال کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد علمائے سلف فرماتے ہیں کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا۔ اس فرمان اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ کا مطلب یہ ہے کہ یہ تیرے اس اہل میں سے نہیں جن کی نجات کا وعدہ میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہی حق ہے جس سے انحراف بہت بڑی غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت اس بات کو برداشت نہیں کرتی کہ کسی نبی کے گھر میں فاحشہ عورت ہو، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 342

لگانے والوں پر شدید غضب کا اظہار کیا اور جن لوگوں نے آپ پر یہ بہتان لگایا تھا اور اس کی اشاعت کی تھی ان کے متعلق فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَ الَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ⑪ لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ۝ لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىِٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۖۗ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ (النور: 15-11)

''بیشک جنہوں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے وہ ایک گروہ ہے تم میں سے۔ تم اسے اپنے لئے برا خیال نہ کرو، بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے لئے، ہر شخص کے لئے اس گروہ میں سے اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا۔ اور جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا ان میں سے (تو) اس کے لئے عذاب عظیم ہوگا .... (جب تم ایک دوسرے سے) نقل کرتے تھے اس (بہتان) کو اپنی زبانوں سے اور کہا کرتے تھے اپنے مونہوں سے ایسی بات جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا۔ نیز تم خیال کرتے کہ یہ معمولی بات ہے حالانکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی تھی''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ آپ علیہ السلام کا بیٹا تھا لیکن اعمال اور نیت میں آپ کا مخالف تھا۔ عکرمہ نے ایک قرأت میں اسے ''اِنَّهٗ عَمِلَ عَمَلًا غَیْرَ صَالِحٍ'' پڑھا ہے (1)۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو 'اِنَّهٗ عَمِلَ غَیْرَ صَالِحٍ'' پڑھتے ہوئے سنا ہے اور یہ بھی: یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (الزمر: 53) ''اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو''۔ (اور اسے کوئی پرواہ نہیں) کیونکہ وہ غفور رحیم ہے (2)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''اِنَّهٗ عَمِلَ غَیْرَ صَالِحٍ'' پڑھا (3)۔ یہ ام المومنین ام سلمہ نہیں بلکہ اسماء بنت یزید ہیں کیونکہ ان کی کنیت بھی یہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جبکہ آپ کعبہ کے پہلو میں تھے، اللہ تعالیٰ کے فرمان ''فَخَانَتٰهُمَا'' کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس خیانت سے مراد زنا نہیں بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی لوگوں کو بتاتی کہ یہ مجنون ہے اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی آپ کے ہاں آنے والے مہمانوں کے متعلق اپنی قوم کو آگاہ کرتی، پھر آپ نے یہ آیت ''اِنَّهٗ عَمِلَ غَیْرَ صَالِحٍ'' پڑھی۔ حضرت سعید بن جبیر سے جب دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا کہ یہ نوح علیہ السلام کا بیٹا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ جھوٹ نہیں بولتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی (4)۔ حضرات مجاہد، عکرمہ، ضحاک، میمون بن مہران اور ثابت بن حجاج سے یہی مروی ہے۔ ابن جریر کا پسندیدہ مسلک بھی یہی ہے اور یہی حق ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَ عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴۸﴾

''ارشاد ہوا اے نوح! (کشتی سے) اتریئے امن وسلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر ہیں اور ان قوموں پر جو آپ کے ہمراہ ہیں اور (آئندہ) کچھ قومیں ہوں گی ہم لطف اندوز کریں گے انہیں، پھر پہنچے گا انہیں ہماری

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 51
2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 454
3۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 294-322
4۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 53

طرف سے دردناک عذاب"۔

جب کشتی جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہوگئی تو حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ آپ پر، آپ کے ساتھی اہل ایمان اور قیامت تک آنے والے ان کی اولاد میں سے ہر مومن پر سلامتی ہو جیسا کہ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ اس سلام میں قیامت تک آنے والے تمام مومن مرد عورتیں شامل ہیں، اسی طرح عذاب اور سامان زیست سے لطف اندوز ہونے میں قیامت تک آنے والے تمام کافر مرد عورتیں داخل ہیں۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے طوفان کو روک دینے کا ارادہ فرمایا تو سطح زمین پر ہوا بھیجی جس سے پانی ساکن ہوگیا، زمین سے ابلتے ہوئے پانی کے چشمے اور آسمان کے دروازے بند ہوگئے جیسا کہ فرمان ہے: وَقِیۡلَ یٰۤاَرۡضُ ابۡلَعِیۡ مَآءَکِ...... (ہود 44) پانی کم ہونا شروع ہوگیا۔ اہل تورات کا خیال ہے کہ کشتی جودی پہاڑ پر ساتویں مہینے کی سترہ تاریخ کو ٹھہری، دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں دکھائی دینے لگیں۔ جب مزید چالیس دن گزر گئے تو حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کو وہ دروازہ کھول دیا جس میں سے وہ سوار ہوئے تھے، پھر آپ نے کوے کو پانی کی کارگزاری معلوم کرنے کے لئے بھیجا لیکن وہ لوٹ کر نہ آیا۔ آپ نے کبوتر کو روانہ کیا، وہ لوٹا تو اسے پاؤں رکھنے کے لئے بھی جگہ نہ ملی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اسے اپنے ہاتھ پر لیا اور اندر داخل کر لیا، پھر سات دن کے بعد اسے دوبارہ روانہ کیا، وہ شام کے وقت واپس پلٹا تو اس کے منہ میں زیتون کا پتہ تھا جس سے حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم ہوگیا کہ پانی سطح زمین پر بہت کم باقی رہ گیا ہے۔ سات دن کے بعد پھر آپ نے کبوتر کو روانہ کیا لیکن وہ واپس نہ آیا۔ اس سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ زمین بالکل خشک ہو چکی ہے۔ پورا ایک سال گزر جانے کے بعد زمین نظر آئی خشکی ظاہر ہوگئی اور حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کا سرپوش اٹھایا۔ دوسرے مہینے کی چھبیس تاریخ تھی، اس وقت حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا گیا: قِیۡلَ یٰنُوۡحُ اہۡبِطۡ......

تِلۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہَاۤ اِلَیۡکَ ۚ مَا کُنۡتَ تَعۡلَمُہَاۤ اَنۡتَ وَلَا قَوۡمُکَ مِنۡ قَبۡلِ ہٰذَا ۛؕ فَاصۡبِرۡ ۛؕ اِنَّ الۡعَاقِبَۃَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۴۹﴾

"یہ قصہ غیب کی خبروں سے ہے جنہیں ہم وحی کر رہے ہیں آپ کی طرف۔ نہ آپ جانتے تھے اسے اور نہ ہی آپ کی قوم اس سے پہلے پس آپ صبر کریں۔ یقیناً نیک انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ یہ اور اس قسم کے دیگر واقعات کا تعلق غیب کی گزشتہ خبروں کے ساتھ ہے، ہم بذریعہ وحی آپ کو ان کی اس طرح تعلیم دیتے ہیں گویا کہ خود آپ نے اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کیا ہوا ہے۔ اس سے قبل نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم کو علم تھا، اس لئے آپ کو جھٹلانے والے یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ نے اس سے ان واقعات کو سیکھ لیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان واقعات کی صحیح صحیح خبر دی جیسا کہ سابقہ آسمانی کتب بھی اس کی گواہ ہیں، اس لئے آپ اپنی قوم کی تکذیب اور ایذاء رسانی پر صبر کریں، ہم آپ کی مدد کریں گے، نگاہ لطف و کرم فرمائیں گے اور دنیا و آخرت میں آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو اسی طرح غلبہ عطا فرمائیں گے جس طرح ہم نے پہلے انبیاء و رسل کو ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا تھا جیسا کہ فرمایا: اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا (المومن:51) "بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی"، وَلَقَدۡ سَبَقَتۡ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّہُمۡ لَہُمُ الۡمَنۡصُوۡرُوۡنَ (الصافات:172) "اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی"۔ اور یہاں فرمایا: فَاصۡبِرۡ ۛؕ اِنَّ الۡعَاقِبَۃَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ۔

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ یٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ یَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۵۲﴾

”اور عاد کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا۔ نہیں ہو تم مگر افتراء پرداز۔ اے میری قوم! نہیں مانگتا میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت۔ نہیں ہے میری اجرت مگر اس (ذات پاک) کے ذمہ جس نے مجھے پیدا فرمایا۔ کیا تم (اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے۔ اے میری قوم! مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف وہ اتارے گا آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش اور بڑھا دے گا تمہیں قوت میں تمہاری پہلی قوت سے اور نہ منہ موڑو (اللہ تعالیٰ سے) جرم کرتے ہوئے“۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا، انہوں نے اپنی قوم کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے کا حکم دیا اور ان بتوں کی پرستش سے منع کیا جو انہوں نے خود ہی گھڑ لئے تھے اور خود ہی ان کے نام تجویز کر لئے تھے۔ آپ علیہ السلام نے انہیں آگاہ کیا کہ میں اس تبلیغ اور نصیحت پر تم سے کوئی اجرت کی خواہش نہیں رکھتا بلکہ میں تو اس ذات سے اجر و ثواب کا امیدوار ہوں جس نے مجھے پیدا فرمایا، کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ میں تمہیں بغیر اجرت طلب کئے ایسی چیز کی دعوت دے رہا ہوں جو دنیا و آخرت میں تمہارے لئے نفع بخش ہے۔ پھر آپ نے انہیں گزشتہ گناہوں سے استغفار اور آئندہ گناہوں سے توبہ کا حکم دیا۔ جو شخص ان صفات (استغفار و توبہ) سے متصف ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر رزق کی فراوانی کر دیتا ہے، اس کا معاملہ آسان بنا دیتا ہے اور ہر حالت میں اس کی حفاظت فرماتا ہے اس لئے فرمایا: یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”جو شخص استغفار کی پابندی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات اور ہر تنگی سے کشادگی عطا فرماتا ہے اور اسے اس جگہ سے رزق بہم پہنچاتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا“ (1)۔

قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِیْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَ مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾

”انہوں نے کہا اے ہود! نہیں لے آیا تو ہمارے پاس کوئی دلیل اور نہیں ہیں ہم چھوڑنے والے اپنے خداؤں کو تمہارے کہنے سے اور نہیں ہیں ہم تجھ پر ایمان لانے والے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ مبتلا کر دیا ہے تجھے ہمارے کسی خدا نے دماغی خلل میں۔ ہود نے کہا میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان بتوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 85، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1254-1255

ہو، اس کے سوا پس سازش کر لو میرے خلاف سب مل کر پھر مجھے مہلت نہ دو۔ بلاشبہ میں نے بھروسہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کوئی جاندار بھی ایسا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر (چلانے والا) ہے''۔

قوم ہود علیہ السلام نے اپنے نبی سے کہا کہ آپ اپنے دعویٰ پر کوئی واضح دلیل نہیں لائے اور ہم صرف آپ کے کہنے پر اپنے معبودوں کو ترک کرنے والے نہیں اور نہ ہی آپ کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ ہمارے بتوں کی مذمت کرنے اور ان کی عبادت سے منع کرنے کے باعث انہوں نے آپ کو دماغی خلل میں مبتلا کر دیا ہے۔ آپ جواب میں کہتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں ان تمام تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ پھر آپ جلال میں آکر انہیں چیلنج کرتے ہیں کہ اگر تمہارے معبود حق پر ہیں تو تم ان کے ساتھ مل کر میرے خلاف سازش کر لو، پھر مجھے پلک جھپکنے کی دیر بھی مہلت نہ دینا۔ میں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کئے ہوئے ہوں جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ اور ہر جاندار کو اس نے پیشانی کے بالوں سے پکڑ رکھا ہے یعنی ہر چیز اس کے قہر، اختیار اور اقتدار کے ماتحت ہے، وہ عادل حاکم ہے جو اپنے حکم میں ظلم نہیں کرتا کیونکہ وہ صراط مستقیم پر ہے۔ ایفع بن عبدالکلاعی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ رکھا ہے، وہ مومن کو تلقین کرتا ہے یہاں تک کہ وہ بندوں پر اس سے بھی زیادہ شفیق ہے جس قدر والدین اولاد کے لئے ہوتے ہیں۔ کافر سے کہا جاتا ہے: مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ (الانفطار: 6) ''انسان! کس چیز نے تجھے دھوکے میں رکھا اپنے رب کریم کے بارے میں''۔ حضرت ہود علیہ السلام کے اس فرمان میں آپ کی رسالت کی صداقت اور ان بتوں کی عبادت کے بطلان پر قطعی دلیل ہے جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان بلکہ بے جان جمادات ہیں جن میں نہ قوت سماعت ہے اور نہ قوت بصارت، نہ کسی کے دوست ہیں اور نہ دشمن، اس لئے عبادت کا مستحق وہی اللہ وحدہ لا شریک ہے جس کے قبضہ قدرت میں ہر قسم کی بادشاہی اور تصرف ہے۔ ہر چیز اس کی ملکیت، قہر اور اقتدار کے ماتحت ہے، بجز اس کے نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَ يَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝۵۷ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝۵۸ وَ تِلْكَ عَادٌ ۙ۫ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ عَصَوْا رُسُلَهٗ وَ اتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝۵۹ وَ اُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝۶۰

''پھر اگر تم روگردانی کرو تو میں نے تو پہنچا دیا ہے تمہیں وہ پیغام جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے تمہاری طرف۔ اور جانشین بنا دے گا میرا رب کسی اور قوم کو تمہارے علاوہ اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے بے شک میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے اور جب آ گیا ہمارا حکم تو ہم نے نجات دے دی ہود کو اور جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ بوجہ اپنی رحمت کے اور ہم نے نجات دیدی انہیں سخت عذاب سے۔ اور یہ قوم عاد (کی داستان) ہے۔ انہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور نافرمانی کی

اس کے رسولوں کی اور پیروی کرتے رہے ہر متکبر منکر حق کے حکم کی، اوران کے پیچھے لگا دی گئی اس دنیا میں بھی لعنت اور قیامت کے دن بھی۔ سنو! عاد نے انکار کیا اپنے رب کا۔ سنو! ہلاکت و بربادی ہو عاد کے لئے جو ہود کی قوم تھی''۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اگر تم میری رسالت سے روگردانی کرتے ہو اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت سے اعراض برتتے ہو تو میں نے اپنا فریضہ تبلیغ ادا کر کے تم پر حجت قائم کر دی ہے۔ میرا رب کسی اور قوم کو تمہارا جانشین بنادے گا جو صرف اسی کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اسے تمہاری کوئی پرواہ نہیں کیونکہ تم اپنے کفر کے ساتھ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ اس کا وبال تم پر ہی پڑے گا۔ میرا پروردگار ہر چیز پر محافظ ہے، وہ اپنے بندوں کے اقوال و افعال کا شاہد ہے اور ان کا انہیں بدلہ عطا کرے گا۔ خیر کے بدلہ میں خیر اور شر کے بدلہ میں شر۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا...... اَمْرُ، ''اَمْرُ'' سے مراد خیر و برکت سے خالی ہونا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمام قوم عاد کو ہلاک کر دیا اور اپنی رحمت اور لطف و عنایت سے حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو نجات عطا فرمائی۔ یہ بدبخت عاد ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ کفر کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی، کیونکہ ایک نبی کے ساتھ کفر تمام انبیاء کے ساتھ کفر کے مترادف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وجوب ایمان میں ان میں کوئی فرق نہیں۔ قوم عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا۔ ان کا یہ کفر تمام انبیاء و رسل کے ساتھ کفر کے قائم مقام ہے۔ اور انہوں نے اپنے رسول کی اتباع کو ترک کر کے ہر سرکش منکر حق کے حکم کی اتباع کی اس لئے یہ دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق ٹھہرے۔ اس دنیا میں جب ان کا ذکر کیا جاتا ہے تو لوگ ان پر لعنت بھیجتے ہیں اور قیامت کے دن بھی سب کے روبرو ندا دی جائے گی: اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ (1)۔ سدی کہتے ہیں کہ عاد کے بعد جو نبی بھی مبعوث ہوا اس کی زبانی ان پر لعنت برستی رہی۔

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝61

''اور قوم ثمود کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا۔ اس نے پیدا فرمایا تمہیں زمین سے اور بسا دیا تمہیں اس میں پس مغفرت طلب کرو اس سے پھر (دل وجان سے) رجوع کرو اس کی طرف۔ بیشک میرا رب قریب ہے (اور) التجائیں قبول فرمانے والا ہے''۔

قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ ان کا مسکن تبوک اور مدینہ کے درمیان مدائن حجر تھا۔ قوم عاد کے بعد ان کا ظہور ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ اس نے ہی تمہیں پیدا کرنے کا آغاز کیا اور تمہارے باپ آدم کو زمین سے ہی پیدا کیا اور تمہیں زمین میں آباد کیا جس سے تم سامان زیست حاصل کرتے ہو، اس لئے اسی کے حضور اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ گناہوں سے توبہ کر لو کیونکہ میرا رب بہت قریب اور التجاؤں کو سننے والا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرة: 186) ''اور جب پوچھیں آپ سے (اے میرے حبیب) میرے بندے میرے متعلق تو (انہیں بتاؤ) میں (ان کے) بالکل نزدیک ہوں قبول کرتا ہوں دعا دعا کرنے والے کی جب وہ دعا مانگتا ہے مجھ سے''۔

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 444

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾

''انہوں نے کہا اے صالح! تم ہی ہم میں (ایک شخص) تھے جس سے امیدیں وابستہ تھیں اس سے پہلے کیا تم روکتے ہو ہمیں اس سے کہ ہم عبادت کریں ان (بتوں) کی جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا۔ اور بیشک ہم اس امر کے بارے میں جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے ایک بے چین کر دینے والے شک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ آپ نے کہا اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا کی ہو مجھے اپنی جناب سے خاص رحمت تو کون ہے جو بچائے گا مجھے اللہ (کے عذاب سے) اگر میں اس کی نافرمانی کروں۔ تم تو نہیں زیادہ کرنا چاہتے میرے لئے سوا نقصان کے''۔

حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کی قوم کے درمیان گفتگو اور ان کی جہالت وعناد کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ حضرت صالح علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اس اعلان رسالت سے پہلے ہمیں آپ کے ساتھ بڑی امیدیں وابستہ تھیں، کیا آپ ہمیں ان کی عبادت سے منع کرتے ہیں جن کی عبادت پر ہمارے اسلاف کاربند تھے، آپ کی دعوت کے باعث ہم تو ایک پریشان کن شک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ آپ علیہ السلام فرمانے لگے کہ اے میری قوم! مجھے یہ تو بتاؤ اگر مجھے اپنی رسالت کی صداقت پر اپنے رب کی طرف سے یقین اور دلیل حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رحمت سے نواز رکھا ہو تو اس کی نافرمانی کرنے، دعوت حق کو ترک کرنے اور عبادت الٰہی کو چھوڑنے کی صورت میں کون میری مدد کرے گا اور عذاب الٰہی سے بچائے گا۔ اگر میں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیا تو تم مجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے بلکہ خسارہ میں ہی اضافہ کرو گے۔

وَ يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾

''اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لئے نشانی ہے پس چھوڑ دو اسے کھاتی پھرے اللہ تعالیٰ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے برائی سے ورنہ پکڑ لے گا تمہیں عذاب بہت جلد۔ پس انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو صالح نے فرمایا لطف اٹھا لو اپنے گھروں میں تین دن تک۔ یہ (اللہ کا) وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ پھر جب آ گیا ہمارا حکم تو ہم نے بچا لیا صالح کو اور انہیں جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ اپنی رحمت سے نیز (بچا لیا) اس دن کی رسوائی سے۔ بیشک (اے محبوب) تیرا رب ہی بہت قوت والا بہت عزت والا ہے۔ اور پکڑ لیا ظالموں کو ایک خوفناک کڑک نے اور صبح کی انہوں نے اس حال میں کہ وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے گرے پڑے تھے۔ (انہیں یوں نابود کر دیا گیا) گویا وہ یہاں کبھی

آباد ہی نہ ہوئے تھے سنو! ثمود نے انکار کیا اپنے رب کا۔ سنو! بربادی ہو ثمود کے لئے''۔

ان آیات کی تفسیر سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں (1)۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٠﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَاۗىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَاۗءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿٧١﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿٧٣﴾

''اور بلاشبہ آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر انہوں نے کہا (اے خلیل!) آپ پر سلام ہو۔ آپ نے فرمایا تم پر بھی سلام ہو، پھر آپ جلدی لے آئے (ان کی ضیافت کے لئے) ایک بچھڑا بھنا ہوا۔ پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں بڑھ رہے کھانے کی طرف تو اجنبی خیال کیا انہیں اور دل ہی دل میں ان سے اندیشہ کرنے لگے۔ فرشتوں نے کہا ڈریئے نہیں۔ ہمیں تو بھیجا گیا ہے قوم لوط کی طرف۔ اور آپ کی اہلیہ (سارہ پاس) کھڑی تھیں۔ وہ ہنس پڑیں۔ تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحاق کی۔ اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔ سارہ نے کہا وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔ بلاشبہ یہ تو عجیب وغریب بات ہے فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو! بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے''۔

فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر آئے، بعض نے کہا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری لے کر اور بعض نے کہا کہ قوم لوط کی ہلاکت کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ''فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ .... '' پہلے کی تائید کرتا ہے۔ علماء بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلام فرشتوں کے سلام سے بہتر ہے کیونکہ آپ علیہ السلام کا سلام کہنا (جو اصل میں سلام علیکم ہے) جملہ اسمیہ پر مشتمل ہے اور جملہ اسمیہ دوام اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔

فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ یعنی آپ جلدی سے گئے اور گرم پتھر پر بھنا ہوا بچھڑا لے آئے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿٢٦﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ (الذاریات: 27-26) ''پس چپکے سے اپنے اہل خانہ کی طرف گئے اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لے آئے۔ لا کر ان کے قریب رکھ دیا فرمایا کھاتے کیوں نہیں''۔ اس آیت کریمہ میں متعدد آداب ضیافت موجود ہیں۔

فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ...... جب آپ نے دیکھا کہ مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تو آپ نے انہیں اجنبی خیال کیا اور

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف: 79-73

ان سے اندیشہ کرنے لگے۔ چونکہ فرشتے کھاتے نہیں اور نہ ہی انہیں کھانے کی طلب ہوتی ہے اس لئے جب آپ علیہ السلام نے انہیں بالکل کھانے سے اعراض کرتے ہوئے دیکھا تو انہیں اجنبی خیال کرتے ہوئے کچھ خوف سا محسوس کیا۔ سدی کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو قوم لوط کی طرف بھیجا تو وہ نوجوانوں کی صورت میں چلتے ہوئے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپ نے ان کی ضیافت کا سامان کیا۔ جلدی سے گھر گئے، ایک موٹا تازہ بچھڑا ذبح کیا اور اسے گرم پتھروں پر بھون کر ان کے پاس لے آئے اور خود بھی دستر خوان پر ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت سارہ ان کی خدمت بجالانے میں مصروف ہوگئیں۔ یہی مطلب ہے وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ کا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ''وَامْرَاَتُهٗ قَائِمَةٌ وَّهُوَ جَالِسٌ'' آیا ہے آپ نے کھانا ان کے قریب کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم نہیں کھاؤ گے؟ وہ کہنے لگے کہ اے ابراہیم! ہم بغیر قیمت کے کھانا نہیں کھاتے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کی قیمت ہے، انہوں نے پوچھا کہ اس کی قیمت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کھانے کے شروع میں ''بِسْمِ اللّٰهِ'' پڑھو اور آخر میں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ''، یہی اس کی قیمت ہے۔ یہ سن کر جبرئیل علیہ السلام نے میکائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ اس فضیلت کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنا خلیل بنائے۔ اب بھی جب آپ نے دیکھا کہ وہ کھانا کھانے پر آمادہ نہیں ہیں تو آپ گھبرا گئے اور ان سے اندیشہ کرنے لگے۔ جب حضرت سارہ نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مہمانوں کی بڑی عزت و تکریم کی ہے اور وہ بذات خود بھی ان کی خدمت میں مشغول ہیں تو بے ساختہ ہنس پڑیں اور کہنے لگیں کہ ہمارے مہمان بھی عجیب ہیں، ہم بذات خود ان کی خدمت بجالانے میں مشغول ہیں لیکن یہ ہمارا کھانا کھاتے ہی نہیں (1)۔ عثمان بن محیصنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے مہمان چار فرشتے تھے: جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور رفائیل علیہم السلام۔ نوح بن ابی شداد کا خیال ہے کہ جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ علیہ السلام نے ان کے سامنے بچھڑا پیش کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسے اپنے پر کے ساتھ چھوا، وہ زندہ ہو کر چلتے ہوئے گھر میں اپنی ماں سے جاملا۔

قَالُوْا لَا تَخَفْ...... فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ڈریئے مت، ہم فرشتے ہیں اور ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ ہم انہیں ہلاک کر دیں۔ قوم لوط کے کثرت فساد اور شدت کفر و عناد کے باعث ان کی ہلاکت کی بشارت پر حضرت سارہ ہنس پڑیں، اس لئے اس کے بدلہ میں آپ کو بیٹے کی ولادت کا مژدہ سنایا گیا حالانکہ آپ ناامیدی کی عمر کو پہنچ چکی تھیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ وہ ہنس پڑیں اور انہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ قوم لوط پر عذاب آنے والا ہے اور وہ اس سے غافل ہیں۔

وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''ضَحِكَتْ'' کا معنی ''حَاضَتْ'' (انہیں حیض آگیا) نقل کیا ہے۔ محمد بن قیس کہتے ہیں کہ ان کے ہنسنے کی وجہ ان کا یہ گمان تھا کہ وہ بھی قوم لوط جیسا عمل کرنا چاہتے ہیں۔ کلبی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گھبراہٹ کو دیکھ کر حضرت سارہ کو ہنسی آگئی۔ لیکن محمد ابن قیس اور کلبی کے اقوال نہایت ہی بودے اور کمزور ہیں، اگرچہ ابن جریر نے ان دونوں کو بیان کیا ہے لیکن یہ ناقابل توجہ ہیں۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری پر آپ کو ہنسی آئی لیکن یہ قول سیاق کے مخالف ہے کیونکہ بشارت صراحۃً ''ضحك'' (ہنسی) پر مرتب ہو رہی ہے: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ یعنی بیٹے اور پھر پوتے کی خوشخبری سے یہ باور کرا دیا کہ ان کی نسل باقی رہے گی جیسا کہ فرمایا: اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 72

الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرۃ:133) ''بھلا کیا تم (اس وقت) موجود تھے جب آ پہنچی یعقوب علیہ السلام کو موت۔ جب کہ پوچھا اس نے اپنے بیٹوں سے کہ تم کس کی عبادت کرو گے میرے (انتقال کر جانے کے) بعد۔ انہوں نے عرض کی ہم عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے بزرگوں ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام اور اسحٰق علیہ السلام کے خدا کی جو خدائے وحدہ لاشریک ہے۔ اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے''۔ اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، حضرت اسحاق علیہ السلام نہیں تھے کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی تو بشارت دی جا رہی ہے اور یہ بھی مژدہ سنایا جا رہا ہے کہ ان کے ہاں یعقوب پیدا ہوں گے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے جبکہ ابھی آپ چھوٹے بچے تھے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ابھی حضرت یعقوب علیہ السلام بھی پیدا نہیں ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے جس کی خلاف ورزی ممکن نہیں، اس لئے اس حالت میں حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم دینا ممتنع ہے تو ثابت ہوا کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے اور یہ سب سے عمدہ، صحیح اور واضح استدلال ہے۔

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى...... اس آیت میں حضرت سارہ کی بات کو بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے: قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ (ہود:72) ''سارہ نے کہا وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں''، سورہ ذاریات میں ان کے تعجب کو یوں بیان فرمایا: فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ (الذاریات:29) ''پس آئی آپ کی بیوی نے چیں بجبیں ہو کر اور (فرط حیرت سے) طمانچہ دے مارا اپنے چہرہ پر اور بولی (میں) بوڑھی (میں) بانجھ (کیا میرے ہاں بچہ ہوگا!'' جس طرح عورتوں کی عادت ہے کہ وہ تعجب کے وقت اپنے اقوال و افعال میں ایسا کرتی ہیں فرشتے انہیں کہنے لگے کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے حکم میں تعجب کا اظہار کر رہی ہیں۔ وہ جس کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو لفظ ''کن'' کہہ دیتا ہے تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس پر تعجب نہ کریں اگرچہ آپ اور آپ کے خاوند دونوں بڑھاپے اور ناامیدی کی عمری کو پہنچ چکے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہے اس پر پوری طرح قادر ہے۔ اے نبی کے گھرانے والو! تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں بلاشبہ وہ اپنے تمام اقوال و افعال میں قابل ستائش اور اپنی ذات و صفات میں عظیم ہے۔ اس لئے صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ پر سلام پڑھنا ہمیں سکھا دیا گیا ہے۔ ہم آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: کہو: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ'' (1)۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾

''پھر جب دور ہو گیا ابراہیم (علیہ السلام) سے خوف اور مل گیا انہیں مژدہ تو وہ ہم سے جھگڑنے لگے قوم لوط کے بارے میں۔ بے شک ابراہیم (علیہ السلام) بڑے بردبار، رحمدل (اور) ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔ اے ابراہیم! اس بات کو رہنے دیجئے۔ بے شک آ گیا تیرے رب کا حکم۔ اور ان پر آ کر رہے گا عذاب جو پھیرا نہیں جا سکتا''۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 178، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 305

جب فرشتوں کی حقیقت پر آگاہی ہوگئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خوف دور ہوگیا، اس کے بعد فرشتوں نے آپ کو بیٹے کی ولادت کا مژدہ سنایا اور قوم لوط کی ہلاکت کی خبر دی تو آپ قوم لوط کے متعلق جھگڑنے لگے جیسا کہ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ جب حضرت جبرئیل اور دیگر فرشتے آپ علیہ السلام کے پاس آئے تو وہ کہنے لگے: '' اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ (العنکبوت: 31) '' ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس گاؤں کے باشندوں کو''۔ آپ نے فرشتوں سے پوچھا کہ تم اس بستی کو نیست و نابود کردو گے جس میں تین سو مومن ہوں؟ فرشتوں نے کہا کہ نہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ کیا اس بستی والوں کو ہلاک کردو گے جس میں دو سو مومن ہوں؟ فرشتے کہنے لگے: نہیں۔ فرمایا: کیا تم اس بستی کو برباد کردو گے جس میں چالیس مومن ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، پھر فرمایا کہ اگر تیس ہوں؟ انہوں نے کہا: نہیں، یہاں تک کہ تعداد کم کرتے کرتے آپ پانچ تک پہنچ گئے تو فرشتوں نے کہا: نہیں۔ آخر میں آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ تو بتاؤ اگر اس بستی میں ایک مسلمان ہو تو کیا اسے برباد کردو گے؟ فرشتوں نے جواب دیا: نہیں۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ (العنکبوت: 32) '' اس میں تو لوط بھی رہتا ہے۔ فرشتوں نے عرض کی ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں۔ ہم ضرور بچالیں گے اسے اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی عورت کے''، یہ سن کر آپ کو اطمینان ہوا اور آپ خاموش ہوگئے۔ قتادہ وغیرہ نے بھی تقریباً یہی کہا ہے۔ ابن اسحاق نے اس میں کچھ اضافہ کیا ہے کہ فرشتوں سے حضرت ابراہیم نے پوچھا کہ اس بستی میں لوط بھی ہیں؟ تو فرشتوں نے جواب دیا: نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا (العنکبوت: 32) '' عرض کی ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں''۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ مذکورہ صفات جمیلہ کے ساتھ آپ علیہ السلام کی مدح و توصیف کی جارہی ہے، ان صفات کی تفسیر گزر چکی ہے (1)۔

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا...... یعنی ان میں قضاء و قدر نافذ ہوچکی ہے، ان کی ہلاکت اور نزول عذاب کا حتمی فیصلہ ہوچکا ہے جسے رد نہیں کیا جاسکتا۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾

'' اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط (علیہ السلام) کے پاس وہ دلگیر ہوئے ان کے آنے سے اور بڑے پریشان ہوئے ان کی وجہ سے۔ اور بولے آج کا دن تو بڑی مصیبت کا دن ہے۔ اور (مہمانوں کی خبر سنتے ہی) آئے ان کے پاس ان کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے۔ اور اس سے پہلے ہی وہ کیا کرتے تھے برے کام۔ لوط نے کہا اے میری قوم! (دیکھو) یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں وہ پاک اور حلال ہیں تمہارے لئے تم خدا کا خوف کرو اور مجھے رسوا نہ کرو میرے مہمانوں

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ: 114

کے معاملہ میں۔ کیا تم میں ایک بھی سمجھدار آدمی نہیں؟ کہنے لگے تم خوب جانتے ہو ہمیں تمہاری (قوم کی) بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں۔ اور تم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں)''۔

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قوم لوط کی ہلاکت کے متعلق آگاہ کرنے کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپ اس وقت اپنی زمین یا گھر میں تھے۔ فرشتے نہایت ہی خوبرو نوجوانوں کی شکل میں آپ کے پاس آئے۔ درحقیقت قوم کے لئے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش تھی، اس میں اس کی حکمت اور حجت مضمر تھی۔ مہمانوں کی آمد سے حضرت لوط علیہ السلام سخت دلگیر اور پریشان ہوئے اور سوچنے لگے کہ اگر میں نے انہیں اپنے ہاں نہ ٹھہرایا تو قوم کا کوئی دوسرا آدمی انہیں اپنے گھر لے جائے گا اور ان کی بے حرمتی کرے گا، یہ سوچ کر کہنے لگے کہ آج کا دن سخت آزمائش کا دن ہے، اس لئے کہ ان مہمانوں کی مدافعت اور حفاظت آپ کو مشکل محسوس ہو رہی تھی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام اپنی زمین میں تھے کہ یہ فرشتے آپ کے پاس آئے اور آپ کے مہمان بنے، شرم وحیاء کے باعث آپ انکار نہ کر سکے اور انہیں لے کر ان کے آگے چلنے لگے۔ رستے میں اشارہ کنایہ سے انہیں واپس لوٹ جانے کو کہا اور انہیں یہ باور کرایا کہ روئے زمین پر اس شہر والوں سے زیادہ خبیث لوگ نہیں ہیں۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد پھر آپ نے اپنی بات دہرائی۔ یہاں تک کہ چار مرتبہ یہی بات کی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ان فرشتوں کو یہ حکم ہوا تھا کہ وہ انہیں اس وقت تک ہلاک نہ کریں جب تک حضرت لوط علیہ السلام ان پر ان کی بدکاری کی گواہی نہ دے دیں۔ سدی کہتے ہیں کہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے حضرت لوط علیہ السلام کی بستی کی طرف نکلے۔ دوپہر کو وہ نہر سدوم پہنچے، وہاں حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی سے ان کی ملاقات ہوگئی جو پانی لینے کے لئے آئی تھیں۔ فرشتے ان سے پوچھنے لگے کہ کیا ٹھہرنے کے لئے کوئی گھر ہے؟ آپ علیہ السلام کی صاحبزادی نے کہا کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آتی ہوں۔ وہ ڈر گئیں کہ قوم کے لوگ ان کی عزت پر ہاتھ ڈالنے سے باز نہیں آئیں گے۔ وہ اپنے والد محترم سے عرض کرنے لگیں: ابا جان! شہر کے دروازہ پر کچھ نوجوان ہیں، ان سے زیادہ خوبرو لوگ میں نے نہیں دیکھے، ان کی خبر لیجئے کہیں آپ کی قوم ان کی بے حرمتی نہ کر ڈالے۔ آپ کی قوم نے آپ کو کسی بھی شخص کو مہمان بنانے سے روک رکھا تھا، ان کا کہنا تھا کہ آپ چھوڑیں، ہم لوگوں کی مہمان نوازی کیا کریں گے۔ بہرصورت حضرت لوط علیہ السلام ان فرشتوں کو اپنے ساتھ لے آئے، سوائے آپ کے گھر والوں کے کسی کو ان کی کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ آپ کی بیوی نے راز فاش کر دیا اور اپنی قوم کو ان کے متعلق آگاہ کر دیا تو یہ اوباش خوشی سے بھاگتے ہوئے آئے اور اس سے پہلے بھی وہ برائیوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ یہ فعل بد ان کی فطرت ثانیہ بن چکا تھا، یہاں تک کہ اسی حالت میں انہیں دھر لیا گیا۔

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کو عورتوں کی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔ ان کی عورتوں کو اپنی بیٹیاں اس لئے کہا کیونکہ نبی اپنی امت کے لئے بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ آپ نے ان کی رہنمائی ایسی چیز کی طرف کی جو دنیا و آخرت میں ان کے لئے زیادہ نفع بخش ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ (الشعراء: 166-165) ''کیا تم بدفعلی کے لئے جاتے ہو مردوں کے پاس ساری مخلوق سے۔ اور چھوڑ دیتے ہو جو پیدا کی ہیں تمہارے لئے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں۔ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو''، ایک اور آیت میں فرمایا: قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (الحجر: 70) ''وہ بولے کیا ہم نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ دوسروں کے معاملہ میں دخل نہ دیا کرو''، قَالَ

هٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِیْۤ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ (الحجر: 72-71) ”آپ نے کہا یہ میری (قوم کی) بچیاں ہیں اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو (تو ان سے نکاح کرلو)۔ (اے محبوب!) آپ کی زندگی کی قسم یہ (اپنی طاقت کے نشہ میں) مست ہیں (اور) بہکے بہکے پھر رہے ہیں“، اس آیت کریمہ میں فرمایا: هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ”بَنَاتِیْ“ سے مراد آپ کی بیٹیاں نہیں بلکہ آپ کی قوم کی بیٹیاں مراد ہیں کیونکہ ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ قتادہ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے، ابن جریج کہتے ہیں کہ آپ نے انہیں عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا، یہ نہیں کہ بغیر نکاح کے عورتوں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کو کہا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ قوم کی عورتیں آپ کی بیٹیاں اور آپ ان کے باپ ہیں۔ ایک قرأت میں یہ بھی آیا ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ط وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ (1)۔ ”نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور آپ ان کے باپ ہیں“۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ...... یعنی میرے حکم کے مطابق صرف عورتوں پر اکتفاء کرو، کیا تم میں کوئی عقلمند اور سمجھ دار آدمی نہیں ہے جو میرے احکام کو قبول کرلے اور نواہی سے اجتناب کرے۔ وہ جواب میں کہنے لگے کہ ہمیں اپنی عورتوں سے کوئی سروکار اور رغبت نہیں۔ ہمیں تو لڑکوں سے غرض ہے، اس چیز کو آپ بھی بخوبی جانتے ہیں، اس لئے بحث و تکرار کی کیا ضرورت ہے؟

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ط اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ط اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ط اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ﴿۸۱﴾

”لوط نے (بصد حسرت) کہا اے کاش! میرے پاس بھی تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں پناہ ہی لے سکتا کسی مضبوط سہارے کی۔ فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے پس آپ لے کر نکل جایئے اپنے اہل و عیال کو جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے اور پیچھے مڑ کر تم میں سے کوئی نہ دیکھے مگر اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جایئے۔ بیشک وہی (عذاب) اسے بھی پہنچے گا جو ان (دوسرے مجرموں) کو پہنچا۔ ان پر عذاب آنے کا مقررہ وقت صبح کا وقت ہے۔ کیا نہیں ہے صبح (بالکل) قریب؟“۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر مجھ میں قوت ہوتی تو میں تمہیں عبرت ناک سزا سے دوچار کرتا اور تمہیں تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوط پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو وہ ایک مضبوط سہارے (اللہ تعالیٰ) کی پناہ لینا چاہتے تھے۔ آپ کے بعد جو پیغمبر آیا اسے قوی کثرت میں مبعوث کیا گیا“ (2)۔ اس وقت فرشتوں نے آپ کو اپنی حقیقت کے متعلق آگاہ کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں اور یہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور آپ کو رات کے آخری حصہ میں اپنے اہل و عیال سمیت چلے جانے کو کہا اور یہ بھی کہ آپ ان کے پیچھے پیچھے رہیں اور کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے یعنی قوم پر اترنے والے عذاب کے متعلق جب آپ کو پریشان کن آوازیں سنائی دیں تو ان کی طرف متوجہ نہ ہونا بلکہ اپنا سفر جاری رکھنا۔ لیکن آپ علیہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 84

2۔ جامع ترمذی، تفسیر سورۂ یوسف، جلد 11 صفحہ 282، مستدرک حاکم، کتاب التاریخ، جلد 2 صفحہ 561

السلام کی بیوی اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ ’’آپ بجز اپنی بیوی کے گھر والوں کو راتوں رات لے چلیں) اس صورت میں ’’امْرَاَتَكَ‘‘ کو منصوب پڑھنا واجب ہے لیکن اگر استثناء وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ سے ہو تو رفع اور نصب دونوں جائز ہیں۔ اس صورت کے قائلین کا کہنا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی آپ کے ساتھ نکلی، جب اس نے قوم کی چیخ و پکار سنی تو مڑ کر دیکھنے لگی اور قوم کی تباہی کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی: ہائے میری قوم! اسی وقت آسمان سے ایک پتھر آیا اور اسے بھی پیوند خاک کر گیا۔ پھر فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو بہت جلد ان اوباشوں کی ہلاکت کی خوشخبری دی کیونکہ آپ نے ان سے تقاضا کیا تھا کہ انہیں ابھی ہلاک کر ڈالو فرشتے کہنے لگے: اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ۔ یہ بدکردار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور حضرت لوط علیہ السلام کے دروازہ پر ڈیرے جمالئے، آپ علیہ السلام دروازے پر کھڑے انہیں روک رہے تھے اور فعل شنیع کے ارتکاب سے منع کر رہے تھے لیکن وہ آپ کی بات ماننے کو تیار نہیں تھے بلکہ الٹا آپ کو دھمکیاں دے رہے تھے۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نکلے اور اُن کے منہ پر اپنا ایک پر مارا جس کی وجہ سے ان کی آنکھیں اندھی ہوگئیں، وہ واپس پلٹے تو انہیں رستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا، اس کیفیت کو قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا: وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ (القمر: 37) ’’اور انہوں نے پھسلانا چاہا لوط کو اپنے مہمانوں سے تو ہم نے میٹ دیا ان کی آنکھوں کو، لو اب چکھو (اے بے حیاؤ!) میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ‘‘۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم لوط کے پاس آتے اور کہتے کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے منع کرتا ہوں۔ اگر باز نہیں آؤ گے تو عذاب الٰہی کے سزاوار ہو جاؤ گے لیکن وہ آپ کی بات ماننے کو تیار نہ ہوئے۔ جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہوگئیں تو فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے، آپ اس وقت اپنی زمین میں کام کر رہے تھے۔ آپ نے انہیں اپنے پاس ٹھہرانے کی دعوت دی۔ وہ کہنے لگے کہ آج رات ہم آپ کے مہمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو یہ تاکید کر رکھی تھی کہ انہیں اس وقت تک عذاب نہ دیں جب تک حضرت لوط ان کے خلاف تین مرتبہ گواہی نہیں دے دیتے۔ جب آپ انہیں لے کر چلے تو انہیں اپنی قوم کی بدچلنی کے متعلق آگاہ کر دیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد پھر آپ فرشتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ کیا تمہیں معلوم ہے اس بستی والے کسی فعل کا ارتکاب کرتے ہیں؟ مجھے نہیں معلوم کہ روئے زمین پر ان سے زیادہ کوئی برے لوگ ہوں گے، میں تمہیں کہاں لے کر جاؤں؟ کیا اپنی قوم کی طرف جو بدترین مخلوق ہے؟ یہ سن کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے ساتھی فرشتوں سے کہا کہ اسے یاد رکھنا، یہ ایک گواہی ہوگئی۔ پھر آپ فرشتوں کو لے کر چلتے رہے۔ جب بستی کے وسط میں پہنچے تو انہیں اپنے مہمانوں پر بہت ترس آیا اور شرم محسوس کرتے ہوئے انہیں کہا کہ کیا تمہیں علم ہے کہ اس بستی والے کس فعل شنیع کا ارتکاب کرتے ہیں؟ روئے زمین پر ان سے زیادہ بدکردار کوئی مخلوق نہیں۔ جبرئیل دوسرے ملائکہ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ اسے بھی یاد رکھنا، دو گواہیاں ہوگئیں۔ جب حضرت لوط علیہ السلام انہیں لے کر اپنے گھر کے دروازہ تک پہنچے تو شرم و حیا اور مہمانوں پر ترس کھاتے ہوئے رو دیئے اور کہنے لگے کہ میری قوم سب سے زیادہ بری مخلوق ہے، کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا کرتوت کرتے ہیں؟ مجھے نہیں معلوم کہ روئے زمین پر اس بستی والوں سے بھی زیادہ بدقماش لوگ ہوں گے۔ تو جبرئیل اپنے ساتھی ملائکہ سے کہنے لگے کہ یہ بات بھی محفوظ رکھنا، یہ تیسری گواہی ہوئی۔ اب عذاب ثابت ہو چکا۔ جب فرشتے آپ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوئے تو آپ علیہ السلام کی بڑھیا بیوی نے اونچی جگہ چڑھ کر اپنا کپڑا ہلایا جسے دیکھتے ہی یہ اوباش دوڑتے ہوئے آئے اور پوچھنے لگے کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ وہ کہنے لگی کہ لوط کے پاس ایسے مہمان آئے ہیں جن سے زیادہ خوبرو اور عمدہ خوشبو والے لوگ میں نے نہیں دیکھے۔ یہ سن کر وہ

دروازے کی طرف لپکے۔ حضرت لوط علیہ السلام دروازے پر کھڑے مزاحمت کرنے لگے۔ آپ انہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہنے لگے: ''هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ'' فرشتہ فلز دروازے پر کھڑا ہوا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے عذاب کی اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ اپنی اصلی آسمانی صورت میں اٹھے اور اپنا ایک پر پھیلا دیا...... جبرئیل کے دو پر ہیں...... ان پر موتیوں کا جڑاؤ ہے، آپ کے چمکتے دمکتے دانت ہیں، پیشانی نمایاں اور اجلی اجلی، سر لؤلؤ و مرجان کی طرح اور دونوں ٹانگیں سبزی کی طرف مائل۔ کہنے لگے: اے لوط! ہم تمہارے رب کے فرستادہ ہیں۔ آپ دروازے سے ہٹ جائیں ہم ان سے نمٹ لیں گے۔ حضرت لوط علیہ السلام دروازے سے ہٹ گئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام باہر نکلے۔ آپ نے اپنا ایک پر پھیلا کر ان بدمعاشوں کے چہروں پر مارا جس سے وہ اندھے ہو گئے اور انہیں رستہ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا، پھر حضرت لوط علیہ السلام کو حکم ہوا: فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ (1)۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾

''پھر جب آپہنچا ہمارا حکم تو ہم نے کر دیا اس کی بلندی کو اس کی پستی اور ہم نے برسائے ان پر پتھر آگ میں پکے ہوئے پے درپے جو نشان زدہ تھے آپ کے رب کی جانب سے۔ اور نہیں (لوط کی) بستی (مکہ کے) ظالموں سے کچھ دور''۔

طلوع آفتاب کے وقت ان پر عذاب الٰہی آپہنچا، ان کی بستی سدوم زیروزبر کر دی گئی جیسا کہ فرمایا: فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ (النجم:54) ''پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا'' اور پختہ مٹی کے پتھروں کی لگاتار بارش ان پر برسنے لگی جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ (الذاریات:33) ''مٹی کے پتھر''۔ بعض نے کہا ہے کہ انہیں آگ میں پکایا گیا تھا۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ ''سِجِّيْلٍ'' کا معنی ہے سخت بھاری اور وزنی پتھر۔ ''سِجِّيْلٍ'' اور ''سِجِّيْنٍ'' دونوں ہم معنی ہیں (2)۔ ''مَّنْضُوْدٍ'' کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے آسمان میں تیار تہہ در تہہ پڑے تھے۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ وہ لگاتار یکے بعد دیگرے ان پر گرتے تھے۔ ''مُّسَوَّمَةً'' کا معنی ہے نشان زدہ، ان پر ناموں کی مہر لگی ہوئی تھی۔ ہر پتھر پر اس شخص کا نام مکتوب تھا جس پر اسے گرنا تھا۔ قتادہ اور عکرمہ اس کا معنی بتاتے ہیں کہ طوق ڈالے ہوئے جنہیں سرخی کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ پتھر شہریوں پر بھی برسے اور اردگرد کے دیہات والے لوگوں پر بھی۔ دریں اثناء ایک آدمی لوگوں کے ساتھ محو گفتگو ہے کہ آسمان سے ایک پتھر اس پر گرتا ہے اور اسے ہلاک کر کے رکھ دیتا ہے۔ ان تمام لوگوں پر ہر طرف سے پتھر برسے جنہوں نے تمام کو نیست و نابود کر دیا، کوئی ایک شخص بھی باقی زندہ نہ بچا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے قوم لوط کو ان کے مکانات، مویشی اور ساز و سامان سمیت اوپر اٹھایا یہاں تک کہ آسمان والے ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سننے لگے پھر انہیں نیچے پلٹ دیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کی بستی کو اپنے دائیں پر کے کناروں پر اٹھایا۔ جب آپ نے اسے نیچے پلٹا تو سب سے پہلے اس بستی کی بلندیاں نیچے گریں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے بستی کو درمیان سے اٹھایا اور اسے اوپر آسمان تک لے گئے یہاں تک کہ آسمان کے فرشتے ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سننے لگے، پھر انہیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر نیست و نابود کر دیا۔ جو لوگ بچ گئے تھے انہیں پتھروں کے ذریعے برباد کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی چار بستیاں تھیں ہر بستی ایک لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ تین بستیاں تھیں جن میں سے سب سے بڑی بستی سدوم تھی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 92 2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ ہود، جلد 6 صفحہ 93

حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھار اس بستی میں تشریف لاتے اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے۔ قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ صبح کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس بستی کی زمین کو محلات، جانور، پتھروں، درختوں اور دیگر چیزوں سمیت اکھیڑ کر اپنے پر کے اندر سمیٹ لیا۔ پھر ان تمام چیزوں کو لے کر آسمان دنیا تک بلند ہوئے یہاں تک کہ آسمان کے مکین لوگوں اور کتوں کی آوازیں سننے لگے۔ ان کی تعداد چالیس لاکھ تھی۔ انہیں اوندھا کر کے زمین پر پلٹ دیا اور ایک دوسرے سے ٹکرا کر نیست و نابود کر دیا، بستی تہہ و بالا کر دی گئی اور پھر ان پر پتھروں کی بارش برسنے لگی(1)۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ قوم لوط کی پانچ بستیاں تھیں: سدوم (یہ سب سے بڑی تھی)، صعبہ، صعود، عمرہ اور دوحاء۔ تمام کو جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پر کے ساتھ اٹھایا اور آسمان تک لے گئے یہاں تک کہ آسمان دنیا کے فرشتے ان کے کتوں اور مرغیوں کی آوازیں سننے لگے پھر ان بستیوں کو الٹ دیا جس کے بعد پتھروں کی بارش برسنے لگی۔ اس طرح تمام بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ سدی کہتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو جبرئیل نے ساتوں زمینوں کو نیچے سے زمین کو اکھیڑا اور اسے آسمان تک لے گئے جہاں آسمان والے ان کے کتوں اور مرغوں کی آوازیں سننے لگے پھر انہیں الٹ کر پیوند خاک کر دیا یہی مطلب ہے وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى (النجم:53)'' اور (لوط کی) اوندھی بستی کو بھی پٹخ دیا'' کا جو مرنے سے بچ گئے ان پر اللہ تعالیٰ نے پتھروں کی بارش برسا دی۔ اگر کوئی ان بستیوں سے باہر تھا تو وہ بھی پتھروں کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا۔

وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ یہ چیزیں ان کی مشابہت رکھنے والے ظالموں سے بعید نہیں۔ سنن کی حدیث ہے: ''جس کو تم قوم لوط جیسا فعل (لواطت) کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو'' (2)۔ حضرت امام شافعی اور علماء کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے لواطت کرنے والے کو قتل کیا جائے گا خواہ وہ محصن ہو یا غیر محصن۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے بلند پہاڑ سے گرا کر پتھر برسائے جائیں گے جیسا کہ قوم لوط کے ساتھ کیا گیا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾

''اور اہل مدین کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔ اور نہ کمی کیا کرو ناپ اور تول میں میں دیکھتا ہوں تمہیں کہ تم خوشحال ہو اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر اس دن کا عذاب نہ آجائے جو ہر چیز کو گھیرنے والا ہے''۔

مدین معان کے قریب حجاز اور شام کے درمیان ایک بستی کا نام ہے جہاں عرب قبیلہ آباد تھا۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، آپ ان میں سے سب سے زیادہ شریف النسب تھے، چونکہ آپ بھی انہی میں سے تھے اس لئے فرمایا: اَخَاهُمْ شُعَيْبًا۔ آپ نے اپنی قوم کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا اور ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمایا۔ آپ انہیں کہنے لگے کہ میں تمہیں فارغ البال اور آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تم پر ایسے عذاب کا خدشہ ہے جو ہر چیز کو گھیر لے گا اور اگر تم اسی طرح احکام الٰہی کو پامال کرتے رہے تو تم سے ساری نعمتیں چھن جائیں گی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 98

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 158، عارضۃ الاحوذی، کتاب الحدود، جلد 6 صفحہ 240 وغیرہ

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾

''اور اے میری قوم! پورا کیا کرو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ اور نہ گھٹا کر دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ جو بچ رہے اللہ تعالیٰ کے دیئے سے وہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ایماندار ہو۔ اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان''۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے پہلے اپنی قوم کو جب وہ لوگوں کو ان کے حقوق دیں، ناپ تول میں کمی سے منع کیا، پھر انہیں لین دین کرتے وقت انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم دیا اور زمین میں فساد بپا کرنے سے انہیں روکا۔ ناپ تول میں ڈنڈی مارنے کے علاوہ وہ ڈاکہ زنی بھی کیا کرتے تھے۔ بَقِيَّتُ اللّٰهِ کا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رزق اللہ بتاتے ہیں حسن کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق اس رزق سے بہتر ہے جو تم ڈنڈی مار کر حاصل کرتے ہو۔ ربیع بن انس کے نزدیک اس کا معنی ''وَصِيَّةُ اللّٰهِ'' ہے۔ مجاہد کے نزدیک ''طَاعَةُ اللّٰهِ''، قتادہ کہتے ہیں کہ فضل الٰہی۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ عذاب میں ہلاکت ہے اور رحمت میں بقاء۔ ابن جریر اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ناپ تول کو پورا کرنے کے بعد حاصل ہونے والا منافع لوگوں کے حقوق غصب کرنے سے بہتر ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے (1)۔ اور اس کے مشابہ یہ آیت ہے: قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ (المائدۃ:100) ''آپ فرما دیجئے نہیں برابر ہو سکتا ناپاک اور پاک اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے ناپاک کی کثرت''۔

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ یعنی میں تمہارا نگہبان اور رقیب نہیں ہوں۔ نیکی کرو اور برائی سے اجتناب کرو صرف رضائے الٰہی کے لئے نہ کہ لوگوں کے دکھلاوے کے لئے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

''قوم نے کہا اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں انہیں جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا یا نہ تصرف کریں اپنے مالوں میں جیسے ہم چاہیں۔ (ازراہ تمسخر بولے) بس تم ہی ایک دانا (اور) نیک چلن رہ گئے ہو''۔

وہ حضرت شعیب علیہ السلام کو ازراہ تمسخر کہتے کہ کیا آپ کی نماز (اعمش نے صلوٰۃ بمعنی قرأت لیا ہے) آپ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان بتوں سے دستکش ہو جائیں جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے اور آپ کے کہنے پر اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا اور ناپ تول میں کمی کرنا ترک کر دیں۔ یہ ہمارے اموال ہیں ہم جیسے چاہیں ان میں تصرف کریں۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی نماز کا انہیں یہی حکم تھا کہ وہ اپنے اسلاف کے گھڑے ہوئے معبودان باطلہ کی عبادت ترک کر دیں۔ ثوری اس فرمان اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کی مراد زکوٰۃ تھی یعنی بقول ان کے وہ اپنے اموال کی زکوٰۃ کیوں دیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 100

یہ لعین حضرت شعیب علیہ السلام کو حلیم اور رشید بطور استہزاء کہتے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿٨٨﴾

''آپ نے کہا اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا بھی کی ہو مجھے اپنی جناب سے عمدہ روزی۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ خود تمہارے خلاف کرنے لگوں اس امر میں جس سے میں تمہیں روکتا ہوں۔ (نیز) میں نہیں چاہتا ہوں مگر (تمہاری) اصلاح (اور درستی) جہاں تک میرا بس ہے۔ اور نہیں میرا راہ پانا مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں''۔

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے روشن دلیل اور نور بصیرت عطا کیا ہے اور اپنی طرف سے مجھے بہترین رزق سے نوازا ہے۔ رزق سے مراد نبوت یا رزق حلال یا دونوں ہو سکتے ہیں۔ فرمایا: وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ ثوری اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں ایک چیز سے منع کروں اور پھر پوشیدہ طور پر تم سے چھپ کر اس کے برعکس کرتا رہوں۔ قتادہ بھی یہی معنی بیان کرتے ہیں کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمہیں کسی معاملہ سے منع کروں اور پھر خود ہی اس کا ارتکاب کرنے لگوں۔

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ...... یعنی میرے ہر امر و نہی میں مقدور بھر تمہاری اصلاح مقصود ہے اور اپنے ارادہ میں حق کو پالینے کی توفیق کا انحصار اللہ تعالیٰ پر ہے، تمام امور میں اسی پر میں نے توکل کر رکھا ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ حکیم بن معاویہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے بھائی مالک نے کہا: اے معاویہ! محمد (ﷺ) نے میرے پڑوسیوں کو گرفتار کر رکھا ہے، تم ان کے پاس جاؤ کیونکہ آپ کی تمہارے ساتھ بات چیت اور جان پہچان ہو چکی ہے۔ میں اس کے ساتھ چلا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ میرے پڑوسیوں کو رہا کر دیں، وہ مسلمان ہو چکے تھے، آپ ﷺ نے اس سے اعراض کر لیا۔ وہ غضبناک ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر آپ نے ایسا کیا تو لوگ یہ گمان کریں گے کہ آپ ہمیں کسی معاملہ کا حکم دیتے ہیں اور خود اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ معاویہ کا کہنا ہے کہ وہ گفتگو کر رہا تھا اور میں اسے کھینچ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر آپ نے ایسا کیا تو لوگ یہ گمان کریں گے کہ آپ کسی چیز کا حکم دے کر خود اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا لوگوں نے یہ بات کہی ہے، کون ہے یہ بات کہنے والا؟ اگر میں نے ایسا کیا تو اس کا وبال مجھ پر ہے، ان پر تو کوئی چیز نہیں، اس کے پڑوسیوں کو آزاد کر دو'' (1)۔ حضرت بہز بن حکیم اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی الزام میں میری قوم کے چند لوگ گرفتار کر لئے۔ میری قوم کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، وہ کہنے لگا: اے محمد (ﷺ)، کس بناء پر آپ نے میرے پڑوسیوں کو گرفتار کر رکھا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے خاموشی اختیار کر لی تو وہ شخص کہنے لگا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ ایک چیز سے منع کر کے خود اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: ''تم کیا کہہ رہے ہو؟'' حضرت بہز کے دادا کہتے ہیں کہ میں نے درمیان

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 447

میں بولنا شروع کر دیا اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں آپ ﷺ اس کی بات سن کر میری قوم کے لئے بددعا نہ کر دیں جس کے بعد فلاح کا کوئی امکان باقی نہیں رہے گا، لیکن آپ ﷺ سننے کی کوشش کرتے رہے یہاں تک کہ اس کی بات سمجھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا لوگوں نے یہ بات کہی ہے، ان میں سے کوئی اس کا قائل ہے؟ اللہ کی قسم! اگر میں ایسا کروں تو اس کا وبال مجھ پر ہے، اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو'' (1)۔ اسی قبیل سے وہ حدیث بھی ہے جسے امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میری طرف سے ایسی حدیث سنو جسے تمہارے دل قبول کر لیں، تمہارے بال اور بدن نرم پڑ جائیں اور تم یہ سمجھنے لگو کہ وہ تمہارے قریب ہے تو میں اس سے زیادہ تمہارے قرب کا مستحق ہوں اور جب تم میری طرف سے ایسی حدیث سنو جس کا تمہارے دل انکار کر دیں، تمہارے بال اور بدن اس سے متنفر ہو جائیں اور تم سمجھنے لگو کہ یہ تم سے بعید ہے تو میں اس سے بھی زیادہ تم سے بعید ہوں'' (2)۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ اسی سند سے ایک اور حدیث مروی ہے: ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے: ''اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ'' اور جب نکلے تو یہ کہے: ''اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ'' (3)۔ مطلب ہے کہ میری طرف سے جو اچھی بات تم تک پہنچے میں (حضور ﷺ) اس کا زیادہ حقدار ہوں اور جو بھی بری بات ہو میں سب سے زیادہ اس سے دور ہوں۔ ایک عورت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ کیا آپ بالوں میں دوسروں کے بال لگانے سے منع کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ وہ عورت کہنے لگی کہ آپ کے گھر کی کوئی عورت ایسا کرتی ہے تو آپ نے فرمایا: اگر ایسا ہو تو میں نے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے کی وصیت وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ کی حفاظت نہیں کی (4)۔ ابوسلیمان عتبی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اوامر اور نواہی پر مشتمل حضرت عمر بن عبد العزیز کے خطوط آتے جن کے آخر میں یہ لکھا ہوتا کہ میں بھی اس میں اسی طرح ہو جس طرح عبد صالح نے فرمایا: وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾

''اور اے میری قوم! ہرگز نہ اکسائے تمہیں میری عداوت (اللہ کی نافرمانی پر) مبادا پہنچے تمہیں بھی ایسا عذاب جو پہنچا تھا قوم نوح (علیہ السلام) یا قوم ہود (علیہ السلام) یا قوم صالح (علیہ السلام) کو۔ اور قوم لوط (علیہ السلام) تو تم سے کچھ دور نہیں۔ اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (دل و جان) سے رجوع کرو اس کی طرف۔ بیشک میرا رب بڑا مہربان (اور) پیار کرنے والا ہے''۔

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ میری عداوت اور بغض تمہیں کفر و فساد پر ڈٹے رہنے پر نہ اکسائے ورنہ تمہیں بھی ایسے ہی عذاب سے واسطہ پڑے گا جیسا عذاب قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح اور قوم لوط کو پہنچا تھا۔ قتادہ ''شِقَاقِيْ'' کا معنی ''فِرَاقِيْ'' کرتے ہیں۔ سدی اس کا معنی عداوت بتلاتے ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ کندی کہتے ہیں کہ میں اپنے آقا کے ساتھ اس کے جانور کو تھامے ہوئے تھا اور لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، آپ نے اپنے گھر سے باہر جھانک کر اس آیت کی تلاوت کی اور

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 5
2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 497
3۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 494
4۔ الدر المنثور، جلد 4، صفحہ 467

فرمایا: اے میری قوم! مجھے قتل نہ کرو، کیونکہ تم اس طرح تھے، یہ کہہ کر آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ملا دیں۔

وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ یعنی قوم لوط کا زمانہ کچھ بعید نہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ وہ کل تمہارے سامنے ہلاک ہوئے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ قوم لوط کا علاقہ تم سے بعید نہیں۔ بہر صورت زمان ومکان دونوں میں دوری مراد ہوسکتی ہے۔

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ...... یعنی اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ اعمال سیئہ کے ارتکاب سے توبہ کرو کیونکہ میرا رب ہمیشہ رحم فرمانے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَ لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْۤ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾

''وہ بولے اے شعیب! ہم نہیں سمجھ سکتے بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے اور بلاشبہ ہم دیکھتے ہیں تجھے کہ تو ہم میں بہت کمزور ہے۔ اور اگر تمہارے کنبہ کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم نے تمہیں سنگسار کر دیا ہوتا اور نہیں ہو تم ہم پر غالب۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم! کیا میرا کنبہ زیادہ معزز ہے تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے اور تم نے ڈال دیا ہے اسے پس پشت۔ بیشک میرا رب جو عمل تم کرتے ہو (اس کو اپنے علم سے) احاطہ کئے ہوئے ہے''۔

وہ کہنے لگے کہ اے شعیب! آپ کی اکثر باتیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں اور آپ خود ہم میں بہت کمزور ہیں۔ سعید بن جبیر اور ثوری کہتے ہیں کہ آپ کی آنکھوں کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ آپ کو خطیب الانبیاء کے لقب سے جانا جاتا ہے۔ سدی آپ کو کمزور کہنے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ تنہا تھے۔ ابو روق کہتے ہیں کہ ضعیف کہنے سے قوم کی مراد حقیر تھی کیونکہ آپ کا خاندان بھی آپ کے دین پر نہ تھا۔ وہ آپ سے کہنے لگے کہ اگر ہمیں آپ کے کنبے کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم آپ کو سنگسار کر دیتے۔ بعض نے ''لَرَجَمْنٰكَ'' کا معنی ''لَسَبَبْنَاكَ'' (تجھے برا بھلا کہتے) بیان کیا ہے۔ مزید کہنے لگے کہ آپ کو ہمارے ہاں کوئی عزت حاصل نہیں۔ اس کے جواب میں آپ فرمانے لگے کہ اے میری قوم! کیا میرا کنبہ تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ معزز ہے؟ کیا تم میرے خاندان کی خاطر مجھے چھوڑتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کا تمہیں کوئی لحاظ نہیں اور کتاب اللہ کو تم نے پس پشت ڈال رکھا ہے، نہ اس کی اطاعت کرتے ہو اور نہ تعظیم۔ میرا رب تمہارے اعمال کو جانتا ہے اور عنقریب تمہیں جزا دے گا۔

وَ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَ ارْتَقِبُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾

''اور اے میری قوم! تم عمل کئے جاؤ اپنی جگہ پر (اور) میں (اپنے طور پر) عمل پیرا ہوں۔ تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے۔ اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔ اور

جب آ پہنچا ہمارا حکم (یعنی عذاب) تو ہم نے بچالیا شعیب کو اور انہیں جو ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے اور آلیا ظالموں کو خوفناک کڑک نے تو صبح کی انہوں نے اپنے گھروں میں اس حال میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے۔ گویا کبھی وہ ان میں بسے ہی نہ تھے۔ سنو! ہلاکت ہو مدین کے لئے جیسے ہلاک ہو چکے تھے ثمود''۔

جب حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے مایوس ہو گئے تو آپ نے دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: اے میری قوم! تم اپنی جگہ اپنے طریقہ کے مطابق عمل کرو اور میں اپنے طریقہ پر کاربند ہوں، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کن عذاب کس کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے اور ہم میں سے کون جھوٹا ہے، تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا، ''جٰثِمِیْنَ'' کا معنی ہے بے جان، بے حس و حرکت۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان پر ''صَیْحَةٌ'' (کڑک) کی صورت میں عذاب آیا۔ سورۂ اعراف میں ''رَجْفَةٌ'' (زلزلہ) کا ذکر ہے اور شعراء میں عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ 'چھتری والے دن کا عذاب' کا۔ ایک ہی امت پر یہ تینوں عذاب کیسے جمع ہوئے؟ ہر سیاق میں اس عذاب کا ذکر ہے جو اس کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ جب انہوں نے کہا: لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَآ (الاعراف: 88) ''ہم نکال کر رہیں گے تمہیں اے شعیب! اور جو ایمان لائے تمہارے ساتھ اپنی بستی سے''۔ اس کے مناسب رجفہ کا ذکر کیا۔ ان ظالموں کو زلزلہ نے آ دبوچا جو اپنے نبی کو اپنی بستی سے نکالنا چاہتے تھے۔ یہاں اس صورت میں جب انہوں نے اپنی باتوں سے اپنے نبی کی توہین اور بے ادبی کی تو ''صَیْحَةٌ'' (کڑک) کا عذاب آ گیا جس نے انہیں بے جان لاشوں میں بدل دیا۔ جب انہوں نے یہ کہا: فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ (الشعراء: 187) ''(ہم تمہاری بات نہیں مانتے) لو اب گرادو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر تم راستبازوں میں سے ہو''، تو انہیں عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ نے آلیا جیسا کہ فرمایا: ''فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (الشعراء: 189) ''تو پکڑ لیا انہیں چھتری والے دن کے عذاب نے۔ بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا''۔ یہ نہایت ہی دقیق اسرار ہیں۔

كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا...... گویا کہ وہ کبھی اس میں آباد ہوئے ہی نہ تھے۔ ہلاکت اور بربادی ہو قوم مدین کے لئے جس طرح قوم ثمود ہلاک ہوئی تھی۔ قوم ثمود قوم مدین کے پڑوس میں آباد تھی۔ کفر اور ڈاکہ زنی میں دونوں ایک جیسی تھیں اور تھیں بھی دونوں عرب قومیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ ﴿۹۷﴾ یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

''اور بیشک ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور صریح غلبہ کے ساتھ۔ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے پیروی کی فرعون کے حکم کی اور فرعون کا حکم بالکل غلط تھا۔ وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہو گا روز قیامت اور لا ڈالے گا انہیں آتش (جہنم) میں۔ بہت بری داخل ہونے کی جگہ ہے جہاں انہیں داخل کیا جائے گا اور ان پر بھیجی جاتی رہے گی اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن بھی۔ بہت برا عطیہ ہے جو انہیں دیا جائے گا''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیات واضحہ اور دلائل باہرہ کے ساتھ شاہ قبط فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف مبعوث فرمایا، وہ گمراہی میں فرعون کی روش اختیار کئے ہوئے تھے اور فرعون کا طریقہ رشد و ہدایت پر نہیں بلکہ جہالت، گمراہی، کفر اور عناد پر

بنی تھا۔ جس طرح دنیا میں یہ ان کا رہنما تھا اسی طرح قیامت کے دن بھی یہ ان کا پیشوا اور رئیس ہوگا۔ ان کے آگے آگے چلتے ہوئے انہیں جہنم میں لا ڈالے گا جہاں وہ ہلاکت کے جام پئیں گے جبکہ فرعون کو ان کا لیڈر ہونے کے ناطے زیادہ عذاب ملے گا جیسا کہ فرمایا: فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا (المزمل: 16) ''پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی تو ہم نے اس کو بڑی سختی سے پکڑ لیا''، فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى (النازعات: 26-21) ''پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ پھر روگرداں ہو کر فتنہ انگیزی میں کوشاں ہو گیا۔ پھر (لوگوں کو) جمع کیا پس پکارا۔ اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ آخر کار مبتلا کر دیا اسے اللہ نے آخرت اور دنیا کے (دوہرے) عذاب میں۔ بے شک اس میں بڑی عبرت ہے اس کے لئے جو اللہ سے ڈرتا ہے''۔

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ...... متبوعین کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوگا کہ انہیں روز قیامت زیادہ عذاب کا سامنا ہوگا جیسا کہ فرمایا: لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف: 38) ''ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے''، کفار جہنم میں کہیں گے: رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ (الاحزاب: 68-67) ''اے ہمارے رب! ہم نے پیروی کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑے لوگوں کی پس ان (ظالموں نے) ہمیں بہکا دیا سیدھی راہ سے۔ اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور لعنت بھیج ان پر''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''امرؤ القیس زمانہ جاہلیت کے شعراء کا جھنڈا اٹھائے جہنم میں جائے گا''(1)۔

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی آتش جہنم کے علاوہ دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق ٹھہرے۔ دو لعنتیں ہوئیں۔ ایک دنیا کی اور دوسری آخرت کی۔ جیسا کہ فرمایا: وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ (القصص: 42-41) ''اور ہم نے بنایا تھا انہیں ایسے پیشوا جو بلا رہے تھے (اپنی رعایا کو) آگ کی طرف۔ اور روز حشر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ اور ہم نے ان کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی ان کا شمار ملعونوں میں ہوگا''، اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (المومن: 46) ''دوزخ کی آگ ہے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح و شام اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) داخل کر دو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں''۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾

''یہ ان بستیوں کی بعض خبریں ہیں جو ہم بیان کر رہے ہیں آپ سے ان میں سے کچھ ہیں اور کچھ کٹ گئی ہیں۔ اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر بلکہ انہوں نے خود زیادتی کی تھی اپنی جانوں پر پس نہ فائدہ پہنچایا انہیں ان کے (جھوٹے) خداؤں نے جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی جب آ گیا حکم آپ کے رب کا۔ ان دیوتاؤں نے تو فقط ان کی بربادی میں ہی اضافہ کیا''۔

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 228

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے واقعات بیان کئے اور کفار کی ہلاکت اور مومنین کی نجات کے متعلق آگاہ کیا، اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ ان بستیوں کی خبریں ہیں جن کے متعلق ہم آپ کو آگاہ کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض بستیاں اب بھی آباد ہیں اور بعض پیوند خاک ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں ہلاک کر کے ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ تکذیب اور کفر کر کے خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے اور ان کے معبودان باطلہ انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے اور نہ انہیں ہلاکت سے بچا سکے بلکہ انہوں نے تو ان کی تباہی میں ہی اضافہ کیا۔ مجاہد، قتادہ وغیرہ ''تَتْبِیْبٍ'' کا معنی خسارہ بیان کرتے ہیں کیونکہ معبودان باطلہ کی اتباع کے سبب انہیں برباد کیا گیا اس لئے دنیا و آخرت میں وہ خائب و خاسر رہے۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾

''اور یونہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو درآنحالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ بیشک اس کی پکڑ بڑی دردناک (اور) سخت ہوتی ہے''۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کو جھٹلانے والی قوموں کو ہلاک کر دیا اسی طرح وہ ان جیسی قوموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔ اس کی گرفت بہت سخت اور دردناک ہے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں''(1)۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ؕ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِىٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾

''بیشک ان واقعات میں (عبرت کی) نشانی ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہے عذاب آخرت سے۔ یہ وہ دن ہے جس دن اکٹھے کئے جائیں گے سب لوگ اور یہ وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائے گا۔ اور ہم نے نہیں مؤخر کیا ہے اسے مگر ایک مقرر مدت تک جو گنی ہوئی ہے۔ جب وہ دن آئے گا تو (اس کی ہیبت سے) کوئی شخص نہیں بول سکے گا بجز اس کی اجازت کے۔ بعض ان میں سے بدنصیب ہوں گے اور بعض خوش نصیب)''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار کو ہلاک کرنے اور مومنین کو نجات دینے میں قیامت کے متعلق کے گئے ہمارے وعدہ کی صداقت پر دلیل ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المومن: 51) ''بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے''، فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ (ابراہیم: 13) ''پس وحی بھیجی ان کی طرف ان کے پروردگار نے کہ (مت گھبراؤ) ہم تباہ کر دیں گے ان ظالموں کو''، یہ ایسا دن ہوگا جس میں تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ (الکہف: 47) ''اور ہم جمع کریں گے انہیں پس نہیں پیچھے رہنے دیں گے ان میں سے کسی کو''۔

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 93، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997

وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ یعنی یہ ایسا عظیم دن ہوگا جس میں فرشتے حاضر ہوں گے، انبیاء و رسل موجود ہوں گے، انسان، جن، پرندے، چوپائے، جنگلی جانور اور ہر قسم کی مخلوق وہاں جمع ہوگی اور وہ عادل فیصلہ فرمائے گا جو ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا بلکہ نیکیوں کو دوگنا کر دیتا ہے۔

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ قیامت قائم ہونے میں تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے سے ہی یہ فیصلہ فرما چکا ہے کہ اتنی مدت تک دنیا میں اس قدر اولاد آدم آباد رہے گی۔ جب یہ مدت ختم ہو جائے گی اور یہ لوگ دنیا میں اپنا مخصوص وقت گزار لیں گے تو قیامت قائم ہو جائے گی، اس لئے فرمایا: وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ یعنی ایک مخصوص مدت تک کے لئے ہم اسے مؤخر کئے ہوئے ہیں جس میں کمی بیشی ممکن نہیں۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یعنی جب قیامت کا دن آئے گا تو اذن الٰہی کے بغیر کوئی کلام نہیں کر سکے گا جیسا کہ فرمایا: لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا (النباء:38) ''کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے''، وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ (طٰہٰ:108) ''اور خاموش ہو جائیں گی سب آوازیں رحمٰن کے خوف سے''، صحیحین کی حدیث شفاعت میں ہے: ''اس دن صرف رسول ہی کلام کر سکیں گے اور ان کی کلام بھی صرف یہ ہوگی: ''اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ'' (اے اللہ! سلامت رکھ، سلامتی عطا فرما)''(1)۔

فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ قیامت کے دن مخلوق کے دو گروہ ہوں گے: بد بخت اور نیک بخت جیسا کہ فرمایا: فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ فَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (الشوریٰ:7) ''(اس دن) ایک فریق جنت میں اور دوسرا فریق بھڑکتی آگ میں ہوگا''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اس فرمان فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ کا نزول ہوا تو میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی: یا رسول اللہ! پھر کس بناء پر ہم عمل کریں؟ کیا ایسی چیز کی بناء پر جس سے فراغت ہو چکی ہے یا ایسی چیز کی بناء پر جس سے فراغت نہیں ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمر! ایسی چیز کی بناء پر جس سے فراغت ہو چکی ہے اور قلمیں چل چکی ہیں، لیکن ہر ایک کے لئے وہی چیز آسان بنا دی جاتی ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا''(2)۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

''سو وہ جو بد نصیب ہیں وہ آگ میں ہوں گے ان کے (مقدر میں) وہاں چیخنا اور چلانا ہوگا وہ دوزخ میں رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں مگر جتنا چاہے آپ کا پروردگار۔ بیشک آپ کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا کرتا ہے جو چاہتا ہے''۔

جہنم میں بد بخت لوگوں کے چیخنے چلانے کا بیان ہو رہا ہے۔ ان کی چیخ و پکار گدھے کی آواز جیسی ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''زَفِيْرٌ'' حلق میں اور ''شَهِيْقٌ'' سینے میں ہوتی ہے۔ یہ ان کے لئے عذاب ہوگا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ امام ابو جعفر بن جریر کہتے ہیں کہ عربوں کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی چیز کے دوام کو بیان کرنا چاہتے تو کہتے: هٰذَا دَائِمٌ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ یعنی جب تک زمین و آسمان قائم ہیں یہ چیز ہمیشہ رہے گی۔ اسی طرح وہ کہتے کہ یہ چیز باقی ہے جب تک گردش لیل و نہار جاری رہے گی، قصہ گو رات کو قصے سناتے رہیں گے اور جانور اپنی دمیں ہلاتے رہیں گے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، جلد 1 صفحہ 204، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 163-167

2۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورہ ہود، جلد 11 صفحہ 274-275، الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 475

اس سے مراد وہ دوام اور ابدیت لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے محاورۂ عرب کے مطابق خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ فرمایا(1)۔ میں کہتا ہوں کہ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ سے مراد جنس ہے کیونکہ عالم آخرت میں لازماً اور زمین و آسمان ہوں گے جیسا کہ فرمایا: یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ (ابراہیم:48) ''یاد کرو اس دن کو جب کہ بدل دی جائے گی یہ زمین دوسری (قسم کی) زمین سے اور آسمان بھی (بدل دیئے جائیں گے''، اس لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس زمین و آسمان کے علاوہ اور زمین و آسمان ہوں گے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر جنت کا آسمان اور زمین ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ جب تک زمین زمین ہے اور آسمان آسمان ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ...... یہ اس آیت کی طرح ہے: اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ (الانعام:129) ''آگ تمہارا ٹھکانا ہے ہمیشہ رہو گے اس میں مگر جسے اللہ تعالیٰ (نجات دینا) چاہے بے شک آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے''۔ اس آیت میں مذکور استثناء کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے۔ شیخ ابوالفرج بن جوزی نے اپنی کتاب ''زاد المسیر'' میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں (3)۔ اسی طرح دیگر مفسرین نے بھی متعدد اقوال بیان کئے ہیں جن میں بہت سے اقوال ابن جریر نے نقل کئے ہیں (4)۔ لیکن ان کا پسندیدہ قول وہی ہے جو خالد بن معدان، ضحاک، قتادہ اور ابن سنان سے منقول ہے اور جسے ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس اور حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ یہ استثناء ان اہل توحید گنہگاروں کی طرف لوٹ رہی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ ملائکہ، انبیاء و رسل اور مومنین کی شفاعت کے باعث آگ سے نکالے گا۔ پھر کبیرہ گناہ کرنے والوں کے متعلق شفاعت ہوگی اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت چارہ سازی فرمائے گی اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی جہنم سے نکال دے گا جنہوں نے کبھی نیک کام نہیں کیا لیکن اس کی توحید کا اقرار کیا تھا۔ اس مضمون کی کثیر احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اس کے بعد جہنم میں وہی رہ جائیں گے جنہیں ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہنا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں کثیر علمائے متقدمین و متاخرین کا یہی موقف ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں متعدد صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ سے غریب اقوال مروی ہیں۔ معجم الطبرانی الکبیر میں حضرت ابوامامہ باہلی سے ایک غریب حدیث بھی وارد ہوئی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ استثناء اس فرمان خَالِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا کے ساتھ منسوخ ہے۔

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

''اور وہ جو خوش نصیب ہیں تو وہ (نعیم) جنت میں ہوں گے ہمیشہ رہیں گے اس میں جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں مگر جتنا چاہے آپ کا رب۔ یہ وہ عطا ہے جو ختم نہیں ہوگی''۔

رسولوں کی اطاعت کرنے والے سعادت مند جنت میں ہمیشہ ہمیشہ قیام پذیر رہیں گے۔ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ میں استثناء کا معنی یہ ہے کہ نعمتوں بھری جنت میں ان کا دائمی قیام ایسا امر نہیں جو بالذات واجب ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہی ان پر دائمی احسان ہے، اس لئے انہیں تسبیح اور تحمید اس طرح سکھائی جائے گی جس طرح دل میں کوئی بات

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 117
2۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 477
3۔ زاد المسیر، جلد 4 صفحہ 160-161
4۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 120

القاء کی جاتی ہے۔ ضحاک اور حسن بصری کہتے ہیں کہ یہ بھی موحد گنہگاروں کے حق میں ہے جنہیں کچھ مدت جہنم میں گزارنے کے بعد نکال لیا جائے گا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: عَطَآءً غَيۡرَ مَجۡذُوۡذٍ یعنی یہ ایسی عطاء ہے جو ختم ہونے والی نہیں۔ یہ فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ ذکر مشیت سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ جنت میں قیام دائمی نہیں ہوگا بلکہ دوام اور عدم انقطاع حتمی ہے جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا کہ دوزخیوں کا دائمی عذاب اس کی مشیت پر موقوف ہے اور وہ اپنے عدل اور حکمت سے انہیں عذاب دے گا اس لئے وہاں فرمایا: ''اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيۡدُ'' اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: لَا يُسۡـَٔلُ عَمَّا يَفۡعَلُ وَهُمۡ يُسۡـَٔلُوۡنَ (الانبیاء: 23) ''نہیں پرسش کی جاسکتی اس کام کے متعلق جو وہ کرتا ہے اور ان (تمام سے) باز پرس ہوگی''، یہاں دلوں کو مسرت واطمینان دلاتے ہوئے اور مقصود کو ثابت کرتے ہوئے فرمایا: عَطَآءً غَيۡرَ مَجۡذُوۡذٍ۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''موت کو (روز قیامت) چتکبرے مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا اور اسے جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر کہا جائے گا: اے جنتیو! ہیشگی ہے، موت نہیں، اور اے دوزخیو! ہیشگی ہے، موت نہیں'' (1)۔ ایک اور حدیث صحیح میں آتا ہے: ''کہا جائے گا: اے اہل جنت! تم یہاں رہو گے اور کبھی نہ مرو گے، تم جوان رہو گے اور تم پر بڑھاپا کبھی نہیں آئے گا، تم صحت مند رہو گے اور کبھی بیمار نہیں ہو گے، تمہیں نعمتوں کی فراوانی سے نوازا جائے گا اور ہمیشہ مصائب سے دور رہو گے'' (2)۔

فَلَا تَكُ فِيۡ مِرۡيَةٍ مِّمَّا يَعۡبُدُ هٰۤؤُلَآءِ ؕ مَا يَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا كَمَا يَعۡبُدُ اٰبَآؤُهُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوۡهُمۡ نَصِيۡبَهُمۡ غَيۡرَ مَنۡقُوۡصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ فَاخۡتُلِفَ فِيۡهِ ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّهُمۡ لَفِيۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمۡ رَبُّكَ اَعۡمَالَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۱۱۱﴾

''تو (اے سننے والے!) نہ ہو جا تو شک میں ان کے متعلق جن کی یہ پوجا کرتے ہیں۔ وہ نہیں پوجتے مگر ایسے ہی جیسے پوجتے تھے ان کے باپ دادا اس سے پہلے۔ اور ہم یقیناً پورا پورا دینے والے ہیں انہیں ان کا حصہ جس میں ذرا کمی نہیں ہوگی۔ اور بیشک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب پھر اختلاف کیا جانے لگا اس میں۔ اور اگر ایک بات پہلے طے نہ کر دی گئی ہوتی آپ کے پروردگار کی جانب سے تو فیصلہ کر دیا گیا ہوتا ان کے درمیان۔ اور بیشک وہ ایسے شبہ میں ہیں اس کے متعلق جو بے چین کر دینے والا ہے۔ اور یقیناً ان سب (اختلاف کرنے والوں) کو پورا پورا بدلہ دے گا انہیں آپ کا رب ان کے کرتوتوں کا۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو کام وہ کرتے ان سے خوب آگاہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مشرکین کے معبودان باطلہ کے متعلق کسی شک میں نہ پڑنا، ان کی یہ روش باطل، جہالت اور گمراہی پر مبنی ہے کیونکہ یہ اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید کرتے ہوئے ان کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں حالانکہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں شرک کی پوری پوری جزاء دے گا اور انہیں ایسے عذاب سے دوچار کرے گا جو عذاب وہ کسی اور کو نہ دے گا۔ اگر ان کی کوئی نیکیاں ہیں تو اللہ تعالیٰ آخرت سے پہلے پہلے دنیا میں ہی ان کا پورا پورا بدلہ انہیں عطا کر دے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وَاِنَّا لَمُوَفُّوۡهُمۡ نَصِيۡبَهُمۡ غَيۡرَ مَنۡقُوۡصٍ کا معنی بتلاتے ہیں کہ خیر یا شر کا جو وعدہ ان کے ساتھ کیا گیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتا ہے کہ ہم

1۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ مریم، جلد 6 صفحہ 117۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2188
2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 8 صفحہ 2182

نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی۔ اس کے متعلق لوگ مختلف گروہوں میں بٹ گئے، بعض اس پر ایمان لے آئے اور بعض نے انکار کر دیا، اے میرے پیارے رسول! آپ کے لئے سابق انبیاء کا اسوۂ موجود ہے، ان کی بھی تکذیب کی گئی، اس لئے ان کفار و مشرکین کی تکذیب پر برافروختہ اور غمزدہ نہ ہوں۔ اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کا فیصلہ کر دیا جاتا اور ان پر ابھی عذاب آجاتا۔ ابن جریر اس وَلَوْلَا كَلِمَةٌ...... کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ایک معین مدت تک عذاب کی تاخیر کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرما دیتا(1)۔ کلمہ سے یہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیام حجت اور ارسال رسول سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتا جیسا کہ فرمایا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل:15) ''اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو''، ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ (طٰہٰ:130-129) ''اور اگر ان کے (انجام کے) متعلق آپ کے رب کا فیصلہ پہلے نہ ہو چکا ہوتا اور ان کے لئے ایک وقت مقرر نہ کر دیا گیا ہوتا تو ابھی ان پر عذاب نازل ہو جاتا۔ پس (اے حبیب!) صبر فرمائیے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر''۔ پھر اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ وہ عنقریب سب لوگوں کو جمع کرے گا اور انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ خیر کے بدلے میں خیر اور شر کے عوض شر۔ کیونکہ وہ بندوں کے تمام چھوٹے بڑے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔ اس آیت میں ''لَمَّا'' کے متعلق کئی قرأت ہیں جن کا معنی وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح کی ایک اور آیت میں بھی ہے: وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ (یٰسین:32) ''اور ان سب کو ہمارے سامنے حاضر کر دیا جائے گا''۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

''پس آپ ثابت قدم رہیے جیسے حکم دیا گیا ہے آپ کو اور وہ بھی (ثابت قدم رہیں) جو تائب ہو کر آپ کے ہمراہ ہیں اور سرکشی نہ کرو۔ بیشک جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔ اور مت جھکو ان کی طرف جنہوں نے ظلم کیا ورنہ چھوئے گی تمہیں بھی آگ اور (اس وقت) نہیں ہوگا تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار پھر تمہاری مدد بھی نہ کی جائے گی''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو استقامت پر ہمیشہ کاربند رہنے کا حکم فرما رہا ہے کیونکہ دشمنوں اور مخالفین کے خلاف یہ سب سے بڑا معاون اور مؤثر ہتھیار ہے، اور اللہ تعالیٰ نے سرکشی اور زیادتی سے منع کیا کیونکہ یہ اگرچہ کسی مشرک پر ہی ہو، تباہ کن ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے، وہ کسی چیز سے غافل نہیں اور نہ کوئی چیز اس پر مخفی ہے۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''لَا تَرْكَنُوْٓا'' کا معنی ''لَا تُدَاهِنُوْا'' (خوشامد اور چاپلوسی نہ کرو) نقل کرتے ہیں جبکہ عوفی نے آپ رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ شرک کی طرف نہ جھکو۔ ابو العالیہ اس کا معنی ''لَا تَرْضَوْا بِاَعْمَالِهِمْ'' ان کے اعمال پر پسندیدگی کا اظہار نہ کرو) بیان کیا ہے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے یہ معنی بیان کیا ہے کہ ظالموں کی طرف مت جھکو۔ یہ قول عمدہ ہے، یعنی تم ظالموں سے مدد طلب نہ کرو

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 123

ورنہ تم اس طرح ہو جاؤ گے گویا ان کے اعمال پر تم راضی ہو چکے ہو۔ فرمایا کہ تم ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تمہیں آتش جہنم چھوئے گی اور بجز اللہ تعالیٰ کے تمہارا کوئی حامی و ناصر نہیں ہوگا جو تمہیں عذاب سے رہائی دلوا سکے۔

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿١١٤﴾ وَ اصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٥﴾

''اور قائم کیجئے نماز دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات کے حصوں میں۔ بیشک نیکیاں مٹا دیتی ہیں برائیوں کو۔ یہ نصیحت ہے نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے۔ اور آپ صبر کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا نیکوں کے اجر کو''۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ طَرَفَيِ النَّهَارِ (دن کے دونوں سرے) سے مراد فجر اور مغرب کی نمازیں مراد ہیں، حسن، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔ حضرات حسن (ایک دوسری روایت میں) قتادہ اور ضحاک وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے نماز فجر اور عصر مراد ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ دن کے پہلے سرے سے مراد نماز فجر اور دوسرے سرے سے مراد نماز ظہر و عصر ہے۔ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ کے متعلق حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور حسن وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد نماز عشاء ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت حسن بصری اس سے مراد نماز مغرب اور عشاء لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مغرب اور عشاء دونوں رات کی گھڑیاں ہیں'' (1)۔ مجاہد، محمد بن کعب، قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے کہ اس سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آیت معراج کی رات پانچ نمازوں کی فرضیت سے قبل نازل ہوئی ہو۔ کیونکہ نماز پنجگانہ کی فرضیت سے پہلے صرف دو نمازیں فرض تھیں: ایک طلوع آفتاب سے پہلے اور دوسری غروب آفتاب سے پہلے۔ اور رات کے دوران آپ ﷺ پر اور امت پر قیام (تہجد) فرض تھا، پھر امت کے حق میں اسے منسوخ کر دیا گیا لیکن آپ ﷺ پر یہ جوں کا توں واجب ہی برقرار رہا۔ ایک قول کے مطابق پھر آپ ﷺ سے بھی یہ (وجوب قیام) منسوخ ہو گیا۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ یعنی نیکیاں گزشتہ گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ کہتے ہیں کہ میں جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ کو جس قدر منظور ہوتا وہ اس سے مجھے نفع پہنچاتا اور اگر کوئی شخص مجھے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے قسم لیتا۔ جب وہ قسم اٹھا لیتا تو میں پھر اس کی تصدیق کرتا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک حدیث بتائی اور انہوں نے سچ بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا فَيَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ اِلَّا غُفِرَ لَهُ (2)۔ ''جو مسلمان کوئی گناہ کرتا ہے، پھر وہ وضو کر کے دو رکعتیں ادا کر لیتا ہے تو اس کا گناہ بخش دیا جاتا ہے''۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ جیسا وضو کر کے فرمایا کہ میں نے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے دیکھا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جو شخص میرے اس وضو جیسا وضو کرے پھر دو رکعتیں نماز پڑھے جن میں وہ اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں'' (3)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حارث بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عثمان بیٹھے ہوئے تھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے پاس مؤذن آیا تو آپ نے ایک برتن میں پانی منگوایا، میرا خیال ہے کہ اس میں بقدر مُد پانی ہوگا پھر وضو کر کے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس جیسا وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس شخص نے میرے اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 130 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 2

3۔ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، جلد 1 صفحہ 51، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 204-205

وضو جیسا وضو کیا پھر اٹھ کھڑا ہوا اور نماز ظہر ادا کی تو ظہر اور فجر کے درمیان اس کے گناہ بخش دیئے گئے، پھر عصر کی نماز ادا کی تو اس کے عصر اور ظہر کے درمیان کئے گئے گناہ معاف کر دیئے گئے، پھر نماز عشاء کی ادائیگی سے مغرب سے عشاء تک کے گناہ بخش دیئے گئے، پھر وہ بستر پر لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے رات گزارتا ہے پھر اگر بیدار ہو کر اس نے وضو کر کے نماز فجر ادا کر لی تو فجر و عشاء کے درمیان اس کے گناہوں کی مغفرت ہوگئی، یہ ہیں وہ نیکیاں جو برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں'' (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے کے پاس سے نہر گزرتی ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس (کے جسم) پر کوئی میل کچیل باقی رہے گی؟'' صحابہ نے عرض کی: نہیں، یا رسول اللہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی طرح پانچ نمازوں کے سبب اللہ تعالیٰ گناہ اور خطائیں مٹا دیتا ہے'' (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانچوں نمازیں، دو جمعے اور دو رمضان اپنے درمیان کے گناہوں کے لئے کفارہ ہیں جب تک کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے'' (3)۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے: ''ہر نماز اپنے سے پہلے کی خطائیں مٹا دیتی ہے'' (4)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا، پھر وہ نادم ہوتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا کہہ سنایا اس پر یہ آیت اَقِمِ الصَّلٰوةَ...... اتری۔ اس شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا یہ میرے لئے مخصوص ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری تمام امت کے لئے'' (5)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں نے باغ میں ایک عورت کے ساتھ سوائے جماع کے سب کچھ کیا۔ صرف میں نے بوس و کنار کیا، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا، آپ جو چاہیں میرے ساتھ سلوک کریں۔ آپ ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا، وہ شخص چلا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی پردہ پوشی کی تھی، کیا ہی اچھا تھا کہ یہ اپنی پردہ پوشی کرتا، رسول اللہ ﷺ اس شخص کو دیکھتے رہے پھر فرمایا کہ اس شخص کو میرے پاس لوٹاؤ۔ جب وہ واپس آ گیا تو آپ ﷺ نے اسے یہ آیت اَقِمِ الصَّلٰوةَ...... سنائی۔ حضرت معاذ، ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت عمر کہنے لگے: یا رسول اللہ! کیا یہ صرف اس شخص کے لئے خاص ہے یا تمام لوگوں کے لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلکہ، تمام لوگوں کے لئے'' (6)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے درمیان رزق تقسیم کئے ہیں اسی طرح اخلاق بھی تقسیم کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا اس شخص کو بھی دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور اسے بھی جس کے ساتھ وہ محبت نہیں کرتا، لیکن دین صرف اسے عطا فرماتا ہے جس سے اسے محبت ہو۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دین عطا کر دیا وہ اس کا محبوب ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل اور زبان مسلمان نہ ہو اور بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کے بوائق (ایذاء رسانیاں) سے مامون نہیں ہوتا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! بوائق سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بد دیانتی اور ظلم۔ جو بندہ حرام مال کما کر اس میں سے خرچ کرتا ہے تو اس میں برکت نہیں ڈالی جاتی اور اگر وہ اس میں سے صدقہ کرتا ہے تو

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 71
2۔ صحیح بخاری، کتاب المواقیت، جلد 1 صفحہ 140، صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 462-463
3۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 209
4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 413
5۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 94، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، جلد 4 صفحہ 2115-2116 وغیرہ
6۔ صحیح مسلم، کتاب التوبہ، جلد 4 صفحہ 2116-2117، سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 160 وغیرہ

اسے قبول نہیں کیا جاتا اور وہ جو ترکہ اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے وہ اس کے لئے آتش جہنم کا توشہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ برائی سے برائی کو نہیں مٹاتا بلکہ نیکی سے برائی کو ختم کرتا ہے کیونکہ خبیث سے خبیث کو نہیں مٹایا جاسکتا'' (1)۔ ایک انصاری نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! میں ایک عورت کے پاس گیا اور ہر طرح سے اس سے لطف اندوز ہوا لیکن جماع نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ...... نازل ہوئی (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہنے لگا کہ ایک عورت میرے پاس سودا لینے کے لئے آئی۔ میں اسے کوٹھڑی میں لے گیا اور بجز جماع کے ہر طرح سے لطف اندوز ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صد حیف! شاید اس کا خاوند جہاد میں مصروف ہونے کے باعث غیر حاضر ہوگا؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابوبکر کے پاس جا کر مسئلہ دریافت کرو۔ میں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آپ سے یہ مسئلہ دریافت کیا، تو آپ نے بھی پوچھا کہ شاید اس کا خاوند غیر حاضر ہوگا؟ آپ نے بھی عمر جیسی بات کہی۔ پھر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ آپ کے گوش گزار کیا، آپ ﷺ نے پوچھا: ''شاید اس کا خاوند راہ خدا میں مصروفیت کے باعث غیر حاضر ہوگا؟'' اس وقت یہ آیت کریمہ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ...... نازل ہوئی۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا یہ میرے لئے ہی خاص ہے یا سب لوگوں کے لئے؟ حضرت عمر نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: نہیں، صرف تیری آنکھیں ہی ٹھنڈی نہ ہوں، بلکہ یہ سب لوگوں کے لئے عام ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمر نے سچ کہا ہے (3)۔ حضرت ابوالیسر کعب بن عمرو انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت میرے پاس ایک درہم کی کھجوریں خریدنے کے لئے آئی، میں نے کہا کہ اندر گھر میں اس سے بھی عمدہ کھجوریں موجود ہیں۔ جب وہ اندر داخل ہوئی تو میں اس کی طرف بڑھا اور بوسہ لے لیا۔ پھر نادم ہوتے ہوئے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس کے بارے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ستر پوشی کرو اور کسی کو اس بارے میں آگاہ نہ کرو لیکن مجھ سے صبر نہ ہوسکا۔ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے بھی یہی بات کہی۔ جب مجھے یارائے صبر نہ رہا تو میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام ماجرا کہہ سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے راہ خدا میں جانے والے غازی کی بیوی کے ساتھ یہ حرکت کر کے خیانت کی؟'' یہ سن کر میں اپنے آپ کو دوزخی سمجھنے لگا اور خواہش کرنے لگا کہ کاش اس کے بعد میں مسلمان ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے تھوڑی دیر سر جھکائے رکھا۔ اسی وقت جبرئیل یہ آیت وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ...... لے کر نازل ہوئے۔ آپ ﷺ نے مجھے یہ آیت سنائی۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا یہ ایک انسان کے ساتھ خاص ہے یا سب لوگوں کے لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگوں کے لئے'' (4)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آکر کہنے لگا: یارسول اللہ! آپ ایسے آدمی کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو کسی عورت کے ساتھ ناشائستہ حرکت کرتا ہے اور سوائے جماع کے ہر طرح سے لطف اندوز ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھی طرح وضو کرو، پھر اٹھو اور نماز پڑھو''۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ دریافت کرنے لگے کہ کیا یہ اس شخص کے لئے مخصوص ہے یا سب کے لئے؟ فرمایا: ''بلکہ سب کے لئے'' (5)۔ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اسے ایک عورت یاد آگئی۔ اس نے کسی کام کے بہانے آپ ﷺ سے جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے اسے اجازت دے دی۔ وہ شخص

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 387 2۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 135 3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 245
4۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 137 5۔ سنن دارقطنی، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 134 تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 136

اس عورت کو تلاش کرنے لگا لیکن نہ پا سکا۔ اس نے نبی کریم ﷺ کو بارش کی نوید سنانے کا ارادہ کیا۔ ادھر آتے ہوئے اس نے ایک کنویں پر اس عورت کو پالیا۔ اسے دھکا دے کر اس کی ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا لیکن آلہ تناسل یوں ڈھیلا ہو گیا جیسے کپڑے کا پلو ہوتا ہے۔ وہ نادم ہوتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی کارگزاری بیان کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے رب سے استغفار کرو اور چار رکعتیں نماز ادا کرو'' اور آپ ﷺ نے اس پر اس آیت وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ...... کی تلاوت کی(1)۔ حضرت ابوامامہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! مجھ پر حد قائم کیجئے۔ اس نے ایک دو مرتبہ ایسا کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے اعراض کر لیا۔ پھر نماز کھڑی ہو گئی۔ جب نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''وہ شخص کہاں ہے جو کہتا ہے کہ مجھ پر حد لگائیں؟'' اس نے عرض کی: میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اچھی طرح وضو کیا اور ہمارے ساتھ ابھی نماز پڑھی؟'' اس نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اپنی غلطی سے اس طرح پاک ہو گیا ہے جیسا کہ تو اپنی ولادت کے دن تھا، آئندہ ایسا نہ کرنا۔'' اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری(2)۔ حضرت ابوعثمان بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی درخت تلے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس درخت کی ایک خشک ٹہنی لے کر اسے ہلایا تو اس کے پتے جھڑ گئے، پھر فرمایا: ابوعثمان! کیا تم مجھ سے سوال نہیں کرو گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے عرض کی: فرمائیے، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک مسلمان جب اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر پانچ نمازیں ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح یہ پتے جھڑ گئے۔ پھر اس آیت وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ...... کی تلاوت کی(3)۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: ''برائی کے بعد نیکی کرو وہ اسے مٹا ڈالے گی اور لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آؤ'' (4)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو جہاں کہیں بھی تم ہو، برائی کے بعد نیکی کرو وہ اسے مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرو'' (5)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو کوئی برائی کر بیٹھے تو اس کے بعد نیکی کر وہ اس برائی کو ختم کر دے گی۔'' میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہنا بھی نیکی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ سب سے افضل نیکی ہے'' (6)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص دن یا رات کی کسی گھڑی میں ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہتا ہے اس کے نامہ اعمال سے تمام برائیاں ختم کر دی جاتی ہیں اور اس قدر نیکیاں ثبت کر دی جاتی ہیں'' (7)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: یارسول اللہ! میری کوئی چھوٹی بڑی حاجت تشنہ تکمیل نہیں رہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ (شہادت) ان سب کا خاتمہ کر دے گی'' (8)۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿١١٦﴾ وَمَا كَانَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 136 2۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 137 3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 437

4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 228 5۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 153 6۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 169

7۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 6 صفحہ 294، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 82

8۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الاذکار، جلد 4 صفحہ 7، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 83

رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

”تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ ان امتوں میں جو تم سے پہلے گزری ہیں ایسے زیرک لوگ ہوتے جو روکتے زمین میں فتنہ وفساد برپا کرنے سے مگر وہ قلیل تھے جنہیں ہم نے نجات دی تھی ان سے۔ اور پیچھے پڑے رہے ظالم اس عیش وطرب کے جس میں وہ تھے اور وہ مجرم تھے۔ اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ برباد کردے بستیوں کو ظلم سے حالانکہ ان میں بسنے والے نیکو کار ہوں“۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ پہلی امتوں میں سے کچھ زیرک اور صالح لوگ ہوتے جو معاشرے میں پائی جانے والی برائیوں اور خرابیوں سے منع کرتے۔ فرمایا: اِلَّا قَلِيْلًا یعنی ایسے لوگ بہت کم تھے، زیادہ نہیں تھے اور یہی وہ سعادت مند ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے بچالیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت شریفہ کو یہ حکم دیا ہے کہ ان میں ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو نیکی کا حکم دیں اور برائیوں سے منع کریں جیسا کہ فرمایا: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران: 104) ”ضرور ہونی چاہئے تم میں ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور یہی لوگ کامیاب وکامران ہیں“۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”جب لوگ برائی کو دیکھیں لیکن اسے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام کو عذاب میں مبتلا کردے“(1)۔ اس لئے فرمایا: فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ......

وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا...... یعنی یہ ظالم مسلسل گناہ کرتے رہے، کسی نے ان پر اظہار ناپسندیدگی نہ کیا اور یہ جرائم پیشہ لوگ تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات سے آگاہ کیا کہ وہ صرف اسی بستی کو برباد کرتا ہے جس کے لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، کسی صالح بستی پر اللہ تعالیٰ عذاب نازل نہیں کرتا جیسا کہ فرمایا: وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (ہود: 101) ”اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر بلکہ انہوں نے خود زیادتی کی تھی اپنی جانوں پر“، وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (حم السجدۃ: 46) ”اور آپ کا رب تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں“۔

وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

”اور اگر چاہتا آپ کا رب تو بنا دیتا سب لوگوں کو ایک ہی امت (لیکن حکمت کا یہ تقاضا نہیں اس لئے) وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر وہ جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا (وہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں گے) اور اسی (رحمت) کے لئے انہیں پیدا فرمایا ہے۔ اور پوری ہوگئی آپ کے رب کی (یہ) بات کہ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو جن وانسان (دونوں) سے“۔

اللہ تعالیٰ باخبر کررہا ہے کہ وہ تمام لوگوں کو ایمان یا کفر پر جمع کرکے ایک ہی امت بنا دینے پر قادر ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّھُمْ جَمِيْعًا (یونس: 99) ”اور اگر چاہتا ہے آپ کا رب تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب“۔

وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ لیکن لوگ دین، عقیدہ، مذہب، مسلک اور آراء میں مختلف رہیں گے، عکرمہ کہتے ہیں کہ ہدایت میں مختلف رہیں گے، حسن بصری فرماتے ہیں کہ رزق میں، لیکن مشہور اور صحیح قول پہلا ہے۔ اس حکم سے ان لوگوں کی استثناء کردی جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا، انہوں نے انبیاء ورسل کی اتباع کی اور ان کے لائے ہوئے دین کو مضبوطی سے تھام لیا، وہ اسی دین پر کاربند رہے یہاں تک کہ جب حضور خاتم النبیین ﷺ تشریف لائے تو آپ کی اتباع کی، آپ کی تصدیق کی اور آپ کی تائید ومعاونت کی، اس

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4 صفحہ 122 وغیرہ

طرح وہ دنیا و آخرت کی سعادت کے حصول میں کامیاب ہو گئے کیونکہ نجات پانے والا یہی گروہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''یہود اکہتر فرقوں میں بٹ گئے، نصاریٰ بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور میری امت عنقریب تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی بجز ایک فرقہ کے تمام فرقے دوزخی ہیں۔'' صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ کون ہیں؟ فرمایا: اس طریقہ کے پیروکار جس پر میں اور میرے صحابہ کار بند ہیں''(1)۔ عطاء کہتے ہیں کہ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ سے مراد یہود، نصاریٰ اور مجوسی ہیں اور اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ سے مراد دین حنیف کے پیروکار ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ رحمت الٰہی کی مستحق یہی جماعت ہے خواہ ان کے وطن اور بدن جدا جدا ہوں اور اہل معصیت فرقوں میں بٹے ہوئے لوگ ہیں اگرچہ ان کے وطن اور بدن ایک ہوں۔ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ میں '' ذٰلِكَ '' کا اشارہ کس طرف ہے؟ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اشارہ اختلاف کی طرف ہے یعنی اس اختلاف کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دو گروہوں میں پیدا کیا جیسا کہ ارشاد ہے: فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ (ہود: 105) ''بعض ان میں سے بدنصیب ہوں گے اور بعض خوش نصیب''۔ بعض نے کہا ہے کہ اشارہ رحمت کی طرف ہے یعنی رحمت سے بہرہ ور ہونے کے لئے انہیں پیدا کیا۔ دو شخص حضرت طاؤس کے پاس جھگڑا لے کر آئے اور جھگڑا طول اختیار کر گیا۔ حضرت طاؤس فرمانے لگے کہ تم نے اختلاف کو طول دے دیا ہے تو ان میں سے ایک آدمی کہنے لگا کہ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا۔ آپ فرمانے لگے کہ تو نے جھوٹ کہا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ...... آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس لئے نہیں پیدا کیا کہ وہ اختلاف کریں بلکہ متحد رہنے اور رحمت سے بہرہ ور ہونے کے لئے پیدا کیا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو رحمت کے لئے پیدا کیا ہے، عذاب کے لئے نہیں پیدا کیا۔ مجاہد، ضحاک اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے اور یہ قول اس آیت کی طرف راجع ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات: 56) ''اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں''۔ بعض نے کہا ہے کہ اشارہ رحمت اور اختلاف دونوں کی طرف ہے یعنی رحمت اور اختلاف کے لئے پیدا کیا جیسا کہ ایک روایت میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ لوگ مختلف ادیان میں بٹے رہیں گے۔ جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا وہ اختلاف کرنے والا نہیں ہوگا۔ آپ سے کہا گیا کہ اسی لئے انہیں پیدا کیا گیا، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت کے لئے پیدا کیا، انہیں دوزخ کے لئے اور انہیں عذاب کے لئے۔ عطاء بن ابی رباح اور اعمش کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ایک فریق جنت میں اور ایک دوزخ میں۔ اس قول کو ابن جریر اور فراء نے پسند کیا ہے۔(2) ایک دوسری روایت میں مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہیں رحمت کے حصول کے لئے پیدا کیا جبکہ دوسرے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اختلاف کی خاطر انہیں پیدا کیا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ...... اللہ تعالیٰ نے اپنے علم تام اور حکمت نافذہ کے باعث قضاء و قدر میں یہ طے کر رکھا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے کچھ لوگ جنت کے مستحق ہوں گے اور کچھ دوزخ کے اور ان دونوں گروہوں سے جنت اور دوزخ پر کئے جائیں گے۔ اس میں اس کی حجت بالغہ اور حکمت تامہ مضمر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت اور دوزخ میں جھگڑا ہو گیا، جنت کہنے لگی: مجھے کیا ہے، مجھ میں صرف کمزور اور حقیر لوگ داخل ہوں گے، دوزخ نے کہا: مجھے متکبر اور جابر لوگوں کے ساتھ خاص کیا

1۔ مستدرک حاکم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 128-129، سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4، صفحہ 197-198 وغیرہ

2۔ تفسیر طبری، جلد 12، صفحہ 144، معانی القرآن للفراء، جلد 2، صفحہ 31

گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا کہ تو میری رحمت ہے، تیرے سبب میں جس پر چاہوں رحم فرماؤں اور دوزخ سے کہا کہ تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعے میں جس سے چاہوں انتقام لوں، تم میں سے ہر ایک کو بھرنا ہے۔ جنت میں ہمیشہ مزید کی گنجائش ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو باقی ماندہ جنت میں سکونت اختیار کرے گی اور دوزخ ہمیشہ یہ کہتا رہے گا: ''هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ'' (کیا اور ہے) یہاں تک کہ اللہ رب العزت اس پر اپنا قدم رکھ دے گا تو وہ کہہ اٹھے گا: تیری عزت کی قسم! بس بس''(1)۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٢٠

''اور یہ سب جو ہم بیان کرتے ہیں آپ سے پیغمبروں کی سرگزشتیں یہ اس لئے ہیں کہ پختہ کر دیں ان سے آپ کے قلب (مبارک) کو۔ اور آیا ہے آپ کے پاس اس سورت میں حق اور یہ نصیحت اور یاد دہانی ہے اہل ایمان کے لئے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ہم سابق انبیاء ورسل کے واقعات آپ کو سنا رہے ہیں کہ ان کی امتوں نے کس طرح ان کی تکذیب کی، جھگڑتے رہے اور کس طرح ان ہستیوں نے اس تکذیب اور ایذاء رسانی کو برداشت کیا اور پھر کیسے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فتح ونصرت سے شاد کام کیا اور اپنے دشمن کافروں کو بے یار ومددگار کر کے نیست ونابود کر دیا، ان تمام واقعات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ ہم ان کے ذریعے آپ کے دل کو مضبوط کر دیں کیونکہ ان انبیاء ورسل کا اسوہ آپ کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ میں ''هٰذِهِ'' کا اشارہ یا تو اس سورت کی طرف ہے یا دنیا کی طرف یعنی اس سورت میں یا اس دنیا میں آپ کے پاس حق آ گیا۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ اشارہ اس سورت کی طرف ہے یعنی اس سورت میں جو قصص انبیاء، مومنین کی نجات اور کفار کی ہلاکت کی کیفیت پر مشتمل ہے، آپ کے پاس حق، صداقت اور ایسی پند ونصیحت آ گئی جو کفار کے لئے عبرت ہے اور اس میں اہل ایمان کے لئے یاد دہانی ہے۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝١٢١ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝١٢٢

''اور آپ فرما دیجئے انہیں جو ایمان نہیں لائے کہ تم عمل کرتے رہو اپنی جگہ پر، اور ہم (اپنے طور پر) عمل پیرا ہیں۔ اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم دے رہا ہے کہ آپ ایمان نہ لانے والوں سے بطور دھمکی کہہ دیں کہ تم اپنی جگہ اپنے طریقے کے مطابق عمل کرو اور میں اپنے طریقے اور منہج پر گامزن ہوں، تم بھی انتظار کرو اور میں بھی منتظر ہوں، فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (الانعام: 135) ''تو تم جان لوگے کہ کس کے لئے ہوتا ہے اچھا انجام اس دنیا کے گھر کا بے شک فلاح نہیں پاتے ظلم کرنے والے''۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ساتھ فتح ونصرت اور تائید وحمایت کا کیا ہوا اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ اپنے کلمہ کو سر بلند اور کفار کے کلمہ کو سرنگوں کر دیا اور اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 164، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2186

رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

''اور اللہ ہی کے لئے ہیں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی۔ اور اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سارے کام تو آپ بھی اسی کی عبادت کیجئے۔ اور اسی پر بھروسہ رکھئے۔ اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبر اس سے جو تم لوگ کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ زمین و آسمان کی تمام پوشیدہ چیزوں کے متعلق اسے پورا پورا علم ہے اور تمام امور اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ عنقریب یوم حساب کو ہر آدمی اپنے عمل کی جزاء پائے گا۔ ہر چیز کی تخلیق اور ہر حکم اسی کا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کرنے اور توکل اختیار کرنے کا حکم دیا اور وہ ہر شخص کے لئے کافی ہے جو اس پر توکل کرے اور اس کی طرف رجوع کرے اور وہ جھٹلانے والوں کے اعمال سے بے خبر نہیں بلکہ وہ ان کے احوال اور اقوال سے باخبر ہے۔ وہ دنیا و آخرت میں عنقریب انہیں پوری جزاء دے گا اور اے میرے پیارے رسول! آپ کو اور آپ کی جماعت کو دارین میں نصرت و سعادت حاصل ہوگی۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ سورۂ ہود کے اختتام جیسا تورات کا اختتام ہے(1)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 148

سورۂ یوسف (مکیہ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دم کرنے والے کو سورۂ یوسف سکھاؤ کیونکہ جو مسلمان اس (سورت) کی تلاوت کرتا ہے یا اپنے گھر والوں کو یا اپنے ماتحتوں کو یہ سورت سکھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر سکرات موت آسان کر دیتا ہے اور اسے اس قدر قوت عطا فرماتا ہے کہ وہ کسی مسلمان پر حسد نہیں کرتا۔'' اسناد کے بالکل ضعیف ہونے کی وجہ سے یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابن عساکر نے اس کا ایک متابع ذکر کیا ہے لیکن اس کی تمام سندیں منکر ہیں۔ امام بیہقی اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بیان کرتے ہیں کہ یہود کے ایک گروہ نے جب رسول اللہ ﷺ کو اس سورت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو مسلمان ہو گئے کیونکہ ان کے ہاں تورات میں بھی یہ قصہ اسی طرح بیان ہوا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (1)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓرٰ ۟ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۟ ﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲﴾ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ۖ وَاِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ ﴿۳﴾

''الف۔ لام۔ را۔ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی بیشک ہم نے اتارا اسے یعنی قرآن عربی کو تا کہ تم (اسے) خوب سمجھ سکو۔ ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ایک بہترین قصہ اس قرآن کے ذریعہ جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے۔ اگرچہ آپ اس سے پہلے غافلوں میں سے تھے''۔

حروف مقطعات کے متعلق بحث سورۂ بقرہ کے اوائل میں گزر چکی ہے۔ فرمایا کہ یہ اس واضح اور جلی کتاب کی آیات ہیں جو مبہم اشیاء کی وضاحت اور تفسیر بیان کرتی ہے۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ عربی زبان میں قرآن کریم نازل کرنے کی وجہ یہ ہے کیونکہ یہ زبان تمام زبانوں سے زیادہ فصیح، واضح اور وسیع معانی کو بیان کرنے والی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے سب سے اعلیٰ کتاب، سب سے بہترین زبان میں، سب سے افضل رسول پر، سب سے اشرف فرشتے کے ذریعے اور سب سے زیادہ مقدس جگہ پر نازل فرمائی، اس لئے فرمایا: نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ...... یعنی ہم بذریعہ وحی قرآن آپ پر بہترین قصہ بیان کر رہے ہیں۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! (کیا ہی اچھا ہوتا) اگر آپ ﷺ کوئی قصہ ہمیں سناتے؟ اس پر یہ آیت اتری (2)۔ حضرت مصعب بن سعد اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک زمانہ تک قرآن کریم نبی کریم ﷺ پر اترتا رہا اور آپ ﷺ صحابہ پر اس کی تلاوت کرتے رہے۔ پھر صحابہ نے عرض

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 6 صفحہ 276
2۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 150

کی: یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ کوئی واقعہ بیان کر دیں، اس پر یہ آیت اتری اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ(الزمر:23)'' اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے نہایت عمدہ کلام'' (1)۔ حضرت عون بن عبداللہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کچھ اکتا سے گئے، عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! ہمیں کوئی واقعہ سنائیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ نازل فرمائی۔ پھر اکتا کر عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! ہمیں عام گفتگو سے اوپر اور قرآن کریم سے نیچے کا کوئی قصہ سنائیں۔ اس پر سورۂ یوسف کی یہ آیات اتریں۔ انہوں نے کسی حدیث (خبر) کی خواہش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے احسن الحدیث پر ان کی رہنمائی کر دی، انہوں نے کوئی قصہ سننا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں احسن القصص پر آگاہ کر دیا(2)۔ چونکہ یہ آیت کریمہ مدح قرآن پر مشتمل ہے اور قرآن کریم ایسی کتاب ہے جو باقی تمام کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہے، اس لئے مناسب محسوس ہوتا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کو بیان کر دیا جائے کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نبی کریم ﷺ کے پاس ایک کتاب لے کر آئے جو کسی اہل کتاب سے آپ کے ہاتھ لگی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ یہ کتاب نبی کریم ﷺ کے سامنے پڑھنے لگے۔ آپ ﷺ نہایت غضبناک ہو کر فرمانے لگے: '' کیا اس میں پڑ کر تم بہک جانا چاہتے ہو، اے ابن خطاب؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے پاس اسے (شریعت کو) نہایت روشن اور برّاق لایا ہوں۔ ان (اہل کتاب) سے کسی چیز کے متعلق مت پوچھو، ممکن ہے کہ وہ تمہیں حق بات کی خبر دیں اور تم اسے جھٹلا دو یا باطل کی خبر دیں اور تم اس کی تصدیق کر بیٹھو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی بجز میری اتباع کے کوئی چارۂ کار نہ ہوتا'' (3)۔ حضرت عبداللہ بن ثابت سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! میں بنو قریظہ کے اپنے ایک (یہودی) دوست کے پاس سے گزرا تو اس نے مجھے تورات کی چند جامع باتیں لکھ دیں، کیا میں آپ کو سناؤں؟ آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا حضرت عبداللہ بن قیس حضرت عمر سے کہنے لگے کیا تم رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر ناگواری اور غصے کے آثار نہیں دیکھ رہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ہم اس بات پر راضی ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے، اسلام ہمارا دین ہے اور محمد (ﷺ) ہمارے رسول ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ کا غصہ جاتا رہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں موسیٰ آ جاتے پھر تم ان کی اتباع کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو گمراہ ہو جاتے، امتوں میں سے تم میرا حصہ ہو اور انبیاء میں سے میں تمہارا حصہ ہوں'' (4)۔ خالد بن عرفطہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ قبیلہ عبدالقیس کا ایک شخص جس کا مسکن سوس تھا، لایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کہا: کیا تم فلاں بن فلاں قبیلہ عبدالقیس سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا تم ہی سوس میں مقیم ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے اسے ایک چھڑی ماری۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! میرا کیا قصور ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹھو، جب وہ بیٹھ گیا تو آپ نے اس پر سورۂ یوسف کی یہ آیات الٓرٰ...... لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ تلاوت کیں۔ تین مرتبہ آپ نے ان آیات کی تلاوت کی اور چھڑی کی تین ضربیں لگائیں۔ وہ آدمی پوچھنے لگا کہ اے امیر المومنین! میرا گناہ کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو ہی ہے جس نے دانیال کی کتاب نقل کی ہے، وہ کہنے لگا کہ آپ حکم دیں، میں اس کی اتباع کروں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ اور اسے گرم پانی اور سفید روئی کے ساتھ مٹا ڈالو، پھر اسے نہ خود پڑھنا اور نہ کسی کو پڑھانا۔ اگر مجھے یہ پتہ چل گیا کہ تم نے

1۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۂ یوسف، جلد 2، صفحہ 345　　2۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 150

3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 387　　4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 265-266

اسے خود پڑھا ہے یا کسی کو پڑھایا ہے تو میں سزا دیکر تمہارا کچومر نکال دوں گا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسے بیٹھنے کا حکم دیا۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے اہل کتاب سے ایک کتاب لکھی پھر میں اسے ایک چمڑے میں لپیٹ کر لے آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''اے عمر! تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟'' میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ کتاب میں نے نقل کی ہے تاکہ ہم مزید علم حاصل کر لیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ شدید غصہ میں آ گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے رخسار سرخ ہو گئے۔ پھر منادی کی گئی کہ نماز جمع کرنے والی ہے۔ انصار کہنے لگے کہ کیا آپ ﷺ غضبناک ہو گئے ہیں؟ اسی وقت انہوں نے ہتھیار سنبھالے اور منبر رسول ﷺ کے اردگرد چوکنے ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! مجھے جامع اور خاتم کلمات سے نوازا گیا ہے اور میرے لئے نہایت ہی اختصار کیا گیا ہے، میں تمہارے پاس سفید اور صاف ستھری شریعت لایا ہوں، اس لئے بیوقوفی کا مظاہرہ نہ کرو اور نہ بے وقوف تمہیں دھوکے میں ڈالیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس پر میں اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں اس بات پر راضی ہوں کہ اللہ میرا رب ہے، اسلام میرا دین ہے اور آپ میرے رسول ہیں۔ پھر آپ ﷺ منبر سے نیچے اتر آئے (1)۔ اس کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق کو محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ اس کی حدیث صحیح نہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ ایک اور سند سے اس کا ایک شاہد موجود ہے جسے حافظ ابوبکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی نے بیان کیا ہے کہ خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حمص میں دو شخص رہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل حمص کے چند افراد کے ساتھ ان دونوں کو بھی بلا بھیجا۔ انہوں نے یہود سے چند منتخب چیزیں لکھ کر ایک مجموعہ تیار کیا ہوا تھا، وہ اس مجموعے کو بھی ساتھ لیتے آئے تاکہ اس کے متعلق امیر المومنین کی رائے لے لیں۔ اگر تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس پر خوشی کا اظہار کیا تو اس میں ہماری رغبت بڑھ جائے گی اور اگر آپ رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا تو ہم اس سے دستکش ہو جائیں گے۔ وہ دونوں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ ہم اہل کتاب کے ساتھ رہتے ہیں اور ہم ان سے ایسی کلام سنتے ہیں جس سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کیا ہم اس میں سے کچھ لے لیں یا ترک کر دیں؟ آپ نے پوچھا کہ شاید تم نے اس میں سے کچھ لکھا ہے، وہ کہنے لگے: نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں ایک واقعہ سناتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں میں خیبر گیا۔ وہاں ایک یہودی سے میری ملاقات ہوئی، اس کی باتیں مجھے بہت پسند آئیں۔ میں نے کہا کہ کیا تم مجھے اپنی کچھ باتیں لکھ دو گے؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں ایک چمڑا لایا جس پر وہ مجھے املاء کروانے لگ گیا یہاں تک کہ میں نے کناروں پر بھی لکھ لیا۔ جب میں واپس لوٹا تو میں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے میرے پاس لاؤ'' میں خوشی خوشی اس خیال سے اسے لانے کے لئے چلا کہ شاید کوئی چیز آپ ﷺ کو پسند آ جائے۔ جب میں آپ ﷺ کے پاس اسے لے کر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیٹھو اور مجھے پڑھ کر سناؤ'' میں تھوڑی دیر اسے پڑھتا رہا، پھر میں نے آپ ﷺ کے چہرہ کی طرف دیکھا تو اسے متغیر پایا۔ یہ دیکھ کر میں لرز گیا، پھر میری زبان سے مزید ایک حرف بھی نہ نکلا۔ جب آپ ﷺ نے میری یہ حالت دیکھی تو اس تحریر کو اٹھا لیا اور پھر آپ ﷺ اپنی تھوک سے ایک ایک حرف مٹانے لگے اور فرمانے لگے: ''ان لوگوں کی پیروی نہ کرو، کیونکہ یہ خود بھی بہک گئے ہیں اور دوسروں کو بھی بہکا رہے ہیں'' یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اس تحریر کا ایک ایک حرف مٹا دیا۔ پھر حضرت عمر ان دونوں آدمیوں کو فرمانے لگے کہ اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم نے ان کی باتیں لکھی ہیں تو میں تمہیں سزا دیکر اس امت کے لئے عبرت بنا دیتا۔ وہ کہنے لگے: قسم بخدا، ہم کبھی بھی کوئی ایسی چیز نہیں لکھیں گے۔ وہ دونوں اپنے

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 497، مجمع الزوائد، جلد 1 صفحہ 182

مجموعے کو لے کر نکل گئے اور گڑھا کھود کر دفن کر دیا(1)۔

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۝۴

"(یاد کرو) جب کہا یوسف نے اپنے والد سے کہ اے میرے (محترم) باپ! میں نے (خواب میں) دیکھا ہے گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں"۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ آپ علیہ السلام کے والد یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں" (2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز سب سے زیادہ متقی ہے"۔ صحابہ عرض کرنے لگے کہ ہم اس بارے میں آپ سے نہیں پوچھ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم لوگوں میں سے سب سے زیادہ معزز اللہ کے نبی یوسف ہیں جن کے والد بھی نبی، دادا بھی نبی اور پردادا بھی نبی اور خلیل اللہ ہیں"۔ صحابہ عرض کرنے لگے کہ یہ بھی سوال سے ہمارا مقصود نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر تم قبائل عرب کے متعلق پوچھنا چاہتے ہو؟ صحابہ نے عرض کی: جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "زمانہ جاہلیت میں ممتاز اور نمایاں لوگ اسلام میں بھی ممتاز اور نمایاں ہیں بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کر لیں" (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انبیاء کے خواب وحی خدا ہوتے ہیں۔ مفسرین نے اس خواب کی تعبیر کے متعلق کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ گیارہ ستاروں سے مراد آپ کے بھائی ہیں جن کی تعداد گیارہ تھی۔ سورج اور چاند سے مراد آپ کے والدین ہیں۔ یہ حضرات ابن عباس، ضحاک، قتادہ، سفیان ثوری اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے مروی ہے۔ اس خواب کی تعبیر چالیس سال بعد اور بقول بعض اسی سال بعد ظہور پذیر ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جب آپ نے اپنے والدین کو اپنے تخت پر بٹھایا اور آپ کے بھائی آپ علیہ السلام کے سامنے تھے، وہ سجدہ ریز ہو گئے جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے: وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ؗ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا (یوسف:100) "اور وہ گر پڑے آپ کے لئے سجدہ کرتے ہوئے۔ اور (یہ منظر دیکھ کر) یوسف نے کہا اے میرے پدر بزرگوار! یہ تعبیر ہے میرے خواب کی جو پہلے (عرصہ ہوا میں نے) دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اسے سچا کر دکھایا ہے"۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بستانہ نامی ایک یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ مجھے ان ستاروں کے نام بتائیے جنہیں یوسف علیہ السلام نے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا؟ آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے اور اسے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ کو ان ستاروں کے نام بتا دیئے۔ آپ ﷺ نے اس یہودی کو بلایا اور پوچھا: اگر میں ان کے نام بتا دوں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جربان، طارق، ذیال، ذوالکنفین، قابس، وثاب، عمودان، فیلق، مصبح، ضروح اور ذوالفرع"۔ یہ سن کر یہودی کہنے لگا: ہاں، خدا کی قسم، ان ستاروں کے یہی نام ہیں (4)۔ اس روایت کو ابن جریر، ابویعلیٰ، بزار اور ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے۔

1۔ مراسیل ابی داؤد: 48
2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ یوسف، جلد 6، صفحہ 95، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 96
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ یوسف، جلد 6 صفحہ 95
4۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 3، صفحہ 53، دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 6، صفحہ 277 وغیرہ

مسند ابویعلی میں کچھ اضافہ بھی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب یوسف نے یہ خواب دیکھا تو اپنے والد محترم حضرت یعقوب سے بیان کر دیا۔ آپ کے والد محترم آپ سے فرمانے لگے کہ یہ بکھرا ہوا معاملہ ہے جسے بعد میں اللہ تعالیٰ جمع کر دے گا۔ سورج باپ ہیں اور چاند ماں''۔ اسے بیان کرنے میں حکم بن ظہیر فزاری منفرد ہیں جنہیں آئمہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور اکثر نے متروک گردانا ہے۔ جورجانی نے ساقط کہا ہے۔ حدیث حسن یوسف کے یہی راوی ہیں۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ⑤

''آپ نے فرمایا اے میرے بچے نہ بیان کرنا اپنا خواب اپنے بھائیوں سے ورنہ وہ سازش کریں گے تیرے خلاف۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے''۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد محترم سے اپنا وہ خواب بیان کیا جس کی تعبیر یہ تھی کہ آپ کے بھائی سر تسلیم خم کریں گے اور اس قدر آپ کی تعظیم بجالائیں گے کہ آپ کے احترام و اکرام میں آپ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے تو آپ کے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام نے آپ کو منع کر دیا کہ اپنے کسی بھائی کو یہ خواب مت سنانا ورنہ خدشہ ہے کہ وہ آتش حسد میں مبتلا ہو کر تمہارے در پے آزار ہو جائیں گے اور تمہیں کسی گہری سازش کا شکار کر دیں گے۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جب تم میں سے کوئی پسندیدہ خواب دیکھے تو اسے بیان کر دے اور جب برا خواب دیکھے تو کروٹ بدل لے اور اپنی بائیں جانب تین دفعہ تھوک دے اور اس کی شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور کسی کے سامنے اسے بیان نہ کرے تو یہ (خواب) اسے نقصان نہیں پہنچائے گا'' (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک خواب کی تعبیر بیان نہ کی جائے (گویا) وہ پرندے کے پاؤں پر ہے اور جب اس کی تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ وقوع پذیر ہو جاتا ہے'' (2)۔ اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ نعمت جب تک حاصل نہ ہو جائے اور خود ظاہر نہ ہو اسے چھپانا چاہیے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''ضروریات کے پورا کرنے پر ان کے چھپانے سے مدد لیا کرو کیونکہ ہر ذی نعمت شخص پر حسد کیا جاتا ہے'' (3)۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑥

''اور اسی طرح چن لے گا تجھے تیرا رب اور سکھا دے گا تجھے باتوں کا انجام (یعنی خوابوں کی تعبیر) اور پورا فرمائے گا اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھرانے پر جیسے اس نے پورا فرمایا اپنا انعام اس سے پہلے تیرے دو باپوں ابراہیم اور اسحٰق پر۔ یقیناً تیرا پروردگار سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے''۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے نور نظر یوسف علیہ السلام سے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر کرم فرمایا اور تمہیں یہ ستارے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، جلد 3، صفحہ 1772-1773، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 305 وغیرہ

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 305، سنن ابن ماجہ، کتاب الرؤیا، جلد 2، صفحہ 1288 وغیرہ

3۔ جامع صغیر از سیوطی، جلد 1، صفحہ 128

مع شمس وقمر تمہیں سجدہ کرتے ہوئے دکھائے، اسی طرح وہ تمہیں نبوت کے لئے چن لے گا اور خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا اور منصب نبوت ورسالت پر فائز کر کے اسی طرح تم پر نعمت کی تکمیل فرمائے گا جس طرح اس نے تمہارے دادا حضرت اسحاق علیہ السلام اور پردادا حضرت خلیل علیہ السلام پر اپنی نعمت کو مکمل کیا تھا اور تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون شرف نبوت ورسالت سے مشرف ہونے کا مستحق ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآىِٕلِيْنَ ۞ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ ۞ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۞ قَالَ قَآىِٕلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَ اَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۞

''بیشک یوسف اور اس کے بھائیوں (کے قصہ) میں (عبرت کی) کئی نشانیاں ہیں دریافت کرنے والوں کے لئے۔ جب بھائیوں نے (آپس میں) کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے حالانکہ ہم ایک (مضبوط) جتھہ ہیں۔ یقیناً ہمارے والد (ایسا کرنے میں) کھلی غلطی کا شکار ہیں۔ قتل کر ڈالو یوسف کو یا دور پھینک آؤ اسے کسی علاقہ میں۔ (یوں) تنہا ہو جائے گا تمہاری طرف تمہارے باپ کا رخ اور ہو جانا اس کے بعد (توبہ کر کے) نیک قوم۔ (یہ سن کر) ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ نہ قتل کرو یوسف کو (بلکہ) پھینک دو اسے کسی گہرے کنوئیں کی تاریک تہہ میں اٹھالیں گے اسے کوئی راہ چلتے مسافر اگر تم نے کچھ کرنا ہی ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں دریافت کرنے والوں کے لئے عبرت ونصیحت کی متعدد نشانیاں ہیں کیونکہ یہ عجیب وغریب قصہ ہے جو واقعی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے متعلق دریافت کیا جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین ایک ہی والدہ کے شکم سے تھے۔ آپ کے بھائی قسم اٹھا کر کہنے لگے کہ یوسف اور اس کا بھائی بنیامین ہمارے باپ کو ہماری نسبت زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں، اس لئے ہمارے مقابلے میں یہ دو کیسے زیادہ محبوب ہو گئے، یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس ترجیحی سلوک میں ہمارے والد صریح غلطی کا شکار ہیں۔ یہ بات آپ کے علم میں ہونی چاہئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت پر کوئی دلیل نہیں اور ان آیات کا سیاق تو بالکل اس کے برعکس پر دلالت کر رہا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس واقعہ کے بعد انہیں نبوت ملی لیکن یہ خیال محل نظر ہے اور کسی دلیل کی محتاج ہے۔ ان کے پاس اس آیت کے سوا اور کوئی دلیل نہیں جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ (البقرہ:136) ''کہہ دو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا ابراہیم علیہ السلام واسمٰعیل علیہ السلام واسحٰق علیہ السلام ویعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کی طرف''۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ لفظ ''اَسْبَاطِ'' کے لفظ کو بطور دلیل پیش کرنا بھی احتمال سے زیادہ وقعت کا حامل نہیں کیونکہ بنی اسرائیل کے بطون (خاندانوں) کے لئے ''اَسْبَاطِ'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس طرح عربوں کے لئے قبائل اور عجمیوں کے لئے شعوب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے اسباط بنی اسرائیل میں سے پیغمبروں کی طرف وحی کی، چونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے اجمالی طور پر ان کا ذکر کیا لیکن ہر سبط برادران یوسف میں سے ہی کسی ایک کی نسل تھی اور اس

بات کی کوئی دلیل نہیں کہ خاص ان بھائیوں کو منصب نبوت پر فائز کیا گیا۔

اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ...... برادران یوسف آپس میں کہنے لگے کہ یہ جو تمہارے ساتھ باپ کی محبت میں رکاوٹ بنا ہوا ہے، اس کا قصہ ہی پاک کردو، اسے کہیں غائب کردو تاکہ والد صاحب کی توجہ ہمارے لئے خاص ہو جائے۔ یا تو اسے قتل کرڈالو یا کسی گہرے کنوئیں کی تاریک تہہ میں پھینک دو اور پھر اس کے بعد توبہ کر کے نیکوکار بن جانا۔ یہ سن کر ان میں سے ایک نے مشورہ دیا، یہ سب سے بڑا تھا جس کا نام روبیل تھا۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ مشورہ دینے والا یہودا تھا، مجاہد کہتے ہیں کہ شمعون نے یہ مشورہ دیا کہ تم یوسف کی عداوت اور بغض میں انتہاء پسندی کا مظاہرہ نہ کرو کہ اسے قتل کرنے کے درپے ہو جاؤ، اور وہ آپ علیہ السلام کو قتل کر بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی آپ کو منصب نبوت پر فائز کرنا تھا اور ملک مصر کی بادشاہت سے نوازنا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے روبیل کے مشورہ کے ذریعے انہیں اس اقدام سے باز رکھا کہ اسے کسی گہرے کنوئیں کی تہہ میں ڈال دو۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ بیت المقدس کا کنواں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی قافلہ یہاں سے گزرے گا اور وہ اسے اٹھا کر کہیں دور لے جائیں گے، اس طرح مقصد بھی حاصل ہو جائے گا اور قتل کرنے کے جرم سے بھی بچ جائیں گے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ برادران یوسف علیہ السلام نے ایک بہت بڑے جرم پر اتفاق کیا یعنی قطع رحمی، والد کی نافرمانی، بے گناہ چھوٹے بھائی پر ظلم، حق و حرمت اور مرتبہ و فضیلت کے حامل بڑے بوڑھے کے ساتھ زیادتی، اپنے بوڑھے باپ اور ان کے کمسن، لاڈلے اور محبوب نور نظر کے درمیان جدائی ڈالنا، یہ سب معمولی چیزیں نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، وہ ارحم الراحمین ہے(1)۔

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى یُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَ یَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾

"(یہ طے کرنے کے بعد) انہوں نے (آکر) کہا اے ہمارے باپ کیا ہوا آپ کو کہ آپ اعتبار ہی نہیں کرتے ہم پر یوسف کے بارے میں حالانکہ ہم تو اس کے سچے خیر خواہ ہیں۔ آپ بھیجئے اسے ہمارے ساتھ کل تاکہ خوب کھائے پیئے اور کھیلے کودے اور (کوئی فکر نہ کیجیے) ہم اس کے نگہبان ہیں"۔

جب انہوں نے اپنے بھائی روبیل کے مشورہ پر آپ علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینکنے پر اتفاق کر لیا تو وہ اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے: ابا جان! کیا بات ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم سے مطمئن نہیں حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔ یہ ان کی تمہید کلام اور جھوٹ پر مبنی دعویٰ تھا کیونکہ وہ تو حسد کی آگ میں جل رہے تھے۔ کہنے لگے کہ آپ کل یوسف کو ہمارے ساتھ روانہ کریں، ہم سیر و تفریح کریں گے۔ "یَرْتَعْ وَ یَلْعَبْ" اور "نَرْتَعْ وَ نَلْعَبْ" دونوں قرأتیں ہیں(2)۔ مزید کہنے لگے کہ ہم اس کے محافظ ہیں، ہم آپ کی خاطر اس کی مکمل دیکھ بھال کریں گے۔

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَىِٕنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

"آپ نے فرمایا بیشک مجھے غمزدہ بناتی ہے یہ بات کہ تم اسے لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں کھا نہ جائے اس کو بھیڑیا اور تم

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 154
2۔ دیکھئے الاقناع لابن الباذش، جلد 2 صفحہ 669

(سیر و تفریح کے باعث) اس سے بے خبر ہو۔ کہنے لگے اگر کھا جائے اسے بھیڑیا حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں۔ بلاشبہ ہم تو بڑے زیاں کار ہوئے''۔

بیٹوں کے مطالبہ کے جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ اتنی دیر بھی یوسف کا میری نظروں سے اوجھل ہونا مجھے غمزدہ کرتا ہے اور مجھ پر شاق گزرتا ہے، اس فرط محبت کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کی ذات میں خیر عظیم، شمائل نبوت اور کمالات صوری و معنوی کے آثار کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔

وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ آپ فرمانے لگے کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں تم تیراندازی اور جانور چرانے میں مشغول ہو جاؤ اور تمہاری اس لاشعوری کی حالت میں کوئی بھیڑیا آکر یوسف کو کھا لے۔ یہ بات انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے سن کر پلے باندھ لی اور پھر اپنے جرم کا یہی عذر پیش کیا۔ وہ اسی وقت جواب میں کہنے لگے: لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ......

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾

''پھر جب (بڑے اصرار سے) اسے لے گئے اور سب نے یہی طے کر لیا کہ ڈال دیں اسے کسی گہرے کنوئیں کی تاریک تہہ میں۔ اور (عین اس وقت) ہم نے اس کی طرف وحی کی (گھبراؤ نہیں) تم ضرور انہیں آگاہ کرو گے ان کے اس فعل پر اور وہ (تیرے رتبہ عالی کو) نہیں سمجھتے''۔

برادران یوسف علیہ السلام اپنے باپ کے ساتھ بات چیت کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر چلے اور انہوں نے آپ علیہ السلام کو گہرے کنوئیں کی تاریک تہہ میں ڈال دینے پر اتفاق کر لیا، حالانکہ جب وہ آپ کو اپنے باپ کے پاس سے لائے تھے تو اس وقت بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ یہ کہہ کر لائے تھے کہ اس کی سیر و تفریح ہو جائے گی، دل بہل جائے گا اور مسرت حاصل ہو گی۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجنے لگے تو آپ نے انہیں سینے سے لگایا، بوسہ لیا اور ڈھیروں دعائیں دیں۔ سدی وغیرہ کا کہنا ہے کہ بس باپ کی آنکھوں سے اوجھل ہونے کی دیر تھی کہ انہوں نے آپ علیہ السلام کے احترام و اکرام کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایذاء دینی شروع کر دی۔ آپ کو برا بھلا کہنے لگے اور زدوکوب کرنے سے بھی باز نہ آئے۔ پھر آپ کو لے کر اس گہرے کنوئیں کی طرف بڑھے جس میں آپ کو پھینکنے کا انہوں نے پروگرام بنایا تھا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے آپ کو رسی کے ساتھ جکڑ دیا اور ڈول میں ڈال کر نیچے گرانا چاہا۔ آپ ہر ایک سے رحم کی اپیل کرتے لیکن وہ چپت رسید کر کے اور برا بھلا کہہ کر آپ کو پیچھے دھکیل دیتا۔ جب آپ کنوئیں کے کناروں کے ساتھ چمٹتے تو وہ آپ کے ہاتھوں پر ضربیں لگاتے، آخر کار انہوں نے آپ کو کنوئیں میں لٹکا دیا۔ جب آپ کنوئیں کی نصف مسافت پر پہنچے تو انہوں نے رسی کاٹ دی آپ پانی کی تہہ میں جا گرے۔ درمیان میں ایک بڑا پتھر تھا جسے راغوفہ کہا جاتا ہے اس کے اوپر آپ کھڑے ہو گئے۔ اس نازک صورت حال اور تنگی کے وقت آپ پر لطف و کرم فرماتے ہوئے، اطمینان دلاتے ہوئے اور تثبیت قلب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ ضرور اپنے بھائیوں کو ان کی اس کارستانی سے آگاہ کریں گے، اس لئے صورت حال سے آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس سے عہدہ برآ ہونے کی آپ کو توفیق مرحمت فرمائے گا اور اس مصیبت سے خلاصی کی راہ پیدا کر دے گا۔ وہ آپ کو بلند مرتبہ سے نوازے گا، درجات بلند فرمائے گا اور بھائیوں پر فوقیت عطا کرے گا۔ اللہ

تعالیٰ کے فرمان وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ کے متعلق مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ برادران یوسف کو یہ شعور نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شرف نبوت سے نوازے گا۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ آپ انہیں ان کے جرم سے آگاہ کریں گے اس حال میں کہ وہ آپ کو نہیں پہچانیں گے بلکہ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا کہ آپ یوسف ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب برادران یوسف علیہ السلام آپ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں پہچان لیا، لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔ آپ نے ایک پیالہ منگوایا اسے اپنے ہاتھ پر رکھ کر اسے انگلی سے ٹھونکا، جب اس میں سے آواز نکلی تو آپ نے فرمایا کہ یہ جام مجھے خبر دے رہا ہے کہ تمہارا ایک سوتیلا بھائی یوسف تھا جو اپنے باپ کو سب سے زیادہ محبوب تھا، تم اسے بہانے سے لے گئے اور ایک گہرے کنوئیں میں پھینک دیا۔ پھر آپ نے پیالے کو انگلی کے ساتھ بجایا تو اس میں سے آواز نکلی۔ آپ فرمانے لگے کہ پھر تم اپنے باپ کے پاس اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر چلے آئے اور کہنے لگے کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے۔ یہ سن کر وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ جام تو بادشاہ کو تمہارے کرتوت سے آگاہ کر رہا ہے۔ اس چیز کو اس آیت لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا...... میں بیان کیا گیا ہے(1)۔

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿١٦﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾

"اور آئے اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت گریہ زاری کرتے ہوئے۔ (آکر) کہا باوا جی! ہم ذرا گئے کہ دوڑ لگائیں اور ہم چھوڑ گئے یوسف کو اپنے سامان کے پاس (ہائے افسوس!) کھا گیا اس کو بھیڑیا اور آپ نہیں مانیں گے ہماری بات اگرچہ ہم سچے ہیں۔ اور لے آئے اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر۔ آپ نے فرمایا (غلط کہتے ہو یوں نہیں) بلکہ آراستہ کر دکھایا تمہیں تمہارے نفسوں نے اس (سنگین جرم) کو (اس جانکاہ حادثہ پر) صبر جمیل کروں گا۔ اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگوں گا اس پر جو تم بیان کرتے ہو"۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈال دینے کے بعد بھائیوں نے جو کھیل رچایا اس کی خبر دی جارہی ہے۔ وہ واپس اپنے باپ کے پاس روتے پیٹتے، گریہ وفغان کرتے ہوئے، یوسف پر اظہار تاسف اور جزع فزع کرتے ہوئے، اپنے باپ کو دکھ کا تاثر دلاتے ہوئے اور یہ بہانہ گھڑتے ہوئے آئے کہ ابا جان! ہم ذرا دوڑ لگانے اور تیر اندازی کے لئے چلے گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے۔ ایک بھیڑیا آیا اور یوسف کو نگل گیا، اسی خدشہ کا اظہار حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیا تھا۔ اپنے دعویٰ کو پختہ کرنے کے لئے بڑی حیلہ سازی سے کہنے لگے کہ ہمیں معلوم ہے اگرچہ ہم سچے ہیں پھر بھی آپ ہماری تصدیق نہیں کریں گے اور نہ ہماری بات پر آپ یقین کریں گے، خصوصاً اس صورت حال میں تو آپ کو بالکل یقین نہیں آئے گا کیونکہ آپ کو پہلے ہی یہ خدشہ تھا کہ کہیں بھیڑیا یوسف کو نہ کھا جائے، سوایسا ہی ہوا۔ اب اگر آپ ہمیں جھٹلائیں تو اس میں آپ معذور ہیں اور اس کا حق بھی آپ کو پہنچتا ہے کیونکہ یہ واقعہ ہی بہت غریب

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 162

ہے اور اتفاق ہی ایسا ہوا ہے کہ ہمیں خود اس پر بہت تعجب ہے۔ اپنے دعویٰ کی صداقت پر انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کا خون آلود پیرہن پیش کر دیا۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور اس کے خون میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کو لت پت کیا یہ وہم دلانے کے لئے کہ بھڑیا کے حملہ آور ہوتے وقت یوسف نے یہ قمیص پہن رکھی تھی، لیکن اس قمیص کو پھاڑنا بھول گئے، اس لئے یہ کھیل کامیاب نہ ہو سکا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صراحۃً تو نہیں البتہ اشارۃً ان کے جھوٹ کو ثابت کرتے ہوئے فرمایا: بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ یعنی جس طرح تم کہہ رہے ہو معاملہ اس طرح نہیں بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے لئے اس جرم کو آراستہ کر دیا، اب میں تمہاری اس گھناؤنی سازش پر صبر جمیل کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے میری چارہ سازی فرمائے اور اس دکھ کو ٹال دے اور جس جھوٹ اور محال چیز کا تم دعویٰ کر رہے ہو، اس پر میں اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کروں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر درندے نے آپ کو کھایا ہوتا تو آپ کی قمیص ضرور پھٹ جاتی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ صبر جمیل اس صبر کو کہتے ہیں جس میں جزع فزع نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ سے صبر جمیل کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا صبر جس میں شکوہ شکایت نہ ہو۔ حضرت ثوری کسی سے نقل کرتے ہیں کہ صبر تین چیزوں کا نام ہے: اپنے دکھ درد کا اظہار نہ کرنا، اپنی مصیبت کے متعلق کسی کو آگاہ نہ کرنا اور اپنے آپ کو پاک نہ سمجھنا(1)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقعہ پر حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کی ہے جس میں آپ پر تہمت لگائے جانے کا ذکر ہے، اس میں آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کی قسم! میری اور تمہاری مثال ایسے ہی ہے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے باپ نے کہا تھا: فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ(2)۔

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿٢٠﴾

"اور (تھوڑی دیر بعد) ایک قافلہ آیا تو اہل قافلہ نے (پانی لانے کے لئے) اپنا آب کش بھیجا اس نے لٹکایا اپنا ڈول۔ وہ پکار اٹھا مژدہ باد! یہ (لوکتنا من موہنا) بچہ ہے۔ اور انہوں نے چھپا دیا اسے متاع (گراں بہا) سمجھتے ہوئے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو وہ کر رہے تھے۔ اور انہوں نے بیچ ڈالا یوسف کو حقیری قیمت پر چند درہموں کے عوض۔ اور وہ (پہلے ہی) اس میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے"۔

کنوئیں میں ڈالے جانے کے بعد کنوئیں کی تاریک اور وحشت ناک تنہائی میں آپ علیہ السلام پر کیا بیتی، اس کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ آپ بقول ابوبکر بن عیاش تین دن تک کنوئیں میں رہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ کنوئیں میں ڈالنے کے بعد برادران یوسف تمام دن کنوئیں کے اردگرد بیٹھے تماشا دیکھتے رہے کہ یوسف پر کیا گزرتی ہے۔ قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ ایک قافلہ اس کنوئیں کے نزدیک فروکش ہوا، انہوں نے پانی لانے کے لئے اپنا آبکش بھیجا جب وہ اس کنوئیں پر آیا اور اپنا ڈول اس میں ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے مضبوطی سے تھام لیا۔ پانی کے بجائے ایسا من موہنا بچہ دیکھ کر وہ آبکش خوشی سے پھولے نہ سمایا۔ پکار اٹھا: اے خوشخبری، یہ (چاند سا) بچہ ہے۔ ایک قرأت میں "يَا بُشْرَايَ" بھی آیا ہے(3)۔ سدی کا خیال ہے کہ بشریٰ اس آبکش کے ساتھی کا نام ہے جسے اس نے پکار کر آگاہ کیا تھا کہ اسے

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 166   2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ یوسف، جلد 6 صفحہ 96   3۔ دیکھئے الاقناع لابن الباذش، جلد 2 صفحہ 679

ایک بچہ ملا ہے۔ لیکن یہ قول غریب ہے کیونکہ اس لفظ کی یہ تفسیر صرف حضرت ابن عباس سے ایک روایت میں منقول ہے۔ ''یٰبُشْرٰی'' قرأت ہو یا ''یٰبُشْرَایَ'' (یائے متکلم کی طرف اضافت کے ساتھ) ہو دونوں ہم معنی ہیں۔ کبھی کبھی یائے متکلم کو حذف کر دیا جاتا ہے لیکن وہ مراد لی جاتی ہے جیسے عرب کہتے ہیں: ''یَا نَفْسُ اصْبِرِیْ'' اور ''یَا غُلَامُ اَقْبِلْ''۔ اصل میں یا نفسی اور یا غلامی ہے۔ یاء متکلم کو حذف کر دیا، حذف کی صورت میں منادیٰ کو پیش اور زیر دینا دونوں جائز ہیں۔ ''یٰبُشْرٰی'' کی قرأت اسی کی تفسیر بیان کرتی ہے(1)۔

وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً قافلہ کے پانی لانے والے لوگوں نے آپ علیہ السلام کو متاع گراں بہا سمجھتے ہوئے چھپالیا۔ چونکہ انہیں خدشہ تھا کہ اگر قافلہ کے باقی لوگوں کو اس خبر کی بھنک پڑ گئی تو وہ بھی اس میں شریک ہونے کا دعویٰ کریں گے، اس لئے انہوں نے یہ کہہ دیا کہ ہم نے کنوئیں کے پاس کے لوگوں سے یہ بچہ خریدا ہے۔ مجاہد، سدی اور ابن جریر کا یہ قول ہے۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ''اَسَرُّوْهُ'' کا فاعل اخوۃ یوسف ہیں یعنی برادران یوسف نے آپ کے معاملہ کو پوشیدہ رکھا اور یہ نہ ظاہر ہونے دیا کہ یوسف ان کا بھائی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اس راز سے پردہ نہ اٹھایا کہ کہیں بھائی انہیں قتل نہ کر دیں اور بیچے جانے کو ہی ترجیح دی برادران یوسف نے آبکش سے ذکر کیا کہ وہ اس بچے کو بیچنا چاہتے ہیں تو اس نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی: اے مژدہ! یہ بچہ بیچا جارہا ہے۔ چنانچہ آپ کے بھائیوں نے آپ کو بیچ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ اچھی طرح باخبر تھا جو برادران یوسف اور خریدنے والے کر رہے تھے۔ وہ یوسف علیہ السلام کو اس صورت حال سے بچانے پر قادر تھا لیکن اس کی حکمت اور تقدیر کا یہی تقاضا تھا: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۗ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (الاعراف:54) ''سن لو! (اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''۔ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کو اشارۃً تسلی دے رہا ہے اور آگاہ فرما رہا ہے کہ مجھے معلوم ہے آپ کی قوم آپ کو ایذاء دینے سے باز نہیں آتی، اگرچہ میں انہیں تباہ و برباد کرنے پر قادر ہوں، پھر بھی میں انہیں مہلت دے رہا ہوں لیکن آخرکار غلبہ آپ کو ہی حاصل ہوگا جس طرح میں نے اپنی حکمت کے مطابق آخرکار یوسف کو ان کے بھائیوں پر غلبہ عطا فرما دیا۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ یعنی برادران یوسف نے آپ علیہ السلام کو معمولی قیمت پر بیچ دیا۔ بخس کا معنی ہے نقص جیسا کہ فرمایا: فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا (الجن:13) ''تو اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ظلم کا''۔ اخوۂ یوسف نے نہایت ہی حقیر سی قیمت پر آپ کا سودا کرلیا حالانکہ انہیں تو آپ کی ذات میں کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی بلکہ اگر وہ (قافلے والے) آپ کو ان سے بلا قیمت مانگ لیتے تو وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس پر بھی آمادہ ہو جاتے۔ ابن عباس، مجاہد اور ضحاک کہتے ہیں کہ ''شَرَوْهُ'' میں ضمیر فاعل کا مرجع اخوۂ یوسف ہیں جبکہ قتادہ نے اس کا مرجع قافلے والوں کو بنایا ہے لیکن پہلا قول زیادہ قوی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ میں بھی ضمیر برادران یوسف کی طرف ہی لوٹ رہی ہے نہ کہ قافلے والوں کی طرف کیونکہ قافلے والوں نے تو خوشی کا اظہار کیا تھا اور آپ علیہ السلام کو قیمتی متاع سمجھتے ہوئے چھپالیا تھا، اگر انہیں آپ کے ساتھ دلچسپی نہ ہوتی تو وہ کبھی بھی آپ کو خریدنے پر تیار نہ ہوتے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ''شَرَوْهُ'' کی ضمیر اخوہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ بعض نے بخس کا معنی حرام بیان کیا ہے اور بعض نے ظلم۔ اگرچہ اس لفظ کے یہ معانی بھی ہیں لیکن یہاں یہ مراد نہیں لئے جاسکتے کیونکہ یہ بات ہر ایک کے علم میں ہے کہ اس کی قیمت ہر حال میں اور ہر ایک پر حرام

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 167-168، المحتسب لابن جنی، جلد 1 صفحہ 336

نے کیونکہ آپ علیہ السلام نبی بن نبی بن نبی بن خلیل اللہ ہیں اور کریم بن کریم بن کریم بن کریم ہیں۔ یہاں بَخْس کا معنی ہے ناقص (کم) یا کھوٹی یا دونوں یعنی انہوں نے آپ کو انتہائی کم قیمت پر بیچ دیا یعنی چند دراہم کے عوض۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے آپ کو بیس درہموں کے بدلے میں بیچ ڈالا اور یہ درہم آپس میں بانٹ لئے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ بائیس دراہم میں سودا کیا۔ محمد بن اسحاق اور عکرمہ کہتے ہیں کہ چالیس دراہم میں۔ ضحاک برادران یوسف کی آپ میں عدم دلچسپی کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں آپ کی نبوت اور مقام ومرتبہ کے بارے میں علم نہیں تھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ آپ کو بیچ دینے کے بعد قافلے کے پیچھے چل دیئے اور ان سے کہنے لگے کہ اسے اچھی طرح باندھ لینا، کہیں فرار نہ ہو جائے۔ اسی طرح آپ کو مصر لایا گیا۔ وہاں جب بازار میں آپ کو بیچنے لگے تو آپ نے فرمایا: جو مجھے خریدے گا وہ خوش ہو جائے۔ چنانچہ عزیز مصر نے آپ کو خرید لیا اور وہ مسلمان تھا۔

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ٚ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾

"اور کہا اس شخص نے جس نے یوسف کو خریدا تھا اہل مصر سے اپنی بیوی کو عزت واکرام سے اسے ٹھہراؤ شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے یا بنالیں ہم اسے اپنا فرزند اور یوں (اپنی حکمت کاملہ سے) ہم نے قرار بخشا یوسف کو (مصر کی) سرزمین میں۔ اور تاکہ ہم سکھا دیں اسے خوابوں کی تعبیر۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے ہر کام پر لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے اور جب وہ پہنچے اپنے پورے جوبن کو تو ہم نے عطا فرمائی انہیں نبوت اور علم۔ اور یونہی ہم نیک جزا دیتے ہیں اچھے کام کرنے والوں کو"۔

حضرت یوسف علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عنایات اور الطاف کا ذکر ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کو آپ کی دیکھ بھال کے لئے مخصوص کر دیا اور اس کے دل میں آپ کی محبت ڈال دی۔ آپ علیہ السلام کی ذات میں نجابت، شرافت، خیر اور صلاح کے آثار کو بھانپتے ہوئے اس نے آپ کی بڑی عزت وتکریم کی اور اپنی بیوی کو یہ تاکید کی کہ اسے عزت کے ساتھ ٹھہراؤ، ممکن ہے یہ ہمارے لئے نفع بخش ثابت ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔ مصر کے جس شخص نے آپ کو خریدا وہ عزیز (وزیر) تھا۔ اس کا نام قطفیر یا اطفیر بن روحیب تھا۔ اس کی بیوی کا نام راعیل یا زلیخا بنت رعائیل تھا(1)۔ اس وقت عمالیق میں سے ریان بن ولید بادشاہ تھا جس نے عزیز مصر کو خزائن مصر پر داروغہ مقرر کیا ہوا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ علیہ السلام کے خریدنے والے کا نام مالک بن ذعر بن بویب بن عیفا بن مدیان بن ابراہیم بتاتے ہیں(2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب لوگوں سے زیادہ زیرک اور فہم وفراست کے مالک تین اشخاص گزرے ہیں: ایک عزیز مصر جس نے اپنی بیوی سے کہا تھا: "اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ"، دوسری وہ عورت جس نے اپنے باپ (حضرت شعیب علیہ السلام) سے کہا تھا: یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ (القصص:26) "میرے (محترم) باپ اسے نوکر رکھ لیجئے"، اور تیسرے ابوبکر صدیق

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 174-175
2۔ المؤتلف والمختلف للدارقطنی، جلد 1 صفحہ 241

رضی اللہ عنہ جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا(1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے یوسف کو ان کے بھائیوں سے بچا کر اپنے لطف وکرم سے شادکام کیا، اسی طرح انہیں سرزمین مصر میں قرار بخشا تاکہ ہم انہیں خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائیں اور اللہ تعالیٰ اپنے امر پر پوری طرح غالب ہے، جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرمالیتا ہے تو نہ اسے رد کیا جا سکتا ہے، نہ کوئی مزاحمت کی جا سکتی ہے اور نہ مخالفت۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے لیکن اکثر لوگ اس کی حکمت، تدبیر اور ارادے کے متعلق علم نہیں رکھتے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ...... یعنی جب یوسف علیہ السلام پختہ عمر کو پہنچے اور آپ کی عقلی وجسمانی صلاحیتیں مکمل ہوگئیں تو انہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور علم سے نوازا اور نیکوکاروں کو اللہ تعالیٰ ایسا ہی بدلہ دیتا ہے۔ وہ عمر جس میں آپ اپنے جوبن کو پہنچے وہ تینتیس برس تھی یا تیس سے کچھ زائد یا بیس یا چالیس یا پچیس یا تیس یا اٹھارہ برس تھی یا اس سے مراد جوان ہونا۔ ان کے علاوہ اور بھی اقوال مروی ہیں۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾

"اور بہلانے پھسلانے لگی انہیں وہ عورت جس کے گھر میں آپ تھے کہ ان سے مطلب برآری کرے۔ اور (ایک دن) اس نے تمام دروازے بند کر دیئے اور (بصد ناز) کہنے لگی بس آ بھی جا۔ یوسف (پاکباز) نے فرمایا خدا کی پناہ! (یوں نہیں ہو سکتا) وہ (تیرا خاوند) میرا محسن ہے۔ اس نے مجھے بڑی عزت سے ٹھہرایا ہے بیشک ظالم فلاح نہیں پاتے"۔

عزیز مصر کی بیوی کا ذکر ہو رہا ہے جسے عزیز نے یہ تاکید کر رکھی تھی کہ یوسف کو عزت واکرام سے رکھنا اور اس کے آرام وآسائش کا ہر طرح سے خیال رکھنا۔ یہ عورت آپ کے حسن وجمال پر فریفتہ ہوگئی، آپ کی محبت میں ازخود رفتہ ہوگئی، ایک دن خوب بن سنور کر اور دروازوں کو اچھی طرح قفل لگا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو اشتعال انگیز دعوت دی اور مطلب برآری کے لئے آپ کو ورغلانا چاہا، کہنے لگی: "هَيْتَ لَكَ" (بس آ بھی جاؤ) لیکن آپ نے اس طرف توجہ ہی نہ دی بلکہ بالکل باز رہے اور فرمانے لگے: قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ۔ اس وقت وہ لوگ سردار اور بڑے آدمی پر لفظ رب کا اطلاق کیا کرتے تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا شوہر میرا مربی اور محسن ہے اور اپنے محسن کی عزت پر دست اندازی کر کے اس کے احسان کو فراموش کر دینا مجھے زیب نہیں دیتا، کیونکہ ایسا کرنے والا ظالم ہوتا ہے اور ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔ "هَيْتَ" کے لفظ میں کئی قراءتیں ہیں۔ اکثر نے اسے ہاء کے فتح اور تاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرات ابن عباس، مجاہد اور دیگر علماء کے نزدیک یہ لفظ اپنی طرف کسی کو متوجہ کرنے اور دعوت دینے کے لئے آتا ہے اور یہ "ھلم" (آؤ) کا ہم معنی ہے۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ یہ سریانی زبان کا لفظ ہے، سدی اسے قبطی زبان کا بتاتے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ حورانی زبان کا لفظ ہے(2)۔ جبکہ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ عربی زبان کا ہی لفظ ہے۔ کسائی کا کہنا ہے کہ یہ اہل حوران کی لغت ہے جو وہاں سے اہل حجاز کی طرف منتقل ہوگئی اس کا معنی ہے "تَعَالَ" (آؤ) کسائی کی یہ پسندیدہ قراءت تھی۔ ابوعبید کہتے ہیں کہ میں نے اہل حوران کے ایک بوڑھے عالم سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کہ یہ ان کی معروف لغت ہے۔ ابن جریر نے اس قراءت "هَيْتَ" کی تائید میں ایک شعر بھی پیش کیا ہے۔(3) بعض لوگوں نے اس لفظ کو "هِئْتُ" پڑھا ہے(4)۔ یہ "تَهَيَّاتُ لَكَ" (میں تمہارے لئے تیار

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 176
2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ یوسف، جلد 6 صفحہ 56
3۔ دیکھئے تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 179
4۔ الاقناع لابن الباذش، جلد 2 صفحہ 670

ہوں) کے معنی میں ہے۔ حضرات ابن عباس، ابوعبدالرحمٰن سلمی، ابووائل، عکرمہ اور قتادہ سے یہ قرأت اسی مذکورہ معنی میں منقول ہے۔ ابوعمرو اور کسائی اس قرأت کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک اور غریب قرأت عبداللہ بن اسحاق سے ''هَيْتِ'' منقول ہے۔ اکثر اہل مدینہ کی قرأت ''هَيْتَ'' ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس لفظ میں مختلف قرأتیں سنیں تو آپ پڑھنے والوں سے فرمانے لگے کہ جس طرح تمہیں سکھایا گیا ہے اس طرح پڑھو لیکن اختلاف اور غلو سے پرہیز کرو۔ یہ لفظ ''هَلُمَّ'' اور ''تَعَالَ'' (آؤ) کے معنی میں ہے۔ پھر آپ نے اس لفظ کو پڑھا تو ایک شخص نے کہا کہ اسے اور طریقے سے بھی پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں تو اسی طرح پڑھوں گا جس طرح مجھے سکھایا گیا ہے۔ آپ اسے ''هَيْتَ'' پڑھتے اور کچھ لوگ ''هِيْتُ'' پڑھتے۔ ابوعبید معمر بن مثنی کہتے ہیں کہ اس لفظ سے نہ تثنیہ بنتا ہے، نہ جمع اور نہ مونث بلکہ سب کے لئے یہ لفظ یکساں استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: ''هَيْتَ لَكَ''، ''هَيْتَ لَكُمْ''، ''هَيْتَ لَكُمَا''، ''هَيْتَ لَكُنَّ'' اور ''هَيْتَ لَهُنَّ'' (1)۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

''اور اس عورت نے تو قصد کر لیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی (روشن) دلیل۔ یوں ہوا تا کہ ہم دور کر دیں یوسف سے برائی اور بے حیائی کو۔ بیشک وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو چن لئے گئے ہیں''۔

اس مقام پر مفسرین کے بہت سے اقوال وارد ہوئے ہیں۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، اور سلف کی ایک جماعت سے وہ مروی ہے جسے ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ بغوی نے بعض اہل تحقیق سے ''هَمَّ بِهَا'' کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں زلیخا کا صرف خیال گزرا اور کھٹکا پیدا ہوا۔(2) پھر بغوی نے یہاں ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی پیش کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دو، اگر وہ نیکی کرے تو اس کے لئے دس گنا نیکیاں لکھ دو اور اگر وہ برائی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل پیرا نہ ہو تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دو کیونکہ اس نے میری وجہ سے اسے ترک کیا ہے، اگر وہ برائی کر گزرے تو اس کی مثل ہی لکھو'' (3)۔ بعض کہتے ہیں کہ ''هَمَّ بَضربها'' یعنی آپ نے زلیخا کو مارنے کا قصد کیا۔ بعض نے کہا ہے کہ اسے بیوی بنانے کی خواہش کی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ ''وَهَمَّ بِهَا'' کا تعلق مابعد کے ساتھ ہے یعنی یہ جزا مقدم ہے اور لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ شرط موخر ہے، معنی یہ ہوگا کہ اگر آپ اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے تو اس کا قصد کر لیتے۔ لیکن قواعد عربیہ کی رو سے یہ قول محل نظر ہے۔ ابن جریر وغیرہ نے اسے بیان کیا ہے(4)۔ وہ کونسی برہان تھی جو آپ نے دیکھی؟ اس میں متعدد اقوال ہیں، حضرات ابن عباس، سعید، مجاہد، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، حسن، قتادہ، ابوصالح، ضحاک اور محمد بن اسحاق وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دیکھی اس حال میں کہ آپ اپنے دانتوں میں انگلی دبائے ہوئے تھے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سینے پر ہاتھ مارا (5)۔ عوفی حضرت ابن عباس سے نقل

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 182
2۔ تفسیر بغوی، جلد 2 صفحہ 419-420
3۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 177، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 117
4۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 185
5۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 187

کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے عزیز مصر کی خیالی صورت دیکھی۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا سر چھت کی طرف اٹھایا تو ایک دیوار پر یہ لکھا ہوا پایا: وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل:32) ''اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ، بے شک یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے''۔ جس برہان کو آپ نے دیکھا بقول قرظی وہ کتاب اللہ کی یہ تین آیات تھیں: وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ (الانفطار:10) ''حالانکہ تم پر نگراں (فرشتے) مقرر ہیں''، وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ...... (یونس:61) ''اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں......''، اَفَمَنْ هُوَ قَاۗىِٕمٌ عَلٰي كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ (الرعد:33) ''کیا وہ خدا جو نگہبانی فرما رہا ہے ہر نفس کی اس کے اعمال (نیک و بد) کے ساتھ''۔ ابو ہلال نے ان تین آیات کے علاوہ ایک چوتھی آیت وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى...... (الاسراء:32) کا اضافہ کیا ہے۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ آپ نے کتاب اللہ کی کوئی آیت دیوار پر لکھی ہوئی پائی جس میں اس اقدام سے ممانعت کی گئی تھی۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی کوئی ایسی نشانی دیکھی جو آپ کو اس ارادے سے باز رکھ رہی تھی، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ برہان حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت ہو، یا عزیز مصر کی صورت ہو یا کوئی آیت لکھی ہوئی آپ نے دیکھی ہو، لیکن ان میں سے کسی ایک کی تعیین پر کوئی قطعی حجت موجود نہیں۔ صحیح یہی ہے کہ اسے مطلق رکھا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ...... یعنی جس طرح ہم نے آپ کو ایسی دلیل دکھائی جس نے آپ کو برائی سے بچا لیا اسی طرح ہم آپ کو تمام امور میں برائی اور بے حیائی سے محفوظ رکھیں گے کیونکہ آپ بلاشبہ ہمارے چنے ہوئے، برگزیدہ اور پاکیزہ بندوں میں سے ہیں(1)۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝25 قَالَ هِىَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝26 وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝27 فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝28 يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا ۣوَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِــِٕيْنَ ۝29

''اور دونوں دوڑ پڑے دروازہ کی طرف اور اس عورت نے پھاڑ ڈالا اس کا کرتہ پیچھے سے اور (اتفاق ایسا ہوا کہ) ان دونوں نے کھڑا پایا اس کے خاوند کو دروازے کے پاس۔ جھٹ بول اٹھی (میرے سرتاج! بتایئے) کیا سزا ہے اس کی جو ارادہ کرے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا بجز اس کے کہ اسے قید کر دیا جائے یا (اسے) دردناک عذاب دیا جائے۔ آپ نے (جواباً) فرمایا (میں نے نہیں بلکہ) اس نے بہلانا چاہا ہے مجھے کہ مطلب برآری کرے اور گواہی دی ایک گواہ نے جو اس عورت کے خاندان سے تھا (کہ دیکھو) اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو اس نے سچ کہا اور وہ جھوٹوں میں سے ہے۔ اور اگر اس کی قمیص پھٹی ہوئی ہو پیچھے سے تو پھر اس نے جھوٹ بولا اور یوسف سچوں میں سے ہے۔ پس جب عزیز نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 191

دیکھا پیراہن یوسف کو کہ پھٹا ہوا ہے پیچھے سے تو بول اٹھا یہ سب تم عورتوں کا فریب ہے۔ بیشک تم عورتوں کا فریب بڑا (خطرناک) ہوتا ہے۔ اے یوسف (پاکباز) اس بات کو جانے دو اور (اے عورت) اپنے گناہ کی معافی مانگ بے شک تو ہی قصورواروں میں سے ہے''۔

دونوں دروازے کی طرف دوڑے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے تو اپنا دامن بچانے کے لئے بھاگے لیکن زلیخا آپ کو پکڑ کر واپس لانے کے لئے لپکی۔ اس دوران وہ آپ تک پہنچ گئی اور پیچھے سے آپ کی قمیص کو پکڑ لیا۔ زور سے کھینچنے کی وجہ سے قمیص پھٹ گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ قمیص پھٹ کر گر پڑی۔ حضرت یوسف علیہ السلام برابر دوڑتے رہے اور زلیخا برابر آپ کے تعاقب میں رہی۔ دونوں جب دروازے پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں اس عورت کا خاوند موجود ہے۔ اپنے خاوند کو دیکھتے ہوئے اپنے اس مکروفریب کے خول سے باہر نکلی اور ایک چال چلتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام پر عصمت دری کا الزام تھوپ دیا، اپنے خاوند سے کہنے لگی: مَاجَزَآءُ مَنْ اَرَادَ...... یعنی اس شخص کی سزا کیا ہے جو آپ کی بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے مگر یہ کہ اسے قید کر دیا جائے یا دردناک سزا دی جائے۔ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے حق بات واضح کرتے ہوئے اور خیانت کے الزام سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ...... مِنَ الصّٰدِقِيْنَ آپ علیہ السلام فرمانے لگے کہ اس عورت نے مطلب برآری کے لئے مجھے ورغلایا۔ اس وقت ایک آدمی نے فیصلہ دیا کہ اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو عورت الزام لگانے میں سچی ہے کیونکہ یوسف کی دعوت پر لبیک کہنے سے جب عورت نے انکار کر دیا تو اس نے یوسف کو پیچھے دھکیلا اور اس مزاحمت میں اس کا کرتا آگے سے پھٹ گیا، اس لئے عورت کی بات درست ہے۔ لیکن اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچا ہے۔ کیونکہ یوسف اس عورت سے دامن بچا کر بھاگا، یہ عورت چونکہ اس کی طرف مائل تھی اس لئے یہ تعاقب میں دوڑی اور پیچھے سے قمیص کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا جس سے قمیص پھٹ گئی۔ اس شاہد (گواہ) کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ چھوٹا بچہ تھا یا بڑا آدمی؟ علماء سلف کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ وہ (شاہد) باریش بڑا آدمی تھا اور عزیز مصر کا معتمد خاص تھا(1)۔ یہی قول مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، سدی، محمد بن اسحاق وغیرہ کا ہے کہ وہ شاہد بڑا آدمی تھا۔ زید بن اسلم اور سدی کہتے ہیں کہ وہ زلیخا کا چچازاد بھائی تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ زلیخا بادشاہ وقت ریان بن ولید کی بھانجی تھی۔ عوفی حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ وہ (شاہد) گہوارے میں کھیلتا چھوٹا بچہ تھا۔ حضرات ابوہریرہ، ہلال بن یساف، حسن، سعید بن جبیر اور ضحاک بن مزاحم سے یہی مروی ہے کہ وہ معصوم بچہ تھا۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے(2)، اس بارے میں ایک حدیث مرفوع بھی ہے جس کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چار چھوٹے بچوں نے گفتگو کی''، ان میں ایک اس شخص کا ذکر کیا جس نے یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی(3)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''چار چھوٹے بچوں نے گفتگو کی: ''بنت فرعون کی مشاطہ کا بیٹا، شاہد یوسف، صاحب جریج اور عیسیٰ بن مریم''(4)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا حکم تھا، کوئی انسان نہیں تھا لیکن یہ قول بہت عجیب وغریب ہے۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ...... تحقیق کرنے سے جب عزیز مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت اور زلیخا کا جھوٹ عیاں ہوگیا

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 195
2۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 196
3۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 194
4۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 193

تو وہ اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ یہ فریب اور بہتان ہے جس سے تو نے اس نوجوان کی عزت کو داغدار کرنے کی کوشش کی، تم عورتوں کے مکرو فریب ایسے ہی ہوا کرتے ہیں، پھر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ اس واقعہ کو فراموش کر دیں، اس پر مٹی ڈالیں اور کسی کے سامنے اس کا تذکرہ نہ کریں اور پھر اپنی بیوی سے کہا کہ اپنے گناہ کی معافی مانگو۔ اس نرم ردعمل کی وجہ یہ تھی کہ عزیز مصر نرم خو آدمی تھا یا اپنی بیوی کے اس اقدام پر وہ اسے معذور سمجھ رہا تھا کیونکہ اس نے ایسا مرقع حسن و جمال اور پیکر رعنائی دیکھا جس کے سامنے وہ صبر نہ کرسکی، اس لئے اس نے اسے گناہ کی معافی مانگنے کے لئے کہا اور اسے ہی خطا کار ٹھہرایا: اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَیْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّیْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَیْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَىٕنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ وَلَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾

"اور کہنے لگیں عورتیں شہر میں کہ عزیز کی بیوی بہلاتی ہے اپنے (نوجوان) غلام کو تا کہ اس سے مطلب برآری کرے۔ اس کے دل میں گھر کر گئی ہے اس کی محبت۔ ہم دیکھ رہی ہیں اسے کہ وہ کھلی گمراہی میں ہے۔ پس جب زلیخا نے سنا ان کی مکارانہ باتوں کو تو اس نے انہیں بلا بھیجا اور تیار کیں ان کے لئے مسندیں اور (جب وہ آ گئیں تو) دے دی ہر ایک کو ان میں سے ایک ایک چھری اور یوسف کو کہا کہ (ذرا) نکل (تو) آ ؤ ان کے سامنے۔ پس جب (یوسف آئے اور) انہوں نے اس کو دیکھا تو اس کی عظمت (حسن) کی قائل ہو گئیں اور (وارفتگی کے عالم میں) کاٹ بیٹھیں اپنے ہاتھوں اور کہہ اٹھیں سبحان اللہ! یہ انسان نہیں، بلکہ یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔ زلیخا (فاتحانہ انداز میں) بولی یہ ہے وہ (پیکر رعنائی) جس کے بارے تم مجھے ملامت کیا کرتی تھیں۔ بخدا میں نے اسے بہت بہلایا پھسلایا لیکن وہ بچا ہی رہا۔ اور اگر وہ نہ بجالایا جو میں اس کو حکم دیتی ہوں تو اسے قید کر دیا جائے گا اور وہ ہو جائے گا ان لوگوں سے جو بے آبرو ہیں۔ یوسف نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار! قید خانہ (کی صعوبتیں) مجھے زیادہ پسند ہیں اس (گناہ) سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو (اپنی عنایت سے) نہ دور کرے مجھ سے ان کے مکر کو تو میں مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور بن جاؤں گا نادانوں سے۔ پس قبول فرمالی اس کی دعا اس کے رب نے اور دور کر دیا اس سے ان عورتوں کے مکر و فریب کو۔ بیشک وہ (اپنے بندوں کی فریادیں) سننے والا اور ان کے (حالات) خوب جاننے والا ہے"۔

یہ داستان محبت شہر میں مشہور ہوگئی، گھر گھر اس کے چرچے ہونے لگے۔ امیرزادیاں زلیخا کے اس اقدام کو نظر احتقار سے دیکھنے لگیں اور اسے معیوب سمجھتے ہوئے کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے نوجوان غلام کو ورغلا رہی ہے اور اسے اپنے مطلب کے لئے استعمال کرنا چاہتی ہے۔ اس نوجوان کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔ شغاف دل کے اس پردہ کو کہتے ہیں جس میں وہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک قاتل محبت کو شغف کہتے ہیں اور شعف اس سے ذرا کم درجہ کی محبت کو کہا جاتا ہے اور شغاف دل کے پردے کا نام ہے۔ پھر کہنے لگیں کہ ہماری رائے میں زلیخا اس نوجوان کے ساتھ محبت کرنے اور مطلب برآری کے لئے اسے بہلانے پھسلانے میں صریح گمراہی کا شکار ہے۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ ...... عورتوں کی ان مکارانہ باتوں کا علم زلیخا کو ہوگیا۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب ان عورتوں نے حسن یوسف کا چرچا سنا تو آپ کے دیدار کی تمنا کرنے لگیں۔ زلیخا کے خلاف انہوں نے مکروفریب پر مبنی باتیں اس مقصد کے لئے کیں تاکہ وہ حیلہ سے آپ علیہ السلام کے حسن و جمال کا مشاہدہ کرسکیں، یہی ان کا مکر تھا۔ اس چال کو سمجھتے ہوئے اور اپنا عذر بیان کرنے کے لئے زلیخا نے ان عورتوں کو ضیافت پر بلا بھیجا اور ان کے لئے مسندیں تیار کروادیں۔ حضرات ابن عباس، سعید بن جبیر، مجاہد، حسن اور سدی وغیرہ کہتے ہیں کہ ''مُتَّكَأً'' سے مراد وہ تیار شدہ نشست گاہ ہے جہاں گاؤ تکیے وغیرہ لگے ہوں، چادریں بچھی ہوئی ہوں اور ایسی اشیائے خوردنی بھی ہوں جنہیں چھریوں سے کاٹ کر کھایا جاتا ہے، اس لئے فرمایا: وَاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا زلیخا نے ان عورتوں کے خلاف یہ تدبیر اختیار کی جنہوں نے مکروفریب سے کام لے کر آپ علیہ السلام کا دیدار کرنا چاہا تھا۔ زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام سے جنہیں اس نے دوسری جگہ چھپا رکھا تھا، کہنے لگی کہ ان عورتوں کے سامنے آؤ۔ جب آپ نکلے تو وہ آپ کی جلالت شان اور عظمت جمال کے سامنے دہشت زدہ اور مرعوب ہوگئیں۔ اس عالم بے خودی میں اپنی انگلیاں کاٹنے لگیں حالانکہ ان کا گمان تھا کہ وہ پھل وغیرہ ہی کاٹ رہی ہیں۔ ہاتھ کٹنے سے مراد ہے خراش آنا اور زخمی ہونا۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ کٹ کر نیچے جا گرے۔ بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ کھانا کھانے کے بعد زلیخا نے ان عورتوں کے سامنے ترنج رکھ دیئے اور ہر ایک کے ہاتھ میں چھری تھما دی۔ پھر زلیخا ان سے پوچھنے لگی کہ کیا تم یوسف کی جھلک دیکھنا چاہتی ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ زلیخا نے آپ کو بلا بھیجا۔ جب عورتوں نے آپ کو دیکھا تو آپ کی عظمت سے مرعوب ہوکر اپنے ہی ہاتھ کاٹنے لگیں۔ پھر زلیخا نے آپ علیہ السلام کو واپس چلے جانے کے کہا تاکہ وہ آتے جاتے آپ کا اچھی طرح دیدار کرلیں۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد انہیں تکلیف کا احساس ہوا۔ اب وہ تلملانے اور واویلا کرنے لگیں۔ زلیخا نے انہیں کہا کہ تم ایک نظر سے گھائل ہوگئیں اور یہ کچھ کر بیٹھیں، بھلا مجھے کیسے ملامت کی جاسکتی ہے (جبکہ میں ہر وقت اس کا دیدار کرتی ہوں)؟

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ وہ عورتیں زلیخا سے کہنے لگیں، سبحان اللہ، یہ کوئی بشر نہیں بلکہ معزز فرشتہ ہے۔ اے زلیخا! ہم تمہیں معذور سمجھتی ہیں۔ یہ دیکھ لینے کے بعد ہم تمہیں قابل ملامت نہیں سمجھتیں کیونکہ اس قدر حسین وجمیل جوان انہوں نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ آپ علیہ السلام کو نصف حسن عطا ہوا تھا جیسا کہ حدیث اسراء میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرے، فرمایا: ''انہیں آدھا حسن عطا کیا گیا ہے''(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یوسف اور ان کی والدہ کو نصف حسن دیا گیا''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یوسف علیہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 145-147

السلام اور آپ کی والدہ کو ایک تہائی حسن سے نوازا گیا۔ آپ علیہ السلام کا چہرہ بجلی کی طرح روشن تھا، جب کوئی عورت آپ کے پاس کسی کام کے لئے آتی تو آپ اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں وہ عورت فتنہ میں نہ پڑ جائے، اپنا چہرہ ڈھانپ لیتے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یوسف اور ان کی والدہ کو ایک تہائی حسن سے نوازا گیا اور باقی دو تہائی سب لوگوں کو عطا ہوا'' یا آپ نے یہ فرمایا: ''یوسف اور ان کی والدہ کو دو تہائی اور باقی سب لوگوں کو ایک تہائی حسن عطا ہوا''۔ ربیعہ جرشی کہتے ہیں کہ حسن کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا، ایک حصہ آپ اور آپ کی والدہ حضرت سارہ کو عنایت کیا گیا اور دوسرا حصہ باقی تمام لوگوں میں تقسیم ہوا۔ امام ابو القاسم سہیلی کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کو حسن آدم علیہ السلام کا نصف حصہ عطا کیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بہترین اور کامل ترین صورت میں پیدا فرمایا، آپ کی اولاد میں کوئی بھی ایسا نہیں جو حسن و جمال میں آپ کا مقابلہ کر سکے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو آپ کے حسن میں سے نصف عطا کیا گیا(1)۔ ان عورتوں نے آپ کے حسن و جمال کی تاب نہ لاتے ہوئے کہا: ''حَاشَ لِلّٰهِ'' یعنی ''مَعَاذَ اللّٰهِ'' (خدا کی پناہ)۔ یہ انسان تو نہیں۔ ایک دوسری قرأت میں ''بَشَرًا'' کو ''بِشِرِيّ'' پڑھا گیا ہے یعنی یہ خریدا ہوا نہیں ہے(2)۔ یہ تو معزز فرشتہ ہے۔ اب زلیخا کہنے لگی کہ اسی چیز کے بارے میں تم مجھے ملامت کیا کرتی تھیں حالانکہ میں اس محبت میں معذور ہوں۔ یہ اپنے جمال و کمال کے باعث واقعی اس بات کا مستحق ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔ میں نے تو اسے ورغلانے کی پوری کوشش کی لیکن یہ رکا رہا اور اپنے نیک ارادے پر ڈٹا رہا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جب ان عورتوں نے آپ کے ظاہری حسن و جمال کا مشاہدہ کیا تو زلیخا نے آپ کی ان عمدہ صفات کا تذکرہ کیا جو ان کی آنکھوں سے پوشیدہ تھیں یعنی اس قدر حسن و جمال کے ساتھ ساتھ عفت اور پاکبازی۔ پھر زلیخا یوسف علیہ السلام کو دھمکی دیتے ہوئے کہتی ہے: وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ...... اس وقت آپ علیہ السلام ان عورتوں کے مکر و فریب اور شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہوئے عرض کرتے ہیں: رَبِّ السِّجْنُ...... عرض کرنے لگے: اے میرے پروردگار! ان عورتوں کی بدکاری کی اشتعال انگیز دعوت کی نسبت مجھے قید زیادہ محبوب ہے۔ اگر تو نے مجھے اپنے نفس کے سپرد کر دیا تو مجھے اپنے نفس پر قدرت نہیں اور نہ ہی میں تیری توفیق کے بغیر اس کے نفع و نقصان کا مالک ہوں، تجھی سے میں مدد طلب کرتا ہوں اور تجھی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کرنا۔ اگر تو نے مجھ سے ان عورتوں کے مکر کو دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو کر جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ...... اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا۔ آپ کی حفاظت فرمائی اور ان عورتوں کے مکر و فریب سے دور رکھا۔ آپ نے اپنے دامن عفت کو داغدار نہ ہونے دیا اور جیل جانے کو ترجیح دی۔ یہ آپ کا بہت بڑا کمال ہے کہ آپ کو حسن و جمال اور دیگر اعلیٰ خصوصیات سے نوازا گیا تھا، ایک رئیس زادی عزیز مصر کی بیوی اپنے حسن و جمال اور جاہ و منصب کے ہوتے ہوئے آپ کو اشتعال انگیز دعوت دیتی ہے لیکن آپ اسے خوف الٰہی اور امید ثواب کے باعث ٹھکرا دیتے ہیں اور اپنے لئے جیل کو منتخب کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سات (قسم کے) لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنا سایہ عطا فرمائے گا جس دن سوائے اس کے سایہ کے اور کوئی سایہ نہیں ہوگا: عادل فرمانروا، وہ جوان جو عبادت الٰہی میں مشغول رہا، وہ شخص جس کا دل مسجد کے ساتھ معلق رہے، جب وہ مسجد سے نکلے تو اس کی طرف لوٹنے کا خیال اس کے ذہن میں ہو، وہ دو اشخاص جو محض رضائے الٰہی کے لئے آپس میں محبت کریں اسی پر جمع ہوں اور اسی پر الگ الگ، ایسا شخص جو چھپا کر صدقہ کرے یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی یہ نہ معلوم ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا

1۔ دیکھئے گزشتہ آثار در تفسیر طبری، جلد 12، صفحہ 207
2۔ دیکھئے روح المعانی از آلوسی، جلد 12، صفحہ 232

دیا ہے، ایسا شخص جسے جاہ و منصب والی خوبصورت عورت اپنی طرف بلائے لیکن وہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہہ پڑیں'' (1)۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾

''پھر مناسب معلوم ہوا انہیں اس کے باوجود کہ وہ (یوسف کی پاکبازی کی) نشانیاں دیکھ چکے تھے کہ وہ اسے قید کر دیں کچھ عرصہ تک''۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت، عفت اور پاکدامنی کی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد ان لوگوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ آپ علیہ السلام کو کچھ مدت کے لئے قید کر دیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس واقعہ کے زبان زد عام ہونے کے بعد انہوں نے اس مقصد کے لئے آپ کو قید میں ڈالا ہو تاکہ لوگوں کو یہ باور کرا سکیں کہ قصور یوسف کا تھا، اس نے زلیخا پر دست درازی کی تھی اور اس جرم کی پاداش میں اسے قید کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب شاہ مصر نے آپ کو قید خانے سے رہا کرنے کے لئے اپنے پاس بلایا تو آپ نے اس وقت تک رہا ہونے سے انکار کر دیا جب تک کہ اس الزام سے آپ کی برأت ظاہر نہ ہو جائے۔ پھر جب آپ کی براءت اور پاکدامنی ثابت ہو گئی تو آپ جیل سے اس حالت میں باہر آئے کہ آپ کی شخصیت بے داغ تھی۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۶﴾

''اور داخل ہوئے آپ کے ساتھ ہی قید خانہ میں دو نوجوان، ان میں سے ایک نے (آکر) کہا کہ میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔ اور دوسرے نے کہا میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اٹھائے ہوئے ہوں اپنے سر پر کچھ روٹیاں، پرندے کھا رہے ہیں اس سے۔ آپ بتائیے ہمیں اس کی تعبیر۔ بیشک ہم دیکھ رہے ہیں آپ کو نیکوکاروں سے''۔

جو دو نوجوان آپ کے ساتھ ہی جیل میں داخل ہوئے ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا جس کا نام نبوا تھا اور دوسرا باورچی تھا جس کا نام مجلث تھا (2)۔ سدی کہتے ہیں کہ ان دونوں کو قید میں ڈالنے کا سبب بادشاہ کا یہ گمان تھا کہ انہوں نے اسے زہر دینے کی کوشش کی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں بھی اپنی صفات حمیدہ اور اخلاق عالیہ کی وجہ سے مشہور ہو گئے، وہاں بھی آپ کے جود و کرم، امانت، دیانت، صداقت، عالی ظرفی، خوش خلقی، کثرت عبادت، معرفت تعبیر، احسان، مروت، بیمار پرسی اور حسن سلوک کا چرچا ہونے لگا۔ یہ دونوں نوجوان آپ سے مانوس ہو گئے اور شدید محبت کرنے لگے اور آپ سے کہتے کہ ہمیں آپ سے بڑی محبت ہے۔ آپ فرماتے: اللہ تعالیٰ تم دونوں میں برکت ڈالے، لیکن ایک بات یاد رکھئے کہ جس نے بھی میرے ساتھ محبت کی وہ محبت میرے لئے ضرر کا باعث بنی۔ میری پھوپھی نے میرے ساتھ محبت کی، اس کی وجہ سے مجھے نقصان ہوا۔ اپنے والد محترم کی محبت کے باعث مجھے ایذاء دی گئی، عزیز کی

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ: 271

2۔ فتح الباری، کتاب التعبیر، جلد 12، صفحہ 381، مفحمات الاقران للسیوطی 123

بیوی نے میرے ساتھ محبت کی تو بھی ایسا ہی ہوا۔ وہ دونوں کہنے لگے کہ ہمیں اس محبت پر ضبط نہیں۔ پھر ان دونوں نے خواب دیکھے۔ ساقی نے خواب دیکھا کہ وہ شراب نچوڑ رہا ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قرأت میں ''خمراً'' کی بجائے ''عنباً'' (انگور) کا لفظ ہے(1)، مقصد یہی ہے کہ انگور نچوڑ رہا ہوں۔ اہل عمان عنب کو خمر کا نام دیتے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ اس ساقی نے یہ بیان کیا کہ اس نے خواب میں انگور کی ایک بیل بوئی، یہ بیل اگی اور اس پر خوشے نمودار ہو گئے، اس نے انہیں نچوڑا اور پھر بادشاہ کو پلا دیا۔ آپ نے اسے تعبیر بتاتے ہوئے فرمایا کہ تم تین دن جیل میں رہو گے پھر رہا ہو جاؤ گے اور اپنے (شراب پلانے والے) کام پر واپس چلے جاؤ گے۔ دوسرے نوجوان (باورچی) نے کہا:

اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَحْمِلُ...... اکثر کے نزدیک مشہور یہی ہے کہ ان دونوں نے یہ خواب دیکھے تھے اور ان کی تعبیر آپ علیہ السلام سے دریافت کی تھی لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے خواب نہیں دیکھے تھے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو آزمانے کے لئے انہوں نے مصنوعی خواب بیان کر دیئے (2)۔

قَالَ لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۳۷ وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَ عَلَی النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝۳۸

''آپ نے فرمایا نہیں آئے گا تمہارے پاس کھانا جو تمہیں کھلایا جاتا ہے مگر میں تمہیں بتا دوں گا اس کی تعبیر اس سے پیشتر کہ کھانا تمہارے پاس آئے۔ یہ ان علموں میں سے ہے جو سکھایا ہے مجھے میرے رب نے۔ میں نے چھوڑ دیا ہے دین اس قوم کا جو نہیں ایمان لاتے اللہ تعالیٰ پر نیز وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔ اور میں تو پیرو بن گیا اپنے باپ دادا ابراہیم اسحٰق اور یعقوب علیہ السلام کے دین کا۔ نہیں روا ہمارے لئے کہ ہم شریک ٹھہرائیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو۔ یہ (توحید پر ایمان) تو اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے ہم پر اور لوگوں پر لیکن بہت سے لوگ اس احسان پر شکر ہی بجا نہیں لاتے''۔

حضرت یوسف علیہ السلام ان دونوں کو بتانے لگے کہ جو خواب تم نے دیکھے ہیں مجھے ان کی تعبیر معلوم ہے اور میں تعبیر کے واقع ہونے سے پہلے ہی تمہیں اس سے آگاہ کر دوں گا، اس لئے فرمایا: لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ...... مجاہد کہتے ہیں کہ اس دن کا کھانا مراد ہے۔ حضرت ابن عباس سے ایک غریب اثر مروی ہے، فرماتے ہیں: مجھے نہیں معلوم، شاید یوسف علیہ السلام اس وقت تعبیر بتلاتے جب کھانا آتا کیونکہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ آپ نے ان دونوں سے کہا: لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ...... جب روکھا سوکھا، تلخ شیریں کھانا آتا تو آپ اس وقت تعبیر سے آگاہ فرما دیتے۔ اس کے بعد آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ چیز مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے کیونکہ میں نے ان لوگوں کے دین سے اجتناب کر رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کا انکار کرتے ہیں اور قیامت کے دن ثواب وعتاب کی امید نہیں رکھتے، اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کی اتباع کی یعنی میں کفر وشرک کے رستہ کو چھوڑ کر ان پیغمبروں کے رستہ پر گامزن

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 536، فتح الباری، کتاب التعبیر، جلد 12 صفحہ 382

2۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 214

ہوں۔ ہدایت کے رستے پر گامزن، پیغمبروں کی اتباع کرنے والا اور گمراہوں کی راہ سے اعراض کرنے والا ایسا ہی شخص ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہدایت نصیب فرماتا ہے، اسے اپنی جناب سے ان چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جن کا وہ علم نہیں رکھتا اور اسے امام، پیشوا اور داعی بنا دیتا ہے۔

مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ...... یہ توحید کا اقرار ہے یعنی اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر فضل وکرم ہے کہ اس نے ہمیں منصب نبوت پر فائز کیا اور دعوت وتبلیغ کا حکم ارشاد فرمایا اور لوگوں پر بھی اس کا یہ فضل ہے کہ ان تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے ہمیں مقرر فرمایا، لیکن اکثر لوگ نعمت رسالت کے متعلق کچھ نہیں جانتے بلکہ: بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (ابراہیم:28) ''جنہوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دادا کو بھی باپ کے حکم میں سمجھتے اور فرماتے کہ جو چاہے میں حجر اسود کے پاس اس سے مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی دادا دادی کا ذکر نہیں کیا بلکہ دادا کے لئے بھی باپ کا لفظ ہی استعمال کیا ہے، دیکھیں حضرت یوسف کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٠﴾

''اے قید خانہ کے میرے دو رفیقو! (یہ تو بتاؤ) کیا بہت سے جدا جدا رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔ تم نہیں پوجتے اس کے علاوہ مگر چند ناموں کو جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں اتاری اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کوئی دلیل۔ نہیں ہے حکم (کا اختیار کسی کو) سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو بجز اس کے۔ یہی دین قیم ہے لیکن بہت سے لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے''۔

حضرت یوسف علیہ السلام دونوں جوانوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور ان بتوں کی عبادت کو ترک کرنے پر انہیں آمادہ کرتے ہیں جن کی عبادت ان کی قوم کیا کرتی تھی۔ فرمایا: ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ...... کیا جدا جدا متعدد خدا بہتر ہیں یا ایک ہی خدا جو اپنی جلالت وعظمت کے باعث ہر چیز پر غالب ہے؟ پھر آپ نے ان پر واضح کیا کہ تم جن معبودوں کی عبادت میں لگے ہوئے ہو اور انہیں اپنا معبود کہتے ہو یہ تمہارے من گھڑت نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے از خود تجویز کر لئے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں ہوئی۔ پھر آپ نے انہیں بتایا کہ حکم، تصرف، مشیت اور تمام کی تمام بادشاہی اللہ کے لئے ہے۔ اس نے اپنے تمام بندوں کو صرف اپنی عبادت کا حکم دیا ہے پھر فرمایا: ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یعنی جس توحید اور اخلاص عمل کی میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں وہی دین مستقیم ہے جس پر عمل پیرا ہونے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور اس کے دلائل نازل فرمائے، لیکن اکثر لوگ ان حقائق سے لاعلم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت مشرک ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف:103) ''اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہیں، ایمان لانے والے''۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ تعبیر بتانے سے

پہلے حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں مذکورہ چیزوں کی طرف متوجہ کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ ان میں سے ایک کے حق میں تعبیر نقصان دہ ہے، اس لئے آپ نے یہ بہتر سمجھا کہ انہیں کسی اور چیز میں مشغول کر دیں تا کہ وہ دوبارہ تعبیر نہ پوچھیں۔ جب انہوں نے دوبارہ رجوع کیا تو آپ نے انہیں پھر وعظ و نصیحت شروع کر دی (1)۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے کیونکہ آپ تعبیر بتانے کا وعدہ ان سے کر چکے تھے۔ انہوں نے آپ کی عزت و احترام اور عظمت کے پیش نظر خوابوں کی تعبیر پوچھی، آپ نے اسے دعوت توحید اور تبلیغ اسلام کا ذریعہ بنا لیا کیونکہ آپ ان کی فطرت میں قبول خیر کے آثار دیکھ رہے تھے، اس لئے دعوت و تبلیغ سے فارغ ہونے کے بعد آپ از خود تعبیر بتانے لگے حالانکہ انہوں نے مکرر سوال نہیں کیا تھا۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿٤١﴾

"اے قید خانہ کے میرے دو ساتھیو! (اب خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک (یعنی پہلا) تو پلایا کرے گا اپنے مالک کو شراب۔ لیکن دوسرا سولی دیا جائے گا اور (نوچ) کھائیں گے پرندے اس کے سر سے۔ (اٹل) فیصلہ ہو چکا اس بات کا جس کے متعلق تم دریافت کرتے ہو"۔

آپ ان دونوں کو ان کے خوابوں کی تعبیر بتا رہے ہیں لیکن آپ نے کسی کو معین نہیں کیا تا کہ ان میں ایک بری تعبیر سن کر غمزدہ نہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک اپنے مالک کو شراب پلاتا رہے گا اور دوسرا سولی دیا جائے گا اور پرندے اسے سر سے نوچ کھائیں گے۔ یہ وہ شخص تھا جس نے خواب میں اپنے آپ کو روٹیاں اٹھائے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر آپ نے ان دونوں کو آگاہ کیا کہ اس کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے اور یہ ہو کر رہے گا، اس لئے کہ خواب پرندے کی ٹانگ کے ساتھ معلق رہتا ہے جب تک اس کی تعبیر نہ لی جائے اور جب تعبیر لے لی جائے تو وہ وقوع پذیر ہو جاتا ہے۔ ابراہیم بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ تعبیر سننے کے بعد وہ کہنے لگے کہ ہم نے تو خواب دیکھا ہی نہیں تو آپ نے فرمایا: قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص جھوٹ موٹ خواب گھڑ لے اور اس کی تعبیر بھی لے لے تو وہ لازم ہو جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "خواب پرندے کے پاؤں کے ساتھ معلق رہتا ہے جب تک اس کی تعبیر نہ لی جائے اور جب تعبیر لے لی جائے تو وہ وقوع پذیر ہو جاتا ہے" (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے: "خواب سب سے پہلے تعبیر بتانے والے کے لئے ہے" (3)۔

وَ قَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ٞ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿٤٢﴾

"اور کہا (یوسف علیہ السلام) نے اسے جس کے بارے میں آپ کو یقین تھا کہ نجات پا جائے گا ان دونوں سے کہ میرا تذکرہ کرنا اپنے آقا کے پاس۔ لیکن فراموش کرا دیا اسے شیطان نے کہ وہ ذکر کرے اپنے بادشاہ کے پاس۔ پس آپ ٹھہرے رہے قید خانہ میں کئی سال"۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 217

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 305، سنن ابن ماجہ، کتاب الرؤیا، جلد 2 صفحہ 1288 3۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 7 صفحہ 158-159

حضرت یوسف علیہ السلام کو یقین تھا کہ ساقی نجات پانے والا ہے۔ آپ نے اسے رازدارانہ طریقے سے کہا تاکہ دوسرا یہ نہ محسوس کر لے کہ اسے سولی پر لٹکایا جائے گا، کہ اپنے بادشاہ کے پاس میرا تذکرہ کرنا یعنی میرا قصہ بیان کرنا لیکن اسے یہ بات فراموش ہوگئی، یہ بھی شیطان کا مکروفریب تھا تاکہ آپ علیہ السلام قید خانے سے رہا نہ ہو پائیں۔ یہی بات درست ہے کہ "فَاَنْسٰهُ" کی ضمیر مفعول کا مرجع نجات پانے والا ساقی ہے جیسا کہ مجاہد اور محمد بن اسحاق وغیرہ کا قول ہے۔ بعض نے اس ضمیر کو یوسف علیہ السلام کی طرف لوٹایا ہے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اگر وہ (یوسف) یہ بات نہ کرتے تو اتنا طویل عرصہ قید خانے میں نہ رہتے کیونکہ انہوں نے غیر اللہ سے کشادگی کی امید وابستہ کر لی تھی" (1)۔ یہ حدیث بہت ہی ضعیف ہے کیونکہ سفیان بن وکیع ضعیف راوی ہے اور ابراہیم بن یزید اس سے بھی زیادہ ضعیف۔ حسن اور قتادہ نے ان سے مرسلاً روایت کی ہے لیکن ایسی روایات ایسے مقامات پر قابل قبول نہیں اگرچہ اور مقامات پر مرسل روایات کو قبول کر لیا جاتا ہے۔

بِضْع کا اطلاق تین سے لے کر نو تک کے اعداد پر ہوتا ہے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام سات سال تک آزمائش سے دوچار رہے، حضرت یوسف علیہ السلام سات سال قید میں رہے اور بخت نصر کا عذاب بھی سات سال جاری رہا (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام بارہ سال قید میں رہے اور ضحاک کہتے ہیں کہ چودہ سال۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَ قَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَ فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

"اور (کچھ عرصہ بعد ایک روز) بادشاہ نے کہا کہ میں (خواب میں کیا) دیکھتا ہوں کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی کھا رہی ہیں انہیں سات دبلی گائیں اور سات سبز خوشے ہیں اور دوسرے سات خشک سوکھے ہوئے۔ اے درباریو! بتاؤ مجھے میرے خواب کی تعبیر اگر تم خوابوں کی تعبیر بتایا کرتے ہو۔ درباریوں نے کہا (اے بادشاہ) یہ خواب پریشان ہیں۔ اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر جاننے والے نہیں۔ اور (اس وقت) بولا وہ شخص جو بچ گیا تھا ان دو (قیدیوں) سے اور (اب) اسے یوسف

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 223 2۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 224

کی یاد آئی ایک عرصہ بعد۔ میں بتا تا ہوں تمہیں اس خواب کی تعبیر مجھے (قید خانہ تک) جانے دیجئے۔ اے یوسف! اے صدیق! بتایئے ہمیں (اس خواب کی تعبیر) کہ سات موٹی تازہ گائیں ہیں کھا رہی ہیں انہیں سات لاغر گائیں اور سات خوشے ہیں سر سبز اور دوسرے (سات خوشے) خشک۔ تاکہ میں (آپ کا جواب لے کر) واپس جاؤں لوگوں کی طرف شاید وہ (آپ کے علم وفضل کو) جان لیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم کاشت کرو گے سات سال تک حسب دستور۔ تو جو تم کاٹو گے اسے رہنے دو خوشوں میں مگر تھوڑا سا (ضرورت کے لئے نکال لو) جسے تم کھالو۔ پھر آئیں گے اس (خوشحالی) کے بعد سات (سال) بہت سخت کھا جائیں گے جو ذخیرہ تم نے پہلے جمع کر رکھا ہوگا ان کے لئے مگر تھوڑا سا جو تم محفوظ کر لو گے۔ پھر آئے گا اس عرصہ کے بعد ایک سال جس میں مینہ برسایا جائے گا لوگوں کے لئے اور اس سال وہ (پھلوں کا) رس نکالیں گے''۔

یہ تھا وہ خواب جو شاہ مصر نے دیکھا اور جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی اعزاز واکرام کے ساتھ قید خانہ سے رہائی کا سبب بنا دیا۔ اس ہولناک خواب نے بادشاہ کو قلق میں ڈال دیا۔ اس نے کاہنوں، ماہرین تعبیر، سلطنت کے اہم عہدیداروں اور امراء کو جمع کیا اور اس خواب کی تعبیر دریافت کی لیکن وہ تعبیر بتانے سے قاصر رہے اور معذرت کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ تو محض خواب پریشان ہیں اور توہمات کا مجموعہ ہیں۔ ہم اس قسم کے خوابوں کی تعبیر کو نہیں جانتے۔ اس وقت بادشاہ کا ساقی جو ایک دوسرے نوجوان کے ساتھ جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اکٹھے رہے تھے اور جس نے نجات پائی تھی، اسے حضرت یوسف علیہ السلام یاد آ گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے تاکید کی تھی کہ بادشاہ کے پاس میرا ذکر کرنا لیکن شیطان نے اسے بھلا دیا۔ آج کافی عرصہ کے بعد جب اسے آپ کی یاد آئی تو بادشاہ اور دیگر جمع شدہ درباریوں سے کہنے لگا کہ میں تمہیں اس خواب کی تعبیر سے آگاہ کروں گا، مجھے قید خانے میں یوسف صدیق کے پاس بھیجو۔ انہوں نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ قید خانے میں جا کر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بادشاہ کا خواب بیان کر دیا اور اس کی تعبیر دریافت کی۔ آپ علیہ السلام نے فوری طور پر اس خواب کی تعبیر سے اسے آگاہ کر دیا اور ساتھ ہی اس خواب سے عہدہ برآ ہونے کی تدبیر بھی بتا دی لیکن آپ نے اسے جتلایا تک نہیں کہ تم نے بادشاہ کے سامنے میرا ذکر فراموش کر دیا، نہ ہی اسے ملامت کی اور نہ ہی تعبیر بتانے سے قبل رہائی کی شرط عائد کی بلکہ فرمایا کہ تم سات سال حسب دستور کاشتکاری کرو گے، زرخیزی کا دور دورہ ہوگا اور بارشیں خوب برسیں گی۔ آپ نے سات گائیوں کی تعبیر خوشحالی کے ساتھ سالوں سے کی اور سبز سات خوشوں کی تعبیر ہری بھری کھیتیوں اور پھلوں سے بیان کی۔ پھر آپ نے انہیں یہ تدبیر اختیار کرنے کا مشورہ دیا کہ ان سات سالوں کی پیداوار کو ذخیرہ کر کے رکھنا لیکن یہ رہے خوشوں میں ہی تاکہ گلنے سڑنے اور خراب ہونے سے محفوظ رہے اور صرف بقدر ضرورت اس میں سے لے لینا، اس سے زائد نہیں تاکہ یہ بچی ہوئی پیداوار آئندہ سختی کے سات سالوں میں کام آئے۔ سات لاغر اور دبلی گائیوں سے مراد یہی سختی اور قحط سالی کے سات سال ہیں جن میں جمع شدہ خوراک کو استعمال کیا جائے گا اور یہی تعبیر ہے سات خشک خوشوں کی۔ آپ نے انہیں آگاہ کر دیا کہ آئندہ سختی کے سات سالوں میں کوئی چیز نہیں اگے گی، اگر وہ زمین بیج ڈالیں گے تو بھی کچھ نہیں حاصل ہوگا، اس لئے فرمایا: يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تُحْصِنُونَ۔ پھر آپ نے انہیں یہ مژدہ سنایا کہ سات سالہ مسلسل قحط سالی کے بعد خیر و برکت والا سال آئے گا جس میں خوب بارش برسے گی، غلہ عام ہو جائے گا اور لوگ زیتون کا تیل اور شیرہ وغیرہ نچوڑیں گے بعض نے يَعْصِرُونَ میں دودھ دوہنے کو بھی شامل کیا ہے۔

نوٹ: ۔ لفظ ''اُمَّةٍ'' میں ایک دوسری قرأت ''اَمَةٍ'' بھی ہے جس کا معنی نسیان (1)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 228-229

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ٘ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآىِٕنِیْنَ ۝ وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

''(یہ تعبیر سنتے ہی) بادشاہ نے کہا (فوراً) لے آؤ انہیں میرے پاس۔ پس جب (فرمان شاہی لے کر) ان کے پاس قاصد آیا (تو) آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ اپنے بادشاہ کے پاس اور اس سے پوچھو کہ حقیقت حال کیا تھی ان عورتوں کی جنہوں نے کاٹ ڈالے تھے اپنے ہاتھ۔ بے شک میرا پروردگار تو ان کے مکر (وفریب) سے خوب آگاہ ہے بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) پوچھا کیا معاملہ ہوا تمہارا جب تم نے یوسف کو بہلایا تھا اپنی مطلب برآری کے لئے (بیک زبان) بولیں حاش اللہ! نہیں معلوم ہوئی ہمیں تو اس میں ذرا برائی۔ عزیز کی بیوی (گویا رائے ضبط نہ رہا) کہنے لگی اب تو آشکارا ہو گیا حق۔ میں نے ہی اسے پھسلانا چاہا تھا اپنی مطلب برآری کے لئے بخدا وہ تو سچا ہے۔ (یوسف نے کہا) یہ میں نے اس لئے کہا تھا تاکہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کی اور یقیناً اللہ تعالیٰ کامیاب نہیں ہونے دیتا دغابازوں کی فریب کاری کو۔ اور میں اپنے نفس کی براءت (کا دعویٰ) نہیں کرتا۔ بیشک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا مگر وہی (بچتا ہے) جس پر میرا رب رحم فرمادے۔ یقیناً میرا رب غفور رحیم ہے''۔

جب بادشاہ کو خواب کی تعبیر سے مطلع کیا گیا تو وہ بہت خوش ہوا اور اسے اطمینان حاصل ہو گیا، مزید برآں وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی فضیلت، علم، تعبیر خواب کی مہارت، حسن اخلاق اور مصری رعایا کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معترف ہو گیا، کہنے لگا کہ یوسف کو قید خانے سے نکال کر میرے پاس لائیں۔ جب قاصد یہ پیغام لے کر آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے اس وقت تک رہا ہونے سے انکار کر دیا جب تک بادشاہ اور رعایا یہ تحقیق نہ کرلیں کہ زلیخا کے لگائے گئے الزام سے آپ بری اور پاکدامن ہیں اور یہ کہ آپ کو قید خانے میں بے گناہ بربنائے ظلم وزیادتی ڈالا گیا تھا اس لئے آپ نے اس قاصد کو اس تحقیق کی غرض سے بادشاہ کے پاس واپس بھیج دیا۔ حدیث شریف میں بھی آپ علیہ السلام کی اس بات کو قابل تعریف گردانا گیا ہے اور آپ کی فضیلت، شرف، بلندی مرتبت اور صبر کے متعلق آگاہ کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم ابراہیم (علیہ السلام) سے زیادہ شک کے مستحق ہیں جب انہوں نے کہا: رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى (البقرۃ:260) ''اے میرے پروردگار! دکھا مجھے کہ تو کیسے زندہ فرماتا ہے مردوں کو'' اور اللہ تعالیٰ لوط (علیہ السلام) پر رحم فرمائے انہوں نے ایک مضبوط سہارے (اللہ تعالیٰ) کی پناہ لی تھی، اگر یوسف (علیہ السلام) کے جیل میں ٹھہرنے کی مدت میں (جیل میں) گزارتا تو فوراً رہائی کا پیغام لانے والے کے پیغام کو قبول کر لیتا''(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ بقرۃ، جلد 6 صفحہ 97، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 133
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 389

ہی مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فَسْئَلْهُ مَابَالُ النِّسْوَةِ...... کی تفسیر میں فرمایا: ''اگر میں ہوتا تو رہائی کے پیغام کو فوراً قبول کر لیتا اور کوئی عذر پیش نہ کرتا'' (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے یوسف، ان کے صبر اور کرم پر تعجب ہے، اللہ تعالیٰ انہیں بخشے جب سات لاغر اور سات فربہ گائیوں کے متعلق ان سے دریافت کیا گیا، اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو رہائی کی شرط عائد کئے بغیر کبھی خواب کی تعبیر نہ بتاتا'' (2)۔

قَالَ مَاخَطْبُكُنَّ...... بادشاہ کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ اس نے ان عورتوں کو اکٹھا کیا جنہوں نے زلیخا کے ہاں دعوت میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے اور ان سے دریافت کیا کہ تمہارا اس وقت کیا معاملہ تھا جب ضیافت کے دن تم نے یوسف کو ورغلانے کی کوشش کی۔ وہ یک زبان ہو کر کہنے لگیں کہ معاذ اللہ! یوسف تو اس تہمت سے بری ہے، ہم نے تو اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ اس وقت عزیز مصر کی بیوی کو بھی یارائے ضبط نہ رہا وہ بھی کہنے لگی کہ اب حق نمایاں ہو کر سامنے آ گیا ہے، میں نے ہی مطلب برآری کے لئے اسے پھسلانا چاہا تھا اور یہ تو بالکل سچا ہے۔ میں اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہوں تاکہ میرے خاوند کو علم ہو جائے کہ میں اس کی عدم موجودگی میں خیانت کی مرتکب نہیں ہوئی اور نہ بڑے گناہ میں مبتلا ہوئی۔ میں نے اس نوجوان کو ورغلایا ضرور تھا لیکن اس کی پاکدامنی کے باعث ہم دونوں اس گناہ کے ارتکاب سے محفوظ رہے اس لئے معلوم ہوا کہ میں بھی بری ہوں اور اللہ تعالیٰ خائن لوگوں کی تدبیر کو کبھی بامراد نہیں کرتا اور میں تو اپنے نفس کی برأت کا اظہار کرتی بھی نہیں کیونکہ نفس بری خواہشات پیدا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی چال میں آ کر میں اس فعل شنیع پر آمادہ ہو گئی اور نفس کے حملوں سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جس پر میرا پروردگار رحم فرمائے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ زیادہ مناسب، سیاق قصہ کے مطابق اور معانی کے ہم آہنگ یہی قول ہے کہ اس کلام ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ...... غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کا تعلق بھی زلیخا کی بات سے ہے۔ ماوردی نے اسے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے اور ابن تیمیہ نے تو اسے ایک مستقل تصنیف کی شکل میں تحریر کر دیا ہے (3)۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ان دو آیات کا تعلق کلام یوسف علیہ السلام سے ہے مطلب یہ ہوگا: میں نے قاصد کو اس لئے واپس بھیجا ہے تاکہ بادشاہ کو میری برأت کا علم ہو جائے اور عزیز کو بھی معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی حرمت میں خیانت نہیں کی اور اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی تدبیر کو بامراد نہیں ہونے دیتا۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے تو اس قول کے سوا اور کوئی قول بیان ہی نہیں کیا۔ ابن جریر اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ بادشاہ نے جب عورتوں کو جمع کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے کہا: حَاشَ لِلّٰهِ...... حَصْحَصَ الْحَقُّ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ...... اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے کہنے لگے کہ کیا اس دن بھی نہیں جب آپ نے (اس عورت) کا ارادہ کر لیا تھا؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ...... (4)۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، ابن ابی ھذیل، ضحاک، حسن، قتادہ اور سدی کا یہی قول ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ قوی اور ظاہر ہے کیونکہ سیاق کلام یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ عزیز مصر کی بیوی کا کلام ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو اس وقت وہاں موجود ہی نہ تھے بلکہ بعد میں بادشاہ نے آپ کو بلوایا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ

1۔ تفسیر طبری، جلد 12 صفحہ 235-236، تاریخ طبری، جلد 1 صفحہ 240
2۔ دیکھئے دقائق التفسیر، جلد 3 صفحہ 280
3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 1
4۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 6

اَمِیْنٌ ﴿٥٤﴾ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿٥٥﴾

''اور بادشاہ نے حکم دیا کہ لے آؤ اسے میرے پاس۔ میں چن لوں گا اسے اپنی ذات کے لئے۔ پھر جب اس نے آپ سے گفتگو کی (اور مطمئن ہو گیا) تو کہا آپ آج سے ہمارے ہاں بڑے محترم (اور) قابل اعتماد (درباری) ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے مقرر کر دے زمین کے خزانوں پر، بیشک میں (ان کی) حفاظت کرنے والا (اور معاشی مسائل کا) ماہر ہوں''۔

جب بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت اور پاکدامنی کا یقین ہو گیا تو وہ کہنے لگا کہ انہیں میرے پاس لاؤ، میں انہیں اپنے خاص مشیروں میں شامل کر کے معتمد خصوصی بنالوں گا۔ جب بادشاہ نے آپ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کی، آپ کی پروقار شخصیت کو پہچان گیا، آپ کی فضیلت اور مہارت کو دیکھا اور آپ کی ذات میں پائے جانے والے صوری و معنوی کمالات سے آگاہ ہوا تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، کہنے لگا کہ آپ آج سے ہمارے ہاں محترم اور قابل اعتماد ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ مجھے سرزمین مصر کے خزانوں پر مقرر کر دیں اور اپنی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں محافظ بھی ہوں اور معاشی امور کا ماہر بھی۔ جو خزانے مجھے تفویض کئے جائیں گے میں ان کی پوری پوری حفاظت کروں گا اور قحط کے سالوں سے عہدہ برآہ ہونے کا مجھے پورا پورا علم ہے۔ جب آدمی کی ذات غیر معروف ہو تو ضرورت کے وقت اپنی خصوصیات سے آگاہ کرنا جائز ہے۔ آپ علیہ السلام نے اس منصب کے حصول کے لئے اس لئے سوال کیا تھا کیونکہ آپ کو اس کی ذمہ داریاں نبھانے کا پورا علم اور قدرت حاصل تھی اور اسی میں لوگوں کی مصلحت کار فرما تھی، اس لئے وزارت خزانہ کا عہدہ آپ نے طلب کیا تاکہ قحط کے سالوں میں آپ اپنے محتاط، حکیمانہ اور درست تصرف کے ذریعے لوگوں کو قحط کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھ سکیں۔ آپ کی رغبت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بطور اعزاز و تکریم یہ عہدہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿٥٦﴾ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿٥٧﴾

''یوں ہم نے تسلط (اور اقتدار) بخشا یوسف کو سرزمین مصر میں۔ تاکہ رہے اس میں جہاں چاہے۔ ہم سرفراز کرتے ہیں اپنی رحمت سے جسے چاہتے ہیں اور ہم ضائع نہیں کرتے اجر عمدہ کام کرنے والوں کا۔ اور آخرت کا اجر (اس سے) یقیناً بہتر ہے ان کے لئے جو ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کئے رہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسی طرح ہم نے یوسف کو سرزمین مصر میں اقتدار اور تصرف عطا فرمایا، جس طرح چاہیں تصرف کریں اور تنگی اور قید و بند کے بعد جہاں چاہیں قیام کریں، ہم جسے چاہیں اپنی رحمت سے سرفراز کرتے ہیں اور نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ یعنی بھائیوں کی ایذاء رسانی اور قید و بند کی صعوبتوں پر آپ کے صبر کو ہم نے ضائع نہیں کیا بلکہ اس کے بعد اپنی تائید و نصرت سے نوازا اور ایسے نیکوکار لوگوں کے اجر کو ضائع کرنا ہماری شان نہیں۔ اور دار آخرت میں انہیں جس انعام سے نوازا جائے گا وہ اس دنیاوی اقتدار، تصرف اور اثر و رسوخ سے کہیں بڑھ کر ہے جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿٣٩﴾ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَ حُسْنَ مَاٰبٍ (ص:40-39) ''(اے سلیمان!) یہ ہماری عطا ہے چاہے (کسی کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس

رکھ تم سے باز پرس نہ ہوگی۔ اور بیشک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام"۔ الغرض شاہ مصر ریان بن ولید نے آپ کو وزارت کی ذمہ داریاں تفویض کر دیں۔ قبل ازیں اس وزارت پر وہ شخص فائز تھا جس نے آپ کو خریدا اور جس کی بیوی نے آپ کو ورغلانا چاہا۔ اس بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ یہ مجاہد کا قول ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خواہش کو بادشاہ نے قبول کیا اور اطفیر کو معزول کر کے آپ کو اس وزارت پر فائز کر دیا۔ کہتے ہیں کہ انہی دنوں اطفیر انتقال کر گیا اور بادشاہ نے اس کی بیوی راعیل (اور بقول بعض زلیخا) کی شادی حضرت یوسف علیہ السلام سے کر دی، جب آپ ان سے ملے تو فرمایا کہ کیا یہ تمہاری اس خواہش سے بہتر نہیں؟ انہوں نے کہا: اے صدیق! مجھے اس بات پر ملامت نہ کریں، میں معذور تھی، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میں خوبصورت مال و دولت اور جاہ و منصب والی عورت تھی لیکن میرے خاوند کو (نامردی کے باعث) عورتوں کے ساتھ کوئی رغبت ہی نہیں تھی اور آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال کی بے پناہ دولت سے نواز رکھا تھا۔ کہتے ہیں کہ واقعی آپ علیہ السلام نے انہیں کنواری پایا۔ ان سے آپ کے دو بیٹے افرائیم اور میشا پیدا ہوئے (1)۔ افرائیم کے ہاں نون پیدا ہوئے جو حضرت یوشع علیہ السلام کے والد ہیں اور ایک بیٹی رحمت نامی پیدا ہوئی جنہیں حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔ فضیل بن عیاض کہتے ہیں کہ عزیز مصر کی بیوی رستہ میں کھڑی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سواری گزری، یہ دیکھ کر بے ساختہ کہنے لگی کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہے جس نے اپنی اطاعت کے باعث غلاموں کو بادشاہ بنا دیا اور اپنی نافرمانی کے باعث بادشاہوں کو غلام بنا دیا۔

وَ جَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَ هُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْۤ اُوْفِي الْكَيْلَ وَ اَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿٥٩﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَ لَا تَقْرَبُوْنِ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَ اِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿٦١﴾ وَ قَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٢﴾

"اور (ایک روز) آ نکلے برادران یوسف (علیہ السلام) اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے سو آپ نے تو انہیں پہچان لیا لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔ سو جب مہیا کر دیا ان کے لئے ان (کی رسد و خوراک) کا سامان تو فرمایا (دوبارہ آؤ) تو لے آنا میرے پاس اپنے پدری بھائی کو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں کس طرح پیمانہ پورا بھر کر دیتا ہوں اور میں کتنا بہتر مہمان نواز ہوں اور اگر تم اسے نہ لے آئے میرے پاس تو (سن لو) کوئی پیمانہ تمہارے لئے میرے پاس نہیں ہوگا اور نہ تم میرے قریب آ سکو گے۔ وہ بولے ہم ضرور مطالبہ کریں گے اس کے بھیجنے کے متعلق اس کے باپ سے اور ہم ضرور ایسا کریں گے۔ اور آپ نے فرمایا اپنے غلاموں کو کہ (چپکے سے) رکھ دو ان کا سامان (جس کے عوض انہوں نے غلہ خریدا) ان کی خورجیوں میں تاکہ وہ اسے پہچان لیں جب وہ واپس لوٹیں اپنے گھر والوں کے پاس شاید وہ لوٹ کر آئیں"۔

سدی، محمد بن اسحاق اور دیگر مفسرین برادران یوسف علیہ السلام کا سرزمین مصر میں آنے کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت

1۔ تفسیر طبری، جلد 13، صفحہ 6

یوسف علیہ السلام نے وزارت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں، خوشحالی کے سات سال گزر گئے اور قحط نے پورے مصر میں ڈیرے جمالئے تو سرزمین کنعان (حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کی اولاد کا وطن) بھی اس قحط کی دست برد سے محفوظ نہ رہی۔ آپ نے اس مشکل وقت کے لئے تمام احتیاطی تدابیر کرلیں اور خوب غلہ جمع کرلیا۔ مختلف صوبوں اور علاقوں سے لوگ غلہ حاصل کرنے کے لئے آپ علیہ السلام کے پاس آتے تو آپ سال بھر کے لئے ایک آدمی کو اونٹ بھر غلہ سے زیادہ عطا نہ فرماتے۔ آپ بذات خود پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے بلکہ آپ، بادشاہ، درباری اور لشکر کا یہ عالم تھا کہ صرف ایک بار دن کے وسط میں کھانا کھاتے، یہی وجہ ہے کہ لوگ اس سات سالہ قحط کا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ آپ کا وجود اہل مصر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی۔ بعض مفسیرین نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے پہلے سال مال کے بدلے غلہ بیچا، دوسرے، تیسرے، اور چوتھے سال سامان کے بدلے غلہ فروخت کیا، پھر ان کے مال ومتاع غلہ کے عوض فروخت ہو جانے کے بعد خود لوگوں کی جانوں اور ان کی اولاد کے بدلے غلہ فراہم کیا لیکن اس کے بعد آپ نے لوگوں کو آزاد کردیا اور ان کا مال ومتاع سب کا سب لوٹا دیا۔ یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے جن کی نہ تصدیق کی جاسکتی ہے اور نہ تکذیب، اس قسم کی روایات کی صحت کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ الغرض برادران یوسف علیہ السلام بھی اپنے والد گرامی کے حکم سے غلہ حاصل کرنے کے لئے آئے کیونکہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ عزیز مصر قیمت کے عوض غلہ مہیا کر رہے ہیں، چنانچہ غلہ حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اپنے ساتھ کچھ سامان لے لیا اور دس بھائی باربرداری کے جانور لے کر عازم مصر ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لیا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد آپ کے سب سے زیادہ محبوب فرزند تھے۔ جب وہ دس بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ بڑی شان وشوکت کے ساتھ مسند آراء تھے۔ آپ نے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے کیونکہ وہ تو کافی عرصہ پہلے ننھے یوسف کو اہل قافلہ کے ہاں فروخت کر چکے تھے، انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ یوسف کو کہاں لے گئے ہیں اور یہ بات تو ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ آپ اس منصب اقتدار پر بھی فائز ہو سکتے ہیں، اس لئے وہ آپ کو نہ پہچان سکے لیکن آپ نے پہلی نظر میں ہی انہیں پہچان لیا۔ سدی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے انہیں ایک اجنبی شخص کی طرح مخاطب کرتے ہوئے پوچھا کہ میرے ملک میں تمہاری آمد کا مقصد کیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ اے عزیز! ہم غلہ حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ آپ فرمانے لگے کہ شاید تم جاسوس ہو؟ وہ کہنے لگے: معاذ اللہ! آپ نے پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟ کہنے لگے: کنعان سے اور ہمارے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا ان کی تمہارے علاوہ بھی اولاد ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم بارہ بھائی تھے، ہم میں سے سب سے چھوٹا جو ہمارے باپ کو سب سے زیادہ محبوب بھی تھا، جنگل میں ہلاک ہوگیا۔ اس کا ایک بھائی ہے جسے والد محترم نے اپنے پاس روک لیا ہے تاکہ اس کے ذریعے اس کے بھائی کے غم کو غلط کرسکیں اور تسلی پالیں۔ اس کے بعد آپ نے خدام کو انہیں ٹھہرانے، مہمان نوازی کرنے اور عزت واکرام کے ساتھ رکھنے کی تاکید کی۔ جب آپ نے انہیں سامان رسد وخوراک مہیا کردیا اور غلہ کے ساتھ ان کی خورجیاں بھر دیں تو آپ انہیں فرمانے لگے کہ آئندہ اپنے اس بھائی کو بھی لیتے آنا جس کا تم نے ذکر کیا تھا تاکہ تمہاری صداقت پر مجھے یقین آجائے۔ آپ نے انہیں دوبارہ آنے کی رغبت دلاتے ہوئے فرمایا: اَلَا تَرَوْنَ...... پھر آپ نے انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ...... وہ کہنے لگے کہ ہم ہر ممکن طریقے سے اپنے باپ کو قائل کرنے کی کوشش کریں گے کہ وہ اس بھائی کو بھی ہمارے ساتھ روانہ کردیں اور اس سلسلہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے تاکہ آپ کو ہماری صداقت پر یقین ہو جائے۔ سدی

نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے ان سے رہن رکھ لیا تا کہ وہ اپنے بھائی کو بھی یقینی طور پر ساتھ لائیں، لیکن یہ قول محل نظر ہے کیونکہ آپ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور انہیں واپسی کی بہت زیادہ رغبت دلائی کیونکہ آپ ان کی واپسی کے بہت حریص تھے۔ جب بھائی واپسی کی تیاری کرنے لگے تو آپ علیہ السلام نے اپنے کارندوں سے کہا کہ جس سامان کے عوض انہوں نے غلہ خریدا ہے وہ ان کی خورجیوں میں واپس رکھ دو اس طرح کہ انہیں محسوس تک نہ ہو تا کہ یہ اسے لے کر دوبارہ لوٹ سکیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ اندیشہ تھا کہ ان کے پاس اور سامان نہیں ہوگا جس کے عوض غلہ خریدنے کے لئے یہ دوبارہ آ سکیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ نے اپنے باپ اور بھائیوں سے غلہ کا معاوضہ لینا مناسب نہ سمجھا اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کا خیال یہ تھا کہ جب وہ غلہ کھولیں گے اور اس میں یہ چیزیں پائیں گے تو انہیں اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں سمجھیں گے اور ضرور واپس کرنے کے لئے لوٹیں گے۔

فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكْتَلْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ عَلٰۤى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

”پھر جب واپس لوٹے اپنے باپ کے پاس تو عرض کرنے لگے اے ہمارے پدر (بزرگوار) روک دیا گیا ہے ہم سے غلہ سو (از راہ نوازش) بھیجئے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی (بنیامین) کو تا کہ ہم غلہ لا سکیں اور ہم یقیناً اس کی نگہبانی کریں گے۔ آپ نے (جواباً) فرمایا کیا میں اعتماد کروں تم پر اس کے بارے میں بجز اس کے جیسے میں نے اعتماد کیا تھا تم پر اس کے بھائی کے بارے میں اس سے قبل، پس اللہ تعالیٰ ہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔ اور وہ زیادہ مہربان ہے تمام مہربانی کرنے والوں سے“۔

وہ (بھائی) اپنے باپ سے کہنے لگے کہ اگر آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی بنیامین کو روانہ نہیں کریں گے تو آئندہ غلہ نہیں ملے گا، اس لئے آپ اسے ہمارے ساتھ بھیج دیں تا کہ مزید غلہ لانا ممکن ہو۔ بعض نے ”نَكْتَلْ“ کو ”يَكْتَلْ“ پڑھا ہے۔ مزید کہنے لگے کہ ہم اس کی پوری پوری نگہبانی کریں گے، آپ کسی قسم کے اندیشے کو دل میں جگہ نہ دیں کیونکہ بنیامین عنقریب آپ کے پاس لوٹ آئے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں بھی انہوں نے اس طرح یقین دہانی کروائی تھی اور کہا تھا: ”اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَ يَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ“ اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں فرمایا: هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ...... یعنی کیا تم بنیامین کے ساتھ بھی وہی سلوک کرنا چاہتے ہو جو سلوک تم نے پہلے اس کے بھائی کے ساتھ کیا تھا، تم اسے بھی غائب کر کے میری نظروں سے اوجھل کر دینا چاہتے ہو؟ بس اللہ تعالیٰ ہی بہترین محافظ اور نگہبان ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ وہ میرے بڑھاپے، میری کمزوری اور بیٹے کی جدائی کے غم پر ضرور رحم فرمائے گا اور مجھے اس ذات سے قوی امید ہے کہ وہ میرے بچھڑے ہوئے نور نظر کو ضرور ملا دے گا اور میری پراگندہ حالت کو درست فرما دے گا۔

وَ لَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَ نَمِيْرُ اَهْلَنَا وَ نَحْفَظُ اَخَانَا وَ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ

يَّسِيْرٌ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٦٦﴾

''اور جب انہوں نے کھولا اپنا سامان تو انہوں نے دیکھا کہ ان کا مال انہیں واپس لوٹا دیا گیا ہے (ترغیب دینے کے لئے) کہنے لگے اے ہمارے پدر (محترم) ہم اور کیا چاہتے ہیں۔ یہ (دیکھئے) ہمارا مال بھی لوٹا دیا گیا ہے ہماری طرف اور (اگر بنیامین ساتھ گیا تو) ہم رسد لائیں گے اپنے اہل خانہ کے لئے اور رکھوالی کریں گے اپنے بھائی کی اور ہم زیادہ لیں گے ایک اونٹ کا بوجھ۔ یہ غلہ بہت تھوڑا ہے۔ آپ نے کہا میں ہرگز نہیں بھیجوں گا اسے تمہارے ساتھ یہاں تک کہ کرو تم میرے ساتھ وعدہ جو پختہ کیا گیا ہو اللہ کی قسم سے کہ تم ضرور لے آؤ گے میرے پاس اسے مگر یہ کہ تمہیں بے بس کر دیا جائے۔ پس جب وہ لے آئے آپ کے پاس اپنا پختہ وعدہ، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو ہم گفتگو کر رہے ہیں اس پر گواہ ہے''۔

جب برادران یوسف علیہ السلام نے غلہ کی بوریاں کھولیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی رقم اور سامان جس کے عوض انہوں نے غلہ خریدا تھا، اسے واپس کر دیا گیا ہے اور اسے حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی بوریوں میں رکھوا دیا تھا۔ یہ دیکھ کر کہنے لگے کہ اے والد محترم! ہمیں اور کیا چاہئے، دیکھیں ہمیں اپنا سامان بھی لوٹا دیا گیا ہے اور غلہ بھی پورا پورا مل گیا ہے (1)۔ جب آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں گے تو ہم اپنے اہل خانہ کے لئے مزید غلہ لائیں گے، ہم اپنے بھائی کی پوری طرح نگہداشت کریں گے اور اس کے حصے کا بار شتر ہمیں مزید مل جائے گا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہر آدمی کو ایک بار شتر ہی دیتے تھے، مجاہد کہتے ہیں کہ ایک گدھے کا بوجھ دیتے تھے، ایک لغت میں گدھے کو ''بَعِیر'' کہا جاتا ہے، اپنی کلام کو مکمل اور مزین کرتے ہوئے کہنے لگے: ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ یعنی اپنے بھائی کو ساتھ لے جانے کے مقابلے میں یہ آسان ناپ ہے۔ آپ نے فرمایا: لَنْ اُرْسِلَهٗ...... یعنی جب تک تم حلفیہ عہد و پیمان نہیں کر لیتے میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ روانہ نہیں کروں گا۔ تمہیں یہ عہد کرنا ہوگا کہ تم اسے ضرور میرے پاس واپس لاؤ گے ہاں اگر تم بے بس ہو جاؤ اور اسے رہا کروانے پر قادر نہ رہو تو یہ اور بات ہے۔ جب انہوں نے اپنے باپ کے ساتھ پختہ عہد کر لیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہماری باتوں پر گواہ ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ غلہ کی نایابی کے باعث بنیامین کو ساتھ بھیجنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا، اس لئے آپ علیہ السلام نے بنیامین کو بھائیوں کے ساتھ مجبوراً روانہ کر دیا۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ وَمَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۭ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾

''اور آپ نے کہا اے میرے بچو! (شہر میں) نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے بلکہ داخل ہونا مختلف دروازوں سے اور نہیں فائدہ پہنچا سکتا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کچھ بھی۔ نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالیٰ کے لئے۔ اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اسی پر

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 11

توکل کرنا چاہئے توکل کرنے والوں کو۔ اور جب وہ (مصر میں) داخل ہوئے جس طرح حکم دیا تھا انہیں ان کے باپ نے۔
وہ نہیں فائدہ پہنچا سکتا تھا انہیں اللہ کی تقدیر سے کچھ بھی مگر (یہ احتیاطی تدبیر) ایک خیال تھا نفس یعقوب میں جسے انہوں نے
پورا کیا اور بیشک وہ صاحب علم تھے بوجہ اس کے جو ہم نے سکھایا تھا انہیں لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے''۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو بھائیوں کے ساتھ تیار کر کے مصر بھیجنا چاہا تو اپنے بیٹوں کو تاکید کی کہ ایک دروازے سے مت داخل ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا، اس کی وجہ بقول ابن عباس، محمد بن کعب، مجاہد، ضحاک، قتادہ، سدی وغیرہ یہ تھی کہ آپ علیہ السلام کو ان پر نظر بد کا اندیشہ تھا کیونکہ وہ تمام خوبصورت، تنومند اور پروقار شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں لوگ انہیں نظر نہ لگا دیں کیونکہ نظر کی تاثیر ہی اس قدر ہے کہ وہ شہسوار کو گھوڑے سے گرا دیتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا: وَمَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ یعنی یہ احتیاط اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کو نہیں لوٹا سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرما لیتا ہے تو نہ اس کی مخالفت کی جا سکتی ہے اور نہ مزاحمت۔ چنانچہ بیٹے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے مختلف دروازوں سے داخل ہوئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو تو نہیں لوٹا سکتے تھے، ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کا ایک خیال ضرور پورا ہو گیا وہ نظر بد سے بچنے کا خیال تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق فرمایا: وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾

''اور جب پہنچے یوسف کے پاس تو یوسف نے جگہ دی اپنے پاس اپنے بھائی کو (نیز) اسے فرمایا میں تمہارا بھائی ہوں نہ غمزدہ ہو (ان حرکتوں پر) جو یہ کیا کرتے تھے''۔

جب برادران یوسف علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ کا سگا بھائی بنیامین بھی ساتھ تھا تو آپ نے انہیں شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا، بڑی عزت وتکریم سے پیش آئے اور ان پر اپنی عنایات کی بارش کر دی۔ خلوت میں اپنے بھائی سے اپنا تعارف کروایا اور تمام حالات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں اور بنیامین کو تاکید کی کہ میرے ساتھ ان کے ناروا سلوک پر غمزدہ نہ ہونا اور ابھی اس حقیقت اور راز سے پردہ بھی نہ اٹھانا۔ بنیامین کے ساتھ آپ علیہ السلام نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ وہ انہیں باعزت طور پر اپنے ہاں ٹھہرانے کی تدبیر کریں گے۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ ﴿۷۲﴾

''پھر جب فراہم کر دیا انہیں ان کا سامان (خوراک) تو رکھ دیا (اپنا) پیالہ اپنے بھائی کی خورجی میں پھر پکارا ایک پکارنے والا اے قافلہ والو! بلاشبہ تم چور ہو۔ (حیرت زدہ ہو کر) وہ بولے درآنحالیکہ وہ ان کی طرف متوجہ تھے کونسی چیز تم نے گم کی ہے۔ انہوں نے کہا ہم نے گم کیا ہے بادشاہ کا پیالہ اور وہ شخص جو ڈھونڈ لائے گا اسے (بطور انعام) بار شتر (غلہ) دیا جائے گا اور میں اس کا ضامن ہوں''۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں سامان رسد مہیا کر دیا اور ان کے اونٹوں کو غلہ سے لاد دیا تو آپ علیہ السلام نے اپنے کسی غلام کو حکم دیا کہ وہ بنیامین کی خورجی میں قیمتی پیالہ رکھ دے۔ اکثر کے نزدیک یہ پیالہ چاندی کا تھا، بعض کہتے ہیں کہ سونے کا تھا۔ ابن زید کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام اس میں پانی پیتے تھے اور غلہ کی کمیابی کے باعث اس سے ناپ کر غلہ دیتے تھے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ، ضحاک اور عبدالرحمٰن بن زید کا بھی یہی قول ہے۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ بادشاہ کا پیالہ چاندی کا بنا ہوا تھا جس میں وہ لوگ پانی پیتے تھے۔ یہ کپڑا بننے کی نالی کی طرح تھا۔ زمانہ جاہلیت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس اس جیسا پیالہ تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے خادم نے چپکے سے پیالہ بنیامین کی خورجی میں رکھ دیا، ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ...... وہ (بھائی) ندا دینے والے کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے: مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ؟ جواب ملا: نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ......

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَ مَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٦﴾

''کہنے لگے خدا کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ ہم (یہاں) اس لئے نہیں آئے کہ فساد برپا کریں زمین میں اور نہ ہی ہم چوری پیشہ ہیں۔ خدام (یوسف) نے کہا پھر اس کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ثابت ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں یہ پیالہ دستیاب ہو تو وہ خود ہی اس کا بدلہ ہے، اسی طرح ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو پس تلاشی لینی شروع کی ان کے سامانوں کی یوسف کے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے، آخر کار نکال لیا وہ پیالہ اس کے بھائی کی خورجی سے۔ یوں تدبیر کی ہم نے یوسف کے لئے۔ نہیں رکھ سکتے تھے یوسف اپنے بھائی کو بادشاہ مصر کے قانون میں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ ہم بلند کر دیتے ہیں درجے جن کے چاہتے ہیں۔ اور ہر صاحب علم سے برتر دوسرا صاحب علم ہوتا ہے''۔

جب برادران یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام لگا تو وہ کہنے لگے: تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ...... یعنی تم خوب ہماری تحقیق کر چکے ہو اور ہماری عمدہ سیرت اور اچھے اخلاق کا مشاہدہ کر چکے ہو اس لئے یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ ہم چور ہیں، فساد بپا کرنا ہمارا مقصد نہیں اور نہ ہی ہماری فطرت اور عادت ہمیں اس فعل بد کے ارتکاب پر آمادہ کر سکتی ہے۔ شاہی ملازموں نے کہا کہ اگر چور تم میں سے برآمد ہو گیا تو اس کی کیا سزا ہو گی؟ وہ کہنے لگے: جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ...... شریعت ابراہیم علیہ السلام میں یہی دستور تھا کہ سارق (چور) کو مسروق (جس کی چوری کی گئی ہو) کے حوالے کر دیا جاتا۔ یہی حضرت یوسف علیہ السلام کی خواہش تھی، لہٰذا ان کی تلاشی لئے جانے کا حکم ہوا۔ بنیامین کے سامان کی تلاشی لینے سے پہلے بھائیوں کے سامان کی تلاشی شروع ہوئی۔ آخر کار پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد ہو گیا۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق بنیامین کو اپنے پاس روک لیا، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ حکمت اور مصلحت کی رو سے یہ بہت عمدہ تدبیر تھی جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے پسند کیا ورنہ شاہ مصر کے قانون کے

مطابق بنیامین کو اپنے پاس رکھنا آپ علیہ السلام کے لئے ممکن نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے لئے یہ تدبیر کی کہ بھائیوں کے بتائے ہوئے قانون کو آپ علیہ السلام نے ان پر لاگو کر دیا حالانکہ شریعت ابراہیمی کے اس قانون کی بابت آپ علیہ السلام کو بھی علم تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدح کرتے ہوئے فرمایا: نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلۃ: 11) ''اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا درجات بلند فرمادے گا''۔

وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر عالم سے اوپر کوئی اور عالم بھی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ پر علم کی انتہاء ہو جاتی ہے اس سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے ایک بہت عجیب وغریب بات بیان کی۔ یہ سن کر ایک آدمی تعجب سے کہنے لگا: الحمدللہ، ہر عالم سے اوپر کوئی عالم ہے۔ آپ نے فرمایا: تم نے بہت بری بات کہی ہے، اللہ تعالیٰ ہر عالم سے زیادہ عالم ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ہر ذی علم سے زیادہ کوئی نہ کوئی عالم ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تک علم کی انتہاء ہو جاتی ہے، اسی سے علم کی ابتداء ہوئی اور علماء نے سیکھا اور اس کی طرف انتہاء ہے۔ حضرت عبداللہ کی قرأت میں ''وَفَوْقَ كُلِّ عَالِمٍ عَلِيْمٌ'' آیا ہے۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾

''بھائی بولے اگر اس نے چوری کی ہے (تو کیا تعجب ہے) بیشک چوری کی تھی اس کے بھائی نے بھی اس سے پہلے۔ پس چھپا لیا اس بات کو یوسف (علیہ السلام) نے اپنے جی میں اور نہ ظاہر کیا اسے ان پر۔ (جی میں) کہا تم بہت بری جگہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم بیان کر رہے ہو''۔

جب پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد ہوا تو برادران یوسف کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کا ارتکاب کیا ہے تو تعجب کی بات نہیں، اس سے پہلے اس کے بھائی یوسف نے بھی چوری کی تھی۔ انہوں نے دونوں بھائیوں کو ایک جیسا چوری کا مرتکب ٹھہرایا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اپنے نانا کا بت چپکے سے اٹھایا اور اسے توڑ دیا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر سب سے پہلی آزمائش یہ نازل ہوئی کہ آپ کی پھوپھی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سب سے بڑی تھیں، ان کے پاس حضرت اسحاق علیہ السلام کا کمر بند تھا جو خاندان کے سب سے بڑے آدمی کے پاس رہا کرتا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام اپنی ولادت کے وقت سے اپنی ان پھوپھی کے ہاں پرورش پا رہے تھے جنہیں آپ کے ساتھ شدید محبت تھی اور وہ آپ علیہ السلام سے بڑھ کر کسی کو نہیں چاہتی تھیں۔ جب آپ پروان چڑھے اور سات سال کی عمر کو پہنچ گئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام آپ علیہ السلام کو اپنے پاس لے جانے کے مشتاق ہوئے۔ اپنی بہن کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ یوسف کو میرے حوالے کر دیں، میں ایک گھڑی بھی اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا، وہ کہنے لگیں کہ میں کبھی بھی یوسف کو جدا نہیں کر سکتی۔ آخر کار وہ اس بات پر آمادہ ہو گئیں کہ چند دن یوسف کو میرے پاس رہنے دیں تا کہ میں جی بھر کر اسے دیکھ لوں، ممکن ہے اس طرح کچھ تسلی ہو جائے اور پھر اس کی جدائی مجھ پر شاق نہ گزرے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام وہاں سے تشریف لے گئے تو آپ کی بہن نے وہ کمر بند لیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے کپڑوں کے نیچے آپ کی کمر پر باندھ دیا، پھر کہنے لگیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا کمر بند گم ہو گیا ہے، دیکھیں کس نے لیا ہے؟ آخر طے یہ ہوا کہ افراد خانہ کی تلاشی لی جائے، تلاشی لی گئی تو حضرت یوسف علیہ

السلام کے پاس سے برآمد ہو گیا۔ آپ کی پھوپھی کہنے لگیں کہ اب یوسف میری تحویل میں ہے جیسے چاہوں اس میں تصرف کروں۔ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھی آگاہ کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر واقعی یوسف نے ایسا کیا ہے تو وہ تمہاری تحویل میں ہے، میں اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا، چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی پھوپھی کی وفات تک ان کے پاس رہے، اسی بات کی طرف بھائیوں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا: اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ (1)۔

فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ...... "ھا" کا مرجع وہ کلمہ ہے جو بعد میں مذکور ہے یعنی اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ یعنی اس بات کو آپ نے دل میں چھپائے رکھا اور ان کے سامنے اس کا اظہار نہ کیا۔ اس آیت میں اضمار قبل الذکر ہے۔ قرآن وحدیث اور نظم ونثر میں اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔

قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

"وہ کہنے لگے اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا ہے (اس کی جدائی برداشت نہ کر سکے گا) پس ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ پکڑ لیجئے۔ بے شک ہم تجھے نیکوکاروں سے دیکھتے ہیں۔ آپ نے کہا ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ پکڑ لیں ہم مگر اس کو جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے۔ ورنہ ہم ظالم ہوں گے"۔

جب بھائیوں کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے پاس ٹھہرا لیا تو بھائی بڑے رقت آمیز لہجے میں آپ سے رحم کی اپیل کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اے عزیز! اس لڑکے کے والد بہت ضعیف اور بوڑھے ہیں، انہیں اس سے شدید محبت ہے، وہ اس کے ذریعے اپنے گم شدہ بیٹے کی جدائی کا غم غلط کرتے ہیں، اس لئے اس لڑکے کے عوض ہم میں سے کسی کو پکڑ لیں، ہم آپ کو بہت نیکوکار، عادل اور منصف سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: مَعَاذَ اللّٰهِ...... یعنی ہم تو صرف اسے ہی پکڑیں گے جس نے سرقہ کا ارتکاب کیا ہے اور اگر ہم مجرم کے بدلے بری الذمہ کو پکڑ لیں تو ہم بہت ظالم ٹھہریں گے۔

فَلَمَّا اسْتَايْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۗ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۗ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

"پھر جب وہ مایوس ہو گئے یوسف سے تو الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے۔ ان کے بڑے بھائی نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے لیا تھا تم سے وعدہ جو پختہ کیا گیا تھا اللہ کے نام سے اور اس سے پہلے جو زیادتی یوسف کے حق میں تم کر

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 29، تفسیر قرطبی، جلد 9 صفحہ 239

چکے ہو۔ (وہ بھی تمہیں یاد ہے) سو میں تو نہیں چھوڑوں گا اس زمین کو جب تک کہ اجازت نہ دیں مجھے میرے باپ یا فیصلہ فرمائے اللہ تعالیٰ میرے لئے، اور وہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔ تم لوٹ جاؤ اپنے باپ کی طرف پھر (انہیں یہ) عرض کرواے ہمارے محترم باپ! بلاشبہ آپ کے بیٹے نے چوری کی (اس لئے وہ گرفتار کرلیا گیا) اور ہم نے (آپ سے) وہی کچھ بیان کیا جس کا ہمیں علم تھا اور ہم نہیں تھے غیب کی نگہبانی کرنے والے۔ اور (اگر آپ کو اعتبار نہ آئے تو) دریافت کیجئے بستی والوں سے جس میں ہم رہے اور (پوچھئے) اس قافلہ سے جس میں ہم آئے اور یقیناً ہم سچ عرض کررہے ہیں''۔

جب برادران یوسف بنیامین کی رہائی سے مایوس ہوگئے تو انہیں یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ وہ تو اپنے والد سے یہ پختہ عہد و پیمان کرکے آئے ہیں کہ وہ بنیامین کو عنقریب واپس لے آئیں گے۔ وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہوکر تنہائی میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ سب سے بڑا (روبیل یا یہوذا، یہ وہی ہے جس نے بھائیوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ یوسف کو قتل کرنے کے بجائے کنوئیں میں ڈال دیں) کہنے لگا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے تمہارے باپ نے تم سے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ تم ضرور بنیامین کو واپس لوٹاؤ گے لیکن اس کا تو اب امکان ہی باقی نہیں رہا۔ بنیامین کی رہائی بہت مشکل ہے اور یوسف کو ضائع کرنے کا جرم اس پر مستزاد ہے، میں تو اس وقت تک اس شہر کو نہیں چھوڑوں گا جب تک میرے والد صاحب مجھے راضی خوشی واپسی کی اجازت نہیں دیتے یا اللہ تعالیٰ میرے لئے کوئی فیصلہ فرمادے۔ بعض نے کہا ہے کہ تلوار کے ذریعے اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے(1)۔ یا اس طرح کہ وہ بنیامین کو رہا کرکے لے جانے کی قدرت عطا فرمائے۔ پھر اس نے بھائیوں سے کہا کہ تم جاؤ اور والد صاحب کو صحیح صورت حال سے آگاہ کردو تاکہ انہیں معذور اور بری الذمہ سمجھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ کا معنی قتادہ اور عکرمہ کے نزدیک یہ ہے: ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ کا فرزند چوری کرتا ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں: ہمیں یہ غیبی علم نہ تھا کہ بنیامین نے کوئی چیز چرالی ہے، عزیز مصر نے تو ہم سے چور کی سزا کے متعلق پوچھا جس کے متعلق ہم نے اسے آگاہ کردیا(2)۔ اگر یقین نہیں آتا تو اہل مصر سے دریافت کرلیں اور جس قافلہ کی رفاقت میں ہم آئے ہیں ان سے پوچھ لیں کہ ہمارا دعویٰ صداقت پر مبنی ہے۔ ہم نے تو پوری دیانتداری اور کوشش سے بنیامین کی حفاظت کی تھی لیکن وہ چوری کے جرم میں پکڑ لیا گیا۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

''آپ نے (یہ سن کر) کہا بلکہ آراستہ کردی ہے تمہارے لئے تمہارے نفسوں نے یہ بات۔ (میرے لئے) اب صبر ہی زیبا ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ لے آئے گا میرے پاس ان سب کو بے شک وہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔ اور منہ پھیر لیا آپ نے ان کی طرف سے اور کہا ہائے افسوس! یوسف کی جدائی پر اور سفید ہوگئیں ان کی دونوں آنکھیں غم کے باعث اور وہ اپنے غم کو ضبط کئے ہوئے تھے۔ بیٹوں نے عرض کی بخدا! آپ ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں یوسف کو کہیں بگڑ نہ جائے آپ کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 35 عن ابی صالح باذام 2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 36

صحت یا آپ ہلاک نہ ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا میں تو شکوہ کر رہا ہوں اپنی مصیبت اور اپنے دکھوں کا خدا کی بارگاہ میں اور میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے''۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی اس بات کو سن کر وہی فرمایا جو آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب انہوں نے خون آلود پیرہن یوسف پیش کر کے اپنی من گھڑت کہانی سنائی تھی، کہنے لگے: بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب بھائیوں نے آپ علیہ السلام کو بنیامین کا واقعہ سنایا تو آپ نے انہیں مُتہم گردانتے ہوئے یہ گمان کیا کہ انہوں نے بنیامین کے ساتھ بھی یوسف جیسا سلوک کیا ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے چونکہ بھائیوں کا یہ فعل بھی ان کے پہلے فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا اس لئے آپ علیہ السلام نے پہلا حکم ہی لگا دیا۔ پھر آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس امید کا اظہار کیا کہ وہ ان کے تینوں بیٹوں (یوسف، بنیامین اور روبیل) کو ان کے پاس لوٹا دے گا کیونکہ وہ ان کی حالت سے بخوبی واقف ہے اور اپنے افعال اور قضاء وقدر میں حکیم ہے۔ اس نئے غم نے آپ کے دل میں یوسف کے مدفون غم کو بھی تازہ کر دیا۔ آپ علیہ السلام اپنے بیٹوں سے اعراض کرتے ہوئے کہنے لگے: يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ استرجاع اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھنے کا ارشاد صرف اس امت کو ہوا ہے، دیکھیں اس موقعہ پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ (1)۔ شدت غم کی وجہ سے رو رو کر آپ کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور بینائی جاتی رہی لیکن لبوں پر مہر سکوت لگی رہی، اپنے غم کا شکوہ مخلوق کے سامنے نہیں کیا، یہ ہے قتادہ وغیرہ کے نزدیک کظیم کا معنی۔ ضحاک نے اس کا معنی غمزدہ اور شکستہ خاطر بتایا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: ''اے پروردگار! بنی اسرائیل حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کے وسیلہ سے تجھ سے دعائیں مانگتے ہیں، مجھے ان کے لئے چوتھا بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے داؤد! ابراہیم کو میری وجہ سے آگ میں ڈالا گیا اور انہوں نے صبر کیا، یہ ایسی آزمائش ہے جس سے آپ دوچار نہیں ہوئے، اسحاق نے میری خاطر اپنی جان قربان کر دی، یہ بھی ایسی آزمائش ہے جس سے آپ کو واسطہ نہیں پڑا اور یعقوب سے میں نے ان کے نور نظر کو جدا کر دیا تو انہوں نے صبر کیا، یہ آزمائش بھی آپ کو نہیں پہنچی۔'' یہ حدیث مرسل اور منکر ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اس روایت کے راوی علی بن زید بن جدعان کی بہت سی روایات منکر اور غریب ہیں۔ لیکن زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ حضرت احنف بن قیس نے یہ روایت کعب، وہب یا ان جیسے کسی اسرائیلی سے لی ہے، کیونکہ بنی اسرائیل یہ بات نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس چوری کے الزام میں ٹھہرا لیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اور اپنے اہل خانہ کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے بنیامین کی رہائی کے لئے خط لکھا۔ اپنے خاندان پر آزمائشوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ ابراہیم آگ میں ڈالے گئے، اسحاق ذبح کی آزمائش میں ڈالے گئے اور یعقوب کو فراق یوسف کی آزمائش میں ڈالا گیا۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ بیٹوں نے جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی یہ حالت دیکھی تو نرمی اور محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے: تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا...... یعنی آپ ہر وقت یوسف کو ہی یاد کرتے رہتے ہیں، اگر آپ کی یہی حالت رہی تو ہمیں خطرہ ہے آپ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیں گے۔ اس کا جواب آپ علیہ السلام نے یوں دیا: اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ اور مزید فرمایا: وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ سے میں ہر خیر کی امید کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں جانتا ہوں یوسف کا خواب سچا ہے اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 39

اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا فرمائے گا۔ عوفی آپ رضی اللہ عنہ سے ہی یہ معنی نقل کرتے ہیں کہ مجھے معلوم ہے کہ یوسف کا خواب سچا ہے اور میں انہیں سجدہ کروں گا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یعقوب علیہ السلام کا ایک مخلص دوست تھا، اس نے ایک دن آپ سے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کی بینائی کو ختم کر دیا اور کمر کو خمیدہ؟ آپ نے فرمایا کہ یوسف پر گریہ و فغاں نے میری بینائی زائل کر دی اور بنیامین کے غم نے میری کمر خمیدہ کر دی۔ اس وقت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے یعقوب! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ دوسروں کے سامنے میرے شکوے کرنے سے تم شرماتے نہیں؟ تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ جبرئیل علیہ السلام کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے شکوہ سے بخوبی آگاہ ہے'' (1)۔

یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٧﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿٨٨﴾

''اے میرے بیٹو! جاؤ اور سراغ لگاؤ یوسف کا اور اس کے بھائی کا اور مایوس نہ ہو جاؤ رحمت الٰہی سے، بلاشبہ مایوس نہیں ہوتے رحمت الٰہی سے مگر کافر لوگ۔ پھر جب وہ گئے اس یوسف (علیہ السلام) کے پاس، تو انہوں نے عرض کی اے عزیز! پہنچی ہے ہمیں اور ہمارے اہل خانہ کو مصیبت اور (اس مرتبہ) ہم لے آئے ہیں حقیر سی پونجی پس پورا ناپ کر دیں ہمیں پیمانہ اور (اس کے علاوہ) ہم پر خیرات بھی کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نیک بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو''۔

تحسس کا لفظ خیر کی جستجو کے لئے استعمال ہوتا ہے اور تجسس کا لفظ شر کی طلب کے لئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یوسف اور بنیامین کی تلاش کے لئے روانہ کر دیا، انہیں بشارت دی اور حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا اور نہ امید توڑنا، اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے گا اور رحمت الٰہی سے مایوس ہونا صرف کافر قوم کا کام ہے۔ چنانچہ وہ حسب ارشاد وہاں سے نکلے اور مصر جا پہنچے۔ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ اے عزیز! ہم اور ہمارے اہل خانہ قحط سالی اور قلت طعام کے باعث بڑی مشکل سے دوچار ہیں اور ہم اپنے ساتھ معمولی سی قیمت لائے ہیں۔ مجاہد، حسن وغیرہ نے ''بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ'' کا معنی معمولی قیمت بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ بوری اور اس جیسی ردی چیز جو عوض کے طور پر کوئی بھی قبول نہیں کرتا۔ ایک دوسری روایت میں آپ نے اس کا معنی ردی درہم کیا ہے۔ قتادہ، سدی اور سعید بن جبیر کا بھی یہی قول ہے۔ ابو صالح کہتے ہیں کہ یہ قیمت صنوبر اور گندہ بروزہ کے درخت کے پھل پر مشتمل تھی۔ ضحاک کہتے ہیں کہ وہ ایسا سامان تھا جس کی بازار میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ ابو صالح کہتے ہیں کہ وہ بن کا پھل اور صنوبر لائے۔ اصل میں ''ازجاء'' کا معنی ہے دور کرنا، ہٹانا اور مؤخر کرنا۔ اپنی خستہ حالی ظاہر کر کے کہنے لگے: فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ...... یعنی باوجود اس معمولی اور حقیر قیمت کے ہمیں پہلے کی طرح غلہ عطا فرمائیں۔ حضرت ابن مسعود

1۔ معجم صغیر، جلد 2 صفحہ 33

رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "فَاَوْقِرْ رِکَابَنَا" (ہمارے اونٹ غلہ سے لاد دیں) ہے۔ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا کے بارے میں ابن جریج کہتے ہیں کہ ہمارے بھائی کو لوٹا کر ہم پر صدقہ کیجئے۔ سعید بن جبیر اور سدی کہتے ہیں کہ اس معمولی سی قیمت کو قبول کر کے اور ہمیں غلہ فراہم کر کے صدقہ کریں۔ سفیان بن عیینہ سے سوال کیا گیا کہ کیا نبی کریم ﷺ سے پہلے کسی نبی پر صدقہ حرام کیا گیا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کیا تم نے یہ آیت فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ...... نہیں سنی؟ یعنی پہلے حرام نہیں ہوا(1)۔ حضرت مجاہد سے سوال کیا گیا کہ کیا کسی شخص کا اپنی دعا میں یہ کہنا "اَللّٰهُمَّ تَصَدَّقْ عَلَيَّ" (یا اللہ! مجھ پر صدقہ کر) مکروہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، صدقہ تو وہ کرتا ہے جو ثواب کا خواہاں ہو(2)۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَ اَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿٨٩﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿٩١﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٩٢﴾

"آپ نے پوچھا کیا تمہیں علم ہے جو سلوک تم نے کیا یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ جب تم نادان تھے۔ (سراپا حیرت بن کر) کہنے لگے کیا (سچ مچ) آپ ہی یوسف ہیں۔ فرمایا (ہاں) میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ بڑا کرم فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ہم پر۔ یقیناً جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے (وہ آخر کار کامیاب ہوتا ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ بھائیوں نے کہا خدا کی قسم! بزرگی دی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر اور بیشک ہم ہی خطاکار تھے۔ آپ نے فرمایا نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن۔ معاف فرمادے اللہ تعالیٰ تمہارے (قصوروں) کو اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے"۔

جب برادران یوسف نے آپ کے سامنے اپنی مشکلات، قحط سالی، قلت طعام اور دونوں بیٹوں کی جدائی پر اپنے باپ کے شدید غم کا ذکر کیا تو آپ کا دل پسیج گیا، آپ پر رقت طاری ہوگئی اور جذبہ شفقت و محبت اور رحمت کے تاثرات سے مغلوب ہو کر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی پیشانی سے تاج ہٹا دیا جہاں تل کا نشان تھا اور فرمانے لگے: هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ...... یعنی کس طرح تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے درمیان جدائی ڈال دی، پھر خود ہی ان کی طرف سے عذر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت تم نادان اور جاہل تھے اس لئے اس فعل کے مرتکب ہوئے جیسا کہ بعض سلف کا کہنا ہے: "كُلُّ مَنْ عَصَى اللّٰهَ فَهُوَ جَاهِلٌ" (اللہ تعالیٰ کا ہر نافرمان جاہل ہے) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ...... (النحل:119) "پھر بےشک آپ کا رب ان کے لئے جنہوں نے غلطی کی (لیکن) نادانی سے......"۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دو دفعہ ملاقات میں حضرت یوسف علیہ السلام نے خود کو ظاہر نہیں کیا کیونکہ حکم خداوندی یہی تھا لیکن اب اللہ تعالیٰ کے حکم سے بھائیوں سے تعارف کراتے ہوئے اپنا آپ ظاہر کر دیا کیونکہ صورت حال جب زیادہ سنگین ہو گئی اور سختی حد سے تجاوز کر گئی تو اس آیت فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٥﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٦﴾ (الانشراح:6-5) کے مصداق اللہ تعالیٰ نے سختی کو آسانی میں بدل دیا۔ اس وقت بھائی کہنے لگے: ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ؟ ابی ابن

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 53 2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 54

کعب نے اسے ہمزہ استفہام کے بغیر پڑھا ہے، ابن محیصن کی قرأت میں صرف ''اَنْتَ یُوْسُفُ'' ہے لیکن مشہور قرأت پہلی ہی ہے کیونکہ استفہام تعظیم پر دلالت کرتا ہے یعنی انہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ وہ دو ڈھائی سال کے عرصہ سے آپ کے پاس آرہے ہیں، اس کے باوجود وہ آپ کو نہ پہچان سکے حالانکہ آپ نے انہیں پہچان لیا تھا لیکن اس سے پہلے اس راز کو پوشیدہ رکھا، اسی لئے انہوں نے استفہامیہ انداز میں پوچھا: ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ؟ آپ علیہ السلام نے جواب دیا: اَنَا یُوْسُفُ...... یعنی میں یوسف ہوں اور یہ (بنیامین) میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے کہ اس طویل جدائی کے بعد ہمیں ملا دیا۔ جو بھی تقویٰ اور صبر کو اپنا شعار بنائے رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ وہ کہنے لگے: تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ...... وہ آپ علیہ السلام کی فضیلت اور فوقیت کا اعتراف کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیرت، صورت، اقتدار اور مال و دولت میں ہم پر ترجیح اور فضیلت عطا فرمائی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ منصب نبوت پر فائز کیا اور یہ منصب انہیں نہیں ملا تھا۔ انہوں نے آپ کے حق میں کی جانے والی زیادتیوں کا برملا اقرار کیا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا: لَا تَثْرِیْبَ...... یعنی آج تم پر کوئی گرفت، عتاب اور سرزنش نہیں، بلکہ میں تو تمہاری زیادتیوں کا ذکر بھی نہیں کروں گا۔ پھر ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہوئے کہا: یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ سدی کہتے ہیں کہ بھائیوں نے عذر پیش کیا جسے قبول کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ، میں تمہاری زیادتیوں کا ذکر تک نہیں کروں گا، اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی کرے۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا ۚ وَاْتُوْنِیْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ﴿۹۵﴾

''لے جاؤ میرا یہ پیراہن پس ڈالو اسے میرے باپ کے چہرہ پر وہ بینا ہو جائیں گے۔ اور (جا کر) لے آؤ میرے پاس اپنے سب اہل وعیال کو۔ اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا (تو ادھر کنعان میں) ان کے باپ نے فرمایا کہ میں تو یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اگر تم مجھے بیوقوف خیال نہ کرو۔ گھر والوں نے کہا بخدا! (باباجی!) آپ اپنی اس پرانی محبت میں مبتلا ہیں''۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کثرت گریہ وفغاں کے باعث بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میری یہ قمیص لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرہ پر ڈالو وہ بینا ہو جائیں گے اور آپ علیہ السلام کی تمام اولاد کو اور اہل خانہ کو میرے پاس لے آؤ۔ جب یہ قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام اس وقت موجود اپنی بقیہ اولاد سے فرمانے لگے کہ اگر تم مجھے مخبوط الحواس نہ سمجھو تو مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قافلہ ابھی کنعان سے آٹھ دن کی مسافت پر تھا کہ ہوا نے آپ تک پیراہن یوسف علیہ السلام کی خوشبو پہنچا دی۔ حسن اور ابن جریج کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام اور قافلے کے درمیان اسی فرسخ کی مسافت تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کو بچھڑے اسی سال کا عرصہ گزر چکا تھا(1)۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، عطاء، قتادہ اور سعید بن جبیر لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ کا معنی بیان کرتے ہیں: اگر تم مجھے بیوقوف نہ کہو۔ حسن کہتے ہیں: تم اگر مجھے (کم عقل) بوڑھا نہ سمجھو۔ آیت کریمہ میں ضلال کا لفظ بقول ابن عباس خطا کے معنی میں ہے جبکہ قتادہ اس کا معنی محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے والد گرامی کے لئے بڑا سخت کلمہ استعمال کیا تھا۔ انہیں اپنے باپ کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرنا زیب نہیں دیتا تھا خصوصاً جب کہ وہ نبی بھی تھے۔

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 589

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚۙ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

''پس جب آ پہنچا خوشخبری سنانے والا (اور) اس نے ڈالا وہ پیراہن آپ کے چہرہ پر تو وہ فوراً بینا ہو گئے۔ آپ نے (فرط مسرت سے) کہا (دیکھو) کیا میں نہیں کہا کرتا تھا تمہیں کہ میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ (کے جتانے) سے جو تم نہیں جانتے۔

بیٹوں نے عرض کی اے ہمارے پدر (محترم) مغفرت مانگئے ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی بیشک ہم ہی قصوروار تھے۔

فرمایا عنقریب مغفرت طلب کروں گا تمہارے لئے اپنے رب سے۔ بیشک وہی غفور رحیم ہے''۔

حضرت ابن عباس اور ضحاک کہتے ہیں کہ ''بَشِیْرُ'' کا معنی قاصد ہے۔ مجاہد اور سدی کا کہنا ہے کہ یہ خوشخبری لانے والا حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹا یہودا تھا، اسی نے حضرت یوسف علیہ السلام کا خون آلود پیراہن پیش کر کے یہ باور کرایا تھا کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے، اب وہی آپ علیہ السلام کی قمیص کے ساتھ مژدہ سنانے آرہا تھا تاکہ وہ اس ذریعے سے اس داغ کو دھوڈالے اور اس طریقے سے اس جرم کی تلافی ہو جائے۔ جونہی حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرہ پر حضرت یوسف علیہ السلام کے پیراہن کو ڈالا گیا، آپ کی بینائی لوٹ آئی اور آپ بالکل بینا ہو گئے۔ اس وقت آپ نے اپنی اولاد سے فرمایا: اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ...... یعنی مجھے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب یوسف کو ملا دے گا اور میں نے تمہیں کہا تھا: اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ اس وقت انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے بڑی نرمی اور ملائمت کے ساتھ درخواست کی: يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا...... اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ...... حضرات ابن مسعود، ابراہیم تیمی، عمرو بن قیس اور ابن جریج وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ نے ان کے ساتھ سحری کے وقت دعا کرنے کا وعدہ کیا۔ ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر مسجد میں آتے تو کسی انسان کو یہ کہتے ہوئے سنتے: یا اللہ! تو نے مجھے بلایا تو میں نے (تیری دعوت پر) لبیک کہی اور تو نے حکم دیا، میں نے اس کی اطاعت کی، یہ سحری کا وقت ہے تو میری بخشش فرمادے۔ آپ نے کان لگا کر غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ آواز عبداللہ بن مسعود کے گھر سے آتی ہے۔ آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس قول ''سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ'' کے ساتھ اپنی دعا سحری تک کے لئے ملتوی کر دی (1)۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ جمعہ کی رات تھی جب آپ نے دعا کی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ یعنی جب جمعہ کی رات آ جائے، یہ بات میرے بھائی یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہی تھی (2)۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 64 2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 65

مِنۢ بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ الشَّیۡطٰنُ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَ اِخۡوَتِیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَطِیۡفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱۰۰﴾

"پھر جب وہ سب یوسف کے روبرو ہوئے آپ نے جگہ دی اپنے پاس اپنے والدین کو اور (انہیں) کہا داخل ہو جاؤ مصر میں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم خیر و عافیت سے رہو گے۔ اور (جب شاہی دربار میں پہنچے تو) آپ نے اوپر بٹھایا اپنے والدین کو تخت پر اور وہ گر پڑے آپ کے لئے سجدہ کرتے ہوئے۔ اور (یہ منظر دیکھ کر) یوسف نے کہا اے میرے پدر بزرگوار! یہ تعبیر ہے میرے خواب کی جو پہلے (عرصہ ہوا میں نے) دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اسے سچا کر دکھایا ہے، اور اس نے بڑا کرم فرمایا مجھ پر جب اس نے نکالا مجھے قید خانہ سے اور لے آیا تمہیں صحرا سے اس کے بعد کہ ناچاقی ڈال دی تھی شیطان نے میرے درمیان اور میرے بھائیوں کے درمیان۔ بیشک میرا رب لطف و کرم فرمانے والا ہے جس کے لئے چاہتا ہے۔ یقیناً وہی سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے"۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی مصر میں آمد کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ آپ اپنے اہل و عیال سمیت حضرت یوسف علیہ السلام کی خواہش کے مطابق کنعان سے عازم مصر ہوئے۔ جب مصر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلے۔ بادشاہ کے حکم سے تمام امراء، وزراء اور دیگر اکابرین سلطنت آپ کے ساتھ تھے، یہ بھی منقول ہے کہ خود بادشاہ بھی استقبال کے لئے آپ علیہ السلام کے ہمراہ تھا۔ یہ آیت اکثر مفسرین پر مشتبہ ہوگئی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے، اصل میں کلام یوں ہے: اُدۡخُلُوۡا مِصۡرَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیۡنَ اٰوٰۤی اِلَیۡهِ اَبَوَیۡهِ...... ابن جریر نے بڑے عمدہ طریقے سے اس کی تردید کی ہے اور سدی کے اس قول کو پسند کیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی اپنے والدین کے ساتھ پہلی ملاقات ہوئی تو انہیں اپنے پاس جگہ دی، پھر جب شہر کے دروازے تک پہنچے تو آپ نے فرمایا: اُدۡخُلُوۡا مِصۡرَ...... لیکن ابن جریر کا یہ پسندیدہ قول بھی محل نظر ہے کیونکہ "ایواء" کا معنی ہے کسی کو گھر میں جگہ دینا جیسا کہ یہ فرمان ہے "اٰوٰۤی اِلَیۡهِ اَخَاهُ" اور حدیث شریف میں آتا ہے: "مَنۡ اٰوٰی مُحۡدِثًا" (1)۔ اور اس میں کونسی چیز مانع ہے کہ ان کے مصر میں داخل ہونے اور انہیں جگہ دینے کے بعد آپ نے ان سے فرمایا: اُدۡخُلُوۡا مِصۡرَ...... دوسری بات یہ ہے کہ "اُدۡخُلُوۡا"، "اُسۡکُنُوۡا" (سکونت اختیار کریں) کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ فرمایا کہ تم مصر میں داخل ہو جاؤ اس حال میں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم قحط سالی، تنگی اور مشقت سے محفوظ رہو گے۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی تشریف آوری کی برکت سے قحط سالی کے باقی سال اہل مصر سے رفع کر دیئے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کے طفیل اہل مکہ سے قحط سالی کے بقیہ سال رفع کر دیئے گئے جس قحط سالی کی دعا پہلے آپ ﷺ نے کی تھی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی تھی کہ "یا اللہ! اہل مکہ کو عہد یوسف کے سات سالہ قحط جیسے قحط میں مبتلا کر۔" پھر اہل مکہ عجز و نیاز سے آپ ﷺ کی خدمت میں التجائیں کرنے لگے اور سفارشیں کروانے لگے اور ابو سفیان کو آپ کی خدمت میں بھیج کر قحط سالی کی شکایت کی تو آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس مصیبت سے چھٹکارا عطا فرما دیا (2)۔ عبد الرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا تو بہت عرصہ پہلے انتقال

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، جلد 7، صفحہ 192، صحیح مسلم، کتاب العتق، جلد 2، صفحہ 1147

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ روم، جلد 7، صفحہ 104، صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، جلد 4، صفحہ 2155-2156

ہو چکا تھا۔ آپ علیہ السلام کے والد گرامی کے ہمراہ آپ کی خالہ آئی تھیں۔ محمد بن اسحاق اور ابن جریر کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کے ماں اور باپ دونوں بقید حیات تھے اور بقول ابن جریر آپ کی والدہ کے انتقال پر کوئی دلیل نہیں اور قرآن کریم کا ظاہر بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس وقت آپ کی والدہ زندہ تھیں (1)، یہی بات درست اور سیاق کلام کے مناسب ہے۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھایا۔ اس وقت آپ کے والدین اور بقیہ گیارہ بھائی آپ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے تو آپ نے کہا: یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ...... پہلی شریعتوں میں یہ سجدہ جائز تھا۔ جب وہ کسی بڑے کو سلام کرنا چاہتے تو اس وقت اسے سجدہ کرتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر شریعت عیسیٰ علیہ السلام تک یہ (سجدۂ تعظیمی) جائز رہا لیکن اس ملت محمدیہ کے لئے اسے حرام قرار دے دیا گیا اور اسے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص کر دیا گیا۔ حضرت قتادہ وغیرہ کے قول کا ماحصل یہ ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ شام کی طرف گئے، وہاں انہوں نے لوگوں کو اپنے پادریوں اور مذہبی علماء کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوئے دیکھا۔ جب آپ واپس آئے تو آپ نے رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: معاذ! یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ میں نے لوگوں کو ایسا کرتے دیکھا ہے کہ وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کو سجدہ کرتے ہیں حالانکہ یارسول اللہ! آپ زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ خاوند کا بیوی پر بہت بڑا حق ہے'' (2)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی رستے میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ملاقات ہوگئی، اس وقت حضرت سلمان نو مسلم تھے، انہوں نے آپ ﷺ کو سجدہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کرو، سجدہ صرف اس ہمیشہ زندہ رہنے والی ذات کو کرو جسے کبھی موت نہیں آئے گی'' الغرض ان کی شریعت میں ایسا کرنا جائز تھا اس لئے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا، اس وقت آپ نے کہا: یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ...... تاویل کسی چیز کے انجام کو کہتے ہی جیسا کہ فرمایا: هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ...... (الاعراف:53)'' کافر کس چیز کے منتظر ہیں؟ یہ کہ قرآن کی دھمکی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ جس روز ظاہر ہوگا اس کا انجام''۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر کرتے ہوئے کہا: قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا...... یعنی میرے رب نے میرے خواب کو سچ کر دکھایا اور مجھ پر احسان فرمایا جب مجھے قید خانہ سے نکالا اور تمہیں صحرا سے یہاں لے آیا۔ وہ صحراء نشین تھے اور بکریاں چرایا کرتے تھے۔ شام کے زیریں علاقہ میں سرزمین فلسطین کے دیہات میں رہتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ حسمی کے زیریں طرف وادیوں میں مقیم تھے اور اونٹ بکریاں پالتے تھے (3)۔ آپ فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو ملا دیا اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان ناچاقی ڈال دی تھی، میرا رب بہت لطف و کرم فرمانے والا ہے، وہ جب کسی چیز کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اس کے لئے اسباب بھی مہیا کر دیتا ہے، وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے اور وہ اپنے اقوال و افعال، قضاء و قدر اور اختیار و ارادہ میں حکیم ہے۔ سلیمان کہتے ہیں کہ خواب کے دیکھنے اور اس کی تعبیر ظاہر ہونے میں چالیس سال کا عرصہ گزرا۔ عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ تعبیر ظاہر ہونے میں اس سے زیادہ مدت نہیں لگتی (4)۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باپ بیٹا اسی سال کے بعد ملے۔ اس دوران حضرت یعقوب علیہ السلام ہمیشہ غمزدہ رہے اور رخساروں پر آنسو بہتے رہے حالانکہ روئے زمین پر آپ علیہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 67
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، جلد 1 صفحہ 595، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 381
3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 71-72
4۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 70

السلام سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی محبوب بندہ نہ تھا(1)۔ایک روایت میں حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ نے فراق کی مدت تراسی سال بتائی ہے(4)۔آپ رحمتہ اللہ علیہ ہی بیان کرتے ہیں کہ سترہ سال کی عمر میں آپ کو کنوئیں میں ڈالا گیا، اسی سال اپنے باپ کی نظروں سے اوجھل رہے اور اس کے بعد آپ تئیس سال زندہ رہے۔جس وقت آپ کا وصال ہوا اس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس برس تھی۔قتادہ کہتے ہیں کہ فراق کا زمانہ پینتیس سالوں پر محیط تھا۔بعض کہتے ہیں کہ اٹھارہ برس اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ تقریباً چالیس سال، حضرات یعقوب و یوسف علیہما السلام فراق کے بعد اکٹھے سترہ برس رہے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل مصر میں داخل ہوئے تو ان کی تعداد تریسٹھ تھی اور جب یہاں سے نکلے تو ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی۔مسروق کہتے ہیں کہ جب وہ مصر میں داخل ہوئے تو ان کے مردوں اور عورتوں کی تعداد تین سو نوے تھی۔عبد اللہ بن شداد کہتے ہیں کہ یہ سب چھوٹے بڑے چھیاسی افراد تھے وہاں سے نکلے تو ان کی تعداد چھ لاکھ سے زائد تھی(2)۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝۱۰۱

”اے میرے رب! عطا فرمایا تو نے مجھے یہ ملک نیز تو نے سکھایا مجھے باتوں کے انجام کا علم۔اے بنانے والے آسمانوں اور زمین کے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں۔مجھے وفات دے درآنحالیکہ میں مسلمان ہوں اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ“۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام پر نعمت مکمل کر دی، بچھڑے ہوئے والدین اور بھائی مل گئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف نبوت سے نوازا اور ایک عظیم سلطنت سے آپ کو سرفراز فرمایا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مذکورہ دعا کے ساتھ ہاتھ بلند کر دیئے اور اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ جس طرح اس نے دنیا میں اپنی نعمتوں کی تکمیل کی ہے، اسی طرح آخرت میں بھی وہ اپنے انعامات سے بہرہ ور فرمائے اور جب موت کا وقت آئے تو اسلام کی حالت پر اور وہ اپنے صالح بندوں انبیاء و رسل کے ساتھ ملا دے۔اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ علیہ السلام نے یہ دعا وفات کے وقت کی ہو جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیحین کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ وصال کے وقت رسول اللہ ﷺ نے (تین مرتبہ) اپنی انگلی اٹھائی اور یہ دعا کی: ”اَللّٰهُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی“ (اے اللہ، رفیق اعلیٰ!)(3)۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی دعا کا یہ مقصد ہو کہ جب بھی وفات پاؤں، اسلام پر ہی وفات ہو اور صالحین کے ساتھ مل جاؤں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے فوری موت کے لئے التجا کی جس طرح کوئی آدمی کسی کو دعا دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اسلام پر موت دے یا ہم دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں: اے اللہ! ہمیں اسلام پر زندہ رکھ، اسلام کی حالت میں ہی موت دے اور صالحین کے ساتھ ملا دے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے اسی وقت موت طلب کی ہو اور ایسا کرنا ان کی ملت میں جائز تھا جیسا کہ قتادہ کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بچھڑے ہوؤں کو ملا دیا، آپ کے سب کام سنور گئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیا اور مال و دولت، جاہ و مرتبہ، سلطنت و اقتدار سے نواز دیا تو آپ صالحین کے ساتھ مل جانے کی طرف بہت مشتاق ہو گئے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف

1۔تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 71-70 2۔تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 72، صحیح بخاری، جلد 5 صفحہ 9 صحیح مسلم، جلد 7 صفحہ 15

3۔فتح الباری، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 7 صفحہ 20، صحیح مسلم، کتاب الطب، جلد 4 صفحہ 1721-1722

علیہ السلام سے پہلے کسی نبی نے کبھی موت کی تمنا نہیں کی۔ آپ پہلے نبی ہیں جنہوں نے ایسی دعا کی (1)۔ یہ قول اس بات کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ سب سے پہلے یہ دعا کرنے والے آپ ہیں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے سب سے پہلے یہ دعا مانگی تھی: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا (نوح:28) ''میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا''۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فوری موت کے لئے دعا کی، قتادہ کے قول کا سیاق بھی اسی چیز کا مقتضی ہے۔ لیکن ہماری شریعت میں ایسی دعا جائز نہیں ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی تکلیف کے نازل ہونے کی وجہ سے تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ لازماً موت کی خواہش رکھتا ہے تو اسے یہ دعا کرنی چاہئے: اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جس وقت تک زندگی میرے لئے بہتر ہے، اور مجھے اس وقت موت دے دے جب موت میرے لئے بہتر ہو'' (2)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے: ''کسی مصیبت کے باعث کوئی موت کی خواہش نہ کرے، اگر وہ نیکوکار ہے تو اس کی نیکی میں اضافہ ہوگا اور اگر وہ گنہگار ہے تو شاید کسی وقت اسے توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے، بلکہ وہ یہ کہے: اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جس وقت تک زندگی میرے لئے باعث خیر ہے اور مجھے وفات دے دے جب وفات میرے لئے موجب خیر ہو'' (2)۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس قدر رقت انگیز وعظ فرمایا کہ کثرت گریہ کے باعث سعد بن ابی وقاص کی ہچکی بندھ گئی اور وہ کہنے لگے: کاش میں مر جاتا! تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے سعد! کیا تم میرے پاس موت کی تمنا کر رہے ہو؟'' یہ الفاظ آپ ﷺ نے تین بار دہرائے اور پھر فرمایا: ''اے سعد! اگر تمہیں جنت کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو جس قدر تمہاری عمر طویل ہوگی اور جس قدر تمہارے اعمال اچھے ہوں گے وہ تمہارے لئے بہتر ہے'' (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی کسی تکلیف کے نازل ہونے کے باعث موت کی تمنا نہ کرے اور نہ ہی اس کے آنے سے قبل اس کی دعا کرے، ہاں اگر کوئی ایسا ہو جسے اپنے اعمال پر وثوق ہو، کیونکہ جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور مومن کا عمل اس کی نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے'' (4)۔ یہ حکم اس وقت ہے جب تکلیف اور مصیبت کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہو، لیکن فتنہ اور مصیبت اگر دینی ہو تو موت کا سوال کرنا جائز ہے جیسا کہ جادوگروں نے اس وقت دعا کی تھی جب فرعون نے انہیں دین اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے قتل کی دھمکی دی: رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (الاعراف:126) ''اے ہمارے رب! انڈیل دے ہم پر صبر اور وفات دے ہمیں اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں''، حضرت مریم علیہا السلام کو جب دردزہ نے آلیا تو پریشان ہو کر کھجور کے تنے تلے چلی گئیں تو وہاں بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا: يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا (مریم:23) ''کہنے لگیں کاش! میں مر گئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل فراموش کر دی گئی ہوتی''، چونکہ بغیر خاوند کے آپ نے بچے کو جنم دیا، اس لئے آپ کو معلوم تھا کہ لوگ ان پر بدکاری کی تہمت لگائیں گے اور واقعی ایسا ہی ہوا، وہ کہنے لگے: يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ۝ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝ (مریم:28-27) ''اے مریم! تم نے بہت ہی برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی''۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس مشکل

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 73
2۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، جلد 4 صفحہ 2064، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 101 وغیرہ
3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 266-267
4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 350

صورت حال سے نکالنے کی تدبیریوں کی کہ پنگھوڑے میں کھیلتے ہوئے شیر خوار بچے کو قوت گویائی عطا فرما دی، ننھے عیسیٰ کہنے لگے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ یہ آپ کا زبردست معجزہ اور عظیم نشانی تھی۔ ایک طویل حدیث جس میں خواب اور دعا کا ذکر ہے جس کے راوی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ہیں، اس میں یہ بھی آتا ہے: اے پروردگار! جب تو کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو مجھے اس آزمائش میں ڈالے بغیر اپنے پاس بلالے (1)۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دو چیزیں ایسی ہیں جنہیں ابن آدم ناپسند کرتا ہے: وہ موت کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ موت مومن کے لئے فتنوں سے بہتر ہے اور وہ قلت مال کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ قلت مال قلت حساب کا باعث ہے'' (2)۔ الغرض دین کے متعلقہ فتنوں میں موت کا سوال جائز ہے، اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت کے آخر میں جب یہ دیکھا کہ امور بکھرتے چلے جارہے ہیں اور مشکلات میں اضافہ ہورہا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی: اے اللہ! مجھے اپنے پاس بلالے، میں لوگوں سے اور لوگ مجھ سے تنگ آچکے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب آپ آزمائش سے دوچار ہوئے اور امیر خراسان کے ساتھ بڑے بڑے معرکے پیش آئے تو آپ نے دعا کرتے ہوئے کہا کہ یا اللہ! ''مجھے وفات دیکر اپنے پاس بلالے (3)۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ (دجال کے پرفتن دور میں) ایک آدمی قبر کے پاس سے گزرے گا اور (قبر والے سے مخاطب ہوکر) کہے گا کہ کاش تیری جگہ میں ہوتا'' (4)۔ کیونکہ فتنوں، زلزلوں اور ہولناک امور کی اس قدر کثرت ہوجائے گی کہ ہر آدمی فتنہ میں مبتلا ہوگا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ برادران یوسف علیہ السلام نے اپنے والد محترم سے استغفار کی درخواست کی، آپ علیہ السلام نے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نظر کرم فرمائی، انہیں معاف فرمادیا اور ان کے تمام گناہوں کو بخش دیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا سارا خاندان مصر میں جمع کردیا تو برادران یوسف ایک دن اکٹھے ہوکر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے والد محترم اور یوسف کو ہماری وجہ سے کس قدر تکلیف پہنچی ہے؟ یہ حضرات تو ہمیں معاف کردیں گے لیکن اپنے رب کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤ گے؟ آخر کار یہ طے ہوا کہ وہ سب مل کر اپنے والد محترم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے سامنے بیٹھ گئے، حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ سب کہنے لگے: ابا جان! آج ہم آپ کی خدمت میں ایک ایسے اہم کام کے لئے آئے ہیں کہ اس جیسے کام کے لئے ہم پہلے کبھی آپ کے پاس نہیں آئے اور معاملہ بھی ایسا درپیش ہے کہ اس طرح کے معاملہ سے پہلے کبھی واسطہ نہیں پڑا، اس طرح انہوں نے اپنے والد گرامی کے جذبہ شفقت ومحبت کو جوش دلایا اور انبیائے کرام ویسے بھی بہت زیادہ رحمدل ہوتے ہیں، آپ علیہ السلام فرمانے لگے: بیٹو، معاملہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے آپ کو اور بھائی یوسف کو کس قدر تکلیف دی اور ستایا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے۔ وہ کہنے لگے کہ کیا آپ دونوں نے ہمیں معاف فرمادیا ہے؟ کہنے لگے: کیوں نہیں، پھر وہ کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں معاف نہ فرمائے تو پھر آپ دونوں کے معاف کرنے کا ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ فرمانے لگے: بیٹو، آخر تم چاہتے کیا ہو؟ وہ کہنے لگے: ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمارے لئے دعا کریں جب آپ کے پاس بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی نامہ آگیا تو اس وقت ہماری آنکھیں ٹھنڈی اور دل مطمئن ہوں گے ورنہ دنیا میں ہمیں ایک پل کے لئے بھی قرار نصیب نہیں ہوگا۔

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ ص، جلد 114-116، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 243
2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 427
3۔ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر، جلد 11، صفحہ 30
4۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 4، صفحہ 2231، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1340

چنانچہ آپ علیہ السلام قبلہ رو کھڑے ہو گئے اور یوسف علیہ السلام آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور بھائی دونوں کے پیچھے نہایت خشوع و خضوع اور عجز و نیاز سے صف بستہ ہو گئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے دعا کی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر آمین کہی، کہا جاتا ہے کہ بیس سال تک دعا قبول نہ ہوئی۔ آپ علیہ السلام انہیں ڈراتے رہے یہاں تک کہ بیس سال کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف اس بشارت کے ساتھ بھیجا ہے کہ اس نے آپ کی اس دعا کو قبول فرمالیا ہے جو آپ نے اپنے بیٹوں کے حق میں کی تھی اور ان کے گناہوں کو معاف کر دیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ آپ کے بعد انہیں نبوت سے سرفراز فرمائے گا(1)۔ یہ اثر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس کے دو راوی یزید رقاشی اور صالح مری نہایت ضعیف ہیں۔ سدی نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت کی کہ مجھے ابراہیم و اسحاق (علیہما السلام) کے پاس دفن کیا جائے۔ جب آپ علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو آپ کو حسب وصیت شام میں اپنے دادا جان اور والد گرامی کے پاس دفن کیا گیا۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

"(اے حبیب!) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کرتے ہیں آپ کی طرف۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ متفق ہو گئے تھے اس بات پر درآنحالیکہ وہ مکر رہے تھے۔ اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہیں، ایمان لانے والے۔ اور نہیں طلب کرتے آپ ان سے اس (درس ہدایت) پر کچھ معاوضہ۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت سب جہانوں کے لئے"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ سے آگاہ کیا کہ کس طرح آخرکار انہیں اپنی تائید و نصرت سے نوازا، سلطنت و اقتدار سے سرفراز کیا اور بھائیوں کی ریشہ دوانیوں کو خاک میں ملا دیا، یہ اور اس جیسے واقعات کا تعلق غیب کی گزری ہوئی خبروں کے ساتھ ہے جسے اے میرے محبوب، ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ کو سکھاتے ہیں کیونکہ ایسے واقعات میں عبرت اور نصیحت کا پہلو ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ اس وقت برادران یوسف کے پاس موجود نہیں تھے جب انہوں نے مکر و فریب سے کام لیتے ہوئے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے پر اتفاق کیا۔ اس واقعہ کی اطلاع ہم نے آپ کو بذریعہ وحی پہنچائی ہے جیسا کہ ان آیات میں آتا ہے: وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ (آل عمران:44) "اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب پھینک رہے تھے وہ (مجاور) اپنی قلمیں"، وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ (القصص:44) "اور آپ نہیں تھے (طور) کی مغربی سمت میں جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف (رسالت کا) حکم بھیجا"، وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا (القصص:46) "اور آپ (اس وقت) طور کے کنارہ پر بھی نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) ندا فرمائی"، وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا (القصص:45) "اور انہوں نے عہد خداوندی بھلا دیا" اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے تاکہ آپ پڑھ کر سناتے انہیں ہماری آیتیں"، مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (ص:70-69) "مجھے کوئی علم نہ تھا عالم بالا کے بارے

1۔ تفسیر طبری، جلد 13، صفحہ 74

میں جب وہ جھگڑ رہے تھے نہیں وحی کی جاتی میری طرف مگر یہ کہ میں فقط کھلا ڈرانے والا ہوں''، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو ایسے غیبی واقعات کی اطلاع دی ہے جن میں لوگوں کے لئے عبرت اور دارین میں نجات کا سامان موجود ہے۔ اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، اس لئے فرمایا: وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانعام:116)'' اور (اے سننے والے!) اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے''، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (الشعراء:190)۔'' بیشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے''۔

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ...... یعنی اے میرے رسول ﷺ! آپ دعوت رشد و خیر اور وعظ و نصیحت پر ان سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے بلکہ یہ فریضہ آپ محض رضائے الٰہی اور لوگوں کی خیر خواہی کی خاطر انجام دے رہے ہیں اور یہ قرآن کریم تو تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے، لوگ اسی سے نصیحت حاصل کر کے دارین میں نجات پاتے ہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝١٠٥ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝١٠٦ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝١٠٧

'' اور کتنی ہی (بے شمار) نشانیاں ہیں جو آسمانوں اور زمین (کے ہر گوشہ) میں (بجی ہوئی) ہیں جن پر یہ (ہر صبح و شام) گزرتے ہیں اور وہ ان سے روگردانی کئے ہوتے ہیں۔ اور نہیں ایمان لاتے ان میں سے اکثر اللہ کے ساتھ مگر اس حالت میں کہ وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں۔ کیا وہ بے غم ہو گئے ہیں اس بات سے کہ آئے ان پر چھا جانے والا اللہ تعالیٰ کا عذاب یا آ جائے ان پر قیامت اچانک اور انہیں اس کی آمد کا شعور تک نہ ہو''۔

اس حقیقت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ اکثر لوگ زمین و آسمان میں بکھری ہوئی مخلوقات میں پائی جانے والی نشانیوں اور دلائل توحید میں غور و فکر نہیں کرتے۔ یہ درخشاں ستارے اور سیارے، یہ گردش کرتے ہوئے افلاک، ہر چیز اللہ کے حکم کے پابند، زمین میں یہ کھیتیاں، باغات، پہاڑ، موجزن سمندر، تلاطم خیز موجیں، جنگل و بیابان، زندہ و مردہ، حیوان و نباتات، یکساں اور مختلف پھل، یہ انواع و اقسام کی مخلوقات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کبریائی کی گواہی دے رہی ہیں۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: ان کا ایمان یہ ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ زمین، آسمان اور پہاڑ کس نے پیدا کئے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے۔ پھر اس اقرار کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک بھی ٹھہراتے ہیں (1)۔ مجاہد، عطاء، عکرمہ، شعبی، قتادہ، ضحاک اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا یہی قول ہے۔ صحیحین میں ہے کہ مشرکین اپنے تلبیہ میں یہ کہتے: '' میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک ہے جسے تو نے خود شریک بنایا ہے، تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کا بھی جس کا وہ مالک ہے'' (2)۔ جب مشرکین اتنا کہتے: '' لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ '' تو رسول اللہ ﷺ فرماتے: '' بس بس'' (2)۔ یعنی اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 77

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 843

قدر ہی کافی ہے، مزید کچھ نہ کہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان: 13) ''یقیناً شرک ظلم عظیم ہے''، اور اس سے بڑھ کر کیا شرک ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی بھی عبادت کی جائے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے''(1)۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ ...... کا مصداق وہ منافق ہے جو لوگوں کے دکھلاوے کے لئے عمل کرتا ہے تو یہ اپنے ایسے عمل کے باعث مشرک ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا (النساء: 142) ''بیشک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر (وہ بھی عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ) لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر تھوڑی دیر''۔ شرک کی ایک اور قسم شرک خفی بھی ہے۔ جس کا مرتکب عموماً اسے محسوس نہیں کرتا جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک مریض کے پاس گئے تو اس کے بازو پر ایک دھاگہ بندھا ہوا پایا۔ آپ نے اسے توڑ دیا اور یہ آیت وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ ...... پڑھی۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ''(2)۔ (جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور جادو شرک ہے''(3)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: ''بدشگونی شرک ہے، اللہ تعالیٰ توکل کے ذریعے اسے دور کر دیتا ہے''(4)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب عبداللہ باہر سے گھر آتے تو دروازے پر کھنکارتے اور تھوکتے کیونکہ آپ کو یہ بات ناپسند تھی کہ وہ اچانک ہمارے پاس آ کر کوئی ایسی حالت دیکھ لیں جو انہیں بری لگے۔ ایک دن عبداللہ گھر میں داخل ہونے لگے تو حسب عادت کھنکارے، اس وقت میرے پاس ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی جو مجھے ایک وبائی بیماری کا دم کر رہی تھی۔ میں نے اسے فوراً چارپائی کے نیچے چھپا دیا۔ حضرت عبداللہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ میرے گلے میں دھاگہ دیکھ کر پوچھنے لگے کہ یہ دھاگہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ اس دھاگے پر میں نے دم کروا رکھا ہے۔ آپ نے اس دھاگے کو پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، پھر فرمایا کہ آل عبداللہ شرک سے بے نیاز ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور جادو شرک ہے''۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں حالانکہ میری آنکھ دکھتی تھی، میں فلاں یہودی کے پاس دم کروانے کے لئے جاتی تھی تو مجھے سکون آ جاتا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان کی طرف سے ہوتا تھا وہ اپنے ہاتھ سے تمہاری آنکھوں میں کچوکا مارتا۔ جب دم کیا جاتا تو وہ رک جاتا تھا، ایسی صورت حال میں یہ پڑھ لینا کافی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے: اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ، اِشْفِ وَاَنْتَ الشَّافِیْ، لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سُقْمًا(5)۔ ''اے لوگوں کے پروردگار! مصیبت کو ٹال دے، تو شفا عطا فرما، تو ہی شفاء بخشنے والا ہے، بجز تیری شفاء کے کوئی شفاء نہیں، ایسی شفاء جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی۔'' عیسیٰ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن حکیم بیمار پڑ گئے ہم ان کی عیادت کے لئے گئے، ان

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورہ بقرۃ: 22

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب النذور، جلد 7 صفحہ 18

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب، جلد 4 صفحہ 9، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 381

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب، جلد 4 صفحہ 18، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 389

5۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 381

سے کہا گیا کہ اگر آپ کوئی تعویذ وغیرہ لٹکا لیتے ؟ آپ نے فرمایا: (کیا) میں تعویذ وغیرہ لٹکا لوں حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جس نے کوئی چیز لٹکائی اسے اس کے سپرد کر دیا گیا'' (1)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ اَشْرَكَ'' (جس نے تعویذ لٹکایا، اس نے شرک کیا) (2)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''جو شخص تعویذ باندھے اللہ تعالیٰ اس کا کام پورا نہ کرے اور جس نے منکے (گلے میں) ڈالے، اللہ تعالیٰ اسے راحت نصیب نہ کرے۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث قدسی روایت کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں شرکاء سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں، جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ غیر کو شریک ٹھہرایا تو میں اسے اس کے شرک کے حوالے کر دیتا ہوں'' (3)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ اول آخر سب لوگوں کو ایسے دن (یوم قیامت) میں جمع کر دے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں تو ایک منادی یہ اعلان کرے گا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے کئے گئے عمل میں شرک کیا تھا وہ اپنے عمل کا ثواب اس (شریک) غیر اللہ سے ہی طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام شرکاء سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہے'' (4)۔ حضرت محمود بن لبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تم سے زیادہ شرک اصغر کا اندیشہ ہے۔'' صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا: ''ریاکاری، قیامت کے دن جب لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ (ریاکاروں سے) فرمائے گا کہ تم ان کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لئے تم عمل کیا کرتے تھے اور دیکھو کیا تمہیں ان کے ہاں بدلہ ملتا ہے؟'' (5)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو بدشگونی نے اپنے کام سے لوٹا دیا اس نے شرک کیا'' صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ یہ کہے: اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ وَلَا طَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ (6)۔ ''یا اللہ! کوئی بھلائی نہیں بجز تیری بھلائی کے، کوئی شگون نہیں بجز تیرے شگون کے اور کوئی معبود نہیں بجز تیرے''۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! اس شرک سے بچو کیونکہ یہ چیونٹیوں کے رینگنے سے بھی زیادہ مخفی ہے۔ عبداللہ بن حرب اور قیس بن مضارب کہنے لگے: اللہ کی قسم! آپ اس کی کوئی دلیل پیش کریں ورنہ ہم عمر کے پاس جائیں گے ہمیں اجازت ملے یا نہ ملے۔ آپ فرمانے لگے کہ میں اس کی دلیل پیش کرتا ہوں،

1۔ عارضۃ الاحوذی، کتاب الطب، جلد 8، صفحہ 229، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 310 — 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 156-154

مؤثر حقیقی اور فاعل مستقل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مخلوق میں سے کسی کو مؤثر حقیقی اور فاعل مستقل یقین کرنا شرک ہے اس لئے وہ منتر، دم، جھاڑ پھونک، نقوش اور تعویذ قطعاً حرام اور ممنوع ہیں جن میں شرک یا شرکیہ اعمال کا شائبہ تک پایا جاتا ہو۔ جن احادیث میں تعویذ، دم، جھاڑ پھونک وغیرہ کی ممانعت کی گئی ہے ان سے اسی قسم کے شرکیہ اعمال مراد ہیں لیکن ایسا دم یا تعویذ جس میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اسم مبارک یا قرآن وحدیث میں سے کچھ الفاظ موجود ہوں، وہ بالکل جائز ہے۔ حضور اکرم ﷺ خود بھی اپنے آپ کو دم فرمایا کرتے، صحابہ کرام پر بھی دم کرتے اور حسنین کریمین کو بھی۔ آپ ﷺ حسنین کریمین کو ان الفاظ کے ساتھ دم فرماتے: ''اعيذ كما بكلمات الله التامة من كل شيطان وهامة ومن كل عين لامة''۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی طبیعت ناساز ہوگئی، جبریل امین علیہ السلام عیادت کے لئے حاضر ہوئے اور ان کلمات کے ساتھ آپ ﷺ کو دم کیا: ''باسم الله ارقيك من كل شيء يوذيك من شر كل نفس او عين حاسد، الله يشفيك، باسم الله ارقيك'' (میں اللہ کا نام لے کر آپ کو دم کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کو اذیت دے اور ہر نفس کی شر اور حاسد کی نظر سے، اللہ آپ کو شفا دے، میں اللہ کا نام لے کر آپ کو دم کرتا ہوں)۔

ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ اذن الٰہی کے بغیر کوئی چیز نفع نہیں پہنچاتی۔ اگر ادویات، جڑی بوٹیاں اور ٹیکے وغیرہ اذن الٰہی سے تاثیر رکھتے ہیں اور صحت و عافیت کا سبب بن جاتے ہیں تو اسمائے حسنیٰ اور آیات و احادیث اذن الٰہی سے کیوں مؤثر نہیں ہو سکتے۔

3۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2289 — 4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 215

5۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 428 — 6۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 220

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! شرک سے بچو کیونکہ یہ چیونٹیوں کے رینگنے سے بھی زیادہ مخفی ہے۔'' ایک آدمی عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! جب یہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے تو ہم کیونکر اس سے بچ سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہا کرو: اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ نُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَعْلَمُهٗ وَنَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا نَعْلَمُهٗ(1)۔ ''یا اللہ! ہم اس بات سے تیری پناہ مانگتے ہیں کہ تیرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائیں جسے ہم جانتے ہیں، اور جسے نہیں جانتے اس سے تیری مغفرت طلب کرتے ہیں''۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شرک تم میں چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ مخفی ہے۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: شرک تو یہی ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی پکارے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''شرک تم میں چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ مخفی ہے''، پھر فرمایا: کیا میں تمہاری رہنمائی ایسی چیز پر نہ کردوں جس سے تمام چھوٹا بڑا شرک جاتا رہے؟ یہ کہا کرو: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ(2)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں شرک پتھر پر چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! اس سے نجات کیونکر ممکن ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہاری رہنمائی ایسی دعا پر نہ کردوں کہ جب تم اسے پڑھو تو ہر چھوٹے بڑے اور کم زیادہ شرک سے بری ہو جاؤ؟'' عرض کی: یارسول اللہ! ضرور بتلایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ پڑھا کرو: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ...... 'یک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے ایسی دعا سکھایئے جسے میں صبح و شام اور سوتے وقت پڑھ لیا کروں تو آپ نے اس دعا کی تلقین کی: اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَةِ رَبَّ كُلِّ شَیْءٍ وَمَلِیْكَهٗ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ الشَّیْطَانِ وَشِرْكِهٖ(3)۔ ''اے اللہ! زمین و آسمان کے خالق، ظاہر و باطن کے عالم، ہر چیز کے رب اور مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں اپنے نفس کی شر سے، شیطان کی شر سے اور شرک سے تیری پناہ مانگتا ہوں''۔ مسند احمد میں اس روایت کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے: وَاَنْ اَقْتَرِفَ عَلٰی نَفْسِیْ سُوْءً اَوْ اَجُرَّهٗ اِلٰی مُسْلِمٍ ''میں اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے حق میں یا کسی مسلمان کے ساتھ برائی کا ارتکاب کروں''(4)۔

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِیَهُمْ...... یعنی کیا یہ مشرک اللہ تعالیٰ کے چھا جانے والے عذاب سے بے خوف ہو گئے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۝ اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (النحل: 47-45) ''کیا بے خوف (اور نڈر) ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے برے مکر کئے کہ مبادا گاڑ دے اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں یا آ جائے ان پر عذاب اس طرح کہ (ان کو اس کی آمد کا) شعور ہی نہ ہو یا پکڑ لے انہیں جب وہ (اپنے کاروبار میں) دوڑ دھوپ کر رہے ہوں پس نہیں وہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے یا انہیں پکڑ لے جب وہ خوف زدہ ہو چکے ہوں، پس ہے تمہارا رب بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''، اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ۝ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓی اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ (الاعراف: 99-97) ''تو کیا بے خوف ہو گئے ان بستیوں والے اس سے کہ آ جائے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات اس حال میں کہ وہ سو رہے ہوں یا کیا بے

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 403
2۔ مسند ابی یعلی، جلد 1 صفحہ 61-63، مجمع الزوائد، جلد 1 صفحہ 224
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 316-317، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 12 صفحہ 279
4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 14

خوف ہو گئے ان بستیوں والے اس سے کہ آجائے ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت جبکہ وہ کھیل کود رہے ہوں۔ تو کیا یہ بے خوف ہو گئے ہیں اللہ کی خفیہ تدبیر سے، پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ کی خفیہ تدبیر سے سوائے اس قوم کے جو نقصان اٹھانے والی ہوتی ہے"۔

هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۱۰۸

"آپ فرما دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف۔ واضح دلیل پر ہوں میں اور (وہ بھی) جو میری پیروی کرتے ہیں۔ اور ہر عیب سے پاک ہے اللہ تعالیٰ اور نہیں ہوں میں مشرکوں سے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جنہیں تمام جن وانس کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، حکم دے رہا ہے کہ آپ لوگوں کو آگاہ کر دیں کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت، وحدانیت اور کبریائی کی دعوت دینا ہی میرا طریقہ، مسلک اور سنت ہے، میں اور میرے پیروکار یقین، بصیرت اور دلیل کے ساتھ یہ دعوت دینے میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شریک، نظیر، عدیل، مد مقابل، اولاد، والد، بیوی، وزیر اور مشیر سے منزہ، مبرا، اعلیٰ، اعظم اور مقدس ہے۔ وہ پاک ہے اور ہر چیز سے برتر ہے: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (بنی اسرائیل: 44) "پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز ان میں موجود ہے۔ اور (اس کائنات میں) کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ بیشک وہ بہت بردبار، بہت بخشنے والا ہے"۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۱۰۹

"اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے۔ کیا یہ (منکر) لوگ سیر وسیاحت نہیں کرتے زمین میں تاکہ وہ دیکھیں کہ کیا ہوا تھا انجام ان (منکرین) کا جو ان سے پہلے (ہو گزرے) تھے۔ اور دار آخرت یقیناً بہتر ہے ان کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں (اے سننے والو!) کیا تم نہیں سمجھتے"۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں میں سے رسول مبعوث فرمائے ہیں نہ کہ عورتوں میں سے، یہ جمہور علماء کا قول ہے جیسا کہ یہ آیت بھی اسی چیز پر دلالت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کی طرف تشریعی وحی نہیں کی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم بنت عمران نبیہ تھیں، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ملائکہ نے حضرت سارہ کو بیٹے اسحاق اور پوتے یعقوب کی بشارت دی اور ام موسیٰ کو وحی کی جیسا کہ فرمایا: وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ (القصص: 7) "اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہ"، اور یہ کہ فرشتوں نے آکر حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی، قرآن کریم فرماتا ہے: وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰي نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ ۴۲ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (آل عمران: 43-42) "اور جب کہا فرشتوں نے

اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے تمہیں اور خوب پاک کر دیا ہے تمہیں اور پسند کیا ہے تجھے سارے جہان کی عورتوں سے اے مریم! خلوص سے عبادت کرتی رہ اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ''، یہ مقام اگرچہ ان مستورات کو حاصل ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نبیہ بھی ہیں۔ اگر نبوت سے مقصد صرف ان کا مقام ومرتبہ اور شرف ہو تو اس میں کوئی شک نہیں لیکن منصب نبوت پر فائز ہونے کے لئے کیا یہ کافی ہے؟ اہل سنت وجماعت کا یہ موقف ہے اور اسے ہی امام ابوالحسن اشعری نے نقل کیا ہے کہ عورتوں میں کوئی نبیہ نہیں بلکہ صدیقات ہیں جیسا کہ سب سے افضل عورت حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا: مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ (المائدۃ:75) ''نہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول۔ گزر چکے ہیں اس سے پہلے بھی کئی رسول اور ان کی ماں بڑی راستباز تھیں دونوں کھایا کرتے تھے کھانا''، اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے اعلیٰ مقام کو ذکر کرتے ہوئے انہیں صدیقہ کہا ہے، اگر وہ نبیہ ہوتیں تو اس تشریف واعزاز کے مقام پر انہیں نبیہ کہا جاتا، بہرصورت آپ قرآن کریم کے مطابق صدیقہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر بسنے والے انسانوں میں سے پیغمبر بھیجے نہ کہ آسمان سے فرشتے، اس قول کی تائید ان آیات سے بھی ہوتی ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ (الفرقان:20) ''اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں''، وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ۝ ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ (الانبیاء:9-8) ''اور نہیں بنائے ہم نے ان انبیاء کے (ایسے) جسم کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے۔ پھر ہم نے سچا کر دکھایا انہیں (جو) وعدہ (ہم نے ان سے کیا تھا) پس ہم نے نجات دی انہیں اور ان لوگوں کو جن کو ہم نے (بچانا) چاہا اور ہم نے ہلاک کر دیا حد سے بڑھنے والوں کو''، قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف:9) ''آپ کہیے میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں''۔ اللہ تعالیٰ نے اہل قری (شہر والوں) سے پیغمبر مبعوث فرمائے، اہل بادیہ میں سے نہیں کیونکہ بادیہ نشین عموماً سخت مزاج اور بداخلاق ہوتے ہیں جبکہ شہری عموماً متمدن، تہذیب یافتہ، نرم مزاج اور خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ دیہاتی اور بستیوں کے رہنے والے بھی تقریباً بادیہ نشینوں کی طرح ہوتے ہیں اس لئے فرمایا: الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا (التوبۃ:97) ''اعرابی زیادہ سخت ہیں کفر اور نفاق میں''، قتادہ کہتے ہیں کہ شہری علاقوں سے پیغمبر چننے کی وجہ یہ ہے کیونکہ شہری زیادہ علم وحلم والے ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ کسی بدو نے رسول خدا ﷺ کو اونٹنی کا تحفہ دیا۔ آپ ﷺ اسے عطا فرماتے رہے، وہ مزید مانگتا رہا، آپ مزید عطا فرماتے رہے پھر وہ راضی ہوا۔ آپ ﷺ فرمانے لگے: ''میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ سوائے کسی قریشی، انصاری، ثقفی یا دوسی کے کسی اور سے ہبہ قبول نہیں کروں گا''(1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہتا ہے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرتا ہے وہ اس مومن سے بہتر ہے جو نہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور نہ ان کی ایذاء رسانی پر صبر کرتا ہے''(2)۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ...... یعنی کیا یہ جھٹلانے والے زمین میں گھومے پھرے نہیں تاکہ انہیں گزشتہ جھٹلانے والی قوموں کے انجام کا علم ہو جاتا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں نیست ونابود کر دیا جیسا کہ فرمایا: أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا (الحج:46) ''کیا انہوں نے سیر وسیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ (ان کھنڈرات کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 295 2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 43

(حق) کو سمجھ سکتے"۔ جب یہ لوگ گزشتہ قوموں کی بربادی کے متعلق داستانیں سن لیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو ہلاک کر دیا اور مومنین کو نجات بخشی اور یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے، اس لئے فرمایا: وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا یعنی جس طرح ہم دنیا میں اہل ایمان کو نجات عطا فرماتے ہیں اسی طرح آخرت میں بھی ان کے لئے نجات مقدر ہے اور یہ دنیا سے بہت بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (المومن: 52-51) "بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے۔ اس روز نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور ان کے لئے لعنت ہوگی۔ اور ان کے لئے (دوزخ کا) بدترین گھر ہوگا"۔ آیت کریمہ میں دار کی اضافت "الْاٰخِرَةِ" کی طرف کر کے فرمایا: وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ جس طرح کہا جاتا ہے: "صَلٰوةُ الْاُوْلٰى"، "مَسْجِدُ الْجَامِعِ"، "عَامُ الْاَوَّلِ"، "بَارِحَةُ الْاُوْلٰى" اور "يَوْمُ الْخَمِيْسِ"۔

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝110

"جب (نصیحت کرتے کرتے) مایوس ہو گئے رسول اور وہ منکرین گمان کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے اس وقت آ گئی ان کے پاس ہماری مدد۔ پس بچا لیا گیا (عذاب سے) جس کو ہم نے چاہا۔ اور نہیں ٹالا جا سکتا ہمارا عذاب اس قوم سے جو جرائم پیشہ ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ انتہائی مشکل حالات میں ضرورت پڑنے پر بروقت اپنے پیغمبروں کی مدد فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ (البقرۃ: 214) "اور وہ لرز اٹھے یہاں تک کہ کہہ اٹھا (اس زمانہ کا) رسول اور جو ایمان لے آئے تھے اس کے ساتھ کب آئے گی اللہ کی مدد؟"، آیت کریمہ میں "كُذِبُوْا" اور "كُذِّبُوْا" (تشدید کے ساتھ) دونوں قرأتیں ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے ذال کی تشدید کے ساتھ پڑھتیں۔ بخاری شریف میں ہے، حضرت عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا یہ لفظ "كُذِبُوْا" ہے یا "كُذِّبُوْا؟" حضرت عائشہ نے فرمایا: "كُذِّبُوْا"۔ میں نے گزارش کی کہ پیغمبروں کو تو اس بات کا یقین تھا کہ ان کی قوم نے انہیں جھٹلایا ہے تو پھر ظن کے کیا معنی ہوئے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاں واقعی انہیں اس بات کا یقین تھا۔ میں نے عرض کی: پھر "كُذِبُوْا" ہوگا یعنی ان کے ساتھ جھوٹ بولا گیا؟ آپ فرمانے لگیں: معاذ اللہ! پیغمبر اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ گمان نہیں کر سکتے۔ میں نے پوچھا: پھر اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ پیغمبروں کے پیروکار تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی لیکن ان پر آزمائش لمبی ہوگئی اور نصرت الٰہی میں تاخیر ہوگئی یہاں تک کہ رسول بھی اپنی قوم کے جھٹلانے والے لوگوں سے مایوس ہو گئے اور انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ اب ان کے پیروکار بھی انہیں جھٹلانے لگے ہوں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے پاس آ پہنچی (1)۔ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس اسے "كُذِبُوْا"، تخفیف کے ساتھ پڑھتے، آپ نے اس طرح پڑھ کر مجھے فرمایا کہ انہیں فتح و نصرت کا مژدہ سنایا گیا، پھر آپ نے اس آیت کی

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ یوسف، جلد 8 صفحہ 367

تلاوت کی: حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (البقرۃ: 214)'' یہاں تک کہ کہہ اٹھا (اس زمانہ کا) رسول اور جو ایمان لے آئے تھے اس کے ساتھ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ سن لو یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے''۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس قرأت کا انکار کرتیں اور تشدید کے ساتھ ہی پڑھتیں۔ آپ فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے ساتھ جتنے وعدے کئے، آپ کو ان کے متعلق یقین تھا کہ وہ ہر صورت میں پورے ہو کر رہیں گے۔ وصال تک یہی کیفیت رہی لیکن پہلے پیغمبروں پر مسلسل آزمائشیں آتی رہیں یہاں تک کہ انہوں نے گمان کرلیا ہے کہ ان کے ساتھی اہل ایمان کہیں انہیں جھٹلانے پر آمادہ نہ ہو گئے ہوں (1)۔ ایک شخص قاسم بن محمد کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ محمد بن کعب قرظی ''كُذِبُوا'' پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ''كُذِّبُوا'' پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ دوسری قرأت ''كُذِبُوا'' تخفیف کے ساتھ ہے۔ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس میں نقطہ نظر اوپر گزر چکا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو اسی طرح پڑھا اور فرمایا کہ یہی وہ ہے جسے تو ناپسند کرتا ہے (2)۔ حضرات ابن عباس اور ابن مسعود سے یہ روایت اس روایت کے مخالف ہے جو اوروں نے ان دونوں حضرات سے کی ہے۔ اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب پیغمبر اپنی دعوت کے قبول کئے جانے سے مایوس ہو گئے اور قوم نے یہ گمان کیا کہ پیغمبروں نے ان سے جھوٹ بولا ہے تو اس وقت اللہ کی مدد آ پہنچی اور جسے اللہ تعالیٰ نے چاہا بچا لیا (3)۔ ایک نوجوان قریشی نے حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا: اے ابوعبداللہ! اس لفظ کو کیسے پڑھیں گے، کیونکہ جب بھی میں تلاوت کرتے ہوئے اس لفظ پر پہنچتا ہوں تو تمنا کرتا ہوں کہ اس سورت کو نہ ہی پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب انبیاء اپنی قوم کی تصدیق سے مایوس ہو گئے اور قوم یہ سمجھنے لگی کہ رسولوں نے جھوٹ بولا ہے۔ یہ سن کر حضرت ضحاک خوشی سے کہنے لگے کہ کسی صاحب علم سے میں نے ایسا جواب نہیں سنا، اگر مجھے ایسے جواب کے لئے یمن بھی جانا پڑتا تو معمولی بات تھی (4)۔ مسلم بن یسار نے حضرت سعید بن جبیر سے جب یہ سوال پوچھا تو آپ نے انہیں بھی یہی جواب دیا۔ یہ جواب سن کر انہوں نے حضرت سعید کو گلے لگا لیا اور یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات دور کرے جس طرح آپ نے میری مشکل دور کی (5)۔ بہت سے مفسرین نے اسی طرح اس کی تفسیر بیان کی ہے۔ مجاہد نے تو اسے پڑھا ہی ''كَذَبُوا'' ہے یعنی ذال کی زبر کے ساتھ۔ بعض مفسرین نے ''ظَنُّوٓا'' میں ضمیر فاعل کو مومنین کی طرف لوٹایا ہے اور بعض نے کفار کی طرف یعنی کفار نے یہ گمان کیا کہ پیغمبر اس بات میں جھوٹے ہیں کہ ان کے ساتھ مدد کا وعدہ کیا گیا ہے (6)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ جب پیغمبر اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور نصرت الٰہی میں تاخیر کے وقت ان کی قوم نے یہ گمان کیا کہ ان کے ساتھ جھوٹ بولا گیا ہے۔ یہ دو روایتیں ہیں جو حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کی گئی ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا بالکل انکار کرتی ہیں۔ ابن جریر نے حضرت عائشہ کے موقف کی تائید کی ہے اور اسے ہی پسند کیا ہے جبکہ دوسرے قول کی تردید کی ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 87 — 2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 86 — 3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 82

4۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 84 — 5۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 88 — 6۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 85

''بلا شبہ پہلی قوموں (کے عروج وزوال) کی داستانوں میں (درس) عبرت ہے سمجھداروں کے لئے۔ نہیں ہے یہ قرآن ایسی بات جو (یونہی) گھڑلی گئی ہو۔ بلکہ یہ تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور یہ (قرآن) ہر چیز کی تفصیل ہے اور سراپا ہدایت ورحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایمان لاتی ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انبیاء ورسل، اہل ایمان کی نجات اور اہل کفر کی بربادی کے واقعات میں عقلمندوں کے لئے درس عبرت ہے۔ یہ قرآن کریم ایسا نہیں جسے جھوٹ موٹ گھڑ لیا گیا ہو، بلکہ یہ سابقہ آسمانی کتب کی صحیح باتوں کی تصدیق کرتا ہے اور ان میں وقوع پذیر ہونے والی تحریف اور تغیر وتبدل کی نفی کرتا ہے۔ کسی چیز کو منسوخ کرنے یا برقرار رکھنے میں یہ فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔ اس کتاب میں حلال و حرام، محبوب ومکروہ، طاعات، واجبات، مستحبات، مکروہات، محرمات، اخبار ماضی، غیوب استقبال، اسماء وصفات وتنزیہہ باری تعالیٰ اور دیگر تمام قسم کے امور کی تفصیلات درج ہیں، اس لئے فرمایا: وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ یعنی اس کے ذریعے دل گمراہی سے ہدایت پاتے ہیں اور دنیا وآخرت میں رحمت الٰہی طلب کرتے ہیں۔ ہم بھی التجا کرتے ہیں کہ ہمیں بھی اللہ ان اہل ایمان میں شامل فرمائے جس دن چمکتے دمکتے چہروں والے کامیاب ہوں گے اور سیاہ چہروں والے ناکام۔

سورۂ رعد (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓـمّٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ ؕ وَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ الۡحَقُّ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱﴾

''الف۔لام۔را۔یہ آیتیں ہیں کتاب (الٰہی) کی اور جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے، وہ حق ہے لیکن اکثر لوگ (اپنی کج فہمی کے باعث) ایمان نہیں لاتے''۔

سورتوں کے اوائل میں آنے والے حروف مقطعات کے متعلق بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ کسی سورت کے آغاز میں ان حروف کے لانے کا مقصد قرآن کریم کی برتری اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت فراہم کرنا ہے، اس لئے فرمایا: تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ۔ کتاب سے مراد قرآن کریم ہے اور بقول مجاہد وقتادہ اس سے مراد تورات اور انجیل ہے لیکن اس قول میں کچھ کلام ہے بلکہ یہ حقیقت سے بعید ہے۔ جس طرح صفات کا باہم عطف کیا جاتا ہے اس طرح عطف کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ...... یعنی اے میرے رسول! آپ کی طرف جو آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے۔ ''الۡحَقُّ'' خبر ہے، اس کا مبتدا الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ...... پہلے مذکور ہے۔ یہی صحیح اور مجاہد وقتادہ کی تفسیر کے مطابق ہے۔ ابن جریر کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ واو زائدہ ہے یا عاطفہ یعنی صفت کا صفت پر عطف ہے جیسا کہ پہلے ہم نے بیان کیا۔ انہوں نے بطور دلیل یہ شعر پیش کیا ہے:

اِلَی الۡمَلِکِ الۡقَرۡمِ وَابۡنِ الۡهُمَامِ وَلَیۡثِ الۡکَتِیۡبَةِ فِی الۡمُزۡدَحَمۡ (1)

آیت کے آخر میں فرمایا: وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَاۤ اَکۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ (یوسف:103) ''اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہیں، ایمان لانے والے''، یعنی اس بیان اور وضاحت کے باوجود اکثر لوگ اپنے عناد، ہٹ دھرمی، مخالفت اور نفاق کے باعث ایمان نہیں لاتے۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَہَا ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّکُمۡ تُوۡقِنُوۡنَ ﴿۲﴾

''اللہ وہ (قدرت وحکمت والا ہے) جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے (جیسے) تم انہیں دیکھ رہے ہو پھر وہ متمکن ہوا عرش پر اور پابند حکم بنا دیا سورج اور چاند کو۔ ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک اللہ تعالیٰ تدبیر فرماتا ہے ہر کام کی کھول کر

1۔معانی القرآن للفراء، جلد 1 صفحہ 52، جلد 2، صفحہ 58 اور صفحہ 286 تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 92

بیان کرتا ہے (اپنی) نشانیوں کو شاید تم اپنے رب سے ملاقات کا یقین کرلو''۔

اللہ تعالیٰ اپنی کمال قدرت اور عظمت سلطنت کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے اذن اور حکم سے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا۔ یہ اس کے اذن، امر اور تسخیر کا کرشمہ ہے کہ اس نے آسمانوں کو زمین سے اتنی دوری پر رکھا ہے کہ نہ انہیں پایا جا سکتا ہے اور نہ ان کی انتہاء کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ آسمان دنیا زمین کو پانی اور ہوا سمیت ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور ہر جانب سے یہ زمین پر یکساں بلند ہے۔ ہر سمت سے زمین اور پہلے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور اس کی موٹائی کو طے کرنے میں بھی پانچ سو سال لگتے ہیں، پھر دوسرا آسمان پہلے آسمان (آسمان دنیا) اور اس کی تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ ان دونوں کے درمیان پانچ سو سال کی دوری ہے، اسی طرح اس کی موٹائی کو طے کرنے میں بھی پانچ سو سال لگتے ہیں، اسی طرح بقیہ آسمان ہیں جیسا کہ فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (الطلاق:12) ''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین کو بھی انہی کی مانند''۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''ساتوں آسمان اور جو کچھ ان میں اور ان کے درمیان ہے وہ کرسی کے مقابلے میں یوں ہے جیسے چٹیل میدان میں کوئی حلقہ ہو اور عرش کے مقابلہ میں کرسی یوں ہے جیسے وسیع میدان میں حلقہ''۔ ایک روایت میں آتا ہے: ''عرش کی قدر اللہ عزوجل کے سوا کسی کو معلوم نہیں'' (1)۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ عرش سے زمین تک دوری پچاس ہزار سال کی ہے اور اس کے دو قطروں کے درمیان پچاس ہزار سال کی مسافت ہے اور یہ (عرش) سرخ یاقوت کا بنا ہوا ہے۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، حسن اور قتادہ وغیرہ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا کے متعلق کہتے ہیں کہ آسمان کے ستون تو ہیں لیکن دکھائی نہیں دیتے۔ ایاس بن معاویہ کہتے ہیں کہ آسمان زمین پر قبہ کی طرح ہے (2)۔ یعنی بغیر ستون کے، قتادہ سے بھی یہی مروی ہے اور یہی قول سیاق آیت کے زیادہ لائق اور مناسب ہے اور اس آیت وَ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (الحج:65) ''اور اس نے روکا ہوا ہے آسمان کو کہ گر نہ پڑے زمین پر بجز اس کے فرمان کے''، سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس صورت میں ''تَرَوْنَهَا'' اس نفی کی تاکید ہوگی یعنی بغیر ستونوں کے آسمانوں کو بلند کیا گیا ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اور یہی کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ امیہ بن ابی الصلت کے اشعار میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر کیا گیا ہے جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ اس کی شاعری مومنانہ تھی لیکن اس کا دل کافر اور یہ بھی روایت ہے کہ یہ اشعار حضرت زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے: ''تو ہی وہ خدا ہے جس نے اپنے فضل و کرم سے موسیٰ کو رسول مبعوث فرمایا اور ان سے فرمایا کہ تم اور ہارون سرکش فرعون کو دعوت توحید دینے کے لئے جاؤ اور اس سے پوچھو کہ کیا تو نے بغیر میخوں کے یہ زمین بچھائی ہے یہاں تک کہ یہ اس طرح قرار پذیر ہوگئی ہے؟ کیا تو نے بغیر ستونوں کے یہ آسمان بلند کئے ہیں اور ان کے اوپر والی چیزیں بنائی ہیں؟ کیا تو نے آسمان کے وسط میں روشن چاند پیدا کیا جو تاریک رات میں راہنما کا کام دیتا ہے؟ اس سے کہو: صبح صبح سورج کو کون بھیجتا ہے جو زمین کو اپنی حرارت اور روشنی فراہم کرتا ہے؟ مٹی میں سے دانوں کو کون اگاتا ہے جن کی وجہ سے زمین پر سبزہ نمودار ہوجاتا ہے اور ہرے بھرے کھیت لہلہانے لگ جاتے ہیں؟ ہر صاحب شعور اور عقلمند کے لئے ان چیزوں میں قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں (3)۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کی تفسیر سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے (4)۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ یہ جس طرح بیان ہوا اسے ویسا ہی چھوڑ دیا

1۔ دونوں روائتوں کا تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 255
2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 94
3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 228
4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف: 54

جائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تکییف، تشبیہ، تعطیل اور تمثیل سے پاک اور بہت بلند ہے۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ...... بعض نے اس سے یہ مراد لیا ہے کہ سورج اور چاند روز قیامت اپنے انقطاع تک برابر اسی طرح چلتے رہیں گے جیسا کہ فرمایا: وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا (یٰسین: 38) ''اور (یہ) آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف''، بعض نے یہ مراد لیا ہے کہ دونوں اپنے مستقر (ٹھکانے) کی طرف رواں ہیں، اور ان کا مستقر عرش کے نیچے وہ جگہ ہے جو زمین کے بطن کے ساتھ دوسری جانب سے متصل ہے۔ جب سورج، چاند اور تمام ستارے اس جگہ پہنچ جاتے ہیں تو وہ عرش اور دور ہو جاتے ہیں کیونکہ صحیح بات جس پر دلائل موجود ہیں وہ یہ ہے کہ عرش قبہ ہے جو عالم کے ساتھ متصل ہے اور وہ باقی افلاک کی طرح محیط نہیں، اس لئے کہ اس کے پائے بھی ہیں اور اس کے اٹھانے والے بھی ہیں اور اس بات کا فلک متدیر (گول آسمان) کے بارے میں تصور نہیں کیا جا سکتا۔ آیات و احادیث صحیحہ میں غور و فکر کرنے والے پر یہ بات واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف سورج اور چاند کا ذکر کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں سات سیاروں میں سب سے زیادہ نمایاں، اعلیٰ اور اعظم ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو مسخر کر لیا تو باقی ستاروں کی تسخیر تو بدرجہ اولیٰ ہوگی جیسا کہ اس آیت میں متنبہ فرمایا: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (حم السجدۃ: 37) ''مت سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے۔ اگر تم واقعی اس کے پرستار ہو''، ایک اور مقام پر اس نے صراحت سے بیان فرما دیا: وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (الاعراف: 54) ''اور (پیدا فرمایا) سورج اور چاند اور ستاروں کو وہ سب پابند ہیں اس کے حکم کے۔ سن لو! اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''، آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر امر کی تدبیر فرماتا ہے اور ایسے دلائل اور نشانیاں تفصیل سے بیان کرتا ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ مخلوق کو دوبارہ زندہ کر کے لوٹانے پر قادر ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۴

''اور وہ وہی ہے جس نے پھیلا دیا زمین کو اور بنا دیئے اس میں پہاڑ اور دریا۔ اور ہر قسم کے پھلوں میں سے دو دو جوڑے بنا دیئے وہ ڈھانپ دیتا ہے رات سے دن کو بیشک ان تمام چیزوں میں (اس کی قدرت کی) نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو غور و فکر کرتے رہتے ہیں اور زمین میں (مختلف قسم کے) ٹکڑے ہیں جو قریب قریب ہیں اور باغات ہیں انگوروں کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں، کچھ ایک تنے سے پھوٹی ہیں اور کچھ الگ الگ تنوں سے سیراب کیا جاتا ہے ایک ہی پانی سے (اس کے باوجود) ہم فضیلت دیتے ہیں بعض (درختوں) کو بعض پر ذائقہ اور بو میں بیشک ان میں (اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی) نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو عقل مند ہو''۔

عالم علوی میں اپنی قدرت کی نشانیاں بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ عالم سفلی میں پائے جانے والے اپنی قدرت وحکمت کے شاہکاروں کی طرف توجہ مبذول کرا رہا ہے، فرمایا کہ وہی ذات ہے جس نے زمین کو بچھایا، طول وعرض میں اسے وسعت بخشی، اس میں بلند وبالا پہاڑ گاڑ دیئے اور اس میں دریا، ندی نالے اور چشمے جاری کر دیئے تاکہ رنگ، شکل، ذائقہ اور بو میں مختلف انواع واقسام کے پھلوں کو سیراب کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شکل کے دو دو جوڑے پیدا کئے۔ وہی رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے۔ دن اور رات یکے بعد دیگرے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس طرح مکان اور مکینوں میں تصرف کرتا ہے اسی طرح زمانے میں بھی اسی کا ہی تصرف ہے۔ ان نعمتوں، حکمتوں اور دلائل میں غور وفکر میں کام لینے والی قوم کے لئے قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں۔

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ یعنی قطعات اراضی تو قریب قریب ہیں لیکن اس کے باوجود کچھ ٹکڑے زرخیز ہوتے ہیں جو اپنی پیداوار سے لوگوں کو نفع پہنچاتے ہیں لیکن کچھ ٹکڑے بنجر اور شور یلے ہوتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر اور ضحاک وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ اس آیت میں قطعات اراضی کے رنگوں کا مختلف ہونا بھی داخل ہے، کوئی سرخ ہے، کوئی سفید، کوئی زرد، کوئی سیاہ، کوئی ٹکڑا پتھریلا ہے، کوئی ہموار میدان، کوئی ریتلا، کوئی سخت، کوئی نرم، کہیں نشیب اور کہیں فراز حالانکہ تمام ٹکڑے قریب قریب واقع ہیں۔ یہ تمام چیزیں اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ان چیزوں کا ایک فاعل خود مختار ہے جس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ رب۔

زَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ کا عطف اگر ''جَنّٰتٌ'' پر کیا جائے تو انہیں مرفوع پڑھیں گے اور اگر ''اَعْنَابٍ'' پر عطف ہو تو مجرور۔ یہ دونوں قراءتیں علماء سے مروی ہیں (1)۔ ''صِنْوَانٌ'' سے مراد وہ مختلف تنے ہیں جو ایک ہی جگہ میں مجتمع ہوں جیسے انار، انجیر اور بعض کھجوریں اور غَيْرُ صِنْوَانٍ سے مراد وہ ہے جس کا ایک ہی تنا ہو جیسے تمام درخت، اسی سے ہے: ''عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ'' (آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہوتا ہے) جیسا کہ یہ حدیث شریف میں بھی آیا ہے (2)۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''صِنْوَانٌ'' سے مراد وہ کھجوریں ہیں جن کا تنا ایک ہو اور غَيْرُ صِنْوَانٍ سے مراد وہ کھجور کے درخت ہیں جن کے تنے متفرق ہوں۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، ضحاک، قتادہ، عبدالرحمن بن زید بن اسلم وغیرہ کا یہی قول ہے۔

يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ردی، عمدہ، شیریں اور تلخ'' (3)۔ یعنی یہ انواع واقسام کے پھل اور کھیتیاں رنگ، بو، ذائقہ، شکل، پتوں اور پھول کلیوں میں مختلف ہیں۔ ایک انتہائی شیریں اور دوسری انتہائی تلخ، ایک خوش ذائقہ اور دوسری بدمزہ۔ کسی کا رنگ پیلا، کسی کا سرخ، کسی کا سفید، کسی کا سیاہ اور کسی کا نیلا حالانکہ ان تمام کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ قدرت کی ان نیرنگیوں اور کرشمہ سازیوں میں ہر عقل مند صاحب شعور کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت اور وحدانیت کی نشانیاں ہیں اور ان چیزوں میں فاعل خود مختار کے وجود کی بہت بڑی دلیل ہے جس کی قدرت سے ان چیزوں میں تفاوت پایا جاتا ہے اس لئے فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵

1۔ دیکھئے الاقناع لابن الباذش، جلد 2 صفحہ 675 2۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 676-677، سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 115

3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ رعد، جلد 11 صفحہ 284

"اے سننے والے! اگر تو (ان کے تعصب پر) حیران ہوتا ہے تو حیرت انگیز ان کا یہ قول بھی ہے کہ کیا جب ہم (مر کر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں نئے سرے سے (دوبارہ) پیدا کیا جائے گا۔ یہی (منکرین قیامت) وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا۔ اور انہیں (بدنصیبوں) کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی لوگ جہنمی ہیں۔ وہ اس (آگ) میں ہمیشہ رہنے والے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرمارہا ہے کہ یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور ایسے دلائل کا مشاہدہ کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتے ہیں اور یہ اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اس نے ہر چیز کو عدم سے وجود بخشا پھر یہ مخلوق کو دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے ہیں حالانکہ اس سے زیادہ تعجب خیز چیز کا وہ خود اقرار کر چکے ہیں تو اے میرے محبوب! اگر آپ کو ان مشرکین کے قیامت کو جھٹلانے پر تعجب ہے تو اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ان کا یہ قول ہے کہ "کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں پھر زندہ کیا جائے گا؟" حالانکہ ہر عالم اور ہر عقلمند یہ جانتا ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق انسان کی تخلیق سے کہیں بڑی ہے اور دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کی نسبت آسان ہے جیسا کہ فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (الاحقاف:33) "کیا انہوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ذرا تھکن محسوس نہ کی ان کے بنانے میں وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کردے۔ بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے"، پھر جھٹلانے والوں کے متعلق فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ......۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰي ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

"اور یہ تیزی سے مطالبہ کرتے ہیں آپ سے برائی (عذاب) کا نیکی (یعنی بخشش) سے پہلے۔ اور (ان نادانوں کو یاد نہیں کہ) گزر چکے ہیں ان سے پہلے نزول عذاب کے کئی واقعات۔ اور اے (محبوب!) بلاشبہ آپ کا رب بہت بخشنے والا (بھی) ہے لوگوں کے لئے ان کے ظلم (زیادتی) کے باوجود۔ اور بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا (بھی) ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ جھٹلانے والے مغفرت سے پہلے عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں جیسا کہ ان کے متعلق ان آیات میں فرمایا: وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ (الحجر:8-6) "اور وہ کہنے لگے اے وہ شخص اتارا گیا ہے جس پر قرآن بیشک تو مجنون ہے۔ تو کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتوں کو اگر تو سچا ہے۔ ہم نہیں اتارا کرتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ اور انہیں اس کے بعد مزید مہلت نہیں دی جاتی"، وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ (العنکبوت:53) "وہ آپ سے جلدی عذاب نازل ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں"، سَاَلَ سَاۗىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ (المعارج:1) "مطالبہ کیا ہے ایک سائل نے ایسے عذاب کا جو ہو کر رہے"، يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ (الشوریٰ:18) "جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے"، وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا (ص:16) "اور (مذاقاً) کہتے ہیں اے ہمارے رب جلدی دے دے ہمارے حصہ (کا عذاب)"، وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا

حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (الانفال:32) ''اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب''۔ یہ کفار و مشرکین شدت تکذیب، عناد اور کفر کے باعث عذاب الٰہی کا مطالبہ کرتے ہیں، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ یعنی ہم نے گزشتہ قوموں کو عذاب سے دوچار کیا اور انہیں درس عبرت ونصیحت بنا دیا، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اس کا حلم اور عفو نہ ہوتا تو انہیں فوراً عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دیتا جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا (فاطر:45) ''اور اگر اللہ تعالیٰ (فوراً) پکڑ لیا کرتا لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث تو نہ (زندہ) چھوڑتا زمین کی پشت پر کسی جاندار کو لیکن (اس کی سنت یہ ہے)''، اور یہاں فرمایا: وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ یعنی دن رات لوگوں کے ظلم اور گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے، گناہوں کو معاف کر کے لوگوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان کر دیا کہ وہ سخت عذاب بھی دیتا ہے تاکہ رجاء وخوف کے درمیان توازن قائم ہو جائے جیسا کہ فرمایا: فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ (الانعام:147) ''پھر اگر وہ جھٹلائیں آپ کو تو آپ فرمائیے تمہارا پروردگار کشادہ رحمت والا ہے اور نہیں ٹالا جا سکتا اس کا عذاب اس قوم سے جو جرائم پیشہ ہو''، اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الاعراف:167) ''بے شک آپ کا رب جلدی عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ غفور رحیم (بھی) ہے''، نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (الحجر:49) ''بتا دو میرے بندوں کو کہ میں بلاشبہ بہت بخشنے والا از حد رحم کرنے والا ہوں۔ اور (یہ بھی بتا دو کہ) میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے''۔ ایسی اور بھی متعدد آیات ہیں جن میں رجاء وخوف کو یکجا جمع کیا گیا ہے۔ حضرت سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ جب یہ آیت وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ...... اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ کا عفو و درگزر نہ ہوتا تو کوئی خوشگوار زندگی بسر نہ کر سکتا اور اگر اس کی وعید اور عتاب نہ ہوتا تو ہر شخص ہاتھوں پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا''۔

حسن بن عثمان ابو حسان رمادی نے خواب میں اللہ رب العزت کا دیدار کیا اس حال میں کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے اپنے ایک امتی کی شفاعت کر رہے ہیں جسے یہ فرمایا گیا کہ کیا تجھے یہ کافی نہیں تھا کہ میں نے سورۂ رعد میں یہ آیت نازل فرمائی: وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ابو حسان کہتے ہیں کہ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝

''اور کافر کہتے ہیں کہ کیوں نہ اتاری گئی ان کی طرف کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے۔ آپ تو (کجروی کے انجام بد سے) ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے آپ ہادی ہیں''۔

مشرکین کفر و عناد کے باعث یہ مطالبہ کرتے کہ جس طرح پہلے پیغمبر معجزات لے کر آئے اس طرح یہ پیغمبر ہمارے پاس معجزات کیوں نہیں لایا مثلاً صفا پہاڑی کو سونا بنا دے اور پہاڑوں کو ہٹا کر مرغزار آباد کر دے اور نہریں جاری کر دے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (بنی اسرائیل:59) ''اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیئے گئے تھے)''۔ آپ ﷺ سے فرمایا: اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ یعنی آپ کا فریضہ صرف دعوت وتبلیغ ہے لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (البقرۃ:272) ''نہیں ہے آپ کے ذمہ ان کو

سیدھی راہ پر چلانا ہاں اللہ سیدھی راہ پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے''۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ہر قوم کے لئے داعی ہے۔ عوفی آپ رضی اللہ عنہ سے ہی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے محمد! آپ منذر ہیں اور میں ہر قوم کا ہادی ہوں۔ مجاہد نے ''هَادٍ'' کا معنی نبی بیان کیا ہے جیسا کہ فرمایا: وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر: 24) ''اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ ہو گزرا ہو''۔ ابو صالح اور یحییٰ بن رافع نے ''هَادٍ'' بمعنی قائد لیا ہے۔ ابو العالیہ نے اس کا معنی قائد اور امام کیا ہے۔ عکرمہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر قوم کے لئے ہادی ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر فرمایا کہ ''مُنْذِرٌ'' تو میں ہوں' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کندھے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''اے علی! تو ہادی ہے میرے بعد ہدایت پانے والے لوگ تجھ سے ہدایت پائیں گے'' یہ حدیث شدید منکر ہے(1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں ''هَادٍ'' سے مراد بنو ہاشم کا ایک شخص ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ہیں۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝۸ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹

''اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو (شکم میں) اٹھائے ہوتی ہے کوئی مادہ اور (جانتا ہے) جو کم کرتے ہیں رحم اور جو زیادہ کرتے ہیں۔ اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازہ سے ہے وہ جاننے والا ہے ہر پوشیدہ چیز کو اور ہر ظاہر چیز کو سب سے بڑا عالی مرتبہ ہے (اس کے علم میں)''۔

اللہ تعالیٰ اپنے علم تام و محیط کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں اور ہر جاندار مادہ کے شکم میں جو کچھ ہے وہ اس سے پوری طرح واقف ہے جیسا کہ فرمایا: وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ (لقمان: 34) ''اور جانتا ہے جو کچھ (ماؤں کے) رحموں میں ہے''، یعنی ہر مادہ اپنے پیٹ میں جو اٹھائے ہوئی ہوتی ہے، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ جانتا ہے یعنی مذکر ہے یا مؤنث، خوبصورت ہے یا بدصورت، بدبخت ہے یا نیک بخت، لمبی عمر والا ہے یا کم عمر جیسا کہ فرمایا: هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ (النجم: 32) ''وہ (اس وقت) خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب کہ تم حمل تھے''، يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ (المومنون: الزمر: 6) ''وہ پیدا فرماتا ہے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں (تدریجاً) ایک حالت سے دوسری حالت تین اندھیروں میں''، یعنی تمہیں مختلف حالات سے گزار کر پیدا کیا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۤ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (المومنون: 14-12) ''اور بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے جوہر سے۔ پھر ہم نے رکھا اسے پانی کی بوند بنا کر ایک محفوظ مقام میں۔ پھر ہم نے بنا دیا نطفہ کو خون کا لوتھڑا پھر ہم نے بنا دیا اس لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی پھر ہم نے پیدا کر دیں اس بوٹی سے ہڈیاں، پھر ہم نے پہنا دیا ان ہڈیوں کو گوشت۔ پھر (روح پھونک کر) ہم نے اسے دوسری مخلوق بنا دیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ جو سب

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 108، میزان الاعتدال ترجمہ حسن بن حسین، جلد 1 صفحہ 484

سے بہتر بنانے والا ہے''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کی پیدائش چالیس دن تک جمع ہوتی رہتی ہے، پھر اتنے ہی دن وہ جما ہوا خون رہتا ہے، پھر اتنے ہی دن گوشت کا لوتھڑا، پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جسے چار باتوں کے لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: اس کا رزق، عمر، عمل اور شقی ہوگا یا سعید'' (1)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ فرشتہ کہتا ہے: ''اے پروردگار! کیا (یہ) مذکر ہے یا مؤنث؟ اے پروردگار! شقی ہے یا سعید؟ رزق کیا ہے؟ عمر کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ بتاتا ہے اور وہ (فرشتہ) لکھ لیتا ہے'' (2)۔

وَمَا تَغِيضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، جو کچھ کل ہونے والا ہے اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، رحم جو کم کرتے ہیں اور بڑھاتے ہیں اسے بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب برسے گی، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں معلوم کہ کسی شخص کی موت کہاں واقع ہوگی اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم ہے کہ قیامت کب قائم ہوگی'' (3)۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ مَا تَغِيضُ الْاَرْحَامُ کا مطلب ہے کہ رحم جس ناتمام بچے کو ساقط کرتے ہیں یعنی حمل کا ساقط ہونا اور ''مَا تَزْدَادُ'' کا مفہوم یہ ہے کہ رحم جس حمل کو بڑھاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ کامل بچہ جنم دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض عورتیں دس ماہ حاملہ رہتی ہیں اور بعض نو ماہ، کسی کی مدت حمل میں اضافہ ہوتا ہے اور کسی کی مدت حمل میں کمی، یہی غیض اور زیادۃ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور ہر چیز اس کے علم کے مطابق ہے (4)۔ ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی نقل کرتے ہیں کہ جو حمل نو ماہ سے کم ہوتا ہے اور جو اس مدت سے زیادہ۔ حضرت ضحاک کہتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کے شکم میں دو سال رہا۔ جب میں پیدا ہوا تو میرے اگلے دو دانت نکل چکے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حمل کی مدت دو سال سے زائد نہیں ہو سکتی (5)۔ مجاہد مَا تَغِيضُ...... کا مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ دوران حمل جو خون دکھائی دیتا ہے اور جو حمل نو ماہ سے بڑھ جاتا ہے۔ عطیہ عوفی، حسن بصری، قتادہ اور ضحاک کا یہی قول ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ جب عورت نو سے پہلے خون دیکھے تو مثل ایام حیض کے نو سے زائد ہو جاتے ہیں۔ عکرمہ، سعید بن جبیر اور ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد کا یہ بھی کہنا ہے کہ مَا تَغِيضُ کا معنی خون کا گرنا جس کے باعث بچہ اچھا ہوتا ہے اور ''مَا تَزْدَادُ'' سے مراد یہ ہے کہ خون کا نہ بہنا جس کی وجہ سے بچہ مکمل اور خوب موٹا تازہ ہوتا ہے۔ مکحول فرماتے ہیں کہ بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں نہ کوئی چیز طلب کرتا ہے اور نہ غمزدہ ہوتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں ہی اسے حیض کا خون بطور خوراک ملتا رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حاملہ کو حیض نہیں آتا۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو روتا ہے، اس کے رونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نئی جگہ سے اسے وحشت ہوتی ہے۔ جب اس کی نال کاٹ دی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ماں کے سینے سے اس کی روزی کا انتظام کر دیتا ہے تاکہ وہ نہ غمزدہ ہو اور نہ کسی اور چیز کا خواہاں۔ پھر ذرا بڑا ہوتا ہے تو اپنے ہاتھ سے کھانے لگتا ہے اور جب بالغ ہو جائے تو روزی کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے اور اسے ہر طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے خواہ وہ طریقہ موت ہو یا قتل۔ حضرت مکحول فرماتے ہیں، اے انسان، صد حیف! اللہ تعالیٰ نے تجھے ماں کے پیٹ میں غذا دی، پھر پیدا ہونے کے بعد بھی اس نے تیرے لئے روزی کا انتظام کیا لیکن جب تو بالغ اور عقلمند ہو گیا تو روزی کے حصول میں موت اور قتل

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۃ بقرۃ: 234
2۔ صحیح بخاری، کتاب القدر، جلد 8 صفحہ 152، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2038
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ رعد، جلد 6 صفحہ 99
4۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 109
5۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 110

سے بھی باز نہ آیا؟ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اَللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ کُلُّ اُنۡثٰی:......۔

وَكُلُّ شَیۡءٍ عِنۡدَهٗ بِمِقۡدَارٍ قتادہ کہتے ہیں کہ مقدار کا معنی اجل (مقررہ میعاد) ہے۔ یعنی مخلوق کے لئے رزق اور عمر مقرر ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ایک صاحبزادی نے آپ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا قریب الموت ہے اور میری خواہش ہے کہ آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لائیں، آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کی طرف یہ پیغام بھیجا: ''اللہ تعالیٰ جو لے لے اور جو عطا فرمائے وہ سب اسی کا ہے اور اس کے ہاں ہر چیز کی ایک مقررہ میعاد ہے، ان سے کہو کہ صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھیں'' (1)۔

عٰلِمُ الۡغَیۡبِ...... یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جس کا مشاہدہ لوگ کرتے ہیں یا وہ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں، وہ ہر چیز سے بڑا اور اعلیٰ ہے۔ اپنے علم کے ساتھ ہر چیز کا وہ احاطہ کئے ہوئے ہے۔ وہ غالب ہے اور ہر چیز مغلوب۔ تمام بندے چار و ناچار اس کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔

سَوَآءٌ مِّنۡکُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ وَ مَنۡ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنۡ هُوَ مُسۡتَخۡفٍۭ بِالَّیۡلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَ مِنۡ خَلۡفِهٖ یَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَ مَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ ﴿۱۱﴾

''سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے اور وہ بھی جو چھپا رہتا ہے رات کے وقت اور جو چلتا پھرتا رہتا ہے دن کے وقت انسان کے لئے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی وہ نگہبانی کرتے ہیں اس کی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا کسی قوم کی (اچھی یا بری) حالت کو جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے۔ اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا تو کوئی ٹال نہیں سکتا اسے۔ اور نہ ہی ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی مدد کرنے والا ہوتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے متعلق اپنے علم محیط سے باخبر رہا ہے۔ پست ہو یا بلند وہ ہر آواز کو سنتا ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں جیسا کہ فرمایا: وَ اِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ یَعۡلَمُ السِّرَّ وَ اَخۡفٰی (طٰہٰ: 7) ''اور اگر تو بلند آواز سے بات کرے (تو تیری مرضی) وہ تو بلاشبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی''، وَ یَعۡلَمُ مَا تُخۡفُوۡنَ وَ مَا تُعۡلِنُوۡنَ (النمل: 25) ''اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو''، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جس کی سماعت نے تمام آوازوں کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اللہ کی قسم! جھگڑنے والی عورت اپنے خاوند کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، میں گھر میں ہی بیٹھی ہوئی تھی پھر بھی اس (عورت) کی کچھ کلام مجھ سے مخفی رہی لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل کی: قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُكَ فِیۡ زَوۡجِهَا وَ تَشۡتَکِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ ٭ۖ وَ اللّٰهُ یَسۡمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ (المجادلة: 1) ''بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور (ساتھ ہی) شکوہ کئے جاتی تھی اللہ سے (اپنے رنج و غم کا) اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو۔ بے شک اللہ (سب کی باتیں) سننے

1۔ صحیح بخاری، کتاب القدر، جلد 8 صفحہ 153، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 635-636

والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے"۔

وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ یعنی رات کی تاریکی میں اپنے گھر کے اندر چھپنے والا اور دن کی روشنی میں چلنے پھرنے والا دونوں یکساں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں جیسا کہ فرمایا: اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ (ہود:5) "سنتے ہو! جس وقت وہ خوب اوڑھ لیتے ہیں اپنے کپڑے"، وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (یونس:61) "اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ آپ تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کچھ قرآن اور (اے لوگو!) نہ تم کچھ عمل کرتے ہو مگر (ہر حال میں) ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم شروع ہوتے ہو کسی کام میں۔ اور نہیں چھپا ہوتا آپ کے رب سے ذرہ برابر بھی زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں کوئی چھوٹی چیز اس ذرہ سے اور نہ بڑی مگر وہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ہے"۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ ...... اَمْرِ اللّٰهِ یعنی بندے کے لئے نگہبان فرشتے مقرر ہیں جو دن رات باری باری اس کے پاس آتے ہیں اور اسے آفات، مصائب اور حوادثات سے محفوظ رکھتے ہیں جیسا کہ اچھے برے اعمال لکھنے کے لئے اور فرشتے مقرر ہیں، ان میں دن اور رات کے لئے الگ الگ فرشتے مقرر ہیں۔ ایک فرشتہ دائیں جانب ہوتا ہے جو نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا بائیں جانب جس کے ذمے برائیاں لکھنا ہے۔ ان کے علاوہ انسان کے آگے اور پیچھے دو اور فرشتے مقرر ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان ہر وقت چار فرشتوں کی تحویل میں رہتا ہے: دو محافظ فرشتے اور دو اعمال لکھنے والے، جیسا کہ حدیث صحیح میں آتا ہے: "تم میں رات اور دن کے فرشتے باری باری آتے رہتے ہیں۔ فجر اور عصر کی نمازوں میں ان کا اجتماع ہوتا ہے۔ رات گزارنے والے اوپر چلے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ بہتر جانتا ہے، کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ہم ان کے پاس گئے تو اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور (جب) ہم نے انہیں چھوڑا تو اس وقت بھی نماز میں مشغول تھے"(1)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: "تمہارے ساتھ وہ (فرشتے) ہیں جو سوائے قضائے حاجت اور جماع کے وقت تم سے علیحدہ نہیں ہوتے، اس لئے ان کا حیاء کرو اور ان کی عزت کرو"(2)۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ "مُعَقِّبٰتٌ" سے مراد ملائکہ ہیں(3)۔ عکرمہ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی بیان کرتے ہیں کہ یہ فرشتے انسان کے آگے پیچھے اس کی حفاظت پر مامور ہیں۔ جب تقدیر الٰہی آپہنچتی ہے تو یہ وہاں سے ہٹ جاتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ہر بندے کے لئے ایک فرشتہ مقرر ہے جو سوتے جاگتے جن وانس اور موذی جانوروں سے انسان کی حفاظت کرتا ہے۔ ان میں سے جو چیز انسان کو نقصان پہنچانا چاہے وہ فرشتہ اسے روک دیتا ہے لیکن اس چیز سے نہیں جو تقدیر الٰہی میں مقدر ہو چکی ہو۔ وہ پہنچ کر ہی رہتی ہے۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ ...... میں دنیاوی بادشاہوں کا ذکر ہے جن کے آگے پیچھے پہریدار ہوتے ہیں۔ عوفی آپ سے ہی نقل کرتے ہیں کہ اس آیت میں ولی عہد کا ذکر ہے جس پر پہریدار مقرر ہوتے ہیں۔ عکرمہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ امراء ہیں جن کے آگے پیچھے جلوس ہوتے ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ حاکم ہے جو بحکم الٰہی اہل شرک سے محفوظ ہو۔ حضرات ابن عباس، عکرمہ اور ضحاک کے اقوال کا بظاہر یہ مطلب ہے کہ جس طرح ان

1۔ صحیح بخاری، جلد 9، صفحہ 154، صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 439
2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الادب، جلد 10، صفحہ 241
3۔ تفسیر طبری، جلد 13، صفحہ 117

بادشاہوں اور امراء کے پہریدار ہوتے ہیں اسی طرح بندے کے لئے نگران فرشتے مقرر ہوتے ہیں۔ ابن جریر نے ایک نہایت غریب حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! مجھے آگاہ فرمائیے کہ بندے کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک فرشتہ تمہاری دائیں جانب نیکیاں لکھنے پر مقرر ہے وہ بائیں جانب والے فرشتے پر امیر ہے۔ جب تو کوئی نیکی کرتا ہے تو دس لکھ لی جاتی ہیں اور جب تو کوئی برائی کرتا ہے تو بائیں طرف والا فرشتہ دائیں طرف والے سے پوچھتا ہے کہ کیا اسے لکھ لوں؟ وہ کہتا ہے: نہیں، شاید یہ استغفار اور توبہ کر لے۔ وہ تین مرتبہ اجازت مانگتا ہے۔ اس کے بعد (اگر بندہ توبہ نہ کرے) وہ اسے کہتا ہے کہ اب لکھ لو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے، یہ بڑا برا ساتھی ہے، نہ اسے خدا کا لحاظ ہے اور نہ ہم سے حیاء، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (ق:18) '' وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لئے) تیار ہوتا ہے''، اور دو فرشتے تمہارے آگے پیچھے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ اور ایک فرشتہ تیری پیشانی کے بالوں کو پکڑے ہوئے ہے۔ جب تو اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کرتا ہے تو وہ تجھے بلند کر دیتا ہے اور جب تو اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی کرتا ہے تو وہ تجھے پست اور ذلیل کر دیتا ہے، اور دو فرشتے تیرے ہونٹوں پر مقرر ہیں، وہ مجھ پر پڑھے گئے تمہارے درود و سلام کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ایک فرشتہ تمہارے منہ پر کھڑا ہے جو سانپ (اور اس جیسی موذی چیز) کو تمہارے منہ میں جانے سے روکتا ہے اور دو فرشتے تمہاری آنکھوں پر مقرر ہیں۔ یہ کل دس فرشتے ہیں جو ہر آدمی پر مقرر ہیں۔ رات کے فرشتے دن کے فرشتوں کے پاس آتے ہیں کیونکہ دن اور رات کے الگ الگ فرشتے ہیں، اس طرح ہر آدمی پر بیس فرشتے ہیں، ابلیس دن کے وقت (بہکانے میں مصروف رہتا ہے) اور اس کی اولاد رات کے وقت'' (1)۔ حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک جن ساتھی ہے اور دوسرا ساتھی فرشتہ'' صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ ﷺ کے ساتھ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے ساتھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس (جن) پر غلبہ عطا فرمایا ہے، اس لئے وہ مجھے بھلائی کے سوا کسی چیز کا حکم نہیں دیتا'' (2)۔

يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ یعنی وہ فرشتے اللہ کے حکم سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔ ایک قرأت میں مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ کی بجائے ''بِاَمْرِ اللّٰهِ'' آیا ہے۔ حضرت کعب الاحبار فرماتے ہیں کہ اگر ہر نرم اور سخت انسان پر عیاں ہو جائے تو اسے ہر چیز دکھائی دینے لگے، اگر اللہ تعالیٰ خورد و نوش اور شرمگاہوں میں تمہاری حفاظت کے لئے فرشتے مقرر نہ کرتا تو تم یقیناً اچک لئے جاتے۔ ابوامامہ کہتے ہیں کہ ہر آدمی کے ساتھ ایک فرشتہ ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے حتیٰ کہ اسے اس تقدیر کے حوالے کر دیتا ہے جو اس کے لئے مقدر ہوتی ہے۔ ابومجلز کہتے ہیں کہ قبیلہ مراد کا ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ آپ سے کہنے لگا کہ قبیلہ مراد کے کچھ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں اس لئے حفاظتی تدابیر کر لیں۔ آپ نے فرمایا: ہر آدمی کے ساتھ دو فرشتے ہیں جو اسے ہر اس چیز سے محفوظ رکھتے ہیں جو مقدر نہیں ہوتی، اور جب تقدیر کا فیصلہ آ جاتا ہے تو وہ الگ ہو جاتے ہیں اور بندے کو تقدیر کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اجل ایک محفوظ ڈھال ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ، ''بِاَمْرِ اللّٰهِ'' کے معنی میں ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس جھاڑ پھونک کے متعلق ہمیں بتائیے، کیا اس سے تقدیر الٰہی ٹل جاتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بھی اللہ کی تقدیر میں سے

1۔ تفسیر طبری، جلد 13، صفحہ 115

2۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2167-2168، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 397

ہے''(1)۔ابن ابی حاتم میں ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اسرائیل کے کسی نبی کو بذریعہ وحی اپنی قوم کو یہ کہنے کا حکم دیا کہ جس بستی والے اور جس گھر والے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے کرتے نافرمانی کی طرف پھر جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ان کی محبوب چیزوں سے مکروہ چیزوں کی طرف پھیر دیتا ہے، پھر فرمایا، اس کی تصدیق اس قرآنی آیت سے ہوتی ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ...... اس سلسلہ میں ایک حدیث مرفوع بھی وارد ہوئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: جب میں خاموش رہتا تو رسول اللہ ﷺ مجھ سے گفتگو کا آغاز فرماتے اور جب میں آپ ﷺ سے کوئی چیز دریافت کرتا تو آپ ﷺ مجھے آگاہ فرماتے۔ آپ ﷺ نے مجھے ایک حدیث قدسی بتاتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے میری عزت، جلال اور عرش پر اپنی بلندی کی قسم! جس بستی اور گھرانے کے لوگ میری ناپسندیدہ چیز یعنی نافرمانی میں مشغول ہوں پھر اس سے میری محبوب چیز یعنی اطاعت کی طرف منتقل ہو جائیں تو میں انہیں ان کی ناپسندیدہ چیز یعنی عذاب سے ان کی محبوب چیز یعنی اپنی رحمت کی طرف پھیر دیتا ہوں''(2)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ایک راوی ایسا ہے جسے میں نہیں جانتا۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَ هُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾

''وہی ہے جو تمہیں دکھاتا ہے بجلی (کبھی) ڈرانے کے لئے اور (کبھی) امید دلانے کے لئے اور اٹھاتا ہے (دوش ہوا پر) بھاری بادل۔ اور رعد اس کی پاکی بیان کرتا اس کی حمد کے ساتھ اور فرشتے بھی اس کے خوف سے (اس کی تسبیح کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے پھر گراتا ہے انہیں جس پر چاہتا ہے اس حال میں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور اس کی پکڑ بہت سخت ہے''۔

بجلی (بادلوں کے درمیان سے ظاہر ہونے والی روشنی) بھی اس کے حکم کی پابند ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابوالجلد سے برق (بجلی) کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ برق پانی ہے(3)۔ قتادہ خَوْفًا وَّ طَمَعًا کے متعلق کہتے ہیں کہ مسافر کو خوفزدہ کرنے کے لئے جو بجلی کے باعث ایذاء اور مشقت پر ڈرتا ہے اور مقیم کو امید دلانے کے لئے جسے حصول برکت و منفعت کی امید ہوتی ہے اور رزق کا لالچ ہے۔ بادلوں کے متعلق فرمایا: وَ يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ یعنی وہی بوجھل بادلوں کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے جو پانی کی بہتات کے باعث بوجھل اور زمین کے قریب ہوتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ بوجھل بادل وہ ہیں جن میں پانی ہو۔

وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ یہ اس فرمان کی طرح ہے: وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل: 44)'' اور (اس کائنات میں) کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے''، حدیث شریف میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ بادلوں کو پیدا کرتا ہے جو خوبصورت بولتے ہیں اور خوبصورت ہنستے ہیں''(4)۔ سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بارش بھیجتا ہے، اس سے زیادہ خوبصورت ہنسی والا اور اس سے زیادہ مانوس گفتگو والا کوئی نہیں، اس کی ہنسی بجلی ہے اور اس کی گفتگو کڑک۔ ابن ابی حاتم میں محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ برق

1۔ عارضة الاحوذی، کتاب الطب، جلد 8 صفحہ 224، کتاب القدر، جلد 8 صفحہ 314، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 421

2۔ الدرالمنثور، جلد 4 صفحہ 616 3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 123 4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 435

ایک فرشتہ ہے جس کے چار منہ ہیں: ایک انسان جیسا، ایک بیل جیسا، ایک گدھ جیسا اور ایک شیر جیسا۔ جب وہ اپنی دم ہلاتا ہے تو بجلی ظاہر ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب گرج اور کڑک سنتے تو یہ دعا پڑھتے: ''اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُھْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ(1)۔ ''اے اللہ! ہمیں اپنے غضب کے ساتھ قتل نہ کر، ہمیں اپنے عذاب کے ساتھ ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہمیں عافیت عطا فرما'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بجلی کی گرج سنتے وقت آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے ''سُبْحَانَ مَنْ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ(2)۔ ''پاک ہے وہ ذات گرج جس کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتی ہے''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب گرج سنتے تو یہ کہتے: ''سُبْحَانَ مَنْ سَبَّحْتَ لَهٗ'' حضرات ابن عباس، طاؤس اور اسود بن یزید بھی یہی دعا پڑھا کرتے تھے۔ ابن ابی زکریا فرماتے ہیں کہ جو شخص کڑک سنتے وقت ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ'' کہے، بجلی اس کا کچھ نہیں بگاڑتی (2)۔ حضرت عبداللہ بن زبیر جب گرج سنتے تو باتیں چھوڑ کر یہ کہتے: سُبْحَانَ الَّذِیْ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ خِیْفَتِہٖ اور فرماتے کہ یہ اہل زمین کے لئے شدید وعید ہے(3)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارا رب العزت فرماتا ہے: اگر میرے بندے میری اطاعت کرتے تو میں ان پر رات کے وقت بارش برساتا اور دن کے وقت ان پر سورج طلوع کرتا اور انہیں گرج کی آواز نہ سناتا'' (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم گرج سنو تو اللہ کا ذکر کرو کیونکہ ذاکر پر بجلی نہیں گرتی'' (5)۔

وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ یعنی اللہ تعالیٰ جس پر چاہے، بجلیاں گراتا ہے اور اس عذاب کے ذریعے انتقام لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آخر زمانہ میں بکثرت بجلیاں گریں گی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے قریب بجلیاں بکثرت گریں گی حتیٰ کہ ایک آدمی اپنی قوم سے پوچھے گا کہ آج صبح کس پر بجلی گری؟ وہ کہیں گے کہ فلاں اور فلاں پر بجلی گری'' (6)۔ اس آیت کا شان نزول یہ روایت ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو عربوں کے ایک فرعون صفت سرکش آدمی کے پاس بھیجا اور فرمایا: ''جاؤ اور اسے میرے پاس بلا لاؤ'' وہ شخص جا کر اسے کہنے لگا کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ بلا رہے ہیں، وہ کہنے لگا کہ کون رسول اللہ؟ کون اللہ؟ کیا وہ سونے کا بنا ہوا ہے یا چاندی کا یا پیتل کا؟ وہ قاصد حضور ﷺ کی خدمت میں واپس حاضر ہوا اور کہنے لگا! یا رسول اللہ! میں نے پہلے ہی آپ کو بتایا تھا کہ وہ سرکش لاپرواہ اور متکبر ہے، اس نے تو مجھے یہ یہ کہا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''دوبارہ اس کے پاس جاؤ''۔ جب قاصد گیا تو پھر اس نے وہی باتیں کیں۔ قاصد لوٹ آیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میں نے آپ ﷺ سے عرض کی تھی کہ وہ بہت مغرور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر جاؤ اور اسے بلا لاؤ''۔ قاصد تیسری بار اس کے پاس گیا اور حضور ﷺ کا پیغام اس تک پہنچایا وہ فرعون اپنا وہی جواب دینے میں مصروف تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے سر پر ایک بادل بھیجا، وہ کڑکا اور اس سے بجلی نکل کر اس کے اوپر گری اور اس کی کھوپڑی اڑا دی، اس وقت یہ آیت وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ اتری (7)۔ عبدالرحمٰن بن صحار عبدی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے ایک جابر اور سرکش شخص کو بلانے کے لئے بھیجا۔ وہ کہنے لگا کہ تمہارا رب سونے

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعا، جلد 13 صفحہ 8، مستدرک حاکم، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 286، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 100

2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 124 3۔ موطا امام مالک، کتاب الکلام، جلد 2 صفحہ 992، الادب المفرد: 187 4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 359

5۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 164 6۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 64-65

7۔ مسند ابی یعلی، جلد 6 صفحہ 183-184، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 13 صفحہ 54

کا بنا ہوا ہے یا چاندی کا، یا موتی کا؟ وہ جھگڑ ہی رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بادل بھیجا وہ کڑکا اور اس پر بجلی گری جس سے اس کی کھوپڑی اڑ گئی(1)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ایک یہودی کہنے لگا: اے محمد! اپنے رب کے متعلق مجھے بتائیے وہ کس چیز سے بنا ہوا ہے، کیا پیتل کا، یا موتی کا یا یاقوت کا؟ اس پر بجلی گری جس نے اسے جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی(1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک شخص قرآن کریم کا انکار کرتا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے بجلی گرا کر اسے ہلاک کر دیا اور یہ آیت وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ نازل فرمائی۔ اس آیت کے شان نزول میں عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ کا قصہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے مطالبہ کرنے لگے کہ ہمیں سلطنت میں شریک کر لیں اور آدھا حصہ دے دیں (تب ایمان لائیں گے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا۔ عامر بن طفیل لعین کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں آپ کے علاقہ کو کم مو گھوڑوں اور بے ریش جوانوں پر مشتمل لشکر سے بھر دوں گا۔ آپ نے اسے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اور انصار تمہاری ایک نہیں چلنے دیں گے" پھر ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ سازش کے مطابق ان میں سے ایک آپ کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گیا اور دوسرا پشت کی جانب سے تلوار کا وار کرنے کے لئے پر تولنے لگا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے ناپاک ارادے سے محفوظ رکھا۔ وہ دونوں بدقماش مدینے سے نکل عرب قبائل کی طرف چلے گئے تا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے لوگوں کو اکسائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اربد پر بجلی گرا کر اسے خاکستر کر دیا اور عامر بن طفیل کو طاعون کے مرض میں مبتلا کر دیا۔ طاعون کی گلٹی نکلی جس کے باعث اس نے سسک سسک کر جان دے دی۔ اس طرح دونوں ملعون فنا کے گھاٹ اتر گئے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ اربد کے بھائی لبید بن ربیعہ نے اپنے بھائی کے اس واقعہ کو اپنے اشعار میں بیان کیا ہے(2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اربد بن قیس اور عامر بن طفیل مدینہ شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ یہ دونوں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے۔ عامر بن طفیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ اگر میں اسلام لے آؤں تو آپ مجھے کیا دیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمانوں جیسے تمہارے حقوق اور فرائض ہوں گے"۔ عامر کہنے لگا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو کیا آپ مجھے اپنے بعد سلطنت کا مالک بنا دیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمانوں جیسے تمہارے حقوق اور فرائض ہوں گے"۔ عامر کہنے لگا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو کیا آپ مجھے اپنے بعد سلطنت کا مالک بنا دیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ امر سلطنت نہ تیرے لئے ہے اور نہ تیری قوم کے لئے البتہ ہمارا لشکر تمہارے لئے (مددگار) ہوگا۔ وہ کہنے لگا کہ نجد کے لشکر کی تائید مجھے حاصل ہے، میری تو یہ خواہش ہے کہ آپ مجھے دیہاتی علاقہ سونپ دیں اور شہری علاقہ آپ کے پاس رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں"۔ جب وہ دونوں واپس جانے لگے تو عامر بن طفیل دھمکی آمیز لہجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! ہم لشکر جرار کے ساتھ آپ پر چڑھائی کر دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہیں روکے رکھے گا۔" جب وہ دونوں باہر نکل گئے تو عامر نے اربد سے کہا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو باتوں میں لگائے رکھوں گا اور تم تلوار کا وار کر دینا کیونکہ جب تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا تو لوگ زیادہ سے زیادہ دیت کا تقاضا کریں گے اور جنگ میں الجھنا پسند نہیں کریں گے اس لئے ہم انہیں دیت دے دیں گے۔ اربد نے اس کی تائید کی۔ دونوں واپس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ عامر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ میرے ساتھ اٹھو، میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک دیوار کے نیچے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گیا۔ اربد نے تلوار سونت لینا چاہی۔ جب اس نے اپنا ہاتھ تلوار پر رکھا تو

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 125 2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 126

اس کا ہاتھ تلوار کے قبضہ پر ہی شل ہو گیا اور وہ تلوار نیام سے باہر ہی نہ نکال سکا۔ وار کرنے میں اربد نے کافی دیر لگا دی، اسی اثناء میں حضور ﷺ نے پشت کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ کو اربد کی سازش کا علم ہو گیا۔ آپ ﷺ وہاں سے لوٹ آئے۔ یہ دونوں وہاں سے نکلے اور حرۂ راقم میں آ کر ٹھہر گئے۔ حضرات سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما ان کے تعاقب میں نکلے اور انہیں للکارا اور بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ جب وہ راقم کے مقام پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اربد پر بجلی گرا کر اسے ہلاک کر دیا۔ عامر بن طفیل جب جریم کے مقام پر پہنچا تو اسے طاعون کی گلٹی نکلی۔ بنوسلول کی ایک عورت کے گھر میں رات بسر کرنے کے لئے ٹھہرا۔ وہ گردن پر گلٹی کو دباتا اور کہتا کہ یہ تو ایسی گلٹی ہے جس طرح اونٹ کی ہوتی ہے اور ہائے افسوس! موت بنی سلول کی عورت کی گھر میں آ رہی ہے۔ آخر کار وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے گھر کی طرف چل دیا لیکن رستے میں ہی اسے موت نے دبوچ لیا۔ ان دونوں کے بارے میں یہ آیات اَللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ...... مِنْ وَّالٍ نازل ہوئیں اور ان آیات میں یہ بھی ذکر ہے کہ بحکم الٰہی فرشتے آپ ﷺ کی حفاظت کرتے ہیں۔ پھر اربد کو بجلی کے ذریعے قتل کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ (1)۔

وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی الوہیت میں شک کرتے ہیں۔ ابن جریر شَدِیْدُ الْمِحَالِ کا معنی بتاتے ہیں کہ سرکشوں، مخالفوں اور کافروں کو وہ سخت سزا اور دردناک عذاب دینے والا ہے۔ یہ آیت اس آیت کے مشابہ ہے: وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِیْنَ (النمل: 51-50) ''اور انہوں نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی اور وہ سمجھ ہی نہ سکے (ہماری تدبیر کو) تم (خود ہی) دیکھ لو کیا (ہولناک) انجام ہوا ان کے مکر کا۔ ہم نے برباد کر کے رکھ دیا انہیں اور ان کی ساری قوم کو''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ شَدِیْدُ الْمِحَالِ کا معنی سخت گرفت کرنے والا بیان کرتے ہیں اور مجاہد اس کا معنی بہت قوی بیان کرتے ہیں۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ۝۱۴

''اسی کو پکارنا سچ ہے۔ اور وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا وہ نہیں جواب دے سکتے انہیں کچھ بھی مگر اس شخص کی طرح جو پھیلائے ہوا اپنی دونوں ہتھیلیوں کو پانی کی طرف تاکہ اس کے منہ تک پانی پہنچ جائے اور (یوں تو) پانی اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا، اور نہیں کافروں کی دعا بجز اس کے کہ وہ بھٹکتی پھرتی ہے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دَعْوَةُ الْحَقِّ سے مراد توحید ہے۔ ابن عباس، قتادہ اور محمد بن منکدر کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اس آیت کریمہ میں غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کی مثال بیان کی جا رہی ہے، ان کی مثال بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے شخص کی سی ہے جو اپنے ہاتھ کے ساتھ کنوئیں کے کنارے سے پانی کو پکڑتا ہے لیکن وہ نہیں پکڑ پاتا تو پھر وہ اس کے منہ تک کیسے پہنچ سکے گا؟ مجاہد كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ان مشرکین کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو پانی کی طرف اشارہ کر کے اسے اپنے پاس بلاتا ہے لیکن ایسا ہرگز ممکن نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ''بَاسِط'' بمعنی قابض ہے اور قابض ماء (پانی کو پکڑنے والا) کا لفظ عرب استعمال کرتے ہیں، اشعار میں بھی اس کے شواہد موجود ہیں (2)۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص پانی کو اپنی مٹھی میں لینے کے لئے یا دور

1۔ معجم کبیر، جلد 10 صفحہ 379-381، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 42 2۔ دیکھئے تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 129

سے پکڑنے کے لئے اپنا ہاتھ پانی کی طرف پھیلاتا ہے جس طرح اس کی کوشش بے سود ہے اور پانی اس طرح منہ تک نہیں پہنچ سکتا، اسی طرح یہ مشرکین ہیں جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں لیکن بے سود، ان کی عبادت سے نہ انہیں دنیا میں کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور نہ آخرت میں کوئی نفع حاصل ہوگا، اس لئے فرمایا: وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿١٥﴾

"اور اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، بعض خوشی سے اور بعض مجبوراً اور ان کے سائے بھی (سجدہ ریز ہیں) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی"۔

اللہ تعالیٰ اپنی عظمت اور اقتدار کے متعلق باخبر کر رہا ہے جس کے سامنے ہر چیز سرافگندہ اور مطیع ہے، لہٰذا اہل ایمان بخوشی اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں اور اہل کفر مجبوراً۔ "غُدُوّ" کا معنی ہے صبح اور "اٰصَال" اصیل کی جمع ہے جس سے مراد ہے دن کا آخری حصہ (عصر اور مغرب کے درمیان)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ...... (النحل:48) "کیا انہوں نے نہیں دیکھا ان اشیاء کی طرف جنہیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے کہ بدلتے رہتے ہیں ان کے سائے......"۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٦﴾

"آپ (ان سے) پوچھئے کون ہے پروردگار آسمانوں اور زمین کا؟ (خود ہی) فرمایئے اللہ۔ (انہیں) کہئے کیا تم نے بنا لئے ہیں اللہ کے سوا ایسے حمایتی جو اختیار نہیں رکھتے اپنے لئے بھی کسی نفع کا اور نہ کسی نقصان کا (ان سے) پوچھئے کیا برابر ہوتا ہے اندھا اور بینا۔ یا کیا یکساں ہوتے ہیں اندھیرے اور نور کیا انہوں نے بنائے ہیں اللہ کے لئے ایسے شریک جنہوں نے کچھ پیدا کیا ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا پس یوں تخلیق ان پر مشتبہ ہوگئی ہو۔ فرمایئے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کو اور وہ ایک ہے سب پر غالب ہے"۔

اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو پختگی کے ساتھ بیان فرما رہا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں کیونکہ مشرکین بھی یہ اعتراف کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور وہی ان کا رب، مدبر اور منتظم ہے۔ اس اعتراف کے باوجود انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ ایسے حمایتی بنا لئے جن کی وہ پرستش کرتے ہیں اور ان معبودان باطلہ کی حیثیت اتنی ہی ہے کہ وہ اپنے لئے نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں اس لئے اپنے عبادت گزاروں کے لئے بدرجہ اولیٰ نفع و نقصان پر قادر نہیں یعنی یہ نہ تو کوئی نفع انہیں پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی تکلیف ان سے دور کر سکتے ہیں، تو کیا ان معبودان باطلہ کی عبادت کرنے والا اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے والا جسے اپنے رب کی طرف سے نور ہدایت حاصل ہے، برابر ہیں؟ اس لئے فرمایا: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ...... یعنی کیا ان مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ایسے معبود بنا لئے ہیں جو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے مشابہ اور مماثل ہوں اور انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی چیز پیدا کی ہو، اس طرح

تخلیق ان مشرکین پر مشتبہ ہوگئی ہو اور ان کے لئے تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہو کہ کس چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور کس چیز کے خالق ان کے معبود ہیں، یعنی معاملہ ایسا نہیں، نہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے اور نہ مماثلت، نہ اس کا کوئی مدمقابل ہے اور نہ ہی کوئی عدیل، نہ اس کا کوئی وزیر ہے اور نہ کوئی مشیر، نہ کوئی اس کا بیٹا ہے اور نہ کوئی بیوی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک اور برتر ہے۔ ان بتوں کی پرستش کرنے والے مشرکین اس بات کے معترف ہیں کہ یہ بت بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے اور اس کے مملوک ہیں جیسا کہ وہ تلبیہ میں کہا کرتے تھے: ''اے اللہ! ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک ہے جسے تو نے شریک ٹھہرایا ہے، تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کا بھی جو اس کی ملکیت میں ہے'' (1)۔ اور قرآن کریم نے بھی ایک اور مقام پر ان کے اس عقیدہ کو یوں بیان کیا: مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر: 3) ''ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں''، اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس عقیدہ کی مذمت کی ہے اور اس پر اظہار ناپسندیدگی فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکتا جیسا کہ فرمایا: وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (سبا: 23) ''اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لئے اس نے اجازت دی ہو''، وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ (النجم: 26) ''اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں''، اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (مریم: 95-93) ''کوئی ایسی چیز نہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر وہ حاضر ہوگی رحمٰن کی بارگاہ میں بندہ بن کر۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کا شمار کر رکھا ہے اور انہیں گن لیا ہے اچھی طرح۔ اور وہ سب پیش ہوں گے اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا''، جب تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی غلام ہے تو مخلوق کا مخلوق کی عبادت کرنے کا کیا جواز ہے؟ مخلوق کی عبادت کرنے والے کسی دلیل اور حجت کے باعث ایسا نہیں کرتے بلکہ محض خود ساختہ رائے کے پیش نظر۔ پھر اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی عبادت سے منع کرنے کے لئے پیغمبر بھیجے لیکن انہوں نے ان کی تکذیب اور مخالفت کی جس کے باعث ان پر عذاب الٰہی یقینی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۭ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ڛ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿١٧﴾

''اس نے اتارا آسمان سے پانی پس بہنے لگیں وادیاں اپنے اپنے اندازے کے مطابق تو اٹھا لیا سیلاب کی رو نے ابھرا ہوا جھاگ اور جن چیزوں کو آگ کے اندر تپاتے ہیں زیور بنانے کے لئے یا دیگر سامان بنانے کے لئے اس میں بھی ویسا ہی جھاگ اٹھتا ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتا ہے حق اور باطل کی پس (بیکار) جھاگ تو رائیگاں چلا جاتا ہے اور جو چیز نفع بخش ہے لوگوں کے لئے تو وہ باقی رہے گی زمین میں، یوں ہی اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتا ہے''۔

اس آیت کریمہ میں حق کے ثبات و بقا اور باطل کے زوال و فناء کی دو مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 843

بارش برساتا ہے جس کے باعث وادیاں اپنی وسعت کے مطابق بہنے لگتی ہیں کوئی وادی بڑی ہے، اس میں اس کی وسعت کے مطابق پانی ہوگا اور کوئی چھوٹی ہے، اس میں اس کی گنجائش کے مطابق پانی ہوگا۔ یہی کیفیت دلوں اور ان کے تفاوت کی ہے، بعض دلوں میں علوم کے سمندر موجزن ہوتے ہیں اور بعض دلوں میں علوم بہت کم جگہ پاتے ہیں، پھر فرمایا: فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا یعنی وادیوں میں بہنے والے پانی کی سطح پر جھاگ نمودار ہوتا ہے۔ یہ ایک مثال ہے۔ اور دوسری مثال وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ...... میں ہے۔ یعنی جب زیور یا کوئی اور سامان بنانے کے لئے سونا، چاندی، تانبا یا لوہا آگ پر تپایا جاتا ہے تو ان کے اوپر بھی اسی طرح جھاگ پیدا ہوتا ہے جس طرح پانی کے اوپر لیکن دونوں طرح کے جھاگ فوراً ختم ہو جاتے ہیں، یہی حالت حق و باطل کی ہے۔ جب یہ دونوں باہم برسرِ پیکار ہوں تو ممکن ہے کچھ دیر کے لئے باطل کو غلبہ مل جائے لیکن آخر فتح حق کی ہی ہوتی ہے، ثبات اور دوام حق کو ہی حاصل ہے اور باطل جلد ہی فنا ہو جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا: فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً یعنی پانی کے اوپر جھاگ اور اسی طرح سونے چاندی اور دیگر معدنیات کا میل کچیل غیر نفع بخش چیزیں ہیں، اس لئے جلد ہی ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور ان سے کسی کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ فائدہ تو پانی اور معدنیات سے حاصل ہوتا ہے اس لئے فرمایا: وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ...... اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (العنکبوت: 43) ''اور یہ مثالیں ہیں ہم بیان کرتے ہیں انہیں لوگوں (کو سمجھانے) کے لئے۔ اور نہیں سمجھتے انہیں مگر اہل علم''۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ جب میں کوئی مثال قرآن کریم میں پڑھتا اور اسے سمجھ نہ سکتا تو مجھے اپنے آپ پر رونا آجاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی ہے جس سے دل اپنے یقین اور شک کے مطابق فائدہ اٹھاتے ہیں۔ شک کے ساتھ کسی عمل کا کوئی فائدہ نہیں اور یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نفع پہنچاتا ہے۔ ''زَبَدًا'' سے مراد شک ہے جو اکارت جاتا ہے اور مَا يَنْفَعُ النَّاسَ سے مراد یقین ہے جو ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ جس طرح زیورات کو آگ میں ڈالا جاتا ہے تو ان میں سے خالص لے لیا جاتا ہے اور میل کچیل کو آگ میں ہی جلنے دیا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ یقین کو قبول فرماتا ہے جبکہ شک کو رد کر دیتا ہے۔ یہ آپ سے علی بن ابی طلحہ نے بیان کیا ہے۔ عوفی آپ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ پانی کے اوپر جھاگ اور تنکے وغیرہ اور اسی طرح سونا، چاندی، تانبا، لوہا اور دیگر معدنیات کی کھوٹ اور میل کچیل بےکار، فضول، اور غیر نافع چیزیں ہیں۔ لوگوں کو معدنیات اور پانی سے فائدہ پہنچتا ہے، اسی طرح جو پانی زمین میں جذب ہو جائے تو وہ اس کے لئے فائدہ بخش ہوتا ہے۔ جس طرح جھاگ اور میل کچیل کا جلد ہی خاتمہ ہو جاتا ہے اور پانی اور معدنیات سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں یہی مثال اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ کی ہے۔ اعمال صالحہ ہمیشہ برقرار رہتے ہیں اور نفع پہنچاتے ہیں لیکن اعمال سیئہ بےکار اور غیر نافع ہی رہتے ہیں۔ اسی طرح حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا۔ جس نے اس پر عمل کیا، اسے بقا حاصل ہوگئی بالکل اسی طرح جیسے نفع رساں چیزیں زمین پر باقی رہتی ہیں اور اسی طرح لوہا ہے جسے آگ میں داخل کئے بغیر اس سے چھری یا تلوار نہیں بنائی جاسکتی۔ آگ میل کچیل کو کھا جاتی ہے اور عمدہ کو باہر نکال دیتی ہے جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اسی طرح باطل کو زوال ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا، لوگوں کو حاضر کیا جائے گا اور اعمال پیش ہوں گے تو باطل فنا ہو جائے گا اور اہل حق حق سے ہی فائدہ اٹھائیں گے (1)۔ مجاہد، حسن بصری، عطاء، قتادہ اور دیگر علمائے سلف وخلف سے اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کے آغاز میں منافقین کے لئے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں:

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 135

ایک آگ کی اور دوسری پانی کی۔ فرمایا: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ (البقرة:17) ''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی۔ پھر جب جگمگا اٹھا اس کا آس پاس تو لے گیا اللہ ان کا نور اور چھوڑ دیا انہیں گھپ اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے''، پھر فرمایا: أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمَٰتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَٰبِعَهُمْ فِيٓ ءَاذَانِهِم مِّنَ الصَّوَٰعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ (البقرة:19) ''یا پھر جیسے زور کا مینہ برس رہا ہو بادل سے جس میں اندھیرے ہوں اور گرج اور چمک ہو ٹھونستے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے باعث موت کے ڈر سے''، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں کفار کے لئے دو مثالیں بیان کی ہیں، ایک میں فرمایا: وَالَّذِينَ كَفَرُوٓا أَعْمَٰلُهُمْ كَسَرَابٍ (النور:39)۔ ''سراب سخت گرمی میں دکھائی دیتا ہے''، حدیث شریف میں آتا ہے: ''قیامت کے دن یہود سے کہا جائے گا کہ تمہاری کیا خواہش ہے؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم پیاسے ہیں، ہمیں پانی چاہئے، انہیں کہا جائے گا کہ تم پانی پینے کے لئے جاتے کیوں نہیں؟ وہ آگ میں جائیں گے تو انہیں جہنم سراب کی طرح دکھائی دے گا(1)۔ دوسری مثال میں فرمایا: أَوْ كَظُلُمَٰتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ (النور:40)۔ ''یا (اعمال کفار) گہرے سمندر میں اندھیروں کی طرح ہیں''۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے جس ہدایت اور علم کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے اس کی مثال بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی۔ زمین کا ایک ٹکڑا ایسا تھا جس نے پانی کو قبول کیا اور گھاس، سبزہ اور چارہ بکثرت اگایا اور اس کے بعض ٹکڑے بنجر تھے جنہوں نے پانی کو روک لیا تو ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نفع پہنچایا، انہوں نے خود بھی پیا، جانوروں کو بھی پلایا اور کھیتوں کو بھی سیراب کیا اور زمین کے کچھ ایسے ٹکڑوں پر بارش برسی جو سخت اور سنگلاخ تھے، جنہوں نے نہ پانی روکا اور نہ سبزہ اگایا۔ یہ مثال اس شخص کی ہے جس نے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے میری بعثت سے فائدہ پہنچایا، اس نے خود بھی علم سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا اور اس شخص کی مثال ہے جس نے اس کے لئے سر بھی نہ اٹھایا اور نہ اس ہدایت کو قبول کیا جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے''(2)۔ یہ پانی کی مثال ہے۔ ایک دوسری حدیث میں جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''میری اور تمہاری مثال ایسے شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی۔ جب آگ نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا تو پتنگے اور وہ کیڑے جو آگ میں گرتے ہیں، آگ میں گرنا شروع ہو گئے، آدمی نے انہیں بہت ہٹایا لیکن وہ اس (آگ) میں گھس جانے پر ہی مصر رہے۔ یہ میری اور تمہاری مثال ہے، میں تمہیں کمربند سے پکڑ پکڑ کر آگ سے دور کرتا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ آگ سے بچو لیکن تم منہ زور ہو کر آگ میں گھسے جا رہے ہو''(3)۔ یہ آگ کی مثال ہے۔

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾

''ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنے رب کا حکم مان لیا بھلائی (ہی) بھلائی ہے اور جنہوں نے نہیں مانا اس کا حکم تو اگر ان کی

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 420-422۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان: 167-171

2۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 30۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1788-1789

3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 127۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1789، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 312

ملک میں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور اتنا ہی اور اس کے ساتھ تو وہ (عذاب سے بچنے کے لئے) اسے بطور فدیہ دے دیں۔ یہی وہ (بدنصیب) ہیں جن کے لئے سخت باز پرس ہوگی اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری قرارگاہ ہے''۔

سعادت مند اور بدبختوں کا بیان ہو رہا ہے۔ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ کے اوامر کو بجالائے اور گزشتہ اور آئندہ خبروں کی تصدیق کی تو ان کے لئے اچھی جزاء ہے جیسا کہ ذوالقرنین کے متعلق بتایا: اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا (الکہف:88-87) ''جس نے ظلم (کفر وفسق) کیا تو ہم ضرور اسے سزا دیں گے پھر اسے لوٹا دیا جائے گا اس کے رب کی طرف تو وہ اسے عذاب دے گا بڑا ہی سخت عذاب۔ اور جو شخص ایمان لایا اور اچھے عمل کئے تو اس کے لئے اچھا معاوضہ ہے۔ اور ہم اسے حکم دیں گے ایسے احکام بجالانے کا جو آسان ہوں گے''۔ اور فرمایا: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ (یونس:26) ''ان کے لئے جنہوں نے نیک عمل کئے نیک جزاء ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے'' اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے اگر قیامت کے دن انہیں زمین بھر سونا مل جائے بلکہ اتنی مقدار میں اور حاصل ہو جائے اور یہ عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے اسے بطور فدیہ پیش کریں تو بھی اللہ تعالیٰ ان سے قبول نہیں فرمائے گا کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ کوئی فدیہ قبول کرے گا اور نہ کوئی معاوضہ۔ دار آخرت میں معمولی معمولی چیزوں پر بھی ان سے سخت باز پرس ہوگی اور جس کے ساتھ حساب میں مناقشہ شروع ہو گیا اس کے لئے عذاب حتمی اور یقینی ہے، اس لئے فرمایا: وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ ۝

''تو کیا جو شخص جانتا ہے کہ جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے وہ حق ہے وہ اس جیسا ہوگا جو اندھا ہے۔ نصیحت صرف وہی قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ شخص جو اس بات کا علم رکھتا ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کی طرف نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے جس میں کوئی شک و شبہ، التباس اور اختلاف نہیں ہے بلکہ یہ تمام کا تمام حق ہے جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے، اس میں تضاد نام کی کوئی چیز نہیں، اس کی خبریں حق ہیں، اس کے اوامر اور نواہی عدل پر مبنی ہیں جیسا کہ فرمایا: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (الانعام:115) ''اور مکمل ہوگئی آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے''، یہ شخص اس اندھے کی طرح نہیں ہو سکتا جو ہدایت کی طرف راہ ہی نہیں پاتا اور نہ اسے سمجھتا ہے۔ بالفرض اگر وہ اسے سمجھ بھی لے تو اس کی نہ اتباع کرتا ہے اور نہ تصدیق جیسا کہ فرمایا: لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ (الحشر:20) ''یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی اور اہل جنت۔ اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں''۔ اور یہاں فرمایا: اَفَمَنْ يَّعْلَمُ...... هُوَ اَعْمٰى یعنی کیا یہ اس کی طرح ہے؟ کوئی یکسانیت نہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی عقول سلیمہ کے مالک ہی سمجھتے ہیں، نصیحت پکڑتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شامل فرمائے!

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۙ ۝ وَ الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ يَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ ۭ ۝ وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ

وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾

''وہ جو پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو اور نہیں توڑتے پختہ وعدہ کو اور جو لوگ جوڑتے ہیں اسے جس کے متعلق حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ جوڑا جائے اور ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے اور خائف رہتے ہیں سخت حساب سے اور جو لوگ (مصائب و آلام میں) صبر کرتے رہے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز کو اور خرچ کرتے رہے اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر اور مدافعت کرتے رہتے ہیں نیکی سے برائی کی انہیں لوگوں کے لئے دار آخرت کی راحتیں ہیں (یعنی) سدا بہار باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور جو صالح ہوں گے ان کے باپ دادوں، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے (وہ بھی داخل ہوں گے) اور فرشتے (یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے ان پر ہر دروازہ سے سلامتی ہو تم پر بوجہ اس کے جو تم نے صبر کیا پس کیا عمدہ ہے یہ آخرت کا گھر''۔

مذکورہ صفات حمیدہ سے متصف اہل ایمان کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی اور اچھا انجام مقدر ہے اور اُخروی راحتیں صرف انہیں ہی حاصل ہوں گی۔ ان کا شیوہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو ایفاء کرتے ہیں اور عہد شکنی نہیں کرتے۔ یہ منافقین کی طرح نہیں ہیں کہ جب ان میں سے کوئی عہد کرتا ہے تو غدر کرتا ہے، جب جھگڑا کرتا ہے تو گالی گلوچ پر اتر آتا ہے، جب گفتگو کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اس میں خیانت کرتا ہے۔ یہ نفوس قدسیہ ان رشتوں کو جوڑتے ہیں جن کے جوڑنے کا انہیں حکم دیا گیا ہے، صلہ رحمی کرتے ہیں، رشتہ داروں اور ضرورت مندوں کی ضروریات کا خیال کرتے ہوئے ان کی ہر ممکن مدد کرتے ہیں اور اپنے تمام اعمال میں جن کو وہ بجالاتے ہیں یا ترک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات سے ڈرتے ہیں اور انہیں دار آخرت میں سخت حساب کا اندیشہ ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام حرکات و سکنات اور تمام احوال میں صبر و استقامت کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا...... یعنی یہ وہ حضرات ہیں جو اپنے رب کی خوشنودی کے لئے محرمات اور گناہوں سے احتراز پر ڈٹ جاتے ہیں اور پسندیدہ شرعی طریقے کے مطابق نماز کو مکمل حدود، اوقات، رکوع، سجود اور خشوع و خضوع کے ساتھ قائم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے دن رات خفیہ اور اعلانیہ ان لوگوں پر خرچ کرتے ہیں جن پر خرچ کرنا ضروری ہے یعنی اہل و عیال، قریبی رشتہ دار، فقراء، مساکین اور محتاج۔ مزید برآں وہ نیکی کے ذریعے برائی کو دور کرتے ہیں۔ اگر کوئی انہیں اذیت بھی پہنچائے تو بھی یہ صبر و تحمل اور عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے احسان کے ساتھ ہی جواب دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ (حم السجدة :35-34) ''برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے پس ناگہاں وہ شخص، تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے، یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان (خصائل حمیدہ) کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو''۔ اس لئے ان صفات حسنہ سے

متصف سعادت مندوں کے متعلق فرمایا کہ اچھا انجام اور دار آخرت کی راحتیں ان حضرات کے لئے ہی ہیں، پھر عُقْبَى الدَّارِ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: جَنّٰتُ عَدْنٍ یعنی ہمیشہ رہنے والے باغات جہاں ان کا قیام بھی دائمی ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک محل ہے جس کا نام عدن ہے، اس کے اردگرد برج اور (1)۔ مرغزار ہیں، اس میں پانچ ہزار دروازے ہیں اور ہر دروازے پر پانچ ہزار فرشتے ہیں۔ یہ محل انبیاء، صدیقین اور شہداء کے لئے مخصوص ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ یہ جنت کا شہر ہے جس میں انبیاء، رسل، شہداء اور ائمہ ہدایت ہوں گے، باقی لوگ ان کے اردگرد ہوں گے اور اس (شہر) کے اردگرد جنتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سعادت مندوں کے ساتھ ان کے نیکوکار آباؤ اجداد، زوجات اور اولاد کو بھی ملا دے گا تاکہ جنت میں ان سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی رہیں یہاں تک کہ ان میں سے ادنیٰ درجہ والے کو بھی اعلیٰ درجے والے کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور اعلیٰ درجے کے حامل فرد کے درجہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (الطور: 21) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ، ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو''۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ...... عُقْبَى الدَّارِ یعنی فرشتے دخول جنت کی مبارکباد دینے کے لئے ہر طرف سے ان پر داخل ہوں گے اور ان کے پاس آکر انہیں سلام پیش کریں گے اور اس بات پر ہدیہ تبریک پیش کریں گے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب، انعام اور جنت میں انبیاء، رسل اور صدیقین کی معیت میں اقامت سے سرفراز کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ مخلوق خدا میں سب سے پہلے کون جنت میں داخل ہوگا؟'' صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''مخلوق میں سے سب سے پہلے وہ فقراء مہاجرین جنت میں داخل ہوں گے جن کے ذریعے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے، تکالیف سے بچاؤ کیا جاتا ہے اور ان میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو اس کی حاجت اور امنگ اس کے دل میں ہی ہوتی ہے جسے پورا کرنا اس کے بس میں نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ جن فرشتوں کو چاہے گا حکم دے گا کہ میرے ان بندوں کے پاس جاؤ اور انہیں سلام کرو۔ فرشتے عرض کریں گے کہ اے پروردگار! ہم تیرے آسمان کے مکین ہیں اور تیری مخلوق میں سب سے بہتر ہیں، کیا تو ہمیں ان کے پاس جانے اور انہیں سلام کرنے کا حکم فرما رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ میرے ایسے بندے ہیں جو صرف میری عبادت کرتے تھے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے، ان کے باعث سرحدوں کی حفاظت کی جاتی اور تکالیف سے بچاؤ کیا جاتا اور یہ اپنی ضروریات اپنے سینے میں تشنہ تکمیل لئے فوت ہو جاتے۔ چنانچہ فرشتے ہر دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (2)۔ حضرت عبداللہ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے فقراء مہاجرین کا وہ گروہ جنت میں داخل ہوگا جن کے ذریعے ناپسندیدہ چیزوں سے بچاؤ کیا جاتا ہے۔ جب انہیں حکم دیا جائے تو سنتے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں۔ حاکم وقت سے ان کی ضروریات مرتے دم تک تشنہ تکمیل رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت کو بلائے گا تو وہ خوب آراستہ و پیراستہ اور بنی سنوری حاضر ہوگی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے وہ بندے کہاں ہیں جو میرے رستہ میں لڑتے رہے، میری خاطر انہیں اذیتیں دی گئیں اور میری راہ میں وہ مشغول جہاد رہے؟ ان سے فرمایا جائے گا کہ جنت میں بغیر عذاب اور حساب کے داخل ہو جاؤ۔ ملائکہ حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر جائیں گے اور عرض کریں گے: اے پروردگار! ہم دن رات تیری حمد کے ساتھ تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں، یہ کون لوگ ہیں جنہیں

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 168

2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 141-142

تو نے ہم پر فضیلت اور ترجیح دی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ میرے وہ بندے ہیں جو میرے رستے میں جہاد کرتے رہے اور میری خاطر اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ چنانچہ فرشتے ہر دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے: سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ......(1)۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن جنت میں ایک آراستہ تخت پر بڑی آن بان سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا۔ خدام کی دو قطاریں اس کے ادھر ادھر کھڑی ہوں گی ہر قطار کی طرف پر دروازہ ہوگا۔ ایک فرشتہ آئے گا اور دروازے کے ساتھ کھڑے خادم سے اجازت طلب کرے گا وہ اپنے ساتھ والے خادم سے کہے گا کہ ایک فرشتہ اذن باریابی طلب کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ پیغام مومن کے پاس پہنچ جائے گا، وہ کہے گا کہ اسے آنے کی اجازت دے دو۔ مومن کے سب سے زیادہ قریب خادم اپنے ساتھ والے خادم سے کہے گا کہ فرشتے کو آنے دو، آخر کار اذن کا یہ پیغام دروازے والے خادم تک پہنچ جائے گا، وہ دروازہ کھول کر فرشتے کو اندر آنے کی اجازت دے گا۔ وہ (فرشتہ) داخل ہو کر سلام کرے گا اور واپس لوٹ جائے گا(2)۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال کے آغاز پر شہداء کی قبروں کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے اور فرماتے: سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ آپ ﷺ کے بعد حضرات ابو بکر، عمر و اور عثمان رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول رہا۔

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ۝۲۵

”اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ (سے کئے ہوئے) وعدہ کو اسے پختہ کرنے کے بعد اور کاٹتے ہیں ان رشتوں کو جن کے متعلق حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ انہیں جوڑا جائے اور (فتنہ و) فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے“۔

یہاں بدبختوں کی صفات اور آخرت میں ان کے برے انجام کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کی حالت اہل ایمان سے مختلف ہے۔ اہل ایمان تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کا ایفاء کرتے ہیں اور صلہ رحمی کرتے ہیں لیکن یہ بدبخت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو توڑتے ہیں اور ان رشتوں کو بھی قطع کرتے ہیں جن کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے، علاوہ ازیں زمین میں فساد اور خرابی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ”منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے“۔ ایک اور روایت میں آتا ہے: ”جب وہ عہد کرے تو غدر کا مرتکب ہو اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اتر آئے“(3)۔ اس لئے فرمایا: اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ...... لعنت کا مطلب ہے رحمت سے دور کر دینا۔ ان کے لئے لعنت اور جہنم کا برا ٹھکانا ہے، ابو العالیہ کہتے ہیں کہ یہ چھ خصلتیں ہیں جن کا اظہار منافقین اس وقت کرتے ہیں جب انہیں لوگوں پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ وہ چھ خصائل یہ ہیں: گفتگو میں جھوٹ، وعدہ خلافی، امانت میں خیانت، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے پختہ عہد کو توڑنا، قطع تعلقی اور فساد، اور جب یہ مغلوب ہو جائیں تو بھی ان تین خصلتوں کے اظہار سے باز نہیں آتے: جھوٹ، وعدہ خلافی اور خیانت۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي

1۔ معجم طبرانی　2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 142　3۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 177

الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

''اللہ تعالیٰ کشادہ روزی دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تنگ روزی دیتا ہے (جسے چاہتا ہے) اور کفار بڑے مسرور ہیں دنیوی زندگی (کی راحتوں) سے اور (حقیقت یہ ہے کہ) نہیں ہے دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں مگر متاع حقیر''۔

اللہ تعالیٰ جس پر چاہے رزق کی فراوانی کر دیتا ہے اور جس پر چاہے رزق تنگ کر دیتا ہے۔ رزق کی یہ تقسیم نہایت ہی عادلانہ اور حکیمانہ ہے۔ یہ کفار دنیا ملنے پر خوشی سے پھولے نہیں سماتے حالانکہ اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دے کر اور نعمتوں سے نواز کر آہستہ آہستہ عذاب کے قریب لا رہا ہے جیسا کہ فرمایا: اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ (المومنون: 56-55) ''کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت) سے تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں''، پھر دار آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں دنیاوی زندگی کو ہیچ اور حقیر گردانتے ہوئے فرمایا: وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا (النساء: 77) ''(اے ترجمان حقیقت انہیں) کہو دنیا کا سامان بہت قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کے لئے جو تقویٰ اختیار کئے ہے اور نہیں ظلم کیا جائے گا تم پر کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر''، بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۱۶﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (الاعلیٰ: 17-16) ''البتہ تم لوگ دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور باقی رہنے والی ہے''، رسول اللہ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا: ''دنیا آخرت کے مقابلے میں یوں ہے جیسے کوئی آدمی اپنی ہی انگلی سمندر میں ڈبوئے، پھر دیکھے کہ اس کے ساتھ کتنا پانی آتا ہے'' (1)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بکری کے ایک چھوٹے چھوٹے کانوں والے مردہ بچے کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''اللہ کی قسم! جس قدر یہ (مردہ بچہ) اپنے مالکوں کے لئے ہیچ ہے، دنیا اس سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہیچ ہے'' (2)۔

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾

''اور کفار کہتے ہیں (کہ اگر یہ سچے نبی ہیں) تو کیوں نہ اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے۔ آپ فرمائیے (نشانیاں تو بہت ہیں) لیکن اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور رہنمائی فرماتا ہے اپنی (بارگاہ قرب کی) طرف جو صدق دل سے رجوع کرتا ہے (یعنی) جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے ہیں جن کے دل ذکر الٰہی سے۔ دھیان سے سنو! اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو ایمان بھی لائے اور عمل (بھی) نیک کئے مژدہ ہو ان کے لئے اور (انہی کے لئے) اچھا انجام ہے''۔

مشرکین کے قیل وقال کے متعلق بتایا جا رہا ہے وہ کہتے کہ اس (حضور ﷺ) پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی

1۔ صحیح مسلم، جلد 8 صفحہ 156، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 228
2۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2272، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 365 وغیرہ

جیسا کہ ایک اور آیت میں بھی ان کا یہ مطالبہ مذکور ہے: فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ (الانبیاء:5) ”تو لے آئے ہمارے پاس کوئی نشانی جس طرح بھیجے گئے تھے پہلے انبیاء“، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مشرکین نے حضور ﷺ نے یہ مطالبہ کیا کہ آپ ان کے لئے صفا پہاڑی کو سونا بنا دیں، ان کے لئے چشمے جاری کر دیں اور مکہ کے گردونواح سے پہاڑ ہٹا کر ان کی جگہ مرغزار اور باغات بسا دیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا اگر آپ چاہیں تو میں ان کے مطالبات پورے کر دوں اور ان کی مطلوبہ چیزیں انہیں عطا کر دوں لیکن اس کے بعد اگر انہوں نے کفر کیا تو انہیں ایسا عذاب دوں گا جو کسی کو نہ دیا ہوگا اور اگر آپ کی خواہش ہو تو میں ان پر اپنی رحمت اور توبہ کا دروازہ کھلا رکھوں تو آپ ﷺ نے عرض کی: ”بلکہ توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رکھیں“(1)۔ اس لئے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا: قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ...... یعنی ہدایت و گمراہی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اگرچہ ان کفار و مشرکین کے تجویز کردہ معجزات پیغمبروں کے ذریعے انہیں دکھائے جائیں یا نہ دکھائے جائیں۔ ہدایت اور گمراہی کسی معجزے کے دیکھنے یا نہ دیکھنے کے ساتھ وابستہ نہیں، جیسا کہ فرمایا: وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (یونس:101) ”اور فائدہ نہیں پہنچاتیں آیتیں اور ڈرانے والے اس قوم کو جو ایمان نہیں لانا چاہتے“، اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس:96) ”بیشک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آجائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب“، وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ (الانعام:111) ”اور اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو تب بھی وہ ایمان نہ لاتے۔ مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ لیکن اکثر ان میں سے (بالکل) جاہل ہیں“۔ اس لئے فرمایا: قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ...... یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور ہدایت سے اسے نوازتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے، اسی سے مدد مانگے اور اسی کے حضور عجز و نیاز کا اظہار کرے۔ یہ وہ سعادت مند ہیں جو ایمان لائے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں، اسی کی یاد سے تسکین پاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہو جاتا ہے، اس لئے فرمایا: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ...... پھر فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ......

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ان اہل ایمان کو دل کی مسرت اور آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوگی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ جو انعامات انہیں حاصل ہوں گے وہ نہایت عمدہ ہوں گے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ انہیں لائق رشک مقام حاصل ہوگا۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ ان کے لئے خیر ہی خیر ہوگی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ”طُوْبٰى“ عربی زبان کا لفظ ہے، کہا جاتا ہے: ”طُوْبٰى لَكَ“ یعنی تم نے خیر کو پالیا۔ ایک اور روایت میں قتادہ ”طُوْبٰى“ کا معنی نیکی بتاتے ہیں۔ ”طُوْبٰى“ کے بارے میں مذکورہ تمام اقوال کا مدعا ایک ہی ہے، ان اقوال کے درمیان کوئی منافات اور تضاد نہیں۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ ”طُوْبٰى“ حبشی زبان میں جنت کی زمین کو کہا جاتا ہے۔ سعید بن مسجوع کہتے ہیں کہ ہندی زبان میں ”طُوْبٰى“ جنت کا نام ہے۔ عکرمہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ”طُوْبٰى“ سے مراد جنت ہے اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نقل کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ جنت کی تخلیق سے فارغ ہو گیا تو اس نے فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ یہ اس وقت فرمایا جب جنت پسند آگئی(2)۔ شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ ”طُوْبٰى“ جنت میں ایک درخت ہے جس سے جنت کے تمام درخت پھوٹے ہیں، اس کی شاخیں تمام جنت بلکہ باہر تک پھیلی ہوئی ہیں، اور ہر گھر میں اس کی

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 242 2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 147

شاخ موجود ہے۔ حضرات ابوہریرہ، ابن عباس، مغیث بن سلیمان، ابواسحاق السبیعی اور دیگر سلف سے یہی مروی ہے۔ بعض نے یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خود اپنے ہاتھ سے بویا ہے اور موتی کے دانہ سے اسے اگایا ہے۔ بحکم خدا یہ پھیلتا چلا گیا جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ اس کی جڑوں سے شہد، شراب، پانی اور دودھ کی جنتی نہریں نکلتی ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے: ''''طُوْبٰی'' جنت میں ایک سو سال کی مسافت کا درخت ہے، اس کے خوشوں سے اہل جنت کے لباس نکلتے ہیں'' (1)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اس شخص کو مبارک ہو جس نے آپ ﷺ کی زیارت کی اور آپ ﷺ پر ایمان لایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مبارک ہو اس شخص کو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لے آیا اور مبارک ہو، مبارک ہو پھر مبارک ہو اس شخص کو جو مجھ پر ایمان لایا لیکن اس نے مجھے دیکھا نہیں''۔ اس آدمی نے عرض کہ ''طُوْبٰی'' کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جنت میں ایک درخت جس کی مسافت ایک سو سال ہے، جنتیوں کے کپڑے اس کی شاخوں سے برآمد ہوں گے'' (2)۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سائے میں ایک سوار سو سال تک چلتا رہے گا لیکن اسے طے نہیں کر سکے گا''۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار شخص سو سال چلتا رہے گا لیکن پھر بھی اسے عبور نہیں کر سکے گا'' (3)۔ صحیح بخاری میں ''وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ'' کی تفسیر میں بھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا (4)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے تلے ایک سوار ستر یا سو سال تک چلتا رہے گا، یہ شجرۃ الخلد ہے'' (5)۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''ایک سوار اس کی ایک ٹہنی کے سائے میں سو سال چلتا رہے گا...... یا یہ فرمایا کہ سو سوار اس کی ایک شاخ تلے ٹھہر سکیں گے، اس کے نیچے سونے کا فرش بچھا ہے اور اس کے پھل مٹکوں کی طرح ہیں'' (6)۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جو بھی جنت میں داخل ہوگا اسے ''طُوْبٰی'' کے پاس لے جایا جائے گا اور اس کے شگوفوں کے غلاف اس کے سامنے کھول دیئے جائیں گے، جسے چاہے پسند کر لے۔ چاہے تو سفید، یا سرخ، یا زرد اور اگر چاہے تو سیاہ، گل لالہ کی طرح نہایت ہی خوبصورت اور نرم'' (7)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''طُوْبٰی'' جنت میں ایک درخت ہے، اسے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندوں کے لئے ان کی من پسند چیزیں نکال تو اس میں سے زین و لگام سمیت گھوڑے، مہار سمیت اونٹ اور لباس نکلیں گے (8)۔ ابن جریر نے وہب بن منبہ سے ایک عجیب و غریب اثر نقل کیا ہے، وہب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جنت میں ''طُوْبٰی'' نامی ایک درخت ہے، ایک سوار اس کے سائے تلے سو سال سفر کرنے کے باوجود اسے عبور نہیں کر سکے گا۔ اس کے پھول کلیاں تر و تازہ چمن ہیں، اس کے پتے دھاری دار چادریں ہیں، اس کی ٹہنیاں عنبر ہیں، اس کے کنکر یاقوت ہیں، اس کی مٹی کافور ہے، اس کا کیچڑ کستوری ہے، اس کی جڑوں سے شراب، دودھ اور شہد کی نہریں نکلتی ہیں، اس کے نیچے اہل جنت کی مجلسیں ہوں گی۔ دریں اثناء وہ اپنی مجلسوں میں ہوں گے کہ فرشتے اپنے رب کی طرف سے ان کے پاس عمدہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 49
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 71
3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 142، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2176
4۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 14
5۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 455
6۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 12
7۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 644 بحوالہ ابن ابی شیبہ
8۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 147

اونٹنیاں لے کر آئیں گے جن کی مہاریں سنہری زنجیریں ہوں گی، ان کے چہرے حسن و جمال میں روشن چراغوں کی طرح ہوں گے، ان کے بال ریشم جیسے نرم ہوں گے، ان پر یاقوت کے پالان ہوں گے جن پر سونے کا جڑاؤ ہوا ہوگا، نہایت عمدہ ریشم کی جھولیں ہوں گی۔ فرشتے وہ اونٹنیاں ان کے سامنے پیش کریں گے اور کہیں گے کہ پروردگار عالم نے ہمیں تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ تم ان اونٹنیوں پر سوار ہو کر رب کریم کے حضور حاضری دو، اس کا دیدار کرو اور سلام عرض کرو۔ وہ جنتی ان اونٹنیوں پر سوار ہو جائیں گے، ان کی رفتار پرندوں سے بھی زیادہ ہوں گی اور وہ بہت مطیع ہوں گی۔ ایک جنتی اپنے دوسرے جنتی ساتھی کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اور سرگوشیاں کرتے ہوئے چل رہا ہوگا لیکن مجال نہیں کہ دونوں کی سواریوں کے کان بھی ٹکرا جائیں یا وہ رستے میں بیٹھ جائیں۔ درخت خود بخود ان کے رستے سے ہٹتے جائیں گے۔ چنانچہ وہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے چہرے سے پردہ ہٹادے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور کہیں گے: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَحَقٌّ لَكَ الْجَلَالُ وَالْاِكْرَامُ ''اے اللہ! تو ہی سلامت رکھنے والا ہے اور تیری طرف سے ہی سلامتی ہے اور تیرے لئے ہی جلالت واکرام ثابت ہے''۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اَنَا السَّلَامُ وَمِنِّی السَّلَامُ عَلَيْكُمْ حَقَّتْ رَحْمَتِیْ وَمَحَبَّتِیْ مَرْحَبًا بِعِبَادِیَ الَّذِيْنَ خَشُوْنِیْ بِغَيْبٍ وَاَطَاعُوْا اَمْرِیْ''۔ ''میں سلامت رکھنے والا ہوں، میری طرف سے ہی سلامتی ہے اور تم پر میری رحمت اور محبت ثابت ہوگئی۔ میرے ان بندوں کو خوش آمدید جو بن دیکھے مجھ سے ڈرتے رہے اور میرے حکم کی پیروی کرتے رہے''۔ وہ عرض کریں گے: اے پروردگار! ہم نے کماحقہ نہ تیری عبادت کی اور نہ تیری قدر پہچانی، ہمیں اپنے حضور سجدہ کرنے کی اجازت مرحمت فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ مشقت اور عبادت کا گھر نہیں بلکہ یہ تو نعمتوں اور راحتوں کا گھر ہے۔ میں نے عبادت کی مشقت تم سے زائل کردی، جو چاہو مجھ سے سوال کرو، تم میں سے ہر آدمی کی آرزو پوری کی جائے گی۔ جنتی اپنی اپنی خواہشات اور امنگیں پیش کریں گے یہاں تک کہ سب سے کم سوال کرنے والا اور سب سے چھوٹی آرزو والا کہے گا: اے میرے پروردگار! دنیادار دنیا کے حصول میں مقابلہ کرتے رہے لیکن اپنی آرزوئیں پانے سے قاصر رہے۔ یا اللہ! دنیا کی ابتداء سے لے کر انتہا تک جو تو نے پیدا کیا ہے اس کی مثل مجھے عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہاری آرزو تو بہت معمولی ہے اور تمہارے مقام و مرتبے سے بہت کمتر، یہ میں نے تمہیں عطا کیا۔ میری عطاء میں کوئی کمی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے بندوں کو ان نعمتوں سے شادکام کرو جن تک نہ ان کی خواہشات پہنچ سکیں اور نہ ان کا کبھی انہیں خیال آیا۔ چنانچہ وہ نعمتیں انہیں دی جائیں گی یہاں تک کہ ان کے دل کی امنگیں پوری ہو جائیں گی۔ جو چیزیں انہیں ملیں گی ان میں تیز رفتار گھوڑے ہوں گے۔ ان میں سے ہر چار پر ایک یاقوت سے بنا ہوا تخت ہوگا، ہر تخت پر سونے کا قبہ (خیمہ) ہوگا جس میں جنتی فرش ہوگا۔ ہر قبہ میں دو بڑی بڑی آنکھوں والی خوبصورت حوریں ہوں گی، ہر حور جنت کے دو حلے زیب تن کئے ہوگی جن میں جنت کا ہر رنگ جھلک رہا ہوگا، ہر قسم کی خوشبوئیں ان سے مہک رہی ہوں گی اور ان کے چہروں کی روشنی خیموں سے باہر سرایت کر رہی ہوگی دیکھنے والا گمان کرے گا کہ وہ باہر بیٹھی ہوئی ہیں، ان کی پنڈلی کا گودا باہر سے دکھائی دے رہا ہوگا جیسے سرخ یاقوت میں سفید لڑی۔ ہر ایک اپنی فضیلت اس طرح جانتی ہوگی جیسے سورج کی فضیلت پتھر پر اور جنتی بھی ان کی قدر پہچانتا ہوگا۔ جنتی ان کے پاس جائے گا تو وہ سلام کریں گی، بوس و کنار کریں گی اور اسے کہیں گی کہ ہمیں گمان بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ جیسا خاوند عطا فرمائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے ان جنتیوں کو اسی طرح صف بستہ واپس جنت میں ہر ایک کے ٹھکانے تک پہنچادیں گے (1)۔ ابن ابی حاتم

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 148-149

نے بھی یہ اثر وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے: فرشتے انہیں کہیں گے کہ اپنے رب کی عنایات ملاحظہ کرو تو وہ اعلیٰ درجہ کے حامل لوگوں کے پاس خیموں اور موتیوں سے بنے ہوئے بالا خانوں میں ہوں گے جن کے دروازے سونے کے، تخت یاقوت کے، فرش نرم اور موٹے ریشم کے اور منبر نور کے ہوں گے، سورج کی شعاعوں کی طرح ان کے دروازوں اور صحنوں سے نور پھوٹ رہا ہوگا۔ ان کے لئے اعلیٰ علیین میں یاقوت کے بنے ہوئے محلات ہوں گے جن میں سے نور ابل رہا ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس نور سے آنکھوں کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔ سفید یاقوت کے بنے ہوئے محلات کا فرش سفید ریشم کا ہوگا، سرخ یاقوت کے بنے ہوئے محلات کے فرش سرخ مخمل کے ہوں گے سبز یاقوت کے محلات میں سبز ریشم کے فرش بچھے ہوں گے اور زرد یاقوت کے محلات میں زرد ارغوانی فرش بچھے ہوں گے جن کے دروازے سبز زمرد، سرخ سونا اور سفید چاندی کے ہوں گے۔ ان دروازوں کے پائے جواہر کے ہوں گے، ان کی چھتیں موتیوں کے خیمے ہوں گے اور ان کے برج مرجان کے بالا خانے ہوں گے۔ جب یہ اپنے رب کے عطیات کی طرف متوجہ ہوں گے تو دیکھیں گے کہ سفید یاقوت کے گھوڑے ہیں جن میں روح پھونک دی گئی ہے، غلمان ان گھوڑوں کی لگامیں تھامے کھڑے ہیں۔ ان گھوڑوں کی لگامیں سفید چاندی کی ہوں گی جن میں موتیوں اور یاقوت کا جڑاؤ کیا ہوگا، ان کی زینیں ایسے تخت ہوں گے جن پر ریشم بچھا ہوگا۔ وہ گھوڑے انہیں لے کر باغات جنت میں کشاں کشاں سیر کروائیں گے۔ جب وہ اپنے ٹھکانوں میں پہنچیں گے تو فرشتوں کو نور کے منبروں پر بیٹھے ہوئے اپنا منتظر پائیں گے، وہ ان کا استقبال کریں گے، مصافحہ کریں گے اور انعامات خداوندی پر مبارکباد دیں گے۔ جب وہ اپنے محلات میں داخل ہوں گے تو وہاں ہر مطلوبہ چیز پالیں گے۔ ہر محل کے دروازے پر چار باغات ہوں گے۔ دو ہرے بھرے اور دو پھلدار۔ ان میں دو چشمے جاری ہوں گے، ہر پھل کے دو جوڑے ہوں گے، خیموں میں پست نگاہوں والی حوریں ہوں گی۔ جب وہ اپنے محلات میں قرار پذیر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت کرے گا کہ کیا تم نے اپنے رب کے کئے ہوئے وعدہ کو سچ پایا ہے؟ وہ عرض کریں گے: ہاں، اے ہمارے پروردگار! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم اپنے رب کے عطا کردہ ثواب سے راضی ہو گئے؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم تو راضی ہیں، تو بھی ہم سے راضی ہو جا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے اپنی رضا اور خوشنودی کے باعث ہی تمہیں اپنے گھر میں اتارا ہے، اپنا دیدار عطا کیا ہے اور میرے ملائکہ نے تم سے مصافحہ کیا ہے، تمہیں مبارک ہو، سکون و راحت کے ساتھ رہو۔ میں نے تمہیں اپنی ایسی عطاء سے نوازا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی، میری عطاء میں کوئی کمی نہیں۔ اس وقت وہ کہیں گے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے غم و حزن کو ہم سے دور کیا اور ہمیں اپنے فضل سے ہمیشگی کے گھر میں داخل فرمایا جہاں کوئی رنج، تھکاوٹ اور تکلیف نہیں۔ ہمارا رب بڑا مہربان اور قدر دان ہے (1)۔ یہ اثر غریب ہے لیکن اس کے بعض حصے کے شواہد موجود ہیں۔ صحیحین میں ہے کہ اس آدمی سے فرمائیگا جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا: ''تمنا کرو، وہ تمنائیں کرتا رہے گا یہاں تک کہ اس کی آرزوئیں ختم ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس چیز کی خواہش کرو، فلاں چیز کی تمنا کرو، اللہ تعالیٰ خود اسے یاد دلائے گا پھر فرمائے گا یہ سب کچھ میں نے تمہیں عطا کر دیا بلکہ اس سے دس گنا زیادہ اور بھی'' (2)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث قدسی میں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے میرے بندو! تمہارے اگلے پچھلے جن اور انسان اگر ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر ایک کو

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 647-649

2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 148، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 166

اس کی مطلوبہ چیز دے دوں تو میری بادشاہت میں اتنی بھی کمی نہیں ہوگی جتنی کمی سوئی کو سمندر میں ڈبونے سے ہوتی ہے"(1)۔ خالد بن معدان کہتے ہیں کہ جنت میں طوبیٰ نامی ایک درخت ہے اس کے تھن ہیں جن سے اہل جنت کے بچے دودھ پیتے ہیں اور نا تمام بچے جنت کی ایک نہر میں ہیں۔ قیامت کے دن یہ چالیس سال کے بن کر اٹھیں گے(2)۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۠ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝

"اسی طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ایک قوم میں جس سے پہلے گزر چکی ہیں کئی قومیں تا کہ آپ پڑھ کر سنائیں انہیں وہ (کلام) جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا اور یہ کفار انکار کر رہے ہیں رحمٰن کا۔ فرمائیے وہی میرا پروردگار ہے نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ اسی پر ہی میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور اس کی جناب میں رجوع کیے ہوں"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے رسول! جس طرح اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے آپ کو اس امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے، اسی طرح ہم نے گزشتہ امتوں کی طرف بھی رسول بھیجے لیکن انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔ اس میں آپ کے لئے اسوہ ہے۔ جس طرح ہم نے ان قوموں کو عذاب میں مبتلا کر کے برباد کیا اس طرح ایسے انجام سے انہیں بھی ڈرنا چاہئے کیونکہ ان کی تکذیب پہلی قوموں کی تکذیب کے مقابلے میں زیادہ شدید ہے، فرمایا: تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ (النحل:63) "بخدا! ہم نے بھیجا ہے (رسولوں کو) مختلف قوموں کی طرف سے آپ سے پہلے"، وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰي مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓي اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَاۗءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ (الانعام:34) "اور بے شک جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلائے جانے پر اور ستائے جانے پر یہاں تک کہ آ پہنچی انہیں ہماری مدد اور نہیں کوئی بدلنے والا اللہ کی باتوں کو اور آ ہی چکی ہیں آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں"، یعنی آخر کار ہم نے اپنے پیغمبروں اور ان کے پیروکاروں کو فتح و نصرت سے نوازا۔

وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ یعنی جس امت کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا ہے، یہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں اور اس کا اقرار نہیں کرتے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی صفات رحمٰن اور رحیم سے چڑ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیبیہ کے دن صلح نامہ پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھنے کو انہوں نے ناپسند کیا اور کہنے لگے کہ ہمیں نہیں معلوم رحمٰن اور رحیم کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے(3)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ (بنی اسرائیل:110) "آپ فرمائیے یا اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔ جس نام سے اسے پکارو اس کے سارے نام (ہی) اچھے ہیں"۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اسماء عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں"(4)۔ فرمایا: قُلْ هُوَ رَبِّيْ...... یعنی جس کا تم انکار کرتے ہو، میں اس کی ربوبیت اور الوہیت کا معترف ہوں، اسی پر میں ایمان لایا ہوں، تمام امور میں اسی پر بھروسہ کیے ہوئے ہوں اور اسی کی طرف میں نے لوٹ کر جانا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1994-1995
2۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 645
3۔ کتاب الشروط، جلد 5 صفحہ 331
4۔ صحیح مسلم، کتاب الآداب، جلد 3 صفحہ 1182

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا ؕ اَفَلَمْ یَایْــَٔسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۳۱﴾

’’اور اگر کوئی ایسا قرآن اترتا جس کے ذریعہ سے پہاڑ چلنے لگتے یا اس کے اثر سے پھٹ جاتی زمین یا مردوں سے اس کے ذریعے بات کی جا سکتی۔ (یہ قدرت سے بعید نہ تھا) بلکہ سب کام اللہ کے اختیار میں ہیں۔ (با ایں ہمہ وہ ایمان نہ لاتے) کیا نہیں جانتے ایمان والے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔ اور کفار اس حالت میں رہیں گے کہ پہنچتا رہے گا انہیں (آئے دن) اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی صدمہ یا اترتی رہے گی کوئی نہ کوئی مصیبت ان کے گھروں کے گردونواح میں یہاں تک کہ آ جائے اللہ کے وعدہ (کے ظہور کا دن) بیشک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا‘‘۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی مدح اور باقی ساری آسمانی کتب پر اس کی فضیلت کو ظاہر کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا...... یعنی اگر سابقہ کتابوں میں کوئی ایسی کتاب ہوتی جس کے ذریعے پہاڑ اپنی اپنی جگہ سے چلنے لگتے یا اس کے اثر سے زمین پھٹ جاتی یا قبروں میں مردے اس کے باعث کلام کرنے لگ جاتے تو یہ قرآن کریم ہی ہوتا جو اس بات کا اہل تھا کیونکہ یہ وہ سراپا اعجاز کتاب ہے کہ تمام جن وانس بھی اس کی مثل ایک سورت لانے سے بھی عاجز ہیں، اس کے باوجود یہ مشرک اس کا انکار کرتے ہیں۔ پھر فرمایا: بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا یعنی تمام امور کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جو وہ چاہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہو سکتا۔ جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے وہ ہدایت سے سرفراز فرمائے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ لفظ قرآن کا اطلاق تمام سابقہ کتب پر ہوتا ہے کیونکہ یہ سب سے مشتق اور ماخوذ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’داؤد پر قرآن آسان کر دیا گیا تھا۔ وہ اپنے سواری پر زین ڈالنے کا حکم دیتے اور زین ڈالے جانے سے پہلے ہی قرآن ختم کر لیتے اور وہ اپنے ہاتھوں کی کمائی سے ہی کھاتے تھے‘‘ (1)۔ قرآن سے مراد زبور ہے۔

اَفَلَمْ یَایْــَٔسِ...... جَمِیْعًا یعنی کیا اہل ایمان تمام مخلوق کے ایمان لانے سے مایوس نہیں ہوئے اور کیا انہیں معلوم نہیں ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دیتا کیونکہ اس قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی بلیغ معجزہ اور موثر دلیل نہیں کہ اگر اسے پہاڑ پر نازل کر دیا جاتا تو وہ خشیت الٰہی کے باعث ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ہر نبی کو ایسی چیز عطا کی گئی جس پر لوگ ایمان لائیں، مجھے جو ایسی چیز عطا کی گئی ہے وہ وحی خداوندی ہے، مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے‘‘ (2)۔ مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کا معجزہ اس کے وصال کے ساتھ ختم ہو گیا لیکن یہ قرآن ہمیشہ باقی رہے گا، نہ اس کے عجائبات ختم ہوتے ہیں، نہ کثرت تلاوت سے یہ فرسودہ ہوتا ہے اور نہ علماء اس سے سیر ہوتے ہیں۔ یہ سراپا سنجیدگی ہے، ہنسی مذاق نہیں۔ جو سرکش اسے ترک کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے توڑ کر رکھ دیتا ہے اور جو غیر قرآن سے ہدایت کا طالب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دیتا ہے۔ کفار مکہ نے حضور ﷺ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 194، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 314

2۔ صحیح بخاری، جلد 9 صفحہ 113، صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 92

سے مطالبہ کیا کہ مکہ کے پہاڑوں کو ہٹا دیا جائے تا کہ زمین فراخ ہو جائے اور اس میں ہم کھیتی باڑی کر سکیں یا حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح ہم ہوا کے دوش پر دور دراز کا فاصلہ آسانی سے طے کر لیں یا ہمارے لئے مردوں کو زندہ کیا جائے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے لئے مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے تو اس وقت یہ آیت اتری۔ یہ حدیث شریف میں موجود ہے۔ جس کے راوی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ قتادہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اگر غیر قرآن کے ساتھ ایسا ہوا ہوتا تو اس قرآن کے ساتھ بھی ایسا ضرور ہوتا(1)۔

بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ متعدد سلف نے اَفَلَمْ يَايْئَسِ کا معنی ''اَفَلَمْ يَعْلَمْ'' کیا ہے اور بعض نے ''اَفَلَمْ يَتَبَيَّنْ'' کیا ہے، یعنی کیا ان پر یہ واضح نہیں ہوا(2)۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ یہ مایوس ہونے کے معنی میں ہے یعنی اہل ایمان ان کفار کی ہدایت سے مایوس ہو گئے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا...... یعنی یہ کفار اپنی تکذیب کے باعث دنیا میں کسی نہ کسی صدمے سے دوچار ہوتے ہیں یا ان کے اردگرد کوئی نہ کوئی مصیبت اترتی رہتی ہے تا کہ یہ نصیحت اور عبرت حاصل کریں جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ (الاحقاف:27) ''اور ہم نے برباد کر دیئے وہ گاؤں جو تمہارے اردگرد (آباد) تھے اور ہم نے مختلف انداز میں اپنی نشانیاں پیش کیں شاید وہ (حق کی طرف) لوٹ آئیں''۔ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الانبیاء:44) ''اور وہ سرکش ہو گئے)۔ کیا وہ ملاحظہ نہیں کر رہے کہ ہم زمین (کی وسعتوں) کو گھٹاتے چلے جا رہے ہیں اس کی (چاروں) سمتوں سے۔ کیا وہ (ہماری تقدیر پر) غالب آ سکتے ہیں؟''۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ''تَحُلُّ'' میں ضمیر کا مرجع ''قَارِعَةٌ'' ہے۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ ''قَارِعَةٌ'' کا معنی اسلامی لشکر کا ایک دستہ ہے اور تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ سے مراد حضرت محمد ﷺ اور حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ میں وعدہ سے مراد فتح مکہ ہے(3)۔ عوفی آپ رضی اللہ عنہ سے ہی بیان کرتے ہیں کہ ''قَارِعَةٌ'' سے مراد آسمانی آفت اور تَحُلُّ قَرِيْبًا سے مراد حضور ﷺ کا ان کے ہاں اتر کر ان سے جنگ کرنا ہے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے نزدیک ''وَعْدُ'' سے مراد قیامت کا دن ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ یعنی اللہ تعالیٰ انبیاء و رسل اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ کئے گئے دنیا و آخرت میں فتح و نصرت کے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرتا جیسا کہ فرمایا: فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (ابراہیم:47) ''تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کرنے والا ہے اپنے رسولوں سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے (اور) بدلہ لینے والا ہے''۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

''اور بیشک تمسخر اڑایا گیا رسولوں کا جو آپ سے پہلے گزرے۔ پس میں نے ڈھیل دی کافروں کو (کچھ عرصہ تک) پھر میں نے پکڑ لیا انہیں۔ تو (دیکھو!) کیسا (بھیانک) تھا میرا عذاب''۔

کفار کی تکذیب پر اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ آپ سے قبل بھی پیغمبروں کا تمسخر اڑایا گیا، اس میں آپ کے لئے مثال اور نمونہ موجود ہے، ہم نے کفار کو مہلت دی پھر ان کی سخت گرفت کی۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے ان کے ساتھ کیسا

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 152 2۔ دیکھئے روح المعانی، جلد 13 صفحہ 156 3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 156

سلوک کیا اور کس عذاب میں انہیں مبتلا کیا جیسا کہ فرمان ہے: وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ (الحج:48) ''اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں میں نے (کافی عرصہ) ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (بھی جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری طرف ہی (سب کو) لوٹنا ہے''۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب اس کی گرفت کرتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا'' (1)۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (ہود:102) ''اور یونہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو درآنحالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ بیشک اسکی پکڑ بڑی دردناک (اور) سخت ہوتی ہے''۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۭ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾

''کیا وہ خدا جو نگہبانی فرما رہا ہے ہر نفس کی اس کے اعمال (نیک و بد) کے ساتھ۔ (ان کے بتوں جیسا ہے؟ ہرگز نہیں) اور ان مشرکین نے بنا لئے ہیں اللہ تعالیٰ کے شریک۔ فرمایئے ذرا نام تو لوان کا۔ (نادانو!) کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو ایسی بات سے جسے وہ (ہمہ دان) ساری زمین میں نہیں جانتا یا یونہی یاوہ گوئی کر رہے ہو۔ بلکہ آراستہ کر دیا گیا ہے کافروں کے لئے ان کا مکر و فریب اور روک دیئے گئے ہیں راہ (راست) سے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ ہونے دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں''۔

فرمایا: اَفَمَنْ...... كَسَبَتْ یعنی کیا وہ (اللہ تعالیٰ) جو ہر انسان کے اچھے برے اعمال کا محافظ، عالم اور رقیب ہے اور اس پر کوئی چیز مخفی نہیں جیسا کہ متعدد مقامات پر فرمایا: وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ (یونس:61) ''اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ آپ تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کچھ قرآن اور (اے لوگو!) نہ تم کچھ عمل کرتے ہو مگر (ہر حال میں) ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم شروع ہوتے ہو کسی کام میں''، وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا (الانعام:59) ''اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو''، وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (ہود:6) ''اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق۔ وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے''، سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ (الرعد:10) ''سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے اور وہ بھی جو چھپا رہتا ہے رات کے وقت اور جو چلتا پھرتا رہتا ہے دن کے وقت''، يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى (طٰہٰ:7) ''وہ تو بلاشبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی''، وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (الحدید:4) ''اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو۔ اور اللہ تعالیٰ، جو کچھ تم کرتے ہو (اسے) خوب دیکھنے والا ہے''۔ کیا ان صفات سے متصف اللہ تعالیٰ جو

6۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 6 صفحہ 93، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997

سب اعمال کو جانتا ہے، ان بتوں کی طرح ہوسکتا ہے جن کی یہ کفار و مشرکین عبادت کرتے ہیں حالانکہ یہ نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ اپنے لئے اور نہ ہی اپنے عبادت گزاروں کے لئے نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ دلالت کلام موجود ہونے کے باعث اس جواب کو حذف کر دیا گیا اور وہ یہ فرمان وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ہے۔

قُلْ سَمُّوْهُمْ آپ ان سے فرمائیں کہ ذرا تم اپنے بتوں کے نام تو لو، ان کی حقیقت حال سے آگاہ تو کرو تاکہ ان کی اصلیت ہر ایک پر عیاں ہو جائے۔ ان کی تو کوئی حقیقت ہے ہی نہیں، اس لئے فرمایا: اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ...... الْقَوْلِ یعنی ان کا کوئی وجود نہیں، کیونکہ اگر زمین میں ان کا وجود ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو ضرور معلوم ہوتا کیونکہ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں یا تم یونہی ظن و تخمین پر مبنی یا وہ گوئی کر رہے ہو۔ مجاہد نے ''ظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ'' کا معنی بیان کیا ہے: ظنی بات، ضحاک اور قتادہ نے اس کا معنی باطل قول کیا ہے یعنی تم محض ظن کی بناء پر ان بتوں کی عبادت کرتے ہو حالانکہ یہ نفع و نقصان کی قدرت نہیں رکھتے اور تم نے ویسے ہی انہیں معبود نام دے رکھا ہے، جیسا کہ فرمایا: اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى (النجم: 23) ''نہیں ہیں یہ مگر محض نام جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں نازل کی اللہ نے ان کے بارے میں کوئی سند۔ نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر گمان کی اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں۔ حالانکہ آگئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت''۔ یہاں فرمایا: بَلْ زُيِّنَ...... مجاہد کہتے ہیں کہ کفار کی گمراہی اور دن رات گمراہی کی دعوت دینے کے مکر و فریب کو ان کے لئے آراستہ کر دیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا: وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ...... (حم السجدة: 25) ''اور ہم نے مقرر کر دیئے ان کے لئے کچھ ساتھی پس انہوں نے آراستہ کر دکھایا انہیں......''، اور ان کفار کو راہ راست سے روک دیا گیا ہے۔ بعض نے ''وَصَدُّوْا'' صاد کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ راہ راست سے لوگوں کو منع کرتے ہیں۔ اور صاد کے ضمہ کے ساتھ ''صُدُّوْا'' بھی پڑھا گیا ہے یعنی انہیں راہ راست سے روک دیا گیا ہے، اس لئے فرمایا: وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا (المائدة: 41) ''اور جس کو ارادہ فرمالے اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنے کا تو نہیں طاقت رکھتا تو اس کے لئے اللہ سے کسی چیز کی''۔ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰي هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (النحل: 37) ''آپ خواہ کتنے ہی حریص ہوں ان کے ہدایت یافتہ ہونے پر مگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا جنہیں وہ (پیہم سرکشی کے باعث) گمراہ کر دیتا ہے اور نہیں ان کے لئے کوئی مدد کرنے والا''۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿٣٤﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿٣٥﴾

''ان (بدبختوں) کے عذاب ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت کا عذاب تو بڑا سخت ہوگا۔ اور نہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی بچانے والا۔ اس جنت کی کیفیت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے، ایسی ہے کہ رواں ہیں اس کے نیچے ندیاں اس کا پھل ہمیشہ رہتا ہے اور اس کا سایہ بھی نہیں ڈھلتا۔ یہ انجام ہے ان کا جو (اپنے رب سے) ڈرتے رہے اور کفار کا انجام آگ ہے''۔

کفار کے عتاب اور نیکوکاروں کے ثواب کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، مشرکین کی حالت اور ان کے کفر و شرک کو واضح کرنے کے بعد فرمایا:

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی اہل ایمان کے ہاتھوں انہیں قتل کرکے اور قید کرکے دنیاوی عذاب میں مبتلا کیا اور اس دنیاوی رسوائی کے علاوہ اخروی عذاب اس سے بھی بہت زیادہ سخت ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ملاعنہ کرنے والے میاں بیوی سے فرمایا: ''عذاب دنیا عذاب آخرت کے مقابلے میں بہت معمولی ہے'' (1)۔ واقعی ایسا ہی ہے جیسا آپ ﷺ نے فرمایا کیونکہ دنیا کا عذاب ختم ہو جانے والا ہے لیکن آخرت کا عذاب دائمی ہے۔ اس کی آگ دنیا کی آگ سے ستر حصے زیادہ تیز ہے اور پھر قید و بند جس کی شدت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ فرمایا: فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ (الفجر: 26) ''پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا۔ اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا''، وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا (الفرقان: 15-11) ''اور ہم نے تیار کر رکھی ہے ان کے لئے جو جھٹلاتے ہیں قیامت کو بھڑکتی ہوئی آگ۔ جب یہ آگ دیکھے گی انہیں دور سے تو وہ سنیں گے اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑنا اور جب انہیں پھینکا جائے گا اس آگ میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں میں جکڑ کر تو پکاریں گے وہاں موت کو۔ (کہا جائے گا بدبختو!) نہ مانگو آج ایک موت بلکہ مانگو بہت سی موتیں۔ ان سے پوچھیے (ذرا بتاؤ) یہ بھڑکتی ہوئی آگ بہتر ہے یا دائمی جنت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے۔ ہوگی یہ جنت ان کے اعمال کا صلہ اور (ان کی زندگی کا) انجام''۔ اس لئے اس کے ساتھ اہل جنت کی صفت اور حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا: مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ...... جس جنت کا وعدہ متقی لوگوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں ہر طرف نہریں رواں ہیں، جہاں اور جس طرح جنتی چاہیں ان کی مرضی کے مطابق نہروں کا رخ مڑ جائے گا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ (محمد: 15) ''احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے۔ اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا۔ اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔ اور نہریں ہیں شراب کی جو لذت بخش ہے پینے والوں کے لئے۔ اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے۔ اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور (مزید برآں ان کے لئے) بخشش ہوگی''، اس جنت کے پھل، اور خورونوش کی باقی اشیاء دائمی ہوں گی، نہ منقطع ہوں گی اور نہ فناء۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے صلوٰۃ کسوف پڑھی تو صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم نے یہاں آپ کو دیکھا کہ آپ نے کوئی چیز پکڑنا چاہی لیکن پھر آپ پیچھے ہٹ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جنت کو دیکھا اور (انگوروں کا) ایک خوشہ توڑنا چاہا اور اگر میں اسے توڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے'' (2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دریں اثناء ہم نماز ظہر ادا کر رہے تھے کہ حضور ﷺ آگے بڑھے اور ہم بھی آگے بڑھے، پھر آپ ﷺ نے کوئی چیز لینے کا ارادہ کیا لیکن پھر پیچھے ہٹ گئے۔ نماز کے بعد ابی بن کعب نے عرض کی: یارسول اللہ! آج ہم نے آپ کو نماز میں وہ کرتے دیکھا ہے جو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر جنت اپنے باغ و بہار اور تر و تازگی سمیت پیش کی گئی میں نے چاہا کہ اس میں سے انگوروں کا ایک خوشہ لے کر تمہیں دوں لیکن میرے اور اس کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی،

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 2 صفحہ 1130-1131، سنن نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6 صفحہ 176

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 232، صحیح مسلم، کتاب الکسوف، جلد 2 صفحہ 626

اگر میں اسے تمہارے پاس لے آتا تو زمین و آسمان کے درمیان تمام مخلوق اسے کھاتی لیکن ذرا بھی کمی نہ ہوتی" (1)۔ ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے جنت کے متعلق دریافت کیا اور کہنے لگا کہ کیا اس میں انگور بھی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں" وہ کہنے لگا کہ کتنے بڑے خوشے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ایک تازہ دم سفید سیاہ داغوں والے کوے کی ایک مہینہ بھر کی مسافت جتنے" (2)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب جنتی کوئی پھل توڑے گا تو اسی وقت اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا" (3)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جنتی کھائیں پئیں گے لیکن نہ انہیں رینٹ آئے گی، نہ پاخانہ اور نہ پیشاب۔ بس کستوری جیسی خوشبو کی طرح کھانے کا انہیں ڈکار آئے گا۔ انہیں تسبیح و تقدیس الہام کی جائے گی جس طرح بے تکلف سانس لیتے ہیں" (4)۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے ایک آدمی حضور ﷺ سے کہنے لگا: اے ابوالقاسم! آپ کا یہ خیال ہے کہ اہل جنت کھائیں پئیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! ایک جنتی کو کھانے، پینے، جماع اور شہوت میں سو آدمیوں کی قوت عطا کی جائے گی"۔ وہ کہنے لگا کہ کھانے پینے والے شخص کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آتی ہے حالانکہ جنت میں کوئی گندگی نہیں ہوگی؟ آپ نے فرمایا: "ان کے جسموں سے بہنے والے پسینے کے ذریعے کھانا ہضم ہو جائے گا اور وہ پسینہ بھی کستوری کی طرح خوشبودار ہوگا" (5)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: "تم جنت میں جس پرندے کی خواہش کرو گے وہ بھنا ہوا تمہارے سامنے آ گرے گا۔" ایک حدیث میں آتا ہے کہ وہ پھر بحکم خدا زندہ ہو کر اڑنے لگے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۝ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ (الواقعہ: 33-32) "اور پھلوں کی بہتات میں نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا"، وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا (الدہر: 14) "اور قریب ہوں گے ان سے اس کے درختوں کے سائے اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے"، اسی طرح جنت کا سایہ نہ زائل ہوگا، نہ ڈھلے گا اور نہ سمٹے گا جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا (النساء: 57) "اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کئے عنقریب ہم داخل کریں گے انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں تا ابد۔ ان کے لئے ان باغوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم داخل کریں گے انہیں گھنے سایہ میں"، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سائے میں ایک تیز رفتار پتلی کمر والے گھوڑے کا تیز رفتار سوار سو سال چلتا رہے گا لیکن عبور نہیں کر سکے گا" (6)۔ پھر آپ نے ان الفاظ "وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ" کی تلاوت کی۔ اللہ تعالیٰ عموماً قرآن کریم میں جنت اور دوزخ کی صفات کو ایک ساتھ بیان فرماتا ہے تاکہ جنت میں رغبت دلائی جائے اور دوزخ سے ڈرایا جائے، اس لئے جنت کے وصف کے بعد دوزخ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ جیسا کہ فرمایا: لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ (الحشر: 20) "یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی اور اہل جنت۔ اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں"، خطیب دمشق حضرت بلال بن سعد نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا: اے بندگان خدا! کیا تمہارے ساتھ کوئی ایسا شخص آیا ہے جس نے تمہیں یہ خبر دے دی ہو کہ تمہاری عبادت قبول کر لی گئی ہے یا تمہارے گناہ بخش دیئے گئے ہیں؟ "کیا تم نے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الکسوف، جلد 2 صفحہ 633 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 183-184 3۔ معجم کبیر، جلد 2 صفحہ 102
4۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2181 5۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 367 6۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 14 کتاب بدء الخلق

یہ گمان کرر کھا ہے کہ تمہیں فضول ہی پیدا کیا گیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹو گے' اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اس دنیا میں ہی ثواب عطا فرماتا تو تم فرائض کو بہت قلیل گمان کرتے۔ کیا تم دنیا کی خاطر اطاعت الٰہی میں رغبت رکھتے ہو اور جنت کے حصول میں مقابلہ نہیں کرتے جس کے پھل دائمی ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿٣٦﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿٣٧﴾

''اور جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ خوش ہو رہے ہیں اس کتاب پر جو نازل کی گئی آپ کی طرف اور ان لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو بعض قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ فرما دیجئے (مجھے تمہاری مخالفت کی پروا نہیں) مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں، اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے اور اسی طرح ہم نے اتارا ہے اسے فیصلہ عربی زبان میں۔ اور اگر تم پیروی کروان کی خواہشات کی اس کے بعد کہ آچکا تمہارے پاس صحیح علم تو نہیں ہوگا تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی مددگار اور نہ کوئی محافظ''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی اور وہ اس پر عمل پیرا ہیں، وہ تو آپ پر قرآن کریم کے نازل ہونے کے باعث خوش ہوتے ہیں کیونکہ ان کی کتابوں میں آپ کی صداقت اور آمد کی بشارت پر شواہد اور دلائل موجود ہیں جیسا کہ فرمایا: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ (البقرۃ: 121) ''جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں''، اور فرمایا: قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا...... اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا (بنی اسرائیل: 108-107) ''آپ (کفار کو) کہئے خواہ تم ایمان لاؤ اس پر یا نہ ایمان لاؤ...... بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ہماری کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا کیا ہوا وعدہ حق، سچ اور پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ پاک ہے وہ ذات، اس کا وعدہ کس قدر سچا ہے! وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (بنی اسرائیل: 109) ''اور گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل گریہ وزاری کرتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے (خضوع و) خشوع کو بڑھا دیتا ہے''۔

وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ یعنی بعض گروہ آپ ﷺ کی طرف نازل کئے گئے بعض قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ''الْاَحْزَابِ'' سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے، یہ اسی طرح ہے جیسا کہ فرمایا: وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ...... (آل عمران: 199) ''اور بے شک بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر......''۔

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ...... یعنی سابقہ انبیاء کی طرح مجھے بھی اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لئے مبعوث کیا گیا ہے، اسی کی طرف میں لوگوں کو دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔ پھر قرآن کریم کے متعلق فرمایا: وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا یعنی جس طرح پہلے پیغمبروں کو آسمانی کتب کے ساتھ بھیجا، اسی طرح ہم نے آپ کو بھی عربی زبان میں محکم قرآن سے نوازا ہے۔ اس کتاب کے ذریعے ہم نے آپ کو مشرف کیا اور باقی لوگوں پر فضیلت دی، یہ وہ واضح اور جلی کتاب ہے کہ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ

مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (حم السجدة:42) "اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے۔ یہ اتری ہوئی ہے بڑے حکمت والے، سب خوبیاں سراہے کی طرف سے"۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ...... یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس علم آجانے کے بعد اگر آپ ان کی خواہشات اور آراء کی اتباع کریں گے تو کوئی آپ کا دوست اور محافظ نہیں ہوگا۔ اس میں اہل علم کے لئے وعید ہے اور سنت نبویہ پر چلنے کے بعد اہل ضلالت کی راہوں کو اختیار کرنے کی ممانعت ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

"اور بیشک ہم نے بھیجے کئی رسول آپ سے پہلے اور بنائیں ان کے لئے بیویاں اور اولاد۔ اور نہیں ممکن کسی رسول کے لئے کہ وہ لے آئے کوئی نشانی اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر۔ ہر میعاد کے لئے ایک نوشتہ ہے۔ مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اور باقی رکھتا ہے (جو چاہتا ہے) اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے آپ کو بشر ہونے کے باوجود رسول بنا کر بھیجا، اسی طرح پہلے رسول بھی بشر تھے، کھانا کھاتے تھے، بازاروں میں چلتے تھے اور ان کی بیویاں اور اولاد تھی۔ اللہ تعالیٰ نے افضل الرسل اور خاتم النبیین ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (الکھف:110) "آپ فرمایئے کہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح وحی کی جاتی ہے میری طرف"۔ ایک حدیث شریف میں آپ ﷺ نے فرمایا: "میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، (رات کو) قیام بھی کرتا ہوں، سوتا بھی ہوں گوشت بھی کھاتا ہوں اور عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں، جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں" (1)۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "چار چیزیں پیغمبروں کی سنت ہیں: خوشبو لگانا، نکاح کرنا، مسواک کرنا اور مہندی" (2)۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ...... یعنی کسی رسول کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اذن الٰہی کے بغیر از خود کوئی معجزہ دکھادے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے پر موقوف ہے۔ ہر میعاد کے لئے ایک نوشتہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کا اندازہ مقرر ہے جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ (الحج:70) "کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ یہ سب کچھ ایک کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔ بیشک (بلندی اور پستی کی ہر چیز کو جان لینا) اللہ تعالیٰ پر آسان ہے"۔ ضحاک اللہ تعالیٰ کے فرمان لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ کے متعلق کہتے ہیں کہ ہر آسمانی کتاب کی اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مقررہ مدت اور معین مقدار ہے اس لئے وہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے (3)۔ قرآن کریم کے ذریعے گزشتہ تمام کتابیں اور صحیفے منسوخ ہو گئے۔

1۔ فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9 صفحہ 104، صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1020

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب النکاح، جلد 4 صفحہ 298-299، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 421

3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 165

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سال بھر کے امور کی تدبیر کرتا ہے اور جو چاہے مٹا دیتا ہے سوائے شقاوت، سعادت، موت اور حیات کے (کیونکہ یہ چیزیں حتمی ہیں) ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر چیز سوائے موت وحیات اور شقاوت وسعادت کے کیونکہ ان سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے باقی رکھے سوائے موت وحیات اور شقاوت و سعادت کے کیونکہ انہیں تبدیل نہیں کیا جاتا۔ منصور کہتے ہیں کہ میں نے حضرت مجاہد سے سوال کیا کہ یہ دعا کرنا کیسا ہے: ''اے اللہ! اگر میرا نام سعادت مندوں میں ہے تو اسے ان میں برقرار رکھ اور اگر بدبختوں میں ہے تو اسے وہاں سے مٹا کر سعادت مندوں میں ثبت کر دے''۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اچھی دعا ہے۔ سال ڈیڑھ کے بعد پھر آپ سے میری ملاقات ہوئی تو میرے اسی سوال پر آپ نے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (الدخان: 3) ''بیشک ہم نے اتارا ہے اسے ایک بابرکت رات''، والی دو آیات کی تلاوت کی اور فرمایا کہ لیلۃ القدر میں سال بھر کے رزق اور مصائب کے فیصلے کر دیئے جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہے مقدم کر دے اور جسے چاہے مؤخر، لیکن سعادت اور شقاوت کا نوشتہ ثابت اور ناقابل تغیر ہے۔ اعمش کہتے ہیں کہ ابووائل شقیق بن سلمہ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! اگر تو نے ہمیں بدبختوں میں لکھا ہے تو وہاں سے مٹا کر سعادت مندوں میں لکھ دے اگر تو نے ہمیں سعادت مندوں میں لکھ رکھا ہے تو ہمیں وہاں ہی باقی رکھ کیونکہ تو جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور تیرے پاس ہی ام الکتاب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اور روتے ہوئے یہ دعا بھی عرض کر رہے تھے: ''اے اللہ! اگر تو نے مجھ پر شقاوت یا گناہ لکھ دیا ہے تو اسے مٹا دے کیونکہ تو جو چاہے مٹاتا اور برقرار رکھتا ہے اور تیرے پاس ہی ام الکتاب ہے تو اسے سعادت اور رحمت کا حامل بنا دے (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی یہی دعا کیا کرتے تھے۔ حضرت کعب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المؤمنین! اگر کتاب اللہ کی ایک آیت نہ ہوتی تو میں آپ کو قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے تمام امور سے آگاہ کر دیتا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کونسی آیت ہے؟ بتایا: يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ...... (2)۔ ان تمام اقوال کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن تقدیروں کو چاہے منسوخ کر دیتا ہے اور جو چاہے ثابت رکھتا ہے۔ اس کی تائید حضرت ثوبان کی روایت کردہ حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے، دعا تقدیر کو ٹال دیتی ہے اور نیکی عمر میں اضافہ کرتی ہے'' (3)۔ اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ صلہ رحمی کے باعث بھی عمر بڑھ جاتی ہے، ایک اور حدیث میں آتا ہے: ''دعا اور قضاء کی زمین وآسمان کے درمیان مڈبھیڑ ہوتی ہے'' (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سفید موتی کی پانچ سو سال کی مسافت کی لوح محفوظ ہے، اس کی جلد کے دونوں گتے یاقوت سے بنے ہوئے ہیں۔ ہر روز تین سو ساٹھ ایسے لحظات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے برقرار رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے (5)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رات کی تین ساعتیں باقی رہنے پر ذکر کھول دیا جاتا ہے، پہلی ساعت میں اللہ تعالیٰ اس ذکر پر نظر ڈالتا ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں دیکھ سکتا تو جو وہ چاہے مٹاتا اور باقی رکھتا ہے۔...... (6)۔ کلبی کہتے ہیں کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے رزق اور عمر کو کم کرتا ہے اور بڑھا دیتا ہے، ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 167
2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 168
3۔ سنن ابن ماجہ کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1334، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 277 وغیرہ
4۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الادعیۃ، جلد 4 صفحہ 37
5۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 170
6۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 170

سے پوچھا گیا کہ یہ آپ کو کس نے بتایا ہے؟ فرمایا: ابوصالح نے جنہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے۔ پھر اس کے بعد آپ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ سب باتیں لکھ لی جاتی ہیں اور جمعرات کے دن ان میں سے وہ باتیں نکال دی جاتی ہیں جن پر ثواب اور عتاب مرتب نہیں ہوتا مثلاً میں نے کھایا، پیا، میں اندر گیا، باہر آیا وغیرہ جو سچی باتیں ہیں اور ایسی چیزیں باقی رکھی جاتی ہیں جن پر ثواب یا عتاب مرتب ہوتا ہے (1)۔ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ دو کتابیں ہیں، ایک کتاب ایسی ہے جس میں سے جو چاہے اللہ تعالیٰ مٹاتا اور باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔ عوفی آپ رضی اللہ عنہ سے ہی اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی کچھ عرصہ اطاعت الٰہی میں مشغول رہتا ہے، پھر نافرمانی کرنے لگتا ہے اور گمراہی پر ہی اس کی موت آجاتی ہے، یہ وہ شخص ہے جس کی نیکی محو کر دی جاتی ہے اور جس کی نیکی باقی رکھی جاتی ہے وہ وہ شخص ہے جو نافرمانی کرتا ہے لیکن اس کے لئے خیر مقدر ہو چکی ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اطاعت الٰہی میں فوت ہو جاتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس کے لئے نیکی برقرار رکھی جاتی ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہ اس آیت کے معنی میں ہے: فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرۃ: 284) ''پھر بخش دے گا جسے چاہے گا اور عذاب دے گا جسے چاہے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''، علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی یہ تفسیر نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بدل کر منسوخ کر دیتا ہے اور جسے چاہے باقی رکھتا ہے اور اسے تبدیل نہیں کرتا۔ یہ تمام چیزیں اس کے پاس ام الکتاب میں ہیں جو ناسخ ہے اور جو تبدیل کیا جاتا ہے اور باقی رکھا جاتا ہے وہ سب کچھ بھی کتاب میں درج ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (البقرۃ: 106) ''جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو لاتے ہیں (دوسری) بہتر اس سے یا (کم از کم) اس جیسی)، مجاہد اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ جب یہ آیت وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ نازل ہوئی تو کفار قریش کہنے لگے کہ جب ہر امر سے فراغت ہو چکی ہے تو محمد (ﷺ) کو کسی چیز کا اختیار نہ رہا تو اس وقت ان کفار کو ڈرانے اور دھمکانے کے لئے یہ آیت اتری جس میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اگر ہم چاہیں تو آپ ﷺ کے لئے حسب مشیت پیدا کر دیں اور ہر رمضان میں تو ہم پیدا کرتے ہی رہتے ہیں۔ لوگوں کے رزق، مصائب اور اپنی نوازشات میں سے جو چاہیں ہم محو کر دیتے ہیں اور جو چاہیں باقی رکھتے ہیں۔ حضرت حسن بصری اس آیت يَمْحُوا اللّٰهُ...... کے متعلق کہتے ہیں کہ جس کی موت کا وقت آجائے وہ چل بستا ہے اور جسے ابھی زندہ رہنا ہے وہ اپنی مقررہ میعاد تک باقی رہتا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو پسند کیا ہے (2)۔ اور وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ کا مطلب ہے حلال و حرام۔ قتادہ کہتے ہیں کہ کتاب کا خلاصہ اور اصل۔ ضحاک کہتے ہیں کہ کتاب خود ربّ العالمین کے پاس ہے۔ حضرت ابن عباس نے حضرت کعب سے ام الکتاب کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا مخلوق اور ان کے اعمال کے متعلق علم ہے پھر اس نے اپنے علم سے فرمایا کہ کتابی شکل اختیار کر لو تو وہ کتاب بن گیا۔ ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ام الکتاب کا معنی ذکر نقل کرتے ہیں (3)۔

وَ اِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَ اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 168 2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 170 3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 171

لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿41﴾

''اور اگر ہم دکھا دیں آپ کو کچھ (عذاب) جس کی ہم نے کفار کو دھمکی دی ہے (تو ہماری مرضی) یا ہم (پہلے ہی) اٹھالیں آپ کو (تو ہماری مرضی) سو آپ پر صرف تبلیغ فرض ہے اور یہ ہمارے ذمہ ہے کہ (ان سے) حساب لیں، کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم (ان کے مقبوضہ) علاقہ کو ہر طرف سے (رفتہ رفتہ) کم کر رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کوئی نہیں رد و بدل کر سکتا اس کے حکم میں۔ اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اگر ہم آپ کو بعض وہ رسوا کن اور عبرتناک عذاب دکھا دیں جس کی دھمکی ہم آپ کے دشمنوں کو دے چکے ہیں یا اس سے پہلے آپ کو اپنے پاس بلالیں تو آپ کے ذمے صرف تبلیغ ہے اور ان سے حساب لینا اور جزا دینا یہ ہمارے ذمے ہے جیسا کہ فرمایا: فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿21﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿22﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿23﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿24﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿25﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (الغاشیہ: 26-21) ''پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں۔ آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔ آپ ان کو جبر سے منوانے والے تو نہیں ہیں۔ مگر جس نے روگردانی کی اور فکر کیا تو اللہ اس کو سخت عذاب دے گا۔ بے شک انہیں (آخر) ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے۔ پھر یقیناً ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے''۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم محمد ﷺ کو یکے بعد دیگرے ہر طرف سے فتوحات عطا کر رہے ہیں۔ ایک اور روایت میں آپ بیان کرتے ہیں کہ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ایک بستی ویران کر دی جاتی ہے اور دوسری طرف کوئی علاقہ آباد کر دیا جاتا ہے۔ مجاہد اور عکرمہ کہتے ہیں کہ زمین کے اطراف کو کھنڈرات میں بدل دیا جاتا ہے۔ حسن اور ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمانوں کا مشرکین پر غلبہ ہے۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی بیان کرتے ہیں: اہل زمین اور زمین کی برکت میں کمی واقع ہونا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جانوں اور پھلوں میں کمی اور زمین کا ویران ہونا۔ شعبی کہتے ہیں کہ اگر زمین تنگ ہو جاتی تو چھپر ڈالنا بھی محال ہو جاتا، اس لئے اس آیت سے مقصود جانوں اور پھلوں کی کمی ہے(1)۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ اگر زمین کم ہو جاتی تو تمہیں بیٹھنے کے لئے بھی جگہ نہ ملتی لیکن یہاں زمین کی کمی و تنگی مراد نہیں بلکہ موت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ علماء، فقہاء اور اہل خیر کی موت کے باعث زمین کا خراب اور ویران ہونا، مجاہد بھی یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد علماء کی موت ہے، اسی معنی کے حامل یہ اشعار ہیں:

اَلْاَرْضُ تَحْيَا إِذَا مَا عَاشَ عَالِمُهَا مَتٰى يَمُتْ عَالِمٌ مِنْهَا يَمُتْ طَرَفُ

كَالْاَرْضِ تَحْيَا إِذَا مَا الْغَيْثُ حَلَّ بِهَا وَإِنْ أَبٰى عَادَ فِيْ أَكْنَافِهَا التَّلَفُ (2)

(زمین زندہ رہتی ہے جب تک اس کا عالم زندہ رہتا ہے۔ جب اس کا عالم فوت ہو جائے تو یہ بھی ویران ہو جاتی ہے۔ جس طرح کہ بارش برسنے سے زمین زرخیز اور شاداب رہتی ہے اور اگر اس کے اطراف میں بارش برسنے سے رک جائے تو بربادی اپنے ڈیرے جما لیتی ہے)۔ بہرکیف پہلا قول (یکے بعد دیگرے مختلف علاقوں میں شرک پر اسلام کا غلبہ) زیادہ بہتر اور موزوں ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى (الاحقاف: 27) ''اور ہم نے برباد کر دیئے وہ گاؤں جو تمہارے اردگرد (آباد) تھے''، ابن جریر کا یہ پسندیدہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 171

2۔ تہذیب تاریخ ابن عساکر، جلد 7 صفحہ 67

قول ہے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾

''اور مکاریاں کرتے رہے وہ لوگ جوان سے پہلے تھے سواللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ان سب کومکر کی سزادینا۔ وہ جانتا ہے جوکماتا ہے ہر شخص۔ اور عنقریب کفار بھی جان لیں گے کہ دار آخرت (کی ابدی مسرتیں) کس کے لئے ہیں''۔

پہلے لوگوں نے سابقہ انبیاء ورسل کے ساتھ مکروفریب سے کام لیا اور انہیں ان کے اوطان سے جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے مکر کی سزادی، ان کی سازشوں کومٹی میں ملادیا اور اچھے انجام سے اہل تقویٰ کو ہی نوازا جیسا کہ فرمایا: وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (الانفال: 30) ''اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا تاکہ آپ کو قید کردیں یا آپ کو شہید کردیں یا آپ کو جلاوطن کردیں۔ وہ بھی خفیہ تدبیریں کررہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرمارہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے''، وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا (النمل: 52-50) ''اور انہوں نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی اور وہ سمجھ ہی نہ سکے (ہماری تدبیر کو) تم (خود ہی) دیکھ لو کیا (ہولناک) انجام ہوا ان کے مکر کا۔ ہم نے برباد کر کے رکھ دیا انہیں اور ان کی ساری قوم کو۔ پس یہ ان کے گھر ہیں جواجڑے پڑے ہیں ان کے ظلم کے باعث''۔

يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ...... یعنی اللہ تعالیٰ سینے کے بھیدوں سے بھی واقف ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزادے گا اور عنقریب کفار کو معلوم ہوجائے گا کہ آخرت کن کے حق میں ہے اور آخروی راحتوں کے کون مستحق ہیں، وہ یا پیغمبروں کے پیروکار؟ یقیناً انبیاء ورسل کے متبعین ہی اُخروی آسائشوں سے شادکام ہوں گے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

''اور کفار کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں۔ فرمایئے (میری رسالت پر) اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان۔ اور وہ لوگ (بطور گواہ کافی ہیں) جن کے پاس کتاب کا علم ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرمارہا ہے کہ یہ کفار آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول نہیں۔ آپ کہہ دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہی بطور گواہ کافی ہے۔ وہ میری دعوت وتبلیغ کا بھی گواہ ہے اور تمہاری تکذیب اور بہتان تراشی کا بھی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ کے بارے میں مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام ہیں لیکن یہ قول غریب ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور حضرت عبداللہ بن سلام ہجرت مدینہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ زیادہ ظاہر بات یہی ہے کہ اس سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں جیسا کہ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے (1)۔ بقول قتادہ حضرات عبداللہ بن سلام، سلمان اور تمیم

1۔ روح المعانی، جلد 13 صفحہ 176

الداری ان میں شامل ہیں۔ ایک روایت میں مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ حضرت سعید بن جبیر اس سے عبداللہ بن سلام مراد لینے کا انکار کرتے تھے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور آپ اس آیت کو وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ پڑھتے یعنی ''مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ'' مجاہد اور حسن بصری کی قرأت بھی یہی ہے (1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ پڑھا لیکن بقول ابن جریر اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ اسم جنس ہے جو اہل کتاب کے ان علماء کو شامل ہے جو اپنی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کے اوصاف اور آپ کی تشریف آوری کی بشارتیں پاتے جیسا کہ فرمان ہے: وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (الاعراف: 157-156) ''اور میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر سو میں لکھوں گا اس کو ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ اور وہ جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں۔ (یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں''، اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰۗؤُا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ (الشعراء: 197) ''کیا نہیں تھی ان (مشرکین مکہ) کے لئے آپ کی سچائی کی یہ دلیل کہ جانتے ہیں آپ کو بنی اسرائیل کے علماء''۔ اس طرح کی دیگر آیات بھی ہیں جو اس بات پر روشنی ڈالتی ہیں کہ علماء بنی اسرائیل کو اپنی کتابوں کے ذریعے اس چیز کا علم تھا۔

حافظ ابونعیم اصفہانی اپنی جلیل القدر کتاب دلائل النبوۃ میں ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے علماء یہود سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میں اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل کی مسجد میں جا کر عید مناؤں، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے مکہ روانہ ہوئے۔ لوگ حج سے لوٹے تو ان کی منیٰ میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ آپ ﷺ تشریف فرما تھے اور لوگ آپ ﷺ کے اردگرد جمع تھے۔ جب آپ ﷺ نے انہیں دیکھا تو فرمایا: ''(کیا) تم عبداللہ بن سلام ہو؟'' کہنے لگے: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قریب آجاؤ'' کہتے ہیں کہ میں قریب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عبداللہ بن سلام! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم تورات میں پاتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' کہنے لگے کہ خدا تعالیٰ کے اوصاف بیان کریں۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف بیان کرنے لگے اور کہنے لگے: ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ...... الخ''۔ حضرت ابن سلام کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ سورت ہمیں سنائی۔ اسی وقت میں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر حضرت ابن سلام مدینہ لوٹ گئے اور اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔ جب حضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آپ بیان کرتے ہیں کہ میں کھجور پر چڑھ کر کھجوریں توڑ رہا تھا، آپ ﷺ کی تشریف کی خبر سن کر میں فوراً کھجور سے نیچے کود گیا۔ میری ماں کہنے لگیں کہ اللہ تمہارا بھلا کرے! اگر موسیٰ بن عمران بھی آجاتے تو تم اس طرح درخت سے نہ کودتے۔ میں نے کہا مجھے موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) کی بعثت سے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی خوشی زیادہ ہے (2)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 178

2۔ دلائل النبوۃ از ابونعیم اصفہانی: 300

سورۂ ابراہیم (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ۙ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۙ﴿۱﴾ اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ وَیۡلٌ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِیۡدِۣ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ یَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَۃِ وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۳﴾

”الف۔لام۔را۔یہ (عظیم الشان) کتاب ہے ہم نے اتارا ہے اسے آپ کی طرف تا کہ آپ نکالیں لوگوں کو (ہر قسم) کی تاریکیوں سے نور (ہدایت وعرفان) کی طرف۔ان کے رب کے اذن سے (یعنی) عزیز وحمید کے راستہ کی طرف۔وہی اللہ جس کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔اور بربادی ہے کفار کے لئے سخت عذاب کے باعث جو پسند کرتے ہیں دنیوی زندگی کو آخرت (کی ابدی زندگی) پر اور (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں راہ خدا سے اور وہ چاہتے ہیں کہ اس راہ راست کو ٹیڑھا بنا دیں۔یہ لوگ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں“۔

سورتوں کے اوائل میں آنے والے حروف مقطعات کے متعلق بحث گزر چکی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے رسول! ہم نے آپ کی طرف قرآن کریم کی صورت میں ایک عظیم کتاب نازل کی ہے۔یہ سب سے اعلیٰ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے سب سے افضل پیغمبر پر روئے زمین کے تمام عربی عجمی لوگوں کے لئے اتاری ہے تا کہ آپ اس کے ذریعے لوگوں کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر رشد وہدایت کے نور کی طرف گامزن کریں، ایک اور آیت میں فرمایا: اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَوۡلِیٰٓـُٔہُمُ الطَّاغُوۡتُ ۙ یُخۡرِجُوۡنَہُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ (البقرۃ:257) ”اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا نکال لے جاتا ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف اور جنہوں نے کفر کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں نکال لے جاتے ہیں انہیں نور سے اندھیروں کی طرف“، ہُوَ الَّذِیۡ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبۡدِہٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخۡرِجَکُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ (الحدید:9) ”وہی ہے جو نازل فرما رہا ہے اپنے (محبوب) بندہ پر روشن آیتیں تا کہ تمہیں نکال لے (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کے) نور کی طرف“، فرمایا: بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ...... یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعے صرف اس شخص کو ہی ہدایت سے نوازتا ہے جس کے لئے ہدایت مقدر کی جا چکی ہو۔ایسے شخص کو ایسے رستے کی طرف ہدایت نصیب ہوتی ہے جو عزیز اور حمید ذات کا رستہ ہے۔وہ ہر ایک پر غالب ہے اور اپنے تمام افعال، اقوال، شریعت، اوامر اور نواہی میں قابل ستائش ہے۔لفظ جلالت ”اللہ“ کو جملہ مستانفہ ہونے کی صورت میں مرفوع بھی پڑھا گیا ہے اور ماقبل کی صفت ہونے کی بناء پر مجرور بھی پڑھا گیا ہے۔جیسا کہ اس

آیت میں ہے: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ (الاعراف:158)'' آپ فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف وہ اللہ جس کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی''۔ فرمایا کہ مخالفت اور تکذیب کے سبب کفار کے لئے قیامت کے دن عذاب شدید کے باعث ہلاکت ہے۔ یہ ایسے نانہجار ہیں جو آخرت پر دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ دنیا کی خاطر مارے مارے پھرتے ہیں اور اسی کے لئے اعمال بجالاتے ہیں لیکن آخرت کو فراموش کر کے اسے انہوں نے پس پشت ڈال رکھا ہے، اسی پر ہی بس نہیں بلکہ وہ لوگوں کو بھی اتباع رسل اور راہ خدا سے روکتے ہیں اور خواہش رکھتے ہیں کہ اللہ کا رستہ ٹیڑھا ہو جائے حالانکہ یہ مستقیم اور سیدھا ہے، مخالفین اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، بلکہ یہ اپنی اس خواہش میں جہالت اور حق سے بہت دور گمراہی کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں اس لئے اس حالت میں ان کی اصلاح کی کوئی امید نہیں۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۴

''اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس قوم کی زبان کے ساتھ تا کہ وہ کھول کر بیان کرے ان کے لئے (احکام الٰہی کو) پس گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہی سب پر غالب، بہت دانا ہے''۔

مخلوق پر یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے کہ وہ ان کی زبانوں میں ہی اپنے رسول مبعوث فرماتا ہے تا کہ لوگ ان کے پیغام کو سمجھ سکیں جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کی قومی زبان میں مبعوث فرمایا'' (1)۔ فرمایا: فَیُضِلُّ اللّٰهُ...... یعنی بیان اور حجت کے بعد اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت سے گمراہ کر دے اور جسے چاہے حق کی طرف ہدایت نصیب کر دے۔ وہ عزیز ہے، جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہو سکتا اور وہ اپنے افعال میں حکیم بھی ہے، اس لئے وہ اسے ہی گمراہ کرتا ہے جو گمراہی کا مستحق ہوتا ہے اور اس شخص کو ہی ہدایت سے سرفراز کرتا ہے جو اس کا اہل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ اس نے ہر نبی کو اس کی امت کی زبان میں مبعوث فرمایا۔ ہر نبی کا پیغام صرف اس کی اپنی امت تک ہی محدود تھا لیکن حضرت محمد ﷺ کی رسالت تمام لوگوں کے لئے عمومی اور عالمی ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے پانچ ایسی خصوصیات عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں: مجھے ایک ماہ کی مسافت پر رعب کے ذریعے مدد دی گئی، تمام زمین کو میرے لئے مسجد اور باعث طہارت بنا دیا گیا، غنائم کو میرے لئے حلال کر دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے یہ کسی کے لئے حلال نہ تھیں، مجھے شفاعت سے نوازا گیا اور پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا'' (2)۔ اس کے کئی شواہد موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (الاعراف:158)'' آپ فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف''۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ۬ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 158
2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران: 151

”اور بیشک ہم نے بھیجا موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں کے ساتھ (اور انہیں حکم دیا) کہ نکالو اپنی قوم کو (گمراہی کے) اندھیروں سے نور (ہدایت) کی طرف۔ اور یاد دلاؤ انہیں اللہ تعالیٰ کے دن۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر بہت صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے“۔

اللہ تعالیٰ حضور ﷺ سے فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا اور آپ پر کتاب نازل کی تا کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جائیں، اسی طرح ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو بنی اسرائیل کی طرف اپنی نشانیاں دیکر بھیجا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ نو نشانیاں تھیں (1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالیں۔ جہالت اور گمراہی کے گھپ اندھیروں سے نکال کر انہیں نور ہدایت اور بصیرت ایمان کی طرف لے جائیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات یاد دلائیں کہ اس نے انہیں فرعون کے ظلم وستم، قہر وغضب اور قید و بند سے رہائی دلوائی، سرکش دشمن سے نجات دی، سمندر ان کے لئے پایاب کیا، ان پر بادلوں کا سایہ کیا، من وسلویٰ نازل کیا اور اس طرح کے دیگر انعامات سے نوازا۔ مجاہد اور قتادہ وغیرہ کا یہ قول ہے۔ اس میں ایک حدیث مرفوع وارد ہوئی ہے جس کے راوی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ”ایام اللہ“ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کی ہے۔ یہ حدیث مسند احمد میں موجود ہے (2)۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ...... یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے رہائی دلا کر اور رسوا کن عذاب سے نجات دلاتے کہ بنی اسرائیل پر جو احسان فرمایا، اس میں ہر اس شخص کے لئے عبرت ہے جو تکلیف پر صبر کرتا ہے اور راحت کے وقت شکر، جیسا کہ قتادہ کہتے ہیں کہ بہترین بندہ وہ ہے کہ جب وہ آزمائش میں گرفتار ہو تو صبر کرتا ہے اور جب اسے نعمتیں عطا کی جائیں تو شکر ادا کرتا ہے۔ حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن کا تمام کا تمام معاملہ عجیب ہے، اللہ تعالیٰ جو بھی اس کے لئے فیصلہ کرتا ہے وہ اس کے لئے موجب خیر ہوتا ہے، اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے، یہ اس کے لئے باعث خیر ہے اور اگر اسے راحت ملے تو شکر ادا کرتا ہے، یہ بھی اس کے لئے سبب خیر ہے“ (3)۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ۟ؑ وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَ لَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ۟ وَ قَالَ مُوْسٰۤی اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۟

”اور جب فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو کہ یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت (واحسان) کو جو تم پر ہوا جب اس نے نجات دی تمہیں فرعونیوں سے جو پہنچاتے تھے تمہیں سخت عذاب اور ذبح کرتے تھے تمہارے فرزندوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے تمہاری عورتوں (بیٹیوں) کو اور اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے۔ اور یاد کرو جب (تمہیں) مطلع فرمایا تمہارے رب نے (اس حقیقت سے) کہ اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا اور اگر تم نے ناشکری

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 182
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 122
3۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2295

کی (تو جان لو) یقیناً میرا عذاب شدید ہے۔ نیز (یہ بھی) فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) نے اگر تم ناشکری کرنے لگو (صرف تم ہی نہیں بلکہ) جو بھی سطح زمین پر ہے (ناشکری کرے) تو بے شک اللہ تعالیٰ غنی (اور) سب تعریفوں کا مستحق ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور احسانات یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں فرعونیوں اور ان کے ذلت آمیز عذاب سے نجات دی جب وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیا کرتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رکھا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس عذاب سے بچا کر عظیم انعام فرمایا، اسی لئے فرمایا: وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۤءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ کا تم پر اتنا بڑا انعام ہے کہ تم اس کا شکر بجالانے سے عاجز ہو۔ بعض نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ فرعون تمہارے ساتھ جو سلوک کیا کرتا تھا، اس میں تمہارے لئے بہت بڑی آزمائش تھی، بہرصورت دونوں معانی مراد لئے جا سکتے ہیں، اسی طرح فرمایا: وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الاعراف:168) "اور ہم نے آزمایا انہیں نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ) کی طرف رجوع کریں"۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ...... یعنی جب تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کے متعلق تمہیں آگاہ کیا اور اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ جب تمہارے رب نے اپنی عزت، کبریائی اور جلال کی قسم اٹھائی جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ...... (الاعراف:167) "اور یاد کرو جب اعلان کر دیا آپ کے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہے گا ان پر روز قیامت تک......"۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس حقیقت سے آگاہ کر دیا کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو میں ان میں ضرور اضافہ کروں گا اور اگر تم نے میری نعمتوں کی ناشکری کی، انہیں چھپایا اور ان کا انکار کیا تو میں ان نعمتوں کو سلب کر کے تمہیں سخت عذاب سے دوچار کر دوں گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے بندہ کو رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے" (1)۔ ایک سائل نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا، آپ ﷺ نے اسے ایک کھجور عطا فرمائی، وہ بڑا ناراض ہوا اور اسے قبول نہ کیا۔ پھر ایک اور سائل آپ ﷺ کے پاس سے گزرا، آپ ﷺ نے وہی کھجور اسے عطا فرمائی تو اس نے فوراً قبول کر لی اور کہنے لگا کہ یہ کھجور رسول اللہ ﷺ کی عطاء ہے، آپ ﷺ نے اسے چالیس درہم دینے کا حکم دیا (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک سائل آیا، آپ ﷺ نے اسے ایک کھجور دینے کا حکم دیا لیکن اس نے وہ نہ لی۔ ایک اور سائل آپ ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ نے اسے بھی ایک کھجور دینے کا حکم دیا تو وہ کہنے لگا: سبحان اللہ! رسول خدا ﷺ کی طرف سے کھجور (کیا ہی خوب عطا ہے)۔ آپ ﷺ نے لونڈی سے فرمایا: "ام سلمہ کے پاس جاؤ اور ان کے پاس پڑے ہوئے چالیس درہم اسے دلوا دو" (4)۔

وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا...... یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم بلکہ روئے زمین کے تمام لوگ بھی کفر کرنے لگیں تو کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ بندوں کے شکر سے بے نیاز ہے اور ہر حالت میں قابل ستائش ہے جیسا کہ فرمایا: اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ (الزمر:7) "اگر تم ناشکری کرتے ہو تو بیشک اللہ کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں"، فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (التغابن:6) "پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ بھی (ان سے) بے نیاز ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، سب خوبیوں سراہا ہے"۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن اور انسان تم میں سے سب سے زیادہ متقی دل کے حامل شخص کی طرح ہو جائیں تو بھی میرے ملک میں ذرہ بھر اضافہ نہیں کر سکیں

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1334 | 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 154 | 3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 155

گے، اے میرے بندو! اگر تمہارے اول آخر جن اور انسان تم میں سے سب سے زیادہ فاجر دل والے شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک میں کوئی کمی واقع نہیں کر سکتے، اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن اور انسان ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کی مطلوبہ چیز دے دوں تو میرے ملک میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی مگر اس طرح جیسے سوئی کو سمندر میں ڈالنے سے کمی واقع ہوتی ہے"(1)۔

اَلَمۡ یَاۡتِكُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ۬ؕ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ؕ لَا یَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَرَدُّوۡۤا اَیۡدِیَهُمۡ فِیۡۤ اَفۡوَاهِهِمۡ وَ قَالُوۡۤا اِنَّا كَفَرۡنَا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِیۡ شَكٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَنَاۤ اِلَیۡهِ مُرِیۡبٍ ۝۹

"کیا نہیں پہنچی تمہیں اطلاع ان (قوموں) کی جو پہلے گزر چکی ہیں یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود۔ اور جو لوگ ان کے بعد گزرے۔ نہیں جانتا انہیں مگر اللہ تعالیٰ۔ لے آئے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں پس انہوں نے (ازراہ تمسخر) ڈال لئے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں اور (بڑی بیباکی سے) کہا ہم نے انکار کیا اس دین کا جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس کی (صداقت کے بارے میں) ہم شک میں ہیں جو تذبذب میں ڈالنے والا ہے"۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعظ کا اختتام ہو رہا ہے(2)۔ آپ نے اپنی قوم کو انعامات خداوندی یاد دلانے کے بعد ان قوموں کے انجام سے پردہ اٹھایا جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی، لیکن ابن جریر کا یہ قول محل نظر ہے۔ ظاہر بات یہی ہے کہ یہاں سے نئی کلام کا آغاز ہو رہا ہے اور خطاب اس امت کو ہے کیونکہ یہ کہا گیا ہے کہ عاد اور ثمود کے قصے تورات میں موجود ہی نہیں ہیں۔ اگر اس آیت کا تعلق کلام موسیٰ علیہ السلام سے ہوتا تو یہ دونوں قصے ضرور تورات میں موجود ہوتے۔ بہر صورت اللہ تعالیٰ ہمیں قوم نوح، عاد، ثمود اور دیگر قوموں کے قصے سنا رہا ہے جنہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔ یہ رسول جن کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اپنی قوموں کے پاس قطعی اور واضح دلائل و معجزات لے کر تشریف لائے۔ حضرت عبد اللہ لَا یَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا اللّٰهُ کے متعلق فرماتے ہیں کہ نسب بیان کرنے والے غلط گو ہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ معد بن عدنان کے بعد کا نسب نامہ صحیح طور پر کوئی بھی نہیں جانتا۔

فَرَدُّوۡۤا اَیۡدِیَهُمۡ فِیۡۤ اَفۡوَاهِهِمۡ اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جب رسولوں نے انہیں دعوت توحید دی تو انہوں نے ان رسولوں کے مونہوں کی طرف اشارہ کر کے انہیں خاموش رہنے کے لئے کہا۔ بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے تکذیب کرتے ہوئے ان کے مونہوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔ بعض کہتے ہیں کہ رسولوں کے جواب میں انہوں نے سکوت اختیار کر لیا۔ مجاہد، قتادہ اور محمد بن کعب اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور اپنے مونہوں کے ساتھ ان کی بات کو ان پر لوٹا دیا۔ ابن جریر اس کی یہ توجیہہ کرتے ہیں کہ یہاں "فِی"، "باء" کے معنی میں ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے رہتے ہیں جس طرح عرب کہتے ہیں: اَدۡخَلَكَ اللّٰهُ بِالۡجَنَّةِ یَعۡنِیۡ فِی الۡجَنَّةِ "اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل کرے"(3)۔ اور مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے بعد والی کلام وَ قَالُوۡۤا اِنَّا كَفَرۡنَا...... "اس کلام "فَرَدُّوۡۤا...... کی تفسیر ہے۔ حضرت عبد اللہ اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے غصے کے

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1994-1995
2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 187
3۔ معانی القرآن للفراء، جلد 2 صفحہ 70، تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 189

باعث اپنی انگلیاں منہ میں لے کر چباڈالیں (1)۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے اس قول کو پسند کیا ہے اور بقول ابن جریر اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (آل عمران:119) ''اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو چباتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے''۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے کلام الٰہی سنا تو بڑے تعجب سے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھ کر کہنے لگے: اِنَّا كَفَرْنَا...... یعنی ہم تمہاری رسالت کا انکار کرتے ہیں اور تمہارے لائے ہوئے پیغام کی تصدیق نہیں کرتے کیونکہ ہمیں اس میں بہت زیادہ شک ہے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝١٠ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١١ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝١٢

''ان کے پیغمبروں نے پوچھا کیا (تمہیں) اللہ تعالیٰ کے متعلق شک ہے جو پیدا فرمانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔ جو (اتنا کریم ہے کہ) بلاتا ہے تمہیں تاکہ بخش دے تمہارے گناہ اور جو (اتنا مہربان کہ پیہم نافرمانی کے باوجود) تمہیں مہلت دیتا ہے ایک مقررہ میعاد تک۔ ان (نادانوں نے) جواب دیا نہیں ہو تم مگر بشر ہماری طرح۔ تم یہ چاہتے کہ روک دو ہمیں ان (بتوں) سے جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے، پس لے آؤ ہمارے پاس کوئی روشن دلیل۔ کہا انہیں ان کے رسولوں نے کہ ہم تمہاری طرح انسان ہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ احسان فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں سے۔ اور ہمیں یہ طاقت نہیں کہ ہم لے آئیں تمہارے پاس کوئی دلیل بجز اذن خداوندی اور مومنوں کو فقط اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔ اور ہم کیوں نہ بھروسہ کریں اللہ تعالیٰ پر حالانکہ اس نے دکھائی ہیں ہمیں ہماری (کامیابی کی) راہیں۔ اور ہم ضرور صبر کریں گے تمہاری اذیت رسانیوں پر۔ پس اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہئے توکل کرنے والوں کو''۔

کفار اور پیغمبروں کے درمیان ہونے والی بحث کو بیان کیا جارہا ہے۔ ان امتوں نے جب رسولوں کی نبوت ورسالت، دعوت توحید اور عبادت الٰہی کے پیغام میں شک وشبہ کا اظہار کیا تو پیغمبر انہیں کہنے لگے: اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ اس میں دو معانی کا احتمال ہے:

1۔ کیا اللہ تعالیٰ کے وجود میں شک ہے حالانکہ فطرت اس کے وجود پر شاہد ہے اور اس کے وجود کا اقرار انسانی جبلت میں رکھ دیا گیا ہے۔ اس لئے فطرت سلیمہ تو اس کے وجود کی معترف ہے لیکن بعض اوقات فطرت سلیمہ کو بھی شک اور اضطراب لاحق ہو جاتا ہے جس کے باعث اسے ایسی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی موجودیت کے یقین تک پہنچادے، اسی لئے پیغمبروں نے معرفت الٰہی کے رستہ کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے بغیر کسی سابقہ مثال اور نمونے کے زمین وآسمان کی تخلیق

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 188

کی کیونکہ حدوث، تخلیق اور تسخیر کے شواہد اور علامات ان پر ظاہر ہیں تو لازمی بات ہے کہ ان (زمین و آسمان) کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ہر چیز کا خالق، مالک اور معبود ہے۔

2۔ کیا اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور صرف اس کے مستحق عبادت ہونے میں شک ہے حالانکہ وہ تمام موجودات کا خالق ہے اور عبادت کا مستحق بھی صرف وہی وحدہ لاشریک ہے۔ اکثر قومیں اللہ تعالیٰ کے خالق اور صانع ہونے کا اقرار تو کرتی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی عبادت بھی کیا کرتی تھیں۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کے شرکاء انہیں نفع پہنچاتے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔ چنانچہ رسولوں نے انہیں کہا: يَدْعُوكُمْ...... یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں بلاتا ہے تاکہ آخرت میں وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے اور دنیا میں تمہیں ایک مقررہ میعاد تک مہلت دے جیسا کہ فرمایا: وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ (ہود: 1) ''اور یہ کہ مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (صدق دل) سے متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف وہ لطف اندوز کرے گا تمہیں زندگی کی راحتوں سے اچھی طرح مقرر میعاد تک اور عطا کرے گا ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو اس کی زیادہ نیکی (کا ثواب)''۔ وہ قومیں پیغمبروں کے مقام اول کو تسلیم کر لینے کی تقدیر کے بعد ان کے مقام رسالت میں جھگڑا کرتے ہوئے کہنے لگیں کہ تم تو ہماری طرح بشر ہو۔ ہم صرف تمہارے کہنے پر کیسے تمہاری پیروی کریں حالانکہ ہم نے ابھی تک کوئی معجزہ نہیں دیکھا اس لئے کوئی ایسا معجزہ دکھائیں جو ہم تجویز کریں۔ پیغمبر انہیں کہنے لگے کہ یہ بات درست ہے کہ ہم بشر ہیں اور ہماری بشریت بظاہر تمہاری بشریت جیسی ہے لیکن یہ تو دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہمیں نبوت و رسالت سے نوازا ہے اور ہمارے یہ بس میں نہیں کہ تمہارے مطالبے پر بغیر اذن الٰہی کوئی دلیل اور معجزہ لے آئیں اور اہل ایمان کو تمام امور میں اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔ پھر پیغمبروں نے کہا: وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ...... یعنی اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے سے کونسی چیز ہمیں مانع ہے حالانکہ اس نے فلاح و بہود کے رستوں کی طرف ہماری رہنمائی کی۔ ہم ضرور تمہاری ایذاء رسانیوں پر صبر کریں گے اور اہل توکل کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہئے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿13﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿14﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿15﴾ مِّنْ وَّرَاۗىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّاۗءٍ صَدِيْدٍ ﴿16﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿17﴾

''اور کہا کفار نے اپنے رسولوں کو کہ ہم ضرور باہر نکال دیں گے تمہیں اپنے ملک سے یا تمہیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں۔ پس وحی بھیجی ان کی طرف ان کے پروردگار نے کہ (مت گھبراؤ) ہم تباہ کر دیں گے ان ظالموں کو۔ نیز ہم یقیناً آباد کریں گے تمہیں (ان کے) ملک میں انہیں (برباد کرنے) کے بعد۔ یہ (وعدہ نصرت) ہر اس شخص کے لئے ہے جو ڈرتا ہے میرے روبرو کھڑا ہونے سے اور خائف ہے میری دھمکی سے۔ اور رسولوں نے حق کی فتح کے لئے التجا کی (جو قبول ہوئی) اور نامراد ہو گیا ہر سرکش، منکر حق۔ اس (نامرادی) کے بعد جہنم ہے اور پلایا جائے گا اسے خون اور پیپ کا پانی۔ وہ بمشکل ایک ایک

گھونٹ بھرے گا اور حلق سے نیچے نہ اتار سکے گا اور آئے گی اس کے پاس موت ہر سمت سے اور وہ (بایں ہمہ) مرے گا نہیں۔ (علاوہ ازیں) اس کے پیچھے ایک اور سخت عذاب ہوگا''۔

کفار نے اپنے رسولوں کو جلاوطن اور ملک بدر کر دینے کی دھمکیاں دیں جیسا کہ قوم شعیب علیہ السلام نے آپ اور آپ کی قوم سے کہا: لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ (الاعراف:88) ''ہم نکال کر رہیں گے تمہیں اے شعیب! اور جو ایمان لائے تمہارے ساتھ اپنی بستی سے''، قوم لوط نے کہا: اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ (النمل:56) ''نکال دو آل لوط کو اپنی بستی سے''، اور مشرکین قریش کے متعلق فرمایا: وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل:76) ''اور انہوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے اور (اگر انہوں نے یہ حماقت کی) تب وہ نہیں ٹھہریں گے (یہاں) آپ کے بعد مگر تھوڑا عرصہ''۔ وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (الانفال:30) ''اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا تاکہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں۔ وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے''۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا، اپنے رسول کو فتح و نصرت سے نوازا اور ہجرت کے بعد آپ کو ایسے جانثار اور مخلص ساتھی عطا کر دیئے جو راہ خدا میں جہاد کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ بتدریج آپ کو ترقی کی منازل طے کراتا رہا یہاں تک کہ آپ نے بالآخر اس مکہ کو فتح کر لیا جہاں سے آپ کو ہجرت کرنا پڑی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اقتدار سے سرفراز فرمایا اور روئے زمین کے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کر کے آپ ﷺ کے سامنے مغلوب کر دیا یہاں تک کہ لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہونے لگے اور اللہ تعالیٰ نے نہایت مختصر مدت میں اپنے کلمے کو بلند کر دیا اور دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دیا، اس لئے فرمایا: فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ...... مِنْۢ بَعْدِهِمْ جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الصافات:173-171) ''اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی۔ اور بیشک ہمارا لشکر ہی غالب ہوا کرتا ہے''، كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (المجادلۃ:21) ''اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آ کر رہیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے''، وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء:105) ''اور بے شک ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں پند و موعظت کے (بیان کے) بعد کہ بلاشبہ زمین کے وارث تو میرے نیک بندے ہوں گے''، قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (الاعراف:128) ''فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو (اس آزمائش میں) مدد طلب کرو اللہ سے اور صبر و استقامت سے کام لو۔ بلاشبہ زمین اللہ ہی کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے (مخصوص) ہے''، وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ (الاعراف:137) ''اور ہم نے وارث بنا دیا اس قوم کو جسے ذلیل و حقیر سمجھا جاتا تھا (انہیں وارث بنایا) اس زمین کے شرق و غرب کا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی اور پورا ہو گیا آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے متعلق بوجہ اس کے کہ انہوں نے

صبر کیا تھا اور ہم نے برباد کر دیا جو کیا کرتا تھا فرعون اور اس کی قوم اور (برباد کر دیئے) جو بلند مکان وہ تعمیر کیا کرتے تھے"۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ...... یعنی یہ وعدہ اس شخص کے لئے ہے جو قیامت کے دن میرے روبرو کھڑا ہونے سے لرزاں و ترساں رہتا ہے اور میری وعید اور عذاب سے ڈرتا ہے جیسا کہ فرمایا: فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى (النازعات: 39-37) "پس جس نے سرکشی کی ہوگی۔ اور ترجیح دی ہوگی دنیوی زندگی کو۔ تو دوزخ ہی (اس کا) ٹھکانا ہوگا"۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (الرحمٰن: 46) "اور جو ڈرتا ہے اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے تو اس کو دو باغ ملیں گے"، اللہ تعالیٰ کے فرمان "وَاسْتَفْتَحُوْا" کے متعلق حضرات ابن عباس، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ پیغمبروں نے اپنی قوموں کے خلاف اللہ تعالیٰ سے نصرت طلب کی۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ان امتوں نے اپنے لئے عذاب کی خواہش کی جیسا کہ مشرکین نے کہا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (الانفال: 32) "اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب"۔ ممکن ہے کہ یہ بھی اور وہ بھی مراد ہو جس طرح مشرکین نے بدر والے دن عذاب کی خواہش کی اور رسول اللہ ﷺ نے فتح و نصرت کے لئے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے فرمایا: اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ (الانفال: 19) "(اے کفار!) اگر تم فیصلہ کے طلب گار تھے تو (لو) آ گیا تمہارے پاس فیصلہ، اور اگر تم (اب بھی) باز آ جاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے لئے"، فرمایا: وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ یعنی ہر جابر، سرکش اور منکر حق نامراد ہوا جیسا کہ فرمان ہے: اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ۙ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ۙ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ (ق: 26-24) "جہنم میں جھونک دو ہر کافر سرکش کو۔ جو سختی سے روکنے والا تھا نیکی سے، حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا تھا۔ جس نے بنا رکھے تھے اللہ کے ساتھ کئی اور خدا پس جھونک دو اس (بدبخت) کو عذاب شدید میں"۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "قیامت کے دن جہنم کو لایا جائے گا، وہ مخلوقات کو ندا دے گی اور کہے گی کہ مجھے ہر سرکش اور منکر حق کے لئے مقرر کیا گیا ہے"(1)۔ جب انبیائے کرام نے بارگاہ خداوندی میں عجز و نیاز سے گڑگڑاتے ہوئے دعا کی تو ہر سرکش منکر حق نامراد ہو گیا۔ آیت کریمہ میں "وَّرَآئِهٖ" کا لفظ "امام" (آگے سامنے) کے معنی میں ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا (الکہف: 79) "اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی سے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں "وَكَانَ اَمَامَهُمْ......" ہے۔ یعنی ہر جابر سرکش کے سامنے جہنم اس کی تاک میں ہوگا جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا لیکن قیامت تک بھی اسے صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا رہے گا(2)۔ جہنم میں پینے کے لئے خون اور پیپ ملا کھولتا ہوا گرم پانی اسے دیا جائے گا۔ ایک پانی انتہائی گرم اور دوسرا انتہائی ٹھنڈا اور بدبودار جیسا کہ فرمایا: فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ۙ وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ (ص: 58-57) "یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہئے کہ وہ اسے چکھیں۔ اور اس کے علاوہ اس کی مانند طرح طرح کا عذاب"، مجاہد اور عکرمہ کہتے ہیں کہ "صَدِيْدٍ" پیپ اور خون کو کہتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ "صَدِيْدٍ" وہ ہے جو جہنمیوں کے گوشت اور کھالوں سے بہے گی۔ ایک اور روایت میں آپ بیان کرتے ہیں کہ یہ کافر کے پیٹ سے خارج ہوگی جس میں پیپ اور خون ملا ہوا ہوگا۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! "طِيْنَةُ الْخَبَالِ" کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "دوزخیوں کی پیپ" ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے اس کا معنی بیان کیا ہے: "دوزخیوں سے نچڑی ہوئی

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ جہنم، جلد 11 صفحہ 44-45 2۔ روح المعانی، جلد 16 صفحہ 9

چیز'' (1)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۙ يَّتَجَرَّعُهٗ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے (پیپ کو) اس کے قریب لایا جائے گا تو وہ اس سے کراہت محسوس کرے گا۔ جب اسے اس کے منہ کے قریب لایا جائے گا تو اس کا چہرہ جھلس جائے گا اور اس کے سر کی کھال گر پڑے گی۔ جب وہ اسے پیئے گا تو اس کی انتڑیاں کٹ کٹ کر دُبر سے خارج ہوں گی'' (2)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (محمد: 15) ''اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا اور وہ کاٹ دے گا ان کی آنتوں کو''، وَ اِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ (الکہف: 29) ''اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی کی جائیں گی ایسے پانی کے ساتھ جو پیپ کی طرح (غلیظ) ہے (اور اتنا گرم کہ) بھون ڈالتا ہے چہروں کو''، فرمایا: ''يَتَجَرَّعُهٗ'' یعنی وہ بمشکل اور بادل نخواستہ اس کا ایک گھونٹ لے گا، لیکن پینے کو جی نہیں چاہے گا تو فرشتے لوہے کے گرز سے پیٹتے ہوئے اسے زبردستی پلائیں گے جیسا کہ فرمایا: وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ (الحج: 21) ''اور ان (کو مارنے) کے لئے گرز ہوں گے لوہے کے''۔ اور یہ پانی اتنا کڑوا، بدبودار، بدذائقہ، بدرنگ اور انتہائی گرم یا انتہائی ٹھنڈا ہوگا کہ اس کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا اور موت اسے ہر سمت سے آتی دکھائی دے گی یعنی اس کا تمام بدن اور تمام اعضاء درد اور تکلیف میں مبتلا ہوں گے۔ عمر بن میمون کہتے ہیں کہ اس کی ہڈی ہڈی، جوڑ جوڑ اور رگ رگ اور بقول عکرمہ اس کے بال بھی عذاب سے دوچار ہوں گے۔ ابن جریر اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کے آگے پیچھے سے، دائیں بائیں سے اور اوپر نیچے سے بلکہ تمام اعضائے جسم سے موت آئے گی۔ ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد عذاب کی انواع ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جہنمیوں کو دوچار کرے گا، ہر نوع موت کے مترادف ہوگی لیکن ان کی خواہش کے باوجود بھی انہیں موت نہیں آئے گی کیونکہ فرمان خداوندی ہے: لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا (فاطر: 36) ''نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مرجائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی ہر نوع اس بات کا تقاضا کرے گی کہ وہ مرجائے لیکن اسے موت نہیں آئے گی کیونکہ اسے ہمیشہ دائمی اور عبرتناک عذاب میں رہنا ہے، اسی لئے فرمایا: وَ يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَيِّتٍ پھر آخر میں فرمایا: وَ مِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ یعنی اس تکلیف دہ اور سنگین حالت کے بعد ایک اور سخت دردناک اور غلیظ عذاب ہوگا جو پہلے عذاب سے بھی زیادہ شدید، تباہ کن اور تلخ ہوگا۔ یہ اسی طرح ہوگا جیسا کہ درخت زقوم کے متعلق فرمایا: اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْۤ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۙ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ (الصافات: 68-64) ''یہ ایک درخت ہے جو اگتا ہے جہنم کی تہ میں۔ اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں۔ پس انہیں ضرور کھانا ہوگا اس سے اور بھریں گے اس سے اپنے پیٹ۔ پھر انہیں زقوم کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا۔ پھر انہیں لوٹا دیا جائے گا جحیم کی طرف''۔ بتا دیا کہ کبھی انہیں ''زقوم'' (کانٹے دار سخت کڑوا درخت) کھانا ہوگا، کبھی کھولتا ہوا گرم پانی پینا ہوگا اور کبھی جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں غوطے کھانا ہوں گے، فرمایا: هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝ (الرحمن: 44-43) ''یہی وہ جہنم ہے جسے جھٹلایا کرتے تھے مجرم۔ وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان جو از حد گرم

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، جلد 3 صفحہ 1587، سنن ابی داؤد کتاب الاشربۃ، جلد 3 صفحہ 327

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 265، تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 195-196

ہوگا''، اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾ کَالْمُهْلِ ۚ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا کُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ (الدخان: 50-43) ''بلاشبہ زقوم کا درخت گنہگار کی خوراک ہوگا۔ پگھلے تانبے کی مانند۔ پیٹوں میں جوش مارے گا۔ جیسے کھولتا پانی جوش مارتا ہے۔ (حکم ہوگا) اس (نابکار) کو پکڑلو پھر اسے گھسیٹ کر لے جاؤ جہنم کے وسط میں۔ پھر انڈیلو اس کے سر کے اوپر کھولتا پانی (اسے) عذاب دینے کے لئے۔ لو چکھو۔ تم بڑے معزز و مکرم ہو۔ بے شک یہ وہ ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے''، وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّ ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیْمٍ (الواقعہ: 44-41) ''اور بائیں ہاتھ والے، کیسی خستہ حالت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی۔ (یہ بدنصیب) جھلستی لو اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے۔ نہ یہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دہ''، هٰذَا ۭ وَ اِنَّ لِلطّٰغِیْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّ اٰخَرُ مِنْ شَکْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ (ص: 58-55) ''یہ (تو پرہیزگاروں کے لئے) اور بلاشبہ سرکشوں کے لئے برا ٹھکانا ہوگا (یعنی) جہنم۔ وہ داخل ہوں گے اس میں۔ تو یہ کتنا تکلیف دہ بچھونا ہے۔ یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہئے کہ وہ اسے چکھیں۔ اور اس کے علاوہ اس کی مانند طرح طرح کا عذاب''۔ ایسی اور بھی متعدد آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انہیں انواع و اقسام کے عذاب دیئے جائیں گے جن کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور یہ ان کے برے اعمال کی پوری پوری سزا ہوگی اور اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ کَرَمَادِ ۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا کَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ ۭ ذٰلِکَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ﴿۱۸﴾

''ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ایسی ہے کہ ان کے اعمال راکھ کا ڈھیر ہیں جسے تند ہوا تیزی سے اڑا لے گئی سخت آندھی کے دن۔ نہ حاصل کریں گے ان اعمال سے جو انہوں نے کمائے تھے کوئی فائدہ۔ یہ (اعمال کا اکارت جانا ہی) بہت بڑی گمراہی ہے''۔

غیر اللہ کی عبادت کرنے والے اور رسولوں کی تکذیب کرنے والے کفار کے اعمال کی مثال بیان کی جارہی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے غلط اور کمزور بنیاد پر اپنے اعمال کی عمارت کھڑی کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سخت ضرورت کے وقت ان کے اعمال اکارت گئے۔ قیامت کے دن یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اپنے اعمال کا ثواب طلب کریں گے کیونکہ وہ تو ان اعمال سے بڑی امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ اعمال ان کے کام آئیں گے لیکن ان کا خیال غلط ثابت ہوا اور وہ کچھ بھی نہ حاصل کرسکے۔ سو ان کے اعمال کی مثال یوں ہے جیسے راکھ کا ڈھیر ہو جسے سخت آندھی والے دن تند و تیز ہوائیں اڑا لے جائیں۔ جس طرح ایسی راکھ کو جمع کرنا ناممکن ہے اسی طرح ان کفار کو ان کے دنیاوی اعمال کا اجر و ثواب ملنا محال ہے جیسا کہ فرمایا: وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (الفرقان: 23) ''اور ہم متوجہ ہوں گے ان کے کاموں کی طرف اور انہیں گرد و غبار بنا کر اڑا دیں گے''، مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا کَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَکَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰکِنْ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ (آل عمران: 117) ''مثال اس کی جو وہ خرچ کرتے ہیں اس دنیوی زندگی میں ایسی ہے جیسے ہوا ہو اس میں سخت ٹھنڈک ہو (اور) لگے وہ ایک قوم کے کھیت کو جنہوں نے ظلم کیا ہو اپنے نفسوں پر پھر فنا کردے اس کھیت کو۔ نہیں ظلم کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں''، یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا

صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ (البقرۃ:264) ''اے ایمان والو! مت ضائع کرو اپنے صدقوں کو احسان جتلا کر اور دکھ پہنچا کر اس آدمی کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے اور یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور دن قیامت پر اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو پھر برسے اس پر زور کی بارش اور چھوڑ جائے اسے چٹیل صاف پتھر۔ (ریا کار) حاصل نہ کر سکیں گے کچھ بھی اس سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کفر اختیار کرنے والوں کو''۔ اس آیت میں فرمایا: ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ یعنی ان کی سعی لا حاصل ہے اور ان کے اعمال اساس محکم اور استقامت سے خالی ہیں، اس لئے ضرورت پڑنے پر بھی ان سے ثواب حاصل نہیں ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ﴿۲۰﴾

''کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہلاک کر دے اور لے آئے کوئی نئی مخلوق۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں''۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مخلوق کو دوبارہ زندہ کرنے پر اپنی قدرت کا اظہار فرما رہا ہے، کیا وہ ذات جس نے انسان سے بڑے بڑے زمین و آسمان پیدا کئے، آسمانوں کو اس قدر وسعت، عظمت اور رفعت بخشی اور انہیں چاند، سورج، ستاروں اور دیگر آیات کے ساتھ آراستہ کیا۔ زمین کو بچھونا بنا دیا اور اس میں پہاڑ، صحراء، جنگل، چٹیل میدان، سمندر، نباتات اور انواع و اقسام کے جاندار پیدا کئے، کیا ایسی قدرت کی مالک ذات چھوٹے سے انسان کو دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہے، فرمایا: اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (الاحقاف:33) ''کیا انہوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ذرا تھکن محسوس نہ کی ان کے بنانے میں وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے۔ بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے''، اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُ ۙ﴿۷۹﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؔؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (یٰسین:77-83) ''کیا انسان (اس حقیقت کو) نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے پس اب وہ (ہمارا) کھلا دشمن بن بیٹھا ہے۔ اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لئے (عجیب و غریب) مثالیں اور اس نے فراموش کر دیا اپنی پیدائش کو۔ (گستاخ) کہتا ہے اجی! کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ آپ فرمائیے (اے گستاخ سن!) زندہ فرمائے گا انہیں وہی جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے۔ جس نے (اپنی حکمت سے) رکھ دی تمہارے لئے سبز درختوں میں آگ پھر تم اس سے اور آگ سلگاتے ہو۔ کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی (چھوٹی سی) مخلوق۔ بیشک (وہ ایسا کر سکتا ہے) اور وہی پیدا فرمانے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کا حکم، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔ پس وہ (ہر عیب

سے) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا''۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ ...... یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں فنا کر دے اور کوئی نئی مخلوق لے آئے اور یہ اللہ تعالیٰ پر نہ مشکل ہے اور نہ کوئی بڑی بات ہے بلکہ اس کے لئے نہایت ہی آسان ہے جیسا کہ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ (فاطر:17-15) ''اے لوگو! تم سب محتاج ہو اللہ تعالیٰ کے۔ اور اللہ ہی غنی ہے سب خوبیوں سراپا۔ اگر اس کی مرضی ہو تو تم سب کو ناپید کر دے اور لے آئے ایک نئی مخلوق۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر قطعاً دشوار نہیں''۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (محمد:37) ''اور اگر تم روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کر دیئے جاؤ گے) اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے''، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ (المائدة:54) ''اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے (تو اس کی بدنصیبی) سو عنقریب لے آئے گا اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے''، اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا (النساء:133) ''اگر چاہے تو لے جائے تمہیں اے لوگو! اور لے آئے دوسروں کو اور اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے''۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰۤؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿21﴾

''اور (روز حشر) اللہ تعالیٰ کے سامنے (سب چھوٹے بڑے) حاضر ہوں گے تو کہیں گے کمزور (پیروکار) ان (سرداروں) سے جو متکبر تھے (اے سردارو!) ہم تو (ساری عمر) تمہارے فرمانبردار رہے پس کیا (آج) تم ہمیں بچا سکتے ہو عذاب الٰہی سے وہ کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی تمہاری رہنمائی کرتے۔ یکساں ہے ہمارے لئے خواہ ہم گھبرائیں یا صبر کریں ہمارے لئے (آج) کوئی راہ فرار نہیں ہے''۔

نیک و بد تمام مخلوق ایک وسیع میدان میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جمع ہوگی، وہاں ماتحت اور پیروی کرنے والے کمزور لوگ اپنے ان قائدین، زعماء اور سرداروں سے کہیں گے جنہوں نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور رسولوں کی موافقت سے تکبر کئے رکھا کہ ہم دنیا میں تمہارے تابع اور فرمانبردار تھے۔ جو تم نے حکم دیا، ہم اسے بجالائے۔ کیا تم میں اتنی طاقت ہے کہ جس طرح تم ہمارے ساتھ وعدے کرتے تھے، آرزوئیں دلاتے تھے اور سہانے سپنے دکھاتے تھے، اس طرح اللہ تعالیٰ کے عذاب کو ہم سے ٹال دو۔ وہ قائدین اور سردار کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی تمہاری صحیح رہنمائی کرتے لیکن ہم تو خود مصیبت کا شکار ہیں، ہم میں تقدیر الٰہی نافذ ہو چکی ہے اور عذاب ہمارا مقدر بن چکا ہے۔ ہم گھبراہٹ کا اظہار کریں یا صبر کریں، دونوں چیزیں یکساں ہیں اب اس سنگین صورت حال اور عذاب سے چھٹکارے کی کوئی امید نہیں اور نہ ہی ہمارے لئے کوئی راہ فرار ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ دوزخی ایک دوسرے سے کہیں گے کہ جنتیوں نے بارگاہ خداوندی میں گریہ وزاری، عجز و نیاز اور گڑگڑا کر دعائیں مانگنے کے طفیل جنت حاصل کر لی۔ آؤ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے حضور آہ و بکا کریں اور گڑگڑا کر دعائیں مانگیں۔ چنانچہ وہ گریہ وزاری اور عجز و نیاز کا اظہار کریں گے لیکن جب یہ حیلہ کارگر ثابت نہیں ہوگا تو

کہیں گے کہ اہل جنت نے صبر کے باعث جنت پالی، آؤ صبر کریں چنانچہ وہ ایسا صبر کریں گے کہ ایسا صبر کبھی نہیں دیکھا گیا لیکن یہ صبر بھی ان کے کچھ کام نہیں آئے گا اس وقت وہ کہیں گے: سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا(1)۔ میں کہتا ہوں: ظاہر بات یہ ہے کہ ان کا یہ مکالمہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد ہوگا جیسا کہ فرمایا: وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ (المومن: 48-47)'' اور (کتنا ہوشربا سماں ہوگا) جب باہم جھگڑیں گے دوزخ میں پس کہیں گے کمزور لوگ انہیں جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے پس کیا تم دور کر سکتے ہو ہم سے کچھ آگ (کے عذاب) کا۔ جواب دیں گے متکبر ہم سب آگ میں (بھن رہے) ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے بندوں کے متعلق''، قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (الاعراف: 39-38)'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا داخل ہو جاؤ ان امتوں میں جو گزر چکی ہیں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں سے (ان کے پاس) دوزخ میں (داخل ہو جاؤ) جب بھی داخل ہوگی کوئی امت تو وہ لعنت بھیجے گی دوسری امت پر یہاں تک کہ جب جمع ہو جائیں گی اس میں سب امتیں۔ تو کہے گی آخرف امت پہلی امتوں کے متعلق اے ہمارے رب! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا پس دے ان کو دگنا عذاب آگ سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے اور کہیں گی پہلی امتیں پچھلی امتوں سے کہ نہیں ہے تمہیں ہم پر کوئی فضیلت پس چکھو عذاب بوجہ اس کے جو تم کیا کرتے تھے''، رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا (الاحزاب: 68-67)'' اے ہمارے رب! ہم نے پیروی کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑے لوگوں کی پس ان (ظالموں نے) ہمیں بہکا دیا سیدھی راہ سے۔ اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور لعنت بھیج ان پر بہت بڑی لعنت''۔ میدان حشر میں ان کے جھگڑے کو یوں بیان فرمایا: وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سبا: 33-31)'' کاش! تم (وہ منظر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کئے جائیں گے اپنے رب کے روبرو۔ اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ کہیں گے وہ لوگ جو (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار ہوتے۔ جواب دیں گے متکبر ان کمزوروں کو کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت (قبول کرنے) سے جب (نور ہدایت) تمہارے پاس آیا تھا، درحقیقت تم خود مجرم تھے۔ کہیں گے وہ کمزور لوگ ان مغروروں سے (یوں نہیں) بلکہ تمہارے شب و روز کے مکروفریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسر بنائیں۔ اور دل ہی دل میں پچھتائیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو۔ اور ہم ڈال دیں گے طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر کیا (خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے) کیا انہیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو کیا کرتے تھے''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 199-200

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٢﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿٢٣﴾

''اور شیطان کہے گا جب (سب کی قسمت کا) فیصلہ ہو چکے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ وعدہ سچا تھا۔ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا پس میں نے تم سے وعدہ خلافی کی۔ اور نہیں تھا میرا تم پر کچھ زور مگر یہ کہ میں نے تم کو (کفر) کی دعوت دی اور تم نے (فوراً) قبول کر لی میری دعوت۔ سو تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں (آج) تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ میں انکار کرتا ہوں اس امر سے کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے۔ بیشک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور داخل کیا جائے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے باغات میں رواں ہوں گی جن کے نیچے ندیاں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اپنے رب کے حکم سے۔ ان کی دعا وہاں ایک دوسرے کو یہ ہوگی کہ تم سلامت رہو''۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دے گا، مومنین جنت میں اور کفار جہنم میں چلے جائیں گے تو ابلیس ملعون دوزخیوں کے غم واندوہ اور حسرت وملال میں مزید اضافہ کرتے ہوئے انہیں کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبانی تم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ان کی اتباع میں ہی دارین کی سلامتی اور نجات مضمر ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ حق اور یہ خبر سچ تھی۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے بھی تمہارے ساتھ وعدہ کیا لیکن وعدہ خلافی کی جیسا کہ فرمایا: يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (النساء: 120) ''شیطان (جھوٹے) وعدے کرتا ہے ان سے اور (غلط) امیدیں دلاتا ہے انہیں اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا''، پھر کہے گا: وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ یعنی جو دعوت میں نے تمہیں دی اور جو وعدہ تم سے کیا، اس کی میرے پاس کوئی دلیل اور حجت نہ تھی سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا حالانکہ انبیاء ورسل نے اپنی نبوت ورسالت کی صداقت پر صحیح دلائل پیش کر دیئے تھے لیکن تم نے ان کی مخالفت کی، اسی لئے تمہیں آج یہ روز بد دیکھنا پڑا اور اس برے انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ آج مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو کیونکہ میری اتباع کرنے اور صرف میرے کہنے پر انبیاء ورسل کے دلائل وبراہین کی مخالفت کرنے میں گناہ اور قصور تمہارا اپنا ہے، اس لئے میں تمہاری فریاد رسی نہیں کر سکتا، نہ تمہیں اس عذاب سے بچا سکتا ہوں اور نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہوں۔ تمہاری بھی یہی کیفیت ہے، تم بھی میری طرح بے بس ہو، تم بھی میری فریاد رسی نہیں کر سکتے اور نہ تم مجھے اس عبرتناک عذاب سے نجات دلا سکتے ہو، اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ۔ قتادہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس سبب سے انکار کیا (1)۔ اس سے پہلے جو تم مجھے شریک ٹھہراتے تھے۔ ابن جریر اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا شریک بننے سے انکار کیا، یہی قول راجح ہے جیسا کہ فرمایا: وَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 200

مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ (الاحقاف: 6-5) ''اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کرسکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔ اور جب جمع کئے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبودان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے''، كَلَّا ؕ سَیَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَیَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِمْ ضِدًّا (مریم: 82) ''ہرگز نہیں۔ وہ جھوٹے خدا انکار کر دیں گے ان کی عبادت کا۔ اور وہ (الٹے) ان کے دشمن ہو جائیں گے''۔ فرمایا: اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ یعنی حق سے اعراض کرنے اور باطل کی اتباع کرنے کے سبب ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ آیت کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ابلیس کا اپنے پیروکاروں کے ساتھ یہ مکالمہ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہوگا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں لیکن ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں آتا ہے: ''جب اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع کرے گا اور ان کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہو جائے گا تو اہل ایمان کہیں گے کہ ہمارے رب نے ہمارے درمیان فیصلہ فرما دیا ہے، اب کون ہے جو ہمارے لئے شفاعت کرے؟ چنانچہ وہ باری باری حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کے پاس جائیں گے۔ عیسیٰ کہیں گے کہ نبی امی (ﷺ) کی طرف میں تمہاری رہنمائی کرتا ہوں۔ وہ میرے پاس آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے حضور کھڑا ہونے کی اجازت دے گا۔ اس وقت میری مجلس سے ایسی عمدہ اور پاکیزہ خوشبو مہکے گی کہ ایسی خوشبو کبھی کسی نے نہ سونگھی ہوگی، یہاں تک کہ میں اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گا۔ وہ مجھے شفاعت کا اختیار دے گا اور سر کے بالوں سے لے کر قدموں کے ناخنوں تک وہ مجھے سراپا نور بنا دے گا۔ پھر کافر کہیں گے کہ اہل ایمان نے تو شافع (محشر) پالیا، اب ہماری شفاعت کون کرے گا؟ یہ سفارشی ابلیس ہی ہوسکتا ہے، اس نے ہی ہمیں گمراہ کیا تھا۔ چنانچہ وہ ابلیس کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ مومنین نے تو اپنے لئے سفارشی پالیا، تم اٹھو اور ہماری سفارش کرو کیونکہ تم نے ہی ہمیں گمراہ کیا تھا۔ وہ لعین اٹھے گا تو اس کی مجلس سے سخت بدبو برآمد ہوگی کہ ایسی بدبو کسی نے نہ سونگھی ہوگی۔ اس وقت جہنمی شدت سے آہ وبکا اور گریہ وزاری کریں گے، وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ ...... محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ جب دوزخی کہیں گے: ''سَوَآءٌ عَلَیْنَاۤ اَجَزِعْنَاۤ ......'' تو ابلیس انہیں کہے گا: اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ ...... جب وہ ابلیس کی یہ بات سنیں گے تو اپنی جانوں سے بھی بیزار ہو جائیں گے، اس وقت انہیں ندا دی جائے گی: لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِیْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ (المومن: 10) ''اللہ تعالیٰ کی (تم سے) بیزاری بہت زیادہ ہے اس بیزاری سے جو تمہیں اپنے آپ سے ہے۔ (یاد ہے) جب تم بلائے جاتے ایمان کی طرف تو تم کفر کیا کرتے''، عامر شعبی کہتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کے سامنے دو خطیب کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا: ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ...... قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ (المائدۃ: 119-116) ''کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو دو خدا اللہ کے سوا ...... فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ ہے وہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو ان کا سچ''، اور ابلیس کھڑا ہو کر کہے گا: مَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ ...... بدبختوں کے رسوا کن انجام، عبرتناک عذاب اور ابلیس کے ساتھ ان کا مکالمہ ذکر کرنے کے بعد سعادت مندوں کے اچھے انجام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ...... یعنی یہ سعادت مند ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور جنت میں ان کے لئے دعا یہ ہوگی کہ تم سلامت رہو جیسا کہ فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ (الزمر: 73) ''حتی کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور جنت کے دروازے پہلے ہی کھول دیئے گئے ہوں گے تو کہیں گے انہیں جنت

کے محافظ تم پر سلام ہو"، وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (الرعد:23) '' اور فرشتے (یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے ان پر ہر دروازہ سے سلامتی ہو تم پر''، وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا (الفرقان:75) '' اور ان کا استقبال کیا جائے گا وہاں دعا اور سلام سے''، دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس:10) '' (بہار جنت کو دیکھ کر) ان کی صدا وہاں یہ ہوگی پاک ہے تو اے اللہ اور ان کی دعا یہ ہوگی کہ '' سلامتی ہو'' اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝٢٤ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝٢٥ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ِۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝٢٦

'' کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ کیسی عمدہ مثال بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے کہ کلمہ طیبہ ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں بڑی مضبوط ہیں اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ وہ دے رہا ہے اپنا پھل ہر وقت اپنے رب کے حکم سے اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے لئے تاکہ وہ (انہیں) خوب ذہن نشین کر لیں۔ اور مثال ناپاک کلمہ کی ایسی ہے جیسے ناپاک درخت ہو۔ جسے اکھاڑ لیا جائے زمین کے اوپر سے (اور) اسے کچھ بھی قرار نہ ہو''۔

علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ کلمہ طیبہ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دینا ہے، شجرہ طیبہ سے مراد مومن، '' اَصْلُهَا ثَابِتٌ '' سے مراد قلب مومن میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا راسخ ہونا اور فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ سے مراد مومن کے اعمال کا آسمان کی طرف بلند ہونا ہے(1)۔ ضحاک، سعید بن جبیر، عکرمہ اور مجاہد وغیرہ کا یہی کہنا ہے کہ یہ مومن کے قلب طیب اور عمل صالح سے عبارت ہے اور مومن کھجور کے درخت کی طرح ہے، صبح وشام ہر گھڑی اور ہر وقت اس کا عمل صالح بلند ہوتا رہتا ہے۔ حضرات ابن مسعود اور انس رضی اللہ عنہما بھی کہتے ہیں کہ یہاں کھجور کا درخت مراد ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کھجوروں کا خوشہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس آیت مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً...... کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے(2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: '' مجھے بتاؤ کہ کونسا درخت مسلمان کے مشابہ ہے جس کے پتے نہ موسم گرما میں جھڑتے ہیں اور نہ موسم سرما میں اور یہ اپنے رب کے حکم سے ہر گھڑی اپنا پھل دیتا ہے؟'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن جب میں نے دیکھا کہ حضرات ابو بکر اور عمر بھی گفتگو نہیں کر رہے، بالکل خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں تو میں نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ جب صحابہ کرام نے کوئی جواب نہ دیا تو آپ ﷺ نے خود ہی فرمایا: '' یہ کھجور کا درخت ہے''۔ جب مجلس برخاست ہوگئی تو میں نے اپنے والد گرامی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ابا جان! اللہ کی قسم، میرے دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے فرمانے لگے کہ پھر گفتگو کرنے اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 203 2۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ ابراہیم، جلد 11 صفحہ 285 تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 204-205

جواب دینے سے کونسی چیز مانع تھی؟ میں نے عرض کی کہ جب میں نے آپ لوگوں کو سکوت اختیار کئے ہوئے دیکھا تو مجھے گفتگو کرنا مناسب معلوم نہ ہوا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر تم جواب دے دیتے تو یہ مجھے فلاں فلاں چیز سے بھی زیادہ محبوب تھا'' (1)۔

حضرت مجاہد بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ شریف تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رہا لیکن میں نے آپ کو صرف ایک حدیث بیان کرتے ہوئے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کے پاس درخت خرما کا گوندلا یا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جس کی مثال مرد مسلمان جیسی ہے'' میں نے کہنا چاہا کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن مجلس میں سب سے چھوٹا ہونے کے باعث خاموش رہا۔ حضور ﷺ نے خود ہی فرمایا: ''یہ کھجور کا درخت ہے'' (2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے، وہ مومن کی طرح ہے۔'' حاضرین کے دل میں یہ خیال گزرا کہ یہ کوئی جنگلی درخت ہوگا لیکن مجھے یہ خیال آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن حیا کے باعث خاموش رہا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے خود ہی بتایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے (3)۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! مالدار لوگ اجر و ثواب لے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو بتاؤ اگر کوئی آدمی دنیا کا مال و متاع لے کر اوپر نیچے جوڑ دے تو کیا وہ آسمان تک پہنچ جائے گا؟ کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جس کی جڑیں زمین میں ہیں اور جس کی شاخیں آسمان میں؟'' (4)۔ اس شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نماز کے بعد دس مرتبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنا۔ اس کی جڑیں زمین میں ہیں اور شاخیں آسمان میں''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شجرہ طیبہ سے مراد جنت کا ایک درخت ہے۔ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ کا مطلب یہ ہے کہ وہ درخت بقول بعض صبح و شام اپنا پھل لاتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ ہر ماہ، بعض کہتے ہیں کہ ہر دو ماہ، بعض کہتے ہیں کہ ہر چھ ماہ، بعض کہتے ہیں کہ ہر سات ماہ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ہر سال پھل دیتا ہے۔ ظاہر بات یہی ہے کہ مومن کی مثال ایسے درخت کی سی ہے جو دن رات گرمی سردی میں ہر وقت پھلدار رہتا ہے، اسی طرح دن رات میں ہر گھڑی اور ہر وقت مومن کے اعمال صالحہ بلند ہوتے رہتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ درخت اپنے رب کے حکم سے ہر وقت عمدہ، طیب، مبارک، خوش ذائقہ، خوش رنگ اور کثیر پھل لاتا ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ...... یہاں کافر کی مثال بیان کی جا رہی ہے۔ اس کی مثال اندرائن جیسے درخت کی ہے جس کی نہ جڑیں ہیں اور نہ اسے زمین پر قرار حاصل ہے۔ ایک موقوف روایت میں آتا ہے کہ شجرہ طیبہ سے مراد کھجور کا درخت اور شجرہ خبیثہ سے مراد اندرائن ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں بھی اس سے مراد حنظل (اندرائن) بتایا گیا ہے (5)۔ یہ ایسا خبیث اور بے برکت درخت ہے جسے زمین کے اوپر سے ہی اکھیڑ لیا گیا، جڑ کے نہ ہونے کے باعث اسے نہ ثبات حاصل ہے اور نہ قرار۔ اسی طرح کفر ہے، اس کی نہ جڑیں ہوتی ہیں اور نہ شاخیں اور کافر کا عمل نہ اوپر بلند ہوتا ہے اور نہ یہ قبولیت حاصل کرتا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 30، تفسیر سورۂ ابراہیم، جلد 6، صفحہ 100، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2165 وغیرہ

2۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، جلد 1، صفحہ 30، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2165 وغیرہ

3۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، جلد 1، صفحہ 28، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2164-2165

4۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 22　　5۔ مسند ابی یعلی، جلد 7، صفحہ 182-183

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾

''ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس پختہ قول (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور بھٹکا دیتا ہے اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو۔ اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے''۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب قبر میں مسلمان سے سوالات کئے جاتے ہیں تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، یہی مراد اس آیت یُثَبِّتُ اللّٰهُ...... سے ہے''(1)۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی انصاری کے جنازہ میں شرکت کرنے کے لئے نکلے۔ قبرستان پہنچے لیکن قبر ابھی تک تیار نہیں ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے، ہم بھی آپ ﷺ کے اردگرد (یوں خاموشی سے) بیٹھ گئے جیسے ہمارے سروں پر پرندے ہیں۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس کے ساتھ آپ ﷺ زمین کو کرید رہے تھے۔ اچانک آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور دو یا تین مرتبہ فرمایا: ''عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو'' پھر فرمایا: ''جب بندۂ مومن دنیا سے آخرت کی طرف رخت سفر باندھتا ہے تو اس کے پاس سورج جیسے نورانی چہروں والے فرشتے اترتے ہیں، ان کے پاس جنتی کفن اور جنتی خوشبو ہوتی ہے یہاں تک کہ تا حد نظر اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت اس کے سرہانے آکر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے پاکیزہ روح! اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضا کی طرف نکل، تو وہ روح اس طرح آسانی سے نکل آتی ہے جس طرح مشکیزے سے پانی ٹپکتا ہے، جب وہ روح کو قبض کر لیتا ہے تو فرشتے پلک جھپکنے کی دیر بھی اس کے پاس نہیں رہنے دیتے بلکہ فوراً اس روح کو لے لیتے ہیں، اور جنتی کفن اور جنتی خوشبو میں رکھ لیتے ہیں، اس سے کستوری سے بھی زیادہ عمدہ خوشبو برآمد ہوتی ہے۔ ملائکہ اسے لے کر اوپر آسمانوں کی طرف چلے جاتے ہیں اور جن فرشتوں کے پاس سے بھی وہ گزرتے ہیں، وہ پوچھتے ہیں کہ یہ پاکیزہ روح کس کی ہے؟ فرشتے بتلاتے ہیں: فلاں بن فلاں اور اس کا وہ پسندیدہ نام بتاتے ہیں جس کے ساتھ اسے دنیا میں پکارا جاتا تھا، یہاں تک کہ اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں، دروازہ کھلواتے ہیں تو اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ وہاں کے فرشتے اسے اگلے آسمان تک الوداع کرنے کے لئے جاتے ہیں حتیٰ کہ جب اسے لے کر ساتویں آسمان تک پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کی کتاب (نامہ اعمال) علیین میں ثبت کر دو اور اسے زمین پر لوٹا دو کیونکہ میں نے زمین سے ہی بندوں کو پیدا کیا ہے، اس میں انہیں لوٹاتا ہوں اور اسی سے ایک مرتبہ پھر نکالوں گا۔ چنانچہ اس مرد مومن کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تمہارا دین کیا ہے؟ جواب ملتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کہ یہ کونسی شخصیت ہے جسے تمہارے اندر مبعوث کیا گیا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ فرشتے پوچھتے ہیں کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے کتاب اللہ پڑھی، اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ اس وقت ایک منادی کرنے والا آسمان سے ندا دیتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے، اس کے لئے جنتی فرش بچھا دو، اسے جنتی لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ جنت کی روح پرور ہوائیں اور عمدہ خوشبوئیں اس تک پہنچنے لگتی ہیں، تا حد نظر اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے اور ایک خوبصورت، خوش لباس اور عمدہ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ ابراہیم، جلد 6 صفحہ 100، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، جلد 4 صفحہ 220

خوشبو والا شخص اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہیں ان راحتوں کی خوشخبری ہو۔ یہ وہ دن ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا جاتا تھا۔ بندہ مومن اس سے پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ تو بھلائی کا پیامبر ہے۔ وہ کہے گا کہ میں تمہارا عمل صالح ہوں تو وہ (بندہ مومن) کہے گا کہ اے پروردگار! ابھی قیامت قائم کر دے، بالکل ابھی، تاکہ میں اپنے اہل وعیال اور مال و دولت کی طرف لوٹ جاؤں۔ جب کافر دنیا سے آخرت کی طرف جانے لگتا ہے تو اس کے پاس سیاہ رو فرشتے نازل ہوتے ہیں جن کے پاس سخت ٹاٹ ہوتے ہیں۔ وہ تاحد نظر اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آتا ہے اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے خبیث روح! غضب الٰہی کی طرف نکل، لیکن وہ اس کافر کے جسم میں بکھر جاتی ہے چنانچہ ملک الموت اسے اس طرح کھینچ کر نکالتا ہے جس طرح تر روئی سے سیخ کو کھینچا جاتا ہے۔ روح قبض کرنے کے بعد فرشتے پلک جھپکنے کی دیر بھی ملک الموت کے پاس نہیں رہنے دیتے، فوراً اچک کر ٹاٹ میں رکھ لیتے ہیں تو اس میں سے مردار سے بھی زیادہ بدبو خارج ہوتی ہے۔ فرشتے اسے لے کر اوپر بلند ہوتے ہیں۔ جن فرشتوں کے پاس سے بھی گزرتے ہیں، وہ پوچھتے ہیں کہ یہ خبیث روح کس کی ہے؟ اس کا سب سے زیادہ قبیح نام لے کر بتایا جاتا ہے کہ فلاں بن فلاں کی، یہاں تک کہ اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں لیکن اس کے لئے دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراف: 40) ''نہ کھولے جائیں گے ان کے لئے آسمان کے دروازے اور نہ داخل ہوں گے جنت میں جب تک نہ داخل ہو اونٹ سوئی کے ناکہ میں)، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی کتاب زمین کے نیچے سجین میں لکھ دو، چنانچہ اس کی روح کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (الحج: 31) ''اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو اس کی حالت ایسی ہے گویا وہ گرا ہو آسمان سے پس اچک لیا ہو اسے کسی پرندے نے یا پھینک دیا ہو اسے ہوا نے کسی دور جگہ میں''۔ پھر اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے سو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور وہ اسے بٹھا کر سوال کرتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ ہائے ہائے! مجھے نہیں معلوم۔ پھر وہ پوچھتے ہیں کہ تمہارا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ ہائے ہائے! مجھے نہیں معلوم۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ یہ شخصیت کون ہے جسے تم میں مبعوث کیا گیا؟ وہ کہتا ہے: ہائے ہائے! مجھے معلوم نہیں۔ اس وقت آسمان سے ندا آتی ہے کہ یہ بندہ جھوٹا ہے، اس کے لئے دوزخ کا فرش بچھاؤ اور اس کے لئے دوزخ کا ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ دوزخ کی جھلسا دینے والی گرم ہوائیں اس تک آتی ہیں اور اس کی قبر کو اس پر اتنا تنگ کر دیا جاتا ہے کہ دونوں طرف کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ اسی اثناء میں اس کے پاس ایک بدصورت، بدلباس اور بدبودار شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہیں ہر تکلیف دہ چیز کی بشارت ہو۔ یہ ہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ کافر پوچھتا ہے کہ تو کون ہے؟ تمہارا چہرہ شر کا حامل ہے۔ وہ جواب میں دیتا ہے کہ میں تمہارا عمل خبیث ہوں تو وہ کہے گا کہ اے پروردگار! قیامت قائم نہ کرنا''(1)۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مذکورہ روایت کے علاوہ یہ بھی مروی ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا: ''جب بندۂ مومن کی روح نکلتی ہے تو زمین وآسمان کے درمیان ہر فرشتہ اور آسمان کا ہر فرشتہ اس پر رحمت بھیجتا ہے، آسمان کے دروازے اس کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ہر دروازے کے فرشتے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اس کی روح ان سے اور اوپر بلند کی جائے'' اس روایت کے آخر میں آتا ہے: ''بدکار شخص کے لئے قبر میں ایک اندھا گونگا اور بہرہ فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 213، سنن نسائی، کتاب الجنائز مختصرا، جلد 4 صفحہ 78، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 287 وغیرہ

اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گرز ہوتا ہے اگر اسے پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے۔ وہ اس گرز کی اسے ایک ایسی ضرب مارتا ہے کہ وہ مٹی بن جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے پہلی حالت میں لوٹاتا ہے اور فرشتہ اسے ایک اور ضرب لگاتا ہے جس کے باعث وہ ایسی دلدوز چیخ مارتا ہے جسے جن وانس کے سوا ساری مخلوق سنتی ہے'' حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر اس کے لئے آگ کا بچھونا تیار کیا جاتا ہے اور دوزخ کا ایک دروازہ بھی اس کی طرف کھول دیا جاتا ہے(1)۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ یہ آیت عذاب قبر کی بھی دلیل ہے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ جب مومن مرتا ہے تو اسے قبر میں بٹھایا جاتا ہے اور پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ تمہارا نبی کون ہے؟ اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدمی عطا فرماتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی(2)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس پلٹنے لگتے ہیں اور وہ ابھی ان کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے کہ دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تو اس شخصیت کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا؟ مومن تو یہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اسے کہا جاتا ہے کہ دوزخ کا اپنا یہ ٹھکانہ دیکھو جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنت میں ٹھکانہ عطا فرمایا ہے''(3)۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اسے دونوں ٹھکانے دکھائی دیتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کی قبر ستر گز کشادہ کر دی جاتی ہے اور قیامت تک اسے سبزے سے بھر دیا جاتا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس امت کو ان کی قبروں میں آزمایا جاتا ہے۔ جب مومن کو قبر میں اتارا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس پلٹ آتے ہیں تو اس کے پاس ایک سخت جھڑکنے والا فرشتہ آتا ہے وہ اس سے پوچھتا ہے کہ تم اس شخص کے متعلق کیا کہا کرتے تھے؟ مومن تو یہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں تو فرشتہ اسے کہتا ہے کہ وہ دیکھو، یہ جہنم میں تمہارا ٹھکانا تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں نجات دے دی ہے اور جو ٹھکانا تمہیں جہنم میں دکھائی دے رہا ہے، اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ ٹھکانا عطا فرمایا ہے جو جنت میں تمہیں نظر آ رہا ہے۔ چنانچہ وہ دونوں ٹھکانے دیکھ لیتا ہے۔ اس وقت مومن کہتا ہے کہ مجھے چھوڑو تا کہ میں اپنے اہل وعیال کو یہ خوشخبری سناؤں، اسے کہا جاتا ہے کہ ٹھہرے رہو۔ جہاں تک منافق کا تعلق ہے، جب اس کے ساتھی واپس چلے جاتے ہیں تو اسے قبر میں بٹھا کر پوچھا جاتا ہے کہ تو اس شخصیت (محمد ﷺ) کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں۔ اسے کہا جاتا ہے کہ خدا کرے تمہیں معلوم نہ ہی ہو۔ یہ جنت میں تمہارا ٹھکانا تھا جسے تبدیل کر کے تمہیں جہنم میں ٹھکانا دے دیا گیا۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''ہر بندے کو قبر میں اسی حالت پر اٹھایا جاتا ہے جس پر اسے موت آتی ہے: مومن اپنے ایمان پر اور منافق اپنے نفاق پر''(4)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس امت کو قبروں میں آزمایا جاتا ہے۔ جب انسان کو دفن کر دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے الگ ہو جاتے ہیں تو ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے جس کے ہاتھ میں لوہے کا ہتھوڑا ہوتا ہے۔ وہ اسے بٹھا کر پوچھتا ہے کہ تم اس شخصیت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اگر وہ مومن ہو تو کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول اور بندے ہیں۔

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 295-296
2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 216
3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2200-2201، سنن نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4 صفحہ 97
4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 346

فرشتہ کہتا ہے کہ تم نے سچ کہا۔ پھر اس کے لئے دوزخ کا ایک دروازہ کھولا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر تو اپنے رب کے ساتھ کفر کرتا تو تمہارا یہ ٹھکانہ تھا۔ چونکہ تم مومن تھے اس لئے تمہارا ٹھکانا یہ ہے اور اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ مومن اس دروازے کی طرف بڑھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ ٹھہرے رہو اور اس کی قبر فراخ کردی جاتی ہے۔ اگر وہ کافر یا منافق تھا تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ اس شخصیت کے متعلق تو کیا کہتا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم، میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا تھا فرشتہ اسے کہتا ہے کہ خدا کرے نہ تمہیں معلوم ہو اور نہ تو راہ ہدایت پائے۔ پھر اس کے سامنے جنت کا ایک دروازہ کھولا جاتا ہے اور اسے بتایا جاتا ہے کہ اگر تو اپنے رب پر ایمان لاتا تو یہ تمہارا ٹھکانا ہوتا۔ چونکہ تو کفر کرتا رہا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں یہ ٹھکانا تمہیں دیا ہے، ساتھ ہی اس کے سامنے جہنم کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے۔ پھر فرشتہ اسے ہتھوڑے کی ضرب لگاتا ہے: جس کی وجہ سے وہ اس قدر زور سے چیخ مارتا ہے کہ سوائے جن وانس کے تمام مخلوق اس کی آواز سن لیتی ہے''۔ ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ! جب آدمی پر فرشتہ ہتھوڑا لئے کھڑا ہوگا تو اس کے حواس کیسے برقرار رہیں گے تو آپ ﷺ نے اس آیت یُثَبِّتُ اللّٰہُ...... کی تلاوت فرمائی (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فرشتے میت کے پاس آتے ہیں۔ اگر وہ نیکوکار ہو تو فرشتے اس کی روح سے کہتے ہیں کہ اے پاکیزہ روح جو پاکیزہ جسم میں تھی، نکل قابل ستائش حالت میں، تمہیں بشارت ہو راحت و آرام، پھل پھول اور ایسے رب کی جو تجھ پر ناراض نہیں ہے۔ اسے مسلسل یہی کہا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ جسم سے نکل آتی ہے، پھر اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے اور آسمان کا دروازہ کھلوایا جاتا ہے تو پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ کہا جاتا ہے کہ فلاں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ایسی روح طیبہ کو خوش آمدید جو جسد طیب میں تھی، قابل ستائش حالت میں اندر داخل ہو جاؤ اور تمہیں خوشخبری ہو راحت و سکون، پھول و پھل اور ایسے رب کی جو ناراض نہیں ہے۔ لگا تار اسے یہ کہا جاتا ہے یہاں تک کہ اس روح کو بارگاہ خداوندی کی طرف پہنچا دیا جاتا ہے۔ اگر برا انسان ہو تو اس کی روح کو کہا جاتا ہے: نکل اے خبیث روح جو خبیث جسم میں تھی، قابل مذمت حالت میں نکل اور تجھے کھولتے ہوئے پانی، پیپ اور اس جیسے دوسرے عذاب کی بشارت ہو۔ اسے لگا تار یہی کہا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ جسم سے باہر آجاتی ہے۔ پھر اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے، دروازہ کھلوایا جاتا ہے تو سوال ہوتا ہے کہ یہ کون ہے؟ کہا جاتا ہے کہ فلاں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ہم اس خبیث روح کو خوش آمدید نہیں کہتے جو خبیث جسم میں تھی، مذموم حالت میں واپس چلی جا کیونکہ تمہارے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے پھر اسے قبر میں واپس لوٹا دیا جاتا ہے۔ نیکوکار اور بدکار کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے اور وہی کہا جاتا ہے جس کا ذکر پہلی حدیث میں ہوا (2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ مومن کی روح نکلتی ہے تو اسے دو فرشتے تھام لیتے ہیں اور اسے لے کر آسمان کی طرف بلند ہو جاتے ہیں۔ اس سے کستوری کی طرح عمدہ خوشبو آتی ہے۔ آسمان کے فرشتے کہتے ہیں کہ زمین کی جانب سے پاکیزہ روح آئی ہے، اللہ تعالیٰ کی تم پر بھی رحمت ہو اور اس جسم پر بھی جس میں تم نے ایک عرصہ گزارا۔ چنانچہ اسے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ اسے آخری مدت تک کے لئے لے جاؤ۔ جب کافر کی روح نکلتی ہے تو اس سے سخت بدبو آتی ہے۔ آسمان کے فرشتے کہتے ہیں کہ زمین کی طرف سے خبیث روح آئی ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ اسے آخری میعاد تک کے لئے لے جاؤ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (روح کافر کی بدبو کا ذکر کرتے ہوئے) رسول خدا ﷺ نے اپنی چادر اپنی ناک پر رکھ لی (3)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 3-4 2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ انعام: 62 3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2202

ﷺ نے فرمایا: ''مومن کی جب روح قبض کی جاتی ہے تو رحمت کے فرشتے اس کے پاس سفید ریشم لے کر آتے ہیں اور اس کی روح سے کہتے ہیں کہ رحمت الٰہی کی طرف نکلو۔ وہ روح نکلتی ہے تو اس کی خوشبو کستوری سے بھی زیادہ ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ فرشتے ایک دوسرے کو تھماتے ہوئے اسے سونگھتے ہیں اور اسے لے کر آسمان کے دروازے تک پہنچ جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کس قدر عمدہ خوشبو ہے جو زمین کی جانب سے آئی ہے۔ آسمان پر پہنچ کر بھی یہی کہتے ہیں یہاں تک کہ اسے دوسری ارواح مومنین کے پاس لے جاتے ہیں، ایک غائب کو غائب سے مل کر جس قدر خوشی ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ اس روح سے مل کر انہیں خوشی ہوتی ہے وہ ارواح پوچھتی ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے، ساتھی روحیں انہیں کہتی ہیں کہ اسے آرام کر لینے دو، دنیا میں یہ غم واندوہ کا شکار رہی لیکن وہ جواب دیتی ہے کہ وہ تو مر گیا، کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ روحیں کہتی ہیں کہ وہ اپنے ٹھکانے ہاویہ میں چلا گیا ہوگا۔ کافر کے پاس عذاب کے فرشتے ٹاٹ لے کر آتے ہیں اور اس کی روح کو کہتے ہیں کہ غضب الٰہی کی طرف نکلو، وہ نکلتی ہے تو اس سے مردار سے بھی زیادہ شدید بدبو نکلتی ہے اور اسے لے کر زمین کے دروازے تک لے جایا جاتا ہے'' (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہی آتا ہے: ''اس روح سے پوچھا جاتا ہے کہ فلاں کا کیا حال ہے، فلاں کیسا ہے اور فلاں (عورت) کا کیا بنا۔ کافر کی روح جب قبض کی جاتی ہے تو اسے لے کر زمین کے دروازے تک لایا جاتا ہے۔ زمین کے محافظ فرشتے کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ سخت بدبو ہم نے نہیں سونگھی۔ چنانچہ اسے سب سے نچلی زمین میں پھینک دیا جاتا ہے''۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مومنین کی ارواح جابیتین میں جمع ہوتی ہیں اور کفار کی ارواح حضر موت میں برہوت نامی شوریلی زمین میں جمع کی جاتی ہیں۔ کافر کی قبر کو خوب تنگ کر دیا جاتا ہے (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب میت کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے پاس سیاہ فام نیلی آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں، ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ وہ دونوں پوچھتے ہیں کہ تم اس شخصیت کے بارے میں کیا کہا کرتے تھے؟ وہ وہی جواب دیتا ہے دنیا میں جو وہ کہا کرتا تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ دونوں (فرشتے) کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا تم یہی جواب دو گے۔ پھر اس کی قبر ستر مربع گز کشادہ کر دی جاتی ہے اور اسے منور کر دیا جاتا ہے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے کہ آرام سے سو جاؤ۔ وہ کہتا ہے کہ میں اپنے اہل وعیال کی طرف جا کر انہیں اس سے آگاہ کرتا ہوں۔ منکر نکیر کہتے ہیں کہ دلہن کی طرح سو جا جسے گھر والوں میں سے اس کا محبوب ترین فرد ہی بیدار کر سکتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اسی آرام سے زندہ کر کے اٹھائے گا۔ اگر وہ منافق ہو تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا، میں نے بھی ان کی طرح کہا، مجھے نہیں معلوم (کہ یہ کون شخصیت) ہے۔ منکر نکیر اسے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا تم یہی جواب دو گے۔ زمین سے کہا جاتا ہے کہ اس پر سکڑ کر مل جا۔ چنانچہ زمین اس پر سمٹ جاتی ہے یہاں تک کہ دونوں طرف کی پسلیاں باہم پیوست ہو جاتی ہیں، اسی طرح عذاب کی چکی میں وہ پستا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اسی ٹھکانے سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا'' (3)۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت یُثَبِّتُ اللّٰهُ...... کی تلاوت کی اور فرمایا: ''یہ اس وقت ہوتا ہے جب قبر میں اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے، تمہارا دین کیا ہے اور تمہارا نبی کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ

1۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الجنائز، جلد 5 صفحہ 8
2۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الجنائز، جلد 5 صفحہ 7
3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الجنائز، جلد 4 صفحہ 291-293

ہے، میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جو ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیات بینات لے کر تشریف لائے، میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی تصدیق کی۔ اسے کہا جاتا ہے کہ تم نے سچ کہا ہے، اسی پر تم زندہ رہے، اسی پر مرے اور اسی (عقیدہ) پر تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا" (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میت، جب تم (اسے دفنانے کے بعد) واپس لوٹتے ہو، تمہارے جوتوں کی آہٹ سنتی ہے۔ اگر وہ مومن ہو تو نماز اس کے سرہانے ہوتی ہے، زکوٰۃ دائیں جانب، روزہ بائیں طرف، صدقہ، صلہ رحمی، بھلائی اور لوگوں کے ساتھ احسان جیسی نیکیاں اس کی پائنتی ہوتی ہیں۔ جب اس کے سر کی طرف سے کوئی آتا ہے تو نماز کہتی ہے کہ میری طرف سے جانے کا کوئی رستہ نہیں۔ اس کی دائیں جانب سے کوئی آنے کی کوشش کرتا ہے تو زکوٰۃ کہتی ہے کہ میری طرف سے کوئی مَدخل (داخل ہونے کی جگہ) نہیں ہے، بائیں جانب سے اگر کوئی اس کے پاس آتا ہے تو روزہ کہتا ہے کہ میری طرف سے کوئی مدخل نہیں اور اگر پائنتی کی طرف سے کوئی آتا ہے تو نیکیاں کہتی ہیں کہ ہماری جانب سے بھی کوئی مدخل نہیں۔ چنانچہ اسے کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ جاتا ہے، سورج اس کے سامنے یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے ڈوبنے کے قریب ہو۔ اسے کہا جاتا ہے کہ ہمارے سوالوں کا جواب دو۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو تاکہ میں نماز پڑھ سکوں۔ اسے فرشتے کہتے ہیں کہ وہ تو تم عنقریب کر ہی لو گے لیکن اب ہمارے سوالات کے جوابات دو۔ وہ کہتا ہے کہ تم مجھ سے کس بارے میں پوچھنا چاہتے ہو؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اس شخص کے متعلق بتاؤ جو تم میں تھا، اس کے متعلق تم کیا کہتے ہو اور کیا گواہی دیتے ہو؟ وہ پوچھتا ہے کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم؟ کہا جاتا ہے: ہاں۔ وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیات بینات لائے اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ چنانچہ اسے کہا جاتا ہے کہ تم اسی (عقیدہ) پر زندہ رہے، اسی پر فوت ہوئے اور اسی پر ان شاء اللہ تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ پھر ستر گز اس کی قبر فراخ کر دی جاتی ہے، اسے منور کر دیا جاتا ہے اور جنت کا ایک دروازہ اس کی طرف کھول کر اسے کہا جاتا ہے کہ دیکھو اس میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کیا کیا نعمتیں تیار کر رکھی ہیں تو اس کی مسرت کی انتہا نہیں رہتی۔ پھر اس کی روح ان پاکیزہ روحوں کے ساتھ ملا دی جاتی ہے جو جنت کے درختوں کے ساتھ لٹکے ہوئے سبز پرندوں کے قالب میں ہوتی ہیں اور اس کا جسم اس مٹی کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جہاں سے اس کی ابتداء کی گئی تھی۔ یہی اس آیت یُثَبِّتُ اللّٰهُ...... کا مطلب ہے (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع روایت میں آتا ہے: "مومن پر جب موت اترتی ہے اور وہ انعامات خداوندی ملاحظہ کر لیتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش اس کی روح نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کو بھی اس کی ملاقات محبوب ہوتی ہے۔ مومن کی روح آسمان کی طرف بلند کی جاتی ہے، اہل ایمان کی روحیں اس کے پاس آتی ہیں اور اس سے اپنی جان پہچان والے لوگوں کے متعلق حالات دریافت کرتی ہیں۔ جب وہ روح یہ کہتی ہے کہ میں نے فلاں کو بقید حیات چھوڑا ہے تو انہیں بہت خوشی ہوتی ہے اور جب وہ روح یہ کہتی ہے کہ فلاں تو مر گیا ہے تو ارواح کہتی ہیں کہ اسے ہمارے پاس نہیں لایا گیا۔ مومن کو قبر میں بٹھا کر پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے، پھر پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا نبی کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ چنانچہ اس کے سامنے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اپنا ٹھکانہ دیکھو۔ پھر وہ قبر

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 32، تفسیر طبری، جلد 13، صفحہ 215

2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 215-216، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الجنائز، جلد 1 صفحہ 413-414

دیکھے گا گویا کہ وہ کھلا رستہ ہے۔ جب اللہ کے دشمن پر موت نازل ہوتی ہے اور وہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر لیتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ اس کی روح کبھی بھی نہ نکلے اور اللہ تعالیٰ کو بھی اس کی ملاقات مبغوض ہوتی ہے۔ جب اسے قبر میں بٹھایا جاتا ہے تو پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے مجھے معلوم نہیں۔ اسے کہا جاتا ہے کہ خدا کرے تجھے معلوم نہ ہی ہو، پھر جہنم کا ایک دروازہ اس کے سامنے کھول دیا جاتا ہے اور اسے ایک ایسی ضرب لگائی جاتی ہے جسے جن وانس کے سوا تمام مخلوق سنتی ہے، پھر اسے کہا جاتا ہے کہ مار گزیدہ کی طرح سو جا، پھر اس پر قبر تنگ کر دی جاتی ہے(1)۔ حضرت اسماء بنت صدیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب انسان قبر میں داخل ہوتا ہے، اگر وہ مومن ہو تو اس کا عمل نماز اور روزہ اسے گھیر لیتا ہے۔ فرشتہ اس کے پاس نماز کی طرف سے آتا ہے تو نماز اسے لوٹا دیتی ہے اور روزے کی طرف سے آتا ہے تو روزہ اسے واپس لوٹا دیتا ہے پھر فرشتہ اسے ندا دیتا ہے کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ جاتا ہے تو فرشتہ اسے کہتا ہے کہ تم اس شخصیت یعنی نبی ﷺ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ وہ پوچھتا ہے: کون؟ فرشتہ کہتا ہے: محمد (ﷺ)۔ وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، تو فرشتہ کہتا ہے کہ تمہیں کیسے معلوم ہو گیا، کیا تم نے آپ ﷺ کا زمانہ پایا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر فرشتہ کہتا ہے کہ اسی پر تم نے زندگی گزاری، اسی پر مرے اور اسی پر تمہیں اٹھایا جائے گا۔ اگر وہ فاجر یا کافر ہو تو ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے۔ اس کے اور فرشتے کے درمیان کوئی ایسا عمل نہیں ہوتا جو فرشتے کو واپس لوٹا دے۔ فرشتہ اسے بٹھا کر پوچھتا ہے کہ اس آدمی کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ وہ پوچھتا ہے: کونسا آدمی؟ فرشتہ کہتا ہے کہ محمد (ﷺ)۔ وہ کہتا ہے: اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم۔ میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے سنا میں نے بھی کہہ دیا۔ فرشتہ اسے کہتا ہے کہ اسی پر تو زندہ رہا، اسی پر مرا اور اسی پر تجھے دوبارہ اٹھایا جائے گا، قبر میں اس پر ایک ایسا جانور مسلط کر دیا جاتا ہے جس کے پاس ایسا چابک ہوتا ہے جس کے سرے کی گرہ دہکتا ہوا انگارا ہوتی ہے، وہ اسے اس قدر مارتا ہے جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، وہ بہرہ ہوتا ہے، نہ اس کی آواز سنتا ہے اور نہ رحم کھاتا ہے''(2)۔ عوفی حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ جب مومن کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو ملائکہ اس کے پاس آتے ہیں، اسے سلام کرتے ہیں اور اسے جنت کا مژدہ سناتے ہیں۔ جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ چلتے ہیں، پھر لوگوں کے ساتھ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ جب اسے دفن کر دیا جائے تو اسے اپنی قبر میں بٹھا کر پوچھا جاتا ہے: تمہارا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: محمد ﷺ۔ پھر اسے کہا جاتا ہے کہ تمہاری گواہی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر تا حد نظر اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے۔ کافر پر فرشتے اترتے ہیں اور موت کے وقت اس کی طرف اپنے ہاتھ بڑھاتے ہیں یعنی اسے مارتے پیٹتے ہیں۔ جب اسے قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے تو اسے بٹھا کر پوچھا جاتا ہے: تیرا رب کون ہے؟ لیکن وہ کوئی جواب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ اسے یہ بالکل فراموش کرا دیتا ہے۔ جب اسے کہا جاتا ہے کون سے رسول تمہاری طرف بھیجے گئے تو بھی وہ کوئی جواب نہیں دے پاتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے(3)۔ حضرت ابو قتادہ انصاری اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ مومن جب فوت ہو جاتا ہے تو اسے اپنی قبر میں بٹھا کر پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: اللہ۔ پھر پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا نبی کون ہے؟ وہ کہتا ہے: محمد بن عبداللہ۔ متعدد بار اس سے یہ سوالات کئے جاتے ہیں پھر اس

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الجنائز، جلد 1 صفحہ 413-414
2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 352-353، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 27
3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 216-218، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 29

کے سامنے جہنم کا ایک دروازہ کھولا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ دیکھو اگر تم بھٹک جاتے تو جہنم میں یہ تمہارا ٹھکانہ تھا، پھر اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ دیکھو چونکہ تم ثابت قدم رہے اس لئے جنت میں یہ تمہارا ٹھکانہ ہے (1)۔ جب کافر مر جاتا ہے تو اسے قبر میں بٹھا کر پوچھا جاتا ہے: تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا نبی کون ہے؟ وہ کہتا ہے: مجھے نہیں معلوم۔ اسے کہا جاتا ہے کہ تمہیں خدا کرے معلوم نہ ہی ہو، پھر اس کے سامنے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے دیکھو اگر تم ثابت قدم رہتے تو جنت میں یہ تمہارا مقام تھا۔ پھر اس کے لئے جہنم کا ایک دروازہ کھولا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے دیکھو چونکہ تم بھٹک گئے اس لئے جہنم میں یہ تمہارا ٹھکانہ ہے۔ حضرت طاؤس بیان کرتے ہیں کہ دنیا میں ثابت قدمی کلمہ توحید پر استقامت ہے اور آخرت میں ثابت قدمی منکر نکیر کے سوالات کے جوابات دینا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ خیر اور اعمال صالحہ کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں یعنی قبر میں بھی ثابت قدمی عطا فرماتا ہے۔ ابو عبداللہ حکیم ترمذی اپنی کتاب نوادر الاصول میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ایک دن مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے: ''میں نے گزشتہ رات ایک عجیب خواب دیکھی، میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ ملک الموت اس کی روح قبض کرنے کے لئے آیا لیکن اپنے والدین کے ساتھ اس کی نیکی نے اسے واپس لوٹا دیا اپنے ایک امتی کو دیکھا جسے عذاب قبر نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا لیکن اس کا وضو آیا اور اس نے اسے اس سے بچا لیا۔ اپنے ایک امتی کو دیکھا جسے شیاطین وحشت زدہ کر رہے تھے لیکن ذکر الٰہی نے ان سے اسے رہائی دلوا دی۔ اپنے ایک امتی کو دیکھا جسے عذاب کے فرشتے گھیرے ہوئے تھے لیکن اس کی نماز اس کے پاس آئی اور اسے ان سے بچا لیا، میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا جو پیاس کے باعث بلک رہا ہے، جب بھی حوض پر جاتا ہے اسے روک دیا جاتا ہے، اس کا روزہ اس کے پاس آتا ہے اور اسے سیراب کر دیتا ہے، میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا اس حال میں کہ انبیاء حلقوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، جب بھی وہ کسی حلقہ میں جانے کی کوشش کرتا اسے دھتکار دیا جاتا۔ چنانچہ اس کا غسل جنابت اس کے پاس آیا، اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے میرے پہلو میں بٹھا دیا، میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا جس کے آگے پیچھے، دائیں بائیں اور اوپر نیچے تاریکی ہی تاریکی ہے وہ اس میں حیران و ششدر ہے لیکن اس کا حج اور عمرہ اس کے پاس آتے ہیں اور اسے تاریکی سے نکال کر نور میں داخل کر دیتے ہیں، میں نے ایک اور اپنے امتی کو دیکھا جو اہل ایمان کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہے لیکن وہ اس سے کلام نہیں کرتے لیکن صلہ رحمی آئی اور کہنے لگی: اے گروہ مومنین! اس کے ساتھ گفتگو کرو۔ چنانچہ انہوں نے اس سے گفتگو کی، میں نے اپنے ایک اور امتی کو دیکھا جو اپنے ہاتھ کے ذریعے اپنے چہرے سے آگ کے شعلوں اور شراروں کو دور کرنا چاہ رہا تھا، اس کا صدقہ اس کے پاس آیا اور اس کے چہرے پر ڈھال اور سر پر سایہ بن گیا۔ ایک اور اپنے امتی کو دیکھا کہ ہر طرف سے آگ کے فرشتوں نے اسے پکڑ رکھا ہے لیکن اس کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کے پاس آتے ہیں اسے ان فرشتوں سے رہائی دلاتے ہیں اور اسے رحمت کے فرشتوں کے ساتھ ملا دیتے ہیں، میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا جو گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہے، اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب ہے، اس کا حسن خلق آیا، اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچا دیا، اپنے ایک اور امتی کو دیکھا کہ اس کا نامہ اعمال اس کی بائیں جانب سے آرہا ہے لیکن اس کے خوف الٰہی نے وہ نامہ اعمال لیا اور اسے اس کی دائیں جانب کر دیا، میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ اس کی میزان ہلکا ہے، اس کی آگے بھیجی ہوئی نیکیاں آئیں جنہوں نے اس کے پلڑے کو بھاری کر دیا، میں نے اپنے ایک امتی کو

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 30

جہنم کے کنارے پر کھڑے پایا لیکن اس کے پاس اس کا خوف خدا کی وجہ سے رونا آیا اور اسے جہنم سے بچا لیا، میں نے اپنے ایک امتی کو آگ میں گرا ہوا دیکھا کہ دنیا میں خشیت الٰہی کے باعث اس کے بہنے والے آنسو اس کے پاس آئے اور اسے آگ سے باہر نکال دیا، میں نے اپنے ایک امتی کو پل صراط پر لرزتے اور ڈگمگاتے ہوئے دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا حسن ظن اس کے پاس آیا تو اسے سکون آ گیا، ایک امتی کو میں نے پل صراط پر کبھی رینگتے اور کبھی گھسٹتے ہوئے دیکھا تو اس کی نماز نے اس کی دستگیری کی، اسے سیدھا کھڑا کر دیا اور وہ اس پر آسانی سے چلنے لگا اور میں نے اپنے ایک اور امتی کو دیکھا جو جنت کے دروازے تک پہنچا تو اس پر تمام دروازے بند کر دیئے گئے لیکن ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کی شہادت نے اس کے لئے دروازے کھلوا دیئے اور اسے جنت میں داخل کر دیا۔'' قرطبی اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ بہت عظیم حدیث ہے جس میں خاص اعمال کا ذکر کیا گیا ہے جو خاص مشکلات سے نجات دلائیں گے (1)۔ اس بارے میں حافظ ابویعلی نے ایک طویل غریب حدیث روایت کی ہے جس کے راوی حضرت تمیم الداری ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرماتا ہے کہ میرے دوست کے پاس جاؤ اور اسے میرے پاس لاؤ کیونکہ میں نے خوشی اور غمی ہر طریقے سے اسے آزما لیا ہے اور اسے ویسا ہی پایا ہے جیسے میں چاہتا تھا، اسے میرے پاس لاؤ، میں اسے ہر طرح کے آرام اور راحت سے نوازوں گا۔ ملک الموت اس کی طرف روانہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ پانچ سو فرشتے ہوتے ہیں جن کے پاس جنتی کفن اور جنتی خوشبو ہوتی ہے اور ریحان کے خوشے ہوتے ہیں ہر خوشے کے سرے پر بیس رنگ ہوتے ہیں اور ہر رنگ کی خوشبو الگ الگ ہوتی ہے، مزید برآں ان کے پاس سفید ریشم ہوتا ہے جس میں اعلیٰ قسم کی کستوری لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ ملک الموت اس بندے کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور باقی فرشتے اس کے اردگرد۔ ہر فرشتہ اپنا ہاتھ اس کے کسی عضو پر رکھتا ہے اور وہ سفید ریشم اور عمدہ کستوری اس کی ٹھوڑی کے نیچے بچھا دیتا ہے اور اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اس کی روح کبھی جنتی حوروں سے، کبھی جنتی پوشاکوں سے اور کبھی جنتی پھلوں سے بہلائی جاتی ہے جس طرح روتے ہوئے بچے کو بہلایا جاتا ہے۔ حوریں بہت زیادہ اس کی مشتاق ہوتی ہیں۔ ان روح پرور مناظر کو دیکھ روح بہت جلد اپنی پسندیدہ چیزوں کی طرف نکل جانا چاہتی ہے، ملک الموت اسے کہتا ہے: اے روح طیبہ! بغیر کانٹے کے بیری کے درخت، پھلوں سے لدے ہوئے کیلوں کے درخت، لمبے لمبے سائے اور بہتے ہوئے پانی کی طرف نکل۔ ملک الموت اس سے بھی زیادہ اس پر مہربان ہوتا ہے جس قدر ماں اپنے بیٹے پر مہربان ہوتی ہے، کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روح اپنے رب کی محبوب ہے، وہ اس کے ساتھ مہربانی کر کے رضائے الٰہی حاصل کرنا چاہتا ہے چنانچہ اس کی روح (آسانی کے ساتھ) اس طرح نکال لی جاتی ہے جس طرح آٹے سے بال نکالا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ (النحل: 32) '' وہ متقی جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں''، فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ڏ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ (الواقعہ: 89-88) ''پس وہ (مرنے والا) اگر اللہ کے مقرب بندوں سے ہو گا تو اس کے لئے راحت، خوشبودار غذائیں اور سرور والی جنت ہو گی''، یعنی موت سے راحت اور دنیا کے بدلے نعمتوں بھری جنت۔ جب ملک الموت اس کی روح کو قبض کرتا ہے تو روح جسم سے کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے! تو اطاعت الٰہی کی طرف مجھے جلدی لے جانے والا اور اس کی نافرمانی کی طرف دیر کرنے والا تھا تو نے بھی نجات پائی اور مجھے بھی نجات مل گئی۔ جسم بھی روح سے اسی طرح کہتا ہے۔ زمین کے وہ ٹکڑے اس پر چالیس دن روتے ہیں جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف رہا کرتا تھا، اسی طرح

1۔ التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ للقرطبی: 240-242

آسمان کے دروازے جہاں سے اس کا عمل بلند ہوتا تھا اور اس کا رزق اترتا تھا، اس پر چالیس دن روتے ہیں۔ جب ملک الموت اس کی روح قبض کرتا ہے تو پانچ سو فرشتے اس کے جسم کے اردگرد کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کے اس میت کی کروٹ بدلنے سے پہلے فرشتے اس کی کروٹ بدل دیتے ہیں، لوگوں کے کفن دینے اور خوشبو لگانے سے پہلے فرشتے اسے کفن دے دیتے ہیں اور خوشبو لگا دیتے ہیں۔ اس کے گھر کے دروازے سے لے کر اس کی قبر تک ملائکہ کی دو رویہ صفیں کھڑی ہو جاتی ہیں، وہ اس کے لئے استغفار کرتے ہوئے استقبال کرتے ہیں، اس وقت ابلیس ایسی چیخ مارتا ہے کہ اس کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں، وہ اپنے لشکر سے کہتا ہے کہ تمہاری بربادی ہو، یہ بندہ تمہاری دست برد سے کیسے بچ گیا؟ وہ کہتے ہیں کہ یہ معصوم تھا۔ جب ملک الموت اس بندے کی روح کو لے کر آسمان کی طرف پرواز کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں اس کا استقبال کرتے ہیں، ہر فرشتہ الگ الگ بشارت دیتا ہے۔ جب ملک الموت اس روح کو لے کر عرش الٰہی تک پہنچتا ہے تو یہ روح سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کی روح کو لے جاؤ اور اسے بغیر کانٹوں کے بیری کے درخت، تہہ در تہہ کیلوں، لمبے گھنے سائے اور بہتے پانی سے شاد کام کرو۔ جب اسے قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کی دائیں جانب سے اس کی نماز آتی ہے، بائیں جانب سے روزہ، سر کی طرف قرآن، پیروں کی طرف سے نماز کے لئے چلنا اور قبر کے ایک کنارے صبر کھڑا ہو جاتا ہے۔ دائیں طرف سے عذاب کی ایک رو لپکتی ہے تو نماز اسے کہتی ہے کہ پیچھے ہٹ جاؤ۔ قسم بخدا! یہ ہمیشہ عمل میں مصروف رہا اور یہاں قبر کے اندر ہی اب اسے کچھ راحت ملی ہے، بائیں جانب سے عذاب لپکتا ہے تو روزہ اسی طرح کہتا ہے، سر کی طرف سے عذاب آتا ہے تو قرآن اور ذکر یہی کہتا ہے، پاؤں کی طرف سے عذاب آتا ہے تو نماز کے لئے چلنا یہی گفتگو کرتا ہے۔ گویا وہ بندہ مومن ہر طرف سے اپنی حمایت پالیتا ہے اور عذاب کو اس تک پہنچنے کے لئے کوئی راہ نہیں ملتی۔ آخر کار عذاب پسپا ہو جاتا ہے۔ اس وقت صبر تمام اعمال سے کہتا ہے کہ میں تمہیں دیکھ رہا تھا، اگر تم عذاب ٹالنے سے عاجز آ جاتے تو میں بذات خود یہ فریضہ انجام دیتا۔ اب چونکہ تم نے اس بندے سے عذاب کو دور کر دیا ہے اس لئے میں پل صراط اور میزان کے وقت اس کے کام آؤں گا۔ اب اللہ تعالیٰ دو فرشتے بھیجتا ہے جن کی آنکھیں اچک لینے والی بجلی کی طرح ہیں، آوازیں کڑکتی بجلی کی طرح، دانت بافندے کے کوچ کی طرح سانس شعلوں جیسے، بال پاؤں تک لٹکے ہوئے، ان کے دونوں کندھوں کے درمیان اتنی اتنی مسافت ہے اور ان کے دلوں میں رحمت، شفقت اور نرمی نام کی کوئی چیز نہیں۔ ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ہتھوڑا ہوتا ہے جسے قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کے تمام لوگ بھی جمع ہو کر نہیں اٹھا سکتے۔ وہ فرشتے (منکر نکیر) اس بندے سے کہتے ہیں کہ بیٹھو۔ وہ سیدھا بیٹھ جاتا ہے، اس کا کفن اس کے دونوں پہلوؤں پر آتا ہے۔ وہ اس سے سوال کرتے ہیں، تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ تمہارا نبی کون ہے؟ صحابہ بے تاب ہو کر پوچھنے لگے: یا رسول اللہ! ایسے ڈراؤنے فرشتوں کو جواب دینے کی کس میں طاقت ہوگی؟ آپ ﷺ نے اس آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ ...... کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ وحدہ لاشریک ہے، میرا دین اسلام ہے جو فرشتوں کا بھی دین ہے اور میرے نبی محمد خاتم النبیین (ﷺ) ہیں۔ منکر نکیر اسے کہتے ہیں کہ تو سچا ہے۔ اب وہ اس کے آگے پیچھے، دائیں بائیں، سر اور پاؤں کی جانب سے چالیس چالیس گز قبر کو کشادہ کر دیتے ہیں۔ وہ دو سو گز کی وسعت دے دیتے ہیں اور چالیس گز مربع کی فراخی۔ پھر اسے کہتے ہیں کہ اپنے اوپر دیکھو تو وہ جنت کا ایک دروازہ کھلا ہوا پاتا ہے، فرشتے اسے کہتے ہیں کہ اطاعت الٰہی کے باعث اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ مقام بخشا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اس وقت اسے ایک لافانی مسرت حاصل ہوتی ہے'' پھر اسے کہا جاتا ہے کہ

اپنے نیچے دیکھو تو وہ دوزخ کا ایک کھلا ہوا دروازہ پاتا ہے، فرشتے اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے نجات بخشی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''اس وقت بھی اسے نہ ختم ہونے والی خوشی حاصل ہوتی ہے''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے لئے جنت کے ستر دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جہاں سے قیامت تک ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اور بھینی بھینی خوشبو آتی رہتی ہے۔

اسی سند سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ملک الموت کو حکم دیتا ہے کہ میرے (فلاں) دشمن کی طرف جاؤ اور اسے میرے پاس لے آؤ، میں نے اسے فراخی رزق سے نوازا اور اپنی نعمتوں سے اسے شاد کام کیا لیکن اس کے باوجود وہ میری نافرمانی پر بضد رہا، اسے میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس سے انتقام لوں۔ چنانچہ ملک الموت نہایت مکروہ صورت میں اس کے پاس آتا ہے، اس کی بارہ آنکھیں ہوتی ہیں، اس کے پاس کانٹے دار آتشی گرز ہوتا ہے اور پانچ سو دیگر فرشتے جن کے پاس آگ کے انگارے تانبا اور آگ کے ہی کوڑے ہوتے ہیں۔ ملک الموت اسے زور سے وہ گرز مارتا ہے کہ اس کے کانٹے اس کے رگ و ریشے، بالوں اور ناخنوں میں گھس جاتے ہیں، پھر بڑی سختی سے وہ اسے گھماتا ہے اور اس کی روح کو پاؤں کے ناخنوں سے کھینچ کر اس کی ایڑیوں پر پھینک دیتا ہے۔ اس وقت یہ دشمن خدا بے ہوش ہو جاتا ہے۔ ملک الموت اسے کچھ مہلت دیتا ہے۔ پھر باقی فرشتے اس کے منہ اور پیٹھ پر کوڑے برسانا شروع کر دیتے ہیں اور ملک الموت بڑی شدت سے اس کی روح اس کی ایڑیوں سے کھینچ لیتا ہے اور اس کے گھٹنوں پر پھینک دیتا ہے۔ پھر وہ دشمن خدا بے ہوش ہو جاتا ہے، ملک الموت کی طرف سے ذرا آرام ملتا ہے کہ باقی فرشتے کوڑوں کے ساتھ اس کے چہرہ اور پیٹھ کو پیٹنا شروع کر دیتے ہیں، پھر ملک الموت سختی سے اس کی روح کو گھٹنوں سے کھینچ کر اس کے پہلوؤں پر پھینک دیتا ہے تو وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو جاتا ہے۔ ملک الموت کے اسے ہوش میں لانے کے بعد فرشتے اس پر کوڑے برسانا شروع کر دیتے ہیں، پھر اسی طرح سینے کی طرف اور پھر حلق کی طرف روح جاتی ہے۔ پھر فرشتے جہنمی تانبے اور انگاروں کو اس کی ٹھوڑی کے نیچے بچھا دیتے ہیں اور ملک الموت اس روح سے کہتا ہے کہ اے لعین روح! جھلسا دینے والی گرم ہوا، کھولتے ہوئے پانی، سیاہ سائے جس میں نہ خنکی ہے اور نہ کوئی دوسری مفید چیز، کی طرف نکل۔ جب ملک الموت اس کی روح قبض کرتا ہے تو روح جسم سے کہتی ہے: اللہ تعالیٰ تمہیں میری طرف سے بری جزا دے کیونکہ تم مجھے معصیت الٰہی میں مصروف رکھا کرتے تھے اور اطاعت الٰہی سے باز رکھتے تھے، تو بھی ہلاک ہوا اور مجھے بھی ہلاکت میں ڈالا۔ جسم بھی روح سے اسی طرح کہتا ہے اور زمین کے وہ حصے اس پر لعنت بھیجتے ہیں جہاں وہ معصیت الٰہی میں مشغول رہا کرتا تھا۔ ابلیس کا لشکر ابلیس کے پاس آتا ہے اور اسے مژدہ سناتا ہے کہ ہم نے اولاد آدم میں سے ایک بندے کو جہنم رسید کر دیا۔ جب اس بدکار کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ اس پر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی دونوں طرف کی پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اونٹوں کی گردنوں جیسے سیاہ ناگ اس کی طرف بھیجتا ہے جو اس کے کانوں اور پاؤں کے انگوٹھوں سے ڈسنا شروع کرتے ہیں کہ ڈستے ڈستے جسم کے درمیان تک پہنچ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو بھیجتا ہے جن کی آنکھیں اچکنے والی بجلی کی طرح ہیں، آوازیں گرجتی بجلی جیسی، دانت بافندے کے کوچ کی طرح، سانسوں سے شعلے برآمد ہوتے ہیں، بال پیروں تک لٹکے ہوئے اور ان کے دونوں کندھوں کے درمیان اتنی اتنی مسافت ہے، ان کے دل رحمت، مہربانی اور نرمی سے یکسر خالی ہیں۔ ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھوڑا ہوتا ہے جسے ربیعہ اور مضر کے لوگ مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے۔ وہ اسے بیٹھنے کو کہتے ہیں تو وہ سیدھا بیٹھ جاتا ہے۔ اس کا کفن اس کے دونوں پہلوؤں پر آتا ہے، اس سے سوال کرتے ہیں: تیرا رب کون ہے، تیرا دین کیا ہے، اور تیرا نبی کون ہے؟ وہ کہتا ہے: مجھے معلوم نہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ خدا کرے تجھے معلوم

نہ ہی ہو۔ وہ اسے ایسی ضرب لگاتے ہیں کہ قبر میں شعلے نکل آتے ہیں۔ پھر اسے کہتے ہیں کہ اپنے اوپر دیکھ تو وہ اوپر جنت کا ایک کھلا ہوا دروازہ پاتا ہے، وہ کہتے ہیں: اے دشمن خدا! اگر تو اطاعت کرتا تو یہ تیرا مقام ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ”قسم بخدا! اس وقت اسے ایک لافانی حسرت گھیر لیتی ہے۔“ پھر فرشتے اسے کہتے ہیں کہ نیچے دیکھ تو وہ اپنے نیچے جہنم کا ایک دروازہ کھلا ہوا پاتا ہے۔ وہ اسے کہتے ہیں: اے اللہ کے دشمن! چونکہ تم نے نافرمانی کی اس لئے یہ تمہارا ٹھکانہ ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس وقت اس کا دل ایسی حسرت سے دوچار ہوتا ہے جو کبھی زائل نہیں ہوتی“۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ اس کے لئے جہنم کے ستتر دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جہاں سے قیامت تک اس کی طرف گرم ہوائیں آتی رہتی ہیں۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور سیاق بھی عجیب ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والا راوی یزید الرقاشی ائمہ کے نزدیک ضعیف الروایۃ ہے۔ اس کی غرائب اور منکرات کثیر ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی آدمی کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو وہاں ٹھہر جاتے اور فرماتے: ”اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی التجا کرو کیونکہ اب اس سے سوال ہو رہا ہے“(1)۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ..... (الانعام: 93) کی تفسیر میں غرائب سے پر ایک طویل حدیث وارد کی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ یَصْلَوْنَهَا ؕ وَ بِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِیْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾

”کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں (یعنی) دوزخ میں جھونکے جائیں گے اس میں اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ اور بنالئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے مدمقابل تاکہ بھٹکا دیں (لوگوں کو) اس کی راہ سے۔ آپ (انہیں) فرمائیے (کچھ وقت) لطف اٹھا لو پھر یقیناً تمہارا انجام آگ کی طرف ہے“۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ”اَلَمْ تَرَ“ بمعنی ”اَلَمْ تَعْلَمْ“ (کیا تمہیں معلوم نہیں) ہے جیسا کہ ”اَلَمْ تَرَ كَیْفَ“ اور ”اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ خَرَجُوْا“ میں بھی ہے۔ ”بَارَ یَبُوْرُ بَوْرًا“ سے ”اَلْبَوْرُ“ ہلاکت کے معنی میں ہے اور ”بُوْرٌ“، ”هَالِكُوْنَ“ (ہلاک ہونے والے) کے معنی میں ہے۔ عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ آیت کریمہ میں جن لوگوں کا ذکر ہوا ہے وہ کفار مکہ ہیں(2)۔ عوفی آپ رضی اللہ عنہ سے ہی نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد جبلہ بن ایہم اور اس کے عرب پیروکار ہیں جو رومیوں کے ساتھ مل گئے تھے(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مشہور اور صحیح قول پہلا ہی ہے اگرچہ آیت کے الفاظ تمام کفار کو شامل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت اور تمام لوگوں کے لئے نعمت بنا کر مبعوث فرمایا۔ جس نے اس رحمت و نعمت کو قبول کرلیا اور اس کی قدر کی وہ جنت کا مستحق ہوگیا اور جس نے رد کر کے کفر کا ارتکاب کیا، اس کی قسمت میں جہنم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پہلے قول جیسا قول مروی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابن الکواء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 215 2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ابراہیم، جلد 8 صفحہ 378 3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 223

سے ان لوگوں کی بابت دریافت کیا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو بدل ڈالا اور اپنی قوم کو دار ہلاکت میں لا ڈالا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بدر کے دن کفار قریش ہیں۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ منافقین قریش ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو مجھ سے قرآن کریم کے متعلق دریافت کرے۔ اللہ کی قسم! اگر آج مجھے معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص مجھ سے بڑھ کر عالم ہے، اگرچہ وہ سمندر پار ہو تو بھی میں ضرور اس کے پاس جاؤں۔ عبداللہ بن کواء نے اٹھ کر دریافت کیا کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے نعمت الٰہی کو بدل دیا اور اپنی قوم کو دار ہلاکت میں اتارا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مشرکین قریش جن کے پاس نعمت ایمان آئی لیکن انہوں نے اس کے بدلے میں کفر اختیار کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارا۔ آپ رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قریش کے دو فاجر قبائل بنوامیہ اور بنومغیرہ ہیں۔ بنومغیرہ نے بدر والے دن اپنی قوم کو ہلاکت میں ڈالا اور بنوامیہ نے احد والے دن۔ بدر میں ابوجہل تھا اور احد میں ابوسفیان اور دارالبوار سے مراد جہنم ہے۔ ایک اور روایت میں آپ یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قریش کے دو فاجر قبائل بنوامیہ اور بنومغیرہ ہیں۔ بنومغیرہ کو تو بدر والے دن ہلاک کر دیا گیا البتہ بنوامیہ کو کچھ مہلت مل گئی(1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا کہ اس سے مراد قریش کے دو فاجر قبائل بنومغیرہ اور بنوامیہ ہیں۔ بنومغیرہ کو تو تم نے بدر کے دن نیست و نابود کر دیا لیکن بنوامیہ کو مہلت دے دی گئی(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ قریش کے دو فاجر قبیلے ہیں۔ ایک میرے ماموں اور دوسرے تمہارے چچا۔ میرے ماموں تو بدر والے دن ہلاک ہو گئے، البتہ آپ کے چچاؤں کو اللہ تعالیٰ نے کچھ مہلت دے دی۔ مجاہد، سعید بن جبیر، ضحاک، قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ یہاں ان کفار قریش کا ذکر ہے جو بدر کے دن قتل کر دیئے گئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا...... یعنی انہوں نے ایسے شریک بنا لئے ہیں جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی ان کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کی زبانی انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: قُلْ تَمَتَّعُوْا...... یعنی دنیا میں جو تمہارے بس میں ہے، کر لو، آخر کار تمہیں جہنم میں جانا ہے جیسا کہ فرمایا: نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (لقمان: 24) ''ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف''۔ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (یونس: 70) ''(چندروزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے''۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

''آپ فرمایئے میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہ وہ صحیح صحیح ادا کیا کریں نماز اور خرچ کیا کریں اس سے جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ اس سے پیشتر کہ آجائے وہ دن جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی اطاعت کرنے، حقوق اللہ بجا لانے اور مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیتے ہوئے تاکید فرما رہا ہے کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں، نماز کو مقررہ اوقات میں تمام آداب اور حدود کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے پابندی کے ساتھ قائم

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 352
2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 219

کریں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے زکوٰۃ ادا کریں اور اپنے قریبی رشتہ داروں اور دیگر لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان پر خرچ کریں خواہ پوشیدہ طور پر، خواہ علی الاعلان۔ انہیں اپنی نجات کے لئے یہ اعمال صالحہ یوم قیامت سے پہلے پہلے بجالانے چاہئیں کیونکہ اس دن کوئی خرید وفروخت نہیں ہوگی کہ کوئی فدیہ دیکر بچ جائے جیسا کہ فرمایا: فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الحدید:15) ''پس آج نہ تم سے فدیہ قبول کیا جائے گا، اور نہ کفار سے''، اور نہ ہی اس دن کوئی دوستی کام آئے گی کہ کوئی دوست دوستی کے باعث درگزر کرے۔ ''خِلَالٌ'' باب مفاعلہ کا مصدر ہے جیسا کہ امرؤالقیس کے شعر میں بھی آیا ہے:

صَرَفْتُ الْهَوٰى عَنْهُنَّ مِنْ خَشْيَةِ الرَّدٰى وَلَسْتُ بِمُقْلِيِّ الْخِلَالِ وَلَا قَالِي (1)

قتادہ کہتے ہیں کہ دنیا میں بیع وشراء اور دوستی کام آجاتی ہے۔ آدمی کو دوستی کرتے وقت خیال رکھنا چاہئے۔ اگر تو دوستی رضائے الٰہی کے لئے ہو تو وہ دائمی ہوتی ہے، آخرت میں بھی کام آتی ہے لیکن اگر غیر اللہ کے لئے ہو تو ختم ہو جاتی ہے (1)۔ بہر صورت آیت کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن نہ کوئی بیع نفع بخش ہوگی اور نہ کوئی فدیہ، اگر چہ کوئی، بفرض محال، زمین بھر سونا ہی پیش کردے اور نہ کسی کی دوستی اور نہ کسی کی سفارش کافر کے کام آئے گی جیسا کہ فرمایا: وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (البقرۃ:123) ''اور ڈرو اس دن سے کہ نہ پکڑا جائے گا کوئی آدمی کسی کے عوض اور نہ قبول کیا جائے گا اس سے مالی تاوان اور نہ نفع دے گی اسے کوئی سفارش اور نہ ہی ان کی امداد کی جائے گی''، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (البقرۃ:254) ''اے ایمان والو! خرچ کرلو اس (مال) سے جو ہم نے دیا ہے تم کو اس سے پہلے کہ آجائے وہ دن جس میں نہ تو خرید وفروخت ہوگی اور نہ (کفار کے لئے) دوستی ہوگی اور نہ (ان کے لئے) شفاعت اور جو کافر ہیں وہی ظالم ہیں''۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿٣٢﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿٣٣﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿٣٤﴾

''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو اور اتارا بلندی سے پانی، پھر پیدا کئے اس پانی سے پھل تمہارے کھانے کے لئے اور اس نے مسخر کر دیا تمہارے لئے کشتی کو تاکہ وہ چلے سمندر میں اس کے حکم سے اور تابع فرمان کر دیا تمہارے لئے دریاؤں کو اور مسخر کر دیا تمہارے لئے آفتاب و مہتاب کو جو برابر چل رہے ہیں اور مسخر کر دیا تمہارے لئے رات اور دن کو۔ اور عطا فرمایا تمہیں ہر اس چیز سے جس کا تم نے اس سے سوال کیا اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔ بیشک انسان بہت زیادتی کرنے والا از حد ناشکرا ہے''۔

اللہ تعالیٰ مخلوق پر اپنی ان گنت اور لاتعداد نعمتوں کو بیان فرما رہا ہے کہ اس نے مخلوق کے لئے آسمانوں کو ایک محفوظ چھت بنایا ہے اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 224

زمین کو بچھونا۔ آسمان سے بارش برسائی جس کے ذریعے رنگ، بو، ذائقہ، شکل اور نفع میں مختلف انواع و اقسام کی کھیتیاں اور پھل پیدا کئے، کشتیاں اس کے حکم سے پانی پر تیرتی ہیں، سمندر انسان کے لئے مسخر ہیں جن کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کیا جاتا ہے اور سامان منتقل کیا جاتا ہے۔ نہروں کے ساتھ بھی انسان کے متعدد مفادات وابستہ ہیں، ان کے ذریعے زمینوں کو سیراب کر کے رزق حاصل کیا جاتا ہے، پینے کے لئے پانی بھی انہی سے حاصل ہوتا ہے اور بھی ان کے متعدد منافع ہیں۔ آفتاب اور ماہتاب دونوں دن رات بغیر کسی کمزوری اور تھکاوٹ کا اظہار کئے مصروف گردش ہیں جیسا کہ فرمایا: لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسین: 40) ''نہ سورج کی یہ مجال کہ (پیچھے سے) چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کو یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے۔ اور سب (سیارے اپنے اپنے) فلک میں تیر رہے ہیں''، يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (الاعراف: 54) ''ڈھانکتا ہے رات سے دن کو در آں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے اور (پیدا فرمایا) سورج اور چاند اور ستاروں کو وہ سب پابند ہیں اس کے حکم کے۔ سن لو! اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''، سورج اور چاند، دن اور رات یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور کبھی دن بڑا ہو جاتا ہے اور کبھی رات بڑی ہو جاتی ہے۔ فرمایا: يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَي النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى (الزمر: 5) ''وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر اور اس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو۔ ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک''۔

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ یعنی اللہ تعالیٰ نے ضروریات کی تمہاری تمام مطلوبہ چیزیں تمہیں تمام احوال میں مہیا کر دی ہیں۔ بعض حضرات کی قرأت میں یوں ہے: مِنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَمَالَمْ تَسْاَلُوْهُ ''ہر وہ چیز جو تم نے مانگی اور جو نہ مانگی'' (1)۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اس حقیقت سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے سے عاجز ہیں چہ جائیکہ وہ ان نعمتوں کا شکر بجا لائیں جیسا کہ طلق بن حبیب رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حق اس سے بہت بھاری ہے کہ بندے اسے بجا لائیں اور اللہ کی نعمتیں اس سے بہت زیادہ ہیں کہ بندے انہیں شمار کر سکیں لیکن صبح و شام توبہ کرتے رہو۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''اے اللہ! تیرے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں اس حال میں کہ تیرے بغیر کفایت نہیں، نہ ہی تجھے چھوڑا جا سکتا ہے اور نہ تجھ سے بے نیازی برتی جا سکتی ہے'' (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ابن آدم کے تین دیوان نکلیں گے، ایک دیوان میں نیکیاں لکھی ہوں گی، دوسرے میں اس کے گناہ اور تیسرے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں درج ہوں گی، اللہ تعالیٰ سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا کہ نیک اعمال سے اپنی قیمت لے لے تو وہ تمام اعمال صالحہ پر حاوی ہو جائے گی، پھر پیچھے ہٹ کر عرض کرے گی: تیری عزت کی قسم! ابھی میں نے اپنا پورا حق وصول نہیں کیا۔ ابھی گناہ اور باقی نعمتیں جوں کی توں ہوں گی۔ جب اللہ تعالیٰ بندے پر رحم فرمانا چاہے گا تو فرمائے گا: اے میرے بندے! میں نے تیری نیکیوں کو دوگنا کر دیا، تیرے گناہوں سے تجاوز کیا اور اپنی نعمتوں کو تمہارے لئے ہبہ کر دیا'' (3)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! میں

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 226-227 2۔ صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، جلد 7 صفحہ 106

3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب البعث، جلد 4 صفحہ 160

تیرا کیسے شکرادا کروں حالانکہ تیرا شکرادا کرنا بھی مجھ پر تیری ایک نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد! اب تو نے (دراصل) شکرادا کیا ہے۔ یعنی ادائے شکر سے عاجزی کا اعتراف ہی حقیقت میں شکر ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس کی نعمتوں کا شکرادا کرنے کے لئے بھی ایک نئی نعمت (توفیق شکر) کی ضرورت ہے اور پھر اس کا شکر بجالانا بھی ضروری ہے (1)۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے!

ترجمہ:۔ اگر تیرے احسانات کے باعث تیری حمد وثناء کرنے کے لئے میرے ہر عضو کو زبان مل جائے تو بھی میں تیرے انعامات اور احسانات کا شکرادا کرنے سے عاجز ہوں۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾

"اور (اے حبیب ﷺ) یاد کرو جب عرض کی ابراہیم علیہ السلام نے کہ اے میرے رب! بنادے اس شہر کو امن والا اور بچا لے مجھے اور میرے بچوں کو کہ ہم پوجا کرنے لگیں بتوں کی۔ اے میرے پروردگار! ان بتوں نے تو گمراہ کردیا بہت سے لوگوں کو۔ پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بیشک تو غفور رحیم ہے"۔

اللہ تعالیٰ اس مقام پر خصوصاً مشرکین کو یہ باور کرا رہا ہے کہ بلد حرام مکہ کو شروع ہی سے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لئے بسایا گیا، اسے آباد کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں سے بری الذمہ اور بیزار تھے اور انہوں نے مکہ کے لئے امن وسلامتی کی دعا کی جسے قبولیت سے نوازتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا (العنکبوت: 67) "کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن والا بنادیا ہے"، اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران: 97-96) "بے شک پہلا (عبادت) خانہ جو بنایا گیا لوگوں کے لئے وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ بڑا برکت والا ہدایت (کا سرچشمہ) ہے سب جہانوں کے لئے اس میں روشن نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے اور جو بھی داخل ہو اس میں ہو جاتا ہے (ہر خطرہ سے) محفوظ"، اور یہاں یوں دعا کی: رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا یہاں "الْبَلَدَ" کو معروف باللام ذکر کیا اس لئے کہ یہ دعا شہر آباد ہونے کے بعد کی ہے، اس لئے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ (ابراہیم: 39) "سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے عطا فرمائے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق (جیسے فرزند)"، اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال بڑے تھے۔ لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو اس جگہ چھوڑ کر گئے تھے تو اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام شیر خوار بچے تھے۔ اس وقت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس شہر کے لئے دعا کی تھی: رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہم مفصل بیان کر چکے ہیں (2)۔ چونکہ شہر ابھی آباد نہیں ہوا تھا اس لئے "بَلَدًا" نکرہ ذکر کیا۔ اپنی دعا میں مزید کہا: وَاجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ

1۔ الرسالۃ للشافعی: 7-8　　2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ: 126

ہر داعی کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے دعا کرے۔ پھر آپ نے اس بات کا ذکر کیا کہ بتوں نے لوگوں کو فتنہ میں ڈال کر راہ راست سے برگشتہ کر دیا۔ لیکن وہ اس سے بیزار ہیں۔ پھر ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا چاہے تو وہ انہیں عذاب دے اور اگر چاہے تو انہیں بخش دے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (المائدۃ: 118) ''اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے'' اس میں صرف مشیت الٰہی کی طرف لوٹنا ہے نہ کہ اس کے وقوع کو جائز سمجھنا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ...... اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول اِنْ تُعَذِّبْهُمْ...... کی تلاوت کی، پھر اپنے ہاتھ بلند کر کے کہا: ''اے اللہ! میری امت، اے اللہ! میری امت، اے اللہ! میری امت'' یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ رو دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ حالانکہ تمہارا رب خوب جانتا ہے اور رونے کا سبب دریافت کرو؟ جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور رونے کا سبب دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے جبرئیل کو اس سے آگاہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو پھر حکم دیا کہ محمد ﷺ کی طرف جاؤ اور انہیں بتا دو کہ ہم آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی امت کے بارے میں راضی کر دیں گے، ناراض نہیں کریں گے (1)۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾

''اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں، تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے ہمارے رب! یہ اس لئے تا کہ وہ قائم کریں نماز پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تا کہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں''۔

یہ دوسری دعا ہے۔ پہلی دعا آپ علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر سے قبل اس وقت کی تھی جب آپ حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں چھوڑ کر گئے تھے اور یہ دوسری دعا بیت اللہ کی تعمیر کے بعد کی، اسی لئے آیت میں عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ کے الفاظ ذکر کئے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کا تعلق ''الْمُحَرَّمِ'' کے ساتھ ہے یعنی میں نے اسے حرمت والا بنایا تا کہ یہاں کے رہنے والے یہاں نماز قائم کر سکیں (2)۔ ابن عباس، مجاہد اور سعید بن جبیر وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس آیت میں مِّنَ النَّاسِ کہہ کر صرف مسلمانوں کو مختص کر دیا، ورنہ اگر وہ ''اَفْـِٕدَةَ النَّاسِ'' کہہ دیتے تو یہاں فارس، روم، یہود، نصاریٰ بلکہ تمام لوگوں کا ہجوم ہو جاتا (2)۔ مزید دعا کرتے ہوئے کہا: وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ یعنی انہیں پھلوں سے بھی نواز تا کہ یہ انعام ان کے جذبہ اطاعت کے لئے معاون ثابت ہو اور چونکہ یہ غیر زرعی وادی ہے اس لئے کھانے کے لئے انہیں پھل مہیا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا جیسا کہ ایک اور مقام پر اسے یوں بیان فرمایا: اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا (القصص: 57) ''کیا ہم نے بسا نہیں دیا انہیں حرم میں جو امن والا ہے کھنچے چلے آتے ہیں اس کی طرف ہر قسم کے پھل یہ رزق ہے ہماری طرف سے''، یہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 229
2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 233-234

اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت، رحمت، فضل اور برکت ہے کہ مکہ شریف میں کوئی بھی پھلدار درخت نہ ہونے کے باوجود یہاں ہرقسم کے پھل ہر وقت دستیاب ہوتے ہیں۔ یہ حضرت خلیل علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہے۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿٣٨﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَي الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ﴿٣٩﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ﴿٤٠﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿٤١﴾

"اے ہمارے رب! یقیناً تو جانتا ہے جو ہم (دل میں) چھپائے ہوئے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں۔ اور کوئی چیز مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے عطا فرمائے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق (جیسے فرزند) بلاشبہ میرا رب بہت سننے والا ہے دعاؤں کا۔ میرے رب! بنا دے مجھے نماز کو قائم کرنے والا اور میری اولاد کو بھی، اے ہمارے رب! میری یہ التجا ضرور قبول فرما۔ اے ہمارے رب! بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو اور سب مومنوں کو جس دن حساب قائم ہوگا"۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے کہا: رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ...... یعنی تو اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ اس شہر والوں کے لئے میری دعا کا مقصد اظہار اخلاص اور تیری رضا کا حصول ہے کیونکہ تمام ظاہری اور باطنی چیزوں کو تو ہی جانتا ہے، زمین و آسمان میں کوئی چیز تجھ پر پوشیدہ نہیں۔ پھر بڑھاپے اور پیرانہ سالی کے باوجود نعمت اولاد سے مشرف ہو جانے پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ...... یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق جیسے فرزند عطا فرمائے اور وہ ہر ایک کی دعا کو سنتا ہے۔ اس نے میری التجا کو بھی شرف قبولیت بخشتے ہوئے مجھے اولاد کی نعمت عطا فرمائی۔ پھر عرض کی: رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ...... یعنی اے پروردگار! مجھے بھی اور میری اولاد کو بھی تمام حدود وآداب کے ساتھ پابندی سے نماز قائم کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اے ہمارے پروردگار! میری دعا قبول فرما، میری، میرے والدین اور اہل ایمان کی مغفرت فرما اور سب کو ان کے اعمال کا بدلہ دے۔ یہ دعا اس وقت کی ہے جب آپ نے اپنے باپ سے ابھی بیزاری کا اظہار نہیں کیا تھا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ڛ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿٤٢﴾ۙ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْــِٕدَتُهُمْ هَوَاۗءٌ ﴿٤٣﴾ؕ

"اور تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ان کرتوتوں سے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۔ وہ تو انہیں صرف ڈھیل دے رہا ہے اس دن کے لئے جبکہ (مارے خوف کے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی آنکھیں۔ بھاگم بھاگ جا رہے ہوں گے اپنے سر اٹھائے ہوئے۔ ان کی پلکیں نہیں جھپکتی ہوں گی اور ان کے دل (دہشت سے) اڑے جا رہے ہوں گے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ﷺ یہ نہ گمان کریں کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کی کارستانیوں اور کرتوتوں سے بے خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت اور ڈھیل دے رکھی ہے، وہ ان کے اعمال سے خوب واقف ہے، انہیں یونہی نہیں چھوڑ دیا جائے گا بلکہ انہیں

پوری پوری سزا ملے گی۔ انہیں ایسے دن تک مہلت حاصل ہے جس دن کی ہولناکیوں کے باعث آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ پھر ان کے قبروں سے اٹھنے اور جلدی جلدی میدان حشر کی طرف جانے کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''مُهْطِعِيْنَ'' جیسا کہ اور مقام پر فرمایا: مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ (القمر:8) ''ڈرتے ڈرتے بھاگے جا رہے ہوں گے بلانے والے کی طرف''، يَوْمَىِٕذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ...... وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ (طٰہٰ:108-111) ''اس روز سب لوگ پیروی کریں گے پکارنے والے کی، کوئی روگردانی نہیں کر سکے گا اس سے ...... اور (فرط نیاز سے) جھک جائیں گے سب (لوگوں کے) چہرے حی وقیوم کے سامنے''، يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا (المعارج:43) ''اس روز نکلیں گے (اپنی) قبروں سے جلدی جلدی''۔ حضرات ابن عباس، مجاہد وغیرہ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ کا معنی بیان کرتے ہیں: اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے۔ مزید ان کی یہ کیفیت ہوگی لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ یعنی ان کی آنکھیں پتھرائی ہوئی ہوں گی اور اس دن پیش آنے والے ہولناک واقعات، تفکرات اور خوف کے باعث ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں جھپکیں گی، اس لئے فرمایا: وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ یعنی خوف وہراس کی وجہ سے ان کے دل خالی ہوں گے اور اڑے جا رہے ہوں گے، اسی لئے قتادہ اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ان کے دلوں کی جگہیں خالی ہوں گی کیونکہ دل تو حلقوم تک پہنچے ہوئے ہوں گے اور شدت خوف کے سبب اپنی جگہ چھوڑ چکے ہوں گے۔ بعض نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ان کے دل ویران ہوں گے اور سنگین صورت حال سے دوچار ہونے کے باعث کسی چیز کو محفوظ نہیں رکھ سکیں گے۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿٤٤﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿٤٥﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾

''(اے میرے نبی!) ڈرائیے لوگوں کو اس دن سے جب آئے گا ان پر عذاب تو بول اٹھیں گے ظالم اے ہمارے رب! ہمیں مہلت دے تھوڑی دیر کے لئے۔ ہم تیری دعوت پر لبیک کہیں گے اور ہم رسولوں کی پیروی کریں گے (اے کافرو!) کیا تم قسمیں نہیں اٹھایا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تمہیں یہاں سے کہیں جانا نہیں ہے اور تم آباد تھے ان لوگوں کے (متروکہ) گھروں میں جنہوں نے ظلم کئے تھے اپنے آپ پر اور یہ بات تم پر خوب واضح ہو چکی تھی کہ کیسا برتاؤ کیا تھا ہم نے ان کے ساتھ اور ہم نے بھی بیان کی تھیں تمہارے لئے (طرح طرح کی) مثالیں اور انہوں نے اپنی طرف سے بڑی فریب کاریاں کیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے مکر کا توڑ تھا۔ اگرچہ ان کی چالیں اتنی زبردست تھیں کہ ان سے پہاڑ اکھڑ جاتے تھے''۔

جب ظالم اپنی آنکھوں سے عذاب کا مشاہدہ کرلیں گے تو عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مہلت عطا فرما، ہم تیری دعوت کو بھی قبول کرلیں گے اور تیرے رسولوں کی بھی اتباع کریں گے جیسا کہ متعدد مقامات پر اس چیز کو بیان فرمایا: حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ (المومنون:99) ''یہاں تک کہ جب آئے گی ان میں سے کسی کو موت تو وہ (بصد حسرت) کہے گا

میرے مالک! مجھے (دنیا میں) واپس بھیج دے"، "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ...... (المنافقون: 9)
"اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کردیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے......"، میدان حشر میں ان کی یہ حالت ہوگی: وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ...... (السجدۃ: 12)" اور کاش! تم دیکھو جب مجرم اپنے سر جھکائے ہوئے اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے"، وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا (الانعام: 27)" اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی نشانیوں کو"، وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ۚ (فاطر: 37)" اور وہ اس میں چیختے چلاتے ہوں گے"، ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ...... یعنی کیا تم اس حالت سے قبل قسمیں نہیں اٹھایا کرتے تھے کہ اس موجودہ زندگی سے زوال ممکن ہی نہیں، نہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور نہ ثواب وعتاب ہوگا، اس لئے اس کے بدلے میں عذاب کا ذائقہ چکھو۔ مجاہد وغیرہ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ کا معنی بیان کرتے ہیں کہ تمہیں دنیا سے آخرت کی طرف منتقل نہیں ہونا جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ (النحل: 38)" اور بڑی شدومد سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (دوبارہ) زندہ نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جو (ایک بار) مرجاتا ہے"۔

وَسَكَنْتُمْ فِیْ مَسٰكِنِ...... یعنی تکذیب کرنے والی سابقہ امتوں کے انجام سے تم خوب واقف ہو، اس کے باوجود تم عبرت حاصل نہیں کرتے اور ان قوموں جیسے انجام بد کا تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ...... کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ رب تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کیا تھا، اس نے گدھ کے دو بچے لے کر پالے۔ جب وہ بڑے اور طاقتور ہو گئے تو اس نے ہر ایک کی ٹانگ ایک تابوت کے کیل کے ساتھ باندھ دی اور انہیں بھوکا رہنے دیا۔ وہ خود اور اس کا ایک ساتھی تابوت میں بیٹھ گئے اور اس نے ایک لکڑی کے سرے پر گوشت باندھ کر تابوت میں کھڑا کر دیا۔ وہ دونوں بھوکے گدھ گوشت کھانے کے لئے اوپر اڑے اور اپنے زور سے تابوت کو بھی لے اڑے۔ بلندی پر پہنچ کر وہ شخص اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ دیکھو، تمہیں کیا نظر آرہا ہے۔ اس نے کہا کہ میں فلاں فلاں چیز دیکھ رہا ہوں اور ساری دنیا مجھے مکھیوں کی طرح دکھائی دے رہی ہے۔ اس کے بعد اس نے لکڑی نیچے جھکا دی تو دونوں گدھ بھی نیچے اترنا شروع ہو گئے۔ پس یہی ہے جس کا ذکر اس آیت وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ...... میں کیا گیا ہے۔ ایک دوسری قرأت میں "وَاِنْ كَادَ" آیا ہے(1)۔ یہ قصہ کنعان کے بادشاہ نمرود کا ہے، اس نے حیلے سے آسمان تک پہنچنے کا قصد کیا جس طرح اس کے بعد شاہ قبط فرعون نے ایک بلند مینار تعمیر کر کے ایسا ہی پروگرام بنایا تھا لیکن دونوں کے پروگرام اور حیلے خاک میں مل گئے، دونوں اپنے مقصد میں ناکامی سے دوچار ہوئے، ان کی کمزوری، عاجزی، ذلت اور حقارت واضح ہوگئی۔ مجاہد نے بخت نصر کے متعلق یہ قصہ بیان کیا ہے کہ اس نے اوپر چڑھنا شروع کر دیا جب انتہائی بلندی پر پہنچ کر زمین اس کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی تو اسے ایک آواز سنائی دی کہ اے سرکش! کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ ڈر گیا، پھر اوپر سے اسے آواز سنائی دی تو اس نے جلدی سے نیزہ جھکا کر نیچے اترنا شروع کر دیا۔ دھماکے کی ایسی آواز آئی کہ پہاڑ لرزنے لگے اور قریب تھا کہ وہ اپنی جگہ سے زائل ہو جاتے، یہی اس قول وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ...... کا مطلب ہے(2)۔ مجاہد نے "لِتَزُوْلَ" کی بجائے "لَتَزُوْلُ" پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک "اِنْ" نافیہ ہے(3)، حسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر اس کی یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے جو شرک اور کفر کیا وہ پہاڑوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 244، روح المعانی، جلد 13 صفحہ 251 2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 244 3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 247

وغیرہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا بلکہ اس کا وبال ان پر ہی پڑے گا۔ یہ معنی اس آیت کے مشابہ ہے: وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (بنی اسرائیل: 37) ''اور نہ چلو زمین میں اکڑتے ہوئے (اس طرح) نہ تم چیر سکتے ہو زمین کو اور نہ پہنچ سکتے ہو پہاڑوں کے برابر بلندی میں)، دوسرا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ ہے کہ مکر سے مراد شرک ہے یعنی ان کا شرک قریب ہے کہ پہاڑوں کو زائل کر دے جیسا کہ فرمایا: ''تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ''۔ ''قریب ہے آسمان شق ہو جائیں اس (خرافات) سے''۔ ضحاک اور قتادہ کا بھی قول ہے۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾

''تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کرنے والا ہے اپنے رسولوں سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے (اور) بدلہ لینے والا ہے۔ یاد کرو اس دن کو جب کہ بدل دی جائیں گی یہ زمین دوسری (قسم کی) زمین سے اور آسمان بھی (بدل دیئے جائیں گے) اور سب لوگ حاضر ہو جائیں گے اللہ کے حضور میں (وہ اللہ) جو ایک ہے (اور) سب پر غالب ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی یقین دہانی اور تاکید بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: یہ نہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اپنے رسولوں کے ساتھ وعدہ خلافی کرنے والا ہے اور فتح و نصرت سے ہاتھ اٹھانے والا ہے۔ وہ غالب ہے، کوئی چیز اس پر ممتنع اور مشکل نہیں، نہ ہی اسے مغلوب کیا جا سکتا ہے اور وہ کفر کرنے والوں اور انکار کرنے والوں سے انتقام لیتا ہے اور اس دن کو جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی ہو، اس لئے فرمایا: يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ...... یعنی اس کا وعدہ اس دن پورا ہوگا جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی تبدیل کر دیئے جائیں گے۔ یہ اپنی موجودہ معروف صفت کے برعکس ہوں گے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''قیامت کے دن لوگوں کو میدہ کی ٹکیہ جیسی سفید زمین میں جمع کیا جائے گا جہاں کسی کے لئے کوئی علامت نہیں ہوگی'' (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ...... کے متعلق دریافت کیا، میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! لوگ اس دن (پھر) کہاں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پل صراط پر'' (2)۔ ایک اور روایت میں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے یہ سوال کیا کہ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے مجھ سے ایسا سوال کیا ہے جو پہلے کسی امتی نے مجھ سے نہیں کیا، لوگ پل صراط پر ہوں گے'' (3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس فرمان وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ (الزمر: 67) ''(اس کی شان تو یہ ہے) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور سارے آسمان لپیٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے'' کے متعلق دریافت کرتے ہوئے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جہنم کے اوپر (پل صراط پر) ہوں گے'' (4)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑا تھا کہ ایک یہودی عالم آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کا نام لے کر کہنے لگا:

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 135۔ صحیح مسلم، کتاب صفة القیامة، جلد 4 صفحہ 2150

2۔ صحیح مسلم، کتاب صفة القیامة، جلد 4 صفحہ 2150، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 35، 134 وغیرہ

3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 253

4۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 116-117

’’اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ‘‘۔ میں نے اسے اس زور سے دھکا دیا قریب تھا کہ وہ گر جائے۔ وہ مجھے کہنے لگا: تم نے مجھے دھکا کیوں دیا ہے؟ میں نے کہا: (آپ کا نام لینے کے بجائے) تم یارسول اللہ ﷺ کیوں نہیں کہتے۔ اس یہودی نے کہا کہ ہم تو آپ ﷺ کو اسی نام سے پکارتے ہیں جو نام آپ ﷺ کے گھر والوں نے آپ ﷺ کا رکھا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’میرے گھر والوں نے میرا نام محمد ہی رکھا ہے۔‘‘ یہودی کہنے لگا کہ میں ایک بات دریافت کرنے کے لئے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اگر میں تمہیں بتا دوں تو کیا تمہیں کوئی فائدہ ہوگا؟‘‘ اس نے کہا کہ میں پہلے سن تو لوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ میں موجود لکڑی سے زمین کریدتے ہوئے فرمایا: ’’پوچھو‘‘۔ یہودی کہنے لگا کہ اس دن لوگ کہاں ہوں گے جس دن زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’وہ پل صراط کے پاس تاریکی میں ہوں گے‘‘۔ پھر وہ پوچھنے لگا کہ سب سے پہلے اسے عبور کون کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’فقراء مہاجرین‘‘۔ یہودی کہنے لگا کہ جب وہ جنت میں جائیں گے تو ان کے لئے کیا تحفہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’مچھلی کی کلیجی‘‘ اس نے پوچھا کہ اس کے بعد ان کے لئے کونسی غذا ہوگی؟ فرمایا: ’’ان کے لئے جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جنت میں چرتا رہا‘‘۔ اس نے کہا: ان کے لئے پھر مشروب کونسا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’سلسبیل نامی چشمے کا پانی‘‘۔ اس نے کہا کہ آپ ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ میں آپ ﷺ سے ایک اور بات پوچھنا چاہتا ہوں جسے صرف نبی یا ایک دو اور آدمی جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اگر میں تمہیں بتا دوں تو کیا تجھے فائدہ ہوگا؟‘‘ وہ کہنے لگا کہ پہلے اپنے کانوں سے سن تو لوں۔ کہنے لگا کہ میں آپ ﷺ سے بچے کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’مرد کا پانی (مادہ منویہ) سفید رنگ کا ہوتا ہے اور عورت کا پانی زرد رنگ کا۔ جب یہ دونوں جمع ہوتے ہیں تو اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو بحکم خدا لڑکا ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو بحکم خدا لڑکی ہوتی ہے۔‘‘ یہودی کہنے لگا کہ آپ ﷺ نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ آپ ﷺ واقعی نبی ہیں۔ پھر وہ چلا گیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اس نے مجھ سے جو سوال کیا تھا، اس کا جواب میرے پاس نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے آگاہ کر دیا‘‘ (1)۔ طبری میں ہے کہ ایک یہودی عالم نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ ...... کے متعلق دریافت کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت مخلوق کہاں ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے اس لئے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ان کے مقابلے میں معمولی نہیں ہوگا‘‘ (2)۔ عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ اس زمین کو بدل دیا جائے گا اور وہ سفید چاندی جیسی صاف ستھری ہوگی جس پر نہ خون بہایا گیا ہوگا اور نہ کوئی گناہ کیا گیا ہوگا، ان کی نگاہیں تیز ہوں گی، داعی کی آواز کو خوب سنیں گے۔ برہنہ پا اور برہنہ بدن کھڑے ہوں گے بالکل اسی طرح جب وہ پیدا ہوئے تھے یہاں تک کہ پسینہ لگام کی طرح ہو جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’سفید زمین ہوگی جس پر نہ خون بہایا گیا ہوگا اور نہ کوئی گناہ کیا گیا ہوگا‘‘ (3)۔ حضرت زید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ یہود کو بلا بھیجا۔ پھر صحابہ سے فرمایا: ’’کیا تم جانتے ہو کہ میں نے انہیں کیوں بلوایا ہے؟‘‘ صحابہ کرام عرض کرنے لگے کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے انہیں اس لئے پیغام بھیجا ہے تا کہ ان سے اس فرمان يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ کے متعلق دریافت کروں، یہ زمین اس دن چاندی جیسی سفید ہوگی (4)۔ جب یہود آئے تو آپ نے ان سے پوچھا۔ وہ کہنے لگے کہ زمین میدہ کی طرح سفید ہوگی۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، جلد 1 صفحہ 252-253
2۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 254-253
3۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 249-250، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب البعث، جلد 4 صفحہ 156
4۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 250

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمین چاندی کی ہوگی اور آسمان سونے کا۔ حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ آسمان باغات کی شکل اختیار کرلیں گے۔ محمد بن قیس کہتے ہیں کہ زمین روٹی بن جائے گی جسے اہل ایمان اپنے قدموں تلے سے ہی کھائیں گے۔ حضرت سعید بن جبیر بھی یہی کہتے ہیں کہ زمین سفید روٹی بن جائے گی جسے مومن اپنے قدموں تلے سے کھائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن زمین آگ بن جائے گی، اس کے پیچھے جنت ہوگی جس کی جواں سال حوریں اور جام دکھائی دیں گے، لوگ پسینے سے شرابور ہوں گے اور ابھی حساب نہیں شروع ہوا ہوگا(1)۔ حضرت عبداللہ بھی یہی کہتے ہیں کہ تمام کی تمام زمین آگ بن جائے گی اور جنت اس کے پیچھے نظر آرہی ہوگی اور اس کی نعمتیں بھی دکھائی دیں گی، قسم بخدا! لوگ اس قدر پسینے سے شرابور ہوں گے کہ زمین پر پسینہ بہہ رہا ہوگا۔ بعض لوگ تو ناک تک پسینے میں ڈوبے ہوں گے لیکن ابھی حساب شروع نہیں ہوا ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا، یوم قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے۔ حضرت کعب کہتے ہیں کہ آسمان باغات بن جائیں گے، سمندر آگ بن جائیں گے اور زمین بدل دی جائے گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''سمندر کا سفر صرف غازی، حاجی یا عمرہ کرنے والے ہی کریں کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے، یا یہ فرمایا کہ آگ کے نیچے سمندر ہے'' (2)۔ صور کی مشہور حدیث میں ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں: ''اللہ تعالیٰ زمین اور آسمانوں کو بدل دے گا اور زمین کو عکاظی چمڑے کی طرح کھینچ کر پھیلا دے گا جس میں کوئی اونچ نیچ نظر نہیں آئے گی، پھر مخلوق کو ایک ہی جھڑک ہوگی کہ وہ اس تبدیل شدہ (نئی) زمین پر جمع ہو جائیں گے'' (3)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَبَرَزُوْا...... یعنی تمام مخلوق قبروں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے حضور جمع ہو جائے گی جو یکتا اور سب پر غالب ہے۔

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾

''اور تم دیکھو گے مجرموں کو اس روز کہ جکڑے ہوئے ہوں گے زنجیروں میں ان کا لباس تارکول کا ہوگا اور ڈھانپ رہی ہوگی ان کے چہروں کو آگ یہ اس لئے تاکہ بدلا دے اللہ تعالیٰ ہر شخص کو جو اس نے کمایا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے''۔

جس دن قیامت قائم ہوگی، زمین و آسمان بدل دیئے جائیں گے اور تمام مخلوق خالق کائنات کے حضور جمع ہوگی تو اس دن کفر و فساد کا ارتکاب کرنے والے مجرم ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ ہر قسم کے گنہگار اپنے جیسے گنہگاروں کے ساتھ پابند سلاسل ہوں گے جیسا کہ فرمایا: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ (الصافات: 22) ''(اے فرشتو!) جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو''، وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (التکویر: 7) ''اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑی جائیں گی''، وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا (الفرقان: 13) ''اور جب انہیں پھینکا جائے گا اس آگ میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں میں جکڑ کر تو پکاریں گے وہاں موت کو''، وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿٣٧﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ (ص: 38-37) ''اور سب دیو بھی ماتحت کر دیئے کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور۔ اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) باندھ دیئے گئے زنجیروں میں''۔ بقول ابن عباس، سعید بن جبیر، اعمش اور عبدالرحمٰن بن زید اصفاد کا معنی بیڑیاں ہیں اور یہی مشہور معنی ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 13 صفحہ 251
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 6
3۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۃ انعام: 73

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ یعنی ان کے کپڑے جنہیں وہ پہنیں گے، تارکول کے ہوں گے۔ ''قطِرَانٍ'' وہ سیال ہے جو اونٹوں پر ملا جاتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ گندھک ہے جسے آگ تیزی سے پکڑتی ہے۔ اس لفظ کو ''قَطِرَان''، ''قَطْران'' اور ''قِطْران'' بھی پڑھا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ''قَطِرَانٍ'' سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے۔

وَتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا: تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ (المومنون: 104) ''بری طرح جھلس دے گی ان کے چہروں کو آگ اور وہ اس میں دانت نکالے ہوں گے (اب منہ کیوں بسورتے ہو؟)''۔ حضرت ابو مالک اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جنہیں یہ کبھی نہیں ترک کریں گے۔ حسب پر فخر، نسب میں طعنہ زنی، ستاروں سے بارش طلب کرنا اور میت پر نوحہ۔ اور نوحہ گر عورت اگر موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو اسے قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا، اس پر تارکول کا لباس ہوگا اور خارش کا دوپٹہ'' (1)۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نوحہ کرنے والی عورت اگر توبہ نہیں کرتی تو اسے جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کیا جائے گا، اس کا لباس تارکول کا ہوگا اور آگ اس کے چہرہ کو ڈھانپ لے گی'' (2)۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ...... جیسا کہ فرمایا: لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا (النجم: 31) ''تاکہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان کے اعمال کا''، آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ ممکن ہے یہ فرمان اس آیت کی طرح ہو: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ (الانبیاء: 1) ''قریب آ گیا ہے لوگوں کے لئے ان کے (اعمال کے) حساب کا وقت اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں''، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ بندے کے محاسبہ کے وقت جلد حساب لینے والا ہے کیونکہ وہ ہر چیز سے آگاہ ہے اور کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔ اس کی قدرت کے سامنے تمام مخلوق فرد واحد کی طرح ہے جیسا کہ فرمایا: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان: 28) ''نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند''۔ مجاہد کے قول کا بھی یہی معنی ہے کہ احاطہ اور شمار کرنے میں وہ سریع الحساب ہے، اور ممکن ہے کہ دونوں معانی مراد لئے جائیں۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

''یہ (قرآن) ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لئے (اسے اتارا گیا ہے) تاکہ انہیں ڈرایا جائے اس کے ذریعہ اور تاکہ وہ اس حقیقت کو خوب جان لیں کہ صرف وہی ایک خدا ہے اور تاکہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں (اس حقیقت کو) دانشمندانہ لوگ''۔

فرمایا کہ یہ قرآن کریم تمام لوگوں کے لئے پیغام ہے جیسا کہ فرمایا: لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام: 19) ''تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے''، یعنی جن وانس تمام مخلوق کے لئے یہ پیغام ہدایت ہے جیسا کہ فرمایا: الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (ابراہیم: 1) ''الف۔ لام۔ را۔ یہ (عظیم الشان) کتاب ہے ہم نے اتارا ہے اسے آپ کی طرف تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو (ہر قسم کی) تاریکیوں سے نور (ہدایت وعرفان) کی طرف''۔

وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ...... تاکہ وہ اس کے ذریعے نصیحت حاصل کریں اور اس کے دلائل و براہین کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال کریں۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 644، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 342-343 2۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 60

سورۂ حجر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓرٰ قف تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ وَ قُرۡاٰنٍ مُّبِيۡنٍ ۝۱ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ كَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ ۝۲ ذَرۡهُمۡ يَاۡكُلُوۡا وَيَتَمَتَّعُوۡا وَيُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ۝۳

''الف۔ لام۔ را۔ یہ آیتیں ہیں کتاب (الٰہی) کی اور روشن قرآن کی۔ (عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد) بہت آرزو کریں گے کفار کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ انہیں رہنے دیجئے وہ کھائیں (پئیں) اور عیش کریں اور غافل رکھے انہیں (جھوٹی) امید، کچھ عرصہ بعد وہ (حقیقت کو خود بخود) جان لیں گے''۔

سورتوں کے شروع میں آنے والے حروف مقطعات پر بحث گزری چکی ہے۔ کفار کے متعلق بتایا جارہا ہے کہ وہ عنقریب اپنے کفر پر نادم ہوں گے اور تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں وہ مسلمان ہوتے۔ سدی نے اپنی تفسیر میں حضرات ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ کفار قریش کو جب آگ میں جھونکا جائے گا تو وہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ بعض نے کہا ہے کہ ہر کافر موت کے وقت یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش وہ مومن ہوتا۔ بعض کہتے ہیں کہ روز قیامت ہر کافر کی یہ تمنا ہوگی جیسا کہ فرمان ہے: وَلَوۡ تَرٰۤى اِذۡ وُقِفُوۡا عَلَى النَّارِ فَقَالُوۡا يٰلَيۡتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (الانعام: 27) ''اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں سے''۔ حضرت عبداللہ آیت کریمہ رُبَمَا يَوَدُّ...... کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ آیت جہنمیوں کے بارے میں ہے، جب وہ مسلمانوں کو جہنم سے باہر نکلتے ہوئے دیکھیں گے تو یہ خواہش کریں گے۔ حضرات ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گنہگار مسلمانوں کو بھی مشرکین کے ساتھ جہنم میں ڈال دے گا تو مشرکین انہیں کہیں گے کہ دنیا میں جو تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے، اس نے تمہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ ان کی یہ بات سن کر رحمت الٰہی جوش میں آئے گی اور اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو جہنم سے نکال لے گا، اس وقت مشرک یہ تمنا کریں گے (1)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جہنمی موحدین سے کہیں گے کہ تمہارے ایمان نے تمہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ جب وہ یہ بات کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر اس شخص کو جہنم سے نکال دو جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہے۔ اس وقت کفار یہ تمنا کریں گے (1)۔ ضحاک، قتادہ اور ابوالعالیہ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ اس سلسلے میں متعدد احادیث مرفوعہ مروی ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والوں میں سے کچھ لوگ اپنے گناہوں کے سبب جہنم میں جائیں گے تو لات وعزیٰ کے پجاری انہیں (طعنہ دیتے ہوئے) کہیں گے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے قول نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 3

تمہیں کیا فائدہ دیا؟ تم تو ہمارے ساتھ ہی آگ میں (جھلس رہے) ہو۔ یہ سن کر اللہ تعالیٰ کا کرم جوش میں آ جائے گا اور انہیں جہنم سے نکال کر نہر حیات میں ڈال دے گا۔ وہ آگ کے اثرات سے اس طرح چھٹکارا پا لیں گے جیسے چاند گرہن سے نکل آتا ہے۔ پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے تو وہاں انہیں جہنمی کہا جائے گا''۔ ایک آدمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت سنی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جس نے جان بوجھ کر کوئی جھوٹی بات میری طرف منسوب کی تو اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لینا چاہئے''۔ ہاں، میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے(1)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب جہنمی جہنم میں جمع ہو جائیں گے اور ان کے ساتھ کچھ اہل قبلہ بھی ہوں گے تو کفار مسلمانوں سے کہیں گے کہ کیا تم مسلمان نہیں تھے؟ وہ جواب میں کہیں گے: کیوں نہیں، کفار کہیں گے کہ جب تم بھی ہمارے ساتھ جہنم میں ہو تو پھر تمہارا ایمان تمہارے کس کام آیا؟ وہ کہیں گے کہ ہم نے کچھ گناہوں کا ارتکاب کیا تھا جن کے باعث پکڑ لئے گئے۔ یہ سن کر اللہ تعالیٰ اہل قبلہ کو جہنم سے نکالنے کا حکم دے گا۔ چنانچہ انہیں نکال دیا جائے گا۔ جب کافر یہ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تاکہ جیسے انہیں جہنم سے نکالا گیا ہے، ہم بھی نکال دیئے جاتے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ'' پڑھ کر دو آیتیں الٓرٰ...... مُسْلِمِیْنَ تلاوت کیں(2)۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں استعاذہ ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ'' کے بجائے تسمیہ مذکور ہے(3)۔ صالح بن ابی شریف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے اس آیت رُبَمَا یَوَدُّ...... کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ اہل ایمان میں سے کچھ لوگوں کو مبتلائے عذاب کرنے کے بعد جہنم سے نکال دے گا''۔ اور فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ انہیں مشرکین کے ساتھ جہنم میں داخل کرے گا تو مشرکین انہیں کہیں گے کہ تم تو دنیا میں یہ خیال کرتے تھے کہ تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو، پھر جہنم میں ہمارے ساتھ کیسے آ گئے؟ جب اللہ تعالیٰ یہ بات سنے گا تو ان کے لئے شفاعت کا اذن مرحمت فرمائے گا۔ چنانچہ ملائکہ، انبیاء اور مومنین ان کے لئے شفاعت کریں گے یہاں تک کہ وہ اذن الٰہی سے باہر نکل آئیں گے۔ جب مشرکین یہ (عنایت ربانی) دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کاش ہم بھی ان جیسے ہوتے تاکہ ہمیں بھی شفاعت نصیب ہو جاتی اور ہم بھی ان کے ساتھ جہنم سے نکل آتے۔ بس یہی مطلب اس آیت رُبَمَا یَوَدُّ...... کا ہے۔ ان (نو واردان جنت) کے چہروں پر کچھ سیاہی کے نمایاں ہونے کی وجہ سے انہیں جہنمی کہا جائے گا تو یہ عرض کریں گے: اے پروردگار! یہ (معیوب) نام ہم سے دور کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی ایک نہر میں غسل کرنے کا حکم دے گا تو یہ نام بھی (سیاہی کے ساتھ) زائل ہو جائے گا''(4)۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بعض لوگوں کو آگ نے گھٹنوں تک پکڑ رکھا ہوگا، بعض کے ازار بند باندھنے کی جگہ تک، بعض کی گردن تک (یعنی) اپنے اپنے گناہوں اور اعمال کے مطابق۔ ان میں سے بعض ایک ماہ وہاں (جہنم میں) رہیں گے اور پھر نکل آئیں گے، کچھ ایک سال رہنے کے بعد نکل آئیں گے اور سب سے زیادہ طویل عرصہ وہاں ٹھہرنے والا وہ شخص ہوگا جو دنیا کی تخلیق سے فنا تک کی مدت کے برابر وہاں ٹھہرے گا۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں وہاں سے نکالنے کا ارادہ فرمائے گا تو یہود، نصاریٰ، بت پرست اور دیگر ادیان کے پیروکار جہنمی اہل توحید سے کہیں گے کہ تم اللہ تعالیٰ، اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائے

1۔ طبرانی 2۔ طبرانی 3۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 14 صفحہ 2

4۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان [باب وصف الجنۃ واھلھا، جلد 9 صفحہ 261-262

لیکن آج ہم اور تم جہنم میں یکساں ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ سن کر اس قدر شدید غضبناک ہوگا جس قدر پہلے وہ کبھی نہ ہوا ہوگا اور انہیں وہاں سے نکال کر جنت کے ایک چشمے پر لائے گا۔ اس وقت کفار یہ تمنا کریں گے (1)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ذَرۡهُمۡ يَأۡكُلُواْ وَيَتَمَتَّعُواْ میں ان کے لئے شدید دھمکی اور وعید ہے جیسا کہ فرمایا: قُلۡ تَمَتَّعُواْ فَإِنَّ مَصِيرَكُمۡ إِلَى ٱلنَّارِ (ابراہیم: 30) ''آپ (انہیں) فرمائیے (کچھ وقت) لطف اٹھا لو پھر یقیناً تمہارا انجام آگ کی طرف ہے''، كُلُواْ وَتَمَتَّعُواْ قَلِيلًا إِنَّكُم مُّجۡرِمُونَ (المرسلات: 46) ''(اے منکرو!) اب کھالو اور عیش کرلو تھوڑا سا وقت، بے شک تم مجرم ہو''، اس لئے فرمایا: وَيُلۡهِهِمُ ٱلۡأَمَلُ تاکہ لمبی آس انہیں توبہ اور رجوع الی اللہ سے غافل کردے اور عنقریب انہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔

وَمَآ أَهۡلَكۡنَا مِن قَرۡيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٞ مَّعۡلُومٞ ۝٤ مَّا تَسۡبِقُ مِنۡ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَـٔۡخِرُونَ ۝٥

''اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر یہ کہ اس کی (ہلاکت کا وقت) لکھا ہوا تھا جو معلوم تھا۔ نہ آگے بڑھ سکتی ہے کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے''۔

اللہ تعالیٰ قیام حجت اور انتہائے اجل سے پہلے کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا اور جب کسی قوم کی ہلاکت کا وقت آجاتا ہے تو پھر اس سے تقدیم و تاخیر ممکن نہیں ہوتی۔ یہاں اہل مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے اور انہیں شرک، عناد اور الحاد کی تباہ کن روش سے باز آجانے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

وَقَالُواْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِي نُزِّلَ عَلَيۡهِ ٱلذِّكۡرُ إِنَّكَ لَمَجۡنُونٞ ۝٦ لَّوۡ مَا تَأۡتِينَا بِٱلۡمَلَٰٓئِكَةِ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ۝٧ مَا نُنَزِّلُ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةَ إِلَّا بِٱلۡحَقِّ وَمَا كَانُوٓاْ إِذٗا مُّنظَرِينَ ۝٨ إِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا ٱلذِّكۡرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ ۝٩

''اور وہ کہنے لگے اے وہ شخص اتارا گیا ہے جس پر قرآن بیشک تو مجنون ہے۔ تو کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتوں کو اگر تو سچا ہے۔ ہم نہیں اتارا کرتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ اور انہیں اس کے بعد مزید مہلت نہیں دی جاتی۔ بیشک ہم ہی نے اتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔

کفار اپنے کفر و عناد کے باعث نبی کریم ﷺ سے کہنے لگے کہ اے وہ جس پر ذکر (قرآن کریم) نازل کئے جانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، تم جو ہمیں اپنی اتباع اور ہمارے باپ دادا کے دین کو ترک کرنے کی دعوت دیتے ہو، اس میں تم ہمیں مجنون لگتے ہو۔ اگر تم سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہ لے آئے تاکہ وہ تمہاری صداقت اور تمہارے پیغام کی حقانیت پر گواہی دیتے۔ فرعون نے بھی اسی طرح کہا تھا: فَلَوۡلَآ أُلۡقِيَ عَلَيۡهِ أَسۡوِرَةٞ مِّن ذَهَبٍ أَوۡ جَآءَ مَعَهُ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ مُقۡتَرِنِينَ (الزخرف: 53) ''(اگر یہ سچا نبی ہے) تو کیوں نہ اتارے گئے اس پر سونے کے کنگن یا کیوں نہ آئے اس کے ساتھ فرشتے قطار در قطار''۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَقَالَ ٱلَّذِينَ لَا يَرۡجُونَ لِقَآءَنَا لَوۡلَآ أُنزِلَ عَلَيۡنَا ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ أَوۡ نَرَىٰ رَبَّنَاۗ لَقَدِ ٱسۡتَكۡبَرُواْ فِيٓ أَنفُسِهِمۡ وَعَتَوۡ عُتُوّٗا كَبِيرٗا ۝٢١ يَوۡمَ يَرَوۡنَ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةَ لَا بُشۡرَىٰ يَوۡمَئِذٖ لِّلۡمُجۡرِمِينَ وَيَقُولُونَ حِجۡرٗا

1۔ الدر المنثور، جلد 4 صفحہ 64

مَّحْجُوْرًا (الفرقان: 22-21) ''اور کہا ان لوگوں نے جو امید نہیں رکھتے تھے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو۔ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اپنے دلوں میں اور انہوں نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی۔ جس روز وہ دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اس روز مجرموں کے لئے اور فرشتے کہیں گے تمہارے لئے (جنت کا داخلہ) قطعاً حرام ہے''۔ اسی طرح یہاں فرمایا: مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ...... مجاہد نے آیت کریمہ میں ''بِالْحَقِّ'' کا معنی بیان کیا ہے: ''بالرسالة والعذاب'' یعنی رسالت یا عذاب کے ساتھ (1)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کو پختہ کر کے بیان کیا کہ ذکر (قرآن کریم) اسی کا نازل کردہ ہے اور وہی تغیر و تبدل سے اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ بعض نے لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ میں ضمیر کا مرجع نبی کریم ﷺ کو بنایا ہے یعنی ہم ہی آپ ﷺ کے محافظ ہیں جیسا کہ فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدة: 67) ''اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے''، لیکن سیاق کلام کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کریم کو اس ضمیر کا مرجع بنانا زیادہ موزوں ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾

''اور بیشک ہم نے بھیجے (پیغمبر) آپ سے پہلے اگلی امتوں میں۔ اور نہیں آتا تھا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ہم داخل کرتے ہیں گمراہی کو مجرموں کے دلوں میں۔ وہ نہیں ایمان لائیں گے اس پر اور گزر چکی ہے پہلوں کی یہی روش''۔

کفار قریش کی تکذیب پر اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ پہلی امتوں کی طرف بھی رسول بھیجے گئے اور جو بھی رسول تشریف لایا اس کی تکذیب کی گئی اور مذاق اڑایا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اتباع ہدایت سے پہلو تہی کرنے والے متکبر اور سرکش مجرموں کے دلوں میں تکذیب ڈال دیتا ہے۔ حضرات انس اور حسن بصری کہتے ہیں کہ ''نَسْلُكُهٗ'' میں ضمیر مفعول سے مراد شرک ہے یعنی ہم شرک ان کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں۔ فرمایا: قَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کو کیسی تباہی سے دوچار کیا اور کس طرح دنیا و آخرت میں اپنے پیغمبروں اور ان کے پیروکاروں کو نجات دی۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾

''اور اگر ہم کھول بھی دیتے ان پر دروازہ آسمان سے اور وہ سارا دن اس میں سے اوپر چڑھتے رہتے۔ پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے''۔

یہ بدبخت اپنے کفر، عناد، تکبر اور انکار حق میں اس انتہاء کو پہنچ چکے ہیں کہ اگر بالفرض ان کے لئے آسمان کا دروازہ کھول دیا جائے جس سے وہ اوپر چڑھ کر آیات الٰہی کا خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں تو بھی اس کی تصدیق نہیں کریں گے بلکہ کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر

1۔ تفسیر طبری، جلد 14، صفحہ 7

دی گئی ہے، آنکھیں بہکا دی گئی ہیں اور بقول کلبی ہماری آنکھوں کو اندھا کر دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں جادو کر دیا گیا ہے ابن زید اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں بے وقوف بنا دیا گیا ہے(1)۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾

''اور بیشک ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور ہم نے آراستہ کر دیا ہے آسمان کو دیکھنے والوں کے لئے۔ اور ہم نے محفوظ کر دیا ہے آسمان کو ہر شیطان سے جو راندہ ہوا ہے۔ بجز اس کے جو چوری چھپے سن لے تو (اس صورت میں) تعاقب کرتا ہے اس کا ایک روشن شعلہ۔ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور گاڑ دیئے اس میں محکم پہاڑ اور ہم نے اگا دی اس میں ہر چیز اندازے کے مطابق۔ اور ہم نے بنا دیئے تمہارے لئے بھی اس میں رزق کے سامان اور ان کے لئے بھی جنہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو''۔

اس قدر بلند آسمان کی تخلیق اور اسے ثابت رہنے والے اور حرکت کرنے والے ستاروں کے ساتھ آراستہ کرنے میں ہر اس شخص کے لئے قدرت الٰہی کی نشانیاں موجود ہیں جو ان میں غور و فکر کرتا ہے اور بار بار نگاہ بصیرت اور چشم عبرت سے انہیں دیکھتا ہے۔ ان میں اس قدر عجائبات اور نشانیاں ہیں کہ انہیں دیکھتے دیکھتے نظر حیران ہو جاتی ہے۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہاں بروج سے مراد ستارے ہیں، جیسا کہ اس آیت میں بھی ہے: تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا (الفرقان: 61) ''بڑی (خیرو) برکت والا ہے جس نے بنائے ہیں آسمان میں برج''، بعض کہتے ہیں کہ بروج سے مراد شمس وقمر کی منازل ہیں۔ عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ یہاں بروج سے مراد وہ محلات ہیں جہاں پہریدار موجود ہوں۔ سرکش شیطانوں کو بھگانے کے لئے شہابیوں کو ان کا چوکیدار مقرر کیا گیا ہے تا کہ وہ آسمانی فرشتوں کی باتیں نہ سن سکیں۔ ان میں سے جو سرکشی کرتے ہوئے چوری چھپے باتیں سننے کے لئے آسمان کی طرف بڑھتا ہے تو ایک روشن شہابیہ (شعلہ) اس کی تواضع کے لئے موجود ہوتا ہے اور وہ اسے مار بھگاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ شہابیے کے حملہ آور ہونے سے پہلے وہ آسمان سے سنی ہوئی بات نیچے والے اپنے ساتھی تک پہنچا دیتا ہے اور پھر وہ اپنے زمینی دوست تک جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ''جب اللہ تعالیٰ آسمان سے کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے سر جھکا لیتے ہیں جیسے چٹان پر زنجیر۔ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ جو بھی فرمایا، حق ہے، وہ سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے۔ چوری چوری سننے والے (جنات وشیاطین) اس بات کو سن لیتے ہیں۔ یہ چوری چوری سننے والے ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں۔ راوی سفیان نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو اوپر نیچے رکھ کر بتایا کہ اس طرح۔ بعض اوقات تو یہ ہوتا ہے کہ قبل اس کے کہ وہ سنی ہوئی بات اپنے ساتھی تک پہنچائے، شہابیہ اسے دبوچ لیتا ہے اور اسے جلا ڈالتا ہے لیکن کبھی وہ اسے نہیں پا سکتا حتیٰ کہ وہ اس سنی ہوئی بات کو اپنے نیچے والے ساتھی کی طرف منتقل کر دیتا ہے، وہ اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے، اس طرح وہ اس بات کو زمین تک پہنچا دیتے ہیں۔ وہاں وہ کسی جادوگر یا کاہن کے پاس اسے پہنچا دیتے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ سو

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 13

جھوٹ اپنی طرف سے ملاتا ہے۔ جب اس کی بات (جو آسمان سے اس تک پہنچی تھی) سچ ثابت ہوتی ہے تو لوگ کہتے ہیں کیا اس (جادوگر یا کاہن) نے ہمیں نہیں بتایا تھا کہ فلاں فلاں دن یوں یوں ہوگا۔ واقعی ایسا ہی ہوا (1)۔ اس کے بعد زمین کی تخلیق، وسعت، پھیلاؤ اور اس میں پائے جانے والے پہاڑ، وادیاں، صحراء، قطعات زراعت اور اگنے والی کھیتیوں اور پھلوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے "مَّوْزُوْنٍ" کا معنی "معلوم" کیا ہے، اسی طرح حضرات سعید بن جبیر، ابو مالک، مجاہد، حکم بن عیینہ، حسن بن محمد، ابو صالح اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض نے اس کا معنی بیان کیا ہے: جس کی مقدار مقرر کر دی گئی ہو۔ اور آپ ہی اس کا یہ مطلب بھی بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ چیز بازار والے جس کا وزن کرتے ہیں۔ فرمایا: وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ یعنی ہم نے لوگوں کے لئے زمین میں انواع و اقسام کے اسباب معیشت اور وسائل رزق مہیا کر دیئے ہیں۔ "مَعَايِشَ"، "معيشة" کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ سے مراد بقول مجاہد چوپائے اور جانور ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ غلام، لونڈی اور جانور (2)۔ بہر کیف مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ طرح طرح کے وسائل رزق، اور اسباب معیشت مہیا کرنے پر اپنا احسان جتلا رہا ہے۔ مزید برآں یہ بھی اس کا احسان ہے کہ اس نے سواری کے لئے جانور، کھانے کے لئے جانور اور خدمت کے لئے لونڈی اور غلام لوگوں کے لئے مسخر کر دیئے۔ ان کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے نہ کہ ان کے ذمے۔ فائدہ یہ حاصل کرتے ہیں لیکن ان کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے۔

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَ اَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

"اور نہیں کوئی چیز مگر ہمارے پاس اس کے خزانے (بھرے پڑے) ہیں۔ اور ہم نہیں اتارتے اسے مگر ایک معلوم اندازے کے مطابق۔ پس ہم بھیجتے ہیں ہواؤں کو باردار بنا کر پھر ہم اتارتے ہیں آسمان سے پانی پھر ہم پلاتے ہیں تمہیں وہی پانی۔ اور تم اس کا ذخیرہ کرنے والے نہیں ہو۔ اور بیشک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی (ان سب کے) وارث ہیں۔ اور یقیناً ہم جانتے ہیں ان کو بھی جو گزر چکے ہیں تم میں سے اور یقیناً ہم جانتے ہیں بعد میں آنے والوں کو۔ اور بے شک آپ کا پروردگار ہی انہیں (روز قیامت) جمع کرے گا۔ بے شک وہ بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے، ہر چیز اس پر نہایت سہل اور معمولی ہے، انواع و اقسام کی تمام چیزوں کے خزانے اسی کے پاس ہیں اور وہ ایک معین مقدار میں ہی اپنے خزانے عطا فرماتا ہے، اس میں بھی اس کی حکمت اور رحمت کارفرما ہے، اس پر کوئی چیز واجب نہیں بلکہ اس نے خود ہی بندوں پر مہربانی فرماتے ہوئے اپنے اوپر رحمت فرض کر لی ہے۔ حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا سال نہیں جس میں دوسرے سال کی نسبت زیادہ بارش ہوتی ہو (بلکہ ہر سال یکساں مقدار میں بارش برستی ہے) لیکن اللہ تعالیٰ جہاں چاہے اسے تقسیم فرما دیتا ہے، ایک سال ادھر اور دوسرے سال ادھر۔ پھر انہوں نے اسی آیت وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ...... کی تلاوت کی (3)۔ حکم بن عیینہ اس آیت کے متعلق فرماتے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ حجر، جلد 6 صفحہ 101 2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 18 3۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 18-19

ہیں کہ کوئی ایسا سال نہیں جس میں دوسرے سال کی نسبت زیادہ یا کم بارش برستی ہو۔لیکن ہوتا یوں ہے کہ بعض پر بارش برسائی جاتی ہے اور بعض کو محروم رکھا جاتا ہے۔مزید کہتے ہیں کہ اولاد ابلیس اور اولاد آدم کی تعداد سے زیادہ فرشتے بارش کے ساتھ اترتے ہیں، وہ قطرہ قطرہ شمار کرتے ہیں کہ وہ کہاں گرا اور اس سے کیا اگا(1)۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے خزانے محض کلام ہے۔جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے''(2)۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ یعنی ہوائیں بادلوں کو اٹھاتیں ہیں، پانی برساتی ہیں اور درختوں کو باردار کرتی ہیں تو ان سے پتے اور کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں۔یہاں ہواؤں کا وصف ''لَوَاقِحَ'' جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے تا کہ ان سے بارداری اور پیداوار کے عمل کا امکان ظاہر ہو سکے۔یہ ''رِیْحٌ عَقِیْمٌ'' کے برعکس ہے۔اس میں عقیم مفرد وصف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے بارداری اور پیداوار کے حصول کا امکان نہیں ہوتا۔اور بارداری کے لئے کم از کم دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہوائیں آسمان سے پانی اٹھاتی ہیں، پھر بادل کی طرح گزر جاتی ہیں یہاں تک کہ بادلوں کو پانی سے پر کر کے برساتی ہیں(3)۔ حضرات ابن عباس، ابراہیم نخعی اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ضحاک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بادلوں پر بھیجتا ہے جو انہیں پانی سے بھر دیتی ہیں۔عبید بن عمیر لیثی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے وہ زمین کو صاف کر دیتی ہیں، پھر ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو اڑا لے جاتی ہیں، پھر ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو جمع کرتی ہیں، پھر باردار کرنے والی ہوائیں بھیجتا ہے جو درختوں کو باردار کرتی ہیں۔پھر انہوں نے اسی آیت وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ کی تلاوت کی(4)۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنوب کی طرف سے چلنے والی ہوا جنتی ہے، اسی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور اسی سے لوگوں کے مفادات وابستہ ہیں''(5)۔اس کی سند ضعیف ہے۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کے سات سال بعد جنت میں ایک ہوا پیدا کی۔ایک بند دروازہ اسے روکے ہوئے ہے اور اسی دروازے سے تمہارے پاس ہوا پہنچتی ہے، اگر اسے کھول دیا جائے تو یہ زمین و آسمان کے درمیان تمام چیزیں لے اڑے۔اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی کا نام اذیب ہے اور تمہارے ہاں جنوب''(6)۔

فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ یعنی ہم نے تمہارے پینے کے لئے میٹھا پانی اتارا ہے اور اگر ہم چاہتے تو اسے نمکین اور کھاری بنا دیتے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں متنبہ کیا: اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ (الواقعہ:70-68) ''کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے پانی جو تم پیتے ہو۔(سچ سچ بتاؤ) کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں۔اگر ہم چاہتے تو اس کو کھاری بنا دیتے، پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے''۔ایک اور مقام پر فرمایا: هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ (النحل:10) ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تمہارے لئے اس میں سے کچھ پینے کے کام آتا ہے اور اس سے سبزہ اگتا ہے جس میں تم (مویشی) چراتے ہو''۔سفیان ثوری اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ تم اسے روکنے والے نہیں(7)۔یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ تم اس کی حفاظت کرنے والے نہیں بلکہ ہم

1۔الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 70 2۔الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 70 3۔تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 20

4۔تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 21 5۔تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 22، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 72

6۔مسند حمیدی، جلد 1 صفحہ 70-71، مطالب عالیہ، جلد 3 صفحہ 264 7۔تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 22

ہی اسے اتارتے ہیں، ہم ہی اس کی حفاظت کرتے ہیں اور ہم ہی اسے چشموں کی صورت میں جاری کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو پانی کو زمین کی تہہ میں دھنسا دے اور اسے غائب کر دے لیکن یہ اس کی رحمت ہے کہ وہ پانی برساتا ہے، میٹھا پانی مہیا کرتا ہے اور اسے چشموں، کنوؤں، نہروں اور دریاؤں وغیرہ میں محفوظ رکھتا ہے تاکہ پورا سال پینے اور کھیتی باڑی کے لئے زمین سیراب کرنے کے کام آسکے۔ پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کو دوبارہ زندہ کرنے پر اپنی قدرت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ...... اللہ تعالیٰ نے ہی تمام مخلوق کو عدم سے وجود بخشا، وہی انہیں مارتا ہے اور وہی قیامت کے دن ایک بار پھر تمام مخلوق کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔ زمین اور اہل زمین کا وہی وارث ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر تمام اولین و آخرین کے متعلق اپنے علم محیط کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا: وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ......

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''اَلْمُسْتَقْدِمُوْنَ'' سے مراد وہ ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر فوت ہو چکے ہیں اور ''اَلْمُسْتَاْخِرُوْنَ'' سے مراد وہ ہیں جو زندہ ہیں اور جو قیامت تک آنے والے ہیں۔ اسی طرح عکرمہ، مجاہد، قتادہ، ضحاک، محمد بن کعب اور شعبی وغیرہ سے مروی ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے (1)۔ مروان بن حکم کا کہنا ہے کہ بعض لوگ عورتوں کی وجہ سے پچھلی صفوں میں رہا کرتے تھے، اس پر یہ آیت اتری (2)۔ اس بارے میں ایک غریب حدیث بھی مروی ہے جس کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں، کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی امامت میں ایک بہت خوبصورت عورت نماز پڑھا کرتی تھی، میں نے اس جیسی حسین و جمیل عورت نہیں دیکھی۔ بعض مسلمان آگے کھڑے ہوتے تاکہ اس پر نظر ہی نہ پڑے اور بعض پیچھے کھڑے ہوتے۔ جب وہ سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں تلے سے اسے دیکھ لیتے، اس پر یہ آیت اتری (3)۔ یہ حدیث بہت منکر ہے۔ ابو الجوزاء اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ نماز کی صفوں میں آگے کھڑے ہونے والے اور پیچھے رہنے والے۔ یہ ابو الجوزاء کا اپنا قول ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اس میں ذکر نہیں۔ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ نوح بن قیس کی روایت سے زیادہ مشابہ ہے۔ عون بن محمد نے یہی بیان کیا یعنی نماز کی صفوں میں آگے اور پیچھے رہنے والے۔ یہ سن کر محمد بن کعب کہنے لگے کہ یہ مطلب نہیں بلکہ اگلوں سے مراد وہ ہیں جو مر چکے اور قتل ہو گئے اور پچھلوں سے مراد بعد میں پیدا ہونے والے۔ عون بن محمد کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق اور جزائے خیر سے نوازے (4)۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٢٦﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾

''اور بلاشبہ ہم نے پیدا کیا انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔ اور جن کو ہم نے پیدا فرمایا اس سے پہلے ایسی آگ سے جس میں دھواں نہیں''۔

حضرات ابن عباس، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ ''صَلْصَالٍ'' سے مراد خشک مٹی ہے۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿١٥﴾ (الرحمٰن: 15-14) ''پیدا فرمایا انسان کو بجنے والی مٹی سے ٹھیکری کی مانند۔ اور پیدا کیا جان کو آگ کے خالص شعلے سے''۔ مجاہد اس کا معنی بدبودار مٹی کرتے ہیں لیکن آیت کی آیت سے تفسیر زیادہ موزوں ہے۔ ''حَمَاٍ'' کا معنی ہے مٹی اور ''مَسْنُوْنٍ'' کا معنی چکنی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا معنی ترمٹی (کیچڑ) ہے۔ ابن

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 23
2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 26
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التفسیر، جلد 1 صفحہ 332، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 305 وغیرہ
4۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 75، تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 23

عباس، مجاہد اور ضحاک کہتے ہیں کہ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ کا معنی ہے بد بودار مٹی۔ بعض نے ''مَّسْنُوْنٍ'' کا معنی بیان کیا ہے: قالب میں ڈھلی ہوئی۔ پھر فرمایا: وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ...... یعنی ہم نے انسان سے پہلے جنات کو جلا دینے والی سخت آگ سے پیدا کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نَّارِ السَّمُوْمِ کا معنی وہ آگ بیان کیا ہے جو قتل کر ڈالے۔ بعض نے سموم کا معنی دن اور رات کی گرمی کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سموم رات کی گرمی کو کہتے ہیں اور حرور دن کی گرمی کو۔ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں عمر الاعصم کی عیادت کے لئے گیا تو انہوں نے کہا کہ کیا میں تمہیں ایک بات نہ سناؤں جو میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی ہے، انہوں نے فرمایا کہ یہ گرمی اس گرمی کا سترواں حصہ ہے جس سے جان کو پیدا کیا گیا پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنات بہت ہی بہتر آگ کے شعلوں سے تخلیق کئے گئے۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ ان کی تخلیق سورج کی آگ سے ہوئی۔ حدیث صحیح میں ہے: ''ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا، جنات کی تخلیق شعلے والی آگ سے اور آدم اس سے پیدا ہوئے جو تمہارے سامنے بیان کر دیا گیا ہے'' (2)۔ اس آیت سے مقصود آدم علیہ السلام کی فضیلت، آپ کے عنصر کی پاکیزگی اور آپ کی اصل کی طہارت بیان کرنا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾

''اور (اے محبوب!) یاد فرماؤ جب آپ کے رب نے کہا تھا فرشتوں کو میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو کھنکھناتی مٹی سے جو پہلے سیاہ بد بودار کیچڑ تھی۔ تو جب میں اسے درست فرما دوں اور پھونک دوں اس میں خاص روح اپنی طرف سے تو گر جانا اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے۔ پس سر بسجود ہو گئے فرشتے سارے کے سارے۔ سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کر دیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس! کیا وجہ ہے کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ (گستاخ) کہنے لگا کہ میں گوارا نہیں کرتا کہ سجدہ کروں اس بشر کو جسے تو نے پیدا کیا ہے بجنے والی مٹی سے جو پہلے سیاہ بد بودار تھی''۔

حضرت آدم علیہ السلام کی شان بیان ہو رہی ہے کہ ان کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ میں ان کا ذکر کیا، پھر ملائکہ سے سجدہ کروا کر آپ کو شرف عظیم بخشا لیکن ابلیس نے حسد، کفر، عناد، تکبر اور فخر کے باعث سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، کہنے لگا: لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ...... کیونکہ اس کا کہنا تھا: اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (الاعراف: 12) ''میں بہتر ہوں اس سے تو نے پیدا کیا مجھے آگ سے اور تو نے پیدا کیا اسے کیچڑ سے''، اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ...... (بنی اسرائیل: 62) ''مجھے بتا یہ (آدم) جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے (اس کی وجہ کیا ہے)؟......'' ابن جریر نے یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک غریب اثر نقل کیا ہے

1۔ تفسیر طبری، جلد 14، صفحہ 30-31

2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف: 12

کہ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو پیدا کیا تو انہیں فرمایا: اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا...... وہ کہنے لگے کہ ہم آدم کو سجدہ نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جلا کر خاکستر کر دیا، پھر اور ملائکہ پیدا کیے اور انہیں بھی یہی حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، لیکن ابلیس سجدہ نہ کرنے پر بضد رہا، یہ پہلے منکرین میں سے تھا(1)۔ اس اثر کا کوئی ثبوت نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی روایت ہے۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿٣٤﴾ وَّ اِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٣٥﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٣٨﴾

''اللہ تعالیٰ نے حکم دیا (اے بے ادب) نکل جا یہاں سے تو مردود ہے۔ اور بلا شبہ تجھ پر لعنت ہے روز جزاء تک۔ کہنے لگا اے میرے رب! پھر مہلت دے مجھے اس دن تک جب مردے (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک تو مہلت دیئے ہوئے گروہ میں سے ہے۔ (جنہیں) وقت مقرر کے دن تک مہلت دی گئی ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو حکم دیا جس کی نہ مخالفت کی جا سکتی ہے اور نہ اسے ٹالا جا سکتا ہے، فرمایا کہ فرشتوں میں جو مقام و مرتبہ تجھے حاصل ہے، اس سے دستکش ہو جا اور یہاں سے نکل جا کیونکہ تو مردود ہے اور قیامت تک لگا تار تجھ پر لعنت اور پھٹکار برستی رہے گی۔ حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ جب ابلیس ملعون ٹھہرا تو اس کی صورت ملائکہ کی صورت سے بدل گئی۔ اس نے نوحہ خوانی شروع کر دی۔ دنیا میں تمام نوحے اسی سے شروع ہوئے۔ جب ابلیس غضب الٰہی کا سزاوار ٹھہرا، مردود اور راندۂ درگاہ ہو گیا تو اس نے آدم اور اولاد آدم کے شدید حسد کے باعث قیامت تک کے لئے مہلت مانگی۔ چنانچہ اس کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت اور ڈھیل دے دی۔ جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی تو اسے مبتلائے عذاب کر دیا جائے گا۔

قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٣٩﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿٤١﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿٤٤﴾

''وہ بولا اے رب! اس وجہ سے کہ تو نے مجھے بھٹکا دیا۔ میں (برے کاموں کو) ضرور خوشنما بنا دوں گا ان کے لئے زمین میں اور میں ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو۔ سوائے تیرے ان بندوں کو جنہیں ان میں سے چن لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے جو میری طرف آتا ہے۔ بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلتا مگر وہ جو تیری پیروی کرتے ہیں گمراہوں میں سے۔ اور بے شک جہنم وعدہ کی جگہ ہے ان سب کے لئے۔ اس کے ساتھ دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لئے ان میں سے ایک حصہ مخصوص ہے''۔

ابلیس نے سرکشی اور نافرمانی اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کہا: بِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ بعض نے یہاں ''باء'' کو قسمیہ بنایا ہے یعنی مجھے گمراہی میں ڈالنے کی قسم۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ''باء'' سببیہ ہو یعنی اس سبب سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور زمین میں اولاد آدم کے لئے

1۔ تفسیر الطبری، جلد 14 صفحہ 31

گناہوں کو خوشنما بنا کر پیش کروں گا، گناہوں کو ان کے نزدیک محبوب بنا دوں گا، ان میں انہیں رغبت دلاؤں گا اور ان گناہوں پر ہی انہیں اکساؤں گا اور جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا اسی طرح میں بھی انہیں گمراہ کروں گا بجز تیرے برگزیدہ اور مخلص بندوں کے، ایک اور مقام پر اس کا قول یوں بیان کیا: اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل:62) ''مجھے بتا یہ (آدم) جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے (اس کی وجہ کیا ہے)؟ اگر تو مجھے مہلت دے روز قیامت تک تو جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گا اس کی اولاد کو سوائے چند افراد کے''۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ یعنی تم تمام کو میری طرف لوٹنا ہے اور میں تمہیں تمام نیک و بد اعمال کا بدلہ دوں گا جیسا کہ فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (الفجر:14) ''بے شک آپ کا رب (سرکشوں اور مفسدوں کی) تاک میں ہے''۔ بعض نے اس آیت هٰذَا صِرَاطٌ...... کا معنی بیان کیا ہے کہ حق کا رستہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹتا ہے اور اس تک ہی اس کی انتہاء ہوتی ہے۔ یہ مجاہد، حسن اور قتادہ کا قول ہے۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے: وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ (النحل:9) ''اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے راہ راست کو دلائل سے واضح کرنا''۔ قیس بن عبادہ، محمد بن سیرین اور قتادہ نے ''عَلَيَّ'' کی بجائے ''عَلِيٌّ'' (بلند) پڑھا ہے (1) جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَاِنَّهٗ فِيْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ (الزخرف:4) ''اور بے شک یہ قرآن ہمارے ہاں لوح محفوظ میں ثبت ہے اونچی شان والا حکمت سے لبریز''۔ لیکن پہلی قرأت زیادہ مشہور ہے۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ...... یعنی اپنے جن بندوں کے لئے میں نے ہدایت مقدر کر دی ہے، ان تک پہنچنا تیرے لئے ممکن نہیں۔ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ میں استثناء منقطع ہے۔ ابن جریر میں ایک حدیث ہے: ''انبیاء کرام کی بستیوں سے باہر مساجد ہوا کرتی تھیں۔ جب کسی نبی کو اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز دریافت کرنا مقصود ہوتی تو وہ اپنی مسجد میں آتا اور جس قدر مقدر ہوتا، نماز پڑھتا پھر اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا جو اس کے دل میں آتا۔ دریں اثناء ایک نبی اپنی مسجد میں تھا کہ دشمن خدا ابلیس اس کے اور قبلہ کے درمیان حائل ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نبی نے تین بار کہا: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ''۔ شیطان نے کہا: مجھے بتائیے کہ آپ کس چیز کے سبب میرے وار سے بچتے ہیں؟ نبی نے فرمایا: بلکہ پہلے تو مجھے بتا کہ کس چیز کے سبب تو ابن آدم پر غلبہ پاتا ہے؟ آخر یہ طے ہوا کہ ہر ایک دوسرے کو صحیح بات بتا دے۔ نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ...... ابلیس کہنے لگا کہ یہ بات تو میں نے آپ کی ولادت سے بھی پہلے کی سنی ہوئی ہے۔ نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (الاعراف:200) ''اور اگر پہنچے آپ کو شیطان کی طرف سے ذرا سا وسوسہ تو فوراً پناہ مانگئے اللہ سے بے شک وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے''۔ اللہ کی قسم! جب بھی تم کھٹکتے ہو تو میں ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' پڑھ لیتا ہوں۔ دشمن خدا (ابلیس) نے کہا کہ آپ نے سچ کہا، اسی وجہ سے آپ میرے داؤ سے بچ جاتے ہیں۔ اللہ کے نبی نے فرمایا کہ اب تم بتاؤ، کس طریقے سے ابن آدم پر غلبہ پاتے ہو؟ اس نے کہا کہ غصے اور خواہشات نفسانی کے وقت میں ابن آدم کو دبوچ لیتا ہوں (2)۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ یعنی ابلیس کے تمام پیروکاروں کے لئے وعدہ کی جگہ جہنم ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ (ہود:17) ''اور جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے''، پھر فرمایا کہ جہنم کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے سے متبعین ابلیس کی ایک مخصوص مقدار داخل ہوگی اور اس سے فرار ممکن نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ

1۔ روح المعانی، جلد 14 صفحہ 51

2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 34

ہمیں اس سے محفوظ رکھے! ہر ایک اپنے عمل کے مطابق کسی دروازے سے داخل ہوگا اور عمل کے مطابق ہی اس میں اس کا ٹھکانہ ہوگا۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: جہنم کے سات دروازے ہیں جو اوپر نیچے ہیں، پہلا دروازہ پر ہوگا، پھر دوسرا، پھر تیسرا حتیٰ کہ تمام دروازے بھر جائیں گے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ سات دروازوں سے سات طبقات مراد ہیں۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ جہنم کے سات دروازوں کے نام بالترتیب یہ ہیں: جہنم، لظی، حطمہ، سعیر، سقر، جحیم اور ھاویہ۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد باعتبار اعمال ان کی منزلیں ہیں(1)۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ایک دروازہ یہود کے لئے، ایک نصاریٰ کے لئے، ایک صابیوں کے لئے، ایک مجوسیوں کے لئے، ایک مشرکین کے لئے، ایک منافقین کے لئے اور ایک اہل توحید کے لئے۔ اہل توحید کو تو نجات کی امید ہے لیکن باقیوں کو بالکل نہیں(2)۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہنم کے سات دروازے ہیں، اس کا ایک دروازہ اس کے لئے مخصوص ہے جو میری امت پر تلوار اٹھائے''(3)۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کریمہ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ کے متعلق فرمایا: ''بعض جہنمیوں کے ٹخنوں تک آگ ہوگی، بعض کی کمر تک اور بعض کی گردنوں تک، اعمال کے مطابق ان کی منزلیں ہوں گی''(4)۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٥﴾ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ﴿٤٦﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٤٧﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُم مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾ نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿٥٠﴾

''یقیناً پرہیزگار اس دن باغوں اور چشموں میں (آباد) ہوں گے۔ (انہیں حکم ملے گا) داخل ہو جاؤ ان جنتوں میں خیر و عافیت کے ساتھ بے خوف ہو کر۔ اور ہم نکال دیں گے جو کچھ ان کے سینوں میں کینہ (وغیرہ) تھا وہ بھائی بھائی بن جائیں گے اور تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ نہیں پہنچے گی انہیں اس میں کوئی تکلیف اور نہ انہیں اس سے نکالا جائے گا۔ بتا دو میرے بندوں کو کہ میں بلاشبہ بہت بخشنے والا از حد رحم کرنے والا ہوں۔ اور (یہ بھی بتا دو کہ) میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے''۔

جہنمیوں کے ذکر کے بعد اب جنتیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ باغات اور چشموں میں لطف اٹھائیں گے۔ انہیں کہا جائے گا کہ بے خوف ہو کر سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ، تم آفات سے محفوظ ہو، ہر ڈر اور خوف سے اطمینان تمہیں حاصل ہو گیا۔ اب تمہیں ایسی جنت میں قیام کا مژدہ ہو جو دائمی ہے، اس میں تمہارا قیام بھی دائمی ہوگا، نہ اس سے تمہیں نکالے جانے کا اندیشہ ہے اور نہ اس کی نعمتوں کے انقطاع اور اختتام کا خطرہ۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم...... حضرت ابو امامہ کہتے ہیں کہ جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے دلوں میں دنیا میں رونما ہونے والی باہمی عداوت، بغض اور رنجش موجود ہوگی، لیکن جب ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے ہر قسم کا کینہ اور رنجش نکال دے گا(5)۔ پھر اسی آیت کی انہوں نے تلاوت کی۔ حضرت ابو امامہ کا ہی کہنا ہے کہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی ہر مومن

1۔ تفسیر طبری، جلد 14، صفحہ 35-36
2۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 82
3۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ حجر، جلد 11، صفحہ 287
4۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2185
5۔ تفسیر طبری، جلد 14، صفحہ 36

کے دل سے کینہ نکال دیا جائے گا۔ اس قول کی ہم معنی ایک حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''مومنین کو آگ سے نکال کر جنت اور دوزخ میں ایک پل پر روک لیا جائے گا، دنیا میں انہوں نے جو ایک دوسرے پر زیادتیاں کی تھیں، ان کا بدلہ لیا جائے یہاں تک کہ جب بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تو انہیں پھر جنت میں جانے کی اجازت ملے گی''(1)۔ اشتر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آنے کے لئے اجازت طلب کی۔ آپ کے پاس اس وقت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے اشتر کو روکے رکھا، پھر آنے کی اجازت دی۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو کہنے لگا کہ میرا خیال ہے آپ نے اس (ابن طلحہ) کی خاطر مجھے انتظار کروایا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اشتر کہنے لگا کہ میرا خیال ہے اگر آپ کے پاس عثمان رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہوتے تو بھی آپ مجھے روکے رکھتے۔ آپ نے فرمایا: ہاں، مجھے امید ہے کہ میں اور عثمان ان لوگوں میں ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ...... عمران بن طلحہ اصحاب جمل سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں خوش آمدید کہا اور فرمانے لگے کہ میں امید کرتا ہوں کہ میں اور تمہارا باپ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن کے بارے میں فرمان ہے: وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ...... وہاں چٹائی کے کنارے بیٹھے ہوئے دو آدمی کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر عادل ہے، کل تو آپ انہیں قتل کر رہے تھے اور پھر تم لوگ بھائی بھائی بن جاؤ گے (تعجب ہے)؟ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اٹھ جاؤ، اگر میں اور طلحہ اس آیت سے مراد نہیں تو پھر اور کون لوگ ہیں؟(2)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ قبیلہ ہمدان کے ایک شخص نے آپ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا تھا۔ آپ نے غضبناک ہو کر اس قدر بلند آواز میں اسے جواب دیا تھا کہ محل ہل گیا، آپ فرمانے لگے کہ اگر ہم نہیں تو اور کون لوگ اس آیت کا مصداق ہیں؟(2)۔ روایت میں ہے کہ اس شخص کا نام حارث اعور تھا۔ اس کی بات سن کر آپ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ چیز اسے دے ماری جو آپ کے ہاتھ میں تھی اور فرمایا: اے اعور! اگر ہم نہیں تو اور کون ہیں؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قاتل ابن جرموز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کافی دیر اسے باہر منتظر رکھا پھر اندر آنے کی اجازت دی۔ وہ کہنے لگا کہ آزمائش کے وقت کام آنے والوں کے ساتھ آپ بدسلوکی کرتے ہیں۔ مزید اس نے حضرت زبیر اور ان کے ساتھیوں کو برے لفظوں سے یاد کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے منہ میں خاک، مجھے امید ہے کہ میں، طلحہ اور زبیر ان لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا کر کہا کہ یہ آیت ہم خصوصاً اہل بدر کے متعلق نازل ہوئی۔ کثیر النواء کہتے ہیں کہ میں ابو جعفر محمد بن علی کے پاس آیا اور کہا کہ میرا دوست آپ کا دوست ہے، میرا دشمن آپ کا دشمن ہے، میری مصالحت آپ کی مصالحت ہے اور میری جنگ آپ کی جنگ ہے۔ میں اللہ کے نام پر آپ سے پوچھتا ہوں کہ میں ابو بکر اور عمر سے بری ہوں تو انہوں نے کہا کہ اگر ایسا ہو تو میں بھی گمراہ ہوا اور ہدایت یافتہ نہ رہا۔ اے کثیر! ان دونوں بزرگوں سے محبت کر۔ اگر اس میں تجھے گناہ ہو تو میری گردن پر۔ پھر اسی آیت کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا: ابو بکر، عمر، علی رضی اللہ عنہم(3)۔ حضرت ابو صالح اس فرمان اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ دس شخصیات ہیں: ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبد الرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم (4)۔ ''مُتَقٰبِلِيْنَ'' کے متعلق مجاہد کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کئے ہوئے نہیں ہوں گے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 138، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 13-57
2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 37
3۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 85 بحوالہ ابن عساکر وغیرہ
4۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 85 بحوالہ ابن مردویہ و ابن عساکر وغیرہ

حضرت زید بن ابی اوفی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور اس آیت کی تلاوت فرمائی: اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ اور فرمایا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے (1)۔ آیت کریمہ میں لفظ نصب کا معنی مشقت اور اذیت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے خدیجہ کو جنت میں ایک ایسے گھر کی بشارت دینے کا حکم دیا ہے جو زبرجد کا بنا ہوا ہے، اس میں نہ شور وغل ہے اور نہ مشقت و تکلیف'' (2)۔ فرمایا: وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''کہا جائے گا: اے اہل جنت! تم ہمیشہ صحت مند رہو گے اور کبھی بیمار نہیں ہو گے، تم یہاں ہمیشہ زندہ رہو گے اور کبھی تمہیں موت نہیں آئے گی، تم یہاں ہمیشہ جوان رہو گے اور کبھی تم پر بڑھاپا نہیں آئے گا، تم یہاں ہمیشہ مقیم رہو گے اور کبھی کوچ کرنے کی نوبت نہیں آئے گی'' (3)۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا (الکھف: 108) ''وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں (اور) نہیں چاہیں گے کہ وہ اس جگہ کو بدل لیں''۔

نَبِّئْ عِبَادِیْ...... یعنی اے میرے پیارے رسول! آپ میرے بندوں کو آگاہ کر دیں کہ میں رحم بھی کرتا ہوں اور عذاب بھی دیتا ہوں۔ اس آیت کریمہ جیسی متعدد آیات کا ذکر ہو چکا ہے جو خوف و رجاء پر دلالت کرتی ہیں۔ اس آیت کے شان نزول میں حضرت مصعب بن ثابت سے مروی ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کچھ صحابہ کے پاس سے گزرے جو ہنس رہے تھے، آپ نے فرمایا: ''جنت اور دوزخ کو یاد کرو'' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بنو شیبہ کے دروازے سے گزر کر ہمارے پاس آئے اور فرمایا: ''کیا میں تمہیں ہنستا ہوا نہیں دیکھ رہا؟'' پھر آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ جب آپ ﷺ حجر اسود کے پاس پہنچے تو پھر ہمارے پاس واپس لوٹ آئے اور فرمایا: ''میں یہاں سے نکلا ہی تھا کہ جبرئیل مجھے آکر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ میرے بندوں کو ناامید کیوں کر رہے ہیں، انہیں فرما دو: نَبِّئْ عِبَادِیْ...... (4)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر بندے کو اللہ تعالیٰ کے عفو کی مقدار معلوم ہو جائے تو وہ حرام سے احتراز کرنا چھوڑ دے اور اگر بندے کو عذاب الٰہی کی مقدار معلوم ہو جائے تو خود کو ہلاک کر ڈالے'' (5)۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰۤی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

''اور بتائیے انہیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ۔ جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا آپ پر سلام ہو۔ آپ نے کہا (اے اجنبیو!) ہم تو تم سے خائف ہیں۔ مہمانوں نے کہا مت ڈریئے ہم آپ کو مژدہ سنانے آئے ہیں ایک صاحب علم بچے کی پیدائش کا۔ آپ نے کہا کیا تم مجھے اس وقت خوشخبری دینے آئے ہو جب کہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے پس یہ کیسی خوشخبری ہے۔ وہ بولے ہم نے تو آپ کو سچی خوشخبری دی پس نہ ہو جائیے آپ مایوس ہونے والوں سے۔ آپ نے

1۔ معجم کبیر، جلد 5 صفحہ 220-221، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 86
2۔ صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار، جلد 7 صفحہ 133-134 وغیرہ
3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2182، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ زمر، جلد 12 صفحہ 124-125
4۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 86 بحوالہ ابن منذر
5۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 39، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 86

فرمایا کون ناامید ہوتا ہے اپنے رب کی رحمت سے بجز گمراہوں کے''۔

حضور ﷺ کو فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ سنائیں۔ لفظ ''ضَیف'' کا اطلاق واحد اور جمع پر یکساں ہوتا ہے جیسے ''زَوْد'' (ملاقاتی) اور ''سَفْر'' (مسافر)۔ فرشتوں کے بلا اجازت اندر آنے کے باعث حضرت ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ ہم تم سے خوفزدہ ہیں۔ آپ علیہ السلام کے خوفزدہ ہونے کا سبب ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی ضیافت کے لئے ایک بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا لیکن جب انہیں ہاتھ بڑھاتے ہوئے نہ دیکھا تو آپ کو خوف لاحق ہو گیا۔ فرشتوں نے کہا: ''لَا تَوْجَلْ'' آپ خوفزدہ نہ ہوں، اور انہوں نے آپ کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دی جیسا کہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔ آپ نے اپنے اور اپنی زوجہ محترمہ کے بڑھاپے اور پیرانہ سالی کے باعث تعجب کرتے ہوئے اور وعدے کے ثبوت کی خاطر کہا: اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ...... فرشتوں نے خوشخبری کو پختہ کرتے ہوئے تاکید کے ساتھ کہا:

بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ...... بعض نے ''قٰنِطِیْنَ'' کی بجائے ''قَنِطِیْنَ'' پڑھا ہے (1)۔ آپ علیہ السلام نے انہیں جواب دیا کہ میں ناامید نہیں ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کی نعمت ملنے کا یقین ہے اگرچہ میں اور میری بیوی بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اس سے بھی بڑی چیزوں پر قادر ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَاۤ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۶۰﴾

''آپ نے کہا اے فرستادو! کس اہم کام کے لئے تم آئے ہو۔ انہوں نے کہا ہم بھیجے گئے ہیں ایک مجرم قوم کی طرف۔ مگر لوط کے گھرانے والے، ہم ان سب کو بچالیں گے۔ بجز اس کی بیوی کے ہم نے (بامر الٰہی) یہ طے کیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی''۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف جاتا رہا اور آپ کو بیٹے کی خوشخبری مل گئی تو آپ فرشتوں سے ان کی آمد کا سبب پوچھنے لگے۔ فرشتوں نے کہا کہ ہمیں مجرم قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے اور مزید بتایا کہ ہم آل لوط کو بچالیں گے سوائے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے، وہ ہلاک ہونے والوں میں شامل ہوگی، اس لئے فرمایا: اِلَّا امْرَاَتَهٗ......

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَ اَتَیْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾

''پس جب آئے خاندان لوط کے پاس یہ فرستادے۔ آپ نے (انہیں دیکھ کر) کہا تم تو اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہو۔ فرشتوں نے کہا (ہم اجنبی نہیں) بلکہ ہم لے آئے ہیں تمہارے پاس وہ چیز جس میں وہ شک کیا کرتے تھے۔ اور ہم لے آئے ہیں آپ کے پاس حق (عذاب) اور ہم بلاشبہ سچ کہہ رہے ہیں''۔

جب فرشتے خوبصورت جوانوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ کے گھر میں داخل ہوئے تو آپ نے انہیں

1۔ روح المعانی، جلد 14 صفحہ 62 تفسیر طبری، جلد 4 صفحہ 40، البحر المحیط، جلد 5 صفحہ 459

فرمایا کہ تم اجنبی لوگ دکھائی دیتے ہو۔ فرشتے کہنے لگے کہ ہم آپ کے پاس وہ چیز (عذاب اور ہلاکت) لے کر آئے ہیں جس کے وقوع میں آپ کی قوم شک کیا کرتی تھی، اور ہم حق کے ساتھ آپ کے پاس آئے ہیں جیسا کہ ایک اور آیت میں ہے: مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ (الحجر:8) ''ہم نہیں اتارا کرتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ''، فرشتے مزید کہنے لگے: وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ اس میں آل لوط کی نجات اور قوم لوط کی بربادی کی خبر کے لئے تاکید ہے۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَ اتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّ امْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَ قَضَيْنَاۤ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰۤؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾

''تو چلے جائیے اپنے اہل خانہ کے ساتھ رات کے کسی حصہ میں اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلئے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھے تم میں سے کوئی، اور چلے جائیے جہاں (جانے کا) تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اور ہم نے (بذریعہ وحی) لوط کو آگاہ کر دیا اس حکم سے کہ یقیناً ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی جب وہ صبح کر رہے ہوں گے''۔

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ رات کا کچھ حصہ گزر جانے کے بعد اپنے اہل خانہ کو لے کر یہاں سے روانہ ہو جائیں اور ان کی حفاظت کی خاطر آپ ان کے پیچھے پیچھے رہیں۔ جب آپ لوگ قوم کی چیخ و پکار سنیں تو بالکل ان کی طرف متوجہ نہ ہونا بلکہ عبرتناک عذاب کا سامنا کرتے ہوئے انہیں اپنی حالت پر چھوڑ دینا اور جہاں آپ لوگوں کو حکم دیا گیا ہے وہاں چلتے رہنا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام اور آپ کے اہل خانہ کے ساتھ کوئی راستہ دکھانے والا موجود تھا۔ فرمایا: وَ قَضَيْنَاۤ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ...... جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ (ہود:81) ''ان پر عذاب آنے کا مقررہ وقت صبح کا وقت ہے۔ کیا نہیں ہے صبح (بالکل) قریب؟''۔

وَ جَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالَ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾ قَالُوْۤا اَوَ لَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِيْۤ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٧١﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٢﴾

''اور (اتنے میں) آ گئے شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے۔ آپ نے (انہیں) کہا (ظالمو!) یہ تو میرے مہمان ہیں ان کے بارے میں تو مجھے شرمسار نہ کرو۔ اور ڈرو اللہ (کے غضب) سے اور مجھے رسوا نہ کرو۔ وہ بولے کیا ہم نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ دوسروں کے معاملہ میں دخل نہ دیا کرو۔ آپ نے کہا یہ میری (قوم کی) بچیاں ہیں اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو (تو ان سے نکاح کر لو)۔ (اے محبوب!) آپ کی زندگی کی قسم یہ (اپنی طاقت کے نشہ میں) مست ہیں (اور) بہکے بہکے پھر رہے ہیں''۔

جب قوم لوط کو معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام کے ہاں بہت خوبصورت مہمان آئے ہیں تو وہ خوشیاں مناتے اور بغلیں بجاتے ہوئے چڑھ دوڑے۔ آپ نے فرمایا: اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ...... وَ لَا تُخْزُوْنِ یہ بات آپ نے اپنی قوم کو مہمانوں کی حقیقت (کہ وہ فرشتے ہیں) معلوم ہو جانے سے قبل کہی تھی جیسا کہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔ یہاں یہ بات پہلے مذکور ہے کہ مہمان دراصل فرشتے ہیں لیکن قوم کے آنے اور حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ ان کے مکالمہ کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ ''واؤ'' کے ذریعے دونوں چیزوں کا عطف کیا گیا ہے اور جیسا کہ

واضح ہے، ''واؤ'' ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی خصوصاً جب اس کے خلاف دلیل بھی پائی جائے۔ وہ بدبخت آپ علیہ السلام سے کہنے لگے: اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ یعنی کیا ہم نے تمہیں کسی کو اپنے ہاں بطور مہمان ٹھہرانے سے منع نہیں کر رکھا؟ آپ علیہ السلام نے ان کی توجہ قوم کی عورتوں کی طرف دلائی کہ ان کے ساتھ نکاح کر کے اپنی خواہشات پوری کرو۔ اس کا بیان گزر چکا ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں (1)۔ ان نانہجاروں کے متعلق جو فیصلہ ہو چکا تھا، جو آزمائش انہیں گھیرے ہوئے تھی اور جو عذاب صبح کے وقت نازل ہونے کا منتظر تھا، وہ اس سے بالکل غافل اور بے خبر تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ سے فرمایا: لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زندگی کی قسم اٹھائی، اس میں آپ کی انتہائی عزت و تکریم اور عظیم جاہ و مرتبہ مضمر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ سے زیادہ معزز کوئی نہیں پیدا کیا اور آپ ﷺ کے سوا کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی (2)۔ ''سَكْرَة'' کا معنی ہے گمراہی اور ''يَعْمَهُوْنَ'' کا معنی ہے: ''يَلْعَبُوْنَ'' (کھیل رہے ہیں) اور ''يَتَرَدَّدُوْنَ'' (متردد ہیں)۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

''پس آلیا ان کو ایک سخت کڑک نے جب سورج نکل رہا تھا۔ پس ہم نے ان کی بستی کو زیروزبر کر دیا اور ہم نے برسائے ان پر کنکر کے پتھر بے شک اس واقعہ میں (عبرت کی) نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کے لئے۔ اور بیشک یہ بستی ایک آباد راستہ پر واقع ہے۔ یقیناً اس میں نشانی ہے اہل ایمان کے لئے''۔

سورج طلوع ہوتے وقت ایک دلدوز اور جگر پاش کڑک نے انہیں آلیا۔ انہیں زمین سے اٹھا کر، آسمان کے قریب لانے کے بعد نیچے الٹ دیا۔ اس طرح انہیں زیروزبر کر دیا گیا اور سخت پتھروں کی ان پر بارش کر دی گئی۔ ''سِجِّيْلٍ'' کے متعلق کافی بحث گزر چکی ہے (3)۔ فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ یعنی ان کی بستیوں پر اترنے والے عذاب میں ایسے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں اور چشم بصیرت سے اسے دیکھتے ہیں۔ مجاہد نے ''مُتَوَسِّمِيْنَ'' کا معنی ''مُتَفَرِّسِيْنَ'' (فہم و فراست رکھنے والے) کیا ہے۔ حضرات ابن عباس اور ضحاک نے اس کا معنی دیکھنے والے بیان کیا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں: عبرت حاصل کرنے والے۔ کسی اہل مدینہ نے اس کا معنی بیان کیا ہے: غور و فکر کرنے والے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ کی تلاوت فرمائی (4)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث کچھ تبدیلی کے ساتھ یوں مروی ہے: ''مومن کی فراست سے محتاط رہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور اور توفیق سے دیکھتا ہے''۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہیں جو لوگوں کو فراست سے پہچان لیتے ہیں'' (5)۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف: 80 و مابعد، تفسیر سورۂ ہود: 77 و مابعد
2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 44، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 89
3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ہود: 82
4۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ حجر، جلد 11 صفحہ 289، تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 46
5۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 243

وَ اِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ یعنی سدوم کی بستی جسے ظاہری اور باطنی عذاب کے ذریعے الٹ دیا گیا اور پتھر برسائے گئے یہاں تک کہ اس نے بدبودار بحیرۂ مردار کی شکل اختیار کر لی، آج بھی آمد و رفت کے واضح راستے پر موجود ہے جیسا کہ فرمایا: وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ بِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَ اِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ (الصافات: 139-137) ''اور تم گزرتے رہتے ہو ان (کے اجڑے دیاروں) پر صبح کے وقت اور رات کے وقت۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔ اور بیشک یونس بھی (ہمارے) رسولوں میں سے ہیں''۔ مجاہد اور ضحاک ''سَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ'' کا معنی نشان زدہ رستہ بیان کرتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ واضح رستہ اور ان سے یہ معنی بھی مروی ہے کہ زمین کے ایک کنارے پر۔ سدی اس کا معنی کتاب مبین کرتے ہیں یعنی اس فرمان کی طرح وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (یٰسین: 12) ''اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے لوح محفوظ میں''۔ لیکن یہاں یہ معنی مراد نہیں لیا جا سکتا۔ آخر میں فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی اس قوم کو برباد کرنے اور لوط کو بچا لینے میں اہل ایمان کے لئے واضح دلیل ہے۔

وَ اِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾

''اور بے شک ایکہ کے باشندے بھی بڑے ظالم تھے۔ پس ہم نے ان سے بھی انتقام لیا اور یہ دونوں بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں''۔

اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ سے مراد قوم شعیب ہے۔ ایکہ درختوں کے جھنڈ کو کہا جاتا ہے۔ شرک، ڈاکہ زنی اور ناپ تول میں کمی کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سخت چنگھاڑ، زلزلہ اور چھتری والے دن کے عذاب میں مبتلا کر کے ان سے انتقام لیا۔ ان کی بستی قوم لوط کی بستی کے قریب ہی واقع تھی اور زمانہ بھی دونوں کا تقریباً ایک ہی تھا۔ اس لئے فرمایا: وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ''اِمَامٍ مُّبِيْنٍ'' کا معنی ہے واضح رستہ اور کھلی شاہراہ(1)۔ اسی لئے حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈراتے ہوئے فرمایا تھا: وَ مَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ (ہود: 89) ''اور قوم لوط علیہ السلام تو تم سے کچھ دور نہیں''۔

وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَ اٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ كَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

''اور بیشک جھٹلایا اہل حجر نے (اللہ تعالیٰ کے) رسولوں کو۔ اور ہم نے عطا کیں انہیں اپنی نشانیاں مگر وہ ان سے روگردانی ہی کرتے رہے۔ اور وہ کھود کر بنایا کرتے تھے پہاڑوں کو اپنے گھر (اور) وہ بے خوف و خطر رہا کرتے تھے۔ پس پکڑ لیا انہیں ایک خوفناک چنگھاڑ نے جب وہ صبح اٹھ رہے تھے۔ پس نہ فائدہ پہنچایا انہیں اس (مال) نے جو وہ کمایا کرتے تھے''۔

اَصْحٰبُ الْحِجْرِ سے مراد قوم ثمود ہے جنہوں نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ چونکہ ایک نبی کی تکذیب سب انبیاء کی تکذیب کے مترادف ہے اس لئے فرمایا کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی یعنی سب رسولوں کی تکذیب کا اطلاق ان پر کیا۔ آپ علیہ السلام نے اپنی نبوت کی صداقت ثابت کرنے کے لئے اونٹنی کا معجزہ پیش کیا۔ وہ آپ کی دعا سے سخت چٹان سے پیدا ہوئی، وہاں وہ چرتی

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 49

تھی اور ایک دن اس کے لئے پانی پینے کی باری مقرر تھی اور ایک دن باقی سب کے لئے۔ جب انہوں نے سرکشی کرتے ہوئے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو انہیں عذاب کا مژدہ یوں سنایا گیا: تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (ہود: 65) ''فرمایا لطف اٹھالو اپنے گھروں میں تین دن تک یہ (اللہ کا) وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا''۔ ثمود کے بارے میں ایک جگہ فرمایا: وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (حم السجدۃ: 17) ''باقی رہے ثمود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر''۔ یہ ایسے لوگ تھے جو بغیر کسی خوف اور احتیاج کے محض فخر و تکبر اور نمود و نمائش کے اظہار کے لئے پہاڑوں کو تراش کر گھر بنایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک کو جاتے ہوئے وادیٔ حجر کے پاس سے گزرے تو آپ نے اپنا سر ڈھانپ لیا، سواری کو تیز کر لیا اور صحابہ سے فرمایا: ''اس عذاب دی گئی قوم کے گھروں میں روتے ہوئے داخل ہو اور اگر رونا نہ آئے تو رونی صورت بنالو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی اس جیسے عذاب سے دوچار ہو جاؤ'' (1)۔ چوتھے دن کی صبح سخت چنگھاڑ کی شکل میں ان پر عذاب الٰہی آ پہنچا اور ان کی وہ کھیتیاں اور پھل ان کے کسی کام نہ آئے جن کو سیراب کرنے کی خاطر انہوں نے اونٹنی کو ہلاک کر دیا تھا تاکہ اس کی باری کے دن کا پانی بھی اپنے استعمال میں لائیں۔ جب امر الٰہی آ گیا تو ان کا مال و دولت انہیں کوئی فائدہ نہ دے سکا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾

''اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو نیز جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور بیشک قیامت آنے ہی والی ہے پس (اے حبیب!) آپ درگزر فرمایا کیجئے ان سے عمدگی کے ساتھ۔ یقیناً آپ کا رب ہی سب کا خالق (اور) سب کچھ جاننے والا ہے''۔

آیت کریمہ میں حق کا معنی عدل ہے۔ یعنی ہر چیز عدل کے ساتھ پیدا کی اور فرمایا کہ قیامت آنے والی ہے تاکہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ (ص: 27) ''اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ۔ یہ تو کفار کا گمان ہے۔ پس بربادی ہے کفار کے لئے آگ (کے عذاب) سے''، اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (المومنون: 116-115) ''کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔ پس بہت بلند ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے (بے مقصد تخلیق سے) نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ وہ مالک ہے عزت والے عرش کا''۔ روز قیامت کی حتمی آمد کے متعلق بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مشرکین کی اذیت رسانیوں اور تکذیب پر درگزر کا حکم دیا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (الزخرف: 89) ''پس (اے حبیب!) رخ انور پھیر لیجئے ان سے اور فرمائیے تم سلامت رہو۔ وہ (اس کا انجام) ضرور جان لیں گے''۔ بقول مجاہد اور قتادہ یہ حکم فرضیت جہاد سے پہلے کا ہے، کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور جہاد کا حکم ہجرت کے بعد ہوا۔ دوبارہ زندہ کئے جانے اور قیامت قائم ہونے کی حقیقت کو پختہ کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ یعنی اللہ تعالیٰ خلاق ہے، کسی بھی چیز کو پیدا کرنے سے وہ عاجز نہیں اور روئے زمین پر بکھرے ہوئے

1۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، جلد 8 صفحہ 28، سنن کبریٰ للبیہقی، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 451

اجسام کا اسے بخوبی علم ہے جیسا کہ فرمایا: اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ فَسُبْحٰنَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَىْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (یٰسین: 83-81) '' کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی (چھوٹی سی) مخلوق۔ بیشک (وہ ایسا کر سکتا ہے) اور وہی پیدا فرمانے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کا حکم، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔ پس وہ (ہر عیب سے) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا''۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِىْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

''اور بے شک ہم نے عطا فرمائی ہیں آپ کو سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم بھی۔ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے ان (اموال) کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے ان کے مختلف طبقوں کو اور رنجیدہ خاطر بھی نہ ہوں ان (کی گمراہی) پر اور نیچے کیجئے اپنے پروں کو مومنوں کے لئے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ چونکہ ہم نے آپ کو قرآن عظیم جیسی لافانی نعمت سے سرفراز کیا ہے، اس لئے آپ فانی دنیا، اس کی چمک دمک اور زیب و زینت پر نظر بھی نہ ڈالیں۔ ہم لوگوں کو آزمانے کے لئے انہیں دنیا، مال و دولت اور عیش و آرام سے نوازتے ہیں، اس لئے دنیا دار لوگوں پر رشک کرنے کی ضرورت نہیں، اور آپ قوم کی تکذیب اور مخالفت پر غمزدہ نہ ہوں اور نہ دل گرفتہ۔ بس یہ کیجئے کہ اپنے پیروکار اہل ایمان کے لئے اپنے پروں کو نیچا کر لیں یعنی ان کے ساتھ نرمی، تواضع اور خوش خلقی سے پیش آئیں جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ: 128) ''بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا، بہت ہی خواہش مند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے''۔

اَلسَّبْعُ الْمَثَانِىْ کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ حضرات ابن عمر، ابن مسعود، ابن عباس، سعید بن جبیر، مجاہد اور ضحاک وغیرہ اس سے مراد ''اَلسَّبْعُ الطُّوَلُ'' (سات لمبی سورتیں) لیتے ہیں، یعنی بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف اور یونس، کیونکہ بقول شعبہ ان سورتوں میں خصوصاً فرائض، حدود، قصص اور احکام کا بیان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان میں خصوصاً امثال، اخبار اور عبرتوں کا بیان ہے۔ ابن ابی عمر کہتے ہیں کہ سفیان کا کہنا ہے: المثانی سے مراد یہ چھ سورتیں ہیں: بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف۔ ان کے نزدیک انفال اور برأت ایک ہی سورت ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ سورتیں نبی کریم ﷺ کے سوا کسی کو عطا نہیں ہوئیں۔ ان میں سے صرف دو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھیں جبکہ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی یہ منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھ سورتیں عطا ہوئی تھیں، جب انہوں نے تختیاں گرا دیں تو دو اٹھ گئیں اور چار باقی رہ گئیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ انہی سات لمبی سورتوں کو قرآن عظیم کہا جاتا ہے۔ زیاد بن ابی مریم اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے آپ کو سات اجزاء عطا فرمائے ہیں۔ ان میں امر، نہی، بشارت، انذار، ضرب الامثال، نعمتیں اور خبریں موجود ہیں (1)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ''اَلسَّبْعُ الْمَثَانِىْ'' سے مراد سورۂ فاتحہ ہے جو

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 52، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 96

سات آیات پر مشتمل ہے۔ حضرات علی، عمر، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہ مروی ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سورۂ فاتحہ میں شامل ہے اور یہ ساتویں آیت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مخصوص کیا ہے۔ ابراہیم نخعی، عبداللہ بن عبید بن عمیر، ابن ابی ملیکہ، شہر بن حوشب، حسن بصری اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔ چونکہ ہر فرض اور نفلی نماز میں ان سات آیات کو بار بار دہرایا جاتا ہے اس لئے انہیں ''مَثَانِیۡ'' کہتے ہیں (1)۔ ابن جریر نے اس قول کو پسند کیا ہے اور متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے جنہیں ہم سورۂ فاتحہ کے فضائل میں بیان کر چکے ہیں۔ امام بخاری نے یہاں دو حدیثیں وارد کی ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت ابو سعید بن معلیٰ رضی اللہ علیہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی کریم ﷺ میرے پاس سے گزرے اور آپ ﷺ نے مجھے بلایا، میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی وقت آنے سے تمہیں کونسی چیز روکے ہوئے تھی؟'' میں نے عرض کی کہ میں نماز میں مشغول تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ (الانفال: 24) ''اے ایمان والو! لبیک کہو اللہ اور (اس کے) رسول کی پکار پر جب وہ رسول بلائے تمہیں''، کیا میں مسجد سے نکلنے سے پہلے تمہیں قرآن کریم کی سب سے عظیم سورت نہ سکھاؤں؟ جب آپ ﷺ تشریف لے جانے لگے تو میں نے وعدہ یاد دلایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے'' (2)۔ دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ام القرآن (سورۂ فاتحہ) ہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے'' (2)۔ لیکن سورۂ فاتحہ کے علاوہ باقی لمبی سورتوں کا یہ وصف بیان کرنا اس کے منافی نہیں بلکہ سارے قرآن کریم کا بھی یہ وصف بیان کرنا اس کے منافی نہیں کیونکہ یہ صفت تو پورے قرآن میں موجود ہے۔ جیسا کہ فرمایا: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ (الزمر: 23) ''اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں''، یعنی قرآن کریم ایک طرح سے مثانی ہے اور دوسری وجہ سے متشابہ اور قرآن عظیم بھی ہے جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس مسجد کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے تو آپ ﷺ نے اپنی مسجد کی طرف اشارہ فرمایا حالانکہ آیت مسجد قباء کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس میں منافات اور تضاد کی کوئی بات نہیں کیونکہ ایک چیز کا ذکر دوسری چیز کے ذکر کی نفی نہیں کرتا جب کہ وہ دونوں اس صفت میں مشترک ہوں۔

لَا تَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡكَ...... یعنی آپ قرآن عظیم کی لازوال نعمت کے سبب فانی دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہو جائیں۔ اسی فرمان کی بناء پر ابن عیینہ نے اس حدیث شریف ''لَیۡسَ مِنَّا مَنۡ لَّمۡ یَتَغَنَّ بِالۡقُرۡاٰنِ'' (3)۔ (وہ ہم میں سے نہیں جو قرآن کے سبب بے نیاز نہ ہوا) کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ جو شخص قرآن کی دولت کو پالینے کے بعد غیر قرآن سے بے نیاز نہ ہوا۔ یہ تفسیر صحیح ہے لیکن حدیث سے یہ مقصود نہیں جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ مہمان آ گئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آپ نے ایک یہودی کو پیغام بھیجا: ''اللہ کے رسول محمد کہہ رہے ہیں کہ مجھے ہلال رجب تک آٹا ادھار دے دو۔'' اس نے کہا کہ کوئی چیز رہن رکھے بغیر ممکن نہیں۔ حضرت ابو رافع کہتے ہیں کہ میں نے اس کی اطلاع آپ ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں آسمان والوں کے ہاں بھی امین ہوں اور زمین والوں کے ہاں بھی امین۔ اگر وہ مجھے ادھار دے دیتا یا بیچ دیتا تو میں ضرور ادائیگی کرتا''۔ اس وقت آپ ﷺ

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 56 2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ حجر، جلد 6 صفحہ 101 3۔ تخریج کیلئے دیکھئے کتاب فضائل القرآن باب من لم یتغن بالقرآن

کی دلجوئی کے لئے یہ آیت لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ...... اتری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کسی کے مال و دولت کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے کی ممانعت ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ سے مراد مالدار لوگ ہیں۔

وَقُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

"اور فرمائیے کہ میں تو بلاشبہ (ایسے عذاب سے) کھلا ڈرانے والا ہوں۔ جیسے اتارا ہم نے ان بانٹنے والوں پر جنہوں نے کر دیا تھا قرآن کو پارہ پارہ۔ پس آپ کے رب کی قسم! ہم پوچھیں گے ان سب سے ان اعمال کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے۔"

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دے رہا ہے کہ آپ لوگوں پر واضح کر دیں کہ میں دردناک عذاب سے واضح ڈرانے والا ہوں۔ اگر یہ لوگ تکذیب سے باز نہ آئے تو ان کا حشر بھی سابقہ قوموں جیسا ہوگا جنہوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلانے کی روش اختیار کر رکھی تھی اور ان جیسے عذاب سے یہ بھی دوچار ہوں گے۔ "مُقْتَسِمِیْنَ" کا معنی ہے حلف اٹھانے والے یعنی وہ لوگ جنہوں نے انبیاء کی مخالفت، تکذیب اور اذیت رسانی پر حلف اٹھا رکھا تھا جیسا کہ قوم صالح علیہ السلام کے متعلق فرمایا: قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ (النمل: 49) "انہوں نے کہا آؤ اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کر لیں کہ شب خون مار کر صالح اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے"۔ اسی طرح اور آیات میں ہے: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ (النحل: 38) "اور بڑی شدومد سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (دوبارہ) زندہ نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ جو (ایک بار) مرجاتا ہے"، اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ...... (ابراہیم: 44) "(اے کافرو!) کیا تم قسمیں نہیں اٹھایا کرتے تھے اس سے پہلے......"، اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ (الاعراف: 49) "(اے سرکشو!) کیا یہ (جنتی) وہی (نہیں) ہیں جن کے متعلق تم قسمیں اٹھایا کرتے تھے کہ نہیں عطا کرے گا انہیں اللہ اپنی رحمت سے"۔ گویا کہ وہ دنیا کی جس چیز کو جھٹلاتے اس پر قسم کھاتے اس لئے انہیں "مُقْتَسِمِیْنَ" کہا گیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ "مقتسمون" سے مراد قوم صالح کے لوگ ہیں جنہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میری اور وہ پیغام ہدایت جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے اس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو اپنی قوم کے پاس آ کر کہتا ہے کہ اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں تمہیں واضح طور پر ڈراتا ہوں، اپنی نجات کا سامان کرلو۔ قوم کے کچھ لوگ اس کی بات کو مان لیتے ہیں اور مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے راتوں رات کوچ کر جاتے ہیں اور نجات پا لیتے ہیں لیکن کچھ لوگ اس کی بات نہیں مانتے بلکہ اپنی جگہ موجود رہتے ہیں۔ صبح صبح لشکر حملہ آور ہو کر انہیں نیست و نابود کر دیتا ہے۔ یہ مثال ہے اس شخص کی جو میری اطاعت کرتا ہے اور میرے لائے ہوئے پیغام کی اتباع کرتا ہے اور اس شخص کی مثال ہے جو میری نافرمانی کرتا ہے اور میرے لائے ہوئے حق کی تکذیب کرتا ہے" (1)۔

الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ یعنی جنہوں نے آسمانی کتابوں کو پارہ پارہ کر دیا، بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں جنہوں نے قرآن کو پارہ پارہ کر دیا۔ بعض پر ایمان لے آئے اور بعض کے ساتھ کفر کیا (2)۔ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ "عِضِیْنَ" سے مراد جادو ہے یعنی جنہوں نے قرآن کو جادو

1۔ فتح الباری، کتاب الاعتصام، جلد 13 صفحہ 250، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1788-1789

2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 102

کہا۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ قریش کی زبان میں '' عضۃ '' (عضین کا مفرد) کا معنی جادو ہے(1)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ قرآن کو پارہ پارہ کرنے کا مطلب اس کی نسبت کفار کا یہ کہنا ہے کہ قرآن جادو، کہانت اور پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ عطاء کہتے ہیں کہ بعض کفار نے صاحب قرآن کو جادوگر کہا، بعض نے مجنون اور بعض نے کاہن۔ یہی '' عِضِيْنَ '' (ٹکڑے ٹکڑے) کا مطلب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قریش کے کچھ سردار ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے، حج کا موسم قریب تھا۔ ولید انہیں کہنے لگا کہ حج کا موسم قریب ہے اور وفود عرب آنے والے ہیں۔ انہوں نے تمہارے اس صاحب (محمد ﷺ) کے اعلان نبوت کے متعلق سن رکھا ہے، اس لئے اس کے متعلق کوئی متفقہ رائے قائم کرلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہر کوئی اپنی بات کہتا رہے، اس طرح باہر سے آنے والے تمہیں جھوٹا خیال کریں گے۔ انہوں نے کہا: اے ابوعبد شمس! تم ہی کوئی بات کرو اور ایسی رائے تجویز کرو جس پر ہم سب متفق ہو جائیں۔ اس نے کہا: نہیں، بلکہ پہلے تم اپنی اپنی رائے دو، میں سنتا ہوں، کہنے لگے کہ ہم کاہن کہیں گے۔ اس نے کہا: وہ کاہن تو نہیں ہے۔ کہنے لگے کہ ہم مجنون کہیں گے۔ اس نے کہا کہ وہ مجنون بھی نہیں ہے۔ کہنے لگے کہ ہم شاعر کا نام دیں گے۔ ولید نے کہا: وہ شاعر بھی نہیں ہے۔ کہنے لگے: پھر ہم جادوگر کہیں گے۔ وہ کہنے لگا کہ وہ جادوگر بھی تو نہیں ہے۔ تنگ آ کر کہنے لگے کہ آخر ہم اسے کیا کہہ سکتے ہیں؟ ولید نے کہا: اللہ کی قسم! اس کی گفتگو میں بڑی شیرینی ہے۔ تم جو بھی اسے نام دو گے، لوگ تمہیں جھوٹا کہیں گے۔ بس زیادہ سے زیادہ تم اسے جادوگر کہہ سکتے ہو۔ اس اتفاق پر ان کی مجلس برخاست ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ...... (2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس آیت لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ...... کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہم ان تمام سے ضرور '' لا الہ الا اللہ '' کے متعلق سوال کریں گے۔ ترمذی کی ایک حدیث میں بھی یہی وارد ہوا ہے(3)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! تم میں سے ہر شخص تنہا اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا جیسے چودھویں کی رات کوئی شخص تنہا چاند کو دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! کس چیز نے میرے بارے میں تجھے دھوکے میں ڈال دیا؟ اے ابن آدم! تو نے اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا؟ اے ابن آدم! تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن تمام بندوں سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس کی عبادت کرتے رہے اور رسولوں کو کیا جواب دیا۔ ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ عمل اور مال کے متعلق سوال ہوگا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' اے معاذ! قیامت کے دن آدمی سے اس کے ہر ہر عمل کے متعلق سوال ہوگا حتیٰ کہ آنکھ کے سرمے اور انگلی کے ساتھ مٹی کو توڑنے کے متعلق بھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسرا خداداد نعمتوں میں تجھ سے بڑھ جائے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پہلے اس آیت فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ کی تلاوت کی اور پھر اس آیت کی: فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّ لَا جَآنٌّ ۟ (الرحمٰن: 39) '' تو اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا ''، ان دونوں آیات میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ سوال نہیں ہوگا کہ کیا تم نے یہ عمل کیا کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ بذات خود ان سے زیادہ جانتا ہے بلکہ سوال یہ ہوگا کہ تم نے یہ یہ عمل کیوں کیا؟۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 270-272 دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2، صفحہ 198-199 2۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ حجر، جلد 11، صفحہ 288
3۔ تفسیر طبری، جلد 14، صفحہ 68

يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾

"سو آپ اعلان کر دیجئے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا اور منہ پھیر لیجئے مشرکوں سے۔ ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لئے۔ جو بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا۔ سو یہ (حقیقت حال کو) ابھی جان لیں گے۔ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔ سو آپ پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ہو جایئے سجدہ کرنے والوں سے۔ اور عبادت کیجئے اپنے رب کی یہاں تک کہ آجائے آپ کے پاس الیقین"۔

حضور نبی کریم ﷺ کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ برملا اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں اور کسی کی مخالفت کو خاطر میں نہ لائیں بلکہ بلا خوف وخطر فریضہ دعوت وتبلیغ کی ادائیگی میں مصروف رہیں۔ ایک روایت میں "اصدع" کی بجائے "اِفْعَلْ" کا لفظ آیا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس میں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ نماز میں باآواز بلند قرآن پڑھیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے قبل نبی کریم ﷺ پوشیدہ دعوت دیا کرتے تھے لیکن اس آیت کے بعد علی الاعلان تبلیغ کا کام شروع کر دیا(1)۔

وَاَعْرِضْ ...... الْمُسْتَهْزِءِيْنَ یعنی آپ اپنے رب کا پیغام پہنچاتے رہیں اور ان مشرکین کی طرف توجہ ہی نہ دیں جو آپ کو آیات الٰہی کے بیان کرنے سے روکنا چاہتے ہیں، وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ (القلم: 9) "وہ تو تمنا کرتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں"، آپ ان سے خوفزدہ نہ ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہے جیسا کہ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدة: 67) "اے رسول ﷺ! پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے"، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گزر رہے تھے کہ کفار میں کسی نے آپ کے ساتھ چھیڑ خانی کی۔ اسی وقت حضرت جبریئل آئے اور وہاں موجود کافروں کو ایسا کچوکہ لگایا جو ان کے جسموں پر نیزے کی طرح لگا اور وہ تمام ہلاک ہو گئے(2)۔ یہ کفار کے رؤساء اور اشراف تھے جو آپ ﷺ کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ یہ پانچ بدبخت تھے جو سب عمر رسیدہ اور اپنی قوم کے معزز افراد تھے۔ بنو اسد میں سے اسود بن ابی زمعہ تھا، جب اس کی ایذا رسانی اور استہزاء انتہاء کو پہنچ گیا تو آپ ﷺ نے اسے بددعا دیتے ہوئے فرمایا: "اے اللہ! اسے اندھا اور بے اولاد کر دے، بنو زہرہ میں سے اسود بن عبد یغوث تھا، بنو مخزوم سے ولید بن مغیرہ، بنو سہم سے عاص بن وائل اور بنو خزاعہ سے حارث بن طلاطلہ۔ جب یہ شرارت اور استہزاء میں حد سے تجاوز کر گئے تو یہ آیات فَاصْدَعْ ...... يَعْلَمُوْنَ نازل ہوئیں۔ حضرت عروہ بن زبیر اور دیگر علماء سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ جبریئل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ بھی جبریئل کے پہلو میں کھڑے ہو گئے۔ اسی اثناء میں اسود بن عبد یغوث آپ ﷺ کے پاس سے گزرا۔ حضرت جبریئل علیہ السلام نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ فوراً استسقاء کی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ پھر ولید بن مغیرہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے گزرا تو جبریئل نے اس کے ٹخنے کے نیچے موجود زخم کے نشان کی طرف اشارہ کیا، یہ زخم اسے دو سال قبل اس

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 99 2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار تفسیر سورۂ حجر، جلد 3 صفحہ 54-55

وقت لگا تھا جب اس کا گزر بنوخزاعہ کے ایک آدمی کے پاس سے ہوا تھا جو اپنے تیروں کو پر لگا رہا تھا۔ اس کا ایک تیر ولید کی چادر میں پھنس گیا جس کے باعث اسے ٹانگ پر خراش آ گئی۔ اسی زخم کے دوبارہ خراب ہونے کے باعث اس کی موت آ گئی۔ پھر عاص بن وائل گزرا، جبرئیل علیہ السلام نے اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر عازم طائف ہوا۔ رستے میں گر پڑا اور تلوے میں ایک کیل کے گھس جانے کے باعث ہلاک ہو گیا۔ پھر حارث بن طلاطلہ گزرا تو جبرئیل علیہ السلام نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا، اسے خون اور پیپ آنے لگی جس کی وجہ سے وہ مر گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کا سرغنہ ولید بن مغیرہ تھا جس نے ان سب کو اکٹھا کیا تھا (1)۔ بقول مجاہد اور قتادہ یہ پانچ آدمی تھے۔ شعبی کہتے ہیں کہ یہ سات تھے، مشہور پہلا قول ہے۔

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ...... اس میں غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لئے شدید وعید اور دھمکی ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ...... السّٰجِدِيْنَ یعنی اے میرے رسول! ہمیں معلوم ہے کہ آپ ﷺ ان کی ایذاء رسانی پر دل گرفتہ اور تنگدل ہوتے ہیں لیکن یہ چیز آپ ﷺ کو دعوت و تبلیغ سے روک نہ دے۔ آپ ﷺ بےفکر رہیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں وہی آپ ﷺ کے لئے کافی اور حامی و ناصر ہے۔ آپ ﷺ ذکر، تحمید، تسبیح اور عبادت میں مصروف رہیں، اس لئے فرمایا: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ اور جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! دن کے آغاز میں چار رکعتوں سے عاجز نہ ہو، میں آخر دن تک تجھے کافی ہوں گا'' (2)۔ جب کوئی مشکل معاملہ درپیش ہوتا تو رسول اللہ ﷺ نماز میں مشغول ہو جاتے (3)۔ آیت کریمہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ...... میں بقول سالم بن عبداللہ بن عمر، یقین سے مراد موت ہے (4)۔ مجاہد، حسن، قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید وغیرہ کا بھی یہی قول ہے، اس کی دلیل یہ فرمان ہے: لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤٦﴾ حَتّٰى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ (المدثر: 47-43) ''ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور مسکین کو کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے۔ اور ہم ہرزہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ ہرزہ سرائی میں لگے رہتے اور ہم جھٹلایا کرتے تھے روز جزاء کو۔ یہاں تک کہ ہمیں موت نے آلیا''۔ ایک انصاریہ ام العلاء بیان کرتی ہیں کہ حضرت عثمان بن مظعون کے انتقال کے بعد جب رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے گئے تو میں نے کہا: اے ابو السائب! تجھ پر اللہ کی رحمتیں ہوں، تمہیں اللہ تعالیٰ نے عزت و تکریم سے نواز رکھا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت سے نوازا تھا؟'' میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! پھر اور کون ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے پاس تو یقین (موت) آ گیا، میں اس کے لئے خیر کی امید کرتا ہوں'' (5)۔ اس آیت کریمہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ...... سے استدلال کیا جاتا ہے کہ نماز یا کوئی اور اس جیسی عبادت انسان پر فرض ہے جب تک اس کی عقل باقی رہے۔ اپنی حالت کے مطابق نماز ادا کرے جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے: ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر'' (6)۔ بعض ملحد ''اَلْيَقِيْنُ'' سے مراد

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 408-410، تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 69-70
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 27-28، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 286
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 35، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 388
4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ حجر، جلد 6 صفحہ 102، تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 74
5۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 91، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 436
6۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 60

معرفت لیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جب انسان کو معرفت حاصل ہو جائے تو وہ مکلّف نہیں رہتا اور ہر قسم کی عبادت کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کا یہ کہنا سراسر کفر، جہالت اور گمراہی پر مبنی ہے کیونکہ انبیاء کرام اور ان کے صحابہ کو سب سے زیادہ معرفت حاصل تھی، اس کے باوجود وہ سب سے زیادہ عبادت اور احکام الٰہی کی پابندی کیا کرتے تھے۔ بہرصورت یہاں یقین سے مراد موت ہی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ہدایت سے نوازا۔ ہم اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں کامل اور بہترین حالت پر موت دے۔ وہ بہت سخی اور کریم ہے۔

سورۂ نحل (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ①

''قریب آ گیا ہے حکم الٰہی پس اس کے لئے عجلت نہ کرو۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ اور برتر ہے اس شرک سے جو وہ کر رہے ہیں''۔

یہاں قرب قیامت کی خبر دی جا رہی ہے۔ تحقق اور یقینی وقوع پر دلالت کرنے کے لئے ماضی کا صیغہ ''اَتٰی'' استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ اور آیات میں ہے: اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُہُمۡ وَ ہُمۡ فِیۡ غَفۡلَۃٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ① (الانبیاء:1) ''قریب آ گیا ہے لوگوں کے لئے ان کے (اعمال کے) حساب کا وقت اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں''، اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَ انۡشَقَّ الۡقَمَرُ (القمر:1) ''قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا''، فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ میں ضمیر مفعول کا مرجع اللہ تعالیٰ بھی ہو سکتا ہے اور عذاب بھی۔ اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَ لَوۡ لَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَہُمُ الۡعَذَابُ ؕ وَ لَیَاۡتِیَنَّہُمۡ بَغۡتَۃً وَّ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۳﴾ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَ اِنَّ جَہَنَّمَ لَمُحِیۡطَۃٌۢ بِالۡکٰفِرِیۡنَ (العنکبوت:54-53) ''وہ آپ سے جلدی عذاب نازل ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو آ جاتا ان پر عذاب۔ اور (اپنے وقت پر) وہ ان پر اچانک آئے گا اور انہیں ہوش تک نہ ہو گا۔ وہ آپ سے جلدی عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ (ذرا سی دیر ہے) جہنم یقیناً گھیر لے گا ان کافروں کو''۔ ضحاک نے اس آیت کی عجیب و غریب تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ امر اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے فرائض اور حدود ہیں (1)۔ ابن جریر اس کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں نہیں معلوم کہ فرائض اور شرائع کے وجود سے پہلے کسی نے ان کے لئے جلد بازی کی ہو، البتہ یہ ثابت ہے کہ کفار نے عذاب کے لئے جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔ یہ ان کا مطالبہ قبل از وقت تھا، ان کا مقصد جھٹلانا اور اسے محال سمجھنا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: یَسۡتَعۡجِلُ بِہَا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِہَا ۚ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡہَا ۙ وَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہَا الۡحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُمَارُوۡنَ فِی السَّاعَۃِ لَفِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ (الشوریٰ:18) ''جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے۔ خبردار! جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے متعلق، وہ بڑی گمراہی میں (مبتلا) ہیں''۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے قریب مغرب کی جانب سے ڈھال جیسا ایک سیاہ بادل نمودار ہو گا۔ وہ آسمان کی طرف بلند ہوتا رہے گا، پھر اس میں سے ایک منادی ندا دے گا: اے لوگو! لوگ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے: کیا تم نے سنا؟ بعض ہاں میں جواب دیں گے اور بعض شک کا اظہار کریں گے۔ پھر دوبارہ آواز آئے گی: اے لوگو! لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے: کیا تم نے سنا؟ کہیں گے: ہاں۔ پھر تیسری بار ندا آئے گی: اے لوگو! اللہ کا حکم آ پہنچا، اب اس کی جلدی نہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 75

مچاؤ''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! دو آدمی (وقوع قیامت) کے وقت کپڑا پھیلائے ہوں گے لیکن لپیٹ نہ پائیں گے، ایک آدمی اپنے حوض کو درست کر رہا ہو گا لیکن پانی نہیں پلا سکے گا اور ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ دوہنے میں مصروف ہو گا لیکن اسے پینا نصیب نہ ہو گا۔ تمام لوگ مشغول ہو جائیں گے۔'' آخر میں اللہ تعالیٰ نے شرک اور غیر اللہ کی عبادت سے اپنی تنزیہہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝

''اتارتا ہے فرشتوں کو روح (یعنی وحی) کے ساتھ اپنے حکم سے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے کہ خبردار کرو (لوگوں کو) کہ نہیں کوئی معبود سوائے میرے، پس مجھ سے ہی ڈرا کرو''۔

آیت کریمہ میں لفظ ''رُوْحِ'' سے مراد وحی ہے جیسا کہ اس آیت میں بھی ہے: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (الشوریٰ:52) ''اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے۔ نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ لیکن (اے حبیب!) ہم نے بنا دیا اس کتاب کو (سراپا) نور، ہم ہدایت دیتے ہیں اس کے ذریعے جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں سے''، اور اس آیت میں ''عِبَادِهٖ'' سے مراد انبیاء ہیں جیسا کہ فرمایا: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام:124) ''اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دل کو) جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت کو''، اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (الحج:75) ''اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بھی بعض کو رسول''، يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ڬ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن:16-15) ''نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے۔ وہ دن جب وہ ظاہر ہوں گے۔ پوشیدہ نہ ہو گی اللہ تعالیٰ پر ان کے حالات سے کوئی شے۔ کس کی بادشاہی ہے آج؟ (کسی کی نہیں) صرف اللہ کی جو واحد (اور) قہار ہے''۔

بعثت انبیاء کا مقصد لوگوں کو بروقت خبردار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مخالفت کرنے والے اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والے کو عذاب الٰہی سے ڈرنا چاہیے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝

''اس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ۔ وہ برتر ہے اس شرک سے جو وہ کر رہے ہیں۔ اس نے پیدا فرمایا انسان کو نطفہ سے پس اب وہ برملا جھگڑالو بن گیا ہے''۔

عالم علوی (آسمان) اور عالم سفلی (زمین) کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، فضول نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے: لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝ (النجم:31) ''تاکہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان

کے اعمال کا اور بدلہ دے نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا''۔ پھر اللہ تعالیٰ نے غیروں کی عبادت کرنے والوں کے شرک سے اپنی پاک بیان فرمائی۔ ہر چیز کو اللہ وحدہ لاشریک نے پیدا کیا، اس لئے صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔ انسان کی حقیقت کے متعلق بتایا کہ اس کی تخلیق ایک حقیر سے قطرۂ آب (نطفہ) سے ہوئی لیکن جب ذرا پروان چڑھا تو اپنے رب کے ساتھ ہی جھگڑنے لگا، اس کی تکذیب اور اس کے رسولوں کے ساتھ جنگ شروع کر دی حالانکہ اسے بندگی کے لئے پیدا کیا گیا نہ کہ مقابلہ کرنے کے لئے جیسا کہ فرمان ہے: وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿٥٤﴾ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا (الفرقان: 55-54) ''اور وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا انسان کو پانی (کی بوند) سے اور بنا دیا اسے خاندان والا اور سسرال والا۔ اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے۔ اور وہ پوجتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان بتوں کو جو نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں انہیں اور نہ نقصان۔ اور کافر اپنے رب کے مقابلے میں (ہمیشہ شیطان کا) مددگار رہتا ہے''، اَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (یٰسین: 79-77) ''کیا انسان (اس حقیقت کو) نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے پس اب وہ (ہمارا) کھلا دشمن بن بیٹھا ہے۔ اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لئے (عجیب وغریب) مثالیں اور اس نے فراموش کر دیا اپنی پیدائش کو۔ (گستاخ) کہتا ہے اجی! کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ آپ فرمائیے (اے گستاخ سن!) زندہ فرمائے گا انہیں وہی جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے''۔ حضرت بشر بن حجاش سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہتھیلی پر تھوک کر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو مجھے کیسے عاجز کر سکتا ہے حالانکہ میں نے تمہیں اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے، یہاں تک کہ جب میں نے تمہیں درست کر دیا اور معتدل بنا دیا تو تو اپنی چادروں کے درمیان (تکبر سے) چلنے لگا اور پاؤں زور سے زمین پر مارنے لگا۔ تو مال جمع کرنے میں لگ گیا اور جب روح حلق تک آ پہنچی تو تو کہنے لگا کہ اب میں صدقہ کرتا ہوں، اب بھلا صدقہ کا وقت کہاں؟''(1)۔

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا ۗ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٥﴾ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ﴿٦﴾ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾

''نیز اس نے جانوروں کو پیدا کیا تمہارے لئے ان میں گرم لباس بھی ہے اور دیگر فائدے ہیں اور انہیں (کا گوشت) تم کھاتے ہو۔ اور تمہارے لئے ان میں زیب وزینت بھی ہے جب تم شام کو (چرا کر) انہیں گھر لاتے ہو اور جب تم صبح ان کو چرانے لے جاتے ہو۔ اور (یہ جانور) اٹھا لے جاتے ہیں تمہارے بوجھ ان شہروں تک جہاں تم نہیں پہنچ سکتے مگر سخت مشقت سے۔ بے شک تمہارا رب بہت مہربان (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے انسان کے فائدے کے لئے اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریوں جیسے جانور پیدا کئے، ان کی تفصیلات آٹھ اقسام میں سورۂ انعام میں گزر چکی ہیں(2)۔ ان جانوروں کے ساتھ انسان کے کثیر مفادات وابستہ ہیں، ان کی اون، صوف اور بالوں سے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں، ان کا دودھ پیا جاتا ہے اور گوشت کھایا جاتا ہے، علاوہ ازیں یہ جانور باعث زینت بھی ہیں، اسی لئے فرمایا:

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 210، سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا: 903　　2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام: 143-144

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ...... شام کے وقت جب وہ چراگاہوں سے واپس آتے ہیں تو ان کی کوکھیں نکلی ہوتی ہیں، تھن دودھ سے بھرے ہوتے ہیں اور کوہانیں بلند ہوتی ہیں اور اسی طرح جب انہیں چرانے کے لئے تم صبح کے وقت باہر لے جاتے ہو، صبح وشام کے ان اوقات میں یہ جانور کس قدر بھلے لگتے ہیں اور خوشی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر ان کا فائدہ یہ ہے کہ جب بھاری بوجھ کو تم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے سے عاجز آجاتے ہو تو یہ جانور نقل وحمل کا فریضہ انجام دیتے ہیں، عموماً حج، عمرہ، جنگ اور تجارت وغیرہ کے لئے یہ جانور مواصلات اور نقل وحمل کا کام دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ (المومنون: 22-21) ''اور بیشک تمہارے لئے جانوروں میں بھی غور وفکر کا مقام ہے۔ ہم پلاتے ہیں تمہیں اس (دودھ) سے جو ان کے شکموں میں ہے۔ اور تمہارے لئے ان میں طرح طرح کے بہت فائدے ہیں اور انہیں (کے گوشت) سے تم کھاتے ہو۔ اور ان پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے''، اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ (المومن: 81-79) ''اللہ پاک وہ ہے جس نے بنائے تمہارے لئے مویشی تاکہ ان میں سے کسی پر سواری کرو اور کسی کا (گوشت) کھاؤ۔ اور تمہارے لئے ان میں طرح طرح کے فائدے ہیں اور ان میں سے ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ ان پر سوار ہو کر اس منزل تک پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم لدے پھرتے ہو''، اس لئے یہاں ان نعمتوں کا شمار کرنے کے بعد فرمایا: اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ یعنی وہ تمہارا پروردگار جس نے یہ جانور تمہارے لئے مسخر کر دیئے جیسا کہ فرمان ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا يَاْكُلُوْنَ (یٰسین: 72-71) ''کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے پیدا فرمائے ان کے لئے اس مخلوق سے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی، مویشی پھر (اب) یہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے تابعدار بنا دیا انہیں ان کا پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا (گوشت) کھاتے ہیں''، وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (الزخرف: 14-12) ''تمہارے لئے کشتیاں اور مویشی جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم جم کر بیٹھو ان کی پیٹھوں پر پھر (دلوں میں) یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو جب تم خوب جم کر بیٹھ جاؤ ان پر اور (زبان سے) یہ کہو پاک ہے وہ ذات جس نے فرمانبردار بنا دیا ہے اسے ہمارے لئے اور ہم اس پر قابو پانے کی قدرت نہ رکھتے تھے۔ اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''دِفْءٌ'' کا معنی لباس ہے اور ''مَنَافِعُ'' سے خورد ونوش کی چیزیں ہیں جو ان جانوروں سے حاصل ہوتی ہیں۔ عکرمہ آپ رضی اللہ عنہ سے ہی بیان کرتے ہیں کہ ''دِفْءٌ'' اور ''مَنَافِعُ'' سے مراد ہر جانور کی نسل ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ''دِفْءٌ'' سے مراد وہ لباس ہے جو ان کی اون وغیرہ سے بنا جاتا ہے اور ''مَنَافِعُ'' سے مراد سواری، گوشت اور دودھ ہے(1)۔

وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ۭ وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

''اور اس نے پیدا کئے گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور (تمہارے لئے ان میں) زینت ہے اور پیدا فرمائے گا ایسی سواریوں کو جو تم نہیں جانتے''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 79

یہ جانوروں کی ایک اور صنف ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سواری اور زینت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ چیزیں ان عظیم مقاصد میں سے ہیں جو ان کی پیدائش کے ساتھ وابستہ ہیں۔ چونکہ ان جانوروں کو دیگر جانوروں پر فضیلت دی اور الگ کر کے ذکر کیا، اس لئے بعض علماء نے گھوڑے کے گوشت کی حرمت پر استدلال کیا ہے۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کی موافقت کرنے والے فقہاء کا مسلک ہے۔ ان کی وجہ استدلال یہ ہے کہ چونکہ گھوڑے کا ذکر خچر اور گدھے کے ساتھ ہوا ہے، اس لئے ان دونوں کی طرح یہ (گھوڑا) بھی حرام ہے جیسا کہ یہ حدیث نبوی سے بھی ثابت ہے اور اکثر علماء کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان تینوں جانوروں کی حرمت منقول ہے۔ آپ نے اس آیت وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا...... تَاْكُلُوْنَ (النحل:5) کی تلاوت کر کے فرمایا کہ یہ جانور کھانے کے لئے ہیں اور پھر اس آیت وَالْخَيْلَ...... کی تلاوت کر کے فرمایا کہ یہ سواری کے لئے ہیں(1)۔ اس کی تائید حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے، خچر اور گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا'' (2)۔ ایک اور سند سے یہ حدیث ذرا تفصیل سے مروی ہے۔ مقدام بن معدیکرب کہتے ہیں کہ ہم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ صائفہ کی جنگ میں شریک تھے۔ ہمارے ساتھی میرے پاس گوشت لائے اور مجھ سے ایک پتھر مانگا، میں نے انہیں دے دیا تو انہوں نے اسے رسی کے ساتھ باندھ لیا۔ میں نے انہیں کہا کہ یہیں ٹھہرو، میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے دریافت کرلوں۔ چنانچہ میرے دریافت کرنے پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھے۔ لوگ جلد جلد آبادی سے متصل یہودیوں کے باغات میں داخل ہو گئے۔ آپ ﷺ نے مجھے لوگوں کو نماز کے لئے ندا دینے کا حکم دیا اور یہ بھی کہ صرف مسلمان آئیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تم جلدی جلدی یہود کے باغات میں داخل ہو گئے، یاد رکھو، معاہدین کے اموال بغیر حق کے حلال نہیں اور تم پر پالتو گدھوں، گھوڑوں، خچروں، ہر کچلی سے شکار کرنے والا درندہ اور ہر پنجے سے شکار کرنے والے پرندے کا گوشت حرام ہے'' (3)۔ شاید یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد ایسا ہوا۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو یہ گھوڑے کے گوشت کی حرمت پر نص ہے لیکن یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی صحیحین کی اس حدیث کے مقابلے میں پیش نہیں کی جا سکتی جس میں آپ ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے خیبر کے دن گھوڑے، خچر اور گدھے ذبح کئے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خچروں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کر دیا اور گھوڑوں کے گوشت کھانے سے منع نہ فرمایا(4)۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک گھوڑا ذبح کیا اور اسے کھایا۔ اس وقت ہم مدینہ میں مقیم تھے(5)۔ یہ سب سے زیادہ قوی دلیل ہے۔ جمہور علماء امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اکثر سلف و خلف کا یہی موقف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے گھوڑوں میں وحشی پن تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے انہیں مطیع کر دیا۔ وہب بن منبہ نے اسرائیلی روایات میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنوبی ہوا سے گھوڑے پیدا کئے۔ اس آیت سے ان تینوں جانوروں پر سواری کرنے کا جواز ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خچر بطور ہدیہ پیش کیا گیا آپ اس پر سواری کیا کرتے تھے لیکن نسل منقطع ہونے کے خوف سے آپ ﷺ نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 82
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، جلد 3 صفحہ 352، سنن نسائی، کتاب العید، جلد 7 صفحہ 202 وغیرہ
3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 89-90
4۔ صحیح بخاری، کتاب الذبائح والصید، جلد 7 صفحہ 123، صحیح مسلم، کتاب الصید: 1541
5۔ صحیح مسلم، کتاب الصید: 1541

گدھوں کو گھوڑوں پر چھوڑنے (جفتی کرنے) سے منع کر دیا تھا۔ حضرت دحیہ کلبی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا گدھے اور گھوڑے کے ملاپ سے خچر نہ پیدا کر لیں جس پر آپ ﷺ سواری کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بے علم لوگ کرتے ہیں"(1)۔

وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩﴾

"اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے راہ راست کو دلائل سے واضح کرنا اور ان میں غلط راہیں بھی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا"۔

حیوانات کے ذکر سے حسی راہوں کے بعد دینی معنوی رستوں پر آگاہ کیا جا رہا ہے۔ قرآن کریم اکثر امور حسیہ سے نافع معنوی امور دینیہ کی طرف رجوع کرتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ (البقرۃ: 197) "اور سفر کا توشہ تیار کرو اور سب سے بہتر توشہ تو پرہیز گاری ہے، يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف: 26) "اے اولاد آدم! بے شک اتارا ہم نے تم پر لباس جو ڈھانپتا ہے تمہاری شرمگاہوں کو اور باعث زینت ہے اور پرہیز گاری کا لباس وہ سب سے بہتر ہے"، جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ان حیوانات کا ذکر کیا جو سواری، نقل وحمل اور دیگر مفادات کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو ان کے ذکر کے بعد ان رستوں کا ذکر کیا جن پر لوگ گامزن ہیں اور یہ واضح کر دیا کہ ان میں صحیح اور حق رستہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچائے، فرمایا: وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ۔ جیسا کہ فرمایا: وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ (الانعام: 153) "اور بیشک یہ ہے میرا راستہ سیدھا، سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کر دیں گے تمہیں اللہ کے راستہ سے"، هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ (الحجر: 41) "یہ سیدھا راستہ ہے جو میری طرف آتا ہے"، مجاہد اس فرمان وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ کا معنی بیان کرتے ہیں کہ طریق حق کو واضح کرنا اللہ کے ذمہ کرم پر ہے(2)۔ سدی قَصْدُ السَّبِيلِ سے مراد اسلام لیتے ہیں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر بیان کرنا ہے یعنی ہدایت اور گمراہی کو وہی بیان کرتا ہے۔ قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ سیاق کے پیش نظر مجاہد کا قول یہاں زیادہ قوی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ متعدد رستے ہیں جن پر لوگ چلتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف صرف طریق حق ہی پہنچتا ہے اور یہ وہ رستہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا اور اس پر راضی ہوا۔ اس کے علاوہ باقی تمام رستے مسدود اور باطل ہیں اور ان پر چلنے والے لوگوں کے اعمال مردود ہیں اس لئے فرمایا: وَمِنْهَا جَائِرٌ یعنی حق سے منحرف۔ ابن عباس وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ مختلف رستے، متفرق خواہشات اور متعدد آراء پر مبنی ہیں جیسے یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ سب چیزیں اس کی قدرت اور مشیت پر موقوف ہیں، فرمایا: وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا (یونس: 99) "اور اگر چاہتا آپ کا رب تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب"، وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿١١٨﴾ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (ہود: 119-118) "اور اگر چاہتا آپ کا رب تو بنا دیتا سب لوگوں کو ایک ہی امت (لیکن حکمت کا یہ تقاضا نہیں اس لئے) وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر وہ جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا (وہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں گے) اور اسی (رحمت) کے لئے انہیں پیدا فرمایا ہے۔ اور پوری ہوگئی آپ کے رب کی (یہ) بات کہ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو جن و انسان (دونوں) سے"۔

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 311
2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 84

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ۝۱۰ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ النَّخِیْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱

''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تمہارے لئے اس میں سے کچھ پینے کے کام آتا ہے اور اس سے سبزہ اگتا ہے جس میں تم (مویشی) چراتے ہو۔ اگاتا ہے تمہارے لئے اس کے ذریعے (طرح طرح کے) کھیت اور زیتون اور کھجور اور انگور اور (ان کے علاوہ) ہر قسم کے پھل۔ یقیناً ان تمام چیزوں میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے اس قوم کے لئے جو غور وفکر کرتی ہے''۔

جانوروں اور چوپاؤں کی نعمت ذکر کرنے کے بعد اب نعمت باراں کا تذکرہ ہو رہا ہے جس پر انسان، حیوان اور نباتات کی زندگی کا انحصار ہے۔ اسی بارش سے پینے کے لئے شیریں، خوش ذائقہ اور صاف پانی میسر آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے نمکین اور کڑوا نہیں بنایا۔ اسی بارش کے باعث سبزہ اور چارہ اگتا ہے جس میں جانور چرائے جاتے ہیں۔ سوم کا معنی ہے چرانا، اسی سے ہے ''اِبِلٌ سَائِمَةٌ'' (چرنے والے اونٹ)۔ رسول اللہ ﷺ نے طلوع شمس سے پہلے چرانے سے منع فرمایا ہے(1)۔

یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ...... یعنی اللہ تعالیٰ ایک ہی پانی کے ساتھ زمین سے رنگ، ذائقہ، بو اور شکل میں مختلف طرح طرح کی چیزیں اگاتا ہے، اس لئے فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ یعنی ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کے واضح دلائل ہیں جیسا کہ فرمایا: اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآىِٕقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ (النمل: 60) ''بھلا وہ کون ہے جس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو۔ اور جس نے اتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی۔ پھر ہم نے اگائے اس پانی سے خوش منظر باغات۔ تمہاری طاقت نہ تھی کہ تم اگا سکتے ان کے درخت۔ کیا کوئی دوسرا خدا ہے اللہ کے ساتھ؟ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو راہ راست سے پرے ہٹ رہے ہیں''۔

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲ وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳

''اور اللہ تعالیٰ نے مسخر فرما دیا تمہارے لئے رات، دن سورج اور چاند کو اور تمام ستارے بھی اس کے حکم کے پابند ہیں۔ بے شک ان تمام چیزوں میں (قدرت الٰہی کی) نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو دانشمند ہے۔ اور (علاوہ ازیں) جو پیدا فرمایا تمہارے لئے زمین میں (اسے بھی مسخر کر دیا) الگ الگ ہے ان کا رنگ وروپ۔ یقیناً ان میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت قبول کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنی بڑی بڑی نعمتوں اور عظیم احسانات کا ذکر فرما رہا ہے۔ دن اور رات، سورج اور چاند یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، جلد 2 صفحہ 744

اور یہ قانون قدرت کے پابند ہیں۔ آسمان کے گوشے گوشے میں ستارے ضیاء پاشی کر رہے ہیں تاکہ لوگ تاریکیوں میں ان کے ذریعہ راہ یاب ہوسکیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے مقررہ مدار میں مقررہ رفتار کے ساتھ گردش میں مصروف ہے، مقررہ ضوابط سے یہ سر مو انحراف نہیں کر سکتے اور نہ کمی بیشی ممکن ہے، تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے تسلط، اقتدار، تقدیر، قہر اور تسہیل کے ماتحت اس کے سامنے سرافگندہ ہیں، جیسا کہ فرمایا: اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (الاعراف: 54) ''بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا عرش پر (جیسے اسے زیبا ہے) ڈھانکتا ہے رات سے دن کو درآں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے اور (پیدا فرمایا) سورج اور چاند اور ستاروں کو وہ سب پابند ہیں اس کے حکم کے۔ سن لو! اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''۔ اس لئے فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ یعنی ان چیزوں میں ایسی قوم کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت باہرہ اور سلطان عظیم کی نشانیاں اور دلائل ہیں جو عقل رکھتی ہے اور ان دلائل کو سمجھتی ہے۔

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ...... عالم علوی (آسمان) میں پائی جانے والی قدرت الٰہی کی نشانیاں اور دلائل ذکر کرنے کے بعد اب عالم سفلی (زمین) میں موجود امور عجیبہ اور اشیائے مختلفہ سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے الوان و اشکال میں مختلف انواع و اقسام کے حیوانات، معدنیات، نباتات اور جمادات کی تخلیق کی جن کے ساتھ ہمارے مفادات وابستہ ہیں اور ہر چیز مختلف منافع اور خصوصیات کی حامل ہے۔ ان اشیاء میں ایسے لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتے ہیں اور ان کا شکر ادا کرتے ہیں۔

وَ هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَی الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۸﴾

''اور وہی ہے جس نے پابند حکم کر دیا ہے سمندر کو تاکہ تم کھاؤ اس سے تازہ گوشت اور نکالو اس سے زیور جسے تم پہنتے ہو اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو کہ موجوں کو چیر کر جا رہی ہوتی ہیں سمندر میں تاکہ (ان کے ذریعہ) تم تلاش کرو اللہ تعالیٰ کے فضل (رزق) کو تاکہ اس کا شکر ادا کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ نے گاڑ دیئے ہیں زمین میں اونچے اونچے پہاڑ تاکہ زمین لرزتی نہ رہے تمہارے ساتھ اور نہریں جاری کر دیں اور راستے بنا دیئے تاکہ تم (اپنی منزل کی) راہ پا سکو۔ اور (راستوں پر) علامتیں بنا دی ہیں اور ستاروں کے ذریعہ سے وہ راہ یاب ہوتے ہیں۔ کیا وہ ذات جس نے سب کچھ پیدا فرمایا اس کی مانند ہو سکتی ہے جس نے کچھ بھی نہیں بنایا کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے۔ اور اگر تم شمار کرنا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم انہیں گن نہیں سکو گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے تلاطم خیز سمندر کو مسخر کر کے انسان پر احسان عظیم فرمایا ہے، سمندری سفر کو انسان کے لئے نہایت آسان بنا دیا، اسی سے اس کی خوراک کے لئے تازہ مچھلیاں مہیا کیں، مچھلی زندہ ہو یا مردہ انسان کے لئے حلال ہے خواہ وہ حالت حلت میں ہو یا حالت احرام میں۔ سمندر میں نہایت نفیس اور قیمتی جواہرات اور موتی پیدا کر دیئے جنہیں انسان گہرائی سے بڑی آسانی کے ساتھ نکال کر بطور زیور استعمال میں لاتا ہے، ایک اور بڑا انعام یہ فرمایا کہ سمندر کو کشتیوں کے لئے پابند کر دیا۔ کشتیاں موجوں اور ہواؤں کو چیرتے ہوئے محو سفر رہتی ہیں اور یہ کشتیوں کے اگلے ابھرے ہوئے سرے کے طفیل ممکن ہوتا ہے جس کے بنانے کی طرف اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی۔ کشتی سازی کی صنعت کا آغاز حضرت نوح علیہ السلام سے ہوا۔ سب سے پہلے آپ کشتی میں سوار ہوئے۔ آپ سے یہ فن دوسرے لوگوں نے سیکھ لیا۔ پھر نسل در نسل ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف منتقل ہوتا رہا تاکہ آمد و رفت اور نقل وحمل کا کام ان سے لیا جائے۔ اس لئے فرمایا: وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مغربی اور مشرقی سمندر سے گفتگو کی۔ غربی سمندر سے فرمایا کہ میں اپنے کچھ بندوں کو تجھ پر سوار کرنے والا ہوں، تو ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ اس نے کہا کہ میں انہیں غرق کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری تندی تیرے کناروں پر ہے، میں اپنے بندوں کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا لوں گا اور میں نے تمہیں زیور اور شکار سے محروم کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے شرقی سمندر سے فرمایا کہ میں اپنے کچھ بندے تم پر سوار کرنے والا ہوں، تو ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ اس نے کہا: میں انہیں اپنے ہاتھوں پر اٹھا لوں گا اور میں ان کے لئے اس قدر مہربان ہو جاؤں گا جس طرح والدہ اپنے بیٹے کے لئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے زیور اور شکار کی صورت میں بدلہ دیا (1)۔ سمندر کے بعد اب زمین اور پہاڑوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی اضطراری حرکت کو روکنے کے لئے اس میں پہاڑ گاڑ دیئے۔ ورنہ اگر یہ ڈولتی اور لرزتی رہتی تو جاندار سکھ کا سانس نہ لے سکتے اور ان کی زندگی مکدر ہو جاتی۔ اس لئے فرمایا: وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا (النازعات: 32) ''اور پہاڑ (اس میں) گاڑ دیئے''۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب زمین کو پیدا کیا گیا تو یہ ڈولنے اور حرکت کرنے لگی، فرشتے کہنے لگے کہ اس پر تو کوئی ٹھہر ہی نہیں سکے گا۔ جب صبح ہوئی تو پہاڑ پیدا کئے جا چکے تھے، فرشتوں کو معلوم ہی نہ ہوا کہ پہاڑ کس سے بنائے گئے ہیں (2)۔ قیس بن عبادہ سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا تو وہ عرض کرنے لگی: اے پروردگار! تو مجھ پر بنی آدم کو آباد کرے گا جو مجھ پر گناہوں اور خباثتوں کا ارتکاب کریں گے؟ وہ کانپنے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں پہاڑ گاڑ دیئے جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں نہیں دیکھتے۔ حرکت کرتے ہوئے گوشت کی طرح اس کو قرار دے دیا (2)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمین میں نہریں اور دریا جاری کر دیئے جو حصول رزق کا ذریعہ ہیں۔ پہاڑوں، ٹیلوں، میدانی علاقوں، صحراؤں اور جنگلوں میں ہر جگہ پانی بہتا رہتا ہے اور اس علاقے تک پہنچ جاتا ہے جہاں کے لوگوں کے لئے اسے مسخر کیا گیا ہوتا ہے، یہ نہریں، دریا اور چشمے زمین میں دائیں بائیں، شرقاً غرباً، شمالاً جنوباً ہر طرف بہہ رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی چھوٹا ہے اور کوئی بڑا، کوئی تیز رفتار ہے اور کوئی سست رفتار یعنی جس طرح ہر ایک کا اندازہ مقرر ہے، اسی کے مطابق رواں دواں ہے۔ کچھ ایسی وادیاں ہیں جو کبھی جاری ہو جاتی ہیں اور کبھی خشک۔ یہ سب اس ذات کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے جس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ رب۔ اسی طرح زمین میں رستے بنا دیئے جن پر چل کر لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں یہاں تک کہ پہاڑوں میں بھی رستے اور درے بنا دیئے جیسا کہ فرمایا: ''وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا (الانبیاء: 31)'' اور بنا دیں

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الجہاد، جلد 2 صفحہ 265-266، مجمع الزوائد، جلد 5 صفحہ 281-282 2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 90

ہم نے ان پہاڑوں میں کشادہ راہیں''۔ ''علامات'' کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹے بڑے پہاڑوں اور ٹیلوں کی صورت میں ایسی علامات مقرر کر دی ہیں جن کے ذریعہ بھٹکے ہوئے مسافر بحر و بر میں اپنی راہ تلاش کر سکتے ہیں، اور پھر رات کی تاریکی میں منزل کا پتہ بتانے کے لئے ستارے جگمگا رہے ہوتے ہیں۔ مالک رحمۃ اللہ نجوم سے مراد پہاڑ لیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی عظمت بیان کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ عبادت کا مستحق صرف وہی ہے نہ کہ یہ معبودان باطلہ جو کچھ بھی پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ یہ خود مخلوق ہیں، اس لئے فرمایا: اَفَمَنْ یَّخْلُقُ...... پھر اپنی کثیر نعمتوں اور عظیم احسانات سے باخبر کرتے ہوئے فرمایا: وَ اِنْ تَعُدُّوْا...... یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، غلطیوں سے تجاوز فرماتا ہے اور گناہوں سے چشم پوشی کر لیتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان سے تمام نعمتوں کے شکر کا تقاضا کرے تو انسان لازماً شکر بجالانے سے عاجز آ جائے، اگر وہ اس کا حکم دیتا تو انسان کمزوری کا مظاہرہ کر کے اسے ترک کر دیتا اور اگر اللہ تعالیٰ عذاب دیتا تو لوگ اس کے مستحق تھے، لیکن وہ ظالم نہیں، غفور رحیم ہے۔ کثیر غلطیوں کو بھی معاف کر دیتا ہے اور معمولی نیکی پر بھی اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ جب تم توبہ کر لو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی خوشنودی کے حصول کی طرف رجوع کر لو تو ادائیگی شکر میں کوتاہی کو وہ بخش دیتا ہے اور رحم فرماتا ہے، توبہ اور رجوع کے بعد کسی کو عذاب نہیں دیتا (1)۔

وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾

''اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور جو لوگ پوجتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا (غیروں کو) وہ نہیں پیدا کر سکتے کوئی چیز، بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ مردہ ہیں وہ زندہ نہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ کب انہیں اٹھایا جائے گا''۔

اللہ تعالیٰ جس طرح ظاہر کو جانتا ہے اسی طرح باطن کو بھی۔ عنقریب قیامت کے دن وہ ہر شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کی جزا دے گا۔ فرمایا کہ یہ بت، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی وہ عبادت میں لگے ہوئے ہیں، کوئی چیز نہیں پیدا کر سکتے بلکہ انہیں پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے کہا: اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات: 96-95) ''کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو''، ان بتوں کے متعلق فرمایا: اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ...... یعنی یہ بت بے جان جمادات اور مجسمے ہیں، نہ یہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ عقل رکھتے ہیں۔ انہیں تو یہ شعور تک نہیں کہ قیامت کب قائم ہو گی۔ جب ان کی بے بسی کی یہ کیفیت ہے تو ان سے نفع اور ثواب کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔ نفع اور ثواب کی توقع تو اس ذات سے کی جاتی ہے جسے ہر چیز کا علم ہے اور جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ ﴿۲۳﴾

''تمہارا خدا (بس) خدائے واحد ہے۔ پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر ان کے دل منکر ہیں اور وہ مغرور ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک وہ پسند نہیں کرتا غرور و تکبر کرنے والوں کو''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 92

اللہ تعالیٰ معبود حقیقی، یکتا اور بے نیاز ہے لیکن کفار کے دل اس کا انکار کرتے ہیں جس طرح وہ تعجب سے کہتے: اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (ص:5) ''کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا۔ بیشک یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے''، وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (الزمر:45) ''اور جب ذکر کیا جائے اکیلے اللہ کا تو کڑھنے لگتے ہیں ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور جب ذکر کیا جاتا ہے اس کے سوا دوسروں کا تو اسی وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں''۔ جب یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرتے ہیں تو ان کی حالت یہ ہوتی ہے: وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ یعنی توحید کے انکار کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بھی تکبر کا اظہار کرتے ہیں، جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ (المومن:60) ''بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل وخوار ہوکر''، اس لئے یہاں فرمایا: لَا جَرَمَ...... یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جنہیں یہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں اور ان کو اس پر پوری پوری جزا دے گا، کیونکہ وہ مغرور لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٤﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿٢٥﴾

''اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا نازل فرمایا ہے تمہارے پروردگار نے۔ کہتے ہیں (کچھ نہیں) یہ تو پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے ہیں۔ تاکہ (اس ہرزہ سرائی کے باعث) وہ اٹھائیں اپنے (گناہوں کے) پورے بوجھ قیامت کے دن اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں وہ گمراہ کرتے رہتے ہیں جہالت سے۔ کتنا برا (اور گراں) ہے یہ بوجھ، جسے وہ اپنے اوپر لادرہے ہیں''۔

جب ان جھٹلانے والے کفار سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا (قرآن) نازل کیا تو وہ اس جواب سے اعراض کرکے کہہ دیتے ہیں کہ بس کچھ نہیں نازل کیا، ہمیں تو دن رات پہلے لوگوں کے افسانے سنائے جاتے ہیں جو سابقہ کتب سے منقول ہیں جیسا کہ ایک اور آیت میں ہے: وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (الفرقان:5) ''اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے اس شخص نے لکھوالیا ہے انہیں پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح وشام (تاکہ از بر ہو جائیں)''، یعنی یہ بدبخت رسول کریم ﷺ پر افتراء باندھتے ہیں اور آپ ﷺ کے متعلق ان کی باطل پر مبنی متضاد آراء ہیں جیسا کہ فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (الفرقان:9) ''دیکھئے (یہ گستاخ) کس طرح آپ کے لئے مثالیں بیان کرتے ہیں پس (اس گستاخی کے باعث) وہ گمراہ ہو گئے اب وہ سیدھے راستہ پر چل نہیں سکتے''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حق سے منحرف شخص جو بھی کہتا ہے وہ غلط ہوتا ہے۔ آپ کے متعلق وہ مختلف بولیاں بولتے تھے، کبھی جادوگر کہتے، کبھی شاعر، کبھی کاہن اور کبھی مجنون کہتے لیکن آخر کار ان کا اتفاق اپنے سرغنہ ولید بن مغیرہ مخزومی کی گھڑی ہوئی بے سروپا بات پر ہو گیا جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے: اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۙ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ۙ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۙ﴿٢٢﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۙ﴿٢٣﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۙ (المدثر:24-18) ''اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کرلی۔ اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی۔ پھر دیکھا، پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا۔ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا۔ پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے''، اس بات پر اتفاق کر کے انہوں نے

اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ فرمایا: لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ...... یعنی قرآن کریم کو افسانہ کہنے کی بات ہم نے انہیں اس لئے کرنے دی تا کہ یہ اپنے گناہوں کا بھی بوجھ اٹھائیں اور اپنے مقلدین اور متبعین کے گناہوں کا بوجھ بھی۔ خود گمراہ ہونے کا گناہ تو ان کے ذمے ہے ہی، دوسروں کو گمراہ کرنے کا وبال بھی انہی پر ہوگا اور اسی طرح آنکھیں بند کر کے ان کی اقتداء کرنے والوں کا بھی حشر ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''جس نے کسی کو ہدایت کی دعوت دی، اسے ہدایت کی اتباع کرنے والے جیسا اجر ملے گا لیکن اس (اتباع کرنے والے) کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے کسی کو گمراہی کی طرف بلایا تو اس پر بھی گمراہی کی اتباع کرنے والے شخص جیسا گناہ لازم آئے گا لیکن اس کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی'' (1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (العنکبوت: 13) ''اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور دوسرے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ۔ اور ان سے باز پرس ہوگی قیامت کے دن ان (جھوٹوں) کے متعلق جو وہ گھڑا کرتے تھے''، یعنی وہ اپنے گناہوں اور اپنے اطاعت گزاروں کے گناہوں کا بھی بوجھ اٹھائیں گے اور ان اطاعت کرنے والوں کے عذاب میں ذرہ بھر تخفیف نہیں ہوگی (2)۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾

''(دعوت حق کے خلاف) مکر وفریب کیا کرتے تھے وہ لوگ جو ان منکرین سے پہلے گزرے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے (فریب) کی عمارت جڑوں سے اکھیڑ کر رکھ دی۔ پس گر پڑی ان پر چھت ان کے اوپر سے اور آ گیا ان پر عذاب جہاں سے انہیں خیال وگمان بھی نہ تھا۔ اس کے بعد روز قیامت اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل ورسوا کرے گا اور (ان سے) پوچھے گا کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کے بارے میں تم جھگڑا کیا کرتے تھے کہیں گے وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے کہ بلاشبہ آج ہر قسم کی رسوائی اور بربادی کافروں کے لئے ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس مکار سے مراد نمرود ہے جس نے بلند عمارت تعمیر کی تھی۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ زمین پر سب سے پہلا سرکش نمرود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے (اس کا دماغ درست کرنے کے لئے) ایک مچھر بھیجا جو اس کے نتھنے سے دماغ میں داخل ہو گیا اور چار سو سال وہاں ڈیرہ جمائے رکھا اور اسے مضطرب رکھا۔ سکون حاصل کرنے کے لئے اس کے سر کو ہتھوڑوں سے پیٹا جاتا۔ جو شخص اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر اس کے سر پر ضربیں لگاتا وہ اس کے نزدیک سب سے زیادہ رحمدل سمجھا جاتا۔ یہ بدبخت چار سو سال تک حکومت کرتا رہا۔ پھر اتنی ہی مدت اللہ تعالیٰ نے اسے مبتلائے عذاب رکھنے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہی وہ مکار اور سرکش ہے جس نے آسمان تک عمارت کھڑی کی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے پیوند خاک کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس مکار سے مراد بخت نصر ہے، اس کے مکر کا یہاں بھی ذکر ہوا اور سورۂ ابراہیم میں بھی: وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ (ابراہیم: 46)

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 201، سنن ابن ماجہ، المقدمۃ 75 وغیرہ
2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 96

''اگر چہ ان کی چالیں اتنی زبردست تھیں کہ ان سے پہاڑ اکھڑ جاتے تھے''، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک کرنے والوں کے عمل کی بربادی کی مثال دی جارہی ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا (نوح:22) ''اور انہوں نے بڑے بڑے مکروفریب کئے''، یعنی انہوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے میں ہر حیلہ استعمال کیا اور شرک کی طرف مائل کرنے کے لئے ہر وسیلہ بروئے کار لائے جیسا کہ ان کے پیروکار قیامت کے روز انہیں کہیں گے: بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا (سبا:33) '' بلکہ تمہارے شب و روز کے مکروفریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کردیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسر بنائیں''۔

فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ...... یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی عمارت کو جڑوں سے اکھیڑ دیا اور ان کے عمل کو بالکل باطل کردیا جیسا کہ فرمایا: كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (المائدۃ:64) ''جب کبھی وہ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کی بجھا دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ''، فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (الحشر:2) ''پس آیا ان پر اللہ (کا قہر) اس جگہ سے جس کا انہیں خیال بھی نہ آیا تھا اور اللہ نے ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب چنانچہ وہ برباد کر رہے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے۔ پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو''، یہاں فرمایا: فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ...... پھر ارشاد ہوتا ہے: ثُمَّ يُخْزِيْهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی حقیقت سے پردہ ہٹا دے گا، ان کے دلوں کے بھید بھی ظاہر کردے گا اور سرعام انہیں رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (الطارق:9) ''یاد کرو اس دن کو جب سب راز فاش کردیئے جائیں گے''، اور جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ہر غدار کے لئے اس کی سرین کے پاس اس کے عذر کے مطابق ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور برملا کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کا عذر ہے''(1)۔ اسی طرح برسرعام ان لوگوں کے مکروفریب کا پردہ چاک کردیا جائے گا اور سب کے سامنے اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و رسوا کرکے زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمائے گا: اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ...... کہاں ہیں تمہارے وہ شریک جن کی حمایت میں تم جھگڑتے اور میرے بندوں کے ساتھ الجھتے تھے۔ اب دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح تمہاری مدد کرتے ہیں اور تمہیں عذاب سے چھٹکارا دلاتے ہیں۔ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ (الشعراء:93) ''کیا وہ تمہاری (کچھ) مدد کرسکتے ہیں یا انتقام لے سکتے ہیں''، فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ (الطارق:10) ''پس نہ خود اس میں زور ہوگا اور نہ کوئی (دوسرا) مددگار ہوگا''، جب ان پر دلیل قائم ہوجائے گی، معذرت خواہی سے یہ سکوت اختیار کرلیں گے، فرار کی تمام راہیں مسدود ہوجائیں گی اور عذاب کے یہ مستحق ٹھہر جائیں گے تو اس وقت دین و دنیا میں نیک نام، حق کی تبلیغ کرنے والے اہل علم کہیں گے: اِنَّ الْخِزْيَ...... یعنی رسوائی اور عذاب آج کفار و مشرکین کو محیط ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۸ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۲۹

''وہ کافر جن کی جانیں فرشتے قبض کرتے ہیں درآنحالیکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کررہے ہیں۔ تب وہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہتے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 127، صحیح مسلم، کتاب الجہاد 1359-1361

ہیں ہم تو کوئی برا کام نہیں کیا کرتے تھے۔ (اہل علم جواب دیں گے) نہیں نہیں (تم بڑے بدکار تھے) بیشک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو (برے کام) تم کیا کرتے تھے۔ (اے کفار) پس داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں سے تمہیں ہمیشہ رہنا ہوگا وہاں۔ بیشک برا ٹھکانا ہے غرور وتکبر کرنے والوں کے لئے''۔

اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے مشرکین کی موت کے وقت کی حالت بیان کی جارہی ہے کہ جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کے لے آتے ہیں تو یہ کہہ کر مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ سر تسلیم خم کر لیتے ہیں اور پوری اطاعت کا اظہار کرتے ہیں جیسا کہ قیامت کے دن بھی وہ اسی طرح کہیں گے: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (الانعام:23) ''اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے نہ تھے ہم شرک کرنے والے''، يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ (المجادلۃ:18) ''جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں''، اللہ تعالیٰ ان کے جھوٹ کی قلعی کھولتے ہوئے فرماتا ہے: بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ...... الْمُتَكَبِّرِيْنَ۔ آیات الٰہی سے تکبر کرنے اور اتباع رسل سے اعراض کرنے والوں کے لئے ذلت ورسوائی کا بہت برا ٹھکانہ ہے۔ موت آتے ہی ان کی روحوں کو جہنم رسید کر دیا جاتا ہے اور ان کے اجسام قبروں میں دوزخ کی گرم اور جھلسا دینے والی ہوا سے دوچار ہوتے ہیں۔ جب قیامت آئے گی تو ان کی ارواح کو ان کے اجسام میں لوٹا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں پھینک دیا جائے گا، لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا (فاطر:36) ''نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مرجائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب''، اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (المومن:46) ''دوزخ کی آگ ہے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح وشام اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) داخل کردو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں''۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

''اور (یونہی) پوچھا گیا ان سے جو متقی تھے کہ وہ کیا ہے جو اتارا تمہارے رب نے؟ انہوں نے کہا (سراپا) خیر! جنہوں نے اچھے کام کئے اس دنیا میں بھی ان کے لئے بھلائی ہے۔ اور آخرت کا گھر بھی (ان کے لئے) بہتر ہے اور بہت ہی عمدہ ہے پرہیزگاروں کا گھر۔ (ان کے لئے) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے رواں ہوں گی ان کے نیچے نہریں ان کے لئے وہاں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ یوں بدلہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو۔ وہ متقی جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں (اس وقت) فرشتے کہتے ہیں (اے نیک بختو!) سلامتی ہو تم پر۔ داخل ہو جاؤ جنت میں ان (نیک اعمال) کے باعث جو تم کیا کرتے تھے''۔

بدبختوں کے ذکر کے بعد اب سعادت مندوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ ان کی کیفیت ان کے بالکل برعکس ہے۔ انہوں نے تو قرآن کریم کو افسانہ کہا لیکن جب ان سعادت مند حضرات سے پوچھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا نازل فرمایا تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے

سراپا خیر، رحمت اور برکت نازل فرمائی لیکن یہ ان کے لئے ہے جو قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے ساتھ اجر وثواب کا وعدہ کر رکھا ہے فرمایا: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (النحل:97) ''جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی۔ اور ہم ضرور دیں گے انہیں ان کا اجر ان کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے''۔ پھر فرمایا کہ دار آخرت دار دنیا سے بہتر ہے اور اس میں ملنے والی جزاء دنیاوی جزا سے زیادہ مکمل اور دائمی ہے، جیسا کہ فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ (القصص:80) ''اور کہا ان لوگوں نے جنہیں (دنیا کی بے ثباتی کا) علم دیا گیا تھا حیف ہے تمہاری عقل پر اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے''، وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (آل عمران:198) ''اور جو (ابدی نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ بہت بہتر ہیں نیکوں کے لئے''، وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (الاعلیٰ:17) ''حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور باقی رہنے والی ہے''، نبی کریم ﷺ کے لئے فرمایا: وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (الضحیٰ:4) ''اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے''، پھر دار آخرت کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ......

جَنّٰتُ عَدْنٍ، دَارُ الْمُتَّقِيْنَ سے بدل ہے یعنی انہیں دار آخرت میں ہمیشہ رہنے والے باغات سے نوازا جائے گا، جن کے درختوں اور محلات کے درمیان نہریں جاری ہوں گی اور حسب خواہش ہر چیز میسر ہوگی جیسا کہ فرمایا: وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (الزخرف:71) ''اور وہاں ہر چیز موجود ہوگی جسے دل پسند کریں اور آنکھوں کو لذت ملے۔ (مزید برآں) تم وہاں ہمیشہ رہو گے''، حدیث شریف میں آتا ہے: ''اہل جنت کے اوپر ایک بادل اٹھے گا، وہ کچھ پینے میں مصروف ہوں گے، ان میں کوئی جس چیز کی خواہش کرے گا، وہ بادل فوراً اس (مطلوبہ) چیز کو اس پر برسا دے گا یہاں تک کہ اگر کوئی یہ خواہش کرے گا کہ ہم پر جواں سال ہم عمر کنواریاں برسیں تو یہ بھی ہوگا'' (1)۔ آیت کے آخر میں فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اہل ایمان، اہل تقویٰ اور نیکوکاروں کو بدلہ دیتا ہے۔ پھر ان سعادت مندوں کی موت کے وقت کی کیفیت بیان کی کہ اس وقت یہ خوش وخرم ہوتے ہیں، کیونکہ یہ شرک اور ہر برائی کی آلودگی سے محفوظ رہے اور موت کے وقت فرشتے انہیں سلام کرتے ہیں اور جنت کا مژدہ سناتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ (حم السجدة:32-30) ''بیشک وہ (سعادت مند) جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ شے ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو گے۔ یہ میزبانی ہے بہت بخشنے والے ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے''۔ مومن اور کافر کی ارواح کو قبض کرنے کے سلسلہ میں احادیث کا ذکر ہم اس آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...... (ابراہیم:27) ''ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو......'' کے تحت کر چکے ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ

1۔ ابن ابی حاتم

قَبۡلِهِمۡ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ۝ فَاَصَابَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوۡا وَ

حَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝

''یہ مشرک کس کے منتظر ہیں بجز اس کے کہ آجائیں ان کے پاس (عذاب کے) فرشتے۔ یا آجائے آپ کے رب کا (اٹل) حکم۔ یونہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان کے پیشرو تھے۔ اور نہیں زیادتی کی تھی ان پر اللہ تعالیٰ نے بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر زیادتی کیا کرتے تھے پس ملی انہیں سزا ان کے برے اعمال کی اور گھیر لیا انہیں اس عذاب نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے''۔

مشرکین کو باطل پر ان کی سرکشی اور دنیا سے فریب کھانے پر ڈانٹتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ کیا انہیں قبض ارواح کے لئے فرشتوں کا انتظار ہے یا قیامت کا جب وہ خود اپنی آنکھوں سے قیامت کی ہولناکیوں کو ملاحظہ کرلیں گے۔ ان کی یہ سرکشی کوئی نئی اور انہونی بات نہیں۔ ان کے پیشرو بھی اسی طرح کفر و شرک پر ڈٹے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عبرتناک عذاب سے دوچار کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا کیونکہ اس نے تو اپنے رسولوں کو بھیج کر اور اپنی کتابیں اتار کر ان پر اتمام حجت کردی، بلکہ رسولوں کی مخالفت اور ان کے پیغام کی تکذیب کے باعث وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے، اسی سبب سے وہ عتاب الٰہی کے سزاوار ٹھہرے اور دردناک عذاب نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ رسولوں کے ساتھ مذاق کرنے اور عذاب الٰہی کی دھمکی پر ان کا تمسخر اڑانے کا خمیازہ انہیں ہر صورت بھگتنا پڑے گا، قیامت کے دن انہیں کہا جائے گا: هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيۡ كُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ (الطّور: 14) '' (انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے''۔

وَقَالَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدۡنَا مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ نَّحۡنُ وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا

حَرَّمۡنَا مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۚ فَهَلۡ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا

الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ۝ وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِىۡ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ ۚ

فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ هَدَى اللّٰهُ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ حَقَّتۡ عَلَيۡهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا

كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝ اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰى هُدٰٮهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ يُّضِلُّ وَ

مَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ۝

''اور کہنے لگے وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا کہ اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو ہم عبادت نہ کرتے اس کے سوا کسی اور چیز کی نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم حرام کرتے اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو ایسی ہی (بے سروپا) باتیں کیا کرتے تھے ان کے پیشرو۔ (اے سننے والے!) کیا رسولوں کے ذمہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہے کہ وہ صاف طور پر (حکم الٰہی) پہنچا دیں۔ اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے سو ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن پر گمراہی مسلط ہوگئی۔ پس سیر و سیاحت کرو

زمین میں اور (اپنی آنکھوں سے) دیکھو کس قدر عبرت ناک انجام ہوا (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا۔ (اے حبیب!) آپ خواہ کتنے ہی حریص ہوں ان کے ہدایت یافتہ ہونے پر مگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا جنہیں وہ (پیہم سرکشی کے باعث) گمراہ کر دیتا ہے اور نہیں ان کے لئے کوئی مدد کرنے والا"۔

مشرکین اپنے شرک میں فریب خوردہ ہیں اور تقدیر کو ڈھال بنا کر اپنے شرک کا عذر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتا تو ہم بھی کسی غیر کی عبادت کرتے اور نہ ہی ہمارے باپ دادا اور نہ ہی ہم بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ جیسے جانور حرام قرار دیتے۔ یہ حرمت انہوں نے از خود بغیر کسی دلیل کے ایجاد کر لی تھی۔ ان مشرکین کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ہمارے افعال اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتے تو وہ ضرور ہمیں ان کی سزا دیتا بلکہ ان کے ارتکاب کی قدرت ہی عطا نہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا: فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ یعنی معاملہ اس طرح نہیں جیسا کہ تم گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان اعمال پر اظہار ناپسندیدگی کیا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے، بڑی سختی کے ساتھ اس سے منع کیا ہے اور ہر قوم اور ہر زمانہ میں ایسے پیغمبر مبعوث کئے جو عبادت الٰہی کی دعوت دیتے رہے اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کرتے رہے، اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ۔ جب سے اولاد آدم حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے شرک میں مبتلا ہوئی، متواتر رسول آتے رہے۔ سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام تھے جنہیں اہل ارض کی طرف بھیجا گیا۔ حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور آپ ﷺ کی رسالت و دعوت مشارق و مغارب میں تمام جن و انس کو محیط اور شامل ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء:25) "اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو"، وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ (الزخرف:45) "اور آپ پوچھئے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے۔ کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند رحمٰن کے علاوہ اور خدا تاکہ ان کی پوجا کی جائے"، یہاں فرمایا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا...... ان حقائق کو واضح کر دینے کے بعد کفار کا یہ کہنا: لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ "کس طرح زیب دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مشیت شرعی ان سے منتفی ہے کیونکہ اس نے اپنے رسولوں کی زبانی انہیں شرک وغیرہ سے منع کیا لیکن مشیت کونی (کسی عمل کے کرنے اور اختیار کرنے کی قدرت) میں ان کے لئے کوئی حجت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہنم اور جہنمی بھی تو پیدا کئے ہیں حالانکہ وہ کفر اختیار کرنے پر اپنے بندوں سے راضی نہیں۔ اس میں بھی اس کی حجت بالغہ اور حکمت قاطعہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ فرما رہا ہے کہ ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی آپ کی خواہش انہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکے گی جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ انہیں گمراہ کرنا ہو جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (المائدۃ:41) "اور جس کو ارادہ فرما لے اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنے کا تو نہیں طاقت رکھتا تو اس کے لئے اللہ سے کسی چیز کی)، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: "وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ (ہود:34) "اور نہیں فائدہ پہنچائے گی تمہیں میری خیر خواہی اگرچہ میرا ارادہ ہو کہ میں تمہاری خیر خواہی کروں اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دے"، یہاں فرمایا: اِنْ تَحْرِصْ...... جیسا کہ فرمان ہے: مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (الاعراف:186) "جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو نہیں کوئی ہدایت دینے والا اسے۔ وہ رہنے دیتا ہے انہیں کہ اپنی گمراہی میں بھٹکتے رہیں"، اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى

یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ (یونس:96) ''بیشک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آ جائیں ان کے پاس ساری نشانیاں جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب''، وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے، جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہوسکتا، اس لئے فرمایا: لَا یَهْدِیْ مَنْ یُّضِلُّ جب وہ کسی کو ہدایت نہ دے تو اللہ تعالیٰ کے بعد اور کون ہے جو اسے ہدایت دے سکے؟ نہ اس کے لئے کوئی ہادی ہے اور نہ کوئی عذاب سے بچانے والا۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (الاعراف:54) ''سن لو! اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کو''۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ ؕ بَلٰی وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِیُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِیْ یَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ وَ لِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۴۰﴾

''اور بڑی شد و مد سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (دوبارہ) زندہ نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ جو (ایک بار) مر جاتا ہے ہاں ضرور زندہ کرے گا یہ اس کا وعدہ ہے اس پر لازم ہے اس کو پورا کرنا لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ (وہ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا) تاکہ واضح کر دے ان پر وہ بات جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے تاکہ خوب جان لیں کافر کہ بلاشبہ وہی جھوٹے تھے ہمارا فرمان کسی چیز کے لئے جب ہم ارادہ کرتے ہیں (اس کے پیدا کرنے کا) صرف اتنا ہے کہ ہم اسے حکم دیتے ہیں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے''۔

مشرکین بڑے شد و مد سے تاکیدی قسمیں اٹھا اٹھا کر کہتے ہیں کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جانا محال ہے اور پیغمبر جس قیامت سے ڈراتے ہیں، وہ کبھی بھی وقوع پذیر نہیں ہوگی، بس یہی دنیاوی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے زعم باطل کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے: بَلٰی وَعْدًا عَلَیْهِ...... یعنی عنقریب ضرور ایسا ہوگا، اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے، اس کا وقوع یقینی ہے لیکن یہ کفار و مشرکین اپنی جہالت کے باعث پیغمبروں کی مخالفت کرتے ہیں اور کفر میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے لوٹائے جانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: لِیُبَیِّنَ لَهُمُ...... اسی طرح فرمایا: لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ یَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ﴿۳۱﴾ (النجم:31) ''تاکہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان کے اعمال کا اور بدلہ دے نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا''۔ دوسری حکمت یہ بیان فرمائی: وَ لِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا...... تاکہ کفار یہ جان لیں کہ وہ اپنی قسموں میں جھوٹے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی، لہٰذا قیامت کے دن انہیں جہنم میں دھکیل دیا جائے گا تو جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے: هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْۤا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الطور:31) ''(انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ کیا یہ (آگ) جادو (کا کرشمہ) ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آ رہی۔ اس میں (تشریف لے) چلو، اب چاہے صبر کرو یا نہ کرو۔ دونوں برابر ہیں تمہارے لئے تمہیں اسی کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے''۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا ذکر فرماتا ہے، وہ جو چاہے اس پر پوری طرح قادر ہے، زمین و آسمان میں کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی، جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرما لیتا ہے تو صرف ''کُنْ'' کہتا ہے، وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے۔ قیام قیامت اور دوبارہ زندہ کر کے لوٹانا بھی اس کے تحت داخل ہے، بس اس کے ''کُنْ'' کہنے کی دیر ہے، قیامت برپا ہو جائے

گی جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ (القمر:50) ''اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے''، مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان:28) ''نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند''، اور یہاں فرمایا: اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ...... شاعر نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے:

إِذَامَا أَرَادَ اللّٰهُ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

اللہ تعالیٰ کو اپنے حکم میں تاکید کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ نہ اس کی مخالفت کی جا سکتی ہے اور نہ اسے مغلوب کیا جا سکتا ہے، وہ واحد، قہار اور عظیم ہے جس کا اقتدار، جبروت اور عزت ہر چیز پر غالب اور حاوی ہے، نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ رب۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''ابن آدم مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ یہ بات اسے زیب نہیں دیتی، ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے حالانکہ یہ اس کے لئے مناسب نہیں۔ اس کا مجھے جھٹلانا اس کا یہ قول ہے: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ لیکن میں کہتا ہوں: بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا...... اس کا مجھے گالی دینا اس کا یہ کہنا ہے: اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (المائدۃ:73) ''کہ اللہ تیسرا ہے تین (خداؤں) سے''، لیکن میں کہتا ہوں: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص:4-1) ''(اے حبیب ﷺ!) فرما دیجئے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ صمد ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا۔ اور نہ وہ جنا گیا۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے''۔ ابن ابی حاتم میں یہ روایت موقوفاً مروی ہے، البتہ صحیحین میں دوسرے لفظوں کے ساتھ مرفوعاً مروی ہے(1)۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿41﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿42﴾

''اور جنہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی اس کے بعد کہ ان پر (طرح طرح کے) ظلم توڑے گئے تو ہم ضرور ان کو دنیا میں بھی بہتر ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ کاش! یہ جان لیتے۔ جنہوں نے (مصائب میں) صبر کیا اور (مشکلات میں اب بھی) اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں''۔

ان مہاجرین کا اجر بیان کیا جا رہا ہے جنہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر اپنا گھربار، مال ومتاع اور دوست واحباب چھوڑے اور اجر وثواب کی امید پر ہجرت کی۔ ممکن ہے کہ یہ آیات حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی ہوں جنہیں مکہ میں شدید اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تاکہ وہاں بلا خوف وخطر اپنے رب کی عبادت کر سکیں۔ ہجرت کرنے والا یہ گروہ تقریباً اسی افراد پر مشتمل تھا، یہ قدسی صفات سب مرد اور عورتیں صدیق اور صدیقہ تھے۔ اشراف قریش میں سے یہ شخصیات حامل تھیں۔ حضرت عثمان، آپ کی زوجہ محترمہ رقیہ بنت رسول ﷺ، حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسود رضی اللہ عنہم۔ اللہ تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ کو دنیا وآخرت میں عمدہ اجر کا مژدہ سناتے ہوئے فرمایا: لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا...... حضرات ابن عباس، شعبی اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قیام مدینہ کا ان کے ساتھ وعدہ کیا جا رہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ رزق طیب۔ ان دونوں اقوال کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ انہوں نے اپنے گھر اور اموال چھوڑے، اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں نعم البدل عطا فرما دیا، جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے کسی چیز کو ترک کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر عوض عطا فرماتا ہے اور اسی طرح ہی ہوا۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 28

اللہ تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ کو سلطنت واقتدار سے نوازا، لوگوں پر تسلط عطا فرمایا اور یہ امراء اور حکام بن گئے۔ ان میں سے ہر ایک متقین کا امام ہے اور ان ماجرین کو آخرت میں ملنے والا اجر وثواب دنیاوی عوض سے کہیں بڑھ کر ہے، فرمایا: وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ...... یعنی اجر آخرت اجر دنیا سے بڑا ہے، اگر ہجرت سے پیچھے رہ جانے والے لوگ ان مہاجرین کے ساتھ ہوتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیسا عمدہ اور عظیم اجر تیار کر رکھا ہے، اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی مہاجر کو اس کا حصہ عطا فرماتے تو کہتے :لو، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اس میں برکت ڈالے، یہ تو وہ حصہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ اس دنیا میں وعدہ کر رکھا ہے اور آخرت میں جو تمہارے لئے اجر تیار ہے وہ اس سے افضل ہے، پھر آپ اسی آیت لَنُبَوِّئَنَّهُمْ...... کی تلاوت کرتے (1)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: الَّذِيْنَ صَبَرُوْا...... یعنی ایذاء پر صبر کرنا اور اس اللہ پر بھروسہ کرنا ان کا شیوہ رہا جس نے جنہیں دنیا وآخرت میں عمدہ اجر عطا فرمایا۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ ؕ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

''اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے (رسول بنا کر) مگر مردوں کو ہم وحی بھیجتے ہیں ان کی طرف، پس دریافت کر لو اہل علم سے اگر تم خود نہیں جانتے۔ (پہلے رسولوں کو بھی ہم نے) روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا۔ اور (اسی طرح) ہم نے نازل کیا آپ پر یہ ذکر تا کہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کے لئے (اس ذکر کو) جو نازل کیا گیا ہے ان کی طرف تا کہ وہ غور وفکر کریں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رسول مبعوث فرمایا تو عرب کہنے لگے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ کسی بشر کو رسول بنا کر بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ (یونس:2) ''کیا (یہ بات) لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے وحی بھیجی ایک مرد (کامل) پر جو ان میں سے ہے کہ ڈراؤ لوگوں کو''۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا...... اہل ذکر سے مراد اہل کتاب ہیں یعنی اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہل کتاب سے دریافت کر لو کہ ان کی طرف آنے والے پیغمبر بشر تھے یا فرشتے؟ اگر تو وہ فرشتے تھے تو پھر تمہارے انکار کا کوئی جواز بنتا ہے اور اگر وہ بھی بشر تھے تو محمد ﷺ کی رسالت کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (یوسف:109) ''اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے''۔ یعنی پہلے پیغمبر جس طرح تم کہتے ہو، آسمان کے فرشتے نہیں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل ذکر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ ذکر سے مراد قرآن کریم ہے، اس کی دلیل یہ آیت ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:9) ''بیشک ہم ہی نے اتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔ ان کی یہ بات تو درست ہے لیکن یہاں یہ مراد نہیں کیونکہ قرآن کریم

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 107

کا مخالف انکار کے بعد اہل قرآن کی طرف کیسے رجوع کر سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت ابوجعفر باقر کا قول ہے کہ ہم (یہ امت) اہل ذکر ہیں، یہ بھی اپنی جگہ درست ہے کیونکہ یہ امت تمام سابقہ امتوں سے زیادہ علم وفہم رکھتی ہے، خصوصاً علمائے اہل بیت، جب وہ سنت مستقیمہ پر قائم رہیں، تمام علماء سے بہتر ہیں مثلاً حضرات علی، ابن عباس، حسن، حسین، محمد بن حنفیہ، امام زین العابدین، علی بن عبداللہ بن عباس، ابوجعفر باقر، ان کے بیٹے جعفر اور ان نفوس قدسیہ جیسے دیگر حضرات جو صراط مستقیم پر گامزن رہیں، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں، ہر صاحب حق کا حق پہنچانیں، ہر ایک شخص کو وہ مقام دیں جو اسے اللہ و رسول نے عطا کر رکھا ہو اور اہل ایمان کے دلوں میں ان کے لئے عزت و تکریم کے جذبات موجزن ہوں۔ الغرض یہ آیت کریمہ اس بات کی خبر دے رہی ہے کہ حضرت محمد ﷺ سے پہلے تشریف لانے والے پیغمبر بھی بشر ہی تھے، اسی طرح آپ ﷺ بھی بشر ہیں جیسا کہ فرمایا: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ﴿٩٣﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا (بنی اسرائیل: 94-93) ''آپ (ان سب خرافات کے جواب میں اتنا) فرما دیں کہ میرا رب (ہر عیب سے) پاک ہے میں کون ہوں مگر آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا۔ اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی ان کے پاس ہدایت مگر اس چیز نے کہ انہوں نے کہا کہ کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر! (ایسا نہیں ہو سکتا)''، وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ (الفرقان: 20) ''اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں''، وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ (الانبیاء: 8) ''اور نہیں بنائے ہم نے ان انبیاء کے (ایسے) جسم کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے''، قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف: 9) ''آپ کہئے میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں''، قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ (الکہف: 110) ''(اے پیکر رعنائی و زیبائی!) آپ فرمائیے کہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح وحی کی جاتی ہے میری طرف''۔ رسولوں کی بشریت میں شک کرنے والوں سے یہ تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ اہل کتاب سے ان کے انبیاء کے متعلق دریافت کریں کہ کیا وہ بشر تھے یا فرشتے، اس کے بعد بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو دلائل و براہین اور کتب کے ساتھ بھیجا۔ ''زُبُر'' زبور کی جمع ہے۔ زبر کا معنی ہے لکھنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ (القمر: 5) ''اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے ان کے نامہ اعمال میں درج ہے''، وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (الانبیاء: 105) ''اور بے شک ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں پند و موعظت کے (بیان کے) بعد کہ بلاشبہ زمین کے وارث تو میرے نیک بندے ہوں گے''، پھر فرمایا: وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ...... یعنی ہم نے یہ قرآن آپ کی طرف نازل کیا کیونکہ آپ اس کے معانی و مطالب کو خوب سمجھتے ہیں، اس کتاب کے آپ بہت حریص ہیں، آپ ہی سب سے زیادہ اس پر عمل کرتے ہیں اور آپ ہی افضل الخلق اور سید اولاد آدم ہیں۔ اس کے اجمال کی تفصیل اور اشکال کی وضاحت آپ ہی کر سکتے ہیں۔ آخر میں فرمایا: وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ تاکہ یہ لوگ غور وفکر کر کے ہدایت یافتہ ہو جائیں اور دارین میں فلاح پالیں۔

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٤٧﴾

"کیا بے خوف (اور نڈر) ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے برے مکر کئے کہ مبادا گاڑ دے اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں یا آ جائے ان پر عذاب اس طرح کہ (ان کو اس کی آمد کا) شعور ہی نہ ہو یا پکڑ لے انہیں جب وہ (اپنے کاروبار میں) دوڑ دھوپ کر رہے ہوں پس نہیں وہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے۔ یا پکڑ لے انہیں جب کہ وہ خوفزدہ ہو چکے ہوں۔ پس بیشک تمہارا رب بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے بے پایاں حلم اور ان نافرمانوں کو مہلت دینے کی خبر دے رہا ہے جو نہ صرف خود برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ اوروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں، اس طرح یہ خود گناہ کرنے کے علاوہ دوسروں کو بھی برائیوں پر اکسا کر نہایت مکر و فریب سے کام لے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرما رہا ہے اور انہیں ڈھیل دے رہا ہے حالانکہ وہ انہیں زمین میں دھنسا دینے یا اچانک کسی اور عذاب سے دوچار کر دینے پر پوری طرح قادر ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿١٦﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ (الملک: 17-16) "کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا۔ تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے"۔

اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں چلتے پھرتے، رزق کی تلاش میں دوڑ دھوپ کرتے یا سفر کرتے ہوئے پکڑ لے خواہ دن ہو یا رات۔ جیسا کہ فرمایا: اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ﴿٩٧﴾ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ (الاعراف: 98-97) "تو کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آ جائے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات اس حال میں کہ وہ سو رہے ہوں یا کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آ جائے ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت جبکہ وہ کھیل کود رہے ہوں"، وہ کسی حالت میں بھی ہوں اللہ تعالیٰ انہیں پکڑنے پر پوری طرح قادر ہے، کوئی اسے عاجز نہیں کر سکتا، پھر فرمایا: اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں خوفزدہ کر کے پکڑ لے، (1) یہ زیادہ سخت عذاب ہے کیونکہ اس سے پہلے خوف ہے، اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی ساتھی کی موت سے خوفزدہ کرنے کے بعد اسے پکڑ لے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ یعنی پکڑ پر پوری قدرت کے باوجود اللہ تعالیٰ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "کسی ناروا بات سننے پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صابر کوئی نہیں، لوگ اس کی اولاد ٹھہراتے ہیں اور وہ انہیں رزق اور عافیت سے نوازتا ہے" (2)۔ ایک اور حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اسے پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا" (3)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (ہود: 102) "اور یونہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو درآنحالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ بیشک اس کی پکڑ بڑی دردناک (اور) سخت ہوتی ہے"، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ (الحج: 48) "اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں میں نے (کافی عرصہ) ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (بھی جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 113
2۔ فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 511۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ: 2160
3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 8 صفحہ 354۔ صحیح مسلم، کتاب البر: 1997-1998

طرف ہی (سب کو) لوٹنا ہے''۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿٥٠﴾

''کیا انہوں نے نہیں دیکھا ان اشیاء کی طرف جنہیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے کہ بدلتے رہتے ہیں ان کے سائے دائیں سے (بائیں طرف) اور بائیں سے (دائیں طرف) سجدہ کرتے ہوئے اللہ کو اس حال میں کہ وہ اظہار عجز کر رہے ہیں۔ اور اللہ کے لئے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے یعنی ہر قسم کے جاندار اور فرشتے اور وہ غرور و تکبر نہیں کرتے۔ ڈرتے ہیں اپنے رب کی قدرت سے اور کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلالت اور کبریائی کے سامنے ہر چیز سرافگندہ ہے اور تمام مخلوقات جمادات ہوں یا حیوانات، مکلّف (جن و انس) ہوں یا غیر مکلّف (فرشتے)، تمام اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار غلام ہیں۔ فرمایا کہ ہر سایہ دار چیز صبح و شام دائیں بائیں جھک کر نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتی ہے۔ سائے کا دائیں بائیں جھکنا ہی ان کا سجدہ ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جب سورج ڈھلتا ہے تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے۔ قتادہ اور ضحاک وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد کا یہ بھی کہنا ہے کہ پہاڑوں بلکہ ہر شے کا سجدہ اس کا سایہ ہے۔ ابو غالب شیبانی کہتے ہیں کہ سمندر کی موجیں اس کی نماز ہے۔ ہر چیز (خواہ وہ غیر قابل اور بے جان ہو) کی طرف سجدہ کی نسبت کی حالانکہ سجدہ تو عاقل ہی کرتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اہل عقل کے قائم مقام رکھا گیا ہے کیونکہ ان سے بھی عاقلوں جیسا فعل سرزد ہو رہا ہے، فرمایا: وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ (الرعد: 15) ''اور اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، بعض خوشی سے اور بعض مجبوراً اور ان کے سائے بھی (سجدہ ریز ہیں) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی''، پھر فرشتوں کے متعلق فرمایا: وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ...... یعنی ملائکہ بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے بلکہ اپنے رب سے لرزاں و ترساں محو سجود رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر پوری طرح کاربند رہتے ہیں۔

وَ قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْۤا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٥١﴾ وَ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿٥٣﴾ ۚ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾ ۙ لِيَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہ بناؤ دو خدا۔ وہ تو صرف ایک ہی خدا ہے (اس نے فرمایا) پس فقط مجھ سے ہی ڈرا کرو۔ اور اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی کی تابعداری اور اطاعت لازمی ہے تو کیا اللہ کے سوا غیروں سے ڈرتے ہو۔ اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں، پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی جناب

میں گڑگڑاتے ہو پھر جب اللہ تعالیٰ دور فرما دیتا ہے تکلیف کو تم سے تو فوراً ایک گروہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ اس طرح وہ ناشکری کرتے ہیں ان نعمتوں کی جو ہم نے انہیں عطا کی ہیں۔ پس (اے ناشکرو!) لطف اٹھا لو چندروز تمہیں (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، عبادت کے لائق صرف وہی وحدہ لاشریک ہے کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق، مالک اور رب ہے۔ ہمیشہ اسی کی عبادت لازمی ہے۔ "وَاصِبًا" کا مطلب بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ ہمیشہ ہے۔ ایک اور روایت میں آپ واجب اور لازم بتاتے ہیں اور مجاہد اس کا معنی خالص بتاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (آل عمران: 83) "کیا اللہ کے دین کے سوا (کوئی اور دین) تلاش کرتے ہیں حالانکہ اسی کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ خوشی سے یا مجبوری سے اور اس کی طرف وہ (سب) لوٹائے جائیں گے"، حضرات ابن عباس اور عکرمہ کے قول کے مطابق یہ باب خبر سے ہے جبکہ مجاہد کے قول کے مطابق یہ باب انشاء سے ہے یعنی تم میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے ڈرو اور میرے لئے ہی خالص اطاعت کرو جیسا کہ فرمایا: اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (الزمر: 3) "خبردار! صرف اللہ کے لئے ہے دین خالص"، پھر اس بات سے آگاہ کیا کہ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ بندوں کو ملنے والا رزق، نعمت، عافیت اور نصرت سب اس کے فضل و احسان کا کرشمہ ہے، فرمایا: ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ...... تکلیف پہنچنے پر تم اسی کے حضور گڑگڑا کر التجائیں کرتے ہو کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ تکلیف کو دور کرنے پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے۔ اس لئے ضروریات کے وقت تم اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتے ہو، اسی کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہو، اور اسی سے عجز و نیاز کے ساتھ مدد مانگتے ہو۔ جیسا کہ فرمایا: وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا (بنی اسرائیل: 67) "اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ پس جب وہ خیر و عافیت سے تمہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے (تو) تم روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان (واقعی) بڑا ناشکرا ہے"، اور یہاں فرمایا: ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ...... لِيَكْفُرُوْا میں لام عاقبت کے لئے ہے یا تعلیل کے لئے یعنی ہم نے یہ خصلت ان کے لئے مقدر کر دی ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھپائیں اور ان کا انکار کریں، حالانکہ نعمتیں عطا کرنے والا اور تکالیف کو دور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، پھر انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: فَتَمَتَّعُوْا...... یعنی جو چاہو کرو اور موجودہ زندگی اور نعمتوں سے فائدہ اٹھا لو، عنقریب اس کا انجام تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿56﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿57﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿58﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿59﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿60﴾

"اور مقرر کرتے ہیں ان کے لئے جن کو یہ جانتے ہی نہیں حصہ اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے۔ اللہ کی قسم! تم سے ضرور

باز پرس ہوگی اس کے متعلق جو تم بہتان باندھا کرتے ہو۔ اور تجویز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں سبحان اللہ! اور ان کے لئے تو وہ (بیٹے) ہیں جنہیں وہ پسند کرتے ہیں۔ اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو بیٹی (کی پیدائش) کی تو (غم سے) اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ (رنج واندوہ سے) بھر جاتا ہے۔ چھپتا پھرتا ہے لوگوں (کی نظروں) سے اس بری خبر کے باعث جو دی گئی ہے اسے۔ (اب یہ سوچتا ہے کہ) کیا وہ اس بچی کو اپنے پاس رکھے ذلت کے ساتھ یا گاڑ دے اسے مٹی میں۔ آہ! کتنا برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بری صفتیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اعلیٰ صفات کا مالک ہے اور وہی سب پر غالب بڑا، دانا ہے''۔

مشرکین کی قبیح روش کا ذکر ہو رہا ہے جو نہ صرف اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کچھ حصہ اپنے بتوں کے نام کر دیتے ہیں، کہتے ہیں: هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (الانعام: 136) ''یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کے لئے۔ تو وہ (حصہ) جو ان کے شریکوں کے لئے تو وہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کو اور جو (حصہ) ہو اللہ تعالیٰ کے لئے تو وہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کو کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں''، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اپنے معبودان باطلہ کے لئے بھی حصہ مقرر کرتے ہیں بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ پر ترجیح دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھا کر یہ باور کرا دیا کہ وہ ضرور ان کی افتراء پردازیوں اور بہتان تراشیوں کے متعلق ان سے باز پرس کرے گا اور انہیں جہنم رسید کر کے ان کی بداعمالیوں کا پورا پورا بدلہ دے گا، فرمایا: تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ...... ان مشرکین کی ایک اور زیادتی یہ ہے کہ انہوں نے ملائکہ کو عورتیں سمجھ رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں گردان کر ان کی بھی عبادت کرتے ہیں حالانکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ یہ کس الٹی کھوپڑی کے لوگ ہیں جنہوں نے یہ یقین کر کے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ اس مقام پر ان سے تین جرم سرزد ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ٹھہرانا حالانکہ اس کی کوئی اولاد نہیں، پھر اولاد میں سے کمتر اور نکمی قسم اللہ تعالیٰ کے لئے تجویز کرنا یعنی بیٹیاں حالانکہ وہ انہیں اپنے لئے پسند نہیں کرتے جیسا کہ فرمایا: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (النجم: 22-21) ''کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لئے نری بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے''، یہاں فرمایا: وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ یعنی ان کا یہ قول سراسر بہتان ہے ''اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ (الصافات: 154-151)'' غور سے سنو! وہ جھوٹی تہمت لگاتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بچے جنے۔ اور وہ بلاشبہ جھوٹ بکتے ہیں۔ کیا اس نے پسند کی ہیں (اپنے لئے) بیٹیاں، بیٹوں کو چھوڑ کر۔ تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو''، فرمایا: وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ یعنی اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہیں اور ان بیٹیوں سے نفرت کرتے ہیں جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بہت برتر ہے۔ ان کی یہ حالت ہے کہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی ولادت کی خبر دی جاتی ہے تو فرط غم سے اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم واندوہ سے شکستہ خاطر ہو جاتا ہے اور غم وحزن سے بھرا ہوا ہونے کی وجہ سے خاموشی اختیار کر لیتا ہے اور اس بری خبر کے باعث لوگوں سے چھپا چھپا رہتا ہے۔ سوچتا ہے کہ اگر اسے باقی رکھے تو ذلت کا سامنا کرنا ہوگا۔ باقی رکھنے کی صورت میں نہ وہ اسے وارث بنانے پر آمادہ ہوتا ہے اور نہ حسن سلوک کرنے پر بلکہ اس پر اپنے بیٹوں کو فضیلت دیتا ہے یا اس کے ذہن میں ایک اور ترکیب آتی ہے کہ اسے زندہ درگور کر دے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا۔ کیسا ظلم اور اندھیر ہے کہ وہ خود لڑکیوں

سے اس قدر نفرت کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف انہیں منسوب کرتے وقت انہیں ذرا شرم نہیں آتی! فرمایا: اَلَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ کیسا برا فیصلہ اور کیسی بری تقسیم ہے ان کی! جیسا کہ فرمایا: وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ (الزخرف:17) ''اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو اس کی جس کی نسبت اس نے رحمٰن کی طرف کی ہے تو اس کا چہرہ (فرط رنج سے) سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کا دل غم سے بھر جاتا ہے''، اور یہاں فرمایا: لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ...... یعنی آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے لئے بری حالت اور نقصان ہے جبکہ ہر طرح کا کمال مطلق اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے۔

وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَ تَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَ اَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾

''اور اگر (فوراً) پکڑ لیا کرتا اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم کے باعث تو نہ چھوڑتا زمین پر کسی جاندار کو لیکن وہ مہلت دیتا ہے انہیں ایک مقررہ میعاد تک پس جب آ جاتی ہے ان کی (مقررہ) میعاد تو نہ وہ ایک لحہ پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ آگے ہو سکتے ہیں۔ اور تجویز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے (بیٹیاں) جنہیں وہ (اپنے لئے) ناپسند کرتے ہیں اور بیان کرتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ (جب وہ کہتی ہیں کہ) فقط انہیں کے لئے بھلائی ہے۔ یقیناً ان کے لئے تو آتش (جہنم) ہے اور انہیں کو (دوزخ میں) پہلے بھیجا جائے گا''۔

مخلوق کے ظلم اور گناہ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے حلم اور لطف وکرم کا مظاہرہ فرماتا ہے۔ اگر وہ لوگوں کو ان کی بداعمالیوں کے باعث پکڑ لیتا تو کوئی جاندار سطح زمین پر نظر نہ آتا بلکہ اولاد آدم کے ساتھ ساتھ زمین پر بسنے والے جانوروں کو بھی ہلاک کر دیتا لیکن وہ درگزر اور پردہ پوشی کرتا ہے۔ ایک مقررہ میعاد تک مہلت دیتا ہے، اس معینہ مدت سے پہلے وہ کسی کو سزا نہیں دیتا، اگر وہ ایسا کرتا تو کسی چیز کو باقی نہ رکھتا۔ ابوالاحوص فرماتے ہیں کہ بہت ممکن ہے اولاد آدم کے گناہوں کے سبب کیڑے مکوڑے بھی عذاب سے نہ بچیں، پھر انہوں نے یہ آیت وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ...... پڑھی۔ حضرت عبداللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ قریب ہے سیاہ بھنورا اپنی بل میں اولاد آدم کی خطاؤں کے باعث ہلاک کر دیا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ظالم صرف خود کو ہی نقصان پہنچاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: نہیں نہیں، بلکہ اس کے ظلم کی وجہ سے پرندے بھی گھونسلوں میں ہلاک ہو جاتے ہیں (1)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے سامنے کسی چیز کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب کسی چیز کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پھر مہلت نہیں دیتا۔ عمر کی زیادتی نیک اولاد کے باعث ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو عطا فرماتا ہے۔ مرنے کے بعد اس کی اولاد اس کے لئے دعائیں کرتی ہے جو قبر میں اس تک پہنچتی رہتی ہیں، پس یہی عمر کی زیادتی ہے'' (2)۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ...... یعنی یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں اور شرکاء تجویز کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں لیکن اپنے مال میں کسی

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 126
2۔ ابن ابی حاتم

کو شریک کرنا گوارا نہیں کرتے، اور ان کا یہ دعویٰ بالکل جھوٹا ہے کہ دنیا کی راحتیں بھی ہمارے لئے ہی ہیں اور اگر بالفرض قیامت آ بھی گئی تو اخروی راحتیں بھی ہمارے ہی نصیب میں ہوں گی، انہی کے متعلق فرمایا: وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ (ہود: 10-9) ’’اور اگر ہم چکھائیں کسی انسان کو اپنی طرف سے رحمت (کا مزہ) پھر ہم چھین لیں اس رحمت کو اس سے تو وہ بڑا مایوس (اور) ناشکرا بن جاتا ہے۔ اور اگر ہم چکھاتے ہیں اسے کوئی نعمت اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ دور ہو گئیں سب تکلیفیں مجھ سے۔ بیشک وہ بڑا خوش ہونے والا، اترانے والا ہے)، وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ (حم السجدۃ: 50) ’’اور اگر ہم چکھائیں اسے رحمت اپنی جناب سے اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچتی ہے تو کہتا ہے میں اسی کا مستحق ہوں۔ اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہوگی۔ اور اگر میں لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میرے لئے اس کے پاس بھی اکرام ہی اکرام ہوگا۔ (یہ احمق کیا سوچ رہے ہیں) ہم تو آگاہ کریں گے کافروں کو جو کرتوت انہوں نے کئے، اور ہم ضرور چکھائیں گے انہیں سخت عذاب‘‘، اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا (مریم: 77) ’’کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور ضرور دیا جائے گا مال اور اولاد (اس لاف زنی کی وجہ کیا ہے‘‘، دو آدمیوں میں سے ایک کے متعلق فرمایا: وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا (الکہف: 36-35) ’’اور (ایک دن) وہ اپنے باغ میں گیا درآنحالیکہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا۔ کہنے لگا میں نہیں خیال کرتا کہ (یہ سرسبز و شاداب) باغ کبھی برباد ہوگا۔ اور میں یہ خیال بھی نہیں کرتا کہ کبھی قیامت بھی برپا ہوگی۔ اور بفرض محال اگر مجھے لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میں پاؤں گا اس (نزہت گاہ) سے بہتر پلٹنے کی جگہ‘‘۔ یہ مشرکین برے اعمال کا بھی ارتکاب کر رہے ہیں اور باطل تمناؤں کا بھی سہارا لئے ہوئے ہیں کہ انہیں برے اعمال کی بھی اچھی سزا ملے گی حالانکہ یہ محال ہے جیسا کہ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت مشرکین کو کعبہ کی بنیادوں سے ایک پتھر ملا جس پر یہ تحریر تھا: تم برائیاں کرتے ہو اور نیک اجر کی خواہش رکھتے ہو؟ یہ تو کانٹوں سے انگور چننے کے مترادف ہے (1)۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى سے مراد لونڈی غلام ہیں، جبکہ ابن جریر کہتے ہیں کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ انہیں قیامت کے دن عمدہ اجر ملے گا، یہی بات درست ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے اور ان کی آرزو کو خاک میں ملاتے ہوئے فرمایا: لَا جَرَمَ ...... یعنی یقیناً قیامت کے دن ان کے لئے آتش جہنم ہے اور وہاں انہیں فراموش اور برباد کر دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا (الاعراف: 51) ’’سو آج ہم فراموش کر دیں گے انہیں جیسے بھلا دیا تھا انہوں نے اس دن کی ملاقات کو‘‘۔ قتادہ ’’مُفْرَطُوْنَ‘‘ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ انہیں پہلے جلد ہی آگ میں دھکیل دیا جائے گا، لیکن ان اقوال میں تضاد والی کوئی بات نہیں کیونکہ قیامت کے دن انہیں جلد جہنم رسید کر دیا جائے گا اور وہاں انہیں فراموش بھی کر دیا جائے گا یعنی ہمیشہ وہاں ہی رہیں گے۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَ

1- سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 196

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾

"بخدا! ہم نے بھیجا ہے (رسولوں کو) مختلف قوموں کی طرف آپ سے پہلے پس آراستہ کر دیا ان کے شیطان نے ان کے (برے) اعمال کو پس وہی ان کا دوست ہے آج بھی اور ان کے لئے عذاب الیم ہے اور نہیں اتاری ہے ہم نے آپ پر یہ کتاب مگر اس لئے کہ آپ صاف صاف بیان کر دیں ان کے لئے وہ بات جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور (یہ کتاب) سراپا ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایماندار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی پھر زندہ کیا اس سے زمین کو اس کے بنجر بن جانے کے بعد۔ بے شک اس میں (کھلی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو (حق کی آواز) سنتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے سابقہ امتوں کی طرف بھی رسول مبعوث کئے اور انہوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا، اس لئے اے ہمارے رسول ﷺ! آپ ﷺ کے لئے پہلے رسولوں کی مثالیں موجود ہیں، اس لئے ان مشرکین کی تکذیب سے آپ دل گرفتہ نہ ہوں۔ پہلے پیغمبروں کی تکذیب پر شیطان نے مشرکین کو اکسایا، کیونکہ شیطان نے ان کے اعمال خوشنما بنا کر پیش کئے۔ شیطان ہی ان کا دوست ہے اور یہ عبرت ناک عذاب سے دوچار ہونے والے ہیں لیکن ان کا دوست شیطان نہ ان کی مدد کر سکتا ہے اور نہ فریادرسی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ پر قرآن کریم نازل کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ آپ لوگوں کی اختلافی باتوں کو واضح طور پر بیان کر دیں۔ قرآن کریم لوگوں کے تمام تنازعات کا فیصلہ کرنے والا ہے، یہ دلوں کے لئے ہدایت اور اسے مضبوطی سے تھامنے والے اہل ایمان کے لئے رحمت ہے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اسی طرح کفر کے باعث مردہ ہو جانے والے دلوں کو زندگی بخشتا ہے جس طرح بارش کے پانی کے سبب بنجر زمین کو۔ اس میں ان لوگوں کے لئے قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں جو کلام الٰہی کو سنتے اور سمجھتے ہیں۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

"اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں ایک عبرت ہے۔ دیکھو! ہم تمہیں پلاتے ہیں جو ان کے شکموں میں گوبر اور خون ہے ان کے درمیان سے نکال کر خالص دودھ جو بہت خوش ذائقہ ہے پینے والوں کے لئے۔ اور (ہم پلاتے ہیں تمہیں) کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم بناتے ہو اس سے میٹھا رس اور پاک رزق۔ بلاشبہ اس میں بھی (ہماری قدرت کی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سمجھدار ہیں"۔

یہاں "اَنْعَام" (مویشی) سے مراد اونٹ، گائے اور بکریاں ہیں۔ ان مویشیوں میں ان کے خالق کی حکمت، قدرت اور لطف و کرم کی نشانیاں موجود ہیں۔ "بُطُوْنِهٖ" کی ضمیر مفرد ذکر کی، یا تو نعمت کے معنی کو مرجع بناتے ہوئے یا حیوان کو کیونکہ مویشی بھی حیوان ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اس میں سے جو ان کے شکموں میں ہوتا ہے، نہایت خالص اور خوش ذائقہ دودھ پلاتے ہیں۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا: مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا (المومنون: 21) "اس (دودھ) سے جو ان کے شکموں میں ہے"، یعنی ایک جگہ مذکر ضمیر ذکر کی اور دوسری جگہ

مونث۔ یہ دونوں جائز ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے: كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿١١﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ (عبس: 12) ''ایسا نہ چاہئے یہ تو نصیحت ہے۔ سو جس کا جی چاہے اسے قبول کرلے''، حالانکہ ''ھا'' اور ''ہ'' ضمائر کا مرجع ایک (قرآن) ہی ہے۔ اسی طرح اس آیت میں بھی ہے: وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَیْمٰنَ..... (النمل: 36-35) ''اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف ایک تحفہ پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں۔ سو جب قاصد آپ کے پاس (ہدیہ لے کر) آیا.....''، اس میں ''جآء'' مذکر لایا گیا ہے یعنی ''جآء المال''۔ فرمایا: مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا...... یعنی حیوان کے شکم میں دودھ گوبر اور خون کے اثرات سے بالکل پاک ہوتا ہے اور اپنی سفیدی، ذائقہ اور حلاوت میں نہایت عمدہ اور خالص۔ غذا ایک ہی ہوتی ہے جو معدے میں جاتی ہے۔ غذا کے ہضم ہو جانے کے بعد خون رگوں کی طرف دوڑ جاتا ہے، دودھ تھنوں میں، پیشاب مثانہ میں اور گوبر اپنے مخرج کی راہ لیتا ہے، کسی کی مجال نہیں کہ وہ دوسرے کے ساتھ مل جائے۔ حلق میں آرام سے اترنے والا خالص اور خوش ذائقہ دودھ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے۔ اس نعمت کی یاد دہانی کے بعد پھلوں سے کشید کئے گئے رس کا ذکر ہو رہا ہے۔ کھجور اور انگور کے رس سے لوگ نبیذ اور شراب بنا لیتے ہیں۔ یہ تحریم خمر سے پہلے کی بات ہے، یہاں اس احسان کا ذکر کرنا شراب کی حرمت سے پہلے شرعی طور پر اس کے مباح ہونے کی دلیل ہے اور اس بات پر بھی دلیل ہے کہ کھجور سے کشید کی جانے والی شراب اور انگور سے کشید کی جانے والی شراب دونوں کا یکساں حکم ہے جیسا کہ امام مالک، شافعی، احمد اور جمہور علماء کا مذہب ہے، اسی طرح یہی حکم ان شرابوں کا ہے جو گندم، جو، مکئی اور شہد سے حاصل کی جاتی ہیں جیسا کہ احادیث میں ان کا تفصیلی حکم موجود ہے۔ ان کی شرح وبسط کا یہ مقام نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان (کھجور، انگور) کے پھلوں سے کشید کی جانے والی جو چیز حرام ہے وہی شراب ہے اور رزق حسن وہ ہے جو ان کے پھلوں میں سے حلال کیا گیا ہے ایک اور روایت میں ہے کہ ان سے شراب بنا کر پینا حرام ہے جبکہ ان پھلوں کو کھانا حلال ہے اور یہی رزق حسن ہے یعنی جب کھجوریں اور انگور خشک ہو جائیں تو ان سے شیرہ، سرکہ اور نبیذ بنانا جائز ہے۔ نبیذ حلال ہے بشرطیکہ وہ گاڑھا نہ ہو اور نہ جوش مارے، آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ یہاں عقل کا ذکر نہایت مناسب اور موزوں ہے کیونکہ یہ انسان میں سب سے افضل اور اعلیٰ جوہر ہے، اسی لئے عقول کو بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر نشہ آور چیزیں حرام کر دی ہیں، فرمایا: وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ ﴿٣٤﴾ لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ (یٰسین: 36-34) ''اور ہم نے اگائے اس میں باغات کھجور اور انگوروں کے اور جاری کر دیئے اس میں چشمے۔ تاکہ کھائیں وہ اس کے پھلوں سے اور نہیں بنایا ہے اس کو ان کے ہاتھوں نے۔ کیا وہ (ان نعمتوں پر) شکر ادا نہیں کرتے۔ ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں وہ (ابھی) نہیں جانتے''۔

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿٦٨﴾
ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ
اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٦٩﴾

''اور ڈال دی آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات کہ بنا پہاڑوں میں (اپنے) چھتے اور درختوں (کی شاخوں)

میں اور ان چھپروں میں جو لوگ بناتے ہیں۔ پھر رس چوسا کر ہر قسم کے پھلوں سے پس چلتی رہا کر اپنے رب کی آسان کی ہوئی راہوں پر (یوں) نکلتا ہے ان کے شکموں سے ایک شربت مختلف رنگوں والا، اس میں شفا ہے لوگوں کے لئے۔ بیشک اس میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں''۔

یہاں وحی سے مراد الہام (دل میں کوئی بات ڈالنا)، ہدایت اور ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کی فطرت میں یہ بات رکھ دی کہ وہ پہاڑوں، درختوں، چھپروں اور چھتوں پر اپنے چھتے بنائے، پھر لطف کی بات یہ ہے کہ اس کمزور مخلوق کا چھتہ نہایت محکم، پختہ، منظم اور مسدس خانوں میں مرتب ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پھلوں کے رس چوس کر لانے کی طرف اس کی رہنمائی کی اور اس کی آمدورفت کے لئے اس عظیم فضاء، دور دراز جنگلوں، وادیوں اور بلند پہاڑوں میں رستے آسان بنا دیئے۔ جس رستے یہ مکھی جاتی ہے، اسی رستے سے واپس آجاتی ہے اور رستہ نہیں بھٹکتی۔ چھتے میں موم بھی بنتا ہے، شہد بھی تیار ہوتا ہے اور بچے بھی جنم لیتے ہیں۔ اپنے پروں سے موم بناتی ہے، منہ سے شہد نکلتا ہے اور دبر سے بچے۔ قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید نے ''ذُلُلًا'' (مطیع) کو ''اُسْلُكِي'' کی ضمیر سے حال بنایا ہے(1)۔ ابن زید کہتے ہیں کہ یہ اس آیت کی طرح ہے: وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ (یٰسین: 72) ''اور ہم نے تابعدار بنا دیا انہیں ان کا۔ پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا (گوشت) کھاتے ہیں''، اس کی دلیل یہ ہے کہ لوگ مکھیوں کو چھتوں سمیت ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کر دیتے ہیں لیکن پہلا قول زیادہ موزوں ہے یعنی ''ذُلُلًا''، ''سُبُلَ'' (رستے) سے حال ہے یعنی مکھی کو ان رستوں پر چلنے کا حکم ہوا جو اس کے لئے آسان کر دیئے گئے ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ دونوں قول صحیح ہیں(2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مکھیوں کی عمر چالیس دن ہوتی ہے، بجز شہد کی مکھیوں کے تمام مکھیاں آگ میں ہیں''(3)۔

يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا...... یعنی شہد کی مکھیوں کے شکم سے سفید، زرد، سرخ اور دیگر خوشنما رنگوں کا مشروب نکلتا ہے یعنی پھلوں، پھولوں، کونپلوں اور پتوں کے مطابق رنگوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ شہد سے شفاء نصیب ہوتی ہے۔ طب نبوی پر گفتگو کرنے والے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اگر یہاں فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ کہا جاتا تو اس سے یہ لازم آتا کہ شہد ہر بیماری کی دوا ہے لیکن فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ یعنی شفاء نکرہ ذکر فرمایا اس کا مطلب یہ ہوا کہ شہد چونکہ گرم ہے، اس لئے یہ سرد بیماریوں کی دوا ہے اور علاج ہمیشہ ضد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ مجاہد اور ابن جریر کہتے ہیں کہ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے یعنی قرآن کریم میں شفاء ہے۔ یہ قول اپنی جگہ درست تو ہے لیکن یہاں مراد نہیں لیا جا سکتا کیونکہ اس آیت کریمہ میں ذکر شہد کا ہو رہا ہے، اس لئے مجاہد کے قول کو تسلیم نہیں کیا گیا، البتہ قرآن کریم کے شفا ہونے کا ذکر ان آیات میں ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرائیل: 82) ''اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے''، آیت کریمہ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ میں شہد مراد لئے جانے کی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگے کہ میرے بھائی کو اسہال کی شکایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے شہد پلاؤ''۔ وہ شخص چلا گیا، اپنے بھائی کو شہد پلانے کے بعد پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اسے شہد پلایا تو اس کے اسہال میں اضافہ ہو گیا۔ آپ ﷺ

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 140 2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 140 3۔ مسند ابی یعلی، جلد 7 صفحہ 230

نے فرمایا: ”جاؤ اور اسے شہد پلاؤ“ وہ چلا گیا، شہد پلانے کے بعد پھر حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! شہد نے تو اسہال میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ سچا ہے اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جاؤ اور اسے شہد دو۔“ اب کی بار شہد پلانے سے وہ بالکل صحت یاب ہو گیا(1)۔ بعض طبیبوں کا کہنا ہے کہ اس شخص کے پیٹ میں فضلے کی زیادتی تھی۔ گرم شہد پلانے سے فضلہ تحلیل ہو کر تیزی سے باہر نکلنے لگا اور دست بڑھ گئے۔ اعرابی یہ سمجھا کہ شہد اس کے بھائی کے لئے مضر ہے حالانکہ اس کے لئے وہی موزوں تھا۔ دوسری مرتبہ شہد پلانے سے فضلے کی تحلیل اور اسہال میں مزید اضافہ ہو گیا، پھر تیسری مرتبہ پلانے سے بھی ایسا ہی ہوا۔ جب تمام فاسد اور مضر بدن فضلہ خارج ہو گیا تو دست رک گئے، اس کا معدہ اور مزاج درست ہو گیا اور حضور ﷺ کے تجویز کردہ علاج کے باعث مکمل طور پر شفاء یاب ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو حلوا (ہر میٹھی چیز) اور شہد بہت پسند تھا“(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین چیزوں میں شفاء ہے: پچھنے لگوانے میں، شہد پینے میں اور بذریعہ آگ داغ لگوانے میں لیکن میں اپنی امتی کو داغوانے سے منع کرتا ہوں“(3)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمہاری دواؤں میں سے اگر کسی میں شفاء ہے تو پچھنے لگوانے میں، شہد پینے میں اور آگ سے داغ لگوانے میں ہے جو بیماری کے مناسب ہو۔ البتہ داغ لگوانا مجھے پسند نہیں“(4)۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر کسی چیز میں شفاء ہے تو تین چیزوں میں: پچھنے لگوانے، شہد پینے اور تکلیف کی جگہ بذریعہ آگ داغ لگوانے میں، لیکن داغوانا مجھے ناپسند ہے، میں اسے پسند نہیں کرتا“(5)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو شفاؤں کو لازم پکڑو: شہد اور قرآن“(6)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شفاء کا خواہش مند ہو تو وہ کسی کاغذ پر کتاب اللہ کی کوئی آیت لکھ لے اور اسے بارش کے پانی سے دھولے اور اپنی بیوی کے مال میں سے اس کی رضامندی سے کچھ پیسے لے کر شہد خرید لے اور بارش کے پانی کی طرح اسے بھی پی لے، اس میں کئی اعتبار سے شفاء ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرائیل: 82) ”اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے“، وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا (ق: 9) ”اور ہم نے اتارا آسمان سے برکت والا پانی“، فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا (النساء: 4) ”پھر اگر وہ بخش دیں تمہیں کچھ اس سے خوشدلی سے تو کھاؤ اسے لذت حاصل کرتے ہوئے خوشگوار سمجھتے ہوئے“، اور شہد کے متعلق فرمایا: فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص ہر مہینے تین دن صبح کے وقت شہد چاٹ لے، وہ کسی بڑی بلا میں مبتلا نہیں ہوتا“(7)۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سنا (سنا مکی) اور سنوت (زیرہ، شہد یا پنیر) استعمال کیا کرو۔ ان میں بجز سام ہر بیماری کی شفاء ہے“ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! سام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”موت“(8)۔ ابن ابی عبلہ نے سنوت کا معنی شبت (سوئے کا ساگ) بتایا ہے جبکہ دوسرے لوگ اس سے وہ شہد مراد لیتے ہیں جو گھی کے مشکیزے میں رکھا ہوا ہو۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ...... یعنی شہد کی مکھی جیسی کمزور مخلوق کو بذریعہ الہام

1۔ صحیح بخاری، کتاب الطب، جلد 7 صفحہ 165 صحیح مسلم، کتاب السلام: 1736-1737
2۔ صحیح بخاری، کتاب الاشربۃ، جلد 7 صفحہ 143 صحیح مسلم، کتاب الطلاق: 1101
3۔ صحیح بخاری، کتاب الطب، جلد 7 صفحہ 159
4۔ کتاب الطب صحیح مسلم، کتاب السلام: 1729-1730
5۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 146
6۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب: 1142
7۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب: 1142
8۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب: 1144

شہد بنانے کی تدبیر سے آگاہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، قدرت، علم اور حکمت کی نشانیاں موجود ہیں۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ۫ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے تمہیں پھر جان قبض کرے گا تمہاری اور تم میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں لوٹا دیا جاتا ہے ناکارہ عمر کی طرف تاکہ وہ کچھ نہ جانے جان لینے کے بعد بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قادر ہے''۔

اللہ تعالیٰ بندوں میں اپنے تصرف سے باخبر کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام لوگوں کو عدم سے وجود بخشتا ہے۔ پھر ان کی ارواح قبض کر لیتا ہے۔ بعض لوگوں کو طویل عمر عطا کرتا ہے اور وہ پیرانہ سالی، کمزوری اور عجز کا شکار ہو جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً (الروم: 54) ''اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں (ابتداء میں) کمزور پیدا فرمایا پھر عطا کی (تمہیں) کمزوری کے بعد قوت۔ پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا''، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''اَرْذَلِ الْعُمُرِ'' (نکمی عمر) پچھتر سال کی ہے۔ اس عمر میں انسان ضعف اعضاء، فساد عقل، سوء حفظ اور قلت علم کا شکار ہو جاتا ہے اس لئے فرمایا: لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا یعنی عالم ہونے کے بعد اس کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ عجز اور فساد عقل کی وجہ سے کوئی چیز نہیں جانتا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَاَرْذَلِ الْعُمُرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَةِ الدَّجَالِ وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ(1)۔ ''میں تجھ سے بخل، کاہلی، بڑھاپے، نکمی عمر، عذاب قبر، فتنہ دجال اور فتنہ موت و حیات سے پناہ مانگتا ہوں''۔ زہیر بن ابی سلمی نے بھی اپنے مشہور معلقہ میں اس عمر کی تکالیف کا تذکرہ کیا ہے۔

وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے برتری بخشی ہے تم میں سے بعض کو بعض پر دولت کے لحاظ سے۔ پس (اب بتاؤ) کیا وہ لوگ جنہیں برتری بخشی گئی ہے وہ لوٹانے والے ہیں اپنی دولت کو ان لوگوں پر جو ان کے مملوک ہیں تاکہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں؟ (ہرگز نہیں) تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں''۔

مشرکین کی جہالت اور کفر کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرا لئے ہیں حالانکہ وہ اس بات کے معترف ہیں کہ یہ شرکاء اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں جیسا کہ وہ حج کے موقعہ پر اپنے تلبیہ میں کہتے: ''ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جسے تو نے خود بنایا ہے۔ اس کا بھی اور اس کے مملوک کا بھی تو مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم اپنے رزق میں اپنے غلاموں کی مساویانہ شرکت کو پسند نہیں کرتے تو بھلا اللہ تعالیٰ کس طرح اس بات پر راضی ہو سکتا ہے کہ اس کے غلام الوہیت اور تعظیم میں مساوی طور پر اس کے شریک ہوں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ (الروم: 28) ''اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لئے ایک مثال

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ نحل، جلد 8 صفحہ 387-388

تمہارے ہی حالات میں سے۔ (یہ بتاؤ) کیا تمہارے غلام تمہارے حصہ دار ہوتے ہیں اس مال میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے یوں کہ تم (اور وہ) اس میں برابر کے حصہ دار بن جاؤ۔ حتیٰ کہ تم ڈرانے لگو ان سے جیسے تم ڈرتے ہو آپس میں ایک دوسرے سے''، حضرت ابن عباس اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو یہ بات گوارہ نہیں کہ ان کے غلام ان کے اموال اور عورتوں میں ان کے ساتھ شریک ہو جائیں تو پھر یہ لوگ میرے غلاموں کو کس طرح میری خدائی میں میرے ساتھ شریک کرتے ہیں، یہی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار ہے۔ ایک دوسری روایت میں آپ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میرے لئے وہ کیوں پسند کرتے ہو جو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے (1)۔ مجاہد اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہاں معبودان باطلہ کی مثال بیان ہو رہی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ اے نادانو! کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اپنے غلاموں کو اپنی بیویوں اور بستروں میں شریک کر لو تا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کو شرک کرنے کا دعویٰ کر سکو؟ اگر تم اپنے لئے یہ بات پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ بدرجہ اولیٰ اس سے منزہ ہے۔

اَفَبِنِعۡمَةِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو کھیتیاں اور مویشی پیدا کئے ہیں، ان میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے مقرر کر لیتے ہیں اور بتوں کے لئے بھی۔ انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں، اس سے بڑھ کر کفران نعمت کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں لکھا: دنیا میں اپنے رزق پر قناعت کرو، کیونکہ رحمٰن نے رزق میں بعض کو بعض پر ترجیح دی ہے، یہ ایسی آزمائش ہے جس کے ذریعے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ آزماتا ہے۔ کسی کو وہ رزق کی فراوانی سے آزماتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے اور اس حق کی ادائیگی کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں اس پر فرض ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ بَنِيۡنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالۡبَاطِلِ يُؤۡمِنُوۡنَ وَبِنِعۡمَتِ اللّٰهِ هُمۡ يَكۡفُرُوۡنَ ۙ﴿۷۲﴾

''اور اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائیں تمہارے لئے تمہاری جنس سے عورتیں اور پیدا فرمائے تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے اور رزق عطا فرمایا تمہیں پاکیزہ۔ تو کیا (یہ لوگ) باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کی ناشکری کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنے انعامات کی یاد دہانی کرا رہا ہے کہ اس نے لوگوں کے لئے ان کی جنس اور شکل کی عورتیں پیدا کیں (2)۔ اگر یہ کسی اور جنس سے ہوتیں تو باہمی الفت، محبت اور رحمت مفقود ہوتی لیکن یہ اس کی خصوصی رحمت ہے کہ اس نے اولاد آدم کو مذکر و مونث میں تقسیم کر دیا۔ یہی ہم جنس مذکر و مونث رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں اور پھر ان سے اللہ تعالیٰ بیٹوں اور پوتے پوتیوں کی نعمت سے سرفراز کرتا ہے۔ ''حَفَدَةً'' کا معنی ہے اولاد کی اولاد، اور اس کا دوسرا معنی ہے خادم، تابعدار اور مددگار۔ لڑکے اور پوتے بھی تابعدار، مددگار اور خدمت گزار ہوتے ہیں۔ مجاہد اس لفظ کا معنی بتاتے ہیں، اعوان، انصار اور خدام۔ طاؤس وغیرہ کے نزدیک بھی اس کا معنی خادم ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ''حَفَدَةً'' وہ بیٹے، پوتے اور پوتیاں ہیں جو خدمت کریں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ عربوں میں یہ رواج تھا کہ ان کے بیٹے ان کی خدمت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ مرد کے سوتیلے بیٹے اس میں شامل نہیں۔ ''حفدة'' اس شخص کو بھی کہا جاتا ہے جو کسی کے سامنے اس کا کام کرے۔ کہا جاتا ہے: فُلَانٌ يَحۡفِدُ لَنَا یعنی فلاں ہمارے لئے کام کر رہا ہے۔ بعض حضرات نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 142 2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 146

اس کا معنی سسرالی رشتہ دار (سسر، سالا وغیرہ) کیا ہے۔(1) علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی سسرال والے ہی نقل کرتے ہیں۔ بہرصورت تمام اقوال میں ''حفدۃ'' کا بنیادی معنی خدمت ہے۔ دعائے قنوت میں آتا ہے: وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ ''ہم تیری طرف ہی کوشاں ہیں اور تیری ہی خدمت بجالاتے ہیں)۔ چونکہ اولاد، خدام اور سسرال والوں سے خدمت حاصل ہوتی ہے، اس لئے یہ سب نعمت میں شامل ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جن کے نزدیک ''حفدۃ'' کا تعلق ازواج سے ہے انہوں نے تو اس سے مراد اولاد، اولاد کی اولاد، داماد اور بیوی کی اولاد لی ہے کیونکہ یہ عموماً آدمی کی زیر کفالت اور خدمت گزار ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان وَالْوَلَدُ عَبْدٌ لَكَ (2)۔ ''اولاد تیری غلام ہے'' کا مطلب بھی یہی ہو۔ جنہوں نے ''حفدۃ'' کا معنی ''خدام'' لیا ہے ان کے نزدیک اس کا عطف اس فرمان وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا پر ہو رہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بیوی اور اولاد کو خادم بنایا۔ بیویوں اور اولاد کی نعمت کے علاوہ خوردونوش کی پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں۔ پھر مشرکین کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: اَفَبِالْبَاطِلِ...... کیا وہ باطل (بتوں) پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھپاتے ہیں اور غیروں کی طرف ان کی نسبت کرتے ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے پر اپنا احسان جتلاتے ہوئے فرمائے گا: کیا میں نے تمہیں بیوی نہ دی تھی؟ کیا میں نے تمہیں عزت نہیں دی تھی؟ کیا میں نے اونٹ اور گھوڑے تیرے لئے مسخر نہیں کر دیئے تھے، کیا میں نے تمہیں سروری اور عیش و آرام میں نہیں چھوڑا تھا؟''(3)۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

''اور یہ لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان معبودوں کی جو انہیں آسمانوں اور زمین سے رزق دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے اور نہ وہ کچھ کر سکتے ہیں۔ پس (اے جاہلو!) نہ بیان کیا کرو اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

اللہ تعالیٰ ہی منعم حقیقی، خالق، رازق اور وحدہ لاشریک ہے لیکن اس کے باوجود مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسے اصنام و اوثان کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں جو آسمان اور زمین سے رزق مہیا کرنے پر قادر نہیں، نہ وہ بارش برسا سکتے ہیں اور نہ کچھ اگا سکتے ہیں۔ چہ جائیکہ وہ دوسروں کے لئے کچھ کریں، وہ تو اپنے لئے بھی کچھ کرنے کی استعداد اور صلاحیت نہیں رکھتے، اس لئے فرمایا: فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ یعنی اللہ تعالیٰ کے مدمقابل، مثیل اور مشابہ نہ ٹھہراؤ۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور تم محض اپنی جہالت کے باعث شرک کرنے پر تلے ہوئے ہو۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

''بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال (وہ یہ کہ) ایک بندہ ہے جو مملوک ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور (اس کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 146 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 241-242

3۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد: 2279-2280، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 492 وغیرہ

مقابلہ میں) ایک وہ بندہ ہے جسے ہم نے رزق دیا اپنی جناب پاک سے رزق حسن۔ پس وہ خرچ کرتا رہتا ہے اس سے پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر۔ (اب تم ہی بتاؤ) کیا یہ برابر ہیں۔ الحمد اللہ! (حقیقت حال واضح ہوگئی) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ (اس حقیقت) کو نہیں جانتے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کافر اور مومن کی مثال دی ہے۔ قتادہ کا بھی یہی قول ہے اور ابن جریر نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔ عبد مملوک جو کسی چیز پر قادر نہیں، کافر کی طرح ہے، اور جسے عمدہ رزق دیا گیا ہو اور وہ اس میں سے خرچ بھی کرے وہ مومن ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ بت اور حق تعالیٰ کی مثال ہے، کیا یہ دونوں یکساں ہیں؟ جب ان دونوں کے درمیان فرق واضح ہے جس سے کوئی غبی شخص بھی ناواقف نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ......

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

''اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک اور مثال، دو آدمی ہیں ان میں سے ایک تو گونگا ہے کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتا اور وہ بوجھ ہے اپنے آقا پر۔ جہاں کہیں وہ اس (نکمے) کو بھیجتا ہے تو وہ واپس نہیں آتا کسی بھلائی کے ساتھ۔ کیا برابر ہوسکتا ہے یہ (نکما) اور وہ شخص جو حکم دیتا ہے عدل کے ساتھ اور وہ راہ راست پر گامزن ہے''۔

مجاہد کہتے ہیں کہ یہاں بھی بت اور حق تعالیٰ مراد ہے یعنی بت گونگا ہے جو نہ بات کرسکتا ہے اور نہ بھلائی کا کوئی لفظ بولنے پر قادر ہے بلکہ کسی بھی قول اور فعل کو انجام دینے کی اس میں قدرت نہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مالک پر بوجھ اور اس کا محتاج ہے۔ فرمایا: اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ یعنی وہ اپنی مساعی میں کبھی بامراد نہیں ہوا۔ کیا ان صفات کا حامل حق تعالیٰ کے مساوی ہوسکتا ہے جو عدل کا حکم دیتا ہے۔ جس کا قول حق اور فعل مستقیم ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ گونگا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں بھی کافر اور مومن کی مثال بیان کی گئی ہے۔ عبد ابکم سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وہ گونگا غلام مراد ہے جس پر آپ خرچ کیا کرتے تھے۔ یہ آپ کا دست نگر ہونے کے باوجود اسلام سے نفرت کرتا تھا اور آپ کو صدقہ اور احسان کرنے سے منع کرتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اور اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَاۗءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

''اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے آسمانوں اور زمین کی مخفی باتوں کو۔ اور نہیں قیامت برپا ہونے کا معاملہ مگر جیسے آنکھ تیزی سے جھپکتی ہے یا اس سے بھی جلد۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں نکالا ہے تمہاری ماؤں کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 151

شکموں سے اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اور بنائے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل۔ تا کہ تم (ان بیش بہا نعمتوں پر) شکر ادا کرو کیا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا پرندوں کی طرف کہ وہ مطیع اور فرمانبردار بن کر اڑ رہے ہیں فضاء آسمانی میں۔ کوئی چیز انہیں تھامے ہوئے نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔ بیشک اس میں (کھلی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے کمال علم اور کمال قدرت کو بیان فرما رہا ہے۔ علم غیب اسی کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے آگاہ کئے بغیر کوئی از خود غیب نہیں جان سکتا۔ اس کی قدرت اتنی بے پایاں اور مکمل ہے کہ نہ اس کی مخالفت کی جا سکتی ہے اور نہ اسے روکا جا سکتا ہے اور جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو لفظ ''کُن'' کی کرشمہ سازی سے وہ چیز ہو جاتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ (القمر: 50) ''اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے''، یہاں فرمایا: وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ...... جیسا کہ فرمایا: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان: 28) ''نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند''، پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایک اور احسان کی یاددہانی کرا رہا ہے کہ وہ اپنی ماؤں کے شکموں سے نکلے تو انہیں کسی چیز کا علم نہ تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں اصوات کا ادراک کرنے کے لئے کان، مرئیات کو محسوس کرنے کے لئے آنکھیں اور نفع و نقصان کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے عقلیں عطا فرمائیں۔ ''اَفْئِدَة'' (دل) سے عقول مراد ہیں جن کا مرکز دل ہے اور بعض نے اس سے دماغ مراد لیا ہے۔ عقل سے ہی انسان نفع بخش اور ضرر رساں چیزوں کے درمیان فرق کرتا ہے۔ یہ قویٰ اور حواس انسان کو بتدریج حاصل ہوتے ہیں۔ جوں جوں بچہ پروان چڑھتا ہے توں توں اس کی قوت سماعت، بصارت اور عقل میں اضافہ ہوتا ہے یہاں تک کہ ہر چیز اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ انسان میں ان ساری چیزوں کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی تمام قوتوں، صلاحیتوں اور اعضاء کو اپنے مولا کی اطاعت اور خدائے حقیقی کی عبادت میں بروئے کار لائے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی مروی ہے: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو میرے دوست سے دشمنی رکھتا ہے وہ میرے ساتھ اعلان جنگ کرتا ہے۔ فرائض کی ادائیگی سے بہتر کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ذریعے میرا بندہ میرا قرب حاصل کرتا ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں، جب میں اسے اپنا محبوب بنا لوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن کے ذریعے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور اس کے پیر بن جاتا ہوں جن کے ساتھ وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اگر وہ مجھ سے دعا مانگے تو میں ضرور اسے قبول کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں۔ مجھے کسی کام کے کرنے میں اتنا تردد نہیں ہوتا جس قدر اپنے مومن بندے کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے، وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی ناراضگی کو ناپسند کرتا ہوں لیکن موت سے مفر نہیں'' (1)۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ مومن خلوص دل سے اطاعت کرتا ہے تو اس کے سارے افعال اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جاتے ہیں۔ وہ سنتا ہے تو اللہ کے لئے، دیکھتا ہے تو اللہ کے لئے یعنی شریعت الٰہی اس کے پیش نظر رہتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اسی سے مدد طلب کرتے ہوئے وہ پکڑتا اور چلتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: ''وہ میرے ساتھ سنتا ہے، میرے ساتھ دیکھتا ہے، میرے سبب سے پکڑتا ہے اور میرے طفیل چلتا ہے'' اس لئے فرمایا: وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ...... اسی طرح

1۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11 صفحہ 340-341

ایک اور آیت میں فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (الملک: 24-23) ''آپ فرمائیے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ (لیکن) تم بہت کم شکر کیا کرتے ہو۔ آپ فرمائیے اسی نے تم کو پھیلا دیا ہے زمین میں اور (روز حشر) تم اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے''، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو فضا میں مسخر اڑتے ہوئے پرندوں کی طرف توجہ دلائی۔ کس طرح یہ اپنے پروں کے ساتھ زمین و آسمان کے درمیان فضاء آسمانی میں اڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت کے باعث انہیں فضا میں تھامے ہوئے ہے۔ پرندوں کو ایسے اعضاء عطا فرمادیئے جو پرواز میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور پھر ہوا بحکم الٰہی پرندوں کو اپنے دوش پر اٹھائے رکھتی ہے۔ یہ قوت پرواز اسی کی عطا کردہ ہے، جیسا کہ فرمایا: اَوَ لَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ يَقْبِضْنَ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِيْرٌ (الملک: 19) ''کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر (اڑتے) کبھی نہیں دیکھا پر پھیلائے ہوئے کبھی پر سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ نہیں روکے ہوئے انہیں کوئی (فضا میں) بجز رحمٰن کے۔ بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے''، اور یہاں فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝٨٠ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝٨١ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝٨٢ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝٨٣

''اور اللہ تعالیٰ نے ہی (اپنے فضل وکرم سے) بنا دیا ہے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو آرام وسکون کی جگہ اور بنائے ہیں تمہارے لئے جانوروں کے چمڑوں سے گھر (یعنی خیمے) جنہیں تم ہلکا پھلکا پاتے ہو سفر کے دن اور اقامت کے دن۔ اور (اسی نے بنائے ہیں) بھیڑوں کی صوف اور اونٹوں کی اون اور بکریوں کے بالوں سے مختلف گھریلو سامان اور استعمال کی چیزیں ایک وقت مقرر تک اور اللہ تعالیٰ نے ہی بنائے ہیں تمہارے (آرام) کے لئے ان چیزوں کے سائے جن کو اس نے پیدا فرمایا اور اسی نے بنائی ہیں تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ گاہیں اور اسی نے بنائے ہیں تمہارے لئے ایسے لباس جو بچاتے ہیں تمہیں گرمی اور (کچھ ایسے آہنی) لباس جو بچاتے ہیں تمہیں لڑائی کے وقت۔ اسی طرح وہ پورا فرماتا ہے اپنا احسان تم پر تاکہ تم سراطاعت خم کردو۔ اے محبوب! گر (ان روشن دلائل کے باوجود) وہ منہ پھیریں تو (فکر مند نہ ہو) آپ کے ذمہ تو صرف وضاحت سے پیغام پہنچانا ہے۔ وہ پہچانتے ہیں اللہ کی نعمت کو (اس کے باوجود) وہ انکار کرتے ہیں اس کا اور ان میں سے اکثر لوگ کافر ہیں''۔

اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنے مزید انعامات کا ذکر فرما رہا ہے، اس نے اولاد آدم کو رہنے سہنے، سر چھپانے اور راحت و آرام کے حصول کے لئے مکانات عطا فرمائے، اسی طرح مویشیوں کی کھالوں سے بنے ہوئے خیمے بھی مرحمت فرمائے، جنہیں دوران سفر اٹھانا اور سفر وحضر میں

اقامت کے وقت نصب کرنا بہت آسان ہے، اس لئے فرمایا: تَسۡتَخِفُّوۡنَهَا...... ''پھر اونٹوں اور بکریوں کے بال، بھیڑوں اور دنبوں کی اون سے ایک مقررہ میعاد تک کے لئے گھریلو سامان مثلاً چٹائیاں اور کپڑے وغیرہ بنائے جاتے ہیں اور یہ مال تجارت بھی ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّمَّا خَلَقَ...... یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے فائدہ کے لئے درختوں کے سائے اور رہنے سہنے اور پناہ حاصل کرنے کے لئے پہاڑوں میں غاریں اور قلعے عطا کئے۔ اسی طرح موسم کی شدت سے بچاؤ کرنے کے لئے اونی، سوتی اور بالوں سے بنے ہوئے کپڑے مرحمت فرمائے اور حالت جنگ میں اپنی حفاظت اور بچاؤ کے لئے قسم قسم کی زرہیں اور خود وغیرہ دیئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کی تکمیل کرتا ہے اور تمہیں ایسی چیزیں عطا فرماتا ہے، ضروریات کے وقت جنہیں تم اپنے کام میں لاسکو۔ ان نعمتوں کا مقصد تمہیں راحت وسکون بہم پہنچانے کے علاوہ یہ ہے کہ تم اپنے خالق کی اطاعت کرو اور اسی کی عبادت میں مشغول رہو۔ ''تُسۡلِمُوۡنَ'' (تم سر تسلیم خم کرلو) اور ''تَسۡلَمُوۡنَ'' (تم سلامت رہو) دونوں قرائتیں منقول ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سورت کا نام سورۂ نعم بھی ہے یعنی نعمتوں والی سورت۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرائتیں میں ''تَسۡلَمُوۡنَ'' سے معنی یہ ہوگا: تاکہ تم زخموں سے سلامت رہو (1)۔ عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم عربوں کی معلومات کے مطابق نازل ہوا، بلاشبہ میدانی علاقے ایک بہت بڑی نعمت ہیں لیکن یہاں پہاڑوں کی نعمت اس لئے بیان کی کہ وہ پہاڑوں کے رہنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے بالوں اور اون اور ان کے ملبوسات کا ذکر فرمایا حالانکہ ان کے علاوہ اس قسم کی بے شمار نعمتیں ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں صرف یہی چیزیں میسر تھیں۔ ان کے تعجب کے پیش نظر فرمایا: وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ جِبَالٍ فِيۡهَا مِنۡ بَرَدٍ (النور: 43) ''اور اتارتا ہے اللہ تعالیٰ آسمان سے برف جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے''، حالانکہ برف باری تو ہوتی رہتی ہے لیکن عربوں کے ہاں یہ معروف چیز نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے گرمی سے بچانے والے ملبوسات کا ذکر کیا ہے حالانکہ سردی سے بچاؤ کے لئے ملبوسات زیادہ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں گرمی ہی پڑتی تھی، اور سردی سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا...... یعنی اس وضاحت اور اظہار نعمت کے باوجود یہ لوگ روگردانی کرتے ہیں تو اے میرے پیارے رسول! آپ سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، کیونکہ آپ نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔ ان لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ فضل وکرم کرنے والا اور نعمتیں ارزانی فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن اس کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں، غیروں کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی طرف ہی نصرت اور رزق کی نسبت کرتے ہیں ان کی اکثریت کافر ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم کی روایت میں آتا ہے کہ ایک بدو نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور سوال کیا۔ آپ ﷺ نے اسے یہ آیت وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ بُيُوۡتِكُمۡ سَكَنًا تلاوت فرمائی۔ بدو نے کہا: ہاں۔ پھر آپ نے اسے آیت کا یہ حصہ وَجَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ جُلُوۡدِ الۡاَنۡعَامِ بُيُوۡتًا سنایا تو اس نے کہا: ہاں۔ اسی طرح آپ آیات پڑھتے گئے اور وہ ہر نعمت کا اقرار کرتا رہا۔ جب آپ اس مقام كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ تک پہنچے تو وہ بدو منہ پھیر کر چل دیا، اس پر یہ آیت يَعۡرِفُوۡنَ نِعۡمَتَ اللّٰهِ...... اتری۔

وَيَوۡمَ نَبۡعَثُ مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيۡدًا ثُمَّ لَا يُؤۡذَنُ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَلَا هُمۡ يُسۡتَعۡتَبُوۡنَ ﴿۸۴﴾ وَ اِذَا رَاَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوا الۡعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمۡ وَلَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ ﴿۸۵﴾ وَ اِذَا رَاَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا شُرَكَآءَهُمۡ قَالُوۡا رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيۡنَ كُنَّا نَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِكَ ۚ فَاَلۡقَوۡا

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 156

اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَىٕذِنِ السَّلَمَ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

''اور قیامت کے دن ہم اٹھائیں گے ہر امت سے ایک گواہ تب ان لوگوں کو اجازت نہیں ہو گی جنہوں نے کفر کیا اور نہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور جب دیکھ لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا عذاب (آخرت کو) تو اس وقت وہ عذاب ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں (مزید) مہلت دی جائے گی۔ اور جب دیکھیں گے مشرک اپنے (ٹھہرائے ہوئے) شریکوں کو تو بول اٹھیں گے اے ہمارے رب! یہ ہیں ہمارے بنائے ہوئے شریک جنہیں ہم پوجا کرتے تھے تجھے چھوڑ کر۔ تو وہ شریک انہیں جواب دیں گے یقیناً تم جھوٹ بول رہے ہو۔ وہ پیش کر دیں گے بارگاہ الٰہی میں اس دن اپنی عاجزی اور فراموش ہو جائیں گے انہیں وہ بہتان جو وہ باندھا کرتے تھے۔ جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) روکا اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہم نے بڑھا دیا اور عذاب ان کے پہلے عذاب پر اس وجہ سے کہ وہ فتنہ وفساد برپا کیا کرتے تھے''۔

قیامت کے دن مشرکین کی حالت زار کا بیان ہو رہا ہے۔ ہر امت کا نبی اس پر گواہی دے گا کہ اس کی امت کے لوگوں نے دعوت و تبلیغ کا کیا جواب دیا پھر انہیں کوئی عذر اور بہانہ پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ انہیں بھی معلوم ہو گا کہ یہ محض جھوٹ اور باطل ہے، جیسا کہ فرمایا: هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ لَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ (المرسلات: 36-35) ''یہ وہ دن ہو گا جس میں نہ وہ بول سکیں گے اور نہ انہیں اجازت ملے گی کہ وہ کچھ عذر پیش کریں''، اس لئے فرمایا کہ عذر پیش کرنے کی اجازت نہ ملنے کے ساتھ ساتھ ان کی توبہ کا مطالبہ بھی قبول نہیں کیا جائے گا، اور جب ظالم مشرک عذاب کو دیکھ لیں گے تو ایک لحظہ کے لئے بھی اس میں تخفیف نہیں ہو گی اور نہ انہیں مزید مہلت ملے گی بلکہ انہیں اچانک دھر لیا جائے گا۔ جب جہنم کو لایا جائے گا تو اسے ستر ہزار لگاموں کے ساتھ کھینچا جائے گا، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ ان کی ایک جماعت مخلوقات پر جھانک کر ایسی چیخ مارے گی کہ ہر ایک گھٹنوں کے بل گر جائے گا۔ جہنم کہے گی کہ مجھے ہر اس سرکش اور منکر حق پر مسلط کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی بھی عبادت کرتا رہا۔ اس طرح وہ کئی اقسام کے گنہگاروں کا ذکر کرے گا جیسا کہ حدیث میں ہے(1)۔ پھر جہنم ان تمام لوگوں پر لپٹ جائے گی اور انہیں میدان حشر سے اس طرح اچک لے گی جس طرح پرندہ دانہ اٹھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَ اِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا (الفرقان: 12) ''جب یہ آگ دیکھے گی انہیں دور سے تو وہ سنیں گے اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑنا اور جب انہیں پھینکا جائے گا اس آگ میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں میں جکڑ کر تو پکاریں گے وہاں موت کو۔ (کہا جائے گا بدبختو!) نہ مانگو آج ایک موت بلکہ مانگو بہت سی موتیں''، وَ رَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَ لَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا (الکہف: 53) ''اور دیکھیں گے مجرم (جہنم کی) آگ کو اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور نہ پائیں گے اس سے نجات پانے کی کوئی جگہ''، لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَ

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ جہنم، جلد 10 صفحہ 43-45، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 336، جلد 3 صفحہ 40، جلد 6 صفحہ 110

لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (الانبیاء:40-39) ''کاش! جانتے کفار (اس وقت کو) جب وہ نہ روک سکیں گے اپنے چہروں سے آگ (کے شعلوں کو) اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی، بلکہ وہ آئے گی ان کے پاس ناگہاں سو انہیں بدحواس کر دے گی پھر وہ نہ اسے رد کر سکیں گے اور نہ ہی انہیں مزید مہلت دی جائے گی''، سخت ضرورت اور مشکل کے وقت ان کے معبودان باطلہ ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ لوگ ہمیں مورد الزام ٹھہرانے کے اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں، ہم نے تو انہیں اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (الاحقاف:6-5) ''اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔ اور جب جمع کئے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے''، وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (مریم:82-81) ''اور انہوں نے بنا لئے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا کہ وہ ان کے لئے مددگار بنیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ جھوٹے خدا انکار کر دیں گے ان کی عبادت کا۔ اور وہ (الٹے) ان کے دشمن ہو جائیں گے''، ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ (العنکبوت:25) ''پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور''، وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ''اور (انہیں) کہا جائے گا (لو) اب پکارو اپنے شریکوں کو''۔

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ السَّلَمَ قتادہ اور عکرمہ کہتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ کی جناب میں وہ اپنے سر جھکا دیں گے اور مکمل عاجزی کا اظہار کریں گے۔ ہر ایک سامع اور مطیع ہوگا جیسا کہ فرمایا: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا (مریم:38) ''(اس دن) یہ خوب سننے لگیں گے اور خوب دیکھنے لگیں گے جس دن آئیں گے ہمارے پاس''، وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا (السجدۃ:12) ''اور کاش! تم دیکھو جب مجرم اپنے سر جھکائے ہوئے اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے۔ (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیا اور (کانوں سے) سن لیا''، وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ (طٰہٰ:111) ''اور (فرط نیاز سے) جھک جائیں گے سب (لوگوں کے) چہرے حیی و قیوم کے سامنے''، آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اس دن تمام مشرکین اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و نیاز کا اظہار کریں گے اور ان کی سب افتراء بازیاں اور معبودان باطلہ مفقود ہو جائیں گے، نہ ان کا کوئی حامی و ناصر ہوگا اور نہ کوئی پناہ دینے والا۔ پھر ان لوگوں کے متعلق فرمایا:

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا...... ان بدبختوں کو ایک عذاب تو کفر پر ہوگا اور ایک عذاب اتباع حق سے منع کرنے پر جیسا کہ فرمایا: وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ (الانعام:26) ''اور وہ روکتے ہیں اس سے اور دور بھاگتے ہیں اس سے''، وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (الانعام:26) ''اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے نفسوں کو اور وہ (اتنا بھی) نہیں سمجھتے''، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کفار کے عذاب میں تفاوت ہوگا جیسا کہ جنت میں اہل ایمان کے مقامات اور درجات میں تفاوت ہوگا، جیسا کہ فرمایا: قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف:38) ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے''، حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ آتش جہنم کے علاوہ انہیں ایسے بچھوؤں کا بھی عذاب دیا جائے گا جن کے دانت لمبے لمبے کھجور کے درختوں کی طرح ہوں گے، یہ ہے عذاب کے اوپر عذاب۔ حضرت ابن عباس اس زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ (النحل:88) متعلق فرماتے ہیں کہ عرش تلے پانچ نہریں ہیں جن میں سے بعض

کے ساتھ رات کو اور بعض کے ساتھ دن کے وقت جہنمیوں کو عذاب دیا جائے گا۔

وَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ ؕ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

''اور وہ دن (بڑا ہولناک ہوگا) جب ہم اٹھائیں گے ہر امت سے ایک گواہ ان پر انہیں میں سے اور ہم لے آئیں گے آپ کو بطور گواہ ان سب پر اور ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب اس میں تفصیل سے بیان ہے ہر چیز کا اور یہ سراپا ہدایت و رحمت ہے اور یہ مژدہ ہے مسلمانوں کے لئے''

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَ يَوْمَ نَبْعَثُ...... هٰۤؤُلَآءِ سے مراد آپ ﷺ کی امت ہے یعنی آپ قیامت کے ہولناک دن کو یاد کریں جب اللہ تعالیٰ آپ کو شرف عظیم اور مقام رفیع سے سرفراز فرمائے گا۔ یہ آیت اس آیت کے مشابہ ہے: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا (النساء: 41) ''تو کیا حال ہوگا (ان نافرمانوں کا) جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے ایک گواہ اور (اے حبیب ﷺ!) ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ''، رسول اللہ ﷺ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سورۂ نساء سن رہے تھے، جب وہ مذکورہ بالا آیت فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا...... پر پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بس، کافی ہے''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو اس وقت آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار تھیں (1)۔

وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ...... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے قرآن کریم میں ہر چیز اور تمام علوم بیان کردیئے گئے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ہر حلال وحرام اور دنیا، آخرت، معاش اور معاد میں درپیش ضروریات کا بیان ہے۔ مزید برآں قرآن کریم قلوب کے لئے ہدایت اور مسلمانوں کے لئے رحمت اور بشارت ہے۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کتاب اللہ سنت رسول ﷺ کو ملا کر ہر چیز کا بیان ہے۔ اس فرمان وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ...... کا اوپر والے فرمان وَ جِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ سے غالباً تعلق یہ ہے کہ جس نے آپ ﷺ پر اس کتاب کی تبلیغ فرض کی ہے، وہ قیامت کے دن آپ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت بھی کرے گا جیسا کہ فرمایا: فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ (الاعراف: 6) ''سو ہم ضرور پوچھیں گے ان سے بھیجے گئے (رسول) جن کی طرف اور ہم ضرور پوچھیں گے رسولوں سے''، فَوَ رَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الحجر: 93-92) ''پس آپ کے رب کی قسم! ہم پوچھیں گے ان سب سے ان اعمال کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے''، يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (المائدۃ: 109) ''جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو پھر پوچھے گا (ان سے) کیا جواب ملا تمہیں؟ عرض کریں گے کوئی علم نہیں ہمیں بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے سب غیبوں کا''، اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ (القصص: 85) ''یقیناً وہ (قادر مطلق) جس نے آپ پر قرآن کی تبلیغ فرض کی ہے آپ کو واپس لے جائے گا جہاں آپ چاہتے ہیں''، یعنی جس نے آپ پر تبلیغ قرآن فرض کی ہے، وہ ضرور آپ کو قیامت کے دن اپنے پاس لوٹا کر اس فرض کی ادائیگی کے متعلق دریافت کرے گا۔ یہ اس آیت کی تفسیر میں چند اقوال میں سے ایک ہے اور یہ عمدہ اور معقول قول ہے۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء: 41

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَ یَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ ۚ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾

''بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملہ میں انصاف کرو اور (ہر ایک کے ساتھ) بھلائی کرو اور اچھا سلوک کرو رشتہ داروں کے ساتھ اور منع فرماتا ہے بے حیائی سے اور برے کاموں سے اور سرکشی سے۔ اللہ تعالیٰ نصیحت کرتا ہے تمہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے اور حسن سلوک اور احسان کی ترغیب دلاتا ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ (النحل: 126) ''اور اگر تم (انہیں) سزا دینا چاہو، تو انہیں سزا دو لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ اور اگر تم (ان کی ستم رانیوں پر) صبر کرو تو یہ صبر ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے''، وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: 6) ''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ پس جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے''، وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (المائدۃ: 45) ''اور زخموں کے لئے قصاص، تو جو شخص معاف کر دے تو یہ معافی کفارہ بن جائے گی اس کے گناہوں کا'' اور بھی ایسی آیات ہیں جو عدل و انصاف کی فرضیت اور فضل و احسان کے مستحسن ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عدل سے مراد ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی گواہی دینا ہے(1)۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر عدل سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کے لئے کئے جانے والے ہر عمل میں ظاہر اور باطن کی یکسانیت، اور احسان یہ ہے کہ باطن ظاہر سے عمدہ ہو۔ فحشاء اور منکر یہ ہے کہ ظاہر باطن سے اچھا ہو۔ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى سے صلہ رحمی مقصود ہے جیسا کہ فرمایا: وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا (بنی اسرائیل: 26) ''اور دیا کرو رشتہ دار کو اس کا حق اور مسکین اور مسافر کو بھی اور فضول خرچی نہ کیا کرو''، فواحش سے مراد محرمات اور منکرات سے مراد ظاہری برائیاں ہیں، اس لئے ایک اور مقام پر فرمایا: قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ (الاعراف: 33) ''آپ فرمایئے بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو ظاہر ہیں ان سے اور جو پوشیدہ ہیں''۔

الْبَغْیِ سے مراد ہے لوگوں پر زیادتی کرنا۔ حدیث شریف میں آیا ہے: ''ظلم و زیادتی اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی ایسا گناہ نہیں جس کی اخروی پکڑ کے علاوہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اسے جلد سزا دیتا ہو''(2)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: یَعِظُكُمْ...... یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں خیر کا حکم دیتا ہے اور شر سے منع کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرلو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی سب سے زیادہ جامع آیت سورۂ نحل کی یہ آیت اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ...... ہے(3)۔ قتادہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ جن اخلاق حسنہ پر عمل پیرا تھے اور انہیں مستحسن خیال کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا حکم دیا اور جن اخلاق سیئہ کا وہ باہم ارتکاب کرتے تھے، ان سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا۔ گھٹیا اور مذموم اخلاق کی ممانعت کی گئی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''اللہ تعالیٰ بلند اخلاق کو پسند فرماتا ہے اور گھٹیا اخلاق کو ناپسند کرتا ہے''(4)۔ اکثم بن صیفی کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر پہنچی تو اس نے آپ کی خدمت میں

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 162
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد 1408، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 36-38
3۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 163
4۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 131، مجمع الزوائد، جلد 8 صفحہ 188

حاضر ہونے کا ارادہ کیا لیکن قوم نے جانے سے روک دیا اور کہنے لگے کہ تم ہمارے سردار ہو اور تمہارا خود وہاں جانا مناسب نہیں۔ اس نے کہا کہ پھر آپ ﷺ کے پاس ایک قاصد بھیج دیتے ہیں جو آپ ﷺ کو میری بابت بتائے اور مجھے آپ ﷺ کی بابت۔ چنانچہ دو قاصد تیار ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے۔ کہنے لگے کہ ہم اکثم بن صیفی کے قاصد ہیں، وہ آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہے کہ آپ کون اور کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں کون ہوں؟ سنو، میں محمد بن عبد اللہ ہوں اور جہاں تک تمہارا یہ سوال ہے کہ میں کیا ہوں تو سن لو، میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔'' پھر آپ ﷺ نے ان پر اسی آیت اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ...... کی تلاوت کی۔ وہ کہنے لگے کہ اسے دہرائیے۔ آپ اس آیت کو دہراتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اسے یاد کر لیا۔ جب وہ لوٹ کر اکثم کے پاس گئے تو اسے بتانے لگے کہ اس (حضور ﷺ) نے اپنے نسب پر فخر نہیں کیا۔ لیکن اس کے نسب کی بابت دریافت کرنے پر ہمیں معلوم ہوا کہ اس کا تعلق قبیلہ مضر سے ہے اور وہ شریف النسب ہے۔ اس نے ہمیں کچھ کلمات بھی سکھائے ہیں۔ جب اکثم نے ان کلمات اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ...... کو سنا تو کہنے لگا: وہ تو مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور گھٹیا اخلاق سے منع کرتے ہیں، اے میری قوم کے لوگو! اسلام کو قبول کر کے سر (سردار) بن جاؤ اور دمیں (تابع) نہ بنو'(1)۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عثمان بن مظعون کا آپ ﷺ کے پاس سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''کیا بیٹھو گے نہیں؟'' وہ کہنے لگا: کیوں نہیں۔ چنانچہ وہ بیٹھ گیا۔ دریں اثناء آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہو کر اس سے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک آپ ﷺ نے اپنی نظریں آسمان کی جانب اٹھائیں۔ آپ ﷺ کچھ دیر آسمان کی طرف دیکھتے رہے، پھر آہستہ آہستہ اپنی نگاہیں نیچی کر لیں اور اپنی دائیں جانب زمین کی طرف دیکھنے لگے اور اسی طرف آپ ﷺ نے عثمان کے سامنے سے ہٹ کر اپنا رخ بھی کر لیا۔ اس دوران آپ ﷺ اپنا سر ہلانے لگے گویا کسی سے کچھ سمجھ رہے ہیں جو وہ کہہ رہا ہے۔ عثمان بن مظعون اس کیفیت کو دیکھتا رہا۔ اس سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے پہلے کی طرح پھر اپنی نگاہیں آسمان کی طرف بلند کر لیں اور آسمان میں اس شخصیت (جبرئیل علیہ السلام) کے چھپ جانے تک آپ ﷺ کی نگاہیں اس کے تعاقب میں رہیں۔ پھر آپ ﷺ پہلے کی طرح عثمان کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ آپ ﷺ سے پوچھنے لگا کہ جس طرح آج آپ ﷺ نے کیا ہے، اس طرح کرتے ہوئے آپ ﷺ کو کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے مجھے کیا کرتے دیکھا ہے؟'' اس نے کہا کہ آپ ﷺ نے نگاہیں آسمان پر جما دیں، پھر نگاہیں نیچی کر کے آپ اپنی دائیں طرف متوجہ ہوئے اور میری طرف سے رخ پھیر لیا۔ پھر آپ اپنا سر ہلانے لگے گویا آپ وہ بات سمجھ رہے ہیں جو کوئی آپ سے کہہ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تم نے اس منظر کو غور سے دیکھا؟'' اس نے کہا: ہاں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابھی جب تو بیٹھا ہوا تھا، خدا کا فرستادہ (فرشتہ) میرے پاس آیا تھا۔'' وہ تعجب سے پوچھنے لگا: خدا کا فرستادہ؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا کہ پھر اس نے آپ سے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا: یہ آیت اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ...... حضرت عثمان بن مظعون فرماتے ہیں کہ اسی وقت میرے دل میں ایمان جاگزیں ہو گیا اور حضور ﷺ کی محبت نے میرے دل میں گھر کر لیا(2)۔ ایک اور حدیث میں عثمان بن ابی العاص کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے نگاہیں اوپر اٹھائیں اور فرمایا: ''میرے پاس جبرئیل آئے تھے اور انہوں نے اس آیت اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ...... کو اس سورت کے اس مقام پر رکھنے کے لئے کہا(3)۔

1۔ الاصابۃ، ترجمہ اکثم بن صیفی، جلد 1 صفحہ 113-114 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 318 3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 218

وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ
عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ
قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا
يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَ لَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

''اور پورا کرو اللہ تعالیٰ کے عہد کو جب تم نے اس سے عہد کر لیا ہے اور نہ توڑو (اپنی) قسموں کو انہیں پختہ کرنے کے بعد حالانکہ تم نے کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر گواہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور نہ ہو جاؤ اس عورت کی مانند جس نے توڑ ڈالا اپنے سوت کو مضبوط کاتنے کے بعد (اور اسے) پارہ پارہ کر ڈالا۔ تم بناتے ہو اپنی قسموں کو ایک دوسرے کو فریب دینے کا ذریعہ تاکہ اس طرح ہو جائے ایک گروہ زیادہ فائدہ اٹھانے والا دوسرے گروہ سے۔ صرف آزماتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ ان قسموں سے۔ اور واضح فرما دے گا تمہارے لئے قیامت کے روز ان باتوں کو جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے''۔

ایفائے عہد اور قسموں کی پابندی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، اس لئے فرمایا: وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا، ایک اور جگہ فرمایا: وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ (البقرۃ: 224) ''اور نہ بناؤ اللہ (کے نام) کو رکاوٹ اس کی قسم کھا کر''، ایک اور مقام پر فرمایا: ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْا اَيْمَانَكُمْ (المائدۃ: 89) ''یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم اٹھاؤ اور حفاظت کیا کرو اپنی قسموں کی''، یعنی اپنی قسموں کو بلا کفارہ نہ چھوڑو۔ ایک حدیث میں نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں جس چیز پر قسم اٹھا لوں، پھر کسی اور چیز میں بہتری دیکھوں تو میں ان شاء اللہ وہ بہتر چیز بجا لاؤں گا اور اپنی قسم کا کفارہ دے دوں گا'' (1)۔ مذکورہ بالا تین آیات اور اس حدیث شریف کے درمیان کوئی تعارض نہیں کیونکہ اس فرمان وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ...... میں وہ قسمیں مراد ہیں جو عہد و پیمان کے حکم میں ہیں، ان کا پورا کرنا ضروری ہے، نہ کہ وہ قسمیں مراد ہیں جو کسی کو برانگیختہ کرنے یا منع کرنے کے لئے اٹھائی جاتی ہیں کیونکہ ایسی قسموں کو کفارہ دے کر توڑا جا سکتا ہے، اسی لئے مجاہد اس آیت سے مراد زمانہ جاہلیت جیسی قسمیں لیتے ہیں (2)۔ اس کی تائید حضرت جبیر بن مطعم سے مروی حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''اسلام میں (امداد و اعانت کے لئے) قسم کوئی چیز نہیں۔ جاہلیت میں جو ایسی قسمیں ہو چکی ہیں، اسلام انہیں مزید پختہ کرتا ہے'' (3)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رشتہ اسلام کے ہوتے ہی اہل اسلام کو باہمی تعاون کی خاطر جاہلیت جیسے معاہدوں اور قسموں کی ضرورت نہیں کیونکہ اسلام کا رشتہ اخوت ہی کافی ہے، لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ ''رسول اللہ علیہ السلام نے ہمارے گھروں میں مہاجرین اور انصار کے درمیان قسم دلوائی'' (4)۔ اس قسم سے مراد اخوت اور بھائی چارہ قائم کرانا ہے جس کی بناء پر وہ ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ حضرت بریدہ اس فرمان وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ...... کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا نزول حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر کی جانے والی بیعت کے متعلق ہوا۔ جو لوگ آپ علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام پر کاربند رہنے کی بیعت کرتے تھے انہیں حکم ہو رہا ہے کہ وہ اس عہد (بیعت) کو پورا کریں اور بیعت کرنے کے بعد اسے مت توڑیں۔ اہل حق کی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 11 صفحہ 563، صحیح مسلم، کتاب الایمان: 1270
2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 164
3۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ 1961، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 83
4۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، جلد 9 صفحہ 130، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 7 صفحہ 183

قلت اور اہل شرک کی کثرت کو دیکھ کر اس بیعت کو نہ توڑیں جو انہوں نے اسلام پر کار بند رہنے کے لئے تھی(1)۔ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب لوگ یزید بن معاویہ کی بیعت توڑنے لگے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام گھر والوں کو جمع کیا، پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دینے کے بعد فرمایا: ''ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی بیعت پر اس شخص (یزید) کی بیعت کی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''قیامت کے دن غدار کے لئے ایک جھنڈا نصب کیا جائے اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کی غداری ہے، شرک کے بعد سب سے بڑا غدر یہ ہے کہ کوئی آدمی اللہ اور اس کے رسول کی بیعت پر کسی شخص کی بیعت کر کے توڑ دے، تم میں سے کوئی اپنے ہاتھ کو پیچھے نہ ہٹائے اور نہ اس معاملہ میں زیادتی کرے، ورنہ میرے اور اس کے درمیان جدائی ہے''(2)۔ حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے بھائی کے لئے ایسی شرط لگائی جسے وہ پورا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا، وہ ایسے شخص کی طرح ہے جو کسی کو پناہ دینے کے بعد بے پناہ چھوڑ دے''(3)۔ آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ اس میں ان لوگوں کے لئے وعید ہے جو قسموں کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ...... سدی کہتے ہیں کہ یہاں مکہ میں مقیم ایک احمق عورت کا ذکر ہوا ہے۔ اس کی عادت یہ تھی کہ جب بھی سوت کاتتی، کاتنے کے بعد اسے پارہ پارہ کر دیتی(4)۔ مجاہد، قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ یہ اس شخص کی مثال ہے جو عہد و پیمان کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دے۔ یہ قول زیادہ واضح اور راجح ہے۔ عورت کوئی بھی ہو سکتی ہے جو سوت کات کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے خواہ مکہ میں رہنے والی ہو یا کسی اور جگہ۔ ''اَنْكَاثًا'' کا معنی ہے ٹکڑے ٹکڑے۔ ممکن ہے یہ ''نَقَضَتْ غَزْلَهَا'' کا اسم مصدر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ''لَا تَكُوْنُوْا'' کی خبر سے بدل ہو یعنی انکاث نہ بنو۔ یہ نکث کی جمع ہے۔ اس لئے بعد میں فرمایا: تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ...... یعنی اپنی قسموں کو دھوکہ دہی اور مکر وفریب کا ذریعہ نہ بناؤ تاکہ ایک قوم دوسری سے زیادہ فائدہ حاصل کر لے۔ یہ نہ ہو کہ تم کسی قوم کی کثرت کو دیکھ کر ان کے سامنے انہیں اطمینان دلانے کے لئے قسمیں اٹھانے لگو اور جب بس چلے تو غداری اور بے وفائی پر اتر آؤ، اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت کر دی ہے تاکہ یہ بات واضح کر دی جائے کہ جب اس حالت میں عہد شکنی حرام قرار دی گئی ہے تو کثرت، قدرت اور غلبہ کے وقت تو بدرجہ اولیٰ حرام ہوئی۔ سورۂ انفال میں ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان کر چکے ہیں کہ آپ کے اور شاہ روم کے درمیان ایک مدت کے لئے صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ حضرت معاویہ مدت کے اختتام کے قریب لشکر لے کر اہل روم کی طرف روانہ ہوئے تاکہ مدت ختم ہونے تک وہ ان کے ملک کے قریب پہنچ جائیں اور پھر جونہی مدت ختم ہو، ان پر بے خبری کے عالم میں حملہ کر دیں۔ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ اکبر، اے معاویہ، عہد کا پاس کرو، بدعہدی نہ کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جس قوم کے ساتھ کسی کا معاہدہ ہو تو وہ مقررہ مدت کے ختم ہونے تک اس کی گرہ نہ کھولے'' یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ لشکر کو واپس لے آئے(5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ''اَرْبٰى'' کا معنی ''اَكْثَرُ'' بیان کرتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں: لوگوں کا یہ معمول تھا کہ وہ کسی کے ساتھ معاہدہ کرتے، پھر اگر کوئی زیادہ کثرت اور قوت والے لوگ مل جاتے تو پہلے کئے ہوئے معاہدہ کو توڑ کر ان کے ساتھ معاہدہ کر لیتے۔ اس سے اہل ایمان کو منع کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ میں ''بہ'' کی ضمیر سے مراد کثرت ہے یعنی اللہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 104
2۔ فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 563، صحیح مسلم، کتاب الجہاد: 1359-1361
3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 404
4۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 166
5۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انفال: 58

تعالیٰ تمہیں کثرت کے ساتھ آزماتا ہے(1)۔ یا اس سے مراد ایفائے عہد کا حکم ہے، یعنی ایفائے عہد کے حکم کے ذریعہ آزماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کو قیامت کے دن اس کے اچھے برے اعمال کا بدلہ دے گا۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا ۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ ۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

”اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا تمہیں ایک امت لیکن وہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور ضرور تم سے باز پرس کی جائے گی ان اعمال سے جو تم کیا کرتے تھے اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں فریب دینے کا ذریعہ۔ ورنہ (جادۂ حق سے) پھسل جائے گا (لوگوں کا) قدم (اس پر) جم جانے کے بعد اور تمہیں چکھنا پڑے گا (اس کا) برا نتیجہ کہ تم نے (اپنی عہد شکنی اور فریب کاری) کے باعث لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک دیا اور تمہارے لئے بڑا (دردناک) عذاب ہوگا۔ اور مت بیچو اللہ تعالیٰ کے عہدوں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض۔ بیشک جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ جو (مال وزر) تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو (رحمت کے خزانے) اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہیں گے۔ اور ہم ضرور عطا کریں گے انہیں جنہوں نے (ہر مصیبت میں) صبر کیا ان کا اجران کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے“۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا جیسا کہ فرمان ہے: ”وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (یونس: 99)“ ”اور اگر چاہتا ہے آپ کا رب تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب“، یعنی سب کو متحد کر دیتا اور اختلاف، بغض اور عداوت رونما نہ ہوتی، وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (ہود: 119-118) ”اور اگر چاہتا آپ کا رب تو بنا دیتا سب لوگوں کو ایک ہی امت (لیکن حکمت کا یہ تقاضا نہیں اس لئے) وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر وہ جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا (وہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں گے) اور اسی (رحمت) کے لئے انہیں پیدا فرمایا ہے“، اور یہاں فرمایا: وَلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔ پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام چھوٹے بڑے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا اور ان کی جزا دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو متنبہ کیا کہ وہ اپنی قسموں کو دھوکہ بازی اور مکر و فریب کا ذریعہ نہ بنائیں ورنہ قدم جم جانے کے بعد پھسل جائے گا۔ یہ ایسے شخص کی مثال ہے جو راہ استقامت پر قائم ہونے کے بعد اس سے ہٹ جائے اور ایسی قسموں کے باعث راہ ہدایت سے پھسل جائے جو اسے گناہ میں مبتلا کر دیں اور دوسروں کو اللہ کے رستے سے دور کرنے کا سبب بنیں کیونکہ کافر جب یہ دیکھے گا کہ مومن نے اس کے ساتھ عہد شکنی کی ہے تو اسے دین اسلام کے ساتھ وثوق اور اعتماد نہیں رہے گا۔ اس کا نتیجہ یہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 168

ہوگا کہ وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے سے باز رہے گا، اس لئے فرمایا: وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ...... پھر فرمایا: وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر کیئے گئے عہد و پیمان کے عوض دنیاوی مال ومتاع نہ خریدو کیونکہ دنیا قلیل اور حقیر ہے اگر چہ یہ سب کی سب ابن آدم کو مل جائے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر وثواب ایفائے عہد کرنے والے اہل ایمان کے لئے بہت بہتر اور غیر منقطع ہے۔ اس لئے فرمایا: اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ...... یعنی تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ فانی اور ختم ہو جانے والا ہے کیونکہ اس کی ایک مدت مقرر ہے لیکن جنت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا اجر وثواب باقی اور دائمی ہے، نہ اس میں انقطاع ہوگا اور نہ اختتام۔ پھر قسم کھا کر فرمایا: وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا...... اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے گناہوں سے درگزر کی جائے گی۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾

''جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی۔ اور ہم ضرور دیں گے انہیں ان کا اجران کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے''۔

ہر اعمال صالحہ کرنے والے شخص (خواہ مرد ہو یا عورت) سے پاکیزہ زندگی اور عمدہ اجر وثواب کا وعدہ کیا جا رہا ہے بشرطیکہ اس کے اعمال کتاب وسنت کے مطابق ہوں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو اور عمل کرنے والے کا دل اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو۔ حیات طیبہ (پاکیزہ زندگی) ہر قسم کی راحت اور سکون کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت نے اس کی تفسیر پاکیزہ حلال روزی سے بیان کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے مراد قناعت لی ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر سعادت نقل کی ہے۔ حضرات حسن، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ پاکیزہ زندگی تو جنت میں ہی ممکن ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد رزق حلال اور عبادت ہے۔ ان سے یہ معنی بھی منقول ہے: اطاعت اور اس پر انشراح صدر (1)۔ صحیح بات یہی ہے کہ حیات طیبہ ان تمام سعادتوں اور راحتوں کو شامل ہے، جیسا کہ حضرت فضالہ بن عبید سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص (دارین کی) فلاح پا گیا جسے اسلام کی طرف ہدایت نصیب ہوئی، بقدر ضرورت روزی ملی اور اس نے اسی پر قناعت کر لی'' (2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص فلاح پا گیا جو مسلمان ہوا، اسے بقدر ضرورت رزق عطا کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی عطا پر اس نے قناعت کر لی'' (3)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ مومن پر ظلم نہیں کرتا بلکہ اس کی نیکی کا اجر دنیا میں بھی دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی۔ لیکن کافر اپنے اچھے کاموں کا بدلہ دنیا میں ہی پا لیتا ہے، جب وہ آخرت کی طرف جائے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی جس کا اسے اجر دیا جائے'' (4)۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٩٨﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 170-171
2۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ 730، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 168
3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 211-212
4۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ 2162، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 123

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

''سو جب تم قرآن کی تلاوت کرنے لگو تو پناہ مانگو اللہ تعالیٰ سے اس شیطان (کی وسوسہ اندازیوں) سے جو مردود ہے۔ یقیناً اس کا زور نہیں چلتا ان لوگوں پر جو (سچے دل سے) ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا زور تو صرف ان پر چلتا ہے جو یارانہ گانٹھتے ہیں اس سے اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی زبانی اپنے بندوں کو حکم دے رہا ہے کہ جب قرآن کریم کی تلاوت کرنا چاہیں تو پہلے ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ'' پڑھ لیا کریں۔ یہ امر استحباب کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے۔ ابن جریر اور دیگر ائمہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ استعاذہ کے بارے میں احادیث ہم بڑی تفصیل کے ساتھ تفسیر کے آغاز میں بیان کر چکے ہیں۔ تلاوت شروع کرتے وقت استعاذہ کی حکمت یہ ہے کہ قاری پر قراءت مشتبہ اور خلط ملط نہ ہو جائے اور تدبر و تفکر میں کوئی چیز حائل نہ ہو، اس لئے جمہور کا یہ موقف ہے کہ استعاذہ تلاوت سے قبل ہونا چاہئے۔ حمزہ اور ابو حاتم بجستانی کہتے ہیں کہ استعاذہ تلاوت کے بعد ہونا چاہئے (کیونکہ قراءت ماضی کا صیغہ ہے یعنی جب قراءت کر چکو تو استعاذہ پڑھو)، انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ امام نووی نے شرح المہذب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی قول نقل کیا ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے کیونکہ ایسی احادیث موجود ہیں جو تلاوت پر استعاذہ کو مقدم کرنے کی دلیل ہیں۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ...... ثوری اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ شیطان کو اہل ایمان پر اتنا زور حاصل نہیں کہ وہ انہیں ایسے گناہ میں مبتلا کر دے جس سے وہ توبہ نہ کر سکیں۔ دوسرے حضرات نے سلطان کا معنی حجت بیان کیا ہے یعنی شیطان کی کوئی حجت ان پر کارگر نہیں ہوتی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ اس آیت کی طرح ہے: اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (ص:83) ''سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا ہے''، پھر فرمایا: اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ...... مجاہد ''يَتَوَلَّوْنَهٗ'' کا معنی بیان کرتے ہیں کہ جو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ میں ''باء''، ''فی'' کے معنی میں بھی ہو سکتی ہے یعنی وہ عبادت الٰہی میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ ''باء'' سببیہ بھی ہو سکتی ہے یعنی وہ شیطان کی اطاعت کرنے کے سبب اللہ تعالیٰ سے شرک کرنے والے ہیں، بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ وہ اپنے اموال اور اولاد میں اسے شریک ٹھہراتے ہیں۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

''اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں تم صرف افتراء پرداز ہو۔ بلکہ ان میں سے اکثر (آیت بدلنے کی حکمت کو) نہیں جانتے۔ فرمایئے نازل کیا ہے اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ تاکہ ثابت قدم رکھے انہیں جو ایمان لائے ہیں اور یہ ہدایت اور

خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے''۔

مشرکین کی کم عقلی، حماقت، قلت ثبات اور قلت ایقان کا ذکر ہو رہا ہے، ان کے ایمان لانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان پر شقاوت مسلط کر دی گئی ہے، جب بذریعہ نسخ احکام میں تغیر و تبدل کو وہ دیکھتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ سے کہہ دیتے ہیں: اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ یعنی تم افتراء پرداز اور جھوٹے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، کرتا ہے اور جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے وہی حکم دیتا ہے۔ مجاہد اللہ تعالیٰ کے فرمان بَدَّلْنَآ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ کا معنی بیان کرتے ہیں کہ جب ہم ایک آیت کو اٹھا لیتے ہیں اور دوسری اس کی جگہ ثابت کرتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ اس آیت کی طرح ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (البقرۃ:106) ''جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو لاتے ہیں (دوسری) بہتر اس سے یا (کم از کم) اس جیسی''، اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے جواب میں فرماتا ہے: قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ...... یعنی قرآن کریم کو روح القدس (جبریل علیہ السلام) حق، صدق اور عدل کے ساتھ لے کر اترتے ہیں تاکہ اہل ایمان کو ثابت قدمی نصیب ہو، جب بھی قرآن اترے، اس کی تصدیق کریں اور ان کے دل وحی الٰہی کے سامنے جھک جائیں۔ اللہ اور رسول پر ایمان لانے والے ایسے ہی مسلمانوں کے لئے قرآن حکیم ہدایت اور بشارت ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾

''اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں تو یہ قرآن ایک انسان سکھاتا ہے حالانکہ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔''

مشرکین کے جھوٹ، افتراء بازی اور بہتان تراشی کا ذکر ہو رہا ہے کہ محمد (ﷺ) جو قرآن ہمیں سناتے ہیں وہ انہیں کوئی بشر سکھاتا ہے۔ اس وقت کسی قریشی کا ایک عجمی غلام تھا جو کوہ صفا کے نزدیک چیزیں بیچا کرتا تھا، نبی کریم ﷺ کبھی کبھار اس کے پاس بیٹھ کر گفتگو کر لیتے۔ یہ دیکھ کر مشرکین کہنے لگے کہ یہ عجمی آپ ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے، حالانکہ اس کی زبان عجمی تھی، عربی زبان سے اس کی واقفیت بہت کم تھی اور بقدر ضرورت عربی زبان میں گفتگو کرنا بھی اس کے لئے بہت دشوار تھا، کہاں وہ اور کہاں قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بہتان کے جواب میں فرمایا: لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ...... یعنی یہ مشرکین جس غلام کی طرف قرآن کی نسبت کرتے ہیں وہ تو عجمی زبان بولتا ہے اور یہ قرآن کریم فصیح عربی زبان میں ہے۔ یہ تو فصاحت و بلاغت کی انتہائی بلندیوں کو چھو رہا ہے اور ایسے جامع معانی و مطالب پر مشتمل ہے جو تمام سابقہ آسمانی کتب سے کہیں زیادہ کامل ہیں، بھلا ایسی کتاب کے حامل رسول ﷺ کو کیا ضرورت ہے کہ وہ شکستہ عربی بولنے والے عجمی غلام سے قرآن سیکھیں۔ جس شخص میں عقل نام کی ایک رتی بھی موجود ہے، وہ ایسی بے سروپا بات نہیں کہہ سکتا۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مروہ کے قریب حضرمی قبیلے کے کسی شخص کے جبر نامی نصرانی غلام کے پاس بیٹھ جایا کرتے تھے، اس پر مشرکین کہنے لگے کہ یہ قرآن اسی غلام کا سکھایا ہوا ہے(1)۔ عکرمہ اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس کا نام یعیش تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مکہ میں بلعام نامی ایک عجمی لوہار تھا، رسول اللہ ﷺ اسے تعلیم دیتے تھے۔ جب قریش نے آپ ﷺ کو اکثر اس کے پاس آتے جاتے دیکھا تو کہنے لگے کہ بس یہی بلعام آپ ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے، اس پر مذکورہ بالا آیت

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 393

نازل ہوئی(1)۔ ضحاک بن مزاحم کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت سلمان فارسی ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدینہ شریف میں اسلام لائے۔ عبید اللہ بن مسلم کہتے ہیں کہ ہمارے دو رومی غلام تھے جو اپنی زبان میں اپنی کتاب پڑھا کرتے تھے۔ جب کبھی رسول اللہ ﷺ کا ان کے پاس سے گزر ہوتا تو آپ ان سے سن لیتے اس پر مشرکین نے مشہور کر دیا کہ آپ ﷺ ان دونوں غلاموں سے قرآن سیکھتے ہیں، اس وقت یہ آیت اتری(2)۔ حضرت سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ جس نے یہ بات کہی تھی وہ مشرکین میں سے ایک شخص تھا۔ جو کاتب وحی تھا لیکن بعد میں وہ اسلام سے مرتد ہو گیا اور یہ بات گھڑ لی۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٠٥﴾

”بے شک جو لوگ ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وہی لوگ تراشا کرتے ہیں جھوٹ جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی آیات پر۔ اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو اس کے ذکر سے اعراض کرتے ہیں، قرآن کریم سے تغافل برتتے ہیں اور وحی پر ایمان لانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اس قماش کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی آیات اور رسالت رسل پر ایمان لانے کی توفیق ہی نہیں بخشتا اور آخرت میں ان کے لئے نہایت دردناک اور اذیت رساں عذاب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا رسول ﷺ نہ افتراء پرداز ہے اور نہ کذاب کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ گھڑنے والے وہ بدترین لوگ ہیں جو آیات الٰہیہ پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہ لوگ کافر، ملحد اور جھوٹے ہیں جبکہ حضرت محمد ﷺ سب سے زیادہ سچے، سب سے زیادہ نیکی اور حسن سلوک کرنے والے، علم، عمل، ایمان اور ایقان میں سب سے زیادہ کامل اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ ان مشرکین کے ہاں بھی صادق اور امین کے لقب سے جانے جاتے ہیں۔ کسی کو بھی آپ ﷺ کی صداقت اور امانت میں شک نہیں، یہی وجہ ہے کہ جب ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان سے گفتگو کرتے ہوئے آپ ﷺ کے متعلق پوچھا تھا کہ کیا تم نے اسے (محمد ﷺ) کبھی اعلان نبوت سے قبل جھوٹ بولتے دیکھا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: نہیں تو ہرقل کہنے لگا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص لوگوں کے ساتھ تو جھوٹ نہ بولے لیکن اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے(3)۔

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٦﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿١٠٧﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٠٨﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٠٩﴾

”جس نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے کے بعد بجز اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 177
2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 178-179
3۔ فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 32، صحیح مسلم، کتاب الجہاد: 1395

کے ساتھ (تو اس سے مواخذہ نہ ہوگا) لیکن وہ (بدنصیب) کھل جائے کفر کے ساتھ (جس کا سینہ) تو ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے پسند کر لیا دنیا کی (فانی) زندگی کو آخرت کی (ابدی) زندگی پر اور بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کافر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں مہر لگا دی ہے اللہ تعالیٰ نے جن کے دلوں، جن کے کانوں اور جن کی آنکھوں پر اور یہی لوگ (اپنے اعمال کے نتائج سے) غافل ہیں۔ ضرور یہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں"۔

جو لوگ ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیں، ہدایت کی روشنی دیکھ لینے کے بعد اس سے آنکھیں بند کر لیں اور کفر پر خوش اور مطمئن ہو جائیں تو یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان سے عدول کرنے کے باعث غضب الٰہی کے مستحق ٹھہرتے ہیں، ان کے لئے دار آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے کیونکہ یہ آخرت کی بجائے دنیاوی زندگی پر فریفتہ ہو گئے اور دنیا کی خاطر متاع گراں بہا (ایمان) کو چھوڑ کر مرتد ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ تو ان کے دلوں کو ہدایت عطا فرمائی اور نہ انہیں دین حق پر ثابت قدم رکھا بلکہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی، اس لئے یہ کسی نافع چیز کو نہیں سمجھ سکتے، اسی طرح ان کی قوت سماعت اور قوت بصارت پر بھی مہر لگا دی، ان سے بھی وہ کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے اور نہ یہ اعضاء انہیں کوئی فائدہ دے سکتے ہیں۔ یہ بدبخت اپنے انجام سے بے خبر ہیں، ایسی صفات بد کے حامل لوگ یقیناً روز قیامت اپنا اور اپنے گھر والوں کا نقصان کرنے والے ہیں۔ لیکن وہ سعادت مند ان لوگوں کے حکم سے خارج ہیں جو مجبوراً کفریہ کلمہ زبان پر لائے حالانکہ ان کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن تھا، ان کے متعلق فرمایا: إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ اس میں ایسے لوگوں کی استثناء کی جا رہی ہے جو مار پیٹ اور اذیت رسانی کے باعث مجبور ہو کر مشرکین کی موافقت میں اپنی زبان پر کفریہ عبارت لے آتے ہیں لیکن ان کے دل اس پر راضی نہیں ہوتے، دل سے وہ کفر کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے ساتھ وہ بالکل مطمئن ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں نازل ہوئی جب مشرکین نے آپ کو بہت تکلیفیں دیں اور آپ کو حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کفر کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ آپ نے مجبور اور ناچار ہو کر ان کی موافقت کر لی۔ پھر آپ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عذر پیش کرتے ہوئے حاضر ہوئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(1)۔ شعبی، قتادہ اور ابو مالک کا بھی یہی قول ہے۔ ابو عبیدہ محمد بن عمار بن یاسر بیان کرتے ہیں کہ مشرکین حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر شدید تکلیفیں دینے لگے یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ ان کی خواہش کے قریب ہو گئے۔ بعد میں آپ نے اس کا شکوہ نبی کریم ﷺ سے کیا تو آپ نے پوچھا: "تم اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟" عرض کی کہ وہ تو ایمان پر مطمئن ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر وہ دوبارہ ایسا کریں تو بھی ایسا ہی کرنا"(2)۔ بیہقی میں یہ روایت ذرا تفصیل کے ساتھ ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو (مجبور ہو کر) برا بھلا کہا اور ان کے بتوں کا ذکر خیر سے کیا۔ پھر شکایت لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! جب تک میں نے آپ کو برا بھلا نہ کہہ دیا اور ان کے بتوں کا ذکر خیر نہ کر لیا، اس وقت تک انہوں نے مجھے عذاب دینا ترک نہ کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "تمہارے دل کی کیفیت کیا ہے؟" عرض کی کہ وہ تو ایمان کے ساتھ مطمئن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر وہ دوبارہ ایسا کریں تو تم بھی ایسا کر لینا"۔ اس وقت یہ فرمان إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ نازل ہوا(3)، اس لئے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفر پر مجبور کئے

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 181 2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 182 3۔ سنن بیہقی، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 357

جانے والے شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی جان بچانے کی خاطر کفریہ کلمات زبان پر لے آئے اور ایسے موقعہ پر صبر وعزیمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کفریہ عبارت زبان پر لانے سے انکار کر دینا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے حالانکہ مشرکین آپ پر سختیوں اور ایذاء رسانیوں کی انتہاء کر دیا کرتے تھے، ظلم وستم کے پہاڑ آپ پر توڑے جاتے اور سخت گرمی اور چلچلاتی دھوپ میں لٹا کر آپ کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا لیکن پھر بھی آپ شرک پر آمادہ نہ ہوتے بلکہ ''احد احد'' کا نعرہ بلند کرتے اور کفار سے کہتے کہ اگر اس ''احد'' سے بھی زیادہ تمہیں غضبناک کرنے والا کوئی کلمہ مجھے معلوم ہوتو میں وہ کہنے سے بھی باز نہ آؤں۔ اسی طرح حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ مسیلمہ کذاب نے ان سے کہا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ پھر اس نے پوچھا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں بھی اللہ کا رسول ہوں؟ فرمایا: میں نہیں سنتا۔ اس پر اس ظالم نے آپ کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ دیا لیکن اس کے باوجود آپ رضی اللہ ایمان پر ثابت قدم رہے(1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتد ہو جانے والے چند لوگوں کو آگ میں جلوا دیا۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں انہیں آگ میں نہ جلاتا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''تم اللہ کے عذاب سے عذاب نہ دو'' بلکہ میں آپ ﷺ کے اس فرمان پر عمل کرتا: ''جو اپنے دین کو بدلے، اسے قتل کر دو''۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ابن عباس کی ماں پر صد حیف!(2)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ یہودی تھا، پھر مسلمان ہو گیا، اب پھر اس نے یہودیت اختیار کر لی ہے، ہم دو ماہ سے اسے اسلام کی طرف راغب کر رہے ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک تم اس کی گردن نہیں اڑا دیتے۔ چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ ہے کہ دین سے پھرنے والے کو قتل کر ڈالو، آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''جو اپنے دین کو بدل ڈالے، اسے قتل کر دو''(3)۔ بہر صورت افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ مسلمان اپنے دین پر ثابت قدم اور قائم رہے اگرچہ اسے قتل کر دیا جائے، جیسا کہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نے عزیمت کا مظاہرہ کیا تھا۔ رومی آپ رضی اللہ عنہ کو قید کر کے اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ اس نے آپ سے کہا کہ نصرانیت قبول کر لو، میں تمہیں اقتدار میں بھی شریک کر لوں گا اور اپنی بیٹی کا رشتہ بھی دوں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر تو اپنی تمام بادشاہت بلکہ اس کے ساتھ عربوں کی ملکیت میں جو کچھ ہے، وہ بھی مجھے دے دے، پھر بھی میں پلک جھپکنے کی دیر بھی دین محمدی سے نہیں پھروں گا۔ بادشاہ نے کہا: پھر میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو چاہو کرو۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے آپ رضی اللہ عنہ کو سولی پر لٹکا دیا گیا اور تیر انداز آپ کے ہاتھ اور پاؤں پر قریب سے ضربیں لگانے لگے، اس دوران بادشاہ برابر آپ پر نصرانیت پیش کرتا رہا لیکن آپ صبر واستقلال کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے ڈٹے رہے۔ پھر بادشاہ کے حکم سے آپ کو سولی سے اتار دیا گیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے تانبے کی ایک دیگ تپانے کا حکم دیا اور ایک مسلمان اسیر کو آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے تپتی ہوئی دیگ میں ڈلوا دیا۔ وہ اسی وقت جل بھن گیا۔ پھر بادشاہ نے نصرانیت قبول کرنے کے لئے کہا لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ آخر بادشاہ نے آپ کو بھی گرم دیگ میں ڈالنے کا حکم دے دیا۔ جب آپ کو

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 466-467 2۔ صحیح بخاری، کاباب استتابۃ المرتدین، جلد 9 صفحہ 18، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 217

3۔ صحیح بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین، جلد 9 صفحہ 18، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ: 1457-1458

دیگ میں ڈالنے کے لئے چرخی پر اٹھایا گیا تو بے ساختہ آپ رونے لگے۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کو کچھ امید پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس نے آپ کو بلا لیا۔ لیکن آپ نے اسے یہ بتا کر اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا کہ مجھے رونا اس بات پر آیا ہے کہ میری صرف ایک جان ہے جسے اب رضائے الٰہی کی خاطر آگ میں پھینکا جانا ہے۔ میری تو یہ خواہش ہے کہ میرے جسم کے ہر ہر بال کے برابر مجھے جان ملتی جسے میں راہ خدا میں نثار کر دیتا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ بادشاہ نے آپ کو چند دنوں کے لئے قید میں ڈال دیا اور کھانا پینا بند کر دیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کے پاس شراب اور خنزیر کا گوشت بھیجا لیکن آپ نے اسے دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا۔ بادشاہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا کہ تم نے کھایا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: اگرچہ اس اضطراری حالت میں یہ میرے لئے حلال ہو چکا ہے لیکن میں تمہیں اپنی اس حالت پر خوش ہونے کا موقعہ نہیں دینا چاہتا۔ بادشاہ نے آپ سے کہا کہ میرے سر کو بوسہ دو میں تمہیں رہا کر دوں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میرے ساتھ میرے مسلمان ساتھی قیدیوں کو بھی رہا کرو گے؟ اس نے کہا: ہاں، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے سر کو بوسہ دیا تو بادشاہ نے حسب وعدہ آپ کے ساتھ تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ واپس لوٹے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سارا ماجرا سن کر فرمایا: ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ عبداللہ بن حذافہ کے سر کو بوسہ دے اور میں پہل کرتا ہوں۔ آپ اٹھے اور حضرت عبداللہ کے سر کو چوم لیا۔ رضی اللہ عنہما۔

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٠﴾ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١١﴾

”پھر بیشک آپ کے پروردگار کا معاملہ ان کے ساتھ جنہوں نے ہجرت کی بڑی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد پھر جہاد بھی کیا اور (مصائب میں) صبر سے کام لیا۔ بیشک آپ کا رب ان آزمائشوں کے بعد (ان کے لئے) بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔ اس دن کو یاد کرو جب آئے گا ہر نفس کہ جھگڑا کر رہا ہوگا (صرف) اپنے متعلق اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کیا ہوگا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا“۔

یہاں ایک اور صنف کے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جنہیں مکہ میں حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا، یہ کمزور لوگ تھے جو کفار مکہ کے ہاتھوں طرح طرح کی آزمائشوں سے دوچار تھے۔ آخر کار جب ہجرت کا حکم ہوا تو انہیں مشرکین کی ستم رانیوں سے رہائی ملی۔ انہوں نے اپنے گھر بار، اہل و عیال، مال و دولت اور وطن کو خیر باد کہہ کر ہجرت کر لی۔ ہجرت سے ان کا مقصود صرف رضائے الٰہی کا حصول تھا۔ پھر مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو کر کفار و مشرکین کے خلاف مصروف جہاد ہو گئے اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان عظیم اعمال کے باعث ان پر بہت مہربان ہوگا، اور یہ قیامت کا دن ایسا ہوگا جس میں ہر شخص اپنے بارے میں ہی جھگڑے گا، اس کی طرف سے کوئی بھی جھگڑنے والا نہ ہوگا، نہ باپ، نہ بھائی، نہ بیٹا اور نہ بیوی۔ ہر ایک کو اپنی فکر دامنگیر ہوگی۔ ہر ایک کو اس کے نیک و بد اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور کسی کے ثواب کو کم کر کے یا کسی کو برائی سے زیادہ عذاب دے کر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ

فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

''اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ کہ ایک بستی تھی جو امن (اور) چین سے (آباد) تھی آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق بکثرت ہر طرف سے پس اس (کے باشندوں) نے ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی۔ پس چکھایا انہیں اللہ تعالیٰ نے (یہ عذاب کہ پہنا دیا انہیں) بھوک اور خوف کا لباس ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور آیا ان کے پاس رسول انہی میں سے پس انہوں نے اسے جھٹلایا پھر پکڑ لیا انہیں عذاب نے اس حال میں کہ وہ ظلم وستم کیا کرتے تھے''۔

اس مثال سے مراد اہل مکہ ہیں۔ مکہ پر امن اور پرسکون شہر تھا، اس کے اردگرد لوگوں کو ہر وقت اپنی جان کا خطرہ لگا رہتا لیکن اس پرخطر اور پرفتن دور میں بھی اگر کوئی مکہ میں داخل ہو جاتا تو اسے امن مل جاتا اور وہ ہر خطرے سے بے خوف ہو جاتا جیسا کہ فرمایا: وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا (القصص:57) ''اور انہوں نے کہا اگر ہم اتباع کریں ہدایت کی آپ کی معیت میں تو ہمیں اچک لیا جائے گا ہمارے ملک سے۔ کیا ہم نے بسا نہیں دیا انہیں حرم میں جو امن والا ہے کھچے چلے آتے ہیں اس کی طرف ہر قسم کے پھل یہ رزق ہے ہماری طرف سے''، اسی طرح یہاں فرمایا: يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا...... یعنی ہر طرف سے ان کے پاس عمدہ اور خوشگوار رزق بکثرت آتا لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کیا اور سب سے بڑی نعمت حضرت محمد ﷺ کی ان کی طرف تشریف آوری تھی جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ؕ وَ بِئْسَ الْقَرَارُ (ابراہیم:29-28) ''کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں (یعنی) دوزخ میں جھونکے جائیں گے اس میں اور وہ بہت بڑا ٹھکانا ہے''، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر کی گئی دو نعمتوں کو دو زحمتوں میں بدل دیا۔ امن کی بجائے خوف مسلط کر دیا گیا اور خوشحالی کی بجائے بھوک نے اپنے ڈیرے جما لیے حالانکہ ہر طرف سے رزق اور پھل بکثرت ان کے پاس آتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کے باعث انہیں تنگدست کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے عہد یوسف علیہ السلام جیسے سات سالہ قحط کی بددعا کی جس کے نتیجے میں قحط سالی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا، یہاں تک کہ یہ اونٹ کے خون آلود بال کھانے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ امن رخصت ہوا اور خوف کے سیاہ بادل ہر وقت ان پر چھائے رہنے لگے۔ ہجرت کے بعد انہیں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رعب و دبدبہ، سطوت و ہیبت اور لشکر اسلامی کے حملوں کا دھڑکا لگا رہتا۔ انہوں نے اپنا تمام مال و متاع جنگوں میں جھونک دیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مکہ پر فتح عطا فرمائی اور مشرکین مکہ کو اپنی کارستانی، بغاوت اور تکذیب رسول ﷺ کا خمیازہ بھگتنا پڑا حالانکہ رسول اللہ ﷺ تو ان کے لئے بہت بڑی اور گراں بہا نعمت تھے جس کا احسان جتلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ...... (آل عمران:164) ''یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول ان میں سے......''، فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚۛ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛؕ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿۱۰﴾ رَّسُوْلًا (الطلاق:10) ''پس اللہ سے ڈرتے رہا کرو اے دانشمندو! جو ایمان لائے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تمہاری طرف ذکر۔ ایک ایسا رسول''، كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ (البقرۃ:151) ''جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس رسول ﷺ تم میں سے پڑھ کرسناتا ہے

تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت'' جس طرح اللہ تعالیٰ نے کفار کی حالت کو برعکس حالت سے بدل دیا اور وہ امن کے بعد خوف سے اور خوشحالی کے بعد بھوک سے دوچار ہوگئے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی خستہ حالت کو بھی تبدیل کر دیا۔ خوف کے بعد انہیں امن سے نوازا اور اس فقر و تنگدستی کے بعد کشادہ رزق عطا فرمایا، صرف یہی نہیں بلکہ انہیں لوگوں پر امراء، حکام، سردار، قائد اور امام بنا دیا۔ یہ جو ہم نے کہا ہے کہ یہ مثال اہل مکہ کے لئے بیان ہوئی ہے، یہ قول حضرات ابن عباس، مجاہد، قتادہ، عبدالرحمٰن بن زید اور زہری رحمہم اللہ کا ہے (1)۔ جبکہ ابن جریر کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آیت میں مذکور بستی سے مراد مدینہ ہے۔ یہ روایت سلیم بن عتر بیان کرتے ہیں کہ ہم ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حج سے لوٹ رہے تھے، اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ میں محصور تھے۔ حضرت حفصہؓ اکثر راہگیروں سے حضرت عثمانؓ کی بابت دریافت کرتیں کہ ان کا کیا حال ہے؟ ایک دن آپؓ نے دو سواریوں کو جاتے ہوئے دیکھا تو انہیں بلوالیا۔ ان سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ یہ سن کر ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ مدینہ ہی وہ بستی ہے جس کا ذکر اس آیت وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً...... میں ہوا ہے۔ عبیداللہ بن مغیرہ کے شیخ کا بھی یہی کہنا ہے کہ اس سے مراد مدینہ شریف ہے (2)۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١١٤﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٥﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿١١٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١٧﴾

''پس کھاؤ اس سے جو رزق دیا تمہیں اللہ تعالیٰ نے جو حلال (اور) طیب ہے۔ اور شکر کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ اس نے تم پر حرام کیا ہے صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر بلند کیا گیا ہو غیر اللہ کا نام ذبح کے وقت۔ پس جو مجبور ہو جائے (ان کے کھانے پر بشرطیکہ) وہ لذت کا جویا نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو (تو کوئی حرج نہیں) بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور نہ بولو جھوٹ جن کے بارے میں تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں (یہ کہتے ہوئے) کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس طرح تم افتراء باندھو گے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹے بہتان تراشتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ (وہ) تھوڑا سا فائدہ اٹھالیں (انجام کار) ان کے لئے دردناک عذاب ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو رزق حلال کھانے اور اس کا شکر ادا کرنے کا حکم دے رہا ہے کیونکہ منعم حقیقی اور فضل و احسان کرنے والا صرف وہی ہے اس لیے عبادت کا مستحق بھی وہی وحدہ لاشریک ہے۔ پھر ان حرام چیزوں کا ذکر کیا جو اہل ایمان کے لئے دین و دنیا دونوں اعتبار سے ضرر رساں اور نقصان دہ ہیں یعنی مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جسے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔ لیکن اضطراری حالت میں اگر ان میں سے کسی چیز کو کھانے کی ضرورت پیش آ جائے تو رخصت ہے بشرطیکہ ضرورتمند نہ سرکشی کرے اور نہ حد سے تجاوز

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 185-186
2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 186

کرے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔ اس قسم کی آیت سورۂ بقرہ میں بھی گذر چکی ہے۔ چونکہ وہاں وضاحت ہو چکی ہے اس لیے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں (1)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین جیسی روش اختیار کرنے سے منع فرمایا جنہوں نے حلال وحرام کے خود ساختہ قوانین بنالیے اور اپنی آراء سے ہی بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ نام دے کر جانور اپنے اوپر حرام کر لیے، اس کے متعلق فرمایا: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ...... اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو از خود بغیر کسی شرعی دلیل کے کوئی بدعت ایجاد کرے یا محض اپنی رائے اور خواہش کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور اللہ تعالیٰ کی مباح کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرائے۔ ''لِمَا تَصِفُ'' میں ''ما'' مصدر یہ ہے یعنی تم اپنی زبانوں کے بیان کرنے کی وجہ سے جھوٹ نہ بولو پھر ایسے لوگوں کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ...... یعنی یہ افتراء پرداز نہ دنیا میں بامراد ہوں گے اور نہ آخرت میں۔ بس دنیا میں تھوڑا سا عیش و آرام اور لطف اٹھالیں، آخرت میں دردناک عذاب کا سامنا ہوگا جیسا کہ فرمایا: نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (لقمان: 24) ''ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر، پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف''، اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (یونس: 70-69) ''جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (چند روزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے''۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٩﴾

''اور یہودیوں پر ہم نے حرام کر دیں وہ چیزیں جن کا ذکر ہم آپ سے پہلے کر چکے ہیں۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا کرتے تھے۔ پھر بے شک آپ کا رب ان کے لئے جنہوں نے غلطی کی (لیکن) نادانی سے پھر انہوں نے توبہ کر لی اس کے بعد اور اپنے آپ کو سنوار لیا۔ بے شک آپ کا پروردگار اس کے بعد (ان کے گناہوں کو) بہت بخشنے والا (اور ان پر) نہایت رحم کرنے والا ہے''۔

قبل ازیں مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ جانور کی حرمت اور اضطراری حالت میں رخصت کو بیان فرمایا، اس سے مقصود اس امت کے لئے آسانی ہے، نہ کہ تنگی۔ اب یہاں اللہ تعالیٰ ان چیزوں کا ذکر فرما رہا ہے جو یہود پر ان کی شریعت منسوخ ہونے سے پہلے حرام تھیں۔ یہ حرمت ان کے لئے بھاری بوجھ اور باعث ضیق و حرج تھی، فرمایا: وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا...... ''مِنْ قَبْلُ'' یعنی سورۂ انعام میں جہاں فرمایا: وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ...... (الانعام: 147) ''اور ان لوگوں پر جو یہودی بنے تھے ہم نے حرام کر دیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری سے ہم نے حرام کی ان پر دونوں (گائے بکری) کی چربی مگر جو اٹھا رکھی ہو ان کی پشتوں نے......''، اس لیے یہاں فرمایا: وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ...... یعنی جو تنگی

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ: 173

ہم نے ان کے اوپر کی، اس میں ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے ہمارے احکام کو نظر انداز کر کے خود اپنے اوپر ظلم کیا جیسا کہ فرمایا: فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا (النساء: 160) ''سو بوجہ ظلم ڈھانے یہود کے ہم نے حرام کر دیں ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لئے اور بوجہ روکنے یہود کے اللہ کے راستے سے بہت لوگوں کو''، پھر گنہگار اہل ایمان پر اپنے فضل وکرم اور لطف واحسان کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ان میں سے جو توبہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر نظر کرم فرمائے گا۔ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ...... ''کسی بزرگ کا قول ہے کہ ہرنا فرمان جاہل ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ؕ ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

''بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے۔ اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے۔ وہ (ہر لمحہ) شکر گزار تھے اللہ تعالیٰ کی (پیہم) نعمتوں کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا اور انہیں ہدایت فرمائی سیدھے راستہ کی طرف۔ اور ہم نے مرحمت فرمائی انہیں دنیا میں بھی (ہر طرح کی) بھلائی اور وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب!) آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملت ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا''۔

اللہ تعالیٰ امام الحنفاء، ابو الانبیاء اور اپنے رسول حضرت خلیل علیہ السلام کی مدح وتوصیف فرما رہا ہے اور آپ کو مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے بیزار اور بری الذمہ ظاہر فرما رہا ہے۔ ''اُمَّةً'' سے مراد یہاں وہ امام ہے جس کی اقتدا کی جائے یعنی پیشوا۔ ''قَانِتًا'' سے مراد مطیع وفرمانبردار اور حنیف کا مطلب ہے شرک سے منہ موڑ کر توحید کی طرف مائل ہونے والا۔ اس لیے فرمایا: وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ''اُمَّةً قَانِتًا'' کا معنی دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: امت کا معنی ہے لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والا اور قانت کا معنی ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امت سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کو دین سکھائے۔ ابو العبیدین حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ سے نہیں دریافت کریں گے تو اور کون ہے جس سے دریافت کریں؟ امت کے معنی سے آگاہ کریں۔ آپ نے فرمایا: وہ شخص جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہے (1)۔ فروہ بن نوفل اشجعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ قانت، امت اور حنیف تھے۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے غلط کہا ہے کیونکہ یہ صفات تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تھیں۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ آپ نے فرمایا: جانتے ہو ''امۃ اور قانت'' کا کیا مفہوم ہے؟ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: امت کا معنی ہے معلم خیر اور قانت کا معنی ہے اللہ ورسول کا مطیع، اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ایسے ہی تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ تنہا امت اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 191

مطیع تھے۔آپ رحمتہ اللہ علیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تنہا مومن تھے اور اس وقت باقی تمام لوگ کافر تھے۔قتادہ امت کا معنی امام ہدایت اور قانت کا معنی مطیع بیان کرتے ہیں۔مزید برآں حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی نعمتوں کے شکر گذار بھی تھے جیسا کہ فرمایا: وَ اِبۡرٰهِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی (النجم:37) ''اور ابراہیم (علیہ السلام) جو پوری طرح احکام بجالائے''، یعنی تمام احکام الٰہی بجالائے۔اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ انہیں چن لیا اور اپنا برگزیدہ اور مقرب بندہ بنالیا جیسا کہ فرمان ہے: وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ اِبۡرٰهِیۡمَ رُشۡدَهٗ مِنۡ قَبۡلُ وَ کُنَّا بِهٖ عٰلِمِیۡنَ ﴿۵۱﴾ (الانبیاء:51) ''اور یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم علیہ السلام کو ان کی دانائی اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے''، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی صراط مستقیم یعنی پسندیدہ طریقے کے مطابق اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف رہنمائی فرمائی اور دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں ان کے لئے جمع کر دیں اور آپ کی ذات کو تمام صفات حسنہ اور اوصاف جلیلہ کا مرقع بنا دیا۔مجاہد اس فرمان وَاٰتَیۡنٰهُ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ذکر خیر ہے۔

ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ...... یعنی ان کے کمال، عظمت، صحت توحید اور کمال طریق کے باعث، اے سید الانبیاء اور خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کو ملت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حکم دیا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: قُلۡ اِنَّنِیۡ هَدٰىنِیۡ رَبِّیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۚ دِیۡنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا ۚ وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ (الانعام:161) ''آپ فرمائیے بے شک مجھے پہنچا دیا ہے میرے رب نے سیدھی راہ تک یعنی دین مستحکم (جو) ملت ابراہیم علیہ السلام ہے جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے اور نہیں تھے وہ مشرکوں سے''۔پھر یہود پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبۡتُ عَلَی الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَیَحۡکُمُ بَیۡنَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡهِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾

''صرف ان لوگوں پر سنیچر کی پابندی تھی جنہوں نے اختلاف کیا تھا اس میں۔اور بلاشبہ آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان روز قیامت ان امور کے متعلق جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔''

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ملت میں ایک ایسا دن مقرر کیا جس میں وہ جمع ہو کر عبادت کریں۔اس امت کے لئے جمعہ کا دن مقرر کیا گیا کیونکہ یہ ہفتے کا چھٹا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش کا کام مکمل کر دیا۔اس دن تمام مخلوقات جمع ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر نعمت تمام ہو گئی۔کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہی (جمعہ کا) دن مقرر کیا تھا لیکن انہوں نے روگردانی کر کے سنیچر کا دن اختیار کر لیا کیونکہ جمعہ کے دن مخلوقات کے مکمل ہو جانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سنیچر کے دن کوئی چیز پیدا نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے جب تورات کو اتارا تو یہی دن ان پر لازم کر دیا اور اسے مضبوطی سے تھام لینے کی تاکید کی۔اس کے ساتھ یہ بھی حکم دے دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک اس کی پابندی کریں، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہو جائے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی ایمان لانا ہوگا اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی پیروی کرنا ہوگی۔اس پر ان سے عہد و پیمان بھی لے لیا، اسی لیے فرمایا: اِنَّمَا جُعِلَ السَّبۡتُ مجاہد کہتے ہیں کہ انہوں نے جمعہ چھوڑ کر ہفتے کا دن اختیار کر لیا(1)۔پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک وہ اس کی پابندی کرتے رہے۔آپ نے انہیں اتوار کے دن کی طرف منتقل کر دیا۔بعض کہتے ہیں کہ آپ بعض منسوخ احکام کے سوا شریعت

1۔تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 193

تورات کی پابندی کرتے رہے اور اسی طرح سنیچر کے دن کو بھی آسمان پر اٹھائے جانے تک اختیار کیے رکھا۔ اس کے بعد نصاریٰ نے قسطنطین کے عہد میں یہودیوں کی مخالفت کرتے ہوئے اتوار کا دن منتخب کرلیا اور صخرہ کی شرقی جانب کو اپنے لیے قبلہ بنالیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم (تخلیق میں) آخر اور قیامت کے دن اول ہوں گے سوائے اس کے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی۔ پھر یہ دن (جمعہ) ان پر فرض ہوا لیکن اس کے متعلق وہ اختلاف میں پڑ گئے (اور اسے کھو بیٹھے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن کی طرف ہماری رہنمائی کی، پس اس میں لوگ ہمارے پیچھے ہیں، یہود ایک دن اور نصاریٰ دو دن" (1)۔ حضرات ابو ہریرہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلی امتوں کو یوم جمعہ سے محروم کردیا۔ یہود کے لیے سنیچر کا دن تھا اور نصاریٰ کے لیے اتوار۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یوم جمعہ کی طرف ہدایت دی۔ جس طرح جمعہ، ہفتہ اور اتوار ہیں اسی طرح وہ روز قیامت ہمارے پیچھے ہوں گے۔ ہم اہل دنیا میں آخر لیکن قیامت کے دن اول ہوں گے اور سب سے پہلے ہمارے فیصلے ہوں گے" (2)۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٢٥﴾

"(اے محبوب!) بلایئے (لوگوں کو) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے بحث (ومناظرہ) اس انداز سے کیجئے جو بڑا پسندیدہ (اور شائستہ) ہو۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے اسے جو بھٹک گیا اس کے راستہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دے رہا ہے کہ آپ حکمت اور عمدہ وعظ کے ذریعے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف لگائیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ حکمت سے مراد کتاب وسنت ہے اور موعظہ حسنہ سے مراد وہ تمام نواہی اور واقعات ہیں جنہیں یاد دلا کر لوگوں کو عذاب الٰہی سے خبردار کیا جائے (3)۔ پھر فرمایا وَجَادِلْهُمْ...... یعنی اگر کسی سے بحث ومناظرہ تک نوبت پہنچ جائے تو اس کے لیے بھی نرم لہجہ اور عمدہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ڰ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ (العنکبوت: 46) "اور (اے مسلمانو!) بحث مباحثہ نہ کیا کرو اہل کتاب سے مگر شائستہ طریقہ سے مگر وہ جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ان سے"، اسی طرح حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے وقت حکم دیا: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ: 44) "اور گفتگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے"۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ...... یعنی ہر شقی اور سعید کے متعلق اسے پہلے سے ہی علم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں لکھ کر فراغت پالی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہیں اور گمراہوں پر آپ دل گرفتہ اور غمزدہ نہ ہوں کیونکہ ہدایت دینا آپ کا فریضہ نہیں۔ آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے اور حساب ہم لیں گے۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ (القصص: 56) "بیشک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں"، لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ (البقرۃ: 272) "نہیں ہے آپ کے ذمے ان کو سیدھی راہ پر چلانا،

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 8 صفحہ 159، صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ: 586

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ: 586

3۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 194

ہاں اللہ سیدھی راہ چلاتا ہے جسے چاہتا ہے''۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝١٢٦ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝١٢٧ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝١٢٨

''اور اگر تم (انہیں) سزا دینا چاہو، تو انہیں سزا دو لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ اور اگر تم (ان کی ستم رانیوں پر) صبر کرو تو یہ صبر ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے۔ اور آپ صبر فرمایئے اور نہیں ہے آپ کا صبر مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور رنجیدہ نہ ہوا کریں ان (کی ہٹ دھرمی) پر اور نہ غمزدہ ہوا کریں ان کی فریب کاریوں سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو (اس سے) ڈرتے ہیں اور جو نیک کاموں میں سرگرم رہتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ قصاص میں عدل اور حق حاصل کرنے میں مماثلت کا حکم دے رہا ہے جیسا کہ ابن سیرین کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تم سے کوئی چیز لے لے تو تم اس کی مثل لو(1)۔ مجاہد، ابراہیم، حسن بصری وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو مشرکین کے ساتھ درگذر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ جب صاحب حیثیت لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تو وہ کہنے لگے: یارسول اللہ! اگر اجازت ہو تو ہم ان کتوں (کفار) سے انتقام لیں۔ اس وقت یہ آیت اتری پھر جب جہاد کا حکم ہوا تو یہ بھی منسوخ ہوگئی۔

عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ سورۂ نحل تمام کی تمام مکی ہے، سوائے آخری تین آیات کے جو مدینہ میں غزوۂ احد کے بعد اس وقت نازل ہوئیں جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے ان کا مثلہ کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان پر غلبہ عطا فرمایا تو میں ان (مشرکین) کے تین آدمیوں کا مثلہ کروں گا'' مسلمان یہ سن کر کہنے لگے کہ اگر ہمیں ان پر فتح نصیب ہوگئی تو ہم ان کا اس طرح مثلہ کریں گے کہ عربوں میں کسی نے کسی کا اس طرح نہ کیا ہوگا۔ اس وقت یہ آخری تین آیات نازل ہوئیں(2)۔ یہ روایت مرسل ہے اور اس میں ایک شخص مبہم ہے البتہ ایک اور سند سے یہ روایت متصل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حمزہ شہید ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور انتہائی دردناک منظر دکھائی دیا۔ ان ظالموں نے آپ ﷺ کے چچا کے مختلف اعضاء کاٹ کر حلیہ ہی بگاڑ دیا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا! (چچا جان!) آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں، جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ صلہ رحمی اور نیک کام کرنے والے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے لوگوں کے غم واندوہ کا خیال نہ ہوتا تو میں آپ کو اسی طرح چھوڑ دیتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو درندوں کے پیٹ سے نکالتا۔ اللہ کی قسم! میں اس کے بدلے میں ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔ اس وقت جبریل علیہ السلام یہ آیات لے کر اترے۔ چنانچہ آپ ﷺ قسم پوری کرنے سے رک گئے اور قسم کا کفارہ ادا کر دیا(3)۔ اس کی سند بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کا ایک راوی صالح بن بشیر ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ شعبی اور ابن جریج کہتے ہیں کہ یہ آیات احد کے دن ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئیں جنہوں نے کہا تھا کہ ہم بھی مشرکین کا مثلہ کر کے اپنے شہداء کا انتقام لیں گے۔ حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن ساٹھ انصار اور چھ مہاجرین شہید ہوئے۔ صحابہ کرام کہنے لگے کہ اگر ہمیں مشرکین پر فتح حاصل ہوئی تو ہم ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 197
2۔ تفسیر طبری، جلد 14 صفحہ 195-196
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الہجرۃ والمغازی، جلد 2 صفحہ 326-327

کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن ایک آدمی کہنے لگا کہ (ہم قریش کا یوں حلیہ بگاڑیں گے) آج کے بعد وہ پہچانے بھی نہیں جائیں گے۔ اسی دوران منادی ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر گورے کالے کو امن دے دیا ہے، بجز فلاں فلاں کے۔ اس وقت یہ تین آیات نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہم صبر کرتے ہیں اور بدلہ نہیں لیتے'' (1)۔ اس قسم کی اور بھی آیات ہیں جو عدل کی مشروعیت اور فضل واحسان کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں، فرمایا: وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ (الشوریٰ: 40) ''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے''، پھر فرمایا: فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: 40) ''جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ پر ہے''۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (المائدۃ: 45) ''اور زخموں کے لیے قصاص''، اس کے بعد فرمایا: فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (المائدۃ: 45) ''تو جو شخص معاف کر دے بدلہ تو یہ معافی کفارہ بن جائے گی اس کے گناہوں کا''، یہاں فرمایا: وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ...... پھر فرمایا: وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ......۔

وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ...... یہاں صبر کے حکم کی تاکید ہے اور اس بات کی خبر دی جارہی ہے کہ صبر بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق، مشیت اور اعانت سے ہی ممکن ہے۔ پھر فرمایا کہ آپ ﷺ ان کی مخالفت، عداوت، مکر و فریب اور شرارت پر غمزدہ نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے، وہی آپ کا حامی و ناصر اور آپ کو ان پر فتح عطا فرمانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معیت، تائید و نصرت اور ہدایت، تقویٰ، شعار اور احسان کرنے والوں کو نصیب ہوتی ہے۔ آخری آیت میں معیت خاصہ کا ذکر ہے جیسا کہ درج ذیل آیات میں ہے: اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الانفال: 12) ''یاد کرو جب وحی فرمائی آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم ثابت قدم رکھو اہل ایمان کو''، حضرات موسیٰ و ہارون سے فرمایا: لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰى (طٰہٰ: 46) ''ڈرو نہیں میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں (ہر بات) سن رہا ہوں اور (ہر چیز) دیکھ رہا ہوں''، حضور ﷺ نے اپنے یار غار سے فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ (التوبہ: 40) ''مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے''، یہ تو تھی خاص معیت (ساتھ)۔ باقی رہی معیت عامہ تو یہ سمع، بصر اور علم کے ساتھ ہوتی ہے جو ہر چیز کو حاصل ہے جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (الحدید: 4) ''اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو اور اللہ تعالیٰ، جو کچھ تم کرتے ہو (اسے) خوب دیکھنے والا ہے''، اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَ لَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا ۚ (المجادلۃ: 7) ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم میں اور نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں کہیں وہ ہوں''، وَمَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا (یونس: 61) ''اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ آپ تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کچھ قرآن اور (اے لوگو) نہ تم کچھ عمل کرتے ہو مگر (ہر حال میں) ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں''، اللہ تعالیٰ کے فرمان الَّذِیْنَ اتَّقَوْا کا معنی ہے جنہوں نے محرمات کو ترک کیا اور وَالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ کا معنی ہے جو اطاعت بجالائے۔ یہی وہ سعادت مند ہیں جن کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور مخالفین اور دشمنوں پر فتح و نصرت سے نوازتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت محمد بن حاطب سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان متقی اور نیکو کار لوگوں میں شامل ہیں۔

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 135

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر ابن کثیر

تالیف

مفسر قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری
علامہ محمد الطاف حسین الازہری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

تفسیر ابن کثیر جلد سوم

تالیف

مفسر قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری
علامہ محمد الطاف حسین الازہری

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء المصنفین ۔ بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

چاند کتاب محل ڈسکہ

نام کتاب	تفسیر ابن کثیر، جلد سوم
مفسر	حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ متن	ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری
	علامہ محمد الطاف حسین الازہری
	من علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر نگرانی	قاری اشفاق احمد خان، محمد انور سعید
اشاعت	اپریل 2004ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z385

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون:7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون:7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-2212011-2630411۔ فیکس:۔021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست

سورۂ بنی اسرائیل (مکیہ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۂ بنی اسرائیل، کہف اور مریم اول نازل ہونے والی بڑی فضیلت اور شرف کی حامل سورتوں میں سے ہیں اور یہ میرا قدیم جمع شدہ سرمایہ ہیں (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی مسلسل روزے رکھتے یہاں تک کہ ہم (اپنے دل میں) کہتے کہ آپ ﷺ کبھی بھی روزے ترک نہیں کریں گے اور بعض اوقات آپ ﷺ روزے نہ رکھتے یہاں تک کہ ہمیں خیال گزرتا کہ آپ ﷺ روزے نہیں رکھیں گے اور آپ ہر رات سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر کی تلاوت کرتے (2)۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

"(ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک بابرکت بنادیا ہم نے جس کے گردونواح کو تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔ بیشک وہی ہے سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا"۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات اقدس کی عظمت اور رفعت شان کو بیان فرما رہا ہے کیونکہ اسے ایسے امور کی انجام دہی پر پوری پوری قدرت حاصل ہے جن پر کوئی اور قادر نہیں، نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ رب، وہی ذات ہے جس نے رات کے قلیل حصہ میں اپنے پیارے بندے حضرت محمد ﷺ کو مکہ شریف میں موجود مسجد حرام سے ایلیاء کی مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک سیر کروائی جسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے عہد سے انبیاء کرام علیہم السلام کے مرکز ہونے کا شرف حاصل رہا، اس لئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام وہاں آپ ﷺ کی خاطر جمع کئے گئے اور آپ ﷺ نے انہی کے مسکن اور گھر میں ان سب کی امامت فرمائی۔ یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ ﷺ ہی امام اعظم اور رئیس مقدم ہیں۔

اس مسجد کے گردونواح میں ہم نے کھیتوں، پھلوں، پھولوں اور باغات کے ذریعے برکتیں رکھ دی ہیں۔ اس سیر کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنے رسول محترم ﷺ کو اپنی قدرت کی عظیم نشانیاں دکھائیں جیسا کہ فرمایا: لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی (النجم: 18) "یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں"۔ ہم عنقریب اس کے متعلقہ احادیث کا تذکرہ کریں گے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ یعنی اللہ تعالیٰ بلاشبہ مومن اور کافر، تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے تمام بندوں کی باتوں کو خوب سننے والا ہے اور انہیں اچھی طرح دیکھ رہا ہے، اس لئے وہ دنیا و آخرت میں ہر ایک کو وہی عطا کرے گا جس کا وہ مستحق ہے۔

معراج کی بابت احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ معراج کی رات جب آپ ﷺ کو کعبہ شریف سے سیر کے لئے بلایا گیا تو

1۔ فتح الباری تفسیر سورۂ بنی اسرائیل، جلد 8، صفحہ 388 2۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 189

اس سے پہلے کہ آپ کی طرف وحی کی جائے، تین فرشتے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ اس وقت مسجد حرام میں سو رہے تھے۔ ان میں سے پہلے فرشتے نے کہا کہ یہ ان سب میں سے کون ہیں؟ درمیان والے فرشتے نے جواب دیا کہ یہ سب میں بہتر ہیں۔ آخری فرشتہ کہنے لگا: پھر انہیں لے چلیں۔ اس رات تو بس یہی ہوا، پھر وہ فرشتے آپ ﷺ کو دکھائی نہیں دیئے۔ یہاں تک کہ ایک اور رات وہ آپ ﷺ کے پاس آئے، اس وقت بھی آپ سو رہے تھے لیکن سونا ایسا تھا کہ آپ کی آنکھیں سوئی ہوئی تھیں اور دل جاگ رہا تھا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی یہی کیفیت ہوا کرتی ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل بیدار رہتے ہیں۔ اس رات انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کوئی گفتگو نہیں کی یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کو اٹھا کر چاہ زمزم پر لے آئے۔ جبریل علیہ السلام نے بذات خود گردن تک آپ کا سینہ مبارک چاک کیا اور آپ کے سینے اور پیٹ کی تمام چیزوں کو نکال کر اپنے ہاتھ سے زمزم کے پانی کے ساتھ دھویا اور آپ کے پیٹ کو خوب صاف اور شفاف کر دیا۔ پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جس میں ایمان وحکمت سے لبریز سونے کا ایک پیالہ تھا اسے آپ ﷺ کے سینہ اقدس اور حلق کی رگوں میں انڈیل دیا، پھر آپ ﷺ کے سینہ کو درست کر دیا۔ پھر جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو لے کر آسمان دنیا کی طرف محو پرواز ہوئے، وہاں پہنچ کر آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر دستک دی تو آسمان کے فرشتوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ فرشتوں نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، تو فرشتے کہنے لگے: ہم آپ کو مرحبا اور خوش آمدید کہتے ہیں۔ فرشتے آپ ﷺ کی زیارت سے انتہائی مسرور ہوئے۔ جب تک اللہ تعالیٰ فرشتوں کو آگاہ نہ کر دے اس وقت تک انہیں ان امور کا علم نہیں ہوتا جن کا زمین میں اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے۔ آسمان دنیا میں آپ ﷺ کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ یہ آپ کے باپ آدم ہیں، انہیں سلام کیجئے چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ ﷺ کو سلام کا جواب دیا اور کہا: اے میرے پیارے بیٹے! مرحبا، خوش آمدید، آپ میرے نہایت اچھے بیٹے ہیں۔ آسمان دنیا میں آپ ﷺ نے دو جاری نہریں دیکھیں تو دریافت کیا: ''اے جبریل علیہ السلام! یہ کون سی نہریں ہیں؟'' جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ نیل اور فرات کا عنصر اور اصل ہیں۔ پھر آسمان میں آگے چلے تو وہاں ایک اور نہر دکھائی دی جس پر موتیوں اور زمرد کے محلات بنے ہوئے تھے اور اس کی مٹی خالص کستوری تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''اے جبریل علیہ السلام! یہ کیا ہے؟'' جواب دیا کہ یہ نہر کوثر ہے جسے آپ کے رب نے آپ کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام آپ کو لے کر دوسرے آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ وہاں پہنچے تو پہلے آسمان کے فرشتوں کی طرح یہاں کے فرشتوں نے بھی پوچھا کہ کون ہے؟ فرمایا: جبرئیل علیہ السلام۔ فرشتے کہنے لگے کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ کہنے لگے کہ کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، تو فرشتوں نے آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا، پھر آپ کو تیسرے آسمان پر لے جایا گیا، وہاں بھی فرشتوں سے وہی بات چیت ہوئی جو پہلے اور دوسرے آسمان کے فرشتوں کے ساتھ ہوئی تھی۔ پھر آپ کو چوتھے آسمان کی طرف بلند کیا گیا وہاں بھی یہی سوال وجواب ہوئے، پھر پانچویں آسمان کی طرف محو پرواز ہوئے، وہاں کے فرشتوں نے بھی اسی طرح کی گفتگو کی، پھر آپ ﷺ کو ساتویں آسمان کی طرف رفعتوں کا سفر کرایا گیا، وہاں بھی فرشتوں نے سوال وجواب کے بعد آپ کو خوش آمدید کہا۔ ہر آسمان میں انبیائے کرام جلوہ فرما ہیں جن کے اسماء گرامی آپ ﷺ کو بتائے۔ مجھے صرف یہی یاد رہا کہ دوسرے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام، چوتھے میں حضرت ہارون علیہ السلام، پانچویں آسمان والے نبی کا نام مجھے یاد نہیں، چھٹے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ساتویں

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، کلیم اللہ ہونے کے باعث انہیں یہ رفعت ملی۔ جب آپ ﷺ اس سے بھی اوپر بلندی کی طرف پرکشا ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! میرے ذہن میں نہیں تھا کہ تو مجھ سے بھی زیادہ کسی کو بلند کرے گا۔

پھر آپ ﷺ اس سے بھی آگے ایسی بلندی پر پہنچے جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے۔ اللہ رب العزت آپ ﷺ کے بہت زیادہ قریب ہوا، مزید قرب عطا ہوا یہاں تک کہ دو کمانوں کی مقدار بلکہ اس سے بھی کم فاصلے پر۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی طرف جو وحی کی اس میں یہ حکم بھی ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ کی امت پر ہر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض ہیں۔ اس کے بعد وہاں سے اتر کر جب آپ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو روک لیا اور پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کو کیا تاکیدی حکم دیا ہے؟ فرمایا: "میرے رب نے مجھے ہر دن اور رات میں پچاس نمازوں کی تاکید کی ہے"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ آپ کی امت کے بس کی بات نہیں، لہٰذا آپ واپس جائیں، آپ کا رب تخفیف فرما دے گا۔ نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا آپ ان سے مشورہ طلب کر رہے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو ٹھیک ہے۔ چنانچہ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جناب میں پہنچے اور اپنے مقام پر ٹھہر کر عرض کی: "اے میرے رب! تخفیف عطا فرما، کیونکہ میری امت اس کی استطاعت نہیں رکھتی"۔ پس اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں منہا کر دیں۔ پھر جب آپ ﷺ واپس پلٹے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو اپنے پاس روک لیا۔ وہ بار بار آپ ﷺ کو رب تعالیٰ کی طرف لوٹاتے رہے یہاں تک کہ تخفیف ہوتے ہوتے پانچ نمازیں رہ گئیں، پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کو اپنے پاس ٹھہرا کر کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! میں اپنی قوم بنی اسرائیل کو اس سے بھی کم حکم کی تعمیل پر آمادہ کرتا رہا لیکن وہ اس سے بھی قاصر رہے اور اس پر عمل کرنا ترک کر دیا۔ آپ ﷺ کی امت تو جسم، دل، بدن، آنکھ اور کان ہر لحاظ سے (ان سے زیادہ) ضعیف ہے، اس لئے آپ ایک مرتبہ اور اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر تخفیف کی درخواست کریں۔ آپ ﷺ اس دوران جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھتے رہے تاکہ وہ اس معاملہ میں آپ ﷺ کو مشورہ دیں۔ جبریل علیہ السلام آپ کو پھر اوپر لے گئے تو آپ ﷺ نے عرض کی: "اے میرے پروردگار! میری امت کے جسم، دل، کان، آنکھیں اور بدن، بہت کمزور ہیں، اس لئے مزید تخفیف عطا فرما"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد ﷺ! آپ ﷺ نے عرض کی: "لَبَّیْكَ وَ سَعْدَیْكَ" (میں حاضر ہوں اور ہر خدمت کی بجا آوری پر تیار ہوں)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری باتیں ناقابل تغیر ہیں، جو میں نے تم پر فرض کر دیا ہے، اسی طرح یہ ام الکتاب (لوح محفوظ) میں مرقوم ہے۔ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا ہے۔ ام الکتاب میں تو پچاس ہی ہیں لیکن آپ پر صرف پانچ فرض ہیں۔ جب آپ واپس پلٹ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے پوچھا کہ کیا بنا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرما دی ہے یعنی ہر نیکی پر دس گنا اجر عطا فرمایا" حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں نے بنی اسرائیل کو اس سے بھی ہلکے احکام پر ترغیب دلائی لیکن انہوں نے اسے نظر انداز کر دیا، اس لئے آپ پھر اپنے رب کی بارگاہ میں لوٹ جایئے وہ آپ کی درخواست پر مزید کمی کر دے گا۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ فرمانے لگے: "اے موسیٰ! اب تو مجھے بار بار (اس غرض کے لئے) جانے سے شرم آتی ہے"۔ کہنے لگے کہ آپ اللہ کا نام لے کر پھر نیچے (زمین پر) تشریف لے چلیں۔ اب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو آپ مسجد حرام میں موجود تھے (1)۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو اسی طرح کتاب التوحید اور صفۃ النبی ﷺ میں روایت کیا ہے۔ یہ روایت صحیح مسلم میں بھی

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 4 صفحہ 232 صحیح مسلم، کتاب الایمان، صفحہ 148

کچھ کمی بیشی اور تقدیم و تاخیر کے ساتھ موجود ہے۔ اسی حدیث کے راوی شریک بن عبداللہ بن ابی نمر نے اس میں اضطراب کر دیا ہے، حافظہ کی کمزوری کے باعث وہ اسے ٹھیک ٹھیک ضبط نہیں کر سکے۔ ان شاء اللہ دوسری احادیث میں اس کا بیان ہوگا۔ بعض حضرات نے اس خواب کو بعد والے واقعات کی تمہید قرار دیا ہے۔ حافظ ابو بکر بیہقی نے شریک کی بیان کردہ حدیث کے ان الفاظ کو کہ " اللہ تعالیٰ قریب ہوا، مزید قریب ہوا یہاں تک کہ دو کمانوں کی مقدار بلکہ اس سے بھی نزدیک " شریک کا اضافہ قرار دیا ہے جس میں وہ منفرد ہیں۔ یہ اس شخص کے مسلک کے موافق ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ حضرات عائشہ، ابن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا (سورۂ نجم کی) ان آیات کو اس بات پر محمول کرنا کہ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا، زیادہ صحیح ہے(1) اور اس مسئلہ میں امام بیہقی کا قول حق ہے کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا؟ آپ نے فرمایا: " نُوْرٌ أَنّٰى أَرَاهُ " (وہ نور ہے، میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے: " رَأَيْتُ نُوْرًا " (2) (میں نے نور دیکھا)۔ سورۂ نجم کی آیت " دَنَا فَتَدَلّٰى " سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی اس آیت کی اس تفسیر میں ان تینوں کا مخالف دکھائی نہیں دیتا(3)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " میرے پاس براق لایا گیا، یہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا سفید رنگ کا جانور تھا، جہاں نظر پڑتی وہاں اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا، وہ مجھے لے کر محو سفر ہوا یہاں تک کہ میں بیت المقدس پہنچ گیا۔ وہاں میں نے اپنی سواری کو اس حلقہ کے ساتھ باندھ دیا جہاں انبیاء کرام باندھا کرتے تھے۔ پھر میں نے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی۔ وہاں سے نکلا تو جبریل علیہ السلام میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لائے، میں نے دودھ کو پسند کیا تو جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ نے فطرت کو پا لیا، پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر آسمان دنیا کی طرف بلند ہوئے، انہوں نے دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے فرمایا: جبریل علیہ السلام، پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد (ﷺ)۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا کہ آپ کو بلایا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی، پھر دوسرے آسمان پر پہنچ کر جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانا چاہا تو ان سے دریافت کیا گیا کہ تم کون ہو؟ جواب دیا: جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد۔ دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: آپ کو بلایا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ یہاں دو خالہ زاد بھائیوں

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 285 2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان صفحہ 161

3۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرات ابن عباس، کعب احبار، انس اور ابوذر رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حضرات عروہ بن زبیر، حسن بصری اور عکرمہ رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ مسلم کی حدیث میں فرمایا: " رَأَيْتُ رَبِّيْ بِعَيْنِيْ وَ بِقَلْبِيْ " یعنی میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں اور اپنے دل سے دیکھا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قسم اٹھا کر کہتے کہ آپ ﷺ نے شب معراج اپنے رب کا دیدار کیا۔ اس مسئلہ کے متعلق حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے: حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ جملہ اتنی بار دہراتے کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا۔ باقی جہاں تک حضرات عائشہ، ابو ہریرہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے اس موقف کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کا دیدار نہیں کیا تو ان حضرات کا یہ موقف محض قیاس اور اجتہاد پر مبنی ہے۔ اس کی تائید میں انہوں نے کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں کی۔ بہر صورت اکثر علماء کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے معراج کی رات اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

حضرات یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی، پھر تیسرے آسمان کی طرف سفر شروع ہوا۔ وہاں پہنچ کر جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانے کے لئے کہا تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا کہ آپ کو بلایا گیا ہے، چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے میرا استقبال کیا اور مجھے دعائیں دیں۔ آپ کو نصف حسن عطا ہوا، پھر چوتھے آسمان پر جبریل سے پوچھا گیا کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو دعوت دی گئی ہے؟ فرمایا کہ آپ کو دعوت دی گئی ہے، پس ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا، انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم: 57) ''اور ہم نے انہیں بڑے اونچے مقام تک بلند کیا''۔ بعد ازاں پانچویں آسمان کی طرف سفر کا آغاز ہوا۔ جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانا چاہا تو دریافت کیا گیا کہ کون؟ فرمایا، جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ سوال کیا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: آپ کو بلایا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ یہاں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے استقبال کرتے ہوئے میرے لئے دعائے خیر کی، پھر چھٹے آسمان پر جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو سوال کیا گیا کہ کون ہیں؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو دعوت دی گئی ہے؟ فرمایا کہ آپ کو دعوت دی گئی ہے۔ پس ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا، وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے، انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی۔ پھر ساتویں آسمان پر پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا۔ پوچھا گیا کہ کون؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: آپ کو بلایا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، وہ بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، پھر ان کی دوبارہ باری نہیں آتی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مانند اور پھل مٹکوں جیسے۔ جب اس پر امر الٰہی چھا گیا تو تبدیلی رونما ہو گئی، مخلوق اس کے حسن کا وصف بیان کرنے سے قاصر ہے۔ پھر جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، اس نے میری طرف وحی کی اور ہر دن اور رات میں مجھ پر پچاس نمازیں فرض کر دیں۔ میں نیچے اتر کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے جواب دیا: ہر رات اور دن میں پچاس نمازیں۔ وہ کہنے لگے کہ واپس اپنے رب کے پاس جاؤ اور اس سے اپنی امت کے لئے تخفیف کی درخواست کرو، کیونکہ آپ کی امت اس کی قدرت نہیں رکھتی اور میں تو بنی اسرائیل کو آزما بھی چکا ہوں۔ چنانچہ میں اپنے رب کی جناب میں واپس لوٹا اور عرض کی: اے میرے پروردگار! میری امت سے تخفیف فرما۔ پس پانچ نمازیں کم کر دی گئیں۔ پھر میں نیچے اترتے ہوئے جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا کہ کیا بنا؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ کی کمی کر دی ہے۔ کہنے لگے کہ یہ مقدار بھی آپ کی امت کے بس سے باہر ہے، لہٰذا دوبارہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کمی کی التجا کریں۔ چنانچہ میں اپنے رب اور موسیٰ کے درمیان چکر لگاتا رہا اور اللہ تعالیٰ پانچ پانچ کی کمی کرتا رہا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد ﷺ! ہر دن اور رات میں یہ پانچ نمازیں ہیں، ہر نماز کا اجر دس گنا تو یہ پچاس ہوئیں اور جس شخص نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن اسے عملی جامہ نہ پہنا سکا تو اس کے لئے ایک

نیکی لکھ لی جاتی ہے اور اگر اس نے وہ نیکی کر لی تو دس کا ثواب لکھ لیا جاتا ہے، جس نے برائی کا قصد کیا لیکن اس کا ارتکاب نہ کیا تو اسے نہیں لکھا جاتا، اگر اس نے اس کا ارتکاب کر لیا تو صرف ایک برائی ہی لکھی جاتی ہے۔ پھر جب میں نیچے اتر کر موسیٰ کے پاس آیا اور اس بات سے انہیں آگاہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ پھر اپنے رب کی طرف جاؤ اور اپنی امت کے لئے کمی کا سوال کرو کیونکہ آپ کی امت اس قدر بھی نہیں کر سکے گی۔ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ بار بار چکر لگانے کے باعث مجھے شرم دامن گیر ہوگئی" (1)۔ امام مسلمؒ نے بھی اس حدیث کو اس سیاق سے روایت کیا ہے اور یہ شریک کے سیاق سے زیادہ صحیح ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ اس سیاق میں اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو جس رات مکہ سے بیت المقدس کی طرف اسراء ہوئی، اسی رات معراج بھی ہوئی (2)۔ یہی قول حق ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ معراج کی رات آپ ﷺ کی سواری کے لئے براق لایا گیا جسے لگام اور زین ڈالی ہوئی تھی۔ براق نے شوخی کی تو جبریل علیہ السلام نے اسے کہا کہ تمہیں یہ جسارت کیسے ہوئی، اللہ کی قسم! تجھ پر آپ ﷺ سے پہلے آپ ﷺ سے بڑھ کر عزت وعظمت والا کوئی شخص سوار نہیں ہوا۔ یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہوگیا (3)۔ ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب مجھے میرے رب کی طرف معراج ہوئی تو میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے تانبے کے ناخن تھے، وہ ان کے ساتھ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی عزتیں پامال کیا کرتے تھے" (4)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "معراج کی رات میرا گزر موسیٰ علیہ السلام پر ہوا جو اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے" (5)۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ مجھے کسی صحابیٔ رسول ﷺ نے بتایا کہ آپ ﷺ معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے، وہ اس وقت اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے تھے (6)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو براق پر سوار کیا گیا۔ مسجد اقصیٰ پہنچ کر آپ ﷺ نے اپنی سواری باندھ دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! آپ مجھے مسجد اقصیٰ کی نشانیاں بتلائیں۔ رسول اللہ ﷺ بتانے لگے کہ یہ اس طرح ہے، یہ اس طرح ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسجد اقصیٰ کو دیکھا ہوا تھا (7)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دریں اثنا کہ میں سویا ہوا تھا، جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرے دونوں کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھ دیا، میں اٹھ کر ایک درخت کی طرف چل دیا جس میں پرندوں کے دو گھونسلے سے تھے۔ ایک میں جبریل علیہ السلام بیٹھ گئے اور دوسرے میں میں بیٹھ گیا۔ وہ درخت اس قدر پھلا پھولا اور بلند ہوا کہ اس نے مشرق ومغرب کو ڈھانپ لیا۔ میں اپنی نظر ادھر ادھر دوڑا رہا تھا۔ اگر میں چاہتا تو آسمان کو چھو لیتا۔ میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ مرقع عجز و نیاز بنے ہوئے تھے۔ اس سے میں جان گیا کہ انہیں معرفت الٰہی میں مجھ پر برتری حاصل ہے۔ میرے لئے آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا تو میں نے ایک عظیم الشان نور دیکھا اور حجاب کے پار موتی اور یاقوت کی مسند دکھائی دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی جو اس کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان صفحہ نمبر 145-147، مسند احمد جلد 3 صفحہ نمبر 148-149 2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 385

3۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ اسراء جلد 11 صفحہ 291-292، مسند احمد جلد 3 صفحہ 164

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب جلد 4 صفحہ 269-270، مسند احمد جلد 3 صفحہ 224

5۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل صفحہ 1845، مسند احمد جلد 3 صفحہ 120 6۔ مسند ابی یعلیٰ جلد 7 صفحہ 117 7۔ مسند ابی یعلیٰ جلد 7 صفحہ 126-127

مشیت میں تھی''(1) محمد بن عمیر بن عطارد سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے ایک گروہ میں تشریف فرما تھے کہ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے انہوں نے آپ ﷺ کی پیٹھ پر کریدا اور آپ ﷺ کو ایک درخت کی جانب لے گئے جس میں پرندوں کے دو گھونسلے سے تھے۔ ایک میں وہ بیٹھ گئے اور دوسرے میں آپ ﷺ بیٹھ گئے۔ وہ درخت بڑھتے بڑھتے افق تک پہنچ گیا، اگر میں اپنا ہاتھ آسمان کی طرف دراز کرتا تو اسے چھو لیتا۔ اس کی رسی لٹکی اور نور پھیل گیا جس کے باعث جبریل علیہ السلام تو غش کھا کر گر پڑے، اس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ جبریل علیہ السلام کی خشیت میری خشیت سے فزوں تر ہے پھر میری طرف وحی کی گئی کہ نبی اور بادشاہ بننا پسند کرتے ہو یا نبی اور بندہ، مزید برآں جنتی؟ جبریل علیہ السلام نے پہلو کے بل گرے ہوئے میری طرف اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کریں تو میں نے جواب دیا کہ مجھے نبی اور بندہ بننا محبوب ہے(2)۔ اگر یہ روایت درست ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ واقعہ شب معراج کے علاوہ کسی اور شب وقوع پذیر ہوا کیونکہ اس میں نہ تو بیت المقدس کا ذکر ہے اور نہ ہی آسمان کی طرف صعود کا، اس لئے اس کا ہماری اس بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا(3)۔ یہ غریب ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس براق لائے تو اس نے اپنی دم ہلائی تو جبریل علیہ السلام براق سے کہنے لگے کہ رک جاؤ، اللہ کی قسم! آپ ﷺ کی مثل کوئی بھی تم پر سوار نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ (شب معراج) عازم سفر ہوئے تو آپ نے سڑک کے کنارے ایک بڑھیا کو دیکھا، پوچھا: ''اے جبریل علیہ السلام! یہ کیا ہے؟'' جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ چلتے جایئے۔ آپ نے سفر جاری رکھا جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، اچانک آپ ﷺ نے سنا کہ رستے سے پرے کوئی چیز آپ کو بلا رہی ہے۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا کہ چلتے جایئے۔ آپ ﷺ سفر کرتے رہے۔ اس دوران آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ مخلوق خدا یہ کہہ کر نذرانہ عقیدت پیش کر رہی ہے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَوَّلُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا آخِرُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاحَاشِرُ ''اے اول! آپ کو سلام ہو۔ اے آخر! آپ کو سلام ہو۔ اے مردوں کو اٹھانے والے! آپ کو سلام ہو''۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا کہ سلام کا جواب دیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر دوسری اور تیسری مرتبہ بھی اس مخلوق سے ملاقات ہوئی اور یہی وقوع پذیر ہوا یہاں تک کہ آپ بیت المقدس پہنچ گئے۔ یہاں آپ ﷺ کے سامنے شراب، پانی اور دودھ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے دودھ لے لیا، اس پر جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ نے فطرت کو پالیا، اگر آپ پانی پی لیتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی اور اگر آپ شراب پی لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی، پھر حضرت آدم اور آپ کے بعد آنے والے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو آپ ﷺ کی خاطر جمع کیا گیا، رسول اللہ ﷺ نے اس رات ان کی امامت کروائی۔ پھر جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بتایا کہ رستہ کے کنارے جس بڑھیا کو آپ نے دیکھا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اب دنیا صرف اس قدر باقی ہے جیسے اس بڑھیا کی عمر، اور وہ چیز جس کی ندا کی طرف آپ نے متوجہ ہونے کا ارادہ کیا تھا وہ دشمن خدا ابلیس تھا اور جنہوں نے آپ کو سلام کیا تھا وہ حضرات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام تھے(4)۔ اس روایت کے بعض الفاظ منکر اور غریب ہیں۔ اس طرح کی ایک اور روایت جس میں نکارت اور غرابت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا جانور لایا گیا

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار 47/1
2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 جلد صفحہ 369-368
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار
4۔ دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 362-361 تفسیر طبری جلد 15 صفحہ 6-5

جس کا قدم حد نگاہ پر پڑتا تھا، میں اس پر سوار ہوا۔ میرے ساتھ جبریل علیہ السلام تھے، دوران سفر جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ اتر یئے اور یہاں نماز ادا کیجئے۔ میں نے وہاں نماز پڑھی تو جبریل علیہ السلام نے پوچھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی؟ آپ ﷺ نے طیبہ (مدینہ شریف) میں نماز ادا کی ہے اور یہی آپ کی ہجرت گاہ ہے۔ آگے ایک اور مقام پر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہاں اتر کر نماز ادا کریں، میں نے نماز پڑھی تو جبریل علیہ السلام نے پوچھا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی ہے؟ آپ نے طور سینا پر نماز پڑھی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا تھا۔ پھر آگے ایک اور جگہ جبریل علیہ السلام نے نماز پڑھنے کے لئے کہا، نماز پڑھی تو پوچھا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کس مقام پر نماز پڑھی ہے؟ آپ نے بیت لحم میں نماز ادا کی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا۔ وہاں تمام انبیاء کرام علیہم السلام میری خاطر جمع کئے گئے۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے آگے کھڑا کر دیا تو میں نے انہیں امامت کروائی۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر پہلے آسمان کی طرف بلند ہوئے وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، دوسرے آسمان پر پہنچے تو وہاں عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی، یہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں، تیسرے آسمان کی طرف عروج کیا تو وہاں یوسف علیہ السلام ملے، چوتھے آسمان پر ہارون علیہ السلام، پانچویں پر ادریس علیہ السلام، چھٹے پر موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں پر ابراہیم علیہ السلام، پھر ساتویں آسمانوں سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا تو مجھے ایک ابر نے ڈھانپ لیا، میں سجدہ ریز ہو گیا۔ مجھے کہا گیا کہ جب سے میں نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی ہے، میں نے تم پر اور تمہاری امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، آپ اور آپ ﷺ کی امت اس حکم کو بجا لائیں۔ واپس لوٹتے ہوئے جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرنے لگا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ پچاس نمازیں۔ کہنے لگے کہ اتنی نمازیں نہ آپ ﷺ پڑھ سکتے ہیں اور نہ آپ ﷺ کی امت، اس لئے اپنے رب کے پاس واپس جا کر تخفیف کی درخواست کریں، چنانچہ میں اپنے رب کی طرف لوٹ کر گیا تو اس نے دس کی کمی کر دی۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے دوبارہ لوٹ جانے کو کہا۔ میں دوبارہ لوٹ کر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوا تو اس نے دس مزید کم کر دیں، آخر کار پانچ نمازیں رہ گئیں۔ اب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ اپنے رب کی جناب میں مزید تخفیف کی التجا کریں کیونکہ بنی اسرائیل پر صرف دو نمازیں فرض تھیں، وہ دو پڑھنے سے بھی قاصر رہے۔ چنانچہ میں نے لوٹ کر اللہ تعالیٰ سے مزید تخفیف کا سوال کیا تو ارشاد ہوا کہ میں نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سے ہی تم پر اور تمہاری امت پر پانچ نمازیں فرض کر رکھی ہیں۔ پانچ کا اجر پچاس ہوگا، پس آپ اور آپ ﷺ کی امت ان کی پابندی کریں۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قطعی حکم ہے، اس لئے جب میں لوٹ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہوں نے ایک بار پھر مجھے لوٹنے کا مشورہ دیا تو میں لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں نہ گیا کیونکہ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ ہے (1)۔

ابن ابی حاتم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معراج کی رات جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس سواری کا جانور لائے جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، انہوں نے اس پر آپ ﷺ کو سوار کیا، تاحد نگاہ وہ اپنا قدم رکھتا تھا۔ بیت المقدس میں جب آپ اس جگہ پہنچے جسے باب محمد ﷺ کہا جاتا ہے تو جبریل علیہ السلام نے وہاں ایک پتھر میں اپنی انگلی کے ذریعے سوراخ

1۔ سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 322-323

کیا اور سواری کو وہاں باندھ دیا اور اوپر چڑھ کر مسجد میں پہنچ گئے۔ جب وہاں قرار پذیر ہوگئے تو جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ آپ کو حوریں دکھائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے تو پھر ان عورتوں کی طرف چلیں اور انہیں سلام کریں، وہ صخرہ کے بائیں جانب بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے پاس جا کر انہیں سلام کیا۔ انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا۔ میں نے ان سے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' وہ کہنے لگیں کہ ہم خوبرو اور نیک سیرت ہیں اور ان نیکوکاروں کی بیویاں ہیں جو پاکیزہ ہیں اور ان کا دامن آلودہ نہیں، جو ہمارے ہاں مقیم رہیں گے اور کبھی کوچ نہیں کریں گے اور جنہیں ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ملے گی اور وہ کبھی نہیں مریں گے۔ پھر میں وہاں سے چلا آیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بہت سے لوگ جمع ہونا شروع ہوگئے، موذن نے اذان کہی اور تکبیر ہوئی۔ ہم صفیں باندھے امام کا انتظار کررہے تھے کہ جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کردیا، چنانچہ میں نے ان کی امامت کروائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل نے مجھ سے پوچھا: کیا آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ کن لوگوں نے آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ کی اقتدا میں ہر اس نبی نے نماز ادا کی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ پھر جبریل میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آسمان کی طرف لے گئے۔ دروازے تک پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا، آسمان کے فرشتوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ فرمایا: میں جبریل علیہ السلام ہوں۔ پوچھنے لگے کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ پوچھنے لگے کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ چنانچہ انہوں نے دروازہ کھول دیا اور کہنے لگے کہ ہم آپ کو اور آپ کے ساتھ تشریف لانے والے کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ جب آسمان پر متمکن ہوئے تو وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: اے محمد ﷺ! کیا آپ اپنے باپ آدم علیہ السلام کو سلام نہیں کریں گے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں۔ چنانچہ میں آپ علیہ السلام کے پاس گیا اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہنے لگے: خوش آمدید، میرے صالح فرزند اور صالح نبی۔ پھر دوسرے آسمان کا دروازہ کھلوانے پر فرشتوں نے پوچھا کہ کون؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں چنانچہ انہوں نے دروازہ کھول دیا اور مرحبا کہتے ہوئے آپ کا استقبال کیا۔ یہاں حضرات عیسیٰ اور ان کے خالہ زاد بھائی یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی۔ تیسرے آسمان پر بھی یہی سوال و جواب ہوئے یہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، ہر آسمان پر جبریل اور فرشتوں کے درمیان یہی مکالمہ ہوا۔ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے، جبریل علیہ السلام نے کہا: ''اے محمد ﷺ! کیا آپ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کو سلام نہیں کریں گے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں۔ چنانچہ میں آپ کے پاس گیا اور انہیں سلام کیا۔ آپ نے میرے سلام کا جواب دیا اور خوش آمدید اے صالح نبی اور مرحبا اے فرزند دلبند کے کلمات سے نوازا۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھے ساتویں آسمان کے اوپر لے گئے، ایک نہر پر پہنچے جس پر موتی، یاقوت اور زمرد کے جام اور سبز رنگ کے نہایت ہی تروتازہ پرندے تھے۔ میں نے کہا: ''اے جبریل علیہ السلام! یہ پرندے بہت تازہ اور نفیس ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا کہ انہیں کھانے والے ان سے بھی عمدہ ہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا: اے محمد ﷺ! جانتے ہو یہ نہر کون سی ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس میں سونے اور چاندی کے جام ہیں، یہ نہر یاقوت اور زمرد کی چھوٹی چھوٹی کنکریوں پر رواں ہے، اس کا پانی دودھ سے بھی زیادہ سفید ہے۔ میں نے

سونے کا ایک جام لیا اور اس پانی سے بھر کر پیا تو یہ مجھے شہد سے زیادہ شیریں اور کستوری سے زیادہ خوشبودار محسوس ہوا۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ میں ایک درخت تک پہنچا، وہاں ہر رنگ کے ابر نے مجھے ڈھانپ لیا۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا: اے محمد ﷺ! میں نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سے تم پر اور تمہاری امت پر پچاس نمازیں فرض کر دی ہیں، اس لئے آپ اور آپ کی امت ان کی پابندی کریں۔ پھر بادل مجھ سے چھٹ گیا۔ جبریل نے میرا ہاتھ پکڑا۔ میں تیزی سے چلتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرا، انہوں نے مجھے کوئی بات نہ کہی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا: اے محمد! کیا بنا کر آئے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میرے رب نے مجھ پر اور میری امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ نہ آپ کے بس کی بات ہے اور نہ آپ ﷺ کی امت کے، اپنے رب کے پاس جایئے اور کمی کا سوال کیجئے۔ چنانچہ میں تیزی سے لوٹ کر درخت کے پاس آیا تو مجھے ایک بادل نے ڈھانپ لیا۔ جبریل علیہ السلام مجھے چھوڑ آئے اور میں بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہو گیا، میں نے عرض کی: اے میرے رب! تو نے مجھ پر اور میری امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، اس کی نہ مجھ میں استطاعت ہے اور نہ میری امت میں، لہٰذا تخفیف فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے دس منہا کر دیں۔ پھر بادل مجھ سے چھٹ گیا اور جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ میں جلدی سے پلٹا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے کچھ نہ کہا۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ میں نے جواب دیا کہ میرے رب نے دس کی کمی کر دی ہے، وہ کہنے لگے کہ چالیس نمازیں نہ آپ پڑھ سکتے ہیں اور نہ آپ کی امت، اس لئے رب تعالیٰ کی جناب میں لوٹ کر جائیں اور مزید تخفیف کی التجا کریں۔ اسی طرح بار بار چکر لگانے سے پانچ نمازیں رہ گئیں۔ پڑھنے میں پانچ اور ثواب میں پچاس۔ موسیٰ علیہ السلام نے تو مزید تخفیف کے حصول کے لئے کہا لیکن میں نے جواب دیا کہ اب مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتا ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر نیچے اتر آئے۔ میں نے جبریل سے پوچھا کہ میں جس آسمان پر گیا وہاں کے فرشتوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا بجز ایک فرشتے کے۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے میرے سلام کا جواب دیا اور مجھے خوش آمدید بھی کہا لیکن میری آمد پر مسکرایا نہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ وہ جہنم کا داروغہ مالک ہے۔ اپنی پیدائش سے لے کر آج تک وہ نہیں ہنسا۔ اگر اسے مسکرانا ہوتا تو آپ کی آمد پر ضرور مسکراتا۔ بعد ازاں آپ سوار ہو کر واپس چل پڑے، دوران سفر آپ کا گزر قریش کے ایک قافلے سے ہوا جس پر غلہ لدا ہوا تھا، ان میں سے ایک اونٹ پر دو بورے تھے، ایک سیاہ اور دوسرا سفید۔ جب آپ ﷺ اونٹوں کے اس قافلہ کے پاس سے گزرے تو یہ بدک کر گھوما جس کی وجہ سے یہ اونٹ گر پڑا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ پھر آپ سفر کرتے کرتے واپس پہنچ گئے۔ صبح ہوئی تو آپ نے لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ قریش نے جب یہ بات سنی تو بھاگم بھاگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہیں کہنے لگے کہ کیا تم نے اپنے ساتھی کی بات سنی جن کا یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے آج کی رات ایک مہینے کا سفر طے کیا اور اسی رات واپس لوٹ آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اگر آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے تو واقعی آپ ﷺ سچے ہیں، ہم تو اس سے بھی بڑی اور بعید بات میں کہ آپ ﷺ تک آسمان کی خبریں پہنچتی ہیں، آپ ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں۔ مشرکین رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے کہ آپ اپنے دعویٰ کی کوئی دلیل اور نشانی پیش کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں فلاں فلاں جگہ قریش کے قافلے کے پاس سے گزرا۔ قافلے کے اونٹ ہمیں دیکھ کر بدکے اور گھومے، ان میں سے ایک اونٹ پر ایک سیاہ اور ایک سفید دو بورے لدے ہوئے تھے، وہ نیچے گرا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، جب قافلہ

واپس پہنچا تو انہوں نے قافلہ والوں سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بالکل وہی بات بتائی جو رسول اللہ ﷺ انہیں پہلے بتا چکے تھے۔ کہتے ہیں کہ اسی تصدیق کے باعث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق نام دیا گیا۔ پھر لوگ آپ سے پوچھنے لگے کہ کیا حاضرین میں آپ کے ساتھ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام بھی تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ وہ کہنے لگے کہ پھر ان کا حلیہ بیان کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، موسیٰ گندمی رنگ کے ہیں جیسے ازدعمان کے لوگ ہوتے ہیں اور عیسیٰ موزوں ساخت، درمیانے قد والے اور سرخی مائل رنگ کے ہیں، گویا ان کے بالوں سے موتی لڑھک رہے ہیں۔ اس سیاق میں بھی عجائب وغرائب ہیں۔

حضرت انس بن مالک، مالک بن صعصعہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''میں حطیم میں یا بقول قتادہ حجر میں سویا ہوا تھا کہ ایک آنے والا میرے پاس اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ آیا۔ اس نے اپنے درمیان والے ساتھی سے کچھ کہا تو وہ میرے پاس آیا اور یہاں سے یہاں تک میرا سینہ چاک کر دیا یعنی ہنسلی کے قریب سے ناف تک۔ اس نے میرے دل کو باہر نکالا، اسے دھویا اور ایمان وحکمت سے بھرے ہوئے سونے کے ایک طشت کو اس میں انڈیل کر بھر دیا، پھر سینہ درست کر دیا گیا، پھر میرے پاس گدھے سے اونچی اور خچر سے نیچی سواری لائی گئی یعنی براق۔ جہاں نگاہ پڑتی وہاں اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ اس پر سوار کرا کر جبریل علیہ السلام مجھے اپنے ساتھ لے چلے یہاں تک کہ وہ مجھے آسمان دنیا تک لے آئے۔ وہاں دروازے کھلوانے کے لئے کہا تو پوچھا گیا کہ کون ہے؟ فرمایا: جبریل۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ فرشتے کہنے لگے، خوش آمدید! کتنا عظیم القدر مہمان تشریف لایا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا تو انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا: خوش آمدید، فرزند صالح اور نبی صالح۔ ہر آسمان پر جبریل اور فرشتوں کے درمیان مندرجہ بالا مکالمہ ہوا۔ دوسرے آسمان پر حضرات عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی، یہ دونوں خالہ زاد ہیں۔ جبریل نے کہا کہ یہ عیسیٰ اور یحییٰ علیہم السلام ہیں، انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہنے لگے: خوش آمدید اے صالح بھائی اور صالح نبی۔ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملے۔ جبریل کہنے لگے کہ یہ یوسف علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے۔ میرے سلام کرنے پر انہوں نے سلام کا جواب دیا اور مجھے مرحبا کہتے ہوئے اے صالح بھائی اور صالح نبی کے کلمات سے نوازا۔ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، جبریل نے ان کا تعارف کروایا تو میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہنے لگے: مرحبا اے صالح بھائی اور صالح نبی۔ پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملے، انہوں نے بھی سلام دعا کے بعد یہی کلمات کہے۔ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جبریل علیہ السلام نے ان کا تعارف کروایا تو میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: خوش آمدید اے صالح بھائی اور صالح نبی۔ جب میں ان سے آگے بڑھا تو وہ رو دیے۔ ان سے رونے کی وجہ دریافت کی گئی تو وہ کہنے لگے کہ میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ ایک بچہ جسے میرے بعد مبعوث کیا گیا اس کی امت میری امت کی نسبت زیادہ تعداد میں جنت میں جائے گی۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں، انہیں سلام کیجئے۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا اور مجھے خوش آمدید کہتے ہوئے اے فرزند ارجمند اور نیک نبی کے کلمات سے نوازا۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف اوپر لے جایا گیا۔ اس کا پھل اتنا بڑا جیسے ہجر کے

مٹکے اور پتے یوں جیسے ہاتھی کے کان۔ اور یہاں چار نہریں دیکھیں، دو ظاہر اور دو باطن۔ میرے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ باطنی نہریں تو جنت میں ہیں اور ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں پھر میری طرف بیت معمور بلند کیا گیا'' (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے بیت معمور میں داخل ہوتے ہیں، پھر ان کی دوبارہ باری نہیں آتی۔ اس کے بعد پھر حدیث انس شروع ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ''پھر میرے پاس شراب، دودھ اور شہد کا برتن لایا گیا تو میں نے دودھ کا برتن لے لیا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ ﷺ کی امت قائم ہیں۔ پھر مجھ پر ہر روز پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ میں نیچے اتر کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ ﷺ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ فرمایا: ہر روز پچاس نمازیں۔ وہ کہنے لگے کہ آپ ﷺ کی امت پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی، میں آپ ﷺ سے پہلے لوگوں کو خوب آزما چکا ہوں اور مجھے بنی اسرائیل سے واسطہ پڑا، لہٰذا آپ واپس اپنے رب کے پاس جائیے اور اپنی امت کے لئے تخفیف طلب کیجئے۔ چنانچہ میں واپس لوٹا تو اللہ تعالیٰ نے دس کی تخفیف کر دی۔ واپس موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو وہ کہنے لگے کہ کیا حکم ہوا؟ میں نے جواب دیا کہ روزانہ چالیس نمازیں۔ کہنے لگے کہ آپ ﷺ کی امت کے لئے چالیس نمازیں ہر روز پڑھنا دشوار ہے، مجھے تو آپ سے پہلے تجربہ ہو چکا ہے اور مجھے بنی اسرائیل سے واسطہ پڑا تھا، اس لئے اپنے رب سے مزید کمی کروائیں۔ میں لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں گیا تو اور دس کی کمی ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو ان کے استفسار پر میں نے بتایا کہ تیس نمازوں کا حکم ملا ہے۔ کہنے لگے کہ اس قدر بھی آپ ﷺ کی امت کے بس میں نہیں، پھر جا کر مزید تخفیف کروائیں۔ میں لوٹا تو اللہ تعالیٰ نے دس مزید کم کر دیں۔ واپس آیا، موسیٰ علیہ السلام کو بتایا تو انہوں نے مزید کمی کے لئے لوٹ کر جانے کا مشورہ دیا۔ بارگاہ خداوندی میں درخواست کرنے سے دس نمازوں کی اور تخفیف مل گئی۔ بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ دس نمازیں بھی آپ ﷺ کی امت نہیں پڑھ سکے گی اس لئے اللہ تعالیٰ سے مزید کمی کی درخواست کریں سو میں لوٹا تو مجھے ہر روز پانچ نمازوں کا حکم ارشاد ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو کہنے لگے کہ آپ کی امت ہر روز پانچ نمازوں کی بھی استطاعت نہیں رکھتی، مجھے تو تجربہ ہے اور مجھے بنی اسرائیل سے خوب واسطہ پڑا ہے، لہٰذا اپنے رب کے پاس ایک بار پھر لوٹ جائیں اور تخفیف کا سوال کریں۔ میں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ بار بار سوال کرنے کے باعث اب مجھے شرم آتی ہے۔ اب میں راضی ہوں اور اسے تسلیم کرتا ہوں۔ میں نے یہ حکم لاگو کر دیا تو مجھے آواز آئی کہ تم نے میرا فریضہ نافذ کر دیا اور میرے بندوں سے تخفیف کی'' (2)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں مکہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت کھولی گئی اور وہاں سے جبریل علیہ السلام اترے۔ انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور اسے آب زمزم سے دھویا پھر انہوں نے حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت میرے سینے میں انڈیل کر اسے درست کر دیا، پھر میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان دنیا تک اوپر لے آئے۔ وہاں پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے آسمان کے داروغے سے کہا کہ دروازہ کھولیے۔ انہوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ اس نے پوچھا کہ کیا کوئی آپ علیہ السلام کے ساتھ ہے؟ فرمایا: ہاں، میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔ پوچھا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، پھر دروازہ کھول دیا گیا تو ہم آسمان کے اوپر چڑھ گئے۔ وہاں دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے جس کی دائیں طرف بھی بہت

1۔ مسند احمد جلد 4 صفحہ 208-210   2۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق جلد 4، صفحہ 133، صحیح مسلم، کتاب الایمان صفحہ 149-151

سے سائے ہیں اور بائیں طرف بھی۔ جب وہ دائیں طرف دیکھتا ہے تو مسکرا دیتا ہے اور جب بائیں طرف نظر دوڑاتا ہے تو رو دیتا ہے۔
اس شخص نے کہا خوش آمدید پیارے بیٹے اور نیک نبی۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہنے لگے کہ یہ آدم علیہ السلام ہیں اور ان کے دائیں بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ ان میں سے دائیں طرف والے جنتی ہیں اور بائیں طرف والے دوزخی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام اپنی دائیں طرف دیکھتے ہیں تو مسکرا دیتے ہیں اور جب بائیں طرف نظر کرتے ہیں تو رو دیتے ہیں۔ پھر جبریل مجھے لے کر دوسرے آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ یہاں بھی جبریل کا آسمان کے داروغے کے ساتھ وہی مکالمہ ہوا جو پہلے آسمان والے داروغے کے ساتھ ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے آسمانوں میں حضرات آدم، ادریس، موسیٰ عیسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو پایا لیکن یہ ثابت نہیں کہ ان کے مقامات کیسے ہیں، البتہ یہ آپ ﷺ نے ذکر فرمایا کہ آسمان دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام اور چھٹے آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ جب جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کو لے کر حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا: مرحبا، اے صالح نبی اور صالح بھائی۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے پوچھنے پر بتایا کہ یہ ادریس علیہ السلام ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میرا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوا، انہوں نے بھی کہا: خوش آمدید اے صالح نبی اور صالح بھائی۔ جبریل علیہ السلام نے میرے استفسار پر بتایا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے انہوں نے بھی مجھے صالح نبی اور صالح بھائی کے کلمات سے یاد کرتے ہوئے خوش آمدید کہا۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرا، انہوں نے فرمایا: مرحبا اے نیک نبی اور فرزند دلبند۔ میرے سوال پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ امام زہری کہتے ہیں کہ حضرات ابن عباس اور ابو حبہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر مجھے اس قدر بلند کیا گیا کہ میں ایسے مقام پر پہنچ گیا، جہاں میں نے قلموں کے لکھنے کی آوازیں سنیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ واپس لوٹتے وقت جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کی امت پر کیا فرض ہوا؟ میں نے جواب دیا کہ پچاس نمازیں۔ فرمانے لگے کہ یہ آپ کی امت کے بس کی بات نہیں، لہٰذا واپس جائیے اور تخفیف کی التجا کیجئے۔ میں واپس گیا تو اللہ تعالیٰ نے نصف نمازیں معاف فرما دیں۔ دوبارہ موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر باری تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہوا تو پھر آدھی معاف کر دی گئیں۔ ایک مرتبہ پھر حاضر ہوا تو صرف پانچ رہ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بظاہر پانچ ہیں لیکن (اجر و ثواب میں) پچاس ہیں، میری باتیں ناقابل تغیر ہیں۔ میں لوٹ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر لوٹنے کا مشورہ دیا لیکن میں نے کہا کہ اب مجھے اپنے رب سے حیا دامن گیر ہے۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لایا گیا اسے ایسے رنگوں نے ڈھانپ رکھا تھا جن کی حقیقت کا مجھے علم نہیں۔ پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ موتیوں کے پہاڑ ہیں اور اس کی مٹی خالص کستوری ہے(1)۔ بخاریؒ نے کتاب الصلوٰۃ میں ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے، اسی طرح ذکر بنی اسرائیل، حج اور احادیث انبیاء میں بھی اسے روایت کیا ہے اور صحیح مسلم کتاب الایمان میں بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔

عبداللہ بن شقیق نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا تو آپ ﷺ سے ایک بات ضرور دریافت کرتا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ تم آپ ﷺ سے کیا دریافت کرتے؟ کہنے لگے کہ میں آپ ﷺ سے یہ سوال کرتا کہ کیا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1 صفحہ 97 صحیح مسلم، کتاب الایمان صفحہ 148-149

آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے آپ ﷺ سے یہ سوال کیا تھا جس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ'' (1)۔ (میں نے اسے نور دیکھا، بھلا میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ نور ہے، میں اسے کہاں دیکھ سکتا ہوں'' (2)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں فرمایا: ''رَاَیْتُ نُوْرًا'' یعنی میں نے نور دیکھا۔ مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت ابی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ سے معراج کی بابت روایت کرتے ہیں اور یہ اس روایت سے ملتی جلتی ہے جسے انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ اس کا ذکر پچھلے بخاری و مسلم کے حوالے سے ہو چکا ہے۔ مسند بزار میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا:

''معراج کی شب جبریل مجھے لے کر بیت المقدس میں صخرہ کے مقام پر آئے۔ وہاں اپنی انگلی سے سوراخ کر کے براق کو باندھ دیا''۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''واقعہ معراج کے وقت جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حطیم میں کھڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے عیاں کر دیا، میں اسے دیکھ رہا تھا اور قریش کو اس کی نشانیوں کے متعلق آگاہ کیے جا رہا تھا'' (3)۔ حضرت سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت المقدس پہنچے تو وہاں آپ کی خدمت میں دو پیالے پیش کیے گئے، ایک پیالہ دودھ کا اور ایک شراب کا۔ آپ نے دونوں پر نظر ڈالی اور دودھ کا پیالہ لے لیا۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ نے درست انتخاب کیا ہے اور آپ نے فطرت کو پا لیا۔ اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ پھر آپ واپس مکہ تشریف لائے اور واقعہ معراج کے متعلق لوگوں کو آگاہ کیا۔ یہ سن کر بہت سے ایسے لوگ فتنہ میں پڑ گئے جنہوں نے آپ ﷺ کی معیت میں نماز پڑھی تھی۔ ابو سلمہ بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ قریش کے کچھ لوگ بھاگتے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تمہارے ساتھی تو یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ ایک ہی رات میں بیت المقدس جا کر واپس مکہ لوٹ آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ کیا واقعی آپ ﷺ نے یہ کہا ہے؟ وہ کہنے لگے: ہاں، تو آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ نے یہ فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے۔ قریش کہنے لگے کہ کیا تم ان کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ ایک ہی رات میں شام جائیں، پھر صبح ہونے سے قبل مکہ لوٹ بھی آئیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں تو اس سے بھی بڑی بات میں آپ ﷺ کی تصدیق کرتا ہوں یعنی یہ کہ آپ ﷺ آسمان کی خبریں بتاتے ہیں۔ ابو سلمہ کہتے ہیں کہ اس تصدیق کے باعث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام صدیق پڑا (4)۔

زر بن حبیش بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ہم چلتے چلتے بیت المقدس پہنچ گئے۔ دونوں اندر داخل نہیں ہوئے۔ میں نے یہ سنتے ہی کہا کہ یہ بات درست نہیں بلکہ اس رات رسول اللہ ﷺ بیت المقدس میں داخل ہوئے اور اس میں نماز بھی پڑھی۔ آپ فرمانے لگے: اے گنجے سر والے! تمہارا نام کیا ہے؟ تمہارا چہرہ تو جانا پہچانا ہے لیکن میں تمہارا نام نہیں جانتا۔ میں نے کہا کہ میرا نام زر بن حبیش ہے۔ آپ فرمانے لگے: تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ اس رات آپ ﷺ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی تھی۔ میں نے کہا کہ قرآن کریم اس کی خبر

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 147
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان صفحہ 161
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ بنی اسرائیل جلد 8 صفحہ 108، صحیح مسلم، کتاب الایمان 156
4۔ دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 365

دے رہا ہے۔آپ نے فرمایا: جس نے قرآن سے بات کی وہ فلاح پا گیا، پڑھو۔ میں نے اس آیت (سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ) کی تلاوت کی۔ آپ نے پوچھا کہ کیا اس میں ایسا کوئی ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے وہاں نماز پڑھی؟ میں نے کہا: نہیں، تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اس رات آپ ﷺ نے بیت المقدس میں نماز نہیں پڑھی۔ اگر آپ وہاں نماز پڑھ لیتے تو تم پر وہاں نماز پڑھنا اسی طرح فرض ہو جاتا جیسے بیت اللہ شریف میں پڑھنا فرض کیا گیا ہے۔ اللہ کی قسم! وہ دونوں (حضور ﷺ اور جبریل علیہ السلام) تو براق سے الگ ہوئے ہی نہیں یہاں تک کہ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور انہوں نے جنت اور دوزخ کو دیکھا اور وعدۂ آخرت کی تمام چیزوں کو بھی ملاحظہ کرلیا، پھر اسی طرح واپس لوٹ آئے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ ہنس دیئے۔ یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں دکھائی دینے لگیں۔ مزید فرمانے لگے: لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ نے براق کو باندھ دیا تھا تاکہ وہ بھاگ نہ جائے حالانکہ اسے آپ ﷺ کے لئے عالم الغیب والشہادہ خدا نے مسخر کر دیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ براق کیسا جانور تھا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سفید رنگ کا طویل القامت جانور، جہاں نظر پڑتی وہاں وہ اپنا قدم رکھتا(1)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہا کے قول پر ان حضرات کا قول مقدم ہے جنہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی سواری کو حلقہ کے ساتھ باندھا گیا اور آپ ﷺ نے بیت المقدس میں نماز ادا کی(2)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمیں واقعہ معراج کے متعلق آگاہ فرمایئے تو آپ نے اس آیت سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا: "دریں اثناء میں رات کے وقت مسجد حرام میں سو رہا تھا کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے مجھے بیدار کیا۔ جاگ کر میں نے دیکھا تو مجھے کوئی چیز دکھائی نہ دی، بس ایک سایہ سا اچانک نظر آیا تو میں نے اپنی نگاہ اس پر مرکوز کر دی یہاں تک کہ میں مسجد حرام سے باہر آ گیا۔ یہاں کچھ کچھ خچر کے مشابہ ایک جانور پر نظر پڑی، حرکت کرتے ہوئے اور اوپر کو اٹھے ہوئے کانوں والا تھا، اسے براق کہا جاتا ہے۔ مجھ سے پہلے انبیاء بھی اسی پر سواری کرتے رہے، تاحد نگاہ اس کا قدم پڑتا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا اور سفر کا آغاز ہوا، دوران سفر کسی نے میری دائیں طرف سے مجھے تین بار بلایا کہ اے محمد ﷺ! مجھے دیکھو، میں تم سے سوال کرنا چاہتا ہوں لیکن میں نے اسے نہ کوئی جواب دیا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا۔ پھر چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے تو کسی نے مجھے بائیں طرف سے بلایا کہ اے محمد ﷺ! میری طرف دیکھو، میں تم سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں لیکن میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور نہ ہی اس کے پاس ٹھہرا۔ پھر کچھ آگے بڑھے تو ایک عورت کو دیکھا جو بازو کھولے ہوئے تھی اور دنیا کی ہر زینت سے آراستہ تھی۔ اس نے کہا: اے محمد ﷺ! میری طرف دیکھیں، میں آپ سے سوال کرنا چاہتی ہوں لیکن نہ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچ گیا۔ میں نے اپنی سواری اس حلقہ کے ساتھ باندھ دی جس کے ساتھ انبیاء باندھا کرتے تھے۔ پھر جبریل علیہ السلام میرے پاس دو برتن لائے، ایک شراب کا اور دوسرا دودھ کا۔ میں نے دودھ پی لیا اور شراب کو ناپسند کیا۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ نے فطرت کو پالیا۔ اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی میں نے (خوش ہو کر) دو دفعہ تکبیر کہی۔ پھر جبریل علیہ السلام مجھ سے پوچھنے لگے کہ میں آپ کے چہرے پر فکر کے آثار کیسے دیکھ رہا ہوں؟ میں نے کہا کہ میں جب محو سفر تھا تو میری دائیں طرف سے کسی نے مجھے بلایا تھا کہ اے محمد ﷺ! مجھے دیکھو، میں تم سے سوال کرنا چاہتا ہوں لیکن میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ یہود کا داعی تھا۔ اگر آپ اسے جواب دیتے یا اس کے پاس ٹھہرتے تو آپ کی امت

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب التفسیر، جلد 11 صفحہ 304-305، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 387 2۔ دیکھئے دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 365

یہودی ہو جاتی۔ پھر میں نے کہا کہ دوران سفر مجھے کسی نے بائیں جانب سے بلایا کہ اے محمد ﷺ! مجھے دیکھو، میں آپ سے سوال کرنا چاہتا ہوں لیکن میں نے نہ تو اس کی طرف توجہ دی اور نہ ہی اس کے پاس ٹھہرا۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ وہ نصاریٰ کا داعی تھا، اگر آپ اسے جواب دیتے تو آپ کی امت نصرانی ہو جاتی، پھر میں نے بتایا کہ سفر کرتے ہوئے میں نے ایک برہنہ بازو عورت دیکھی جو ہر زینت سے آراستہ تھی، وہ کہہ رہی تھی: اے محمد ﷺ! مجھے دیکھو، میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں لیکن میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی اس کے پاس قیام کیا۔ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ وہ دنیا تھی، اگر آپ ﷺ اسے جواب دیتے یا اس کے پاس ٹھہرتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی۔ پھر میں اور جبریل علیہ السلام دونوں بیت المقدس میں داخل ہوئے اور ہر ایک نے دو رکعتیں نماز ادا کی، پھر میرے پاس معراج (سیڑھی) لائی گئی جس سے بنی آدم کی ارواح اوپر چڑھتی ہیں، معراج سے بڑھ کر کوئی چیز خوبصورت دکھائی نہیں دی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ مرنے والے کی آنکھیں جب آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں تو وہ معراج کو دیکھ کر تعجب کے باعث ہی آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں۔ میں اور جبریل علیہ السلام اوپر چڑھے تو آسمان دنیا کے سردار اسماعیل نامی فرشتے سے ملاقات ہوئی جس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہیں جن میں سے ہر فرشتے کے ماتحت نوری لشکر کی تعداد ایک لاکھ فرشتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ مَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (المدثر:31) ”اور آپ کے رب کے لشکروں کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا“۔ جبریل علیہ السلام نے آسمان کا دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو پوچھا گیا کہ کون ہے؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ، دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں حضرت آدم علیہ السلام اپنی ہیئت پر ہیں جس دن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی صورت پر پیدا کیا تھا۔ ان کے سامنے ان کی مومن اولاد کی روحیں پیش کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: پاک روح ہے اور نفس بھی پاک، اس لئے اسے علیین میں لے جاؤ، پھر آپ پر آپ کی فاجر اولاد کی روحیں پیش کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں: خبیث روح اور خبیث نفس، اسے سجین میں پھینک دو۔ پھر میں کچھ آگے چلا تو میں نے چند دستر خوان دیکھے جن پر عمدہ بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے لیکن کوئی ان کے قریب بھی نہیں آتا تھا اور چند دوسرے دستر خوان دیکھے جن پر نہایت بدبودار سڑا ہوا گوشت تھا جسے کچھ لوگ کھا رہے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو حرام کھاتے ہیں اور حلال کو چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر اور آگے بڑھا تو ایسے لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں جیسے تھے، ان کے منہ پھاڑے جاتے اور یہ گوشت انہیں نگلنا پڑتا پھر یہی گوشت ان کے نیچے سے نکل جاتا، وہ اللہ تعالیٰ کے حضور آہ و فغاں کر رہے تھے۔ میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ بتانے لگے کہ یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو ناحق یتیموں کا مال کھایا کرتے تھے، اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا (النساء:10) ”بے شک وہ لوگ جو ظلم سے یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ تو بس اپنے پیٹوں میں آگ کھا رہے ہیں اور عنقریب وہ بھڑکتی آگ میں جھونکے جائیں گے۔“ پھر تھوڑی دیر چلا تو میں نے عورتیں دیکھیں جو اپنے پستانوں کے ساتھ لٹک رہی تھیں، میں نے ان کی چیخ و پکار سنی۔ جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیسی عورتیں ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کی زناکار عورتیں ہیں۔ پھر ذرا اور آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگوں کے پیٹ کوٹھڑیوں کی طرح ہیں، جب بھی ان میں سے کوئی اٹھنے کی کوشش کرتا ہے تو گر پڑتا ہے اور کہتا ہے: یا اللہ! قیامت قائم نہ کرنا۔ وہ آل فرعون کے رستہ پر ہیں فرعونی جماعت آتی ہے اور انہیں روندتی چلی جاتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں آہ و زاری کرتے ہیں اور چیختے چلاتے ہیں۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو انہوں نے بتایا کہ یہ

آپ کی امت کے سود خور ہیں۔ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (البقرۃ:275) ”جو لوگ سود کھایا کرتے ہیں، وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو“

مزید آگے بڑھے تو کچھ لوگ دکھائی دیئے جن کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کاٹ کر انہیں کھلایا جاتا اور ان میں سے ہر ایک کو کہا جاتا کہ کھاؤ جس طرح تم اپنے بھائی کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے ان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کے عیب جو، غیبت اور نکتہ چینی کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر ہم دوسرے آسمان کی طرف بلند ہوئے، وہاں میں نے مخلوق خدا میں سے سب سے زیادہ خوبرو شخص دیکھا جسے حسن میں لوگوں پر ایسے ہی برتری حاصل ہے جیسے چودھویں کی رات چاند کو تمام ستاروں پر۔ میرے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ یہ آپ کے بھائی یوسف علیہ السلام ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ ہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا۔ تیسرے آسمان پر پہنچے تو وہاں یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی، ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ افراد تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا، پھر چوتھے آسمان کی طرف بلند ہوئے، وہاں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جنہیں اللہ تعالیٰ نے بلند مکان پر اٹھا لیا ہے۔ میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پانچویں آسمان پر چڑھے تو وہاں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، ان کی آدھی داڑھی سفید تھی اور آدھی سیاہ اور لمبائی میں تقریباً ناف تک تھی۔ میرے دریافت کرنے پر جبریل نے بتایا کہ یہ اپنی قوم کے محبوب اور ہر دلعزیز ہارون بن عمران علیہ السلام ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے لوگ ہیں۔ میں نے انہیں سلام کہا، انہوں نے بھی جواباً سلام کیا۔ چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، گندمی رنگ اور بال بہت زیادہ۔ اگر ان پر قمیص ہو تو بال قمیص میں سے بھی گزر جائیں، وہ فرمانے لگے: لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے زیادہ قدر و منزلت رکھتا ہوں حالانکہ یہ (حضور ﷺ) مجھ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقام رکھتے ہیں۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ موسیٰ بن عمران ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کی ایک جماعت ہے۔ میرے سلام کرنے پر انہوں نے بھی مجھے سلام کیا۔ پھر ساتویں آسمان پر پہنچے تو وہاں میں نے اپنے باپ ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کو دیکھا جو بیت معمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، آپ بہت ہی بہتر اور خوبصورت ہیں۔ میں نے ان کے متعلق دریافت کیا تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ ابراہیم خلیل الرحمٰن ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے افراد ہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر میں نے اپنی امت کو دو حصوں میں تقسیم دیکھا، نصف نے کاغذ کی طرح سفید کپڑے پہن رکھے تھے اور نصف کے کپڑے سیاہ تھے۔ میں بیت معمور میں داخل ہوا اور میرے ساتھ سفید کپڑوں والے بھی داخل ہو گئے لیکن سیاہ کپڑے والے روک دیئے گئے ہیں، وہ بھی خیر پر۔ بیت معمور میں ہم سب نے نماز پڑھی پھر وہاں سے باہر نکل آئے۔ بیت معمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں، پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آتی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا۔ اس کا ہر ہر پتہ اتنا بڑا ہے کہ میری اس امت کو ڈھانپ لے۔ اس میں سلسبیل نام کا ایک چشمہ جاری ہے جس سے دو نہریں نکلتی ہیں ایک نہر کوثر اور دوسری نہر رحمت۔ میں نے اس میں غسل کیا تو میری اگلی پچھلی تمام لغزشیں معاف کر دی گئیں، پھر مجھے جنت کی طرف اوپر لے جایا گیا وہاں مجھے ایک حور ملی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو کس کی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) کی۔ وہاں میں نے ایسی نہریں دیکھیں جن کا پانی نہ گدلا ہوتا ہے اور نہ فاسد اور دودھ کی نہریں دیکھیں جن کا ذائقہ متغیر نہیں ہوتا، علاوہ ازیں پینے والوں کی لذت کے لئے

شراب کی نہریں اور صاف شفاف خالص شہد کی نہریں بھی دیکھیں۔ جنتی انار اتنے بڑے تھے جیسے ڈول اور پرندے ایسے گویا تمہارے بختی اونٹ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیکوکار بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک گزرا۔ پھر میرے سامنے جہنم پیش کیا گیا، اس میں اللہ تعالیٰ کا غضب، عذاب، ناراضگی اور انتقام عروج پر تھا۔ اگر اس میں پتھر اور لوہا ڈالا جائے تو اسے بھی کھا جائے، پھر اسے میرے سامنے سے بند کر دیا گیا۔ بعد ازاں مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا تو مجھے ڈھانپ لیا، میرے اور اس کے درمیان دو کمان کی مقدار بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے ہر پتے پر ایک فرشتہ اترا تھا۔ مجھ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں اور فرمایا کہ تمہارے لئے ہر نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ اگر تم نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کر سکے تو تمہارے لئے ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور اگر اس پر عمل پیرا ہو گئے تو دس لکھی جائیں گی۔ اگر برائی کا ارادہ کیا لیکن اس کا ارتکاب نہ کیا تو کچھ بھی نہیں لکھا جائے گا اور اگر ارتکاب کر لیا تو صرف ایک ہی برائی کا اندراج ہوگا۔ پھر میں لوٹ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کے رب نے کس چیز کا حکم دیا ہے، میں نے کہا کہ پچاس نمازوں کا۔ وہ کہنے لگے کہ واپس اپنے رب کی جناب میں جاؤ اور تخفیف کی درخواست کرو، آپ ﷺ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی اور جب اس کی طاقت نہیں پائے گی تو نافرمانی کی مرتکب ہوگی۔ چنانچہ میں لوٹ کر اپنے رب کے حضور پہنچا اور عرض کی: اے پروردگار! میری امت کے لئے تخفیف فرما کیونکہ وہ سب سے زیادہ کمزور امت ہے تو میری گزارش پر اللہ تعالیٰ نے دس معاف کر کے چالیس نمازیں مقرر کر دیں، بہرکیف میں اپنے رب اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان چکر لگاتا رہا، ہر بار موسیٰ علیہ السلام پوچھتے کہ کیا حکم ہوا اور مزید تخفیف کروانے کا مشورہ دیتے، میں بھی بار بار اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی درخواست پیش کرتا رہا یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار پھر تخفیف کروانے لئے واپس بھیجنا چاہا لیکن میں نے کہا کہ اب مجھے شرم آتی ہے۔ صبح ہوئی تو آپ نے مکہ شریف میں ان عجائبات کا ذکر کیا کہ میں آج کی شب بیت المقدس گیا اور پھر مجھے آسمانوں کی سیر کروائی گئی، وہاں میں نے یہ یہ دیکھا۔ یہ سن کر ابوجہل لوگوں سے کہنے لگا کہ کیا تمہیں محمد (ﷺ) کی اس بات پر تعجب نہیں ہوتا؟ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ آج کی شب بیت المقدس گئے پھر صبح کے وقت ہمارے پاس موجود تھے حالانکہ سواری کو مارتے پیٹتے بھی لے جائیں تو وہاں پہنچنے میں ایک مہینہ لگ جاتا ہے اور واپس لوٹتے ہوئے بھی ایک مہینہ۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ دو مہینے کی مسافت شب بھر میں طے ہو جائے۔ آپ ﷺ نے کفار کو قریش کے قافلے کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے جاتے وقت اس قافلے کو فلاں جگہ دیکھا تھا اور وہ بدک گیا تھا۔ واپسی پر وہ مجھے عقبہ میں ملا، اس میں فلاں فلاں شخص ہے، ایسے ایسے ان کے اونٹ ہیں اور یہ یہ ان کا سامان ہے۔ یہ سن کر ابوجہل کہنے لگا کہ یہ بہت سی اشیاء کے متعلق ہمیں خبر دے رہے ہیں، دیکھیں سچ نکلتی ہیں یا نہیں۔ ان میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ میں سب سے زیادہ بیت المقدس سے واقف ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کی عمارت کیسی ہے، اس کی شکل وصورت کیسی ہے اور پہاڑ کے کس قدر قریب ہے۔ اگر محمد سچے ہوئے تو میں تمہیں آگاہ کر دوں گا اور اگر جھوٹے نکلے تو بھی بتا دوں گا۔ وہ مشرک آیا اور آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ میں بیت المقدس سے سب سے زیادہ واقف ہوں، مجھے بتائیے کہ اس کی عمارت اور شکل وصورت کیسی ہے اور پہاڑ سے اس کی نزدیکی کتنی ہے؟ بس رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے تمام حجابات اٹھا دیئے گئے اور آپ اس طرح بیت المقدس کو اپنے سامنے دیکھنے لگے جس طرح ہم میں سے کوئی اپنے گھر کو دیکھتا ہے۔ آپ ﷺ فرمانے لگے کہ اس کی عمارت اس طرح کی ہے، اس کی شکل وصورت اور ہیئت یوں ہے اور یہ پہاڑ کے اس قدر قریب ہے۔ اس مشرک نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ پھر وہ

کفار کے پاس لوٹ کر گیا اور انہیں جا کر بتایا کہ محمد (ﷺ) اپنی بات میں سچے ہیں(1)۔ اسے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں غرابت اور نکارت ہے۔ ہم نے اسے اس لئے بیان کر دیا ہے کہ اس میں دیگر احادیث کے بہت سے شواہد ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بیہقی کی روایت میں آتا ہے کہ ابوالازھر یزید بن ابی حکیم بیان کرتے ہیں: میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی تو آپ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ! آپ کی امت میں ایک آدمی ہے جسے سفیان ثوری کہا جاتا ہے، اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں کوئی حرج والی بات نہیں۔'' میں نے پھر ابو ہارون عبدی کا نام لیا جنہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور انہوں نے آپ ﷺ سے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ان راویوں کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کو معراج ہوئی اور آپ نے آسمان میں دیکھا آپ نے فرمایا: ہاں، درست ہے۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی امت میں سے کچھ لوگ واقعہ معراج کے متعلق بہت سی عجیب وغریب باتیں آپ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قصہ گو لوگوں کی کارستانی ہے(2)۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمیں اپنی معراج کی کیفیت بتائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے مکہ میں اپنے صحابہ کو عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھائی، پھر جبریل علیہ السلام میرے پاس گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا سفید رنگ کا براق لائے۔ میرے سوار ہوتے وقت اس نے شوخی کی تو جبریل علیہ السلام نے اس کا کان پکڑ کر مروڑا، پھر مجھے اس پر سوار کیا، براق ہمیں لے کر اڑنے لگا، جہاں نظر پڑتی وہاں اس کا قدم پڑتا۔ یہاں تک کہ ہم کھجوروں والی سرزمین پر پہنچ گئے۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے نیچے اتارا اور نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ میں نے وہاں نماز پڑھی اور پھر سوار ہو گیا۔ جبریل علیہ السلام نے پوچھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کہاں نماز پڑھی؟ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ کہنے لگے کہ آپ نے یثرب میں نماز پڑھی یعنی طیبہ میں پھر چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے مجھے وہاں اترنے اور نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ میں نے نماز پڑھی اور پھر سوار ہو گئے۔ جبریل نے مجھے بتایا کہ آپ نے مدین میں اس درخت کے پاس نماز پڑھی ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام ٹھہرے تھے۔ پھر سفر کرتے کرتے ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں ہمیں محلات صاف دکھائی دینے لگے، یہاں بھی جبریل نے مجھے نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ نماز سے فراغت کے بعد جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ آپ نے بیت لحم میں نماز ادا کی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر چلتے چلتے باب یمانی سے شہر میں داخل ہوئے، مسجد کے قریب سواری کو باندھ دیا اور اس دروازے سے مسجد میں داخل ہو گئے جہاں سورج اور چاند مائل ہوتے ہیں۔ وہاں جس قدر اللہ کو منظور تھا میں نے نماز پڑھی۔ وہاں مجھے سخت پیاس لگ گئی تو میرے پاس دو برتن لائے گئے، ایک میں دودھ اور دوسرے میں شہد تھا، دونوں میرے پاس بھیجے گئے تو میں دونوں کے درمیان متردد ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی اور میں نے دودھ لے کر پی لیا یہاں تک کہ میری پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ میں نے اپنے سامنے دیکھا کہ ایک شیخ تکیہ لگائے بیٹھے ہیں، وہ کہنے لگے کہ انہوں نے فطرت کو پالیا اور یہ ہدایت یافتہ ہیں، پھر جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ ہم ایک وادی تک پہنچے، ہم نے جہنم کو دیکھا گویا وہ ٹیلوں سے نمایاں ہو رہا ہے۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اسے کیسا پایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اسے سخت گرم انگارے کی طرح پایا۔ بعد ازاں فلاں فلاں مقام پر ہمارا گزر قریش کے قافلے سے ہوا، ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 390، تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 11-14
2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ نمبر 405

جسے فلاں شخص تلاش کر کے لایا، میں نے انہیں سلام کیا تو ان میں ایک آدمی کہنے لگا کہ یہ آواز تو محمد (ﷺ) کی ہے۔ پھر میں صبح ہونے سے پہلے مکہ میں اپنے اصحاب کے پاس پہنچ گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس آ کر کہنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! آج کی شب آپ کہاں تھے، میں نے آپ کو ہر اس جگہ تلاش کیا جہاں میرا خیال تھا کہ آپ موجود ہوں گے۔ میں نے کہا کہ میں تو آج کی رات بیت المقدس گیا تھا، ابوبکر کہنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! یہ تو ایک مہینے کی مسافت پر ہے، مجھے آپ اس کی نشانیاں بتلائیں، چنانچہ اسے فوراً میرے سامنے ظاہر کر دیا گیا گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ جو بھی مجھ سے سوال ہوا میں نے اس کے متعلق بتا دیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ مشرکین کہنے لگے کہ ابن ابی کبشہ (حضور ﷺ) کی طرف دیکھو، کہتا ہے کہ وہ آج کی رات بیت المقدس گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جو کچھ تمہیں کہہ رہا ہوں اس کی نشانی یہ ہے کہ میں فلاں جگہ تمہارے قافلے سے گزرا، ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا جسے فلاں شخص تلاش کر کے لایا۔ ان کی منزل فلاں فلاں جگہ ہوگی اور وہ فلاں دن تمہارے پاس اس حالت میں پہنچیں گے کہ ان کے آگے آگے گندمی رنگ کا اونٹ ہوگا جس پر سیاہ رنگ کا عرق گیر اور سیاہ رنگ کے ہی دو بورے ہیں۔ جب وہ دن آیا (جو حضور ﷺ نے قافلے کی آمد کے لئے مقرر کر رکھا تھا) تو لوگ دوپہر کے وقت دوڑے دوڑے شہر سے باہر چلے گئے۔ وہاں جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ واقعی قافلہ آ رہا ہے اور اس کے آگے آگے وہی اونٹ ہے جس کے متعلق آپ ﷺ نے بیان فرمایا تھا"(1)۔ بیہقی نے اسے ترمذی اور دیگر سے روایت کیا ہے۔ ہم ان میں سے کچھ کا ذکر کریں گے، پھر انہوں نے اس حدیث کی دیگر بہت سی شاہد حدیثیں ذکر کی ہیں۔ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ بلاشبہ یہ حدیث بہت سی اشیاء پر مشتمل ہے جن میں سے بعض صحیح ہیں جیسا کہ بیہقی نے ذکر کیا ہے اور بعض ان میں سے منکر ہیں مثلاً بیت لحم میں نماز پڑھنا، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا بیت المقدس کے اوصاف دریافت کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ جنت میں داخل ہوئے تو آپ نے اس کی ایک جانب سے قدموں کی چاپ سنی۔ دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ مؤذن بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ﷺ نے آ کر فرمایا: بلال تو فلاح پا گئے، میں نے ان کے لئے یہ یہ دیکھا۔ "موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اے نبی امی! مرحبا۔ حضرت موسیٰ گندمی رنگ کے طویل القامت اور بال کانوں تک یا کانوں سے ذرا بلند۔ آپ ﷺ نے ان کے متعلق جبریل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر آگے بڑھے تو آپ ﷺ کی ملاقات ایک جلیل القدر پر وقار شیخ سے ہوئی، انہوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اور سلام کیا، بہر صورت ہر نبی نے آپ کو پہلے سلام کیا۔ آپ ﷺ نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ بعد ازاں آپ نے کچھ لوگوں کو جہنم میں مردار کھاتے دیکھا۔ جبریل علیہ السلام سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ لوگوں کا گوشت کھانے والے (غیبت کرنے والے) لوگ ہیں۔ وہاں آپ نے ٹیڑھی آنکھوں والا انتہائی سرخ رنگ کا ایک آدمی دیکھا۔ آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا (بدبخت) ہے۔ آپ ﷺ بیت المقدس پہنچے تو وہاں نماز ادا کی، تمام انبیاء کرام نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ فارغ ہوئے تو آپ کے پاس دو جام لائے گئے، ایک دائیں طرف سے اور دوسرا بائیں طرف سے، ایک میں دودھ تھا

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 355-357

اور دوسرے میں شہد، آپ نے دودھ لے کر پی لیا، جس کے پاس جام تھا، اس نے کہا کہ آپ نے فطرت کو پا لیا (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت بیت المقدس لے جایا گیا اور اسی رات آپ ﷺ واپس لوٹ آئے۔ آپ نے لوگوں کو بیت المقدس کے سفر، اس کی علامات اور ان کے قافلے کے متعلق آگاہ کیا تو بعض کہنے لگے کہ ہم آپ ﷺ کو اس بات میں سچا نہیں مانتے اور وہ اسلام سے پھر گئے۔ ان کا انجام یہ ہوا کہ یہ بھی ابوجہل کے ساتھ قتل ہو گئے۔ ابوجہل کہنے لگا کہ محمد (ﷺ) ہمیں زقوم (تھوہر) کے درخت سے ڈرا رہا ہے، ذرا کھجور اور مکھن اور انہیں تمزق کرو یعنی ملا کر کھالو۔ آپ ﷺ نے دجال کو اس کی اصلی صورت میں اپنی ظاہری آنکھوں کے ساتھ دیکھا نہ کہ خواب میں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے حضرات عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو بھی دیکھا۔ نبی کریم ﷺ سے دجال کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اسے دیکھا کہ وہ بہت قدر آور، موٹا، بھدا، چندھیائی نظر والا اور بداصل ہے، اس کی ایک آنکھ یوں قائم ہے جیسے ستارا اور اس کے بال گویا درخت کی شاخیں ہیں، میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، سفید رنگت، گھنگھریالے بال، تیز نظر اور معتدل جسم، موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، وہ گندمی رنگ کے، زیادہ بالوں والے اور مضبوط جسم کے مالک ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کی، میں نے ان کے جس عضو کی طرف نظر دوڑائی اسے ہو بہو اپنے جیسا پایا، یوں محسوس ہوتا تھا گویا وہ تمہارے صاحب (نبی کریم ﷺ) ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اپنے باپ کو سلام کیجئے تو میں نے انہیں سلام کیا'' (2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے معراج کی رات موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو دیکھا، قد لمبا، بال گھنگھریالے، گویا آپ قبیلہ شنوءہ کے آدمی ہیں۔ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو دیکھا، معتدل جسم، سرخی مائل سفید رنگ اور سیدھے بالوں والے''۔ مزید برآں آپ نے جہنم کے داروغے مالک اور دجال کو بھی ان نشانیوں میں دیکھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائی تھیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ (السجدۃ: 23) ''تو آپ اس کے ملنے سے شک میں مبتلا نہ ہوں'' قتادہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس لقاء سے مراد آپ ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملاقات ہے، جن کے متعلق فرمان ہے: وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ (السجدۃ: 23) ''اور ہم نے انہیں بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا تھا'' اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لئے سراپا ہدایت بنایا تھا (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شب معراج ایک جگہ سے مجھے بہت پیاری خوشبو آئی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیسی خوشبو ہے؟ جواب ملا: فرعون کی بیٹی کی مشاطہ اور اس کی اولاد کے محل کی۔ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرتے ہوئے کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی تو اس نے کہا: بسم اللہ۔ فرعون کی بیٹی کہنے لگی کہ خدا تو میرا باپ ہی ہے۔ وہ کہنے لگی کہ میرا، تمہارا اور تمہارے باپ کا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ شہزادی کہنے لگی کہ کیا میرے باپ کے سوا کوئی اور بھی رب ہے؟ مشاطہ نے کہا: ہاں، میرا، تمہارا اور تمہارے باپ کا رب اللہ ہے۔ فرعون کو پتہ چلا تو اس نے مشاطہ کو بلایا اور پوچھا کہ کیا تمہارا میرے سوا کوئی اور رب ہے؟ اس نے کہا: ہاں، میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ فرعون نے اسی وقت حکم دیا کہ تانبے کی بنی ہوئی گائے کو خوب گرم کیا جائے اور باری باری اس کے بچوں کو اس میں ڈالا جائے اور آخر میں اسے بھی اس میں پھینک دیا جائے۔ اس نے فرعون سے کہا کہ میری ایک خواہش

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 257
2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ نمبر 374
3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان 151-152، دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 2، صفحہ نمبر 365-386

ہے؟ فرعون نے پوچھا: کونسی؟ وہ کہنے لگی کہ میری اور میری اولاد کی ہڈیوں کو ایک جگہ ہی جمع کر دینا، اس نے کہا کہ تمہاری یہ خواہش پوری ہو گی کیونکہ تمہارا ہم پر کچھ حق ہے، چنانچہ وہ ایک ایک کر کے اس کے بچے اس میں ڈالنے لگے، آخر میں شیر خوار بچے کی باری آئی، ماں کی گھبراہٹ کو دیکھ کر وہ کہنے لگا: اے میری ماں! جان دے دو اور پسپائی اختیار نہ کرو کیونکہ تم حق پر ہو۔ آپ نے فرمایا کہ گہوارے میں چار بچوں نے گفتگو کی۔ یہ بچہ۔ 1۔ یوسف علیہ السلام کی عفت کی گواہی دینے والا بچہ۔ 2۔ اللہ کے ولی جریج کی پاکدامنی کی شہادت دینے والا بچہ۔ 3۔ اور عیسیٰ۔ 4۔ بن مریم علیہ السلام (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس رات مجھے معراج ہوئی اور اس کی صبح میں نے مکہ میں کی تو مجھے یقین ہو گیا کہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔ اس لئے میں الگ تھلگ غمزدہ ہو کر بیٹھ گیا۔ ابوجہل آپ ﷺ کے پاس سے گزرتے ہوئے بیٹھ گیا اور تمسخر کے انداز میں کہنے لگا کہ کیا کوئی نئی بات ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، وہ کہنے لگا: کونسی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آج رات مجھے سیر کروائی گئی؟ کہنے لگا: کہاں تک؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیت المقدس تک'' کہنے لگا: پھر صبح تم نے ہمارے ہاں ہی کی؟ فرمایا: ہاں۔ اس نے فوری طور پر آپ کی تکذیب کو مناسب خیال نہ کیا کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ اگر اس نے اپنی قوم کو بلایا تو ممکن ہے آپ اپنی بات کی تردید کر دیں، اس لئے وہ آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ اگر میں اپنی قوم کو بلالوں تو کیا آپ ان کے سامنے بھی یہی بات دہرائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے بنی کعب بن لوی کو آواز دی تو وہ سب کے سب اکٹھے ہو گئے۔ اب ابوجہل آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ اپنی قوم کو وہی بات بتائیں جو آپ ﷺ نے مجھے بتائی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آج رات مجھے سیر کروائی گئی'' وہ پوچھنے لگے: کہاں تک؟ فرمایا: ''بیت المقدس کی طرف'' کہنے لگے: پھر صبح ہمارے ہاں کی؟ فرمایا: ہاں۔ یہ سننا ہی تھا کہ انہوں نے اسے جھوٹ سمجھتے ہوئے تالیاں بجانا شروع کر دیں اور کچھ نے اپنے ہاتھ اپنے سروں پر رکھ لئے۔ پھر کہنے لگے کہ مسجد اقصیٰ کا وصف بیان کریں۔ ان میں سے ایک شخص بیت المقدس کا سفر کر چکا تھا اور اس نے مسجد اقصیٰ دیکھ رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں وصف اور نشانیاں بتاتا رہا یہاں تک کہ مجھے کچھ مغالطہ لگ گیا، پھر کیا تھا، مسجد میرے سامنے عیاں کر دی گئی اور میں اسے دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ عقیل یا عقال کے گھر سے بھی زیادہ قریب کر دی گئی، میں اسے دیکھے جا رہا تھا اور اس کے اوصاف بیان کرتا جاتا تھا، بعض اوصاف ایسے تھے جو اب مجھے یاد نہیں۔ یہ سن کر سب لوگ کہنے لگے کہ اوصاف تو آپ نے درست بیان کئے ہیں (2)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے، یہ ساتویں آسمان میں ہے۔ جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ یہاں آ کر رک جاتی ہے، پھر یہاں سے اسے اٹھا لیا جاتا ہے اور جو چیز اس کے اوپر سے نیچے اترتی ہے وہ بھی یہاں تک اترتی ہے، پھر اسے یہاں سے لے لیا جاتا ہے، اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی (النجم: 16) '' جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا'' اس درخت پر سونے کے پروانے چھائے ہوئے تھے۔ رسول خدا ﷺ کو پانچ نمازیں اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات عطا کی گئیں اور ہر اس شخص کے کبیرہ گناہ معاف کئے جانے کا وعدہ ہوا جو شرک کا ارتکاب نہیں کرتا (3)۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت حدیث معراج کا ایک حصہ ہے۔ اس حدیث کو حضرات انس بن مالک اور ابوذر رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کیا

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 389-388 2۔ مسند احمد جلد 1 صفحہ 309، دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 364-363

4۔ صحیح مسلم کتاب الایمان جلد 1 صفحہ 157، دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 373 372

ہے۔بیہقی نے تین احادیث وارد کی ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے مبسوط اور مفصل حدیث بھی بیان کی ہے جس میں غرابت ہے۔حسن بن عرفہ نے اسے اپنے مشہور جزو میں نقل کیا ہے۔حضرت ابوظبیان الجنبی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرات ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود اور محمد بن سعد بن ابی وقاص کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔محمد بن سعد ابوعبیدہ سے کہنے لگے کہ معراج کی بابت جو کچھ آپ نے اپنے والد محترم سے سنا ہے، وہ ہمیں بتائیے۔ابوعبیدہ نے کہا کہ نہیں بلکہ آپ اپنے والد گرامی سے سنی ہوئی حدیث سے ہمیں آگاہ کریں۔محمد بن سعد کہنے لگے کہ اگر آپ مجھ سے پہلے سوال کرتے تو میں ضرور بتاتا۔چنانچہ ابوعبیدہ اپنے والد محترم سے سنی ہوئی روایت بیان کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل میرے پاس سواری کا جانور لائے جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، اس پر انہوں نے مجھے سوار کروایا، پھر وہ (براق) ہمیں لے کر چلا، جب وہ کسی اونچائی پر چڑھتا تو اس کی ٹانگیں ہاتھوں کے برابر ہو جاتیں اور جب نیچے کی طرف اترتا تو اس کے ہاتھ پاؤں کے برابر ہو جاتے، یہاں تک کہ ہم ایک طویل القامت، سیدھے بالوں والے اور گندمی رنگ کے آدمی کے پاس سے گزرے، وہ آدمی گویا ازدشنوۃ کے آدمیوں جیسا ہے۔وہ بآواز بلند کہہ رہا تھا کہ تو نے اس کی تکریم کی اور اسے فضیلت عطا فرمائی۔ہم اس شخص کے پاس گئے اور سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ جبریل نے بتایا کہ یہ احمد (ﷺ) ہیں۔وہ کہنے لگے: مرحبا اے امی عربی نبی جنہوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور اپنی امت کی خیر خواہی کی۔آگے بڑھے تو میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا: موسیٰ بن عمران۔میں نے پوچھا کہ یہ کس سے شکوہ کر رہے ہیں؟ جواب ملا کہ آپ کے بارے میں اپنے رب سے۔میں نے کہا کہ اپنے رب کی جناب میں اور اس قدر بلند آواز سے۔جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی تیزی اور حدت معلوم ہے۔پھر آگے بڑھے تو ہمارا گزر ایک درخت سے ہوا۔اس کے پھل گویا چراغ ہیں۔اس درخت کے نیچے ایک بزرگ اور ان کے بچے بیٹھے ہوئے تھے۔جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی طرف چلئے۔چنانچہ ہم ان کی طرف بڑھے۔انہیں سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا اور جبریل علیہ السلام سے میری بابت پوچھنے لگے۔جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے بیٹے احمد ﷺ ہیں۔فرمانے لگے کہ خوش آمدید، امی نبی جنہوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور اپنی امت کی خیر خواہی کی۔اے میرے بیٹے! آپ آج کی شب اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں، آپ کی امت سب سے آخری اور کمزور امت ہے اس لئے جس قدر ممکن ہو اپنی امت کیلئے آسانی حاصل کر لینا۔پھر ہم سفر کرتے کرتے مسجد اقصیٰ پہنچ گئے۔یہاں اتر کر میں نے سواری کو اس حلقہ کے ساتھ باندھ دیا جس کے ساتھ انبیاء کرام باندھا کرتے تھے، پھر مسجد میں داخل ہو گیا۔وہاں میں نے انبیاء علیہم السلام کو پہچان لیا، کوئی قیام میں ہے، کوئی رکوع میں اور کوئی سجدہ میں۔پھر میرے پاس شہد اور دودھ کے دو جام لائے گئے۔میں نے دودھ لے کر پی لیا۔جبریل علیہ السلام نے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا کہ رب محمد کی قسم! آپ نے فطرت کو پا لیا۔پھر نماز کے لئے اقامت ہوئی تو میں نے انہیں امامت کروائی۔پھر واپس لوٹ آئے''(1)۔اس روایت کی سند غریب ہے۔اس میں چند عجیب و غریب چیزیں ہیں مثلاً انبیاء کا آپ کے متعلق پہلے دریافت کرنا پھر حضور ﷺ کا ان کی بابت پوچھنا حالانکہ صحیح حدیثوں میں مشہور بات یہی ہے کہ انبیاء کے ساتھ ملاقات سے پہلے ہی جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو ان کے متعلق آگاہ کر دیتے تاکہ آپ جان پہچان والا اسلام کر سکیں۔اس روایت میں یہ بھی ہے کہ مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے سے پہلے آپ کی انبیاء کے ساتھ

1۔جزء الحسن بن عرفۃ 80-82

ملاقات ہوئی حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ ان حضرات سے آپ کی ملاقات آسمانوں پر ہوئی، پھر جب دوبارہ بیت المقدس اترے تو انبیاء کرام بھی آپ کے ساتھ تھے اور یہاں آپ نے انہیں نماز پڑھائی۔ پھر براق پر سوار ہو کر واپس مکہ لوٹ آئے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "معراج کی رات حضرات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے میری ملاقات ہوئی۔ ان کے درمیان قیامت کے متعلق مذاکرہ ہوا۔ انہوں نے اس معاملہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر چھوڑ دیا۔ وہ فرمانے لگے کہ قیامت کے (وقت کے) متعلق مجھے کوئی علم نہیں، پھر انہوں نے یہ معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا دیا، انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا، پھر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ قیامت کے مقررہ وقت کے متعلق مجھے آگاہ نہیں کیا گیا، سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو اس کے متعلق علم نہیں، البتہ میرے رب نے مجھے یہ بتایا ہے کہ دجال نکلنے والا ہے، میرے پاس دو چھڑیاں ہوں گی، جب وہ مجھے دیکھے گا تو سیسے کی طرح پگھل جائے گا، اس کا میرے ساتھ آمنا سامنا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کردے گا، پھر یہ کیفیت ہوگی کہ پتھر اور درخت بھی پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مرد مسلمان! میرے نیچے کافر ہے، آؤ اور اسے قتل کر ڈالو پھر لوگ اطمینان سے اپنے اپنے شہروں اور وطنوں کی طرف لوٹ جائیں گے۔ اسی دوران یاجوج ماجوج نکلیں گے اور وہ ہر اونچائی سے اچھلتے کودتے آئیں گے، شہروں کو پامال کردیں گے، جو چیز ہاتھ لگی اسے تباہ و برباد کردیں گے اور جس پانی سے ان کا گزر ہوگا اسے پی جائیں گے۔ لوگ پریشان حال میرے پاس ان کی شکایت لے کر آئیں گے، میری بددعا سے اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کردے گا۔ یہاں تک کہ ان کی لاشوں کی سڑاند سے زمین سخت بدبودار ہو جائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جو ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گی، میرے رب نے مجھے آگاہ کیا ہے کہ جب ایسا ہوگا تو اس وقت قیامت (قرب وقوع میں) ایسی حاملہ عورت کی طرح ہوگی جس کے حمل کی مدت پوری ہو چکی ہو کہ نہ معلوم رات کو ولادت ہو جائے یا دن کو(1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جس رات آپ ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کروائی گئی، اس رات آپ زمزم اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تھے۔ جبریل علیہ السلام آپ کی دائیں جانب تھے اور میکائیل بائیں طرف، وہ آپ ﷺ کو لے کر پرواز کر گئے یہاں تک کہ آسمانوں کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔ واپس لوٹتے وقت آپ نے اور تسبیحوں کے ساتھ آسمانوں کی تسبیحیں بھی سنیں۔ اس حدیث کو ہم اسی سورت کی اس آیت کی تفسیر میں ذکر کریں گے۔ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ (2)۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جابیہ میں تھے، بیت المقدس کی فتح کا ذکر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارا کیا خیال ہے مجھے کہاں نماز پڑھنی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ میری رائے لیتے ہیں تو آپ صخرہ کے پیچھے نماز پڑھیں، اس طرح سارا بیت المقدس آپ کے سامنے رہے گا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے تو یہودیت کی مشابہت اختیار کی، میں تو اسی جگہ نماز پڑھوں گا جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی۔ چنانچہ آپ قبلہ کی طرف بڑھے اور نماز ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ نے اپنی چادر بچھائی اور صخرہ کے آس پاس سے کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے چادر میں باندھ کر باہر پھینکنا شروع کیا، یہ دیکھ کر لوگوں نے بھی اس کی صفائی میں حصہ لیا اور جھاڑو دینے لگے۔ آپ نے یہودیوں کی طرح صخرہ کی تعظیم نہیں کی جو اس کے پیچھے نماز پڑھتے اور یہ ان کے سامنے ہوتا، جیسا کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا۔ دراصل حضرت کعب کا تعلق (قبول اسلام سے پہلے)

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، 1365، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 375 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بنی اسرائیل: 44

یہود سے تھا جنہوں نے صخرہ کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے ہوئے اسے قبلہ بنا رکھا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے ان پر احسان فرمایا اور انہیں حق کی راہ دکھائی، اسلئے جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے یہودیت کی مشابہت کی، اور نہ آپ رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ کی طرح صخرہ کی اہانت کی جنہوں نے محض اس وجہ سے کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ بنا رکھا تھا کہ یہ یہود کا قبلہ ہے، بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے کوڑا کرکٹ اپنی چادر میں جمع کر کے باہر پھینکا(1)۔ یہ صحیح مسلم کی اس حدیث کے مشابہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا''(2) (نہ تو قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھو)۔

امام ابوجعفر بن جریر سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی طویل روایت بیان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے ساتھ میکائیل علیہ السلام تھے۔ جبریل علیہ السلام نے میکائیل علیہ السلام سے کہا کہ آب زمزم کا ایک طشت میرے پاس لاؤ تاکہ میں ان کے دل کو پاک کروں اور ان کے سینہ کو کھول دوں۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کا پیٹ چاک کیا اور اسے تین بار دھویا۔ تینوں بار حضرت میکائیل علیہ السلام آب زمزم کے تین طشت لائے، جبریل علیہ السلام نے آپ کے سینے کو کھول دیا اور ہر غیر مناسب چیز سے پاک کر کے اس میں علم، حلم، ایمان، ایقان اور اسلام بھر دیا اور آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت لگا دی، پھر ایک گھوڑے پر بٹھا کر محو سفر ہوئے، تا حد نظر اس کا قدم پڑتا۔ آپ ﷺ نے ایک قوم کو دیکھا جو ایک دن میں کھیتی کاشت کرتی ہے اور اسی دن کاٹ لیتی ہے، جونہی وہ اسے کاٹتے ہیں وہ فوراً پہلے کی طرح ہو جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: جبریل علیہ السلام! یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ راہ خدا میں جہاد کرنے والے ہیں جن کی نیکی کا اجر سات سو گنا تک بڑھتا ہے۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (سبا:39) ''اور جو چیز تم خرچ کرتے ہو وہ اس کی جگہ اور دے دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے''۔ پھر آپ ﷺ کا گزر ایسے لوگوں سے ہوا جن کے سر پتھروں کے ساتھ کچلے جا رہے تھے۔ کچلے جانے کے بعد وہ پھر ٹھیک ہو جاتے، اس عذاب سے ذرا بھی تاخیر نہ ہوتی۔ آپ ﷺ نے جبریل سے ان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر فرض نمازوں کے وقت بوجھل ہو جایا کرتے تھے، پھر آپ ایسے لوگوں کے پاس آئے جن کے آگے اور پیچھے چیتھڑے لٹک رہے تھے، وہ اونٹوں اور جانوروں کی طرح چر رہے تھے اور کانٹے دار کڑوی جھاڑیاں، جہنم کے پتھر اور انگارے کھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اموال کی زکوٰۃ نہیں دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرتا بھی نہیں۔ بعد ازاں آپ ﷺ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے سامنے ایک ہنڈیا میں پکا ہوا صاف ستھرا گوشت ہے اور دوسری میں بدبودار خبیث کچا گوشت۔ یہ خبیث کچے گوشت کو کھا رہے تھے اور پکے ہوئے عمدہ گوشت کو چھوڑ رہے تھے۔ آپ نے ان کے متعلق پوچھا تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ مرد ہیں جن کے پاس حلال طیب بیویاں تھیں لیکن وہ انہیں چھوڑ کر خبیث عورتوں کے پاس رات گزارتے اور وہ عورتیں ہیں جو اپنے حلال طیب خاندوں کو چھوڑ کر خبیث مردوں کے پاس رات گزارتی تھیں۔ پھر آپ نے راستے میں ایک لکڑی دیکھی، جو کپڑا اس کے نزدیک آتا اسے پھاڑ دیتی اور جو چیز وہاں سے گزرتی اسے چاک کر دیتی۔ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کے ایسے لوگوں کی مثال ہے جو رستہ روک کر بیٹھ جاتے ہیں، پھر اس آیت کی تلاوت کی: وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 38 2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز جلد 2 صفحہ 668

تَصُدُّوْنَ (الاعراف:86) ''اور راستوں پر مت بیٹھا کرو کہ ڈراتے ہو تم (راہ گیروں کو) اور روکتے ہو راہ خدا سے''۔ پھر آپ ﷺ ایک ایسے آدمی کے پاس آئے جس نے لکڑیوں کا ایک بہت بڑا گٹھا بنا رکھا تھا لیکن اسے اٹھا نہیں سکتا تھا، اس کے باوجود لکڑیوں میں اضافہ کئے جا رہا تھا۔ آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کا وہ آدمی ہے جس کے ذمے لوگوں کی امانتیں اور حقوق ہیں، ان کی ادائیگی سے قاصر ہونے کے باوجود اس بوجھ میں اور اضافہ کر رہا ہے۔ پھر آپ ﷺ ایسے لوگوں کے پاس آئے جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ کٹنے کے فوراً بعد درست ہو جاتے، اس کارروائی میں ذرا بھی سستی کا مظاہرہ نہ ہوتا۔ جبریل علیہ السلام سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ فتنہ پرور خطباء ہیں۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے ایک چھوٹا سا پتھر دیکھا جس میں سے بہت بڑا بیل نکل رہا ہے، بیل اسی جگہ واپس لوٹنا چاہتا ہے جہاں سے نکلا تھا لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ جبریل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ وہ شخص ہے جو بڑی بات منہ سے نکالتا ہے، پھر اس پر نادم ہوتا ہے لیکن اسے لوٹنے پر قادر نہیں۔ پھر آپ ﷺ ایک وادی پر پہنچے جہاں آپ نے پیاری پیاری خوشگوار ٹھنڈی ہوا اور کستوری کی خوشبو پائی اور ایک آواز سنی۔ اس کے متعلق جبریل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ جنت کی آواز ہے، وہ کہہ رہی ہے کہ اے میرے رب! مجھ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا فرما، میرے بالا خانے، باریک ریشم، اطلس، نقش و نگار والے قالین، لؤلؤ، مرجان، سونا، چاندی، جام، پیالے، کٹورے، ڈونگے، چھاگل، شہد، پانی، دودھ اور شراب بکثرت ہیں، اب مجھے وہ عطا فرما جس کا تو نے میرے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا کہ تمام مسلمان اور مومن مرد اور عورتیں تمہارے ہوئے جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائے، نیک اعمال کئے، میرے ساتھ انہوں نے کسی کو شریک نہ ٹھہرایا اور نہ ہی کسی کو میرا ہمسر بنایا۔ جو مجھ سے ڈرا وہ ہر خوف سے محفوظ رہتا، جس نے مجھ سے سوال کیا، میں اسے عطا کرتا ہوں، جو مجھے قرض دیتا ہے، میں اسے اس کا بدلہ دیتا ہوں اور جو مجھ پر بھروسہ کرتا ہے میں اسے کافی ہو جاتا ہوں۔ میں معبود حقیقی ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ مومن یقیناً دونوں جہانوں میں بامراد ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت بابرکت ہے جو سب سے بہتر خالق ہے۔ یہ سن کر جنت نے کہا کہ اب میں خوش ہوگئی۔

پھر آپ ایک وادی پر پہنچے جہاں سے نہایت بھیانک آواز اور سخت بدبو آ رہی تھی آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ بو اور آواز کیسی ہے؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ جہنم کی آواز ہے، وہ کہہ رہا ہے کہ میری زنجیریں، طوق، دہکتی ہوئی آگ، کھولتا ہوا پانی، کانٹے دار جھاڑیاں، پیپ اور دیگر قسم قسم کے عذاب بکثرت ہیں۔ میری گہرائی بہت زیادہ ہے اور آگ نہایت شدید۔ اب میرے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ پورا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو ہر مشرک، کافر، خبیث، مرد اور عورت اور ہر اس جابر کا ٹھکانہ ہے جو قیامت پر ایمان نہیں لاتا۔ یہ سن کر جہنم نے کہا کہ اب میں خوش ہوں۔ بعد ازاں آپ ﷺ چلتے چلتے بیت المقدس پہنچ گئے۔ یہاں صخرہ کے پاس اپنی سواری کو باندھ دیا، پھر مسجد میں داخل ہو کر فرشتوں کے ساتھ نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو فرشتوں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ محمد ﷺ۔ فرشتے پوچھنے لگے کہ کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ فرشتے آپ ﷺ کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایک بھائی اور خلیفہ کی حیثیت سے عمر دراز فرمائے۔ آپ نہایت اچھے بھائی، جلیل القدر خلیفے اور معزز مہمان ہیں۔ پھر آپ کی ملاقات انبیاء کرام کی ارواح سے ہوئی۔ سب نے اپنے رب کی حمد و ثنا کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے اپنا خلیل بنایا، ملک عظیم عطا فرمایا، مجھے ایسا اطاعت گزار

امام بنایا کہ میری اقتداء کی جاتی ہے، مجھے آگ سے بچالیا اور اسے میرے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا حامل بنا دیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد وثنا کرتے ہوئے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے اپنے ساتھ ہمکلامی کا شرف عطا فرمایا، میرے ہاتھوں آلِ فرعون کو ہلاک کیا اور بنی اسرائیل کو نجات دلائی اور میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے جو حق کے ساتھ رہنمائی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ عدل وانصاف کرتے ہیں، پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد وثنا کرتے ہوئے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے عظیم بادشاہت سے نوازا، مجھے زبور کا علم عطا فرمایا، لوہا میرے لئے نرم کر دیا، پہاڑوں اور پرندوں کو میرے لئے مسخر کر دیا کہ وہ بھی میرے ساتھ اللہ کی تسبیح بیان کرتے اور مجھے حکمت اور موثر کلام سے سرفراز فرمایا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد وثنا کرتے ہوئے فرمایا: الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے میری خاطر ہواؤں کو مسخر کر دیا، شیاطین کو میرا تابع فرمان بنا دیا جو میری خواہش کے مطابق میرے لئے پختہ عمارتیں، مجسمے، حوضوں جیسے بڑے بڑے لگن اور بھاری دیگیں بناتے جو چولہوں پر جمی رہتیں مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائیں، ہر چیز میں مجھے فضیلت بخشی، شیطانوں، انسانوں اور جنوں کے لشکر میرے مطیع بنا دیئے، اپنے بہت سے بندوں پر مجھے فضیلت عطا فرمائی اور مجھے ایسا عظیم ملک عطا فرمایا جو میرے بعد کسی کے لائق نہیں اور سلطنت بھی اتنی عمدہ کہ جس میں کوئی حساب نہ تھا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے ہوئے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا، مجھے آدم (علیہ السلام) کی مثل بنایا جسے مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا کہ ہو جا اور وہ ہو گئے، مجھے کتاب وحکمت اور تورات وانجیل کا علم مرحمت فرمایا، مجھے یہ توفیق ارزانی فرمائی کہ میں مٹی کا پرندہ بناتا، پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ اللہ کے اذن سے پرندہ بن کر اڑنے لگتا، میں مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشتا اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اٹھالیا، پاک صاف کر دیا اور مجھے اور میری والدہ کو شیطان مردود سے پناہ دی چنانچہ شیطان کو ہم پر کوئی زور حاصل نہ تھا۔ آخر میں حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: "تم سب اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کر چکے، اب میں اپنے رب کی حمد وثناء کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے رحمۃ للعالمین کے مقام پر فائز کیا، تمام لوگوں کے لئے مجھے بشیر اور نذیر بنایا، مجھ پر قرآن کریم نازل کیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے، میری امت کو سب سے افضل امت بنایا جسے لوگوں کی فلاح وبہبود کے لئے پیدا کیا گیا، اسے بہترین امت قرار دیتے ہوئے اول بھی ٹھہرایا اور آخر بھی، میرے لئے میرا سینہ کھول دیا، میرے بوجھ کو مجھ سے دور کر دیا، میرے لئے میرے ذکر کو بلند فرمایا اور مجھے فاتح (آغاز کرنے والا) اور خاتم (ختم کرنے والا) بنایا"۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انبیاء کرام سے فرمایا کہ انہیں خصوصیات کے باعث اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تم سب سے فضیلت عنایت کی ہے۔ ابو جعفر رازی کہتے ہیں کہ خاتم کا معنی ہے سلسلۂ نبوت کو ختم کرنے والے اور فاتح کا معنی ہے روز قیامت شفاعت کا آغاز کرنے والے۔

پھر آپ ﷺ کے پاس تین سربند برتن لائے گئے، ایک میں پانی تھا، اسے پینے کے لئے کہا گیا تو آپ ﷺ نے اس میں سے تھوڑا سا پانی لیا، پھر دوسرا برتن پیش کیا گیا، اس میں دودھ تھا، اسے پینے کے لئے کہا گیا تو آپ ﷺ نے اس میں سے خوب سیر ہو کر پیا، پھر شراب سے بھرا ہوا برتن پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس کی خواہش نہیں، میں سیر ہو چکا ہوں۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے کہ اسے آپ کی امت پر حرام قرار دے دیا جائے گا، اگر آپ اس میں سے پی لیتے تو آپ کی امت میں سے بہت کم لوگ آپ کی پیروی کرتے۔ پھر جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو لے کر آسمانوں کی طرف چڑھے، دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبریل علیہ

السلام نے بتایا: محمد ﷺ ۔ پوچھا گیا کہ کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، تو فرشتے آپ ﷺ کو مرحبا کہتے ہوئے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بھائی اور خلیفہ کی حیثیت سے عمر دراز عطا فرمائے۔ آپ کیا ہی اچھے بھائی، جلیل القدر خلیفہ اور معزز مہمان ہیں! اسی وقت دروازہ کھول دیا گیا، آپ ﷺ داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کامل تخلیق والے ایک شخص ہیں، عام لوگوں کی طرح ان کی تخلیق میں کوئی نقص نہیں، ان کی دائیں جانب ایک دروازہ ہے جہاں سے عمدہ خوشبو مہک رہی ہے اور بائیں جانب ایک اور دروازہ ہے جس سے بدبو آ رہی ہے۔ جب وہ دائیں طرف والے دروازے کو دیکھتے ہیں تو ہنس دیتے ہیں اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور جب بائیں طرف والے دروازے کو دیکھتے ہیں تو غم واندوہ کا اظہار کرتے ہوئے رو دیتے ہیں، میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کامل خلقت والے کون بزرگ ہیں جن کی تخلیق میں کوئی نقص نہیں اور یہ دونوں دروازے کیسے ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں، ان کی دائیں جانب جنت کا دروازہ ہے، جب وہ اپنی اولاد میں سے کسی کو جنت میں داخل ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہنستے اور مسرور ہو جاتے ہیں اور ان کی بائیں جانب جہنم کا دروازہ ہے، جب اپنی ذریت میں سے کسی کو اس دروازے سے داخل ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو غمزدہ ہوکر رو دیتے ہیں۔ پھر جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو لے کر دوسرے آسمان تک پہنچے، وہاں کے فرشتوں کے ساتھ بھی وہی سوال و جواب ہوئے جو پہلے آسمان کے فرشتوں کے ساتھ ہوئے تھے اور ان کی طرح اس آسمان کے فرشتوں نے بھی آپ کو خوش آمدید کہا۔ دوسرے آسمان میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے دو نوجوان دیکھے، جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ دونوں نوجوان کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ دونوں خالہ زاد عیسیٰ بن مریم اور یحییٰ بن زکریا علیہما السلام ہیں۔ تیسرے آسمان پر بلکہ ہر آسمان پر فرشتوں کے ساتھ مذکورہ گفتگو اور سوال جواب ہوئے، یہاں آپ نے ایک ایسی شخصیت دیکھی جنہیں حسن و جمال میں لوگوں پر وہی فضیلت حاصل تھی جو چودھویں کے چاند کو باقی تمام ستاروں پر۔ آپ ﷺ نے ان کے متعلق دریافت کیا تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے بھائی یوسف علیہ السلام ہیں۔ چوتھے آسمان پر ایک شخص کو دیکھا، دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بلند مقام پر اٹھالیا۔ پانچویں آسمان میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے وہاں ایک آدمی دیکھا، ان کے اردگرد کچھ لوگ بیٹھے ان سے باتیں کر رہے تھے۔ جبریل علیہ السلام سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ ہر دلعزیز ہارون علیہ السلام ہیں اور ان کے اردگرد بیٹھے ہوئے لوگ بنی اسرائیل ہیں۔ چھٹے آسمان پر ایک صاحب کے پاس سے آپ کا گزر ہوا، ان سے آپ تجاوز کرنے لگے تو وہ رو دیئے۔ جبریل علیہ السلام نے پوچھنے پر بتایا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے رونے کی وجہ پوچھی تو جبریل علیہ السلام نے بتایا: موسیٰ علیہ السلام یہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا میرے متعلق یہ خیال ہے کہ میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ جلیل القدر ہوں، لیکن اولاد آدم میں سے یہ شخص ہیں جو دنیا میں میرے بعد تشریف لائے ہیں اور میں آخرت میں ہوں، اگر صرف یہی ہوتے تو مجھے کوئی پرواہ نہ تھی، لیکن ہر نبی کے ساتھ اس کی امت ہے۔ ساتویں آسمان میں داخل ہوئے تو وہاں آپ نے دیکھا کہ جنت کے دروازے کے پاس کرسی پر سیاہ وسفید بالوں والے ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، ان کے اردگرد کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، ان میں سے بعض کے چہرے نہایت سفید اور روشن ہیں اور بعض کے چہروں اور رنگوں میں خفیف سی سیاہی ہے۔ یہ مؤخر الذکر لوگ اٹھے اور ایک نہر میں کود گئے، اس میں غسل کرنے کے باعث ان کے رنگ کچھ صاف ہوگئے، پھر ایک اور نہر میں داخل ہوئے، غسل کیا تو ان کی رنگت کچھ نکھر آئی۔ پھر ایک اور نہر میں داخل ہوکر غسل کیا، باہر نکلے تو ان کے رنگ بالکل صاف اور چہرے روشن ہوچکے تھے۔ اب یہ بھی اپنے ساتھیوں جیسے دکھائی دیتے تھے۔ اب یہ

بھی اپنے ان دوستوں کے ساتھ آ بیٹھے۔ دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص آپ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور سب سے پہلے روئے زمین پر آپ کے بال سفید ہوئے۔ سفید رنگ اور روشن چہروں والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا اور وہ جن کی رنگت میں کچھ سیاہی سی تھی، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نیکیوں کے ساتھ برائیوں کا بھی ارتکاب کیا لیکن توبہ کر لینے کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم فرمایا۔ جہاں تک نہروں کا تعلق ہے تو ان میں سے پہلی نہر رحمت اللہ ہے، دوسری نعمت اللہ اور تیسری شراب طہور کی نہر۔ ازاں بعد آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہاں صرف وہی شخص پہنچتا ہے جو آپ کی سنت پر کار بند رہتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ سدرہ کے اس درخت کی جڑوں سے پاکیزہ پانی، ناقابل تغیر تازہ دودھ، لذت آور شراب اور خالص شہد کی نہریں پھوٹ رہی تھیں۔ سدرہ ایسا درخت ہے جس کے سائے کو ایک سوار ستر سال کے سفر کے باوجود طے نہیں کر سکتا۔ اس کا ایک پتہ ایک پوری امت کو ڈھانپ لے، اللہ تعالیٰ کا نور اس پر چھایا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے باعث فرشتے پرندوں کی طرح سدرہ کو چھپائے ہوئے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے گفتگو کی اور فرمایا کہ مجھ سے مانگو۔ آپ ﷺ نے عرض کی کہ اے میرے رب! تو نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور انہیں ملک عظیم سے نوازا، موسیٰ کو ہمکلامی کا شرف بخشا، داؤد کو عظیم بادشاہت مرحمت فرمائی، ان کے لئے لوہا نرم کر دیا اور پہاڑ ان کے لئے مسخر کر دیئے، تو نے سلیمان کو سلطنت عطا کی، جن، انسان اور شیاطین ان کے تابع بنا دیئے، ہوائیں ان کے لئے مسخر کر دیں اور انہیں ایسی سلطنت ارزانی فرمائی جو ان کے بعد کسی کو لائق نہیں اور تو نے عیسیٰ کو تورات و انجیل کا علم دیا اور انہیں یہ قوت دی کہ وہ مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشتے اور تیرے اذن سے مردوں کو زندہ کر دیتے اور تو نے انہیں اور ان کی والدہ کو شیطان مردود سے پناہ دی، چنانچہ شیطان کو ان پر کوئی زور حاصل نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو خلیل بنایا۔ تورات میں آپ کا لقب خلیل الرحمٰن ہے۔ میں نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا، میں نے آپ کے لئے آپ کے سینہ کو کھول دیا، آپ سے آپ کے بوجھ کو اتار دیا، آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا، جب بھی میرا ذکر کیا جائے، میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، میں نے آپ کی امت کو سب امتوں سے افضل بنایا اور اسے امت وسط ٹھہرایا، آپ کی امت ہی اول اور آخر ہے، ان کا خطبہ اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ یہ گواہی نہ دے لیں کہ آپ میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ کی امت میں سے ایسے لوگ پیدا کیے جن کے دل ان کی کتابیں ہیں، میں نے انبیاء میں سے سب سے پہلے آپ کو پیدا کیا اور سب سے آخر میں بھیجا اور فیصلہ کے لحاظ سے بھی آپ ﷺ اول ہیں، میں نے آپ کو ایسی سات آیات دیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں اور یہ پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں، میں نے آپ کو عرش تلے خزانوں میں سے سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں مرحمت فرمائیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کیں، میں نے آپ کو کوثر سے نوازا، میں نے آپ کو آٹھ حصے ارزانی فرمائے: اسلام، ہجرت، جہاد، نماز، صدقہ، رمضان کے روزے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور میں نے آپ کو فاتح اور خاتم بنایا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میرے رب نے مجھے چھ چیزوں کے ساتھ فضیلت عطا فرمائی ہے: اس نے مجھے آغاز کلام اور اختتام کلام کی خوبیوں سے نوازا، جامع کلمات عطا فرمائے، مجھے تمام لوگوں کی طرف سے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا، ایک ماہ کی مسافت پر دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیا، میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا اور میرے لئے تمام زمین کو باعث طہارت اور مسجد بنا دیا"۔ آپ ﷺ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ واپس لوٹے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ آپ کی امت کمزور ہے اور پھر مجھے تو بنی اسرائیل کی مخالفت اور شدت کا سامنا ہو بھی چکا ہے اس لئے

آپ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر تخفیف کا مطالبہ کریں۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر بار بار چکر لگانے سے اللہ تعالیٰ دس دس نمازوں کی کمی کرتا رہا۔ آخرکار پانچ نمازیں رہ گئیں۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے کے باوجود آپ نے فرمایا کہ اب مجھے حیادامن گیر ہے۔ طلب تخفیف کے لئے اب نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ سے فرمایا گیا کہ یہ بظاہر پانچ نمازیں ہیں جن کی پابندی کا آپ نے عزم کیا ہے لیکن ثواب پچاس کا ہی ملے گا کیونکہ ہر نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ حضور ﷺ نے یہ مژدہ سنا تو بہت مسرور اور راضی ہو گئے۔ آپ ﷺ جاتے وقت جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تھے تو ان کے لہجے میں شدت اور تلخی تھی لیکن واپس لوٹتے وقت انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نہایت نرمی اور خیر خواہی کا اظہار کیا(1)۔ اسے ابن جریر کے علاوہ بیہقی اور ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے(2)۔ ابن ابی حاتم ذکر کرتے ہیں کہ ایک راوی عیسیٰ یقین سے نہیں کہتے کہ آپ ﷺ نے اسی آیت سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی کی تفسیر میں یہ واقعہ بیان کیا۔ اس طویل حدیث کے ایک راوی ابوجعفر رازی بقول حافظ ابوزرعہ رازی کمزور حافظے والے تھے اور بعض حضرات نے انہیں ضعیف اور بعض نے ثقہ قرار دیا ہے۔ بہرصورت ان کا حافظہ کمزور تھا، اس لئے ان کی وہ روایت جس میں وہ منفرد ہیں، محل نظر ہے۔ اس حدیث کے بعض الفاظ میں بہت زیادہ غرابت اور نکارت ہے۔ اس میں بخاری شریف کی خواب والی حدیث کا بھی کچھ حصہ موجود ہے جس کے راوی حضرت سمرہ بن جندب ہیں(3)۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ روایت متعدد احادیث کا مجموعہ ہے یا خواب یا معراج کے علاوہ کسی اور واقعہ سے اسے لیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''معراج کی رات میری ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی، متحرک اور کچھ گھنگھریالے بالوں والے، گویا شنوءہ کے آدمی ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، قد میانہ اور رنگت سرخ گویا ابھی حمام سے نکلے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، میں ان کی اولاد میں سے سب سے زیادہ ان کے مشابہ ہوں۔ میرے پاس دو برتن لائے گئے، ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب، مجھے کہا گیا کہ ان دونوں میں سے جسے چاہے لے لو، میں نے دودھ لے کر پی لیا تو مجھے کہا گیا کہ آپ نے فطرت کو پالیا، اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی''(4)۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں حطیم میں تھا، قریش مجھ سے سفر معراج کی بابت پوچھ رہے تھے، انہوں نے بیت المقدس کے متعلق کچھ ایسی چیزیں دریافت کریں جو میرے ذہن میں محفوظ نہیں تھیں، مجھے بہت زیادہ پریشانی لاحق ہوئی، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس اٹھا کر میری نظروں کے سامنے لا کھڑا کیا، میں اسے دیکھتا جاتا اور قریش کے سوالوں کے جواب دیتا جاتا۔ میں نے دیکھا کہ میں جماعت انبیاء میں موجود ہوں۔ یہ ہیں شنوءہ کے لوگوں جیسے گھنگھریالے بالوں والے موسیٰ علیہ السلام جو کھڑے نماز ادا کر رہے ہیں، یہ عیسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز میں مصروف ہیں، عروہ بن مسعود ثقفی کو ان سے مشابہت حاصل ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں جن کے میں سب سے زیادہ مشابہ ہوں۔ نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے انہیں امامت کروائی۔ نماز سے فراغت کے بعد کسی نے مجھے بتایا کہ یہ جہنم کے خازن مالک ہیں۔ میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو انہوں نے مجھے سلام کرنے میں پہل کی''(5)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''معراج کی رات جب

1۔ تفسیر جبری، جلد 15 صفحہ 6-11 2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 396-397 3۔ فتح الباری، کتاب التعبیر، جلد 12 صفحہ 438-439

4۔ فتح الباری، کتاب احادیث الانبیاء، جلد 6 صفحہ 476-477 صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 154

5۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 156-157

میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو میں نے اپنے اوپر بجلی اور اس کی گرج اور چمک ملاحظہ کی۔ میرا گزر ایسے لوگوں سے ہوا جن کے پیٹ کوٹھڑیوں جیسے تھے، ان کے اندر سانپ باہر سے ہی صاف دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ سود خور ہیں۔ جب میں آسمان دنیا پر پہنچا تو میں نے نیچے دیکھا کہ گرد و غبار، دھواں اور کچھ آوازیں آرہی ہیں۔ میرے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ یہ شیاطین ہیں جو اولادِ آدم کی آنکھوں پر منڈلاتے رہتے ہیں تاکہ وہ زمین و آسمان کی وسیع بادشاہت میں غور و فکر نہ کر سکیں۔ اگر ایسا نہ ہوتو لوگوں کو عجائبات نظر آنے لگیں'' (1)۔ بیہقی وغیرہ میں حضرات علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں سوئے ہوئے تھے۔ ابوعبداللہ حاکم نے ایک طویل حدیث بیان کی ہے جس میں درجات اور فرشتوں وغیرہ کا ذکر ہے، یہ مذکورہ چیزیں قدرتِ الٰہی سے بعید نہیں بشرطیکہ یہ روایت درست ہو، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اسراء و معراج کے متعلق ہماری بیان کردہ حدیث کافی ہے (2)، لیکن متعدد تابعین اور مفسرین ائمہ نے اس حدیث کو مرسل بیان کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت بیت المقدس کی سیر کروائی گئی تو صبح کے وقت لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے چنانچہ کچھ ایسے لوگ مرتد ہو گئے جو آپ ﷺ پر ایمان لائے ہوئے تھے اور آپ کی تصدیق کرتے تھے۔ لوگ بھاگم بھاگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ کیا تمہیں اپنے دوست کی کچھ خبر ہے؟ کہتا ہے کہ اسے آج کی شب بیت المقدس کا سفر کرایا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ نے واقعی ایسا کہا ہے؟ وہ کہنے لگے: ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اگر آپ ﷺ نے واقعی ایسا کہا ہے تو سچ کہا ہے۔ کہنے لگے کہ کیا تم بھی اس کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ رات کے وقت بیت المقدس گیا اور صبح ہونے سے پہلے پہلے واپس لوٹ آیا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ صبح و شام آپ کے پاس آسمان کی خبریں آتی ہیں۔ اس تصدیق کی بناء پر آپ رضی اللہ عنہ کو صدیق کا لقب ملا۔(3) حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا معراج کی بابت بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جس رات معراج ہوئی اس وقت آپ ﷺ میرے گھر میں سوئے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے عشاء کی نماز ادا کی اور سو گئے، ہم بھی سو گئے، فجر سے کچھ پہلے ہم نے آپ ﷺ کو بیدار کیا، پھر ہم نے آپ کے ساتھ ہی صبح کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد آپ نے فرمایا: ''اے ام ہانی! جیسا کہ تمہیں معلوم ہے میں نے یہیں تم لوگوں کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی پھر میں بیت المقدس پہنچا اور وہاں نماز ادا کی، پھر اب صبح کی نماز تمہارے ساتھ ادا کی جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو'' (4)۔ اس روایت کا ایک راوی کلبی متروک اور ساقط ہے لیکن مسند ابو یعلیٰ میں یہی روایت حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے شرح و بسط کے ساتھ مروی ہے۔ طبرانی میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ معراج کی رات میرے گھر میں آرام فرما تھے، رات کے وقت میں نے آپ کو نہ پایا تو اس خوف کے پیشِ نظر میری نیند اڑ گئی کہ کہیں کوئی قریشی آپ کے درپے آزار نہ ہو گیا ہو لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر لے آئے، وہاں دروازہ پر خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا جانور کھڑا تھا، انہوں نے مجھے اس

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، جلد 2 صفحہ 763، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 363،353

2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 404-405

3۔ دلائل النبوۃ از بیہقی جلد 2 صفحہ 360-361

4۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 2، سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 402

پر سوار کرا دیا اور سفر شروع ہو گیا یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچ گئے۔ جبریل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھایا، وہ سیرت اور صورت میں میرے مشابہ ہیں، موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کروائی، وہ طویل القامت، سیدھے بالوں والے ہیں جیسا کہ ازدشنوءہ کے لوگ ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، درمیانہ قد، سرخی مائل سفید رنگت بالکل عروہ بن مسعود ثقفی جیسے۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے دجال بھی دکھایا، اس کی دائیں آنکھ مٹی ہوئی تھی اور قطن بن عبدالعزیٰ کے مشابہ تھا۔ اس قدر بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں قریش کے پاس جاتا ہوں اور انہیں یہ ساری باتیں بتاتا ہوں۔" میں نے آپ کا دامن تھام لیا اور اللہ کا واسطہ دے کر عرض کی کہ آپ انہیں یہ بتائیں گے تو وہ آپ کو جھٹلائیں گے اور آپ کی باتوں کا انکار کریں گے۔ مجھے تو خدشہ ہے کہ وہ آپ پر حملہ بول دیں گے لیکن آپ نے جھٹکے سے اپنا دامن چھڑایا اور قریش کی طرف چل دیے، ان کے مجمع میں پہنچ کر آپ نے انہیں وہ ساری باتیں بتا دیں جو مجھے بتائی تھیں۔ یہ سن کر جبیر بن مطعم کہنے لگا کہ اگر تم پہلے کی طرح سچے ہوتے تو ہمارے سامنے ایسی باتیں نہ کرتے۔ ایک اور شخص آپ ﷺ سے پوچھنے لگا کہ کیا فلاں مقام پر تمہیں ہمارا قافلہ ملا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، اللہ کی قسم اور ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جسے وہ تلاش کر رہے تھے"۔ وہ مزید آپ ﷺ سے دریافت کرنے لگا کہ کیا فلاں قبیلے کے اونٹوں سے آپ کا گزر ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، میں نے فلاں مقام پر انہیں پایا، ان کی ایک سرخ رنگ کی اونٹنی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ ان کے پاس پانی کا ایک بڑا پیالہ تھا جسے میں نے پی لیا"۔ قریش کہنے لگا کہ ہمیں اونٹوں کی تعداد اور ان کے چرواہوں کے نام بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے ان کی گنتی کی ضرورت محسوس نہیں کی" آپ اسی وقت کھڑے ہوئے تو اونٹ آپ کے سامنے عیاں کر دیے گئے۔ آپ نے ان کی گنتی کر لی اور چرواہوں کو پہچان لیا۔ پھر آپ قریش کے پاس تشریف لائے اور انہیں اونٹوں کی تعداد بھی بتا دی اور چرواہوں کے نام بھی، فرمایا کہ ان میں فلاں فلاں چرواہا ہے اور ایک ان میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر) ہے اور یہ قافلہ صبح کے وقت تمہارے پاس ثنیہ پہنچ جائے گا۔" وہ لوگ ثنیہ جا پہنچے اور آپ ﷺ کی صداقت کو جانچنے کے لئے قافلے کا انتظار کرنے لگے۔ وقت مقررہ پر قافلہ آ پہنچا۔ انہوں نے قافلے والوں سے پوچھا کہ کیا تمہارا اونٹ گم ہوا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں دوسرے قافلے والوں سے پوچھنے لگے کہ کیا تمہاری سرخ اونٹنی کی ٹانگ ٹوٹی تھی؟ وہ کہنے لگے: ہاں۔ مزید پوچھنے لگے کہ کیا تمہارے پاس پانی کا ایک بڑا پیالہ تھا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں نے تو بذات خود اسے رکھا تھا، نہ اسے کسی نے پیا اور نہ کسی نے زمین پر گرایا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور اپنے ایمان و ایقان کا اظہار کیا، اسی دن سے آپ کا نام صدیق پڑ گیا (1)۔

مذکورہ بالا احادیث جن میں صحیح بھی ہیں، حسن بھی اور ضعیف بھی، اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو رات کے قلیل حصہ میں مکہ سے بیت المقدس تک سیر کروائی گئی اور یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ ہوا، اگرچہ راویوں کی عبارات مختلف ہیں اور بعض نے کمی بیشی بھی کی ہے، لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی بھی غلطی سے معصوم نہیں، اور جن لوگوں نے ہر ہر روایت کو الگ الگ واقعہ سمجھ کر معراج کے متعدد واقعات ثابت کئے ہیں، انہوں نے حقیقت سے بعید اور عجیب و غریب بات کی، غلط مسلک اختیار کیا اور مقصود حاصل نہ کر پائے۔ متاخرین میں سے کسی نے یہ تصریح کی ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک مرتبہ مکہ سے بیت المقدس تک سیر کروائی گئی، ایک مرتبہ مکہ سے آسمان تک، ایک مرتبہ بیت المقدس تک اور وہاں سے آسمان کی طرف۔ یہ حضرت اس موقف پر بہت نازاں ہیں

---

1 مجمع کبیر از طبرانی جلد 24 صفحہ 432-434 خصائص کبریٰ از سیوطی، جلد 1 صفحہ 439-441

اور یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اس طرح بہت سے اشکال رفع کر دیئے ہیں لیکن یہ مسلک حقیقت سے بہت دور ہے، سلف میں سے کسی سے یہ منقول نہیں۔ اگر واقعی ایسا ہوتا تو نبی کریم ﷺ ضرور اپنی امت کو اس کی خبر دیتے اور لوگ متعدد بار معراج ہونے کی روایت کرتے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے کا واقعہ ہے، عروہ کا بھی یہی قول ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ہجرت سے سولہ ماہ پہلے کا ہے(1)۔ حق بات یہی ہے کہ آپ ﷺ کو براق پر سوار کر کے مکہ سے بیت المقدس تک عالم بیداری میں سیر کروائی گئی، نہ کہ خواب میں۔ مسجد اقصیٰ کے دروازے پر پہنچ کر قریب ہی آپ ﷺ نے براق کو باندھا اور مسجد میں داخل ہو کر قبلہ رخ دو رکعتیں بطور تحیۃ المسجد ادا کیں، پھر آپ کے پاس معراج لائی گئی یہ درجوں والی سیڑھی سی تھی جس کے ذریعے آپ آسمانوں کی طرف چڑھے۔ ہر آسمان کے مقربین خدا نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ نے ان انبیاء کرام کو سلام کیا جو حسب مراتب دو درجات آسمانوں میں جلوہ فرما ہیں یہاں تک کہ چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور ساتویں میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملاقات ہوئی۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے آگے بڑھ کر آپ ایسے مقام تک پہنچے جہاں آپ نے قضا وقدر کی قلموں کی آوازیں سنیں۔ سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا جس پر عظمت خدا سایہ فگن تھی، سونے کے پتنگے، انواع واقسام کے رنگ اور فرشتے اس پر چھائے ہوئے تھے، وہاں آپ ﷺ نے جبریل کو ان کی اصل شکل میں دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے۔ آپ نے سبز رنگ کا رفرف دیکھا جو افق کو ڈھانپے ہوئے تھا۔ بیت معمور کو دیکھا جس کے ساتھ بانی کعبہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ بیت معمور آسمانی کعبہ ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت کرنے کے لئے آتے ہیں اور قیامت تک دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔ آپ نے جنت اور دوزخ کو دیکھا۔ پہلے آپ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں جو کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں۔ یہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا لطف وکرم ہے، اس سے نماز کی فضیلت اور شرف کا بھی اظہار ہوتا ہے، پھر آپ نیچے اتر کر بیت المقدس پہنچے، تمام انبیاء بھی آپ ﷺ کے ساتھ اترے اور جب نماز کا وقت ہوا تو آپ نے انہیں نماز پڑھائی، ممکن ہے یہ اس دن کی صبح کی نماز ہو۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے آسمان میں انبیاء کرام کو امامت کروائی لیکن روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امامت بیت المقدس میں کروائی، البتہ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ نے جاتے وقت امامت کروائی، ظاہر بات یہی ہے کہ آپ ﷺ نے واپس لوٹتے وقت نماز پڑھائی کیونکہ جب آپ آسمانوں میں انبیاء کرام سے ملے تو آپ ﷺ نے جبریل سے ہر ایک کے متعلق دریافت کیا، جبریل آپ کو بتاتے گئے۔ اگر امامت پہلے کروائی ہوتی تو اب تعارف کی کوئی ضرورت نہ تھی، دوسری بات یہ ہے کہ اولین مقصد آپ ﷺ کا بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ جو چاہے آپ ﷺ پر اور آپ کی امت پر فرض قرار دے دے۔ جب فریضہ نماز معین ہو گیا تو آپ کی ملاقات اپنے انبیاء بھائیوں کے ساتھ ہوئی، پھر جب جبریل علیہ السلام کے اشارہ سے آپ ﷺ نے امام بن کر انبیاء کرام کو نماز پڑھائی تو آپ کی فضیلت اور شرف کا اظہار ہو گیا، پھر آپ بیت المقدس سے نکل کر براق پر سوار ہوئے اور آخر شب کی تاریکی میں واپس مکہ لوٹ آئے۔ اب جو یہ روایات میں آتا ہے کہ آپ کے سامنے دودھ اور شہد یا دودھ اور شراب یا دودھ اور پانی یا چاروں کے برتن پیش کئے گئے تو اس بارے میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ بیت المقدس میں پیش آیا اور بعض کا کہنا ہے کہ آسمان میں۔ ممکن ہے دونوں جگہ ایسا ہوا ہو کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جس طرح کسی مہمان کی ضیافت کے لئے کوئی چیز پیش کی جاتی ہے۔

اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ کیا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روح وبدن دونوں کے ساتھ معراج ہوئی یا صرف روح کے ساتھ؟

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 2 صفحہ 354-355

اکثر علماء کا یہ کہنا ہے کہ آپ ﷺ کو روح و بدن دونوں کے ساتھ بیداری کی حالت میں معراج ہوئی، نہ کہ خواب میں۔ یہ حضرات اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ پہلے آپ ﷺ نے یہ چیزیں عالم خواب میں دیکھی ہوں اور پھر عالم بیداری میں، کیونکہ آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے تھے، اسے بیداری کی حالت میں صبح کے اجالے کی مثل ملاحظہ فرما لیتے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ اللہ تعالیٰ اپنی تسبیح اور پاکی اس وقت بیان فرماتا ہے جب عظیم اور اہم امور کا تذکرہ مقصود ہو۔ اگر معراج خواب کا واقعہ ہوتی تو اس میں تو کوئی بڑی اور اہم بات نہ تھی، خواب میں تو کچھ بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر یہ واقعہ خواب کا ہی ہوتا تو کفار فوراً آپ کی تکذیب نہ کرتے اور نہ ہی مسلمانوں کی ایک جماعت مرتد ہوتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں "عبد" کا لفظ مذکور ہے جس کا اطلاق روح و بدن دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے، پھر اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا فرمانا اس کی مزید تاکید کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خاص کو رات کے قلیل حصہ میں سیر کروائی اور اسے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنایا جیسا کہ فرمان ہے: وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (بنی اسرائیل: 60) "اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے آپ کو دکھایا تھا مگر لوگوں کے لئے آزمائش" خواب تو لوگوں کے لئے آزمائش کا سبب نہیں بن سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد آنکھوں کا دیکھنا ہے جو معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا، اور ملعون درخت زقوم کا درخت ہے (1)۔ اس کی اور دلیل یہ فرمان ہے: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی (النجم: 17) "نہ درماندہ ہوئی آنکھ اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی"۔ بصر (نگاہ) انسانی بدن کے آلات میں سے ہے نہ کہ روح کے اور پھر سفید چمکتے جانور (براق) پر سواری کرنا بھی بدن کی خصوصیت ہے نہ کہ روح کی کیونکہ روح کو سواری کی ضرورت ہی نہیں۔ بعض دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کو معراج روحانی ہوئی نہ کہ جسمانی۔ محمد بن اسحاق سیرت میں لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے جب معراج کے متعلق پوچھا جاتا تو آپ فرماتے: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچا خواب تھا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا جسم غائب نہیں ہوا بلکہ آپ کو روح کے ساتھ معراج ہوئی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس قول کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (بنی اسرائیل: 60) اسی بارے میں نازل ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی (الصافات: 102) "میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتا تیری کیا رائے ہے"۔ کچھ عرصہ کے بعد مجھ پر یہ عیاں ہوا کہ انبیاء کرام پر وحی بیداری میں بھی آتی ہے اور خواب میں بھی۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے: "تَنَامُ عَیْنَایَ وَ قَلْبِیْ یَقْظَانُ" "(میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سی بات سچ ہے اور جب آپ نے قدرت الٰہی کی نشانیاں دیکھیں تو کیا آپ سو رہے تھے یا جاگ رہے تھے؟ بہرصورت سب کچھ حق اور سچ ہے۔ یہ تو تھا ابن اسحاق کا قول (2)۔ لیکن امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اسے رد کرتے ہوئے اور تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے کہ یہ الفاظ قرآنی کے خلاف ہے، پھر اس کی تردید میں بہت سی دلیلیں لائے ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔

ایک جلیل القدر عمدہ فائدہ

حافظ ابو نعیم اصفہانی اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نامہ مبارک

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ بنی اسرائیل، جلد 8 صفحہ نمبر 398
2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 399، تفسیر طبری جلد 15 صفحہ 16

دے کر قیصر روم کے پاس روانہ کیا۔ چنانچہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے۔ ہرقل زیرک اور سمجھدار تھا۔ اس نے شام میں موجود عرب تاجروں کو بلا بھیجا چنانچہ ابوسفیان صخر بن حرب اور اس کے مکی کافر ساتھیوں کو لایا گیا۔ ہرقل نے ان سے وہ مشہور سوالات کئے جو بخاری و مسلم میں مروی ہیں۔ جواب دیتے ہوئے ابوسفیان کی انتہائی کوشش رہی کہ وہ ہرقل کے سامنے آپ ﷺ کے معاملہ کو ہیچ اور آپ ﷺ کی ذات کو حقیر بنا کر پیش کرے۔ لیکن ابوسفیان کا اپنا قول ہے کہ میں آپ ﷺ کو ہرقل کی نظروں سے گرانے کے لئے الزامات اور تہمتیں لگانے سے باز رہا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ اگر ہرقل کے سامنے میرے جھوٹ کا پول کھل گیا تو وہ مجھے جھوٹا سمجھے گا اور میری کسی بات کی تصدیق نہیں کرے گا، اسی دوران مجھے معراج والا واقعہ یاد آ گیا، میں نے بادشاہ سے کہا کہ کیا میں آپ کو ایسی بات نہ بتاؤں جس سے آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ محمد (ﷺ) نے جھوٹ بولا ہے؟ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کون سی بات ہے؟ میں نے کہا: وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ رات کو ارض حرم سے آپ کی اس مسجد قدس تک پہنچے اور اسی رات صبح ہونے سے پہلے پہلے واپس لوٹ آئے۔ اس وقت ایلیاء (بیت المقدس) کا لاٹ پادری قیصر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، وہ میری بات سن کر بول اٹھا کہ مجھے اس رات کا اچھی طرح علم ہے۔ قیصر اسے ایک نظر دیکھ کر پوچھنے لگا کہ آپ کو اس کے متعلق کیا علم ہے؟ وہ بتانے لگا: میرا یہ معمول تھا کہ میں جب تک مسجد کے دروازے بند نہ کر لیتا، سوتا نہیں تھا۔ اس رات میں نے حسب معمول تمام دروازے بند کر دیئے لیکن ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہو سکا۔ اس وقت موجود اپنے آدمیوں کو بلا کر ہم نے پوری قوت صرف کر دی لیکن اسے سرکانے سے بھی قاصر رہے، یوں محسوس ہوتا تھا گویا ہم کسی پہاڑ کو سرکانا چاہتے ہیں۔ بڑھئی بلوائے، وہ بھی لاچار ہو کر کہنے لگے کہ اس پر عمارت کا بوجھ پڑا ہے، اس لئے دروازے کو حرکت دینا ممکن نہیں صبح ہو گی تو کوئی تدبیر کریں گے۔ چنانچہ میں دروازے کو یونہی چھوڑ کر چلا آیا اور اس شب اس کے دونوں کواڑ کھلے رہے۔ علی الصبح جب میں اس دروازے کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ مسجد کے کونے میں جو پتھر پڑا تھا، اس میں ایک سوراخ ہے اور وہاں واضح آثار دکھائی دے رہے تھے کہ یہاں کسی نے سواری کو باندھا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آج کی شب یہ دروازہ کسی نبی کے لئے کھلا رکھا گیا ہے اور اس نے ضرور یہاں اس مسجد میں نماز ادا کی ہے۔ یہ حدیث بہت طویل ہے (1)۔

فائدہ: حافظ ابوالخطاب عمر بن دحیہ نے اپنی کتاب ''التنویر فی مولد السراج المنیر'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث معراج روایت کر کے اس پر نہایت مفید اور عمدہ گفتگو کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث معراج متواتر ہے جسے حضرات عمر بن خطاب، علی، ابن مسعود، ابوذر، مالک بن صعصعہ، ابوہریرہ، ابوسعید، ابن عباس، شداد بن اوس، ابی بن کعب، ابوامامہ، سمرہ بن جندب، ابوالحمراء، صہیب رومی، ام ہانی، عائشہ، اسماء رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ بعض نے اس روایت کو طوالت کے ساتھ بیان کیا ہے اور بعض نے اختصار کے ساتھ۔ اگرچہ بعض کی روایت صحت کی شرط پر پوری نہیں اترتی، پھر بھی حدیث معراج پر تمام مسلمانوں کا اجماع اور اتفاق ہے۔ صرف زنادقہ اور ملحدین اس کے منکر ہیں۔ وہ پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کی تکمیل کرنے والا ہے اگرچہ کفار کو یہ برا لگے۔

وَ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ۟ؕ ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۟

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ نمبر 226-224

''اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور بنایا ہم نے اس کتاب کو باعث ہدایت بنی اسرائیل کے لئے (اس میں انہیں حکم دیا) کہ نہ بنانا میرے بغیر کسی کو (اپنا) کارساز۔ اے ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے (کشتی میں) سوار کرایا نوح علیہ السلام کے ساتھ! بے شک نوح علیہ السلام ایک شکر گزار بندہ تھا''۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ معراج کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ قرآن کریم میں اکثر اللہ تعالیٰ ان دونوں ہستیوں کا ایک ساتھ ذکر فرماتا ہے اور اسی طرح تورات اور قرآن کا بھی۔ اس لئے ذکر معراج کے بعد فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی تورات عطا فرمائی اور اس کتاب کو بنی اسرائیل کے لئے باعث ہدایت بنادیا تاکہ وہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز، حامی و ناصر اور معبود نہ بنائیں اور نبی کا تو فریضہ ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ توحید اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا درس دے۔ پھر فرمایا: ''ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ'' اس سے پہلے ''یا'' حرف ندا محذوف ہے، اس آیت میں بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ اپنے احسان عظیم پر آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے سفینہ نوح میں سوار کیا تھا! تم اپنے عظیم باپ (نوح علیہ السلام) کی مشابہت اختیار کرو، بلاشبہ وہ شکر گزار بندے تھے۔ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری طرف مبعوث کر کے جو انعام تم پر کیا ہے اس کی قدر کرو اور اسے یاد رکھو۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کھاتے، پیتے، پہنتے بلکہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیا کرتے اس لئے آپ کو عبد شکور (شکر گزار بندہ) کہا گیا۔ حضرت سعد بن مسعود ثقفی فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو عبد شکور کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ کھاتے یا پیتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے (1)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں روز قیامت تمام اولاد آدم کا سردار ہوں'' اس حدیث شفاعت میں آتا ہے کہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ آپ اہل زمین کی طرف پہلے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو عبد شکور کا نام دیا ہے اس لئے اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے۔ (2)۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝

''اور ہم نے آگاہ کر دیا تھا بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم ضرور فساد برپا کرو گے زمین میں دو مرتبہ اور تم (احکام الٰہی سے) بڑی سرکشی کرو گے۔ پس جب آگیا پہلا وعدہ ان دونوں وعدوں سے تو ہم نے (تمہاری سرکوبی کے لئے) بھیج دیئے اپنے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 2095، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 117 وغیرہ 2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 105

چند بندے جو بڑے سرکش (اور) سخت تھے پس وہ گھس گئے (تمہاری) آبادیوں میں۔ اور جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا وہ پورا ہو کر رہنا تھا۔ پھر ہم نے پلٹا دیا تمہارے حق میں زمانہ کی گردش کو جو دشمن کے خلاف تھی اور ہم نے قوت دی تمہیں مال سے، بیٹوں سے اور بنا دیا تمہیں کثیر التعداد۔ اگر تم اچھے کام کرو گے تو ان کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا۔ اور اگر برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی (تمہارے) نفسوں کو ملے گی۔ پس جب آ گیا دوسرا وعدہ (تو اور ظالم ان پر غالب آ گئے) تاکہ غمناک بنا دیں تمہارے چہروں کو اور تاکہ (جبراً) داخل ہو جائیں مسجد میں جیسے داخل ہوئے تھے اس میں پہلی مرتبہ تاکہ فنا و برباد کر کے رکھ دیں جس پر قابو پائیں۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا۔ اور اگر فسق و فجور کی طرف دوبارہ لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے، اور ہم نے بنا دیا جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ''۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان پر نازل کردہ کتاب میں آگاہ کر دیا تھا کہ وہ ضرور زمین میں دو مرتبہ فتنہ و فساد برپا کریں گے اور ظلم و ستم اور سرکشی کریں گے۔ یہاں ''قَضَيْنَآ'' خبر دینے اور آگاہ کرنے کے معنی میں ہے جیسا کہ یہ فرمان ہے: وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ (الحجر: 66) ''اور ہم نے لوط کو اس حکم سے آگاہ کر دیا کہ یقیناً ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی جب وہ صبح کر رہے ہوں گے''۔ فرمایا: فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا یعنی جب پہلے فساد کا وقت آ گیا تو ہم نے اپنی مخلوق میں سے ایک سرکش، قوی اور مسلح لشکر جرار تم پر مسلط کر دیا جس نے تمہاری آبادیوں میں گھس کر لوٹ مار کی، تمہارے شہروں پر قبضہ جما لیا، بے دھڑک تمہارے گھروں میں داخل ہو گئے اور بلا خوف و خطر واپس چلے گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا جسے ہر حال میں پورا ہونا تھا۔ متقدمین اور متاخرین مفسرین میں اختلاف ہے کہ یہ کون لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر مسلط کیا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ جالوت کا لشکر تھا جسے پہلے تو بنی اسرائیل پر فتح حاصل ہوئی لیکن پھر حالات نے پلٹا کھایا اور جالوت کا لشکر مغلوب ہو گیا بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا، اس لئے فرمایا: ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ (1)۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ شاہ موصل سنجاریب کا لشکر تھا جبکہ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ شاہ بابل بختنصر اور اس کے لشکر نے بنی اسرائیل پر حملہ کیا تھا۔ ابن ابی حاتم نے بختنصر کے متعلق عجیب و غریب قصہ بیان کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ اس شخص نے کس طرح بتدریج ترقی کرتے کرتے بادشاہت حاصل کر لی۔ پہلے یہ ایک عاجز اور بے کس فقیر تھا، لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتا اور بھیک مانگ کر گزر اوقات کرتا، پھر سریر آرائے سلطنت ہوا اور بیت المقدس کی طرف فوج کشی کر کے بنی اسرائیل کی کثیر تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابن جریر نے اس مقام پر ایک طویل مرفوع حدیث بیان کی ہے (2) جو دراصل موضوع ہے اور جس شخص کو حدیث کے متعلق ادنیٰ سی معرفت بھی حاصل ہے، اسے اس کے موضوع ہونے میں شک نہیں ہو سکتا۔ تعجب تو اس بات پہ ہے کہ ابن جریر نے اپنی جلالت شان اور امامت کے باوجود اسے روایت کیسے کر دیا۔ ہمارے شیخ حافظ علامہ ابوالحجاج مزیؒ نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور اسے انہوں نے کتاب کے حاشیہ پر بھی لکھ دیا ہے۔ اس بارے میں بہت سی اسرائیلی روایات بھی ہیں لیکن ان کے ذکر سے کتاب کو طول دینے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ ان میں سے بعض روایات زنادقہ کی وضع کردہ ہیں اور بعض اگرچہ صحیح بھی ہو سکتی ہیں لیکن ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ کتاب اللہ کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے بے نیاز ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں قرآن و حدیث عنایت کر کے ان کا محتاج نہیں بنایا۔ مقصود کلام یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 28
2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 24-27

سرکشی اور بغاوت پر اتر آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن ان پر مسلط کر دیئے جنہوں نے ان کا قتل عام کیا، ان کے گھروں میں گھس گئے، انہیں ذلیل و رسوا اور مغلوب کر دیا۔ یہ ان کے کرتوتوں کی پوری پوری سزا تھی اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ یہ ناہنجار ایسے سرکش تھے کہ اپنے انبیاء اور علماء کو بھی قتل کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ بختنصر نے شام پر فتح حاصل کی، بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور بنی اسرائیل کو تہ تیغ کر دیا پھر جب وہ دمشق پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک چٹان پر خون ابل رہا ہے۔ اس نے لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے زمانے سے اسی طرح دیکھتے چلے آ رہے ہیں کہ یہ خون ہر وقت جوش مارتا رہتا ہے۔ چنانچہ اس نے وہاں ہی ستر ہزار مسلمان اور دیگر لوگ قتل کیے، اس کے بعد یہ خون ٹھہر گیا۔ اس نے اشراف اور علماء کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتارا یہاں تک کہ ایک بھی حافظ تورات زندہ باقی نہ بچا۔ اسی پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ بہت سی مخلوق کو قید کر کے اپنے ساتھ لے گیا جن میں نبی زادے بھی تھے۔ بہت سے امور وقوع پذیر ہوئے جن کا ذکر طوالت کا مقتضی ہے۔ اگر ہم صحیح یا صحت کے قریب قریب روایات پاتے تو ان کا تحریر کرنا ممکن تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ یہ اس فرمان کی طرح ہے: "مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ (الجاثیہ:15)" جو نیک عمل کرتا ہے پس وہ اپنے بھلے کے لئے کرتا ہے اور جو برائی کرتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہوگا پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا"۔ اس کے بعد فرمایا: فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ یعنی جب تم دوسری مرتبہ آمادہ فساد ہوئے اور فتنہ کا بازار گرم کر دیا تو ایک مرتبہ پھر تمہارے دشمن تم پر چل پڑے تاکہ وہ تمہاری شکلیں بگاڑ کر تمہیں ذلیل و رسوا اور مغلوب کر لیں اور اسی طرح بیت المقدس کی مسجد میں داخل ہو جائیں جس طرح وہ پہلی مرتبہ اس میں داخل ہوئے تھے اور جس پر قابو چڑھے اسے تباہ و برباد کر دیں۔ پھر فرمایا: عَسٰى رَبُّكُمۡ .... یعنی بہت ممکن ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے اور تمہارے دشمنوں کا رخ تم سے موڑ کر گردش زمانہ کو ان کی طرف پلٹا دے لیکن یاد رکھو اگر تم نے دوبارہ فتنہ وفساد کی آگ بھڑکائی تو دوبارہ گردش زمانہ کی لپیٹ میں آ جاؤ گے اور آخرت میں عبرتناک عذاب اس کے سوا ہے۔ اس لئے فرمایا: وَجَعَلۡنَا جَهَنَّمَ ۔ یعنی ہم نے جہنم کو کفار کے لئے ٹھکانہ اور قید خانہ بنایا ہے جس سے مفر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حصیر کا معنی قید خانہ بتاتے ہیں، مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ انہیں جہنم میں محصور کیا جائے گا، حسن کہتے ہیں کہ اس کا معنی بچھونا ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل دوبارہ فتنہ وفساد اور سرکشی پر اتر آئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ذریعے ان کی سرکوبی کی اور یہ ذلیل وخوار ہو کر جزیہ کی ادائیگی پر مجبور ہوئے(1)۔

اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ يَهۡدِىۡ لِلَّتِىۡ هِىَ اَقۡوَمُ وَيُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا كَبِيۡرًا ۙ‏ وَّاَنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۝

"بلاشبہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب راہوں سے سیدھی راہ ہے اور مژدہ سناتا ہے ان ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بلاشبہ ان کے لئے بڑا اجر ہے اور بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے تیار کر دیا ہے ان کے لئے دردناک عذاب"۔

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب (قرآن کریم) کی تعریف فرما رہا ہے کہ یہ کتاب واضح اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور ان اہل ایمان کو عظیم اجر وثواب کا مژدہ سناتی ہے جو اس کے تقاضا کے مطابق اعمال صالحہ کرتے ہیں لیکن جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 44

کے لئے دردناک عذاب کی بشارت ہے جیسا کہ فرمایا: فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (آل عمران: 21)۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝

''اور دعا مانگا کرتا ہے انسان برائی کے لئے جیسے دعا مانگا کرتا ہے بھلائی کے لئے، اور (حقیقت یہ ہے کہ) انسان بڑا جلد باز (واقع ہوا) ہے''۔

انسان اپنی عجلت پسندی کے باعث بعض اوقات اپنے لئے یا اپنے مال و اولاد کے لئے موت، ہلاکت، بربادی اور لعنت کی بددعا کرنے لگتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے قبول کر لے تو وہ اپنی ہی بددعا کے باعث ہلاکت کا شکار ہو جائے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ (یونس: 11) ''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو شر پہنچانے میں جلد بازی کرتا جیسے وہ بھلائی کے لئے جلد بازی کرتے ہیں تو ان کی میعاد پوری کر دی گئی ہوتی''۔ ایک حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''نہ اپنے لئے بددعا کرو اور نہ اپنے مالوں کے لئے ممکن ہے تم قبولیت کی گھڑی میں بددعا کرو اور وہ قبول ہو جائے''(1)۔ اس کی وجہ ابن آدم کی اضطراری حالت اور جلد بازی ہے، اسی لئے فرمایا: وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا۔ حضرات سلمان فارسی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہاں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے روح پیروں تک پہنچنے سے پہلے ہی کھڑے ہونے کا ارادہ کر لیا۔ روح سر کی جانب سے آپ کے جسم میں داخل ہوئی۔ جب دماغ تک پہنچی تو آپ کو چھینک آگئی، اس پر آپ نے الحمدللہ کہا۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''يَرْحَمُكَ رَبُّكَ يَا آدَمُ'' (اے آدم! تمہارا رب تم پر رحم فرمائے)۔ جب روح آپ کی آنکھوں تک پہنچی تو آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر جب روح تمام اعضاء جسد میں سرایت کر گئی تو آپ اپنے آپ کو دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے۔ ابھی روح پیروں تک نہیں پہنچ پائی تھی کہ آپ نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ایسا نہ کر سکے تو عرض کرنے لگے: اے میرے پروردگار! رات سے پہلے پہلے روح آ جائے(2)۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝

''اور ہم نے بنایا ہے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں اور ہم نے مدھم کر دیا رات کی نشانی کو اور بنا دیا دن کی نشانی کو روشن تاکہ (دن کے اجالے میں) تم تلاش کرو رزق اپنے رب سے اور تاکہ تم جان لو سالوں کی تعداد اور حساب کو۔ اور ہر چیز کو ہم نے بڑی وضاحت سے بیان کر دیا''۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانیوں میں سے گردش لیل و نہار ہے تاکہ لوگ رات کے وقت آرام کریں اور دن کے وقت کسب معاش، صنعت و حرفت، کام کاج، سفر اور دیگر امور کے لئے دوڑ دھوپ کریں اور اس کے ذریعے دنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کی گنتی کر سکیں اور ان مدتوں اور اوقات کو جان لیں جو انہوں نے ادائیگی قرض، عبادات، معاملات اور اجارات وغیرہ کے لئے مقرر کر رکھے ہیں، اسی لئے فرمایا: لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا۔ اگر تمام کا تمام زمانہ ایک ہی اسلوب اور طریقے پر جامد رہتا تو مذکورہ فوائد کا حصول ممکن نہ تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاۗءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ یونس: 11 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 46

اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِیْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (القصص:73-71)'' فرمایئے بھلا اتنا تو سوچو اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک تم پر رات بنا دے تو اللہ کے سوا کون سا خدا ہے جو تمہیں روشنی لا دے، کیا تم سن نہیں رہے ہو؟ فرمایئے بھلا اتنا تو سوچو اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن بنا دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون سا خدا ہے جو تمہیں رات لا دے جس میں تم آرام کر سکو کیا تمہیں نظر نہیں آتا؟ اور محض اپنی رحمت سے اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا ہے تا کہ تم رات میں آرام کرو اور (دن میں) اس کا فضل (رزق) تلاش کرو اور تا کہ تم شکر گزار رہو''۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا ۝ وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (الفرقان:62-61)'' بڑی برکت والا ہے جس نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور اس میں چراغ (آفتاب) اور چمکتا ہوا چاند بنایا اور وہ وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا اس کے لئے جو یہ چاہتا ہے کہ نصیحت قبول کرے یا چاہتا ہے کہ شکر گزار رہے''۔ وَ لَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ (المومنون:80)'' اور اسی کے اختیار میں گردش لیل و نہار ہے''۔ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ وَ یُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّیْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ (الزمر:5)'' وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر اور اس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو۔ ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک غور سے سنو! وہی عزت والا (اور) بہت بخشنے والا''۔

''فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (الانعام:96)'' وہ نکالنے والا ہے صبح کو اور اس نے بنایا ہے رات کو آرام کے لئے اور سورج اور چاند کو حساب کے لئے، یہ اندازہ ہے سب سے زبردست، سب کچھ جاننے والا کا''، وَ اٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۖۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ وَ الشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (یٰسٓ:38-37)'' اور ایک نشانی ان کے لئے رات ہے، ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو تو یکلخت وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے اور یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اس خدا کا جو عزیز و علیم ہے'' پھر اللہ تعالیٰ نے رات کی علامت مقرر فرما دی، وہ ہے تاریکی اور اس میں چاند کا طلوع ہونا اسی طرح دن کی بھی علامت مقرر ہے اور وہ ہے اجالا اور اس میں چمکتے سورج کا طلوع ہونا اور پھر چاند کے نور اور سورج کی ضیاء کے درمیان تفاوت رکھا تا کہ دونوں کی پہچان ممکن ہو جیسا کہ ارشاد ہے: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (یونس:5)'' وہی ہے جس نے بنایا سورج کو درخشاں اور چاند کو نور اور مقرر کیں اس کے لئے منزلیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے مگر حق کے ساتھ۔ وہ ان لوگوں کے لئے نشانیاں بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں''۔ اور فرمایا: یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ (البقرۃ:189)'' وہ آپ سے نئے چاند کے متعلق دریافت کرتے ہیں (کہ یہ کیونکر گھٹتے بڑھتے ہیں) فرمایئے یہ لوگوں کے لئے وقت کی علامتیں ہیں اور حج کے لئے''۔

عبداللہ بن کثیر کہتے ہیں کہ ''اٰیَةَ الَّیْلِ'' سے مراد رات کی تاریکی ہے اور ''اٰیَةَ النَّهَارِ'' سے مراد دن کا اجالا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ سورج دن کی نشانی ہے اور چاند رات کی۔ رات کی نشانی (چاند) دھندلی سی ہے۔ سورج کے مقابلے میں چاند کی روشنی کو ماند کر دیا۔ ابن الکواء نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ چاند میں یہ دھندلاہٹ اور دھبے سے کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: صد حیف!

کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ” فَمَحَوْنَآ اٰیَةَ الَّیْلِ “ یہی تو محو ہے (1)۔ پھر فرمایا: وَجَعَلْنَآ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً یعنی ہم نے دن کی نشانی کو روشن اور منور بنایا۔ سورج چاند سے زیادہ منور بھی ہے اور بڑا بھی۔ دن اور رات دو نشانیاں ہیں جن کی تخلیق اسی طرح ہوئی۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾
اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ﴿۱۴﴾

” اور ہر انسان کی (قسمت کا) نوشتہ اس کے گلے میں ہم نے لٹکا رکھا ہے۔ اور ہم نکالیں گے اس کے لئے روز قیامت ایک کتاب جسے وہ (اپنے سامنے) کھلا ہوا پائے گا۔ (اسے حکم ملے گا) پڑھو اپنا دفتر عمل تم خود ہی کافی ہو آج اپنی بازپرس کرنے کے لئے۔“

زمانے اور اس میں وقوع پذیر ہونے والے بنی آدم کے اعمال کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا: وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ طائر سے مراد انسان سے سرزد ہونے والا اچھا یا برا عمل ہے جو اس کے ساتھ لازم رہتا ہے اور یہ نوشتہ اس کے گلے میں لٹکا دیا جاتا ہے اور اسی کے مطابق اسے بدلہ دیا جائے گا جیسا کہ متعدد مقامات پر فرمایا: فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ (الزلزال: 8-7) ” پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا“، الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ۝ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (ق: 18-17) ” ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان تیار ہوتا ہے“، وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ۝ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (الانفطار: 10) ” اور تم پر معزز (حرف بحرف) لکھنے والے نگران (فرشتے) مقرر ہیں، جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو“۔ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الطور: 16) ” تمہیں اس کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے“، مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ (النساء: 123) ” جو برا عمل کرے گا اسے اس کی سزا ملے گی“۔ مقصد یہ ہے کہ ابن آدم کے اعمال خواہ کم ہوں یا زیادہ، دن رات اور صبح شام لکھ کر محفوظ کئے جا رہے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ” لَطَائِرُ كُلِّ اِنْسَانٍ فِیْ عُنُقِهٖ “(2) (ہر انسان کا نوشتہ اس کی گردن میں معلق ہے)۔ ابن لہیعہ طائر کا معنی طیرہ (بدشگونی) بیان کرتے ہیں لیکن اس حدیث کی یہ تفسیر نہایت عجیب و غریب ہے۔ پھر فرمایا: وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یعنی ہم انسان کے تمام اعمال ایک صحیفہ میں جمع کر رہے ہیں، روز قیامت یہ اسے دے دیا جائے گا، اگر وہ نیک بخت ہوا تو اپنا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں پائے گا اور اگر بدبخت ہوا تو بائیں ہاتھ میں۔ انسان اپنے اس دفتر عمل کو جس میں اس کی ساری عمر کے اعمال درج ہوں گے، اپنے سامنے کھلا ہوا پائے گا اور اسے نہ صرف وہ خود پڑھے گا بلکہ دوسرے لوگ بھی جیسا کہ فرمان ہے: یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِیْرَهٗ (القیامہ: 15-13) ” اس روز انسان کو آگاہ کر دیا جائے گا جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے احوال پر نظر رکھتا ہے خواہ وہ (زبان سے ہزار) بہانے بناتا رہے“ اس لئے فرمایا: اِقْرَاْ كِتٰبَكَ یعنی اے انسان! تم جانتے ہو کہ تم پر ظلم نہیں کیا گیا اور تمہارے نامہ اعمال میں صرف اعمال لکھے گئے ہیں جو تم نے کئے اور تمہیں اچھی طرح یاد ہے جو اعمال تم سے سرزد ہوتے رہے۔ کوئی شخص بھی اس چیز کو نہیں بھولتا جو اس نے کی ہوتی ہے۔ پھر قیامت کے دن ہر آدمی اپنا دفتر عمل پڑھ لے گا خواہ وہ پڑھا لکھا تھا یا ان پڑھ۔ آیت کریمہ میں

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 49
2۔ مسند احمد جلد 3 صفحہ 360

خصوصاً عنق (گردن) کا ذکر ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ گردن ایسا عضو ہے جس کی جسم انسانی میں کوئی نظیر نہیں۔ جس نے اپنی گردن میں کوئی چیز لٹکا لی، وہ اس کے ساتھ لازم ہوگئی جس سے مفر ممکن نہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بیماری کا متعدی ہونا اور شگون لینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، ہر انسان کا عمل اس کے گلے میں معلق ہے" (1) ایک اور حدیث میں فرمایا: "ہر بندے کا شگون اس کے گلے میں معلق ہے"۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر روز کے عمل پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ جب مومن بیمار پڑ جائے تو فرشتے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! تو نے اپنے فلاں بندے کو روک لیا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے جو عمل تھے اس کی مثل لکھتے جاؤ یہاں تک کہ وہ شفایاب ہو جائے یا فوت ہو جائے" (2)۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں طائر سے مراد عمل ہے۔ حضرت حسن بصری نے اس آیت کریمہ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ (ق:17) کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا: اے ابن آدم! تیرا صحیفۂ اعمال کھلا ہے، تیرے دائیں بائیں دو معزز فرشتے بیٹھے ہیں۔ دائیں جانب والا تیری نیکیاں محفوظ کر رہا ہے اور بائیں جانب والا تیری برائیاں لکھ رہا ہے۔ کم یا زیادہ جو چاہے عمل کر۔ جب تیری موت کا پیغام آ جائے گا تو تمہارا یہ صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا اور اسے قبر کے اندر تیرے گلے میں لٹکا دیا جائے گا۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ دفتر عمل کھول کر تمہارے سامنے کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا: اِقْرَاْ كِتٰبَكَ... اللہ کی قسم! وہ بہت ہی عادل ہے جس نے تمہیں ہی تمہارے اپنے اعمال کی باز پرس کرنے والا بنا دیا ہے (3)۔ یہ حضرت حسن کا بہت عمدہ کلام ہے۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ⑮

"جو راہ ہدایت پر چلتا ہے تو وہ راہ ہدایت پر چلتا ہے اپنے فائدے کے لئے۔ اور جو گمراہ ہوتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ۔ اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو"۔

جس شخص نے راہ راست کو اپنایا، حق کی اتباع کی اور نقوش نبوت کی پیروی کی تو اس کا انجام خیر اسی کے حق میں ہے اور جس نے حق سے روگردانی کی اور راہ راست سے انحراف کیا تو اس نے اپنی ذات پر ظلم کیا اور اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ پھر فرمایا: وَلَا تَزِرُ یعنی کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے گناہ کی پاداش میں نہیں پکڑا جائے گا بلکہ ہر شخص اپنے ہی گناہوں کا ذمہ دار ہوگا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ (فاطر:18) "اور اگر پشت پر بوجھ اٹھانے والا اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے (کسی کو) بلائے گا تو اس کے بوجھ سے کوئی چیز نہ اٹھائی جائے گی"۔ اس کے درمیان اور ان آیات کے درمیان منافات اور تضاد نہیں ہے جن میں فرمایا: وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (العنکبوت:13) "اور وہ ضرور اپنے بوجھ اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے"۔ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ (النحل:25) "اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں وہ جہالت سے گمراہ کرتے رہے"، کیونکہ گمراہی کی دعوت دینے والے دو قسم کے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، ایک گناہ بذات خود ان کی گمراہی کا اور دوسرا گناہ مخلوق خدا کو گمراہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 53-52 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 146 3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 51-50

کرنے کا۔ اب یہ نہیں ہوگا کہ ان کے گناہوں کے بوجھ ہلکے کر کے ان پر لاد دیئے جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدل اور بندوں پر لطف وکرم ہے۔ اسی طرح فرمایا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا یہ فرمان اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا مظہر ہے اور اس میں آگاہ کر دیا گیا ہے کہ وہ اس وقت تک کسی کو مبتلائے عذاب نہیں کرتا جب تک وہ رسول بھیج کر اتمام حجت نہ کر دے جیسا کہ فرمایا: كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ (الملک: 8-9) ''جب بھی اس میں کوئی جتھا جھونکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا پس ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو''۔ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ (الزمر: 71) ''اور کفار جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے، جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان سے دوزخ کے پہریدار پوچھیں گے کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر جو تمہیں تمہارے رب کی آیات پڑھ کر سناتے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے کہیں گے بے شک آئے تھے لیکن ثبت ہو چکا تھا (لوح محفوظ میں) عذاب کافروں پر''۔ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ (فاطر: 37) ''اور وہ اس میں چیختے چلاتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال ہم بڑے نیک کام کریں گے ایسے نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے۔ (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت قبول کر سکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تشریف لے آیا تمہارے پاس نذیر۔ پس اب مزہ چکھو، ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں''۔ ایسی اور بھی متعدد آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں کہ وہ رسول مبعوث کئے بغیر کسی کو جہنم رسید کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کی ایک جماعت نے بخاری کی اس روایت کو محل اعتراض ٹھہرایا ہے جو اس آیت اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (الاعراف: 56) کے تحت مرقوم ہے۔ اس میں اعتراض کا سبب راوی کا مغالطہ ہے جس کی بناء پر روایت کے الفاظ الٹ پلٹ ہو گئے ہیں۔ اس روایت کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت اور دوزخ جھگڑنے لگے جہاں تک جنت کا تعلق ہے تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور جہنم کے لئے ایک نئی مخلوق پیدا کر کے اسے اس میں پھینک دیا جائے گا، جہنم کہے گا کہ کیا مزید ہے؟ تین دفعہ یہ کہے گا۔'' (1)، دراصل یہ جنت کے بارے میں ہے کیونکہ یہ دار فضل ہے اور دوزخ دار عدل ہے، اس میں کسی کو عذر ختم کئے بغیر اور حجت تمام کئے بغیر داخل نہیں کیا جائے گا، حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس روایت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے عندیہ ظاہر کیا ہے کہ اس میں راوی نے الفاظ کو الٹ پلٹ کر دیا ہے، اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی بخاری و مسلم کی یہ روایت ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جنت اور دوزخ نے جھگڑا کیا جہاں تک دوزخ کا تعلق ہے تو یہ پر نہیں ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا تو یہ کہے گا: بس بس۔ اس وقت یہ بھر جائے گا اور اس کے اجزاء ایک دوسرے کی طرف سمٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا لیکن جنت کے لئے اللہ تعالیٰ ایک اور مخلوق پیدا

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 164

فرمائے گا''(1)۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ کفار کے نابالغ بچے جو بچپن میں فوت ہو جاتے ہیں اور اسی طرح مجنون، بہرے، فاسد العقل بوڑھے اور جو لوگ فترۃ (دو نبیوں کے درمیان کا زمانہ) میں مر گئے اور کسی نبی کی دعوت ان تک نہ پہنچی، ان سب کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ کے متعلق متقدمین اور متاخرین ائمہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کے متعلق احادیث بھی وارد ہوئی ہیں، انہیں میں یہاں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور توفیق سے بیان کرتا ہوں، اس کے بعد ائمہ کے کلام کا خلاصہ پیش کروں گا۔

۱۔ حضرت اسود بن سریع سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چار قسم کے لوگ ایسے ہیں جو قیامت کے دن عذر پیش کریں گے: بہرا آدمی جو کچھ بھی نہیں سنتا، (1) احمق (مجنون اور بدھو) شخص (2)، بوڑھا کھوسٹ (3) اور ایسا شخص جسے فترہ میں موت آئی (4)۔ بہرا عرض کرے گا: اے پروردگار! اسلام آیا لیکن مجھ سے سننے کی صلاحیت ہی مفقود تھی، احمق کہے گا: یارب! اسلام کی آمد ہوئی اور میری یہ حالت تھی کہ بچے مجھ پر مینگنیاں پھینکتے تھے، حواس باختہ بوڑھا عرض کرے گا: اے پروردگار! اسلام واقعی تشریف لایا لیکن میرے تو ہوش وحواس ہی قائم نہ تھے اور فترہ کے دوران مرنے والا شخص عرض کرے گا: اے پروردگار! میرے پاس تو تیرا کوئی رسول تشریف نہیں لایا۔ اللہ تعالیٰ ان سے عہد و پیمان لے گا کہ انہیں ضرور اس کی اطاعت کرنا ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف پیغام بھیجے گا کہ جہنم میں کود جاؤ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اگر وہ جہنم میں کود پڑے تو جہنم کی آگ ان کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کی حامل ہو جائے گی''(2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل مروی حدیث کے آخر میں آتا ہے: ''جو شخص جہنم میں داخل ہو جائے گا، اس کے لئے تو آگ ٹھنڈک اور سلامتی والی بن جائے گی لیکن جو داخل نہ ہوا اسے گھسیٹ کر جہنم رسید کر دیا جائے گا''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی حدیث میں آتا ہے کہ چار قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی اپنی حجت پیش کریں گے ۔ اس روایت کو بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (3)۔

۲۔ یزید بن ابان بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عرض کی: اے ابوحمزہ! مشرکین کے بچوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''انہوں نے کوئی گناہ نہیں کئے جن کی پاداش میں انہیں عذاب دیا جائے اور وہ دوزخی بن جائیں اور نہ ہی انہوں نے نیکیاں کی ہیں جن کے صلہ میں انہیں اہل جنت میں شامل کر دیا جائے''(4)۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روز قیامت چار قسم کے لوگ لائے جائیں گے: بچہ، پاگل، فترہ میں مر جانے والا اور شیخ فانی۔ تمام اپنی اپنی حجت پیش کریں گے تو رب تعالیٰ آگ کی گردن کو نمایاں ہونے کا حکم دے گا اور ان لوگوں سے فرمائے گا کہ میں اپنے بندوں کی طرف اپنا پیغام پہنچانے کے لئے انہی میں سے رسول بھیجتا رہا لیکن میں بذات خود تمہیں پیغام دیتے ہوئے حکم دیتا ہوں کہ اس (آگ) میں کود جاؤ۔ جس کے مقدر میں بدبختی ہوگی۔ وہ کہے گا: اے پروردگار! ہم اس میں کیونکر داخل ہوں حالانکہ ہم اس سے دور بھاگتے رہے؟ لیکن جن کے مقدر میں نیک بختی ہوگی وہ جلدی سے اس میں گھس جائیں

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ ق، جلد 6 صفحہ 173۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2186

2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 24　3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 54　4۔ مسند ابی داؤد طیالسی 282

گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جب تم نے میرا حکم نہیں مانا تو میرے رسولوں کا حکم کیسے مانتے۔ یہ (فرمانبرداری کے باعث) جنت میں داخل ہوں گے اور وہ (نافرمانی کے سبب) جہنم میں داخل ہوں گے"(1)۔

۴- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہیں" پھر آپ ﷺ سے مشرکین کے بچوں کی بابت سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہیں" عرض کی گئی: یا رسول اللہ! انہوں نے کیا عمل کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تو ان سے بخوبی آگاہ ہے"(2)۔

۵- حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن اہل جاہلیت اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر لادے ہوئے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا، وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! نہ تو تو نے ہماری طرف کوئی رسول بھیجا اور نہ ہی تیرا کوئی حکم ہم تک پہنچا۔ اگر تو ہماری طرف کوئی رسول بھیجتا تو ہم سب سے زیادہ تیرے اطاعت گزار بندے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا: چلو اب بتاؤ، اگر میں تمہیں کوئی حکم دوں تو کیا تم میری اطاعت کرو گے؟ وہ کہیں گے: ہاں۔ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دے گا کہ جاؤ جہنم میں کود جاؤ۔ وہ جہنم کی طرف چل پڑیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب پہنچیں گے تو اس کا جوش اور سخت چنگھاڑ ملاحظہ کر کے واپس رب تعالیٰ کی طرف چل دیں گے اور عرض کریں گے: یارب! ہمیں دوزخ سے خلاصی عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم نے میرے ساتھ میرے حکم کی بجا آوری کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ پھر ان سے عہد و پیمان لے کر انہیں حکم دے گا کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ وہ جہنم کی طرف چل پڑیں گے۔ جب اس کے قریب پہنچیں گے تو مارے خوف کے پیچھے پلٹ آئیں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ہمیں تو دوزخ سے ڈر لگتا ہے اور ہمیں اس میں داخل ہونے کا حوصلہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ ذلیل و رسوا ہو کر اس میں داخل ہو جاؤ۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "اگر وہ پہلی مرتبہ ہی آگ میں کود جاتے تو اسے سراپا ٹھنڈک اور سلامتی پاتے"(3)۔ بزار کہتے ہیں کہ اس حدیث کا متن غیر معروف ہے۔ ایوب سے صرف عباد اور عباد سے صرف ریحان بن سعید نے اسے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے(4)۔ یحییٰ بن معین اور نسائی کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، ابوداؤد نے اس سے روایت نہیں کی۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ شیخ ہے جس میں کوئی حرج نہیں، اس کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں لیکن قابل حجت نہیں۔

۶- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فترہ کے دوران مرنے والا، مجنون اور بچہ حاضر ہوں گے۔ فترہ کے زمانے میں مرنے والا عرض کرے گا کہ میرے پاس تیری کتاب ہی نہیں پہنچی، مجنون کہے گا: اے پروردگار! تو نے مجھے عقل سے ہی نہیں نوازا جس سے میں خیر و شر کے درمیان امتیاز کر لیتا اور بچہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں تو سن بلوغت و عقل کو پہنچا ہی نہیں۔ چنانچہ ان کے سامنے آگ شعلہ زن ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسے ہٹا دو تو وہ شخص اس آگ کو ہٹا دے گا جو علم الٰہی میں سعید تھا اور اگر اسے موقعہ ملتا تو اس نے نیک اعمال کرنا تھے لیکن وہ شخص آگ سے دور رکا رہے گا جو علم الٰہی میں شقی تھا اور

1۔ مسند ابی یعلی، جلد 7 صفحہ 225
2۔ مسند ابی یعلی
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 4 صفحہ 156-157
4۔ دیکھئے تہذیب التہذیب، جلد 9 صفحہ 260-261

اگر اسے موقع میسر آتا تو اس نے برے اعمال کا ارتکاب کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے میری نافرمانی کی، اگر تمہارے پاس میرے رسول آجاتے تو تم ان کی اطاعت کرتے؟“ (1)۔

۷۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”روز قیامت مسخ شدہ عقل والا، فترہ کے دوران مرنے والا اور بچپن میں فوت ہو جانے والا بچہ لایا جائیگا۔ مسخ شدہ عقل والا شخص عرض کرے گا: اے پروردگار! اگر تو مجھے نعمت عقل سے نوازتا تو عقلمند مجھ سے زیادہ سعادتمند نہ ہوتے۔ باقی دونوں بھی اسی طرح عذر پیش کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ میں تمہیں ایک حکم دینے والا ہوں، کیا تم اسے بجالاؤ گے؟ وہ عرض کریں گے: ہاں۔ حکم ہوگا کہ جاؤ اور جہنم میں کود جاؤ۔ اگر وہ جہنم میں کود گئے تو وہ ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑے گا۔ جہنم کے بڑے بڑے شعلے ان کی طرف لپکیں گے جنہیں دیکھ کر وہ خیال کریں گے کہ یہ تو ساری مخلوق کو جلا کر راکھ کردیں گے، چنانچہ مارے دہشت کے تیزی سے واپس پلٹ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ حکم دے گا لیکن پھر بھی وہ اسی طرح واپس لوٹ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائیگا کہ تمہاری تخلیق سے پہلے ہی مجھے تمہارے اعمال کے متعلق علم تھا، اسی علم کے مطابق میں نے تمہیں پیدا کیا اور اسی علم کے مطابق تمہارا انجام ہے۔ اے دوزخ! انہیں اپنے نرغہ میں لے لے، چنانچہ دوزخ انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گا“۔

۸۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر بچہ فطرت (دین اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، بالکل ایسی ہی جس طرح ایک جانور ایک مکمل بچے کو جنم دیتا ہے، کیا تمہیں کوئی کان کٹا دکھائی دیتا ہے؟“ (2) ایک اور روایت میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس بچے کے متعلق آگاہ فرمائیے جو بچپن میں فوت ہو جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کو ہی پوری پوری خبر ہے کہ انہوں نے (اگر بڑے ہوتے تو) کیا کیا اعمال کرنے تھے“۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ”مسلمانوں کے بچے جنت میں ہیں جن کے کفیل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں“ (3)۔ ایک حدیث قدسی میں فرمان ہے: ”میں نے اپنے بندوں کو حنیف (مائل بہ حق) پیدا کیا ہے“ (4)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو مسلم پیدا کیا ہے۔

۹۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے“۔ یہ سن کر لوگوں نے بلند آواز سے دریافت کیا: یا رسول اللہ! کیا مشرکین کے بچے بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مشرکین کے بچے بھی“ (5)۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مشرکین کے بچوں کی بابت فرمایا: ”یہ اہل جنت کے خادم ہیں“ (6)۔

۱۰۔ حضرت خنساء بنت معاویہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے میرے چچا نے بتایا کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! جنت میں کون کون جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نبی، شہید، بچے اور زندہ درگور کئے ہوئے جنت میں جائیں گے“ (7)۔

اس حدیث کے سبب بعض علماء ان کے بارے میں توقف کرتے ہوئے خاموشی اختیار کرتے ہیں اور بعض علماء ان کے جنتی ہونے کا

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 2 صفحہ 34
2۔ فتح الباری، کتاب القدر، جلد 11 صفحہ 493، صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 2047-2048
3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 326
4۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2197
5۔ مستخرج برقانی
6۔ معجم کبیر، جلد 7 صفحہ 244
7۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 58

قطعی حکم لگاتے ہیں کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث معراج میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس خواب میں ایک شخص کو درخت تلے بیٹھا ہوا دیکھا جس کے اردگرد بہت سے بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بتایا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے اردگرد مسلمانوں اور مشرکوں کے بچے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا مشرکین کے بچے بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، مشرکین کے بچے بھی'' (1)۔ بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یقیناً دوزخی ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کے متعلق فرمایا: ''ھُمْ مَعَ آبَائِھِمْ'' (یہ اپنے باپوں کے ساتھ ہیں)۔ کچھ دیگر علماء کا موقف یہ ہے کہ قیامت کے میدانوں میں ان کا امتحان لیا جائے گا۔ جس نے اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور اس کے حق میں پہلے سے مقدر سعادت کے بارے میں علم الٰہی منکشف ہو جائے گا۔ جس نے نافرمانی کی وہ ذلیل و رسوا ہو کر جہنم میں داخل ہوگا اور اس طرح پہلے سے طے شدہ اس کی شقاوت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم عیاں ہو جائے گا۔ یہ قول تمام دلائل کا جامع ہے اور اس کی صراحت مذکورہ احادیث سے ہوتی ہے جو ایک دوسرے کی مؤید اور شاہد ہیں۔ یہی وہ قول ہے جسے شیخ ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت و جماعت سے نقل کیا ہے اور حافظ ابوبکر بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں اور دیگر محقق علماء، حفاظ حدیث اور نقاد حدیث نے اسی کی تائید کی ہے۔ شیخ ابوعمر بن عبدالبر النمری نے امتحان کی بعض احادیث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس موضوع کے متعلق احادیث قوی نہیں ہیں اور نہ ہی قابل حجت ہیں، اہل علم ان کا انکار کرتے ہیں کیونکہ آخرت دار جزا ہے نہ کہ دار عمل اور دار امتحان، اس لئے انہیں جہنم میں داخل ہونے کا مکلف کیسے بنایا جا سکتا ہے حالانکہ یہ تو انسانی طاقت سے باہر ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں کہ وہ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف بنائے۔ شیخ ابوعمر کے اس قول کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں بعض احادیث صحیح ہیں جیسا کہ بہت سے ائمہ علماء نے تصریح کی ہے، اور بعض احادیث حسن ہیں، جبکہ بعض ضعیف ہیں جو صحیح اور حسن کی تائید سے قوی ہو جاتی ہیں۔ جب ایک موضوع کے متعلق احادیث باہم مربوط ہوں اور ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بنتی ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ قابل حجت ہوں گی۔ جہاں تک شیخ موصوف کے اس قول کا تعلق ہے کہ آخرت دار جزا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعی آخرت دار جزا ہے لیکن اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ جنت یا دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے انہیں کسی حکم کا پابند نہیں بنایا جائے گا۔ شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت و جماعت کا یہی مسلک بتایا ہے کہ بچوں کا امتحان ہوگا۔ اس کی ایک اور دلیل یہ آیت کریمہ ہے: یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ یُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ (القلم: 42) ''جس روز پنڈلی سے پردہ اٹھا دیا جائے گا اور ان کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی''۔ اور صحاح وغیرہ کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ روز قیامت مومنین تو اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کر لیں گے لیکن منافق ایسا نہیں کر پائے گا کیونکہ اس کی کمر بالکل سیدھی اکڑ جائے گی، جب بھی وہ سجدہ کرنے کا ارادہ کرے گا، گدی کے بل گر جائے گا (2)۔ صحیحین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے عہد و پیمان لے گا جو سب سے آخر میں جہنم سے رہائی پائے گا کہ وہ جس صورت حال سے دوچار ہے اس سے رہائی کے سوا کوئی اور سوال نہیں کرے گا لیکن وہ اس عہد کو فراموش کرتے ہوئے اور سوال کر بیٹھے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! تو کتنا عہد شکن ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں جانے کی اجازت مرحمت فرما دے گا (3)۔ باقی رہی شیخ ابوعمر کی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں داخل ہونے کا مکلف کیسے بنائے گا

1۔ فتح الباری، کتاب التفسیر، جلد 12 صفحہ 439
2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ قلم جلد 8 صفحہ 663-664
3۔ صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 205، صحیح مسلم، کتاب الایمان جلد 1 صفحہ 299

حالانکہ یہ ان کی استطاعت سے باہر ہے تو یہ بھی صحت حدیث سے مانع نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کو پل صراط پر سے گزرنے کا حکم دے گا۔ یہ جہنم کے اوپر ایسا پل ہے جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگا، مومن اپنے اپنے اعمال کے مطابق بجلی، ہوا، عمدہ گھوڑوں اور اونٹوں کی سی رفتار سے اسے عبور کرلیں گے۔ ان میں سے بعض بھاگ کر بعض پیدل چلتے ہوئے بعض سرین کے بل گھسٹتے ہوئے اور بعض چہرے کے بل کٹ کٹ کر جہنم میں گرتے ہوئے (1)۔ ان کے بارے میں دخول نار کا جو حکم وارد ہوا ہے وہ اس سے کوئی بڑا نہیں بلکہ یہ اس سے بھاری اور بڑا ہے اور حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ دجال کے پاس جنت بھی ہوگی اور آگ بھی۔ جو اہل ایمان اسے پائیں گے، انہیں شارع علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ وہ جسے آگ خیال کریں گے، اگر وہ اس میں سے پی لیں گے تو یہ ان کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کی حامل ہوگی۔ یہ اس واقعہ کی نظیر ہے۔ اسی طرح بنی اسرائیل کا واقعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بچھڑے کی پرستش کرنے کی پاداش میں یہ حکم دیا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں، چنانچہ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کردیا، اسی اثناء میں ایک ابر نے انہیں ڈھانپ لیا، ایک ہی صبح ستر ہزار آدمی قتل ہوگئے، انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے باپ اور بھائی قتل کئے۔ یہ حکم بھی نفوس پر بہت شاق اور گراں ہے جو حدیث میں وارد حکم سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ (کیا اسے بھی خارج از وسعت کہنا چاہیے؟)

اس بحث کے بعد اب مشرکین کے بچپن میں مرے ہوئے بچوں کے متعلق بھی متعدد اقوال ہیں:

1- وہ جنتی ہیں، اس کی دلیل حدیث سمرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس (معراج کی شب) مسلمانوں اور مشرکوں کے بچے دیکھے، اسی طرح ایک اور حدیث میں جو پہلے گزر چکی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "وَالْمَوْلُوْدُ فِي الْجَنَّةِ" (2) (بچے جنتی ہیں)۔ یہ استدلال صحیح ہے لیکن امتحان کی احادیث اس سے خاص ہیں۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ مطیع ہوگا اس کی روح کو برزخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور مسلمانوں کے ان بچوں کے ساتھ جگہ دے دی جن کی وفات فطرت پر ہوئی، اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اطاعت گزار نہیں ہوگا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور قیامت کے دن وہ جہنمی ہوگا جیسا کہ احادیث امتحان سے ثابت ہوتا ہے۔ امام اشعری رحمتہ اللہ علیہ نے اسے اہل سنت سے نقل کیا ہے۔ انہیں جنتی کہنے والوں میں سے بعض کا کہنا ہے کہ یہ مستقل جنتی ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ جنتیوں کے خادم ہوں گے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ابوداؤد طیالسی میں آیا ہے لیکن یہ ضعیف ہے۔

۲- وہ اپنے کافر آباؤ اجداد کے ساتھ جہنم میں جائیں گے اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہے، آپ رضی اللہ عنہا سے کفار کی اولاد کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ کا ان کے متعلق فرمان ہے: "وہ اپنے باپوں کے تابع ہیں"۔ یہ سن کر میں نے پوچھا: یارسول اللہ! بغیر اعمال کے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے کون سے اعمال کرنا تھے" (3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول ﷺ سے مومنوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہوں گے"۔ پھر میں نے پوچھا کہ مشرکین کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 159۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان جلد 1 صفحہ 169

2۔ مسند احمد جلد 5 صفحہ 58

3۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 84

بچے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ اپنے آباء کے ساتھ ہوں گے"۔ میں نے عرض کی: بغیر عمل کیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ انہوں نے کیسے کیسے اعمال کرنا تھے" (1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے سامنے مشرکین کے بچوں کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم چاہو تو میں تمہیں جہنم میں ان کی چیخ و پکار سنا دوں" (2)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ان دو بچوں کی بابت دریافت کیا جو زمانہ جاہلیت میں مر گئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ دونوں دوزخ میں ہیں"۔ جب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار دیکھے تو انہیں فرمایا: "اگر تم ان دونوں کی جگہ دیکھ لیتیں تو تم خود ان سے کراہت محسوس کرتیں"، پھر انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ سے میرا بچہ (کہاں ہے)؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: "مومن اور ان کے بچے جنتی ہیں جبکہ مشرک اور ان کے بچے دوزخی ہیں" پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اتَّبَعَتۡہُمۡ ذُرِّیَّتُہُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِہِمۡ ذُرِّیَّتَہُمۡ (الطور: 21) " اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا دیں گے" (3)۔ یہ حدیث غریب ہے، اس کی سند میں محمد بن عثمان مجہول الحال ہے اور ان کے شیخ زاذان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کردہ دوزخی ہیں" (4)۔ حضرت سلمہ بن قیس اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے عرض کی کہ ہماری ماں زمانہ جاہلیت میں فوت ہو گئی، وہ مہمان نواز اور صلہ رحمی کرنے والی تھی البتہ اس نے ہماری ایک نابالغ بہن کو زندہ درگور کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "زندہ دفن کرنے والی اور زندہ دفن کی گئی دونوں دوزخی ہیں لیکن یہ اور بات ہے کہ زندہ درگور کرنے والی اسلام کو پا کر اسے قبول کر لے" (5)۔ یہ سند حسن ہے۔

3۔ ان کے بارے میں توقف اور سکوت اختیار کرنا چاہئے۔ اس کی دلیل حضرات ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کے بچوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے کیسے اعمال کرنا تھے" (6)۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان کا ٹھکانہ اعراف ہوگا لیکن اس قول سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ جنتی ہیں کیونکہ اعراف کوئی ابدی قیام گاہ نہیں، یہاں کے رہنے والے بالآخر جنت میں چلے جائیں گے جیسا کہ سورۂ اعراف میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ یہ اختلاف مشرکین کے بچوں کے ساتھ خاص ہے، اہل ایمان کے بچوں کی بابت علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ ان کے جنتی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور لوگوں میں یہی بات مشہور ہے اور ہمارے نزدیک بھی قطعی حکم یہی ہے۔ لیکن شیخ ابو عمر بن عبدالبر ذکر کرتے ہیں کہ بعض علماء نے اس بارے میں توقف کیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ سب بچے مشیت الٰہی کے ماتحت ہیں۔ اہل فقہ اور اہل حدیث کی ایک جماعت کا یہی موقف ہے، ان میں حضرات حماد بن زید، حماد بن

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 229
2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 208
3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 134-135
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 230
5۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 478، معجم کبیر، جلد 7 صفحہ 39-40
6۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 245، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2049

سلمہ، ابن مبارک، اسحاق بن راہویہ وغیرہ شامل ہیں۔ موطا امام مالک میں ابواب القدر کی احادیث میں تقریباً اسی طرح بیان ہوا ہے اور امام مالک کے اصحاب کی اکثریت کا یہی مسلک ہے، اگرچہ امام مالک سے اس ضمن میں کوئی چیز صراحتاً منقول نہیں لیکن ان کے پیروکاروں میں سے متاخرین کا خیال ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنتی ہیں جبکہ مشرکین کے بچوں کا معاملہ مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ ابن عبدالبر کا یہ کلام بہت غریب ہے۔ امام قرطبی نے کتاب التذکرہ میں یہی فرمایا ہے (1)۔ یہ حضرات اس ضمن میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث بیان کرتے ہیں جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو ایک انصاری بچے کے جنازہ میں شرکت کرنے کے لئے بلایا گیا۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! اس بچے کو مبارک ہو، یہ تو جنت کی چڑیا ہے، نہ اس نے برائی کا ارتکاب کیا اور نہ اس عمر کو پہنچا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کے علاوہ کچھ مزید بھی، اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور جنتیوں کو بھی حالانکہ وہ اپنے آباء کی پشتوں میں ہیں اسی طرح دوزخ کو پیدا کیا اور دوزخیوں کو بھی حالانکہ وہ اپنے آباء کی پشتوں میں ہیں" (2)۔

چونکہ یہ مسئلہ صحیح اور عمدہ دلائل کا محتاج ہے اور بعض اوقات کچھ لوگ اپنی لاعلمی کی وجہ سے شارع کے متعلق گفتگو کرنے لگ جاتے ہیں اس لئے علماء کی ایک جماعت نے اس مسئلہ میں کلام کرنا ناپسند کیا ہے۔ حضرات ابن عباس، قاسم بن محمد بن ابی بکر اور محمد بن حنیفہ وغیرہ کا یہی موقف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے برسرمنبر یہ حدیث بیان کی جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس امت کا معاملہ اس وقت تک درست رہے گا جب تک وہ بچوں اور تقدیر کے متعلق کلام نہیں کریں گے" (3)۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ حدیث میں بچوں سے مراد مشرکین کے بچے ہیں۔

وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾

"اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہلاک کردیں کسی بستی کو (اس کے گناہوں کے باعث) تو (پہلے) ہم (نبیوں کے ذریعہ) وہاں کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں مگر وہ (الٹا) نافرمانی کرنے لگتے ہیں اس میں، پس واجب ہو جاتا ہے، ان پر (عذاب کا) فرمان پھر ہم اس بستی کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیتے ہیں"۔

"امرنا" کی قرأت میں اختلاف ہے۔ مشہور قرأت "اَمَرْنَا" تخفیف کے ساتھ ہے۔ اب اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں امر سے مراد امر تقدیری ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا (یونس: 24) "اچانک آپڑا اس پر ہمارا حکم رات یا دن کے وقت" کیونکہ اللہ تعالیٰ برائی کا حکم نہیں دیتا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بدکاریوں کے ارتکاب کی طرف مسخر کردیا جس کے باعث وہ عذاب کے مستحق ہو گئے۔ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ ہم ان اہل ثروت کو اطاعت کا حکم دیتے ہیں لیکن وہ بدکاریوں کا بازار گرم کرنے کی پاداش میں مستحق عقوبت ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن جبیرؓ سے یہی معنی منقول ہے۔ بقول ابن جریر اس میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ ہم ان کو حکمران بنا دیتے ہیں۔

1۔ دیکھئے التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ، صفحہ 511-517

2۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2050، سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 229

3۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، جلد 8 صفحہ 255-256، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب القدر، جلد 3 صفحہ 35-36

یہ معنی اس قرأت کے مطابق ہے جس میں ''اَمَّرْنَا'' پڑھا گیا ہے۔ علی بن طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے (اس قرأت کے مطابق) یہ معنی نقل کرتے ہیں کہ ہم شریر اہل ثروت کو اقتدار دے دیتے ہیں لیکن وہ سرکشی اور نافرمانی پر اتر آتے ہیں، جب وہ ایسا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں مبتلائے عذاب کر کے ہلاک کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِیْهَا لِیَمْكُرُوْا فِیْهَا (الانعام:123) ''اور اسی طرح ہم نے بنایا ہر بستی میں اس کے بڑے لوگوں کو وہاں کے مجرم تا کہ وہ اس میں مکر و فریب کریں'' (1)۔ ابو العالیہ، مجاہد اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے، عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کی تعداد بڑھا دیتے ہیں، اسی طرح عکرمہ، حسن، قتادہ اور ضحاک نے کہا ہے۔ زہریؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ ان میں سے بعض نے حضرت سوید بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''خَیْرُ مَالِ امْرِئٍ لَهٗ مُهْرَةٌ مَأْمُوْرَةٌ اَوْ سِكَّةٌ مَأْبُوْرَةٌ'' (2) (آدمی کا بہترین مال وہ بچھیری ہے جس کی نسل زیادہ ہو یا وہ رستہ جو کھجور کے درختوں سے اٹا پڑا ہو)۔ امام ابو عبید قاسم بن سلام نے ماموره کا معنی کثیر النسل، سکۃ مابورہ کا معنی وہ رستہ جو کھجوروں کی قطاروں سے آراستہ ہو، بتایا ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ معنی مناسب ہے جس طرح آپ ﷺ کا قول ہے: ''مَأْزُوْرَاتٍ غَیْرَ مَأْجُوْرَاتٍ'' (3) (گناہ کرنے والیاں نہ کہ اجر پانے والیاں)۔

وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ﴿۱۷﴾

''اور کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا ہے نوح علیہ السلام کے بعد۔ اور آپ کا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے اچھی طرح باخبر ہے اور انہیں خوب دیکھنے والا ہے''۔

رسول کریم ﷺ کو جھٹلانے پر اللہ تعالیٰ کفار قریش کو تنبیہ فرما رہا ہے کہ اس نے نوح (علیہ السلام) کے بعد بہت سی ایسی قوموں کو نیست و نابود کر دیا جو رسولوں کو جھٹلانے کی روش اپنائے ہوئی تھیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرات آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان گزری ہوئی قومیں اسلام پر کاربند تھیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس امتیں گزری ہیں جن کو اسلام پر کاربند رہنے کا شرف حاصل ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے قریشیو، اے جھٹلانے والو! تم اللہ تعالیٰ کے ہاں پہلی قوموں سے کوئی زیادہ معزز نہیں ہو، تم نے اشرف الرسل ﷺ اور اکرم الخلائق کی تکذیب کی، اس لئے تم سزا کے زیادہ مستحق ہو۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكَفٰى ۔ یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام اچھے برے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْیَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾

''جو لوگ طلبگار ہیں صرف دنیا کے ہم جلدی دے دیتے ہیں اس دنیا میں جتنا چاہتے ہیں (ان میں سے) جسے چاہتے ہیں۔ پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے جہنم۔ تاپے گا وہ اسے اس حال میں کہ وہ مذمت کیا ہوا (اور) ٹھکرایا ہوا ہوگا۔ اور جو شخص طلبگار ہوتا ہے آخرت کا اور جدوجہد کرتا ہے اس کے لئے پوری طرح درآنحالیکہ وہ مومن بھی ہو، پس یہ وہ (خوش

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 55 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 468 3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1 صفحہ 503-502

نصیب ہیں) جن کی کوشش مقبول ہوگی"۔

یہ ضروری نہیں کہ دنیا اور اس کی نعمتوں کے طلبگار کی ہر خواہش پوری ہو جائے بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اور جس قدر چاہے، نوازتا ہے۔ یہ آیت کریمہ دیگر آیات کے مطلق حکم کے لئے مقید ہے کیونکہ فرمایا: عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا ۔۔ یعنی ہم طالبان دنیا میں سے جسے چاہیں اور جس قدر چاہیں، دے دیتے ہیں۔ پھر آخرت میں ہم نے اس کیلئے جہنم تیار کر رکھا ہے جس میں اسے داخل ہونا پڑے گا اور یہ تمام اطراف سے اسے اپنی لپیٹ میں لے لے گا، اس وقت اس کی حالت یہ ہوگی کہ وہ اپنی بداعمالیوں کے باعث مذمت کیا ہوا ہوگا کیونکہ وہ فانی کو باقی پر ترجیح دیتا رہا، مزید برآں وہ دھتکارا ہوا اور ذلیل و رسوا ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دنیا اس کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) کوئی گھر نہیں، اور یہ اس کا مال ہے جس کا (آخرت میں) کوئی مال نہیں اور اسے وہی جمع کرتا ہے جو بے عقل ہو" (1)۔

دوسری آیت میں فرمایا: وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ...... یعنی جو شخص دار آخرت اس کی نعمتوں اور مسرتوں کا طلب گار ہے اور اس کی خاطر رسول کریم ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے تگ و دو کرتا ہے اور اس کا دل ایمان سے لبریز اور ثواب و جزا پر کامل یقین رکھتا ہے تو یہی وہ سعادت مند لوگ ہیں جن کی کوشش مقبول ہوگی اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝20 اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝21

"ہر ایک کی ہم امداد کرتے ہیں ان کی بھی (جو طالب دنیا ہیں) اور ان کی بھی (جو طالب آخرت ہیں) آپ کے رب کی بخششوں سے۔ اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں۔ دیکھو! کیسے بزرگی دی ہے ہم نے بعض کو بعض پر اور آخرت باعتبار درجوں کے سب سے بڑی اور باعتبار فضل و کرم سب سے اعلیٰ ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم طالب دنیا اور طالب آخرت دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کے لئے آپ کے رب کی بخششوں سے اس چیز میں اضافہ کرتے رہتے ہیں جس میں وہ ہیں، آپ کا رب ہی ایسا متصرف اور حاکم ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا اور ہر ایک کو سعادت اور شقاوت میں سے وہ عطا کرتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی رد کرنے والا نہیں، اس کی عطا کو کوئی روکنے والا نہیں اور اس کے ارادہ کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں، اس لئے فرمایا: وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا یعنی آپ کے رب کی عطا کو نہ کوئی روکنے والا ہے اور نہ کوئی رد کرنے والا۔ قتادہ کے نزدیک "محظور" کا معنی منقوص (کم کیا ہوا) ہے، اور حسن وغیرہ نے اس کا معنی ممنوع کیا ہے۔ پھر فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ ۔ یعنی دیکھیں ہم نے کس طرح دنیا میں بعض کو بعض پر فضیلت اور برتری عطا کی ہے۔ کوئی امیر ہے، کوئی غریب اور کوئی متوسط درجہ کا، کوئی خوبصورت، کوئی بدصورت اور کوئی قبول صورت، کوئی بچپن میں مر جاتا ہے، کوئی بڑھاپے میں اور کوئی درمیانی عمر میں۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ ۔۔ یعنی دنیا کے مقابلے میں دار آخرت کے اندر مراتب میں فرق اور درجات میں تفاوت زیادہ ہوگا کیونکہ کچھ لوگ جہنم کے گڑھوں میں طوق و زنجیر میں جکڑے عذاب کا سامنا کر رہے ہوں گے اور کچھ لوگ جنت کے اعلیٰ درجات میں اس کی نعمتوں اور مسرتوں سے شادکام ہو رہے ہوں گے، پھر جہنمیوں کی سزا اور عذاب میں بھی تفاوت ہوگا، اسی طرح جنتیوں کے درجات میں

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 71

بھی فرق ہوگا کیونکہ جنت کے سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جس قدر زمین و آسمان کے درمیان۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "بلند درجات والے اہل علیین کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان کے افق میں کسی ستارے کو دیکھتے ہو"(1)۔ اسی لئے فرمایا: وَلَلْاٰخِرَۃُ اَکْبَرُ۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: "جو بندہ ارادہ کرتا ہے کہ دنیا میں اس کا درجہ بلند ہوجائے اور وہ بلند درجہ پا بھی لے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کا اس سے بڑا درجہ گھٹا دے گا"(2)۔ پھر آپ نے اسی آیت وَلَلْاٰخِرَۃُ...... کی تلاوت کی۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝

"نہ ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ورنہ تم بیٹھ رہو گے اس حال میں کہ تمہاری مذمت کی جائے گی اور بے یار و مددگار ہوجاؤ گے۔"

اس آیت میں خطاب امت کے ہر مکلف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک عبادت نہ بناؤ ورنہ شرک کے اس جرم عظیم کی پاداش میں تم ذلیل اور بے یار و مددگار ہوجاؤ گے کیونکہ شرک کے ارتکاب کی صورت میں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد نہیں کرے گا بلکہ تمہیں اسی کے سپرد کردے گا جس کی تم عبادت کرو گے اور یہ (معبود باطل) تمہارے لئے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوگا۔ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص فاقہ کا شکار ہوگیا اور اس نے اسے دور کرنے کے لئے لوگوں سے امید وابستہ کرلی تو اس کا فاقہ ختم نہیں ہوگا اور جس نے اسے رفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے امید وابستہ کرلی تو اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر اسے خوشحالی سے نواز دیتا ہے"(3)۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝

"اور حکم فرمایا آپ کے رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر بڑھاپے کو پہنچ جائے تیری زندگی میں ان دونوں میں کوئی ایک یا دونوں تو انہیں اف تک مت کہو اور انہیں مت جھڑکو، اور جب ان سے بات کرو تو بڑی تعظیم سے بات کرو۔ اور جھکا دو ان کے لئے تواضع و انکسار کے پر رحمت (ومحبت) سے اور عرض کرو اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے (بڑی محبت و پیار سے) مجھے پالا تھا جب میں بچہ تھا"۔

آیت کریمہ میں "قَضٰى" کا لفظ حکم دینے کے معنی میں ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے: "وَصّٰى" (تاکیدی حکم دیا)۔ حضرات ابی بن کعب، ابن مسعود اور ضحاک بن مزاحم کی قرأت میں "قَضٰى" کی بجائے "وَصّٰى" ہے(4)۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی عبادت کا حکم اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ (لقمان: 14) "کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو میری طرف ہی لوٹنا ہے"۔ پھر فرمایا: اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ یعنی اپنے

1۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6 صفحہ 320، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، 4 صفحہ 2177
2۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 239-240
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ 122/2، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 407 وغیرہ
4۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 62-63

والدین کے حق میں اپنی زبان سے کوئی نازیبا بات اور برا کلمہ مت نکالیں حتیٰ کہ اف بھی نہ کہیں حالانکہ یہ تو معمولی چیز اور ہلکی سی بے ادبی ہے اور نہ ہی انہیں جھڑکیں، یعنی ان کی شان میں تمہاری طرف سے کسی فعل قبیح کا صدور نہیں ہونا چاہئے۔ عطاء بن ابی رباح وَلَا تَنْهَرْهُمَا کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بے ادبی سے ان کی طرف اپنا ہاتھ مت دراز کرو (1)۔ والدین کے معاملہ میں قول قبیح اور فعل قبیح سے ممانعت کے بعد اب اللہ تعالیٰ والدین کیساتھ خوش کلامی اور خوش اخلاقی سے پیش آنے کا حکم دے رہا ہے، فرمایا: وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا یعنی ادب، توقیر اور تعظیم کیساتھ نرم، عمدہ اور ملائم لہجہ میں ان سے مخاطب ہوں، مزید فرمایا: وَاخْفِضْ لَهُمَا یعنی اپنے عمدہ افعال کے ساتھ ان کے سامنے عاجزی اور تواضع کا اظہار کریں، آیت کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے: وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا ... یعنی اے میرے پروردگار! ان پر بڑھاپے میں اور وفات کے وقت رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں بڑے پیار سے میری پرورش کی تھی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اس آیت کے ذریعے کفار کے لئے طلب مغفرت سے منع کر دیا گیا: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (التوبۃ :113) '' درست نہیں ہے نبی کے لئے اور نہ ایمان والوں کے لئے کہ مشرکین کے لئے مغفرت طلب کریں اگرچہ وہ مشرک ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں جبکہ ان پر واضح ہو گیا کہ یہ دوزخی ہیں'' (2)۔

والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنے کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ منبر پر چڑھتے ہوئے تین دفعہ آمین کہی۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے آمین کس بنا پر کہی ہے؟ فرمایا: ''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے: اے محمد ﷺ اس شخص کی ناک خاک آلود (ذلیل) ہو جس کے پاس آپ ﷺ کا ذکر ہوا لیکن اس نے آپ پر درود نہ پڑھا، کہو آمین تو میں نے کہا: آمین۔ پھر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس ماہ رمضان آیا اور چلا گیا لیکن اس کی بخشش نہ ہوئی، کہو آمین، میں نے کہا: آمین، پھر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے والدین دونوں کو یا ان میں سے ایک کو پایا لیکن ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکا، کہیے آمین، میں نے کہا: آمین'' (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان والدین کے یتیم بچے کی پرورش کی اور اسے اپنے کھانے پینے میں شریک کیا یہاں تک کہ وہ بے نیاز ہو گیا تو اس شخص کے لئے یقیناً جنت واجب ہو گئی، اور جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا، اسے جہنم سے رہائی مل گئی، اس (غلام) کے ہر ہر عضو کے بدلے اس کا ہر ہر عضو جہنم سے آزاد ہو گا'' (4)۔ ایک دوسری سند سے مروی اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے: ''جس نے اپنے والدین یا دونوں میں سے کسی ایک کو پایا اور پھر بھی جہنم میں داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنی رحمت سے دور کرے'' (5)۔ حضرت مالک بن عمرو قشیری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے مسلمان غلام آزاد کیا تو یہ آگ سے اس کا فدیہ ہے، اس (غلام) کی ہر ہر ہڈی کے بدلے اس کی ہر ہر ہڈی (آگ سے) آزاد ہو گی۔ جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو پایا اور اس کے باوجود اس کی مغفرت نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کرے اور جس نے کسی مسلمان ماں باپ کے یتیم بچے کی کفالت کی اور اسے اپنے کھانے پینے میں شریک کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غنی کر دیا تو اس شخص کے لئے جنت لازم ہو گئی'' (6)۔ ایک اور روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے ماں باپ یا کسی

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 65
2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 68
3۔ صحیح مسلم، کتاب البر و، جلد 4 صفحہ 1978، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 254 وغیرہ
4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 344
5۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 29
6۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 344

ایک کو پایا، پھر اس کے باوجود جہنم میں داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کرے اور اسے تباہ و برباد کرے" (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو، ناک خاک آلود، ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا اور (خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا" (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر ہوا لیکن اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا، اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس ماہ رمضان آیا اور گزر گیا لیکن اس کی بخشش نہ ہوئی اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کی زندگی میں اس کے والدین بڑھاپے کو پہنچے لیکن وہ ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکا" (3)۔ حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، اسی اثناء میں ایک انصاری آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! کیا میرے والدین کی وفات کے بعد ان سے حسن سلوک مجھ پر ضروری ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، چار چیزیں ضروری ہیں، ان کی نماز جنازہ پڑھنا اور ان کے لئے مغفرت طلب کرنا، ان کے کئے ہوئے عہد کو پورا کرنا، ان کے دوستوں کا احترام کرنا اور ان کی طرف سے رشتہ داروں کیساتھ صلہ رحمی کرنا۔ یہ ایسا حسن سلوک ہے جو ان کی موت کے بعد تم پر واجب ہے" (4)۔ حضرت جاہمہ سلمی بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! میری خواہش ہے کہ جہاد میں شرکت کروں، اس سلسلہ میں آپ سے مشاورت کرنے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تمہاری ماں ہے؟" انہوں نے عرض کی: جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ، اس کی خدمت کرو۔ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔ مختلف مواقع پر دوبارہ اور سہ بارہ عرض کرنے پر آپ ﷺ نے یہی بات فرمائی" (5)۔ حضرت مقدام بن معدیکرب روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے باپوں کے متعلق وصیت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ماؤں کی بابت وصیت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ماؤں کے بارے میں وصیت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ماؤں کے متعلق وصیت فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں رشتہ داروں کی نسبت وصیت فرماتا ہے، سب سے زیادہ قریبی پھر اس کے قریب والا" (6)۔ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "دینے والے کا ہاتھ اونچا ہے، اپنی ماں سے حسن سلوک کرو، اپنے باپ سے، اپنی بہن سے، اپنے بھائی سے، پھر ان کے بعد جو قریبی رشتہ دار ہو، پھر اسی طرح درجہ بدرجہ" (7)۔ ایک آدمی اپنی ماں کو اٹھائے طواف کروا رہا تھا، وہ نبی کریم ﷺ سے عرض کرنے لگا کہ کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، ایک سانس کے برابر بھی نہیں" (8)۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ۝

"تمہارا رب بہتر جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم نیک کردار ہو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ بکثرت توبہ کرنے

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 29، مسند ابی داؤد طیالسی صفحہ 187-188
2۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1978، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 346
3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعاء، جلد 13 صفحہ 62، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 254
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 336، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1208-1209
5۔ سنن نسائی، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 11، سنن ابن ماجہ، ابواب الجہاد، جلد 2 صفحہ 929-930
6۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1207-1208، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 32
7۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 64-65
8۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب البر والصلۃ، جلد 2 صفحہ 371

والوں کے لئے بہت بخشنے والا ہے"۔

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے جلد بازی میں اپنے والدین کے حق میں کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے جسے وہ اپنے ذہن کے مطابق قابل مواخذہ نہیں سمجھتے۔ چونکہ ان کی نیت صاف ہوتی ہے اور بجز خیر کے انکا اور ارادہ نہیں ہوتا، اس لئے اللہ تعالیٰ ان پر نظر کرم فرماتا ہے(1)۔ قتادہ "اوابین" کا معنی اطاعت گزار نمازی بتاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے دو معانی منقول ہیں۔ (۱) تسبیح کرنے والے، (۲) اطاعت گزار اچھے اعمال بجالانے والے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھتے ہیں جبکہ بعض حضرات اس سے وہ لوگ مراد لیتے ہیں جو چاشت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب کے نزدیک یہ وہ لوگ ہیں جو گناہ کا ارتکاب کرلیں تو توبہ کرتے ہیں، پھر اگر گناہ ہو جائے تو توبہ کر لیتے ہیں۔ عطاء بن یسار، سعید بن جبیر اور مجاہد اس کا معنی بیان کرتے ہیں: خیر کی طرف رجوع کرنے والے۔ عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے استغفار کرتے ہیں۔ عبید بن عمیر کا ہی کہنا ہے کہ اواب وہ ہے جو ہر مجلس سے اٹھتے وقت یہ دعا پڑھے: "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَآ اَصَبْتُ فِیْ مَجْلِسِیْ ھٰذَا" (اے اللہ! اس مجلس میں جو لغزش مجھ سے سرزد ہوئی، اسے معاف فرما دے)۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اواب کا سب سے بہتر معنی یہ ہے: گناہ سے توبہ کرنے والا، نافرمانی سے اطاعت کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں سے اس کی محبوب چیزوں کی طرف رجوع کرنے والا(2)۔ یہ قول بالکل درست ہے کیونکہ اواب کا لفظ "اوب" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے رجوع کرنا۔ کہا جاتا ہے: "آبَ فلانٌ" (فلاں لوٹ آیا) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اِلَیْنَآ اِیَابَھُمْ (الغاشیہ:25) "بے شک انہیں ہماری طرف ہی لوٹنا ہے" حدیث صحیح میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر سے لوٹتے تو فرماتے: "اٰیِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ" (لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب ہی کی حمد کرنے والے)(3)۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا ﴿۲۸﴾

"اور دیا کرو رشتہ دار کو اس کا حق اور مسکین اور مسافر کو بھی اور فضول خرچی نہ کیا کرو۔ بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکر گزار ہے۔ اور اگر (بوجہ تنگدستی) تجھے ان سے منہ پھیرنا پڑے اور تم اپنے رب کی رحمت (یعنی خوشحالی) کے متلاشی ہو جس کی تمہیں توقع ہے (اس اثناء میں) ان سے بات کرو تو بڑی نرمی سے کرو"۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور محبت و مروت کے حکم کے بعد اب قرابت داروں کے ساتھ احسان اور صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "اپنی ماں اور اپنے باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو پھر درجہ بدرجہ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ"۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: "جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا رزق فراخ ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو وہ صلہ رحمی کیا کرے"(4)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 68 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 71 3۔ صحیح بخاری، کتاب العمرۃ، جلد 3 صفحہ 8، صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 978
4۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 3 صفحہ 73، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1982

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر باغ فدک عطا فرمایا(1)۔ حافظ ابوبکر بزار نے اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ اس کی سند محل نظر ہے۔ اگر اس کی سند کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ بھی روایت اشکال سے خالی نہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور فدک خیبر کے ساتھ 7ھ میں فتح ہوا۔ اس لئے ایسا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ حدیث منکر ہے اور رافضیوں کی وضع کردہ ہے۔ مساکین اور مسافرین کے متعلق بحث سورۂ براءت میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں کوئی ضرورت نہیں(2)۔ اس آیت کے آخر میں فرمایا: وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا انفاق (خرچ کرنا) کا حکم دینے کے بعد اسراف اور فضول خرچی کی ممانعت کر دی۔ ہر حال میں اعتدال کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان:67) ''اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی (بلکہ) ان کا خرچ کرنا اسراف اور بخل کے بین بین اعتدال سے ہوتا ہے'' پھر اسراف اور فضول خرچی سے نفرت دلاتے ہوئے فرمایا: اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ یعنی فضول خرچ لوگ اس معاملہ میں شیطانوں کے مشابہ ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تبذیر کا معنی بتاتے ہیں: ناحق خرچ کرنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر انسان اپنا تمام کا تمام مال حق کی راہ میں خرچ کر دے تو مبذر (فضول خرچ) نہیں ہوگا اور اگر غیر حق میں معمولی سا بھی خرچ کرے تو وہ مبذر کہلائے گا۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ تبذیر کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں، ناحق اور فساد کی غرض سے خرچ کرنا(3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنو تمیم کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! میں مالدار آدمی ہوں اور اہل وعیال، خاندان اور بڑے قبیلے والا ہوں، مجھے فرمائیے کہ میں کس طرح خرچ کروں اور کونسا طریقہ اپناؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر مال ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کر، کیونکہ یہ تجھے پاک کر دے گی، اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کر اور سائل، پڑوسی اور مسکین کے حقوق پہچان''۔ اس نے عرض کی: یارسول اللہ! قلیل الفاظ میں جامع بات فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا وہ شخص عرض کرنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے یہ کافی ہے۔ اگر میں آپ کے قاصد کو زکوٰۃ کی ادائیگی کر دوں تو میں اللہ اور اسکے رسول کے ہاں بری الذمہ ہو گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔ جب تم نے میرے قاصد کو زکوٰۃ دے دی تو تم بری الذمہ ہو گئے اور تمہیں اس کا اجر مل گیا۔ اب جو اس میں تغیر وتبدل کرے گا تو اس کا گناہ اسی پر ہوگا''(4)۔

فرمایا: اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ۔ یعنی فضول خرچی کرنے والے اسراف، بیوقوفی، ترک اطاعت اور ارتکاب معصیت میں شیطانوں کے بھائی ہیں، اسی لئے فرمایا: وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا یعنی شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار اور منکر ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا انکار کرتا ہے اور اس کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور مخالفت پر کمربستہ ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ۔ یعنی جب تمہارے قرابت دار اور دیگر وہ لوگ جنہیں عطا کرنے کا ہم نے تمہیں حکم دیا ہے، تم سے کسی چیز کا سوال کریں لیکن تمہارے پاس انہیں دینے کے لئے کچھ بھی نہ ہو اور افلاس کے سبب تمہیں ان سے منہ موڑنا پڑ جائے تو بھی ان سے نرم لہجے میں بات کرو یعنی ان سے وعدہ کر لو کہ جب اللہ تعالیٰ رزق سے نوازے گا تو ہم ان شاء اللہ ضرور تمہیں عطا کریں گے۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن اور قتادہ وغیرہ نے قَوْلًا

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر جلد 3 صفحہ 55
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ: 60
3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 74
4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 136

تَنْعِمْ کی تفسیر وعدہ سے کی ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ﴿٢٩﴾

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿٣٠﴾

''اور نہ بنا لو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن کے اردگرد اور نہ ہی اسے بالکل کشادہ کردو ورنہ تم بیٹھ جاؤ گے ملامت کئے ہوئے درماندہ۔ بے شک آپ کا رب کشادہ کرتا ہے روزی جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) یقیناً وہ اپنے بندوں (کے حالات) سے خوب آگاہ ہے اور (انہیں) دیکھنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ بخل کی مذمت کرتے ہوئے اور اسراف سے منع کرتے ہوئے زندگی میں میانہ روی اپنانے کا حکم ارشاد فرما رہا ہے، حکم ہوتا ہے: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ یعنی بخیل اور مال کو روک کر رکھنے والے نہ بنو کہ کسی کو کچھ عطا ہی نہ کرو جیسے کہ ملعون یہود (اس محاورہ کو استعمال کرتے ہوئے) کہتے: ''يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ'' (اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے)۔ یہ کہہ کر وہ غنی اور کریم ذات کی نسبت بخل کی طرف کرتے۔ پھر فرمایا: وَلَا تَبْسُطْهَا یعنی خرچ کرنے میں اسراف سے کام نہ لو کہ اپنی طاقت سے بڑھ کر اور آمدنی سے زیادہ عطا کرتے رہو ورنہ تم ملامت کئے ہوئے اور درماندہ ہو کر بیٹھ رہو گے۔ اس آیت میں لف ونشر ہے یعنی اگر تم بخل کے مرتکب ہوئے تو تم ملامت کئے ہوئے بیٹھے رہو گے، لوگ تمہیں ملامت کریں گے، تمہاری مذمت کریں گے اور تم سے بے نیاز ہو جائیں گے جیسا کہ زہیر بن ابی سلمٰی اپنے معلقہ میں کہتا ہے:

وَمَنْ يَكُ ذَا فَضْلٍ فَيَبْخَلْ بِفَضْلِهِ عَلَى قَوْمِهِ يُسْتَغْنَ عَنْهُ وَيُذْمَمِ (1)

یعنی جو شخص مالدار رہونے کے باوجود اپنی قوم سے بخل کرے تو اس سے وہ بے نیاز ہو جاتے ہیں اور اس کی مذمت کرتے ہیں۔

اگر تم اپنی طاقت سے بڑھ کر خرچ کرو گے تو تمہارے پاس خرچ کرنے کے لئے پھر کوئی چیز نہیں بچے گی، اس طرح تم درماندہ اور عاجز ہو جاؤ گے اور تمہاری حالت اس جانور کی سی ہوگی جو کمزوری اور تھکاوٹ کی وجہ سے چلنے سے عاجز ہو کر رک جاتا ہے، ایسے جانور کو حسیر کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ ایک اور مقام پر بھی استعمال ہوا ہے: فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ (الملک: 4-3) ''ذرا پھر نگاہ اٹھا کر دیکھ کیا تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ ڈالو، لوٹ آئے گی تیری طرف تیری نگاہ ناکام ہو کر دراں حالیکہ وہ تھکی ماندی ہوگی''۔ حضرات ابن عباس، حسن، قتادہ، ابن جریج، ابن زید اور دیگر حضرات نے اس آیت کی تفسیر بخل اور اسراف سے بیان کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بخیل اور سخی کی مثال ان دو آدمیوں جیسی ہے جن پر سینے سے گلے تک لوہے کے دو جبے ہوں۔ سخی جوں جوں خرچ کرتا ہے، اس کا جبہ اس کی جلد پر بڑھتا جاتا ہے حتی کہ اس کے پوروں کو چھپا لیتا ہے اور اس کے اثر کو زائل کر دیتا ہے اور بخیل جب بھی خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے، اس کے جبے کی کڑیاں اپنی جگہ چپٹی رہتی ہیں، وہ انہیں وسیع کرنا چاہتا ہے لیکن ان میں وسعت پیدا نہیں ہوتی'' (2)۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (مجھے) فرمایا: ''اس طرح، اس طرح اور اس طرح خرچ کرتی رہا کرو، بچا بچا کر نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ

1۔ دیوان زہیر بن ابی سلمٰی 30 2۔ فتح الباری، کتاب الزکاۃ، جلد 3 صفحہ 305، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 708-709

بھی تم سے روک لے گا اور نہ ہی سر بند کر کے جمع کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے سر بند کرے گا‘‘ (1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے: ’’گن گن کر نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی شمار کر کے تجھ سے روک لے گا‘‘۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ خرچ کرو، میں تمہیں عطا فرماؤں گا‘‘ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ہر صبح آسمان سے دو فرشتے اترتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: یا اللہ! خرچ کرنے والے کو جزا عطا فرما، دوسرا فرشتہ کہتا ہے: یا اللہ! بخیل کا مال تلف کر دے‘‘ (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے: ’’صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ ہر سخی کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے اور جو شخص رضائے الٰہی کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بلند کر دیتا ہے‘‘ (4)۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے: ’’حرص سے بچو کیونکہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاکت میں ڈال دیا، اس نے انہیں بخل کا حکم دیا تو وہ بخل کرنے لگے، اس نے انہیں قطع رحمی پر اکسایا تو وہ قطع رحمی کرنے لگے اور انہیں فسق و فجور پر آمادہ کیا تو وہ فسق و فجور پر کمر بستہ ہو گئے‘‘ (5)۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جب انسان صدقہ کرتا ہے تو ستر شیاطین کے جبڑے ٹوٹ جاتے ہیں‘‘ (6)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’میانہ روی اختیار کرنے والا محتاج نہیں ہوتا‘‘ (7)۔

اگلی آیت میں فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ ، آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی رازق، روزی کشادہ کرنے والا اور تنگ کرنے والا اور اپنی مشیت کے مطابق اپنی مخلوق میں تصرف کرنے والا ہے۔ وہ اپنی حکمت کے پیش نظر جسے چاہے غنی کر دے اور جسے چاہے فقیر بنا دے، اس لئے فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ یعنی وہ باخبر اور دیکھنے والا ہے، اسے بہتر معلوم ہے کہ کون خوشحالی کا مستحق ہے اور کون فقر کا، جیسا کہ حدیث قدسی میں آتا ہے: ’’میرے بعض بندے ایسے ہیں جن کے لئے فقر ہی بہتر ہے۔ اگر میں انہیں خوشحال بنا دوں تو ان کا دین برباد ہو جائے اور میرے بعض بندے ایسے ہیں جن کے لئے خوشحالی ہی موزوں ہے، اگر میں انہیں فقیر بنا دوں تو ان کا دین فساد کا شکار ہو جائے‘‘۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ بعض لوگوں کے حق میں امارت استدراج (ڈھیل) ہوتی ہے اور فقر سزا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝

’’اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشہ سے۔ ہم ہی رزق دیتے ہیں انہیں بھی اور تمہیں بھی۔ بلاشبہ اولاد کو قتل کرنا بہت بڑی غلطی ہے‘‘۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے جس قدر والد اپنی اولاد کے لئے ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، اسی طرح آباء کو وصیت کی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو وراثت میں اپنا مال دیں، زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا دستور تھا کہ وہ بچیوں کو وراثت میں شریک نہیں کرتے تھے بلکہ بعض تو اپنی بیٹیوں کو فقر و افلاس کے خوف سے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الہبہ، جلد 3 صفحہ 305، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 713
2۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 691
3۔ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 142، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 700
4۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2001
5۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 159-160
6۔ سنن بیہقی، کتاب الزکاۃ، جلد 4 صفحہ 187
7۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 447

اپنے ہاتھوں قتل کر دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم سے منع کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوْٓا۔۔۔ یعنی تم اپنی اولاد کو اس اندیشہ کے پیش نظر قتل نہ کرو کہ تمہیں (ان کی کفالت کے باعث) فقر کا سامنا کرنا پڑے گا، ان کے روزی رساں ہم ہیں، اس لئے رزق کی بہم رسانی کا ذکر کرتے ہوئے انہیں مقدم رکھا، فرمایا: نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ جبکہ سورۂ انعام میں یوں فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۚ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (الانعام: 151) ''اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی''۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ قَتْلَهُمْ۔۔ یعنی ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک اور قرأت میں خطأ ہے (1)۔ یہ دونوں ہم معنی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے''۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: ''تو اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں گے''۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: ''تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے'' (2)۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿32﴾

''اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ، بے شک یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے''۔

زنا، اس کے قریب لے جانے والے اسباب اور اس فعل قبیح پر اکسانے والے تمام امور کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بے حیائی، بہت بڑا گناہ اور بہت برا راستہ ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ حاضرین یہ سنتے ہی برافروختہ ہو گئے اسے جھڑکنے لگے اور کہنے لگے: چپ چپ، لیکن آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ میرے قریب آؤ۔ وہ آپ ﷺ کے قریب آیا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ جب وہ بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اسے اپنی ماں کے لئے پسند کرتے ہو؟'' عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم! میں آپ پر قربان جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسی طرح لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے یہ پسند نہیں کرتے۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا تم اپنی بیٹی کے لئے اسے پسند کرتے ہو؟'' عرض کی: نہیں، یارسول اللہ ﷺ! میں آپ پر قربان جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح دوسرے لوگ بھی اسے اپنی بیٹیوں کے لئے پسند نہیں کرتے۔ پھر پوچھا: ''کیا تم اپنی بہن کے لئے اسے پسند کرتے ہو؟'' عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم! میں آپ پر قربان جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوسرے لوگ بھی اسی طرح اپنی بہنوں کے لئے اسے پسند نہیں کرتے۔ پھر فرمایا: ''کیا تم اپنی پھوپھی کے لئے اس پسند کرتے ہو؟'' عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم! میں آپ ﷺ پر قربان۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ باقی لوگ بھی اسی طرح اسے فعل شنیع کو اپنی پھوپھیوں کے لئے پسند نہیں کرتے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم اسے اپنی خالہ کے لئے پسند کرتے ہو؟'' عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم! میں آپ پر قربان جاؤں۔ فرمایا: اسی طرح دوسرے لوگ بھی اسے اپنی خالاؤں کیلئے پسند نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر یہ دعا کی: ''اے اللہ! اس کا گناہ بخش دے، اس کے دل کو پاک کر دے اور اسے بدکاری سے بچا'' (3) اس کے بعد اس شخص نے پھر کبھی اس فعل کے ارتکاب کا تصور تک بھی نہ کیا۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''شرک کے بعد زنا سے بڑھ کر کوئی اور گناہ نہیں کہ آدمی

1۔ المبسوط فی القراءات العشر از ابوبکر بن مہران اصبہانی 228، تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 79

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ بقرۃ، جلد 8 صفحہ 163، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 90

3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 257-256

اپنا نطفہ ایسے رحم میں ڈالے جو اس کے لیے حلال نہیں''۔

وَ لَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ وَ مَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِیِّہٖ سُلۡطٰنًا فَلَا یُسۡرِفۡ فِّی الۡقَتۡلِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مَنۡصُوۡرًا ﴿۳۳﴾

''اور نہ قتل کرو اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور جو قتل کیا جائے ناحق تو ہم نے مقتول کے وارث کو (قصاص کے مطالبہ کا) حق دے دیا ہے پس اسے چاہئے کہ قتل میں اسراف نہ کرے۔ ضرور اس کی مدد کی جائے گی''۔

بغیر حق شرعی کے کسی کو قتل کرنے سے منع کیا جا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی ایسے مسلمان کا خون حلال نہیں ہے جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، بجز تین میں سے کسی ایک کے: قتل کے بدلے قتل، شادی شدہ زانی اور مرتد جو جماعت کو چھوڑنے والا ہو'' (1)۔ سنن میں ہے: ''ساری دنیا کا فنا ہو جانا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مسلمان کے قتل سے زیادہ آسان ہے'' (2)۔ فرمایا: وَ مَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا۔ یعنی جو شخص ناحق قتل ہو گیا تو اس کے وارث کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو قصاص میں قاتل کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو اسے معاف کر دے خواہ دیت (خون بہا) لیکر یا بغیر کسی عوض کے۔ عالم اجل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے عموم سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سلطنت پر استدلال کیا ہے کہ وہ زمام اقتدار سنبھال لیں گے کیونکہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ناحق شہید کر دیا گیا تو اموی ہونے کے ناطے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی تھے، اسی بناء پر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ وہ قاتلان عثمان کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ وہ ان سے قصاص لے سکیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں مہلت کے خواہاں تھے تاکہ وہ اقتدار کو مضبوط کر کے ایسا کر سکیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ مطالبہ تھا کہ وہ شام ان کے حوالے کر دیں لیکن حضرت معاویہ نے نہ صرف اہل شام سمیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر دیا بلکہ شام حوالے کرنے سے بھی انکار کر دیا جب تک وہ قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے حوالے نہیں کرتے۔ اسی کشمکش میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام پر اپنا قبضہ مستحکم کر لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اس آیت سے یہ استنباط بہت عجیب و غریب ہے۔ معجم طبرانی میں یہ روایت ہے کہ ایک رات قصہ گوئی کی محفل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے کہا کہ میں تمہیں ایک بات بتانے والا ہوں، نہ وہ پوشیدہ اور نہ علانیہ۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ امور سلطنت سے الگ تھلگ رہیں۔ اگر آپ کسی بل میں بھی ہوئے تو لوگ وہاں سے بھی آپ کو نکال لیں گے لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی۔ یاد رکھو، اللہ کی قسم! معاویہ ضرور تمہارے بادشاہ بنیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ مَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا ..... اور یاد رکھو یہ قریش تمہیں فارس و روم کے طریقوں پر آمادہ کریں گے اور نصاریٰ، یہود اور مجوس تم پر آ کھڑے ہوں گے۔ اس وقت جس نے معروف کو تھام لیا، اس نے نجات پالی اور جس نے چھوڑ دیا اور تم چھوڑنے والے ہی ہو، تم بھی ایک زمانے والوں کی طرح ہو گے، تو وہ بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوا (3)۔

1۔ فتح الباری، کتاب الدیات جلد 12 صفحہ 201، صحیح مسلم، کتاب القسامۃ، جلد 3 صفحہ 1302-1303

2۔ سنن نسائی، کتاب تحریم الدم، جلد 7 صفحہ 82، سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، جلد 2 صفحہ 874 وغیرہ 3۔ معجم کبیرہ، جلد 10 صفحہ 320، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 236

پھر قتل میں زیادتی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ یعنی قاتل کو قتل کرنے میں ولی زیادتی نہ کرے مثلاً اس کا مثلہ نہ کرے یا غیر قاتل سے قصاص نہ لے۔ آخر میں فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا یعنی مقتول کا ولی قاتل پر بلحاظ شریعت، غلبہ اور قدرت ہر طرح سے مدد لیا گیا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾

"اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر ایسے طریقہ سے جو (اس یتیم کے لئے) بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔ اور پورا کیا کرو اپنے عہد کو بے شک ان وعدوں کے بارے میں (تم سے) پوچھا جائے گا۔ اور پورا پورا ماپو جب تم کسی چیز کو ماپنے لگو اور تولو تو اسے ترازو سے تولو جو بالکل درست ہو۔ یہی طریقہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی بہت اچھا ہے"۔

یتیم کے مال میں نیک نیتی اور عمدہ طریقہ سے تصرف کرو جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:6) "اور نہ کھاؤ انہیں فضول خرچی سے اور جلدی جلدی اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے اور جو سرپرست غنی ہو تو اسے چاہئے کہ (یتیموں کے مال سے) پرہیز کرے اور جو سرپرست فقیر ہو تو وہ مناسب مقدار سے کھالے"۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اے ابوذر! میں تمہیں کمزور دیکھ رہا ہوں اور میں تمہارے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ کبھی دو آدمیوں کا امیر نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کا متولی بننا" (1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ۔ یعنی تم نے لوگوں کے ساتھ لین دین اور دیگر معاملات میں جو بھی عہد و پیمان اور معاہدے کر رکھے ہیں، انہیں پورا کرو کیونکہ عہد و پیمان اور معاہدوں کے متعلق ضرور باز پرس ہوگی، پھر ناپ تول کے متعلق فرمایا: وَاَوْفُوا الْكَيْلَ۔ یعنی جب تم ناپنے لگو تو بغیر ڈنڈی مارے پورا پورا ناپ کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دو، مزید برآں درست ترازو کے ساتھ وزن کیا کرو۔ قسطاس (میزان، ترازو) کی دوسری قرأت قسطاس ہے جیسے قرطاس (کاغذ)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ رومی زبان میں قسطاس کا معنی عدل ہے۔ مستقیم کا مطلب ہے درست جس میں کسی قسم کی کجی، انحراف اور اضطراب نہ ہو۔ صحیح ناپ تول ایسی عمدہ صفت ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں تمہارے لئے بہتر ہے، اسی لئے فرمایا: وَاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا یعنی آخرت میں اس کا انجام بخیر ہوگا۔ قتادہ آیت کے اس حصہ (ذلک خیر ..) کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ یہ از روئے ثواب بہتر اور بلحاظ عاقبت عمدہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اے تاجرو! دو چیزیں تمہارے سپرد کی گئی ہیں جن کی وجہ سے تم سے پہلے لوگ برباد ہوئے یعنی ناپ تول۔ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے: "جو شخص حرام پر قدرت رکھنے کے باوجود اسے محض خوف خدا کے سبب چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے آخرت سے پہلے دنیا میں ہی اس کے بدلے میں اس سے بہتر عطا فرما دیتا ہے" (2)۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1457-1458

2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 85

مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾

''اور نہ پیروی کرو اس چیز کی جس کا تمہیں علم نہیں۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق (تم سے) پوچھا جائے گا''۔

علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ''لَا تَقْفُ'' کا معنی ''لَا تَقُلْ'' بیان کرتے ہیں یعنی ایسی بات نہ کرو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں۔ عوفی نے آپ رضی اللہ عنہ سے اس کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ کسی شخص کی طرف ایسی بات منسوب نہ کرو جس کے متعلق تمہیں علم نہیں۔ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ کسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دو۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بغیر دیکھے یہ نہ کہو کہ میں نے دیکھا ہے، بغیر سنے یہ نہ کہو کہ میں نے سنا ہے اور بغیر جانے یہ نہ کہو کہ مجھے علم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کے متعلق تم سے باز پرس کرنے والا ہے۔ ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہم وگمان اور ظن وتخمین کی بناء پر بغیر یقینی علم کے کوئی بھی بات کرنے سے منع فرمادیا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات: 12) ''دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے، بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں''۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے'' (1)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''آدمی کا یہ تکیہ کلام بہت برا ہے کہ لوگ گمان کرتے ہیں'' (2)۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: ''بدترین جھوٹ یہ ہے کہ انسان ایسے خواب کا دعویٰ کرے جو اس نے نہیں دیکھا''۔ صحیح حدیث میں آیا ہے: ''جس شخص نے جھوٹ موٹ کا کوئی خواب گھڑ لیا اسے قیامت کے دن اس چیز کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ دو جو کے درمیان گرہ لگائے لیکن وہ ایسا نہیں کرسکے گا'' (3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: كُلُّ اُولٰٓئِكَ... یعنی قیامت کے دن کان، آنکھ اور دل ہر ایک کے متعلق باز پرس ہوگی اور پوچھا جائے گا کہ ان اعضاء کو کن مقاصد کے لئے استعمال کرتے رہے۔ یہاں ''تِلْكَ'' کی بجائے ''اُولٰٓئِكَ'' کا استعمال درست ہے جیسا کہ شاعر کے اس شعر میں:

ذُمَّ الْمَنَازِلَ بَعْدَ مَنْزِلَةِ اللِّوٰى وَالْعَيْشَ بَعْدَ أُولٰئِكَ الْأَيَّامِ (4)

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾

''اور نہ چلو زمین میں اکڑتے ہوئے۔ (اس طرح) نہ تم چیر سکتے ہو زمین کو اور نہ پہنچ سکتے ہو پہاڑوں کے برابر بلندی میں۔ یہ سب (جن کا ذکر گزرا) ان میں سے ہر بری بات اللہ تعالیٰ کو (سخت) ناپسند ہے''۔

اکڑ کر اور اتراتے ہوئے متکبرانہ چال سے منع کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا تَمْشِ... یعنی مغرور اور جابر لوگوں کی طرح اتراتے ہوئے اور مٹک مٹک کر نہ چلو کیونکہ نہ تو تم اپنی چال کے ساتھ زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی تم اپنی اکڑ، فخر وغرور اور خود پسندی کے باعث بلندی میں پہاڑوں کا مقابلہ کرسکتے ہو بلکہ بعض اوقات اس قماش کے لوگوں کو برعکس حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے: ''پہلے لوگوں میں ایک شخص دو چادریں زیب تن کئے ہوئے اترا اترا کر چلا جا رہا تھا، اسی اثناء میں اسے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، جلد 7 صفحہ 25، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1985

2۔ سنن ابی داود، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 294

3۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، جلد 9 صفحہ 54 6 ۔ دیوان جریر: 452

زمین کے اندر دھنسا دیا گیا۔ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی جائے گا" (1)۔ اسی طرح قارون کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے کہ وہ خوب آراستہ ہو کر اپنی قوم کے پاس آیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے محلات سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "جو شخص رضائے الٰہی کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بلند کر دیتا ہے، وہ خود کو حقیر سمجھتا ہے لیکن لوگوں کے ہاں وہ بلند مرتبہ ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر دیتا ہے۔ وہ اپنے تئیں بڑا آدمی سمجھتا ہے لیکن لوگ اسے حقیر سمجھتے ہیں حتیٰ کہ وہ لوگوں کے ہاں کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ مبغوض ہوتا ہے" (2)۔ ابوبکر بن ابی الدنیا کتاب الخمول والتواضع میں ذکر کرتے ہیں کہ ابن الاھیم دربار منصور کی طرف جاتے ہوئے حضرت حسنؓ کے پاس سے گزرا، وہ ریشمی جبہ پہنے ہوئے تھا، جو تہ بہ تہ اس کی پنڈلیوں کے اوپر سلا ہوا تھا، نیچے سے قباء دکھائی دے رہی تھی اور وہ شوخی سے اتراتے ہوئے چل رہا تھا۔ جب اس پر حسنؓ کی نظر پڑی تو آپ نے کہا: اُفوہ! ناک چڑھا، پہلو کو بل دیئے ہوئے، رخسار پھلائے ہوئے، اپنے پہلوؤں کو تکبر سے دیکھتے ہوئے، انعامات خداوندی کی ناشکری کرتے ہوئے، احکام الٰہی پس پشت ڈالتے ہوئے، حقوق اللہ فراموش کرتے ہوئے، دیوانوں کی سی چال چلتا، عضو عضو میں نعمت لئے اور شیطان کی لعنت اٹھائے وہ احمق جا رہا ہے۔ یہ سن کر ابن اھیم پلٹا اور آپؓ سے معذرت کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: مجھ سے معذرت نہ کر بلکہ بارگاہ خداوندی میں توبہ کر، کیا تم نے یہ فرمان نہیں سنا: وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا .... " (3)۔ بختری عابد نے آل علی میں سے ایک شخص کو اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو اسے فرمایا: اے شخص! جس شخص کے باعث تجھے یہ عزت حاصل ہے اس کی چال ایسی نہیں تھی۔ اس شخص نے فوری طور پر اس چال کو ترک کر دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: بلاشبہ ایسے لوگ ہی شیطان کے بھائی ہیں۔ حضرت خالد بن معدان نے فرمایا: اکڑ اکڑ کر چلنا ترک کر دو کیونکہ آدمی کا ہاتھ اس کے پورے جسم کا حصہ ہی تو ہے (4)۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب میری امت متکبرانہ چال چلنے لگے گی اور اہل فارس و روم ان کے خادم ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض پر مسلط کر دے گا" (5)۔

فرمایا: كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ ۔ سَیِّئُهٗ کی قرأت کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ قتل اولاد سے لے کر یہاں تک جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے، یہ سب قابل مواخذہ گناہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہیں۔ اگر سَیِّئَةً قرأت ہو تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وَقَضٰی رَبُّكَ .... سے لے کر یہاں تک جن چیزوں کا ذکر ہوا، ان سب کی برائی اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ ابن جریر نے یہی توجیہہ کی ہے (6)۔

ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤی اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾

"یہ ہدایات جنہیں بذریعہ وحی آپ کی طرف آپ کے رب نے بھیجا ہے دانائی کی باتوں میں سے ہیں۔ اور (اے سننے والے!) نہ بنا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ورنہ تجھے پھینک دیا جائے گا جہنم میں اس حال میں کہ تمہیں ملامت کی جائے گی اور

1۔ فتح الباری، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 258، صحیح مسلم، کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 1653-1654

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 44، کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 4 صفحہ 222-223

3۔ کتاب الخمول والتواضع از ابن ابی الدنیا، 263

4۔ کتاب الخمول والتواضع: 292-293

5۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، جلد 9 صفحہ 116

6۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 89

دھکے دیے جائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ہم نے بذریعہ وحی جن اخلاق جمیلہ کا آپ کو حکم دیا ہے اور جن صفات رذیلہ سے روکا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ لوگوں کو ان تعلیمات اور ارشادات کا حکم دیں۔ فرمایا: وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ یعنی اے مخاطب! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود مت ٹھہرا ورنہ تمہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور تمہاری حالت یہ ہوگی کہ تو خود بھی اپنے آپ کو ملامت کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اور مخلوق بھی تجھے ملامت کرے گی اور تجھے بارگاہ خداوندی سے دھتکار کر ہر بھلائی سے دور کر دیا جائے گا۔ ابن عباس اور قتادہ کہتے ہیں کہ مدحور کا معنی ہے مطرود (دھتکارا ہوا) اس آیت میں خطاب رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے امت کو ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ معصوم ہیں۔

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾

''پس کیا چن لیا ہے تمہیں تمہارے رب نے بیٹوں کے لئے اور (اپنے لئے) بنا لیا ہے فرشتوں کو بیٹیاں۔ (صد افسوس!) تم تو ایسی بات کہہ رہے ہو جو بہت سخت ہے''۔

ان ملعون جھوٹے مشرکین کی تردید ہو رہی ہے جو اپنے زعم میں فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھتے حالانکہ فرشتے تو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھ کر پھر ان کی پرستش کرنے لگے چنانچہ تینوں مقامات میں وہ بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مذمت کرتے ہوئے اور ان پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ ۔ یعنی کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیٹوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور تمہارے گمان کے مطابق اپنے لئے بیٹیاں منتخب کر لی ہیں، پھر شدید انکار کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ..... یعنی تم بڑی سنگین اور سخت بات کر رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے، پھر اولاد بھی بیٹیاں جنہیں تم نخوت کے باعث اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اور بعض اوقات انہیں زندہ درگور کر کے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہو، یہ کیسی ظالمانہ تقسیم ہے! ایک اور مقام پر فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ؕ لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْـًٔا اِدًّا ۙ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ؕ وَكُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا (مریم: 95-88)۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾

''اور بلاشبہ ہم نے مختلف انداز سے بار بار بیان کیا ہے (دلائل توحید کو) اس قرآن میں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں، (بایں ہمہ) سوائے نفرت کے ان میں کسی چیز کا اضافہ نہ ہوا''۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ (بنی اسرائیل: 89) ''اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں''۔ یعنی ہم نے قرآن کریم میں وعدے اور وعید طرح طرح سے بیان کر دیے ہیں تاکہ اس میں پائے جانے والے دلائل، آیات بینات اور مواعظ سے لوگ نصیحت حاصل کریں اور شرک، ظلم اور جھوٹ سے باز آ جائیں لیکن ظالم اسکے باوجود حق سے مزید دور ہو جاتے ہیں۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾

''آپ فرمایئے اگر ہوتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا جس طرح یہ کافر کہتے ہیں تو ان خداؤں نے (مل کر) تلاش کر لی ہوتی عرش کے مالک (پر غالب آنے کی) کوئی راہ۔ وہ پاک ہے اور وہ بہت برتر و بالا ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ یہ کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان مشرکین کو آگاہ کر دیں جو یہ گمان کئے ہوئے ہیں کہ مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کا اور شریک ہے اور وہ اسے قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر اس کی عبادت کرتے ہیں، آپ انہیں صاف صاف بتا دیں کہ اگر معاملہ ویسا ہی ہوتا جس طرح یہ کہہ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے معبود ہوتے جن کی عبادت کر کے یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کرتے، تو بھی یہ معبود بذات خود اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، اس کا قرب حاصل کرتے اور اس کی معرفت اور قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی وسیلہ تلاش کرتے، اس لئے تم صرف اسی خدائے واحد کی عبادت کرو، تمہیں کسی ایسے معبود کی ضرورت نہیں جو تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسیلہ بنے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ چیز سخت ناپسند ہے، وہ کسی صورت میں اس پر راضی نہیں اور تمام انبیاء و رسل کی زبانی اس نے اس سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ پھر اپنی تنزیہہ، پاکی اور تقدس بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والے مشرکین کی اس بات سے بہت برتر اور بالا ہے کہ اس کے ساتھ دیگر معبود ہیں، بلکہ وہ تو یکتا اور بے نیاز ہے، نہ اس کی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

''پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز ان میں موجود ہے۔ اور (اس کائنات میں) کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ بے شک وہ بہت بردبار، بہت بخشنے والا ہے''۔

ساتوں آسمان، زمین اور ان میں بسنے والی تمام مخلوق مشرکین کی ہرزہ سرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ، تعظیم، بڑائی، تسبیح اور پاکی بیان کر رہی ہے اور ربوبیت اور الوہیت میں اس کی وحدانیت کی گواہی دے رہی ہے، شاعر کہتا ہے:

فَفِیْ كُلِّ شَیْءٍ لَهٗ آيَةٌ تَدُلُّ علی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

یعنی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی نشانی ہے۔

قرآن کریم میں ایک مقام پر فرمایا: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (مریم:91-90) ''قریب ہے اس سے آسمان شق ہو جائیں اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ لرزتے ہوئے گر پڑیں کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ رحمٰن کا ایک بیٹا ہے''۔ حضرت عبدالرحمٰن بن قرط سے مروی ہے کہ شب معراج رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم اور چاہ زمزم کے درمیان

موجود تھے، جبرئیل علیہ السلام آپ کی دائیں جانب تھے اور میکائیل علیہ السلام بائیں جانب۔ وہ دونوں آپ ﷺ کو پرواز کرواتے ہوئے آسمان تک لے گئے۔ پھر وہاں سے واپسی ہوئی، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''میں نے بلند آسمانوں میں بہت سی تسبیحوں کے ساتھ یہ تسبیح سنی: ''سَبَّحَتِ السَّمٰوٰتُ الْعُلٰی، مِنْ ذِی الْمَهَابَةِ مُشْفِقَاتٍ لِذِی الْعُلُوِّ بِمَا عَلَا، سُبْحَانَ الْعَلِیِّ الْاَعْلٰی، سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی''(1)۔

اس کے بعد فرمایا: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ۔ یعنی مخلوقات میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے اس کی تسبیح کر رہی ہے لیکن اے لوگو! تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے، کیونکہ یہ تمہاری زبانوں میں نہیں۔ حیوانات، جمادات اور نباتات سب اس کی تسبیح میں مصروف ہیں۔ دو قولوں میں سے زیادہ مشہور یہی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کھانا کھایا جاتا تھا تو ہم اس کی تسبیح سنا کرتے تھے(2)۔ حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ میں چند کنکریاں لیں، شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ان کی تسبیح صاف سنائی دے رہی تھی، اسی طرح حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ہاتھ میں بھی۔ یہ مشہور حدیث مسانید میں مذکور ہے(3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کچھ لوگوں کے پاس آئے، وہ اپنے جانوروں اور اونٹنیوں پر سوار کھڑے تھے، آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: ''صحیح سالم جانوروں پر سواری کرو اور صحیح سالم حالت میں انہیں چھوڑ دیا کرو، رستوں اور بازاروں میں باتیں کرنے کے لئے انہیں کرسیاں نہ بنالیا کرو، بعض سواریاں اپنے سواروں سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر کرنے والی ہوتی ہیں''(4) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مینڈک کے قتل کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا: ''اس کی ٹرٹراہٹ تسبیح ہے''(5) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کلمۂ شکر ہے جس کے کہے بغیر کوئی بندہ اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اللہ اکبر زمین و آسمان کے درمیان فضا کو بھر دیتا ہے، سبحان اللہ مخلوق کی نماز ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے ہر ایک کو نماز اور تسبیح کا پابند بنایا ہے اور جب بندہ ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے اطاعت کی اور سر تسلیم خم کر لیا(6)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک اعرابی طیالسی جبہ پہنے ہوئے آیا جس کے کف اور بٹن ریشمی تھے، وہ کہنے لگا کہ تمہارے اس صاحب (نبی کریم ﷺ) کا یہ ارادہ ہے کہ وہ چرواہوں کی اولاد کو اونچا کرے اور رئیس زادوں کو ذلیل کرے۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ غضبناک ہو کر اس کی طرف بڑھے اور اسے گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے فرمایا: ''میں تمہیں دیکھتا کہ تم نے غیر ذوی العقول کا لباس پہن رکھا ہے'' پھر واپس آکر آپ ﷺ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: ''حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کے طور پر دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور دو سے منع کرتا ہوں۔ میں تمہیں شرک اور تکبر سے منع کرتا ہوں اور جن دو چیزوں کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں، ان میں سے ایک ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہنا ہے کیونکہ زمین و آسمان اور ان میں موجود تمام چیزوں کو اگر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کو رکھ دیا جائے تو یہ پلڑا ہی بھاری ہوگا اور اگر زمین و آسمان ایک حلقہ کی شکل اختیار کر لیں اور ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کو ان پر رکھ دیا جائے تو یہ انہیں پاش پاش کر دے۔ دوسری چیز جس کا میں تمہیں حکم دے رہا ہوں وہ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ

1۔ معجم طبرانی 2۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6 صفحہ 587

3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب علامات النبوۃ، جلد 3 صفحہ 135-136، مجمع الزوائد، جلد 8 صفحہ 298-299

4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 439 5۔ سنن نسائی 6۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 93

بِحَمْدِهٖ" کہتا ہے کیونکہ یہ ہر چیز کی نماز ہے اور اسی کے طفیل ہر چیز کو رزق دیا جاتا ہے"(1)۔ ابن جریر ایک حدیث بیان کرتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر نہ دوں جس کا حکم حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو دیا تھا؟ نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا: اے بیٹے! میں تمہیں سبحان اللہ کہنے کا حکم دیتا ہوں، کیونکہ یہ مخلوق کی نماز اور مخلوق کی تسبیح ہے اور اسی کے سبب مخلوق کو رزق دیا جاتا ہے"۔ اس کی سند میں ضعف ہے کیونکہ اس کا راوی اودی اکثر کے نزدیک ضعیف ہے۔ عکرمہ اس فرمان وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ...... کے متعلق کہتے ہیں کہ ستون تسبیح بیان کرتا ہے اور درخت بھی تسبیح کرتا ہے، کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ دروازے کی چرچراہٹ اس کی تسبیح ہے اور پانی کی خرخراہٹ اس کی تسبیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ ابراہیم فرماتے ہیں کہ کھانا بھی تسبیح بیان کرتا ہے، اس کی دلیل سورۂ حج کی آیت سجدہ ہے۔ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ ہر ذی روح چیز تسبیح کر رہی ہے یعنی حیوانات اور نباتات۔ حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز تسبیح میں مشغول ہے جس میں روح ہے(2)۔

ایک مرتبہ حضرت حسن بصری یزید رقاشی کے ساتھ کھانے پر موجود تھے۔ خوان (لکڑی کا دسترخوان) لایا گیا تو یزید رقاشی پوچھنے لگے: اے ابوسعید! کیا خوان بھی تسبیح کرتا ہے؟ حضرت حسن نے جواب دیا کہ یہ تسبیح کیا کرتا تھا(3)۔ آپ کے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ جب لکڑی کا یہ ٹکڑا سرسبز تھا تو اس وقت یہ تسبیح کیا کرتا تھا لیکن کاٹنے کے بعد جب یہ خشک ہو گیا تو ساتھ ہی اس کی تسبیح بھی منقطع ہو گئی، اس کی تائید حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: "ان دونوں (قبر والوں) کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی چیز کے سبب انہیں عذاب نہیں ہو رہا ہے۔ ان میں سے ایک تو پیشاب سے احتراز نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلخوری کیا کرتا تھا"۔ پھر آپ نے ایک تر ٹہنی لے کر اس کے دو حصے کئے اور ہر قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، پھر فرمایا: "جب تک یہ خشک نہ ہوں، ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی"(4)۔ اس حدیث پر گفتگو کرنے والے بعض علماء کا کہنا ہے کہ حدیث شریف میں یہ الفاظ ہیں: "مَالَمْ یَیْبَسَا" (جب تک خشک نہ ہوں)، کیونکہ جب تک یہ تر اور سبز ہیں تسبیح جاری رہے گی اور خشک ہو جانے کی صورت میں ان کی تسبیح منقطع ہو جائے گی۔ آیت کا اختتام ان الفاظ پر کیا: اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا یعنی وہ اپنے نافرمان کو فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ اسے ڈھیل اور مہلت دیتا ہے، اس کے باوجود اگر وہ کفر اور عناد پر مصر رہے تو اسے پوری سختی کے ساتھ پکڑ لیتا ہے جیسے کہ حدیث شریف میں ہے: "اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا"(5)۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِیَ ظَالِمَةٌ (ہود: 102) "اور یونہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو دراں حالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں"۔ دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ كَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَمْلَیْتُ لَهَا وَ هِیَ ظَالِمَةٌ (الحج: 48) "اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں میں نے ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھی"۔ فَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِیَ ظَالِمَةٌ (الحج: 45) "پس کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں"۔ جو شخص کفر اور نافرمانی سے باز آ جائے اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر کے اسی کی طرف رجوع کر لے تو ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ نظر کرم فرماتا ہے جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا: وَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (النساء: 110) "اور جو شخص برا کام کر بیٹھے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 225، جلد 2 صفحہ 169-170 — 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 92 — 3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 92

4۔ صحیح بخاری، کتاب الوضو، جلد 1 صفحہ 64، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 240-241

5۔ فتح الباری، کتاب التفسیر، جلد 8 صفحہ 354، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997-1998

بڑا بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا''، اور یہاں فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۔ سورۂ فاطر کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۔۔۔ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (فاطر:45-41)۔

وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

''اور (اے محبوب!) جب آپ پڑھتے ہیں قرآن کو تو ہم (حائل) کر دیتے ہیں آپ کے درمیان اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ جو آنکھوں سے نہاں ہوتا ہے۔ اور ہم ڈال دیتے ہیں ان کے دلوں پر پردہ تا کہ وہ اسے سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی (پیدا کر دیتے ہیں)۔ اور جب آپ ذکر کرتے ہیں صرف اپنے رب کا قرآن میں تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں نفرت کرتے ہوئے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ جب آپ ان مشرکین پر قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان ایک پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں۔ قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ اس سے مراد دلوں پر پڑنے والا پردہ ہے(1) جیسا کہ فرمایا: وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ (حم السجدۃ:5)'' اور انہوں نے کہا ہمارے دل غلافوں میں ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے''، یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان ایسا پردہ حائل ہے جو تمہاری بات ہم تک پہنچنے میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ یہاں آیت کریمہ میں مستور بمعنی ''سَاتِر'' ہے جس طرح ''مَيْمُوْن'' (مبارک) بمعنی ''يَامِن'' اور ''مَشْئُوْم'' (منحوس) بمعنی ''شَائِم''۔ بعض نے کہا ہے کہ مستور اسم مفعول کے معنی میں ہی ہے یعنی آنکھوں سے نہاں، جسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں لیکن اس کے باوجود یہ ان کے اور ہدایت کے درمیان حائل پردہ ہے۔ ابن جریر کا میلان اسی طرف ہے(2)۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سورۂ تبت نازل ہوئی تو کانی ام جمیل واویلا کرتی ہوئی، ہاتھ میں پتھر لئے ہوئے اور یہ یاوہ گوئی کرتے ہوئے آئی کہ ہم مذمم (مشرکین آپ ﷺ کو محمد کی بجائے مذمم کہتے) کا انکار کرتے ہیں، اس کا دین ہمیں ناپسند ہے اور ہم اس کے حکم کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ سے عرض کرنے لگے کہ یہ نابکار آ رہی ہے، مجھے خدشہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کو دیکھ لے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گی''۔ آپ ﷺ نے اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے یہی آیت وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ ۔۔ تلاوت کی۔ وہ آئی اور آ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہوئی لیکن نبی کریم ﷺ کو نہ دیکھ سکی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگی: مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہارے صاحب نے میری ہجو کی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، رب کعبہ کی قسم! آپ ﷺ نے تمہاری ہجو نہیں کی۔ وہ یہ کہتی ہوئی واپس پلٹ گئی کہ قریش کو علم ہے کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔

دوسری آیت میں فرمایا: وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً ...... اکنہ، کنان کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ پردہ ہے جو دل کو ڈھانپ لیتا ہے،

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 93
2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ

یعنی ہم ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ قرآن کریم سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں ثقل اور گرانی پیدا کر دیتے ہیں جس کے باعث وہ قرآن کریم اس طرح نہیں سنتے کہ وہ انہیں نفع پہنچائے اور ہدایت کی راہ پر گامزن کرے، ان کی حالت تو یہ ہے: وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ .. یعنی جب آپ تلاوت قرآن کرتے وقت صرف اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی ندا دیتے ہیں تو یہ نفرت سے پیٹھ پھیر کر اور روگردانی کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ نفور، نافر کی جمع ہے جیسے قعود، قاعد (بیٹھنے والا) کی جمع ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ غیر فعل کا مصدر ہو۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ (الزمر: 45) "اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے"۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب مسلمان "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہتے ہیں تو مشرکین کو یہ کلمہ سخت ناپسند لگتا اور یہ ان پر بہت گراں گزرتا۔ ابلیس اور اس کے لشکر نے اس کلمہ کو دبانے کی بھرپور کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ وہ اسے عام کرے، اعلیٰ وارفع بنائے اور منکرین پر اسے غلبہ عطا فرمائے۔ یہ ایسا کلمہ ہے کہ جس نے اس کی مدد سے جھگڑا کیا، وہ فلاح پا گیا اور جس نے اس کی معاونت سے مقاتلہ کیا، اسے مدد اور تائید الٰہی حاصل ہو گئی۔ یہ وہ کلمہ ہے جسے وسیع وعریض جزیرہ عرب کے لوگ نہ پہچانتے تھے اور نہ اس کا اقرار کرتے تھے لیکن یہ سارے جزیرہ میں پھیل گیا اور تمام عرب اس سے روشناس ہو گئے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت وَ اِذَا ذَكَرْتَ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مراد شیاطین ہیں جو روگردانی کر کے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ بات درست ہے کہ شیاطین اس وقت بھاگ کھڑے ہوتے ہیں جب قرآن کی تلاوت کی جائے یا اذان دی جائے یا اللہ کا ذکر کیا جائے لیکن اس آیت کی یہ تفسیر بہت غریب اور انوکھی ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿٤٧﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٤٨﴾

"ہم خوب جانتے ہیں جس غرض کے لئے یہ سنتے ہیں اسے جب یہ کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور (ہم خوب جانتے ہیں) جب یہ سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اس وقت یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم نہیں پیروی کر رہے مگر ایک ایسے آدمی کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ دیکھئے (یہ گستاخ) کس طرح آپ کے لئے مثالیں بیان کرتے ہیں پس (اس گستاخی کے باعث) وہ گمراہ ہو گئے اب وہ سیدھے راستہ پر چل نہیں سکتے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو روسائے کفار قریش کی سرگوشیوں کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ جب آپ تلاوت قرآن کر رہے ہوتے ہیں تو یہ چھپکے چھپکے آپ کی طرف کان لگا کر قرآن کریم سنتے ہیں اور پھر سرگوشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس شخص پر کسی نے جادو کیا ہے۔ مسحور یا تو سحر (جادو) سے مشتق ہے یا سحر (پھیپھڑا) سے، اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اگر تم محمد (ﷺ) کی اتباع کرو گے تو ایسے بشر کی اتباع کرو گے جو کھاتا ہے۔ یہ لفظ کھانے کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے مثلاً راجز کہتا ہے: "نُسْحَرُ بِالطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ" یعنی اسے غذا دی جاتی ہے (2)۔

ابن جریر نے اس قول کی تصویب کی ہے لیکن یہ محل نظر ہے کیونکہ آپ کو مسحور کہنے سے یہاں ان کی مراد یہ تھی کہ اس شخص کو جادو کیا گیا

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 94
2۔ دیوان راجز 112، تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 96

ہے، کوئی سمجھدار آدمی اس کو کوئی کلام سکھا دیتا ہے جسے پڑھ کر وہ ہمیں سنا دیتا ہے۔ وہ کفار آپ ﷺ پر طرح طرح کے آوازے کستے۔ کوئی کہتا کہ یہ شاعر ہے، کوئی کہتا: یہ کاہن ہے، کوئی کہتا: یہ مجنون ہے اور کوئی کہتا کہ یہ جادوگر ہے، اسی لئے فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ دیکھیں یہ لوگ آپ کے لئے کیسی کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں۔ یہ گمراہ ہو گئے اور کبھی بھی یہ حق اور نجات کی راہ نہیں پائیں گے۔ ایک رات ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام اور اخنس بن شریق اپنے گھروں سے نکلے تا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے قرآن کریم سنیں۔ آپ ﷺ اس وقت اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے وہ قرآن کریم آسانی سے سن سکتا تھا لیکن ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ وہ ساری رات آپ ﷺ کی زبانی تلاوت قرآن سنتے رہے۔ جب فجر طلوع ہوئی تو ہر ایک نے اپنے گھر کی راہ لی۔ رستے میں اتفاقاً سب کی ملاقات ہوگئی تو وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ آئندہ یہاں مت آنا، کیونکہ اگر کسی ناسمجھ نے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو خواہ مخواہ الجھن کا شکار ہو جائے گا۔ اس پر اتفاق کر کے وہ چل دیئے، لیکن اگلی رات وہ پھر چلے آئے اور اپنی اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ کر پوری رات قرآن سنتے رہے۔ فجر طلوع ہوتے ہی وہاں سے چل دیئے، پھر اتفاق ایسا ہوا کہ رستے میں تینوں کی ملاقات ہوگئی اور پہلی رات والی گفتگو کا اعادہ ہوا۔ تیسری رات پھر وہ سماعت قرآن کے لئے آ نکلے، رات بھر سنتے رہے، فجر ہوئی تو ہر ایک نے اپنی اپنی راہ لی، اب پھر رستہ میں تینوں کی ملاقات ہوگئی تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہم پختہ عہد کرتے ہیں کہ آئندہ ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔ یہ عہد و پیمان کر کے تینوں جدا ہو گئے۔ صبح کے وقت اخنس بن شریق اپنی لاٹھی تھامے ابوسفیان کے گھر آ دھمکا اور ابوسفیان سے کہنے لگا کہ جو تم نے محمد ﷺ سے سنا ہے، اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ کہنے لگا: اے ابوثعلبہ! قسم بخدا! میں نے چند اشیاء ایسی سنی ہیں جنہیں میں پہچانتا ہوں اور ان کے معانی کا مجھے علم ہے لیکن چند چیزیں ایسی بھی سنی ہیں جن کے معنی اور مراد کا مجھے علم نہیں۔ یہ سن کر اخنس کہنے لگا: اللہ کی قسم! میری بھی یہی کیفیت ہے۔ پھر وہاں سے نکل کر اخنس ابوجہل کے گھر آیا اور اسے کہنے لگا: اے ابوالحکم! اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جو تم نے محمد ﷺ سے سنا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ حصول شرف کی دوڑ میں ہمارا بنو عبد مناف کے ساتھ جھگڑا چلا آ رہا ہے، انہوں نے کھلایا، ہم نے بھی کھلایا، انہوں نے لوگوں کو سواریاں دیں، ہم نے بھی لوگوں کو سواری کے جانور فراہم کئے، وہ عطا کرتے رہے، ہم بھی عطا کرتے رہے حتیٰ کہ جب ہم گھوڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح مساوی ہو گئے اور وہ ہم پر برتری حاصل نہ کر سکے تو یہ دعویٰ کرنے لگے کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کے پاس آسمان سے وحی اترتی ہے، بھلا ہم کب یہ مرتبہ پا سکتے ہیں، اللہ کی قسم! نہ ہم اس پر ایمان لائیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔ یہ سن کر اخنس اٹھ کھڑا ہوا اور اسے چھوڑ کر چل دیا(1)۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ
حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ
فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ
يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾

''اور انہوں نے (ازراہ انکار) کہا کہ جب ہم (مر کر) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہمیں اٹھایا جائے گا از سر نو

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 316-315

پیدا کر کے۔ فرمایئے (یقیناً ایسا ہی ہوگا) خواہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ۔ یا کوئی ایسی مخلوق بن جاؤ جس کا ازسرنو پیدا کرنا تمہارے خیال میں بہت مشکل ہے وہ کہیں گے ہمیں دوبارہ کون (زندہ کر کے) لوٹائے گا؟ فرمایئے وہی جس نے پیدا فرمایا تمہیں پہلی مرتبہ۔ پس وہ حیرت سے آپ کی طرف (دیکھ کر) سروں کو جنبش دیں گے اور پوچھیں گے ایسا کب ہوگا؟ آپ بتایئے شاید اس کا وقت قریب ہی ہو۔ اس دن کو یاد کرو جب تمہیں اللہ تعالیٰ بلائے گا۔ سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور یہ گمان کر رہے ہو گے کہ تم نہیں ٹھہرے (دنیا میں) مگر تھوڑا عرصہ"۔

مجاہد کے نزدیک رفات کا معنی مٹی ہے جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا معنی غبار بتاتے ہیں۔ کفار کے متعلق خبر دی جا رہی ہے جو وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہوئے اور اس کا انکار کرتے ہوئے پوچھتے کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور مٹی بن جائیں گے تو کیا ہمارے بوسیدہ اور فنا ہو جانے کے بعد قیامت کے دن ہمیں ازسرنو پیدا کر کے اٹھایا جائے گا، جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: یَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَةِ ۝ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ (النازعات: 10-12)" کافر کہتے ہیں کیا ہم الٹے پاؤں پلٹائے جائیں گے؟ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے؟ بولے یہ واپسی تو بڑے گھاٹے کی ہوگی"۔ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (یٰسین: 78)" اور بیان کرنے لگا ہمارے لئے مثالیں اور اس نے اپنی پیدائش کو فراموش کر دیا، کہتا ہے کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں"۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ انہیں یہ جواب دیں: قُلْ كُوْنُوْا...... کیونکہ پتھر اور لوہا دونوں چیزیں ہڈیوں اور مٹی سے سخت ہیں، مطلب یہ ہوا کہ خواہ تم پتھر بن جاؤ، یا لوہا یا کوئی ایسی مخلوق جس کو ازسرنو پیدا کرنا تمہارے خیال میں بہت مشکل ہے تو بھی اللہ تعالیٰ تمہیں نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سے مراد موت لیتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر تم مردے بن جاؤ تو بھی میں تمہیں زندہ کروں گا۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ اگر تم بالفرض موت کے گھاٹ اتر جاؤ جو حیات کی ضد ہے، تو بھی اللہ تعالیٰ جب چاہے گا تمہیں ازسرنو زندہ کر دے گا، (1) کیونکہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ اس پر ممتنع اور مشکل نہیں ہوتی۔

ابن جریر نے یہاں ایک حدیث ذکر کی ہے: "قیامت کے دن موت کو ایک سیاہ و سفید مینڈھے کی شکل میں جنت اور دوزخ کے درمیان لا کھڑا کیا جائے گا، پھر کہا جائے گا: اے اہل جنت! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں، پھر اہل جہنم سے کہا جائے گا کہ کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں۔ چنانچہ اسے جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا، پھر کہا جائے گا: اے جنتیو! بغیر موت کے ہمیشگی ہے۔ اے دوزخیو! بلا موت خلود ہے" (2)۔

مجاہد اَوْ خَلْقًا... کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مراد آسمان، زمین اور پہاڑ ہیں۔ امام مالک سے اس کی تفسیر موت مروی ہے۔ آگے فرمایا: فَسَيَقُوْلُوْنَ یعنی وہ کہیں گے کہ جب ہم پتھر، لوہا یا کوئی اور سخت مخلوق بن گئے تو ہمیں کون زندہ کر کے لوٹائے گا؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ وہی ذات تمہیں لوٹائے گی جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا، حالانکہ تم قابل ذکر چیز تھے ہی نہیں، پھر تم چلتے پھرتے انسان بن گئے۔ اب تم جس حالت میں بھی منتقل ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور لوٹائے گا اور وہ اس پر پوری طرح قادر ہے جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم: 27)" اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 98
2۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 415،406

بنائے گا اور یہ آسان تر ہے''۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ فَسَيُنْغِضُوْنَ... کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ آپ کو دیکھ کر بطور استہزاء اپنے سروں کو جنبش دیں گے۔ یہ معنی لغت عرب کے عین مطابق ہے کیونکہ انغاض کا معنی ہے: نیچے سے اوپر تک یا اوپر سے نیچے تک حرکت کرنا۔ شتر مرغ کے بچے کو نغض کہا جاتا ہے کیونکہ وہ چلتے وقت تیز رفتاری سے چلتا ہے اور اپنے سر کو حرکت دیتا ہے، اسی طرح جب دانت جڑھ سے ہلنے لگے تو کہا جاتا ہے: "نَغَضَتْ سِنُّهٗ'' آگے فرمایا: وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ وقوع قیامت کو بعید اور محال سمجھتے تھے جیسا کہ دوسرے مقامات پر فرمایا: وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (یونس:48)'' اور وہ کہتے ہیں کہ (عذاب کا) یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو''۔ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا (الشوریٰ:18)'' جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے''، جواب میں فرمایا: قُلْ عَسٰى ۔ یعنی اس سے ڈرو، کیونکہ یہ تمہارے قریب ہی ہے اور لازمی طور پر وقوع پذیر ہوگی، ہر آنے والی چیز کا آنا حتمی ہوتا ہے۔ آخری آیت میں فرمایا: يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ ... یعنی جب اللہ تعالیٰ تمہیں بلائے گا اور قبروں میں سے نکلنے کا حکم دے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی دعوت پر لبیک کہو گے، اس کے حکم کی مخالفت نہیں کی جا سکتی جیسا کہ فرمایا: اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ (الروم:25)'' جب وہ تمہیں زمین پر بلائے گا تو تم فوراً باہر نکل آؤ گے''۔

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (القمر:50)'' اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو پلک جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے''، اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (النحل:40)'' ہمارا فرمان کسی چیز کے لئے جب ہم اس (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کرتے ہیں، صرف اتنا کہنا ہے کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے''، فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (النازعات:13-14)'' بس (واپسی کے لئے) ایک جھڑک ہی کافی ہے پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے''۔ یعنی ایک ہی جھڑک سے تمام لوگ زمین کے شکم سے باہر نکل آئیں گے جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ ۔ یعنی تم سب اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہو گے اور اس کے ارادہ کی اطاعت کرو گے۔ حضرت ابن عباس اور ابن جریج کے نزدیک یہاں حمد سے مراد امر ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس سے مراد معرفت اور اطاعت ہے۔ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ ہر حال میں اسی کے لئے حمد ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں کو قبروں کے اندر کوئی وحشت نہیں ہوگی، گویا کہ میں لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اور لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہوئے اپنی قبروں سے اٹھ رہے ہیں'' ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ وہ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (فاطر:34) کہتے ہوئے اٹھیں گے، اس کا بیان سورۂ فاطر میں ہوگا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: "وَتَظُنُّوْنَ'' یعنی جب تم قبروں سے اٹھو گے تو تم یہ گمان کرو گے کہ تم دنیا میں تھوڑی سی مدت ٹھہرے رہے جیسا کہ متعدد مقامات پر اسے بیان کیا گیا ہے، فرمایا: كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا (النازعات:46)'' گویا وہ جس روز اسے دیکھیں گے (انہیں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح''، يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا (طٰہٰ:102-104)'' جس روز صور پھونکا جائے گا اور اس دن ہم مجرموں کو جمع کریں گے اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی چپکے چپکے آپس میں کہیں گے کہ نہیں رہے تم دنیا میں مگر دس دن۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جب کہ ان میں سب سے زیادہ زیرک کہے گا کہ نہیں ٹھہرے ہو تم مگر ایک دن''۔ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا

يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ (الروم:55)'' اور جس روز قیامت قائم ہوگی مجرم قسمیں اٹھائیں گے کہ وہ دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی یونہی وہ (پہلے بھی) غلط بیانی کیا کرتے تھے''۔ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ۝ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ۝ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (المومنون:114-112)'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم زمین میں کتنے سال ٹھہرے رہے؟ کہیں گے ہم ٹھہرے تھے بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ آپ سال گننے والوں سے پوچھ لیں۔ ارشاد ہوگا تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ، کاش! تم جان لیتے''۔

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝

'' اور آپ حکم دیجئے میرے بندوں کو کہ وہ ایسی باتیں کریں جو بہت عمدہ ہوں۔ بے شک شیطان فتنہ وفساد برپا کرنا چاہتا ہے ان کے درمیان۔ یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے اور رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ میرے مومن بندوں کو یہ حکم دے دیں کہ وہ ایک دوسرے سے بات چیت اور گفتگو کرتے ہوئے خوش کلامی، نرمی اور عمدہ الفاظ سے پیش آئیں، کیونکہ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو شیطان ان کے درمیان فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا دے گا، شر کی تخم ریزی کرے گا اور نوبت لڑائی جھگڑے تک پہنچ جائے گی۔ یہ لعین تو اس وقت سے ہی آدم علیہ السلام اور اولاد آدم علیہ السلام کا کھلا دشمن ہے جب اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کی عداوت ظاہر اور عیاں ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ شیطان کی انگیخت پر وہ اپنے بھائی پر وار کر دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص اسلحہ سے اپنے بھائی کی طرف اشارہ نہ کرے، کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ شاید وہ شیطان کی انگیخت کا شکار ہو کر جہنم کے گڑھے میں جا گرے''(1) ایک مرتبہ لوگوں کے مجمع میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے بے یار و مددگار چھوڑ سکتا ہے۔ تقویٰ یہاں (سینہ میں) ہے۔ دو شخص رضائے الٰہی کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہیں، پھر کسی وجہ سے ان کے درمیان جدائی پڑ جاتی ہے۔ ان میں سے جدائی کا سبب بننے والا اور اسے بیان کرنے والا شریر ہے، شریر ہے، شریر ہے''(2)۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝

'' تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے۔ اگر چاہے تو تم پر رحم (وکرم) فرمادے اور اگر چاہے تو تمہیں سزا دے۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر (تاکہ ان کے کفر کے لئے آپ جوابدہ ہوں) اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور بے شک ہم نے بزرگی دی ہے بعض انبیاء کو بعض پر اور ہم نے عطا فرمائی ہے داؤد کو زبور''۔

1۔ فتح الباری، کتاب الفتن، جلد 13 صفحہ 23، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2020 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 71

اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں خوب جانتا ہے، اسے معلوم ہے کہ کون تم میں سے ہدایت کا مستحق ہے اور کون مستحق نہیں ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں اپنی اطاعت اور انابت کی توفیق دے کر تم پر رحم فرمائے اور اگر اس کی مرضی ہو تو تمہیں عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دے اور اے میرے پیارے رسول ﷺ! ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار نہیں بنا کر بھیجا۔ آپ کا فریضہ یہ ہے کہ آپ ﷺ انہیں بروقت خبردار کریں۔ جو آپ ﷺ کی اطاعت کرے گا، جنت میں داخل ہوگا اور جو آپ ﷺ کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا: وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ..... یعنی آپ کا رب اطاعت و معصیت میں مخلوق کے درجات اور مراتب سے خوب واقف ہے۔ انبیاء کرام میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت اور بزرگی عطا کی گئی جیسا کہ فرمایا: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (البقرہ: 253) ”یہ سب رسول، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان میں سے کسی سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور ان میں سے بعض کے درجے بلند کئے“۔ یہ آیات اس حدیث کے منافی اور متضاد نہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ“(1) (انبیاء کے درمیان فضیلت قائم نہ کرو)، کیونکہ اس میں اس تفضیل سے منع کیا گیا ہے جس کی بنیاد خواہش نفس اور تعصب ہو ورنہ اگر کسی دلیل سے فضیلت ثابت ہو جائے تو اس کی اتباع ضروری ہے۔ دیکھیں، اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول تمام انبیاء سے افضل ہیں اور پھر رسولوں میں سے اولوالعزم رسولوں کو افضلیت حاصل ہے۔ ان کی تعداد پانچ ہے جن کا ذکر ان آیات میں موجود ہے: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ (الاحزاب: 7) ”اور یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی“۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوریٰ: 13) ”اس نے تمہارے لئے وہ دین مقرر فرمایا ہے جس کا اس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جسے ہم نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کی طرف بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا“۔ اور یہ بات بھی اختلاف سے بالاتر ہے اور مشہور بھی یہی ہے کہ ان میں سب سے افضل حضرت محمد ﷺ ہیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام، پھر موسیٰ علیہ السلام، پھر عیسیٰ علیہ السلام۔ ہم نے ایک اور مقام پر اس بحث کو دلائل سمیت شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت اور شرف پر آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”داؤد علیہ السلام پر قرآن (زبور) نہایت آسان کر دیا گیا تھا، وہ اپنی سواری پر زین کسنے کا حکم دیتے تو اس سے فراغت سے پہلے ہی قرآن ختم کر لیتے“(2)۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿٥٦﴾
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ
يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿٥٧﴾

”(انہیں) کہیے اب بلاؤ ان کو جنہیں تم گمان کیا کرتے تھے (کہ یہ خدا ہیں) اللہ تعالیٰ کے سوا۔ وہ تو قدرت نہیں رکھتے کہ تکلیف دور کر سکیں تم سے اور نہ ہی وہ (اسے) بدل سکتے ہیں وہ لوگ جنہیں یہ مشرک پکارا کرتے ہیں، وہ خود ڈھونڈتے ہیں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیا، جلد 4 صفحہ 194، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1843-1844

2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 107

اپنے رب کی طرف وسیلہ کہ کون سا بندہ (اللہ تعالیٰ سے) زیادہ قریب ہے اور امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی اور ڈرتے رہتے ہیں اس کے عذاب سے بے شک آپ کے رب کا عذاب ڈرانے کی چیز ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرمارہا ہے کہ آپ غیر اللہ کی پرستش کرنے والے مشرکین سے کہہ دیں کہ تم اپنے بتوں اور معبودوں کو پکارو جنہیں تم نے اللہ کے سوا اپنا خدا بنا رکھا ہے اور ان کی طرف رغبت کرو، کیا وہ تمہاری مشکل کشائی کرسکتے ہیں؟ وہ نہ تو تم سے کسی تکلیف کا ازالہ کرسکتے ہیں اور نہ تم سے ٹال کر کسی اور کی طرف منتقل کرسکتے ہیں۔ یہ تو بے بس اور بے کس ہیں۔ قدرت اور طاقت کا مالک تو صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے جس کے لئے ہر قسم کی تخلیق اور ہر نوع کا حکم مخصوص ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل شرک کہا کرتے تھے کہ ہم ملائکہ، مسیح اور عزیر کی عبادت کرتے ہیں، تو یہی وہ لوگ ہیں جو ملائکہ، مسیح اور عزیر کو پکارتے ہیں(1)۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ اس آیت أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ کے متعلق فرماتے ہیں کہ کچھ جن غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے، پھر وہ مسلمان ہوگئے۔ ایک روایت میں ہے کہ کچھ انسان کچھ جنات کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان جنات نے تو اسلام قبول کرلیا لیکن یہ انسان کفر پر ڈٹے رہے(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عرب کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے، ان جنات نے تو اسلام قبول کرلیا لیکن جو انسان ان کی پرستش کیا کرتے تھے، انہیں ان کے اسلام لانے کا شعور تک نہ ہوا۔ اس وقت یہ آیت اتری(3) ایک اور روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ ملائکہ کی صنف کے جنات کی پرستش کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرات عیسیٰ، آپ کی والدہ اور عزیر علیہم السلام ہیں جن کی یہ عبادت کرتے ہیں حالانکہ یہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ ابراہیم حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد عیسیٰ، عزیر، سورج اور چاند ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ عیسیٰ، عزیر اور ملائکہ۔ ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول پسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ یہاں ماضی مراد نہیں۔ وسیلہ کا معنی ہے قرب اور نزدیکی جیسا کہ قتادہ کا قول ہے، اسی لئے فرمایا: اَيُّهُمْ اَقْرَبُ۔ آگے فرمایا: يَرْجُوْنَ۔ خوف اور رجاء کے بغیر عبادت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ خوف کی وجہ سے انسان ممنوعہ چیزوں کے ارتکاب سے باز آجاتا ہے اور رجاء کے سبب زیادہ سے زیادہ اطاعت پر کمربستہ ہوجاتا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ یعنی یہی انسان کے لئے مناسب ہے کہ وہ ہر وقت عذاب الٰہی سے لرزاں و ترساں رہے۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝

"اور کوئی ایسی بستی نہیں ہے مگر ہم اسے برباد کردیں گے روز قیامت سے پہلے یا اسے سخت عذاب دیں گے، یہ فیصلہ کتاب (تقدیر) میں لکھا ہوا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس لوح محفوظ میں جو نوشتہ لکھ دیا ہے وہ قطعی اور حتمی ہے کہ وہ ہر بستی کو ہلاک کردیگا، اس کے بسنے والے لوگوں کو نیست و نابود کردے گا یا سخت عذاب میں مبتلا کردیگا، یہ عذاب اس کی مشیت پر موقوف ہے چاہے قتل کروادے یا اور کسی آزمائش میں ڈال دے۔ اس کا سبب لوگوں کی بداعمالیاں اور گناہ ہوں گے جیسا کہ گزشتہ قوموں کے متعلق فرمایا: "وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (ہود:

1۔ تفسیر طبری، جلد 5 صفحہ 104 2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ اسراء، جلد 6 صفحہ 107 3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 104

101)''اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر زیادتی کی''۔ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا (الطلاق:9)''پس انہوں نے اپنے کرتوتوں کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام سراسر خسارہ تھا''۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا (الطلاق:8)''کتنی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی''۔

وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾

''اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے (اور وہ فوراً تباہ کر دیے گئے تھے)۔ اور ہم نے دی تھی قوم ثمود کو ایک اونٹنی جو روشن نشانی تھی پس انہوں نے زیادتی کی اس پر۔ اور ہم نہیں بھیجتے ایسی نشانیاں مگر لوگوں کو (عذاب سے) خوفزدہ کرنے کے لئے''۔

مشرکین حضور نبی کریم علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ سے پہلے انبیاء گزرے ہیں، جن میں سے کسی کے ہوا تابع تھی اور کوئی مردوں کو زندہ کیا کرتا تھا، اگر آپ کی خواہش ہے کہ ہم آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی تصدیق کریں تو اپنے رب سے یہ دعا کیجئے کہ وہ ہمارے کوہ صفا کو سونے میں تبدیل کر دے۔ ان کے اس مطالبہ پر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی کی اور فرمایا: ''میں نے ان کی باتیں سن لی ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ہم ان کا مطالبہ پورا کر دیں، لیکن اس کے باوجود اگر وہ ایمان نہ لائے تو عذاب نازل ہوگا کیونکہ (مطلوبہ) نشانی کے نزول کے بعد مہلت کی گنجائش نہیں ہوتی، اور اگر آپ پسند کریں تو ہم انہیں مہلت دے دیں۔'' آپ علیہ السلام نے عرض کی: ''اے پروردگار! انہیں مہلت دے دے''(1)۔ اسے سعید بن جبیر، قتادہ، ابن جریج وغیرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ آپ صفا کی پہاڑی کو ان کے لئے سونا بنا دیں اور پہاڑوں کو دور ہٹا دیں تاکہ وہ وسیع وعریض میدان میں کاشت کاری کر سکیں۔ اس پر آپ علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ اگر آپ پسند کریں تو ہم انہیں (غور وفکر کے لئے) کچھ مہلت دے دیں اور اگر آپ پسند کریں تو ہم ان کے مطالبہ کو پورا کر دیں لیکن پھر بھی اگر یہ کفر پر اڑے رہے تو انہیں نیست ونابود کر دیا جائے گا جیسا کہ ان سے پہلی قوموں کیساتھ ہوا تھا۔ آپ علیہ السلام نے عرض کی: نہیں، الہی! انہیں مہلت مرحمت فرما۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ قریش نے نبی کریم علیہ السلام سے کہا: اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ کوہ صفا کو ہمارے لئے سونا بنا دے، پھر ہم آپ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''واقعی ایمان لاؤ گے؟'' وہ کہنے لگے: ہاں ہاں۔ آپ علیہ السلام نے دعا کی تو جبریل حاضر ہوئے اور آپ علیہ السلام سے کہنے لگے: اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ علیہ السلام کی خواہش ہو تو کوہ صفا ان کے لئے سونا بن جائے، لیکن اس کے بعد جس نے کفر کیا تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا جو پہلے کسی کو نہ دیا ہوگا اور اگر آپ کی مرضی ہو تو میں ان کے لئے توبہ اور رحمت کے دروازے کھلے رکھوں؟ آپ نے عرض کی کہ در توبہ ورحمت کھلے رکھئے(3)۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء:214)''اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایا کریں'' نازل ہوئی تو رسول اللہ علیہ السلام نے جبل ابی قبیس پر چڑھ کر یہ ندا دی: ''اے آل عبد مناف! میں تمہیں

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 108 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 258 3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 242

ڈرانے والا ہوں۔" یہ سن کر قریش آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں تنبیہ کی اور ڈرایا تو وہ آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ آپ نبوت کے دعویدار ہیں، آپ سے قبل سلیمان کے لئے ہواؤں اور پہاڑوں کو مسخر کر دیا گیا، موسیٰ کے لئے سمندر تابع کر دیا گیا اور عیسیٰ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، آپ اللہ سے یہ دعا کریں کہ وہ ان پہاڑوں کو ہم سے دور ہٹا دے اور زمین میں نہریں جاری کر دے تاکہ ہم کھیتی باڑی کر کے کھانے کے لئے اناج پیدا کر سکیں، اگر یہ ممکن نہیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے مردوں کو زندہ کر دے تاکہ ہم ان سے اور وہ ہم سے گفتگو کریں، اگر یہ بھی نہیں تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر دیجئے کہ وہ اس پہاڑ کو سونے میں تبدیل کر دے تاکہ ہم اس سے لے کر اپنی ضروریات پوری کرتے رہیں اور سردیوں اور گرمیوں کے تجارتی سفر سے بے نیاز ہو جائیں، آپ کا تو دعویٰ بھی ہے کہ آپ سابقہ انبیاء کی طرح ہیں۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ پر وحی نازل ہونے لگی۔ جب وحی ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ عطا فرما دیا ہے جو مطالبہ تم نے کیا۔ اگر میں چاہوں تو ایسا ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ یا تو تم در رحمت میں داخل ہو جاؤ اور تم میں سے ایمان لانے والا ایمان لے آئے یا وہ تمہیں تمہاری پسند کے سپرد کر دے تو تم در رحمت سے برگشتہ ہو جاؤ، اور تم میں سے کوئی بھی ایمان نہ لائے چنانچہ میں نے یہ پسند کیا کہ در رحمت وا رہے تاکہ تم میں سے جس کی خواہش ہو، ایمان لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بھی بتا دیا ہے کہ اگر اس نے تمہارا مطالبہ پورا کر دیا اور تم پھر بھی کفر پر مصر رہے تو وہ تمہیں ایسا سخت عذاب دے گا جو پہلے کسی کو نہ دیا گیا ہو گا" (1) اس وقت مذکورہ بالا آیت کے علاوہ یہ آیت بھی نازل ہوئی: وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى (الرعد: 31) "اور اگر کوئی ایسا قرآن اترتا جس کے ذریعے سے پہاڑ چلنے لگتے یا اس کے اثر سے زمین پھٹ جاتی یا اس کے ذریعے مردوں سے بات کی جا سکتی۔" اس لئے فرمایا: وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ... یعنی ان لوگوں کے مطالبات کو پورا کرنا اور ان کے مطلوبہ معجزات دکھانا ہمارے لئے بالکل آسان ہے، ہمیں تو اس میں ذرا بھی دشواری نہیں لیکن بات یہ ہے کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسی ہی نشانیاں اور معجزات طلب کئے تھے، انہیں ان کی مطلوبہ نشانیاں دکھا دی گئیں پھر بھی وہ جھٹلانے سے باز نہ آئے اور انہیں عذاب سے دوچار کر دیا گیا۔ سنت الٰہی ہے بھی یہی کہ مطلوبہ معجزات اور نشانیاں دکھانے کے بعد مزید مہلت نہیں دی جاتی جیسا کہ فرمایا: قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ (المائدہ: 115) "اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اسے تم پر اتارنے والا ہوں پھر تم میں سے جس نے اس کے ساتھ کفر کیا تو اسے میں ایسا عذاب دوں گا کہ ایسا عذاب اہل جہاں سے کسی کو نہ دوں گا"۔ قوم ثمود نے اونٹنی کا معجزہ طلب کیا تھا اور انہوں نے یہ شرط عائد کی تھی کہ ان کی معین کردہ چٹان سے وہ نکلے چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبے کے عین مطابق اسے چٹان سے نکالا، اس کے باوجود انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس نشانی پر ظلم کیا اور اس کے رسول کی تکذیب پر کمربستہ رہے۔ سب سے بڑھ کر انہوں نے یہ ظلم کیا کہ اپنی ہی طلب کردہ اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ (ہود: 65) "اپنے گھروں میں تین دن تک لطف اٹھا لو، یہ ایسا وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا"، اس لئے یہاں فرمایا: وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ.... یعنی قوم ثمود کو ایسی روشن نشانی (ناقہ) عطا کی گئی جو اس کے خالق کی وحدانیت اور اس کے رسول کی صداقت پر واضح دلیل تھی جن کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا گیا لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا، اس کا انکار کیا اور اسے اپنی باری پر پانی پینے سے روک دیا،

1۔ مسند ابی یعلی، جلد 2، صفحہ 41-40

اسی پر ہی اکتفاء نہ کیا بلکہ اسے قتل کر ڈالا۔ اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا، ان سے خوب انتقام لیا اور سخت پکڑ کی۔ قتادہ اس فرمان وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰیٰتِ کے تحت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس قسم کی نشانیوں سے چاہے، لوگوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ عبرت اور نصیحت حاصل کر کے حق کی طرف رجوع کر لیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوفہ زلزلہ کا شکار ہو گیا تو آپ فرمانے لگے: اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رضا جوئی کا حکم دے رہا ہے، اس لئے اسے راضی کرو(1)۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مدینہ شریف میں متعدد بار زلزلہ آیا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم ضرور کسی نئی بات کے مرتکب ہوئے ہو، اللہ کی قسم! اگر دوبارہ ایسا ہوا تو میں تم سے نمٹ لوں گا۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، انہیں کسی کی موت وحیات کے باعث گرہن نہیں لگتا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اپنے بندوں کو خوفزدہ کرتا ہے۔ جب تم ایسا دیکھو تو فوراً اللہ کے ذکر، دعا اور استغفار میں لگ جاؤ۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے امت محمد! اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی غیور نہیں کہ اس کا کوئی بندہ یا بندی زنا کرے، اے امت محمد! اللہ کی قسم، اگر تم وہ کچھ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے''(2)۔

وَ اِذۡ قُلۡنَا لَکَ اِنَّ رَبَّکَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَ مَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰکَ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَۃَ الۡمَلۡعُوۡنَۃَ فِی الۡقُرۡاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُہُمۡ ۙ فَمَا یَزِیۡدُہُمۡ اِلَّا طُغۡیَانًا کَبِیۡرًا ﴿۶۰﴾

''اور یاد کرو جب ہم نے کہا تھا آپ کو بے شک آپ کے پروردگار نے گھیرے میں لے لیا ہے لوگوں کو۔ اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کیلئے نیز (آزمائش بنایا) اس درخت کو جس پر لعنت بھیجی گئی ہے قرآن میں۔ اور ہم انہیں (نافرمانی کے انجام سے) ڈراتے رہتے ہیں پس نہ بڑھایا اس ڈرانے نے انہیں مگر یہ کہ وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ کو تبلیغ رسالت کی ترغیب دلا رہا ہے اور لوگوں کی شر سے آپ کی حفاظت کی ذمہ داری کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کیونکہ اسے لوگوں پر پوری پوری قدرت حاصل ہے، تمام لوگ اس کے قبضہ، قہر اور غلبہ تلے ہیں۔ مجاہد، عروۃ بن زبیر، حسن، قتادہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اس فرمان اِنَّ رَبَّکَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو لوگوں سے محفوظ کر دیا۔ حضرت ابن عباس آیت کریمہ میں لفظ ''رؤیا'' سے مراد لیتے ہیں: عالم بیداری میں دیکھنا جو آپ کو معراج کی رات دکھایا گیا تھا اور شجرہ ملعونہ سے مراد زقوم کا درخت ہے(3)۔ امام بخاری، امام احمد اور عبدالرزاق نے اسے روایت کیا ہے اور حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، مسروق، ابراہیم، قتادہ، عبدالرحمٰن بن زید اور دیگر متعدد حضرات نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے اور احادیث معراج اس سورت کے شروع میں بالتفصیل بیان ہو چکی ہیں۔ یہ بھی گزر چکا ہے کہ کچھ لوگ دین اسلام سے پھر گئے حالانکہ وہ حق پر تھے، کیونکہ ان کے دل اور عقلیں اس کی حقانیت کا ادراک نہ کر سکیں اور انہوں نے نادانی اور جہالت کے باعث اسے جھٹلا دیا، لیکن راسخ العقیدہ حضرات کیلئے یہی واقعہ ثبات و یقین کا باعث بنا، اسی لئے فرمایا: ''اِلَّا فِتۡنَۃً'' یعنی آزمائش اور امتحان۔ شجرہ ملعونہ سے مراد زقوم کا درخت ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 109
2۔ صحیح بخاری، کتاب الکسوف، جلد 2 صفحہ 42۔ صحیح مسلم، کتاب الکسوف، جلد 2 صفحہ 618
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ اسراء، جلد 6 صفحہ 107

بتایا کہ آپ نے جنت، دوزخ اور زقوم کا درخت دیکھا لیکن کفار اسے جھٹلانے لگے یہاں تک کہ لعین ابوجہل کہنے لگے کہ لاؤ کھجور اور مکھن، اور دونوں کو ملا کر کھاؤ، یہی تو زقوم ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ شجرہ ملعونہ سے مراد بنو امیہ ہیں لیکن یہ قول بہت غریب اور بودا ہے(1)۔ سہل بن سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں قبیلے والوں کو اپنے منبر پر بندروں کی طرح اچھلتے کودتے دیکھا تو آپ کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ پھر وصال تک آپ پوری ہنسی نہیں ہنسے، اس وقت یہ آیت اتری(2)۔ اس کی سند بہت کمزور ہے کیونکہ اس کا راوی محمد بن حسن بن زبالہ متروک ہے اور اس کا شیخ بھی بالکل ضعیف ہے، اس لئے ابن جریر نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے کہ اس سے مراد شب معراج ہے اور شجرہ ملعونہ سے مراد زقوم کا درخت ہے اور اس پر مفسرین کا اجماع ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَنُخَوِّفُهُمْ ... یعنی ہم کفار کو شدید وعید اور عبرتناک عذاب سے خوفزدہ کرتے ہیں لیکن ان کی کفر وضلالت میں سرکشی اور ہٹ دھرمی بڑھتی ہی جاتی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی نظر کرم حاصل نہیں۔

وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ قَالَ ءَاَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِیۡنًا ﴿ۚ۶۱﴾ قَالَ اَرَءَیۡتَکَ ہٰذَا الَّذِیۡ کَرَّمۡتَ عَلَیَّ ۫ لَئِنۡ اَخَّرۡتَنِ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ لَاَحۡتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہٗۤ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۶۲﴾

"اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے کہا کیا میں سجدہ کروں اس (آدم) کو جس کو تو نے کیچڑ سے پیدا کیا۔ اس نے کہا مجھے بتا یہ (آدم) جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے (اس کی وجہ کیا ہے)؟ اگر تو مجھے مہلت دے روز قیامت تک تو جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گا اس کی اولاد کو سوائے چند افراد کے"۔

ابلیس ملعون کی آدم علیہ السلام اور اولاد آدم کے ساتھ عداوت کا ذکر ہو رہا ہے، اس کی عداوت کا آغاز تخلیق آدم علیہ السلام سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، چنانچہ سوائے ابلیس کے تمام فرشتے سجدہ میں گر گئے۔ اس نے تکبر کیا اور خود کو عظیم سمجھتے ہوئے اور آدم علیہ السلام کو حقیر گردانتے ہوئے اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا: "ءَاَسۡجُدُ..." جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ ۚ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ (ص:76) "میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے"۔ رب تعالیٰ جو نہایت حلم والا اور مہلت دینے والا ہے، اس کے حضور اس لعین کی مزید جسارت، ڈھٹائی اور کفر دیکھئے، کہنے لگا: اَرَءَیۡتَکَ ہٰذَا الَّذِیۡ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس فرمان "لَاَحۡتَنِکَنَّ" کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ میں اس کی اولاد پر غلبہ پالوں گا سوائے قلیل افراد کے۔ مجاہد اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ میں سوائے چند افراد کے انہیں اپنا تابعدار بنا لوں گا۔ ابن زید کہتے ہیں کہ میں انہیں گمراہ کر دوں گا۔ یہ تمام معانی قریب قریب ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے: مجھے بتا، یہ جسے تو نے مجھ پر فضیلت، عظمت اور شرف سے نوازا ہے، اگر تو مجھے مہلت دے تو میں اس کی اولاد کو گزشتہ کر دوں گا سوائے چند ایک کے۔

قَالَ اذۡہَبۡ فَمَنۡ تَبِعَکَ مِنۡہُمۡ فَاِنَّ جَہَنَّمَ جَزَآؤُکُمۡ جَزَآءً مَّوۡفُوۡرًا ﴿۶۳﴾ وَ اسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡہُمۡ بِصَوۡتِکَ وَ اَجۡلِبۡ عَلَیۡہِمۡ بِخَیۡلِکَ وَ رَجِلِکَ وَ شَارِکۡہُمۡ فِی الۡاَمۡوَالِ وَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 112 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 117

وَ الْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا ﴿۶۵﴾

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا چلا جا (جو مرضی ہو کر) سو جو تیری پیروی کرے گا ان سے تو بے شک جہنم ہی تم سب کی پوری پوری سزا ہے۔ اور گمراہ کرنے کی کوشش کر جن کو تو گمراہ کر سکتا ہے ان میں سے اپنی آواز (کی فسوں کاری) سے اور دھاوا بول دے ان پر اپنے گھوڑ سواروں اور پیادہ دستوں کے ساتھ اور شریک ہو جا ان کے مالوں میں اور اولاد میں اور ان سے (جھوٹے) وعدہ کرتا رہ۔ اور وعدہ نہیں کرتا ان سے شیطان مگر مکر و فریب کا۔ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا۔ اور (اے محبوب!) کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کارسازی کے لئے"۔

ابلیس کے مہلت طلب کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت عطا کر دی جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿ۙ﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (الحجر: 38-37) "بے شک تو مہلت دیئے ہوئے لوگوں میں سے ہے، وقت مقررہ کے دن تک"۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والے انسانوں کو جہنم کی دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ ۔ یعنی تمہیں اور تمہاری پیروی کرنے والوں کو اعمال بد کی پوری پوری سزا دی جائے گی اور اس میں ذرا بھی کمی نہیں ہوگی۔ فرمایا: وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ ۔ صوت سے مراد لہو و لعب اور غناء ہے یعنی جسے تو بہکا سکتا ہے لہو و لعب اور گانوں کے ذریعے بہکا لے۔ حضرت ابن عباس "صَوْتِكَ" کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی دعوت دے وہ شیطانی آواز ہے(1)۔ ابن جریر نے اس مفہوم کو پسند کیا ہے۔ مزید فرمایا: وَ اَجْلِبْ ۔ یعنی تو ان پر اپنے گھوڑ سوار اور پیادہ دستوں کے ساتھ یورش کر دے۔ رجل، راجل (پیادہ) کی جمع ہے جیسے رکب، راکب (سوار) اور صحب، صاحب (ساتھی) کی۔ مطلب یہ ہوا کہ تو ہر ممکن طریقے سے تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے ان پر دھاوا بول کر اپنا تسلط اور اقتدار قائم کر لے۔ یہ امر قدری ہے جیسا کہ فرمان ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا (مریم: 83) "کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم نے کفار پر شیطانوں کو مسلط کر دیا ہے، وہ انہیں ہر وقت اکساتے رہتے ہیں" یعنی یہ انہیں بہکا کر اور مجبور کر کے گناہوں کی دلدل میں دھکیل دیتے ہیں۔ حضرات ابن عباس اور مجاہد بِخَیْلِكَ وَ رَجِلِكَ کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سوار ہو اور پیدل ہو، وہ شیطانی لشکر ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جن و انس میں سے شیطان کے سوار اور پیادہ لشکری ہیں جو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ جب کسی کو چیخ کر آواز دی جائے تو کہا جاتا ہے: "اَجْلَبَ فُلَانٌ عَلٰی فُلَانٍ"۔ آپ ﷺ نے گھوڑ دوڑ میں جلب (چیخ کر گھوڑے کو آگے بڑھانا) اور جب (پہلو پر مارنا) سے منع فرمایا ہے۔ لفظ جلب بھی اسی سے ہے، اسی طرح جلبہ کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: شور و غل کرنا۔ حضرات ابن عباس اور مجاہد اس فرمان وَ شَارِكْهُمْ ۔ کا معنی بتاتے ہیں کہ شیطان انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے، عطاء کہتے ہیں کہ اس سے مراد سود ہے۔ حسن فرماتے ہیں کہ خبیث مال جمع کر کے اسے حرام کاری میں خرچ کرنا۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ شیطان کی اموال میں شرکت سے مراد ان کا اپنے مویشیوں کو حرام قرار دینا ہے یعنی بحیرہ، سائبہ وغیرہ بنانا۔ بقول ابن جریر یہ آیت عام ہے اور ان تمام مفاہیم کو شامل ہے(2)۔ اور حضرات ابن عباس، مجاہد اور ضحاک کے مطابق اولاد میں شیطان کی شرکت سے مراد زنا کاری سے پیدا ہونے والی اولاد ہے۔ علی بن طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

1۔ تفسیر طبری جلد 15 صفحہ 118
2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 120

سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد ان کی وہ اولاد ہے جسے انہوں نے اپنی نادانی اور بیوقوفی کے باعث قتل کر دیا تھا۔ حضرت حسن بصری اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ شیطان نے انہیں مجوسی، یہودی اور نصرانی بنا کر غیر اسلام کے رنگ میں رنگ دیا اور ان کے اموال کا ایک حصہ اپنے لئے مخصوص کروالیا۔ ابو صالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ شیطان کی اولاد میں شرکت سے مراد ان کا اپنی اولاد کا نام عبدالحارث، عبدالشمس اور عبد فلاں رکھنا ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اولاد میں شیطان کی مشارکت کے سلسلہ میں یہ کہنا سب سے زیادہ موزوں ہے کہ اس سے مراد وہ اولاد ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا جائے خواہ اس کا کوئی ایسا نام رکھا جائے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو یا اسے دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا پیروکار بنا دیا جائے یا اس کی ماں زنا کی مرتکب ہو یا اسے قتل کر دیا جائے یا زندہ درگور کر دیا جائے یا اور کوئی ایسا کام کیا جائے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ کی معصیت لازم آتی ہو تو یہ ایسے امور ہیں جو اولاد آدم علیہ السلام میں شیطان کی مشارکت میں داخل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کو کسی خاص معنی کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔ ہر وہ چیز جس میں یا جس کے سبب معصیت الٰہی کا ارتکاب یا شیطان کی اطاعت لازم آتی ہو وہ مشارکت ہی ہے(1)۔ یہ عمدہ توجیہہ ہے اور اسلاف میں سے ہر ایک نے مشارکت کا جزوی مفہوم بیان کیا ہے۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا لیکن شیاطین نے انہیں برگشتہ کر دیا اور ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کیلئے حلال کی تھیں"(2)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "جب کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو یہ کہے: بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا" (اللہ کے نام سے، یا اللہ! شیطان سے ہمیں دور رکھ اور جو تو ہمیں عطا فرمائے اس سے شیطان کو دور رکھ)، اگر کوئی بچہ مقدر ہوا تو اسے شیطان کبھی بھی ضرر نہیں پہنچا سکے گا"(3)۔

شیطان کے جھوٹے اور دلفریب وعدوں کے متعلق فرمایا: وَعِدْهُمْ... قیامت کے دن جب حق واضح ہو جائے گا تو ابلیس کہے گا: اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ (ابراہیم:22) "بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا وعدہ تھا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا پس میں نے تم سے وعدہ خلافی کی" پھر فرمایا: اِنَّ عِبَادِيْ..... اس آیت میں آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہوتی ہے اور انہیں شیطان مردود سے بچاؤ کے لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور امان سے نوازا جاتا ہے، اسی لئے فرمایا: وَكَفٰى..... یعنی آپ کے رب کی کارسازی، حمایت اور نصرت ہی کافی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومن اپنے شیاطین کو اس طرح مغلوب کر لیتا ہے جس طرح ایک سوار سفر میں اپنے اونٹ کو"(4)۔

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٦٦﴾

"تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لئے کشتیوں کو سمندر میں تاکہ تم تلاش کرو (بحری سفر کے ذریعہ) اس کا فضل۔
بیشک وہ تمہارے ساتھ ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر خصوصی لطف و کرم ہے کہ اس نے ان کے لئے سمندر میں کشتیوں کو مسخر کر دیا اور ان کی مصلحتوں اور منافع کے لئے سمندری سفر نہایت آسان بنا دیا تاکہ وہ بذریعہ تجارت اللہ کا فضل (رزق) حاصل کر سکیں، اس لئے فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ..... یعنی اللہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 121
2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2197
3۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 148، صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1058
4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 380

تعالیٰ نے تم پر اپنا فضل و کرم اور رحمت فرماتے ہوئے تمہیں یہ سہولیات بہم پہنچائی ہیں۔

وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝

''اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے پس جب وہ خیر و عافیت سے تمہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے (تو) تم روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان (واقعی) بڑا ناشکرا ہے''۔

سمندری سفر کے دوران جب لوگ کسی مصیبت کا شکار ہو جاتے ہیں تو وہ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس لئے فرمایا: وَ اِذَا مَسَّكُمُ۔ یعنی اس سنگین صورتحال میں تمہارے دلوں سے ان تمام معبودوں کا خیال محو ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو جیسا کہ عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ ایسا ہی اتفاق ہوا، فتح مکہ کے موقع پر وہ جان بچا کر فرار ہو گیا اور حبشہ جانے کی غرض سے کشتی پر سوار ہو گیا۔ دوران سفر سخت آندھی آئی اور کشتی طوفان میں پھنس گئی، کشتی کے سوار ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اب نجات کی سبیل یہی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ عکرمہ نے اپنے دل میں کہا: اللہ کی قسم! اگر سمندر میں صرف وہی کام آتا ہے تو ظاہر ہے کہ خشکی میں بھی صرف وہی کام آ سکتا ہے۔ اے اللہ! میں تیرے ساتھ پختہ عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے اس مصیبت سے بخیر و عافیت نکال دیا تو میں ضرور جا کر اپنا ہاتھ محمد (ﷺ) کے ہاتھ میں دے دوں گا اور میں یقیناً انہیں مہربان اور رحیم پاؤں گا۔ چنانچہ وہ سب سلامتی سے کنارے تک پہنچ گئے۔ عکرمہ فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ (1)۔ فرمایا: فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ... یعنی جب اللہ تعالیٰ تمہیں ساحل تک بعافیت پہنچا دیتا ہے تو تم اس توحید کو فراموش کر دیتے ہو جس کا عرفان تمہیں سمندر میں ہوا تھا اور تم اللہ وحدہ لاشریک کو پکارنے سے روگردانی کرنے لگ جاتے ہو، اور انسان کی تو فطرت ہی یہی ہے کہ وہ انعامات کو فراموش کر دیتا ہے بلکہ ان کا انکار کر دیتا ہے، سوائے ان سعادت مند حضرات کے جنہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا ۝

''کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ اللہ دھنسا دے تمہارے ساتھ خشکی کے کنارہ کو یا بھیج دے تم پر اولے برسانے والا بادل پھر اس وقت تم نہیں پاؤ گے اپنے لئے کوئی کارساز''۔

اللہ تعالیٰ کافروں سے فرما رہا ہے کہ سمندر سے بخیر و عافیت خشکی پر پہنچنے سے کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ اب تم اللہ تعالیٰ کے انتقام اور عذاب سے بے خوف اور محفوظ ہو گئے، اس کا عذاب خشکی پر بھی آ سکتا ہے، وہ تمہارے سمیت زمین کے کنارے کو دھنسا سکتا ہے یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تم پر پتھروں کی بارش برسا دے جیسا کہ فرمایا: اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّیْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا (القمر: 35-34) ''ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی سوائے لوط کے گھرانے کے۔ ہم نے انہیں سحری کے وقت بچا لیا۔ یہ ہماری طرف سے خاص مہربانی تھی''۔ وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ (الحجر: 74) ''اور ہم نے ان پر کھنگر کے پتھر برسائے''،

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 59، مستدرک حاکم، کتاب المغازی جلد 3 صفحہ 45 وغیرہ

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا ھِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ کَیْفَ نَذِیْرِ (الملک: 17-16) ''کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ تھرتھر کانپنے لگے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تم پر پتھر برسانے والی ہوا بھیج دے۔ تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے''۔ آیت کے آخر میں فرمایا: ثُمَّ لَا تَجِدُوْا... یعنی پھر تم کوئی ایسا مددگار نہیں پاؤ گے جو تم سے اس عذاب کو ٹال کر تمہیں بچا لے۔

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَکُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْکُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَکُمْ بِمَا کَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴿۶۹﴾

''کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے سمندر میں دوسری مرتبہ اور بھیجے تم پر سخت آندھی جو کشتیوں کو توڑنے والی ہو پھر غرق کر دے تمہیں بوجہ کفر کے جو تم نے کیا۔ پھر تم نہیں پاؤ گے اپنے لئے ہم سے اس ڈبونے پر کوئی انتقام لینے والا''۔

اللہ تعالیٰ روگردانی کرنے والوں سے فرما رہا ہے کہ سمندری سفر کے دوران گرداب ہلاکت میں تو تم نے توحید کا اقرار کر لیا تھا لیکن بعافیت باہر نکلنے پر پھر تم نے پہلی کفریہ روش اپنا لی، کیا یہ ممکن نہیں کہ تمہیں دوبارہ سمندری سفر پیش آ جائے اور اللہ تعالیٰ تند و تیز آندھی اور طوفان کے ذریعے تمہاری کشتیوں کو توڑ پھوڑ کر تمہیں غرق کر دے، اس طرح تم اپنے کفر اور روگردانی کا مزہ چکھ لو۔ پھر تو تمہیں کوئی ایسا شخص بھی نہیں ملے گا جو تمہاری خاطر ہم سے اس کا انتقام لے سکے۔ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ ''تبیع'' کا معنی ہے مددگار۔ مجاہد کہتے ہیں: ایسا مددگار جو بدلہ لے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پیچھا کرنے والا(1)۔

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ﴿۷۰﴾

''اور بے شک ہم نے بڑی عزت بخشی اولاد آدم کو اور ہم نے سوار کیا انہیں (مختلف سواریوں پر) خشکی میں اور سمندر میں اور رزق دیا انہیں پاکیزہ چیزوں سے اور ہم نے فضیلت دی انہیں بہت سی چیزوں پر جن کو ہم نے پیدا فرمایا نمایاں فضیلت''۔

اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم علیہ السلام کو بہترین اور کامل ترین شکل و صورت پر پیدا کر کے انہیں اپنے خصوصی اعزاز، شرف اور تکریم سے نوازا ہے جیسا کہ فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین: 4) ''بے شک ہم نے انسان کو بہترین اعتدال پر پیدا کیا'' یعنی انسان اپنی دو ٹانگوں پر سیدھا کھڑا ہو کر چلتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کھاتا ہے جبکہ حیوانات چار پر چلتے ہیں اور منہ سے کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کان، آنکھ اور دل سے نوازا جن کے ذریعے وہ فہم و ادراک حاصل کرتا ہے، انہیں بروئے کار لا کر نفع حاصل کرتا ہے، چیزوں کے درمیان تمیز کرتا ہے، دینی اور دنیاوی امور میں اشیاء کے فوائد، خصوصیات اور نقصانات سے روشناس ہوتا ہے۔ اس عزت و تکریم کے علاوہ انسان کو بری سفر کے لئے گھوڑے، اونٹ اور خچر جیسے جانور مرحمت فرمائے اور سمندری سفر کے لئے چھوٹی بڑی کشتیوں کی طرف رہنمائی کی، مزید برآں پاکیزہ چیزوں کی صورت میں رزق عطا فرمایا یعنی کھیتیاں، پھل، گوشت، دودھ اور اسی طرح کی خوش ذائقہ، خوش رنگ اور مزیدار

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 125

متنوع نعمتیں، اس کے ساتھ ساتھ انواع و اقسام کے عمدہ ملبوسات جنہیں نہ صرف یہ اپنے لئے تیار کرتے ہیں بلکہ دوسرے علاقوں میں برآمد بھی کئے جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت انسان کو تمام حیوانات اور مخلوقات پر نمایاں فضیلت اور برتری حاصل ہوگئی۔

اس آیت کریمہ سے جنس ملائکہ پر جنس بشر کی افضلیت پر استدلال کیا گیا ہے۔ زید بن اسلمؒ روایت کرتے ہیں کہ ملائکہ نے کہا: اے ہمارے پروردگار! تو نے بنی آدم کو دنیا عطا کی وہ اس سے کھاتے پیتے اور عیش اڑاتے ہیں لیکن تو نے ہمیں دنیا نہیں دی، اس لئے تو ہمیں اس کا بدلہ آخرت میں عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم! جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے، اس کی نیک اولاد کو اس کے برابر نہیں بناؤں گا جسے میں نے کلمہ کن کے ذریعے پیدا کیا۔ اس سند سے یہ حدیث مرسل ہے لیکن ایک اور سند سے یہ متصل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''فرشتوں نے عرض کی: اے پروردگار! تو نے بنی آدم کو دنیا دی، وہ اس میں کھاتے، پیتے اور پہنتے ہیں لیکن ہم تیری حمد بیان کرتے ہوئے تسبیح کرتے ہیں، نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں اور نہ کھیل کود میں مصروف ہوتے ہیں۔ جس طرح تو نے ان کے لئے دنیا بنائی ہے، اس طرح تو ہمیں آخرت میں عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے اس کی صالح اولاد کو میں اس کی طرح نہیں بناؤں گا جسے میں نے کن کہا تو وہ وجود میں آ گیا'' (1) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فرشتوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں بھی پیدا کیا اور تو نے اولاد آدم علیہ السلام کو بھی پیدا کیا۔ انہیں تو تو نے اس طرح بنایا کہ وہ کھاتے ہیں، پیتے ہیں، پہنتے ہیں، عورتوں کے ساتھ شادی کرتے ہیں، جانوروں پر سواری کرتے ہیں، سوتے ہیں اور راحت و آرام حاصل کرتے ہیں لیکن ہمیں تو نے یہ چیزیں مرحمت نہیں فرمائیں۔ سو ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا اور اپنی روح اس میں پھونکی، اسے میں اس کی طرح نہیں بناؤں گا جسے میں نے کلمہ کن کے ذریعے پیدا کیا'' (2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ابن آدم سے بڑھ کر کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز نہیں ہوگا'' عرض کی گئی: یا رسول اللہ! فرشتے بھی نہیں؟ فرمایا: ''فرشتے بھی نہیں، فرشتے تو شمس و قمر کی طرح مجبور ہیں'' (3)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

''وہ دن جب ہم بلائیں گے تمام انسانوں کو ان کے پیشوا کے ساتھ۔ پس وہ شخص جس کو دیا گیا اس کا نامہ عمل اس کے دائیں ہاتھ میں تو یہ لوگ (خوشی خوشی) پڑھیں گے اپنا نامہ عمل اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور جو شخص بنا رہا اس دنیا میں اندھا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور بڑا گم کردہ راہ ہوگا''۔

قیامت کے دن ہر امت کا اپنے امام (پیشوا) کے ساتھ محاسبہ ہوگا۔ لفظ ''امام'' کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد نبی ہے یعنی ہر امت اپنے نبی کے ساتھ بلائی جائے گی جیسے کہ فرمان ہے: ''وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (یونس:47)'' ''اور ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے پس جب ان کے پاس ان کا رسول آیا تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا'' کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ اصحاب حدیث کے لئے یہ بہت بڑا شرف ہے کیونکہ ان کے امام نبی کریم ﷺ ہیں۔ ابن

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 126 بحوالہ عبدالرزاق 2۔ ابن عساکر 3۔ معجم طبرانی

زید کہتے ہیں کہ یہاں امام سے مراد ان کی وہ کتاب ہے جو شرعی احکام کے متعلق ان کے نبی پر اللہ تعالیٰ نے نازل کی۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد ان کی کتابیں ہیں۔ یہ مراد لینا بھی ممکن ہے اور یہ بھی کہ امام سے مراد نامۂ اعمال ہے جیسا کہ حضرات ابن عباس، ابو العالیہ، حسن اور ضحاک کا قول ہے اور یہی قول زیادہ راجح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ (یٰسین: 12) ''اور ہر چیز کو ہم نے لوح محفوظ میں شمار کر رکھا ہے''۔ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ (الکہف: 49) ''اور نامۂ عمل (ان کے سامنے) رکھ دیا جائے گا پس تو دیکھے گا مجرموں کو کہ وہ اس سے ڈر رہے ہوں گے جو اس میں ہے''۔ امام کا معنی پیشوا بھی ہوسکتا ہے یعنی ہر امت کو اس کے ساتھ لایا جائے گا جس کی وہ پیروی کرتے رہے۔ اہل ایمان انبیاء کرام علیہ السلام کی پیروی کرتے رہے اور اہل کفر اپنے گمراہ اماموں کی۔ ہر ایک اپنے نیک یا بد امام کے ساتھ ہوگا، فرمایا: وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ (القصص: 41) ''اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا تھا جو آگ کی طرف بلا رہے تھے''۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''ہر امت اپنے معبود کے پیچھے ہوگی، جو طاغوت کی عبادت کرتا رہا، وہ طاغوت کے پیچھے ہوگا''(1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ هٰذَا كِتٰبُنَا یَنْطِقُ عَلَیْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الجاثیہ: 29-28) ''اور آپ ہر ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھیں گے، ہر گروہ کو اس کے صحیفۂ عمل کی طرف بلایا جائے گا، آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ یہ ہمارا نوشتہ ہے جو تمہارے بارے میں سچ بولتا ہے۔ ہم لکھ لیا کرتے تھے جو تم (دنیا میں) عمل کیا کرتے تھے''۔ یہ اس بات کے منافی نہیں کہ ہر امت کے درمیان فیصلہ کرتے وقت اس کے نبی کو لایا جائے گا کیونکہ نبی کا اپنی امت پر اس کے اعمال کی بابت گواہی دینا ضروری ہے جیسا کہ فرمایا: وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ (الزمر: 69) ''اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور دفتر عمل رکھ دیا جائے گا اور حاضر کئے جائیں گے انبیاء اور (دوسرے) گواہ''۔ فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا (النساء: 41) ''تو کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لے آئیں گے اور (اے حبیب ﷺ) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لے آئیں گے''۔ لیکن یہاں امام سے مراد نامۂ اعمال ہے، اسی لئے فرمایا: یَوْمَ نَدْعُوْا... جس شخص کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ فرط مسرت سے اس میں درج اعمال صالحہ کے باعث اسے پڑھے گا اور اسے پڑھنا اس کے ہاں بہت محبوب ہوگا جیسا کہ فرمایا: فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ... وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ (الحاقہ: 19-29)۔

آیت کریمہ میں لفظ ''فَتِیْل'' سے مراد وہ لمبا دھاگہ ہے جو کھجور کی گٹھلی کے شق میں پایا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''ایک آدمی کو بلا کر اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اس کا جسم بڑھ جائے گا، اس کا چہرہ سفید اور روشن ہوگا اور اسے چمکتے موتیوں سے مرصع تاج پہنایا جائے گا۔ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف چل پڑے گا تو وہ اسے دور سے ہی دیکھ لیں گے اور کہیں گے: اے اللہ! ہمیں بھی اس انعام سے نواز اور اس میں ہمارے لئے برکت ڈال دے۔ وہ شخص ان کے پاس آکر انہیں کہے گا کہ تمہیں بشارت ہو تم میں سے ہر ایک کے لئے ایسا ہی انعام ہے۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہوگا اور اس کا جسم بڑھ جائے گا۔ اس کے ساتھی اسے دیکھ کر کہیں گے کہ ہم اس کی شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ یا اللہ!

1۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 419۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 164

اسے ہمارے پاس نہ لانا لیکن وہ ان کے پاس آجائے گا تو وہ کہیں گے: یا اللہ! اسے ذلیل و رسوا کر دے، وہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے دور کر کے برباد کرے، تم میں سے ہر ایک کے لئے یہ سزا ہے"(1)۔

اگلی آیت میں فرمایا: وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ... یعنی جو شخص اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حجت، آیات اور روشن دلائل سے اندھا بنا رہا وہ آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا، بلکہ اس سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہوگا۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿٧٤﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾

"اور انہوں نے پختہ ارادہ کیا کہ وہ آپ کو برگشتہ کر دیں اس (کتاب) سے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے تاکہ آپ بہتان باندھ کر (منسوب کریں) ہماری طرف اسکے علاوہ تو اس صورت میں وہ آپ کو اپنا گہرا دوست بنالیں گے۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ضرور مائل ہو جاتے ان کی طرف کچھ نہ کچھ۔ (بفرض محال اگر آپ ایسا کرتے) تو اس وقت ہم آپکو چکھاتے دوگنا عذاب دنیا میں اور دوگنا عذاب موت کے بعد۔ پھر آپ نہ پاتے اپنے لئے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار"۔

اللہ تعالیٰ اس امر کی خبر دے رہا ہے کہ وہ بذات خود اپنے پیارے رسول ﷺ کا مؤید و مددگار ہے، وہی آپ کو راہ راست پر ثبات بخشتا ہے، وہی آپ کو ہر غلطی سے محفوظ رکھتا ہے اور شریروں کی شر انگیزیوں اور بدکاروں کے مکروفریب سے وہی آپ کو سلامت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے تمام امور کا نگہبان ہے اور وہی آپ ﷺ کا حامی و ناصر ہے، وہ آپ کو مخلوق میں کسی کے سپرد نہیں کرتا بلکہ وہ آپ کا کارساز، مددگار، مؤید، محافظ، آپ ﷺ کو اپنے دشمنوں پر فتح وظفر بخشنے والا اور مشرق و مغرب میں آپ ﷺ کو غلبہ و اقتدار عطا فرمانے والا ہے، ﷺ تسلیماً کثیراً الی یوم الدین!

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٧٦﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿٧٧﴾

"اور انہوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقے سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے اور (اگر انہوں نے یہ حماقت کی) تب وہ نہیں ٹھہریں گے (یہاں) آپ کے بعد مگر تھوڑا عرصہ (یہی ہمارا) دستور ہے ان کے بارے میں جنہیں ہم نے بھیجا آپ سے پہلے رسول بنا کر اور آپ نہیں پائیں گے ہمارے اس دستور میں کوئی ردوبدل"۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ شریف سے کوچ کر کے سرزمین انبیاء شام کی طرف چلے جانے اور وہاں سکونت اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور مدینہ میں آپ ﷺ کی رہائش بعد میں ہوئی۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آیت کریمہ مقام تبوک پر نازل ہوئی لیکن اس قول کی صحت محل نظر ہے۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب التفسیر، جلد 11 صفحہ 294-295، مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 243-243 وغیرہ

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم بیان کرتے ہیں کہ یہود ایک دن نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگے: اے ابوالقاسم! اگر آپ سچے نبی ہیں تو شام چلے جایئے، کیونکہ شام ارض حشر اور ارض انبیاء ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی بات کی تصدیق کی اور شام چلے جانے کے ارادہ سے آپ ﷺ نے غزوہ تبوک کے لئے تیاری کی۔ جب آپ ﷺ تبوک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیتیں وَ اِنۡ کَادُوۡا ۔۔۔ تَحۡوِیۡلًا نازل کیں اور آپ ﷺ کو مدینہ شریف کی طرف واپسی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ یہیں آپ کا جینا مرنا ہے اور یہیں سے آپ کو دوبارہ اٹھایا جائے گا(1)۔ اس کی سند قابل غور ہے اور واضح بات یہی ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ یہود کے کہنے پر غزوہ تبوک کے لئے نہیں نکلے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی تعمیل کرتے ہوئے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَاتِلُوا الَّذِیۡنَ یَلُوۡنَکُمۡ مِّنَ الۡکُفَّارِ (التوبہ: 123) ''اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس ہیں''، قَاتِلُوا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ لَا یُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗ وَ لَا یَدِیۡنُوۡنَ دِیۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ حَتّٰی یُعۡطُوا الۡجِزۡیَةَ عَنۡ یَّدٍ وَّ هُمۡ صٰغِرُوۡنَ (التوبہ: 29) ''ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان نہیں لاتے اور حرام نہیں سمجھتے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں''۔ اس غزوہ کا مقصد شہدائے غزوہ موتہ کا قصاص اور انتقام لینا تھا۔ اگر مذکورہ بالا واقعہ درست ہو تو حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن تین مقامات پر نازل ہوا: مکہ، مدینہ اور شام'' (2)۔ ولید کہتے ہیں کہ شام سے مراد بیت المقدس ہے لیکن اس قول کی بجائے شام سے مراد تبوک لینا زیادہ مناسب اور درست ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ کفار قریش کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو جلا وطن کرنے کی ٹھان لی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے انہیں دھمکی دی کہ اگر انہوں نے آپ ﷺ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو وہ بھی مکہ میں پھر تھوڑی سی مدت ہی ٹھہر پائیں گے اور اسی طرح ہوا۔ جب ان کی ایذا رسانیوں کے باعث آپ ﷺ کو ہجرت کرنا پڑی تو ابھی ڈیڑھ سال کا عرصہ ہی گزرا تھا کہ بدر کے میدان میں بغیر کسی پروگرام کے آپ ﷺ کے ساتھ ان کا مقابلہ ہوا، جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فتح و ظفر اور غلبہ سے نوازا۔ ان کے بڑے بڑے رئیس اور لیڈر قتل ہو گئے اور ان کی اولاد میں سے بہت سے قید کر لئے گئے، اسی لئے فرمایا: سُنَّةَ مَنۡ ۔ یعنی ہمارے رسولوں کا انکار کرنے والوں اور انہیں ایذا پہنچانے والوں کے متعلق ہمارا یہی دستور ہے کہ ہم ان سے اپنے رسول کو نکال کر ان پر اپنا عذاب مسلط کر دیتے ہیں۔ اگر رسول رحمت ﷺ تشریف فرما نہ ہوتے تو ان پر دنیا میں ہی ایسا عذاب نازل ہوتا جس کی یہ تاب نہ لا سکتے، اسی لئے فرمایا: وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِیۡهِمۡ (الانفال: 33)۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡهُوۡدًا ﴿۷۸﴾ وَ مِنَ الَّیۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ ٭ۖ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾

''نماز ادا کیا کریں سورج ڈھلنے کے بعد رات کے تاریک ہونے تک (نیز ادا کیجئے) نماز صبح۔ بلاشبہ نماز صبح کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اور رات کے بعض حصہ میں (اٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو (تلاوت قرآن کے ساتھ) (یہ نماز) زائد ہے آپ کے لئے یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر''۔

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5 صفحہ 254   2۔ معجم کبیر، جلد 8 صفحہ 201

نماز پنجگانہ کو پابندی سے ادا کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ حضرات ابن مسعود، مجاہد اور ابن زید فرماتے ہیں کہ ''دلوک'' کا معنی ہے غروب جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا معنی زوال ہے۔ حضرات ابن عمر، حسن، ضحاک، ابو جعفر الباقر اور قتادہ کا بھی یہی موقف ہے، ایک روایت میں حضرت ابن مسعود اور مجاہد سے بھی یہی معنی مروی ہے۔ ابن جریر نے اسی معنی کو پسند کیا ہے(1)، اس کی دلیل حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی جنہیں آپ چاہیں، دعوت کی۔ کھانا کھانے کے بعد سورج ڈھلنے پر تمام چلے گئے، چلتے وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے ابو بکر! چلو، یہ دلوک شمس (زوال) کا وقت ہے''(2)۔ اس صورت میں اس آیت کریمہ میں نماز پنجگانہ کے اوقات بیان ہو گئے یعنی زوال شمس سے رات کی تاریکی تک چار نمازیں اور قرآن الفجر سے مراد پانچویں نماز (فجر)۔ غسق سے مراد اندھیرا ہے یا غروب آفتاب۔ اوقات نماز رسول اللہ ﷺ کے اقوال افعال سے بہ تواتر ثابت ہیں، اہل اسلام شروع سے ہی ان اوقات کی پابندی کرتے چلے آرہے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس آیت اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ...... کی تفسیر نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ نماز فجر کی تلاوت کے وقت رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں(3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''باجماعت نماز تنہا نماز پڑھنے سے پچیس درجہ زیادہ فضیلت کی حامل ہے اور نماز فجر میں رات اور دن کے فرشتے اکٹھے ہوتے ہیں''(4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ... پڑھ لو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے ہاں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور نماز فجر اور نماز عصر کے وقت اکٹھے ہوتے ہیں۔ تم میں رات گزارنے والے اوپر چڑھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ تمہارے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم ان کے پاس گئے تو اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم واپس آئے تو اس وقت بھی وہ نماز میں مصروف تھے''(5) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ محافظ فرشتے نماز فجر کے وقت جمع ہوتے ہیں، رات والے عروج کر جاتے ہیں اور دن والے ٹھہر جاتے ہیں۔ ابراہیم نخعی، مجاہد، قتادہ اور دیگر حضرات نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ ابن جریر کی حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نزول فرمانے کے بعد ارشاد فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے استغفار کرے تاکہ میں اسے بخش دوں، کون ہے مجھ سے سوال کرنے والا تاکہ میں اسے عطا کردوں، کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تاکہ میں اس کی دعا کو قبول کروں، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔ یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ بھی جلوہ فرما ہوتا ہے اور لیل و نہار کے فرشتے بھی جمع ہوتے ہیں۔ دوسری روایات کی نسبت اس روایت میں (اللہ تعالیٰ کے نزول کے) جس اضافہ کا ذکر ہوا ہے، ابن جریر اس میں منفرد ہیں(6)۔

نماز پنجگانہ کے حکم کے بعد حضور ﷺ کو قیام لیل اور نماز تہجد کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: فرض نماز کے بعد کون سی نماز افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''رات کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 136 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 137 3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 136
4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ اسراء، جلد 6 صفحہ 108 5۔ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 145؛ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 439
6۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 139؛ سنن ابی داؤد، کتاب الطب، جلد 4 صفحہ 12

نماز"(1)۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو فرض نمازوں کے بعد نماز تہجد کا حکم دیا۔ تہجد نیند کے بعد کی نماز کو کہتے ہیں، علقمہ، اسود، ابراہیم نخعی اور دیگر حضرات کا یہی قول ہے اور یہی معنی لغت عرب میں معروف ہے۔ حضرات ابن عباس، عائشہ اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نیند سے بیدار ہونے کے بعد نماز تہجد پڑھا کرتے تھے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ تہجد اس نماز کو کہتے ہیں جو عشاء کے بعد ہو۔ بہرصورت اسے بھی نیند کے بعد والی نماز پر محمول کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان نَافِلَةً لَّكَ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ تہجد صرف آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے یعنی نماز تہجد آپ ﷺ پر فرض تھی، امت پر نہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ نماز تہجد آپ ﷺ کے حق میں خصوصاً نفل (اضافہ) قرار پائی کیونکہ آپ ﷺ کی اگلی پچھلی لغزشیں بخش دی گئیں اور ان نفلی نمازوں کے باعث امتیوں کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں گویا یہ نفل نمازیں ان کے گناہوں کا کفارہ ہیں(2)۔

فرمایا: عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ ... یعنی آپ میرے حکم کو بجالائیں تاکہ میں آپ کو قیامت کے دن مقام محمود پر فائز کروں جہاں نہ صرف تمام مخلوقات آپ کی تعریف کرے گی بلکہ خود خالق کائنات بھی۔ ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ اکثر مفسرین کے نزدیک مقام محمود سے مراد وہ مقام ہے جہاں قیامت کے دن حضرت محمد ﷺ لوگوں کی شفاعت کے لئے کھڑے ہوں گے تاکہ ان کا رب انہیں اس دن کی شدت اور سنگین صورتحال سے نجات عطا فرمائے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں کو ایک بڑے میدان میں جمع کیا جائے گا، ایک پکارنے والا انہیں اپنی آواز سنائے گا، ان کی آنکھیں کھل جائیں گی، وہ برہنہ پا اور برہنہ بدن ہوں گے جیسے پیدائش کے وقت تھے، سب کھڑے ہوں گے، کوئی بھی اذن الٰہی کے بغیر بات نہیں کر سکے گا، اسی اثناء میں ندا دی جائے گی: اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کہیں گے: "یارب! میں حاضر ہوں اور ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوں، تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، شر تیری طرف سے نہیں، ہدایت یافتہ وہی ہے جسے تو ہدایت عطا فرمائے، تیرا بندہ تیرے سامنے حاضر ہے، وہ تیری ہی توفیق سے قائم ہے اور تیری طرف ہی رجوع کرنے والا ہے، بجز تیرے نہ کوئی نجات کی راہ ہے اور نہ پناہ گاہ، تو بڑا ہی بابرکت، برتر اور بالا ہے، اے رب البیت! تو پاک ہے۔" یہ وہ مقام محمود ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہی مقام محمود مقام شفاعت ہے۔ مجاہدؒ اور حسن بصریؒ کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن آپ ﷺ ہی سب سے پہلے زمین سے باہر آئیں گے اور سب سے پہلے شفاعت بھی آپ ہی کریں گے۔ اہل علم کہتے ہیں کہ یہی مقام محمود ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے(3)۔

قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کو ایسے امتیازی فضائل و مکارم حاصل ہوں گے جن میں نہ کوئی آپ ﷺ کا شریک ہوگا اور نہ کوئی ان میں آپ ﷺ کی برابری کا دعویٰ کر سکے گا۔ سب سے پہلے آپ زمین سے باہر آئیں گے اور سوار ہو کر میدان حشر کی طرف روانہ ہو جائیں گے، آپ ﷺ کے ہاتھ میں پرچم ہوگا، آدم علیہ السلام اور آپ کی تمام ذریت اس کے نیچے ہوگی، حوض کوثر آپ ﷺ کے لئے ہی مخصوص ہوگا جہاں سب سے زیادہ لوگ آئیں گے، اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت عظمیٰ کا منصب آپ ﷺ کو ہی حاصل ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے جلوہ فرما ہو۔ یہ اس کے بعد ہوگا جب تمام لوگ باری باری حضرت آدم علیہ السلام، پھر نوح علیہ السلام، پھر ابراہیم علیہ السلام، پھر موسیٰ علیہ السلام اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے لیکن ہر ایک یہی کہے گا کہ میں اس کا اہل نہیں،

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، جلد 2 صفحہ 821 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 256-255 3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 145-144

یہاں تک کہ لوگ اکٹھے ہو کر حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں درخواست پیش کریں گے تو آپ ﷺ فرمائیں گے: "اَنَا لَهَا، اَنَا لَهَا" یعنی میں ہی اس کا مستحق ہوں، میں ہی اس کا اہل ہوں۔ اس کی تفصیلات ان شاء اللہ یہاں بیان کی جائیں گی۔

آپ ﷺ ان لوگوں کے بارے میں شفاعت کریں گے جنہیں جہنم کا حکم ہو چکا ہوگا، سب سے پہلے آپ ﷺ کی امت کے فیصلے کئے جائیں گے، آپ کی امت ہی سب سے پہلے پل صراط کو عبور کرے گی اور جنت میں (بلندی درجات کے لئے) بھی آپ ﷺ ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہوں گے جیسا کہ صحیح مسلم میں ثابت ہے۔ حدیث صور میں ہے کہ مومن تمام کے تمام آپ کی شفاعت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ سب سے پہلے آپ ﷺ جنت میں داخل ہوں گے اور پھر آپ ﷺ کی امت تمام امتوں سے پہلے جنت میں جائے گی، آپ ﷺ ایسے لوگوں کے رفع درجات کے لئے شفاعت کریں گے جن کے اعمال ان درجات تک پہنچنے سے قاصر تھے، آپ ﷺ ہی صاحب وسیلہ ہیں جو جنت میں اعلیٰ مقام ہے اور صرف آپ ﷺ کے ہی شایان شان ہے۔ ملائکہ، انبیاء اور مومنین بھی گنہگاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاعت کریں گے لیکن آپ ﷺ اتنی مخلوق کے لئے شفاعت کریں گے جس کی تعداد بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں، نہ کوئی آپ کی مثل شفاعت کر سکے گا اور نہ ہی کوئی برابری کا دعویٰ کر پائے گا، کتاب السیرۃ کے باب الخصائص میں میں نے اسے شرح وبسط سے بیان کر دیا ہے۔ اب ہم مقام محمود کے متعلق وارد ہونے والی احادیث کا تذکرہ کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے، ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی، کہیں گے: اے فلاں! ہماری شفاعت کیجئے، اے فلاں! ہماری سفارش کریں، یہاں تک کہ شفاعت کی انتہاء نبی کریم ﷺ تک ہوگی۔ یہی وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سورج بہت قریب آ جائے گا یہاں تک کہ پسینہ آدھے کانوں تک پہنچ جائے گا، اسی اثناء میں وہ آدم علیہ السلام سے فریاد کریں گے لیکن وہ کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام بھی اسی طرح جواب دے دیں گے، پھر محمد (ﷺ) کی خدمت میں التجا پیش کریں گے تو آپ ﷺ مخلوق کی شفاعت کرنے کے لئے چل دیں گے یہاں تک کہ باب جنت کی کنڈی تھام لیں گے، اس دن اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا"۔ بخاری نے بھی اسے روایت کیا ہے لیکن اس اضافہ کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا جہاں تمام لوگ آپ کی تعریف کریں گے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اذان سن کر یہ دعا پڑھے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَا نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ"، قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگی" (2)۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میں قیامت کے دن انبیاء کا امام، خطیب اور ان کا سفارشی ہوں گا، یہ بات بطور فخر نہیں کہتا" (3)۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں قرآن کریم کو سات قراءتوں کے مطابق پڑھنے کا ذکر ہے، اس حدیث کے آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے عرض کی: اے اللہ! میری امت کی مغفرت فرما، اے اللہ! میری امت کو بخش دے اور تیسری دعا میں نے اس دن کے لئے بچا رکھی ہے جس میں تمام مخلوق حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف رغبت کریں گے (4)۔ حضرت انس رضی اللہ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ اسراء، جلد 6 صفحہ 108 2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ اسراء، جلد 6 صفحہ 108

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13 صفحہ 101، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1443

4۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 561-562، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 127

عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن مومن جمع ہوں گے، ان کے دلوں میں یہ خیال ڈالا جائے گا اور وہ کہیں گے کہ کاش ہمیں کوئی شفاعت کرنے والا مل جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کر کے ہمیں اس تکلیف کیفیت سے راحت پہنچائے۔ چنانچہ وہ سب آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ آپ ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، ملائکہ سے آپ کو سجدہ کروایا اور ہر چیز کے ناموں سے آپ کو آگاہ کیا، اس لئے آپ بارگاہ خداوندی میں ہماری شفاعت کریں تاکہ ہمیں کچھ آرام نصیب ہو۔ وہ انہیں کہیں گے کہ یہاں میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ اس وقت انہیں اپنا گناہ یاد آ جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے شرم محسوس کریں گے اور کہیں گے کہ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اہل زمین کی طرف مبعوث کیا گیا۔ وہ سب مل کر نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے، وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں۔ انہیں اپنی خطا یاد آ جائے گی کہ انہوں نے اپنے رب سے وہ سوال کیا تھا جس کے متعلق انہیں علم نہ تھا، اس لئے وہ بھی اس خطا کے باعث اپنے رب سے شرمانے لگیں گے اور فرمائیں گے کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ۔ وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی یہی کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں، لیکن تم موسیٰ کے پاس جاؤ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا اور تورات سے نوازا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے لیکن وہ بھی معذوری ظاہر کریں گے، انہیں یاد آ جائیگا کہ انہوں نے ناحق ایک آدمی کو قتل کیا تھا، اس بناء پر انہیں بھی اللہ تعالیٰ سے شرم دامن گیر ہوگی، وہ کہیں گے کہ عیسیٰ کے پاس جاؤ جو اللہ کے بندے، رسول، کلمہ اور روح تھے۔ چنانچہ وہ تمام عیسیٰ کے پاس آئیں گے، وہ بھی کہیں گے کہ میں اس کی اہلیت نہیں رکھتا، البتہ تم اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے محمد (ﷺ) کی جناب میں حاضر ہو جاؤ جن کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے گئے تھے۔ وہ سب مل کر میرے پاس حاضر ہوں گے۔ میں کھڑا ہوں گا اور مومنین کی دو صفوں کے درمیان چلتا ہوا بارگاہ خداوندی میں باریابی کے لئے اجازت طلب کروں گا۔ جب میں اپنے رب کا دیدار کروں گا تو اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا، میں اسی حالت میں پڑا رہوں گا، پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، کہیے، آپ کی بات سنی جائے گی، شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا۔ اب میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ حمد و ثنا کروں گا جو مجھے وہ سکھائے گا، پھر میں شفاعت کروں گا۔ میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی جس کے مطابق میں لوگوں کو جنت میں داخل کروں گا۔ پھر دوبارہ میں جناب باری تعالیٰ میں حاضر ہوں گا۔ جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو اس کے حضور سجدہ میں گر جاؤں گا، مشیت الٰہی کے مطابق یہ کیفیت برقرار رہے گی، پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، کہیے، آپ کی سنی جائے گی، مانگئے، آپ کو عطا ہوگا اور شفاعت کیجئے، آپ ﷺ کی شفاعت مقبول ہوگی۔ چنانچہ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم کردہ حمد و ثنا کروں گا، پھر سفارش کروں گا۔ میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی جس کی مقدار لوگوں کو میں جنت میں داخل کروں گا، پھر تیسری بار لوٹوں گا اور جب اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا، جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی، سجدہ میں پڑا رہوں گا، پھر فرمایا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، کہیے، آپ کی بات سنی جائے گی، سوال کیجئے، آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت کو شرف قبولیت سے نوازا جائے گا۔ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ حمد کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا، پھر میں شفاعت کروں گا، میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی اور میں انہیں بھی جنت میں پہنچا دوں گا، چوتھی دفعہ پھر میں جناب باری تعالیٰ میں لوٹوں گا اور عرض کروں گا: اے پروردگار! اب تو صرف وہی باقی رہ گئے جنہیں قرآن نے روک لیا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر وہ

شخص جہنم سے نکل آئے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا اور جس کے دل میں جو کے دانے کے برابر خیر تھی، پھر وہ شخص جہنم سے رہائی پا لے گا جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا تھا اور گیہوں کے دانے کے برابر اس کے دل میں خیر تھی، پھر وہ شخص جہنم سے چھٹکارا پائے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی خیر موجود تھی'' (1)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں کھڑا اپنی امت کے پل صراط عبور کرنے کا انتظار کر رہا ہوں گا کہ اسی اثناء میں عیسیٰ علیہ السلام میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ یہ انبیاء آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں، یہ بارگاہ خداوندی میں درخواست کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی مشیت کے مطابق تمام امتوں کے فیصلے فرما کر انہیں الگ الگ کر دے کیونکہ اس وقت وہ سخت تکلیف دہ صورتحال سے دوچار ہیں۔ لوگ پسینہ میں شرابور ہوں گے، مومن پر تو وہ زکام کی مثل ہوگا لیکن کافر پر موت چھائی ہوئی ہوگی۔ آپ ﷺ فرمائیں گے، ذرا ٹھہرو، میں آتا ہوں۔ اللہ کے نبی ﷺ جا کر عرش تلے کھڑے ہو جائیں گے اور وہ اعزاز و اکرام پائیں گے جو کسی برگزیدہ فرشتے اور رسول کو بھی نہ ملا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بذریعہ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے فرمائے گا: اپنا سر اٹھایئے، مانگئے، آپ کو دیا جائے گا اور شفاعت کیجئے، آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ چنانچہ میں اپنی امت کے بارے میں شفاعت کروں گا اور ہر ننانوے میں سے ایک نکال لاؤں گا، اسی طرح میں لگاتار اپنے رب کے حضور آتا جاتا رہوں گا اور اس وقت تک شفاعت کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرما دے گا کہ اے محمد! اپنی امت میں سے ہر اس شخص کو جنت میں لے جاؤ جس نے ایک دن بھی اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی گواہی دی اور پھر اسی پر اس کو موت آئی'' (2)۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اس وقت ایک آدمی گفتگو کر رہا تھا، آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا مجھے گفتگو کرنے کی اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، آپ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ بریدہ بھی اس قسم کی گفتگو کریں گے جو وہ شخص کر رہا تھا۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''مجھے قوی امید ہے کہ میں قیامت کے دن روئے زمین پر موجود درختوں اور کنکروں کی تعداد کے برابر لوگوں کی شفاعت کروں گا''۔ اے معاویہ! آپ تو اس کی امید کریں اور (کیا) علی رضی اللہ عنہ اس سے ناامید ہو جائیں؟'' (3) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ملیکہ کے دونوں بیٹے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہماری ماں ہمارے والد کی بہت عزت کرتی تھی اولاد پر بہت مہربان اور شفیق تھی اور مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی تھی لیکن ایک بات ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت میں اپنی بچیاں زندہ درگور کر دیا کرتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری ماں کا ٹھکانہ جہنم ہے''۔ یہ سن کر وہ دونوں رنجیدہ خاطر واپس چلے تو آپ نے انہیں واپس بلانے کا حکم دیا۔ وہ خوشی خوشی واپس آئے کہ شاید اب امید افزا بات سننے کو ملے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے''۔ یہ سنتے ہی ایک منافق کہنے لگا کہ یہ اپنی ماں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور ہم خواہ مخواہ اس کے نقش قدم چل رہے ہیں، ایک انصاری جو سب سے زیادہ سوالات کرنے کا عادی تھا، کہنے لگا: یا رسول اللہ! کیا اس (ملیکہ) کے یا ان دونوں کے بارے میں آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کے ساتھ کوئی وعدہ کیا ہے؟ آپ سمجھ گئے کہ اس نے پوچھتا ہے، فرمایا: ''نہ میرے رب نے چاہا اور نہ مجھے اس میں طمع دلائی۔ میں قیامت کے دن مقام محمود پر فائز ہوں گا''۔ انصاری نے عرض کی: یا رسول اللہ! مقام محمود کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اس وقت ہوگا جب تمہیں برہنہ پا، برہنہ بدن اور بے ختنہ لایا جائے گا۔ سب سے پہلے ابراہیم علیہ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ البقرہ، جلد 6 صفحہ 21۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 181۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 116

2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 178

3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 347 یہ حدیث ضعیف ہے

السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے خلیل کو کپڑے پہناؤ۔ چنانچہ دو سفید چادریں انہیں پہنائی جائیں گے اور انہیں عرش کی طرف منہ کر کے بٹھا دیا جائے گا، پھر میرا لباس لایا جائے گا، میں اسے پہن کر ان کی دائیں طرف اس مقام پر کھڑا ہو جاؤں گا جہاں کوئی اور کھڑا نہیں ہوگا، اور اس مقام کے حصول پر تمام اگلے پچھلے لوگ مجھ پر رشک کریں گے"۔ اور کوثر سے حوض تک ان کے لئے کھول دیا جائے گا۔ منافق کہنے لگا کہ پانی کے جاری ہونے کے لئے مٹی اور کنکر لازمی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کی مٹی مشک ہے اور اس کے کنکر موتی"۔ منافق کہنے لگا کہ ایسی عجیب بات پہلے نہیں سنی، پانی جاری ہو تو نباتات بھی اگنی چاہئیں؟ انصاری دریافت کرنے لگا: یارسول اللہ! کیا وہاں نباتات بھی ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، سونے کی شاخوں والیں"۔ منافق کہنے لگا کہ بڑی تعجب خیز بات ہے شاخیں ہوں تو پتے اور پھل بھی ضرور ہونے چاہئیں۔ انصاری نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا ان پر پھل بھی ہوں گے؟ فرمایا: "ہاں، رنگا رنگ جواہر، ان کا رس دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا۔ جس نے ایک گھونٹ بھی پی لیا، وہ اس کے بعد کبھی پیاسا نہیں ہوگا اور جسے اس سے محروم کر دیا گیا، وہ پھر کبھی سیراب نہ ہوگا" (1)۔ حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں: "پھر اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائے گا، چنانچہ روح القدس جبریل علیہ السلام کھڑے ہوں گے، پھر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کھڑے ہوں گے، پھر حضرت عیسیٰ یا موسیٰ علیہما السلام کھڑے ہوں گے، پھر تمہارے نبی حضرت محمد ﷺ کھڑے ہوں گے اور سب سے زیادہ شفاعت کریں گے، یہی مقام محمود ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے" (2)۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن لوگوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ میں اور میری امت ایک ٹیلے پر ہوں گے، مجھے اللہ تعالیٰ سبز رنگ کا حلہ پہنائے گا، پھر مجھے اذن دیا جائے گا اور میں وہ کچھ کہوں گا جو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ یہی مقام محمود ہے" (3)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کا اذن ملے گا، اور مجھے ہی سب سے پہلے سر اٹھانے کی اجازت مرحمت ہوگی، میں اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں دیکھوں گا اور تمام امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا، ایک آدمی نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر تمام امتوں میں سے آپ ﷺ اپنی امت کیسے پہچانیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وضو کے اثر سے ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں چمک رہے ہوں گے، ان کے سوا کوئی اور ایسا نہیں ہوگا۔ میں انہیں اس نشانی سے بھی پہچان لوں گا کہ انہیں نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ملیں گے۔ مزید ان کی پہچان اس طرح ہوگی کہ ان کی اولادیں ان کے آگے چل رہی ہوں گی" (4)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گوشت لایا گیا، چونکہ شانے کا گوشت آپ ﷺ کو زیادہ پسند تھا، اس لئے وہی آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ ﷺ اس میں سے توڑ توڑ کر تناول کرنے لگے، پھر فرمایا: "قیامت کے دن میں تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، کیا تمہیں اس کا سبب معلوم ہے؟ اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے تمام لوگوں کو ایک بہت بڑے میدان میں جمع کرے گا۔ ایک ندا دینے والا انہیں سنائے گا؛ نگاہیں اوپر اٹھی ہوں گی اور سورج بالکل قریب ہوگا۔ لوگ ناقابل برداشت رنج والم اور کرب کا شکار ہوں گے، وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ تکلیف کس انتہا کو پہنچ چکی ہے، کیا تمہیں کسی ایسے شخص کا علم

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 399-398
2۔ مسند ابی داؤد طیالسی: 51
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 456
4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 199

ہے جو بارگاہ خداوندی میں تمہاری سفارش کرے؟ باہمی مشاورت سے طے ہوگا کہ آدم علیہ السلام کے پاس چلو، چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، آپ میں اپنی روح پھونکی اور ملائکہ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ ملائکہ نے آپ کو سجدہ کیا، اس لئے آپ اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش کریں، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس قدر سنگین صورتحال سے دوچار ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے کہ آج میرا پروردگار اس قدر غضبناک ہے کہ نہ تو وہ اس سے پہلے کبھی اتنا غضبناک ہوا ہے اور نہ بعد میں اس قدر کبھی ہوگا۔ اس نے مجھے درخت سے روکا تھا لیکن مجھ سے حکم عدولی ہوگئی۔ مجھے اپنی فکر دامن گیر ہے، نفسی نفسی کا عالم ہے، اس لئے کسی اور کے پاس جاؤ، نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ، چنانچہ وہ سب مل کر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ اہل ارض کی طرف آپ پہلے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''عبد شکور'' نام دیا ہے، بارگاہ خداوندی میں ہماری شفاعت فرمائیں، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس قدر مشکل میں ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے کہ آج میرا رب اس قدر غضبناک ہے کہ نہ پہلے کبھی اس قدر غضبناک ہوا اور نہ کبھی بعد میں ہوگا۔ مجھے ایک دعا مرحمت کی گئی تھی جو میں نے اپنی امت کے خلاف مانگ لی، نفسی (میرا نفس) نفسی نفسی، کسی اور کے پاس جاؤ۔ ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔ وہ سب اکٹھے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے آئیں گے اور التجا کریں گے کہ آپ اللہ کے نبی اور خلیل ہیں، اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری شفاعت کیجئے، کیا آپ ہماری خستہ حالی نہیں ملاحظہ کر رہے؟ آپ فرمائیں گے کہ میرا رب آج اس قدر غصہ میں ہے کہ نہ اسے پہلے کبھی اتنا غصہ آیا ہے اور نہ کبھی آئے گا۔ آپ اپنے جھوٹ یاد کر کے نفسی نفسی کرنے لگیں گے اور فرمائیں گے کہ کسی اور کے پاس چلے جاؤ، موسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ سب مل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر آپ کو اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ چن لیا، آپ بارگاہ رب العزت میں ہماری سفارش کریں، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس قدر آزمائش میں گھرے ہوئے ہیں؟ آپ فرمائیں گے کہ آج میرا رب اس قدر غضبناک ہے کہ اتنا پہلے کبھی ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔ مجھ سے تو ایک ناحق قتل ہوگیا تھا، مجھے اپنی پڑی ہے، نفسی نفسی کی کیفیت ہے، کسی اور در پر چلے جاؤ۔ جاؤ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس۔ وہ تمام کے تمام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کریں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے مریم کی طرف القاء کیا اور اس کی روح ہیں۔ آپ نے بچپن میں گہوارے میں گفتگو کی۔ آپ بارگاہ خداوندی میں ہماری سفارش فرمائیں۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس قدر اندوہناک حالت کا شکار ہیں؟ آپ فرمائیں گے کہ آج میرا رب شدید غضب میں ہے، نہ پہلے کبھی اس قدر غضبناک ہوا اور نہ کبھی بعد میں ہوگا۔ آپ اپنے کسی گناہ کا ذکر نہیں کریں گے بلکہ کہیں گے۔ نفسی نفسی۔ کسی اور کی طرف جاؤ۔ محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ، چنانچہ وہ تمام جمع ہو کر حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیئے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری شفاعت فرمائیں، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس قدر مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں؟ پس میں کھڑا ہوں گا اور عرش تلے آ کر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی حمد و ثناء کے وہ کلمات سکھائے گا جو پہلے اس نے کسی کو نہیں سکھائے ہوں گے۔ پھر کہا جائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ! اپنا سر اٹھایئے، مانگئے آپ ﷺ کو عطا ہوگا، شفاعت کیجئے آپ ﷺ کی شفاعت قبول ہوگی۔ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا۔ یارب! میری امت، اے میرے پروردگار! میری امت، میرے رب! میری امت؟ چنانچہ

مجھے فرمایا جائے گا: اے محمد ﷺ! اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر حساب نہیں، لے جاؤ اور دائیں جانب والے دروازے سے جنت میں داخل کرو لیکن باقی دروازوں میں سے داخل ہونے کا بھی انہیں حق حاصل ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! جنت کے کواڑوں میں سے دو کے درمیان اتنی مسافت ہے جس قدر مکہ اور ہجر کے درمیان یا مکہ اور بصری کے درمیان" (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی، سب سے پہلے میں ہی شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت ہی قبول ہوگی" (2)۔ آپ ﷺ سے اس آیت عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ ... کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ شفاعت ہے"۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے اس آیت کے متعلق فرمایا: "یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا" (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو کھال کی طرح کھینچ کر پھیلا دے گا یہاں تک کہ ہر شخص کو پاؤں رکھنے کی جگہ مل جائے گی۔ سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا۔ جبریل علیہ السلام اللہ تبارک و تعالیٰ کے دائیں طرف ہوں گے، اللہ کی قسم! اس سے پہلے انہوں نے اسے نہیں دیکھا۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! اس (جبریل علیہ السلام) نے مجھے بتایا تھا کہ تو نے اسے میری طرف بھیجا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس نے سچ کہا۔ پھر میں شفاعت کروں گا اور عرض کروں گا: اے میرے پروردگار! تیرے بندوں نے زمین کے ہر طرف تیری عبادت کی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہی مقام محمود ہے" (4)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

"اور دعا مانگا کیجئے کہ اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ۔ اور عطا فرما مجھے اپنی جناب سے وہ قوت جو مدد کرنے والی ہو۔ اور آپ (اعلان) فرما دیجئے آ گیا ہے حق اور مٹ گیا ہے باطل۔ بے شک باطل تھا ہی مٹنے والا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں تشریف فرما تھے، پھر آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم ہوا تو اس وقت یہ آیت وَقُلْ رَّبِّ ..... نازل ہوئی (5)۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب کفار مکہ نے باہمی مشاورت سے یہ طے کیا کہ وہ آپ ﷺ کو قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں یا قید میں ڈال دیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ قتال انہیں سزا دینے کا ارادہ کر لیا تو اس نے آپ ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا۔ اس وقت یہ آیت اتری (6)۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں داخل ہونا اور مکہ سے نکلنا مراد ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید اسلم کا بھی یہی قول ہے اور یہی قول سب سے زیادہ مشہور ہے۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد موت ہے اور وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ سے مراد موت کے بعد کی زندگی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں لیکن زیادہ صحیح پہلا قول ہی ہے اور ابن جریر نے اسے ہی

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ اسراء، جلد 6 صفحہ 105، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 184-186
2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل جلد 4، صفحہ 1782
3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 145، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 528,444,441
4۔ مصنف عبدالرزاق
5۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 223
6۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 149

پسند کیا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اس فرمان وَاجْعَلْ لِّیْ..... کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ساتھ یہ وعدہ کیا کہ وہ فارس و روم کی سلطنتیں اور ان کی عزو جاہ چھین کر آپ ﷺ کو عطا فرمائے گا(1)۔ قتادہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر غلبۂ دین ممکن نہیں اس لئے آپ نے اللہ تعالیٰ سے تائید و حمایت اور مدد کی التجا کی تاکہ اس کے ذریعے قرآن کریم، حدود و فرائض کا نفاذ اور اقامت دین ممکن ہو سکے کیونکہ تائید الٰہی پر مبنی غلبہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جسے وہ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو لوگ ایک دوسرے پر پل پڑیں، ہر طاقتور کمزور کو نگل جائے۔ مجاہدؒ "سلطان نصیر" سے مراد واضح حجت لیتے ہیں۔ ابن جریر نے حضرات حسن و قتادہ کے قول کو پسند کیا ہے اور یہی زیادہ راجح ہے کیونکہ مخالفین حق کو مغلوب کرنے کے لئے حق کے ساتھ قوت اور غلبہ کا ہونا ضروری ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید:25) "یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) اتارا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا اس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے لئے طرح طرح کے فوائد ہیں"۔ حدیث شریف میں آتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَیَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَا لَا یَزَعُ بِالْقُرْاٰنِ یعنی اللہ تعالیٰ قوت و غلبہ کے باعث ایسی بہت سی برائیوں اور بدکاریوں کے ارتکاب سے روک دیتا ہے جو قرآن اور اس میں موجود سخت وعید اور شدید دھمکی سے بھی ممکن نہیں اور یہ بالکل حقیقت ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ..... اس میں کفار قریش کے لئے سخت دھمکی اور وعید ہے۔ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق آ گیا جس میں نہ کوئی شک و شبہ ہے اور نہ ان میں اس کے مقابلہ کی تاب۔ قرآن کریم، ایمان اور علم نافع کی صورت میں حق ان کے سامنے آ پہنچا اور ان کا باطل مضمحل ہو کر فنا ہو گیا کیونکہ حق کے سامنے باطل کو کوئی بقا اور ثبات حاصل نہیں جیسا کہ فرمایا: بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ (الانبیاء:18) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے، اس وقت بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں چھڑی تھی، آپ ﷺ اس کے ساتھ انہیں کچوکے لگا لگا کر یہ فرما رہے تھے: "حق آ پہنچا اور باطل مٹ چکا، بلاشبہ باطل مٹنے والا ہی ہے۔ حق آ گیا، باطل نہ دوبارہ آ سکتا ہے اور نہ لوٹ سکتا ہے"(2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے جنہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پوجا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان بتوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ منہ کے بل گر پڑے۔ اس وقت آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی(3)۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

"اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے۔ اور قرآن نہیں بڑھاتا ظالموں کے لئے مگر خسارہ کو"۔

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے جسے اس نے اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا۔ یہ وہ قرآن

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 150 2۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ بنی اسرائیل، جلد 6 صفحہ 108، صحیح مسلم کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1408 وغیرہ
3۔ مسند ابی یعلی

کریم ہے جو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے، باطل کسی جانب سے بھی اس کی طرف راہ نہیں پا سکتا، یہ اہل ایمان کے لئے باعث شفا اور سراپا رحمت ہے یعنی دلوں کے اندر شک وارتیاب، نفاق، شرک اور کجی جیسے جو بھی امراض پائے جاتے ہیں، ان سب روگوں کے لئے قرآن کریم شفا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ رحمت بھی ہے جس کے ذریعے ایمان، حکمت، بھلائی اور نیکی کی طرف رغبت حاصل ہوتی ہے۔ یہ شفا اور رحمت صرف اس شخص کو نصیب ہوتی ہے جو اس پر ایمان لائے، اس کی تصدیق اور اتباع کرے۔ جہاں تک اپنے اوپر ظلم کرنے والے کافر کا تعلق ہے تو وہ جوں جوں قرآن سنتا ہے، اس سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کے کفر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۗ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ (حم السجدۃ:44) ''آپ فرمایئے یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر مشتبہ رہتا ہے، انہیں گویا دور کی جگہ سے بلایا جاتا ہے''، وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (التوبہ:124-125) ''اور جب بھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض وہ ہیں جو (شرارتاً) کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کر دیا ہے تو (وہ سن لیں) ایمان والوں کے ایمان میں اس سورت نے اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں اور جن کے دلوں میں روگ ہے تو اس سورت نے ان کی (سابقہ) پلیدی پر اور پلیدی بڑھا دی ہے اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے'' اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مومن جب قرآن کریم سنتا ہے تو وہ اس سے نفع حاصل کرتا ہے، اسے یاد کرتا ہے اور اسے اپنے دل میں جگہ دیتا ہے لیکن کافر نہ اس سے استفادہ کرتا ہے، نہ اسے یاد کرتا ہے اور نہ اپنے دل میں بساتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو صرف اہل ایمان کے لئے شفا اور رحمت بنایا ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـــُٔوْسًا ﮁ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰي شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﮂ

''اور جب ہم کوئی انعام فرماتے ہیں انسان پر تو (بجائے شکر کے) وہ منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرنے لگتا ہے۔ اور جب پہنچتی ہے اسے کوئی تکلیف تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ ہر شخص عمل پیرا ہے اپنی فطرت کے مطابق۔ پس تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ سیدھی راہ پر (گامزن) ہے''۔

راحت اور تکلیف دونوں حالتوں میں انسان ایک بڑے نقص کا شکار ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے تائید یافتہ لوگ اس نقص سے محفوظ ہیں۔ وہ نقص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب انسان پر مال ومتاع، صحت وعافیت اور فتح ونصرت کے دروازے کھول کر اپنا انعام فرماتا ہے تو وہ اس کی اطاعت وعبادت سے روگردانی اور پہلو تہی کرنے لگ جاتا ہے بلکہ بقول مجاہد اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ (یونس:12) ''پھر جب ہم اس سے تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا کسی تکلیف میں جو اسے پہنچی تھی''، فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ (بنی اسرائیل:67) ''پس جب وہ تمہیں ساحل تک پہنچا دیتا ہے تو تم روگردانی کرنے لگتے ہو''۔ اور جب انسان کو مصائب، حوادثات اور مسائل آ گھیرتے ہیں تو وہ ہر قسم کی بھلائی کے حصول سے ناامید ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـــُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَاۗءَ بَعْدَ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُ

لَیَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌۙ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ (ہود:119)'' اور اگر ہم کسی انسان کو اپنی طرف سے رحمت چکھائیں پھر ہم اسے اس سے چھین لیں تو وہ بڑا مایوس اور ناشکرا بن جاتا ہے اور اگر ہم اسے کوئی نعمت چکھاتے ہیں اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ سب تکلیفیں مجھ سے دور ہو گئیں، بے شک وہ بڑا خوش ہونے والا اترانے والا ہے مگر وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں، وہی ہیں جن کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ''شَاكِلَتِهٖ'' کا معنی ''نَاحِیَةٌ'' (طرف) بیان کرتے ہیں، مجاہد اس کا معنی فطرت بتاتے ہیں، قتادہ کے نزدیک اس کا معنی نیت اور ابن زید کے نزدیک دین ہے(1)۔ یہ تمام معانی قریب قریب ہیں۔ اس آیت کریمہ میں مشرکین کے لئے وعید اور دھمکی ہے جیسا کہ فرمان ہے: وَ قُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ (ہود:121)'' اور آپ فرما دیجئے انہیں جو ایمان نہیں لائے کہ تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو''، اس لئے یہاں فرمایا: قُلْ كُلٌّ۔۔۔ یعنی ہر ایک اپنی فطرت کے مطابق عمل کرتا ہے اور آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ ہم میں سے اور تم میں سے کون زیادہ راہ راست پر گامزن ہے، وہ اس کے مطابق ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا کیونکہ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾

''یہ دریافت کرتے ہیں آپ سے روح کی حقیقت کے متعلق۔ (انہیں) بتایئے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور نہیں دیا گیا ہے تمہیں علم مگر تھوڑا سا''۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ کے کھیتوں میں جا رہا تھا، آپ ایک لاٹھی کے سہارے چل رہے تھے۔ یہودیوں کے ایک گروہ کے پاس سے جب گزر ہوا تو ان میں سے بعض کہنے لگے کہ آپ ﷺ سے روح کے متعلق سوال کرو جبکہ بعض نے کہا کہ آپ سے سوال نہ کرو۔ آخرکار انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھ ہی لیا کہ روح کیا ہے؟ آپ ﷺ لاٹھی پر ٹیک لگائے ٹھہر گئے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ ﷺ پر وحی اتر رہی ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی(2)۔ بخاری شریف میں یہ روایت اس طرح ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ کھیتوں میں جا رہا تھا۔ آپ لاٹھی کا سہارا لئے چل رہے تھے کہ یہود کے پاس سے گزر ہوا تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ آپ ﷺ سے روح کے متعلق دریافت کرو۔ کسی نے کہا کہ تمہیں اس سوال سے کیا سروکار؟ کسی نے کہا کہ ایسا نہ ہو آپ ﷺ ایسا جواب دے دیں جو تمہیں ناپسند ہو۔ بالآخر انہوں نے اتفاق کر کے آپ ﷺ سے روح کے متعلق پوچھ لیا۔ آپ ﷺ تھوڑی دیر خاموش رہے اور انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ ﷺ پر وحی اتر رہی ہے، میں اپنی جگہ کھڑا رہا، اس کے بعد آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی(3)۔ اس سے بظاہر یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور اس کا نزول مدینہ شریف میں اس وقت ہوا جب یہود نے آپ ﷺ سے روح کی بابت دریافت کیا حالانکہ سورت تمام کی تمام مکی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ آیت مدینہ میں دوسری بار نازل ہوئی ہو جس طرح مکہ میں پہلے نازل ہوئی تھی یا یہ صرف مکہ میں ہی نازل ہوئی تا کہ آپ ﷺ اس کے ذریعے یہودیوں کے اس سوال کا جواب دے سکیں جو انہوں نے بعد میں کرنا تھا۔ اس آیت کے مکی ہونے کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت ہے کہ قریش نے یہود سے

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 154 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 389
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ بنی اسرائیل، جلد 6 صفحہ 108، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2152

کہا کہ ہمیں کوئی مشکل سوال بتاؤ جو ہم اس شخص (حضرت محمد ﷺ) سے دریافت کریں۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ ﷺ سے روح کے متعلق دریافت کرو تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ جب یہ آیت اتری تو یہود کہنے لگے کہ ہمیں تو وافر علم عطا ہوا ہے یعنی ہمیں تورات ملی ہے اور جسے تورات عطا ہوئی اسے خیر کثیر مل گئی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: قُلۡ لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیۡ .. (الکہف: 109)" فرمایئے اگر سمندر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے روشنائی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائے گا اس سے پیشتر کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں اگرچہ ہم اس کی مدد کو اتنی روشنائی اور لے آئیں" (1)۔ حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ اہل کتاب نے رسول اللہ ﷺ سے روح کی حقیقت کے متعلق دریافت کیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے: آپ کا گمان ہے کہ ہمیں بہت کم علم دیا گیا ہے حالانکہ ہمیں تورات سے سرفراز کیا گیا جو سراپا حکمت ہے اور جسے حکمت عطا ہو گئی اسے خیر کثیر مل گئی، اس وقت یہ فرمان نازل ہوا: وَلَوۡ اَنَّ مَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَۃٍ اَقۡلَامٌ وَّ الۡبَحۡرُ یَمُدُّہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ سَبۡعَۃُ اَبۡحُرٍ مَّا نَفِدَتۡ کَلِمٰتُ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ (لقمان: 27)" اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اور اس کے علاوہ سات سمندر اسے مزید سیاہی مہیا کریں تو پھر بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی، بے شک اللہ سب پر غالب، بڑا دانا ہے"۔ فرمایا کہ جو علم تمہیں دیا گیا ہے، اگر اسے اللہ تعالیٰ آگ سے تمہاری خلاصی کا ذریعہ بنا دے تو یہ کثیر اور طیب ہے لیکن علم الٰہی میں پھر بھی یہ قلیل ہے (2)۔ محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عطاء بن یسار سے مروی ہے: یہ آیت وَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا مکہ شریف میں نازل ہوئی، جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو علمائے یہود آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ یہ کہتے ہیں: وَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا، اس سے آپ ﷺ کی مراد ہم ہیں یا آپ ﷺ کی قوم؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سبھی مراد ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ قرآن کریم میں آپ ﷺ بھی پڑھتے ہیں کہ ہمیں تورات عطا کی گئی جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ علم الٰہی کے مقابلے میں قلیل ہے، بہرصورت اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس قدر عطا فرما دیا ہے کہ اگر تم اس پر عمل کرو تو تمہیں بہت نفع حاصل ہوگا" اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَلَوۡ اَنَّ مَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَۃٍ ... نازل کی (3)۔

روح سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد بنی آدم کی ارواح ہیں۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ ہمیں بتائیں روح کیا ہے اور جسم میں روح کو کیسے عذاب ہوتا ہے حالانکہ روح تو اللہ کی طرف سے ہے۔ چونکہ اس بارے میں کوئی وحی آپ ﷺ پر نہیں اتری تھی، اس لئے آپ ﷺ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا، پھر جب جبریل علیہ السلام یہ آیت قُلِ الرُّوۡحُ .. لے کر آئے تو آپ ﷺ نے یہود کو اس کے متعلق آگاہ کر دیا، وہ کہنے لگے کہ کس نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دی ہے؟ فرمایا: جبریل علیہ السلام میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر لائے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ آپ ﷺ کے پاس یہ خبر لانے والا ہمارا دشمن ہے تو اس وقت یہ فرمان نازل ہوا: قُلۡ مَنۡ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِیۡلَ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلۡبِکَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ (البقرۃ: 97)" آپ فرمایئے جو جبریل علیہ السلام کا دشمن ہو (اسے معلوم ہونا چاہئے" کہ اس نے آپ ﷺ کے دل پر اللہ تعالیٰ کا قرآن اتارا جو تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اتریں) (4)، تو وہ کہتے

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 389
2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 155
3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 157
4۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 156

ہیں کہ روح سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے مراد تمام مخلوقات کے برابر ایک عظیم فرشتہ ہے۔ علی بن طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد فرشتہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا فرشتہ ہے کہ اگر اسے کہا جائے کہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو ایک ہی لقمہ میں نگل جا تو وہ ایسا کر گزرے، اس کی تسبیح یہ ہے: "سُبۡحَانَكَ حَیۡثُ كُنۡتَ" (1)۔ یہ حدیث غریب بلکہ منکر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روح سے مراد ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں، ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں اور ہر زبان پر ستر ہزار لغات ہیں جن سے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو دیگر فرشتوں کے ساتھ قیامت تک اڑتا رہے گا(2)۔ یہ اثر عجیب و غریب ہے۔ سہیلی کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ روایت میں آتا ہے کہ اس فرشتے کے ایک لاکھ سر ہیں، ہر سر میں ایک لاکھ چہرے ہیں، ہر چہرے میں ایک لاکھ منہ ہیں اور ہر منہ میں ایک لاکھ زبانیں ہیں جن کے ساتھ وہ مختلف بولیوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد فرشتوں کا ایک گروہ ہے جن کی صورتیں بنی آدم کی سی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ روح سے مراد ایسا گروہ ہے جو فرشتوں کو دیکھتے ہیں لیکن فرشتے انہیں نہیں دیکھ سکتے، وہ فرشتوں کے لئے ایسے ہی ہیں جیسے ہمارے لئے فرشتے(3)۔

فرمایا: قُلِ الرُّوۡحُ ۔۔ یعنی روح کی حقیقت کے متعلق علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے اور اس سے تمہیں آگاہ نہیں کیا، اسی لئے فرمایا: وَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ ..... یعنی تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے، کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا بجز اس مقدار کے جس سے آگاہ کرنا مشیت الٰہی میں مقدر ہو۔ پھر یہ عطا کردہ علم بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں قلیل ہے۔ تم روح کی حقیقت کے متعلق دریافت کر رہے ہو، تو سن لو اس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے اور تمہیں اس پر مطلع نہیں کیا، بالکل اسی طرح جیسا کہ اس نے تمہیں اپنے علم پر بجز معمولی مقدار کے آگاہ نہیں کیا۔ ان شاء اللہ عنقریب قصہ موسیٰ و خضر علیہما السلام میں آئے گا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے کنارے پر ایک چڑیا بیٹھی ہوئی دیکھی، اس نے چونچ میں پانی لیا اور اڑ گئی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میرا، تمہارا اور تمام مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں ایسے ہی ہے جس قدر اس چڑیا نے اس سمندر سے لیا ہے، اسی لئے فرمایا: وَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ

بقول سہیلی بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں ان کے سوال کا جواب نہیں دیا کیونکہ ان کا سوال ضد اور ہٹ دھرمی پر مبنی تھا جبکہ بعض کہتے ہیں کہ انہیں جواب دیا۔ سہیلی کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ روح شریعت خدا میں سے ہے یعنی اس شریعت میں داخل ہو جاؤ اور یہ تم بخوبی جانتے ہو کہ اس کی معرفت کسی طبعی اور فلسفی طریقہ پر منحصر نہیں بلکہ اس کا دارومدار شریعت پر ہے۔ لیکن یہ مسلک محل نظر ہے۔ پھر سہیلی نے علماء کے درمیان اختلاف کا ذکر کیا ہے کہ آیا روح نفس ہی ہے یا کچھ اور۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ روح ہوا کی طرح نہایت لطیف چیز ہے جو جسم میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے جس طرح درخت کی رگوں میں پانی اور جب فرشتہ اس روح کو شکم مادر میں بچے کے اندر پھونکتا ہے تو وہ جسم کے ساتھ ملتے ہی نفس بن جاتی ہے، اس کے سبب سے ہی وہ اچھی بری صفات حاصل کرتا ہے۔ یا تو یہ نفس مطمئنہ ہوتا ہے یا نفس امارہ، اس کی مثال یوں سمجھ لیں جس طرح پانی درخت کی حیات ہے لیکن درخت کے ساتھ اتصال کے باعث اسے ایک خاص نام دے دیا جاتا ہے مثلاً انگور، جب اسے نچوڑیں گے تو اس کے پانی کو شراب یا کوئی دوسرا نام دیں گے، پانی نہیں کہیں گے۔ البتہ مجازی طور پر پانی کہا جا سکتا ہے نہ کہ حقیقی طور پر، بالکل اسی طرح نفس کو روح نہیں کہا جا سکتا اور اسی طرح روح کو بھی نفس نہیں کہا جا سکتا

1۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 195 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 155 3۔ الروض الانف، جلد 1 صفحہ 197

مگر بلحاظ انجام کے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ روح نفس کی اصل اور اس کا مادہ ہے، نفس روح اور بدن کے اتصال سے مرکب ہے۔ پس روح ایک وجہ سے نفس ہے نہ کہ تمام وجوہ سے۔ یہ بہت عمدہ بات ہے(1)، لوگوں نے روح کی ماہیت اور اس کے احکام کے متعلق بہت گفتگو کی ہے اور متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں لیکن روح کے متعلق ابن مندہ کی کتاب سب سے عمدہ ہے۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؗ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾

"اور اگر ہم چاہتے تو سلب کر لیتے وہ وحی جو ہم نے آپ کی طرف کی ہے پھر آپ کوئی ایسا وکیل نہ پاتے جو آپ کے لئے اس کے متعلق ہماری بارگاہ میں وکالت کرتا۔ سوائے اپنے رب کی رحمت کے (کہ وہ ہمہ وقت آپ کے شامل حال ہے) یقیناً اس کا فضل (وکرم) آپ پر بہت بڑا ہے، (بطور چیلنج) کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ لے آئیں اس قرآن کی مثل تو ہرگز نہیں لا سکیں گے اس کی مثل، اگرچہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے مددگار۔ اور بلاشبہ ہم نے طرح طرح سے (بار بار) بیان کی ہیں لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں (تا کہ وہ ہدایت پائیں) پس انکار کر دیا اکثر لوگوں نے سوائے اس کے کہ وہ ناشکری کریں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے عبد محبوب اور رسول کریم ﷺ پر اپنی نعمت عظمیٰ اور فضل عظیم کا ذکر فرما رہا ہے یعنی آپ ﷺ کو وحی سے نوازا اور ایسا قرآن مجید آپ کو مرحمت فرمایا جس کی طرف باطل راہ نہیں پا سکتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آخر زمانے میں شام کی طرف سے ایک سرخ ہوا چلے گی، اس وقت نہ قرآن اوراق میں باقی رہے گا اور نہ کسی کے دل میں کوئی آیت محفوظ رہے گی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسی آیت وَلَئِنْ شِئْنَا...... کی تلاوت کی(2)۔ پھر اللہ تعالیٰ قرآن عظیم کے شرف پر آگاہ فرماتے ہوئے خبر دے رہا ہے کہ اگر تمام انسان اور تمام جن اکٹھے ہو جائیں اور قرآن کریم کی مثل لانے پر اتفاق کر لیں تو بھی ایسا نہیں کر پائیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون کریں اور مکمل صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہوئے مدد فراہم کریں کیونکہ اس قرآن کی مثل لانا مقدور اور طاقت سے باہر ہے۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ مخلوق کا کلام خالق کائنات کے کلام کے مشابہ ہو جائے جس کی نہ کوئی نظیر ہے اور نہ کوئی مثال، نہ اس کا کوئی عدیل ہے اور نہ شریک۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ ہم بھی اس قرآن جیسا کلام بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت یہ آیت اتری(3)، لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور اس کے مخاطب قریش ہیں۔ یہودیوں سے تو مدینہ شریف میں آپ ﷺ کو واسطہ پڑا تھا۔ آگے فرمایا: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا... یعنی ہم نے طرح طرح سے ان کے لئے دلائل واضح اور براہین قاطعہ بیان کر دی ہیں اور ان کے لئے حق کو شرح و بسط کیساتھ واضح کر دیا ہے، اس کے باوجود بھی اکثر لوگ ناشکری، انکار حق اور تردید صواب پر بضد ہیں۔

1۔ دیکھئے الروض الانف جلد 1 صفحہ 196-199
2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 158
3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 159

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿٩٠﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ
نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٩١﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا
كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿٩٢﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي
السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ
كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿٩٣﴾

”اور کفار نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ۔ یا (لگ کر تیار) ہو جائے آپ کے لئے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا پھر آپ جاری کر دیں ندیاں جو اس باغ میں (ہر طرف) بہہ رہی ہوں۔ یا آپ گرا دیں آسمان کو جیسے آپ کا خیال ہے، ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے یا آپ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو (بے نقاب کر کے) ہمارے سامنے لے آئیں۔ یا (تعمیر) ہو جائے آپ کے لئے ایک گھر سونے کا۔ یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔ بلکہ ہم تو اس پر بھی ایمان نہ لائیں گے کہ آپ آسمان پر چڑھیں یہاں تک کہ اتار لائیں ہم پر ایک کتاب جسے ہم پڑھیں۔ آپ (ان سب خرافات کے جواب میں اتنا) فرما دیں کہ میرا رب (ہر عیب سے) پاک ہے۔ میں کون ہوں مگر آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ، ابوسفیان بن حرب، بنو عبدالدار کا ایک شخص، ابوالبختری، اسود بن مطلب بن اسد، زمعہ بن الاسود، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن ابی امیہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل اور حجاج سہمی کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ غروب آفتاب کے بعد کعبہ شریف کے پیچھے اکٹھے ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) کو بلا لو اور ان سے بحث و تمحیص اور گفتگو کر کے عذر تمام کر دو۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ کی قوم کے اشراف اور رؤساء آپ کے ساتھ مذاکرات کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ فوراً ان کی طرف چل دیئے، آپ ﷺ کا خیال تھا کہ شاید دین اسلام کی حقیقت ان پر عیاں ہو گئی ہو اور پھر آپ ﷺ ان کی ہدایت کے شدید خواہاں اور حریص تھے، ان کی سرکشی اور ہٹ دھرمی آپ کو بہت گراں گزرتی تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس خواہش کے پیش نظر ان کے پاس چلے آئے۔ جب آپ ﷺ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے تو وہ آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ ہم نے آپ کو آج اس لئے بلایا ہے تاکہ اتمام حجت کر دیں اور اس کے بعد آپ ﷺ کیلئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ دیکھیں، کسی آدمی نے اپنی قوم کو ایسے حالات اور مسائل سے دوچار نہیں کیا جس قسم کے حالات و مسائل سے آپ نے ہمیں دوچار کر رکھا ہے، تم ہمارے آباؤ اجداد کو سب و شتم کرتے ہو، ہمارے دین کو برا سمجھتے ہو، ہمارے بڑوں کو احمق اور بے وقوف گردانتے ہو، ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم نے ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور ہماری جمعیت کو منتشر کر دیا ہے، تمہاری وجہ سے ہر قباحت ہمارے اندر در آئی ہے۔ ان باتوں سے اگر مال جمع کرنا تمہارا مقصود ہے تو ہم تمہارے لئے اس قدر مال و دولت جمع کر دیں گے کہ تم سب سے زیادہ غنی اور خوشحال ہو جاؤ گے، اگر اس سے تمہاری خواہش شرف و سیادت کا حصول ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں، اگر تمہارا ارادہ بادشاہت حاصل کرنے کا ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنانے پر بھی راضی ہیں اور اگر کوئی

جن تم پر مسلط ہے جو تمہیں ایسی باتوں پر اکساتا ہے تو ہم اپنے اموال خرچ کر کے تمہارا علاج کرانے کے لئے بھی تیار ہیں یہاں تک کہ تمہیں شفا ہو جائے یا تمہارے بارے میں ہمیں معذور سمجھ لیا جائے۔ ان کی یہ ساری باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو تم کہہ رہے ہو وہ (دماغی خلل یا آسیب) مجھ میں نہیں، جو دین میں تمہارے پاس لایا ہوں، اس سے میری یہ خواہش نہیں کہ میں تمہارے اموال حاصل کرلوں اور نہ ہی یہ مقصد ہے کہ تمہارا سردار اور بادشاہ بن جاؤں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر کتاب نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں خوشخبری دوں اور بروقت خبردار کروں۔ چنانچہ میں نے اپنے رب کے پیغامات تم تک پہنچا دیئے اور تمہارے لئے اخلاص اور خیر خواہی کا اظہار کیا۔ اگر تم میرے پیغام کو قبول کرلو گے تو دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جاؤ گے اور اگر اسے رد کردو گے تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کروں گا یہاں تک کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے''۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے کہ اگر آپ کو ہماری کوئی پیشکش قبول نہیں تو سنیں، یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ ہم سے زیادہ تنگ شہر کسی کا نہیں، نہ ہی کوئی ہم سے زیادہ کم مال و دولت والا ہے اور نہ ہی ہم سے زیادہ کوئی خستہ حال اور تنگدست ہے۔ آپ ایسا کریں کہ آپ اپنے اس رب سے ہمارے لئے سوال کریں جس نے آپ کو مبعوث کیا ہے کہ وہ تنگی کا باعث بننے والے ان پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دے تاکہ ہمارے شہر کشادہ اور وسیع ہو جائیں، اس میں شام وعراق کی نہروں جیسی نہریں جاری ہو جائیں، اور تمہارا رب ہمارے آباؤ اجداد خصوصاً قصی بن کلاب کو زندہ کردے کیونکہ وہ ہمارا قابل احترام اور سچا بزرگ تھا، ہم ان سے دریافت کرلیں گے کہ آیا آپ ﷺ کا پیغام حق ہے یا باطل؟ اگر آپ نے ہمارے مطالبات پورے کردیئے اور ہمارے آباؤ اجداد نے آپ ﷺ کی تصدیق کردی تو نہ صرف ہم آپ کی تصدیق کریں گے بلکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل شدہ آپ ﷺ کے مقام ومرتبہ کا بھی علم ہو جائے گا اور ہم یہ بھی پہچان لیں گے کہ واقعی اس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ان کی باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: ''مجھے ان چیزوں کے ساتھ نہیں بھیجا گیا بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص مقصد لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اور میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام پہنچا دیا ہے جس کا مجھے پابند کیا گیا ہے، اگر تم اسے قبول کرلو تو دنیا و آخرت میں تمہارے بخت بیدار ہو جائیں گے اور اگر تم نے اسے رد کردیا تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کروں گا یہاں تک کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے''۔ وہ کہنے لگے کہ اگر آپ ایسا نہیں کرسکتے تو پھر آپ یوں کریں اپنے رب سے درخواست کریں کہ وہ ایک فرشتہ روانہ کرے جو آپ کی باتوں کی تصدیق کرے اور آپ ﷺ کی طرف سے ہمیں جواب دے، مزید برآں آپ اس سے یہ سوال کریں کہ وہ آپ کو باغات، خزانے اور سونے چاندی کے محلات مہیا کرے اور زندگی کی تگ و دو اور محنت سے آپ کو بے نیاز کردے کیونکہ آپ بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اور بالکل ہماری طرح کسب معاش کی خاطر جدوجہد کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ آپ کو واقعی اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک خاص مقام حاصل ہے اور واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے فرستادہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: ''نہ میں یہ کرنے والا ہوں، نہ میں اپنے رب سے اس کا سوال کرتا ہوں اور نہ ہی مجھے اس کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خوشخبری دینے والا اور بروقت ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اگر تم میرے لائے ہوئے پیغام کو قبول کرلو تو دنیا و آخرت میں تمہارا ہی فائدہ ہے اور اگر تم اسے ٹھکرا دو تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی آمد تک صبر کروں گا یہاں تک کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے''۔ پھر وہ آپ ﷺ سے کہنے لگے: چلو ہم پر آسمان گرا دو جیسا کہ تم خیال کرتے ہو کہ اگر تمہارا رب چاہے تو ایسا کردے۔ ہم بہرصورت آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: ''یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اگر وہ چاہے تو تمہارے ساتھ

ایسا کر دے‘‘۔ وہ آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ کیا آپ ﷺ کے رب کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھیں گے، یہ سوالات آپ ﷺ سے کریں گے اور یہ یہ مطالبات پیش کریں گے، چاہئے تو یہ تھا کہ وہ پیشگی آپ ﷺ کو ان چیزوں کے متعلق آگاہ کر کے ان کے جوابات سکھا دیتا اور آپ ﷺ کو اس بات کی خبر دے دیتا کہ اگر ہم آپ کی بات نہ مانیں تو وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریگا۔ ہمیں تو یہی خبر ملی ہے کہ یمامہ کا رحمٰن نامی ایک شخص آپ ﷺ کو یہ سب کچھ سکھاتا ہے، اللہ کی قسم! ہم کبھی بھی رحمٰن پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اے محمد ﷺ! ہم نے اتمام حجت کر دی اور عذر تمام کر دیا۔ اب ہم آپ ﷺ کو اس موجودہ حالت پر نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ ہم آپ کو ہلاک کر دیں یا آپ ہمیں نیست و نابود کر دیں۔ کوئی ان میں سے کہنے لگا کہ ہم ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں اور وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور کوئی کہنے لگا کہ ہم آپ ﷺ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ﷺ اللہ اور ملائکہ کو ہمارے سامنے نہیں لے آتے۔ جب انہوں نے یہ ہرزہ سرائی کی تو آپ ﷺ مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی پھوپھی حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بھی اٹھ کھڑا ہوا اور آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کو پیشکش کی لیکن آپ نے اسے ٹھکرا دیا، پھر انہوں نے اپنے لئے کچھ مطالبات پیش کئے تاکہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کو پہچان لیں، یہ بھی آپ ﷺ نہ کر سکے پھر انہوں نے اس عذاب کا مطالبہ کیا جس سے آپ انہیں ڈراتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں کبھی بھی آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا یہاں تک کہ آپ ﷺ آسمان کے ساتھ سیڑھی لگا کر اوپر چڑھ جائیں، میں آپ کو دیکھتا رہوں، آپ آسمان تک پہنچیں اور وہاں سے اپنے ساتھ ایک کھلی کتاب لائیں۔ چار فرشتے آپ ﷺ کے ساتھ ہوں جو اس بات کی گواہی دیں کہ آپ واقعی اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر آپ نے ایسا کر بھی دیا تو میرا خیال ہے کہ میں پھر بھی آپ ﷺ کی تصدیق نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی راہ لی۔ رسول اللہ ﷺ بہت غمزدہ، افسردہ اور دل گرفتہ ہو کر واپس گھر لوٹے کیونکہ آپ ﷺ ان کی ہدایت کے لئے بہت حریص تھے اور اس مقصد کے لئے آپ ان کی مجلس میں تشریف لائے لیکن انہوں نے سرکشی اور ہٹ دھرمی کی حد کر دی (1)۔ اس مجلس میں جمع ہونے والے کفر کے سرغنے اگر طلب ہدایت کے لئے سوالات کرتے تو انہیں ضرور جواب دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان کے مطالبات کفر و عناد پر مبنی ہیں اس لئے انہیں پورا نہ کیا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم ان کے مطالبات پورے کر دیں لیکن اس کے باوجود اگر انہوں نے کفر پر ضد کی تو انہیں میں وہ عذاب دوں گا جو کسی کو نہ دیا ہوگا، اور اگر آپ کی خواہش ہو تو میں ان پر در توبہ و رحمت کھلا رکھوں۔ آپ ﷺ نے عرض کی: بلکہ ان پر توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رکھئے‘‘۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث میں اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ تَخْوِیْفًا (بنی اسرائیل: 59) کی تفسیر کے تحت اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اس چیز کو ان آیت میں بھی بیان فرمایا: وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ ..... وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا (الفرقان: 11-7)۔

ینبوع جاری چشمہ کو کہتے ہیں۔ انہوں نے آپ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ ارض حجاز میں ادھر ادھر ان کے لئے ندیاں اور چشمے رواں کر دیں۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے لئے نہایت ہی سہل اور معمولی ہے۔ اگر اس کی مرضی ہوتی تو نہ صرف ایسا کر دیتا بلکہ ان کے باقی تمام مطالبات بھی پورے فرما دیتا لیکن اسے علم تھا کہ وہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 114-116، سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 295-298

یُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ (یونس: 97-96) ”بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ساری نشانیاں آ جائیں جب تک وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں“۔ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْٓا (الانعام: 111) ”اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور مردے ان سے باتیں کرنے لگتے اور ہم ہر چیز کو ان کے روبرو جمع کر دیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے“، اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ ۔ یعنی آپ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن آسمان پھٹ کر بودا ہو جائے گا اور اس کے کنارے لٹک جائیں گے۔ آپ دنیا میں ہی ایسا کر گزریں اور آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دیں۔ یہ قول بالکل ان کے اس قول جیسا ہے: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۔ (الانفال: 32) ”اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے حق ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ“، اسی طرح قوم شعیب نے مطالبہ کرتے ہوئے کہا تھا: فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ (الشعراء: 187) ”لو اب ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو اگر تم راست بازوں سے ہو“ اس مطالبہ پر انہیں چھتری والے دن کے عذاب میں مبتلا کر دیا گیا اور وہ واقعی ایک بڑے دن کا شدید عذاب تھا لیکن ہمارے پیارے رسول نے جو نبی التوبہ، نبی الرحمہ اور رحمۃ للعالمین ہیں، اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ انہیں مزید مہلت عطا فرمائے، بہت ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کر دے جو صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور واقعی ایسا ہی ہوا، انہی میں سے متعدد مشرف بہ اسلام ہوئے اور حقیقی اور سچے مسلمان ثابت ہوئے یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی امیہ جنہوں نے آپ ﷺ کو اپنی ناروا باتوں سے بہت زیادہ رنجیدہ کر دیا تھا اور اسلام نہ لانے کی قسم کھائی تھی، مکمل طور پر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے لو لگا لی۔

حضرات ابن عباس، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ زخرف سے مراد ذھب (سونا) ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہی لفظ (ذہب) ہے (1)۔ پھر فرمایا: اَوْ تَرْقٰى ۔ یعنی آپ ہماری نظروں کے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں۔ اس کے باوجود ہم اس وقت تک آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ﷺ ہم پر ایک کتاب نہ اتاریں جسے ہم پڑھیں۔ مجاہد اس کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک ایسی کتاب اتاریں جس میں ہر ایک کی طرف ایک ایک مکتوب تحریر کیا گیا ہو اور وضاحت سے لکھا گیا ہو کہ یہ مکتوب اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں بن فلاں کے نام ہے اور صبح کے وقت ان کے سرہانے پڑا ہوا انہیں ملے۔ اس کے جواب میں فرمایا: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ۔ یعنی میرا رب اس بات سے پاک، برتر، بالا اور مقدس ہے کہ کوئی اس کے امور سلطنت میں دخل اندازی کرے بلکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہاری فرمائش پوری کر دے اور اگر چاہے تو تمہاری فرمائش پوری نہ کرے، میں تو تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، میں تم تک اپنے رب کے پیغامات پہنچانے کا فریضہ انجام دے رہا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں۔ میں نے اپنا فریضہ ادا کر دیا، اب تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے رب نے مجھے یہ پیشکش کی کہ وہ میرے لئے مکہ کی وادی بطحاء کو سونا بنا دے، میں نے عرض کی: نہیں، اے میرے رب! بلکہ میری خواہش ہے کہ میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں۔ بھوک کی حالت میں میں عجز و نیاز سے تیری جانب جھکوں گا اور بکثرت تیری یاد کروں گا اور سیر ہو کر تیری حمد کروں گا اور تیرا شکر بجا لاؤں گا“ (2)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 5 صفحہ 163
2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 209-210، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 254

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

''اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی ان کے پاس ہدایت مگر اس چیز نے کہ انہوں نے کہا کہ کیا بھیجا ہے اللہ تعالٰی نے ایک انسان کو رسول بنا کر! (ایسا نہیں ہو سکتا) فرمایئے اگر ہوتے زمین میں (انسانوں کی بجائے) فرشتے جو اس پر چلتے (اور اس میں) سکونت اختیار کرتے تو ہم (ان کی ہدایت کے لئے) ان پر اتارتے آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر''۔

اکثر لوگ اس بنا پر ایمان لانے اور رسولوں کی اتباع کرنے سے رکے رہتے ہیں کہ رسولوں کا بشر ہونا ان کے لئے باعث حیرت و استعجاب ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (یونس:2) ''کیا یہ بات لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد کامل پر وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈراؤ اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے ان کے رب کے ہاں بلند مرتبہ ہے''، ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا (التغابن:6) ''اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر روشن نشانیاں لے کر آتے رہے پس وہ بولے کیا انسان ہماری رہبری کریں گے''۔ فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا: اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (المومنون:47) ''کیا ہم اپنے جیسے ان دو آدمیوں پر ایمان لائیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے''۔ اسی طرح پہلی امتوں نے اپنے رسولوں سے کہا: اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ (ابراہیم:10) ''نہیں ہو تم مگر ہماری طرح بشر تم یہ چاہتے ہو کہ ہمیں ان (بتوں) سے روک دو جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے، پس لے آؤ ہمارے پاس کوئی روشن دلیل''۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ پھر اللہ تعالٰی بندوں پر اپنے لطف و کرم اور رحمت پر آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے انہی کی جنس میں سے ایک رسول ان کی طرف مبعوث کیا تا کہ اس رسول سے بذریعہ گفتگو دین کی سمجھ بوجھ حاصل کر سکیں اور اگر کسی فرشتہ کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا جاتا تو وہ نہ اس کا سامنا کر سکتے اور نہ ہی اس سے کچھ اخذ کر پاتے۔ جیسا کہ فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران:164) ''یقیناً اللہ تعالٰی نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا جب اس نے ان میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا''، لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ:128) ''بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایک برگزیدہ رسول تشریف لایا''، كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (البقرۃ:152-151) ''جیسا کہ بھیجا ہم نے تمہارے پاس تم میں سے رسول، وہ تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور تمہیں ایسی باتوں کی تعلیم دیتا ہے جنہیں تم جانتے ہی نہ تھے، سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو''۔ اس لئے یہاں فرمایا، قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ یعنی زمین پر اگر تمہاری جگہ فرشتے چلتے پھرتے اور سکونت اختیار کرتے تو ہم کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیتے، چونکہ تم بشر ہو اس لئے ہم نے لطف و کرم اور رحمت فرماتے ہوئے تمہی میں سے ایک رسول تمہاری طرف مبعوث کر دیا ہے۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝۹۶

”فرمائیے کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان۔ بے شک وہ اپنے بندوں (کے احوال) کو خوب جاننے والا اور ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے“۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ کو اپنی رسالت کی صداقت اور حقانیت کی دلیل تلقین فرما رہا ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہی بطور گواہ کافی ہے۔ جو پیغام میں تمہیں دے رہا ہوں، وہ اس سے خوب واقف ہے۔ اگر میں کوئی جھوٹی بات اس کی طرف منسوب کردوں تو وہ مجھ سے شدید انتقام لے جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (الحاقہ: 46-44) ”اور اگر وہ بعض باتیں خود گھڑ کر ہماری طرف منسوب کرتا ہے تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ہم اس کی رگ دل کاٹ دیتے“۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ۔ یعنی اسے خوب علم ہے کہ بندوں میں سے کون انعام، احسان اور ہدایت کا مستحق ہے اور کون شقاوت اور گمراہی کا۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝۹۷

”اور جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کردے تو آپ نہیں پائیں گے ان (گمراہوں) کے لئے کوئی مددگار اس کے سوا اور ہم اٹھائیں گے انہیں قیامت کے روز منہ کے بل اس حالت میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جب بھی سرد ہونے لگے گی (جہنم کی آگ) تو ہم ان کے لئے اس کی آنچ کو بڑھا دیں گے“۔

اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں پورا پورا تصرف حاصل ہے اور اس کا حکم ہر حال میں نافذ ہے، کوئی بھی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا، وہ جسے ہدایت سے سرفراز فرمادے، اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گمراہ کردے اس کے لئے بجز اس کے کوئی مددگار نہیں جو اسے ہدایت کی راہ پر گامزن کرسکے، جیسا کہ فرمایا: مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (الکہف: 17) ”جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کردے تو تو اس کے لئے کوئی مددگار (اور) رہنما نہیں پائے گا“۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! لوگوں کو کیسے منہ کے بل اٹھایا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ”جس نے انہیں پیروں پر چلایا، وہ انہیں اوندھے منہ چلانے پر بھی قادر ہے“(1)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے بنی غفار! بات کرو لیکن قسمیں نہ کھاؤ، کیونکہ صادق اور مصدوق پیغمبر ﷺ نے مجھے بتایا ہے کہ لوگوں کو تین گروہوں میں اٹھایا جائے گا۔ ایک گروہ کے لوگ سوار، کھانے پینے اور پہننے والے ہوں گے، دوسرے گروہ کے لوگ پیدل دوڑ رہے ہوں گے، جبکہ تیسرے گروہ والوں کو فرشتے اوندھے منہ گھسیٹتے ہوئے جہنم رسید کردیں گے۔ سامعین میں سے ایک آدمی نے عرض کی کہ دو گروہوں کی تو سمجھ آگئی لیکن پیدل دوڑنے والوں کا کیا معاملہ ہے؟ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ سواریوں پر آفت ڈال دے گا اور کوئی سواری باقی نہیں بچے گی یہاں تک کہ ایک

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ فرقان، جلد 6 صفحہ 137، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ: 2161

آدمی اپنا پسندیدہ باغ دے کر اس کے بدلے میں پالان والی اونٹنی خریدنا چاہے گا لیکن وہ اسے حاصل نہیں کر پائے گا'' (1)۔ ان کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا: عُمْیًا ۔۔ یعنی نہ انہیں کچھ دکھائی دے گا، نہ وہ گفتگو پر قادر ہوں گے اور نہ کچھ سن سکیں گے۔ مختلف حالات میں ان کے ساتھ یہ بیتے گی، جس طرح وہ دنیا میں حق سے اندھے، بہرے اور گونگے بنے رہے، اسی طرح میدان حشر میں انہیں بطور جزا اندھے، بہرے اور گونگے بنا دیا جائے گا، حالانکہ قیامت کے دن انہیں ان اعضاء کی سخت ضرورت ہوگی۔ ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے، جب بھی اس کی آگ سرد اور بھسم ہوگی، اس کی آنچ مزید تیز کر دی جائے گی، جیسا کہ فرمایا: فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا (النبا: 30) ''پس مزہ چکھو اب ہم تم پر نہیں زیادہ کریں گے مگر عذاب''۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

''یہ سزا ہے ان کی کیونکہ انہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا۔ اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے از سر نو پیدا کر کے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جس نے پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ پیدا فرما دے ان کی مثل اور اس نے مقرر فرما دی ہے ان کے لئے ایک میعاد جس میں ذرا شک نہیں۔ پس انکار کر دیا ظالموں نے (اللہ کی قدرت کا) سوائے اس کے کہ وہ ناشکری کریں''۔

کفار کی جس سزا کا اوپر ذکر ہوا کہ انہیں اندھا، بہرہ اور گونگا بنا کر اٹھایا جائے گا، وہ واقعی اس کے مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے ہماری آیات اور دلائل کو جھٹلایا اور وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہوئے کہنے لگے کہ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو کر خاک ہو جائیں گے تو کیا اس ہلاکت، فنا، تفرق اعضاء اور بوسیدگی کے بعد ہمیں از سر نو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی حجت پیش کرتے ہوئے اور اپنی عظیم قدرت پر انہیں آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے تو بڑے بڑے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی، اس لئے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے اس سے بہت زیادہ آسان ہے جیسا کہ فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (المومن: 57) ''آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بہت بڑا کام ہے''، اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى (الاحقاف: 33) ''کیا انہوں نے نہیں جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے بنانے میں ذرا تھکن محسوس نہ کی، وہ ضرور مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے''۔ اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؔ بَلٰى ۗ وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْــٴًـا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (یٰسین: 82-81) ''کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، وہ قدرت نہیں رکھتا کہ ان جیسی (چھوٹی سی) مخلوق پیدا کر سکے، بے شک (وہ ایسا کر سکتا ہے) اور وہی پیدا فرمانے والا، سب کچھ جاننے والا ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کا حکم صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے ''ہو جا''، پس وہ ہو جاتی ہے''۔ یہاں فرمایا: اَوَ لَمْ یَرَوْا ۔۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ جس نے زمین و آسمان کی تخلیق کی، وہ اس بات پر پوری طرح قادر ہے کہ وہ قیامت کے دن از سر نو لوگوں کو پہلے کی طرح پیدا کرے، پھر فرمایا: وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ لوٹانے اور قبروں سے اٹھانے کی ایک

1۔ سنن نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4 صفحہ 116-117، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 164-165

مدت مقرر کر رکھی ہے جس کا اختتام ضروری ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ (ہود: 104) '' اور ہم نے اسے مؤخر نہیں کیا مگر ایک گنی ہوئی مقررہ مدت تک''۔ لیکن قیام حجت کے باوجود ظالم کفر، باطل اور گمراہی کے ساتھ چمٹے رہنے پر بضد ہیں۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾

'' فرمایئے اگر تم مالک ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے تو اس وقت تم ضرور ہاتھ روک لیتے اس خوف سے کہیں (سارے خزانے) ختم ہی نہ ہو جائیں۔ واقعی انسان بڑا تنگدل ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ﷺ ان سے کہہ دیں: اے لوگو! اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں تصرف کرنے کا اختیار مل جائے تو تم اس خوف سے کہ کہیں یہ خزانے ختم نہ ہو جائیں، اپنے ہاتھ روک لو اور بخل کا مظاہرہ کرو۔ حضرات ابن عباس اور قتادہ انفاق کا معنی فقر بتاتے ہیں، یعنی تمہیں یہ اندیشہ دامن گیر ہے کہ اگر یہ خزانے خرچ کیے تو یہ ختم ہو جائیں گے اور ہم بالکل مفلس اور قلاش ہو جائیں گے، حالانکہ یہ خزانے کبھی بھی ختم نہیں ہوتے۔ یہ ہے تمہاری فطرت اور جبلت، اس لئے فرمایا: وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا یعنی انسان بڑا تنگدل، بخیل اور کنجوس ہے۔ ایک اور مقام پر اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا: اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا (النساء: 53) '' کیا ان کیلئے حکومت میں کوئی حصہ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیتے''۔ اللہ تعالیٰ انسان کی فطرت بیان کرتا ہے کہ جلد بازی، بخل، لالچ اور بے صبری اس کی صفات ہیں، بجز ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے نواز کر راہ ہدایت پر گامزن کر دیا، فرمایا: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ (المعارج: 22-19) '' بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچے تو سخت گھبرا جانے والا اور جب اسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل بجز نمازیوں کے''۔ قرآن کریم میں اس قسم کی اور بھی آیات ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے جود و کرم اور فضل و احسان کی بھی دلیل ہے، حدیث شریف میں آتا ہے: '' اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ دن رات کا خرچ اس میں کمی نہیں لاتا۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے لے کر اب تک جو اس نے خرچ کیا وہ ان خزانوں میں کمی نہیں لا سکا جو اس کے دائیں ہاتھ میں ہیں'' (1)۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْــَٔلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآىِٕرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾

'' اور ہم نے عطا فرمائی تھیں موسیٰ (علیہ السلام) کو نو روشن نشانیاں آپ خود پوچھ لیں بنی اسرائیل سے جب موسیٰ علیہ السلام آئے تھے ان کے پاس۔ پس فرعون نے آپ کو کہا اے موسیٰ! میں تمہارے متعلق خیال کرتا ہوں کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے۔

1۔ فتح الباری تفسیر سورۂ ہود، جلد 8 صفحہ 352 صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، جلد جلد 2 صفحہ 691

کلیم علیہ السلام نے جواباً فرمایا (اے فرعون!) تو خوب جانتا ہے کہ انہیں اتارا ان نشانیوں کو مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے یہ بصیرت افروز ہیں۔ اور اے فرعون! میں تیرے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ تو ہلاک کر دیا جائے گا۔ پس اس نے ارادہ کر لیا کہ بنی اسرائیل کو ملک سے اکھاڑ کر پھینک دے۔ سو ہم نے غرق کر دیا اسے اور اس کے سارے ساتھیوں کو۔ اور ہم نے حکم دیا فرعون کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو کہ تم آباد ہو جاؤ اس سرزمین میں پس جب آئے گا آخرت کا وعدہ تو ہم لے آئیں گے تمہیں سمیٹ کر"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں اور معجزات عطا فرمائے، یہ آپ کی نبوت کی صحت اور رسالت کی صداقت پر قطعی دلیل تھے، وہ آیات بینات (روشن نشانیاں) یہ ہیں: عصاء، ہاتھ، قحط سالی، سمندر، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون۔ یہ تھیں مفصل آیات۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے(1)۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ وہ معجزات یہ ہیں: ید بیضاء، عصاء، پانچ وہ جن کا ذکر سورۂ اعراف میں ہے، مالوں کا ختم ہو جانا اور پتھر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (ایک دوسری روایت میں)، مجاہد، عکرمہ، شعبی اور قتادہ ان سے یہ مراد لیتے ہیں: ید بیضاء، عصا، قحط سالی، پھلوں میں کمی، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون۔ یہ قول واضح عمدہ اور قوی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے قحط سالی اور پھلوں میں کمی کو ایک ہی معجزہ قرار دیا ہے اور آپ کے نزدیک نواں معجزہ آپ علیہ السلام کے عصا کا جادو گروں کے سانپوں کو نگل جانا ہے۔ ان معجزات کے باوجود فرعونیوں کا ردعمل یہ تھا: فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (الاعراف:133) "پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ (پیشہ ور) مجرم تھے"۔ یعنی ان معجزات اور نشانیوں کا مشاہدہ کر لینے کے باوجود انہوں نے کفر کرتے ہوئے ان کا انکار کر دیا اور ظلم اور تکبر کا شکار رہے۔ اسی سبب سے یہ معجزات ان میں مؤثر اور مفید ثابت نہ ہوئے۔ ان آیات کا گزشتہ آیات کے ساتھ ربط و تعلق ہے۔ یعنی فرعونیوں کی طرح ان کفار مکہ نے بھی آپ ﷺ سے معجزات طلب کیے، اگر ہم ان کی خواہش کے مطابق ان کے مطلوبہ معجزات دکھا دیتے تو بھی یہ انہیں نہ قبول کرتے اور نہ ایمان لاتے، بجز اس کے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا بلکہ آپ ﷺ کے متعلق بھی وہی کہتے جو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات کا مشاہدہ کر لینے کے باوجود کہا تھا: اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا بعض نے کہا ہے کہ یہاں مسحور (جادو کیا ہوا) بمعنی ساحر (جادوگر) ہے۔ یہ نو آیات جن کا ذکر ان ائمہ نے کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور ہیں: وَ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۔۔۔ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (النمل:10-12) ان آیات میں عصا اور ید بیضاء دو معجزات کا ذکر ہے جبکہ بقیہ معجزات سورۂ اعراف میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے، مثلاً پتھر پر عصا مارنے سے پانی کا پھوٹنا، بادلوں کا بنی اسرائیل کو سایہ کرنا، من و سلویٰ کا اترنا اور دیگر انعامات جو مصر چھوڑنے کے بعد بنی اسرائیل پر کیے گئے، لیکن یہاں صرف ان نو معجزات کا تذکرہ ہے جن کا مشاہدہ فرعونیوں نے کیا تھا، یہ معجزات ان پر حجت تھے لیکن انہوں نے کفر، انکار، مخالفت اور ہٹ دھرمی کی روش اختیار کیے رکھی۔ اس کے برعکس حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ان نو آیات بینات سے اور چیزیں مراد لی گئی ہیں۔ روایت یہ ہے کہ ایک یہودی نے اپنے دوست سے کہا: چلو اس نبی کے پاس چلتے ہیں تاکہ اس سے اس آیت وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى ..... کے متعلق دریافت کریں۔ اس کے دوست نے اسے کہا کہ اسے نبی مت کہو، کیونکہ اگر اس نے سن لیا تو بہت مسرور ہوگا۔ چنانچہ ان کے دریافت کرنے پر نبی

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 171

کریم ﷺ نے (یہ نو آیات بتاتے ہوئے) فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، ناحق کسی کو قتل نہ کرو، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، کسی بے گناہ کو حاکم کے پاس اس لئے نہ لے جاؤ کہ وہ اسے قتل کردے، پاکدامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ یا فرمایا کہ جہاد سے فرار اختیار نہ کرو اور اے یہود! تمہارے لئے یہ خصوصی حکم ہے کہ سنیچر کے متعلق زیادتی نہ کرو"۔ ان دونوں یہودیوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں چومے اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر میری اتباع کرنے سے تمہیں کونسی چیز مانع ہے؟" انہوں نے جواب دیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ ان کی نسل سے ہی نبی آتے رہیں، ہمیں خطرہ ہے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کیا تو یہودی ہمیں قتل کردیں گے" (1)۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ یہ حدیث مشکل ہے کیونکہ اس کے ایک راوی عبداللہ بن سلمہ کے حافظہ میں کچھ نقص تھا، علماء نے ان پر جرح کی ہے، ممکن ہے انہیں شبہ پڑ گیا ہو اور انہوں نے اس شبہ میں نو آیات کی بجائے دس کلمات سمجھ لیے ہوں جو در اصل تورات میں موجود احکام ہیں اور فرعون پر حجت قائم کرنے کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا: وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّكَ یٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا مجاہد اور قتادہ مثبور کا معنی بتاتے ہیں: ہلاک ہونے والا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے دو معانی منقول ہیں: ملعون اور مغلوب۔ ضحاک نے بھی اس کا معنی مغلوب کیا ہے، بہرصورت مثبور بمعنی ہالک (ہلاک ہونے والا) ان تمام معانی کو شامل ہے۔

بعض نے عَلِمۡتُ (واحد متکلم) پڑھا ہے لیکن جمہور کی قرأت فتح تاء کے ساتھ علمت (واحد مذکر مخاطب) ہے، اس میں خطاب فرعون کو ہے، جیسا کہ فرمایا: فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ اٰیٰتُنَا مُبۡصِرَةً قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۚ وَ جَحَدُوۡا بِهَا وَ اسۡتَیۡقَنَتۡهَاۤ اَنۡفُسُهُمۡ ظُلۡمًا وَّ عُلُوًّا (النمل: 14-13) "پس جب ان کے پاس ہماری بصیرت افروز نشانیاں آئیں تو انہوں نے کہا یہ کھلا ہوا جادو ہے اور انہوں نے محض ظلم اور تکبر کے باعث ان کا انکار کردیا حالانکہ ان کے دلوں نے ان کی صداقت کا یقین کرلیا تھا" یہ ساری چیزیں اس بات کی دلیل ہیں کہ نو آیات سے مراد عصا، ہاتھ، قحط سالی، پھلوں میں کمی، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون ہے۔ یہ نشانیاں فرعونیوں پر قطعی دلائل، موسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر دلالت کرنے والے معجزات اور آپ کو رسول بنا کر بھیجنے والے فاعل مختار کے وجود کیلئے عظیم برہان تھیں۔ آیت کریمہ میں مذکور نو آیات سے مراد وہ چیزیں نہیں جو حدیث میں ذکر کی گئی ہیں، حدیث شریف میں تو چند احکام کا ذکر کیا گیا ہے جو فرعون اور اس کی قوم پر حجت نہیں بن سکتے بلکہ ان کے اور فرعون پر حجت قائم کرنے کے درمیان کوئی مناسبت ہی نہیں۔ یہ صرف حدیث کے راوی عبداللہ بن سلمہ کے وہم کا شاخسانہ ہے۔ ان کی بعض روایات منکر ہیں۔ ممکن ہے ان دونوں یہودیوں نے آپ ﷺ سے دس کلمات کے متعلق پوچھا ہو اور راوی نے اشتباہ کی بناء پر نو آیات سمجھ لیا ہو، اس سبب سے وہم ہو گیا۔

فرمایا: فَاَرَادَ اَنۡ یَّسۡتَفِزَّهُمۡ ۔ یعنی فرعون نے ارادہ کیا کہ وہ انہیں ملک سے باہر دھکیل دے لیکن ہم نے اسے تمام ساتھیوں سمیت غرق کردیا اور اس کے بعد بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اس سرزمین میں آباد ہو جاؤ۔ اس میں حضرت محمد ﷺ کیلئے فتح مکہ کی بشارت ہے، اگرچہ یہ سورت مکی ہے اور ہجرت سے پہلے اس کا نزول ہوا۔ پھر بالکل اسی طرح ہوا۔ اہل مکہ نے آپ ﷺ کو مکہ سے نکال دینے کا ارادہ کیا، جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا، وَاِنۡ كَادُوۡا لَیَسۡتَفِزُّوۡنَكَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِیُخۡرِجُوۡكَ مِنۡهَا ۔۔ (بنی اسرائیل: 76) "اور انہوں نے ارادہ کرلیا ہے کہ آپ کو اس علاقہ سے پریشان کردیں تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں" اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مکہ کا

1۔ سنن نسائی، کتاب التحریم، جلد 7 صفحہ 111، مسند احمد جلد 4 صفحہ 239 عارضۃ الاحوذی، ابواب الاستئذان، جلد 10 صفحہ 193-194 وغیرہ

وارث اور مالک بنا دیا۔ آپ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور اس کے مکینوں پر مکمل تسلط اور غلبہ پالیا، لیکن اس کے بعد فضل و کرم اور حلم کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں آزاد کر دیا، بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا اور فرعون کا ملک، فرعونیوں کے خزانے، اموال، کھیتیاں اور پھل ان کی ملکیت میں دے دیئے حالانکہ بنی اسرائیل کو بہت کمزور سمجھا جاتا تھا، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اَوۡرَثۡنٰہَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ (الشعراء:59) یہاں فرمایا: وَ قُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ۔ لفیف کا معنی ہے تمام کے تمام، یعنی تم اور تمہارے دشمن سبھی کو لایا جائے گا۔

وَ بِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰہُ وَ بِالۡحَقِّ نَزَلَ ؕ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا ﴿۱۰۵﴾ وَ قُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰہُ لِتَقۡرَاَہٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکۡثٍ وَّ نَزَّلۡنٰہُ تَنۡزِیۡلًا ﴿۱۰۶﴾

''اور حق کے ساتھ ہی ہم نے اسے اتارا ہے اور حق کے ساتھ ہی وہ اترا ہے۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر (رحمت الٰہی کا) مژدہ سنانے والا اور (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا۔ اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز (قرآن مجید) کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ ہم نے اسے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور حق کے ساتھ ہی یہ نازل ہوا یعنی یہ حق کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے جیسا کہ فرمایا: ''لٰکِنِ اللّٰہُ یَشۡہَدُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکَ اَنۡزَلَہٗ بِعِلۡمِہٖ ۚ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَشۡہَدُوۡنَ '' (لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعے جو اس نے آپ ﷺ کی طرف اتاری کہ اس نے اسے اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے علم کے مطابق اتارا ہے اور اس کے نازل کرنے سے مقصود تمہیں اس کے احکام، اوامر اور نواہی پر مطلع کرنا ہے۔ فرمایا: وَ بِالۡحَقِّ نَزَلَ یعنی یہ قرآن آپ ﷺ کے پاس بالکل محفوظ پہنچا ہے، اس میں باطل کا شائبہ تک نہیں اور نہ ہی اس میں کمی بیشی کی گنجائش ہے، اسے آپ کے پاس لے کر آنے والا وہ فرشتہ ہے جو بہت طاقتور، امین، معزز اور عالم بالا میں فرشتوں کا سردار ہے۔ پھر فرمایا: وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ ۔ یعنی اے میرے محبوب! ہم نے آپ کو رسول مبعوث فرمایا ہے تاکہ آپ اطاعت گزار مومنوں کو رحمت الٰہی کا مژدہ سنائیں اور نافرمان کافروں کو عذاب سے ڈرائیں۔

دوسری آیت میں فرمایا: وَ قُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰہُ ۔ فرقنا تخفیف کے ساتھ ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے قرآن کریم کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت العزت پر نازل فرمایا، پھر تیئیس سال کے عرصہ میں حالات و واقعات کے مطابق اسے قسط وار رسول اللہ ﷺ کی طرف اتارا۔ دوسری قرأت فَرَّقۡنَاہُ تشدید کے ساتھ ہے(1)، یعنی ہم نے ایک ایک آیت کر کے اسے وضاحت اور تفسیر کے ساتھ نازل کیا، اسی لئے فرمایا: لِتَقۡرَاَہٗ ۔ تاکہ آپ ٹھہر ٹھہر کر لوگوں پر اس کی تلاوت کریں اور ہم نے اسے بتدریج نازل کیا ہے۔

قُلۡ اٰمِنُوۡا بِہٖۤ اَوۡ لَا تُؤۡمِنُوۡا ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِہٖۤ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ۙ وَّ یَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ کَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا ﴿۱۰۸﴾ وَ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ یَبۡکُوۡنَ وَ یَزِیۡدُہُمۡ خُشُوۡعًا ﴿۱۰۹﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 178

”آپ (کفار کو) کہیے خواہ تم ایمان لاؤ اس پر یا نہ ایمان لاؤ۔ بے شک وہ لوگ جنہیں دیا گیا ہے علم اس سے پہلے جب اسے پڑھا جاتا ہے ان کے سامنے تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے۔ اور کہتے ہیں (ہر عیب اور نقص سے) پاک ہے ہمارا رب، بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ اور گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل گریہ وزاری کرتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے (خضوع و) خشوع کو بڑھا دیتا ہے“۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ قرآن کریم کا انکار کرنے والوں سے کہہ دیں کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ، دونوں چیزیں یکساں ہیں۔ قرآن کریم فی نفسہ حق ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، بلکہ سابقہ آسمانی کتب میں بھی اس کی شان بیان کی ہے، اس لئے فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ... یعنی وہ نیکوکار اور صالح فطرت اہل کتاب جنہوں نے اپنی اپنی کتاب کو مضبوطی سے تھاما اور اس میں تغیر و تبدل اور تحریف کے مرتکب نہ ہوئے، جب ان کے سامنے یہ قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور اس انعام کا شکر بجالاتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر جاتے ہیں کہ اس نے انہیں اس عظیم رسول ﷺ کے پالینے اور آپ پر اترنے والی کتاب سے فیض یاب ہونے کی سعادت مرحمت فرمائی، اس لئے وہ کہتے ہیں: سُبْحٰنَ۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس بات پر اس کی تعظیم و توقیر کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں کہ اس نے سابق انبیاء علیہ السلام کی زبانی حضرت محمد ﷺ کی بعثت کا وعدہ پورا کر دیا۔ ان کے متعلق مزید فرمایا: وَیَخِرُّوْنَ... یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے جناب میں خشوع و خضوع ایمان اور کتاب و رسول کی تصدیق کے ساتھ گریہ وزاری کرتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں۔ اور قرآن ان کی خشوع و خضوع، ایمان اور جذبہ تسلیم و رضا میں اضافہ کا موجب بنتا ہے، جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ (محمد:17) ”اور جو لوگ راہ ہدایت پر چلے، اللہ تعالیٰ ان کے نور ہدایت کو بڑھا دیتا ہے اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے“۔ وَیَخِرُّوْنَ...... میں عطف صفت کا صفت پر ہے نہ کہ ذات (مجرور) کا ذات (مجرور) پر جیسا کہ اس شعر میں ہے:

اِلَی الْمَلِكِ الْقَرْمِ وَابْنِ الْهُمَامِ وَلَيْثِ الْكَتِيْبَةِ فِي الْمُزْدَحَمْ

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۝

”آپ فرمائیے یا اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔ جس نام سے اسے پکارو اس کے سارے نام (ہی) اچھے ہیں۔ اور نہ تو بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو اسے اور تلاش کرو ان دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ۔ اور آپ فرمائیے سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے نہیں بنایا (کسی کو اپنا) بیٹا اور نہیں ہے جس کا کوئی شریک حکومت و فرمانروائی میں اور نہیں ہے اس کا کوئی مددگار در ماندگی میں اور اس کی بڑائی بیان کرو کمال درجہ کی بڑائی“۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ ان مشرکین سے کہہ دیں جو اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا انکار کرتے ہیں اور اسے رحمٰن کہنے سے کتراتے ہیں: ادْعُوا اللّٰهَ... یعنی اسے اللہ کہہ کر پکارنے اور رحمٰن کہہ کر پکارنے میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے خوبصورت اور بہترین نام ہیں جیسا کہ فرمایا: هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ هُوَ

اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (الحشر: 24-22)۔ ایک مشرک نے نبی کریم ﷺ کو سجدہ کی حالت میں یارحمٰن یارحیم کہتے ہوئے سن لیا تو کہنے لگا کہ یہ تو خدائے واحد کو پکارنے کا دعویٰ کرتے ہیں اب دو کو پکار رہے ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت رسول اللہ ﷺ مکہ میں پوشیدہ تھے۔ جب آپ صحابہ کو نماز پڑھاتے تو بلند آواز میں قرأت کرتے' مشرکین قرأت قرآن سن کر قرآن، اسے نازل کرنے والے اور اسے لانے والے کو گالیاں دیتے، اس وقت آپ ﷺ کو یہ حکم ہوا: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ یعنی آپ بلند آواز سے قرأت نہ کریں کہ مشرکین سن کر قرآن کو سب وشتم کرنے لگیں اور نہ ہی بالکل دھیمی اور پست آواز کے ساتھ قرأت کریں کہ آپ کے ساتھی اسے سن ہی نہ سکیں بلکہ درمیانی راہ اختیار کریں (2)۔ ایک اور روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو یہ حکم ساقط ہو گیا، اب آپ جیسے چاہیں پڑھیں (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بلند آواز سے قرآن کریم پڑھتے تو مشرکین آپ سے دور ادھر ادھر بکھر جاتے اور سماع قرآن سے احتراز کرتے جب کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ سے تلاوت قرآن سننے کا خواہشمند ہوتا تو وہ ان مشرکین کے خوف سے چوری چھپے سنتا جب وہ دیکھتا کہ مشرکین کو اس بات کا علم ہو گیا ہے تو وہ ان کی ایذا رسانی کے اندیشہ سے وہاں نہ ٹھہرتا اور نہ ہی سنتا اور اگر آپ پست آواز سے قرآن کریم پڑھتے تو یہ چوری چھپے سننے والے نہ سن سکتے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ بلند آواز میں قرأت نہ کریں کہ لوگ اسے سن کر تتر بتر ہو جائیں اور نہ بالکل دھیمی آواز کے ساتھ قرأت کریں کہ چوری چھپے سننے والوں کیلئے سننا مشکل ہو جائے۔ ممکن ہے آپ کی تلاوت کو سن کر کوئی شخص راہ راست پر آ جائے اور اس قرآن سے نفع حاصل کرے، بلکہ آپ درمیانی آواز کے ساتھ قرأت کیا کریں (4)۔ حضرات عکرمہ، حسن بصری اور قتادہ کا یہی قول ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت کے بارے میں نازل ہوئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تو پست آواز سے قرأت کرتے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بآواز بلند قرأت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں اپنے رب کے ساتھ سرگوشی کرتا ہوں اور اسے میری حاجات کا بخوبی علم ہے۔ آپ سے فرمایا گیا کہ بہت خوب۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ میں اسطرح شیطان کو بھگاتا ہوں اور سونے والے کو بیدار کرتا ہوں۔ فرمایا کہ یہ بھی بہت اچھا ہے۔ جب یہ آیت کریمہ وَلَا تَجْهَرْ ...... نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ذرا آواز بلند کرنے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ذرا پست کرنے کا حکم ہوا (5)۔ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی یہی فرماتی ہیں کہ یہ آیت کریمہ دعا کے متعلق اتری۔ مجاہد، سعید بن جبیر، ابو عیاض، مکحول اور عروہ بن زبیر کا بھی یہی قول ہے۔ بنو تمیم کا ایک اعرابی جب بھی نبی کریم ﷺ نماز سے سلام پھیرتے، یہ دعا کرتا کہ یا اللہ! مجھے اونٹ اور اولاد عطا فرما۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اور روایت میں فرماتی ہیں کہ یہ آیت تشہد کے بارے میں نازل ہوئی۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 182
2۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 174، صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1 صفحہ 329 وغیرہ
3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 185
4۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 185
5۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 186

اللہ عنہ سے اس آیت کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ ریاکاری کیلئے نماز نہ پڑھو اور نہ لوگوں کے خوف سے اسے ترک کرو۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ اعلانیہ طور پر تو تم بڑے عمدہ طریقے سے نماز پڑھو اور خفیہ طور پر اسے خراب کر کے پڑھو۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اہل کتاب آہستہ آواز سے پڑھتے، اسی دوران کوئی بلند آواز سے کوئی جملہ پڑھتا تو سبھی اس کے ساتھ چلانے لگ جاتے۔ ان لوگوں کی طرح چیخنے اور آواز کو بالکل دھیما کرنے کی ممانعت کردی اور اس درمیانی راہ کو اپنانے کا حکم ہوا جو جبریل علیہ السلام نے بتلائی تھی۔

اسمائے حسنیٰ کے اثبات کے بعد تمام نقائص سے اپنی تنزیہہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ یعنی تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے نہ اپنی کوئی اولاد بنائی اور نہ ہی بادشاہت میں کوئی اس کا شریک ہے بلکہ وہ یکتا اور بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے، مزید فرمایا: وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ ۔ یعنی وہ کوئی حقیر نہیں کہ اسے کسی مددگار، وزیر یا مشیر کی ضرورت پڑے، بلکہ صرف وہی تمام اشیاء کا خالق، مدبر اور مقدر ہے، تمام امور کا دارومدار صرف اس کی مشیت پر ہے۔ مجاہد اس کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ وہ نہ تو کسی کو حلیف بنانے کا محتاج ہے اور نہ کسی کی مدد کا طلب گار۔ آیت کے اختتام میں فرمایا: وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا یعنی ظالموں کی ہرزہ سرائیوں سے آپ خوب اس کی بڑائی، بزرگی اور پاکی بیان کریں۔ قرظی بیان کرتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ کہتے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور مشرکین یہ کہتے: ”لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ اِلَّا شَرِیْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ“ یعنی ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں بجز اس کے جسے تو نے اپنا شریک بنایا، تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کا بھی جس کا وہ مالک ہے۔ صابی اور مجوسی کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے اولیاء (مددگار) نہ ہوتے تو وہ بے بس ہو جاتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(1)۔ نبی کریم ﷺ اپنے گھر کے چھوٹے بڑے سبھی افراد کو یہ آیت سکھایا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس آیت کو آیۃ العز (عزت والی آیت) کا نام دیا۔(2) بعض آثار میں ہے کہ رات کے وقت کسی گھر میں اگر یہ آیت پڑھی جائے تو وہاں نہ کوئی چور نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ کوئی دوسری آفت۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نکلا، آپ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا یا میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا۔ ایک خستہ حال شخص کے پاس سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ”ارے فلاں! یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟“ اس نے عرض کی: یارسول اللہ! بیماری اور تکلیف نے یہ حال بنا رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھاؤں جن کے سبب سے تمہاری بیماریاں اور تکالیف رفع ہو جائیں؟“ اس نے عرض کی: کیوں نہیں، ضرور بتلایئے، ان کے مقابلے میں آپ ﷺ کی معیت میں بدر یا احد میں عدم شرکت کا مجھے کوئی غم نہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ ہنس دیئے اور فرمایا: ”کیا اہل بدر اور اہل احد وہ پاسکتے ہیں جو ایک قانع فقیر پالیتا ہے؟“ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے ہی یہ کلمات سکھا دیجئے، آپ نے فرمایا: ”اے ابوہریرہ! کہو: ”تَوَكَّلْتُ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا ۔ “حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میری حالت بہت سنور چکی تھی۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں تو مسلسل ان کلمات کا ہی ورد کرتا رہا جو آپ نے مجھے سکھائے تھے، ان سے ہی حالت بہتر ہوگئی(3)۔ اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے متن میں نکارت ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 189 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 439-440، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 52

3۔ مسند ابی یعلی، جلد 6 صفحہ 132، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 52

سورہ کہف (مکیہ)

اس سورت کے فضائل کا تذکرہ، خصوصاً اس کی اول آخر دس آیات کی فضیلت کا بیان اور اس بات کا ذکر کہ یہ سورت فتنۂ دجال سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی اپنے گھر میں سورہ کہف کی تلاوت کر رہے تھے، ان کے گھر میں ایک جانور تھا، وہ بدکنے اور اچھلنے لگا۔ صحابی نے ادھر نظر دوڑائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بادل اس پر چھایا ہوا ہے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے پڑھتے رہو، کیونکہ یہ وہ سکینہ ہے جس کا نزول تلاوت قرآن کے وقت ہوتا ہے'' (1)۔ یہ صحابی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے سورہ کہف کی ابتدائی دس آیات حفظ کرلیں وہ فتنۂ دجال سے محفوظ ہوگیا''(2)۔ نسائی کے الفاظ یہ ہیں کہ جس نے سورہ کہف کی دس آیات کی تلاوت کی۔ .. نسائی میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''جس نے سورۂ کہف کی آخری دس آیتیں پڑھیں تو اسے دجال سے حفاظت میسر آگئی''۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''جس نے سورۂ کہف کے اول آخر کی تلاوت کی، اس کیلئے اس کے قدموں سے سر تک نور ہوگا اور جس نے پوری سورۂ کہف پڑھ لی تو اس کے لیے زمین سے آسمان تک کا نور ملے گا'' (3)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کرے، اسے پاؤں کے تلووں سے لے کر آسمان کی بلندی تک کا نور ملے گا جو روز قیامت خوب چمکے گا اور دو جمعوں کے درمیان اس کے گناہ معاف کردیے جائیں گے'' (4)۔ اس کی سند غریب ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں شک ہے، زیادہ بہتر تو اس کا موقوف ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھی، اسے اپنے پاس سے لے کر بیت اللہ شریف تک نور مل گیا۔ مستدرک حاکم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھی، اسے دو جمعوں کے درمیان تک روشنی مل جاتی ہے'' (5)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''جس نے سورۂ کہف کی تلاوت اسی طرح کی جس طرح وہ نازل ہوئی ہے، قیامت کے دن یہ اس کیلئے باعث نور ہوگی'' (6) حافظ ضیا مقدسی کی کتاب المختارہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھی، وہ آٹھ دنوں تک ہر قسم کے فتنہ سے محفوظ ہوگیا اور اگر اس دوران دجال بھی نکلے تو بھی اس سے محفوظ ہوگا''۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، جلد 4 صفحہ 245، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 547-548
2۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین جلد 1 صفحہ 555، سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4 صفحہ 117
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 439
4۔ کنز العمال، جلد 1 صفحہ 576
5۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 368
6۔ سنن البیہقی، کتاب الجمعہ، جلد 3 صفحہ 249

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۞ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَ یُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۞ مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا ۞ وَّ یُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۞ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآىِٕهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۞

”سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب اور نہیں پیدا ہونے دی اس میں ذرا کجی (اور معاش و معاد کو) درست کرنے والی ہے تاکہ ڈرائے سخت گرفت سے جو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور یہ مژدہ سنائے ان اہل ایمان کو جو کرتے ہیں نیک اعمال کہ بے شک ان کے لئے بہت عمدہ جزا ہے۔ وہ ٹھہریں گے اس (جنت) میں تاابد اور تاکہ ڈرائے ان (نادانوں) کو جو یہ کہتے ہیں کہ بنالیا ہے اللہ نے (فلاں کو اپنا) بیٹا۔ نہ انہیں اللہ (کی ذات وصفات) کا کچھ علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو۔ کتنی بڑی ہے وہ بات جو نکلتی ہے ان کے منہوں سے۔ وہ نہیں کہتے مگر (سرتاسر) جھوٹ“۔

تفسیر کے آغاز میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر امر کے آغاز اور اختتام پر اپنی حمد اور تعریف بیان کرتا ہے کیونکہ وہ ہر حال میں قابل ستائش اور لائق ثنا ہے۔ اول آخر اور دنیا و آخرت میں ہر قسم کی تعریف و توصیف کا مستحق صرف وہی ہے، اس لئے جب اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ پر قرآن کریم اتارنے کا ذکر کرنا چاہا تو پہلے اپنی حمد اور توصیف بیان کی کیونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی اور گرانقدر نعمت ہے جو اس نے اہل زمین کو ارزانی فرمائی اور اسے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جانے کا وسیلہ بنایا۔ یہ ایسی کتاب مستقیم ہے جس میں نہ کوئی کجی ہے اور نہ کوئی نقص، بلکہ یہ تو راہ ہدایت اور صراط مستقیم پر گامزن کرنے والی، واضح، جلی اور ظاہر کتاب ہے جو کافروں کو عذاب سے خبردار کرنے والی ہے اور مومنوں کو رحمت الٰہی کا مژدہ سنانے والی ہے، اسی لیے فرمایا: وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا یعنی اس میں کجی اور انحراف نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ معتدل اور مستقیم ہے، قیم کا معنی ہے: مستقیم۔ اس عظیم کتاب کو اتارنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: لِّيُنْذِرَ بَاْسًا...... تاکہ آپ اس کی مخالفت کرنے والوں، جھٹلانے والوں اور اس پر ایمان نہ لانے والوں کو دنیا و آخرت میں جلد اور بدیر ملنے والے اللہ تعالیٰ کے شدید عذاب اور سخت گرفت سے ڈرائیں، اس جیسا نہ کسی کا عذاب ہے اور نہ کسی کی گرفت، اور اس قرآن کے ذریعے اپنے ایمان کو اعمال صالحہ کے ذریعے سچ کر دکھانے والے اہل ایمان کو یہ مژدہ سنا دیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں جنت کی صورت میں بہت عمدہ اجر ملے گا، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ وہ کبھی فنا ہوں گے اور نہ ان کی نعمتیں ختم ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا کے متعلق ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ مشرکین عرب تھے جو یہ کہا کرتے تھے کہ ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا: مَا لَهُمْ بِهٖ یعنی یہ جو انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے۔ اس کے متعلق نہ انہیں کچھ علم ہے اور نہ ان کے آباؤ اجداد کو کچھ علم تھا۔ ”كَلِمَةً“ کا لفظ بطور تمیز منصوب ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی: ”كَبُرَتْ كَلِمَتُهُمْ هٰذِهٖ كَلِمَةً“ بعض بصری کہتے ہیں کہ یہ تعجب کے طور پر ہے، تقدیر کلام یہ ہے: ”اَعْظِمْ بِكَلِمَتِهِمْ كَلِمَةً“ جیسے کہا جاتا

ہے: "اَکْرِمْ بِزَیْدٍ رَجُلًا" (زید کتنا کریم آدمی ہے!)۔ مکہ کے بعض قراء نے کَبُرَتْ کَلِمَۃٌ پڑھا ہے(1)۔ جیسے کہا جاتا ہے: "عَظُمَ قَوْلُكَ وَكَبُرَ شَأْنُكَ"۔ جمہور کی قرأت کے مطابق معنی زیادہ واضح ہے کیونکہ مشرکین کے اتہام کی قباحت اور اللہ تعالیٰ پر ان کے غیر معمولی بہتان کا بیان مقصود ہے اس لئے فرمایا: كَبُرَتْ كَلِمَةً ۔ یعنی بجز کذب وافتراء کے ان کی بات کسی دلیل یا حجت پر مبنی نہیں ہے، اس لئے فرمایا: اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔

محمد بن اسحاق اس سورت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ کے یہودی علماء کے پاس بھیجا کہ تم ان کے پاس جاؤ اور محمد ﷺ کے متعلق سارے حالات ان کے گوش گزار کرو، چونکہ وہ اہل کتاب ہیں اور ان کے پاس سابقہ انبیاء کا علم ہے جو ہمارے پاس نہیں، اس لئے وہ اس بارے میں بہتر رائے دے سکتے ہیں، چنانچہ وہ دونوں مدینہ پہنچے اور علماء یہود سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت دریافت کرنے لگے۔ آپ ﷺ کے حالات، اوصاف اور بعض تعلیمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ تم اہل تورات ہو اس لئے ہمیں بتاؤ تمہارا ہمارے اس صاحب (نبی کریم ﷺ) کے متعلق کیا خیال ہے؟ وہ کہنے لگے کہ تم جا کر ان سے تین سوالات کرو، اگر تو وہ ان کے جوابات دے دیں تو سچے نبی ہیں ورنہ جھوٹے آدمی، پھر ان کے بارے میں جو جی میں آئے کرنا، ان سے پوچھیں کہ پہلے زمانے میں چند نوجوان ہو گزرے ہیں، ان کا بہت عجیب وغریب قصہ ہے وہ کون تھے؟ دوسرا سوال ایک آدمی کے متعلق پوچھنا جس نے مشرق ومغرب کا چکر لگایا تھا، اس کا کیا واقعہ ہے؟ تیسرا سوال ان سے روح کی حقیقت کے متعلق پوچھنا کہ روح کیا ہے؟ اگر وہ تمہیں ان چیزوں کے متعلق تسلی بخش جواب دے دیں تو سمجھ لینا وہ واقعی نبی ہیں اور پھر بلا تامل ان کی اتباع کرنا اور اگر تمہیں ان سوالات کے جوابات نہ دے سکیں تو یقین کر لینا کہ وہ جھوٹے ہیں پھر اپنی سوچ کے مطابق ان سے سلوک کرنا۔ یہ باتیں پلے باندھ کر نضر اور عقبہ دونوں واپس آ کر قریش سے کہنے لگے کہ ہم ایک فیصلہ کن بات لے آئے ہیں، ابھی تمہارے اور محمد ﷺ کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا۔ بات یہ ہے کہ یہود نے ہمیں محمد ﷺ کی آزمائش کرنے کیلئے کچھ سوالات بتائے ہیں۔ انہوں نے قریش کو ان کے متعلق آگاہ کر دیا، چنانچہ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور یہود کے تجویز کردہ سوالات کے جوابات دینے کا آپ ﷺ سے مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں کل تمہیں ان سوالات کا جواب دوں گا لیکن آپ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے"۔ قریش واپس چلے گئے۔ پندرہ دن گزر گئے، اس دوران نہ آپ ﷺ پر وحی اتری اور نہ جبریل علیہ السلام آئے۔ اہل مکہ میں شور بپا ہو گیا، کہنے لگے کہ محمد ﷺ نے کل کا وعدہ کیا تھا لیکن اب پندرہ دن گزر گئے ہیں۔ ہمیں کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ انقطاع وحی کے باعث رسول اللہ ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے اور اہل مکہ کی ہرزہ سرائیاں آپ پر بہت شاق گزریں۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۂ کہف لے کر آئے، جس میں ان شاء اللہ نہ کہنے پر آپ ﷺ کو عتاب کیا گیا اور مشرکین مکہ کے سوالات کے جوابات بیان کیے گئے، یعنی نوجوانوں کا قصہ، مشرق ومغرب کی گشت لگانے والے کا واقعہ اور اس آیت (وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ..) میں روح کا بیان(2)۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝

1۔ دیکھئے تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 194

2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 191-192، سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 300 ومابعد

"تو کیا آپ (فرط غم سے) تلف کر دیں گے اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس قرآن کریم پر افسوس کرتے ہوئے۔ بیشک ہم نے بنایا ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں اس کے لئے باعث زینت و آرائش تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔ اور ہم ہی بنانے والے ہیں ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں (ویران کر کے) چٹیل میدان، غیر آباد"۔

مشرکین ایمان لانے پر آمادہ نہ ہوتے اور نبی کریم ﷺ سے دور بھاگتے، اس سے آپ ﷺ کو بہت رنج ہوتا، اس پر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو تسلی دے رہا ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ (فاطر: 8) "پس فرط غم سے ان کیلئے آپ کی جان نہ گھلے"۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (النحل: 127) "اور آپ ان (کی ہٹ دھرمی) پر رنجیدہ نہ ہوا کریں"، لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء: 3) "شاید آپ اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کر دیں کہ وہ ایمان نہیں لا رہے"۔ باخع کا معنی ہے ہلاک کرنے والا اور حدیث سے مراد قرآن کریم ہے۔ یعنی اگر یہ اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو کیا آپ ان کے پیچھے فرط غم سے اپنی جان کو تلف کر دیں گے؟ "اسفا" کا معنی بقول قتادہ: فرط غضب اور فرط غم کا اظہار کرتے ہوئے، مجاہد کہتے ہیں کہ گھبراہٹ اور بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے، یہ سب معانی قریب قریب ہیں، یعنی آپ ان کفار پر افسوس اور غم نہ کریں بلکہ اطمینان سے اللہ تعالیٰ کا پیغام ان تک پہنچا دیں، جو ہدایت قبول کرتا ہے اس میں اسی کا فائدہ ہے اور جو گمراہی پر مصر رہتا ہے اس کا وبال اسی پر ہوگا، اس لئے آپ غم و حسرت کے باعث اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دار فنا بنایا ہے اور اسے فنا پذیر زینت کے ساتھ آراستہ کیا۔ یہ دنیا دار امتحان ہے، دار قرار نہیں۔ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّا جَعَلْنَا ۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دنیا شیریں اور سرسبز و شاداب ہے، اس میں اللہ تعالیٰ تمہیں خلیفہ بنا کر دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو، دنیا اور عورتوں سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلے سر اٹھانے والا فتنہ عورت ہی کے متعلق تھا" (1)۔ پھر اس دنیا کے زوال، فنا، انتہا اور بربادی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ ۔ یعنی ہم زمین کو مزین اور آراستہ کرنے کے بعد تباہی و بربادی کے گھاٹ اتار دیں گے اور اس پر موجود ہر چیز کو فنا کر کے اسے غیر آباد، بنجر اور چٹیل میدان بنا دیں گے، جہاں نہ کوئی چیز اگ سکے گی اور نہ کوئی دوسرا فائدہ حاصل ہو سکے گا، جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۖ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ (السجدة: 27) "کیا انہوں نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم بنجر زمین کی طرف پانی لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعے کھیتی نکالتے ہیں، کھاتے ہیں اس سے ان کے چوپائے اور وہ خود بھی، کیا وہ نہیں دیکھتے؟" محمد بن اسحاق اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ روئے زمین پر ہر چیز فانی اور زوال پذیر ہے، ہر ایک کو آخر کار اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش ہونا ہے، اس لئے جو بھی سنیں یا دیکھیں اس پر غم اور افسوس نہ کریں (2)۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبْنَا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الرقاق، جلد 4 صفحہ 2098، عارضۃ الاحوذی، ابواب الفتن، جلد 9 صفحہ 40-44
2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 196

عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًاۙ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا۝

"کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور رقیم والے ہماری ان نشانیوں میں سے ہیں جو تعجب خیز ہیں۔ (یاد کرو) جب پناہ لی ان جوانوں نے غار میں پھر انہوں نے دعا مانگی اے ہمارے رب! ہمیں مرحمت فرما اپنی جناب سے رحمت اور مہیا فرما ہمارے لئے اس کام میں ہدایت۔ پس ہم نے بند کر دیئے ان کے کان (سننے سے) اس غار میں کئی سال تک جو گنے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے انہیں بیدار کر دیا تاکہ ہم دیکھیں کہ ان دو گروہوں میں سے کون صحیح شمار کر سکتا ہے اس مدت کو جو وہ (غار میں) ٹھہرے تھے"۔

پہلے اجمال و اختصار کے ساتھ اصحاب کہف کا قصہ بیان ہو رہا ہے، پھر شرح و بسط اور مکمل تفصیلات کے ساتھ اس کا بیان ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اَمْ حَسِبْتَ یعنی ہماری قدرت کے سامنے یہ کوئی بڑا تعجب خیز واقعہ نہیں بلکہ بہت معمولی واقعہ ہے، اگر اس کی قدرت ملاحظہ کرنا مقصود ہے تو زمین و آسمان کی تخلیق، گردش لیل و نہار، تسخیر شمس و قمر اور دیگر بے شمار نشانیوں کو دیکھیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اسے ہر چیز پر پوری پوری قدرت اور گرفت حاصل ہے اور کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ یہ تمام اشیاء اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ تعجب خیز ہیں جیسا کہ مجاہد اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ہماری ایسی نشانیاں بھی ہیں جو اس واقعہ سے بھی زیادہ باعث تعجب ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے آپ کو جس علم، سنت اور کتاب سے نوازا ہے وہ اصحاب کہف و رقیم کے قصہ سے افضل ہے۔

کہف سے مراد پہاڑ کے اندر وہ غار ہے جس میں مذکورہ نوجوانوں نے پناہ لی تھی۔ رقیم کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، عطیہ عوفی اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ ایلہ کے قریب ایک وادی ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ کہف تو وادی کی غار ہے اور رقیم اس وادی کا نام ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ رقیم ان کی عمارت کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ وادی ہے جہاں یہ غار تھی۔ حضرت کعب کا خیال ہے کہ رقیم بستی کا نام ہے۔ ابن جریج حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رقیم وہ پہاڑ ہے جہاں یہ غار تھی۔ مجاہد حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ اس پہاڑ کا نام بنجلوس ہے(1)۔ شعیب جبائی بھی یہی کہتے ہیں کہ جس پہاڑ میں یہ غار ہے اس کا نام بنجلوس ہے، غار کا نام حیزم اور کتے کا نام حمران۔ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ سارے قرآن کا مجھے علم ہے سوائے حنان، اواہ اور رقیم کے کلمات کے۔ آپ رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم رقیم کیا ہے؟ کتاب ہے یا عمارت؟ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے رقیم بمعنی کتاب نقل کیا ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ رقیم پتھر کی ایک لوح تھی جس پر اصحاب کہف کا قصہ لکھ کر اسے غار کے دروازے پر رکھ دیا گیا تھا(2)۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ رقیم سے مراد کتاب ہے، قرآن پاک میں آتا ہے كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ (المطففین: 20) آیت کا ظاہر تو اس کی تائید کرتا ہے اور ابن جریر نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رقیم فعیل کے وزن پر مرقوم مفعول کے معنی میں ہے، یعنی لکھا ہوا جیسے قتیل بمعنی مقتول اور جریح (زخمی) بمعنی مجروح۔

اللہ تعالیٰ اپنے اس فرمان اِذْ اَوَى الْفِتْیَةُ میں ان نوجوانوں کے متعلق خبر دے رہا ہے جو اپنے دین کی حفاظت کی خاطر اپنی قوم

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 199
2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 199

سے بھاگ کھڑے ہوئے تاکہ وہ اپنی دولت ایمان بچالیں اور لوگ انہیں اپنے دین سے برگشتہ نہ کرسکیں۔ اپنی قوم سے روپوش ہونے کیلئے وہ ایک پہاڑ کی غار میں پناہ گزیں ہوگئے۔ غار میں داخل ہوتے وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رحمت اور لطف وکرم کی التجا کی: رَبَّنَآ اٰتِنَا ۔ یعنی اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی جناب سے خصوصی رحمت مرحمت فرما تاکہ ہم ان کے جبر وتشدد سے محفوظ رہیں اور ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوجائیں اور ہمیں اپنے معاملہ میں ہدایت نصیب فرما یعنی ہمارے معاملہ کا انجام سراسر ہدایت اور خیر پر مبنی ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "وَمَا قَضَیْتَ لَنَا مِنْ قَضَاءٍ فَاجْعَلْ عَاقِبَتَهٗ رَشَدًا" (1)۔ یعنی اے پروردگار! تو ہمارے لئے جو بھی فیصلہ کرے اس کا انجام بخیر فرما۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: "اے اللہ! تمام امور میں ہماری عاقبت کو بہتر بنا اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے اپنی پناہ عطا فرما" (2)۔ پھر فرمایا: فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ یعنی جب وہ غار میں داخل ہوئے تو ہم نے ان پر نیند طاری کردی اور وہ کئی سال سوئے رہے، پھر ہم نے انہیں نیند سے بیدار کیا تو ان میں سے ایک پیچھ دراہم لے کر گیا تاکہ کھانا خرید لائے، اس کی تفصیلات عنقریب بیان ہوں گی، اس لئے فرمایا: ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ یعنی ہم نے انہیں بیدار کیا تاکہ ان کے بارے میں اختلاف کرنے والے دو گروہوں کو ہم دیکھ لیں کہ کون ان کے ٹھہرنے کی مدت کو زیادہ صحیح شمار کرنے والا ہے۔ "اَمَدًا" کا معنی ہے تعداد، گنتی یا غایت۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًی ۝ وَّرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ۝ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَی الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَیُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝

"(اے حبیب!) ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی خبر ٹھیک ٹھیک۔ بے شک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کے (نور) ہدایت میں اضافہ کردیا۔ اور ہم نے مضبوط کردیا ان کے دلوں کو جب وہ راہ حق میں کھڑے ہوگئے تو انہوں نے (برملا) کہہ دیا ہمارا پروردگار وہ ہے جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا ہم ہرگز نہیں پکاریں گے اس کے سوا کوئی معبود (اگر ہم ایسا کریں) تو گویا ہم نے ایسی بات کہی جو حق سے دور ہے۔ یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے بنالیے ہیں اس کے سوا غیروں کو (اپنے) خدا۔ کیوں نہیں پیش کرتے ان (کی خدائی) پر کوئی ایسی دلیل جو روشن ہو۔ ورنہ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے۔ اور جب تم الگ ہوگئے ہو ان (کفار) سے اور ان معبودوں سے جن کی یہ پوجا کرتے ہیں اللہ کے سوا تو اب پناہ لو غار میں پھیلادے گا تمہارے لئے تمہارا رب اپنی رحمت (کا دامن) اور مہیا کردے گا تمہارے لئے تمہارے اس کام میں آسانیاں"۔

یہاں سے اس قصہ کی تفصیلات شروع ہورہی ہیں۔ یہ چند نوجوان تھے جو بڑے بوڑھوں کی نسبت زیادہ ہدایت یافتہ اور قبول حق پر

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، جلد 2 صفحہ 1260، مستدرک حاکم، کتاب الدعاء، جلد 1 صفحہ 521-522، وغیرہ
2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 181

آمادہ تھے کیونکہ عمر رسیدہ سرکشی پر بضد رہے اور باطل دین کے ساتھ ہی چمٹے رہے، یہی کیفیت قریش کی بھی تھی۔ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل تھی جبکہ زیادہ تر قریشی بوڑھے اپنے دین پر ڈٹے رہے اور ان میں سے بہت ہی کم لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسی طرح اصحاب کہف کے متعلق بتایا کہ وہ چند نوجوان تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی کے کانوں میں بالیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ہدایت وتقویٰ کا نور ڈال دیا، وہ اپنے رب پر ایمان لائے، اس کی وحدانیت کا اعتراف کیا اور اس بات کی گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر مزید کرم نوازی فرماتے ہوئے ان کے نور ہدایت میں اور اضافہ کر دیا۔ اس ارشاد وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى اور اس قسم کی دیگر آیات سے امام بخاری اور دوسرے متعدد ائمہ کرام نے ایمان کی زیادتی اور تفاضل پر استدلال کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ممکن ہے۔ دوسرے مقامات پر فرمایا: وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ (محمد: 17) ''اور جو لوگ راہ ہدایت پر چلے، اللہ تعالیٰ ان کے نور ہدایت کو بڑھا دیتا ہے اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے''، فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (التوبہ: 124) ''اس سورت نے ایمان والوں کے ایمان میں اضافہ کر دیا اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں''، لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ (الفتح: 4) ''تاکہ وہ اپنے (پہلے) ایمان کے ساتھ ایمان میں اور بڑھ جائیں'' علاوہ ازیں اس پر دلالت کرنے والی اور بھی متعدد آیات ہیں(1)۔

ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ نوجوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر کاربند تھے لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دور ملت نصرانیت سے قبل کا ہے کیونکہ اگر یہ نصرانیت کے پیروکار ہوتے تو علماء یہود مخالفت کی بناء پر اس قدر توجہ سے ان کے حالات محفوظ نہ رکھتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ قریش نے مدینہ کے یہودی علماء سے چند باتوں کا تقاضا کیا تھا جن کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی آزمائش کرسکیں، چنانچہ انہوں نے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوالات تجویز کیے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل کتاب کی کتابوں میں یہ قصہ موجود تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نصرانیت سے پہلے کسی دور میں وقوع پذیر ہوا۔

فرمایا: وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ یعنی جب ان کی قوم نے ان کی مخالفت کی اور انہوں نے عیش وآرام اور پرلطف زندگی کو خیر باد کہہ دیا تو ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور انہیں صبر کی دولت سے نوازا۔ متعدد مفسرین کا کہنا ہے کہ وہ روم کے امراء ورؤساء کے فرزند تھے۔ ایک مرتبہ عید کے تہوار پر وہ بھی باقی لوگوں کے ساتھ نکلے۔ عید منانے کیلئے شہر سے باہر ان کا اجتماع ہوتا تھا۔ وہ وہاں بتوں کی پرستش کرتے اور ان کے نام پر جانور ذبح کرتے۔ ان کا بادشاہ دقیانوس تھا، اس کا نام دقیانوس تھا۔ وہ لوگوں کو طاقت کے زور پر بت پرستی کی دعوت دیتا اور شرک پر اکساتا۔ جب اس اجتماع میں شرکت کرنے کیلئے لوگ نکلے تو یہ نوجوان بھی اپنے آباء اور دیگر افراد کے ساتھ اس تہوار میں شریک ہونے کیلئے نکل پڑے، وہیں جب ان نوجوانوں نے بصیرت کی آنکھ سے لوگوں کو شرک اور بت پرستی کا ارتکاب کرتے ہوئے اور غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرتے ہوئے دیکھا تو وہ پہچان گئے کہ یہ لوگ جو کچھ بتوں کیلئے کر رہے ہیں، یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی۔ چنانچہ وہ ایک ایک کر کے وہاں سے کھسکتے ہوئے الگ تھلگ ہو گئے۔ سب سے پہلا نوجوان جس نے اپنی قوم کے ان اعمال سے بیزاری کا اظہار کیا تھا، وہ الگ ہو کر ایک درخت کے سائے تلے آ بیٹھا، پھر دوسرا نوجوان وہاں اس کے پاس ہی آ بیٹھا۔ اس طرح وہ سبھی وہاں جمع ہو گئے، حالانکہ ان کے درمیان کوئی جان پہچان نہیں تھی لیکن اس ذات نے انہیں وہاں جمع کر دیا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 8، جلد 4 صفحہ 175

جس نے ان کے دلوں کو ایمان پر جمع کیا تھا، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے" اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ" (1)۔ یعنی ارواح ایک جمع شدہ لشکر ہیں ان میں سے جو (روز ازل) متعارف ہو گئیں، ان کے درمیان (دنیا میں) الفت پیدا ہو جاتی ہے اور جو (وہاں) اجنبی رہیں۔ ان میں (یہاں) اختلاف رہتا ہے۔ عرب کہتے ہیں: "اَلْجِنْسِيَّةُ عِلَّةُ الضَّمِّ" یعنی جنسیت میل جول کا سبب ہے۔ غرض یہ کہ ان میں سے ہر ایک باقی ساتھیوں سے اپنی حقیقت کو چھپائے ہوئے تھا کیونکہ ہر ایک کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ اگر حقیقت سے پردہ اٹھ گیا تو اس کے سنگین نتائج برآمد ہوں گے اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، حالانکہ ان سب کی حقیقت یکساں نوعیت کی تھی، آخر کار ایک نوجوان نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھ ہی لیا کہ اے میرے دوستو! کوئی ایسا سبب ضرور ہے جس کی بناء پر تم لوگوں سے اور کھیل تماشے سے منہ موڑ کر بالکل الگ تھلگ یہاں آ بیٹھے ہو۔ ہر شخص کو اپنے دل کی بات بتا دینی چاہئے۔ اس پر ایک دوسرا نوجوان کہنے لگا کہ میں نے اپنی قوم کو باطل روش اور مشرکانہ عقائد اپنائے ہوئے دیکھا ہے۔ عبادت کا مستحق تو صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے جس نے زمین و آسمان اور ان میں موجود ہر چیز کو پیدا کیا۔ دوسرے نوجوان نے کہا کہ میرا معاملہ بھی یہی ہے حتیٰ کہ سبھی توحید کا اقرار کرتے ہوئے ایک بات پر متفق ہو گئے اور تمام سچے بھائی بھائی بن گئے۔ انہوں نے اپنے لیے ایک عبادت خانہ تیار کر لیا جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہنے لگے۔ لوگوں کو جب ان کے متعلق علم ہوا تو انہوں نے بادشاہ کے ہاں ان کی چغلی کھائی۔ بادشاہ نے انہیں اپنے پاس بلا کر حقیقت حال واضح کرنے کیلئے ان سے استفسار کیا تو انہوں نے بلا کم و کاست حق بات واضح کر دی، بلکہ بادشاہ کو بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے کی دعوت دی، اسی چیز کو اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ "لن" ہمیشہ کی نفی کیلئے آتا ہے۔ یعنی کبھی ہم سے یہ نہیں ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکاریں کیونکہ ایسا کرنا باطل ہے۔
اسی لئے فرمایا: لَقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا شطط کا معنی ہے، باطل، کذب اور بہتان، اپنی قوم کے متعلق کہنے لگے، هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا معبودان باطلہ کی پرستش کرنے والے یہ لوگ اپنے اس عمل کی صحت پر کوئی واضح دلیل نہیں پیش کرتے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ در حقیقت ظالم اور جھوٹے ہیں، کہا جاتا ہے کہ جب انہوں نے اپنے بادشاہ کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو اس نے انکار کر دیا اور انہیں سنگین نتائج کی دھمکیاں دینے لگا، بلکہ ان کے آرائشی لباس بھی اتروا لیے اور انہیں مہلت دی تاکہ وہ غور و فکر کر کے اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ آئیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم تھا کہ ان مہلت کی گھڑیوں میں انہیں اپنے دین کو بچا کر وہاں سے فرار ہونے کا موقع مل گیا، فتنہ کے وقت جب آدمی کا دین خطرہ میں ہو تو ایسے حالات میں لوگوں سے الگ تھلگ ہونا اور فرار اختیار کرنا جائز ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "قریب ہے ایسا زمانہ آ جائے جب آدمی کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جنہیں وہ لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات پر چلا جائے گا اور فتنوں کے خوف سے اپنے دین کو لے کر فرار ہو جائے گا" (2)، اس حالت میں عزلت مشروع ہے لیکن اگر اس قسم کے حالات نہ ہوں تو لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کرنا مشروع نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنے سے نماز باجماعت اور جمعہ ترک ہو جاتا ہے، بہر صورت ان نوجوانوں نے اپنی قوم سے الگ تھلگ ہونے کا عزم کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دستگیری کی، اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا: وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ یعنی جب تم دین میں ان سے الگ تھلگ اور ان کے مخالف ہو گئے تو اب جسمانی اعتبار سے بھی ان سے الگ ہو جاؤ اور غار میں پناہ لے لو، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت کی چادر میں چھپا لے گا اور تم اپنی قوم کو دکھائی ہی نہیں دو گے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 16۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2031
2۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 69

اور وہ اس معاملہ میں تمہیں راحت اور آسانی بہم پہنچائے گا۔ پس یہ نوجوان موقعہ ملتے ہی وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے۔ بادشاہ اور قوم سے افراد تلاش بسیار کے باوجود ان کا سراغ نہ لگا سکے۔ بھرپور کوشش کے باوجود بادشاہ انہیں پکڑنے میں ناکام رہا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملہ کو بالکل مخفی رکھا جیسا کہ ہجرت کے موقعہ پر ہوا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار ثور میں پناہ لئے ہوئے تھے، مشرکین تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ وہ غار پر سے گزرے بھی لیکن ان دونوں ہستیوں کی موجودگی کا سراغ نہ پا سکے۔ اس وقت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے گھبراہٹ کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی تھی: یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی نے نیچے اپنے قدموں کی طرف نظر دوڑائی تو وہ ضرور ہمیں دیکھ لے گا، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوبکر! ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے؟'' اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَ اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰی ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (التوبہ:40) ''اگر تم رسول کریم کی مدد نہ کرو گے تو (کیا ہوا) ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ نے جب ان کو کفار نے نکالا تھا۔ آپ دو میں سے دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے رفیق سے فرما رہے تھے کہ مت غمگین ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی تسکین نازل کی اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد فرمائی جنہیں تم نے نہ دیکھا اور کافروں کی بات کو سرنگوں کر دیا اور اللہ کی بات ہی ہمیشہ سربلند ہے اور اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے''۔ غار ثور کا قصہ اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ اشرف، جلیل القدر، عظیم اور عجیب ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ لوگ ان نوجوانوں کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے، انہیں غار کے اندر دیکھ کر کہنے لگے کہ اس سے زیادہ سزا کی انہیں ضرورت ہی نہیں، چنانچہ انہوں نے غار کا منہ بند کر دیا تاکہ وہ اس کے اندر ہی ہلاک ہو جائیں لیکن یہ قول محل نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ صبح و شام دھوپ ان پر غار میں داخل ہوتی ہے۔

وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ
الشِّمَالِ وَ هُمْ فِیْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ
یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا ۝

''اور تو دیکھے گا سورج کو جب وہ ابھرتا ہے تو وہ ہٹ کر گزرتا ہے ان کی غار سے دائیں جانب اور جب وہ ڈوبتا ہے تو بائیں طرف کتراتا ہوا ڈوبتا ہے۔ اور وہ (سوتے) ہیں ایک کشادہ جگہ غار میں۔ (سورج کا) یوں (طلوع و غروب) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ (حقیقت یہ ہے) کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو تو نہیں پائے گا اس کے لئے کوئی مددگار (اور) رہنما''۔

اس آیت سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اس غار کا دہانہ شمال کی جانب تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ دائیں طرف غار سے ہٹ جاتا ہے، یعنی دائیں طرف اس کا سایہ سکڑ جاتا ہے جیسے کہ حضرات ابن عباس، سعید بن جبیر اور قتادہ کا قول ہے۔ اس کی صورت یہ تھی کہ جب بھی سورج افق میں ابھرتا تو اس کے ارتفاع کے ساتھ ساتھ اس کی شعاعیں سکڑتی رہتیں، یہاں تک کہ زوال کے وقت دھوپ وہاں بالکل نہ رہتی اس لیے فرمایا: وَ اِذَا غَرَبَتْ یعنی جب سورج غروب ہوتا ہے تو شمال کی طرف ان سے

کتراتے ہوئے گزر جاتا ہے، مطلب یہ کہ غروب آفتاب کے وقت دھوپ ان کی غار کی طرف مشرقی جانب سے اس کے دروازے کے شمالی رخ سے جاتی ہے، علم ہیئت و نجوم کا ماہر اسے آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اگر غار کا دہانہ مشرق کی جانب ہوتا تو غروب کے وقت وہاں دھوپ بالکل نہ جاتی، اگر دروازہ قبلہ رخ ہوتا تو طلوع اور غروب کے وقت دھوپ وہاں بالکل داخل نہ ہو سکتی اور نہ سایہ دائیں بائیں جھکتا اور اگر غار کا منہ مغرب کی جہت ہوتا تو وقت طلوع سورج کی روشنی اور دھوپ اندر داخل نہ ہو پاتی بلکہ زوال کے بعد داخل ہوتی اور پھر غروب تک مسلسل وہاں رہتی، یہ ہمارے قول کی بین دلیل ہے کہ غار کا منہ شمال کی طرف تھا، حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ ثقرضھم کو ترک کرنے کے معنی میں لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اصحاب کہف کے قصہ پر آگاہ کیا ہے تا کہ ہم اس میں غور و فکر کریں اور اسے سمجھ کر اس سے درس ہدایت حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس علاقہ اور شہر کا تعین نہیں کیا جہاں یہ غار تھی کیونکہ اس بات سے نہ ہمارا کوئی دنیاوی مفاد وابستہ ہے اور نہ کوئی شرعی منفعت، بعض مفسرین نے تکلف سے کام لیتے ہوئے اس جگہ کی نشاندہی کی کوشش کی ہے جہاں یہ غار تھی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ ایلہ کے قریب ہے، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ نینوا کے پاس ہے، کوئی کہتا ہے روم میں اور کوئی کہتا ہے کہ سرزمین بلقاء میں، بہرصورت اس بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر غار کی جگہ کے تعین میں ہماری کوئی دینی مصلحت کارفرما ہوتی تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہمیں ضرور اس سے آگاہ فرما دیتے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''میں نے تمہیں ہر اس چیز پر مطلع کر دیا ہے جو تمہیں جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کرنے والی ہے'' پس اللہ تعالیٰ نے غار کا وصف تو بیان کر دیا لیکن اس کی جگہ نہیں بتائی، فرمایا: وَتَرَى الشَّمْسَ فجوۃ وسیع جگہ کو کہتے ہیں یعنی وہ فراخی میں ہیں، سورج کی تپش اور حرارت ان تک نہیں پہنچ سکتی ورنہ ان کے بدن اور کپڑے جل جاتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے کہ اس نے ان کی رہنمائی غار کی طرف کی جہاں انہیں زندہ رکھا اور ان کی زندگی کو برقرار رکھنے اور بدنوں کو صحیح و سالم رکھنے کیلئے مناسب دھوپ اور ہوا کا بھی انتظام کر دیا، اسی لیے فرمایا: ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے جس نے ساری قوم میں سے ان نوجوانوں کو چن کر راہ ہدایت پر گامزن کر دیا، کیونکہ ہدایت یافتہ وہی ہے جسے وہ ہدایت مرحمت فرمائے اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝

''اور (اگر تو دیکھے تو) تو انہیں بیدار خیال کرے گا حالانکہ وہ سو رہے ہیں۔ اور ہم ان کی کروٹ بدلتے رہتے ہیں (کبھی) دائیں جانب اور (کبھی) بائیں جانب اور ان کا کتا پھیلائے بیٹھا ہے اپنے دونوں بازو ان کی دہلیز پر۔ اگر تو جھانک کر انہیں دیکھے تو ان سے منہ پھیر کر بھاگ کھڑا ہو اور تو بھر جائے ان (کے منظر) کی ہیبت سے''۔

کسی صاحب علم کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان پر نیند مسلط کر دی تو ان کی آنکھیں بند نہ ہوئیں تا کہ ان کے جسم جلد بوسیدہ نہ ہو جائیں اور وہاں ہوا کی آمد و رفت ان کی بقا کا باعث بنی رہی، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا کہتے ہیں کہ بھیڑیا جب سوتا ہے تو باری باری ایک آنکھ بند رکھتا ہے اور دوسری کھلی، شاعر اس کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے:

يَنَامُ بِإِحْدَى مُقْلَتَيْهِ وَيَتَّقِي بِأُخْرَى الرَّزَايَا فَهُوَ يَقْظَانُ نَائِمُ (1)

(وہ ایک آنکھ کے ساتھ سوتا ہے اور دوسری آنکھ کے ساتھ خطرات پر نظر رکھتا ہے۔ گویا وہ (ایک ہی وقت میں) بیدار بھی ہوتا ہے اور سونے والا بھی)۔

فرمایا: وَنُقَلِّبُهُمْ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ سال میں دو مرتبہ ان کی کروٹیں بدلی جاتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے پہلو نہ بدلے جاتے تو زمین انہیں کھا جاتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ کے بقول "وصید" کا معنی صحن ہے (2)، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا معنی دروازہ بھی بتایا ہے۔ بعض نے اس کا معنی مٹی کہا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد غار کا دہانہ اور دہلیز ہے، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ (الھمزۃ:8) موصدہ کا معنی ہے بند کی ہوئی۔ وصید میں ایک دوسری لغت اصید بھی ہے۔ اس سے مراد چوکھٹ ہے جہاں وہ کتا بیٹھا تھا۔ کتوں کی عموماً یہی عادت ہے کہ وہ چوکیداری کیلئے دروازے کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ کتا بھی اپنی فطرت کے مطابق ان نوجوانوں کی حفاظت کرنے کیلئے دروازے کے پاس باہر بیٹھ رہا کیونکہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا، تصویر، اجنبی اور کافر ہو، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے (3)۔ ان نوجوانوں کی برکت سے کتا بھی نوازا گیا، ان کی طرح اس پر بھی نیند مسلط ہوگئی۔ نیکوکار لوگوں کی صحبت سراسر فوائد کا موجب ہے اور ایسی صحبت اختیار کرنے والا محروم نہیں رہتا۔ اس کا اندازہ اس کتے سے ہوتا ہے جو ان پاکباز نوجوانوں کی صحبت کے باعث یادگار بن گیا اور قرآن کریم میں اس کا ذکر بھی خصوصیت کے ساتھ ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ ان نوجوانوں میں سے کسی کا شکاری کتا تھا جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ کے باورچی کا کتا تھا، چونکہ وہ بھی ان نوجوانوں کا ہم خیال تھا اور عزلت نشینی اختیار کرنے میں ان کے ساتھ شریک تھا، اس لئے اس کا کتا بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔

حافظ ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری کا کہنا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبح کردہ مینڈھے کا نام جریر، ہدہد سلیمان علیہ السلام کا نام عنقز، اصحاب کہف کے کتے کا نام قطمیر اور بنی اسرائیل کے اس بچھڑے کا نام بہموت تھا جس کی انہوں نے پرستش شروع کر دی تھی اور حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے، حضرت حواء جدہ میں، ابلیس دشت بیسان میں اور سانپ اصبہان میں (4)۔ شعیب جبائی نے کتے کا نام حمران بتایا ہے۔ اس کتے کے رنگ کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں لیکن یہ سب لاحاصل اور بے فائدہ ہیں، نہ ان کی کوئی دلیل ہے اور نہ ضرورت، بلکہ ایسی چیزوں میں ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑانے سے منع کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق مزید فرمایا: لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس ماحول کو بھیانک بنا دیا ہے اور انہیں وہ ہیبت عطا کی ہے کہ جونہی ان پر کسی کی نظر پڑتی ہے، وہ دہشت زدہ اور خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کیا تاکہ نہ کوئی ان کے پاس اندر جا سکے اور نہ کوئی ہاتھ لگا سکے اور جب تک ان کے محو استراحت ہونے کا وقت مقرر کر دیا گیا ہے، اس وقت تک وہ آرام سے سوئے رہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت، واضح حجت اور وسیع رحمت کارفرما ہے۔

1۔ دیوان حمید بن ثور: 105 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 215

3۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، جلد 3 صفحہ 1664-1666، سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ جلد 1 صفحہ 58، وغیرہ

4۔ دیکھئے مفحمات الاقران فی مبہمات القرآن للسیوطی: 174،152، 137،72

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝

''اور اسی طرح ہم نے انہیں بیدار کر دیا تا کہ وہ ایک دوسرے سے آپس میں پوچھیں۔ کہنے لگا ایک کہنے والا ان سے کہ تم یہاں کتنی مدت ٹھہرے ہو۔ بعض نے کہا ہم ٹھہرے ہوں گے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ دوسروں نے کہا تمہارا رب بہتر جانتا ہے جتنی مدت تم ٹھہرے ہو۔ پس بھیجو کسی کو اپنے ساتھیوں سے اپنے ایک سکہ کے ساتھ شہر کی طرف۔ پس وہ دیکھے کہ کس کے ہاں عمدہ پاکیزہ کھانا ملتا ہے پس وہ لے آئے تمہارے پاس کھانا وہاں سے۔ اسے چاہئے کہ خوش خلقی سے کام لے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔ وہ لوگ اگر آگاہ ہو گئے تم پر تو وہ تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے یا تمہیں (جبرا) لوٹا دیں گے اپنے (جھوٹے) مذہب میں اور (اگر تم نے ایسا کیا) تو تم کبھی بھی فلاح نہیں پا سکو گے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے انہیں سلایا، اسی طرح تین سو نو سال کی نیند کے بعد بالکل اسی حالت میں بیدار کر دیا۔ ان کے بدن، بال اور آنکھیں سبھی اعضاء جوں کے توں بالکل صحیح و سالم تھے۔ ان کی حالت اور ہیئت میں سر مو بھی فرق نہیں آیا تھا، اسی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے: كَمْ لَبِثْتُمْ ۔ یعنی تم کتنی دیر سوئے رہے؟ جواب ملا کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، کیونکہ وہ صبح کے وقت غار میں داخل ہو کر سوئے تھے اور شام کے وقت بیدار ہو گئے۔ لیکن پھر فوراً انہیں خیال آیا کہ ایسا تو نہیں، اس لئے اپنے ظن و تخمین کو ترک کر کے معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے کہنے لگے: رَبُّكُمْ اَعْلَمُ یعنی تمہارے معاملہ کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ کثرت نوم کے سبب گویا وہ تردد کا شکار ہو گئے۔ چونکہ اب انہیں بھوک پیاس بھی ستانے لگی تھی، اس لئے اس بحث کو طول دینے کی بجائے وہ اس اہم ضرورت کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے: فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ یعنی کسی ایک آدمی کو (چاندی کا) یہ سکہ دے کر بھیجو۔ جب انہوں نے اپنے اپنے گھروں کو خیر باد کہا تھا تو کچھ درہم اپنے ساتھ رکھ لیے تھے جن میں سے کچھ صدقہ کر دیے اور چند ایک ان کے پاس باقی بچ گئے۔ اس لئے انہوں نے یہ تجویز دی کہ اپنے اس شہر میں کسی کو یہ سکہ دے کر بھیج دو تا کہ وہ وہاں سے کھانے پینے کی کوئی پاکیزہ اور عمدہ چیز لے آئے۔ ''اَزْكٰى'' کے لفظ میں پاکیزگی اور عمدگی کا معنی پایا جاتا ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا (النور: 21) ''اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی ہرگز نہ بچ سکتا''۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ: 14) ''بے شک فلاح پا گیا جس نے اپنے آپ کو پاک کیا''۔ اسی سے لفظ زکوۃ ہے، کیونکہ اس سے مال پاکیزہ اور طاہر ہو جاتا ہے۔ بعض نے ''اَزْكٰى'' کو اکثر کے معنی میں لیا ہے اس صورت میں ''اَزْكٰى طَعَامًا'' کا معنی ہوگا کہ کون زیادہ کھانا دیتا ہے۔ جب کھیتی بڑھ جائے تو عرب کہتے ہیں: ''زَكَى الزَّرْعُ'' اسی طرح شاعر کے مندرجہ ذیل شعر میں بھی یہ لفظ کثرت کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

قَبَائِلُنَا سَبْعٌ وَاَنْتُمْ ثَلَاثَةٌ
وَلَلسَّبْعُ اَزْكٰى مِنْ ثَلَاثٍ وَاَطْيَبُ

لیکن پہلا قول صحیح ہے کیونکہ ان کا مقصود پاکیزہ اور حلال کھانے کا حصول تھا خواہ وہ زیادہ ہو یا کم اور انہوں نے اس مقصد کیلئے جانے والے کو تاکید کردی کہ اسے آنے جانے اور کھانا خریدنے میں مکمل احتیاط برتنی چاہیے اور جہاں تک ممکن ہو لوگوں کی نگاہوں سے بچ کر رہنا چاہیے اور وہ کسی کو تمہاری موجودگی کا احساس نہ ہونے دے، کیونکہ اگر انہیں تمہاری موجودگی کا علم ہو گیا تو وہ تمہیں سنگسار کرکے ہلاک کردیں گے یا پھر اپنے باطل مذہب میں جبر و تشدد کے ذریعے دوبارہ لے آئیں گے۔ یعنی دقیانوس بادشاہ کے آدمیوں سے انہیں خطرہ تھا کہ اگر انہیں ان کی بھنک پڑگئی تو وہ انہیں گرفتار کرکے انواع و اقسام کے عذاب دیں گے، پھر انہیں یا تو ان کے باطل دین کو مجبوراً قبول کرنا پڑے گا یا پھر موت کی آغوش میں جانا ہوگا، کہنے لگے کہ اگر تم نے ان کفار کی موافقت کرتے ہوئے ان کا دین قبول کرلیا تو نہ دنیا میں تمہارے لیے فلاح ہوگی اور نہ آخرت میں، اسی لیے فرمایا: وَلَنْ تُفْلِحُوْۤا ۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْۤا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝

"اور بستی والوں کو ہم نے اچانک آگاہ کردیا ان (اصحاب کہف) پرتا کہ وہ جان لیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور بلاشبہ قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔ جب وہ بستی والے جھگڑ رہے تھے آپس میں ان کے معاملہ میں تو بعض نے کہا کہ (بطور یادگار) تعمیر کرو ان کے غار پر کوئی عمارت۔ ان کا رب ان کے احوال سے خوب واقف ہے۔ کہنے لگے وہ لوگ جو غالب تھے اپنے کام پر کہ بخدا ہم تو ضرور ان پر ایک مسجد بنائیں گے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے لوگوں کو ان کے حال پر مطلع کردیا تاکہ انہیں علم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں، کہتے ہیں کہ اس زمانے کے لوگ دوبارہ زندہ کیے جانے اور قیامت کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار تھے، ان میں سے ایک جماعت کا عقیدہ تھا کہ صرف روحانی حشر ہوگا نہ کہ جسمانی حشر، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو صحیح و سالم بیدار کرکے اپنی قدرت اور دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے جانے کا ناقابل تردید ثبوت دیدیا۔ کہتے ہیں کہ جب اصحاب کہف میں ایک شخص خورد و نوش کا سامان لینے کیلئے شہر کی طرف نکلا تو سارا ماحول اجنبی محسوس ہونے لگا۔ وہ بھیس بدل کر عام رستہ سے ہٹ کر شہر پہنچا۔ اس شہر کا نام افسوس تھا(1)۔ کھانا لانے والے صاحب یہ گمان کیے ہوئے تھے کہ انہیں شہر سے نکلے کوئی زیادہ عرصہ نہیں ہوا لیکن ادھر تو ہر چیز کا نقشہ ہی بدل چکا تھا، شہر اور در و دیوار کچھ اور ہی داستان سنا رہے تھے اور لوگ بھی وہ نہیں تھے جنہیں وہ چھوڑ کر گئے تھے، ہر چیز میں انقلاب آچکا تھا، شہر کی کوئی نشانی نہیں دکھائی دے رہی تھی جس کا اسے علم تھا اور نہ ہی کسی خاص و عام کے ساتھ ملاقات ہو رہی تھی، حیران و ششدر ہو کر اپنے دل میں سوچنے لگا کہ شاید مجھے جنون لاحق ہو گیا ہے یا کوئی اور عارضہ ہو گیا ہے یا پھر میں خواب دیکھ رہا ہوں لیکن پھر خیال آیا کہ ایسی تو کوئی بات نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس شہر کی وہ حالت نہیں ہے جس پر گزشتہ شام اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس شہر سے جلد از جلد نکل جانا میرے لیے بہتر ہے۔ وہ ایک نانبائی کے پاس گئے اور اسے سکہ دیکر کھانا طلب کیا۔ جب نانبائی نے اس سکہ کو دیکھا تو وہ ہکا بکا رہ گیا، اس نے اسے اپنے پڑوسی کو دیا اور لوگ بھی اکٹھے ہوگئے۔ سبھی اس سکے کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ کوئی خزانہ اس

1۔ تاریخ طبری جلد 1 صفحہ 603

شخص کے ہاتھ لگا ہے۔ چنانچہ وہ دریافت کرنے لگے کہ تم نے یہ سکہ کہاں سے لیا ہے، شاید تمہیں کوئی خزانہ ملا ہے اور بتاؤ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اسی شہر کا باشندہ ہوں کل شام کے وقت ہی میں یہاں سے گیا تھا، یہاں کا بادشاہ دقیانوس ہے، یہ سن کر انہوں نے کہا کہ یہ مجنون ہے اور انہیں لے کر حاکم شہر کے پاس چل دیئے۔ حاکم کے پوچھنے پر انہوں نے سارے حالات اس کے گوش گزار کر دیئے، حاکم اور باقی تمام لوگ بڑے حیران تھے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ آخر طے یہ ہوا کہ غار کی طرف چلتے ہیں، حاکم اور سبھی لوگ غار کی طرف روانہ ہوئے، جب غار کے پاس پہنچے تو کھانا لانے والے ساتھی نے کہا کہ تم ذرا انتظار کرو تاکہ میں اپنے ساتھیوں کو اطلاع کر دوں، جب وہ اندر داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح مخفی کر دیا کہ لوگوں کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وہ کدھر گیا ہے اور اسی طرح باقی ساتھیوں پر بھی خفاء کے پردے ڈال دیئے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ لوگ اصحاب کہف کے پاس گئے، ان کی زیارت کی اور حاکم شہر نے نہ صرف انہیں سلام کیا بلکہ ان سے معانقہ بھی کیا۔ وہ بذات خود مسلمان تھا اور اس کا نام تیدوسیس تھا۔ اس حاکم سے مل کر اصحاب کہف کو بڑی مسرت ہوئی، اس سے گفتگو ہوئی۔ پھر دعا وسلام کے ساتھ اسے رخصت کرنے کے بعد اپنی اپنی آرام گاہ میں لیٹ گئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے طبعی وفات پائی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک جہاد تھے۔ ان کا گزر رومی علاقے میں ایک غار سے ہوا جہاں انہوں نے کچھ ہڈیاں دیکھیں۔ ایک آدمی کہنے لگا کہ یہ اصحاب کہف کی ہڈیاں ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین سو سال سے زائد عرصہ گزرنے کے باعث ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو گئی ہیں (1)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے جس طرح اصحاب کہف کو سلایا اور پھر اسی ہیئت پر بیدار کیا، اسی طرح ہم نے اس زمانے کے لوگوں کو ان کے متعلق مطلع کر دیا تاکہ وہ پہچان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب لوگ قیامت کے متعلق جھگڑتے تھے، کچھ لوگ اس کے قائل تھے اور کچھ منکر، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اصحاب کہف پر مطلع کر کے وقوع قیامت کی ناقابل تردید دلیل دے دی۔ اب وہ کہنے لگے: ابْنُوْا عَلَیْهِمْ بُنْیَانًا یعنی غار کا دہانہ بند کر دو اور انہیں اپنی حالت پر چھوڑ دو، ان کا رب ان کے متعلق بہتر جانتا ہے۔ لیکن جو لوگ اپنے کام پر غالب تھے وہ کہنے لگے کہ ہم ضرور ان کے قریب مسجد بنائیں گے۔ امام ابن جریر نے ان لوگوں کے متعلق دو قول نقل کیے ہیں ایک یہ کہ ان میں سے مسلمانوں نے یہ بات کہی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بات کرنے والے مشرک تھے۔ بہر کیف بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اثر ورسوخ والے لوگ تھے، لیکن کیا وہ اس بات میں قابل تعریف ہیں یا نہیں؟ یہ بات محل نظر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہود ونصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا'' (2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب عراق میں حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر کا سراغ ملا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا اور اس رقعہ کو بھی دفن کرنے کا حکم دیا جو وہاں سے ملا تھا اور اس میں لڑائیوں وغیرہ کا ذکر تھا۔

سَیَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَ یَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَیْبِ ۚ وَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 217 2۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز جلد 2 صفحہ 111، صحیح مسلم، کتاب المساجد جلد 1 صفحہ 376

نوٹ: اس حدیث شریف میں قبروں کو مسجد بنانے کی ممانعت سے مقصود یہ ہے کہ قبروں کی طرف سجدہ نہ کیا جائے جیسے کہ حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ نیز اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء کرام کے مزارات کے قریب مسجد بنانا جائز ہے تاکہ آنے والے اس میں عبادت کریں، ان سے تبرک حاصل کریں اور ان بزرگوں کی یاد تازہ ہوتی رہے۔ بزرگوں کے قریب مسجد بنانے میں ان لوگوں کے پیش نظر یہی مقاصد کار فرما تھے۔

یَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ ۫ فَلَا تُمَارِ فِیْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّ لَا تَسْتَفْتِ فِیْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا۠ ﴿۲۲﴾

”کچھ کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا۔ کچھ کہیں نے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ سب تخمینے ہیں بن دیکھے۔ اور کچھ کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ آپ فرمائیے (اس بحث کو رہنے دو) میرا رب بہتر جانتا ہے ان کی تعداد کو (اور) نہیں جانتے ان (کی صحیح تعداد) کو مگر چند آدمی۔ سو بحث نہ کرو ان کے بارے میں بجز اس کے کہ سرسری سی گفتگو ہو جائے۔ اور نہ دریافت کرو ان کے متعلق (اہل کتاب) میں سے کسی اور سے“۔

اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں اختلاف بیان کرتے ہوئے لوگوں کے تین اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چوتھا قول کوئی نہیں۔ پہلے دونوں قولوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر ضعیف کر دیا: رَجْمًۢا بِالْغَیْبِ یعنی یہ بن دیکھے تخمینے اور بغیر جانے قیاس آرائیاں ہیں، بالکل ایسے ہی جس طرح ایک شخص اندازے سے ایک غیر معروف جگہ پر نشانہ لگاتا ہے تو ایسا پتھر یا تیر عموماً خطا جاتا ہے اور اگر نشانہ لگ جائے تو وہ محض اتفاقی اور بلاقصد ہوتا ہے۔ تیسرا قول بیان کر کے سکوت اختیار فرمایا یا وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ فرما کر اسے ثابت کر دیا تو یہ اس قول کی صحت پر دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ حقیقت بالکل اسی طرح ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس فرمان قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ کے ذریعے رہنمائی فرمادی کہ ایسے موقعہ پر بہتر یہی ہے کہ حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے کیونکہ بغیر علم کے ایسے معاملات میں قیاس آرائیاں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، جب کسی چیز پر آگاہی ہو جائے تو اسے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن علم نہ ہو تو خاموشی اختیار کرنی چاہیے پھر فرمایا: مَّا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ یعنی بہت کم لوگ ان کی صحیح تعداد کو جانتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان قلیل افراد میں سے ہوں جن کی اللہ تعالیٰ نے استثناء کی ہے۔ ان کی تعداد سات تھی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے ہمارے اس موقف کی تائید ہوتی ہے کہ ان کی تعداد سات تھی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو بہت ہی کم عمر، روشن رو اور عنفوان شباب میں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے، گریہ وزاری کرتے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے رہتے تھے، وہ آٹھ افراد تھے۔ مکسلمینا، یہ سب سے بڑے تھے اور انہوں نے ہی سب کی نمائندگی کرتے ہوئے بادشاہ سے گفتگو کی تھی۔ بقیہ کے نام یہ ہیں: یملیخا، مرطونس، کسطونس، بیرونس، دنیموس، یطبونس اور قالوش (2)۔ اس روایت میں ان کی تعداد آٹھ ذکر کی گئی ہے۔ ممکن ہے یہ ابن اسحاق کا اپنا قول ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح روایت میں ان کی تعداد سات بتائی گئی ہے اور آیت کا ظاہر بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے۔ شعیب جبائی نے ان کے کتے کا نام حمران بتایا ہے لیکن اصحاب کہف کے نام اور ان کے کتے کے نام کی صحت محل نظر ہے۔ ان میں سے بہت سی چیزیں اہل کتاب سے ماخوذ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَا تُمَارِ فِیْهِمْ یعنی آپ ان کے بارے میں کسی سے بحث و تمحیص نہ کریں۔ ہاں اگر سرسری طور پر گفتگو ہو جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ (تعداد) معمولی معاملہ ہے جس کے ساتھ کوئی بڑا فائدہ وابستہ نہیں اور نہ ہی آپ ان کے متعلق کسی سے دریافت کریں کیونکہ لوگوں کو اس بارے میں ذرہ برابر بھی علم نہیں، وہ تو اپنی خیال آرائی کرتے ہوئے ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ کوئی صحیح دلیل ان کے پاس نہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق سے نوازا ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور یہی قول فیصل اور تمام کتب و

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 226
2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 201، محاسن القرآن للسیوطی: 138

اقوال پر مقدم اور حاکم ہے۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾

"ہرگز نہ کہنا کسی چیز کے متعلق کہ میں اسے کرنے والا ہوں کل۔ مگر (یہ کہ ساتھ یہ بھی کہو) اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے۔ اور یاد کیا کرا پنے رب کو جب تو بھول جائے۔ (یہ بھی) کہو کہ مجھے امید ہے کہ دکھادے گا مجھے میرا رب اس سے بھی قریب تر ہدایت کی راہ"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو ادب سکھا رہا ہے کہ جب آپ مستقبل میں کسی کام کے کرنے کا عزم کرلیں تو ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ کر اس معاملے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد کردیں، کیونکہ تمام غیوب کا علم صرف اسے ہے، وہ جانتا ہے جو کچھ ہوا، جو کچھ ہوگا اور جو نہیں ہوا اور وہ ہر چیز کی کیفیت کے متعلق بھی علم رکھتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے کہا کہ میں آج کی رات اپنی ستر، دوسری روایت کے مطابق نوے اور ایک تیسری روایت کے مطابق سو بیویوں کے پاس جاؤں گا، ان میں سے ہر ایک بچے کو جنم دے گی جو راہ خدا میں جہاد کرے گا۔ ایک فرشتے نے آپ سے کہا کہ ان شاء اللہ کہیے لیکن آپ علیہ السلام نے نہ کہا، چنانچہ آپ باری باری اپنی بیویوں کے پاس گئے اور بجز ایک بیوی کے کسی کے ہاں بھی بچہ پیدا نہ ہوا اور جو پیدا ہوا وہ بھی نصف۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو حانث نہ ہوتے بلکہ ان کی خواہش پوری ہو جاتی"۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ وہ تمام کے تمام شہسوار بن کر راہ خدا میں جہاد کرتے (1)۔

سورت کے آغاز میں ہم اس آیت کا شان نزول بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے جب اصحاب کہف کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں کل جواب دوں گا اور ان شاء اللہ نہ کہا، اس سبب سے پندرہ دن وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ اس روایت کو ہم نے وضاحت کے ساتھ بیان کردیا ہے، یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ جب تم استثناء (ان شاء اللہ کہنا) بھول جاؤ تو جس وقت یاد آجائے، کہہ لیا کرو۔ یہ قول ابو العالیہ اور حسن بصری کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو حلف اٹھائے کہ اسے ان شاء اللہ کہنے کا حق حاصل ہے اگرچہ ایک سال گزر جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی اپنی قسم یا اپنے کلام میں ان شاء اللہ کہنا بھول گیا تو جب اسے یاد آئے کہہ لے اگرچہ ایک سال بعد ہی اسے یاد آئے۔ حتیٰ کہ اگر وہ قسم توڑ چکا ہے تو بھی ان شاء اللہ کہہ لے لیکن یہ مطلب نہیں کہ اسے قسم توڑنے کا اختیار حاصل ہو گیا اور کفارہ کو ساقط کرنے کی گنجائش مل گئی۔ ابن جریر کا بیان کردہ یہ مفہوم ہی صحیح ہے اور اسی پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو محمول کیا جائے گا۔ عکرمہ "اِذَا نَسِیْتَ" کا معنی اذا غضبت (جب تو غضبناک ہو جائے گا) بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ان شاء اللہ بھول جانا ہے۔ یعنی جب تم ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے کہہ لو۔ فرماتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے کسی اور کی وہی ان شاء اللہ معتبر ہے جو قسم کے ساتھ متصل ہو۔ اس آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی بات بھول جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کیونکہ نسیان شیطان کی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان جلد 5 صفحہ 192، صحیح مسلم، کتاب الایمان جلد 3 صفحہ 1275
2۔ معجم کبیر جلد 11 صفحہ 268

طرف سے ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ (الکہف: 63) ''اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں''۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر شیطان کو بھگا دیتا ہے، جب شیطان بھاگ گئے تو نسیان بھی جاتا رہتا ہے۔ اس لئے اللہ کا ذکر یاد کا ذریعہ ہے، اسی وجہ سے فرمایا: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ۔ آگے فرمایا: وَقُلْ عَسٰٓی یعنی جب تم کسی نامعلوم چیز کے متعلق دریافت کرنا چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے دریافت کرو، اسی کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہو جاؤ اور اس سے رشد و ہدایت کی توفیق مانگو۔ اس کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں۔

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ۫ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

''اور (اہل کتاب کہتے ہیں کہ) وہ ٹھہرے رہے اپنے غار میں تین سو سال اور زیادہ کئے انہوں نے (اس پر) نو سال۔ آپ فرمایئے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جتنی مدت وہ ٹھہرے۔ اسی کے لئے (علم) غیب ہے آسمانوں اور زمین کا۔ وہ بڑا دیکھنے والا ہے اور سب باتیں سننے والا ہے۔ نہیں ان کا اس کے سوا کوئی دوست۔ اور وہ نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو اس مدت میں آگاہ فرما رہا ہے جو اصحاب کہف نے بحالت نیند غار کے اندر گزاری۔ یہ مدت قمری حساب سے تین سو نو سال تھی اور شمسی اعتبار سے تین سو سال کیونکہ شمسی اور قمری سالوں میں تفاوت ہے۔ ہر سو سال پر تین سالوں کا فرق پڑتا ہے، اس لئے تین سو کا ذکر کرنے کے بعد نو کو بیان کیا۔

اب اس چیز کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ جب آپ سے غار میں ان کے ٹھہرنے کی مدت دریافت کی جائے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگاہ نہ کیا گیا ہو تو آپ آگے بڑھ کر اپنی طرف سے کوئی چیز بیان نہ کریں بلکہ اس قسم کے حالات میں یوں کہیے: اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا۔ یعنی اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے یا اس شخص کو جسے اللہ تعالیٰ آگاہ فرما دے۔ اصحاب کہف کی غار میں ٹھہرنے کی مدت کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا ہے وہی موقف مجاہد جیسے اکثر علماء تفسیر کا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ قول وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ اہل کتاب کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا حضرت عبداللہ کی قرأت ''وَقَالُوْا وَلَبِثُوْا ..'' اس کی تائید کرتی ہے۔ یعنی مذکورہ مدت اہل کتاب کی بیان کردہ ہے(1)۔ قتادہ کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ اہل کتاب کے ہاں شمسی حساب مروج تھا، اس اعتبار سے ان کے ہاں تین سو سال کی مدت بنتی ہے، اگر اللہ تعالیٰ اہل کتاب کا قول نقل کرتا تو صرف ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ کا ذکر کرتا اور وَازْدَادُوْا تِسْعًا نہ فرماتا۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے نہ کہ اہل کتاب کے قول کی حکایت۔ ابن جریرؒ نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت منقطع ہے بلکہ جمہور کی قرأت کے مقابلے میں شاذ ہے اس لئے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

فرمایا: اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ یعنی وہ بہت دیکھنے والا اور خوب سننے والا ہے۔ یہ اسلوب مدح میں مبالغہ کا فائدہ دے رہا ہے، یعنی وہ کیا ہی

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 230

خوب دیکھنے اور سننے والا ہے اوہ ہر موجود کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے اور ہر آواز کو پوری طرح سن رہا ہے، کوئی چیز اس پر مخفی نہیں(1)۔ قتادہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ نہ کوئی اس سے زیادہ دیکھنے والا ہے اور نہ کوئی اس سے زیادہ سننے والا ہے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ وہ سب کے اعمال دیکھ رہا ہے اور سب کی باتیں سن رہا ہے۔ آخر میں فرمایا: مَا لَهُم مِّن دُونِهِ یعنی ہر قسم کی تخلیق اور ہر نوع کا امر اللہ تعالیٰ کیلئے ہی مخصوص ہے۔ اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا، نہ کوئی اس کا وزیر ہے، نہ مددگار، نہ شریک اور نہ مشیر، وہ ہر قسم کے عیب، کمزوری اور نقص سے بالا، پاک اور مقدس ہے۔

وَ اتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

"اور پڑھ سنایئے (انہیں) جو وحی کیا جاتا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی کتاب سے۔ کوئی بدلنے والا نہیں اس کے ارشادات کا۔ اور نہیں پائیں گے آپ اس کے سوا کوئی پناہ گاہ۔ اور روکے رکھئے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام طلب گار ہیں اس کی رضا کے اور نہ ہٹیں آپ کی نگاہیں ان سے۔ کیا آپ چاہتے ہیں دنیوی زندگی کی زینت۔ اور نہ پیروی کیجئے اس (بدنصیب) کی غافل کر دیا ہے ہم نے جس کے دل کو اپنی یاد سے اور وہ اتباع کرتا ہے اپنی خواہش کا اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی تبلیغ کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے: لَا مُبَدِّلَ یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو نہ کوئی بدلنے والا ہے، نہ کوئی ٹالنے والا ہے اور نہ کوئی ان میں تحریف کرنے والا ہے۔ مجاہد "ملتحد" کا معنی پناہ گاہ بتاتے ہیں اور قتادہ کہتے ہیں اس کا معنی ہے مددگار اور کارساز۔ ابن جریر اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اگر آپ نے اپنے رب کی کتاب کی تلاوت و تبلیغ ترک کر دی تو پھر آپ کیلئے کوئی پناہ گاہ نہیں ہوگی جیسا کہ فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدة:67) "اے رسول ﷺ پہنچا دیجئے جو آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا، اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا"، اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ (القصص:85) "یعنی اللہ تعالیٰ آپ سے فریضہ تبلیغ کے متعلق ضرور پوچھے گا"۔

فرمایا: وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ یعنی آپ ان کے ساتھ بیٹھیں جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور اس کی حمد، تسبیح، تہلیل اور تکبیر میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ بندگان خدا سوال بھی اسی سے کرتے ہیں۔ آپ صرف ان کی طرف نظر عنایت کریں خواہ یہ فقیر ہوں یا غنی، طاقتور ہوں یا کمزور۔ کہتے ہیں کہ رؤسائے قریش نے نبی کریم ﷺ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ صرف ان کے ساتھ بیٹھا کریں اور بلال، عمار، صہیب، خباب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے فقیر صحابہ کو ان کے ساتھ اپنی مجلس میں نہ آنے دیا کریں، ان کیلئے الگ مجلس میں ان کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 232

انفرادی حیثیت قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ (الانعام: 52) "اور نہ دور ہٹاؤ انہیں جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں" اور مزید آپ کو یہ حکم ہوا کہ آپ ان جانثار اور مخلص صحابہ کی مجلس میں ہی بیٹھا کریں، فرمایا: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چھ صحابہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، میں، ابن مسعود، ایک ہذیل کا شخص، بلال اور دو آدمی جن کے نام مجھے یاد نہیں رہے، اسی اثناء میں مشرکین وہاں آ گئے، وہ نبی کریم ﷺ سے کہنے لگے کہ ان بے نواؤں کو دور ہٹا دو تاکہ یہ ہمارے ساتھ بیٹھنے کی جسارت نہ کرسکیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دل میں کوئی بات آئی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، اس وقت یہ آیت وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ نازل ہوئی (1)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک قصہ گو قصہ گوئی کر رہا تھا، اس دوران رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے تو وہ خاموش ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "تم بیان کرتے رہو، صبح سے لے کر طلوع آفتاب تک اس مجلس میں بیٹھنا مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے" (2)۔ ایک روایت میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "اس قسم کی مجلس میں بیٹھنا مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے" (3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نماز فجر سے طلوع آفتاب تک اللہ کی یاد کرنے والے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ عزیز ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے اور نماز عصر سے غروب آفتاب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مجھے اولاد اسماعیل سے آٹھ (گراں قیمت) غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے، جن میں سے ہر ایک کی دیت بارہ ہزار ہو" (4)۔ مجموعی قیمت چھیانوے ہزار بنی۔ بعض لوگ یہاں چار غلام بتاتے ہیں لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے آٹھ غلام کہے تھے۔ نبی کریم ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا جب اس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو خاموش ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "یہی ان لوگوں کی مجلس ہے جن کے ساتھ اپنے آپ کو روکے رکھنے کا مجھے حکم ہوا ہے" (5)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی سورہ حج کی تلاوت کر رہا تھا یا سورہ کہف کی، جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو وہ خاموش ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہی تو وہ اہل مجلس ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے کا مجھے حکم ملا ہے۔" جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے کی غرض سے جمع ہوں اور اس سے مقصود صرف رضائے الٰہی کا حصول ہو تو ایک منادی آسمان سے ندا دیتے ہوئے انہیں کہتا ہے کہ اٹھو اس حال میں کہ تمہارے گناہ بخش دیے گئے ہیں اور تمہاری برائیاں نیکیوں میں بدل دی گئی ہیں" (6) ایک روایت میں آتا ہے کہ جب یہ آیت اتری تو اس وقت آپ ﷺ اپنے کسی گھر میں تھے، آپ ﷺ فوراً ان کی تلاش میں نکلے، وہ یاد الٰہی میں مشغول تھے، کچھ ژولیدہ سر، خشک کھال والے اور ایک ہی کپڑا اپنے ہوئے تھے۔ جب آپ نے انہیں دیکھا تو ان کی مجلس میں بیٹھ گئے اور فرمایا: "تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کیے ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے کا اس نے مجھے حکم دیا ہے" (7)۔ پھر فرمایا: وَلَا تَعْدُ عَیْنٰكَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ ان نادار صحابہ سے تجاوز کر کے خوشحال اور اصحاب شرف لوگوں کی طرف متوجہ ہو جانا یعنی ان کے بدلے میں آپ دین سے برگشتہ مالدار لوگوں کو طلب نہ کریں، اور نہ ہی اس کی پیروی کریں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 4 صفحہ 1878
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 261
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 374
4۔ مسند ابی داود طیالسی، 281
5۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 94-95
6۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 142
7۔ مسند ابو یعلیٰ، جلد 3 صفحہ 457

ہے، اور اس کے اعمال حماقت، تفریط اور ضیاع پر مبنی ہیں، نہ ایسے شخص کی اطاعت کرنا، نہ اس کے طریقے کو پسند کرنا اور نہ ہی اس کی حالت پر رشک کرنا جیسا کہ فرمایا: وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ (طٰہٰ:131) "اور آپ مشتاق نگاہوں سے مت دیکھئے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے کافروں کے چند گروہوں کو، یہ محض دنیاوی زندگی کی زیب و زینت ہے، (مقصد یہ ہے) تاکہ ہم انہیں ان سے آزمائیں اور آپ کے رب کی عطا بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے"۔

وَقُلِ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظَّٰلِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِن يَسْتَغِيثُوا۟ يُغَاثُوا۟ بِمَآءٍ كَٱلْمُهْلِ يَشْوِى ٱلْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ ٱلشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٢٩﴾

"اور فرمایئے حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پس جس کا جی چاہے وہ ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر کرتا رہے۔ بیشک ہم نے تیار کر رکھی ہے ظالموں کے لئے آگ۔ گھیر لیا ہے انہیں اس آگ کی دیواروں نے اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی کی جائے گی ایسے پانی کیساتھ جو پیپ کی طرح (غلیظ) ہے (اور اتنا گرم کہ) بھون ڈالتا ہے چہروں کو یہ مشروب بڑا ناگوار ہے۔ اور یہ قرارگاہ بڑی تکلیف دہ ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ لوگوں کو آگاہ کر دیں کہ جو پیغام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس لایا ہوں وہ حق ہے، اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں، اب جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر کرتا رہے، ان الفاظ کے ذریعے شدید دھمکی اور عذاب کی وعید سنائی جا رہی ہے۔ اس لئے فرمایا: إِنَّآ أَعْتَدْنَا یعنی ہم نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنے والے ظالموں کیلئے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی چار دیواری میں یہ گھرے ہوں گے۔ سرادق کا معنی ہے چار دیواری۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لِسُرَادِقِ النَّارِ أَرْبَعَةُ جُدُرٍ كِثَفُ كُلِّ جِدَارٍ مِثْلُ مَسَافَةِ أَرْبَعِينَ سَنَةً" (1) یعنی جہنم کی چار دیواریں ہیں، ہر دیوار کی موٹائی اتنی ہے کہ اسے طے کرنے میں چالیس سال کا عرصہ درکار ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی سرادق کا معنی دیوار بتایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سمندر بھی جہنم سے ہے" آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ وہ کیسے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے "نارا احاط۔۔۔" کی تلاوت کی، پھر فرمایا: "اللہ کی قسم! میں اس میں کبھی بھی داخل نہیں ہوں گا، جب تک میں زندہ ہوں اس کا ایک قطرہ تک مجھے نہیں پہنچ سکتا (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ "مهل" کا معنی بتاتے ہیں: تیل کے نیچے جمے ہوئے تلچھٹ کی طرح کا غلیظ پانی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ خون اور پیپ جیسی چیز۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ چیز ہے جو انتہائی گرم ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر پگھلی ہوئی چیز کو "مھل" کہا جاتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سونا پگھلایا، جب اس نے مائع کی شکل اختیار کر لی اور جوش مارنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ یہ "مھل" کے مشابہ ہے (3)۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد جہنم کا سیاہ پانی ہے جہنم بھی سیاہ ہے اور جہنمی بھی سیاہ۔ "مھل" کی وضاحت میں یہ اقوال ایسے ہیں جو ایک

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ جہنم، جلد 10 صفحہ 53، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 29

2۔ تفسیر الطبری، جلد 15 صفحہ 239 3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 239-240

دوسرے کی نفی اور تردید نہیں کرتے کیونکہ "مھل" کے اندر یہ تمام اوصاف رذیلہ پائے جاتے ہیں، یہ سیاہ، بدبودار، غلیظ اور سخت گرم ہے، اس لئے فرمایا: یَشْوِی الْوُجُوْهَ یعنی اپنی شدید حرارت کے باعث یہ چہروں کو بھون ڈالتا ہے۔ جب کافر اسے پینے کے ارادے سے اپنے چہرے کے قریب لائے گا تو اس کا چہرہ بری طرح جھلس جائے گا، حتی کہ چہرے کی کھال اس میں آگرے گی جیسا کہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے "مَآءٌ كَالْمُهْلِ" کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تیل کے تلچھٹ جیسا ہے، جب جہنمی اسے اپنے قریب لائے گا تو اس کے چہرے کی کھال جھلس کر اس میں گر جائے گی (1)۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۙ﴿16﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ (ابراہیم: 16) کی تفسیر میں فرمایا کہ اس پیپ کو اس کے قریب لایا جائے گا تو وہ اس سے کراہت محسوس کرے گا، چہرے کے پاس آتے ہی، وہ اسے بھون ڈالے گا اور سر کی کھال نیچے آگرے گی اور جب وہ اسے پیے گا، اس کی آنتیں کٹ جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا ... حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جہنمیوں کو بھوک لگے گی تو وہ فریاد کریں گے، چنانچہ زقوم کے درخت سے ان کی فریاد رسی کر دی جائے گی۔ جب وہ اسے کھائیں گے تو ان کے چہروں کی کھالیں اس طرح ادھڑ جائیں گی کہ انہیں پہچاننے والا ان کی کھالوں کو بھی پہچان لے گا۔ پھر جب انہیں پیاس ستائے گی تو پانی کیلئے فریاد کریں گے، چنانچہ انہیں کھولتا ہوا انتہائی گرم پانی دیا جائے گا، جب وہ اسے اپنے مونہوں کے قریب کریں گے تو اس کی شدید حرارت کے باعث چہروں کے گوشت بھون ڈالے جائیں گے اور چہروں کی کھال پہلے ہی گر چکی ہوگی (2)، اس پانی کی یہ قبیح اور مذموم صفات بیان کرنے کے بعد فرمایا: بِئْسَ الشَّرَابُ جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (محمد: 15) "اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے گا اور وہ ان کی آنتوں کو کاٹ دے گا"، تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ (الغاشیہ: 65) "انہیں پلایا جائے گا کھولتے ہوئے چشمے سے"، وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ (الرحمن: 44) "اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان" اور جہنم کے متعلق فرمایا: وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا یعنی دوزخ بہت ہی برا ٹھکانہ، قبیح منزل اور بری آرام گاہ ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا (الفرقان: 66) "بے شک وہ بہت برا ٹھکانا اور بہت بری جگہ ہے"۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿30﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ يَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَ حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿31﴾

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے (تو ہمارا یہ دستور ہے کہ) ہم ضائع نہیں کرتے کسی کا اجر جو عمدہ (اور مفید) کام کرتا ہے۔ یہی وہ خوش نصیب ہیں جن کے لئے ہمیشگی کے جنت ہیں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں۔ انہیں پہنائے جائیں گے ان جنتوں میں کنگن سونے کے اور پہنیں گے سبز رنگ کا لباس جو باریک ریشمی کپڑے اور موٹے ریشمی کپڑے کا بنا ہوا ہوگا تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے وہاں مرصع پلنگوں پر کتنا اچھا ہے یہ اجر۔ اور کتنی عمدہ ہے یہ آرام گاہ"۔

بدبخت لوگوں کے ذکر کے بعد اب ان سعادتمند افراد کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اس کے رسولوں اور ان کے لائے

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 71-70　　2۔ تفسیر الطبری، جلد 15، صفحہ 241

ہوئے پیغام کی تصدیق کی اور ان کے ارشادات کی روشنی میں نیک اعمال کرتے رہے، انہیں ہمیشگی والی دائمی جنتیں ارزانی فرمائی جائیں گی جن کے بالاخانوں اور رہائش گاہوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، فرعون نے کہا تھا: وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ (الزخرف:51) ''اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہہ رہی ہیں'' ان خوش بختوں کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، ایک اور مقام پر فرمایا: وَلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ (الحج:23) ''اور موتیوں کے ہار اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی'' یہاں اس لباس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا ...... ''سُنْدُس'' ''باریک نرم ریشم کو کہا جاتا ہے اور ''اِسْتَبْرَق'' ''نرم موٹے ریشم کو کہتے ہیں، اس میں چمک بھی ہوتی ہے۔ ''مُتَّكِـِٕيْنَ'' اِتِّکَاء سے ہے جس کا معنی بقول بعض پہلو کے بل لیٹنا ہے اور بعض نے اس کا معنی بتایا ہے چار زانو ہو کر بیٹھنا۔ یہی معنی یہاں موزوں معلوم ہوتا ہے، اس معنی میں یہ حدیث بھی ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''اَمَّا اَنَا فَلَا اٰكُلُ مُتَّكِئًا'' یہاں ''متکئا'' کے دونوں معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ''ارائك'' ''اَرِيكه'' کی جمع ہے اس سے مراد وہ نشست گاہ اور پلنگ ہے جس پر پردہ ڈال کر دلہن کیلئے آراستہ کیا گیا ہو۔ بعض نے اس کا معنی بیان کیا ہے: حجلہ عروسی میں رکھے ہوئے پلنگ۔ ان کے اجر وثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: نِعْمَ الثَّوَابُ. یعنی جنت ان کے اعمال صالحہ کا کتنا عمدہ اجر ہے اور یہ کس قدر اچھی آرامگاہ اور پیارا مقام ہے! اس کے برعکس دوزخیوں کیلئے یہ کہا تھا: بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا سورہ فرقان میں بھی بالکل اسی طرح دونوں کے درمیان تقابل ہے دوزخیوں کے متعلق فرمایا: اِنَّهَا سَاۗءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (الفرقان:66) ''بے شک وہ بہت برا ٹھکانا اور بہت بری جگہ ہے'' ان کے مقابلہ میں اہل ایمان کیلئے فرمایا: اُولٰۗىِٕكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (الفرقان:75-76)۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ
جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝۳۲ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْــــًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا
نَهَرًا ۝۳۳ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝۳۴ وَ
دَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝۳۵ وَّمَآ اَظُنُّ
السَّاعَةَ قَاۗىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝۳۶

''اور بیان فرمائیے ان کے لئے مثال دو آدمیوں کی ہم نے دیئے تھے ان دونوں میں سے ایک کو دو باغ انگوروں کے اور ہم نے باڑ بنادی ان دونوں کے اردگرد کھجور (کے درختوں) کی اور اگادی ان دونوں کے درمیان کھیتی۔ یہ دونوں باغ اپنے اپنے پھل لائے اور نہ کم ہوئی ان سے کوئی چیز۔ اور ہم نے جاری کردیں ان کے درمیان نہریں۔ اور (باغوں کے علاوہ) بھی اس کے اموال تھے۔ تو (ایک روز) اس نے اپنے ساتھی سے بحث مباحثہ کے دوران کہا کہ میں دولت کے لحاظ سے بھی تم سے زیادہ ہوں اور نفری کے لحاظ سے بھی تم سے طاقتور ہوں۔ اور (ایک دن) وہ اپنے باغ میں گیا درآنحالیکہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا۔ کہنے لگا میں نہیں خیال کرتا کہ (یہ سرسبز وشاداب) باغ کبھی برباد ہوگا۔ اور میں یہ خیال بھی نہیں کرتا کہ کبھی قیامت بھی برپا ہوگی۔ اور بفرض محال اگر مجھے لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میں پاؤں گا اس (نزہت گاہ) سے بہتر پلٹنے کی جگہ''۔

قبل ازیں ان مشرکین کا ذکر ہوا جو ازراہ نخوت وتکبر کمزور اور مسکین مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنا گوارہ نہیں کرتے تھے اور مالدار ہونے کی وجہ سے ان پر فخر کیا کرتے تھے۔ یہاں دو آدمیوں کی مثال بیان کی جا رہی ہے جن میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے انگوروں کے دو باغات مرحمت فرمائے، ان کے اردگرد کھجوروں کے درخت تھے اور درمیان میں کھیتی، تمام درخت اور کھیتیاں نہایت عمدہ اور بھرپور پیداوار دیتیں، اس لئے فرمایا: کِلْتَا الْجَنَّتَیْنِ یعنی دونوں باغات خوب پھل لاتے اور کسی چیز کی کی واقع نہ ہوتی، پھر ان باغات کے درمیان ادھر ادھر نہریں بھی جاری کر دیں۔ صرف اسی پر ہی بس نہیں بلکہ اسے مزید مال عطا فرمایا۔ حضرت ابن عباس مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ ''ثمر'' کا معنی مال ہے، بعض نے اس کا معنی پھل کیا ہے۔ یہی زیادہ ظاہر ہے اور ایک دوسری قرأت (ثُمُر) اس کی تائید کرتی ہے۔ اس صورت میں یہ ثمرہ کی جمع ہے جیسے خشبۃ کی جمع خشب۔ بعض دیگر حضرات نے اسے ثَمَر بھی پڑھا ہے۔ الغرض ان باغات کے مالک نے ایک دن بحث و مباحثہ کے دوران فخر وغرور کرتے ہوئے اور اپنی سروری کی دھاک بٹھاتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا اَنَا اَكْثَرُ یعنی میرے پاس مال و دولت بھی تم سے زیادہ ہے اور نوکر چاکر اور اولاد بھی تم سے زیادہ اور طاقتور۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ ایک فاجر شخص کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو اور طاقتور نفری میسر ہو۔

فرمایا: وَدَخَلَ - یہ شخص اپنے باغ میں داخل ہوا در اں حالیکہ وہ کفر، تمرد، تکبر، جبر اور انکار قیامت کے باعث اپنے اوپر ظلم کرنے والا تھا، جب اس نے اپنے باغات کے چاروں طرف پھلوں سے لدے درخت، لہلہاتی سرسبز فصلیں اور جاری نہریں دیکھیں تو تکبر وغرور سے خیال کرنے لگا کہ یہ چیزیں نہ فنا ہو سکتیں ہیں، نہ تلف ہونے والی ہیں اور نہ بربادی ان تک راہ پا سکتی ہے، حالانکہ یہ اس کی کم عقلی، کوتاہ بینی، ضعف اعتقاد، انکار آخرت اور دنیاوی زیب وزینت پر فریفتگی تھی جس کے سبب وہ یہ سمجھ بیٹھا تھا، اس لئے کہنے لگا: وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ... یعنی میرے خیال میں تو قیامت کبھی بھی نہیں آئے گی اور اگر بالفرض قیامت آ گئی اور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا بھی پڑا تو وہاں میں اس سے بھی زیادہ خوش نصیب ہوں گا اور دنیا سے بڑھ کر وہاں مجھے نوازا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مجھے خاص مرتبہ اور عزت حاصل ہے اور مجھے طرح طرح کی نعمتوں سے نوازنا اس بات کی دلیل ہے کہ واقعی میں اللہ تعالیٰ کا پیارا ہوں۔ اس چیز کو دیگر آیات میں یوں بیان کیا: وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى (فصلت:50) ''اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو یقیناً میرے لئے اس کے پاس اکرام ہی اکرام ہوگا''، اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا (مریم:77) ''کیا آپ نے اس کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور ضرور دیا جائے گا مال اور اولاد''۔ قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ شخص بڑی جسارت کرتا ہے، عاص بن وائل کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، اپنے مقام پر انشاء اللہ اس کا بیان ہوگا۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿٣٧﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٣٨﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٣٩﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاۗءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَاۗؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿٤١﴾

''اس کے ساتھی نے اسے بحث مباحثہ کے دوران کہا کیا تو انکار کرتا ہے اس ذات کا جس نے تجھے پیدا فرمایا مٹی سے پھر نطفہ سے پھر بنا سنوار کر تجھے مرد بنایا۔ لیکن میں، (تو) وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں شریک نہیں ٹھہراتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو اور کیوں ایسا نہ ہوا کہ جب تو باغ میں داخل ہوا تو تو کہتا ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ (وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کسی میں کوئی طاقت نہیں) اگر تو نے مجھے دیکھا کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں۔ پس عجب نہیں کہ میرا رب مجھے عطا فرما دے کوئی بہتر چیز تیرے (اس) باغ سے اور اتارے اس باغ پر (کوئی) آسمانی عذاب، تو ہو جائے یہ (سرسبز) باغ ایک چٹیل میدان۔ یا یوں جذب ہو جائے اس کا پانی زمین کی گہرائی میں کہ پھر تو اس کو تلاش کے باوجود نہ پاسکے''۔

کافر مالدار کو اس کے مومن نادار ساتھی نے وعظ وتلقین اور کفر وغرور پر سرزنش کرتے ہوئے کہا اَكَفَرْتَ ۔ یعنی یہ بہت ہی ناروا اور ناپسندیدہ بات ہے کہ تم اپنے خالق کا انکار کرو جس نے انسانی تخلیق کا آغاز مٹی سے کیا، یعنی آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر ایک حقیر سے قطرہ آب کے ذریعے ان کی نسل کا سلسلہ جاری کر دیا، جیسا کہ فرمایا: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ (البقرۃ:28) ''کیونکر تم اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے، اس نے تمہیں زندگی بخشی'' یعنی تم کیونکر اپنے رب کا انکار کرتے ہو حالانکہ تمہارا وجود اس کی ذات کی نشاندہی کرتا ہے، ہر شخص اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہر مخلوق پہلے معدوم تھی، پھر وجود میں آئی، اس کا وجود میں آنا نہ از خود ہے اور نہ کسی دوسری مخلوق کا کرشمہ، کیونکہ وہ بھی اس کی طرح خالق کی محتاج ہے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر مخلوق کا موجد صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہر چیز کو اس نے پیدا کیا ہے، اس لئے مومن نے کافر سے کہا: لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّیْ ۔ یعنی میں وہ بات کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا جو تم نے کی، بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت کا صدق دل سے اعتراف کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، پھر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دلاتے ہوئے کہا: وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ ۔ یعنی جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے اور طرح طرح کی نعمتیں دیکھ کر مسرور ہوئے تو تم نے ان انعامات اور مال واولاد جیسی دیگر نوازشات پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے یہ کیوں نہ کہا: مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ''وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہے، کوئی قوت نہیں ہے مگر اس کی توفیق سے''، اس لئے کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ جسے اپنا حال، مال یا اولاد پسند آجائے، اسے یہی مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔ کہنا چاہئے۔ یہ اسی آیت سے ماخوذ ہے۔ ایک حدیث مرفوع میں جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جس بندے پر اللہ تعالیٰ اہل وعیال، مال یا اولاد کی صورت میں انعام فرمائے اور وہ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہہ لے تو اس پر بجز موت کے کوئی آفت نہیں آئے گی'' اور آپ اس آیت کی تاویل کرتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں جنت کے ایک خزانے پر تمہاری رہنمائی نہ کردوں؟ وہ ہے: لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہنا'' (1)۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: ''کیا میں تمہیں ایک جنتی خزانہ نہ بتادوں؟'' لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا ''اے ابوہریرہ! کیا میں تمہیں عرش تلے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتادوں؟ میں نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان! ضرور بتلایئے۔ آپ نے فرمایا: لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھا کرو۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرے بندے نے اطاعت کی اور سر تسلیم خم

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 469

کر دیا"(1)، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھنا چاہئے، آپ نے فرمایا کہ صرف یہی نہیں بلکہ وہ جو سورہ کہف میں ہے یعنی مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔

اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مومن کہنے لگا: فَعَسٰى رَبِّیْٓ... یعنی مجھے امید ہے میرا رب مجھے آخرت میں تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمائے گا اور تمہارے باغ پر جس کے متعلق تو خیال کیے بیٹھا ہے کہ یہ کبھی بھی فنا نہیں ہوگا، آسمان سے عذاب نازل کر دے، شدید بارش برسنے لگے جو درختوں اور کھیتوں کو برباد کر کے رکھ دے، پھر وہاں صرف ایسی چکنی بنجر زمین باقی رہ جائے جہاں قدم پھسلنے لگیں اور وہ کوئی چیز اگانے کے قابل نہ رہے یا پھر اس کا پانی نیچے بہت زیادہ گہرائی میں چلا جائے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ (الملک:30) آپ پوچھئے اگر کسی صبح تمہارا پانی زمین کی تہہ میں اتر جائے تو تمہیں میٹھا صاف پانی کون لا دے گا؟"

یہاں غور (مصدر) بمعنی غائر (اسم فاعل) ہے اور یہاں مصدر کا استعمال زیادہ بلیغ ہے۔

وَاُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِیْهَا وَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَایَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَیْرٌ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾

"اور اس (کے باغ) کا پھل برباد ہو گیا پس وہ کف افسوس ملنے لگا اس مال کے نقصان پر جو اس نے باغ پر خرچ کیا تھا اور (اب) وہ گر پڑا تھا اپنے چھپروں پر اور (بصد حسرت) کہنے لگا کاش! میں نے کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنایا ہوتا۔ اور نہ رہی تھی اس کے پاس کوئی جماعت جو اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اور نہ وہ بدلہ لینے کے قابل تھا۔ یہاں سے ثابت ہو گیا کہ سارا اختیار اللہ سچے کے لئے ہے۔ وہی بہتر ثواب دینے والا ہے اور اس کے ہاتھ میں بہتر انجام ہے"۔

اس کا تمام مال یا دوسرے قول کے مطابق تمام پھل برباد ہو گیا اور اس کے ساتھ وہی ہوا جس سے مومن نے اسے خبردار کیا تھا، یعنی اس کا وہ باغ عذاب کی نذر ہو گیا جس پر وہ اتراتا تھا اور اس نے اسے یاد الٰہی سے غافل کر دیا تھا، وہ اس باغ پر خرچ کیے ہوئے مال کی بربادی پر کف افسوس ملنے لگا اور بصد حسرت کہنے لگا ہائے کاش! میں نے اپنے رب کا شریک نہ بنایا ہوتا، اس صورتحال میں اب وہ بے یارومددگار تھا، خاندان اور اولاد جن پر اسے ناز تھا اور جنہیں وہ اپنی قوت کا سرچشمہ سمجھتا تھا، وہ بھی اس کی مدد نہ کر سکے اور وہ خود بھی انتقام لینے کے قابل نہ رہا، یہاں سے ثابت ہو گیا کہ اختیار صرف اللہ سچے کے ہاتھ میں ہے۔ بعض قراء "هنالك" پر وقف کرتے ہیں اور اسے پہلے جملے کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں یعنی وہ اس مقام پر انتقام نہ لے سکا جہاں عذاب نازل ہوا تھا اور نہ اسے کوئی اس عذاب سے بچا سکا، اس صورت میں اَلْوَلَایَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ نیا جملہ ہوگا، جبکہ بعض قراء "منتصراً" پر وقف کرتے ہیں اور "هنالك" سے نئے جملے کا آغاز کرتے ہیں۔ پھر "ولاية" کی قرأت میں اختلاف ہے، بعض اس کی واؤ کو زبر دیتے ہیں، اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہر شخص کو خواہ وہ مومن ہو یا کافر اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کرنا ہے اور نزول عذاب کے وقت اس کے حضور سرتسلیم خم کرنا ہے جیسا کہ فرمایا: فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ و

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 325

كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ (غافر:84) "پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے ہم ایک اللہ پر ایمان لائے اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جنہیں ہم اس کا شریک ٹھہراتے تھے"۔ اسی طرح فرعون کے متعلق فرمایا: حَتّٰى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (یونس:91-90) "حتیٰ کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں بجز اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے تھے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ کیا اب؟ اور تو اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فتنہ و فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا"۔

بعض ولایۃ کی واؤ کو زیر کے ساتھ پڑھتے ہیں اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہاں حکم صرف اللہ حق کیلئے ہے، بعض نے لفظ "الحق" کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں "الولایۃ" کی صفت ہوگا جیسے فرمایا: اَلْمُلْكُ یَوْمَىِٕذِ ﹰالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَ كَانَ یَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا (الفرقان:26) "اس دن سچی بادشاہی رحمٰن کی ہوگی اور وہ دن کافروں کے لئے بہت مشکل ہوگا"، جبکہ بعض نے لفظ جلالہ کی صفت بناتے ہوئے اسے مجرور پڑھا ہے جیسے یہ فرمان ہے: ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ (الانعام:62) "پھر لوٹا دیے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا حقیقی مالک ہے" اس لئے فرمایا: هُوَ خَیْرٌ... یعنی جو اعمال خالص اس کیلئے کیے جائیں ان کا ثواب بہت بہتر اور ان کا انجام قابل تعریف ہوتا ہے۔

وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِیْمًا تَذْرُوْهُ الرِّیٰحُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ الْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

"بیان فرمایئے ان سے دنیوی زندگی کی (ایک اور) مثال یہ پانی کی طرح ہے جسے ہم نے اتارا ہے آسمان سے پس گنجان ہو کر اگتی ہے اس پانی سے زمین کی انگوریں پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ خشک بوسیدہ گھاس ہو جاتی ہے اڑائے پھرتی ہیں اسے ہوائیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ مال اور فرزند (تو صرف) دنیوی زندگی کی زیب و زینت ہیں اور (درحقیقت) باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے ہاں ثواب کے اعتبار سے اور بہتر ہیں جن سے امید وابستہ کی جاتی ہے"۔

دنیاوی زندگی کی بے ثباتی، زوال، فنا اور بربادی کی مثال بیان کی جارہی ہے، یہ آسمان سے اترنے والے پانی کی طرح ہے جو بیج کے ساتھ مل کر خوب گھنی فصل اگاتا ہے، سرسبز کھیت لہلہاتے لگتے ہیں اور خوبصورت کلیاں اور کونپلیں اپنی بہار دکھانے لگتی ہیں لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ نباتات خشک اور بوسیدہ ہو کر چور چور ہو جاتی ہیں، جنہیں ہوائیں ادھر ادھر اڑائے پھرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس حالت پر بھی اور اس حالت پر بھی پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ عموماً دنیاوی زندگی کی یہی مثال بیان فرماتا ہے جیسا کہ سورہ یونس میں فرمایا: اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُ (یونس:24) "دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی اتارا، سو پانی کے باعث زمین کی سرسبزی گھنی ہو کر اگی جس سے انسان بھی کھاتے ہیں اور حیوان بھی"، سورہ زمر میں فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا

اَلْوَانُهٗ (الزمر: 21) "کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اسے زمین کے چشموں سے جاری کیا، پھر اس کے ذریعے جدا جدا رنگوں والی فصلیں اگاتا ہے"۔ سورۂ حدید میں ارشاد ہوتا ہے: اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ (الحدید: 20) "خوب جان لو دنیوی زندگی محض کھیل، تماشا، آرائش، آپس میں اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال و اولاد حاصل کرنا ہے، اس کی مثال یوں سمجھو جیسے بادل برسے اور کسانوں کو اس کی کھیتی نہال کر دے"۔

حدیث صحیح میں آتا ہے: "اَلدُّنْیَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ" (1) یعنی دنیا سرسبز اور شیریں ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ان ارشادات کی طرح ہے: زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ (آل عمران: 14) "آراستہ کی گئی لوگوں کیلئے خواہشات کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور جمع کیے ہوئے خزانے سونے اور چاندی کے اور نشان زدہ گھوڑے"۔ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (التغابن: 15) "بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں اور اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے"۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا اور اس کی عبادت میں مشغول ہو جانا اموال و اولاد میں بالکل کھو جانے سے بہتر ہے، اسی لئے فرمایا: وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر اور متعدد علماء سلف کہتے ہیں کہ الباقیات الصالحات (باقی رہنے والی نیکیاں) سے مراد نماز پنجگانہ ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ"۔ اسی طرح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے باقیات صالحات کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہیں: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ"۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حارث بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اسی اثناء میں مؤذن آپ کے پاس آگیا تو آپ نے پانی منگوا کر وضو کیا فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اس طرح وضو کیا پھر فرمایا: "جس نے میرے اس وضو جیسا وضو کیا پھر اٹھ کھڑا ہوا اور نماز ظہر ادا کی تو اس کے فجر اور ظہر کے درمیان کے گناہ معاف ہو گئے، پھر عصر کی نماز پڑھی تو ظہر سے لے کر عصر تک کے گناہ بخش دیئے گئے، پھر نماز مغرب ادا کی تو عصر اور مغرب کے درمیان کے گناہ معاف ہو گئے، پھر عشاء کی نماز پڑھی تو عشاء اور مغرب کے درمیان کے گناہ بخش دیئے گئے، پھر رات کو وہ سویا رہا، پھر اگر اس نے اٹھ کر وضو کر کے نماز فجر ادا کر لی تو عشاء سے لے کر فجر تک کے گناہ معاف ہو گئے اور یہی وہ نیکیاں ہیں جو برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں"۔ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ یہ تو حسنات (نیکیاں) ہیں اور الباقیات الصالحات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہیں "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ" (2)۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ باقیات صالحات یہ ہیں: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" عمارہ کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیب نے مجھ سے پوچھا کہ الباقیات الصالحات کیا ہیں؟ میں نے کہا: نماز اور روزہ، آپ نے فرمایا کہ تم نے درست جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا: زکوٰۃ اور حج۔ آپ نے فرمایا:

1۔ اخرجہ الترمذی وابن ماجہ فی کتاب الفتن، عارضۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 41، ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 1325

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 71

یہ بھی نہیں، بلکہ وہ یہ پانچ کلمات ہیں: ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ''۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ باقیات صالحات یہ ہیں ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ''۔ عطاء بن ابی رباح کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد اس سے مراد یہ لیتے ہیں، ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ''۔ حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ''۔ یہ باقیات صالحات ہیں ابن جریر کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ'' ۔ یہ باقیات صالحات ہیں''(1)۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''باقیات صالحات بکثرت کیا کرو'' عرض کی گئی، یا رسول اللہ! یہ کیا ہیں؟ فرمایا: ''ملت''، عرض کی گئی، یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا: ''تکبیر، تہلیل، تسبیح، الحمد للہ اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ''(2)۔

سالم بن عبداللہ کے مولیٰ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ مجھے سالم نے محمد بن کعب قرظی کے پاس کسی کام کیلئے بھیجا تو انہوں نے کہا کہ سالم سے کہنا کہ وہ فلاں قبر کے قریب کونے میں میرے ساتھ ملاقات کریں، مجھے ان سے ایک ضروری کام ہے۔ چنانچہ دونوں کی ملاقات ہوئی، سلام دعا کے بعد سالم نے پوچھا کہ آپ باقیات صالحات سے کیا مراد لیتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ''۔ سالم نے ان سے کہا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ آپ نے کب سے اس میں شامل کرلیا؟ انہوں نے کہا کہ میں تو ہمیشہ سے اسے اس میں شامل کرتا چلا آرہا ہوں۔ دو تین بار یہی سوال و جواب ہوا لیکن سالم نہ مانے۔ آخر کار محمد بن کعب نے پوچھا کہ کیا آپ کو اس کلمے سے انکار ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، مجھے انکار ہے کیونکہ حضرت ابوایوب انصاری نے مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''مجھے آسمان پر لے جایا گیا، میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، انہوں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: محمد (ﷺ) چنانچہ انہوں نے مجھے اہلاً وسہلاً اور مرحبا کہا، پھر فرمایا: ''اپنی امت کو حکم دینا کہ وہ جنت میں بکثرت درخت لگائے، اس کی مٹی بڑی زرخیز اور زمین بہت فراخ ہے۔ میں نے پوچھا کہ جنتی درخت کیسے لگائیں؟ انہوں نے جواب دیا: ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ''(3) پڑھیں۔ ایک انصاری بیان کرتے ہیں کہ نماز عشاء کے بعد ہم مسجد میں تھے، اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لے آئے۔ آپ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی پھر اسے نیچے کرلیا۔ ہمیں خیال گذرا کہ شاید آسمان میں کوئی نئی چیز وقوع پذیر ہوئی ہے، کچھ دیر کے بعد آپ نے فرمایا ''میرے بعد ایسے حکام ہوں گے جو جھوٹ بولیں گے اور ظلم کریں گے، جس شخص نے ان کے جھوٹ کو سچ کہا اور ان کے ظلم میں ان کا معاون بنا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں اور جس شخص نے ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کی اور نہ ہی ظلم میں ان کی معاونت کی، وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں، سنو! ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ''، یہی باقیات صالحات ہیں''(4) ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں'' واہ واہ، پانچ چیزیں میزان میں کسقدر وزنی ہیں: ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اور صالح فرزند جس کی وفات پر اس کا والد صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے اجر طلب کرے۔ واہ واہ! پانچ چیزیں ایسی ہیں جن پر یقین رکھنے کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 255
2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 75
3۔ تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 255، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 418
4۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 267-268

حالت میں اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے، وہ جنتی ہے، اللہ تعالیٰ، یوم آخرت، جنت، دوزخ، موت کے بعد دوبارہ اٹھنے اور حساب پر ایمان رکھے"(1)۔

حضرت حسان بن عطیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت شداد بن اوس سفر پر تھے دوران سفر ایک جگہ قیام کیا اور اپنے غلام سے کہا کہ چھری لاؤ، تھوڑی دیر اس کے ساتھ کھیل لیں، مجھے یہ بات پسند نہ آئی، میری ناگواری کو جانتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، بجز آج کی اس بات کے میں نے کوئی نازیبا بات نہیں کی، سو اس بات کو جانے دو اور بالکل فراموش کر دو، اس کی بجائے وہ حدیث ذہن نشین کر لو جو میں تمہیں بتانے والا ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جب لوگ سونا اور چاندی جمع کرنے میں لگ جائیں تو تم ان کلمات کا خزانہ کر لو!" "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَةَ عَلَی الرُّشْدِ، وَاَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ، وَاَسْأَلُكَ حُسْنَ عِبَادَتِكَ، وَاَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِیْمًا، وَاَسْأَلُكَ لِسَانًا صَادِقًا، وَاَسْأَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ"(2) یعنی اے اللہ! میں تجھ سے ہر معاملہ میں ثابت قدمی اور ہدایت پر کاربند رہنے کی توفیق کا سوال کرتا ہوں، میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنی نعمتوں کے شکر کی طاقت مرحمت فرما، میری تجھ سے درخواست ہے کہ تو مجھے عمدہ طریقے سے اپنی عبادت کرنے کی قوت ارزانی فرما، میں تجھ سے سلامتی والا دل اور سچی زبان مانگتا ہوں، میں ہر اس بھلائی کا طلب گار ہوں جو تو جانتا ہے اور ہر اس شر سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں جو تیرے علم میں ہے اور میں ہر اس برائی سے تیری مغفرت طلب کرتا ہوں جسے تو جانتا ہے، بے شک تو ہی غیبوں کو جاننے والا ہے۔ حضرت سعد بن جنادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں طائف کے لوگوں میں سے سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں علی الصبح طائف سے نکلا اور عصر کے وقت منیٰ میں پہنچ گیا، پہاڑ پر چڑھا اور اتر آیا۔ پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے مجھے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور "اِذَا زُلْزِلَتْ" دو سورتیں سکھائیں اور ان کلمات کی تلقین کی: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ"، فرمایا: یہی باقیات صالحات ہیں"(3) اسی سند سے مروی ہے: "جو شخص رات کو اٹھے، وضو کرے اور کلی کرے، پھر سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھے تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ بجز خون (قتل) کے، کیونکہ یہ معاف نہیں ہوتا، علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ باقیات صالحات سے مراد ہے: اللہ کا ذکر اور یہ پڑھنا" اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَتَبَارَكَ اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ"، روزہ، نماز، حج، صدقہ، غلام آزاد کرنا، جہاد، صلہ رحمی اور سب نیکیاں باقیات صالحات ہیں جن کا اجر اہل جنت کو اس وقت تک ملتا رہے گا جب تک زمین و آسمان قائم ہیں، عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد پاکیزہ کلام ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس سے مراد تمام اعمال صالحہ ہیں۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے(4)۔

وَیَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَی الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ وَعُرِضُوْا عَلٰی رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۣ ۡ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 237
2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 125,123، سنن نسائی، کتاب السہو، جلد 3 صفحہ 54
3۔ المعجم الکبیر، جلد 6 صفحہ 52-51
4۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 256

لَکُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَ وُضِعَ الْکِتٰبُ فَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْہِ وَ یَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ ھٰذَا الْکِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَۃً وَّ لَا کَبِیْرَۃً اِلَّآ اَحْصٰھَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

''اور (غور کرو) جس روز ہم ہٹا دیں گے پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے) اور تم دیکھو گے زمین کو کہ کھلا میدان ہے اور ہم جمع کریں گے انہیں پس نہیں پیچھے رہنے دیں گے ان میں سے کسی کو۔ اور وہ پیش کیے جائیں گے آپ کے رب کی بارگاہ میں صفیں باندھے ہوئے۔ (پھر ہم انہیں کہیں گے کہ) آج تم آگئے ہو ہمارے پاس جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمہیں پہلی بار۔ ہاں تم تو یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ ہم نہیں مقرر کریں گے تمہارے لیے وعدہ کا وقت۔ اور رکھ دیا جائے گا (ان کے سامنے) نامۂ عمل پس تو دیکھے گا مجرموں کو کہ وہ ڈر رہے ہوں گے اس سے جو اس میں ہے اور کہیں گے صد حیف! اس نوشتہ کو کیا ہو گیا ہے کہ نہیں چھوڑا اس نے کسی چھوٹے گناہ کو اور نہ کسی بڑے گناہ کو مگر اس نے اس کا شمار کر لیا ہے۔ اور (اس دن) وہ پالیں گے جو عمل انہوں نے کیے تھے اپنے سامنے۔ اور آپ کا رب تو (اپنے حبیب!) کسی پر زیادتی نہیں کرتا''۔

قیامت کی ہولناکیوں اور اس میں وقوع پذیر ہونے والے بڑے بڑے امور اور حوادثات کی خبر دی جا رہی ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: یَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ﴿۹﴾ وَّ تَسِیْرُ الْجِبَالُ سَیْرًا (الطور: 10-9) ''جس روز آسمان بری طرح تھرتھرا رہا ہو گا اور پہاڑ تیزی سے چلنے لگیں گے''۔ وَتَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُھَا جَامِدَۃً وَّھِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (النمل: 88) ''اور تو پہاڑوں کو دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ یہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے''، وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ (القارعۃ: 5) ''اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی مانند ہوں گے''، وَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُھَا رَبِّیْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَیَذَرُھَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰی فِیْھَا عِوَجًا وَّ لَآ اَمْتًا (طٰہٰ: 107-105) ''اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے متعلق پوچھتے ہیں، آپ فرمایئے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک دے گا پھر انہیں کھلا ہموار میدان بنا چھوڑے گا، اس میں نہ تجھے کوئی موڑ نظر آئے گا اور نہ کوئی ٹیلہ'' یعنی پہاڑ اڑ جائیں گے اور زمین صاف چٹیل میدان کی شکل اختیار کرے گی، جس میں نہ کوئی اونچ نیچ باقی رہے گی اور نہ کوئی وادی اور پہاڑ، اس لئے فرمایا: وَتَرَی الْاَرْضَ بَارِزَۃً یعنی زمین بالکل صاف اور ظاہر ہو گی جس میں نہ کسی کیلئے کوئی نشانی ہو گی اور نہ ایسی جگہ جہاں وہ چھپ سکے بلکہ تمام مخلوق اپنے رب کے روبرو ہو گی اور ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہو سکے گا۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ زمین میں نہ کوئی پتھر رہے گا اور نہ کوئی پناہ گاہ، قتادہ مزید کہتے ہیں کہ نہ کوئی عمارت باقی رہے گی اور نہ کوئی درخت۔

فرمایا: وَحَشَرْنٰھُمْ یعنی ہم اگلے پچھلے تمام لوگوں کو اکٹھا کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی پیچھے نہیں چھوڑیں گے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، جیسا کہ ان آیات میں فرمایا: قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (الواقعہ: 50-49) ''آپ فرما دیجئے بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں جمع کیا جائے گا''، ذٰلِکَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّہُ النَّاسُ وَ ذٰلِکَ یَوْمٌ مَّشْھُوْدٌ (ہود: 103) ''یہ وہ دن ہے جس دن سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے اور یہ وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائے گا''۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیشی کے متعلق ارشاد ہوا وَعُرِضُوْا عَلٰی رَبِّکَ صَفًّا اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ تمام مخلوقات ایک ہی صف باندھے اللہ

تعالیٰ کے سامنے کھڑی ہوں گی جیسا کہ فرمایا: یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ صَفًّا ﯼ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا (النبا:38) ''جس روز روح اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے''۔ اور یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ تمام کے تمام کئی صفیں باندھے کھڑے ہوں گے جیسا کہ فرمایا: وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (الفجر:22) ''اور آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے صف در صف حاضر ہوں گے''۔ منکرین قیامت کو سرعام سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے فرمایا جائے گا: لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا...... اس لئے انہیں مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہوگا: بَلْ زَعَمْتُمْ ...یعنی تم تو اس بات کے قائل ہی نہ تھے کہ قیامت کا وقوع حتمی ہے۔ پھر ہر ایک کے سامنے اس کا نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا جس میں ہر چھوٹا بڑا عمل درج ہوگا، مجرمین اپنے اپنے نامۂ اعمال میں اپنے برے اعمال اور قبیح افعال دیکھ کر خوفزدہ ہو جائیں گے اور کہیں گے یٰوَیْلَتَنَا - ہائے افسوس، صد حیف! ہم نے اپنی عمریں فضولیات میں برباد کر دیں، یہ کیسا نوشتہ ہے جس نے نہ کسی چھوٹے گناہ کو چھوڑا ہے اور نہ کسی بڑے گناہ کو مگر اسے شمار کر کے محفوظ کر رکھا ہے۔ حضرت سعد بن جنادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ حنین سے فارغ ہو کر عازم سفر ہوئے تو ہم نے ایک بنجر میدان میں پڑاؤ کیا، جہاں کوئی چیز نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو کوئی شاخ ملے وہ اسے لے آئے، جسے کوئی لکڑی یا کوئی اور چیز ملے وہ بھی لے آئے'' تھوڑی ہی دیر میں وہاں ڈھیر لگ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس طرح تم نے یہ ڈھیر لگایا ہے، اسی طرح ایک آدمی کے گناہ جمع کر کے اس پر ڈھیر کر دیئے جائیں گے۔ آدمی کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے اور کوئی چھوٹا بڑا گناہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ہر گناہ شمار کیا جاتا ہے''(1) فرمایا: وَ وَجَدُوْا... یعنی ہر اچھا برا عمل اپنے سامنے پالیں گے جیسا کہ فرمایا: یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ﯼ (آل عمران:30) ''جس دن ہر نفس موجود پائے گا جو نیکی اس نے کی تھی اپنے سامنے اور جو اس نے برائی کی تھی''۔ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ (القیامۃ:13) ''انسان کو اس روز آگاہ کر دیا جائے گا جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) پیچھے چھوڑ آیا''۔ یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآىِٕرُ (الطارق:9) ''اس دن کو یاد کرو جب راز فاش کر دیئے جائیں گے''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''روز قیامت ہر بدعہدی کرنے والے کیلئے ایک جھنڈا ہوگا جس سے اس کی پہچان ہوگی'' (2) ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''قیامت کے دن ہر بدعہد کیلئے اس کی سرین کے پاس ایک جھنڈا اس کی بدعہدی کی مقدار بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی بدعہدی ہے''۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ لَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان ان کے اعمال کا فیصلہ کرتے وقت کسی پر زیادتی نہیں کرتا بلکہ وہ معاف بھی فرما دیتا ہے، درگزر بھی کرتا ہے، مغفرت اور رحم بھی فرماتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی قدرت، حکمت اور عدل کی رو سے جسے چاہے عذاب بھی دیتا ہے، وہ جہنم کو کفار اور گنہگاروں سے بھر دے گا۔ گنہگار مسلمان آخر کار جہنم سے رہائی پالیں گے، لیکن کفار اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ہی ایسا حاکم ہے جو نہ ظلم کرتا ہے اور نہ زیادتی، فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا (النساء:40) ''بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، اگر معمولی سی بھی نیکی ہو تو وہ اسے دوگنا کر دیتا ہے''۔ وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْــٴًـا...... حٰسِبِیْنَ (الانبیاء:47) ''اور ہم قیامت کے دن صحیح تولنے والے ترازو رکھ دیں گے پس کسی پر ذرہ بھر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی (کوئی عمل) ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں''۔

1۔ المعجم الکبیر، جلد 6 صفحہ 52 5،5۔ آل عمران:30 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 142

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک حدیث کے متعلق پتہ چلا کہ اسے ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے، چنانچہ میں نے ایک اونٹ خریدا، کجاوا کسا اور رخت سفر باندھ کر سفر پر روانہ ہو گیا۔ ایک ماہ کے سفر کے بعد میں شام پہنچا، تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ شخص تو عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے دربان سے کہا کہ عبداللہ کو جا کر بتائیں جابر دروازے پر کھڑا ہے۔ انہوں نے پوچھا: جابر بن عبداللہ؟ میں نے کہا: ہاں۔ یہ سنتے ہی وہ جلدی کے باعث اپنی چادر روندتے ہوئے باہر نکلے اور مجھ سے لپٹ گئے، معانقے کے بعد میں نے انہیں کہا کہ قصاص کے متعلق ایک حدیث ہے جس کی بابت مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ نے وہ نبی کریم ﷺ سے سنی ہے، مجھے اندیشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں اسے سننے سے پہلے ہی نہ مر جاؤں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "روز قیامت اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو اس حال میں جمع کرے گا کہ وہ برہنہ بدن، بے ختنہ اور بے سروسامان ہوں گے، پھر انہیں ایسی آواز کے ساتھ ندا دے گا جو دور سے بھی ایسے ہی سنائی دے گی جیسے قریب سے، فرمائے گا کہ میں حقیقی بادشاہ ہوں، میں ہی پورا پورا بدلہ دینے والا ہوں، کوئی جہنمی اس وقت تک جہنم میں نہیں جائے گا جب تک میں اسے اس کا وہ حق نہ دلا دوں جو کسی جنتی کے ذمہ ہے اور نہ کوئی جنتی اس وقت تک جنت میں داخل ہو سکے گا جب تک میں اسے اس کا وہ حق نہ دلا دوں جو کسی دوزخی کے ذمہ ہے، اگرچہ وہ حق ایک تھپڑ ہی ہو، ہم نے عرض کی کہ یہ کیسے ہوگا، حالانکہ ہم برہنہ پا، برہنہ بدن، بے ختنہ اور بے سروسامان ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: نیکیوں اور برائیوں کے ذریعے" (1)۔ (حقوق کی ادائیگی ہوگی)، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن بے سینگ بکری سینگ والی بکری سے بدلہ لے گی" (2)۔ اس کے اور بھی متعدد شواہد ہیں جنہیں ہم نے ان ارشادات "وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ .... (الانبیاء: 47)۔ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ .. (الانعام: 38) کے تحت ذکر کر دیا ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝

"اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم علیہ السلام کو پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ قوم جن سے تھا سو اس نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی۔ (اے اولاد آدم!) کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست مجھے چھوڑ کر حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت برا بدلہ ہے"۔

اللہ تعالیٰ بنی آدم کو ابلیس کی انسان دشمنی پر متنبہ فرما رہا ہے، یہ نہ صرف اولاد آدم کے ساتھ عداوت رکھتا ہے بلکہ اسے ابوالبشر آدم علیہ السلام کے ساتھ بھی شدید عداوت تھی اور ان لوگوں کو سرزنش کی جا رہی ہے جو ابلیس کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے اس خالق و مالک خدا کی مخالفت پر اتر آتے ہیں جس نے انہیں وجود بخشا، اپنے لطف و کرم سے نوازا اور ہر مرحلہ پر ان کیلئے رزق اور غذا کا بندوبست کیا، اس کے باوجود بھی یہ ابلیس کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو دشمن۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِذْ قُلْنَا - اس کی وضاحت سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے، فرشتوں کو آدم کیلئے جس سجدہ کرنے کا حکم ہوا وہ سجدہ تعظیمی تھا جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی تشریف، تعظیم اور تکریم مقصود تھی، جیسا کہ

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 395
2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 72

فرمایا: وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (الحجر: 29-28) ''اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں بشر پیدا کرنے والا ہوں کھنکھناتی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار کیچڑ تھی تو جب میں اسے درست فرمادوں اور اس میں اپنی طرف سے خاص روح پھونک دوں تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے گر جانا''۔ تمام فرشتے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے لیکن ابلیس نے حکم عدولی کی۔ اس کا تعلق قوم جن سے تھا، چونکہ اس کی اصلیت ناری تھی، اس لئے اس کی یہ اصل (جس میں تمرد اور سرکشی پائی جاتی ہے) اسے دھوکہ دے گئی۔ اس کے برعکس فرشتوں کی اصل نوری ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا، ابلیس کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا گیا اور آدم کو اس سے پیدا کیا گیا جس کا بیان تمہارے سامنے کر دیا گیا ہے، اور ضرورت کے وقت ہر برتن سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو اس کے اندر موجود ہوتا ہے، ضرورت کے وقت ابلیس کی سرشت اسے دھوکہ دے گئی، چونکہ وہ فرشتوں کے سے اعمال کرتا تھا، انہی کی مشابہت اختیار کیے ہوئے تھا اور ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا تھا، اس لئے اس خطاب میں وہ بھی داخل ہو گیا اور مخالفت کے سبب نافرمان ٹھہرا''(1)۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس بات پر آگاہ فرمایا کہ ابلیس قوم جن میں سے تھا یعنی اس کی تخلیق آگ سے ہوئی جیسا کہ اس نے کہا تھا: اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (ص: 76) ''میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے تو نے مٹی سے پیدا کیا''۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ چشم زدن کی دیر بھی ابلیس فرشتوں میں سے نہیں تھا۔ یہ جنات کی اصل ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام انسان کی اصل ہیں(2)۔ ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جنہیں جن کہا جاتا تھا، ان کی تخلیق تیز آگ سے ہوئی تھی۔ ابلیس کا نام حارث تھا، یہ جنت کا ایک داروغہ تھا۔ اس قبیلہ کے علاوہ باقی تمام فرشتوں کی تخلیق نور سے ہوئی، اور جن جنات کا ذکر قرآن کریم میں ہوا، انہیں آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلہ سے پیدا کیا گیا، ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی بیان کرتے ہیں کہ ابلیس جلیل القدر ملائکہ اور معزز قبیلے سے تعلق رکھتا تھا، وہ جنتوں کا داروغہ تھا، آسمان دنیا کا بھی اسے اقتدار حاصل تھا اور زمین کا بھی۔ اس وجہ سے اس کے دل میں یہ خیال پختہ ہو گیا کہ اسے تمام اہل آسمان پر شرف اور فضیلت حاصل ہے، چنانچہ اس خیال کے سبب اس کے دل میں تکبر پیدا ہو گیا جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو تھا۔ اس تکبر کو ظاہر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اسے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، سو اس کا تکبر ظاہر ہو گیا، جیسا کہ فرمان ہے: وَ اسْتَكْبَرَ ۫ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ (البقرۃ: 34) ''اور اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ جن تھا یعنی جنت کا خازن تھا، اس میں نسبت کا معنی ہے جیسے کہا جاتا ہے: مکی، مدنی، بصری اور کوفی، سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ جنت کا خازن تھا اور آسمان دنیا کا انتظام اس کے ہاتھ میں تھا(3)۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ وہ آسمان دنیا کے فرشتوں کا رئیس تھا۔ طاؤس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ابلیس حکم عدولی سے پہلے ملائکہ میں سے تھا، اس کا نام عزازیل تھا اور اس کی رہائش زمین پر تھی، یہ فرشتوں میں سب سے زیادہ عبادت میں کوشاں اور سب سے زیادہ علم والا تھا، یہی چیز اس کے تکبر کا سبب بنی، اس کا تعلق جن نامی قبیلے سے تھا جو دراصل فرشتوں کا ہی ایک قبیلہ تھا، یہ زمین و آسمان کے درمیان امور کا منتظم تھا، لیکن نافرمانی کے باعث اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو گیا، اسے مسخ کر کے شیطان مردود بنا دیا اور اسے ملعون ٹھہرایا، جو گناہ تکبر کے باعث

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2294 2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 260 3۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 259

سرزد ہوتا ہے اس سے توبہ کی امید نہیں کی جاسکتی لیکن اگر کوئی اور گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے توبہ کی امید کرنا ممکن ہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ابلیس جنت کے اندر کام کاج کرنے والوں میں سے تھا(1)، اس بارے میں سلف سے اور بھی آثار مروی ہیں جن میں سے اکثریت کا تعلق اسرائیلیات سے ہے جنہیں نظر سے گزارنے کیلئے نقل کیا جاتا ہے، ان کی حقیقت اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ بعض اسرائیلی روایات چونکہ ہمارے پاس موجود حق کی مخالفت کرتی ہیں اس لیے یہ قطعی طور پر جھوٹی ہیں، قرآن کریم کی موجودگی میں ہمیں ایسی روایات کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کمی بیشی اور تغیر وتبدل سے پاک ہیں بلکہ ان میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو بعد میں وضع کرلی گئیں اور پھر اہل کتاب کے ہاں کوئی ایسے اعلیٰ پایہ کے حافظ بھی نہیں تھے جو ان روایات میں چھانٹی کرتے اور جھوٹی روایات کو الگ کردیتے جیسا کہ اس امت میں ایسے آئمہ، علماء، متقی، پاک طینت اور سربرآوردہ حفّاظ و نقّاد پیدا ہوئے جنہوں نے حدیث کو مدوّن کیا، کتابی شکل میں تحریر کیا اور صحیح، حسن، ضعیف، منکر، موضوع، متروک اور مکذوب ہر ایک کو الگ الگ کرکے بیان کردیا، علاوہ ازیں حدیث گھڑنے والوں، جھوٹ بولنے والوں، مجہول راویوں اور دیگر اصناف کے لوگوں کی پہچان کرائی، اس تمام تگ و دو سے مقصود حضور سید البشر خاتم النبیین ﷺ کے مقام کا تحفظ اور حدیث کی خدمت تھی تا کہ کوئی جھوٹی حدیث آپ ﷺ کی طرف منسوب نہ کی جاسکے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنی رضا سے نوازے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے!

شیطان کے متعلق فرمایا: فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ یعنی وہ اپنے رب کی اطاعت سے نکل گیا، فسق کا معنی ہے خروج، جب کھجور شگوفے سے باہر نکل آئے تو کہا جاتا ہے: ''فَسَقَتِ الرُّطَبَۃُ'' اور جب چوہا اپنے بل سے باہر آجائے تو کہتے ہیں: ''فَسَقَتِ الْفَارَۃُ'' پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے اطاعت گزاروں اور اس کی اتباع کرنے والوں کو زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ... یعنی کیا تم میرے بدلے میں شیطان اور اس کی ذریت کو اپنا مددگار بناتے ہو، اس لئے فرمایا: بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا یہ سورہ یٰسین کی اس آیت کی طرح ہے جہاں قیامت کی ہولناکیوں اور سعادت مندوں اور بدبختوں کے انجام کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ... اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ (یٰسین: 62-59) ''اے مجرمو! آج (میرے دوستوں سے) الگ ہو جاؤ، کیا میں نے تمہیں تاکید حکم نہیں دیا تھا کہ اے اولاد آدم! شیطان کی عبادت نہ کرنا، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا، یہ سیدھا راستہ ہے، (بایں ہمہ) شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا، کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے''۔

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّیْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

''میں نے ان سے مدد نہیں لی تھی جب آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور نہ (اس وقت ان سے مدد لی) جب خود انہیں پیدا کیا اور میں نہیں بنایا کرتا گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست وبازو''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے چھوڑ کر جنہیں تم نے اپنا مددگار بنا رکھا ہے، وہ تمہاری مثل غلام ہیں، وہ کسی چیز کے مالک نہیں۔ زمین و آسمان کی تخلیق میں میں نے انہیں شامل نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو اس وقت موجود ہی نہ تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہی تمام اشیاء کو پیدا کرنے والا ہوں۔ میں ہی سب کی تدبیر کرنے والا ہوں اور صرف میں ہی ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا ہوں، نہ میرے ساتھ کوئی میرا شریک

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 261

ہے، نہ وزیر، نہ مشیر اور نہ مثیل جیسا کہ فرمایا: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (سبا: 23-22) ”فرمایئے (اے مشرکو) تم پکار دیکھو جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود خیال کرتے ہو، یہ تو ذرہ برابر کے بھی مالک نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا زمین و آسمان میں کچھ حصہ ہے اور نہ ہی ان میں سے کوئی مددگار ہے اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لئے اس نے اجازت دی ہو)۔ اس لئے فرمایا: وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا عضد کا معنی ہے دست و بازو اور مددگار۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝

”اور اس روز اللہ تعالیٰ (کفار کو) فرمائے گا بلاؤ میرے شریکوں کو جنہیں تم (میرا شریک) خیال کرتے تھے تو وہ انہیں پکاریں گے پس وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم حائل کر دیں گے ان کے درمیان ایک آڑ۔ اور دیکھیں گے مجرم (جہنم کی) آگ کو اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور نہ پائیں گے اس سے نجات پانے کی کوئی جگہ“۔

قیامت کے دن مشرکین کو سر عام سرزنش اور زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہا جائے گا: نَادُوْا شُرَكَآءِيَ..... یعنی آج تم ان شرکاء کو بلا لو جنہیں تم دنیا میں پکارا کرتے تھے تاکہ وہ تمہیں آج کی اس سنگین صورتحال سے بچالیں جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۚ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (الانعام: 94) ”اور بے شک تم آ گئے ہو ہمارے پاس اکیلے اکیلے جیسے ہم نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا تھا اور ہم تمہارے ساتھ ان سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں ہمارے شریک ہیں۔ بے شک تمہارے سارے رشتے ٹوٹ گئے اور کھو گئے تم سے جو تم دعویٰ کیا کرتے تھے“۔

وہ شرکاء کو بلائیں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے جیسا کہ اس مقام پر فرمایا: وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ (القصص: 64) ”اور کہا جائے گا پکارو اپنے شریکوں کو تو وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں جواب نہیں دیں گے“۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ (الاحقاف: 5) ”اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہے جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارتا ہے جو اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا“، وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (مریم: 81-82) ”اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا بنا لئے ہیں تاکہ وہ ان کے مددگار بنیں۔ ہرگز نہیں، وہ جھوٹے خدا ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے“۔ حضرت ابن عباس آیت کریمہ میں لفظ ”موبق“ کا معنی بتاتے ہیں، ہلاکت، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسی گہری وادی ہے جس کے ذریعے اہل ہدایت اور اہل ضلالت کی تفریق کر دی جائے گی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ جہنم کی ایک وادی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ جہنم میں ایک وادی ہے جس میں پیپ اور خون بہہ رہا ہو گا (1)۔ حضرت حسن بصری نے اس کا معنی عداوت بتایا ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا معنی ہلاکت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جہنم میں ایک وادی ہو یا کچھ اور، بہر صورت اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ روز قیامت یہ مشرکین اپنے ان معبودوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 265

تک نہیں پہنچ سکیں گے جنہیں وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے، ان کے اور ان کے معبودان باطلہ کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور ایک آڑ حائل ہوگی جس کے باعث ان تک رسائی ناممکن ہوگی بلکہ ان دونوں کے درمیان ہلاکت اور ہولناکی حائل ہوگی۔ اگر ''بینھم'' کی ضمیر کا مرجع مومنین اور کفار بنائے جائیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس کے ذریعے اہل ہدایت اور اہل ضلالت کے درمیان امتیاز کر دیا جائے گا تو اس کا مفہوم ان ارشادات کی طرح ہوگا: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ (الروم:14) ''اور جس روز قیامت برپا ہوگی اس روز وہ جدا جدا ہو جائیں گے''۔ يَوْمَىٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ (الروم:43) ''اس روز یہ لوگ جدا ہو جائیں گے''۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (یٰسین:59) ''اے مجرمو! آج (میرے دوستوں سے) الگ ہو جاؤ''۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۝ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (یونس:28-30) ''اور جس دن ہم ان سب کو (میدان محشر میں) جمع کریں گے پھر ہم مشرکوں کو حکم دیں گے اپنی اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ تم اور تمہارے جھوٹے معبود، پھر ہم ان کے باہمی تعلقات منقطع کر دیں گے ... اور گم ہو جائے گا ان سے جو وہ افتراء باندھا کرتے تھے''۔ فرمایا: وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ یعنی مجرم جب دوزخ کو دیکھیں گے کہ اسے ستر ہزار لگاموں کے ساتھ لایا جا رہا ہے اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہیں تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ اب وہ یقیناً اس میں جھونکے جانے والے ہیں، اسطرح دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ہی وہ شدید غم واندوہ اور رنج والم کا شکار ہو جائیں گے کیونکہ عذاب کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے اس کی توقع اور خوف ہر وقت کا عذاب ہے اور اس عذاب سے چھٹکارے کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کافر چار سو سال کی مسافت سے جہنم کو دیکھے گا تو خیال کرے گا کہ بس اب وہ اسے اپنی لپیٹ میں لینے ہی والا ہے'' حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کافر کو پچاس ہزار سال کی مقدار سیدھا کھڑا کیا جائے گا جیسا کہ اس نے دنیا میں عمل نہ کیا اور کافر چالیس سال کی مسافت سے جہنم کو دیکھ کر محسوس کرے گا کہ وہ اب اس میں جھونکا جانے والا ہے''(1)۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝

''اور بے شک ہم نے طرح طرح سے بار بار بیان کی ہیں اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں اور انسان ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کیلئے طرح طرح سے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں اور تمام امور کی تفصیلات سمیت وضاحت کر دی ہے تاکہ لوگ حق سے بھٹک کر راہ ہدایت سے منحرف نہ ہو جائیں لیکن اس بیان اور فرقان کے باوجود انسان بہت جھگڑالو ہے۔ یہ باطل کی آڑ میں حق کی مخالفت کرتا ہے لیکن وہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ہدایت ارزانی فرمائے اور راہ نجات اپنانے کی بصیرت سے نوازے۔ ایک رات رسول اللہ ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے، دروازہ کھٹکھٹایا اور فرمایا: ''کیا تم (دونوں) نماز نہیں پڑھو گے؟'' حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 75

عرض کی: یارسول اللہ! ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جب ہمیں اٹھانا چاہے، اٹھا دیتا ہے، جب میں نے یہ جواب دیا تو آپ ﷺ بغیر کچھ فرمائے واپس لوٹ گئے، پھر میں نے سنا کہ آپ واپس جاتے ہوئے یہ آیت وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا پڑھ رہے ہیں(1)۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿٥٥﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنْذِرُوا هُزُوًا ﴿٥٦﴾

"اور کس چیز نے روکا ہے لوگوں کو اس بات سے کہ وہ ایمان لے آئیں جب آگئی ان کے پاس ہدایت (کی روشنی) اور مغفرت طلب کریں اپنے رب سے مگر یہ (کہ وہ منتظر ہیں) کہ آئے ان کے پاس اگلوں کا دستور یا آئے ان کے پاس طرح طرح کا عذاب۔ اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر مژدہ سنانے والے اور ڈرانے والے اور جھگڑتے ہیں کافر بے سروپا دلیلوں کی آڑ لے کر تاکہ وہ مٹادیں اس سے حق کو اور بنالیا ہے انہوں نے میری آیتوں کو اور جن سے وہ ڈرائے گئے ایک مذاق"۔

قدیم اور جدید زمانے کے کفار کی سرکشی کے متعلق بتایا جارہا ہے کہ وہ روشن نشانیوں اور واضح دلائل کا مشاہدہ کر لینے کے باوجود بھی ظاہر حق کو جھٹلاتے ہیں اور اتباع حق سے انہیں صرف یہی بات روکے ہوئے ہے کہ وہ عذاب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے نبی سے مطالبہ کیا تھا۔ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (الشعراء: 187) "تو اب ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو اگر تم راست بازوں میں سے ہو"۔ دوسروں نے کہا تھا، ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (العنکبوت: 29) "لے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو"، قریش نے کہا تھا: اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (الانفال: 32) "اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے سچ ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر دردناک عذاب لے آ"۔ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (الحجر: 6-7) "اور وہ کہنے لگے اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے بے شک تو مجنون ہے۔ تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا اگر تو سچا ہے"۔

علاوہ ازیں اور بھی متعدد آیات ہیں جو اس مفہوم پر دلالت کرتی ہیں، پھر فرمایا: إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ - یعنی ہدایت آجانے کے باوجود ایمان لانے اور استغفار کرنے سے انہیں صرف یہی چیز روکے ہوئے ہے کہ ان کی خواہش ہے کہ پہلے لوگوں کی طرح انہیں بھی عذاب اپنی لپیٹ میں لے لے یا وہ عذاب کو اپنے سامنے بالکل عیاں دیکھ لیں، اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ یعنی نزول عذاب سے پہلے ہم رسول بھیجتے ہیں جو ایمان لانے والوں کو مژدہ سناتے ہیں اور تکذیب کرنے والے مخالفین کو ڈراتے ہیں، پھر کفار کے متعلق بتایا کہ وہ بے سروپا دلائل اور باطل کے ذریعے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ وہ رسولوں کے لائے ہوئے حق کو کمزور کر دیں لیکن ان کی یہ خواہش ناتمام ہی رہے گی اور یہ ایسے ناہنجار ہیں جنہوں نے دلائل و براہین، معجزات اور اس عذاب کا تمسخر اڑانا شروع کر دیا جس سے

1۔ مسلم کتاب صلوۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 537-538، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 112

انبیاء و رسل نے انہیں خبردار کیا تھا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾

"اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے نصیحت کی گئی اس کے رب کی آیتوں سے پس اس نے روگردانی کر لی ان سے اور فراموش کر دیا اس نے ان (اعمال بد) کو جو آگے بھیجے تھے اس کے دونوں ہاتھوں نے ہم نے ڈال دیئے ان کے دلوں پر پردے تا کہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی اور اگر تم بلاؤ انہیں ہدایت کی طرف تو جب بھی وہ ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ اور آپ کا پروردگار تو بہت بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے۔ اگر وہ پکڑ لیا کرتا انہیں ان کے کئے پر تو جلد ان پر عذاب بھیجتا (وہ ایسا نہیں کرتا) بلکہ ان کو سزا دینے کا ایک وقت مقرر ہے۔ نہیں پائیں گے اس وقت اس کے بغیر کوئی پناہ کی جگہ۔ اور یہ بستیاں ہیں ہم نے تباہ کر دیا ان کے باشندوں کو جب وہ ستم شعار بن گئے اور ہم نے مقرر کر دی تھی ان کی ہلاکت کے لئے ایک میعاد"۔

اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم اور ستم شعار ہو سکتا ہے جسے آیات الٰہی کے ساتھ نصیحت کی گئی لیکن اس نے انہیں نظر انداز کر کے روگردانی کی، نہ انہیں توجہ سے سنا اور نہ دل میں انہیں جگہ دی اور اپنے کیے ہوئے تمام اعمال سیۂ اور افعال قبیحہ کو فراموش کر دیا، ایسے بد بخت لوگوں کے دلوں پر ہم پردے ڈال دیتے ہیں تا کہ یہ قرآن کریم کو سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دیتے ہیں تا کہ یہ درس ہدایت سن ہی نہ سکیں اور اگر آپ انہیں ہدایت کی دعوت دیں تو یہ ہرگز ہدایت قبول نہیں کریں گے، اس کے بعد فرمایا: وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ -- اس طرح کے اور بھی ارشادات ہیں: وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ (فاطر:45) "اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث فوراً پکڑ لیا کرتا تو زمین کی پشت پر کسی جاندار کو (زندہ) نہ چھوڑتا"۔ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ (الرعد:6) "اور آپ کا رب لوگوں کو ان کے ظلم کے باوجود بہت بخشنے والا بھی ہے اور بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا بھی ہے" اس مضمون کی اور بھی آیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ حلیم، ستار اور غفار ہے، بعض کو وہ گمراہی سے نکال کر ہدایت کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے لیکن جو شخص گمراہی پر بضد رہتا ہے، اس کی پکڑ کیلئے ایک ایسا دن مقرر ہے جس میں بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور حمل گر پڑیں گے، اس لئے فرمایا: بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ... یعنی ان کیلئے وعدہ کا ایک ایسا وقت مقرر ہے جس سے رہائی کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ یہ ہیں گزشتہ دور کی بستیاں جن کے باشندوں کو ہم نے ان کے ظلم، کفر اور عناد کے باعث ہلاک کر دیا اور ان کی ہلاکت کیلئے ایک وقت معین کر دیا، اس طرح اے مشرکو! تم نے بھی ان لوگوں کی روش اختیار کر رکھی ہے، خبردار ہو جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان جیسا عذاب تمہیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لے۔ تم نے تو سب سے اشرف رسول اور جلیل القدر نبی کو جھٹلایا اور تم سابقہ امتوں سے کوئی زیادہ بھی

عزیز بھی نہیں اس لئے میرے عذاب سے ڈرو۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۫ وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾

''اور یاد کرو جب کہا موسیٰ نے اپنے نوجوان (ساتھی) کو کہ میں چلتا رہوں گا یہاں تک کہ پہنچوں جہاں دو دریا ملتے ہیں یا (چلتے چلتے) گزار دوں گا مدت دراز۔ پھر جب وہ دونوں پہنچے جہاں آپس میں دو دریا ملتے ہیں، دونوں بھول گئے اپنی مچھلی کو تو بنا لیا اس نے اپنا راستہ دریا میں سرنگ کی طرح۔ پس جب وہاں سے آگے بڑھ گئے تو آپ نے اپنے جوان ساتھی سے کہا لے آؤ ہمارا صبح کا کھانا بے شک ہمیں برداشت کرنی پڑی ہے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت۔ اس ساتھی نے کہا (اے کلیم!) آپ نے ملاحظہ فرمایا جب ہم (ستانے کے لئے) اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں۔ اور اس نے بنا لیا تھا اپنا راستہ دریا میں۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ آپ نے فرمایا یہی تو وہ ہے جس کی ہم جستجو کر رہے تھے۔ پس وہ دونوں لوٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے۔ تو پایا انہوں نے ایک بندے کو ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی تھی رحمت اپنی جناب سے اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے (خاص) علم''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ذکر کیا گیا کہ دو دریاؤں کے سنگم پر اللہ کا ایک ایسا بندہ ہے جس کے پاس وہ علم ہے جو ان کے پاس بھی نہیں، اس لئے آپ نے اللہ کے اس بندے سے ملاقات کا عزم کر لیا اور اپنے نوجوان ساتھی یوشع بن نون سے فرمانے لگے: لَآ اَبْرَحُ ۔ یعنی میں لگاتار چلتا رہوں گا یہاں تک کہ اس جگہ پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا ملتے ہیں۔ قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ ان دو دریاؤں میں سے ایک مشرقی جانب بحیرہ فارس ہے اور دوسرا مغربی جانب بحیرہ روم ہے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ دو دریاؤں کا سنگم طنجہ ہے جو بلاد مغرب کا دور دراز علاقہ ہے، حقب کا معنی ہے طویل عرصہ۔ قیس کی لغت میں حقب ایک سال کو کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اسی برس ہیں، مجاہد کہتے ہیں: ستر سال، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، قتادہ اور ابن زید اس کا معنی زمانہ بتاتے ہیں۔ یعنی مدت دراز۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ساتھ نمک لگی ہوئی مچھلی رکھ لیں، جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہی میرے بندے کی قیام گاہ ہوگی، چنانچہ دونوں سفر کرتے کرتے دو دریاؤں کے سنگم تک پہنچ گئے۔ یہاں ''عین الحیاۃ'' نامی ایک چشمہ تھا، دونوں حضرات یہاں آ کر سو گئے، جونہی اس چشمہ کے پانی کے چھینٹے مچھلی پر پڑے، وہ حرکت کرنے لگی اور اس توشہ دان سے جو یوشع علیہ السلام کے پاس تھا، سمندر میں کود گئی، اسی دوران حضرت یوشع علیہ السلام بیدار ہو گئے اور انہوں نے مچھلی کو پانی میں کودتے ہوئے دیکھا جو طاق کی

طرح سرنگ اور سوراخ بنائے پانی میں جاری تھی، اس لئے فرمایا: فَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پانی پر اس کا نشان یوں ثبت ہو گیا گویا وہ پتھر ہے۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ مچھلی دریا کے جس پانی کو چھوتی وہ خشک ہو کر پتھر کی شکل اختیار کر لیتا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب سے لوگ پیدا ہوئے ہیں، پانی پھٹ کر نہیں جما، سوائے اس مچھلی کے کہ پانی میں یہ جہاں جہاں سے گزری وہاں کا پانی پھٹ کر جم گیا اور روشندان کی طرح گزرگاہ بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب واپس لوٹے تو انہوں نے اسے دیکھا اور فرمایا: ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ قتادہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ مچھلی نے دریا میں چھلانگ لگا دی جہاں سے اس کا گزر ہوتا، وہاں کا پانی جامد ہو جاتا۔ آیت کریمہ میں نسیان کی نسبت دونوں حضرات کی طرف کی گئی ہے حالانکہ نسیان کا صدور صرف حضرت یوشع علیہ السلام سے ہوا تھا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ فرمایا: یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (الرحمن:22) ”نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان“۔ حالانکہ دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ لولو اور مرجان، کھاری اور نمکین پانی سے نکلتے ہیں۔ بہر صورت جب دونوں حضرات اس جگہ سے کچھ آگے بڑھ گئے جہاں انہیں مچھلی فراموش ہو گئی تھی اور ایک مرحلہ (تقریباً بارہ میل) مزید سفر کر لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان ساتھی سے کہا کہ صبح کا کھانا لاؤ، اس سفر سے تو ہمیں بڑی تھکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا ہے، اس پر آپ کے ساتھی نے کہا: اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَآ اِلَی الصَّخْرَةِ ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ”اَنْ اَذْکُرَهٗ“ ہے[1]۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے کہ اس جگہ کی تو ہمیں تلاش تھی۔ چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر چلتے ہوئے واپس پلٹے۔ جب وہاں پہنچے تو ان کی ملاقات اللہ کے خاص بندے سے ہو گئی جس کی خاطر وہ سفر پر نکلے تھے، فرمایا: فَوَجَدَا عَبْدًا...... یہ بندے حضرت خضر علیہ السلام ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نوف بکالی کا یہ خیال ہے کہ یہ بنی اسرائیل والے موسیٰ نہیں تھے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ دشمنِ خدا نے جھوٹ بولا ہے۔ ہمیں ابی بن کعب نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے، آپ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا: میں۔ چونکہ آپ نے اس بات کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹایا، اس لئے اللہ تعالیٰ کو آپ کا یہ دعویٰ پسند نہ آیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کرتے ہوئے فرمایا کہ دو دریاؤں کے سنگم میں میرا ایک ایسا بندہ ہے جو تم سے بھی بڑا عالم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ! میری اس تک رسائی کیسے ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مچھلی لے کر توشہ دان میں رکھ لو، جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہی (میرے اس بندے کی) قیام گاہ ہے“ سو انہوں نے مچھلی توشہ دان میں رکھی اور اپنے نوجوان خادم یوشع بن نون علیہ السلام کو ساتھ لے کر چل پڑے، یہاں تک کہ ایک چٹان پر پہنچے، کچھ دیر ستانے کیلئے اس پر سر رکھے اور سو گئے۔ مچھلی نے توشہ دان میں حرکت کی اور اس سے نکل کر دریا میں کود گئی۔ پانی میں چھلانگ لگانے کے باعث سرنگ کی طرح رستہ بن گیا، اللہ تعالیٰ نے پانی کے بہاؤ کو روک دیا اور طاق کی طرح اس کی گزرگاہ کا سوراخ جوں کا توں باقی رہا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو حضرت یوشع علیہ السلام آپ کو مچھلی کا ماجرا سنانا بھول گئے۔ پھر سفر شروع ہو گیا اور وہ باقی ماندہ دن اور پوری رات چلتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان ساتھی سے فرمایا: اٰتِنَا غَدَآءَنَا...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت تھکاوٹ محسوس ہوئی جب انہوں نے وہ مقام عبور کر کے

1۔ کشاف، جلد 2 صفحہ 396، روح المعانی، جلد 5 صفحہ 318

آگے سفر جاری رکھا جہاں ٹھہرنے اور اپنے بندہ خاص سے ملاقات کرنے کا حکم دیا تھا، جواب میں آپ کے ساتھی نے کہا: اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَآ ... مچھلی کیلئے سرنگ بن گئی اور حضرات موسیٰ علیہ السلام و یوشع علیہ السلام کیلئے یہ حیرت و استعجاب کا باعث بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے کہ یہی تو ہماری منزل مراد تھی، چنانچہ اپنے نقوش پا پر چلتے ہوئے واپس پلٹے۔ اس چٹان پر پہنچے تو وہاں ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے اوپر چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ آپ نے سلام دیا۔ وہ خضر علیہ السلام تھے۔ کہنے لگے کہ آپ کی سرزمین میں یہ سلام کہاں؟ آپ نے بتایا کہ میں موسیٰ ہوں، انہوں نے پوچھا کہ موسیٰ بنی اسرائیل؟ آپ نے ہاں میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ مجھے ان حقائق و معارف سے روشناس کرائیں جو آپ کو سکھائے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ علم سکھایا ہے جس سے آپ واقف نہیں اور جو علم آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس سے میں واقف نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام آپ سے کہنے لگے کہ اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو کسی چیز کے متعلق مجھ سے مت پوچھئے، یہاں تک کہ میں خود ہی اس کے متعلق آپ کو آگاہ کردوں گا۔ اس گفتگو کے بعد دونوں ساحل کے ساتھ ساتھ چل دیئے۔ اسی اثناء میں ایک کشتی گزری، کشتی والوں سے بات چیت ہونے لگی کہ وہ انہیں بھی سوار کرلیں، کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا، اس لئے بغیر کرایہ کے انہیں سوار کرلیا، کشتی میں سوار ہوکر کچھ دور چلے تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کلہاڑے کے ساتھ کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں کہنے لگے کہ ان لوگوں نے ہمیں بغیر کرائے کے کشتی پر سوار کیا لیکن آپ نے اس میں شگاف کردیا تاکہ یہ سب لوگ غرق ہوجائیں۔ یہ آپ نے بہت برا کام کیا ہے۔ خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ میں نے پہلے ہی نہیں کہا تھا کہ آپ میری معیت پر صبر نہیں کرسکیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میری اس بھول پر میری گرفت نہ کرنا اور میرے اس معاملہ میں نہ ہی مجھے زیادہ مشکل میں ڈالنا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "موسیٰ علیہ السلام سے پہلی غلطی نسیان کے باعث تھی" اسی دوران ایک چڑیا کشتی کے ایک کنارے پر آبیٹھی، اس نے دریا میں ایک دو چونچیں ماریں اور پانی لے کر اڑ گئی۔ حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں میرا اور آپ کا علم اسقدر ہے جس قدر چڑیا نے دریا کے پانی میں کمی کی ہے۔ پھر دونوں کشتی سے باہر نکل آئے اور ساحل پر چلنے لگے، اچانک حضرت خضر علیہ السلام کو ایک لڑکا نظر آیا جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کے سر کو پکڑا اور گردن مروڑ کر ہلاک کردیا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں کہنے لگے کہ آپ نے ناحق ایک معصوم جان کو قتل کردیا، یہ تو آپ نے بہت نازیبا کام کیا ہے۔ خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ میری سنگت پر صبر نہیں کرپائیں گے، آپ نے تو پہلے سے بھی زیادہ بے صبری کا مظاہرہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کوئی سوال کیا تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ اب آپ معذور ہیں۔ یہ طے کرنے کے بعد دونوں پھر عازم سفر ہوئے یہاں تک کہ ایک گاؤں میں پہنچے، وہاں کے باشندوں سے کھانا مانگا لیکن انہوں نے ان کی ضیافت سے انکار کردیا۔ وہاں حضرت خضر علیہ السلام نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی، انہوں نے اسے اپنے ہاتھ کے ساتھ سیدھا کردیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر یارائے ضبط نہ رہا، فرمانے لگے کہ اس گاؤں والے ایسے بے مروت ہیں کہ نہ انہوں نے ہمیں کھانا کھلایا اور نہ مہمان نوازی کی۔ اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر کچھ مزدوری لے لیتے۔ اس پر خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ اب میرے اور آپ کے درمیان فراق کا وقت آگیا۔ میں آپ کو ان تمام چیزوں

کے حقائق پر آگاہ کروں گا جن پر آپ صبر نہیں کر سکے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "کاش موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مزید باتیں بیان فرماتا" حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ "وکان وراءھم ملك" والی آیت میں "وراءھم" کی بجائے "امامھم" پڑھتے اور وَ اَمَّا الْغُلٰمُ والی آیت یوں پڑھتے "وَاَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا وَّ كَانَ اَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ" (1)۔ بخاری شریف میں اور سند سے بھی یہ روایت مروی ہے، اس میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نکلے، ان کے ساتھ نوجوان خادم یوشع بن نون تھے، دونوں کے پاس ایک مچھلی تھی۔ جب چٹان پر پہنچے تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا سر رکھا اور سو گئے۔ وہاں ایک چشمہ تھا جس کا نام "الحیات" تھا، جس چیز کو اس کا پانی مس کرتا، وہ چیز زندہ ہو جاتی، جب مچھلی پر اس چشمہ کا پانی پڑا تو وہ حرکت کرنے لگی اور توشہ دان سے کھسک کر دریا میں کود گئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو آپ نے اپنے نوجوان ساتھی سے صبح کا کھانا لانے کیلئے کہا۔ اس روایت میں مذکور ہے کہ ایک چڑیا کشتی کے کنارے پر آ بیٹھی، اس نے اپنی چونچ پانی میں ڈبوئی اور اڑ گئی، یہ دیکھ کر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرا، آپ کا اور تمام مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اسقدر ہے جس قدر اس چڑیا نے پانی میں اپنی چونچ ڈبو کر پانی لیا ہے (2)۔

حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے گھر میں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی سوال کرنا چاہتا ہے تو کرے۔ میں نے عرض کی: میں آپ پر قربان جاؤں! کوفہ میں ایک قصہ گو شخص ہے جس کا نام نوف ہے، اس کا خیال ہے کہ جس موسیٰ کا ذکر ہوا ہے وہ موسیٰ بنی اسرائیل نہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ دشمن خدا جھوٹا ہے۔ مجھے ابی بن کعب نے ایک حدیث سنائی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام نے ایک روز لوگوں کو (رقت انگیز) وعظ کیا، یہاں تک کہ جب آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگیں اور دل پسیج گئے تو آپ انہیں چھوڑ کر چل دیئے، ایک شخص آپ کے پاس پہنچ کر عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! کیا اس روئے زمین پر آپ سے بڑھ کر بھی کوئی عالم ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ چونکہ علم آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض نہیں کیا تھا اس لئے یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی، آپ کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ میرا ایک بندہ تم سے بھی زیادہ علم رکھتا ہے، عرض کی: اے پروردگار! وہ کہاں ہے؟ فرمایا: دو دریاؤں کے سنگم میں، عرض کی: اے میرے رب! مجھے کوئی نشانی بتا دے جس سے میں اسے پہچان لوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نشانی بتائی کہ جہاں مچھلی تم سے الگ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ علیہ السلام نے ایک مچھلی لے کر اسے توشہ دان میں رکھ لیا اور اپنے ساتھی سے کہا کہ میں تمہیں صرف اس بات کا پابند کرتا ہوں کہ جس جگہ مچھلی تم سے جدا ہو جائے، مجھے آگاہ کر دینا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو معمولی بات ہے۔ یہی وہ بات ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ۔ "فتی" سے مراد یوشع بن نون ہیں۔ یوشع علیہ السلام ایک درخت تلے نمناک جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک مچھلی زندہ ہو کر دریا میں کود گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت سوئے ہوئے تھے۔ حضرت یوشع نے آپ علیہ السلام کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ خیال کیا کہ جب آپ خود بیدار ہوں گے تو انہیں یہ سارا ماجرا کہہ سناؤں گا لیکن جب آپ علیہ السلام بیدار ہوئے تو وہ مچھلی کی بابت بتانا بھول گئے۔ جب مچھلی نے دریا میں چھلانگ لگائی تو اللہ تعالیٰ نے پانی کا بہاؤ روک دیا اور پانی کے اندر شگاف بالکل ایسے دکھائی دیتا تھا جیسے کسی پتھر میں۔ راوی حدیث عمرو نے اپنے انگوٹھے اور ساتھ والی دو انگلیوں کا حلقہ بنا کر بتایا کہ وہ اس طرح سوراخ تھا جیسے پتھر میں ہوتا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 110

2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 115

جب دونوں حضرات واپس چٹان کی طرف پلٹے تو انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو بقول عثمان بن ابی سلیمان دریا کے وسط میں سبز رنگ کی چٹائی پر بیٹھے ہوئے پایا۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ وہ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کا ایک سرا پاؤں کے نیچے اور دوسرا سرا سر کے نیچے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام دیا تو انہوں نے اپنے چہرے سے چادر ہٹائی اور کہنے لگے کہ میری سرزمین میں یہ سلام؟ آپ کون ہیں؟ فرمایا: میں موسیٰ ہوں، پوچھا: کیا موسیٰ بنی اسرائیل؟ فرمایا، ہاں، پوچھنے لگے کہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ رشد وہدایت کا وہ خاص علم مجھے سکھائیں جس کی تعلیم آپ کو دی گئی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ آپ کے ہاتھوں میں تورات ہے اور آپ کے پاس وحی آتی ہے، کیا یہ آپ کو کافی نہیں؟ اے موسیٰ! میرے پاس ایسا علم ہے جس کا جاننا آپ کیلئے مناسب نہیں اور آپ کے پاس ایسا علم ہے جس کا جاننا میرے لئے مناسب نہیں۔ ایک پرندے نے دریا سے پانی کی چونچ بھری تو حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! میرا اور آپ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں اسقدر ہے جس قدر اس پرندے نے دریا سے اپنی چونچ میں پانی لیا ہے۔ کشتی پر سوار ہوئے، کشتی والوں نے آپ کو پہچان لیا اور کہنے لگے کہ یہ (خضر) اللہ کے نیک بندے ہیں، اس لئے کرایہ نہیں لیں گے لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں شگاف کر دیا، ایک تختہ توڑ کر اس میں میخیں لگا دیں، حضرت موسیٰ کہنے لگے کہ کیا آپ نے اس لئے کشتی میں شگاف ڈالا ہے تاکہ اس کے سوار غرق ہو جائیں۔ یہ آپ نے بہت برا کام کیا ہے۔ اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ اسلام کا پہلا اعتراض نسیان کے باعث تھا، دوسرا شرط کے طور پر اور تیسرا قصداً۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ میری بھول پر گرفت نہ کریں اور نہ میرے معاملہ میں مجھ پر زیادہ سختی کریں، پھر آگے چلے تو رستہ میں ایک ہوشیار، چالاک کافر لڑکا دیکھا جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے زمین پر لٹایا، پھر اسے چھری کے ساتھ ذبح کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام ضبط نہ کر سکے، کہنے لگے کہ آپ نے ایک معصوم جان کو قتل کر دیا ہے جس کا کوئی قصور بھی نہیں تھا؟ حضرت عبداللہ بن عباس کی قرأت میں آتا ہے ''اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَاکِیَۃً مُسْلِمَۃً''۔ پھر سفر شروع ہو گیا، اس دوران ایک دیوار نظر آئی جو گرنے کے قریب تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے اسے ہاتھ لگایا تو وہ سیدھی ہو گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے کہ آپ اس کی اجرت بھی لے سکتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأت میں '' وکان امامھم ملك '' ہے۔ کہتے ہیں کہ اس ظالم بادشاہ کا نام ہدد بن بدد تھا اور جس لڑکے کو قتل کیا گیا اس کا نام جیسور تھا۔ وہ ظالم بادشاہ زبردستی ہر کشتی چھین لیتا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس میں شگاف کر کے اسے عیب دار بنا دیا تاکہ بادشاہ کی دستبرد سے محفوظ رہے اور کشتی کے مالک کشتی لے کر جب بادشاہ کے پاس سے بچ کر گزر جائیں تو آگے جا کر اس کی اصلاح کر لیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے برتن کے ساتھ کشتی کے شگاف کو بند کر دیا اور بعض کہتے ہیں کہ تارکول کے ساتھ۔ جس لڑکے کو قتل کیا تھا وہ کافر تھا جبکہ اس کے والدین مومن تھے۔ خدشہ یہ تھا کہ کہیں اس لڑکے کی سرکشی اور کفر انہیں نہ لاحق ہو جائے اور ایسا نہ ہو کہ اس کی محبت انہیں اس کے دین کی پیروی پر مجبور کر دے۔ کہتے ہیں کہ اس لڑکے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک لڑکی عطا فرمائی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے امر کے متعلق مجھ سے زیادہ کسی کو علم نہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خضر علیہ السلام سے ملاقات کرنے کا حکم دیا (2)۔ حضرت سعید بن جبیر

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ کہف، جلد 6 صفحہ 112

2۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 278

بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، آپ کے پاس کچھ اہل کتاب بھی موجود تھے۔ کسی آدمی نے آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ حضرت کعب کے سوتیلے بیٹے نوف کا یہ خیال ہے کہ جس موسیٰ کا ان آیتوں میں ذکر ہے وہ موسیٰ بن میشا تھے۔ حضرت ابن عباس فرمانے لگے، اے سعید! کیا نوف یہ کہتا ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! میں نے نوف کو ایسا کہتے ہوئے سنا ہے۔ فرمانے لگے: اے سعید! کیا تم نے یہ خود سنا ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! آپ نے فرمایا، نوف جھوٹ کہتا ہے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ابی بن کعب نے مجھے یہ حدیث سنائی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ موسیٰ بنی اسرائیل نے اپنے رب سے عرض کی، اے میرے رب! اگر تیرے بندوں میں کوئی مجھ سے زیادہ علم رکھنے والا بندہ ہے تو اس پر میری رہنمائی فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، میرے بندوں میں ایک ایسا شخص ہے جو تم سے بڑا عالم ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی قیام گاہ کے متعلق آگاہ کر دیا اور ملاقات کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بھنی ہوئی مچھلی ساتھ رکھ لی۔ چٹان پر پہنچے تو وہاں ستانے کیلئے ٹھہر گئے، مچھلی دریا میں کود گئی جس کی بابت یوشع نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ کرنا تھا، لیکن بھول گئے۔ یہاں چٹان کے پاس ''ماء الحیاۃ'' کا چشمہ تھا، جس چیز پر یہ پانی پڑتا وہ زندہ ہو جاتی، مچھلی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ واپس لوٹ کر چٹان پر پہنچے تو وہاں چادر میں لپٹا ہوا ایک آدمی دکھائی دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام دیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر آپ سے کہنے لگے کہ آپ کس مقصد کیلئے آئے ہیں، ابھی آپ کی قوم کو آپ کی ضرورت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ مجھے رشد و ہدایت کے اس خصوصی علم سے آگاہ کریں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام چونکہ غیب کا علم جانتے تھے اس لئے کہنے لگے کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے اور آپ ایسی چیز پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں جس کے متعلق آپ کو پورا پورا علم نہیں کیونکہ آپ ظاہر پر حکم لگائیں گے جبکہ میں سربستہ رازوں سے آگاہ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق مت پوچھئے گا، یہاں تک کہ میں از خود آپ کو آگاہ کر دوں۔ یہ طے کر لینے کے بعد دونوں ساحل پر چل دیئے، ایک کشتی نظر آئی، اس پر سوار ہو گئے، کہتے ہیں کہ یہ سب کشتیوں سے زیادہ خوبصورت، عمدہ اور مضبوط تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس میں سوراخ کر دیا جس پر احتجاج کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ کیا آپ سوراخ کر کے سواروں کو غرق کرنا چاہتے ہیں۔ پھر ایک بستی میں آئے، وہاں کچھ بچے کھیل رہے تھے، ایک بچہ ان میں بہت زیادہ خوبصورت اور تیز طرار تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کو پکڑا اور ایک پتھر اس کے سر پر مار کر اسے قتل کر دیا۔ یہ نازیبا کام دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یارائے صبر نہ رہا، فرمانے لگے کہ آپ نے ایک معصوم بچے کو قتل کر دیا، یہ تو بہت ہی بری بات ہے۔ پھر بستی والوں سے کھانا مانگا لیکن انہوں نے ضیافت سے انکار کر دیا۔ وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے اسے منہدم کیا پھر اس کی تعمیر شروع کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اکتا گئے اور ضبط نہ کر سکے، کہنے لگے کہ آپ اگر چاہتے تو اس محنت پر کچھ مزدوری لے لیتے، اب حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے: هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ ۔ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں ''كُلَّ سَفِيْنَةٍ صَالِحَةٍ'' کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دیوار کے نیچے کا خزانہ علم تھا(1)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 279-280

عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم بنی اسرائیل نے مصر پر غلبہ پالیا اور یہاں قرار پذیر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات یاد دلائیں، چنانچہ آپ نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عنایات اور نوازشات یاد دلائیں کہ جب اس نے انہیں فرعونیوں کے مظالم سے نجات دلائی، ان کے دشمنوں کو نیست و نابود کر دیا، پھر ان کی سرزمین کا مالک بنا دیا اور ان کے نبی کو ہم کلامی کا شرف بخشا، مزید فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے لئے چن لیا، اپنی محبت مجھ پر ڈال دی اور ہر وہ چیز تمہیں عطا فرمائی جس کا تم نے سوال کیا تھا۔ تمہارا نبی زمین کے تمام باشندوں سے افضل ہے اور تم تورات کے حامل ہو۔ الغرض آپ نے انہیں وہ تمام انعامات یاد دلائے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کیے تھے۔ بنی اسرائیل کا ایک شخص آپ سے کہنے لگا کہ آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے، اے اللہ کے نبی! جو حقائق آپ نے بتائے ان کے متعلق تو واقفیت ہو گئی، اب یہ فرمائیے کہ کیا روئے زمین پر کوئی ایسا شخص ہے جو آپ سے زیادہ علم رکھتا ہو؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا تمہیں علم ہے کہ میں اپنا علم کہاں کہاں رکھتا ہوں، بلاشبہ دریا کے کنارے پر ایک ایسا آدمی ہے جو تم سے بڑا عالم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے انہیں یہ بندہ دکھانے کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ دریا کی طرف جاؤ، کنارے پر تمہیں ایک مچھلی ملے گی، اسے اپنے نوجوان خادم کے سپرد کر دینا اور پھر دریا کے کنارے کنارے چلتے رہنا، جب آپ کو مچھلی فراموش ہو جائے اور وہ آپ سے گم ہو جائے وہاں اس صالح بندے کو پالو گے، چنانچہ عازم سفر ہوئے۔ جب سفر کرتے کرتے تھک گئے تو آپ نے اپنے خادم سے مچھلی کے متعلق پوچھا، وہ عرض کرنے لگے: اَرَءَيۡتَ اِذۡ اَوَيۡنَاۤ اِلَى الصَّخۡرَةِ ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس پلٹ کر چٹان کے پاس پہنچے، مچھلی کا ماجرا سن کر آپ بڑے متعجب تھے واپسی پر آپ نے دیکھا کہ مچھلی پانی میں سرنگ بنائے جا رہی ہے۔ آپ بھی اپنے عصا کے ساتھ پانی کو چیرتے ہوئے مچھلی کے پیچھے چل دیے، جو پانی مچھلی کے ساتھ مس کرتا، خشک ہو جاتا، یہاں تک کہ وہ چٹان بن گیا، اس سے بھی اللہ کے نبی علیہ السلام کو بہت تعجب ہوا۔ آخرکار مچھلی ایک جزیرے تک پہنچ گئی۔ یہاں آپ علیہ السلام کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی، انہیں دیکھتے ہی آپ علیہ السلام نے سلام کیا اور انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا۔ تعارف کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے آپ سے تشریف آوری کا مقصد پوچھا ..... الخ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حر بن قیس رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہو گیا کہ یہ اللہ کے کون بندے تھے، جن کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے تھے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ خضر علیہ السلام تھے، اسی دوران حضرت ابی بن کعب کا وہاں سے گزر ہوا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں بلایا اور اپنے اختلاف سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ آپ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی مجلس میں تھے، اسی اثناء میں ایک شخص آیا اور آپ سے پوچھنے لگا کہ کیا آپ کو کسی ایسے آدمی کی موجودگی کا علم ہے جو آپ سے بھی بڑا عالم ہو؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے وحی کرتے ہوئے آپ سے فرمایا کہ کیوں نہیں، بلکہ ہمارا بندہ خضر (آپ سے بڑا عالم) ہے..... الخ۔

قَالَ لَهٗ مُوۡسٰى هَلۡ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا ۝ قَالَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ

مَعِیَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾

''کہا اس بندے کو موسیٰ نے کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس بندے نے کہا (اے موسیٰ!) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں اس بات پر جس کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں۔ آپ نے کہا آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا صبر کرنے والا اور میں نافرمانی نہیں کروں گا آپ کے کسی حکم کی۔ اس بندے نے کہا اگر میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھئے نہیں، یہاں تک کہ میں آپ سے اس کا خود ذکر کروں''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے درمیان ہونے والی گفتگو کے متعلق آگاہ کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو اس علم کے ساتھ مخصوص کیا تھا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مطلع نہیں تھے اور اسی طرح جو علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوا تھا اس کی اطلاع حضرت خضر علیہ السلام کو نہ تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: هَلْ اَتَّبِعُكَ۔ آپ کا یہ سوال ازراہ ادب و احترام، نرمی اور تلطف کے تھا نہ کہ الزامی اور اجباری طور پر۔ ایک عالم سے سوال کرتے وقت طالب علم کو یہی انداز اپنانا چاہئے۔ آپ کہنے لگے کہ کیا میں اس شرط پر آپ کی سنگت اختیار کر سکتا ہوں کہ آپ مجھے رشد و ہدایت کے اس خصوصی علم سے آگاہ کریں جو آپ کو سکھایا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے میرے علم نافع اور عمل صالح میں اضافہ ہو جائے۔ حضرت خضر آپ سے کہنے لگے: اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ.. یعنی آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکتے کیونکہ آپ کو میرے افعال آپ کی شریعت کے مخالف دکھائی دیں گے، دراصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کچھ ایسا علم عطا فرمایا ہے جو آپ کو نہیں سکھایا اور کچھ علم ایسا ہے جو آپ کو تو سکھایا گیا ہے لیکن مجھے اس کی تعلیم نہیں دی گئی، ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے دائرہ کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ مخصوص امور کا پابند ہے، اس لئے میرے معیت میں رہنے کی آپ میں طاقت نہیں اور پھر آپ اس بات پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں جس کے متعلق پوری طرح آپ کو آگاہ نہیں کیا گیا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ جن باتوں میں مجھ پر اظہار ناپسندیدگی کریں گے، اس میں آپ معذور ہیں، لیکن ان امور میں جو حکمت اور مصلحت کارفرما ہے، اس کے متعلق مجھے تو مطلع کر دیا گیا ہے لیکن آپ کو نہیں، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ -- یعنی آپ مجھے ہر معاملہ میں صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا، یہ طے کر لینے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے ایک شرط کا پابند کرتے ہوئے کہا: فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ......۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے میرے پروردگار! تمام بندوں میں کون سا بندہ تجھے زیادہ محبوب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ بندہ جو مجھے ہر وقت یاد کرتا ہے اور کبھی فراموش نہیں کرتا، پھر عرض کی کہ تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہے؟ فرمایا: وہ جو حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور خواہش نفس کی پیروی نہیں کرتا، پھر عرض کی اے پروردگار! تیرے بندوں میں سے سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا: وہ جو اپنے علم کے باوجود لوگوں کے علم کی جستجو میں رہتا

ہے، شاید کسی سے کوئی ایسی بات مل جائے جو اسے راہ ہدایت پر گامزن کر دے یا ہلاکت سے دور کر دے۔ عرض کی، اے پروردگار! کیا تیری زمین میں کوئی ایسا ہے جو مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہو؟ فرمایا: ہاں، عرض کی، وہ کون ہے؟ فرمایا: خضر، عرض کی کہ میں اسے کہاں تلاش کر سکتا ہوں؟ فرمایا: ساحل پر اس چٹان کے پاس جہاں مچھلی غائب ہو جائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس صالح بندے کی تلاش میں نکلے، دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے، زمین میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں اس سے زیادہ پانی ہو، اس روایت میں آتا ہے کہ ایک پرندہ چونچ سے پانی پینے لگا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے خیال میں اس پرندے نے دریا میں کس قدر کمی کی ہے؟ فرمایا: بہت معمولی، وہ کہنے لگے: اے موسیٰ! میرا اور آپ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں یہی حیثیت رکھتا ہے، چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سمجھتے تھے کہ ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم دیا(1)۔

فَانْطَلَقَا ٝ حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ۝

”پس وہ دونوں چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب وہ سوار ہوئے کشتی میں تو اس بندے نے اس میں شگاف کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے کیا تم نے اس لئے شگاف کیا ہے کہ اس کی سواریوں کو ڈبو دو۔ یقیناً تم نے بہت برا کیا ہے۔ اس بندے نے کہا کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کر سکیں۔ آپ نے (عذر خواہی کرتے ہوئے) کہا کہ نہ گرفت کرو مجھ پر میری بھول کی وجہ سے اور نہ تنگی کرو مجھ پر میرے اس معاملہ میں بہت زیادہ“۔

دونوں حضرات نے جب ایک ساتھ سفر کرنے پر اتفاق کر لیا اور حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ شرط منوالی کہ وہ کسی بھی انوکھی چیز پر معترض نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ انہیں خود ہی نہیں آگاہ کر دیتے تو دونوں عازم سفر ہوئے اور ایک کشتی پر سوار ہو گئے۔ اس کے متعلق تذکرہ ہو چکا ہے کہ کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور ان دونوں حضرات کو بغیر کرایہ وصول کیے سوار کر لیا۔ جب کشتی منجدھار میں پہنچی تو حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ اکھیڑ ڈالا، پھر اسے وہاں لگا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام ضبط نہ کر سکے، فرمانے لگے: اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا۔ ”لتغرق“ میں لام عاقبت کا ہے نہ کہ تعلیل کا جیسا کہ شاعر کا قول ہے ”لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ“۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے کہنے لگے: لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا یعنی آپ نے نازیبا اور عجیب کام کیا ہے۔ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو طے شدہ شرط یاد دلاتے ہوئے کہا: اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا یعنی میں نے یہ کام قصداً کیا ہے اور یہ ایسے امور میں سے ہے جن کے متعلق میں نے آپ پر پہلے ہی یہ شرط عائد کی تھی کہ ان کے متعلق آپ مجھ پر اعتراض نہیں کریں گے، کیونکہ ان کے متعلق آپ کو پوری طرح آگاہی نہیں بلکہ ان میں ایسی مصلحت کارفرما ہے جس کا آپ کو علم نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ ۔ یعنی آپ نہ مجھے تنگی میں ڈالیں گے اور نہ مجھ پر سختی کریں۔ حدیث شریف میں یہ گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”موسیٰ کا یہ پہلا اعتراض نسیان کے باعث تھا“۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 277

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾

”پھر وہ دونوں چل پڑے۔ حتیٰ کہ جب وہ ملے ایک لڑکے کو تو اس نے اسے قتل کر ڈالا۔ موسیٰ (غضبناک ہو کر) کہنے لگے کیا مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلہ کے بغیر۔ بے شک آپ نے ایسا کام کیا ہے جو بہت ہی ناز یبا ہے۔ اس نے کہا کیا (پہلے ہی) میں نے کہہ نہ دیا تھا آپ کو کہ آپ میری معیت میں صبر نہیں کر سکیں گے۔ آپ نے کہا اگر میں پوچھوں آپ سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ آپ میری طرف سے معذور ہوں گے“۔

بعدازاں دونوں پھر چل پڑے۔ چلتے چلتے ایک گاؤں میں پہنچے۔ وہاں ایک بہت حسین و جمیل لڑکا دکھائی دیا جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے پتھر سے اس کا سر کچل دیا، ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے اس کی گردن مروڑ دی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھیانک منظر دیکھا تو صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے بولے: اَقَتَلْتَ...... حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو پہلی شرط تاکید کے ساتھ یاد دلاتے ہوئے کہا: قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: اِنْ سَاَلْتُكَ .. یعنی اس کے بعد پھر اگر میں نے آپ پر اعتراض کیا تو بے شک مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، اب آپ معذور ہیں۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب کوئی شخص یاد آجاتا اور آپ اس کیلئے دعا کرتے تو پہلے اپنے لئے کرتے، ایک دن آپ نے فرمایا: ”ہم پر اور موسیٰ پر اللہ کی رحمت ہو، اگر وہ اپنے ساتھی (خضر علیہ السلام) کے ساتھ ٹھہرتے تو اور بھی بہت سی تعجب خیز چیزیں دیکھتے لیکن وہ کہنے لگے: اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا - (1)۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ِۣاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

”پھر وہ چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب ان کا گزر ہوا گاؤں والوں کے پاس تو انہوں نے ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے (صاف) انکار کر دیا ان کی میزبانی کرنے سے، پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے درست کر دیا۔ موسیٰ کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر مزدوری ہی لے لیتے۔ اس نے کہا (بس سنگت ختم) اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آگیا۔ میں آگاہ کرتا ہوں آپ کو ان باتوں کی حقیقت پر جن کے متعلق آپ صبر نہ کر سکے“۔

یہاں ان دونوں حضرات کے سفر کے تیسرے مرحلے کا بیان ہو رہا ہے۔ دونوں سفر کرتے کرتے ایک بستی میں پہنچے، اس کا نام بقول ابن سیرین ایکہ تھا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس بستی کے باشندے بہت بخیل تھے۔ بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے

1۔ تفسیر طبری، جلد 15 صفحہ 288

انکار کر دیا۔ اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے ایک ٹیڑھی دیوار کو جو گرنے کے قریب تھی، پکڑ کر سیدھا کر دیا۔ آیت کریمہ میں دیوار کی طرف ارادہ کی نسبت کرنا بطور مجاز ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار کی کجی کو درست کر کے اسے پختہ کر دیا۔ یہ خلاف عادت امر تھا، اسے دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: لَوْ شِئْتَ ۔ چونکہ انہوں نے ہمیں کھانا کھلانا بھی گوارہ نہیں کیا، اس لئے چاہئے تو یہ تھا کہ آپ اس کام کی اجرت لے لیتے۔ اب حضرت خضر علیہ السلام فرمانے لگے: هٰذَا فِرَاقُ...... کیونکہ لڑکے کے قتل کے وقت آپ نے از خود یہ شرط لگائی تھی کہ اگر میں نے اس کے بعد کوئی اعتراض کیا تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، سنئیں، اب میں ان چیزوں کے حقائق سے آپ کو آگاہ کرتا ہوں جن پر اعتراض کرنے سے آپ صبر نہ کر سکے۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ۝٧٩

"وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاحی کا) کام کرتے تھے دریا میں۔ سو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنا دوں اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی سے"۔

کشتی کو عیب دار کرنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذہن میں ایک اشکال پیدا ہو گیا اور اس فعل کو انہوں نے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا، چنانچہ اس میں مضمر حکمت سے نقاب کشائی کرتے ہوئے حضرت خضر علیہ السلام بتانے لگے کہ میں نے قصداً کشتی کو عیب دار بنانے کیلئے اس میں شگاف ڈالا تھا، کیونکہ آگے ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر عمدہ اور صحیح وسالم کشتی کو زبردستی پکڑ لیتا تھا، چنانچہ میں نے اسے عیب دار کر دیا تا کہ اس عیب کی وجہ سے یہ بادشاہ کی دست برد سے محفوظ رہے اور کشتی کے مسکین مالک اس کے ذریعے روزی کماتے رہیں جن کے پاس کوئی اور ذریعہ معاش نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ کشتی کے مالک چند یتیم بچے تھے۔ اس ظالم بادشاہ کا نام ہدد بن بدد تھا، تورات میں اس کا ذکر عیص بن اسحاق کی ذریت میں ہوا ہے۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝٨٠ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝٨١

"اور وہ جو لڑکا تھا تو (اس کی حقیقت یہ ہے کہ) اس کے والدین مومن تھے۔ پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو) مجبور کر دے گا انہیں سرکشی اور کفر پر۔ پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا رب (ایسا بیٹا) جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر) زیادہ مہربان ہو"۔

اس لڑکے کا نام جیسور تھا۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس لڑکے کو خضر نے قتل کیا تھا، وہ فطرتاً کافر تھا" (1)۔ اس لئے فرمایا: فَكَانَ اَبَوٰهُ ۔ کیونکہ اس بات کا خدشہ تھا کہ بچے کی محبت اس کے مومن والدین کو کفر کی طرف مائل کر دے گی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ جب یہ لڑکا پیدا ہوا تو اس کے والدین بہت مسرور ہوئے اور جب وہ قتل ہوا تو اس پر بہت غمزدہ ہوئے حالانکہ اگر وہ زندہ باقی رہتا تو اس کے سبب یہ ہلاک ہو جاتے، اس لئے آدمی کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی رہے کیونکہ مومن کیلئے

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 19، تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 3

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اس کے اپنے ذاتی فیصلے سے بہتر ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: اللہ تعالیٰ مومن کے لئے جو بھی فیصلہ فرماتا ہے وہ اس کے لئے باعث خیر ہوتا ہے(1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ (البقرۃ:216) "اور ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو"۔ حضرت خضر علیہ السلام فرمانے لگے: فَاَرَدْنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا ... یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لڑکے کے بدلے میں ایک لڑکی عطا فرمائی۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کو قتل کیا تھا، اس وقت اس کی والدہ کے پیٹ میں ایک مسلمان بچہ تھا۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ؕ﴿۸۲﴾

"باقی رہی دیوار (تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ) وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (دفن) تھا اور ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا۔ پس آپ کے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں بچے اپنی جوانی کو پہنچیں اور نکال لیں اپنا دفینہ۔ یہ (ان پر) ان کے رب کی خاص رحمت تھی اور (جو کچھ میں نے کیا) میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ یہ حقیقت ہے ان امور کی جن پر آپ سے صبر نہ ہوسکا"۔

اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ قریہ کا اطلاق مدینہ (شہر) پر بھی ہوسکتا ہے کیونکہ پہلے فرمایا: حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ اور پھر یہاں فرمایا: فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ اس طرح مندرجہ ذیل آیت میں قریہ سے مراد مکہ شریف ہے: وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِىَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِىْۤ اَخْرَجَتْكَ (محمد:13) "اور بہت سی ایسی بستیاں تھیں جو قوت و شوکت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس (کے باشندوں) نے آپ کو نکال دیا) ایک دوسری آیت میں "قریتین" سے مراد مکہ اور طائف ہیں فرمایا: وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف:31) "اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دو شہروں میں بڑا ہے"۔

حضرت خضر علیہ السلام دیوار کی اصلاح میں پوشیدہ حکمت سے آگاہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا۔ عکرمہ، قتادہ اور دیگر حضرات کہتے ہیں کہ دیوار کے نیچے مال دفن تھا۔ آیت کے ظاہری الفاظ اسی پر دلالت کرتے ہیں، لیکن بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ اس دیوار کے نیچے علم کا خزانہ مدفون تھا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ علمی کتابوں پر مشتمل خزانہ تھا، ایک مرفوع حدیث سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں، اس میں آتا ہے: "جس خزانہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے وہ خالص سونے کی ایک تختی تھی جس پر لکھا ہوا تھا اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین کر لینے کے باوجود مشقت میں پڑتا ہے، تعجب ہے اس شخص پر جو دوزخ کو یاد رکھنے کے باوجود ہنستا ہے اور جس شخص کو موت یاد ہے، اس پر تعجب ہے کہ وہ کیونکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سے غافل ہے"(2)۔ سلف سے بھی اس بارے میں کچھ آثار مروی ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ وہ سونے کی تختی تھی جس پر یہ لکھا ہوا تھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تقدیر پر ایمان رکھنے والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیسے غمزدہ ہوتا ہے، موت پر یقین رکھنے والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیونکر مسرور ہوتا ہے، دنیا اور تقلبات زمانہ کو پہچانے

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 117
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 56-57

والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیسے لا اله الا الله محمد رسول الله کے تقاضے پورے کرتا ہے۔عمر مولی غفرہ سے حضرت حسن بصریؒ جیسا قول مروی ہے۔جعفر بن محمد فرماتے ہیں کہ اس تختی پر ڈھائی سطریں تھیں، پوری تین نہ تھیں، ان میں تحریر تھا: ''رزق پر ایمان رکھنے والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیسے مارا مارا پھرتا ہے، حساب پر یقین رکھنے والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیوں غافل ہے اور موت پر ایمان رکھنے والے شخص پر تعجب ہے کہ وہ کیونکر خوش ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ (الانبیاء:47)'' اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہو تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں'' ان دونوں یتیم بچوں کے باپ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ نیک تھا، جبکہ ان کے نیک ہونے کا ذکر نہیں ہوا۔ان یتیموں اور ان کے باپ کے درمیان جس کی وجہ سے یہ بھی محفوظ رہے، سات پشتوں کا فاصلہ تھا اور ان کا یہ جدامجد بافندہ تھا(1)۔ان آئمہ نے جو کچھ بیان کیا ہے اور جو حدیث میں وارد ہوا ہے کہ وہ خزانہ علمی تھا، یہ اس قول کے منافی نہیں جس میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ خزانہ مال و دولت پر مشتمل تھا کیونکہ سونے کی تختی بذات خود ایک گرانقدر مال ہے، مزید برآں اس میں علم و حکمت پر مبنی مواعظ بھی تھے۔اللہ تعالیٰ کے فرمان وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا میں اس بات کی دلیل ہے کہ نیک آدمی اپنی ذریت کے لئے بھی مفید ثابت ہوتا ہے وہ اپنی ذریت کی حفاظت کا سبب بنتا ہے اور اس کی عبادت کی برکت انہیں دنیا و آخرت میں حاصل ہوتی ہے۔ایسا صالح بندہ اپنی ذریت کے بارے میں شفاعت کرے گا اور جنت میں ان کے درجات بلند کرنے کا وسیلہ ثابت ہوگا جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ان لڑکوں کی صالحیت کا ذکر نہیں بلکہ ان کے ساتویں دادا کی صالحیت اور نیکوکاری کا ذکر ہوا جس کے باعث یہ بھی محفوظ رہے۔اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا۔ میں ارادہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ انہیں جوانی تک پہنچانے پر صرف وہی قادر ہے، جبکہ لڑکے کے بارے میں ''فَاَرَدْنَا...... '' اور کشتی کے متعلق ''فَاَرَدْتُّ ۔'' کے الفاظ ہیں۔پھر فرمایا: رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ یعنی ان تینوں احوال میں میں نے جو کچھ کیا، اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے ہے، یہ میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ مجھے اس کا حکم دیا گیا تھا اور اس میں پوشیدہ حکمت پر مجھے آگاہ بھی کر دیا گیا تھا۔اس سے بعض لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت پر استدلال کیا ہے اور اس سے پہلے یہ بھی ان کے متعلق فرمایا جا چکا ہے: فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ ... کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ وہ رسول تھے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ فرشتے تھے۔اکثر علماء کا یہ موقف ہے کہ وہ نبی نہیں بلکہ ولی تھے، ابن قتیبہ نے معارف میں ذکر کیا ہے کہ ان کا نام بلیا بن ملکان بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح (علیہ السلام) تھا(2)۔ان کی کنیت ابوالعباس اور لقب خضر علیہ السلام تھا اور آپ کا تعلق شاہی خاندان سے تھا، امام نووی نے تہذیب الاسماء میں اس چیز کا تذکرہ ہے، مزید آپ یہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام اب تک زندہ ہیں لیکن کیا وہ قیامت تک زندہ رہیں گے؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔امام نووی اور ابن صلاح کا میلان تو اس طرف ہے کہ آپ قیامت تک باقی رہیں گے۔اس بارے میں سلف سے بہت سی حکایات اور آثار منقول ہیں اور بعض احادیث میں بھی اس کا ذکر آیا ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں، ان میں سے سب سے زیادہ مشہور حدیث تعزیت ہے جس میں آتا ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کی تعزیت کیلئے تشریف لائے تھے، لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے۔اکثر محدثین اور دیگر علماء اس کے برعکس کے قائل ہیں۔انہوں نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (الانبیاء:

1۔تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 5-6

2۔المعارف:42

34)'' اور ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کیلئے ہمیشہ رہنا مقدر نہیں کیا''۔ دوسری دلیل میدان بدر میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''اے اللہ! اگر میری یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین میں تیری عبادت نہ کی جائے گی''(1) اور تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور نہ آپ کے ساتھ مل کر جہاد کیا، اگر آپ زندہ ہوتے تو ضرور نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں شامل ہوتے کیونکہ آپ ﷺ کو تمام جن وانس کی طرف رسول مبعوث فرمایا گیا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا'' اور آپ ﷺ نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ پہلے فرمادیا تھا کہ جو لوگ آج کل روئے زمین پر موجود ہیں، ان میں سے کوئی بھی آج سے لے کر سو سال تک چشم زدن کیلئے بھی زندہ نہیں رہے گا(2)۔ علاوہ ازیں اور بھی متعدد دلائل ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ''انہیں خضر علیہ السلام اس لئے نام دیا گیا کہ وہ سفید رنگ کی خشک گھاس پھوس پر بیٹھے تو اچانک وہ سبزہ بن کر لہلہانے لگی''(3)۔ بعض نے کہا ہے کہ شاید یہ مراد ہو کہ آپ خشک زمین پر بیٹھے تو وہاں سبزہ اگ آیا۔

فرمایا: ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا یعنی جس چیز کو آپ برداشت نہیں کر سکے تھے اور اس پر بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا، یہ اس کی تفسیر ہے۔ جب حضرت خضر علیہ السلام علیہ السلام نے اپنے ہر اقدام کی وضاحت کردی، اس میں مضمر حکمت سے پردہ اٹھادیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اشکال کا ازالہ کردیا تو اب اس کیلئے لَمْ تَسْطِعْ کا لفظ استعمال کیا۔ قبل ازیں اشکال چونکہ قوی اور شدید تھا، اس لئے وہاں لَمْ تَسْتَطِعْ استعمال کیا یعنی ثقیل کے مقابلہ میں ثقیل اور خفیف کے مقابلہ میں خفیف جیسا کہ اس فرمان میں ہے: فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا (الکہف: 97) ''سو یاجوج ماجوج کوشش کے باوجود اسے سر نہ کر سکے اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکے'' صعود کیلئے ''اسطاعوا'' کا لفظ استعمال کیا اور نقب کیلئے ''استطاعوا'' کا، کیونکہ نقب میں مشقت زیادہ ہے، گویا ہر ایک کیلئے مناسب لفظ استعمال کیا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نوجوان ساتھی کا ذکر شروع میں تو ہوا ہے لیکن اس کے بعد کہیں ذکر نہیں ہوا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصود حضرات موسیٰ علیہ السلام وخضر علیہ السلام کا قصہ بیان کرنا ہے۔ آپ علیہ السلام کے نوجوان ساتھی تو آپ کے خادم اور تابع تھے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آپ کے یہ ساتھی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی باگ ڈور سنبھالی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن جریر کی اپنی تفسیر میں بیان کردہ وہ روایت ضعیف ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کا ذکر بعد میں نہیں سنا حالانکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نوجوان نے آب حیات پی لیا جس کے باعث انہیں دائمی زندگی مل گئی، انہیں ایک کشتی میں بٹھا کر تلاطم خیز موجوں کی نذر کردیا گیا۔ یہ کشتی قیامت تک موجوں کے تلاطم میں رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آب حیات پینا ان کیلئے مناسب نہیں تھا(4)۔ اس روایت کی سند ضعیف ہے، اس کا ایک راوی حسن متروک ہے اور اس کا باپ غیر معروف۔

1۔ مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1384، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 30
2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 93-140
3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 312 جلد 2، صفحہ 318، صحیح بخاری کتاب الانبیاء، جلد 4، صفحہ 190
4۔ تفسیر طبری، جلد 15، صفحہ 281

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ؕ﴿۸۳﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۙ﴿۸۴﴾

''اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے ذوالقرنین کے متعلق۔ فرمائیے میں ابھی بیان کرتا ہوں تمہارے سامنے اس کا حال۔

ہم نے اقتدار بخشا تھا اسے زمین میں اور ہم نے دیا تھا اسے ہر چیز (تک رسائی حاصل کرنے) کا ساز و سامان''۔

پہلے گزر چکا ہے کہ کفار مکہ نے اہل کتاب سے ایسی چیز دریافت کی تھی جس سے وہ نبی کریم ﷺ کا امتحان لے سکیں۔ اہل کتاب نے انہیں تین سوالات بتائے تھے۔ ایک اس آدمی کے متعلق جس نے دنیا کا چکر لگایا تھا، دوسرا ان نوجوانوں کے متعلق جو لاپتہ ہو گئے تھے اور تیسرا سوال روح کی حقیقت کے متعلق، اس پر سورۂ کہف نازل ہوئی۔ اس مقام پر ابن جریر اور اموی نے اپنی مغازی میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ایک ضعیف حدیث نقل کی ہے کہ کچھ یہودی ذوالقرنین کا قصہ دریافت کرنے کیلئے نبی کریم ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے ان کی گفتگو سے پہلے ہی انہیں آگاہ کر دیا کہ تم اس مقصد کیلئے آئے ہو، چنانچہ آپ نے انہیں ذوالقرنین کے متعلق آگاہ کر دیا۔ اس روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ذوالقرنین ایک رومی نوجوان تھا، اسی نے اسکندریہ کی بنیاد رکھی۔ ایک فرشتہ اسے آسمان پر لے گیا اور پھر وہاں سے اسے سد (دیوار) تک لے آیا، اس نے کچھ لوگ دیکھے جن کے چہرے کتوں جیسے تھے، یہ بہت طویل اور منکر روایت ہے۔ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ زیادہ یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اسرائیلی روایات سے ہے۔ تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ ابوزرعہ رازی نے اپنی جلالت شان کے باوجود اسے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بیان کیا ہے، یہ بہت عجیب و غریب بات ہے۔ یہ بات بھی درست نہیں کہ یہ رومی تھا، رومی بادشاہ تو اسکندر رومی بن فیلیس مقدونی تھا جس سے روم کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے اور سکندر اول تو بقول ازرقی وغیرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں ہوا۔ اس نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کے بعد آپ علیہ السلام کے ساتھ طواف کیا، یہ مومن اور آپ علیہ السلام کا پیروکار تھا اور حضرت خضر علیہ السلام اس کے وزیر تھے، جبکہ سکندر رومی مقدونی یونانی کا وزیر مشہور فلسفی ارسطاطالیس تھا۔ اسی اسکندر سے روم کی تاریخ لکھی گئی۔ اس کا دور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے کا ہے۔ جہاں تک سکندر اول کا تعلق ہے تو اس بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ وہ حضرت خلیل علیہ السلام کا ہم عصر تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر مکمل کر لی تو اس نے آپ علیہ السلام کے ساتھ مل کر طواف کیا اور قربانی دی۔ اس کے بہت سے واقعات ہم نے اپنی کتاب ''البدایہ والنھایہ'' میں بیان کر دیے ہیں۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کے سر کی دونوں اطراف تانبے کی تھیں۔ کسی اہل کتاب کا کہنا ہے کہ چونکہ وہ فارس و روم کا بادشاہ تھا اس لئے ذوالقرنین نام پڑ گیا۔ بعض حضرات اس نام کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے سر کے دونوں طرف سینگ سے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ذوالقرنین کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک مخلص بندے تھے، انہوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا لیکن وہ ان کے درپے آزار ہو گئے، انہوں نے ان کے ایک سینگ پر مارا تو وہ فوت ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر زندگی عطا فرما دی۔ اب وہ پھر قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے لگے، انہوں نے دوسرے سینگ پر مارا تو پھر فوت ہو گئے، اس لئے نام ہی ذوالقرنین پڑ گیا (1)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ذوالقرنین نام رکھے جانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشرق اور مغرب

1۔ تفسیر طبری، جلد 16، صفحہ 9-8

تک اس اس مقام پر پہنچے جہاں جہاں سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ ذوالقرنین کو بخشے گئے اقتدار کے متعلق فرمایا: اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ یعنی ہم نے اسے ایک وسیع اور عظیم سلطنت سے نوازا جس میں قوت، لشکر، آلات حرب اور ہر قسم کے دیگر لوازمات موجود تھے، اس لئے اس نے زمین کے مشرق و مغرب پر اقتدار مستحکم کرلیا، سارے ممالک اس کی قلمرو میں شامل ہوگئے، بادشاہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے اور عرب و عجم اس کی غلامی کا دم بھرتے، اس لئے بعض لوگوں کے خیال میں ذوالقرنین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشرق و مغرب میں آفتاب کے دونوں قرنوں تک رسائی پا چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا کے متعلق حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، سدی، قتادہ اور ضحاک وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد علم ہے۔ قتادہ اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اسے زمین کی منازل اور نشانیاں بتلادیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس سے مراد زبانوں کی تعلیم ہے، وہ جس قوم پر حملہ آور ہوتے ان کے ساتھ انہی کی زبان میں گفتگو کرتے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب الاحبار سے پوچھا: تم کہتے ہو کہ ذوالقرنین ثریا کے ساتھ اپنے گھوڑے باندھتے تھے؟ حضرت کعب نے جواب دیا کہ اگر آپ یہ کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے: وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب کی اس بات کا جو انکار کیا تھا، وہ درست تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس انکار کا حق پہنچتا تھا کیونکہ بقول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کعب کی بعض روایات درست نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جھوٹی روایات خود گھڑ لیتے تھے بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں موجود ایسی اسرائیلی روایات بیان کرتے جن کی اکثریت تغیر و تبدل، تحریف اور جھوٹ کا پلندہ تھی۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کی موجودگی میں ہمیں ان کی بالکل ضرورت نہیں کیونکہ ایسی روایات بہت شر اور فساد کا باعث بن سکتی ہیں۔ اسرائیلی روایت کے ثبوت میں قرآن کریم کی اس آیت وَاٰتَيْنٰهُ... سے کعب کا استدلال درست نہیں کیونکہ آسمان تک پہنچنا کسی بشر کے بس کا روگ نہیں۔ بلقیس کے حق میں بھی ایسے ہی الفاظ استعمال کرتے ہوئے فرمایا: وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (النمل: 23) یعنی اسے ہر وہ چیز عطا کی گئی جو بادشاہوں کے پاس عموماً ہوتی ہے۔ اس طرح مختلف ممالک کو فتح کرنے، دشمنوں کو شکست دینے، بادشاہوں کو لگام دینے اور اہل شرک کو ذلیل و رسوا کرنے کیلئے جن اسباب اور وسائل کی ضرورت تھی، وہ سبھی ذوالقرنین کو مرحمت کردیئے گئے۔ کسی شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھا کہ وہ کیسے مشرق اور مغرب تک پہنچ گئے؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو ان کیلئے مسخر کردیا، تمام اسباب انہیں فراہم کردیئے اور بھرپور قوت سے نوازدیا۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ
عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ
اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ
عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾ ط

"پس وہ روانہ ہوا ایک راہ پر۔ یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچا تو اس نے اسے یوں پایا گویا وہ ڈوب رہا ہے ایک سیاہ کیچڑ کے چشمہ میں اور اس نے وہاں ایک قوم پائی۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین! (تمہیں اختیار ہے) خواہ تم انہیں

سزا دو خواہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ذوالقرنین نے کہا جس نے ظلم (کفر و فسق) کیا تو ہم ضرور اسے سزا دیں گے پھر اسے لوٹا دیا جائے گا اس کے رب کی طرف تو وہ اسے عذاب دیگا بڑا ہی سخت عذاب۔ اور جو شخص ایمان لایا اور اچھے عمل کئے تو اس کے لئے اچھا معاوضہ ہے۔ اور ہم اسے حکم دیں گے ایسے احکام بجالانے کا جو آسان ہوں گے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "سبب" سے مراد منزل ہے، مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مشرق و مغرب کے درمیان منزل اور رستہ ہے، ایک اور روایت میں آپ سے اس کا معنی زمین کی دونوں طرفیں بھی منقول ہے۔ قتادہ اس کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ زمین کی منازل اور نشانات پر چل دیئے۔ ضحاک نے بھی "سبب" سے مراد منازل ہی لیا ہے۔ حضرات سعید بن جبیر، عکرمہ، عبیدہ بن یعلی اور سدی نے اس سے مراد علامت لی ہے، مطر کہتے ہیں کہ وہ (ذوالقرنین) زمین پر پہلے سے موجود نشانات اور آثار پر چل دیئے۔ پھر فرمایا: حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ یعنی وہ ایک رستہ پر چل پڑے اور مغرب کا رخ کیا یہاں تک کہ وہ زمین کی اس مغربی سمت کی انتہا تک پہنچ گئے۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ یہاں زمین کی مغربی سمت مراد ہے نہ کہ آسمان کا وہ حصہ جہاں سورج غروب ہوتا ہے، کیونکہ وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے اور قصہ گو لوگوں نے یہ جو مشہور کر رکھا ہے کہ ذوالقرنین کچھ مدت زمین پر چلتے رہے، پھر سورج کے غروب ہونے کی جگہ سے بھی تجاوز کر گئے اور اس دوران سورج ان کی پس پشت غروب ہوتا رہا، یہ سب من گھڑت قصے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں، ان میں سے اکثر افسانے ہیں جو اہل کتاب کے خرافات اور زنادقہ کی افتراء کا شاخسانہ ہیں۔ مزید فرمایا: وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ یعنی انتہائے مغرب میں پہنچ کر انہیں سورج کا منظر یوں دکھائی دیا کہ وہ بحر محیط میں ڈوب رہا ہے، بالکل یہی کیفیت ہر اس شخص کی ہوتی ہے جو ساحل پر کھڑے ہو کر سورج کا نظارہ کرتا ہے، اسے سورج یوں دکھائی دیتا ہے گویا وہ پانی میں ڈوب رہا ہے حالانکہ سورج چوتھے فلک میں ہے اور وہاں سے جدا کبھی نہیں ہوتا۔ "حَمِئَة" "حَمْأة" سے مشتق ہے اس کا معنی ہے: چکنی مٹی جیسا کہ فرمایا: اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (الحجر: 28)" میں بشر پیدا کرنے والا ہوں کھنکھناتی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار کیچڑ تھی"۔ اس کا بیان گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی معنی منقول ہے یعنی کیچڑ والا چشمہ۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت کعب الاحبار سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے زیادہ قرآن کریم کے عالم ہو، لیکن میں تو کتاب میں یہی پاتا ہوں کہ وہ سیاہ رنگ کی مٹی میں غروب ہو جاتا ہے(1)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ لفظ اسی طرح پڑھایا تھا یعنی "حَمِئَة"(2)۔ ابن ابی طلحہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اور قرأت نقل کرتے ہیں، وہ ہے: "فِیْ عَیْنٍ حَامِیَةٍ"، حامیہ کا معنی ہے گرم، حضرت حسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ دونوں قرأتیں مشہور ہیں، ان دونوں میں سے جو بھی پڑھ لی جائے درست ہے اور ان دونوں کے معانی میں کوئی منافات یا تضاد نہیں کیونکہ غروب آفتاب کے وقت سورج کے قریب ہونے اور بغیر کسی رکاوٹ کے براہ راست شعاعیں پڑنے کے سبب ممکن ہے کہ وہ چشمہ گرم ہو اور سیاہ کیچڑ کے باعث پانی گدلا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی دہکتی ہوئی آگ میں، اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی تپش کم نہ ہوتی تو یہ زمین پر ہر چیز کو جلا دیتا"(3)۔ اس حدیث کا مرفوع ہونا محل نظر ہے، ممکن ہے کہ یہ حضرت عبداللہ کا اپنا کلام ہو اور کتب کی ان دو بوریوں سے لیا گیا ہو جو انہیں جنگ یرموک کے موقعہ پر ملی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ بن ابی

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 11 2۔ مسند ابی داؤد الطیالسی: 72 3۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 12، مسند احمد جلد 2 صفحہ 207

سفیان رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو اس طرح تلاوت کیا: ''تغرب فی عین حامیۃ'' اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم تو اسے ''حَمِئَۃٍ'' پڑھتے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ اسے کس طرح پڑھتے ہیں؟ حضرت عبداللہ نے جواب دیا کہ جس طرح آپ نے پڑھا۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میرے گھر میں قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور ان سے پوچھا: آپ تورات میں سورج کہاں غروب ہوتا ہوئے پاتے ہیں؟ حضرت کعب نے جواب دیا کہ عربی زبان کے ماہرین سے پوچھیں، وہ اس بارے میں بہتر جانتے ہیں، البتہ تورات میں یہ لکھا ہے کہ سورج پانی اور مٹی (کیچڑ) میں ڈوبتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے ہاتھ سے مغرب کی طرف اشارہ کیا۔ یہ قصہ سن کر ابن حاضر کہنے لگے کہ اگر اس وقت میں آپ کے پاس ہوتا، تو تبع کے دو شعر آپ کی تائید میں پڑھ دیتا جس سے اس لفظ (حمئہ) کی وضاحت ہو جاتی ہے، ان اشعار میں تبع ذوالقرنین کی توصیف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہوں پر سفر کرتے کرتے مشرق اور مغرب تک پہنچا، غروب آفتاب کے وقت اس نے دیکھا کہ سورج سیاہ کیچڑ کے چشمہ میں ڈوب رہا ہے، ان اشعار کے تین الفاظ خلب، ثاط اور حرمد کے معانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھے تو انہوں نے بالترتیب یہ معانی بتائے: مٹی، کیچڑ اور سیاہ، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام یا کسی اور شخص سے فرمایا کہ یہ شخص جو کہتے ہیں لکھ لو۔ حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سورہ کہف کی تلاوت کر رہے تھے، جب آپ نے اس آیت وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ کی تلاوت کی تو حضرت کعب کہنے لگے کہ جس طرح تورات میں ہے، اسی طرح میں نے صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ تورات میں بھی یہی ہے کہ سورج سیاہ رنگ کے کیچڑ میں ڈوبتا ہے۔ تفسیر ابن جریج میں وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا کے تحت مذکور ہے کہ وہاں ایک شہر تھا جس کے بارہ ہزار دروازے تھے۔ اگر اس شہر کے مکینوں کا شور وغل نہ ہوتا تو وہ غروب آفتاب کی آہٹ تک سن لیتے۔ یہاں انہوں نے اولاد آدم سے ایک بہت بڑی امت کو آباد پایا۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو اس بستی پر مکمل اقتدار عطا فرمایا اور یہاں کے رہنے والوں پر پورا پورا تسلط مرحمت فرما دیا۔ اس نے یہ اختیار دے دیا کہ اگر وہ چاہیں تو ان بستی والوں کو قتل کر دیں اور قید میں ڈال دیں اور اگر چاہیں تو ان سے حسن سلوک کریں تا کہ ہر طرف ان کے عدل اور ایمان کی شہرت پھیل جائے، کہنے لگے: اَمَّا مَنْ ظَلَمَ ''یعنی ان میں سے جو کفر و شرک پر بضد رہے گا، اسے ہم سزا دیں گے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سزا قتل تھی۔ سدی کہتے ہیں کہ تانبے کا برتن خوب گرم کیا جاتا پھر ایسے لوگوں کو اس میں ڈال کر ہلاکت کے سپرد کر دیا جاتا۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ظالم سپاہی ان پر مسلط کر دیے جاتے جو ان کے گھروں میں داخل ہو جاتے اور ہر طرف سے گھیر کر انہیں طرح طرح کی سزائیں دیتے(1)۔ آیت کریمہ میں عَذَابًا نُّكْرًا سے مراد سخت دردناک عذاب ہے۔ اس میں قیامت اور جزا کا بھی ثبوت ہے۔ اہل ایمان کے متعلق واضح کر دیا: وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ یعنی جو شخص ہماری دعوت کو قبول کرتے ہوئے اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت میں ہماری اتباع کرے گا، اسے روز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت عمدہ اجر ملے گا اور ہم خود بھی اس کی عزت افزائی کرتے ہوئے اسے شائستہ بات کہیں گے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿89﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 18

دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَ قَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَیْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾

"پھر وہ روانہ ہوا دوسرے راستہ پر یہاں تک کہ جب وہ پہنچا طلوع آفتاب کے مقام پر تو اس نے پایا سورج کو کہ وہ طلوع ہو رہا ہے ایسی قوم پر کہ نہیں بنائی ہم نے ان کے لئے سورج (کی گرمی) سے بچنے کی آڑ۔ حقیقت یونہی ہے اور ہم نے احاطہ کر رکھا ہے ہر اس چیز کا جو اس کے پاس تھی اپنے علم سے"۔

ذوالقرنین پھر ایک اور سفر پر روانہ ہوئے اور غروب آفتاب کے مقام سے طلوع آفتاب کے مقام کی طرف چل پڑے، دوران سفر جس قوم سے سامنا ہوتا، اسے مغلوب کر کے توحید کی دعوت دیتے، اگر تو وہ ان کی اطاعت کر لیتے تو فبہا ورنہ انہیں ذلیل و رسوا کر کے رکھ دیتے۔ ان کے اموال اور ساز و سامان کو اپنے قبضہ میں لے لیتے اور ساتھ والے علاقوں کے ساتھ متوقع معرکہ کے پیش نظر بقدر ضرورت لوگوں کو اپنے لشکر میں شامل کر لیتے۔ اسرائیلی روایات میں آتا ہے کہ وہ ایک ہزار چھ سو سال تک زندہ رہے۔ اس عرصے کے دوران وہ مسلسل زمین کے طول و عرض میں پیش قدمی کرتے رہے یہاں تک کہ مشرق اور مغرب تک پہنچ گئے۔ جب وہ زمین کے اس مقام پر پہنچے جہاں سورج طلوع ہوتا ہے تو وہاں انہوں نے دیکھا کہ سورج ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتا ہے جن کے پاس کوئی ایسی آڑ یا پردہ نہیں ہے جس کے ذریعے وہ سورج کی گرمی سے اپنا بچاؤ کر سکیں۔ نہ ان کے پاس مکانات ہیں جو انہیں سورج کی تپش سے محفوظ رکھیں اور نہ درخت ہیں جو انہیں سایہ فراہم کریں اور سورج کی تمازت سے بچائے رکھیں۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ وہ سرخ رنگ کے پستہ قامت لوگ تھے۔ غاریں ان کا مسکن تھا اور عموی خوراک مچھلی تھی، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ان کی زمین عمارتوں کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ جب سورج طلوع ہوتا تو وہ پانی میں چلے جاتے اور جب سورج غروب ہوتا پانی سے نکل کر ادھر ادھر جانوروں کی طرح چلا تے پھرتے(1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ان کی زمین بنجر تھی، کوئی چیز وہاں نہیں اگتی تھی، طلوع آفتاب کے وقت وہ تہ خانوں میں چلے جاتے اور جب سورج ڈھلتا تو اپنے کھیتوں کی طرف نکل جاتے۔ سلمہ بن کہیل کہتے ہیں کہ سر چھپانے کیلئے ان کے پاس کوئی محفوظ مقامات نہیں تھے۔ البتہ ان کے کان بڑے بڑے تھے، طلوع آفتاب کے وقت ان میں سے ہر شخص اپنا ایک کان نیچے بچھا لیتا اور دوسرا کان اوپر اوڑھ لیتا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ وحشی حبشی تھے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ نہ انہوں نے کبھی خود کوئی عمارت وغیرہ وہاں بنائی اور نہ ہی کسی اور نے۔ جب سورج طلوع ہوتا تو وہ زوال تک تہ خانوں میں گھسے رہتے یا پانی میں اور ان کی زمین پر کوئی پہاڑ بھی نہ تھا۔ ایک مرتبہ ایک لشکر وہاں آدھمکا، وہاں کے مکینوں نے انہیں کہا کہ اس سرزمین پر طلوع آفتاب کا سامنا کرنے سے بچو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو یہیں رہیں گے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، پھر پوچھنے لگے کہ یہ ہڈیاں کیسی ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ پہلے ایک لشکر یہاں آیا تھا، جونہی ان پر سورج طلوع ہوا، وہ سبھی مرگئے، یہ ان کی ہڈیاں ہیں، یہ سنتے ہی وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے(2)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان كَذٰلِكَ ؕ وَ قَدْ اَحَطْنَا میں بقول مجاہد اور سدی "خبر" کا معنی علم ہے یعنی ہم ذوالقرنین اور ان کے لشکر کے حالات پر پوری طرح مطلع ہیں اور ان کی کوئی چیز ہم پر مخفی نہیں اگرچہ وہ زمین کے دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے: لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ (آل عمران:5) "نہیں پوشیدہ رہتی اس پر کوئی شے زمین میں اور نہ آسمان میں"۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا یَكَادُوْنَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 14 2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 14

يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ
نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ
فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى
بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾

"پھر وہ روانہ ہوا ایک اور راہ پر۔ یہاں تک کہ جب وہ پہنچا دو پہاڑوں کے درمیان تو پایا اس نے ان پہاڑوں کے پیچھے ایک قوم کو جو نہیں سمجھ سکتے تھے (ان کی) کوئی بات۔ انہوں نے کہا اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج نے بڑا فساد برپا کر رکھا ہے اس علاقہ میں تو کیا ہم مقرر کریں آپ کے لئے کچھ خراج تاکہ آپ بنا دیں ہمارے درمیان اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار۔ وہ بولا وہ دولت جس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہتر ہے پس تم میری مدد کرو جسمانی مشقت سے میں بنادوں گا تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ۔ تم لے آؤ میرے پاس لوہے کی چادریں (چنانچہ کام شروع ہو گیا) یہاں تک کہ جب ہموار کر دیا گیا وہ خلا جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا تو اس نے حکم دیا دھونکو یہاں تک کہ جب وہ لوہا آگ بنا دیا تو اس نے کہا لے آؤ میرے پاس پگھلتا ہوا تانبا میں اسے اس پگھلے ہوئے لوہے پر انڈیلوں"۔

ذوالقرنین کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ ایک اور راہ پر چلے یعنی انہوں نے مشرق سے ایک نئے سفر کا آغاز کیا، چلتے چلتے وہ دو پہاڑوں کے درمیان واقع ایک مقام پر پہنچے۔ یہ پہاڑ ایک دوسرے کے بالمقابل تھے، درمیان میں ایک درہ تھا، جہاں سے یاجوج ماجوج نکل کر ترک علاقوں پر حملہ آور ہوتے، وہاں خوب فساد برپا کرتے، کھیتوں کو برباد کر دیتے اور لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ یاجوج ماجوج بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے: "اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! آپ عرض کریں گے: "لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ"، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آگ کا حصہ الگ کرو، عرض کریں گے کہ آگ کا کتنا حصہ؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں، اس وقت ہر بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور ہر حاملہ اپنے حمل کو گرا دے گی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں دو امتیں ہیں، وہ جس میں ہوں اسے اکثریت والا بنا دیتی ہیں، یعنی یاجوج ماجوج" (1)۔ امام نووی نے شرح مسلم میں بعض لوگوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے منی خارج ہو کر مٹی میں مل گئی، اس سے یاجوج ماجوج کی تخلیق ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی تخلیق صرف حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی نہ کہ آدم و حوا دونوں سے، یہ قول بہت ہی عجیب و غریب ہے جس کی نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی دلیل اور اہل کتاب سے منقول ایسی روایات قابل اعتماد نہیں کیونکہ ان کے ہاں اکثر من گھڑت اور بناوٹی روایات ملتی ہیں۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نوح (علیہ السلام) کے تین بیٹے تھے، سام جس سے عربوں کی نسل چلی، حام جس سے حبشیوں کی نسل چلی اور یافث جس سے ترکوں کی نسل چلی" (2)۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یاجوج ماجوج بھی یافث کی اولاد میں سے ہیں۔ چونکہ یہ ہر وقت فساد، بغاوت اور شرارت پر آمادہ رہتے تھے اس لئے انہیں پہاڑ کے پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا، وہاں الگ تھلگ چھوڑے جانے کی بنا پر انہیں ترک نام دیا گیا۔ ابن جریر نے وہب بن منبہ سے ذوالقرنین کے سفر، تعمیر

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ حج، جلد 6 صفحہ 122۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 201
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 9

سد اور یاجوج ماجوج، ان کی صفات، اشکال، قد وقامت اور کانوں کے متعلق ایک طویل قصہ نقل کیا ہے جو عجیب وغریب ہونے کے علاوہ صحت سے بھی بعید ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے اس سلسلہ میں متعدد غریب احادیث روایت کی ہیں جن کی سندیں صحیح نہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا ۔ یعنی پہاڑوں کے درے میں انہوں نے ایسے لوگ آباد پائے جو اپنی مخصوص زبان سے واقفیت اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے کسی اور کی زبان کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ انہوں نے ذوالقرنین کی نیک نفسی کو دیکھتے ہوئے ان سے گزارش کی کہ یاجوج ماجوج آئے دن ہماری بستی کو تاراج کرتے رہتے ہیں، اگر آپ مہربانی فرمائیں تو ہم آپ کیلئے بہت سا مال جمع کرنے کیلئے تیار ہیں، تاکہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار اور آڑ بنا دیں۔

ذوالقرنین نے عفت، دیانت اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور مفاد عامہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا: مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ .... یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے جو بادشاہت اور اقتدار مرحمت فرمایا ہے وہ تمہارے مال سے بہتر ہے، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ (النمل: 36) "کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو، جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے"۔ ذوالقرنین کہنے لگے کہ جو کچھ مجھے عطا فرمایا گیا ہے وہ اس مال سے بہتر ہے جو تم خرچ کرو گے، لیکن تم افرادی قوت بہم پہنچاؤ اور جسمانی محنت اور آلات تعمیر کے ذریعے میری مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا، تم میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ۔ "زبر" زبرۃ کی جمع ہے اس کا معنی ہے لوہے کا ٹکڑا۔ لوہے کے یہ ٹکڑے اینٹوں کی طرح تھے، کہتے ہیں کہ ہر ٹکڑے کا وزن ایک قنطار تھا، لوہے کے ٹکڑے جمع ہو گئے تو ذوالقرنین نے دیوار کی تعمیر شروع کر دی، یہاں تک کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان خلا کو ہموار کر دیا اور طول وعرض میں اسے دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر کر دیا۔ اس دیوار کے طول وعرض کی مقدار میں لوگوں کا اختلاف ہے، اس کے بعد فرمانے لگے: انْفُخُوْا ... یعنی اس پر آگ بھڑکاؤ، یہاں تک کہ جب وہ دیوار بالکل آگ بن گئی تو کہنے لگے کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ تاکہ اسے میں اس کے اوپر بہا دوں۔ "قطر" سے مراد بقول ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ضحاک، قتادہ اور سدی پگھلا ہوا تانبا ہے۔ اسکی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ (سبا: 12) "اور ہم نے ان کیلئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا"۔ یہ دیوار دیکھنے میں یوں معلوم ہونے لگی گویا دھاری دار چادر ہے، ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے یاجوج ماجوج کی وہ دیوار دیکھی ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ کیسی ہے؟ عرض کی: دھاری دار چادر کی طرح جس میں سرخ اور سیاہ دھاریاں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "واقعی تم نے اسے دیکھا ہے" (1)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

خلیفہ واثق نے اپنے عہد میں اپنے کسی امیر کو ایک بہت بڑا لشکر اور کثیر ساز وسامان دیکر ایک مہم پر روانہ کیا۔ وہ مہم یہ تھی کہ وہ اس دیوار کو تلاش کر کے اسکی صحیح صحیح خبر لائیں۔ چنانچہ یہ لوگ اس مہم پر روانہ ہوئے اور ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی خاک چھانتے ہوئے آخرکار منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ انہوں نے لوہے اور تانبے سے تعمیر کردہ دیوار دیکھی اس میں ایک بہت بڑا دروازہ تھا جس پر دیوہیکل قفل لگے ہوئے تھے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک برج میں باقیماندہ اینٹیں، مال اور مسالہ پڑا ہوا ہے۔ پڑوسی بادشاہوں کی دست برد سے محفوظ رہنے کیلئے باقاعدہ پہرے کا انتظام ہے۔ دیوار اسقدر بلند ہے کہ اس پر چڑھنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح اس کے ساتھ ساتھ بلند وبالا پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ لینے کے بعد یہ لوگ اپنے وطن واپس لوٹ آئے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 23

اس مہم پر دو سال سے بھی زائد عرصہ صرف ہوا۔ اس دوران انہوں نے نہایت عجیب وغریب اور ہولناک چیزوں کا مشاہدہ کیا۔

فَمَا اسْطَاعُوْا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾

''سو یاجوج ماجوج بڑی کوشش کے باوجود اسے سر نہ کر سکے اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکے۔ ذوالقرنین نے کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے مجھے یہ توفیق بخشی) اور جب آ جائے گا میرے رب کا وعدہ تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا۔ اور میرے رب کا وعدہ (ہمیشہ) سچا ہوا کرتا ہے۔ اور ہم وا گزار کر دیں گے بعض کو اس دن کہ وہ (تند موجوں کی طرح) دوسروں میں گھس جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو اکٹھا کر دیں گے''۔

اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ وہ سر توڑ کوشش کے باوجود نہ تو دیوار کو پھاند سکے اور نہ ہی نیچے سے نقب لگا سکے، چونکہ دیوار پر چڑھنا اس میں سوراخ کرنے کی نسبت زیادہ آسان ہے اس لئے ہر ایک کیلئے مناسب لفظ استعمال کرتے ہوئے فرمایا: فَمَا اسْطَاعُوْا: اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نہ تو پوری دیوار میں سوراخ کر سکے اور نہ اس کے کچھ حصہ میں، لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''یاجوج ماجوج ہر روز اس دیوار کو کھودتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ سورج غروب ہونے والا ہے تو ان کا سردار انہیں حکم دیتا ہے کہ واپس چلے آؤ کل اسے کھود کر گرا دینا، لیکن جب وہ اگلے روز آتے ہیں تو اسے پہلے سے بھی زیادہ مضبوط پاتے ہیں۔ آخر کار جب ان کی میعاد پوری ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کو لوگوں پر ان کا نکلنا منظور ہوگا تو یہ دیوار کو کھودتے کھودتے چھلکے جیسا کر دیں گے، جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوگا تو ان کا سردار انہیں کہے گا کہ اب واپس چلو، کل انشاء اللہ اسے مسمار کر ڈالیں گے۔ ان شاء اللہ کہنے کی وجہ سے وہ اگلے روز دیوار کو جوں کا توں، بالکل اسی حالت پر پائیں گے جس پر وہ اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ چنانچہ وہ اسے گرا کر لوگوں پر پل پڑیں گے، تمام پانی ہڑپ کر جائیں گے، لوگ ان کی دست برد سے محفوظ رہنے کیلئے قلعہ بند ہو جائیں گے، یہ اپنے تیر آسمان کی طرف چلائیں گے تو وہ خون آلود ان کے پاس لوٹیں گے، یہ دیکھ کر وہ کہیں گے کہ ہم نے نہ صرف زمین والوں کو مغلوب کر لیا ہے بلکہ آسمان والوں کو بھی، بحکم خدا ان کی گردنوں میں ایسے کیڑے مسلط ہوں گے جن کے سبب یہ سب مر جائیں گے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! زمین کے جانور ان کے خون اور گوشت کھا کھا کر خوب موٹے تازے اور دودھ والے ہو جائیں گے'' (1)۔ اسے ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ غریب ہے۔ اور صرف اس سند سے معروف ہے۔ اسکی سند عمدہ اور قوی ہے لیکن متن میں نکارت ہے کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دیوار کی پختگی اور مضبوطی کے باعث نہ وہ اسے عبور کر سکے اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکے۔ حضرت کعب الاحبار سے مروی ہے کہ یاجوج ماجوج ہر روز اس دیوار کو چاٹتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ بہت کم باقی رہ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ کل اسے توڑ ڈالیں گے، جب اگلے روز آتے ہیں تو دیوار کو بالکل اسی طرح پاتے ہیں جس طرح وہ اصل میں تھی، پھر وہ اسے چاٹنا شروع کر دیتے ہیں یہاں تک کہ معمولی سے مقدار باقی رہ جاتی ہے، کہتے ہیں کہ کل اس کا کام تمام کر دیں گے لیکن دوسرے دن دیوار کو پھر اصلی شکل میں پاتے

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 511-510، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1364-1365

ہیں۔ آخر کار جب ان کا خروج مقصود ہوگا تو انہیں بذریعہ الہام ان شاء اللہ کہنے کی تلقین کی جائے گی۔ چنانچہ انشاء اللہ کہہ کر وہ دیوار کو جس حالت پر چھوڑیں گے، اگلے دن صبح بالکل اس حالت پر اسے پائیں گے اور اسے گرا کر باہر کود پڑیں گے۔ یہ بات قابل فہم ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ممکن ہے یہ روایت حضرت کعب سے لی ہو کیونکہ آپ اکثر ان کے پاس بیٹھتے اور گفتگو کرتے اور آپ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے نے اسے رسول اللہ علیہ السلام کا فرمان سمجھ کر مرفوعاً بیان کر دیا ہو۔ ہمارے اس موقف کی تائید کہ وہ نہ تو پوری دیوار میں نقب لگانے پر متمکن ہوئے اور نہ اس کے کچھ حصہ میں، ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوتی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم علیہ السلام نیند سے بیدار ہوئے، آپ کا چہرہ مبارک سرخ تھا اور آپ یہ فرما رہے تھے: ''لا الٰہ الا اللہ'' ایک قریب آجانے والے شر کے باعث عربوں کیلئے بربادی ہے، آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اس قدر سوراخ ہو گیا'' پھر آپ علیہ السلام نے اپنی انگلیوں سے حلقہ بنا کر دکھایا، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک کر دیئے جائیں گے حالانکہ ہمارے اندر نیکوکار موجود ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، جب خبیث لوگوں کی کثرت ہو جائے گی''(1)۔ یہ حدیث صحیح ہے جسے بخاری و مسلم نے امام زہری سے روایت کیا ہے لیکن بخاری کی روایت میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ذکر راویوں میں موجود نہیں البتہ مسلم کے راویوں میں آپ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے۔ اس سند میں چند چیزیں ایسی ہیں جو شاذ و نادر ہی وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ ایک چیز یہ ہے کہ زہری نے عروہ سے روایت کی ہے اور یہ دونوں تابعی ہیں، دوسری چیز یہ ہے کہ اس سند میں چار عورتیں جمع ہو گئی ہیں جو ایک دوسرے سے روایت کرتی ہیں، پھر یہ چاروں صحابیہ ہیں، ان میں سے دو نبی کریم علیہ السلام کی سوتیلی بیٹیاں ہیں، یعنی زینب بنت ابی سلمہ اور حبیبہ بنت ام حبیبہ جبکہ باقی دو (ام حبیبہ اور زینب بنت جحش) آپ علیہ السلام کی بیویاں ہیں۔ اس طرح کی ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اسقدر سوراخ ہو گیا اور آپ نے انگلیوں سے نوے کا اشارہ کیا''(2)۔ دیوار کی تعمیر مکمل ہونے پر ذوالقرنین کہنے لگے، هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۔ یعنی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی یہ خاص رحمت ہے کہ اس نے ان کے اور یاجوج ماجوج کے درمیان ایک آڑ قائم کر دی تاکہ وہ ان کے فتنہ و فساد اور شرارتوں سے محفوظ رہیں۔ جب میرے رب کے سچے وعدے کا وقت آجائے گا تو وہ اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے زمین بوس کر دے گا۔ دکاء کا معنی ہے برابر، جب کسی اونٹنی کی کوہان نہ ہو اور اسکی پشت برابر ہو تو اسے ''ناقۃ دکاء'' کہا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا (الاعراف: 143)'' پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اسے پاش پاش کر دیا'' عکرمہ اسکی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے پہلے کی طرح رستہ بنا دے گا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے جس کا وقوع یقینی ہے۔ مزید فرمایا: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ ..... یعنی اس دیوار کے مسمار ہونے کے بعد یہ لوگ وہاں سے نکل پڑیں گے اور سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے لوگوں میں گھس جائیں گے، خوب اودھم مچائیں گے، فساد بپا کریں گے اور لوگوں کے مال و متاع تلف کر ڈالیں گے۔ یہ واقعہ خروج دجال کے بعد اور وقوع قیامت سے پہلے ہوگا، اس کا پورا بیان اس آیت: حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ۝ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ (الانبیاء: 97-96) کی تفسیر کے تحت ہوگا۔ اس طرح یہاں فرمایا: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ ..... وقوع قیامت سے کچھ پہلے شروع میں یہ ہوگا، اس کے بعد صور پھونکا جائے گا اور سب لوگ جمع ہو جائیں گے، بعض

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، جلد 9 صفحہ 168، مسند احمد جلد 6 صفحہ 428

2۔ فتح الباری کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 382 صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 2208

دوسرے حضرات اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ روز قیامت تمام جن وانس خلط ملط ہو جائیں گے اور موجوں کی طرح ایک دوسرے میں گھس جائیں گے۔ بنو فزارہ کے ایک شیخ کا کہنا ہے کہ جب جن وانس آپس میں گھل مل جائیں گے تو اس وقت ابلیس کہے گا کہ میں تمہیں حقیقت حال معلوم کر کے بتاتا ہوں، چنانچہ وہ مشرق کی طرف بھاگ نکلے گا لیکن وہاں فرشتوں کو دیکھ کر مغرب کا رخ کرے گا۔ وہاں بھی ہر جگہ فرشتوں کو پائے گا تو کہے گا کہ کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ پھر وہ دائیں بائیں زمین کی انتہا تک بھاگے گا لیکن زمین کی تہہ میں بھی فرشتوں کو پائے گا اور کہا جائے گا کہ آج فرار کی کوئی جگہ نہیں۔ اسی اثناء میں اسے تسمہ کی مقدار رستہ دکھائی دے گا تو وہ اپنی ساری ذریت کو لیکر اس رستہ میں گھس جائے گا۔ آگے جائے گا تو اس کا سامنا جہنم سے ہوگا۔ ایک داروغہ جہنم اسے کہے گا: اے ابلیس! کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک خاص مقام نہیں حاصل تھا، کیا تو جنت میں نہیں تھا؟ وہ کہے گا کہ یہ عتاب اور سرزنش کا دن نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر ایک فریضہ مقرر کردے تو میں اس کی اتنی عبادت کروں جس قدر عبادت اس کی مخلوق میں سے کسی نے نہ کی ہو۔ داروغہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فریضہ تم پر مقرر کر رکھا ہے۔ ابلیس پوچھے گا کہ کونسا؟ داروغہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جہنم میں جانے کا حکم دیتا ہے۔ اس پر ابلیس ہچکچائے گا تو وہ فرشتہ اسے اور اس کی ذریت کو اپنے دونوں پروں کے ساتھ گھسیٹتے ہوئے جہنم میں پھینک دے گا، جونہی انہیں پھینکا جائے گا، جہنم سے ایک سخت چنگھاڑ سنائی دے گی جس کے باعث تمام فرشتے، نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و نیاز کرتے ہوئے گھٹنوں کے بل گر جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”یاجوج ماجوج اولاد آدم سے ہیں، اگر انہیں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ لوگوں کی معاش میں فساد برپا کر دیں۔ ان میں سے کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اپنی اولاد میں ایک ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ افراد نہ چھوڑے۔ ان کے سوا تین اور امتیں ہیں: تاویل، تاریس اور منسک“(1)۔ یہ حدیث غریب بلکہ منکر اور ضعیف ہے۔

حضرت اوس بن ابی اوس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یاجوج ماجوج کی بیویاں ہیں، جس قدر چاہیں، ان کے ساتھ مجامعت کریں اور ان کے ہاں درخت ہیں، جس طرح چاہیں پیوندکاری کریں۔ ان میں سے جب کوئی مرتا ہے تو اپنے پیچھے ایک ہزار بلکہ اس سے بھی زائد افراد چھوڑ کر مرتا ہے“(2)۔ اور صور جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، ایک قرن (سینگ) ہے جس میں پھونکا جائے گا۔ اس میں پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے جیسا کہ ایک طویل حدیث میں گزر چکا ہے۔ اس سلسلہ میں اور بھی متعدد احادیث ہیں۔ حضرت ابن عباس اور ابو سعید سے ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے: ”میں کیسے سکون سے بیٹھوں جبکہ صاحب قرن، قرن کو منہ سے لگائے، پیشانی جھکائے اور کان لگائے ہوئے منتظر ہے کہ کب (صور پھونکنے کا) حکم ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی کہ پھر ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ کہو ”حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا“(3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (الواقعہ:50-49)“ آپ فرما دیجئے بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں جمع کیا جائے گا“۔ وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا (الکہف:47)“ اور ہم انہیں جمع کریں گے اور ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے“۔

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۙ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ
وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۙ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ

1۔ سنن ابی داؤد طیالسی: 301 2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 6 3۔ عارضۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 261

اَوْلِیَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝

''اور ہم ظاہر کردیں گے جہنم کو اس دن کفار کے لئے بالکل عیاں۔ وہ کافر جن کی آنکھوں پر پردے پڑے تھے میری یاد سے اور جو (کلمہ حق) سن بھی نہیں سکتے تھے۔ کیا گمان کرتے ہیں کفار کہ وہ بنالیں گے میرے بندوں کو میرے بغیر اپنا حمایتی؟ (یہ ناممکن ہے) بیشک ہم نے تیار کر رکھا ہے جہنم کو کفار کی رہائش کے لئے''۔

روز قیامت کفار کے ساتھ جو سلوک ہوگا، اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ جہنم بالکل عیاں کر کے ان کے سامنے ظاہر کر دیا جائے گا تا کہ وہ اس میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس کے عبرتناک اور ہوشربا عذاب کا مشاہدہ کرلیں، فوری طور پر غم واندوہ اور رنج والم میں مبتلا کرنے کا یہ زیادہ موثر طریقہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جہنم کو ستر ہزار لگاموں کے ساتھ جکڑ کر لایا جائے گا اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے''(1)۔ پھر ان کفار کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ ...... یعنی یہ کفار قبول ہدایت اور اتباع حق سے غافل، اندھے اور بہرے بنے رہے جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (الزخرف: 36) ''اور جو شخص رحمن کے ذکر سے (دانستہ) اندھا بنتا ہے، ہم اس کیلئے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے'' اور یہاں فرمایا: وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ پھر فرمایا: اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ۔ یعنی یہ کفار یقین کیے بیٹھے ہیں کہ وہ اپنے معبودان باطلہ کو اپنا حمایتی اور مددگار بنالیں گے اور وہ ان کے کام آئیں گے حالانکہ ان کی حقیقت یوں ہے: كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (مریم: 82) ''ہرگز نہیں، وہ جھوٹے خدا ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے دشمن بن جائیں گے''۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ان کفار کی رہائش کیلئے جہنم بالکل تیار ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝

''فرمایئے (اے لوگو!) کیا ہم مطلع کریں تمہیں ان لوگوں پر جو اعمال کے لحاظ سے گھاٹے میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیوی زندگی کی آراستگی میں کھو کر رہ گئی اور وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ کوئی بڑا عمدہ کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور اس کی ملاقات کا تو ضائع ہوگئے ان کے اعمال تو ہم ان (کے اعمال تولنے) کے لئے روز قیامت کوئی ترازو نصب نہیں کریں گے۔ یہ ہے ان کی جزا جہنم اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور رسولوں کو مذاق بنالیا''۔

حضرت مصعبؒ نے اپنے والد گرامی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اس آیت قُلْ هَلْ .. کے متعلق دریافت کیا کہ کیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2184

ں سے خوارج مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہود نے حضور اکرم ﷺ کو جھٹلایا، نصاریٰ نے
نت کا انکار کیا اور کہنے لگے کہ وہاں کوئی طعام و شراب نہیں اور خوارج نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان کو پختہ کر لینے کے بعد
ڑ دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ خوارج کو فاسق کہا کرتے تھے (1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، قتادہ اور دیگر متعدد حضرات کہتے ہیں کہ اس
یت سے مراد خارجی ہیں (2)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ آیت خارجیوں کو بھی اسی طرح شامل ہے جس طرح یہود، نصاریٰ اور ان جیسے
ظر لوگوں کو، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ آیت کسی مخصوص گروہ کے متعلق نازل ہوئی ہے بلکہ یہ آیت عام ہے اور اس قماش کے تمام لوگوں کو شامل
ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور اس کے نزول کے وقت مکہ میں اس کے مخاطب یہود و نصاریٰ نہ تھے اور خوارج کا تو اس وقت وجود تک نہ تھا۔
ں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت ہر اس شخص کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ طریقے کے مطابق اسکی عبادت کرتا ہے اور وہ اپنے
یں یہ یقین کر بیٹھتا ہے کہ وہ بہت عمدہ اور درست کام کر رہا ہے اور اس کا یہ عمل مقبول ہوگا حالانکہ اس کا یہ گمان غلط اور اس کا عمل مردود ہے
یسا کہ فرمایا: وُجُوْهٌ يَّوْمَىٕذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً (الغاشیہ: 2-4) " کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل و خوار ہوں
ے مشقت میں مبتلا تھکے ماندے، داخل ہوں گے دہکتی ہوئی آگ میں"، وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (الفرقان:
2) " اور ہم ان کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے اور انہیں گرد و غبار بنا کر اڑا دیں گے"، وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ
يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــــًٔا (النور: 39) " اور کافروں کے اعمال ایسے ہیں جیسے کسی چٹیل میدان میں چمکتی ہوئی
یت ہو جسے پیاسا پانی خیال کرتا ہے حتیٰ کہ جب اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا"۔ اور یہاں فرمایا: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ ۔ پھر
لوگوں کی وضاحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَلَّذِيْنَ ضَلَّ ... یعنی یہ لوگ ناپسندیدہ اور غلط طریق کار کو اپنا کر باطل اعمال کرتے رہے
دل میں یہ یقین محکم کیے رہے کہ وہ بہت عمدہ کام کر رہے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بندے ہیں لیکن یہ تو ایسے بدنصیب
ے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسولوں کی صداقت پر قائم آیات اور دلائل کا انکار کر دیا اور روز آخرت کو جھٹلانے لگے، اس
ے قیامت کے دن ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں ہوگا کیونکہ وہ خیر سے خالی تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول
ﷺ نے فرمایا: " روز قیامت ایک بھاری بھرکم موٹا تازہ شخص آئے گا لیکن اللہ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی اس کا وزن نہیں ہوگا،
آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو یہ آیت فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ ۔۔ پڑھ لو" (3)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول
ﷺ نے فرمایا: " بہت زیادہ پیٹو اور بھاری بھرکم شخص کو لایا جائے گا اور ایک دانے کے ساتھ اس کا وزن کیا جائے گا تو اس کے برابر بھی
کا وزن نہیں ہوگا"۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس
ے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں ایک قریشی اپنے حلے میں اتراتا ہوا وہاں سے گزرا، جب وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آکر ٹھہرا تو آپ ﷺ
فرمایا: " اے بریدہ! یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کا روز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وزن نہیں ہوگا" (4)۔ حضرت کعب فرماتے ہیں
قیامت کے دن ایک گراں ڈیل اور لمبا تڑنگا شخص لایا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا، اسکی
یہ آیت فَلَا نُقِيْمُ ... ہے (5)، پھر ان کی جزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ ۔۔ یعنی یہ ان کے کفر، اللہ تعالیٰ کی

ح بخاری، تفسیر سورۂ کہف، جلد 6 صفحہ 117 — 2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 32-33
ح بخاری، تفسیر سورۂ کہف، جلد 6 صفحہ 117، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، جلد 4 صفحہ 2147
شف الاستار عن زوائد البزار، کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 365 — 5۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 35

آیات اور رسولوں کا تمسخر اڑانے اور انہیں جھٹلانے کا بدلہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتۡ لَهُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا لَا يَبۡغُوۡنَ عَنۡهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾

"یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل (بھی) کرتے رہے تو فردوس کے باغات ان کی رہائش گاہ ہوں گے۔ وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں (اور) نہیں چاہیں گے کہ وہ اس جگہ کو بدل لیں"۔

اللہ تعالیٰ کے سعادت مند بندوں کا ذکر ہو رہا ہے، یہ ایسے پاکباز ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور تمام رسولوں کی تصدیق کی، ان کیلئے فردوس کے باغات ہیں، مجاہد کہتے ہیں کہ رومی زبان میں باغ کو فردوس کہتے ہیں، کعب، سدی اور ضحاک کہتے ہیں کہ فردوس سے مراد انگوروں کا باغ ہے، ابو امامہ کہتے ہیں کہ فردوس سے مراد وسط جنت ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ فردوس جنت میں سے سب سے افضل، بلند اور اونچی جگہ پر واقع ایک مقام ہے جیسا کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فردوس جنت کا ٹیلہ، ساری جنت سے اعلیٰ اور خوبصورت ہے" (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو تو اس سے فردوس مانگو کیونکہ یہ جنت کا سب سے اعلیٰ اور افضل مقام ہے اور یہاں سے ہی جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں" (2)۔ آیت کریمہ میں لفظ "نزل" سے مراد ضیافت اور مہمان نوازی ہے۔ وہ فردوس کے باغات میں ہمیشہ ہمیشہ مقیم رہیں گے اور یہاں سے کوچ کرنے اور اس کے بدلے کوئی اور جگہ تلاش کرنے کا انہیں خیال تک نہیں آئے گا۔ ان کی کیفیت بالکل ایسی ہوگی جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے وہ میرے دل کے سیاہ نقطہ میں جاگزیں ہوگئی، پس میں اس کے بدلے میں کوئی اور تلاش کرتا ہوں اور نہ میں اسکی محبت سے دستبردار ہوتا ہوں (3)۔ فرمایا: لَا يَبۡغُوۡنَ عَنۡهَا حِوَلًا یہ فرما کر جنات الفردوس میں ان کی رغبت اور محبت سے آگاہ کر دیا حالانکہ ایک ہی جگہ پر ہمیشہ مقیم رہنے والے شخص کے متعلق کم از کم یہ تو گمان کیا ہی جاسکتا ہے کہ وہ کبھی نہ کبھی اکتاہٹ کا شکار ہو سکتا ہے لیکن ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ وہ اس دوام اور خلود کے باوجود اپنے مقام سے ہٹنا اور اس کے بدلے میں کوئی دوسرا مقام منتخب کرنا پسند نہیں کریں گے۔

قُلۡ لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيۡ وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

"(اے حبیب!) آپ فرمائیے کہ اگر ہو جائے سمندر روشنائی میرے رب کے کلمات (لکھنے) کے لئے تو ختم ہو جائے گا سمندر اس سے پیشتر کہ ختم ہوں میرے رب کے کلمات اور اگرچہ ہم لے آئیں اتنی اور روشنائی اس کی مدد کو (تب بھی ختم نہ ہوں گے)"۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول ﷺ کو اس بات کے اعلان کا حکم دے رہا ہے کہ اگر تمام سمندر روشنائی بن جائیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلمات، حکمتیں اور آیات بینات لکھنی شروع کی جائیں تو ان کی کتابت سے پیشتر یہ تمام روشنائی ختم ہو جائے اور پھر اگرچہ بار بار اتنی مقدار میں مزید روشنائی مہیا کی جائے تو بھی خدائی کلمات ختم نہیں ہوں گے جیسا کہ فرمایا: وَلَوۡ اَنَّ مَا فِي الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَةٍ اَقۡلَامٌ

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 38 2۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 11 3۔ شرح ابیات مغنی اللبیب للبغدادی، جلد 4 صفحہ 387

اَبْحُرٍ یَّمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (لقمان:27) ''اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اور اس کے علاوہ سات سمندر اسے (مزید) سیاہی مہیا کریں تو پھر بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی بے شک اللہ غالب، دانا ہے''۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ تمام بندوں کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں یوں ہے جیسے ایک قطرہ تمام سمندروں کے مقابلہ میں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ ...... خدائی کلمات لکھنے کیلئے اگر تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام درخت قلمیں بن جائیں تو قلم ٹوٹ جائیں گے اور سمندروں کا پانی ختم ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات بالکل اسی طرح قائم رہیں گے اور انہیں کوئی چیز ختم نہیں کر سکتی کیونکہ کوئی بھی کما حقہ نہ اللہ تعالیٰ کی قدر پہچان سکتا ہے اور نہ اسکی حمد و ثنا کر سکتا ہے بلکہ وہی کما حقہ اپنی توصیف بیان کرتا ہے۔ بلا شبہ ہمارا رب ویسا ہی ہے جیسا کہ وہ خود فرما رہا ہے اور وہ ہماری حمد و ستائش سے بہت بالا ہے۔ اول سے لیکر آخر تک تمام دنیا کی نعمتیں اخروی نعمتوں کے مقابلہ میں یوں ہیں جیسے رائی کا ایک دانہ ساری زمین کے مقابلہ میں۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ۝

''(اے پیکر رعنائی و زیبائی!) آپ فرمایئے کہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا خدا صرف اللہ وحدہ ہے۔ پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو۔''

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان مشرکین سے کہہ دیں جو آپ کی رسالت کو جھٹلاتے ہیں کہ میں تمہاری طرح بشر ہی ہوں اور جو مجھے جھوٹا خیال کرتا ہے، اسے چاہئے کہ وہ میرے لائے ہوئے قرآن جیسا قرآن لائے تم نے مجھ سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے قصوں کے متعلق استفسار کیا اور میں نے ان کے متعلق حقیقت حال سے تمہیں آگاہ کر دیا، یہ ایسے غیبی اسرار ہیں جنہیں میں اللہ تعالیٰ کے آگاہ کیے بغیر از خود نہیں جان سکتا۔ میرا فریضہ تو تمہیں اس بات کی خبر دینا ہے کہ تمہارا معبود جس کی عبادت کی میں تمہیں دعوت دیتا ہوں، وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، پس جو شخص اپنے رب کے ساتھ ملاقات اور عمدہ اجر و ثواب کی امید کرتا ہے اسے چاہئے کہ وہ ایسے نیک عمل کرے جو شریعت الٰہی کے مطابق ہوں اور وہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے، یعنی ہر عمل سے اللہ وحدہ لاشریک کی رضا مقصود ہو۔ کسی بھی عمل کی مقبولیت کیلئے ان دو ارکان کا ہونا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ وہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہو اور دوسرا یہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق ہو۔ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں بہت سے نیک کام کرتا ہوں جن سے مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ میری یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ میری نیکی کا چرچا ہو۔ آپ ﷺ نے اس شخص کو کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا --- نازل ہوئی(1)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ ایک شخص نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مجھے ایک شخص کے متعلق آگاہ کریں جو نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، صدقہ کرتا ہے اور حج کرتا ہے، ان عبادات سے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا بھی طلب گار ہوتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگ اسکی تعریف کریں۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کیلئے

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 40

کوئی اجر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں سب سے بہتر حصے والا ہوں جو شخص کسی عمل میں میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو یہ عمل اس کا ہے، مجھے اسکی کوئی ضرورت نہیں۔(1) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم باری باری رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوتے اور آپ کے پاس رات گزارتے، اگر آپ ﷺ کو رات کے وقت کوئی ضرورت ہوتی یا کوئی اور معاملہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ ہمیں بھیج دیتے، اس طرح باری باری خدمت بجالانے والوں کی کثرت ہوگئی، ایک رات ہم آپس میں گفتگو کررہے تھے، اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا سرگوشیاں ہورہی ہیں؟ ہم نے عرض کی: یا نبی اللہ! ہماری توبہ، ہم مسیح دجال کا ذکر کررہے تھے اور اس سے ہم خوفزدہ ہوگئے، آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا میں تمہیں مسیح دجال سے بھی زیادہ خوفناک چیز نہ بتلاؤں؟ ہم نے عرض کی کہ ضرور بتلایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ شرک خفی ہے کہ ایک انسان کسی دوسرے انسان کو دکھانے کیلئے نماز پڑھے"(2) حضرت ابن غنم بیان کرتے ہیں کہ جب میں اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جابیہ کی مسجد میں داخل ہوئے تو ہماری ملاقات حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ہوئی، انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا دایاں ہاتھ اور دائیں ہاتھ سے حضرت ابوالدرداء کا بایاں ہاتھ تھام لیا۔ اس طرح ہم تینوں سرگوشیاں کرتے ہوئے باہر نکلے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اگر تم میں سے ایک یا تم دونوں زندہ رہے تو ممکن ہے کہ تم ایسے شخص کو دیکھو جس نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی قرآن سیکھا، اسے پڑھتا رہا، اسکی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھتا رہا اور اس کے احکام کو مناسب جگہ رکھتا رہا لیکن لوگوں میں اس کا مقام و مرتبہ ایسا ہو جیسے مردہ گدھے کے سر کا۔ اسی اثناء میں حضرات شداد بن اوس اور عوف بن مالک رضی اللہ عنہما ہمارے پاس آکر بیٹھ گئے، حضرت شداد فرمانے لگے، اے لوگو! مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف اس کا ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا یعنی شہوت خفی اور شرک، یہ سن کر حضرات عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا اللہ! مغفرت فرمایئے۔ کیا رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس بات سے آگاہ نہیں فرمادیا کہ شیطان اس بات سے مایوس ہوچکا ہے کہ جزیرہ عرب میں اسکی عبادت کی جائے۔ جہاں تک پوشیدہ شہوات کا تعلق ہے تو ان کے متعلق تمہیں بخوبی علم ہے کہ اس سے مراد شہوات دنیا یعنی عورتیں وغیرہ ہیں۔ اے شداد! یہ شرک کیا ہے جس سے آپ ہمیں ڈرارہے ہیں؟ حضرت شداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے بتایئے کہ ایک آدمی دوسروں کو دکھانے کیلئے نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے اور صدقہ وخیرات کرتا ہے، کیا تمہارے خیال میں اس نے شرک کیا؟ سب حاضرین نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! جو شخص دکھاوے کیلئے نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے اور صدقہ کرتا ہے، وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔ حضرت شداد رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جس نے دکھاوے کیلئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے ریاکاری کی خاطر روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے نمائش کیلئے صدقہ کیا اس نے شرک کیا"۔ اس پر حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہنے لگے: کیا یہ ممکن نہیں کہ ان اعمال میں جو خالص رضائے الٰہی کیلئے ہوں، انہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمالے اور جو دوسروں کیلئے ہوں، انہیں رد کردے۔ حضرت شداد رضی اللہ عنہ جواب میں کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں سب سے بہتر حصے والا ہوں۔ جس نے میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اس کا عمل خواہ قلیل ہو یا کثیر، اس کے شریک کیلئے ہے جسے اس نے شریک بنایا، میں اس سے بے نیاز ہوں"(3)۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ایک دن رونے لگے، آپ رضی اللہ عنہ سے رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 40 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 30 3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 125-126

کہ مجھے اس چیز نے رلایا ہے جسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اپنی امت پر شرک اور پوشیدہ شہوت کا اندیشہ ہے“ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں، سنو! وہ سورج، چاند، پتھر اور بت کی پرستش نہیں کریں گے بلکہ اپنے اعمال میں ریاکاری کریں گے اور پوشیدہ شہوت یہ ہے کہ ایک آدمی روزے کی حالت میں صبح کرے لیکن پھر کسی شہوت کے باعث روزہ ترک کر دے“ (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں سب سے بہتر شریک ہوں، جس نے میرے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو اس کا سارا عمل اسی کیلئے ہے“ (2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”میں سب شریکوں سے بہتر ہوں، جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرایا تو میں اس سے بری ہوں اور اس کا یہ عمل اس کیلئے ہے جسے اس نے شریک بنایا“ (3)۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے تم پر سب سے زیادہ اندیشہ شرک اصغر کا ہے“، قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا تو ریاکاروں سے فرمائے گا کہ ان کے پاس جاؤ جن کی خاطر تم دنیا میں ریاکاری کیا کرتے تھے پھر دیکھو، کیا تمہیں ان کے ہاں بدلہ ملتا ہے“ (4)۔ حضرت ابوسعید بن ابی فضالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ اول آخر تمام لوگوں کو ایسے دن میں جمع کرے گا جس میں کوئی شک وشبہ نہیں تو اس دن ایک ندا دینے والا ندا دیگا: جس نے اپنے کسی عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا تھا وہ اس کا ثواب اسی سے طلب کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک سے بے نیاز ہے“ (5)۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے سنانے کیلئے کوئی عمل کیا اسے اللہ تعالیٰ عذاب بھی سنا کر دے گا اور جس نے دکھاوے کیلئے کوئی عمل کیا اسے اللہ تعالیٰ عذاب بھی سب کو دکھا کر دے گا“ (6)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو ریاکاری کرتا ہے اللہ تعالیٰ سب کو دکھا کر اسے عذاب دے گا اور جو شہرت کی خاطر کوئی عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ سب کو سنا کر اسے عذاب دے گا“ (7)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اپنے عمل کو لوگوں میں اچھالا، اللہ تعالیٰ اسے علی الاعلان رسوا کرے گا، اس کے اخلاق بگڑ جائیں گے اور وہ ذلیل وحقیر ہوگا“۔ یہ حدیث بیان کر کے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ زاروقطار رونے لگے (8)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن بنی آدم کے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک سر بمہر صحیفہ میں پیش کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسے پھینک دو اور اسے قبول کر لو فرشتے عرض کریں گے: اے پروردگار! ہم نے تو اس شخص میں بھلائی ہی دیکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس شخص کا عمل میری رضا کیلئے نہیں تھا اور آج میں صرف وہی عمل قبول کروں گا جس سے صرف میری رضا مقصود تھی“ (9)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو دکھاوے اور شہرت کیلئے کھڑا ہوتا ہے وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہتا ہے جب تک بیٹھ نہ جائے“۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص لوگوں کی موجودگی میں بڑے عمدہ طریقے سے نماز ادا کرے لیکن تنہائی میں برے طریقے سے ادا کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی توہین کی“ (10)۔ حضرت امیر معاویہ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1406، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 123-124 — 2۔ مسند بزار — 3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 301

4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 428 — 5۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ کہف، جلد 13-12، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1406 وغیرہ

6۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 45 — 7۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 40 — 8۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 162

9۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب البعث، جلد 4 صفحہ 157 — 10۔ مسند ابی یعلی، جلد 5 صفحہ 67

رضی اللہ عنہ نے اس آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا۔ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ قرآن کریم کی سب سے آخری آیت ہے(1)۔لیکن یہ اثر اشکال سے خالی نہیں کیونکہ یہ سورۃ کہف کی آخری آیت ہے اور سورۃ کہف تمام کی تمام مکی ہے۔شاید حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مقصد ہو کہ اس آیت کے بعد کوئی ایسی آیت نہیں اتری جو اس کیلئے ناسخ اور اس کے حکم کو بدلنے والی ہو بلکہ یہ آیت محکم ہے یہ چیز راوی پر مشتبہ ہوگئی اور اس نے اپنی سمجھ کے مطابق اسے روایت کر دیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص رات کے وقت یہ آیت فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا۔ تلاوت کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے عدن سے لیکر مکہ تک کا نور عطا کرے گا اور اس میں فرشتے ہوں گے''(2)۔یہ روایت بہت غریب ہے۔

1۔تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 40

2۔کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الاذکار، جلد 4 صفحہ 25-26

سورۂ مریم (مکیہ)

سیرت ابن اسحاق میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور مسند احمد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس سورت کی ابتدائی آیات نجاشی اور اس کے درباریوں کے سامنے پڑھی تھیں۔(1)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

كٓهٰيٰعٓصٓ ۚ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۞ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۞ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۞ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۞

”کاف۔ ہا۔ یا۔ عین۔ ص۔ یہ ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی۔ جب اس نے پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے۔ عرض کی اے میرے رب! میری حالت یہ ہے کہ کمزور بوسیدہ ہوگئی ہیں میری ہڈیاں اور بالکل سفید ہوگیا ہے (میرا) سر بڑھاپے کی وجہ سے اور اب تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھے پکارا ہو اے میرے رب! اور میں نامراد رہا ہوں۔ اور میں ڈرتا ہوں (اپنے بے دین) رشتہ داروں سے (کہ وہ) میرے بعد (دین ضائع نہ کردیں) اور میری بیوی بانجھ ہے پس بخش دے مجھے اپنے پاس سے ایک وارث۔ جو وارث بنے میرا اور وارث بنے یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا۔ اور بنادے اسے اے رب! پسندیدہ (سیرت والا)“۔

حروف مقطعات کے متعلق بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں گذر چکی ہے۔ حروف مقطعات کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ذِكْرُ رَحْمَتِ اس کا مبتدا (ھذا) محذوف ہے یعنی یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی۔ لفظ زکریا میں دو مشہور قرأتیں ہیں: ایک مد کے ساتھ یعنی زکریاء اور دوسری قصر کے ساتھ یعنی زکریا۔ حضرت زکریا علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل میں سے عظیم نبی تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ بڑھئی کا کام کرکے گذر اوقات کرتے تھے(2)۔ بعض مفسرین اس فرمان اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ چپکے چپکے اور پوشیدہ طور پر دعا کرنے کا سبب یہ تھا کہ چونکہ آپ علیہ السلام عمر رسیدہ ہوچکے تھے اس لئے اندیشہ تھا کہ اس عمر میں اولاد کی خواہش کو لوگ کہیں آپ کی رعونت پر نہ محمول کردیں جبکہ دیگر حضرات اس کا یہ سبب بیان کرتے ہیں کہ پوشیدہ دعا اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے جیسا کہ قتادہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ متقی دل کو بخوبی جانتا ہے اور صوت خفی کو پوری طرح سنتا

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 461، سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 336

2۔ لم نجدہ فی البخاری، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1847 سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، جلد 2 صفحہ 727

ہے(1)۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام رات کے وقت اٹھے جبکہ آپ کے ساتھ سو چکے تھے تو آپ نے خفیہ خفیہ اپنے رب کو پکارنا شروع کر دیا اور عرض کرنے لگے: یارب، یارب، یارب! اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ۔ پھر آپ نے عرض کی رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ...... یعنی میری ہڈیاں کمزور و بوسیدہ ہوگئی ہیں، میرے قویٰ مضمحل ہو گئے ہیں اور میرے سر کے بال سفید ہو گئے ہیں یعنی ظاہر اور باطن دونوں میں ضعف اور بڑھاپے کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں۔ دعا کو جاری رکھتے ہوئے عرض کی: وَلَمْ اَكُنْۢ ..یعنی میں نے تجھ سے جب بھی دعا کی تو نے میری دعا کو رد نہیں کیا۔ آیت کریمہ میں لفظ ''موالی'' کا آخر منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول ہے۔ کسائی نے اس کے آخر (یاء) کو سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ مجاہد، قتادہ اور سدی کہتے ہیں کہ موالی سے مراد عصبہ (باپ کی جانب سے رشتہ دار) ہیں۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ''خِفْتُ'' کو خَفَّتْ پڑھا کرتے تھے۔ اس کا معنی ہے قلیل ہونا یعنی میرے بعد میرے رشتے دار کم ہیں(2)۔ پہلی قرأت کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ آپ کی اولاد نہ تھی اس لئے آپ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو آپ کے بعد آپ کے رشتہ دار لوگوں میں برا تصرف کرنے لگیں اور نا اہل ثابت ہوں اس لئے آپ نے ایک بیٹے کیلئے التجا کی جو منصب نبوت پر فائز ہو اور وحی الٰہی کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرے چنانچہ اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کو اپنے مال کی وراثت کے ضائع ہو جانے کا خوف تھا کیونکہ ایک نبی کا مقام و مرتبہ اس بات سے بہت ہی بلند اور فزوں ہے کہ وہ اس حد تک مال کی فکر کرے، اپنے رشتہ داروں کے وارث بننے سے کبیدہ خاطر ہو اور صرف میراث سنبھالنے کیلئے اولاد کا سوال کرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں یہ ذکر نہیں ہوا کہ وہ بہت مالدار تھے، بلکہ آپ بڑھئی تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ اس قسم کے آدمی کے پاس مال جمع ہو ہی نہیں سکتا اور پھر انبیائے کرام تو ویسے ہی زاہد ہوتے ہیں، دنیا جمع کرنے کی ہوس ان میں ہوتی ہی نہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ انبیاء کرام وراثت میں مال و دولت نہیں چھوڑتے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم (مال کا) وارث نہیں بناتے، ہمارا ترکہ صدقہ ہے''(3)۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''ہم خصوصاً گروہ انبیاء میراث میں کچھ نہیں چھوڑتے''(4)۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس فرمان فَهَبْ لِیْ... یَّرِثُنِیْ میں جس میراث کا ذکر ہے وہ میراث نبوت ہے نہ کہ مالی وراثت اس لئے فرمایا: وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ۔ اسی طرح اس فرمان وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (النمل: 16)۔ میں بھی ورثہ نبوت مراد ہے کیونکہ اگر مال میں وراثت کا ذکر مقصود ہوتا تو آپ کے بھی بھائیوں کا ذکر ہوتا اور وراثت کی تخصیص صرف آپ علیہ السلام کے ساتھ نہ ہوتی۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ مالی وراثت کے متعلق خبر دینے میں کوئی خاص فائدہ مضمر نہیں کیونکہ ہر شریعت اور ہر ملت میں یہ بات معروف ہے کہ اولاد اپنے باپ کی وارث بنتی ہے اس لئے یہاں اگر خاص وراثت کا تذکرہ مقصود نہ ہوتا تو اس کے متعلق خبر دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ان تمام وجوہات کی حیثیت اور تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''ہم خصوصاً گروہ انبیاء وارث نہیں بناتے' جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے''۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہاں ورثہ علم مراد ہے اور حضرت زکریا علیہ السلام حضرت یعقوب کی اولاد سے تھے(5)۔ ابو صالح اس آیت یَّرِثُنِیْ. کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح نبی بنے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت زکریا کی نبوت اور علم کا وارث بنے۔ سدی کہتے ہیں کہ وہ میری اور آل یعقوب کی نبوت کا وارث بنے۔ زید بن

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 45
2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 47
3۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، جلد 4 صفحہ 96، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1379-1383
4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 463
5۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 48

اسلم کہتے ہیں کہ آل یعقوب کی وارثت سے مراد ان کی نبوت ہے۔ ابو صالح کا ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ میرے مال کا اور آل یعقوب کی نبوت کا وارث بنے۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اسی قول کو منتخب اور پسند کیا ہے۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ زکریا علیہ السلام پر رحم فرمائے" مال کی وراثت میں (خواہ کوئی ان کا وارث بنتا) ان پر کوئی مواخذہ نہ تھا اور اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے، وہ کسی مضبوط سہارے کے محتاج تھے"(1)۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ میرے بھائی زکریا علیہ السلام پر رحم فرمائے۔ مال کی وراثت کے متعلق ان پر کوئی گرفت نہ تھی جب انہوں نے یہ عرض کی تھی: فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ۔ یہ تمام احادیث مرسل ہیں جو صحیح احادیث کے مقابل نہیں ہو سکتیں دعا کے آخر میں عرض کی: وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا یعنی اسے اپنے ہاں اور تمام مخلوق کے ہاں پسندیدہ بنا دے۔ دین اور اخلاق میں وہ تیرا بھی محبوب ہو اور ساری مخلوق کا بھی محبوب۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝

"اے زکریا! ہم مژدہ دیتے ہیں تجھے ایک بچے (کی ولادت) کا۔ اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے نہیں بنایا اس کا کوئی ہم نام اس سے پہلے"۔

اس سے قبل کلام محذوف ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو قبول کرتے ہوئے انہیں فرمایا گیا: يٰزَكَرِيَّآ .... جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ (آل عمران: 39-38)

"وہیں زکریا نے دعا مانگی اپنے رب سے عرض کی اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے پھر انہیں فرشتوں نے آواز دی جب وہ عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہوگا صالحین سے"۔ بقول قتادہ، ابن جریج اور ابن زید "سمی" کا معنی ہے ہم نام۔ ابن جریر نے اس قول کو پسند کیا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس کا معنی مشابہ ہے، انہوں نے یہ معنی اس آیت سے اخذ کیا ہے: فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا (مریم: 65) "سو اس کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو کیا تم اس کا کوئی ہم مثل جانتے ہو"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے کسی بانجھ نے کوئی بچہ جنم نہیں دیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اولاد کی توقع نہیں تھی اور آپ کی زوجہ تو شروع سے ہی بانجھ عورت تھیں۔ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ علیہما السلام کا معاملہ اس کے برعکس تھا، ان دونوں کو جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری سنائی گئی تو انہوں نے کبر سنی کی وجہ سے تعجب کا اظہار کیا تھا نہ کہ بانجھ پن کی وجہ سے، اس لئے فرمایا: أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَن مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ (الحجر: 54) "کیا تم مجھے اس وقت خوشخبری دینے آئے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے، پس یہ کیسی خوشخبری ہے"۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اس سے تیرہ سال پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہو چکی تھی۔ آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے اس مژدہ کو سن کر کہا: يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۖ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ۚ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (ہود: 73-72) "وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے

1۔ مصنف عبد الرزاق

میاں بھی بوڑھے ہیں، بلاشبہ یہ تو عجیب وغریب بات ہے۔ فرشتے کہنے لگے کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو، اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو! بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے‘‘۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝

’’ زکریا نے عرض کی میرے رب! کیسے ہوسکتا ہے میرے ہاں لڑکا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود پہنچ گیا ہوں بڑھاپے کی انتہا کو۔ فرمایا یونہی ہوگا۔ تیرے رب نے فرمایا ہے کہ اس کبرسنی میں بچہ دینا میرے لئے آسان بات ہے اور (دیکھو) میں نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا اس سے پیشتر حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے‘‘۔

دعا کی قبولیت اور بیٹے کی ولادت کا مژدہ سن کر حضرت زکریا علیہ السلام بڑے متعجب ہوئے اور انتہائی مسرت کے عالم میں ولادت کی کیفیت اور سبب دریافت کرنے لگے کیونکہ آپ کی زوجہ محترمہ شروع عمر سے ہی بانجھ تھیں اور اب بوڑھی بھی ہو چکی تھیں، اسی طرح زکریا علیہ السلام خود بھی ضعیف اور عمر رسیدہ ہو چکے تھے، آپ کی ہڈیاں بوسیدہ اور خشک ہو چکی تھیں اور آپ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہے تھے ”عِتِيًّا“ کا معنی ہے خشک، جب ٹہنی خشک ہو جائے تو کہتے ہیں: ”عتا العود“ اس کا ہم معنی لفظ ”عسی“ بھی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ عِتِيًّا کا معنی ہے ہڈیوں کا کمزور ہونا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا معنی کبر سنی بتایا ہے بہر کیف یہ لفظ، کبر سے خاص ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تمام سنتوں کو جانتا ہوں لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ آیا رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر میں پڑھتے تھے یا نہیں اور نہ ہی مجھے یہ معلوم ہے کہ آپ ﷺ اس لفظ کو عتیًا پڑھتے تھے یا عسیًا (1)۔ فرشتے نے حضرت زکریا علیہ السلام کے اظہار تعجب پر جواب دیتے ہوئے کہا: كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ ۔۔ یعنی تم سے اور تمہاری اس بیوی سے نہ کہ کسی اور سے بچہ پیدا کرنا مجھ پر بہت آسان ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ تعجب خیز چیز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَقَدْ خَلَقْتُكَ ... جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: ” هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا (الدہر: 1) ” بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت گذرا ہے جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا‘‘۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ۝

’’ زکریا نے عرض کی اے میرے رب ٹھہرا دے میرے لئے کوئی علامت جواب ملا تیری علامت یہ ہے کہ تو بات نہیں کر سکے گا لوگوں سے تین رات تک حالانکہ تو بالکل تندرست ہوگا۔ پھر آپ نکل کر آئے اپنی قوم کے پاس (اپنے) عبادت خانہ سے تو اشارہ سے انہیں سمجھایا کہ تم پاکی بیان کرو (اپنے رب کی) صبح وشام‘‘۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے مزید تشفی اور اطمینانِ قلبی کی خاطر اللہ تعالیٰ سے اپنے ساتھ کیے گئے وعدہ پر علامت اور دلیل قائم کرنے کی التجا کی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی تھی: رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ (البقرۃ: 260) ” اے میرے رب! مجھے دکھا کر تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے، فرمایا کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے، عرض کی ایمان تو ہے لیکن

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 1 صفحہ 214، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 249

(یہ سوال اس لئے) تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے“۔ اللہ تعالیٰ نے نشانی مقرر کرتے ہوئے فرمایا: اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ ۔ یعنی تم تین راتیں لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے دراں حالیکہ تم بغیر کسی مرض اور علت کے بالکل صحیح تندرست ہو گے۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، وہب، سدی، قتادہ اور دیگر متعدد علماء کا کہنا ہے کہ بغیر کسی مرض اور علت کے آپ علیہ السلام کی زبان بند ہو گئی۔ ابن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ تسبیح اور ذکر وغیرہ میں تو آپ کی زبان چلتی تھی لیکن لوگوں کے ساتھ سوائے اشارہ کے آپ بات نہیں کر سکتے تھے۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ”سویا“ کا معنی مسلسل اور لگاتار نقل کرتے ہیں لیکن آپ سے منقول پہلا قول جو کہ جمہور کا بھی قول ہے، زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح سورۃ آل عمران میں ہے۔ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (آل عمران: 41) ”عرض کی اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دے، فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بات کر سکو گے لوگوں سے مگر اشارہ کے ساتھ اور اپنے رب کو بکثرت یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو“۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ گونگے ہو گئے تھے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ان تین دنوں اور راتوں میں آپ علیہ السلام لوگوں کو اشارہ سے سمجھاتے۔ اسی لئے اس آیت کریمہ میں فرمایا: فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ ... یعنی آپ اس عبادت خانہ سے باہر نکل کر آئے جہاں آپ کو بیٹے کی خوشخبری دی گئی تھی اور اپنے پیروکاروں کو اشارہ سے حکم دیا کہ ان تین دنوں میں جس چیز کا آپ کو حکم ہوا ہے اس کی موافقت کرتے ہوئے اور آپ پر کیے گئے انعام کا شکر بجا لاتے ہوئے وہ بھی صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں۔ مجاہد، وہب اور قتادہ کہتے ہیں کہ آپ نے انہیں اشارہ کے ساتھ سمجھایا جبکہ مجاہد (ایک دوسری روایت میں) اور سدی کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے زمین پر لکھ کر انہیں سمجھایا۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾

”اے یحییٰ پکڑ لو اس کتاب کو مضبوطی سے اور ہم نے عطا فرما دی ان کو دانائی جب کہ وہ بچے تھے۔ نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جناب سے اور نفس کی پاکیزگی۔ اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔ اور وہ خدمت گزار تھے اپنے والدین کے اور وہ جابر (اور) سرکش نہ تھے۔ اور سلامتی ہو ان پر جس روز وہ پیدا ہوئے اور جس روز وہ انتقال کریں گے اور جس روز انہیں اٹھایا جائے گا زندہ کر کے“۔

اس سے پہلے بھی کچھ کلام محذوف ہے یعنی وہ بچہ (حضرت یحییٰ علیہ السلام) تولد ہوا جس کی ولادت کا مژدہ سنایا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں کتاب (تورات) کا علم دیا جسے بنی اسرائیل سیکھتے سکھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار انبیاء کرام اور علمائے ربانیین یہود کیلئے اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے اس وقت حضرت یحییٰ علیہ السلام کم سن تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی جلالت شان، ان پر اور ان کے والدین کریمین پر کیے گئے اپنے خصوصی انعام کا تذکرہ فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے: يٰيَحْيٰى خُذِ ۔ یعنی آپ پوری تندہی، حرص اور جدوجہد سے اس کتاب کو سیکھیں اور ہم نے انہیں بچپن میں ہی فہم و فراست، علم، قوت، سنجیدگی اور عمل خیر کا جذبہ مرحمت فرما دیا تھا۔ حضرت معمر بیان کرتے ہیں کہ بچے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہتے کہ ہمارے ساتھ آؤ، کھیلیں تو آپ فرماتے کہ ہمیں کھیل کیلئے نہیں پیدا کیا گیا اس لئے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا (1)۔ حضرت ابن عباس وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا کا معنی بتاتے ہیں: ہماری طرف سے رحمت۔ ضحاک کہتے ہیں۔ کہ ایسی رحمت جس پر ہمارے سوا کوئی قادر نہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ایسی رحمت جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو نوازا۔ مجاہد اس (حنان) کا معنی شفقت اور مہربانی بیان کرتے ہیں۔ عکرمہ اور ابن زید کے بقول اس کا معنی محبت ہے۔ عطاء بن ابی رباح نے اس کا معنی تعظیم بتلایا ہے۔ عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم'' حنان'' کا مطلب کیا ہے (2)۔ حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس لفظ کا مطلب پوچھا تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بہر صورت اس ارشاد وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا کا عطف بظاہر'' الحکم'' پر ہو رہا ہے۔ یعنی ہم نے انہیں دانائی، رحمت اور پاکیزگی عطا فرمائی، بالفاظ دیگر ہم نے انہیں مہربان اور پاکیزہ بنا دیا۔ حنانا ایسی محبت کو کہتے ہیں جس میں شفقت اور میلان ہو جیسا کہ عرب کہتے ہیں'' حَنَّتِ النَّاقَةُ عَلٰى وَلَدِهَا'' (اونٹنی اپنے بچے پر مہربان ہوئی) اور'' حَنَّتِ الْمَرْاَةُ عَلٰى زَوْجِهَا'' (عورت اپنے خاوند کی مشتاق ہوئی)۔ ایسی عورت کو حنۃ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے۔'' حَنَّ الرَّجُلُ اِلٰى وَطَنِهٖ'' (آدمی اپنے وطن کی طرف مشتاق ہوا)۔ اس کا معنی شفقت، مہربانی اور رحمت بھی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' ایک شخص دوزخ میں ایک ہزار سال تک یا حنان اور یا منان پکارتا رہے گا'' (3)۔ لفظ زکوۃ کا عطف'' حنانا'' پر ہو رہا ہے اس کا مطلب ہے: ہر آلودگی، گناہ اور معصیت سے پاکیزگی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ زکاۃ کا معنی عمل صالح ہے۔ ضحاک اور ابن جریج کے بقول زکوۃ صالح اور پاکیزہ عمل کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی برکت منقول ہے (4)۔ مزید یہ کہ آپ متقی تھے، کبھی کوئی گناہ آپ سے سرزد نہیں ہوا، والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے اور آپ جابر اور سرکش نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفت اطاعت کا تذکرہ کیا اور رحمت، پاکیزگی اور تقویٰ جیسے جن اوصاف سے آپ متصف تھے انہیں بیان کیا پھر والدین کی اطاعت، ان کے ساتھ حسن سلوک اور قول وفعل اور امر ونہی میں ان کی نافرمانی سے اجتناب جیسے اخلاق عالیہ کو ذکر کیا اس لئے فرمایا: وَلَمْ یَكُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ان اوصاف جمیلہ کے ذکر کے بعد بطور جزا فرمایا: وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ۔ یعنی ان تینوں احوال میں آپ کیلئے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ آدمی کیلئے تین مقامات سب سے زیادہ وحشت ناک ہیں: جس دن وہ پیدا ہوتا ہے اور اپنی ماں کے پیٹ سے نکل کر نئی دنیا میں آنکھ کھولتا ہے، جس دن وہ فوت ہو جاتا ہے اور اسے ایسی مخلوق کا سامنا کرنا پڑتا ہے جسے پہلے اس نے نہیں دیکھا تھا اور جس دن اسے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور وہ خود کو میدان حشر میں پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مقامات پر حضرت یحییٰ علیہ السلام پر خصوصی کرم فرمایا اور سلامتی کے ساتھ نواز دیا جیسا کہ آیت کریمہ میں مذکور ہے (5)۔ حضرت سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' قیامت کے دن ہر شخص کسی نہ کسی گناہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو گا سوائے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے''۔ قتادہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے نہ کبھی کوئی گناہ کیا اور نہ کسی عورت کا قصد کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' اولاد آدم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس نے غلطی یا غلطی کا ارادہ نہ کیا ہو سوائے یحییٰ بن زکریا کے اور کسی آدمی کو یہ کہنا زیب نہیں دیتا کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں'' (6)۔ اوپر والی روایت کی طرح یہ بھی ضعیف ہے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی ملاقات ہوئی

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 55 | 2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 56 | 3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 230

4۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 58 | 5۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 58 | 6۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 254

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ میرے لئے استغفار کریں، آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ کیونکہ میں نے خود اپنے اوپر سلام بھیجا لیکن آپ پر اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا۔ اب دونوں کی فضیلت واضح ہے(1)۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

"اور (اے حبیب!) بیان کیجئے کتاب میں مریم (کا حال) جب وہ الگ ہو گئی اپنے گھر والوں سے ایک مکان میں جو مشرق کی جانب تھا۔ پس بنا لیا اس نے لوگوں کی طرف سے ایک پردہ۔ پھر ہم نے بھیجا اس کی طرف اپنے روح جبرائیل علیہ السلام کو پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے ایک تندرست انسان کی صورت میں۔ مریم بولیں میں پناہ مانگتی ہوں رحمٰن کی تجھ سے اگر تو پرہیزگار ہے۔ جبرائیل نے کہا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں۔ تاکہ میں عطا کروں تجھے ایک پاکیزہ فرزند۔ مریم (حیرت سے) بولیں (اے بندۂ خدا) کیونکر ہو سکتا ہے میرے ہاں بچہ حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے اور نہ میں بدچلن ہوں۔ جبرائیل نے کہا یہ درست ہے۔ (لیکن) تیرے رب نے فرمایا یوں بچہ دینا میرے لئے معمولی بات ہے اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم بنائیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی لوگوں کے لئے اور سراپا رحمت اپنی طرف سے اور یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے"۔

قبل ازیں حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا جنہیں اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ اور مبارک فرزند عطا فرمایا حالانکہ آپ بوڑھے ہو چکے تھے اور آپ کی زوجہ محترمہ بانجھ تھیں۔ اب حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ بیان ہو رہا ہے جن کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے۔ ان دونوں قصوں کے درمیان بہت زیادہ مناسبت اور مشابہت ہے۔ دونوں قصے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور سلطنت عظیمہ پر دلالت کرتے ہیں اس لئے نہ صرف یہاں بلکہ سورۂ آل عمران اور سورۂ انبیاء میں بھی ان دونوں کو متصل ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ حضرت مریم بنت عمران، حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھیں اور آپ علیہا السلام کا تعلق بنی اسرائیل کے ایک معزز، پاکیزہ اور شریف گھرانے سے تھا۔ سورۂ آل عمران میں آپ کی ولادت کا ذکر ہوا ہے۔ آپ کی والدہ نے یہ نذر مان رکھی تھی کہ وہ انہیں المقدس کی خدمت کیلئے وقف کر دیں گی۔ ایسا کرنا اس وقت عام دستور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نذرانہ کو قبول کرتے ہوئے فرمایا: فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا (آل عمران: 37) "پھر اسے اس کے رب نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ قبول فرمایا اور اسے بڑی اچھی طرح پروان چڑھایا"۔ آپ نے بنی اسرائیل میں نہایت پاکیزہ ماحول کے اندر پرورش پائی۔ آپ کا شمار ان چند عابدہ اور زاہدہ خواتین میں ہوتا ہے جنہیں بہت زیادہ عبادت کرنے اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے باعث خاص شہرت حاصل ہوئی۔ آپ اپنے

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 59

بہنوئی حضرت زکریا علیہ السلام کے زیر تربیت تھیں جو اس وقت بنی اسرائیل کے نبی اور سربرآوردہ شخصیت تھے، بنی اسرائیل دینی امور میں ان کی طرف رجوع کرتے۔ آپ نے حضرت مریم علیہا السلام سے بہت حیران کن کرامات کا صدور ہوتے دیکھا جیسا کہ ارشاد ہے: وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران: 37) "جب بھی زکریا مریم کے پاس (انکی) عبادت گاہ میں جاتے تو اس کے پاس کھانے کی چیزیں موجود پاتے۔ بولے اے مریم! یہ تمہارے لیے کہاں سے آتا ہے بولیں یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے"۔ کہتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام آپ کے پاس بے موسم کے پھل پاتے جیسا کہ سورۂ آل عمران میں بیان ہو چکا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت مریم کے ہاں اس کے پیارے بندے اور پانچ اولوالعزم رسولوں میں ایک رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہو تو اس کی خاص حکمت کے پیش نظر حضرت مریم علیہا السلام اپنے گھر والوں سے الگ تھلگ مسجد قدس کی شرقی جانب ایک مکان میں قیام پذیر ہو گئیں۔ سدی نے الگ تھلگ قیام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ آپ کو حیض آ گیا تھا۔ دیگر حضرات نے اس کے اور اسباب بھی بیان کیے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل کتاب پر بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اور اس کا حج کرنا فرض کیا گیا تھا لیکن حضرت مریم علیہا السلام چونکہ بیت المقدس کی شرقی جانب گئی تھیں اس لئے وہ مشرق کی جانب نمازیں پڑھنے لگے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی فرماتے ہیں کہ نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِذِ انْتَبَذَتْ ... کی وجہ سے مشرق کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنا شروع کر دیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت کو قبلہ بنا لیا۔ قتادہ مَكَانًا شَرْقِيًّا سے مراد دور افتادہ اور الگ تھلگ واقع جگہ لیتے ہیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں آپ پانی لانے کیلئے گھڑا لیکر اس جگہ گئی تھیں۔ نوف بکالی کا کہنا ہے کہ یہاں آپ علیہا السلام نے عبادت کرنے کیلئے ایک ٹھکانا بنا لیا تھا۔ اس مقام پر آپ پردہ نشیں ہو گئیں جیسا کہ فرمایا: فَاتَّخَذَتْ... یعنی آپ سب سے الگ تھلگ ہو کر گوشہ نشین اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف جبرائیل علیہ السلام کو ایک مکمل اور تندرست انسان کی صورت میں بھیجا۔ بقول مجاہد، قتادہ، ضحاک، ابن جریج، وہب بن منبہ اور سدی رحمہم اللہ یہاں روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ (الشعراء: 193-194) "اتارا ہے اسے روح الامین لیکر آپ کے قلب (منیر) پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے بن جائیں"۔ حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کا تعلق ان ارواح سے ہے جن سے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں عہد لیا گیا تھا اور یہی وہ روح (روح عیسیٰ علیہ السلام) ہے جو ایک بشر کی صورت میں حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے ظاہر ہوئی، اسی نے آپ سے باتیں کیں اور یہی آپ کے جسم میں حلول کر گئی لیکن یہ قول نہایت غریب اور منکر ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی روایت ہے۔ بشر کو دیکھ کر حضرت مریم علیہا السلام کہنے لگیں: اِنِّیْٓ اَعُوْذُ ... یعنی جب حضرت مریم نے اپنی خلوت گاہ میں فرشتے کو انسانی صورت میں دیکھا تو خوفزدہ ہو گئیں اور خیال کرنے لگیں کہ شاید وہ یہ بری نیت سے آیا ہے، اس لئے آپ کہنے لگیں: اِنِّیْٓ اَعُوْذُ ... یعنی میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تم میں خوف خدا موجود ہے۔ آپ علیہا السلام نے خوف خدا یاد دلایا۔ ایسے مقام پر اس طرح ہی کرنا چاہیے۔ ابو وائل کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام نے یہ بھانپ لیا تھا کہ یہ عقلمند اور صالح آدمی ہے (2)۔ فرشتے نے آپ کی وحشت، خوف اور گھبراہٹ کو دور کرتے ہوئے کہا کہ میں ویسا نہیں ہوں جیسا آپ گمان کر رہی ہیں بلکہ میں تو آپ کے رب کا قاصد ہوں، اس نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 59
2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 61

السلام نے جب رحمٰن کا ذکر کیا تو حضرت جبریل خوف سے کانپ اٹھے اور اپنی صورت میں لوٹ آئے۔ ابوعمرو بن علاء کی قراءت "لِيَهَبَ" ہے اور باقی حضرات کی "لِاَهَبَ"۔ ان دونوں قراءتوں کی توجیہ عمدہ اور معنی صحیح ہے اور دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اپنے ہاں بچے کی ولادت کا سن کر حضرت مریم علیہا السلام حیرت و استعجاب سے کہنے لگیں: اَنّٰى يَكُوْنُ..... یعنی میرے ہاں بچے کی ولادت کیسے ممکن ہے حالانکہ نہ میں شادی شدہ ہوں اور نہ ہی میرے بارے میں بدکاری کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ "بغی" سے مراد زانیہ ہے۔ حدیث شریف میں مهر البغیّ (زانیہ کا مہر) کی ممانعت آئی ہے(1)۔ فرشتے نے آپ کو جواب دیتے ہوئے کہا: كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ..... یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ کے ہاں بچہ پیدا ہوگا اگرچہ نہ آپ کا شوہر ہے اور نہ آپ بدچلن ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہے اس پر پوری طرح قادر ہے، اس لئے فرمایا: وَلِنَجْعَلَهٗ..... تاکہ یہ لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل اور علامت بن جائے جو ہر چیز کا خالق ہے اور اس نے لوگوں کو طرح طرح سے پیدا کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو مرد و زن دونوں کے بغیر پیدا کیا، حواء کو بغیر زن کے صرف مرد سے پیدا کیا، باقی ذریت کی تخلیق مرد و زن دونوں سے ہوتی ہے، سو اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔ پھر فرمایا: وَرَحْمَةً مِّنَّا یعنی یہ بچہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہے جو منصب نبوت پر فائز ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید کی دعوت دے گا جیسا کہ اور مقام پر فرمایا: اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (آل عمران: 46-45) "جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا، معزز ہوگا دنیا اور آخرت میں اور (اللہ کے) مقربین سے ہوگا اور گفتگو کرے گا لوگوں کے ساتھ گہوارے میں بھی اور پکی عمر میں بھی اور نیکوکاروں میں سے ہوگا)، یعنی وہ بچپن اور بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیں گے۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا کہنا ہے کہ جب میں تنہا ہوتی تو عیسیٰ مجھ سے گفتگو کرتے حالانکہ وہ میرے شکم میں تھے اور جب میں لوگوں کے پاس ہوتی تو وہ پیٹ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تکبیر بیان کرتے۔ اس ارشاد وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا کے متعلق یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حضرت جبریل علیہ السلام کی کلام کا حصہ ہو جو انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام سے کی تھی اور اس سے حضرت مریم کو یہ بتانا مقصود تھا کہ یہ امر اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت اور مشیت میں حتمی طور پر مقدر ہو چکا ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس جملہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کو خبر دے رہا ہو اور یہ حضرت مریم علیہا السلام میں روح کے پھونکنے سے کنایہ ہو جیسا کہ فرمایا: وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (التحریم: 12) "اور (دوسری مثال) مریم دختر عمران کی ہے جس نے اپنے گوہر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس کے اندر اپنی طرف سے روح پھونک دی"۔ وَالَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا (الانبیاء: 91) "اور یاد کرو اس خاتون کو جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا پس ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونک دیا" آیت کے اس آخری حصہ کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حتمی اور قطعی امر ہے جس کا وقوع ضروری ہے(2)۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝

"پس وہ حاملہ ہو گئیں اس (بچہ) سے پھر وہ چلی گئیں اسے (شکم میں) لئے کسی دور جگہ۔ پس لے آیا انہیں دردِ زِہ ایک کھجور

1۔ فتح الباری، کتاب البیوع، جلد 4 صفحہ 426، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، جلد 3 صفحہ 1199
2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 62

کے تنے کے پاس۔ (بصد حسرت و یاس) کہنے لگیں کاش! میں مرگئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل فراموش کر دی گئی ہوتی''۔

حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کے بعد حضرت مریم علیہا السلام نے قضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔ متعدد علماء کرام نے ذکر کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اس وقت حضرت مریم علیہا السلام کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماری، یہ پھونک نیچے تک پہنچ گئی اور بحکم خدا حمل ٹھہر گیا۔ جب آپ حاملہ ہوگئیں تو سخت پریشانی لاحق ہوگئی کہ لوگوں کا کیسے سامنا کریں گی اور انہیں کیا جواب دیں گی کیونکہ آپ کو یہ علم تھا کہ برأت کا اظہار کرنے کے باوجود لوگ ان کی بات کی تصدیق نہیں کریں گے۔ آپ نے اپنی بہن حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کے سوا کسی کے سامنے اس راز کو افشاء نہ کیا۔ ادھر حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ بھی آپ کے دعا کے طفیل حاملہ ہو چکی تھی۔ اس وقت حضرت مریم علیہا السلام اپنی بہن کے پاس آئیں تو وہ ان سے معانقہ کر کے کہنے لگیں: اے مریم! کیا تم نے محسوس کیا کہ میں حاملہ ہوں؟ حضرت مریم علیہا السلام نے جواب میں کہا کہ کیا آپ کو بھی معلوم ہے کہ میں بھی حاملہ ہوں؟ اور سارا قصہ کہہ سنایا۔ چونکہ یہ ایمان و تصدیق کا حامل گھرانہ تھا اس لئے انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی بات پر یقین کر لیا۔ پھر جب بھی حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے آتیں تو انہیں محسوس ہوتا کہ ان کے شکم میں بچہ مریم کے شکم میں بچے کو سجدہ کرتا ہے یعنی وہ اس کی تعظیم کرتا ہے۔ ان کی ملت میں سلام کے وقت سجدہ کرنا جائز تھا جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو آپ کے والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا تھا اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا تھا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں لیکن ہماری ملت میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے کیونکہ تعظیم جلال ربی کی تکمیل اسی طرح ممکن ہے کہ غیر اللہ کیلئے سجدہ حرام قرار دے دیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام خالہ زاد بھائی تھے دونوں کا حمل ایک ہی وقت میں قرار پایا تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت مریم سے کہا کہ میں دیکھتی ہوں میرے پیٹ میں بچہ تمہارے پیٹ کے بچے کو سجدہ کرتا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فضیلت حاصل تھی کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیار سے مردوں کو زندہ کرتے اور مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشتے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدت حمل کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے۔ جمہور کا مشہور قول تو یہی ہے کہ آپ نو ماہ تک حمل میں رہے جبکہ عکرمہ کہتے ہیں کہ آٹھ مہینے، اس لیے آٹھ ماہ کے حمل کا بچہ عموماً زندہ نہیں رہتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حمل ٹھہرتے ہی بچہ پیدا ہو گیا(1)۔ یہ قول عجیب و غریب ہے۔ ممکن ہے آپ نے ان آیات فَحَمَلَتْهُ ..... کے ظاہری الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کیا ہو کیونکہ حمل اور دردزہ کے ذکر کو فَ کے ذریعے جوڑا گیا ہے جو تعقیب کا فائدہ دیتی ہے۔ بہرصورت فاء اگرچہ تعقیب کیلئے آتی ہے لیکن ہر چیز کی تعقیب اس کے اپنے اعتبار سے ہوتی ہے جیسا کہ اس فرمان میں ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۞ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا (المومنون: 14-12)'' اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے پانی کی بوند بنا کر ایک محفوظ مقام میں رکھا پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا پھر لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی سے ہڈیاں پیدا کر دیں''۔ یہاں بھی فا تعقیب کیلئے ہے لیکن اپنے اعتبار سے۔ صحیحین کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ مراحل میں سے ہر دو مرحلوں کے درمیان چالیس دن کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک اور فرمان ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۙ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً (الحج: 63)'' کیا تو نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 65

نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا تو (خشک) زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے"۔ یہاں بھی فاء تعقیب کیلئے ہے لیکن بارش برسنے کے فوراً بعد سبزہ نہیں اُگتا۔ بہر کیف دوسری عورتوں کی طرح حضرت مریم علیہا السلام پر بھی حمل کا معروف عرصہ گذرا۔ آپ کے ساتھ آپ کے رشتہ داروں میں سے یوسف نجار نامی ایک مرد صالح بھی بیت المقدس کا خادم تھا۔ جب حمل کے آثار ظاہر ہوئے اور یوسف نجار نے آپ کے بڑھتے ہوئے شکم کو دیکھا تو انہیں شک سا گذرا۔ چونکہ حضرت مریم علیہا السلام نہایت پارسا، عبادت گذار، پاکیزہ اور خدا ترس تھیں اس لئے جلد ہی یہ شک رفع ہو گیا لیکن پھر غور کرنے سے حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق ایک فکر دامنگیر ہو گئی۔ یہ ایک ایسا خیال تھا جو باوجود کوشش کے کبھی ذہن سے محو ہوتا ہی نہیں تھا۔ آخر کار ایک دن یوسف نجار نے حضرت مریم علیہا السلام سے اشارتاً حقیقتِ حال دریافت کرنے کی ٹھان لی، کہنے لگے: اے مریم! میں تم سے ایک چیز کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں، محسوس نہ کرنا۔ آپ نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ یوسف نے کہا: یہ بتاؤ کیا بغیر بیج کے درخت اگ سکتا ہے، کیا بغیر دانے کے کھیتی ہو سکتی ہے اور کیا بن باپ کے بچہ پیدا ہو سکتا ہے؟ حضرت مریم علیہا السلام ان کا اشارہ سمجھ گئیں اور فرمانے لگیں: ہاں۔ جہاں تک بغیر بیج اور دانے کے درخت اور کھیتی اگنے کا تعلق ہے تو تم یہ بات جان لو کہ سب سے پہلے جو درخت اور کھیتی اللہ تعالیٰ نے اگائی تھی وہ بغیر بیج اور دانے کے تھی اور جہاں تک بن باپ کے بچے کی پیدائش کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ماں باپ دونوں کے بغیر تخلیق کیا۔ یہ سن کر یوسف نجار نے آپ کی تصدیق کی اور خاموش ہو گئے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے جب یہ محسوس کیا کہ لوگ ان پر بدکاری کی تہمت لگائیں گے تو آپ لوگوں سے الگ تھلگ دور دراز مقام پر چلی گئیں تاکہ نہ آپ لوگوں کو دیکھیں اور نہ لوگ آپ کو دیکھیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب آپ حاملہ ہو گئیں اور اپنا گھڑا بھر کر واپس لوٹیں تو خون رک گیا اور آپ کے چہرہ پر نقاہت کے آثار نمایاں ہو گئے، رنگ متغیر ہو گیا اور زبان باہر نکل آئی، بالکل وہی آثار جو ایک حاملہ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ ہر شخص کی زبان پر یہی بات تھی کہ یہ سب یوسف نجار کا ہی کیا دھرا ہے کیونکہ کنیسہ میں مریم علیہا السلام کے ساتھ اس کے سوا کوئی اور تھا ہی نہیں۔ اس لئے آپ نے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانا مناسب سمجھا۔ آپ پردہ نشین ہو گئیں تاکہ نہ کوئی آپ کو دیکھے اور نہ آپ کسی کو دیکھیں۔ دوسری آیت میں فرمایا: فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ۔ یعنی درد زہ نے آپ کو اس جگہ جہاں آپ خلوت نشین ہو گئی تھیں، ایک کھجور کے درخت کے تنے کی آڑ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اس جگہ کے متعلق اختلاف ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ آپ کی خلوت گاہ بیت المقدس کے اس حجرہ کے مشرقی جانب تھی جہاں آپ عبادت کیا کرتی تھیں۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ آپ وہاں سے بھاگیں اور جب شام اور مصر کے درمیان پہنچیں تو درد زہ نے آ لیا۔ ایک اور روایت کے مطابق وہب کہتے ہیں کہ یہ جگہ بیت المقدس سے آٹھ میل دور بیت لحم نامی ایک گاؤں میں تھی۔ احادیثِ معراج میں بھی گذر چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش بیت لحم ہے۔ لوگوں میں بھی یہی مشہور ہے اور نصاریٰ کو بھی اس بارے میں کوئی شک نہیں۔ حدیث شریف میں بھی اس کا ذکر ہے اگر وہ صحیح ہو۔ اس وقت حضرت مریم علیہا السلام کہنے لگیں: يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ فتنہ کے وقت موت کی تمنا کرنا جائز ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کو معلوم تھا کہ اس بچے کی ولادت پر انہیں آزمائش کا سامنا کرنا ہوگا، لوگ یہ دیکھ کر اودھم مچائیں گے، اس معاملہ کے درست پہلو کو نہیں لیں گے اور نہ ہی ان کی بات کو سچ تسلیم کریں گے، بلکہ ایک عابدہ زاہدہ کی حیثیت سے عمل صالح کی شہرت رکھنے کے باوجود بدچلن خیال کریں گے۔ اس لئے کہنے لگیں: يٰلَيْتَنِيْ... یعنی ہائے کاش! میں اس حالت سے پہلے مرجاتی اور بالکل فراموش کر دی جاتی۔ حضرت ابن عباس وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا کا معنی بتاتے ہیں: نہ مجھے پیدا کیا جاتا

اور نہ میں قابل ذکر چیز ہوتی۔ سدی کہتے ہیں کہ لوگوں سے شرم وحیاء کے باعث آپ تمنا کرنے لگیں کہ کاش مجھے اس کرب اور بغیر شوہر کے بچے کی ولادت کے غم سے پہلے موت آجاتی اور مجھے فراموش کردیا جاتا اور میرا ذکر تک نہ کیا جاتا بلکہ ایسے ہی جیسے حیض کے کپڑے کو پھینک دیا جاتا ہے پھر نہ اسے ڈھونڈا جاتا ہے اور نہ اس کا ذکر کیا جاتا ہے(1)۔ قتادہ اس فرمان وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ میں ایسی چیز ہوتی جسے نہ پہچانا جاتا، نہ ذکر کیا جاتا اور نہ یہ معلوم ہوتا کہ میں کون ہوں۔ ہم نے اس آیت تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (یوسف:101) کے تحت وہ تمام احادیث بیان کردی ہیں جو سوائے فتنہ کے وقت موت کی تمنا کرنے کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا ﴿۲۴﴾ وَ هُزِّیْۤ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِیْ وَ اشْرَبِیْ وَ قَرِّیْ عَیْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِیْۤ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا ﴿ۚ۲۶﴾

"پس پکارا اسے ایک فرشتے نے اس کے نیچے سے (اے مریم!) غمزدہ نہ ہو جاری کردی ہے تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی۔ اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے تنے کو گرنے لگیں گی تم پر پکی ہوئی کھجوریں۔ (میٹھے میٹھے خرمے) کھاؤ اور (ٹھنڈا پانی) پیو اور (اپنے فرزند دلبند کو دیکھ کر) آنکھیں ٹھنڈی کرو پھر اگر تم دیکھو، کسی آدمی کو تو (اشارے سے اسے) کہو کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے رحمٰن کے لئے (خاموشی کے) روزہ کی پس میں آج کسی انسان سے گفتگو نہیں کروں گی"۔

اکثر حضرات کے نزدیک مِنْ تَحْتِهَا ہے یعنی "مِنْ" حرف جر ہے جبکہ بعض کی قرأت میں "مَنْ تَحْتَهَا" ہے اس صورت میں "مَن" بمعنی الذی اسم موصول ہے۔ اس ندا دینے والے کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ندا دینے والے جبریل علیہ السلام تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو اس وقت گفتگو کی تھی جب آپ انہیں لیکر اپنی قوم کے پاس آئی تھیں۔ حضرات سعید بن جبیر، ضحاک، عمرو بن میمون، سدی اور قتادہ رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ جبریل علیہ السلام نے وادی کے نیچے سے آپ کو آواز دی جبکہ مجاہد، قتادہ اور حسن رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ یہ ندا آپ کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ ایک روایت میں حضرت سعید بن جبیر سے بھی یہ قول مروی ہے کہ آپ کے بیٹے نے آپ کو آواز دی، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ(2)۔ فرشتے نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے آواز دی کہ غمزدہ نہ ہونا تمہارے رب نے تمہارے نیچے ندی جاری کردی ہے۔ "سریّ" کے مختلف معانی منقول ہیں: ندی، نہر اور چشمہ۔ ایک حدیث مرفوع میں اس کا معنی نہر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وہ سری جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے مریم کیلئے کیا ہے وہ ایک نہر تھی جسے اللہ تعالیٰ نے اس لئے جاری کیا تاکہ وہ اس میں پانی پئیں"(3)۔ یہ حدیث اس سند سے بہت غریب ہے۔ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ "سریّ" سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر اور مناسب ہے، کیونکہ اس کے بعد فرمان ہے: وَهُزِّیْۤ اِلَیْكِ - یعنی کھجور کا تنا پکڑ کر ہلائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ درخت بالکل سوکھا پڑا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ پھل دار تھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ کھجور کی قسم عجوہ تھی۔ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت یہ درخت خرما پھلدار نہیں تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے طعام وشراب بہم پہنچانے پر اپنا احسان بیان کرتے ہوئے فرمایا تُسٰقِطْ

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 66 2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 68-69 3۔ معجم کبیر، جلد 12 صفحہ 346

عَلَيْكِ ..... عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ ایام زچگی میں عورت کیلئے تازہ اور خشک کھجوروں سے بہتر کوئی غذا نہیں پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی (1)۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی پھوپھی درخت خرما کی قدر کرو کیونکہ اسے اس مٹی سے بنایا گیا ہے جس سے آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تھی۔ اس کے سوا کوئی اور ایسا درخت نہیں جو نر مادہ کے ملاپ سے پھلتا ہو''۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: اپنی عورتوں کو ایام زچگی میں تر کھجوریں کھلاؤ، اگر تر کھجوریں میسر نہ ہوں تو خشک ہی سہی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس درخت سے بڑھ کر کوئی دوسرا درخت نہیں جس کے نیچے مریم بنت عمران ٹھہری تھیں'' (2)۔ یہ حدیث نہایت منکر ہے۔ لفظ تساقط میں متعدد قرأتیں ہیں۔ بعض نے سین کو مشدد کر کے تَسَّاقَطْ پڑھا ہے۔ بعض نے تخفیف کے ساتھ تُسْقِطْ، بعض نے تَسَاقَطْ اور بعض نے ''يُسَاقِطْ'' پڑھا ہے اس صورت میں اس کا فاعل ''الجذع'' ہوگا۔ بہر صورت مفہوم میں یہ تمام قرأتیں قریب قریب ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا: فَإِمَّا تَرَيِنَّ یعنی جب بھی کوئی آدمی تمہیں نظر آئے تو کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کیلئے روزے کی نذر مانی ہوئی ہے، سو آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔ یہاں زبان سے گفتگو کرنا مقصود نہیں بلکہ اشارہ کے ساتھ سمجھانا مراد ہے تاکہ اس فرمان فَلَنْ أُكَلِّمَ .. کے ساتھ تضاد پیدا نہ ہو۔ حضرات انس بن مالک، ابن عباس اور ضحاک رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ یہاں خاموشی کا روزہ مراد ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روزہ اور خاموشی دونوں (3)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی شریعت میں دوران روزہ طعام بھی حرام تھا اور کلام بھی، سدی قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید کا یہی قول ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس دو شخص آئے۔ ایک نے سلام کیا جبکہ دوسرے نے سلام نہ کیا۔ آپ نے اس کی وجہ پوچھی تو حاضرین نے آپ کو بتایا کہ اس نے آج گفتگو نہ کرنے کی قسم اٹھائی ہے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ فرمانے لگے کہ یہ تو ایک عورت (مریم علیہا السلام) کیلئے تھا جنہوں نے ایک عذر کے پیش نظر خاموشی اختیار کی کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ لوگ ان کی اس بات کی تصدیق نہیں کریں گے کہ میں بغیر شوہر کے حاملہ ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ محترمہ سے کہا کہ گھبراؤ نہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام نے جواب دیا کہ میں کیسے نہ گھبراؤں؟ نہ میرا شوہر ہے اور نہ میں مملوکہ لونڈی ہوں۔ لوگوں کے سامنے میں کیا عذر پیش کروں گی؟ کاش! میں اس سے پہلے مرجاتی اور بالکل فراموش کردی جاتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ کو کلام کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ میں خود ہی جواب دے لوں گا۔ آپ نے صرف یہ کرنا ہے: فَإِمَّا تَرَيِنَّ ...... (4)۔

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 72
2۔ مسند ابی یعلی، جلد 1 صفحہ 353، مجمع الزوائد، جلد 5 صفحہ 89
3۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 74
4۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 75

"اس کے بعد وہ لے آئیں بچہ کو اپنی قوم کے پاس (گود میں) اٹھائے ہوئے۔ انہوں نے کہا اے مریم! تم نے بہت ہی برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی۔ اس پر مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کیا۔ لوگ کہنے لگے ہم کیسے بات کریں اس سے جو گہوارہ میں (کمسن) بچہ ہے۔ (اچانک) وہ بچہ بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔ اور اسی نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوۃ دینے کا جب تک میں زندہ رہوں۔ اور مجھے خدمت گزار بنایا ہے اپنی والدہ کا۔ اور اس نے نہیں بنایا مجھے جابر (اور) بدبخت۔ اور سلامتی ہو مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے اٹھایا جائے گا زندہ کر کے"۔

حضرت مریم علیہا السلام کو روزہ رکھنے اور اپنے دفاع میں کچھ نہ کہنے کا حکم ہوا تو آپ نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے سامنے سرتسلیم خم کرتے ہوئے اپنے فرزند ارجمند کو گود میں لیا اور اپنی قوم کے پاس آگئیں۔ جب انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بچہ دیکھا تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ آپ کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے اور ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے: اے مریم! تم نے بہت برا کام کیا ہے۔ نوف بکالی کہتے ہیں کہ لوگ حضرت مریم علیہا السلام کی تلاش میں نکلے لیکن انہیں آپ علیہا السلام کا کوئی سراغ نہ ملا۔ رستہ میں انہیں ایک چرواہا ملا۔ اس سے آپ علیہا السلام کا حلیہ بیان کر کے پوچھنے لگے کہ کیا تم نے اس قسم کی لڑکی دیکھی ہے۔ اس نے کہا: نہیں، البتہ آج رات میں نے اپنی گایوں کا ایک عجیب معاملہ دیکھا ہے۔ وہ پوچھنے لگے کہ تم نے کیا دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں آج نے کی رات یہ عجیب بات دیکھی کہ میری گائیں اس وادی کی طرف سجدہ ریز ہو گئیں۔ ایسا عجیب واقعہ پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا اور میں نے اپنی آنکھوں سے ایک نور دیکھا۔ جس سمت کی چرواہے نے نشاندہی کی تھی وہ اس طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر سامنے انہیں مریم علیہا السلام دکھائی دیں جو اپنے بیٹے کو گود میں لیے بیٹھی ہوئی تھیں، کہنے لگے: یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ اے مریم! تم نے بہت برا کام کیا ہے، اے اخت ہارون یعنی عبادت میں شبیہ ہارون! تمہارا تعلق تو ایسے پاکیزہ گھرانے سے ہے جو نیکی، عبادت، زہد اور پارسائی میں معروف ہے، پھر تم سے یہ فعل قبیح کیسے سرزد ہو گیا؟ علی بن ابی طلحہ اور سدی کہتے ہیں کہ یہاں ہارون سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام چونکہ ان کی نسل سے تھیں اس لئے انہیں "اخت ہارون" کہا گیا جیسا کہ تمیم خاندان سے تعلق رکھنے والے کو اخو تمیم اور قبیلہ مضر سے تعلق رکھنے والے کو اخو مضر کہا جاتا ہے(1)۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ہارون آپ کی قوم کا ایک نیکوکار شخص تھا۔ چونکہ آپ زہد و عبادت میں اس کی تقلید کرتیں اس لئے اس کی طرف آپ کو منسوب کر کے "اخت ہارون" کہا گیا۔ بعض حضرات کا یہ بھی قول ہے کہ ہارون ان میں ایک بدکار شخص تھا۔ اس کے مشابہ قرار دیتے ہوئے انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو اخت ہارون کہہ دیا(2)۔ ان تمام اقوال سے بڑھ کر قرطبی کا ایک عجیب وغریب قول یہ بھی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی سگی بہن تھیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا گیا تھا تو یہی چپکے چپکے اس کے تعاقب میں گئی تھیں۔ یہ قول بالکل غلط ہے کیونکہ قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے اور آپ کے بعد صرف حضرت محمد ﷺ مبعوث فرمائے گئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول

1۔ تفسیر طبری جلد 16 صفحہ 76 2۔ تفسیر طبری جلد 16 صفحہ 78

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں سب سے زیادہ ابن مریم کے قریب ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا'' (1)۔ اگر محمد بن کعب قرظی کا یہ قول درست تسلیم کرلیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ آپ حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام سے بھی پہلے تھے کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئے ہیں، اس سلسلہ میں ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ...... وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ (البقرۃ: 251-246) قرظی نے یہ موقف تورات کی اس عبارت کے باعث اختیار کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے بخیر و عافیت سمندر سے نکلنے اور فرعونیوں کے غرق ہوجانے کے بعد حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی بہن مریم بنت عمران اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل کی عورتیں دف بجا کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے اور اس کے انعام پر شکر ادا کرنے لگیں۔ اس سے قرظی نے یہ سمجھ لیا کہ یہی مریم بنت عمران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ ان کے نام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام مریم رکھا گیا کیونکہ بنی اسرائیل کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے انبیاء اور صالحین کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے نجران بھیجا۔ وہاں نصاریٰ نے مجھ سے سوال کیا کہ تم یٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ پڑھتے ہو حالانکہ موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے گذر چکے ہیں؟ میں کوئی جواب نہ دے سکا جب واپس لوٹا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا ''تم نے انہیں یہ کیوں نہ بتا دیا کہ وہ لوگ اپنے انبیاء اور پہلے گذرے ہوئے نیک لوگوں کے ناموں پر اپنی اولاد کے نام رکھا کرتے تھے'' (2)۔ ایک مرتبہ حضرت کعب کہنے لگے کہ یہاں وہ ہارون مراد نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ تمہاری یہ بات درست نہیں۔ حضرت کعب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگے کہ اگر آپ نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کچھ سنا ہے تو ہمیں قبول ہے ورنہ ان دونوں نبیوں کے درمیان چھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش ہوگئیں (3)۔ بہر صورت یہ بیان کردہ مدت محل نظر ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت مریم کا گھرانہ شروع سے ہی صالح، پارسا، اور دیندار تھا اور ان کے ہاں ایسے ہی نیک بچے پیدا ہوتے۔ گویا نیکی تقویٰ اور دینداری نسل در نسل منتقل ہو رہی تھی۔ بعض گھرانے بالکل ایسے ہی ہوتے ہیں لیکن بعض گھرانے اس کے برعکس ہوتے ہیں جہاں نسل در نسل بدی کا دور دورہ رہتا ہے۔ ہارون بڑے نیکوکار اور اپنے خاندان میں ہر دلعزیز شخصیت تھے یہ وہ ہارون نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے بلکہ یہ اور ہارون ہیں۔ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے اس لئے بنی اسرائیل میں یہ نام رکھنے کا عام رواج ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ آپ کے جنازے میں ہارون نامی چالیس ہزار افراد نے شرکت کی (4)۔ آخرکار آپ نے معاملہ اپنے بیٹے کے سپرد کر دیا: فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ...... جب لوگوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو شک کی نظر سے دیکھا، طرح طرح کی ناگوار باتیں بنانے لگے اور ملامت کرتے ہوئے اشارتاً بدکاری کی تہمت لگانے پر اتر آئے تو چونکہ آپ نے روزہ اور خاموشی اختیار کی ہوئی تھی اس لئے آپ نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس سے پوچھو جو پوچھنا ہے۔ لوگ سمجھے کہ مریم ہمارے ساتھ مذاق کر رہی ہے چنانچہ وہ تمسخر آمیز لہجے میں پوچھنے لگے: كَیْفَ نُكَلِّمُ...... میمون بن مہران

1۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء جلد 6 صفحہ 477-478
2۔ صحیح مسلم، کتاب الآداب جلد 3 صفحہ 1685
3۔ تفسیر طبری جلد 16 صفحہ 77
4۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 77

کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس سے کلام کرو۔ وہ کہنے لگے کہ یہ بہت چالاک ہے، ہمیں کمسن بچے کے ساتھ گفتگو کرنے کیلئے کہہ رہی ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ آپ کے اس اشارہ سے لوگ خشمناک ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس کا تمسخر آمیز رویہ ہمارے لئے اس کی بدکاری سے بھی زیادہ ناگوار ہے۔ بھلا گہوارے میں کھیلتا کمسن بچہ کیسے گفتگو کر سکتا ہے؟ اسی اثناء میں وہ بچہ بول اٹھا اور کہنے لگا: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ -- سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی بندگی کا اظہار کرتے ہوئے اولاد سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ اور پاکی بیان کی، پھر یہ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا کہہ کر اپنی والدہ کی بدکاری سے برأت بیان کی۔ نوف بکالی کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دودھ پی رہے تھے۔ آپ دودھ چھوڑ کر اور بائیں کروٹ ہو کر فرمانے لگے: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ...... مَا دُمْتُ حَیًّا۔ ثابت بنانی کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی شہادت کی انگلی اپنے کندھے سے اوپر اٹھا کر یہ فرمایا تھا۔ عکرمہ اس فرمان اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے کتاب دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے جو ہر صورت پورا ہو گا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کے شکم میں ہی انجیل اچھی طرح سیکھ لی تھی اور یہی اس آیت کا مطلب ہے۔ مجاہد، عمرو بن قیس اور ثوری نے آیت کریمہ میں مذکور لفظ مبارک کا معنی مُعلّم خیر کیا ہے۔ ایک اور روایت میں مجاہد سے اس کا معنی نفع رساں بھی منقول ہے۔ ایک عالم اپنے سے بڑے عالم سے ملے اور پوچھنے لگے کہ وہ کونسا عمل ہے جو میں علی الاعلان کر سکتا ہوں؟ فرمایا: نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام پیغمبروں کو اس فریضہ کا مکلف بنایا تھا۔ اور فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ کی برکت سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے(1)۔ اور یہ فرمان وَ اَوْصٰنِیْ...... ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ سے فرمایا: وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ (الحجر:99) "اور اپنے رب کی عبادت کیجئے یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین (موت) آجائے"۔ حضرت مالک بن انس اس فرمان وَ اَوْصٰنِیْ - کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس امر کی خبر دے دی جو مرتے دم تک آپ نے بجالانا تھا، تقدیر کے ثبوت کی یہ کس قدر بیّن دلیل ہے۔ پھر مزید فرمایا: وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ اطاعت الٰہی کے بعد اس کا ذکر ہوا اور عموماً اللہ تعالیٰ اپنی عبادت اور اطاعت والدین کے حکم کو ایک ساتھ بیان فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل:23) "اور آپ کے رب نے حکم فرمایا کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو"۔ اور فرمایا: اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ (لقمان:14) "شکر ادا کرو میرا اور اپنے والدین کا۔ میری طرف ہی لوٹنا ہے"۔ مزید فرمایا: وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ جابر بنایا اور نہ اپنی عبادت واطاعت اور اپنی والدہ کی خدمت کرنے سے متکبر بنایا کہ میں اس وجہ سے شقی بن جاؤں۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ جبار و شقی وہ ہے جو غصہ کے سبب قتل کرنے کے درپے ہو جائے۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ اپنے والدین کا نافرمان شخص جبار اور شقی ہوتا ہے پھر انہوں نے اس آیت وَ بَرًّۢا - کی تلاوت کی اور ہر بد اخلاق شخص اترانے والا اور مغرور ہوتا ہے، اس پر انہوں نے یہ آیت پڑھی: وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا (النساء:36) ایک عورت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا مشاہدہ کیا کہ آپ مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشتے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگی کہ مبارک ہے وہ پیٹ جس نے تمہیں اٹھائے رکھا اور مبارک ہے وہ چھاتی جس سے تم نے دودھ پیا۔ یہ سن کر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے کہ مبارک ہے وہ شخص جس نے کتاب اللہ کی تلاوت کی اور اس پر عمل پیرا ہوا اور جابر و

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 80-81

بد بخت نہ بنا(1)۔ پھر فرمایا: وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ ۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ آپ کو زندگی بخشی گئی، پھر آپ پر موت بھی آئے گی اور قیامت کے دن باقی ساری مخلوق کی طرح آپ کو بھی زندہ کر کے اٹھایا جائے گا لیکن ان تینوں مواقع پر آپ کیلئے سلامتی ہے حالانکہ بندوں کیلئے یہ تینوں مواقع بڑے سنگین اور مشکل ہیں۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٣٥﴾ وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٣٦﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٣٧﴾

"یہ ہے عیسیٰ بن مریم (اور یہ ہے وہ) سچی بات جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ یہ زیبا ہی نہیں اللہ تعالیٰ کو کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے، وہ پاک ہے۔ جب وہ فیصلہ فرما دیتا ہے کسی کام کا تو بس صرف اتنا حکم دیتا ہے اس کے لئے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی سو اسی کی عبادت کیا کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ پھر ان میں سے کئی گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ پس ہلاکت ہے کفار کے لئے اس دن کی حاضری سے جو بہت بڑا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے جس سے ہم نے آپ کو آگاہ کر دیا ہے، یہی سچی بات ہے جس کے متعلق ان پر ایمان لانے والے حق پرست اور ان کا انکار کرنے والے باطل پرست اختلاف کرتے ہیں۔ اکثر حضرات کی قرأت میں قولُ الحق ہے یعنی قول کو مرفوع پڑھا گیا ہے۔ عاصم اور عبداللہ بن عامر نے اسے منصوب پڑھا ہے یعنی قولَ الحق(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "قالَ الحق" ہے۔ بہرکیف اسے مرفوع پڑھنا زیادہ ظاہر ہے اور اس کی تائید اس فرمان سے بھی ہوتی ہے: اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ (آل عمران: 60) "یہ حقیقت (کہ عیسیٰ انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے ہے پس تو نہ ہو شک کرنے والوں میں سے"۔ یہ بیان کرنے کے بعد کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی اور بندے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی تنزیہہ اور پاکی بیان کرتے ہوئے فرمایا: مَا كَانَ لِلّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنا بیٹا بنائے۔ وہ ظالموں اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی ہرزہ سرائیوں سے بہت بالا اور برتر ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف "کن" کہہ دیتا ہے تو وہ چیز اس کی مشیت کے مطابق وجود پذیر ہو جاتی ہے، جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ (آل عمران: 60-59) "بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں آدم علیہ السلام کی مانند ہے۔ اسے مٹی سے بنایا پھر اسے فرمایا ہو جا تو وہ ہو گیا۔ یہ حقیقت (کہ عیسیٰ انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے ہے سو تو نہ ہو جا شک کرنے والوں میں سے"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں ہی اپنی قوم کو یہ پیغام بھی دیا: وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ... یعنی اللہ تعالیٰ ہی میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، سو اسی کی عبادت کرو اور جو کچھ میں اللہ کی طرف سے تمہارے پاس لایا ہوں، یہی صراط مستقیم ہے۔ جس نے اس کی اتباع کی، وہ ہدایت پا گیا اور جس نے اس کی مخالفت کی، وہ گمراہ ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا:

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 82
2۔ الاقناع لابن الباذش، جلد 2 صفحہ 696، تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 83

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ ۔ یعنی اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرنے لگے حالانکہ آپ کی حقیقت سے پردہ اٹھایا جا چکا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے، رسول، روح اور کلمہ ہیں جسے اس نے مریم علیہا السلام کی طرف القاء کیا۔ یہودیوں کی اکثریت آپ کو (نعوذ باللہ) ولد الزنا کہتی ہے۔ یہ ملعون کہتے ہیں کہ آپ کا یہ کلام جادو کا کرشمہ ہے۔ یہی دو گروہ ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ العیاذ باللہ کلام ہے۔ نصاریٰ میں سے کچھ آپ کو ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) کہنے لگے۔ کچھ کہنے لگے کہ آپ تین خداؤں میں سے ایک ہیں جبکہ باقی لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اور یہی سچی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بتلائی ہے اور یہی امت مسلمہ کا عقیدہ ہے۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے چار گروہ اکٹھے ہوئے اور ہر ایک گروہ نے اپنا عالم پیش کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا جا چکا تھا۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرنے لگے۔ ایک کہنے لگا کہ یہ بذات خود اللہ تھا جو زمین پر اترا۔ جسے چاہا اسے اس نے زندہ کیا اور جسے چاہا، مار دیا پھر وہ واپس آسمان کی طرف چلا گیا۔ اس عقیدہ کے حامل گروہ کو یعقوبیہ کہا جاتا ہے۔ یہ سن کر باقی تینوں علماء نے اسے جھوٹا قرار دیا۔ اب ان میں سے دو نے تیسرے سے کہا کہ تم اپنا عقیدہ بیان کرو۔ اس نے کہا کہ عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ یہ عقیدہ رکھنے والے نسطوریہ کہلائے۔ یہ سن کر دونوں نے اس کی تکذیب کی۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم اپنا موقف بیان کرو۔ اس نے کہا وہ تین خداؤں میں سے ایک ہیں یعنی اللہ، عیسیٰ اور ان کی والدہ تین خدا ہیں۔ یہ گروہ اسرائیلیہ کے نام سے معروف ہوا یہی شاہان نصاریٰ تھے، عَلَیْهِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ۔ چوتھے نے اس کی تکذیب کرتے ہوئے کہا کہ بات ایسی نہیں ہے، بلکہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندہ، رسول، روح اور کلمہ ہیں، اس عقیدہ کے حامل مسلمان کہلائے۔ ان چاروں علماء میں سے ہر ایک کے پیروکار اور ہمنوا تھے جو آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے اور آخرکار مسلمانوں پر غالب آ گئے: اور یہی اس آیت کا مقصود ہے: وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ (آل عمران:21)" اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو لوگوں میں سے عدل و انصاف کا حکم کرتے ہیں"۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہی وہ گروہ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ ۔ اہل کتاب اور دیگر متعدد مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ قسطنطین بادشاہ نے تین بار نصاریٰ کے اجتماع کا انعقاد کیا۔ آخری اجتماع میں ان کے دو ہزار ایک سو ستر بشپ جمع ہوئے۔ یہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف عقیدہ رکھتے تھے۔ ہر گروہ اپنا اپنا راگ الاپتا۔ سو کچھ کہتے ستر کوئی اور بات کرتے، پچاس اپنا خیال ظاہر کرتے اور ایک سو ساٹھ اپنا الگ عقیدہ بیان کرتے۔ ان میں سے سب سے بڑا گروہ تین سو آٹھ افراد پر مشتمل تھا انہوں نے جس بات پر اتفاق کیا، بادشاہ نے اسے تسلیم کر لیا۔ بادشاہ چونکہ فلسفی تھا اس لئے اس نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اکثریت کا ساتھ دیا جائے۔ چنانچہ اس نے اس اکثریتی گروہ کا بھرپور ساتھ دیا، ہر طرح سے ان کی معاونت کی اور باقی سب کو اس نے جلا وطن کر دیا۔ اس گروہ کے علماء نے بادشاہ کیلئے امانت کبیرہ کی رسم ایجاد کی جو درحقیقت خیانت عظیمہ ہے، بادشاہ کو قوانین وضع کر کے دیے، بہت سی من گھڑت اشیاء کو شریعت کا حصہ بنا دیا، بدعات کو جنم دیا اور دین مسیح میں تحریف اور تغیر و تبدل کر کے اس کی صورت مسخ کر دی۔ اس تحریف شدہ دین کو جبراً مسلط کرنے کے بعد بادشاہ نے اپنی ساری قلم رو میں بڑے بڑے کنیسوں کا جال بچھا دیا جن کی تعداد اس کے دور میں بارہ ہزار تک پہنچ گئی۔ بادشاہ کی ماں ہیلانہ نے اس جگہ پر ایک قبہ تعمیر کروا دیا جس کے بارے میں یہود کا گمان ہے کہ یہاں حضرت مسیح کو ہی سولی دی گئی تھی۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ آپ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ پھر ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہوئے گمان کرتے ہیں کہ اس کی اولاد ہے، شدید دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ۔ یعنی آپ ان افترا پردازوں

کو قیامت تک مہلت دے دیں اور حلم کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں ڈھیل دے دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمان کو فوراً عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: "اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا" (1)۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۚ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (ہود:102) "اور یونہی آپ کے رب کی گرفت ہوتی ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے دراں حالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں، بے شک اس کی پکڑ بڑی دردناک اور سخت ہوتی ہے"۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو ناروا باتیں سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا ہو۔ لوگ اس کی اولاد ٹھہراتے ہیں اور وہ انہیں رزق سے بھی نوازتا ہے اور عافیت سے بھی" (2)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَىَّ الْمَصِيْرُ (الحج:48) "اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں میں نے ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری طرف ہی لوٹنا ہے"۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۗ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ (ابراہیم:42) "اور تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کرتوتوں سے بے خبر ہے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۔ وہ تو انہیں صرف اس دن کیلئے ڈھیل دے رہا ہے جب آنکھیں (خوف کے مارے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی"۔ اور یہاں فرمایا: فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... ایک حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "جس شخص نے گواہی دی کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، عیسیٰ اللہ کے بندے، رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف القاء کیا اور اس کی روح ہیں اور جنت اور جہنم حق ہیں، اس کے اعمال خواہ کیسے ہوں اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل کر دے گا" (3)۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِىَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِىْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾

"(اس دن) یہ خوب سننے لگیں گے اور خوب دیکھنے لگیں گے جس دن آئیں گے ہمارے پاس لیکن یہ ظالم آج تو کھلی گمراہی میں ہیں اور اے نبی کریم! آپ ڈرایئے انہیں حسرت وندامت کے دن سے جب ہر بات کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور آج یہ لوگ غفلت میں ہیں اور یہ ایمان نہیں لاتے۔ یقیناً ہم ہی وارث ہوں گے زمین کے اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اور ہماری طرف ہی سب لوٹائے جائیں گے"۔

روز قیامت کفار کی قوت سماعت اور قوت بصارت غیر معمولی ہوگی۔ وہ اچھی طرح سنیں گے بھی اور دیکھیں گے بھی جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا (السجدۃ:12) "اور کاش تم دیکھو جب مجرم سر جھکائے ہوئے اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا"۔ یہ اس وقت کہیں گے جب یہ سماعت اور بصارت ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔ عذاب کا مشاہدہ کرنے سے پہلے اگر وہ آواز حق سن لیتے اور نور ہدایت کا مشاہدہ کر لیتے تو اس کا انہیں فائدہ

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 8 صفحہ 354، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997-1998

2۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 8 صفحہ 31، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، جلد 4 صفحہ 2160

3۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 201، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 57

ضرور پہنچتا اور وہ عذاب سے بچ جاتے۔ اس لیے فرمایا: اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَاَبۡصِرۡ . . . یہ تعجب کا صیغہ ہے یعنی روز قیامت یہ خوب سنیں اور دیکھیں گے لیکن آج یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔ نہ یہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ پیغامِ حق کو سمجھتے ہیں۔ دنیا میں انہیں ہدایت قبول کرنے کیلئے کہا جاتا ہے لیکن یہ ہدایت قبول نہیں کرتے اور آخرت میں یہ اطاعت کا اظہار کریں گے لیکن اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پھر فرمایا: وَاَنۡذِرۡهُمۡ..... یعنی مخلوق کو آپ حسرت وندامت والے دن سے ڈرائیں جب جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان فیصلہ ہوگا اور ہر ایک اپنے ابدی ٹھکانے کی راہ لے گا لیکن یہ لوگ آج اس حسرت وندامت والے دن سے بالکل غافل ہیں اور اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا، یہ یوں محسوس ہوگی جیسے سفید وسیاہ رنگ والا مینڈھا ہے۔ پھر اسے جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر کے کہا جائے گا: اے جنتیو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ گردنیں دراز کر کے دیکھیں گے اور کہیں گے: ہاں، یہ موت ہے۔ پھر کہا جائے گا: اے دوزخیو! کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ بھی گردنیں دراز کر کے دیکھیں گے اور کہیں گے: ہاں، یہ موت ہے۔ پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا: اے جنتیو! بغیر موت کے ہمیشگی ہے اور اے دوزخیو! بلا موت ہمیشگی ہے" پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ کی تلاوت کی اور ہاتھ کے ساتھ اشارہ کیا، پھر فرمایا: اہل دنیا غفلت میں ہیں"(1) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک واقعہ میں بیان کیا ہے کہ اس حسرت والے دن ہر شخص جنت اور دوزخ میں اپنے ٹھکانے کو دیکھ رہا ہوگا۔ دوزخی جنت میں اپنے ٹھکانے کو دیکھیں گے تو انہیں کہا جائے گا کہ اگر تم عمل کرتے تو یہ جگہ تمہیں مل جاتی۔ اس وقت حسرت انہیں گھیر لے گی۔ جنتی جہنم میں اپنے ٹھکانے کو دیکھیں گے تو انہیں کہا جائے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر احسان نہ فرماتا تو تمہارا یہ ٹھکانہ ہوتا(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس فرمان وَاَنۡذِرۡهُمۡ۔ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو موت کو ایک مینڈھے کی صورت میں لایا جائے اور جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا، پھر ایک منادی ندا دے گا: اے جنتیو! یہ وہ موت ہے جو لوگوں کو دنیا میں مارا کرتی تھی تو جنت میں ہر اونچے اور نچلے طبقہ والا شخص اسے دیکھے گا۔ پھر ندا ہوگی: اے دوزخیو! یہ وہ موت ہے جو دنیا میں لوگوں کو مارا کرتی تھی چنانچہ ہر دوزخی اسے دیکھے گا۔ پھر اسے جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر کے کہا جائے گا: اے جنتیو! ابدالآباد تک ہمیشگی ہے اور اے دوزخیو! ابدالآباد تک ہمیشگی ہے۔ یہ سن کر جنتی اسقدر خوش ہوں گے کہ اگر فرطِ مسرت سے کسی کو مرنا ہوتو وہ ضرور مر جائیں اور دوزخی اس قدر چیخ وپکار کریں گے کہ اگر اس سبب سے کسی کو مرنا ہوتو وہ ضرور مر جائیں۔ پس یہی مطلب اس آیت کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یوم الحسرۃ قیامت کے ناموں میں سے ہے۔ اس کی غیر معمولی کیفیت کو بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس سے خبردار کیا۔ عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم بھی یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد یوم قیامت ہے۔ اس پر انہوں نے یہ آیت پڑھی: اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ يّٰحَسۡرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطۡتُّ فِىۡ جَنۡۢبِ اللّٰهِ(3) "کوئی شخص یہ کہنے لگے صد حیف! ان کوتاہیوں پر جو اللہ کے بارے میں مجھ سے سرزد ہوئیں"۔ فرمایا: اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ..... اس میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق، مالک اور متصرف ہے، تمام مخلوق فنا ہو جائے گی اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے بجز اس کے کوئی بھی ملکیت اور تصرف کا دعویٰ نہیں کر سکتا بلکہ وہی تمام مخلوق کا وارث، ان کے بعد ہمیشہ باقی رہنے والا اور

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ مریم، جلد 6 صفحہ 117۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2188، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 9

2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 87

3۔ الزمر: 56۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 88

ان کا فیصلہ فرمانے والا ہے۔ وہ ایسا عادل ہے کہ مچھر کے پر اور ایک ذرہ کے برابر بھی وہ ظلم نہیں کرتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کوفہ کے گورنر عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو لکھا: اَمَّا بعد! اللہ تعالیٰ نے جب سے مخلوق کو پیدا کیا اسی وقت سے ہی ان پر موت لکھ دی اور ہر ایک کا انجام یہی موت ہے۔ اسی نے اپنی نازل کردہ سچی کتاب میں جسے اس نے اپنے علم کے ساتھ محفوظ کیا ہے اور ملائکہ کو اس کی حفاظت پر گواہ بنایا ہے، اس نے لکھ دیا ہے کہ وہ زمین اور اس کے اوپر ہر چیز کا وارث ہے اور اسی طرف سب کو لوٹنا ہے (1)۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝

"اور ذکر کیجئے آپ کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا۔ وہ بڑا راست باز نبی تھا۔ جب انہوں نے کہا اپنے باپ سے کہ اے میرے باپ تو کیوں عبادت کرتا ہے اس کی جو نہ کچھ سنتا ہے اور نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اے میرے باپ! بیشک آیا ہے میرے پاس وہ علم جو تیرے پاس نہیں آیا، اس لئے تو میری پیروی کر میں دکھاؤں گا تجھے سیدھا راستہ۔ اے باپ! شیطان کی پوجا نہ کیا کر۔ بے شک شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے۔ اے باپ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تجھے پہنچے عذاب (خدائے) رحمٰن کی طرف سے تو تو بن جائے شیطان کا ساتھی"۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی محمد ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کریں اور اپنی بت پرست قوم کو جوان کی اولاد اور ان کی پیروکار ہونے کی دعویدار ہے، ان کا واقعہ بیان کریں کہ اس سچے نبی نے کس طرح اپنے باپ کو بت پرستی سے منع کیا۔ آپ نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ کیوں اس کی پرستش کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے، نہ نفع پہنچاتا ہے اور نہ تکلیف کو دور کرتا ہے۔ اے میرے باپ! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ آپ اپنے باپ سے یہ کہنا چاہتے تھے کہ اگرچہ میں آپ کا بیٹا اور کم عمر ہوں لیکن یاد رکھئے جس علم پر اللہ تعالیٰ نے مجھے آگاہی بخشی ہے آپ کو نہیں بخشی، اس لئے میری اتباع کریں میں آپ کو صراطِ مستقیم دکھاؤں گا جس پر گامزن ہونے سے مطلوب حاصل ہوگا اور عذاب سے نجات ملے گی۔ اے میرے باپ! بت پرستی میں شیطان کی اطاعت نہ کریں۔ چونکہ شیطان بت پرستی کی دعوت دیتا ہے اس لئے بت پرست گویا اسی کی عبادت کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (یٰسین: 60) "اے اولادِ آدم! کیا میں نے تمہیں تاکیدی حکم نہیں دیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا (النساء: 117) "یہ مشرک اللہ کے سوا نہیں عبادت کرتے مگر دیویوں کی اور یہ نہیں عبادت کرتے مگر سرکش شیطان کی"۔ شیطان کے متعلق فرمایا: اِنَّ الشَّيْطٰنَ۔ یعنی شیطان اللہ تعالیٰ کا مخالف اور اس کی اطاعت سے تکبر اور روگردانی کرنے والا ہے۔ اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے اسے رحمت سے دور کر دیا اور اپنی بارگاہ سے دھتکار دیا، اس لئے اس کی اتباع نہ کریں ورنہ اس جیسا ہو جائیں گے۔ اے میرے باپ! مجھے

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 513

اندیشہ ہے کہ شرک اور میری نافرمانی کے باعث رحمٰن کی طرف سے کہیں عذاب آپ کو پہنچ جائے اور اگر آپ شیطان کی اتباع کرتے رہے تو وہی آپ کا دوست ہوگا لیکن اس وقت وہ کسی کام نہیں آئے گا بلکہ عذاب آپ کو گھیر لے گا جیسا کہ فرمایا: تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (النحل: 63)۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝

"باپ نے کہا کیا روگردانی کرنے والا ہے تو میرے خداؤں سے اے ابراہیم! اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کردوں گا اور دور ہو جا میرے سامنے سے کچھ عرصہ۔ ابراہیم نے (جواب میں) کہا سلام ہو تم پر۔ میں مغفرت طلب کروں گا تیرے لئے اپنے رب سے۔ بے شک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے اور میں الگ ہو جاؤں گا تم سے اور (ان سے بھی) جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر آپ کے باپ نے جو جواب دیا، اس کا تذکرہ ہو رہا ہے اَرَاغِبٌ یعنی اگر تم میرے خداؤں کی عبادت سے روگردانی کیے ہوئے ہو تو انہیں سب وشتم کرنے اور ان کی عیب جوئی کرنے سے باز آ جاؤ۔ اگر تم باز نہ آئے تو میں تم سے اس کا بدلہ لوں گا اور تمہیں سب وشتم کروں گا۔ بقول ابن عباس، سدی، ابن جریج، ضحاک وغیرہ لَاَرْجُمَنَّكَ کا یہی مطلب ہے(1)۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور محمد بن اسحاق نے "مَلِيًّا" کا معنی بتایا ہے کچھ عرصہ۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا معنی ہے: طویل زمانہ۔ سدی کے بقول اس کا معنی ہے ہمیشہ۔ حضرات ابن عباس، ضحاک، قتادہ، عطیہ جدلی اور ابو مالک وغیرہ نے وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا کا مطلب بتایا ہے کہ تم مجھ سے صحیح سالم الگ ہو جاؤ اس سے پہلے کہ میں تمہیں سزا دوں۔ ابن جریر نے اس قول کو پسند کیا ہے(2)۔ اس پر حضرت ابراہیم نے اپنے باپ سے کہا: "سلام علیک" یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ مومنین کے متعلق فرمایا: وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان: 63)" اور جب جاہل ان سے گفتگو کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں تم سلامت رہو"۔ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ (القصص: 55)" اور جب وہ کسی بیہودہ بات کو سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، تم سلامت رہو ہم جاہلوں (سے الجھنے) کے خواہاں نہیں"۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ کر سَلٰمٌ عَلَيْكَ اپنے باپ کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ نہ میں آپ کو کوئی گزند پہنچاؤں گا اور نہ آپ کے ساتھ کوئی ناروا بات کروں گا۔ یہ باپ کی حرمت کے پیش نظر تھا۔ پھر فرمایا: سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ یعنی میں تو آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے یہی التجا کروں گا کہ وہ آپ کو ہدایت نصیب فرمائے اور آپ کے گناہ بخش دے۔ وہ بلا شبہ مجھ پر بے حد مہربان ہے۔ یہ اس کا لطف و کرم ہی ہے کہ اس نے مجھے اپنی عبادت اور اخلاص کی توفیق مرحمت فرمائی۔ قتادہ اور مجاہد "حَفِيًّا" کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دعا کی قبولیت کا مجھے خوگر بنایا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ "حفی" سے مراد وہ ہے جو کسی کے معاملہ کا اہتمام کرے۔ حضرت

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 91 2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 92

ابراہیم علیہ السلام طویل مدت تک اپنے باپ کیلئے استغفار کرتے رہے بلکہ شام کی طرف ہجرت کرنے، مسجد حرام کی تعمیر کرنے اور حضرات اسماعیل واسحاق علیہما السلام کی ولادت کے بعد بھی اس قول کے ساتھ طلب مغفرت کرتے رہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (ابراہیم:41) ''اے ہمارے رب! بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو اور سب مومنوں کو جس دن حساب قائم ہوگا''۔ آغاز اسلام میں مسلمان بھی حضرت ابراہیم کی اقتدا کرتے ہوئے اپنے مشرک اعزہ واقارب کیلئے استغفار کیا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ فرمان نازل ہوا: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ... إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ (الممتحنہ:4) ''بے شک تمہارے لیے خوبصورت نمونہ ہے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں جب انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور ان معبودوں سے بیزار ہیں جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو۔ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا کہ میں ضرور تمہارے لیے مغفرت طلب کروں گا اور میں تمہارے لیے اللہ کے سامنے کسی نفع کا مالک نہیں ہوں''۔ یعنی اس قول میں تم حضرت ابراہیم کی اقتدا نہ کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے بعد میں اس سے رجوع کرلیا جیسا کہ فرمان ہے: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ ... وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ (التوبہ:113-114) ''درست نہیں ہے نبی کیلئے اور نہ ایمان والوں کیلئے کہ وہ مشرکوں کے واسطے مغفرت طلب کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں جب کہ واضح ہو گیا ان پر کہ یہ دوزخی ہیں اور نہ تھی استغفار ابراہیم کی اپنے باپ کیلئے مگر ایک وعدہ کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا اور جب آپ پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بیزار ہوگئے۔ بے شک ابراہیم بڑے ہی نرم دل اور بردبار تھے''۔ پھر فرمایا: وَأَعْتَزِلُكُمْ ... یعنی میں تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے بیزار اور اجتناب کرنے والا ہوں جنہیں تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پوجتے ہو اور میں تو صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا یہاں لفظ ''عسی'' یقین کے معنی میں ہے کیونکہ آپ حضرت محمد ﷺ کے بعد سید الانبیاء ہیں۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾

''پس جب وہ جدا ہو گیا ان سے اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر، تو عطا فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب۔ اور سب کو ہم نے نبی بنایا۔ اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں اپنی رحمت سے (طرح طرح کی نعمتیں) اور ہم نے ان کے لئے سچی اور دائمی تعریف کی آواز بلند کردی''۔

جب حضرت خلیل علیہ السلام اپنے باپ اور اپنی قوم سے رضائے الٰہی کی خاطر الگ تھلگ ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت اسحاق علیہ السلام جیسے بیٹے اور حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے پوتے کی صورت میں نعم البدل عطا فرما دیا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً (الانبیاء:72)، وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ (ہود:71) اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد گرامی ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں واضح طور پر فرمایا: أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ (البقرۃ:133) ''بھلا کیا تم موجود تھے جب آ پہنچی

یعقوب کو موت جب اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے عرض کی ہم عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے بزرگوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے خدا کی"۔ یہاں حضرات اسحاق و یعقوب علیہما السلام کا ذکر کیا جس سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایسا بیٹا اور پوتا عطا فرمائے جو آپ کی زندگی میں ہی منصب نبوت پر فائز ہوئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کیں، اس لئے فرمایا: وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام آپ کی حیات مبارکہ میں نبی نہ بنائے جاتے تو صرف آپ کے ذکر پر اکتفاء نہ کیا جاتا بلکہ آپ کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کا بھی ساتھ ہی ذکر ہوتا کیونکہ آپ بھی نبی ہیں جیسا کہ ایک حدیث صحیح میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے سب سے بہتر شخص کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "یوسف نبی اللہ ابن یعقوب نبی اللہ ابن اسحاق نبی اللہ ابن ابراہیم خلیل اللہ" (1)۔ ایک اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں "کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم" (2)۔ آیت کریمہ میں لفظ لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد ذکر خیر اور ثناء جمیل ہے۔ لِسَانَ صِدْقٍ کو "عَلِيًّا" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ہر ملت اور ہر دین کے حامل لوگ آپ کی مدحت اور تعریف کرتے ہیں (3)۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰىٓ ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

"اور ذکر فرمائیے کتاب میں موسیٰ کا۔ بیشک وہ (اللہ کے) چنے ہوئے تھے اور رسول و نبی تھے۔ اور ہم نے انہیں پکارا طور کی دائیں جانب سے اور ہم نے انہیں قریب کیا راز کی باتیں کرنے کے لئے۔ اور ہم نے بخشا انہیں اپنی خاص رحمت سے ان کا بھائی ہارون جو نبی تھا"۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ذکر کے بعد اب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا تذکرہ رہا ہے۔ "مُخْلَصًا" کی دوسری قرأت "مُخْلِصًا" لام کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی وہ عبادت میں اخلاص رکھنے والے تھے۔ مروی ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: اے روح اللہ! یہ فرمائیے کہ اللہ کیلئے مخلص شخص کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ جو خالص اللہ کی رضا کیلئے عمل کرے اور اس پر لوگوں کی تعریف کا خواہشمند نہ ہو۔ اگر مخلصا لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھیں تو اس کا معنی ہے برگزیدہ اور چنا ہوا، جیسا کہ فرمایا: اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ (الاعراف: 144) "میں نے تمہیں تمام لوگوں پر چن لیا"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت اور رسالت دونوں سے سرفراز کیا گیا۔ آپ پانچ بڑے بڑے اولوالعزم رسولوں میں سے ایک ہیں یعنی نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہم وعلی سائر الانبیاء اجمعین۔ فرمایا: وَنَادَيْنٰهُ.... یعنی ہم نے انہیں طور پہاڑ کی دائیں جانب سے آواز دی اور راز کی باتیں کرنے کیلئے انہیں اپنے قریب کرلیا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ آگ کی تلاش میں نکلے۔ دور سے آگ دکھائی تو اس طرف چل پڑے۔ یہاں طور کی دائیں جانب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمکلامی کی شرف بخشا اور راز کی باتیں کرنے کیلئے اپنے قریب کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کو اس قدر قریب کیا گیا کہ آپ قلم چلنے کی آواز سننے لگے۔ مجاہد اور ابوالعالیہ وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں کہ تورات لکھتے ہوئے قلم کی آواز آپ کو سنائی دینے لگی۔ سدی کہتے ہیں کہ آپ آسمان میں گئے اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلام

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 170 صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1846

2۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، جلد 4 صفحہ 181

3۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 93

ہوئے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر راز کی باتیں بتانے کیلئے اپنے قریب کیا تو فرمایا: اے موسیٰ! جب میں تمہیں شکر گذار دل، ذکر کرنے والی زبان اور ایسی بیوی عطا کر دوں جو بھلائی کے کاموں میں تمہاری معاون ہو تو سمجھ لیں کہ میں نے تم سے کوئی بھلائی چھپا کر نہیں رکھی اور جس شخص سے میں یہ چیزیں روک کر رکھ لوں تو اسے میں نے کوئی بھلائی عطا نہیں کی۔ پھر فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهٗ ... یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی درخواست اور اپنے بھائی کے متعلق ان کی سفارش کو قبول کرتے ہوئے انہیں بھی منصب نبوت پر فائز کر دیا جیسا کہ اور آیت میں فرمایا: وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ (القصص: 144) ”اور میرا بھائی ہارون، وہ گفتگو کرنے میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے تو اسے میرے ساتھ میرا مددگار بنا کر بھیج تاکہ وہ میری تصدیق کرے۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے“۔ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى (طٰہٰ: 36) ”اے موسیٰ! آپ کی درخواست منظور کر لی گئی ہے“۔ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ (الشعراء: 14-13) ”سو تو بھیج ہارون کی طرف اور ان کا میرے ذمہ ایک جرم بھی ہے اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے“۔ اس لئے کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ دنیا میں کسی نے کسی کیلئے اس سے زیادہ بہتر اور عظیم سفارش نہیں کی جو سفارش حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کیلئے کی تھی کہ وہ بھی مقام نبوت پا لیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ انہیں بھی نبوت مل جائے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝

”اور ذکر کیجئے کتاب میں اسماعیل کو بے شک وہ وعدہ کے سچے تھے اور رسول (اور) نبی تھے۔ اور وہ حکم دیا کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا۔ اور اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے“۔

اللہ تعالیٰ عرب حجاز کے باپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف فرما رہا ہے کہ وہ وعدے کے سچے تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کیا یعنی ہر نذر مانی ہوئی عبادت کو بجا لاتے اور اس کا پورا پورا حق ادا کرتے۔ سہل بن عقیل کہتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص کے ساتھ کسی جگہ ملاقات کا وعدہ کیا۔ آپ حسب وعدہ وقت مقررہ پر اس جگہ پہنچ گئے لیکن وہ شخص بھول گیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام وہاں ہی ٹھہرے رہے۔ اگلے روز وہ شخص وہاں آیا تو آپ کو اس مقام پر دیکھ کر کہنے لگا کہ آپ کل سے یہاں ہی ٹھہرے ہوئے ہیں؟ معذرت کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے آنے سے پہلے اس جگہ کو کیسے چھوڑ سکتا تھا، اسی لئے فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (1)۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ آپ اس جگہ ایک سال تک اس شخص کا انتظار کرتے رہے۔ ابن شوذب کہتے ہیں کہ آپ نے اس جگہ کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ اعلان نبوت سے پہلے میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تجارتی سودا کیا۔ میرے ذمے آپ کا کچھ بقایا تھا۔ میں نے آپ کے ساتھ وعدہ کیا کہ آپ اس جگہ ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں لیکن میں اپنے وعدہ کو بھول گیا۔ تیسرے دن یاد آنے پر جب میں اس جگہ پر گیا تو میں نے آپ کو وہاں ہی پایا۔ آپ نے مجھے صرف یہی فرمایا: ”اے نوجوان! تو نے مجھے مشقت میں ڈال دیا میں یہاں تین دن سے تمہارا انتظار کر

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 95

رہا ہوں" (1)۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو "صادق الوعد" کہنے کی وجہ آپ کا اپنے والد گرامی سے یہ کہنا ہے: سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (الصافات: 102) وعدہ وفا کرنا صفاتِ حمیدہ میں سے ہے جبکہ وعدہ خلافی صفاتِ مذمومہ میں سے ہے جیسا کہ فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف: 3-2) "اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک بڑی ناراضگی کا باعث ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: "جب وہ گفتگو کرے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے" (2)۔ یہ منافقین کی صفات ہیں اور ان صفات کے برعکس صفات سے متصف ہونا اہل ایمان کی شان ہے، اس لئے صدقِ وعدہ کے سبب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کی ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی اپنے وعدہ کے سچے اور پابند تھے۔ کسی کے ساتھ جو بھی وعدہ آپ نے کیا، اسے وفا کیا۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوالعاص بن ربیع کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: "اس نے جو بھی بات میرے ساتھ کی اس میں سچ بولا اور جو بھی وعدہ اس نے میرے ساتھ کیا، اسے پورا کیا" (3)۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امور خلافت سنبھالتے ہی فرمایا کہ جس شخص سے رسول اللہ ﷺ نے کوئی وعدہ کر رکھا ہو یا آپ ﷺ کے ذمے کسی کا قرض ہو تو وہ میرے پاس آئے، میں اسے پورا کروں گا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھ یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو میں تمہیں اتنا، اتنا اور اتنا یعنی لپ بھر کر دوں گا۔ جب بحرین کا مال آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اس میں سے لپ بھرنے کا حکم دیا۔ آپ کے حکم سے گنتی کی تو وہ پانچ سو درہم نکلے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کے ساتھ دوگنا مزید (کل پندرہ سو) عطا فرمائے (4)۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام پر زیادہ شرف حاصل تھا کیونکہ حضرت اسحاق کو صرف نبوت سے سرفراز کیا گیا جبکہ آپ کو نبوت اور رسالت دونوں سے۔ ایک حدیث میں رسول ﷺ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں سے اسماعیل کو چن لیا (5)۔ پھر آپ علیہ السلام کی مزید صفتِ حمیدہ، خصلتِ نبیلہ اور ثناء جمیل کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَكَانَ یَاْمُرُ . . . یعنی آپ نہ صرف خود اطاعت الٰہی پر پوری طرح کاربند تھے بلکہ اپنے گھر والوں کو بھی اس کا حکم دیا کرتے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا: وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَیْهَا (طٰہٰ: 132) "اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجیے اور خود بھی اس پر پابند رہیے"۔ اسی طرح فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىِٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (التحریم: 6) "اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند خو، سخت مزاج ہیں نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجا لاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے"۔ یعنی اپنے گھر والوں کو نیکی کا حکم دو، برائی سے منع کرو اور انہیں یونہی بے لگام نہ چھوڑ دو ورنہ قیامت کے دن وہ آگ کا ایندھن ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 299 وغیرہ 2۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 89، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 78

3۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 3 صفحہ 249، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 4 صفحہ 1903

4۔ فتح الباری، کتاب الھبۃ، جلد 5 صفحہ 222-221، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1806 5۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1722

سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ایسے مرد پر رحم فرمائے جو رات کو نماز تہجد پڑھنے کیلئے اٹھتا ہے اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کرتا ہے۔ اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی چھڑکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم فرمائے جو رات کے وقت تہجد کیلئے اٹھتی ہے اور اپنے خاوند کو بھی بیدار کرتی ہے۔ اگر وہ بیدار نہ ہو تو اس کے منہ پر پانی چھڑکتی ہے''(1)۔ حضرات ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب ایک آدمی رات کو جاگے اور اپنی بیوی کو بھی جگائے، پھر دونوں دو رکعت نماز ادا کر لیں تو انہیں ان مردوں اور عورتوں میں لکھ لیا جاتا ہے جو بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں(2)۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾

''اور ذکر فرمایئے کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا بے شک وہ بڑے راست باز تھے (اور) نبی تھے۔ اور ہم نے بلند کیا تھا انہیں بڑے اونچے مقام تک''۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی توصیف ہو رہی ہے کہ آپ راست باز نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ مقام تک بلند کیا۔ حدیث صحیح میں گذر چکا ہے کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کی چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اس مقام پر ابن جریر نے ایک عجیب و غریب اثر روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت کعبؓ سے اس آیت وَّرَفَعْنٰهُ..... کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ ہر روز میں تمام اولادِ آدم کے اعمال کے برابر تمہارے لیے اعمال بلند کرتا ہوں۔ اس پر آپ نے چاہا کہ مزید عمل کریں۔ جب آپ کا دوست فرشتہ آیا تو آپ نے اسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی کی ہے، اب تم ملک الموت سے بات کرو کہ وہ میری روح قبض کرنے میں تاخیر کریں تاکہ میں مزید اعمال کر سکوں۔ اس فرشتے نے آپ کو اپنے دونوں پروں کے درمیان لے کر اٹھایا اور آپ کو لے کر آسمان پر چڑھ گیا۔ چوتھے آسمان میں پہنچے تو دیکھا کہ ملک الموت نیچے اتر رہے ہیں۔ فرشتے نے ان سے حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق سفارش کی تو وہ پوچھنے لگے کہ ادریس کہاں ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا کہ یہ دیکھیں، میری پیٹھ پر ہیں۔ ملک الموت کہنے لگے کہ بڑے تعجب کی بات ہے، مجھے چوتھے آسمان میں ادریس علیہ السلام کی روح قبض کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ میں سوچنے لگا کہ وہ تو زمین پر ہیں، بھلا چوتھے آسمان میں ان کی روح کیسے قبض کر سکتا ہوں، چنانچہ وہاں ہی ان کی روح قبض کر لی گئی۔ یہی اس آیت کا مطلب ہے۔ یہ حضرت کعب کی اسرائیلی روایات میں سے ہے جس کے بعض حصے میں نکارت ہے۔ ابن ابی حاتم میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔ اس میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے اس فرشتے سے کہا تھا کہ ملک الموت سے پوچھیں میری کتنی عمر باقی ہے تاکہ میں زیادہ سے زیادہ اعمال کر سکوں۔ اس روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ فرشتے کے سوال پر ملک الموت نے کہا مجھے معلوم نہیں، البتہ میں دیکھ کر بتاتا ہوں۔ دیکھ کر کہنے لگے کہ ان کی عمر تو صرف پلک جھپکنے کی مقدار باقی ہے۔ اب فرشتے نے اپنے پر تلے دیکھا تو حضرت ادریس علیہ السلام کی روح قبض کی جا چکی تھی(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام درزی تھے جب بھی آپ سوئی کے ساتھ ٹانکا لگاتے تو سبحان اللہ کہتے۔ جب شام ہوتی تو روئے زمین پر آپ سے بڑھ کر نیک اعمال والا شخص کوئی نہ ہوتا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام فوت نہیں ہوئے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 70، سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 424

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 70، سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 423

3۔ تفسیر طبری، جلد 16، صفحہ 96

طرح آپ بھی آسمانوں پر اٹھالیے گئے(1)۔آپ چوتھے آسمان میں ہیں۔عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ کو چھٹے آسمان پر اٹھالیا گیا اور وہیں آپ نے وصال فرمایا۔حضرت حسنؓ وغیرہ کہتے ہیں کہ بلند مکان سے مراد جنت ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ﴿٥٨﴾

"یہ وہ (مقدس ہستیاں ہیں) جن پر انعام فرمایا اللہ تعالیٰ نے انبیاء (کرام کے زمرہ) سے یہ آدم کی اولاد سے تھے اور بعض ان کی اولاد جن کو ہم نے سوار کیا تھا (کشتی میں) نوح علیہ السلام کے ساتھ اور بعض ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے تھے۔ اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا۔ جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے رحمٰن کی آیتیں تو وہ گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور (زار وقطار) روتے ہوئے"۔

یہاں اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ تمام انبیاء کرام کا ذکر ہو رہا ہے، اس سورت میں جن انبیاء کا ذکر ہوا ہے، صرف وہی مراد نہیں بلکہ جنس انبیاء علیہم السلام مراد ہے۔ چند ایک کا تذکرہ کرنے کے بعد ساری جنس کے ذکر کی طرف استطراد کیا۔ سدی اور ابن جریر کہتے ہیں کہ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ سے مراد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں، وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ سے مراد حضرت ابراہیم، مِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ سے مراد حضرات اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور مِن ذُرِّيَّةِ إِسْرَائِيلَ سے مراد حضرات موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اس لیے ان کے نسب متفرق طور پر بیان کیے اگرچہ تمام اولاد آدم سے ہیں کیونکہ ان میں سے بعض ان حضرات کی نسل سے نہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے، وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے(2)۔ یہی بات زیادہ واضح ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے بالائی نسب میں ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے تھے، ان کی دلیل حدیث معراج ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ سے کہا تھا! خوش آمدید اے صالح نبی اور اے صالح بھائی۔ انہوں نے آپ علیہ السلام کو صالح بیٹا نہیں کہا جیسا کہ حضرات آدم و ابراہیم علیہما السلام نے کہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی قوم کی طرف مبعوث فرمایا تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ کے قائل ہو جاؤ اور پھر جو چاہو کرو لیکن انہوں نے اس کا انکار کر دیا جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان سب کو برباد کر دیا۔(3) اس بات کی دلیل کہ یہاں آیت کریمہ میں جنس انبیاء مراد ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ..... أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: 84-91) اسی طرح فرمایا مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (المومن: 78) "ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ سے کر دیا اور ان میں بعض کا ذکر ہم نے آپ سے نہیں کیا"۔

مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا سورۂ ص میں سجدہ ہے؟ آپ نے جواب دیا: ہاں پھر اس آیت أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ... کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے نبی کو بھی ان کی اقتداء کرنے کا حکم ہوا اور حضرت داؤد بھی انہی مقتدا نبیوں

1۔تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 96 2۔تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 97 3۔الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 517

میں سے ہیں (1)۔ ان مقدس ہستیوں سے متعلق فرمایا: اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ یعنی جب یہ اللہ کی آیتیں سے پورے کلام الٰہی کو سنتے تو خشوع وخضوع کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا شکر بجا لاتے ہوئے اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے متفقہ طور پر ان انبیاء کی اقتداء اور اتباع میں یہاں سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ابو معمر کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی تلاوت کی اور اس آیت پر سجدہ کیا، پھر فرمانے لگے کہ یہ سجدہ تو ہو گیا لیکن وہ رونا کہاں سے لائیں (2)۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾

''پس جانشین بنے ان کے بعد وہ ناخلف جنہوں نے ضائع کیا نمازوں کو اور پیروی کی خواہشات (نفسانی) کی سو وہ دوچار ہو نگے اپنی نافرمانی (کی سزا) سے۔ مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

سعادت مند اور نیک گروہ کا ذکر ہوا۔ یہ گروہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں پر مشتمل تھا جو اللہ تعالیٰ کی حدود اور اوامر کو بجالاتے، اس کے فرائض ادا کرتے اور نواہی سے اجتناب کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد ان کے نااہل اور ناخلف جانشینوں کا ذکر ہو رہا ہے جو نمازوں سے غافل ہو گئے۔ جب وہ دین کے ستون، بنیاد اور سب سے بہتر عمل نماز سے لاپرواہ ہو کر اس فریضہ کو ضائع کرنے پر اتر آئے تو دیگر واجبات سے وہ اس سے بھی زیادہ لاپرواہ ہوں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دنیاوی شہوات اور لذتوں میں کھو کر صرف دنیاوی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو گئے۔ یہ لوگ قیامت کے دن بہت بڑے خسارے سے دوچار ہوں گے۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہاں نماز کے ضائع کرنے سے کیا مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے، نماز کو بالکل ترک کر دینا۔ یہ قول محمد بن کعب قرظی، ابن زید بن اسلم اور سدی کا ہے اور ابن جریر نے بھی اسے پسند کیا ہے۔ اسی لیے امام احمدؒ اور متعدد سلف وخلف کا یہ مذہب ہے کہ نماز کا تارک کافر ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیثیں ہیں: ''بندے اور شرک کے درمیان ترکِ صلوٰۃ ہے'' (3)۔ ''ہم میں اور ان میں فرق نماز کا ہے جس نے اسے چھوڑ دیا، اس نے کفر کیا''۔ (4) اس مسئلہ کی وضاحت کا یہ مقام نہیں۔ قاسم بن مخیمرہ کہتے ہیں کہ نماز کو ضائع کرنے سے مراد اس کے اوقات کی پابندی نہ کرنا ہے۔ اگر ترکِ نماز کا ذکر ہوتا تو اس سے مراد کفر لیا جاتا (5)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں نماز کا بار بار ذکر فرمایا ہے، کہیں فرمایا: اَلَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (الماعون: 5) کسی جگہ فرمایا: عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ (المعارج: 34) اور کسی مقام پر ارشاد فرمایا: عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ (المعارج: 23) اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ان سے مراد اوقاتِ صلوٰۃ کی پابندی کرنا ہے۔ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ یہ ترکِ صلوٰۃ کے متعلق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ترکِ صلوٰۃ تو کفر ہے۔ مسروق فرماتے ہیں کہ نماز پنجگانہ کی پابندی کرنے والا غافلوں میں نہیں لکھا جاتا۔ ان میں افراط باعث ہلاکت ہے اور افراط سے مراد ہے: ان کے اوقات کی پابندی نہ کر کے انہیں ضائع کرنا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الانعام، جلد 6 صفحہ 71 2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 98

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 88، سنن ابی داود، کتاب السنہ، جلد 4 صفحہ 219

4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الایمان، جلد 10 صفحہ 89-90، سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 231 5۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 98

اس آیت فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ ضائع کرنے سے مراد ترک کرنا نہیں بلکہ اوقات کی پابندی نہ کرنا ہے(1)۔ مجاہد اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ قیامت کے قریب آئیں گے جب اس امت کے نیک لوگ دنیا سے اٹھ چکے ہوں گے۔ اس وقت یہ لوگ بازاروں میں ایک دوسرے پر اچھلیں کودیں گے۔ حضرات عکرمہ اور عطاء بن ابی رباح کا بھی یہی کہنا ہے کہ اس سے مراد اس امت کے وہ لوگ ہیں جو آخر زمانہ میں آئیں گے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ اس امت کے ایسے لوگ ہوں گے جو سر عام رستوں میں جانوروں اور گدھوں کی طرح ایک دوسرے پر چڑھ دوڑیں گے۔ نہ انہیں اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا اور نہ لوگوں کا حیا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”ساٹھ سال کے بعد ایسے ناخلف لوگ آئیں گے جو نمازوں کو ضائع کریں گے، خواہشات نفسانی کی پیروی کریں گے اور اس گمراہی کی سزا کا سامنا کریں گے۔ پھر ایسے ناخلف لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ سنو! قرآن پڑھنے والے تین قسم کے لوگ ہیں: مومن، منافق اور فاجر“ اس حدیث کے راوی بشیر نے اپنے شیخ ولید سے جب ان تینوں کی تفصیل پوچھی تو انہوں نے فرمایا: مومن اس کی تصدیق کرنے والا ہے، منافق اس کا انکار کرنے والا ہے اور فاجر اسے بیچ کھانے والا ہے(2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اصحاب صفہ کی طرف کوئی صدقہ بھیجتیں تو ساتھ ہی یہ بھی فرمادیتیں کہ ان میں سے کسی بربری مرد اور عورت کو نہ دینا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”یہی وہ ناخلف ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ یہ حدیث غریب ہے۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شاہان مغرب ہیں جو نہایت برے لوگ ہیں۔ حضرت کعب الاحبار فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں کتاب اللہ میں منافقین کے اوصاف پاتا ہوں: یہ شراب کے رسیا، نماز کے تارک، چوسر وغیرہ کھیلنے والے، نماز عشاء کے وقت سو جانے والے، کھانے میں افراط کرنے والے اور جماعتوں کو چھوڑنے والے۔ پھر انہوں نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مساجد سے منہ موڑ کر اپنی جائیدادوں میں منہمک رہتے ہیں۔ ابو الاشہب عطاردی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کرتے ہوئے فرمایا: اے داؤد! اپنے ساتھیوں کو خبردار کر دیں کہ وہ خواہشات نفسانی سے باز رہیں کیونکہ جن لوگوں کے دل دنیاوی خواہشات کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں، میں ان کی عقلوں پر پردے ڈال دیتا ہوں اور جو بندہ شہوت کو ترجیح دیتا ہے تو سب سے ہلکی سزا میں یہ دیتا ہوں کہ اسے اپنی اطاعت سے محروم کر دیتا ہوں۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اپنی امت کے متعلق دو چیزوں کا اندیشہ ہے: قرآن اور لبن“ لبن سے مراد یہ کہ لوگ جھوٹ کی پیروی کریں گے، شہوات کے پیچھے پڑ جائیں گے اور نمازوں کو ترک کریں گے، قرآن کے متعلق یہ خوف ہے کہ اسے منافقین سیکھیں گے اور اس کے متعلق مومنین کے ساتھ جھگڑیں گے(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آیت کریمہ میں لفظ ”غیٌ“ کا معنی خسارہ بتاتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی شر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ جہنم میں ایک وادی ہے جو بہت زیادہ گہری اور سخت بدبودار ہے۔ ابو عیاض فرماتے ہیں کہ یہ جہنم میں پیپ اور خون سے بھری ہوئی وادی ہے۔ حضرت لقمان بن عامر خزاعی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو امامہ صدی بن عجلان باہلی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور ان سے گذارش کی کہ مجھے کوئی حدیث سنائیں۔ آپ نے کھانا منگوایا پھر یہ حدیث بیان کی جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اگر دس اوقیہ وزنی پتھر جہنم کے کنارے سے اس میں پھینکا جائے تو وہ پچاس سال تک جہنم

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 99 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 39-38 3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 156،146

کی تہہ تک نہیں پہنچے گا، پھر وہ غی اور اثام تک پہنچے گا"۔ میں عرض کی کہ غی اور آثام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ جہنم کے نیچے دو کنویں ہیں جن میں جہنمیوں کی پیپ بہتی ہے" ان دونوں کا ذکر ہی ان آیات میں کیا گیا ہے: فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا اور ۔ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا (1)۔ یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔ پھر ان لوگوں سے استثناء کرتے ہوئے فرمایا: اِلَّا مَنْ تَابَ ۔ یعنی جو لوگ ترک صلوات اور اتباع شہوات سے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا، ان کی عاقبت سنوار دے گا اور انہیں نعمتوں بھری جنت کے وارثوں میں شامل فرما دے گا، اسی لئے فرمایا: فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ ... اس کی وجہ یہ ہے کہ توبہ پہلے گناہوں کو ملیامیٹ کر دیتی ہے اور حدیث شریف میں آتا ہے: "گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ سے پاک شخص کی طرح ہے" (2)۔ یہ اس کریم کا کرم اور اس حلیم کا علم ہے کہ وہ ان توبہ کرنے والے لوگوں کے اعمال میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کرے گا بلکہ پورا پورا اجر عطا فرمائے گا اور توبہ سے پہلے کئے گئے گناہوں پر گرفت بھی نہیں کرے گا کیونکہ توبہ پہلے گناہوں کو بالکل مٹا دیتی ہے۔ یہاں استثناء ایسے ہی ہے جیسے سورۂ فرقان میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ...... وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (الفرقان: 68-70)۔

جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿٦١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿٦٢﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾

"سدا بہار چمن جن کا وعدہ (خداوند) رحمٰن نے اپنے بندوں سے غیب میں کیا ہے۔ یقیناً اس کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ نہیں سنیں گے جنت میں کوئی لغو بات بجز سلامت رہو کی دعائیہ صدا۔ اور انہیں ان کا رزق ملے گا وہاں ہر صبح و شام۔ یہ وہ جنت ہے جس کا ہم وارث بنائیں گے اپنے بندوں سے (صرف) اس کو جو متقی ہوگا"۔

ان جنات کا تذکرہ ہو رہا ہے جن میں توبہ کرنے والے حضرات داخل ہوں گے۔ یہ ہمیشہ رہنے والے سدا بہار چمن ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ کر رکھا ہے۔ شدتِ ایقان اور قوتِ ایمان کے باعث وہ بن دیکھے اس پر ایمان لے آئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ یقینی، حتمی اور اٹل ہوتا ہے۔ نہ وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کرتا ہے اور نہ اسے تبدیل کرتا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا (المزمل: 18) "اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا" اور یہاں فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا یعنی بندے ضرور اس وعدہ تک پہنچیں گے اور اسے پائیں گے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں ماتیًا (اسم مفعول)، آتیًا (اسم فاعل) کے معنی میں ہے کیونکہ جو تمہارے پاس پہنچے گویا تم اس کے پاس پہنچ گئے جیسا کہ عرب کہتے ہیں: اَتَتْ عَلَيَّ خَمْسُوْنَ سَنَةً (مجھ پر پچاس سال گذر گئے) اور اَتَيْتُ عَلٰى خَمْسِيْنَ سَنَةً (میں پچاس سال کو پہنچ گیا) دونوں جملے ہم معنی ہیں (3)۔ فرمایا: لَا يَسْمَعُوْنَ ۔ یعنی ان باغات میں کوئی لغو، سوقیانہ، گھٹیا اور مطلب سے خالی کلام نہیں ہوگی جیسا کہ بعض اوقات دنیا میں ایسی گفتگو ہوتی ہے۔ "اِلَّا سَلٰمًا" میں استثناء منقطع ہے جیسا کہ اس فرمان میں: لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۙ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (الواقعہ: 25-26) "نہ سنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی) پھر فرمایا: وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ ۔ "یہاں صبح و شام کے ذکر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ

1۔ الفرقان: 68، تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 100
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1419-1420
3۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 101-102

وہاں دن اور رات ہوں گے بلکہ صبح وشام کی مثل اوقات مراد ہیں، جن کے گذرنے کا اندازہ انہیں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ انوار سے ہوگا جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''سب سے پہلے گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح نورانی ہوں گے۔ وہاں نہ انہیں تھوک آئے گی، نہ رینٹ اور نہ پاخانہ۔ ان کے برتن اور کنگھیاں سونے اور چاندی کے ہوں گے، ان کی انگیٹھیوں میں خوشبودار اگر کی لکڑی ہوگی، ان کا پسینہ مشک ہوگا اور ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی کہ فرط حسن کے باعث گوشت کے نیچے سے ان کی پنڈلیوں کا گودا تک نظر آئے گا۔ ان جنتیوں کے درمیان نہ کوئی اختلاف ہوگا اور نہ کسی قسم کا بغض، تمام کے دل متفق ہوں گے اور وہ صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں گے'' (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شہداء جنت کے دروازے کے پاس سبز رنگ کے قبے میں ایک نہر کے کنارے پر ہیں۔ صبح وشام انہیں جنت سے رزق ملتا ہے'' (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں صبح وشام سے مراد دنیاوی لحاظ سے دن اور رات کے اوقات ہیں۔ زہیر بن محمد کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی رات نہیں بلکہ جنتی ہر وقت نور میں رہتے ہیں، البتہ دن اور رات کی مقدار وہاں ہے۔ پردے گر جانے اور دروازے بند ہو جانے سے انہیں رات کا اندازہ ہوگا اور پردے اٹھ جانے اور دروازے کھل جانے سے دن کا اندازہ ہوگا۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ جنت کے دروازے ایسے ہوں گے کہ باہر کی چیزیں اندر سے نظر آئیں گی اور یہ دروازے جنتیوں کے اشارے سے کھلیں گے اور بند ہوں گے (3)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ صبح وشام کے اوقات میں دو گھڑیاں ہوں گی، دن اور رات نہیں ہوں گے بلکہ وہاں تو نور اور روشنی کا سماں ہوگا۔ مجاہد کہتے ہیں وہاں صبح اور شام کا وجود نہیں ہوگا لیکن دنیا میں چونکہ وہ صبح وشام کے عادی تھے اس لئے ایسے اوقات کی جب وہ خواہش کریں گے تو انہیں مہیا کر دیئے جائیں گے۔ حسن اور قتادہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ خوشحال عرب چونکہ صبح اور شام کھانے کے عادی تھے اس لئے ان کے دستور کے مطابق اللہ تعالیٰ نے صبح اور شام کا ذکر کیا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ شام کے بعد صبح اور صبح کے بعد شام ہوگی اور درمیان میں رات نہیں ہوگی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمام جنت صبح ہی صبح ہے اور ہر صبح ایک حور اللہ تعالیٰ کے دوست کے پاس بھیجی جائے گی، جن میں ادنی درجے کی وہ ہوگی جس کی تخلیق زعفران سے ہوئی''۔ یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔ پھر فرمایا: تِلْكَ الْجَنَّةُ ۔ یعنی ان صفات عظیمہ سے متصف جنت کا وارث ہم اپنے متقی بندوں کو بنائیں گے جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشاں رہتے ہیں، اپنے غصہ کو ضبط کرتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور وہ ان اوصاف جمیلہ سے آراستہ ہیں جن کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ...... اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (المومنون: 11-1)۔

وَ مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَ مَا بَیْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَ اصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا ﴿۶۵﴾

''اور (جبرائیل! میرے نبی سے کہو) ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے۔ اسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 134، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2180

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 266 3۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 102

ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے۔ اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا۔ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سو اس کی عبادت کرو اور ثابت قدم رہو اس کی عبادت پر۔ کیا تم جانتے ہو کہ اس کا کوئی ہم مثل ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: ''آپ جتنا میرے پاس آتے ہیں، اس سے زیادہ میرے پاس آنے سے کونسی رکاوٹ ہے؟'' اس وقت یہ آیت وَمَا نَتَنَزَّلُ نازل ہوئی (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کافی عرصہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے جس کی وجہ سے آپ ﷺ بہت زیادہ غمگین ہوئے۔ پھر جب جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے تو یہ پیغام وَمَا نَتَنَزَّلُ... لائے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جبریل بارہ دن تک آپ ﷺ کے پاس نہ آئے۔ اس دوران کفار آپ ﷺ کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ جب جبریل آئے تو آپ نے فرمایا: اے جبریل! آپ نے تو بہت تاخیر کر دی، مشرکین تو مختلف قسم کی قیاس آرائیں کرنے لگ گئے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ آیت سورۃ ضحیٰ کی آیت جیسی ہے (2)۔ ضحاک، قتادہ، سدی اور دیگر متعدد حضرات نے اس آیت کا یہی شان نزول بتایا ہے۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ چالیس دن تک جبریل نبی کریم ﷺ کے پاس نہ آئے۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں فرمایا: ''آپ نہیں اترے یہاں تک کہ میں آپ کی ملاقات کا بہت مشتاق ہو گیا''۔ جبریل عرض کرنے لگے کہ میں تو اس سے بھی زیادہ آپ کی زیارت کا مشتاق تھا لیکن میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو وحی کی کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو یہ پیغام دے دیں: وَمَا نَتَنَزَّلُ ۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جبریل علیہ السلام کافی تاخیر سے نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: ''اے جبریل! کس چیز نے آپ کو روکے رکھا؟'' جبریل نے جواب دیا کہ میں تم لوگوں کے پاس کیسے آؤں جبکہ تم نہ ناخن کاٹتے ہو، نہ اپنی انگلیوں کے جوڑ صاف رکھتے ہو، نہ مونچھیں کٹواتے ہو اور نہ مسواک کرتے ہو؟ پھر یہ آیت وَمَا نَتَنَزَّلُ پڑھی۔ طبرانی میں اس قسم کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (3)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''ہمارے لیے مجلس درست کر دیں کیونکہ زمین پر آج وہ فرشتہ آ رہا ہے جو پہلے زمین پر کبھی نہیں آیا'' (4)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا ۔ کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا سے مراد امر دنیا، مَا خَلْفَنَا سے مراد امر آخرت اور مَا بَيْنَ ذٰلِكَ سے مراد دونوں نفخوں کے درمیان کی اشیاء ہیں۔ یہ قول حضرات ابوالعالیہ، عکرمہ، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ، اور ربیع بن انس کا ہے۔ حضرات ابن عباس، سعید بن جبیر، ضحاک، قتادہ، ابن جریج اور ثوری کا کہنا ہے کہ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا سے مراد آنے والے امور آخرت، مَا خَلْفَنَا سے مراد گذشتہ امور دنیا اور مَا بَيْنَ ذٰلِكَ سے مراد دنیا و آخرت کے درمیان کے امور ہیں (5)۔ پھر فرمایا: وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا مجاہد اور سدی اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ آپ کے رب نے آپ ﷺ کو فراموش نہیں کیا۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: ''وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى (الضحیٰ: 1-3)'' ''قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ناراض ہوا''۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے: ''جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ مریم، جلد 8 صفحہ 428-429، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 231، 333-334
2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 104
3۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 431-432، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 243
4۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 296
5۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 105

اپنی کتاب میں حلال کیا ہے، وہ حلال ہے جس چیز کو اس نے حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہے اور جس چیز سے سکوت اختیار فرمایا ہے، وہ عافیت ہے۔ سو تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عافیت کو قبول کرلو، اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بھولنے والا نہیں"(1)۔ پھر آپ نے اس آیت وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا کی تلاوت کی۔ دوسری آیت میں فرمایا: رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق، مالک مدبر اور متصرف ہے، اس کے حکم کو ٹالنے کی کسی میں مجال نہیں، اس لئے اس کی عبادت کرو اور اس پر پوری طرح کاربند ہو جاؤ۔ اس کا کوئی ہم نام اور ہم مثل نہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کا نام رحمٰن ہو۔ اللہ تعالیٰ کا نام بابرکت، مقدس اور اعلیٰ ہے۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾

"اور انسان (از راہ انکار) کہتا ہے کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو مجھے پھر زندہ کر کے نکالا جائے گا؟ کیا یاد نہ رہا انسان کو کہ ہم نے ہی پیدا کیا اسے اس سے پہلے حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔ سو (اے محبوب!) تیرے رب کی قسم! ہم جمع کر دیں گے انہیں بھی اور شیطانوں کو بھی پھر حاضر کریں گے ان سب کو جہنم کے اردگرد کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے۔ پھر ہم (چن چن کر) الگ کرلیں گے ہر گروہ سے ان لوگوں کو جو (خداوند) رحمٰن کے سخت نافرمان تھے۔ پھر ہم ہی خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو جو زیادہ مستحق ہیں اس آگ میں تپائے جانے کے"۔

قیامت کا انکار کرنے والے انسان کے متعلق آگاہ کیا جا رہا ہے کہ وہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے اسے محال سمجھتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (الرعد:5)" اور اگر تو حیران ہوتا ہے تو ان کا یہ قول بھی حیرت انگیز ہے کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا"، اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۖ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (یٰسین:77-79)" کیا انسان نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے پس اب وہ (ہمارا) کھلا دشمن بن بیٹھا ہے اور ہمارے لیے مثالیں بیان کرنے لگا ہے اور اس نے اپنی پیدائش کو فراموش کر دیا ہے کہتا ہے کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ فرمائیے، انہیں وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے"۔ اور یہاں فرمایا: وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے پہلی دفعہ پیدا کرنے سے دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا: اَوَلَا يَذْكُرُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔ اب جبکہ وہ کوئی چیز بن چکا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کیلئے اس کا اعادہ مشکل ہے جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم:27)" اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے پھر اس دوبارہ بنائے گا اور یہ اس کیلئے آسان تر ہے"۔ حدیث صحیح میں آتا ہے: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے اور ایسا کرنا اسے زیب نہیں دیتا

1۔ مستدرک حاکم، تفسیر سورہ مریم، جلد 2 صفحہ 375، سنن بیہقی، کتاب الضحایا، جلد 10 صفحہ 12

اور ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے اور مجھے اذیت دینا اس کیلئے روا نہیں ہے، اس کا مجھے جھٹلانا تو اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کبھی بھی دوبارہ زندہ نہیں کرے گا، جیسا کہ اس نے مجھے پہلے پیدا کیا حالانکہ ابتدائے آفرینش اعادہ کی نسبت آسان نہیں اور اس کا مجھے ایذا دینا اس کا یہ کہنا ہے کہ میری اولاد ہے حالانکہ میں وہ یکتا اور بے نیاز ہوں جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے"(1)۔ پھر فرمایا: فَوَرَبِّكَ...... اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ پاک کی قسم اٹھا کر فرماتا ہے کہ وہ انہیں اور ان شیاطین کو ضرور جمع کرے گا جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پوجتے تھے، پھر انہیں جہنم کے ارد گرد حاضر کرے گا جہاں وہ گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً (الجاثیہ: 28) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے "جِثِيًّا" کا معنی بیٹھے ہوئے منقول ہے اور سدی اس کا معنی کھڑے ہوئے منقول ہے۔ پھر فرمایا: ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ ۔ بقول مجاہد شِيْعَةٍ سے مراد امت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اول آخر تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا یہاں تک کہ جب بھی اکٹھے ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان میں سے چن چن کر درجہ بدرجہ مجرمین کو الگ کر دے گا(2)۔ یہی اس آیت ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ کا مطلب ہے۔ قتادہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر دین کے ماننے والوں میں سے شر اور برائی پھیلانے والے ان کے زعماء اور رؤساء کو الگ کر دے گا۔ یہ مطلب ہے اس فرمان کا: حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۔۔ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (الاعراف: 39-38) "یہاں تک کہ جب اس میں ساری امتیں جمع ہو جائیں گی تو آخری امت پہلی امتوں کے متعلق کہے گی اے ہمارے رب! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا پس ان کو آگ کا دوگنا عذاب دے"۔

پھر فرمایا: ثُمَّ لَنَحْنُ ۔۔ ثم کے ذریعے خبر پر عطف کیا جا رہا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی جانتا ہے جو ہمیشہ ہمیشہ آگ میں رہنے کے مستحق ہیں اور ان لوگوں کو بھی جانتا ہے جو دوگنا عذاب کے سزاوار ہیں جیسا کہ فرمایا: قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف: 38) "اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کیلئے دوگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے"۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۚ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝

"اور تم سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دوزخ پر ہوگا۔ یہ آپ کے رب پر لازم ہے (اور اس کا) فیصلہ ہو چکا ہے۔ پھر ہم نجات دیں گے پرہیزگاروں کو اور رہنے دیں گے ظالموں کو دوزخ میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے"۔

ابو سمیہ بیان کرتے ہیں کہ ورود کے متعلق ہمارا اختلاف ہو گیا۔ ہم میں سے بعض کہنے لگے کہ مومن اس میں داخل نہیں ہوں گے جبکہ بعض کا یہ کہنا تھا کہ (مومن اور کافر) سب اس میں داخل ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس سے نجات دے دے گا۔ میری ملاقات حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو میں نے ان سے ورود کے متعلق لوگوں کے اختلاف کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ سب اس میں داخل ہوں گے اور آپ نے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہو: "نیک اور بد بھی اس میں داخل ہوں گے مومن کیلئے یہ آگ ٹھنڈی اور بے ضرر ہوگی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تھی یہاں تک کہ آگ چیخ چیخ کر اس ٹھنڈک کی شکایت کرے گی پھر اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو وہاں سے رہائی دلائے گا اور ظالموں کو

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ البقرۃ، جلد 6 صفحہ 24

2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 107

وہاں ہی گھٹنوں کے بل چھوڑ دے گا"(1)۔ خالد بن معدان فرماتے ہیں کہ جنتی جنت میں داخل ہونے کے بعد کہیں گے کہ کیا ہمارے پروردگار نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہر ایک کو جہنم پر وارد ہونا ہے؟ انہیں فرمایا جائے گا کہ جہنم پر سے تمہارا گذر تو ہوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کی آگ ٹھنڈی کر دی تھی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کی گود میں سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ اچانک رونے لگے۔ آپ کو روتا دیکھ کر آپ کی زوجہ محترمہ بھی رونے لگیں۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارے رونے کا کیا سبب ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ آپ کو روتا دیکھ کر میں بھی رونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو یہ فرمان وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا یاد آ گیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس سے نجات پا سکوں گا یا نہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اس وقت بیمار تھے۔ حضرت ابو میسرہ جب رات کے وقت آرام کرنے کیلئے اپنے بستر پر جاتے تو کہتے: اے کاش! میری ماں مجھے جنم نہ دیتی، پھر زار و قطار روتے۔ ایک دفعہ آپ سے رونے کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس آیت میں ہمیں یہ خبر دی گئی ہے کہ ہمیں جہنم میں وارد ہونا ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ ہم وہاں سے باہر نکل آئیں گے۔(2) حضرت حسن بصریؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے بھائی سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہیں جہنم پر وارد ہونا ہے؟ جواب دیا: ہاں۔ پھر انہوں نے دریافت کیا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم وہاں سے نکل جاؤ گے؟ جواب دیا: نہیں۔ فرمانے لگے کہ پھر ہنسی کیسی؟ بعد ازاں مرتے دم تک انہیں ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور نافع بن ازرق کا ورود کے بارے میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل تھے کہ ورود بمعنی دخول ہے جبکہ نافع اس کا انکار کرتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف کی تائید میں دو آیات پیش کیں: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ (الانبیاء:98) تم اور جن بتوں کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہوں گے، تم اس میں داخل ہونے والے ہو)۔ فرمایا: دیکھو یہاں ورود بمعنی دخول ہے یا نہیں؟ دوسری آیت میں ارشاد ہے: يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ (ہود:98)" وہ روز قیامت اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور انہیں جہنم میں لا ڈالے گا" یہاں بھی دیکھیں "اورد" داخل کرنے کے معنی میں ہے یا نہیں؟ جہاں تک میرا اور تمہارا تعلق ہے تو ہم داخل ضرور ہوں گے۔ اب یہ دیکھیں کہ ہم اس میں سے نکلیں گے یا نہیں۔ چونکہ تم اس کے منکر ہو، اس لئے میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں نکالے گا۔ یہ سن کر نافع ہنس دیا۔ یہ نافع خارجی تھا اور اس کی کنیت ابو راشد تھی۔ اس نے ایک دفعہ اپنی تائید میں یہ آیت پڑھی: لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا (الانبیاء:102)" اور وہ اسکی آہٹ بھی نہ سنیں گے" اس کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: صد افسوس! کیا تو مجنوں ہے؟ ان ارشادات کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے: "يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَة فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ"، "وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا (مریم:86) اور وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا اور پہلے بزرگ یہ دعا کیا کرتے تھے: "اللّٰهُمَّ اَخْرِجْنِي مِنَ النَّارِ سَالِماً وَّاَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ غَانِماً" (اے اللہ! مجھے صحیح سالم جہنم سے نکال لے اور خوشی خوشی جنت میں داخل فرمادے)۔ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اسی اثناء میں ابو راشد نافع بن ازرق نامی ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابن عباس! اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ... کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا: اے ابو راشد! میں اور تم اس میں داخل ہوں گے۔ اب یہ دیکھو کہ کیا ہم اس میں سے نکلیں گے یا نہیں(3)۔ ابو داؤد طیالسی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے مخاطب کفار ہیں۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ظالم لوگ

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 328-329 2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 110 3۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 111

ہیں۔عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد نیک اور بد بھی ہیں، دیکھیں اللہ تعالیٰ کا فرعون کے متعلق ارشاد ہے:" یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ " اس طرح فرمایا: وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا یہاں بھی ورود دخول کے معنی میں ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" وارد تو سب لوگ ہوں گے پھر اس سے باہر اپنے اعمال کے سبب آئیں گے"(1)۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب لوگ پل صراط پر سے گذریں گے اور ورود سے مقصود ان کا آگ کے اردگرد کھڑا ہونا ہے پھر وہ اپنے اعمال کے مطابق پل صراط کو عبور کریں گے بعض بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گذر جائیں گے بعض ہوا کی طرح، بعض پرندوں کی طرح بعض تیز رفتار عمدہ گھوڑوں کی طرح بعض تیز رفتار اونٹوں کی طرح اور بعض آدمی کے دوڑنے کی مثل یہاں تک کہ سب سے آخر میں اسے عبور کرنے والا وہ مسلمان ہوگا جس کے صرف پیروں کے انگوٹھوں پر نور ہوگا۔وہ پل صراط پر لڑکھڑاتے ہوئے چلے گا۔پل صراط پھسلواں ہے جس پر گوکھرو جیسے کانٹے ہیں اور دونوں کناروں پر فرشتے ہیں جن کے پاس جہنم کی ہمیسزیں ہوں گی جن سے پکڑ پکڑ کر لوگوں کو وہ جہنم میں پھینکیں گے۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنم پر رکھا ہوا پل صراط تلوار کی دھار جیسا تیز ہوگا، پہلا گروہ بجلی کی سی تیز رفتاری سے گذر جائے گا، دوسرا گروہ ہوا کی طرح، تیسرا گروہ تیز رفتار گھوڑے کی طرح اور چوتھا گروہ جانور کی طرح۔وہ گذریں گے اور فرشتے یہ دعا کر رہے ہوں گے: الٰہی! سلامت رکھ(2)۔صحیحین اور دیگر کتب احادیث میں اس کے شواہد موجود ہیں(3)۔حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ آگ تمام لوگوں کو پکڑے گی، نیک و بد تمام لوگوں کے قدم اس کی پشت پر جم جائیں گے، پھر اسے اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اپنے دوستوں کو پکڑ لے اور میرے دوستوں کو چھوڑ دے۔چنانچہ آگ تمام جہنمیوں کو نگل لے گی، وہ جہنمیوں کو اس سے بھی زیادہ جانتی ہے جیسے ایک آدمی اپنی اولاد کو جانتا ہے اور مومنین اس سے بالکل صحیح سالم اس حال میں نکل آئیں گے کہ ان کے کپڑے تر ہوں گے۔جہنم کے ہر دارو غے کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک سال کی مسافت ہے، اور ہر ایک کے پاس دوشاخہ گرز ہوگا جس کی ایک ضرب سے وہ سات لاکھ آدمیوں کو جہنم رسید کر دے گا(4)۔حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" مجھے قوی امید ہے کہ ان شاء اللہ ہر وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس نے بدر اور حدیبیہ میں شرکت کی" حضرت حفصہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کی: کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں ہے: وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا۔اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ ارشاد بھی ہے: ثُمَّ نُنَجِّی ......(5)۔حضرت زید بن حارثہ کی زوجہ حضرت ام مبشر بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:" ہر وہ شخص جو بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا، دوزخ میں نہیں جائے گا"۔حضرت حفصہ نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہے: ثُمَّ نُنَجِّی......(6)۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" جس مسلمان کے تین بچے فوت ہو گئے، اسے آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف قسم پوری کرنے کیلئے"(7)۔اس سے مراد ورود ہے جس کا ذکر اس آیت وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ... میں ہوا ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی کو بخار چڑھا ہوا تھا جس کی عیادت کیلئے رسول اللہ ﷺ نکلے۔میں بھی آپ کے ساتھ

1۔عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مریم، جلد 12 صفحہ 16-17، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 434-435
2۔تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 110
3۔صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 146، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 163-171
4۔تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 109
5۔مسند احمد، جلد 6 صفحہ 285
6۔مسند احمد، جلد 6 صفحہ 362
7۔صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 93، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2028 وغیرہ

تھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بخار میری آگ ہے جسے میں اپنے مومن بندے پر مسلط کرتا ہوں تاکہ یہ آخرت میں آتش جہنم کا بدلہ بن جائے" (1)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ بخار مومن کے لئے آتش جہنم کا بدلہ ہے پھر انہوں نے اس آیت وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کی تلاوت کی۔ حضرت معاذ بن انس جہنی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ دس مرتبہ پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں ایک محل تعمیر کر دیتا ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ پھر تو ہم بکثرت محل بنوائیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس سے بھی بہت زیادہ اور نہایت عمدہ عطا سے نوازنے والا ہے" (2)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "جو شخص اللہ کی راہ میں ہزار آیات پڑھ لے، تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ لکھ لے گا اور یہ بہترین ساتھی ہیں اور جو شخص مجاہدین کی پشت کی جانب سے حفاظت کی خاطر رضا کارانہ طور پر بغیر کسی اجرت کے پہرہ دیتا ہے تو وہ اپنی آنکھوں سے بھی آگ کو نہیں دیکھے گا مگر صرف قسم پوری کرنے کیلئے" کیونکہ ارشاد ہے وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا اور اللہ کی راہ میں ذکر کرنا خرچ کرنے سے سات سو گنا زیادہ اور ایک دوسری روایت کے مطابق سات لاکھ گنا زیادہ اجر کا حامل ہے (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "مجھ پر درود، روزہ اور ذکر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے سات سو گنا زیادہ اجر رکھتے ہیں" (4)۔ قتادہ اس ارشاد وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا کے متعلق کہتے ہیں کہ یہاں ورود سے مراد گذرنا ہے (5)۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ مسلمان کا ورود یہ ہے کہ وہ پل صراط پر سے گذر جائیں گے اور مشرکین کے ورود کا یہ مطلب ہے کہ وہ اس میں داخل ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "اس روز بہت سے مرد اور عورتیں اس سے پھسل جائیں گے۔ اس روز پل صراط کے اردگرد فرشتوں کی دو صفیں ہوں گی، ان کی دعا یہ ہوگی: "اے اللہ! سلامتی عطا فرما"۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس فرمان كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا کے متعلق کہتے ہیں کہ حَتْمًا مَّقْضِيًّا سے مراد ایسی قسم ہے جو پوری ہو کر رہے گی۔ مجاہد "حتما" کا معنی قضا بتاتے ہیں۔ پھر فرمایا: ثُمَّ نُنَجِّي ... یعنی جب تمام مخلوق پل صراط کو عبور کرنے لگے گی تو کفار اور گنہگار جہنم میں گر جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ مومنین کو ان کے اعمال کے مطابق اس سے نجات عطا فرمائے گا۔ پل صراط کو عبور کرتے وقت ان کی رفتار دنیا میں کیے ہوئے ان کے اعمال کے مطابق ہو گی، پھر یہ نجات یافتہ کبیرہ گناہ کرنے والے دوسرے مومنوں کی سفارش کریں گے۔ ملائکہ، انبیاء اور مومنین اپنی شفاعت کے ذریعے بہت سے ایسے لوگوں کو جہنم سے نکال لائیں گے جنہیں آگ کھا چکی ہوگی مگر ان کے چہروں میں سجدہ کی جگہیں بچی ہوں گی۔ ہر ایک کو اپنے اپنے ایمان کے مطابق وہاں سے نکالا جائے گا۔ سب سے پہلے ان لوگوں کو نکالا جائے گا جن کے دلوں میں ایک دینار کی مقدار ایمان تھا، پھر ان لوگوں کو جن کے دلوں میں اس سے کم ایمان تھا، اسی طرح درجہ بدرجہ، یہاں تک کہ اس شخص کو بھی نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ سے بھی کم ایمان تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی آگ سے رہائی عطا فرمائے گا جس نے صرف ایک دن لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اگرچہ وہ کوئی عمل خیر نہ کر سکا اور جہنم میں صرف وہی باقی رہ جائیں گے جن پر خلود اور ہمیشگی لکھی جا چکی ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اس لئے فرمایا: ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ......

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 111
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 438-437
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 438-437
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 8
5۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 110

مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ۝

''اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں وضاحت سے (تو) کافر کہتے ہیں ایمان والوں سے کہ (یہ تو بتاؤ) ہم دونوں گروہوں میں سے کس کی رہائش گاہ آرام دہ ہے اور کس کی نشست گاہ خوبصورت ہے۔ اور (ان احمقوں نے یہ نہ سوچا کہ) کتنی قومیں ان سے پہلے تھیں جن کو ہم نے برباد کر دیا، وہ ساز و سامان اور ظاہری سج دھج میں (ان سے) بہتر تھیں''۔

کفار کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ جب ان کے سامنے صریح دلالت اور واضح برہان کی حامل آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان سے روگردانی کر لیتے ہیں اور اپنی آرام دہ رہائش گاہوں اور خوبصورت نشست گاہوں کو اپنے لیے وجہ افتخار اور اپنے دین باطل کی صحت کی دلیل سمجھتے ہیں۔ مقام کا معنی ہے منزل اور گھر۔ ندی کا معنی ہے محفل اور نشست گاہ جہاں لوگ گفتگو کرنے کیلئے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان کفار کے کہنے کا یہ مطلب تھا کہ ان مسلمانوں کی نسبت ہمارے گھر اور رہائش گاہیں بھی بہت عمدہ ہیں اور ہماری محفلیں بھی بڑی پر رونق ہیں۔ اس لئے اس شان و شوکت کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم باطل پر ہوں اور دار ارقم اور دیگر پناہ گاہوں میں سر چھپانے والے مسلمان حق پر ہوں، جیسا کہ ایک اور مقام پر ان کے متعلق فرمایا: '' وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ (الاحقاف: 11) '' اور کفار اہل ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) بہتر چیز ہوتی تو یہ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لے جاتے''۔ قوم نوح علیہ السلام نے کہا: اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ (الشعراء: 111) '' کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں حالانکہ تمہاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں''، ایک اور مقام پر فرمایا: وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (الانعام: 53) '' اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض سے آزمائش میں ڈال دیا تاکہ کہیں کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان کیا ہے۔ کیا نہیں جانتا اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ اپنے شکر گذاروں کو''۔ اس لئے ان کے شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا: وَكَمْ اَهْلَكْنَا .. یعنی کتنی ہی ایسی جھٹلانے والی قومیں ہیں جنہیں ہم نے ان کے کفر کی پاداش میں ملیامیٹ کر دیا حالانکہ وہ ان سے زیادہ مال و متاع کے مالک، زیادہ خوش منظر اور خوش شکل تھے۔ بقول حضرت ابن عباس مقام کا معنی منزل، ندی کا معنی مجلس، اثاث کا معنی ساز و سامان اور رئی کا معنی منظر ہے (1)۔ عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ مقام کا معنی مسکن ہے اور ندی سے مراد مجلس، نعمت اور رونق جو انہیں حاصل تھی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کو ہلاک کرنے کے بعد ان کے متعلق فرمایا: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ (الدخان 26-25) '' وہ چھوڑ گئے بہت سے باغات اور چشمے، کھیتیاں اور شاندار محلات''۔ پس مقام سے مراد مسکن اور نعمت ہے اور ندی کے معنی محفل اور مجلس جہاں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ قوم لوط کے متعلق فرمایا: وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ (العنکبوت: 29) '' اور تم اپنی کھلی مجلسوں میں گناہ کرتے ہو''۔ عرب مجلس کو نادی کہتے ہیں (2)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ان کفار نے مومنوں کی خستہ حالی کو دیکھتے ہوئے کہا تھا: اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ .. بعض نے اثاث کا معنی مال بتایا ہے، بعض نے کپڑے اور بعض نے ساز و سامان اور رئی کا معنی بقول ابن عباس اور مجاہد منظر ہے جبکہ حضرت حسن بصریؒ کے بقول اس کا معانی صورت ہے۔ یہ تمام معنی درست اور قریب قریب ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 116 2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 119

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

"آپ فرمایئے جو گمراہی میں (مگن) ہو تو ڈھیل دیے رکھتا ہے اسے رحمٰن لمبی ڈھیل۔ یہاں تک کہ وہ جب دیکھیں گے وہ چیز جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے یعنی عذاب یا قیامت تو اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ کون مکان کے لحاظ سے برا اور لشکر کے اعتبار سے کمزور ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان مشرکین سے کہہ دیں جو اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور تم باطل پر ہو: مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ...... یعنی ہم میں سے اور تم میں سے جو شخص گمراہی میں مبتلا ہے، اللہ تعالیٰ اسے لمبی ڈھیل عطا کر دے تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات تک جو چاہے کرتا رہے۔ پھر جب وہ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے یعنی عذاب یا قیامت، تو اس وقت انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کی جگہ بری اور لشکر کمزور ہے۔ ان کے قول "اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا" کے مقابلہ میں یہاں فرمایا: مَنْ هُوَ شَرٌّ .. مجاہد اس فرمان فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا کا معنی بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی سرکشی میں چھوڑے رکھے۔ اس آیت میں مشرکین کے ساتھ مباہلہ کا چیلنج ہے جو خیال کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر کاربند ہیں جیسا کہ یہود کے ساتھ مباہلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الجمعہ: 6) "اے یہودیو! اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ صرف تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ نہیں ہیں تو ذرا مرنے کی آرزو تو کرو اگر تم سچے ہو"۔ یعنی ہم میں سے اور تم میں سے جو باطل پر ہے اس کے لئے موت کی دعا کرو۔ اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم حق پر ہیں تو ایسی دعا تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچائے گی لیکن یہود کو اس کی جرأت نہ ہوئی۔ سورۂ بقرہ میں اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں، اسی طرح جب نصاریٰ اپنے کفر، سرکشی اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے کے دعویٰ پر مصر رہے تو انہیں مباہلہ کا چیلنج کر دیا گیا۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے دلائل و براہین کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام، آدم علیہ السلام کی طرح مخلوق اور بندے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (آل عمران: 61) "پھر جو شخص اس بارے میں آپ سے جھگڑا کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس یقینی علم آ گیا تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی پھر بڑی عاجزی سے التجا کریں پھر جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں" لیکن وہ بھی اس سے باز رہے۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

"اور زیادہ کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں (کے نور) ہدایت کو اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے اور انہی کا انجام اچھا ہے"۔

گمراہوں کی گمراہی میں زیادتی کا ذکر کرنے کے بعد ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اضافہ کا ذکر ہو رہا ہے جیسا کہ ایک اور مقام

پر فرمایا: وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ اَیُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِیْمَانًا ۔ ۔ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ (التوبہ: 125-124) ''الباقیات الصالحات'' کی تفسیر اور اس کے متعلقہ احادیث سورۂ کہف میں بیان کی جا چکی ہیں (1)۔ ثواب کے معنی جزا اور مرد کا معنی عاقبت اور انجام ہے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ آپ نے ایک خشک شاخ کو پکڑ کر ہلایا تو اس کے سوکھے پتے جھڑنے لگے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ کے کلمات گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں جس طرح ہوا اس (خشک) درخت کے پتوں کو جھاڑ دیتی ہے۔ اے ابو الدرداء! ان کلمات کو پڑھا کرو اس سے پہلے کہ تمہارے اور ان کے درمیان رکاوٹ کھڑی ہو جائے، یہی باقیات صالحات ہیں اور جنت کے خزانوں میں سے ہیں''۔ حدیث کے راوی ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو الدرداء جب اس حدیث کو بیان کرتے تو فرماتے کہ میں ضرور تہلیل، تکبیر اور تسبیح کرتا رہوں گا یہاں تک کہ جاہل مجھے دیکھ کر مجنون خیال کرنے لگے (2)۔

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ كَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا یَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّ نَرِثُهٗ مَا یَقُوْلُ وَ یَاْتِیْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾

''کیا آپ نے دیکھا اس کو جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور ضرور دیا جائے گا مال اور اولاد (اس لاف زنی کی وجہ کیا ہے) کیا وہ آگاہ ہو گیا ہے غیب پر یا لے لیا ہے اس نے (خداوند) رحمٰن سے کوئی وعدہ؟ ہرگز ایسا نہیں۔ ہم لکھ لیں گے جو یہ کہہ رہا ہے اور لمبا کر دیں گے اس کے لئے عذاب کو خوب لمبا کرنا۔ اور ہم ہی وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے (یعنی اس کے مال و اولاد کے) اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا''۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں لوہار تھا اور عاص بن وائل کے ذمہ میرا کچھ قرض تھا۔ میں اس کے پاس گیا اور قرض کا تقاضا کیا۔ وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں تمہارے قرض کی ادائیگی اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک تو محمد (ﷺ) کا انکار نہیں کرتا۔ میں نے جواب دیا: نہیں، قسم بخدا! میں حضرت محمد ﷺ کا انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو مر جائے پھر تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔ وہ کہنے لگا کہ مرنے کے بعد جب مجھے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو اس وقت میرے پاس آنا، وہاں میرے پاس مال و اولاد کی فراوانی ہو گی تو میں تمہارا قرض چکا دوں گا، اس وقت مذکورہ آیات نازل ہوئیں (3)۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ میں مکہ میں لوہاروں کا کام کرتا تھا۔ میں نے عاص بن وائل کے لئے تلوار بنائی، اس کی قیمت کا تقاضا کرنے کے لئے میں اس کے پاس گیا (4)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ میں عاص بن وائل کا کام کیا کرتا تھا، اس کے ذمہ میرے بہت سے درہم جمع ہو گئے۔ ان کا تقاضا کرنے کے لئے میں اس کے پاس گیا۔ پھر اس کے ساتھ ہونے والی گفتگو کا ذکر میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں (5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عاص بن وائل کے ذمہ کچھ صحابہ کا قرض تھا، وہ اپنا قرض واپس لینے کے لئے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ کہف: 46
2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 120، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1253
3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 111، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیمۃ، جلد 4 صفحہ 2153
4۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مریم، جلد 8 صفحہ 430-431
5۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 121

اس کے پاس آئے۔ وہ انہیں کہنے لگا کہ کیا تم یہ گمان نہیں کرتے کہ جنت میں سونا، چاندی، ریشم اور ہر قسم کے پھل ہیں؟ انہوں نے فرمایا: کیوں نہیں۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ آخرت میں تمہارے قرض کی ادائیگی ہوگی، وہاں مجھے مال واولاد سے نوازا جائے گا اور تمہاری اس کتاب جیسی کتاب بھی مجھے ضرور دی جائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال بیان کرتے ہوئے مذکورہ آیات نازل کیں۔ لفظ ''ولد'' واؤ کے ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ دونوں قرآتیں ہم معنی ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ واؤ کے ضمہ کے ساتھ ولد جمع ہے اور فتحہ کے ساتھ مفرد، قبیلہ قیس کی یہی لغت ہے۔ یہ مغرور جس نے قسم اٹھا کر کہا کہ قیامت کے دن مجھے مال واولاد سے نوازا جائے گا، اس پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرمایا: اَطَّلَعَ الْغَيْبَ ... امام بخاری نے عہد کا معنی وعدہ بتایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنا ہے یعنی کیا اس نے توحید کا اقرار کرلیا ہے جس کے باعث اسے یہ امید ہے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا ہے پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی: اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (مریم: 87) اس میں بھی عہد سے یہی مراد ہے۔ پھر فرمایا: كَلَّا ... ''کلا'' ماقبل کیلئے حرف ردع ہے اور مابعد کے لئے تاکید، یعنی ایسا ہرگز نہیں، ہم اس کے قول، خواہش اور کفر کو لکھ لیں گے اور اس کی پاداش میں ہم آخرت میں اس کے لئے عذاب کو بہت لمبا کردیں گے اور جو یہ یقین کئے بیٹھا ہے کہ آخرت میں مجھے مال واولاد سے نوازا جائے گا، ہم اسے اس سے محروم رکھیں گے بلکہ جو کچھ اس کے پاس دنیا میں تھا، وہ بھی ہم اس سے سلب کرلیں گے اور وہ تنہا ہمارے پاس آئے گا، نہ اس کے پاس مال ہوگا اور نہ اولاد۔ مَا يَقُوْلُ سے مراد اس کا یہ قول ہے: لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ''وَنَرِثُهٗ مَا عِنْدَهٗ'' ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ اس نے جمع کیا اور جو عمل کیا ہم ہی اس کے وارث ہوں گے اور وہ تنہا ہمارے پاس آئے گا۔ اس کی پیروی کرنے والے موجود نہیں ہوں گے، نہ کم نہ زیادہ۔

وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿81﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿82﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿83﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿84﴾

''اور انہوں نے بنالئے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا کہ وہ ان کے لئے مددگار بنیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ جھوٹے خدا انکار کردیں گے ان کی عبادت کا۔ اور وہ (الٹے) ان کے دشمن ہوجائیں گے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم نے مسلط کردیا ہے شیطانوں کو کفار پر وہ انہیں (اسلام کے خلاف) ہر وقت اکساتے رہتے ہیں۔ پس عجلت نہ کیجئے ان پر (نزول عذاب کے لئے)۔ ہم گن رہے ہیں ان کے ایام زندگی کو اچھی طرح''۔

کفار ومشرکین کے متعلق بتایا جارہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا بنالئے ہیں تاکہ وہ بوقت ضرورت ان کی مدد کریں، لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے، دراصل معاملہ اس طرح نہیں جیسا ان کا خیال ہے اور نہ ہی ان کی یہ خواہش کبھی پوری ہوگی، اس لئے فرمایا: كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ ... یعنی ہرگز نہیں، ان کے یہ جھوٹے خدا ان کی عبادت کا انکار کردیں گے بلکہ الٹا ان کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی مخالفت پر اتر آئیں گے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ

دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (الاحقاف:6-5)'' اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں اور جب (روز محشر) لوگ جمع کئے جائیں گے تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے''۔ ابونہیک کی قرأت میں ''كُلٌّ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ'' ہے۔ سدی اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ کافران بتوں کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔ اس فرمان وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جو امید ان بتوں سے وابستہ کر رکھی ہے وہ اس کے برخلاف ثابت ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ''ضد'' کا معنی مددگار بیان کرتے ہیں یعنی وہ ان کے خلاف مددگار ہوں گے، ان سے جھگڑیں گے اور ان کی تکذیب کریں گے۔ قتادہ اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ وہ جہنم میں ان کے ساتھی ہوں گے، وہاں ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور ایک دوسرے کا انکار کریں گے۔ سدی ''ضد'' کا معنی بیان کرتے ہیں: سخت جھگڑالو۔ ضحاک اس کا معنی دشمن بیان کرتے ہیں۔ ابن زید کہتے ہیں کہ ''ضد'' کا معنی ہے: آزمائش اور عکرمہ کے بقول اس کا معنی حسرت ہے۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تَؤُزُّهُمْ اَزًّا کا معنی نقل کرتے ہیں کہ وہ انہیں گمراہ کرتے ہیں۔ عوفی نے آپ رضی اللہ عنہ سے ہی یہ معنی بیان کیا ہے کہ وہ انہیں حضرت محمد ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف اکساتے رہتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ انہیں ابھارتے رہتے ہیں، قتادہ کہتے ہیں کہ وہ انہیں نافرمانیوں پر برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ وہ انہیں ہر وقت ابھارتے رہتے ہیں اور سدی اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ انہیں سرکشی کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ یہ اس آیت کی طرح ہے: وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (الزخرف:36)'' اور جو شخص رحمٰن کے ذکر سے اندھا بنتا ہے تو ہم اس کے لئے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے''۔ پھر فرمایا: فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۔ یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! آپ ان پر وقوع عذاب کی جلدی نہ کریں، ہم انہیں ایک معین مدت تک مہلت دے رہے ہیں، آخر کار جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی تو لازماً انہیں عبرتناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ فرمایا: وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ (ابراہیم:42)'' اور تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کرتوتوں سے بے خبر ہے جو یہ ظالم کر رہے ہیں''۔ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا (الطارق:17)'' پس آپ کفار کو اور مہلت دے دیں، کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیں''۔ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا (آل عمران:178)'' ہم انہیں اس لئے مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ گناہ کر لیں''۔ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (لقمان:24)'' ہم انہیں تھوڑی دیر لطف اندوز ہونے دیں گے پھر ہم انہیں سخت عذاب کی طرف ہانک کر لے جائیں گے''۔ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ (ابراہیم:30)'' آپ فرمایئے لطف اٹھا لو پھر یقیناً تمہارا انجام آگ کی طرف ہے''۔ سدی اس فرمان اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کے لئے سال، مہینے، دن اور گھڑیاں شمار کر رہے ہیں۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ ہم دنیا میں ان کے سانس گن رہے ہیں۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝ وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝

'' وہ دن جب ہم اکٹھا کریں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے حضور میں (معزز و مکرم مہمان بنا کر) اور اس روز ہانک کر لائیں

گے مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح۔ انہیں کوئی اختیار نہیں ہوگا شفاعت کا بجز ان کے جنہوں نے خداوند رحمٰن سے کوئی وعدہ لے لیا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے ان متقی دوستوں کے متعلق خبر دے رہا ہے جو دار دنیا میں اس سے ڈرتے رہے، اس کے رسولوں کی اتباع کی، ان کے لائے ہوئے پیغام کی تصدیق کی، ان کے اوامر کی اطاعت کی اور نواہی سے اجتناب کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں عزت وکرامت کے ساتھ اپنے پاس جمع کرے گا۔ "وفد" کا معنی ہے سوار ہوکر آنے والے۔ یہ سعادت مند دار آخرت کی نورانی سواریوں پر سوار ہوکر آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کے دار کرامت ورضوان (جنت) میں داخل ہوں گے۔ ان کے برعکس رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کرنے والے مجرمین کو پیاسا ہانک کر جہنم رسید کردیا جائے گا اور یہاں پوچھا جائے گا: "اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِیًّا"۔ ابن مرزوق کہتے ہیں کہ مومن جب قبر سے نکلے گا تو اس کی ملاقات ایک نہایت حسین وجمیل اور مہکتی ہوئی عمدہ خوشبو والے شخص سے ہوگی۔ وہ پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ پوچھے گا کہ کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ مومن جواب دے گا: نہیں، البتہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری خوشبو عطر بیز ہے اور تمہارا چہرہ دلآویز۔ وہ کہے گا کہ میں تمہارا عمل صالح ہوں، دنیا میں اسی طرح تمہارا عمل عمدہ اور عطر بیز تھا۔ دنیا میں طویل عرصے تک میں تم پر سوار رہا۔ اب آؤ۔ مجھ پر سواری کرو۔ چنانچہ مومن اس پر سوار ہوجائے گا۔ یہی مطلب اس آیت یَوْمَ نَحْشُرُ کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ متقی سوار ہوکر اللہ تعالیٰ کے حضور جمع ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ اونٹوں پر سوار ہوں گے (1)، ابن جریج کہتے ہیں کہ عمدہ اونٹنیوں پر، ثوری کہتے ہیں کہ اونٹنیوں کے مشابہ اونٹوں پر۔ قتادہ کہتے ہیں کہ وہ سوار ہوکر جنت کی طرف جائیں گے۔ نعمان بن سعید بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اس آیت یَوْمَ نَحْشُرُ... کی تلاوت کی اور فرمایا: نہیں، قسم بخدا! وہ پیدل نہیں ہوں گے، وفد کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ پیدل ہو، بلکہ وہ ایسی عمدہ اونٹنیوں پر سوار ہوں گے کہ مخلوق نے ایسی سواریاں کبھی نہ دیکھی ہوں گی، ان پر سونے کے پالان ہوں گے، وہ ان پر سوار ہوکر جنت کے دروازے تک جائیں گے (2)۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کی نکیلیں زبرجد کی ہوں گی۔ ابو معاذ بصری بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اسی آیت کی تلاوت کی اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! میرا خیال ہے کہ وفد سوار لوگوں کو کہا جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے تو سفید رنگ کی پروں والی نورانی اونٹنیاں اپنے سامنے موجود پائیں گے، ان پر سونے کے پالان ہوں گے، ان کے پاؤں سے نور پھوٹ رہا ہوگا، ان کا ہر قدم تاحد نگاہ پر پڑے گا۔ چلتے چلتے وہ ایک درخت تک پہنچیں گے جس کی جڑوں سے دو چشمے پھوٹ رہے ہوں گے، ایک سے وہ پئیں گے جس سے ان کی اندرونی میل دھل جائے گی اور دوسرے میں وہ غسل کریں گے، اس کے بعد نہ ان کے جسم میلے ہوں گے اور نہ بال پراگندہ ہوں گے بلکہ نعمتوں کی شگفتگی ان پر اپنی بہار دکھا رہی ہوگی اور ان کے چہرے دمک رہے ہوں گے۔ جب یہ جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو وہاں سونے کے دروازے پر سرخ یاقوت کا حلقہ پائیں گے، اس حلقہ کے ساتھ دستک دیں گے تو اس کی نہایت عمدہ آواز سنائی دے گی جس سے ہر حور کو معلوم ہوجائے گا کہ اس کا خاوند آگیا ہے، چنانچہ وہ اپنے منتظم کو بھیجے گی، جب وہ دروازہ کھولے گا تو جنتی اس نورانی پیکر کو دیکھتے ہی اس کے سامنے سجدے میں گر جائے گا۔ وہ اسے کہے گا کہ اپنا سر اٹھائیے، میں تو آپ کا تابع فرمان ہوں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 127 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 155، تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 126

چنانچہ وہ اس کے ساتھ چل پڑے گا۔ حور جلدی جلدی موتی اور یاقوت کے بنے ہوئے خیمے سے باہر آئے گی اور اپنے جنتی خاوند کو گلے لگا لے گی، پھر اسے کہے گی کہ آپ میرے محبوب ہیں اور میں آپ کی محبوبہ ہوں، میں ہمیشہ رہنے والی ہوں اور مجھے موت کبھی نہیں آئے گی، میں آسودہ حال ہوں اور مجھے نعمتوں سے محروم نہیں کیا جائے گا، میں خوش و خرم رہنے والی ہوں اور کبھی ناراض نہیں ہوں گی اور میرا قیام دائمی ہے اور میں کبھی کوچ نہیں کروں گی۔ جنتی ایسے گھر میں داخل ہوگا جس کی بنیاد سے چھت تک ایک لاکھ گز کی بلندی ہے، اس کی دیواریں انواع و اقسام کے سرخ، زرد اور سبز رنگ کے تہ بہ تہ موتیوں سے چنی ہوئی ہیں، ہر تہ منفرد نوعیت کی ہے۔ ہر گھر میں ستر تخت ہیں، ہر تخت پر ستر بستر ہیں، ہر بستر پر ستر حوریں ہیں، ہر حور ستر جوڑے زیب تن کئے ہوئے ہے، اس کے باوجود اس کی پنڈلی کا گودا نیچے سے صاف دکھائی دے رہا ہے۔ مرد کو دنیاوی ایک رات کی مقدار میں ان تمام کے ساتھ مجامعت کی پوری پوری قوت حاصل ہوگی، ان کے نیچے صاف شفاف آلودگی سے پاک پانی کی، خالص اور تازہ دودھ کی جو جانوروں کے تھنوں سے برآمد نہیں ہوا، خوش ذائقہ، پرلطف شراب طہور کی جسے انسانوں نے نہیں نچوڑا اور خالص عمدہ شہد کی جو مکھیوں کے شکم سے نہیں نکلا، نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ پھلوں سے لدے ہوئے درختوں کی ڈالیاں جھوم رہی ہوں گی۔ چاہے تو جنتی انہیں کھڑے ہو کر تناول کرلے، چاہے تو بیٹھ کر اور اگر چاہے تو لیٹ کر۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا (الدہر:14) ''اور اس کے درختوں کے سائے ان سے قریب ہوں گے اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے''۔ کھانا انتہائی پرلطف اور لذیذ ہوگا۔ سفید اور سبز رنگ کے پرندے از خود حاضر ہوں گے، وہ اپنے پیروں کو اوپر اٹھالیں گے اور جنتی ان کے اجسام میں سے جو حصہ پسند کرے گا، کھالے گا، پھر وہ اڑ جائیں گے۔ فرشتے حاضر ہو کر اہل جنت کو سلام کریں گے اور کہیں گے: وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الزخرف:72) ''اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنادیئے گئے ہو ان اعمال کے سبب جو تم کیا کرتے تھے''۔ اگر کسی حور کا ایک بال بھی زمین پر آگرے تو سورج کی روشنی اس کے سامنے دھیمی اور ماند پڑ جائے (1)۔ یہ روایت تو مرفوع بیان ہوئی ہے لیکن یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنے قول سے بھی مروی ہے۔

مجرمین کی حالت زار بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ ...۔ یعنی اس روز ہم مجرموں کو پیاسے جہنم کی طرف ہانک کر لائیں گے اور ان کے لئے کوئی اس طرح سفارش کرنے والا نہ ہوگا جس طرح اہل ایمان ایک دوسرے کی سفارش کریں گے۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا: فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۝ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ (الشعراء:100-101) ''تو (آج) ہمارا کوئی سفارشی نہیں ہے اور نہ کوئی غمخوار دوست'' اللہ تعالیٰ کے فرمان اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ ... میں استثناء منقطع بمعنی ''لکن'' ہے۔ اس عہد سے مراد لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دینا اور اس پر استقامت اختیار کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس عہد سے مراد لیتے ہیں: توحید کی گواہی اور غیر اللہ سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ سے امید وابستہ کرنا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عہد لے لو کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عہد حاصل ہے وہ کھڑا ہو جائے۔ لوگ آپ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: اے ابا عبدالرحمن! ہمیں وہ عہد سکھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ پڑھا کرو: ''اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاِنِّيْ اَعْهَدُ اِلَيْكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا اَنَّكَ اِنْ تَكِلْنِيْ اِلٰى عَمَلِيْ يُقَرِّبْنِيْ مِنَ الشَّرِّ وَيُبَاعِدْنِيْ مِنَ الْخَيْرِ وَاِنِّيْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِّيْ عِنْدَكَ عَهْدًا تُؤَدِّيْهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ'' (2)۔ اے اللہ! اے

1۔ ابن ابی حاتم
2۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 377-378

آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے، اے پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے! میں تیرے پاس اس دنیاوی زندگی میں اپنا ایک عہد رکھتا ہوں کہ مجھے ایسے عمل کے سپرد نہ کرنا جو مجھے شر کے قریب اور خیر سے دور کر دے۔ میں صرف تیری رحمت پر بھروسہ کرتا ہوں۔ میرے اس اقرار کو بطور عہد محفوظ فرما اور قیامت کے دن وہ مجھے عطا فرمانا، بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: خَائِفًا مُّسْتَجِيْرًا مُّسْتَغْفِرًا رَاهِبًا رَاغِبًا اِلَيْكَ۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ
تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ
يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ
اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾

''اور کفار کہتے ہیں بنا لیا ہے رحمٰن نے (فلاں کو اپنا) بیٹا۔ (اے کافرو!) یقیناً تم نے ایسی بات کی ہے جو سخت معیوب ہے آسمان شق ہو جائیں اس (خرافات) سے اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ گر پڑیں لرزتے ہوئے۔ کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ رحمٰن کا ایک بیٹا ہے۔ اور نہیں جائز رحمٰن کیلئے کہ وہ بنائے کسی کو (اپنا) فرزند۔ کوئی ایسی چیز نہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر وہ حاضر ہوگی رحمٰن کی بارگاہ میں بندہ بن کر۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کا شمار کر رکھا ہے اور انہیں گن لیا ہے اچھی طرح۔ اور وہ سب پیش ہوں گے اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبودیت اور بن باپ کے حضرت مریم علیہا السلام کے شکم سے ان کی پیدائش کا تذکرہ اس سورۂ مبارکہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔ اب ان لوگوں کی تردید ہو رہی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا بیٹا بنا لیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی بلند، برتر، اعلیٰ، مقدس اور منزہ ہے۔ لفظ ''اِدًّا'' میں تین قرأتیں ہیں: ''اِدًّا'' ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ، ''اَدًّا'' فتحہ کے ساتھ اور ''آدًا'' مد کے ساتھ۔ پہلی قرأت زیادہ مشہور ہے۔ فرمایا: تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ یعنی قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے پیش نظر فاسق و فاجر بنی آدم کے اس سخت معیوب اور شدید بہتان کے سبب آسمان شق ہو جائیں، زمین پھٹ جائے اور پہاڑ لرزتے ہوئے گر پڑیں کیونکہ ان چیزوں کی تخلیق توحید پر ہوئی ہے اور ان کی اساس میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ اس کا کوئی شریک ہے، نہ مثیل، نہ بیٹا، نہ بیوی اور نہ ہی کوئی ہمسر، بلکہ وہ یکتا اور بے نیاز ہے، ہر چیز میں اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شریک ایسی شدید چیز ہے جس سے جن و انس کے سوا آسمان، زمین اور پہاڑ بھی لرز اٹھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے قریب ہے کہ نظام کائنات درہم برہم ہو جائے۔ شرک کے ساتھ کوئی نیکی نفع بخش نہیں لیکن ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل توحید کے گناہوں کو بخش دے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی شہادت کی تلقین کرو، جس نے موت کے وقت اسے کہہ لیا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی''، صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! جس نے بوقت عافیت اسے کہہ لیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اس کے لئے بدرجہ اولیٰ (جنت کو) واجب کرنے والا ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! زمین و آسمان، ان کے اندر، ان کے درمیان اور ان کے نیچے کی تمام چیزیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دی

جائیں اور لا الہ الا اللہ کی شہادت دوسرے پلڑے میں رکھ دی جائے تو یہ پلڑا جھک جائے"(1)۔ حدیث بطاقہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے(2)۔ ضحاک کہتے ہیں: قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت سے ڈرتے ہوئے آسمان، زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ قریب ہے زمین اللہ تعالیٰ کے لئے بوجہ غضب پھٹ جائے۔ "ھد" کا معنی بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ منہدم ہو جانا ہے۔ سعید بن جبیر اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ لگاتار ایک دوسرے کے اوپر لگ کر ٹوٹ پھوٹ جانا۔ حضرت عون بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کو اس کا نام لے کر بلاتا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ آج تمہارے پاس سے کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا ہو؟ وہ ہاں میں جواب دیتے ہوئے مسرت کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت عون فرماتے ہیں کہ پہاڑ بھلائی کی باتوں کو زیادہ سنتے ہیں۔ جب یہ باطل اور جھوٹی باتوں کو سن لیتے ہیں تو بھلا اچھی باتوں کو کیوں نہیں سنیں گے، پھر انہوں نے اس آیت تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ ... کی تلاوت کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین کو پیدا کیا اور اس میں درخت اگائے تو بنی آدم ہر درخت سے فائدہ اٹھاتے۔ لوگ اسی طرح زمین پر اگنے والے درختوں کے پھلوں سے فائدہ اٹھاتے رہے یہاں تک کہ اولاد آدم سے بدکار لوگ سخت معیوب بات کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا بیٹا بنالیا ہے۔ ان خرافات کی وجہ سے زمین لرزنے لگی اور درخت کانٹے دار ہو گئے۔ حضرت کعب الاحبار کہتے ہیں کہ جب ان نابکاروں نے اللہ تعالیٰ پر یہ بہتان باندھا تو ملائکہ غضبناک ہو گئے اور جہنم بھڑکنے لگا۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اذیت ناک چیزوں پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں، لوگ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کی اولاد مقرر کرتے ہیں لیکن وہ انہیں عافیت سے نوازتا ہے، ان سے تکلیف دور کرتا ہے اور انہیں رزق بہم پہنچاتا ہے"(3)۔

فرمایا: وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ ... یعنی بیٹا بنانا اللہ تعالیٰ کو زیب ہی نہیں دیتا اور نہ ہی یہ اس کے جلال اور عظمت کے لائق ہے کیونکہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں بلکہ تمام مخلوق اس کی بندگی اور غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈالے ہوئے ہے، اس لئے فرمایا: اِنْ كُلُّ مَنْ ...... یعنی ہر چیز بندہ بن کر رحمن کے حضور حاضر ہو گی اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو گن کر شمار کر رکھا ہے، ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک کے تمام مرد و زن اور چھوٹے بڑے اس کی گنتی میں ہیں اور سب تنہا اس کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا وہاں نہ کوئی مددگار ہو گا اور نہ کوئی پناہ دینے والا۔ وہ اپنی مشیت کے مطابق اپنی مخلوق میں فیصلہ فرمائے گا۔ وہ عادل ہے اور کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ
لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ
مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

"بلا شبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے پیدا فرمادے گا خدائے مہربان ان کے لئے (دلوں میں) محبت۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 130

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الایمان، جلد 10 صفحہ 107-108، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1437، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 223،213

3۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 31، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2160، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 405

صرف اس لئے ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں اتار کرتا کہ آپ مژدہ سنائیں اس سے پرہیزگاروں کو اور ڈرائیں اس کے ذریعہ اس قوم کو جو بڑی جھگڑالو ہے۔ اور کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے کیا محسوس کرتے ہو ان میں سے کسی کو یا سنتے ہو ان کی کوئی آہٹ"۔

اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کے دلوں میں اپنے ان مومن بندوں کی محبت و مودت پیدا کر دیتا ہے جو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق نیک اعمال بجالا کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں۔ اس مضمون کی متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ اے جبریل علیہ السلام! میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، اس لئے تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر آسمان والوں میں یہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو اپنا محبوب رکھتا ہے، پس تم بھی اس سے محبت کرو چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین پر اسے مقبولیت عامہ بخشی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے ناخوش ہوتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے ناراض ہوں، اس لئے تم بھی اس سے دشمنی کرو، چنانچہ جبریل علیہ السلام بھی اس کے دشمن بن جاتے ہیں، پھر آسمان والوں میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے، اس لئے تم بھی اس سے عداوت اور نفرت کرو چنانچہ آسمان کے تمام فرشتے بھی اس کے دشمن بن جاتے ہیں پھر زمین پر اس سے عداوت اور نفرت کو عام کر دیا جاتا ہے"(1)۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "بندہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں لگا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میرا فلاں بندہ مجھے راضی کرنے کا خواہاں ہے، سنو، اس پر میری رحمتیں نازل ہو گئیں۔ چنانچہ جبریل اعلان کرتے ہیں کہ فلاں پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہو گیا، پھر حاملین عرش اور ان کے ارد گرد کے فرشتے یہاں تک کہ سات آسمان کے فرشتے بھی یہی اعلان کرتے ہیں، پھر زمین پر بھی یہ اعلان عام ہوتا ہے"(2)۔ یہ روایت غریب ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور شہرت آسمان سے اترتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، چنانچہ جبریل علیہ السلام یہ اعلان کرتے ہیں کہ تمہارا رب فلاں سے محبت کرتا ہے اس لئے تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر زمین پر اس کی محبت پھیل جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے ناراض ہو جاتا ہے تو جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں فلاں سے ناراض ہوں اس لئے تم بھی اس سے عداوت رکھو، چنانچہ جبریل علیہ السلام یہ اعلان کرتے ہیں کہ تمہارا رب فلاں سے ناخوش ہے اس لئے تم بھی اس کے دشمن بن جاؤ، چنانچہ زمین پر اس سے بغض اور عداوت عام ہو جاتی ہے"(3)۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو ندا دیتا ہے کہ میں نے فلاں کو اپنا محبوب بنا لیا ہے اس لئے تم بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ آسمان میں یہ اعلان کر دیا جاتا ہے پھر تمام لوگوں میں اس کی محبت عام کر دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِنَّ الَّذِيْنَ ... وُدًّا کا یہی مقصد ہے"(4)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 17 صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2030، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 413

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 279

3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 263

4۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2031، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ مریم، جلد 11 صفحہ 17-18

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں لوگوں کے درمیان ان کی محبت عام کر دیتا ہے، ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتا ہے اور اپنے مومن بندوں کے ہاں انہیں محبوب بنا دیتا ہے۔ عوفی سے منقول روایت میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہیں دنیا میں مسلمانوں کی طرف سے محبت، عمدہ رزق اور (مرنے کے بعد) ذکر خیر نصیب ہوتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دیتا ہے۔ ہرم بن حیان کہا کرتے تھے کہ جو بندہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں کو اس کی طرف مائل کر دیتا ہے یہاں تک کہ ان کی محبت ومودت سے اسے نواز دیتا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جو بھی اچھا یا برا عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسی عمل کی چادر اسے پہنا دیتا ہے۔(1) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کروں گا جس کے باعث مجھے لوگوں میں خوب شہرت مل جائے۔ چنانچہ وہ سرگرمی کے ساتھ عبادت میں لگ گیا، ہر وقت نماز پڑھتے ہوئے دکھائی دیتا، سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتا اور سب سے آخر میں باہر نکلتا۔ اس کے باوجود لوگ اسے کوئی وقعت نہ دیتے، اسی طرح سات مہینے گزر گئے۔ جب وہ لوگوں کے پاس سے گزرتا تو وہ کہتے کہ اس ریاکار کو دیکھو۔ اپنے متعلق لوگوں کے خیالات سن کر وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا اور کہنے لگا کہ مجھے تو بہت برے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے، اب میں ہر عمل محض رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کروں گا۔ سابقہ اعمال کو برقرار رکھتے ہوئے بس نیت کا قبلہ درست کرنے کی دیر تھی کہ اب وہ لوگوں کے پاس سے گزرتا تو وہ بے ساختہ کہہ اٹھتے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص پر رحم فرمائے۔ پھر انہوں نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ ابن جریر سے مروی ایک اثر میں آتا ہے کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے متعلق نازل ہوئی ہے(1)۔ لیکن یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ یہ پوری سورت مکی ہے، ہجرت کے بعد اس کا کوئی حصہ نازل نہیں ہوا اور اس اثر کی سند بھی درست نہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ یعنی اے میرے پیارے رسول! ہم نے اس قرآن کو آپ کی فصیح و بلیغ اور کامل عربی زبان میں بالکل آسان کر کے نازل کیا ہے تاکہ آپ ان متقی بندوں کو اس کے ذریعے بشارت دیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول کرتے ہیں اور اس کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ان جھگڑالو لوگوں کو ڈرائیں جو حق سے اعراض کر کے باطل کی طرف مائل ہیں۔ مجاہد کے بقول قَوْمًا لُّدًّا سے مراد راہ راست سے منحرف لوگ مراد ہیں۔ ابو صالح کے نزدیک اس سے مراد حق سے روگردانی کرنے والے لوگ ہیں۔ ضحاک کے بقول اس کا معنی جھگڑالو اور قرظی کے نزدیک اس کا معنی جھوٹے لوگ اور حضرت حسن بصری کے بقول بہرے لوگ ہیں۔ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے کان بہرے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد قریش ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فاجر لوگ ہیں۔ ابن زید نے اس کا معنی ظالم بتاتے ہوئے آیت کا یہ حصہ پڑھا: وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (البقرہ:204) "وہ (حق کا) سخت ترین دشمن ہے"۔ آخری آیت میں فرمایا: وَكَمْ اَهْلَكْنَا یعنی کتنی ہی ایسی قومیں ہیں جنہیں ہم نے آیات الٰہی کے ساتھ کفر کرنے اور رسولوں کی تکذیب کرنے کی پاداش میں ہلاک کر دیا۔ کیا تم ان میں سے کسی کو محسوس کرتے ہو یا کسی کی آہٹ سنتے ہو۔ "رکز" دھیمی آواز اور آہٹ کو کہتے ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 16، صفحہ 133-132

سورۃ طٰہٰ (مکیہ)

امام الائمہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ کتاب التوحید میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے ایک ہزار سال پہلے سورۃ طٰہٰ اور سورۃ یٰسین کی تلاوت فرمائی، فرشتوں نے جب اسے سنا تو کہنے لگے کہ وہ امت بہت سعادت مند ہے جس پر اس کلام کا نزول ہوگا، وہ سینے قابل تحسین ہیں جو اس کلام کو محفوظ رکھیں گے اور وہ زبانیں مبارکباد کی مستحق ہیں جو اس کلام کی تلاوت کریں گے۔(1)" یہ حدیث غریب ہے اور اس میں نکارت بھی ہے۔ مزید برآں اس کے راوی ابراہیم بن مہاجر اور ان کے شیخ پر تنقید کی بھی گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

طٰهٰ ۞ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۙ اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ۙ تَنۡزِيۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ الۡعُلٰى ؕ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ۞ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰى ۞ وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى ۞ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى ۞

"طاھا۔ نہیں اتارا ہم نے آپ پر یہ قرآن کہ آپ مشقت میں پڑیں۔ بلکہ یہ نصیحت ہے اس کے واسطے جو (اپنے رب سے) ڈرتا ہے۔ یہ اتارا گیا ہے اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا فرمایا زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔ وہ بے حد مہربان (کائنات کی فرمانروائی کے) تخت پر متمکن ہوا۔ اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے۔ اور اگر تو بلند آواز سے بات کرے (تو تیری مرضی) وہ تو بلاشبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی۔ اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے۔ اس کے لئے بڑے خوبصورت نام ہیں"۔

حروف مقطعات کے متعلق بحث سورۃ بقرہ کے اوائل میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں، البتہ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ "طٰہٰ"، یا رجل (اے شخص) کے معنی میں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ نبطی زبان کا لفظ ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ معرب ہے۔ قاضی عیاضؒ اپنی کتاب الشفاء میں ایک روایت ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں ایک پاؤں پر کھڑے ہو جاتے اور دوسرا پاؤں اٹھا لیتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "طٰہٰ" یعنی اے محمد! اپنے دونوں پاؤں زمین پر رکھا کریں، پھر فرمایا: مَاۤ اَنۡزَلۡنَا ۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس ارشاد میں نبی کریم ﷺ کے لئے موجود اعزاز و اکرام اور حسن معاملہ مخفی نہیں ہے(2)۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 548

2۔ کتاب الشفاء از قاضی عیاض، جلد 1 صفحہ 56

قرآن کریم نازل کیا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پوری دلجمعی کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو گئے۔ یہ دیکھ کر مشرک قریشی کہنے لگے کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) پر اس لئے نازل کیا گیا ہے تاکہ وہ مشقت میں مبتلا ہو جائیں، اس پر یہ آیات (طٰہٰ ....) اتریں، اور یہ واضح کر دیا گیا کہ معاملہ اس طرح نہیں جیسا کہ یہ باطل پرست گمان کئے ہوئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جسے علم سے نوازتا ہے، اس کے ساتھ وہ خیر کثیر کی عطا کا ارادہ فرماتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے" (1)۔ کیا ہی خوب حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے کرنے کے لئے اپنی کرسی پر جلوہ گر ہوگا تو علماء سے فرمائے گا کہ تمہیں اپنا علم اور حکمت عطا کرنے سے میرا یہ ارادہ تھا کہ میں تمہارے گناہوں کو بخش دوں اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ تم نے کیا کیا" (2)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت مَآ اَنْزَلْنَا ..... اس فرمان کی طرح ہے: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (المزمل:20) "تو پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو"۔ اس آیت کے نزول سے پہلے لوگ نماز میں خود کو رسیوں میں جکڑ کر لٹکا لیا کرتے تھے۔ اس آیت کے ذریعے ان کی اس مشقت کو ختم کر دیا۔ قتادہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو باعث شقاوت نہیں بلکہ رحمت، نور اور جنت کی طرف رہنما بنایا ہے۔ پھر فرمایا: اِلَّا تَذْكِرَةً ...... یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر خصوصی رحمت فرماتے ہوئے اپنی کتاب نازل کی اور اپنے محبوب رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا تاکہ نصیحت کو قبول کرنے کی خواہش رکھنے والا شخص کتاب اللہ کو سن کر نصیحت حاصل کرے اور نفع پائے۔ یہ قرآن کریم تو سراسر ذکر اور نصیحت ہے جس میں حلال و حرام کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے اور یہ قرآن کریم جو نبی کریم ﷺ کے قلب اقدس پر اترا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو ہر چیز کا رب اور مالک ہے، وہ جو چاہے اس پر پوری طرح قادر ہے، اسی نے زمین کو پست اور کثیف بنایا ہے اور آسمان کو بلند اور لطیف پیدا کیا ہے۔ ترمذی وغیرہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت کی ہے اور ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے (3)۔ ابن ابی حاتم نے اسی آیت کی تفسیر کے تحت حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اوعال بیان کی ہے (4)۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کی تفسیر سورۃ اعراف میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں (5)۔ اس بارے میں سب سے زیادہ محفوظ مسلک سلف کا ہے یعنی اس بارے میں کتاب و سنت میں جو کچھ مذکور ہے اسے بغیر تکییف، تحریف، تشبیہ، تعطیل اور تمثیل کے ظاہری الفاظ کے مطابق تسلیم کیا جائے۔ فرمایا: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ یعنی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت، اس کے قبضہ قدرت میں اور اس کے تصرف، مشیت، ارادہ اور حکم کے ماتحت ہیں۔ وہی تمام اشیاء کا خالق، مالک اور معبود ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ ہی اس کے سوا کوئی رب ہے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو ساتویں زمین کے نیچے ہیں۔ حضرت کعب سے پوچھا گیا کہ اس زمین کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: پانی۔ پھر دریافت کیا گیا کہ پانی کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: زمین۔ پھر پوچھا گیا کہ زمین کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: پانی۔ اسی طرح بار بار دریافت کرنے پر یہی جواب دیتے رہے، پھر کہنے لگے کہ زمین کے نیچے ایک چٹان ہے۔ پوچھا گیا کہ چٹان کے نیچے کیا ہے؟ جواب دیا: فرشتہ۔ سوال کیا گیا کہ فرشتے کے نیچے کیا

1۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 27، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 718
2۔ معجم کبیر، جلد 2 صفحہ 84
3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ حدید، جلد 11 صفحہ 182-184
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 231، سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، جلد 1 صفحہ 69 وغیرہ
5۔ دیکھئے تفسیر سورۃ اعراف: 54

ہے؟ فرمایا: ایک مچھلی ہے جس کی دونوں طرفیں عرش کے ساتھ معلق ہیں۔ پھر پوچھا گیا کہ مچھلی کے نیچے کیا ہے؟ جواب دیا کہ اس کے نیچے ہوا اور تاریکی ہے اور بس اس قدر ہی معلوم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ سب سے اوپر والی زمین ایک مچھلی کی پشت پر ہے جس کے دونوں بازو آسمان میں ہیں۔ یہ مچھلی ایک چٹان پر ہے اور یہ چٹان ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہے، دوسری زمین ہواؤں کا مخزن ہے، تیسری میں جہنم کے پتھر ہیں، چوتھی میں جہنم کی گندھک ہے، پانچویں میں جہنم کے سانپ ہیں، چھٹی میں جہنم کے بچھو ہیں اور ساتویں میں جہنم ہے، یہیں ابلیس جکڑا ہوا ہے، اس کا ایک ہاتھ آگے ہے اور ایک ہاتھ پیچھے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، اسے چھوڑ دیتا ہے" (1)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں تامل ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شدید گرمی کے موسم میں غزوۂ تبوک سے واپس آرہے تھے۔ ہم دو دو اور چار چار آدمیوں کی ٹولیاں بنائے بکھر کر چل رہے تھے۔ میں لشکر کے آگے تھا۔ اچانک ایک شخص ہمارے پاس آیا اور سلام کر کے پوچھنے لگا کہ تم میں سے محمد (ﷺ) کون ہیں؟ میرے ساتھی تو آگے بڑھتے گئے اور میں اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ لشکر کے وسط میں سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار تھے اور گرمی سے بچاؤ کی خاطر آپ اپنے سر کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ جب آپ ﷺ ہمارے قریب آئے تو میں نے اس شخص سے کہا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اس نے پوچھا کہ ان لوگوں میں سے آپ ﷺ کون ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ سرخ سواری والے۔ چنانچہ وہ شخص آپ ﷺ کے قریب چلا گیا اور آپ کی سواری کی نکیل تھام لی۔ آپ ﷺ رک گئے۔ وہ دریافت کرنے لگا کہ آپ محمد (ﷺ) ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ وہ کہنے لگا کہ میں چند چیزوں کے متعلق آپ سے استفسار کرنا چاہتا ہوں جن کے متعلق بجز ایک دو آدمیوں کے کسی کو علم نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس چیز کے متعلق چاہو، سوال کرو"۔ وہ پوچھنے لگا کہ کیا نبی سوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل بیدار رہتا ہے"۔ اس نے کہا کہ آپ نے سچ کہا ہے پھر اس نے دریافت کیا کہ بچہ کیونکر اپنے باپ اور اپنی ماں کے مشابہ ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "مرد کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے جبکہ عورت کا پانی زرد اور پتلا ہوتا ہے، دونوں پانیوں میں سے جو دوسرے پر غالب آ جائے، وہی بچے کو اپنے مشابہ کر لیتا ہے"۔ اس نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا ہے۔ پھر اس نے استفسار کیا کہ بچے کے کون سے اعضاء مرد کے پانی سے بنتے ہیں اور کون سے عورت کے پانی سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "مرد کے پانی سے ہڈیاں، رگیں اور پٹھے اور عورت کے پانی سے گوشت، خون اور بال"۔ اس نے کہا کہ آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ پھر وہ آپ ﷺ سے دریافت کرنے لگا کہ اس زمین کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: "مخلوق"، اس نے پوچھا کہ اس مخلوق کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: زمین۔ سوال کیا کہ زمین کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: "پانی"۔ پوچھا کہ پانی کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: "تاریکی"۔ سوال کیا کہ اس تاریکی کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: "ہوا"، دریافت کیا کہ ہوا کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: "گیلی مٹی"۔ سوال کیا کہ اس کے نیچے کیا ہے؟ اس پر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے اور آپ ﷺ فرمانے لگے: "مخلوق کے علم کی یہاں انتہاء ہو جاتی ہے، اس کے آگے کا علم صرف خالق کو ہے۔ اے سوال کرنے والے! جس سے ان چیزوں کے متعلق دریافت کیا جا رہا ہے، وہ سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں"۔ اس شخص نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون ہے؟ صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے

1۔ ابن ابی حاتم

ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ جبریل علیہ السلام تھے" (1)۔ یہ حدیث بھی نہایت غریب ہے اور اس کا سیاق بھی بہت عجیب ہے۔ اس کے راویوں میں قاسم بن عبدالرحمٰن منفرد ہیں جن کے متعلق یحییٰ بن معین کا کہنا ہے کہ اس کی کوئی حیثیت نہیں اور ابو حاتم رازی نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن عدی کا کہنا ہے کہ یہ غیر معروف ہے اور اس نے اس حدیث میں خلط ملط کر دیا ہے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے دانستہ طور پر ایسا کیا ہو یا پھر اسی طرح حدیث ان کے پاس پہنچی ہو۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَ اِنْ تَجْهَرْ .. یعنی اس قرآن کو زمین و آسمان کے خالق نے نازل کیا ہے جو رازوں اور دلوں کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (الفرقان: 6) "فرمائیے! اتارا ہے اسے اس (خدا) نے جو آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو جانتا ہے واقعی وہ غفور رحیم ہے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "السر" سے مراد وہ بھید ہے جو ابن آدم اپنے دل میں چھپاتا ہے اور "اخفی" سے مراد وہ مخفی کام ہے جو ابن آدم آئندہ چل کر کرنے والا ہے، ابھی اسے اس کے متعلق علم نہیں لیکن اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ ماضی اور مستقبل کے متعلق اسے یکساں علم ہے۔ اس کے علم میں تمام مخلوق نفس واحد کی طرح ہے اور یہی مقصود اس آیت سے ہے: مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ (لقمان: 28) "نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور پھر زندہ کرنا مگر ایک نفس کی مانند"۔ ضحاک کہتے ہیں کہ "السر" سے مراد دل میں پیدا ہونے والے خیالات ہیں اور "اخفی" سے مراد وہ خیالات ہیں جنہوں نے ابھی تک دل میں جنم نہیں لیا۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ تو صرف آج کے پوشیدہ اعمال کے متعلق جانتا ہے اور کل کے پوشیدہ اعمال کے بارے میں تمہیں کوئی خبر نہیں لیکن اللہ تعالیٰ آج اور کل کے پوشیدہ اعمال کو خوب جانتا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ "اخفی" سے مراد وسوسہ ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عمل ہے جو بندے نے آئندہ کرنا ہے لیکن ابھی اسے اس کا احساس تک نہیں۔ پھر فرمایا: اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ یعنی جس نے قرآن کریم نازل کیا ہے وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کے خوبصورت نام اور اعلیٰ صفات ہیں۔ اسماء حسنیٰ کے متعلق احادیث سورۃ اعراف کے آخر میں گزر چکی ہیں (2)۔

وَ هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰى ۘ۝۹ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝

"اور (اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو اطلاع موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی؟ جب (مدین سے واپسی پر تاریک رات میں) آپ نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں کو کہا کہ (ذرا یہاں) ٹھہرو۔ میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں لے آؤں تمہارے لئے اس سے کوئی چنگاری یا مجھے مل جائے آگ کے پاس کوئی راہ دکھانے والا"۔

یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا آغاز ہو رہا ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ کیسے آپ کی طرف وحی کی ابتداء ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا آپ کو شرف حاصل ہوا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ نے اپنے سسر سے طے شدہ مدت کی تکمیل کر دی اور دس سال سے زائد عرصہ کی غیر حاضری کے بعد اپنے اہل خانہ کے ہمراہ آپ واپس اپنے وطن مصر کی طرف عازم سفر ہوئے۔ دوران سفر رستہ بھول گئے۔ سخت سردی کی رات تھی، شدید سردی، ٹھنڈک، بادل، تاریکی اور دھند میں گھرے ہوئے آپ نے گھاٹیوں اور پہاڑوں کے درمیان ایک جگہ قیام کیا۔ اپنے چقماق سے آگ نکالنا چاہی لیکن اس سے آگ بالکل برآمد نہ ہوئی۔ اسی اثناء میں کوہ طور کی دائیں جانب آپ کو

1۔ مسند ابی یعلیٰ 2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ اعراف: 180

آگ دکھائی دی۔ آپ نے اپنے اہل خانہ کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا: اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ ایک دوسری آیت میں فرمایا: اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ (القصص:29) "یا آگ کی دہکتی چنگاری (لے آؤں) تاکہ تم اسے تاپ سکو"۔ آپ کا یہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس وقت سخت سردی اور ٹھنڈک تھی۔ "بقبس" کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ اسوقت سخت اندھیرا تھا اور اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى فرمانا اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ آپ رستہ بھول چکے تھے۔ جب آپ نے آگ دیکھی تو اپنے اہل خانہ سے فرمایا کہ اگر مجھے رستہ بتلانے والا کوئی شخص نہ بھی ملا تو کم ازکم تاپنے کے لئے آگ تمہارے لئے لے ہی آؤں گا۔

فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾

"پس جب آپ وہاں پہنچے تو ندا کی گئی اے موسیٰ! بلاشبہ میں تیرا پروردگار ہوں، پس تو اتار دے اپنے جوتے بیشک تو طویٰ کی مقدس وادی میں ہے۔ اور میں نے پسند کرلیا ہے تجھے (رسالت کے لئے) سو خوب کان لگا کر سن جو وحی کیا جاتا ہے۔ یقیناً میں ہی اللہ ہوں نہیں ہے کوئی معبود میرے سوا پس تو میری عبادت کیا کر اور ادا کیا کر نماز مجھے یاد کرنے کے لئے۔ بیشک وہ گھڑی (قیامت) آنے والی ہے۔ میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو اس کام کا جس کے لئے کوشاں ہے۔ پس ہرگز نہ روکے تجھے اس (کو ماننے) سے وہ شخص جو نہیں ایمان رکھتا اس پر اور پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی، ورنہ تم بھی ہلاک ہوجاؤ گے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آگ کے قریب پہنچے تو آپ کو ندا دی گئی، اسے ایک دوسری آیت میں یوں بیان فرمایا: نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ (القصص:30) "ندا آئی وادی کے دائیں کنارے سے اس بابرکت مقام میں ایک درخت سے کہ اے موسیٰ! بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں"، اور یہاں یہ ندا ہوئی: اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ۔ یعنی میں تمہارا رب تم سے ہم کلام اور مخاطب ہوں، پس اپنے جوتے اتار دو۔ حضرات علی، ابوذر، ابوایوب اور دیگر سلف کا کہنا ہے کہ آپ کے جوتے گدھے کے چمڑے سے بنے ہوئے تھے، اس لئے انہیں اتارنے کا حکم ہوا۔ بعض نے کہا ہے کہ تعظیم کے پیش نظر آپ کو جوتے اتارنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ کعبہ شریف میں داخل ہونے کے لئے جس طرح آدمی کو جوتے اتارنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، بالکل اسی طرح یہ حکم تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جوتے اتروانے کا یہ مقصد تھا تاکہ آپ کے تلوے اس مقدس سرزمین کو چھولیں، علاوہ ازیں اور بھی متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس اور دیگر متعدد حضرات کا کہنا ہے کہ "طویٰ" اس وادی کا نام ہے۔ اس صورت میں عطف بیان ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد وادی پر قدم رکھنے کا حکم دینا ہے(1)۔ بعض نے کہا ہے کہ چونکہ اس وادی کو بار بار پاک کیا گیا اور اس میں بار بار برکتیں بھر دی گئیں اس لئے اس کا نام "طویٰ" پڑ گیا۔ بہرکیف پہلا قول زیادہ صحیح ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 146، الدرالمنثور، جلد 5 صفحہ 560

طُوًی (النازعات:16)" جب ان کے رب نے انہیں طویٰ کی مقدس وادی میں پکارا تھا"۔ اور یہ فرمان وَاَنَا اخْتَرْتُكَ اس فرمان کی طرح ہے: اِنِّیْ اصْطَفَیْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِكَلَامِیْ (الاعراف:144)" میں نے تجھے تمام لوگوں پر سرفراز کیا ہے اپنی پیغامبری سے اور اپنے ساتھ ہم کلام ہونے سے"۔ یعنی آپ کے زمانے میں موجود تمام لوگوں میں سے آپ کو چن لیا۔ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمام لوگوں میں سے صرف تمہیں کیوں اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا؟ آپ نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: اس لئے کہ میرے حضور تمہاری طرح کسی نے تواضع نہیں کی۔ پھر فرمایا: فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى یعنی اب میرے ارشاد اور وحی کو غور سے سنیں کہ بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں اور میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ مکلفین پر سب سے پہلا فریضہ اس حقیقت کو جاننا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر آپ کو عبادت اور نماز کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: فَاعْبُدْنِیْ ... یعنی بغیر کسی کو شریک کئے صرف میری عبادت کرو اور مجھے یاد کرنے کے لئے نماز قائم کرو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ... کا بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ مجھے یاد کرنے کے لئے نماز پڑھو اور بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جب میری یاد آئے نماز پڑھو، اس دوسرے مفہوم کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" جب تم میں سے کسی کو نیند آجائے اور نماز نہ پڑھ سکے یا نماز سے غافل ہو جائے تو جب اسے یاد آجائے، نماز پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔" جو شخص نماز پڑھے بغیر سو جائے یا اسے بھول جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب اسے یاد آجائے، اس وقت نماز پڑھ لے، اس کا یہی کفارہ ہے"(2)۔ قیامت کے متعلق فرمایا: اِنَّ السَّاعَةَ ... یعنی قیامت کا وقوع یقینی اور ضروری ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "اُخْفِیْهَا" کے بعد "مِنْ نَفْسِیْ" کے الفاظ بھی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے کبھی بھی کوئی چیز مخفی نہیں ہو سکتی۔ اس قرأت کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ قیامت آنے والی ہے، اگر ممکن ہوتو میں اسے اپنی ذات سے بھی پوشیدہ رکھوں لیکن میری ذات سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ اَكَادُ اُخْفِیْهَا کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں قیامت کے متعلق کسی کو مطلع نہیں کروں گا۔ سدی کہتے ہیں کہ زمین وآسمان کے مکینوں میں سے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم مخفی رکھا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہ الفاظ ہیں: "اِنِّیْ اَكَادُ اُخْفِیْهَا مِنْ نَّفْسِیْ" یعنی میں نے تمام مخلوقات سے اسے مخفی کر رکھا ہے، اگر اپنی ذات سے بھی اسے پوشیدہ رکھنا ممکن ہوتا تو میں ایسا بھی ضرور کر گزرتا۔ ایک قرأت میں "اخفیها من نفسی" ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کو مقرب فرشتوں اور انبیاء ورسل سے بھی چھپا رکھا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے فرمایا: قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل:65)" فرمایئے نہیں جانتے غیب کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں بجز اللہ تعالیٰ کے"۔ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً (الاعراف:187)" یہ (حادثہ) آسمانوں اور زمین میں بہت گراں ہے۔ یہ نہ آئے گی تم پر مگر اچانک" یعنی زمین وآسمان والوں پر اس کا علم بھاری ہے۔ ورقاء کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر نے مجھے "اَخفیها" (فتح الف کے ساتھ) پڑھایا ہے۔ اس قرأت کے مطابق اس کا معنی ظاہر کرنا ہے۔ قیام قیامت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: لِتُجْزٰى ... یعنی میں اس لئے قیامت برپا کروں گا تاکہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ عطا کروں جیسا کہ فرمایا: فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ (الزلزال:7-8)" پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 184
2۔ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 155، صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 477

کی ہوگی اسے بھی وہ دیکھ لے گا"۔ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (التحریم:7) "تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے"۔ اور اس فرمان فَلَا يَصُدَّنَّكَ ۔۔کا مخاطب ہر ہر شخص ہے یعنی ایسے لوگوں کی پیروی نہ کرو جو قیامت کو جھٹلاتے ہیں، دنیاوی لذات میں کھوئے ہوئے ہیں، اپنے مولیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اور اپنی خواہشات کے اسیر بنے ہوئے ہیں۔ جس نے ان کی موافقت کی وہ خائب و خاسر ہو گیا اور بربادی اس کا مقدر بن گئی۔ "تردی" ہلاک و برباد ہونے کے معنی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ مَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى (اللیل:11) "اور اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا جب وہ ہلاک ہوگا"۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿17﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿18﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿19﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿20﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ٚ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿21﴾

"اور (ندا آئی) یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ! عرض کی (میرے رب!) یہ میرا عصا ہے۔ میں ٹیک لگاتا ہوں اس پر اور میں پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں کے لئے اور میرے لئے اس میں کئی اور فائدے بھی ہیں۔ حکم ہوا ڈال دے اسے زمین پر اے موسیٰ! تو آپ نے اسے زمین پر ڈال دیا پس اچانک وہ سانپ بن کر (ادھر ادھر) دوڑنے لگا۔ حکم ہوا اسے پکڑ لو اور مت ڈرو۔ ہم لوٹا دیں گے اسے اپنی پہلی حالت پر"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واضح برہان اور خلاف عادت رونما ہونے والے عظیم معجزہ سے سرفراز کیا جس کا ظہور صرف قدرت خداوندی سے اور صرف رسول کے ہاتھ پر ہی ممکن ہے۔ یہ معجزہ ہے عصا کا اژدھا بن جانا۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ سوال کرنا وَمَا تِلْكَ ۔۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے سے مانوس کرنے کی غرض سے تھا اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں استفہام تقریری ہے، اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ تمہارے دائیں ہاتھ میں جو کچھ ہے کیا یہ تمہارا وہ ڈنڈا نہیں جسے تم اچھی طرح پہچانتے ہو۔ اب عنقریب تم ملاحظہ کر لو گے کہ ہم اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ جواب میں آپ نے عرض کی: هِيَ عَصَايَ...... یعنی یہ میرا عصا ہے، چلتے ہوئے میں اس پر سہارا لیتا ہوں اور درختوں سے اس کے ساتھ پتے جھاڑتا ہوں تاکہ میری بکریاں انہیں چر لیں۔ امام مالک "ھش" کا مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ آدمی کا ڈنڈے کے مڑے ہوئے سرے کو ٹہنی میں ڈال کر اس طرح حرکت دینا کہ صرف پتے اور پھل گریں، ٹہنی نہ ٹوٹنے پائے(1)، پھر عصا کے بارے میں مزید یہ بیان کیا: وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى یعنی اس کے ساتھ میری دیگر ضروریات اور فوائد بھی وابستہ ہیں۔ بعض لوگوں نے تکلف سے کام لیتے ہوئے ان فوائد اور ضروریات کو بیان کیا ہے جنہیں یہاں مبہم رکھا گیا ہے، کہتے ہیں کہ یہ عصا رات کیوقت روشنی فراہم کرتا، جب آپ علیہ السلام سو جاتے تو یہ بکریوں کی نگہبانی کرتا اور اگر زمین میں اسے گاڑ دیتے تو سایہ دار درخت بن جاتا۔ اسی طرح کے اور بھی خلاف عادت امور اس سے صادر ہوتے، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ اس طرح نہیں تھا کیونکہ اگر واقعی ایسا ہوتا تو جب یہ عصا اژدھا بن کر لہرانے لگا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے دیکھ کر خوفزدہ نہ ہوتے اور نہ ہی ڈر کر بھاگتے۔ یہ اسرائیلی روایت معلوم ہوتی ہے، بالکل اسی طرح بعض کا یہ قول ہے کہ یہ عصا حضرت آدم علیہ السلام کا تھا اور یہ قول بھی افسانہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہی عصا قیامت کے قریب "دَآبَّةُ الْاَرْضِ" کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس عصا کا نام

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 564

"ھاشاء" تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ عصا زمین پر ڈالا تو اس نے ایک بہت بڑے اور لمبے اژدھے کی شکل اختیار کر لی اور تیزی سے حرکت کرتے ہوئے لہرانے لگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درخت اس کے سامنے آیا تو وہ اسے نگل گیا، ایک چٹان کے پاس سے گزر ہوا تو اسے ہڑپ کر لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چٹان کے اس کے پیٹ کے اندر گرنے کی آواز سنائی دی۔ چنانچہ آپ خوفزدہ ہو کر بھاگے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ندا دی کہ اسے پکڑ لو لیکن آپ نے اسے نہ پکڑا، پھر دوسری مرتبہ ندا ہوئی کہ اسے پکڑ لو اور مت ڈرو، اب بھی آپ نے اسے نہ پکڑا۔ تیسری بار آپ سے فرمایا گیا کہ تم امن میں ہو۔ اب آپ علیہ السلام نے اسے پکڑ لیا(1)۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے عصا کو زمین پر ڈال دیا۔ پھر جب اچانک اس پر آپ کی نظر پڑی تو آپ کو ایک بہت بڑا اژدھا دکھائی دیا جو زمین پر اس طرح تیزی سے چل رہا تھا گویا اسے کسی چیز کی تلاش ہے اور وہ اسے پکڑنا چاہتا ہے۔ گابھن اونٹنی جیسے بڑے بڑے پتھروں کو نگل رہا تھا اور بڑے بڑے درختوں کی جڑوں میں اپنی داڑھ پیوست کرتا اور اسے جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیتا۔ اس کی آنکھیں آگ کی طرح روشن تھیں، عصا کا مڑا ہوا سر اگلی کی شکل اختیار کر گیا اور اس کے بال نیزے کی طرح تھے۔ لاٹھی کی دونوں شاخیں ایک وسیع و عریض کنواں بن گئیں جس میں پیس دینے والے دانت اور داڑھیں بھی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ہیبت ناک منظر دیکھا تو الٹے پاؤں بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ پھر آپ کو اپنے رب کی یاد آئی تو حیاء کے باعث ٹھہر گئے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو واپس لوٹنے کے لئے کہا۔ آپ واپس پلٹے تو شدید خوفزدہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے اسے پکڑ لو اور مت ڈرو، ہم اسے پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اون کا کمبل اوڑھے ہوئے تھے جسے آپ نے ایک کانٹے کے ساتھ اٹکا رکھا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اژدھے کے پکڑنے کا حکم دیا تو آپ نے کمبل کا ایک کنارہ اپنے ہاتھ سے لپیٹ کر پکڑنا چاہا۔ اس پر ایک فرشتے نے آپ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ! یہ تو بتایئے، جس چیز کا آپ کو خطرہ ہے اگر اللہ تعالیٰ اژدھے کو اس کا حکم دے دے تو کیا آپکا کمبل آپ علیہ السلام کو بچا سکتا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں لیکن میں ضعیف ہوں اور میں ضعیف ہی پیدا ہوا ہوں۔ چنانچہ آپ نے کمبل ہٹا کر اپنا ہاتھ اژدھا کے منہ پر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ آپ کو اس کے دانتوں اور داڑھوں کی آہٹ سنائی دینے لگی، پھر جب آپ نے اسے پکڑا تو وہی پہلے والا عصا بن گیا، جہاں سے پکڑ کر آپ علیہ السلام پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے، اب بھی ہاتھ اسی جگہ پر تھا، اس لئے فرمایا: سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا

الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ

اَمْرِيْ ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿٢٨﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿٢٩﴾

هٰرُوْنَ اَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿٣١﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٣﴾ وَّ

نَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٤﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿٣٥﴾

"اور (حکم ملا) ملا لو اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے یہ نکلے گا خوب سپید ہو کر بغیر کسی بیماری کے یہ دوسرا معجزہ (ہم نے تمہیں دیا)

1۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 565

ہے۔ تاکہ ہم دکھائیں تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیاں۔ (اب) جایئے فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے۔ آپ نے دعا مانگی اے میرے پروردگار! کشادہ فرمادے میرے لئے میرا سینہ اور آسان فرما دے میرے لئے میرا یہ (کٹھن) کام اور کھول دے گرہ میری زبان کی۔ تاکہ اچھی طرح سمجھ سکیں وہ لوگ میری بات۔ اور مقرر فرما میرا وزیر میرے خاندان سے یعنی ہارون کو جو میرا بھائی ہے۔ مضبوط فرما دے اس سے میری کمر۔ اور شریک کر دے اسے میری (اس) مہم میں۔ تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں۔ بیشک تو ہمارے (ظاہر و باطن کو) خوب دیکھنے والا ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے معجزے کا ذکر ہو رہا ہے، وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی بغل میں اپنا ہاتھ ڈال کر باہر نکال لینے کا حکم دیا تو وہ چمکتا دمکتا باہر نکلا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں یہ صراحتاً مذکور ہے، یہاں فرمایا: وَاضْمُمْ يَدَكَ۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَّ اضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ (القصص: 23)" اور خوف دور کرنے کے لئے اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ لے تو یہ تمہارے رب کی طرف سے دو دلیلیں ہیں فرعون اور اس کے درباریوں کے طرف"۔ مجاہد کے بقول آیت کریمہ میں "الی" بمعنی "تحت" اور جناح بمعنی عضد (بازو) ہے یعنی اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے دبالو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بھی اپنا ہاتھ اپنی بغل میں داخل کر کے نکالتے تو وہ چمکتا ہوا باہر نکلتا، یوں محسوس ہوتا گویا وہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کا خوب سفید ہو کر نکلنا نہ برص کے باعث تھا، نہ کسی بیماری اور نہ کسی عیب کے سبب تھا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو وہ چراغ کی طرح روشن نکلا، اس سے آپ کا یہ یقین مزید پختہ ہو گیا کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو رہے ہیں، اس لئے فرمایا: لِنُرِيَكَ ... (1)۔ وہب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قریب ہونے کا حکم دیا۔ آپ قریب ہوتے گئے یہاں تک کہ آپ اس درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر اور پرسکون ہو کر کھڑے ہو گئے۔ خوف جاتا رہا، آپ نے اپنے عصا کا سہارا لیا اور سر جھکا کر اور گردن خم کئے ہوئے ہمہ تن گوش ہو گئے۔ اب اللہ تعالیٰ نے انتہائی اہم ذمہ داری سونپتے ہوئے فرمایا: اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ۔ یعنی مصر کے بادشاہ فرعون کی طرف جاؤ جس کی دست برد سے محفوظ رہنے کے لئے تم نے جلاوطنی اختیار کی تھی اور اسے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دو اور اسے حکم دو کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور انہیں تکلیفیں دینے سے باز رہے۔ یہ ایسا بدبخت ہے جس نے سرکشی اور بغاوت کی روش اختیار کی ہوئی ہے اور دنیاوی زندگی پر فریفتہ ہو کر اپنے رب حقیقی کو فراموش کر بیٹھا ہے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میرا پیغام لے کر اس کے پاس جاؤ، تم میرے کانوں کے بالکل قریب اور میری آنکھوں کے بالکل سامنے ہو، میرے ہاتھ اور میری نصرت تمہارے شامل حال ہے، میں نے اپنی قوت کی ڈھال تمہیں پہنا دی ہے تاکہ اس مہم میں تمہیں بھرپور طاقت نصیب ہو، تم میرے لشکروں میں ایک عظیم لشکر ہو، میں اپنی مخلوق میں سے ایک کمزور سے بندے کی طرف تمہیں روانہ کر رہا ہوں جو میری عطا کردہ نعمتوں پر اتراتا ہے، میری خفیہ تدبیر سے بے خوف ہے اور دنیا نے اسے دھوکہ میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لئے وہ میرے حق کا انکار کرتا ہے، میری ربوبیت کو جھٹلاتا ہے اور یہ گمان کئے ہوئے ہے کہ وہ مجھے نہیں پہچانتا۔ مجھے اپنی عزت کی قسم! اگر میں نے مہلت نہ دی ہوتی تو میں اس قدر سخت گرفت کرتا کہ آسمان، زمین، پہاڑ اور سمندر بھی اس پر غضبناک ہو جاتے۔ اگر میں آسمان کو حکم دوں تو وہ اس پر پتھر برسائے۔ اگر زمین کو حکم دوں تو وہ اسے نگل جائے، اگر

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 565

پہاڑوں کو حکم دوں تو وہ اسے تباہ و برباد کر دیں اور اگر سمندروں کو حکم دوں تو وہ اسے غرق کر دیں، لیکن وہ میرے یہاں ذلیل و رسوا ہو گیا ہے، میری نظروں سے گر گیا ہے، میرا حلم اسے بچائے ہوئے ہے۔ درحقیقت صرف میں ہی بے نیاز ہوں، میرے سوا کوئی بے نیاز نہیں، پس میرا پیغام اسے پہنچا دو، میری عبادت، توحید اور اخلاص کی اسے دعوت دو، میری نعمتیں اسے یاد دلاؤ، میرے عذاب اور پکڑ سے اسے خبردار کرو، اسے آگاہ کر دو کہ میرے غضب کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی اور یہ پیغام پہنچاتے ہوئے نرم لہجہ اختیار کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا مجھ سے ڈرنے لگے۔ اسے یہ بھی بتا دو کہ میں غضب اور عقاب کی نسبت عفو و مغفرت کو زیادہ محبوب رکھتا ہوں اور اس کی ظاہری سج دھج سے مرعوب نہ ہو جانا۔ اس کی پیشانی کے بال میرے ہاتھ میں ہیں، میرے اذن کے بغیر نہ وہ گفتگو کر سکتا ہے، نہ پلک جھپک سکتا ہے اور نہ سانس لے سکتا ہے۔ اسے یہ حکم دو کہ وہ اپنے پروردگار کے پیغام کو قبول کر لے، وہ اسے بخش دے گا کیونکہ وہ وسیع مغفرت والا ہے۔ اسے یہ یاد کرا دو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں چار سو سال مہلت دیئے رکھی لیکن تو اس دوران اس کا مقابلہ کرتا رہا، اسے برا بھلا کہتا رہا اور اس کے بندوں کو راہ راست سے برگشتہ کرتا رہا حالانکہ وہ تم پر آسمان سے بارش برساتا ہے اور تمہارے لئے زمین سے طرح طرح کی چیزیں اگاتا ہے۔ یہ اس کا انعام ہے کہ نہ تجھے بیماری میں مبتلا کیا گیا، نہ تجھ پر بڑھاپا آیا، نہ تو محتاج ہوا اور نہ مغلوب۔ اگر اللہ تعالیٰ تجھے فوراً سزا دینا چاہتا تو وہ ایسا کرنے پر قادر تھا لیکن وہ بہت حلیم اور بردبار ہے۔ جاؤ، اپنے بھائی کے ساتھ فرعون سے جہاد کرو، اس کا تمہیں اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔ اگر میں چاہتا تو اس کے مقابلے میں ایسے لشکر لاتا جن کے مقابلے کی یہ تاب نہ لا سکتا۔ لیکن ایسا کرنا میری مشیت نہیں تاکہ اس فریب خوردہ، خود پسند، متکبر اور کمزور بندے کو معلوم ہو جائے کہ کم تعداد پر مشتمل میری جماعت کثیر تعداد پر میری توفیق سے غالب آ جاتی ہے۔ یاد رکھنا کہ فرعون کی ظاہری زیب و زینت اور ٹھاٹھ باٹھ تم دونوں کو تعجب میں نہ ڈال دے بلکہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارہ نہ کرنا کیونکہ یہ دنیاوی زندگی کی آرائش اور عیش و عشرت کے دلدادہ لوگوں کے لئے زیب و زینت ہے۔ اگر میں چاہتا تو تمہیں بھی دنیاوی زینت سے آراستہ کر دیتا تاکہ فرعون اسے دیکھ کر جان لیتا کہ اس کی قدرت اس کے سامنے ہیچ ہے لیکن میں دنیا سے تم دونوں کو دور رکھنا چاہتا ہوں اور میں اپنے دوستوں کے ساتھ اسی طرح کرتا ہوں۔ شروع سے ہی میری سنت یہی ہے کہ میں اپنے مقبول بندوں کو عموماً دنیاوی نعمتوں اور دلفریب چیزوں سے بچا کر رکھتا ہوں بالکل اسی طرح جیسے ایک مشفق چرواہا اپنے اونٹوں کو تکلیف دہ مقامات سے بچا کر رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کی میرے ہاں کوئی وقعت نہیں بلکہ اس لئے تاکہ دار آخرت میں انہیں مکمل اور وافر انعامات سے شاد کام کیا جائے۔ جان لو میرے بندوں کے لئے میرے نزدیک زہد سے بڑھ کر کوئی زینت نہیں، یہ متقین کے لئے زینت ہے جو سکینت اور خشوع و خضوع کا لباس پہنے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں، یہی میرے سچے اور حقیقی اولیاء ہیں۔ جب ان کے ساتھ تمہاری ملاقات ہو تو ان کے لئے اپنے پروں کو جھکا دیا کرو اور اپنے دل اور زبان کو ان کا مطیع بنا لو۔ جان لو جس نے میرے ولی کی اہانت کی یا اسے خوفزدہ کیا، اس نے میرے ساتھ اعلان جنگ کر دیا اور خود کو خطرے میں ڈال دیا۔ میں اپنے اولیاء کی فوراً مدد کرتا ہوں۔ میرے ساتھ جنگ کرنے والا کیا یہ گمان کرتا ہے کہ وہ میرے سامنے ٹھہرنے کی قدرت رکھتا ہے، کیا میرے ساتھ دشمنی رکھنے والا یہ خیال کرتا ہے کہ وہ مجھے عاجز کر دے گا اور کیا مجھے دعوت مبارزت دینے والا یہ سوچ رکھتا ہے کہ وہ مجھ پر غالب آ جائے گا یا مجھ سے بچ نکلے گا۔ یہ کیسے ممکن ہے حالانکہ میں دنیا و آخرت میں اپنے اولیاء کی خاطر انتقام لینے والا ہوں اور ان کی فتح و نصرت کو میں کسی غیر کے سپرد نہیں کرتا۔ پھر عرض کی: قَالَ رَبِّ اشۡرَحۡ ... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ التجا اس لئے کی کہ

آپ کی ذمہ داری بہت بڑی تھی اور نہایت اہم اور مشکل فریضہ آپ نے انجام دینا تھا۔ آپ کو ایسے شخص کی طرف مبعوث کیا گیا جو اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا، سب سے جابر، سخت کافر، سب سے زیادہ لاؤلشکر والا، سب سے زیادہ معمر، سب سے زیادہ باغی اور سرکش بادشاہ تھا۔ اس کی سرکشی اور حماقت اس انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی کہ اس نے یہ دعویٰ کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتا بلکہ اس (فرعون) کے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں۔ بچپن میں حضرت موسیٰ فرعون کے پاس اسی کے گھر میں پرورش پاتے رہے۔ جب جوان ہوئے تو ان کا ایک آدمی آپ کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ آپ اس خوف کے پیش نظر کہ وہ آپ کو قتل کر دیں گے، وہاں سے چلے گئے اور اتنی مدت جلاوطن رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دعوت توحید دینے کے لئے آپ کو منصب رسالت پر فائز فرما دیا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۔ یعنی اے میرے رب! اگر تو میرا حامی و ناصر اور دست و بازو نہیں ہوگا تو مجھ میں اس فریضہ کی ادائیگی کی طاقت نہیں۔ پھر مزید یہ التجا کی: وَاحْلُلْ عُقْدَةً ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی زبان میں لکنت کا اثر تھا۔ بچپن میں آپ کے سامنے کھجور اور انگارا رکھا گیا۔ آپ نے انگارے کو پکڑ کر منہ میں رکھ لیا اس لئے زبان لکنت کا شکار ہو گئی۔ اس کا بیان عنقریب ہونے والا ہے۔ آپ نے یہ دعا نہیں کی کہ آپ کی لکنت مکمل طور پر زائل ہو جائے بلکہ بقدر حاجت سوال کرتے ہوئے یہی دعا کی کہ زبان کی اس قدر گرہ کھل جائے جس سے لوگ بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اگر آپ تمام لکنت کے ازالہ کا سوال کرتے تو تمام کی تمام ختم ہو جاتی لیکن انبیاء کرام بقدر ضرورت سوال کرتے ہیں، اس لئے لکنت کا کچھ اثر باقی رہ گیا۔ فرعون نے بھی اس چیز کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا تھا: اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ (الزخرف: 1) "کیا میں اس شخص سے بہتر نہیں ہوں جو ذلیل ہے اور بات بھی صاف نہیں کر سکتا"۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک گرہ کھولنے کی درخواست کی تھی اگر وہ تمام کی دعا کرتے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے قبول فرماتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے لکنت کی شکایت کی اور اپنے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ کہیں فرعونی اپنے مقتول کے بدلے میں آپ کو قتل ہی نہ کر دیں اور یہ درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے بھائی ہارون کو آپ کا معاون بنادے تاکہ وہ آپ کی ترجمانی کرتے ہوئے آپ کی وہ باتیں لوگوں تک پہنچائیں جنہیں لکنت کے باعث آپ صاف طور پر نہیں بیان کر سکتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے آپ کی زبان کی گرہ کو کھول دیا۔ محمد بن کعب کے پاس ان کا ایک رشتہ دار آیا اور انہیں کہنے لگا کہ آپ صاف طور پر بات نہیں کر سکتے، کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ بولنے میں غلطی نہ کرتے۔ آپ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! کیا میری بات کی تمہیں سمجھ نہیں آتی؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے صرف یہ سوال کیا تھا کہ وہ زبان کی ایک گرہ کھول دے تاکہ بنی اسرائیل آپ کی بات کو سمجھ سکیں۔ اس سے زیادہ آپ نے دعا نہیں کی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذات سے ہٹ کر ایک امر خارجی یعنی اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی معاونت کے حصول کی درخواست کرتے ہوئے عرض کی: وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی اس وقت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا کر دی گئی (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئیں، دوران سفر آپ ایک اعرابی کے پاس ٹھہریں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ ایک آدمی یہ استفسار کر رہا ہے کہ دنیا میں وہ کون سا بھائی ہے جس نے سب سے زیادہ اپنے بھائی کو نفع پہنچایا ہے؟ لوگ کہنے لگے کہ ہمیں نہیں معلوم، وہ شخص کہنے لگا: اللہ کی قسم! مجھے معلوم ہے۔ حضرت عائشہ رضی

1۔ الدر المنثور، جلد 16، صفحہ 567

اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ شخص ان شاء اللہ کہے بغیر قسم اٹھا رہا ہے، اسے معلوم ہے دنیا میں کون سا بھائی سب سے زیادہ اپنے بھائی کے لئے نفع کا باعث بنا۔ اس نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام جب انہوں نے اپنے بھائی کو بھی منصب نبوت پر فائز کرنے کی التجا کی تھی۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ واقعی اس شخص کی بات سچی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی توصیف کرتے ہوئے فرمایا: وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا (الاحزاب: 69) ''اور آپ اللہ کے نزدیک بڑی شان والے تھے''، پھر یوں عرض گزار ہوئے: اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرنے والوں میں بندے کا شمار اس وقت ہوتا ہے جب وہ اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔ آخر میں عرض کی: اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا یعنی ہمیں منتخب کرنے، شرف نبوت سے نوازنے اور فرعون کی طرف مبعوث کرنے میں تو ہمیں بخوبی دیکھنے بھالنے والا ہے۔

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ۝ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ۝ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ۝ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ڬ وَلِتُصْنَعَ عَلٰي عَيْنِيْ ۝ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۭ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ڛ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ڛ

''جواب ملا منظور کر لی گئی ہے آپ کی درخواست اے موسیٰ! اور ہم نے احسان فرمایا تھا تم پر ایک بار پہلے بھی۔ جب ہم نے وہ بات الہام کی تمہاری ماں کو جو الہام ہی کئے جانے کے قابل تھی۔ یہ کہ رکھ دو اس معصوم بچے کو صندوق میں پھر ڈال دو اس صندوق کو دریا میں پھینک دیگا اسے دریا ساحل پر پھر پکڑ لے گا اسے وہ شخص جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے۔ اور (اے موسیٰ) میں نے پرتو ڈالا تجھ پر محبت کا اپنی جناب سے (تا کہ جو دیکھے فریفتہ ہو جائے) اور (اس تدبیر کا منشا یہ تھا) کہ آپ کی پرورش کی جائے میری چشم (کرم) کے سامنے۔ یاد کرو جب چلتے چلتے آئی آپ کی بہن اور کہنے لگی (فرعون کے اہل خانہ سے) کیا میں بتاؤں تمہیں وہ آدمی جو اس کی پرورش کر سکے۔ پس (یوں) ہم نے آپ کو لوٹا دیا آپ کی ماں کی طرف تاکہ (آپ کو دیکھ کر) اپنی آنکھ ٹھنڈی کرے اور غمناک نہ ہو۔ اور (تمہیں یاد ہے جب) تو نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو پس ہم نے نجات دی تھی تمہیں غم واندوہ سے اور ہم نے تمہیں اچھی طرح جانچ لیا تھا''۔

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کی منظوری اور اس گزشتہ انعام کا تذکرہ فرما رہا ہے جو اس نے آپ کی ولادت کے بعد آپ پر کیا تھا۔ اس وقت آپ کی والدہ آپ کو دودھ پلاتی تھیں اور اس بات سے سخت رنجیدہ اور خوفزدہ تھیں کہ فرعونی اس معصوم بچے کو قتل کر ڈالیں گے کیونکہ آپ علیہ السلام کی پیدائش اس سال میں ہوئی جس سال نوزائیدہ بچوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ام موسیٰ نے اپنے شیر خوار لخت جگر کو دودھ پلا کر صندوق میں رکھ دیا، پھر صندوق کو دریائے نیل کے سپرد کر دیا، انہوں نے ایک رسی سے صندوق کو باندھ رکھا تھا جس کا ایک سرا اپنے مکان سے باندھ لیا تھا، ایک مرتبہ رسی باندھنے لگیں تو رسی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور دریا صندوق کو بہا لے گیا۔ اب وہ شدید غم واندوہ کا شکار ہو گئیں جس کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى

قَلْبِهَا (القصص:10) ” اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ اس راز کو ظاہر کر دے اگر ہم نے اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیا ہوتا“۔ یہ تابوت دریا میں بہتے بہتے فرعون کے محل تک پہنچ گیا۔ یہاں آل فرعون نے اسے پکڑ لیا جس کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا: فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا (القصص:8) ” پس فرعون کے گھر والوں نے اسے نکال لیا تا کہ (انجام کار) وہ ان کا دشمن اور باعث رنج والم بنے“۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور اس کا فیصلہ تھا حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وجود کے خوف سے فرعون بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کو قتل کر دیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ جو عظیم طاقت اور مکمل قدرت کا مالک ہے، اس کی تدبیر اور فیصلے کا تقاضا یہ تھا کہ آپ اس دشمن خدا فرعون کے ہاں ہی پرورش پائیں اور اسی کے گھر میں آپ کے قیام وطعام اور جملہ آسائشات کا بندوبست کر دیا جائے، پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی بیوی کے دل میں آپ کی محبت پیدا کر دی، اس لئے فرمایا: یَاْخُذْهُ ... مَحَبَّةً مِّنِّیْ۔ اس فرمان وَ اَلْقَیْتُ ... کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہیں تمہارے دشمن کے دل میں محبوب بنا دیا۔ سلمہ بن کہیل اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بندوں کے ہاں تمہیں محبوب بنا دیا۔ ابو عمران جونی اس فرمان وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَیْنِیْ کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں: تا کہ اللہ تعالیٰ کی چشم کرم کے سامنے آپ کی تربیت کی جائے۔ قتادہ کہتے ہیں: تا کہ میری آنکھوں کے سامنے تمہاری غذا کا انتظام ہو۔ معمر بن مثنی اس کے متعلق کہتے ہیں: تا کہ آپ کی پرورش اس طرح ہو کہ میں دیکھتا رہوں۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں نے موسیٰ علیہ السلام کی رہائش کا انتظام بادشاہ کے گھر میں کیا ہے تا کہ وہ آرام وآسائش کے ساتھ وہیں رہیں اور انہیں شاہی غذا میسر ہو۔ پھر فرمایا: اِذْ تَمْشِیْۤ اُخْتُكَ .... یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ آل فرعون کے ہاں قرار پذیر ہو گئے اور انہوں نے آپ کو دودھ پلانے کے لئے یکے بعد دیگرے کئی عورتیں مقرر کیں لیکن آپ نے ان کا دودھ پینے سے منہ موڑ لیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ حَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ (القصص:12) ” اور ہم نے اس سے پہلے اس پر دودھ پلانے والیاں حرام کر دیں“، اسی اثناء میں آپ کی بہن وہاں پہنچ گئی اور انہیں کہنے لگی: هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ (القصص:12) ” کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کا پتہ نہ دوں جو تمہاری خاطر اس کی پرورش کریں اور وہ اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہوں گے“، وہ سب اس پر رضامند ہو گئے، چنانچہ آپ علیہ السلام کی بہن نے اپنے ننھے بھائی موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیا اور اپنی والدہ کے پاس چلی آئی، وہ سب لوگ بھی ساتھ تھے۔ آپ علیہ السلام کی والدہ نے جونہی آپ علیہ السلام کو سینے کے ساتھ لگایا، آپ علیہ السلام نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر آل فرعون کو بڑی مسرت ہوئی اور انہوں نے آپ علیہ السلام کی والدہ کو آپ کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھ لیا۔ اس طرح ام موسیٰ کو آپ علیہ السلام کے طفیل دنیا میں بھی سعادت، عظمت اور راحت نصیب ہوئی اور آخرت میں تو اس سے بھی عظیم اور گرانقدر انعامات عطا کئے جائیں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ” اپنے کام میں بھلائی کو پیش نظر رکھنے والے کاریگر کی مثال ام موسیٰ کی سی ہے جو اپنے ہی بیٹے کو دودھ پلائیں اور اجرت بھی لیتیں“ (1)۔ اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے: فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ ... یعنی ہم نے تمہیں تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ آپ کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ تمہارے متعلق غمزدہ نہ ہو اور تم نے ایک قبطی کو قتل کر دیا تھا چنانچہ ہم نے تمہیں غم واندوہ سے نجات دی۔ چونکہ فرعونی آپ کو قتل کرنے کے در پے تھے اس لئے آپ پریشانی کے عالم میں وہاں سے بھاگے اور مدین کے چشمہ پر پہنچ گئے۔ وہاں ایک صالح بندے نے آپ کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا: لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (القصص:25) ” ڈرو نہیں تم ظالم

1۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب السیر، جلد 9 صفحہ 27

قوم سے بچ کر نکل آئے ہو"۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا کی تفسیر پوچھتے ہوئے دریافت کیا کہ "فتون" سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اب تو رات ہونے والی ہے، کل بتاؤں گا۔ اگلے روز میں صبح صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے وعدے کے ایفاء کی درخواست کی اور فتون کی تفصیل پوچھی تو آپ نے فرمایا: فرعون کے دربار میں فرعون اور اس کے ہم نشینوں کے درمیان یہ بات چل نکلی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ ان کی اولاد میں انبیاء اور بادشاہ ہوں گے۔ ایک درباری کہنے لگا کہ بنی اسرائیل کو اس بارے میں کوئی شک نہیں اور وہ اس کے منتظر ہیں۔ پہلے تو ان کا خیال تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ ہوں گے لیکن جب وہ فوت ہو گئے تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس طرح وعدہ نہ تھا۔ بہر صورت ایک نبی کا ان میں ظہور ہوگا جو سلطنت مصر کا فرمانروا بھی ہوگا۔ فرعون اپنے حاشیہ نشینوں سے پوچھنے لگا کہ اس خطرے سے بچاؤ کے لئے تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے آپس میں مشاورت کے بعد اس بات پر اتفاق کیا کہ پولیس کی کچھ نفری کو چھریاں فراہم کر کے یہ ذمہ داری سونپ دی جائے کہ وہ بنی اسرائیل کے گھروں میں چکر لگاتے رہا کریں اور جونہی کسی کے ہاں نرینہ اولاد پیدا ہو، فوراً اسے ذبح کر دیں۔ اس طرح بنی اسرائیل کے نومولود بیٹوں کے قتل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد انہوں نے سوچا کہ اس طرح تو بنی اسرائیل کے مردوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور ان کی خدمت اور بیگار کے لئے کوئی اسرائیلی موجود نہیں رہے گا۔ اب انہوں نے یہ طے کیا کہ ایک سال ان کے ہاں پیدا ہونے والے بیٹوں کو قتل کر دیا جائے اور ایک سال زندہ باقی رکھا جائے تاکہ زندہ رہنے والے بچے جوان ہو کر مرنے والے بوڑھوں کی جگہ لے لیں۔ اس طرح ان کی اتنی زیادہ کثرت بھی نہیں ہوگی جس سے تمہیں ان کی عددی برتری کا اندیشہ ہو اور نہ ہی ان کا وجود بالکل ختم ہوگا کہ تمہیں خدمت گزاری کے لئے بھی کوئی اسرائیلی نہ ملے۔ اس بات پر انہوں نے اتفاق کر لیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی ولادت اس سال ہوئی جس سال بچوں کو ذبح کرنا موقوف تھا، اس لئے آپ کی والدہ نے آپ کو اطمینان کی حالت میں جنم دیا اور آپ کی ولادت کو پوشیدہ نہ رکھا، لیکن آئندہ برس چونکہ بچوں کے قتل عام کا برس تھا، اس لئے ام موسیٰ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حاملہ ہوئیں تو انہیں سخت بے چینی لاحق ہو گئی اور غم واندوہ نے انہیں گھیر لیا۔ اے ابن جبیر! ایک فتنہ تو یہ تھا جبکہ موسیٰ علیہ السلام ابھی اپنی والدہ کے شکم میں تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ام موسیٰ کو بذریعہ الہام یہ یقین دلایا کہ ڈرنے اور غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں، ہم تمہارے لخت جگر کو تمہاری طرف لوٹا دیں گے اور اسے منصب رسالت پر فائز کریں گے، انہیں یہ بھی حکم ہوا کہ جب اس بچے کی ولادت ہو تو اسے صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دینا، چنانچہ جب آپ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو آپ علیہ السلام کی والدہ نے ایسا ہی کیا اور اپنے معصوم بچے کو صندوق میں ڈال کر دریا کے سپرد کر دیا۔ جب بیٹا نظروں سے اوجھل ہو گیا تو شیطان وسوسہ اندازی کرتے ہوئے ان کے پاس آ دھمکا۔ چنانچہ وہ اپنے دل میں سوچنے لگیں کہ میں نے اپنے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کیا، پانی میں جانوروں اور مچھلیوں کی خوراک بننے سے بہتر یہی تھا کہ میں اپنے بیٹے کو اپنے پاس ہی رکھتی، اگر وہ میرے پاس ذبح ہو جاتا تو کم از کم میں اسے کفن پہنا کر دفن تو کر دیتی۔ بہر صورت پانی صندوق کو بہاتے بہاتے آل فرعون کے گھاٹ پر لے آیا، یہاں فرعون کی بیوی کی لونڈیوں نے جب اسے دیکھا تو پکڑ لیا، تابوت کو کھولنا چاہا لیکن ایک لونڈی کہنے لگی کہ اس تابوت میں مال و متاع ہے، اگر ہم نے اسے کھولا تو فرعون کی بیوی ہم پر چوری کا الزام لگا دے گی۔ چنانچہ انہوں نے جوں کا توں صندوق ملکہ کی خدمت میں پیش کر دیا، جب اس نے اسے کھولا تو اس میں ایک بچہ دکھائی دیا۔ اس چاند سے من موہنے بچے کو دیکھتے ہی اسکے دل میں اس کی محبت کے

جذبات موجزن ہو گئے۔ دوسری طرف ام موسیٰ کی حالت غیر ہو گئی، دل میں اگر کوئی خیال تھا تو صرف اپنے ننھے بیٹے موسیٰ کا۔ بچوں کو قتل کرنے پر مامور قصائیوں کو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا علم ہوا تو وہ اپنی چھریاں لئے ملکہ کے پاس آ دھمکے تا کہ اس بچے کو ذبح کر دیں۔ اے ابن جبیر! یہ ان فتنوں اور آزمائشوں میں سے دوسرا فتنہ تھا۔ ملکہ نے انہیں کہا کہ اسے زندہ رہنے دو۔ ایک بچے سے بنی اسرائیل کی قوت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، پھر بھی میں فرعون کے پاس جا کر درخواست کرتی ہوں کہ وہ یہ بچہ مجھے ہبہ کر دے۔ اگر اس نے مجھے ہبہ کر دیا تو بہتر ورنہ اسے ذبح کرنے پر میں تمہیں ملامت نہیں کروں گی۔ چنانچہ ملکہ فرعون کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ یہ بچہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوگا۔ فرعون کہنے لگا کہ یہ تمہارے لئے تو ممکن ہے لیکن مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اللہ کی قسم! اگر فرعون بھی اپنی بیوی کی طرح یہ اقرار کر لیتا کہ یہ بچہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ضرور ہدایت عطا فرما دیتا جیسا کہ اس کی بیوی کو ہدایت سے سرفراز کیا تھا لیکن اس کی اکڑ نے اسے ہدایت سے محروم رکھا“۔ ملکہ نے اردگرد کی عورتوں کو جمع کیا تا کہ ان میں سے اس معصوم بچے کے لئے دایہ کا انتخاب کیا جائے، ان میں سے جو بھی عورت آپ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لئے گود میں لیتی، آپ علیہ السلام کسی کے دودھ کو منہ تک نہ لگاتے۔ ملکہ کو بہت ترس آ رہا تھا کہ دودھ نہ پینے کی وجہ سے کہیں یہ معصوم فوت ہی نہ ہو جائے۔ اس وجہ سے ملکہ بہت غمزدہ ہو گئی۔ آخر اسے یہ تدبیر سوجھی کہ اس بچے کو بازار میں لوگوں کے مجمع میں لے جایا جائے، ممکن ہے وہاں سے کسی ایسی دایہ کی نشاندہی ہو جائے جس کا دودھ یہ معصوم قبول کر لے لیکن وہاں بھی ناکامی ہوئی۔ ادھر شدت غم سے ام موسیٰ کی حالت غیر ہو رہی تھی، انہوں نے آپ کی بہن کو باہر بھیجا تا کہ وہ صندوق کا تعاقب کرتے ہوئے جائے اور معصوم بیٹے کی خبر لائے کیا وہ زندہ ہے یا آبی جانور اسے نگل گئے ہیں۔ اس دوران انہیں وہ وعدہ فراموش ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے ان کیساتھ کر رکھا تھا۔ آپ علیہ السلام کی بہن آپ کو اس طرح چپکے سے دیکھتی رہی کہ ان لوگوں کو احساس تک نہ ہوا۔ جب وہ لوگ عاجز آ گئے اور آپ نے تمام عورتوں کو مسترد کر دیا تو آپ علیہ السلام کی بہن نے فرط مسرت سے کہا کہ میں ایسے گھرانے پر تمہاری رہنمائی کروں گی جو اس بچے کی پرورش کریں گے اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں گے۔ یہ بات سن کر لوگوں کو کچھ شک سا گزرا، انہوں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہے کہ وہ اس کے خیر خواہ ہیں، کیا تم اس بچے کو پہچانتی ہو؟ اے ابن جبیر! یہ تیسرا فتنہ تھا۔ جواب میں آپ علیہ السلام کی بہن نے انہیں کہا کہ اس بچے کے لئے ان کی خیر خواہی اور شفقت اس بناء پر لازمی امر ہے کہ وہ بادشاہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے اور اس سے نفع حاصل کرنے کے ضرور خواہشمند ہوں گے۔ یہ سن کر انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنی والدہ کے پاس واپس آئی اور سارے حالات سے آگاہ کر دیا۔ آپ علیہ السلام کی والدہ وہاں پہنچیں اور جونہی اپنے بیٹے کو اپنی گود میں لیا، اس نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا اور خوب سیر ہو کر پیا اسی وقت ملکہ تک یہ خوشخبری پہنچا دی گئی کہ آپ کے بیٹے کے لئے دایہ مل گئی ہے۔ ملکہ نے حکم دیا کہ دایہ اور بچے کو فوراً میرے پاس لایا جائے۔ جب ملکہ نے دیکھا کہ بچہ اس دایہ کا دودھ خوب پیتا ہے تو اس نے انہیں کہا کہ میرے ہاں قیام کرو اور میرے اس بیٹے کو دودھ پلایا کرو، اس بچے جیسی کوئی چیز مجھے محبوب نہیں۔ ام موسیٰ نے کہا کہ میں اپنے گھر اور بچوں کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ اگر تم پسند کرو تو یہ بچہ میرے سپرد کر دو، میں اسے اپنے گھر لے جاؤں گی اور اس کی پرورش میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گی، بہرصورت میں اپنے گھربار اور بچوں کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔ ام موسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا وعدہ یاد آ گیا، اس لئے انہوں نے ملکہ کو اپنا مطالبہ ماننے پر مجبور کر دیا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنا کیا ہوا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔ چنانچہ ملکہ کی رضامندی سے وہ اپنے بیٹے کو اسی دن اپنے گھر لے آئیں اور یہاں اللہ تعالیٰ نے بہت عمدہ طریقے سے

آپ کو پروان چڑھایا اور ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ رکھا۔ آپ کے طفیل اس محلے کے اسرائیلی بھی ظلم وستم سے محفوظ ہو گئے۔ جب آپ پروان چڑھے تو ملکہ نے ایک دن ام موسیٰ کو پیغام بھیجا کہ کسی دن میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ، چنانچہ ایک دن مقرر ہو گیا جس میں بچے کو ملکہ کے پاس لایا جانا تھا۔ ملکہ نے ارکان سلطنت، درباریوں اور ملازمین کو یہ حکم دے دیا کہ ان میں سے ہر ایک آج بڑی گرمجوشی سے اور تحائف پیش کر کے میرے بیٹے کا استقبال کرے گا۔ میں ایک آدمی مقرر کر رہی ہوں جو تحائف کا حساب رکھے گا۔ چنانچہ آپ کے اپنی والدہ کے گھر سے روانہ ہونے سے لے کر ملکہ کے پاس پہنچنے تک لگاتار تحائف اور عطیات آپ کی نذر کئے جاتے رہے۔ جب آپ علیہ السلام ملکہ کے پاس پہنچے تو اس نے بھی تحفہ پیش کیا، بڑی تعظیم سے پیش آئی اور فرحت وانبساط کا اظہار کیا۔ آپ علیہ السلام کی والدہ نے بھی عطیہ آپ علیہ السلام کی نذر کیا، پھر ملکہ کہنے لگی کہ میں اپنے بیٹے کو فرعون کے پاس بھی ضرور لے جاؤں گی وہ بھی اسے انعام واکرام سے نوازے گا۔ جب وہ آپ کو لے کر فرعون کے پاس گئی تو اس نے آپ کو اپنی گود میں بٹھالیا۔ آپ نے اس کی داڑھی پکڑ کر اسے زمین کی طرف کھینچا۔ یہ دیکھ کر دشمنان خدا گمراہ درباری فرعون سے کہنے لگے کہ بہت ممکن ہے کہ یہ بچہ وہی ہو جس کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ وہ آپ کے تاج وتخت کا وارث ہوگا، آپ پر غالب آجائے گا اور آپ کا خاتمہ کر دے گا، اس لئے اسے فوراً ذبح کر دیجئے۔ اے ابن جبیر! یہ چوتھا فتنہ تھا۔ ملکہ فرعون کے پاس آئی اور اسے کہنے لگی کہ اس بچے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جسے آپ مجھے ہبہ کر چکے ہیں؟ فرعون کہنے لگا کہ تمہیں نہیں معلوم، یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ یہی بچہ مجھ پر غلبہ پا کر مجھے ہلاک کر دے گا۔ ملکہ کہنے لگی کہ ذرا ٹھہریں، اس مسئلے کا حل میرے پاس ہے، ابھی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ ایسا کریں کہ دو انگارے اور دو موتی اس بچے کے سامنے رکھیں۔ اگر وہ موتیوں کو پکڑ لے اور انگاروں سے اجتناب کرے تو سمجھ لینا کہ یہ بچہ عقلمند ہے اور اگر یہ انگاروں کو پکڑ لے اور موتیوں کا ارادہ نہ کرے تو سمجھ جانا کہ کوئی بھی عقل مند موتیوں پر انگاروں کو ترجیح نہیں دیتا۔ چنانچہ جب آپ کے سامنے موتی اور انگارے رکھے گئے تو آپ علیہ السلام نے انگاروں کو پکڑ لیا۔ فرعون نے فوراً آپ کے ہاتھ سے انگارے چھین لئے مبادا آپ کا ہاتھ جل جائے۔ اب ملکہ کہنے لگی کہ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا؟ اس طرح اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس برے ارادے سے باز رکھا۔ دراصل اللہ تعالیٰ کو جو فیصلہ منظور ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے تو آل فرعون اب اسرائیلیوں پر ظلم وستم ڈھانے سے ہچکچانے لگے یہاں تک کہ وہ اس سے بالکل باز آ گئے۔ ایک دن آپ شہر میں کسی جگہ جا رہے تھے کہ آپ نے دو آدمیوں کو باہم لڑتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک فرعونی تھا اور دوسرا اسرائیلی۔ اسرائیلی نے فرعونی کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی۔ آپ علیہ السلام کو اس فرعونی پر سخت غصہ آیا کیونکہ اس نے اسرائیلی کو دبوچ رکھا تھا۔ بنی اسرائیل آپ کو قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھتے تھے اور آپ بھی ان کا خصوصی خیال رکھتے اور ان کی طرفداری کرتے۔ لوگ اس کا سبب یہ سمجھتے تھے کہ چونکہ آپ نے ان کے ہاں دودھ پیا ہے اس لئے ان کا خیال رکھنا فطری امر ہے۔ اصل حقیقت کا علم صرف ام موسیٰ کو تھا یا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے آگاہ کر دیا تھا، اور کسی کو اس راز کی اطلاع نہیں تھی۔ آپ علیہ السلام نے فرعونی کو ایک گھونسہ رسید کیا تو وہ مر گیا، اس واقعہ کا علم اللہ تعالیٰ کو تھا یا اس اسرائیلی کو۔ آدمی کو مردہ دیکھ کر آپ علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ شیطانی عمل ہے اور بلاشبہ شیطان گمراہ کر دینے والا واضح دشمن ہے، پھر کہنے لگے: رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (القصص:16) "اے میرے رب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا پس مجھے بخش دے تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا، بے شک وہی غفور رحیم ہے"۔ صبح ہوئی تو آپ خوفزدہ ہو کر خبروں کی جستجو میں لگ گئے۔ فرعون سے کہا گیا کہ بنی اسرائیل نے آل فرعون کے ایک شخص

کو قتل کر دیا ہے اس لئے ان سے ہمیں ہمارا حق دلوائیں اور انہیں ذرا بھی رعایت نہ دیں۔ فرعون نے کہا کہ قاتل کو بھی تلاش کریں اور گواہ بھی لائیں، کیونکہ بادشاہ اگر چہ اپنی قوم کے ساتھ مخلص ہے پھر بھی اس کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ بغیر گواہ اور ثبوت کے قصاص کا حکم جاری کر دے، اس لئے ثبوت کے ساتھ قاتل کی نشاندہی کرو، میں تمہیں تمہارا حق دلوا دوں گا۔ تلاش بسیار کے باوجود وہ قاتل کا سراغ نہ لگا سکے۔
اگلے روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی اسرائیلی کو پھر کسی اور فرعونی کے ساتھ لڑتے ہوئے دیکھا۔ اس نے پھر آپ علیہ السلام سے فریاد کی۔ موسیٰ علیہ السلام چونکہ گزشتہ روز کے اپنے فعل پر نادم تھے اور اسرائیلی کی ہر روز کی ایسی حرکتوں پر نالاں بھی تھے اس لئے آپ غضبناک ہو کر اسرائیلی کو برا بھلا کہنے لگے اور اسے فرمایا کہ تمہاری کل کی اور آج کی حرکت سے ثابت ہوتا ہے کہ تو واضح طور پر گمراہ ہے۔ گزشتہ روز کی طرح آپ کو غضبناک دیکھ کر اور اپنے متعلق آپ کی سخت باتیں سن کر اسرائیلی خوفزدہ ہو گیا۔ جب آپ ان کی طرف بڑھے تو اس نے سراسیمگی میں یہ خیال کیا کہ آپ اسے پکڑنا چاہتے ہیں حالانکہ اسے پکڑنے کا آپ علیہ السلام ارادہ نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ تو فرعونی کو پکڑنا چاہتے تھے۔ خوف کے عالم میں اسرائیلی کی زبان سے بے ساختہ یہ بات نکل گئی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تم مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح تم نے کل ایک آدمی کو قتل کیا تھا۔ اس نے یہ بات اس خوف کے پیش نظر کی تھی کہ کہیں آپ اسے قتل نہ کر ڈالیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو چھوڑ دیا تو فرعونی بھاگم بھاگ فرعونیوں کے پاس گیا اور اسرائیلی کے منہ سے نکلی ہوئی بات کے متعلق انہیں آگاہ کر دیا۔ فرعون نے آپ کو پکڑ کر قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ اب فرعون کے جلادوں نے شارع عام پر آپ علیہ السلام کی تلاش شروع کر دی، انہیں آپ کے بچ نکلنے کا ذرا بھی اندیشہ نہ تھا، لیکن انتہائے شہر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک خیر خواہ بچوں بیچ دوڑتا ہوا ان لوگوں سے پہلے آپ علیہ السلام تک پہنچ گیا اور نئی صورتحال سے آپ علیہ السلام کو آگاہ کیا۔ اے ابن جبیر! یہ پانچواں فتنہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کا رخ کرتے ہوئے مصر سے نکلے، اس سے پہلے نہ آپ علیہ السلام کو کسی آزمائش کا سامنا ہوا تھا اور نہ رستے کا علم تھا۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حسن ظن تھا، قرآن کریم اس کیفیت کو یوں بیان فرماتا ہے: عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۞ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ڭ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ (القصص:23-22)" امید ہے میرا رب سیدھے راستے کی طرف میری رہنمائی فرمائے گا اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو پانی پلا رہا ہے اور اس انبوہ سے الگ تھلگ دو عورتیں دیکھیں کہ اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں"۔ وہاں دو عورتیں اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے تھیں۔ آپ علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے تم الگ تھلگ کھڑی ہو اور لوگوں کے ساتھ اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتیں؟ وہ کہنے لگیں کہ اس بھیڑ میں ہمارے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں، ہم تو حوض میں بچے ہوئے پانی سے اپنے جانور سیراب کرتی ہیں۔ آپ نے فوراً ڈول کے ذریعے بہت سا پانی نکالا اور ان کی بکریوں کو سب سے پہلے سیراب کر دیا۔ وہ دونوں اپنی بکریوں کو لے کر اپنے باپ کی طرف لوٹ گئیں اور آپ علیہ السلام ایک درخت کے سائے تلے آ بیٹھے اور یوں عرض گزار ہوئے: رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ (القصص:24)" میرے مالک! واقعی میں اس خیر و برکت کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف اتاری ہے"۔ جب ان لڑکیوں کے باپ نے دیکھا کہ وہ آج بکریوں کو شکم سیر اور دودھ سے بھرے ہوئے تھنوں کے ساتھ معمول سے بہت پہلے لے آئی ہیں تو انہیں بہت تعجب ہوا۔ کہنے لگے کہ آج یقیناً کوئی غیر معمولی واقعہ رونما ہوا ہے۔ انہوں نے سارا واقعہ اپنے والد گرامی کے گوش گزار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ وہ اس شخص کو بلا لائے۔ وہ گئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلا لائیں۔ جب ان کے والد گرامی کی آپ سے گفتگو ہوئی اور ساری صورتحال سے آگاہی

ہوئی تو وہ آپ سے کہنے لگے کہ ڈریئے مت۔ اب آپ ظالم قوم کی دستبرد سے محفوظ ہیں۔ فرعونیوں کو ہم پر اقتدار حاصل نہیں اور نہ ہی ہم اس کی سلطنت میں ہیں۔ ان میں سے ایک لڑکی کہنے لگی: یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ٘ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ (القصص:26) ”ابا جان! اسے نوکر رکھ لیجئے۔ بے شک بہتر آدمی جسے آپ نوکر رکھیں وہ ہے جو طاقتور ہو اور دیانتدار بھی“۔ باپ نے غیرت میں آکر اپنی بیٹی سے پوچھا کہ تمہیں اس کی قوت اور امانت کے بارے میں کیسے علم ہو گیا؟ بیٹی نے جواب دیا کہ ان کی قوت کا اندازہ تو مجھے اس وقت ہوا جب انہوں نے اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تنہا ڈول کے ذریعے پانی نکالا۔ اس طرح اتنی مقدار میں پانی نکالنے میں ان سے زیادہ قوی شخص میں نے نہیں دیکھا اور ان کی امانت کا علم مجھے یوں ہوا کہ جب میں ان کے پاس گئی تو انہوں نے مجھے نظر اٹھا کر دیکھا لیکن جب انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ میں عورت ہوں تو انہوں نے اپنا سر جھکا لیا۔ جب تک میں نے آپ کا پیغام ان تک نہیں پہنچا دیا، اس وقت تک انہوں نے اپنا سر نہیں اٹھایا۔ پھر مجھے یہ کہنے لگے کہ میرے پیچھے پیچھے چلو اور مجھے رستہ بتاتی جاؤ۔ ایسا انہوں نے اس لئے کیا کیونکہ وہ امین ہیں۔ یہ سن کر بچی کے باپ کا دل اس کی طرف سے صاف ہو گیا، اپنی بیٹی کی تصدیق کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہی رائے قائم کر لی جو ان کی بیٹی نے کہا تھا، پھر وہ آپ علیہ السلام سے کہنے لگے: اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (القصص:27) ”میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بچیوں میں سے ایک تمہیں بیاہ دوں بشرطیکہ تو میری آٹھ سال خدمت کرے تو پھر اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری اپنی مرضی اور میں نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کروں۔ تو پائے گا مجھے اگر اللہ نے چاہا نیک لوگوں سے“۔

آٹھ سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پر واجب تھے اور مزید دو سال کا وعدہ آپ علیہ السلام کی طرف سے تھا، آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دس سال مکمل کیے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ایک نصرانی عالم کی میرے ساتھ ملاقات ہوئی تو اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی تھی؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس وقت مجھے اس بارے میں علم نہیں تھا۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے آپ سے اس چیز کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ آٹھ سال اللہ کے نبی پر واجب تھے ان میں کمی کرنا ان کے لئے ممکن نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کو اس مدت کی تکمیل مقصود تھی جس کا وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کر رکھا تھا۔ پس آپ علیہ السلام نے دس سال پورے کئے۔ اس کے بعد جب اس نصرانی سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے اسے اس کے سوال کا جواب دے دیا۔ وہ کہنے لگا کہ جس شخص سے تم نے اس بارے میں پوچھا اور اس نے تمہیں اس کے متعلق آگاہ کر دیا وہ اس معاملے میں تم سے بڑا عالم ہے۔ میں نے کہا: ہاں، واقعی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنے اہل خانہ کو لے کر روانہ ہوئے تو رستہ میں آگ دکھائی دی، عصا اور ید بیضاء کے معجزات ظہور پذیر ہوئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کیا ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ فرعونی اپنے مقتول کا مجھ سے قصاص لیں گے اور بارگاہ خداوندی میں اپنی لکنت کی شکایت کی کیونکہ اس کی وجہ سے آپ زیادہ اور صاف گفتگو نہیں کر سکتے تھے، مزید برآں اپنے رب سے یہ درخواست کی کہ وہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا معاون بنا دے تا کہ وہ ان کا سہارا بن جائیں اور ان کی ترجمانی کرتے ہوئے وہ بہت سی باتیں لوگوں تک پہنچا دیا کریں جنہیں وہ بذات خود صاف طور پر نہیں کہہ سکتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست منظور کرتے ہوئے آپ علیہ السلام کی زبان کی گرہ کو بھی کھول دیا اور حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف وحی کر کے اپنے بھائی کی معاونت کا بھی حکم دے دیا۔ حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا لیا اور اپنے بھائی کے پاس جا پہنچے۔ اب دونوں فرعون کی طرف روانہ ہوئے، کچھ دیر اس کے دروازہ پر کھڑے رہے لیکن اجازت نہ ملی، آخرکار کافی دیر انتظار کے بعد اجازت مل گئی۔ اس کے پاس پہنچے تو فرمانے لگے: ''اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ (طٰہٰ:47) ''ہم دونوں تیرے رب کے فرستادہ ہیں''۔ فرعون نے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ دونوں حضرات نے اسے آگاہ کر دیا جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ پھر وہ پوچھنے لگا کہ تم چاہتے کیا ہو؟ اور اس نے واقعہ قتل یاد دلایا جس کا عذر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان کیا جیسا کہ قرآن کریم میں موجود ہے اور آپ علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ اور بنی اسرائیل کو آزاد کر دو، لیکن اس نے انکار کر دیا بلکہ کہنے لگا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ۔ آپ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ فوراً ایک بہت بڑے خوفناک اژدھے کی شکل اختیار کر کے منہ کھولے ہوئے تیزی کے ساتھ فرعون کی طرف لپکا۔ فرعون اسے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر وحشت زدہ ہو گیا، اپنے تخت سے نیچے کود گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ وہ اس سانپ کو پکڑ لیں، پھر آپ نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو وہ بغیر کسی بیماری کے چمکتا دمکتا باہر نکلا، پھر آپ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو وہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر وہ سخت حیران ہوا اور اس بارے میں اپنے درباریوں سے مشورہ کرنے لگا۔ درباری کہنے لگے کہ یہ دونوں جادوگر ہیں اور یہ اپنے جادو کے زور سے تم لوگوں کو تمہاری اپنی سرزمین سے نکال کر تمہاری سلطنت پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں اور تمہیں اس عیش و آرام سے محروم کرنے کا عزم کئے ہوئے ہیں، پھر انہوں نے آپ علیہ السلام کے کسی بھی مطالبہ کو ماننے سے صاف صاف انکار کر دیا اور فرعون سے کہنے لگے کہ اس کے مقابلہ کے لئے جادوگر جمع کریں، آپ کی سلطنت میں جادوگروں کی کمی نہیں ہے، اس طرح ان دونوں کے جادو کا توڑ ممکن ہو سکے گا۔ فرعون نے ہرکارے بھیج کر اپنی قلمرو کے شہروں سے ماہر جادوگر جمع کر لئے۔ جب یہ جادوگر فرعون کے پاس آئے تو پوچھنے لگے کہ یہ جادوگر کس قسم کا جادو کرتا ہے؟ فرعونیوں نے انہیں بتایا کہ وہ لکڑی کو سانپ بنا دیتا ہے۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ہم رسیوں اور لکڑیوں کو سانپ بنا کر ایسے جادو کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ایسا کرنا روئے زمین پر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ اگر ہم غالب آ گئے تو ہمارا انعام کیا ہوگا؟ فرعون نے انہیں یقین دلایا کہ نہ صرف تم میرے مقرب اور درباری بن جاؤ گے بلکہ میں تمہاری ہر خواہش پوری کر دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ عید والے دن مقابلہ ہوگا اور اس دن چاشت کے وقت لوگ جمع ہو جائیں۔ حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ ان کی عید کا دن عاشوراء کا دن تھا اور اس میں ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور جادوگروں پر فتح عطا فرمائی۔ مقررہ وقت پر لوگ ایک بہت بڑے میدان میں جمع ہو گئے۔ ہر شخص دوسرے کو وہاں حاضر ہونے کی ترغیب دے رہا تھا، وہ لوگ حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہہ رہے تھے: لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ (الشعراء:40) ''شاید ہم جادوگروں کی پیروی کرتے رہیں اگر وہ غالب آ جائیں''، جادوگر کہنے لگے: اے موسیٰ علیہ السلام! تم پھینکو یا پھر ہم پہل کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے تم اپنا جادو ظاہر کرو۔ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں اور کہنے لگے: فرعون کی عزت کی قسم! ہم ہی غالب آنے والے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے اس جادو کو دیکھ کر کچھ خوف سا محسوس کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ جب آپ نے اپنا عصا پھینکا تو یہ منہ کھولے ہوئے ایک بہت بڑا مہیب اژدھا بن گیا۔ جادوگروں کی لاٹھیاں رسیوں کے ساتھ گڈمڈ ہو کر گٹھوں کی شکل اختیار کر گئیں اور یہ اژدھا انہیں نگلنے لگ گیا یہاں تک کہ کوئی لاٹھی اور رسی باقی نہ بچی۔ جادوگر حقیقت کو سمجھ گئے، سوچنے لگے کہ اگر یہ جادو ہوتا تو کبھی بھی ہمارے جادو کے

مقابلے میں نہ ٹھہر سکتا تھا۔ یہ امر خداوندی ہے اس لئے ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے گزشتہ گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ اس طرح فرعون اور فرعونیوں کی کمر ٹوٹ گئی، حق غالب آ گیا اور باطل فنا ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ (الاعراف:119) ''یوں فرعونی وہاں مغلوب ہو گئے اور ذلیل و خوار ہو کر پلٹے''، ادھر فرعون کی بیوی بے چینی کے عالم میں بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح کے لئے دعا کر رہی تھیں۔ آل فرعون میں سے جو بھی انہیں اس حالت میں دیکھتا وہ یہی سمجھتا کہ اپنے خاوند فرعون کی خاطر انہوں نے اپنی یہ بری حالت بنا رکھی ہے حالانکہ ان کی بے چینی اور غم موسیٰ علیہ السلام کی خاطر تھا۔ اس کے بعد فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جھوٹے وعدے کرتا رہا۔ جب بھی آپ اسے کوئی معجزہ دکھاتے، وہ اس وقت تو یہ وعدہ کر لیتا کہ میں بنی اسرائیل کو آزادی دے کر آپ علیہ السلام کے ساتھ روانہ کر دوں گا لیکن اس کے فوراً بعد وہ وعدہ خلافی کرتے ہوئے کسی نئے معجزے کا مطالبہ کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے فرعون اور اس کی قوم پر طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون کی شکل میں عذاب نازل کر کے اپنی واضح نشانیوں کا مشاہدہ کرایا۔ ہر بار فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عذاب کو ٹالنے کی درخواست کرتا اور آپ علیہ السلام کے ساتھ یہ عہد کرتا کہ وہ آپ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کو ضرور روانہ کر دے گا۔ جب وہ عذاب ٹل جاتا تو پھر حسب معمول وعدہ خلافی اور عہد شکنی کرتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم سمیت رات کے وقت وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا چنانچہ آپ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت نکلے۔ صبح کے وقت فرعون کو جب یہ پتہ چلا کہ بنی اسرائیل راتوں رات کوچ کر چکے ہیں تو اس نے اپنی ساری قلمرو میں احکام بھیج کر فوج جمع کر لی اور ایک لشکر جرار لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا۔ رستہ میں دریا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دے دیا کہ جب میرا بندہ موسیٰ تم پر اپنا عصا مارے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بارہ رستے بنا دینا تاکہ میرا رسول اور اس کے ساتھی سکون سے پار ہو جائیں لیکن جب فرعونی داخل ہوں تو مل کر رواں دواں ہو جانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب دریا پر پہنچے تو دریا کی تند و تیز موجیں شور و شغب برپا کئے ہوئے تھیں، آپ اس پر اپنا عصا مارنا بھول گئے۔ دریا اس لئے مضطرب اور بے قرار تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موسیٰ علیہ السلام اس کے کسی حصہ پر اپنا عصا ماریں اور اسے خبر ہی نہ ہو اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہو جائے۔ جب فرعون کا لشکر اور بنی اسرائیل ایک دوسرے کے آمنے سامنے اور قریب آ گئے تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہم تو پکڑے گئے، اس لئے اے موسیٰ علیہ السلام! اب وہ کیجئے جس کا آپ کو آپ کے رب نے حکم دیا ہے کیونکہ نہ وہ جھوٹا ہے اور نہ آپ۔ آپ فرمانے لگے کہ میرے رب نے میرے ساتھ یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ جب میں دریا پر پہنچوں گا تو وہ بارہ حصوں میں تقسیم ہو جائے گا یہاں تک کہ ہم اسے عبور کر لیں گے۔ اسی وقت آپ کو یاد آیا کہ مجھے تو عصا مارنے کا حکم ہوا تھا۔ اب آپ نے عین اس وقت اپنا عصا دریا پر مارا جب فرعونی لشکر کا ہراول دستہ بنی اسرائیل کے آخری حصے کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ عصا لگتے ہی دریا نے پھٹ کر رستے بنا دیئے، بالکل اسی طرح جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی بعافیت دریا پار کر گئے اور فرعون اپنے ساتھیوں سمیت دریا میں داخل ہوا تو دریا کے ٹکڑے آپس میں مل گئے اور وہ رواں ہو گیا جیسا کہ اسے حکم ہوا تھا۔ دریا کو عبور کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے ہمیں اندیشہ ہے کہ فرعون غرق نہیں ہوا ہوگا اور ہمیں اس کی ہلاکت کا یقین نہیں آ رہا، چنانچہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس کے حکم سے دریا نے فرعون کی لاش کو باہر پھینک دیا جسے دیکھ کر انہیں اس کی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ پھر چلتے چلتے ان کا گزر ایسی قوم سے ہوا جو اپنے بتوں کی

پرستش میں مگن تھی، کہنے لگے: یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۚ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ (الاعراف: 138-139) ''اے موسیٰ علیہ السلام! ہمارے لئے بھی ایک خدا بنا دو جیسے ان کے خدا ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یقیناً تم جاہل ہو، یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں، تباہ ہو کر رہیں گے''۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ تم عبرتناک نشانیاں دیکھ چکے اور ایسے واقعات سن چکے جو تمہارے لئے کافی تھے، اس کے باوجود گمراہی کی باتیں کر رہے ہو۔ چلتے چلتے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ایک جگہ ٹھہرایا اور انہیں فرمایا کہ ہارون علیہ السلام کی اطاعت کرنا، میں تم پر انہیں اپنا جانشین مقرر کئے ہوئے اپنے رب کے حضور جا رہا ہوں اور تیس روز کے بعد واپسی کا وعدہ کر کے آپ وہاں سے تشریف لے گئے۔ آپ مقررہ جگہ پہنچے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے تیس روزے رکھے روزوں کی تکمیل کے بعد اپنے رب سے ہم کلام ہونے کا ارادہ کیا لیکن منہ سے ایک قسم کی بو برآمد ہو رہی تھی جس طرح روزہ دار کے منہ سے عموماً بو آتی ہے، اس لئے آپ نے یہ پسند نہ کیا کہ اس بو کے آتے ہوئے اپنے رب سے ہم کلام ہوں، چنانچہ بو کو رفع کرنے کے لئے آپ نے ایک بوٹی کے چند تنکے چبا لئے۔ جب آپ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے باوجود علم ہونے کے آپ علیہ السلام سے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو آپ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے پروردگار! میری یہ خواہش تھی کہ میں خوشبودار منہ کے ساتھ تجھ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ روزہ دار کے منہ کی بو مجھے مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ اب لوٹ جائیں اور دس روزے مزید رکھیں، اس کے بعد میرے پاس حاضر ہونا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی۔ بنی اسرائیل نے جب یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مقررہ مدت کے بعد واپس نہیں لوٹے تو انہیں یہ تاخیر بہت ناگوار گزری اور وہ بہت پریشان ہوئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جب تم مصر سے نکلے تو فرعونیوں سے ادھار لی گئی چیزیں بھی تمہارے ذمے تھیں اور ان کی امانتیں بھی تمہارے پاس تھیں، اسی طرح تمہاری کچھ امانتیں اور ادھار لی گئی چیزیں ان کے ذمہ تھیں۔ میرا یہ خیال ہے کہ ان کے ذمے تمہارے جو حقوق تھے تم ان سے دست کش ہو جاؤ لیکن ان کا جو مال و متاع تم نے عاریتاً لیا ہے یا تمہارے پاس امانت رکھا ہوا ہے، اسے میں تمہارے لئے حلال نہیں سمجھتا۔ اس مال و متاع کو ان کی طرف لوٹانا بھی ممکن نہیں اور نہ ہی ہم اسے اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ایک گڑھا کھدوایا اور اس قسم کا مال و متاع اور زیورات اس گڑھے میں ڈالنے کا حکم دے دیا، پھر اسے آگ لگا کر جلا دیا اور فرمایا کہ نہ یہ ہمارے پاس رہے اور نہ ان کے پاس۔ بنی اسرائیل کے ساتھ سامری نامی ایک شخص تھا جو ان میں سے نہیں تھا البتہ ان کا پڑوسی ضرور تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے ساتھ یہ بھی مصر سے نکل کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ یہ گائے کی پرستش کرتا تھا۔ اس نے ایک نشانی دیکھی اور وہاں سے مٹھی میں کچھ خاک اٹھالی۔ جب یہ حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو آپ نے اسے فرمایا: اے سامری! کیا تم وہ نہیں پھینکو گے جو تمہاری مٹھی میں ہے۔ سامری اس چیز کو ابھی تک اپنی مٹھی میں لئے ہوئے تھا اور کسی نے اس چیز کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ اسے تو اس فرشتے کے اثر سے لیا گیا ہے جس نے تمہیں دریا عبور کروایا تھا۔ میں اسے صرف اس شرط پر پھینکنے کے لئے تیار ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جب میں اسے پھینکوں تو وہی چیز بن جائے جو میں چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اسے پھینکا اور حضرت ہارون علیہ السلام نے اس کے لئے دعا کی تو وہ کہنے لگا کہ میں بچھڑے کا خواہشمند ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے طفیل گڑھے میں جو مال و متاع، زیور، تانبا اور لوہا جمع تھا وہ سب کا سب بچھڑے کی صورت اختیار کر گیا جو اندر سے کھوکھلا اور بے روح تھا لیکن ہوا کے داخل ہو کر نکلنے کے باعث ڈکارنے جیسی آواز پیدا ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ

کی قسم اس سے کوئی آواز برآمد نہیں ہوتی تھی۔ دراصل ہوا اس کی دبر سے داخل ہو کر منہ کے رستہ نکلتی تھی، اسی وجہ سے کچھ آواز پیدا ہوتی۔ بنی اسرائیل مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ نے پوچھا: اے سامری! یہ کیا ہے؟ تمہیں اس کے متعلق زیادہ علم ہے۔ وہ کہنے لگا کہ یہ تمہارا رب ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام رستہ بھول گئے۔ ایک اور گروہ کہنے لگا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک اس کی تکذیب نہیں کر سکتے۔ اگر یہ واقعی ہمارا رب ہوا تو ہم اس کی ناقدری کرنے پر تیار نہیں اور اگر یہ ہمارا رب نہ ہوا تو ہم موسیٰ علیہ السلام کی بات کو تسلیم کریں گے۔ ایک اور گروہ کا موقف یہ تھا کہ یہ شیطانی حرکت ہے، یہ ہمارا رب نہیں ہے، نہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایک اور فرقے نے دل سے تو سامری کی بات کو سچ تسلیم کر لیا لیکن بظاہر اس کی تکذیب کرنے لگے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں فرمایا: يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَ اَطِيْعُوْۤا اَمْرِيْ (طٰہٰ:90) ”اے میری قوم! تم تو اس سے فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور بے شک تمہارا رب بڑا مہربان ہے پس تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو“۔ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیا ہوا، تیس دن کا وعدہ کر کے ہمارے ساتھ اس کی خلاف ورزی کی۔ اب تو چالیس دن گزر چکے ہیں۔ ان میں سے کچھ احمق اور بے وقوف یہ ہرزہ سرائی کرنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام کا رب خطا کر گیا۔ اب موسیٰ علیہ السلام اس کی تلاش میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم کلامی کے دوران انہیں قوم کی تازہ صورتحال سے بھی آگاہ کر دیا، چنانچہ آپ علیہ السلام غم و غصہ کی حالت میں اپنی قوم کی طرف لوٹے اور ان کے ساتھ وہ باتیں کیں جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ آپ علیہ السلام اپنے بھائی کے سر کو پکڑ کر کھینچنے لگے اور فرط غضب سے تختیاں زمین پر پھینک دیں، پھر اپنے بھائی سے معذرت کرتے ہوئے ان کے لئے استغفار کیا اور سامری کی طرف متوجہ ہو کر اس سے پوچھنے لگے کہ تمہیں ایسا کرنے پر کس چیز نے اکسایا؟ وہ کہنے لگا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ کے نشان قدم کی خاک سے ایک مٹھی لی، اس حقیقت کو میں بھانپ گیا لیکن لوگوں پر یہ مخفی رہی، پھر جو کچھ ہوا اسے قرآن کریم یوں بیان کرتا ہے: فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ - فِي الْيَمِّ نَسْفًا (طٰہٰ:97-96) ”پھر اسے (اس ڈھانچے میں) ڈال دیا اور اسی طرح میرے نفس نے میرے لئے یہ بات آراستہ کر دی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا جا چلا جا۔ پس تیرے لئے اس زندگی میں تو یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا پھرے گا مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے اور بے شک تیرے لئے ایک اور وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی اور دیکھ اپنے خدا کی قسم جس پر تو جم کر بیٹھا رہا، ہم اسے جلا ڈالیں گے پھر سمندر میں اس (کی راکھ) کو بکھیر دیں گے“۔ اگر وہ واقعی معبود ہوتا تو اس کی یہ درگت نہ بنتی۔ اب بنی اسرائیل کو یقین ہو گیا کہ وہ خدا نہیں تھا بلکہ وہ تو ایک فتنہ تھا۔ وہ لوگ تو بہت خوش ہوئے جو حضرت ہارون علیہ السلام کے ہم عقیدہ تھے لیکن فتنہ کا شکار ہونے والے بہت نادم ہوئے۔ وہ معذرت کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اپنے رب سے ہمارے لئے درخواست کریں کہ وہ ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھول دے تاکہ ہم توبہ کر لیں اور وہ ہماری خطا کو معاف فرما دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مقصد کے لئے اپنی قوم میں سے ستر افراد منتخب کر لئے جو ان میں صالح، ان کے خیر خواہ اور بچھڑے کی پرستش میں ملوث نہ تھے۔ آپ علیہ السلام انہیں لے کر چلے تاکہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کی درخواست کریں۔ زلزلہ آیا اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔ یہ صورتحال دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے متفکر ہوئے کہ قوم کو کیا جواب دیں گے، چنانچہ آپ عرض کرنے لگے: رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَ اِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا (الاعراف:155) ”اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا انہیں اس سے پہلے اور مجھے بھی، کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس (غلطی) کے جو ہم میں سے چند احمقوں نے کی“، ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کے دل بچھڑے کی

محبت سے سرشار تھے، اسی وجہ سے بھی زلزلہ کی لپیٹ میں آ گئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ...... فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (الاعراف:157-156) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کے لئے توبہ کی التجا کی لیکن تو نے فرمایا کہ میری رحمت تمہاری امت کے علاوہ کسی اور امت کے لئے مخصوص ہے، اس لئے میری تمنا تو یہ تھی کہ تو مجھے اس امت مرحومہ میں پیدا کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام سے فرمایا کہ ان کی توبہ کی قبولیت صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ان میں سے ہر شخص جسے ملے، اسے قتل کر ڈالے خواہ وہ اس کا باپ یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح یہ ایک دوسرے کو تلوار کے ساتھ قتل کریں اور اس بات کی پرواہ نہ کریں کہ کون قتل ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان میں سے جو اپنے دلوں میں منافقت رکھتے تھے، انہوں نے بھی اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو بجالائے۔ اللہ تعالیٰ نے قاتلین اور مقتولین تمام کی مغفرت فرمادی، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام باقی بچ جانے والوں کو اپنے ساتھ لے کر بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوئے اور غصہ فرو ہو جانے کے بعد آپ نے دو تختیاں اٹھالیں اور احکام خداوندی پر کاربند ہونے کا انہیں حکم دیا لیکن یہ احکام انہیں بوجھ محسوس ہوئے اور انہوں نے ان پر عمل پیرا ہونے سے صاف انکار کر دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک پہاڑ اکھیڑ کر چھتری کی مانند ان کے اوپر معلق کر دیا۔ وہ خوفزدہ ہو گئے کہ کہیں پہاڑ ان پر گر ہی نہ پڑے۔ اب انہوں نے کتاب کو قبول کر لیا، کان اس کے احکام کی سماعت پر لگے ہوئے تھے اور نظریں پہاڑ پر جمی ہوئی تھیں، ہر گھڑی انہیں پہاڑ کے گرنے کا دھڑکا لگا ہوا تھا، پھر وہ چلتے چلتے بیت المقدس تک پہنچ گئے۔ وہاں ایک زبردست، جابر اور عجیب الخلقت قوم آباد تھی۔ ان کے پھل حیرت انگیز حد تک بڑے بڑے تھے۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ شہر میں ایک جابر قوم کا تسلط ہے، ان سے مقابلہ کرنا ہمارے بس کا روگ نہیں جب تک یہ لوگ شہر میں موجود ہیں اس وقت تک ہم اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ اگر وہ اس میں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہونے کے لئے تیار ہیں۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس جابر قوم میں سے دو افراد ایمان لے آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف چلے آئے، وہ کہنے لگے کہ ہم اپنی قوم کے متعلق بہتر جانتے ہیں۔ تم ان کے اجسام اور تعداد کو دیکھ کر خوفزدہ ہو رہے ہو حالانکہ یہ لوگ بہادر نہیں اور نہ ہی ان کے پاس قوت ہے، اس لئے دروازے سے ان پر داخل ہو جاؤ، جونہی تم ان پر داخل ہو گے تمہیں ان پر غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ہمت بندھانے والے یہ دونوں آدمی بنی اسرائیل میں سے تھے۔ ان کی ہمت افزائی کے باوجود بنی اسرائیل کہنے لگے: يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدہ:24) "اے موسیٰ علیہ السلام! ہم تو ہرگز اس میں داخل نہ ہوں گے قیامت تک جب تک وہ وہاں ہیں، بس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں"۔ انہوں نے بزدلی اور نامردی کا مظاہرہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ناراض اور غضبناک کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے ان کے لئے بددعا کرتے ہوئے انہیں فاسق کا نام دیا حالانکہ اس سے پہلے آپ نے ان کی نافرمانی اور برے سلوک کے باوجود ان کے لئے کبھی بددعا نہیں کی۔ آج بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کرتے ہوئے ان لوگوں کو وہی نام (فاسق) دیا جو حضرت کلیم علیہ السلام نے انہیں دیا تھا۔ اس بددعا کے نتیجہ میں وہ چالیس سال تک سرگرداں پھرتے رہے اور بیابانوں کی خاک چھانتے رہے، صبح اٹھ کر سفر شروع کرتے اور سارا دن بھٹکتے ہوئے گزار دیتے، ایک پل بھی انہیں قرار حاصل نہ تھا۔ میدان تیہ میں بادل ان پر سایہ کرتے، من وسلویٰ ان پر اترتا، کپڑے ایسے تھے کہ نہ وہ بوسیدہ ہوتے اور نہ میلے۔ ان کے سامنے مربع شکل کا ایک پتھر تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس پر عصا مارنے کا حکم دیا، جونہی آپ علیہ السلام نے اس پر اپنا عصا مارا، اس سے بارہ چشمے پھوٹ

پڑے، ہر کونے سے تین چشمے۔ ہر قبیلہ کے لئے اس کے مخصوص چشمہ کی نشاندہی کر دی گئی جس سے انہوں نے پانی پینا تھا۔ یہ لوگ جب ایک جگہ سے کوچ کر کے اگلے مقام پر جاتے تو اگلے روز اس پتھر کو بالکل اسی جگہ پاتے جہاں یہ گزشتہ روز موجود تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے اور اس کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا تو اس بات کا انکار کر دیا کہ فرعونی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے شخص کے معاملہ کا انکشاف کیا، وہ بھلا کیسے اس راز کو افشاء کر سکتا تھا جبکہ اسے اس بارے میں نہ تو علم تھا اور نہ وہ اس وقت وہاں موجود تھا۔ وہاں تو اس وقت صرف وہ اسرائیلی موجود تھا جو مقتول قبطی سے لڑ رہا تھا۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ غضبناک ہو گئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں حضرت سعد بن مالک زہری رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے۔ آپ ان سے پوچھنے لگے: اے ابو اسحاق! کیا تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے فرعونی مقتول کی بابت بتایا تھا؟ قتل کا راز اسرائیلی نے افشاء کیا تھا یا فرعونی نے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فرعونی نے اس اسرائیلی سے سن کر جو اس وقت وہاں موجود تھا(1)۔ یہ روایت نسائی نے سنن کبریٰ اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیر میں بیان کی ہے۔ اس روایت میں مرفوع حصہ بہت کم ہے، ممکن ہے آپ رضی اللہ عنہ نے کعب الاحبار وغیرہ سے منقول ان اسرائیلی روایات سے لیا ہو جن کا نقل کرنا مباح قرار دیا گیا ہے۔ میں نے اپنے شیخ حافظ ابو الحجاج مزی کو بھی یہی فرماتے ہوئے سنا ہے۔

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ڏ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝

”پھر تم ٹھہرے رہے کئی سال اہل مدین میں۔ پھر تم آ گئے ایک مقررہ وعدہ پر اے موسیٰ! اور میں نے مخصوص کر لیا ہے تمہیں اپنی ذات کے لئے۔ اب جائیے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیاں لے کر اور نہ سستی کرنا میری یاد میں۔ آپ دونوں جائیں فرعون کے پاس وہ سرکش بنا بیٹھا ہے۔ اور گفتگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے“۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے حاشیہ نشینوں سے بھاگ کر مدین پہنچے، یہاں اہل مدین کے ہاں کئی سال تک مقیم رہے اور شرط کے مطابق بکریاں چراتے رہے، یہاں تک کہ جب طے شدہ مدت ختم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور تقدیر کے مطابق آپ مقررہ وقت پر اللہ تعالیٰ کے پاس آئے۔ امر تمام کا تمام اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے اور وہی اپنی مخلوق کو اپنی مشیت کے مطابق چلاتا ہے، اس لئے فرمایا: ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى۔ مجاہد کے بقول ”قدر“ کا معنی ہے وعدہ کا وقت اور قتادہ اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ تم نبوت و رسالت کی قدر و منزلت کو پہنچے (2)۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَاصْطَنَعْتُكَ ۔ یعنی میں نے اپنے ارادے اور مشیت کے مطابق تمہیں اپنا رسول چن لیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ” حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 164-167، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 569-579 مسند ابی یعلی، جلد 5 صفحہ 10-29، مجمع الزوائد جلد 7 صفحہ 5

2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 168

ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام (حضرت آدم علیہ السلام سے) کہنے لگے کہ آپ نے لوگوں کو مصیبت میں ڈالا اور انہیں جنت سے نکال دیا؟ حضرت آدم علیہ السلام فرمانے لگے کہ آپ کو ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے ساتھ منتخب کیا، اپنے لئے خاص کر لیا اور آپ پر تورات نازل کی؟ حضرت موسیٰ کہنے لگے: جی ہاں۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمانے لگے کہ کیا آپ نے اس میں یہ نہیں پڑھا کہ میری تخلیق سے پہلے مجھ پر یہ سب کچھ لکھا جا چکا تھا؟ فرمانے لگے: ہاں۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام حجت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے" (1)۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ میرے دلائل و براہین اور معجزات لے کر تم دونوں جاؤ اور میرے ذکر میں کسی قسم کی کمزوری اور سستی کا مظاہرہ نہ کرنا۔ اب یاد الٰہی میں ان حضرات کی یہ کیفیت تھی کہ فرعون کے سامنے بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے تاکہ فرعون کے مقابلہ میں یاد الٰہی کے ذریعے انہیں قوت و سطوت اور اطمینان نصیب ہو جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: "میرا کامل بندہ وہ ہے جو مجھے یاد کرتا ہے اور یہی اپنے مدمقابل کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والا ہے" (2)۔ پھر حکم ہوا: اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ۔ یعنی فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ سخت سرکش، متمرد اور نافرمان ہے لیکن اس سے مخاطب ہوتے وقت نرم انداز میں گفتگو کرنا، شاید اس طرح وہ نصیحت حاصل کرلے یا خوف کھانے لگے۔ اس آیت کریمہ میں بہت بڑی عبرت کا درس موجود ہے، فرعون انتہائی سرکش اور متکبر ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقرب اور برگزیدہ بندے ہیں، اس کے باوجود آپ علیہ السلام کو فرعون کے ساتھ ملاطفت اور نرمی اختیار کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ یزید الرقاشی نے کیا خوب کہا ہے:

يَا مَنْ يَتَحَبَّبُ اِلٰى مَنْ يُعَادِيْهِ فَكَيْفَ بِمَنْ يَتَوَلَّاهُ وَ يُنَادِيْهِ؟

(اے وہ خدا جو اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرتا ہے، تیرا ان لوگوں کے ساتھ کیسا اچھا معاملہ ہوگا جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور تجھے ہی پکارتے ہیں؟)۔ وہب بن منبہ اس فرمان کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو یہ فرما رہا ہے: تم فرعون کو بتا دو کہ میں غضب اور عقاب کی نسبت عفو اور مغفرت کے زیادہ قریب ہوں۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ نرم بات (قول لین) سے مراد یہ ہے کہ وہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا قائل ہو جائے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اتمام حجت کرتے ہوئے اسے کہنا کہ تمہارا ایک رب ہے، تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اس کے حضور پیش ہو گے اور وہاں جنت اور دوزخ دونوں ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس کے مفہوم میں کہتے ہیں کہ اسے ایک مرتبہ میرے دروازے پر لے آؤ۔ ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ فرعون کے لئے دعوت انتہائی نرم، رقیق اور ملائم لہجے میں ہونی چاہئے تاکہ یہ اس کے لئے زیادہ موثر اور مفید ثابت ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل: 125) "بلایئے اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے بحث اس انداز سے کریں جو بڑا پسندیدہ ہو"۔ فرمایا: لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ یعنی شاید وہ گمراہی سے رجوع کر کے ہلاکت سے بچ جائے یا اپنے رب سے ڈر کر اطاعت پر آمادہ ہو جائے جیسا کہ فرمایا: لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (الفرقان: 62) تذکر کا مطلب ہے ممنوع چیز سے رجوع کرنا اور خشیت کا مفہوم ہے اطاعت کا مظاہرہ کرنا۔ بقول حضرت حسن بصری اس فرمان لَّعَلَّهٗ کا مقصد یہ ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! اتمام حجت اور اس کے تمام بہانے ختم کرنے سے پہلے اس کی ہلاکت کے لئے دعا نہ کرنا (3)۔ زید بن

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ طہ، جلد 6 صفحہ 129، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 2 صفحہ 2043-2044

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعا، جلد 13 صفحہ 81-82

3۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 580

عمرو بن نفیل یا امیہ بن ابی الصلت کے اشعار میں آتا ہے: اے اللہ! تو نے ہی اپنے فضل و کرم سے موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ تم اور تمہارا بھائی ہارون باغی فرعون کی طرف جاؤ اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤ۔ اس سے پوچھنا کہ کیا تو نے بغیر میخوں کے یہ زمین بچھائی ہے جو تمام چیزوں کو اٹھائے ہوئے ہے، اس سے پوچھو کہ کیا تو نے بغیر ستونوں کے بلند آسمان پیدا کئے ہیں۔ اس سے کہو کہ رات کے اندھیرے میں رہنمائی کے لئے آسمان کے وسط میں کیا تو نے روشن چاند تخلیق کیا ہے، اس سے دریافت کرو کہ کون صبح کے وقت سورج طلوع کرتا ہے جس کا اجالا زمین کو منور کر دیتا ہے، اسے کہو کہ کون مٹی سے دانے اگاتا ہے کہ طرح طرح کی فصلیں لہلہانے لگتی ہیں۔ ان تمام چیزوں میں ہر صاحب عقل و شعور کے لئے قدرت الٰہی کی روشن اور واضح نشانیاں ہیں۔

قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَاۤ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَ اَرٰی ﴿۴۶﴾ فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ وَ لَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَ السَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَاۤ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ﴿۴۸﴾

"دونوں نے عرض کی اے ہمارے رب! ہمیں یہ خوف ہے کہ وہ دست درازی کرے گا ہم پر یا سرکشی سے پیش آئے گا۔ ارشاد ہوا ڈرو نہیں۔ میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں (ہر بات) سن رہا ہوں اور (ہر چیز) دیکھ رہا ہوں۔ پس (بے خوف و خطر) اس کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ ہم دونوں تیرے رب کے فرستادہ ہیں پس بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور انہیں (اب مزید) عذاب نہ دے۔ ہم لے آئے ہیں تیرے پاس ایک نشانی تیرے رب کے پاس سے۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بیشک وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ عذاب (خداوندی) اس پر آئے گا جو جھٹلاتا ہے (کلام الٰہی کو) اور روگردانی کرتا ہے"۔

حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے ذات باری تعالیٰ کی پناہ لیتے ہوئے اور اپنی کمزوری کی شکایت کرتے ہوئے عرض کی: اِنَّنَا نَخَافُ۔۔۔ یعنی انہیں اس بات کا خوف تھا کہ فرعون بلا وجہ ان پر دست درازی کرے گا یا سرکشی سے پیش آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا: لَا تَخَافَاۤ۔۔۔۔ یعنی تم دونوں کو خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں تمہارے ساتھ ہوں، میں تمہاری اور اس کی گفتگو سنتا رہوں گا اور تمہاری اور اس کی حالت پر نظر رکھوں گا، کوئی چیز مجھ سے پوشیدہ نہیں ہوگی اور یہ بات اچھی طرح جان لو کہ اس کی پیشانی میرے ہاتھ میں ہے، وہ میرے اذن کے بغیر نہ گفتگو کرسکتا ہے، نہ سانس لے سکتا ہے اور نہ کچھ پکڑ سکتا ہے۔ تم میری تائید و نصرت اور حفظ و امان میں ہو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو آپ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے پروردگار! میں اس کی طرف جاتے ہوئے کیا پڑھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ پڑھ لیا کرو" ھیا شرھیا" عربی میں اس کا مطلب یہ ہے:" اَنَا الْحَیُّ قَبْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَالْحَیُّ بَعْدَ کُلِّ شَیْءٍ" یعنی میں ہی سب سے پہلے زندہ ہوں اور میں ہی سب کے بعد زندہ (1)۔ دونوں حضرات اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون کے پاس گئے اور کافی انتظار کے بعد اندر آنے کی

1۔ الدرالمنثور، جلد 5 صفحہ 581

اجازت ملی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث فتون میں گزر چکا ہے۔ محمد بن اسحاق بن یسار ذکر کرتے ہیں کہ حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور اس کے پاس جانے کی اجازت طلب کی، فرمانے لگے کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں لیکن دربانوں نے اندر جانے کی اجازت نہ دی، دونوں حضرات دو سال لگاتار صبح و شام اس کے دروازے پر جاتے لیکن کسی کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ فرعون کو کم از کم ان کی خبر ہی کر دے۔ دو سال کے بعد ایک شخص جو فرعون کا بے تکلف دوست تھا اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق بھی کر لیا کرتا تھا، اسے کہنے لگا: بادشاہ سلامت! آپ کے دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے جو بڑی عجیب بات کر رہا ہے، اس کا خیال ہے کہ آپ کے سوا کوئی اور خدا ہے جس نے اسے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ فرعون نے پوچھا: میرے دروازے پر؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرعون نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو ساتھ لئے اور اپنے ہاتھ میں لاٹھی پکڑے ہوئے فرعون کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں۔ فرعون نے آپ علیہ السلام کو پہچان لیا۔ سدی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے جب سرزمین مصر میں قدم رکھا تو پہلے اپنی والدہ اور بھائی کے پاس ٹھہرے۔ وہ آپ کو نہ پہچان سکے، مہمان سمجھ کر کھانا پیش کیا، اس رات ان کے ہاں شلغم پکے ہوئے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے پہچان لیا اور آپ علیہ السلام کو سلام کیا۔ آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فرعون کو دعوت توحید دوں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرے ساتھ تعاون کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے رب نے جو حکم دیا ہے اسے کر گزریئے۔ رات کا وقت تھا، دونوں حضرات چلتے ہوئے فرعون کے محل تک پہنچ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کے ساتھ محل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ فرعون سن کر سخت غضبناک ہو گیا اور کہنے لگا کہ اتنی جرأت کون کر سکتا ہے۔ دربانوں نے اسے بتایا کہ یہاں ایک مجنون شخص ہے جو کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ فرعون نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ چنانچہ دونوں بھائی بے دھڑک اس کے پاس چلے گئے اور فرمانے لگے: اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ پھر فرمانے لگے: وَالسَّلٰمُ ۔ یعنی اگر تو ہدایت کی اتباع کر لے تو تم پر سلامتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی شاہ روم ہرقل کے نام اپنے مکتوب کے آغاز میں تحریر فرمایا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے شاہ روم ہرقل کے نام۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے، اما بعد! میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر لو، سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں دوگنا اجر عطا فرمائے گا"(1)۔ اسی طرح جب مسیلمہ کذاب نے اللہ کے رسول ﷺ کے نام خط لکھا تو اس کی صورت یہ تھی: اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام، آپ پر سلامتی ہو، اما بعد! میں امر نبوت میں آپ کیساتھ شریک ہوں، شہری علاقہ آپ کا اور دیہاتی علاقہ میرا لیکن قریش ظالم قوم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں اسے لکھا: "محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام، اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی اتباع کی۔ اما بعد، بلاشبہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور عاقبت اہل تقویٰ کے لئے خاص ہے(2)۔ اسی لئے حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے فرمایا: وَالسَّلٰمُ .... یعنی سلامتی ہدایت کے پیروکاروں کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ہمیں آگاہ کر دیا ہے کہ عذاب کے مستحق وہی لوگ ہیں جو اس کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: " فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى (النازعات: 37-39)" "پس جس نے سرکشی کی ہو گی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہو گی تو دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہو گا" اور فرمایا:

1۔ صحیح بخاری 2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 600-601

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۚ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۙ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (اللیل:16-14) "پس میں نے تمہیں ایک بھڑکتی آگ سے خبردار کر دیا ہے۔ اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بدبخت جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی"۔ ایک اور مقام پر فرمایا: فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۙ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (القیامہ:32-31) "نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ اس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا"۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝49 قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝50 قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝51 قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝52

"فرعون نے پوچھا موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ فرمایا ہمارا رب وہ ہے جس نے عطا کی ہر چیز کو (موزوں) صورت پھر (مقصد تخلیق کی طرف) ہر چیز کی رہنمائی کی۔ اس نے کہا (اچھا یہ بتاؤ) کیا حال ہوا پہلی قوموں کا؟ فرمایا ان کا علم میرے رب کے پاس ہے جو کتاب میں (مرقوم) ہے۔ نہ بھٹکتا ہے میرا رب اور نہ (کسی چیز کو) بھولتا ہے"۔

فرعون ہر چیز کے خالق، مالک، معبود اور رب کا انکار کرتے ہوئے پوچھنے لگا کہ اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے جس نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے، میں تو اسے نہیں پہچانتا بلکہ مجھے نہیں معلوم کہ تم لوگوں کا میرے سوا کوئی اور خدا ہے۔ جواب میں آپ علیہ السلام نے فرمایا: رَبُّنَا الَّذِيْٓ ۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس سے اس کا یہ مفہوم نقل کرتے ہیں کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کا جوڑا بنایا، جبکہ ضحاک نے آپ سے اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے انسان کو انسان، گدھے کو گدھے اور بکری کو بکری کی صورت پر پیدا کیا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص صورت عطا کی۔ ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ جس نے ہر ایک کی صورت کو سنوارا(1)۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس نے ہر مخلوق کو وہی عطا کیا جس کی صلاحیت اس میں تھی۔ انسان کو جانور کی صورت نہیں بخشی۔ چوپاؤں کو کتے کی شکل پر نہیں پیدا کیا اور کتے کو بکری جیسی شکل نہیں دی، اسی طرح نسل بڑھانے کے بھی انتظامات کر دیے۔ پس کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے جو تخلیق، رزق اور نسل کشی میں دوسری چیز کے مشابہ ہو(1)۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى (الاعلیٰ:3) یعنی جس نے ایک اندازہ مقرر فرمایا، پھر تمام مخلوقات کی اس طرف رہنمائی کر دی۔ ہر ایک کے لیے عمل، اجل اور رزق مقدر فرما دیا۔ اب ہر ایک چیز اسی اندازے کے مطابق چل رہی ہے اور کسی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس سے انحراف کرے یا اس ضابطہ سے نکل جائے۔ یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کی تخلیق کی اور ہر ایک کا ایک اندازہ مقرر کر کے اسی کے مطابق اسے پیدا کر دیا۔ اب فرعون پوچھنے لگا: فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون پر واضح کر دیا کہ مجھے رسول بنا کر بھیجنے والا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو اپنے مقرر کیے ہوئے اندازے کے مطابق پیدا کیا اور اسے اپنے مقصد کی طرف رہنمائی کر دی اور رزق بھی بہم پہنچایا تو وہ اس سوال کا سہارا لے کر کہنے لگا کہ ان لوگوں کا کیا بنا جو غیر اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا مختصر سا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ گزشتہ قوموں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں کتاب (لوح محفوظ) میں مرقوم ہیں وہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ضرور دے گا۔ میرا رب نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے، کوئی چھوٹی بڑی چیز اس سے فوت نہیں ہو سکتی، اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور وہ کسی چیز کو بھولتا نہیں، وہ نہایت بابرکت، اعلیٰ، مقدس اور ہر قسم کے عیب اور کمزوری سے پاک ذات ہے۔ مخلوق کے علم میں دو نقص ہیں، ایک عدم احاطہ اور دوسرا نسیان۔ اللہ تعالیٰ ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 171-172، الدر المنثور، جلد

دونوں سے پاک ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ كُلُوْا وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ۝ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ وَ لَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَ اَبٰى ۝

''وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور بنا دیئے تمہارے فائدے کے لئے اس میں راستے اور اتارا آسمان سے پانی۔ پھر ہم نے نکالے پانی کے ذریعے (شکم زمین سے) جوڑے گوناں گوں نباتات کے۔ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔ بیشک اس میں (ہماری قدرت و حکمت کی) نشانیاں ہیں دانشوروں کے لئے۔ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور (روز حشر) اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے ایک بار پھر۔ اور ہم نے دکھلا دیں فرعون کو اپنی ساری نشانیاں پھر بھی اس نے جھٹلایا اور ماننے سے انکار کر دیا''۔

فرعون کے سوال کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اور اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے فرمایا: اَلَّذِیْ جَعَلَ ''مھد'' کی دوسری قرأت ''مھاد'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے ایسی قرارگاہ بنایا ہے جس پر تم آرام سے اٹھتے، بیٹھتے، سوتے اور سفر کرتے ہو، مزید برآں اس میں تمہارے لئے رستے بھی بنا دیئے تاکہ تم اس کے اطراف و اکناف میں سفر کر سکو جیسا کہ فرمایا: وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ (الانبیاء:31) ''اور ہم نے ان پہاڑوں میں کشادہ راہیں بنا دیں تاکہ وہ (منزل مقصود کا) راستہ پاسکیں''۔ اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کر کے گوناگوں کھیتیاں اور پھلدار درخت اگائے، کوئی ترش، کوئی شیریں اور کوئی کڑوا۔ یہ خشک و تر بھی ایسی چیزیں ہیں جو تمہارے لئے اور تمہارے جانوروں کے لئے خوراک بنتی ہیں۔ اس میں ان دانشوروں کے لئے قدرت الٰہی کی واضح نشانیاں ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ اس کے سوا کوئی رب۔ پھر فرمایا: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ ... یعنی زمین سے تمہاری تخلیق کا آغاز ہوا کیونکہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے۔ مرنے کے بعد اس میں ہی تم لوٹو گے اور اسی سے ایک مرتبہ پھر تمہیں زندہ کر کے نکالا جائے گا۔ اس وقت یہ کیفیت ہوگی: یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا (بنی اسرائیل:52) ''اور اس دن کو یاد کرو جب اللہ تمہیں بلائے گا، سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور یہ گمان کر رہے ہو گے کہ تم (دنیا میں) تھوڑا عرصہ ٹھہرے''۔ یہ آیت کریمہ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ اس آیت کی طرح ہے: فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَ فِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ (الاعراف:25) ''فرمایا اسی زمین میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے تم اٹھائے جاؤ گے''۔ سنن کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازہ میں شریک ہوئے۔ جب میت کو دفن کر دیا گیا تو آپ نے ایک مٹھی مٹی لی اور اسے قبر پر ڈال کر فرمایا: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ پھر ایک اور مٹھی مٹی ڈال کر فرمایا: وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ پھر اور مٹھی ڈال کر یہ تلاوت کی: وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (1)۔ پھر فرمایا: وَ لَقَدْ اَرَیْنٰهُ یعنی ہم نے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھائیں اور دلائل و براہین کا مشاہدہ

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 379۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 409

کروایا لیکن یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود بھی اس نے ان کی تکذیب کی اور کفر، عناد اور بغاوت کے باعث ان کا صاف انکار کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (النمل: 14) ''اور انہوں نے ان کا انکار کر دیا محض ظلم اور تکبر کے باعث حالانکہ ان کے دلوں نے ان کی صداقت کا یقین کر لیا تھا''۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾

''کہنے لگا موسیٰ! کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ نکال دو ہمیں اپنے ملک سے اپنے جادو کی طاقت سے۔ سو ہم بھی لائیں گے تیرے مقابلہ میں جادو ویسا ہی۔ پس اب مقرر کرو ہمارے اور اپنے درمیان مقابلے کا دن نہ ہم پھریں اس سے اور نہ ہی تو پھرے جمع ہونے کی جگہ ہموار اور کھلی ہو۔ آپ نے فرمایا (تمہارا چیلنج منظور ہے) جشن کا دن تمہارے لئے مقرر کرتا ہوں اور یہ خیال رہے کہ سارے لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جب اپنے معجزات دکھائے کہ عصا پھینکنے سے وہ ایک عظیم اور مہیب اژدھا بن گیا اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو وہ بغیر کسی بیماری کے خوب روشن ہو کر باہر نکلا تو فرعون کہنے لگا کہ یہ جادو ہے۔ تم ہمیں جادو کر کے یہ چاہتے ہو کہ تمہیں لوگوں پر اقتدار حاصل ہو جائے، وہ تمہاری پیروی کرنے لگیں اور ہمارے مقابلہ میں تمہیں عددی برتری حاصل ہو جائے جسے بروئے کار لاتے ہوئے تم ہمیں جلاوطن کر دو لیکن یاد رکھو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، تمہارے جادو جیسا جادو ہمارے پاس بھی ہے، اسلئے مغرور اور غلط فہمی کا شکار نہ ہو جانا۔ ہمارے اور اپنے درمیان ایک دن مقرر کر دو جس میں ہم اور تم اکٹھے ہوں گے۔ اس طرح مقررہ دن میں معین وقت پر ہم اپنے جادو کے ساتھ تمہارے جادو کا مقابلہ کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً چیلنج قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری عید اور قومی میلے کا دن مقرر کرتا ہوں جس میں کاموں سے فراغت کے باعث سب لوگوں کا جمع ہونا ممکن ہوگا تا کہ وہ بھی اپنی آنکھوں سے دن کے اجالے میں قدرت الٰہی، معجزات کی صداقت اور جادو کے بطلان کا مشاہدہ کر لیں، اس لئے آپ نے فرمایا کہ لوگ چاشت کے وقت جمع ہوں تا کہ وہ واضح طور پر مقابلہ دیکھ سکیں اور دیکھنے میں کسی قسم کے ابہام کی گنجائش نہ رہے۔ انبیاء کرام کی شان اسی طرح ہوتی ہے، ان کا ہر معاملہ واضح ہوتا ہے، جس میں نہ کوئی خفا ہوتا ہے اور نہ کوئی ابہام، اس لئے آپ نے رات کا وقت معین نہیں کیا بلکہ دن میں چاشت کا وقت منتخب کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے جشن کا دن عاشوراء کا دن تھا۔ سدی، قتادہ اور ابن زید فرماتے ہیں کہ یہ ان کی عید کا دن تھا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہ ان کے بازار لگنے کا دن تھا، بہرکیف ان اقوال کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔ جگہ کوئی ایسی ہی تھی جہاں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو عبرتناک شکست دی۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مہلت کا تقاضا کیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس کا حکم نہیں ہوا، مجھے تو تمہارے ساتھ مقابلہ کا حکم ملا ہے۔ اگر تم نہیں نکلو گے تو میں تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی فرمایا کہ اسے مہلت دے دو، چنانچہ فرعون نے چالیس دن کی مہلت مانگی جو اسے دے دی گئی۔ ''سوی'' کا معنی ہے برابر اور ہموار جس میں نہ کوئی آواز ہو اور نہ کوئی چیز کسی سے مخفی ہو۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾

"پھر فرعون واپس مڑا اور اکٹھا کیا اپنی فریب کاریوں کو پھر خود آیا۔ فرمایا ان فرعونیوں کو موسیٰ علیہ السلام نے کم بختو! نہ بہتان باندھو اللہ تعالیٰ پر جھوٹے ورنہ وہ تمہارا نام ونشان مٹادے گا کسی عذاب سے۔ اور (اس کا یہ اٹل قانون ہے) کہ ہمیشہ نامراد رہتا ہے جو افترا بازی کرتا ہے۔ پس وہ جھگڑنے لگے اس کام کے متعلق آپس میں اور چھپ چھپ کر مشورے کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے بلاشبہ یہ دو جادوگر ہیں یہ چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمہیں تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اور مٹا دیں تمہاری تہذیب وثقافت کے مثالی طریقوں کو۔ پس یکجا کر لو اپنی حیلہ سازیوں کو پھر آؤ پرے باندھے ہوئے۔ اور کامیاب ہوگا آج وہ گروہ جو (اس مقابلہ میں) غالب رہا"۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان مقابلہ کے لئے وقت اور جگہ کا تعین ہو گیا تو فرعون اپنی سلطنت کے ہر علاقے سے جادوگر جمع کرنے میں کوشاں ہو گیا۔ اس وقت وہاں جادو کا بہت زور تھا، فرعون نے ہر اس شخص کو بلا لیا جسے جادو کا علم تھا جیسا کہ ارشاد ہے: وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ (یونس: 79) "اور فرعون نے حکم دیا کہ (فوراً) لے آؤ میرے پاس ہر ماہر جادوگر"، پھر وقت مقررہ پر عید کے دن لوگ جمع ہو گئے، فرعون دربار لگائے اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا، اس کے دائیں بائیں ارکان سلطنت، اکابرین دولت اور عوام الناس کھڑے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ اپنے عصا پر ٹیک لگائے ہوئے تشریف لائے۔ جادوگر فرعون کے سامنے پرے باندھے کھڑے ہو گئے۔ فرعون انہیں انعام واکرام کا لالچ دے کر مقابلہ پر اکسا رہا تھا، جادوگر کہنے لگے: اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (الشعراء: 42-41) "کیا ہمیں کوئی انعام ملے گا اگر ہم غالب آجائیں، اس نے کہا ہاں ضرور ملے گا اور تم اس وقت میرے مقربوں میں شامل کر لئے جاؤ گے"۔ اس دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آواز بلند ہوئی، آپ علیہ السلام انہیں فرمانے لگے: وَيْلَكُمْ یعنی تم اپنی ہی صنعت کاری سے بے بنیاد اور حقیقت سے خالی اشیاء ایجاد نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افترا باندھنے کی پاداش میں اللہ تعالیٰ تمہیں کسی عذاب میں مبتلا کر کے نیست ونابود کر دے گا اور ہر وہ شخص نامراد ہے جو افترا بازی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَتَنَازَعُوْٓا کا یہ معنی بیان کیا گیا ہے کہ فرعونی آپس میں جھگڑنے لگے، کوئی کہنے لگا کہ یہ جادوگر کا کلام نہیں بلکہ واقعی یہ نبی کا کلام ہے، کوئی کہنے لگا کہ یہ جادوگر ہے۔ اس طرح آپ علیہ السلام کا کلام سن کر چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور وہ چپکے چپکے اس معاملہ میں مشورے کرنے لگے۔ تذبذب کا شکار ہو جانے والوں کو انہوں نے یہ کہہ کر خاموش کر دیا: اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ۔۔۔ اس آیت کریمہ میں لفظ "هٰذٰنِ" "بعض عربوں کی لغت کے مطابق حالت رفعی میں لایا گیا ہے حالانکہ یہ "اِنْ" کا اسم ہے، نحویوں نے اس قرأت کے متعدد جواب دیئے ہیں جن کے بیان کا یہ مقام نہیں (1)۔ دوسری قرأت میں "هٰذَيْنِ" پڑھا گیا ہے۔

1۔ دیکھئے البحر المحیط، جلد 6 صفحہ 255

جادوگر آپس میں کہنے لگے محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں (موسیٰ و ہارون علیہما السلام) ماہر جادوگر ہیں جو فن سحر کو اچھی طرح جانتے ہیں، ان کا منصوبہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف تم اور تمہاری قوم پر غلبہ پالیں بلکہ عوام الناس پر بھی اپنا تسلط قائم کر کے انہیں اپنا تابع بنالیں، پھر انہیں ساتھ ملا کر فرعون اور اس کے لشکروں کے ساتھ برسرپیکار ہو جائیں اور ان پر فتح حاصل کر کے تم سب کو تمہارے ملک سے نکال باہر کریں اور تمہارے اس مثالی طریقے (سحر) پر اپنی اجارہ داری قائم کرلیں۔ اسی جادو کی وجہ سے ان جادوگروں کو عظمت، مال و دولت اور رزق حاصل تھا، وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر یہ دونوں غالب آ گئے تو تمہیں اس سرزمین سے نکال باہر کریں گے اور اس جادو کو اپنے لئے خاص کرلیں گے، پھر ان کی ہی سرداری اور شان و شوکت کا ڈنکا بجے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث فتون میں گزر چکا ہے کہ "طریقہ مثلیٰ" سے مراد بادشاہت اور عیش و آرام ہے جس کے چھن جانے کا انہیں خطرہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ یہ دونوں لوگوں کے رخ اپنی طرف پھیر لیں گے(1)۔ بعض حضرات نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ وہ تمہارے اشراف اور اصحاب عقل و دانش کو لے جائیں گے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ وہ تمہاری خوشحالی کو لے جائیں گے۔ قتادہ اس (طریقہ مثلیٰ) سے مراد بنی اسرائیل لیتے ہیں۔ اس وقت وہ تعداد میں بھی زیادہ تھے اور مال و دولت میں بھی، دشمنان خدا کہنے لگے کہ ان دونوں کی خواہش ہے کہ وہ انہیں اپنی خدمت کے لئے لے جائیں۔ عبدالرحمٰن بن زید اس سے مراد وہ مسلک لیتے ہیں جس پر وہ کاربند تھے۔ کہنے لگے کہ آج اپنی تمام حیلہ سازیاں اور تدبیریں جمع کرلو اور صف واحد بن کر اپنے فن سحر کا بھرپور طریقے سے مظاہرہ کرو تا کہ تم آنکھوں کو چکا چوند کر کے اس پر اور اس کے بھائی پر غالب آ جاؤ۔ جو آج غالب آ گیا وہی کامیاب ہے۔ اگر ہم فتح یاب ہو گئے تو بادشاہ ہمیں گرانقدر عطیات سے نوازے گا اور اگر وہ (موسیٰ علیہ السلام) غالب آیا تو ساری سلطنت اسی کی ہو جائے گی۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا
حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً
مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَ اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا
صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا
بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ﴿۷۰﴾

"جادوگر بولے اے موسیٰ! کیا پہلے آپ پھینکیں گے یا ہم ہی ہو جائیں پہلے پھینکنے والے؟ آپ نے فرمایا نہیں تم ہی (پہلے) پھینکو۔ پھر کیا تھا یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں آپ کو یوں دکھائی دینے لگیں ان کے جادو کے اثر سے جیسے وہ دوڑ رہی ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ ہم نے فرمایا (اے کلیم!) مت ڈرو یقیناً تم ہی غالب رہو گے۔ اور زمین پر پھینک دو جو (عصا) تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے۔ یہ نگل جائے گا جو انہوں نے کاریگری کی ہے۔ انہوں نے جو کاریگری کی ہے وہ تو فقط جادوگر کا فریب ہے اور نہیں فلاح پاتا جادوگر جہاں بھی وہ جائے۔ پس گرا دیئے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے انہوں نے (برملا) کہہ دیا (اے لوگو! سن لو) ہم ایمان لے آئے ہیں ہارون اور موسیٰ کے رب پر"۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 16، صفحہ 183

مقابلہ کے لئے جب آمنا سامنا ہوا تو جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ یا تو آپ پہل کریں یا ہم پہل کرتے ہوئے اپنے فن کا مظاہرہ کریں گے۔ آپ نے انہیں فرمایا: نہیں، بلکہ تم پہلے اپنا کرتب دکھا لو تا کہ ہم دیکھیں کہ تم جادو کا کیا کرشمہ دکھاتے ہو اور لوگوں پر بھی معاملہ کی حقیقت عیاں ہو جائے گی، پھر کیا تھا یکا یک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں جادو کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوں دکھائی دینے لگیں جیسے وہ دوڑ رہی ہوں۔ ایک دوسری آیت میں ہے کہ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکتے ہی یہ کہا تھا: بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ (الشعراء:44) "ناموس فرعون کی قسم! ہم ہی یقیناً غالب آئیں گے"، ایک اور مقام پر فرمایا: سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ (الاعراف:116) "انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں خوفزدہ کر دیا اور انہوں نے بڑے جادو کا مظاہرہ کیا" اور یہاں فرمایا: فَاِذَا حِبَالُهُمْ ... دراصل انہوں نے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں میں پارہ بھر رکھا تھا جس کے سبب سے وہ حرکت کرتیں اور دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ ان کی یہ حرکت خود اختیاری ہے، حالانکہ یہ ان کا کرتب تھا۔ جادوگروں کا جم غفیر وہاں جمع تھا، ان میں سے ہر ایک نے لاٹھی اور رسی پھینکی جو سانپوں کی شکل اختیار کر گئیں۔ سارا میدان سانپوں سے بھر گیا، ایک دوسرے کے اوپر تلے سانپ دوڑ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا کہ ان کے عصا پھینکنے سے پہلے ہی لوگ جادوگروں کے جادو سے دھوکہ کھا کر ان کے قائل ہو جائیں گے۔ چنانچہ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کرتے ہوئے حکم دیا کہ تمہارے دائیں ہاتھ میں جو عصا ہے، اسے زمین پر پھینک دو، یہ جادوگروں کی کی ہوئی کاریگری کو نگل جائے گا، عصا فوراً گرانڈیل جسامت والا مہیب اژدھا بن گیا، جس کے پیر بھی تھے، گردن بھی، سر بھی اور کچلیاں بھی۔ یہ اژدھا رسیوں اور لاٹھیوں پر پل پڑا اور انہیں نگلنا شروع کر دیا یہاں تک کہ سب کو ہڑپ کر گیا۔ جادوگر اور باقی تمام حاضرین کھلی آنکھوں سے دن کے اجالے میں یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اس طرح معجزہ غالب آ گیا، دلیل واضح ہو گئی، حق کا بول بالا ہوا اور جادو شکست فاش سے دوچار ہوا، اس لئے فرمایا: اِنَّمَا صَنَعُوْا ۔ ابن ابی حاتم میں حضرت جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب بھی ساحر پایا جائے اسے امان نہ دی جائے(1)۔ ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ جب جادوگروں نے اپنی آنکھوں سے عصا کا کمال دیکھا تو جادو کے فنون، طریقے اور چالیں جاننے کے باعث انہیں یقینی علم ہو گیا کہ جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے کیا ہے وہ جادو یا کرتب نہیں بلکہ یہ حق ہے جو ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے اور اس پر صرف وہی ذات قادر ہے جس کے لفظ کن کہنے سے ہی مطلوبہ چیز رونما ہو جاتی ہے، چنانچہ وہ اسی وقت اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے اور برملا اعتراف کرنے لگے کہ ہم رب العالمین یعنی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے، اسی لئے حضرت ابن عباس اور عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ صبح کے وقت یہ جادوگر اور کافر تھے جبکہ شام کے وقت پاکباز اور شہید۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔ قاسم بن ابی بزہ کے بقول وہ ستر ہزار تھے۔ سدی تیس ہزار سے زائد ان کی تعداد بتاتے ہیں۔ ابو ثمامہ کے نزدیک ان کی تعداد انیس ہزار تھی(2)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ وہ پندرہ ہزار تھے، کعب الاحبار کہتے ہیں: بارہ ہزار، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ ستر آدمی تھے، صبح کے وقت جادوگر تھے اور شام کے وقت شہداء(3)۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جادوگر جب سجدہ ریز ہوئے تو جنت ان کے سامنے عیاں کر دی گئی اور انہوں نے اس کا نظارہ کر لیا۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ سجدہ کی حالت

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 586، عارضۃ الاحوذی، ابواب الحدود، جلد 6 صفحہ 246

2۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 513

3۔ الدر المنثور، جلد 3 صفحہ 513

میں انہوں نے اپنی منزلیں دیکھ لیں(4)۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ
اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ
عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ
اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ
اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝

"فرعون (گویا رائے ضبط نہ رہا) بولا تم تو ایمان لا چکے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں نے تمہیں (مقابلہ کی) اجازت دی۔ وہی تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سکھایا ہے جادو (کا فن) تو میں قسم کھاتا ہوں کہ کاٹ ڈالوں گا تمہارے ہاتھ پاؤں یعنی ایک طرف کا ہاتھ ایک طرف کا پاؤں اور سولی چڑھاؤں گا تمہیں کھجور کے تنوں پر۔ اور تم خوب جان لوگے کہ ہم میں سے کس کا عذاب شدید اور دیرپا ہے۔ انہوں نے کہا (اے فرعون!) ہمیں اس کی قسم جس نے ہمیں پیدا کیا ہم ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تجھے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئی ہیں پس (ہمارے بارے میں) جو فیصلہ تو کرنا چاہتا ہے کر دے۔ (ہمیں ذرا پروا نہیں) تو صرف اس (فانی) دنیوی زندگی کے بارے میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے۔ یقیناً ہم ایمان لائے ہیں اپنے رب پر تا کہ وہ بخش دے ہمارے لئے ہماری خطاؤں کو اور اس قصور کو بھی جس پر تم نے مجبور کیا ہے یعنی فن سحر۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عظیم معجزہ اور روشن دلیل کو دیکھنے اور اپنی مدد کے لئے بلائے گئے جادوگروں کے لوگوں کی موجودگی میں ایمان لانے اور مکمل طور پر مغلوب ہو جانے کے باوجود فرعون اپنے کفر، عناد، بغاوت اور تکبر پر ڈٹا رہا اور مبہوت ہو کر اس نے جادوگروں کے خلاف اپنی قوت و سطوت بروئے کار لانے کی ٹھان لی چنانچہ انہیں خوفناک انجام کی دھمکیاں دیتے ہوئے کہنے لگا: اٰمَنْتُمْ لَهٗ یعنی میں نے تمہیں یہ تو حکم نہیں دیا تھا کہ موسیٰ کی تصدیق کر کے مجھے آزمائش میں ڈال دو۔ پھر اس نے ایک ایسی بے بنیاد بات کہی جس کے بہتان اور جھوٹ ہونے کا علم اسے بھی تھا، جادوگروں کو بھی بلکہ تمام لوگوں کو اس کے بے سروپا ہونے کا یقین تھا، کہنے لگا: اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ ... یعنی تم نے جادو کی تعلیم موسیٰ علیہ السلام سے حاصل کی ہے۔ تم نے اس کے ساتھ مل کر میرے خلاف محاذ قائم کر لیا تا کہ تم اسے غالب کر دو جیسا کہ ایک اور آیت میں ہے: اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (الاعراف:123) "بے شک یہ ایک فریب ہے جو تم نے شہر میں کیا ہے تا کہ تم یہاں سے اس کے اصلی باشندوں کو نکال دو، ابھی (اس کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا"۔ پھر انہیں دھمکی دیتے ہوئے کہنے لگا: فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ ۔ یعنی میں تمہارا مثلہ کر کے تمہیں سرعام پھانسی دوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے فرعون نے اس سزا کو رواج دیا۔ پھر کہنے لگا: وَلَتَعْلَمُنَّ۔ یعنی تمہارا یہ موقف ہے کہ میں اور میری قوم گمراہی میں مبتلا ہیں جبکہ تم، موسیٰ اور اس کی قوم کے ساتھ ہدایت یافتہ ہو، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دائمی عذاب کس کو اپنی

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 586-587

لپیٹ میں لیتا ہے۔ جب فرعون نے جادوگروں کو عبرتناک انجام اور خوفناک نتائج کی دھمکی دی تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں انہیں اپنی جانیں ہیچ اور معمولی محسوس ہونے لگیں، فرعون سے کہنے لگے: ہمیں اپنے خالق کی قسم! ہمیں ہدایت اور یقین کی جو روشن نشانیاں نصیب ہو چکی ہیں، ان پر ہم تجھے کبھی بھی ترجیح نہیں دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ الَّذِیْ فَطَرَنَا میں واؤ قسمیہ بھی ہو سکتی ہے اور عاطفہ بھی۔ اگر عاطفہ ہو تو عطف "البینات" پر ہوگا۔ وہ فرعون کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ ہم تمہیں اس ذات کے مقابلہ میں ہرگز اختیار نہیں کر سکتے، جس نے ہمیں مٹی سے پیدا کیا اور عدم سے وجود بخشا، اس لئے عبادت اور خشوع وخضوع کا مستحق صرف وہی ہے نہ کہ تو۔ سو تو جو کرنا چاہتا ہے اور جہاں تک تیرا ہاتھ پہنچتا ہے، کر لے، تمہیں تو صرف اس فانی دنیا کے اندر ہی اختیار اور تسلط حاصل ہے لیکن ہم آخرت کے ابدی گھر میں رغبت رکھے ہوئے ہیں۔ پھر کہنے لگے: اِنَّاۤ اٰمَنَّا... یعنی ہم اپنے رب پر ایمان لائے تاکہ وہ ہمارے گزشتہ گناہوں خصوصاً اس جادو کے گناہ کو معاف فرما دے جس پر تو نے ہمیں مجبور کر کے اللہ تعالیٰ کی نشانی اور اس کے نبی کے معجزے کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے چالیس بچے پکڑ کر جادوگروں کے حوالے کر دیئے اور انہیں کہا کہ انہیں جادو کی تعلیم دو۔ چنانچہ یہ انہی میں سے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور یہ بات کہی: اِنَّاۤ اٰمَنَّا۔ (1)۔ آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے لئے تم سے بہتر اور تمہارے انعام واکرام سے بڑھ کر دائمی اجر وثواب عطا فرمانے والا ہے۔ محمد بن کعب القرظی اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے تو وہ ہمارے لئے تم سے بہتر ہے اور اگر اس کی نافرمانی کی جائے تو وہ تم سے زیادہ دائمی عذاب دینے والا ہے۔ فرعون نے تو انہیں اس سخت عذاب میں مبتلا کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت فرمائی، اس لئے حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ وہ صبح کے وقت جادوگر تھے اور شام کے وقت شہید۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗءُ مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾

"بے شک جو شخص بارگاہ الٰہی میں مجرم بن کر آئے تو اس کے لئے جہنم (کا شعلہ زار) ہے۔ نہ وہ مر ہی سکے گا اس میں اور نہ وہ زندہ ہوگا۔ اور جو شخص حاضر ہوگا بارگاہ الٰہی میں مومن بن کر اس حال میں کہ اس نے عمل بھی نیک کئے ہوں تو یہ وہ (سعادتمند) ہیں جن کے لئے بلند درجات ہیں۔ یعنی سدا بہار باغات رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ (خوش نصیب) ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ ہے جزا ان کی جنہوں نے (اپنا دامن ہر آلائش سے) پاک رکھا"۔

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات ساحروں کے کلام کا تتمہ ہیں۔ وہ فرعون کو اللہ تعالیٰ کے انتقام اور دائمی عذاب سے خبردار کرتے ہوئے اور اس کے ابدی ثواب کے حصول میں رغبت دلاتے ہوئے کہنے لگے: مَنْ يَّاْتِ یعنی جو شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مجرم بن کر حاضر ہوگا، اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ نہ مرے گا اور نہ زندہ رہ سکے گا جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ (فاطر: 36) "نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا، اسی طرح ہم ہر ناشکر گزار کو بدلہ دیتے ہیں"۔ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 587، تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 188

یَحْیٰی (الاعلیٰ:13-11)'' اور دور رہے گا اس سے بدبخت جو بڑی آگ میں داخل ہوگا پھر نہ وہ وہاں مرے گا اور نہ جیئے گا'' وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ (الزخرف:77)'' اور وہ پکاریں گے: اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے۔ وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ رہنا ہے''۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' جہاں تک اصلی اور دائمی دوزخیوں کا تعلق ہے، وہ اس میں نہ مریں گے اور نہ زندہ رہیں گے، لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں آگ کا عذاب ہوگا، آگ انہیں مار ڈالے گی یہاں تک کہ جب وہ جل کر کوئلہ بن جائیں گے تو ان کے متعلق اذن شفاعت ہوگا۔ ان تمام کو اکٹھا کرکے جنتی نہروں پر بکھیر دیا جائے گا اور اہل جنت سے کہا جائے گا کہ ان پر پانی بہاؤ چنانچہ وہ اس طرح اگیں گے جس طرح سیلابی کوڑا کرکٹ میں پڑے ہوئے دانے اگتے ہیں''۔ یہ مثال سن کر ایک آدمی کہنے لگا یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کچھ عرصہ جنگل میں رہے ہیں(1)۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوران خطبہ اس آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا: '' ہمیشہ رہنے والے اصلی جہنمی وہاں نہ مریں گے اور نہ زندہ رہیں گے لیکن وہ جہنمی جو وہاں ہمیشہ رہنے والے نہیں، انہیں آگ مس کرے گی پھر شفاعت کرنے والے کھڑے ہوکر ان کی شفاعت کریں گے۔ چنانچہ ان سب کو اکٹھا کرکے ایک نہر پر لایا جائے گا جسے '' الحیاۃ'' یا '' الحیوان'' کہا جاتا ہے، وہاں وہ اس طرح اگیں گے جس طرح سیلاب کے لائے ہوئے کوڑا کرکٹ میں گھاس اگتی ہے۔'' دوسری آیت میں فرمایا: وَمَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا... یعنی قیامت کے روز جو شخص اس حال میں اپنے رب سے ملاقات کرے گا کہ اس کا دل مومن ہو اور اپنے قول و فعل کے ساتھ اس نے اپنے ایمان کی تصدیق کی ہو تو ایسے لوگوں کے لئے بلند درجات، پرسکون بالا خانوں اور آرام دہ رہائش گاہوں والی جنت ہوگی۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: '' جنت کے سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جس قدر زمین و آسمان کے درمیان اور فردوس سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اسی سے چاروں نہریں نکلتی ہیں، اس کے اوپر عرش ہے۔ جب تم اللہ تعالیٰ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگو''(2)۔ ابن ابی حاتم میں یزید بن ابی مالک اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں، ہر درجہ میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر دوری ہے جتنی زمین و آسمان کے درمیان، ان میں یاقوت، موتی اور زیورات ہیں اور ہر درجے میں ایک امیر ہے جس کی فضیلت اور سیادت کے دوسرے معترف ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے: '' علیین والے یوں دکھائی دیں گے جیسے تم آسمان کے افق میں دور دراز کے ستارے دیکھتے ہو، کیونکہ جنتیوں کے درجات میں تفاوت ہوگا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو صرف انبیاء کے درجات ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی''(3)۔ سنن کی حدیث میں ہے کہ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما انہی میں سے ہیں اور کیا ہی خوب ہیں!(4) '' جنات عدن''، '' الدرجات العلیٰ'' سے بدل ہے۔ عدن کا معنی ہے اقامت۔ ان سعادتمندوں کو ایسی دائمی جنتیں نصیب ہوں گی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہر اس شخص کے لئے بدلہ ہے جس نے اپنے آپ کو ہر قسم کی آلودگی، خباثت اور شرک سے پاک رکھا، اللہ وحدہ لاشریک کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 173-172، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 11

2۔ عارضۃ الاحوذی، جلد 1 ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 7-8، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 316

3۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 145 صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2177

4۔ سنن ابی داود، کتاب الحروف والقرأت، جلد 4 صفحہ 34 سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، جلد 1 صفحہ 37

عبادت کرتا رہا اور رسولوں کی اتباع میں ہمہ تن کوشاں رہا۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰۤى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۝ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝

''اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف کہ راتوں رات لے چلئے میرے بندوں کو (مصر سے) (راہ میں سمندر حائل ہو) تو عصا کی ضرب سے ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ بنائیے۔ نہ تمہیں پیچھے سے پکڑے جانے کا ڈر ہوگا اور نہ کوئی اور اندیشہ۔ پس فرعون نے ان کا تعاقب کیا اپنے لشکروں سمیت پس چھا گئیں فرعونیوں پر سمندر کی (تند) موجیں جیسا کہ چھا گئیں ان پر اور گمراہ کر دیا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ دکھائی انہیں سیدھی راہ''۔

جب فرعون نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ روانہ کرنے سے صاف انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو راتوں رات بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر مصر سے روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔ اس کی تفصیلات قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان ہوئی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حسب ارشاد بنی اسرائیل کو لے کر وہاں سے نکل گئے۔ صبح ہوئی تو فرعونیوں کو کوئی اسرائیلی دکھائی نہ دیا۔ نہ ان میں سے کوئی بلانے والا موجود تھا اور نہ جواب دینے والا۔ فرعون کو جب اس چیز کا علم ہوا تو وہ غصہ سے پیچ وتاب کھانے لگا اور اپنی قلمرو کے ہر حصہ میں ہرکارے بھیج دیئے تا کہ وہ لشکر جمع کریں۔ کہنے لگا کہ یہ مٹھی بھر گروہ ہے جس نے ہماری ناک میں دم کر رکھا ہے۔ جب لشکر جمع ہوا تو فرعون نے اس سے عہد و پیمان لیا، پھر اسے لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چل نکلا۔ بنی اسرائیل جب دریا کے کنارے پہنچے تو انہیں فرعون کا لشکر دکھائی دیا۔ گھبرا کر کہنے لگے کہ ہم تو پکڑے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہرگز نہیں، میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ ابھی مجھے راہ دکھاوے گا۔ آپ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر کھڑے ہو گئے، سامنے موجیں مارتا ہوا دریا ہے اور پیچھے فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو وحی کرتے ہوئے فرمایا کہ دریا میں خشک رستہ بنانے کے لئے اس پر اپنا عصا مارو۔ آپ علیہ السلام نے عصا کی ضرب لگائی تو دریا اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک بڑے پہاڑ کی سی شکل اختیار کر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کی سطح پر ہوا بھیجی جس کے جھونکوں نے پانی کو خشک کر دیا یہاں تک کہ دریا کی سطح اس طرح خشک ہوگئی جیسے زمین کی سطح خشک ہوتی ہے، اس لئے فرمایا: فَاضْرِبْ لَهُمْ یعنی اپنا عصا مار کر ان کے لئے خشک رستہ بنالیں، نہ تمہیں فرعون کی پکڑ کا خوف ہے اور نہ دریا میں غرق ہونے کا اندیشہ۔ پھر فرمایا: فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ ۔ یعنی فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں نکلا تو دریا کی تند و تیز موجوں نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مَا غَشِيَهُمْ کا مطلب ہے جو معروف اور مشہور ہے۔ جب کوئی امر معروف اور مشہور ہوتا ہے بیان کے لئے یہ اسلوب اختیار کیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى (النجم:54-53) ''اور (لوط کی) اوندھی بستی کو بھی پٹخ دیا پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا''۔ جس طرح فرعون نے قیادت کرتے ہوئے لوگوں کو دریا میں دھکیل دیا، انہیں گمراہ کیا اور راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی نہ کی، اسی طرح قیامت کے دن وہ ان سب کی قیادت کرتے ہوئے انہیں جہنم میں لے جائے گا اور کیا ہی یہ بری جگہ ہے!

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا

عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝

"اے بنی اسرائیل! (دیکھو!) ہم نے بچا لیا تمہیں تمہارے دشمن سے اور ہم نے تم سے وعدہ کیا (کوہ) طور کی دائیں جانب کا اور ہم نے اتارا تم پر من وسلوی۔ کھاؤ ان پاک چیزوں سے جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں اور اس میں حد سے تجاوز نہ کرنا ورنہ اترے گا تم پر میرا غضب۔ اور وہ (بدنصیب) اترتا ہے جس پر میرا غضب تو یقیناً وہ گر کر رہتا ہے۔ اور میں بلاشبہ بہت بخشنے والا ہوں اسے جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے بعدازاں ہدایت پر مستحکم رہتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنی گراں قدر نعمتیں اور بڑے بڑے احسانات یاد دلا رہا ہے کہ اس نے ان کے دشمن فرعون سے انہیں نجات عطا فرما کر ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے فرعون اور اس کے لشکر کو ایک ہی صبح غرق ہوتے دیکھا اور ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ باقی نہ بچا جیسا کہ فرمایا: وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (البقرۃ: 50) "اور ہم نے فرعونیوں کو ڈبو دیا اور تم دیکھ رہے تھے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر فتح عطا فرمائی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ہم موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں اس لئے (اے مسلمانو!) اس دن کا روزہ رکھو"(1)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے ساتھ کوہ طور کی دائیں جانب کا وعدہ کیا، یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم کلامی کا شرف بخشا، یہاں ہی آپ نے رویت باری تعالیٰ کی درخواست کی اور اسی جگہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تورات عطا فرمائی۔ اس دوران بنی اسرائیل گوسالہ کی پرستش میں لگ گئے جس کا بیان عنقریب آنے والا ہے۔ جہاں تک من وسلوی کی بات ہے تو اس کا ذکر سورۂ بقرہ اور دیگر سورتوں میں ہو چکا ہے(2)۔ "من" ایک قسم کا حلوہ تھا جو آسمان سے ان پر اترتا تھا اور سلوی ایک قسم کا پرندہ تھا جو ان کے سامنے گر پڑتا۔ یہ ہر پرندے سے ایک دن کی خوراک کی مقدار لے لیتے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ لطف وکرم اور رحمت واحسان تھا، اس لئے فرمایا: كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ ... یعنی میرے دیے ہوئے پاکیزہ رزق سے کھاؤ اور حد سے تجاوز کرتے ہوئے ضرورت سے زائد نہ لو ورنہ میرے حکم کی مخالفت کے باعث تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب اترتا ہے، وہ نیست ونابود ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس فَقَدْ هَوٰى کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ بدبخت ہو گیا۔ حضرت شفی بن مانع فرماتے ہیں کہ جہنم میں ایک اونچی جگہ ہے جس کی چوٹی سے کافر کو گرایا جائے گا تو اسے نیچے سخت زمین تک پہنچنے میں چالیس سال لگیں گے یہی مطلب اس آیت وَمَنْ يَّحْلِلْ ... کا ہے(3)۔ پھر فرمایا: وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ ۔ یعنی جو شخص توبہ کر کے میری طرف متوجہ ہوتا ہے، میں اس پر مائل بہ کرم ہو جاتا ہوں اور اس کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہوں۔ اس کے لطف وکرم کا یہ عالم ہے کہ اس نے بچھڑے کی پوجا کرنے والے بنی اسرائیل کی توبہ کو بھی قبول فرما لیا۔ پس جو شخص کفر، شرک، معصیت یا نفاق سے رجوع کر لے، دل کے ساتھ ایمان لائے اور اپنے اعضاء کے ساتھ اعمال صالحہ کرے پھر بغیر کسی شک وشبہ کے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ طٰہٰ، جلد 6 صفحہ 120۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، جلد 2 صفحہ 795

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 57، مائدہ اور تفسیر سورۂ اعراف: 160

3۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 591

مرتے دم تک سنت و جماعت اور اسلام پر ڈٹ جائے اور اس میں ثواب کا علم رکھتا ہو تو ایسے شخص کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتا ہے۔ "ثم" کا لفظ یہاں خبر کو خبر پر مرتب کرنے کے لئے آیا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (البلد: 17)۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ
لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى
قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۗ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ
اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا
مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى
السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬
فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾

"اور کس وجہ سے تم جلدی آ گئے اپنی قوم سے اے موسیٰ! عرض کی وہ یہ ہیں میرے پیچھے اور میں جلدی جلدی تیری بارگاہ میں اسلئے حاضر ہو گیا ہوں میرے رب! کہ تو راضی ہو جائے۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے تو آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تمہاری قوم کو تمہارے (چلے آنے کے) بعد اور گمراہ کر دیا ہے انہیں سامری نے۔ (یہ سنتے ہی) لوٹے موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غضبناک اور افسردہ خاطر ہو کر۔ فرمایا اے میری قوم! کیا وعدہ نہیں کیا تھا تم سے تمہارے رب نے بہت عمدہ وعدہ۔ تو کیا طویل مدت گزر گئی ہے اس وعدہ پر (اور تم اس کے ایفاء سے مایوس ہو گئے) یا تم یہ چاہتے ہو کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کی طرف سے اس لئے تم نے توڑ ڈالا میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ۔ کہنے لگے نہیں توڑا ہم نے آپ سے کیا ہوا وعدہ اپنے اختیار سے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم پر لاد دیئے گئے تھے بوجھ قوم (فرعون) کے زیورات سے سو ہم نے (سامری کے کہنے پر) انہیں پھینک دیا۔ اسی طرح سامری نے بھی (اپنے حصہ کے زیور) پھینک دیئے۔ پھر سامری نے بنا نکالا ان کیلئے بچھڑے کا ڈھانچہ جو گائے کی طرح ڈکارتا تھا۔ پھر سامری اور اس کے چیلوں نے کہا (اے فرزندان یعقوب) یہ ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا پس موسیٰ بھول گئے۔ کیا ان احمقوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ اختیار رکھتا ہے ان کے لئے کسی ضرر کا اور نہ نفع کا"۔

فرعون کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو ان کا گزر ایک ایسی قوم سے ہوا جو بت پرستی پر جمی ہوئی تھی۔ بنی اسرائیل کہنے لگے: اے موسیٰ علیہ السلام! جس طرح ان کے معبود ہیں اس طرح کا ایک معبود ہمارے لئے بھی مقرر کر دیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بڑے جاہل لوگ ہو، یہ تو برباد ہونے والے لوگ ہیں اور ان کے اعمال بھی بالکل باطل ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو تیس روزے رکھنے کا حکم دیا، پھر دس مزید رکھنے پڑے، اس طرح روزوں کی تعداد چالیس ہوئی۔ اس کا بیان حدیث فتون میں گزر چکا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جلدی جلدی کوہ طور کی طرف چلے اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بنی اسرائیل پر اپنا نائب مقرر کیا، اس لئے فرمایا: وَمَآ اَعْجَلَكَ۔ جواب میں عرض کی: هُمْ اُولَآءِ۔ یعنی وہ بھی طور کے قریب ہی ہیں اور آ رہے ہیں،

اے پروردگار! میں جلدی جلدی تیری بارگاہ میں حاضر ہوگیا تاکہ مزید تیری رضا حاصل کرلوں۔ آپ کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل فتنہ میں مبتلا ہوگئے اور سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کی پرستش میں لگ گئے، اس کی خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم علیہ السلام سے فرمایا: فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا ۔ اسرائیلی کتابوں میں مذکور ہے کہ سامری کا نام بھی ہارون تھا۔ اس مدت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تورات کی تختیاں لکھ کر عطا فرمائیں جیسا کہ ارشاد ہے: وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ (الاعراف: 145) ''اور ہم نے موسیٰ کے لئے تختیوں میں ہر چیز لکھ دی نصیحت پذیری کے لئے اور (لکھ دی) تفصیل ہر چیز کی، پھر پکڑ لو اسے مضبوطی سے اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کی اچھی باتیں پکڑ لیں، عنقریب میں نافرمانوں کا (برباد شدہ) گھر دکھاؤں گا''۔ پھر فرمایا: فَرَجَعَ مُوْسٰٓى ۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے مشرکانہ فعل پر آگاہ کردیا اور تورات عطا فرمادی جس میں ان کے لئے احکام مرقوم تھے اور یہ کتاب ان کے لئے باعث شرف تھی، تو آپ اپنی قوم کی مشرکانہ حرکت پر بہت رنجیدہ ہوئے۔ سخت غم وغصہ کے عالم میں اپنی قوم کے پاس لوٹے۔ یہ ایسی قوم تھی جو آپ کی عدم موجودگی میں غیر اللہ کی پرستش کرنے لگ گئی جس کے متعلق ہر عقلمند جانتا ہے کہ ان کا یہ فعل سراسر باطل تھا اور ان کی حماقت اور بے وقوفی کی نشاندہی کرتا تھا، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی طرف سخت غضبناک اور افسردہ ہوکر لوٹے۔ اسف فرط غضب کو کہا جاتا ہے۔ مجاہد اس کا معنی بیان کرتے ہیں گھبراہٹ اور بے چینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ قتادہ اور سدی اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ اپنی قوم کے کرتوت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے(1)۔ اپنی قوم سے فرمانے لگے: يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ ۔ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ میری زبانی دنیا و آخرت کی ہر بھلائی اور اچھی عاقبت کا وعدہ نہیں کیا۔ جیسا کہ تم خود مشاہدہ کرچکے ہو کہ اس نے تمہاری مدد کرکے تمہیں دشمن پر فتح عطا فرمائی اور اسی طرح دیگر بہت سے احسانات سے تمہیں نوازا۔ کیا تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کئے گئے وعدہ کے انتظار میں کوئی طویل عرصہ گزر گیا ہے کہ تم نے اس کے سابقہ انعامات کو بھی فراموش کردیا حالانکہ اس وعدہ کو کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا یا تم یہ چاہتے ہو کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوجائے۔ ''ام'' یہاں ''بل'' کے معنی میں اضراب کے لئے ہے اور کلام اول سے کلام ثانی کی طرف عدول کا فائدہ دے رہی ہے، گویا کہ انہیں فرمایا: بلکہ اس حرکت سے تمہارا ارادہ یہ تھا کہ تم پر غضب الٰہی اتر آئے اس لئے تم نے میرے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی۔ اس سرزنش اور جھاڑ کے جواب میں بنی اسرائیل کہنے لگے: مَآ اَخْلَفْنَا ۔ یعنی ہم نے اپنے اختیار اور قدرت سے آپ علیہ السلام کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔ پھر عذر لنگ پیش کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم نے پرہیزگاری کی خاطر وہ زیورات پھینک دیئے جو ہم نے قبطیوں سے مستعار لئے تھے اور مصر سے روانگی کے وقت اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ حدیث فتون میں گزر چکا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے ہی انہیں یہ زیورات اس گڑھے میں پھینکنے کا حکم دیا تھا جس میں آگ کا الاؤ روشن تھا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی یہ خواہش تھی کہ یہ سب زیورات پگھل کر ایک بڑے ڈلے کی شکل اختیار کرلیں گے اور جب موسیٰ علیہ السلام واپس آئیں گے تو اپنی مرضی کے مطابق اس کے متعلق فیصلہ کردیں گے۔ پھر سامری نے یہ کیا کہ وہ مٹھی بھر خاک ان زیورات پر ڈال دی جو اس نے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ کے نشان قدم سے لی تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام سے التجا کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میری خواہش کو پورا فرما دے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو اس کے ارادہ کا علم نہیں تھا۔ آپ نے اس کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول کرلیا، اس وقت

1۔ تفسیر طبری، جلد 16، صفحہ 196

سامری نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ ان زیورات کا بچھڑا بن جائے، چنانچہ بچھڑے کا ڈھانچہ بن گیا جس سے گائے کے ڈکارنے کی آواز نکلتی تھی۔ اس طرح یہ بچھڑا بنی اسرائیل کے لئے فتنہ بن گیا، اسی لئے فرمایا: فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۔ خُوَارٌ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام سامری کے پاس سے گزرے، وہ اس وقت بچھڑا بنا رہا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا بنا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں وہ بنا رہا ہوں جو نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ دعا کی: اے اللہ! اس کے دل میں جس چیز کی خواہش ہے وہ اسے عطا فرما اور وہاں سے چل دیئے۔ پھر سامری یہ دعا کرنے لگا: اے اللہ! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ یہ بچھڑا ڈکارنے لگے، چنانچہ وہ ڈکارنے لگا۔ اس کے پہلی مرتبہ ڈکارنے پر وہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے اور جب دوسری مرتبہ ڈکارتا تو اپنے سر سجدے سے اٹھا لیتے۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ بچھڑا ڈکارتا بھی تھا اور چلتا بھی تھا۔ وہ گمراہ بنی اسرائیل جو فتنہ میں مبتلا ہو کر اس بچھڑے کی پرستش پر آمادہ ہو گئے تھے، کہنے لگے کہ یہ تمہارا خدا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے، موسیٰ علیہ السلام بھول گئے اور ادھر ادھر اس کی تلاش میں نکل گئے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ "نسی" کا مفہوم یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تمہیں یہ بتانا بھول گئے کہ یہی تمہارا خدا ہے۔ سو وہ بچھڑے کی عبادت پر جم گئے اور اس سے ایسی محبت کرنے لگے جیسی محبت انہوں نے کسی سے نہ کی تھی۔ "نسی" کا فاعل سامری بھی ہو سکتا ہے یعنی سامری نے دین اسلام کو ترک کر دیا جس پر وہ کاربند تھا(1)۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کا رد کرتے ہوئے، انہیں سرزنش کرتے ہوئے اور ان کی بے وقوفی اور حماقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَفَلَا يَرَوْنَ یعنی یہ کم عقل کیا اس چیز کو نہیں دیکھتے کہ یہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب تک نہیں دے سکتا اور نہ ہی دنیا و آخرت میں ان کے کسی فائدہ یا نقصان کا مالک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! بچھڑے سے نکلنے والی آواز اس ہوا کے باعث تھی جو اس کی دبر سے داخل ہو کر منہ کے رستے سے نکل جاتی تھی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بچھڑے کا نام بہموت تھا۔ ان جاہلوں کی معذرت کا حاصل یہ ہے کہ وہ قبطیوں کے زیورات سے اپنا دامن بچانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے یہ زیورات اتار پھینکے لیکن ان کی حماقت دیکھئے کہ اس چھوٹے گناہ سے احتراز کر کے بڑے گناہ (بچھڑے کی عبادت) کا ارتکاب کرنے لگے، بالکل اسی طرح جیسا کہ ایک عراقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اگر کپڑے پر مچھر کا خون لگ جائے تو کیا اس کے ساتھ نماز ہو جائے گی؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان عراقیوں کو دیکھو، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے نواسے (امام حسین رضی اللہ عنہ) کو تو قتل کر دیا اور اب مچھر کے خون کے بارے میں فتویٰ پوچھ رہے ہیں(2)۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۞ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۞

"اور بے شک کہا تھا انہیں ہارون نے (موسیٰ کی واپسی سے پہلے) اے میری قوم! تم تو فتنہ میں مبتلا ہو گئے اس سے اور بلاشبہ تمہارا رب تو وہ ہے جو بے حد مہربان ہے پس تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ قوم نے کہا ہم تو اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ لوٹ آئیں ہماری طرف موسیٰ (علیہ السلام)"۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پرستش سے منع کیا اور انہیں بتایا کہ یہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 201
2۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 8۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 114، 93 وغیرہ

تمہارے لئے فتنہ ہے۔ تمہارا رب تو وہ رحمٰن ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک اندازہ مقرر فرمایا، وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس لئے میری اتباع کرو اور میرا حکم مانو۔ جو میں کہوں وہ بجالاؤ اور جس چیز سے تمہیں منع کروں، اس سے باز آجاؤ۔ اس کے جواب میں وہ کہنے لگے: لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ ... یعنی ہم موسیٰ علیہ السلام کی بات سننے سے پہلے اس کی عبادت ہرگز ترک نہیں کریں گے۔ چنانچہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے اور آپ سے جھگڑنے لگے یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوگئے۔

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾

''موسیٰ نے (آکر غصہ سے) کہا اے ہارون! کس چیز نے تجھے روکا کہ جب تو نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا۔ تو (انہیں چھوڑ کر) میرے پیچھے نہ چلا آیا۔ کیا تو نے بھی میری حکم عدولی کی۔ ہارون نے کہا اے میری ماں جائے (بھائی!) نہ پکڑو میری ڈاڑھی کو اور نہ میرے سر (کے بالوں) کو میں نے اس خوف سے (ان پر سختی نہ کی) کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے پھوٹ ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کی طرف لوٹے اور انہیں بے راہ روی کا شکار دیکھا تو آپ سخت غضبناک ہوگئے، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تختیاں اپنے ہاتھ سے زمین پر ڈال دیں اور اپنے بھائی کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ اس کی تفصیلات ہم سورۂ اعراف میں بیان کر چکے ہیں(1)۔ وہاں ہم نے اس حدیث کا بھی ذکر کیا تھا کہ ''سننا دیکھنے جیسا نہیں''۔ آپ اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو ملامت کرتے ہوئے فرمانے لگے: مَا مَنَعَكَ ... یعنی جب تم نے انہیں پہلے پہل گمراہی کا شکار ہوتے دیکھا تو اسی وقت مجھے اطلاع کیوں نہ کی، جو فریضہ میں تمہارے ذمہ لگا گیا تھا، کیا اس میں تم نے میری حکم عدولی کی؟ آپ علیہ السلام جاتے وقت یہ کہہ گئے تھے: اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (الاعراف: 142) ''میری قوم میں میرا نائب رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کے راستے پر''، جواب میں حضرت ہارون علیہ السلام کہنے لگے: ''يَا ابْنَ اُمَّ ۔ '' حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ اسلام کے سگے بھائی تھے، پھر بھی انہوں نے ''يَا ابْنَ اُمَّ'' (اے ماں جائے بھائی) کے الفاظ استعمال کئے۔ اس سے غرض یہ تھی کہ لفظ ام ذکر کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں شفقت، محبت اور رقت کے جذبات ابھر جائیں۔ بروقت بنی اسرائیل کے کرتوت کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ اسلام کو آگاہ نہ کرنے کی معذرت کرتے ہوئے حضرت ہارون عیہ السلام کہنے لگے: اِنِّيْ خَشِيْتُ ۔ یعنی اگر میں بنی اسرائیل کو چھوڑ کر آپ کے پاس ان کی کارستانی بتانے چلا آتا تو مجھے اندیشہ تھا کہ آپ مجھے کہتے کہ تم نے انہیں تنہا کیوں چھوڑا، ان میں پھوٹ کیوں ڈال دی اور ایک نائب کی حیثیت سے تم نے میرے احکام کی حفاظت کیوں نہ کی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ عیہ السلام کا لحاظ بھی رکھتے تھے اور ان کی بات بھی مانتے تھے(2)۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف: 150-154
2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 203

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

"آپ نے پوچھا اے سامری! (اس فتنہ انگیزی) سے تیری غرض کیا تھی؟ اس نے کہا میں نے دیکھی ایسی چیز جو لوگوں نے نہ دیکھی پس میں نے مٹھی بھر لی رسول کی سواری کے نشان قدم کی خاک سے پھر اسے ڈال دیا (اس ڈھانچہ میں) اور اس طرح آراستہ کر دی میرے لئے میرے نفس نے یہ بات۔ آپ نے (غصہ سے) فرمایا جا چلا جا۔ پس تیرے لئے اس زندگی میں تو یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا پھریگا کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ اور بیشک تیرے لئے ایک اور وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ اور (ذرا) دیکھ اپنے اس خدا کی طرف جس پر تو جم کر بیٹھا رہا (اس کا کیا حشر ہوتا ہے)۔ ہم اسے جلا ڈالیں گے پھر ہم بکھیر کر بہادیں گے اس سمندر میں اس (کی راکھ) کو۔ تمہارا معبود تو صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ گھیر رکھا ہے اس نے ہر چیز کو (اپنے) علم سے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا کہ کس چیز نے تجھے یہ فتنہ کھڑا کرنے پر اکسایا؟ حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ سامری باجرما کا رہنے والا تھا اور اس کا تعلق ایسی قوم سے تھا جو گائے کی پرستش کرتی تھی۔ اس کے دل میں بھی گائے کی محبت گھر کیے ہوئے تھی، لیکن بنی اسرائیل کے ساتھ اس نے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا (1)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ کرمان کا رہنے والا تھا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق سامرا نامی بستی سے تھا۔ کہنے لگا: بَصُرْتُ...... یعنی فرعون کی ہلاکت کے لئے جب جبریل علیہ السلام آئے تو میں نے انہیں دیکھا کہ وہ ایک گھوڑے پر سوار ہیں چنانچہ میں نے ان کے گھوڑے کے نشان قدم سے مٹھی بھر مٹی لے لی۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہی بات مشہور ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب جبریل علیہ السلام نیچے اترے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے کر آسمان کی طرف چڑھنے لگے تو سامری نے دیکھ لیا اور جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے نشان قدم سے ایک مٹھی مٹی اٹھالی۔ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے کر اوپر چلے گئے، آسمان کے دروازے پر پہنچ کر اوپر چڑھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے تختیاں لکھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تختیوں پر قلم چلنے کی آواز سن رہے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے فتنہ میں مبتلا ہونے کی خبر دی تو آپ نیچے اتر آئے اور بچھڑے کو جلا دیا۔ یہ اثر بہت غریب ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ سامری نے حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے سم تلے سے مٹھی بھری، قبضہ مٹھی کو بھی کہتے ہیں اور چٹکی کو بھی (2)۔ پھر اس نے یہ مٹھی بنی اسرائیل کے زیورات پر ڈال دی اور زیورات کو گلا کر ایک بچھڑے کا ڈھانچہ بنادیا جو اندر سے کھوکھلا تھا، جب اس کے اندر سے ہوا گزرتی تو آواز پیدا ہوتی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ سامری نے حضرت جبریل علیہ السلام کو

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 593
2۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 596

دیکھا تو اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میں ان کے گھوڑے کے نشان قدم سے ایک مٹھی مٹی اٹھا لوں اور اسے کسی چیز میں ڈال کر ’’کن‘‘ کہوں تو وہ چیز میری خواہش کے مطابق وجود میں آ جائے گی۔ چنانچہ اس نے ایک مٹھی بھر لی تو اس کی انگلیاں اسی طرح سوکھ گئیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر چلے گئے تو بنی اسرائیل کو ان زیورات کے متعلق فکر دامن گیر ہوئی جو انہوں نے آل فرعون سے عاریتاً لئے تھے۔ سامری انہیں کہنے لگا کہ ان زیورات کی وجہ سے تم پر مصیبت اتری ہے، اس لئے ان زیورات کو ایک جگہ جمع کر کے آگ لگا دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ زیورات جمع کئے اور انہیں آگ کی نذر کر دیا، آگ لگنے سے وہ پگھل گئے۔ یہ دیکھ کر سامری کے دل میں یہ خیال ابھرا کہ اگر یہ مٹھی اس میں ڈال کر ’’کن‘‘ کہا جائے تو مطلوبہ چیز بن سکتی ہے۔ چنانچہ اس نے مٹھی اس پر پھینکی اور کہا: ہو جا تو بچھڑے کا ڈھانچہ بن گیا جس سے ڈکارنے کی آواز برآمد ہوتی تھی۔ جب بچھڑا تیار ہو گیا تو وہ بنی اسرائیل سے کہنے لگا کہ یہ تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے۔ اسی لئے کہنے لگا: فَنَسِيَ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے: فَاذْهَبْ یعنی جس طرح تو نے اس چیز کو پکڑا اور مس کیا جسے پکڑنا اور مس کرنا تمہارے لئے جائز نہ تھا۔ اسی طرح تمہیں دنیا میں یہ سزا دی جاتی ہے کہ نہ تو لوگوں کو ہاتھ لگا سکے گا اور نہ لوگ تمہیں ہاتھ لگائیں گے۔ مزید برآں قیامت کے دن بھی تمہارے ساتھ عذاب کا وعدہ ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ’’لا مِسَاسَ‘‘ کہنا بطور سزا ہے اور ان کے بقایا ابھی تک یہی کہتے ہیں کہ مت چھوؤ(1)۔ حسن، قتادہ اور ابونہیک اس قول ’’لَنْ تُخْلَفَهُ‘‘ کا معنی یہ بتاتے ہیں کہ تو اس سے غائب نہیں ہو سکے گا۔ پھر فرمایا: وَانْظُرْ إِلَىٰ إِلَٰهِكَ یعنی تو اپنے معبود (بچھڑے) کی طرف دیکھ جس کی عبادت پر تو جما رہا، ہم اسے جلا ڈالیں گے اور پھر اس کی راکھ کو سمندر میں بہا دیں گے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس بچھڑے نے گوشت اور خون والے بچھڑے جیسی شکل اختیار کر لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے جلا ڈالا، پھر اس کی راکھ کو سمندر میں بہا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جلدی سے اللہ تعالیٰ کی طرف چلے گئے تو سامری نے جس قدر ممکن تھا بنی اسرائیل کی عورتوں سے زیورات جمع کر کے بچھڑے کا ڈھانچہ تیار کر لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے جلا کر اس کی راکھ دریا میں پھینک دی۔ بچھڑے کی عبادت کرنے والوں میں سے جس نے بھی اس دریا میں سے پانی پیا، اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھنے لگے کہ ہماری توبہ کیسے قبول ہوگی؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو۔ اس کا تفصیلی بیان سورۂ بقرہ اور پھر حدیث فتون میں گزر چکا ہے(2)۔ پھر فرمایا: إِنَّمَا إِلَٰهُكُمُ یعنی یہ بچھڑا تمہارا معبود نہیں بلکہ تمہارا معبود تو اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی عبادت کے لائق ہے اور عبادت صرف اسی کو زیبا ہے کیونکہ ہر چیز اس کی محتاج اور اس کی بندگی میں مصروف ہے۔ اس فرمان وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا میں علما بطور تمیز منصوب ہے یعنی وہ ہر چیز کے متعلق پورا پورا علم رکھنے والا ہے، اس نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہر چیز کو اس نے گن گن کر شمار کیا ہوا ہے۔ ذرہ برابر بھی کوئی چیز اس سے اوجھل نہیں ہو سکتی جو پتا گرتا ہے وہ اس کے متعلق بخوبی علم رکھتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں جو کوئی دانہ ہے اور جو کوئی خشک و تر چیز ہے وہ سب کتاب مبین میں مرقوم ہے۔ زمین پر موجود ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ ہر ایک کی قرارگاہ اور ٹھکانے کو خوب جانتا ہے۔ سب کچھ واضح کتاب میں درج ہے۔ اس مضمون کی آیات بہت زیادہ ہیں۔

كَذَٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾ مَنْ
أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾ خَالِدِينَ فِيهِ ۖ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 16، صفحہ 206، تفسیر قرطبی، جلد 11، صفحہ 241، الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 596 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 93 اور تفسیر سورۂ طٰہٰ: 40

الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝

"یوں ہم بیان کرتے ہیں آپ سے خبریں ان لوگوں کی جو پہلے گزر چکے۔ اور ہم نے مرحمت فرمایا ہے آپ کو اپنی جناب سے ایک پند نامہ۔ جو شخص روگردانی کرے گا اس سے وہ اٹھائے گا قیامت کے دن ایک بوجھ۔ یہ لوگ ہمیشہ اس بوجھ تلے دبے رہیں گے اور بہت تکلیف دہ ہوگا ان کے لئے روز قیامت یہ بوجھ"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ جس طرح ہم نے آپ ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصے سے آگاہ کیا، اسی طرح ہم گزشتہ خبریں بغیر کمی بیشی کے آپ ﷺ کے سامنے بیان کرتے ہیں اور ہم نے آپ کو قرآن کریم کی صورت میں ایسا پند نامہ مرحمت فرمایا ہے جس کی طرف باطل راہ نہیں پا سکتا، اسے نازل کرنے والی ذات حکیم اور حمید ہے۔ اس نے اس سے زیادہ کامل اور ماضی و مستقبل کی خبروں کی اس سے زیادہ جامع کتاب کسی نبی پر نازل نہیں کی، اس لئے جس نے اس سے اعراض کیا، اسے جھٹلایا، اس کی اتباع سے منہ موڑا اور کسی دوسری کتاب سے ہدایت طلب کی تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو گمراہ کر دیتا ہے اور سیدھا جہنم میں دھکیل دیتا ہے، اس لئے فرمایا: مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود: 17)" اور جو اس کے ساتھ کفر کرے مختلف گروہوں سے تو آگ ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے"۔ یہ حکم ہر اس شخص کے لئے عام ہے جس تک قرآن کا پیغام پہنچ جائے خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، کتابی ہو یا غیر کتابی جیسا کہ فرمایا: "لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام: 19)" تاکہ میں اس کے ساتھ تمہیں ڈراؤں اور اسے جس تک یہ پہنچے"، جس شخص تک قرآن کا پیغام پہنچ گیا اس کے لئے یہ نذیر اور داعی ہے۔ جس نے اس کی اتباع کی، وہ ہدایت پا گیا اور جس نے اس کی مخالفت کی اور اس سے انحراف کیا وہ دنیا میں گمراہ اور بدبخت ٹھہرا اور قیامت کے دن اسکے ساتھ آگ کا وعدہ ہے۔ اس سے اسے رہائی نصیب نہیں ہوگی اور قیامت کے دن یہ بہت برا بوجھ ہوگا جسے یہ اٹھائیں گے۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝

"جس روز پھونکا جائے گا صور میں اور ہم جمع کریں گے مجرموں کو اس دن اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ چپکے چپکے آپس میں کہیں گے کہ نہیں رہے تم دنیا میں مگر صرف دس دن۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جب ان میں سب سے زیادہ زیرک کہے گا کہ نہیں ٹھہرے ہو تم مگر صرف ایک دن"۔

رسول اللہ ﷺ سے صور کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک قرن (سینگ) ہے جس میں پھونکا جائے گا(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث صور میں آتا ہے کہ یہ بہت بڑا قرن ہے اور اس کا دائرہ بقدر آسمانوں اور زمین کے ہے، حضرت اسرافیل علیہ السلام اس میں پھونکیں گے(2)۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "میں کیسے راحت و آسائش میں رہوں حالانکہ صور پھونکنے والے نے صور اپنے منہ میں لے لیا ہے، اپنی پیشانی جھکا دی ہے اور اب منتظر ہے کہ کب حکم ملتا ہے"۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! پھر ہم کیا پڑھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہو: "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا" (3)۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام: 73 | 2۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 276-282

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 6 صفحہ 261 6

فرمایا: وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ یعنی اس دن ہم مجرموں کو اس حال میں جمع کریں گے کہ خوف اور دہشت کے سبب ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور وہ چپکے چپکے ایک دوسرے سے کہیں گے کہ دنیا میں تمہارا قیام تو بہت کم تھا یعنی صرف دس دن۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: نَحْنُ اَعْلَمُ ... یعنی ہم ان کی سرگوشیوں سے بھی خوب واقف ہیں جب کہ ان میں سے زیادہ زیرک اور عقلمند کہے گا کہ تم تو صرف ایک دن دنیا میں ٹھہرے۔ قیامت کے دن دنیاوی زندگی انہیں بہت مختصر محسوس ہوگی، کیونکہ دنیا کے اوقات اگرچہ پلٹ پلٹ کر آتے رہتے ہیں اور دنوں اور راتوں کا سلسلہ پیہم جاری رہتا ہے، اس کے باوجود یوں محسوس ہوگا جیسے دنیاوی زندگی صرف ایک دن پر مشتمل تھی، اسی لئے کافر قیامت کے دن دنیوی زندگی کو بہت مختصر خیال کریں گے۔ اس سے غرض یہ ہوگی کہ وہ اپنے خلاف حجت قائم نہ ہونے دیں، اس لئے فرمایا: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ... وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (الروم: 55-56)، اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ (فاطر: 37) ''کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہ دی تھی جس میں نصیحت قبول کر سکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور آ گیا تمہارے پاس نذیر''، قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (المومنون: 112-114) ''تم زمین میں کتنے سال ٹھہرے رہے؟ کہیں گے ہم ٹھہرے تھے بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ آپ پوچھ لیں سال گننے والوں سے ارشاد ہوگا تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ کاش تم (اس حقیقت کو پہلے ہی) جان لیتے''۔ یعنی دنیا میں تمہارا قیام بہت کم تھا، اگر تم حقیقت کو جان لیتے تو باقی کو فانی پر ترجیح دیتے لیکن تم نے بہت برا تصرف کیا، فانی دنیا کو باقی رہنے والی آخرت پر مقدم اور افضل سمجھتے رہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾

''اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمائیے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک دے گا۔ پس بنا چھوڑے گا اس پہاڑی علاقہ کو کھلا ہموار میدان۔ نہ نظر آئے گا تجھے اس میں کوئی موڑ اور نہ کوئی ٹیلہ۔ اس روز سب لوگ پیروی کریں گے پکارنے والے کی کوئی روگردانی نہیں کر سکے گا اس سے۔ اور خاموش ہو جائیں گی سب آوازیں رحمٰن کے خوف سے پس تو نہ سنے گا (اس روز) مگر مدہم سی آہٹ''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ قیامت کے دن باقی رہیں گے یا زائل ہو جائیں گے؟ آپ انہیں فرما دیں کہ میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر مٹا ڈالے گا اور پھر انہیں صاف چٹیل میدان بنا چھوڑے گا۔ ''قاع'' کا معنی ہے ہموار زمین۔ ''صَفْصَفً'' اس کی تاکید ہے، اس کا معنی چٹیل میدان بھی کیا گیا ہے جہاں کوئی چیز نہ اگے لیکن پہلا معنی زیادہ موزوں ہے اور دوسرا معنی مرادی اور لازمی ہے۔ اس لئے فرمایا: لَا تَرٰى ... یعنی اس دن زمین پر نہ کوئی وادی، نہ کوئی ٹیلہ اور نہ کوئی نشیب و فراز دکھائی دے گا۔ ان حالات اور ہولناک امور کو جس دن وہ دیکھیں گے تو فوراً پکارنے والے کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کی طرف دوڑے چلے جائیں گے۔ اگر وہ دنیا میں ایسا کرتے تو ان کے لئے زیادہ نفع بخش ہوتا لیکن آج تو یہ دوڑ دھوپ بے سود ہے جیسا کہ ارشاد

ہے: اَسۡمِعۡ بِہِمۡ وَاَبۡصِرۡ ۙ یَوۡمَ یَاۡتُوۡنَنَا (مریم: 38) "یہ خوب سننے لگیں گے اور خوب دیکھنے لگیں گے جس دن ہمارے پاس آئیں گے"، مُّہۡطِعِیۡنَ اِلَی الدَّاعِ (القمر: 8) "بلانے والے کی طرف ڈرتے ڈرتے بھاگے جارہے ہوں گے"۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو تاریکی میں جمع کرے گا، اس روز آسمان لپیٹ دیا جائے گا، ستارے بکھر کر گر پڑیں گے، چاند اور سورج محو ہو جائیں گے اور ایک آواز دینے والا آواز دے گا جس کی آواز کا قصد کرتے ہوئے سبھی چل دیں گے، یہی مفہوم اس فرمان یَوۡمَئِذٍ یَّتَّبِعُوۡنَ ---کا ہے(1)۔ قتادہ اس فرمان

لَا عِوَجَ لَہٗ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ لوگ اس سے انحراف نہیں کر سکیں گے۔ ابو صالح کہتے ہیں کہ یہ "لا عوج عنه" کے معنی میں ہے یعنی کوئی اس سے روگردانی نہیں کر سکے گا۔ حضرت ابن عباس اس فرمان وَخَشَعَتِ کا یہ مفہوم بتاتے ہیں کہ رحمٰن کے خوف سے آوازیں خاموش ہو جائیں گی۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے "ھمس" کا معنی قدموں کی چاپ نقل کرتے ہیں۔ ایک اور روایت میں آپ سے اس کا معنی مدہم آواز نقل کیا گیا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر نے اس سے مراد سرگوشی اور قدموں کی آہٹ دونوں چیزیں مراد لی ہیں۔ میدان حشر کی طرف سکون وخضوع کے ساتھ چلتے ہوئے قدموں کی چاپ تو لامحالہ ہوگی اور جہاں تک چپکے چپکے گفتگو کرنے کا تعلق ہے تو یہ بعض حالات میں ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یَوۡمَ یَاۡتِ لَا تَکَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ ۚ فَمِنۡہُمۡ شَقِیٌّ وَّسَعِیۡدٌ (ہود: 105) "جس دن کوئی شخص بول نہ سکے گا مگر اس کی اجازت سے بعض ان میں سے بدنصیب ہوں گے اور بعض خوش نصیب"۔

یَوۡمَئِذٍ لَّا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَہُ الرَّحۡمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوۡلًا ﴿۱۰۹﴾ یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَمَا خَلۡفَہُمۡ وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِہٖ عِلۡمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ الۡوُجُوۡہُ لِلۡحَیِّ الۡقَیُّوۡمِ ؕ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ حَمَلَ ظُلۡمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَہُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا یَخٰفُ ظُلۡمًا وَّلَا ہَضۡمًا ﴿۱۱۲﴾

"اس دن نہیں نفع دے گی کوئی سفارش سوائے اس شخص کی شفاعت کے جسے رحمٰن نے اجازت دی اور پسند فرمایا ہو اس کے قول کو۔ وہ جانتا ہے لوگوں کے آنے والے حالات کو اور ان کے گزرے ہوئے اوقات کو اور لوگ نہیں احاطہ کر سکتے اس کا اپنے علم سے۔ اور (فرط نیاز سے) جھک جائیں گے سب (لوگوں کے) چہرے حی وقیوم کے سامنے۔ اور نامراد ہوا جس نے لا دا اپنے (سر) پر ظلم (کا بارِ گراں)، اور جو شخص کرتا ہے نیک اعمال اور وہ ایماندار بھی ہو تو اسے اندیشہ نہ ہوگا کسی ظلم کا یا حق تلفی کا"۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف اس شخص کی سفارش نفع بخش ہوگی جسے وہ اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے جیسا کہ متعدد مقامات پر فرمایا: مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ (البقرۃ: 255) "کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے"، وَکَمۡ مِّنۡ مَّلَکٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغۡنِیۡ شَفَاعَتُہُمۡ شَیۡـًٔا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ یَّاۡذَنَ اللّٰہُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَرۡضٰی (النجم: 26) "اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لئے چاہے اور پسند فرمائے"، وَلَا یَشۡفَعُوۡنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارۡتَضٰی وَہُمۡ مِّنۡ خَشۡیَتِہٖ مُشۡفِقُوۡنَ (الانبیاء: 28) "اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں"، وَلَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَۃُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَہٗ (سبا: 23) "اور نہ نفع دے گی اس کے ہاں سفارش مگر جس کے لئے

1۔ الدر المنثور، جلد 16 صفحہ 599

اس نے اجازت دی ہو" یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ صَفًّا ۙۗ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (النبا: 38) "جس روز روح اور فرشتے پرے باندھے کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے"۔ اولادِ آدم کے سردار اور سب مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ معزز اور محبوب بندے اور رسول ﷺ فرماتے ہیں: "میں عرش تلے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا، اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد و ثناء کی بے شمار تعبیرات القاء فرمائے گا جن کا شمار میں اب نہیں کر سکتا اور جس قدر اسے منظور ہوا، وہ مجھے اسی حالت میں رہنے دے گا، پھر فرمائے گا: اے محمد ﷺ! اپنا سر اٹھاؤ، کہو، تمہاری بات سنی جائے گی اور شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی جنہیں میں جنت میں داخل کرنے کے بعد پھر لوٹ کر ایسا ہی کروں گا" (1)۔ چار مرتبہ یہی ہوگا۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ جہنم سے ہر اس شخص کو نکال لو جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے اور جس کے دل میں اس سے بھی کم، اس سے بھی کم ایمان ہو اسے بھی جہنم سے باہر لے آؤ" (2)۔ پھر فرمایا: یَعْلَمُ مَا بَیْنَ ..... یعنی اس کا علم تمام مخلوقات کو احاطہ کئے ہوئے ہے لیکن مخلوق اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی جیسا کہ فرمایا: وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ (البقرۃ: 255) "اور وہ نہیں گھیر سکتے کسی چیز کو اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے"۔

اس ارشاد وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ ..... کا مفہوم حضرت ابن عباس وغیرہ یہ بتاتے ہیں کہ تمام مخلوق کے چہرے ذلت اور درماندگی کے ساتھ اس جبار ذات کے سامنے جھک جائیں گے جو حی و قیوم ہے، نہ اسے موت آتی ہے اور نہ نیند، وہی ہر چیز کا مدبر، منتظم اور محافظ ہے اور کامل ذات صرف وہی ہے، باقی ہر چیز اس کی محتاج ہے اور کوئی چیز اس کے بغیر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی۔ فرمایا: وَقَدْ خَابَ ۔ یعنی قیامت کے دن وہ شخص نامراد ہوگا جس نے ظلم کا بارِ گراں اٹھایا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر حقدار کو اسکا حق دلوائے گا یہاں تک کہ بے سینگ بکری کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلوایا جائے گا (3)۔ ایک حدیث قدسی میں آتا ہے: "اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! کسی ظالم کا ظلم آج مجھ سے متجاوز نہیں ہو سکے گا"۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "ظلم سے بچو، کیونکہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کی صورت میں ظاہر ہوگا اور اس شخص کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے شرک کرتا ہوا ملا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شرک ظلم عظیم ہے" (4)۔ ظالموں کے ذکر اور انہیں وعید سنانے کے بعد متقین کے متعلق فرمایا: وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ ..... یعنی نہ ان پر ظلم کرتے ہوئے ان کے گناہوں میں اضافہ کیا جائے گا اور نہ ان کی حق تلفی کرتے ہوئے ان کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی۔ ظلم کا معنی ہے زیادتی کہ کسی اور کے گناہ کسی شخص کے ذمہ کر دیے جائیں اور ہضم کا معنی ہے کمی۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا وَّصَرَّفْنَا فِیْهِ مِنَ الْوَعِیْدِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ اَوْ یُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤى اِلَیْكَ وَحْیُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ بقرہ، جلد 8 صفحہ 160، صحیح مسلم کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 181

2۔ سنن نسائی، کتاب الایمان، جلد 8 صفحہ 112-113، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 94-95

3۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 1 صفحہ 1997، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 235

4۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1996، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 323

''اور اسی طرح ہم نے اتارا اس کتاب کو قرآن عربی زبان میں اور طرح طرح سے بیان کیں اس میں گناہوں کی سزائیں تا کہ وہ پرہیزگار بن جائیں یا پیدا کر دے یہ قرآن ان کے دلوں میں یہ سمجھ۔ پس اعلیٰ وارفع ہے اللہ جو سچا بادشاہ ہے۔ اور نہ عجلت کیجئے قرآن کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ پوری ہو جائے آپ کی طرف اس کی وحی۔ اور دعا مانگا کیجئے میرے رب! (اور) زیادہ کر میرے علم کو''۔

چونکہ قیامت کا وقوع اور نیک و بد اعمال کا بدلہ ملنا یقینی اور حتمی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے لوگوں کو بشارت دینے اور بروقت خبردار کرنے کے لئے فصیح عربی زبان میں قرآن کریم اتارا جس میں نہ کوئی التباس ہے اور نہ کوئی عجز، اور اس میں ہم نے گناہوں کی سزاؤں کو طرح طرح سے بیان کیا ہے تا کہ لوگ گناہوں، برائیوں اور حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کریں یا قرآن کریم ان میں سمجھ پیدا کر دے جس کی وجہ سے وہ اطاعت شعار بن جائیں اور نیک کاموں میں مشغول ہو جائیں، پس منزہ، مقدس اور اعلیٰ وارفع ہے وہ اللہ جو سچا بادشاہ ہے اور حق ہے، اس کی وعید حق ہے، اس کے رسول حق ہیں، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے حتیٰ کہ اس کی طرف سے ہر چیز حق ہے اور اس کا عدل اس بات سے بہت بالاتر ہے کہ وہ انذار، بعثت رسل اور اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب میں مبتلا کر دے، وہ سب کے عذر ختم کر کے عذاب دیتا ہے تا کہ کسی کے لئے حجت اور شبہ باقی نہ رہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ - اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (القیامۃ: 16-19) '' آپ اس کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں تا کہ آپ اسے جلدی یاد کر لیں، ہمارے ذمہ ہے اسے (سینہ میں) جمع کرنا اور اسے پڑھانا پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اسی پڑھنے کا اتباع کریں پھر اسے کھول کر بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نزول وحی کے وقت رسول اللہ ﷺ بڑی شدت محسوس کرتے اور آپ جلدی جلدی اپنی زبان کو حرکت دیتے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی، مطلب یہ کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس وحی لاتے اور کوئی آیت تلاوت کرتے تو چونکہ آپ حفظ قرآن کے معاملہ میں بہت حریص تھے، اس لئے جبریل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ بھی پڑھتے جس کے باعث آپ ﷺ کو دقت کا سامنا کرنا پڑتا، اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کو آسان کرتے ہوئے اور اس مشقت کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا: '' لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ...... '' یعنی یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم قرآن کو آپ ﷺ کے سینے میں محفوظ کر دیں گے، پھر آپ اسے لوگوں کو پڑھ کر سنائیں گے اور اس میں سے کوئی چیز آپ کو نہیں بھولے گی۔ یہاں فرمایا: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ...... یعنی قرآن پڑھنے میں عجلت سے کام نہ لیں اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اس کی وحی مکمل ہو جائے بلکہ غور سے سنیں۔ جب فرشتہ اس کی قرأت سے فارغ ہو جائے تو اس کے بعد آپ اسے دہرائیں اور یہ دعا کرتے رہا کریں: رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا یعنی اے میرے پروردگار! اپنی جناب سے میرے علم میں اضافہ فرما۔ ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے علم میں تادم واپسیں اضافہ ہوتا رہا، اس لئے حدیث شریف میں آتا ہے: '' اللہ تعالیٰ مسلسل اپنے رسول پر وحی بھیجتا رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے وصال کے دن پہلے سے زیادہ وحی نازل ہوئی'' (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: '' اے اللہ! مجھے اس علم سے نفع پہنچا جو تو نے مجھے سکھایا، مجھے وہ علم عطا فرما جو مجھے نفع پہنچائے، میرے علم میں اضافہ فرما اور ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں'' (2)۔ بزار کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفضائل، جلد 6 صفحہ 224۔ صحیح مسلم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 2312

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعاء، جلد 13 صفحہ 86۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، جلد 2 صفحہ 1260

"اور میں اہل نار کی حالت سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں"۔

وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىٕكَةِ

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ

لِزَوْجِكَ فَلَا یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَ لَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَ اَنَّكَ لَا

تَظْمَؤُا فِیْهَا وَ لَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ

الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا یَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ

وَّرَقِ الْجَنَّةِ٘ وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَ هَدٰى ﴿۱۲۲﴾

"اور ہم نے حکم دیا تھا آدم کو اس سے پہلے (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائے) سو وہ بھول گیا اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اس کا کوئی قصد۔ اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے (حکم بجالانے سے) انکار کر دیا۔ اور ہم نے فرمادیا اے آدم! بیشک یہ تیرا بھی دشمن ہے اور تیری زوجہ کا بھی سو (ایسا نہ ہو) کہ وہ نکال دے تمہیں جنت سے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ بیشک تمہارے لئے یہ ہے کہ تمہیں نہ بھوک لگے گی یہاں اور نہ تم ننگے ہو گے۔ اور تمہیں نہ پیاس لگے گی یہاں اور نہ دھوپ ستائے گی۔ پس شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ اس نے کہا اے آدم! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ہمیشگی کے درخت پر اور ایسی بادشاہی پر جو کبھی زائل نہ ہو۔ سو (اس کے پھسلانے سے) دونوں نے کھالیا اس درخت سے تو (فوراً) برہنہ ہو گئیں ان پر ان کی شرمگاہیں اور وہ چپکانے لگ گئے اپنے (جسم) پر جنت (کے درختوں) کے پتے۔ اور حکم عدولی ہوگئی آدم سے اپنے رب کی سو وہ بامراد نہ ہوا۔ پھر (اپنے قرب کے لئے) چن لیا انہیں اپنے رب نے اور (عفو ورحمت سے) توجہ فرمائی ان پر اور ہدایت بخشی"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سب سے پہلے جو حکم اسے دیا گیا تھا، یہ اسے بھول گیا۔ مجاہد اور حسن فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ترک کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی کرامت، فضیلت اور شرف کو یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے: وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىٕكَةِ ۔ یہ قصہ سورۂ بقرہ، سورۂ اعراف، سورۂ حجر اور سورۂ کہف میں بھی گزر چکا ہے اور سورۂ ص میں بھی اس واقعہ کا ذکر موجود ہے۔ ان سورتوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور ان کی تشریف وتکریم کے لئے ملائکہ کو انہیں سجدہ کرنے کے حکم کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آدم علیہ السلام اور بنی آدم کے لئے ابلیس کی ازلی عداوت کا بیان بھی وضاحت سے ہوا ہے، اس لئے فرمایا: فَسَجَدُوْۤا ... یعنی سوائے ابلیس کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اس نے تکبر کرتے ہوئے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ سو ہم نے بتا دیا: اے آدم علیہ السلام! یہ ابلیس تمہارا بھی دشمن ہے اور تمہاری زوجہ حوا کا بھی، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے نکال دے اور پھر تم طلب رزق میں تھکاوٹ اور مشقت کا شکار ہو جاؤ۔ یہاں تمہیں بغیر کسی کلفت اور مشقت کے آسودگی اور خوشحالی میسر ہے۔ یہاں نہ تمہیں بھوک لگتی ہے اور نہ تم برہنہ ہوتے ہو، نہ تمہیں یہاں پیاس لگتی ہے اور نہ دھوپ ستاتی ہے۔ بھوک اور برہنگی کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے کیونکہ بھوک باطنی تکلیف ہے اور برہنگی ظاہری تکلیف، اسی طرح پیاس اور دھوپ ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں، پیاس

اندرونی حرارت ہے اور دھوپ ظاہری حرارت۔ شیطانی وسوسہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ ۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شیطان انہیں دھوکہ دیتے ہوئے اور قسمیں اٹھا کر اپنی خیر خواہی کا یقین دلانے لگا۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو ہر جنتی پھل کھانے کی اجازت دی تھی لیکن جنت میں ایک معین درخت کے قریب تک جانے سے بھی ان دونوں کو ممانعت کر دی گئی تھی۔ ابلیس کے مسلسل وسوسہ اندازی کرنے اور پھسلانے کے باعث آخر کار اس درخت سے کھا بیٹھے۔ ابلیس نے انہیں فریب دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس ہیشگی کے درخت سے جو کھا لیتا ہے اسے خلود مل جاتا ہے اور وہ ہمیشہ یہاں رہتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سائے تلے ایک سوار سو سال تک چلتا رہے گا، اس کے باوجود وہ اسے طے نہیں کر پائے گا، یہی شجرۃ الخلد ہے“(1)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دراز قامت اور زیادہ بالوں والا پیدا فرمایا، یوں محسوس ہوتا جیسے آپ لمبی کھجور ہیں۔ جب آپ نے ممنوعہ درخت سے کھا لیا تو آپ کا لباس آپ سے چھن گیا، جونہی شرمگاہ پر نظر پڑی تو جنت میں ادھر ادھر چھپنے کی کوشش میں دوڑنے لگے، آپ کے بال ایک درخت کے ساتھ الجھ گئے، ابھی اپنے بال چھڑا ہی رہے تھے کہ ذات رحمٰن نے آواز دی: اے آدم علیہ السلام! کیا مجھ سے بھاگ رہے ہو؟ جب آپ نے کلام رحمٰن سنا تو عرض کرنے لگے: اے میرے پروردگار! نہیں، بلکہ حیا دامن گیر ہونے کے باعث ایسا کر رہا ہوں، یا اللہ! مجھے یہ بتا دے کہ اگر میں توبہ کر کے رجوع کر لوں تو کیا میں واپس جنت میں آ سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں“ یہی مطلب اس آیت کا ہے: فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ (البقرہ: 37) ”پھر سیکھ لئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کی“۔ یہ روایت منقطع ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں بھی شک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ ..... کا معنی بقول مجاہد یہ ہے کہ وہ اس طرح اپنے جسم پر پتے چپکانے لگے گئے جس طرح کپڑے میں پیوند لگائے جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ انجیر کے پتے اتار اتار کر اپنی شرمگاہوں پر چپکانے لگے۔ پھر فرمایا:

وَعَصٰۤى اٰدَمُ - وَقَدْ ذِي۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کے مابین بحث چھڑ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے ہی لوگوں کو اپنی لغزش کے سبب جنت سے نکالا اور مشقت میں مبتلا کر دیا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: اے موسیٰ! آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ چن لیا، کیا آپ مجھے ایسے معاملہ کے متعلق ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے پہلے مجھ پر مقرر اور مقدر فرما دیا تھا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر برتری لے گئے“(2)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنے رب کے ہاں آپس میں مناقشہ ہو گیا جس میں آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو لاجواب کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، آپ میں اپنی روح پھونکی، آپ کو فرشتوں سے سجدہ کروایا اور آپ کو اپنی جنت میں ٹھہرایا پھر آپ نے اپنی غلطی کے باعث لوگوں کو زمین پر اتار دیا؟ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ منتخب فرمایا، آپ کو وہ تختیاں عطا کیں جن میں ہر چیز کا بیان ہے اور سرگوشی کرتے ہوئے اس نے آپ کو قریب کر لیا۔ یہ بتائیے کہ میری تخلیق سے کتنا عرصہ پہلے اللہ تعالیٰ نے تورات لکھی؟

1۔ مسند ابی داؤد طیالسی: 232، مسند احمد جلد 2 صفحہ 455، 462

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ طٰہٰ، جلد 6 صفحہ 121

جواب دیا کہ چالیس سال پہلے۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمانے لگے کہ کیا آپ نے اس میں یہ لکھا ہوا پڑھا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی حکم عدولی کی سو وہ بامراد نہ ہوا؟ جواب دیا: ہاں۔ حضرت آدم علیہ السلام کہنے لگے کہ پھر آپ مجھے ایسے عمل پر کیوں ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال قبل مجھ پر لکھ دیا تھا کہ میں اس کا ارتکاب کروں گا؟ اس طرح آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر حجت میں بازی لے گئے"۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ ﴿١٢٦﴾

"حکم ملا دونوں اتر جاؤ یہاں سے اکٹھے تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ پس اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو نہ وہ بھٹکے گا اور نہ بدنصیب ہوگا۔ اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے، تو اس کے لئے زندگی (کا جامہ) کو تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا کر کے۔ وہ کہے گا اے میرے رب! کیوں اٹھایا ہے تو نے مجھے نابینا کر کے میں تو (پہلے بالکل) بینا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اسی طرح آئی تھیں تیرے پاس ہماری آیتیں سو تو نے انہیں بھلا دیا۔ اسی طرح آج تجھے فراموش کر دیا جائے گا"۔

حضرت آدم علیہ السلام، حوا علیہا السلام اور ابلیس کو حکم ہوا کہ تم سب جنت سے نکل جاؤ۔ اس کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے (1)۔ پھر فرمایا: بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ یعنی آدم و اولاد آدم اور ابلیس و اولاد ابلیس۔ مزید فرمایا: فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم۔ یعنی تمہارے پاس میرے انبیاء و رسل اور کتابیں آئیں گی تو جس نے میری ہدایت کی اتباع کی وہ نہ تو دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ ہی آخرت میں بدنصیب ہوگا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا: وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي ... یعنی جو ذکر الٰہی سے منہ موڑتا ہے، احکام خداوندی سے روگردانی کرتا ہے اور رسولوں کے لائے ہوئے پیغام کو فراموش کر کے کسی اور کی اتباع میں لگ جاتا ہے تو اس کے لئے زندگی کا جامہ تنگ کر دیا جاتا ہے۔ وہ دولت و ثروت، ظاہری ٹھاٹھ باٹھ، بیش قیمت لباس، لذیذ کھانے اور پرسکون رہائش گاہیں حاصل ہونے کے باوجود اطمینان قلب اور انشراح صدر کی دولت سے محروم رہتا ہے بلکہ گمراہی کے باعث اس کا سینہ بہت ہی تنگ ہوتا ہے کیونکہ جب تک اس کے دل کو ہدایت اور یقین کی روشنی نصیب نہ ہو وہ قلق، حیرت اور شبہات کا شکار رہتا ہے، یہ ہے زندگی کی تنگی۔ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس فرمان فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا کا یہ مفہوم نقل کرتے ہیں کہ وہ شقاوت کا سزاوار ہو جاتا ہے۔ عوفی آپ ہی سے یہ معنی نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو کم یا زیادہ عطا فرماتا ہے لیکن وہ اس میں تقویٰ اختیار نہیں کرتا تو اس میں اس کے لئے کوئی بھلائی نہیں، یہی معیشت میں تنگی ہے۔ آپ ہی فرماتے ہیں کہ ایک گمراہ قوم نے حق سے انحراف کیا اور تکبر کو اپنا شعار بنا لیا، آسودگی اور خوشحالی حاصل ہونے کے باوجود ان کی زندگی تنگی کا شکار تھی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی کرتے ہوئے اور اس کے وعدوں کی تکذیب کرتے ہوئے یہ خیال کیا کرتے تھے کہ وہ انہیں

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 38

اخروی نعمتوں سے نہیں نوازے گا۔ جب ایک بندہ اللہ تعالیٰ کو جھٹلاتا ہے، اس کے ساتھ بدگمانی کرتا ہے اور بے اعتمادی کا اظہار کرتا ہے تو اس کی زندگی اس پر دشوار اور سخت ہو جاتی ہے، یہی زندگی کی تنگی ہے(1)۔ ضحاک کہتے ہیں کہ "مَعِيشَةً ضَنكًا" سے مراد برا عمل اور خبیث رزق ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قبر کی تنگی ہے یعنی اس پر قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی دونوں طرف کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومن کی قبر سرسبز و شاداب باغ ہے، اسے ستر ہاتھ کشادہ کر دیا جاتا ہے اور اسے یوں منور کر دیا جاتا ہے جیسے چودھویں رات کا چاند۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس آیت فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا کا شان نزول کیا ہے، کیا تم جانتے ہو کہ "مَعِيشَةً ضَنكًا" سے کیا مراد ہے؟ صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "کافر کے لئے عذاب قبر، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس پر ننانوے اژدھے مسلط کیے جاتے ہیں، ہر اژدھے کے سات سر ہوتے ہیں، وہ قیامت تک پھنکارتے، اس کے جسم کو ڈستے اور نوچتے رہتے ہیں"۔ اس روایت کا مرفوع ہونا منکر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "تنگ زندگی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ننانوے اژدھے مسلط کر دیتا ہے جو قیامت تک اس کے گوشت کو ڈستے اور نوچتے رہیں گے"(2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ مجاہد، ابوصالح اور سدی اس فرمان وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی، عکرمہ اس کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ سوائے جہنم کے ہر چیز اس پر مخفی ہوگی۔ اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اسے اس حال میں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا کہ وہ ظاہری بینائی اور باطنی بصیرت سے محروم ہوگا جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا ۖ مَّأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ (بنی اسرائیل: 97) "اور قیامت کے دن ہم انہیں منہ کے بل اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے"، اس لئے وہ کہے گا: رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ ۔ یعنی تیرے پاس ہماری آیات آئیں لیکن تو نے ان سے منہ موڑ لیا اور انہیں فراموش کر دیا آج ہم یہی معاملہ تجھ سے کریں گے اور تجھے فراموش کر دیا جائے گا جیسا کہ ارشاد ہے: فَالْيَوْمَ نَنسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَٰذَا (الاعراف: 51) "آج ہم انہیں فراموش کر دیں گے جیسے انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا"۔ کیونکہ جیسا عمل ہو، اسی نوعیت کی جزا ہوتی ہے۔ اگر قرآن کریم کے الفاظ بھول جائیں لیکن ان کے معانی ذہن نشین ہوں اور انسان قرآن پر عمل پیرا ہو تو وہ اس وعید خاص میں داخل نہیں اگرچہ ایک دوسری جہت سے وہ اس وعید کا سزاوار ہے کیونکہ اس معاملہ میں نبی کریم ﷺ کی طرف سے نہایت سخت وعید وارد ہوئی ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: "جس آدمی نے قرآن کریم پڑھ کر بھلا دیا تو وہ جس دن اللہ تعالیٰ سے ملے گا، جذام زدہ ملے گا"(3)۔

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِن بِآيَاتِ رَبِّهِ ۚ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ ﴿١٢٧﴾

"اور یونہی ہم بدلہ دیں گے ہر اس شخص کو جس نے حد سے تجاوز کیا اور نہ ایمان لایا اپنے رب کی آیتوں پر۔ اور (سن لو!) آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بہت دیرپا ہے"۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 227
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 58-59
3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 323،285

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے والوں اور آیات الٰہی کو جھٹلانے والوں کو ہم اسی طرح دنیا وآخرت میں بدلہ دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ (الرعد:34) ”ان کے لئے دنیاوی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو بڑا سخت ہوگا اور انہیں اللہ کی گرفت سے بچانے والا کوئی نہیں“۔ اس لئے فرمایا: وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ - یعنی اخروی عذاب دنیاوی عذاب سے زیادہ المناک اور دائمی ہے، وہ ہمیشہ ہمیشہ اس عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے لعان کرنے والوں سے فرمایا تھا: ”دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا اور معمولی ہے“(1)۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى
مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ
فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

”کیا (یہ بات) انہیں راہ راست نہ دکھا سکی کہ کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے (بداعمالیوں کے باعث) ان سے پہلے برباد کر دیا چلتے پھرتے ہیں یہ لوگ جن کے (اجڑے ہوئے) مکانوں میں۔ اس میں (ہماری قدرت کی) نشانیاں ہیں دانشمندوں کے لئے۔ اور اگر ان کے (انجام کے) متعلق آپ کے رب کا فیصلہ پہلے نہ ہو چکا ہوتا اور ان کے لئے ایک وقت مقرر نہ کر دیا گیا ہوتا تو ابھی ان پر عذاب نازل ہو جاتا۔ پس (اے حبیب!) صبر فرمایئے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اور رات کے لمحوں میں اس کی پاکی بیان کرو اور دن کے اطراف میں بھی تاکہ آپ خوش رہیں“۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ کو جھٹلانے والے لوگوں کو کیا یہ بات راہ راست نہ دکھا سکی کہ ہم نے ان سے پہلے کئی قوموں کو اس لئے ہلاک کر دیا کہ وہ رسولوں کو جھٹلاتے تھے، اس کی پاداش میں انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ یہ کفار جب ان قوموں کی اجڑی ہوئی بستیوں سے گزرتے ہیں تو اپنی آنکھوں سے اس چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس میں دانشمندوں اور عقلمندوں کے لئے قدرت خداوندی کی واضح نشانیاں موجود ہیں جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (الحج:46) ”کیا انہوں نے زمین میں سیاحت نہیں کی تاکہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے وہ سن سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر سینوں میں دل اندھے ہو جاتے ہیں“۔ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ (السجدۃ:26) ”پھر فرمایا: وَلَوْلَا كَلِمَةٌ ۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے ہی یہ طے نہ ہو چکا ہوتا کہ وہ اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتا اور ان جھٹلانے والوں کے لئے ایک مدت مقرر نہ کر دی گئی ہوتی تو انہیں اچانک عذاب اپنی لپیٹ میں لے لیتا، اسی لئے اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: فَاصْبِرْ ۔ یعنی ان کی تکذیب اور دل دکھانے والی باتوں

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 2 صفحہ 1130-1131، عارضۃ الاحوذی، کتاب التفسیر، جلد 12 صفحہ 44

پر صبر کریں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور اس کے غروب کے بعد تسبیح بیان کریں۔ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے مراد نماز فجر ہے اور قَبْلَ غُرُوْبِهَا سے مراد نماز عصر ہے جیسا کہ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا: "تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم یہ چاند دیکھ رہے ہو اور اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں اٹھانی پڑ رہی۔ اگر تم طلوع آفتاب سے پہلے کی نماز اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز کی پابندی کر سکو تو ضرور ایسا کرو" (1)۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "وہ شخص ہرگز آگ میں داخل نہیں ہوگا جو سورج نکلنے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے کی نمازیں پڑھتا رہا" (2)۔ مسند اور سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے ادنیٰ درجے کا جنتی وہ ہے جو دو ہزار سال کی مسافت تک اپنی ملکیت دیکھے گا، وہ دور دراز کی چیز اور اپنے سے قریب ترین چیز کو یکساں دیکھے گا اور سب سے اعلیٰ درجے والا جنتی وہ ہے جو دن میں دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریگا (3)۔ پھر فرمایا: وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ یعنی رات کی گھڑیوں میں تہجد پڑھیں۔ بعض نے اس سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں لی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اَطْرَافَ النَّهَارِ کا ذکر فرمایا یعنی رات کی گھڑیوں میں اور دن کے اطراف میں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کریں تاکہ آپ خوش اور راضی ہو جائیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ: 5)۔ "اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے"۔ حدیث صحیح میں ہے: "اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے جنتیو! وہ عرض کریں گے: "لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَ سَعْدَيْكَ" اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہماری کیا مجال ہے کہ ہم راضی نہ ہوں حالانکہ تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو اپنی مخلوق میں سے تو نے کسی کو عطا نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہیں اس سے بھی افضل چیز عنایت کرتا ہوں۔ وہ عرض کریں گے کہ اس سے افضل چیز کون سی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہیں اپنی خوشنودی سے سرفراز کرتا ہوں، اس کے بعد میں کبھی بھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا" (4)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: "اے جنتیو! اللہ تعالیٰ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا وہ اسے پورا کرنا چاہتا ہے۔ عرض کریں گے کہ وہ کیا ہے؟ کیا اس نے ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیئے، ہماری نیکیوں کے پلڑے بھاری نہیں کر دیئے، کیا ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دی اور جنت میں داخل نہیں کیا؟ (پھر باقی کیا رہ گیا ہے) اسی وقت حجاب اٹھ جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، اللہ کی قسم! دیدار سے بہتر کوئی اور نعمت نہیں ہوگی، یہی زیادتی اور اضافہ ہے" (5)۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

1۔ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 145۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 439

2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 440۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 136

3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ قیامۃ، جلد 12 صفحہ 230-233۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 13

4۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 142۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2176

5۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 163۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 18-19

''اور آپ مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھئے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے کافروں کے چند گروہوں کو یہ محض زیب وزینت ہیں دنیوی زندگی کی (اور انہیں اس لئے دی ہیں) تا کہ ہم آزمائیں انہیں ان سے۔ اور آپ کے رب کی عطا بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اور حکم دیجئے اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی پابند رہیے اس پر۔ نہیں سوال کرتے ہم آپ سے روزی کا (بلکہ) ہم ہی روزی دیتے ہیں آپ کو۔ اور اچھا انجام پرہیزگاری کا ہی ہوتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی حضرت محمد ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ ان آسودہ حال اور مالدار کفار کی طرف مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھیں جنہیں ہم نے طرح طرح کی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں کیونکہ یہ چیزیں دنیاوی زیب وزینت ہے جسے آخر کار فنا ہو جانا ہے۔ کفار کو ان چیزوں سے لطف اندوز کر کے ہم انہیں آزمانا چاہتے ہیں اور میرے بندوں میں سے شکر گزار تو بہت ہی کم ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ سے مراد مالدار لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان سے بہت ہی بہتر نعمت سے نواز ا ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ ... (الحجر:88-87) ''اور بے شک ہم نے آپ کو سات آیتیں عطا فرمائیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم بھی، اپنی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو۔ ''۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لئے جو اخروی انعامات تیار کر رکھے ہیں وہ بہت ہی گراں قدر ہیں، نہ ان کی حد بیان کی جا سکتی ہے اور نہ وصف جیسا کہ فرمایا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ:5) ''اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے''۔ اس لئے فرمایا: وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایلاء کے دوران ایک بالا خانے میں عزلت نشینی اختیار کر لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ آپ ایک سخت اور کھردری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور مشکیزے کے سوا اور کوئی سامان نہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بے ساختہ رونا آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر! یہ رونا کیسا؟'' عرض کی: یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ تو عیش و آرام میں ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ برگزیدہ ہونے کے باوجود اس حالت میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابن خطاب! کیا تم شک میں ہو؟ وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں دنیاوی زندگی میں ہی یہ نعمتیں مل گئیں''(1)۔ آپ ﷺ باوجود قدرت کے سب سے زیادہ دنیا سے اعراض کرنے والے تھے۔ جب بھی دنیاوی مال ومتاع آپ کے پاس آتا، آپ اسے فوراً خرچ کر دیتے اور آئندہ کل کے لئے کوئی چیز اپنے لئے بچا کر نہ رکھتے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ اندیشہ ''زھرۃ الدنیا'' کا ہے جس کے دروازے اللہ تعالیٰ تم پر کھول دے گا''۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! زھرۃ الدنیا سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ''زمین کی برکات''۔ قتادہ اور سدی کہتے ہیں کہ ''زھرۃ'' سے مراد زیب وزینت ہے(2)۔ پھر نماز کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَاْمُرْ اَهْلَكَ ... یعنی اپنے گھر والوں کو نماز قائم کرنے کا حکم دیں تا کہ وہ عذاب سے محفوظ ہو جائیں اور خود بھی اس کی پابندی کریں جیسا کہ ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم:6) ''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رات میں ایک وقت مقرر کر رکھا تھا جس میں اٹھ کر آپ نماز تہجد ادا کرتے، راوی کہتے ہیں کہ بعض اوقات آپ نہ اٹھتے تو ہم کہتے کہ آپ آج حسب معمول نہیں اٹھیں گے۔ آپ جب بھی نماز تہجد کے لئے اٹھتے تو اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے اور اسی آیت وَاْمُرْ

1۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، جلد 3 صفحہ 174، صحیح مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 1106-1113

2۔ تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 235-236

اَفَلَا... کی تلاوت کرتے(1)۔ فرمایا: لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۔ یعنی جب تم نماز قائم کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائے گا جس کا تمہیں وہم وگمان بھی نہ ہوگا جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق:3-2) ''اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا'' اور فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (الذاریات:58-56) ''اور میں نے جن وانس کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ ۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا اور بھرپور قوت والا ہے''۔ اس لئے فرمایا: لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۔ ثوری اس کا یہ مفہوم بتاتے ہیں کہ ہم تمہیں کسی طلب کے مکلف نہیں بناتے۔ حضرت ہشام کے والد گرامی جب دنیاداروں کے پاس جاتے اور ان کی دنیاوی شان وشوکت کو دیکھتے تو واپس اپنے گھر آ کر مذکورہ آیات کی تلاوت کرتے، پھر اپنے گھر والوں سے فرماتے، نماز پڑھیں، نماز پڑھیں، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے!(2) نبی کریم ﷺ کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو آپ اپنے اہل خانہ کو آواز دیتے: اے میرے گھر والو! نماز پڑھو، نماز پڑھو۔ ثابت کہتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا ہمیشہ یہی معمول رہا۔ جب بھی انہیں کوئی معاملہ درپیش ہوتا، فوراً نماز پڑھنا شروع کر دیتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! میری عبادت میں لگ جا، میں تمہارا سینہ خوشحالی سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو ختم کروں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو فکر سے بھر دوں گا اور تمہارے فقر کے احساس کو ختم نہیں کروں گا''(3)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو اپنے تمام فکر یکجا کر کے صرف آخرت کی فکر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ دنیاوی فکر میں اسے کافی ہو جاتا ہے اور جو شخص دنیا کی طرح طرح کی فکروں میں پڑ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتا ہے''(4)۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا جس کا مقصود بن جائے، اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو منتشر کر دیتا ہے اور اس کے احساس فقر کو ہمیشہ اس کی آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود دنیا اسے صرف اس قدر ہی ملتی ہے جتنی اس کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے اور آخرت جس شخص کا مطلوب ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو یکجا کر دیتا ہے، اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے''(5)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى یعنی دنیا وآخرت میں اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے خاص ہے یعنی انہیں جنت عطا ہوگی۔ ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''آج رات میں نے خواب میں دیکھا گویا ہم عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں اور ابن طاب کے باغ کی تر کھجوریں ہمارے پاس لائی گئیں۔ میں نے اس سے یہ تعبیر اخذ کی ہے کہ دنیا میں عمدہ انجام اور رفعت ہمیں ہی نصیب ہوگی اور یہ کہ ہمارا دین پاک اور طیب ہے''(6)۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ

1۔ موطا امام مالک، کتاب صلاۃ اللیل، جلد 1 صفحہ 119، الدرالمنثور، جلد 5 صفحہ 614-613

2۔ الدرالمنثور، جلد 5 صفحہ 614، تفسیر طبری، جلد 16 صفحہ 237-236

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 7 صفحہ 286، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1376

4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1375 5۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1375

6۔ صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، جلد 4 صفحہ 1779، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 306

قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰی ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ وَ مَنِ اهْتَدٰی ﴿۱۳۵﴾

''اور کفار کہتے ہیں کہ (یہ نبی) کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس کوئی نشانی اپنے رب کے پاس سے۔ (ان سے پوچھو) کیا نہیں آ گیا ان کے پاس واضح بیان جو پہلی نازل شدہ کتابوں میں ہے۔ اور اگر ہم انہیں ہلاک کر دیتے کسی عذاب سے اس سے پہلے تو کہتے اے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تا کہ ہم پیروی کرتے تیری آیتوں کی اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوئے۔ (اے حبیب!) آپ انہیں فرمائیے ہر شخص (انجام کا) منتظر ہے تو تم بھی انتظار کرو۔ تم عنقریب جان لو گے کون ہیں سیدھی راہ (پر چلنے) والے اور کون ہدایت یافتہ ہیں''۔

کفار یہ کہا کرتے تھے کہ یہ نبی (ﷺ) ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں لے آتے جو ان کی نبوت و رسالت کی صداقت پر دلالت کرے؟ اس کے جواب میں فرمایا: اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ..... یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن کریم آپ ﷺ پر نازل کیا، آپ تو امی ہیں لکھنا پڑھنا نہیں جانتے اور نہ ہی آپ نے اہل کتاب سے سیکھا ہے۔ اس قرآن کریم میں پہلے لوگوں کے حالات مذکور ہیں بالکل اسی طرح جیسے سابقہ اصلی کتابوں میں ان کے حالات بیان ہوئے۔ قرآن کریم ان سب کتابوں پر نگہبان ہے، صحیح کی تصدیق کرتا ہے اور جھوٹ موٹ گھڑی ہوئی باتوں کو واضح طور پر بیان کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۗ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ۗ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (العنکبوت: 51-50) '' اور انہوں نے کہا کیوں نہ ان پر ان کے رب کی طرف سے نشانیاں اتاری گئیں، فرمائیے نشانیاں تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور میں صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ اس میں مومنوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے''۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: '' ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے ایسے معجزات عطا فرمائے جنہیں دیکھ کر لوگ ایمان لائے لیکن مجھے جو کچھ عطا کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی (قرآن کریم) ہے۔ مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکار تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے''(1)۔ یہاں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے بڑا معجزہ (قرآن کریم) بیان ہوا ہے ورنہ آپ کے معجزات تو حدوشمار سے باہر ہیں جیسا کہ معجزات کے متعلق مخصوص کتابوں اور مخصوص مقامات پر ان کا تذکرہ موجود ہے۔ پھر فرمایا: وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ۔ یعنی اگر ہم اس رسول کریم ﷺ کو ان کی طرف بھیجنے اور ان پر یہ کتاب عظیم نازل کرنے سے پہلے، ان جھٹلانے والوں کو ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہلاک کرنے سے پہلے تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا تا کہ اس ذلت و رسوائی سے پہلے ہی ہم اس رسول پر ایمان لے آتے، اس کی اتباع کرتے اور تیری آیات کی پیروی کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ جھٹلانے والے ہٹ دھرم اور سرکش ہیں، یہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانی آ جائے، البتہ جب یہ دردناک عذاب دیکھیں گے تو اس وقت اپنے ایمان لانے کا اظہار کریں گے جیسا کہ فرمایا: وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ - - بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ (الانعام: 158-155)، وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا - (الانعام: 110) '' اور وہ پوری کوشش سے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ گئی تو اس پر ضرور ایمان لائیں گے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6، صفحہ 224

آپ فرما دیجئے کہ نشانیاں صرف اللہ ہی کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو) تمہیں کیا خبر کہ جب یہ نشانی آ جائے گی تو بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے"۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ (فاطر:42) "اور یہ اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ پہلی امتوں سے زیادہ ہدایت کو قبول کریں گے"۔ پھر فرمایا: قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ...... یعنی اے میرے پیارے رسول! آپ ان لوگوں سے فرما دیں جو آپکو جھٹلاتے ہیں، آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنے کفر و عناد پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ ہم میں سے اور تم میں سے ہر ایک اپنے انجام کا منتظر ہے اس لئے تم بھی انتظار کرو اور عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون لوگ راہ راست پر گامزن اور ہدایت یافتہ ہیں، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (الفرقان:42) "یہ جان لیں گے جب عذاب کو دیکھیں گے کہ کون راہ راست سے بھٹکا ہوا ہے"۔ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ (القمر:26) "کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے"۔

سورۃ انبیاء (مکیہ)

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ کہف، سورۃ مریم، سورۃ طٰہٰ اور سورۃ انبیاء پہلے پہل نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہیں اور یہ میرا قدیم جمع شدہ خزانہ ہیں۔(1)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُہُمۡ وَ ہُمۡ فِیۡ غَفۡلَۃٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۚ﴿۱﴾ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡہُ وَ ہُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ لَاہِیَۃً قُلُوۡبُہُمۡ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّجۡوَی ٭ۖ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ٭ۖ ہَلۡ ہٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ ۚ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ وَ اَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳﴾ قٰلَ رَبِّیۡ یَعۡلَمُ الۡقَوۡلَ فِی السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ۫ وَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۴﴾ بَلۡ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍۭ بَلِ افۡتَرٰىہُ بَلۡ ہُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلۡیَاۡتِنَا بِاٰیَۃٍ کَمَاۤ اُرۡسِلَ الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۵﴾ مَاۤ اٰمَنَتۡ قَبۡلَہُمۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَا ۚ اَفَہُمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾

"قریب آگیا ہے لوگوں کے لئے ان کے (اعمال کے) حساب کا وقت اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں نہیں آتی ان کے پاس کوئی تازہ نصیحت ان کے رب کی طرف سے مگر یہ کہ وہ سنتے ہیں اسے اس حال میں کہ وہ (لہو) لعب میں (مگن) ہوتے ہیں۔ غافل ہوتے ہیں ان کے دل۔ اور (آپ کے خلاف) سرگوشیاں کرتے ہیں ظالم (وہ کہتے ہیں) کیا ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند۔ تو کیا تم پیروی کرنے لگے ہو جادو کی حالانکہ تم دیکھ رہے ہو۔ (کہ یہ تمہاری طرح بشر ہے (نبی کریم ﷺ نے) فرمایا میرا رب جانتا ہے جو بات کہی جاتی ہے آسمان اور زمین میں۔ اور وہی ہر بات سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں بلکہ یہ پریشان خواب ہیں (نہیں) بلکہ اس نے خود گھڑا ہے اسے (نہیں) بلکہ وہ شاعر ہے۔ (اگر وہ سچا نبی ہے) تو لے آئے ہمارے پاس کوئی نشانی جس طرح بھیجے گئے تھے پہلے انبیاء۔ نہیں ایمان لائی ان سے پہلے کوئی بستی جسے ہم نے تباہ کیا تھا۔ تو کیا اب یہ لوگ ایمان لے آئیں گے"۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو متنبہ فرما رہا ہے کہ قیامت بالکل قریب ہے لیکن وہ اس سے غافل ہیں، نہ وہ اس کے لئے عمل کر رہے ہیں اور نہ تیاری۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس فرمان فِیۡ غَفۡلَۃٍ مُّعۡرِضُوۡنَ کے متعلق فرمایا کہ وہ دنیا میں مگن ہیں(2)۔ اور مقامات پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ (النحل: 1) "قریب آگیا ہے حکم الٰہی پس اس کے لئے عجلت نہ کرو"، اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَ انۡشَقَّ الۡقَمَرُ (القمر: 1) "قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہوگیا"۔ ابوالعتاہیہ اپنے ایک شعر میں کہتا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ انبیاء، جلد 6، صفحہ 121

2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 249

اَلنَّاسُ فِيْ غَفَلَاتِهِمْ وَرَحَى الْمَنِيَّةِ تَطْحَنُ (1)

یعنی لوگ اپنی غفلتوں میں پڑے ہیں اور موت کی چکی چستی پڑی جا رہی ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ شعر کہاں سے اخذ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس آیت اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ سے۔ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک عربی مہمان ٹھہرا، انہوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش بھی کی۔ دوبارہ جب یہ مہمان ان کے پاس آیا تو انہیں کہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فلاں وادی عطا فرمادی ہے، میری خواہش ہے کہ میں اس میں سے کچھ حصہ آپ کے نام کر دوں تاکہ یہ آپ کے اور آپ کے بعد آپ کی اولاد کے کام آئے۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے تمہاری جاگیر کی کوئی ضرورت نہیں، آج ایک سورت نازل ہوئی ہے جس نے ہمیں دنیا سے غافل کر دیا ہے پھر آپ نے یہی اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ... تلاوت فرمائی (2)۔ قریش اور ان جیسے کفار کے متعلق بتایا کہ وہ اس وحی کو غور سے نہیں سنتے وہ اپنے رسول پر نازل کرتا ہے، فرمایا: مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ... جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اہل کتاب سے ان کی کتابوں کی باتیں کیوں پوچھتے ہو حالانکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں تحریف، تبدیلی اور کمی بیشی کر دی ہے اور تمہاری کتاب تازہ اور خالص آسمانی کتاب ہے جس میں اس قسم کی چیز کا شائبہ تک نہیں (3)۔ فرمایا: وَأَسَرُّوا یعنی ظالم آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ تمہاری طرح بشر ہی ہیں اور کیا تم جادو کی پیروی کر رہے ہو حالانکہ تمہیں اس بارے میں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ جادو ہے۔ یہ لوگ آپ ﷺ کے مقام نبوت پر فائز ہونے کو محال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باقی لوگوں کو چھوڑ کر صرف انہیں ہی وحی کے ساتھ مختص کیوں کیا گیا ہے۔ اس افترا بازی اور کذب بیان کے جواب میں فرمایا: قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ یعنی وہ رب جو زمین و آسمان میں کہی گئی بات کو جانتا ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہو سکتی، وہی وہ ذات ہے جس نے ایسا قرآن کریم نازل کیا ہے جو اول و آخر تمام لوگوں کی خبروں پر مشتمل ہے اور اس جیسا کلام پیش کرنا کسی کے بس کا روگ نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان میں موجود ہر امر سے واقف ہے۔ وہ لوگوں کی باتوں کو سننے والا اور ان کے حالات کو خوب جاننے والا ہے۔ اس فرمان وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ میں ان لوگوں کے لئے وعید ہے۔ پھر فرمایا: بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ کفار کی ہٹ دھرمی، الحاد، قرآن کریم کے متعلق ان کے اختلاف رائے، ان کی حیرت اور گمراہی کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ کبھی تو وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن کریم جادو ہے، کبھی اسے شاعری قرار دیتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ یہ پریشان خواب ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ خود ساختہ اور گھڑا ہوا ہے جیسا کہ فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل: 48) "دیکھئے یہ کس طرح آپ کے لئے مثالیں بیان کرتے ہیں پس وہ گمراہ ہو گئے اب وہ سیدھی راہ پر نہیں چل سکتے"۔ کفار حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام جیسے معجزات کا تقاضا کرتے ہوئے کہتے: فَلْيَأْتِنَا بِاٰيَةٍ ..... اس کے متعلق ارشاد ہوا: وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (بنی اسرائیل: 59) "اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں نشانیاں مگر اس بات نے کہ پہلوں نے انہیں جھٹلایا تھا"۔ اس لئے یہاں فرمایا: مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ..... یعنی ان سے پہلے جس جس بستی کو ہم نے تباہ و برباد کیا، اس کی طرف پہلے ہم نے اپنے نبی کو معجزے دے کر بھیجا لیکن وہ اس پر ایمان لانے کی بجائے اسے جھٹلانے لگے، چنانچہ اس کی پاداش میں ہم نے انہیں نیست و نابود کر دیا۔ جب گزشتہ قومیں معجزات دیکھ

1۔ دیوان العتاہیہ: 429
2۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 615، حلیۃ الاولیاء، جلد 1، صفحہ 179
3۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9، صفحہ 187

لینے کے باوجود ایمان نہ لائیں تو کیا ان کفار کے متعلق یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ معجزات دیکھ لینے کے بعد ایمان لے آئیں گے؟ ہرگز نہیں، بلکہ اِنَّ الَّذِیۡنَ حَقَّتۡ عَلَیۡہِمۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۙ وَ لَوۡ جَآءَتۡہُمۡ کُلُّ اٰیَۃٍ حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ (یونس:97-96)'' بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ساری نشانیاں آ جائیں جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں''، دراصل وہ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے تھے ورنہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں ایسے بے شمار روشن معجزات، قطعی دلائل اور واضح آیات کا مشاہدہ کر چکے تھے جو پہلے انبیاء کے معجزات اور دلائل سے زیادہ واضح، روشن اور قاہر ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ بیٹھے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں عبداللہ بن ابی سلول (رئیس المنافقین) اپنی مسند اور تکیہ لئے آ دھمکا اور اپنی مسند اور تکیہ لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ بہت خوبصورت، فصیح گفتگو کرنے والا اور بحث و تمحیص کرنے والا شخص تھا، کہنے لگا: اے ابوبکر! محمد (ﷺ) سے کہو کہ وہ ہمارے پاس کوئی معجزہ لائیں جیسا کہ پہلے انبیاء معجزات لے کر آئے۔ موسیٰ علیہ السلام تختیاں لے کر آئے، داؤد علیہ السلام زبور لائے، صالح علیہ السلام اونٹنی کا معجزہ لائے اور عیسیٰ علیہ السلام انجیل اور آسمانی دستر خوان لائے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے، اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے نکلے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابہ سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ، ہم اس منافق کے مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے آپ ﷺ سے فریاد کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے لئے قیام نہ کیا جائے، قیام تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے''۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اس منافق سے ہمیں بہت تکلیف پہنچی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل علیہ السلام نے ابھی مجھے کہا کہ باہر نکلئے اور جو انعامات اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر فرمائے ہیں اور جن فضائل سے آپ کو فضیلت بخشی ہے، انہیں بیان فرمایئے۔ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں جنات کو بھی خبردار کروں، مجھے کتاب عطا کی گئی ہے حالانکہ میں امی ہوں، اللہ تعالیٰ نے میرے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیئے۔ اس نے میرا نام اذان میں شامل کیا، مجھے ملائکہ کے ذریعے امداد بہم پہنچائی، اپنی فتح و نصرت سے مجھے نوازا، میرا رعب میرے سامنے کر دیا، مجھے کوثر مرحمت فرمایا، میرے حوض کو قیامت کے دن سب سے بڑا بنا دیا، میرے ساتھ مقام محمود کا وعدہ فرمایا جبکہ لوگ پریشان حال سر جھکائے ہوئے ہوں گے، اس نے مجھے پہلے گروہ میں رکھا ہے جو لوگوں سے نکلے گا، میری شفاعت سے میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے، اس نے مجھے سلطنت اور ملک عطا فرمایا، نعمتوں بھری جنت میں مجھے سب سے اعلیٰ بالاخانہ عطا فرمایا، مجھ سے اوپر صرف عرش کو اٹھانے والے فرشتے ہوں گے، میرے لئے اور میری امت کے لئے غنیمتوں کو حلال کیا حالانکہ ہم سے پہلے کسی کے لئے انہیں حلال نہ کیا گیا۔'' یہ حدیث بہت غریب ہے۔

وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ وَ مَا جَعَلۡنٰہُمۡ جَسَدًا لَّا یَاۡکُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَ مَا کَانُوۡا خٰلِدِیۡنَ ۝ ثُمَّ صَدَقۡنٰہُمُ الۡوَعۡدَ فَاَنۡجَیۡنٰہُمۡ وَ مَنۡ نَّشَآءُ وَ اَہۡلَکۡنَا الۡمُسۡرِفِیۡنَ ۝

''اور نہیں رسول بنا کر بھیجا ہم نے (اے حبیب!) آپ سے پہلے مگر مردوں کو ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف پس (اے

منکرو!) پوچھو اہل علم سے اگر تم (خود حقیقت حال کو) نہیں جانتے۔ اور نہیں بنائے ہم نے ان انبیاء کے (ایسے) جسم کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے۔ پھر ہم نے سچا کر دکھایا انہیں (جو) وعدہ (ہم نے ان سے کیا تھا) پس ہم نے نجات دی انہیں اور ان لوگوں کو جن کو ہم نے (بچانا) چاہا اور ہم نے ہلاک کر دیا حد سے بڑھنے والوں کو۔"

کسی بشر کے منصب رسالت پر فائز ہونے کا انکار کرنے والوں کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ یعنی گزشتہ تمام انبیاء و رسل بشر ہی تھے اور ان میں سے کوئی ایک بھی فرشتہ نہ تھا جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ (یوسف: 101) "اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی"۔ اور فرمایا: قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (الاحقاف: 9) "فرمایئے میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں"، پہلی امتیں بھی انکار کرتے ہوئے کہا کرتی تھیں: اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا (التغابن: 6) "کیا انسان ہماری رہنمائی کریں گے"، اس لئے فرمایا: فَسْـَٔلُوْٓا یعنی سابقہ کتب کے حاملین یہود، نصاریٰ اور دیگر قوموں سے پوچھ لو کہ ان کی طرف جو رسول آئے تھے، کیا وہ بشر تھے یا فرشتے۔ وہ تمہیں یہی بتائیں گے کہ تمام رسول بشر تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے انسانوں میں سے ہی رسول بنا کر ان کی طرف مبعوث فرما دیئے تاکہ وہ ان سے تعلیمات ربانی اخذ کر سکیں۔ مزید فرمایا: وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا یعنی انہیں نے ایسے اجساد بنا دیئے جو کھانا کھایا کرتے تھے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ (الفرقان: 20) "اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں چلا پھرا کرتے تھے"۔ یعنی وہ بشر تھے جو باقی لوگوں کی طرح کھاتے پیتے اور کسب معاش اور تجارت کے لئے بازاروں میں بھی جاتے۔ یہ چیز ان کے لئے نہ باعث ضرر ہے اور نہ باعث نقص جیسا کہ مشرکین نے ایسا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا: مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ۙ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۙ اَوْ یُلْقٰٓی اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا (الفرقان: 7) "اس رسول کو کیا ہوا ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس کی طرف کوئی فرشتہ اتارا جاتا اور وہ اس کے ساتھ مل کر ڈراتا یا اس کی طرف کوئی خزانہ اتارا جاتا یا اس کا ایک باغ ہی ہوتا جس سے وہ کھاتا"۔ پھر فرمایا: وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ یعنی دنیا میں ہم نے انہیں خلود اور ہمیشگی نہیں عطا فرمائی بلکہ دنیا میں اپنی زندگی بسر کرنے کے بعد وصال کر گئے جیسا کہ فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (الانبیاء: 34) "اور ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کے لئے ہمیشہ رہنا مقدر نہیں کیا"۔ بشر ہونے کے باوجود ان حضرات کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی اور فرشتے ان کے پاس آ کر احکام الٰہی پہنچا دیتے۔ پھر فرمایا: ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ یعنی ظالموں کی ہلاکت کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کر رکھا تھا، اسے اللہ تعالیٰ نے پورا فرما دیا اور انہیں اور ان کے مومن پیروکاروں کو نجات عطا فرمائی اور انہیں جھٹلانے والوں کو نیست و نابود کر دیا۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰی مَآ اُتْرِفْتُمْ فِیْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا یٰوَیْلَنَآ

اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾

''بے شک ہم نے اتاری تمہاری طرف ایک کتاب جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔ اور کتنی بستیاں ہم نے برباد کر دیں (کیونکہ) وہ ظالم تھیں اور ہم نے پیدا فرما دی ان (کی بربادی) کے بعد ایک دوسری قوم۔ پس جب انہوں نے محسوس کیا ہمارا عذاب تو فوراً انہوں نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ اب مت بھاگو اور واپس لوٹو ان آسائشوں کی طرف جو تمہیں دی گئی تھیں اور (لوٹو) اپنے مکانوں کی طرف تا کہ تم سے باز پرس کی جائے۔ کہنے لگے وائے شومئی قسمت! ہم ہی ظالم تھے۔ پس وہ یونہی شور و پکار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹے ہوئے کھیت (اور) بجھے ہوئے (انگاروں) کی طرح کر دیا۔''

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے شرف پر آگاہ کرتے ہوئے اور اس کی قدر و منزلت کی معرفت پر ترغیب دلاتے ہوئے فرماتا ہے: لَقَدْ اَنْزَلْنَآ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول ذکر کا معنی شرف ہے، مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد تمہاری باتیں ہیں اور حسن فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تمہارا دین ہے۔ فرمایا: اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی کیا تم اس نعمت کو نہیں سمجھتے اور قبول نہیں کرتے، اور مقام پر فرمایا: وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْــَٔـلُوْنَ (الزخرف:44)'' اور بے شک یہ آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے بڑا شرف ہے اور تم سے جواب طلبی ہوگی''۔ فرمایا: وَكَمْ قَصَمْنَا ''کم'' یہاں تکثیر کا فائدہ دے رہا ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ (بنی اسرائیل:18)'' اور نوح کے بعد کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا''، فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا (الحج:45)'' پس کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں''۔ مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بہت سی ظالم بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے بعد ایک اور قوم کو پیدا کر دیا، جب انہیں یقین ہو گیا کہ نبی کے وعدہ کے مطابق اب وہ لامحالہ عذاب کی لپیٹ میں آنے والے ہیں تو ادھر ادھر بھاگنے دوڑنے لگے، فرمایا: لَا تَرْكُضُوْا۔ ان سے استہزاء کرتے ہوئے اور انہیں ڈانٹتے ہوئے یہ فرمایا کہ اب عذاب سے بھاگو نہیں بلکہ اپنی عیش و عشرت کے سامان اور اپنے مکانوں کی طرف لوٹو تا کہ تم سے ان انعامات کے متعلق باز پرس کی جائے۔ وہ کہنے لگے: يٰوَيْلَنَآ یعنی انہوں نے اس وقت اپنے گناہوں کا اعتراف کیا جس وقت ایسا کرنا بے سود تھا۔ پھر اسی طرح وہ چیخ و پکار کرتے ہوئے اپنے ظلم کا اعتراف کرتے رہے یہاں تک کہ انہیں کٹے ہوئے کھیت کی طرح تباہ و برباد کر دیا گیا، ان کی حرکات ختم اور ان کی آوازیں خاموش ہو گئیں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾

''اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، دل لگی کرتے ہوئے۔ اگر ہمیں یہ منظور ہوتا کہ ہم (اس کائنات کو) کھیل تماشہ بنائیں تو ہم بنا لیتے اسے خود بخود (ہمیں کون روک سکتا تھا) مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں۔

بلکہ ہم تو چوٹ لگاتے ہیں حق سے باطل پر پس وہ اسے کچل دیتا ہے اور وہ یکا یک نابود ہو جاتا ہے۔ اور (اے باطل پرستو!) تمہارے لئے ہلاکت ہے، ان (ناز یبا) باتوں کے باعث جو تم بیان کرتے ہو۔ اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور جو (فرشتے) اس کے نزدیک ہیں وہ ذرا سرکشی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہ ہی وہ تھکتے ہیں۔ وہ (اس کی) پاکی بیان کرتے رہتے ہیں رات دن اور وہ اکتاتے نہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو حق اور عدل کے ساتھ پیدا فرمایا تا کہ وہ بدکاروں کو سزا اور نیکوکاروں کو عمدہ اجر سے نوازے۔ اس نے انہیں فضول، بے کار اور کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا جیسا کہ فرمایا: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ (ص: 24) اگلی آیت میں فرمایا: لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا مجاہد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت، دوزخ، موت، دوبارہ زندہ کئے جانے اور حساب کتاب کو کھیل تماشہ کے طور پر نہیں بنایا۔ حسن اور قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اہل یمن کی زبان میں "لہو" کا معنی عورت ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر ہم بیوی بنانا چاہتے تو حوروں میں سے کسی کو بنا لیتے۔ عکرمہ اور سدی کے بقول یہاں "لھو" کا معنی اولاد ہے۔ یہ دونوں معانی لازم و ملزوم ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (الزمر: 4) "اگر اللہ تعالیٰ کسی کو بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا، وہ پاک ہے، وہی اللہ ہے جو ایک ہے سب سے زبردست"۔ اللہ تعالیٰ نے علی الاطلاق اپنی ذات سے بیٹا بنانے کی نفی کرتے ہوئے اس سے اپنی پاکی بیان فرمائی ہے خصوصاً ان لوگوں کے بہتان، افترا پردازی اور جھوٹ سے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام یا فرشتوں کو اس کی اولاد ٹھہراتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ناروا باتوں اور خرافات سے بہت ہی بلند اور اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ میں "ان" نافیہ ہے، بلکہ مجاہد تو کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہر جگہ "اِنْ" نفی کے لئے ہے۔ پھر فرمایا: بَلْ نَقْذِفُ یعنی ہم حق کو خوب واضح کر دیتے ہیں تو وہ باطل کو کچل کر رکھ دیتا ہے اور وہ یکا یک ناپید اور مضمحل ہو جاتا ہے اور اے وہ لوگو جو اللہ تعالیٰ کی اولاد کے قائل ہو! تمہاری ناروا باتوں اور افترا پردازیوں کے باعث تمہارے لئے ہلاکت اور بربادی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ملائکہ کی عبودیت اور دن رات ان کے مصروف عبادت رہنے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہ تو سرکشی کرتے ہیں اور نہ کوئی عار محسوس کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا (النساء: 172) "ہرگز عار نہ سمجھے گا مسیح کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ ہی مقرب فرشتے اور جسے اس کی بندگی سے عار ہو اور وہ تکبر کرے تو اللہ جلد ہی ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا"۔ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے نہ تھکتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں بلکہ دن رات اس کی اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نیت اور عمل دونوں سے اس کی بندگی میں مصروف ہیں اور اس پر انہیں پوری پوری قدرت حاصل ہے جیسا کہ فرمایا: لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (التحریم: 6) "نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجا لاتے ہیں جو انہیں حکم ہوتا ہے"۔ ابن ابی حاتم میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفل میں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم وہ سنتے ہو جو میں سنتا ہوں"؟ صحابہ نے عرض کی کہ ہمیں تو کوئی چیز سنائی نہیں دے رہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں آسمان کی چرچراہٹ سن رہا ہوں اور یہ اس بات کا سزاوار ہے کہ چرچرائے کیونکہ اس میں ایک بالشت بھر بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سجدہ یا قیام میں نہ ہو"۔ یہ

حدیث غریب ہے۔ عبداللہ بن حارث بن نوفل بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت کعب الاحبار کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس وقت میں کمسن تھا۔ میں نے ان سے اس آیت یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ کے متعلق سوال کرتے ہوئے دریافت کیا کہ گفتگو کرنا، اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا اور عمل کرنا کیا انہیں تسبیح سے مشغول نہیں کرتا؟ وہ پوچھنے لگے کہ یہ بچہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ بنو عبدالمطلب سے ہے۔ انہوں نے میرے سر کو چوما اور فرمایا: بیٹے! فرشتوں کی تسبیح ایسے ہی ہے جس طرح ہم سانس لیتے ہیں۔ کیا تم سانس لیتے ہوئے گفتگو نہیں کرتے اور کیا تم سانس لینے کی حالت میں چلتے پھرتے نہیں؟(1)

اَمِ اتَّخَذُوْۤا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾

"کیا بنا لیے ہیں انہوں نے خدا (اہل) زمین سے جو مردوں کو زندہ کرسکتے ہیں۔ اگر ہوتے زمین و آسمان میں کوئی اور خدا سوائے اللہ تعالیٰ کے تو یہ دونوں برباد ہوجاتے۔ پس پاک ہے اللہ تعالیٰ جو عرش کا رب ہے ان تمام نازیبا باتوں سے جو وہ کرتے ہیں۔ نہیں پرسش کی جاسکتی اس کام کے متعلق جو وہ کرتا ہے اور ان (تمام) سے بازپرس ہوگی"۔

اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے، فرمایا: اَمِ اتَّخَذُوْۤا ۔ یعنی کیا ان کے گھڑے ہوئے خدا زمین سے مردوں کو زندہ کرسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، انہیں تو اس پر بالکل قدرت حاصل نہیں۔ جب ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے تو انہوں نے کیونکر انہیں اللہ تعالیٰ کا مد مقابل بنا کر اس کے ساتھ انہیں شریک عبادت کرلیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ اگر زمین و آسمان میں اس کے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو یہ تباہ و برباد ہوجاتے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ (المومنون: 91) "اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ ہر خدا اپنی پیدا کی ہوئی چیز کو لے جاتے اور وہ خدا ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے ان باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں" اور یہاں فرمایا: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ ..... یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی اس افتراپردازی سے کہ اس کی اولاد ہے یا اس کا کوئی شریک ہے، بہت ہی بلند تر، منزہ اور پاک ہے۔ پھر فرمایا: لَا یُسْـَٔلُ ... یعنی وہ ایسا حاکم ہے کہ کوئی اس کے حکم کو مسترد نہیں کرسکتا اور نہ کوئی اس کی عظمت، جلال، کبریائی، علم، حکمت، عدل اور لطف و کرم کے پیش نظر، اس پر معترض ہوسکتا ہے بلکہ وہ لوگوں سے ان کے اعمال کے متعلق بازپرس کرے گا جیسا کہ فرمایا: فَوَ رَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۙ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (الحجر: 93-92) "پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ان اعمال کے متعلق پوچھیں گے جو وہ کیا کرتے تھے"۔ اسی طرح فرمایا: وَ هُوَ یُجِیْرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیْهِ (المومنون: 88) "اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کی مرضی کے خلاف پناہ نہیں دی جاسکتی"۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 17، صفحہ 13-12

"کیا انہوں نے بنا لئے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود۔ (اے حبیب!) آپ (انہیں) فرمائیے پیش کرو اپنی دلیل۔ یہ قرآن جو نصیحت ہے میرے ساتھ والوں کے لئے اور دوسری کتب جو نصیحت ہیں میرے پیشرووں کے لئے (سب موجود ہیں ان کا کوئی حوالہ دو) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے۔ اس لئے وہ (اس سے) منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور معبود بنا لئے ہیں، آپ ان سے فرما دیں کہ اس کی کوئی دلیل لاؤ۔ یہ قرآن کریم اور دیگر آسمانی کتب موجود ہیں جو تمہارے زعم باطل کی تردید کر رہی ہیں۔ ہر نبی پر اترنے والی کتاب میں تو یہی مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں لیکن اے مشرکو! تم حق کو نہیں جانتے، اس لئے اس سے روگردانی کر رہے ہو، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ (الزخرف:45) "اور آپ ان سے پوچھئے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے کہ کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ اور خدا بنائے ہیں تاکہ ان کی پوجا کی جائے"۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:36) "اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جو انہیں تعلیم دے) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دور رہو"۔ ہر نبی کی یہی دعوت ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور فطرت بھی اس چیز کی شاہد ہے جبکہ مشرکین کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی تمام حجتیں بے کار اور باطل ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝

"وہ کہتے ہیں بنا لیا ہے رحمٰن نے (اپنے لئے) بیٹا سبحان اللہ! (یہ کیونکر ہو سکتا ہے) بلکہ وہ تو (اس کے) معزز بندے ہیں۔ نہیں سبقت کرتے اس سے بات کرنے میں اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا ہے اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اس کی بے نیازی کے باعث) اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں۔ اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اسے ہم سزا دیں گے جہنم کی۔ یونہی ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو"۔

بعض عربوں کا خیال تھا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اس زعم باطل اور بہتان صریح کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اس سے منزہ، مقدس اور پاک ہے بلکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے معزز بندے ہیں جنہیں اس کے ہاں جلیل القدر اور بلند مقام حاصل ہے اور وہ اپنے قول و فعل کے ذریعے ہر وقت اس کی اطاعت بجالاتے ہیں۔ نہ تو وہ کسی امر میں اس سے آگے بڑھتے ہیں اور نہ وہ اس کے کسی

حکم کی مخالفت کرتے ہیں بلکہ فوراً اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس پر ان کی کوئی بات مخفی نہیں۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ پھر فرمایا: وَلَا يَشْفَعُونَ اسی طرح دیگر مقامات پر فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (البقرۃ: 255) ''کون ہے جو اس کے ہاں سفارش کرسکے مگر اس کی اجازت سے''۔ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ (سبا: 23) ''اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لئے اس نے اجازت دی ہے''۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ پھر فرمایا: وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ ۔ یعنی ان میں سے جو اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ میں بھی خدا ہوں تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ایسی ناروا بات کرنے والے ہر ظالم کی یہی جزا ہے۔ یہ بات بطور شرط ہے اور شرط کے لئے ضروری نہیں کہ اس کا وقوع بھی ہو جیسے کہ فرمایا: قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ (الزخرف: 81) ''فرمایئے اگر (بالفرض) رحمٰن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا''۔ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الزمر: 65) ''اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال اور آپ بھی خاسرین میں سے ہو جائیں گے''۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝

''کیا کبھی غور نہیں کیا کفر وانکار کرنے والوں نے کہ آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے پھر ہم نے الگ الگ کر دیا انہیں۔ اور ہم نے پیدا فرمائی پانی سے ہر زندہ چیز۔ کیا وہ اب بھی ایمان نہیں لاتے۔ اور ہم نے بنا دیئے زمین میں بڑے بڑے پہاڑ تاکہ زمین لرزتی نہ رہے ان کے ساتھ۔ اور بنا دیں ہم نے ان پہاڑوں میں کشادہ راہیں تاکہ وہ (اپنی منزل مقصود کا) راستہ پا سکیں۔ اور ہم نے بنایا آسمان کو ایک چھت جو (شکست و ریخت سے) محفوظ ہے۔ اور وہ لوگ (اب بھی) اس کی نشانیوں سے روگردانی کئے ہوئے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا لیل ونہار کو اور مہر و ماہ کو سب (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اشیاء کی تخلیق پر اپنی قدرت کاملہ اور تمام مخلوقات پر اپنے غلبہ کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا انکار کرنے والے اور اس کے ساتھ غیروں کو شریک عبادت کرنے والے کیا یہ نہیں جانتے کہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا اور ہر چیز کی تدبیر کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر یہ کیسے مناسب ہے کہ اس کے ساتھ اوروں کی عبادت کی جائے یا کسی اور کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ آسمان اور زمین پہلے باہم دگر پیوست تھے اور ان کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ سات آسمان الگ اور سات زمینیں الگ۔ آسمان دنیا اور زمین کو

ہوا کے ذریعے جدا کر دیا۔ آسمان بارش برسانے لگا اور زمین انواع و اقسام کی چیزیں اگانے لگی اس لئے فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ یعنی ہم نے ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کی۔ یہ لوگ اپنی آنکھوں سے مختلف چیزوں کو وجود میں آتے ہوئے اور بڑھتے ہوئے دیکھتے رہتے ہیں، اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لاتے حالانکہ یہ تمام چیزیں ایک خود مختار اور ہر قسم کی قدرت والے خالق پر دلالت کرتی ہیں اور ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانی اور دلیل موجود ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا رات پہلے تھی یا دن؟ آپ نے فرمایا کہ زمین و آسمان پہلے جڑے ہوئے تھے، اس لئے ان میں تاریکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ اس سے ثابت ہوا کہ رات دن سے پہلے تھی(1)۔ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کہ تم اس کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کرو۔ جو جواب دو دیں، وہ مجھے آکر بھی بتاؤ۔ چنانچہ وہ شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس آیت کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ آسمان کا منہ بند تھا، اس سے بارش نہیں برستی تھی اور اسی طرح زمین کا بھی منہ بند تھا، اس سے کوئی چیز نہیں اگتی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کے مکینوں کو پیدا کیا تو آسمان کو بارش کے ساتھ اور زمین کو نباتات کے ساتھ کھول دیا۔ یہ تفسیر سن کر وہ شخص واپس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور اس سے آپ کو آگاہ کیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم کا خصوصی اور وافر علم عطا ہوا ہے، انہوں نے بالکل درست تفسیر بیان کی ہے، مجھے کبھی کبھی یہ خیال آتا تھا کہ تفسیر قرآن کے معاملہ میں ابن عباس کی جرأت کچھ زیادہ ہی ہے لیکن اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ قرآنی علوم کا انہیں وافر حصہ مرحمت ہوا ہے(2)۔ عطیہ عوفی بھی یہی کہتے ہیں کہ پہلے آسمان سے بارش نہیں برستی تھی، پھر بارش برسنے لگی، اسی طرح پہلے زمین کچھ نہیں اگاتی تھی پھر نباتات اگانے لگی۔ اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں کہ میں نے ابو صالح حنفی سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ پہلے ایک ہی آسمان تھا، اس سے پھر اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنا دیئے اور اسی طرح زمین بھی پہلے ایک ہی تھی، اسے پھر اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں بنا دیں۔ مجاہد اس کے علاوہ یہ بھی کہتے ہیں کہ زمین و آسمان باہم ملے ہوئے نہیں تھے لیکن حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین و آسمان پہلے ایک دوسرے کے ساتھ چپکے ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند کر کے زمین کو اس سے جدا کر دیا، اسی چیز کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے اور یہی فَفَتَقْنٰهُمَا کا مطلب ہے۔ حضرات حسن و قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ملے ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعے دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ پھر فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ ... یعنی تمام جانداروں کی اصل پانی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! جب میں آپ کی زیارت کرتا ہوں تو میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور میرا دل مسرور ہو جاتا ہے۔ آپ ہمیں ہر چیز کی اصلیت کے متعلق آگاہ فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی" (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مزید یہ عرض کی کہ آپ مجھے ایسا عمل بتائیں جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور رات کے وقت نماز پڑھا کرو جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں پھر سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ" (4)۔ پھر فرمایا: وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ یعنی ہم نے زمین میں پہاڑ گاڑ کر اسے قرار بخشا اور مضبوط کر دیا تاکہ یہ لرزتی اور ڈولتی نہ رہے جس

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 19

2۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 625

3۔ مستدرک حاکم، کتاب البر والصلۃ، جلد 4 صفحہ 160، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 626

4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 295، 323، 324-493

کے باعث اس کے مکینوں کو قرار ہی نصیب نہ ہو۔ زمین کا تین چوتھائی حصہ پانی میں ہے اور صرف ایک چوتھائی حصہ ہوا اور سورج کے لئے ظاہر اور کھلا ہوا ہے تاکہ لوگ آسمان، اس کے عجائبات اور اس میں موجود قدرت کی آیات بینات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکیں۔ آگے فرمایا: وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا یعنی ہم نے پہاڑوں میں درے اور کشادہ رستے بنا دیئے تاکہ لوگ ایک علاقہ سے دوسری علاقہ کا اور ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ملاحظہ کریں کہ اس نے لوگوں کی آمد و رفت ممکن بنانے کے لئے مختلف شہروں اور علاقوں کے درمیان حائل پہاڑوں میں کشادہ اور کھلے راستے بنا دیئے، اور آسمان کو زمین پر قبہ جیسی محفوظ چھت بنا دیا، اس لئے فرمایا: وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ (الذاریات: 47) "اور آسمان کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا اور بے شک ہم وسعت دینے والے ہیں"۔ وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا (الشمس: 5) "اور قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی"، أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ (ق: 6) "تو کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہ دیکھا ہم نے اسے کیسے بنایا اور سنوارا اور اس میں کہیں رخنہ نہیں"۔ بناء کا معنی ہے قبہ اور خیمہ کھڑا کرنا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بُنِيَ الاسلامُ عَلٰی خَمْسٍ" یعنی اسلام کی بناء پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ ایسا خیموں میں ہوتا ہے جیسا کہ عرب خیمے نصب کرتے وقت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو ایسی چھت بنایا ہے جو ہر قسم کی دست برد سے محفوظ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ آسمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ایسی موج جو تم سے روک دی گئی ہے"۔ اس کی سند غریب ہے۔ پھر فرمایا: وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ایک اور جگہ فرمایا: وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ (یوسف: 105) "اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر یہ گزرتے ہیں اور وہ ان سے روگردانی کیے ہوتے ہیں"۔ یعنی یہ لوگ اس وسیع اور بلند آسمان میں غور و فکر نہیں کرتے جسے ستاروں کے ساتھ آراستہ کیا گیا ہے، ان میں سے بعض ساکن ہیں اور بعض متحرک، اسی طرح اس میں سورج جڑا ہوا ہے جو اپنے مدار میں حرکت کرتا ہوا چوبیس گھنٹوں میں اپنا چکر مکمل کرتا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا یہ اسی طرح گردش کرتا رہے گا۔ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "التفکر والاعتبار" میں بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک عابد تیس سال تک عبادت کرتا رہا۔ ان میں سے جب کوئی شخص تیس سال عبادت کرتا تو بادل اس پر سایہ فگن ہو جایا کرتا تھا لیکن اس عابد کے ساتھ ایسا نہ ہوا تو اس نے اپنی ماں سے اس کی شکایت کی اس نے کہا: اے میرے بیٹے! تم نے اپنی عبادت کی اس مدت میں ممکن ہے کوئی گناہ کر لیا ہو۔ اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ میں نے کوئی گناہ کیا ہے۔ اس کی ماں نے کہا کہ ممکن ہے تم نے کسی گناہ کا قصد کیا ہو۔ اس نے کہا: نہیں۔ ماں نے کہا کہ پھر ممکن ہے تم نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی ہو اور بغیر فکر و تدبر کے واپس لوٹا لی ہو۔ وہ کہنے لگا: ہاں، ایسا تو متعدد بار ہوا۔ اس کی ماں نے کہا: بس یہی وجہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی چند نشانیوں پر آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی رات کو پیدا کر کے اس میں تاریکی اور سکون رکھ دیا اور دن کو پیدا کر کے اس میں روشنی اور انس فراہم کر دیا، کبھی دن طویل اور کبھی رات طویل، کبھی دن چھوٹا اور کبھی رات چھوٹی، یہ سلسلہ پیہم اسی طرح چلتا رہتا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے مہر و ماہ کی تخلیق کی۔ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ نور، مدار، حرکت، رفتار اور وقت مخصوص ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک اپنے اپنے مدار میں یوں گھوم رہا ہے جیسے چرخے میں تکلہ (1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ

1۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 628-627

الْعَلِیْمِ(الانعام:97)'' وہ صبح کو نکالنے والا ہے اور اسی نے رات کو باعث سکون اور سورج اور چاند کو حساب کے لئے بنایا۔ یہ اندازہ ہے سب سے زبردست، سب کچھ جاننے والے کا''۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

''اور نہیں مقدر کیا ہم نے کسی انسان کے لئے جو آپ سے پہلے گزرا (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنا۔ تو اگر آپ انتقال فرما جائیں تو کیا یہ لوگ (یہاں) ہمیشہ رہنے والے ہیں ہر نفس موت (کا مزہ) چکھنے والا ہے۔ اور ہم خوب آزماتے ہیں تمہیں برے اور اچھے حالات سے دوچار کر کے۔ اور (آخر کار) تم سب کو ہماری طرف ہی لوٹ آنا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے دنیا میں کسی بشر کے لئے دوام اور خلود مقدر نہیں کیا بلکہ ہر چیز فانی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اسی آیت سے ہی ان علماء نے استدلال کیا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا گئے ہیں اور ابھی تک زندہ نہیں۔ خواہ وہ ولی ہوں، یا نبی ہوں یا رسول ہوں، بہر حال تھے تو بشر ہی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ ... پھر فرمایا: اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ ۔ یعنی اے میرے رسول ﷺ! اگر آپ وفات پا جائیں تو کیا یہ آپ کے بعد ہمیشہ رہنے کی آس لگائے بیٹھے ہیں، ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا بلکہ ہر ایک کو فنا ہونا ہے، اس لئے فرمایا: كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی دو اشعار میں ہے: ''لوگ میری موت کی تمنا کرتے ہیں۔ اگر میں مر جاؤں تو یہ ایسا رستہ نہیں جس کا تنہا میں ہی مسافر ہوں، اگر کوئی اس کے برعکس کا خواہشمند ہے تو اسے بتا دو کہ ایسے ہی رستہ پر چلنے کی تیاری کر لو''(1)۔ پھر فرمایا: وَنَبْلُوْكُمْ۔ یعنی ہم تمہیں کبھی مصائب میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں اور کبھی نعمتوں سے نواز کر، تا کہ ہم دیکھیں کہ کون شکر ادا کرتا ہے اور کون ناشکری کرتا ہے، کون صبر کرتا ہے اور کون ناامید ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں تنگدستی اور خوشحالی، صحت اور بیماری، دولت اور فقر، حلال اور حرام، اطاعت اور معصیت اور ہدایت اور گمراہی کے ساتھ آزماتے ہیں اور ہماری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے اور ہم تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیں گے(2)۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَھٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۭ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾

''اور جب دیکھتے ہیں آپ کو وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے تو آپ سے بس تمسخر کرنے لگتے ہیں۔ (کہتے ہیں) کیا یہی وہ صاحب ہیں جو (برائی سے) ذکر کیا کرتے ہیں تمہارے خداؤں کا۔ حالانکہ وہ (کفار) رحمٰن کے ذکر سے خود (یکسر) انکاری ہیں۔ انسان کی سرشت میں ہی جلد بازی ہے۔ میں عنقریب تمہیں (خود ہی) اپنی نشانیاں دکھاؤں گا۔ سو تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو''۔

1۔ مناقب الشافعی للبیہقی، جلد 2 صفحہ 73 2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 25

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ جب آپ کو ابوجہل اور اس قماش کے دوسرے کفار قریش دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے اور آپ کی تنقیص کرتے ہوئے کہتے ہیں: اَهٰذَا الَّذِیْ یعنی کیا یہی ہیں وہ جو تمہارے خداؤں کو گالیاں دیتے ہیں اور تمہیں بے وقوف کہتے ہیں حالانکہ خود ان کی یہ حالت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کر رہے ہیں اور اس کے رسول کا مذاق اڑا رہے ہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ؕ وَ سَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا (الفرقان: 42-41) ”اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہ وہ صاحب ہیں جن کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ قریب تھا کہ یہ ہمیں اپنے خداؤں سے بہکا دیتا اگر ہم ان پر ثابت نہ رہتے۔ یہ جان لیں گے جب عذاب کو دیکھیں گے کہ کون راہ راست سے بھٹکا ہوا ہے“۔ انسان کے متعلق فرمایا: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ جیسا کہ ایک دوسری آیات میں فرمایا: وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا (بنی اسرائیل: 11) ”اور انسان بڑا جلد باز (واقع ہوا) ہے“۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا، اس دن شام کے قریب ہر چیز کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا شروع کیا۔ جب روح پھونکی گئی اور وہ ان کے سر، آنکھوں اور زبان میں آگئی تو کہنے لگے: اے میرے پروردگار! غروب آفتاب سے پہلے پہلے میری تخلیق مکمل فرما دے(1)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی میں انہیں جنت میں داخل کیا گیا، اسی میں انہیں جنت سے نیچے اتارا گیا، اسی میں قیامت قائم ہوگی اور اسی میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگر وہ کسی بندۂ مومن کو بحالت نماز میسر آجائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے جس بھلائی کا سوال کرے، اللہ تعالیٰ اسے وہ عطا فرما دیتا ہے“۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ کون سی گھڑی ہے، وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے، اسی گھڑی میں آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ یہاں انسان کی جلد بازی کا ذکر کرنے میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ جونہی مسلمان اس بات سے آگاہ ہوتے ہیں کہ کافر رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے دل میں آتش انتقام بھڑک اٹھتی ہے اور وہ جلد از جلد بدلہ لینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ لیکن اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ وہ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے، پھر جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں، اسی لئے فرمایا: سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ۔۔ یعنی عنقریب میں تمہیں دکھاؤں گا کہ میں کس طرح اپنے نافرمانوں سے انتقام لیتا ہوں، مجھے ان پر پوری پوری قدرت حاصل ہے، اس لئے تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو۔

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝ بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ۝

”اور وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ (قیامت کا) وعدہ؟ (بتاؤ نا) اگر تم سچے ہو۔ کاش! جانتے کفار (اس وقت کو) جب وہ نہ روک سکیں گے اپنے چہروں سے آگ (کے شعلوں کو) اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ بلکہ وہ آئے گی ان کے پاس ناگہاں سو انہیں بدحواس کر دے گی پھر وہ نہ اسے روک سکیں گے اور نہ ہی انہیں مزید مہلت دی جائے گی“۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 26

اللہ تعالیٰ مشرکین کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ وہ اپنے کفر و عناد کے باعث قیامت کی تکذیب کرتے ہوئے اور اسے محال سمجھتے ہوئے وقوع عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں اور کہتے ہیں: مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۔ یعنی اگر انہیں یقین ہو جاتا کہ قیامت لامحالہ واقع ہوگی تو وہ نزول عذاب کی جلدی نہ مچاتے۔ کاش وہ اس وقت کو جان لیتے جب عذاب انہیں اوپر سے اور نیچے سے اپنی لپیٹ میں لے لے گا جیسا کہ فرمایا: لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ (الزمر:16) ”ان کے لئے اوپر سے بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی آگ کے شعلے“۔ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ (الاعراف:41) ”ان کے لئے دوزخ کا ہی بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا“ یہاں فرمایا: حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ ایک اور مقام پر فرمایا: سَرَابِیْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰی وُجُوْهَهُمُ النَّارُ (ابراہیم:50) ”ان کا لباس تارکول کا ہوگا اور آگ ان کے چہروں کو ڈھانپ رہی ہوگی“۔ یعنی عذاب انہیں ہر طرف سے گھیر لے گا اور ان کی مدد بھی نہیں کی جائے گی جیسا کہ فرمایا: وَ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ (الرعد:34) ”اور نہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی بچانے والا“۔ اس کے بعد فرمایا: بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً یعنی آگ کا عذاب ناگہاں ان پر آ جائے گا اور انہیں سراسیمہ اور بدحواس کر دے گا، وہ حیران و ششدر اس کے سامنے بے بس ہو جائیں گے، انہیں کوئی ایسا حیلہ نہیں سوجھے گا جس کے ذریعے وہ اسے ٹال سکیں اور نہ ہی انہیں مزید مہلت دی جائے گی۔

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ مَنْ یَّكْلَؤُكُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

”اور بے شک مذاق اڑایا گیا ان رسولوں کا بھی جو آپ سے پہلے تشریف لائے تھے پس نازل ہوا ان لوگوں پر جو تمسخر کیا کرتے تھے ان میں سے وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ آپ پوچھئے (اے منکرو!) کون ہے جو نگہبانی کر سکتا ہے تمہاری رات بھر اور دن بھر خدائے رحمن سے (اگر وہ تمہیں عذاب دینا چاہے) مگر (ان سے کیا پوچھنا) یہ تو اپنے رب کے ذکر سے ہی روگرداں ہیں۔ کیا ان کے اور خدا ہیں جو بچا سکتے ہیں انہیں (عذاب سے) ہمارے سوا۔ وہ جھوٹے معبود تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ انہیں ہماری تائید میسر ہوگی“۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ کو مشرکین کی ایذا رسانی، استہزاء اور تکذیب پر تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے: وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَ لَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا كُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰۤی اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ (الانعام:34) ”اور آپ سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلائے جانے اور ستائے جانے پر یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد آ پہنچی اور اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں اور آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں آ ہی چکی ہیں“۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا انعام ہے کہ وہ دن اور رات کی ہر گھڑی میں اپنی نہ سونے والی آنکھ کے ساتھ اپنے بندوں کی نگہبانی اور حفاظت کرتا ہے، اسی نعمت کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا: قُلْ مَنْ یَّكْلَؤُكُمْ اس آیت میں مِنَ الرَّحْمٰنِ، بدل الرحمن کے معنی میں ہے یعنی

رحمن کے سوا۔ پھر فرمایا: بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ ... یعنی یہ کافر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا اعتراف نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور نعمتوں سے روگردانی کرتے ہیں۔ پھر انہیں زجر و توبیخ، سرزنش اور ان پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرمایا: اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۔ یعنی کیا ہمارے سوا ان کے کوئی ایسے معبود ہیں جو ان کی حفاظت اور نگہبانی کرتے ہیں؟ ان کی یہ خام خیالی اور زعم باطل ہے، اس لئے فرمایا: لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۔ یعنی یہ معبودان باطل تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچنے کے لئے کوئی پناہ گاہ حاصل ہوگی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر نام کی کوئی چیز میسر نہیں ہوگی۔ بعض اس کا یہ معنی کرتے ہیں کہ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ سے نہیں بچ سکیں گے۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

”بلکہ ہم نے (عیش و آرام کا) سامان دیا انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو حتیٰ کہ (اسی عیش و آرام میں) ان پر لمبا عرصہ گزر گیا (اور وہ سرکش ہو گئے)۔ کیا وہ ملاحظہ نہیں کر رہے کہ ہم زمین (کی وسعتوں) کو گھٹاتے چلے جا رہے ہیں اس کی (چاروں) سمتوں سے۔ کیا وہ (ہماری تقدیر پر) غالب آ سکتے ہیں؟ آپ فرمائیے میں تمہیں ڈراتا ہوں صرف وحی سے۔ اور نہیں سنا کرتے بہرے پکارنے کو جب انہیں (عذاب الٰہی سے) ڈرایا جاتا ہے۔ اور اگر (صرف) چھو جائے انہیں ایک جھونکا تیرے رب کے عذاب کا تو (سارا نشہ ہرن ہو جائے) یوں کہنے لگیں صد حیف! بیشک ہم ہی ظالم تھے۔ اور ہم رکھ دیں گے صحیح تولنے والے ترازو قیامت کے دن پس ظلم نہ کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر۔ اور اگر (کسی کا کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے۔ اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے“۔

مشرکین کو دنیاوی زندگی میں آرام و آسائش کا سامان دیا گیا اور انہیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا گیا، اسی آرام و آسائش میں ایک طویل عرصہ گزر گیا۔ اس سے وہ دھوکہ کھا گئے اور یہ خیال کرنے لگے کہ یہ انعامات و آسائشات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ہم صحیح راہ پر گامزن ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے ہیں۔ اس زعم باطل میں وہ اپنی گمراہی پر ڈٹے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي ، اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے جسے ہم سورۂ رعد میں بیان کر چکے ہیں(1)۔ اس کی بہترین تفسیر اس آیت میں کی گئی ہے: وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الاحقاف: 27) ”اور ہم نے برباد کر دیئے وہ گاؤں جو تمہارے اردگرد تھے اور ہم نے مختلف انداز میں اپنی نشانیاں پیش کیں تا کہ وہ باز آ جائیں“۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس سے مراد اسلام کا کفر پر غلبہ ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ کیا یہ لوگ اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ رعد: 41

کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کے خلاف اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے، جھٹلانے والی قوموں اور ظالم بستیوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے اور اپنے مومن بندوں کو نجات عطا فرماتا ہے، اس لئے فرمایا: اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ یعنی یہ غالب نہیں بلکہ مغلوب، ذلیل، رذیل اور خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ۔ یعنی میں تو تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والا ہوں اور جس عبرتناک عذاب سے میں تمہیں ڈرا رہا ہوں وہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے اس کی اطلاع دی ہے، لیکن یہ اس شخص کے لئے ذرا بھی سود مند نہیں جس کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے سلب کر لیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اس لئے فرمایا: وَلَا يَسْمَعُ ... اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ۔ یعنی اگر ان جھٹلانے والوں کو معمولی سا بھی عذاب چھو جائے تو یہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے لگ جائیں گے اور کہیں گے کہ واقعی دنیا میں ہم اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ .. یعنی ہم قیامت کے دن عدل کرنے والے ترازو رکھیں گے۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ میزان (ترازو) ایک ہی ہے لیکن یہاں اسے جمع لانے کا مقصد یہ ہے کہ جن اعمال کا اس میں وزن کیا جائے گا، وہ متعدد ہوں گے۔ فرمایا: فَلَا تُظْلَمُ ، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (الکہف: 49) "اور آپ کا رب کسی پر زیادتی نہیں کرتا"، اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء: 40) "اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اگر معمولی سی نیکی ہو تو اسے دوگنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم دیتا ہے"، حضرت لقمان نے فرمایا: يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ (لقمان: 16) "اے میرے بیٹے! اگر رائی کے دانہ کے برابر کوئی وزنی چیز ہو یا پھر وہ کسی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین میں ہو تو اسے اللہ تعالیٰ لے آئے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے"۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں، میزان میں بھاری ہیں اور رحمٰن کو بہت محبوب ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ "(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو سب کے سامنے بلائے گا اور اس کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے، ہر ایک رجسٹر تا حد نظر پھیلا ہوا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ کیا تمہیں ان میں سے کسی گناہ کا انکار ہے؟ کیا لکھنے والے محافظ فرشتوں نے تم پر کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! نہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا: کیوں نہیں تمہاری ایک نیکی ہمارے ہاں محفوظ ہے، آج تم پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، چنانچہ ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا جس میں یہ لکھا ہوا ہوگا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ" اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسے پیش کرو۔ وہ شخص عرض کرے گا: اے پروردگار! ان رجسٹروں کے مقابلے میں اس معمولی سے پرچے کی کیا حیثیت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ تمام رجسٹر ایک پلڑے میں ڈال دیئے جائیں گے اور وہ پرچہ دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا تو رجسٹروں والا پلڑا ہلکا ہوگا اور پرچے والا بھاری اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں"(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن ترازو رکھے جائیں گے، ایک آدمی کو لا کر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور اس کے ساتھ وہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 198، صحیح مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 2072

2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 213، عارضۃ الاحوذی، ابواب الایمان، جلد 10 صفحہ 107-108 وغیرہ

کچھ بھی رکھ دیا جائے گا جو اس پر شمار کیا گیا ہوگا تو وہ پلڑا اٹھ جائے گا چنانچہ اسے جہنم کی طرف بھیج دیا جائے گا، جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آواز، پنے والا پکارے گا کہ جلدی نہ کرو، اس کی ایک چیز باقی رہ گئی ہے، پھر کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا جائے گا جس پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مرقوم ہوگا اور اسے اس آدمی کے ساتھ پلڑے میں رکھا جائے گا تو یہ پلڑا جھک جائے گا"(1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا، وہ عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میرے غلام ہیں جو مجھے جھٹلاتے ہیں، میرے ساتھ خیانت بھی کرتے ہیں اور میری نافرمانی بھی کرتے ہیں اور میں انہیں مارتا ہوں اور برا بھلا بھی کہتا ہوں، آپ فرمائیے کہ ان سے میرا یہ سلوک کیسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ان کی خیانت، نافرمانی اور تکذیب اور تمہارے عتاب کا حساب کیا جائے گا۔ اگر تمہارا عتاب ان کی زیادتیوں کے برابر ہوا تو تو بری الذمہ ہوگا نہ ثواب اور نہ عذاب۔ اگر تمہاری سزا ان کی خطاؤں سے کم ہوئی تو یہ تمہارے لیے باعث فضل ہوگا اور اگر تمہاری مار پیٹ ان کی خطاؤں سے زیادہ ہوئی تو تمہاری اس زیادتی کا تم سے بدلہ لیا جائیگا"۔ یہ سن کر وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے گریہ وزاری کرنے اور چیخنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے کیا ہے؟ کیا اس نے قرآن کریم میں یہ نہیں پڑھا: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ۔ یہ سن کر وہ صحابی کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں سمجھتا ہوں کہ ان غلاموں کو آزاد کرنے سے بہتر کوئی چیز نہیں، آپ گواہ رہیے کہ میں نے ان کو آزاد کر دیا(2)۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٠﴾

"اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرقان اور روشنی اور ذکر پرہیزگاروں کے لئے۔ جو ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے۔ نیز وہ قیامت سے بھی ترساں رہتے ہیں۔ اور یہ قرآن نصیحت ہے بڑی بابرکت ہم نے (ہی) اسے اتارا ہے۔ تو کیا تم اسکو ماننے سے انکار کرتے ہو"۔

پہلے بھی آگاہ کیا جا چکا ہے کہ اللہ اکثر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان حضرات کو دی گئی کتابوں تورات اور قرآن کریم کا ذکر ایک ساتھ کرتا ہے۔ بقول مجاہد الفرقان سے مراد کتاب ہے، ابو صالح کہتے ہیں کہ اس سے مراد تورات ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تورات ہے جو حلال و حرام کو بیان کرنے والی اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ ابن زید اس سے مراد نصرت و غلبہ لیتے ہیں(3)۔ بہر صورت جامع بات یہی ہے کہ تمام آسمانی کتب حق و باطل، ہدایت و گمراہی اور حلال و حرام کے درمیان فرق کرتی ہیں اور دلوں میں نور، ہدایت، تقویٰ اور انابت کے حصول کا سبب بنتی ہیں، اس لئے فرمایا: الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً۔ پھر متقین کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ اس طرح اور مقامات پر فرمایا: مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ (ق:33)" جو رحمٰن سے بن دیکھے ڈرتا رہا اور ایسا دل لئے ہوئے آیا جو یاد الٰہی کی طرف متوجہ تھا"، اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ (الملک:12)" بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور اجر

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 222-221 2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 281-280

3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 34، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 635

عظیم ہے"۔ پھر قرآن کریم کے متعلق فرمایا: وَهٰذَا ذِكْرٌ یعنی یہ قرآن کریم اللہ کی نازل کردہ ایسی عظیم کتاب ہے جس کی طرف باطل کسی جانب سے بھی راہ نہیں پا سکتا، تو پھر کیا تم اس قدر واضح اور سچی کتاب کا انکار کرتے ہو؟

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿51﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿52﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿53﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿54﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿55﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿56﴾

"اور یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم علیہ السلام کو ان کی دانائی اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔ یاد کرو جب آپ نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پوجا پاٹ پر تم جمے بیٹھے ہو۔ وہ بولے پایا ہے ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو کہ وہ ان کے پجاری تھے۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ مبتلا رہے ہو تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی ہوئی گمراہی میں۔ انہوں نے پوچھا کیا تم ہمارے پاس کوئی سچی بات لے کر آئے ہو یا (صرف) دل لگی کر رہے ہو۔ آپ نے فرمایا (دل لگی نہیں کر رہا) بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے۔ اور میں اس (صداقت) پر گواہی دینے والوں سے ہوں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرما رہا ہے کہ ہم نے انہیں بچپن سے ہی دانائی عطا فرما دی اور ان کی قوم کے مقابلہ میں انہیں حق اور حجت الہام کر دی جیسا کہ فرمان ہے: تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ (الانعام: 83) "اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں دی"۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے کہ ابھی آپ شیرخوار بچے ہی تھے کہ آپ کے باپ نے آپ کو ایک غار میں داخل کر دیا، کچھ عرصہ گذرنے کے بعد آپ علیہ السلام وہاں سے نکلے تو ستاروں اور دیگر مخلوقات میں غور و تدبر کرنے کے بعد آپ کو خدا کی پہچان ہوئی، یہ اور اس قسم کے دیگر قصے اسرائیلی روایات ہیں۔ ان میں سے جو روایات ہمارے ہاں موجود حق کے موافق ہوں، وہ قابل قبول ہیں اور جو اس کے مخالف ہوں، وہ مردود ہیں لیکن وہ روایات جن کے متعلق ہماری شریعت میں نہ مخالفت پائی جاتی ہے اور نہ موافقت، ان کی نہ ہم تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب بلکہ ان کے متعلق سکوت اختیار کرتے ہیں، البتہ اکثر سلف نے اس قسم کی باتوں کو روایت کرنا جائز قرار دیا ہے، بہرصورت ان میں سے اکثر ایسی باتیں ہیں جن کے ساتھ ہمارا کوئی دینی فائدہ وابستہ نہیں اور اگر دینی معاملات میں واقعی ان کا کوئی فائدہ ہوتا تو ہماری شریعت کاملہ ضرور انہیں واضح طور پر بیان کر دیتی۔ ہمارا موقف تو اس تفسیر میں یہی ہے کہ اسرائیلی روایات سے اجتناب کیا جائے کیونکہ ایسی روایات بیان کرنے میں ایک تو وقت کا ضیاع ہے اور دوسرا اس جھوٹ کی ترویج لازم آتی ہے جس کی آمیزش انہوں نے اکثر روایات میں کر دی تھی اور ان کے پاس کوئی ایسی کسوٹی نہیں تھی جس کے ذریعے وہ صحیح اور غلط کے درمیان تفریق کر سکیں جیسا کہ اس امت کے ائمہ حفاظ نے روایت کی جانچ پڑتال کرنے کیلئے نہایت عمدہ طریقہ وضع کیا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو دانشمندی سے نوازا اور وہ

اس کے اہل بھی تھے۔ اس رشد و ہدایت، بصیرت اور دانائی کی نشاندہی اس بات سے ہوتی ہے کہ آپ نے اپنی قوم کی بت پرستی پر نفرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے جو شطرنج کھیل رہے تھے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو؟ تم میں سے کوئی انگارے کو پکڑے تو وہ شطرنج کے مہروں کو پکڑنے سے بہتر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کے جواب میں وہ کہنے لگے وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا ..... ان کے پاس سوائے اس کے اور کوئی دلیل نہ تھی کہ ان کے آباؤ اجداد اس کھلی گمراہی کا شکار تھے، اس لئے فرمایا: لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ ۔ یعنی تمہارا معاملہ اور تمہارے ان آباؤ اجداد کا معاملہ یکساں ہے جن کے کرتوت تم بطور دلیل پیش کر رہے ہو، تم بھی گمراہ اور وہ بھی گمراہ، تم بھی راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہو اور وہ بھی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بیوقوفی واضح کردی، ان کے آباؤ اجداد کو گمراہ قرار دیا اور ان کے معبودانِ باطلہ کی تحقیر کی تو وہ کہنے لگے: اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ ۔ یعنی یہ بات تم بطور ہنسی مذاق کر رہے ہو یا واقعی سنجیدگی کے ساتھ صحیح بات کر رہے ہو، ہم نے تمہارے منہ سے اس سے پہلے ایسی بات نہیں سنی۔ آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: بَلْ رَّبُّكُمْ ۔ یعنی تمہارا رب وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی نے زمین و آسمان اور تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ اس کے سوا کوئی رب ہے۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْــَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

"اور بخدا! میں بندوبست کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔ پس آپ نے انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا مگر ان کے بڑے بت کو کچھ نہ کہا تاکہ وہ لوگ (اس افتاد کے بارے میں) اس کی طرف رجوع کریں۔ وہ بولے کس نے یہ حال کیا ہے ہمارے بتوں کا بیشک وہ ظالموں میں سے ہے۔ (چند آدمیوں نے) کہا ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ ان کا ذکر (برائی سے) کیا کرتا ہے اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ کہنے لگے تو پھر (پکڑ کر) لاؤ اسے سب لوگوں کے روبرو شاید وہ اس کے متعلق کوئی شہادت دیں۔ (ابراہیم پکڑ کر لائے گئے تو) لوگوں نے پوچھا اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی سو ان سے پوچھو اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہوں"۔

حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم کے بعض افراد کو سنا کر قسم اٹھائی کہ جب تم عید منانے کیلئے باہر نکل جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کا بندوبست کرلوں گا اور انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دوں گا۔ ان کی ایک قومی عید تھی جسے منانے کیلئے وہ باہر نکل جایا کرتے تھے۔ سدی کہتے ہیں کہ جب اس عید کا وقت قریب آیا تو آپ کے باپ نے آپ سے کہا کہ اگر تم ہمارے ساتھ عید منانے کیلئے چلو تو تمہیں ہمارا دین بہت پسند آئے گا۔ چنانچہ آپ بھی لوگوں کے ساتھ نکلے لیکن تھوڑا سا چلنے کے بعد آپ نے خود کو زمین پر گرا لیا اور کہنے لگے کہ میں بیمار ہوں۔ باقی ساتھی تو آپ کو چھوڑ کر چلے گئے اور آپ وہاں ہی پڑے رہے۔ لوگ آپ سے پوچھتے کہ کیا بات ہے؟ آپ یہی فرماتے کہ میں بیمار ہوں،

اس طرح لوگ وہاں سے گذرتے گئے جب اکثر لوگ باہر نکل گئے اور صرف بوڑھے اور ضعیف باقی رہ گئے تو آپ نے فرمایا: تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ ۔ ان باقی رہ جانے والوں نے آپ کی یہ بات سن لی۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ جب اپنا تہوار منانے کیلئے باہر جانے لگے تو ان کا گذر آپ کے پاس سے ہوا، وہ کہنے لگے: اے ابراہیم! کیا تم ہمارے ساتھ نہیں چلو گے؟ آپ نے فرمایا کہ میں بیمار ہوں۔ اس سے گذشتہ روز آپ واقعی علیل تھے، آپ نے فرمایا: تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ کچھ لوگوں نے آپ کی یہ بات سن لی۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے ان کے صنم اکبر کو چھوڑ کر باقی سب بتوں کو ریزہ ریزہ کر ڈالا جیسے کہ ایک اور مقام پر فرمایا: فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ (الصافات:93) ''آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے ان پر پوری قوت سے ضرب لگائی'' فرمایا: لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ کہتے ہیں کہ آپ نے اس غرض سے باقی بتوں کو توڑ پھوڑ کر ان کے بڑے بت کے ہاتھ میں کلہاڑا رکھ دیا تا کہ ان لوگوں کو یہ یقین ہو جائے کہ بڑے بت کو یہ بات پسند نہ تھی کہ اس کی موجودگی میں باقی بتوں کی پرستش کی جائے، اس لئے غیرت میں آ کر اس نے باقی تمام بتوں کے ساتھ یہ حشر کیا۔ جب وہ لوگ واپس پلٹے اور انہوں نے اپنے بتوں کی یہ اہانت، تذلیل اور درگت بنی دیکھی تو کہنے لگے: مَنْ فَعَلَ چنانچہ جنہوں نے آپ علیہ السلام کو یہ قسم لَاَكِيْدَنَّ ۔۔ اٹھاتے ہوئے سنا تھا، وہ کہنے لگے سَمِعْنَا فَتًى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر نبی کو جوانی میں منصب نبوت پر فائز کیا گیا اور ہر عالم کو عالم شباب میں علم حاصل ہوا، اس کی تائید میں آپ نے یہ آیت قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى ۔۔ تلاوت کی۔ وہ کہنے لگے: فَاْتُوْا بِهٖ ۔۔۔ یعنی اسے بھری محفل میں لوگوں کے سامنے لاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود بھی یہی تھا کہ مجمع عام میں ان لوگوں کی جہالت اور کم عقلی کا پردہ چاک کیا جائے اور ان کے جھوٹے خداؤں کی خدائی کا پول کھولتے ہوئے ان پر واضح کیا جائے کہ وہ جن خداؤں کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں، وہ نہ تو اپنے آپ سے کسی نقصان کو دور کر سکتے ہیں اور نہ خود کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ جب ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے تو بھلا کیونکر ان سے کوئی امید وابستہ کی جا سکتی ہے؟ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پوچھنے لگے: ءَاَنْتَ فَعَلْتَ ۔۔ آپ نے جواب میں فرمایا: بَلْ فَعَلَهٗ آپ کے اس فرمان سے مقصود یہ تھا کہ وہ لوگ خواب غفلت سے بیدار ہو کر غور و فکر کریں اور اعتراف کریں کہ یہ بت بولنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، اس لئے بے جان ہونے کے ناطے اس بڑے بت سے یہ حرکت سرزد ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام سے صرف تین مرتبہ کذب کا صدور ہوا، دو مرتبہ ذاتِ الٰہی کی خاطر یعنی جب آپ نے یہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا اور یہ (اِنِّیْ سَقِیْمٌ) کہا۔ تیسری مرتبہ اس وقت جب آپ حضرت سارہ کے ساتھ سفر میں تھے کہ آپ کا گذر ایک ظالم بادشاہ کی سرزمین سے ہوا، وہاں آپ نے ایک جگہ قیام کیا۔ کسی آدمی نے اس ظالم بادشاہ کو یہ بتا دیا کہ اس وقت آپ کی سلطنت میں ایک آدمی فروکش ہوا ہے جس کے ساتھ نہایت خوبصورت عورت ہے۔ بادشاہ نے آپ کو بلا بھیجا۔ جب آپ تشریف لائے تو اس نے پوچھا کہ یہ عورت تمہاری کیا لگتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ میری بہن ہے۔ بادشاہ نے آپ سے کہا جاؤ اور اس عورت کو میرے پاس بھیج دو۔ آپ حضرت سارہ کے پاس گئے اور انہیں فرمایا کہ اس ظالم نے مجھ سے تمہارے بارے میں دریافت کیا تو میں نے اسے بتایا کہ تم میری بہن ہو۔ اب اس کے پاس جا کر یہی کہنا کیونکہ دینی لحاظ سے تم میری بہن ہو اور اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مسلمان نہیں۔ آپ نے حضرت سارہ کو ادھر بھیج کر نماز پڑھنا شروع کر دی۔ حضرت سارہ جب اس ظالم کے پاس گئیں اور اس نے دست درازی کی کوشش کی تو وہ ایسا عذاب، الٰہی میں گرفتار ہوا کہ اس کے ہاتھ پاؤں شل ہو۔ اب وہ آپ سے کہنے لگا کہ میرے لیے اللہ سے دعا کرو کہ

وہ مجھے درست کردے، آئندہ میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ آپ نے اس کیلئے دعا کی تو وہ درست ہو گیا، پھر اس نے وہی حرکت کرنے کی کوشش کی تو اب بھی اسی عذاب نے بلکہ اس سے بھی شدید عذاب نے اسے آدبوچا، تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا اور اس نے آپ کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن پہلے جیسا ہی اس کا حشر ہوا۔ اب اس نے پھر آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے اس کیلئے دعا کی تو وہ اس عذاب سے آزاد ہو گیا، پھر اس نے اپنے سب سے قریبی دربان کو بلایا اور اسے کہنے لگا کہ تم میرے پاس کوئی انسان نہیں بلکہ شیطان لائے ہو، اس عورت کو یہاں سے نکال دو اور اسے ہاجرہ عطا کردو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب آپ کی آہٹ محسوس کی تو فوراً نماز سے فارغ ہو کر دریافت کیا کہ کیا گذری؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فاجر کافر کے مکر کو ناکام بنا دیا ہے اور اس نے میری خدمت کیلئے ہاجرہ مجھے دی ہے" (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب یہ حدیث بیان کرتے تو فرماتے: اے آسمانی پانی کے فرزندو! یہ ہیں تمہاری جلیل القدر ماں۔

فَرَجَعُوٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْــًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

"(لاجواب ہو کر) اپنے دلوں میں غور کرنے لگے پھر بولے بلاشبہ تم ہی زیاں کار ستمگار ہو۔ پھر وہ اوندھے ہو کر (اپنی سابقہ گمراہی کی طرف) پلٹ گئے۔ اور کہنے لگے تم خوب جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں۔ آپ نے فرمایا (نادانو!) کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان (بے بس بتوں) کی جو نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ تف ہے تم پر نیز ان بتوں پر جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو لاجواب کر دیا تو وہ اپنے خداؤں کی حفاظت کا مناسب بندوبست نہ کر سکنے کے باعث خود کو ملامت کرنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تم نے بڑا ستم کیا کہ اپنے خداؤں کو بغیر محافظ کے یونہی تنہا چھوڑ دیا۔ پھر انہوں نے اپنے سر جھکا لیے اور مارے حیرت و ندامت کے کہنے لگے: لَقَدْ عَلِمْتَ۔ قتادہ کہتے ہیں کہ قوم سخت حیرت سے دوچار ہو گئی، اس لئے انہوں نے یہ بات کہی۔ سدی کہتے ہیں کہ وہ فتنہ میں کوشاں ہو گئے اور ابن زید کہتے ہیں کہ وہ سوچ بچار کرنے لگے۔ بہر صورت قتادہ کا قول زیادہ واضح ہے کیونکہ انہوں نے حیرت اور عجز کے باعث یہ کہا تھا: لَقَدْ عَلِمْتَ۔ جب انہوں نے اپنی زبانوں سے یہ اعتراف کر لیا تو حضرت ابراہیم نے ان کے جھوٹے خداؤں کی خدائی پر ضرب کاری لگاتے ہوئے فرمایا: اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ یعنی جب یہ نہ بول سکتے ہیں اور نہ نفع نقصان کی قدرت رکھتے ہیں تو پھر تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انکی پوجا کیوں کرتے ہو، تف ہے تم پر اور تمہارے معبودانِ باطلہ پر۔ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے کہ تم گمراہی اور کفر میں مبتلا ہو جس کا حامل ایک ظالم اور فاجر ہی ہو سکتا ہے۔ اس طرح آپ علیہ السلام نے ان پر حجت قائم کر دی اور انہیں لاجواب کر دیا جیسا کہ ارشاد ہے: وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ (الانعام:83)۔

1۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 388، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1840-1841

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ ﴿۶۹﴾ وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ ﴿۷۰﴾

"(سب یک زبان ہوکر) بولے جلا ڈالو اسکو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو۔ (جب آپ کو آتش کدہ میں پھینکا گیا تو) ہم نے حکم دیا اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا ابراہیم کے لئے۔ انہوں نے تو ابراہیم کو گزند پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن ہم نے ان کو نا کام بنا دیا"۔

جب ان کی حجت بودی ثابت ہوئی، ان کا عجز ظاہر ہو گیا، حق غالب آ گیا، باطل مغلوب ہو گیا اور ان کو منہ کی کھانا پڑی تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف تشدد اور طاقت کے استعمال پر اتر آئے اور کہنے لگے: حَرِّقُوْهُ . . چنانچہ اس مقصد کیلئے انہوں نے لکڑیوں کے ڈھیر لگا دیے۔ یہاں تک کہ بقول سدی اگر ان کی کوئی عورت بیمار ہو جاتی تو وہ نذر مانتی کہ اگر وہ صحت یاب ہو گئی تو ابراہیم کیلئے تیار کی جانے والی آگ کیلئے اتنے گٹھے لکڑیاں پیش کرے گی۔ انہوں نے زمین میں ایک بہت گہرا گڑھا کھود کر اسے لکڑیوں سے بھر دیا اور اس میں لگا دی۔ یہ دہکتے ہوئے انگاروں والی اور بھڑکتے ہوئے شعلوں والی اتنی بڑی آگ تھی کہ روئے زمین پر ایسی آگ نہیں جلائی گئی، اب سوچنے لگے کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کیسے پھینکا جائے، آخر کار ایک کرد فارسی دیہاتی کے مشورہ سے آپ کو آگ میں ڈالنے کیلئے ایک منجنیق میں رکھا گیا۔ شعیب جبائی کہتے ہیں کہ اس دیہاتی کا نام ہیزن تھا(1)، اس بد بخت کو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت زمین میں دھنسا دیا اور یہ قیامت تک نیچے دھنستا ہی چلا جائے گا۔ جب انہوں نے آپ کو آگ میں ڈالا تو آپ نے فرمایا: "حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ" جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے کہا: "حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ" اسی طرح جب حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم تک یہ خبر پہنچی کہ دشمنان دین لشکر جرار لے کر مقابلہ کیلئے آ رہے ہیں، ان سے ڈرو لیکن خوفزدہ ہونے کی بجائے ان کے ایمان وایقان میں اضافہ ہو گیا، اس وقت آپ ﷺ نے بھی یہی پڑھا اور صحابہ کرام بھی کہنے لگے: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جانے لگے تو انہوں نے عرض کی: اے اللہ! تو آسمان میں یکتا ہے اور زمین پر میں تنہا تیری عبادت کرنے والا ہوں"(3)۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ بد بخت جب آپ علیہ السلام کو باندھنے لگے تو آپ نے فرمایا: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الْمُلْكُ لَا شَرِیْكَ لَكَ"(4)۔ شعیب جبائی کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر سولہ سال تھی۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام فضا میں آپ کے سامنے ظاہر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کو کوئی ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے آپ کی اعانت کی ضرورت نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت ہے(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آگ میں ڈالے جانے سے پہلے بارش کا فرشتہ بالکل مستعد تھا کہ کب مجھے بارش برسانے کا حکم ہو اور میں بارش برسا کر اس آگ کو بھسم کر دوں لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم جلد ہی آ پہنچا، فرمایا: یٰنَارُ ... جونہی یہ حکم ہوا روئے زمین کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دن دنیا کا کوئی شخص آگ سے فائدہ نہ اٹھا سکا اور آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسیاں

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 43، تفسیر قرطبی، جلد 11 صفحہ 303، جلد 15 صفحہ 97

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ آل عمران، جلد 8 صفحہ 229 3۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 639 4۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 45

جلانے کے سوا آپ کو کوئی گزند نہ پہنچائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آگ کو حکم ہوا کہ وہ ابراہیم کو کوئی ضرر نہ پہنچائے(1)۔ حضرت ابن عباس اور ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ”بَرْدًا“ کے ساتھ ”سَلٰمًا“ نہ فرماتا تو آگ کی ٹھنڈک آپ علیہ السلام کو تکلیف پہنچاتی۔ ضحاک کہتے ہیں کہ انہوں نے آپ کیلئے دہکتے انگاروں اور بھڑکتے شعلوں والا ایک بہت بڑا آتش کدہ تیار کیا، لیکن اس آگ نے آپ کو چھوا تک نہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بالکل بھسم کر دیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے چہرہ سے پسینہ پونچھ رہے تھے۔ اس کے علاوہ آگ کا آپ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ سدی کہتے ہیں کہ آتش کدہ میں سائے کا فرشتہ آپ کے ساتھ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں چالیس یا پچاس دن رہے۔ آپ علیہ السلام خود فرمایا کرتے تھے کہ ان دنوں میں مجھے جو عیش و آرام حاصل تھا، ایسا آرام وسکون پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا تھا، میری تو یہ خواہش تھی کہ میری ساری زندگی اسی میں گذرتی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے باہر آتے ہوئے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے تھے، اس وقت آپ علیہ السلام کے والد نے جو سب سے اچھی بات کہی وہ یہ تھی کہ اے ابراہیم! تمہارا رب تو بہت اچھا ہے(2)۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس دن جو جانور نکلا، وہ آپ علیہ السلام سے آگ بجھانے کی کوشش کرتا رہا، سوائے چھپکلی کے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے مار ڈالنے کا حکم دیا اور اسے فاسق کا نام دیا۔ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نیزہ دیکھ کر ان سے دریافت کیا: اے ام المومنین! یہ نیزہ کس مقصد کیلئے آپ نے رکھا ہوا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم اس کے ساتھ چھپکلیوں کو مارتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو زمین پر کوئی ایسا جانور نہ تھا جو آگ بجھانے میں کوشاں نہ ہو سوائے چھپکلی کے، یہ آگ کو اور پھونکیں مار کر بھڑکا رہی تھی“۔ آپ ﷺ نے ہمیں اسے مار ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا یعنی انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گزند پہنچانے کی کوشش کی لیکن ہم نے انہیں ناکام، مغلوب اور ذلیل کر دیا اور اپنے خلیل علیہ السلام کو آگ سے نجات عطا فرمائی۔ عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ جب آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو ان کا بادشاہ دیکھنے کیلئے وہاں آپہنچا، ایک چنگاری اڑ کر اس کے انگوٹھے پر گری اور اسے جلا کر رکھ دیا۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ
نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ
الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ
عِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَـبٰۗىِٕثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝ۙ
وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

”اور ہم نے نجات دی آپ کو اور لوط کو اس سرزمین کی طرف (ہجرت کا حکم دیا) جسے ہم نے بابرکت بنایا تھا تمام جہان والوں کے لئے۔ اور ہم نے عطا فرمایا انہیں اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا) پوتا۔ اور سب کو ہم نے صالح بنا دیا۔ اور ہم نے بنا دیا انہیں پیشوا (لوگوں کے لئے) وہ راہ دکھاتے تھے ہمارے حکم سے اور ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ وہ نیک کام

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 44، الدرالمنثور، جلد 5 صفحہ 641
2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 44، الدرالمنثور، جلد 5 صفحہ 641

کریں اور نماز ادا کریں اور زکوۃ دیا کریں اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے اور لوط کو ہم نے حکومت اور علم عطا فرمایا اور نجات دی اسے اس گاؤں سے جس کے باشندے بہت رذیل کام کیا کرتے تھے۔ بے شک وہ لوگ بڑے نابکار (اور) نافرمان تھے۔ اور ہم نے اسے داخل کر لیا اپنے (حریم) رحمت میں۔ بیشک وہ نیکوکاروں میں سے تھا''۔

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے محفوظ کر کے اس ظالم قوم سے نکالا اور شام کے مقدس ملک میں پہنچا دیا۔ حضرت ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں جس سرزمین کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد سرزمین شام ہے۔ ہر میٹھا پانی وہاں کے صخرہ کے نیچے سے نکلتا ہے(1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام عراق میں تھے، وہاں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شام پہنچا دیا۔ شام میں انبیاء کی ہجرت گاہ رہی۔ زمین میں سے جو گھٹتا ہے وہ شام میں بڑھتا ہے اور شام میں سے جو کم ہوتا ہے وہ فلسطین میں زیادہ ہو جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہی ارض محشر ہے، یہاں ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور یہیں مسیح دجال ہلاک کیا جائے گا۔ حضرت کعب الاحبار کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے حران کی طرف ہجرت کی۔ سدی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام شام کی طرف چلے۔ حران پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں کے بادشاہ کی بیٹی اپنی قوم کے دین سے نفرت کرتی ہے اور اسے مطعون کرتی رہتی ہے۔ اس سے آپ کی ملاقات ہوئی تو آپ نے اس کے ساتھ اس شرط پر نکاح کر لیا کہ وہ بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کرے گی، یہ حضرت سارہ علیہا السلام تھیں۔ یہ روایت غریب ہے، مشہور یہی ہے کہ حضرت سارہ آپ کی چچا زاد تھیں، ہجرت کرتے وقت آپ انہیں بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے مکہ شریف کی طرف ہجرت کی اس کی دلیل یہ آیت ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ۬ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران: 97-96) ''بیشک پہلا (عبادت) خانہ جو لوگوں کیلئے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے، بڑی برکت والا، سب جہانوں کی لئے ہدایت، اس میں روشن نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیم اور جو بھی اس میں داخل ہو محفوظ ہے''۔ پھر فرمایا: وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ حضرات ابن عباس، قتادہ اور حکم بن عیینہ کہتے ہیں کہ ''نافلة'' سے مراد پوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ (ہود: 71) ''تو ہم نے سارہ کو اسحاق کی خوشخبری دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی''۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے ایک بیٹے کا سوال کرتے ہوئے دعا کی تھی: رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (الصافات: 100) ''اے میرے رب! مجھے ایک نیک بچہ عطا فر۔'' لیکن اللہ تعالیٰ نے بیٹے کے ساتھ پوتے کی بھی نوید سنا دی، اور سب کو صالح اور نیکوکار بنا دیا۔ اس کے بعد فرمایا: وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً۔ یعنی ہم نے انہیں ایسا پیشوا بنایا جو ہمارے اذن سے لوگوں کو راہِ ہدایت دکھاتے، اس لئے فرمایا: وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ اس میں عطف خاص علی العام ہے اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہوا، آپ علیہ السلام ہاران بن تارخ کے بیٹے ہیں۔ آپ حضرت ابراہیم پر ایمان لائے، آپ کی اتباع کی اور آپ کے ساتھ ہی ہجرت کی جیسا کہ فرمایا: فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ (العنکبوت: 26) ''تو ان پر لوط ایمان لائے اور ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں''۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت و علم سے نوازا، آپ کی طرف وحی کی اور نبی بنا کر سدوم اور اس کی گردونواح کی بستیوں کی طرف آپ کو بھیجا لیکن انہوں نے آپ کی مخالفت اور تکذیب کی جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا جیسا کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ واقعہ مذکور ہے، اس لئے فرمایا: وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 46، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 643-642

الْقَرْیَۃِ ۔ ۔۔

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾ وَنَصَرْنَاهُ
مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٧٧﴾

''اور یاد کرو نوح علیہ السلام کو جب انہوں نے (ہمیں) پکارا پیش ازیں، تو ہم نے قبول فرمایا ان کی دعا کو اور بچایا انہیں اور ان کے گھر والوں کو سخت مصیبت سے۔ اور ہم نے ان کی حمایت کی اس قوم کے مقابلہ میں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔ بیشک وہ بڑے نابکار لوگ تھے پس ہم نے غرق کر دیا ان سب کو''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ جب ان کی قوم انہیں پیہم جھٹلاتی رہی تو آخر کار انہیں یہ دعا کرنا پڑی: فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ (القمر: 10) '' آخر کار آپ نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں عاجز آ گیا ہوں پس تو ان سے انتقام لے''، رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح: 27-26) '' اے میرے رب! روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا نہ چھوڑ۔ اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور نہ جنیں گے مگر بدکار، ناشکر گذار''۔ اس لئے یہاں فرمایا: إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ ۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۚ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ (ہود: 40) ''اور اپنے گھر والوں کو سوائے ان کے جن پر پہلے حکم ہو چکا ہے اور (سوار کر لو) جو ایمان لا چکے ہیں اور آپ پر تھوڑے لوگ ہی ایمان لائے تھے''۔ الکرب العظیم سے مراد تکذیب، تکالیف اور اذیت رسانیاں ہیں جن کا آپ کو سامنا کرنا پڑا، کیونکہ ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کے باوجود صرف چند لوگ آپ پر ایمان لائے۔ فرمایا: وَنَصَرْنَاهُ۔ یعنی ہماری آیات کو جھٹلانے والی قوم کے مقابلہ میں ہم نے آپ علیہ السلام کی حمایت کی، انہیں تباہ کر دیا اور روئے زمین پر ان میں سے کوئی بھی کافر زندہ نہ بچا۔

وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ
شَاهِدِينَ ﴿٧٨﴾ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ
يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ﴿٧٩﴾ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ ۖ
فَهَلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ ﴿٨٠﴾ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا
فِيهَا ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ ﴿٨١﴾ وَمِنَ الشَّيَاطِينِ مَن يَغُوصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا
دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ ﴿٨٢﴾

''اور یاد کرو داؤد و سلیمان (علیہما السلام) کو جب وہ فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیتی کے جھگڑے کا جب رات کے وقت چھوٹ گئیں اس میں ایک قوم کی بکریاں۔ اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ سو ہم نے سمجھا دیا وہ معاملہ سلیمان کو اور ان سب کو ہم نے بخشا تھا حکم اور علم۔ اور ہم نے فرمانبردار بنا دیا داؤد کا پہاڑوں اور پرندوں کو وہ سب ان کے ساتھ مل کر تسبیح کہا

کرتے، اور (یہ شان) ہم دینے والے تھے۔ اور ہم نے سکھا دیا انہیں زرہ بنانے کا ہنر تمہارے فائدے کے لئے تاکہ وہ زرہ بچائے تمہیں تمہاری زد سے۔ تو کیا تم (اس احسان کا) شکر یہ ادا کرنے والے ہو۔ اور ہم نے سلیمان کے لئے تند و تیز ہوا کو فرمانبردار بنا دیا چلتی تھی وہ ہوا ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف جسے ہم نے بابرکت بنا دیا تھا۔ اور ہم ہر چیز کو جاننے والے تھے۔ اور ہم نے مسخر کر دیئے شیطانوں میں سے جو (سمندروں میں) غوطہ زنی کرتے ان کے لئے اور کیا کرتے طرح طرح کے اور کام۔ اور ہم ہی ان کے نگہبان تھے"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ کھیتی انگوروں کی تھی جس کے خوشے لٹک رہے تھے۔ "نفش" کا معنی ہے رات کے وقت کھیتی چر جانا اور دن کے وقت چرنے کو "ھمل" کہتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی کی بکریوں نے اس کھیت کو اجاڑ دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں یہ مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ نقصان کی تلافی کرنے کیلئے بکریاں کھیتی کے مالک کو دے دی جائیں۔ یہ فیصلہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! اس سے بہتر فیصلہ کی صورت ہوسکتی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جواب دیا کہ کھیت بکریوں کے مالک کے سپرد کر دیا جائے تاکہ کھیت کے اصلی حالت پر لوٹنے تک وہ اس کی خبر گیری اور نگرانی کرے اور بکریاں کھیت کے مالک کو دے دی جائیں تاکہ وہ ان سے فائدہ اٹھائے۔ جب کھیت اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے تو اسے اس کے مالک کے حوالے کر دیا جائے اور بکریاں اس کے مالک کی طرف لوٹا دی جائیں۔ یہی مقصود اس ارشاد فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ سے ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب یہ فیصلہ سنایا تو بکریوں والے خالی ہاتھ اپنے کتوں کو لے کر واپس چل دیئے۔ جب ان کا گذر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے ہوا تو آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا فیصلہ ہوا؟ انہوں نے آپ کو فیصلہ کے متعلق آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا یہ مقدمہ میرے پاس آتا تو میں اس کا کچھ اور فیصلہ کرتا۔ حضرت داؤد کو جب یہ بتایا گیا تو آپ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلا کر پوچھا کہ تم کیا فیصلہ کرتے؟ آپ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرا فیصلہ یہ ہوتا کہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں تاکہ وہ ان کے دودھ وغیرہ سے فائدہ حاصل کرتا رہے اور بکریوں والے کھیتی بوئیں۔ جب وہ کھیتی اپنی اصل حالت پر آجائے تو کھیتی اور بکریاں اپنے اپنے اصل مالکوں کو لوٹا دی جائیں۔ مسروق کہتے ہیں کہ وہ کھیتی انگوری تھی جس میں بکریاں گھس گئیں اور پتے اور خوشے سب کچھ چٹ کر گئیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بکریاں کھیت والوں کو دے دیں لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فیصلہ دیا کہ بکریاں کھیتی والوں کو دے دی جائیں تاکہ وہ ان کے دودھ وغیرہ سے استفادہ کریں اور کھیتی بکریوں کے مالکوں کے حوالے کی جائے تاکہ وہ اس کی اصلاح اور نگرانی کریں۔ جب کھیتی اصلی حالت پر لوٹ جائے تو کھیتی اور بکریاں اپنے اصل مالکوں کو واپس کر دی جائیں۔ اسی طرح کا ایک مقدمہ قاضی شریح کے پاس بھی آیا تھا، دو آدمی آپ کے پاس آئے، ان میں سے ایک کہنے لگا کہ اس شخص کی بکریوں نے میرا کاتا ہوا سوت برباد کر دیا ہے۔ قاضی شریح نے پوچھا: دن کو یا رات کو؟ اگر تو انہوں نے دن کے وقت یہ نقصان کیا ہے تو ان کا مالک بری الذمہ ہے اور اگر رات کے وقت کیا ہے تو وہ ضامن ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی(2)۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کسی باغ میں داخل ہوگئی اور باغ کا کافی نقصان کیا تو رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ دن کے وقت باغوں کی حفاظت ان کے مالکوں کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 51 2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 52

ذمہ ہے لیکن اگر رات کے وقت کسی کے مویشی نقصان کر دیں تو مویشی والے اس کے ذمہ دار اور ضامن ہوں گے(1)۔ یہ حدیث معلل ہے اور ہم نے اس کی تفصیل کتاب الاحکام میں بیان کر دی ہے۔ حضرت ایاس بن معاویہ کو جب قاضی بننے کی پیشکش کی گئی تو وہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہونے پر رو دیے، آپ نے رونے کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے: اے ابوسعید! مجھے معلوم ہوا ہے کہ اگر قاضی نے اجتہاد کیا اور پھر بھی غلطی کی تو وہ جہنمی ہے، جو خواہش نفس کی طرف مائل ہو گیا وہ بھی جہنمی ہے اور جس قاضی نے اجتہاد کیا اور صحت تک پہنچ گیا وہ جنتی ہے۔ یہ سن کر حضرت حسن فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اس میں ان لوگوں کے اس قول کا رد ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف کی ہے لیکن حضرت داؤد کی مذمت نہیں کی، پھر حضرت حسن فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے قاضیوں سے تین باتوں کا عہد لیا ہے: ایک یہ کہ وہ احکام شریعت کو معمولی قیمت کے بدلے نہ بیچیں، دوسرا یہ کہ وہ اپنی خواہش کی پیروی نہ کریں اور تیسرا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈریں، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (ص:26) ”اے داؤد ہم نے زمین میں آپ کو (اپنا) نائب مقرر کیا ہے پس لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلے کیا کرو اور ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو وہ تمہیں راہ خدا سے بہکا دیگی“۔ ایک جگہ ارشاد ہے: فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (المائدہ:44) ”پس نہ ڈرا کرو لوگوں سے اور ڈرا کرو مجھ سے“۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا (البقرۃ:41) ”اور تم تھوڑی سی قیمت کے عوض میری آیات کا سودا نہ کرو“۔ میں یہ کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور انہیں تائید الٰہی حاصل ہے، اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں لیکن جہاں تک غیر انبیاء کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں حضرت عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب حاکم اجتہاد کرے اور صحت تک پہنچ جائے تو اس کیلئے دو اجر ہیں اور جب وہ اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو اس کیلئے ایک اجر ہے(2)۔ اس حدیث میں ایاس کے اس قول کا رد ہے کہ قاضی جب اجتہاد کے باوجود غلطی کر جائے تو وہ جہنمی ہے۔ سنن کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہیں: ایک جنتی اور دو دوزخی۔ وہ شخص جس نے حق معلوم ہو جانے کے بعد اس کے مطابق فیصلہ کیا تو وہ جنتی ہے، وہ شخص جس نے جہالت کے ساتھ فیصلہ دیا، وہ دوزخی ہے اور وہ شخص جس نے حق معلوم ہو جانے کے باوجود اس کے خلاف فیصلہ دیا، وہ بھی جہنمی ہے(3)۔ قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعہ کے قریب قریب وہ واقعہ بھی ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”دو عورتوں کے پاس اپنے دو بیٹے تھے کہ اچانک بھیڑیا آ گیا اور ایک عورت کے بیٹے کو اٹھا کر لے گیا۔ باقی رہ جانے والے بچے کے متعلق ہر ایک دعویٰ کرنے لگی کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ جب وہ مقدمہ لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئیں تو انہوں نے بڑی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ جب وہ وہاں سے نکل کر جانے لگیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے دونوں کو اپنے پاس بلا لیا اور فرمایا کہ چھری لاؤ، میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے ان کے درمیان تقسیم کر دیتا ہوں۔ چھوٹی کہنے لگی: ”اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے! یہ لڑکا اس بڑی کا ہے، آپ اس بچے کے ساتھ ایسا نہ کریں چنانچہ آپ علیہ السلام نے اس چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا“(4)۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تو کتاب القضاء میں ”بَابُ الْحَاكِمِ یُوْهِمُ خِلَافَ الْحُكْمِ لِیَسْتَعْلِمَ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 298، سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، جلد 2 صفحہ 781 وغیرہ
2۔ فتح الباری، کتاب الاعتصام، جلد 13 صفحہ 318
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیہ، جلد 3 صفحہ 299، سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، جلد 2 صفحہ 776
4۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 458، صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ، جلد 3 صفحہ 1344-1345

الحق" کے نام سے اس پر باب بھی باندھا ہے۔ ایسا ہی ایک قصہ حافظ ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانہ کی ایک نہایت حسین وجمیل عورت نے ان میں سے کسی کے جال میں آنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر برہم ہو کر انہوں نے آپس میں متفقہ فیصلہ کیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ان سب نے اس عورت کے خلاف گواہی دی کہ اس نے اپنے کتے سے بدفعلی کروائی ہے، جسے اس نے اس فعل کیلئے تربیت دے رکھی ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ اس دن کی شام کو حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ فرضی عدالت لگ گئی۔ آپ حاکم بن گئے، چار لڑکوں نے ان رئیسوں کا روپ دھار لیا اور ایک نے اس عورت کا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان چاروں کو جدا جدا کر دو، پھر آپ نے ایک کو بلا کر پوچھا کہ اس کتے کا رنگ کیا ہے؟ اس نے کہا: سیاہ۔ آپ نے اس کو الگ بھیج کر دوسرے کو بلایا اور اس سے کتے کا رنگ پوچھا؟ اس نے کہا: سرخ۔ تیسرے نے کہا: خاکستری اور چوتھے نے کہا: سفید۔ آپ علیہ السلام نے اسی وقت انکے قتل کا حکم جاری کر دیا۔ جب حضرت داؤد کو اس کارروائی کا علم ہوا تو آپ علیہ السلام نے فوری طور پر ان چاروں رئیسوں کو بلایا اور الگ الگ ہر ایک سے کتے کا رنگ دریافت کیا، ہر ایک نے الگ الگ رنگ بتایا تو آپ نے انہیں قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا: وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ ۔ حضرت داؤد علیہ السلام بڑے خوش گلو اور خوش الحان تھے، آپ کی آواز بہت رسیلی تھی، جب آپ ترنم سے زبور کی تلاوت کرتے تو پرندے ہوا میں ٹھہر جاتے اور نہ صرف وہ بلکہ پہاڑ بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہو جاتے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز بھی بہت پیاری اور رسیلی تھی۔ ایک مرتبہ وہ رات کے وقت قرآن کریم کی تلاوت کر رہے کہ وہاں سے رسول اللہ ﷺ کا گذر ہو گیا۔ آپ وہاں کھڑے ہو کر تلاوت سننے لگے اور فرمایا: "انہیں تو آل داؤد کی مزامیر میں سے ایک مزمار (خوش الحانی) عطا ہوئی ہے"۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ آپ سن رہے ہیں تو میں خوب مزین کر کے پڑھتا(1)۔ ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی آواز جیسی آواز باجے، بربط اور بانسری کی بھی نہیں سنی، اس لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ انہیں آل داؤد کی خوش آوازی میں سے حصہ عطا ہوا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک اور کمال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ﴿۱۰﴾ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ (سبا: 11-10) "اور ہم نے اس کیلئے لوہے کو نرم کر دیا اور (حکم دیا) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور حلقے جوڑنے میں اندازہ کا خیال رکھو"۔ یعنی زرہ کا حلقہ اتنا وسیع نہ کریں کہ کیل اپنی جگہ سے ہٹ جائے اور اس قدر کیل سخت نہ کریں کہ حلقہ ہی ٹوٹ جائے۔ اس لئے فرمایا: لِتُحْصِنَكُمْ ۔ یعنی یہ جنگ میں تمہاری حفاظت کا ذریعہ ہے، کیا تم اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنے والے ہو جو اس نے داؤد علیہ السلام کے ذریعے تم پر کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے کمالات ذکر کرنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے کمالات کا ذکر ہو رہا ہے، فرمایا: وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ یعنی ہم نے سلیمان علیہ السلام کیلئے تند و تیز ہوا کو مسخر کر دیا جو ان کے حکم سے شام کی مبارک سرزمین کی طرف چلتی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ضرورت کی اشیاء لے کر اپنے تخت پر بیٹھ جاتے، امراء، وزراء، گھوڑے، اونٹ، خیمے اور لشکر بھی ساتھ ہوتے، پھر آپ کے حکم سے ہوا تخت کو اپنے دوش پر سوار کر لیتی اور اسے لے کر سفر شروع کر دیتی۔ دوران سفر پرندے آپ علیہ السلام پر سایہ کرتے۔ جہاں آپ علیہ السلام کی مرضی ہوتی، ہوا وہاں تک آپ کو لے جاتی جیسا کہ ارشاد ہے: فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 546، تحفۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 10 صفحہ 357

اَصَابَ (ص:36) ''پس ہم نے ہوا کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا۔ وہ آپ کے حسب حکم جہاں آپ چاہتے آرام سے چلتی تھی''، غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ (سبا:12) ''اس (ہوا) کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل بھی ایک ماہ کی ہوتی''۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے چھ لاکھ کرسیاں لگائی جاتیں، آپ کے قریب مومن انسان بیٹھتے، پھر ان کے پیچھے مومن جن بیٹھتے، پھر پرندوں کو حکم ہوتا تو وہ سب پر سایہ کرتے، پھر ہوا کو حکم ہوتا تو وہ سب کو اٹھا کر لے چلتی (1)۔ عبداللہ بن عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کو حکم دیتے تو وہ ایک بڑے ٹیلے کی مانند جمع ہو جاتی، یوں محسوس ہوتا گویا یہ پہاڑ ہے، پھر آپ بستر لگانے کا حکم دیتے تو اس کی بالائی سطح پر بستر لگا دیا جاتا۔ پھر آپ سر جھکا لیتے اور دائیں بائیں نہیں دیکھتے تھے۔ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے انعام پر شکر بجا لانا تھا اور عاجزی کا اظہار کرنا تھا، پھر آپ جہاں چاہتے ہوا آپ کو نیچے اتار دیتی۔ اس کے بعد فرمایا: وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ...... یعنی سرکش جنات آپ کے تابع فرمان کر دیئے گئے جو سمندر میں غوطہ لگا کر اس کی تہہ سے قیمتی موتی اور جواہرات نکالتے اور اس کے علاوہ طرح طرح کے اور کام بھی کرتے جیسا کہ فرمایا: وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ (ص:38-37) ''اور سب دیو بھی ماتحت کر دیئے کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) زنجیروں میں باندھ دیئے گئے''۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کا محافظ تھا۔ جنات میں سے کوئی بھی آپ کو گزند نہیں پہنچا سکتا تھا، سبھی آپ کے ماتحت اور زیر قبضہ تھے، کوئی آپ کے قریب بھی نہ پھٹک سکتا تھا۔ آپ جیسے چاہتے ان پر حکمرانی کرتے۔ اگر چاہتے تو آزاد کر دیتے اور اگر چاہتے تو اپنی قید میں رکھتے، اس لیے فرمایا: ''وَ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ''۔

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

''اور یاد کرو ایوب کو جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو کہ مجھے پہنچی ہے سخت تکلیف اور تو ارحم الراحمین ہے۔ (میرے حال زار پر بھی رحم فرما) تو ہم نے قبول فرمالی اس کی فریاد اور ہم نے دور فرما دی جو تکلیف انہیں پہنچ رہی تھی اور ہم نے عطا کئے اسے اس کے گھر والے نیز اتنے اور ان کے ساتھ اپنی رحمت خاص سے اور یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لئے''۔

حضرت ایوب علیہ السلام اپنے مال، اولاد اور جسم کے متعلق جس آزمائش سے دوچار ہوئے اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وافر دولت، طرح طرح کے ہزارہا مویشی، وسیع زرعی زمین، کثیر اولاد اور پرسکون رہائش گاہیں مرحمت فرمائیں لیکن جب آزمائش کا دور آیا تو یہ سب کچھ ختم ہو گیا، پھر جذام کی بیماری نے آپ کے پورے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دل اور زبان کے سوا آپ کا کوئی عضو اس بیماری سے محفوظ نہ رہا، ان سے آپ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ اب یہ کیفیت ہو گئی کہ دوست احباب بھی آپ سے نفرت کرنے لگے۔ آپ کی زوجہ محترمہ کے علاوہ کوئی ایسا شخص نہ تھا جو آپ کی طرف متوجہ ہوتا۔ آپ کو شہر کے ایک کونے میں الگ تھلگ سکونت اختیار کرنا پڑی۔ صرف آپ کی زوجہ آپ کی تیمارداری اور دیکھ بھال کرتیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان نامساعد حالات میں انہیں آپ کی خاطر محنت مزدوری کرنا پڑی۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے، پھر صالحین کی، پھر ان سے کم درجہ کے حامل

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التاریخ، جلد 2 صفحہ 589 وغیرہ

لوگوں کی پھر ان سے درجہ میں کم لوگوں کی" (1)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "ہر شخص کی آزمائش اس کے دین کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے، اگر اس کے دین میں مضبوطی پائی جاتی ہو تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے"۔ حضرت ایوب علیہ السلام انتہائی صابر تھے اور آپ کا صبر ضرب المثل بن گیا۔ یزید بن میسرہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا امتحان لیا، آپ کا مال اور اہل وعیال سب کچھ جاتا رہا اور کچھ بھی باقی نہ رہا تو آپ پہلے سے بھی زیادہ یادِ الٰہی میں سرگرم ہوگئے اور کہنے لگے: اے پالنے والے! میں تیری حمد وثنا کرتا ہوں، تو نے مجھ پر احسان فرمایا، مجھے مال واولاد سے نوازا جن کے ساتھ میرا دل مشغول ہوگیا۔ تو نے یہ سب کچھ واپس لے کر میرے دل کو ہر فکر سے آزاد کر دیا ہے، اب میرے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔ اگر میرے دشمن ابلیس کو تیرے اس عظیم احسان کا علم ہو جائے تو وہ مجھ پر حسد کرنے لگ جائے۔ اس دعا سے ابلیس کو سخت تکلیف پہنچی اور اس نے ناگواری کا اظہار کیا (2)۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ بھی کہا: اے میرے پروردگار! تو نے مجھے مال واولاد سے عطا فرمایا لیکن میں نے کسی پر ظلم نہیں کیا جس کی شکایت لے کر وہ میرے دروازے پر آیا ہو، اس چیز کو تو اچھی طرح جانتا ہے، اے پروردگار! مجھے معلوم ہے کہ میرے لیے نرم بستر بچھایا جاتا لیکن میں اسے چھوڑ کر اپنے آپ سے کہتا کہ تمہیں نرم بستر پر آرام کرنے کیلئے نہیں پیدا کیا گیا۔ تیری رضا کی خاطر میں راحت وآرام کو خیرباد کہہ دیتا۔ اسے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے وہب بن منبہ سے آپ علیہ السلام کے متعلق ایک طویل واقعہ بیان کیا ہے جسے متعدد مفسرین نے بھی نقل کیا ہے، لیکن اس میں غرابت ہے، طوالت کے باعث ہم نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ مروی ہے کہ آپ طویل عرصہ اس آزمائش سے دوچار رہے، پھر اس سبب کے متعلق اختلاف ہے جو اس دعا کا باعث بنا۔ حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام سات سال اور چند مہینے اس مشکل کا سامنا کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ پر پڑے رہے یہاں تک کہ آپ کے جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس تکلیف کو رفع کر دیا، عظیم اجر سے نوازا اور آپ کی بہت تعریف کی۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ آپ پورے تین سال اس تکلیف کو برداشت کرتے رہے۔ سدی کہتے ہیں کہ آپ کے جسم سے گوشت اتر کر نیچے گرنے لگا یہاں تک کہ صرف پٹھے اور ہڈیاں باقی رہ گئیں۔ آپ کی زوجہ محترمہ آپ کی خدمت بجالاتیں اور آپ کے پاس راکھ لے کر آتیں جس میں آپ پڑے رہتے۔ جب اس تکلیف کو ایک طویل عرصہ گذر گیا تو آپ کی زوجہ نے آپ سے عرض کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے اس تکلیف سے کشائش کی دعا کیوں نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ستر سال صحت وعافیت میں گذارے ہیں، اگر میں رضائے الٰہی کی خاطر ستر برس بھی صبر کروں تو بھی یہ کم ہے، یہ سن کر آپ کی زوجہ لرز گئیں۔ وہ محنت مزدوری کر کے آپ علیہ السلام کا پیٹ پالتی تھیں۔ اہل فلسطین میں سے دو آدمی حضرت ایوب علیہ السلام کے گہرے دوست تھے، شیطان ان کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ تمہارا دوست ایوب سخت مصیبت سے دوچار ہے، اس لیے تم اس کی تیمارداری کیلئے جاؤ اور اپنے ساتھ اپنے علاقہ کی شراب بھی لیتے جانا، اگر اس نے وہ شراب پی لی تو شفایاب ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ دونوں جب آپ علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ کی حالت دیکھ کر انہیں بے ساختہ رونا آگیا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ تم دونوں کون ہو؟۔ انہوں نے یاد دلایا کہ ہم فلاں فلاں ہیں۔ یہ جان کر آپ نے خوشی کا اظہار کیا اور انہیں خوش آمدید کہا۔ وہ آپ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ شاید آپ اپنے دل میں کچھ چھپائے ہوں گے اور اس کے برعکس ظاہر کرتے

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 343-344، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1334 وغیرہ

2۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 653-654

ہوں گے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آزمائش میں ڈال دیا۔ آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا کہ وہ (اللہ تعالیٰ) بخوبی جانتا ہے کہ میں کیا چھپاتا تھا اور کیا ظاہر کرتا تھا۔ دراصل میرے رب نے مجھے اس لئے آزمائش میں ڈالا ہے کہ وہ مجھے دیکھے میں صبر کرتا ہوں یا بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہوں۔ وہ آپ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ ہمارے علاقہ کی شراب پئیں، اگر آپ نے یہ شراب پی لی تو آپ صحت یاب ہو جائیں گے۔ آپ سخت غضبناک ہو کر فرمانے لگے کہ خبیث شیطان تمہارے پاس گیا اور تمہیں یہ حکم دیکر چلتا بنا۔ تم سے کلام کرنا اور تمہارا کھانا پینا مجھ پر حرام ہے۔ چنانچہ یہ دونوں آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ لوگوں کے گھروں میں کام کاج کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایک گھر والوں کی روٹیاں پکائیں۔ ان کا ایک بچہ سویا ہوا تھا تو گھر والوں نے اس بچے کے حصہ کی ٹکیا انہیں دے دی اور بچے کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا، وہ ٹکیا لے کر حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آئیں تو آپ نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پہلے تو ایسی روٹی نہیں لاتی تھیں، آج کیا ہوا؟ انہوں نے صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ممکن ہے وہ بچہ بیدار ہو کر اس ٹکیا کیلئے ضد کرتا ہو اور نہ ملنے پر رو رہا ہو، اس لئے یہ ٹکیا اس کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ وہ روٹی لے کر ادھر چل پڑیں، جب وہ ان کے گھر کی سیڑھی تک پہنچیں تو وہاں بندھی ہوئی بکری نے انہیں سینگ مار دیا، اس وقت ان کی زبان سے بیساختہ یہ الفاظ نکل آئے کہ ایوب کیسے غلط خیال والے ہیں، جب وہ اوپر چڑھ کر ان کے گھر گئیں تو دیکھا واقعی بچہ رو رہا ہے اور اسی ٹکیا کیلئے ضد کر رہا ہے، اس کے علاوہ کسی اور چیز پر راضی ہی نہیں ہوتا۔ یہ دیکھ کر کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ ایوب پر رحم فرمائے۔ روٹی اس بچے کو دی اور واپس لوٹ آئیں۔ رستہ میں ابلیس ایک طبیب کے روپ میں ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تمہارے شوہر کی بیماری طول پکڑ گئی ہے، اگر وہ صحت یابی کا خواہشمند ہے تو اسے کہو کہ وہ ایک مکھی بنی فلاں کے بت پر مار دے، اس طرح شفا ہو سکتی ہے، شفایاب ہونے کے بعد توبہ کر لے، جب انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام سے یہ بات کہی تو آپ نے فرمایا کہ شیطان خبیث نے تمہیں یہ مشورہ دیا ہے۔ اگر میں تندرست ہو گیا تو میں تمہیں سو کوڑے لگاؤں گا۔ ایک دن وہ روزی کی تلاش میں نکلیں لیکن گھر گھر جانے کے باوجود کوئی کام نہ ملا۔ جب مایوس ہو گئیں اور حضرت ایوب علیہ السلام کی بھوک کا خوف دامنگیر ہو گیا تو انہوں نے اپنی کچھ زلفیں کاٹ کر ایک امیرزادی کے ہاتھ فروخت کر دیں، اس کے بدلے میں بہت سا عمدہ کھانا مل گیا جسے لے کر وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آگئیں اور حضرت ایوب علیہ السلام نے دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا اور پوچھا کہ یہ سب کچھ کہاں سے ملا؟ انہوں نے جواب دیا کہ لوگوں کے گھروں میں کام کاج کرنے کے صلہ میں یہ کھانا ملا ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے اس میں سے کچھ کھانا تناول فرما لیا۔ اگلے روز پھر ایسا ہی ہوا۔ تلاش بسیار کے باوجود جب مزدوری نہ ملی تو انہوں نے اپنی کچھ زلفیں کاٹ کر اس امیرزادی کو بیچ دیں اور اس کے بدلے میں کھانا لے کر آپ کے پاس چلی آئیں، آپ نے فرمایا کہ میں جب تک اس کھانے کی حقیقت نہ جان لوں، بالکل نہیں کھاؤں گا۔ اب آپ کی زوجہ نے اپنے سر سے دوپٹہ اتار دیا۔ جب آپ نے دیکھا کہ زوجہ محترمہ کے سر کے بال تک کٹ چکے ہیں تو آپ بہت بے چین اور پریشان ہو گئے۔ اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست سوال دراز کرتے ہوئے عرض کی: اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ ... نوف بکالی کہتے ہیں کہ جو شیطان حضرت ایوب علیہ السلام کے پیچھے پڑا تھا، اس کا نام مسوط تھا۔ آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ آپ سے عرض کیا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی صحت یابی کیلئے دعا کریں لیکن آپ دعا نہ کرتے یہاں تک کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ آپ کے پاس سے گذرے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس شخص کو کسی بڑے گناہ کی پاداش میں اس تکلیف سے دوچار کیا گیا ہے۔ اس وقت آپ نے مذکورہ دعا مانگی۔ عبداللہ بن عبید بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ایوب علیہ السلام کے دو بھائی تھے۔ ایک دن وہ ملاقات کیلئے آپ علیہ السلام کے ہاں آئے لیکن بدبو کے باعث آپ کے قریب نہ جا سکے اور دور ہی کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر ایوب میں کوئی بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت میں مبتلا نہ کرتا۔ یہ سن کر آپ علیہ السلام کو شدید دکھ ہوا کہ اس قدر دکھ آپ کو پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہوئے کہا: اے اللہ! میں نے کوئی رات ایسی نہیں گذاری جس میں میں نے تو سیر ہو کر کھایا ہو اور میرے علم کے باوجود کوئی شخص بھوکا رہا ہو، اگر یہ بات درست ہے تو اے اللہ! میری تصدیق فرما۔ چنانچہ اسی وقت آسمان سے آپ کی تصدیق نازل ہوئی اور وہ دونوں سن رہے تھے، پھر آپ نے عرض کی: اے اللہ! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے پاس دو قمیصیں ہوں اور میرے جانتے ہوئے بھی کوئی شخص برہنہ رہا ہو۔ اگر یہ بات سچی ہے تو تصدیق فرما، اسی وقت آسمان سے آپ کی تصدیق نازل ہوئی اور وہ دونوں سن رہے تھے۔ پھر آپ نے عرض کی: اے اللہ! تیرے عزت کی قسم، اس کے ساتھ ہی آپ سجدہ ریز ہو گئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ، تیری عزت کی قسم! میں اس وقت تک سجدہ سے سر نہیں اٹھاؤں گا جب تک تو میری تکلیف دور نہ کر دے۔ واقعی ایسا ہی ہوا۔ جب تک آپ کو مصیبت سے نجات نہ ملی، اس وقت تک آپ نے سر نہ اٹھایا (1)۔ ابن ابی حاتم میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے نبی ایوب علیہ السلام اٹھارہ برس ابتلاء میں رہے۔ سوائے دو قریبی دوستوں کے کبھی نے آپ سے منہ موڑ لیا۔ یہ دونوں صبح و شام آپ کی مزاج پرسی کیلئے آتے۔ ایک مرتبہ ان میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا کہ ایوب نے ایسا گناہ کیا ہے جس طرح کا گناہ کسی نے نہ کیا ہوگا۔ اس کا ساتھی پوچھنے لگا کہ وہ کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ اٹھارہ برس ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر نہ رحم فرمایا ہے اور نہ ان کی تکلیف کو رفع کیا ہے۔ جب وہ دونوں آپ کے پاس آئے تو اس آدمی نے اپنے ساتھی کی بدگمانی کے متعلق آپ کو آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میری احتیاط کا تو یہ عالم تھا کہ اگر رستہ میں دو آدمیوں کو جھگڑتے ہوئے اور اللہ کی قسم اٹھاتے ہوئے پاتا تو گھر واپس لوٹ کر ان کی طرف سے اس اندیشہ کے پیش نظر کفارہ ادا کرتا کہ کہیں انہوں نے ناحق اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا ہو۔ آپ اس قدر نحیف اور کمزور ہو گئے کہ قضائے حاجت کیلئے بھی اپنی زوجہ کے سہارے چل کر جاتے۔ ایک مرتبہ آپ کی زوجہ نے آنے میں تاخیر کر دی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو اور جاری ہونے والے چشمے سے غسل بھی کرو اور پیو بھی۔ اس حدیث کا مرفوع ہونا غریب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ایک جنتی حلہ پہنایا تو آپ ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ آئیں لیکن آپ کو نہ پہچان سکیں۔ کہنے لگیں: اے اللہ کے بندے! یہاں ایک مصیبت زدہ شخص تھے وہ کہاں گئے، شاید انہیں کتے یا بھیڑیے لے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایوب ہی ہوں۔ کہنے لگیں: اے اللہ کے بندے! کیا تو میرے ساتھ مذاق کر رہا ہے؟ آپ نے فرمایا میں ایوب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا فرما دی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وہی مال و اولاد آپ کو لوٹا دی اور ان کے ساتھ اس قدر اور بھی۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف وحی کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تمہارے اہل و عیال اور مال و دولت تم پر لوٹا دیے ہیں اور ان کے ساتھ اسی قدر مزید بھی۔ تم اس پانی کے ساتھ غسل کرو کیونکہ اس میں تمہارے لیے شفا ہے اور اپنے اعزاء و اقارب کی طرف سے قربانی پیش کریں اور ان کیلئے استغفار کریں کیونکہ وہ تمہارے بارے میں میری نافرمانی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو عافیت عطا

1۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 654، تفسیر طبری، جلد 17، صفحہ 71

فرمائی تو آپ پر سونے کی ٹڈیاں برسائیں۔ آپ اپنے ہاتھ سے انہیں پکڑتے جاتے اور اپنے کپڑے میں رکھتے جاتے۔ آواز آئی: اے ایوب! کیا تم سیر نہیں ہوئے؟ عرض کی: اے پروردگار! تیری رحمت سے کون سیر ہو سکتا ہے؟"(1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے والے اہل وعیال آپ کو واپس کر دیے گئے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ کی زوجہ محترمہ کا نام رحمت تھا۔ اگر تو یہ نام اس آیت سے ماخوذ ہے تو بھی یہ دوراز حقیقت ہے اور اگر اہل کتاب سے لیا گیا ہے تو بھی نہ تو اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے اور نہ تکذیب۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ان کا نام "لیا بنت منشا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم" بتایا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت لیا حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹی تھیں اور ارض بثنیہ میں حضرت ایوب کے ساتھ رہتی تھیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام سے کہا گیا کہ تمہارے اہل وعیال جنت میں ہیں۔ اگر آپ کی خواہش ہو تو ہم وہی آپ کو عطا کر دیتے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو انہیں جنت میں ہی رہنے دیتے ہیں اور ان کے عوض ہم تمہیں اور عطا کر دیتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ انہیں وہاں ہی رہنے دیں۔ چنانچہ انہیں جنت میں ہی رہنے دیا گیا اور ان کے عوض میں ان جیسے اور عطا کر دیے۔ نوف بکالی کہتے ہیں کہ آخرت میں ان کا اجر اور دنیا میں ان کا عوض آپ کو عطا ہوا۔ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات مطرف کو بتائی تو وہ کہنے لگے کہ آج سے پہلے مجھے اس توجیہ کا علم نہیں تھا(2)۔ پھر فرمایا: رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا۔ یعنی یہ ان پر ہماری خصوصی رحمت تھی اور ہم نے انہیں اس لئے تکالیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ لوگوں کیلئے قابل تقلید نمونہ بن جائیں اور آزمائش سے دوچار ہونے والے یہ نہ خیال کرنے لگیں کہ وہ ہمارے ہاں گھٹیا اور ذلیل ہیں، دوسری چیز یہ ہے کہ لوگ آپ کے اسوہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے مقدر کی گئی آزمائشوں پر صبر کریں۔ آزمائش میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت کارفرما ہے۔

وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِدْرِیْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝

"اور یاد کرو اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو۔ یہ سب صابروں کے گروہ سے تھے۔ اور ہم نے داخل فرما انہیں اپنی خاص رحمت میں۔ یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے"۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند تھے، ان کا ذکر سورۂ مریم میں گذر چکا ہے اور اسی طرح حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے۔ جہاں تک حضرت ذوالکفل کا تعلق ہے تو چونکہ ان کا ذکر انبیاء کے ساتھ ہوا ہے اس لئے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نبی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ نبی نہیں تھے بلکہ ایک صالح شخص اور عادل بادشاہ تھے۔ امام ابن جریر نے اس بارے میں توقف کیا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ذوالکفل نیکوکار آدمی تھے، نبی نہیں تھے، انہوں نے اپنی قوم کے نبی سے یہ عہد کیا کہ وہ اپنی قوم کو راہ راست پر رکھیں گے اور ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلے کریں گے چنانچہ انہوں نے اس عہد کو خوب نبھایا، اس لیے ان کا نام ذوالکفل پڑ گیا۔ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت یسع بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ میں اپنی زندگی میں ہی اپنا جانشین مقرر کر دوں اور دیکھ لوں کہ وہ کس طرح امور انجام دیتا ہے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ کون تین شرائط پر خلافت کو قبول کرنے کیلئے تیار ہے، دن بھر روزہ دار رہے، رات بھر قیام کرے اور کبھی غضبناک نہ ہو۔ ایک شخص جسے لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التاریخ، جلد 2 صفحہ 582
2۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 654

کھڑا ہوا اور کہنے لگے کہ میں تیار ہوں۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم دن بھر روزے سے رہو گے، رات بھر قیام کیا کرو گے اور غصہ میں نہیں آؤ گے؟ اس شخص نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے اس شخص کو واپس لوٹا دیا۔ اگلے روز پھر ایسا ہی ہوا، حضرت یسع کی شرائط سن کر سبھی خاموش رہے اور وہی آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں یہ شرائط پوری کروں گا۔ چنانچہ آپ نے اس شخص کو اپنا خلیفہ بنا دیا۔ اب ابلیس نے اپنے چھوٹے شیطانوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو برگشتہ کرنے کی سرتوڑ کوشش کرو لیکن بھرپور کوشش کے باوجود وہ بزرگ ان شیاطین کے جال میں نہ آئے۔ اب ابلیس نے خود ان پر وار کرنے کا تہیہ کر لیا، چنانچہ وہ ایک بوڑھے فقیر کی صورت میں آپ کے پاس چلا آیا، آپ اس وقت قیلولہ کیلئے لیٹے ہی تھے۔ دن اور رات میں یہی تو آپ کے آرام کا وقت تھا۔ ابلیس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ نے پوچھا کہ کون ہے؟ ابلیس نے کہا کہ میں ایک مظلوم بوڑھا ہوں۔ آپ نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ کہنے لگا کہ میرا اپنی قوم کے ساتھ جھگڑا ہو گیا، انہوں نے مجھ پر بہت ظلم کیا، میرے ساتھ یہ کیا، وہ کیا، اس طرح وہ آپ کو ایک طویل قصہ سنانے لگ گیا۔ یہاں تک کہ قیلولہ کا وقت جاتا رہا۔ آپ نے فرمایا کہ شام کے وقت میرے پاس آنا، میں تمہیں تمہارا حق دلوا دوں گا۔ شام ہوئی تو جب آپ فیصلے کرنے کیلئے بیٹھے تو وہ بوڑھا آپ کو نظر نہ آیا، ادھر ادھر تلاش کے باوجود وہ نہ مل سکا۔ اگلے روز آپ قیلولہ کرنے کیلئے لیٹے تو وہ پھر آدھمکا اور دروازہ کھٹکھٹانے لگ گیا، آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ اس نے کہا: مظلوم بوڑھا۔ آپ نے دروازہ کھول دیا اور فرمایا کہ میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ جب میں فیصلے کرنے کیلئے بیٹھوں گا تو اس وقت میرے پاس آنا۔ وہ کہنے لگا کہ میری قوم والے بڑے خبیث لوگ ہیں۔ جب میں آپ کے پاس آنے لگا اور انہیں معلوم ہو گیا کہ آپ فیصلے کرنے کیلئے بیٹھ گئے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ ہم تمہیں تمہارا حق ادا کر دیتے ہیں لیکن جب آپ نے مجلس برخاست کر دی تو انہوں نے حق ادائیگی سے صاف انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا: اب چلا جا اور شام کے وقت میرے پاس آنا۔ دوسرے دن بھی آپ کے قیلولہ کا وقت یونہی ضائع ہو گیا۔ شام ہوئی تو آپ اس کا انتظار کرنے لگ گئے لیکن وہ آج پھر دکھائی نہ دیا۔ نیند آپ کو ستانے لگی۔ تیسرے دن آپ نے اپنے اہل خانہ میں سے کسی کے ذمہ لگا دیا کہ قیلولہ کے وقت کوئی بھی اس دروازے کے قریب نہ آنے پائے تاکہ میں آرام کر سکوں، نیند تو مجھ پر غالب آ چکی ہے۔ حسب عادت قیلولہ کی گھڑی میں وہ پھر آدھمکا۔ دربان نے اسے روک کر کہا کہ پیچھے ہٹو۔ ابلیس کہنے لگا کہ میں کل بھی آیا تھا اور بادشاہ کے ساتھ ایک ضروری بات کی تھی۔ دربان نے کہا کہ انہوں نے سختی سے منع کر رکھا ہے کہ کوئی اس دروازے کے قریب نہ آنے پائے۔ وہاں سے ناکام ہونے کے بعد ابلیس ایک روشندان سے اندر کود گیا اور اندر سے دروازہ کھٹکھٹانے لگ گیا۔ آپ نے اٹھ کر دربان سے کہا کہ میں نے تمہیں پابند کیا تھا کہ کوئی میرے پاس اندر نہ آئے۔ دربان کہنے لگا کہ یہ میری طرف سے تو آپ کے پاس نہیں آیا، خود ہی دیکھ لیں کہ یہ کہاں سے وارد ہوا ہے۔ آپ پہچان گئے کہ یہ شیطان ہے۔ شیطان کہنے لگا کہ تم نے میرا ہر حربہ ناکام بنا کر مجھے عاجز کر دیا، میں نے تمہیں غضبناک کرنے کیلئے تنگ کیا۔ آپ نے جو معاملہ اپنے ذمے لیا تھا اور جو عہد کیا تھا، اسے پورا کر دکھایا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام ذوالکفل رکھ دیا(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا ایک قاضی تھا جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس نے کہا کہ کون اس شرط پر میرا منصب سنبھالے گا کہ وہ غضبناک نہ ہو۔ ایک آدمی نے کہا: میں۔ چنانچہ ان کا نام ذوالکفل پڑ گیا۔ وہ رات بھر نماز پڑھتے رہتے اور دن بھر روزہ سے رہتے اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے، صرف قیلولہ کیلئے انہوں نے کچھ وقت مقرر کر رکھا تھا۔ ایک دن جب ان کے قیلولہ کا وقت ہوا تو شیطان آدھمکا۔ دربانوں نے اسے روک

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 74، الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 662-661

کر پوچھا کہ تمہارا کیا مسئلہ ہے؟ شیطان نے کہا کہ میں ایک مسکین آدمی ہوں، فلاں آدمی نے میرا حق غصب کر رکھا ہے۔ دربان کہنے لگے کہ ان کے بیدار ہونے تک ٹھہرو۔ وہ اوپر سو رہے ہیں لیکن وہ آپ کی نیند میں خلل ڈالنے کیلئے دانستہ چیخنے لگا جس کی وجہ سے آپ کو جاگ آ گئی۔ آپ نے پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا میں مسکین آدمی ہوں اور ایک آدمی کے ذمہ میرا حق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اس شخص سے کہو، وہ تمہیں تمہارا حق دے دے گا۔ شیطان کہنے لگا کہ وہ انکاری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس کے پاس جاؤ تو سہی۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔ دوسرے دن پھر آ گیا اور آپ کے پوچھنے پر کہنے لگا کہ وہ تو آپ کا حکم سن کر ٹس سے مس نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ، وہ تمہیں تمہارا حق دے دے گا۔ وہ چلا گیا لیکن تیسرے دن پھر آ گیا تو دربان اسے کہنے لگے: تیرا ناس ہو! جا یہاں سے نکل بھاگ، ہر روز تو منہ اٹھائے چلا آتا ہے اور ان کے آرام میں مخل ہوتا ہے۔ شیطان زور زور سے چیخنے لگا اور کہنے لگا کہ چونکہ میں مسکین ہوں اس لئے میرے ساتھ یہ برا سلوک کیا جا رہا ہے۔ اگر میں مالدار ہوتا تو میرے ساتھ ایسا سلوک نہ ہوتا۔ آپ بیدار ہو گئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ کیا بنا۔ شیطان کہنے لگا کہ میں اس کے پاس گیا تھا لیکن وہ مجھے مارنے پیٹنے لگا۔ آپ نے فرمایا: چلو، میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ آپ اس کا ہاتھ تھامے چل پڑے لیکن راستہ میں وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ کھڑا ہوا(1)۔ حضرت اشعری نے منبر پر فرمایا کہ ذوالکفل نبی نہیں تھے، بلکہ وہ بنی اسرائیل کے ایک صالح شخص تھے، ہر روز سو نمازیں پڑھا کرتے۔ ان کی وفات کے بعد ذوالکفل نے یہ ذمہ داری لے لی اس لئے نام ہی ذوالکفل پڑ گیا۔(2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک غریب حدیث مروی ہے جسے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے متعدد بار سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کا کفل نامی شخص کسی گناہ سے احتراز نہیں کرتا تھا، اس کے پاس ایک (ضرورت مند) عورت آئی تو اس نے بدکاری کی شرط پر اسے ساٹھ دینار دیئے۔ وہ عورت آمادہ ہو گئی لیکن جب وہ شخص مطلب براری کیلئے آگے بڑھا تو عورت کانپنے اور رونے لگی۔ اس نے کہا اب رونے کی کیا وجہ ہے، میں نے تمہیں مجبور تو نہیں کیا؟ وہ کہنے لگی کہ مجبور تو نہیں کیا، لیکن ایسی حرکت مجھ سے پہلے کبھی سرزد نہیں ہوئی، بس محتاجی نے نوبت یہاں تک پہنچا دی ہے۔ کفل نے کہا کہ ایک گناہ پر تمہاری یہ حالت ہے حالانکہ پہلے کبھی تم نے ایسا نہیں کیا۔ اسی وقت وہ پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگے کہ جاؤ، دینار لے کر چلی جاؤ، پھر کہنے لگا: اللہ کی قسم! کفل اب کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرے گا۔ اسی رات اس کا انتقال ہو گیا تو صبح کے وقت اس کے دروازے پر یہ تحریر موجود تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کفل کو بخش دیا''(3)۔ اس روایت میں صرف کفل مذکور ہے۔ ممکن ہے یہ اور ہوں اور ذوالکفل کوئی اور شخص ہوں۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۗ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

''اور یاد کرو ذوالنون کو جب وہ چل دیا غضبناک ہو کر اور یہ خیال کیا کہ ہم اس پر کوئی گرفت نہیں کریں گے پھر اس نے پکارا (تہ در تہ) اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاک ہے تو۔ بیشک میں ہی قصورواروں میں سے ہوں۔ پس ہم نے ان کی

1۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 663-662
2۔ تفسیر طبری، جلد 17، صفحہ 75
3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 23

پکار کو قبول فرمالیا اور نجات بخش دی انہیں غم (واندوہ) سے۔ اور یونہی ہم نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو''۔

یہ واقعہ یہاں بھی مذکور ہے اور سورۂ صافات اور سورۂ نون میں بھی۔ حضرت یونس بن متی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سرزمین موصل کی بستی نینوا کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ اہل نینوا کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے لیکن ان پر آپ کی دعوت کا کوئی اثر نہ ہوا، انہوں نے آپ پر ایمان لانے سے صاف انکار کر دیا اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔ آپ علیہ السلام ان سے ناراض ہو کر وہاں سے چل دیے اور جاتے وقت انہیں کہہ گئے کہ تین دن بعد تم پر عذاب آئے گا۔ جب انہیں وقوع عذاب کا یقین ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ اللہ کے نبی جھوٹ نہیں بولتے تو وہ اپنے بچوں، جانوروں اور مویشیوں کو لے کر باہر صحرا کی طرف نکل گئے، بچوں اور ماؤں کو جدا جدا کر دیا پھر گڑگڑاتے ہوئے، آہ و زاری کرتے ہوئے پورے عجز و نیاز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرنے لگے۔ دوسری طرف جانوروں میں بھی ہلچل مچ گئی، اونٹ بلبلانے لگے، بیل اور گائیں ڈکارنے لگے اور بکریاں اور میمنے ممیانے لگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد کو قبول فرماتے ہوئے ان سے عذاب کو ٹال دیا جیسا کہ فرمان ہے: فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۗ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (یونس:98) ''پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لائی تو نفع دیتا اسے اس کا ایمان بجز قوم یونس کے جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے دنیوی زندگی کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک ہم نے انہیں لطف اٹھانے دیا''۔ حضرت یونس علیہ السلام وہاں سے چلے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے، کشتی ہچکولے کھانے لگی، سب سوار ڈوب جانے کے خوف سے دوچار ہو گئے چنانچہ طے یہ ہوا کہ قرعہ اندازی کرتے ہیں، جس کے نام قرعہ نکلے، اسے پانی میں ڈال دیا جائے تاکہ وزن کم ہو جائے۔ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا، لیکن باقی سوار آپ کو دریا میں ڈالنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ دوسری بار قرعہ اندازی ہوئی پھر بھی آپ کا ہی نام نکلا، پھر تیسری دفعہ قرعہ اندازی میں بھی آپ کا ہی کا نام نکلا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ (الصافات:141) ''پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوئے اور دھکیلے ہوؤں میں سے ہو گئے''۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کپڑے اتارے اور دریا میں کود گئے اللہ تعالیٰ نے بحر اخضر سے ایک مچھلی بھیجی جو پانی کو کاٹتی ہوئی آئی اور حضرت یونس علیہ السلام کو پانی میں گرنے سے پہلے نگل لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ نہ میرے نبی کا گوشت کھانا اور نہ ہڈی توڑنا، کیونکہ یونس تمہاری خوراک نہیں بلکہ تمہارا شکم ان کیلئے قید خانہ ہے، اسی وجہ سے مچھلی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو ''ذاالنون'' کہا گیا ہے۔ فرمایا: اِذْ ذَّهَبَ . . یعنی جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چل پڑے اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم مچھلی کے شکم میں ان پر تنگی نہیں کریں گے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ آیت کریمہ میں ''نقدر'' تنگی کرنے کے معنی میں ہے۔ ابن جریر اس معنی کی تائید میں یہ آیت پیش کرتے ہیں: وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا (الطلاق:7) ''اور وہ جس پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہے تو وہ اس سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے اور تکلیف نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو مگر اسقدر جتنا اس نے دیا ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد فراخی دے دے گا''۔ عطیہ عوفی اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم ان کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ گویا انہوں نے یہ تقدیر کے معنی میں لیا ہے۔ قَدَر اور قَدّر دونوں ہم معنی استعمال ہوتے ہیں، اس معنی میں یہ آیت ہے: فَالْتَقَى الْمَاۗءُ عَلٰٓي اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ (القمر:12) ''پھر دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کے لیے جو پہلے مقرر ہو چکا تھا''۔ پھر فرمایا: فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، سمندر کا اندھیرا اور رات کا اندھیرا جمع تھے۔ جب مچھلی آپ کو لے کر سمندر کے نیچے گئی تو اس کی تہہ میں آپ نے کنکریوں

کی تسبیح سنی، اس وقت آپ نے یہ کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ ۔ عوف الاعرابی کہتے ہیں کہ مچھلی کے شکم میں حضرت یونس نے خیال کیا کہ میں مر گیا، پھر جب آپ نے اپنے پاؤں کو حرکت دی تو وہ ہلا۔ آپ فوراً سجدہ میں گر گئے۔ پھر ندا دی: اے پروردگار! میں نے تیرے لیے ایسی جگہ کو مسجد بنالیا ہے جہاں کوئی شخص نہیں پہنچا(1)۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے شکم میں قید کرنا چاہا تو اس مچھلی کو حکم دیا کہ انہیں نگل جا لیکن نہ جسم پر خراش آئے اور نہ ہڈی ٹوٹے۔ جب مچھلی آپ کو لے کر سمندر کی تہہ میں پہنچی تو وہاں آپ کو کچھ آواز سنائی دی۔ آپ نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں ہی آپ کی طرف وحی کی کہ سمندری جانوروں کی تسبیح ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی تسبیح شروع کر دی۔ جب فرشتوں نے یہ تسبیح سنی تو عرض کرنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ہم کسی اجنبی جگہ سے کمزور سی آواز سن رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرا بندہ یونس ہے، اس نے میری حکم عدولی کی تو میں نے اسے سمندر میں مچھلی کے شکم میں قید کر دیا۔ فرشتے کہنے لگے کہ یہ صالح بندے ہیں، اے اللہ! دن اور رات ہر وقت ان کے اعمال صالحہ تیری طرف بلند ہوتے رہتے تھے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں۔ اس وقت فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے آپ کی سفارش کی تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ آپ کو کنارے پر اگل دے اور اس وقت آپ کی یہ حالت تھی جیسا کہ فرمان ہے: وَهُوَ سَقِيْمٌ (الصافات: 145) "اس حال میں کہ وہ بیمار تھے"۔ ابن ابی حاتم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مچھلی کے پیٹ میں جب ان کلمات کیساتھ یونس علیہ السلام کو دعا کرنے کا خیال آیا تو انہوں نے عرض کی: اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے اور میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔ یہ دعا عرش تلے گھومنے لگی۔ فرشتے عرض کرنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ایک جانی پہچانی کمزور سی آواز کسی اجنبی جگہ سے آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ عرض کی: نہیں، اے پروردگار! یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ میرا بندہ یونس ہے۔ فرشتے عرض کرنے لگے کہ تیرا بندہ یونس جن کے نیک اعمال اور مقبول دعائیں ہر وقت بلند ہوتی تھیں۔ اے ہمارے پروردگار! جس طرح وہ آسائش کے وقت نیک اعمال کیا کرتے تھے، اس کے پیش نظر کیا تو ان پر رحم فرما کر اس آزمائش سے انہیں نجات نہیں دے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیوں نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مچھلی نے آپ کو باہر کنارے پر اگل دیا۔ فرمایا: فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ...... یعنی ہم نے ان کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور مچھلی کے شکم اور تاریکیوں سے باہر نکال کر انہیں غم واندوہ سے نجات دی اور ہماری یہی سنت ہے کہ جب اہل ایمان مشکلات میں گھر جاتے ہیں اور ہماری طرف رجوع کر کے ہمیں پکارتے ہیں خصوصاً آزمائش کے وقت جب وہ یہ دعا کرتے ہیں تو ہم انہیں مشکلات سے نکال دیتے ہیں۔ حضور سید الانبیاء ﷺ نے اس دعا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ.... کی بہت ترغیب دلائی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرا تو انہیں سلام کہا۔ انہوں نے مجھے غور سے دیکھا لیکن میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی اور سارا واقعہ بتادیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور پوچھا کہ آپ کو اپنے بھائی کے سلام کا جواب دینے سے کونسی چیز مانع تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا کیا ہی نہیں اور اس پر انہوں نے قسم اٹھالی کہ انہوں نے مجھے سلام کیا ہی نہیں کہ میں جواب دیتا۔ میں نے بھی قسم اٹھائی کہ میں نے سلام کیا تھا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یاد آگیا، فرمانے لگے: واقعی تم نے سلام کیا تھا، میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ دراصل بات یہ ہے کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 81

جب آپ میرے پاس سے گذرے تو اس وقت میں اپنے دل سے وہ بات کہہ رہا تھا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی۔ اللہ کی قسم! جب بھی مجھے وہ بات یاد آتی ہے تو میری آنکھوں اور دل پر ایک پردہ چھا جاتا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ کو اس سے آگاہ کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے اول دعا کا ذکر کیا تھا کہ اسی اثناء میں ایک اعرابی آ گیا جس نے آپ ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا یہاں تک کہ آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں بھی آپ کے پیچھے ہو لیا۔ جب مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ ﷺ میرے ساتھ ملنے سے پہلے ہی اپنے گھر تشریف لے جائیں گے تو میں نے زور سے اپنا پاؤں زمین پر مارا۔ آپ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "یہ کون ہے، ابو اسحاق" میں نے عرض کی: جی ہاں، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کی کہ آپ نے ہمارے سامنے اول دعا کا ذکر کیا پھر اعرابی آ گیا جس نے آپ کو مشغول کر لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں: وہ دعا حضرت ذوالنون (یونس) علیہ السلام کی ہے جو انہوں نے مچھلی کے شکم میں مانگی، وہ یہ ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ جو مسلمان جس چیز کیلئے یہ دعا مانگے، اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے (1)۔ حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ اس سے آپ کی مراد یہ ہے: وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ابن جریر میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کا وہ نام جب اس سے اسے پکارا جائے تو وہ قبول فرمائے اور جب اس کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرمائے، وہ حضرت یونس بن متی کی دعا ہے"۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا یہ حضرت یونس علیہ السلام کیلئے ہی خاص ہے یا تمام مسلمانوں کیلئے عام ہے؟ آپ نے فرمایا: "یہ یونس بن متی کے لئے خاص ہے اور تمام مومنوں کے لئے عام ہے جب بھی وہ ان کلمات کے ساتھ دعا کریں، کیا تم نے یہ فرمان نہیں سنا: فَنَادٰي فِي الظُّلُمٰتِ ۔۔۔ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ، جو بھی یہ دعا کرے، اس کی قبولیت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے" (2)۔ کثیر بن معبد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اے ابو سعید! اللہ تعالیٰ کا وہ اسم اعظم کیا ہے کہ جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور جب اس کے ذریعے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرمائے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم نے قرآن کریم میں یہ وَذَا النُّوْنِ ۔۔۔ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ نہیں پڑھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے کہ جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے اور جب اس کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرماتا ہے (3)۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰي رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿89﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿90﴾

"اور یاد کرو زکریا علیہ السلام کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو کہ اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا کو قبول فرمالیا اور اسے یحییٰ (جیسا فرزند) عطا فرمایا اور ہم نے تندرست کر دیا ان کی خاطر ان کی اہلیہ کو۔ بے شک وہ بہت سبک رو تھے نیکیاں کرنے میں اور پکارا کرتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف سے اور وہ ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز کیا کرتے تھے"۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 33-34، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 170

2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 82

3۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 669

حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کی عطا کا سوال کیا جو آپ کے بعد نبی ہو۔ سورۂ مریم اور سورۂ آل عمران میں یہ واقعہ بالتفصیل گذر چکا ہے۔ یہاں یہ واقعہ اختصار کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے فرمایا: اِذْ نَادٰی یعنی جب انہوں نے لوگوں سے پوشیدہ اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے پروردگار! مجھے بیٹے اور وارث کے بغیر تنہا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے اچھا ہے۔ دعا کے بعد اپنے سوال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ثنا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور آپ کی اہلیہ کو اولاد کے قابل بنا دیا۔ پہلے آپ بانجھ تھیں اور اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ تھیں۔ عطا کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کی اہلیہ میں کچھ زبان درازی پائی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح فرما دی۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ان کے اخلاق میں کچھ نقص تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے درست کر دیا لیکن الفاظ قرآنی کے قریب پہلا معنی ہی ہے۔ فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ یعنی یہ سب نیک کام کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے میں بہت سبک تھے اور بہت زیادہ عجز و نیاز کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس اس فرمان وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ وہ اس کی تصدیق کرنے والے تھے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ مجاہد اس کا یہ معنی کرتے ہیں کہ وہ حقیقی اور سچے مومن تھے۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ وہ خوفزدہ رہنے والے تھے۔ ابو سنان کہتے ہیں کہ خشوع ایسے خوف کو کہتے ہیں جو ہر وقت دل میں موجود رہے اور کبھی جدا نہ ہو۔ مجاہد اس کا یہ معنی بھی بتاتے ہیں کہ وہ تواضع کرنے والے تھے۔ حسن، قتادہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور فروتنی کا اظہار کرنے والے تھے۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو، اس کی وہ تعریف کرو جس کا وہ اہل ہے، خوف کے ساتھ امید بھی رکھو، سوال کرتے ہوئے عاجزی بھی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ ۔۔(1)۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

''اور یاد کرو اس خاتون کو جس نے محفوظ رکھا اپنی عصمت کو پس ہم نے پھونک دیا اس میں اپنی روح سے اور ہم نے بنا دیا اسے اور اس کے بیٹے کو (اپنی قدرت کی) نشانی سارے جہان والوں کے لئے''۔

حضرت زکریا علیہ السلام اور آپ کے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد، ساتھ ہی حضرت مریم علیہا السلام اور آپ کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا کیونکہ یہ دونوں واقعات باہم مربوط ہیں۔ دونوں واقعات میں بیٹوں کی پیدائش کا تذکرہ ہے۔ ایک واقعہ میں جس والدین کے ہاں بیٹے کی نوید سنائی، وہ دونوں بوڑھے ہو چکے تھے۔ آپ علیہ السلام کی اہلیہ بانجھ تھیں جن کے ہاں جوانی میں بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ مذکور ہے جو اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے کیونکہ اس میں بن باپ صرف عورت سے بیٹے کی ولادت کا تذکرہ ہے۔ سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں بھی اسی طرح یہ واقعات ذکر کیے گئے ہیں۔ یہاں فرمایا: وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ اس طرح سورۂ تحریم میں فرمایا: وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (التحریم: 12)'' اور (دوسری مثال) مریم دختر عمران کی ہے جس نے اپنے گوہر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس کے اندر اپنی طرف سے روح پھونک دی''۔ اس کے بعد فرمایا: وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ یعنی ہم نے مریم اور ان کے بیٹے کو اس حقیقت کی دلیل بنا یا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ وہ صرف ''کُن'' کہتا ہے تو مطلوبہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ یہ اس فرمان کی طرح

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 284-283

ہے: وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ (مریم:21) ''اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم اسے لوگوں کیلئے اپنی نشانی بنائیں''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ''اَلْعٰلَمِیْنَ'' سے مراد جن وانس ہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٩٢﴾ وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿٩٤﴾

''(اے ان انبیاء کو ماننے والو)، یہی (توحید) تمہارا دین ہے جو ایک دین ہے۔ اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس میری بندگی کیا کرو۔ مگر لوگوں نے پارہ پارہ کر ڈالا اپنے دین کو آپس میں (آخرکار) سب ہماری طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔ پس جو شخص کرتا رہا کوئی نیک کام بشرطیکہ وہ مومن ہو تو رائیگاں نہیں جانے دیا جائے گا اس کی کوشش کو۔ اور ہم اس کے لئے (اس کے عملوں کو) لکھنے والے ہیں''۔

حضرات ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر اور عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ''امۃ'' سے مراد دین ہے یعنی تمہارا دین ایک دین ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے وہ چیزیں بیان فرما رہا ہے جن سے انہیں احتراز کرنا ہے اور جنہیں بجا لانا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا طریقہ ایک ہی طریقہ ہے یعنی یہ تمہاری شریعت ہے جسے میں نے واضح طور پر تمہارے لیے بیان کر دیا ہے۔ ''هذہ'' ''ان'' کا اسم ہے اور ''امتکم'' اس کی خبر۔ ''امۃ واحدۃ'' حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ فرمایا: وَاَنَا رَبُّكُمْ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۔ وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ (المومنون:52-51) ''اے پیغمبر! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔ میں تمہارے اعمال سے خوب واقف ہوں اور یہی تمہارا دین ہے، وہ ایک ہی ہے اور میں تمہارا رب ہوں، مجھ سے ڈرو''۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''ہم گروہ انبیاء علاتی بھائی ہیں، ہمارا دین ایک ہے''(1)۔ یعنی شریعتیں اگرچہ مختلف تھیں لیکن ہر ایک کا مقصود اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے جیسا کہ فرمایا: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدہ:48) ''ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے بنائی ہے ایک شریعت اور عمل کی راہ''۔ اس کے بعد فرمایا: وَتَقَطَّعُوْۤا یعنی امتیں اپنے رسولوں کے بارے میں دو حصوں میں بٹ گئیں، کچھ نے ان کی تصدیق کی اور کچھ ان کی تکذیب کرنے لگے، اس لئے فرمایا: كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ، یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے اچھے برے اعمال کی جزا دے گا، اس لئے فرمایا: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ اس طرح ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا (الکہف:30) ''ہم ضائع نہیں کرتے کسی کا اجر جو عمدہ کام کرتا ہے''۔ یعنی کسی کا عمل اکارت نہیں جائے گا بلکہ اس کی قدر کی جائے گی اور ذرہ بھر بھی کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا اس لئے فرمایا: وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ یعنی تمام اعمال لکھ کر محفوظ کیے جا رہے ہیں اور ان میں سے کوئی عمل ضائع نہیں ہوگا۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٥﴾ حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِىَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ

1۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 478-477

كَفَرُوْا ؕ یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۝

"اور ناممکن ہے اس بستی کے لئے جس کو ہم نے برباد کر دیا کہ اسکے باشندے پھر لوٹ کر آئیں۔ یہاں تک کہ جب کھول دیئے جائیں گے یاجوج اور ماجوج اور وہ ہر بلندی سے بڑی تیزی کے ساتھ نیچے اترنے لگیں گے۔ (تب معلوم ہوگا کہ) قریب آگیا ہے سچا وعدہ تو اس وقت تاڑے لگ جائیں گی نظریں ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا تھا۔ (کہیں گے) صد حیف! ہم تو غافل رہے اس امر سے بلکہ ہم تو ظالم تھے"۔

حضرت ابن عباس اس آیت وَحَرٰمٌ ۔ کا یہ مفہوم بتاتے ہیں کہ ہلاک شدہ بستی کے باشندوں کا ہلاکت کے بعد دنیا کی طرف نہ لوٹنا ضروری اور مقدر کر دیا گیا ہے۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ لَا یَرْجِعُوْنَ کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ وہ توبہ نہیں کریں گے لیکن پہلا قول زیادہ واضح ہے۔ اس کے بعد فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ... ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ یاجوج ماجوج نسل آدم علیہ السلام سے ہیں بلکہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد سے ہیں جن سے ترک نسل چلی اور یہ بھی انہی کا ایک گروہ ہے، انہیں اس دیوار کے پیچھے چھوڑ دیا گیا جس کی تعمیر ذوالقرنین نے کی تھی اور کہا تھا: هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ۝ وَ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَئِذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ (الکہف: 98-97)۔ "یہ میرے رب کی رحمت ہے اور جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا اور اس دن ہم بعض کو دوا گزار کر دیں گے کہ وہ دوسروں میں گھس جائیں گے" اور یہاں فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ ۔ حدب کا معنی ہے اونچی جگہ۔ وہ قیامت کے قریب ہر اونچی جگہ سے نکل کر زمین میں فساد برپا کر دیں گے۔ ان کے خروج کی حالت اس طرح بیان ہو رہی ہے گویا سامع اپنی آنکھوں سے اس چیز کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ یہ اس ذات کی طرف سے خبر دی جارہی ہے جو ماضی، حال اور مستقبل کی ہر چیز سے واقف ہے اسے تمام غیبی چیزوں کا علم ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کچھ لڑکوں کو کھیلتے ہوئے اور ایک دوسرے کے اوپر اچھلتے کودتے دیکھا تو فرمایا کہ یاجوج ماجوج اسطرح نکلیں گے(1)۔ متعدد احادیث میں ان کے خروج کا ذکر موجود ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یاجوج ماجوج کو کھول دیا جائے گا تو وہ لوگوں پر اس طرح چڑھ دوڑیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ہر اونچی جگہ سے تیزی کے ساتھ اترتے چلے جائیں گے۔ وہ نکل کر لوگوں پر چھا جائیں گے۔ مسلمان ان سے دور اپنے شہروں اور قلعوں میں سمٹ جائیں گے اور اپنے جانور بھی ساتھ لے جائیں گے۔ یاجوج ماجوج زمین کا سارا پانی چٹ کر جائیں گے۔ ان کی یہ کیفیت ہوگی کہ ان میں سے بعض نہر کے پاس سے گذریں گے اور اس کا سارا پانی پی کر اسے خشک بنا چھوڑیں گے یہاں تک کہ جب ان کے بعد دوسرا ٹولا اس نہر سے گذرے گا تو کہے گا کہ کسی زمانے میں یہاں پانی ہوگا۔ جب قلعوں اور شہروں میں پناہ گزیں مسلمانوں کے سوا کوئی نہیں بچے گا تو یہ کہیں گے کہ ہم زمین والوں سے تو فارغ ہو گئے۔ اب آسمان والے باقی رہ گئے ہیں، پھر ان میں سے ایک اپنا نیزہ گھما کر آسمان کی طرف پھینکے گا تو وہ خون سے آلودہ ہو کر نیچے گرے گا، یہ ایک آزمائش ہوگی۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی گردنوں میں کیڑے رینگنے لگیں گے، اس وبا سے وہ سبھی مر جائیں گے اور ان کی آواز سنائی نہیں دے گی۔ مسلمان کہیں گے کہ کوئی ایسا شخص ہے جو ہماری خاطر اپنی جان خطرہ میں ڈال کر جائے اور دیکھ کر آئے کہ یہ دشمن کس حال میں ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص خود کو مقتول سمجھتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے ان کی طرف نکل کھڑا ہوگا۔ جب

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 88

وہ وہاں پہنچے گا تو دیکھے گا کہ سبھی مرے پڑے ہیں اور ان کی لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو آواز دے گا کہ تمہیں خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمن کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اب مسلمان اپنے شہروں اور قلعوں سے باہر آئیں گے اور اپنے مویشیوں کو بھی لے آئیں گے، ان کیلئے بجز یاجوج ماجوج کے گوشت کے کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ یہ جانوران کا گوشت کھا کر خوب موٹے ہو جائیں گے(1)۔

حضرت نواس بن سمعان کلابی سے روایت ہے کہ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ نے کچھ اس طرح دجال کا ذکر کیا کہ ہم خیال کرنے لگے شاید وہ درختوں کی اوٹ میں ہے اور بس نکلا ہی چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تم پر دجال سے زیادہ کسی اور چیز کا خوف ہے۔ اگر دجال میری موجودگی میں نکلا تو میں اسے سنبھال لوں گا اور اگر وہ میری عدم موجودگی میں نکلے تو ہر شخص خود اپنی حفاظت کا انتظام کرے، میں ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی امان میں دے رہا ہوں۔ وہ نوجوان چھوٹے چھوٹے گھنگھریالے بالوں والا، کانی اور ابھری ہوئی آنکھ والا ہے۔ وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور اپنے دائیں بائیں خوب فساد انگیزی کرے گا۔ اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ کتنا عرصہ زمین میں ٹھہرے گا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا'' چالیس دن، ایک دن سال کا ہوگا، ایک دن مہینے کے برابر ہوگا، ایک جمعہ کی طرح ہوگا اور باقی دن تمہارے معمول کے دنوں جیسے ہوں گے''۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ دن جو اس سال جیسا ہوگا، کیا اس میں یہی پانچ نمازیں کافی ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تم اپنے اندازے سے ہر نماز پڑھتے رہنا''۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس کی رفتار کیا ہوگی؟ آپ نے فرمایا: بادل کی سی جسے ہوا تیز بھگائے جا رہی ہو۔ وہ ایک قبیلہ کے پاس سے گذرے گا اور انہیں اپنی دعوت دے گا تو وہ اس کی دعوت کو قبول کرلیں گے۔ وہ آسمان کو حکم دے گا تو وہ بارش برسانے لگ جائے گا، زمین کو حکم دے گا تو وہ فصلیں اگا دے گی۔ شام کے وقت ان کے جانوران کے پاس موٹے تازے، خوب شکم سیر اور بھرے ہوئے تھنوں والے لوٹیں گے۔ وہ ایک اور قبیلے کے پاس جا کر انہیں اپنی طرف بلائے گا لیکن وہ اس کی دعوت کو رد کر دیں گے۔ وہ وہاں سے نکلے گا تو ان کے اموال اس کے پیچھے لگ جائیں گے، وہ ہر چیز سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور کچھ بھی ان کے پاس نہیں رہے گا۔ وہ غیر آباد اور ویران جگہ کو حکم دے گا کہ اپنے خزانے باہر اگل دے تو سارے خزانے باہر نکل کر اس کے پیچھے چل دیں گے جیسے شہد کی مکھیاں اپنی ملکہ کے پیچھے۔ وہ ایک آدمی کو تلوار کے ساتھ قتل کر دے گا اور اس کے دو ٹکڑے کر کے دور پھنکوا دے گا، پھر اسے بلائے گا تو وہ زندہ چلتا ہوا اس کے پاس آجائے گا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا۔ آپ دمشق کی مشرقی جانب سفید منارے کے پاس اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے اتریں گے اور دجال کا پیچھا کر کے اسے مشرقی باب لد کے پاس قتل کر دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو وحی فرمائے گا کہ میں ایسے بندے بھیجنے والا ہوں جن کے ساتھ لڑنے کی تم میں طاقت نہیں، اس لئے میرے بندوں کو طور کی طرف سمیٹ لو، اس وقت اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو نکالے گا جیسا کہ فرمایا: وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ایک وبا ان پر بھیجے گا جس کے باعث ان کی گردنوں میں کیڑے نمودار ہوں گے اور یہ سب کے سب یکبارگی موت کے منہ میں چلے جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی وہاں سے نیچے آئیں گے تو وہ دیکھیں گے کہ ہر گھر ان کی لاشوں سے اٹا پڑا ہے اور ان کی سڑاند اور بدبو ناقابل برداشت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کریں گے تو وہ ان لاشوں پر بختی اونٹوں کی گردنوں جیسے پرندے بھیجے گا جو انہیں اٹھا کر وہاں پھینک دیں

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 363، 1364-

گے جہاں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی''۔ حضرت کعب وغیرہ کہتے ہیں کہ پرندے ان کی لاشوں کو مہبل یعنی طلوع آفتاب کی جگہ میں پھینک دیں گے'' پھر اللہ تعالیٰ چالیس دن تک تمام روئے زمین پر بارش برسائے گا جس سے زمین دھل کر چکنی صاف چٹان کی طرح ہو جائے گی اور زمین سے کہا جائے گا کہ پھل اگاؤ اور اپنی برکتیں باہر نکالو۔ اس وقت یہ کیفیت ہوگی کہ ایک گروہ کو ایک انار ہی کافی ہوگا اور وہ اس کے چھلکے تلے سایہ حاصل کریں گے۔ جانوروں میں برکت ڈال دی جائے گی یہاں تک کہ ایک اونٹنی کا دودھ لوگوں کی ایک جماعت کیلئے کافی ہوگا، ایک گائے ایک قبیلہ والوں کو کفایت کرے گی اور ایک بکری ایک گھرانے کو کافی ہوگی۔ اس اثناء میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک پاکیزہ ہوا چلے گی جو مسلمانوں کی بغلوں تلے سے نکل جائے گی اور ان کی روح قبض ہو جائے گی اس کے بعد شریر لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح کودتے پھریں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی''(1)۔ ابن حرملہ اپنی خالہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا، آپ کو بچھو نے کاٹ لیا تھا، اس لئے آپ اس وقت اپنی انگلی پر پٹی باندھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: ''تم کہتے ہو کہ اب تمہارا دشمن کوئی نہیں بلکہ تم تو ہمیشہ دشمن سے لڑتے رہو گے یہاں تک کہ چوڑے چوڑے چہروں والے، چھوٹی چھوٹی آنکھوں والے اور سرخ سفید بالوں والے ہر اونچی جگہ سے اتریں گے، ان کے چہرے تہ بہ تہ ڈھالوں جیسے ہوں گے''(2)۔ سورۂ اعراف کی تفسیر کے آخر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث گذر چکی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''معراج کی رات میری ملاقات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ہوئی۔ وہ قیامت کے متعلق گفتگو کرنے لگے، حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ مجھے تو اس کے متعلق کوئی علم نہیں، پھر انہوں نے یہ معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کر دیا تو انہوں نے کہا کہ اس کے معین وقت کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں البتہ بھی یہی فرمایا کہ مجھے قیامت کے دن کا علم نہیں۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باری آئی تو انہوں نے کہا کہ اس کے معین وقت کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں البتہ مجھے اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ دجال نکلے گا، میرے پاس دو شاخیں ہوں گی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دے گا۔ پھر لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کو لوٹ جائیں گے۔ اس وقت یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا، وہ ہر بلندی سے کودتے ہوئے آ دھمکیں گے، شہروں کو روند ڈالیں گے، جس چیز سے ان کا گذر ہوگا اسے تباہ و برباد کر دیں گے اور جتنا پانی سامنے آئے گا سب پی جائیں گے۔ لوگ ان کی دست برد سے محفوظ رہنے کیلئے اپنے وطنوں میں محصور ہو جائیں گے اور ان کی شکایت کریں گے تو میں ان کیلئے بددعا کروں گا جسے قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کر دے گا یہاں تک کہ ان کی سڑانڈ ساری زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جس کا پانی لاشوں کو بہا کر سمندر میں پھینک دے گا۔ میرے رب نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ اس وقت قیامت بالکل ایسے ہی ہوگی جیسے پورے دنوں والی حاملہ، جس کے گھر والوں کو یہ معلوم نہیں کہ دن یا رات کب ولادت ہو جائے''(3)۔ اس کی تصدیق اس آیت کریمہ حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ میں موجود ہے۔ اس بارے میں احادیث اور آثار سلف بکثرت موجود ہیں۔ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت قریب ہوگا تو وہ دیوار کو کھودیں گے یہاں تک کہ ان کے قریب رہنے والے ان کے کدالوں کی آوازیں سنیں گے۔ جب رات ہو جائے گی تو ان میں سے ایک کہے گا کہ باقی کام کل کر لیں گے لیکن اللہ تعالیٰ دیوار کو بالکل ویسا ہی کر دے گا جس طرح وہ تھی۔ وہ اگلے روز آئیں گے تو دیوار کو جوں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 2250-2255، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 181-182 وغیرہ
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 271
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1365، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 375

کا توں پائیں گے، پھر اسے کھودنا شروع کر دیں گے یہاں تک کہ آس پاس والوں کو ان کے کدالوں کی آوازیں سنائی دیں گے۔ رات ہو گی تو ان میں سے ایک شخص کہے گا کہ کل آئیں گے اور باقی دیوار توڑ کر ان شاء اللہ نکل جائیں گے کل جب آئیں گے تو دیوار کو اسی حالت پر پائیں گے جس پر وہ اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ چنانچہ وہ اس باقی ماندہ حصہ کو بھی کھود کر باہر نکل آئیں گے۔ ان کا پہلا گروہ بحیرہ پر آئے گا اور اس کا سارا پانی پی جائے گا۔ پھر دوسرا گروہ آئے گا تو وہ اس کا کیچڑ چاٹ کر جائے گا، تیسرا گروہ آئے گا اور کہے گا کہ یہاں کبھی پانی ہوگا۔ لوگ ان کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ ان کی دہشت سے کوئی چیز ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گی۔ پھر وہ اپنے تیر آسمان پر پھینکیں گے تو وہ خون آلود ہو کر واپس گریں گے۔ یہ دیکھ کر وہ کہیں گے کہ ہم زمین والوں اور آسمان والوں پر غالب آ گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے لئے بددعا کرتے ہوئے عرض کریں گے: اے اللہ! ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں، تو ان سے ہمیں جیسے چاہے نجات عطا فرما! اس دعا کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان پر ایک وبا بھیجے گا جس کے سبب ان کی گردنوں میں کیڑے پڑ جائیں گے، اور یہ سب مر جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان پر پرندے بھیجے گا جو اپنی چونچوں میں ان کی لاشوں کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیں گے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ حیات نامی ایک چشمہ جاری کرے گا جس سے تمام زمین دھل کر پاک صاف ہو جائے گی اور خوب پیداوار دینے لگے گی یہاں تک کہ ایک انار سے سارے گھر والے سیر ہو جائیں گے۔ اسی اثناء میں ایک شخص ندا دے گا کہ ذو السویقتین نکل آیا ہے (1)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سات آٹھ سو لشکریوں کا ایک دستہ بھیجیں گے۔ وہ ابھی رستہ میں ہی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ یمنی پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو تمام مومنوں کی روح قبض کر لے گی، پھر گھٹیا اور ردی قسم کے لوگ باقی رہ جائیں گے جو جانوروں کی طرح بدفعلیاں کرتے دندناتے پھریں گے۔ اس وقت قیامت بالکل ایسے ہوگی جس طرح ایک آدمی اپنے پورے دنوں کی گھوڑی کے ارد گرد گھومتا رہتا ہے کہ کب وہ بچہ جنتی ہے۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میری ان باتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص کچھ کہے تو وہ محض تکلف کرنے والا ہے (2)۔ حضرت کعب کی اس روایت کی تائید صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ حدیث شریف سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت اللہ شریف کا حج کریں گے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آپ علیہ السلام یاجوج ماجوج کے بعد ضرور بیت اللہ کا حج اور عمرہ کریں گے" (3)۔ فرمایا: وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ یعنی جب ان ہولناک واقعات، آفات اور زلزلوں کا ظہور ہوگا تو اس وقت قیامت بالکل قریب ہوگی اور جب قیامت قائم ہوگی تو کافر کہیں گے کہ یہ بہت مشکل دن ہے، اس لیے فرمایا: فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ .. اس وقت وہ قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر اپنے ظلم کا اعتراف کر لیں گے لیکن یہ اعتراف اس وقت بے سود ہوگا۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿98﴾ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ
آلِهَةً مَا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿99﴾ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿100﴾
إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿101﴾ لَا يَسْمَعُونَ
حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿102﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَ

1۔ پتلی پنڈلیوں والا شخص، امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الحج میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُو السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ دیکھئے فتح الباری، جلد 3 صفحہ 460،454

2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 89

3۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 182 4۔ البقرۃ: 24

تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾

''(اے مشرکو!) تم اور جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔ (سوچو) اگر یہ خدا ہوتے تو نہ داخل ہوتے جہنم میں۔ اور (جھوٹے خدا اور ان کے پجاری) سب اس میں رہیں گے۔ وہ جہنم میں (شدت عذاب سے) چیخیں گے اور وہ اس میں اور کچھ نہ سن سکیں گے۔ بلاشبہ وہ لوگ جن کے لئے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی، تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے۔ اور وہ ان (نعمتوں) میں جن کی خواہش انہوں نے کی تھی ہمیشہ رہیں گے۔ نہ غمناک کرے گی انہیں وہ بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (انہیں بتائیں گے) یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین مکہ اور ان کی روش اختیار کرنے والے بت پرستوں سے فرما رہا ہے کہ تم اور تمہارے بت جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول ''حصب'' کا معنی ایندھن ہے جیسے فرمایا: وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (البقرہ: 24) ''جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں''۔ آپ نے اس کا معنی درخت بھی منقول ہے۔ ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ حبشی زبان میں ''حصب'' لکڑیوں کو کہتے ہیں۔ ایک قرأت میں حصب کی بجائے حطب (لکڑیاں) کا لفظ ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ''حصب'' سے مراد ہر وہ چیز ہے جو جہنم میں پھینکی جانے والی ہے۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً ... یعنی تمہارے یہ بت اگر سچے معبود ہوتے تو آگ میں داخل نہ ہوتے۔ یہ بت اور ان کے پجاری تمام جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہاں یہ چیخیں گے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ (ہود: 106) ''وہاں ان کے مقدر میں چیخنا اور چلانا ہوگا''۔ علاوہ ازیں وہ کسی چیز کو نہیں سن سکیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہی لوگ جہنم میں باقی رہ جائیں گے جنہیں وہاں ہمیشہ رہنا ہے، تو انہیں آگ کے صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا جن میں آگ کے کیل ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک یہ خیال کرے گا کہ اس کے سوا کسی کو یہ عذاب نہیں دیا جا رہا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس آیت لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ . . کی تلاوت کی(1)۔ مشرکین اور ان کے عذاب کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ ان سعادتمندوں کا ذکر فرما رہا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور دنیا میں اعمال صالحہ کرتے رہے، ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سعادت مقدر کر دی گئی ہے، فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ . . . اس طرح اور مقامات پر فرمایا: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (یونس: 26) ''ان کیلئے جنہوں نے نیک عمل کیے نیک جزا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ''، هَلْ جَزَاۗءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن: 60) ''کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے''۔ جس طرح انہوں نے دنیا میں نیک اعمال کیے، اس طرح اللہ تعالیٰ انہیں اجر و ثواب سے نوازے گا اور عذاب سے محفوظ رکھے گا جس طرح فرمایا: اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ..... یعنی وہ آگ سے اسقدر دور ہوں گے کہ انہیں آگ کے جلنے کی بھی آواز نہیں سنائی دے گی۔ ابو عثمان اس فرمان لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا کے متعلق کہتے ہیں کہ پل صراط پر زہریلے سانپ دوزخیوں کو ڈسیں گے تو وہ ''حس حس'' کریں گے اہل جنت اس دردناک آواز کو نہیں سنیں گے۔ فرمایا: وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ ..... یعنی انہیں نہ صرف ناپسندیدہ چیزوں سے دور رکھا جائے گا بلکہ ان کی محبوب اور مرغوب نعمتیں بھی انہیں عطا کی جائیں گی۔ ایک رات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ...... کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ میں بھی ان سے

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 95

ہوں، عمر، عثمان، زبیر، طلحہ اور عبدالرحمٰن بھی انہی میں سے ہیں یا آپ نے فرمایا کہ سعد بھی انہی لوگوں میں سے ہیں(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہی اولیاء اللہ ہیں جو بجلی سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ پل صراط کو عبور کر لیں گے اور کافر گھٹنوں کے بل وہاں گر پڑیں گے۔ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ یہ آیت بطور استثناء ہے اور یہ استثناء معبودین سے ہے۔ اس حکم سے حضرت عزیز علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکل جائیں گے۔ انہیں معبود تو سمجھا جاتا ہے لیکن یہ شرک سے بیزار تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ پھر اس حکم سے استثناء کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ۔ اس استثناء سے ملائکہ، حضرات عزیز علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، مریم اور دیگر وہ معبود جو شرک سے بیزار تھے اور لوگوں نے ان کی مرضی کے خلاف انہیں معبود بنا رکھا تھا، پہلی آیت کے حکم سے خارج ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن زبعری نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تمہارا خیال ہے کہ تم پر یہ آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے، اگر یہ بات ہے تو کیا سورج، چاند، فرشتے، عزیر اور عیسیٰ علیہ السلام بھی ہمارے معبودوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے؟ اس وقت اس کے جواب میں یہ ارشادات نازل ہوئے: وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ (الزخرف: 57-56) ''اور جب ابن مریم کا حال بیان کیا جاتا ہے تو آپ کی قوم اس سے شور و غل مچا دیتی ہے اور کہتے ہیں کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ۔ وہ آپ سے یہ مثال بیان نہیں کرتے مگر کج بحثی کیلئے۔ دراصل یہ جھگڑالو لوگ ہیں''۔ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ۔۔۔(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۔۔ نازل ہوئی کہ تو مشرکین کہنے لگے کہ ملائکہ، عزیز اور عیسیٰ علیہ السلام کی بھی تو اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔ اس وقت یہ آیت لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ ۔۔۔ نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے ساتھ یہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ بھی اتری۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ولید بن مغیرہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ نضر بن حارث بھی آ کر ساتھ بیٹھ گیا۔ مسجد میں اور قریشی بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ گفتگو فرمانے لگے تو نضر بن حارث نے آپ ﷺ سے تعرض کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی گفتگو سے اسے لاجواب کر دیا۔ آپ ﷺ نے تمام حاضرین کو یہ آیات اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۔۔۔ لَا يَسْمَعُوْنَ سنائیں۔ پھر آپ ﷺ اس مجلس سے اٹھ گئے اور عبداللہ بن زبعری وہاں چلا آیا۔ ولید بن مغیرہ اسے بتانے لگا کہ نضر بن حارث آج ابن عبدالمطلب کے سامنے نہیں ٹھہر سکا اور بری طرح لاجواب ہو گیا۔ محمد (ﷺ) کا یہ کہنا ہے کہ ہم اور ہمارے معبود جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ یہ سن کر عبداللہ بن زبعری کہنے لگا کہ اگر میں ہوتا تو ان کے ساتھ مناقشہ کرتا۔ محمد (ﷺ) سے یہ دریافت کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا تمام معبود اور ان کے پجاری جہنمی ہیں تو ملائکہ، عزیر اور عیسیٰ علیہما السلام کا کیا ہوگا۔ ہم ملائکہ کی پرستش کرتے ہیں، یہود عزیر کی عبادت کرتے ہیں اور عیسائی عیسیٰ بن مریم کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ سن کر ولید اور باقی اہل مجلس بہت متعجب اور متاثر ہوئے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا: جو یہ بات پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی عبادت کی جائے، وہ اور اس کے پجاری جہنمی ہیں۔ یہ دراصل شیطان اور اس کی پوجا کرتے ہیں جس نے انہیں اپنی عبادت کا حکم دیا۔ اس وقت یہ فرمان اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ ۔۔ خٰلِدُوْنَ نازل ہوا، یعنی حضرات عیسیٰ، عزیر اور علماء و درویش جو اطاعت الٰہی پر کاربند رہے، انہیں گمراہ لوگوں نے اپنا معبود بنا لیا، اس طرح کچھ لوگ فرشتوں کی عبادت کرنے لگے اور انہیں

1۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 681 تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 96
2۔ الدر المنثور، جلد 5 صفحہ 679

اللہ کی بیٹیاں سمجھنے لگے۔ یہ نیک لوگ پہلی آیت کے حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ یہ ہمیشہ شرک سے بیزار رہے۔ چنانچہ فرمایا: وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ (الانبیاء:29) ''اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے۔ یونہی ہم ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں''۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ ... فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (الزخرف:57-61) اس حجت کے سامنے ولید اور دیگر حاضرین مجلس دم بخود رہ گئے(1)۔ ابن زبعری کا قول بالکل غلط ہے کیونکہ آیت کریمہ میں خطاب مشرکین مکہ کو ہے جو بے جان اور بے عقل بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے تاکہ ان کے پجاریوں کو سرزنش اور زجر و توبیخ کی جائے، اس لئے فرمایا: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ۔ اس لئے اس حکم کا اطلاق حضرات مسیح، عزیر اور ان جیسے دوسرے نفوس قدسیہ پر کیسے کیا جا سکتا ہے جو ہمیشہ نیک اعمال کرتے رہے اور کبھی بھی اور کسی صورت میں بھی انہوں نے بت پرستی کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ''ما'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو عربوں کے ہاں غیر ذی عقل چیزوں کیلئے آتا ہے(2)۔ اس کے بعد ابن زبعری کو اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کی توفیق ارزانی فرمائی۔ یہ بہت مشہور شاعر تھے، پہلے مسلمانوں کی ہجو کیا کرتے تھے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد معذرت کر لی(3)۔ فرمایا: لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ بعض نے کہا ہے کہ اس بڑی گھبراہٹ سے مراد موت ہے، بعض نے اس سے مراد نفخہ لیا ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اس وقت کی گھبراہٹ ہے جب کسی بندے کو جہنم کا حکم ہوگا۔ سعید بن جبیر اور ابن جریج اس سے مراد اس وقت کی پریشانی لیتے ہیں جب جہنم کو بند کر دیا جائے گا۔ ابوبکر ہذلی کہتے ہیں کہ اس سے مراد اس وقت کی پریشانی ہے جب موت کو جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد فرمایا: وَتَتَلَقّٰهُمُ۔ یعنی قیامت کے دن جب وہ اپنی قبروں سے باہر نکلیں گے تو فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور انہیں بشارت دیتے ہوئے کہیں گے کہ یہ ہے وہ دن جس کا وعدہ کیا جاتا تھا، اب مسرت بخش چیزوں کی امید رکھو۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝

''(یاد کرو) جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمان کو جیسے لپیٹ دیئے جاتے ہیں طومار میں کاغذات۔ جیسے ہم نے آغاز کیا تھا ابتدائے آفرینش کا اسی طرح ہم اسے لوٹائیں گے۔ یہ وعدہ (پورا کرنا) ہم پر لازم ہے۔ یقیناً ہم (ایسا) کرنے والے ہیں''۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمان کو اس طرح لپیٹ دے گا جس طرح طومار میں کاغذات لپیٹے جاتے ہیں، اس طرح ایک اور جگہ فرمایا: وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖۗ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الزمر:67) ''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ پہچانی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔ پاک ہے وہ ہر عیب سے اور برتر ہے لوگوں کے شرک سے''۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز زمینوں کو مٹھی میں لے لیگا اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے''(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کو ان میں موجود تمام مخلوق

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 358، تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 96-97
2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 98
3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 419
4۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 150

سمیت اور اسی طرح ساتوں زمینوں کو ان میں موجود تمام مخلوقات سمیت اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا۔ یہ سب کچھ اس کے ہاتھ میں یوں ہوگا جیسے رائی کا دانہ۔ آیت کریمہ میں لفظ سجل سے مراد بقول بعض کتاب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں اس سے مراد ایک فرشتہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک فرشتہ ہے۔ جب یہ کسی کا استغفار لے کر اوپر چڑھتا ہے تو کہتا ہے کہ اسے نور لکھ لو(1)۔ سدی کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ''سجل'' سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اعمال ناموں پر مقرر ہے۔ جب کوئی انسان مرجاتا ہے تو یہ اس کی کتاب کو لپیٹ کر قیامت کیلئے رکھ دیتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے ایک کاتب وحی کا نام ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ سجل ایک صحابی اور کاتب وحی کا نام ہے(2)۔ یہ روایت ابوداؤد، نسائی اور ابن جریر میں موجود ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ قول منقول ہے لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اسے موضوع کہا ہے خصوصا ہمارے شیخ حافظ کبیر ابوالحجاج المزی نے، میں نے اس روایت کو ایک الگ کتاب میں لکھا ہے۔ امام ابن جریر نے اس روایت کا انکار کرتے ہوئے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ صحابہ کرام میں سجل نامی کوئی صحابی نہیں اور حضور ﷺ کے کاتبان وحی بھی مشہور و معروف ہیں، ان میں سے بھی کسی کا نام ''سجل'' نہیں(3)۔ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل درست فرمایا ہے اور یہ اس حدیث کے منکر ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس نے سجل نامی صحابی کا ذکر کیا ہے، اس نے اسی روایت پر اعتماد کر کے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے منقول صحیح قول یہ ہے کہ یہاں ''سجل'' سے مراد نامہ اعمال ہے، اکثر مفسرین نے یہی معنی مراد لیا ہے کیونکہ لغوی طور پر یہی معنی معروف ہے۔ آیت کا معنی ہوگا کہ جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے لکھے ہوئے پر کتاب لپیٹ دی جاتی ہے۔ یہاں ''للکتب'' ''علی الکتب'' کے معنی میں ہے جیسا کہ اس آیت میں بھی لام، علی کے معنی میں ہے: فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ (الصافات:103) ''پس جب دونوں نے سر اطاعت خم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا''۔ لغت میں اس کی متعدد نظائر موجود ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: كَمَا بَدَاْنَآ ... یعنی یہ اس دن یقینی طور پر وقوع پذیر ہوگا جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو دوبارہ پیدا کرے گا جس طرح اس نے ابتدا میں پیدا کیا تھا، وہ دوبارہ پیدا کرنے پر پوری طرح قادر ہے اور ایسا حتمی اور یقینی طور پر ہوگا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، وہ اپنے وعدہ کی نہ خلاف ورزی کرتا ہے اور نہ اس میں رد و بدل کرتا ہے، وہ اپنے وعدے کی تکمیل پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے، اس لئے فرمایا: اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''تم برہنہ پا، برہنہ بدن اور بے ختنہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جمع کیے جاؤ گے'' پھر آپ نے آیت کا یہ حصہ پڑھا: كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب چیزیں فنا ہو جائیں گی پھر دوبارہ انہیں بنایا جائے گا(5)۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿١٠٥﴾ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾

''اور بے شک ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں پند و موعظت کے (بیان کے) بعد کہ بلاشبہ زمین کے وارث تو میرے نیک بندے ہوں گے۔ یقیناً اس قرآن میں کفایت ہے اس قوم کی (فلاح دارین کیلئے) جو عبادت گزار ہے۔ اور نہیں بھیجا ہم نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 99 — 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الامارة، جلد 3 صفحہ 132 — 3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 100

4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ انبیاء، جلد 6 صفحہ 122، صحیح مسلم، کتاب الجنة، جلد 4 صفحہ 2194-2195 — 5۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 103

آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لئے''۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے صالح بندوں کیلئے یہ حتمی فیصلہ ہے کہ وہ انہیں نہ صرف دنیاوی سعادت سے نوازتا ہے بلکہ اخروی سعادت سے بھی اور وہ نہ صرف دنیا میں زمین کے وارث ہیں بلکہ آخرت میں بھی وہ ارض جنت کے وارث ہوں گے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۟ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (الاعراف:128)'' بلاشبہ زمین اللہ ہی کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسکا وارث بنا دیتا ہے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کیلئے ہے''۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المومن:51)'' بے شک ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کی مدد کرتے ہیں اس دنیاوی زندگی میں اور اس دن بھی جب گواہ (گواہی کیلئے) کھڑے ہوں گے''۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ (النور:55)'' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور ان کیلئے ان کے دین کو مستحکم کردے گا جسے اس نے ان کیلئے پسند کیا ہے''۔ اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ یہ شرعی اور قدری کتب میں مرقوم ہے اور اس کا وقوع یقینی ہے، اس لئے فرمایا: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ زبور سے مراد تورات، انجیل اور قرآن ہے۔ مجاہد کے بقول اس سے مراد کتاب ہے۔ حضرات ابن عباس، شعبی، حسن، قتادہ وغیرہم کہتے ہیں کہ زبور سے مراد وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد پر اتری اور ''ذکر'' سے مراد تورات ہے۔ حضرت ابن عباس سے ذکر بمعنی قرآن منقول ہے۔ سعید بن جبیر کا کہنا ہے کہ ذکر وہ ہے جو آسمان میں ہے مجاہد کا قول ہے کہ زبور سے مراد آسمانی کتابیں اور ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے(1)۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ یہی پہلی کتاب ہے یعنی لوح محفوظ جس میں پہلے لکھا جاتا تھا۔ ذکر سے یہی مراد ہے اور زبور سے مراد پیغمبروں پر نازل ہونے والی کتابیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تورات، زبور، اور علم خدا میں زمین وآسمان کی تخلیق سے پہلے ہی یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ امت محمد ﷺ زمین کی وارث بنے گی اور وہ نیکوکار بن کر جنت میں جائیں گے۔ بہت سے حضرات نے زمین سے مراد جنت کی زمین لی ہے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ہی صالح لوگ ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد مومن ہیں۔ دوسری آیت میں فرمایا: اِنَّ فِيْ هٰذَا...... یعنی اس قرآن کریم میں جو اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ پر اتارا گیا، ان لوگوں کیلئے فائدہ اور کفایت ہے جو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ شریعت کے مطابق اس کی عبادت کرتے ہیں اور شیطان اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کیلئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے، جس نے اس رحمت کو قبول کر لیا اور اس نعمت کا شکر ادا کیا، وہ دنیا وآخرت میں سعادتمند اور کامیاب ہے اور جس نے اسے رد کر دیا اور اس کی ناشکری کی وہ دنیا وآخرت میں نامراد ہے جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ (ابراہیم:28-29)'' کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں اتارا۔ وہ اس میں جھونکے جائیں گے اور یہ برا ٹھکانا ہے''۔ قرآن کریم کے متعلق فرمایا: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 17، صفحہ 104

يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ (حم السجدۃ:44) "فرمائیے یہ قرآن ایمان والوں کیلئے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر مشتبہ رہتا ہے انہیں گویا دور کی جگہ سے بلایا جاتا ہے"۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! مشرکین کیلئے بددعا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے" (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ" یعنی میں وہ رحمت ہوں جو (بندوں کو) بطور تحفہ عطا کی گئی ہے (2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی رحمت بنا کر بھیجا ہے جو (لوگوں کو) بطور تحفہ عطا کی گئی ہے، مجھے ایک قوم کی ترقی اور دوسروں کے تنزل کے ساتھ بھیجا گیا ہے"۔ ابوجہل نے کہا کہ اے گروہ قریش! محمد یثرب میں مقیم ہوگیا ہے اور اپنے عسکری دستے ادھر ادھر تمہاری تلاش میں بھیج رہا ہے، وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے، اس لئے اس کے رستے سے گذرنے یا اس کے قریب جانے سے احتیاط برتنا، وہ ایک خونخوار شیر کی طرح تم پر سخت غضبناک ہے کیونکہ تم نے اسے جلاوطن کر دیا ہے۔ اللہ کی قسم! اس کے پاس ماہر جادوگر ہیں، میں اس کے ساتھ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ شیاطین دیکھتا ہوں۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ اوس اور خزرج تمہارے دشمن ہیں جنہوں نے اس دشمن کو پناہ دے رکھی ہے، اس پر مطعم بن عدی کہنے لگا: اے ابوالحکم! میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو تمہارے اس بھائی سے زیادہ سچا اور وعدہ کا پابند ہو جسے تم نے جلاوطنی پر مجبور کر دیا ہے۔ اب جب تم یہ کرتوت کر ہی چکے ہو تو اس سے بالکل الگ تھلگ ہو جاؤ اور اس سے کوئی تعرض نہ کرو۔ ابوسفیان کہنے لگا کہ اس پر پوری سختی کرنی چاہیے، یاد رکھو اگر اوس اور خزرج نے تم پر فتح پالی تو وہ نہ قرابت داری کا لحاظ رکھیں گے اور نہ کسی عہد کا۔ میری خواہش تو یہ ہے کہ مدینہ والوں کو نیست ونابود کر دوں۔ اگر تم میرا مشورہ مانو تو میں انہیں لشکر جرار کے ساتھ شکست فاش سے دوچار کر دوں گا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں انہیں ضرور قتل کروں گا اور میں انہیں ضرور قید کروں گا، پھر احسان کرتے ہوئے انہیں آزاد کر دوں گا، میں رحمت ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب نہیں کرتا اس وقت تک میرا وصال نہیں ہوگا، میرے پانچ نام ہیں، میں محمد اور احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ میرے سبب سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا، میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر جمع کیے جائیں گے اور میں عاقب ہوں" (3)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں تھے، وہ وہاں رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے حذیفہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: "میں نے غصہ میں آکر اگر کسی کو برا بھلا کہہ دیا ہو یا اس پر لعنت کر دی ہو، تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ میں انسان ہوں تمہاری طرح مجھے بھی غصہ آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے، اس لئے میرے یہ الفاظ قیامت کے دن اس کیلئے رحمت ثابت ہوں گے" (4)۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ ﷺ کفار کیلئے کیسے رحمت تھے تو اس کا جواب ابن جریر کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی تفسیر میں مروی ہے کہ مومن کیلئے دنیا اور آخرت میں رحمت لکھ دی جاتی ہے اور کافر کو اس دنیا میں ان عذابوں سے عافیت میسر رہتی ہے جن سے پہلی امتیں دوچار ہوئیں مثلاً زمین میں دھنسنا اور آسمان سے پتھروں کی بارش ہونا (5)۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2006-2007
2۔ مستدرک حاکم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 35
3۔ معجم کبیر، جلد 2 صفحہ 123-124
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 215، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 437
5۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 106

عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے آپ ﷺ کی اتباع کی تو اس کیلئے آپ ﷺ دنیا اور آخرت میں رحمت ہیں اور جس نے آپ کی اتباع نہ کی، اسے کم از کم دنیا میں عذاب سے نجات مل گئی جیسا کہ گذشتہ امتیں عذاب میں مبتلا ہوئی تھیں (1)۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

”فرما دیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا (وہی ہے جو) ایک خدا ہے۔ پس کیا تم اسلام لانے کیلئے تیار ہو۔ اگر وہ پھر بھی روگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں نے آگاہ کر دیا ہے تمہیں پوری طرح۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ قریب ہے یا بعید جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو بات تم بلند آواز سے کہتے ہو اور جانتا ہے جو تم (اپنے دل میں) چھپاتے ہو۔ اور میں کیا جانوں (اس ڈھیل سے) شاید تمہارا امتحان لینا اور ایک وقت تک تمہیں لطف اندوز کرنا مطلوب ہو۔ آپ نے عرض کی میرے رب فیصلہ فرما دے (ہمارے درمیان) حق کے ساتھ۔ اور (اے کفار!) ہمارا رب وہ ہے جو رحمن ہے اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم کرتے ہو“۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ مشرکین سے یہ کہہ دیں: اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ۔ یعنی میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے، کیا تم اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس کی اطاعت کرنے پر آمادہ ہو؟ اگر وہ روگردانی کریں اور آپ کی دعوت کو مسترد کر دیں تو انہیں یہ فرما دیں کہ میں تمہیں صاف صاف بتا رہا ہوں کہ میں تمہارا دشمن ہوں جس طرح تم میرے دشمن ہو اور جس طرح تم مجھ سے بیزار ہو اسی طرح میں تم سے بیزار ہوں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (یونس: 41)“ اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیجئے میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں تم بری الذمہ ہو اس سے جو میں کرتا ہوں اور میں بیزار ہوں اس سے جو تم کرتے ہو“۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰي سَوَاۗءٍ (الانفال: 58)“ اور اگر آپ کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ کریں تو ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح طور پر پھینک دیں“۔ یعنی آپ کو اور انہیں یکساں طور پر عہد کے ٹوٹنے کا علم ہو جائے، اسی طرح یہاں فرمایا: فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ یعنی میں نے تمہیں اپنی بیزاری اور تمہاری بیزاری سے آگاہ کر دیا ہے اس لئے کہ مجھے اس کا علم ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ یعنی جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے، وہ یقینی طور پر پورا ہوگا لیکن اس کے قرب و بعد کا مجھے کوئی علم نہیں۔ فرمایا: اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی تمام غیوب کو جانتا ہے اور اسے پورا پورا علم ہے جو بندے ظاہر کرتے ہیں اور جو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ وہ ظاہر، باطن اور نہایت مخفی چیزوں سے بھی واقف ہے، اس معلوم ہے کہ بندے علانیہ اور پوشیدہ کیا کیا اعمال کرتے ہیں۔ جو بھی کسی کا چھوٹا بڑا ہو گا، اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس کے بعد فرمایا: وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ۔ یعنی کیا معلوم شاید اس مہلت سے تمہاری آزمائش اور

1۔ تفسیر کبیر، جلد 12 صفحہ 23

تمہیں کچھ وقت تک لطف اندوز کرنا مطلوب ہو۔ آخر میں فرمایا: قٰلَ رَبِّ احْكُمْ یعنی اے میرے پروردگار! ہمارے درمیان اور اس جھٹلانے والی قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام یوں دعا کیا کرتے تھے: رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ (الاعراف:89) "اے ہمارے پروردگار! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما، اور تو ہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے"۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی اس قسم کی دعا کرنے کا حکم ہوا(1)۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوہ میں شریک ہوتے تو یہ دعا کرتے: قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ۔ آخر میں فرمایا: وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ یعنی ہمارا پروردگار رحمٰن ہے جس سے تمہارے جھوٹ، بہتان اور افتراپردازی کے مقابلہ میں مدد طلب کی جاتی ہے۔

1۔ الدرالمنثور، جلد 5 صفحہ 689

23B

سورۂ حج

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱﴾ یَوۡمَ تَرَوۡنَہَا تَذۡہَلُ کُلُّ مُرۡضِعَۃٍ عَمَّاۤ اَرۡضَعَتۡ وَ تَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمۡلٍ حَمۡلَہَا وَ تَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَ مَا ہُمۡ بِسُکٰرٰی وَ لٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیۡدٌ ﴿۲﴾

"اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار (کی ناراضگی) سے۔ بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔ جس روز تم اس (کی ہولناکیوں) کو دیکھو گے تو غافل ہو جائیگی ہر دودھ پلانے والی (ماں) اس (لخت جگر) سے جس کو اس نے دودھ پلایا، اور گرا دے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے وہ نشہ میں مست ہوں حالانکہ وہ نشہ میں مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی بڑا سخت ہوگا (وہ اس کی ہیبت سے حواس باختہ ہوں گے)"۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تقویٰ کا حکم فرما رہا ہے اور قیامت کی ہولناکیوں، زلزلوں اور دیگر حالات سے خبردار کر رہا ہے۔ قیامت کے زلزلہ کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا یہ لوگوں کے اپنی قبروں سے اٹھنے کے بعد میدان حشر میں جمع ہونے کے دن وقوع پذیر ہوگا یا لوگوں کے اپنی قبروں سے اٹھنے سے پہلے زمین کا زلزلہ ہوگا جیسا کہ فرمایا: اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَہَا ۙ﴿۱﴾ وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَہَا (الزلزال: 2-1) "جب پوری شدت سے زمین تھرتھرانے لگے گی اور زمین اپنے بوجھوں (دفینوں) کو باہر پھینک دے گی"۔ وَّ حُمِلَتِ الۡاَرۡضُ وَ الۡجِبَالُ فَدُکَّتَا دَکَّۃً وَّاحِدَۃً ﴿ۙ۱۴﴾ فَیَوۡمَئِذٍ وَّقَعَتِ الۡوَاقِعَۃُ (الحاقۃ: 15-14) "جب زمین تھرتھر کانپے گی اور پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے"۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ زلزلہ دنیا کی انتہا اور احوال آخرت کا نقطۂ آغاز ہوگا۔ علقمہ اور عامر شعبی کا قول ہے کہ یہ زلزلہ قیامت سے پہلے ہوگا(1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حدیث صور میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے صور پیدا کیا اور اسے اسرافیل علیہ السلام کو دے دیا۔ وہ اسے اپنے منہ سے لگائے ہوئے آنکھیں عرش کی طرف اٹھائے ہوئے اس بات کے منتظر ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صور کیا ہے؟ فرمایا: قرن (سینگ)۔ عرض کی کہ وہ کس طرح کا ہے؟ فرمایا: وہ بہت بڑا قرن ہے جس میں تین مرتبہ پھونکا جائے گا، پہلا نفخہ گھبراہٹ کا ہوگا، دوسرا موت کا اور تیسرا رب العلمین کے سامنے کھڑے ہونے کا۔ اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو پہلے نفخہ کا حکم دے گا تو تمام زمین و آسمان والے گھبراہٹ کا شکار ہو جائیں گے سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے، اسرافیل بغیر کسی توقف اور سستی کے لگاتار پھونکتے رہیں گے، اس نفخہ کا ذکر اس آیت میں ہے: وَمَا یَنۡظُرُ ہٰۤؤُلَآءِ اِلَّا صَیۡحَۃً

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 190

وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ (ص:15)" چنانچہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر مٹی بن جائیں گے اور زمین ڈولنے لگے گی"، اس بارے میں فرمان ہے:
يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۗ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ (النازعات:8-6) زمین اس طرح ڈولنے لگے گی جس طرح سمندر میں کشتی ہچکولے کھاتی ہے اور موجیں اسے تھپیڑے مارتی ہیں یا جیسے کوئی لٹکی ہوئی قندیل ہوتی ہے جسے ہوائیں حرکت دیتی ہیں۔ لوگ سطح زمین پر دراز ہو جائیں گے۔ دودھ پلانے والیاں اپنے شیر خوار بچوں کو بھلا دیں گی، حاملہ عورتیں اپنے حمل گرا دیں گی، بچے بوڑھے ہو جائیں گے، شیطان ادھر ادھر بھاگتے زمین کے کناروں پر پہنچ جائیں گے لیکن فرشتے انہیں ماریں گے تو وہ واپس لوٹ آئیں گے اور لوگ ایک دوسرے کو آوازیں دیتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے، اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرمایا: يَوْمَ التَّنَادِ ۙ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (المومن:33-32) اسی اثناء میں زمین ایک طرف سے دوسری طرف تک پھٹ جائے گی، اس وقت بڑا ہولناک منظر ہوگا اور سخت نہایت کرب اور مصیبت سے دوچار ہوں گے۔ آسمان کی طرف نظر اٹھائیں گے تو یہ پگھلی ہوئی دھات کی مانند دکھائی دے گا۔ آفتاب اور ماہتاب بے نور ہو جائیں گے اور ستارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے پھر آسمان کی کھال ادھیڑ دی جائے گی۔ مردے ان حالات سے بے بالکل بے خبر ہوں گے۔ اس آیت کریمہ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (النمل:87) میں جن لوگوں کی استثناء کی گئی ہے اس سے مراد شہداء ہیں۔ زندہ لوگ گھبراہٹ سے دوچار ہوں گے جبکہ شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کی شر سے محفوظ رکھے گا۔ یہ گھبراہٹ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جو بدترین مخلوق پر نازل ہوگا، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ... وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ(1)۔ یہ حدیث طبرانی، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور دیگر کتب میں مذکور ہے اور بہت طویل ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ یہ زلزلہ یوم قیامت سے پہلے ہوگا۔ چونکہ یہ قیامت کے بالکل قریب ہوگا، اس لئے اس کی اضافت قیامت کی طرف کی گئی ہے جیسے کہا جاتا ہے: "اشراط الساعة" بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ یہ ہولناکی، گھبراہٹ اور زلزلہ قبروں سے نکلنے کے بعد قیامت کے دن اس وقت ہوگا جب لوگ میدان حشر میں جمع ہوں گے ابن جریر کا پسندیدہ قول یہی ہے۔ ان حضرات نے متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تیزی سے چل رہے تھے کہ آپ ﷺ نے باآواز بلند ان دو آیات يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ... کی تلاوت کی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سنا تو انہوں نے اپنی سواریاں روک لیں اور سمجھ گئے کہ آپ ﷺ کچھ فرمانا چاہتے ہیں۔ جب وہ آپ کے اردگرد جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہوگا؟ یہ وہ دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ جہنم کا حصہ نکالو، عرض کریں گے: اے پروردگار! جہنم کا حصہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے جہنمی ہیں اور ایک جنتی"۔ یہ سن کر صحابہ بہت افسردہ اور شکستہ خاطر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے جب صحابہ کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا: "خوش ہو جاؤ اور عمل کرتے رہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! تمہارے ساتھ دو ایسی مخلوقیں ہیں کہ وہ جس کے ساتھ ہوں، اسے بڑھا دیتی ہیں یعنی یاجوج ماجوج اور وہ جو اولاد آدم سے مر گئے اور اولاد ابلیس"۔ یہ سن کر صحابہ کرام کا غم دور ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "عمل کرتے رہو اور خوش ہو جاؤ، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! تم باقی لوگوں کے مقابلہ میں اتنے ہو جس طرح اونٹ کے پہلو میں یا جانور کے ہاتھ میں

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 111-110

داغ"(1)۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیات دوران سفر نازل ہوئیں۔ جب ان کا نزول ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون سا دن ہے؟" صحابہ نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ ایسا دن ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ دوزخ کا حصہ نکالیں۔ عرض کریں گے کہ اپنے پروردگار! دوزخ کا حصہ کتنا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نوسو ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں" یہ سن کر مسلمان رونے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "راست روی اور اعتدال اختیار کرو، ہر نبوت سے پہلے جاہلیت کا دور رہا ہے، اس زمانے والوں سے گنتی پوری کی جائے گی۔ اگر ان سے پوری ہوگئی تو ٹھیک ہے ورنہ منافقین سے پوری کی جائے گی۔ تمہاری مثال اور باقی امتوں کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کسی جانور کے ہاتھ پر یا اونٹ کے پہلو میں داغ۔ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک چوتھائی ہوگے، اس پر صحابہ نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی ہوگے، یہ سن کر صحابہ نے پھر نعرۂ تکبیر بلند کیا، پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اہل جنت میں نصف تعداد تمہاری ہوگی" اس پر بھی صحابہ نے تکبیر کہی۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم اس کے بعد آپ ﷺ نے دو تہائیاں فرمائیں یا نہیں (2)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے غزوۂ تبوک سے واپسی پر مدینہ شریف کے قریب پہنچ کر یہ فرمایا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ جو کثرت جن و انس میں سے ہلاک ہوئے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے جس میں یہ اضافہ بھی ہے: "تم تو ایک ہزار اجزاء میں سے ایک جز ہو"۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم، عرض کریں گے: "لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ" پھر ندا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اپنی ذریت میں سے جہنم کا حصہ نکالیں۔ عرض کریں گے: اے پروردگار! جہنم کا حصہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار سے نوسو ننانوے۔ اس وقت ہر حاملہ اپنا حمل گرا دے گی، بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور لوگ مدہوش دکھائی دیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی بہت سخت ہوگا یہ بات صحابہ پر بہت شاق گذری یہاں تک کہ ان کے چہرے متغیر ہوگئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: "یاجوج ماجوج میں سے نوسو ننانوے اور تم میں سے ایک۔ تم لوگوں کے مقابلہ میں اس طرح ہو جیسے سفید بیل کے پہلو میں ایک سیاہ بال یا سیاہ بیل کے پہلو میں ایک سفید بال۔ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک چوتھائی ہوگے۔ یہ سن کر ہم نے تکبیر کہی۔ پھر آپ نے فرمایا: "اہل جنت کا نصف"(3) اس پر بھی ہم نے اللہ اکبر کہا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک ندا دینے والے کو بھیج کر فرمائے گا: اے آدم! اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے جہنم کا حصہ نکالیں۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: اے میرے رب! وہ کون ہیں؟ کہا جائے گا کہ ہر سو سے ننانوے" یہ سن کر ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ! پھر ہم میں سے نجات پانے والا کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: "کیا تمہیں ادراک ہے کہ تم لوگوں کے مقابلہ میں اس طرح ہو جیسے اونٹ کے سینے میں داغ"(4)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن تمہیں برہنہ پا، برہنہ بدن اور بے ختنہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جمع کیا جائے گا"۔ حضرت

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورہ حج، جلد 12 صفحہ 28-30، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 435
2۔ ۔۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ حج، جلد 12 صفحہ 27-28، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 432
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ حج، جلد 6 صفحہ 122، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 201-202
4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 388

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مرد اور عورتیں ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عائشہ! وہ وقت اتنا سنگین اور شدید ہوگا کہ کسی کو ایسی بات سوجھے گی ہی نہیں" (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! قیامت کے دن کیا دوست کو دوست کی یاد آئے گی؟ آپ نے فرمایا: "اے عائشہ! تین مواقع پر کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ میزان کے پاس جب تک اعمال کی کمی یا زیادتی معلوم نہ ہو جائے، اعمال نامے اڑائے جانے کے وقت جب تک وہ دائیں یا بائیں ہاتھ میں نہ آ جائیں اور اس وقت جب جہنم سے ایک گردن نکلے گی جو لوگوں کو لپیٹ لے گی اور سخت غضبناک ہو کر کہے گی کہ مجھے تین قسم کے لوگوں پر مسلط کیا گیا ہے۔ مجھے ایسے لوگوں پر مسلط کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو پکارتے رہے، دوسری قسم کے ان لوگوں پر مجھے مسلط کیا گیا ہے جو قیامت پر ایمان نہیں لاتے تھے اور تیسری قسم کے جن لوگوں پر مجھے مسلط کیا گیا ہے وہ جابر اور سرکش ہیں۔ چنانچہ وہ انہیں سمیت کر جہنم رسید کر دے گی۔ جہنم پر ایک پل ہوگا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اس پر کانٹے اور کنڈیاں ہوں گی جو ہر اس کو پکڑ لیں گی جسے اللہ تعالیٰ چاہے۔ لوگ اس پر سے بجلی کی طرح، آنکھ جھپکنے کی دیر میں، ہوا کی طرح، تیز رفتار گھوڑوں اور اونٹوں کی سی رفتار کے ساتھ گذر جائیں گے اور فرشتے سلامتی کی دعائیں کر رہے ہوں گے۔ کچھ تو بالکل صحیح و سالم گذر جائیں گے، کچھ کو خراشیں آئیں گی اور کچھ اوندھے منہ جہنم میں گر جائیں گے" (2)۔ قیامت کی ہولناکیوں کے بارے میں احادیث اور آثار بکثرت ہیں جن کے بیان کا یہ مقام نہیں، اس لئے فرمایا: اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ یعنی قیامت کا زلزلہ بہت شدید، خوفناک، بھیانک اور دل ہلا دینے والا ہے۔ رعب اور گھبراہٹ کے وقت دل کے ہلنے کو زلزلہ کہتے ہیں جیسا کہ فرمایا: هُنَالِكَ ابۡتُلِیَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَزُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِیۡدًا (الاحزاب: 11) "اس موقع پر ایمان والوں کو خوب آزمایا گیا اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے"۔ اس کے بعد فرمایا: یَوۡمَ تَرَوۡنَهَا اس میں ضمیر شان ہے جس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: تَذۡهَلُ كُلُّ مُرۡضِعَةٍ یعنی قیامت کی ہولناکی کے سبب دودھ پلانے والی ماں اپنے شیر خوار بیٹے کو دودھ پلاتے ہوئے بھلا دے گی اور اس سے غافل ہو جائے گی حالانکہ وہ اسے سب سے زیادہ محبوب ہوگا اور وہ اس پر سب سے زیادہ مہربان ہوگی، اس طرح حاملہ اپنے حمل کی تکمیل سے پہلے ہی ساقط کر دیگی اور لوگ دہشت زدہ، حواس باختہ اور نشے میں مست دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے بلکہ عذاب کی شدت کے باعث یہ کیفیت ہوگی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّیَتَّبِعُ كُلَّ شَیۡطٰنٍ مَّرِیۡدٍ ۙ﴿۳﴾ كُتِبَ عَلَیۡهِ اَنَّهٗ مَنۡ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ یُضِلُّهٗ وَیَهۡدِیۡهِ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیۡرِ ﴿۴﴾

"اور بعض ایسے لوگ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیر اور پیروی کرتے ہیں ہر سرکش شیطان کی۔ جس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا تو وہ اسے گمراہ کر کے رہے گا اور راہ دکھائے گا اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف"۔

قیامت کی تکذیب کرنے والوں، مردوں کو زندہ کرنے پر قدرت الٰہی کا انکار کرنے والوں، انبیاء کرام کے پیغام سے منہ موڑنے والوں اور کفر و انکار میں ہر سرکش شیطان کی اتباع کرنے والوں کی مذمت کی جا رہی ہے۔ یہ بدبختی اور گمراہ لوگوں کی حالت ہے جو حق سے اعراض برتتے ہیں، باطل کی پیروی کرتے ہیں، اس واضح حق کو ترک کر دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا اور اپنی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 136، صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2194
2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 110

خواہشات و آراء پر مبنی بدعتوں کی دعوت دینے والے گمراہ سرغنوں کے اقوال کو تسلیم کرتے ہیں، اس لئے اس قماش کے لوگوں کے متعلق فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ ۔ یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس خبیث نے کہا تھا کیا اپنے رب کے متعلق بتاؤ کہ وہ سونے کا بنا ہوا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا؟ اس کی اس ہرزہ سرائی پر آسمان کڑکا اور اس خبیث کی کھوپڑی اڑ کر اس کے سامنے آ گری۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے بھی اس قسم کا سوال نبی کریم ﷺ سے کیا تھا کہ تمہارا رب موتی کا بنا ہوا ہے یا یاقوت کا؟ اس کی اس گستاخی پر فوراً بجلی گری اور اس نے اس منہ پھٹ کا کام تمام کر دیا۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝

”اے لوگو! اگر تمہیں کچھ شک ہو (روز محشر) جی اٹھنے میں تو ذرا اس امر میں غور کرو کہ ہم نے ہی پیدا کیا تھا تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت کے ٹکڑے سے بعض کی تخلیق مکمل ہوتی ہے اور بعض کی نامکمل تاکہ ہم ظاہر فرما دیں تمہارے لئے (اپنی قدرت کا کمال) اور ہم قرار بخشتے ہیں رحموں میں جسے ہم چاہتے ہیں ایک مقررہ میعاد تک پھر ہم نکالتے ہیں تمہیں بچہ بنا کر پھر (پرورش کرتے ہیں تمہاری) تاکہ تم پہنچ جاؤ اپنے شباب کو۔ اور تم میں سے کچھ (پہلے) فوت ہو جاتے ہیں اور تم میں سے بعض کو پہنچا دیا جاتا ہے نکمی عمر تک تاکہ وہ کچھ نہ جانے ہر چیز کو جاننے کے بعد اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک پڑی ہے پھر جب ہم اتارتے ہیں اس پر (بارش کا) پانی تو وہ تر و تازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے اور اگاتی ہے ہر خوشنما جوڑے کو۔ یہ (رنگا رنگیاں اس کی دلیل ہیں) کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے اور وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو اور بلاشبہ وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یقیناً قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شک نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائے گا ان (مردوں) کو جو قبروں میں ہیں“۔

روز حشر جی اٹھنے اور قیامت کا انکار کرنے والوں کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ وقوع قیامت اور ہر ایک کو از سر نو پیدا کرنے پر اپنی قدرت کی دلیل (ابتدائے آفرینش) بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ ۔۔ ”یعنی اگر تمہیں روز قیامت جی اٹھنے میں شک ہے تو تم اپنی پہلی دفعہ کی پیدائش اور اپنی اصلیت میں غور و فکر کرو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ یعنی ابوالبشر آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے کی پھر حقیر سے قطرۂ آب کے ساتھ تمہیں پیدا کیا۔ جس نے کچھ عرصہ گذرنے کے بعد خون کے لوتھڑے اور پھر کچھ دنوں کے بعد گوشت کے ٹکڑے کی شکل اختیار کر لی۔ دراصل ہوتا یوں ہے کہ جب نطفہ رحم مادر میں قرار پکڑ لیتا ہے تو چالیس دن اسی حالت میں

بڑھتا ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرخ گاڑھے خون کے لوتھڑے میں تبدیل ہو جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے جس کی کوئی شکل وصورت اور خدوخال نہیں ہوتے۔ اس کے بعد اس کی شکل وصورت اور خدوخال نمایاں ہونے شروع ہوتے ہیں، سر، دونوں ہاتھ، سینہ، پیٹ، رانیں، پاؤں اور سب اعضاء بنتے ہیں۔ کبھی تو شکل وصورت اور خدوخال واضح ہونے سے پہلے ہی حمل گر جاتا ہے اور کبھی تکمیل کے بعد اس لیے فرمایا: ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيۡرِ مُخَلَّقَةٍ اس چیز کا مشاہدہ عموماً ہوتا رہتا ہے اور کبھی حمل رحم میں قرار پذیر ہو جاتا ہے اور ساقط نہیں ہوتا۔ جب اس لوتھڑے پر چالیس دن گذر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے درست کر کے سنوار دیتا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی مشیت کو ہوا سے خوبصورت یا بدصورت، مذکر یا مونث بنا دیا جاتا ہے، اس کا رزق اور اس کی موت کا وقت بھی لکھ لیا جاتا ہے اور یہ بھی کہ وہ سعید ہے یا شقی جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتایا اور آپ سچے ہیں: ”تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اپنی ماں کے شکم میں چالیس راتیں جمع ہوتی رہتی ہے پھر چالیس دن تک جمے ہوئے خون کی صورت رہتی ہے، پھر چالیس دن کی لوتھڑے کی شکل پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتہ بھیجتا ہے اور اسے چار چیزیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: اس کا رزق، اس کا عمل، اس کی موت کا وقت اور یہ کہ وہ سعادتمند ہے یا بدبخت، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے“(1)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نطفہ رحم میں قرار پکڑتا ہے، تو ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ اے پروردگار! یہ مکمل تخلیق والا ہے یا نامکمل؟ اگر یہ کہا جائے گا کہ اس کی تخلیق نامکمل ہے تو وہ ذی روح بنتا ہی نہیں بلکہ رحم اسے خون کی شکل میں خارج کر دیتا ہے اور اگر کہا جائے گا کہ یہ مکمل تخلیق والا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے: اے پروردگار! یہ مذکر ہو یا مونث، شقی ہے یا سعید، اجل کیا ہے؟ اثر کیا ہے؟ کہاں مرے گا؟ پھر نطفہ سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: اللہ۔ پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رازق کون ہے؟ وہ کہتا ہے: اللہ۔ چنانچہ فرشتے سے کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کی طرف جاؤ، اس میں تمہیں اس نطفہ کا سارا حال مل جائے گا۔ پھر اسے پیدا کیا جاتا ہے وہ اپنی مقررہ زندگی گذارتا ہے، اپنا رزق کھاتا ہے، معین مقامات پر چلتا پھرتا ہے یہاں تک کہ جب پیامِ اجل آ جاتا ہے تو مر جاتا ہے۔ اور اسے دفن کر دیا جاتا ہے جہاں دفن ہونا مقدر ہوتا ہے۔ پھر عامر شعبی نے اسی آیت یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ... کی تلاوت کی۔ مضغہ ہونے کے بعد پیدائش کا چوتھا مرحلہ شروع ہوتا ہے اور وہ ذی روح بنتا ہے۔ اگر اس کی تخلیق نامکمل ہو تو رحم اسے خون کی شکل میں خارج کر دیتا ہے۔ اگر اس کی تخلیق مکمل ہو تو وہ ذی روح بن جاتا ہے۔ حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رحم میں نطفہ کے قرار پکڑنے کے چالیس یا پینتالیس دن بعد وہاں ایک فرشتہ آتا ہے اور عرض کرتا ہے: اے پروردگار! کیا یہ شقی ہے یا سعید؟ اللہ تعالیٰ جو فرماتا ہے اسے فرشتہ لکھ لیتا ہے۔ پھر وہ پوچھتا ہے کہ یہ لڑکا یا لڑکی؟ جو جواب ملتا ہے فرشتہ اسے لکھ لیتا ہے، اسی طرح اس کا عمل، اثر، رزق اور اجل لکھ لی جاتی ہے پھر صحیفہ لپیٹ دیا جاتا ہے جس میں کمی بیشی ممکن نہیں“(2)۔ اس کے بعد فرمایا: ثُمَّ نُخۡرِجُكُمۡ طِفۡلًا یعنی پیدائش کے بعد بچہ بدن، سماعت، بصارت، حواس، عقل بلکہ ہر اعتبار سے کمزور ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے تدریجاً قوت عطا فرماتا ہے اور اس کے والدین کو اس پر بہت مہربان اور شفیق بنا دیتا ہے، وہ دن رات اس کی خدمت کرتے ہیں اور اس پر جان چھڑکتے ہیں، اس لئے فرمایا: ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّكُمۡ۔ یعنی اس کی قوتیں نشوونما پاتی ہیں اور وہ عالم شباب کو پہنچ کر خوبصورت اور تنومند ہو جاتا ہے۔ بعض عنفوانِ شباب میں ہی اس دنیا سے چل بستے ہیں اور بعض بڑھاپے کی نکمی عمر کو پہنچ جاتے ہیں، جب بدنی قوتیں

1۔ صحیح بخاری، کتاب القدر، جلد 8 صفحہ 152، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2036
2۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2037

ضعف کا شکار ہو جاتی ہیں، عقل وفہم کی صلاحیتیں ناکارہ ہو جاتی ہیں اور انسانی دماغی خلل کا شکار ہو کر بچوں کی سی حرکتیں کرنے لگ جاتا ہے، اس لئے فرمایا: لِكَيْلَا .. اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ (الروم: 54) " اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں کمزور پیدا فرمایا، پھر کمزوری کے بعد قوت عطا کی، پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دے دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی سب کچھ جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے"۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے: "بلوغت کو پہنچنے سے پہلے بچہ اگر نیکی کرے تو وہ اس کے والد یا والدین کے نامہ اعمال میں لکھ لی جاتی ہے اور اگر وہ برائی کرے تو اسے نہ اس پر لکھا جاتا ہے اور نہ اس کے والد پر۔ جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جاتا ہے تو اس پر قلم چلنے لگتا ہے۔ دو فرشتوں کو جو اس کے ساتھ مقرر کیے جاتے ہیں، حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کریں اور اس کا خیال رکھیں۔ جب وہ اسلام میں ہی چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تین بلاؤں سے امان دے دیتا ہے، جنون، جذام اور برص سے۔ جب وہ پچاس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں تخفیف کر دیتا ہے۔ جب وہ ساٹھ سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پسندیدہ اعمال کے ساتھ اپنی طرف رجوع کی توفیق ارزانی فرماتا ہے۔ جب وہ ستر سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ جب اسی برس کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں لکھتا ہے لیکن برائیوں سے تجاوز کر لیتا ہے جب وہ نوے سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اسے اس کے اہل خانہ کا سفارشی بنا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں امین اللہ کے لقب سے مشہور ہو جاتا ہے اور زمین میں وہ اللہ تعالیٰ کے قیدیوں کی طرح ہوتا ہے اور جب وہ نکمی عمر کو پہنچتا ہے تا کہ سب کچھ جاننے کے بعد بے علم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں برابر وہ نیکیاں لکھتا رہتا ہے جو وہ اپنی صحت کے زمانے میں کیا کرتا تھا اور اگر اس سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اسے نہیں لکھا جاتا" (1)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس میں شدید نکارت ہے، اس کے باوجود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب ایک مسلمان چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے چند بلاؤں سے نجات دے دیتا ہے: جنون، برص اور جذام سے۔ جب وہ پچاس برس کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب کو نرم کر دیتا ہے، جب وہ ساٹھ سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی انابت مرحمت فرماتا ہے جس کی بناء پر وہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ جب وہ ستر برس کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت فرماتا ہے اور آسمان کے فرشتے بھی۔ جب وہ اسی برس کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں کو قبول فرما لیتا ہے اور اس کی برائیوں کو مٹا دیتا ہے اور جب اس کی عمر نوے برس ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے، زمین میں اسے "اَسِیْرُ اللّٰهِ" کا نام دیا جاتا ہے اور اس کے گھر والوں میں اس کی سفارش قبول کی جاتی ہے" (2)۔ اس کے بعد مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت پر ایک دوسری دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا: وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً یعنی اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر اسی طرح قادر ہے جس طرح وہ بنجر، خشک اور مردہ زمین کو زندہ کر کے اسے روئیدگی کی قوت عطا فرماتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ایسی زمین پر بارش برساتا ہے تو وہ تر و تازہ ہو جاتی ہے، پھولتی ہے اور اس میں طرح طرح کی فصلیں لہلہانے لگتی ہیں اور قسم قسم کے درخت اپنی بہار دکھانے لگتے ہیں۔ ایسی فصلیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں جو رنگ، ذائقہ، خوشبو، شکل اور فوائد میں مختلف ہوتے ہیں، اس لئے فرمایا: ذٰلِكَ

1۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 6 صفحہ 351-352

2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 89، الکشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 226

بِاَنَّ اللّٰهَ ۔ یعنی یہ رنگینیاں اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے، وہی ہر چیز کا خالق اور مدبر ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے، جس طرح وہ بنجر اور مردہ زمین کو زندہ کر کے اس میں سے انواع و اقسام کی چیزیں اگاتا ہے اسی طرح وہ مردوں کو زندہ کرے گا۔ جو پہلی مرتبہ زندگی عطا کرنے پر قادر ہے وہ دوسری مرتبہ بھی زندہ کر سکتا ہے، اسے ہر چیز پر پوری پوری قدرت حاصل ہے، جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف لفظ ''کن'' کہتا ہے تو وہ چیز وجود میں آجاتی ہے اور قیامت کا آنا بھی یقینی ہے اس کے وقوع میں کوئی شک نہیں اور اللہ تعالیٰ مردوں کو ضرور زندہ کر کے اٹھائے گا جیسا کہ فرمایا: وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّـحْيِ الْعِظَامَ وَهِىَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِـيْمُۨ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ (یٰسین: 78-80) '' اور ہمارے لیے مثالیں بیان کرنے لگا ہے اور اس نے اپنی پیدائش کو فراموش کر دیا ہے کہتا ہے کون ہڈیوں کو زندہ کر سکتا ہے جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں، فرمایئے انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ انہیں پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے جس نے تمہارے لیے سرسبز درختوں میں آگ رکھ دی پھر تم اس سے آگ سلگاتے ہو''۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ حضرت ابورزین عقیلی نے جن کا نام لقیط بن عامر رضی اللہ عنہ ہے، عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور مخلوق میں اس کی نشانی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم چاند کو یکساں طور پر نہیں دیکھتے؟'' ہم نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا: '' اللہ تعالیٰ تو بڑی عظمت والا ہے''۔ حضرت ابورزین کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کرے گا، کیا مخلوق میں اس کی کوئی نشانی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کسی بنجر وادی سے تمہارا گزر ہوا؟'' عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: '' پھر تم نے دوبارہ گذرتے وقت اسے سرسبز و شاداب اور لہلہاتے ہوئے نہیں دیکھا؟ عرض کی: بالکل معاملہ ایسا ہی ہے۔ فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا اور مخلوق میں یہی اس کی نشانی اور دلیل ہے''(1)۔ ایک اور روایت میں حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کیسے مردوں کو زندہ کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی قوم کی کسی ایسی زمین کے پاس سے گذرے ہو جو پہلے بنجر تھی لیکن جب دوبارہ گذرے تو سرسبز و شاداب دکھائی دے رہی تھی؟ عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: '' اسی طرح مردوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا''(2)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اس بات کا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ حق ہے، قیامت کے وقوع میں کوئی شک نہیں اور اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا، وہ جنتی ہے(3)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهٖ
لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝
ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

'' اور انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر کسی دلیل کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے۔ (تکبر سے) گردن مروڑے ہوئے تاکہ بہکا دے (دوسروں کو بھی) اللہ تعالیٰ کی راہ سے اس کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ہم چکھائیں گے اسے قیامت کے دن جلانے والی آگ کا عذاب۔ (اس روز اسے بتایا جائے گا کہ) یہ

1۔ سنن ابی داود، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 234، سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، جلد 1 صفحہ 64
2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 11
3۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 11

سزا ہے اس کی جو تیرے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے اوپر اپنے اس فرمان (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ یَتَّبِعُ کُلَّ شَیْطٰنٍ مَّرِیْدٍ) میں گمراہ جاہل مقلدوں کا حال بیان فرمایا۔ اب یہاں گمراہی کی دعوت دینے والے کفر و بدعت کے سرغنوں کا حال بیان ہو رہا ہے، فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ۔ یعنی بعض لوگ بغیر عقلی اور نقلی دلیل کے صرف اپنی رائے اور خواہش نفسانی سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور جب انہیں حق کی دعوت دی جاتی ہے تو غرور و نخوت سے اپنی گردن پھیر لیتے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول "ثَانِیَ عِطْفِہٖ" کا یہی معنی ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے سے تکبر کرتا ہے۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی گردن کو مروڑ لیتا ہے اور تکبر کے باعث حق کی دعوت سے اعراض برتتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَفِیْ مُوْسٰۤی اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰی فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰی بِرُكْنِهٖ (الذاریات: 39-38) "اور موسیٰ علیہ السلام میں بھی جب ہم نے انہیں روشن سند دیکر فرعون کی طرف بھیجا تو وہ اپنے لشکر سمیت پھر گیا"۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا (النساء: 61) "اور جب انہیں کہا جائے کہ آؤ اس (کتاب) کی طرف جو اتاری ہے اللہ تعالیٰ نے اور رسول کی طرف تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ آپ سے روگردانی کر لیتے ہیں"۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ (المنافقون: 5) "اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت طلب کرے تو وہ (انکار سے) اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ تکبر کرتے ہیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک رہے ہیں"۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (لقمان: 18) "اور لوگوں کی طرف سے اپنے رخسار کو نہ پھیرے"۔ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسْتَكْبِرًا (لقمان: 7) "اور جب اسے ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ...... میں بقول بعض لام عاقبت کا ہے کیونکہ بعض اوقات گمراہ کرنا مقصود نہیں ہوتا اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ لام تعلیل ہے۔ پھر اس سے مراد یا تو سرکش ہیں یا اس سے مراد ہے کہ ایسا کرنے والے کی جبلت میں یہ کمینگی اور بد خلقی رکھ دی گئی ہے تاکہ وہ دوسروں کو گمراہ کرتا رہے۔ پھر فرمایا: لَهٗ فِی الدُّنْیَا۔ یعنی دنیا میں اس کیلئے اہانت، ذلت اور رسوائی ہے۔ آیات الٰہی سے اعراض اور تکبر کرنے کی پاداش میں آخرت سے پہلے دنیا میں ہی ذلت اور رسوائی اس کا مقدر بن گئی۔ کیونکہ اس کی جدوجہد اور اس کا مبلغ علم صرف حصول دنیا تک محدود رہا اور قیامت کے روز اسے زجر و توبیخ اور سرزنش کرتے ہوئے کہا جائے گا: خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ (الدخان: 50-47) "اسے پکڑ لو پھر اسے گھسیٹ کر جہنم کے وسط میں لے جاؤ، پھر عذاب دینے کیلئے اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی انڈیلو، لو چکھو تم بہت معزز و مکرم ہو۔ بے شک یہ وہ ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے"۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے یہ روایت معلوم ہوئی ہے کہ ہر کافر کو ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ جلایا جائے گا(1)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَیْرُ ﹰاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ﹰانْقَلَبَ عَلٰی وَجْهِهٖ ۚۛ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۱﴾ یَدْعُوْا مِنْ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 13

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهٗ وَمَا لَا یَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ﴿۱۲﴾ یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ ﴿۱۳﴾

"اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی کنارہ پر (کھڑے کھڑے) پھر اگر پہنچے اسے بھلائی (اس عبادت سے) تو مطمئن ہو جاتا ہے اس سے۔ اور اگر پہنچے اسے کوئی آزمائش تو فوراً (دین سے) منہ موڑ لیتا ہے۔ اس شخص نے برباد کر دی اپنی دنیا اور آخرت۔ یہی تو کھلا ہوا خسارہ ہے۔ وہ عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی جو نہ ضرر پہنچا سکتا ہے اسے اور نہ نفع پہنچا سکتا ہے اسے۔ یہی تو انتہائی گمراہی ہے۔ وہ پوجتا ہے اسے جس کی ضرر رسانی زیادہ قریب ہے اس کے نفع رسانی سے۔ یہ بہت برا دوست ہے اور بہت برا ساتھی ہے"۔

مجاہد، قتادہ وغیرہ کا قول ہے کہ "حرف" کا معنی شک ہے۔ دیگر حضرات کہتے ہیں کہ یہ طرف کے معنی میں ہے۔ اسی کے کنارے کو "حَرْفُ الْجَبَلِ" کہتے ہیں۔ آیت کریمہ میں اس شخص کا بیان ہے جو دین کے ایک کنارے پر کھڑا ہوتا ہے اگر مفاد حاصل ہو جائے تو دین سے وابستہ رہتا ہے ورنہ اس سے دست کش ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مدینہ آئے، یہاں اگر ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا اور ان کی اونٹنیاں بچے جنتیں تو کہتے کہ یہ بہت اچھا دین ہے اور اگر ان کے ہاں اولاد پیدا نہ ہوتی اور نہ ہی ان کی اونٹنیاں بچے جنم دیتیں تو کہتے کہ یہ بہت برا دین ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ کچھ بدو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیتے۔ جب وہ اپنے وطن کو لوٹتے تو اگر بارش ہو جاتی، زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی اور ان کے ہاں صحت مند اولاد پیدا ہوتی تو کہتے کہ یہ بہت عمدہ دین ہے چنانچہ وہ اسے تھامے رکھتے لیکن اگر قحط سالی سے واسطہ پڑ جاتا اور صحتمند اولاد پیدا نہ ہوتی تو کہتے کہ اس دین میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ اس پر مذکورہ بالا آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں میں سے جب کوئی شخص مدینہ آتا، یہاں آ کر اگر وہ صحتمند رہتا، اس کی گھوڑی بچھیرا جنتی اور اس کی بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو بہت مسرور اور مطمئن ہو جاتا اور برملا یہ کہہ اٹھتا کہ جب سے میں نے اس دین کو قبول کیا ہے، مجھے خیر ہی میسر آئی ہے اور اگر اسے مدینہ میں کوئی تکلیف لاحق ہو جاتی، اس کی بیوی لڑکی کو جنم دیتی اور صدقہ کا مال پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی تو شیطان اس کے پاس آ دھمکتا اور وسوسہ اندازی کرتے ہوئے اسے کہتا کہ جب سے تو نے یہ دین قبول کیا ہے، تمہیں شر اور نقصان کے سوا کچھ نہیں ملا۔ یہ دراصل آزمائش تھی (2)۔ قتادہ، ضحاک، ابن جریج اور دیگر سلف کا اس آیت کی تفسیر میں یہی قول ہے۔ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں منافق کا حال بیان ہوا ہے، اگر دنیا اس کیلئے سازگار رہے تو وہ عبادت پر قائم رہتا ہے اور اگر دنیا اس کیلئے ناخوشگوار ہو جائے تو وہ دین سے منہ موڑ لیتا ہے اور صرف اسقدر عبادت کرتا ہے جس سے اسے دنیاوی مفاد حاصل ہو جائے اور اگر وہ فتنہ، شدت اور تنگی کا شکار ہو جائے تو دین اسلام کو ترک کر کے دوبارہ کفر اختیار کر لیتا ہے (3)۔ مجاہد اس فرمان اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس نے اپنی دنیا بھی برباد کر لی اور آخرت بھی۔ کفر کرنے کے باعث نہ دنیا میں اسے کچھ حاصل ہوا اور نہ آخرت میں اس کیلئے سوائے شقاوت اور اہانت کے کوئی چیز ہے، اس لئے فرمایا: ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ یعنی یہی بہت بڑا خسارہ اور واضح نقصان ہے اس کے بعد فرمایا: یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ... وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے بتوں کی عبادت کرتا ہے، ان سے مدد اور رزق طلب

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ حج، جلد 6 صفحہ 122
2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 122، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 13
3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 123

کرتا ہے جو نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے اور یہی انتہائی گمراہی ہے۔ وہ اس کو پکارتا ہے جس کی ضرر رسانی یقینی اور حتمی ہے۔ اس فرمان لَبِئْسَ کے متعلق مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد بت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ جس کی عبادت کرتا ہے وہ بہت ہی برا دوست اور ساتھی ہے۔ "عَشِیْرٌ" کا معنی ہے ساتھی۔ ابن جریر یہ مراد لیتے ہیں کہ وہ چچازاد اور دوست بہت ہی برا ہے جو ایک کنارے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، اگر خیر مل جائے تو اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر آزمائش کا سامنا کرنا پڑ جائے تو اس سے منہ موڑ لیتا ہے(1)۔ لیکن مجاہد کا یہ قول کہ اس سے مراد بت ہے، زیادہ موزوں اور سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ⑭

"بے شک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا انہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے"۔

بدبخت اور گمراہ لوگوں کے ذکر کے بعد اب ان سعادتمند اور نیکوکار حضرات کا تذکرہ ہو رہا ہے جو صدق دل سے ایمان لائے، اچھے اعمال کے ذریعے اپنے ایمان کی تصدیق کی، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے اعمال صالحہ بجالاتے رہے اور برائیوں سے اجتناب کرتے رہے، اس سبب سے وہ جنت میں اعلیٰ درجات کے مالک بن گئے۔ ہدایت اور گمراہی چونکہ اللہ کے ہاتھ میں اس لیے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ⑮ وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَأَنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يُرِيدُ ⑯

"اور جو شخص یہ خیال کئے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی مدد نہیں کرے گا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں تو اسے چاہئے کہ لٹک جائے ایک رسی کے ذریعے چھت سے پھر (گلے میں پھندا ڈال کر) اسے کاٹ دے پھر دیکھے آیا دور کر دیا ہے اس کی (خودکشی کی) تدبیر نے اس کے غم و غصہ کو۔ اور اسی طرح ہم نے اتارا ہے اس کتاب کو روشن دلیلوں کے ساتھ۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ جو شخص یہ خیال کیے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں حضرت محمد ﷺ کی مدد نہیں کرے گا، اسے چاہیے کہ وہ رسی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال کر چھت سے لٹک جائے اور پھر رسی کو کاٹ کر مر جائے۔ مجاہد، عکرمہ، عطا، ابوالجوزاء، قتادہ اور دیگر حضرات کا بھی یہی قول ہے۔ عبدالرحمن بن زید اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ یہ آسمان تک پہنچنے کیلئے رسی کے ساتھ لٹک جائے کیونکہ حضور ﷺ کے پاس نصرت الٰہی کی آمد آسمان سے ہی ہوتی ہے، پھر اگر اس کے بس میں ہو تو اس مدد کو کاٹ ڈالے لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول لغوی لحاظ سے اور اس کافر کا تمسخر اڑانے کیلئے زیادہ موزوں ہے۔ اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 125

صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ، اپنے دین اور اپنی کتاب کی مدد کرنے والا ہے، اگر اس کافر کو یہ بات ناقابل برداشت ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے غضب کو فرو کرنے کیلئے خود کو قتل کر لے، اللہ تعالیٰ تو ہر صورت میں اپنے رسول ﷺ کا مددگار ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المومن: 51) ''بے شک ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی مدد کرتے ہیں اس دنیاوی زندگی میں بھی اور اس دن بھی جب گواہ (گواہی کیلئے) کھڑے ہوں گے''۔ اس لئے فرمایا: فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ سدی کہتے ہیں کہ وہ دیکھے کیا اس کی تدبیر شان مصطفی ﷺ کو ختم کر سکتی ہے، عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ وہ دیکھے کیا اس کی تدبیر اس کے سینے میں بھڑکنے والی آتش غضب کو بجھا سکتی ہے، اس کے بعد فرمایا: وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ یعنی ہم نے قرآن کریم کو ایسی آیات کیساتھ اتارا ہے جو لفظی و معنوی لحاظ سے واضح اور لوگوں پر حجت ہیں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ وہ کسی کو گمراہ کرے یا کسی کو ہدایت دے، یہ اس کی مشیت پر موقوف ہے، ہر ایک چیز میں اس کی حکمت کارفرما ہے۔ اس سے کسی کام کے متعلق باز پرس نہیں کی جا سکتی جبکہ لوگوں سے باز پرس ہوگی۔ وہ اپنی حکمت، رحمت، عدل، علم، قہر اور عظمت کے پیش نظر اس بات کا سزاوار ہے کہ ہر ایک سے حساب لے۔ اس کے حکم کو کوئی مسترد نہیں کر سکتا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـِٕيْنَ وَ النَّصٰرٰى وَ الْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑰

''بے شک اہل ایمان، یہودی، ستارہ پرست، عیسائی، آتش پرست اور مشرک۔ ضرور فیصلہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ان (گروہوں) کے درمیان قیامت کے دن۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے''۔

اللہ تعالیٰ مومنین اور دیگر اہل ادیان یہود، ستارہ پرستوں، نصاریٰ، آتش پرستوں اور مشرکین کے متعلق خبر دے رہا ہے کہ وہ قیامت کے دن ان سب کے درمیان عدل وانصاف سے فیصلہ فرمائے گا، اہل ایمان کو جنت میں اور اہل کفر کو دوزخ میں داخل کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے افعال کا مشاہدہ فرما رہا ہے اور ان کے اقوال اور دل کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے۔ ''صابئین'' کا بیان اور ان کے بارے میں اختلاف کا ذکر سورۂ بقرہ میں ہو چکا ہے (1)۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَ كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَ مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ⑱

''کیا تم ملاحظہ نہیں کر رہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے نیز آفتاب، مہتاب، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان بھی (اس کو سجدہ کرتے ہیں) اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے۔ اور (دیکھو) جس کو ذلیل کر دے اللہ تعالیٰ تو کوئی اسے عزت دینے والا نہیں ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے''۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 62

صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی مستحق عبادت ہے کیونکہ ہر چیز اس کی عظمت کے سامنے چاروناچار سرافگندہ اور سجدہ کر رہی ہے۔ ہر چیز کا سجدہ اس کی اپنی نوعیت اور ہیئت کے مطابق ہے جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ (الحج: 18) یعنی آسمان کے کونے کونے میں فرشتے اور زمین کی ہر جہت میں جاندار یعنی انسان، جن، چوپائے اور پرندے۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ (النحل: 48) ''کیا انہوں نے ان اشیاء کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ نے پیدا کیں کہ ان کے سائے دائیں اور بائیں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے بدلتے رہتے ہیں اس حال میں کہ وہ اظہار عجز کرتے ہیں''، وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل: 44) ''اور کوئی بھی چیز نہیں مگر وہ اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرتی ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند اور ستاروں کا نام لے کر اس لیے ذکر کیا ہے کہ بعض لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں، ان پر واضح کر دیا کہ یہ بذات خود اپنے خالق کے حضور سربسجود ہیں اور اس کے حکم کے پابند ہیں، اس لیے یہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں، فرمایا: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ (حم السجدۃ: 37) ''سجدہ نہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا فرمایا''۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟'' میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ عرش تلے سجدہ کرنے چلا جاتا ہے، پھر اجازت طلب کرتا ہے۔ وہ وقت آنے والا ہے جب اسے حکم ہوگا کہ اسی جگہ لوٹ جا جہاں سے آیا ہے''(1)۔ حدیث کسوف (گرہن والی حدیث) میں ہے: ''سورج اور چاند اللہ کی مخلوق ہیں، انہیں نہ کسی کی موت پر گرہن لگتا ہے اور نہ کسی کی پیدائش پر بلکہ اللہ تعالیٰ جب اپنی مخلوق میں سے کسی چیز پر تجلی فرماتا ہے تو وہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی ہے''(2)۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ سورج، چاند اور ستارے جب غروب ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں، جب تک انہیں واپس کی اجازت نہ ملے وہ سجدہ میں ہی رہتے ہیں، پھر اجازت ملنے پر وہ دائیں طرف سے ہو کر اپنے مطلع کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ پہاڑوں اور درختوں کا سجدہ ان کے سائے کا دائیں بائیں پڑنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! آج میں نے خواب میں دیکھا گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں جب میں نے سجدہ کیا تو درخت نے بھی سجدہ کیا اور میں نے اسے سجدہ میں یہ کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! اس سجدہ کے بدلہ میں میرے لیے اپنے ہاں اجر لکھ لے، اس کے باعث میرے گناہ معاف فرما دے، اسے میرے لیے اپنے پاس ذخیرۂ آخرت بنا دے اور میرا یہ سجدہ قبول فرما جس طرح تو نے اپنے بندے داؤد علیہ السلام کا سجدہ قبول فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے آیت سجدہ پڑھی اور دوران سجدہ یہی دعا پڑھی جو درخت کے متعلق اس شخص نے بتائی تھی(3)۔ ''الدواب'' سے مراد تمام حیوانات ہیں۔ یہ بھی سجدہ کرتے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے جانوروں کی پشتوں کو منبر نہ بنا لیا کرو کیونکہ بعض سواریاں اپنے سوار سے زیادہ اچھی اور زیادہ ذکر کرنے والی ہوتی ہیں''(4)۔ اسی طرح اکثر انسان بھی برضا و رغبت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو تکبر کرتے ہیں اور عبادتِ الٰہی سے منہ موڑے رہتے ہیں، ایسے لوگوں پر عذاب یقینی ہے۔ پھر فرمایا: وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ ... ابن ابی حاتم میں

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 131۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 139

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 306۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 267 وغیرہ

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب السفر، جلد 3 صفحہ 60۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ 334

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 27

ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہاں ایک شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت کا منکر ہے۔ آپ نے اسے فرمایا: اے شخص، یہ بتا اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنی مرضی سے پیدا کیا ہے یا تیری مرضی سے؟ کہا کہ جیسے اس کی مشیت تھی۔ پھر آپ نے پوچھا کہ وہ تمہیں اپنی مشیت سے بیمار کرتا ہے یا تیری مشیت سے؟ کہا کہ جب اس کی مشیت ہو۔ پھر آپ نے پوچھا کہ جب وہ تمہیں شفا دیتا ہے تو اپنے ارادے سے دیتا ہے یا تیرے ارادے سے؟ کہا کہ جب اس کا ارادہ ہو۔ آپ نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے کہیں لے جائے تو تیری مرضی سے یا جو اس کی اپنی مرضی ہوگی؟ اس نے کہا کہ جیسے اس کی مرضی ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو اس کے برعکس جواب دیتا تو میں تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب انسان آیت سجدہ پڑھتا ہے تو شیطان الگ تھلگ ہو کر رونے لگتا ہے اور کہتا ہے: ہائے افسوس! ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کیا اور جنت حاصل کر لی۔ مجھے سجدہ کا حکم ہوا تو میں نے انکار کر دیا اور جہنمی ہو گیا" (2)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا سورۂ حج کو دو سجدوں کی وجہ سے باقی قرآن پر فضیلت ملی؟ آپ نے فرمایا: "ہاں اور جو شخص یہ دونوں سجدے نہ کرے، اسے چاہیے کہ وہ ان کی تلاوت ہی نہ کرے" (3)۔ ابو جہم کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر سورۂ حج کی تلاوت کی اور دو سجدے کیے۔ پھر فرمایا کہ اس سورت کو دو سجدوں کے باعث فضیلت ملی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے قرآن کریم میں پندرہ سجدے پڑھائے، ان میں سے تین مفصل میں اور دو سورۂ حج میں (4)۔ یہ روایات ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔

هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ يُصَبُّ
مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿٢٠﴾ وَلَهُم مَّقَامِعُ مِنْ
حَدِيدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ
الْحَرِيقِ ﴿٢٢﴾

"یہ دو فریق ہیں جو جھگڑ رہے ہیں اپنے رب کے بارے میں۔ تو وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا تیار کر دیے گئے ہیں ان کے لیے کپڑے آتش (جہنم) سے انڈیلا جائے گا ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی۔ گل جائے گا اس کھولتے پانی سے جو کچھ ان کے شکموں میں ہے اور ان کی چمڑیاں بھی گل جائیں گی۔ اور ان (کو مارنے) کے لیے گرز ہوں گے لوہے کے۔ جب بھی ارادہ کریں گے اس سے نکلنے کا فرط رنج والم کے باعث تو انہیں لوٹا دیا جائیگا اس میں۔ اور (کہا جائے گا) کہ چکھو جلتی ہوئی آگ کا عذاب"۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ آیت هَٰذَانِ خَصْمَانِ ..... حضرات حمزہ، عبیدہ، علی رضی اللہ عنہم اور بدر کے دن ان کے مقابلہ میں آنے والے کفار عتبہ، شیبہ اور ولید کے بارے میں نازل ہوئی (5)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ قیامت کے

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 18

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 87

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 58، عارضۃ الاحوذی، ابواب السفر، جلد 3 صفحہ 59

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 58، سنن ابن ماجہ کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 335

5۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ حج، جلد 6 صفحہ 117، صحیح مسلم، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 2323

دور میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی حجت پیش کرنے کیلئے دوزانو ہو کر بیٹھ جاؤں گا۔ حضرت قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ انہی کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے میدان بدر میں ایک دوسرے کو دعوت مبارزت دی یعنی مسلمانوں کی طرف سے حضرات علی، حمزہ اور عبیدہ رضی اللہ عنہم اور کفار کی طرف سے شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ (1)۔ حضرت قتادہ اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان جھگڑا ہو گیا، اہل کتاب کہنے لگے کہ چونکہ ہمارا نبی تمہارے نبی سے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے اس لئے ہم تمہاری نسبت اللہ کے زیادہ قریب ہیں۔ مسلمان کہنے لگے کہ ہماری کتاب تمام کتابوں کا فیصلہ کرتی ہیں اور ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اس لئے ہم تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ان پر غلبہ عطا کرتے ہوئے فرمایا: هٰذٰنِ خَصْمٰنِ (2)۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے دو گروہ ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مومن اور کافر کی مثال بیان ہوئی ہے جن کا قیامت کے متعلق اختلاف تھا۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مومن اور کافر ہیں۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دو جھگڑنے والے جنت اور دوزخ ہیں۔ دوزخ کا کہنا تھا کہ مجھے محل عقوبت بنا اور جنت کا تقاضا تھا کہ مجھے محل رحمت بنا۔ (3) مجاہد اور عطاء کا یہ قول کہ اس سے مراد کافر اور مومن ہیں، ان تمام اقوال کو شامل ہے اور واقعہ بدر اور اس قسم کا کوئی اور واقعہ بھی اس کے ضمن میں آ سکتا ہے کیونکہ مومنین دین الٰہی کے غلبہ کے خواہاں تھے اور کفار اس کوشش میں تھے کہ وہ نور ایمان کو بجھا دیں، حق کو شکست دے دیں اور باطل کو غالب کر دیں۔ ابن جریر کا پسندیدہ قول یہی ہے یہ واقعی بہت اچھا ہے۔ اس لئے فرمایا: فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ یعنی کافروں کیلئے آتش جہنم کے ٹکڑے تیار کیے گئے ہیں۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ان کیلئے تانبے کے کپڑے تیار ہیں جو گرم کرنے پر بہت زیادہ گرم ہوتا ہے۔ مزید فرمایا: يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ یعنی ان کے اوپر کھولتا ہوا گرم پانی انڈیلا جائے گا جس سے ان کے پیٹ کے اندر کی چربی اور انتڑیاں اور ان کی چمڑیاں بھی پگھل جائیں گی۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ان پر پگھلا ہوا تانبا انڈیلا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی چمڑیاں نیچے گر پڑیں گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا تو وہ ان کی کھوپڑیوں کو پار کرتا ہوا اور ان کے پیٹ سے ہوتا ہوا قدموں تک پہنچ جائے گا، پھر جیسے تھے ویسے ہو جائیں گے'' (4)۔ عبد اللہ بن سری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتہ کافر کے پاس کھولتے ہوئے پانی کا برتن دونوں کنڈوں سے پکڑ کر لائے گا جب وہ برتن اس کے منہ کے قریب کرے گا تو وہ کراہت سے منہ پھیر لے گا، فرشتہ کے پاس گرز ہو گا، وہ اس کے سر پر گرز کی ضرب لگا کر پھاڑ دے گا پھر برتن اس کے دماغ میں انڈیل دے گا، وہ پانی دماغ سے اس کے پیٹ میں پہنچ جائے گا، یہی مطلب اس فرمان يُصْهَرُ بِهٖ کا ہے (5)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ ایک آہنی گرز زمین پر رکھ دیا جائے گا تو جن و انس سب مل کر بھی اسے زمین سے نہیں اٹھا سکتے'' (6)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ گرز کسی پہاڑ پر مار دیا جائے تو ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اس کی ضرب سے جہنمی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے گا۔ جہنمیوں کو پلائی

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الحج، جلد 6 صفحہ 127
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 20
3۔ تفسیر طبری، جلد 17، صفحہ 133-132، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 20
4۔ جامع ترمذی، ابواب صفۃ جہنم، جلد 10 صفحہ 51-50
5۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 21
6۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 29

جانے والی پیپ کا ایک ڈول اگر دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام اہل دنیا کا بدبو کے باعث جینا دوبھر ہو جائے"(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنمیوں کو یہ آہنی گرز مارے جائیں گے تو ایک ایک عضو الگ ہو کر ان کے سامنے گرے گا اس وقت یہ موت کی تمنا کریں گے(2)۔ جب بھی یہ فرط رنج والم سے آتش جہنم سے نکلنا چاہیں گے تو انہیں اس میں لوٹا دیا جائے گا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آتش جہنم نہایت سیاہ اور تاریک ہے، نہ اس میں شعلہ بھڑکتا ہے اور نہ انگارہ دہکتا ہے، پھر انہوں نے اس آیت كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا ... کی تلاوت کی(3)۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ جہنمی جہنم میں سانس نہیں لے سکیں گے۔ حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! انہیں جہنم سے نکلنے کی کوئی امید ہی نہ رہے گی کیونکہ ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں گے، البتہ یہ ہوگا کہ آگ کے شعلے انہیں اونچا لے جائیں گے لیکن فرشتوں کے گرز کھا کر پھر نیچے آ جائیں گے(4)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ... اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (السجدۃ:20)" اور انہیں کہا جائے گا کہ آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے"۔ مطلب یہ کہ انہیں زبانی اور عملی دونوں قسم کے عذاب دے کر ذلیل و رسوا کیا جائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿23﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ښ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿24﴾

"یقیناً اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان بھی لے آئے اور عمل بھی نیک کرتے رہے جنتوں میں، بہتی ہیں جن کے نیچے ندیاں انہیں پہنائے جائیں گے جنت میں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار۔ اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی اور ان کی رہنمائی کی گئی تھی پاکیزہ قول کی طرف۔ اور دکھایا گیا تھا انہیں راستہ اللہ تعالیٰ کا جو تعریف کیا گیا ہے"۔

قبل ازیں اہل جہنم، ان کے عبرتناک عذاب اور ان کیلئے تیار شدہ طوق و زنجیر اور آگ کے لباس کا ذکر ہوا اب اہل جنت کا حال بیان ہو رہا ہے، فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ ۔ یعنی جنت کے ہر طرف اور اس کے درختوں اور محلات کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، اہل جنت جس طرح چاہیں گے ان کا رخ پھیر دیں گے، انہیں جنت میں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "مومن کو وہاں تک زیور پہنایا جائے جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے"(5)۔ حضرت کعب الاحبار کہتے ہیں کہ جنت میں ایک فرشتہ ہے اگر میں اس کا نام لینا چاہوں تو اس کا نام بھی مجھے معلوم ہے۔ وہ اپنی پیدائش سے اہل جنت کیلئے زیور بنا رہا ہے اور قیامت تک وہ اسی کام میں مشغول رہے گا۔ اگر جنت کا ایک کنگن ظاہر ہو جائے تو سورج کی روشنی اس طرح ختم ہو جائے جس طرح اس کے سامنے چاند کا نور جاتا رہتا ہے۔ دوزخیوں کے کپڑوں کے مقابلہ میں جنتیوں کو ریشم کی پوشاکیں پہنائی جائیں گی جیسا کہ فرمایا: عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۡ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿21﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاۗءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا (الدھر:21-22)" ان کے اوپر باریک سبز ریشم اور اطلس کا لباس ہوگا اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب انہیں

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 83
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 21
3۔ مستدرک حاکم تفسیر سورۂ حج، جلد 2 صفحہ 387، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 22 تفسیر طبری جلد 17 صفحہ 135
4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 238
5۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 219، سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 93 وغیرہ

نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔ (انہیں کہا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش مقبول ہوئیں"۔ حدیث صحیح میں آتا ہے: "تم ریشم مت پہنو کیونکہ جس نے اسے دنیا میں پہن لیا وہ اسے آخرت میں نہیں پہن سکے گا" (1)۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص آخرت میں ریشمی لباس سے محروم رہا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ (2)۔ اگلی آیت میں فرمان ہے: وَهُدُوٓا۔ جیسا کہ فرمایا: وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ (ابراہیم: 23)۔ "اور داخل کیا جائے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں ایک دوسرے کو ان کی دعا یہ ہوگی کہ تم سلامت رہو"، وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ ۞ سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ ۚ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد: 24-23) "اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے (یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے کہ تم پر سلامتی ہو بوجہ اس کے جو تم نے صبر کیا، پس کیا عمدہ ہے آخرت کا گھر"، لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۞ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا (الواقعہ: 26-25) "نہ سنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں، بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی"۔ وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا (الفرقان: 75) "اور وہاں سلام اور دعا سے ان کا استقبال کیا جائے گا"۔ ان کے برعکس دوزخیوں کو خوب ذلیل کیا جائے گا اور انہیں زجر و توبیخ اور سرزنش کرتے ہوئے کہا جائے گا: "ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَهُدُوٓا إِلَىٰ صِرَاطِ الْحَمِيدِ یعنی انہیں ایسی جگہ کی راہ دکھائی جائے گی جہاں وہ اپنے رب کے احسانات اور انعامات پر اس کی حمد و ثناء کریں گے جیسا کہ حدیث صحیح میں آتا ہے۔ "جنتیوں کو تسبیح و تحمید کا اس طرح الہام ہوگا جیسے بلاقصد سانس آتا ہے" (3)۔ بعض مفسرین نے قول طیب سے مراد قرآن کریم لیا ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور بعض کے ہاں اذکار مشروعہ ہیں۔ صراط حمید سے مراد دنیا میں راہ راست ہے۔ یہ معانی ہماری بیان کردہ تفسیر کے منافی نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۚ وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۞

"بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور (دوسروں کو) روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے جسے ہم نے (بلا امتیاز) سب لوگوں کے لئے (مرکز ہدایت) بنایا ہے یکساں ہیں اس میں وہاں کے رہنے والے اور پردیسی۔ اور جو ارادہ کرے اس میں زیادتی کا ناحق تو ہم اسے چکھائیں گے دردناک عذاب"۔

اللہ تعالیٰ کفار کی ہٹ دھرمی اور ان کی اس روش پر اظہار ناپسندگی کر رہا ہے کہ وہ اہل ایمان کو مسجد حرام جانے اور وہاں مناسک ادا کرنے سے روکتے ہیں اور اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہی اس کے متولی ہیں حالانکہ اس کے متولی تو متقی بندے ہیں۔ یہ آیت کریمہ اپنے مدنی ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ (البقرۃ: 217) "وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ماہ حرام میں جنگ کرنے

1۔ فتح الباری، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 284، صحیح مسلم، جلد 3 صفحہ 1637

2۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب الصلوٰۃ جلد 2 صفحہ 422، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 23 وغیرہ

3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2181-2180، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 249

کا کیا حکم ہے۔ آپ فرمائیے کہ اس میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روک دینا اور اس میں بسنے والوں کو اس سے نکال دینا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے"۔ اور یہاں فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یعنی یہ بدبخت کفر کا ارتکاب کرنے کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کو راہ خدا اور مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ حقیقت میں اہل ایمان ہی مسجد حرام کے حقدار ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ترتیب ایسے ہے جیسا کہ اس آیت میں: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد: 28) "جو لوگ ایمان لائے اور جن کے دل ذکر الٰہی سے مطمئن ہوتے ہیں، سنو! اللہ کی یاد سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں"۔ یعنی اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ یاد الٰہی سے ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ فرمایا: الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ یعنی یہ لوگوں کو مسجد حرام تک پہنچنے سے منع کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے سب کیلئے یکساں طور پر مرکز ہدایت بنایا ہے خواہ کوئی مقیم ہو یا غریب الدیار مسافر۔ مکہ کے رہنے والے اور باہر والے بھی مسجد حرام میں اتر سکتے ہیں(1)۔ مجاہد، ابو صالح، عبدالرحمٰن بن سابط اور عبدالرحمٰن بن زید اس فرمان سَوَآءَ الْعَاكِفُ... کے متعلق یہی کہتے ہیں کہ مکی اور غیر مکی یہاں کی رہائش گاہوں میں یکساں حقوق رکھتے ہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اسحاق بن راہویہ کا مسجد خیف میں اختلاف ہو گیا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں موجود تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف تھا کہ مکہ شریف کے مکانات ملکیت میں لائے جا سکتے ہیں، انہیں وراثت میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور انہیں کرائے پر بھی دیا جا سکتا ہے۔ اپنے موقف کی تائید میں انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے استدلال کیا جس میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کل آپ مکہ میں اپنے گھر میں قیام کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "عقیل نے ہمارے لیے کون سا مکان چھوڑا ہے"، پھر فرمایا: "کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا"(2)۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کا گھر چار ہزار درہم میں خرید کر اسے قید خانہ بنوا دیا۔ یہی مسلک طاؤس اور عمرو بن دینار کا ہے جبکہ اسحاق بن راہویہ کا موقف یہ تھا کہ مکہ کے مکانات نہ وراثت میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں اور نہ انہیں کرائے پر دیا جا سکتا ہے۔ سلف کی ایک جماعت، مجاہد اور عطاء کا بھی یہی قول ہے۔ اس کی دلیل حضرت علقمہ بن نضلہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں مکہ کے مکانات یونہی آزاد اور غیر مملوک تھے۔ جسے ضرورت ہوتی وہ رہائش کر لیتا اور اگر ضرورت نہ ہوتی تو کسی اور کی رہائش کیلئے چھوڑ دیتے(3)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مکہ شریف کے گھروں کو نہ بیچنا جائز ہے اور نہ کرائے پر دینا۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ بھی حرم شریف کے مکانات کو کرائے پر دینے کی ممانعت کے قائل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ شریف کے گھروں کے دروازے بنانے سے منع کیا کرتے تھے کیونکہ حجاج ان کے صحنوں میں ٹھہرا کرتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت سہیل بن عمرو نے اپنے گھر کا دروازہ بنوایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بلا بھیجا۔ وہ کہنے لگے: اے امیر المومنین! میں معذرت خواہ ہوں، دراصل میں تاجر ہوں، میں نے اپنے جانوروں کو یہاں رکھنے کی غرض سے دو دروازے بنوائے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا کہ پھر تمہیں اس کی اجازت ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اہل مکہ! اپنے گھروں کے دروازے نہ رکھو تاکہ غریب الدیار مسافر جہاں چاہیں ٹھہر سکیں۔ عطاء فرماتے ہیں کہ مکہ والے اور باہر سے آنے

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 137
2۔ فتح الباری، کتاب الحج، جلد 3 صفحہ 450، صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 984
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، جلد 2 صفحہ 1037

والے جہاں چاہیں رہائش اختیار کریں۔(1) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ جس نے مکہ کے گھروں کا کرایہ کھایا، اس نے آگ کھائی۔ امام احمد رضی اللہ عنہ نے فریقین کے دلائل کو جمع کرتے ہوئے درمیانی راہ اختیار کی ہے، ان کا مسلک یہ ہے کہ مکہ کے مکانات کی ملکیت اور وراثت تو جائز ہے لیکن انہیں کرائے پر دینا ناجائز ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ...... بعض مفسرین نے ''بالحاد'' میں باء کو زائدہ قرار دیا ہے جیسا کہ ''تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ'' میں۔ سب سے عمدہ توجیہ یہ ہے کہ یہاں فعل اپنے ضمن میں ''يَهُمَّ'' کا معنی لیے ہوئے ہے، اس لیے باء کے ساتھ متعدی ہوا ہے۔ ''الحاد'' سے مراد کبیرہ قبیح گناہ ہیں۔ ''بِظُلْمٍ'' سے مراد ہے دانستہ اور قصداً، نہ کہ تاویل کی رو سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ظلم بمعنی شرک بھی منقول ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ظلم سے مراد غیر اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ظلم کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ حرم شریف میں اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھ لینا مثلاً گناہ، بدسلوکی اور قتل(2)۔ حرم شریف کی یہ خصوصیت ہے کہ اگر کوئی اجنبی بھی یہاں برے کام کا عزم کرے تو اسے سزا ہوگی اگرچہ وہ اس کا مرتکب نہ بھی ہوا ہو جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص عدن میں ہو اور حرم شریف کے الحاد کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ دردناک عذاب کا ذائقہ چکھائے گا(3)۔ حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو مرفوع بیان نہیں کرتے۔ اس کا موقوف ہونا مرفوع ہونے کی نسبت زیادہ بہتر ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صرف برائی کا ارادہ کرے تو وہ اس پر نہیں لکھی جاتی لیکن اگر کوئی شخص عدن میں بھی بیٹھ کر بیت اللہ شریف کے کسی آدمی کے قتل کا منصوبہ بنائے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے دردناک عذاب کا ذائقہ چکھائے گا۔ ضحاک بن مزاحم کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یہاں قسمیں اٹھانا بھی الحاد ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں اپنے خادم کو گالی دینا بلکہ اس سے بھی کمتر چیز ظلم میں داخل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں کسی امیر کا تجارت کرنا الحاد و ظلم ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مکہ میں اناج بیچنا الحاد ہے۔ حضرت حبیب بن ابی ثابت کا قول ہے کہ مکہ میں ذخیرہ کرنا الحاد ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مکہ میں اناج ذخیرہ کرنا الحاد ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ فرمان وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ..... عبداللہ بن انیس کے بارے میں نازل ہوا، رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک مہاجر اور ایک انصاری کے ساتھ بھیجا تھا۔ یہ تینوں اپنے اپنے نسب پر فخر کرنے لگے۔ عبداللہ بن انیس نے غصہ میں آ کر انصاری کو قتل کر دیا۔ پھر مرتد ہو گیا اور مکہ کی طرف بھاگ گیا۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جس شخص نے اسلام سے روگردانی کر کے حرم میں پناہ لے لی، اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھایا جائے گا۔ یہ آثار اگرچہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ سب چیزیں الحاد میں شامل ہیں لیکن دراصل یہ لفظ عام ہے۔ یہ نہ صرف ان اشیاء کو شامل ہے بلکہ اس میں ان سے بھی بڑی چیز کے متعلق تنبیہ موجود ہے کہ جب ہاتھی والوں نے بیت اللہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندوں کے غول کے غول بھیجے جنہوں نے ان پر کنکریاں برسا کر انہیں نیست و نابود کر دیا اور بیت اللہ کے متعلق ہر بری نیت رکھنے والے کیلئے انہیں عبرت کا سامان بنا دیا۔ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک لشکر بیت اللہ پر حملہ کرنے کی غرض سے آئے گا جب وہ وسیع میدان میں پہنچیں گے تو ان کے اگلے پچھلے سبھی زمین میں دھنسا دیے جائیں گے''(4)۔ حضرت

1۔ مصنف عبدالرزاق، باب الکراء فی الحرم، جلد 5 صفحہ 147-149، سنن دارقطنی، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 57

2۔ مذکورہ آثار دیکھیے تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 140-141 3۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 387-388، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 428

4۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 86، صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 2209

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ حرم شریف میں الحاد سے بچیں کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''یہاں ایک قریشی الحاد کرے گا، اگر اس کے گناہوں کا تمام جن وانس کے گناہوں سے وزن کیا جائے تو بھی بڑھ جائیں''، اس لئے خیال رکھنا، وہی شخص نہ بن جانا(1)۔

وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْــٴًـا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْقَآىٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴿۲۶﴾ وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ﴿۲۷﴾

''اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کردی ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس گھر (کے تعمیر کرنے) کی جگہ اور حکم دیا کہ شریک نہ ٹھہرانا میرے ساتھ کسی چیز کو اور صاف ستھرا رکھنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے۔ اور اعلان عام کردو لوگوں میں حج کا وہ آئیں گے آپ کے پاس پاپیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر سوار ہوکر جو آتی ہیں ہر دور دراز راستہ سے''۔

غیر اللہ کی عبادت کرنے والے اور شرک کا ارتکاب کرنے والے قریش کو اس بات پر سرزنش اور جزوتوبیخ کی جارہی ہے کہ انہوں نے بیت اللہ میں شرک کو رواج دے رکھا ہے حالانکہ اول دن سے ہی اس کی بنیاد اللہ وحدہ لاشریک کی توحید اور عبادت پر رکھی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے اپنے گھر کی جگہ کا تعین کیا اور انہیں اس کی تعمیر کی اجازت عطا فرمائی۔ اس آیت سے ان بہت سے حضرات نے استدلال کیا ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ بیت اللہ شریف کے پہلے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسجد حرام''، میں نے عرض کی کہ پھر کونسی؟ فرمایا: ''بیت المقدس''۔ میں نے عرض کی کہ ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ فرمایا: ''چالیس سال''(2)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ (آل عمران: 96) ''بے شک (عبادت) خانہ جو لوگوں کیلئے بنایا گیا ہے وہی ہے جو مکہ میں ہے بڑی برکت والا، سب جہانوں کیلئے سرچشمہ ہدایت''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (البقرۃ: 125) ''اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کو تاکید کردی کہ میرا گھر خوب صاف ستھرا رکھنا طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے''۔ بیت اللہ شریف کی تعمیر کا تفصیلی ذکر ہم پہلے کرچکے ہیں جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ یہاں فرمایا: اَنْ لَّا تُشْرِكْ ... یعنی اسے صرف میرے نام پر تعمیر کرنا، میرے اس گھر کو شرک سے پاک رکھنا اور اسے ان کیلئے خاص کردینا جو موحد ہیں۔ طواف ایسی عبادت ہے جو بیت اللہ کے ساتھ خاص ہے، اسے کسی اور جگہ ادا نہیں کیا جاسکتا۔ ''قائمین'' کا مطلب ہے نماز میں قیام کرنے والے، اس لئے فرمایا: وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ طواف کو نماز کے ساتھ ملا کر ذکر کیا کیونکہ یہ دونوں عبادات بیت اللہ کے ساتھ خاص ہیں۔ بیت اللہ کے اردگرد طواف کیا جاتا ہے اور یہی نماز کا قبلہ ہے سوائے چند مستثنیات کے یعنی جب قبلہ انسان پر مشتبہ ہوجائے، یا دوران جہاد یا دوران سفر نفلی نماز میں۔ ان حالات میں اگر رخ قبلہ کی طرف نہ ہو تو بھی نماز ہوجائے گی۔ اس کے بعد فرمایا: وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یعنی اس گھر کے حج کا اعلان عام کردیں جس کی تعمیر

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 136-219
2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 370، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 150

کا حکم ہم نے تمہیں دیا تھا۔ مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! میری آواز لوگوں تک کیسے پہنچے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اعلان کریں، آواز کو پہنچانا میرے ذمے ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے بقول بعض مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بعض کہتے ہیں کہ صفا پہاڑی پر اور بعض کے نزدیک جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر فرمایا: اے لوگو! تمہارے پروردگار نے اپنا ایک گھر بنایا ہے اس کا حج کرو۔ کہا جاتا ہے کہ اس اعلان پر پہاڑ جھک گئے یہاں تک کہ آپ کی آواز زمین کے کونے کونے میں پہنچ گئی اور جو ماں کے رحم میں اور باپ کی پشت میں تھے، انہوں نے بھی اس آواز کو سن لیا، ہر درخت، پتھر، ڈھیلے اور اس شخص نے جس کے مقدر میں حج کرنا لکھا تھا، "لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ" پکار کر جواب دیا حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور دیگر متعدد سلف سے یہ منقول ہے(1)۔ اس کے بعد فرمایا: يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ اس سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ جس شخص کو قدرت حاصل ہو، اس کا پیدل حج کرنا سواری پر حج کرنے سے افضل ہے کیونکہ پہلے پیدل سفر کرنے والوں کا ذکر ہوا ہے جو ان کی خصوصی اہمیت، غیر معمولی ہمت اور عزم صمیم کی دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری یہ تمنا باقی رہ گئی ہے کہ کاش میں پیدل حج کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَأْتُوكَ رِجَالًا لیکن اکثر علماء کا موقف ہے کہ سواری پر حج کرنا افضل ہے۔ آیت کریمہ میں لفظ "فج" سے مراد رستہ ہے جیسا کہ فرمایا: وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا (الانبیاء: 31) "اور ہم نے ان پہاڑوں میں کشادہ راہیں بنادیں" اور عمیق کا معنی ہے بعید اور دور دراز۔ یہ آیت حضرت ابراہیم کی اس دعا کی طرح ہے۔ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ (ابراہیم: 37) "پس کردے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں"۔ کوئی بھی ایسا مسلمان نہیں ہے جو زیارت کعبہ کا مشتاق نہ ہو اور اس کے دل میں طواف کی تڑپ نہ ہو۔ زمین کے کونے کونے سے لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔

لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾

"(اعلان کیجئے) تاکہ وہ حاضر ہوں اپنے (دینی و دنیوی) فائدوں کے لئے اور ذکر کریں اللہ تعالیٰ کے نام کا مقررہ دنوں میں ان بے زبان چوپایوں پر (ذبح کے وقت) جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔ پس خود بھی کھاؤ ان سے اور کھلاؤ مصیبت زدہ محتاج کو پھر چاہئے کہ دور کریں اپنی میل کچیل اور پوری کریں اپنی نذریں اور طواف کریں ایسے گھر کا جو بہت قدیم ہے"۔

منافع سے مراد دنیا و آخرت کے فوائد ہیں۔ اخروی منفعت رضائے الٰہی کا حصول ہے اور دنیاوی منفعت وہ ہے جو تجارت وغیرہ سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ (البقرة: 198) "تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم (حج کے ساتھ ساتھ) اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو"۔ ایام معلومات (مقررہ) سے مراد ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہے۔ حضرت ابن عباس، ابوموسیٰ اشعری، مجاہد، قتادہ، عطاء، سعید بن جبیر، حسن، ضحاک، عطاء خراسانی اور ابراہیم نخعی کا یہی قول ہے۔ امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے اور امام احمد بن حنبل کا بھی مشہور مذہب یہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "باقی دنوں کا عمل ان دنوں

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 388-389، سنن بیہقی، کتاب الحج، جلد 5 صفحہ 176 وغیرہ

کے عمل سے افضل نہیں"۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ جہاد بھی نہیں؟ فرمایا: جہاد بھی نہیں سوائے اس مجاہد کے جس نے اپنی جان اور اپنا مال سب کچھ راہ خدا میں نثار کر دیا اور کوئی چیز بھی نہ بچائی" (1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ہاں ان دس دنوں سے زیادہ کوئی دن عظیم نہیں اور نہ ہی ان دنوں کے عمل سے زیادہ باقی دنوں کا عمل زیادہ محبوب ہے، اس لیے ان میں تہلیل، تکبیر اور تحمید کی کثرت کیا کرو" (2)۔ حضرات ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما ان دس دنوں میں بازار میں نکل آتے اور تکبیریں کہتے۔ لوگ بھی ان کے ساتھ تکبیریں کہتے (3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی دس دنوں کی قسم اپنے اس فرمان میں اٹھائی ہے: وَالْفَجْرِ ۙ وَلَيَالٍ عَشْرٍ (4)۔ بعض سلف کا کہنا ہے کہ: وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ (الاعراف: 142) سے مراد بھی یہی دس دن ہیں۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس عشرہ کے روزے رکھا کرتے تھے (5)۔ ان دنوں میں عرفہ کا دن شامل ہے جس کے روزہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے گذشتہ اور آئندہ سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے (6) اور ان دنوں میں قربانی کا دن بھی شامل ہے جو حج اکبر کا دن ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ سب دنوں سے افضل ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ دس دن سال کے تمام دنوں سے افضل ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ بہت سے حضرات نے ان دس دنوں کو رمضان شریف کے آخری عشرہ پر فضیلت دی ہے کیونکہ نماز، روزہ، صدقہ اور دیگر عبادات جو رمضان شریف میں ہوتی ہیں، وہ سب ان دنوں میں بھی ادا کی جاتی ہیں اور حج کی امتیازی خصوصیت اس پر مستزاد ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ رمضان شریف کے آخری عشرہ کو ان دس ایام پر فوقیت اور فضیلت حاصل ہے کیونکہ اس میں شب قدر آتی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ دیگر حضرات نے فریقین کے دلائل کے درمیان تطبیق کرتے ہوئے اور درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ دس دن افضل ہیں اور رمضان کے آخری عشرہ کی راتیں افضل ہیں۔ "ایام معلومات" کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے مراد قربانی کا دن اور اس کے بعد کے تین دن ہیں۔ حضرات ابن عباس، ابن عمر اور ابراہیم نخعی سے یہی مروی ہے اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ان مقررہ دنوں سے مراد قربانی کا دن اور اس کے بعد کے دو دن ہیں اور "ایام معدودات" سے مراد قربانی کے دن کے بعد والے تین دن۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے (7)۔ سدی کا بھی یہی کہنا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی موقف ہے، اس کی اور اس سے پہلے قول کی تائید اس فرمان عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے مراد جانوروں کی قربانی کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہے۔ اس سلسلہ میں چوتھا قول یہ ہے کہ یہ مقررہ دن عرفہ کا دن، قربانی کا دن اور اس کے بعد کا ایک دن ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ حضرت اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دنوں سے مراد یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق ہیں۔ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ سے مراد اونٹ، گائے اور بکری ہیں جیسا کہ سورۂ انعام کی اس آیت ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (الانعام: 143) میں ان کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ پھر فرمایا: فَكُلُوْا مِنْهَا ... اس سے بعض حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ قربانی کا گوشت کھانا واجب ہے لیکن یہ قول غریب ہے۔ اکثر علماء کا مسلک یہ ہے کہ یہ رخصت ہے یا استحباب جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب قربانی کی تو آپ

1۔ صحیح بخاری، کتاب العیدین، جلد 2 صفحہ 24، سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، جلد 2 صفحہ 325 وغیرہ
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 75-131-132
3۔ صحیح بخاری، کتاب العیدین، جلد 2 صفحہ 24
4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 327
5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، جلد 2 صفحہ 325
6۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، جلد 2 صفحہ 818-819
7۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 38

نے حکم دیا کہ ہر اونٹ کے گوشت سے ایک ٹکڑا نکال کر پکایا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وہ گوشت کھایا اور اس کا شوربہ پیا(1)۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ قربانی کرنے والے اپنی قربانی کا گوشت کھائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَكُلُوا مِنْهَا حضرت لیث کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرکین اپنی قربانیوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ مسلمانوں کو اس کی اجازت دے دی گئی۔ جو چاہے کھالے اور جو نہ چاہے، نہ کھائے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ فرمان "فَكُلُوا مِنْهَا" اس فرمان کی طرح ہے: وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (المائدۃ: 2) "اور جب احرام کھول چکو تو شکار کر سکتے ہو"۔ اور اس فرمان کی طرح: فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ (الجمعہ: 10) "پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ" (2)۔ یعنی ان آیات میں بھی امر وجوب کیلئے نہیں بلکہ رخصت اور استحباب کیلئے ہے۔ امام ابن جریر کا پسندیدہ قول یہی ہے، بعض علماء کا خیال ہے کہ قربانی کے گوشت کے دو حصے کیے جائیں۔ نصف قربانی کرنے والے کیلئے اور باقی نصف فقراء کو صدقہ کر دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا .. ایک دوسرا قول یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے، ایک حصہ اپنے لئے رکھ لیا جائے ایک حصہ ہدیہ کر دیا جائے اور ایک صدقہ کر دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ (الحج: 36) اس کا مکمل بیان عنقریب ہوگا۔ حضرت عکرمہ کے بقول "البائس الفقیر" سے مراد وہ مجبور اور مصیبت زدہ انسان ہے جو ضرورت کے باوجود کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتا۔ مجاہد کے نزدیک بھی اس سے مراد وہ فقیر ہے جو کسی کے سامنے اپنا ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اپاہج ہے۔ مقاتل بن حیان کے بقول اس سے مراد نابینا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ احرام کھول دیں، سر منڈوالیں، کپڑے پہن لیں، ناخن کٹوا دیں وغیرہ(3)۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "تفث" سے مراد مناسک ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَ لْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ یعنی حج، قربانی اور حج کی دیگر نذریں پوری کر لیں۔ چنانچہ جو شخص حج کیلئے نکلا اس پر طواف بیت اللہ، صفا مروہ کے درمیان سعی، وقوف عرفہ و مزدلفہ، شیطانوں کو کنکریاں مارنا اور حج کے دیگر احکام بجالانا ضروری ہے۔ پھر فرمایا: وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ طواف ہے جو یوم نحر کو واجب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حج کا سب سے آخری عمل بیت عتیق کا طواف کرنا ہے(4)۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا۔ جب آپ یوم نحر (دسویں ذی الحجہ) کو منیٰ کی طرف لوٹے تو آپ نے سب سے پہلے رمی جمار کرتے ہوئے سات کنکریاں ماریں پھر آپ نے قربانی کی اور سر منڈوایا پھر واپس لوٹ کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کا آخری عمل طواف بیت اللہ ہے، البتہ حائضہ عورتوں کو تخفیف دی گئی ہے(5)۔ "البیت العتیق" کے لفظ سے بعض نے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ دوران طواف حطیم کو بھی طواف کے اندر شامل کرنا واجب ہے کیونکہ یہ بیت اللہ کی اس عمارت کا حصہ ہے جس کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی اگرچہ قریش نے اس کی تعمیر کے وقت اس حصہ کو اخراجات کی کمی کے باعث باہر چھوڑ دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حطیم کے پیچھے سے طواف کیا اور فرما دیا کہ یہ بیت اللہ شریف کا حصہ ہے۔ آپ ﷺ نے دونوں شامی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 892، سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، جلد 2 صفحہ 186

2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 148

3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 150

4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 42

5۔ فتح الباری، کتاب الحج، جلد 3 صفحہ 585، صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 963

رکنوں کو نہ ہاتھ لگایا اور نہ بوسہ دیا کیونکہ انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرانی بنیادوں پر مکمل نہیں کیا گیا۔ اس آیت وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے حطیم کے پیچھے سے طواف کیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ پہلا گھر ہے اس لئے اسے بیت عتیق کہا گیا۔ عکرمہ بیت اللہ کو عتیق کہنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ طوفان نوح میں سلامت رہا۔ خصیف اس کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ کوئی جابر اس پر غلبہ نہیں پاسکا۔ حضرت مجاہد بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ سرکشوں کی دست برد سے آزاد ہے کیونکہ جس نے بھی اس کے متعلق برا ارادہ کیا، وہ تباہ و برباد ہوا۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ سے ہی مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بیت عتیق نام اس لیے دیا گیا ہے کہ کوئی جابر اس پر غالب نہیں آسکا" (1)۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝31

"ان احکام کو یاد رکھو۔ اور جو شخص تعظیم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تو یہ بہتر ہے اس کے لئے اس کے رب کے ہاں۔ اور حلال کیے گئے تمہارے لئے جانور بجز ان کے جن کی حرمت پڑھی گئی تم پر پس پرہیز کرو بتوں کی نجاست سے اور بچو جھوٹی بات سے۔ یکسر مائل ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف، نہ شریک ٹھہراتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو اس کی حالت ایسی ہے گویا وہ گرا ہو آسمان سے پس اچک لیا ہو اسے کسی پرندے نے یا پھینک دیا ہو اسے ہوا نے کسی دور جگہ میں"۔

فرمایا کہ یہ تو تھے احکام حج اور ان کی بجا آوری کرنے والے کے اجر عظیم کا ذکر۔ اب سنو: وَمَنْ يُّعَظِّمْ یعنی جو شخص گناہوں اور حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرے، اس کیلئے اس کے رب کے ہاں خیر کثیر اور ثواب عظیم ہے۔ جس طرح اوامر کی بجا آوری اور نیکیوں کے کرنے پر ثواب ملتا ہے، اس طرح محرمات اور ممنوعہ چیزوں سے اجتناب پر بھی بہت زیادہ اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حج، عمرہ، مکہ اور تمام ممنوعہ چیزیں حرمات میں داخل ہیں۔ پھر فرمایا: وَاُحِلَّتْ لَكُمُ۔ یعنی تمام جانور تمہارے لیے حلال ہیں بجز ان کے جن کی حرمت بیان کی جاچکی ہے۔ مشرکین نے جو بحیرہ، سائبہ، حام اور وصیلہ نام دیکر جانور حرام کر دیے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں حرام نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو حرام قرار دیا ہے اسے واضح طور پر بیان کر دیا ہے جیسے مردار، خون، خنزیر کا گوشت، وہ جانور جس پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو، اور وہ جانور جس کا گلا گھونٹنے سے موت واقع ہوئی ہو وغیرہ۔ اس کے بعد فرمایا: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ۔۔ اس میں "مِنَ" بیان جنس کیلئے ہے۔ یعنی بتوں کی پلیدی سے بچو۔ یہاں شرک کو جھوٹ کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ اس فرمان میں ہے۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف:33) "فرمائیے بے شک میرے رب نے حرام کر دیا ہے سب بے حیائیوں کو جو ان سے

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ حج، جلد 12 صفحہ 30-31، تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 151-152

ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور گناہ کو اور ناحق سرکشی کو اور یہ کہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراؤ جس کیلئے اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر ایسی بات کہو جو تم نہیں جانتے''۔ اس میں جھوٹی گواہی بھی داخل ہے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' کیا میں تمہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ نہ بتاؤں''۔ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! ضرور آگاہ فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ پہلے آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے، پھر بیٹھ گئے اور فرمایا: سنو، کذب بیانی اور جھوٹی گواہی دینا''۔ آپ اسے لگاتار دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش آپ سکوت اختیار فرما لیتے(1)۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے دوران خطبہ تین مرتبہ فرمایا: ''اے لوگو! جھوٹی گواہی شرک کے برابر کر دی گئی''، پھر آپ ﷺ نے اس آیت فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ ۔ کی تلاوت کی(2)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز فجر کی ادائیگی کے بعد یہ فرمایا تھا(3)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی(4)۔ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ کا مطلب ہے دین کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالص کرتے ہوئے، باطل سے انحراف کرتے ہوئے اور حق کی طرف مائل ہوتے ہوئے، اس لئے فرمایا: غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ پھر گمراہی، ہلاکت اور ہدایت سے دوری میں مشرک کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ ۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ موت کے فرشتے جب کافر کی روح کو لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو اس کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے بلکہ اسے وہیں سے نیچے پھینک دیا جاتا ہے، پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ یہ حدیث مکمل تفصیلات کے ساتھ سورۂ ابراہیم میں گذر چکی ہے(5)۔ سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی ایک اور مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۪ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى (الانعام: 71) ''فرمایئے کیا ہم اللہ کے سوا اس کو پوجیں جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور (کیا) ہم پھر الٹے پاؤں پھر جائیں گے اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی، مثل اس شخص کے کہ جسے جنوں نے زمین میں بھٹکا دیا ہو، وہ حیران ہو، اس کے ساتھی اسے ہدایت کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آؤ۔ فرمایئے اللہ کی رہنمائی ہی حقیقی رہنمائی ہے''۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾

''حقیقت یہ ہے اور جو ادب و احترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو یہ (احترام) اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے۔ تمہارے لئے مویشیوں میں طرح طرح کے فائدے ہیں ایک معین مدت تک پھر ان کے ذبح کرنے کا مقام بیت عتیق کے قریب ہے''۔

شعائر سے مراد اوامر ہیں، قربانی کے جانوروں کی تعظیم بھی ان میں شامل ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے جانوروں کی دیکھ بھال کرنا اور انہیں فربہ کرنا ان کی تعظیم ہے(6)۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں قربانی کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 17، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 91
2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الشہادات، جلد 9 صفحہ 174، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 233,178 — 3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 321
4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 45 — 5۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ابراہیم: 27 — 6۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 46

جانوروں کو خوب موٹا تازہ اور عمدہ کیا کرتے تھے اور تمام مسلمانوں کا یہی دستور تھا (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک سفید رنگت والے جانور کا خون اللہ تعالیٰ کو دو سیاہ رنگت والے جانوروں کے خون سے زیادہ محبوب ہے'' (2)۔ دوسرے رنگوں والے جانوروں کی قربانی بھی جائز ہے لیکن سفید رنگ والے جانور زیادہ افضل ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو بڑے بڑے سینگوں والے چتکبرے مینڈھے قربانی میں ذبح کیے (3)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سینگوں والا، سفید اور سیاہ آنکھوں والا مینڈھا قربانی دیا جس کے منہ پر، آنکھوں کے پاس اور پیروں پر سیاہ رنگ کے نشانات تھے (4)۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو موٹے تازے، سینگوں والے چتکبرے خصی مینڈھوں کی قربانی دی (5)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ قربانی کے جانور خریدتے وقت اس کی آنکھوں اور کانوں کو خوب دیکھ بھال لیں اور آگے سے کٹے ہوئے کانوں والے، پیچھے سے کٹے ہوئے کانوں والے، لمبائی میں چرے ہوئے کانوں والے اور پھٹے ہوئے کانوں والے جانور کی قربانی نہ کریں (6)۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ٹوٹے سینگوں والے اور کٹے کانوں والے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے (7)۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ ممانعت اس وقت ہے جب نصف یا اس سے زائد سینگ ٹوٹا ہو اور کان کٹا ہو۔ حدیث میں مذکور لفظ ''عضب'' یہی مراد ہے۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ اگر کسی جانور کے سینگ کا اوپر والا حصہ ٹوٹا ہو تو اسے عربی میں ''قصم'' کہتے ہیں اور اگر نیچے والا حصہ ٹوٹا ہو تو اسے ''عضب'' کہا جاتا ہے۔ اگر کان کا تھوڑا سا حصہ بھی کٹ جائے تو اس پر ''عضب'' کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس عیب کے حامل جانور کی قربانی جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث کے پیش نظر ٹوٹے ہوئے سینگ والے اور کٹے ہوئے کان والے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر سینگ سے خون جاری ہو تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چار قسم کے جانور قربانی میں جائز نہیں: وہ کانا جانور جس کا کانا پن واضح ہو، وہ بیمار جانور جس کا مرض ظاہر ہو، وہ لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن عیاں ہو اور وہ لاغر مریل جانور جس کی ہڈیوں کا گودا ختم ہو گیا ہو'' (8)۔ یہ ایسے عیوب ہیں جو گوشت میں کمی کا سبب بنتے ہیں کیونکہ ان عیوب کے ہوتے ہوئے جانور پوری طرح چرنے چگنے سے عاجز ہوتے ہیں، اس لیے امام شافعی اور دیگر ائمہ کے نزدیک اس حدیث کے پیش نظر ایسے جانوروں کی قربانی جائز نہیں، البتہ وہ جانور جو معمولی سا بیمار ہو، اس کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بالکل جڑ سے کٹے ہوئے کان والے، ٹوٹے ہوئے سینگ والے، کانے، کمزوری کے باعث ریوڑ سے پیچھے رہ جانے والے اور لنگڑے لولے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے (9)۔ ان عیوب والے جانوروں کی قربانی ناجائز ہے، البتہ اگر قربانی کیلئے بالکل صحیح سالم جانور کی تعیین کے بعد کوئی عیب

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، جلد 7 صفحہ 130
2۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب الضحایا، جلد 9 صفحہ 273، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 417
3۔ صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، جلد 7 صفحہ 130، صحیح مسلم، کتاب الاضاحی جلد 3 صفحہ 1556-1557
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 45، عارضۃ الاحوذی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 292-293
5۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 391،8
6۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 97-98، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 90-108 وغیرہ
7۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 98، عارضۃ الاحوذی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 296 وغیرہ
8۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 97، عارضۃ الاحوذی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 294-295
9۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 97

پیدا ہوا تو یہ امام شافعی کے نزدیک باعث حرج نہیں لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف اس کے برعکس ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے قربانی کیلئے ایک دنبہ خریدا، اس پر ایک بھیڑیے نے حملہ کر دیا اور اس کی چکتی کاٹ کر لے گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسکی قربانی کر سکتے ہو(1)۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے قربانی کیلئے جانور خریدتے وقت کان آنکھ کو اچھی طرح دیکھ لینے کا حکم ارشاد فرمایا، یعنی قربانی کا جانور بے عیب، خوش شکل اور فربہ ہونا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بہت عمدہ اونٹنی قربانی کیلئے نامزد کی، لوگوں نے اس کی قیمت تین سو دینار لگائی۔ وہ رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے قربانی کیلئے ایک عمدہ اونٹنی نامزد کی جس کی قیمت تین سو دینار لگی ہے، کیا میں اسے بیچ کر اس کی قیمت سے بہت سے اونٹ خرید کر قربانی کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ اسی کو ذبح کرو(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے اونٹ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ محمد بن ابی موسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وقوف عرفہ، مزدلفہ، رمی جمار، حلق اور قربانی کے اونٹ سب شعائر اللہ میں داخل ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نشانی بیت اللہ شریف ہے۔

فرمایا: لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ ۔ یعنی ایک مقرر مدت تک ان جانوروں سے فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ ان کا دودھ پیا جا سکتا ہے۔ ان کی اون وغیرہ کو کام میں لایا جا سکتا ہے اور ان پر سواری کی جا سکتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تک انہیں قربانی کیلئے نامزد نہ کیا جائے اس وقت تک ان سے ہر قسم کا نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں مذکور منافع سے مراد ہے سواری کرنا، دودھ پینا اور ان کی نسل حاصل کرنا۔ جب انہیں قربانی کیلئے مقرر کر دیا جائے تو پھر یہ فوائد حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ عطاء، قتادہ، ضحاک، عطاء خراسانی اور دیگر متعدد حضرات کا یہی قول ہے جبکہ بعض دوسرے علماء کا کہنا ہے کہ بوقت ضرورت ان جانوروں سے یہ منافع حاصل کیے جا سکتے ہیں اگرچہ انہیں قربانی کیلئے نامزد کیا جا چکا ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو اپنی قربانی کا اونٹ ہانکتے ہوئے دیکھا تو اسے فرمایا: ”اس پر سوار ہو جاؤ“ اس نے عرض کی کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔ آپ نے فرمایا: ”افسوس! بیٹھتے کیوں نہیں“(3)۔ دو یا تین مرتبہ آپ نے ایسا فرمایا۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب ضرورت ہو تو اس پر سوار ہو جایا کرو“(4)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو قربانی کی اونٹنی ہانک کر لیے جا رہا تھا، اونٹنی کا بچہ بھی ساتھ تھا، آپ نے فرمایا کہ اس کے بچے کے دودھ پینے کے بعد اگر دودھ بچ جائے تو تم پی سکتے ہو۔ جب قربانی کا دن آئے تو اسے اور اس کے بچے کو بھی اللہ کے نام پر ذبح کر دینا(5)۔ اس کے بعد فرمایا: ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ یعنی ان جانوروں کی قربانی کا مقام بیت اللہ (کعبہ) ہے جیسا کہ فرمایا: هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ (المائدۃ:95) ”یہ قربانی کعبہ میں پہنچنے والی ہو“، وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ (الفتح:25) ”اور قربانی کے جانور کو بھی کہ وہ بندھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں“۔ بیت عتیق کے معنی کی وضاحت ابھی ابھی ہو چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والا احرام سے حلال ہو جاتا ہے، اس کی دلیل یہی آیت ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ہے۔

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 32

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، جلد 2 صفحہ 146-147، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 145

3۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 200، صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 960

4۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 961

5۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب الحج، جلد 5 صفحہ 236-237

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

"اور ہر امت کے لئے ہم نے مقرر فرمائی ہے ایک قربانی، تا کہ وہ ذکر کریں اللہ تعالیٰ کا اسم (پاک) ان بے زبان جانوروں پر ذبح کے وقت جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔ پس تمہارا خدا خدائے واحد ہے تو اسی کے آگے سر جھکاؤ۔ اور (اے محبوب!) مژدہ سنایئے تواضع کرنے والوں کو۔ وہ لوگ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو صبر کرنے والے ہیں ان (مصائب و آلام) پر جو پہنچتے ہیں انہیں اور جو صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو۔ اور ان چیزوں سے جو ہم نے انہیں عطا فرمائی ہیں وہ خرچ کرتے ہیں"۔

اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ ہر امت کو اللہ تعالیٰ کے نام پر قربانی دینے اور جانوروں کا خون بہانے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ "منسك" کا معنی عید بتاتے ہیں یعنی ہر امت کیلئے عید کا دن مقرر تھا (1)۔ عکرمہ اس کا معنی ذبح کرنا بتاتے ہیں یعنی ہر امت کو ذبیحہ کا حکم تھا۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ "منسك" سے مراد مکہ شریف ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی امت کیلئے بھی اس کے سوا کوئی قربان گاہ نہیں بنائی۔ پھر فرمایا: لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس چتکبرے سینگوں والے مینڈھے لائے گئے۔ آپ نے بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر اور اپنا پاؤں ان کی گردن پر رکھ کر ذبح کیا (2)۔ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا: یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: "تمہارے باپ ابراہیم کی سنت" صحابہ نے عرض کی کہ ہمیں اس سے کیا ملتا ہے؟ فرمایا: ہر بال کے بدلہ ایک نیکی"، پھر دریافت کیا کہ اون کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اون کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی" (3)۔ فرمایا: فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ... یعنی تم سب کا معبود ایک ہے اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں اختلاف تھا اور ان کے احکام میں تبدیلی واقع ہوتی تھی لیکن اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت میں سب کا اتفاق تھا جیسا کہ فرمان ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء: 25) "اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اس کی طرف وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں، پس میری عبادت کیا کرو" اس لئے فرمایا: فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا -- یعنی اس کے سامنے اپنے سر جھکا دو اور خلوص دل سے اس کی اطاعت پر کمر بستہ ہو جاؤ۔ "مخبتین" کا معنی بقول مجاہد مطمئن رہنے والے، قتادہ کہتے ہیں کہ تواضع کرنے والے، سدی کہتے ہیں کہ ڈرنے والے۔ عمرو بن اوس کہتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی پر ظلم نہیں کرتے اور اگر کوئی ان کے ساتھ زیادتی کرے تو انتقام نہیں لیتے (4)۔ ثوری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں اطمینان کی دولت نصیب ہو، اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی ہوں اور اس کے ہر حکم کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں۔ بہر صورت اس کی بہترین تفسیر وہی ہے جو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے یعنی اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ ۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ہمیں ضرور صبر کرنا ہوگا ورنہ ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ جمہور کی قرأت

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 47

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، جلد 7 صفحہ 130 صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 1556-1557

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1045، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 368

4۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 161 الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 48

کے مطابق ''والمقیمی'' اضافت کے ساتھ ہے جبکہ ابن سمیع نے ''والمقیمین الصلوٰۃ'' بغیر اضافت کے اور الصلوٰۃ کو نصب دیکر پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ''والمقیمی'' میں نون تخفیف کی وجہ سے حذف ہوا ہے، اگر اضافت کی وجہ سے حذف ہوتا تو لفظ ''صلوٰۃ'' کو جر دینا لازم آتا، اس لیے یہ تخفیفاً حذف کیا گیا ہے اور لفظ صلوٰۃ منصوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سعادتمند فرائض کی ادائیگی کر کے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سے اپنے اہل و عیال، قریبی رشتہ داروں، فقراء اور حاجتمندوں پر خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرتے ہوئے مخلوق خدا کے ساتھ احسان کرتے ہیں۔ منافقین کی صفات ان کے بالکل برعکس ہیں۔ سورۂ برأت میں بھی ان صفات کا ذکر ہو چکا ہے (1)۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

''اور قربانی کے فربہ جانوروں کو ہم نے بنایا ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے۔ پس لو اللہ تعالیٰ کا نام ان پر اس حال میں کہ ان کا ایک پاؤں بندھا ہوا اور تین پر کھڑے ہوں۔ پس جب وہ گر پڑیں کسی پہلو پر تو خود بھی کھاؤ اس سے تیز کھلاؤ قناعت کرنے والے فقیر کو اور بھیک مانگنے والے کو۔ اس طرح ہم نے فرمانبردار بنا دیا ان جانوروں کو تمہارے لئے تا کہ تم (اس احسان کا) شکریہ ادا کرو''۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر عظیم احسان ہے کہ اس نے قربانی کے جانور پیدا کر کے انہیں اپنی نشانیاں قرار دیا اور انہیں بطور قربانی اپنے گھر پہنچانے کا حکم دیا۔ قربانی کا جانور بیت اللہ شریف کی طرف بھیجی جانے والی سب سے افضل چیز ہے جیسا کہ فرمایا: لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآىِٕدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ (المائدۃ:2) ''بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی، نہ عزت والے مہینے کی، نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے ہیں اور نہ بیت اللہ کا قصد کرتے ہوئے''۔ عطاء فرماتے ہیں کہ ''بدن'' میں گائے اور اونٹ دونوں داخل ہیں جبکہ بقول مجاہد اس سے مراد صرف اونٹ ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جہاں تک اونٹ پر لفظ ''بدن'' کے اطلاق کا تعلق ہے تو اس پر سب کا اتفاق ہے لیکن اختلاف اس بات میں ہے کہ کیا اس کا اطلاق گائے پر ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس بارے میں دو قول ہیں جن میں سے زیادہ صحیح یہ قول ہے کہ شرعی طور پر اس کا اطلاق گائے پر بھی ہوتا ہے۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ جس طرح اونٹ کی سات آدمیوں کی طرف سے قربانی دی جا سکتی ہے اسی طرح گائے کی بھی، جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اونٹ میں بھی سات آدمی شریک ہو جائیں اور گائے میں بھی سات آدمی (2)۔ اسحاق بن راہویہ وغیرہ کا تو یہ موقف ہے کہ ان دونوں میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں مسند احمد اور سنن نسائی میں ایسی حدیث بھی موجود ہے (3)۔ فرمایا: لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ یعنی دار آخرت میں ان جانوروں کا تمہیں ثواب حاصل ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قربانی والے دن قربانی کرنے سے زیادہ ابن آدم کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں۔ قیامت کے دن جانور

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ 67,75-79

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 956

3۔ سنن نسائی، کتاب الاضاحی، جلد 7 صفحہ 221، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 275 وغیرہ

اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت پیش ہوں گے۔ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ جاتا ہے اس لئے بخوشی قربانی کیا کرو" (1)۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ ابو حاتم قرض لے کر قربانی کیا کرتے تھے جب اس بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہیں نے جواب دیا کہ میں اس فرمان لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ کے پیش نظر ایسا کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عید والے دن قربانی کے جانور پر کیے جانے والے خرچ سے افضل کوئی خرچ نہیں" (2)۔ مجاہد اس فرمان لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ ان میں تمہارے لیے اجر اور دیگر فوائد ہیں۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ بوقت ضرورت قربانی کے جانوروں پر سواری بھی کی جا سکتی ہے اور ان کا دودھ بھی پیا جا سکتا ہے۔ پھر فرمایا: فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ ۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید الاضحیٰ کی نماز ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ کے پاس مینڈھا لایا گیا جسے آپ نے بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا پھر یہ دعا کی: "اے اللہ! یہ میری طرف سے اور میرے ہر اس امتی کی طرف سے ہے جو قربانی نہ کر سکے" (3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عید والے دن آپ ﷺ نے دو مینڈھے ذبح کیے، انہیں قبلہ رخ کر کے آپ ﷺ نے یہ پڑھا: "وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّاُمَّتِهٖ" پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کیا (4)۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قربانی کیلئے دو موٹے تازے سینگوں والے چتکبرے مینڈھے خریدتے۔ عید نماز اور خطبہ سے فراغت کے بعد ایک جانور آپ کے پاس لایا جاتا۔ آپ وہاں عید گاہ میں ہی خود اپنے ہاتھ سے چھری کے ساتھ ذبح کرتے اور یہ دعا کرتے: اے اللہ! یہ میرے ہر اس امتی کی طرف سے ہے جس نے تیری توحید اور میری تبلیغ کی گواہی دی"۔ اس کے بعد دوسرا جانور لایا جاتا، اسے بھی آپ بذات خود ذبح کرتے اور یہ کہتے: "یہ محمد اور آل محمد کی طرف سے ہے"۔ پھر دونوں کا گوشت مساکین کو بھی دیتے اور آپ اور آپ کے اہل خانہ بھی کھاتے (5)۔ حضرت ابن عباس کے نزدیک "صَوَآفَّ" کا معنی یہ ہے کہ اونٹ تین پیروں پر کھڑا رہے، اس کا بایاں ہاتھ باندھ دیا جائے اور "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ" پڑھ کر اسے ذبح کیا جائے (6)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جب اونٹ کا بایاں پیر باندھ دیا جائے تو وہ تین پیروں پر ہی کھڑا ہوگا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنے اونٹ کو نحر کرنے کیلئے بٹھایا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کہ ابو القاسم ﷺ کی سنت کے مطابق اسے کھڑا کر کے اور اس کے پاؤں باندھ کر نحر کرو (7)۔ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا کہ وہ اونٹ کا ایک پاؤں باندھ کر اور اسے تین پاؤں پر کھڑا کر کے نحر کرتے تھے (8)۔ حضرت سالم بن عبداللہ نے سلیمان بن عبدالملک سے فرمایا تھا کہ بائیں طرف سے نحر کرو۔ حضرت جابر

1۔ عارضۃ الاحوذی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 288-289، سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1045

2۔ سنن دار قطنی، کتاب الاشربہ، جلد 4 صفحہ 282

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 99، عارضۃ الاحوذی، ابواب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 318 وغیرہ

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 95، سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1043

5۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 8-391-292

6۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 389، سنن کبریٰ بیہقی، کتاب الحج، جلد 5 صفحہ 237 وغیرہ

7۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 210، صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 956-957

8۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 149

رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے ہاتھ سے تریسٹھ اونٹ نحر کیے (1)۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں میں نیزہ تھا جسے آپ اونٹ کے حلقوم میں مار کر زخمی کر دیتے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "صَوَافِنَ" ہے یعنی وہ اونٹ جو کھڑے ہوں اور ان کے پاؤں بندھے ہوں (2)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ "صواف" کا معنی خالص بھی کیا گیا ہے یعنی یہ جانور خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں اور ان میں کسی اور کو شریک نہ کیا جائے جیسا کہ مشرکین اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کر لیا کرتے تھے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر ان کی قربانی کی جائے۔ فرمایا: فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا یعنی جب یہ زمین پر گر پڑیں، ذبح کا عمل مکمل ہو جائے اور یہ ٹھنڈے ہو جائیں تو خود بھی ان کا گوشت کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ جب تک روح نہ نکل جائے اور جانور ٹھنڈا نہ پڑ جائے، اس وقت تک گوشت کے ٹکڑے نہیں کاٹنے چاہئیں۔ ایک حدیث مرفوع میں ہے: "روحیں نکالنے میں جلدی نہ کرو" حضرت شداد بن اوس سے مروی حدیث میں آتا ہے: "اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ حسن سلوک کرنا لکھ دیا ہے۔ جب تم قتل کرنے لگو تو بھی اچھی طرح قتل کرو اور جب تم ذبح کرنے لگو تو ذبح بھی اچھے طریقے سے کرو، چھری تیز کر لیا کرو اور جانور کو راحت دیا کرو" (3)۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تک جانور زندہ ہے، اگر اس کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے تو اس کا کھانا حرام ہے" (4)۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں امر کا صیغہ (فَكُلُوْا) اباحت کیلئے ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ قربانی کا گوشت کھانا مستحب ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ واجب ہے۔ القانع اور المعتر کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قانع وہ ہے جو گھر بیٹھا رہے اور جو اسے مل جائے، اس پر کفایت کرے اور معتر وہ ہے جو سوال تو نہ کرے لیکن سامنے آ جائے اور اس غرض سے ساتھ چمٹا رہے کہ کچھ مل جائے۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قانع دست سوال دراز نہ کرنے والے کو کہا جاتا ہے اور معتر بھیک مانگنے والے کو کہتے ہیں۔ عکرمہ، زید بن اسلم، کلبی، حسن بصری، مقاتل بن حیان اور مالک بن انس فرماتے ہیں کہ قانع وہ ہے جو صرف سوال پر اکتفا کرے اور معتر وہ ہے جو سوال تو نہ کرے لیکن عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے پیچھا کرتا رہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ قانع سائل کو کہتے ہیں۔ زید بن اسلم کہتے ہیں قانع چکر لگانے والے مسکین کو کہتے ہیں اور معتر سے مراد وہ دوست اور ضعیف ہے جس کی آمد و رفت رہتی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ قانع وہ مالدار پڑوسی ہے جو دیکھتا رہتا ہے کہ تمہارے گھر کیا کچھ آتا ہے اور معتر وہ ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ ایک اور روایت میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قانع سے مراد طمع رکھنے والا ہے اور معتر وہ ہے جو بغیر سوال کیے لاحق ہو جاتا ہے خواہ مالدار ہو یا فقیر۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ قانع سے مراد اہل مکہ ہیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ قانع سے مراد سائل ہے کیونکہ وہ دست سوال دراز کرتا ہے اور معتر وہ ہے جو گوشت کھانے کے لئے آ دھمکتا ہے۔ جن علماء کا یہ خیال ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کرنا چاہیے، ایک تہائی اپنے لئے، ایک تہائی دوست احباب کیلئے اور ایک تہائی صدقہ کیلئے، انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کیونکہ فرمان ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: "میں تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زائد تک جمع کرنے سے منع کرتا تھا۔ اب کھاؤ اور جس طرح چاہو، جمع کرو"۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: "کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو"، ایک دوسری روایت میں فرمایا: "کھاؤ، کھلاؤ اور صدقہ کرو" (5)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قربانی کرنے والا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 892
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 53، تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 165
3۔ صحیح مسلم کتاب الصید والذبائح، جلد 3 صفحہ 1548
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصید، جلد 3 صفحہ 111، مسند احمد جلد 5 صفحہ 218
5۔ صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، جلد 7 صفحہ 124، صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 1562-1564، سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 99-100، عارضۃ الاحوذی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 309-310 وغیرہ

نصف گوشت خود کھائے اور باقی نصف صدقہ کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ (الحج: 28) اور دوسری دلیل یہ حدیث ہے: ''کھاؤ، جمع کرو اور صدقہ کرو''۔ اگر کوئی سارا گوشت کھا جائے تو بقول بعض اس پر کوئی حرج نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اسے ویسی قربانی یا اس کی قیمت کی ادائیگی کرنا ہوگی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ نصف قیمت کا ضامن ہوگا اور بعض کے نزدیک ایک تہائی قیمت کا جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ اس جانور کے سب سے چھوٹے جز کی قیمت ادا کرنا ضروری ہے۔ کھال کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کھاؤ، صدقہ کرو اور ان کی کھالوں سے فائدہ اٹھاؤ لیکن انہیں بیچو نہیں'' (1)۔ بعض علماء نے چمڑے کے بیچنے کی اجازت دی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ انہیں فقراء میں تقسیم کر دیا جائے۔

مسئلہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیں اس دن سب سے پہلے نماز عید ادا کرنی چاہیے پھر لوٹ کر قربانیاں کریں۔ جس نے ایسا کیا، اس نے ہماری سنت کو پا لیا اور جس نے نماز عید سے پہلے قربانی ذبح کر لی تو یہ صرف گوشت ہی ہوگا جسے اس نے اپنے گھر والوں کیلئے مہیا کر لیا، قربانی کے ساتھ اس کا تعلق نہیں'' (2)۔ اس لیے امام شافعی اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ قربانی کا اول وقت وہ ہے جب سورج طلوع ہو جائے اور اس کے بعد نماز عید اور دو خطبوں کی مقدار وقت گذر جائے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ اس کے بعد مزید اتنا وقت گذر جائے کہ امام ذبح کر لے کیونکہ صحیح مسلم میں ہے کہ جب تک امام قربانی نہ کر لے تم قربانی نہ کرو (3)۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دیہاتیوں پر چونکہ نماز عید نہیں، اس لئے وہ طلوع فجر کے بعد قربانی کر سکتے ہیں لیکن شہری اس وقت تک قربانیاں نہیں کر سکتے جب تک امام نماز عید سے فارغ نہ ہو جائے۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف یوم نحر کو ہی قربانی کرنا جائز ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شہر والوں کو قربانی کے جانور آسانی سے مل جاتے ہیں، اس لیے وہ صرف عید والے دن ہی قربانی کر سکتے ہیں لیکن دیہاتی عید والے دن اور اس کے بعد ایام تشریق میں قربانی کر سکتے ہیں۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ سب کیلئے دسویں اور گیارھویں ذی الحجہ کو قربانی کرنا مشروع ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کے بعد والے دو دنوں میں بھی قربانی کی جا سکتی ہے، یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کے بعد تین ایام تشریق میں بھی قربانی کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایام تشریق سب کے سب قربانی کے دن ہیں'' (4)۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اختتام ذی الحجہ تک قربانی کا وقت ہے لیکن یہ قول غریب ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا یعنی اسی وجہ سے ہم نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع اور فرمانبردار بنا دیا ہے اگر چاہو تو ان پر سواری کر لو، چاہو تو ان کا دودھ پی لو اور اگر مرضی ہو تو انہیں ذبح کر لو جیسا کہ فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ... اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ (یٰسین: 71-73) اور یہاں فرمایا: كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

''نہیں پہنچتے اللہ تعالیٰ کو ان کے گوشت اور نہ ان کے خون البتہ پہنچتا ہے اس کے حضور تک تقویٰ تمہاری طرف سے۔ یوں

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 15

2۔ صحیح بخاری، کتاب العیدین، جلد 2 صفحہ 24، صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 1553

3۔ یہ حدیث شریف صحیح مسلم میں نہیں ملی

4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 82، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الحج، جلد 6 صفحہ 62

اس نے فرمانبردار بنا دیا ہے انہیں تمہارے لئے تاکہ تم بڑائی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی اس (نعمت پر) کہ اس نے تم کو ہدایت دی۔ اور (اے حبیب!) خوشخبری دیجئے احسان کرنے والوں کو"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارے یہ قربانیاں اس لئے مشروع کی گئی ہیں تاکہ تم انہیں ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو کیونکہ وہی خالق اور رازق ہے، ان جانوروں کے گوشت اور خون اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچتے کیونکہ وہ ان چیزوں سے بے نیاز ہے۔ زمانہ جاہلیت میں مشرکین جب قربانی کے جانور ذبح کرتے تو ان کا گوشت اپنے بتوں کے پاس رکھ دیتے اور خون ان پر چھڑک دیتے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ اہل جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنی قربانی کے جانوروں کا خون بیت اللہ شریف پر مل دیتے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ ہم اس چیز کے زیادہ مستحق ہیں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ (1)۔ یعنی اللہ تعالیٰ تقویٰ کو قبول فرماتا ہے اور اسی کا بدلہ بڑا اجر عطا کرتا ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے رنگوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے" (2)۔ ایک اور حدیث میں ہے: "صدقہ سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے رحمن کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے اور خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ جاتا ہے" (3)۔ یعنی اخلاص کے ساتھ کیا گیا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتا ہے۔ حضرت عامر شعبی سے قربانی کی کھالوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس آیت لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر چاہو تو بیچ لو، چاہو تو اپنے پاس رکھ لو اور اگر چاہو تو صدقہ کر دو، پھر فرمایا: كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا یعنی اسی وجہ سے تمہارے لیے ان جانوروں کو مسخر کیا ہے تاکہ تم اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت بیان کرو کہ اس نے اپنے پسندیدہ دین اور شریعت کی طرف تمہاری رہنمائی کی اور ناپسندیدہ امور سے تمہیں منع کر دیا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ یعنی اے میرے پیارے رسول! آپ ان لوگوں کو خوشخبری سنا دیں جو عمدہ طریقے سے اعمال بجا لاتے ہیں، حدود اللہ کی حفاظت کرتے ہیں، احکام کی اتباع کرتے ہیں اور رسول کی تصدیق کرتے ہیں۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ثوری کا موقف یہ ہے کہ جو شخص نصاب زکوۃ کا مالک ہو اس پر قربانی واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شرط کا اضافہ کیا ہے کہ وہ شخص اپنے گھر میں مقیم ہو۔ ان حضرات کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے: "جو وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے، وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے" (4)۔ اس روایت میں غرابت ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے منکر کہا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دس سال متواتر قربانی کرتے رہے (5)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قربانی واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے: "مال میں زکوۃ کے سوا اور کوئی چیز فرض نہیں" (6)۔ یہ روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کی، اس لئے وجوب ساقط ہو گیا۔ حضرت ابوشریحہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا پڑوسی تھا۔ یہ دونوں حضرات اس خدشہ کے پیش نظر قربانی نہیں کرتے تھے کہ لوگ ان کی اقتداء کریں گے (7)۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قربانی سنت کفایہ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 56 2۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1986-1987، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1388

3۔ عارضۃ الاحوذی، کتاب الاضاحی، جلد 6 صفحہ 288-289، سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1045

4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1044، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 321 5۔ عارضۃ الاحوذی ابواب الاضحیہ، جلد 6 صفحہ 305

6۔ عارضۃ الاحوذی، کتاب الزکاۃ، جلد 3 صفحہ 162، سنن ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، جلد 1 صفحہ 570 وغیرہ

7۔ تفسیر طبری، جلد 3 صفحہ 182، مجمع الزوائد، جلد 4 صفحہ 18

ہے، گلی، محلے یا گھر میں سے کوئی ایک آدمی قربانی کرے تو باقی لوگوں سے ساقط ہو جائے گی کیونکہ مقصود صرف شعار کا اظہار کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے میدان عرفات میں فرمایا: ”ہر سال ہر گھر والوں پر قربانی اور عتیرہ ہے کیا تم جانتے ہو عتیرہ کیا ہے؟ وہی جسے تم رجبیہ (ماہ رجب میں ذبح کیا جانے والا جانور) کہتے ہو“(1)۔ اس کی سند میں کلام کیا گیا ہے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک ہی بکری کی قربانی دیتا، اس کا گوشت وہ خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے۔ پھر لوگ اس معاملہ میں فخر و مباہات کرنے لگے اور صورت حال یہ ہوگئی جو تم دیکھ رہے ہو(2)۔ بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے تمام افراد کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کیا کرتے تھے(3)۔ قربانی کے جانوروں کی عمر کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نہ ذبح کرو مگر پوری عمر کا جانور سوائے اس کے کہ اگر وہ دستیاب نہ ہو سکے تو بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ ہی سہی“(4)۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ کوئی جذعہ (چھ ماہ کا بچہ) قربانی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے برعکس امام اوزاعی کا یہ موقف ہے کہ ہر جنس کا جذعہ قربانی میں جائز ہے لیکن یہ دونوں قول غریب ہیں۔ جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ اونٹ، گائے اور بکری وہ جائز ہے جو ثنی ہو اور بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ بھی جائز ہے۔ اونٹ وہ ثنی ہوتا ہے جو پانچ سال مکمل کر کے چھٹے سال میں داخل ہو چکا ہو، ثنی گائے وہ ہے جس کی عمر دو سال ہو اور تیسرے سال میں داخل ہو جائے اور بعض کے بقول جو چوتھے سال میں داخل ہو جائے اور بکری وہ ثنی ہے جس کی عمر دو سال ہو اور جذعہ (بھیڑ کا بچہ) وہ ہے جو بقول بعض ایک سال کا ہو، بعض کہتے ہیں کہ دس ماہ کا بعض کے نزدیک آٹھ ماہ کا اور بعض کا کہنا ہے کہ جو چھ ماہ کا ہو۔ یہ سب سے کم مدت کا قول ہے۔ اس سے کم عمر والے کو حمل کہتے ہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ حمل کی پیٹھ کے بال کھڑے ہوتے ہیں اور جذعہ کی پیٹھ کے بال لیٹے ہوئے اور دونوں طرف جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ﴿٣٨﴾

”یقیناً اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے اہل ایمان کی (کفار کے مکر و فریب سے) بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی دھوکے باز احسان فراموش کو“۔

جو بندے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہوتا ہے اور انہیں شریروں کی شر اور فاجروں کے مکر و فریب سے محفوظ رکھتا ہے جیسا کہ فرمایا: أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ (الزمر: 36) ”کیا اللہ اپنے بندوں کے لیے کافی نہیں ہے؟“ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (الطلاق: 3) ”اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کیلئے کافی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کیلئے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے“۔ فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ. یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو خیانت اور ناشکری کے ساتھ متصف ہو۔ خیانت کا مطلب ہے اپنے عہد و پیمان کو پورا نہ کرنا اور کفر سے مراد ہے نعمتوں کی ناشکری کرنا اور ان کا اعتراف نہ کرنا۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، جلد 4 صفحہ 93، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 215، جلد 5 صفحہ 76 وغیرہ

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الاضحیہ، جلد 6 صفحہ 304، سنن ابن ماجہ، کتاب الاضاحی، جلد 2 صفحہ 1051

3۔ فتح الباری، کتاب الاحکام، جلد 13 صفحہ 200

4۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 3 صفحہ 1555

مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝

"اذن دے دیا گیا ہے (جہاد کا) ان (مظلوموں) کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بناء پر کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر پوری طرح قادر ہے۔ وہ (مظلوم) جن کو نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے ناحق صرف اتنی بات پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ بچاؤ نہ کرتا لوگوں کا انہیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر تو (طاقتور کی غارتگری سے) منہدم ہو جاتیں خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) سب پر غالب ہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اذن جہاد کی یہ آیت اس وقت اتری جب حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کر دیا گیا۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، قتادہ، عروہ بن زبیر، زید بن اسلم، مقاتل بن حیان اور دیگر سلف کا کہنا ہے کہ یہ سب سے پہلی آیت ہے جو جہاد کے متعلق نازل ہوئی۔ بعض نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے مکہ سے ہجرت کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ کفار نے اپنے نبی کو ہجرت پر مجبور کر دیا، إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، وہ یقیناً تباہ و برباد ہوں گے۔ اس وقت یہ آیت أُذِنَ لِلَّذِينَ نازل ہوئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے میں نے جان لیا کہ عنقریب جنگ ہوگی(1)۔ فرمایا: وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ یعنی اللہ تعالیٰ بغیر لڑائی کے بھی اپنے مومن بندوں کی مدد پر قادر ہے لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے کہ اس کے بندوں میں سے کون اس کی اطاعت میں سر توڑ کوشش کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِنْ لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ (محمد:6-4)۔ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (التوبہ:16-14)۔ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ (آل عمران:142) "کیا تم گمان کرتے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے دیکھا ہی نہیں ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور دیکھا ہی نہیں صبر کرنے والوں کو"۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ (محمد:31) "اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے تاکہ ہم دیکھ لیں کہ تم میں سے جو جہاد کرنے والے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں اور ہم تمہارے حالات کو پرکھیں گے"۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا جو وعدہ اہل ایمان

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 172، مسند احمد جلد 1 صفحہ 216

کیسا تھو کیا تھا، وہ پورا ہوا (1)۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت مناسب اور موزوں وقت پر جہاد کو شروع کیا کیونکہ مکہ شریف میں مشرکین بھاری تعداد میں تھے اور مسلمان ان کے مقابلہ میں بمشکل دسواں حصہ تھے۔ اگر وہاں جہاد کا حکم دے دیا جاتا تو مسلمان مشکلات سے دوچار ہو سکتے تھے۔ چنانچہ لیلۃ العقبہ میں جب اسی سے زائد اہل مدینہ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تو وہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو اس وقت منیٰ میں جس قدر مشرکین موجود ہیں کیا ہم ان پر بلہ بول کر انہیں قتل نہ کر دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ابھی تک مجھے اس کا حکم نہیں ملا" (2)۔ جب مشرکین کی سرکشی انتہا کو پہنچ گئی، وہ نبی کریم ﷺ کو جلاوطن کرنے کے منصوبے بنانے لگے اور آپ کو قتل کرنے کی سازش کرنے لگے اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی ان کی دست برد اور ایذا رسانیوں سے محفوظ نہ رہے تو صحابہ کرام ادھر ادھر بکھر گئے۔ بعض ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے اور باقی مدینہ شریف ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ جب صحابہ کرام مدینہ شریف میں رسول اللہ ﷺ کے زیر سایہ قرار پذیر ہو گئے اور آپ کے جھنڈے تلے متحد ہو کر ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہو گئے اور مدینہ شریف ان کیلئے دار امن اور پناہ گاہ بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے دشمنان دین کے خلاف جہاد کو شروع قرار دے دیا اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے مذکورہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہ بتایا گیا کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ناحق مکہ سے مدینہ کی طرف نکالا گیا۔ نہ انہوں نے مکہ والوں کے ساتھ کوئی زیادتی کی تھی اور نہ کوئی اور گناہ کیا تھا سوائے اس کے کہ انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا خدا مانا، اس کی توحید کا اقرار کیا اور صرف اسی کی عبادت کرنے لگے۔ یہاں اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا میں استثناء منقطع ہے، یہ حقیقت حال کے پیش نظر ہے ورنہ مشرکین کے نزدیک تو یہ سب سے بڑا جرم تھا جیسا کہ فرمایا: يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ (الممتحنہ: 1) "انہوں نے نکالا ہے رسول ﷺ کو اور تمہیں بھی محض اس لیے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے"۔ اصحاب اخدود (خندق والوں) کے قصہ میں فرمایا: وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (البروج: 8) "اور نہیں ناپسند کیا انہوں نے مسلمان سے بجز اس کے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے تھے جو سب پر غالب، سب خوبیوں سراہا ہے"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خندق کھودتے وقت یہ رجز پڑھ رہے تھے:

لَا هُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَ لَا صَلَّيْنَا

فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا

اِنَّ الْاُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا (3)

رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی موافقت کرتے اور ان کے ساتھ مل کر ہر قافیہ کا آخری حرف پڑھتے اور "ابینا" کہتے ہوئے اپنی آواز کو خوب بلند اور دراز کرتے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ .... یعنی اگر اللہ تعالیٰ بعض کو بعض سے ٹکرا کر اور بذریعہ اسباب ایک قوم کی شر کو دوسری قوم کے ہاتھوں روک کر لوگوں کا دفاع نہ کرتا تو زمین پر فساد برپا ہو جاتا، طاقتور کمزور کو نگل جاتا اور عبادت خانے ویران ہو جاتے۔ عیسائی راہبوں کے چھوٹے عبادت خانوں اور خانقاہوں کو صوامع کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد صابی مذہب کے لوگوں کے عبادت خانے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مجوسیوں کے آتش کدوں کو صوامع کہتے ہیں۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ یہ وہ گھر ہیں جو رستوں پر ہوتے ہیں۔ بیع، صوامع سے بڑے عبادت خانے ہوتے ہیں جن میں عبادت کرنے والوں کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 172
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 460-462، سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 448
3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 328-329

یہ بھی نصرانیوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مجاہد وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد یہود کے کنیسے ہیں۔ صلوات کا معنی بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ یہود کے کنیسے ہیں۔ یہود انہیں صلوت کہتے ہیں(1)۔ بعض نے اس سے مراد عیسائیوں کے گرجے لیے ہیں۔ ابو العالیہ وغیرہ کا قول ہے کہ صابی مذہب کے لوگوں کے معبد صلوات کہلاتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ صلوات سے مراد رستوں پر بنے ہوئے اہل کتاب اور اہل اسلام کے عبادت خانے ہیں۔ مساجد مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں۔ آیت کریمہ میں "فِيهَا" کی ضمیر کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کا مرجع مساجد ہے کیونکہ یہ سب سے زیادہ قریب ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس ضمیر کا مرجع صوامع، بیع، صلوات اور مساجد بھی ہیں کیونکہ کلام عرب میں یہ معروف اور مستعمل ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہاں اقل سے اکثر کی طرف صعود ہے یہاں تک کہ سب سے آخر میں مساجد کا ذکر کیا۔ مساجد کو آباد کرنے والے اور ان میں قصد صحیح اور نیت صالح سے عبادت کرنے والے کسی بھی دوسرے عبادت خانے کے عابدوں سے زیادہ ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ یہ اس فرمان کی طرح ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ (محمد: 8-7) "اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا اور کافر منہ کے بل اوندھے گریں اور اللہ ان کے اعمال کو برباد کرے"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی ذات کو قوت اور عزت کے ساتھ متصف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت کے ساتھ ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا اندازہ مقرر فرمایا اور اپنی عزت وغلبہ کے طفیل وہ ہر ایک پر غالب ہے کوئی اس پر غلبہ نہیں پا سکتا بلکہ ہر چیز اس کے سامنے ہیچ اور اس کی محتاج ہے۔ وہ قوی اور عزیز ذات جس شخص کی حامی وناصر ہو وہی غالب ہے اور اس کا دشمن مغلوب ہے۔ فرمان ہے: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (الصافات: 173-171) "اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہوا کرتا ہے"، كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (المجادلۃ: 21)۔ "اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آئیں گے، بے شک اللہ طاقتور (اور) زبردست ہے"۔

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾

"وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں اقتدار بخشیں زمین میں تو وہ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم کرتے ہیں (لوگوں کو) نیکی کا اور روکتے ہیں (انہیں) برائی سے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہے سارے کاموں کا انجام"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ ہمیں ناحق اس لیے نکالا گیا کہ ہم نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اقتدار بخشا تو ہم نے نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی، نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا۔ پس یہ آیت میرے اور میرے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی (2)۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطبہ میں اس آیت کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ اس کا اطلاق صرف حکام پر ہی نہیں ہوتا بلکہ حکام اور رعایا دونوں پر۔ کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں کہ تمہارے حکام کے ذمے کیا حقوق ہیں اور حکام کے تمہارے ذمے کیا حقوق ہیں؟ بادشاہ پر ضروری ہے کہ وہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 176
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 59

تم سے حقوق اللہ کی بجا آوری کرائے۔ ایک کا حق دوسرے سے دلوائے اور مقدور بھر راہ راست پر تمہیں چلانے کی کوشش کرے اور تم پر یہ ضروری ہے کہ تم اس کی خوشی خوشی، ظاہر باطن اور غیر مشروط اطاعت کرو۔ عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ یہ آیت اس فرمان کی طرح ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ (النور: 55)۔ "اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کر رکھا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ یہ اس فرمان کی طرح ہے: "وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ" زید بن اسلم اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ان کے اعمال کا ثواب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے(1)۔

وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْیَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَیْتُ لِلْكٰفِرِیْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِیَ ظَالِمَةٌ فَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِیْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

"اور اگر یہ کفار آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کیا تعجب ہے) پس جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے اور عاد و ثمود نے۔ اور قوم ابراہیم نے اور قوم لوط نے۔ اور مدین کے رہنے والوں نے (اپنے اپنے نبیوں کو) اور جھٹلائے گئے موسیٰ بھی تو (کچھ عرصہ) میں نے مہلت دی ان کفار کو (جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑا۔ (خود ہی بتاؤ) کتنا خوفناک تھا میرا عذاب! ایسی کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے کنوئیں ہیں جو بیکار ہو چکے ہیں اور کتنے چونے سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں (جو ویران پڑے ہیں) کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ (ان کھنڈرات کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ (حق کو) سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ نصیحت سن سکتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں"۔

مخالفین کی تکذیب پر اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے:

وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ ... فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ یعنی ان قوموں نے اپنے انبیاء کو جھٹلایا حالانکہ وہ ان کے پاس روشن آیات اور واضح دلائل لے کر آئے تھے۔ میں نے انہیں مہلت دیے رکھی پھر میں نے انہیں پکڑ کر خوفناک اور بھیانک عذاب میں جھونک دیا۔ منقول ہے کہ فرعون کے اس دعویٰ انا ربکم الاعلیٰ (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) اور اس کی ہلاکت کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا(2)۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: "وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِیَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ" پھر فرمایا: فَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ یعنی بہت سی ایسی بستیاں تھیں جن کے رہنے والے ظالم اور اپنے رسولوں کو جھٹلانے والے تھے، ان بستیوں کو ہم نے

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 60 2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ہود، جلد 8 صفحہ 354۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997-1998

مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

"(اے حبیب!) آپ فرمایئے اے لوگو! بس میں تو تمہیں (عذاب الٰہی سے) کھلا، ڈرانے والا ہوں۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو ان کے لئے مغفرت بھی ہے اور باعزت روزی بھی۔ اور جو لوگ کوشش کرتے رہے ہماری آیتوں (کی تردید) میں اس خیال سے کہ وہ ہمیں ہرا دیں گے، یہی لوگ دوزخی ہیں"۔

کفار نبی کریم ﷺ سے فوری عذاب کا تقاضا کرتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ یعنی اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں عذاب شدید سے ڈراؤں، تمہارا حساب میرے ذمہ نہیں بلکہ تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں جلدی عذاب میں مبتلا کر دے اور اگر چاہے تو کچھ تاخیر کر دے۔ اگر اس کی مرضی ہو تو توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرمالے اور اگر اس کی مرضی ہو تو اس شخص کو گمراہ کر دے جس کے مقدر میں شقاوت لکھی جا چکی ہے وہ جو چاہے کرتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی وہ لوگ جو صدق دل سے ایمان لائے اور انہوں نے اپنے اعمال سے ایمان کی تصدیق کی، ان کے گذشتہ گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے اور تھوڑی سی نیکیوں پر بھی بہت عمدہ اجر عطا کیا جاتا ہے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں "رزق کریم" سے مراد جنت ہے۔(1) اگلی آیت میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ سَعَوْا۔ یعنی وہ لوگ جو دوسروں کو نبی کریم ﷺ کی اتباع سے روکتے ہیں وہ جہنمی ہیں۔ جحیم سخت گرم، المناک، شدید اور عبرتناک آگ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ (النحل:88) "جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا، ہم نے ان کے پہلے عذاب پر اور عذاب بڑھا دیا اس کی وجہ سے کہ وہ فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے"۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیئے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک) پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو خلل اندازی شیطان کرتا ہے۔ پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔ یہ سب اس لئے تاکہ اللہ تعالیٰ بنا دے جو وسوسہ ڈالتا ہے شیطان ایک آزمائش ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل بہت سخت ہیں۔ اور بے شک ظالم لوگ مخالفت میں بہت دور نکل جاتے ہیں۔ نیز اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ جان لیں وہ لوگ جنہیں علم بخشا گیا کہ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 63

تم سے حقوق اللہ کی بجا آوری کرائے۔ ایک کا حق دوسرے سے دلوائے اور مقدور بھر راہ راست پر تمہیں چلانے کی کوشش کرے اور تم پر یہ ضروری ہے کہ تم اس کی خوشی خوشی، ظاہر باطن اور غیر مشروط اطاعت کرو۔ عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ یہ آیت اس فرمان کی طرح ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (النور:55)۔ ''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کر رکھا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا''۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ یہ اس فرمان کی طرح ہے: ''وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ'' زید بن اسلم اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ان کے اعمال کا ثواب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے(1)۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝

''اور اگر یہ کفار آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کیا تعجب ہے) پس جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے اور عاد و ثمود نے۔ اور قوم ابراہیم نے اور قوم لوط نے۔ اور مدین کے رہنے والوں نے (اپنے اپنے نبیوں کو) اور جھٹلائے گئے موسیٰ بھی تو (کچھ عرصہ) میں نے مہلت دی ان کفار کو (جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑا۔ (خود ہی بتاؤ) کتنا خوفناک تھا میرا عذاب! پس کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے کنوئیں ہیں جو بیکار ہو چکے ہیں اور کتنے چونے سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں (جو ویران پڑے ہیں) کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ (ان کھنڈرات کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ (حق کو) سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ نصیحت سن سکتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں''۔

مخالفین کی تکذیب پر اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے:

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ ... فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ یعنی ان قوموں نے اپنے انبیاء کو جھٹلایا حالانکہ وہ ان کے پاس روشن آیات اور واضح دلائل لے کر آئے تھے۔ میں نے انہیں مہلت دیے رکھی پھر میں نے انہیں پکڑ کر خوفناک اور بھیانک عذاب میں جھونک دیا۔ منقول ہے کہ فرعون کے اس دعوی انا ربکم الاعلیٰ (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) اور اس کی ہلاکت کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا(2)۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: ''وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ'' پھر فرمایا: فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ ... یعنی بہت سی ایسی بستیاں تھیں جن کے رہنے والے ظالم اور اپنے رسولوں کو جھٹلانے والے تھے، ان بستیوں کو ہم نے

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 60

2۔ صحیح البخاری، تفسیر سورہ ہود، جلد 8 صفحہ 354۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997-1998

تہ وبالا کر دیا، وہ اپنی چھتوں کے بل گر پڑیں، ان کے مکانات برباد ہو گئے، آبادیاں اجڑ گئیں، ان کے کنویں بے کار ہو گئے حالانکہ پہلے ان پر بڑی بھیڑ رہتی تھی اور ان کے عالی شان پختہ محلات ویران ہو گئے۔ بقول عکرمہ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ سے مراد وہ محل ہے جسے چونا کیا گیا ہو اور وہ سفید دکھائی دے۔ بعض نے اس کا معنی بلند و بالا محل کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی مضبوط اور نا قابل تسخیر ہے۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں اور ان کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ یہ بلند و بالا، پختہ اور مضبوط محلات اپنے مکینوں کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہ بچا سکے جیسا کہ فرمایا: اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (النساء: 78)۔ "جہاں کہیں تم ہو گے موت تمہیں آ لے گی اگرچہ (پناہ گزین) ہو جاؤ تم مضبوط قلعوں میں"۔ پھر فرمایا: اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا۔ یعنی کیا انہوں نے زمین میں سیاحت کرتے ہوئے غور و فکر نہیں کیا تاکہ انہیں عبرت حاصل ہوتی۔ اگر وہ غور و تدبر کرتے تو یہ انہیں کافی تھا جیسا کہ ابن ابی الدنیا کتاب التفکر والاعتبار میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کرتے ہوئے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! لوہے کے نعلین پہن کر اور لوہے کا عصا لے کر زمین میں سیاحت کریں اور جب تک نعلین پھٹ نہیں جاتے اور عصا ٹوٹ نہیں جاتا، اس وقت تک عبرت کے نشانات تلاش کرتے رہیں (1)۔ اسی کتاب میں کسی دانا کا قول مذکور ہے کہ وعظ کے ساتھ اپنے دل کو زندہ کرو، تفکر کے ساتھ اسے منور کرو، زہد کے ساتھ اسے مار دو، یقین کے ساتھ اور قوی بناؤ، موت کے ساتھ اسے ذلیل کرو، فناء کے ذریعے اسے مستعد رکھو، دنیاوی مصائب و آلام سے اس کی آنکھیں کھول دو، زمانہ کے دست برد سے اسے متنبہ کرو، گردش زمانہ کا خوف دلاتے رہو، گذشتہ واقعات سے اسے عبرت دلاتے رہو اور گذشتہ اقوام کے عبرتناک انجام کا تذکرہ اس سے کرتے رہو (2)۔ پھر فرمایا: فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ۔ اگر بصیرت مفقود ہو اور دل اندھا ہو تو ظاہری بصارت کی موجودگی کے باوجود نہ عبرت حاصل ہوتی ہے، اور نہ ہی حقیقت حال کا علم ہوتا ہے۔ ابو محمد ابن حیان اندلسی نے جن کی وفات ۵۱۷ھ میں ہوئی، اپنے اشعار میں اس مضمون کی کیا خوب ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے: اے وہ شخص جو برائی کی دعوت دینے والے کی طرف کان لگائے ہوئے ہے حالانکہ بڑھاپا اور کبرسنی تجھے موت کا پیغام دے رہے ہیں، اگر تو نصیحت کو گوش ہوش سے نہیں سنتا تو کیا تمہیں کانوں اور آنکھوں سے بھی عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ حقیقی بہرہ اور اندھا وہ ہے جس کے کان اور آنکھیں اسے راہ راست پر گامزن نہ کریں، نہ زمانہ باقی رہے گا، نہ دنیا، نہ آسمان، نہ سورج اور نہ چاند۔ اس دنیا سے بادل ناخواستہ ایک نہ ایک دن کوچ کرنا ہی پڑے گا، کوئی امیر ہو یا غریب، شہری ہو یا دیہاتی، موت سب کیلئے یکساں ہے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝

"یہ لوگ جلدی مانگ رہے ہیں آپ سے عذاب (یہ تسلی رکھیں) اللہ تعالیٰ خلاف ورزی نہیں کرے گا اپنے وعدہ کی۔ اور بے شک ایک دن تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو۔ اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں میں نے (کافی عرصہ) ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (بھی جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری طرف ہی (سب کو) لوٹنا ہے"۔

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 61
2۔ دیکھئے نہج البلاغۃ المنسوب للامام علی: 308

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ یہ ملحد، کافر اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور یوم آخرت کو جھٹلانے والے آپ سے جلدی عذاب طلب کر رہے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ (الانفال:32)۔ وَ قَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (ص:16)۔ فرمایا: وَ لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ۔ یعنی قیامت برپا کرنے، اپنے دشمنوں سے انتقام لینے اور اپنے دوستوں کے ساتھ اعزاز و اکرام کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کر رکھا ہے، وہ ہرگز اس کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ اصمعی کہتے ہیں کہ میں ابو عمرو بن العلاء کے پاس تھا کہ عمرو بن عبید وہاں آ گیا اور کہنے لگا کہ اے ابو عمرو! کیا اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ اس نے فوراً وعید والی آیت پڑھی تو ابو عمرو کہنے لگے کہ کیا تو عجمی ہے؟ عرب وعدہ خلافی کو برا سمجھتے ہیں اور دھمکی پر عمل در آمد نہ کرنے کو باعث کرم سمجھتے ہیں جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

فَاِنِّیْ وَاِنْ اَوْعَدْتُهٗ اَوْ وَعَدْتُهٗ لَمُخْلِفُ اِیْعَادِیْ وَ مُنْجِزُ مَوْعِدِیْ

یعنی میں کسی کو دھمکی دوں یا کسی چیز کا وعدہ کروں تو میں اپنی دھمکی کی خلاف ورزی کرتا ہوں اور اپنے وعدہ کو پورا کرتا ہوں (1)۔

فرمایا: وَ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ...... یعنی اللہ تعالیٰ فوری اور جلد سزا نہیں دیتا کیونکہ اپنے حلم کے پیش نظر مخلوق کے ہزار سال اس کے ہاں ایک دن کی طرح ہیں۔ اسے پورا پورا علم ہے کہ وہ انتقام پر قادر ہے اور کوئی چیز اس سے بچ نہیں سکتی اگرچہ وہ مہلت اور ڈھیل دیتا رہتا ہے، اس لئے اس کے بعد فرمایا: وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فقراء مسلمان مالدار مسلمانوں سے نصف دن یعنی پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے" (2)۔ سمیر بن نہار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فقراء مسلمان مالدار مسلمانوں سے بمقدار نصف یوم پہلے جنت میں جائیں گے۔ میں نے پوچھا کہ نصف یوم کی مقدار کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن کریم میں یہ وَ اِنَّ يَوْمًا نہیں پڑھا (3)۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو آدھے دن تک تو ضرور مؤخر رکھے گا"۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آدھا دن کتنے عرصہ کا ہے؟ فرمایا: پانچ سو سال (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ ان دنوں میں سے ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا (5)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الرد علی الجھمیہ میں اسے صراحتاً بیان کیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس فرمان کی طرح ہے: يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (السجدة:5) "تدبیر فرماتا ہے ہر کام کی آسمان سے زمین تک پھر ہر کام اس کی طرف رجوع کرے گا اس روز جس کی مقدار ہزار سال ہے اس اندازہ سے جس سے تم شمار کرتے ہو"۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی اجل چھ دن مقرر کی ہے، ساتویں دن قیامت ہے بس چھ دن تو گزر گئے اور اب تم ساتویں دن میں ہو۔ اب قیامت ایسے ہے جیسے مکمل مدت کی حاملہ، جس کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کب بچہ جنم دے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ

1۔ دیوان عامر بن طفیل: 58
2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 213۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 11 صفحہ 6
3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 183
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4 صفحہ 125
5۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 183، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 62

مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٥٠﴾ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٥١﴾

"(اے حبیب!) آپ فرمائیے اے لوگو! بس میں تو تمہیں (عذاب الٰہی سے) کھلا ڈرانے والا ہوں۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو ان کے لئے مغفرت بھی ہے اور باعزت روزی بھی۔ اور جو لوگ کوشش کرتے رہے ہماری آیتوں (کی تردید) میں اس خیال سے کہ وہ ہمیں ہرا دیں گے، یہی لوگ دوزخی ہیں"۔

کفار نبی کریم ﷺ سے فوری عذاب کا تقاضا کرتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ یعنی اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں عذاب شدید سے ڈراؤں، تمہارا حساب میرے ذمہ نہیں بلکہ تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں جلدی عذاب میں مبتلا کر دے اور اگر چاہے تو کچھ تاخیر کر دے، اگر اس کی مرضی ہو تو توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرمالے اور اگر اس کی مرضی ہو تو اس شخص کو گمراہ کر دے جس کے مقدر میں شقاوت لکھی جا چکی ہے وہ جو چاہے کرتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: فَالَّذِينَ آمَنُوا یعنی وہ لوگ جو صدق دل سے ایمان لائے اور انہوں نے اپنے اعمال سے ایمان کی تصدیق کی، ان کے گذشتہ گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے اور تھوڑی سی نیکیوں پر بھی بہت عمدہ اجر عطا کیا جاتا ہے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں "رزق کریم" سے مراد جنت ہے۔(1) اگلی آیت میں فرمایا: وَالَّذِينَ سَعَوْا یعنی وہ لوگ جو دوسروں کو نبی کریم ﷺ کی اتباع سے روکتے ہیں وہ جہنمی ہیں۔ جحیم سخت گرم، المناک، شدید اور عبرتناک آگ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ (النحل: 88) "جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) اللہ کی راہ سے روکا، ہم نے ان کے پہلے عذاب پر اور عذاب بڑھا دیا اس کی وجہ سے کہ وہ فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے"۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٢﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿٥٣﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٤﴾

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیئے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک) پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو خلل اندازی شیطان کرتا ہے۔ پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔ یہ سب اس لئے تاکہ اللہ تعالیٰ بنائے جو وسوسہ ڈالتا ہے شیطان ایک آزمائش ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل بہت سخت ہیں۔ اور بے شک ظالم لوگ مخالفت میں بہت دور نکل جاتے ہیں۔ نیز اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ جان لیں وہ لوگ جنہیں علم بخشا گیا کہ

1۔ الدر منثور، جلد 6، صفحہ 63

کتاب حق ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ ایمان لائیں اس کے ساتھ اور جھک جائیں اس (کی سچائی) کے آگے ان کے دل۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے ایمان والوں کو راہ راست کی طرف"۔

بہت سے مفسرین نے یہاں غرانیق کا قصہ بیان کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس واقعہ کی وجہ سے اکثر مہاجرین حبشہ یہ سمجھ کر واپس مکہ لوٹ آئے کہ مشرکین قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے لیکن یہ قصہ ہر سند سے مرسل ہے اور کسی بھی صحیح سند سے مسند نہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ شریف میں مشرکین کے اجتماع میں سورۂ نجم کی تلاوت کی۔ جب اس مقام پر پہنچے: اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ۙ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى (النجم: 20-19) تو شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر یہ کلمات جاری کر دیے: "تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى وَ اِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى" یعنی یہ (بت) مرغان بلند پرواز ہیں۔ ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔ یہ سن کر مشرکین خوش ہو گئے اور حضور ﷺ کے متعلق کہنے لگے کہ اس نے آج سے پہلے کبھی بھی ہمارے خداؤں کا ذکر خیر نہیں کیا چنانچہ آپ ﷺ نے بھی سجدہ کیا اور وہ بھی سجدہ میں گر گئے۔ اس وقت یہ آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ ... نازل ہوئی (1)۔ ابن جریر نے بھی یہ واقعہ روایت کیا ہے اور یہ مرسل ہے۔ بزار نے اپنی مسند میں اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، لکھا ہے کہ یہ صرف اس سند سے متصل ہے۔ صرف امیہ بن خالد نے ہی اسے وصل کیا ہے اور وہ ثقہ مشہور ہیں۔ یہ صرف طریق کلبی سے ہی مروی ہے (2)۔ ابن ابی حاتم نے اسے ابو العالیہ اور سدی سے مرسلا روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابن جریر نے بھی محمد بن کعب قرظی اور محمد بن قیس سے اسے مرسل ہی روایت کیا ہے (3)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو اونگھ آگئی اور شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ ڈال دیے: "وَاِنَّ شَفَاعَتَهَا لَتُرْتَجٰى وَ اِنَّهَا لَمَعَ الْغَرَانِيقِ الْعُلٰى" مشرکین ان الفاظ کو لے اڑے اور شیطان نے یہ بات پھیلا دی کہ نبی کریم ﷺ نے ان کلمات کی بھی تلاوت کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ ... نازل کی اور شیطان کو ذلیل و رسوا کر دیا (4)۔ ابن ابی حاتم میں ابن شہاب سے مروی ہے کہ سورۂ نجم نازل ہوئی اور مشرکین یہ کہہ رہے تھے کہ اگر یہ شخص (نبی کریم ﷺ) ہمارے معبودوں کو اچھے لفظوں میں یاد کرلے تو ہم اسے اور اس کے ساتھیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں لیکن جس طرح یہ گالیوں اور برائی سے ہمارے خداؤں کا ذکر کرتا ہے اس طرح یہود و نصاریٰ جیسے اپنے دینی مخالفین کا ذکر نہیں کرتا۔ یہ وہ وقت تھا جب آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشرکین کی ایذارسانیوں کی انتہا ہو چکی تھی اور ان کی تکذیب اور گمراہی آپ ﷺ کو بے چین کیے ہوئی تھی۔ آپ کی شدید خواہش تھی کہ یہ لوگ ہدایت قبول کر لیں۔ جب آپ نے سورۂ نجم کی تلاوت شروع کی اور اس مقام پر پہنچے اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ ... وَلَهُ الْاُنْثٰى تو چونکہ یہاں بتوں کا ذکر ہوا ہے، اس لیے شیطان نے ان کے متعلق یہ کلمات ڈال دیے: "وَ اِنَّهُنَّ لَهُنَّ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى وَ اِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَهِيَ الَّتِيْ تُرْتَجٰى" یہ مسجع اور مقفی عبارت شیطان کی طرف سے فتنہ تھا۔ یہ کلمات مشرکین کے دل میں جگہ پا گئے اور وہ انہیں دہرا دہرا کر حضور ﷺ کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ اپنے پہلے دین اور اپنی قوم کے دین کی طرف لوٹ آیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم کے اختتام پر سجدہ کیا تو مجلس میں موجود تمام مسلمان اور مشرک بھی سجدہ میں گر گئے، سوائے ولید بن مغیرہ کے۔ چونکہ وہ بہت بوڑھا اور ضعیف تھا اس لیے اس نے ایک مٹھی مٹی لے کر اسے اپنی پیشانی کے ساتھ لگا لیا۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 188-189
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 72
3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 186-187
4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 68

آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے پر دونوں فریقوں کو ایک دوسرے پر تعجب ہوا۔ مسلمان اس بات پر متعجب تھے کہ مشرکین بغیر ایمان لائے اور یقین کیے ان کے ساتھ سجدہ میں شامل ہو گئے۔ مسلمانوں نے وہ الفاظ نہیں سنے تھے جو شیطان نے مشرکین کے کانوں میں ڈالے تھے۔ شیطان نے حضور ﷺ کی تلاوت کے دوران جو دخل اندازی کی تھی اس کے متعلق اس نے وسوسہ اندازی کرتے ہوئے مشرکین کو یہ باور کرا دیا کہ یہ کلمات بھی آپ ﷺ نے ہی اس سورت میں پڑھے ہیں۔ مشرکین اس پر مطمئن ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ بتوں کی شفاعت کے متعلق کلمات آپ ﷺ نے ہی تلاوت کیے ہیں چنانچہ وہ بتوں کی تعظیم کی خاطر سجدہ ریز ہو گئے۔ لوگوں میں اس واقعہ کا خوب چرچا ہوا اور شیطان نے بھی اسے پھیلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا یہاں تک کہ مہاجرین حبشہ کو بھی اس کی خبر ہو گئی۔ جب حضرت عثمان بن مظعون اور دیگر مسلمان مہاجرین کو یہ معلوم ہوا کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے بلکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز بھی پڑھی اور ولید بن مغیرہ سجدہ نہ کر سکا تو اس نے مٹھی بھر مٹی لے کر اس پر ماتھا ٹیک دیا اور اب مسلمان مکہ شریف میں امن و سکون کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں تو ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی اور انہوں نے جلدی سے واپس مکہ کی راہ لی۔ ان کے واپس مکہ پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شیطان کی دخل اندازی اور وسوسہ انگیزی کو ختم کر دیا اور اپنی آیات کو مستحکم کر کے انہیں بالکل محفوظ کر دیا اور فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ ۔۔ جب اللہ تعالیٰ نے حقیقت حال سے پردہ اٹھا دیا اور اپنے کلام کو شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رکھا تو مشرکین کی آتش عداوت مزید بھڑک اٹھی۔ وہ اپنی گمراہی میں اور زیادہ سخت ہو گئے اور پہلے سے بھی زیادہ مسلمانوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑنے لگے۔ یہ روایت بھی مرسل ہے۔ تفسیر ابن جریر میں بھی یہ روایت موجود ہے (1) اور حافظ ابو بکر بیہقی نے بھی اسے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے (2)۔ علاوہ ازیں محمد بن اسحاق بھی اسے اپنی سیرت میں لائے ہیں (3)۔ لیکن یہ تمام روایات مرسل اور منقطع ہیں۔ امام بغوی نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اس قسم کی روایات نقل کرنے کے بعد خود ہی ایک سوال اٹھایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی عصمت کا بذات خود ضامن اور محافظ ہے تو پھر آپ ﷺ سے ایسی بات کا صدور کیسے ممکن ہے؟ پھر انہوں نے مختلف علماء سے متعدد جوابات نقل کیے ہیں جن میں سے لطیف ترین جواب یہ ہے کہ شیطان نے مشرکین کے کانوں میں یہ بات ڈال دی اور انہیں یہ وہم دلایا کہ یہ الفاظ آپ ﷺ کے منہ سے نکلے ہیں حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ تھا بلکہ یہ شیطان کی اپنی کارستانی تھی، آپ ﷺ سے ایسی بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا (4)۔ اسی طرح اور بھی متعدد حضرات نے اس واقعہ کے متعلق گفتگو کی ہے اور بفرض صحت روایت اس کے متعدد جوابات دیے ہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشفاء میں اس قصہ کا ذکر کیا ہے ان کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہ اسی طرح ہے کیونکہ یہ ثابت ہے (5)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى ۔۔ یعنی شیطان آپ کو تشویش میں مبتلا نہیں کر سکتا۔ سابقہ انبیاء و رسل کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے کہ جب ان میں کوئی گفتگو کرتا تو شیطان دخل اندازی کرتے ہوئے اس کی گفتگو میں کوئی بات اپنی طرف سے ڈال دیتا لیکن اللہ تعالیٰ شیطان کی وسوسہ اندازی کو باطل کر دیتا ہے اور پھر اپنی آیات کو محکم کرتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں "تمنی" بمعنی قال ہے اور "امنیته" کا معنی "قراءته" ہے۔ "اِلَّآ اَمَانِيَّ" کا مطلب یہ ہے کہ وہ پڑھتے ہیں، لکھتے نہیں۔ بغوی اور دیگر اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ "تمنی" کا معنی ہے کتاب اللہ کی تلاوت کرنا اور "امنیته" کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 189 2۔ دلائل النبوۃ، جلد 2 صفحہ 286-296

3۔ یہ روایت سیرت ابن ہشام میں مذکور نہیں، البتہ امام سہیلی نے الروض الانف (1 / 229) میں یہ روایت موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق کے حوالے سے ذکر کی ہے۔

4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 293-294 5۔ کتاب الشفاء از قاضی عیاض، جلد 2 صفحہ 750-763

معنی ہے تلاوت (1)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب شہید کیا گیا تو کسی شاعر نے آپ کے متعلق یہ شعر کہا:۔

تَمَنّٰى كِتَابَ اللّٰهِ اَوَّلَ لَيْلِهٖ ۔۔۔ وَاٰخِرَهَا لَاقٰى حِمَامَ الْمَقَادِرِ

یہاں بھی ''تمنی'' قرأت اور تلاوت کے معنی میں ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ قول تاویل کلام کے زیادہ قریب ہے (2)۔ نسخ کا لغوی معنی ہے ازالہ اور رفع۔ حضرت ابن عباس اس فرمان فَيَنْسَخُ اللّٰهُ .. کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شیطان کی القاء کی ہوئی بات کو باطل کر دیتا ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے شیطان کی بات کو مٹا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی آیت کو محکم بنا دیتا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ تمام امور اور حوادثات سے بخوبی آگاہ ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں اور وہ اپنے فیصلے، تخلیق اور حکم میں حکیم ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، اس لئے فرمایا: لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان کی وسوسہ اندازی کو ان لوگوں کیلئے فتنہ بنا دے جن کے دلوں میں شک، شرک، کفر اور نفاق کا مرض ہے، مثلاً مشرکین، جب انہوں نے یہ بات سنی تو بہت خوش ہوئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ یہ الفاظ شیطان کی طرف سے تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ سے مراد منافقین ہیں اور وَالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ سے مراد مشرکین، مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہود ہیں۔ فرمایا: وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۔ یعنی ظالم گمراہی، مخالفت اور ایسے عناد کا شکار ہیں جو حق وصواب سے بہت دور ہے۔ دوسری حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۔ یعنی وہ لوگ جنہیں ایسا علم نافع عطا کیا گیا ہے جس کے ساتھ وہ حق و باطل میں تمیز کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، وہ اس حقیقت کو جان لیں کہ ہم نے آپ ﷺ کی طرف جو وحی کی ہے، وہی برحق ہے، اسے آپ کے رب نے اپنے علم سے نازل کیا اور کسی دوسرے کلام کی آمیزش سے اسے بالکل محفوظ بنا دیا۔ یہ ایسی کتاب عزیز ہے جس کی طرف باطل کسی جانب سے بھی راہ نہیں پا سکتا۔ یہ حکیم وحمید خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اس قول فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کی تصدیق کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ یعنی ان کے دل خشوع وخضوع سے اس کے سامنے جھک جائیں۔ پھر فرمایا: وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ ..... یعنی اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دنیا و آخرت میں راہ راست دکھانے والا ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ حق اور اس کی اتباع کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے اور باطل کی مخالفت اور اس سے اجتناب کی توفیق بخشتا ہے اور آخرت میں وہ انہیں ایسی راہ پر چلائے گا جو سیدھی انہیں جنت میں لے جائے گی اور وہ انہیں جہنم کے دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿٥٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾

''اور ہمیشہ شک میں مبتلا رہیں گے کفار اس کے بارے میں یہاں تک کہ آ جائے ان پر قیامت اچانک یا آ جائے ان پر عذاب منحوس دن کا۔ حکمرانی اس روز اللہ تعالیٰ کی ہی ہو گی۔ وہی فیصلہ فرمائے گا لوگوں کے درمیان۔ پس جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے تو وہ نعمت (واحسان) کے باغوں میں (قیام پذیر) ہوں گے۔ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو یہ وہ بدنصیب ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہو گا''۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 293 ۔۔۔ 2۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 109

اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ وہ قرآن کریم کے متعلق ہمیشہ شک میں مبتلا رہیں گے ابن جریج نے ''منہ'' کی ضمیر کا مرجع قرآن کریم کو بنا کر یہ مفہوم بیان کیا ہے(1)۔ سعید بن جبیر اور ابن زید نے اس ضمیر کا مرجع شیطان کی القاء کی ہوئی بات کو بنایا ہے یعنی وہ شیطان کی وسوسہ اندازی کے باعث ہمیشہ شک وشبہ کا شکار رہیں گے یہاں تک کہ اچانک ان پر قیامت آ جائے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جب لوگ برائیوں میں مدہوش ہو جاتے ہیں، مہلت کی گھڑیوں اور نعمتوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں تو اس وقت اچانک اللہ تعالیٰ انہیں پکڑ لیتا ہے اس لئے دھوکہ کا شکار نہ ہونا کیونکہ دھوکے میں رہنے والے فاسق لوگ ہوتے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یوم عقیم (منحوس دن) سے مراد بدر کا دن ہے۔ عکرمہ، مجاہد، ضحاک اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے جس کے بعد رات نہیں۔ یہی قول صحیح ہے۔ اگرچہ بدر کا دن بھی ان کے کیلئے عذاب تھا لیکن یہاں مراد روز قیامت ہے، اس لئے فرمایا: اَلۡمُلۡكُ يَوۡمَئِذٍ - جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ (الفاتحہ:3)۔ اَلۡمُلۡكُ يَوۡمَئِذِ ۨالۡحَـقُّ لِلرَّحۡمٰنِ‌ ؕ وَكَانَ يَوۡمًا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ عَسِيۡرًا (الفرقان:26) ''اس دن سچی بادشاہی رحمٰن کی ہوگی اور وہ دن کافروں کے لیے بڑا مشکل ہوگا''۔ اس کے بعد فرمایا: فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا - یعنی وہ لوگ جو صدق دل سے ایمان لائے، اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کی، اپنے علم کے مطابق عمل کرتے رہے اور ان کے دلوں میں اقوال وافعال کی مکمل ہم آہنگی رہی، ان کیلئے جنت کی دائمی نعمتیں ہوں گی جو نہ فنا ہوں گی، نہ کم ہوں گی اور نہ بگڑیں گی۔ ان کے برعکس وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، حق کی تکذیب کی، رسولوں کی مخالفت کی اور ان کے اتباع سے تکبر کرتے رہے انہیں تکبر اور انکار حق کی پاداش میں رسوا کن عذاب دیا جائے گا جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيۡنَ يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِىۡ سَيَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيۡنَ (المومن:60) ''وہ لوگ جو میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے''۔

وَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوۡۤا اَوۡ مَاتُوۡا لَيَرۡزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزۡقًا حَسَنًا‌ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ۝ لَيُدۡخِلَنَّهُمۡ مُّدۡخَلًا يَّرۡضَوۡنَهٗ‌ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ ۝ ذٰلِكَ‌ ۚ وَمَنۡ عَاقَبَ بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِىَ عَلَيۡهِ لَيَنۡصُرَنَّهُ اللّٰهُ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ ۝

''اور جن لوگوں نے ہجرت کی راہ خدا میں پھر وہ (جہاد میں) قتل کر دیے گئے یا طبعی طور پر فوت ہوئے تو ضرور عطا فرمائے گا انہیں اللہ تعالیٰ بہترین رزق۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ وہ ضرور داخل کرے گا انہیں ایسی جگہ جسے وہ پسند کریں گے اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے۔ ان باتوں کو یاد رکھو! اور جس نے بدلا لیا اس قدر جتنی تکلیف اسے دی گئی تھی پھر (مزید) زیادتی کی گئی اس پر تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرمائے گا بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے''۔

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہجرت کی اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر دین کی سربلندی کیلئے اپنے خویش واقارب، اہل وعیال اور مال ودولت کو خیرباد کہا، پھر وہ میدان جہاد میں شہید ہو گئے یا بغیر جنگ کے طبعی طور پر فوت ہو گئے ان کیلئے اجر عظیم اور ثناء جمیل ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَنۡ يَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَيۡتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ يُدۡرِكۡهُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (النساء:100) ''اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے پھر اسے موت آ جائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا''۔ ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 17، صفحہ 192

نفوس قدسیہ کے اجر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے نوازے گا اور جنت میں ایسا رزق عطا فرمائے گا جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے، مزید برآں اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں ایسی جگہ مرحمت فرمائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا: فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ (الواقعہ: 88-89) ''پس اگر وہ اللہ کے مقرب بندوں سے ہوگا تو اس کیلئے راحت، خوشبودار غذائیں اور سرور والی جنت ہوگی''۔ یعنی انہیں راحت، رزق اور نعمتوں بھری جنت حاصل ہوگی جیسا کہ یہاں فرمایا: لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ

آیت کے آخر میں فرمایا: وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ ہجرت کرنے والوں، جہاد کرنیوالوں اور ان انعامات کا استحقاق رکھنے والوں سے اچھی طرح آگاہ ہے اور وہ بہت بردبار اور حلیم ہے، وہ اپنے ان بندوں کی ہجرت اور توکل کے سبب ان کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں خواہ وہ مہاجر ہوں یا غیر مہاجر وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران: 169) ''اور اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والوں کو ہرگز مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں (اور) رزق دیے جاتے ہیں''۔ اس بارے میں بہت سی احادیث گذر چکی ہیں۔ جو آدمی راہ خدا میں فوت ہو جائے خواہ وہ مہاجر ہو یا غیر مہاجر، اس پر اللہ تعالیٰ احسان فرماتا ہے اور اسے اپنی جناب سے رزق عطا کرتا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ اور بہت سی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حضرت شرحبیل بن سمیط فرماتے ہیں کہ سرزمین روم میں ایک قلعہ کا محاصرہ طول پکڑ گیا۔ اسی اثناء میں حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کا میرے پاس سے گذر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جو شخص جہاد کی تیاری میں فوت ہو جائے، اللہ تعالیٰ اسے اس کا اجر عطا فرماتا ہے، رزق سے نوازتا ہے اور فتنہ میں ڈالنے والوں سے محفوظ رکھتا ہے، اگر چاہو تو یہ فرمان پڑھ لو: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ (1)۔ حضرت ابوقبیل رحمۃ اللہ علیہ اور ربیعہ بن سیف معافری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم رودس میں مصروف جہاد تھے ہمارے ساتھ صحابی رسول ﷺ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ دو جنازے ہمارے پاس سے گزرے جن میں سے ایک شہید تھا اور دوسرا اپنی طبعی موت مرا تھا۔ لوگ شہید کے جنازے پر جھک پڑے۔ حضرت فضالہ فرمانے لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ لوگ ایک پر جھکے پڑے ہیں اور دوسرے کی طرف بالکل توجہ نہیں دے رہے۔ لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ یہ شہید ہے اور دوسرا اس سعادت سے محروم ہے۔ آپ فرمانے لگے کہ مجھے تو کوئی پرواہ نہیں خواہ اس کی قبر سے اٹھوں خواہ اس کی قبر سے۔ سنو، اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا ۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ دو جنازوں میں شریک ہوئے، ایک شہید تھا اور دوسرا طبعی طور پر فوت ہوا تھا۔ آپ طبعی موت مرنے والے کی قبر پر بیٹھ گئے۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ شہید کی قبر کے پاس کیوں نہیں بیٹھے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں ان میں سے کس کی قبر سے اٹھتا ہوں پھر آپ نے مذکورہ دو آیات تلاوت کیں اور فرمانے لگے: اے بندے! جب تمہیں جنت مل گئی اور عمدہ رزق مرحمت کر دیا گیا تو تمہیں اور کیا چاہیے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ رودس میں ایک دستہ کے امیر تھے۔ پھر فرمایا: ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ۔ مقاتل بن حیان اور ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ آیت صحابہ کے ایک چھوٹے سے لشکر کے متعلق اتری جن کا ماہ محرم میں مشرکین کی ایک جماعت سے آمنا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے ان سے ماہ حرام میں لڑائی سے اجتناب کرنے کو کہا لیکن وہ لڑائی پر مصر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1520، سنن نسائی، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 39

رہے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے چنانچہ مسلمانوں نے جوابی حملہ کر کے انہیں شکست فاش دی اور اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے طفیل غالب آ گئے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾

"اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی داخل کرتا ہے رات (کے کچھ حصہ) کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کے کچھ حصہ) کو رات میں اور اللہ تعالیٰ سب باتیں سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ نیز اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو خدائے برحق ہے اور جسے وہ پوجتے ہیں اس کے علاوہ وہ سراسر باطل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بلند (اور) سب سے بڑا ہے"۔

اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق اور وہی اپنی مشیت کے مطابق مخلوق میں تصرف کرنے والا ہے جیسا کہ فرمایا: قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران: 28-27)

ایلاج کا معنی ہے داخل کرنا۔ پس گرمیوں میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور سردیوں میں راتیں لمبی اور دن چھوٹے ہوتے ہیں۔ فرمایا: وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتوں کو خوب سننے والا اور انہیں اچھی طرح دیکھنے والا ہے۔ بندوں کے احوال اور حرکات وسکنات میں سے کوئی چیز بھی اس پر پوشیدہ نہیں۔ جب یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز میں تصرف کرنے والا ہے اور وہی حاکم ہے جس کے حکم کو کوئی مسترد نہیں کر سکتا تو فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ یعنی اللہ تعالیٰ ہی خدائے برحق ہے اور صرف وہی عبادت کے لائق ہے کیونکہ وہ ایسی شان، عظمت اور قوت والا ہے کہ جو وہ چاہتا ہے، صرف وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا اور ہر چیز اس کی محتاج اور اس کے سامنے ہیچ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں وغیرہ کی پرستش کی جاتی ہے، وہ سب باطل ہیں اور کسی نفع ونقصان کی قدرت نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے۔ ہر چیز اس کے ماتحت اور زیر تسلط ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب کیونکہ وہ ایسا عظیم ہے جس سے بڑھ کر کوئی عظمت والا نہیں، ایسا اعلیٰ وارفع ہے جس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ نہیں اور وہ سب سے بڑا ہے، اس سے بڑا کوئی نہیں۔ وہ ظالموں اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی ہرزہ سرائیوں سے منزہ، مقدس اور بہت ہی بلند ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿٦٣﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٦٤﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۡ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿٦٦﴾

"کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی تو ہو جاتی ہے (خشک) زمین سرسبز و شاداب۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ لطف فرمانے والا ہر چیز سے باخبر ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بے پروا اور ہر تعریف کا مستحق ہے۔ اور کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمانبردار بنا دیا ہے تمہارے لئے ہر چیز کو جو زمین میں ہے اور کشتی کو بھی کہ چلتی ہے سمندر میں اس کے حکم سے۔ اور اس نے روکا ہوا ہے آسمان کو گر نہ پڑے زمین پر بجز اس کے فرمان کے۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا، ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی پھر مارے گا تمہیں پھر زندہ کرے گا تمہیں بیشک انسان بڑا ناشکرا ہے"۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت عظیمہ کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ اس کے حکم سے ہوائیں بادل لاتی ہیں جو خشک، مردہ اور غیر آباد زمین پر بارش برساتے ہیں تو وہاں سرسبز و شاداب کھیت لہلہانے لگتے ہیں اور ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگتا ہے۔ یہاں "فتصبح" کی فاء تعقیب کیلئے ہے اور ہر چیز کی تعقیب اس کے مخصوص انداز سے ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ (المومنون:14) صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے کہ مذکورہ اشیاء میں سے ہر دو چیزوں کے درمیان چالیس دن کا فاصلہ ہوتا ہے۔ یہی معاملہ اس آیت میں ہے۔ بعض اہل حجاز سے منقول ہے کہ بعض زمینیں بارش کے فوراً بعد سرسبز و شاداب ہو جاتی ہیں۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ یعنی زمین کے گوشوں اور تہوں میں جو دانے ہیں اگرچہ وہ چھوٹے ہوں، انہیں بھی وہ اچھی طرح جانتا ہے اور ہر دانے تک پانی پہنچانے کا انتظام کرتا ہے جس سے وہ اگتا ہے جیسا کہ حضرت لقمان نے کہا: يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ (لقمان:16) "پیارے فرزند! اگر رائی کے برابر وزن چیز ہو یا پھر کسی چٹان میں یا آسمان یا زمین میں چھپی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ لے آئے گا، بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے"۔ علاوہ ازیں اور مقامات پر فرمایا: اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النمل:25) "وہ اللہ تعالیٰ کو کیوں نہ سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین سے پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے"، وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (الانعام:59) "اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ اسے جانتا ہے اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ روشن کتاب میں لکھی ہوئی ہے"۔ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (یونس:61) "اور نہیں چھپا ہوتا آپ کے رب سے ذرہ برابر بھی زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں کوئی چھوٹی چیز اس ذرہ سے اور نہ کوئی بڑی مگر یہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ہے"۔ فرمایا: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ یعنی تمام چیزیں اس کی ملکیت ہیں، وہ ہر چیز سے بے پروا ہے، ہر چیز اس کی محتاج اور غلام ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے حیوانات، جمادات، کھیتیاں اور پھل تمہارے لیے مسخر کر دیے ہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (الجاثیہ:13) یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور احسان ہے کہ اس نے ہر چیز انسان کیلئے فرمانبردار بنا دی، اسی طرح کشتیوں کو بھی انسان کا تابع فرمان بنا دیا جو سمندر کی تلاطم خیز موجوں کو چیرتی ہوئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہواؤں کے ساتھ بڑی نرمی اور سکون کے ساتھ چلتی ہیں اور مسافروں کے علاوہ تجارتی سامان بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روک رکھا ہے۔ اگر وہ چاہے تو آسمان کو اجازت دے دے تو وہ زمین پر گر کر سب کو نیست و نابود کر دے

لیکن یہ اس کے لطف وکرم، اور رحمت وقدرت کا کرشمہ ہے کہ وہ آسمان کو گرنے سے روکے ہوئے ہے بجز اس کے اذن کے اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ یعنی لوگوں کے ظلم کے باوجود وہ ان پر بہت مہربان اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ جیسا کہ ایک دوسرے آیت میں فرمایا: وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَۃٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِہِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّکَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ (الرعد:6) ''اور آپ کا رب لوگوں کو ان کے ظلم کے باوجود بخشنے والا ہے اور بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا بھی ہے''۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَھُوَ الَّذِیْٓ اَحْیَاکُمْ ... اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ۚ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (البقرۃ:28) ''تم کیونکر اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر اس کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے''۔ قُلِ اللّٰہُ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یَجْمَعُکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَا رَیْبَ فِیْہِ (الجاثیہ:26) ''فرمایئے اللہ نے تمہیں زندہ فرمایا ہے، پھر وہی تمہیں مارے گا پھر تمہیں روز قیامت جمع کرے گا جس میں ذرا شک نہیں''۔ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ (المومن:11) ''وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا''۔ کلام کا مطلب یہ ہے کہ تم کیونکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو اور اس کے ساتھ غیروں کی عبادت کیوں کرتے ہو حالانکہ پیدا کرنے والا، رزق دینے والا اور تصرف کرنے والا صرف وہی خدائے واحد ہے، اس نے تمہیں عدم محض سے وجود بخشا، پھر وہی تمہیں مارے گا اور پھر قیامت کے دن وہی تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ بلاشبہ انسان بہت ہی ناشکرا ہے۔

لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا ھُمْ نَاسِکُوْہُ فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ ؕ اِنَّکَ لَعَلٰی ھُدًی مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۶۷﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْکَ فَقُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾

''ہر امت کے لئے ہم نے مقرر کر دیا ہے عبادت کا طریقہ جس کے مطابق وہ عبادت کرتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ نہ جھگڑا کریں آپ سے اس معاملہ میں آپ بلاتے رہئے انہیں اپنے رب کی طرف (اے محبوب ﷺ!) آپ بے شک سیدھی راہ پر (گامزن) ہیں۔ اور اگر وہ (پھر بھی) آپ سے جھگڑا کریں، تو آپ (صرف اتنا) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن ان امور کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو''۔

کلام عرب میں ''مَنْسَک'' اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں آنے جانے کا انسان عادی ہو خواہ خیر کیلئے یا شر کیلئے، اسی لیے احکام حج کو ''مَنَاسِک'' کہنے کی یہی وجہ ہے کہ لوگ بار بار جاتے ہیں اور ان کی بجا آوری کرتے ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس لِکُلِّ اُمَّۃٍ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ہر نبی کی امت کیلئے نظام شریعت مقرر کیا ہے جس کے مطابق وہ عبادت کرتے ہیں[1] اگر یہی مراد ہو تو فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ مشرکین آپ سے اس معاملہ میں تنازع نہ کریں۔ اور اگر یہاں لِکُلِّ اُمَّۃٍ میں نظام عبادت مقرر کرنا بطور قدرت کے ہو جیسا کہ اس ارشاد میں ہے: وَلِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا (البقرۃ:148) ''اور ہر قوم کیلئے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ کرتی ہے''۔ اس لیے فرمایا: ھُمْ نَاسِکُوْہُ تو اس صورت میں یہاں ضمیر کا مرجع یہی ہوں گے جن کیلئے نظام عبادات مقرر کیا گیا

1۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 198

یعنی یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادہ سے ایسا کر رہے ہیں، اس لیے آپ ان کے جھگڑے کو خاطر میں نہ لائیں اور یہ چیز آپ کو حق سے نہ ہٹا دے، اس لئے فرمایا: وَادْعُ اِلٰی رَبِّكَ ۔ یعنی آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیے یقیناً آپ ایسے واضح اور سیدھے رستے پر گامزن ہیں جو مقصود تک پہنچانے والا ہے ایسا ہی ایک اور فرمان ہے: وَ لَا یَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْكَ وَ ادْعُ اِلٰی رَبِّكَ (القصص: 87) ''اور وہ آپ کو ہرگز اللہ کی آیات سے نہ روکیں اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف اتاری گئیں اور اپنے رب کی طرف بلایئے''۔ فرمایا: وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ ۔ اس فرمان کی طرح یہ بھی ہے: وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (یونس: 41) ''اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرمایئے میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل تم میرے اعمال سے بری الذمہ ہو اور میں تمہارے اعمال سے بری الذمہ ہوں)۔ اس ارشاد اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ میں شدید دھمکی اور سخت وعید ہے جیسا کہ فرمایا: هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ كَفٰی بِهٖ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ (الاحقاف: 8) ''وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم مشغول ہو، وہ میرے اور تمہارے درمیان بطور گواہ کافی ہے''۔ اس لئے فرمایا: اَللّٰهُ یَحْكُمُ ۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَ اسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ (الشوریٰ: 15) ''پس اس دن کی طرف آپ دعوت دیتے رہیے اور ثابت قدم رہیے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور نہ اتباع کیجئے ان کی خواہشات کا اور فرمایئے میں ایمان لایا ہر اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی''۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۞

''کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ یہ سب کچھ ایک کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔ بے شک (بلندی اور پستی کی ہر چیز کو جان لینا) اللہ تعالیٰ پر آسان ہے''۔

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے متعلق مکمل علم رکھتا ہے اور وہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ زمین و آسمان میں ایک ذرہ بلکہ اس سے بھی چھوٹی بڑی چیز اس سے اوجھل نہیں ہو سکتی۔ کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے اسے کائنات کا علم تھا اور اسے اس نے لوح محفوظ میں لکھ دیا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھیں، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا'' (1)۔ سنن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے یہ حدیث مروی ہے: ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھ۔ اس نے عرض کی کہ میں کیا لکھوں؟ فرمایا: لکھ جو کچھ ہونے والا ہے چنانچہ جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا قلم نے اسے لکھ دیا'' (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سو سال کی مسافت جیسی لوح محفوظ پیدا کی اور مخلوق کی تخلیق سے پہلے جب اللہ تعالیٰ عرش پر تھا، قلم کو لکھنے کا حکم دیا۔ قلم نے دریافت کیا کہ میں کیا لکھوں؟ فرمایا: قیامت تک مخلوق کے بارے میں جو میرا علم ہے۔ چنانچہ قلم چل پڑا اور اس نے قیامت تک رونما ہونے والے وہ تمام امور جو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھے لکھ دیے۔ اسی چیز کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت اَلَمْ تَعْلَمْ میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2044

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 225-226، عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8 صفحہ 319-320 وغیرہ

کیا جارہا ہے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا کمال علم ہے کہ اشیاء کے وجود سے پہلے ہی اسے ان کا علم ہے بلکہ اس نے لکھ بھی دیا ہے۔ بندوں نے جو اعمال جس طریقے سے کرنے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان کے بارے میں مکمل آگاہی ہے۔ تخلیق سے پہلے ہی اسے معلوم ہے کہ یہ بندہ اپنے اختیار سے اطاعت کرے گا اور یہ اپنے اختیار سے نافرمانی کرے گا اور یہ سب کچھ اس نے کتاب میں لکھ دیا، اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر لیا اور یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان اور معمولی ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ اَلنَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

''اور وہ پوجتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان کو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نہیں اتاری اور انہیں خود بھی ان کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ اور نہیں ہوگا ظلم وستم کرنے والوں کا کوئی مددگار۔ اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں صاف صاف، تو آپ پہچان لیتے ہیں کفار کے چہروں پر ناپسندیدگی کے آثار۔ یوں پتہ چلتا ہے کہ وہ عنقریب جھپٹ پڑیں گے ان لوگوں پر جو پڑھتے ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں۔ آپ فرمائیے (اے چیں بہ جبیں ہونے والو!) کیا میں آگاہ کر دوں تمہیں اس سے بھی تکلیف دہ چیز پر دوزخ کی آگ! وعدہ کیا ہے اس آگ کا اللہ تعالیٰ نے کفار سے۔ اور دوزخ بہت برا ٹھکانا ہے''۔

مشرکین کی جہالت، کفر اور بغیر کسی سند اور حجت کے غیر اللہ کی عبادت کرنے کے متعلق آگاہ کیا جارہا ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (المومنون: 117) ''اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پوجتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے، بے شک کافر کامیاب نہیں ہوں گے''۔ اس لئے یہاں فرمایا: مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ... یعنی یہ لوگ بغیر کسی عقلی اور نقلی دلیل کے محض اپنے گمراہ آباؤ اجداد کی تقلید میں اور شیطان کی انگیخت پر ایسا کر رہے ہیں اس لئے دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ یعنی ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالے۔ پھر فرمایا: وَاِذَا تُتْلٰى یعنی جب ان کے سامنے آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت والوہیت اور اس کے رسولوں کی حقانیت وصداقت کے واضح دلائل پیش کیے جاتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ قرآنی دلائل پیش کرنے والوں پر جھپٹ پڑیں گے اور ان کے ساتھ دست درازی کرتے ہوئے بدکلامی سے پیش آئیں گے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ ان سے یہ کہہ دیں: اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ ۔ یعنی آگ کا عبرتناک عذاب تمہارے اس ظلم وستم سے کہیں زیادہ، تکلیف دہ اور عظیم ہے جس سے تم اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کو خوفزدہ کر رہے ہو۔ بفرض محال اگر تم اپنے زعم اور ارادہ کے مطابق اللہ کے ان نیک بندوں کو تکلیف پہنچا بھی لو تو اس کرتوت پر آخرت میں تم جس عذاب کا شکار ہوگے وہ اس سے بہت بڑا ہے، تمہیں جہنم میں دھکیل دیا جائے گا جو بہت برا ٹھکانا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا

ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْــــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے پس غور سے سنو اسے! بے شک جن معبودوں کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ تو مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں اس (معمولی سے) کام کے لئے اور اگر چھین لے ان سے مکھی بھی کوئی چیز تو وہ نہیں چھڑا سکتے اسے اس مکھی سے۔ (آہ!) کتنا بے بس ہے ایسا طالب اور کتنے بے بس ہے ایسا مطلوب۔ نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسے اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور (اور) سب پر غالب ہے''۔

بتوں کی حقارت اور ان کے پجاریوں کی کم عقلی اور حماقت پر آگاہ کیا جارہا ہے۔ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ یعنی اے لوگو! یہ جاہل جن بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں ان کی مثال بیان کی جارہی ہے، اسے غور سے سنو اور اچھی طرح سمجھ لو۔ یہ کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی پوجا کرتے ہیں، وہ اسقدر بے بس ہیں کہ مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سبھی مل کر اس کام کیلئے کوشش کریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث قدسی میں ہے: ''اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو میری طرح کوئی چیز تخلیق کرنا چاہتا ہے، اگر واقعی وہ ایسا کر سکتے ہیں تو میری تخلیق جیسا ایک ذرہ، ایک مکھی یا ایک دانہ بنا کر دکھائیں'' (1)۔ صحیحین میں یہ الفاظ ہیں: ''اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو میری مخلوق جیسی کوئی چیز تخلیق کرنا چاہتا ہے، اگر واقعی انہیں قدرت حاصل ہے تو وہ ایک ذرہ یا ایک جو ہی بنا دیں'' (2)۔ پھر فرمایا: وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ ان بتوں کی بے بسی اور عجز کا یہ عالم ہے کہ ایک مکھی پیدا کرنا تو درکنار، یہ تو مکھی کا مقابلہ کرنے سے بھی عاجز ہیں۔ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو یہ اس سے چھڑانے کی قدرت نہیں رکھتے حالانکہ مکھی نہایت ضعیف اور حقیر مخلوق ہے، اس لئے فرمایا: ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طالب سے مراد بت اور مطلوب سے مراد مکھی ہے (3)۔ سدی وغیرہ کا کہنا ہے کہ طالب سے مراد ان بتوں کا پجاری اور مطلوب سے مراد بت ہے۔ پھر فرمایا: مَا قَدَرُوا اللّٰهَ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح قدر نہیں پہچانی جس طرح اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا ورنہ وہ ان بے بس اور عاجز بتوں کی پوجا نہ کرتے جو مکھی کا مقابلہ کرنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اپنی قدرت اور قوت کے ساتھ ہر چیز کو پیدا کیا، وہی پیدائش کا آغاز کرتا ہے اور پھر وہی دوبارہ زندہ کرے گا اور ایسا کرنا اس پر بالکل آسان ہے۔ اس کی پکڑ بہت شدید ہے، وہی تخلیق کی ابتدا کرنے والا اور وہی اعادہ کرنے والا ہے، وہی رزق دینے والا اور لامحدود قوت کا مالک ہے اور وہ عزیز اور غالب ہے۔ ہر چیز اس کے ماتحت اور زیر تسلط ہے، کوئی اس پر غلبہ نہیں پا سکتا۔ وہ واحد اور قہار ہے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

''اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بھی بعض کو رسول۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 391 2۔ فتح الباری، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 385، صحیح مسلم، کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 1671

3۔ تفسیر طبری، جلد 17 صفحہ 203

لوٹائے جائیں گے سارے معاملات"۔

اللہ تعالیٰ بعض فرشتوں کو چن لیتا ہے جو اس کے احکام کا نفاذ کرتے ہیں اور اس کی مقرر کردہ شریعت کو اس کے رسولوں تک پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح وہ انسانوں میں سے پیغمبر منتخب فرماتا ہے جو اس کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا، انہیں دیکھنے والا اور یہ جاننے والا ہے کہ کون اس منصب کا مستحق ہے جیسا کہ فرمایا: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام: 125) "اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دل کو) جہاں وہ اپنی رسالت کو رکھتا ہے"۔ پھر فرمایا: يَعْلَمُ مَا بَيْنَ.... یعنی وہ رسولوں کے متعلق جانتا ہے اور ان کے امور میں سے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں جیسا کہ فرمایا: عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا - - وَ اَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (الجن: 28-26) پس اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کا نگہبان ہے، جو انہیں کہا جاتا ہے، اس کا گواہ ہے، ان کا محافظ اور حامی و ناصر ہے۔ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: 67) "اے رسول! پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ۝ وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

"اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے پروردگار کی اور (ہمیشہ) مفید کام کیا کرو تاکہ تم (دین و دنیا میں) کامیاب ہو جاؤ۔ اور (مرتوڑ) کوشش کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے چن لیا ہے تمہیں (حق کی پاسبانی اور اشاعت کے لئے) اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی۔ پیروی کرو اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین کی۔ اسی نے تمہارا نام مسلم (سراطاعت خم کرنے والا) رکھا ہے اس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے تاکہ ہو جائے رسول (کریم) گواہ تم پر اور تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر۔ پس (اے دین حق کے علمبردارو!) صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑ لو اللہ تعالیٰ (کے دامن رحمت) کو، وہی تمہارا کارساز ہے، پس وہ بہترین کارساز ہے اور بہترین مدد فرمانے والا ہے"۔

سورۂ حج کے اس دوسرے سجدہ کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے کہ آیا یہ مشروع ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ پہلے ہم حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سورۂ حج کو دو سجدوں کے باعث فضیلت دی گئی ہے۔ جو یہ سجدے نہ کرے، وہ یہ پڑھے ہی نہیں" (1)۔ فرمایا: وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 2 صفحہ 58، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 155،151 وغیرہ

تُقٰتِهٖ (آل عمران:102) اس کے بعد فرمایا: هُوَ اجْتَبٰىكُمْ ۔ یعنی اے عظیم امت! اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمام امتوں سے منتخب کر کے فضیلت اور شرف سے نوازا ہے اور تمہیں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ تمہیں سب سے افضل رسول اور سب سے کامل شریعت عطا کی گئی اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی روا نہیں رکھی۔ تمہیں کسی ایسی چیز کا مکلف نہیں بنایا جو تمہاری استطاعت سے باہر ہو اور نہ کوئی ایسا امر تم پر لازم کیا ہے جو تمہیں شاق گذرے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے آسانی پیدا کر دی ہے اور ہر مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ تجویز کر دی ہے۔ توحید و رسالت کی گواہی کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن نماز ہے۔ انسان اگر مقیم ہو تو چار فرض پڑھے اور اگر مسافر ہو تو قصر کرے یعنی دو فرض ادا کرے، بعض ائمہ کے نزدیک صلوٰۃ خوف صرف ایک ہی رکعت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور آدمی سوار ہو یا پیدل، قبلہ رو ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں اس کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح سفر میں نفلی نماز کا بھی یہی حکم ہے یعنی جس طرف رخ ہوا سے ادا کیا جا سکتا ہے پھر نماز میں قیام بیماری کے عذر کی بناء پر ساقط ہو جاتا ہے، مریض بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر، اسی طرح دیگر فرائض و واجبات میں بھی اللہ تعالیٰ نے آسانی اور تخفیف پیدا کر دی ہے اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مجھے آسان دین حنیف دے کر بھیجا گیا ہے“(1)۔ جب آپ ﷺ نے حضرات معاذ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما کو امیر بنا کر یمن بھیجا تو انہیں فرمایا: ”بشارت دینا، نفرت نہ دلانا، آسانی پیدا کرنا، مشکل میں نہ ڈالنا“(2)۔ اس مفہوم کی متعدد احادیث ہیں۔ بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ”حرج“ کا معنی تنگی ہے(3)۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ ”ملة“ کا لفظ حرف جر کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی، ”مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ بَلْ وَسَّعَهٗ عَلَيْكُمْ كَمِلَّةِ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ“ یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں تم پر کوئی سختی روا نہیں رکھی بلکہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت کی طرح اس میں وسعت پیدا کر دی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے پہلے ”اِلْزَمُوْا“ فعل مقدر مانا جائے جس کا ”ملة“ مفعول ہو(4)۔ یہی چیز اس آیت میں بھی ہے: قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ڬ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (الانعام:161) ”فرمائیے بے شک میرے رب نے مجھے سیدھی راہ تک پہنچا دیا ہے یعنی دین مستحکم (جو) ملت ابراہیم ہے جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے“، فرمایا: هُوَ سَمّٰىكُمْ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ فاعل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی آپ علیہ السلام نے تمہارا یہ نام رکھا ہے۔ کیونکہ آپ علیہ السلام نے یہ دعا کی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرہ:128) ”اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنا دے اور ہماری اولاد سے بھی اپنی ایک فرمانبردار جماعت پیدا کرنا“۔ لیکن ابن جریر نے اس توجیہہ کو پسند نہیں کیا کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم نے قرآن میں اس امت کا نام مسلم نہیں رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود یہ نام دیا ہے اور آیت کریمہ میں ”من قبل“ سے مراد کتب سابقہ اور ”فی هذا“ سے مراد قرآن کریم ہے۔ مجاہد اس آیت هُوَ سَمّٰىكُمْ ۔۔ کا یہی معنی بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتب سابقہ اور ذکر یعنی قرآن کریم میں تمہارا نام مسلم رکھا اور یہی درست ہے کیونکہ اس سے پہلے فرمایا: هُوَ اجْتَبٰىكُمْ ۔ پھر اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اس دین کی طرف رغبت دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ ان کے باپ حضرت خلیل علیہ السلام کا دین ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس امت کو اپنا احسان یاد دلا رہا ہے کہ اس نے سابقہ آسمانی کتابوں میں اس امت کا ذکر خیر کیا ہے، فرمایا: هُوَ سَمّٰىكُمْ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جو زمانہ

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 266

2۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، جلد 4 صفحہ 79، صحیح مسلم، کتاب الجہاد: 1359

3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 206

4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 207

جاہلیت جیسا دعویٰ کرے وہ جہنمی ہے۔ ایک آدمی نے عرض کی: یارسول اللہ! اگرچہ وہ روزے رکھے اور نمازیں پڑھے؟ فرمایا: ہاں، اگرچہ وہ روزے رکھے اور نمازیں پڑھے، پس تم انہی ناموں سے پکارو جو نام اللہ تعالیٰ نے تمہارے رکھے ہیں یعنی مسلمین، مومنین اور عباد اللہ (1)۔ اس آیت یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ۔۔ (البقرۃ: 21) کی تفسیر کے تحت یہ حدیث بیان کی جاچکی ہے، اس لیے فرمایا: لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا ۔ یعنی ہم نے تمہیں بہترین، افضل، عمدہ اور عادل امت بنایا ہے اور تمام امتوں میں تمہاری عدالت کا چرچا کردیا ہے تاکہ تم قیامت کے دن سب لوگوں پر گواہی دو۔ چونکہ اس دن تمام امتیں اس امت کی سیادت اور فضیلت کی معترف ہوں گی اس لئے ان پر قیامت کے دن اس امت کی یہ گواہی قابل قبول ہوگی کہ ہر پیغمبر نے حق تبلیغ ادا کردیا اور رسول اللہ ﷺ اس امت پر گواہی دیں گے کہ آپ نے ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچادیا ہے اور فریضہ رسالت ادا کردیا ہے۔ اس موضوع کے متعلق بحث اس فرمان: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ۔ (البقرۃ: 143) کے تحت گذر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ وہاں ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت کا واقعہ بھی بیان کردیا ہے، فرمایا: فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۔۔ یعنی اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کے حقوق و فرائض کی بجا آوری کرو، فرائض میں سے سب سے اہم نماز قائم کرنا اور زکوۃ دینا ہے۔ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ مال میں سے کچھ حصہ بطور زکوۃ نکالنا ہوتا ہے جس سے کمزوروں اور محتاجوں کی کفالت ہوتی ہے اور اس سے مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی کا اظہار ہوتا ہے۔ سورۂ توبہ میں آیت زکوۃ کے تحت زکوۃ کے احکام بیان کیے جاچکے ہیں(2)۔ فرمایا: وَاعْتَصِمُوْا ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دامن رحمت کو تھام لو، اسی سے مدد طلب کرو، اسی پر بھروسا کرو اور اسی کی تائید کے خواستگار رہو، وہی تمہارا کارساز، حامی و ناصر اور دشمنوں کے خلاف تمہیں کامیابی سے نوازنے والا ہے۔ وہ بہت ہی اچھا کارساز اور بہت ہی مددگار ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت وہیب بن ورد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اے ابن آدم! جب تجھے غصہ آئے تو مجھے یاد کر، جب مجھے غصہ آئے گا تو میں تمہیں یاد کروں گا اور تمہیں برباد ہونے والوں کے ساتھ برباد نہیں کروں گا اور جب تجھ پر ظلم کیا جائے تو صبر کر اور میری مدد پر راضی رہ کیونکہ میں جو تمہاری مدد کروں گا وہ اس مدد سے بہتر ہے جو تو اپنی لئے کرے گا“۔

1۔ نسائی

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ: 60

سورۂ مومنون (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۘ﴿۹﴾ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

”بے شک دونوں جہان میں بامراد ہو گئے ایمان والے۔ وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔ اور وہ جو ہر بیہودہ امر سے منہ پھیرے ہوتے ہیں۔ اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ بجز اپنی بیویوں کے اور ان کنیزوں کے جو ان کے ہاتھوں ملکیت ہیں تو بے شک انہیں ملامت نہ کی جائے گی۔ اور جس نے خواہش کی ان دو کے ماسوا تو یہی لوگ حد سے بہت زیادہ تجاوز کرنے والے ہیں۔ نیز وہ (مومن بامراد ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نمازوں کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں جو وارث بنیں گے فردوس (بریں) کے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے“۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی اترتی تو آپ کے رخ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سی سنائی دیتی، ایک مرتبہ یہی کیفیت طاری تھی، تھوڑی دیر کے بعد جب وحی کا اختتام ہوا تو آپ نے قبلہ رو ہو کر اور اپنے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی: ”اے اللہ! ہمیں مزید عطا فرما اور کمی نہ کر، ہمیں اعزاز و اکرام بخش اور اہانت نہ کر، ہمیں عطا فرما اور محروم نہ رکھ، ہمیں ترجیح دے اور ہم پر کسی کو ترجیح نہ دے، ہم سے خوش ہو جا اور ہمیں خوش کر دے“۔ ”مجھ پر دس آیات اتری ہیں، جو ان پر عمل پیرا ہو گیا وہ جنتی ہے“۔ پھر آپ ﷺ نے مندرجہ بالا دس آیات کی تلاوت کی(1)۔ امام ترمذی نے اسے منکر کہا ہے کیونکہ اس کا راوی صرف یونس بن سلیم ہے جو غیر معروف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلق قرآن ہی تو تھا، پھر آپ رضی اللہ عنہا نے اس سورت کی ابتدائی نو آیات کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہی آپ ﷺ کے اخلاق تھے(2)۔ حضرات کعب الاحبار، مجاہد اور ابو العالیہ وغیرہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن پیدا کی اور اس میں

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 34، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مومنون، جلد 12 صفحہ 33-34 وغیرہ

2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 12 صفحہ 336

اپنے ہاتھ سے درخت وغیرہ لگائے تو اس کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ گفتگو کر۔ جنت نے ان آیات قَدۡ اَفۡلَحَ کی تلاوت کی۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی تخلیق اس طرح کی کہ اس کی ایک اینٹ سونے کی ہے اور دوسری چاندی کی اور اس میں درخت وغیرہ لگا کر اسے فرمایا کہ کلام کر تو اس نے مذکورہ بالا آیات کی تلاوت کی۔ جب فرشتے اس میں داخل ہوئے تو کہنے لگے: واہ واہ! یہ تو بادشاہوں کا مقام ہے(1)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا، اس کی ایک اینٹ سونے کی ہے اور دوسری چاندی کی اور اس کا گارا مشک کا‘‘۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کی تخلیق کی تو اس میں وہ چیزیں پیدا کیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا‘‘۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے گفتگو کرنے کیلئے فرمایا تو اس نے مذکورہ آیات کی تلاوت کی(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی حدیث میں آتا ہے: ’’جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اس میں جھکے ہوئے پھول والے درخت لگا دیے اور اس میں نہریں جاری کر دیں تو اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: کلام کر۔ چنانچہ اس نے یہ کہا: قَدۡ اَفۡلَحَ ... پھر فرمایا: میری عزت اور جلال کی قسم! تجھ میں بخیل ہرگز داخل نہیں ہو سکتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے جنت عدن کو پیدا کیا، اس کی ایک اینٹ سفید موتی کی، دوسری سرخ یاقوت کی، تیسری سبز زبرجد کی، اس کا گارا مشک ہے، کنکریاں موتی اور گھاس زعفران ہے پھر اسے فرمایا کہ کلام کر تو اس نے یہ تلاوت کی: قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! کوئی بخیل تجھ میں میرا قرب نہیں پا سکے گا‘‘۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَمَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ (الحشر: 9) فرمایا: قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ یعنی ان مذکورہ صفات سے متصف اہل ایمان سعادتمند اور بامراد ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ’’خاشعون‘‘ کا معنی بتاتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور سکون کے ساتھ رہنے والے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خشوع سے مراد دل کی عاجزی، فروتنی اور جھکاؤ ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں خشوع وخضوع ہوتا جس کے باعث وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھتے اور بازو جھکا لیتے۔ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اصحاب رسول ﷺ نماز میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے تھے، جب یہ آیت کریمہ اتری تو انہوں نے اپنی نگاہیں پست کر کے سجدہ کی جگہ پر مرکوز کر لیں۔ صحابہ کہا کرتے تھے کہ نظر نماز کی جگہ سے ادھر ادھر نہیں جانی چاہیے۔ اگر کوئی اس قسم کی چیز کا عادی ہو تو وہ اپنی نگاہیں جھکا لے(3)۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی اس آیت کے نزول تک ایسا کیا کرتے تھے(3)۔ نماز میں خشوع اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کا دل نماز کیلئے فارغ ہو، نماز میں مشغول ہونے کے باعث باقی ہر چیز کا خیال ترک کر دے اور نماز کو باقی امور پر ترجیح دے، اس وقت اسے راحت اور آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں حاصل ہوتی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’مجھے خوشبو اور عورتیں محبوب بنا دی گئیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی‘‘(4)۔ حضرت محمد بن حنفیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے نماز کے وقت اپنی لونڈی سے کہا کہ وضو کے لئے پانی لاؤ تا کہ میں نماز پڑھ کر راحت حاصل کروں۔ جب انہوں نے

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب صفۃ الجنۃ، جلد 4 صفحہ 189-190

2۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 184

3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 2، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 83-84

4۔ سنن نسائی، کتاب عشرۃ النساء، جلد 7 صفحہ 61-62، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 128

ہمارے چہروں پر اس بات کی وجہ سے تعجب کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اے بلال اٹھو اور نماز کے ساتھ ہمیں راحت پہنچاؤ'' (1)۔ مومنین کی دوسری صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ یعنی وہ بشمول شرک اور دیگر گناہوں کے ہر باطل، بے ہودہ اور بے فائدہ قول وفعل سے اعراض برتتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا (الفرقان: 72) ''اور جب کسی لغو چیز کے پاس سے گذرتے تو بڑے باوقار ہو کر گذر جاتے ہیں''۔ قتادہ کہتے ہیں کہ وہ توفیق خداوندی کے سبب لغویات سے احتراز کرتے ہیں (2)۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ اس آیت کریمہ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُونَ میں زکوٰۃ اموال کی ادائیگی کا بیان ہے باوجودیکہ یہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ مدینہ شریف میں ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئی۔ اصل بات یہ ہے کہ زکوٰۃ مکہ میں ہی واجب ہو چکی تھی لیکن اس کی مقدار، نصاب اور دیگر احکام مدینہ شریف میں مقرر ہوئے، جیسے سورۂ انعام میں جو کہ مکی ہے، فرمایا: وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام: 141) ''اور ادا کرو اس کا حق جس دن یہ کٹے'' آیت کریمہ میں لفظ زکوٰۃ سے مراد نفس کا شرک اور ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہونا بھی لیا جا سکتا ہے جیسا کہ فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (الشمس: 10-9) ''یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کر لیا اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اسے خاک میں دبا دیا''، وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (حم السجدۃ: 7-6) ''اور مشرکوں کیلئے ہلاکت ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے''۔ ان دونوں آیات کی دونوں تفسیریں منقول ہیں یعنی زکوٰۃ مال اور پاکیزگی نفس۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ نفس اور زکوٰۃ مال بیک وقت دونوں مراد ہوں کیونکہ یہ دونوں چیزیں نفس کی طہارت اور پاکیزگی کا باعث بنتی ہیں اور کامل مومن وہی ہے جو اپنے نفس کی پاکیزگی کا بھی خیال رکھے اور زکوٰۃ بھی ادا کرے۔ ان عفت مآب ہستیوں کا ذکر کرتے ہوئے مزید فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ... الْعٰدُوْنَ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو حرام کاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، زنا اور لواطت جیسے ممنوعہ امور سے اجتناب کرتے ہیں اور سوائے اپنی منکوحہ بیویوں اور مملوکہ لونڈیوں کے کسی اور کے قریب تک نہیں جاتے۔ جو شخص صرف ان حلال ذرائع پر اکتفاء کرتا ہے تو اس پر نہ کوئی ملامت ہے اور نہ کوئی گناہ لیکن وہ لوگ جو ان دو طریقوں کے علاوہ کسی اور طریقہ سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں، وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں، حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے غلام سے تعلق استوار کر لیا اور بطور دلیل یہی آیت پیش کی۔ چنانچہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ وہاں موجود صحابہ کرام کہنے لگے کہ اس عورت نے آیت کا غلط مفہوم لیا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلام کو مارا اور اس کا سر منڈوا دیا اور اس عورت سے فرمایا کہ اس کے بعد تو ہر مسلمان پر حرام ہے۔ یہ اثر غریب ہے، امام ابن جریر نے اسے سورۂ مائدہ کی تفسیر کے آغاز میں ذکر کیا ہے (3)۔ لیکن اس کے ذکر کرنے کی موزوں جگہ یہی ہے۔ اس عورت کو تمام مسلمانوں پر حرام کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس کے ساتھ اس کے ارادے کے برعکس معاملہ کیا جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے مشت زنی کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ یہ بھی ان دونوں مذکورہ حلال صورتوں سے خارج ہے اور ایسا کرنے والا اس فرمان فَمَنِ ابْتَغٰى ... کے موجب حد سے تجاوز کرنے والا ہے، اس کی ایک اور دلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث ہے جسے امام حسن بن عرفہ نے اپنے مشہور جزء میں وارد کیا ہے، اس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سات قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ نظر رحمت فرمائے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور نہ ہی عالموں کے ساتھ انہیں جمع کرے گا اور انہیں

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 371,364 2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 3۔ تفسیر طبری، جلد 6 صفحہ 106

سب سے پہلے جہنم میں جانے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل کرے گا، سوائے ان کے جو توبہ کرلیں اور جو شخص توبہ کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر نظر کرم فرماتا ہے: مشت زنی کرنے والا، اغلام بازی کرنے اور کروانے والا، شراب کا رسیا، اپنے والدین کو مارنے والا حتیٰ کہ وہ فریاد اور چیخ و پکار کرنے لگیں، اپنے پڑوسیوں کو اذیت دینے والا یہاں تک کہ وہ اس پر لعنت بھیجنے لگیں اور اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرنے والا"۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا ایک راوی مجہول ہے۔ اہل ایمان کا ایک اور وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ یعنی جب انہیں امین بنایا جائے تو یہ امانت میں خیانت نہیں کرتے بلکہ اسے اس کے مالک کو لوٹا دیتے ہیں اور جب یہ کوئی معاہدہ یا عہد و پیمان کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں، منافقین کی طرح نہیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "منافق کی تین علامتیں ہیں: جب وہ گفتگو کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو وہ اس میں خیانت کرتا ہے" (1)۔ ان حضرات کی ایک اور صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ یعنی یہ لوگ نمازوں کی ان کے مقررہ اوقات پر پابندی کرتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا"۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: "والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا"، میں نے پوچھا: پھر کون سا؟ فرمایا: "اللہ کی راہ میں جہاد کرنا" (2)۔ مستدرک حاکم میں یہ الفاظ ہیں: "اول وقت میں نماز ادا کرنا" (3)۔ حضرت ابن مسعود اور مسروق فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اوقات نماز کی پابندی کا حکم ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اوقات کی پابندی کے علاوہ رکوع و سجود کی حفاظت کا بھی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی صفات حمیدہ کا افتتاح اور اختتام نماز کے ذکر پر کیا ہے جو اس کی افضلیت کی واضح دلیل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "استقامت اختیار کرو اور تم اسے کماحقہ ہرگز نہیں کرسکو گے، جان لو کہ تمہارے اعمال میں سے بہترین عمل نماز ہے اور وضو کی حفاظت صرف مومن ہی کرتا ہے" (4)۔

ان صفات حمیدہ اور افعال رشیدہ کی بجا آوری کے بیان کے بعد ان اہل ایمان کے اجر و ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو تو اس سے جنت الفردوس مانگو کیونکہ یہ سب سے اعلیٰ اور افضل جنت ہے، اس سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں اور اس پر رحمٰن کا عرش ہے" (5)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک کی دو منزلیں ہیں، ایک منزل جنت میں اور ایک منزل جہنم میں۔ اگر کوئی مرنے کے بعد جہنم میں گیا تو اس کی منزل کے وارث جنتی ہوں گے" اور یہی مطلب اس فرمان اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ کا ہے (6)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ہر بندے کی دو منزلیں ہیں: ایک جنت میں اور دوسری جہنم میں۔ مومن جنت والا اپنا گھر تعمیر کرتا ہے اور دوزخ والا گھر منہدم کردیتا ہے لیکن کافر اپنے جنتی گھر کو مسمار کردیتا ہے اور جہنمی گھر کی تعمیر کرتا رہتا ہے۔ پس مومن کافروں کی منزلوں کے وارث ہوں گے کیونکہ سب کا مقصد تخلیق یہ تھا کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔ اہل ایمان اس پر کاربند رہے جبکہ کافر اس سے اعراض کرتے رہے اس لئے ان کا حصہ بھی اہل ایمان لے گئے، اسی لیے انہیں وارث کہا گیا ہے۔ حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ

1۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 89، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 78

2۔ صحیح بخاری، جلد 3 صفحہ 236، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 56

3۔ مستدرک حاکم، کتاب الصلوۃ، جلد 1 صفحہ 181

4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 101

5۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 19

6۔ سنن ابن ماجہ، باب الزہد، جلد 2 صفحہ 1453

فرماتے ہیں: "قیامت کے دن کچھ مسلمان پہاڑوں جیسے گناہ لے کر آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بخش دے گا اور انہیں یہود ونصاریٰ پر ڈال دے گا" (1)۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایک یہودی یا نصرانی دے گا اور فرمایا جائے گا کہ یہ جہنم سے تمہارا فدیہ ہے"۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے راوی حدیث حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو تین مرتبہ قسم دی تو انہوں نے قسم اٹھا کر کہا کہ یہ واقعی حدیث ہے (2)۔ یہ آیت ان آیات کی طرح ہے: تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا (مریم: 63) "یہ وہ جنت ہے جس کا ہم اسے وارث بنائیں گے جو ہمارے بندوں سے متقی ہوگا"۔ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْۤ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الزخرف: 72) "اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے"۔ مجاہد اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ رومی زبان میں باغ کو فردوس کہتے ہیں۔ کسی سلف کا کہنا ہے کہ باغ کو فردوس اس وقت کہتے ہیں جب اس میں انگور ہوں (3)۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۪﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؕ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ؕ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

"اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے جوہر سے۔ پھر ہم نے رکھا اسے پانی کی بوند بنا کر ایک محفوظ مقام میں۔ پھر ہم نے بنا دیا نطفہ کو خون کا لوتھڑا پھر ہم نے بنا دیا اس لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی پھر ہم نے پیدا کر دیں اس بوٹی میں ہڈیاں، پھر ہم نے پہنا دیا ان ہڈیوں کو گوشت۔ پھر (روح پھونک کر) ہم نے اسے دوسری مخلوق بنا دیا۔ پس بڑا بابرکت ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ پھر یقیناً ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد تم مرنے والے ہو۔ پھر بلا شبہ تمہیں روز قیامت (قبروں سے) اٹھایا جائے گا"۔

انسانی تخلیق کی ابتدا کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ آدم علیہ السلام کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا گیا۔ یہ مٹی کیچڑ تھی اور بجنے والی تھی اس کے بعد مادہ منویہ اولاد آدم کی اصل ٹھہرا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ کا معنی بتاتے ہیں صاف پانی اور قتادہ اس سے مراد منی آدم لیتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی، اس لئے انہیں طین (مٹی) کہا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام مشت خاک سے پیدا کیے گئے۔ یہی معنوی لحاظ سے موزوں اور ظاہر کے زیادہ قریب ہے جیسا کہ فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ (الروم: 20) "اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم اچانک بشر بن کر (زمین میں) پھیل رہے ہو"۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی خاک سے پیدا کیا جو تمام زمین سے لی تھی اس لئے اولاد آدم اس اعتبار سے مختلف ہے۔ کوئی ان میں سے سرخ ہے، کوئی سفید، کوئی سیاہ، کوئی اور رنگ کا، کوئی بد، کوئی نیک اور کوئی ان کے بین بین" (4)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً میں ضمیر مفعول کا مرجع جنس

1۔ صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، جلد 4 صفحہ 2120 2۔ صحیح مسلم، کتاب التوبہ، جلد 4 صفحہ 2119 3۔ المحرر الوجیز، 289-288
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 222، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 400-406 وغیرہ

انسان ہے جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: وَبَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِیۡنٍ ۚ (السجدة:8-7) '' اور انسان کی تخلیق کا آغاز گارے سے کیا پھر اس کی نسل کو ایک جوہر یعنی حقیر پانی سے پیدا کیا''۔ '' مھین '' کا معنی ہے ضعیف وحقیر جیسا کہ فرمایا: اَلَمۡ نَخۡلُقۡكُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِیۡنٍ ۙ فَجَعَلۡنٰهُ فِیۡ قَرَارٍ مَّكِیۡنٍ ۙ اِلٰی قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۙ فَقَدَرۡنَا ۖ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ (المرسلات:23-20) '' کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا، پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ (رحم مادر) میں ایک معین مدت تک رکھ دیا پھر ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا پس ہم کتنے بہتر اندازہ ٹھہرانے والے ہیں''۔ یعنی ایک معین عرصہ تک رحم مادر اس کا ٹھکانا ہے جہاں یہ ایک حالت سے دوسری حالت اور ایک شکل سے دوسری شکل میں منتقل ہوتا رہتا ہے اس لئے یہاں فرمایا: ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَةَ عَلَقَةً ۔ ''یعنی ہم نے نطفہ کو جو مرد کی پیٹھ سے اور عورت کے سینے کی ہڈیوں سے نکلتا ہے، خون کے لوتھڑے کی شکل دے دی، پھر اگلے مرحلہ میں اس جمے ہوئے سرخ خون کو گوشت کا ایک ٹکڑا بنا دیا جس کی نہ کوئی شکل ہوتی ہے اور نہ اس میں خدوخال واضح ہوتے ہیں، پھر اس میں ہڈیاں بنا دیں، سر، ہاتھ اور پاؤں کو ہڈیوں، پٹھوں اور رگوں سمیت تخلیق کیا گیا۔ بعض نے '' عظاما '' کی بجائے '' عظما '' پڑھا ہے، اس سے مراد بقول حضرت ابن عباس پیٹھ کی ہڈی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' ابن آدم کا تمام جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے سوائے ریڑھ کی ہڈی کے، اسی سے اسے پیدا کیا گیا اور اسی سے اسے ترکیب دیا جاتا ہے'' (1)۔ اس کے بعد فرمایا: فَكَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ ۔ یعنی ہڈیوں کو چھپانے اور انہیں قوی بنانے کیلئے انہیں گوشت پہنا دیا، پھر اس میں روح پھونک دی تو یہ حرکت کرتی ہوئی ایک اور مخلوق بن گیا جس میں سماعت، بصارت، ادراک، حرکت اور اضطراب کی صلاحیتیں ودیعت کر دی گئیں۔ پس اللہ تعالیٰ بہت بابرکت ہے جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نطفہ پر چار مہینے گذر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے جو تین اندھیروں میں اس میں روح پھونکتا ہے، یہی مطلب اس فرمان ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ کا ہے یعنی دوسری قسم کی تخلیق سے مراد روح کا پھونکا جانا ہے (2)۔ حضرت ابن عباس آیت کے اس حصہ کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ ہم اسے ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کی پیدائش کا مرحلہ آ جاتا ہے۔ پیدا ہوتا ہے تو بالکل چھوٹا نا سمجھ بچہ ہوتا ہے، پھر یہ پروان چڑھتے چڑھتے بالغ ہو جاتا ہے، پھر اپنے شباب کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد جوانی ڈھلنے لگتی ہے اور وہ پکی عمر کو پہنچ جاتا ہے، پھر بڑھاپا آ جاتا ہے اور آخرکار بالکل بوڑھا ضعیف ہو جاتا ہے۔ الغرض روح پھونکے جانے کے ساتھ ہی یہ تطورات اور تغیرات شروع ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صادق ومصدوق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' تم میں سے ہر ایک کی تخلیق چالیس دن تک اس کی ماں کے شکم میں جمع ہوتی رہتی ہے پھر چالیس دن تک وہ جمے ہوئے خون کی صورت میں رہتا ہے، پھر چالیس دن تک وہ گوشت کے ٹکڑے کی شکل اختیار کیے رہتا ہے پھر ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے چار باتوں کے لکھنے کا حکم ہوتا ہے: اس کا رزق، اجل، عمل اور کیا وہ شقی ہوگا یا سعید۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! تم میں سے ایک شخص جنتیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن تقدیر کا لکھا ہوا اس پر غالب آ جاتا ہے اور دوزخیوں کے اعمال کرتے ہوئے اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص دوزخیوں کے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کی دوری رہ جاتی ہے تو نوشتہ تقدیر اس پر غالب آ جاتا ہے اور خاتمہ کے وقت وہ جنتیوں کے اعمال

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ نبا، جلد 6 صفحہ 205۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 2270-2271

2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 93

کر کے جنتی بن جاتا ہے"(1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نطفہ رحم میں ٹکتا ہے تو وہ ہر ہر بال اور ناخن تک پہنچتا ہے پھر چالیس دن کے بعد وہ جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے(2)۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم سے باتیں کر رہے تھے کہ وہاں ایک یہودی آگیا۔ قریش کہنے لگے: اے یہودی! یہ شخص نبوت کا دعویدار ہے تو وہ کہنے لگا کہ میں اس سے ایک سوال کرتا ہوں جس کا علم سوائے نبی کے اور کسی کو نہیں۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کے پاس چلا آیا اور آپ سے پوچھنے لگا کہ انسان کی پیدائش کس چیز سے ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے یہودی! انسان کی پیدائش مرد اور عورت دونوں کے نطفے سے ہوتی ہے۔ مرد کا نطفہ غلیظ اور گاڑھا ہوتا ہے، اس سے ہڈیاں اور پٹھے بنتے ہیں جبکہ عورت کا نطفہ رقیق اور پتلا ہوتا ہے اس سے گوشت اور خون بنتا ہے"۔ یہ سن کر یہودی کہنے لگا کہ پہلے انبیاء بھی اسی طرح بتایا کرتے تھے(3)۔ حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نطفہ کو رحم میں قرار پکڑے ہوئے جب چالیس دن گذر جاتے ہیں تو ایک فرشتہ آتا ہے اور دریافت کرتا ہے: اے پروردگار! یہ کیا ہے؟ بدبخت یا نیک بخت، مذکر یا مونث؟ جو جواب ملتا ہے، اسے وہ لکھ لیتا ہے، اس کا عمل، عمر، مصیبت اور رزق سب کچھ لکھ کر اس کا دفتر لپیٹ دیا جاتا ہے، پھر اس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں رہتی"(4)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے جو عرض کرتا ہے: اے پروردگار! یہ اب نطفہ ہے، اے خدا! یہ اب لوتھڑا ہے، یا رب! اب گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اسے پیدا کرنا چاہتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے: اے پروردگار مرد ہے یا عورت؟ نیک بخت ہے یا بدبخت؟ رزق اور اجل کیا ہے؟ اس کا جو جواب ملتا ہے، وہ لکھ لیا جاتا ہے"(5)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ یعنی نطفہ کے مختلف مراحل اور تطورات سے گذرنے کے بعد انسان کامل بننے تک جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور لطف و کرم کار فرما ہے اس کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو سب سے اچھا خالق ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار باتوں میں میری اور میرے رب کی موافقت ہوئی۔ جب یہ آیت وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ اتری تو بے ساختہ میری زبان سے یہ الفاظ نکلے: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ چنانچہ یہی الفاظ نازل ہو گئے(6)۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس آیت کی املاء کروائی۔ جب آپ "خلقاً آخر" تک لکھوا چکے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ کہا: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ہنس دیئے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کیسے ہنسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان الفاظ پر ہی آیت کا اختتام ہوا ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی جابر بن زید جعفی بہت ہی ضعیف ہے اور اس کی یہ روایت بہت منکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور حضرت زید بن ثابت مدینہ شریف میں کتابت وحی کے فرائض انجام دیتے تھے، اسی طرح حضرت معاذ بن جبل نے مدینہ شریف میں ہی اسلام قبول کیا تھا۔ پھر فرمایا: ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۔۔۔ یعنی عدم سے وجود میں آنے کے بعد تمہیں مرنا ہے، اس کے بعد قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ کر کے اٹھائے گا اور سب کا حساب ہو گا اور ہر ایک کو اس کے اچھے برے عمل کی پوری پوری جزا ملے گی۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 363۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2036، وغیرہ

2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 91

3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 465

4۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2037، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 6-7

5۔ صحیح بخاری، کتاب الحیض، جلد 1 صفحہ 87، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2038

6۔ مسند ابی داؤد طیالسی، 9-10، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 94

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

''اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنادیئے۔ اور ہم اپنی مخلوق (کی مصلحتوں) سے بے خبر نہ تھے''۔

انسان کی پیدائش کا ذکر کرنے کے بعد اب سات آسمانوں کی تخلیق کا بیان ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ عموماً انسانی تخلیق کے ساتھ زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (المومن: 57) ''بے شک آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے بڑا کام ہے''۔ اسی طرح سورہ الم السجدہ کے شروع میں جسے رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں پڑھا کرتے تھے، پہلے زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر ہے، پھر انسانی پیدائش کا۔ اس کے بعد قیامت، جزا و سزا اور دیگر امور کا بیان ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ''سبع طرائق'' سے مراد سات آسمان ہیں۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ (بنی اسرائیل: 44) ''پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز ان میں موجود ہے''۔ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (نوح: 15) ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کئے''۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (الطلاق: 12) ''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور انہی کی مانند زمین کو بھی۔ ان کے درمیان حکم نازل ہوتا رہتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے''۔ اسی طرح یہاں فرمایا: وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے اس سے بھی بخوبی واقف ہے، تم جہاں بھی ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے، اس کے لئے ایک آسمان دوسرے آسمان سے اور ایک زمین دوسری زمین سے حجاب نہیں بن سکتی۔ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور پرپیچ راہوں اور سمندروں کی تہوں سے خوب آگاہ ہے۔ پہاڑ، ٹیلے، سمندر، میدان، جنگل اور درخت ہر چیز اس کے علم میں ہے، فرمایا: وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (الانعام: 59)۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

''اور ہم نے اتارا آسمان سے پانی اندازہ کے مطابق پھر ہم نے ٹھہرا دیا اسے زمین میں اور یقیناً ہم اسے بالکل ناپید کرنے پر پوری طرح قادر ہیں۔ پھر ہم نے اگائے تمہارے لئے اس پانی سے باغات کھجوروں اور انگوروں کے، تمہارے لئے ان میں بہت سے پھل ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ نیز پیدا کیا ایک درخت جو اگا تا ہے طور سینا میں وہ اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور سالن لئے ہوئے کھانے والوں کے لئے۔ اور بے شک تمہارے لئے جانوروں میں بھی غور و فکر کا مقام ہے۔ ہم

پلاتے ہیں تمہیں اس (دودھ) سے جو ان کے شکموں میں ہے۔ اور تمہارے لئے ان میں طرح طرح کے بہت سے
فائدے ہیں اور انہیں (کے گوشت) سے تم کھاتے ہو۔ اور ان پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے“۔

اللہ تعالیٰ بارش کے ساتھ وابستہ ان گنت اور لامحدود نعمتوں کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ وہ ایک اندازے اور ضرورت کے مطابق بارش برساتا ہے، نہ اتنی زیادہ کہ زمین اور آبادی بربادی کا شکار ہو جائے اور نہ اتنی کم کہ کھیتوں اور پھلوں کے لئے ناکافی ہو بلکہ پینے، سیراب کرنے اور دیگر ضروریات کے لئے جس قدر پانی درکار ہے وہ بآسانی دستیاب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جس زمین کو زراعت کیلئے پانی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن وہاں بارش نہیں برستی تو قدرت نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ دوسرے علاقوں سے وہاں پانی پہنچ جاتا ہے جیسے مصر کی زمین جو کہ بنجر ہے، اس تک دریائے نیل کا پانی پہنچتا ہے اور وہ اپنے ساتھ حبشہ سے بارش کے موسم میں سرخ مٹی لاتا ہے جو مصر کی زمین کے ساتھ حل مل کر اسے زرخیز اور قابل کاشت بنا دیتی ہے۔ اس پانی سے مصر کی زمین سیراب ہوتی ہے اور وہ سرخ مٹی یہاں ٹھہر جاتی ہے جو ریتلی اور شوریلی زمین کو زراعت کے قابل بنا دیتی ہے۔ سبحان اللہ، اس لطیف، خبیر، رحیم اور غفور ذات کی قدرت کی کیا کیا کرشمہ سازیاں ہیں: فَاَسۡکَنّٰہُ فِی الۡاَرۡضِ - یعنی ہم بادلوں سے برسنے والے پانی کو زمین میں ٹھہرا دیتے ہیں اور زمین میں یہ صلاحیت ودیعت کر دیتے ہیں کہ وہ اس پانی کو اپنے اندر جذب کر کے اپنے شکم میں موجود دانوں اور گٹھلیوں کو فراہم کرتی رہے اور اگر ہم پانی کو ناپید کرنا چاہیں تو اس پر ہمیں پوری پوری قدرت حاصل ہے یعنی اگر ہم چاہیں تو بارش ہی نہ برسائیں، اگر ہم ارادہ کریں تو شوریلی سنگلاخ زمین، بیابانوں اور پہاڑوں پر بارش برسا دیں، اگر ہماری مرضی ہو تو ہم پانی کو کھاری اور نمکین بنا دیں جو نہ پینے کے کام آئے اور نہ سیراب کرنے کے، اگر ہماری خواہش ہو تو زمین کو پانی جذب کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دیں اور پانی اس کی سطح پر ہی کھڑا رہے اور اگر ہماری مشیت ہو تو ہم پانی کو اتنا گہرا لے جائیں جس تک نہ تم پہنچ سکو اور نہ استفادہ کر سکو لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور اس کی خصوصی رحمت ہے کہ وہ تم پر آسمان سے میٹھا، عمدہ اور خوشگوار پانی نازل کرتا ہے پھر اسے چشموں، ندی نالوں، نہروں اور دریاؤں جیسے آبی ذخائر کی شکل میں ٹھہرا دیتا ہے جو نہ صرف پینے، نہانے دھونے اور پاکیزگی حاصل کرنے کے کام آتا ہے بلکہ اس کے ذریعے کھیتوں اور پھلوں کو بھی سیراب کیا جاتا ہے اور جانوروں کو بھی پلایا جاتا ہے اس کے بعد فرمایا: فَاَنۡشَاۡنَا لَکُمۡ بِہٖ یعنی ہم نے آسمان سے برسنے والے پانی کے ذریعے کھجوروں اور انگوروں کے خوشنما باغات پیدا کئے۔ اہل حجاز کی پسندیدہ اور ان کے ہاں معروف چیزوں یعنی کھجور اور انگور کا ذکر کیا۔ اسی طرح ہر علاقے کے رہنے والوں کے لئے مختلف پھلوں کے ایسے انعامات ہیں جن کا شکر بجا لانے سے وہ قاصر ہیں، پھر فرمایا: لَکُمۡ فِیۡہَا فَوَاکِہُ کَثِیۡرَۃٌ یعنی ان میں تمہارے لئے ہر قسم کے پھل ہیں جیسے فرمایا: یُنۡۢبِتُ لَکُمۡ بِہِ الزَّرۡعَ وَ الزَّیۡتُوۡنَ وَ النَّخِیۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ وَ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ (النحل: 11) ”وہ تمہارے لئے اس کے ذریعہ کھیت، زیتون، کھجور، انگور اور (ان کے علاوہ) ہر قسم کے پھل اگاتا ہے“۔ اس فرمان وَمِنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ کا عطف ایک محذوف کلام پر ہے یعنی تم ان پھلوں کے حسن کو بھی دیکھتے ہو اور ان سے کھاتے بھی ہو۔ پھر فرمایا: وَ شَجَرَۃً اس درخت سے مراد زیتون ہے اور طور سے مراد پہاڑ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جس پہاڑ پر درخت ہوں اسے طور کہتے ہیں اور جو بغیر درختوں کے ہو اسے جبل کہتے ہیں۔ طور سیناء اور طور سینین ایک ہی پہاڑ کے نام ہیں جہاں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس پہاڑ کے ارد گرد کے پہاڑوں میں زیتون کے درخت ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ تَنۡۢبُتُ بِالدُّہۡنِ میں باء زائدہ ہے جیسے اس قول میں: ”اَلْقٰى فُلَانٌ بِيَدِہٖ“ اگر باء زائدہ نہ ہو تو ”تنبت“ فعل کسی اور فعل کے معنی کو متضمن ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی: ”تَخۡرُجُ بِالدُّہۡنِ

اَوْ تَاْتِيَ بِالدُّهْنِ "یعنی وہ تیل نکالتا یالاتا ہے، اس لئے فرمایا: وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ صبغ سے مراد سالن ہے۔ حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ، یہ مبارک درخت سے نکلتا ہے" (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ کیونکہ یہ مبارک درخت سے نکلتا ہے"۔ شریک بن نمیلہ بیان کرتے ہیں کہ میں عاشوراء کی رات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرا۔ آپ نے مجھے اونٹ کی سری اور زیتون کھلایا اور فرمایا کہ یہ اس مبارک درخت کا تیل ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے کیا ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ یہاں جانوروں اور ان کے ساتھ وابستہ منافع اور فوائد کا ذکر ہو رہا ہے، ان کا دودھ پیا جاتا ہے جو گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے، ان کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کے بالوں اور اون سے لباس تیار کیا جاتا ہے اور یہ جانور دور دراز علاقوں تک مسافروں اور سامان کو لے جانے کے کام آتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (النحل: 7) "اور یہ تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھا لے جاتے ہیں جہاں تم نہیں پہنچ سکتے مگر مشقت کے ساتھ۔ بے شک تمہارا رب بہت مہربان اور رحیم ہے"۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ (یٰسین: 73-71) "کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان کے لئے اس مخلوق سے مویشی پیدا فرمائے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی، پھر یہ ان کے مالک ہیں اور ہم نے انہیں ان کا تابعدار بنادیا پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں اور ان میں ان کے لئے اور بھی فوائد اور پینے کی چیزیں ہیں، کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے"۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗئِكَةً ښ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ۝

"اور ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو آپ نے فرمایا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔ کیا تم (بت پرستی کے انجام سے) نہیں ڈرتے۔ تو کہنے لگے وہ سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کی قوم سے کہ نہیں ہے یہ مگر بشر تمہارے جیسا۔ یہ چاہتا ہے کہ اپنی بزرگی جتلائے تم پر۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (رسول بھیجنا) چاہتا تو وہ اتارتا فرشتوں کو۔ ہم نے نہیں سنی یہ بات (جو نوح کہتا ہے) اپنے پہلے آباؤ اجداد میں۔ نہیں ہے یہ مگر ایسا شخص جسے جنون کا مرض ہو گیا ہے سو انتظار کرو اس کے انجام کا کچھ عرصہ"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تاکہ آپ شرک کرنے والوں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والوں اور رسولوں کو جھٹلانے والوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا: يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ - یعنی اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور کیا تم شرک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ ان کے سردار اور اکابرین کہنے لگے: مَا

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 497

هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ ۔ یعنی یہ تو تمہاری طرح بشر ہی ہے جو نبوت کا دعویٰ کر کے تم پر اپنی عظمت اور بزرگی جتلانا چاہتا ہے، بھلا اس بشر میں کون سی خصوصیت ہے کہ تمہیں چھوڑ کر اسے نبی بنا دیا گیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کسی فرشتہ کو نبی بنا کر مبعوث کر دیتا اور وہ نبی بشر کی بجائے فرشتہ ہوتا۔ یہ تو بڑی انہونی بات ہے، ہم نے اپنے آباؤ اجداد میں کوئی ایسی بات نہیں سنی کہ بشر بھی نبی بن سکتا ہے۔ اس شخص کو تو جنون کا مرض لاحق ہو گیا ہے، اسی لئے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا ہے۔ بس کچھ مدت انتظار کرو، گردش زمانہ کی لپیٹ میں آ کر یہ خود ہی ختم ہو جائے گا۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿٢٦﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٨﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿٣٠﴾

"آپ نے عرض کی اے رب! (اب) تو ہی میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ تو ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ بناؤ ایک کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق پھر جب آ جائے ہمارا عذاب اور (پانی) ابل پڑے تنور سے۔ تو داخل کر لو اس میں ہر جوڑے میں سے دو دو اور اپنے گھر والوں کو بجز ان کے جن کے بارے میں پہلے فیصلہ ہو چکا ہے ان میں سے۔ اور گفتگو نہ کرنا میرے ساتھ ان کے متعلق جنہوں نے ظلم کیا۔ وہ تو ضرور غرق کیے جائیں گے۔ پھر جب اچھی طرح بیٹھ جائیں آپ اور آپ کے ساتھی کشتی کے عرشہ پر تو کہنا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم (کے جور و ستم) سے اور یہ بھی عرض کرنا کہ اے میرے رب! اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔ بے شک اس قصہ میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اور ہم ضرور (اپنے بندوں کو) آزمانے والے ہیں"۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف نصرت الٰہی کی جو دعا مانگی تھی اس کا ذکر ہو رہا ہے جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (القمر: 10) "آخر کار آپ نے اپنے رب سے دعا مانگی کہ میں عاجز ہوں پس تو بدلہ لے"۔ اور یہاں یہ دعا کی: رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ایک مضبوط کشتی بناؤ اور اس میں حیوانات، نباتات اور پھلوں وغیرہ سے جوڑا جوڑا رکھ لو۔ اسی طرح اپنے گھر والوں کو بھی اس میں سوار کر لو سوائے ان کے جن کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس سے مراد آپ کا بیٹا اور بیوی ہے جو آپ کے اہل خانہ میں سے آپ پر ایمان نہیں لائے تھے۔ پھر آپ کو حکم ہوا: وَلَا تُخَاطِبْنِيْ یعنی جب بارش اور دوسرا پانی طوفان کی شکل اختیار کر لے تو اس وقت ایسا نہ ہو کہ قوم کے بارے میں تمہارا دل پسیج جائے اور تم شفقت اور مہربانی کے باعث ان کے لئے مہلت کا تقاضا کرنے لگو، اس امید پر کہ شاید وہ ایمان لے آئیں۔ بس میں نے یہ قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ انہیں کفر و طغیان کے سبب ضرور غرق کر دیا جائے گا۔ یہ واقعہ اپنی تفصیلات سمیت سورۂ ہود میں گزر چکا ہے(1) جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ اس کے بعد

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ہود: 25-48

فرمایا: فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ ... جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿12﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿13﴾ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (الزخرف: 14-12) حضرت نوح علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی جیسا کہ فرمایا: وَقَالَ ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا (ہود: 21)'' اور نوح علیہ السلام نے کہا کہ اس میں سوار ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہی اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا ہے''۔ آپ علیہ السلام نے کشتی کے چلنے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور ٹھہرتے وقت بھی، اور دعا کی: رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ ... اس کے بعد فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ ... یعنی مومنین کو نجات دینے اور کافروں کو ہلاک کرنے میں انبیاء کرام علیہ السلام کی صداقت، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور علم محیط پر واضح دلائل ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو بھیج کر بندوں کو آزماتا ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿31﴾ فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿32﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿33﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿34﴾ اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿35﴾ هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿36﴾ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴿37﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿38﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿39﴾ قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ﴿40﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿41﴾

''پھر ہم نے پیدا فرمادی ان کے (غرق ہونے کے) بعد ایک دوسری جماعت۔ پھر ہم نے بھیجا ان میں ایک رسول ان میں سے (اس نے انہیں کہا) عبادت کرو اللہ کی۔ نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے سوا۔ کیا تم (شرک کے انجام سے) نہیں ڈرتے ہو۔ تو بولے ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر کیا تھا اور جنہوں نے جھٹلایا تھا قیامت کی حاضری کو اور ہم نے خوشحال بنا دیا تھا انہیں دنیوی زندگی میں، (اے لوگو!) نہیں ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند۔ یہ کھاتا ہے وہی خوراک جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے اس سے جو تم پیتے ہو۔ اور اگر تم پیروی کرنے لگے اپنے جیسے بشر کی تو تم تب نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ کیا وہ تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ تم جب مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تمہیں (پھر قبروں سے) نکالا جائے گا، یہ بات عقل سے بعید ہے بالکل بعید، جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ نہیں ہے کوئی اور زندگی سوائے ہماری اس دنیوی زندگی کے یہی ہمارا مرنا ہے اور یہی ہمارا جینا اور ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ وہ نہیں مگر ایسا شخص جس نے بہتان لگایا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اور ہم تو قطعاً اس پر ایمان نہیں لائیں گے اس پیغمبر نے کہا میرے رب! اب تو میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے تو مجھے جھٹلا

دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب ہی یہ لوگ اپنے کئے پر نادم ہو جائیں گے۔ تو آ پکڑا انہیں حقیقی چنگھاڑ نے تو ہم نے انہیں خس و خاشاک بنا دیا تو برباد ہو جائے وہ قوم جو ستم شعار ہے''۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد جس قوم کو پیدا کیا گیا اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد قوم عاد ہے کیونکہ نوح علیہ السلام کے بعد متصل یہ قوم ہوئی۔ بعض نے اس سے مراد قوم ثمود لی ہے کیونکہ یہ فرمان فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ اسی کی نشاندہی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی طرف انہی میں سے ایک رسول بھیجا جس نے انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے محض اس وجہ سے کہ یہ رسول ان جیسا بشر ہے، تکذیب کی مخالفت پر اتر آئے، اس کی اتباع سے انکار کر دیا اور ایک بشر کی پیروی کرنا گوارہ نہ کیا۔ مزید برآں وہ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں حاضری کو جھٹلانے لگے اور جسمانی حشر کا انکار کرتے ہوئے کہنے لگے: اَيَعِدُكُمْ..... بِمَبْعُوْثِيْنَ یہ لوگ اس رسول کی رسالت، انذار اور قیامت کے متعلق اخبار کا انکار کرتے ہوئے کہنے لگے: اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ..... قوم کی مخالفت اور ہرزہ سرائی کے مقابلہ میں اس رسول نے اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی درخواست کی اور ان کے خلاف بددعا کرتے ہوئے کہا: عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ اس التجا کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ یعنی مخالفت اور عناد کی پاداش میں انہیں عنقریب ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ انہیں ایک حقیقی چنگھاڑ نے آ لیا۔ وہ اپنے کفر اور سرکشی کے باعث واقعی اس عذاب کے مستحق تھے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سخت چیخ اور زلزلہ خیز چنگھاڑ کے ساتھ ساتھ شدید سرد اور تند و تیز آندھی ان پر مسلط کر دی گئی جس سے ہر چیز نیست و نابود ہو گئی، وہ سیلاب کے پانی پر تیرتے ہوئے حقیر، معمولی اور بے فائدہ خس و خاشاک کی طرح ہلاک اور برباد ہو گئے اور ان کے ویران اور کھنڈر گھر دوسروں کے لئے بطور درس عبرت باقی رہ گئے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ایسا ہی ایک اور جگہ فرمان ہے: وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ (الزخرف: 76) ''اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہی (اپنی جانوں) پر ظلم ڈھانے والے تھے''۔ یعنی کفر، عناد اور مخالفت کے باعث ان کی بربادی ہوا پس سامعین کو تکذیب رسول سے بچنا چاہئے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

''پھر ہم نے پیدا فرمائیں ان (کی بربادی) کے بعد کئی قومیں۔ آگے نہیں بڑھ سکتی کوئی قوم اپنی مقررہ میعاد سے اور نہ وہ لوگ پیچھے رہ سکتے ہیں۔ پھر ہم بھیجتے رہے اپنے رسول یکے بعد دیگرے۔ جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا پس ہم بھی ایک کے بعد دوسرے کو ہلاک کرتے گئے اور ہم نے (ان جابر) قوموں کو افسانے بنا دیا۔ پس خدا کی پھٹکار ہو ایسی قوم پر جو ایمان نہیں لاتی''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کے بعد کئی دوسری قوموں کو پیدا کیا۔ کوئی بھی امت اپنی مقررہ میعاد سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے بلکہ قوموں کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کی جو اجل لوح محفوظ میں مقدر کر رکھی ہے، اس کے مطابق ان پر گرفت کی

جاتی ہے۔ پھر فرمایا: ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا یعنی پھر ہم نے یکے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ (النحل: 36) ''اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جو انہیں تعلیم دے) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو سو ان میں سے کچھ وہ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض پر گمراہی مسلط ہو گئی''۔ پھر فرمایا: كُلَّمَا جَآءَ ۔ یعنی ہر امت کی اکثریت نے اپنے رسول کو جھٹلایا جیسا کہ فرمایا: یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (یٰسین: 30) ''صد افسوس ان بندوں پر انہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگ گئے''۔ اس کے بعد فرمایا: فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا یعنی ایک کے بعد دوسری قوم کو ہم نے ہلاک کر دیا جیسا کہ ارشاد ہے: وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ (بنی اسرائیل: 17) ''اور کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے نوح کے بعد ہلاک کیا''۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: وَ جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ یعنی ہم نے انہیں لوگوں کے لئے افسانے اور قصے کہانیاں بنا دیا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ (سبا: 19) ''پس ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور ہم نے انہیں پارہ پارہ کر دیا''۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِیْنَ ﴿۴۸﴾ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

''پھر ہم نے بھیجا موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل دے کر فرعون اور اسکے درباریوں کی طرف تو انہوں نے بھی غرور تکبر کیا اور وہ لوگ بڑے سرکش تھے۔ تو انہوں نے کہا کیا ہم ایمان لے آئیں ان دو آدمیوں پر جو ہماری مانند ہیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے۔ پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بھی برباد ہونے والوں میں شامل ہو گئے۔ اور بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب تاکہ (ان کی قوم) ہدایت یافتہ ہو جائے''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو زبردست معجزات، روشن آیات اور قطعی دلائل کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا لیکن ان فرعونیوں نے بھی سابقہ قوموں کی روش پر چلتے ہوئے ان پیغمبروں کا اس بناء پر انکار کر دیا کہ یہ بھی ان جیسے بشر ہیں۔ ان کے دل بھی پہلی قوموں کے دلوں جیسے ہو گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دن میں تمام فرعونیوں کو فرعون سمیت غرق کر کے تباہ و برباد کر دیا۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات عطا فرمائی۔ فرعونیوں کی ہلاکت اور تورات کے نزول کے بعد کوئی قوم عام عذاب کا شکار نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کافروں کے ساتھ جہاد کا حکم دیا جیسا کہ ارشاد ہے: وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ (القصص: 43) ''اور ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی، (یہ) لوگوں کے لئے بصیرت افروز اور سراپا ہدایت و رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت قبول کریں''۔

وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰیَةً وَّ اٰوَیْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ ﴿۵۰﴾

”اور ہم نے بنادیا مریم کے فرزند اور اس کی ماں (مریم) کو (اپنی قدرت کی) نشانی اور انہیں بسایا ایک بلند مقام پر جو رہائش کے قابل تھا اور جہاں چشمے جاری تھے“۔

اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت کی واضح نشانی اور قطعی دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا، حضرت حواء کو صرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق بن باپ صرف عورت سے کی اور باقی تمام لوگوں کو مرد و زن دونوں سے پیدا فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”ربوۃ“ اس بلند جگہ کو کہتے ہیں جہاں سبزہ اور نباتات کی بہتات ہو، ”ذات قرار“ کا معنی ہے زرخیز اور سرسبز و شاداب اور ”معین“ کا معنی ہے جاری پانی (1)۔ مجاہد اس کا معنی ہموار ٹیلہ کرتے ہیں۔ مفسرین کا اس ربوۃ (اونچی جگہ) کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ کون سی سرزمین تھی؟ عبد الرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ ایسے اونچے مقامات مصر میں ہی ہوتے ہیں۔ جب پانی سیلابی شکل میں بہتا ہے تو ان اونچی جگہوں پر دیہات آباد ہو جاتے ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو دیہات غرق ہو جائیں (2) لیکن یہ قول بعید ہے۔ حضرت سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ یہ ٹکڑا دمشق میں تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ”معین“ سے مراد دمشق کی نہریں لیتے ہیں۔ مجاہد ”ربوۃ“ سے مراد دمشق اور اس کے مضافات لیتے ہیں۔ (2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس سے مراد فلسطین میں مقام رملہ لیتے ہیں (3)۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا کہ تو ربوہ میں فوت ہوگا لیکن اس کی وفات رملہ (ریتلی زمین) میں ہوئی۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ ان تمام اقوال میں زیادہ قریب قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ نہر ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے: قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا (مریم: 24) ”تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی جاری کر دی ہے“ (4)۔ یہی تفسیر سب سے زیادہ واضح ہے کیونکہ اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہے، سب سے پہلے قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جاتی ہے، پھر حدیث سے اور پھر آثار سے۔

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿51﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿52﴾ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿53﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿54﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿55﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿56﴾

”اے (میرے) پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو۔ بے شک میں جو اعمال تم کر رہے ہو ان سے خوب واقف ہوں۔ اور یہی تمہارا دین ہے (اور) وہ ایک ہی ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں سو تم ڈرا کرو مجھ سے۔ لیکن کاٹ کر بنا دیا انہوں نے اپنی دینی وحدت کو باہمی اختلاف سے پارہ پارہ۔ ہر گروہ اپنے نظریات پر مسرور ہے۔ پس (اے محبوب!) رہنے دو انہیں اپنی مدہوشی میں کچھ وقت تک۔ کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت) سے تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں“۔

اللہ تعالیٰ اپنے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حلال روزی کھانے اور نیک اعمال بجالانے کا حکم فرما رہا ہے، یہ اس بات کی

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 100 2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 100 3۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 101
4۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 27، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 101

دلیل ہے کہ حلال روزی اعمال صالحہ کی بجا آوری میں معاون اور مددگار ہے چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اس حکم کی تعمیل میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور اپنے قول، فعل، دلالت اور نصیحت سے ہر قسم کی بھلائیوں کو جمع کر لیا۔ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کی طرف سے انہیں جزائے خیر سے نوازے! حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کسی زرد یا سرخ رنگ اور کسی تلخ و شیریں ذائقہ کا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ حلال کھاؤ۔ حضرت مریم علیہا السلام کو سوت کاتنے سے جو اجرت حاصل ہوتی تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے کھایا کرتے تھے۔ حدیث صحیح میں ہے: ''کوئی بھی نبی ایسا نہیں ہے جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں''۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! اور آپ نے بھی؟ فرمایا: ''ہاں، میں بھی چند قیراط پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔(1)'' ایک اور حدیث میں ہے: ''حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے''(2)۔ صحیحین کی حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور سب سے زیادہ پسندیدہ قیام داؤد علیہ السلام کا قیام ہے۔ وہ آدھی رات سوتے تھے، تہائی رات قیام کرتے تھے اور چھٹا حصہ سو جاتے تھے۔ وہ ایک دن ناغہ کر کے روزہ رکھتے اور دشمن کے مقابلہ میں راہ فرار اختیار نہ کرتے''(3)۔ حضرت ام عبد اللہ اخت شداد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ روزہ سے تھے، میں نے افطار کے وقت دودھ کا پیالہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ دن کا آخری حصہ تھا اور دھوپ تیز تھی۔ آپ ﷺ نے یہ کہہ کر قاصد کو واپس کر دیا کہ تمہارے پاس بکری کہاں سے آ گئی (اگر تمہاری بکری کا ہوتا تو پی لیتا)؟ حضرت ام عبد اللہ رضی اللہ عنہا نے کہلوا بھیجا کہ میں نے یہ اپنے مال سے خریدا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے یہ دودھ پی لیا۔ دوسرے دن ام عبد اللہ رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے دن کی طوالت اور گرمی کی شدت کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ کے لئے دودھ کا پیالہ بھیجا تھا لیکن آپ ﷺ نے اسے واپس کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''رسولوں کو یہی حکم ہے کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک عمل کریں''(4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ صرف پاکیزہ چیز کو ہی قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے کہ اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، میں تمہارے اعمال سے خوب واقف ہوں۔ اور فرمایا: ''اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔'' پھر آپ نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو دور دراز کا سفر کرتا ہے، اس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہوتے ہیں، اس کا کھانا، پینا اور پہننا حرام کا ہوتا ہے اور اس کی خوراک بھی حرام سے ہوتی ہے۔ وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلائے ہوئے یا رب، یا رب کہتا ہے لیکن اس (حرام خور) شخص کی دعا کیسے قبول ہوگی''(5)۔ اسکے بعد فرمایا: وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ ۔ یعنی اے گروہ انبیاء! تمہارا دین، دین واحد اور تمہاری ملت، ملت واحدہ ہے، وہ ہے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دینا، اس لئے فرمایا: وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ اس کی تفسیر سورۂ انبیاء میں بیان ہو چکی ہے(6)۔ اُمَّةً وَّاحِدَةً حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ یعنی ان امتوں نے جن کی طرف انبیاء مبعوث کئے گئے، باہمی اختلاف سے اس دینی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا اور ہر گروہ اپنے نظریات اور گمراہی پر مسرور ہو گیا اور یہ خیال کرنے لگا کہ وہ ہدایت یافتہ ہے، اس لئے انہیں دھمکی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، جلد 3 صفحہ 115
2۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 74
3۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 52، صحیح مسلم، کتاب الصیام، جلد 2 صفحہ 816
4۔ مستدرک حاکم، کتاب الاطعمۃ، جلد 4 صفحہ 125-126، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 102
5۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ جلد 2 صفحہ 702، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 328 وغیرہ
6۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انبیاء: 92

دیتے ہوئے فرمایا: فَذَرْهُمْ ۔ یعنی آپ انہیں ان کی ہلاکت کے وقت تک گمراہی میں ہی مدہوش اور مست رہنے دیں جیسا کہ فرمایا: فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا (الطارق: 17) ''پس آپ کفار کو اور مہلت دے دیں، کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیں''۔ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (الحجر: 4) ''انہیں رہنے دیجئے وہ کھائیں اور عیش کریں اور (جھوٹی) امید انہیں غافل رکھے کچھ عرصہ بعد وہ جان لیں گے''۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ... یعنی کیا یہ مغرور اور فریب خوردہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں مال و اولاد دے اس لئے نواز رہے ہیں کہ انہیں ہمارے ہاں کرامت اور عزت حاصل ہے، ہرگز نہیں، معاملہ یوں نہیں جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے: نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ۙ وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (سبا: 35) ''ہمارا مال بھی (تم سے) زیادہ ہے اور اولاد بھی اور ہمیں عذاب نہیں دیا جا سکتا''۔ یہ ان کی خام خیالی اور غلطی ہے اور ان کی یہ امید کبھی بھی بر نہیں آئے گی بلکہ وہ نامراد رہیں گے۔ انہیں جو نعمتیں دی جارہی ہیں وہ بطور استدراج ہیں اور انہیں مہلت دے کر عذاب کے قریب لایا جا رہا ہے، اس لئے فرمایا: بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (التوبہ: 55) ''سو تمہیں ان کے اموال اور ان کی اولاد تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انہیں دنیوی زندگی میں ان چیزوں سے عذاب دے''۔ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْۤا اِثْمًا (آل عمران: 178) ''ہم صرف اس لئے مہلت دے رہے ہیں تا کہ وہ اور زیادہ گناہ کر لیں''، فَذَرْنِيْ وَ مَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ وَ اُمْلِيْ لَهُمْ (القلم: 44-45) ''پس آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور اسے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے۔ ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا اور میں نے انہیں مہلت دے رکھی ہے''۔ ذَرْنِيْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۔ عَنِيْدًا (المدثر: 16-11)، وَ مَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا (سبا: 37) ''اور نہ تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں ہمارا قرب بخش دیں مگر جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا''۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مال و اولاد لوگوں کے لئے آزمائش ہیں اس لئے اموال و اولاد سے لوگوں کو نہ پرکھو بلکہ ایمان اور عمل صالح لوگوں کو جانچنے کا معیار ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے درمیان رزق تقسیم کئے ہیں اسی طرح تمہارے درمیان اخلاق کی تقسیم کی ہے اور اللہ تعالیٰ دنیا اسے بھی دیتا ہے جسے وہ محبوب رکھتا ہے اور اسے بھی جسے وہ محبوب نہیں رکھتا لیکن دین صرف اسے عطا فرماتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے تو جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دین سے نواز دیا، اسے اپنا محبوب بھی بنا لیا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! کوئی بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو اور وہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے محفوظ نہ ہو جائے۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی ایذائیں کیا ہیں؟ فرمایا: دھوکہ دہی اور ظلم۔ جو بندہ حرام کھاتا ہے اور اس میں سے خرچ کرتا ہے تو اس میں نہ برکت ہوتی ہے اور نہ اس کا صدقہ قبول کیا جاتا ہے اور جو وہ ترکہ چھوڑ کر جاتا ہے وہ اس کے لئے جہنم کا توشہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتا ہے۔ خبیث خبیث کو نہیں مٹاتا'' (1)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۙ﴿۵۷﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۵۸﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۙ﴿۵۹﴾ وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 388-387

مَا بِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾

"بے شک وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے ڈر رہے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں بناتے۔ اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل ڈر رہے ہیں (اس خیال سے) کہ وہ (ایک دن) اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ جلدی کرتے ہیں بھلائیاں کرنے میں اور وہ بھلائیوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں"۔

اہل ایمان کے متعلق بتایا جارہا ہے کہ وہ احسان، ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتے اور کانپتے رہتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن نیکی اور خوف خدا کا مرقع ہوتا ہے جبکہ کافر بدکار اور نڈر رہتا ہے (1)۔ ان قدسی صفات اہل ایمان کا دوسرا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ یعنی یہ لوگ کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور شرعی نشانیوں پر بھی جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا: وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ (التحریم: 12) "اور مریم نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی"۔ یعنی انہیں یقین تھا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کو شروع کرتا ہے، اگر وہ امر ہو تو یہ چیز اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسند ہوتی ہے، اگر وہ نہی ہو تو وہ ناپسندیدہ چیز ہوتی ہے اور اگر خیر ہو تو حق ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے بلکہ توحید پر یقین رکھتے ہوئے صرف اس کی پوجا کرتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا اور بے نیاز ہے، نہ اس کی بیوی ہے اور نہ اولاد، نہ اس کی کوئی نظیر ہے اور نہ کوئی ہمسر۔ ان حضرات کی ایک اور صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ ... یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال و دولت میں سے عطا کرتے ہیں اور ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اس بات سے ڈر رہے ہوتے ہیں کہ شاید عطا کرنے میں کوئی کوتاہی ہو جائے اور اس وجہ سے اسے قبول نہ کیا جائے۔ خوف اور احتیاط کے سبب ان کی یہ حالت ہوتی ہے جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ...... کے متعلق عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو چوری، زنا اور شراب نوشی کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے صدیق کی بیٹی! ایسا نہیں، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں، اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں" (2)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: "نہیں، اے صدیق کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز، روزہ اور صدقہ کی ادائیگی کے باوجود اس بات سے ڈرتے ہیں کہ شاید ان کے یہ اعمال مقبول نہ ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جو نیکیاں کرنے میں سبک رفتار ہیں"۔ اس آیت کی دوسری قرأت "وَيَأْتُوْنَ مَا اَتَوْا" ہے۔ حضرت ابو عاصم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے پاس آنے سے کون سی چیز تمہیں مانع ہے؟ عرض کی کہ مجھے اس بات کا خیال ہے کہ آپ کو تکلیف نہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ ابو عاصم عرض کرنے لگے کہ میں اس آیت کے متعلق دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے "يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا" پڑھا تھا یا "يَاْتُوْنَ مَا اَتَوْا"؟ آپ نے فرمایا کہ تمہیں ان میں سے کون سی قرأت زیادہ محبوب ہے؟ ابو عاصم نے عرض کی: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ان میں سے مجھے "يَاْتُوْنَ مَا اَتَوْا" والی

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 32، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 105 2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 159، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مومنون، جلد 12 صفحہ 39-41

قرأت دنیا و مافیہا سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اسے اسی طرح پڑھا کرتے تھے اور اسی طرح اس کا نزول ہوا (1)۔ اس روایت کا ایک راوی اسماعیل بن مسلم مکی ضعیف ہے۔ معنی کی رو سے سب سے زیادہ ظاہر قرأت وہی ہے جو قرآن کریم میں ہے اور یہی جمہور کی قرأت ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا: اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ ۔ اس میں انہیں سبقت لے جانے والے قرار دیا گیا ہے۔ اگر دوسری قرأت کو پیش نظر رکھیں تو یہ سبقت لے جانے والے نہیں بنتے بلکہ درمیانی راہ چلنے والے یا کوتاہی کرنے والے متصور ہوتے ہیں۔

وَ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَ لَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَ لَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ۝ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝

"اور ہم تکلیف نہیں دیتے کسی شخص کو مگر جتنی اس کی طاقت ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو سچ بولتی ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے دل مدہوش ہیں اس (خوفناک حقیقت) سے اور ان کے اعمال مومنوں کے اعمال سے مختلف ہیں۔ یہ (نابکار) ان برے کاموں کو ہی کرنے والے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم پکڑیں گے ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب سے اس وقت وہ چلائیں گے۔ (ظالمو!) آج نہ چلاؤ۔ تمہاری ہماری طرف سے اب کوئی مدد نہ کی جائے گی۔ (وہ وقت یاد کرو) جب ہماری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں اور تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جایا کرتے تھے۔ غرور و تکبر کرتے ہوئے (پھر صحن حرم میں) تم داستان سرائی کیا کرتے تھے اور قرآن کی شان میں بکواس کیا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جس شریعت کا پابند بنایا ہے اس میں عدل اور سہولت کا پہلو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی انسان کو صرف اتنی تکلیف دیتا ہے جس قدر اس میں وسعت اور طاقت ہو۔ کوئی ایسا حکم لاگو نہیں کیا جو انسانی قدرت سے بڑھ کر ہو پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کے ان اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا جو کتابی صورت میں سب کے سامنے ظاہر کیے جائیں گے، اس لئے فرمایا: وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ ۔ یعنی ہمارے پاس نامہ اعمال ہے جو سچ بولے گا اور کسی پر ایسا ظلم نہیں کیا جائے گا کہ اس کی نیکیاں کم کر دی جائیں البتہ اکثر اہل ایمان کی خطاؤں کو معاف کر دیا جائے گا۔ پھر کفار اور مشرکین کی ہٹ دھرمی پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ...... یعنی ان کے دل اس قرآن سے بھٹکے ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ ان کی شرک جیسی اور بھی بداعمالیاں ہیں جن کا ارتکاب انہوں نے ہر صورت کرنا ہے۔ بعض حضرات نے اس فرمان لَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ ۔ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ ان پر برے اعمال لکھ دیئے گئے ہیں جنہیں وہ اپنی موت سے پہلے ضرور کریں گے کیونکہ ان کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! ایک

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 95

آدمی جنتیوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر کا لکھا غالب آجاتا ہے اور وہ جہنمیوں کے سے اعمال کرنا شروع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ جہنمی بن جاتا ہے"(1)۔ پھر فرمایا: حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا ۔ یعنی جب خوشحال لوگ عذاب الٰہی کا شکار ہوتے ہیں تو وہ چلانے اور فریاد کرنے لگتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ ذَرْنِیْ وَ الْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ۝ اِنَّ لَدَیْنَاۤ اَنْكَالًا وَّ جَحِیْمًا ۝ وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِیْمًا (المزمل: 13-11) "آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں، ہمارے پاس ان کے لئے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے اور غذا جو گلے میں پھنس جانے والی ہے اور دردناک عذاب"۔ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّ لَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ (ص: 3) "ان سے پہلے ہم نے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا پس وہ فریاد کرنے لگے اور یہ وقت بچ نکلنے کا نہیں تھا"۔ فرمایا: لَا تَجْـَٔرُوا الْیَوْمَ یعنی آج تمہارا واویلا کرنا بے سود ہے۔ خواہ تم چلاؤ یا خاموش رہو، آج کوئی بھی تمہیں اس عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ یہ عذاب تم پر لازم ہو چکا ہے اور اس سے کوئی مفر نہیں۔ پھر ان کا ایک بڑا گناہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ یعنی جب تمہیں ان آیات کی دعوت دی جاتی تو تم انکار کر دیتے تھے اور جب تمہیں حق کی طرف بلایا جاتا تو تم اس سے انحراف کیا کرتے تھے۔ توحید کا انکار اور شرک پر ایمان تمہارا شیوہ تھا۔ اس ارشاد مُسْتَكْبِرِیْنَ ۖۗ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ "مستکبرین" حال ہے یعنی وہ تکبر کرتے ہوئے اور حق اور اہل حق کو حقیر سمجھتے ہوئے حق سے اعراض کرتے۔ اس صورت میں "بہ" کی ضمیر کا مرجع یا تو حرم مکہ ہے کیونکہ وہ اس میں داستان سرائی اور بیہودہ گفتگو کرتے تھے، یا اس کا مرجع قرآن کریم ہے، یہ لوگ قرآن کریم کے متعلق ہرزہ سرائی کرتے ہوئے اسے جادو، شعر، کہانت اور اس طرح کے دیگر نام دیتے، یا اس ضمیر کا مرجع حضور ﷺ ہیں۔ یہ فجار آپ ﷺ کے متعلق نازیبا باتیں کرتے ہوئے کبھی آپ ﷺ کو شاعر کہتے، کبھی جادوگر، کبھی کذاب اور کبھی مجنون۔ ان کی یہ ساری باتیں باطل تھیں۔ آپ ﷺ تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اور رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین پر غلبہ عطا فرمایا اور انہیں ذلیل و رسوا کر کے حرم شریف سے نکال باہر کیا۔ مُسْتَكْبِرِیْنَ ۖۗ بِهٖ کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ "بہ" کی ضمیر کا مرجع بیت اللہ ہے یعنی مشرکین بیت اللہ پر فخر و تکبر کرتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہی اس کے متولی ہیں حالانکہ وہ اس کے اہل ہی نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ ارشاد مُسْتَكْبِرِیْنَ ۖۗ بِهٖ ۔ نازل ہوا تو رات کے وقت قصہ گوئی مکروہ ہو گئی۔ مشرکین بیت اللہ پر تکبر کرتے ہوئے کہتے کہ ہم ہی اس کے اہل ہیں۔ وہ غرور کرتے اور بیت اللہ شریف میں قصے کہانیوں کی محفلیں جماتے۔ وہ اسے آباد نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی بے ادبی کیا کرتے تھے(2)۔ ابن ابی حاتم نے یہاں بہت کچھ لکھا ہے جس کا حاصل یہی ہے۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا
رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ
لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ
فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 135,161، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2036

2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 423-424، مستدرک حاکم تفسیر سورۂ مومنون، جلد 2 صفحہ 394

فَرَبُّكَ خَيْرٌ ۖ وَّ هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

"کیا انہوں نے کبھی تدبر نہ کیا قرآن میں؟ یا آئی تھی ان کے پاس ایسی چیز جو نہ آئی تھی ان کے پہلے آباء و اجداد کے پاس۔ یا انہوں نے اپنے رسول (مکرم) کو نہ پہچانا تھا اس لئے وہ اس کے منکر بنے رہے۔ یا کہتے ہیں کہ اسے سودا کا مرض ہے۔ (یوں نہیں) بلکہ وہ تشریف لایا ان کے پاس حق کے ساتھ اور بہت سے لوگ ان میں سے حق کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور اگر پیروی کرتا حق ان کی خواہشات (نفسانی) کی تو درہم برہم ہو جاتے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ بلکہ ہم ان کے پاس لے آئے ان کی نصیحت تو وہ اپنی نصیحت سے ہی روگردانی کرنے والے ہیں۔ کیا آپ طلب کرتے ہیں ان سے کچھ معاوضہ (آپ کے لئے) تو آپ کے رب کی عطا بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ اور بے شک آپ تو انہیں بلاتے ہیں سیدھی راہ کی طرف۔ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ راہ راست سے منحرف ہونے والے ہیں۔ اور اگر ہم نے ان پر مہربانی بھی فرمائی اور دور بھی کر دیا اس مصیبت کو جس میں مبتلا ہیں پھر بھی وہ بڑھتے جائیں گے اپنی سرکشی میں اندھے بنے ہوئے"۔

قرآن عظیم کو نہ سمجھنے، اس میں غور و تدبر نہ کرنے اور اس سے روگردانی کرنے پر مشرکین کو سرزنش کی جا رہی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خصوصاً انہیں اس کتاب سے نوازا جس سے کامل اور اشرف کتاب کسی رسول پر نازل نہیں ہوئی۔ زمانہ جاہلیت میں مرنے والے ان کے آباؤ اجداد کتاب اور پیغمبر سے محروم رہے لیکن ان پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرماتے ہوئے انہیں قرآن کریم جیسی عظیم اور گراں بہا نعمت مرحمت فرمائی۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ یہ مشرکین اس نعمت کی قدر کرتے، اسے قبول کرتے اور اس کا شکر بجالاتے ہوئے تندہی اور دلجمعی کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو جاتے جیسا کہ انہی میں سے عقلمند اور صالح فطرت لوگوں نے اسلام کو قبول کر لیا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی اور اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا۔ قتادہ اس فرمان اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر وہ قرآن کریم میں غور و تدبر کر کے اسے سمجھنے کی کوشش کرتے تو یقیناً انہیں نصیحت حاصل ہوتی اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ جاتے لیکن وہ متشابہات کے پیچھے پڑ کر برباد ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کفار قریش پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ یعنی کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی راست گفتاری، دیانتداری، عفت اور پاکیزگی کو نہیں پہچانتے، کیا وہ اس کا انکار کر سکتے ہیں۔ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شاہ حبش نجاشی کے سامنے اپنی تقریر میں اس بات کا بھی تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا ہے جس کے نسب، جس کی صداقت اور جس کی امانت سے ہم خوب واقف ہیں (1)۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بھی نائب کسریٰ کو میدان جنگ میں یہی فرمایا تھا (2) اور جب شاہ روم ہرقل نے ابوسفیان صخر بن حرب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات، آپ کے نسب اور صدق و امانت کے متعلق پوچھا تھا تو انہیں اس چیز کا اعتراف کرنا پڑا حالانکہ اس وقت وہ کافر تھے، اس کے باوجود انہیں سچ بولنے کے سوا

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 336، البدایہ والنہایہ جلد 3 صفحہ 71

2۔ دیکھئے البدایہ والنہایہ، جلد 7 صفحہ 39 و ما بعد

کوئی چارہ نہ تھا اور انہوں نے برملا آپ ﷺ کی عالی نسبی، راست گفتاری اور دیانتداری کی گواہی دی(1)۔ اس کے بعد فرمایا: اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ مشرکین نبی کریم ﷺ کے متعلق کہا کرتے تھے کہ اس نے قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے یا اسے جنون کا مرض لاحق ہے جس کی وجہ سے اسے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ ان مشرکین کے دل قرآن پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ قرآن کے متعلق ان کی تمام باتیں غلط اور باطل ہیں۔ قرآن کریم تو اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جس کی نظیر لانے سے ساری دنیا عاجز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین اور دنیا کے تمام لوگوں کو چیلنج کیا کہ اگر ان کے بس میں ہے تو اس جیسا قرآن لائیں لیکن کسی کو بھی ہمت نہ ہوئی اور کبھی ہوگی بھی نہیں، اس لئے فرمایا: بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ ... اس آیت میں یہ جملہ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ حال بھی بن سکتا ہے اور خبر یہ مستانفہ بھی ہو سکتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: ''مسلمان ہو جا''۔ اس نے کہا کہ آپ مجھے ایسے امر کی دعوت دے رہے ہیں جسے میں ناپسند کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگرچہ تمہیں ناپسند ہو''۔ مذکور ہے کہ ایک شخص سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اسلام قبول کر لے''۔ یہ بات اس شخص کو بہت گراں اور ناگوار گزری۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''مجھے بتاؤ، اگر تم کسی دشوار گزار اور خطرناک راستے پر جا رہے ہو اور تمہاری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہو جائے جس کا نام ونسب اور امانت وصداقت کے متعلق تمہیں اچھی طرح واقفیت ہو، وہ تمہیں ایک وسیع اور آسان راستے پر چلنے کے لئے کہے تو کیا تم اس کی بات مان لو گے؟'' اس نے کہا: ہاں، ضرور، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! تم اس سے بھی زیادہ دشوار گزار اور خطرناک راستے پر چل رہے ہو اور میں تمہیں اس سے بھی زیادہ آسان اور سیدھے راستے کی دعوت دیتا ہوں، اس لئے میری دعوت قبول کر لو''۔ اسی طرح ایک اور روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے ناگواری کا اظہار کیا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''مجھے یہ بتاؤ، اگر تمہارے دو ساتھی ہوں، ان میں سے ایک جب تمہارے ساتھ گفتگو کرے تو سچ بولے اور اگر تم اس کے پاس امانت رکھو تو وہ تمہیں جوں کی توں لوٹا دے، کیا یہ ساتھی تمہیں پسند ہے یا وہ ساتھی جو تمہارے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے جھوٹ بولے اور تمہاری امانت میں خیانت کرے؟'' اس آدمی نے جواب دیا کہ مجھے وہ ساتھی محبوب ہے جو میرے ساتھ سچ بولے اور میری امانت میں خیانت نہ کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی طرح تم اپنے رب کے پاس ہو''(2)۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ مجاہد، ابوصالح اور سدی کہتے ہیں کہ حق سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کی خواہشات کے مطابق شرعی احکام مقرر کرتا تو زمین وآسمان اور ان میں سب چیزیں درہم برہم ہو جاتیں کیونکہ ان کی خواہشات بالکل فاسد ہیں جیسا کہ ان کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ (الزخرف: 31) ''کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دو شہروں میں بڑا ہے''۔ اس کے جواب میں فرمایا: اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (الزخرف: 32) ''کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو بانٹا کرتے ہیں''، فرمایا: قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ (بنی اسرائیل: 100) ''فرمایئے اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس وقت تم ضرور ہاتھ روک لیتے اس خوف سے کہیں ختم ہی نہ ہو جائیں''۔ ایک اور جگہ فرمایا: اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا (النساء: 53) ''کیا ان کا حکومت میں کوئی حصہ ہے اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیتے''۔ ان آیات میں بندوں کے عجز، ان کی آراء اور خواہشات کے اختلاف کو

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 4 2۔ دیکھئے مذکورہ تمام آثار: الدر المنثور جلد 6 صفحہ 110

بیان کرنے کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کیا جا رہا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی اپنی تمام صفات، اقوال، افعال، احکام، تقدیر اور ہر قسم کی تدبیر میں کامل ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ اس کے سوا کوئی رب، اس لئے فرمایا: بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ...... ذکر سے مراد قرآن کریم ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا...... یعنی آپ دعوت و تبلیغ کے مقابلہ میں ان سے اجرت کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ آپ رضائے الٰہی کی خاطر یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں اور اپنے رب سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہیں جیسا کہ فرمایا: قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۖ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (سبا:47) ''فرمایئے جو معاوضہ میں نے تم سے مانگا ہو وہ تم اپنے پاس رکھو، میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے''۔ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (ص:86) ''آپ فرمایئے میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں''، قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (الشوریٰ:23) ''آپ فرمایئے میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا بجز قرابت کی محبت کے''۔ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (یٰسین:20-21) ''دریں اثنا شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، کہنے لگا اے میری قوم! رسولوں کی پیروی کرو، پیروی کرو ان (پاکبازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے''۔ اس کے بعد فرمایا: وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ...... لَنٰكِبُوْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوئے ہوئے تھے کہ دو فرشتے آپ ﷺ کے پاس آئے۔ ایک آپ ﷺ کی پائنتی بیٹھ گیا اور دوسرا سرہانے۔ پائنتی والا فرشتہ سرہانے والے فرشتے سے کہنے لگا کہ ان کی اور ان کی امت کی مثال بیان کرو۔ وہ کہنے لگا کہ ان کی اور ان کی امت کی مثال ان مسافروں کی سی ہے جو ایک بیابان چٹیل میدان میں پہنچے، ان کے پاس زادِ راہ نہیں تھا جس سے وہ اسے عبور کرتے یا واپس چلے آتے۔ اسی اثناء میں ایک شخص منقش اور عمدہ لباس زیب تن کیے ہوئے ان کے پاس آیا اور انہیں کہنے لگا کہ اگر میں تمہیں پھلوں سے لدے ہوئے باغوں اور پانی سے بھرے ہوئے حوضوں تک پہنچا دوں تو کیا تم میری پیروی کرو گے؟ سب نے کہا: ہاں، ضرور۔ چنانچہ وہ ان سب کو پھلدار باغات اور پانی سے بھرے ہوئے حوضوں تک لے آیا۔ وہاں انہوں نے خوب کھایا پیا یہاں تک کہ موٹے تازے ہو گئے۔ ایک دن اس نے انہیں کہا کہ تم ہلاک ہونے والے تھے لیکن میں نے تمہیں کہا کہ اگر تم میری بات مانو تو میں تمہیں باغات اور حوضوں پر لے چلتا ہوں۔ وہ کہنے لگے: واقعی۔ اب وہ انہیں کہنے لگا کہ اس سے آگے ان سے بھی زیادہ سرسبز و شاداب باغات اور پانی سے لبالب حوض ہیں، میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ اس پر ایک جماعت نے کہا کہ یہ آدمی سچا ہے، ہم ضرور اس کی پیروی کریں گے جبکہ دوسری جماعت کا کہنا تھا کہ ہمیں یہی کافی ہے اور ہم یہاں ہی رہیں گے (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے پیچھے ہٹا رہا ہوں لیکن تم میرے ہاتھوں سے چھوٹ چھوٹ کر پروانوں اور ٹڈیوں کی طرح آگ میں گھس رہے ہو۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم میرے ہاتھوں سے چھوٹ جاؤ گے۔ سنو، میں تم سے پہلے حوض پر پہنچنے والا ہوں، وہاں تم گروہ در گروہ اور تنہا تنہا میرے پاس آؤ گے اور میں تمہیں تمہاری نشانیوں اور ناموں سے پہچان لوں گا جیسے ایک آدمی اپنے اونٹوں میں اجنبی اونٹ کو پہچان لیتا ہے۔ فرشتے تمہیں دائیں اور بائیں جانب لے جانا چاہیں گے تو میں رب العالمین کے حضور التجا کروں گا کہ اے میرے پروردگار! یہ میری قوم ہے، یہ میری امت ہے۔ پس کہا جائے گا: اے محمد ﷺ! آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں نکال لی تھیں۔ یہ لوگ آپ کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل لوٹتے رہے۔ میں تم میں سے ایک آدمی کو پہچان لوں گا جو قیامت کے دن

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 267

ممیاتی ہوئی بکری کو اٹھائے ہوئے آئے گا اور یا محمد یا محمد کی مدا دے گا لیکن میں کہوں گا کہ میں تمہارے کام نہیں آ سکتا، میں نے فریضہ تبلیغ ادا کر دیا، میں اس شخص کو بھی پہچان لوں گا جو قیامت کے دن بلبلاتے ہوئے اونٹ کو اٹھا کر حاضر ہوگا اور یا محمد یا محمد پکارے گا لیکن میں اسے کہوں گا کہ میں تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا، میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔ اسی طرح میں اس شخص کو بھی پہچان لوں گا جو قیامت کے دن ہنہناتے ہوئے گھوڑے کو اٹھائے ہوئے آئے گا اور یا محمد یا محمد کی مدا دے گا لیکن میں اسے کہوں گا کہ میں تیرے لئے کسی چیز کا مالک نہیں، میں نے اپنا فریضہ تبلیغ ادا کر دیا تھا، اور میں اس شخص کو بھی پہچان لوں گا جو قیامت کے دن مشکیزہ اٹھائے اور یا محمد یا محمد کہتے ہوئے میرے پاس آئے گا لیکن میں اسے بھی یہی کہوں گا کہ مجھے تمہارے بارے میں کوئی اختیار نہیں۔ میں نے تو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا"۔ علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند تو حسن ہے لیکن اس کا ایک راوی حفص بن حمید مجہول ہے لیکن یحییٰ بن معین نے اسے صالح کہا ہے اور نسائی اور ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ یعنی آخرت پر ایمان نہ لانے والے راہ راست سے منحرف ہونے والے ہیں۔ جب کوئی شخص سیدھی راہ سے ہٹ جائے تو کہا جاتا ہے: "نَكَبَ فُلَانٌ عَنِ الطَّرِيْقِ"۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ کفر میں ان کی پختگی اور شدت کو بیان کرتے ہوئے بتایا جا رہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان سے تکلیف کو دور کر دے اور انہیں قرآن سمجھا دے تو بھی یہ اطاعت نہیں کریں گے بلکہ اپنے کفر، عناد اور سرکشی پر ڈٹے رہیں گے جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (الانفال: 23) "اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی جانتا تو انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر انہیں سنا دیتا تو وہ روگردانی کرتے ہوئے پیٹھ پھیر دیتے"۔ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ - بِمَبْعُوْثِيْنَ (الانعام: 27-29)۔ لفظ "لو" امتناع پر دلالت کرتا ہے یعنی یہ وہ بات ہے جو ہوگی نہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر یہ ہو جائے تو اس پر کیا نتیجہ مرتب ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کلام میں "لو" ہو، اس کا وقوع نہیں ہوتا۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٧٦﴾ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا
عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٧﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ
الْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ
تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ﴿٨٠﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿٨١﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا
ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٨٢﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨٣﴾

"اور ہم نے پکڑ لیا انہیں عذاب سے پھر بھی وہ نہ جھکے اپنے رب کی بارگاہ میں اور نہ وہ اب گڑگڑا کر (توبہ کرتے) ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم کھول دیں گے ان پر دروازہ سخت عذاب والا تو وہ اس وقت بالکل مایوس ہو جائیں گے۔ اور وہ وہی ہے جس نے بنائے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل۔ لیکن (ان عظیم نعمتوں پر بھی) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ اور وہ وہی ہے

جس نے پھیلا دیا تمہیں زمین (کے اطراف) میں اور (انجام کار) اسی کی جناب میں اکٹھے کئے جاؤ گے۔ اور وہ وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے گردش لیل ونہار کیا (اتنا بھی) تم نہیں سمجھتے؟ بلکہ انہوں نے بھی وہی بات کہی جو پہلے (کفار) کہا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور بن جائیں گے خاک اور ہڈیاں تو کیا ہمیں پھر اٹھایا جائے گا؟ بلاشبہ یہ وعدہ کیا گیا ہم سے اور ہمارے باپ دادا کے ساتھ بھی آج سے پہلے (لیکن آج تک پورا نہ ہوا) نہیں ہیں یہ باتیں مگر من گھڑت افسانے پہلے لوگوں کے“۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا اور مصائب وشدائد سے انہیں دوچار کیا لیکن پھر بھی نہ اپنے رب کے حضور جھکے اور نہ اب گڑگڑا کر توبہ کرتے ہیں یعنی یہ عذاب بھی انہیں کفر اور مخالفت حق سے باز نہ رکھ سکا بلکہ یہ لوگ اپنی گمراہی پر اڑے رہے۔ نہ ان کے دل جھکے اور نہ ان کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے جیسا کہ فرمایا: فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ (الانعام: 43) ”تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو وہ گڑگڑاتے لیکن ان کے دل سخت ہو گئے“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب قریش قحط سالی کا شکار ہو گئے تو ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ اور قرابت داری کا واسطہ دے کر کہا کہ ہم قحط سالی کی وجہ سے گوبر اور خون کھانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اس وقت یہ آیت کریمہ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ نازل ہوئی (1)۔ اس کی اصل صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر یہ بددعا کی: ”اے اللہ! یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے سات سال قحط جیسے قحط میں قریش کو مبتلا کر کے میری مدد فرما“ (2)۔ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کو قید کر دیا گیا۔ وہاں ایک نوعمر شخص نے آپ سے کہا کیا میں دل بہلانے کے لئے آپ کو کچھ اشعار نہ سناؤں؟ آپ نے فرمایا کہ اس وقت ہم عذاب میں ہیں اور اس آیت وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ کا تقاضا یہ ہے کہ ہم خدا کے حضور جھکیں اور گڑگڑائیں۔ پھر آپ نے لگاتار تین روزے رکھے۔ جب آپ سے ان روزوں کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے لئے ایک نئی چیز (قید) رونما ہوئی، اس لئے ہم نے ایک نئی چیز (مزید عبادت) کی۔ فرمایا: حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا یعنی جب حکم خداوندی آ پہنچے گا اور ان پر اچانک قیامت آ جائے گی تو انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا جو ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا۔ اس وقت وہ ہر خیر سے ناامید ہو جائیں گے، ہر راحت سے مایوس ہو جائیں گے اور ان کی امیدیں دم توڑ جائیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنی نعمتیں یاد دلا رہا ہے کہ اس نے انہیں کان، آنکھیں، دل اور عقلیں عطا فرمائیں تاکہ وہ ان کے ذریعے چیزوں کا ادراک کریں اور کائنات میں بکھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور وتدبر کریں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان نعمتوں کے باوجود لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہیں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف: 103) ”اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں خواہ آپ کتنے ہی حریص ہوں“۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور سلطنت عظیمہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے زمین کے اطراف واکناف میں مختلف اجناس، لغات اور صفات کی حامل مخلوق پھیلا دی، پھر قیامت کے دن وہ تمام اگلے اور پچھلے لوگوں کو زندہ کر کے جمع کرے گا کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، مذکر ہو یا مؤنث، عظیم ہو یا حقیر، سب کو ابتدائے آفرینش کی طرح پھر زندہ کیا جائے گا، اس لئے فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ یعنی وہی بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرنے والا اور

1۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 5 صفحہ 179، مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 395 [illegible]

2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 8 صفحہ 511، صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، جلد 4 صفحہ 2155، 2156

لوگوں کو مارنے والا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ یعنی دن اور رات اس کے حکم کے پابند ہیں اور اس کی مشیت کے مطابق یکے بعد دیگرے گردش میں مصروف ہیں۔ اپنے اپنے مقررہ اوقات کے تحت ہر ایک دوسرے کے فوراً بعد چلا آتا ہے، نہ یہ سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نہ اپنے وقت سے آگے پیچھے ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا: لَا الشَّمْسُ يَنۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ (یٰسین: 40) "نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے"۔ آیت کے اختتام پر غور وتدبر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی کیا تمہاری عقلیں نہیں ہیں جو اس ذات پر تمہاری رہنمائی کریں جو غالب اور ہر چیز سے آگاہ ہے، ہر چیز اس کے ماتحت اور زیر تسلط ہے، پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے متعلق خبر دے رہا ہے جو ان سے پہلے قیامت کو جھٹلاتے تھے اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کا انکار کرتے تھے، فرمایا: بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ یعنی مر کر مٹی ہو جانے اور ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو یہ لوگ محال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں: لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ یعنی اعادہ ناممکن ہے اور قیامت کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ پہلے لوگوں کے افسانے ہیں جنہیں سابقہ کتابوں سے نقل کر کے سنایا جا رہا ہے، اسی طرح اور مقامات پر ان کے متعلق فرمایا: ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (النازعات: 11-14) "کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے، بولے یہ تو بڑے گھاٹے کی واپسی ہوگی، پس (اس واپسی کے لئے) ایک جھڑک ہی کافی ہے پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے"۔ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۚ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (یٰسین: 77-79)۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

"(اے حبیب!) آپ پوچھیے کس کی ملکیت ہے یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو۔ وہ کہیں گے (یہ سب) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ آپ فرمائیے پھر کیا تم غور نہیں کرتے۔ پوچھیے کون ہے مالک سات آسمانوں کا اور (کون ہے) مالک عرش عظیم کا؟ وہ کہیں گے (یہ سب) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ آپ فرمائیے تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے۔ آپ پوچھیے وہ کون ہے جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے (جسے چاہے) اور پناہ نہیں دی جا سکتی اس کی مرضی کیخلاف (بتاؤ) اگر تم کچھ علم رکھتے ہو۔ وہ کہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کی ہی شان ہے فرمائیے پھر کیسے تم دھوکہ میں مبتلا ہو جاتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے پہنچا دیا انہیں حق اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت، خالقیت، تصرف اور ملکیت ثابت فرما رہا ہے تاکہ اس حقیقت کی طرف رہنمائی کی جائے کہ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور عبادت کے لائق صرف وہی وحدہ لاشریک ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے

کہ آپ ان مشرکین سے پوچھیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی عبادت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعتراف کرتے ہیں اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہیں سمجھتے لیکن اس کے باوجود الوہیت میں اس کے شریک ٹھہرا کر ان کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ یہ اس بات کے معترف ہیں کہ ان کے یہ جھوٹے خدا نہ کچھ پیدا کر سکتے ہیں اور نہ کسی چیز کے مالک ہیں بلکہ ان کا ان بتوں کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے: مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر:3) "ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں"۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ آپ ان سے پوچھیں: لِمَنِ الْاَرْضُ۔ یعنی زمین اور اس کے حیوانات، نباتات، پھل اور دیگر انواع واقسام کی مخلوقات کا مالک کون ہے، بتاؤ اگر تمہیں اس چیز کا علم ہے؟ وہ جواب میں اس بات کا اقرار کریں گے کہ یہ ساری چیزیں اللہ وحدہ لاشریک کی ملکیت ہیں۔ جب حقیقت یہی ہے تو آپ فرمادیں: اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ یعنی کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے کہ عبادت کا سزاوار صرف وہی خالق اور رازق ہے۔ پھر فرمایا: قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ... یعنی عالم علوی اور اس میں روشن ستارے، آسمانوں میں ہر جگہ اطاعت گزار فرشتے اور عرش عظیم کس کی ملکیت ہیں؟ عرش مخلوق کی چھت ہے جیسا کہ ایک حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بڑی ہے، اس کا عرش آسمانوں پر اس طرح ہے" اور آپ نے اپنے ہاتھ سے قبہ کی مثل بنا کر بتایا (1)۔ ایک اور حدیث میں ہے: "ساتوں آسمان، ساتوں زمینیں اور ان میں پائی جانے والی کل مخلوقات کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کسی چٹیل میدان میں کوئی حلقہ پڑا ہو" (2)۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ عرش کی ایک جانب سے دوسری جانب کی طرف دو قطروں کے درمیان پچاس ہزار سال کی مسافت ہے اور ساتویں زمین سے اس کی بلندی پچاس ہزار میل کی مسافت پر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ عرش کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسے اس کے بلند ہونے کی وجہ سے عرش کہا جاتا ہے۔ حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آسمان اور زمین عرش کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے زمین وآسمان کے درمیان کوئی قندیل معلق ہو۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ زمین وآسمان عرش کے مقابلے میں یوں جیسے ایک چٹیل وسیع میدان میں کوئی حلقہ پڑا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عرش کی قدر وعظمت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ عرش سرخ یاقوت کا ہے۔ یہاں فرمایا: رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ یعنی وہ بہت بڑے عرش کا رب ہے۔ اس سورت کے آخر میں فرمایا: رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (المومنون:116) یعنی وہ بہت خوبصورت اور خوشنما عرش کا رب ہے۔ عرش وسعت، عظمت، ارتفاع اور حسن کا جامع ہے، اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ سرخ یاقوت کا بنا ہوا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے رب کے ہاں نہ رات ہے اور نہ دن۔ عرش کا نور اس کی ذات کے نور سے ہے۔ بہر کیف ساتوں آسمانوں اور عرش کے مالک کے متعلق پوچھنے پر مشرکین یہی جواب دیں گے: سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ یعنی جب تم اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ آسمانوں اور عرش عظیم کا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر تم غیر اللہ کی عبادت کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے میں اس کے عقاب اور عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے۔ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ کتاب الفکر والاعتبار میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر ایک عورت کی بابت بتایا کرتے تھے جو زمانہ جاہلیت میں کسی پہاڑ کی چوٹی پر رہتی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا جو بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا کہ امی جان! آپ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ماں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ لڑکے نے پھر پوچھا کہ میرے باپ کو کس نے پیدا کیا ہے؟

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 232 2۔ تفسیر طبری، جلد 3 صفحہ 10

جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے۔ پھر اس نے سوال کیا کہ مجھے کس نے پیدا کیا ہے؟ جواب ملا: اللہ تعالیٰ نے۔ لڑکے نے دریافت کیا کہ آسمانوں کا خالق کون ہے؟ ماں نے کہا: اللہ تعالیٰ۔ لڑکے نے پوچھا کہ زمین کا خالق کون ہے؟ جواب دیا: اللہ تعالیٰ۔ سوال کیا کہ پہاڑوں کی تخلیق کس نے کی؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ لڑکا پوچھنے لگا کہ ان بکریوں کو کس نے پیدا کیا؟ ماں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ یہ سن کر لڑکا کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا تصور کرتے ہوئے وہ کانپ گیا اور پہاڑ سے گر پڑا اور جان دے دی۔ اس کے ایک راوی عبید اللہ بن جعفر المدینی کے بارے میں کلام کی گئی ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ یعنی ہر چیز اسی کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی ملکیت ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا (ہود: 56) "کوئی جاندار بھی نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑا ہوا ہے"۔ رسول اللہ ﷺ عموماً ان الفاظ میں قسم اٹھایا کرتے تھے: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے"۔ زیادہ تاکیدی قسم اٹھاتے وقت آپ یوں کہتے: "اس کی قسم جو دلوں کو پھیرنے والا ہے" (1)۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق، مالک اور متصرف ہے۔ وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ عربوں میں یہ دستور تھا کہ جب سردار قبیلہ کسی کو پناہ دے دیتا تو سارے قبیلہ پر اس کی پابندی ضروری سمجھی جاتی لیکن سردار قبیلہ کے مقابلے میں کسی اور کو پناہ دینے کا حق حاصل نہیں تھا اس لئے فرمایا: وَهُوَ يُجِيْرُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سب سے بڑا اور عظیم ہے، اس سے بڑھ کر کسی کو عظمت حاصل نہیں، ہر قسم کی تخلیق اور ہر امر اسی کے اختیار میں ہے اور اس کے حکم کو ٹالا جا سکتا ہے اور نہ اس کی مخالفت کی جا سکتی ہے۔ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا، اس سے کسی کام کے متعلق باز پرس نہیں کی جا سکتی جبکہ لوگوں سے باز پرس ہوگی، اس کی عظمت، کبریائی، غلبہ، قہر، عزت، حکمت اور عدل کے پیش نظر کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا لیکن مخلوق کو اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا جیسا کہ ارشاد ہے: فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الحجر: 92-92) "پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ان کے اعمال کے متعلق پوچھیں گے جو وہ کیا کرتے تھے"۔ فرمایا: سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ یعنی یہ اس حقیقت کا اعتراف کریں گے کہ سب سے بڑا بادشاہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو پناہ دیتا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر فرمایا: قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ یعنی تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم باوجود اس اعتراف کے، پھر بھی غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ پھر فرمایا: بَلْ اَتَيْنٰهُمْ ۔۔ یعنی ہم ان کے سامنے حق لے آئے۔ انہیں واضح طور پر آگاہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور پھر اس پر صحیح، واضح اور قطعی دلائل قائم کر کے یہ بیان کر دیا کہ یہ غیر اللہ کی عبادت میں جھوٹے ہیں اور ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (المومنون: 117) "اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو پوجتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے بلاشبہ کافر کامیاب نہیں ہوں گے"۔ مشرکین جس گمراہی اور افترا بازی کا شکار تھے، وہ ایسا کسی دلیل کے باعث نہیں کرتے تھے بلکہ وہ دشت حیرت و ضلالت میں بھٹکنے والے اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں ایسا کرتے تھے جیسا کہ ان کے متعلق فرمایا: اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (الزخرف: 23) "ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم ان کے نقوش پا پر چل رہے ہیں"۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا

1 فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 377

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۹۲

''نہیں بنایا اللہ نے کسی کو (اپنا) بیٹا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ ورنہ لے جاتا ہر خدا ہر اس چیز کو جو اس نے پیدا کی ہوتی اور غالب حاصل کرنے کی کوشش کرتے وہ خدا ایک دوسرے پر۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ ان تمام (نازیبا) باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ وہ جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو پس وہ بلند ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور برتر ہے کہ اس کی اولاد ہو یا بادشاہت، تصرف اور عبادت میں کوئی اس کا شریک ہو فرمایا: مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ یعنی اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کئی خدا ہیں تو ہر خدا اپنی مخلوق کا مستقل مالک ہوتا اور وہ اپنی مرضی سے تصرف کرتا۔ اس طرح دنیا اور موجودات کا نظام درہم برہم ہو جاتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عالم علوی اور عالم سفلی میں موجودات کا نظام حد درجہ کامل اور مربوط ہے۔ رحمن کی تخلیق میں کوئی تفاوت یا نقص نظر نہیں آتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خدا صرف ایک ہی ہے۔ اگر خدا متعدد ہوتے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے پر غلبہ پانے اور اسے اپنا ماتحت بنانے کی کوشش کرتا۔ متکلمین نے دلیل تمانع سے اس بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر دو یا دو سے زائد خدا فرض کر لئے جائیں جن میں سے ایک کسی جسم کی حرکت کا ارادہ کرے اور دوسرا اس کے سکون کا۔ اب اگر دونوں کی مراد حاصل نہ ہو تو وہ دونوں ہی عاجز ٹھہرے اور عاجز خدا نہیں بن سکتا کیونکہ واجب الوجود عاجز نہیں ہو سکتا، اور یہ بھی ناممکن ہے کہ دونوں کی مراد پوری ہو کیونکہ دونوں کے ارادوں میں تضاد ہے۔ پس دونوں کی خواہش کا پورا ہونا محال ہے اور اس محال کے لازم آنے کی وجہ یہ ہے کہ متعدد خدا فرض کئے گئے تھے، اس لئے یہ تعدد محال اور باطل ہو گیا۔ اب اگر ایک کی خواہش پوری ہو اور دوسرے کی نہ ہو تو ان میں سے پہلا غالب اور دوسرا مغلوب ہو گا۔ غالب واجب اور مغلوب ممکن ہوا کیونکہ واجب کی یہ صفت نہیں کہ وہ مغلوب ہو، اس لئے فرمایا: وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ یعنی وہ ایک دوسرے پر برتری کی کوشش کرتے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کی اس نازیبا بات سے پاک ہے کہ اس کا بیٹا یا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ظاہر اور پوشیدہ کو خوب جانتا ہے اور وہ انکار کرنے والے ظالموں کی ہرزہ سرائی سے بہت بلند، مقدس اور منزہ ہے۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۝۹۳ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۹۴ وَاِنَّا عَلٰٓي اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝۹۵ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝۹۶ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝۹۷ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝۹۸

''آپ دعا مانگئے اے میرے پروردگار! اگر تو ضرور مجھے دکھانا چاہتا ہے وہ (عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو میرے رب! (ازراہ عنایت) مجھے ان ظالموں کے ساتھ نہ کرنا۔ اور ہم اس بات پر کہ دکھا دیں تجھے وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے قادر ہیں۔ دور کرو اس چیز سے جو بہت بہتر ہے برائی کو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں وہ بیان کرتے ہیں۔ اور کہئے میرے رب! میں پناہ طلب کرتا ہوں تیری شیطانوں کے وسوسوں سے۔ اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں میرے رب اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو مشکلات کے وقت اس دعا کی تعلیم دے رہا ہے: رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیۡ یعنی اے میرے پروردگار! اگر تو ان بدکاروں کو عذاب دے اور میں اسے دیکھ رہا ہوں تو مجھے ان میں شامل نہ کرنا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "اور جب تو کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے اپنے پاس بلا لے" (1)۔ فرمایا: وَ اِنَّا عَلٰۤی اَنۡ نُّرِیَکَ .. یعنی اگر ہم چاہیں تو آپ کو وہ عذاب دکھا دیں جو ہم کفار پر اتارنے والے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ حسن معاشرت کا نفع بخش تریاق بتا رہا ہے، وہ ہے برائی اور بدسلوکی کرنے والے کے ساتھ بھی بھلائی اور حسن سلوک کرنا تا کہ اس کے دل کو مائل کیا جا سکے اور اس طرح اس کی دشمنی دوستی میں اور اس کی نفرت محبت میں بدل جائے۔ فرمایا: اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ۝ وَ مَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا ۚ وَ مَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ (حم السجدۃ: 35-34) "برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے پس ناگہاں وہ شخص، تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے، یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے اور نہیں توفیق دی جاتی ان (فضائل) کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نہیں توفیق دی جاتی ہے مگر بڑے خوش نصیب کو"۔ یعنی یہ خصلت، وصف اور نصیحت صرف انہیں حاصل ہوتی ہے جو لوگوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کرتے ہیں اور برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں۔ یہ ایسے عظیم لوگ ہیں جو دنیا و آخرت میں بامراد ہیں۔ چونکہ شیطانوں کی وسوسہ اندازی اور فریب کاری کے مقابلہ میں انسان کی کوئی ذاتی تدبیر یا حیلہ کارگر نہیں اور نہ ہی وہ حسن سلوک سے مطیع ہوتے ہیں، اس لئے ان شیاطین سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَ قُلۡ رَّبِّ اَعُوۡذُ بِکَ .. استعاذہ کی تفسیر کے تحت ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام یہ کہا کرتے تھے: "اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ السَّمِیۡعِ الۡعَلِیۡمِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ مِنۡ ہَمۡزِہٖ وَ نَفۡخِہٖ وَ نَفۡثِہٖ" پھر فرمایا: وَ اَعُوۡذُ بِکَ رَبِّ اَنۡ یَّحۡضُرُوۡنِ یعنی اے میرے رب! میں اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان میرے پاس آئیں اور میرے کسی کام میں دخل اندازی کریں، اسی لئے شیطان کو بھگانے کے لئے ہر کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔ کھانا پینا، جماع، ذبح اور دیگر تمام امور کا آغاز کرنے سے پہلے اللہ کا ذکر کرنا چاہئے۔ رسول اللہ علیہ السلام یہ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰہُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الۡہَرَمِ وَ اَعُوۡذُ بِکَ مِنَ الۡہَدۡمِ وَ مِنَ الۡغَرَقِ وَ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ یَّتَخَبَّطَنِیَ الشَّیۡطٰنُ عِنۡدَ الۡمَوۡتِ" (2)۔ یعنی اے اللہ! میں بڑھاپے سے تیری پناہ مانگتا ہوں، میں دب کر مر جانے اور ڈوب کر مر جانے سے تیری پناہ کا خواستگار ہوں اور میں اس سے تیری پناہ کا طالب ہوں کہ شیطان مجھے موت کے وقت بہکا دے۔ رسول اللہ علیہ السلام اپنے صحابہ کو ڈر خوف سے بچنے کے لئے چند کلمات کی تعلیم دیا کرتے تھے کہ وہ سوتے وقت انہیں پڑھ لیا کریں: "بِسۡمِ اللّٰہِ اَعُوۡذُ بِکَلِمٰتِ اللّٰہِ التَّآمَّۃِ مِنۡ غَضَبِہٖ وَ عِقَابِہٖ وَ مِنۡ شَرِّ عِبَادِہٖ وَ مِنۡ ہَمَزٰتِ الشَّیٰطِیۡنِ وَ اَنۡ یَّحۡضُرُوۡنِ" حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے بالغ بچوں کو یہ کلمات سکھاتے اور سوتے وقت انہیں پڑھنے کی تلقین کرتے اور چھوٹے بچوں کے گلے میں یہ کلمات لکھ کر لٹکا دیتے (3)۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَہُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ ۝۹۹ لَعَلِّیۡۤ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِیۡمَا تَرَکۡتُ
کَلَّا ؕ اِنَّہَا کَلِمَۃٌ ہُوَ قَآئِلُہَا ؕ وَ مِنۡ وَّرَآئِہِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ۝۱۰۰

"یہاں تک کہ جب آئے گی ان میں سے کسی کو موت تو وہ (بصد حسرت) کہے گا میرے مالک! مجھے (دنیا میں) واپس بھیج

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ ص، جلد 12 صفحہ 116-114، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 243
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، جلد 2 صفحہ 92
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب، جلد 4 صفحہ 12، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 53-52، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 181

دے۔ شاید میں اچھے کام کروں اس دنیا میں دوبارہ جا کر جسے میں ایک بار چھوڑ آیا ہوں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک (لغو) بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جب وہ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے''۔

کفار اور حقوق اللہ میں کوتاہی کرنے والے گنہگار موت کے وقت سخت پشیمان ہوتے ہیں اور واپس دنیا کی طرف لوٹ جانے کی آرزو کرتے ہیں تا کہ وہ نیک کام کر کے اپنی سابقہ بداعمالیوں کا تدارک کر سکیں، اس لئے فرمایا: رَبِّ ارْجِعُوْنِ ... فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المنافقون: 10-11)، وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ - مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ (ابراہیم: 44)، يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ (الاعراف: 53) ''جس روز اس کا انجام ظاہر ہوگا تو کہیں گے جو پہلے اسے بھلائے ہوئے تھے کہ بے شک ہمارے رب کے رسول حق لائے تھے تو کیا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں تو وہ ہمارے لئے سفارش کریں یا ہمیں واپس بھیج دیا جائے تا کہ ہم اس کے برعکس عمل کریں جو ہم کیا کرتے تھے''۔ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ (السجدۃ: 12) ''اور کاش تم دیکھو جب مجرم اپنے رب کے پاس سر جھکائے ہوں گے (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا ہمیں واپس بھیج، ہم نیک عمل کریں گے ہمیں اب پورا یقین آ گیا ہے''، وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا - وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (الانعام: 27-28)، وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ (الشوریٰ: 44) ''اور آپ ملاحظہ کریں گے ظالموں کو جب وہ عذاب دیکھیں گے، پوچھیں گے کہ کیا واپس لوٹنے کا بھی کوئی راستہ ہے''۔ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ (المومن: 11) ''وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا پس اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں سو کیا (یہاں سے) نکلنے کی بھی کوئی صورت ہے''۔ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ..... مِنْ نَّصِيْرٍ (فاطر: 37)۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ ایسے بدکار لوگ موت کے وقت، قیامت کے دن، اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کے وقت اور جہنم میں دھکیلے جانے کے وقت دنیا میں واپس جانے کی آرزو کریں گے اور نیک اعمال بجالانے کا وعدہ کریں گے لیکن ان کی آرزو پوری نہیں ہوگی، اس لئے فرمایا: كَلَّا ۚ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ''کلا'' حرف ردع وزجر ہے یعنی ہم ان کے مطالبہ کو پورا نہیں کریں گے کیونکہ یہ ایسی بات ہے جو وہ خود کہہ رہے ہیں اور ہر ظالم موت کے وقت لامحالہ یہ بات کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ فرمان اِنَّهَا كَلِمَةٌ - ''کلا'' کی علت ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا: کیونکہ اس بدکار کا دنیا میں واپس لوٹائے جانے کا سوال کرنا اور اچھے اعمال کا وعدہ کرنا ایسی بات ہے جو وہ کر رہا ہے اور اس کے ساتھ عمل کی کوئی ضمانت نہیں۔ اگر اسے دنیا میں لوٹا بھی دیا جائے تو بھی یہ اعمال صالحہ نہیں بجالائے گا، اس لئے یہ اپنی اس بات میں جھوٹا ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (الانعام: 28) قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روز کافر یہ آرزو نہیں کرے گا کہ اسے اس کے اہل وعیال اور خاندان کی طرف لوٹا دیا جائے اور نہ یہ کہ اسے دنیا مل جائے اور اس کی خواہشات کی تکمیل ہو جائے بلکہ اس کی یہی تمنا ہوگی کہ اسے واپس لوٹا دیا جائے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکے۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے وہ کام کئے جن کی تمنا کافر اس وقت کرے گا جب اسے عذاب دکھائی دے گا۔ محمد بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ جب کافر نیک اعمال کا وعدہ کرتے ہوئے دنیا میں لوٹائے جانے کا مطالبہ کرے گا تو اللہ

تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، تو جھوٹا ہے۔ حضرت علاء بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم خود کو یہ باور کراؤ پوری تندہی سے نیک کام کرو۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ کافر کی اس آرزو کو پیش نظر رکھو اور طاعت الٰہی میں اپنے لمحات بسر کرو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کافر کو اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور وہ اپنا جہنم کا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب! مجھے واپس لوٹا دے، میں توبہ کرلوں گا اور نیک اعمال بجا لاؤں گا۔ اسے جواب ملتا ہے کہ جس قدر عمر تیرے لئے مقدر تھی، وہ تو گزار چکا، پھر اس کی قبر تنگ ہو کر اس پر مل جاتی ہے اور اس کی حالت مار گزیدہ کی سی ہوتی ہے اور حشرات الارض، سانپ اور بچھو اس پر چڑھ دوڑتے ہیں(1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ گنہگار اہل قبور کے لئے ہلاکت ہے، ان کی قبروں میں کالے ناگ انہیں ڈستے رہتے ہیں۔ ایک سانپ سر کی طرف اور ایک پاؤں کی طرف سے ڈسنا شروع کرتا ہے یہاں تک کہ وہ ڈستے ڈستے درمیان میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ یہ برزخ کا عذاب ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ آیت کریمہ میں لفظ وراء "امام" (سامنے) کے معنی میں ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ برزخ دنیا و آخرت کے درمیان آڑ کا نام ہے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان حجاب ہے، وہ نہ تو اہل دنیا کیساتھ ہیں کہ کھائیں پئیں اور نہ اہل آخرت کے ساتھ کہ انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔ ابو صخر کہتے ہیں کہ برزخ سے مراد قبریں ہیں جہاں وہ قیامت تک رہیں گے۔ نہ وہ دنیا میں ہیں اور نہ آخرت میں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ میں قریب الموت ظالموں کو عذاب برزخ کی دھمکی ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ جَهَنَّمُ (الجاثیہ: 10) اور وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ (ابراہیم: 17)۔ یہ فرمان اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ظاہر کر رہا ہے کہ ان کا یہ عذاب قیامت تک جاری رہے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اسے اس (زمین) میں لگاتار عذاب ہوتا رہے گا(2)۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝

"تو جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے۔ البتہ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب و کامران ہوں گے۔ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو، وہ جہنم میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔ بری طرح جھلس دے گی ان کے چہروں کو آگ اور وہ اس میں دانت نکالے ہوں گے (اب منہ کیوں بسورتے ہو؟)"۔

جب دوبارہ زندہ کرنے کے لئے صور پھونکا جائے گا اور لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے تو اس دن نہ تو ان کے درمیان رشتہ داریاں باقی رہیں گی اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھیں گے۔ اس دن نہ تو نسب کام آئیں گے اور نہ کوئی باپ اپنی اولاد پر ترس کھائے گا جیسا کہ ارشاد ہے: وَلَا يَسْــَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا يُبَصَّرُوْنَهُمْ (المعارج: 10-11) "کوئی دوست اپنے دوست سے کچھ نہیں پوچھے گا حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اگر کسی کا دوست اس دن گناہوں کے بوجھ تلے دبا ہو گا تو وہ جو دنیا میں اسے کہ وہ دنیا میں بہت عزیز تھا پھر بھی نہ تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گا اور نہ ہی اس کا تنکے کے برابر معمولی سا بھی بوجھ اٹھانے کے لئے تیار ہوگا جیسا کہ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 114

2۔ [illegible]، باب ما جاء، جلد 4 صفحہ 291، 293

فرمان ہے: يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (عبس: 36-34) ’’اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنے بچوں سے‘‘۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اگلوں پچھلوں کو جمع کرے گا پھر ایک منادی ندا دے گا کہ جس کسی کا حق کسی دوسرے کے ذمہ ہو وہ آئے اور اپنا حق لے لے۔ چنانچہ اگر کسی کا اپنے والد، اپنی اولاد یا اپنی بیوی کے ذمے کوئی چھوٹا سا بھی حق ہوگا تو وہ خوش ہوتا ہوا اپنے حق کے لئے دوڑا چلا آئے گا، اس کا مصداق یہ آیت ہے: فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ ... (1)۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے ناراض کرتی ہے، وہ مجھے بھی ناراض کرتی ہے اور جو چیز اسے خوش کرتی ہے وہ مجھے بھی خوش کرتی ہے، قیامت کے دن تمام رشتہ داریاں منقطع ہو جائیں گی سوائے میرے نسب، میرے سبب اور میرے سسرال کے تعلق کے‘‘(2)۔ صحیحین میں یہ الفاظ ہیں: ’’فاطمہ میری لخت جگر ہے، جو چیز اسے بے چین کرتی ہے، وہ مجھے بھی بے چین کرتی ہے اور جو چیز اسے اذیت پہنچاتی ہے وہ مجھے بھی اذیت پہنچاتی ہے‘‘(3)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر فرمایا: ’’لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رشتہ داری آپ ﷺ کے خاندان کو فائدہ نہیں دے گی، ایسا کیوں نہیں، اللہ کی قسم! میرا رشتہ دنیا اور آخرت میں ملا ہوا ہے، اے لوگو! جب تم وہاں آؤ گے تو میں تمہارا پیشرو ہوں گا۔ ایک آدمی کہے گا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میں جواب دوں گا کہ نسب تو میں نے پہچان لیا لیکن تم لوگوں نے میرے بعد بدعتوں کو رواج دیا اور الٹے پاؤں پسپا ہو گئے‘‘(4)۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو فرمایا کہ میں نے صرف اس غرض کی خاطر یہ نکاح کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ’’قیامت کے دن ہر سبب اور نسب منقطع ہو جائے گا سوائے میرے سبب اور میرے نسب کے‘‘(5) یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے ان کے اعزاز و اکرام میں انہیں چالیس ہزار مہر ادا کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’قیامت کے دن ہر نسبی اور سسرالی تعلق ختم ہو جائے گا سوائے میرے نسبی اور سسرالی تعلق کے‘‘۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: ’’میں نے اپنے پروردگار سے التجا کی کہ میری امت میں سے جہاں میرا نکاح ہوا اور ان میں سے جس کا میرے ہاں نکاح ہوا وہ سب جنت میں میرے ساتھ رہیں تو اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی‘‘۔ فرمایا: فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ یعنی جس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے بڑھ گئیں اگرچہ ایک نیکی بھی بڑھ گئی تو ایسے لوگ ہی بامراد ہوں گے جہنم سے نجات پائیں گے اور جنت کے حصول میں کامیاب ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مطلوب کو پا لیا اور ناپسندیدہ چیز سے بچ گئے، ان کے برعکس جن لوگوں کی برائیاں ان کی نیکیوں سے بڑھ گئیں تو یہی لوگ بے مراد، ہلاک ہونے والے اور نقصان اٹھانے والے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے: ’’اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ایسا ہے جو میزان پر مقرر ہوگا۔ ابن آدم کو لایا جائے گا اور اسے میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا۔ اگر اس کی نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوا تو فرشتہ اونچی آواز سے ندا دے گا جسے تمام مخلوق سنے گی کہ فلاں شخص نے ایسی سعادت حاصل کر لی کہ اس کے بعد کبھی بھی بدبخت نہیں ہوگا اور اگر اس کی نیکیوں والا پلڑا ہلکا ہوا تو فرشتہ اونچی آواز سے ندا دے گا جسے سب سنیں گے کہ فلاں شقاوت کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 84، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 117 ۔ 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 158، مستدرک حاکم، جلد 3 صفحہ 158

3۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 5 صفحہ 28، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 4 صفحہ 1902

4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 18 ۔ 5۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 114،64

مستحق ہوا، اب اس کے بعد کبھی بھی وہ سعادت مند نہیں ہوگا" (1)۔ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کا ایک راوی داؤد بن محبر ضعیف اور متروک ہے۔ فرمایا: فِیْ جَهَنَّمَ ..... یعنی وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے چھٹکارے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جہنم کی آگ انہیں جھلسا دے گی جیسا کہ فرمایا: وَتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ (ابراہیم:50) "اور آگ ان کے چہروں کو ڈھانپ رہی ہوگی"۔ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ (الانبیاء:39) "کاش! کفار (اس وقت کو) جان لیتے جب وہ نہ روک سکیں گے اپنے چہروں سے آگ کو اور نہ اپنی پشتوں سے"۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب جہنمیوں کو دھکیل کر جہنم میں لایا جائے گا تو اس کا پہلا شعلہ ہی انہیں جھلسا دے گا اور ان کا گوشت گر کر ان کے قدموں میں آ پڑے گا" (2)۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت تَلْفَحُ ..... کی تفسیر میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ آگ انہیں اس طرح جھلسائے گی کہ ان کا گوشت ان کی ایڑیوں پر بہنے لگے گا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ یعنی وہ جہنم میں منہ بسورے ہوئے اور ہونٹوں کو سکیڑ کر دانت نکالے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "وہ وہاں دانت نکالے ہوئے ہوں گے، آگ انہیں بھون ڈالے گی۔ ان کا اوپر والا ہونٹ اتنا چڑھا ہوا ہوگا کہ سر کے درمیان تک پہنچا ہوگا اور نیچے والا ہونٹ لٹک کر ناف تک پہنچا ہوا ہوگا" (3)۔

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿١٠٧﴾

"کیا ہماری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں تمہارے سامنے اور تم انہیں جھٹلایا کرتے تھے۔ (معذرت کرتے ہوئے) کہیں گے اے ہمارے رب! غالب آ گئی تھی ہم پر ہماری بدبختی اور ہم گم کردہ راہ لوگ تھے۔ اے ہمارے مالک! (ایک بار) ہمیں نکال اس سے، پھر اگر ہم نافرمانی کی طرف رجوع کریں تو یقیناً پھر ہم ظالم ہوں گے"۔

جہنمیوں کو کفر، معاصی، محارم اور کبیرہ گناہوں کے ارتکاب پر قیامت کے دن جو سرزنش اور زجر و توبیخ ہوگی، اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ ۔ یعنی میں نے تمہاری طرف پیغمبر بھیجے، تم پر کتابیں نازل کیں اور تمہارے شبہات کا ازالہ کر دیا یہاں تک کہ تمہاری کوئی حجت باقی نہ رہی جیسا کہ فرمایا: لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء:165) "تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر نہ رہے"۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل:15) "اور ہم عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ کوئی رسول بھیج دیں"۔ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ .. فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک:8-11) "اس لئے وہ کہیں گے: رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا ۔ یعنی حجت تو ہم پر تمام ہو گئی تھی لیکن ہماری بدبختی آڑے آ گئی اور ہم اس کی اتباع نہ کر سکے۔ اس وجہ سے ہم گمراہ ہوئے اور حرماں نصیبی ہمارا مقدر ٹھہری، پھر وہ کہیں گے: رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا ۔ یعنی ہمیں دنیا میں لوٹا دے، پھر اگر ہم نے نافرمانی کی تو یقیناً ہم ظالم اور مستحق عقوبت ہوں گے جیسا کہ فرمایا: فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ .. فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ (المومن:11-12) یعنی تمہارے یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے رہے جبکہ اہل ایمان

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب البعث، جلد 4 صفحہ 160-161

2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 118

3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مومنون، جلد 12 صفحہ 41، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 88

عقیدہ توحید پر کار بند رہے۔

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿١٠٨﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿١١٠﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ﴿١١١﴾

”جواب ملے گا پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اس میں اور مت بولو میرے ساتھ۔ (تمہیں یاد ہے) ایک گروہ میرے بندوں میں سے ایسا تھا جو عرض کیا کرتا تھا اے ہماری رب! ہم ایمان لے آئے ہیں، تو تو بخش دے ہمیں اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔ تم نے ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا حتیٰ کہ اس مشغلہ نے غافل کر دیا تمہیں میری یاد سے اور تم ان پر قہقہے لگایا کرتے تھے۔ میں نے بدلہ دے دیا انہیں آج ان کے صبر کا (ذرا دیکھو) وہی ہیں مراد کو پانے والے“۔

کفار جب جہنم سے نکلنے اور دنیا کی طرف لوٹائے جانے کا سوال کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا: اخْسَـُٔوْا فِيْهَا یعنی تم ذلیل ورسوا اور دھتکارے ہوئے یہیں جہنم میں پڑے رہو اور مجھ سے پھر ایسا سوال کرنے کی جرأت نہ کرنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ان کی ہر امید دم توڑ جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنمی داروغۂ جہنم کو بلاتے رہیں گے لیکن وہ چالیس سال تک انہیں کوئی جواب نہیں دے گا، پھر وہ انہیں کہے گا کہ تمہیں یہیں رہنا ہے۔ ان کی پکار داروغۂ جہنم کے ہاں بھی بے وقعت ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی۔ پھر وہ اپنے رب کو پکارتے ہوئے کہیں گے: رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا ... فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ۔ اس پکار کا جواب انہیں دنیا کی دوگنی عمر تک نہیں دیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ اس کے بعد ایک کلمہ بھی ان کی زبان سے نہیں نکلے گا بلکہ وہ جہنم میں گدھوں کی طرح چیختے چلاتے اور شور مچاتے رہیں گے(1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو بھی جہنم سے نہ نکالنے کا ارادہ فرمائے گا تو ان کے چہرے مسخ ہو جائیں گے اور ان کے رنگ متغیر ہو جائیں گے۔ اس وقت ایک مومن اللہ تعالیٰ سے ان کی شفاعت کی التجا کرے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جو کسی کو جانتا ہے وہ اسے جہنم سے نکال لائے چنانچہ مومن دیکھے گا تو کسی کو نہیں پہچان سکے گا، جہنمی اسے دیکھ کر پکارے گا کہ میں فلاں ہوں لیکن وہ کہے گا کہ میں تمہیں نہیں پہچانتا۔ اس وقت وہ کہیں گے: رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْهَا ۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اخْسَـُٔوْا فِيْهَا ۔ جب اللہ تعالیٰ یہ فرمائے گا تو اس وقت ان پر دوزخ کے دروازے بالکل بند کر دیئے جائیں گے اور ان میں سے کوئی بھی باہر نہیں نکل سکے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں یاد دلائے گا کہ وہ دنیا میں گناہوں کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کا تمسخر بھی اڑایا کرتے تھے، فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ ۔ یعنی جب میرے بندے میرے حضور مغفرت اور رحم کی دعا کرتے تو تم ان کی دعا اور عجز و نیاز پر ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے بغض میں تم میری یاد کو بھی بھول گئے اور تمہاری روش یہ تھی کہ تم ان اہل ایمان کی عبادت پر قہقہے لگایا کرتے تھے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿ۖ﴾ وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ (المطففین: 30-29)” جو لوگ جرم کیا کرتے تھے وہ اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے اور جب ان کے قریب سے گزرتے تو آپس میں آنکھیں مارا کرتے“۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں اور مومن بندوں کے اجر و ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ ۔ یعنی میں نے آج ان اہل ایمان کو ایذا رسانیوں

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 395، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 119

اور استہزاء پر صبر کرنے کے باعث بدلہ عطا فرمایا ہے اور یہی سعادت، سلامتی اور جنت حاصل کر کے اور دوزخ سے نجات پا کر فلاح پانے والے ہیں۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ۝ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ
الْعَادِّينَ ۝ قٰلَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ
عَبَثًا وَّأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ
الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ۝

”اللہ تعالیٰ فرمائے گا (ذرا بتاؤ) کتنے سال تم زمین میں ٹھہرے رہے؟ کہیں گے ہم ٹھہرے تھے بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ آپ پوچھ لیں سال گننے والوں سے۔ ارشاد ہوگا تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ، کاش! تم اس (حقیقت) کو (پہلے ہی) جان لیتے۔ کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔ پس بہت بلند ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے (بے مقصد تخلیق سے) نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ وہ مالک ہے عزت والے عرش کا“۔

فرمایا جا رہا ہے کہ کافر دنیا کی مختصر زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے روگردانی کرتے رہے اور اگر وہ دنیا میں صبر کرتے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اپنے لحات صرف کرتے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے متقی بندوں کی طرح بامراد ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ تم دنیا میں کتنے سال ٹھہرے، وہ جواب دیں گے لَبِثْنَا يَوْمًا اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اِنْ لَّبِثْتُمْ یعنی اگر تم اس حقیقت کو جان لیتے تو تم فانی کو باقی پر ترجیح نہ دیتے اور نہ اس مختصر سی مدت میں برائیوں کا ارتکاب کر کے تم اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتے۔ اگر تم اہل ایمان کی طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت پر کاربند ہو جاتے تو آج تم بھی ان کی طرح کامیاب و کامران ہوتے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں داخل کر دے گا تو فرمائے گا: اے جنتیو! تم دنیا میں کتنے سال ٹھہرے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ پھر تو تم بہت اچھے رہے، تم نے ایک آدھ دن میں میری رحمت، میری رضا اور میری جنت کو حاصل کر لیا، اب اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے دوزخیو! تم دنیا میں کتنا عرصہ ٹھہرے؟ وہ کہیں گے کہ ایک آدھ دن۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم بہت برے لوگ ہو، تم نے ایک آدھ دن میں مجھے ناراض کر کے جہنم خرید لیا، اب اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو“ (1)۔ اگلی آیت میں فرمایا: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا یعنی کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمہیں جانوروں کی طرح بے مقصد، عبث اور بغیر کسی ارادہ و حکمت کے پیدا کیا گیا ہے تاکہ تم کھیلو کودو اور خورد و نوش میں مصروف رہو اور تمہارا خیال ہے کہ اس روش پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی اور نہ ہی دنیاوی اعمال پر کوئی جزا و سزا مرتب ہوگی۔ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ تمہاری تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ مزید برآں تم یہ بھی خیال کئے بیٹھے ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی (القیامۃ: 36) ”کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا“۔ پھر فرمایا: فَتَعٰلَی اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ بے مقصد اور عبث تخلیق سے بلند اور پاک ہے کیونکہ وہ حقیقی بادشاہ ہے جو

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 121

اس چیز سے منزہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عزت والے عرش کا مالک ہے۔ عرش کا ذکر اس لئے کیا کیونکہ وہ تمام مخلوقات کی چھت ہے اور اس کا وصف کریم بیان کیا یعنی وہ خوشنما اور خوبصورت ہے جیسا کہ اس فرمان میں: فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ كَرِيۡمٍ (لقمان: 10) "پس ہم نے زمین میں ہر نوع کے نفیس جوڑے اگائے"۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ نے اپنے آخری خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: اے لوگو! تمہیں فضول اور عبث نہیں پیدا کیا گیا اور نہ تمہیں یونہی بے مقصد چھوڑا گیا تمہارے لئے ایک وعدہ کا دن مقرر ہے جس میں اللہ تعالیٰ بذات خود تمہارے درمیان فیصلے کرنے اور حکم فرمانے کیلئے نازل ہوگا۔ وہ بندہ بے مراد، ناکام اور بدبخت ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ایسی جنت سے محروم کر دیا جس کا عرض آسمانوں اور زمین کی مثل ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کل وہی عذاب سے محفوظ رہے گا جو آج اس دن سے ڈرا اور فانی کو باقی پر، قلیل کو کثیر پر اور خوف کو امان پر قربان کر دیا۔ کیا تم ملاحظہ نہیں کرتے کہ تم ہلاک ہونے والوں کی صلبوں میں ہو، اسی طرح تمہارے مرنے کے بعد اور تمہاری جگہ لے لیں گے یہاں تک کہ وہ وقت آجائے گا جب تم سب خیر الوارثین کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ پھر تم ہر روز صبح وشام اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے کے جنازہ میں شریک ہوتے ہو جو وفات پا گیا اور اپنے مقررہ وقت کو پہنچ گیا، پھر تم اسے زمین کے ایک گڑھے میں دفن کر کے بغیر تکیے اور بستر کے چھوڑ دیتے ہو۔ یہ دوستوں سے جدا ہو گیا، مٹی کے ساتھ مل گیا اور حساب کتاب کا سامنا کیا۔ اب یہ اپنے عمل کے ساتھ پابند ہے اس چیز سے بے نیاز ہے جو اس نے چھوڑی اور اس چیز کا محتاج ہے جو اس نے آگے بھیجی۔ اس لئے اللہ کے بندو! عہد وپیمان ختم ہو جانے اور موت کے آنے سے پہلے اللہ سے ڈرو۔ پھر آپ چادر کے ایک کنارے کو اپنے منہ پر رکھ کر رونے لگے اور سب حاضرین بھی رو دیئے۔ ایک بیمار شخص کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا، اسے کوئی جن لائق تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اَفَحَسِبۡتُمۡ سے لے کر اختتام سورت تک کی آیات اسکے کان میں پڑھیں تو وہ صحت یاب ہو گیا۔ جب اس چیز کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے اس کے کان میں کیا پڑھا؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بتا دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "جب یہ آیتیں اس کے کان میں پڑھی گئیں تو انہوں نے اسے جلا دیا"۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر یقین رکھنے والا شخص ان آیات کو پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے" (1)۔ حضرت ابراہیم بن حارث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک لشکر کے ساتھ بھیجا اور ہمیں صبح وشام اس آیت اَفَحَسِبۡتُمۡ کی تلاوت کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم حسب ارشاد اس کی تلاوت کرتے رہے تو سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹے (2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری امت کے لئے غرق ہونے سے بچاؤ کی تدبیر یہ ہے کہ وہ کشتیوں پر سوار ہوتے وقت یہ پڑھا کریں: بِسۡمِ اللّٰهِ الۡمَلِكِ الۡحَقِّ، وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖ وَالۡاَرۡضُ جَمِيۡعًا قَبۡضَتُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطۡوِيّٰتٌۢ بِيَمِيۡنِهٖ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ، بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖىهَا وَمُرۡسٰىهَا اِنَّ رَبِّيۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ" (3)۔

وَمَنۡ يَّدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرۡهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الۡكٰفِرُوۡنَ ۞ وَقُلۡ رَّبِّ اغۡفِرۡ وَارۡحَمۡ وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ ۞

1۔ مسند ابو یعلیٰ، جلد 8، صفحہ 458، الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 126، مجمع الزوائد، جلد 5، صفحہ 115

2۔ ابو داؤد، جلد 6، صفحہ 122، مسند الحمیدی، جلد 1، صفحہ 51

3۔ تفسیر طبری، جلد 12، صفحہ 124-125

"اور جو پوجتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ بلاشبہ نہیں کامیاب ہوں گے حق کا انکار کرنے والے۔ اور اے (محبوب!) آپ (یوں) عرض کرو میرے رب! بخش دے (میری گنہگار امت کو) اور رحم فرما (ہم سب پر) اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے"۔

شرک کا ارتکاب کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کی عبادت کرنے والوں کو دھمکی دیتے ہوئے اور اس بات کی خبر دیتے ہوئے کہ مشرکین کے پاس اپنے شرک کی کوئی دلیل نہیں، فرمایا: وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللّٰهِ ..... اس میں لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ جملہ معترضہ ہے اور فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ جواب شرط ہے۔ پھر فرمایا: اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ یعنی قیامت کے دن کفار کے لئے نہ فلاح ہوگی اور نہ نجات۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک شخص سے دریافت کیا: "تو کس کی عبادت کرتا ہے؟" اس نے جواب دیا کہ اللہ کی اور فلاں فلاں کی، یہاں تک کہ اس نے بتوں کے نام شمار کر دیئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ان میں سے کون ہے کہ جب تو اسے مصیبت میں پکارے تو وہ تمہاری مصیبت کو دور کر دے؟" اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: "ان میں سے کون ہے جو بوقت ضرورت تمہاری حاجت روائی کرتا ہے؟" اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ۔ آپ نے فرمایا: "پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان بتوں کی عبادت کا کیا مقصد ہے، کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ تجھے اکیلا کافی نہیں؟" اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان بتوں کی عبادت کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح کما حقہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالا سکوں۔ آپ نے فرمایا: "تم علم رکھتے ہو لیکن وہ علم نہیں رکھتے"۔ جب اس شخص نے اسلام قبول کر لیا تو بعد میں یہ کہا کرتے تھے کہ حضور ﷺ نے مجھے لاجواب کر دیا(1)۔ سورت کی آخری آیت میں اس دعا کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ ..... مطلق "غفر" کا معنی ہے گناہوں کو مٹا دینا اور انہیں لوگوں سے پوشیدہ کر دینا اور رحمت کا معنی ہے راہ راست پر گامزن کرنا اور اچھے اقوال و افعال کی توفیق مرحمت کرنا۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 24

سورۂ نور (مدنیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَ لْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

”یہ ایک عظیم الشان سورت ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے اور ہم نے فرض کیا ہے اس (کے احکام) کو اور ہم نے اتاری ہیں اس میں روشن آیتیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ جو عورت بدکار ہو اور جو مرد بدکار ہو تو لگاؤ ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو (سو) درے۔ اور نہ آئے تمہیں ان دونوں پر (ذرا) رحم اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر اور چاہئے کہ مشاہدہ کرے دونوں کی سزا کو اہل ایمان کا ایک گروہ“۔

اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ یہ ایسی سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے، اس سورت کی اہمیت اور عظمت پر آگاہ کیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ باقی سورتیں اہمیت اور عظمت والی نہیں۔ فَرَضْنٰهَا کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس میں حلال و حرام، امر و نہی اور حدود کو بیان کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے تم پر اور تم سے بعد آنے والوں پر اس کے احکام فرض کئے ہیں (1)۔ پھر فرمایا: وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ یعنی ہم نے اس میں واضح اور کھلی آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ پھر حد زنا بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ۔ اس مسئلہ میں تفصیل اور علماء کا اختلاف ہے۔ زانی یا تو کنوارا غیر شادی شدہ ہوگا یا محصن (شادی شدہ) ہوگا یعنی عاقل بالغ آزاد جو نکاح صحیح کے ساتھ کسی عورت سے ملا ہو۔ غیر شادی شدہ زانی کی حد سو کوڑے ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں بیان ہوا، علاوہ ازیں جمہور کے نزدیک اسے ایک سال جلاوطنی کی سزا بھی دی جائے گی لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جلاوطنی کی سزا امام کی رائے پر موقوف ہے، اگر وہ چاہے تو جلاوطن کر دے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے۔ جمہور کی دلیل صحیحین کی حدیث ہے کہ دو اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ ایک ان میں سے کہنے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرا بیٹا اس کے ہاں ملازم تھا۔ وہ اس کی بیوی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کر بیٹھا۔ میں نے اس کے فدیہ میں اسے ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی دے دی۔ پھر اہل علم سے اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑوں اور ایک سال جلاوطنی اور اس شخص کی بیوی پر رجم کی سزا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تم دونوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا، لونڈی اور بکریاں تمہیں لوٹا دی جائیں گی اور تمہارے بیٹے کو سو دروں اور ایک سال جلاوطنی کی سزا دی جائے گی اور اے انیس (قبیلہ اسلم کے ایک شخص)! تم اس شخص کی بیوی کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 124، معانی القرآن للفراء، جلد 2 صفحہ 244

پاس جاؤ، اگر وہ اپنی بدکاری کا اعتراف کرے تو اسے رجم (سنگسار) کر دینا"(1)۔ چنانچہ اس عورت کے اعتراف جرم پر اسے سنگسار کر دیا گیا۔ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑے مارنے کے علاوہ ایک سال جلاوطنی کی سزا بھی دی جائے گی۔ اگر کوئی عاقل، بالغ، آزاد شادی شدہ زنا کا مرتکب ہو تو اس کی سزا رجم ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب نازل کی۔ کتاب اللہ میں رجم کی آیت بھی تھی جسے ہم نے پڑھا اور یاد کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی رجم کے حکم کو نافذ کیا اور ہم نے بھی آپ ﷺ کے بعد رجم کیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد لوگ یہ نہ کہیں کہ ہم کتاب اللہ میں آیت رجم نہیں پاتے، اس طرح نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فریضہ کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں جسے اس نے نازل کیا۔ کتاب اللہ میں ہر شادی شدہ زانی پر رجم کا حکم ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ زنا پر شرعی دلیل قائم ہو جائے یا حمل ظاہر ہو جائے یا وہ خود اقرار کر لے(2)۔ صحیحین میں یہ حدیث اس سے طویل ہے۔ ہم نے وہ حصہ بیان کر دیا ہے جس کا مسئلہ کے ساتھ تعلق تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کتاب اللہ میں صرف کوڑے مارنے کا حکم ہے اور رجم کا ذکر نہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود رجم کا حکم دیا اور آپ ﷺ کے بعد ہم بھی رجم کرتے رہے۔ اگر مجھے لوگوں کے اس اعتراض کا خوف نہ ہوتا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ میں ایسی چیز کا اضافہ کر دیا ہے جو اس میں نہ تھی تو میں اس میں آیت رجم اس طرح لکھ دیتا جس طرح وہ نازل ہوئی تھی(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں رجم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ رجم ضروری ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حدوں میں سے ایک حد ہے، سنو، رسول اللہ ﷺ نے بھی رجم کیا اور آپ ﷺ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ اگر لوگوں کے اس اعتراض کا اندیشہ نہ ہوتا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ میں ایسی چیز شامل کر دی ہے جو اس میں نہ تھی تو میں مصحف کے ایک طرف رجم کا حکم لکھ دیتا۔ حضرات عمر رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف اور فلاں فلاں گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور آپ ﷺ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ سنو، تمہارے بعد کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو رجم، شفاعت، عذاب قبر اور اس بات کو جھٹلائیں گے کہ کچھ لوگ جہنم سے اس وقت نکالے جائیں گے جبکہ وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے(4)۔ مسند احمد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آیت رجم کے انکار کی وجہ سے ہلاکت سے بچنا(5)۔ اسے ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ کثیر بن صلت بیان کرتے ہیں کہ ہم مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے درمیان حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم قرآن میں یہ پڑھا کرتے تھے: اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ "یعنی جب شادی شدہ مرد اور عورت زنا کریں تو انہیں ضرور رجم کرو۔ مروان نے کہا کہ پھر آپ نے اس آیت کو مصحف میں کیوں نہیں لکھا؟ آپ نے فرمایا کہ اس چیز کا ہم نے ذکر کیا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں میں تمہاری تشفی کر دیتا ہوں۔ ہم نے پوچھا وہ کیسے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور یہ بیان کرنے کے بعد اس نے رجم کا ذکر کیا۔ اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے رجم کی آیت لکھ دیں۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلح، جلد 3 صفحہ 240، صحیح مسلم، کتاب الحدود، جلد 3 صفحہ 1324-1325

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، جلد 3 صفحہ 1317، موطا امام مالک، کتاب الحدود، جلد 2 صفحہ 823

3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 29

4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 23

5۔ سنن ترمذی، ابواب الحدود، جلد 6 صفحہ 204، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 36

آپ ﷺ نے فرمایا: "اب میں ایسا نہیں کر سکتا" (1)۔ یہ سب روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ رجم کی آیت پہلے لکھی ہوئی تھی لیکن پھر اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور حکم باقی رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی بیوی کو رجم کرنے کا حکم دیا جو ملازم کیساتھ بدکاری کی مرتکب ہوئی تھی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ماعز رضی اللہ عنہ اور ایک غامدیہ عورت کو رجم کروایا۔ ان سب روایات میں یہ مذکور نہیں کہ آپ ﷺ نے رجم سے پہلے کوڑے بھی لگوائے۔ مختلف اسناد اور مختلف الفاظ سے مروی احادیث سے صرف رجم کا حکم ثابت ہوتا ہے اور ان میں کوڑے مارنے کا ذکر نہیں ہوا، اس لئے جمہور علماء اور امام ابوحنیفہ، شافعی اور مالک رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شادی شدہ زانی کو پہلے قرآن کے حکم کے مطابق کوڑے مارے جائیں اور پھر سنت کے مطابق اسے رجم کیا جائے تاکہ کتاب وسنت دونوں پر عمل ہو جائے جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سراحہ لائی گئی جو شادی شدہ تھی اور زنا کی مرتکب ہوئی تھی۔ آپ نے اسے جمعرات کے دن کوڑے لگوائے اور جمعہ کے دن رجم کروایا، پھر فرمایا کہ کتاب اللہ پر عمل کرتے ہوئے میں نے درے لگوائے اور سنت رسول ﷺ پر عمل کرتے ہوئے اسے رجم کروایا (2)۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری بات سے لو، میری بات سے لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے رستہ نکال دیا، کنوارہ کنواری کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور شادی شدہ شادی شدہ کے ساتھ کرے تو سو کوڑے اور رجم" (3)۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا یعنی تم حد جاری کرتے وقت رحم اور ترس نہ کھاؤ۔ انسان کے دل میں فطری رحم اور ترس اور چیز ہے جس پر مواخذہ نہیں۔ وہ رحم ممنوع ہے جو حاکم کو ترک حد پر راغب کرے۔ مجاہد اس فرمان کے متعلق کہتے ہیں کہ حدود قائم کرنے میں تساہل نہیں برتنا چاہئے بلکہ جونہی حاکم کے سامنے کوئی واقعہ پیش ہو جو حد کا متقاضی ہو تو فوراً حد قائم کر دی جائے اور اسے ترک نہ کیا جائے۔ حدیث شریف میں ہے: "آپس میں حدود سے درگزر کرو اور جو حد مجھ تک پہنچ گئی اس کا نفاذ ضروری ہو گیا" (4)۔ ایک اور حدیث میں ہے: "زمین پر ایک حد کا قائم کرنا اہل زمین کے لئے چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے" (5)۔ بعض نے اس فرمان وَلَا تَاْخُذْكُمْ کا یہ مطلب لیا ہے کہ تم حد جاری کرتے وقت اتنی نرمی سے کام نہ لو کہ ایسی شدید ضرب لگانے سے بھی احتراز کرو جو گناہ سے باز رکھنے کا سبب بننے والی ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسی شدید ضرب لگائی جائے کہ وہ اعضاء کو ہی الگ کر دے بلکہ ضرب درمیانی ہو۔ حماد بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ تہمت لگانے والے پر حد جاری کرتے وقت اس کے کپڑے نہ اتارے جائیں لیکن زانی کے کپڑے حد جاری کرتے وقت اتار لئے جائیں کیونکہ فرمان ہے: وَلَا تَاْخُذْكُمْ ۔ حماد سے پوچھا گیا کہ کیا یہ حکم میں ہے؟ فرمایا: ہاں، یہ حکم میں اور کوڑے مارنے میں یعنی حد قائم کرنے اور سخت ضرب لگانے میں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی نے زنا کا ارتکاب کیا تو آپ نے اس کی ٹانگوں اور کمر پر کوڑے مارے تو آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کا یہ حصہ وَلَا تَاْخُذْكُمْ تلاوت کیا۔ آپ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! کیا تم نے مجھے اس پر ترس کھاتے دیکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے نہ یہ حکم دیا ہے کہ میں اسے قتل کر ڈالوں اور نہ یہ فرمایا کہ میں اس کے سر پر کوڑے ماروں۔ بہرصورت میں

1۔ سنن نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف للمزی، جلد 3 صفحہ 225

2۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12 صفحہ 117، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 93، 107، 141، 153

3۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، جلد 3 صفحہ 1316-1317، سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 144

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 133، سنن نسائی، کتاب القطع، جلد 8 صفحہ 70

5۔ سنن نسائی، کتاب القطع، جلد 8 صفحہ 75-76، سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، جلد 2 صفحہ 848

نے اسے دردناک ضربیں لگائی ہیں(1)۔ فرمایا: اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے زانیوں پر حد جاری کرو اور انہیں شدید ضربیں لگاؤ تا کہ وہ اور اس قسم کے لوگ اس فعل شنیع سے باز آ جائیں۔ ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! بکری ذبح کرتے وقت مجھے اس پر ترس آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس پر تمہیں اجر ملے گا"(2)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا ... جب زانیوں کو مجمع عام میں کوڑے لگائے جائیں تو ان کی رسوائی ہوتی ہے اور دوسرے اس سے عبرت پکڑتے ہیں۔ لوگوں کی موجودگی میں سزا زیادہ مفید اور کارگر ہوتی ہے اور فعل شنیع سے باز رکھنے کے لئے یہ موثر تدبیر ہے، مزید برآں اس طریقہ سے زیادہ سرزنش اور رسوائی ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ہو یا اس سے زیادہ ہوں تو طائفہ ہو گیا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ طائفہ (گروہ) کا اطلاق ایک سے ہزار تک کے افراد پر ہوتا ہے، اس لئے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص بھی طائفہ ہے۔ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ کم از کم دو افراد ہوں تو طائفہ ہوگا۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ چار افراد اور اس سے زائد پر طائفہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ زہری فرماتے ہیں کہ طائفہ میں کم از کم تین افراد ہوتے ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ چار اور اس سے زیادہ کیونکہ زنا کے گواہ کم از کم چار ہوتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ ربیعہ کہتے ہیں کہ پانچ ہوں تو طائفہ کہلائے گا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دس ہوں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ حد جاری کرتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کا موجود ہونا ضروری ہے تا کہ نصیحت اور عبرت حاصل ہو۔ نصر بن علقمہ کہتے ہیں کہ جماعت کی موجودگی فضیحت و رسوائی کے باعث نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ ان کے لئے توبہ و رحمت کی دعا کریں۔

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۘ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

"زانی شادی نہیں کرتا مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ اور زانیہ نہیں نکاح کرتا اس کیساتھ مگر زانی یا مشرک۔ اور حرام کر دیا گیا ہے یہ اہل ایمان پر"۔

اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ زانی سے زنا جیسے فعل شنیع پر صرف وہی عورت آمادہ ہوتی ہے جو گنہگار بدکار ہو یا مشرکہ ہو جو اسے معیوب نہیں سمجھتی اور اسی طرح زانیہ سے صرف وہی مرد رغبت رکھتا ہے جو اس قماش کا بدکار ہو یا مشرک ہو جو زنا کی حرمت کا قائل ہی نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں نکاح بمعنی جماع ہے(3)۔ یہی قول حضرات مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، عروہ بن زبیر، ضحاک، مکحول، مقاتل اور دیگر علماء کا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَحُرِّمَ ذٰلِكَ یعنی زنا کا ارتکاب کرنا، زانیہ عورتوں سے نکاح کرنا اور پاکدامن عورتوں کو بدکار مردوں کے نکاح میں دینا حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ زنا مومنوں پر حرام ہے۔ قتادہ اور مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ بدکار عورتوں کیساتھ مومنوں کا نکاح حرام ہے، اسی طرح اور آیت میں فرمایا: مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ (النساء: 25) "وہ پاک دامن بن جائیں نہ کہ زنا کار اور نہ بنانے والی ہو خفیہ یار"۔ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ (المائدۃ: 45) "پاکباز بنتے ہوئے نہ بدکاری کرتے ہوئے اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہوئے"۔ اس

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 125 بحوالہ عبد الرزاق، تفسیر طبری جلد 16 صفحہ 66-67 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 436

3۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 126-127 بحوالہ عبد الرزاق وغیرہ

سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ پاکدامن مسلمان کا بدکار عورت سے نکاح صحیح نہیں ہوتا جب تک وہ توبہ نہ کرے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو عقد نکاح صحیح ہوگا ورنہ نہیں اور اسی طرح آزاد پاکدامن عورت کو بدکار زانی مرد کے نکاح میں دینا بھی صحیح نہیں جب تک وہ بھی توبہ نہ کر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ام مہزول نامی ایک پیشہ ور عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے جواب میں یہی آیت پڑھ کر سنائی(1)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ شادی کے لئے طلب اجازت پر یہ آیت اتری(2)۔ حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ کا یہ دستور تھا کہ وہ چوری چھپے مکہ سے مسلمان قیدیوں کو رہا کر کے مدینہ لایا کرتے تھے۔ مکہ شریف میں عناق نامی ایک پیشہ ور عورت تھی جس کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں حضرت مرثد کا یارانہ تھا۔ حضرت مرثد بیان کرتے ہیں کہ ایک رات کسی قیدی کو رہا کروانے کے لئے میں مکہ پہنچا۔ چاندنی رات تھی اور میں ایک دیوار کے سائے تلے سمٹا بیٹھا تھا کہ اتفاقاً عناق ادھر آنکلی۔ جب اس نے میرا سایہ دیکھا تو اور میرے قریب آگئی اور اس نے مجھے پہچان لیا، پوچھنے لگی کہ مرثد ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں، مرثد ہوں۔ اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور خوش آمدید کہتے ہوئے پیشکش کرنے لگی کہ آؤ، آج کی رات میرے ہاں گزارو۔ میں نے کہا: اے عناق! اللہ تعالیٰ نے زنا حرام کیا ہے۔ جب وہ مایوس ہوگئی تو اس نے شور مچادیا اور کہنے لگی: اے خیمے والو! یہ ہے وہ شخص جو تمہارے قیدیوں کو اٹھا کر لے جاتا ہے۔ چنانچہ آٹھ آدمی میرے تعاقب میں نکلے۔ میں ایک باغ میں داخل ہوگیا اور وہاں سے ایک غار میں گھس گیا۔ وہ لوگ غار تک پہنچ کر میرے سر کے اوپر کھڑے ہوگئے۔ وہاں انہوں نے پیشاب کیا اور ان کا پیشاب میرے سر پر بہنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا کر دیا اور وہ مجھے نہ دیکھ سکے۔ جب وہ واپس پلٹ گئے اور مجھے یقین ہوگیا کہ وہ میری تلاش سے مایوس ہو چکے ہوں گے تو میں وہاں سے نکلا اور مکہ پہنچ کر مظلوم مسلمان قیدی کو لیا اور اپنے اوپر بٹھا کر مدینہ کی راہ لی۔ چونکہ وہ بھاری بدن کا تھا، اس لئے اذخر پہنچ کر میں نے اسے اتار کر اس کے بندھن کھول دیئے، پھر اسے اٹھاتا چلا تا مدینے پہنچ گیا۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دو مرتبہ عرض کی: یارسول اللہ ﷺ اگر اجازت ہو تو عناق سے نکاح کرلوں؟ آپ ﷺ خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ جب یہ آیت کریمہ اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے مرثد! زانی زانیہ یا مشرکہ سے ہی نکاح کرتا ہے اس لئے اس سے نکاح کا ارادہ ترک کردو“(3)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”زانی جسے کوڑے لگ چکے ہوں، وہ اپنے جیسے سے ہی نکاح کرسکتا ہے“(4)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین قسم کے لوگ نہ جنت میں جائیں گے اور نہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت کرے گا: اپنے والدین کا نافرمان، وہ عورت جو مردوں کی مشابہت اختیار کرے اور دیوث اور تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا: اپنے ماں باپ کا نافرمان، شراب کا رسیا اور احسان جتلانے والا“(5)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین قسم کے آدمی ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے: شراب کا رسیا، اپنے والدین کا نافرمان اور اپنے گھر والوں میں خباثت جائز اور برقرار رکھنے والا“(6)۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 159-158
2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 375
3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 69، مسند ابی داؤد: 89
4۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 صفحہ 220-221، سنن نسائی، جلد 6 صفحہ 66-67
5۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 221
6۔ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 6 صفحہ 80-81، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 134

حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''دیوث (بے غیرت) جنت میں نہیں جائے گا'' (1)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص پاک صاف ہو کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا خواہشمند ہے، اسے چاہئے کہ وہ شریف آزاد عورت سے نکاح کرے'' (2)۔ اس کی سند میں ضعف ہے۔ جوہری اپنی کتاب الصحاح میں کہتے ہیں کہ دیوث بے غیرت شخص کو کہا جاتا ہے۔ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری بیوی مجھے بہت ہی محبوب ہے لیکن اس میں یہ بری عادت ہے کہ وہ کسی ہاتھ کو واپس نہیں لوٹاتی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے طلاق دے دو۔'' وہ شخص کہنے لگا کہ میں اس سے صبر بھی نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر اس سے فائدہ اٹھا''۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور اس کا راوی عبدالکریم قوی نہیں۔ اس کا دوسرا راوی ہارون اس سے زیادہ قوی اور ثقہ ہے۔ لیکن ان کی روایت مرسل اور صحیح ہے (3)۔ یہ روایت مسند بھی مروی ہے لیکن امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ روایت مسند نہیں بلکہ مرسل ہے۔ یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے (4)۔ اس حدیث کے متعلق اختلاف ہے۔ امام نسائی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسے منکر کرتے ہیں۔ ابن قتیبہ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس عورت کے کسی ہاتھ کو نہ روکنے کا یہ مقصد ہے کہ وہ سخی ہے اور کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتی، لیکن اس تاویل کا رد کیا گیا ہے کہ اگر یہی مراد ہوتی تو حدیث میں ''لامس'' کی بجائے ''ملتمس'' کا لفظ ہوتا، بعض نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ اس عورت کی عادت ہی ایسی تھی کہ کسی ہاتھ کو نہیں ہٹاتی تھی، یہ مطلب نہیں کہ وہ بدکاری کا ارتکاب کرتی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ بدقماش عورت کو رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتے، دوسری بات یہ ہے کہ اس قسم کی عورت کو اپنے پاس رکھنے والا دیوث ہے اور دیوث کے متعلق وعید گزر چکی ہے لیکن شاید خاوند کو اس کی اس قسم کی عادت کا شک گزرا اور اس بناء پر اس نے حضور ﷺ سے اس کی شکایت کی کہ اس کی بیوی خلوت میں کسی مرد کو نہیں روکتی ہوگی تو آپ ﷺ نے اسے طلاق کا حکم دے دیا لیکن جب اس نے اس سے اپنی شدید محبت کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اسے ساتھ رکھنے کی اجازت دے دی کیونکہ محبت تو یقینی طور پر موجود ہے لیکن بدکاری کے وقوع کا صرف وہم ہے، اس لئے وہم کے پیچھے یقینی چیز کو ترک کرنا مناسب نہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ زانیہ اگر توبہ کر لے تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں ایک عورت سے حرام کاری کرتا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے توبہ کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اب میں اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں لیکن لوگ کہتے ہیں کہ زانی زانیہ یا مشرکہ سے ہی نکاح کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب نہیں۔ اب تم اس سے بے دھڑک ہو کر نکاح کر لو، اگر کوئی گناہ ہوا تو میرے ذمے (5)۔ بعض دوسرے علماء نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے: وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى (النور:32) حضرت سعید بن مسیب سے یہی منقول ہے اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ
لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ
اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 69، مسند ابی داؤد: 89 2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، جلد 1 صفحہ 598 3۔ سنن نسائی، جلد 6 صفحہ 67-68
4۔ دیکھئے سنن نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6 صفحہ 169-170، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 220
5۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 129 بحوالہ ابن ابی شیبہ

"اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر، پھر وہ نہ پیش کرسکیں چار گواہ۔ تو لگاؤ ان (تہمت لگانے والوں) کو اسی درے اور نہ قبول کرنا ان کی کوئی گواہی ہمیشہ کے لئے اور وہی لوگ فاسق ہیں۔ مگر (ان میں سے) وہ لوگ جو توبہ کرلیں ایسا بہتان لگانے کے بعد اور اپنی اصلاح کرلیں تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

یہاں حد قذف کا بیان ہورہا ہے، اگر کوئی پاکدامن آزاد بالغ عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور ثبوت پیش نہ کرسکے تو اس کی سزا اسی درے ہیں، اسی طرح اگر کوئی کسی پاکباز مرد پر زنا کی تہمت لگائے اور اسے ثابت نہ کرسکے تو اس کی بھی یہی سزا ہے۔ اس مسئلہ میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں۔ اگر تہمت لگانے والا گواہ پیش کردے تو اس پر حد نہیں لگے گی لیکن اگر وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش نہ کرسکے تو وہ تین سزاؤں کا مستحق ہوگا: ۱۔ اسے اسی کوڑے مارے جائیں گے۔ ۲۔ اس کی گواہی ہمیشہ کے لئے مردود ہوگی۔ ۳۔ وہ فاسق قرار پائے گا، نہ وہ اللہ کے ہاں عادل ہوگا اور نہ لوگوں کے ہاں۔ پھر استثناء کرتے ہوئے فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا ۔ اس استثناء کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ اگر یہ صرف آخری جملہ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ سے استثناء ہو تو توبہ سے صرف فسق رفع ہوگا اور وہ ہمیشہ مردود الشہادۃ رہے گا۔ اگر یہ استثناء پچھلے دونوں جملوں سے ہو تو توبہ کے بعد اس کی شہادت بھی مقبول ہوگی اور فسق بھی رفع ہوجائے گا۔ جہاں تک حد قذف کا تعلق ہے، وہ تو ہٹ نہیں سکتی اگرچہ وہ توبہ کرے یا نہ کرے۔ امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کا یہ موقف ہے کہ اگر وہ توبہ کرلے تو اس کی شہادت بھی مقبول ہوگی اور فسق کا حکم بھی اٹھ جائے گا۔ سید التابعین حضرت سعید بن مسیب اور سلف کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استثناء کا تعلق صرف آخری جملہ کے ساتھ ہے، اس لئے توبہ کے ساتھ اس کا فسق تو ختم ہوجائے گا لیکن اس کی شہادت ہمیشہ مردود ہی رہے گی۔ حضرات قاضی شریح، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، مکحول اور عبدالرحمٰن بن زید بن جابر کا بھی یہی موقف ہے۔ شعبی اور ضحاک کہتے ہیں کہ اس کی شہادت قابل قبول نہیں اگرچہ وہ توبہ کرلے لیکن اگر وہ اس بات کا اعتراف کرلے کہ اس نے بہتان باندھا ہے تو اس وقت اس کی شہادت مقبول ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝

"اور وہ (خاوند) جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں پر اور نہ ہوں ان کے پاس کوئی گواہ بجز اپنے ان کی شہادت کا یہ طریقہ ہے کہ وہ خاوند چار مرتبہ گواہی دے کہ بخدا وہ (یہ تہمت لگانے میں) سچا ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے اس پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو اگر وہ کذب بیانی کرنے والوں میں سے ہو۔ اور ٹل سکتی ہے اس عورت سے حد کہ وہ گواہی دے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہ وہ (خاوند) جھوٹا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ خدا کا غضب ہو اس پر اگر وہ (خاوند) سچا ہو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی (تو تم بڑی الجھنوں میں پڑ جاتے) اور بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا بڑا دانا ہے"۔

اس آیت کریمہ میں خاوندوں کے لئے ایک مسئلہ کا حل اور اس سے چھٹکارے کی صورت بیان کی جا رہی ہے کہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے لیکن گواہ پیش نہ کر سکے تو اس صورت میں وہ اور اس کی بیوی باہم لعان کریں۔ لعان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ امام کے پاس آ کر دعویٰ کرے کہ اس کی بیوی نے زنا کیا ہے۔ حاکم چار گواہوں کے قائم مقام اس سے چار مرتبہ یہ حلفی بیان لے گا کہ وہ اس تہمت لگانے میں سچا ہے۔ ہر بار وہ اللہ کی قسم اٹھا کر کہے گا کہ اس نے جو بات کی ہے وہ سچ ہے اور پانچویں دفعہ وہ یہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہو۔ لعان سے شوافع اور اکثر علماء کے نزدیک عورت اس سے بائنہ ہو جائے گی اور ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جائے گی۔ یہ اسے مہر ادا کرے گا اور حد زنا اس پر ثابت ہو جائے گی۔ ایسی عورت حد سے صرف اس وقت بچ سکتی ہے جب وہ بھی لعان کرے، یعنی وہ چار مرتبہ حلفیہ گواہی دے کہ اس کا خاوند تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو۔ آیت کریمہ میں صرف عورت کے لئے غضب کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی مرد خواہ مخواہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگا کر رسوائی مول نہیں لینا چاہتا۔ عموماً وہ سچا ہی ہوتا ہے اور سچائی کے باعث وہ معذور سمجھا جاتا ہے لیکن عورت کو چونکہ علم ہوتا ہے کہ اس کا خاوند تہمت لگانے میں سچا ہے اس لئے اس کے لئے غضب کا لفظ استعمال کیا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو اگر اس کا خاوند حق پر ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا سزاوار وہی ہوتا ہے جو حق کو جاننے کے باوجود اس سے روگردانی کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ مخلوق پر اپنے لطف و کرم اور رحمت و رأفت کو بیان فرما رہا ہے کہ اس نے ان کے لئے تنگی اور شدت سے نکلنے کی سبیل پیدا کی، فرمایا: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ۔ یعنی اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم تنگی اور مشقت میں پڑ جاتے اور بہت سے امور تم پر شاق گزرتے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرمانے والا ہے اگرچہ وہ حلف اور پختہ قسموں کے بعد ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے احکام میں حکیم بھی ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ ان آیات کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں ان کا شان نزول بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ اتری تو انصار کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! کیا یہ آیت اسی طرح اتری ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے گروہ انصار! کیا تم اپنے سردار کی بات نہیں سن رہے؟" انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! انہیں ملامت نہ کریں، یہ غیرت مند شخص ہیں اور ان کی غیرت کا یہ حال ہے کہ صرف کنواری سے نکاح کرتے ہیں۔ اگر یہ کسی عورت کو طلاق دے دیں تو ہم میں سے کسی کو جرأت نہیں ہوتی کہ ان کی مطلقہ کے ساتھ نکاح کرے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! مجھے یقین ہے کہ یہ آیت حق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل شدہ ہے لیکن مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ اگر میں کسی بدمعاش کو بیوی پر سوار دیکھوں تو بھی کچھ نہیں کر سکتا اور اگر چار گواہ لینے جاؤں گا تو وہ اتنی دیر میں اپنا کام کر کے رفوچکر ہو چکا ہوگا۔ اس بات کو تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ آ گئے۔ یہ ان تین اشخاص میں سے ایک تھے جن کی توبہ کی قبولیت کا حکم قرآن میں نازل ہوا۔ وہ رات کے وقت اپنے کھیتوں سے واپس گھر لوٹے تو اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک غیر مرد کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں۔ صبح ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کر دیا۔ آپ ﷺ کو سن کر بڑی کوفت ہوئی۔ انصار کہنے لگے کہ سعد بن عبادہ کے قول کی وجہ سے ہم مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ ابھی ہلال پر حد قذف لگے گی اور اس کی شہادت مردود ٹھہرے گی۔ ہلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ میرے لئے خلاصی کی کوئی صورت پیدا فرما دے گا۔ حضرت ہلال عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس واقعہ کی

اطلاع پر آپ ﷺ کو سخت تکلیف ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔ چونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ گواہ پیش نہ کر سکے اس لئے قریب تھا کہ آپ ﷺ ان پر حد جاری کر دیتے۔ اسی اثناء میں نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے۔ جب آپ ﷺ پر وحی اترتی تو صحابہ کرام آپ ﷺ کے چہرہ پر اس کے آثار دیکھ کر پہچان لیتے کہ اب وحی اتر رہی ہے اس لئے اس دوران وہ خاموش ہو جاتے۔ چنانچہ یہ آیات وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ - نازل ہوئیں۔ وحی کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بلال! تمہیں خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کشادگی اور چھٹکارے کی صورت پیدا کر دی ہے"۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ مجھے اپنے رب سے اس کی امید تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بیوی کو بلا لیا اور دونوں میاں بیوی کو یہ آیات پڑھ کر سنائیں اور انہیں عذاب آخرت سے ڈراتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے بہت سخت ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم! میں بالکل سچا ہوں۔ ان کی بیوی نے کہا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لعان کرو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ گواہی دو تو انہوں نے اللہ کی قسم اٹھا کر چار مرتبہ گواہی دی کہ وہ سچے ہیں۔ پانچویں مرتبہ گواہی سے پہلے انہیں کہا گیا: اے بلال رضی اللہ عنہ! اللہ سے ڈرو، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے۔ پانچویں دفعہ گواہی سے تم پر عذاب واجب ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میری سچائی کے سبب جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے حد سے بچایا ہے، اسی طرح وہ مجھے عذاب آخرت سے بھی بچا لے گا۔ چنانچہ انہوں نے پانچویں دفعہ یہ گواہی دی کہ اگر وہ جھوٹے ہوں تو ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ پھر ان کی بیوی سے کہا گیا کہ چار مرتبہ حلفیہ گواہی دے کہ اس کا خاوند جھوٹا ہے۔ پانچویں دفعہ اسے کہا گیا کہ اللہ سے ڈر کیونکہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے۔ پانچویں بار کی گواہی سے تجھ پر عذاب لازم ہو جائے گا۔ پہلے تو وہ ہچکچائی اور جھجکی اور اعتراف جرم کا ارادہ کر لیا لیکن پھر کہنے لگی کہ میں اپنی قوم کو رسوا نہیں کرنا چاہتی۔ چنانچہ اس نے پانچویں دفعہ گواہی دے دی کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ لعان کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میں جدائی کرا دی اور یہ فیصلہ دے دیا کہ اس عورت سے پیدا ہونے والے بچے کو بلال کی طرف منسوب نہ کیا جائے اور نہ اس بچے کو حرامی کہا جائے۔ جس نے اس عورت پر اب تہمت لگائی یا اس کے بچے کو حرامی کہا اس پر حد قذف لگے گی۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فیصلہ فرما دیا کہ اس کا نان و نفقہ اس کے خاوند کے ذمہ نہیں کیونکہ دونوں کے درمیان جدائی ہوئی ہے، نہ طلاق ہوئی ہے اور نہ اس کا خاوند فوت ہوا ہے۔ مزید آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر اس عورت نے سرخ سفید رنگ کا پتلی پنڈلیوں والا بچہ جنا تو وہ بلال کا ہوگا اور اگر اس نے خاکستری رنگ کا، گھنگھریالے بالوں والا، پر گوشت پنڈلیوں والا اور بڑی سرین والا بچہ جنا تو وہ اس کا ہوگا جس کے ساتھ اس پر تہمت لگائی گئی ہے"۔ چنانچہ اس عورت نے مؤخر الذکر صفات کا حامل بچہ جنا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر مسئلہ قسموں کے مطابق طے شدہ نہ ہوتا تو میں اس عورت پر حد قذف کر دیتا"۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ بچہ بڑا ہو کر مصر کا والی بنا۔ اسے ماں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، باپ کی طرف نہیں (1)۔ صحاح وغیرہ میں اس حدیث کے شواہد موجود ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ تہمت لگائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگے گی"۔ بلال رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! ایک شخص کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ حالت غیر میں دیکھے اور گواہ تلاش کرنے کے لئے چلا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "گواہ پیش کرو ورنہ حد لگے گی"۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی: قسم

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 276-278، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 238-239

ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! میں بالکل سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ ضرور ایسا حکم نازل فرمادے گا جس کی وجہ سے میں حد سے بچ جاؤں گا۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام یہ آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ ۔ لے کر اترے۔ آپ ﷺ نے دونوں کو بلا لیا اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے، کیا وہ توبہ کی طرف راغب ہے"۔ اس دوران حضرت ہلال رضی اللہ عنہ گواہی دے چکے تھے۔ عورت نے بھی چار بار گواہی دی۔ جب وہ پانچویں بار گواہی دینے لگی تو صحابہ کرام نے اسے ٹھہرا کر کہا کہ پانچویں دفعہ کی گواہی سے عذاب واجب ہو جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ذرا ہچکچائی جس سے ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ یہ اپنے سابقہ بیان سے رجوع کر کے جرم کا اقرار کرلے گی لیکن پھر وہ کہنے لگی کہ میں اپنی قوم کو ہمیشہ کے لئے رسوا کرنے پر آمادہ نہیں۔ پس اس نے پانچویں گواہی بھی دے دی۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: "دیکھنا! اگر اس نے سرمگیں آنکھوں والے، بڑی سرین والے موٹی پنڈلیوں والے بچے کو جنم دیا تو وہ شریک بن سحماء کا ہے"۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی بچہ جنم دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو میں اس عورت پر حد لگا دیتا" (1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی۔ یہ سن کر آپ ﷺ کو بڑی کوفت ہوئی۔ وہ شخص بار بار اس چیز کو بیان کرتا رہا یہاں تک کہ یہ آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے دونوں میاں بیوی کو بلا کر یہ آیت سنائی اور فرمایا کہ یہ تم دونوں کے بارے میں اتری ہے۔ پہلے آپ نے مرد کو بلایا، اس نے چار دفعہ گواہی دی کہ وہ سچا ہے، پھر آپ نے اس کا منہ بند کرنے کا حکم دیا اور اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پر اللہ کی لعنت سے ہر چیز ہلکی ہے۔ پھر آپ نے اس کا منہ کھلوا دیا تو اس نے پانچویں دفعہ کہا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ پھر آپ ﷺ نے عورت کو بلایا اور اس سے بھی چار حلفیہ گواہیاں لینے کے بعد نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پر اللہ تعالیٰ کے غضب سے ہر چیز ہلکی ہے۔ اس کا بند منہ کھول دیا گیا تو اس نے کہا کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو ۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن زبیر کی امارت کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ مجھ سے لعان کرنے والے مرد اور عورت کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا ان میں جدائی کرا دی جائے؟ مجھے اس سوال کا جواب معلوم نہیں تھا۔ میں اپنے گھر سے نکل کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سبحان اللہ! سب سے پہلے فلاں بن فلاں نے اس کے متعلق سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ! ایک شخص اپنی بیوی کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھتا ہے، اگر وہ زبان سے نکالے تو بھی بڑی بے حیائی اور رسوائی والی بات ہے اور اگر خاموش رہے تو بھی بڑی بے غیرتی والی بات ہے۔ آپ ﷺ خاموش رہے اور اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد جب وہ شخص آیا تو کہنے لگا: یا رسول اللہ! جو سوال میں نے آپ سے کیا تھا، وہی واقعہ میرے ہاں پیش آیا۔ اس وقت سورۂ نور کی یہ آیات وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ نازل ہوئیں۔ آپ ﷺ نے دونوں کو بلایا اور عذاب سے ڈرایا لیکن دونوں اپنی اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ جب دونوں لعان کر چکے تو ان کے درمیان تفریق کر دی گئی (2)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک جمعہ کی شام مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک انصاری کہنے لگا: ہم میں سے جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو پائے، اگر وہ اسے قتل کر دے تو تم اسے قتل کر دو گے، اگر وہ اس بات کو زبان پر لائے تو تم اس پر حد لگا دو گے اور اگر وہ خاموش رہے تو وہ غصہ کے گھونٹ پیتا رہے۔ واللہ! اگر زندگی رہی تو میں صبح ضرور رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کروں گا۔ چنانچہ اس نے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ نور، جلد 6 صفحہ 126 2۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، جلد 9 صفحہ 457، صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 2 صفحہ 1131-1132

اپنے رات والے الفاظ دہرا کر رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور دعا کی کہ یا اللہ! اس بارے میں فیصلہ نازل فرما۔ اس پر آیت لعان نازل ہوئی۔ سب سے پہلے یہی شخص اس آزمائش سے دوچار ہوا(1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ دریافت کرو کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ کر قتل کر دے تو کیا اسے بھی قتل کر دیا جائے گا؟ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے جب یہ سوال کیا تو آپ کو یہ بہت ناگوار گذرا۔ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ دوبارہ ملے تو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مسئلہ کا کیا بنا؟ انہوں نے جواب دیا کہ کچھ نہیں، تم کوئی اچھی بات میرے پاس نہیں لائے تھے۔ میں نے آپ ﷺ سے سوال تو کیا لیکن آپ ﷺ کو یہ اچھا نہیں لگا۔ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں آپ ﷺ کے پاس جا کر ضرور یہ مسئلہ دریافت کروں گا۔ جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو لعن کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ لعان کے بعد حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! اب اگر میں اس عورت کو اپنے گھر لے جاؤں تو گویا میں نے اس پر جھوٹی تہمت باندھی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ کے حکم سے پہلے ہی انہوں نے عورت کو جدا کر دیا۔ پھر لعان کرنے والوں کا یہی طریقہ مقرر ہو گیا۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دیکھنا اگر اس نے سیاہ رنگ کا، بڑی بڑی آنکھوں والا اور بڑی سرین والا بچہ جنا تو خاوند کی بات درست ہے اور اگر اس نے سرخ رنگ کے بچہ کو جنم دیا تو وہ جھوٹا ہے''۔ چنانچہ اس عورت نے بری صفات کا حامل بچہ جنم دیا(2)۔ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! اگر کوئی کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھے تو کیا اسے قتل کر دے یا کیا کرے؟ اس وقت لعان والی آیات نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے بارے میں اور تمہاری بیوی کے بارے میں فیصلہ ہو چکا''۔ چنانچہ لعان کے بعد ان دونوں میں جدائی کرا دی گئی اور یہی طریقہ مقرر ہو گیا۔ یہ عورت حاملہ تھی لیکن اس کے خاوند نے اس کا انکار کر دیا۔ جب بچہ پیدا ہوا تو اسے اس کی ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔ پھر میراث میں سنت طریقہ یہ جاری ہوا کہ بچہ اپنی ماں کا وارث ہوگا اور ماں بچے کی وارث۔ آپ ﷺ نے باری باری حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ اگر تم اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھ لو تو کیا کرو گے؟ دونوں نے جواب دیا کہ ہم اسے قتل کر دیں گے۔ اس وقت چشم پوشی کرنے والا تو بے غیرت ہے۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں(3)۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلا لعان حضرت ہلال بن امیہ اور ان کی بیوی کے درمیان ہوا تھا۔ باقی واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے(4)۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

''بے شک جنہوں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے وہ ایک گروہ ہے تم میں سے۔ تم اسے اپنے لئے برا خیال نہ کرو، بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے لئے، ہر شخص کے لئے اس گروہ میں سے اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا اور جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا ان میں سے (تو) اس کے لئے عذاب عظیم ہوگا''۔

یہاں سے دس آیات ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اس وقت نازل ہوئیں جب منافقین نے بہتان تراشی

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 2 صفحہ 1133، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 421-422

2۔ فتح الباری تفسیر سورۂ نور، جلد 8 صفحہ 448، صحیح مسلم، کتاب اللعان، جلد 2 صفحہ 1129-1130 وغیرہ

3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار تفسیر سورۂ نور، جلد 3 صفحہ 60-61

4۔ مسند ابی یعلی، جلد 5 صفحہ 207-208

اور افتراء بازی سے کام لیتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہا پر جھوٹی تہمت لگائی۔ چونکہ معاملہ کا تعلق براہ راست حضور ﷺ اور آپ کی زوجہ محترمہ سے تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور یہ آیات نازل فرمادیں تا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت اور پاکدامنی کی گواہی دی جائے اور اس صریح بہتان سے آپ کی برأت کا اعلان کیا جائے تا کہ آپ ﷺ کی آبرو پر حرف نہ آئے۔ فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ ... یعنی جنہوں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے وہ ایک دو نہیں بلکہ پورا ایک گروہ ہے۔ اس ملعون سازش اور طوفان کا سرغنہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا۔ وہی اس واقعہ کی تشہیر کرنے میں پیش پیش تھا۔ اس نے اس شدومد سے بات کا بتنگڑ بنایا کہ بعض سادہ لوح مسلمان بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ لوگوں میں اس بات کا خوب چرچا ہوا۔ بعض مسلمانوں کی زبان پر بھی یہ بات آ گئی۔ منافقین نے ایک مہینہ تک خوب پراپیگنڈہ کیا یہاں تک کہ قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں۔ احادیث صحیحہ میں یہ واقعہ بالتفصیل مذکور ہے۔ متعدد حضرات نے یہ روایت بیان کی ہے اور ان کی روایات ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ سفر پر روانہ ہونے کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، جس کے نام کا قرعہ نکلتا اسے آپ ﷺ اپنے ساتھ لے جاتے۔ ایک غزوہ (غزوہ بنی مصطلق) پر روانہ ہوتے وقت آپ ﷺ نے حسب معمول قرعہ اندازی کی تو میرا نام نکلا۔ چنانچہ میں آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوگئی۔ اس وقت پردہ کے احکام نازل ہو چکے تھے۔ مجھے ایک ہودج میں بٹھا دیا گیا اور لشکر اپنی منزل کی طرف چل دیا۔ جب لشکر روانہ ہوتا تو میرا ہودج اونٹ پر رکھ دیا جاتا اور جب پڑاؤ کرتا تو میرا ہودج اتار لیا جاتا۔ جہاد سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے واپسی کا قصد کیا۔ ہم مدینہ شریف کے قریب پہنچے اور رات بسر کی۔ جب کوچ کی تیاری ہونے لگی تو مجھے قضائے حاجت کیلئے باہر جانا پڑا۔ جب میں واپس آئی اور اپنے سینہ پر ہاتھ لگایا تو میرے گلے کا ہار غائب تھا۔ وہ ٹوٹ کر کہیں گر پڑا۔ میں اس کی تلاش میں پھر لوٹ گئی۔ ہار تلاش کرتے ہوئے مجھے دیر ہوگئی۔ ہار تو مل گیا لیکن جب واپس آئی تو لشکر وہاں سے کوچ کر چکا تھا۔ جو لوگ میرے ہودج کو رکھنے اور اتارنے پر مامور تھے انہوں نے حسب عادت میرا ہودج اٹھایا اور اونٹ پر کس دیا، انہیں یہ معلوم ہی نہ ہوسکا کہ میں ہودج میں نہیں ہوں، کیونکہ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں جس کا سبب سادہ اور غیر مرغن غذا تھی اور میں تو کمسن بھی تھی اس لئے انہیں میرے ہودج میں نہ ہونے کا احساس تک نہ ہوا۔ جب میں ہار تلاش کرنے کے بعد واپس آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ میں یہ خیال کر کے وہیں ٹھہر گئی کہ جب وہ مجھے نہیں پائیں گے تو میری تلاش میں یہاں آئیں گے۔ میں وہاں بیٹھ گئی۔ اسی اثناء میں مجھے نیند آ گئی۔ حضرت صفوان بن معطل کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے۔ وہ رات کے پچھلے حصہ میں چلے تھے اور صبح کے وقت یہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے دور سے کسی کو سویا ہوا دیکھا تو قریب آ گئے اور جب مجھے دیکھا تو پہچان لیا۔ پردے کے احکام نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ مجھے پہچان کر انہوں نے بلند آواز سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ ان کی آواز سنتے ہی میری آنکھ کھل گئی اور میں نے چادر کے ساتھ اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ انہوں نے میرے قریب اونٹ بٹھا دیا اور اس کی ٹانگ پر اپنا پاؤں رکھا۔ میں اٹھی اور اونٹ پر سوار ہوگئی۔ اللہ کی قسم! انہوں نے سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کے میرے ساتھ اور کوئی بات نہ کی۔ ہم دوپہر کے وقت لشکر سے آ ملے۔ بس اتنی سی بات تھی جس کا ہلاک ہونے والوں نے بتنگڑ بنا لیا اور اس میں سب سے زیادہ کردار عبداللہ بن ابی کا تھا۔ جب میں مدینہ پہنچی تو بیمار ہوگئی اور ایک ماہ تک بیمار پڑی رہی۔ لوگوں میں اس جھوٹی بات کا خوب چرچا ہوتا رہا لیکن مجھے قطعاً اس کا علم نہ تھا۔ البتہ مجھے اس بات کا قلق تھا کہ میری علالت کے وقت جو لطف وعنایت حضور ﷺ پہلے مجھ پر فرمایا کرتے تھے، وہ مفقود تھی۔ آپ

ﷺ جب میری مزاج پرسی کے لئے تشریف لاتے تو صرف اتنا دریافت کرتے ''کَیْفَ تِیْکُمْ'' کہ تمہارا کیا حال ہے؟ یہ بات مجھے کھٹکتی تھی۔ تاہم اس شرانگیز پراپیگنڈے کی مجھے خبر تک نہ تھی۔ بیماری کے بعد مجھے بہت نقاہت اور کمزوری محسوس ہونے لگی۔ ایک رات میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے مدینے سے باہر گئی کیونکہ اس وقت گھروں میں بیت الخلاء بنانے کا رواج نہ تھا۔ اس لئے ہم عربوں کے دستور کے مطابق صرف رات کے وقت باہر جنگل میں ہی جایا کرتی تھیں۔ گھروں میں بیت الخلاء بنانا ہمیں پسند نہ تھا۔ میں ام مسطح بنت ابی رہم بن مطلب بن عبد مناف کے ساتھ چلی۔ یہ ام مسطح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ ان کی ماں صخر بن عامر کی بیٹی تھی اور ان کے بیٹے کا نام مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب تھا۔ ہم جب دونوں فارغ ہو کر واپس آ رہی تھیں تو ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھا اور وہ گر پڑیں۔ ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا ''تَعِسَ مِسْطَحٌ'' کہ مسطح ہلاک ہو۔ میں نے کہا کہ یہ بہت بری بات ہے تم ایک بدری صحابی کے لئے یہ الفاظ استعمال کر رہی ہو؟ وہ کہنے لگیں: اے بھولی لڑکی! کیا تم نے نہیں سنا جو طوفان اس نے برپا کر رکھا ہے؟ میرے استفسار پر انہوں نے سارا واقعہ مجھے سنا دیا۔ یہ سنتے ہی میں اور زیادہ بیمار ہو گئی۔ گھر لوٹی تو حضور ﷺ نے پوچھا: کَیْفَ تِیْکُمْ ''تمہارا کیا حال ہے؟'' میں نے عرض کی کہ مجھے اپنے والدین کے پاس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ میں اپنے والدین سے اس خبر کے متعلق تفصیلی حالات دریافت کروں۔ آپ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی۔ میں میکے چلی آئی اور اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ یہ لوگ کیا باتیں بنا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: بیٹی! زیادہ غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب کوئی بیوی خوبصورت ہو اور اس کا شوہر اسے محبوب رکھے اور اس کی سوکنیں بھی ہوں تو اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! لوگ میرے متعلق ایسی باتیں کر رہے ہیں؟ میں رات بھر جاگتی اور روتی رہی، صبح ہوئی تب بھی آنسو جاری تھے اور نیند کا نام ونشان تک نہ تھا۔ جب نزول وحی میں تاخیر ہوئی تو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو میرے متعلق مشورہ کے لئے بلایا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے میری براءت کی اور ان کے دل میں حضور ﷺ کے اہل کی جو محبت تھی اس کو ظاہر کیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! ہم آپ کے اہل میں سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ پر اللہ تعالیٰ نے کوئی تنگی نہیں کی، اس کے علاوہ عورتوں کی کیا کمی ہے۔ اگر آپ تصدیق فرمانا چاہتے ہیں تو بریرہ لونڈی کو بلا کر دریافت کر لیجئے وہ حقیقت حال سے آگاہ کر دے گی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر پوچھا: ''اے بریرہ! کیا تو نے ایسی کوئی چیز دیکھی ہے جس سے تمہیں عائشہ کے بارے میں کوئی شک ہو''۔ اس نے عرض کی: مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اس کے سوا میں نے عائشہ میں کوئی عیب نہیں دیکھا کہ آٹا گندھا ہوا رکھا ہوتا ہے، یہ اپنی کمسنی کی وجہ سے سو جاتی ہیں اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی ہے۔ چنانچہ اسی دن حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: ''اے گروہ مسلمانان! اس شخص کے بارے میں مجھے کون معذور رکھتا ہے جس کی میرے اہل خانہ کے بارے میں اذیت رسانی مجھ تک پہنچی ہے۔ بخدا! میں اپنے اہل میں خیر کے بغیر کچھ نہیں جانتا۔ یہ لوگ جس شخص کا نام لے رہے ہیں، اس کے بارے میں بھی میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ وہ میرے ساتھ ہی گھر میں آتا تھا''۔ حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے کہ میں حاضر ہوں۔ یا رسول اللہ! اگر وہ شخص قبیلۂ اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر وہ بنی خزرج سے ہے تو آپ ہمیں حکم دیں، تعمیل ارشاد کی جائے گی۔ حضرت سعد بن عبادہ جو خزرج کے سردار اور بڑے نیک آدمی تھے لیکن ان کی قبائلی عصبیت بیدار ہو گئی۔ وہ سعد بن معاذ سے کہنے لگے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا، نہ تو تم اسے قتل کرو گے اور نہ تم اسے قتل کرنے پر

قادر ہو۔ اگر وہ شخص تمہارے قبیلے کا ہوتا تو تم اس کا قتل کیا جانا پسند نہ کرتے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ جو حضرت سعد بن معاذ کے چچازاد بھائی تھے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ سے کہنے لگے کہ تم جھوٹ کہتے ہو ہم اسے ضرور قتل کر دائیں گے، تم منافق ہو اور اس لئے منافقین کی طرفداری کر رہے ہو، غرضیکہ تلخ کلامی یہاں تک بڑھی کہ قریب تھا کہ دونوں قبیلوں (اوس وخزرج) میں لڑائی چھڑ جاتی۔ حضور ﷺ نے منبر پر ہی دونوں کو سمجھایا اور ان کے جوش کو ٹھنڈا کیا یہاں تک کہ معاملہ رفع دفع ہو گیا اور سب خاموش ہو گئے۔ میرے شب وروز گریہ وزاری میں گزرتے اور لمحہ بھر کے لئے بھی نیند نہ آتی۔ میرے والدین کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ اس طرح رونے سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ ایک دن میں رو رہی تھی۔ میرے والدین بھی میرے پاس بیٹھے تھے۔ ایک انصاری عورت ملنے کے لئے آئی، وہ بھی بیٹھ کر رونے لگی۔ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، سلام فرمایا اور بیٹھ گئے۔ جب سے یہ تہمت لگی تھی، آج تک آپ ﷺ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ ایک مہینہ گزر چکا تھا اور میرے بارے میں کوئی وحی نہیں اتری تھی۔ آپ ﷺ نے تشہد کے بعد فرمایا: ''اے عائشہ! مجھے تمہارے بارے میں ایسی ایسی اطلاع ملی ہے۔ اگر تو پاکدامن ہے تو اللہ تعالیٰ تمہاری براءت کر دے گا اور اگر تجھ سے قصور سرزد ہو گیا ہے تو توبہ واستغفار کر لے کیونکہ بندہ اگر اپنے قصور کا اعتراف کر لے اور توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے''۔ یہ سنتے ہی میری گریہ وزاری جاتی رہی اور یکدم میرے آنسو خشک ہو گئے۔ میں نے اپنے والد گرامی سے کہا کہ حضور ﷺ کو اس بات کا جواب دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ پھر میں نے والدہ سے کہا تو انہوں نے بھی جواب دینے سے معذوری ظاہر کی۔ میں اگرچہ نوعمر تھی اور زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا لیکن میں نے کہا: بخدا! آپ لوگوں نے ایک بات سنی اور وہ تمہارے دلوں میں جم گئی۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ میری بات نہیں مانیں گے اور اگر میں ایسی بات کا اعتراف کر لوں جس کے متعلق خدا جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ فوراً مان لیں گے۔ اب میرے لئے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں کہ میں وہ بات کہوں جو یوسف کے باپ نے کہی تھی: فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُونَ۔ پھر میں منہ پھیر کر بستر پر لیٹ گئی۔ قسم بخدا! چونکہ میں بے گناہ تھی، اس لئے مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری براءت فرمائے گا لیکن مجھے یہ خیال نہ تھا کہ میرے بارے میں آیات نازل ہوں گی کیونکہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتی تھی، البتہ میرے ذہن میں یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں میری پاکدامنی کے متعلق آگاہ فرما دے گا۔ حضور ﷺ ابھی وہیں تشریف فرما تھے اور تمام گھر والے بھی موجود تھے کہ نزول وحی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ سردیوں کے موسم میں بھی نزول وحی کے وقت پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو حضور ﷺ ہنس رہے تھے اور پہلی بات جو آپ ﷺ نے فرمائی، وہ یہ تھی: ''اے عائشہ! تمہیں خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تیری براءت فرما دی ہے''۔ میری والدہ نے مجھے کہا کہ اٹھو اور حضور ﷺ کا شکریہ ادا کرو۔ میں نے کہا: بخدا! نہ میں اٹھوں گی اور نہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا شکریہ ادا کروں گی صرف اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں گی۔ جس نے میری براءت فرمائی۔ اس وقت یہ دس آیات اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ ... نازل ہوئیں۔ میری پاکدامنی ثابت ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسطح رضی اللہ عنہ کی مالی امداد سے ہاتھ کھینچ لینے کا عزم کر لیا کیونکہ اس پراپیگنڈے میں وہ بھی شریک تھے۔ پہلے انہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کافی مالی تعاون حاصل تھا لیکن آپ رضی اللہ عنہ کو اس ارشاد کے ذریعے اس عزم سے منع کر دیا گیا: وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى ... اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النور: 22) اس ارشاد کے نزول پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

کہنے لگے: بخدا! میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میری مغفرت ہو۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے مسطح کا وظیفہ جاری کر دیا اور فرمایا کہ اب میں اس میں بالکل کوتاہی نہیں کروں گا۔ اس واقعہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے اپنی زوجہ زینب بنت جحش سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! میں اپنی آنکھوں اور کانوں کو محفوظ رکھنا چاہتی ہوں۔ بخدا! مجھے خیر کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔ یہی زینب ہی تھیں جو آپ ﷺ کی ازواج میں سب سے زیادہ مجھ سے جذبۂ مسابقت رکھتی تھیں لیکن یہ اپنی پرہیزگاری کے باعث بچ گئیں اگرچہ ان کی بہن حمنہ بنت جحش جو تہمت لگانے والوں میں شامل تھی، ان سے لڑی اور انہیں اپنے ساتھ شریک کرنا چاہا لیکن انہوں نے میری پاکدامنی کا ہی اظہار کیا اور حمنہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوئی (1)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں تشہد اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد یہ بھی فرمایا تھا کہ مجھے ان لوگوں کے متعلق مشورہ دو جنہوں نے میرے اہل پر تہمت لگائی ہے۔ قسم بخدا! میں اپنے اہل کے متعلق سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتا اور مجھے اپنے اہل کے بارے میں کسی برائی کا علم نہیں۔ جس شخص کی طرف وہ منسوب کرتے ہیں، اس میں بھی مجھے کوئی برائی نظر نہیں آئی۔ بخدا! وہ سفر وحضر میں میرے ساتھ رہا اور میری عدم موجودگی میں وہ میرے گھر نہیں آیا۔ حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! اگر اجازت ہو تو ہم ان فتنہ پرور لوگوں کی گردنیں اڑا دیں۔ قبیلۂ خزرج کا ایک آدمی کھڑا ہوا، ام حسان بن ثابت کا تعلق اس شخص کے قبیلہ سے تھا۔ وہ شخص حضرت سعد بن معاذ سے کہنے لگا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ اگر یہ لوگ قبیلۂ اوس سے ہوتے تو تم انہیں قتل کرنے پر آمادہ نہ ہوتے۔ جب بحث ومناظرہ نے طول پکڑا تو لڑائی تک نوبت پہنچ گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے نکلی تو چادر میں ان کا پاؤں الجھا اور وہ گر پڑیں۔ ان کے منہ سے نکلا کہ مسطح ہلاک ہو۔ میں نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کو بددعا دے رہی ہو؟ لیکن وہ خاموش رہیں۔ دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ جب تیسری مرتبہ ایسا ہوا تو وہ کہنے لگیں کہ میں آپ کی خاطر اپنے بیٹے کو برا بھلا کہہ رہی ہوں۔ پھر میرے استفسار پر انہوں نے سارا واقعہ مجھے سنا دیا۔ اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں کہ جب میں اپنے میکے جانے لگی تو حضور ﷺ نے میرے ساتھ ایک غلام بھیجا۔ میں میکے پہنچی تو میری والدہ ام رومان نیچے گھر میں موجود تھیں اور والد محترم اوپر بالا خانے میں تلاوت کر رہے تھے۔ میری والدہ نے میری آمد کا سبب پوچھا تو میں نے انہیں سارا قصہ سنا دیا لیکن جس قدر دکھ مجھے تھا، انہوں نے اس قدر دکھ کا اظہار نہ کیا۔ میں نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ کیا میرے والد محترم کو اس واقعہ کا علم ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں نے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، پھر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میری آواز سن کر نیچے آ گئے اور میری والدہ سے پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے؟ میری والدہ نے جواب دیا کہ اسے تہمت کے متعلق علم ہو گیا ہے۔ چنانچہ میرے والد کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور مجھ سے کہنے لگے: بیٹی، میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ چنانچہ میں واپس لوٹ گئی۔ حضور ﷺ نے کچھ اور لوگوں کی موجودگی میں میری خادمہ سے میرے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ مجھے عائشہ میں کوئی برائی نظر نہیں آتی سوائے اس کے کہ وہ گندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہیں اور بکری آ کر اسے کھا جاتی ہے۔ ایک صحابی نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ کھل کر صاف صاف بات کرو تو وہ کہنے لگی: سبحان اللہ! میں عائشہ کے متعلق اس طرح جانتی ہوں جس طرح ایک زرگر خالص سرخ سونے کے متعلق علم رکھتا ہے۔ جب اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب الشہادات، جلد 3 صفحہ 227، صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، جلد 4 صفحہ 2129-2137، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 194-197، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 297 و مابعد

شخص تک یہ خبر پہنچی جسے بدنام کیا جا رہا تھا تو وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں نے آج تک کسی عورت سے پردہ نہیں اٹھایا۔ یہ صحابی اللہ کی راہ میں شہید ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے والدین صبح سے ہی میرے پاس رہے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر کی ادائیگی کے بعد تشریف لائے، میرے والدین میرے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، پھر فرمایا: ”اے عائشہ! اگر تجھ سے غلطی سرزد ہوگئی ہے یا تو نے ظلم کیا ہے تو توبہ کر لے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے“۔ ایک انصاری عورت دروازے پر آکر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے کہا کیسی عجیب بات ہے کہ یہ بات کرتے ہوئے اس عورت کا بھی خیال نہیں۔ آپ ﷺ نے مجھے وعظ و نصیحت کی تو میں نے اپنے والد محترم سے کہا کہ اس کا جواب دیں۔ انہوں نے بھی معذوری ظاہر کی، پھر والدہ سے کہا تو وہ بھی کوئی جواب نہ دے سکیں۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میری براءت کی آیات نازل ہوئیں تو اس وقت میں شدید غصے میں تھی۔ اس لئے جب میرے والدین نے مجھے کہا کہ اٹھو اور حضور ﷺ کا شکریہ ادا کرو تو میں نے کہا کہ نہ میں اٹھوں گی اور نہ آپ کا اور نہ تمہارا شکریہ ادا کروں گی بلکہ میں صرف اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤں گی جس نے میری براءت کا حکم نازل کیا۔ تم لوگوں نے یہ بات سنی لیکن نہ تم نے اس کا انکار کیا اور نہ اس کی تردید کی۔ حمنہ بنت جحش، مسطح اور حسان بن ثابت بھی اس سازش میں شریک ہو گئے۔ اس سازش کا سرغنہ عبد اللہ بن ابی منافق تھا جو ہر ایک کے کان بھرتا تھا(1)۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میری براءت کی آیتیں اتریں تو رسول اللہ ﷺ نے دو مردوں اور ایک عورت کو حد قذف لگائی یعنی حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش(2)۔ یہ حدیث مسانید، سنن اور صحاح وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعدد طرق کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ معلوم ہوا کہ ان پر تہمت لگی ہے اور اس کا علم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضور ﷺ کو بھی ہے تو آپ رضی اللہ عنہا بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ جب ہوش آیا تو بخار کی وجہ سے کپکپی طاری تھی۔ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اسی وقت کمبل اوڑھا دیا۔ نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو پوچھا کہ اسے کیا ہوا؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اسے سردی کا بخار چڑھا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شاید اس خبر کو سن کر ایسا ہوا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھ کر بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں: بخدا! اگر میں حلف اٹھا کر بھی کچھ کہوں تو بھی تم لوگ میری تصدیق نہیں کرو گے اور اگر میں عذر پیش کروں تو بھی تم مجھے معذور نہیں جانو گے۔ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کے بیٹوں کی جب آپ نے کہا تھا: فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ۔ حضور ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے تو میری براءت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس تشریف لائے اور فرمایا: ”اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارا عذر نازل کر دیا ہے“۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ اللہ کا شکر ہے نہ کہ آپ کا۔ حضرت ابوبکر فرمانے لگے کہ تم رسول اللہ ﷺ کو یہ کہہ رہی ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں(3)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ ... یعنی وہ لوگ جنہوں نے کذب بیانی، بہتان تراشی اور افترا بازی سے کام لیتے ہوئے جھوٹی تہمت لگائی، وہ تم میں سے ایک گروہ ہے۔ اے آل ابی بکر! تم اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ یہ دنیا و آخرت میں تمہارے لئے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ نور، جلد 6 صفحہ 134-136۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 93-94

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 162، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 35 وغیرہ

3۔ صحیح بخاری، سورۂ نور، جلد 6 صفحہ 132، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 367-368

بہتر ہے۔ دنیا میں تمہاری صداقت اور نیکی نامی ثابت ہوگی اور آخرت میں تمہیں بلند درجات حاصل ہوں گے۔ کیا یہ شرف کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کیلئے اس قرآن کریم میں آیات نازل فرمادیں جس کی طرف باطل کسی جانب سے بھی راہ نہیں پاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آخری وقت قریب تھا تو اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ کو خوشخبری ہو، آپ کو حضور ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل ہے۔ حضور ﷺ آپ رضی اللہ عنہ سے محبت فرماتے تھے اور حضور ﷺ نے آپ کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا اور آپ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔(1) ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے اپنے اوصاف حمیدہ پر فخر کرنے لگیں۔ حضرت زینب کہنے لگیں کہ میرا عقد نکاح آسمان سے اترا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ میری براءت کا حکم کتاب اللہ میں اترا جب صفوان بن معطل مجھے اپنی سواری پر بٹھا کر لائے تھے۔ حضرت زینب نے پوچھا کہ تم نے سوار ہوتے وقت کیا پڑھا تھا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: "حَسْبِیَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ" ۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ تم نے مومنوں کا کلمہ کہا تھا(2)۔ پھر فرمایا: لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یعنی ہر اس شخص کو بڑا عذاب ہوگا جو اس سازش میں شریک ہوا اور اس نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کی تہمت لگائی۔ پھر فرمایا: وَالَّذِیْ تَوَلّٰى ۔ یعنی جس نے اس فتنہ کو جنم دیا اور اس کی تشہیر کرنے میں پیش پیش رہا، اس کے لئے عذاب عظیم ہے۔ اکثر کا یہی خیال ہے کہ اس سے مراد رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار ہو! بعض نے کہا کہ اس سے مراد حضرت حسان بن ثابت ہیں لیکن یہ قول غریب ہے۔ چونکہ یہ قول بھی ہے، اس لئے ہم نے اسے بیان کر دیا ورنہ اس کے بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جن کے فضائل ومناقب، خدمات اور کارناموں کا تذکرہ احادیث میں موجود ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہی تھا کہ آپ اپنے اشعار کے ذریعے کفار کی ہجو کرتے اور حضور ﷺ کا دفاع کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہی فرمایا تھا: "کفار کی ہجو کرو جبریل تمہارے ساتھ ہیں"۔ حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا تھا کہ حضرت حسان وہاں آگئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں عزت کے ساتھ تکیہ لگا کر بٹھایا۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ انہیں اپنے پاس کیوں آنے دیتی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اندھے پن سے بڑا عذاب کون سا ہوگا۔ اس وقت حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ فرمایا کہ شاید یہی عذاب ہو جس میں وہ مبتلا ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہی تو اپنے اشعار کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی مدافعت کیا کرتے تھے(3)۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدح میں شعر پڑھا تھا کہ آپ پاکدامن، سنجیدہ، ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر اور غیبت اور برائی سے احتراز کرنے والی ہیں۔ جواب میں آپ نے فرمایا کہ تم ایسے نہ تھے(3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حسان کے اشعار سے زیادہ عمدہ اشعار نہیں سنے۔ میں جب بھی ان شعروں کو پڑھتی ہوں تو میرے دل میں خیال آتا ہے کہ حسان جنتی ہیں۔ وہ ابوسفیان کو مخاطب کر کے اپنے اشعار میں کہتے ہیں: تو نے محمد (ﷺ) کی ہجو کی جس کا میں نے جواب دیا اور اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ میرے باپ دادا اور میری عزت حضرت محمد ﷺ کی

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ نور، جلد 6 صفحہ 132
2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 88-89
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ نور، جلد 8 صفحہ 485، تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 88

عزت پر قربان ہے۔ کیا تو آپ ﷺ کی ہجو کرتا ہے حالانکہ تو آپ کا ہمسر نہیں۔ پس تم میں سے برا اچھے پر قربان ہو جائے۔ میری زبان تلوار کی طرح تیز اور بے عیب ہے اور میرے سمندر کو ڈول آلودہ نہیں کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا یہ لغو کلام نہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، لغو کلام تو وہ ہے جو عورتوں کے متعلق کہا جاتا ہے۔ آپ سے کہا گیا کہ کیا قرآن کریم میں یہ نہیں کہ اس تہمت میں زیادہ حصہ لینے والے کیلئے عذاب عظیم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ بینائی جاتی رہی اور تلوار کا وار برداشت کرنا پڑا؟ جب انہوں نے تہمت لگائی تو صفوان بن معطل تلوار لے کر ان کے پیچھے پڑ گئے اور قریب تھا کہ وہ انہیں قتل کر دیتے(1)۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾
لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

"ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو گمان کیا ہوتا مومن مردوں اور عورتوں نے اپنوں کے بارے میں نیک گمان۔ اور کہہ دیا ہوتا کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے۔ (اگر وہ سچے تھے تو) کیوں نہ پیش کر سکے اس پر چار گواہ۔ پس جب وہ پیش نہیں کر سکے گواہ تو (معلوم ہو گیا کہ) وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ ان آیات میں مومنوں کو ادب سکھا رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں جو نازیبا کلمات ان کی زبان پر آ گئے تھے، وہ ان کے لئے بالکل مناسب نہیں تھے، فرمایا: لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ یعنی ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے ام المومنین رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی کی بات سنی تھی تو مومن مرد اور مومن عورتیں کم از کم اپنے بارے میں نیک گمان کرتے اور اپنے آپ پر قیاس کرتے ہوئے اپنی شرعی ماں کے متعلق غلط گمان نہ کرتے۔ جب وہ اپنے لئے اس کام کو مناسب نہیں سمجھتے تو ام المومنین کو بدرجہ اولیٰ ایسے فعل سے منزہ اور بری سمجھنا چاہیے تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو ایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کے متعلق نازل ہوئی۔ آپ کی بیوی ام ایوب نے آپ سے کہا: اے ابو ایوب! کیا آپ نے نہیں سنا کہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کیا باتیں بنا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اور یہ محض جھوٹ ہے۔ اے ام ایوب! ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم ایسا کام کر سکتی ہو؟ وہ کہنے لگیں نہیں، بخدا! مجھے یہ گوارہ نہیں کہ میں ایسا کام کروں۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے بہتر اور افضل ہیں۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو سب سے پہلے حضرت حسان اور ان کے دیگر ساتھیوں کا ذکر کیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں شریک تھے، فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ ۔ پھر فرمایا: لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ یعنی مومنوں نے ایسا کیوں نہ کہہ دیا جیسا کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ نے کہا تھا(2)۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ بات حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کی تھی(3)۔ فرمایا: ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ یعنی مومنوں نے نیک گمان کیوں نہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو اس سے بھی زیادہ نیک گمان کی مستحق تھیں۔ اس (ظن) کا تعلق باطن کے ساتھ ہے۔ مزید فرمایا: وَقَالُوْا یعنی چاہیے تھا کہ وہ اپنی زبانوں سے کہہ دیتے کہ یہ ام المومنین رضی اللہ عنہا پر صاف جھوٹ اور صریح بہتان ہے کیونکہ اس واقعہ کے کسی پہلو میں بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دن کے اجالے میں دوپہر کے وقت، سب کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 88
2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 96، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 302
3۔ کتاب المغازی للواقدی، جلد 2 صفحہ 434

سامنے صفوان بن معطل کی اونٹنی پر سوار لشکر میں پہنچتی ہیں، سارا لشکر اس چیز کا مشاہدہ کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی موجود ہیں۔ اگر کوئی شک وشبہ والی بات ہوتی تو وہ اس طرح کھلے بندوں لوگوں کے سامنے نہ آتے بلکہ بقدر امکان خفیہ خفیہ لشکر میں شامل ہونے کی کوشش کرتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان لوگوں کی یہ افواہ کذب بیانی، بہتان تراشی، بدنیتی اور بے ایمانی پر مبنی تھی۔ فرمایا: لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ۔۔ یعنی یہ لوگ اپنے دعویٰ کی سچائی پر چار گواہ کیوں نہ لے آئے اگر وہ واقعی سچے تھے۔ جب وہ گواہ نہ لا سکے تو ثابت ہو گیا کہ وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے اور بدکار ہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۖۗ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ ﴿۱۵﴾

"اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا اور آخرت میں تو پہنچتا تمہیں اس سخن سازی کی وجہ سے سخت عذاب۔ (جب تم ایک دوسرے سے) نقل کرتے تھے اس (بہتان) کو اپنی زبانوں سے اور کہا کرتے تھے اپنے مونہوں سے ایسی بات جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا۔ نیز تم خیال کرتے تھے کہ یہ معمولی بات ہے حالانکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی تھی"۔

وہ لوگ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازیبا بات اپنی زبان پر لے آئے، اللہ تعالیٰ انہیں فرما رہا ہے کہ اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور رحمت نہ ہوتی کہ وہ دنیا میں تمہاری توبہ فرما لے اور آخرت میں تمہیں تمہارے ایمان کی وجہ سے معاف کر دے تو اس بہتان تراشی کی وجہ سے تم سخت عذاب سے دوچار ہو جاتے۔ یہ آیت ان کے حق میں ہے جنہیں ایمان نصیب تھا اس وجہ سے ان کو توبہ کی قبولیت کی نوید سنائی، جیسے حضرات مسطح، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش۔ جہاں تک عبداللہ بن ابی اور اس قماش کے دوسرے منافقین کا تعلق ہے جنہوں نے اس افواہ کے پھیلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، یہ اس آیت کے حکم میں داخل نہیں کیونکہ نہ انہیں ایمان حاصل تھا اور نہ عمل صالح۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ جس برائی پر جو وعید آئی ہے وہ اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب آدمی توبہ نہ کرے یا اس کے مقابلہ میں اس جیسی یا اس سے بڑی نیکی نہ ہو۔ پھر فرمایا: اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ ۔ یعنی جب تم اس افواہ کو ایک دوسرے سے نقل کر کے پھیلا رہے تھے۔ بعض حضرات کی قراءت میں اِذْ تَلِقُوْنَهٗ ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح پڑھتیں (1) اور فرماتیں کہ یہ "وَلْقِ لِسَانٍ" سے ہے یعنی مسلسل جھوٹ بولنا۔ عربوں کا قول ہے: "وَلَقَ فَلَانٌ فِی السَّیْرِ" یعنی وہ لگا تار چلتا رہا۔ پہلی قراءت زیادہ مشہور ہے اور یہی جمہور کی قراءت ہے۔ دوسری قراءت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور آپ رضی اللہ عنہا یقیناً اس بارے میں دوسروں سے زیادہ علم رکھتی ہیں۔ فرمایا: وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ ۔ یعنی تم وہ بات کر رہے تھے جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ پھر فرمایا: وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۔۔ یعنی ام المومنین رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو ناروا باتیں تم کر رہے تھے تم تو اسے بہت معمولی اور آسان سمجھتے تھے حالانکہ اگر کسی اور عورت کا بھی معاملہ ہوتا تو بھی یہ بات معمولی نہیں تھی، اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی زوجہ محترمہ کے متعلق یہ بات معمولی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی بیوی کے بارے میں ایسی بات کرنا بہت بڑی جسارت اور بہت بڑا گناہ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ نور، جلد 8 صفحہ 482

ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت کسی نبی کی بیوی کے بارے میں ایسی بے حیائی برداشت نہیں کرتی، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ تمام انبیاء کی بیویوں کی سردار اور سید اولاد آدم کی زوجہ محترمہ اس گناہ کی مرتکب ہوتیں۔ اس لئے فرمایا: وَتَحْسَبُوْنَهٗ ۔ حدیث شریف میں ہے: "بعض اوقات انسان اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ایسا کلمہ نکال بیٹھتا ہے جس کی ضرر رسانی کا اسے اندازہ نہیں ہوتا لیکن اس کی وجہ سے اسے زمین و آسمان کی دوری سے بھی زیادہ مسافت پر جہنم کے نچلے طبقہ میں پھینک دیا جاتا ہے" (1)۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾

"اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو تم نے کہہ دیا ہوتا ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم گفتگو کریں اس کے متعلق۔ اے اللہ! تو پاک ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ نصیحت کرتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کہ دوبارہ اس قسم کی بات ہرگز نہ کرنا اگر تم ایمان دار ہو۔ اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (اپنی) آیتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے"۔

قبل ازیں حسن ظن رکھنے کا ادب سکھایا کہ جب نیک لوگوں کے متعلق کسی افواہ اور نازیبا بات کا ذکر ہو تو ان کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیے اور ایسے لوگوں کے متعلق اپنے دل میں بدگمانی کو جگہ نہیں دینی چاہیے۔ یہاں ایک اور ادب سکھایا جا رہا ہے کہ کوشش کے باوجود بھی اگر کوئی وسوسہ یا برا خیال دل میں جگہ پا لیتا ہے تو اسے زبان پر نہیں لانا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری امتی کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے درگذر فرما لیا ہے جب تک وہ زبان پر یا عمل میں نہ لائیں" (2)۔ فرمایا: وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ۔ یعنی جب تم نے اس افواہ کو سنا تھا تو سنتے ہی تمہیں کہہ دینا چاہیے تھا کہ ہمیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ہم اس بات کو اپنی زبان پر لائیں اور نہ ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم کسی کے سامنے اس کا تذکرہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کے رسول اور دوست کی بیوی کے متعلق ایسی من گھڑت باتیں کی جائیں۔ پھر فرمایا: يَعِظُكُمُ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں سختی کے ساتھ آئندہ ایسی حرکت سے منع فرماتا ہے، اسی لیے فرمایا: اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کی شریعت پر ایمان رکھتے ہو اور اس کے رسول ﷺ کی تعظیم کرتے ہو لیکن جو کفر کے ساتھ آلودہ ہے، اس کا اور حکم ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لئے شرعی احکام اور تقدیری حکمتیں واضح طور پر بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ اپنی شریعت اور قضاء وقدر میں حکیم ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

"بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو ایمان لائے ہیں (تو) ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں۔ اور اللہ تعالیٰ (حقیقت کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو"۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 125، صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2290

2۔ صحیح بخاری، جلد 8 صفحہ 168، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 81

یہ تیسری تادیب ہے کہ جو شخص کسی کے متعلق بری بات سنے، اس کے لئے بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی تشہیر اور چرچا کرتا پھرے بلکہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ لوگوں میں بے حیائی عام ہو اور لوگ ان کے پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر ان کی افواہوں پر یقین کرنے لگیں، ان کے لئے دنیا و آخرت کا دردناک عذاب ہے۔ دنیا میں حد اور آخرت میں آتش جہنم۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ یعنی تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دو، فائدہ میں رہو گے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بندگان خدا کو نہ اذیت دو، نہ انہیں عار دلاؤ اور نہ ان کی پوشیدہ باتوں کی ٹوہ میں رہو کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیب جوئی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو ظاہر کر کے اسے اپنے گھر میں ہی رسوا کر دیتا ہے" (1)۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

"اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان (اور) رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچ سکتے)۔ اے ایمان والو! نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر۔ اور جو چلتا ہے شیطان کے نقش قدم پر تو وہ حکم دیتا ہے (اپنے پیروؤں کو) بے حیائی اور ہر برے کام کا۔ اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی ہرگز۔ ہاں اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے"۔

فرمایا جا رہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا نہ ہوتا تو اس وقت اور ہی معاملہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان اور ان پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اس قضیہ سے توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول فرما لیا اور پاک ہونے والوں کو بذریعہ حد شرعی پاک کر دیا، پھر فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی اے ایمان والو! شیطان کے طریقوں اور اس کی راہوں پر چلتے ہوئے اس کے حکم کی پیروی مت کرو اور جو شخص شیطان کے نقش قدم پر چلتا ہے تو اسے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ وہ بے حیائی اور ہر برے کام کا حکم دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں نہایت فصیح و بلیغ اور مختصر عبارت کے ذریعے شیطان سے نفرت دلا کر اس کے ہتھکنڈوں، وسوسوں اور چالوں سے خبردار کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خطوات الشیطان (شیطانی قدم) سے مراد شیطانی اعمال ہیں۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شیطانی وسوسے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ہر معصیت اس میں داخل ہے۔ ابومجلز کہتے ہیں کہ نافرمانی کے کاموں میں نذریں ماننا اس میں شامل ہے۔ حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ میں نے فلاں چیز کھانا حرام کر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان کی انگیخت ہے۔ اپنی قسم کا کفارہ دو اور اسے کھاؤ (2)۔ ایک آدمی نے شعبی سے کہا کہ میں نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شیطانی بہکاوا ہے۔ ایسا مت کرو بلکہ اس کے عوض ایک مینڈھا ذبح کر دو۔ ابورافع کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میرا اپنی بیوی سے جھگڑا

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 279

2۔ مستدرک حاکم، کتاب تفسیر، جلد 2 صفحہ 315-316

ہو گیا۔ وہ فرط غضب سے کہنے لگی کہ وہ ایک دن یہودیہ ہے، ایک دن نصرانیہ ہے اور اس کے تمام غلام آزاد ہیں اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ شیطانی حرکت ہے۔ حضرت زینب بنت ام سلمہ نے بھی یہی فتویٰ دیا اور یہ اس وقت سب سے زیادہ دینی سمجھ بوجھ رکھنے والی تھیں۔ حضرت عاصم بن عمر سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا(1)۔ پھر فرمایا: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ ۔۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا نہ فرمائے اور نہ نفوس کو شرک، برے اخلاق اور دیگر آلودگیوں سے پاک رکھے تو نہ پاکیزگی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ خیر لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے پاک فرما دیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کر کے گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا ہے اور یہ جاننے والا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۪ۖ وَ لْیَعْفُوْا وَ لْیَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

”اور نہ قسم کھائیں جو برگزیدہ ہیں تم میں سے اور خوش حال ہیں اس پر کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں اور مسکینوں کو اور راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو۔ اور چاہیے کہ (یہ لوگ) معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تعالیٰ تمہیں اور اللہ غفور رحیم ہے“۔

فرمایا جا رہا ہے کہ تم میں سے صدقہ و احسان کرنے والے صاحب ثروت اور خوشحال لوگ اس بات کی قسم نہ کھا لیں کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں، مسکینوں اور مہاجروں کو کچھ نہیں دیں گے۔ اس آیت میں انتہائی لطف و کرم پر مبنی صلہ رحمی کا درس دیا جا رہا ہے، اس لئے فرمایا: وَلْیَعْفُوْا ۔ یعنی انہیں چاہیے کہ ان کی بدسلوکی اور اذیت رسانی سے صرف نظر کرتے ہوئے عفو و درگزر سے کام لیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم اور لطف و احسان ہے کہ وہ اپنے بندوں سے درگزر فرماتا ہے باوجود اس کے کہ وہ اپنے اوپر ظلم ڈھاتے ہیں۔ یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب آپ نے مسطح بن اثاثہ کی مالی امداد سے ہاتھ کھینچ لینے کی قسم اٹھائی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں وہ بھی شامل تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا حکم نازل کر دیا، مومن نفوس مطمئن اور پرسکون ہو گئے، اس تہمت میں شریک مسلمانوں کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور بعض پر شرعی حد کا نفاذ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے قریبی رشتہ دار حضرت مسطح بن اثاثہ کی طرف مائل کیا۔ یہ آپ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ ان کی مالی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ان کا واحد سہارا تھے جو انہیں مالی تعاون فراہم کرتے تھے۔ یہ مہاجرین میں سے تھے۔ لغزش کھا بیٹھے اور تہمت لگانے والوں میں شریک ہو گئے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرما لیا اور ان پر حد لگی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سخاوت مشہور تھی۔ آپ ہر ایک کے ساتھ خواہ وہ رشتہ دار ہوتا یا اجنبی، حسن سلوک سے پیش آتے، ان کی ضروریات کا خیال رکھتے اور ان پر دل کھول کر خرچ کرتے۔ جب یہ آیت اتری: اَلَا تُحِبُّوْنَ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہاں، بخدا! ہم چاہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو ہماری بخشش فرما۔ اس ارشاد سے یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ جیسا عمل ہو گا ویسی ہی اس کی جزا

1۔ ان آثار کی تخریج کے لئے۔ دیکھئے تفسیر سورۃ البقرۃ:168

ہوگی۔جس طرح تم کسی کی غلطی سے درگذر کرو گے، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں سے درگذر فرمائے گا۔اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت مسطح کا وظیفہ جاری کر دیا اور فرمایا کہ میں اس کی ناروا حرکت کے باوجود اس کی مالی امداد نہیں روکوں گا، واقعی صدیق صدیق تھے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾

''جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر جو انجان ہیں ایمان والیاں ہیں ان پر پھٹکار ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔وہ یاد کریں اس دن کو جب گواہی دیں گی ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان اعمال پر جو وہ کیا کرتے تھے۔اس روز پورا پورا دے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کا بدلہ جس کے وہ حقدار ہیں اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہر بات واضح کرنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو وعید سنائی جارہی ہے جو پاکدامن بھولی بھالی ایماندار عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں۔
جب عام مسلمان عورتوں کے متعلق یہ حکم نازل فرمایا تو نیک فطرت اور عفت شعار امہات المومنین بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہیں خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن کی وجہ سے اس ارشاد کا نزول ہوا۔تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہتا ہے اور یہ تہمت لگاتا ہے وہ کافر ہے کیونکہ اس نے قرآن کریم کی مخالفت کی اور اگر کوئی باقی امہات المومنین کے بارے میں ایسی باتیں کرتا ہے تو اس کے بارے میں دو قول ہیں جن میں سے صحیح قول یہی ہے کہ وہ بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی ہی ہیں اور سب کا حکم یکساں ہے۔فرمایا: لُعِنُوا اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۔ (الاحزاب:57) ''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے اور اس نے ان کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے''۔بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ آیت صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خاص ہے۔حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر اور مقاتل بن حیان کا یہی کہنا ہے کہ یہ آیت إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہی نازل ہوئی۔ابن جریر نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ نقل کیا ہے۔آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مجھ پر تہمت لگی تو میں بالکل انجان اور لاعلم تھی۔اس کے بعد مجھے معلوم ہوا۔رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے کہ آپ پر نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے۔جب آپ پر وحی اترتی تھی تو آپ پر نیند کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔اختتام وحی پر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور اپنے چہرہ کو پونچھتے ہوئے فرمانے لگے: ''اے عائشہ! تمہیں خوشخبری ہو''میں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے نہ کہ آپ کا۔پھر آپ نے ان آیات إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ رِزْقٌ كَرِيمٌ کی تلاوت کی(2)۔یہ روایت اسی طرح ہے لیکن اس میں اس بات کا ذکر نہیں کہ یہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخصوص ہے اگرچہ اس کا نزول آپ ہی کے متعلق ہے لیکن حکم عام ہے اور شاید حضرت ابن عباس اور آپ کے ہم خیال حضرات کی مراد بھی یہی ہو۔ضحاک، ابوالجوزاء اور سلمہ بن نبیط کا قول ہے کہ اس سے مراد

1۔تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 103-104
2۔تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 105

صرف حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں۔ باقی مومن عورتیں اس میں شامل نہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس آیت سے مراد نبی کریم ﷺ کی ازواج ہیں جن پر اہل نفاق نے تہمت لگائی۔ اس کی پاداش میں یہ منافق اللہ تعالیٰ کی لعنت، غضب اور ناراضگی کے مستحق ٹھہرے، اس کے بعد مومن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانے والوں کے متعلق فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا - فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اس میں حد قذف اور توبہ کا حکم نازل ہوا، توبہ تو قبول ہو جائے گی لیکن گواہی مردود رہے گی (1)۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سورہ نور کی تفسیر بیان کرتے ہوئے جب اس آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ پر پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات کے متعلق نازل ہوئی۔ ان پر تہمت لگانے والوں کی توبہ بھی مقبول نہیں۔ اس آیت میں ابہام ہے۔ پھر آپ نے اس آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ ان کے لئے توبہ کی گنجائش ہے یعنی عام مومن عورتوں پر تہمت لگانے والوں کی توبہ مقبول ہے لیکن حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات پر بہتان باندھنے والوں کے لئے کوئی توبہ نہیں۔ یہ عمدہ تفسیر سن کر بعض حاضرین نے ارادہ کیا کہ آپ کی پیشانی چوم لیں (2)۔ آپ نے جو یہ فرمایا کہ اس آیت میں ابہام ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر پاکدامن عورت پر تہمت لگانے کی حرمت میں یہ آیت عام ہے اور ایسے شخص کے لئے جو جھوٹی تہمت لگاتا ہے، دنیا و آخرت کی لعنت ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس سے مراد ساری مسلمان عورتیں ہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بطریق اولیٰ اس میں داخل ہیں (3)۔ ابن جریر نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "سات مہلک گناہوں سے بچو"۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! وہ کون کون سے ہیں؟ فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، کسی بے گناہ کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدان جہاد سے بھاگنا اور پاکدامن انجان مومن عورتوں پر تہمت لگانا" (4)۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "پاکباز عورت پر بدکاری کی تہمت لگانا سو سال کے اعمال برباد کر دیتا ہے" (5)۔ اس کے بعد فرمایا: يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب مشرکین دیکھیں گے کہ جنت میں سوائے نمازیوں کے اور کوئی داخل نہیں ہوتا تو وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ آؤ ہم بھی انکار کر دیں۔ چنانچہ جب وہ اپنے شرک کا انکار کرنے لگیں گے تو ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے اور وہ کوئی بات اللہ سے چھپا نہیں سکیں گے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: "قیامت کے دن کافر اپنے اعمال پہچاننے کے باوجود انکار کر دیں گے اور جھگڑنے لگیں گے۔ انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہیں تمہارے پڑوسی جو تمہارے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ وہ کہیں گے کہ یہ سب جھوٹے ہیں۔ پھر کہا جائے گا کہ تمہارے خاندان اور قبیلے والے؟ وہ کہے گا کہ وہ بھی جھوٹے ہیں۔ اس کے بعد انہیں کہا جائے گا کہ قسمیں کھاؤ۔ پس وہ قسمیں کھالیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں گونگا کر دے گا تو ان کے ہاتھ اور ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی پھر انہیں جہنم میں داخل کر دیا جائے گا" (6)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 104 2۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 12، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 64

3۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 168 4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 105

5۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2280-2281، سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 1 صفحہ 249 6۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 106

آپ ہنس دیے پھر فرمایا: "کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کیوں ہنسا؟" ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس جھگڑے کی وجہ سے جو بندہ اپنے رب سے کرے گا، وہ کہے گا: اے پروردگار! کیا تو نے مجھے ظلم سے نہیں روکا تھا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں۔ وہ کہے گا کہ آج میں اپنے بارے میں سوائے اپنے کسی اور گواہ کو نہیں چھوڑتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر یونہی سہی، آج تو ہی اپنا گواہ ہوگا اور کراماً کاتبین بھی تیرے گواہ ہوں گے۔ چنانچہ اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء سے کہا جائے گا کہ بولو تو وہ اس کے ایک ایک عمل سے پردہ اٹھا دیں گے۔ اس وقت بندہ کہے گا کہ تم غارت اور برباد ہو جاؤ۔ تمہاری خاطر ہی تو میں جھگڑ رہا تھا" (5)۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! تیرے جسم کے اعضا تم پر ایسے گواہ ہیں جو تہمت سے بالاتر ہیں، ان کا خیال رکھو اور ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ اس کے سامنے اندھیرا بھی روشنی ہے اور چھپا ہوا بھی اس کے سامنے ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے مرو۔ اللہ ہی کے ساتھ ہر قسم کی قوت ہے۔ فرمایا: یَوۡمَئِذٍ یُّوَفِّیۡہِمُ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں بھی "دِیۡنَہُمُ" کا لفظ آیا ہے، اس کا معنی حساب ہے۔ جمہور کے نزدیک لفظ حق منصوب ہے کیونکہ یہ "دینهم" کی صفت ہے (1)۔ مجاہد نے لفظ جلالت کی صفت بناتے ہوئے اسے مرفوع پڑھا ہے (7)۔ مصحف ابی بن کعب میں یوں ہے: "یَوۡمَئِذٍ یُّوَفِّیۡہِمُ اللّٰہُ الۡحَقُّ دِیۡنَہُمُ" (2)۔ فرمایا: وَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰہَ یعنی وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ، وعید اور حساب عین عدل ہے جس میں ظلم و جور کا شائبہ تک نہیں۔

اَلۡخَبِیۡثٰتُ لِلۡخَبِیۡثِیۡنَ وَ الۡخَبِیۡثُوۡنَ لِلۡخَبِیۡثٰتِ ۚ وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیۡنَ وَ الطَّیِّبُوۡنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوۡنَ مِمَّا یَقُوۡلُوۡنَ ؕ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ﴿۲۶﴾

"ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے ہیں اور پاک (دامن) عورتیں پاک (دامن) مردوں کے لئے اور پاک (دامن) مرد پاک (دامن) عورتوں کے لئے ہیں۔ یہ مبرا ہیں ان (تہمتوں) سے جو وہ (ناپاک) لگاتے ہیں۔ ان کے لئے ہی (اللہ کی) بخشش ہے اور عزت والی روزی ہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ خبیث باتیں خبیث لوگوں کے لئے اور خبیث لوگ خبیث باتوں کے لئے ہیں۔ پاکیزہ باتیں پاکیزہ لوگوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ لوگ پاکیزہ باتوں کے لئے۔ یہ آیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور آپ پر بہتان لگانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی جس میں یہ واضح کر دیا کہ بری کلام کے مستحق برے لوگ ہی ہیں اور اچھی کلام کے مستحق اچھے لوگ ہی ہیں۔ اہل نفاق نے جو تہمت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی تھی، دراصل وہی اس کے سزاوار ہیں اور آپ رضی اللہ عنہا کا دامن عصمت اس سے بالکل صاف اور پاک ہے، اس لئے فرمایا: اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوۡنَ مِمَّا یَقُوۡلُوۡنَ۔ حضرت عبدالرحمن بن زید اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کیلئے اور پاکدامن عورتیں پاکدامن مردوں کیلئے اور پاکدامن مرد پاکدامن عورتوں کے لئے ہیں۔ اس تفسیر سے بھی وہی معنی لازم آتا ہے جس کا پہلے ذکر ہوا یعنی یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ غیر طیب ہو۔ چونکہ آپ ہر پاکباز سے زیادہ پاکباز ہیں اس لئے ضروری ہے کہ آپ کی زوجہ بھی پاکباز ہی ہو ورنہ وہ کسی صورت میں بھی آپ ﷺ کی زوجیت میں نہیں آ سکتی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ برداشت کرتی ہے کہ نبی کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 106، المحتسب از ابن جنی، جلد 2 صفحہ 107

2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 106

بیوی کا دامن اس قسم کی چیز سے آلودہ ہو، اس لئے فرمایا: اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ یعنی یہ بہتان تراشنے والے ظالموں کی باتوں سے مبرا اور بہت بعید ہیں۔ ان کے بارے میں جو کذب بیانی کی گئی ہے اس کے باعث ان نفوس قدسیہ کے لئے بخشش اور جنت میں عزت والی روزی ہے۔ اس میں یہ وعدہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ جنتی ہیں۔ حضرت اسیر بن جابر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں نے آج ولید بن عقبہ سے بڑی عمدہ کلام سنی ہے۔ حضرت عبداللہ فرمانے لگے کہ مومن آدمی کے دل میں ایک اچھی بات ہوتی ہے۔ وہ دل میں جاگزیں ہونے کے بعد اس کے سینے میں آجاتی ہے یہاں تک کہ وہ اسے اپنی زبان سے بیان کر دیتا ہے تو اچھا آدمی اسے اخذ کر کے اپنے دل میں جگہ دیتا ہے۔ اسی طرح برے آدمی کے دل کی بری بات اس کے سینے سے ہوتی ہوئی اس کی زبان پر آجاتی ہے، برا آدمی اسے سن کر اپنے دل میں محفوظ کر لیتا ہے، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی (1)۔ اسی طرح کی ایک حدیث ہے: ''جو شخص حکمت کی باتیں سنے، پھر وہ ایسی بات بیان کرے جو سب سے زیادہ خراب ہو، اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو کسی بکریوں والے کے پاس آیا اور اس سے ایک بکری مانگی۔ اس نے کہا کہ جاؤ اور ریوڑ میں سے جو بکری تمہیں پسند ہو، لے لو۔ وہ گیا اور ریوڑ کے کتے کا کان پکڑ کر لے گیا'' (2)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ''حکمت مومن کی گمشدہ دولت ہے، جہاں وہ اسے پائے لے لے'' (3)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو (دوسروں کے) گھروں میں اپنے گھروں کے سوا، جب تک تم اجازت نہ لے لو اور سلام نہ کر لو ان گھروں میں رہنے والوں پر۔ یہی بہتر ہے تمہارے لئے، شاید تم (اس کی حکمتوں میں) غور و فکر کرو۔ پھر اگر نہ پاؤ ان گھروں میں کسی کو (جو تمہیں اجازت دے) تو نہ داخل ہو ان میں حتی کہ اجازت دی جائے تمہیں۔ اور اگر کہا جائے تمہیں کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ۔ یہ (طرز معاشرت) بہت پاکیزہ ہے تمہارے لئے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے۔ کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم داخل ہو ایسے گھروں میں جن میں کوئی آباد نہیں، جن میں تمہارا سامان رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو شرعی آداب سکھا رہا ہے کہ وہ اجازت مانگے اور سلام کئے بغیر دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوں۔ تین مرتبہ اذن طلب کرنا چاہیے، اگر اذن مل جائے تو بہتر ورنہ واپس لوٹ آئے جیسا کہ روایت میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور تین دفعہ اجازت مانگی۔ جب اجازت نہ ملی تو واپس لوٹ آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 168
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1397-1396، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 353
3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب العلم، جلد 10، صفحہ 159، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1359

تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ کیا عبداللہ بن قیس کی آواز نہیں تھی جو اذن طلب کر رہے تھے، جاؤ اور انہیں بلا لاؤ لیکن وہ جا چکے تھے۔ دوبارہ جب حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ تم واپس کیوں چلے گئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تین مرتبہ اجازت مانگی لیکن مجھے اجازت نہ ملی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اگر تم میں سے کوئی تین مرتبہ اذن طلب کرے لیکن اسے اذن نہ ملے تو وہ واپس لوٹ جائے''۔ حضرت عمر فرمانے لگے کہ اس پر گواہ پیش کرو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ انصار کے ایک مجمع میں گئے اور ان کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات کا تذکرہ کیا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ بات تو سبھی جانتے ہیں۔ ہم میں سے سب سے چھوٹا تمہارے ساتھ جا کر گواہی دے آئے گا۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس حدیث کی صحت کی گواہی دی۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ افسوس کرتے ہوئے کہنے لگے کہ بازاروں کے لین دین نے مجھے اس مسئلہ سے غافل رکھا(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ سے اجازت مانگتے ہوئے فرمایا: ''السلام علیک ورحمۃ اللہ''۔ حضرت سعد نے چپکے سے وعلیک السلام ورحمۃ اللہ کہا جسے حضور ﷺ نہ سن سکے۔ تین بار ایسا ہی ہوا۔ جب آپ ﷺ واپس جانے لگے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں نے آپ کے ہر سلام کو سنا اور جواب بھی دیا لیکن اونچی آواز میں جواب اس لئے نہیں دیا تا کہ آپ کے زیادہ سلام فرمانے سے مجھے زیادہ برکت حاصل ہو۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو اپنے گھر میں لے آئے اور کشمش پیش کی۔ آپ نے اسے تناول فرمایا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا: ''نیک لوگوں نے تمہارا کھانا کھایا، فرشتوں نے تم پر رحمت بھیجی اور روزہ داروں نے تمہارے ہاں افطاری کی''(2)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کے بیٹے حضرت قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے اور فرمایا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ''۔ حضرت سعد نے آہستہ سے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا کہ کیا آپ رسول اللہ ﷺ کو اجازت نہیں دیں گے؟ انہوں نے فرمایا: ٹھہرو، حضور ﷺ کو زیادہ سے زیادہ سلام کر لینے دو۔ دوسری مرتبہ حضور ﷺ کے سلام فرمانے پر بھی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دھیمی سی آواز سے سلام کا جواب دیا، پھر تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ تیسری دفعہ بھی اذن نہ ملنے پر رسول اللہ ﷺ جب واپس تشریف لے جانے لگے تو حضرت سعد آپ ﷺ کے پیچھے لپکے اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کے سلام سن رہا تھا اور جواب بھی دے رہا تھا لیکن چپکے چپکے، اس کا مقصد یہ تھا کہ حضور ﷺ مجھے بار بار سلام فرمائیں اور مجھے اس کی برکت حاصل ہو۔ چنانچہ حضور ﷺ حضرت سعد کے ساتھ واپس ان کے گھر تشریف لے آئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کہنے پر آپ ﷺ نے غسل فرمایا۔ اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے زعفران یا ورس سے رنگی ہوئی ایک چادر آپ کی خدمت میں پیش کی جسے آپ نے جسم مبارک سے لپیٹ لیا، پھر اپنے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی: ''اے اللہ! سعد بن عبادہ کی آل پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما''۔ پھر آپ ﷺ نے کچھ کھانا تناول فرمایا۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لے جانے لگے تو حضرت سعد اپنے دراز گوش پر پالان کس لائے اور حضور ﷺ کو سواری کیلئے پیش کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ اس پر سوار ہو گئے۔ حضرت سعد نے فرمایا: اے قیس! حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ جاؤ۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا کہ تم بھی سوار ہو جاؤ لیکن میں نے معذرت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، جلد 8 صفحہ 67۔ صحیح مسلم، کتاب الآداب، جلد 3 صفحہ 1694-1696
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 138

تو سوار ہو جاؤ یا پھر واپس چلے جاؤ"۔ چنانچہ میں واپس چلا آیا(1)۔ اجازت طلب کرنے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اجازت مانگنے والا دروازے کے بالکل سامنے نہیں بلکہ دروازے سے دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو دروازے کے بالکل سامنے نہ کھڑے ہوتے، بلکہ دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو کر اسلام علیکم السلام علیکم کہتے، کیونکہ اس وقت دروازوں پر پردے لٹکانے کا رواج نہیں تھا(2)۔ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے گھر کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اجازت طلب کرنے لگا تو آپ ﷺ نے اسے تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح دائیں یا بائیں کھڑے ہو کر اجازت مانگا کرو۔ اجازت اسی لئے مقرر کی گئی ہے تا کہ نظر نہ پڑے(3)۔ ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اگر کوئی شخص تیرے گھر میں تیری اجازت کے بغیر جھانکنے لگا اور تو نے کنکر مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دی تو تجھے کوئی گناہ نہیں ہوگا"(4)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے والد مرحوم کے قرض کی ادائیگی کی فکر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے کہا: میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں میں۔ گویا ایسا کہنا آپ کو ناگوار گذرا(5)۔ اور بات بھی ایسے ہی ہے کیونکہ نام یا کنیت ظاہر کئے بغیر صرف میں کہنے سے تو پتہ نہیں چلتا کہ کون ہے۔ "میں" تو ہر شخص اپنے لئے کہہ سکتا ہے، اس لئے صرف "میں" کہہ کر اجازت طلب کرنے سے وہ مقصود حاصل نہیں ہوتا جس کا حکم آیت کریمہ میں دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "استئناس" کا معنی ہے اذن طلب کرنا اور آیت کریمہ میں "تَسْتَاْنِسُوْا" کی بجائے "تَسْتَاْذِنُوْا" کا لفظ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "تَسْتَاْنِسُوْا" کاتبوں کی غلطی ہے۔ لیکن یہ قرأت غریب ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں یہ ہے: "حَتّٰی تُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَہْلِہَا وَ تَسْتَاْذِنُوْا"۔ یہ قرأت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے(6)۔ ایک مرتبہ صفوان بن امیہ نے کلدہ بن حنبل کو نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا۔ آپ ﷺ اس وقت وادی کی بالائی طرف تھے۔ کلدہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نہ میں نے سلام کیا اور نہ ہی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "واپس جاؤ اور کہو اسلام علیکم کیا میں حاضر ہو جاؤں"(7)۔ اس وقت صفوان رضی اللہ عنہ اسلام لا چکے تھے۔ قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص آپ ﷺ کے گھر آیا اور اجازت طلب کرتے ہوئے کہنے لگا کہ کیا میں اندر آ جاؤں؟ نبی کریم ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا: "باہر جاؤ اور اس شخص کو اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھاؤ، اسے بتاؤ کہ یوں کہا کرو: السلام علیکم، کیا میں آ سکتا ہوں"۔ اس شخص نے جب یہ بات سنی تو اسی طرح کہنے لگا: السلام علیکم، کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور وہ اندر آ گیا(8)۔ اسی طرح ایک مرتبہ جب ایک آدمی نے بغیر سلام کئے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو نبی کریم ﷺ نے اپنی روضہ نامی باندی سے فرمایا: "جاؤ، اسے اذن طلب کرنے کی تعلیم دو، اسے اذن طلب کرنے کا طریقہ معلوم نہیں، اسے بتاؤ کہ یوں کہا کرے: السلام علیکم، کیا میں اندر داخل ہو سکتا ہوں"۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 348-347

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 341

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 344

4۔ صحیح بخاری، کتاب الدیات، جلد 9، صفحہ 13، صحیح مسلم، کتاب الآداب، جلد 3 صفحہ 1699

5۔ صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، جلد 8، صفحہ 68، صحیح مسلم، کتاب الآداب، جلد 3، صفحہ 1697

6۔ تفسیر طبری، جلد 18 سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 109-110، 112

7۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 344، مسند احمد، جلد 13 صفحہ 414 وغیرہ

8۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 345

اس آدمی نے جب یہ سنا تو اس طریقہ سے اجازت مانگی۔ چنانچہ آپ نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی(1)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ ﷺ نے فرمایا: "پہلے سلام، پھر کلام"(2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ قضائے حاجت سے واپس آرہے تھے، شدید گرمی کے باعث آپ ایک قریشی عورت کے خیمے پر آئے اور فرمایا: السلام علیکم، کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ عورت نے جواب دیا کہ سلامتی کے ساتھ آجاؤ۔ آپ نے پھر ایسا کہا تو اس نے بھی وہی جواب دہرا دیا۔ آپ کے پاؤں جل رہے تھے، کبھی آپ اس قدم پر سہارا لیتے اور کبھی اس قدم پر۔ آپ نے فرمایا یوں کہو کہ داخل ہوجاؤ۔ اس نے کہا داخل ہوجاؤ تو آپ اندر داخل ہوگئے۔ ام ایاس بیان کرتی ہیں کہ ہم چار عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کرتے ہوئے کہا کہ کیا ہم اندر آجائیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، تم میں سے جو اذن طلب کرنے کا طریقہ جانتی ہے، وہ اذن طلب کرے تو ایک عورت نے السلام علیکم کے بعد کہا کہ کیا ہم آجائیں؟ آپ نے انہیں اجازت دے دی اور یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنی ماؤں اور بہنوں کے پاس جاتے ہوئے بھی اجازت طلب کیا کرو۔ ایک انصاری عورت نے عرض کی: یارسول اللہ! میں بسا اوقات گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ مجھے اس حالت میں کوئی دیکھے یہاں تک کہ اگر میرا والد یا بیٹا بھی ہو تو بھی مجھے ان کا آنا اچھا نہیں لگتا لیکن میرے اہل خانہ سے کوئی نہ کوئی مرد اس حالت میں بھی میرے پاس آتا رہتا ہے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین آیات ایسی ہیں جن پر لوگوں نے عمل ترک کر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات: 13) لیکن لوگ کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ خوشحال ہو۔ لوگوں نے ادب کی آیات کو بھی نظر انداز کر رکھا ہے۔ حضرت عطاء بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا میں اپنی ان یتیم بہنوں سے بھی اجازت مانگوں جو میری کفالت میں میرے ساتھ ایک ہی گھر میں رہ رہی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے دوبارہ پھر سوال کیا تاکہ رخصت کی کوئی صورت نکل آئے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم انہیں برہنہ دیکھنا پسند کرتے ہو؟ میں نے کہا: نہیں تو آپ نے فرمایا پھر اذن طلب کیا کرو۔ میں نے ایک بار پھر یہ مسئلہ آپ کے سامنے رکھا تو آپ فرمانے لگے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا پسند کرتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں، تو آپ نے فرمایا پھر اجازت مانگا کرو۔ حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ محرم عورت کی شرمگاہ پر نظر پڑنے سے زیادہ بری چیز میرے نزدیک کوئی نہیں۔ آپ اس معاملہ میں بہت سخت تھے۔ حضرت عطاء سے پوچھا گیا کہ اپنی بیوی کے پاس جاتے ہوئے بھی اذن ضروری ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں(4)۔ لیکن اسے عدم وجوب پر محمول کیا جائے گا یعنی بیوی سے اذن طلب کرنا ضروری نہیں، البتہ بہتر یہی ہے کہ اطلاع کی جائے اور اچانک آدھمکنے سے احتراز کیا جائے کیونکہ ممکن ہے وہ ایسی حالت میں ہو جس میں وہ نہ چاہتی ہو کہ اس کا خاوند اسے دیکھے۔ حضرت زینب زوجہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ جب حضرت عبداللہ گھر آتے تو دروازہ پر پہنچ کر کھنکارتے اور تھوکتے یا کسی سے بلند آواز کے ساتھ باتیں کرتے کیونکہ آپ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ اچانک کسی ناپسندیدہ چیز پر نظر پڑ جائے(5)۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ کھنکار لیا کرو یا تھوک دیا کرو(6)۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو اس کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 110
2۔ ۔ رضتہ الاحوذی، ابواب الاستدان، جلد 10 صفحہ 173-174
3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 110-111
4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 111-112
5۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 112
6۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 111

لیے مستحب ہے کہ وہ کھانسنے یا جوتوں کی آہٹ سے انہیں خبردار کردے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت بغیر اطلاع کے اپنے گھر آنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں گھر والوں کی خیانت کے تجسس کا شائبہ ہے(1)۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ صبح کے وقت سفر سے واپس آئے اور مدینہ شریف سے باہر ہی ٹھہرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا: "انتظار کرو یہاں تک کہ ہم شام کے وقت گھروں میں داخل ہوں گے تاکہ جن عورتوں کے خاوند غائب ہیں، انہیں ان کی آمد کی اطلاع ہو جائے اور وہ اپنی صفائی ستھرائی کر لیں"(2)۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ سلام تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "آدمی سبحان اللہ یا اللہ اکبر یا الحمدللہ کہہ کر یا کھنکار کر گھر والوں کو اپنی آمد کی اطلاع دے"(3)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ قتادہ اس فرمان "تستانسوا" کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے تین دفعہ اذن طلب کرنا۔ جسے اذن نہ ملے اسے واپس لوٹ جانا چاہیے۔ پہلی دفعہ اذن طلب کرے تاکہ گھر والے سن لیں، دوسری دفعہ، وہ محتاط ہو جائیں اور تیسری دفعہ اذن طلب کرنے پر وہ چاہیں تو اذن دے دیں اور اگر چاہیں تو واپس لوٹا دیں۔ اجازت نہ ملے تو دروازے پر نہیں کھڑا رہنا چاہیے کیونکہ لوگوں کی اپنی مجبوریاں، ضروریات اور مصروفیات ہوتی ہیں۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جب ایک آدمی دوسرے سے ملتا تو اسے سلام نہ کرتا بلکہ یہ کہتا: حُيِّيْتَ صَبَاحًا (صبح بخیر) اور حُيِّيْتَ مَسَاءً (شب بخیر)۔ یہی ان کا آپس میں سلام تھا اور جب ان میں سے کوئی دوسرے کے گھر جاتا تو بغیر اجازت مانگے اس کے گھر جاتا اور صرف اتنا کہہ دیتا میں آ گیا ہوں۔ صاحب خانہ کو یہ چیز گراں گذرتی کیونکہ بسا اوقات وہ اپنے گھر میں ایسی حالت میں ہوتا کہ اس کا آنا اسے ناگوار گذرتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ برے طریقے تبدیل کر کے ایسا اچھا دستور مقرر کیا جو نہایت پاکیزہ اور مفید ہے۔ مقاتل کا یہ قول بہت عمدہ ہے، اسی لیے فرمایا: ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی طلب اذن طرفین (اذن طلب کرنے والے اور گھر والوں) کیلئے بہتر ہے۔ پھر فرمایا: فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا۔ یعنی اگر کسی کو گھر میں نہ پاؤ جو تمہیں اجازت دے تو بغیر اجازت کے داخل نہ ہو کیونکہ یہ دوسرے کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف ہے جو یقیناً ناجائز ہے۔ یہ تو اس کی مرضی پر موقوف ہے کہ اگر وہ چاہے تو اجازت دے اور اگر نہ چاہے تو نہ دے اور اگر اذن طلب کرنے سے پہلے یا بعد میں واپس لوٹ جانے کے لئے کہہ دے تو واپس لوٹ جاؤ۔ تمہارا واپس لوٹنا تمہارے لئے زیادہ موزوں اور پاکیزگی کا باعث ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ کسی مہاجر صحابی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ ساری عمر اس بات کی خواہش رہی کہ اس آیت پر عمل کرنے کا موقع مل جائے، کبھی ایسا موقع میسر نہیں آیا کہ کسی سے اجازت طلب کرنے پر اس نے کہا ہو کہ واپس چلے جاؤ تاکہ میں خوشی سے واپس چلا جاتا(4)۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اگر اجازت نہ ملے تو دروازے پر نہ کھڑے رہو۔ پھر فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ ... یہ آیت کریمہ پہلی آیت سے خاص ہے کیونکہ اس میں ان گھروں میں بغیر اذن کے بھی داخل ہونے کا جواز ہے جن میں کوئی آباد نہیں ہوتا اور وہاں اس کا کوئی سامان وغیرہ ہو، مثلاً مہمان خانہ یہاں اگر پہلی بار اجازت مل گئی تو وہی کافی ہے، ہر بار اجازت کی ضرورت نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت پہلی آیت سے استثناء ہے(5)۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد سرائیں، مسافر خانے اور دوکانیں وغیرہ ہیں لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس سے مراد خیمے ہیں۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 9 صفحہ 339، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1528
2۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 9 صفحہ 343، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1527
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1221
4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 113، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 176
5۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 115

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰

''آپ حکم دیجئے مومنوں کو کہ وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی۔ یہ (طریقہ) بہت پاکیزہ ہے ان کے لئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کاموں سے جو وہ کیا کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ان چیزوں سے نگاہ نیچی رکھنے کا حکم فرما رہا ہے جن کا دیکھنا اس نے حرام قرار دیا ہے، اس لئے نگاہ صرف ان چیزوں پر ڈالنی چاہیے جنہیں دیکھنا مباح ہے اور محارم کی طرف نظر دوڑانے سے بچنا چاہیے۔ اگر اتفاق سے نادانستہ نظر پڑ جائے تو فوراً اس سے نظر کو پھیر لینا چاہیے جیسا کہ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے کسی اجنبیہ عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کی بابت دریافت کیا تو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ نگاہ فوراً ہٹا لیا کرو(1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نگاہ جھکا لیا کرو۔ نگاہ پھیر لینا جھکانے کی نسبت عام ہے کیونکہ اس میں نگاہ کو زمین کی طرف جھکانا بھی شامل ہے اور کسی دوسری طرف کر لینا بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے علی! ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو، پہلی معاف ہے لیکن دوسری پر مواخذہ ہے''(2)۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''راستوں پر بیٹھنے سے بچو۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمیں یہاں بیٹھنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، ہم تو یہاں باتیں کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم یہاں بیٹھنے پر مصر ہو تو راستے کو اس کا حق دو۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! راستے کا کیا حق ہے؟ فرمایا: نگاہ نیچی رکھنا، ایذا رسانی سے باز رہنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا''(3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں، جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے، جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت نہ کرے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی نہ کرے، اپنی نگاہیں نیچی رکھو، اپنے ہاتھوں کو روکو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو''(4)۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا: ''جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت دے کہ جو اس کے جبڑوں کے درمیان (زبان) ہے اور جو اس کی ٹانگوں کے درمیان ہے، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں''(5)۔ حضرت عبیدہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ کام گناہ کبیرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا موجب بنے۔ اللہ تعالیٰ نے دو طرفوں کا ذکر فرمایا۔ نظر چونکہ دل کے فساد کا سبب ہے اس لئے اسے نیچے رکھنے کا حکم دیا جیسا کہ بعض سلف کا کہنا ہے کہ نظر دل کے لئے زہریلا تیر ہے۔ نگاہیں جو شہوانی جذبات کو مشتعل کرنے کی محرکات ہیں جس طرح انہیں نیچا رکھنے کا حکم دیا، اسی طرح شرمگاہوں کی حفاظت کا بھی حکم دیا۔ شرمگاہ کی حفاظت کبھی تو زنا سے اجتناب کرنے سے ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (المعارج:29) اور کبھی نگاہ کو محفوظ رکھنے کے باعث جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو بجز اپنی بیوی اور اپنی لونڈی کے''(6)۔ فرمایا: ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ یعنی یہ کہ ان کے دلوں کے لئے پاکیزگی اور ان کے دین کے لئے تقویٰ کا باعث ہے جیسا کہ کہا گیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الآداب، جلد 3 صفحہ 1699-1700، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 246، وغیرہ

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 246، عارضۃ الاحوذی، ابواب الادب، جلد 10 صفحہ 229

3۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، جلد 3 صفحہ 173، صحیح مسلم، کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 1675 4۔ معجم کبیر، جلد 8 صفحہ 314

5۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 125 6۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحمام، جلد 4 صفحہ 40-41، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 3-4، وغیرہ

ہے: جس نے اپنی نظر کی حفاظت کی، اللہ تعالیٰ اسے نورِ بصیرت عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس مسلمان کی کسی عورت کے محاسن پر نظر پڑ جائے، پھر وہ اپنی نگاہ نیچی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اسے ایسی عبادت عطا فرماتا ہے جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں پاتا ہے''(1)۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے ہی مرفوعاً مروی ہے: ''تمہیں اپنی نگاہیں نیچی رکھنا ہوں گی، تمہیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا ہوگی اور تمہیں اپنے چہرے سیدھے رکھنا پڑیں گے ورنہ تمہارے چہرے بگڑ جائیں گے''(2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث قدسی میں فرمایا: ''نظر شیطان کے تیروں میں سے زہر آلود تیر ہے، جو اسے میرے خوف سے ترک کرتا ہے، میں اسے اس کے بدلہ میں ایمان کی نعمت بخشوں گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پائے گا''(3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ (المومن: 19) ''وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور ان باتوں کو جنہیں سینے چھپائے ہوئے ہیں''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابن آدم پر اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جسے وہ لامحالہ پائے گا۔ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا، کانوں کا زنا سننا، ہاتھوں کا زنا پکڑنا، ٹانگوں کا زنا چلنا، نفس تمنا اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے''(4)۔ اکثر سلف نے بے ریش لڑکے کو نظر بھر کر اور گھور کر دیکھنے کی ممانعت کی ہے۔ صوفیہ کی اکثریت نے اس معاملہ میں بہت سختی سے کام لیا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے اسے حرام کہا ہے کیونکہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔ بعض دیگر حضرات نے اس سے بھی زیادہ سختی کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر آنکھ قیامت کے دن روئے گی، بجز اس آنکھ کے جو حرام کردہ چیزوں کو دیکھنے سے بند رہی، اور وہ آنکھ جو خدا کی راہ میں بیدار رہی اور وہ آنکھ جو خوفِ خدا کے باعث روئی، اگرچہ اس میں سے صرف مکھی کے سر کے برابر ہی آنسو نکلا ہو''۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ
اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ
اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ
الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ
مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

''اور آپ حکم دیجئے ایماندار عورتوں کو کہ وہ نیچی رکھا کریں اپنی نگاہیں اور حفاظت کیا کریں اپنی عصمتوں کی اور نہ ظاہر کیا کریں اپنی آرائش کو مگر جتنا خود بخود نمایاں ہو اس سے اور ڈالے رہیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر۔ اور نہ ظاہر ہونے دیں اپنی آرائش کو مگر اپنے شوہروں کے لئے یا اپنے باپوں کے لئے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے لئے یا اپنے بیٹوں کے لئے یا اپنے

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 264، معجم کبیر، جلد 8 صفحہ 247
2۔ معجم کبیر، جلد 8 صفحہ 246
3۔ معجم کبیر، جلد 10 صفحہ 214
4۔ صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، جلد 8 صفحہ 17، صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2046

خاوند کے بیٹوں کے لئے یا اپنے بھائیوں کے لئے یا اپنے بھتیجوں کے لئے یا اپنے بھانجوں کے لئے یا اپنی ہم مذہب عورتوں پر یا اپنی باندیوں پر یا اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت کے) خواہشمند نہ ہوں یا ان بچوں پر جو (ابھی تک) آگاہ نہیں عورتوں کی شرم والی چیزوں پر اور نہ زور سے ماریں اپنے پاؤں (زمین پر) تا کہ معلوم ہو جاوے وہ بناؤ سنگار جو وہ چھپائے ہوئے ہیں۔ اور رجوع کرو اللہ تعالیٰ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو! تا کہ تم (دونوں جہانوں میں) بامراد ہو جاؤ''۔

اس آیت کریمہ میں ایماندار عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، ان کے ایماندار خاوندوں کے لئے اظہار غیرت ہے اور زمانہ جاہلیت کی عورتوں سے ان کی امتیازی شان کا بیان ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت اسماء بنت مرثد رضی اللہ عنہا بنی حارثہ کے محلہ میں رہائش پذیر تھیں۔ عورتیں ان کے پاس بغیر چادر اوڑھے ہوئے آتیں تو ان کے پاؤں میں پازیب نمایاں ہوتے اور ان کے سینے اور سر کے بال کھلے ہوتے۔ حضرت اسماء نے کہا کہ یہ کتنی بری بات ہے! اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ فرمایا: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یعنی ایماندار عورتیں سوائے اپنے شوہروں کو دیکھنے کے ہر اس شخص سے اپنی نگاہیں نیچی کر لیا کریں جس کا دیکھنا اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کیا ہے۔ اس لئے علماء کی اکثریت کا کہنا ہے کہ اجنبی مردوں کو دیکھنا عورت کے لئے جائز نہیں ہے خواہ شہوت کے ساتھ ہو یا بغیر شہوت کے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ واقعہ پردے کے احکام نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا: ''پردہ کرلو''۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ تو نابینا ہیں، نہ ہمیں دیکھیں گے اور نہ پہچانیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نابینا ہو؟ کیا تم اسے نہیں دیکھ رہی؟'' (2)۔ بعض دیگر علماء کا یہ موقف ہے کہ عورتوں کا بغیر شہوت کے اجنبی مردوں کو دیکھنا جائز ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن حبشی لوگوں نے مسجد میں ہتھیاروں کے کرتب دکھانا شروع کئے۔ حضور ﷺ ان کا کھیل دیکھنے لگے اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کی آڑ میں پیچھے کھڑے ہو کر انہیں دیکھنے لگیں یہاں تک کہ جی بھر گیا تو واپس چلی گئیں (3)۔ فرمایا: وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ سعید بن جبیر اس کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ بے حیائی کے کاموں سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ قتادہ اور سفیان فرماتے ہیں کہ وہ ہر اس چیز سے اپنی شرمگاہوں کو بچائیں جو ان کے لئے حلال نہیں ہے۔ مقاتل کہتے ہیں کہ زنا سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں بھی حفظ فروج کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد زنا سے اجتناب کرنا ہے لیکن یہاں اس سے مراد ستر پوشی ہے تا کہ ان پر نظر نہ پڑے۔ فرمایا: وَلَا يُبْدِيْنَ یعنی اجنبی مردوں کے سامنے اپنی زینت و آرائش ظاہر نہ کریں بجز اس کے کہ جس کا چھپانا ممکن نہیں جیسے چادر بالائی کپڑے اور کپڑوں کے نچلے حصے جن کے اظہار میں کوئی حرج نہیں کیونکہ انہیں پوشیدہ رکھنا ناممکن ہے۔ یہ قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حسن، ابن سیرین، ابو الجوزاء اور ابراہیم نخعی وغیرہ کا ہے۔ حضرات ابن عباس، ابن عمر، عطاء، عکرمہ، سعید بن جبیر، ضحاک وغیرہ سے منقول ہے کہ عورت کے لئے جس زینت کا ظاہر کرنا جائز ہے اس سے مراد اس کا چہرہ، ہاتھ اور انگوٹھی ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اس زینت کی تفسیر ہو جس کے اظہار سے عورتوں کو منع کیا گیا ہے

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 179 بحوالہ ابن ابی حاتم

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 64063، عارضۃ الاحوذی، ابواب الادب، جلد 10 صفحہ 230

3۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 549، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، جلد 2 صفحہ 608-610

جیسا کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ زینت جس کے اظہار کی ممانعت ہے اس سے مراد بالیاں، چوڑیاں، پازیب اور ہار ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زینت دو قسم کی ہے: ایک وہ جسے صرف خاوند ہی دیکھ سکتا ہے جیسے انگوٹھی اور کنگن اور دوسری زینت وہ جسے اجنبی بھی دیکھتے ہیں جیسے اوپر کے کپڑے۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں مذکور رشتہ داروں کے سامنے اگر کنگن، دوپٹے اور بالیاں از خود کھل جائیں تو کوئی حرج نہیں لیکن عام لوگوں کے سامنے صرف انگوٹھیاں ظاہر ہو جائیں تو قابل مواخذہ نہیں۔ امام موصوف ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ جس زینت کا ظاہر کرنا عورت کے لئے جائز ہے اس سے مراد انگوٹھی اور پازیب ہے۔ ہوسکتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور آپ کے ہم خیال علماء نے مَاظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر چہرے اور ہاتھوں سے کی ہو، جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے اور اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کے پاس آئیں، اس وقت انہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: ''اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لئے اس (چہرہ اور ہاتھ) کے سوا کوئی عضو دکھانا جائز نہیں'' (1)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ پھر فرمایا: وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ یعنی عورتیں اپنے گریبانوں پر اوڑھنیاں ڈالے رکھیں تاکہ ان کے سینے، گردن وغیرہ لوگوں کی نظروں سے چھپ جائیں۔ زمانہ جاہلیت میں عورتیں ایسا نہیں کرتی تھیں بلکہ وہ اپنے سینے ڈھانپے بغیر ہی مردوں کے سامنے چلی آتی تھیں۔ اس طرح بسا اوقات ان کی گردنیں، بال اور بالیاں صاف نظر آتی تھیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایماندار عورتوں کو حکم دیا کہ وہ خود کو پردہ میں رکھیں جیسا کہ فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ (الاحزاب: 59) ''اے نبی مکرم! آپ اپنی ازواج مطہرات، اپنی صاحبزادیوں اور جملہ اہل ایمان کی عورتوں کو فرما دیجئے کہ وہ (باہر نکلتے وقت) اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو ڈال لیا کریں، اس طرح وہ بآسانی پہچان لی جائیں گی پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا''۔ اور یہاں فرمایا: وَلْيَضْرِبْنَ ... خمر خمار کی جمع ہے، اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے سر کو ڈھانپا جاتا ہے یعنی اوڑھنی اور دوپٹہ۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ عورتیں اچھی طرح اپنے دوپٹے اوڑھ لیں تاکہ ان کی گردنیں اور سینے دکھائی نہ دیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ پہلے پہل ہجرت کرنے والی عورتوں پر رحم فرمائے کہ جب انہوں نے یہ فرمان وَلْيَضْرِبْنَ سنا تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر اوڑھنیاں بنا لیں (2)۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ ان عورتوں نے اپنی چادروں کے کنارے کاٹ کر ان سے اپنا سر اور جسم ڈھانپ لیا (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چند عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں، انہوں نے قریشی عورتوں کی فضیلت کا ذکر کیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بلاشبہ انہیں فضیلت حاصل ہے لیکن میں نے کوئی ایسی عورتیں نہیں دیکھیں جو انصاری عورتوں سے بڑھ کر قرآن کریم کی تصدیق اور اس پر ایمان لانے والی ہوں۔ جب سورۂ نور کا یہ حکم وَلْيَضْرِبْنَ ... نازل ہوا اور ان کے مردوں نے گھر جا کر اپنی بیویوں، بیٹیوں، بہنوں اور دوسری رشتہ دار خواتین کو یہ حکم سنایا تو انہوں نے تعمیل ارشاد میں فوراً پردے کی پابندی کو شعار بنا لیا۔ جب وہ صبح کی نماز میں آئیں تو ان کے سروں پر اوڑھنیاں تھیں (3)۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا ... یہاں شوہر کے علاوہ عورت کے محرم رشتہ داروں کا ذکر ہے جن کے سامنے اظہار زینت کی ممانعت نہیں لیکن بناؤ سنگھار کے بغیر اور شرم وحیاء کے ساتھ۔ شعبی اور عکرمہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 62 2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ نور، جلد 6 صفحہ 136

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 61، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 181

فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ وہ بھی محرم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کے سامنے ان کے محاسن بیان کر سکتے ہیں اس لئے ان کے سامنے عورتیں بغیر دوپٹے کے نہ آئیں۔ جہاں تک خاوند کا تعلق ہے تو یہ زیب و زینت اسی کے لئے تو ہوتی ہے، اس لئے عورت کو اپنے خاوند کیلئے بن سنور کر رہنا چاہیے۔ خاوند کے علاوہ کسی اور کے لئے ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ آیت کریمہ میں نِسَآئِهِنَّ سے مراد مسلمان عورتیں ہیں جن کے سامنے اظہار زینت جائز ہے لیکن اہل ذمہ کی عورتوں کے سامنے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے مردوں کے سامنے ان کے محاسن بیان کریں۔ یہ اندیشہ اگرچہ مومن عورتوں کے متعلق بھی ہو سکتا ہے لیکن ذمی عورتوں کے متعلق یہ اندیشہ زیادہ ہے کیونکہ انہیں ایسا کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں۔ اس کے برعکس مسلمان عورتیں جانتی ہیں کہ شریعت نے ایسا کرنا حرام قرار دیا ہے اس لئے وہ عموماً اس سے باز رہتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”کوئی عورت کسی عورت کے اوصاف اپنے خاوند کے سامنے اس طرح بیان نہ کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے“ (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بعض مسلمان عورتیں مشرک عورتوں کے ساتھ حمام میں جاتی ہیں، اس سے روک دو کیونکہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی غیر مسلم عورت کے سامنے اپنا ستر کھولے (2)۔ حضرت مجاہد بھی ”اَوْ نِسَآئِهِنَّ“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں نہ کہ مشرکہ عورتیں کیونکہ مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مشرکہ کے سامنے اپنا جسم کھولے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں، ان کے سامنے عورت اپنی وہ زینت ظاہر کر سکتی ہے جو اپنے ذی محرم رشتہ داروں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے یعنی گلا، بالیاں، ہار۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ مسلمان عورت کسی مشرکہ عورت کے سامنے اپنا دوپٹہ نہیں اتار سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”اَوْ نِسَآئِهِنَّ“۔ اور غیر مسلم عورتیں ان میں داخل نہیں (3)۔ مکحول اور عبادہ نے مسلمان عورت کے لئے یہودی، نصرانی اور مجوسی عورتوں کو بطور دایہ مکروہ قرار دیا ہے۔ مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب بیت المقدس پہنچے تو ان کی عورتوں کے لئے یہودی اور نصرانی عورتیں ہی دایہ تھیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اسے ضرورت پر یا ان عورتوں کی ذلت پر محمول کیا جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں غیر ضروری جسم کا کھلنا بھی نہیں ہے۔ ابن جریر اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مشرک عورتیں ہیں (4)۔ مشرکہ عورتوں میں سے اپنی لونڈیوں کے سامنے اظہار زینت پر کوئی حرج نہیں۔ حضرت سعید بن مسیب کا یہی مذہب ہے۔ اکثر علماء کا کہنا ہے کہ غلام اور لونڈی کا ایک ہی حکم ہے۔ دونوں کے سامنے اظہار زینت پر کوئی گرفت نہیں۔ اس کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک غلام ہبہ کرنے کے لئے تشریف لائے۔ غلام کو دیکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دوپٹہ اوڑھنے لگیں۔ کپڑا چونکہ چھوٹا تھا اس لئے اگر سر ڈھانپتیں تو پاؤں کھلے رہ جاتے اور اگر پاؤں پر ڈالتیں تو سر کھل جاتا۔ یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا: ”بیٹی تم پر کوئی حرج نہیں، تمہارے سامنے تمہارے والد اور غلام کے سوا کوئی اور نہیں“ (5)۔ اس سیاہ فام غلام کا نام عبداللہ بن مسعدہ فزاری تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی پرورش کی اور پھر آزاد کر دیا۔ جنگ صفین میں یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہے اور یہ حضرت علی

1۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 49
2۔ سنن بیہقی، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 95، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 183
3۔ سنن بیہقی، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 95
4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 121
5۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 62

رضی اللہ عنہ کے شدید مخالف تھے(1)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں سے فرمایا: ''جب تم سے کسی کا مکاتب غلام ہو اور وہ طے شدہ رقم کا بندوبست کر لے تو چاہیے کہ وہ عورت اس سے پردہ کرے''(2)۔ اس کے بعد فرمایا: اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ یعنی وہ کم عقل نوکر چاکر جو قوت مردانہ سے محروم ہوں اور انہیں عورتوں کی کوئی خواہش نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ بدھو لوگ ہیں جن میں شہوت نہ ہو۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نامرد ہیجڑے ہیں۔ بہر صورت اس قسم کے مردوں کے سامنے اظہار زینت پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ لیکن شر پھیلانے والا ہیجڑا اس حکم میں داخل نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک ہیجڑا حضور ﷺ کے گھر آیا کرتا تھا۔ ازواج مطہرات نے اسے بے ضرر لوگوں میں شمار کرتے ہوئے گھر میں آنے سے منع نہ کیا۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو وہ ایک عورت کے محاسن بیان کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ سامنے سے آتے ہوئے اس کے پیٹ پر چار بل پڑتے ہیں اور جاتے ہوئے پشت پر آٹھ۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ یہ تو سب کچھ جانتا ہے خبردار! یہ آئندہ تمہارے پاس نہ آئے''(3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک خنثی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بھی موجود تھے۔ وہ حضرت عبداللہ سے کہہ رہا تھا: اے عبداللہ! اگر اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو طائف پر فتح عطا فرمائی تو غیلان کی لڑکی کو غور سے دیکھنا۔ سامنے سے آتے ہی اس کے شکم پر چار شکنیں پڑتی ہیں اور واپس جاتے ہوئے پیچھے سے آٹھ دکھائی دیتی ہیں۔ اتفاق سے حضور ﷺ تشریف لے آئے اور آپ نے یہ باتیں سن کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آئندہ یہ تمہارے پاس نہ آئے(4)۔ چنانچہ اسے نکال دیا گیا یہ بیداء میں رہنے لگا اور ہر جمعہ کو کھانے پینے کی چیزیں لینے کے لئے آ جاتا۔ پھر فرمایا: اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ ۔۔ یعنی ان چھوٹے بچوں کے سامنے بھی زینت کو ظاہر کیا جا سکتا ہے جو عورتوں کے حالات، اوصاف، چال ڈھال، خفیہ معاملات اور حرکات و سکنات سے واقفیت نہیں رکھتے۔ اس قسم کے بچے اگر عورتوں کے پاس چلے آئیں تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر کوئی بچہ عورتوں کے معاملات اور خوبیوں کو سمجھتا ہو اور بدصورت اور خوبصورت عورت کے درمیان تمیز کر سکتا ہو تو اگرچہ وہ نابالغ ہو، پھر بھی اس سے پردہ ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''عورتوں کے پاس جانے سے اجتناب کرو''۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! دیور جیٹھ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دیور جیٹھ تو موت ہے''(5)۔ فرمایا: وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ زمانہ جاہلیت میں کئی عورتیں پازیب پہن کر نکلتیں اور جب ان کا گزر مردوں کے مجمع سے ہوتا تو وہ دانستہ اپنے پاؤں زمین پر مارتیں تاکہ مرد پازیب کی جھنکار سن کر ان کی طرف متوجہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرمان کے ذریعے مسلمان عورتوں کو اس حرکت سے باز آنے کا حکم صادر فرمایا، اس ممانعت میں ہر وہ حرکت داخل ہے جس سے عورت کا مقصد اپنی مخفی زینت کا اظہار ہو اور لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتا ہو، اسی طرح عطر اور خوشبو لگا کر عورت کا اپنے گھر سے نکلنا اور مردوں کے مجمع میں جانا بھی ممنوع ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہر آنکھ زانیہ ہے اور عورت جب عطر لگا کر مجمع عام سے گزرتی ہے تو وہ ایسی ایسی ہے''(6) یعنی زانیہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

1۔ تہذیب تاریخ دمشق، جلد 4 صفحہ 91 — 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب العتق، جلد 4 صفحہ 21، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 289

3۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1716، سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 63 وغیرہ

4۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، جلد 7 صفحہ 205، صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1715

5۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 48، صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1711

6۔ سنن ابی داؤد، کتاب الترجل، جلد 4 صفحہ 79، سنن نسائی، کتاب الزینۃ، جلد 8 صفحہ 153 وغیرہ

نے ایک عورت کو آتے ہوئے دیکھا جس سے خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ آپ نے اسے فرمایا اے خداوند جبار کی بندی! کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "اللہ تعالیٰ اس عورت کی نماز قبول نہیں فرماتا جو مسجد میں تیز خوشبو لگا کر جائے جب تک وہ گھر لوٹ کر غسل جنابت نہ کرے" (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ عورت جو آراستہ پیراستہ ہو کر نامحرموں میں اترا اترا کر چلتی ہے، وہ قیامت کے دن مجسم تاریکی ہوگی جہاں نور بالکل نہیں ہوگا" (2)۔ اسی طرح عورتوں کو راستے کے درمیان میں چلنے سے بھی احتراز کرنا چاہیے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے رستہ میں مردوں اور عورتوں کو ملے جلے چلتے ہوئے دیکھ کر عورتوں سے فرمایا: "تم ادھر ادھر ہو جایا کرو، تمہارے لئے رستہ کے بیچ میں چلنا مناسب نہیں بلکہ تم راستے کے کنارے کنارے چلا کرو" (3)۔ اس فرمان کے بعد عورتیں بالکل دیوار کے ساتھ ساتھ چلتی تھیں یہاں تک کہ ان کے کپڑے دیوار کے ساتھ رگڑ کھاتے تھے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ یعنی اے ایمان والو! میں تمہیں جن صفات جمیلہ اور اخلاق جلیلہ کا حکم دیتا ہوں، انہیں اختیار کرو اور اہل جاہلیت کی رذیل صفات اور قبیح اخلاق سے اجتناب کرو کیونکہ حقیقی اور مکمل فلاح اسی میں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے احتراز کیا جائے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۚ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾

"اور نکاح کر دیا کرو جو بے نکاح ہیں تم میں سے اور جو نیک ہیں تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے۔ اگر وہ تنگدست ہوں (تو فکر نہ کرو) غنی کر دے گا انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہمہ دان ہے۔ اور چاہیے کہ پاکدامن بنے رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے شادی کرنے کی قدرت یہاں تک کہ غنی کر دے انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے۔ اور جو مکاتب بننا چاہیں تمہارے غلاموں سے تو مکاتب بنا لو انہیں اگر تم جانو ان میں کوئی بھلائی۔ اور (زر مکاتبت ادا کرنے میں) مدد کرو ان کی اللہ تعالیٰ کے مال سے جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے۔ اور نہ مجبور کرو اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں تاکہ تم حاصل کرو (اس بدکاری سے) دنیوی زندگی کا کچھ سامان۔ اور (کمینہ خصلت) مجبور کرتا ہے انہیں (عصمت فروشی پر) تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد (ان کی لغزشوں کو) بخشنے والا (اور ان پر) رحم

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الترجل، جلد 4 صفحہ 79، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1326 2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الرضاع، جلد 5 صفحہ 113-114
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 369

فرمانے والا ہے۔ اور ہم نے اتاری ہیں تمہاری طرف روشن آیتیں نیز (ہم نے اتارے ہیں) بعض حالات ان لوگوں کے جو گزر چکے ہیں تم سے پہلے نیز (اتاری ہے) نصیحت پرہیزگاروں کے لئے"۔

ان آیات میں چند قطعی اور محکم احکام بیان کئے جا رہے ہیں، پہلے نکاح کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَ اَنْكِحُوا علماء کی ایک جماعت کا موقف ہے کہ جو شخص نکاح پر قادر ہو، اس پر نکاح کرنا واجب ہے، اس کی دلیل حضور علیہ السلام کا یہ فرمان ہے: "اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں سے جو شخص طاقت رکھتا ہو اسے ضرور شادی کرنی چاہیے کیونکہ یہ نگاہ کو نیچی رکھنے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جسے قدرت حاصل نہ ہو وہ روزے رکھے کیونکہ یہ شہوت کو توڑنے والے ہیں" (1)۔ سنن میں متعدد اسناد سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "جس سے زیادہ اولاد کی توقع ہو، اس سے شادی کرو اور نسل بڑھاؤ، میں قیامت کے دن تمہارے ساتھ دیگر امتوں پر فخر کروں گا" (2)۔ ایک اور روایت میں ہے: "یہاں تک کہ ناتمام گرے ہوئے بچے کی گنتی کے ساتھ بھی"۔ "ایامیٰ" ایم کی جمع ہے۔ ہر اس عورت کو جس کا خاوند نہ ہو اور ہر اس مرد کو جس کی بیوی نہ ہو "ایم" کہتے ہیں خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ پھر فرمایا: اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے نکاح کی رغبت دلاتے ہوئے بے نکاح لوگوں کی شادی کرنے کا حکم دیا خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام اور ان کے ساتھ خوشحالی کا وعدہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کا جو حکم تمہیں دیا ہے تم اس کی تعمیل کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کئے ہوئے خوشحالی کے وعدہ کو پورا فرمائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نکاح میں خوشحالی تلاش کرو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے: نکاح کرنے والا جس کا مقصد پاکدامن رہنا ہو، مکاتب غلام جو زر مکاتبت کی ادائیگی کا ارادہ رکھتا ہو اور راہ خدا میں جہاد کرنے والا" (3)۔ نبی کریم علیہ السلام نے اس شخص کی شادی کرا دی جس کے پاس بجز تہبند کے کچھ نہ تھا یہاں تک کہ لوہے کی انگوٹھی بھی اس کے پاس سے نہ نکلی، اس کے باوجود آپ علیہ السلام نے اس کی شادی ایک عورت سے کرا دی اور مہر یہ مقرر کیا کہ وہ اس عورت کو قرآن سکھا دے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور لطف و احسان سے قوی امید تھی کہ وہ انہیں اتنی روزی عطا فرمائے گا جس سے ان کی گذر اوقات آسانی سے ہوتی رہے گی۔ اکثر لوگ یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ فقر کی حالت میں بھی نکاح کیا کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں غنی کر دے گا۔ اس کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی قوی بلکہ ضعیف سند بھی نہیں ہے۔ قرآن اور ہماری بیان کردہ احادیث کی موجودگی میں اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ دوسری آیت میں فرمایا: وَلْيَسْتَعْفِفِ یہاں ان لوگوں کو حرام کاری سے بچنے اور پاکدامن رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے جو نکاح کی قدرت نہیں رکھتے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: "اے نوجوانو! تم میں سے جسے طاقت ہو وہ ضرور نکاح کرے کیونکہ یہ نگاہ کو نیچی رکھنے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جسے طاقت نہ ہو، وہ روزہ رکھے کیونکہ یہ شہوت کو توڑنے والا ہے"۔ یہ آیت مطلق ہے جبکہ سورہ نساء کی یہ آیت اس سے خاص ہے: وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ (النساء: 25) یعنی لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے صبر کرنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ اس طرح پیدا ہونے والی اولاد غلام ہوتی ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو دیکھے اور اس کے دل میں خواہش پیدا ہو تو اگر اس کی بیوی ہو تو اسے

1۔ صحیح بخاری، جلد 3 صفحہ 34، صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 128 2۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 6 صفحہ 65، مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 341

3۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 6 صفحہ 61، عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل الجہاد، جلد 7 صفحہ 156-157، وغیرہ

چاہیے کہ وہ اس کے پاس جا کر اپنی حاجت پوری کرے اور اگر اس کی بیوی موجود نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ زمین و آسمان کی وسیع مملکت میں غور و فکر کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دے۔ اس کے بعد فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ۔ یہاں آقاؤں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جب ان کے غلام ان سے مکاتبت (مال کے بدلے میں آزادی کا معاہدہ) کرنا چاہیں تو انہیں انکے ساتھ یہ معاہدہ کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ مال کی اتنی مقدار کما کر اپنے آقا کو دینے پر قادر ہوں جس کی ادائیگی پر ان کی آزادی طے ہوئی تھی۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہاں امر ارشاد اور استحباب کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے۔ اس لئے آقا کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے غلام کے ساتھ مکاتبت کا معاہدہ کر لے اور اگر چاہے تو نہ کرے۔ بعض دیگر علماء کا کہنا ہے کہ یہاں امر وجوب کے لئے ہے اس لئے اگر کوئی غلام اپنے آقا سے مکاتبت کا مطالبہ کرے تو اس کا قبول کرنا آقا پر واجب ہے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے دریافت کیا کہ اگر مجھے توقع ہو کہ میرا غلام مجھے زر کتابت دے دیگا تو کیا مکاتبت مجھ پر واجب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میری رائے میں تو یہ واجب ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مالدار غلام سیرین نے ان سے مکاتبت کا سوال کیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ سیرین نے یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو مکاتبت کا حکم دیا لیکن انہوں نے پھر انکار کیا۔ آپ نے انہیں درے کے ساتھ مارا اور یہی آیت پڑھ کر سنائی یہاں تک کہ وہ مکاتبت پر راضی ہو گئے(1)۔ امام شافعی کا قدیم قول یہی تھا لیکن ان کا جدید قول یہ ہے کہ واجب نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ”مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں“(2)۔ امام مالک فرماتے ہیں جب کوئی غلام اپنے آقا سے مکاتبت کا سوال کرے تو اس کا قبول کرنا آقا پر واجب نہیں اور میں نے نہیں سنا کہ کسی امام نے کسی آقا کو اپنے غلام کے ساتھ مکاتبت کا معاہدہ کرنے پر مجبور کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اذن کے طور پر نہ کہ وجوب کے طور(3)۔ اسی طرح امام ثوری، ابو حنیفہ اور عبدالرحمن بن زید وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابن جریر کا مختار قول وجوب کا ہے کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ اسی کا تقاضا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا میں خیر سے مراد امانت ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد صدق ہے۔ بعض نے اس سے مال مراد لیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ذریعہ معاش ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں مکاتبت کرنے والے غلاموں کی مال کمانے کی صلاحیت کا علم ہو تو مکاتبت کرو ورنہ انہیں لوگوں پر بوجھ بنا کر نہ چھوڑو(4)۔ مفسرین کا اس ارشاد وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ کے متعلق اختلاف ہے بعض نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ زر کتابت میں سے کچھ معاف کر دو پھر اس کی مقدار بعض نے ایک چوتھائی مقرر کی ہے، بعض نے ایک تہائی بعض نے نصف اور بعض نے حد مقرر کئے بغیر مقررہ مال سے کچھ منہا کرنے کو کہا ہے۔ بعض دیگر مفسرین نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ انہیں اموال زکوٰۃ کے اس حصہ میں سے دو جوان کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ یہ قول حضرات حسن، عبدالرحمن بن زید، زید بن اسلم اور مقاتل بن حیان کا ہے۔ ابن جریر نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ لوگوں کو ان کی معاونت پر برانگیختہ کیا گیا ہے خواہ وہ آقا ہو یا دوسرے لوگ(5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں اہل ایمان کو گردنیں آزاد کروانے میں امداد کا حکم ہے۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ تین قسم کے لوگوں کی اعانت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لی ہوئی ہے، ایک ان میں سے وہ مکاتب غلام ہے جو مقررہ رقم کی ادائیگی کا خواہاں ہو۔ لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک

1۔ صحیح بخاری، کتاب المکاتب، جلد 3 صفحہ 198

2۔ سنن بیہقی، کتاب الغصب، جلد 6 صفحہ 100

3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 127

4۔ مراسیل ابی داؤد: 21

5۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 131

غلام نے مکاتبت کا معاہدہ کیا جس کی کنیت ابوامیہ تھی۔ جب وہ پہلی قسط لے کر حاضر ہوا تو آپ نے اسے فرمایا کہ جاؤ اور اس کے ذریعے اپنی مکاتبت میں دوسروں سے مدد طلب کرو۔ اس نے عرض کی: اے امیر المومنین! اگر آپ مجھے آخری قسط تک محنت کرنے دیں تو کیا یہ اچھا نہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ہم اس فرمان فَكَاتِبُوهُمْ پر عمل ترک نہ کر بیٹھیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ پہلی قسط تھی جو اسلام میں ادا کی گئی (1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی غلام آپ سے مکاتبت کا معاہدہ کرتا تو آپ شروع کی قسطیں معاف نہ کرتے تھے کیونکہ آپ کو یہ خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو وہ آخر میں عاجز آ جائے اور آپ کا دیا ہوا صدقہ ہی آپ کو واپس مل جائے بلکہ آپ اپنی مرضی سے آخری قسطیں معاف کر دیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس ارشاد کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کا زر مکاتبت معاف کر دو۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ زر کتابت سے کچھ معاف کر دینے سے اہل ایمان کو بہت خوشی ہوتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ مکاتبت کا چوتھائی حصہ چھوڑ دو۔ یہ حدیث غریب ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہو (2)۔ پھر فرمایا: وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ زمانہ جاہلیت میں ایک قبیح رسم یہ بھی مروج تھی کہ وہ اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرتے اور ایک معین رقم کی ادائیگی ان کے ذمے لازم قرار دیتے۔ اسلام نے اہل ایمان کو اس حرام کاری سے منع کر دیا۔ متعدد مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ ارشاد عبداللہ بن ابی منافق کے متعلق نازل ہوا، اس کی چند لونڈیاں تھیں جنہیں وہ قحبہ گری کے پیشہ پر مجبور کرتا تا کہ ان سے آمدنی اور اولاد حاصل ہو اور ہر ایک پر اس کی سروری کی دھاک بیٹھ جائے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کی معاذہ نامی ایک لونڈی تھی جسے وہ بدکاری پر مجبور کرتا (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس لونڈی کا نام مسیکہ تھا لیکن یہ بدکاری سے سخت متنفر تھی۔ اس پر یہ آیت اتری (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کی ایک لونڈی زمانہ جاہلیت میں یہ پیشہ کرتی تھی۔ یہاں تک کہ اس سے ناجائز اولاد بھی ہوئی لیکن پھر اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا جس پر عبداللہ بن ابی نے اسے زدوکوب کیا تو اس وقت یہ آیت اتری۔ امام زہری بیان کرتے ہیں کہ بدری قیدیوں میں سے ایک قریشی قیدی عبداللہ بن ابی کے پاس تھا۔ عبداللہ بن ابی کی معاذہ نامی ایک لونڈی تھی جس کے ساتھ قریشی قیدی حرام کاری کرنا چاہتا تھا لیکن لونڈی اپنے اسلام کی وجہ سے اس سے احتراز کرتی تھی۔ عبداللہ بن ابی اسے مار پیٹ کر اس کام پر مجبور کرتا تھا تا کہ وہ اس قریشی سے رقم بٹور سکے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (5)۔ سدی کہتے ہیں کہ جب کوئی مہمان رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے پاس ٹھہرتا تو وہ اپنی لونڈی معاذہ کو شب باشی کے لیے اس کے پاس بھیج دیتا تا کہ وہ اس منافق کا احسان یاد رکھے اور ضرورت پڑنے پر وہ اس کے کام آئے۔ یہی لونڈی ایک روز تنگ آ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور اپنی داستان غم بیان کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے جب اس چیز کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس لونڈی کو اپنے قبضہ میں لے لیں۔ عبداللہ بن ابی کو پتہ چلا تو اس نے بڑا شور مچایا کہ دیکھو اب محمد ﷺ ہماری لونڈیوں کو اپنے قبضہ میں لے رہے ہیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (6)۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ مسیکہ اور معاذہ دو اشخاص کی لونڈیاں تھیں جو انہیں بدکاری پر مجبور کرتے تھے۔ مسیکہ اور اس کی ماں امیمہ نے نبی کریم ﷺ سے اس کی شکایت کی تو اس وقت یہ آیت

1۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 6 صفحہ 371، سنن کبریٰ بیہقی، کتاب المکاتب، جلد 10 صفحہ 329-330

2۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب البیوع، جلد 6 صفحہ 369

3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 61

4۔ صحیح مسلم، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 2320، سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 294، وغیرہ

5۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 133

6۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 193-194

اتری۔ بغاء کا معنی ہے زنا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ پاکدامن ہونے کا ارادہ نہ کریں تو پھر ان سے یہ پیشہ کروانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس سے مقصود عمومی صورت حال بیان کرنا ہے۔ یہ کوئی قید اور شرط نہیں۔ اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ ان سے انہیں مال اور اولاد حاصل ہو جوان کی غلام بنے۔ رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگانے والے کی اجرت، پیشہ کرنے والی عورت کی کمائی اور کاہن کی اجرت سے منع فرمایا ہے (1)۔ ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: "زانیہ کی کمائی ناپاک ہے، پچھنے لگانے والے کی کمائی ناپاک ہے اور کتے کی قیمت ناپاک ہے" (2)۔ پھر فرمایا: وَمَنۡ یُّکۡرِهۡهُّنَّ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اپنی لونڈیوں کو قحبہ گری کے پیشہ پر مجبور کریں تو اللہ تعالیٰ ان لونڈیوں کے لئے غفور رحیم ہے اور بدکاری کا گناہ ان پر ہوگا جنہوں نے انہیں اس پر مجبور کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یوں ہے: "فَاِنَّ اللّٰهَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِکۡرَاهِهِنَّ لَهُنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ وَ اِثۡمُهُنَّ عَلٰی مَنۡ اَکۡرَهَهُنَّ" یعنی اس کا گناہ مجبور کرنے والوں پر ہے۔ ایک حدیث مرفوع میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "میری امت سے خطا، بھول چوک اور ہر وہ چیز معاف کر دی گئی ہے جس پر انہیں مجبور کیا جائے" (3)۔ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کے بعد فرمایا: وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ۔ یعنی ہم نے قرآن کریم میں واضح آیات نازل کیں اور گزشتہ قوموں کے حالات اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں ان پر اترنے والے عذاب کا ذکر کیا جیسا کہ فرمان ہے: فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلۡاٰخِرِیۡنَ (الزخرف: 56) "اور ہم نے انہیں بنا دیا پیش رو اور کہاوت پچھلوں کے لئے"۔ مزید فرمایا: مَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس میں تمہارے معاملات کے قطعی فیصلے، گزشتہ قوموں کے حالات اور بعد میں رونما ہونے والے امور کی خبریں موجود ہیں۔ یہ فیصلہ کن اور سنجیدہ کلام ہے، کوئی ہنسی مذاق نہیں۔ جو اسے تکبر سے چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے برباد کر دیتا ہے اور جو اس کے سوا کسی اور سے ہدایت طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دیتا ہے (4)۔

اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِهٖ کَمِشۡکٰوةٍ فِیۡهَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ کَاَنَّهَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَةٍ مُّبٰرَکَةٍ زَیۡتُوۡنَةٍ لَّا شَرۡقِیَّةٍ وَّ لَا غَرۡبِیَّةٍ ۙ یَّکَادُ زَیۡتُهَا یُضِیۡٓءُ وَ لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ یَهۡدِی اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿ۙ۳۵﴾

"اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو اس میں چراغ ہو، وہ چراغ شیشہ (کے ایک فانوس) میں ہو۔ وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے جو موتی کی طرح چمک رہا ہے۔ جو روشن کیا گیا ہے برکت والے زیتون کے درخت سے، جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے قریب ہے اس کا تیل روشن ہو جائے، اگر چہ اسے آگ نہ چھوئے۔ (یہ) نور ہی نور ہے۔ پہنچا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے، اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ طرح طرح کی مثالیں لوگوں (کی ہدایت) کے لئے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 110، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، جلد 3 صفحہ 1198

2۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، جلد 3 صفحہ 1199، سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 266 وغیرہ

3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 159

4۔ فتح البلاغہ: 456

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین والوں کا ہادی ہے اور وہی ان میں ستاروں سورج اور چاند کی تدبیر کرتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نور خدا سے مراد ہدایت ہے (1)۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ ''مثل نورہ'' میں مومن کی مثال بیان ہوئی ہے جس کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور قرآن رکھ دیا ہے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کا ذکر کیا' پھر مومن کے نور کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے کی مثال یہ ہے، بلکہ حضرت ابیؓ اسے اس طرح پڑھتے: ''مَثَلُ نُوْرِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ''، ''اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے کی مثال'' (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ قراءت اس طرح منقول ہے: مَثَلُ نُوْرِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ ''بعض کی قراءت میں اَللّٰہُ نَوَّرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو نور بخشا اور اس نور سے وہ منور ہیں (3)۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ جس دن طائف والوں نے آپ کو سخت ایذا پہنچائی تھی اس دن آپ ﷺ نے اپنی دعا میں فرمایا تھا: ''اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ بِهِ الظُّلُمٰتُ وَ صَلَحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ اَنْ يَحِلَّ بِيْ غَضَبُكَ اَوْ يَنْزِلَ بِيْ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو تہجد کے لئے اٹھتے تو یہ فرماتے: ''اے اللہ! تیرے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں، تو آسمانوں، زمین اور ان میں تمام موجودات کا نور ہے اور تیرے لیے ہی سب تعریفیں ہیں تو آسمانوں، زمین اور ان میں موجود سب چیزوں کو قائم رکھنے والا ہے'' (4)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے رب کے ہاں نہ رات ہے اور نہ دن، عرش کا نور اس کے چہرہ کے نور سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ''مثل نورہ'' میں ضمیر کے مرجع کے متعلق دو قول ہیں، ایک یہ کہ اس ضمیر کا مرجع ذات خداوندی ہے یعنی قلب مومن میں اسکی ہدایت کی مثال طاق کی سی ہے۔ یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس ضمیر کا مرجع مومن ہے جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے یعنی قلب مومن میں نور کی مثال طاق کی سی ہے۔ مومن کے دل اور اس میں جو نور ہدایت اور نور قرآن ہے اسے طاق کے ساتھ تشبیہ دی جیسا کہ ارشاد ہے: اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ (ہود: 17) ''تو کیا وہ شخص انکار کر سکتا ہے ''جس کے پاس اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل ہو اور اس کے بعد اسکی طرف سے ایک سچا گواہ''۔ پس مومن کے دل کو نفاست اور لطافت میں بلور کے صاف شفاف اور چمکدار فانوس کے ساتھ تشبیہ دی۔ اور اسے جو قرآن اور شریعت میسر ہے اسے زیتون کے صاف شفاف لطیف روشن اور معتدل تیل کے ساتھ مشابہت دی۔ مشکوٰۃ کا معنی بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور محمد بن کعب چراغ کی وہ جگہ ہے جہاں بتی رکھی جاتی ہے اور مصباح سے مراد وہ بتی ہے جو روشن ہوتی ہے۔ یہود نے نبی کریم ﷺ سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا نور کیسے آسمانوں کے پار ہوتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال بیان کرتے ہوئے یہ آیت نازل کی۔ مشکوٰۃ سے مراد چراغ دان ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی مثال بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو نور فرمایا ہے اور پھر اسے اور بھی بہت سے نام دیئے ہیں (5)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ لغت حبشہ میں طاق کو مشکوٰۃ کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ایسا طاق جس کا سوراخ آر پار نہ ہو۔ حضرت مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ جس چیز سے چراغ کو لٹکایا جاتا ہے اسے مشکوٰۃ کہتے

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 135 2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 135-136 3۔ روح المعانی، جلد 18 صفحہ 164

4۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، جلد 2 صفحہ 60، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 532-533

5۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 137 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ

ہیں لیکن پہلا قول زیادہ موزوں ہے یعنی مشکوۃ سے مراد چراغ میں بتی رکھنے کی جگہ ہے اسلئے بعد میں فرمایا۔ فِيْهَا مِصْبَاحٌ یعنی وہ نور جو بتی میں ہے حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ مصباح سے مراد نور ہے یعنی وہ نور قرآن اور نور ایمان جو مومن کے سینے میں ہے۔ سدی کے بقول اس سے مراد چراغ ہے پھر فرمایا اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ یعنی یہ روشنی صاف شفاف بلور میں سے چھن چھن کر آرہی ہے حضرت ابی بن کعب کا قول ہے کہ یہ قلب مومن کی مثال ہے پھر فرمایا اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا ... بعض نے دُرِّیٌّ کو دال کے ضمہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اس وقت یہ درّ سے ماخوذ ہوگا یعنی گویا کہ وہ موتی کا ستارہ ہے۔ بعض نے اسے ہمزہ کے ساتھ اور دال کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ دِرِّیْءٌ اور دُرِّیْءٌ پڑھا ہے اسوقت یہ درء بمعنی دفع سے ماخوذ ہوگا۔ کیونکہ جب کوئی ستارہ ٹوٹتا ہے تو اسوقت وہ انتہائی روشن ہوتا ہے۔ عرب غیر معروف ستاروں کو دراری کہتے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب اس کا معنی بتاتے ہیں خوب روشن ستارہ، قتادہ کہتے ہیں کہ وہ بہت بڑا ستارہ جو خوب واضح اور چمکدار ہو۔ فرمایا يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ "زَیْتُوْنَة" بدل یا عطف بیان ہے یہ زیتون کا درخت نہ شرقی ہے اور نہ غربی یعنی نہ وہ مشرق میں ہے کہ دن کے آغاز سے ہی سورج کی دھوپ اس پر نہ پڑے اور نہ ہی مغرب میں ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے ہی سایہ اس سے سکڑ کر ہٹ جائے بلکہ یہ درمیان میں ہے جہاں سارا دن سورج کی کرنیں اسے زندگی بخش اثرات سے سرشار کرتی رہتی ہیں اس لیے اس کا تیل بہت صاف چمکدار لطیف اور معتدل ہوتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ زیتون کا درخت صحرا میں ہے جہاں اسے کوئی درخت پہاڑ غار یا کوئی دوسری چیز چھپائے ہوئے نہیں اس کا تیل سب سے عمدہ ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ درخت صحرا میں ہوتا ہے اس کا تیل بہت صاف شفاف ہوتا ہے۔ ایک آدمی نے حضرت عکرمہؓ سے اس فرمان کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ زیتون کا درخت کھلے میدان میں ہوتا ہے جہاں کھلی ہوا کے ساتھ صبح سے شام تک سورج کی دھوپ اس پر پڑتی رہتی ہے اس وجہ سے اس کا تیل بہت صاف اور لطیف ہوتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ نہ صرف شرقی ہے اور نہ صرف غربی ہے۔ سورج کی کرنیں ہر وقت اس پر پڑتی ہیں خواہ وہ طلوع ہو یا غروب۔ سعید بن جبیر بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس کا تیل سب سے عمدہ ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے تو بھی اسکی کرنیں اس پر پڑتی ہیں اور جب غروب ہوتا ہے تو بھی۔ چونکہ صبح و شام اس پر دھوپ پڑتی ہے اس لیے اسے نہ شرقی کہا جا سکتا ہے اور نہ غربی(1)۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ درخت نہ مشرق کے ساتھ خاص ہے اور نہ مغرب کے ساتھ بلکہ یہ پہاڑ کی چوٹی پر ہوتا ہے یا صحرا میں اور سارا دن سورج اس پر پڑتا رہتا ہے۔ بعض نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ درختوں کے وسط میں ہوتا ہے اس وجہ سے یہ نہ مشرق کی طرف نمایاں ہوتا ہے اور نہ مغرب کی طرف۔ حضرت ابی بن کعب اس فرمان کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ سرسبز و شاداب اور لطیف درخت ہے جسے کسی حالت میں بھی سورج کی کرنیں نہیں پہنچتیں نہ طلوع کے وقت اور نہ غروب کے وقت' یہی کیفیت مومن کی ہے۔ اسے فتنوں اور آزمائشوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور اگر وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھتا ہے۔ چنانچہ اسے چار خصلتیں میسر آتی ہیں: گفتگو میں سچائی' فیصلہ میں عدل' آزمائش پر صبر اور نعمت پر شکر۔ وہ تمام لوگوں میں اس طرح ہوتا ہے جیسے مردوں میں کوئی زندہ شخص۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں زیتون کا درخت درختوں کے وسط میں ہوتا ہے جس تک نہ مشرق سے سورج کی رسائی ہوتی ہے اور نہ مغرب۔ عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ زیتون درختوں کے درمیان ہوتا ہے' اس کے پھل کا سایہ اس کے پتوں سے دکھائی دیتا ہے اور اس پر نہ سورج طلوع ہوتا ہے اور نہ غروب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسا

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 197

درخت ہے جسکی سمت نہ مشرق ہے اور نہ مغرب بلکہ یہ شرقی غربی ہے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ یہ قبلہ کی طرف ہے اور زید بن اسلم کہتے ہیں کہ شام میں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ درخت زمین پر ہوتا تو ضرور شرقی یا غربی ہوتا لیکن یہ تو نور خدا کی مثال ہے (1)۔ ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس درخت سے مراد مرد صالح ہے اور شرقی غربی نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ نہ یہودی ہے اور نہ نصرانی۔ ان تمام اقوال میں سے سب عمدہ اور موزوں قول پہلا ہے یعنی زیتون کا درخت کسی ہموار وسیع جگہ پر ہے جہاں ہر وقت ہوا کی آمد و رفت ہوتی رہتی ہے اور صبح سے شام تک سورج کی کرنیں اس پر پڑتی رہتی ہیں اس لئے اس کا تیل نہایت صاف ستھرا اور لطیف ہوتا ہے اس لئے فرمایا۔ یَکَادُ زَیْتُہَا یعنی اس کا تیل اس قدر صاف شفاف اور نفیس ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ بغیر جلائے اس طرح روشنی دے رہا ہے جس طرح جلانے سے روشنی حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا: نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سے مراد نور ایمان اور نور عمل ہے۔ سدی اور مجاہد کہتے ہیں کہ تیل کا نور اور آگ کا نور۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ اسے پانچ نور حاصل ہوتے ہیں: اس کا کلام نور ہے، اس کا عمل نور ہے، اس کا داخل ہونا نور ہے۔ اس کا نکلنا نور ہے اور قیامت کے دن اس کا آخری ٹھکانا نور جنت ہوگا۔ حضرت کعب الاحبار اس فرمان یَکَادُ زَیْتُہَا کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اس میں نبی کریم ﷺ کی مثال بیان ہوئی ہے یعنی حضور کی شان اسقدر واضح ہے کہ اگر آپ اعلان نبوت نہ بھی کرتے تو بھی یہ لوگوں پر ظاہر ہو جاتی جیسا کہ زیتون کا تیل بغیر روشن کیے بھی روشن ہے (2)۔ سدی اس فرمان نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مراد آگ کا نور اور زیتون کے تیل کا نور ہے، جب یہ دونوں جمع ہوتے ہیں تو روشنی پیدا ہوتی ہے ایک کے بغیر دوسرے سے روشنی کا حصول ناممکن ہے۔ اسی طرح نور قرآن اور نور ایمان یکجا ہونے سے مومن کا دل روشن ہوتا ہے ان میں سے صرف ایک سے یہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا یَہْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر اسی دن ان پر اپنا نور ڈالا۔ اس دن جسے وہ نور پہنچا وہ ہدایت پا گیا اور جو اس سے محروم رہا وہ گمراہ ہو گیا۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق چل کر خشک ہو گیا (3)۔ قلب مومن میں نور ہدایت کی مثال بیان کرنے کے بعد آیت کے اختتام پر فرمایا: وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ یعنی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "دل چار قسم کے ہیں: ایک روشن چراغ کی طرح صاف اور چمکدار، ایک غلاف میں لپٹا ہوا ایک اوندھا اور ایک الٹا پھرا ہوا، صاف اور چمکدار دل مومن کا دل ہے جس میں چراغ کی سی روشنی ہوتی ہے، پردے اور غلاف میں لپٹا ہوا دل کافر کا دل ہے، اوندھا دل منافق کا دل ہے جو پہچاننے کے بعد انجان بن گیا اور الٹا پھرا ہوا دل وہ دل ہے جس میں ایمان بھی ہے اور نفاق بھی۔ اس میں ایمان کی مثال ترکاری کی سی ہے جسے عمدہ پانی نشو و نما دیتا ہے اور اس میں نفاق کی مثال پھوڑے کی سی ہے جسے خون اور پیپ ابھارتے ہیں، ان میں سے جو غالب آ گیا وہی دل پر قابض ہو جاتا ہے" (4)۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ ۙ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْہَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۙ
رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۪ۙ

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 172
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 198-199
3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 176
4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 817

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

''ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کیے جائیں اور لیا جائے ان میں اللہ تعالیٰ کا نام۔ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ان گھروں میں صبح اور شام وہ (جوان) مرد جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید و فروخت یاد الٰہی سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے، وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے گھبرا جائیں گے جس میں دل اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ تاکہ جزا دے انہیں اللہ تعالیٰ ان کے بہترین اعمال کی اور (اس سے بھی) زیادہ عطا فرمائے انہیں اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے حساب''۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مومن کے دل اور اس میں موجود ہدایت اور علم کی مثال بیان کی کہ وہ ایسے چراغ کی سی ہے جو شفاف اور چمکدار فانوس میں ہو اور اسے زیتون کے تیل سے روشن کیا گیا ہو گویا یہ قندیل کی طرح ہے۔ اب یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اس کا محل مساجد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب مقامات ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے گھر ہی ہیں جہاں اسکی عبادت کی جاتی ہے اور اسکی وحدانیت کو بیان کیا جاتا ہے فرمایا: ''فی بیوت'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مساجد کی حفاظت کرنے ہر قسم کی غلاظت اور آلودگی سے پاک صاف رکھنے اور ان میں بیہودہ گوئی اور غیر شائستہ حرکات سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر مفسرین نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ مسجدوں میں ہر قسم کی لغو چیز کے ارتکاب کی ممانعت ہے(1)۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہی مساجد ہیں جنہیں تعمیر کرنے آباد کرنے شاندار بنانے اور پاک صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت کعب کہا کرتے تھے تورات میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لکھا ہوا ہے کہ زمین میں میرے گھر مسجدیں ہیں۔ جو شخص اچھی طرح وضو کر کے میرے گھر میں میری ملاقات کے لئے آئے، میں اسے عزت سے نوازتا ہوں اور میزبان پر یہ حق بنتا ہے کہ وہ آنے والے کی تکریم کرے۔ مساجد کی تعمیر ان کے ادب و احترام انہیں خوشبودار اور پاک صاف رکھنے کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جنہیں میں نے ایک مستقل تالیف کی شکل میں الگ تحریر کر دیا ہے، چند ایک احادیث کا تذکرہ یہاں بھی ہوگا۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں اس جیسا گھر تعمیر فرما دیتا ہے''(2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مسجد بناتا ہے تاکہ اس میں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے گھر تعمیر فرماتا ہے''(3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آبادیوں میں مسجدیں بنانے اور انہیں صاف ستھرا اور پاک رکھنے کا حکم دیا(4)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کے لئے ایسی مسجدیں تعمیر کرو جو ان کے سر چھپا لیں اور انہیں سرخ یا زرد رنگ کرنے سے اجتناب کرو ورنہ لوگ فتنہ میں پڑ جائیں گے(5)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک کسی قوم نے اپنی مساجد کو نقش و نگار اور رنگ و روغن سے

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 144

2۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 122، صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 376

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 243، سنن نسائی، کتاب المساجد، جلد 2 صفحہ 31

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 124، عارضۃ الاحوذی، ابواب السفر، جلد 3 صفحہ 77 وغیرہ

5۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 113

آراستہ نہیں کیا اس وقت تک ان کے اعمال برے نہیں ہوئے"(1)۔ اسکی سند میں ضعف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے مسجدوں کو بلند و بالا اور پختہ بنانے کا حکم نہیں دیا گیا"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم ضرور یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی مسجدوں کو نقش و نگار اور رنگ و روغن سے آراستہ کرو گے(2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک لوگ مساجد کے بارے میں ایک دوسرے پر فخر و مباہات نہ کرنے لگیں"(3)۔ ایک شخص اپنے اونٹ کو ڈھونڈتا ہوا مسجد میں آ گیا اور کہنے لگا کہ کون مجھے میرے سرخ اونٹ کا پتہ دے گا؟ نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا "اللہ کرے کہ وہ تجھے نہ ملے! مسجدیں تو اسی مقصد کے لئے ہیں جس کے لئے انہیں تعمیر کیا جاتا ہے"(4)۔ رسول اللہ ﷺ نے مسجدوں میں خرید و فروخت، تجارت اور شعر گوئی سے منع فرمایا ہے(5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم مسجد میں کسی کو خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تجارت کو نفع بخش نہ بنائے اور جب تم کسی کو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ کرے وہ چیز تمہیں واپس نہ ملے"(6)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو مسجد کے شایان شان نہیں، مسجد کو رستہ نہ بنایا جائے، اس میں ہتھیار کی نمائش نہ کی جائے اس میں تیر کمان پر نہ چڑھایا جائے، اس میں تیر نہ پھیلائے جائیں اس میں کچا گوشت نہ لایا جائے، اس میں حد نہ لگائی جائے اس میں قصاص نہ لیا جائے اور نہ ہی اسے بازار بنایا جائے(7)۔ حضرت واثلہ بن اسقع سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مساجد کو اپنے بچوں، دیوانوں خرید و فروخت، لڑائی جھگڑے، بلند آواز سے بولنے حدیں قائم کرنے اور تلواریں سونتنے سے بچاؤ۔ ان کے دروازوں پر وضو اور طہارت کی جگہیں بناؤ اور جمعہ کے ایام میں انہیں خوشبودار بناؤ(8)۔ اسکی سند ضعیف ہے۔ علماء نے بلا ضرورت مساجد کو گزرگاہ بنانا مکروہ قرار دیا ہے۔ فرشتے ایسے شخص پر تعجب کرتے ہیں جو نماز پڑھے بغیر مسجد سے گزر جاتا ہے۔ مسجد میں ہتھیار لہرانے کمان پر تیر چڑھانے اور تیر پھیلانے کی ممانعت اس خدشہ کے پیش نظر ہے کہ کہیں کوئی ہتھیار کسی نمازی کو نہ لگ جائے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ جب کوئی شخص تیر لے کر گزرے تو اسے اس کا پھل اپنے ہاتھ میں محفوظ رکھنا چاہیے تاکہ کسی کو ایذا نہ پہنچے(9)۔ مسجد میں کچا گوشت لانا اس وجہ سے منع کیا گیا ہے تاکہ مسجد آلودہ نہ ہو۔ مسجد میں حد اور قصاص کی ممانعت کا سبب اسے نجاست سے پاک رکھنا ہے۔ مسجد کو بازار بنانے اور اس میں خرید و فروخت کرنا ممنوع ہے کیونکہ مسجد اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت کے لئے بنائی جاتی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس اعرابی سے فرمایا تھا جس نے مسجد کے ایک گوشے میں پیشاب کر دیا تھا: "مسجدیں اس لئے نہیں بنائی گئیں بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز کے لئے بنایا گیا ہے"(10)۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے پیشاب پر پانی کا ایک بڑا ڈول بہانے کا حکم دیا۔ بچوں کو مساجد سے دور رکھنے کا حکم اس لئے ہوا کیونکہ وہ مسجدوں میں کھیلتے ہیں اور ایسا کرنا مناسب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بچوں کو مسجد

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 245-244 — 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 122

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 123، سنن نسائی، کتاب المساجد، جلد 2 صفحہ 32 وغیرہ — 4۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 397

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 283، سنن نسائی، کتاب المساجد، جلد 2 صفحہ 47-48 وغیرہ

6۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب البیوع، جلد 6 صفحہ 61-62 — 7۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 247 — 8۔ ایضاً

9۔ فتح الباری، کتاب الفتن، جلد 13 صفحہ 24، صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2019، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 392

10۔ مسند احمد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، جلد 2 صفحہ 503

میں کھیلتے ہوئے دیکھتے تو انہیں کوڑے سے پیٹتے اور آپ نماز عشاء کے بعد کسی کو مسجد میں نہ رہنے دیتے۔ دیوانے چونکہ عقل سے عاری ہوتے ہیں اور لوگ ان کا مذاق اڑاتے ہیں اس طرح مسجد میں کھیل تماشہ کا خطرہ ہوتا ہے اور اسی طرح مسجد آلودہ ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے اسلئے مسجد میں ان کے داخلہ پر پابندی لگا دی۔ خرید و فروخت کی ممانعت اسلئے کی کہ مسجد بنانے کا مقصد صرف عبادت ہے تجارت نہیں۔ مسجد میں جھگڑے لے جانا اور ان کے فیصلے کرنا بھی ممنوع ہے کیونکہ جھگڑوں میں آوازیں بلند کی جاتی ہیں اور غیر شائستہ زبان استعمال کی جاتی ہے جو آداب مسجد کے منافی ہے اس لئے حدیث شریف میں آوازیں بلند کرنے کی ممانعت کا ذکر بھی اس کے بعد کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء نے کہا ہے کہ مسجد میں فیصلے نہ کیے جائیں بلکہ مسجد سے باہر کوئی اور جگہ اس غرض کیلئے استعمال کرنی چاہیے۔ سائب بن یزید کندی فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی شخص نے مجھ پر کنکر پھینکا میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب تھے۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ جاؤ اور ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ میں ان دونوں کو لیکر آپ کے پاس آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ یا یہ پوچھا کہ تم کہاں سے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا تم مسجد نبوی میں اونچی آواز سے بول رہے ہو(1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں کسی شخص کی اونچی آواز سن کر فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کس جگہ ہو؟(2) حدیث مذکور میں مساجد کے دروازے پر وضو اور طہارت کی جگہیں بنانے کا حکم دیا۔ مسجد نبوی کے قریب ہی کچھ کنویں تھے جن کا پانی پینے وضو کرنے طہارت حاصل کرنے اور دیگر اغراض کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ جمعہ کے ایام میں مساجد کو خوشبودار بنانے کا حکم دیا کیونکہ اس دن لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ آپ جمعہ کے دن مسجد نبوی میں خوشبو لگایا کرتے تھے(3)۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے کا اجر گھر میں یا دوکان پر نماز ادا کرنے سے پچیس گنا زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ اچھی طرح وضو کر کے صرف نماز کے ارادہ سے مسجد کی طرف نکلتا ہے تو ہر قدم کے بدلہ میں اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور ایک گناہ معاف کر دیا جاتا ہے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ موجود رہتا ہے فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اے اللہ اس پر اپنی رحمت نازل فرما اور اس پر رحم کر اور جب تک وہ نماز کے انتظار میں رہتا ہے اسے نماز کا اجر و ثواب ملتا رہتا ہے(4)۔ دار قطنی میں ایک مرفوع روایت ہے: "مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے سوا کسی جگہ نہیں ہوتی" (5)۔ سنن میں ہے "تاریکیوں میں مسجد کی طرف جانے والوں کو خوشخبری سنا دو کہ انہیں قیامت کے دن پورا پورا نور ملے گا" (6)۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت آدمی کے لئے مستحب ہے کہ وہ پہلے اپنا دایاں پاؤں رکھے اور نبی کریم ﷺ کی بتائی ہوئی وہ دعا پڑھے جو آپ ﷺ بھی پڑھا کرتے تھے: "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" جب آدمی یہ پڑھتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہ شخص آج کا پورا دن میری شر سے محفوظ ہو گیا(7)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں کوئی مسجد میں داخل ہو تو یہ کہے اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب باہر نکلے تو یہ کہے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ

1۔ فتح الباری، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 560
2۔ سنن نسائی، کتاب المواعظ، جلد 8 صفحہ 4
3۔ مسند ابی یعلی، تحقیق: ارشاد الحق، جلد 1 صفحہ 121
4۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، جلد 1 صفحہ 165۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 459
5۔ سنن دار قطنی، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 419-420
6۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 154، عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 23
7۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 127

مِنْ فَضْلِكَ"(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی ﷺ پر سلام بھیجے اور یہ کہے اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب باہر نکلے تو بھی نبی ﷺ پر سلام بھیجے اور یہ کہے: "اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ"(2)۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو اپنی ذات پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے اور پھر یہ کہتے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" اور جب آپ ﷺ مسجد سے باہر نکلتے تو بھی اپنی ذات پر درود وسلام پڑھتے اور یہ دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ"(3)۔ علاوہ ازیں اور بھی متعدد احادیث ہیں جو مسجد کے آداب اور احکام کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ہم نے انہیں ترک کر دیا ہے۔ فرمایا فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ... اس طرح اور مقامات پر فرمایا: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف: 31) "اے آدم کی اولاد! ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو"۔ وَّاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (الاعراف: 29)۔ "اور ہر نماز کے وقت اپنے چہرے سیدھے کر و اور اس کے لئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اسے پکارو"۔ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ (الجن: 18)۔ حضرت ابن عباس يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ کا معنی تلاوت قرآن بتاتے ہیں۔ آصال اصیل کی جمع ہے دن کے آخری حصے کو اصیل کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں تسبیح کا لفظ ہے وہاں اس سے مراد نماز ہے۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ "غدو" سے مراد فجر کی نماز ہے اور "آصال" سے مراد عصر کی نماز۔ یہی دو نمازیں پہلے پہل فرض ہوئی تھیں اور انہی کا تذکرہ کر دیا گیا(4)۔ ایک دوسری قرأت میں يُسَبَّحُ فعل مجہول ہے۔ اس صورت میں "والآصال" پر وقف تام ہوگا اور رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ سے نئے جملہ کا آغاز ہوگا گویا کہ یہ فاعل محذوف کی تفسیر ہے۔ گویا یہ پوچھا گیا کہ کون ان میں تسبیح کرتے ہیں؟ جواب دیا گیا: رجال ۔ اگر يُسَبِّحُ فعل معروف پڑھیں تو اس صورت میں اس کا فاعل "رجال" ہوگا اور اسی پر وقف ہوگا کیونکہ کلام فاعل کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ لفظ رجال کہنے میں ان کی بلند ہمتوں، صالح نیتوں اور اعلیٰ عزائم کا شعور دلانا مقصود ہے جن کے باعث یہ ان مساجد کو آباد کرنے میں مشغول ہو گئے جو زمین پر اللہ تعالیٰ کے گھر اور اس کی عبادت، شکر، توحید اور تنزیہہ بیان کرنے کے مقامات ہیں جیسا کہ فرمایا: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (الاحزاب: 23) "اہل ایمان میں ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے وہ عدہ سچا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا"۔ جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے تو ان کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ہی نماز ادا کریں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عورت کی اپنے گھر میں نماز، اس کے حجرے کی نماز سے افضل ہے اور اس کی اپنی کوٹھڑی میں نماز، گھر میں نماز سے افضل ہے"(5)۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "عورتوں کے لئے بہترین مسجد ان کے گھروں کا بالکل اندرونی حصہ ہے"(6)۔ حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام حمید رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ میں آپ کے ساتھ نماز ادا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے معلوم ہے کہ تمہیں میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند ہے لیکن تمہاری اپنے گھر میں نماز حجرہ کی نماز سے اور حجرہ کی نماز صحن کی نماز سے اور صحن کی نماز محلہ کی مسجد کی نماز سے اور محلہ کی مسجد میں تمہاری نماز میری مسجد میں نماز سے بہتر ہے"۔ چنانچہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 494، سنن نسائی، کتاب المساجد، جلد 2 صفحہ 53

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 254 وغیرہ

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 253-254، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 282

4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 146

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 156

6۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 297

انہوں نے اپنے گھر کی انتہائی اندرونی جگہ کو بطور مسجد مقرر کر لیا اور آخر دم تک وہیں نماز پڑھتی رہیں(1)۔ اس کے باوجود عورتوں کے لئے مردوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ بناؤ سنگھار کر کے اور تیز خوشبو لگا کر نہ آئیں کیونکہ اس طرح مردوں کے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی بندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے نہ روکو''(2)۔ مسند احمد اور ابوداؤد میں ہے: ''عورتوں کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں''(3)۔ ایک روایت میں ہے: ''وہ خوشبو لگائے بغیر نکلیں''(4)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں جانا چاہے تو وہ خوشبو نہ لگائے''(5)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمان عورتیں فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوتیں، پھر وہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی واپس جاتی تھیں تو اندھیرے کی وجہ سے وہ پہچانی نہ جاتی تھیں(6)۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ ان نئی نئی باتوں کو پا لیتے جو عورتوں نے ایجاد کی ہیں تو آپ ﷺ انہیں ضرور مسجدوں میں آنے سے منع فرما دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا(7)۔ اس کے بعد فرمایا: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ ۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (المنافقون:9) ''اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے''۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (الجمعہ:9) ''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر جاؤ اور خرید و فروخت چھوڑ دو''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایسے بلند ہمت اور جوانمرد ہیں کہ دنیا، اس کی زیب و زینت، اس کی لذات اور تجارت انہیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی جو ان کا خالق اور رازق ہے اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، وہ ان دنیاوی چیزوں سے بہتر اور زیادہ نفع بخش ہیں کیونکہ یہ چیزیں فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ باقی ہے، اس لئے فرمایا: لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ ... یعنی یہ سعادت مند اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے حکم اور اس کی محبت کو اپنی خواہش اور محبت پر ترجیح دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے چند تجارت پیشہ لوگوں کو دیکھا کہ جونہی نماز کے لئے اذان ہوئی، وہ اپنا کام کاج چھوڑ کر مسجد کی طرف چل پڑے۔ یہ دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ انہی میں سے ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ ۔ میں کیا ہے(8)۔ اسی قسم کی روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بازار میں تھے۔ جب نماز کا وقت ہو گیا تو لوگوں نے اپنی دکانیں بند کیں اور مسجد میں چلے آئے۔ یہ دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تجارت کروں اور اس سے مجھے ہر روز تین سو دینار نفع حاصل ہو تو بھی میں نماز کے وقت اسے چھوڑ کر مسجد میں چلا جاؤں گا۔ میرا یہ مقصد نہیں کہ تجارت حلال نہیں ہے بلکہ میری خواہش ہے کہ میں ان لوگوں

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 371
2۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 7
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 155، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 76-77
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 155، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 438
5۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 328
6۔ فتح الباری، کتاب المواقیت، جلد 2 صفحہ 54، صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 445-446
7۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، جلد 1 صفحہ 219، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 329
8۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 146، معجم کبیر، جلد 9 صفحہ 253

میں شامل ہو جاؤں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ ہے۔ عمرو بن دینار الاعور بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سالم بن عبداللہ کے ساتھ مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ جب ہم مدینہ شریف کے بازار سے گزرے تو دیکھا کہ دوکاندار اپنے سامان کو ڈھانپ کر نماز کے لئے مسجد میں چلے گئے ہیں۔ حضرت سالم نے وہاں جب کسی شخص کو نہ پایا تو اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہوا ہے۔ سعید بن ابی الحسن اور ضحاک اس آیت کے متعلق یہی فرماتے ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت ان لوگوں کو مقررہ وقت پر نماز کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتی۔ مطر الوراق کہتے ہیں کہ وہ خرید و فروخت میں مشغول رہتے تھے لیکن جونہی کسی کے کان میں اذان کی آواز پڑتی تھی تو وہ ترازو رکھ کر مسجد کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت میں ذکر اللہ سے مراد فرض نماز ہے یعنی تجارت اور بیع انہیں فرض نماز سے غافل نہیں کرتی۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت کے باعث وہ نماز میں حاضر ہونے اور اس کے اوقات اور آداب کی پابندی کرنے سے غفلت نہیں برتتے۔ اس کے بعد فرمایا۔ يَخَافُوْنَ يَوْمًا ۔ یعنی وہ قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں جس کی ہولناکی اور شدت کے باعث دل گھبرا جائیں گے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی جیسا کہ فرمایا: وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ (المومن:18) "اور آپ انہیں قریب آنے والے دن سے ڈرائیے"۔ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ (ابراہیم:42) "وہ تو انہیں صرف اس دن کے لئے ڈھیل دے رہا ہے جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی"۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا (الدھر:8-12) اور یہاں فرمایا: لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ ۔ یعنی یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنکی نیکیوں کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور ان کی لغزشوں سے درگزر کرتا ہے بلکہ انہیں مزید فضل و کرم سے نوازتا ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۔۔ (النساء:40)، مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۔ (الانعام:160) "جو کوئی ایک نیکی لائے گا تو اس کے لئے اس کی مانند دس ہوں گی اور جو کوئی ایک برائی کرے گا تو اسے اس کے برابر ہی بدلہ ملے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا"۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۔۔ (الحدید:11) "کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو (اپنا مال بطور) قرضہ حسنہ دے اور اللہ تعالیٰ اس کے مال کو کئی گنا بڑھا دے اور اسے شاندار اجر بھی ملے"۔ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (البقرۃ:261) "اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے"۔ اور یہاں فرمایا: وَاللّٰهُ يَرْزُقُ ۔۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرتبہ دودھ لایا گیا۔ آپ نے مجلس میں موجود تمام حاضرین کے سامنے باری باری یہ دودھ پیش کیا۔ چونکہ وہ سب روزہ سے تھے اس لئے کسی نے بھی وہ دودھ نہ پیا۔ آپ روزہ دار نہیں تھے اس لئے آپ نے دودھ پی لیا اور پھر اس آیت يَخَافُوْنَ يَوْمًا ۔ کی تلاوت کی(1)۔ حضرت اسماء بنت یزید سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اول آخر تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا تو ایک منادی بلند آواز سے ندا دے گا جو ساری مخلوقات کو سنائی دے گی کہ ابھی سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے کرم کے سب سے زیادہ مستحق کون ہیں۔ پھر حکم ہوگا کہ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کیا کرتی تھی۔ چنانچہ وہ کھڑے ہو جائیں گے اور وہ بہت ہی کم ہوں گے، انکے بعد باقی مخلوق کا حساب ہوگا"۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس فرمان "لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ" کی وضاحت میں فرمایا کہ ان کی نیکیوں کا اجر جنت ہے اور ان پر مزید فضل یہ ہوگا کہ انہیں ان لوگوں کے متعلق شفاعت کا حق حاصل ہوگا جنہوں نے ان پر دنیا میں کوئی احسان کیا تھا اور وہ مستحق شفاعت

1۔ سنن نسائی، کتاب المواعظ، جلد 7 صفحہ 104، مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ نور، جلد 2 صفحہ 399

ہوں گے (1)۔

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ
یَجِدْهُ شَیْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ
بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ
اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ؕ وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

"اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چمکتی ہوئی ریت جو کسی چٹیل میدان میں خیال کرتا ہے اسے پیاسا کہ وہ پانی ہے۔ حتیٰ کہ جب (پینے کے لئے) اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا اور پاتا ہے اللہ کو اپنے قریب تو پورا چکا دیا اس نے اس کا حساب، اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ یا (اعمال کفار) ایسے اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتے ہیں چھا رہی ہوتی ہے اس پر موج، اس کے اوپر اک اور موج (اور) اسکے اوپر بادل۔ (تہ در تہ) اندھیرے ہیں ایک دوسرے کے اوپر۔ جب وہ نکالتا ہے اپنا ہاتھ تو نہیں دیکھ پاتا اسے۔ اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے تو اس کے لئے کہیں نور نہیں"۔

یہاں دو قسم کے کفار کے لئے دو مثالیں بیان ہو رہی ہیں بالکل اسی طرح جیسا کہ سورۂ بقرہ کے آغاز میں منافقوں کی دو مثالیں بیان ہوئیں، ایک آگ کی اور دوسری پانی کی اور جیسے کہ سورۂ رعد میں پانی اور آگ کی دو مثالیں اس ہدایت اور علم کے لئے بیان ہوئیں جو دلوں میں جاگزیں ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی تفسیر اپنے اپنے مقام پر گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ یہاں دونوں مثالوں میں سے پہلی مثال ان کافروں کی ہے جو دوسروں کو بھی کفر کی دعوت دیتے ہیں اور اپنے بارے میں وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے عقائد اور اعمال بالکل درست اور اچھے ہیں اور وہ راہ راست پر گامزن ہیں حالانکہ یہ ان کی خام خیالی ہے اور درحقیقت وہ بے راہ روی کا شکار ہیں۔ ان کی مثال سراب کی سی ہے جو وسیع چٹیل میدان میں دور سے یوں دکھائی دیتا ہے جیسے وہ موجیں مارتا ہوا دریا ہے۔ قیعۃ جمع ہے قاعٌ کی جیسے جیرۃ جمع ہے جار (پڑوسی) کی۔ قاع کی جمع قیعان بھی آتی ہے جیسے جار کی جمع جیران۔ قاع وسیع کشادہ اور ہموار زمین کو کہتے ہیں اور ایسے ہی میدانوں میں سراب نظر آتا ہے۔ دوپہر کے وقت وسیع میدان میں ریت کے چمکتے ہوئے ذرات دور سے یوں دکھائی دیتے ہیں جیسے پانی ہو۔ پیاسا اس سراب کو پانی خیال کر کے اس کی طرف لپکتا ہے تاکہ اس سے اپنی پیاس بجھائے۔ جونہی وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو وہ اسے کچھ بھی نہیں پاتا۔ یہی حال کافر کا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ نیک اعمال کر رہا ہے اور یہ اعمال اس کے کام آئیں گے لیکن جب قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں حساب کے لئے حاضر ہوگا اور اس سے اس کے اعمال کے متعلق باز پرس ہوگی تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں۔ اس کے سب اعمال غارت جائیں گے یا تو اس وجہ سے کہ ان میں اخلاص نہ تھا یا اس وجہ سے کہ وہ شریعت کے مطابق نہ تھے جیسا کہ ارشاد ہے: وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (الفرقان: 23) "اور ہم ان کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے اور انہیں گرد و غبار بنا کر اڑا دیں گے"۔ اور یہاں فرمایا: وَوَجَدَ اللّٰهَ صحیحین میں ہے

1۔ معجم کبیر، جلد 10 صفحہ 248

کہ قیامت کے دن یہود سے دریافت کیا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم اللہ کے بیٹے عزیر کی عبادت کیا کرتے تھے۔ کہا جائے گا کہ تم جھوٹے ہو، اللہ تعالیٰ کا تو کوئی بیٹا ہے ہی نہیں، اب بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم تخت پیاسے ہیں، ہمیں پانی پلا دو۔ ان سے کہا جائے گا کہ تم پانی پر جاتے کیوں نہیں؟ اب انہیں دوزخ دور سے سراب کی طرح دکھائی دے گی۔ دوڑتے ہوئے جائیں گے اور جہنم رسید ہو جائیں گے (1)۔ یہ مثال تو تھی جہل مرکب والوں کی۔ اب جہل بسیط والوں کی مثال ملاحظہ ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جو انتہائی نادان، فریب خوردہ اور ظالم ہیں جو کفر کے سرغنوں کی اندھا دھند تقلید کیے جا رہے ہیں۔ یہ بہرے، گونگے، اندھے اور بے عقل ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ فرمایا: اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لیعنی ان کی مثال گہرے سمندر میں تہہ در تہہ تاریکیوں کی سی ہے، اس کے اوپر تہہ در تہہ موجیں ہیں اور مزید یہ کہ گھٹا ٹوپ بادل نے اسے ڈھانپ رکھا ہے۔ اب کیفیت یہ ہے کہ سخت تاریکی کے باعث ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ یہ مثال جاہل اور اندھی تقلید کرنے والے کافر کی ہے جسے اس شخص کا حال بھی معلوم نہیں ہوتا جو اسے گمراہی کی راہ پر چلا رہا ہوتا ہے اور نہ ہی اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس راہ پر گامزن ہے بلکہ اس کی مثال ایسے ہے جیسے جاہل سے کہا جائے کہ تو کہاں جا رہا ہے؟ وہ کہے کہ میں ان کے ساتھ جا رہا ہوں، پھر اس سے پوچھا جائے کہ یہ کہاں جا رہے ہیں؟ وہ کہے کہ مجھے نہیں معلوم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ پردہ ہے جو دل، کانوں اور آنکھوں پر پڑ جاتا ہے۔ یہ ان ارشادات کی طرح ہے: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۗ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (البقرہ: 7) "مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے"، اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً (الجاثیہ: 23) "ذرا اس کی طرف تو دیکھو جس نے بنا لیا ہے اپنا خدا اپنی خواہش کو اور گمراہ کر دیا ہے اسے اللہ نے باوجود علم کے اور مہر لگا دی اس کے کانوں اور اس کے دل پر اور ڈال دیا اس کی آنکھوں پر پردہ" (2)۔ حضرت ابی بن کعب اس فرمان ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک کافر پانچ قسم کے اندھیروں میں گرفتار ہوتا ہے: اس کا کلام تاریکی ہے، اس کا عمل تاریکی ہے، اس کا داخل ہونا تاریکی ہے، اس کا نکلنا تاریکی ہے اور قیامت کے دن اس کا انجام بھی جہنم کی تاریکی میں ہوگا (3)۔ اس کے بعد فرمایا: وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لیعنی جسے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے وہ ہلاک ہونے والا جاہل، گمراہی میں حیران و ششدر رہنے والا کافر ہے جیسا کہ فرمایا: مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ (الاعراف: 186) "جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں"۔ یہ مومنوں کے لئے بیان کی گئی اس مثال (يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ ...) کے مقابلہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے التجا ہے کہ وہ ہمارے دلوں کو بھی منور کر دے اور ہمارے دائیں بائیں بھی نور عطا فرما دے اور ہمارے نور کو بڑھاتا رہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝

"کیا تم غور نہیں کرتے کہ بلاشبہ اللہ ہی ہے جس کی تسبیح بیان کرتے ہیں سارے آسمانوں والے اور زمین والے اور پرندے

1 صحیح بخاری تفسیر سورہ نساء، جلد 6 صفحہ 56 صحیح مسلم، کتاب الایمان جلد 1 صفحہ 167-1171

2 تفسیر طبری جلد 18 صفحہ 150 3 تفسیر طبری جلد 18 صفحہ 151 مستدرک حاکم تفسیر سورۂ نور، جلد 2 صفحہ 399

پر پھیلائے ہوئے ہر ایک جانتا ہے اپنی (مخصوص) دعا اور اپنی تسبیح کو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔
اور اللہ تعالیٰ کے لئے بادشاہی ہے سارے آسمانوں کی اور ساری زمین کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی (سب نے) لوٹنا ہے"۔

یہ بتایا جا رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بسنے والے تمام فرشتے، انسان، جن، حیوانات، حتیٰ کہ جمادات بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہیں جیسا کہ فرمان ہے: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ (بنی اسرائیل: 44) "پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز ان میں موجود ہے"، اور پرندے بھی پر پھیلائے ہوئے پرواز کے وقت اپنے رب کی عبادت اور اسی کی تسبیح کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھا دی ہے، اسی لئے فرمایا: كُلٌّ قَدْ عَلِمَ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اپنی عبادت کا مخصوص طریقہ سکھا دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ وہ تمام چیزوں سے اچھی طرح واقف ہے اور کوئی چیز اس پر مخفی نہیں، اس لئے فرمایا: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ۔ اس کے بعد اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، وہی حقیقی حاکم متصرف اور معبود ہے جس کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں اور اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ قیامت کے دن سب کو اسی کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ وہاں وہ اپنی مشیت کے مطابق ہر ایک کے متعلق فیصلہ فرمائے گا تاکہ ہر نیک و بد کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔ وہی خالق مالک معبود اور حاکم ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

"کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ لے جاتا ہے بادل کو پھر جوڑتا ہے اس (کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں) کو، پھر اسے تہ بہ تہ کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ نکلتی ہے اس کے درمیان سے اور اتارتا ہے اللہ تعالیٰ آسمان سے برف جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے پس نقصان پہنچاتا ہے اس سے جسے چاہتا ہے اور پھیر دیتا ہے اس کو جس سے چاہتا ہے۔ قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک لے جائے آنکھوں کی بینائی کو۔ بدلی کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ رات اور دن کی۔ بے شک اس میں عبرت ہے آنکھوں والوں کے لئے"۔

اللہ تعالیٰ پتلے پتلے بادلوں کو اپنی قدرت سے آہستہ آہستہ چلاتا ہے اور پھر ان بکھرے ہوئے بادلوں کے ٹکڑوں کو ملا دیتا ہے، پھر انہیں تہ بہ تہ کر دیتا ہے اور پھر ان کے درمیان سے بارش برستی ہے۔ عبید بن عمیر اللیثی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کچھ ہوائیں بھیجتا ہے جو گرد و غبار کرتی ہیں، پھر بادلوں کو ظاہر کرنے والی ہوائیں بھیجتا ہے، پھر بادلوں کو یکجا کرنے والی ہوائیں روانہ کرتا ہے اور پھر ان سے بارش برسانے والی ہوائیں بھیجتا ہے(1)۔ فرمایا: وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ بعض نحویوں کا کہنا ہے کہ اس میں پہلا "من" ابتدائے غایت کے لئے ہے، دوسرا تبعیض کے لئے اور تیسرا بیان جنس کے لئے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس کا یہ معنی کیا جائے کہ آسمان میں برف کے پہاڑ

1۔ تفسیر طبری، جلد 18، صفحہ 153

ہیں جہاں سے اولے اور برف برستی ہے لیکن جن حضرات کے نزدیک یہاں جبال کا لفظ بادل کے لئے بطور کنایہ ہے، ان کے نزدیک دوسرا "من" بھی ابتدائے غایت کے لئے ہے لیکن پہلے "من" سے بدل ہے۔ فرمایا: فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَّشَآءُ ... اس کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جہاں چاہے اپنی رحمت سے وہاں بارش اور اولے برساتا ہے اور جہاں نہ چاہے وہاں سے بارش روک لیتا ہے۔ اس فرمان کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اولوں کے ذریعے نقصان میں مبتلا کردے اور ان کے پھلوں، درختوں اور کھیتوں کو برف باری کے ذریعے تلف کردے اور جس پر وہ اپنی رحمت کرنا چاہے اسے اس نقصان سے بچالے۔ پھر فرمایا: يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ ... یعنی قریب ہے کہ اس کی بجلی کی شدید چمک آنکھوں کی بینائی لے جائے۔ اس کے بعد فرمایا: يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ یعنی اللہ تعالیٰ ہی دن اور رات میں تصرف کرتا ہے اور انہیں باری باری چھوٹا بڑا کر کے اعتدال پر رکھتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے تصرف، غلبہ، عظمت اور علم کی روشن دلیل ہے لیکن صرف ان کے لئے جن کی آنکھیں روشن ہیں جیسا کہ فرمایا: اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (آل عمران: 190)۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾

"اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے ہر جانور کو پانی سے۔ تو ان میں کچھ تو رینگتے ہیں پیٹ کے بل، اور ان میں سے بعض چلتے ہیں دو ٹانگوں پر اور ان میں سے بعض چلتے ہیں چار ٹانگوں پر۔ پیدا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور سلطنت عظیمہ کو بیان فرما رہا ہے کہ اس نے ایک ہی پانی سے مختلف شکل وصورت، رنگ وروپ اور حرکات وسکنات کی حامل انواع واقسام کی مخلوقات پیدا کی ہیں۔ ان میں سے سانپ اور اس قسم کی دوسری چیزیں اپنے پیٹ کے بل رینگتی ہیں۔ انسان اور پرندے دیکھیں جو دو ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ حیوانات اور چوپائے چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے کہ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

"ہم نے اتاری ہیں ایسی آیتیں جو (حق کو) صاف صاف بیان کرتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پہنچاتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ تک"۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بکثرت حکمتیں، احکام اور واضح اور پختہ مثالیں بیان کی ہیں اور اسی نے عقل وبصیرت رکھنے والوں کو ان کے سمجھنے کی صلاحیت سے نوازا ہے، اس لئے فرمایا: وَاللّٰهُ يَهْدِيْ ...۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿٤٩﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ

ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٥٠﴾ اِنَّمَا

كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ

اَطَعْنَا ۭ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٥١﴾ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓىِٕكَ

هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ﴿٥٢﴾

’’اور وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور (اس کے) رسول پر اور ہم فرمانبردار ہیں پھر منہ پھیر لیتا ہے ایک فریق ان سے (ایمان واطاعت کے) اس دعویٰ کے بعد، اور یہ لوگ ایماندار نہیں ہیں۔ اور جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ فیصلہ کرے ان کے درمیان تو اس وقت ایک جماعت ان میں سے روگردانی کرنے لگتی ہے۔ اور اگر فیصلہ ان کے حق میں ہونا ہو تو (بھاگے) چلے آتے ہیں اس کی طرف تسلیم کرتے ہوئے۔ کیا ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے یا وہ (اسلام کے متعلق) شک میں مبتلا ہیں یا انہیں یہ اندیشہ ہے کہ ظلم کرے گا اللہ تعالیٰ ان پر اور اس کا رسول۔ بلکہ (درحقیقت) وہ خود ظالم ہیں۔ ایمانداروں کی بات تو صرف اتنی ہے کہ جب انہیں بلایا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ فرمادے ان کے درمیان، تو وہ کہتے ہیں ہم نے فیصلہ سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور یہی لوگ دونوں جہانوں میں بامراد ہیں۔ اور جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اور بچتا رہتا ہے اس (کی نافرمانی) سے تو یہی لوگ کامیاب ہیں‘‘۔

ان منافقین کی صفات بیان کی جارہی ہیں جو اظہار کسی اور چیز کا کرتے ہیں لیکن ان کے دل میں موجود کوئی اور چیز ہے۔ یہ اپنی زبانوں سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن پھر وہ روگردانی کرنے لگتے ہیں۔ ان کے قول وفعل میں تضاد ہے، یہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں، اس لئے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ ایماندار نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَ اِذَا دُعُوْٓا۔ یعنی جب انہیں رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام ہدایت کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ تکبر کرتے ہوئے اس کی اتباع سے اعراض کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ... رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا (النساء: 60-61) ’’کیا آپ نے ان کی طرف نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لائے جو آپ کی طرف اتاری گئی اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے، وہ چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے کے لئے (اپنے مقدمات) طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہت دور تک بہکا دے اور جب انہیں کہا جائے کہ آؤ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی طرف اور رسول کی طرف تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ آپ سے روگردانی کرتے ہوئے منہ موڑ لیتے ہیں‘‘۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: ’’جس شخص کو حاکم کے پاس بلایا جائے لیکن وہ نہ جائے تو وہ ظالم ہے اور اس کا کوئی حق نہیں‘‘(1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ...... یعنی اگر انہیں اپنے حق میں فیصلہ ہوتا ہوا نظر آتا ہو تو وہ بھاگم بھاگ اسے تسلیم

1۔ معجم کبیر، جلد 7، صفحہ 225

کرتے ہوئے چلے آتے ہیں لیکن اگر فیصلہ ان کی مرضی اور مفاد کے خلاف ہو تو وہ اس سے اعراض کر کے باطل کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں اور اپنے باطل کو رواج دینے کے لئے خواہش رکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سوا کسی اور سے تصفیہ کروائیں۔ پہلی صورت میں فیصلے کو تسلیم کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اسے برحق یقین کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ یہ ان کی خواہش کے مطابق ہے، اسی لئے جب ان کے مفاد پر زد پڑے اور فیصلہ ان کی مرضی کے خلاف ہو تو یہ حق سے روگردانی کرنے لگتے ہیں، اس لئے فرمایا: اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یعنی ان کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ یا تو ان کے دلوں میں روگ ہے یا انہیں دین میں شک ہے یا انہیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ناحق ظلم کریں گے۔ جو کچھ بھی ان میں سے ہو بہر صورت وہ کفر ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کو بخوبی جانتا ہے اور اسے یہ مکمل آگاہی ہے کہ ہر ایک کے دل میں کونسی صفت پائی جاتی ہے۔ آیت کے آخر میں واضح کر دیا گیا کہ یہی ظالم اور فاجر ہیں۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ان کی بدگمانی سے مبرا ہیں کہ وہ ان پر ظلم کریں گے۔ جب کسی منافق کا کسی سے تنازع ہو جاتا اور اس کے تصفیہ کے لئے اسے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہونے کے لئے کہا جاتا، اگر تو وہ حق پر ہوتا تو وہ تسلیم کر لیتا اور اسے معلوم ہو جاتا کہ حضور ﷺ اس کے حق میں فیصلہ دیں گے لیکن اگر وہ ظالم ہوتا تو آپ ﷺ کے پاس فیصلے کے لئے آنے سے روگردانی کرتا اور کہتا کہ میں تو فلاں سے تصفیہ کراؤں گا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس کا کسی کے ساتھ جھگڑا ہو اور اسے اسلامی حکم کے مطابق فیصلے کی طرف بلایا جائے لیکن وہ قبول نہ کرے تو وہ ظالم ہے اور اس کا کوئی حق نہیں۔" یہ حدیث غریب اور مرسل ہے۔ اس کے بعد اہل ایمان کا وصف بیان ہو رہا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور کتاب وسنت کے سوا کسی اور دین کے خواہاں نہیں ہوتے، فرمایا: اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ، اسی لئے ان کے متعلق فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو بامراد اور نجات یافتہ ہیں۔ یہ اپنے مطلوب کے حصول میں کامیاب ہیں اور عذاب سے سلامتی پانے والے ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو بدری صحابی اور انصار کے ایک نقیب بھی ہیں، جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بھتیجے جنادہ بن ابی امیہ سے کہا: کیا میں تمہیں آگاہ نہ کر دوں کہ تمہارے ذمہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ ضرور آگاہ فرمائیے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تنگی، خوشحالی، خوشی، غمی اور جب کسی کو تجھ پر ترجیح دی جائے، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا تم پر ضروری ہے، اپنی زبان کو عدل کے ساتھ سیدھا رکھو، امور کو انجام دینے کے اہل لوگوں کے ساتھ امور کو چھیننے کے لئے تنازعہ نہ کھڑا کرنا، البتہ اگر وہ تمہیں کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی بات بالکل نہ ماننا۔ اگر تمہیں کتاب اللہ کے منافی کسی چیز کا حکم دیا جائے تو کتاب اللہ کی ہی اتباع کرنا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر کوئی اسلام نہیں، خیر صرف جماعت کے ساتھ وابستہ ہے اور اخلاص صرف اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور عام مومنوں کے لئے ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اسلام کا مضبوط حلقہ لا اله الا اللہ کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا اور مسلمانوں کے حاکم کی اطاعت کرنا۔ کتاب وسنت، خلفائے راشدین اور مسلمان حکام کی اطاعت کے بارے میں احادیث اور آثار اس قدر زیادہ ہیں کہ یہاں انہیں ذکر کرنا ممکن نہیں۔ فرمایا: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ ۔ یعنی جس نے اللہ اور اس کے رسول کے اوامر اور نواہی کو تسلیم کیا اور گزشتہ گناہوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا اور مستقبل میں تقویٰ کو اپنا شعار بنائے رکھا تو ایسے لوگ ہی دنیا و آخرت میں ہر بھلائی کے حصول میں کامیاب ہونے والے اور شر سے محفوظ رہنے والے ہیں۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ

مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

''اور قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بڑے زور شور سے کہ اگر آپ انہیں حکم دیں تو وہ (گھروں سے بھی) نکل جائیں گے۔ فرمایئے قسمیں نہ کھاؤ۔ تمہاری فرمانبرداری خوب معلوم ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے جو کچھ تم کرتے رہتے ہو۔ آپ فرمایئے اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی۔ پھر اگر تم نے روگردانی کی تو (جان لو) رسول کے ذمہ اتنا ہے جو ان پر لازم کیا گیا اور تمہارے ذمہ ہے جو تم پر لازم کیا گیا، اور اگر تم اطاعت کرو گے اس کی تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اور نہیں ہے (ہمارے) رسول کے ذمہ بجز اس کے کہ وہ صاف صاف پیغام پہنچا دے''۔

منافقین کا حال بیان ہو رہا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے سامنے پختہ قسمیں کھا کھا کر یہ یقین دہانی کراتے کہ اگر آپ ہمیں جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیں گے تو ہم تعمیل ارشاد کرتے ہوئے فوراً نکل کھڑے ہوں گے۔ اس کے جواب میں انہیں فرمایا گیا: لَا تُقْسِمُوْا بعض نے طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ تمہاری اطاعت خوب معلوم ہے، اس کی حقیقت یہی ہے کہ تمہارے قول و فعل میں تضاد ہے اور جب بھی تم قسم اٹھاتے ہو، جھوٹ بولتے ہو جیسا کہ فرمایا: يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ (التوبہ:96)'' وہ تمہارے لئے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم خوش ہو جاؤ''۔ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً (المنافقون:2)۔ جھوٹ ان کی فطرت اور عادت ہے یہاں تک کہ جس چیز کو وہ خود اختیار کرتے ہیں اس میں بھی جھوٹ بولتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ (الحشر:12-11) بعض نے طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم معمول کے مطابق اطاعت کرتے رہو، قسمیں کھانے کی کوئی ضرورت نہیں، جس طرح اہل ایمان بغیر قسمیں کھائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں منہمک ہیں تم بھی اسی طرح اطاعت کرتے ہوئے ان جیسے بن جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں اچھی طرح باخبر ہے اور وہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو خوب جانتا ہے۔ قسمیں اٹھا کر اطاعت کا جھوٹا اظہار کرنے سے مخلوق کو تو دھوکہ دیا جا سکتا ہے لیکن اس خالق سے حقیقت چھپ نہیں سکتی جو پوشیدہ چیزوں کا بھی علم رکھتا ہے بلکہ وہ تو بندوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے خیالات سے بھی واقف ہے۔ پھر فرمایا: قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ۔ یعنی کتاب و سنت کی اتباع کرو۔ اگر تم نے اس سے روگردانی کی اور رسول اللہ ﷺ کی لائے ہوئے پیغام کو پس پشت ڈال دیا تو جان لو کہ رسول اللہ ﷺ کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچا دینا اور اس کی امانت کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہونا لازم ہے اور تم پر یہ لازم ہے کہ اس پیغام کو قبول کر لو، اس کی تعظیم و تکریم کرو اور اس کے تقاضا کے مطابق عمل کرو۔ اگر تم نے آپ ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا راستہ اختیار کر لیا تو ہدایت پا جاؤ گے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد:40)'' سو آپ پر صرف تبلیغ فرض ہے اور حساب لینا ہمارے ذمہ ہے''۔ فَذَكِّرْ ۣ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَۜيْطِرٍ (الغاشیہ:22-21)'' پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔ آپ ان کو جبر سے منوانے والے نہیں ہیں''۔ وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شعیا علیہ السلام کی طرف وحی

کی کہ بنی اسرائیل کے مجمع میں کھڑے ہو جاؤ، میں تمہاری زبان پر وحی جاری کر دوں گا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام کھڑے ہوئے اور آپ کی زبان پر یہ خطبہ جاری ہو گیا: اے آسمان! سن، اے زمین! خاموشی سے غور کر، اللہ تعالیٰ ایک معاملہ کی تکمیل اور ایک امر کی تدبیر کرنا چاہتا ہے جسے وہ ہر صورت نافذ کرنے والا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جنگلوں کو آباد کر دے، ویرانوں کو سرسبز بنا دے، صحراؤں میں نہریں جاری کر دے، فقیروں کو غنی کر دے اور چرواہوں کو بادشاہ بنا دے اور وہ ان پڑھوں میں سے ایک امی نبی بھیجنا چاہتا ہے جو نہ درشت مزاج ہو، نہ سخت دل، نہ بدکلام اور نہ بازاروں میں شور و شغب کرنے والا۔ اگر وہ چراغ کے پاس سے گزرے تو اس کی تواضع، سکون اور وقار کے باعث وہ چراغ بھی نہ بجھے اور اگر وہ سوکھے سرکنڈوں اور بانسوں پر پاؤں رکھ کر چلے تو بھی پاؤں تلے سے آواز سنائی نہ دے۔ میں اسے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجوں گا، کوئی بیہودہ بات اس کی زبان سے نہیں نکلے گی، میں اس کی برکت سے اندھی آنکھیں، بہرے کان اور غلاف میں لپٹے ہوئے دلوں کو کھول دوں گا، میں اسے ہر امر جمیل سے آراستہ کروں گا، اسے ہر خلق کریم سے نوازوں گا۔ سکینت اس کا لباس، نیکی اس کا شعار، تقویٰ اس کا ضمیر، حکمت اس کی گفتار، صدق و وفا اس کی طبیعت، عفو و احسان اس کی خصلت، حق اس کی شریعت، عدل اس کی سیرت، ہدایت اس کا امام، اسلام اس کی ملت اور احمد اس کا نام ہوگا۔ میں اس کی برکت سے گمراہی کے بعد ہدایت، جہالت کے بعد علم، گمنامی کے بعد شہرت، ناواقفیت کے بعد پہچان، قلت کے بعد کثرت اور فقر کے بعد خوشحالی سے سرفراز کروں گا اور اس کے طفیل متفرق قوموں، باہمی منافرت کا شکار دلوں اور بکھری ہوئی خواہشات کو یکجا کر کے لوگوں کے درمیان الفت اور محبت پیدا کر دوں گا اور بہت سے لوگوں کو اس کے سبب ہلاکت سے بچا لوں گا۔ اس کی امت سب سے افضل امت ہوگی جو نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے منع کریں گے اور یہ موحد مومن مخلص اور تمام رسولوں کی تصدیق کرنے والے ہوں گے (1)۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝55

"وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے، اور مستحکم کر دے گا ان کے لئے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لئے اور وہ ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالت خوف کو امن سے۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں، کسی کو میرا شریک نہیں بناتے۔ اور جس نے ناشکری کی اس کے بعد تو وہی لوگ نافرمان ہیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے وعدہ فرما رہا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی امت کو خلافت بخش کر لوگوں کا امام اور حکمران بنائے گا، ان کے طفیل ملک آباد ہوں گے اور بندے ان کے تابع فرمان ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خوف کی حالت کو امن میں بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ سچ ثابت ہوا۔ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں ہی مکہ، خیبر، بحرین، جزیرۂ عرب اور یمن فتح ہوا، ہجر کے مجوسی اور شام کے بعض علاقوں والے لوگ جزیہ دینے لگے اور شاہ روم ہرقل، مقوقس مصر، شاہ عمان اور شاہ حبشہ نجاشی نے آپ ﷺ کی خدمت میں تحائف اور نذرانے ارسال کیے۔ حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نے تو اسلام قبول کر لیا۔ ان کی وفات کے بعد تخت حبشہ پر متمکن ہونے والے بادشاہ نے بھی

1۔ کتاب الشفاء، از قاضی عیاض، جلد 1 صفحہ 31-32

آپ ﷺ کے ساتھ عقیدت کا اظہار کیا اور تحائف نذر کئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اپنے پاس دار کرامت میں بلا لیا تو آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی۔ آپ نے خلافت کو کمزور کرنے والوں اور دین میں رخنہ اندازی کرنے والوں کا قلع قمع کیا اور خلافت کو مستحکم بنایا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے ایک لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بلاد فارس کی طرف روانہ کیا جنہوں نے وہاں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور کفر کے سرغنوں کو نیست و نابود کر دیا۔ ایک دوسرا لشکر آپ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں سرزمین شام کی طرف روانہ کیا اور ایک تیسرا لشکر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت مصر کی طرف بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے شام کی طرف پیش قدمی کرنے والے لشکر کو فتوحات عطا فرمائیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بصریٰ، دمشق اور حران وغیرہ فتح ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ملت اسلامیہ پر عظیم احسان فرمایا کہ اس نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا عظیم خلیفہ عطا فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف الہام ہی تھا جس کے سبب آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر دیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے بھی اس ذمہ داری کو خوب نبھایا اور سلطنت اسلامیہ کو ایک باوقار، پرشکوہ اور بے مثال مقام پر لا کھڑا کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ انبیاء کرام علیہ السلام کے بعد چشم فلک نے آپ جیسا صاحب کردار، نیک سیرت اور عادل شخص نہیں دیکھا۔ آپ کے زریں عہد میں شام و مصر کے تمام علاقے اور ایران کے اکثر علاقے اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے۔ کسریٰ کی شان و شوکت خاک میں مل گئی، وہ ذلیل و رسوا ہو کر اور سلطنت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور سلطنت کسریٰ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ قیصر بھی مغلوب ہوا اور بلاد شام سے ہاتھ دھو کر قسطنطنیہ میں جا ٹھہرا۔ ان دونوں سلطنتوں کے خزانے اور اموال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہوا جو اس نے اپنے پیارے رسول ﷺ سے کیا تھا، پھر خلافت عثمانیہ میں مملکت اسلامیہ کی سرحدیں مشرق و مغرب میں انتہائی دور دراز علاقوں تک وسیع ہو گئیں۔ مغرب میں فتوحات کا سلسلہ اندلس اور قبرص تک دراز ہوا اور بحر محیط کے ساتھ قیروان اور سبتہ کے علاقے فتح ہوئے۔ مشرق میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ چین کی سرحدوں تک پھیل گیا۔ کسریٰ قتل ہوا اور ساری سلطنت اس کے ہاتھوں سے جاتی رہی، دوسری طرف عراق، خراسان اور اہواز پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ ترکوں کے ساتھ گھمسان کا رن پڑا جس میں بہت سے ترک کام آئے اور ان کے بادشاہ خاقان کو ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑا، مشرق و مغرب سے خراج اکٹھا ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آنے لگا، یہ برکت تھی آپ کی تلاوت قرآن کی، قرآن کی اشاعت کی اور حفظ قرآن کی ترغیب دلانے کی۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا، پس میں نے اس کے مشرق اور مغرب دیکھ لئے اور عنقریب میری امت کی سلطنت ان علاقوں تک پہنچے گی جو میرے لئے سمیٹ گئے'' (1)۔ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ سچ ثابت ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وسیع و عریض اور عظیم الشان سلطنت سے نوازا جس میں ہم خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایمان پر کاربند رہنے اور اپنے احسانات کا شکر بجا لانے کی توفیق ارزانی فرمائے! حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کا معاملہ اس وقت تک بخیر و خوبی چلتا رہے گا جب تک ان میں بارہ آدمی امور سلطنت چلائیں گے''۔ پھر آپ ﷺ نے کچھ ارشاد فرمایا جو میں نہ سن سکا۔ چنانچہ میں نے اپنے والد گرامی سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے: ''وہ تمام کے تمام قریش سے ہوں گے'' (2)۔ مسلم کی روایت

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 2215 2۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، جلد 9 صفحہ 101 صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1452-1453

میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات اس شام کو فرمائی تھی جب حضرت ماعز بن مالک کو رجم کیا گیا تھا(1)۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بارہ عادل خلفاء کا ہونا ضروری ہے لیکن اس سے مراد شیعوں کے بارہ امام نہیں کیونکہ ان کی اکثریت کو خلافت کا کوئی حصہ نہیں ملا۔ حدیث شریف میں جن بارہ افراد کا ذکر ہوا ہے وہ سب قریش سے ہوں گے، خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں گے اور عدل کریں گے۔ ان کی بشارت سابقہ کتابوں میں بھی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ لگاتار ہوں بلکہ امت میں ان کا وجود لگاتار بھی ممکن ہے اور متفرق بھی۔ پہلے چاروں خلفائے راشدین حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے تسلسل کے ساتھ خلافت پر متمکن ہوئے۔ ان کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، پھر بھی ایسے خلفاء ہوئے اور ممکن ہے آگے چل کر بھی ہوں۔ حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی میں سے ہیں۔ ان کا نام اور کنیت حضور ﷺ کے نام اور کنیت کے مطابق ہوں گے۔ وہ تمام زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جبکہ وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی ہوگی۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت آجائے گی“(2)۔ ابوالعالیہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ تقریباً دس سال مکہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کی دعوت دیتے رہے لیکن یہ خوف اور بے اطمینانی کا زمانہ تھا جس میں جہاد کی اجازت بھی نہ تھی۔ اس کے بعد جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو وہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہتھیار اٹھانے اور جہاد کرنے کا حکم دے دیا۔ یہاں بھی مسلمانوں کو ہر وقت کفار کے حملہ کا کھٹکا لگا رہتا اور وہ صبح وشام ہتھیاروں سے لیس رہتے۔ جب اسی کیفیت میں کچھ عرصہ گزر گیا تو ایک صحابی نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم ہمیشہ اس طرح خوفزدہ رہیں گے؟ کیا ایسا دن نہیں آئے گا جب ہمیں امن نصیب ہوگا اور ہتھیار رکھ دینے کی نوبت آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب تم آرام سے بے خوف ہو کر مجمع عام میں بیٹھو گے اور تمہارے جسم پر کوئی ہتھیار نہیں ہوگا۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی ﷺ کو جزیرہ عرب پر غلبہ عطا فرمایا۔ مسلمان پرامن ہو گئے اور ہتھیار رکھنے کی بھی نوبت آگئی۔ پھر آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت میں بھی امن واطمینان سے زندگی بسر کرتے رہے۔ پھر مسلمان باہمی تنازعات اور جھگڑوں میں پڑ گئے اور ایک بار پھر خوف انہیں دامنگیر ہو گیا جس کی وجہ سے انہیں اپنے لئے پہریدار اور داروغے مقرر کرنا پڑے۔ جب وہ بدلے تو گردش زمانہ کے چکر میں آگئے(3)۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ خلافت ابوبکر وعمر کتاب اللہ سے ثابت ہے، اس کی تائید میں انہوں نے یہی آیت پیش کی۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ہم انتہائی خوف اور دہشت کی حالت میں تھے(4)۔ یہ آیت کریمہ اس فرمان کی طرح ہے: وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ ... لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (انفال: 26) ”اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے کمزور اور بے بس سمجھے جاتے تھے ملک میں ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لے جائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں پناہ دی اپنی نصرت سے اور تمہیں پاک چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ“۔ فرمایا: كَمَا اسْتَخْلَفَ ... جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ (الاعراف: 129) وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ ... ”اس کے بعد فرمایا: وَلَيُمَكِّنَنَّ ... رسول اللہ ﷺ نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم سے فرمایا: ”کیا تم نے حیرہ شہر دیکھا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1453
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 211، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 220-221 وغیرہ
3۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 401
4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 215

ہے؟“ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اسے دیکھا تو نہیں، البتہ اس کے بارے میں میں نے سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ ضرور اس دین کو غلبہ عطا فرمائے گا یہاں تک کہ ایک عورت حیرہ سے تنہا اونٹنی پر سوار ہو کر نکلے گی اور آ کر بیت اللہ کا طواف کرے گی۔ اور سنو! تم کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو فتح کرو گے۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں نے تعجب سے پوچھا کہ کسریٰ بن ہرمز کے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، کسریٰ بن ہرمز کے، اور مال کی اس قدر فراوانی ہو جائے گی کہ کوئی قبول کرنے والا نہیں ملے گا۔“ حضرت عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حیرہ سے اونٹنی پر سوار ہو کر تنہا آنے والی عورت کو کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے کسریٰ کے خزانے فتح کیے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تیسری پیشین گوئی بھی پوری ہو کر رہے گی کیونکہ حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے(1)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس امت کو ترقی، رفعت، دین، فتح و نصرت اور غلبہ کی نوید سنا دو۔ پس جس شخص نے دنیا کے لئے آخرت کا عمل کیا، اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا“(2)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں گدھے پر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، میرے اور آپ ﷺ کے درمیان صرف پالان کی لکڑی تھی۔ آپ نے مجھے آواز دے کر فرمایا: اے معاذ! میں نے عرض کی: ”لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ سَعْدَيْكَ“ تھوڑی دیر چلنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے وہی جواب دیا، پھر تھوڑی دور جا کر آپ ﷺ نے یہی فرمایا تو میں نے پھر وہی جواب دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں“۔ پھر تھوڑی دیر چلنے کے بعد آپ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل!“ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں اور ہر حکم کی بجا آوری کے لئے تیار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب بندے اللہ تعالیٰ کے حق کی ادائیگی کریں تو بندوں کا اللہ تعالیٰ کے ذمہ کیا حق ہے؟“ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی بہتر معلوم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بندوں کا اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے“(3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ۔ یعنی اس کے بعد بھی جس نے میری اطاعت سے اعراض کیا، اس نے میری حکم عدولی کی اور یہ بہت بڑا سخت گناہ ہے۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور اطاعت گزار تھے، اس لئے اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح و نصرت اور شان و شوکت سے نوازا۔ انہوں نے دین کی سربلندی کے لئے سب سے زیادہ جدوجہد کی، اس لئے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے انہوں نے تمام دنیا پر حکومت کی۔ جب اس کے بعد مسلمان اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں سستی اور غفلت برتنے لگے تو ان کی گرفت بھی ڈھیلی ہوتی گئی اور ان کی شان و شوکت ماند پڑنے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر اور غالب رہے گا۔ انہیں بے یار و مددگار چھوڑنے والے اور ان کے مخالفین قیامت تک ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے ایک اور روایت میں ہے: یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر آ جائے دوراں حالیکہ وہ حق پر ہوں، ایک اور روایت میں ہے: یہاں تک کہ وہ دجال سے جہاد کریں گے، ایک اور روایت میں ہے: یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں اور اس وقت یہ کفار پر

1۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6 صفحہ 610-611، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 257
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 134
3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 7 صفحہ 218، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 58-59

غالب ہوں گے (1)۔ یہ تمام روایات صحیح ہیں اور ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾

"اور صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ یہ خیال ہرگز نہ کیجئے کہ کفار عاجز کرنے والے ہیں (ہمیں) زمین میں اور ان کا ٹھکانا آتش (جہنم) ہے۔ اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو نماز قائم کرنے یعنی صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے، زکوٰۃ دینے یعنی کمزور اور محتاج لوگوں پر احسان کرنے اور رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے اور ہر امر و نہی میں آپ ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم فرما رہا ہے تاکہ اس تعمیل ارشاد کے سبب اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے ان کے احکام بجا لاتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ ضرور رحم فرمائے گا جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ (التوبہ: 71)۔ دوسری آیت میں فرمایا: لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ۔ ۔ یعنی اے نبی (ﷺ)! یہ نہ گمان کرنا کہ آپ کی مخالفت کرنے والے اور آپ کو جھٹلانے والے ہمیں عاجز کر دیں گے بلکہ ہمیں ان پر پوری پوری قدرت حاصل ہے اور ہم انہیں سخت ترین عذاب سے دوچار کریں گے، اس لئے فرمایا: وَمَاْوٰىهُمْ۔ ۔ یعنی دار آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ کفار کے لئے بہت برا ٹھکانا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ڜ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾

"اے ایمان والو! اذن طلب کیا کریں تم سے (گھروں میں داخل ہوتے وقت) تمہارے غلام اور وہ (لڑکے) جو ابھی جوانی کو نہیں پہنچے تم میں سے تین مرتبہ، نماز فجر سے پہلے اور جب تم اپنے کپڑے اتارتے ہو دوپہر کو اور نماز عشاء کے بعد۔ یہ تین پردے کے وقت ہیں تمہارے لئے۔ نہ تم پر اور نہ ان پر کوئی حرج ہے ان اوقات کے علاوہ۔ کثرت سے آنا جانا رہتا ہے تمہارا ایک دوسرے کے پاس۔ یوں صاف صاف بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (اپنے) احکام۔ اور اللہ تعالیٰ

1۔ صحیح بخاری، جلد 9 صفحہ 124، صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 95، سنن ابی داؤد، جلد 4 صفحہ 97، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 93

علیم حکیم ہے۔ اور جب پہنچ جائیں تمہارے بچے حد بلوغ کو تو وہ بھی اذن طلب کیا کریں جس طرح اذن طلب کیا کرتے ہیں وہ لوگ (جن کا ذکر) پہلے ہوا یوں صاف صاف بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام کو، اور اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے۔ اور بوڑھی خانہ نشین عورتیں جنہیں آرزو نہ ہو نکاح کی تو ان پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ رکھ دیں اپنے بالائی کپڑے بشرطیکہ وہ نہ ظاہر کرنے والی ہوں (اپنی) آرائش۔ اور ان کا اس سے بھی اجتناب کرنا ان کے لئے بہت بہتر ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

ان آیات کریمہ میں قریبی رشتہ داروں کو ایک دوسرے سے اجازت حاصل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے سورت کے آغاز میں اذن طلب کرنے کا جو حکم گزرا ہے وہ اجنبیوں کے متعلق تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دے رہا ہے کہ ان کے خدام اور ان کے نابالغ بچے تین اوقات میں ان سے اجازت لے کر ان کے پاس آئیں۔ فجر کی نماز سے پہلے کیونکہ اس وقت لوگ عموماً سوئے ہوئے ہوتے ہیں، دوپہر کو کیونکہ اس وقت انسان عموماً اپنے بالائی کپڑے اتار کر آرام کرتا ہے اور عشاء کی نماز کے بعد کیونکہ یہ بھی نیند کا وقت ہے۔ ان تین اوقات میں خدام اور بچوں کو پابند کیا جائے کہ وہ بغیر اجازت کے گھر والوں پر نہ آدھمکیں کیونکہ بہت ممکن ہے کہ ان اوقات میں انسان اپنے اہل کیساتھ ہو یا ایسی حالت میں ہو جس میں کسی کا وجود اس کے لئے ناقابل برداشت ہو، اس لئے فرمایا: ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ... یعنی یہ تین اوقات پردے کے ہیں لیکن ان تین اوقات کے علاوہ اگر کسی اور وقت میں وہ بغیر اجازت کے آ جائیں تو تم پر کوئی حرج ہے اور نہ ان پر کیونکہ خدمت اور کام کاج کی خاطر ان کا بہت زیادہ آنا جانا رہتا ہے اور بار بار اجازت طلب کرنا حرج کا باعث ہے اس لئے صرف انہیں صرف انہی مذکورہ تین اوقات کے سوا باقی تمام اوقات میں بغیر اذن کے آنے کی رخصت دے دی گئی، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلی کے متعلق فرمایا: "یہ نجس نہیں کیونکہ یہ بھی انہی میں سے ہے جن کا تمہارے پاس بہت زیادہ آنا جانا رہتا ہے" (1)۔ اس آیت کے محکم ہونے کے باوجود لوگوں کا اس پر عمل بہت کم ہے، اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ لوگوں کی اس روش کو بہت ناپسند کرتے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اکثر لوگوں نے تین آیات پر عمل ترک کر رکھا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ، وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى (النساء: 8) اور اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات: 13) (2)" ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ ان تین آیات کے متعلق شیطان لوگوں پر غالب آ گیا اور انہوں نے ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ اکثر لوگوں کا آیت اذن پر گویا ایمان نہیں رہا، میں نے تو اپنی لونڈی کو بھی اذن طلب کرنے کا پابند کر رکھا ہے (3)۔ موسیٰ بن ابی عائشہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبی سے اس آیت لِيَسْتَاْذِنْكُمُ ... " کے متعلق دریافت کیا کہ کیا یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے؟ فرمایا: نہیں، میں نے پوچھا کہ لوگ تو اس پر عمل نہیں کرتے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرنی چاہئے (4)۔ دو آدمیوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مستور ہے اور وہ پردہ کو پسند فرماتا ہے۔ دراصل پہلے لوگ اتنے خوشحال نہیں تھے کہ دروازوں پر پردے لٹکاتے یا اپنے گھروں میں کئی کئی کمرے بنا لیتے۔ بعض اوقات آدمی اپنے اہل کے ساتھ ہوتا اور اس کا خادم، اس کا بچہ یا اس کی زیر کفالت یتیم بچہ اچانک اس کے پاس آدھمکتا، یہ چیز بہت پریشان کن تھی، اس لئے مذکورہ تین اوقات میں اللہ

1۔ موطا امام مالک، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 23، سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 19-20 وغیرہ

2۔ الحجرات: 13 تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 162 3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 349 4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 163

تعالیٰ نے انہیں اجازت حاصل کرنے کا حکم دے دیا، اس کے بعد رزق کی فراوانی ہوگئی، لوگ خوشحال ہوگئے اور انہوں نے پردے لٹکا دیئے اور اپنے گھروں میں کئی کئی کمرے بنا لئے، اس لئے لوگ سمجھنے لگے کہ اب اس اذن کی ضرورت نہیں جس کا آیت میں حکم دیا گیا ہے(1)۔ سدی کہتے ہیں کہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ چاہتے تھے کہ ان اوقات میں اپنی بیویوں کے ساتھ ہم بستری کریں اور پھر غسل کر کے نماز کے لئے چلے جائیں، اس لئے انہیں حکم دے دیا گیا کہ ان اوقات میں ان کے غلام اور لڑکے اذن حاصل کئے بغیر ان کے پاس نہ آئیں۔ مقاتل بن حیان بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری اور ان کی بیوی حضرت اسماء بنت مرشد نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کی۔ لوگ بغیر اجازت کے آنے لگے۔ حضرت اسماء نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! یہ کتنی بری بات ہے کہ غلام بغیر اجازت کے میاں بیوی کے پاس آدھمکے جبکہ وہ دونوں ایک ہی کپڑے میں ہوں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اس بات کی دلیل کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں، آیت کے یہ الفاظ ہیں: كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ اس کے بعد فرمایا: وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ ... یعنی تمہارے وہ بچے جو پہلے صرف ان تین اوقات میں تم سے اجازت لیتے تھے، جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں تو وہ ہر وقت اجازت طلب کرنے کے پابند ہیں۔ اب ان کا حکم اجنبیوں جیسا ہوگا۔ یحییٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ بچہ جب تک نابالغ ہو، وہ صرف ان تین اوقات میں اپنے والدین سے اجازت کا پابند ہوگا لیکن جب بالغ ہو جائے تو اسے ہر حال میں اسی طرح اجازت لینا ہوگی جس طرح آدمی کے بڑے بچے اور قریبی رشتہ دار اجازت لیتے ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَ الْقَوَاعِدُ ۔ اس سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن کا حیض بالکل بند ہو جائے، بچہ پیدا کرنے کے قابل نہ رہیں اور نہ ہی انہیں شادی کی خواہش ہو۔ ایسی عورتوں پر پردے کی وہ پابندی نہیں جو دوسری عورتوں پر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ (النور:31) سے مستثنیٰ ہے(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور بہت سے دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ ایسی عورتوں کو برقعہ اور بالائی چادر اتار دینے کی اجازت ہے(3)۔ ابو صالح کہتے ہیں کہ ایسی عورت برقعہ وغیرہ اتار سکتی ہے لیکن لباس کے علاوہ دوپٹہ اوڑھے گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ لفظ ہیں: اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ۔ اس سے مراد بھی یہی ہے کہ وہ دوپٹے کے اوپر کی چادر اتار سکتی ہے بشرطیکہ وہ دوپٹہ موٹا ہو۔ اس کے ساتھ اظہار زینت کی پابندی عائد کرتے ہوئے فرمایا: غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ یعنی چادر اتار دینے سے مقصود زینت و آرائش کی نمائش نہ ہو۔ ام ضیاء بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مہندی، تہبند، بالیوں، پازیب، سونے کی انگوٹھی اور پتلے کپڑوں کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اے عورتو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بناؤ سنگار حلال کیا ہے بشرطیکہ مردوں کے سامنے اس کی نمائش مقصود نہ ہو۔ سدی بیان کرتے ہیں کہ مسلم نامی میرا ایک رفیق تھا۔ وہ حضرت حذیفہ بن یمان کی زوجہ کا غلام تھا۔ ایک دن وہ بازار آیا تو مجھے اس کے ہاتھ میں مہندی لگی ہوئی دکھائی دی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں نے حضرت حذیفہ کی بیوی کے سر پر مہندی لگائی تھی۔ مجھے اس پر بہت تعجب ہوا۔ میں مسلم کو لے کر حضرت حذیفہ کی زوجہ محترمہ کے پاس لے گیا تو انہوں نے اس کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: بیٹے! میں اب ان عمر رسیدہ عورتوں میں سے ہوں جنہیں نکاح وغیرہ کی خواہش نہیں رہتی(4)۔ آخر میں فرمایا: وَ اَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ یعنی ان کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ بالائی کپڑے اتارنے سے اجتناب کریں۔ اگرچہ انہیں اس کی اجازت تو ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ وہ بالائی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 349
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 63
3۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 93، معجم کبیر، جلد 9 صفحہ 237 وغیرہ
4۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 2-4 صفحہ 334-335

کپڑے بھی اوڑھے رہیں۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ
اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَاۗىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ
بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ
اَشْتَاتًا ۭ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (61)

''نہ اندھے پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ تم پر اس بات میں کہ تم کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جن گھروں کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے۔ نہیں ہے تم پر کوئی حرج اگر تم کھاؤ سب مل کر یا الگ الگ۔ پھر جب تم داخل ہو گھروں میں تو سلامتی کی دعا کرو اپنوں کو وہ دعا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے جو بڑی بابرکت (اور) پاکیزہ ہے۔ یونہی کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (اپنے) احکام تاکہ تم سمجھ لو''۔

یہاں اندھے، لنگڑے اور مریض سے جس حرج کو رفع کیا گیا ہے، اس کی بابت مفسرین کا اختلاف ہے۔ عطاء خراسانی اور عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ یہ حکم جہاد کے بارے میں ہے یعنی اندھے لنگڑے اور مریض جہاد میں شرکت نہ کریں تو ان پر کوئی حرج نہیں جیسا کہ سورۂ فتح میں ہے اور وہاں جہاد کے متعلق حکم بیان کیا گیا ہے کہ اگر یہ ضعف اور عجز کے باعث جہاد ترک کر دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اسی طرح سورۂ برأت میں فرمایا: لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاۗءِ وَلَا عَلَي الْمَرْضٰى وَلَا عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ - اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ (التوبہ: 92-91) ''نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جو نہیں پاتے وہ مال جسے خرچ کریں، کوئی حرج جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے مخلص ہوں، نیکوکاروں پر الزام کی کوئی وجہ نہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، اور نہ ان پر (کوئی الزام ہے) جو جب آپ کے پاس حاضر ہوئے تاکہ آپ انہیں سوار کریں تو آپ نے فرمایا میں نہیں پاتا جس پر میں تمہیں سوار کروں، وہ اس حال میں لوٹتے ہیں کہ ان کی آنکھیں اس غم میں آنسو بہا رہی ہوتی ہیں کہ افسوس! نہیں ان کے پاس جو وہ خرچ کریں''۔ حضرت سعید بن جبیر اور مقسم اس آیت کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ لوگ اندھے، لنگڑے اور مریض کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج محسوس کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو وہ خود زیادہ اور اچھا اچھا کھالیں لیکن یہ معذور پیٹ بھر کر نہ کھا سکیں۔ اس زیادتی کے پیش نظر لوگ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے ساتھ مل کر کھائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں اس چیز کی رخصت دے دی گئی۔ ضحاک کہتے ہیں کہ بعثت سے پہلے لوگ ان کے ساتھ مل کر کھانا کھانے سے کراہت محسوس کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ لوگ اندھے، لنگڑے اور مریض کو لے کر اپنے باپ، بھائی، بہن، پھوپھی یا خالہ کے گھر میں لے جاتے تھے۔ یہ لوگ اس سے عار محسوس کرتے اور کہتے کہ ہمیں

اوروں کے گھر لے جاتے ہیں چنانچہ اس آیت کے ذریعے انہیں رخصت دے دی(1)۔ سدی کہتے ہیں کہ آدمی اپنے باپ، بھائی یا بیٹے کے گھر جاتا، وہ نہ ہوتے اور عورتیں کوئی کھانا پیش کرتیں تو وہ اس وجہ سے نہ کھاتا کہ گھر کا مالک تو ہے نہیں اور نہ ہی اس کی اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان وَلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ "تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ" واضح تو ہے لیکن اس کے ذکر کرنے میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ اس پر کسی اور چیز کا عطف کیا جائے اور اسے اس کے حکم میں داخل کر کے اس کے برابر ٹھیرایا جائے اور یہ بیٹوں کے گھروں کو ضمناً شامل ہے اگرچہ لفظوں میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا، لہٰذا بعض حضرات نے اسی سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ بیٹے کا مال بمنزلہ باپ کے مال کے ہے۔ مسند اور سنن میں متعدد اسناد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے"(2)۔ اور یہ فرمان اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ . مَّفَاتِحَهٗٓ بالکل واضح ہے۔ اس سے بعض علماء نے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ قرابت داروں کا نان ونفقہ بعض کا بعض پر واجب ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے۔ سعید بن جبیر اور سدی اس فرمان اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد غلام، خادم، داروغے اور کارندے ہیں۔ یہ اپنے آقا کے مال سے حسب ضرورت کھا سکتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد پر روانہ ہوتے وقت اپنی کنجیاں اپنے قابل اعتماد دوستوں کے حوالے کر دیتے اور انہیں کہہ دیتے کہ جس چیز کے کھانے کی تمہیں ضرورت ہو، ہم تمہیں اس کی اجازت دیتے ہیں لیکن وہ کھانے سے باز رہتے اور کہتے کہ ہمارے لئے کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے انہوں نے بادل نخواستہ ہمیں کھانے کی اجازت دی ہو اور ہم تو امین ہیں اس لئے ہم کچھ نہیں کھائیں گے۔ اس پر یہ فرمان اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ نازل ہوا(3)۔ اس کے بعد فرمایا: اَوْ صَدِيْقِكُمْ یعنی دوستوں کے گھروں سے کھانا بھی جائز ہے جبکہ تمہیں علم ہو کہ ان پر یہ شاق نہیں گزرے گا اور نہ ہی وہ اس کا برا منائیں گے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جب تم اپنے دوست کے گھر جاؤ تو اس کی اجازت کے بغیر کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ پھر فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء:29) نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ناحق ایک دوسرے کا مال کھانے سے منع کیا ہے۔ اور کھانے پینے کی چیزیں بھی تو مال ہی ہیں اس لئے ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ہاں کچھ کھائیں چنانچہ سب اس سے احتراز کرنے لگے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ اسی طرح صحابہ کرام تنہا تنہا کھانے کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ جب تک کوئی ساتھ نہ ہوتا، نہ کھاتے۔ چنانچہ اس کی رخصت دیتے ہوئے فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ...... اس میں دونوں چیزوں کی اجازت دے دی(4)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں قبیلۂ بنی کنانہ کے لوگ تنہا کھانے کو عیب سمجھتے تھے۔ ان کی یہ کیفیت ہوتی کہ بھوک انہیں ستا رہی ہوتی پھر بھی وہ سواری پر سوار کر ایسے شخص کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے جو خورد ونوش میں ان کے ساتھ شریک ہو۔ اس پر یہ ارشاد نازل ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے تنہا اور مل کر دونوں طرح کھانے کی اجازت دے دی لیکن مل کر کھانا زیادہ برکت اور فضیلت کا باعث ہے جیسا کہ مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "شاید تم الگ الگ کھاتے ہو، مل کر اور اللہ کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 169

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 289، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 214،203،179 وغیرہ

3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، تفسیر سورۂ نور، جلد 3 صفحہ 62-61

4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 168

نام لے کر کھاؤ، تمہیں اس میں برکت حاصل ہوگی" (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مل کر کھاؤ، الگ الگ نہ کھاؤ کیونکہ برکت اجتماعیت میں ہے" (2)۔ پھر فرمایا: فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا ۔ یعنی گھروں میں داخل ہوتے وقت ایک دوسرے کو سلام کرو۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم اپنے گھر میں جاؤ تو اپنے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ کا تعلیم کردہ بابرکت اور پاکیزہ سلام کرو۔ میں نے اسے سراسر برکت پایا ہے (3)۔ ابن طاؤس کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی اپنے گھر میں داخل ہو تو اسے سلام کرنا چاہئے (3)۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کرنا واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: میں اسے واجب تو نہیں کہتا کیونکہ اس کا وجوب کسی سے منقول نہیں ہے لیکن مجھے یہ بہت پسند ہے اور میں نے دانستہ طور پر اسے کبھی ترک نہیں کیا (3)۔ مجاہد کہتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت السلام علی رسول اللہ کہو، اپنے گھر میں جاتے وقت اپنے اہل خانہ کو سلام کہو اور جب کسی ایسے گھر میں جاؤ جہاں کوئی موجود نہ ہو تو یہ کہو: "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ"۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب گھر میں کوئی نہ ہو تو وہاں داخل ہوتے ہوئے یہ کہو: "بِسْمِ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا مِنْ رَّبِّنَا، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ" (4)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اپنے اہل خانہ کو سلام کرو اور جب تم ایسے گھر میں داخل ہو جہاں کوئی بھی موجود نہ ہو تو یہ کہو: "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ" کیونکہ اسی چیز کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ایسی صورت میں فرشتے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے پانچ چیزوں کی وصیت کرتے ہوئے فرمایا: "اے انس! کامل طریقے سے وضو کرو، تمہاری عمر میں اضافہ ہوگا، میری امت میں سے جس شخص سے تمہاری ملاقات ہو اسے سلام کرو، تمہاری نیکیاں بڑھیں گی، گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کیا کرو، تمہارے گھر میں خیر کی کثرت ہوگی، چاشت کے وقت کی نماز پڑھا کرو کیونکہ یہ تم سے پہلے اوابین (اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں) کی نماز ہے۔ اے انس! چھوٹے پر رحم کرو، بڑے کی عزت کرو، قیامت کے دن تم میرے رفقاء میں شامل ہو گے" (5)۔ پھر فرمایا: تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تشہد اسی فرمان سے سیکھا ہے۔ نماز کا تشہد (اَلتَّحِيَّاتُ) یہ ہے: "اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوٰتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ" اسے پڑھنے کے بعد نمازی اپنے لئے دعا کرے اور سلام پھیر دے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی اس سے مختلف تشہد مروی ہے (6)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ ۔ اس سورت میں محکم اور قطعی احکام بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس بات پر آگاہ فرما رہا ہے کہ وہ ان کیلئے کھول کھول کر اپنی آیات بیان کرتا ہے تاکہ وہ ان میں غور و تدبر کریں اور اچھی طرح سمجھ لیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا
حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمة، جلد 3 صفحہ 346۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمة، جلد 2 صفحہ 1093 وغیرہ

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمة، جلد 2 صفحہ 1093
3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 173

4۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 461
5۔ مسند بزار
6۔ دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 302-303

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

"بس سچے مومن تو وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں آپ کے ساتھ کسی اجتماعی کام کے لئے تو (وہاں سے) چلے نہیں جاتے جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں۔ بلاشبہ وہ لوگ جو اجازت طلب کرتے ہیں آپ سے یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ۔ پس جب وہ اجازت مانگیں آپ سے اپنے کسی کام کے لئے، تو اجازت دیجئے ان میں سے جسے آپ چاہیں اور مغفرت طلب کیجئے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ایک اور ادب کی تعلیم دے رہا ہے کہ جس طرح آتے ہوئے اذن طلب کرنا چاہئے، اسی طرح واپس جاتے وقت بھی اجازت مانگنی چاہئے خصوصاً جب وہ نماز جمعہ، نماز عید، مشاورت یا کسی اور اجتماعی کام کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوں تو اس سے فراغت کے بعد وہ آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر واپس نہ جائیں۔ ایسا کرنا کامل مومن ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرما رہا ہے کہ جب ان میں سے کوئی ضروری کام کے لئے آپ سے اذن طلب کرے تو آپ جسے چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لئے استغفار کریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی مجلس میں جائے تو سلام کرے اور جب وہاں سے اٹھنے لگے تو بھی سلام کرے۔ پہلا سلام آخری سلام سے کوئی زیادہ واجب نہیں"(1)۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

"نہ بنالو رسول کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم پکارتے ہو ایک دوسرے کو۔ اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے انہیں جو کھسک جاتے ہیں تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر۔ پس ڈرنا چاہئے انہیں جو خلاف ورزی کرتے ہیں رسول کریم ﷺ کے فرمان کی کہ انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا انہیں دردناک عذاب نہ آلے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ نبی کریم ﷺ کو یا محمد اور یا ابا القاسم کہہ کر بلاتے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی تعظیم و تکریم کی خاطر انہیں آپ ﷺ کا نام لے کر پکارنے سے منع کر دیا اور تلقین کی کہ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر آپ کو مخاطب کیا کرو۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کے ادب واحترام اور عظمت وسیادت کو ملحوظ خاطر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مقاتل اس آیت کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو آپ کا نام لے کر اور یا محمد یا یا ابن عبد اللہ کہہ کر نہ بلاؤ بلکہ ادب واحترام سے یا نبی اللہ یا رسول اللہ ﷺ کہا کرو۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ اس آیت میں حضور ﷺ کی تعظیم وتکریم کرنے کا حکم ہے، اسی طرح کے اور بھی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 353، عارضۃ الاحوذی، ابواب الاستئذان جلد 10 صفحہ 177، وغیرہ

ارشادات ہیں: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (البقرۃ: 104) " اے ایمان والو (میرے حبیب سے کلام کرتے وقت) راعنا مت کہا کرو بلکہ کہو "انظرنا" اور (ان کی بات) غور سے سنا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے" یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ... وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ (الحجرات: 5-2) ان سب آیتوں میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ گفتگو کرنے اور آپ کو خطاب کرنے کے آداب سکھائے گئے ہیں، بلکہ پہلے تو یہ حکم بھی نازل ہوا کہ آپ ﷺ کے ساتھ سرگوشیاں کرنے سے پہلے صدقہ کرو۔ اس فرمان کا دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ حضور ﷺ کی دعا تمہاری دعاؤں کی طرح ہے۔ آپ ﷺ کی دعا تو مقبول ہے۔ آپ کی بددعا سے بچنا ورنہ نیست و نابود ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد فرمایا: قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ اس سے مراد منافق ہیں جنہیں جمعہ کے خطبہ میں موجود رہنا بہت بھاری محسوس ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ صحابہ کرام کی آڑ لے کر چپکے چپکے مسجد سے کھسک جاتے۔ خطبہ شروع ہونے کے بعد کوئی شخص حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر وہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔ جب کوئی کسی ضرورت کے باعث وہاں سے جانا چاہتا تو وہ انگلی کے اشارے سے اذن طلب کرتا اور آپ ﷺ سے اذن دے دیتے کیونکہ حضور ﷺ کے خطبہ دیتے وقت اگر کوئی شخص گفتگو کرتا تو اس کا جمعہ باطل ہو جاتا۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ منافق جب حضور ﷺ کے ساتھ جماعت میں ہوتے تو ایک دوسرے کی آڑ لے کر رفو چکر ہو جاتے۔ قتادہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور کتاب اللہ سے انحراف کرتے ہوئے یہ منافق ہٹ جاتے ہیں۔ سفیان کہتے ہیں کہ یہ صف سے نکل جاتے ہیں، مجاہد "لواذا" کا معنی بتاتے ہیں کہ مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ فرمایا: فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یعنی جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم، آپ کے طریقے، آپ کی سنت اور آپ کی شریعت سے روگردانی کرتے ہیں، انہیں کسی مصیبت سے دوچار ہونے یا عذاب میں مبتلا ہونے سے بچنا چاہئے پس لوگوں کے اقوال و افعال کا حضور ﷺ کے اقوال و افعال کے ساتھ موازنہ کیا جائے گا، جو ان کے موافق ہوئے، وہ قبول کر لئے جائیں گے اور جو ان کے مخالف ہوئے، وہ رد کر دیئے جائیں گے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "جس نے ہمارے حکم کے خلاف کوئی عمل کیا، وہ مردود ہے"(1)۔ یعنی ظاہر و باطن میں حضور ﷺ کی شریعت کی مخالفت کرنے والوں کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں وہ کفر، نفاق اور بدعت جیسے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں اور انہیں دنیا میں قتل، حد، قید و بند یا اس قسم کی کسی اور سزا کا سامنا کرنا پڑ جائے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری اور تمہاری مثال ایسے شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی، جب وہ خوب روشن ہوگئی تو پتنگے اور پروانے اندھا دھند اس پر گرنے لگے، وہ شخص انہیں ہٹانے لگا لیکن انہیں آگ کا ایسا اشتیاق ہے کہ اس شخص کو نظر انداز کر کے آگ میں گھسے جا رہے ہیں، یہی میری اور تمہاری مثال ہے۔ میں تمہیں کمر بند سے پکڑ پکڑ کر آگ سے دور کر رہا ہوں کہ آگ سے بچو لیکن تم میری بات کو تسلیم نہیں اور آگ میں گھسے چلے جا رہے ہو"(2)۔

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ یَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ وَ یَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۠

"سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ وہ خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو۔ اور اس دن

1۔ صحیح بخاری، جلد 3، صفحہ 241، صحیح مسلم، جلد 5، صفحہ 132، مسند احمد، جلد 6، صفحہ 146

2۔ صحیح مسلم، جلد 7، صفحہ 63، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 312، وغیرہ

جب وہ لوٹائے جائیں گے اس (کی بارگاہ) کی طرف تو وہ انہیں آگاہ کرے گا جو انہوں نے کیا تھا، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، ہر پوشیدہ اور ظاہر کو خوب جاننے والا ہے اور بندوں کے خفیہ اور اعلانیہ اعمال سے اچھی طرح واقف ہے۔ فرمایا: قَدْ يَعْلَمُ ۔ اس میں "قد" تحقیقیہ ہے جیسا کہ اس سے پہلی آیت قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ میں اور مندرجہ ذیل آیات میں: قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ (الاحزاب:18)، قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ (المجادلہ:1)، قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (الانعام:33) اور قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ (البقرۃ:144) ان تمام آیات میں "قَدْ" سے مراد تحقیق فعل ہے جیسا کہ مؤذن تحقیق وثبوت کے لئے کہتا ہے: "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ" فرمایا: قَدْ يَعْلَمُ ۔ یعنی تمہاری ہر حالت اللہ تعالیٰ کے علم اور مشاہدہ میں ہے اور ایک ذرہ بھی اس سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ جیسا کہ فرمایا: "وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (الشعراء:217-220)، وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ ۔۔۔ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (یونس:61)" اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ آپ تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کچھ قرآن اور (اے لوگو) نہ تم کچھ عمل کرتے ہو مگر ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم کسی کام میں شروع ہوتے ہو اور نہیں چھپا ہوتا آپ کے رب سے ذرہ برابر بھی زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں کوئی چھوٹی چیز اس ذرہ سے اور نہ بڑی مگر وہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ہے"۔ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ (الرعد:33) "کیا وہ خدا (ان کے بتوں جیسا ہو سکتا ہے) جو نگہبانی فرما رہا ہے ہر نفس کی اس کے اعمال کے ساتھ"، اَلَاۤ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ (ہود:5) "سنتے ہو! جس وقت وہ خوب اوڑھ لیتے ہیں اپنے کپڑے تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں"۔ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ (الرعد:10)، وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (ہود:6)" اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کے امانت رکھنے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں (درج) ہے"، وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ۔۔۔ وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (الانعام:59)"۔ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ انہیں سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ اسے جانتا ہے اور نہ ہی کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ روشن کتاب میں لکھی ہوئی ہے"۔ اس مضمون کی حامل اور بہت سی آیات اور احادیث ہیں۔ فرمایا: وَ يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ ۔۔ یعنی قیامت کے دن تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ انہیں ان کے تمام چھوٹے بڑے اعمال سے آگاہ فرمائے گا جیسا کہ فرمایا: يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ (القیامہ:13) "اور اس روز انسان کو آگاہ کر دیا جائے گا جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) پیچھے چھوڑ آیا"۔ وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ ۔۔۔ وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (الکہف:49)، اس لئے یہاں فرمایا: وَ يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ ۔

سورۂ فرقان (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّ لَمۡ یَكُنۡ لَّہٗ شَرِیۡكٌ فِی الۡمُلۡكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا ۝

''بڑی (خیرو) برکت والا ہے وہ جس نے اتارا ہے الفرقان اپنے (محبوب) بندہ پرتا کہ وہ بن جائے سارے جہان والوں کو (غضب الٰہی سے) ڈرانے والا۔ وہ جس کے لئے حکومت ہے آسمانوں اور زمین کی اور نہیں بنایا ہے اس نے کسی کو بیٹا اور نہ اس کا کوئی شریک سلطنت میں اور اس نے پیدا فرمایا ہے ہر چیز کو پس اس نے مقرر کیا ہے ہر چیز کا ایک اندازہ''۔

قرآن کریم کے اتارنے پر اللہ تعالیٰ اپنی حمد بیان فرمارہا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡكِتٰبَ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؕ قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَ یُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ (الکہف:2-1) ''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا کجی نہیں پیدا ہونے دی، (معاش و معاد کو) درست کرنے والی ہے تاکہ سخت گرفت سے ڈرائے اور اہل ایمان کو مژدہ سنائے جو نیک اعمال کرتے ہیں''۔ اور یہاں فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِیۡ۔۔۔، تبارک برکت سے ماخوذ ہے جس میں استقرار، ثبات اور دوام ہو۔ ''نَزَّلَ'' فعل تکرار اور تکثیر کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ الۡكِتٰبِ الَّذِیۡ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ وَ الۡكِتٰبِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ قَبۡلُ (النساء:136)۔ پہلی کتابیں چونکہ یکبارگی نازل ہوئیں اس لئے ان کے لئے ''اَنۡزَلَ'' کا لفظ استعمال کیا، اور قرآن کریم کے لئے ''نَزَّلَ'' کا لفظ استعمال کیا کیونکہ قرآن کریم قسط وار اور متفرق طور پر نازل ہوا، حسب ضرورت وقتاً فوقتاً اس کی آیات، احکام اور سورتیں اترتی رہیں، اس طرح اس پر عمل پیرا ہونا، یاد کرنا اور اس سے ہدایت حاصل کرنا بہت سہل اور آسان ہے جیسا کہ فرمایا: وَ قَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ لَا نُزِّلَ عَلَیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَۃً وَّاحِدَۃً ۚ - وَ اَحۡسَنَ تَفۡسِیۡرًا (الفرقان: 32-33)، اسی لئے یہاں قرآن کریم کو فرقان کہا گیا ہے کیونکہ یہ حق اور باطل، ہدایت اور گمراہی، حلال اور حرام کے درمیان فرق اور امتیاز کرتا ہے۔ یہاں نبی کریم ﷺ کے لئے عبد کا لفظ استعمال کرنا آپ کی کمال مدح و ثناء پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج کے موقعہ پر آپ کے اعلیٰ وارفع مقام کو بیان کرتے ہوئے آپ کو اس صفت عبودیت سے متصف کر کے فرمایا: سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا (بنی اسرائیل:1) ''پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں''، اسی طرح مقام دعوت و تبلیغ میں یہی وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَّ اَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰہِ یَدۡعُوۡہُ كَادُوۡا یَكُوۡنُوۡنَ عَلَیۡہِ لِبَدًا (الجن:19) ''اور جب اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس پر ہجوم کر کے آجاتے ہیں''۔

آپ ﷺ پر کتاب اور فرشتے کے نزول کو بیان کرتے وقت بھی آپ کی صفت عبودیت کو ہی ذکر کرتے ہوئے فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا (الفرقان:1) ”بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر الفرقان اتارا ہے تاکہ وہ سارے جہان والوں کو ڈرانے والا بن جائے“ یہاں فرمایا: لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا یعنی آپ ﷺ کو نہایت مفصل، محکم، عظیم اور واضح کتاب عطا فرمائی گئی ہے جس کی طرف باطل کسی جانب سے بھی راہ نہیں پا سکتا اور یہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی ہے اور تمام جہانوں تک اس کا پیغام پہنچانا آپ ﷺ کے ذمہ ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے تمام سرخ و سفید کی طرف مبعوث کیا گیا ہے“(1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں“۔ ان میں سے ایک آپ نے یہ ذکر کی: ”ہر نبی کو صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے“(2)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا (الاعراف:158) ”فرمایئے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف“، یعنی مجھے رسول بنا کر بھیجنے والا وہ خدا ہے جو زمین و آسمان کا مالک ہے جس کے صرف کن کہنے سے اس کی مطلوبہ چیز وجود پذیر ہو جاتی ہے اور وہی ہے جو مارتا اور زندہ کرتا ہے، اسی طرح یہاں فرمایا: الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ اللہ تعالیٰ نے اولاد اور شریک سے اپنی تنزیہہ اور پاکی بیان کی۔ پھر فرمایا کہ وہی ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا ہے یعنی ہر چیز کا وہ خالق، مدبر، رب، مالک اور معبود ہے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ وَ لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَّ لَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَیٰوةً وَّ لَا نُشُوْرًا ③

”اور بنا رکھے ہیں انہوں نے خدائے برحق کو چھوڑ کر ایسے خدا جو پیدا نہیں کر سکتے کسی چیز کو اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہیں قدرت رکھتے اپنے آپ کو نقصان (سے بچانے) کی اور نہ نفع پہنچانے کی اور نہیں طاقت رکھتے کسی کو مارنے کی اور نہ زندہ کرنے کی اور نہ مرنے کے بعد جلانے کی“۔

مشرکین کی جہالت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ ہر چیز کے خالق، مالک، متصرف اور مختار کل خدا کو چھوڑ کر ایسے بتوں کو پوجتے ہیں جو بالکل عاجز اور بے اختیار ہیں، انہیں اتنی قدرت بھی حاصل نہیں کہ وہ مچھر کا پر بنا سکیں بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور اپنے لئے بھی وہ کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ جب ان کے عجز اور بے چارگی کی یہ کیفیت ہے تو وہ کیونکر اپنے پجاریوں کے لیے کسی چیز کے مالک ہو سکتے ہیں؟ مزید برآں ان بتوں کو مارنے، زندہ کرنے اور مرنے کے بعد جلانے کا بھی کوئی اختیار نہیں بلکہ ان چیزوں کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جو زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے اور وہی تمام مخلوق کو قیامت کے دن زندہ کر کے لوٹائے گا۔ اس کے لئے ایسا کرنا قطعاً مشکل نہیں جیسا کہ فرمایا: مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان:28) ”نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور پھر دوبارہ زندہ کرنا مگر ایک نفس کی مانند“۔ وَ مَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (القمر:50) ”اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے“، فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (النازعات:13-14) ”پس (واپسی کے لئے) ایک جھڑک ہی کافی ہے پھر وہ کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے“۔ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ (الصافات:19) ”پس قیامت تو فقط ایک جھڑک ہو گی پس وہ

1۔ صحیح مسلم، جلد 2 صفحہ 63، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 250

2۔ تخریج کے لیے دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران: 151

(اٹھ کر) دیکھنے لگیں گے"۔ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ (یٰسین 53) "نہیں ہوگی مگر ایک زوردار کڑک پھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے"۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ ہی کوئی رب اور اس کے سوا کوئی عبادت کا سزاوار نہیں کیونکہ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا، نہ اس کی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور نہ ہی اس کا کوئی عدیل ہے، نہ بدیل، نہ وزیر اور نہ نظیر بلکہ وہ یکتا اور بے نیاز ہے جس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ اسے جنا گیا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

"اور کہنے لگے کفار کہ نہیں یہ (قرآن) مگر محض بہتان جو گھڑ لیا ہے اس نے اور مدد کی ہے اس کی اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے سو یہ (کہہ کر) انہوں نے بڑا ظلم کیا ہے اور سفید جھوٹ بولا ہے۔ اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے اس شخص نے لکھوا لیا ہے انہیں پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح و شام (تاکہ ازبر ہو جائیں) آپ فرمایئے اتارا ہے اس کو اس (خدا) نے جو جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو۔ واقعی وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

جاہل کفار کی نادانی اور کم عقلی بیان ہو رہی ہے جن کا قرآن کریم کے متعلق یہ کہنا تھا کہ یہ محض بہتان اور جھوٹ ہے جسے اس (نبی ﷺ) نے گھڑ لیا ہے اور اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے اس کی مدد کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا یعنی قرآن کریم کے متعلق ان کفار کا یہ کہنا ظلم اور جھوٹ پر مبنی ہے جس کے باطل اور جھوٹ ہونے کا انہیں بھی یقین ہے۔ مزید برآں قرآن کریم کے متعلق وہ یہ بھی کہتے: اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی یہ پہلے لوگوں کے افسانے اور قصے کہانیاں ہیں جنہیں انہوں نے لکھوا لیا ہے اور یہ صبح و شام انہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ ان کا یہ الزام ان کی کم عقلی، جھوٹ اور بہتان کا منہ بولتا ثبوت ہے جس کے باطل ہونے کا انہیں بھی قطعی یقین تھا کیونکہ یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ امی تھے، آپ نے اپنی عمر کے کسی حصہ میں بھی کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا اور نہ ہی کبھی کچھ لکھا۔ ولادت سے لے کر بعثت تک تقریباً چالیس سال کی زندگی آپ ﷺ نے ان میں گزار دی۔ آپ کے شب و روز کے معمولات ان کے سامنے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ صدق، امانت، نیکی اور پاکیزگی کا پیکر ہیں اور یہ بھی انہیں بخوبی معلوم تھا کہ آپ کو جھوٹ، فسق و فجور اور دیگر اخلاق رذیلہ سے شدید نفرت ہے۔ یہ آپ کی سچائی اور نیکوکاری کا ہی کمال تھا کہ بعثت سے پہلے بھی وہ آپ ﷺ کو امین کے لقب سے یاد کرتے تھے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت پر فائز کیا تو ان کی عداوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور انہوں نے آپ پر بے بنیاد اور جھوٹے الزامات لگانے شروع کر دیئے جن کے متعلق ہر عقلمند کو علم ہے کہ آپ ﷺ ان سے بالکل پاک ہیں۔ کفار ان الزام تراشیوں میں بذات خود حیران تھے اور انہیں یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ آپ کو کیا کہیں۔ اسی حیرت کا نتیجہ تھا کہ وہ بہتان تراشی کرتے ہوئے کبھی آپ کو جادوگر کہتے، کبھی شاعر، کبھی دیوانہ اور کبھی کذاب۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اُنْظُرْ

كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (الفرقان:9)'' ملاحظہ تو کیجئے کیسے آپ کے متعلق طرح طرح کی مثالیں بیان کرتے ہیں، سو وہ گمراہ ہو گئے پس وہ راہ نہیں پا سکتے''۔ ان سرکشوں کے عناد اور افتراء کے جواب میں فرمایا: قُلْ اَنْزَلَهُ ۔ یعنی اس قرآن کریم کو جو ماضی اور مستقبل کے صحیح صحیح حالات بیان کرتا ہے، اور اس میں اگلے پچھلے تمام لوگوں کی خبریں ہیں، اس خدا نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی غیبی چیزوں سے خوب واقف ہے اور جس طرح وہ ظاہری چیزوں کو جانتا ہے، بالکل اسی طرح وہ پوشیدہ چیزوں کے متعلق بھی علم رکھتا ہے۔ پھر آخر میں اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا فرما کر انہیں توبہ کی دعوت دی اور انہیں یہ باور کرا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اور اس کا حلم بہت عظیم ہے، وہ توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ ان کفار کے جھوٹ، بہتان، فسق وفجور، کفر، عناد، رسول کریم ﷺ اور قرآن کریم کے متعلق ان کی افتراء پردازی اور ہرزہ سرائی کے باوجود اللہ تعالیٰ انہیں دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنی اس روش اور ہٹ دھرمی سے باز آ جائیں اور توبہ کر کے ہدایت اور اسلام کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیں جیسا کہ فرمایا: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (المائدہ:73-74)'' بے شک وہ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین (خداؤں) سے تیسرا ہے اور نہیں ہے کوئی خدا مگر ایک اللہ، اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو وہ کہہ رہے ہیں تو ضرور انہیں دردناک عذاب پہنچے گا جنہوں نے ان میں سے کفر کیا۔ تو کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور کیا اس سے بخشش طلب نہیں کرتے اور اللہ بہت بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے''، اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ (البروج:10)'' بے شک جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دی پھر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے جلائے جانے کی سزا ہے''۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ جود و کرم کی انتہا دیکھو، یہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو قتل کرتے اور اذیتیں دیتے ہیں لیکن وہ انہیں توبہ اور رحمت کی طرف بلاتا ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝

'' اور کفار بولے کیا ہوا ہے اس رسول کو کہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں ایسا کیوں نہ ہوا کہ اتارا جاتا اس کی طرف کوئی فرشتہ اور وہ اس کے ساتھ مل کر (لوگوں کو) ڈراتا۔ یا (ایسا کیوں نہ ہوا) کہ اتارا جاتا اس کی طرف خزانہ یا (کم از کم) اس کا ایک باغ ہی ہوتا کھایا کرتا اس (کی آمدنی) سے اور ان ظالموں نے (یہاں تک) کہہ دیا کہ تم پیروی نہیں کر رہے ہو مگر ایک ایسے شخص کی جس پر جادو کیا گیا ہے ملاحظہ تو کیجئے کیسے بیان کرتے ہیں آپ کے متعلق طرح طرح کی مثالیں

سودہ (اس بے ادبی کے باعث) گمراہ ہوگئے پس وہ راہ نہیں پاسکتے۔ بڑی (خیرو) برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو اگر چاہے تو بنا دے آپ کے لئے بہتر اس سے (یعنی ایسے) باغات رواں ہوں جن کے نیچے نہریں اور بنادے آپ کے لئے بڑے بڑے محلات۔ بلکہ یہ تو جھٹلاتے ہیں قیامت کو۔ اور ہم نے تیار کر رکھی ہے ان کے لئے جو جھٹلاتے ہیں قیامت کو بھڑکتی ہوئی آگ۔ جب یہ آگ دیکھے گی انہیں دور سے تو وہ سنیں گے اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑنا۔ اور جب انہیں پھینکا جائے گا اس آگ میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں میں جکڑ کر تو پکاریں گے وہاں موت کو۔ (کہا جائے گا بدبختو!) نہ مانگو آج ایک موت بلکہ مانگو بہت سی موتیں''۔

کفار کی سرکشی، عناد اور بلا دلیل ان کے تکذیب حق کو بیان کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے محض اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کر دیا ہے کہ آپ بھی ان کی طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں تجارت اور کسب معاش کی خاطر چلتے پھرتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فرشتہ اس کی طرف کیوں نہیں اتارا گیا جو اس کے دعویٰ کی صداقت پر گواہی دیتا یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ فرعون نے کہا تھا: فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ (الزخرف:53)'' کیوں نہ اتارے گئے اس پر سونے کے کنگن (اگر وہ سچا نبی ہے) یا کیوں نہ آئے اسکے ساتھ فرشتے قطار در قطار''۔ بالکل اسی طرح ان کفار کا مطالبہ تھا، تمام کفار کے دل یکساں ہوتے ہیں، اس لئے یہ کہنے لگے: اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ ... یعنی ایسا کیوں نہ ہوا کہ اسے کوئی خزانہ دے دیا جاتا تا کہ یہ خود بھی راحت وسکون کی زندگی بسر کرتا اور اس کے ساتھی بھی فقر و فاقہ سے نجات حاصل کر لیتے یا اس کا کوئی باغ ہوتا جو اس کے ساتھ ساتھ چلتا پھرتا اور یہ حسب ضرورت اسے اپنے کام میں لاتا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے بہت ہی آسان ہے لیکن اس کی حکمت اس بات کی متقضی نہیں۔ یہ ظالم مسلمانوں کو طعنہ دیتے ہوئے کہتے کہ تم تو ایسے شخص کی اتباع کر رہے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے۔ فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا ... یعنی یہ کیسے آپ پر بہتان تراشی کرتے ہوئے کبھی کہتے ہیں کہ آپ جادوگر ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ آپ کو جادو کیا گیا ہے، کبھی شاعر کہتے ہیں، کبھی مجنون اور کبھی کذاب۔ ان کی یہ تمام باتیں لغو، باطل اور جھوٹ ہیں۔ معمولی فہم وعقل رکھنے والا انسان بھی جانتا ہے کہ ان کے یہ الزامات بے سروپا اور جھوٹ کا پلندہ ہیں، اس لئے فرمایا: فَضَلُّوْا ... یعنی یہ راہ ہدایت سے بھٹک گئے ہیں اور کبھی سیدھی راہ نہیں پا سکیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حق اور راہ راست سے انحراف کرنے والا گمراہ ہے، وہ جدھر بھی متوجہ ہو گمراہی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور حق ایک ہی ہے اور اس کا رستہ بھی ایک ہے جس میں اختلاف اور تعارض کی گنجائش نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرمارہا ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو دنیا میں کفار کی تجویز کردہ چیزوں سے بھی بہتر اور افضل چیزیں عنایت کر دے۔ فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ ... عرب پتھر کے بنے ہوئے گھر کو قصر کہتے ہیں خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا(1) حضرت خیثمہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے فرمایا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو زمین کے ایسے خزانے اور ان کی چابیاں عطا کر دیں جو ہم نے آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کئے اور نہ ہی آپ کے بعد ہم کسی کو عطا کریں گے اور اس سے ان انعامات میں کوئی کمی نہیں ہوگی جو آپ کو آخرت میں ملنے والے ہیں۔ اس پر آپ نے جواب دیا کہ نہیں، بلکہ انہیں میرے لئے آخرت میں ہی جمع رکھیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی(2)۔ اس کے بعد فرمایا: بَلْ كَذَّبُوْا ... یعنی کفار کی یہ فرمائشیں اور مطالبات ان کے عناد، سرکشی اور تکذیب کے باعث ہیں، اس سے ان کا مقصود طلب ہدایت نہیں ہے۔ یہ روش انہوں نے اس لئے اختیار کر رکھی ہے کہ انہیں

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 186

2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 186، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 238

قیامت پر یقین نہیں۔ قیامت کو جھٹلانے کی وجہ سے ہی تو یہ اس قسم کی ہرزہ سرائی کر رہے ہیں اور قیامت کی تکذیب کرنے والوں کیلئے بھڑکتی ہوئی آگ کا ناقابل برداشت عذاب تیار ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ سعیر جہنم میں ایسی وادی میں ہے جو پیپ سے بھری ہوئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اِذَا رَاَتۡهُمۡ یعنی جہنم جب انہیں میدان حشر میں دور سے بقول سدی سو سال کی مسافت سے دیکھے گا(1)۔ تو انہیں اس کی سخت غیظ وغضب سے جوش مارنا اور چنگھاڑنا سنائی دے گا جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اِذَآ اُلۡقُوۡا فِیۡهَا سَمِعُوۡا لَهَا شَهِیۡقًا وَّ هِیَ تَفُوۡرُ ۙ تَكَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الۡغَیۡظِ (الملک:8-7) ''جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اس کی زوردار گرج سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی، گویا مارے غضب کے پھٹا جا رہی ہے''۔ ایک حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''جو شخص میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی یا اپنے والدین کے سوا اوروں کو اپنا ماں باپ کہے یا جو غلام اپنے آقا کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف اپنی غلامی کی نسبت کرے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم کی دونوں آنکھوں کے درمیان بنالے۔'' عرض کی گئی: یا رسول اللہ علیہ السلام! کیا جہنم کی بھی آنکھیں ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اِذَا رَاَتۡهُمۡ نہیں سنا(2)۔ ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، ربیع بن خثیم بھی ہمراہ تھے۔ راستے میں لوہار کی دکان آئی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وہاں ٹھہر گئے اور اس لوہے کو دیکھنے لگے جو آگ میں تپایا جا رہا تھا۔ ربیع بن خثیم نے جب اسے دیکھا تو جہنم کا خیال کر کے ان کی حالت غیر ہوگئی قریب تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔ اس کے بعد فرات کے کنارے پر پہنچے تو وہاں حضرت عبداللہ نے ایک تنور دیکھا جس میں آگ بھڑک رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ آیت اِذَا رَاَتۡهُمۡ نکلی۔ جونہی حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت سنی، بے ہوش ہو کر گر پڑے، انہیں اٹھا کر ان کے گھر پہنچایا گیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ظہر تک ان کے پاس بیٹھے رہے اور انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے لیکن انہیں ہوش نہ آیا(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب جہنمی کو گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا تو وہ اس طرح چیخے گا جس طرح خچر جو کو دیکھ کر چیختا ہے اور پھر ایسی جھرجھری لے گا کہ سب خوفزدہ ہو جائیں گے۔(3) آپ سے ہی ایک اور روایت میں منقول ہے کہ جب کسی آدمی کو جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا تو جہنم سمٹ جائے گا۔ خداوند رحمٰن اس سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا ہوا؟ وہ جواب دے گا کہ یہ بندہ تو مجھ سے تیری پناہ مانگ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے اس بندے کو چھوڑ دو۔ ایک اور بندے کو جب دوزخ کی طرف دھکیلا جائے گا تو وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! تیری نسبت میرا یہ گمان تو نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہارا گمان کیا تھا؟ وہ عرض کرے گا کہ میرا گمان تو یہی تھا کہ تیری رحمت میری چارہ سازی فرمائے گی، اس پر حکم ہوگا کہ میرے اس بندے کو چھوڑ دو، اسی طرح ایک شخص کو جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا تو جہنم اسے دیکھ کر خچر کی طرح چنگھاڑے گا اور اس طرح چیختے ہوئے جھرجھری لے گا کہ سب خوفزدہ ہو جائیں گے(4)۔ عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ جہنم اس طرح غضب سے جوش مارے گا اور چنگھاڑے گا کہ تمام مقرب فرشتے اور رسول کانپتے ہوئے گر پڑیں گے یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور عرض کریں گے: اے پروردگار! آج میں تجھ سے صرف اپنے بچاؤ کے لئے التجا کرتا ہوں(5)۔ اس کے بعد فرمایا: وَ اِذَاۤ اُلۡقُوۡا مِنۡهَا مَكَانًا ضَیِّقًا ۔۔ یعنی انہیں جکڑ کر جہنم میں کسی تنگ جگہ یوں ٹھونس دیا جائے گا جیسے نیزے میں پھل۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 187
2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 187
3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 187
4۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 187
5۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 187، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 239

رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! انہیں دوزخ میں اس طرح ٹھونسا جائے گا جیسے کیل دیوار میں گاڑا جاتا ہے"۔ جب انہیں جکڑ کر دوزخ میں پھینکا جائے گا تو وہاں وہ ہلاکت، حسرت اور موت کو پکاریں گے۔ انہیں کہا جائے گا کہ آج ایک موت کو نہیں بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے پہلے ابلیس کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا، وہ اسے پیشانی پر رکھ کر پیچھے سے گھسیٹتا ہوا اور اپنی ذریت کو پیچھے لگائے ہوئے اور ہائے موت، ہائے موت پکارتا ہوا دوڑتا چلا جائے گا۔ جہنم پر پہنچ کر اس کے ہائے موت پکارنے پر اس کے سبھی ساتھی بھی پکاریں گے ہائے موت، اس وقت انہیں کہا جائیگا کہ آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو" (1)۔ ثبور سے مراد موت، ہلاکت، بربادی، خسارہ اور تباہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا: وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا (بنی اسرائیل: 102) "اور اے فرعون! میں تیرے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ تو ہلاک کر دیا جائے گا"۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِیْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ خٰلِدِیْنَ ؕ كَانَ عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾

"ان سے پوچھئے (ذرا بتاؤ) یہ بھڑکتی ہوئی آگ بہتر ہے یا دائمی جنت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے۔ ہوگی یہ جنت ان کے اعمال کا صلہ اور (ان کی زندگی کا) انجام۔ ان کے لئے اس میں ہر وہ نعمت ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ آپ کے رب کے ذمہ وعدہ ہے جس کا ایفاء لازم ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ کے سامنے بدبختوں کا جو حال بیان کیا ہے کہ انہیں اوندھے منہ جہنم رسید کر دیا جائے گا، جہنم سخت غیظ و غضب میں جوش مارتے ہوئے اور چنگھاڑتے ہوئے ان کا استقبال کرے گا اور انہیں وہاں زنجیروں میں جکڑ کر تنگ جگہوں میں پھینک دیا جائے گا جہاں یہ نہ حرکت کر سکیں گے، نہ کسی سے مدد طلب کر سکیں گے اور نہ ہی رہائی پا سکیں گے، کیا یہ بہتر ہے یا وہ دائمی جنت جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پرہیزگار بندوں سے کیا ہے، یہ ان کی اطاعت کا بدلہ ہے اور یہی ان کا دائمی ٹھکانا ہے جہاں انہیں حسب خواہش اشیائے خورد و نوش، لباس، سواریاں، رہائش گاہیں، دلکش مناظر، اور ایسی ایسی نعمتیں میسر ہوں گی جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے ان کے متعلق سنا اور نہ کسی دل میں ان کا خیال پیدا ہوا، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ انہیں موت کا اندیشہ ہوگا اور نہ ہی جنت کی نعمتوں کے چھن جانے یا ختم ہو جانے کا خوف ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو اس نے اپنے فضل و احسان کے باعث اپنے ذمہ لیا ہے اور اس کا ایفاء ضروری ہے، اس لئے فرمایا: كَانَ عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا مسئول کا معنی ہے واجب (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس وعدہ کے ایفاء کا سوال کرو جو اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے (3)۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ فرشتے بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس وعدہ کے ایفاء کا سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں: اے پروردگار! انہیں سدا بہار جنتیں عطا فرما جن کا تو نے ان کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے۔ ابو حازم کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اہل ایمان عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم نے تیری رضا کی خاطر وہ اعمال کئے جن کا تو نے ہمیں حکم دیا تھا۔ آج تو وہ وعدہ پورا فرما جو تو نے ہمارے ساتھ کیا تھا، یہی

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 152
2۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 189، معانی القرآن للفراء، جلد 2 صفحہ 263
3۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 189

مطلب اس فرمان كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعۡدًا مَّسۡـُٔوۡلًا کا ہے(1)۔ جس طرح یہاں اہل دوزخ کا ذکر کیا اس کے بعد پھر اہل جنت کا حال بیان ہوا، اسی طرح سورۂ صافات میں جنتیوں کا ذکر کیا پھر سوال کے بعد دوزخیوں کا ذکر کیا: اَذٰلِكَ خَيۡرٌ نُّزُلًا اَمۡ شَجَرَةُ الزَّقُّوۡمِ فَهُمۡ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمۡ يُهۡرَعُوۡنَ (الصافات: 62-70)۔

وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَيَقُوۡلُ ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِىۡ هٰۤؤُلَاۤءِ اَمۡ هُمۡ ضَلُّوا السَّبِيۡلَ ؁ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ مَا كَانَ يَنۡۢبَغِىۡ لَنَاۤ اَنۡ نَّـتَّخِذَ مِنۡ دُوۡنِكَ مِنۡ اَوۡلِيَآءَ وَلٰـكِنۡ مَّتَّعۡتَهُمۡ وَاٰبَآءَهُمۡ حَتّٰى نَسُوا الذِّكۡرَ‌ۚ وَكَانُوۡا قَوۡمًاۢ بُوۡرًا ۞ فَقَدۡ كَذَّبُوۡكُمۡ بِمَا تَقُوۡلُوۡنَۙ فَمَا تَسۡتَطِيۡعُوۡنَ صَرۡفًا وَّلَا نَـصۡرًا‌ۚ وَمَنۡ يَّظۡلِمۡ مِّنۡكُمۡ نُذِقۡهُ عَذَابًا كَبِيۡرًا ۞

"اور جس روز (محشر میں) اللہ انہیں اکٹھا کرے گا اور ان (باطل خداؤں) کو جنہیں یہ پوجتے ہیں اللہ کے سوا تو اللہ پوچھے گا (ان معبودوں سے) کیا تم نے گمراہ کیا میرے ان بندوں کو یا وہ خود ہی سیدھی راہ سے بھٹک گئے تھے۔ وہ کہیں گے تو پاک ہے (ہر عیب سے) ہمیں یہ بات زیبا نہ تھی کہ ہم بناتے تیرے سوا کسی غیر کو دوست، لیکن تو نے آرام و آسائش عطا کی انہیں اور ان کے آباء کو یہاں تک کہ انہوں نے بھلا دیا تیری یاد کو اور (یوں) وہ لوگ تباہ و برباد ہو گئے۔ (اے کفار) تمہارے معبودوں نے تمہیں جھٹلا دیا جو تم کہتے ہو۔ پس اب نہ تم اپنے سے عذاب کو پھیر سکتے ہو اور نہ تمہاری مدد کی جائے گی اور جس نے ظلم کیا تم میں سے تو ہم چکھائیں گے اسے عذاب بڑا"۔

قیامت کے دن کفار کو غیر اللہ کی عبادت کرنے پر جو سرزنش ہو گی اس کا بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام اور وہ تمام فرشتے موجود ہوں گے جن کی عبادت کی جاتی تھی اور ان کی پرستش کرنے والے بھی حاضر ہوں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان معبودوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا یا یہ از خود ایسا کرنے لگے جیسا کہ فرمان ہے: "وَاِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِىۡ وَاُمِّىَ اِلٰهَيۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ۔۔۔ مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِىۡ بِهٖۤ (المائدہ: 116-117)" اور جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو۔ وہ عرض کریں گے تو ہر شریک سے پاک ہے، میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو تو اسے ضرور جانتا۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔ بے شک تو ہی تمام غیبوں کو جاننے والا ہے۔ میں نے انہیں نہیں کہا مگر وہی کچھ جس کا تو نے مجھے حکم دیا"۔ اس لئے قیامت کے دن یہ معبود جو جواب دیں گے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ مَا كَانَ يَنۡۢبَغِىۡ لَنَاۤ۔ یعنی نہ ہمارے لئے اور نہ ہمارے علاوہ دوسری مخلوق کے لئے زیبا تھا کہ ہم اور وہ تیرے سوا کسی اور کی عبادت کرتے۔ ہم نے نہ انہیں اپنی عبادت کی دعوت دی، نہ حکم دیا اور نہ ہی ہم اس پر راضی تھے بلکہ یہ از خود ہماری عبادت کرنے لگے، ہم ان سے بھی اور ان کی عبادت سے بھی بری الذمہ اور بیزار ہیں

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 241

جیسا کہ فرمایا: وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَٰئِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا سُبْحَٰنَكَ (سبا:40)" اور جس روز وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کیا کرتے تھے، وہ عرض کریں گے کہ تو ہر شک سے پاک ہے"۔ ایک دوسری قرأت میں "نَتَّخِذَ" کی بجائے "نُتَّخَذَ" پڑھا گیا ہے(1)۔ یعنی کسی کو یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ وہ ہماری عبادت کرتا کیونکہ ہم تو تیرے بندے ہیں اور تیرے ہی محتاج ہیں۔ دونوں قرأتوں کا مطلب تقریباً یکساں ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَٰكِن مَّتَّعْتَهُمْ یعنی آرام و آسائش میں ان کی طویل عمریں گزریں جس کی وجہ سے انہوں نے رسول کے پیغام توحید کو فراموش کر دیا اور تیری عبادت سے منہ موڑ لیا، اس طرح یہ لوگ تباہ و برباد ہو گئے۔ "بور" کا معنی ہے ہلاک ہونے والے۔ اگلی آیت میں فرمایا: فَقَدْ كَذَّبُوكُم۔ یعنی یہ دیکھو تمہارے ان معبودوں نے تمہیں جھٹلا دیا اور تمہارے اس خیال کو بالکل غلط کر دیا کہ یہ معبود تمہارے دوست اور حمایتی ہیں اور تمہارے لئے قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ (الاحقاف:6-5)" اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں اور جب لوگ جمع کئے جائیں گے تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے"۔ فرمایا: فَمَا تَسْتَطِيعُونَ۔ یعنی یہ کفار و مشرکین قیامت کے دن نہ اپنے آپ سے عذاب کو ٹال سکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی اور جو تم میں شرک کر کے ظلم کا ارتکاب کرتا ہے، اسے بہت بڑے عذاب کا ذائقہ چکھایا جائے گا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ ۗ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ۝

"اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں۔ اور ہم نے بنا دیا تمہیں ایک دوسرے کیلئے آزمائش۔ کیا تم (اس آزمائش میں) صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے"۔

تمام سابقہ انبیاء و رسل کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ انہیں بھی غذا کی ضرورت تھی اور تجارت اور کسب معاش کی خاطر انہیں بھی بازاروں میں جانا پڑتا تھا۔ کھانا پینا اور بازاروں میں چلنا مقام نبوت اور شان رسالت کے منافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ کو وہ اعلیٰ خصوصیات، پاکیزہ سیرت، خوبصورت صفات، عمدہ اقوال، پسندیدہ افعال، حیران کن معجزات اور قطعی دلائل عطا فرمائے جن سے ہر صاحب عقل و بصیرت ان کی نبوت و رسالت کی صداقت پر استدلال کر سکتا ہے۔ اس قسم کی یہ آیات بھی ہیں: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِم مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ (یوسف:109)" اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے"۔ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (الانبیاء:8)" اور ہم نے ان انبیاء کے ایسے جسم نہیں بنائے کہ وہ کھاتے نہ ہوں" فرمایا: وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ یعنی ہم تمہیں ایک دوسرے کے لئے آزمائش بناتے ہیں اور تم میں سے ہر ایک کو اپنے مقابل سے آزماتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ فرمانبردار کون ہے اور نافرمان کون، اس لئے فرمایا: أَتَصْبِرُونَ یعنی تمہیں صبر کرنا ہوگا اور تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون نبوت کا مستحق ہے جیسا کہ فرمایا: اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (الانعام:124)" اللہ تعالیٰ (اس دل کو) بہتر جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت کو رکھتا ہے"، اور اللہ تعالیٰ یہ بھی پورا پورا علم رکھتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون نہیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اس

1۔ دیکھئے تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 191، روح المعانی، جلد 18 صفحہ 249، المحتسب از ابن جنی، جلد 2 صفحہ 119-120

فرمان کا مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنے پیغمبروں کو بکثرت دنیا دے دیتا جس کے لالچ میں سب لوگ ان کے پیروکار بن جاتے اور کوئی ان کی مخالفت نہ کرتا لیکن اللہ تعالیٰ آزمانا چاہتا ہے تاکہ سچے اور جھوٹے میں امتیاز ہو جائے(1)۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تجھے اور تمہارے ذریعے لوگوں کو آزمانے والا ہوں''(2)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں چاہتا تو اللہ تعالیٰ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلا دیتا''(3)۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو نبی اور بادشاہ بن جائیں اور اگر چاہیں تو بندہ اور رسول بن جائیں تو آپ نے بندہ اور رسول بننا پسند کیا(4)۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِکَةُ اَوْ نَرٰی رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا کَبِیْرًا ۝ یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِکَةَ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَیَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِیْلًا ۝

''اور کہا ان لوگوں نے جو امید نہیں رکھتے تھے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو۔ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اپنے دلوں میں اور انہوں نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی۔ جس روز وہ دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اس روز مجرموں کے لئے اور فرشتے کہیں گے تمہارے لئے (جنت کا داخلہ) قطعاً حرام ہے۔ اور ہم متوجہ ہوں گے ان کے کاموں کی طرف اور انہیں گرد و غبار بنا کر اڑا دیں گے۔ اہل جنت کا اس دن بہت اچھا ٹھکانا ہوگا اور وہ دوپہر گزارنے کی جگہ بڑی آرام دہ ہوگی''۔

کفار کی اپنے کفر میں سرکشی اور عناد کو بیان کیا جا رہا ہے، ان کا مطالبہ تھا کہ جس طرح پیغمبروں کے پاس فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر آتے ہیں، اس طرح وہ ہمارے پاس کیوں نہیں آتے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ان کے متعلق فرمایا: قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ (الانعام: 124) ''کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ دیا جائے جیسے اللہ کے رسولوں کو دیا گیا''۔ اس فرمان لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِکَةُ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے ہمارے سامنے آ کر ہمیں کیوں نہیں بتاتے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، بالکل اسی طرح کا یہ فرمان بھی ہے: اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ قَبِیْلًا (بنی اسرائیل: 92) اس کی تفسیر سورۂ سبحان میں گزر چکی ہے۔ یہاں بھی ان کی یہی فرمائش ہے کہ فرشتے ہمارے پاس آ کر حقیقت حال سے آگاہ کریں یا ہم بے حجاب اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔ انہیں اس بات کی جسارت اس لئے ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اور سرکشی کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ اگر ان کا مطالبہ پورا کر دیا جاتا تو بھی یہ ایمان نہ لاتے جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةَ وَکَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰی ... یَجْهَلُوْنَ (الانعام: 112) ''اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور مردے ان سے باتیں کرنے لگتے اور ہم ہر چیز کو ان کے روبرو جمع کر دیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا لیکن اکثر لوگ ان سے بالکل غافل ہیں''۔ فرمایا: یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِکَةَ یعنی انہیں فرشتے دکھائی تو دیں گے لیکن اس دن جو ان کے لئے خیر اور مسرت کا حامل نہیں ہوگا۔ اس سے مراد حالت نزع کا وقت ہے جب فرشتے ان کے پاس

1۔ تفسیر طبری، جلد 18 صفحہ 195-194
2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2197
3۔ جزء الحسن بن عرفۃ، جلد 2 صفحہ 53-52 عن عائشۃ رضی اللہ عنہا
4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 231 عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

آتے ہیں اور انہیں آتش جہنم اور غضب الٰہی کی نوید سناتے ہیں۔ جب کافر پر سکرات موت طاری ہوتی ہے تو فرشتے اسے کہتے ہیں: اے خبیث روح جو خبیث جسم میں تھی باہر نکل، گرم ہوا، کھولتے ہوئے پانی اور سیاہ گرم دھوئیں کی طرف نکل۔ وہ نکلنے سے انکار کر دیتی ہے اور بدن میں منتشر ہو کر چھپتی پھرتی ہے، فرشتے اسے مارتے پیٹتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ (الانفال: 50) ''اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں (اور) مارتے ہیں ان کے چہروں پر اور ان کی پشتوں پر'' وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ (الانعام: 93) ''کاش تم دیکھو جب ظالم موت کی سختیوں میں (گرفتار) ہوں اور فرشتے بڑھا رہے ہوں (ان کی طرف) اپنے ہاتھ (اور انہیں کہیں کہ) نکالو اپنی جانوں کو۔ آج تمہیں دیا جائے گا ذلت کا عذاب اس وجہ سے کہ تم بہتان لگاتے تھے اللہ تعالیٰ پر ناحق اور تم اس کی آیتوں (کے ماننے) سے تکبر کیا کرتے تھے''۔ موت کے وقت مومنوں کا حال ان کے برعکس ہوتا ہے، انہیں جلیل القدر انعامات اور ابدی مسرتوں کی نوید سنائی جاتی ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ (حم السجدۃ: 30-32) ''بے شک وہ سعادت مند جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ قول پر پختگی سے قائم رہے، ان پر فرشتے اترتے ہیں اور (انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو، تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے دوست ہیں دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ شے ہے جو تم مانگو گے۔ یہ میزبانی ہے غفور رحیم کی طرف سے''۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ''فرشتے مومن کی روح سے کہتے ہیں کہ اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی، تو راحت و آرام، عمدہ رزق اور اپنے پروردگار کی طرف چل جو تجھ پر ناراض نہیں ہے۔ سورۂ ابراہیم کی اس آیت یُثَبِّتُ اللّٰهُ کے تحت یہ حدیث تفصیل سے گزر چکی ہے(1)۔ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن فرشتوں کا دیکھنا ہے لیکن ان دونوں اقوال کے درمیان کوئی منافات اور تضاد نہیں کیونکہ موت کے دن اور قیامت کے دن دونوں موقعوں پر فرشتے مومنوں اور کافروں کے سامنے آئیں گے۔ اہل ایمان کو وہ رحمت و رضوان کی نوید سنائیں گے اور کافروں کو خسارہ اور عذاب کی خبر دیں گے۔ یہ دن مجرموں کے لئے خوشی کا دن نہیں ہوگا اور فرشتے انہیں صاف صاف کہہ دیں گے: حِجْرًا مَّحْجُوْرًا یعنی آج فلاح تم پر حرام ہے۔ حجر کا لغوی معنی ہے روکنا۔ قاضی جب کسی کو اس کے افلاس، یا بے وقوفی یا کمسنی یا کسی اور وجہ سے مال میں تصرف کرنے سے روک دے تو کہا جاتا ہے: ''حَجَرَ الْقَاضِیْ عَلٰى فُلَانٍ''۔ حطیم کو بھی حجر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ طواف کرنے والوں کو اپنے اندر طواف کرنے سے روکتا ہے بلکہ اس کے باہر سے طواف کیا جاتا ہے۔ عقل کو بھی حجر کہتے ہیں کیونکہ یہ انسان کو غیر شائستہ اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ الغرض وَیَقُوْلُوْنَ کی ضمیر کا مرجع فرشتے ہیں(2)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اس کا معنی بتاتے ہیں کہ فرشتے انہیں کہیں گے کہ تم ان خوشخبریوں سے محروم ہو جو خوشخبریاں مومنوں کو دی جاتی ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وَیَقُوْلُوْنَ کا فاعل کافر ہیں اور حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ان کا مقولہ ہے۔ وہ فرشتوں کو دیکھ کر ان سے پناہ مانگتے ہوئے کہتے ہیں: حِجْرًا مَّحْجُوْرًا۔ اگر کسی پر کوئی مصیبت اتر آئے تو عرب یہی کہتے ہیں۔ اگرچہ ان الفاظ کا اس معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں سیاق کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ معنی بعید ہے خصوصاً اس وقت جب جمہور نے اس کی مخالفت کی ہے۔ البتہ حضرت مجاہد سے اس کا معنی ''عَوْذًا مَعَاذًا'' (ہمیں بچاؤ) مروی ہے جس میں اس بات کا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ابراہیم: 27
2۔ تفسیر طبری، جلد 19، صفحہ 3

احتمال ہے کہ یہ مقولہ کفار کا ہے لیکن ایک اور روایت میں ان سے صراحتاً مروی ہے کہ یہ قول فرشتوں کا ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا: وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا یہ قیامت کے دن اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ بندوں کے نیک و بد اعمال کا محاسبہ کرے گا۔ اس وقت کفار کے اعمال اکارت جائیں گے جنہیں وہ اپنی نجات کا ذریعہ سمجھے ہوئے تھے کیونکہ ان کے اعمال میں قبولیت کی شرط مفقود تھی یعنی نہ ان میں اخلاص کارفرما تھا اور نہ یہ شریعت کے مطابق تھے۔ ہر وہ عمل باطل اور بے کار ہے جس میں نہ خلوص پایا جائے اور نہ وہ شریعت کے موافق ہو۔ کفار کے اعمال نہ صرف ایک شرط سے بلکہ ان دونوں شرطوں سے خالی ہیں اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود ہیں اور ان کی قبولیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لئے فرمایا: وَقَدِمْنَآ ۔ بعض کے نزدیک قدمنا کا معنی ہے ہم قصد کریں گے اور بعض کے نزدیک اس کا معنی ہے ہم رد کردیں گے۔ روشندان سے جب دھوپ اندر آ رہی ہوتو اس میں جو باریک باریک ذرے نظر آتے ہیں، انہیں ''ھباء'' کہا جاتا ہے(1)۔ لیکن اگر کوئی ان ذرات کو پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا سے مراد وہ پانی ہے جسے زمین پر بہا دیا گیا ہو۔ یہ جس طرح ہاتھ نہیں آتا اسی طرح کفار کے اعمال بے فائدہ ہیں۔ اس کے اور بھی معانی بیان کئے گئے ہیں یعنی غبار، درختوں کے پتوں کا چورا جسے ہوا ادھر ادھر بکھیر دے اور راکھ۔ ان تمام اقوال سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ کفار کے اعمال جنہیں وہ بہت مفید، نفع بخش اور باعث نجات سمجھ رہے ہیں، جب انہیں عادل و حاکم حقیقی خدا کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا تو وہ بے سود، بے کار اور غیر مفید ثابت ہوں گے۔ ان کی مثال بکھری ہوئی کسی معمولی اور ردی چیز کی سی ہے جس سے کچھ نہیں حاصل ہوتا جیسا کہ فرمایا: مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ (ابراہیم: 18) ''ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ایسی ہے کہ ان کے اعمال راکھ کا ڈھیر ہیں جسے تند ہوا تیزی سے اڑا لے گئی''، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ... لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا (البقرہ: 264) ''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور دکھ پہنچا کر مت ضائع کرو اس آدمی کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور قیامت کے دن پر یقین نہیں رکھتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو، پھر اس پر زور کی بارش برسے اور اسے چٹیل صاف پتھر بنا چھوڑے۔ (ریاکار) کچھ بھی حاصل نہ کرسکیں گے اس سے جو انہوں نے کمایا''، وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا (النور: 39) ''اور کفار کے اعمال ایسے ہیں جیسے کسی چٹیل میدان میں سراب ہو جسے پیاسا پانی خیال کرتا ہے حتی کہ جب اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا''۔ ان کے برعکس جنتیوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَىِٕذٍ - کیونکہ دونوں فریق یکساں اور برابر نہیں ہوسکتے۔ جنتی ہی وہ سعادت مند ہیں جنہیں حقیقی اور مکمل کامیابی حاصل ہوگی۔ جنت میں انہیں اعلیٰ درجات اور پرسکون بالا خانے عطا کئے جائیں گے۔ وہ وہاں ہر قسم کی راحت، دلکش مناظر اور پرفضا مقامات سے لطف اندوز ہوں گے۔ ان کے برعکس جہنمیوں کو دوزخ کے گڑھوں میں پھینک دیا جائے گا، دائمی حسرت و ندامت ان پر مسلط ہوگی اور وہ اس برے اور تکلیف دہ ٹھکانے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انواع و اقسام کے عذابوں اور سزاؤں کا سامنا کرتے رہیں گے۔ اہل ایمان چونکہ نیک اعمال کرتے رہے اس لئے انہیں جنت میں اچھا ٹھکانا اور عمدہ قرارگاہ نصیب ہوگی لیکن دوزخی اس دن ہر راحت اور ہر نعمت سے محروم رہیں گے کیونکہ انہوں نے کوئی ایسا عمل کیا ہی نہ تھا جو انہیں دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچانے کا سبب بنتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سعادت مندوں کا حال بیان کرکے بدبختوں کی حالت پر تنبیہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 4

فرمادی کہ خیر نام کی کوئی چیز انہیں بالکل حاصل نہیں ہوگی۔ حضرت ابن عباس وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ گھڑی ہے جس میں جنتی دوپہر کے وقت اپنی حوروں کے ساتھ آرام کریں گے اور جہنمی اس وقت شیاطین کے ساتھ جکڑے ہوئے کرب و الم کا شکار ہوں گے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دوپہر کو حساب سے فارغ ہوگا تو جنتی دوپہر کا وقت جنت میں گزاریں گے اور دوزخی دوزخ میں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ ... حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ مجھے وہ گھڑی معلوم ہے جس میں جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔ یہ دوپہر کی گھڑی ہے جس میں لوگ اپنے گھر بیٹھ کر قیلولہ کرتے ہیں، اسی گھڑی میں جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔ جنتیوں کا قیلولہ جنت میں ہوگا اور انہیں مچھلی کی کلیجی کھلائی جائے گی جس سے وہ خوب سیر ہو جائیں گے، یہی مقصد اس فرمان کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آدھا دن گزرنے سے پہلے جہنمی جہنم میں اور جنتی جنت میں قیلولہ کریں گے، پھر آپ نے مذکورہ آیت کے علاوہ یہ آیت بھی پڑھی: ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ (الصافات:68) "پھر انہیں لوتا دیا جائے گا جحیم کی طرف" (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنتی جنت کے بالا خانوں میں آرام کریں گے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے حضور صرف سرسری سی پیشی ہوگی اور یہی آسان حساب ہے جس کا ذکر اس فرمان میں ہے: فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا (الانشقاق:8-7) "پس جس کا نامہ عمل اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس سے حساب آسانی سے لیا جائے گا اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوش خوش لوٹے گا" (2)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ مستقر اور مقیل سے مراد ٹھکانا اور منزل ہے۔ صفوان بن محرز فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن دو آدمیوں کو لایا جائے گا، ایک وہ جو ساری دنیا کا بادشاہ تھا، اس سے حساب لیا جائے گا لیکن اس کی عمر بھر میں ایک نیکی بھی نہ نکلے گی، چنانچہ اسے جہنم میں لے جانے کا حکم ہوگا، پھر دوسرا شخص آئے گا جس نے کمبل میں عمر بسر کی تھی، اس سے حساب لیا جائے گا تو وہ کہے گا: اے پروردگار! میرے پاس تو دنیا میں کچھ تھا ہی نہیں جس کا مجھ سے حساب لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے، اسے چھوڑ دو۔ چنانچہ اسے جنت میں لے جانے کا حکم ہوگا۔ پھر کچھ عرصہ بعد دونوں کو بلایا جائے گا تو جہنمی بادشاہ سیاہ کوئلے کی طرح ہوگا۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ کس حال میں ہو؟ وہ کہے گا کہ بہت برے ٹھکانے میں ہوں۔ اسے کہا جائے گا کہ جہنم میں لوٹ جاؤ۔ پھر جنتی کو بلایا جائے گا، اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح جگمگا رہا ہوگا، اس سے پوچھا جائے گا کہ کس حال میں ہو؟ وہ کہے گا کہ بہترین ٹھکانہ میسر ہے۔ پھر اسے واپس جنت میں لوٹ جانے کا حکم ہوگا۔ سعید صواف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مومن پر قیامت کا دن اس قدر مختصر ہوگا جیسے عصر سے مغرب تک کا وقت۔ لوگوں کے حساب سے فارغ ہونے تک وہ جنتی باغات میں ٹہلیں گے یہی مطلب اس آیت اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ - کا ہے (2)۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰي يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَاۗءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 402

2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 5

''اور یاد کرو جس روز پھٹ جائے گا آسمان اور بادل نمودار ہوگا اور اتارے جائیں گے فرشتے گروہ در گروہ۔ اس دن سچی بادشاہی (خداوند) رحمٰن کی ہوگی اور وہ دن کافروں کے لئے بڑا مشکل ہوگا۔ اور اس روز ظالم (فرط ندامت سے) کاٹے گا اپنے ہاتھوں کو (اور) کہے گا کاش! میں نے اختیار کیا ہوتا رسول (مکرم) کی معیت میں (نجات کا) راستہ۔ ہائے افسوس! کاش نہ بنایا ہوتا میں نے فلاں کو اپنا دوست۔ واقعی اس نے بہکا دیا مجھے اس قرآن سے اس کے میرے پاس آ جانے کے بعد۔ اور شیطان تو ہمیشہ سے انسان کو (مشکل کے وقت) بے یار و مددگار چھوڑنے والا ہے''۔

وقوع قیامت کا ہولناک منظر بیان کیا جا رہا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا اور اس کی جگہ سفید بادل نمودار ہوگا جس کی نورانیت سے آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی، پھر فرشتے اتریں گے اور میدان حشر میں تمام مخلوقات کو گھیر لیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فیصلے فرمانے کے لئے تشریف لائے گا جیسا کہ ارشاد ہے: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ (البقرۃ:210)'' کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ چھائے ہوئے بادلوں میں آئے اور فرشتے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنات، انسان، حیوانات، چوپائے، درندے، پرندے اور کل مخلوق کو جمع کرے گا، پھر آسمان دنیا پھٹ جائے گا تو اس میں سے تمام جن و انس بلکہ تمام مخلوقات سے بھی زیادہ فرشتے ظاہر ہوں گے اور وہ جن و انس سمیت کل مخلوق کو گھیر لیں گے، پھر دوسرا آسمان پھٹے گا تو اس کے فرشتے اتر کر آسمان سے اترنے والے فرشتوں اور جن و انس سمیت تمام مخلوق کا احاطہ کر لیں گے، ان کی تعداد آسمان دنیا کے فرشتوں اور کل مخلوق کی تعداد سے زیادہ ہوگی، پھر تیسرا آسمان پھٹے گا تو اس میں سے اترنے والے فرشتوں کی تعداد پہلے اور دوسرے آسمان کے فرشتوں اور تمام مخلوق کی تعداد سے زیادہ ہوگی اور یہ سبھی کو گھیر لیں گے، پھر اسی طرح باقی آسمان باری باری پھٹیں گے اور ہر ایک کے فرشتوں کی تعداد پہلے آسمانوں کے فرشتوں کی مجموعی تعداد اور کل مخلوق کی تعداد سے زیادہ ہوگی پھر اللہ تعالیٰ ابر کے سائے میں نزول اجلال فرمائے گا، اس کے ارد گرد مقرب فرشتے ہوں گے جن کی تعداد سات آسمانوں کے فرشتوں، جن و انس اور کل مخلوق کی تعداد سے زیادہ ہوگی، ان پر نیزے کی گرہ جیسے سینگوں کے نشانات ہوں گے، عرش تلے خدا کی تسبیح، تہلیل اور تقدیس سے ان کی زبانیں زمزمہ سنج ہوں گی، ان میں سے ہر ایک کے تلوے سے لے کر ٹخنے تک کی مسافت پانچ سو سال کی ہوگی اور ٹخنے سے گھٹنے تک بھی پانچ سو سال کا فاصلہ ہوگا، اسی طرح گھٹنے اور ناف کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہوگی، ناف سے لے کر سینے تک بھی اتنا فاصلہ ہوگا، سینے سے کان کی لو تک بھی اتنا ہی فاصلہ ہوگا اور اس سے اوپر بھی اتنی ہی مسافت ہوگی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب یہ آسمان پھٹے گا تو اس میں سے جن و انس سے زیادہ فرشتے نمودار ہوں گے، چونکہ اس دن زمین و آسمان والے ملیں گے اس لئے اس دن کو یَوْمَ التَّلَاقِ کہا جاتا ہے۔ زمین والے کہیں گے کہ ہمارا رب تشریف لے آیا؟ فرشتے انہیں بتائیں گے کہ ابھی اللہ تعالیٰ تشریف نہیں لایا، وہ آنے ہی والا ہے، پھر یکے بعد دیگرے سب آسمان پھٹیں گے اور ہر ایک سے پہلے سے زیادہ فرشتوں کا نزول ہوگا۔ ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کے نازل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کا ظہور ہوگا پھر اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ فرما ہوگا جسے آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے، جن میں سے ہر ایک فرشتے کے ٹخنے سے گھٹنے تک ستر سال کی مسافت ہے اور اسی طرح ران اور کندھے کے درمیان بھی ستر سال کا فاصلہ ہے۔ ان میں سے کوئی فرشتہ دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوگا، ہر ایک اپنا سر سینے پر جھکائے ہوئے ''سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ'' کا ورد کر رہا ہوگا۔ ان

کے سروں پر کھجوروں کے خوشے جیسی کوئی چیز پھیلی ہوئی ہوگی، اس کے اوپر عرش ہوگا(1)۔ یہ روایت منکر ہے اور اس کا راوی علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے۔ حدیث صور اس کے قریب قریب ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: فَیَوْمَىِٕذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَ انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ یَوْمَىِٕذٍ وَّاهِیَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّ الْمَلَكُ عَلٰۤى اَرْجَآىِٕهَا ؕ وَ یَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ ثَمٰنِیَةٌ (الحاقۃ: 17-15) ''تو اس روز ہونے والا واقعہ ہو جائے گا اور آسمان پھٹ پڑے گا تو وہ اس دن بالکل بودا ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر مقرر کر دیے جائیں گے اور اس روز آپ کے رب کے عرش کو آٹھ فرشتوں نے اپنے اوپر اٹھا رکھا ہوگا''۔ شہر بن حوشب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھانے والے آٹھ فرشتوں میں سے چار کی تسبیح یہ ہے: ''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ'' ''اے اللہ! تو پاک ہے، تو ہی ہر تعریف کا سزاوار ہے، علم کے باوجود حلم سے کام لینے پر ہم تیری تعریف کرتے ہیں'' اور باقی چار اس تسبیح میں مصروف ہیں: ''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ'' (2)۔ ابو بکر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ زمین والے جب اوپر سے عرش کو اترتا ہوا دیکھیں گے تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، ان کے پہلوؤں میں ان کے گردے کانپنے لگیں گے اور ان کے دل منہ کو آئیں گے(3)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف اترے گا تو اس کے اور مخلوق کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے، بعض نور کے اور بعض ظلمت کے۔ اس ظلمت میں سے ایسی آواز برآمد ہوگی کہ دل دہل جائیں گے۔ یہ روایت حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اَلْمُلْكُ یَوْمَىِٕذِ ۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن: 16) ''آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ کی جو واحد اور قہار ہے''۔ حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا اور دوسرے ہاتھ میں زمینوں کو لے لے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، میں حساب لے کر بدلہ دینے والا ہوں، کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں وہ سرکش اور کہاں ہیں وہ متکبر؟(3) پھر فرمایا: وَ كَانَ یَوْمًا یعنی کفار پر یہ دن بہت سخت اور بھاری ہوگا کیونکہ یہ عدل اور فیصلہ کا دن ہے جیسا کہ فرمایا: فَذٰلِكَ یَوْمَىِٕذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ (المدثر: 10-9) ''تو وہ دن بڑا سخت ہوگا، کافروں پر آسان نہ ہوگا''۔ اس دن کافروں کا یہ حال ہوگا لیکن مومنوں کی کیفیت وہ ہوگی جو اس آیت میں مذکور ہے: لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ (الانبیاء: 103) ''انہیں وہ بڑی گھبراہٹ غمناک نہ کرے گی''۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! پچاس ہزار سال کا دن، یہ دن کتنا طویل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! یہ طویل مدت مومن کے لئے اتنی ہوگی جتنی فرض نماز جسے وہ دنیا میں ادا کرتا ہے''(4)۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَ یَوْمَ یَعَضُّ ...... یہاں اس ظالم کی ندامت کا حال بیان ہو رہا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی، آپ کے لائے ہوئے حق مبین کی تکذیب کی اور غلط روش اختیار کی۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ ظالم حسرت و ندامت سے اپنے ہاتھ کاٹے گا لیکن یہ ندامت اس کے کسی کام نہیں آئے گی۔ اس آیت کا نزول عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں ہو یا کسی اور بدبخت کے متعلق، بہرصورت اس کا حکم ہر ظالم کو شامل ہے جیسا کہ فرمایا: یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ ...... اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا (الاحزاب: 66) ''جس روز وہ منہ کے بل آگ میں پھینکے جائیں گے تو کہیں گے اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسول اکرم کی''۔ قیامت کے دن ہر ظالم فرط

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 7-6 2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 7

3۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2148، سنن ابی داؤد، جلد 4 صفحہ 234 وغیرہ 2۔ المدثر: 9-10 4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 75

ندامت سے اپنے ہاتھ چباتے ہوئے کہے گا: یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ ... خَلِیْلًا۔ امیہ بن خلف، ابی بن خلف اور ان کی روش اختیار کرنے والوں کا یہی حال ہوگا (1)۔ وہ کہے گا: لَقَدْ اَضَلَّنِیْ ... یعنی اس نے مجھے قرآن کریم سے بہکا دیا حالانکہ وہ میرے پاس پہنچ چکا تھا۔ فرمایا: وَكَانَ الشَّيْطٰنُ ... یعنی شیطان انسان کو حق سے منحرف کرکے باطل کی راہ پر لگا دیتا ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۞ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّنَصِیْرًا ۞

''اور رسول عرض کرے گا میرے رب! بلاشبہ میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ اور (اے حبیب!) اسی طرح ہم نے بنائے ہر نبی کے لئے دشمن جرائم پیشہ لوگوں سے۔ اور کافی ہے آپ کا رب (آپ کے لئے) منزل مقصود تک پہنچانے والا اور مدد فرمانے والا''۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ ان لوگوں نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ کیونکہ جب قرآن پڑھا جاتا تو مشرکین نہ خاموشی اختیار کرتے اور نہ اسے غور سے سنتے بلکہ دوسروں کو شور وغل کرنے پر اکساتے جیسا کہ فرمان ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ (حم السجدۃ: 26) ''اور کافر کہنے لگے کہ مت سنا کرو اس قرآن کو اور اس کی تلاوت کے درمیان شور مچادیا کرو''۔ جب قرآن کریم کی تلاوت ہوتی تو مشرکین خوب شور وغل کرتے تاکہ کوئی قرآن کریم کو نہ سنے، یہی ان کا قرآن کریم کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا تھا، اسی طرح قرآن کریم پر ان کا ایمان نہ لانا، اس کی تصدیق نہ کرنا، اس میں غور وتدبر سے کام نہ لینا، اس پر عمل نہ کرنا، اس کے اوامر کی بجا آوری نہ کرنا، اس کے نواہی سے اجتناب نہ کرنا، اس سے انحراف کرکے شعر وغنا، لہو ولعب، برے کلام اور اس کے منافی طریقے کو اپنانا، یہ سب چیزیں قرآن کے ترک کرنے میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ ہمیں ہر اس چیز سے محفوظ رکھے جو اس کی ناراضگی کا سبب بنے اور ہر اس عمل کی توفیق عطا فرمائے جو اس کی رضا کا موجب بنے اور قرآن کریم کو یاد کرنے، اسے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے! دوسری آیت میں فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ ... یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! جس طرح آپ کی قوم نے قرآن کریم کو نظر انداز کر دیا، اسی طرح پہلی قوموں نے بھی کیا کیونکہ ہم نے ہر نبی کے لئے جرائم پیشہ لوگوں میں سے دشمن بنا دیئے جو لوگوں کو گمراہی اور کفر کی دعوت دیتے تھے جیسا کہ فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (الانعام: 113) ''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے سرکش انسان اور جن دشمن بنا دیئے''۔ اس لئے یہاں فرمایا: وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا یعنی آپ کا رب ہر اس شخص کے لئے کافی ہے جو اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرے، اس کی کتاب پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے اس کی پیروی کرے اور ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں منزل مقصود تک پہنچانے والا اور اس کی مدد فرمانے والا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات ہادی اور ناصر ذکر کی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین لوگوں کو اتباع قرآن سے روکتے تھے تاکہ کوئی قرآن کریم سے ہدایت نہ حاصل کرسکے اور ان کا طریقہ قرآن کے طریقہ پر غالب رہے اس لئے فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚۛ كَذٰلِكَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ

1۔ اس کے متعلقہ آثار کی تفصیل کیلئے دیکھئے تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 7-9، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 250-254

فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿٣٣﴾ؕ
الَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ إِلٰى جَهَنَّمَ ۙ أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٣٤﴾

''اور کہنے لگے کفار (از راہ اعتراض) کیوں نہیں اتارا گیا ان پر قرآن یک بارگی؟ اس طرح اس لئے کیا کہ ہم مضبوط کر دیں اس کے ساتھ آپ کے دل کو اور اسی لئے ہم نے ٹھہر ٹھہر کرا سے پڑھا ہے۔ اور نہیں پیش کریں گے آپ پر کوئی اعتراض مگر ہم لائیں گے آپ کے پاس اس کا صحیح جواب اور عمدہ تفسیر۔ (جو اعتراض کو رد کر دے گی) جو لوگ ہانکے جائیں گے اوندھے منہ جہنم کی طرف، ان کا بہت برا ٹھکانا ہو گا اور وہ سب سے زیادہ گم کردہ راہ ہوں گے''۔

کفار کے اعتراض، ہٹ دھرمی اور لا یعنی مطالبہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ جس طرح تورات، انجیل، زبور اور دیگر آسمانی صحیفے یکبارگی نازل ہوئے ہیں، اس طرح قرآن یکبارگی کیوں نازل نہیں ہوا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیئس سال کے عرصہ میں واقعات اور حوادثات کے پیش نظر جوں جوں ضرورت پڑی، اس کے احکام نازل ہوتے گئے تا کہ اہل ایمان کے دل اس سے مستحکم ہو جائیں اور وقفہ وقفہ سے احکام اترنے کے سبب عمل کرنا ان کے لئے آسان ہو جائے، اسی لئے فرمایا: لِنُثَبِّتَ بِهٖ۔ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا کی وضاحت کرتے ہیں کہ ہم نے اسے خوب واضح کر دیا ہے۔ ابن زید اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اس کی تفسیر بیان کر دی ہے(1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ یعنی یہ لوگ حق کے مقابلہ میں جو بھی حجت پیش کریں گے اور جو شبہ اور اعتراض لائیں گے ہم اس کا صحیح اور سچا جواب دیں گے جو ان کی بات سے زیادہ واضح اور فصیح ہو گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ کے متعلق جب بھی عیب جوئی کریں گے، ہم اس کے جواب کے لئے جبریل علیہ السلام کو بھیج دیں گے۔ صبح وشام، دن رات اور سفر وحضر میں فرشتہ کا بتدریج وحی لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا آپ ﷺ کی جلالت شان اور فضیلت کی روشن دلیل ہے۔ پہلے جو آسمانی کتابیں نازل ہوئیں، ان کا نزول یکبارگی تھا لیکن حضور ﷺ پر قرآن کریم قسط وار نازل ہوتا رہا اور ہر بار فرشتہ وحی لے کر حاضر خدمت ہوتا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کا مقام ومرتبہ تمام پیغمبروں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ قرآن کریم سب کتابوں سے افضل کتاب ہے اور حضرت محمد ﷺ تمام پیغمبروں سے زیادہ جلیل القدر اور صاحب عظمت پیغمبر ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں یہ دونوں صفات (یکبارگی اور تدریجاً نازل ہونے کی) ایک ساتھ موجود ہیں۔ عالم بالا میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں بیت العزۃ تک اس کا نزول یکبارگی ہوا پھر وہاں سے زمین تک اس کا نزول بتدریج حسب ضرورت ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان دنیا تک قرآن کا نزول شب قدر میں یکبارگی ہوا پھر وہاں سے بیس سال تک تدریجاً اس کا نزول ہوتا رہا۔ پھر اس کی تائید میں آپ نے یہ آیت وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ ۔ ۔ ۔ اور اس کے علاوہ یہ آیت پڑھی: وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا (بنی اسرائیل:106) ''اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا اتارا ہے''(2)۔ پھر کافروں کی بدترین حالت اور ذلت آمیز انجام کا ذکر کیا جس کا سامنا انہیں قیامت کے دن کرنا ہو گا، فرمایا: اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ .... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کے دن کافر کو کس طرح اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ جس نے اسے پیروں کے بل چلایا، وہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 14
2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 5 صفحہ 133

قیامت کے دن اسے منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے"(1)۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿٣٥﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿٣٦﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ

اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣٧﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ

وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا

تَتْبِيْرًا ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ

بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿٤٠﴾

"اور بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب اور مقرر کیا ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو (ان کا) وزیر۔ پھر ہم نے حکم دیا وہ دونوں جاؤ اس قوم کی طرف جنہوں نے جھٹلایا ہے ہماری آیتوں کو۔ (وہ گئے، قوم نے ان کو ٹھکرا دیا) تو ہم نے ان کو بالکل برباد کر دیا۔ اور قوم نوح کو یاد کرو جب انہوں نے جھٹلایا رسولوں کو تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور بنا دیا انہیں دوسرے لوگوں کے لئے عبرت اور تیار کر رکھا ہے ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب۔ اور یاد کرو قوم عاد و ثمود اور اصحاب الرس کو اور ان کثیر التعداد قوموں کو جو ان کے درمیان گزریں۔ حق سمجھانے کے لئے ہم نے بیان کیں ہر ایک کے لئے مثالیں اور ہم نے سب کو نیست و نابود کر دیا۔ اور کئی بار گزرے ہیں یہ مشرک اس قصبہ کے پاس سے جس پر پتھراؤ کیا گیا تھا بری طرح۔ کیا (وہاں سے گزرتے ہوئے) وہ اسے نہیں دیکھا کرتے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں دوبارہ جینے کی امید ہی نہیں ہے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور مخالفت کرنے والے مشرکین کو دردناک اور عبرتناک عذاب کی دھمکی دی جا رہی ہے جیسا کہ اپنے رسولوں کو جھٹلانے والی سابقہ قومیں عذاب میں مبتلا ہوئیں۔ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو آپ کا وزیر اور معاون بنایا لیکن فرعونیوں نے دونوں کو جھٹلا دیا جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اسی طرح قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا تو ان کا بھی یہی حشر ہوا۔ چونکہ ایک نبی کی تکذیب سب انبیاء کی تکذیب کے مترادف ہے اس لئے یہاں الرسل جمع استعمال ہوا کیونکہ نفس نبوت و رسالت میں انبیاء کرام کے درمیان کوئی تفاوت اور فرق نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض ان کی طرف تمام رسول بھیجے جاتے تو یہ تبھی کی تکذیب کرتے اس لئے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کو تمام پیغمبروں کی تکذیب کے قائم رکھتے ہوئے الرسل جمع کا صیغہ ذکر کیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی طرف بہت سے رسول آئے تھے۔ ان کی طرف صرف حضرت نوح علیہ السلام ہی مبعوث ہوئے جو لگاتار ساڑھے نو سال انہیں تبلیغ کرتے رہے اور عذاب سے خبردار کرتے رہے لیکن چند ایک کے سوا کوئی آپ پر ایمان نہ لایا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان تمام کافروں کو غرق کر دیا۔ روئے زمین پر بنی آدم میں سے صرف وہی بچے جو کشتی میں سوار تھے۔ ان کی ہلاکت اور بربادی لوگوں کے لئے درس عبرت بنا دی گئی جیسا کہ فرمایا: اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿١١﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (الحاقہ: 12-11) "جب سیلاب حد سے گزر گیا تو ہم

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ فرقان، جلد 6 صفحہ 137، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2161

نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا تا کہ ہم اس واقعہ کو تمہارے لئے یادگار بنا دیں' اور یاد رکھنے والے کان اسے محفوظ رکھیں"۔ یعنی کشتی کو ہم نے تمہارے لئے طوفان سے نجات پانے اور سفر طے کرنے کا ذریعہ بنایا تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد رکھو کہ اس نے تمہیں اس طوفان سے بچا لیا اور ان لوگوں کی اولاد میں سے کیا جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ قوم عاد اور قوم ثمود کا قصہ متعدد سورتوں میں بار بار بیان ہو چکا ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ اَصْحٰبَ الرَّسِّ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ تو مثمود کی ایک بستی والے تھے (1)۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ یمامہ کی ایک بستی فلج میں رہنے والے تھے یہ وہی ہیں جن کا ذکر سورۂ یٰسین میں ہوا ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "الرس" آذربائیجان میں ایک کنواں ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے نبی کو اس کنویں میں ڈال دیا۔ ابن اسحاق محمد بن کعب سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن ایک سیاہ فام غلام سب سے پہلے جنت میں جائے گا۔" اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کی طرف اپنا نبی بھیجا لیکن اس بستی والوں میں سے بجز اس سیاہ فام غلام کے کوئی بھی ایمان نہ لایا بلکہ انہوں نے ظلم کی انتہا کرتے ہوئے اللہ کے اس نبی علیہ السلام کو ایک کنویں میں ڈال کر اس کے منہ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیا۔ وہ غلام جنگل میں لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور انہیں بیچ کر خورد و نوش کی چیزیں خریدتا۔ پھر انہیں لے کر کنویں پر چلا آتا، اور خداداد طاقت سے بھاری پتھر کو سرکاتا اور کھانے پینے کی اشیاء رسی کے ساتھ باندھ کر نیچے لٹکا دیتا، پھر وہ اس پتھر کو جوں کا توں کنویں کے دہانے پر رکھ دیتا۔ کافی عرصہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ایک دن اس نے حسب معمول لکڑیاں کاٹ کر گٹھا بنایا۔ جب اس نے اسے اٹھانے کا ارادہ کیا تو اسے اونگھ آ گئی۔ وہ لیٹا تو اس پر نیند مسلط ہو گئی۔ سات سال تک وہ سوتا رہا، اس طویل عرصے کے بعد اس کی آنکھ کھلی، اس نے انگڑائی لی اور کروٹ بدل کر پھر سو گیا۔ سات سال کے بعد وہ بیدار ہوا اور لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر چل پڑا۔ وہ یہی گمان کر رہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر سویا ہے۔ چنانچہ اس نے حسب عادت لکڑیاں فروخت کر کے کھانا خریدا اور کنویں کی طرف چل دیا۔ جب وہ کنویں کی جگہ پہنچا تو کنواں وہاں موجود ہی نہ تھا۔ تلاش بسیار کے باوجود اسے کنواں نہ مل سکا۔ دراصل ہوا یہ کہ قوم کے دل میں ایمان لانے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے نبی کو کنویں سے نکالا اور ان پر ایمان لے آئے اور ان کی تصدیق کی۔ وہ نبی قوم سے اس سیاہ فام غلام کے متعلق دریافت کرتے رہے لیکن کسی نے اس کا پتہ نہ بتایا۔ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد وہ غلام نیند سے بیدار ہوا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: "یہ سیاہ فام سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا" (2)۔ اس روایت میں غرابت اور نکارت ہے اور شاید ادراج بھی ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اصحاب الرس سے یہ لوگ مراد نہیں لئے جا سکتے کیونکہ قرآن کریم میں ان کی ہلاکت کا ذکر ہے لیکن مذکورہ بالا روایت میں جن لوگوں کا ذکر ہے وہ اپنے نبی پر ایمان لے آئے تھے، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی ہلاکت کے بعد ایمان لے آئے ہوں (3)۔ ابن جریر کا مختار قول یہ ہے کہ اصحاب الرس سے مراد اصحاب الاخدود (خندق والے) ہیں جن کا ذکر سورۂ بروج میں ہوا ہے۔ پھر فرمایا: وَ قُرُوْنًۢا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا یعنی ان کے درمیان گزرنے والی کثیر التعداد قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا، اس لئے فرمایا: وَ كُلًّا ضَرَبْنَا۔ یعنی ہم نے ان کے سامنے واضح دلائل پیش کئے اور معجزات دکھا کر ان کے تمام عذر بہانے ختم کر دیئے، اس کے بعد سب کو برباد کر دیا۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ (بنی اسرائیل:17) "اور کتنی قومیں ہیں جنہیں ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد ہلاک کر دیا"۔ قرن کا معنی ہے امت جیسا کہ فرمایا: ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ (المومنون:42) "پھر ہم نے ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 13، الدرالمنثور، جلد 6 صفحہ 256 2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 15-14 3۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 15

(کی بربادی) کے بعد کئی قومیں پیدا فرمائیں"۔ قرن کی مدت بعض کے نزدیک ایک سوبیس سال ہے، بعض کے نزدیک سو سال، بعض کے نزدیک اسی سال، بعض کے نزدیک چالیس سال۔ علاوہ ازیں اس کے بارے میں اور بھی قول ہیں۔ زیادہ ظاہر بات یہی ہے کہ قرن سے مراد وہ امت ہے جس کے افراد ہم عصر ہوں۔ جب وہ مر جائیں اور نئی نسل ان کی جگہ لے لے تو یہ دوسری قرن ہوگی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ جو اس کے بعد ہوں گے اور پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے"(1)۔ پھر فرمایا: وَلَقَدْ اَتَوْا یعنی ان کا گزر کئی بار قوم لوط کی بستی سدوم سے ہوا ہے جسے زمین پر الٹ دیا گیا اور اس پر بری طرح پتھر برسائے گئے جیسا کہ فرمایا: وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ (النمل:58) "اور ہم نے ان پر پتھر برسائے پس تباہ کن پتھراؤ تھا ڈرائے جانے والوں پر"۔ وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ۙ وَ بِالَّیْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (الصافات:138-137) "اور تم ان (کے اجڑے ہوئے دیاروں) پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گزرتے رہو، کیا تم نہیں سمجھتے"۔ وَ اِنَّهَا لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ (الحجر:76) "اور یہ بستی ایک آباد راستے پر واقع ہے"۔ وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ (الحجر:79) "اور یہ دونوں بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں"، اس لئے یہاں فرمایا: اَفَلَمْ یَكُوْنُوْا یَرَوْنَهَا یعنی کیا یہ کفار اجڑی ہوئی بستی کو دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتے کہ اس بستی والوں کو اسلئے ہلاک کر دیا گیا کہ وہ اپنے رسول کو جھٹلاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرتے تھے۔ دراصل یہ کفار اس لئے عبرت حاصل نہیں کرتے کیونکہ انہیں قیامت کے دن دوبارہ جینے کی امید ہی نہیں۔

وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ؕ وَ سَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝

"اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہ وہ صاحب ہیں جن کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ قریب تھا کہ یہ شخص ہمیں بہکا دیتا اپنے خداؤں سے اگر ہم ثابت قدم نہ رہے ہوتے ان (کی پوجا) پر۔ (اے حبیب!) یہ جان لیں گے جب (ہمارے) عذاب کو دیکھیں گے کہ کون بھٹکا ہوا ہے راہ (راست) سے۔ کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا اس (احمق) کو جس نے بنا لیا اپنا خدا اپنی خواہش کو کیا آپ اس کے ذمہ دار ہیں؟ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا (کچھ) سمجھتے ہیں۔ نہیں ہیں یہ مگر ڈنگروں کی مانند بلکہ یہ تو ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں"۔

مشرکین جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے تو آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا: وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا (الانبیاء:36) اور یہاں فرمایا: وَ اِذَا رَاَوْكَ ... یعنی وہ آپ کی تنقیص اور بے ادبی کرتے ہوئے آپ کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ یہ وہ صاحب ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ہر زمانے کے کافروں کا اپنے نبی کے ساتھ یہی سلوک رہا جیسا کہ فرمایا: وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ (الانعام:10) "اور بلاشبہ آپ کے پہلے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا"۔ مزید ان کا یہ کہنا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الشہادات، جلد 3 صفحہ 224۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 4 صفحہ 1963

تھا: اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا ۔ یعنی قریب تھا کہ یہ شخص ہمیں بتوں کی عبادت سے بہکا دیتا اگر ہم ان کی عبادت پر ڈٹے نہ رہتے۔ اس پر انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اس بات پر آگاہ فرما رہا ہے کہ جس شخص نے خواہش نفس کو اپنا خدا بنالیا ہے، اس پر گمراہی اور شقاوت لکھ دی گئی ہے، اب اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ ایسا خواہش پرست شخص ہر بری چیز کو اپنی خواہش کے آئینے میں بہت عمدہ خیال کرتا ہے جیسا کہ فرمایا: اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ (فاطر: 8) "پس کیا وہ شخص جس کے لئے مزین کر دیا گیا ہے اس کا برا عمل اور وہ اسے خوبصورت نظر آتا ہے بے شک اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے"۔ اس لئے یہاں فرمایا: اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کی یہ حالت تھی کہ جہاں کسی کو سفید پتھر ملتا، وہ اس کی پرستش میں لگ جاتا، پھر جب اس سے خوبصورت پتھر مل جاتا تو پہلے کی عبادت ترک کر کے اس کی عبادت شروع کر دیتا۔ پھر فرمایا: اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ ۔ یعنی ان کی حالت ڈنگروں سے بھی بدتر ہے کیونکہ یہ تو ان امور کو انجام دیتے ہیں جن کے لئے انہیں پیدا کیا گیا ہے لیکن یہ کافر جنہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کی عبادت میں لگ گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں حالانکہ پیغمبروں کے ذریعہ انہیں آگاہ کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ یکتا ہے اور وہی معبود حقیقی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾

"کیا آپ نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف کیسے پھیلا دیتا ہے سایہ کو اور اگر چاہتا تو بنا دیتا اسے ٹھہرا ہوا۔ پھر ہم نے بنا دیا آفتاب کو اس پر دلیل۔ پھر ہم سمیٹے جاتے ہیں سایہ کو اپنی طرف آہستہ آہستہ۔ اور وہی ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لئے رات کو لباس اور نیند کو باعث راحت اور بنایا ہے دن کو (طلب معاش کے لئے) دوڑ دھوپ کا وقت"۔

یہاں سے ان دلائل کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور مختلف و متضاد اقسام کی اشیاء پیدا کرنے پر اس کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتے ہیں، فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ ۔ حضرات ابن عباس، ابن عمر، ابو العالیہ، مجاہد، سعید بن جبیر اور حسن وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک کا وقت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کے سائے کو ٹھہرا ہوا اور ساکن ہی رکھتا جیسا کہ فرمایا: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا ۔ (القصص: 71) پھر فرمایا: ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ ۔ یعنی اس سائے پر اگر سورج طلوع نہ ہوتا تو اس کی پہچان ہی نہ ہوتی کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ قتادہ اور سدی اس کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ ہم نے سورج کو ایسی دلیل بنایا ہے جو سائے کا پیچھا کرتے ہوئے اسے ختم کر دیتی ہے۔ پھر فرمایا: ثُمَّ قَبَضْنٰهُ ۔ یعنی پھر ہم اس سائے کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹے جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے "یسیراً" کا معنی کیا ہے: تیزی سے۔ بعض نے قبضناہ کی ضمیر مفعول کا مرجع سورج کو بنایا ہے یعنی ہم سورج کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹتے ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ ہم چپکے چپکے اس سائے کو سمیٹتے رہتے ہیں یہاں تک کہ زمین پر سایہ باقی نہیں رہتا۔ صرف چھتوں اور درختوں کے نیچے سایہ باقی رہ جاتا ہے اور ان کے اوپر بھی سورج کی دھوپ ہوتی ہے۔

اگلی آیت میں فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ ۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو ایسا لباس بنایا جو وجود کو ڈھانپ لیتا ہے جیسے فرمان ہے: وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰى (الیل: 1) ”قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے“ اور نیند کو بندوں کی راحت کے لئے حرکت کو موقوف کرنے والا بنایا کیونکہ دن کے وقت کام کاج میں مشغول رہنے اور کسب معاش کے لئے دوڑ دھوپ کرنے کی وجہ سے اعضاء تھک جاتے ہیں اوران پر درماندگی چھا جاتی ہے۔ جب رات سایہ فگن ہوتی ہے تو سکون کی لہر دوڑ جاتی ہے، تمام اعضا محو استراحت ہو جاتے ہیں اور نیند انسان کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے جس سے روح و بدن دونوں کو راحت اور سکون حاصل ہوتا ہے اور دن کو اللہ تعالیٰ نے کسب معاش اور دیگر امور انجام دینے کا ذریعہ بنایا جیسا کہ فرمایا: وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (القصص: 73) ”اور محض اپنی رحمت سے اس نے تمہارے لئے رات اور دن بنایا تاکہ تم رات میں آرام کرو اور (دن میں) اس کا فضل (رزق) تلاش کرو“۔

وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّ نُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿۴۹﴾ وَ لَقَدْ
صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

”اور وہ وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لئے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے۔ اور ہم اتارتے ہیں آسمان سے پاکیزہ پانی۔ تاکہ ہم زندہ کردیں اس پانی سے کسی غیر آباد شہر کو اور ہم پلائیں یہ پانی اپنی مخلوق سے کثیر التعداد مویشیوں اور انسانوں کو۔ اور ہم بانٹتے رہتے ہیں بارش کو لوگوں کے درمیان تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ پس انکار کردیا اکثر لوگوں نے مگر یہ کہ وہ ناشکر گزار بنیں گے“۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا ذکر فرما رہا ہے کہ وہ بارش سے پہلے ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو بارش کی خوشخبری دیتی ہیں۔ ہواؤں کی متعدد اقسام ہیں جو مختلف خصوصیات کی حامل ہیں اور ہر قسم کے ذمہ جو کام لگایا گیا ہے وہ اس کی انجام دہی میں مصروف ہے۔ بعض ہوائیں بادلوں کو ادھر ادھر منتشر کردیتی ہیں، بعض بادلوں کو اپنے دوش پر اٹھاتی ہیں، بعض بادلوں کو لے کر چلتی ہیں بعض بارش کی خوشخبری دیتی ہیں، کچھ اس سے پہلے گرد وغبار اڑاتی ہیں اور کچھ بادلوں کو پانی سے بوجھل کردیتی ہیں تاکہ ان سے بارش برسے، اس لئے فرمایا: وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا یعنی ہم آسمان سے ایسا پانی اتارتے ہیں جو پاکیزگی کا آلہ اور ذریعہ ہے۔ ”طَهُوْر“ کا معنی ہے طہارت کا آلہ، یہ ایسے ہی ہے جیسے سحور اور وَقُوْد وغیرہ۔ اس بارے میں سب سے بہتر قول یہی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ”طہور“ فعول کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہے یا یہ مبالغہ و تعدی کا صیغہ ہے لیکن یہ دونوں توجیہات لغت اور حکم کے اعتبار سے اشکال سے خالی نہیں (1)۔ ان کی شرح و بسط کا یہ مقام نہیں۔ حضرت ثابت البنانی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بارش والے دن میں حضرت ابوالعالیہ کے ساتھ نکلا۔ بصرہ کے راستے گندے تھے۔ آپ نے ایسے رستہ پر نماز پڑھی۔ میں نے اس کی بابت دریافت کیا تو آپ نے اس آیت وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ ۔ کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ بارش کے پانی نے اسے پاک کردیا ہے۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے پانی کو پاک نازل کیا ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض

1۔ دیکھئے تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 39-40، روح المعانی جلد 19 صفحہ 30

کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم بئر بضاعہ کے پانی سے وضو کر لیا کریں حالانکہ اس کنویں میں گندگی اور کتوں کے گوشت پھینکے جاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی'' (1)۔ خالد بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ہم عبدالملک بن مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ پانی کا ذکر چھڑ گیا۔ خالد بن یزید نے کہا کہ ایک پانی ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور ایک پانی وہ ہے جسے بادل سمندر سے جذب کرتا ہے اور گرج اور بجلی اسے میٹھا کر دیتی ہے۔ سمندر کے پانی سے پیداوار نہیں ہوتی۔ پیداوار اور فصلیں اسی پانی سے ہوتی ہیں جو آسمان سے برستا ہے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ آسمان سے برسنے والے ہر قطرہ کے ذریعہ زمین پر سبزہ اگتا ہے یا سمندر میں موتی۔ کسی کا قول ہے: ''فِی الْبَرِّ بُرٌّ وَ فِی الْبَحْرِ دُرٌّ'' یعنی زمین میں گیہوں اور سمندر میں موتی۔ پھر بارش برسانے کی غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا: لِّنُحْیِۦَ بِهِۦ بَلْدَةً مَّیْتًا یعنی ہم اس بارش کے ذریعے اس بنجر، غیر آباد اور مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں جو طویل عرصے سے بارش کو ترس رہی ہوتی ہے اور اس میں پیداوار نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جب ایسی زمین پر بارش برستی ہے تو وہ زندہ ہو جاتی ہے، اس پر سبزہ اور رنگ برنگے پھولوں کی چادر بچھ جاتی ہے اور اس پر فصلیں لہلہانے لگتی ہیں جیسا کہ فرمایا: فَإِذَآ أَنزَلْنَا عَلَيْهَا ٱلْمَآءَ ٱهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۔ قَدِيرٌ (حم السجدہ: 39) ''پھر جب ہم اس (بنجر زمین) پر پانی اتارتے ہیں تو یہ جھومنے لگتی ہے اور کھل اٹھتی ہے۔ بے شک وہ (قادر مطلق) جس نے زمین کو زندہ کر دیا ہے وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے، بلاشبہ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے''۔ مزید فرمایا: وَنُسْقِيَهُۥ مِمَّا خَلَقْنَآ ۔ یعنی زمین کو زندہ کرنے کے علاوہ یہ پانی انسانوں اور جانوروں کے پینے کے کام آتا ہے اور اس سے کھیتوں اور باغات کو سیراب کیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ ٱلَّذِى يُنَزِّلُ ٱلْغَيْثَ مِنۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوا۟ (الشوریٰ: 28) ''اور وہی ہے جو بارش برساتا ہے اس کے بعد کہ لوگ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں''۔ فَٱنظُرْ إِلَىٰٓ ءَاثَٰرِ رَحْمَتِ ٱللَّهِ كَيْفَ يُحْىِ ٱلْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَآ (الروم: 50) ''پس رحمت الٰہی کی علامتوں کی طرف دیکھو وہ کیسے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے''۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَقَدْ صَرَّفْنَٰهُ بَيْنَهُمْ یعنی ہم بارش کو تقسیم کر کے کبھی کسی زمین پر برساتے ہیں اور کبھی کسی اور زمین پر۔ بادل اٹھتا ہے لیکن برستا اسی جگہ ہے جہاں ہم چاہتے ہیں اور جہاں ہم نہیں چاہتے وہاں ایک قطرہ بھی نہیں برستا اگرچہ وہ اس کے ساتھ متصل جگہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں بھی خاص حکمت و حجت ہے۔

حضرات ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ ایک سال میں دوسرے سال کی نسبت کم و بیش بارش ہو لیکن اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے اس کی تقسیم کرتا ہے اور جہاں جس مقدار میں چاہتا ہے، اسے نازل کر دیتا ہے، پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی: وَلَقَدْ صَرَّفْنَٰهُ ... (2)۔ یعنی ہم اسے لوگوں کے درمیان تقسیم کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگ غور و فکر کریں کہ جو خدا بارش کے ذریعے مردہ زمین کو زندگی بخشنے پر قادر ہے، وہ مردوں اور بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس بات میں غور و فکر کریں کہ ان سے بارش روکنے کا سبب ان کے گناہ ہیں، پس انہیں گناہوں سے باز آ جانا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: ''اے جبریل علیہ السلام! میں بادل کے متعلق جاننا چاہتا ہوں''۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ بادلوں کا فرشتہ ہے، ان سے پوچھیں۔ اس فرشتے نے بتایا کہ ہمارے پاس سر بمہر حکم نامہ آتا ہے کہ فلاں فلاں علاقہ میں اتنے اتنے قطرے برساؤ (3)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ آخر میں فرمایا: فَأَبَىٰٓ أَكْثَرُ ٱلنَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ بارش کے وقت

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 17۔ سنن نسائی، کتاب المیاہ، جلد 1 صفحہ 174 وغیرہ

2۔ مستدرک حاکم، جلد 20 صفحہ 403۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب صلاۃ الاستسقاء، جلد 3 صفحہ 363

3۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 199

کفران کا یہ کہنا ہے کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش برسی۔ اس قول کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے بارش برس چکنے کے بعد اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟'' صحابہ عرض کرنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی بہتر علم ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے کچھ بندے مجھ پر ایمان لانے والے ہو گئے اور کچھ کفر کرنے والے، جس نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش برسی ہے، وہ مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور ستاروں کے ساتھ کفر کرنے والا ہے اور جس نے یہ کہا کہ ہم پر فلاں فلاں ستارے کے سبب بارش اتری ہے، وہ میرے ساتھ کفر کرنے والا اور ستاروں پر ایمان لانے والا ہے'' (1)۔

وَ لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ﴿۵۲﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾

''اور اگر ہم چاہتے تو بھیجتے ہر گاؤں میں ایک ڈرانے والا۔ پس کافروں کی پیروی نہ کرو اور خوب ڈٹ کر مقابلہ کرو ان کا قرآن (کی دلیلوں) سے۔ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ملا دیا ہے دو دریاؤں کو، یہ (ایک) بہت شیریں ہے اور یہ (دوسرا) سخت کھاری۔ اور بنا دی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کے درمیان آڑ اور مضبوط رکاوٹ۔ اور وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا انسان کو پانی (کی بوند) سے اور بنا دیا اسے خاندان والا اور سسرال والا۔ اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا نبی بھیجتے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا لیکن حکمت کا اب یہ تقاضا نہیں، اس لئے اے رسول مکرم ﷺ! ہم نے صرف آپ کو تمام دنیا والوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے اور ان سب تک قرآن کا پیغام پہنچانے کا آپ کو حکم دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ (الانعام:19) ''تاکہ میں اس کے ساتھ تمہیں اور اسے ڈراؤں جس تک یہ پہنچے''، وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود:17) ''اور جو اس کے ساتھ کفر کرے مختلف گروہوں سے تو آگ ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے''، وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا (الانعام:92) ''تاکہ آپ ڈرائیں مکہ والوں کو اور جو اس کے ارد گرد ہیں''۔ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا (الاعراف:158) ''فرمایئے، اے لوگو! میں تم تمام کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ حدیث میں ہے: ''مجھے سرخ و سفید سب کی طرف بھیجا گیا ہے'' (2)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''پہلے ہر نبی کو صرف اس کی اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا رہا لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے'' (3)۔ اس لئے فرمایا: فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ ... یعنی کافروں کی اطاعت نہ کرو اور قرآنی دلائل کے ساتھ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرو جیسا کہ ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ (التوبہ:73) ''اے نبی کریم! کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے''، اس کے بعد فرمایا: وَ هُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ ... یعنی اللہ تعالیٰ نے شیریں اور نمکین دو قسم کے پانی پیدا کئے ہیں۔ نہروں، دریاؤں، چشموں اور کنوؤں کا پانی عموماً میٹھا اور خوش

1۔ فتح الباری، کتاب الاستسقاء، جلد 2 صفحہ 522، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 83-84 2۔ بخاری و مسلم 3۔ بخاری و مسلم

ذائقہ ہوتا ہے۔ اس مفہوم میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ کوئی ایسا ساکن سمندر نہیں ہے جس کا پانی شیریں اور خوشگوار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں حقیقت حال کی خبر دی ہے تاکہ بندے اس کی نعمتوں پر آگاہ ہو کر اس کا شکر بجا لائیں۔ پس شیریں سمندر سے مراد وہ پانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دریاؤں، نہروں اور چشموں کی صورت میں لوگوں کو عطا کیا ہے تاکہ وہ اسے اپنے استعمال میں لاتے ہوئے اپنی ذاتی ضروریات بھی پوری کریں اور زمینوں کو بھی سیراب کریں۔ فرمایا: وَھٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ یعنی یہ سخت کھاری، نمکین اور کڑوا ہے۔ مشرق و مغرب میں ایسے معروف سمندر، بحر محیط، بحر قلزم، بحر یمن، بحر بصرہ، بحر فارس، بحر چین و ہند، بحر روم، بحر خزر اور اس قسم کے سمندر جو ٹھہرے ہوئے ہیں اور بہتے نہیں لیکن یہ موجیں مارتے اور تلاطم خیز رہتے ہیں۔ بعض میں مدوجزر رہتا ہے۔ ہر قمری مہینے کے آغاز میں مد شروع ہوتا ہے اور جوں جوں مہینہ آگے بڑھتا ہے اس کے تلاطم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ چاند کی چودھویں رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کے بعد جزر شروع ہوتا ہے۔ جوں جوں چاند گھٹتا ہے توں توں سمندر پر سکون ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر مہینے میں بالکل ساکن ہو جاتا ہے۔ جب اگلے مہینے کا چاند طلوع ہوتا ہے تو ایکبار پھر مد شروع ہو جاتا ہے اور چاند کے بڑھنے سے سمندر چڑھتا رہتا ہے۔ چودھویں کے بعد جزر کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہر سمندر میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ٹھہرے ہوئے اور ساکن سمندروں کو نمکین اور کھاری بنایا ہے تاکہ اس کے سبب سے ہوا صاف رہے اور ہر قسم کی آلودگی اور بدبو سے محفوظ رہے اور انسانی اور حیوانی زندگی فساد اور خطرہ کا شکار نہ ہو۔ مزید برآں ان جانوروں کی سرانڈ سے جو مر جاتے ہیں، زمین اور انسان محفوظ رہیں۔ چونکہ سمندروں کا پانی نمکین اور کھاری ہے اس لئے ان کی ہوا لطیف اور صحت افزاء ہے اور ان کا مردہ پاک ہے، اسی لئے جب رسول اللہ ﷺ سے سمندر کے پانی سے وضو کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے''(1)۔ پھر فرمایا: وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان ایک آڑ اور مضبوط رکاوٹ پیدا کر دی ہے جس کے باعث شیریں اور نمکین پانی آپس میں مل نہیں سکتے۔ یہ آڑ اور رکاوٹ خشکی کا ٹکڑا ہے۔ اس آیت کی طرح ایک اور جگہ فرمایا: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۙ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (الرحمٰن: 21-19) ''اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے ہیں، ان کے درمیان آڑ ہے، آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (النمل: 61) ''بھلا کس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں اور زمین کے لئے (پہاڑوں کے) لنگر بنا دیئے اور دو سمندروں کے درمیان آڑ بنا دی کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں''۔ پھر فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے انسان کو حقیر اور ضعیف نطفے سے پیدا کیا، اسے درست کیا، اعتدال پر رکھا، سنوارا اور مکمل خلقت والا بنایا، پھر کسی کو مرد اور کسی کو عورت بنایا، پھر اسے خاندان والا بنایا، اس کے رشتے دار بنا دیئے، پھر شادی کے بعد سسرالی رشتے قائم کر دیئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہی کرشمہ ہے کہ اس نے حقیر سے پانی سے اتنا بڑا سلسلہ قائم کر دیا۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰي رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ۝55 وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝56 قُلْ مَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اَنْ

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ: 173

يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿٥٧﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَا ﴿٥٨﴾ ڔ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ڔ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔـلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿٥٩﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۤ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿٦٠﴾

"اور وہ پوجتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان بتوں کو جو نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں انہیں اور نہ نقصان اور کافر اپنے رب کے مقابلے میں (ہمیشہ شیطان کا) مددگار ہوتا ہے۔ اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا۔ فرما دیجئے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس (خیر خواہی) پر کچھ اجرت مگر میری اجرت یہ ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کرے۔ اور (اے مصطفیٰ!) آپ بھروسہ کیجئے ہمیشہ زندہ رہنے والے پر جسے کبھی موت نہیں آئے گی اور اس کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کیجئے۔ اور اس کا اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر ہونا کافی ہے۔ جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پھر وہ متمکن ہوا عرش پر (جیسے اس کی شان ہے)۔ وہ رحمٰن ہے سو پوچھو اس کے بارے میں کسی واقف حال سے۔ اور جب کہا جاتا ہے انہیں کہ رحمٰن (کے حضور) سجدہ کرو وہ پوچھتے ہیں رحمٰن کون ہے۔ کیا ہم سجدہ کریں اس کو جس کے متعلق تم ہمیں حکم دیتے ہو اور وہ زیادہ نفرت کرنے لگتے ہیں"۔

مشرکین کی جہالت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ بغیر کسی دلیل اور حجت کے محض اپنی آراء اور خواہشات سے ان بتوں کی پرستش میں منہمک ہیں جو نہ نفع کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ نقصان کی۔ یہ مشرکین ان بتوں کی دوستی اور محبت کا دم بھرتے ہیں، ان کی خاطر جنگ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں، اس لئے فرمایا: وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا یعنی کافر اللہ تعالیٰ کے گروہ کے مقابلہ میں شیطان کا معاون ہے جیسا کہ فرمایا: وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ (یٰسین: 75-74) "اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خدا بنا لئے ہیں تاکہ وہ ان کی مدد کریں۔ یہ جھوٹے خدا ان کی مدد نہیں کر سکتے اور یہ کفار ان معبودوں کے لئے تیار شدہ لشکر ہیں"۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسے معبود اختیار کر لئے ہیں جو ان کی مدد کرنے پر قادر نہیں۔ یہ جاہل بت پرست اپنے بتوں کا لشکر ہیں۔ یہ ان کی طرف سے لڑتے ہیں اور ان کا دفاع کرتے ہیں لیکن آخر کار غلبہ اور فتح اہل ایمان کی ہوگی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ مجاہد اس فرمان وَكَانَ الْكَافِرُ ... کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ کافر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں شیطان کا مددگار ہے۔ سعید بن جبیر اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ کافر اللہ تعالیٰ کی عداوت اور شرک میں شیطان کا معاون ہے۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ کافر اپنے رب کے مقابلہ میں شیطان کا دوست ہے (1)۔ پھر اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ ... یعنی ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ آپ اطاعت گزار مومنوں کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کرنے والے کافروں کو عذاب سے ڈرائیں۔ ارشاد ہوتا ہے: قُلْ مَا اَسْـَٔلُكُمْ ... یعنی آپ لوگوں کو یہ باور کرا دیں کہ میں اس تبلیغ اور خیر خواہی کا تم سے معاوضہ طلب نہیں کرتا بلکہ میری اس تگ و دو کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے، اب تم میں سے جو چاہتا ہے، راہ راست اختیار کر

1۔ تفسیر طبری، جلد 19، صفحہ 27-26

سلے۔ پھر فرمایا: وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ یعنی آپ اپنے تمام معاملات میں اس ہمیشہ رہنے والے خدا پر بھروسہ کریں جسے کبھی موت نہیں آئے گی، وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن اور وہی ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا ہے، وہی دائم، باقی، سرمدی، ابدی، حی، قیوم، رب اور مالک ہے، سوا سے ہی اپنا ماوی و ملجا بنائے رکھو۔ وہی تو ہے جس پر توکل کیا جاتا ہے اور مصیبت میں اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، وہ آپ کے لئے کافی، آپ کا حامی و ناصر اور آپ کو فتح و نصرت سے نوازنے والا ہے جیسا کہ فرمایا: يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ:67)'' اے رسول! پہنچا دیجئے جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا''۔

حضرت شہر بن حوشب سے مروی ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مدینہ شریف کی کسی گلی میں نبی کریم ﷺ سے ملے تو انہوں نے آپ ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: '' اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کرو، سجدہ اس ہمیشہ رہنے والے خدا کو کرو جسے کبھی موت نہیں آئے گی''(1)۔ پھر حمد اور تسبیح کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''وسبح بحمدہ'' اسی لئے رسول اللہ ﷺ کہا کرتے تھے: '' سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ''(2)۔ مقصد یہ ہے کہ عبادت بھی صرف اسی کی کرو اور بھروسہ بھی صرف اس ذات پر ہی کرو جیسا کہ فرمایا: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا (المزمل:9)'' مالک ہے مشرق و مغرب کا اس کا سوا کوئی معبود نہیں پس اسی کو اپنا کارساز بنائے رکھئے''۔ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (ہود:123)'' سو اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ کریں''۔ قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ آمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا (الملک:29)'' فرمائیے وہ (میرا خدا) بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا''۔ پھر فرمایا: وَكَفَى بِهٖ یعنی بندوں کے گناہوں کا اسے مکمل علم ہونا ہی کافی ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں بلکہ ایک ذرہ بھی اس سے اوجھل نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ... یعنی وہ ہمیشہ رہنے والا خدا ہی ہر چیز کا خالق، رب اور مالک ہے جس نے اپنی قدرت سے بلند اور وسیع سات آسمانوں کو اور پست اور کثیف سات زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ اپنی شان کے مطابق عرش پر متمکن ہوا یعنی وہی ہر امر کی تدبیر کرتا ہے اور سچا فیصلہ فرماتا ہے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ فرمایا: الرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ ... یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس سے دریافت کر جو اس سے باخبر ہے، اور اس کی اتباع کر۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق علم اور واقفیت سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ کو ہے جو دنیا و آخرت میں اولاد آدم کے سردار ہیں اور اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے، بلکہ آپ کی ہر بات وحی ہوتی ہے۔ جو آپ ﷺ نے فرمایا، وہی حق ہے اور جو آپ ﷺ نے خبر دی، وہی سچ ہے۔ آپ ﷺ ہی سچے امام ہیں کہ جب لوگوں میں کسی بات پر تنازع ہو جائے تو اس کا فیصلہ آپ ﷺ کی طرف لوٹانا واجب ہے۔ چنانچہ جو آپ ﷺ کے اقوال و افعال کے مطابق ہو وہی حق ہے اور جو مخالف ہو، وہ مردود ہے خواہ اس کا قائل یا فاعل کوئی بھی ہو جیسا کہ فرمایا: فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (النساء:59)'' پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑنے لگو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو''۔ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ (الشوریٰ:10)'' اور جس بات میں تمہارے درمیان اختلاف رونما ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد کر دو''۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا (الانعام:115)'' اور آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے مکمل ہوگئی''۔ مجاہد اس فرمان فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے جس چیز کے بارے میں تمہیں خبر دی وہ اسی طرح ہے جس طرح میں نے تمہیں خبر دی۔ شمر بن عطیہ

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۃ یوسف:100
2۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ نصر جلد 8 صفحہ 733، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 350

کہتے ہیں کہ خبیر سے مراد قرآن کریم ہے(1)۔ پھر بت پرست مشرکین پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے فرمایا: وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا۔ یعنی جب انہیں کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کون ہے؟ ہم تو اسے پہچانتے ہی نہیں۔ ان مشرکین کو اللہ تعالیٰ کا نام رحمٰن پسند ہی نہ تھا جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر معاہدہ تحریر کرتے وقت حضور ﷺ نے کاتب معاہدہ سے جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کو کہا تو مشرکین کہنے لگے کہ ہم نہ رحمٰن کو جانتے ہیں اور نہ رحیم کو بلکہ رواج کے مطابق " بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ " لکھو(2)۔ اس پر یہ آیت اتری: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (بنی اسرائیل:110) " فرمائیے، اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔ جس نام سے اسے پکارو اس کے سارے نام ہی اچھے ہیں"، یعنی وہی اللہ ہے اور وہی رحمٰن ہے۔ یہاں فرمایا: وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا ... اہل ایمان کا حال ان کے برعکس ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جو رحمٰن اور رحیم ہے اور اسی کی الوہیت کا اقرار کرتے ہوئے صرف اس کے حضور سجدہ کرتے ہیں۔ علماء کا اتفاق ہے کہ سورہ فرقان کی یہ آیت آیت سجدہ ہے۔ اس آیت کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ مشروع ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

" بڑی (خیرو) برکت والا ہے جس نے بنائے ہیں آسمان میں برج اور بنایا ہے اس میں چراغ (آفتاب) اور چاند چمکتا ہوا۔ اور وہ وہی ہے جس نے بنایا ہے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا اس کے لئے جو یہ چاہتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے یا چاہتا ہے کہ شکر گزار بنے"۔

اللہ تعالیٰ اس بات پر اپنی عظمت، بڑائی اور بزرگی بیان فرما رہا ہے کہ اس نے آسمان میں برج بنائے۔ بعض نے بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے لئے ہیں اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے مراد چوکیداری کے برج ہیں لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ بڑے بڑے ستاروں سے مراد یہی حفاظت کے لئے بنائے گئے برج ہوں، اس طرح دونوں قولوں میں تطبیق ہو جاتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَ لَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ (الملک:5) " اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے اور انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا ہے"۔ اس لئے یہاں فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ .... سراج سے مراد چمکتا ہوا سورج ہے جو چراغ کی مثل ہے جیسا کہ فرمایا: وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا (النبا:13) " اور ہم نے ہی ایک نہایت روشن چراغ بنایا " اور چاند بنایا جو ایسے دوسرے نور سے منور اور روشن ہے جو نور شمس کے سوا ہے جیسا کہ فرمایا: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا (یونس:5) " وہی ہے جس نے سورج کو درخشاں اور چاند کو نور بنایا "، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (نوح:16-15) " نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو کیسے تہ بہ تہ پیدا کیا اور چاند کو ان میں روشنی بنایا اور سورج کو چراغ بنایا ہے"۔ پھر فرمایا: وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ یعنی دن اور رات یکے بعد دیگرے بغیر کسی سستی اور کمزوری کا مظاہرہ کئے لگاتار آتے رہتے ہیں اور دونوں باری باری فوراً ایک دوسرے کی جگہ لیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ (ابراہیم:33) " اور مسخر کر دیا تمہارے لئے آفتاب و مہتاب جو برابر چل رہے ہیں"، یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا (الاعراف:54) " ڈھانپتا ہے رات سے دن کو دراں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے"۔ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 28 2۔ فتح الباری، کتاب الشروط، جلد 5 صفحہ 331، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 325، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 317

تَلْحَقَ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ (یٰسین: 40) ''نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ وہ دن سے آگے نکل جائے''۔ فرمایا: لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ ۔ یعنی دن اور رات کے تسلسل سے عبادت کے اوقات معلوم ہوتے ہیں۔ اگر رات کا کوئی عمل فوت ہو جائے تو دن کے وقت اس کی تلافی ہو سکتی ہے اور اگر کوئی دن کا عمل فوت ہو جائے تو رات کے وقت اس کا تدارک کیا جا سکتا ہے حدیث صحیح میں ہے: ''اللہ تعالیٰ رات کے وقت اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کر لے اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گنہگار توبہ کر لے'' (1)۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چاشت کی نماز بہت طویل کر دی جب اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرا رات کا کچھ وظیفہ باقی رہ گیا تھا۔ میں نے چاہا کہ اسے مکمل کر لوں، یا آپ نے فرمایا کہ میں اسے قضاء کر لوں۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی (2)۔ ''خِلْفَةً'' کا معنی مختلف بھی کیا گیا ہے یعنی رات تاریک ہے اور دن روشن۔

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَ الَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ﴿۶۴﴾ وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَ لَمْ یَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

''اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر آہستہ آہستہ اور جب گفتگو کرتے ہیں ان سے جاہل تو وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ تم سلامت رہو۔ اور جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے ہوئے۔ اور جو (بارگاہ الٰہی میں) عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! دور فرما دے ہم سے عذاب جہنم۔ بے شک اس کا عذاب بڑا مہلک ہے۔ بے شک وہ بہت برا ٹھکانہ اور بہت بری جگہ ہے اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی (بلکہ) ان کا خرچ کرنا اسراف اور بخل کے بین بین اعتدال سے ہوتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کی صفات بیان ہو رہی ہیں کہ وہ زمین پر سکون، وقار اور متانت کے ساتھ بغیر تکبر، تجبر اور اکڑ کے چلتے ہیں جیسا کہ فرمان ہے: وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا (لقمان: 18) ''زمین پر اتراتے ہوئے نہ چل''۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ تصنع اور ریاکاری سے کام لیتے ہوئے مریضوں کی سی چال چلتے ہیں۔ حضور سید اولاد آدم ﷺ جب چلتے تو یوں محسوس ہوتا گویا آپ اونچائی سے اتر رہے ہیں اور زمین آپ کے لئے سمٹی چلی جا رہی ہے (3)۔ بعض سلف نے ایسی چال کو مکروہ قرار دیا ہے جس میں خواہ مخواہ ضعف اور تصنع کا اظہار کیا جائے۔ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو آہستہ آہستہ چلتے دیکھا تو فرمایا: تجھے کیا ہے، کیا تو مریض ہے؟ اس نے کہا: نہیں، اے امیر المومنین! آپ نے کوڑا لہراتے ہوئے فرمایا کہ خبردار! آئندہ ایسی چال نہ چلنا۔ قوت کے ساتھ چلا کرو (4)۔ آیت کریمہ میں لفظ ''ھون'' سے مراد سکون اور وقار ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم نماز کے لئے آؤ، تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون اور وقار کو لازم پکڑتے ہوئے آؤ، جو جماعت کیساتھ مل جائے اسے ادا کر لو اور جو فوت ہو جائے، اسے مکمل کر لو'' (5)۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، جلد 4 صفحہ 2113، سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 472
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 270
3۔ عارضۃ الاحوذی، کتاب المناقب، جلد 13 صفحہ 116-117، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 96، 116-117
4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 272
5۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 9، صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 420-421

حضرت حسن بصری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اہل ایمان ایسے لوگ ہیں جن کے کان، آنکھیں اور اعضاء فروتنی اور عاجزی اختیار کرتے ہیں یہاں تک کہ جاہل انہیں مریض گمان کرتا ہے حالانکہ وہ بیمار نہیں ہوتے۔ بخدا! وہ صحت مند ہوتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں خوف ہوتا ہے جو دوسروں کے دلوں میں نہیں ہوتا اور آخرت کے متعلق ان کا علم انہیں دنیا اور اس کی آسائشات سے باز رکھتا ہے۔ یہ قیامت کے دن کہیں گے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کیا۔ بخدا! انہیں دنیا کا غم نہیں ستاتا بلکہ انہیں ہر وقت آخرت کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ حصول جنت کے لئے کوئی کام ان پر بھاری نہیں لیکن آتش جہنم کا خوف انہیں رلاتا رہتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے صبر دلانے سے بھی صبر نہیں کرتا، اس کا نفس حسرتوں کا شکار ہو کر دنیا پر چل پڑتا ہے اور جو شخص کھانے پینے کو ہی اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتا ہے، وہ کم علم اور عذاب میں گھرا ہوا ہے (1)۔ فرمایا: وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ - یعنی جب جاہل لوگ حماقت اور بے وقوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے نازیبا اور بری بات کرتے ہیں تو یہ ان کے مقابلہ میں ترکی بہ ترکی جواب نہیں دیتے بلکہ درگزر کرتے ہیں، معاف کر دیتے ہیں اور اپنی زبان پر کلمہ خیر کے سوا کوئی اور بات نہیں لاتے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جوں جوں جاہل حماقت سے پیش آتا، آپ اس قدر حلم اور بردباری کا مظاہرہ فرماتے اور جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ (القصص:55) "اور جب وہ کسی بیہودہ بات کو سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں"۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی شخص نے دوسرے شخص کو گالی دی تو اس نے جواب میں کہا کہ تم پر سلام ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم دونوں کے درمیان ایک فرشتہ موجود تھا جو تیری طرف سے گالی دینے والے کو جواب دیتا تھا۔ جب بھی یہ شخص تمہیں گالی دیتا، فرشتہ اسے کہتا کہ یہ نہیں بلکہ تو ایسا ہے اور تو ہی اس کا مستحق ہے اور جب تو اس شخص کے لئے کہتا تھا کہ تجھ پر سلامتی ہو تو فرشتہ کہتا کہ اس پر نہیں بلکہ تجھ پر اور تو ہی سلامتی کا مستحق ہے" (2)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان قَالُوْا سَلٰمًا کا یہ مطلب ہے کہ یہ جاہلوں کے مقابلہ میں سطحی اور نامعقول گفتگو کر کے ان سے الجھتے نہیں بلکہ معقول اور اچھی بات کر کے ان سے اپنا دامن بچا لیتے ہیں۔ حضرت حسن بصری اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر ان پر جہالت کا مظاہرہ کیا جائے تو یہ درگزر سے کام لیتے ہیں۔ دن بھر اللہ کے بندوں کے ساتھ رہتے ہیں اور ان کی ہر قسم کی باتیں سن کر خاموش رہتے ہیں۔ ان بندوں کے دنوں کی مصروفیات کا ذکر ہوا۔ اب ان کی راتوں کے معمولات سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے۔ ان کی راتیں تو بہت ہی اچھی ہوتی ہیں فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ - - اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (الذاریات:18-17) "یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت بخشش طلب کرتے تھے"۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (السجدة:16) "ان کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں"۔ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ (الزمر:9) "بھلا جو شخص رات کی گھڑیاں عبادت میں بسر کرتا ہے کبھی سجدہ کرتے ہوئے اور کبھی قیام کرتے ہوئے، آخرت سے ڈرتا ہے اور رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے"۔ اس لئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ - یعنی وہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہم سے عذاب جہنم کو دور کر دے کیونکہ یہ دائمی اور لازمی ہے۔ غرام کا معنی ہے ہمیشہ رہنے والا جو کبھی جدا نہ ہو۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے: "اِنْ يُّعَذِّبْ يَكُنْ غَرَامًا وَّاِنْ يُّعْطِ جَزِيْلًا فَاِنَّهٗ لَا يُبَالِيْ" (3)۔ یعنی اگر وہ عذاب دے تو وہ دائمی ہوتا ہے اور اگر وہ بے حساب عطا کر دے تو بھی اسے کوئی پرواہ نہیں۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ جو مصیبت انسان کو پہنچے اور پھر زائل ہو

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 34 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 445 3۔ دیوان الاعشیٰ الکبیر: 9 تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 35

جائے، اسے غرام نہیں کہا جا سکتا۔ غرام وہ ہے جو ہمیشہ رہے اور کبھی دور نہ ہو(1)۔ محمد بن کعب اس کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ عذاب جہنم کفران نعمت کا تاوان ہے۔ کفار نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا، اس لئے ان پر عذاب جہنم کا تاوان ڈالا جائے گا۔ اور جہنم بہت بری جگہ، بدمنظر اور تکلیف دہ ٹھکانا ہے۔ مالک بن حارث بیان کرتے ہیں کہ جب دوزخی کو دوزخ میں پھینکا جائے گا تو وہ نیچے ہی نیچے گرتا چلا جائے گا، طویل مدت کے بعد جب وہ اس کے ایک دروازے تک پہنچے گا تو اسے کہا جائے گا کہ اپنی جگہ پر رک جا تاکہ تیری خاطر تواضع کی جائے، چنانچہ اسے کالے ناگوں اور زہریلے بچھوؤں کے زہر کا ایک پیالہ پلایا جائے گا تو اس کی کھال ادھڑ کر الگ ہو جائے گی، بال جھڑ جائیں گے، پٹھے جدا ہو جائیں گے اور رگیں الگ جا پڑیں گی۔ عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ جہنم میں بڑے بڑے کنوؤں جیسے گڑھے ہیں، ان میں بختی اونٹوں جیسے سانپ ہیں اور سیاہ خچروں جیسے بچھو۔ جب جہنمیوں کو جہنم میں پھینکا جائے گا تو یہ اپنی جگہوں سے نکل کر ان کی طرف لپکیں گے اور ان کے ہونٹوں، سروں اور جسم کے باقی اعضاء کو خوب ڈسیں گے یہاں تک کہ ان کی کھالیں ادھڑ جائیں گی اور گوشت کٹ کٹ کر گرنے لگے گا، پھر وہ واپس چلے جائیں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جہنمی ایک ہزار سال تک یَا مَنَّانُ، یَا حَنَّانُ پکارتا رہے گا تب اللہ تعالیٰ جبریل سے فرمائیگا کہ جاؤ اور اس بندے کو میرے پاس لاؤ۔ جبریل علیہ السلام جائیں گے تو دیکھیں گے کہ سب جہنمی سر جھکائے گریہ وزاری کر رہے ہیں۔ جبریل علیہ السلام واپس لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے حضور یہ بات بتائیں گے تو اللہ تعالیٰ پھر فرمائے گا کہ جاؤ، اس بندے کو میرے پاس لاؤ، وہ فلاں جگہ موجود ہے۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام اس بندے کو لا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: اے میرے بندے! تیری جگہ اور ٹھکانا کیسا ہے؟ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! بہت بری جگہ اور برا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ اس بندے کو واپس جہنم میں لے جاؤ۔ اس پر وہ عرض کرے گا: ”اے میرے پروردگار! جب تو نے مجھے جہنم سے باہر نکالا تو مجھے قوی امید تھی کہ تو پھر دوبارہ مجھے اس میں نہیں لوٹائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندے کو چھوڑ دو“(2)۔ اللہ کے بندوں کی ایک اور خوبی بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا - یعنی نہ وہ فضول خرچی کرتے ہوئے ضرورت سے زائد خرچ کرتے ہیں اور نہ ضروری اخراجات میں کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔ نہ وہ فضول خرچ ہیں اور نہ بخیل بلکہ ان کا خرچ اسراف اور بخل کے درمیان اعتدال سے ہوتا ہے اور وہ میانہ روی کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے اور اعتدال ہی سب سے عمدہ رستہ ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (بنی اسرائیل: 29) ”اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے اردگرد بندھا ہوا نہ بنا لو اور نہ ہی اسے بالکل کشادہ کر دو“۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”معاش میں میانہ روی اختیار کرنا آدمی کی سمجھداری کی دلیل ہے“(3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”میانہ روی اختیار کرنے والا افلاس کا شکار نہیں ہو سکتا“(4)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خوشحالی میں میانہ روی کس قدر اچھی ہے، فقر میں میانہ روی کتنی عمدہ ہے اور عبادت میں میانہ روی کیا ہی خوب ہے!“(5) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ راہ خدا میں خرچ کرنا خواہ کتنا ہی ہو، اسراف نہیں۔ ایاس بن معاویہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز کرنا اسراف ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرنا اسراف ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 34 | 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 230 | 3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 194

4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 447 | 5۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 232، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 252

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۖ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝

"اور جو نہیں پوجتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو اور نہیں قتل کرتے اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے مگر حق کے ساتھ، اور نہ بدکاری کرتے ہیں۔ اور جو یہ کام کرے گا تو وہ پائے گا (اس کی) سزا۔ دوگنا کر دیا جائے گا اس کے لئے عذاب روز قیامت اور ہمیشہ رہے گا اس میں ذلیل وخوار ہو کر۔ مگر وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کئے تو یہ وہ لوگ ہیں بدل دے گا اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کئے تو اس نے رجوع کیا اللہ تعالیٰ کی طرف جیسے رجوع کا حق ہے"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا: "تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا"، پھر دریافت کیا کہ پھر کون سا؟ فرمایا: "تو اپنی اولاد کو اس اندیشہ کے پیش نظر قتل کرے کہ تجھے اس کو کھلانا پڑے گا"، عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: "تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے"۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اس کی تصدیق میں یہ آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ اتری(1)۔ ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے جانے لگے تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہو لیا۔ آپ ﷺ ایک اونچی جگہ پر بیٹھ گئے، میں آپ ﷺ سے نیچے بیٹھ گیا۔ میرا چہرہ آپ ﷺ کے گھٹنوں کے بالمقابل تھا۔ میں نے تنہائی کے موقعہ کو غنیمت جان کر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، یہ فرمائیے کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تو اللہ تعالیٰ کے لئے شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے"۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: "تو اپنی اولاد کو اس لئے قتل کرے کہ اسے کھلانا تجھے ناپسند ہے"۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: "تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے"۔ پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت کی تلاوت کی(2)۔ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: "چار گناہوں سے خبردار رہو: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، کسی ایسی جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ، زنا نہ کرو اور چوری نہ کرو"(3)۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا: "زنا کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" انہوں نے عرض کی کہ اے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور یہ قیامت تک حرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "آدمی کا دس عورتوں سے زنا کرنا اپنے پڑوسی کی عورت کے ساتھ زنا کرنے سے کمتر ہے"۔ پھر آپ نے پوچھا کہ چوری کی بابت تم کیا کہتے ہو؟ عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول نے اسے

1۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 7 صفحہ 46، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 370

2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 42

3۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 51

حرام کیا ہے، سو یہ حرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے پڑوسی کے گھر سے چوری کرنا دس گھروں سے چوری کرنے کی نسبت زیادہ برا ہے''(1)۔ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنا نطفہ ایسے رحم میں ڈالے جو اس کے لئے حلال نہیں''(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چند مشرک جو بکثرت قتل اور زنا کے مرتکب ہوئے تھے، نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے کہنے لگے کہ آپ ﷺ کی باتیں سچی ہیں اور آپ ﷺ کی دعوت بہت اچھی ہے لیکن آپ یہ فرمائیے کہ ہمارے جرائم کا کفارہ کیا ہے۔ اس وقت یہ آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ اور اس کے علاوہ یہ آیت نازل ہوئی: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (الزمر:53)'' فرمایئے: اے میرے بندو جنہوں نے اپنے نفس پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے''(3)۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تجھے منع کرتا ہے کہ تو خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کرے، وہ تمہیں اس بات سے بھی منع کرتا ہے کہ تو اپنی اولاد کو قتل کرے اور اپنے کتے کو کھلائے اور وہ تمہیں پڑوسی کی بیوی کیساتھ بدکاری کرنے سے بھی روکتا ہے۔'' حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''اثام'' جہنم میں ایک وادی ہے۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد جہنم کی وہ وادیاں ہیں جہاں زانیوں کو عذاب دیا جائے گا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عبرتناک سزا ہے۔ حضرت لقمان یہ نصیحت بھی کیا کرتے تھے: اے بیٹے! زنا سے بچو کیونکہ اس کا آغاز خوف ہے اور اس کا انجام حسرت و ندامت۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''غی'' اور ''اثام'' جہنم کی گہرائی میں دو کنویں ہیں(4)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے ان سے محفوظ رکھے! سدی کہتے ہیں کہ ''يَلْقَ اَثَامًا'' کا معنی ہے: وہ بدلہ پائے گا، یہ ظاہر آیت کے زیادہ مشابہ ہے۔ اس صورت میں اس کے بعد والا کلام يُّضٰعَفْ اس کی تفسیر اور اس سے بدل ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسے بار بار سخت عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلیل و رسوا ہو کر وہاں ہمیشہ رہے گا۔ ان صفات قبیحہ سے آلودہ لوگوں کی جزا کا ذکر کرنے کے بعد اس حکم سے ان لوگوں کی استثناء کر دی جو ان گناہوں سے توبہ کرتے ہیں، ایمان لاتے ہیں اور اعمال صالحہ کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ قاتل کی توبہ بھی مقبول ہے۔ اس آیت اور سورۂ نساء کی اس آیت وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا کے درمیان کوئی تعارض نہیں کیونکہ سورۂ نساء کی یہ آیت اگرچہ مدنی ہے، لیکن یہ مطلق ہے اور اسے اس شخص پر محمول کیا جائے گا جو توبہ نہ کرے اور یہ آیت توبہ کے ساتھ مقید ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ (النساء:116)'' بے شک اللہ تعالیٰ اس (جرم) کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے ماسوا سب جرائم جس کے لئے چاہے بخش دیتا ہے''۔ علاوہ ازیں احادیث صحیحہ سے بھی قاتل کی توبہ کے مقبول ہونے کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ اس شخص کا واقعہ ہے جس نے سو آدمی قتل کئے تھے، پھر توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو قبول فرما لیا(5)، اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں۔ پھر فرمایا: فَاُولٰۗىِٕكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ۔ اس کے معنی میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں برائیوں کے ارتکاب کے بدلہ میں نیکیاں کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مومن ہیں جنہوں نے ایمان لانے

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 8
2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بنی اسرائیل: 32
3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ زمر، جلد 8 صفحہ 549، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 113
4۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 44-45، معجم کبیر، جلد 8 صفحہ 206-207، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 389
5۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ نساء: 93

سے قبل گناہ کیے تھے۔ ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں گناہوں سے ہٹا کر نیکیوں کی طرف مائل کر دیا اور ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا(1)۔ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا میں ہوتا ہے کہ ایک آدمی بری خصلت کا شکار ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے نیک عادت میں بدل دیتا ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بت پرستی کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، مومنوں سے لڑنے کی بجائے مشرکوں سے جہاد کرنے لگے اور مشرک عورتوں سے نکاح کے بدلہ میں انہوں نے مومن عورتوں سے نکاح کیے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے برے عمل کو نیک عمل سے، شرک کو توحید و اخلاص سے، بدکاری کو پاکدامنی سے اور کفر کو اسلام سے بدل دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خالص توبہ کے سبب ان کے گزشتہ گناہ نیکیوں میں بدل جاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے انسان کو جب گزشتہ گناہ یاد آتے ہیں تو وہ نادم ہوتا ہے، غمزدہ ہوتا ہے اور استغفار کرتا ہے، اس لحاظ سے اس کے گناہ اطاعت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور یہ گناہ اگرچہ اس کے نامہ اعمال میں لکھے تو گئے تھے لیکن قیامت کے دن ان پر کوئی گرفت نہیں ہوگی اور یہ نیکیوں میں بدل جائیں گے جیسا کہ احادیث و آثار سے ثابت ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا اور سب سے آخر میں جنت میں جائے گا۔ ایک آدمی کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کے کبیرہ گناہوں کو چھوڑ دو اور اس کے صغیرہ گناہوں کے متعلق باز پرس کرو۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ فلاں دن تو نے فلاں گناہ کیا اور فلاں دن فلاں گناہ کیا تھا، وہ اقرار کرے گا اور اپنے کسی گناہ کا بھی وہ انکار نہیں کر سکے گا، اسے فرمایا جائے گا کہ تمہارے لئے ہر گناہ کے بدلہ میں نیکی ہے، وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! میں نے تو اور بہت سے گناہ کیے تھے وہ مجھے آج دکھائی نہیں دے رہے''۔ (مجھے ان کے بدلہ میں بھی نیکیاں ملتیں)۔ یہ فرما کر حضور ﷺ ہنس دیئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے(2)۔ حضرت ابو مالک اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب ابن آدم سو جاتا ہے تو فرشتہ شیطان سے کہتا ہے کہ مجھے اپنا صحیفہ دے، وہ اسے دے دیتا ہے تو فرشتہ اپنے صحیفہ میں ہر ایک نیکی کے بدلہ میں شیطان کے صحیفہ سے دس گناہ مٹا دیتا ہے اور انہیں نیکیاں لکھ لیتا ہے۔ جب تم میں سے کوئی سونے کا ارادہ کرے تو وہ تینتیس بار اللہ اکبر، چونتیس بار الحمد للہ اور تینتیس بار سبحان اللہ پڑھ لیا کرے، یہ سب مل کر سو مرتبہ ہوئے''(3)۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو اس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا، وہ اسے پڑھنا شروع کرے گا تو اسے اوپر برائیاں درج کی ہوئی دکھائی دیں گی، انہیں پڑھ کر وہ مایوس سا ہونے لگے گا تو اس کی نظر نیچے پڑے گی، وہاں اسے نیکیاں لکھی ہوئی دکھائی دیں گی۔ اب دوبارہ اوپر دیکھا گا تو اپنے ان گناہوں کو بھی نیکیوں میں بدلا ہوا پائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے آئیں گے جن کا خیال ہوگا کہ انہوں نے بکثرت گناہ کیے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا۔

حضرت ابوالضیف فرماتے ہیں کہ جنت میں چار قسم کے جنتی داخل ہوں گے: متقین (پرہیزگار)، شاکرین (شکرگزار)، خائفین (خوف خدا رکھنے والے) اور اصحاب یمین (جنہیں نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا)۔ پوچھا گیا کہ انہیں اصحاب یمین کیوں کہا جاتا

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 46
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 177، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 170
3۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 282، مجمع الزوائد، جلد 1 صفحہ 120-121

ہے؟ جواب دیا: کیونکہ انہوں نے اچھے برے دونوں قسم کے اعمال کیے تھے، انہیں ان کے نامہ اعمال دائیں ہاتھوں میں دیے جائیں گے، وہ اپنی برائیوں کا ایک ایک حرف پڑھیں گے اور عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! یہ تو ہمارے گناہ ہیں، ہماری نیکیاں کہاں ہیں؟ اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو مٹا کر ان کی جگہ نیکیاں لکھ دے گا۔ اس پر وہ خوشی خوشی کہیں گے: هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ (الحاقہ: 19) جنت میں ان کی اکثریت ہوگی۔ حضرت زین العابدین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کرنا آخرت میں ہوگا۔ حضرت مکحول رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ برائیوں کو بخش دے گا اور انہیں نیکیاں بنا دے گا۔ حضرت مکحول رحمتہ اللہ علیہ ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ ایک بہت بوڑھا شخص آیا جس کے ابرو آنکھوں پر لٹک گئے تھے۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں ایسا شخص ہوں جس نے ہر قسم کے غدر، فسق و فجور اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔ اگر میرے گناہ تمام زمین والوں پر تقسیم کر دیے جائیں تو وہ سب کو برباد کر دیں، کیا میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اسلام لاؤ گے؟ اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا: ”اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ“ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہاری جفاکاریوں اور بدکاریوں کو بخش دے گا اور تمہارے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا جب تک تو اسلام پر کاربند رہا۔“ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! میری جفاکاریاں اور بدکاریاں تمام کی تمام معاف ہو جائیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں سب کی سب“۔ چنانچہ وہ شخص فرط مسرت سے تکبیر و تہلیل پکارتا ہوا واپس چلا گیا۔ حضرت ابوطویل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ آپ فرمایئے، ایک شخص نے ہر قسم کے گناہ کیے ہیں اور کسی چھوٹی بڑی حاجت کو تشنہ نہیں چھوڑا، کیا اس کے لئے توبہ کی کوئی صورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر نیک کام کرو اور برائیوں کو ترک کر دو، اللہ تعالیٰ ان سب گناہوں کو نیکیاں بنا دے گا“۔ انہوں نے عرض کی کہ کیا میری جفاکاریاں اور بدکاریاں بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ چنانچہ وہ اللہ اکبر کہتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گئے (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور مجھ سے دریافت کرنے لگی کہ کیا میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے؟ میں نے زنا کا ارتکاب کیا، اس سے ناجائز بچہ پیدا ہوا جسے میں نے مار ڈالا۔ میں نے کہا: نہیں، اور نہ تیری آنکھ ٹھنڈی ہو سکتی ہے اور نہ تجھے عزت مل سکتی ہے۔ وہ گریہ وزاری کرتے اور حسرت و ندامت کا اظہار کرتے ہوئے چلی گئی۔ صبح کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ادا کرنے کے بعد میں نے آپ کو سارا ماجرا کہہ سنایا اور یہ بھی بتا دیا کہ میں نے اسے یہ جواب دیا تھا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے بہت بری بات کی، کیا تم نے یہ آیات وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ - اِلَّا مَنْ تَابَ نہیں پڑھیں“۔ چنانچہ میں اس عورت کے پاس گیا اور اسے یہ آیتیں سنائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئی اور کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میرے لئے رستگاری کی صورت پیدا کر دی (2)۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے اور اس کے بعض راوی غیر معروف ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ عورت روتے پیٹتے یہ کہے جا رہی تھی کہ کیا یہ حسن و جمال آگ کے لئے پیدا کیا گیا تھا؟ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو جب حضور ﷺ سے مسئلہ کی صحیح نوعیت کا علم ہوا تو آپ اس عورت کی تلاش میں نکلے، ایک ایک گھر چھان مارا لیکن وہ نہ مل سکی۔ اتفاق سے اگلی رات کو وہ پھر آ گئی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے صحیح مسئلہ بتایا، یہ سنتے ہی وہ سجدہ میں گر گئی اور کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے لئے چھٹکارے اور توبہ کی صورت پیدا کی۔ اسی وقت اس نے نہ صرف اس لونڈی کو آزاد

1۔ معجم کبیر، جلد 7 صفحہ 314، مجمع الزوائد، جلد 1 صفحہ 31-32، جلد 10 صفحہ 202

2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 43، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 279

کر دیا جو اس کے ساتھ تھی بلکہ اس کی لڑکی کو بھی آزاد کر دیا اور صدق دل سے توبہ کر لی(1)۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت عامہ کی خبر دیتا ہے کہ وہ ہر توبہ کرنے والے کے گناہوں کو بخش دیتا ہے خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔ فرمایا: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (النساء:110) ”اور جو شخص برا کام کر بیٹھے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا پائے گا“۔ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (التوبہ:104) ”کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا ہے“۔ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر:53)۔

وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا ۝ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ۝

”اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب گزرتے ہیں کسی لغو چیز کے پاس سے تو بڑے باوقار ہو کر گزر جاتے ہیں۔ اور وہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے رب کی آیات سے تو نہیں گر پڑتے ان پر بہرے اور اندھے ہو کر۔ اور وہ جو عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! مرحمت فرما ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا ہمیں پرہیزگاروں کے لئے پیشوا“۔

عباد الرحمٰن کی مزید صفات حمیدہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہاں پہلی صفت یہ بیان کی کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ شرک اور بت پرستی کا ارتکاب نہیں کرتے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ جھوٹ، فسق و فجور، کفر، لغو اور باطل سے اجتناب کرتے ہیں۔ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ لغویات اور راگ رنگ سے احتراز کرتے ہیں(2)۔ ابو العالیہ، ابن سیرین، ضحاک وغیرہ کا کہنا ہے کہ مشرکین کی عیدوں اور تہواروں میں شرکت نہیں کرتے۔ عمرو بن قیس اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ وہ بری محفلوں میں نہیں جاتے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ”جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس دستر خوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو“(3)۔ مذکورہ بالا صورت میں ”یَشْهَدُوْنَ“ کا معنی ہے حاضر ہونا۔ اس کا دوسرا معنی ہے گواہی دینا۔ اس صورت میں لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ کا معنی ہے کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں سب سے بڑے بڑے گناہ نہ بتا دوں؟ تین بار آپ ﷺ نے یہ فرمایا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ضرور آگاہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، آپ ﷺ پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر بیٹھ گئے اور فرمایا: خبردار! جھوٹی گواہی“۔ آپ اس آخری بات کو بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم خیال کرنے لگے کہ کاش حضور ﷺ اب خاموش ہو جاتے(4)۔ ظاہری الفاظ کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس سے یہ مراد لیا جائے کہ وہ جھوٹ میں حاضر اور شریک نہیں ہوتے، اسی لئے فرمایا: وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ یعنی وہ جھوٹ اور باطل سرگرمی میں شریک نہیں ہوتے اور اگر اتفاقاً ان کا گزر کسی بیہودہ چیز سے ہو جاتا

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 43
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 283
3۔ سنن دارمی، جلد 2 صفحہ 37
4۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ نساء: 31

ہے تو وہ وہاں بیٹھ کر اس سے لطف اندوز نہیں ہوتے بلکہ وہ اس طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے، اس لئے فرمایا: مَرُّوْا كِرَامًا یعنی وہ وقار اور سنجیدگی کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا گذر لہو ولعب کے پاس سے ہوا تو آپ وہاں ٹھہرے بغیر آگے گزر گئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابن مسعود کریم ہو گیا۔ عبادالرحمٰن کی پھر ایک اور صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا - اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: اَلَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (الانفال:2) ''وہ یہ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب ان پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں''۔ بخلاف کفار کے کہ ان پر قرآن کریم کی تلاوت کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اپنی روش سے باز آتے ہیں بلکہ وہ اپنے کفر، سرکشی، جہالت اور گمراہی پر ڈٹے رہتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ إِيْمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَأَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلٰى رِجْسِهِمْ (التوبہ:125-124) پس مومنوں کی حالت کافروں کی حالت کے برعکس ہے۔ یہ کافر قرآن کریم سننے کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوتے بلکہ اپنے کفر و ضلالت کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ اندھے اور بہرے ہیں جنہوں نے آیات الٰہی کو سنا ہی نہیں لیکن اہل ایمان آیات قرآنی کو سن کر بہروں اور اندھوں کا طرز عمل اختیار نہیں کرتے بلکہ ان آیات کو گوش ہوش سے سنتے ہیں، ان میں جھلکتے ہوئے انوار کو دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور غور و فکر کر کے ان کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو آیات قرآنی پر بہرے اور اندھے بن کر گزر جاتے ہیں۔ قتادہ اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ رحمٰن کے بندے نہ حق سے بہرے ہیں اور نہ حق میں اندھے بلکہ یہ ایسے زیرک لوگ ہیں جو حق کو خوب سمجھتے ہیں اور آیات قرآنی سے پورا پورا استفادہ کرتے ہیں۔ ابن عون کہتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ ایک شخص دوسروں کو سجدہ میں دیکھتا ہے لیکن اس نے اس آیت کو نہیں سنا جس کی وجہ سے وہ سجدہ کر رہے ہیں، تو کیا وہ بھی ان کے ساتھ سجدہ کرے؟ آپ نے جواب میں اسی آیت کی تلاوت کی(1)۔ یعنی وہ ان کے ساتھ سجدہ میں شریک نہ ہو کیونکہ نہ اس نے آیت سجدہ تلاوت کی اور نہ اس میں غور و تدبر کیا، چنانچہ مومن کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ بغیر غور و فکر کئے ہاں میں ہاں ملاتا اور اندھی تقلید کرتا چلا جائے بلکہ اسے بصیرت اور یقین حاصل کئے بغیر کوئی کام نہیں کرنا چاہئے۔ عبادالرحمٰن کی صفات بیان کرنے کے بعد ان کی ایک دعا کا ذکر ہو رہا ہے: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا - یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی اولاد کی التجا کرتے ہیں جو اللہ وحدہ لاشریک کی فرمانبردار اور عبادت گزار ہو تا کہ ایسی صالح اولاد کو دیکھ کر دنیا و آخرت میں ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دعا سے ان کی مراد خوبصورتی اور حسن و جمال نہیں بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ اطاعت گزار ہوں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد بیوی، بھائی اور دوست احباب کی طرف سے اطاعت الٰہی کا اظہار ہے۔ اللہ کی قسم! ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والی نہیں کہ اس کے اہل و عیال، اولاد، بھائی اور دوست اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہوں۔ ابن جریج اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں وہ خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور جرائم کا ارتکاب نہ کریں۔ عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ عبادالرحمٰن اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان کے بیوی بچوں کو اسلام کی راہ دکھائے۔ حضرت نفیر بیان

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 51

کرتے ہیں کہ ہم ایک روز حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اسی اثناء میں ایک آدمی گزرا اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہنے لگا کہ ان کی آنکھوں کو مبارک ہو جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا دیدار کیا ہے، کاش ہم بھی حضور ﷺ کی زیارت کرتے اور آپ کی طرح شرف صحبت حاصل کرتے۔ یہ سن کر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ غضبناک ہو گئے۔ مجھے بہت تعجب ہوا کہ اس آدمی نے بری بات تو کوئی نہیں کی پھر آپ کے خفا ہونے کا کیا سبب ہے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی چیز کی تمنا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا نہیں کی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اگر یہ اس وقت ہوتے تو ان کا حال کیا ہوتا، بخدا! رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایسے لوگ بھی تو موجود تھے جنہوں نے نہ آپ ﷺ کی تصدیق کی اور نہ آپ ﷺ کی فرمانبرداری کی اور اوندھے منہ جہنم رسید ہو گئے، کیا تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے کہ اس نے تمہیں مسلمان گھرانوں میں پیدا کیا اور پیدا ہوتے ہی تمہارے کانوں میں توحید و رسالت کی آوازیں پڑنے لگیں اور پہلے لوگوں کے سبب تم آزمائش سے بچ گئے؟ رسول اللہ ﷺ ایسے زمانہ میں مبعوث ہوئے جب جاہلیت اپنے عروج پر تھی، اس وقت لوگوں کے نزدیک بت پرستی سے افضل کوئی دین نہ تھا۔ ایسے برے اور سنگین حالات میں حضور ﷺ فرقان لے کر تشریف لائے اور حق و باطل کے درمیان تفریق کی، باپ بیٹا جدا ہو گئے۔ اہل ایمان جب اپنے آباؤ اجداد، اولاد اور بھائیوں کو کفر پر دیکھتے تو انہیں یہ خیال بے چین کر دیتا کہ اگر ان کی موت کفر پر آ گئی تو یہ جہنم میں جائیں گے، اس لئے وہ یہ دعا کرتے تھے: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا...... (1)۔ دعا کے آخری الفاظ یہ ہیں: وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا یعنی ہمیں ایسا پیشوا بنا کہ نیکی میں لوگ ہماری پیروی کریں۔ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ ہمیں نہ صرف ہدایت یافتہ بنا بلکہ ہدایت کی راہ پر چلانے والا اور خیر کی دعوت دینے والا بنا یعنی عباد الرحمٰن کی یہ خواہش ہے کہ ان کی اولاد بھی ان کے نقش قدم چلے اور ان کی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت گزار ہو اور ان کی ہدایت کا نفع ان کے علاوہ دوسروں کو بھی پہنچے۔ یہ چیز زیادہ باعث اجر و ثواب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب ابن آدم مر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں بجز تین کے: نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے یا علم جس سے اس کے بعد نفع حاصل کیا جائے یا صدقہ جاریہ" (2)۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا ﴿٧٥﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾

"یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جن کو بدلہ میں ملے گا (جنت کا) بالا خانہ ان کے صبر کرنے کے باعث اور ان کا استقبال کیا جائے گا وہاں دعا اور سلام سے۔ وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں۔ بہت عمدہ ٹھکانہ اور قیام گاہ ہے۔ آپ فرمائیے کیا پروا ہے تمہاری میرے رب کو اگر تم اس کی عبادت نہ کرو۔ اور تم نے (تو الٹا) جھٹلانا شروع کر دیا تو یہ جھٹلانا تمہارے گلے کا ہار بنا رہے گا"۔

اہل ایمان کی صفات جمیلہ، اقوال عظیمہ اور افعال حمیدہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ - یعنی مذکورہ اوصاف جلیلہ سے متصف مومنوں کو قیامت کے دن جنت کا بدلہ عطا کیا جائے گا۔ جنت کے بلند ہونے کی وجہ سے اسے "غرفة" کہا گیا ہے۔ یہ بدلہ

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 2-3
2۔ صحیح مسلم، جلد 5 صفحہ 73

اس بناء پر ہے کہ وہ صبر کرتے رہے اور صبر کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے۔ جنت میں دعا وسلام عزت وتوقیر اور احترام واکرام کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا، ان کے لیے ہی سلامتی اور ان پر ہی سلامتی ہے۔ فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ تمہیں سلام ہو، یہ بدلہ ہے تمہارے صبر کرنے کا تمہیں اچھا ٹھکانا عطا ہوا اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے، نہ انہیں وہاں سے نکالا جائے گا، نہ وہ وہاں سے نکلنا پسند کریں گے، نہ انہیں وہاں موت آئے گی اور نہ نعمتیں کم ہوں گی جیسا کہ فرمایا: وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (ہود: 108)۔ پھر فرمایا: قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ..... یعنی اگر تم ایمان نہ لاؤ تو اللہ تعالیٰ کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ اس میں کفار کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر وہ ایمان قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر اسے ان کی کوئی ضرورت ہوتی تو وہ ان کے ہاں بھی ایمان کو اس طرح محبوب بنا دیتا جس طرح اس نے اہل ایمان کے دلوں میں ایمان کو محبوب بنا دیا ہے (1)۔ فرمایا: فَقَدْ كَذَّبْتُمْ۔ یعنی اے کافرو! تم نے جھٹلایا اور عنقریب تمہارا یہ جھٹلانا تمہارے گلے کا ہار بن جائے گا اور دنیا وآخرت میں تمہاری تباہی وبربادی کا سبب بنے گا اور تم بہت بڑے عذاب سے دوچار ہو جاؤ گے۔ اسی عذاب کی ایک کڑی بدر کے دن کفار کی ذلت آمیز شکست ہے جیسا کہ حضرات ابن مسعود، ابی بن کعب، محمد بن کعب قرظی وغیرہ سے اس کی تفسیر منقول ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت کے دن کا عذاب ہے۔ بہر صورت ان دونوں میں کوئی منافات اور تعارض نہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 55 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما

سورۂ شعراء (مکیہ)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی تفسیر میں اس کا نام سورۂ جامعہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

طٰسٓمّٓ ۝١ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝٣ اِنْ نَّشَاْ
نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝٤ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ
الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝٥ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا
بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٦ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝٧ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٨ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝٩

"طا۔ سین۔ میم۔ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی (اے جانِ عالم!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس غم میں کہ وہ ایمان نہیں لا رہے۔ اگر ہم چاہیں تو اتاریں ان پر آسمان سے کوئی نشانی پس ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئی۔ اور نہیں آیا کرتی ان کے پاس کوئی تازہ نصیحت الرحمٰن کی جانب سے مگر یہ کہ وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ تو بے شک انہوں نے تکذیب کی سو مل جائے گی انہیں اطلاع اس امر کی جس کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا زمین کی طرف کہ کتنی کثرت سے ہم نے اگائے ہیں اس میں ہر طرح کے مفید پودے۔ بے شک اس میں (ان کے لئے قدرت الٰہی کی) نشانی ہے۔ اور ان سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

سورتوں کے شروع میں آنے والے حروف مقطعات کی بحث سورۂ بقرہ کے اوائل میں گزر چکی ہے۔ فرمایا: تِلْكَ اٰيٰتُ یعنی یہ قرآن کریم کی آیات ہیں جو بالکل واضح، جلی اور حق و باطل اور ہدایت و گمراہی کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ..... یعنی شاید آپ اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے کہ وہ ایمان نہیں لا رہے۔ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو کفار کے ایمان نہ لانے پر تسلی دی جا رہی ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ (فاطر:8) "پس ان کے لئے فرطِ غم سے آپ کی جان نہ نکلے"۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (الکہف:6) "تو کیا آپ فرطِ غم سے ان کے پیچھے اپنی جان کو تلف کر دیں گے مگر وہ اس قرآن کریم پر ایمان نہ لائے"۔ پھر فرمایا: اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ... یعنی اگر ہم چاہتے تو ہم ایسی نشانی آسمان سے اتارتے جس کی وجہ سے وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے لیکن ہم ایسا نہیں کرتے کیونکہ ہماری مشیت یہ ہے کہ لوگ اپنی مرضی اور اختیار سے ایمان قبول کریں، اور مقامات پر فرمایا: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى

یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (یونس:99)'' اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب، کیا آپ لوگوں کو مجبور کرنا چاہتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں''۔ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً (ہود:118)'' اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا''۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قضاء وقدر کے پیش نظر پیغمبروں کو بھیج کر اور کتابیں اتار کر لوگوں پر اتمام حجت کر دی۔ پھر انہیں اختیار دیا کہ وہ اپنی مرضی سے حق و باطل میں سے جسے چاہیں، اپنا لیں، پھر فرمایا: وَ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ یعنی جب بھی کوئی آسمانی کتاب نازل ہوئی، لوگوں کی اکثریت نے اس سے روگردانی کی جیسا کہ فرمایا: وَ مَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ (یوسف:103)'' اور اکثر لوگ، اگرچہ آپ کتنے ہی حریص ہوں، ایمان لانے والے نہیں''۔ یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (یٰسین:30)'' صد افسوس ان بندوں پر انہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگے گئے''۔ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ (المومنون:44)'' پھر ہم کیے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجتے رہے جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا''۔ اس لئے یہاں فرمایا: فَقَدْ كَذَّبُوْا ... یعنی انہوں نے حق کو جھٹلایا اور عنقریب ہی انہیں اس تکذیب کی اطلاع مل جائے گی اور اس کا انجام بھی معلوم ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مخالفت اور اپنی کتاب کی تکذیب کرنے کی جسارت کرنے والوں کو اپنی قوت وسطوت اور جلالت شان پر آگاہ فرما رہا ہے کہ وہی غالب، عظیم اور قادر ہے جس نے زمین کو پیدا کیا اور اس میں کھیتیاں، پھل، حیوانات اور دیگر مفید چیزوں کی تخلیق کی۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ زمین کی پیداوار سے ہیں، جو ان میں سے جنتی ہے، وہ کریم ہے اور جو دوزخی ہے، وہ لئیم ہے(1)۔ فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً یعنی اس میں خالق کائنات کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے جس نے وسیع وعریض زمین اور بلند و بالا آسمان پیدا کیا، لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کو جھٹلاتے ہیں اور اس کے احکام کی مخالفت کر کے ممنوعہ چیزوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پھر فرمایا: وَ اِنَّ رَبَّكَ . یعنی تمہارا رب ہر چیز پر غالب اور اپنی مخلوق پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے، وہ اپنے نافرمانوں کو جلدی عذاب میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ انہیں ڈھیل اور مہلت دیتا ہے، پھر بھی اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آئیں تو انہیں سختی سے پکڑ لیتا ہے اور سخت انتقام لیتا ہے، لیکن ان میں سے جو توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کر لیں تو ان پر وہ بہت مہربان ہے۔

وَ اِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰۤی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿10﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ ﴿11﴾
قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿12﴾ وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ
اِلٰی هٰرُوْنَ ﴿13﴾ وَ لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿14﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا
مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿15﴾ فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿16﴾ اَنْ اَرْسِلْ
مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿17﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّ لَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِكَ
سِنِیْنَ ﴿18﴾ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿19﴾ قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّ اَنَا
مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿20﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِیْ مِنَ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 289

الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۲۲﴾

"اور یاد کرو جب ندا دی آپ کے رب نے موسیٰ کو (اور فرمایا) کہ جاؤ ظالم لوگوں کے پاس۔ یعنی قوم فرعون کے پاس۔ کیا وہ (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے۔ آپ نے عرض کی میرے رب! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ اور گھٹتا ہے میرا سینہ اور رواں نہیں چلتی میری زبان، سو (از راہ کرم) وحی بھیج ہارون کی طرف۔ اور (تو جانتا ہے کہ) ان کا میرے ذمہ ایک جرم بھی ہے اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ اللہ نے فرمایا ایسا نہیں ہوسکتا پس تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں (اور ہر بات) سننے والے ہیں۔ سو دونوں جاؤ فرعون کے پاس اور اسے کہو ہم فرستادے ہیں رب العالمین کے۔ (ہم تمہیں کہتے ہیں) کہ بھیج دے ہمارے ساتھ (ہماری قوم) بنی اسرائیل کو۔ فرعون نے (یہ سن کر) کہا موسیٰ! کیا ہم نے تجھے پالا نہیں تھا اپنے یہاں جب کہ تو بچہ تھا اور بسر کئے تو نے ہمارے پاس اپنی عمر کے کئی سال۔ اور تو نے ارتکاب کیا اس فعل کا جس کا تو نے ارتکاب کیا اور تو بڑا احسان فراموش ہے۔ آپ نے جواب دیا میں نے ارتکاب کیا تھا اس کا اس وقت جب کہ میں ناواقف تھا۔ تو میں بھاگ گیا تھا تمہارے ہاں سے جبکہ میں تم سے ڈرا پس بخش دیا مجھے میرے رب نے حکم اور بنا دیا مجھے رسولوں سے اور یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتاتا ہے، حالانکہ تو نے غلام بنا رکھا ہے بنی اسرائیل کو"۔

اللہ تعالیٰ اپنے اس حکم کا ذکر فرما رہا ہے جو اس نے اپنے بندے، رسول اور کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت دیا تھا جب اس نے آپ علیہ السلام کو طور کی دائیں جانب سے ندا دی، آپ کو ہم کلامی کا شرف بخشا، منصب رسالت پر فائز کیا اور اپنا برگزیدہ پیغمبر بنا کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف روانہ کیا جنہوں نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چند عذر پیش کر کے اللہ تعالیٰ سے ان کے ازالہ کی درخواست کرتے ہوئے عرض کی: رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ...... اَنْ یَّقْتُلُوْنِ اس طرح سورۂ طٰہٰ میں ہے: قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وَ یَسِّرْ لِیْۤ اَمْرِیْ۔ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی (طٰہٰ: 25-36) آپ علیہ السلام نے اپنے سینے کی گھٹن اور زبان کی لکنت کا عذر پیش کرتے ہوئے قبطی کے قتل کا قصور بھی بیان کیا جس کی وجہ سے آپ کو مصر چھوڑنا پڑا تھا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "کَلَّا" یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، تمہیں خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں جیسا کہ فرمایا: سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚۛ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ (القصص: 35) "ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی سے مضبوط کریں گے اور ہم تمہیں ایسا غلبہ عطا کریں گے کہ وہ ہماری نشانیوں کے باعث تمہیں اذیت نہیں پہنچا سکیں گے۔ تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی غالب ہوں گے"۔ فرمایا: فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ... ۔ اسی طرح فرمایا: اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَ اَرٰی (طٰہٰ: 46) "میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں، سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں"۔ یعنی تم دونوں کو میری حفاظت، نگہداشت اور تائید و نصرت حاصل ہے۔ تم فرعون کے پاس جاؤ اور اسے بتلا دو کہ ہم رب العالمین کے پیغمبر ہیں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ (طٰہٰ: 47) یعنی ہم میں سے ہر ایک کو رسول بنا کر تمہاری طرف روانہ کیا گیا ہے اور ہم تمہیں کہتے ہیں کہ ہماری قوم بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے، انہیں اپنی غلامی، قبضہ اور عذاب سے آزاد کر دے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مومن اور مخلص بندے ہیں اور تم نے انہیں ذلت آمیز عذاب سے دوچار کر رکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتیں سن کر فرعون بہت تیخ پا ہوا اور روگردانی کرتے ہوئے حقارت سے کہنے لگا: اَلَمْ نُرَبِّكَ... ۔ یعنی کیا تم وہی نہیں جسے ہم نے اپنے گھر میں عرصہ دراز تک بڑے ناز و نعم سے پالا اور ہر طرح کی ناز برداریاں کرتے رہے پھر تم نے اس احسان کا بدلہ یہ دیا کہ تم نے ہمارے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا اور احسان فراموشی

کی(1)۔اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: فَعَلْتُهَآ اِذًا ... یعنی مجھ سے اس فعل کا ارتکاب منصب نبوت و رسالت پر فائز ہونے سے پہلے ہوا تھا جب میں ناواقف تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کے نزدیک "اَلضَّآلِّيْنَ" بمعنی الجاہلین (ناواقف) ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "مِنَ الضَّآلِّيْنَ" کی بجائے "مِنَ الْجٰهِلِيْنَ" ہے(2)۔ پھر فرمایا: فَفَرَرْتُ ۔ یعنی وہ حالت ختم ہوئی اور اب ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول بنا کر تمہاری طرف روانہ کیا ہے۔ اگر تو نے میری اطاعت کی تو سلامت رہے گا اور اگر نافرمانی کی تو ہلاک ہوگا۔ پھر فرمایا: وَتِلْكَ نِعْمَةٌ ... یعنی تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے کہ تو نے مجھے پالا ہے، تیرا یہ احسان تیرے اس سفاکانہ سلوک کے مقابلہ میں ہیچ ہے جو تو نے میری قوم بنی اسرائیل کے ساتھ روا رکھا ہے، تو نے میری قوم کو غلامی کی بیڑیاں پہنا رکھی ہیں اور تیری قوم ان سے جسمانی مشقت کے کام لیتی ہے۔ کیا ایک فرد کے ساتھ احسان پوری قوم کے ساتھ بدسلوکی کے مقابلہ میں کوئی حیثیت رکھتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۗ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۗ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾

"فرعون نے پوچھا کیا حقیقت ہے رب العالمین کی؟ آپ نے فرمایا (رب العالمین وہ ہے جو) مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر ہو تم یقین کرنے والے۔ فرعون نے اپنے اردگرد بیٹھنے والوں سے کہا کیا تم سن نہیں رہے۔ آپ نے فرمایا وہ جو تمہارا بھی مالک ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی۔ فرعون بولا بلاشبہ تمہارا یہ رسول جو بھیجا گیا ہے تمہاری طرف یہ تو دیوانہ ہے آپ نے (معاً) فرمایا جو مشرق و مغرب کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو"۔

فرعون کے کفر، تمرد، سرکشی اور انکار کو بیان کیا جا رہا ہے کہ اس نے رب العالمین کے متعلق سوال کیا: وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ فرعون اپنی قوم سے کہا کرتا تھا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، اس طرح اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنا کر راہ راست سے بہکا دیا تو وہ اس کی اطاعت کرتے ہوئے اسے خدا سمجھنے لگے اور خالق حقیقی کا انکار کرتے ہوئے اس عقیدہ پر کاربند ہو گئے کہ فرعون کے سوا ان کا کوئی رب نہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں تو وہ دریافت کرنے لگے کہ تم میرے سوا جسے رب العالمین خیال کیے بیٹھے ہو، وہ کون ہے؟ علماء سلف و خلف نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ سدی کا کہنا ہے کہ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿٤٩﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْۤ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ: 50-49) "فرعون نے پوچھا موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ فرمایا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو موزوں صورت عطا کی پھر ہر چیز کی رہنمائی کی"۔ اہل منطق وغیرہ میں سے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ فرعون کا سوال اللہ تعالیٰ کی حقیقت اور ماہیت کے متعلق تھا، ان کا موقف غلط ہے کیونکہ وہ خالق کائنات کے وجود کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 66

2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 67

اقرار ہی نہیں کرتا تھا کہ اس کی حقیقت وماہیت دریافت کرتا بلکہ وہ تو سرے سے خدا تعالیٰ کے وجود کا منکر تھا اگرچہ دلائل وبراہین اس کے سامنے واضح ہو چکے تھے۔ جب اس نے رب العالمین کے متعلق سوال کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ یعنی وہ سب کا خالق، مالک، متصرف اور معبود ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہی اللہ ہی تو ہے جس نے عالم علوی (آسمانوں) میں ستاروں اور سیاروں کو پیدا کیا اور عالم سفلی (زمین) میں سمندر، بیاباں، پہاڑ، میدان، درخت، حیوانات، نباتات، پھل، ہوا، فضا اور پرندوں کی تخلیق کی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز اور سر تسلیم خم کیے ہوئے بندگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ فرمایا: اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ یعنی اگر تمہارے دلوں میں یقین کی دولت ہے اور تمہاری آنکھیں روشن ہیں۔ اس وقت فرعون لاجواب ہو کر اپنے درباریوں کی طرف متوجہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے اور آپ کی تکذیب کرتے ہوئے کہنے لگے: اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ؟ یعنی کیا تمہیں اس شخص کی بات پر تعجب نہیں آتا جس کا کہنا ہے کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور خدا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی وہ تمہارا بھی خالق ہے اور تمہارے پہلے گزرے ہوئے آباؤ اجداد کا بھی خالق ہے۔ یہ سن کر فرعون اپنی قوم سے کہنے لگا: اِنَّ رَسُوْلَكُمُ یعنی اس کا یہ دعویٰ کہ میرے سوا کوئی اور رب ہے، عقل وفہم پر مبنی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے درباریوں کی طرف متوجہ ہوئے جنہیں فرعون نے شکوک وشبہات میں مبتلا کر رکھا تھا، آپ نے انہیں فرمایا: رَبُّ الْمَشْرِقِ یعنی وہی اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے مشرق کو پیدا کیا جہاں سے سورج، چاند اور ستارے طلوع ہوتے ہیں اور مغرب کا خالق بھی وہی ہے جہاں یہ سب غروب ہو جاتے ہیں۔ یہ محکم اور پختہ نظام اسی کا وضع کردہ ہے جس سے سرمو انحراف بھی ممکن نہیں۔ اگر فرعون اپنے ربوبیت اور الوہیت کے دعویٰ میں سچا ہے تو اس کے برعکس کر کے دکھائے، مشرق کو مغرب اور مغرب کو مشرق بنا دے۔ یہی دلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کی تھی: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۔۔ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (البقرۃ:258) حجت کے میدان میں شکست فاش سے دوچار ہونے کے بعد فرعون طاقت کے استعمال کی دھمکیاں دینے لگا اور یہ یقین کر بیٹھا کہ وہ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قابو پالے گا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں اس کا بیان آرہا ہے۔

قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ
بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ
مُّبِيْنٌ ﴿٣٢﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿٣٣﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ
عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَ
اَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٣٦﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿٣٧﴾

"اس نے (رعب جماتے ہوئے) کہا (یاد رکھو!) اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا بنایا تو میں تمہیں ضرور قیدیوں میں داخل کر دوں گا۔ فرمایا اگرچہ میں لے آؤں تیرے پاس ایک روشن چیز۔ اس نے کہا پھر پیش کرو اسے اگر تم سچے ہو۔ پس آپ نے ڈالا اپنا عصا تو اسی وقت وہ صاف اژدھا بن گیا۔ اور آپ نے باہر نکالا اپنا ہاتھ تو یک لخت وہ سفید ہو گیا دیکھنے والوں کے لیے۔ (یہ دیکھ کر) فرعون نے اپنے آس پاس بیٹھنے والے درباریوں سے کہا واقعی یہ ماہر جادوگر ہے یہ چاہتا ہے کہ نکال دے

تمہیں اپنے ملک سے اپنے جادو (کے زور) سے۔ (اب بتاؤ) تمہاری کیا رائے ہے؟ بولے مہلت دو اسے اور اس کے بھائی کو اور بھیج دو شہروں میں ہرکارے۔ تاکہ وہ لے آئیں تیرے پاس (ملک کے کونہ کونہ سے) تمام ماہر جادوگر"۔

بحث ومناظرہ اور دلائل کے میدان میں فرعون کو منہ کی کھانا پڑی، اس لئے اس نے اپنی قوت وسطوت کے بل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دبانے اور مغلوب کرنے کا ارادہ کیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب بحث وتمحیص کا کوئی فائدہ نہیں۔ کہنے لگا: لَئِنِ اتَّخَذْتَ ۔ اس کے جواب میں آپ علیہ السلام نے فرمایا: اَوَلَوْ جِئْتُكَ...... یعنی اگرچہ میں تمہارے پاس کوئی واضح دلیل لے آؤں تو بھی؟ وہ کہنے لگا کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ اسی وقت صاف اور واضح اژدھا کی شکل اختیار کر گیا جو منہ کھولے پھنکار رہا تھا، اس کی شکل بہت زیادہ ہیبت ناک اور ڈراؤنی تھی۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو وہ چمکتا دمکتا باہر نکلا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔ اب ایک مرتبہ پھر فرعون کی بدبختی آڑے آئی اور ان روشن معجزات کو دیکھنے کے باوجود تکذیب اور عناد کی روش کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوا اور اپنے درباریوں سے کہنے لگا کہ یہ ماہر جادوگر ہے۔ فرعون نے اپنے درباریوں کو یہ باور کرایا کہ یہ معجزہ نہیں بلکہ جادو ہے۔ پھر اس نے اپنے درباریوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت اور آپ کے ساتھ کفر پر اکساتے ہوئے کہا: يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ ۔ یعنی اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ اپنے جادو کے زور سے لوگوں کے دلوں پر اپنا تسلط جما لے اور جب اس کے مددگاروں اور پیروکاروں کی کثرت ہو جائے تو تمہارے ملک پر قبضہ کر لے۔ اب تم مجھے مشورہ دو کہ مجھے اس کے بارے میں کیا کرنا چاہئے؟ درباری کہنے لگے: اَرْجِهْ وَاَخَاهُ ۔ یعنی اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دو تاکہ ان کے مقابلہ میں ملک کے کونے کونے سے ماہر جادوگر اکٹھے کیے جائیں اور وہ ان کے جادو کا توڑ کر کے انہیں مغلوب کر دیں۔ چنانچہ فرعون نے ان کی رائے پر عمل کیا۔ درباریوں کے اس مشورہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت کارفرما تھی، وہ یہ کہ جب لوگ ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور جادوگروں کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روشن نشانیوں، دلائل اور معجزات کا اظہار کریں تو سب کے سامنے حق واضح ہو جائے اور سب کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت کا یقین ہو جائے۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٣٨﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿٤٥﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿٤٨﴾

"الغرض جمع کر لئے گئے سارے جادوگر مقررہ وقت پر ایک خاص دن۔ اور کہہ دیا گیا لوگوں سے کیا تم (مقابلہ دیکھنے کے لئے) اکٹھے ہو گے؟ شاید ہم پیروی کرتے رہیں جادوگروں کی اگر وہ (مقابلے میں) غالب آ جائیں۔ جب حاضر ہوئے جادوگر تو انہوں نے فرعون سے پوچھا کیا ہمیں کوئی انعام بھی ملے گا اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آ جائیں؟ اس نے کہا ہاں ضرور

ملے گا اور تم اس وقت میرے مقربوں میں شامل کر لئے جاؤ گے۔ موسیٰ نے انہیں فرمایا پھینکو جو تم پھینکنے والے ہو۔ تو انہوں نے پھینک دیں اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں (میدان میں) اور (بڑے وثوق سے) کہا ناموس فرعون کی قسم! ہم ہی یقینا غالب آئیں گے۔ پھر پھینکا موسیٰ نے اپنا سونٹا تو وہ یکایک نگلنے لگ گیا جو فریب انہوں نے بنا رکھا تھا۔ پس (یہ معجزہ دیکھ کر) گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے۔ انہوں نے (برملا) کہہ دیا ہم ایمان لائے رب العلمین پر، جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا"۔

یہاں مناظرہ فعلی کا بیان ہو رہا ہے۔ اس سورت کے علاوہ سورۂ اعراف اور سورۂ طہٰ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ قبطی اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے نور کی تکمیل کرے اگرچہ کافروں کو یہ ناپسند اور ناگوار گزرے۔ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ جب بھی کفر اور ایمان مقابلہ میں آئے، ایمان کو غلبہ حاصل رہا جیسا کہ فرمایا: بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ (الانبیاء: 18) "بلکہ ہم تو حق سے باطل پر چوٹ لگاتے ہیں پس وہ اسے کچل دیتا ہے اور وہ یکایک ناپید ہو جاتا ہے اور تمہارے لئے (اے باطل پرستو!) ہلاکت ہے ان (نازیبا) باتوں کے باعث جو تم بیان کرتے ہو"۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (بنی اسرائیل: 81) "اور آپ فرما دیجئے حق آگیا ہے اور باطل مٹ گیا ہے"۔ چنانچہ فرعون نے اپنی قلمرو کے گوشے گوشے سے ماہر جادوگر جمع کر لئے جنہیں اپنے فن میں کمال مہارت حاصل تھی اور ان کے مقابلہ میں کوئی دم نہیں مار سکتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جادوگروں کا ایک جم غفیر اکٹھا ہو گیا جن کی تعداد بارہ ہزار یا پندرہ ہزار یا سترہ ہزار یا انیس ہزار یا تیس ہزار سے زائد یا اسی ہزار یا اس سے کم و بیش تھی۔ بہر صورت ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان کے سردار اور استاد چار شخص تھے۔ سابور، عاذور، حطحط اور مصفی(1)۔ چنانچہ مقابلہ کے دن لوگ بڑے جوش و خروش سے جمع ہونے لگے اور کہنے لگے: لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ انہیں یہ کہنے کی توفیق نہ ہوئی کہ ہم حق کی اتباع کریں گے خواہ وہ جادوگروں کی طرف سے ہو یا موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے کیونکہ رعایا اپنے بادشاہ کے دین پر کاربند ہوتی ہے۔ اب وقت مقررہ پر فرعون اپنے جاہ و حشم، امراء، وزراء، رؤساء اور لشکر کے ساتھ نکلا۔ جادوگر فرعون کے دربار میں حاضر ہوئے اور غلبہ کی صورت میں اس سے انعام و اکرام اور تقرب کا عہد لیا، کہنے لگے: اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اس کے جواب میں فرعون نے انعام و اکرام کا وعدہ کرتے ہوئے انہیں اپنے مقربین میں شامل کرنے کی بھی خوشخبری دی۔ اب میدان مناظرہ میں جادوگر کہنے لگے: يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا (طہٰ: 65-66) "اے موسیٰ! کیا پہلے آپ پھینکیں گے یا ہم ہی پہلے پھینکنے والے ہو جائیں آپ نے فرمایا کہ تم ہی (پہلے) پھینکو"۔ یہاں اختصار کے ساتھ فرمایا: اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ ان کا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ کہنا ایسے ہی ہے جیسے کہ جاہل لوگ جب کوئی کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں: "ھذا بثواب فلاں" یعنی یہ فلاں کے ثواب سے ہے۔ سورۂ اعراف میں بیان ہوا ہے کہ ان جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر کے انہیں ہیبت زدہ کر دیا اور ایک بہت بڑے جادو کا مظاہرہ کیا۔ سورۂ طہٰ میں فرمایا: فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ ... وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى (طہٰ: 66-69) اور یہاں فرمایا: فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ ... یعنی یکایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہر طرف سے ان جادوگروں کی فریب کاری کو نگلنے لگا اور ان کی رسیوں اور لاٹھیوں میں سے کوئی چیز باقی نہ چھوڑی چنانچہ فرمایا: فَوَقَعَ الْحَقُّ ... رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ (الاعراف: 118-122)۔

1۔ تصحیحات الاقران: 150، تاریخ طبری، جلد 1 صفحہ 407-408

ایک عظیم حجت، قطعی دلیل اور روشن معجزہ تھا کہ وہ جادوگر جنہیں فرعون نے اپنی مدد اور غلبہ کے لئے طلب کیا تھا، مغلوب ہو کر فوری طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور اس اللہ رب العالمین کے حضور سجدہ ریز ہو گئے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حق اور قطعی معجزات کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ فرعون کو ایسی شرمناک شکست سے دوچار ہونا پڑا کہ ایسی شکست کا سامنا کسی کو نہیں ہوا لیکن تھا بڑا بے حیا، سرکش اور جری۔ اپنی خفت کو مٹانے کے لئے تکبر، عناد اور جھوٹے دعویٰ سے کام لیتے ہوئے جادوگروں سے کہنے لگا: ''اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ''، اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ (الاعراف: 123)۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

''فرعون نے (خفت مٹانے کے لئے) کہا تم تو ایمان لا چکے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں تمہیں مقابلہ کی اجازت دیتا۔ یہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سحر کا فن سکھایا ہے۔ ابھی (اس سازش کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ میں ضرور کاٹ دوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف طرفوں سے اور میں تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا ہمیں اس کی ذرا پرواہ نہیں۔ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ہمیں یہ امید ہے کہ بخش دے گا ہمارے لئے ہمارا رب ہماری خطائیں۔ کیونکہ ہم (تیری قوم میں سے) پہلے ایمان لانے والے ہیں''۔

فرعون نے جادوگروں کو خوفناک انجام کی دھمکی دی لیکن بے سود، اس نے انہیں سخت عذاب سے ڈرایا لیکن اس سے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم و رضا میں اضافہ ہی ہوا۔ ان کے دلوں سے کفر کے پردے ہٹ گئے اور ان کے سینوں میں حق جاگزیں ہو گیا اور انہیں یقین کامل ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جس چیز کا ظہور ہوا ہے، وہ کسی بشر کے بس کا روگ نہیں، یہ واقعی معجزہ ہے جسے تائید الٰہی حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی رسالت کی صداقت پر بطور دلیل عطا فرمایا ہے۔ فرعون جادوگروں سے کہنے لگا: اٰمَنْتُمْ لَهٗ یعنی جو کچھ تم نے کیا ہے، اس کی اجازت تمہیں مجھ سے لینی چاہئے تھی۔ اگر میں تمہیں اجازت دے دیتا تو تم ایسا کرتے اور اگر میں تمہیں اس سے روک دیتا تو تم اس سے باز رہتے کیونکہ میں ہی حاکم اور اطاعت کا مستحق ہوں۔ پھر جھٹ ان پر یہ الزام لگا دیا کہ یہ تمہارا بڑا گرو ہے جس نے تمہیں سحر کی تعلیم دی ہے۔ فرعون کا یہ قول محض ہٹ دھرمی پر مبنی تھا جس کے بطلان میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہیں کیونکہ مقابلہ کے دن سے پہلے جادوگروں کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہی ثابت نہیں، پھر یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے استاد ہیں جنہوں نے انہیں فن سحر کی تعلیم دی ہے؟ ایک عقلمند شخص ایسی بات نہیں کر سکتا۔ پھر فرعون نے انہیں دھمکی دی کہ وہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں سولی پر چڑھا دے گا جس کے جواب میں انہوں نے کہا: لَا ضَيْرَ ... یعنی ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں، ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہ اچھے اعمال کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا اور جو سلوک تو ہمارے ساتھ روا رکھے گا، وہ اس پر مخفی نہیں اور وہ ہمیں اس آزمائش پر پورا پورا بدلہ عطا فرمائے گا، اس لئے کہنے لگے: اِنَّا نَطْمَعُ ... یعنی ہمیں امید ہے کہ ہمارا

رب ہمارے سابقہ گناہوں اور جادو کے اس مقابلہ کو معاف فرما دے گا جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا کیونکہ ہم قبطیوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ چنانچہ فرعون نے ان سب کو قتل کرا دیا۔

وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ اِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

''اور ہم نے وحی کی موسیٰ کی طرف کہ راتوں رات (یہاں سے) میرے بندوں کو لے جاؤ یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ پس بھیجے فرعون نے سارے شہروں میں ہرکارے۔ (تاکہ لوگوں کو بتائیں) یہ لوگ ایک چھوٹی سی جماعت ہیں۔ اور انہوں نے ہمیں سخت برافروختہ کر دیا ہے۔ (تاہم فکر نہ کرو) ہم سب (ان کے متعلق) بہت محتاط ہیں۔ سو ہم نے نکالا انہیں (سرسبز) باغوں اور (بہتے ہوئے) چشموں اور (بھرپور) خزانوں اور شاندار محلات سے۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک طویل عرصہ تک مصر میں فرعونیوں کو تبلیغ کرتے رہے اور ان پر پیہم اللہ تعالیٰ کی آیات، دلائل اور معجزات پیش کرتے رہے لیکن ان کے تکبر اور عناد میں کوئی فرق نہ آیا، اس لئے اب یہی صورت باقی تھی کہ انہیں عبرتناک عذاب سے دوچار کر دیا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرے فرمان کے مطابق بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جائیں اور میرے بتائے ہوئے رستے پر چل دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل ارشاد کی اور بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت نکل پڑے۔ اس موقع پر بنی اسرائیل نے قوم فرعون سے بہت سے زیورات مستعار لے کر اپنے پاس رکھ لئے۔ متعدد مفسرین کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر طلوع قمر کے وقت نکلے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس رات چاند گرہن تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے متعلق دریافت کیا تو بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا نے اس کی نشاندہی کی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت کو اپنے ساتھ اٹھا لیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے بذات خود تابوت اٹھایا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت تھی کہ بنی اسرائیل مصر سے جاتے وقت میرا تابوت اپنے ساتھ لیتے جائیں۔ اس کے متعلق ابن ابی حاتم کی ایک حدیث بھی ہے جس کے راوی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی اعرابی کے ہاں مہمان ٹھہرے، وہ بڑی عزت و تکریم سے پیش آیا اور خوب خاطر تواضع کی۔ واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا کہ ہمیں ملتے رہنا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ اعرابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''کیا چاہئے؟'' اس نے کہا: ایک اونٹنی کجاوے سمیت اور ایک بکری جو دودھ دیتی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو بنی اسرائیل کی بڑھیا جیسا سوال کرنے سے بھی عاجز ہے؟'' صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! بنی اسرائیل کی بڑھیا کا کیا قصہ ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو لے کر نکلے تو رستہ بھول گئے۔ آپ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ علماء بنی اسرائیل نے آپ علیہ السلام کو بتایا کہ بات یہ ہے کہ حضرت

یوسف علیہ السلام نے اپنے وصال کے وقت ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم مصر سے نکلتے وقت آپ کے تابوت کو بھی اپنے ہمراہ لیتے جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تم میں سے کون جانتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟ کہنے لگے کہ اس بارے میں صرف بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا کو ہی علم ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے اس بڑھیا کو بلا بھیجا اور اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے متعلق دریافت کیا تو وہ کہنے لگی کہ جب تک آپ میرا مطالبہ پورا نہیں کریں گے، اس وقت تک میں نہیں بتاؤں گی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا مطالبہ کیا ہے؟ بڑھیا کہنے لگی کہ میرا مطالبہ یہ ہے کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ گویا یہ سوال آپ علیہ السلام کو بھاری محسوس ہوا، اسی وقت بذریعہ وحی آپ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس بڑھیا کا مطالبہ تسلیم کرلو۔ اب وہ آپ علیہ السلام کو لے کر ایک جھیل پر آئی اور بنی اسرائیل سے کہا کہ اس کا سارا پانی نکال دو۔ جب وہ سارا پانی نکال چکے تو اس نے انہیں کہا کہ اب یہاں کھودو۔ زمین کو کھودا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر ظاہر ہوگئی۔ انہوں نے آپ علیہ السلام کا تابوت نکال لیا۔ اب تابوت لے کر جونہی چلنے لگے، رستہ دن کی روشنی کی طرف صاف نظر آنے لگا" (1)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس کا موقوف ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔ صبح کے وقت جب فرعونیوں کی آنکھ کھلی تو انہیں کوئی اسرائیلی نظر نہ آیا۔ فرعون کو جب معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل فرار ہوگئے ہیں تو وہ غصہ سے پیچ وتاب کھانے لگا اور اس نے فوری طور پر شہر میں ہرکارے بھیج کر لشکر جمع کرنے کا حکم دے دیا اور یہ اعلان کردیا: اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ ۔ یعنی بنی اسرائیل ایک مٹھی بھر جماعت ہیں جنہوں نے ہمیں سخت برافروختہ کر رکھا ہے اور ہمیں ہر وقت ان کی شر کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے "حٰذِرُوْنَ" پڑھا ہے یعنی ہم اسلحہ سے لیس ہیں اور میری خواہش ہے کہ میں انہیں جڑ سے اکھیڑ کر تباہ و برباد کردوں لیکن شان خداوندی دیکھئے کہ وہ خود ہی اپنے لاؤ لشکر سمیت نیست و نابود ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ یعنی وہ ان نعمتوں سے نکل کر جہنم میں جا پہنچے اور اپنے عالی شان محلات، باغات، انہار، اموال، ارزاق، سلطنت اور جاہ ومنصب سب سے محروم ہوگئے۔ پھر فرمایا: كَذٰلِكَ ۚ وَاَوْرَثْنٰهَا ۔۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا (الاعراف:137) "اور ہم نے اس قوم کو جسے حقیر و ذلیل سمجھا جاتا تھا، اس زمین کے شرق و غرب کا وارث بنادیا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی"۔ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ (القصص:5) "اور ہم نے چاہا ان لوگوں پر احسان کریں جنہیں ملک (مصر) میں کمزور بنادیا گیا تھا اور انہیں پیشوا بنادیں اور انہیں (تخت فرعون کا) وارث بنادیں"۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝۶۰ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝۶۱ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝۶۲ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝۶۳ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝۶۴ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝۶۵ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝۶۶ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۶۷ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۶۸

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 405-404، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 306

”پس وہ ان کے تعاقب میں نکلے اشراق کے وقت۔ پس جب ایک دوسرے کو دیکھ لیا دونوں گروہوں نے تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے (ہائے) ہم تو یقیناً پکڑ لئے گئے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔ سو ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف کہ ضرب لگاؤ اپنے عصا سے سمندر کو۔ تو سمندر پھٹ گیا اور ہو گیا پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند۔ اور ہم نے قریب کر دیا وہاں دوسرے فریق کو۔ اور ہم نے بچا لیا (ان تند موجوں سے) موسیٰ اور ان کے سب ہمراہیوں کو۔ پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے فریق کو۔ اس واقعہ میں (بڑی واضح) نشانی ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ اور بے شک (اے حبیب!) آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“۔

متعدد مفسرین نے بیان کیا ہے کہ فرعون ایک جم غفیر لے کر نکلا جس میں اس کے امراء، وزراء، رؤساء، اعیان مملکت اور لشکر بھی شامل تھے۔ یہ اسرائیلی روایت محل نظر ہے کہ فرعون سولہ لاکھ شہسواروں کے ساتھ بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا جن میں سے ایک لاکھ تو صرف سیاہ رنگ کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ حضرت کعب الاحبار کا یہ کہنا بھی قابل تأمل ہے کہ ان میں سے آٹھ لاکھ سیاہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ بہر صورت یہ بنی اسرائیل کے مبالغہ آمیز اندازے ہیں۔ قرآن کریم نے ان کی تعداد کو معین نہیں کیا کیونکہ تعداد کو بیان کرنے کے ساتھ کوئی فائدہ وابستہ نہیں، البتہ یہ بتادیا کہ وہ تمام کے تمام بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے اور طلوع آفتاب کے وقت ان کے قریب پہنچ گئے۔ جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے: ہائے! ہم تو یقیناً پکڑے گئے۔ بنی اسرائیل کے حواس باختہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے سامنے ٹھاٹھیں مارتا ہوا بحر قلزم تھا اور پیچھے سے فرعونی لشکر گھیرا تنگ کئے ہوئے تھا، اس لئے وہ کہنے لگے: اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ یعنی یہ فرعونی تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمہیں لے کر یہاں آیا ہوں اور وہ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ حضرت ہارون علیہ السلام اگلے حصہ پر تھے اور آپ کے ساتھ حضرت یوشع بن نون تھے یا مومن آل فرعون۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پچھلے حصہ میں تھے۔ کئی ایک مفسرین نے بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل خوفزدہ ہو کر ٹھہر گئے، انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ وہ کیا کریں۔ حضرت یوشع یا مومن آل فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کرنے لگے کہ اے اللہ کے نبی! کیا آپ کے رب نے اسی راہ پر چلنے کا حکم دیا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ جب فرعون اپنے لشکر سمیت بالکل قریب آ گیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر پر عصا کی ضرب لگانے کا حکم دیا۔ جونہی آپ علیہ السلام نے اپنے عصا کی ضرب لگائی، سمندر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھٹ گیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ سمندر پر پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی: ”یَا مَنْ كَانَ قَبْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَ الْمُكَوِّنَ لِكُلِّ شَیْءٍ وَالْكَائِنَ بَعْدَ كُلِّ شَیْءٍ اجْعَلْ لَنَا مَخْرَجًا“ یہ دعا کرنے کی دیر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنا عصا سمندر پر مارو۔(1) قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس رات اللہ تعالیٰ نے سمندر کو یہ حکم دے دیا تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام تجھ پر اپنے عصا کی ضرب لگائیں تو ان کی سننا اور اطاعت کرنا۔ چنانچہ سمندر پوری رات مضطرب اور متلاطم خیز رہا کہ نہ معلوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کب اور کدھر سے آ کر مجھے اپنا عصا مار دیں۔ جب آپ علیہ السلام سمندر پر پہنچے تو آپ علیہ السلام کے نوجوان ساتھی حضرت یوشع بن نون نے عرض کی کہ اے نبی اللہ! اللہ تعالیٰ کا آپ کو کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سمندر کو ضرب لگانے کا حکم دیا ہے۔

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 299

انہوں نے کہا کہ پھر ایسا کر گزریئے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف وحی کی کہ جب میرے پیغمبر موسیٰ تجھ پر اپنے
عصا کی ضرب لگائیں تو پھٹ جانا۔ چنانچہ سمندر اس انتظار میں پوری رات مضطرب رہا اور اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کے خوف سے اس کی
موجیں ادھر ادھر سر ٹکراتی رہیں کہ نہ معلوم حضرت موسیٰ کب آجائیں اور مجھے اپنا عصا ماردیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب حضرت موسیٰ علیہ
السلام نے اپنا عصا مارا تو سمندر فوراً پھٹ گیا اور پانی کے ہر حصے نے ایک بڑے پہاڑ کی شکل اختیار کر لی۔ درمیان میں دروں جیسے رستے
بن گئے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بارہ رستے بن گئے اور بنی اسرائیل کے قبائل کی تعداد بھی بارہ تھی۔ سدی کہتے
ہیں کہ ہر دو رستوں کے درمیان حائل پہاڑ میں طاق بن گئے جن میں سے وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ پانی دیواروں کی طرح کھڑا ہو
گیا اور اللہ تعالیٰ نے ہوا کو بھیجا جس نے درمیان سے پانی کو خشک کر کے رستے صاف کر دیئے۔ اس ضمن میں فرمایا: فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي
الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى (طٰہٰ: 77) "عصا کی ضرب سے ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ بنالیں نہ تمہیں پیچھے سے پکڑے
جانے کا ڈر ہوگا اور نہ کوئی اور اندیشہ"۔ اور یہاں فرمایا: وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ یعنی ہم نے فرعون اور اس کے لشکر کو سمندر کے قریب کر دیا اور موسیٰ
علیہ السلام اور آپ کے پیروکار ہمراہیوں کو بچالیا، ان میں سے کوئی بھی ہلاک نہ ہوا اور فرعونی تمام کے تمام غرق کر دیئے گئے، ان میں سے
کوئی بھی زندہ باقی نہ رہا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر نکلے
تو اس کی اطلاع پا کر فرعون نے ایک بکری ذبح کرنے کا حکم دیا۔ جب بکری ذبح ہوگئی تو وہ کہنے لگا کہ اس کی کھال اترنے سے پہلے پہلے میرے
پاس چھ لاکھ قبطیوں کا لشکر جمع ہونا چاہئے۔ ادھر حضرت موسیٰ جب سمندر پر پہنچے تو آپ نے سمندر سے فرمایا کہ پھٹ جا۔ سمندر آپ
سے کہنے لگا کہ آپ کیسی تکبر آمیز باتیں کر رہے ہیں، کیا میں پہلے کسی کے لئے پھٹا ہوں کہ آپ کے لئے بھی پھٹ جاؤں۔ آپ کے ساتھ
ایک گھڑسوار شخص تھا، اس نے آپ سے پوچھا: اے اللہ کے نبی! کس جگہ کا آپ کو حکم ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے اسی سمندر کا حکم ہوا
ہے۔ وہ شخص اپنے گھوڑے سمیت سمندر میں گھس گیا پھر باہر نکل کر پوچھنے لگا کہ اے نبی اللہ! آپ کو کہاں کا حکم ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ
مجھے تو اسی سمندر کا حکم ہوا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ نہ آپ سے جھوٹ بولا گیا ہے اور نہ آپ جھوٹے ہیں۔ دوسری مرتبہ پھر اس نے اپنا گھوڑا
سمندر میں ڈال دیا۔ پھر باہر نکل کر مذکورہ سوال وجواب ہوئے۔ اب اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنا عصا سمندر
پر ماریں۔ آپ نے عصا کی ضرب لگائی تو بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لئے بارہ راستے بن گئے جہاں سے گزرتے ہوئے وہ ایک دوسرے
کو دیکھ بھی رہے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی سلامتی کے ساتھ سمندر کو عبور کر گئے اور فرعونی ان کا تعاقب کرتے ہوئے
بالکل سمندر کے اندر آ گئے تو ساکن و جامد پانی نے فوراً بہنا شروع کر دیا، اس طرح وہ تمام کے تمام غرق ہو گئے، اس دن جیسا اجتماع کبھی
نہیں دیکھا گیا۔ پھر فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً یعنی اس عجیب وغریب واقعہ میں اس بات کی قطعی دلیل موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن
بندوں کی تائید و نصرت فرماتا ہے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان کی نعمت سے محروم رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غالب اور ہمیشہ رحم فرمانے
والا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا
فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 80

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾

''اورآپ بیان فرمائیے ان کے سامنے ابراہیم کا قصہ۔ جب آپ نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی پرستش کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم تو پوجتے ہیں بتوں کو اور ہم انہی کی پوجا میں ہر وقت منہمک رہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا (بھلا یہ بتاؤ) کیا وہ سنتے ہیں تمہاری آواز جب تم انہیں پکارتے ہو۔ یا وہ تمہیں (کچھ) نفع پہنچا سکتے ہیں یا ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ انہوں نے (لاجواب ہوکر) کہا بلکہ ہم نے تو پایا اپنے باپوں کو کہ وہ یونہی کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے دیکھ لیا ان (کی بے بسی) کو جن کی تم پرستش کیا کرتے ہو۔ تم اور تمہارے گزشتہ آباؤ اجداد۔ پس وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العلمین کے''۔

یہاں سے امام الموحدین حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ اپنی امت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ سنائیں تا کہ وہ اخلاص، توکل، اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور شرک اور اہل شرک سے بیزاری میں آپ علیہ السلام کی اقتدا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچپن سے ہی دانائی اور رشد سے نوازا تھا۔ آپ نے پروان چڑھتے ہی بت پرستی کی مذمت شروع کر دی اور لوگوں کو توحید کا درس از بر کرانا شروع کر دیا۔ آپ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ یہ کیا مجسمے ہیں جن کی عبادت پر تم ڈٹے ہوئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور ہم ان کی عبادت پر سختی سے کاربند رہیں گے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے یہ بت تمہاری بات سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو یا تمہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ وہ لاجواب ہو کر اس حقیقت کا اعتراف کر کے کہ وہ ایسا کوئی کام نہیں کر سکتے، کہنے لگے: بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا.. یعنی ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ان کی پرستش کرتے ہوئے پایا اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہم نے بھی ان کی سی روش اختیار کر لی۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کی خدائی پر کاری ضرب لگاتے ہوئے فرمایا: اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ... یعنی جن بتوں کی تم اور تمہارے باپ دادا پوجا کرتے رہے، وہ بے بس اور مجبور محض ہیں۔ اگر ان کی کوئی حیثیت، تاثیر اور قدرت ہے تو وہ میرے خلاف کر گزریں، میں تو ان کا واضح دشمن ہوں، مجھے ان کی کوئی پرواہ اور فکر نہیں۔ اس طرح کا چیلنج حضرت نوح علیہ السلام نے بھی کیا تھا۔ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ (یونس:71) ''سو تم اپنے شریکوں سے مل کر کوئی متفقہ فیصلہ کر لو''۔ اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا: اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿﴾ مِنْ دُوْنِهٖ .... اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ہود:56-54)، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ (الانعام:82) ''اور میں ان سے کیسے ڈروں جنہیں تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے حالانکہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا ہے'' اور مقامات پر فرمایا: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (الممتحنہ:4)، وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً (الزخرف:27-26) ''اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم پوجا کرتے ہو بجز اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا، بے شک وہی میری رہنمائی کرے گا اور آپ نے کلمہ توحید کو باقی رہنے والا بنا دیا''۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۝ وَ الَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ ۝ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝ وَ الَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ۝ وَ الَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝

''جس نے مجھے پیدا فرمایا پھر (ہر قدم پر) وہ میری رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ جو مجھے کھلاتا بھی ہے اور مجھے پلاتا بھی ہے۔ اور جب میں بیمار ہوتا تو وہی مجھے صحت بخشتا ہے اور وہ جو مجھے مارے گا، پھر مجھے زندہ کرے گا۔ اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بخش دے گا میرے لئے میری خطا کو روز جزا کو''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو اس خدا کی عبادت کرتا ہوں جس میں مذکورہ اوصاف پائے جاتے ہیں۔ وہ نہ صرف میرا بلکہ ہر چیز کا خالق ہے۔ اس نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر کے اس کی طرف اس کی رہنمائی کر دی۔ ہر چیز مقرر کئے ہوئے اندازے کے مطابق رواں دواں ہے اور وہی جسے چاہتا ہے، ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے، پھر فرمایا کہ وہ میرا رازق بھی ہے، وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ زمین وآسمان کے تمام اسباب اسی نے مہیا کئے ہیں۔ بادلوں کا انتظام کرنا، ان سے بارش برسانا، بارش سے زمین کو زندہ کرنا اور زمین سے قسم قسم کی پیداوار اگانا اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے اور اسی نے میٹھے اور شیریں پانی کا بندوست کیا ہے جو انسانوں اور جانوروں کے پینے کے کام آتا ہے۔ پھر فرمایا: وَاِذَا مَرِضْتُ حضرت خلیل علیہ السلام کا بارگاہ والٰہی میں حسن ادب ملاحظہ ہو کہ بیماری کی نسبت اپنی طرف کی اور شفا کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف حالانکہ بیماری بھی اسی کی قضاء وقدر اور اسی کی تخلیق سے ہے، بالکل یہی راز سورۂ فاتحہ کی اس دعا اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۔ ''میں بھی ہے کہ اس میں کمال ادب کی وجہ سے انعام اور ہدایت کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اور غضب کے فاعل کو حذف کیا گیا ہے اور ضلالت کو بندوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے جیسا کہ جنات نے کہا تھا: وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (الجن: 10) ''اور ہم نہیں سمجھتے کیا زمین کے مکینوں کے بارے میں کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے یا ان کے رب نے انہیں ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے)۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: وَاِذَا مَرِضْتُ ۔ یعنی جب میں بیمار پڑتا ہوں تو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی مجھے شفا دینے پر قدرت نہیں رکھتا۔ حصول شفاء کے لئے اسی نے اسباب مقرر کئے ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا: وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ۔ یعنی موت وحیات پر بھی اسے ہی قدرت حاصل ہے۔ پہلی دفعہ بھی وہی پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی وہی لوٹائے گا اور دنیا وآخرت میں گناہوں کی بخشش پر بھی وہی قادر ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ وَ اجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝ وَ اجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ۝ وَ اغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ۝ وَ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۝ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۝

''اے میرے رب! عطا فرما مجھے علم وعمل (میں کمال) اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ۔ اور بنا دے میرے لئے سچی ناموری آئندہ آنے والوں میں۔ اور بنا دے مجھے ان لوگوں سے جو نعمت والی جنت کے وارث ہیں۔ اور بخش دے میرے باپ کو وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ اور نہ شرمسار کرنا مجھے جس روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ جس دن نہ مال کام

آئے گا اور نہ بیٹے۔ مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حکم کا سوال کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول حکم سے مراد علم ہے، عکرمہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عقل و دانش ہے، بقول مجاہد اس سے مراد قرآن ہے اور سدی کا کہنا ہے کہ اس سے مقصود نبوت ہے۔ مزید عرض کی: وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ یعنی مجھے دنیا و آخرت میں نیک لوگوں میں شامل فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی آخری وقت میں ایسی ہی دعا مانگی تھی: "اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی" (اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ میں ملا دے)، تین بار آپ نے یہ دعا کی (1)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ سے یہ دعا مروی ہے: "اَللّٰھُمَّ اَحْیِنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَمِتْنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ غَیْرَ خَزَایَا وَ لَا مُبَدِّلِیْنَ" (2)۔ یعنی اے اللہ! ہمیں اسلام پر زندہ رکھ اور اسلام کی حالت میں ہی موت دے اور بغیر رسوائی اور تبدیلی کے ہمیں نیکوکاروں کے ساتھ ملا دے۔ پھر مزید دعا کرتے ہیں: وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ۔ یعنی میرے بعد بھی لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ، لوگ مجھے اچھے لفظوں سے یاد کرتے رہیں اور نیکی میں میری پیروی کرتے رہیں جیسا کہ فرمایا: وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (الصافات: 108-110) "اور ہم نے آنے والوں میں ان کا ذکر خیر چھوڑا، سلام ہو ابراہیم پر، اسی طرح ہم نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں"۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد الثناء الحسن یعنی عمدہ تعریف ہے۔ یہ ان ارشادات کی طرح ہے: وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً (النحل: 122) "اور ہم نے انہیں دنیا میں ہر بھلائی مرحمت فرمائی"۔ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا (العنکبوت: 27) "اور ہم نے اس دنیا میں ان کو ان کا اجر عطا کیا"۔ لیث بن ابی سلیم اور عکرمہ کہتے ہیں کہ ہر ملت کے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں۔ مزید عرض کی: وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ۔ یعنی دنیا میں میرا ذکر خیر باقی رکھ کر اور آخرت میں نعمتوں بھری جنت کے وارثوں میں شامل کر کے مجھ پر انعام فرما۔ پھر اپنے باپ کی مغفرت کے لئے دعا کی: وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ، اسی طرح ایک اور مقام پر یوں دعا کی: رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ (ابراہیم: 41) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے رجوع کر لیا تھا جیسا کہ فرمایا: وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۔ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ (التوبہ: 114) "اور ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے لئے استغفار نہ تھی مگر ایک وعدہ کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا اور جب آپ پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل (اور) بردبار تھے"۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی نہ کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ کافر کے لئے استغفار جائز نہیں، باقی ہر جگہ آپ علیہ السلام کے اسوہ کو اپنانے کا حکم دیا، فرمایا: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۔ وَمَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ (الممتحنہ: 4) پھر آخر میں یہ التجا کی: وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ یعنی قیامت کے دن جب تمام مخلوقات کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، مجھے شرمسار نہ کرنا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے ملیں گے کہ اس پر غبار اور سیاہی کی آلودگی ہوگی" (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی تو آپ عرض کریں گے: اے پروردگار! تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ تو مجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے" (3)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے ملیں گے اس کا چہرہ غبار آلود ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے فرمائیں

1۔ تخریج کے لئے، دیکھئے تفسیر سورۂ یوسف: 101 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 424 3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ شعراء، جلد 6 صفحہ 139

گے کہ کیا میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی مت کرو۔ آپ کا باپ کہے گا کہ آج میں آپ کی نافرمانی نہیں کرتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: اے پروردگار! تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ تو مجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا، آج اس سے بڑھ کر اور کیا رسوائی ہوگی کہ میرا باپ تیری رحمت سے محروم ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابراہیم! اپنے پاؤں تلے دیکھو۔ آپ دیکھیں گے کہ خون میں لتھڑا ہوا ایک مقتول بجو ہے جس کے پاؤں پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ کے چہرہ پر غبار اور سیاہی دیکھیں گے تو اسے فرمائیں گے کہ میں نے تمہیں منع کیا تھا لیکن تم نے میری نافرمانی کی۔ وہ کہے گا کہ آج میں آپ کی ایک بھی نافرمانی نہیں کروں گا۔ آپ عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے کہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا۔ اگر میرا باپ تیری رحمت سے محروم رہا تو یہ بڑی رسوائی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابراہیم! میں نے کافروں پر جنت کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے باپ کو لے لے گا اور فرمائے گا: اے ابراہیم! تمہارا باپ کہاں ہے؟ آپ عرض کریں گے کہ تو نے اسے مجھ سے لے لیا ہے۔ فرمان ہوگا کہ نیچے دیکھو۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک بجو لوٹ پوٹ رہا ہے، پھر اسے پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا'' (2)۔ اس کی سند غریب ہے اور اس میں نکارت ہے۔ دراصل آپ علیہ السلام کے باپ کو اس صورت میں بدل دیا جائے گا۔ فرمایا: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ یعنی اس دن آدمی کو عذاب سے نہ مال بچا سکے گا اگر چہ وہ زمین بھر سونا فدیہ میں دے دے اور نہ بیٹے بچا سکیں گے اگر چہ وہ تمام اہل زمین کو بطور فدیہ پیش کر دے۔ اس روز صرف ایمان، اخلاص، شرک اور اہل شرک سے بیزاری ہی نفع بخش ہوگی، اس لئے فرمایا: اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ یعنی قیامت کے دن صرف وہی فلاح پائے گا جو اللہ تعالیٰ کے پاس شرک، کفر اور گناہوں کی آلودگی سے پاک دل لیکر حاضر ہوگا۔ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ قلب سلیم وہ ہے جسے یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ حق ہے، قیامت یقیناً آئے گی، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قلب سلیم وہ ہے جو ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی گواہی دے۔ مجاہد اور حسن وغیرہ کہتے ہیں کہ قلب سلیم وہ ہے جو شرک سے پاک ہو۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قلب سلیم سے مراد قلب صحیح ہے اور یہ قلب مومن ہے کیونکہ کافر اور منافق کا دل مریض ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ ابو عثمان نیشاپوری فرماتے ہیں کہ قلب سلیم وہ ہے جو بدعت سے محفوظ ہو اور سنت سے مطمئن ہو۔

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ
تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَ
الْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَ جُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَ هُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا
لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَ مَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا
مِنْ شٰفِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَ لَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 169
2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 10 صفحہ 309

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۴﴾

''اور قریب کردی جائے گی جنت پرہیزگاروں کے لئے۔ اور ظاہر کردی جائے گی دوزخ بھٹکنے والوں کے لئے۔ اور کہا جائے گا انہیں کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم پوجا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ کیا وہ تمہاری (کچھ) مدد کر سکتے ہیں یا انتقام لے سکتے ہیں۔ پس اوندھے پھینک دیئے جائیں گے اس میں وہ اور دوسرے گمراہ۔ اور ابلیس کی ساری فوجیں۔ وہ کہیں گے اس حال میں کہ وہ دوزخ میں باہم جھگڑ رہے ہوں گے۔ خدا کی قسم! ہم کھلی گمراہی میں گرفتار تھے۔ جب ہم تمہیں رب العالمین کے برابر بنائے ہوئے تھے۔ اور نہیں گمراہ کیا ہمیں مگر (ان نامی) مجرموں نے۔ تو (آج) نہیں ہے ہمارا کوئی سفارشی۔ اور نہ کوئی غم خوار دوست۔ پس اگر ہمارے اختیار میں ہوتا (دنیا میں) واپس جانا تو ہم اہل ایمان سے ہوتے۔ بے شک اس واقعہ میں (عبرت) کی نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور (اے حبیب!) بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

جنت کو خوب آراستہ اور مزین کر کے اہل تقویٰ کے قریب کر دیا جائے گا جو دنیا میں اس کے حصول کی خاطر نیک اعمال کرتے رہے اور جہنم کو ظاہر اور منکشف کر دیا جائے گا۔ اس میں سے ایک گردن نمایاں ہوگی جو دوزخیوں کی طرف لپکے گی اور اس میں سے آگ کے بھڑکنے کی ایسی خوفناک آواز سنائی دے گی کہ مارے دہشت کے دل منہ کو آئیں گے۔ اس وقت جہنمیوں کو سرزنش اور زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہا جائے گا: اَیْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ...... یعنی جن بتوں کو تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا معبود بنا رکھا تھا، وہ آج تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ وہ آج اپنی حفاظت بھی نہیں کر پائیں گے۔ تم اور وہ سب آج دوزخ کا ایندھن ہیں۔ یقیناً تمہیں اس میں جھونک دیا جائے گا۔ چنانچہ یہ بت، ان کی پرستش کرنے والے گمراہ لوگ، کفر و شرک کے سرغنے اور ابلیس کے لشکر سب اوپر تلے اوندھے کر کے جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔ اس وقت کمزور لوگ بڑے لوگوں سے جھگڑتے ہوئے انہیں کہیں گے: قَالُوْا وَ هُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ .. یعنی ہم دنیا میں تمہاری پیروی کرتے رہے، کیا آج تم ہمیں عذاب سے بچا سکتے ہو؟ وہ خود کو لعنت و ملامت کرتے ہوئے کہیں گے: اللہ کی قسم! ہم واضح گمراہی میں گرفتار تھے۔ کیونکہ ہم تمہیں رب العالمین کے مساوی اور ہم پلہ سمجھتے تھے اور تمہارے حکم کی تعمیل کو بھی اسی طرح ضروری سمجھتے تھے جس طرح رب العالمین کے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ ہمیں تو مجرموں نے گمراہ کر دیا، سو اب تو ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر ان کی اس آرزو کو یوں بیان فرمایا: فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَیَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ (الاعراف: 53) ''تو کیا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں تو وہ ہمارے لئے سفارش کریں یا ہمیں واپس بھیج دیا جائے تاکہ ہم اس کے برعکس عمل کریں جو ہم کیا کرتے تھے''۔ اسی طرح وہ کہیں گے: فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَ لَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ یعنی نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ ہی کوئی غمخوار قریبی دوست۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ انہیں علم ہوگا کہ دوست اگر صالح ہو تو نفع پہنچاتا ہے اور قریبی دوست اگر صالح ہو تو شفاعت بھی کرتا ہے۔ پھر وہ تمنا کریں گے کہ کاش انہیں ایک بار پھر دنیا میں لوٹ جانے کا موقعہ دیا جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اپنے سابقہ گناہوں کی تلافی کر سکیں لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر انہیں دنیا میں لوٹا بھی دیا جائے تو بھی یہ بداعمالیاں کریں گے اور یہ اپنے اس دعویٰ میں کہ ہم دنیا میں پلٹ کر نیک کام کریں گے، بالکل جھوٹے ہیں۔ سورۂ ص میں بھی ان دوزخیوں کے جھگڑے کو بیان کر کے فرمایا: اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ (ص: 84) ''یقیناً یہ سچ ہے دوزخی آپس میں جھگڑیں گے''۔ پھر فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ..

یعنی قوم کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظرے اور توحید پر مسکت دلائل پیش کرنے میں اللہ تعالٰی کی الوہیت اور وحدانیت پر واضح دلالت موجود ہے لیکن اکثر لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب غالب اور رحیم ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٠٨﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١١٠﴾

”جھٹلایا قوم نوح نے (اللہ کے) رسولوں کو۔ جب کہا انہیں ان کے بھائی نوح نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ بے شک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ پس اللہ تعالٰی سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ پس تم ڈرو اللہ سے اور میری پیروی کرو“۔

اللہ تعالٰی کے پیارے بندے اور رسول حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ زمین پر بت پرستی کے آغاز کے بعد آپ علیہ السلام پہلے رسول ہیں جنہیں اہل زمین کی طرف اللہ تعالٰی نے مبعوث فرمایا اور لوگوں کو بت پرستی سے منع کرنے اور اس کے خوفناک انجام سے خبردار کرنے کی ذمہ داری آپ کو سونپی لیکن آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا اور بت پرستی اور دیگر افعال خبیثہ پر ڈٹے رہے۔ اللہ تعالٰی نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کو تمام پیغمبروں کی تکذیب کے قائم مقام رکھا، اس لئے فرمایا: كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ...

حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ کیا تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہوئے ڈرتے نہیں۔ میں اللہ تعالٰی کا فرستادہ ہوں اور اللہ تعالٰی کے پیغامات پہنچانے میں امین ہوں، ان میں کمی بیشی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے اللہ تعالٰی سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس تبلیغ اور خیرخواہی پر تم سے اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ میرا اجر و ثواب تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میری صداقت، امانت اور خیرخواہی تم پر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٤﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٥﴾

”انہوں نے کہا کیا ہم (قوم کے رئیس) ایمان لائیں تجھ پر حالانکہ تمہاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں آپ نے فرمایا مجھے کیا خبر کہ وہ کس نیت سے ایمان لائے ہیں۔ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں (حقیقت کا) شعور ہے۔ اور نہیں ہوں میں دور بھگانے والا (غریب و مسکین) مومنوں کو۔ نہیں ہوں میں مگر (عذاب سے) صاف صاف ڈرانے والا“۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ پر قوم کے افراد نے آپ کو یہ جواب دیا کہ ہم نہ تم پر ایمان لائیں گے، نہ تمہاری پیروی کریں گے اور نہ ہی ان رذیل اور گھٹیا لوگوں کا سا طریقہ اپنانے کے لئے تیار ہیں جو تمہاری اتباع اور تصدیق کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: وَمَا عِلْمِيْ یعنی ان کی اتباع کرنے سے مجھ کیا نقصان ہے، مجھے تو اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ

درداء رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ مسلمانوں نے غوطہ میں بلند و بالا محلات اور وسیع باغات کی تعمیر ضرورت سے زیادہ ہی کر لی ہے تو آپ مسجد میں کھڑے ہوئے اور اہل دمشق کو بلایا۔ جب وہ آپ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد انہیں فرمایا کہ کیا تمہیں کچھ حیا نہیں، کیا تمہیں شرم نہیں آتی، تم وہ کچھ جمع کرتے ہو جسے تم کھا نہیں سکتے، تم وہ مکانات تعمیر کرتے ہو جن میں تمہیں رہنا نہیں اور تم ایسی آرزوئیں کرتے ہو جن کا برآنا محال ہے۔ تم سے پہلے بھی ایسے لوگ ہو گزرے ہیں جو مال و دولت سنبھال سنبھال کر رکھا کرتے تھے، پختہ اور بلند و بالا عمارات تعمیر کیا کرتے تھے اور لمبی لمبی امیدیں باندھتے تھے لیکن ان کی امیدیں دھوکہ کا شکار ہو کر خاک میں مل گئیں، ان کی جمع پونجی برباد ہو گئی اور ان کی رہائش گاہیں اجڑ گئیں۔ سنو! قوم عاد عدن سے لے کر عمان تک گھوڑوں اور اونٹوں کی مالک تھی، پس کون ہے جو عاد کی میراث کو دو درہم کے بدلے خریدنے کے لئے تیار ہو؟ پھر ان کی قوت و سطوت، سنگدلی اور بے دردی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ اِذَا بَطَشْتُمْ... پھر انہیں خوف خدا اور اپنی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَ اتَّقُوا الَّذِیْ... آخر میں آپ نے انہیں صاف صاف بتا دیا کہ اگر تم تکذیب اور مخالفت پر ڈٹے رہے تو بڑے دن کا عذاب تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ آپ نے ترغیب اور ترہیب دونوں طرح سے انہیں سمجھایا لیکن وہ کسی اسلوب سے بھی متاثر نہ ہوئے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿١٣٦﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣٧﴾ وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٤٠﴾

''انہوں نے کہا یکساں ہے ہمارے لئے خواہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہوں آپ نصیحت کرنے والوں سے۔ نہیں ہے یہ (محلات کا شوق) مگر ہمارے اسلاف کا دستور۔ (آپ فکر نہ کریں) ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ پس انہوں نے آپ کو جھٹلایا اس لئے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ بے شک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بے شک آپ کا رب ہی سب پر غالب، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

حضرت ہود علیہ السلام کی تحذیر، انذار، ترغیب، ترہیب اور بیان حق کے جواب میں آپ کی قوم ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگی: سَوَآءٌ عَلَيْنَآ... یعنی ہم اپنی روش سے بالکل باز نہیں آئیں گے، جیسا کہ ایک اور جگہ بیان کیا: وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَ مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ (ہود:53) ''اور ہم تمہارے کہنے سے اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں''۔ کافروں کا معاملہ بالکل اسی طرح ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (البقرۃ:6) ''بے شک جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے، ان کے لئے یکساں ہے چاہیں آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔ اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ (یونس:96) ''بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔ بعض حضرات نے اس آیت کریمہ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ میں لفظ خلق کو خاء کی زبر اور لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ جو باتیں تم ہمیں کہتے ہو، یہ پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے ہیں جیسا کہ مشرکین قریش نے کہا تھا: وَ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰى عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا (الفرقان:5) ''اور کفار نے کہا یہ تو پہلے لوگوں

کے افسانے ہیں جنہیں اس شخص نے لکھالیا ہے۔ پھر یہ اسے صبح و شام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں"۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (الفرقان:5-4) " اور کفار کہنے لگے کہ یہ (قرآن) نہیں ہے مگر محض بہتان جو اس نے گھڑ لیا ہے اور اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے اس کی مدد کی ہے۔ سو انہوں نے بڑا ظلم کیا اور سفید جھوٹ بولا اور کہنے لگے یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں"۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (النحل:24) " اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا ہے تو کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے"۔ بعض دوسرے حضرات نے خُلُق خاء اور لام دونوں کی پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی ہوگا دین اور دستور۔ یعنی یہ ہمارے آباؤ اجداد کا دین اور دستور ہے، اسی پر ہم کاربند ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہی کی اتباع کر رہے ہیں۔ ان کی طرح ہم جی رہے ہیں اور جس طرح وہ مر گئے، اسی طرح ہم بھی مر جائیں گے۔ اس کے بعد نہ ہمیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائیگا اور نہ قیامت ہوگی۔ انکار قیامت کے اسی عقیدہ کے پیش نظر وہ کہتے تھے: وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ یعنی ہمیں کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا: فَكَذَّبُوْهُ ... یعنی وہ لگاتار اللہ کے نبی حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب، مخالفت اور عناد پر ڈٹے رہے جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں نیست و نابود کر دیا۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت تند و تیز اور شدید ٹھنڈی آندھی کے ذریعے ہلاک کر دیا۔ چونکہ یہ بڑے سرکش اور جابر تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر ان سے بھی زیادہ سرکش اور قوی چیز مسلط کی جیسا کہ فرمایا: اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۙ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (الفجر:7-6) " کیا آپ نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد ارم کے ساتھ جو اونچے ستونوں والے تھے"۔ اس سے مراد عاد اولی ہے جیسا کہ فرمایا: وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ۨ الْاُوْلٰی (النجم:50) " اور یہ کہ اسی نے عاد اول کو ہلاک کیا" یہ ارم بن سام بن نوح کی نسل سے تھے۔ چونکہ یہ "عمد" میں سکونت پذیر تھے اس لئے انہیں ذات العماد کہا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ارم ان کے شہر کا نام تھا لیکن یہ اسرائیلی روایت ہے جس کی کوئی اصل نہیں، اس لئے فرمایا: الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ (الفجر:8) یعنی قوت، شدت اور جبروت میں ان جیسا کوئی اور قبیلہ پیدا نہیں کیا گیا۔ اگر ارم سے مراد شہر ہوتا تو آیت کے الفاظ یہ ہوتے: "الَّتِیْ لَمْ یُبْنَ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ " یعنی اس جیسا کوئی اور شہر نہیں بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ... وَكَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ (حم السجدة:15) ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نتھنے کی مقدار ہوا ان پر چھوڑی تھی، پھر بھی یہ محافظ فرشتوں سے بے قابو ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس زوردار آندھی نے ہر چیز نیست و نابود کر دی جیسا کہ فرمایا: تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا (الاحقاف:25) " وہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تہس نہس کر دے گی"۔ تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا ...... فَتَرَی الْقَوْمَ فِیْهَا صَرْعٰی ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَةٍ (الحاقہ:7-6) یعنی ایسی شدت کی تند و تیز اور منہ زور آندھی چلی جس نے تمام قوم کے سر اور دھڑ الگ الگ کر دیئے۔ ہوا ان میں سے ایک شخص کو اٹھا کر اوپر فضا میں بلند کرتی، پھر اسے زور سے سر کے بل زمین پر دے مارتی جس سے اس کا سر پھٹ جاتا۔ وہ ہلاک و برباد ہو کر یوں بے سدھ پڑے تھے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے۔ باوجودیکہ انہوں نے پہاڑوں، قلعوں، غاروں اور مورچوں میں پناہ لے رکھی تھی، پھر بھی آندھی سے نہ بچ سکے کیونکہ جب اجل آجائے تو اسے ٹالا نہیں جاسکتا۔ اس لئے فرمایا: فَكَذَّبُوْهُ ... ۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿١٤١﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾ اِنِّیْ لَكُمْ

رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾

''جھٹلایا قوم ثمود نے رسولوں کو۔ جب کہا انہیں ان کے بھائی صالح علیہ السلام نے کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے۔ میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ سوڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی معاوضہ میرا معاوضہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اور رسول حضرت صالح علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ آپ کو اپنی قوم ثمود کی طرف مبعوث کیا گیا۔ یہ لوگ عرب تھے اور وادی القریٰ اور ملک شام کے درمیان واقع حجر نامی شہر کے باشندے تھے، ان کے مکانات معروف اور مشہور ہیں۔ سورۃ اعراف کی تفسیر میں ہم وہ احادیث بیان کر چکے ہیں جن میں مذکور ہے کہ شام جاتے وقت رسول اللہ ﷺ کا گزر ان کی اجڑی ہوئی بستیوں سے ہوا تھا، وہاں سے ہوتے ہوئے آپ ﷺ تبوک پہنچے، پھر مدینہ واپس پلٹے۔ یہ عاد کے بعد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہوئے ہیں۔ ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور اپنی اطاعت کی دعوت دی لیکن انہوں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور تکذیب و مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں یقین دلایا کہ میں اس دعوت و تبلیغ سے مالی منفعت حاصل کرنے کا خواہشمند نہیں بلکہ میری اس تگ و دو اور جان سوزی کا بدلہ میرے پروردگار کے ذمہ ہے۔ پھر آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں یاد دلائیں جو اس نے انہیں عطا کر رکھی تھیں(1)۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَ لَا تُطِیْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَ لَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

''کیا تمہیں رہنے دیا جائے گا اس (عیش و طرب) میں جس میں تم یہاں ہو امن سے، ان باغات میں اور چشموں اور (شاداب) کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جن کے شگوفے بڑے نرم و نازک ہیں۔ اور تراشتے رہو گے پہاڑوں میں گھر ماہر (سنگتراش) بنتے ہوئے۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میرا اتباع کرو۔ اور نہ پیروی کرو حد سے بڑھنے والوں کے حکم کی۔ جو فساد برپا کرتے رہتے ہیں زمین میں اور اصلاح (کی کوشش) نہیں کرتے''۔

حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کو وعظ و نصیحت فرما رہے ہیں، انہیں عذاب الٰہی سے خبردار کر رہے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلا رہے ہیں کہ اس نے انہیں وافر رزق عطا فرمایا، ہر قسم کے خطرات سے امن بخشا، ان کے لئے پھلوں سے لدے ہوئے باغات پیدا کئے، ان کیلئے چشمے جاری کر دیئے اور ان کیلئے کھیتیوں اور پھلوں کا بندوبست کیا۔ مزید برآں کھجور کے ایسے درخت پیدا کر دیئے جن کے شگوفے نرم و نازک ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ھضیم کا معنی ہے پکی ہوئی۔ ایک دوسری روایت میں آپ سے اس کا معنی تر و تازہ اور شاداب منقول ہے۔ ایک اور روایت میں آپ سے ہی منقول ہے کہ کھجور کے خوشے جب پک کر جھک جائیں تو انہیں

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف: 73-79

ہضیم کہتے ہیں۔ ابوالعلاء نے اس کا معنی بتایا ہے تہہ بہ تہہ پختہ کھجوریں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کھجور ہے جو خشک ہونے کے بعد ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے۔ ایک اور روایت میں مجاہد فرماتے ہیں کہ پختہ کھجور کو ہضیم اور خشک کھجور کو ہشیم کہتے ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ کھجوروں کی کثرت کی وجہ سے جو خوشہ بوجھل ہو جائے اسے ہضیم کہا جاتا ہے۔ مرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ سرسبز خوشہ ہے جس کی کھجوریں بکھری ہوئی ہوں۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کھجور ہے جس کی گٹھلی نہ ہو۔ ابوصخر کا کہنا ہے کہ ہضیم اس بند شگوفے کو کہتے ہیں جس کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ چمٹے ہوئے ہوں۔ اس کے بعد فرمایا: وَتَنْحِتُوْنَ حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ فارھین کا معنی ہے ماہر بنتے ہوئے۔ ایک اور روایت میں آپ سے اس کا معنی مغرور و سرکش منقول ہے۔ بہر صورت ان دونوں معانی کے درمیان کوئی منافات اور تضاد نہیں کیونکہ وہ غرور و سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغیر کسی ضرورت کے بے فائدہ پہاڑوں میں گھر تراشتے تھے اور سنگتراشی اور نقش و نگار کے فن میں انہیں بڑی مہارت حاصل تھی۔ ان کے ہاتھوں سے بنے ہوئے گھر ان کے فن کی منہ بولتی تصویر ہیں اور جس نے ان کے بنائے ہوئے گھروں کو دیکھا ہے، اسے اس بارے میں اچھی طرح معلوم ہے۔ انہیں نمود و نمائش، اسراف اور اظہار شان و شوکت سے منع کرتے ہوئے فرمایا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۔ یعنی تمہیں اس بے فائدہ شغل کی بجائے اپنے خالق اور رازق رب کی عبادت اور تسبیح کرنی چاہئے اور اسی کی وحدانیت کا اقرار کرنا چاہئے تاکہ تمہیں دنیا و آخرت میں نفع حاصل ہو اور تم اپنے روساء اور زعماء کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد بپا کرتے ہیں اور اصلاح کی کوشش نہیں کرتے بلکہ شرک، کفر اور مخالفت حق کی دعوت دیتے ہیں۔

قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٥٩﴾

”جواب ملا (اے صالح!) تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔ نہیں ہو تم مگر ایک انسان ہماری مانند۔ ورنہ لاؤ کوئی معجزہ اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔ فرمایا یہ ایک اونٹنی ہے ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقررہ دن تمہاری باری ہے۔ اور نہ پہنچانا اسے کوئی اذیت ورنہ آلے گا تمہیں بڑے دن کا عذاب۔ ان (بدبختوں) نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر ہو گئے ندامت (و افسوس) کرنے والے پس آ لیا انہیں عذاب نے۔ بے شک اس واقعہ میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بے شک آپ کا رب ہی عزیز رحیم ہے“۔

حضرت صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو پروردگار عالم کی عبادت کی دعوت دی تو وہ جواب میں کہنے لگے: اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ یعنی تم ان میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا معنی بیان کیا ہے کہ تم مخلوق میں سے ہو یعنی مسحرین سے مراد وہ ہیں جن کا سحر (پھیپھڑا) ہو لیکن زیادہ ظاہر معنی پہلا ہی ہے یعنی تمہاری ان باتوں سے محسوس ہوتا ہے کہ تم پر جادو کیا

گیا ہے اور تم میں عقل نہیں۔ پھر کہنے لگے: "مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا" یعنی تم بھی ہماری مانند بشر ہی ہو، اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ تم پر وحی اترے اور ہم اس سے محروم رہیں جیسا کہ ایک دوسری جگہ یوں ان کا قول مذکور ہے: ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ (القمر:26-25) "کیا ہم سب میں سے اس پر وحی اتاری گئی ہے؟ بلکہ وہ بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے، کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا اور شیخی باز ہے"۔ پھر انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی صداقت کو پرکھنے کی لئے معجزہ کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے تجویز دی کہ ابھی اس چٹان سے ان ان صفات کی حامل دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے پختہ عہد لے لیا کہ اگر ان کے مطالبہ پر ان کی تجویز کردہ نشانی دکھادی گئی تو انہیں ایمان لانا ہوگا اور آپ علیہ السلام کی اتباع کرنا ہوگی۔ جب انہوں نے پختہ عہد کر لیا تو اللہ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام اٹھے، نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا، اسی وقت وہ چٹان پھٹی اور ان کی مطلوبہ اونٹنی اس میں سے برآمد ہوگئی۔ یہ معجزہ دیکھ کر کچھ لوگ ایمان لے آئے لیکن اکثر کفر پر ہی ڈٹے رہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: هٰذِهٖ نَاقَةٌ یعنی یہ ایک اونٹنی ہے، ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک دن تمہاری باری مقرر ہے۔ خبردار! اس اونٹنی کو اذیت نہ پہنچانا ورنہ سخت عذاب سے دوچار ہو جاؤ گے۔ ایک عرصہ تک اونٹنی ان کے سامنے چرتی چگتی اور اپنی باری پر پانی پیتی رہی اور یہ لوگ اس کے دودھ سے سیر ہوتے رہے لیکن طویل عرصہ گزر جانے کے بعد ان کی بدبختی نے انہیں آ گھیرا اور ان سب نے متفقہ طور پر اونٹنی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اس کے نتیجہ میں انہیں سخت ندامت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ عذاب الٰہی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سخت زلزلہ اور خوفناک چیخ کے باعث ان کے دل اڑ گئے۔ ان پر وہ آفت آ پڑی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اور سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے۔ اس واقعہ میں عبرت کی نشانی ہے لیکن اکثر لوگ پھر بھی ایمان لانے پر آمادہ نہیں اور آپ کا رب ہی عزیز رحیم ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۣالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٦٠﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٦١﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٦٣﴾ وَمَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٤﴾

" جھٹلایا قوم لوط نے اپنے رسولوں کو۔ جب کہا ان سے ان کے بھائی لوط (علیہ السلام) نے کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے! بے شک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو۔ اور میں نہیں مانگتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ۔ میرا معاوضہ تو اس کے ذمہ ہے جو رب العالمین ہے"۔

اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ آپ لوط بن ہاران بن آزر ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں ہی ایک بہت بڑی امت کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ لوگ سدوم اور اس کے گرد و نواح میں آباد تھے، ان کی بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا اور یہاں ایک بدبودار گندے اور خبیث پانی کی جھیل وجود میں آئی۔ یہ بلاد غور میں ابھی تک مشہور ہے جو کہ بیت المقدس اور کرک و شوبک کے درمیان واقع ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور اپنی اطاعت کی دعوت دی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس فعل شنیع (اغلام بازی)

سے باز آجانے کا حکم دیا جس کی پہلے مثال نہیں ملتی۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّيْ
لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَ اَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ۙ
اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ۚ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ۚ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ
الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾

''کیا تم بدفعلی کے لئے جاتے ہو مردوں کے پاس ساری مخلوق سے۔ اور چھوڑ دیتے ہو جو پیدا کی ہیں تمہارے لئے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں۔ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔ وہ (غصہ سے) کہنے لگے (خاموش!) اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو تمہیں ضرور ملک بدر کردیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا (سن لو!) میں تمہارے اس (گندے) فعل سے بیزار ہوں۔ میرے مالک! نجات دے مجھے اور میرے اہل وعیال کو اس (کی شامت) سے جو وہ کرتے ہیں۔ سو ہم نے نجات دے دی اسے اور اس کے سب اہل کو۔ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے نام ونشان مٹا دیا دوسروں کا۔ اور ہم نے برسائی ان پر (پتھروں کی) بارش۔ پس بڑی تباہ کن تھی وہ بارش جو برسی ان پر جنہیں ڈرایا گیا (اور وہ باز نہ آئے) بےشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بلاشبہ (اے محبوب!) آپ کا پروردگار ہی عزیز رحیم ہے''۔

جب اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بدکاری کے ارتکاب اور مردوں کے ساتھ بدفعلی کرنے سے منع کیا اور حلال طریقے سے انہیں اپنی بیویوں سے خواہش پوری کرنے کی تلقین کی تو وہ بہت برہم ہوئے اور جواب میں کہنے لگے: لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ ۔ یعنی اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں ملک بدر کردیں گے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ (النمل:56) ''پس نہیں تھا آپ کی قوم کا جواب بجز اس کے کہ انہوں نے کہا آل لوط کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ لوگ بڑے پاکباز بنے پھرتے ہیں''۔ جب یہ بدطینت اپنی بدکاری اور گمراہی سے باز آنے پر تیار نہ ہوئے تو حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ یعنی مجھے تمہارے اس گندے فعل سے سخت نفرت ہے، نہ مجھے یہ پسند ہے اور نہ ہی میں اس پر راضی ہوں۔ میں تم سب سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ پھر آپ نے ان کے خلاف بددعا کرتے ہوئے عرض کی: رَبِّ نَجِّنِيْ...... اسے قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَنَجَّيْنٰهُ یعنی ہم نے آپ کو اور آپ کے سب گھرانے کو بچا لیا بجز آپ کی بڑھیا بیوی کے۔ جس نے اپنی قوم کا ساتھ دیا اور ان کے ساتھ ہی برباد ہوگئی۔ سورۂ اعراف، سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں یہ واقعہ بالتفصیل بیان ہوا ہے۔ آپ رات کے وقت اپنی بیوی کے سوا باقی تمام اہل خانہ کو لے کر نکلے۔ آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ بستی سے نکلتے وقت جب قوم پر عذاب نازل ہوگا تو ان کی چیخ وپکار سن کر پیچھے پلٹ کر ان کی طرف نہ دیکھنا۔ چنانچہ انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور

بستی سے نکل گئے، پھر ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی جس نے ان تمام نابکاروں کو برباد کر دیا، اسی لئے فرمایا: ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ..... ۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾

”جھٹلایا اہل ایکہ نے بھی (اپنے) رسولوں کو۔ جب فرمایا انہیں شعیب (علیہ السلام) نے کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے۔ بیشک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی اجر۔ میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جو سارے جہانوں کو پالنے والا ہے“۔

صحیح بات یہی ہے کہ اصحاب ایکہ اور اہل مدین ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام انہی میں سے تھے۔ یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کو اخوھم یعنی ان کا بھائی نہیں کہا گیا کیونکہ ان کی نسبت ایکہ کی طرف کی گئی ہے جس کی یہ عبادت کیا کرتے تھے۔ درختوں کے گھنے اور گنجان جھنڈ کو ایکہ کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ایکہ کا معنی درخت ہے۔ چونکہ یہ ایکہ کے پجاری تھے اس لئے جس طرح دیگر پیغمبروں کو ان کی قوموں کا بھائی کہا گیا ہے، اس طرح حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کا بھائی نہیں کہا گیا حالانکہ آپ ان کے نسبی بھائی تھے۔ بعض لوگ جو اس بات کو نہیں سمجھ سکے، وہ کہتے ہیں کہ اصحاب ایکہ اور اہل مدین دو الگ الگ قومیں تھیں اور ان دونوں کی ہدایت کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ بعض حضرات نے تو یہ بھی کہا ہے کہ آپ کو ان کے علاوہ ایک تیسری امت کی طرف بھی بھیجا گیا تھا۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو دو مرتبہ مبعوث نہیں فرمایا سوائے حضرت شعیب علیہ السلام کے۔ ایک مرتبہ آپ کو اہل مدین کی طرف بھیجا گیا۔ انہوں نے آپ کی تکذیب کی تو انہیں سخت چنگھاڑ سے برباد کر دیا گیا۔ دوسری مرتبہ آپ کو اصحاب ایکہ پر مقرر کیا گیا جن پر تکذیب کے باعث چھتری والے دن کا عذاب نازل ہوا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اصحاب الرس سے بھی قوم شعیب مراد ہے اور اصحاب الایکہ سے بھی قوم شعیب۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اصحاب ایکہ اور اہل مدین ایک ہی قوم ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قوم مدین اور اصحاب ایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا“۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا مرفوع ہونا محل نظر ہے۔ صحیح یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ موقوف ہے۔ بہر صورت صحیح بات یہی ہے کہ دونوں سے مراد ایک ہی امت ہے اور دونوں جگہ ان کا الگ الگ وصف بیان ہوا ہے۔ دونوں جگہ حضرت شعیب علیہ السلام کا وعظ ایک جیسا ہے جس میں آپ نے انہیں ناپ تول درست کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں سے مراد ایک ہی امت ہے۔

اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَ اتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۸۴﴾

”پورا کیا کرو ناپ اور نہ ہو جاؤ کم ناپنے والوں سے۔ اور وزن کیا کرو صحیح ترازو سے۔ اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں

اور نہ پھرا کرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ اور ڈرو اس سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور (تم سے) پہلی مخلوق کو"۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں ناپ تول درست کرنے کا حکم دیتے ہوئے اور ان میں کمی کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: اَوْفُوا الْكَيْلَ ... یعنی جب تم لوگوں کو ان کے حقوق ناپ کر دینے لگو تو بغیر کمی کئے پورے پورے حقوق دیا کرو، اسی طرح جب تم اپنا حق لینے لگو تو بھی زیادہ نہیں بلکہ پورا پورا حق لیا کرو۔ جس طرح تم حق دیتے ہو اسی طرح لو، اور جس طرح لیتے ہو، اسی طرح دو اور صحیح ترازو کے ساتھ وزن کیا کرو۔ قسطاس کا معنی ہے ترازو۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ معرب ہے اور اصل میں رومی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے عدل۔ اپنے وعظ میں مزید فرمایا: وَلَا تَبْخَسُوا۔ یعنی لوگوں کو ان کی اشیا کم کر کے نہ دو اور زمین میں فساد برپا نہ کرتے پھرو یعنی ڈاکہ زنی، قزاقی اور رہزنی نہ کرو جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ (الاعراف:86) "اور مت بیٹھا کرو راستوں پر کہ تم (راہ گیروں کو) ڈرا رہے ہو"۔ آخر میں آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت سے ڈرایا اور فرمایا: وَاتَّقُوا الَّذِيْ۔ یعنی اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کو پیدا کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی طرح فرمایا تھا: رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ (الشعراء:26) "جبلة" کا معنی ہے مخلوق جیسا کہ اس آیت میں ہے: وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا (یٰسین:62) "اور شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا"۔

قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ وَمَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّيْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

"انہوں نے (جھلا کر) کہا تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے اور نہیں ہو تم مگر ایک بشر ہماری مانند اور ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔ (ہم تمہاری بات نہیں مانتے) لو اب گرا دو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر تم راست بازوں میں سے ہو۔ آپ نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ سو انہوں نے جھٹلایا شعیب علیہ السلام کو تو پکڑ لیا انہیں چھتری والے دن کے عذاب نے۔ بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا۔ بے شک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور یقیناً آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو وہی جواب دیا جو جواب قوم ثمود نے اپنے رسول کو دیا تھا، کہنے لگے: اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ .... یعنی تم پر جادو کر دیا گیا ہے اور تم ہماری مثل بشر ہی تو ہو۔ ہمارے خیال کے مطابق تم دعویٰ رسالت میں جھوٹے ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہی نہیں۔ اگر تم واقعی سچے ہو تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو۔ سدی کہتے ہیں کہ "کسف" کا معنی عذاب ہے۔ قریش نے بھی اسی طرح کہا تھا: وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ... اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِيْلًا (بنی اسرائیل:90-92)، وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ

عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (الانفال:32) ''اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے واقعی سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا''۔ جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی آگاہ ہے۔ اگر تم عذاب کے مستحق ہوئے تو وہ ضرور تمہیں عذاب میں مبتلا کرے گا اور وہ تم پر ظلم نہیں کرے گا۔ چنانچہ ان کا تجویز کردہ عذاب ان پر نازل ہوا اور انہیں ان کی بداعمالیوں کی پوری پوری سزا مل گئی، اس لئے فرمایا: فَكَذَّبُوْهُ۔ یعنی وہ اسی نوعیت کے عذاب سے دوچار ہوئے جس کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت گرمی سے دوچار کر دیا، وہ سات دن شدید حرارت میں تپتے رہے، کوئی سایہ انہیں میسر نہ تھا، پھر ایک بادل آیا اور ان پر سایہ فگن ہو گیا، وہ سبھی لپکے اور سورج کی تمازت سے بچنے کے لئے اس بادل تلے جمع ہونے لگے۔ جب وہ سب کے سب اس بادلے تلے جمع ہو گئے تو ان پر آگ کے شعلے اور انگارے برسنے لگے، ساتھ ہی زمین زور زور سے جھٹکے کھانے لگی اور ایسی دلدوز اور بھیانک چیخ سنائی دی کہ ان کی جان نکل گئی اور وہ سب ہلاک ہو گئے اس لئے فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔ اللہ تعالیٰ نے تین مقامات پر ان کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے اور ہر مقام پر اس عذاب کا ذکر کیا ہے جو سیاق کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ سورۂ اعراف میں زلزلہ کے ذریعہ انہیں ہلاک کرنے کا ذکر ہے۔ انہوں نے کہا تھا: لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا (الاعراف:88) ''اے شعیب! ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے یا تمہیں ہماری ملت میں لوٹ آنا ہو گا''۔ چونکہ انہوں نے اہل ایمان کو جلاوطنی کی دھمکی دے کر پریشان کیا تھا اس لئے وہ زلزلہ میں دھر لئے گئے، فرمایا: فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (الاعراف:78) ''پس انہیں زلزلہ کے جھٹکوں نے آلیا تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے''۔ سورۂ حجر میں فرمایا: فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ (الحجر:83) ''پس انہیں ایک چنگھاڑ نے پکڑ لیا''، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے اور نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا: اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ (ہود:87) ''کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم انہیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے یا نہ تصرف کریں اپنے مالوں سے جیسے ہم چاہیں بس تم ہی دانا اور نیک ہو''۔ اس لئے مناسب یہی تھا کہ انہیں سخت چنگھاڑ میں مبتلا کر کے خاموش کر دیا جائے اور یہاں انہوں نے سرکشی اور عناد کے باعث کہا تھا: فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اس لئے یہ اس بات کے سزاوار تھے کہ ان پر وہی عذاب آئے جسے وہ محال سمجھتے تھے، اس لئے فرمایا: فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سات دن شدید گرمی مسلط کئے رکھی یہاں تک کہ انہیں کوئی سایہ دار چیز نہیں ملتی تھی۔ سات دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک ابر نمودار ہوا۔ ایک آدمی اس کے نیچے پہنچا تو اسے ٹھنڈک اور راحت محسوس ہوئی۔ اس نے اپنی قوم کو اس کی خبر دے کر بلا لیا۔ جب سبھی اس کے نیچے جمع ہو گئے تو اس بادل میں سے آگ برسنے لگی (1)۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سائبان بھیجا۔ جب وہ اس کے نیچے اکٹھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سائبان ہٹ گیا اور سورج نے ان پر ایسی آگ برسائی کہ سب جل کر خاکستر ہو گئے۔ (2) محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ اہل مدین تین قسم کے عذاب میں مبتلا ہوئے، سب سے پہلے زلزلہ آیا جس سے خوفزدہ ہو کر وہ اپنے گھروں سے باہر نکل گئے۔ گھروں سے نکل کر باہر جمع ہوئے ہی تھے کہ شدید گھبراہٹ اور خوف محسوس کرنے لگے، وہاں سے بھاگے لیکن گھروں میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ اسی اثناء

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 320
2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 111

میں ابر کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا۔ ایک آدمی اس کے نیچے گیا تو اسے ٹھنڈک اور راحت محسوس ہوئی۔ اس نے آواز دے کر سب کو بلا لیا۔ جب وہ تمام اس ابر کے نیچے جمع ہو گئے تو اچانک ایک جان لیوا چیخ سنائی دی جس کی وجہ سے وہ تمام کے تمام مر گئے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت کڑک اور شدید گرمی بھیجی جس سے ان کے سانس گھٹنے لگے، وہ گھبرا کر باہر بھاگے۔ جب سب کے سب باہر جمع ہو گئے تو ایک بدلی نمودار ہوئی جس نے ان پر سایہ کر دیا۔ انہیں بہت ٹھنڈک اور لذت محسوس ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب پر آگ برسا کر انہیں خاکستر کر دیا۔ یہی سائبان والے بھاری دن کا عذاب تھا (2)۔ اس واقعہ میں عبرت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے لیکن اکثر لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب کافروں سے انتقام لینے پر غالب ہے اور اپنے مومن بندوں پر مہربان ہے۔

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ﴿۱۹۵﴾

"اور بلاشبہ یہ کتاب رب العالمین کی اتری ہوئی ہے۔ اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبریل علیہ السلام) آپ کے قلب (منیر) پر تاکہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے۔ یہ ایسی عربی زبان میں ہے جو بالکل واضح ہے"۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب عظیم کا ذکر فرما رہا ہے جو اس نے اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی کہ یہ وہی قرآن کریم ہے جس کا ذکر اس سورت کے آغاز میں کرتے ہوئے فرمایا گیا تھا: "وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُحْدَثٍ ....." فرمایا کہ یہ قرآن کریم رب العالمین نے روح الامین یعنی جبریل علیہ السلام کے ذریعے آپ کے قلب انور پر اتارا ہے۔ متعدد سلف کا کہنا ہے کہ روح الامین سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس فرمان کی طرح ہے: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ (البقرہ: 97) "فرمائیے جو جبریل علیہ السلام کا دشمن ہو (اسے معلوم ہونا چاہئے) کہ اس نے اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر قرآن اتارا ہے جو اس سے پہلے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے"۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس سے روح الامین کلام کرے، اسے زمین نہیں کھاتی۔ فرمایا: عَلٰى قَلْبِكَ۔ یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! اس معزز، امین، جلیل القدر اور فرشتوں کے سردار فرشتے نے آپ کے قلب منیر پر یہ قرآن کریم اتارا ہے جو ہر قسم کی آلودگی اور کمی بیشی سے پاک ہے۔ اس کے اتارنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اس کے ساتھ ان لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں جو اس کی مخالفت اور تکذیب کرتے ہیں اور ان اہل ایمان کو خوشخبری دیں جو اس کی اتباع کرتے ہیں۔ فرمایا: بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ یعنی ہم نے یہ قرآن کریم فصیح، بلیغ، جامع اور کامل عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ یہ ہر ایک کے لئے واضح، سہل، عذر ختم کرنے والا اور اتمام حجت کرنے والا ہو۔ ایک دن گھٹا ٹوپ بادل چھائے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یہ بادل کے لمبے لمبے ٹکڑے جمع ہوتے ہوئے تمہیں کیسے لگتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کی کہ ان کا تہہ بہ تہہ جمع ہونا بہت خوب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان تھمے ہوئے بادلوں کے چوڑے ٹکڑوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ عرض کی کہ کیا ہی خوبصورت اور سختی سے برقرار ہیں۔ فرمایا: ان کا چلنا تمہیں کیسا لگتا ہے؟ عرض کی کہ بہت خوب اور کیا ہی یہ شدید سیاہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ان کے گول گول ٹکڑوں کو گھومتے ہوئے کیسا پاتے ہو؟ عرض کی: یہ کس قدر خوبصورت اور کس قدر شدت سے گھومتے ہیں۔ فرمایا: تم بجلی کو جا بجا چمکتے ہوئے ٹھہر کر چمکتے ہوئے یا سیدھا

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 319 2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 110، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 320، مستدرک حاکم، کتاب التاریخ جلد 2 صفحہ 598-599

اس لئے ان کی اس روش پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے اور انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ، اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: وَ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ (الحج: 47) پھر فرمایا: اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ ۔ یعنی اگر ہم کچھ عرصے کے لئے انہیں مہلت دے دیں پھر ان کے پاس وہ عذاب آجائے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا تو انہیں ان کا مال ومتاع کیا فائدہ پہنچائے گا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَهَا لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰىهَا (النازعات: 46) ''گویا وہ جس روز اسے دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح''۔ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَ مَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ (البقرۃ: 96) ''ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اسے ہزار سال زندہ رہنے دیا جائے اور (اتنی مدت) جیتے رہنا اسے عذاب سے نہیں بچا سکتا''۔ وَ مَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى (اللیل: 11) ''اور اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا جب وہ ہلاک ہوگا''۔ اس لئے فرمایا: مَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ ... حدیث پاک میں آتا ہے: ''کافر کو جہنم میں ایک غوطہ دیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو نے کبھی بھلائی دیکھی؟ کیا تو نے کبھی نعمت پائی؟ وہ کہے گا: اے پروردگار! اللہ کی قسم نہیں۔ پھر ایک اور شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ مصیبت زدہ تھا۔ اسے ایک دفعہ جنت میں سے گزارا جائے گا، پھر اس سے سوال ہوگا کہ کیا تو نے کبھی کوئی مصیبت دیکھی؟ وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! اللہ کی قسم نہیں (1)۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

كَاَنَّكَ لَمْ تُوْتَرْ مِنَ الدَّهْرِ لَیْلَةً اِذَا اَنْتَ اَدْرَكْتَ الَّذِیْ اَنْتَ تَطْلُبُ (2)

یعنی جب تم نے اپنے مطلوب کو پالیا تو گویا تمہیں کسی تکلیف کا سامنا کرنا ہی نہیں پڑا۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے عدل کی بابت خبر دیتا ہے کہ اس نے اتمام حجت، ازالۂ عذر اور بعثت انبیاء سے پہلے کسی امت کو ہلاک نہیں کیا، اس لئے فرمایا: وَ مَاۤ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ ۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل: 15) ''اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں''۔ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى یَبْعَثَ فِیْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۚ ... وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ (القصص: 59)۔

وَ مَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّیٰطِیْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لَهُمْ وَ مَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾

''اور نہیں اترے اس قرآن کو لے کر شیاطین۔ اور نہ یہ ان کے لئے مناسب ہے اور نہ ہی وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ انہیں (شیطانوں کو) تو اس کے سننے سے بھی محروم کر دیا گیا ہے''۔

بتایا جا رہا ہے کہ یہ کتاب عزیز جس کی طرف باطل راہ نہیں پا سکتا اور جو حکیم وحمید ذات کی نازل کردہ ہے، اسے روح الامین اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں نہ کہ شیاطین اسے لے کر اترے ہیں، پھر بیان فرمایا کہ تین وجوہات کی بناء پر شیاطین کے لئے ایسا کرنا ممتنع ہے: ایک یہ کہ ایسا کرنا ان کیلئے مناسب ہی نہیں یعنی یہ ان کا مقصد ہی نہیں کیونکہ ان کی فطرت ہے فساد بپا کرنا اور بندوں کو گمراہ کرنا لیکن یہ کتاب امر بالمعروف، نہی عن المنکر، نور، ہدایت اور برہان عظیم کا مرقع ہے، اس کے اور شیاطین کے درمیان بہت بڑا تضاد اور منافات ہے، اس لئے فرمایا: وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لَهُمْ ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس کی قدرت اور استطاعت نہیں رکھتے۔ بفرض محال اگر یہ ان کے لئے

1۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2162، سنن نسائی، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 32 وغیرہ
2۔ سیرت عمر بن الخطاب از ابن جوزی: 135

مناسب ہوتو بھی یہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر:21) ''اگر ہم نے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو آپ اس کو دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے جھک جاتا اور پاش پاش ہو جاتا''۔ تیسری وجہ یہ بیان کی کہ انہیں قرآن کریم سننے سے محروم کردیا گیا ہے۔ اگر فرض کریں کہ قرآن کریم ان کے لئے مناسب ہے اور وہ اس کی استطاعت بھی رکھتے ہیں تو بھی وہ اس تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ نزول قرآن کے وقت آسمان پر پہرا سخت کردیا گیا اور شیاطین کو مار بھگانے کے لئے پہریدار اور شہاب ثاقب بالکل تیار اور مستعد کردیے گئے، اس طرح ان شیاطین کو استماع قرآن سے روک دیا گیا۔ چنانچہ ان میں سے کوئی بھی ایک حرف تک نہ سن سکا۔ اس سے غرض یہ تھی کہ وحی کا معاملہ مشتبہ نہ ہوجائے۔ اسی لئے فرمایا: اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ - اسی طرح جنات کے متعلق فرمایا: وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ ..... اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (الجن:10-8)۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝٢١٣ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝٢١٤ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢١٥ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝٢١٦ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝٢١٧ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝٢١٨ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝٢١٩ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٢٢٠

''پس نہ پکارا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو، ورنہ تو ہوجائے گا ان لوگوں میں سے جنہیں عذاب دیا گیا ہے۔ اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور آپ نیچے کیا کیجئے اپنے پروں کو ان لوگوں کے لئے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اہل ایمان سے پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرمادیں میں بری الذمہ ہوں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے ہو۔ اور بھروسہ کیجئے سب سے غالب ہمیشہ رحم کرنے والے پر جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور (دیکھتا رہتا ہے جب) آپ چکر لگاتے ہیں سجدہ کرنے والوں (کے گھروں) کا۔ بیشک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے''۔

اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیتے ہوئے یہ واضح کردیا کہ جس نے شرک کیا، اللہ تعالیٰ اسے عذاب دے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں کہ ایمان کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ اہل ایمان کے لئے اپنا پہلو نرم رکھیں اور جو کوئی نافرمانی کرے، اس سے بیزاری کا اظہار کریں اس لئے فرمایا: فَاِنْ عَصَوْكَ - قریبی رشتہ داروں کے ساتھ مخصوص یہ انداز عام لوگوں کے انذار کے منافی نہیں کیونکہ یہ اس کا ایک جز ہے جیسا کہ فرمایا: لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (الانعام:92) ''تا کہ آپ مکہ اور اس کے اردگرد والوں کو ڈرائیں''، وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ (الانعام:51) ''ڈرایئے اس (قرآن) سے انہیں جو ڈرتے ہیں اس سے کہ انہیں ان کے رب کی طرف اٹھایا جائے گا''۔ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا (مریم:97) ''تا کہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو مژدہ سنائیں اور اس کے ذریعہ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں''۔ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام:19) ''تا کہ میں اس کے ساتھ تمہیں اور اسے ڈراؤں جس تک یہ پہنچے''، وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود:17) ''اور گروہوں میں سے جس نے اس کے سات کفر کیا تو آگ اس کے وعدہ کی جگہ ہے''۔ حدیث

شریف میں ہے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس امت میں سے جس نے میری بعثت کے متعلق سنا خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، پھر مجھ پر ایمان نہ لایا تو وہ جہنم میں جائے گا'' (1)۔ اس آیت کریمہ کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جنہیں ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ کوہ صفا پر چڑھے اور ''یا صباحاہ'' کہہ کر لوگوں کو آواز دی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ جو بذات خود نہیں آ سکتا تھا اس نے اپنا آدمی بھیج دیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے بنی عبدالمطلب، اے بنی فہر، اے بنی لوی! اگر میں تم لوگوں کو یہ بتاؤں کہ اس پہاڑ کی پشت پر سواروں کا ایک دستہ تم پر شب خون مارنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟'' سب نے جواب دیا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں سخت عذاب کے نازل ہونے سے پہلے خبردار کرنے والا ہوں۔'' یہ سن کر ابولہب کہنے لگا کہ آج کا دن تمہارے لئے خرابی ہو، کیا تم نے اس لئے ہمیں بلایا تھا؟ اس کے جواب میں سورۃ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ نازل ہوئی (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب یہ آیت وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ''اے فاطمہ بنت محمد، اے صفیہ بن عبدالمطلب، اے بنی عبدالمطلب! میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں، البتہ میرے مال میں سے جو چاہو، لے لو'' (3)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے قریش کے سب عوام و خواص کو بلایا اور فرمایا: ''اے قریش! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے بنی کعب! خود کو آگ سے بچاؤ، اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو آگ سے رہا کروا لو، اے بنی عبدالمطلب! خود کو آگ سے محفوظ کر لو، اے فاطمہ بنت محمد! اپنے آپ کو دوزخ سے بچا لے، اللہ کی قسم! میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں سوائے اس کے کہ تمہارے ساتھ قرابت داری ہے جس کا میں حق ادا کروں گا'' (4)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''اے بنی عبدالمطلب! اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ سے خرید لو، اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ، اے رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ! اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ سے خرید لو، میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ میرے مال میں سے جو چاہو طلب کر لو'' (5)۔ ابو یعلی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے بنی ہاشم، اے بنی عبد مناف! میں ڈرانے والا ہوں، موت اچانک حملہ آور ہونے والی ہے اور قیامت وعدہ گاہ ہے'' (6)۔ حضرات قبیصہ بن مخارق اور زہیر بن عمرو سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے جس کی چوٹی پر پتھر تھا اور بلند آواز سے پکارنے لگے: ''اے بنی عبد مناف! میں خبردار کرنے والا ہوں، میری اور تمہاری مثال ایسے شخص کی سی ہے جس نے دشمن کو دیکھا اور جلدی سے اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لئے آیا تا کہ وہ دشمن کے آنے سے پہلے پہلے اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لیں اور وہ انہیں متنبہ کرنے کیلئے زور زور سے آوازیں دینے لگا'' (7)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اپنے اہل بیت کو جمع کیا۔ یہ تیس افراد تھے۔ جب یہ خورد و نوش سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے جو میرے قرض کی ادائیگی اور میرے وعدوں کے ایفاء کی ضمانت دیتا ہے، وہ جنت میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 193

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ شعراء، جلد 6 صفحہ 221، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 193-194 وغیرہ

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 192، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 187

4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ شعراء، جلد 6 صفحہ 140، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 192-193

5۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 360

6۔ مسند ابی یعلی، تحقیق ارشاد الحق، جلد 5 صفحہ 424

7۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 193، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 60

میرا ساتھی اور میرے اہل میں میرا خلیفہ ہوگا؟'' ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! آپ تو سمندر ہیں، بھلا اس فریضہ کو کون انجام دے سکتا ہے، تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا لیکن کسی نے حامی نہ بھری۔ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں اس کے لئے تیار ہوں(1)۔ اس سے بھی ایک مبسوط اور مفصل روایت ہے جس میں بیان کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو عبدالمطلب کو جمع کیا تھا۔ یہ ایک کافی بڑی جماعت تھی۔ ان میں سے ہر ایک بکری کا بچہ کھا جاتا تھا اور ایک بڑا ڈول پی جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کیلئے صرف ایک مد (تقریباً ایک سیر) کھانا تیار کروایا۔ ان سب نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا لیکن کھانا جوں کا توں باقی بچا رہا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ اسے کسی نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ پھر آپ نے مشروب منگوایا جسے سب نے پیا لیکن وہ اسی طرح باقی بچا رہا گویا اسے کسی نے پیا ہی نہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے بنی عبدالمطلب! مجھے تمہاری طرف خصوصاً اور تمام لوگوں کی طرف عموماً مبعوث کیا گیا ہے۔ ابھی تم نے میرا ایک معجزہ بھی دیکھ لیا ہے۔ اب تم میں سے کون ہے جو اس شرط پر میری بیعت کرے کہ وہ میرا بھائی اور ساتھی ہوگا''۔ لیکن بھری محفل میں سے کوئی شخص بھی کھڑا نہ ہوا۔ میں اس وقت سب سے زیادہ کمسن تھا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ''۔ تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا اور تینوں مرتبہ بجز میرے کسی نے اپنی خدمات پیش نہ کیں۔ تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے مجھ سے بیعت لی(2)۔ امام بیہقی دلائل النبوۃ میں اس سے بھی مبسوط اور غریب روایت لاتے ہیں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے معلوم تھا کہ اگر میں نے ابھی اپنی دعوت کو اپنی قوم پر پیش کیا تو مجھے ان کی طرف سے ناپسندیدہ چیز کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے میں نے خاموشی اختیار کر لی لیکن جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے کہنے لگے کہ اگر آپ ﷺ نے تعمیل ارشاد نہ کی تو خدشہ ہے کہ آپ کا رب آپ کو سزا دے گا''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اسی وقت آپ ﷺ نے مجھے بلا کر فرمایا: ''اے علی! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کروں لیکن یہ بات عیاں ہے کہ اگر میں نے ابھی ان کو دعوت دی تو مجھے ان کی طرف سے مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لئے میں نے سردست خاموشی اختیار کرنے کی ٹھان لی۔ پھر جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے کہنے لگے کہ اگر آپ نے حکم خداوندی کی بجا آوری نہ کی تو آپ کو سزا ہوگی۔ اے علی! اب ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت پکاؤ، ایک صاع (ساڑھے چار سیر) اناج تیار کرو اور ایک بڑا پیالہ دودھ کا بھی مہیا کرو۔ پھر بنو عبدالمطلب کو جمع کرو۔ چنانچہ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ وہ سب کے سب جمع ہو گئے۔ اس وقت ان کی تعداد کم و بیش چالیس تھی۔ ان میں سے آپ کے چچا بھی تھے: ابو طالب، حمزہ، عباس اور کافر خبیث ابولہب۔ میں نے کھانا چن دیا۔ آپ ﷺ نے ایک بوٹی اٹھائی اور اپنے دانتوں کے ساتھ کاٹ کر برتن کے اطراف میں ڈال دی اور فرمایا: ''اللہ کا نام لے کر کھاؤ''۔ چنانچہ سب افراد نے خوب پیٹ بھر کر کھایا لیکن گوشت اسی طرح باقی تھا صرف ان کی انگلیوں کے نشانات تھے حالانکہ ان میں سے ایک ایک فرد اتنا گوشت کھا لیتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے علی! انہیں دودھ پلاؤ''۔ میں دودھ سے بھرا ہوا بڑا پیالہ لے آیا اور ان سب نے خوب سیر ہو کر پیا۔ اللہ کی قسم! ان میں سے ایک شخص اس قدر دودھ پی جاتا تھا۔ جب آپ ﷺ نے ان کے ساتھ گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تو ابولہب جلدی سے کہنے لگا کہ اب معلوم ہوا، اسی مقصد کے لئے جادو کر کرشمہ دکھایا گیا تھا۔ یہ سن کر لوگ منتشر ہو گئے اور آپ ﷺ کو ان کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ اگلے روز آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''اے

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 111

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 159

علی! کل کی طرح خوردونوش کی اشیاء تیار کرو۔ اس شخص نے کل مجھے قوم کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیا"۔ چنانچہ میں نے گزشتہ روز کی طرح دعوت کا انتظام کیا اور ان سب کو دعوت پر بلایا۔ آپ ﷺ نے گزشتہ روز جیسا عمل کیا۔ ان سب نے خوب پیٹ بھر کر کھایا پیا۔ کھانے کے بعد حضور ﷺ نے وعظ و نصیحت کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ابولہب پہلے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور حاضرین سے کہنے لگا کہ اسی مقصد کی خاطر تمہارے صاحب نے تم پر جادو کیا۔ اس کی بات سن کر لوگ محفل سے اٹھ گئے اور آپ ﷺ ان کے ساتھ کلام نہ کر سکے۔ تیسرے روز پھر حضور ﷺ نے فرمایا: "اے علی! کل کی طرح آج پھر دعوت کا انتظام کرو۔ اس شخص نے مجھے بات ہی نہیں کرنے دی۔ چنانچہ آج جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فوراً اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا: "اے بنی عبد المطلب! اللہ کی قسم، مجھے نہیں معلوم کہ کوئی عربی نوجوان اپنی قوم کے پاس اس سے افضل چیز لایا ہو جو میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں"(1)۔ ایک اور روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: "اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی دعوت دوں۔ اب بتاؤ تم میں سے کون ہے جو اس معاملہ میں میری مدد کریگا، وہ میرا بھائی ہوگا اور اسے یہ یہ درجہ حاصل ہوگا؟ سب لوگ خاموش رہے۔ میں اگرچہ اس وقت ان میں سب سے زیادہ کمسن، دکھتی آنکھوں والا، بڑے پیٹ والا اور دبلی پتلی پنڈلیوں والا تھا، پھر بھی میں نے اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! اس معاملہ میں میں آپ کا مددگار رہوں۔ آپ ﷺ نے میری گردن پکڑ کر فرمایا: "یہ میرا بھائی اور ایسے ایسے درجے والا ہے، اس کی بات سنو اور اطاعت کرو"(2)۔ یہ سن کر سب حاضرین ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالب سے کہنے لگے کہ اب تمہیں حکم ہو گیا ہے کہ تم اپنے بیٹے کی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ لیکن اس کا ایک راوی عبد الغفار بن قاسم بن ابی مریم متروک، کذاب اور شیعہ ہے، علی بن المدینی وغیرہ کے بقول یہ حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا اور ائمہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بکری کی ایک ٹانگ کا گوشت پکانے، ایک صاع اناج اور ایک پیالہ دودھ کا تیار کرنے کا حکم ارشاد فرمایا، پھر آپ ﷺ نے مجھے بنی ہاشم کو بلانے کے لئے کہا۔ کم و بیش چالیس آدمی جمع ہوئے۔ آپ ﷺ نے گوشت سے بھرا ہوا برتن اٹھایا اور ان سے فرمایا کہ کھاتے جاؤ۔ سب نے خوب پیٹ بھر کر کھایا لیکن کھانے میں بالکل معمولی سی کمی واقع ہوئی۔ پھر سب نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد جب آپ ﷺ نے گفتگو کرنا چاہی تو وہ جلدی سے کہنے لگے کہ ایسا جادو تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ یہ سن کر آپ ﷺ خاموش رہے۔ دوسرے دن پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسرے دن جب دعوت سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے جلدی سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا: "تم میں سے کون ہے جو میرے قرض کی ادائیگی کا ضامن بنے اور میرے اہل میں میرا خلیفہ ہو؟" سب لوگ خاموش رہے۔ عباس بھی اس خدشہ کے پیش نظر خاموش رہے کہ کہیں ان کا سارا مال اس قرض کی نذر نہ ہو جائے۔ عباس چونکہ بڑے تھے، اس لئے احتراماً میں بھی خاموش رہا۔ دوبارہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا۔ اب بھی عباس رضی اللہ عنہ کو خاموش دیکھ کر مجھے یارائے ضبط نہ رہا۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں حالانکہ اس وقت میں سب سے زیادہ بری حالت والا، چندھیائی ہوئی آنکھوں والا، موٹے پیٹ والا اور کمزور پنڈلیوں والا تھا۔ ان روایات میں حضور ﷺ کا اپنے چچاؤں اور چچازاد بھائیوں سے یہ تقاضا کرنا کہ وہ آپ کے قرض کو ادا کرنے کی ذمہ داری لیں اور آپ کے اہل میں آپ کے جانشین بنیں، یہ اس صورت میں تھا کہ اگر آپ راہ خدا میں شہید ہو جائیں۔ گویا آپ ﷺ کو یہ خدشہ تھا کہ جب آپ دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیں گے تو

1۔ دلائل النبوۃ بیہقی، جلد 2 صفحہ 179-180
2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 121-122

لوگ آپ کو شہید کر دیں گے۔ چنانچہ جب یہ فرمان نازل ہوا: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ: 67) ''اے رسول! پہنچا دیجئے جو آپ کی طرف سے آپ کے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا، اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا'' تو اس وقت آپ ﷺ بالکل محفوظ و مامون ہو گئے۔ قبل ازیں آپ کا پہرہ دیا جاتا تھا لیکن اس آیت کے نزول کے بعد پہرہ ہٹا دیا گیا۔ اس وقت بنی ہاشم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ ایمان و ایقان والا اور حضور ﷺ کی تصدیق کرنے والا کوئی نہ تھا، اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے ان سب سے پہلے حضور ﷺ کی دعوت پر لبیک کہی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کوہ صفاء پر اعلانیہ دعوت دی اور نام لے لے کر قبائل قریش، اپنے چچاؤں، اپنی پھوپھیوں اور اپنی بیٹیوں کو خبردار کیا اور دعوت توحید دی۔ عبدالواحد دمشقی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو وعظ کرتے اور فتویٰ دیتے ہوئے دیکھا۔ لوگ بڑے انہماک سے آپ کی طرف متوجہ تھے لیکن آپ کے بیٹے اور گھر کے کچھ آدمی مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ کسی شخص نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی توجہ اس طرف مبذول کرواتے ہوئے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ لوگ تو آپ سے حصول علم میں دلچسپی لے رہے ہیں لیکن آپ کے گھر کے افراد لاپرواہی سے بیٹھے ہوئے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''دنیا میں سب سے زیادہ کنارہ کشی کرنے والے انبیاء ہیں اور ان پر سب سے زیادہ سخت ان کے قرابت دار ہوتے ہیں''۔ اس بارے میں فرمان ہے: وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ - بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ پھر فرمایا: وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ یعنی آپ اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں جو غالب اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے، کیونکہ وہی آپ کا مددگار، حامی و ناصر، محافظ اور آپ کے کلمہ کو بلند کرنے والا ہے۔ پھر فرمایا: الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ یعنی وہ آپ کی حفاظت فرمانے والا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا (الطور: 48) ''اور آپ اپنے رب کے حکم سے صبر فرمائیے۔ بے شک آپ ہماری نظروں میں ہیں''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ وہ آپ کے قیام، رکوع اور سجدہ کو دیکھتا ہے۔ حسن فرماتے ہیں کہ وہ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ تنہا نماز پڑھتے ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جب آپ اپنے بستر یا مجلس سے کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت وہ آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اٹھتے بیٹھتے اور دیگر تمام حالات میں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہوتے ہیں۔ قتادہ ان آیات الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۙ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھتا ہے جب آپ تنہا نماز پڑھتے ہیں اور اس وقت بھی آپ اس کی نگاہ میں ہوتے ہیں جب آپ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ حضرات عکرمہ، عطاء خراسانی اور حسن بصری کا یہی قول ہے۔ مجاہد اس آیت وَ تَقَلُّبَكَ ... کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس طرح اپنے سامنے کی چیز دیکھتے، بالکل اسی طرح آپ اپنے پیچھے کی چیز بھی دیکھتے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: ''اپنی صفیں درست کر لیا کرو، میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں''(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک نبی کی پشت سے دوسرے نبی کی پشت سے منتقل ہوتے ہوئے دیکھتا رہا یہاں تک کہ آپ کو نبی بنا کر اس دنیا میں بھیجا۔ آخر میں فرمایا: اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ یعنی وہ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا اور ان کی حرکات و سکنات کو خوب جاننے والا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ مَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، جلد 1 صفحہ 184، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 324

وَمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ (یونس:61) ’’اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ اس حال میں آپ کچھ تلاوت کرتے ہیں اور (اے لوگو) نہ کچھ تم عمل کرتے ہو مگر (ہر حال میں) ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب بھی تم کسی کام میں شروع ہوتے ہو‘‘۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ
اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ
يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ
ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ
يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

’’کیا میں بتاؤں تمہیں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں۔ وہ اترتے ہیں ہر جھوٹ گھڑنے والے بدکار پر۔ یہ اپنے کان (شیطانوں کی طرف) لگائے رکھتے ہیں اور ان میں سے اکثر بڑے جھوٹے ہیں اور جو شعراء ہیں تو ان کی پیروی حق سے بھٹکے ہوئے لوگ ہی کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شعراء ہر وادی میں سرگرداں پھرتے رہتے ہیں۔ اور وہ کہا کرتے ہیں ایسی باتیں جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے۔ بجز ان شعراء کے جو ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور انتقام لیتے ہیں اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا۔ اور عنقریب جان لیں گے جنہوں نے ظلم وستم کیے کہ وہ کس (بھیانک) جگہ لوٹ کر آ رہے ہیں‘‘۔

ان مشرکین سے خطاب ہو رہا ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا قرآن برحق نہیں بلکہ اسے آپ نے خود گھڑ لیا ہے یا جنوں کا سردار آپ کے پاس یہ کلام لاتا ہے، چنانچہ مشرکین کی اس افتراء بازی اور ہرزہ سرائی سے آپ ﷺ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے اس حقیقت پر آگاہ کیا گیا کہ یہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے جسے ایک معزز اور امانتدار فرشتہ لے کر اترا ہے، یہ شیاطین کی طرف سے نہیں کیونکہ انہیں اس قسم کے قرآن کریم میں کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ تو اپنی قماش کے جھوٹے کاہنوں پر اترتے ہیں، اس لئے فرمایا: هَلْ اُنَبِّئُكُمْ ’’اَفَّاكٍ‘‘ کا معنی ہے بہت زیادہ جھوٹا اور اثیم کا معنی ہے بدکار۔ چونکہ شیاطین بھی جھوٹے اور فاسق ہیں اس لئے وہ اپنے جیسے کاہنوں اور دوسرے جھوٹے اور فاسق لوگوں پر اترتے ہیں۔ یہ شیاطین آسمان کے قریب جا کر علم غیب سے کوئی ایک آدھ کلمہ چوری چھپے سن لیتے ہیں، پھر اس کے ساتھ سو جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر اپنے دوست انسانوں کو بتا دیتے ہیں۔ جب وہ دوسرے لوگوں کو ان باتوں سے آگاہ کرتے ہیں تو لوگ بلا تامل ان کی ہر بات کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ جو کلمہ آسمان سے سنا گیا تھا، وہ سچ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’وہ کوئی چیز نہیں ہیں۔‘‘ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کبھی کبھی وہ ایسی بات کرتے ہیں جو سچ ثابت ہوتی ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’یہ حق پر مبنی وہی بات ہوتی ہے جسے کوئی جن اچک لیتا ہے، پھر اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ سو سے

بھی زیادہ جھوٹ شامل کر کے بتاتا رہتا ہے" (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ آسمان میں جب کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے پر مارتے ہیں، اس سے ایسی آواز آتی ہے جیسے کسی چٹان پر زنجیر بج رہی ہو، جب گھبراہٹ ان کے دلوں سے زائل ہو جاتی ہے تو آپس میں دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا حکم ارشاد فرمایا؟ دوسرے جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا اور وہ بہت بلند اور بڑی شان والا ہے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ چوری چھپے سننے والے اسے سن لیتے ہیں اور یہ چوری چھپے سننے والے اس طرح ایک دوسرے کے اوپر کھڑے ہوتے ہیں۔ راوی حدیث حضرت سفیان نے اپنے ہاتھ کو جھکا کر اور انگلیوں کو پھیلا کر ان کی کیفیت واضح کی۔ اوپر والا بات کو سن کر اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے، وہ اپنے سے نیچے والے کو یہاں تک کہ وہ بات جادوگر یا کاہن تک پہنچ جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بات سن کر نیچے پہنچانے سے پہلے پہلے شہاب (شعلہ) اسے آدبوچتا ہے لیکن کبھی شہاب کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ بات نیچے پہنچا دیتا ہے اور وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ شامل کر دیتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ کیا اس نے فلاں فلاں دن ہمیں یہ باتیں نہیں بتائی تھیں؟ وہ کلمہ سچ ثابت ہوتا ہے جو آسمان سے سنا گیا تھا" (2)۔ مسلم میں بھی یہ روایت ہے (3)۔ جس کا ذکر سورۂ سبا میں اس آیت حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ کے تحت ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "فرشتے بادلوں میں زمین پر ہونے والے معاملہ کی بابت گفتگو کرتے ہیں۔ شیاطین کوئی بات سن لیتے ہیں تو وہ کاہنوں کے کان میں اسے اس طرح انڈیل دیتے ہیں جیسے شیشی انڈیلی جاتی ہے، پھر وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے ہیں" (4)۔ پھر فرمایا: وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ یعنی کافر شعراء کی اتباع گمراہ جن وانس کرتے ہیں (5)۔ یہ قول حضرات ابن عباس، مجاہد، عبدالرحمٰن بن زید وغیرہ کا ہے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ دو شاعر ایک دوسرے کی ہجو کا بازار گرم کرتے تو کچھ لوگ اس کے ہمنوا بن جاتے اور کچھ اس کے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مقام عرج میں جا رہے تھے کہ اسی اثناء میں ایک شاعر کچھ گاتا ہوا سامنے آ گیا۔ اسے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: "اس شیطان کو پکڑ لو یا فرمایا کہ اس شیطان کو روک لو۔ تم میں سے ایک شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر و شاعری سے بھرے" (6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ وہ ہر لغویات میں گھس جاتے ہیں۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ ہی اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ کلام کے ہر فن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ان وادیوں کا علم ہے جن میں یہ سرگرداں پھرتے ہیں، کبھی کسی کی مذمت کر دیتے ہیں اور کبھی کسی کی مدح میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ شاعر کسی کی ناحق مدح کر دیتا ہے اور کسی کی ناحق مذمت۔ پھر فرمایا: وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دو اشخاص کے درمیان ہجو کا مقابلہ ہو گیا۔ ان میں سے ایک انصاری تھا اور دوسرا کسی اور قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ ہر ایک کی قوم کے بے وقوف لوگ اس کی تائید کرنے لگے۔ اس وقت یہ آیات وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ... نازل ہوئیں (7)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ سبا، جلد 6 صفحہ 152
2۔ صحیح مسلم، کتاب اسلام، جلد 4 صفحہ 1751
3۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 152
4۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 127
5۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 8
6۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 127
7۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 266، الروض الانف، جلد 2 صفحہ 252 وغیرہ

شعراء کی اکثر باتیں جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں۔ آپ کا یہ قول واقع کے عین مطابق ہے، کیونکہ شعراء فخریہ طور پر ایسے اقوال وافعال کا اظہار کرتے ہیں جن کا ان سے صدور نہیں ہوتا اور وہ عموماً ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں جنہیں وہ عملی طور پر انجام نہیں دیتے، اس لئے علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر ایک شاعر اپنے شعر میں ایسے گناہ کا اعتراف کرلے جو حد کا موجب ہو تو اس اعتراف کی وجہ سے کیا اس پر حد لگائی جائے گی یا نہیں کیونکہ وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جنہیں وہ کرتے نہیں؟ اس مسئلہ کے متعلق دو قول ہیں۔ محمد بن اسحاق اور محمد بن سعد نے طبقات میں اور زبیر بن بکار نے کتاب الفکاہۃ میں ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان بن عدی بن نضلہ کو سرزمین بصرہ کے شہر میسان کا گورنر مقرر کیا۔ وہ شاعر تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایسے اشعار کہے جن میں شراب، حسیناؤں، ان کے گیتوں اور رقص وسرود کا ذکر تھا۔ جب یہ اشعار حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچے تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں نے اسے اس کے عہدے سے معزول کر دیا ہے۔ معزولی کے حکم کے ساتھ آپ نے ایک خط بھی بھیجا جس میں درج تھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ... اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (المومن: 3-1) مجھے تمہارے اشعار سے سخت کوفت پہنچی ہے، اس لئے میں نے تمہیں تمہارے عہدے سے معزول کیا۔ نعمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے: امیر المومنین! میں نے کبھی شراب نہیں پی۔ یہ اشعار یونہی میری زبان پر جاری ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میرا بھی خیال ہے لیکن میں تمہیں کوئی ذمہ داری نہیں دوں گا کیونکہ تم نے ایسے اشعار کہے ہیں(6)۔ یہ بات ثابت نہیں کہ اپنے اشعار میں شراب کا ذکر کرنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان پر حد لگائی کیونکہ شاعر جو کہتے ہیں، وہ کرتے نہیں بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے نعمان کی مذمت اور ملامت کی اور انہیں معزول کر دیا، اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے: ”کسی کا اپنے پیٹ کو پیپ سے بھر لینا شعر و شاعری سے بھر لینے کی نسبت بہتر ہے“(1)۔
مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن پر یہ قرآن نازل ہوا، نہ کاہن ہیں نہ شاعر اور نہ ساحر کیونکہ آپ کا حال ان کے حال کے منافی اور متضاد ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ (یسین: 69) ”اور ہم نے اپنے نبی کو شعر نہیں سکھایا اور نہ یہ ان کے شایان شان ہے۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت اور بالکل واضح قرآن“۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الحاقۃ: 43-40) ”بے شک یہ ایک عزت والے رسول کا قول ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں (لیکن) تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو بلکہ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے“۔ اسی طرح اس سورت میں فرمایا: وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ... وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ اس کے بعد فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب یہ آیت وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ نازل ہوئی تو حضرات حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم بھی تو شاعر ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے استثناء والی آیت اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... تلاوت کی اور فرمایا کہ تم اس آیت کا مصداق ہو(2)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا نام شامل نہیں(3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ صرف حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! میں بھی تو شاعر ہوں۔ اس پر یہ آیت اتری(4)۔ حضرات ابن عباس، عکرمہ،

1۔ فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 548، صحیح مسلم، کتاب الشعر، جلد 4 صفحہ 1770

2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 129-128، مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 519-518

3۔ مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ، جلد 3 صفحہ 488

4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 334

مجاہد، قتادہ، زید بن اسلم اور دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آیت اِلَّا الَّذِیْنَ . قبل سے استثناء ہے۔ اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ استثناء ہے لیکن یہ سورت مکی ہے، اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ ان آیات کا نزول شعراء انصار کے بارے میں ہے؟ یہ بات قابل غور ہے۔ جو روایات بیان ہوئی ہیں، وہ مرسل ہیں، اس لئے وہ قابل اعتماد نہیں، البتہ اس استثناء میں نہ صرف انصاری اور دیگر شعراء داخل ہیں بلکہ اس سے جاہلی دور کے وہ شعراء بھی داخل ہیں جو اسلام اور اہل اسلام کی مذمت میں ملوث تھے، پھر وہ ایمان لے آئے، صدق دل سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا، نیک اعمال کئے اور سابقہ فحش گوئی کے مقابلہ میں بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کیونکہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں اور سابقہ مذمت کے عوض اسلام اور اہل اسلام کی مدح و تعریف کی جیسا کہ عبداللہ بن زبعری نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے اشعار میں رسول اللہ ﷺ کی ہجو کی تلافی کرنے کی کوشش کی اور اعتراف کیا کہ شیطان کی انگیخت کے باعث ایسا ہوا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث آپ کا سخت دشمن تھا اور بکثرت آپ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ جب اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر انہیں کوئی محبوب نہ تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابوسفیان اکثر آپ ﷺ کی مدح کرتے اور آپ کے ساتھ اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان صخر بن حرب جب اسلام لائے تو انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تین چیزیں عطا فرمائیں: ایک یہ کہ معاویہ کو اپنا کاتب بنالیں، دوسری بات یہ ہے کہ آپ مجھے اجازت فرمائیں تاکہ میں کفار کے ساتھ اس طرح جہاد کروں جس طرح پہلے مسلمانوں کے خلاف لڑتا رہا اور ایک تیسری درخواست بھی کی۔ آپ ﷺ نے تینوں مطالبات منظور فرمالئے(1)۔ اس لئے فرمایا: اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ... بعض نے اس فرمان وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا کا یہ معنی کیا ہے کہ وہ اپنے کلام میں اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کریں، بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ وہ اپنے شعروں میں اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کریں۔ بہرصورت ان دونوں میں سے ہر ایک صحیح اور سابقہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ آیت کے اس حصہ وَانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا کا مفہوم حضرات ابن عباس، مجاہد اور قتادہ کے بقول یہ ہے کہ انہوں نے ان کفار کا رد کیا جو اہل ایمان کی ہجو کیا کرتے تھے، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ان کی ہجو کرو، جبریل تمہارے ساتھ ہیں''(2)۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے شعراء کی مذمت میں آیات نازل کر دی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مومن اپنی تلوار سے بھی اور اپنی زبان سے بھی جہاد کرتا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم لوگوں کے اشعار انہیں تیروں کی طرح لگتے ہیں''(3)۔ پھر فرمایا: وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا .. اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ (المومن: 52) ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کی شکل میں ظاہر ہوگا''(4)۔ قتادہ ابن دعامہ کہتے ہیں کہ آیت کے آخری حصہ میں ظالموں سے مراد شعراء اور دیگر لوگ ہیں(5)۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے ایک نصرانی کا جنازہ گزرا تو آپ نے آیت کے اس حصہ کی تلاوت کی۔ عبداللہ بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ حضرت صفوان بن محرز جب اس آیت کو پڑھتے تو اس قدر روتے کہ ہچکی بندھ جاتی(6)۔ شریح اسکندرانی بیان کرتے ہیں کہ کچھ شیوخ سرزمین روم میں تھے۔ رات کا وقت تھا، وہ آگ پر کچھ بھون رہے تھے یا آگ تاپ رہے تھے کہ اسی اثناء میں وہاں ایک قافلہ پہنچ گیا، انہوں نے اہل قافلہ کا استقبال کیا۔ حضرت فضالہ بن

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1945
2۔ صحیح بخاری، جلد 4 صفحہ 136، صحیح مسلم، جلد 7 صفحہ 163، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 286
3۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 387
4۔ صحیح مسلم، جلد 8 صفحہ 17، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 92
5۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 336
6۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزہد، جلد 14 صفحہ 10

عبید بھی قافلہ میں موجود تھے۔ انہوں نے حضرت فضالہ کو خوش آمدید کہا، سواری سے اتارا اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ اس وقت ہمارا ایک ساتھی نماز پڑھ رہا تھا، جب اس نے اس آیت وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا - کی تلاوت کی تو حضرت فضالہ فرمانے لگے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بیت اللہ کی بربادی کرنے والے ہیں(1)۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد اہل مکہ ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد مشرکین ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت کا حکم عام ہے اور یہ ہر ظالم کو شامل ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میرے والد محترم نے اپنی وصیت میں صرف دو سطریں تحریر کیں، وہ وصیت یہ تھی: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، یہ ہے ابوبکر بن ابی قحافہ کی وصیت، دنیا سے رخصت ہوتے وقت جب کافر بھی مومن ہو جاتا ہے، فاجر بھی توبہ کر لیتا ہے اور جھوٹا بھی سچ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ میں نے تم پر عمر بن خطاب کو اپنا خلیفہ نامزد کیا۔ اگر اس نے عدل کیا تو یہی اس کے متعلق میرا گمان ہے اور مجھے اس سے یہی امید ہے اور اگر اس نے ظلم اور تبدیلی کی تو میں غیب نہیں جانتا۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ(2)۔

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 338 2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 339

سورۂ نمل (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

طٰسٓ قف تِلْکَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ ۙ هُدًی وَّ بُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَۃِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ ۝ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝ وَاِنَّکَ لَتُلَقَّی الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ عَلِیْمٍ ۝

طا-سین یہ آیتیں ہیں قرآن (حکیم) اور روشن کتاب کی۔ (یہ) سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے اہل ایمان کے لئے جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور دیا کرتے ہیں زکوٰۃ اور وہ جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے خوبصورت بنا دیئے ان (کی نظروں) میں ان کے اعمال (بد) پس وہ سرگرداں پھر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے لئے بدترین عذاب ہے اور یہی آخرت میں سب سے زیادہ گھاٹے میں ہوں گے۔ اور بے شک آپ کو سکھایا جاتا ہے قرآن حکیم بڑے دانا سب کچھ جاننے والے کی جانب سے"۔

سورتوں کے اوائل میں آنے والے حروف مقطعات پر بحث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: تِلْکَ اٰیٰتُ یعنی یہ قرآن کریم اور واضح کتاب کی روشن آیات ہیں جو اہل ایمان کے لئے سراپا ہدایت اور بشارت ہیں یعنی قرآن کریم سے ہدایت اور بشارت صرف اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو اس پر ایمان لاتا ہے، اس کی اتباع کرتا ہے، اس کی تصدیق کرتا ہے، اس پر عمل پیرا ہوتا ہے، فرض نمازیں قائم کرتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور دار آخرت، موت کے بعد کی زندگی، اچھے برے اعمال کے بدلہ اور جنت و دوزخ پر یقین رکھتا ہے جیسا کہ فرمایا: قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًی وَّ شِفَآءٌ ؕ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ (حم السجدۃ: 44) "فرما دیجئے یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے"۔ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا (مریم: 97) "تاکہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو مژدہ سنائیں اور اس کے ذریعہ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں"۔ اس لئے یہاں فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ .... یعنی وہ لوگ جو آخرت کو جھٹلاتے ہیں اور اس کے وقوع کو محال سمجھتے ہیں، ان کے لئے ہم نے ان کے اعمال بد کو آراستہ اور حسین بنا دیا ہے اور گمراہی میں ان کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی ہے، اس لئے وہ بادیہ ضلالت میں سرگرداں پھر رہے ہیں۔ یہ سزا ہے تکذیب قیامت کی جیسا کہ فرمایا: وَ نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّۃٍ (الانعام: 10) "اور ہم ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو پھیر دیں گے جس طرح وہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے"۔ پھر فرمایا: اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ یعنی یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے دنیا و آخرت میں بدترین عذاب ہے اور اہل محشر میں سے سب سے زیادہ یہی خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔ اگلی

آیت میں نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى یعنی آپ اس ذات سے قرآن کریم اخذ کرتے ہیں جو اپنے ہر امر اور نہی میں حکیم ہے اور اسے تمام چھوٹے بڑے امور کا بخوبی علم ہے۔ اس کی خبر صدق محض ہے اور اس کا حکم عدل تام ہے جیسا کہ فرمایا: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (الانعام: 116) ''اور آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے مکمل ہو گئی''۔

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُم بِشِهَابٍ قَبَسٍ
لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٧﴾ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَن بُورِكَ مَن فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ
اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨﴾ يَا مُوسَىٰ إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٩﴾ وَأَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا
تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ يَا مُوسَىٰ لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ
الْمُرْسَلُونَ ﴿١٠﴾ إِلَّا مَن ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١﴾ وَأَدْخِلْ
يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ إِنَّهُمْ
كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿١٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿١٣﴾ وَجَحَدُوا
بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٤﴾

''(یاد فرماؤ) جب کہا موسیٰ نے اپنی زوجہ سے کہ میں نے دیکھی ہے آگ۔ ابھی لے آتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا لے آؤں گا تمہارے پاس (اس آگ سے) کوئی شعلہ سلگا کر تاکہ تم اسے تاپو۔ پھر جب اس کے پاس پہنچے تو ندا کی گئی کہ بابرکت ہو جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اور (ہر تشبیہ و تمثیل سے) پاک ہے اللہ جو رب العالمین ہے۔ اے موسیٰ وہ میں اللہ ہی ہوں عزت والا دانا۔ اور ذرا زمین پر ڈال دو اپنے سونٹے کو۔ اب جو اسے دیکھا تو وہ (اس طرح) لہرا رہا تھا جیسے سانپ ہو، آپ پیٹھ پھیر کر وہاں سے چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (فرمایا) موسیٰ! ڈرو نہیں۔ میرے حضور ڈرا نہیں کرتے جنہیں رسول بنایا جاتا ہے۔ مگر وہ شخص جو زیادتی کرے (وہ ڈرے) پھر (وہ ظالم بھی اگر) نیکی کرنے لگے برائی کرنے کے بعد تو میں بے شک غفور رحیم ہوں۔ اور ذرا ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید چمکتا ہوا بغیر کسی تکلیف کے (یہ دو معجزے) ان نو معجزات میں سے ہیں جن کے ساتھ آپ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ بے شک وہ بڑے سرکش لوگ ہیں۔ پس جب آئیں ان کے پاس ہماری نشانیاں بصیرت افروز بن کر تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے کھلا ہوا۔ اور انہوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا ان کے دلوں نے (ان کا انکار) محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا۔ پس آپ ملاحظہ فرمایئے کیا (ہولناک) انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد دلا رہا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں منصب رسالت کے لئے چن لیا، انہیں اپنے ساتھ ہم کلامی کا شرف بخشا اور عظیم الشان معجزات اور جلیل القدر دلائل سے نواز کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا لیکن انہوں نے آپ کے معجزات اور دلائل کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، کفر کی روش پر بضد رہے اور آپ کی اطاعت

واتباع سے تکبر کا مظاہرہ کیا۔ فرمایا: اِذْ قَالَ مُوْسٰى ..... یعنی یاد کرو جب موسیٰ اپنے اہل کو لے کر چلے اور رستہ بھول گئے۔ رات کا وقت تھا اور سخت اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس وقت آپ کو کوہ طور کی جانب بھڑکتی ہوئی آگ کا شعلہ دکھائی دیا۔ آپ نے اپنے اہل سے فرمایا کہ میں نے آگ دیکھی ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں ممکن ہے وہاں کسی سے رستہ کی بابت معلوم ہو جائے یا میں وہاں سے آگ سلگا کر لے آؤں گا تا کہ تم اسے تاپ لو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ آپ وہاں سے ایک بڑی عظیم الشان خبر لائے اور بہت بڑا نور حاصل کیا، اس لئے فرمایا: فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ ... یعنی جب آپ وہاں پہنچے تو بڑا عجیب وغریب منظر دیکھا، ایک سرسبز درخت ہے جس سے آگ کے شعلے برآمد ہو رہے ہیں۔ آگ مزید بھڑکتی جارہی ہے اور درخت مزید سرسبز اور تر و تازہ ہو رہا ہے، پھر جب آپ نے اپنا سر اٹھا کر نگاہ آسمان کی طرف دوڑائی تو آسمان تک اس نور کو پہنچتے ہوئے دیکھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ آگ نہیں تھی بلکہ نور تھا۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ رب العالمین کا نور تھا۔ حضرت موسیٰ متعجب ہو کر ٹھہر گئے تو اس وقت ندا آئی: اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ یعنی وہ ذات نہایت مقدس ہے جو اس آگ میں ہے (1)۔ وَمَنْ حَوْلَهَا سے مراد فرشتے ہیں یعنی وہ فرشتے بھی مقدس ہیں جو اس کے ارد گرد ہیں۔ یہ قول حضرات ابن عباس، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن اور قتادہ کا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سوتا نہیں اور سونا اس کے شایان شان بھی نہیں، وہ ترازو کو پست اور اونچا کرتا ہے، رات کے اعمال دن سے پہلے اور دن کے اعمال رات سے پہلے اس کے حضور بلند کیے جاتے ہیں، اس کا حجاب نور ہے یا آگ ہے، اگر وہ اسے ہٹا دے تو اس کے چہرے کی تجلیاں ہر اس چیز کو جلا ڈالیں جس پر اس کی نگاہ پڑ رہی ہے"۔ پھر راوی حدیث ابو عبیدہ نے یہ آیت اَنْ بُوْرِكَ تلاوت کی۔ اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں ہے (2)۔ پھر تشبیہ و تمثیل سے اپنی پاکی بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی وہ اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، مخلوقات میں سے کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں اور اس کی مصنوعات میں سے کوئی چیز اس کا احاطہ نہیں کر سکتی، وہی سب سے بلند، اعلیٰ اور تمام مخلوقات سے مختلف ہے اور زمین و آسمان اسے نہیں گھیر سکتے بلکہ وہ ہی یکتا، بے نیاز اور مخلوقات کی مماثلت سے پاک اور منزہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ذات کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یعنی اے موسیٰ! جو تم سے خطاب اور سرگوشیاں کر رہا ہے، وہ تمہارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جو ہر چیز پر غالب اور اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار مطلق اور قدرت کاملہ پر واضح دلیل ظاہر کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس عصا کے زمین پر پھینکنے کا حکم دیا جو آپ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جونہی اپنا عصا زمین پر ڈالا، وہ فوراً ایک بہت بڑے، خوفناک اور سریع الحرکت اژدھے کی شکل اختیار کر گیا۔ "جان" اس سانپ کو کہتے ہیں جو سب سے زیادہ پھرتیلا اور تیزی سے حرکت کرتا ہے۔ حدیث شریف میں گھروں میں رہنے والے ایسے سانپوں کو قتل کرنے کی ممانعت کی گئی ہے (3)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے عصا کو سانپ کی طرح لہراتے اور پھنکارتے دیکھا تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور شدت خوف سے اپنے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس وقت ارشاد ہوا: يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ یعنی اس سے مت ڈرو، میں تو تمہیں اپنا برگزیدہ رسول اور جلیل القدر نبی بنانا چاہتا ہوں۔ پھر فرمایا: اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۔ یہ استثناء منقطع ہے اور اس میں انسان کے لئے بہت بڑی بشارت ہے، وہ یہ کہ جس نے کوئی برا کام کیا پھر

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 133 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ
2۔ صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 11
3۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 154۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 14، جلد 1751

اس سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف اس نے رجوع کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کر کے اس پر کرم فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى (طٰہٰ: 82) ''اور میں بلاشبہ اسے بہت بخشنے والا ہوں جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر مستحکم رہتا ہے''۔ وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ...... (النساء: 110) ''اور جو شخص برا کام کر بیٹھے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا پائے گا''۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ پھر دوسرا معجزہ عطا کرتے ہوئے فرمایا: وَاَدْخِلْ یَدَكَ .... اس میں بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار و قدرت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیں۔ جب آپ نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر باہر نکالا تو وہ چاندی کی طرح چمکتا ہوا باہر نکلا۔ فرمایا: فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ یعنی یہ دو معجزے ان نو معجزات میں سے ہیں جن کے ساتھ میں تمہاری تائید کروں گا اور ان سے نواز کر تمہیں فرعون اور اس کی قوم کی طرف روانہ کروں گا تاکہ فرعونیوں کے مقابلہ میں انہیں بطور دلیل پیش کیا جا سکے۔ یہ وہ نو معجزات ہیں جن کے متعلق فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ (بنی اسرائیل: 101) اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ۔ جب یہ واضح اور روشن معجزات فرعونیوں نے دیکھے تو کہنے لگے کہ یہ کھلا جادو ہے۔ وہ اپنے زعم میں انہیں جادو خیال کئے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے اپنے جادو کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہا لیکن ذلیل و رسوا ہو کر مغلوب اور ناکام ہو گئے۔ فرعونی ظلم اور اتباع حق سے تکبر کی بناء پر ان معجزات کا انکار کرتے تھے حالانکہ ان کے دل ان معجزات کی صداقت اور حقانیت پر یقین کئے ہوئے تھے، اس لئے فرمایا: فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! دیکھیں، ان فساد برپا کرنے والوں کا انجام کیا ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ایک ہی صبح دریا میں غرق کر کے ہلاک کر دیا۔ اس خطاب سے مقصود ان لوگوں کو خبردار کرنا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو جھٹلاتے اور آپ ﷺ کے پیغام کا انکار کرتے ہیں یعنی اے نبی مکرم ﷺ کو جھٹلانے والو اور آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرنے والو! خبردار، ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی ایسا عذاب اپنی لپیٹ میں لے لے جس طرح کا عذاب فرعونیوں کو پہنچا تھا بلکہ تم تو عذاب کے زیادہ مستحق ہو کیونکہ حضرت محمد ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ عظمت اور فضیلت کے مالک ہیں۔ آپ ﷺ کے دلائل و معجزات ان کے دلائل و معجزات سے زیادہ قوی ہیں بلکہ آپ کا تو وجود ہی سراپا معجزہ ہے۔ سابقہ انبیاء آپ کی بشارتیں دیتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے آپ کی اتباع اور تائید کرنے کا عہد لیا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾

"اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو علم۔ اور انہوں نے کہا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے برگزیدہ کیا ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر۔ اور جانشین بنے سلیمان داؤد علیہ السلام کے اور فرمایا اے لوگو! ہمیں سکھائی گئی ہے پرندوں کی بولی اور ہمیں عطا کی گئی ہیں ہر قسم کی چیزیں۔ بے شک یہی وہ نمایاں بزرگی ہے (جو ہمیں مرحمت ہوئی) اور فراہم کیے گئے سلیمان علیہ السلام کے لئے لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں سے پس وہ نظم وضبط کے پابند ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ گزرے چیونٹیوں کی وادی سے۔ تو ایک چیونٹی کہنے لگی اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنی بلوں میں۔ کہیں کچل کر نہ رکھ دیں تمہیں سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر، اور انہیں معلوم ہی نہ ہو (کہ تم پر کیا گزر گئی) تو سلیمان علیہ السلام ہنستے ہوئے مسکرا دیئے اس کی اس بات سے اور عرض کرنے لگے میرے مالک! مجھے توفیق دے تاکہ میں شکر ادا کروں تیری نعمت (عظمیٰ) کا جو تو نے مجھ پر فرمائی اور میرے والدین پر نیز (مجھے توفیق دے کہ) میں وہ نیک کام کروں جسے تو پسند فرمائے اور شامل کرلے مجھے اپنی رحمت کے باعث اپنے نیک بندوں میں"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دو پیارے بندوں اور نبیوں حضرت داؤد علیہ السلام اور آپ کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کو جن انعامات جزیلہ، عنایات عظیمہ، صفات جمیلہ، سعادت دارین، وسیع بادشاہت، کامل اقتدار اور نبوت ورسالت سے نوازا، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے: وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نعمتوں سے نوازے اور وہ ان پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے افضل ہے، اگر اس کی دلیل درکار ہو تو یہ آیت وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ ۔ پڑھ لیں۔ جو نعمت حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کو مرحمت ہوئی، اس سے افضل کون سی نعمت ہوسکتی ہے(1)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ میں ملک ونبوت کی میراث مراد ہے نہ کہ مال کی میراث کیونکہ اگر مالی وراثت مراد ہوتی تو حضرت داؤد علیہ السلام کی ساری اولاد میں سے صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو مخصوص نہ کیا جاتا کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں بلکہ اس سے مراد ملک ونبوت کی وراثت ہے کیونکہ انبیاء کرام اموال کا وارث نہیں بناتے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "ہم خصوصاً گروہ انبیاء وارث نہیں بناتے، ہمارا ترکہ صدقہ ہے"(2)۔ پھر فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ ۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان نعمتوں کی بابت خبر دی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ارزانی فرمائی تھیں۔ وسیع سلطنت اور زبردست اقتدار آپ کو بخشا یہاں تک کہ انسان، جن اور پرندے آپ علیہ السلام کے تابع فرمان بنا دیئے گئے۔ آپ پرندوں اور حیوانوں کی بولیاں بھی سمجھ لیتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل وکرم ہے جو کسی اور انسان پر نہیں ہوا۔ بعض جاہلوں کا خیال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے حیوانات انسان کی طرح بولتے تھے۔ یہ قول جہالت اور بے علمی پر مبنی ہے۔ اگر واقعی معاملہ ایسا ہوتا تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں اور نہ ہی اس سے آپ کی تخصیص کرنے کا کوئی فائدہ ہے۔ کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس وقت بھی لوگ پرندوں اور جانوروں کی بولیاں سنتے اور سمجھتے تھے لیکن بات اس طرح نہیں جس طرح ان لوگوں کا خیال ہے بلکہ حیوانات، پرندے اور تمام مخلوقات ہمیشہ سے اسی طرح چلے آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر انعام فرمایا کہ انہیں پرندوں اور حیوانوں کی بولیاں سکھا دیں اس لئے فرمایا: عُلِّمْنَا یعنی ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھا دی گئی ہیں اور ضرورت کی ہر چیز فراہم کردی گئی اور یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا واضح فضل ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی

1۔ الدرالمنثور، جلد 6 صفحہ 344
2۔ صحیح بخاری، جلد 8 صفحہ 185، صحیح مسلم، جلد 5 صفحہ 153، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 4

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت داؤد علیہ السلام بہت غیرت والے تھے، جب آپ گھر سے باہر جاتے تو دروازے بند کر دیے جاتے، پھر آپ کی واپسی تک کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ ایک دن آپ گھر سے باہر چلے گئے اور دروازے بند کر دیے گئے۔ آپ کی ایک زوجہ صحن میں نکلیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ ایک آدمی کھڑا ہے۔ انہوں نے گھر میں موجود افراد سے دریافت کیا کہ یہ شخص گھر میں کہاں سے داخل ہو گیا حالانکہ دروازے بند ہیں؟ اللہ کی قسم! حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے ہماری رسوائی ہو گی۔ اسی اثناء میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی آ گئے۔ آپ نے اس آدمی کو گھر کے وسط میں کھڑا دیکھ کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں وہ ہوں جسے نہ بادشاہوں کا ڈر ہے اور نہ دربانوں کا خوف۔ یہ سن کر آپ فرمانے لگے کہ تم تو ملک الموت ہو، حکم الٰہی سر آنکھوں پر۔ اسی جگہ آپ کی روح قبض کر لی گئی، سورج کی دھوپ آپ پر پڑنے لگی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر سایہ کر دو۔ انہوں نے پر پھیلا کر آپ کو سایہ کر دیا یہاں تک کہ زمین پر تاریکی سی چھا گئی۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ ایک ایک کر کے اپنے پر سمیٹ لو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! پرندوں نے پر کیسے سمیٹے؟ آپ نے اپنا ہاتھ سمیٹ کر اس کی کیفیت بتائی۔ اس دن سرخ رنگ کے گدھ غالب آ گئے تھے“(1)۔ فرمایا: وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بڑی شان و شوکت کے حامل لشکر تیار کر دیے گئے جو جنوں، انسانوں اور پرندوں پر مشتمل تھے۔ اس لشکر کی ترتیب یہ ہوتی کہ آپ کے قریب انسان ہوتے، پھر جن اور پرندے آپ کے سر کے اوپر۔ گرمی میں پرندے اپنے پروں سے سایہ کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ کا معنی یہ ہے کہ وہ سب نظم و ضبط کے پابند تھے، جس کے لئے جو مقام اور جگہ معین تھی، وہ اس سے سرمو انحراف نہ کرتا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ہر صنف پر کچھ محافظ مقرر تھے جو انہیں نظم و ضبط اور ترتیب کا پابند رکھتے جیسا کہ بادشاہوں کا دستور ہے(2)۔ پھر فرمایا: حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ...... یعنی جب حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکروں کو لے کر ایسی وادی سے گزرنے لگے جہاں چیونٹیوں کی آبادی تھی، تو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ اپنی بلوں میں گھس جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان علیہ السلام اور آپ کے لشکر تمہیں روند ڈالیں اور انہیں خبر تک نہ ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس چیونٹی کا نام حرس تھا، وہ بنوشیصان قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی، لنگڑی تھی اور بقدر بھیڑیے کے، اسے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ سب چیونٹیاں گھوڑوں کے پاؤں تلے روندی جائیں گی، اس لئے اس نے انہیں بلوں میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ چیونٹی کی بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام ہنستے ہوئے مسکرائے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے: رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ۔ یعنی اے میرے پروردگار! تو مجھے ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا الہام فرما جن سے تو نے مجھے سرفراز فرمایا کہ پرندوں اور حیوانوں کی بولیاں سکھا دیں اور جو انعام تو نے میرے والدین پر فرمایا کہ وہ تجھ پر ایمان لائے اور تیرے حضور سر تسلیم خم کیا اور تو مجھے یہ توفیق بھی مرحمت فرما کہ میں تیری خوشنودی کے لئے نیک کام کروں اور جب میری وفات کا وقت آئے تو تو مجھے اپنے صالح بندوں اور جلیل القدر دوستوں کے ساتھ ملا دے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ وادی شام یا کسی اور جگہ تھی، اس چیونٹی کے مکھیوں جیسے دو پر تھے، اسی طرح کے اور بھی اقوال ہیں لیکن یہ تمام لاحاصل ہیں۔ نوف بکالی کا کہنا ہے کہ وہ چیونٹیاں بھیڑیوں جیسی تھیں۔ یہ کاتب کی غلطی کا شاخسانہ ہے اصل میں لفظ ذباب ہے یعنی وہ مکھیوں جیسی تھیں لیکن کاتب کی غلطی سے ذئاب (بھیڑیے) لکھ دیا گیا۔ الغرض حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی بات سمجھ گئے اور اس کی بات پر ہنس دیے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 419

2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 141، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 347، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 13، جلد 417

سلیمان علیہ السلام استسقاء کے لئے نکلے۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چیونٹی الٹا لیٹے ہوئے اور اپنے پاؤں آسمان کی طرف بلند کئے ہوئے یہ دعا کر رہی ہے: اے اللہ! ہم بھی تیری مخلوق ہیں، پانی کی ہمیں بھی ضرورت ہے، اگر تو نے پانی نہ برسایا تو ہم ہلاک ہو جائیں گی۔ یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں سے فرمایا کہ چلو، کسی اور کی دعا سے تمہیں پانی مل گیا(1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ایک چیونٹی نے کسی نبی کو کاٹ لیا، انہوں نے چیونٹیوں کی آبادی کو آگ لگا دینے کا حکم دے دیا، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے ایک چیونٹی کے کاٹنے پر ایک پوری آبادی ہلاک کر ڈالی جو ہماری تسبیح خوان تھی؟ اس ایک چیونٹی سے ہی انتقام کیوں نہ لیا؟(2)

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِينَ ۝ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَا۟ذْبَحَنَّهُۥٓ أَوْ لَيَأْتِيَنِّى بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ ۝

''اور آپ نے (ایک روز) پرندوں کا جائزہ لیا۔ تو فرمانے لگے کیا وجہ ہے کہ مجھے (آج) ہدہد نظر نہیں آ رہا۔ یا وہ ہے ہی غیر حاضر۔ (اگر وہ غیر حاضر ہے) تو میں ضرور اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح ہی کر ڈالوں گا یا اسے لانا پڑے گی میرے پاس کوئی روشن سند''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ ہدہد علم ہندسہ کا ماہر تھا اور وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے پانی کی نشاندہی کیا کرتا تھا۔ جب آپ علیہ السلام جنگل میں ہوتے تو پانی تلاش کرنے کی ذمہ داری اسے سونپ دیتے۔ زمین کے اندر کا پانی اسے اس طرح دکھائی دیتا جس طرح انسان کو زمین کے اوپر پڑی ہوئی چیز نظر آتی ہے۔ چنانچہ یہ پانی کی نشاندہی کر دیتا اور سطح زمین سے اس کی گہرائی بھی بتا دیتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جنات کو حکم دیتے وہ اس جگہ کنواں کھود لیتے، اس طرح وہاں سے پانی پھوٹ پڑتا۔ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام کسی جنگل میں اترے، پرندوں کا جائزہ لیا لیکن ہدہد دکھائی نہ دیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ ..... ایک دن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ نے یہ تفسیر بیان کی۔ محفل میں اس وقت نافع بن ازرق خارجی بھی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ آپ پر بہت زیادہ اعتراضات کیا کرتا تھا، کہنے لگا: ٹھہریئے، آج آپ مغلوب ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: وہ کیسے؟ وہ کہنے لگا کہ آپ ہدہد کے متعلق بتا رہے ہیں کہ وہ زمین کے نیچے کا پانی دیکھ لیا کرتا تھا حالانکہ ایک بچہ جال بچھا کر اسے مٹی سے ڈھانپ دیتا ہے اور دانہ ڈال کر ہدہد کو شکار کر لیتا ہے۔ زمین کے اوپر رکھا ہوا جال تو اسے نظر آتا نہیں، بھلا زمین کے نیچے پانی کیسے دیکھتا ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے اس شخص کی اس لاف زنی کا اندیشہ نہ ہوتا کہ ابن عباس لاجواب ہو گیا تو میں اسے جواب ہی نہ دیتا۔ پھر آپ اسے فرمانے لگے کہ جب تقدیر آ جاتی ہے تو آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور احتیاط جاتی رہتی ہے۔ اس پر نافع لاجواب ہو کر کہنے لگا: بخدا! آئندہ میں کبھی بھی قرآن کریم کے متعلق آپ سے بحث نہیں کروں گا(3)۔ حضرت عبداللہ برزی ایک صالح شخص تھے۔ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھنا ان کا معمول تھا۔ اسی سال کی عمر تھی اور ایک آنکھ سے کانے تھے۔ ابوسلیمان بن زید نے ان سے ایک آنکھ کے جاتے رہنے کا سبب دریافت کیا لیکن انہوں نے بتانے سے انکار کر دیا۔ وہ مسلسل کئی ماہ اصرار کرتے رہے۔ جب اصرار حد سے بڑھ گیا تو وہ بتانے لگے کہ دو خراسانی میرے پاس جمعہ کے دن برزہ (دمشق کے قریب شہر) میں آئے اور مجھے کہنے لگے کہ برزہ کی وادی کی طرف ہماری رہنمائی کریں۔ میں انہیں وہاں لے گیا۔ انہوں نے

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 347 2۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1759 3۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 349

انگیٹھیاں نکالیں اور ان میں بہت زیادہ بخور جلائے یہاں تک کہ وادی دھوئیں سے اٹ گئی۔ ہر طرف سے سانپوں کی آمد شروع ہوگئی لیکن یہ دونوں بے نیازی سے بیٹھے کسی کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے تھے۔ آخرکار ہاتھ بھر کا ایک سانپ نکلا جس کی آنکھیں دینار کی طرح چمک رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر یہ بہت مسرور ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارا سال بھر کا سفر رائیگاں نہیں گیا۔ انہوں نے انگیٹھیاں توڑ ڈالیں اور سانپ پکڑ لیا، پھر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر وہی سلائی اپنی آنکھوں میں پھیر لی۔ میں نے ان سے تقاضا کیا کہ میری آنکھوں میں بھی یہ سلائی پھیر دو لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ میرے پیہم اصرار اور مخبری کی دھمکی سے متاثر ہو کر انہوں نے میری دائیں آنکھ میں وہ سلائی پھیر دی۔ اب زمین مجھے شیشے کی طرح نظر آنے لگی اور اس کے نیچے کی چیزیں مجھے صاف دکھائی دینے لگیں۔ وہ مجھے کہنے لگے کہ آپ کچھ دور ہمارے ساتھ چلیں۔ میں ان سے گفتگو کرتا ہوا ان کے ساتھ چل پڑا۔ جب ہم بستی سے کافی دور نکل گئے تو انہوں نے مجھے پکڑ کر باندھ دیا اور ایک نے میری وہ آنکھ پھوڑ کر باہر پھینک دی اور دونوں چلتے بنے۔ میں یونہی بندھا ہوا پڑا تھا کہ اتفاقاً وہاں سے ایک قافلہ گزرا۔ انہوں نے میری حالت زار پر ترس کھاتے ہوئے مجھے بندھن سے رہائی دلوائی۔ یہ ہے میری آنکھ کا قصہ۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہدہد کا نام عنبر تھا (1)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں ہر قسم کے پرندے باری باری حاضر ہوتے۔ ایک مرتبہ سب پرندے حاضر ہوئے بجز ہدہد کے، اس پر آپ نے فرمایا کہ کیا بات ہے مجھے ہدہد دکھائی نہیں دے رہا۔ میں اسے نہیں دیکھ سکا یا وہ موجود ہی نہیں ہے (2)۔ فرمایا: لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا یعنی میں اس کے پر نچوا دوں گا، یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے (3)۔ عبداللہ بن شداد اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ میں اس کے پر نچوا کر اسے دھوپ میں پھینک دوں گا۔ اسی طرح دیگر حضرات نے بھی اس کا تقریباً یہی معنی بیان کیا ہے کہ میں اس کے پر نچوا کر اسے پھینک دوں گا اور کیڑے مکوڑے اور چیونٹیاں اسے کھا جائیں گی، یا میں اسے ذبح کر دوں گا یا یہ کہ وہ اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کرے۔ سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن شداد بیان کرتے ہیں کہ جب ہدہد آیا تو پرندے اسے کہنے لگے کہ آج تمہاری خیر نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام تمہیں قتل کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ کیا آپ نے استثناء کی؟ وہ کہنے لگے: ہاں، آپ نے یہ فرمایا: لَاُعَذِّبَنَّهٗ ... وہ کہنے لگا کہ پھر تو میں بچ گیا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کے باعث نجات دی۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾

"پس کچھ زیادہ دیر نہ گزری (کہ وہ آگیا) اور کہنے لگا میں ایک ایسی اطلاع لے کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر نہ تھی، اور (وہ یہ

1۔ الدرالمنثور، جلد 6 صفحہ 349، مبہمات الاقران السیوطی: 152
2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 144
3۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 405، الدرالمنثور، جلد 6 صفحہ 349

کہ) میں لے آیا ہوں آپ کے پاس ملک سبا سے ایک یقینی خبر۔ میں نے پایا ایک عورت کو جو ان کی حکمران ہے اور اسے دی گئی ہے ہر قسم کی چیز سے اور اس کا ایک عظیم (الشان) تخت ہے۔ میں نے پایا ہے اسے اور اس کی قوم کو کہ وہ سب سجدہ کرتے ہیں سورج کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور آراستہ کر دیئے ہیں ان کے لئے شیطان نے ان کے (یہ مشرکانہ) اعمال۔ پس اس نے روک دیا ہے انہیں (سیدھے) راستہ سے پس وہ ہدایت قبول نہیں کرتے۔ وہ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ تعالیٰ کو جو نکالتا ہے پوشیدہ چیزوں کو آسمانوں اور زمین سے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے وہ مالک ہے عرش عظیم کا"۔

تھوڑی دیر کی غیر حاضری کے بعد ہد ہد آ گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کرنے لگا کہ میں ایسی اطلاع لے کر آیا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں اور میں سبا سے ایک یقینی اور سچی خبر آپ کے پاس لایا ہوں۔ سبا سے مراد شاہان یمن (حمیر) ہیں۔ پھر ہد ہد کہنے لگا: اِنِّیْ وَجَدْتُّ ... حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت جو عورت ان کی حکمران تھی، اس کا نام بلقیس بنت شراحیل تھا۔(1) قتادہ کہتے ہیں کہ بلقیس کی ماں جنیہ تھی، اس کے پاؤں کا پچھلا حصہ چوپائے کے کھر جیسا تھا۔ زہیر بن محمد کہتے ہیں کہ بلقیس بنت شراحیل بن مالک بن ریان کی ماں کا نام فارعہ تھا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ اس کے باپ کا نام ذی شرخ اور ماں کا نام بلتقہ تھا(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بلقیس کے ساتھ ایک لاکھ سردار ہوتے اور ہر سردار کے ماتحت ایک لاکھ جنگجو ہوتے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ بلقیس کے ماتحت بارہ ہزار سردار اور ہر سردار کے ماتحت ایک لاکھ جنگجو تھے۔ اس کی مجلس مشاورت تین سو بارہ افراد پر مشتمل تھی، ان میں سے ہر ایک فرد کے ماتحت دس ہزار کی جمعیت تھی۔ صنعاء سے تین میل دور مآرب کے علاقہ پر اس کی بادشاہت قائم تھی۔ اس کا زیادہ تر حصہ یمن میں ہے۔ یہی قول زیادہ قرین قیاس ہے۔ ہد ہد مزید کہنے لگا: وَاُوْتِیَتْ... یعنی اسے وہ تمام دنیاوی ساز و سامان اور اسباب مہیا کئے گئے ہیں جن کی ضرورت ایک صاحب اقتدار بادشاہ کو ہوا کرتی ہے اور اس کا ایک عظیم الشان تخت ہے جو سونے اور انواع اقسام کے موتیوں سے آراستہ ہے۔ زہیر بن محمد کہتے ہیں کہ تخت بلقیس سونے کا بنا ہوا تھا اور یاقوت اور زمرد سے مزین تھا۔ اس کا طول اسی ہاتھ اور عرض چالیس ہاتھ تھا۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ بلقیس کا تخت سونے کا تھا اور اس میں یاقوت، زمرد اور موتیوں کے جڑاؤ کا کام ہوا تھا۔ چھ سو عورتیں ملکہ کی خدمت گزار تھیں۔ علماء تاریخ کا کہنا ہے کہ یہ تخت ایک عظیم الشان اور بہت بڑے پختہ محل میں رکھا ہوا تھا جس کی مشرقی جانب تین سو ساٹھ طاق تھے اور اتنی تعداد میں ہی مغربی جانب۔ اس کی وضع ایسی تھی کہ ہر روز سورج ایک طاق سے داخل ہوتا اور اس کے بالمقابل طاق سے غروب ہوتا، اس کے درباری صبح و شام اسے سجدہ کر لیتے، اس لئے فرمایا: وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا ۔ یعنی میں نے اسے اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کی پرستش میں لگے ہوئے تھے، شیطان نے ان کے اعمال بد ان کے لئے آراستہ کر دیئے اور انہیں راہ راست سے برگشتہ کر دیا، سو وہ حق کی راہ کو پہچانتے ہی نہیں جو یہ ہے کہ سورج، چاند، ستاروں اور دیگر اشیاء کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا جائے جیسا کہ فرمایا: وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (حم السجدۃ: 37)'' اور اس کی نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی، سورج بھی ہے اور چاند بھی، مت سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے اگر تم واقعی اس کے پرستار ہو''۔ ایک دوسری قرأت میں

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 351، مفحمات الاقران السیوطی: 152

''اَلَّا یَسْجُدُوْا'' کی بجائے ''اَلَا یَا اسْجُدُوْا'' پڑھا گیا ہے(1)۔اس صورت میں ''اَلَا'' استفتاح کے لئے اور ''یا'' ندا کے لئے ہو گا۔ منادی محذوف ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی: ''اَلَا یَا قَوْمِ اسْجُدُوْا لِلّٰہِ''۔ حضرت ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس فرمان اَلَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ .. کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ جو زمین و آسمان کی ہر پوشیدہ چیز کو جانتا ہے۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''الخب'' کا معنی ہے پانی۔ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہر قسم کا رزق ہے: آسمان سے پانی اور زمین سے پیداوار۔ یہ معنی ہدہد کی کلام کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے جس میں بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ خصوصیت تھی کہ وہ زمین کے نیچے چلتے ہوئے پانی کو دیکھ لیا کرتا تھا۔ پھر فرمایا: وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کے ان تمام اقوال و افعال کو جانتا ہے جنہیں وہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ (الرعد:10) ''سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے اور وہ بھی جو رات کے وقت چھپا رہتا ہے اور وہ بھی جو دن کو چلتا رہتا ہے''۔ اگلی آیت میں فرمایا: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ .. یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود حقیقی ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے جس سے بڑی چیز کوئی نہیں۔ ہدہد چونکہ خیر، صرف خدائے واحد کی عبادت اور صرف اسے ہی سجدہ کرنے کی دعوت دینے والا تھا، اس لئے اس کے قتل کی ممانعت کر دی گئی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چار جانوروں کے قتل سے منع فرما دیا: ''چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور لٹورا'' (2)۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ
تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾
اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

'' آپ نے فرمایا ہم پوری تحقیق کریں گے اس بات کی کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو بھی غلط بیانی کرنے والوں سے ہے۔ لے جا میرا یہ مکتوب اور پہنچا دے ان کی طرف پھر ہٹ کر کھڑا ہو جا ان سے اور دیکھ وہ ایک دوسرے سے کیا گفتگو کرتے ہیں۔ (خط پڑھ کر) ملکہ نے کہا اے سرداران قوم! پہنچایا گیا ہے میری طرف ایک عزت والا خط۔ یہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن (اور) رحیم ہے۔ تم لوگ غرور و تکبر نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے پاس فرمانبردار بن کر''۔

ہدہد نے جب اہل سبا اور ان کی ملکہ کے متعلق حضرت سلیمان علیہ السلام کو آگاہ کیا تو آپ فرمانے لگے کہ ہم تحقیق کریں گے کہ کیا تو نے سچ بولا ہے یا سزا سے بچنے کے لئے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے ملکہ اور اس کی قوم کے نام ایک مکتوب تحریر کر کے ہدہد کے حوالے کیا اور فرمایا: اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ چنانچہ ہدہد اس خط کو اپنے پر یا چونچ میں لے کر پرواز کرتے ہوئے بلقیس کے محل تک پہنچ گیا۔ وہ اس وقت اپنے خلوت خانہ میں تھی۔ ہدہد نے ایک روزن میں سے وہ خط اس کے سامنے رکھ دیا اور ادب کے ساتھ ایک طرف ہٹ گیا۔ دیکھ کر ملکہ کو سخت حیرت ہوئی اور کچھ وحشت بھی محسوس کی، پھر خط اٹھایا اور اسے کھول کر پڑھا تو اس کا مضمون یہ تھا: اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ ... مُسْلِمِيْنَ اسی وقت اس نے اپنے امراء، وزراء اور اعیان مملکت کی مجلس مشاورت منعقد کی اور انہیں کہا: يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ

1۔ ارشاد القرآن لابن الساد شی، جلد 2 صفحہ 719-720
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصید، جلد 2 صفحہ 1074، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 367 وغیرہ

اِنِّیْٓ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۔ ملکہ کے خط کو کریم (عزت والا) کہنے کی وجہ یہ تھی کہ خط کا معاملہ بہت حیرت انگیز اور عجیب وغریب تھا، ایک پرندے نے یہ خط اس تک پہنچایا پھر وہ ادب سے ایک طرف ہٹ گیا۔ یہ ایسا امر ہے جس پر کوئی بادشاہ قدرت نہیں رکھتا۔ جب اس نے درباریوں کو یہ خط پڑھ کر سنایا تو وہ سمجھ گئے کہ یہ خط اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور ان میں آپ کے مقابلہ کی تاب نہیں۔ وہ خط ایجاز، فصاحت و بلاغت، جامعیت اور دلکش اسلوب کا مرقع تھا۔ علماء کرام کا کہنا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے کسی نے خط میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی۔ ابن ابی حاتم میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے ایک ایسی آیت کا علم ہے جو مجھ سے پہلے سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے بعد کسی نبی پر نہیں اتری"۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کون سی آیت؟ آپ نے فرمایا: "میں مسجد سے جانے سے پہلے تمہیں بتا دوں گا"۔ اب آپ مسجد سے باہر نکلنے لگے اور اپنا ایک قدم باہر رکھ دیا تو میں نے سوچا کہ شاید آپ ﷺ بھول گئے۔ اتنے میں آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور یہ آیت اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ ... پڑھی۔ یہ حدیث غریب اور اس کی سند ضعیف ہے۔ حضرت میمون بن مہران کہتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" تحریر کیا کرتے تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا شروع کر دیا۔ فرمایا: اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ ... یعنی میرے مقابلہ میں سرکشی اور تکبر نہ کرو بلکہ موحد، مخلص اور مطیع بن کر میرے پاس چلے آؤ۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝

"ملکہ نے کہا اے سرداران قوم! مجھے مشورہ دو میرے اس معاملہ میں۔ میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا کرتی جب تک تم موجود نہ ہو۔ وہ کہنے لگے ہم بڑے طاقتور اور سخت جنگجو ہیں۔ اور فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے آپ غور کریں کہ آپ کیا حکم دینا چاہتی ہیں۔ ملکہ نے کہا اس میں شک نہیں کہ بادشاہ جب داخل ہوتے ہیں کسی بستی میں تو اسے برباد کر دیتے ہیں اور بنا دیتے ہیں وہاں کے معزز شہریوں کو ذلیل۔ اور یہی ان کا دستور ہے۔ (اس لئے جنگ کرنا قرین دانشمندی نہیں) اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف ایک تحفہ پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں"۔

ملکہ نے شاہی مشیروں کو خط پڑھ کر سنایا اور اس معاملہ میں ان سے مشورہ طلب کرتے ہوئے کہنے لگی: قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ ... جواب میں وہ کہنے لگے: نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ یعنی ہم طاقتور اور سخت جنگجو ہیں۔ بعد ازاں وہ فیصلہ کا اختیار ملکہ کو سونپتے ہوئے کہنے لگے: وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ ۔ یعنی اگر آپ جنگ پر آمادہ ہوں تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ ہی ہماری طرف سے کوئی رکاوٹ ہے، بہر صورت فیصلہ کا اختیار آپ کو حاصل ہے، آپ حکم کریں، ہم اس کی پیروی کریں گے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشیروں نے فیصلہ کا اختیار ملکہ کے سپرد کر دیا جو سخت اضطراب کا شکار تھی، وہ اپنے درباریوں سے زیادہ محتاط اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت وسطوت سے زیادہ واقف تھی، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ آپ کے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتی جس میں جن، انسان

اور پرندے شامل تھے اور ہدہد کے ذریعے موصول خط کا عجیب و غریب معاملہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی۔ وہ اپنے درباریوں سے کہنے لگی کہ مجھے خدشہ ہے کہ جنگ کی صورت میں سلیمان اپنا لشکر لے ہم پر چڑھائی کر دیں گے اور بلا استثناء ہم سب کو برباد کر دیں گے، اس لئے کہنے لگی: اِنَّ الْمُلُوْكَ یعنی بادشاہ جب زبردستی کسی ملک کو فتح کرتے ہیں تو اسے وہ برباد کر دیتے ہیں اور وہاں کے معزز لوگوں خصوصاً اعیان مملکت اور قائدین لشکر کو قتل کر کے یا قیدی بنا کر ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں اور یہی ان کا دستور ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بلقیس کے قول کی تائید اپنے اس فرمان وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ سے کی(1)، پھر ملکہ نے ایک چال چلتے ہوئے صلح پر آمادگی ظاہر کی اور کہنے لگی: وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ۔ یعنی میں ایک گرانقدر تحفہ انہیں بھیجتی ہوں جو ان کے شایان شان ہوگا، پھر دیکھوں گی کہ وہ اس کے بعد کس ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ بہت ممکن ہے وہ ہمارا تحفہ قبول کر کے ہم سے صرف نظر کر لیں یا ہم پر سالانہ خراج مقرر کر کے جنگ سے باز رہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ملکہ نے قبول اسلام میں کیسی دانائی سے کام لیا، اسے معلوم تھا کہ تحفہ بڑی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ملکہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ اگر سلیمان نے ہدیہ قبول کر لیا تو سمجھ لینا وہ بادشاہ ہیں، اس لئے ان سے جنگ کرنا اور اگر انہوں نے ہمارا ہدیہ قبول نہ کیا تو سمجھ لینا وہ نبی ہیں، اس لئے ان کی اتباع کرنا۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿٣٦﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾

''سو جب قاصد آپ کے پاس (ہدیہ لے کر) آیا تو آپ نے فرمایا کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو (سنو!) جو عطا فرمایا ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ بہتر ہے اس سے جو تمہیں دیا ہے۔ بلکہ تم تو اپنے ہدیہ پر پھولے نہیں سما رہے (گویا کوئی بڑی نادر چیز لائے ہو) تو واپس چلا جا ان کے پاس اور ہم آ رہے ہیں ان کی طرف اپنے لشکر لے کر جن کے مقابلہ کی ان میں تاب نہیں اور ہم یقیناً نکال دیں گے انہیں اس شہر سے ذلیل کر کے اور وہ خوار اور رسوا ہو چکے ہوں گے''۔

اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جو تحفہ بھیجا تھا، وہ سونے، ہیرے جواہرات وغیرہ پر مشتمل تھا۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس نے سونے کی ایک اینٹ بھیجی تھی۔ صحیح یہ ہے کہ اس نے سونے کا ایک برتن تحفہ میں روانہ کیا تھا، حضرت مجاہد، سعید بن جبیر وغیرہ کہتے ہیں کہ اس نے لڑکوں کے بھیس میں کچھ لڑکیاں اور لڑکیوں کے بھیس میں کچھ لڑکے روانہ کئے اور کہنے لگی کہ اگر سلیمان ان کے درمیان تفریق کر گئے تو وہ واقعی نبی ہیں۔ جب یہ لڑکے لڑکیاں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے انہیں وضو کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ لڑکیاں اپنے ہاتھوں پر پانی انڈیلنے لگیں اور لڑکے برتن میں ڈال کر چلو بھرنے لگے، اس سے آپ علیہ السلام نے دونوں میں امتیاز کر لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ لڑکیوں نے پہلے اپنے ہاتھوں کا اندرونی حصہ دھویا اور لڑکوں نے ان کے برعکس پہلے بیرونی حصہ دھویا۔ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ لڑکیوں نے اپنے ہاتھ دھوتے وقت انگلیوں سے آغاز کیا اور کہنیوں تک بازو دھوئے لیکن لڑکوں نے کہنیوں سے آغاز کرتے ہوئے انگلیوں تک ہاتھ دھوئے، بہر صورت ان تمام اقوال میں کوئی منافات اور تضاد نہیں۔ بعض نے ذکر کیا ہے کہ ملکہ نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 154-155، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 357

حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف ایک برتن بھیجا اور فرمائش کی کہ آپ اسے ایسے پانی سے بھر دیں جو نہ آسمان کا ہو اور نہ زمین کا۔ چنانچہ آپ نے گھوڑے دوڑائے اور ان کے پسینہ سے وہ برتن بھر دیا، اسی طرح اس نے ایک منکا اور ڈوری بھیجی تا کہ آپ اسے اس میں پرو دیں۔ مذکورہ اقوال میں سے اکثر اسرائیلی روایات میں سے لیے گئے ہیں جن کی صحت کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ یہ بات واضح ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کے تحفے کی طرف نہ تو التفات کیا اور نہ اس میں دلچسپی کا اظہار کیا بلکہ اس سے اعراض برتتے ہوئے اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمانے لگے: اَتُمِدُّوْنَنِ ۔ یعنی کیا تم مجھے رشوت پیش کرتے ہو تا کہ میں تمہیں تمہارے شرک اور بادشاہت پر برقرار رکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس بادشاہت، مال و دولت اور لاؤ لشکر سے نواز رکھا ہے وہ تمہارے مال و متاع سے بہتر ہے، بلکہ تم اس فطرت کے لوگ ہو کہ تحائف قبول کر کے جھک جاتے ہو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو سن لو میری رضامندی اسی میں ہے کہ اسلام قبول کر لو ورنہ تلوار فیصلہ کرے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات نے سونے اور چاندی کے ایک ہزار محلات تیار کر دیئے۔ جب ملکہ کے قاصدوں نے انہیں دیکھا تو دم بخود ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ ایسی شان و شوکت والے بادشاہ کے سامنے ہمارے تحفہ کی کیا حیثیت ہے۔ اس میں اس بات کا جواز ہے کہ قاصدوں اور سفارتکاروں کے سامنے اظہار زینت میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام قاصدوں سے فرمانے لگے: اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ ۔ یعنی یہ ہدیے ان کے پاس واپس لے جاؤ اور انہیں یہ پیغام دے دو کہ ہم ایسا لشکر لے کر حملہ آور ہونے والے ہیں جس کے مقابلہ کی ان میں تاب نہیں اور ہم انہیں ان کے ملک سے ذلیل و رسوا کر کے نکال باہر کریں گے۔ جب قاصد تحائف واپس لے کر ملکہ کے پاس پہنچے اور اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیغام پہنچایا تو اس نے اور اس کی قوم نے اسے سن کر اطاعت کا مظاہرہ کیا۔ اس نے اپنا لشکر اپنے ساتھ لیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اتباع اور قبول اسلام کی نیت سے آپ کی طرف چل پڑی۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان لوگوں کے ارادہ کی بابت علم ہوا تو آپ بہت مسرور ہوئے۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ
مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ
الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ
مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ
فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

” آپ نے فرمایا اے (میرے) درباریو! کون تم سے لے آئے گا میرے پاس اس کے تخت کو اس سے پہلے کہ وہ آجائیں میری خدمت میں فرمانبردار بن کر۔ عرض کی ایک عفریت نے جنات میں سے (حکم ہو تو) میں لے آتا ہوں آپ کے پاس اسے پیشتر ازیں کہ آپ کھڑے ہوں اپنی جگہ سے۔ اور بے شک میں اس کو اٹھا لانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں (اور) امین بھی ہوں۔ عرض کی اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا (اجازت ہو تو) میں لے آتا ہوں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے کہ آپ کی آنکھ جھپکے۔ پھر جب آپ نے اسے دیکھا کہ وہ رکھا ہوا ہے آپ کے نزدیک تو فرمانے لگے یہ میرے رب کا

فضل (وکرم) ہے۔ تاکہ وہ آزمائے مجھے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے۔ اور جو ناشکری کرتا ہے (وہ اپنا نقصان کرتا ہے) بلاشبہ میرا رب غنی بھی ہے (اور) کریم بھی"۔

جب قاصد حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیغام لے کر ملکہ بلقیس کے پاس لوٹے تو وہ کہنے لگی کہ اب مجھے سمجھ آ گئی ہے کہ آپ بادشاہ نہیں۔ ہم نہ تو ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ہی ہمیں ان کے ساتھ تکبر وغرور کرنے سے کچھ حاصل ہوگا۔ چنانچہ اس نے آپ علیہ السلام کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ آپ کے پاس حاضر ہو رہی ہوں تاکہ میں اپنی آنکھوں سے آپ کے احوال کا مشاہدہ کروں اور آپ کے دین کے متعلق معلومات حاصل کروں۔ پھر اس نے ہیرے جواہرات سے مزین اپنا سنہری تخت سات محلات میں مقفل کر دیا اور اپنے نائب کو امور سلطنت کی انجام دہی کی ذمہ داری سونپتے ہوئے تاکید کی کہ تخت کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا، کوئی شخص اس تک نہ پہنچنے پائے بلکہ کوئی اسے دیکھنے کی بھی جرأت نہ کرے۔ یہ تاکیدی احکام صادر کرنے کے بعد اس نے یمن کے بارہ ہزار سردار اپنے ساتھ لئے جن میں سے ہر ایک کے ماتحت ہزار ہا افراد تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف عازم سفر ہو گئی۔ جنات ملکہ کی پل پل کی خبر آپ علیہ السلام تک پہنچا رہے تھے۔ جب وہ قریب پہنچ گئی تو آپ نے اپنے دربار میں موجود جن وانس سے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ ..... قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے تخت بلقیس کا تذکرہ ہوا کہ وہ سونے کا بنا ہوا ہے، اس کے پائے ہیرے جواہرات کے ہیں، اس پر ریشم کے پردے لٹکتے ہیں اور اس کے نو دروازے ہیں تو یہ آپ کو بہت پسند آیا۔ یہ بات آپ کو ناپسند تھی کہ ان لوگوں کے اسلام لانے کے بعد آپ وہ تخت لے لیں کیونکہ آپ کو علم تھا کہ جب وہ اسلام لے آئیں گے تو ان کے مال اور ان کے خون حرام ہو جائیں گے (1)۔ عطا خراسانی، سدی اور زہیر بن محمد کا بھی یہی قول ہے۔ آپ کا حکم سن کر کوزن نامی پہاڑ جیسا ایک سرکش جن کہنے لگا: اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ... یعنی آپ کے مجلس برخاست کرنے سے پہلے پہلے میں اسے لے آؤں گا۔ (2) سدی وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے اور ان کے تنازعات حل کرنے اور انصاف فراہم کرنے کے لئے صبح سے زوال آفتاب تک دربار عام لگاتے تو وہ جن مزید کہنے لگا: وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ یعنی میں اس تخت کو اٹھانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں اور اس میں جو قیمتی جواہرات جڑے ہوئے ہیں، ان پر امین بھی ہوں اور ان میں ہرگز خیانت نہیں کروں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میری خواہش تو یہ ہے کہ وہ تخت اس سے بھی پہلے میرے پاس پہنچ جائے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس تخت کو منگوانے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک غرض تو اس شان وشوکت اور قوت واقتدار کا اظہار تھا جس سے صرف آپ کو نوازا گیا اور دوسری غرض ایک عظیم الشان معجزے کا اظہار تھا تاکہ بلقیس کے سامنے یہ معجزہ آپ کی نبوت کی دلیل بن جائے کہ ان کی آمد سے پہلے پہلے آپ نے وہ تخت منگوا لیا جو سات محلات میں مقفل تھا اور پہریدار اس کی حفاظت پر مامور تھے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے جلدی تخت لانے کا تقاضا کیا تو وہ شخص بولا جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول یہ شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب آصف تھے۔ ان کے باپ کا نام برخیا تھا۔ یہ صدیق تھے اور اسم اعظم جانتے تھے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ مومن تھے اور ان کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ان کا نام اسطوم تھا۔ قتادہ سے ایک دوسری روایت میں ان کا نام بلیخا منقول ہے۔ زہیر بن محمد کہتے ہیں کہ ان کا لقب ذوالنور تھا۔ عبداللہ بن لہیعہ کا خیال ہے کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے۔ وہ کہنے لگے: اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 359 2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 359، مفحمات الاقران السیوطی: 154

قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ ...یعنی آپ حسب قدرت اپنی نگاہ دوڑائیں۔ آپ کے دیکھتے دیکھتے تخت آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ وہب بن منبہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ آپ اپنی نظر دوڑائیں، اس کے اپنی انتہائی حد کو پہنچنے سے پہلے تخت آپ کی خدمت میں حاضر کروں گا۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ یمن کی طرف نظر کریں جہاں مطلوبہ تخت موجود ہے، پھر یہ کھڑے ہوئے، وضو کیا اور بارگاہ الٰہی میں دعا کرنے لگے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ انہوں نے ''یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ'' کہا۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کی دعا یہ تھی: ''یَا اِلٰھَنَا وَاِلٰہَ کُلِّ شَیْءٍ اِلٰھًا وَّاحِدًا لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ ائْتِنِیْ بِعَرْشِھَا''۔ یہ دعا کرنے کی دیر تھی کہ تخت فوراً سامنے حاضر ہوگیا۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، محمد بن اسحاق اور زہیر بن محمد کہتے ہیں کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے تخت بلقیس لانے کی درخواست کی تو وہ تخت زمین میں غائب ہوگیا۔ تخت یمن میں تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس میں۔ پھر وہ تخت فوراً حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ظاہر ہوگیا۔ جب آپ علیہ السلام نے تخت اپنے سامنے موجود پایا تو فرمایا: ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ

یعنی یہ ان نعمتوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے ارزانی فرمائی ہیں تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ کیا میں شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شخص شکر گزاری کرتا ہے، وہ اپنے مفاد کے لئے ہی ایسا کرتا ہے جیسا کہ فرمایا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْھَا (حم السجدة:46) ''جو نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے بھلے کے لئے کرتا ہے اور جو برائی کرتا ہے اس کا وبال اس پر ہے''۔ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِھِمْ یَمْھَدُوْنَ (الروم:44) ''اور جنہوں نے نیک عمل کئے وہ اپنے لئے ہی راہ ہموار کر رہے ہیں''۔ پھر فرمایا: وَمَنْ کَفَرَ یعنی جو ناشکری کرتا ہے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ بندوں اور ان کی عبادت سے بے نیاز ہے اور وہ کریم ہے اگرچہ کوئی بھی اس کی عبادت نہ کرے کیونکہ اس کی عظمت کسی کی محتاج نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اِنْ تَکْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا فَاِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ (ابراہیم:8) ''اگر ناشکری کرنے لگو تم اور وہ سب جو سطح زمین پر ہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ غنی (اور) سب تعریفوں کا مستحق ہے''۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن اور انسان تم میں سے سب سے زیادہ متقی شخص جیسے ہو جائیں تو میرے ملک میں ذرہ بھر بھی اضافہ نہیں کر سکتے۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن اور انسان تم میں سے سب سے زیادہ فاجر شخص جیسے ہو جائیں تو میرے ملک میں کوئی کمی واقع نہیں کر سکتے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں تمہارے لئے شمار کر رہا ہوں، پھر میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔ جو شخص بھلائی پائے تو اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور جو اس کے برعکس پائے تو وہ صرف اپنے نفس کو ہی ملامت کرے''(1)۔

قَالَ نَکِّرُوْا لَھَا عَرْشَھَا نَنْظُرْ اَتَھْتَدِیْٓ اَمْ تَکُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَھْتَدُوْنَ ۝ فَلَمَّا
جَآءَتْ قِیْلَ اَھٰکَذَا عَرْشُکِ ؕ قَالَتْ کَاَنَّہٗ ھُوَ ۚ وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِھَا وَکُنَّا
مُسْلِمِیْنَ ۝ وَصَدَّھَا مَا کَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ اِنَّھَا کَانَتْ مِنْ قَوْمٍ کٰفِرِیْنَ ۝
قِیْلَ لَھَا ادْخُلِی الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْہُ حَسِبَتْہُ لُجَّۃً وَّکَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْھَا ؕ قَالَ اِنَّہٗ
صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ رعد:29، تفسیر سورۂ ابراہیم:7

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾

"آپ نے حکم دیا شکل بدل دو اس کے لئے اس کے تخت کی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حقیقت پر آگاہ ہوتی ہے یا ہو جاتی ہے ان لوگوں سے جو حقیقت کو نہیں پہچانتے۔ سو جب وہ آئی تو اس سے پوچھا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے۔ کہنے لگی یہ تو ہو بہو وہی ہے اور ہمیں اطلاع مل گئی تھی اس واقعہ کی اس سے پہلے اور ہم تو فرمانبردار بن کر حاضر ہوئے ہیں۔ اور روک رکھا تھا اسے (ایمان لانے سے) ان بتوں نے جن کی وہ عبادت کیا کرتی تھی اللہ تعالیٰ کے سوا۔ بے شک وہ قوم کفار سے تھی۔ اسے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جاؤ۔ پس جب اس نے دیکھا اس (کے بلوریں فرش) کو تو اس نے خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے اور اس نے کپڑا اٹھا لیا اپنی دونوں پنڈلیوں سے۔ آپ نے فرمایا (یہ پانی نہیں) یہ چمکدار محل ہے بلور کا بنا ہوا (اس کی آنکھیں کھل گئیں) کہنے لگی اے میرے رب! میں (آج تک) ظلم ڈھاتی رہی ہوں اپنی جان پر اور ایمان لائی ہوں سلیمان کے ساتھ اللہ پر جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے"۔

بلقیس کے پہنچنے سے پہلے جب اس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لایا گیا تو آپ علیہ السلام نے اس میں کچھ ردوبدل کرنے کا حکم دیا تا کہ ملکہ کی آزمائش کی جا سکے کہ آیا وہ اپنے تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت میں کچھ پتھر اور جواہرات نکلوا دیئے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آپ نے اس کے رنگ وروغن میں تبدیلی کروادی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ اس میں کچھ کمی بیشی کر دی گئی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ تخت کے زیریں حصہ کو بالائی اور سامنے والے حصہ کو پچھلا حصہ بنا دیا گیا، علاوہ ازیں کمی بیشی کر دی۔ جب ملکہ بلقیس آئی تو تبدیل شدہ تخت اس کے سامنے پیش کیا گیا اور اس سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ تمہارا تخت ہے۔ ملکہ بہت عقلمند، زیرک، ہوشیار اور محتاط تھی، اس لئے اس نے یہ نہیں کہا کہ یہ وہی تخت ہے کیونکہ وہ تو بہت دور یمن میں پڑا ہوا تھا لیکن یہ بھی نہیں کہا کہ یہ کوئی اور تخت ہے کیونکہ وہ اپنے تخت کے آثار اور علامات دیکھ چکی تھی اگرچہ اس میں ردوبدل کر دیا گیا تھا اس لئے اس نے کمال دانائی اور ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے تشبیہ کا اسلوب اختیار کیا اور کہا: كَاَنَّهٗ هُوَ یعنی گویا کہ یہ وہی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آیت کا یہ حصہ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے(1) اور بقول مجاہد اور سعید بن جبیر یہ آیت وَصَدَّهَا حضرت سلیمان علیہ السلام کے کلام کا تمہ ہے۔ حضرات مجاہد اور سعید کا یہ قول عمدہ ہے۔ ابن جریر کا بھی یہی قول ہے(2)۔ پھر ابن جریر کہتے ہیں کہ صَدَّهَا کی ضمیر فاعل کا مرجع حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات بھی، مفہوم یہ ہوگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام (یا اللہ تعالیٰ) نے اسے غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا کیونکہ اس کا تعلق کافر قوم سے تھا۔ میں کہتا ہوں کہ مجاہد کا قول اس کی تائید کرتا ہے کہ ملکہ نے محل میں داخل ہونے کے بعد اسلام لانے کا اعلان کیا اس کا بیان عنقریب ہوگا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات نے بلور کا ایک بہت بڑا عظیم الشان محل تعمیر کیا اور اس کے بلوری فرش کے نیچے پانی جاری کر دیا۔ انجان شخص یہی سمجھتا کہ یہ پانی ہے حالانکہ پانی شیشے کے فرش کے نیچے تھا۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ اس کرشمہ سازی سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی غرض کیا تھی۔ بعض کا کہنا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن باوجود اس کے کہ وہ بہت حسین وجمیل تھی، اس کے متعلق آپ نے سن رکھا تھا کہ اس کی پنڈلیوں پر بہت زیادہ بال ہیں اور اس کے ٹخنے چوپاؤں کے کھروں جیسے ہیں۔ اس بات کی تحقیق کے لئے

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 362

2۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 168

آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ جب وہ محل میں داخل ہوئی اور اس نے اپنی پنڈلیوں سے پائنچے اٹھائے تو آپ نے دیکھا کہ اس کی پنڈلیاں اور پاؤں بہت خوبصورت اور بے عیب ہیں۔ چونکہ وہ غیر شادی شدہ تھی، اس لئے اس کی پنڈلیوں پر بال تھے۔ آپ علیہ السلام نے استرے کے ساتھ یہ بال منڈوا دینے کا مشورہ دیا لیکن ملکہ کہنے لگی کہ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ چونکہ یہ بال آپ کو ناپسند تھے اس لئے آپ نے جنات سے کہا کہ کوئی ایسی چیز تیار کرو جس سے یہ بال جاتے رہیں۔ چنانچہ انہوں نے چونا پیش کیا۔ یہ دوا سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے تلاش کی گئی۔ پھر آپ نے اسے اپنے محل میں داخل ہونے کے لئے کہا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ اسے اپنے ملک، سلطنت اور اقتدار کا مشاہدہ کروائیں جس کے مقابلہ میں اس کا اپنا ملک، سلطنت اور اقتدار کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ جب وہ محل میں داخل ہوئی تو بلوری فرش کو دیکھ کر گمان کرنے لگی کہ یہ پانی کا حوض ہے اور اس نے اپنی پنڈلیوں سے پائنچے اوپر اٹھا لئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں غلطی لگی، یہ تو بلور کا چمکتا ہوا محل ہے۔ جب وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچی تو آپ علیہ السلام نے اسے خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دی اور سورج پرستی پر اس کی مذمت کی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ محل دیکھتے ہی ملکہ کی آنکھ کھل گئی اور اسے معلوم ہو گیا کہ اس کے ملک کے مقابلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملک بہت بڑا ہے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات نے بلور کا محل تعمیر کیا جو سفیدی میں پانی جیسا محسوس ہوتا تھا، اس کے فرش تلے آپ نے پانی جاری کروا دیا، پھر وہاں اپنا تخت بچھوایا اور اس پر جلوہ فرما ہوئے۔ پرندے اوپر سایہ کئے ہوئے تھے اور جن وانس دست بستہ حاضر تھے۔ جب آپ نے ملکہ کو توحید کی دعوت دی اور سورج پرستی پر اس کی مذمت کی تو اس نے زندیقوں جیسا جواب دیا اور شان باری تعالیٰ میں گستاخی کی۔ ملکہ کی اس جسارت پر آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے، آپ کے ساتھ باقی لوگ بھی سجدہ میں گر گئے۔ یہ دیکھ کر ملکہ بہت نادم اور پشیمان ہوئی۔ جب آپ علیہ السلام نے سجدہ سے سر اٹھایا تو ملکہ سے فرمایا کہ تم نے یہ کیا کہہ دیا؟! اس نے کہا کہ مجھ سے بھول ہو گئی۔ پھر وہ بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگی رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ چنانچہ وہ صدق دل سے مشرف بہ اسلام ہو گئی(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک غریب اثر مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب تخت پر تشریف فرما ہوتے تو اس کے ارد گرد کرسیاں بچھا دی جاتیں جن پر پہلے انسان بیٹھتے، پھر جن، پھر شیطان، پھر ہوا اس تخت کو فضا میں بلند کر دیتی، پرندے اپنے پروں سے سایہ کر لیتے، پھر آپ کے حکم سے ہوا تخت کو اپنے دوش پر اٹھائے ہوئے چلتی اور مہینہ بھر کی مسافت صبح صبح طے کر لیتی، اسی طرح شام کو مہینہ بھر کی دوری پر پہنچا دیتی۔ ایک دن آپ اسی طرح جا رہے تھے کہ دوران سفر جب پرندوں کا جائزہ لیا تو ہدہد کو مفقود پایا، فرمانے لگے: مَالِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ.. ایسے موقعہ پر پرندے کی سزا یہ ہوتی کہ اس کے پر نچوا کر زمین پر پھینک دیا جاتا اور کیڑے مکوڑے اسے کھا جاتے۔ تھوڑی دیر بعد ہدہد حاضر ہوا اور ملکہ بلقیس کی بابت آپ کو خبر دی۔ آپ نے اس کی صداقت آزمانے کے لئے ملکہ کے نام ایک مکتوب تحریر کیا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد جس کا مضمون یہ تھا: ''اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ''۔ جونہی ہدہد نے یہ خط ملکہ تک پہنچایا اور اس نے پڑھا، اس کے دل میں اس کی عظمت گھر کر گئی۔ اس نے اس معاملہ میں اپنے درباریوں سے مشاورت کی تو انہوں نے اپنی قوت و طاقت کا اظہار کرتے ہوئے مقابلہ پر آمادگی ظاہر کر دی لیکن ملکہ تباہی اور فساد کے خوف سے جنگ کے ارادہ سے باز رہی اور خیر سگالی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ تحائف حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے یہ تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 168

جنگ کی دھمکی دی۔ ملکہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے لاؤ لشکر سمیت آپ علیہ السلام کی طرف عازم سفر ہوئی۔ جب وہ قریب پہنچی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کے لشکر کا گردوغبار دکھائی دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ کے درمیان اتنی مسافت تھی جس قدر رہنارے اور حرہ کے درمیان۔ بعض کہتے ہیں کہ دو ماہ کی مسافت تھی۔ جب آپ علیہ السلام نے گردوغبار دیکھا تو فرمایا: اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا؟ اس پر ایک سرکش جن نے کہا: اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ..... حضرت سلیمان علیہ السلام فرمانے لگے کہ میں اس سے جلد چاہتا ہوں۔ اس پر وہ شخص کہنے لگا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اپنے رب کی کتاب میں دیکھوں گا پھر پلک جھپکنے کی دیر سے پہلے اس تخت کو آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔ اتنی دیر میں اس کرسی تلے سے ملکہ کا تخت برآمد ہو گیا۔ جس پر پاؤں رکھ کر آپ علیہ السلام اپنے تخت پر چڑھتے تھے۔ تخت کو سامنے پا کر آپ نے فرمایا: هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ..... پھر آپ نے ملکہ بلقیس کے تخت میں کچھ ردوبدل کروا دیا اور اس سے پوچھا کہ کیا ایسا ہی تمہارا تخت ہے؟ اس نے جواب دیا: كَاَنَّهٗ هُوَ۔ ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے دو مطالبات کئے، ایک یہ کہ ایسا پانی مطلوب ہے جو نہ زمین کا ہو اور نہ آسمان کا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دستور یہ تھا کہ جب آپ سے کسی چیز کے متعلق دریافت کیا جاتا تو پہلے آپ انسانوں سے پوچھتے، پھر جنات سے اور پھر شیاطین سے۔ شیطان کہنے لگے کہ یہ تو بہت آسان چیز ہے، گھوڑے دوڑائیے اور ان کے پسینہ سے برتن بھر دیجئے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ دوسرا سوال اس نے یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا رنگ کیسا ہے؟ اس سوال کو سنتے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے تخت سے جست لگائی اور سجدہ میں گر گئے، عرض کرنے لگے: اے پروردگار! اس عورت نے مجھ سے ایسا سوال کیا ہے جسے میں اپنی زبان پر بھی نہیں لا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم بے فکر ہو کر واپس اپنے تخت پر چلے جاؤ، میں تمہاری کفایت کرنے والا ہوں۔ چنانچہ آپ واپس اپنے تخت پر بیٹھ گئے اور ملکہ سے فرمانے لگے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا سوال کیا تھا؟ وہ کہنے لگی کہ میں نے تو آپ سے صرف پانی کے متعلق سوال کیا تھا۔ پھر آپ نے اپنے لشکر سے دریافت کیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے متعلق کیا سوال کیا تھا؟ وہ کہنے لگے کہ اس کا سوال تو صرف پانی کے متعلق تھا۔ سب کے سب اس سوال کو بھول گئے۔ شیطان سوچنے لگے کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کو پسند کر لیا اور اسے اپنا حرم بنا لیا پھر اولاد بھی ہو گئی تو ہم ان کی غلامی سے کبھی بھی نجات نہیں پا سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے بلور کا چمکتا ہوا محل تعمیر کیا جس کے فرش تلے پانی رواں کر دیا۔ ملکہ جب اس محل میں داخل ہوئی اور اس نے پانی سمجھ کر اپنی پنڈلیوں سے پائنچے اوپر چڑھائے تو حضرت سلیمان نے اس کی پنڈلیوں پر بال دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ آپ کو مشورہ دیا گیا کہ استرے سے ان بالوں کو زائل کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ استرے کا نشان مجھے ناپسند ہے، کوئی اور ترکیب دریافت کرو۔ چنانچہ شیاطین نے چونے سے بال صفا پوڈر تیار کر دیا۔ سب سے پہلے بال صفا پوڈر حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہی تیار ہوا(1)۔ ابوبکر بن ابی شیبہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ روایت کیا ہی خوب ہے! لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ منکر اور بہت ہی غریب ہے۔ عطاء بن سائب نے اپنے وہم کی بنیاد پر اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا۔ زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ اس کا تعلق اسرائیلی روایات سے ہے جن کی صحت کی یقین دہانی بہت مشکل امر ہے جبکہ یہ بات واضح ہے کہ بنی اسرائیل تحریف، ردوبدل اور نسخ کے عادی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان سے بے نیاز کرتے ہوئے قرآن و حدیث کی صورت میں ایسی نعمت عظمیٰ ارزانی فرمائی جو بالکل صحیح، بہت زیادہ نفع رساں اور اعلیٰ و ارفع ہے۔ لغت عربی میں ”صرح“ کا معنی ہے محل اور ہر بلند

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 364-363

عمارت۔ فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے کہا تھا: ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ (المومن:36) "میرے لئے ایک اونچا محل بنا تا کہ میں ان راہوں تک پہنچ جاؤں"۔ "صرح" یمن میں ایک بلند و بالا محل تھا۔ "ممرد" سے مراد پختہ اور ملائم ہے۔ قواریر کا معنی ہے شیشہ اور بلور۔ تمریدالبناء کا معنی ہے عمارت کو محکم اور ملائم بنانا۔ "مارد" دومۃ الجندل میں ایک قلعہ کا نام ہے۔ الغرض حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو اپنی شان و شوکت، قوت و سطوت اور عظمت و اقتدار کا مشاہدہ کروانے کیلئے بلور کا ایک عظیم الشان اور بلند و بالا محل تعمیر کروایا۔ ملکہ نے جب آپ کی عظمت، جلالت شان اور شان و شوکت کا مشاہدہ کیا اور آپ کے حالات اور آپ کی دعوت پر غور و فکر کیا تو اسے یقین ہو گیا کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی اور عظیم بادشاہ ہیں۔ چنانچہ اس نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا اور کہنے لگی: رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ ...یعنی میں کفر و شرک کا ارتکاب اور سورج کی پرستش کر کے اپنے اوپر ظلم ڈھاتی رہی۔ اب میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دین کی اتباع کرتے ہوئے اس خدائے واحد کے حضور اپنا سر جھکا لیا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور جس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کا اندازہ مقرر کیا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿٤٥﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا اطَّیَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿٤٧﴾

"اور بے شک ہم نے رسول بنا کر بھیجا ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو، کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی تو وہ دو گروہ بن گئے (اور آپس میں) جھگڑنے لگے۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! کیوں تیزی کرتے ہو برائی کرنے میں نیک کام کرنے سے پہلے۔ تم کیوں نہیں بخشش طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے شاید تم پر رحم کر دیا جائے۔ کہنے لگے ہم تو برا شگون سمجھتے ہیں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو۔ آپ نے فرمایا تمہارا برا شگون تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے بلکہ تم ایسی قوم ہو جو فتنہ میں مبتلا کر دی گئی ہے"۔

قوم ثمود کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں توحید اور خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دی تو وہ مومن اور کافر دو گروہوں میں منقسم ہو گئے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (الاعراف:76-75)۔ آپ علیہ السلام اپنی قوم سے فرمانے لگے: لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ . یعنی تم کیوں نزول عذاب کا مطالبہ کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت طلب نہیں کرتے، اس لئے فرمایا: لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ . قوم نے آپ کو یہ جواب دیا: اطَّیَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ یعنی ہم نے نہ کبھی تمہارے چہرے پر بھلائی نام کی کوئی چیز دیکھی ہے اور نہ تمہارے مریدین کے چہروں پر۔ ہم جن مصائب سے دوچار ہوتے ہیں، وہ تمہاری اور تمہارے پیروکاروں کی نحوست کا نتیجہ ہیں۔ فرعونی بھی اسی طرح کہا کرتے تھے: فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗ (الاعراف:131) "اور جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق

ہیں اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں سے بدفالی پکڑتے"۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (النساء: 78) "اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف سے ہے۔ آپ فرمایئے سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے"۔ اہل قریہ نے اپنے رسولوں کی دعوت کے جواب میں کہا تھا: قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ (یٰسین: 18) "وہ کہنے لگے ہم تو تمہیں اپنے لئے فال بد سمجھتے ہیں۔ اگر تم باز نہ آئے تو ہم ضرور تمہیں سنگسار کر دیں گے اور تمہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ رسولوں نے فرمایا تمہاری بدفالی تمہیں نصیب ہو"۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جواب میں فرمایا: طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ ...... یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری بدشگونی کا بدلہ دے گا بلکہ تمہیں تو فتنہ سے دوچار کیا گیا ہے۔ قتادہ تُفْتَنُوْنَ کا معنی بتاتے ہیں کہ تمہیں اطاعت اور معصیت سے آزمایا جاتا ہے۔ بظاہر اس سے مراد یہ ہے کہ جس گمراہی میں تم مبتلا ہو، اس میں تمہیں ڈھیل دی جارہی ہے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝48 قَالُوْا تَقَاسَمُوْا
بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝49 وَ
مَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝50 فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا
دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝51 فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ۝52 وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝53

"اور اس شہر میں نو شخص تھے جو فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے اس علاقہ میں اور اصلاح کی کوئی کوشش نہ کرتے۔ انہوں نے کہا آؤ اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کرلیں کہ شبخون مار کر صالح علیہ السلام اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے۔ پھر کہہ دیں گے اس کے وارث سے کہ ہم تو (سرے سے) موجود ہی نہ تھے جب انہیں ہلاک کیا گیا اور (یقین کرو) ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔ اور انہوں نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی اور وہ سمجھ ہی نہ سکے (ہماری تدبیر کو) تم (خود ہی) دیکھ لو کیا (ہولناک) انجام ہوا ان کے مکر کا۔ ہم نے برباد کر کے رکھ دیا انہیں اور ان کی ساری قوم کو۔ بس یہ ان کے گھر ہیں جو اجڑے پڑے ہیں ان کے ظلم کے باعث۔ بے شک اس میں عبرت ہے اس قوم کے لئے جو (کچھ) جانتی ہے۔ اور ہم نے بچا لیا انہیں جو ایمان لائے تھے اور (اپنے رب سے) ڈرتے رہتے تھے"۔

قوم ثمود کے سرکش رؤساء کا ذکر ہو رہا ہے جو اپنی قوم کو گمراہی، کفر اور تکذیب صالح علیہ السلام کی دعوت دیتے اور انہی کے اکسانے پر قوم کے بدبختوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ یہ نو شر پسند سردار کہنے لگے کہ ہم بے خبری میں شب خون مار کر صالح علیہ السلام اور اس کے گھر والوں کو ہلاک کر ڈالیں گے، پھر اس کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہمیں تو اس واقعہ کا علم ہی نہیں اور نہ ہی ہم اس حادثہ کے وقت موجود تھے۔ چونکہ یہ رؤساء اور سردار تھے، اس لئے پوری قوم ان کے تابع تھی اور انہی ملعونوں کے مشورہ سے اونٹنی کو قتل کیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان کے یہ نام مروی ہیں: زعمی، زعیم، ہرم، ہریم، داب، صواب، رياب، مسطع اور قدار بن سالف۔ اس مؤخر الذکر

نے اپنے ہاتھ سے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں(1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ (القمر:29) "پس ثمودیوں نے اپنے ایک ساتھی کو بلایا پس اس نے وار کیا اور کونچیں کاٹ دیں"۔ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا (الشمس:12) "جب ان میں سے ایک بڑا بدبخت اٹھ کھڑا ہوا"۔ ان آیات میں اس بدبخت کا ذکر ہے۔ عطاء بن ابی رباح ان کے فساد کی ایک صورت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ درہم کے سکوں میں سے کچھ کاٹ لیتے اور اسے چلاتے(2)۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی کے سکوں کو کاٹنا بھی فساد کے زمرے میں آتا ہے(3)۔ ابوداؤد وغیرہ کی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلاضرورت اس سکہ کو کاٹنے سے منع فرمایا ہے جو مسلمانوں میں رائج ہو(4)۔ الغرض ہر ممکن طریقہ سے فتنہ برپا کرنا اس کافر اور فاسق گروہ کی فطرت میں شامل تھا۔ ان کے فساد کی کئی صورتیں تھیں جن میں سے بعض کا اوپر ذکر ہوا۔ فتنہ پرور سردار کہنے لگے: تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ یعنی اللہ کی قسم اٹھا کر اللہ کے نبی صالح (علیہ السلام) اور ان کے اہل خانہ کو بے خبری کے عالم میں شبخون مار کر ہلاک کرنے کا عہد کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر کو الٹ دیا اور ان کی سازش کو خاک میں ملا دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام تک پہنچنے سے پہلے ہی عذاب الٰہی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آئی جس نے ان تمام ناہنجاروں کو کچل کر رکھ دیا(5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اونٹنی کو قتل کرنے کے بعد ان بدبختوں نے یہ سازش تیار کی کہ ہم رات کے وقت حملہ کر کے صالح اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے، پھر صالح کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہمیں اس واقعہ کے متعلق کوئی علم نہیں اور نہ ہی ہم اس وقت وہاں موجود تھے لیکن اس سازش کی تکمیل سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں برباد کر دیا(6)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ اونٹنی کو قتل کرنے کے بعد کفر و شرک کے یہ نوسرغنے کہنے لگے کہ آؤ صالح علیہ السلام کا بھی کام تمام کر دیں۔ اگر وہ سچا نبی ہے تو ہم اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا انجام اونٹنی جیسا ہوگا۔ چنانچہ یہ بدبخت رات کے وقت حملہ آور ہونے کے لئے جونہی آپ کے مکان پر آئے، فرشتوں نے پتھر مار مار کر ان کے سر کچل دیئے۔ جب یہ کافی دیر تک واپس نہ لوٹے تو قوم کے افراد ان کی خبر لینے کے لئے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پہنچے۔ یہاں آ کر کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے ساتھیوں کے سر کچلے ہوئے ہیں اور بھیجے باہر نکلے پڑے ہیں۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے سر ان کے قتل کا الزام تھوپ دیا اور پھر آپ کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ آپ علیہ السلام کے خاندان کے لوگ مسلح ہو کر آپ کی مدد کو پہنچ گئے اور کافروں کو کہنے لگے کہ تم کسی صورت میں صالح علیہ السلام کو قتل نہیں کر سکتے، دیکھو انہوں نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے کہ تین دن میں تم پر عذاب آنے والا ہے۔ اگر یہ سچے ہیں تو انہیں قتل کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب کو مزید نہ بھڑکاؤ اور اگر یہ جھوٹے ہیں تو یہ تم سے بچ نہیں سکتے۔ چنانچہ اس رات وہ لوگ واپس چلے گئے(7)۔ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ جب انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا: تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (ہود:65) "اپنے گھروں میں تین دن تک لطف اٹھا لو۔ یہ وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا"۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے کہ صالح ہمیں تین دن کی مہلت دے رہا ہے لیکن ہم اس سے پہلے ہی صالح اور اس کے اہل خانہ سے فارغ ہو جائیں گے۔ جس چٹان سے اونٹنی نکلی تھی، وہاں حضرت صالح علیہ السلام کی مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔ رات کے وقت وہ اس

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 370، مفحمات القرآن: 155
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 370
3۔ موطا امام مالک، کتاب البیوع، جلد 2 صفحہ 635
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 271-272، سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، جلد 2 صفحہ 761
5۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 174 عن قتادۃ
6۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 177، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 370
7۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 173

چٹان کے قریب واقع غار کی طرف نکلے اور کہنے لگے کہ جب صالح نماز پڑھنے کے لئے یہاں آئے گا تو ہم اسے قتل کر ڈالیں گے۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد اس کے گھر والوں کی خبر لیں گے اور انہیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آرہی ہے، انہیں خدشہ لاحق ہو گیا کہ یہ تو انہیں کچل کر رکھ دے گی۔ چنانچہ مارے خوف کے جلدی سے غار میں گھس گئے۔ چٹان غار کے دہانے پر ٹھہر گئی اور اس کا منہ بند کر دیا۔ وہ سب وہاں ہلاک ہو گئے۔ ان کی قوم کو پتہ ہی نہ چل سکا کہ وہ کہاں ہیں اور ان پر کیا بیتی۔ ان پر تو یہ عذاب آیا اور باقی اپنی جگہ عذاب میں گرفتار ہو کر برباد ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو بچا لیا۔ پھر انہوں نے ان آیات کی تلاوت کی: وَمَكَرُوْا مَكْرًا ... وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (1)۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝

"اور یاد کرو لوط علیہ السلام کو جب آپ نے اپنی قوم کو فرمایا کیا تم ارتکاب کرتے ہو بے حیائی کا حالانکہ تم دیکھ رہے ہوتے ہو۔ کیا تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کے لئے (اپنی) بیویوں کو چھوڑ کر۔ بلکہ تم تو بڑے نادان لوگ ہو۔ پس نہیں تھا آپ کی قوم کا جواب بجز اس کے کہ انہوں نے کہا نکال دو آل لوط کو اپنی بستی سے۔ یہ لوگ تو بڑے پاک باز بنے پھرتے ہیں۔ سو ہم نے بچا لیا لوط کو اور ان کے اہل خانہ کو سوائے ان کی بیوی کے۔ ہم نے فیصلہ کر دیا اس کے متعلق کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔ اور ہم نے ان پر خوب پتھر برسائے۔ پس تباہ کن پتھراؤ تھا (بارہا) ڈرائے جانے والوں پر"۔

اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ آپ نے اپنی قوم کو ان کی اس بدکاری پر سرزنش کی اور ڈرایا جس کی مثال پہلے موجود نہ تھی یعنی اغلام بازی۔ وہ لوگ اس قدر اخلاق باختہ اور بے حیا تھے کہ مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے شہوت رانی اور مطلب برآری کر لیا کرتی تھیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں فرمایا: اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۔ یعنی تم سر عام لوگوں کی موجودگی میں بھی اس فعل شنیع کا ارتکاب کرتے ہو، تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو تم تو بہت ہی نادان اور جاہل ہو کہ نہ تمہیں طبعی پاکیزگی کا خیال ہے اور نہ تم شرعی احکام کا علم رکھتے ہو جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ (الشعراء:166-165) "کیا تم بدفعلی کے لئے ساری مخلوق سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور چھوڑ دیتے ہو جو تمہارے رب نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو"۔ اس کا جواب انہوں نے یہ کہہ کر دیا: اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ ... یعنی لوط کے گھرانے کو جلاوطن کر دو کیونکہ یہ تمہارے اس فعل سے نالاں ہیں اور اس سبب سے ان کے ساتھ مل جل کر رہنا محال ہے۔ جب ان نابکاروں نے آپ کو جلاوطن کرنے کا عزم مصمم کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا اور حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے اہل کو عذاب سے نجات دی بجز آپ کی بیوی کے، جس کے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 19 صفحہ 173-174

وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل ہوگی کیونکہ وہ کافر قوم کی پشت پناہ تھی، ان کی بداعمالیوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی تھی، اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنے والے مہمانوں کی خبر قوم کو دیا کرتی تھی لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ وہ بذات خود بدکاری کا ارتکاب نہیں کیا کرتی تھی کیونکہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کی عظمت وکرامت کے منافی ہے کہ اس کی بیوی بدکاری کی مرتکب ہو، اس بدکار قوم کو اللہ تعالیٰ نے ایسے پتھر برسا کر برباد کر دیا جن پر ان کے نام لکھے ہوئے تھے، اس لئے فرمایا: فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ یعنی ان لوگوں پر بہت بری بارش برسی جنہیں بار بار تنبیہ کی گئی، اتمام حجت کر دی گئی اور انہیں خوب ڈرایا دھمکایا گیا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اللہ کے رسول علیہ السلام کی مخالفت اور تکذیب کی اور انہیں دیس نکالا دینے پر اتر آئے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

"فرمائیے سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور سلام ہو اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے چن لیا (بتاؤ) کیا اللہ بہتر ہے یا جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔ بھلا وہ کون ہے جس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو۔ اور جس نے اتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی۔ پھر ہم نے اگائے اس پانی سے خوش منظر باغات۔ تمہاری طاقت نہ تھی کہ تم اگا سکتے ان کے درخت۔ کیا کوئی دوسرا خدا ہے اللہ کے ساتھ؟ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو راہ راست سے پرے ہٹ رہے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو یہ کہنے کا حکم دے رہا ہے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندوں کو ان گنت اور لامحدود نعمتوں سے نوازا اور جو صفات عالیہ اور اسماء حسنیٰ سے متصف ہے، مزید برآں یہ بھی حکم ہو رہا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر سلام بھیجیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے چن لیا۔ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ یہاں برگزیدہ بندوں سے مراد انبیاء کرام ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الصافات: 180-182) "پاک ہے آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے، ان (ناروا باتوں) سے جو وہ کیا کرتے ہیں اور سب رسولوں پر سلامتی ہو اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے"۔ امام ثوری اور سدی فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں برگزیدہ بندوں سے مراد نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں (1)۔ جب صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں تو انبیاء کرام بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کی نجات اور ان کی نصرت وتائید اور اپنے دشمنوں کے رسوا کن اور عبرتناک عذاب کا ذکر کرنے کے بعد اپنے رسول ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کو حکم دیا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ستائش کریں اور اس کے مقبول بندوں پر سلام بھیجیں۔ اس کے بعد مشرکین کو سرزنش کرتے ہوئے اور ان کے شرک پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے ان سے سوال کیا: آٰللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِكُوْنَ۔ پھر اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا، ہر ایک کو رزق پہنچانے والا اور ہر امر کی تدبیر کرنے والا صرف وہی ہے، فرمایا: اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ - یعنی وہ کون ہے جس نے یہ بلند اور صاف آسمان پیدا کئے اور پھر انہیں ستاروں کے ساتھ آراستہ کیا اور نیچے یہ کثیف زمین بنائی اور اس میں پہاڑ، میدان، جنگل، صحرا، کھیتیاں، درخت، پھل، سمندر، انواع واقسام کے جاندار اور دیگر چیزیں تخلیق کیں، پھر

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 2

آسمان سے پانی اتارا جو بندوں کے رزق کا سبب ہے۔ اور اس کے ذریعے خوش منظر باغات پیدا کئے جن کے درختوں کو پیدا کرنا انسان کے بس کا روگ نہیں۔ صرف وہی اللہ تعالیٰ اس پر قدرت رکھتا ہے جو ہر چیز کا خالق اور رازق ہے۔ اس کے سوا کسی بت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف مشرکین بھی کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ (الزخرف:87) ”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے اللہ نے“۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ (العنکبوت:63) ”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کے بنجر ہو جانے کے بعد زندہ کیا تو وہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے“ باوجودیکہ یہ مشرکین اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہر چیز کا خالق صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے، پھر بھی یہ ان بتوں کی پرستش کرتے ہیں جن کے متعلق یہ اس بات کے معترف ہیں کہ یہ بت نہ خالق ہیں اور نہ رازق۔ اس لئے عبادت کے لائق صرف وہی ہے جو خالق اور رازق ہے، اس لئے فرمایا: ءَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ یعنی کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی عبادت کا مستحق ہے حالانکہ ہر عقلمند پر واضح ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی خالق اور رازق ہے۔ ایک مفسر نے اس کا یہ معنی کیا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی ایسا معبود ہے جس نے ایسا کیا ہو۔ یہ معنی پہلے معنی کے قریب قریب ہے کیونکہ مشرکین کا اس صورت میں بھی یہی جواب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی ایسا معبود نہیں جس نے ایسا کیا ہو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ایسا کرتا ہے یعنی پیدا کرتا ہے اور رزق فراہم کرتا ہے۔ اس پر ان سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ جب صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرنے والا، رزق بہم پہنچانے والے اور تدبیر کرنے والا ہے تو پھر تم کیونکر اس کے ساتھ اوروں کی عبادت کرتے ہو؟ جیسا کہ فرمایا: أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ (النحل:17) ”کیا وہ ذات جس نے سب کچھ پیدا فرمایا اس کی مانند ہو سکتی ہے جس نے کچھ بھی نہیں بنایا“ اور یہاں فرمایا: أَمَّنْ خَلَقَ جن آیات میں ”امن“ آیا ہے وہاں اس کا یہی معنی ہے کہ کیا وہ جو ان امور کو انجام دے سکے، اس کی طرح ہے جو ان امور کی انجام دہی پر بالکل قدرت نہیں رکھتا؟ یہ معنی سیاق سے ماخوذ ہے۔ اگرچہ دوسری طرف مذکور نہیں پھر بھی سیاق کلام سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے اور اس فرمان آللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ میں دونوں طرفیں واضح ہیں، پھر دوسری آیت میں فرمایا: بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا عدیل اور مثیل ٹھہراتے ہیں، اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ (الزمر:9) ”بھلا جو شخص رات کی گھڑیاں عبادت میں بسر کرتا ہے کبھی سجدہ کرتے ہوئے اور کبھی قیام کرتے ہوئے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے“۔ یعنی کیا وہ جو ان مذکورہ صفات کا حامل ہے، اس شخص کی طرح ہے جو ان صفات سے عاری ہے؟ اس لئے فرمایا: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (الزمر:9) ”آپ پوچھئے کیا علم والے اور جاہل کبھی برابر ہو سکتے ہیں، البتہ صرف عقلمند ہی نصیحت قبول کرتے ہیں“۔ أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِنْ رَبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (الزمر:22) ”بھلا وہ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کشادہ فرما دیا ہو تو وہ اپنے رب کی طرف سے دیئے ہوئے نور پر ہے پس ہلاکت ہے ان سخت دلوں کے لئے جو ذکر خدا سے متاثر نہیں ہوتے۔ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں“۔ أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ (الرعد:33) ”کیا وہ خدا جو ہر نفس کی اس کے اعمال کے ساتھ نگہبانی فرما رہا ہے“۔ یعنی کیا وہ جو مخلوق کے اعمال اور ان کی حرکات و سکنات پر گواہ ہے اور چھوٹی بڑی پوشیدہ چیز کا علم رکھتا ہے، ان بتوں کی طرح ہے جو نہ کسی چیز کا علم رکھتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں؟ اس لئے فرمایا: وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلْ سَمُّوهُمْ (الرعد:33) ”اور ان مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنا

لئے ہیں، فرمائیے ذرا ان کا نام تو لو"۔ اسی طرح ان تمام آیات کا بھی یہی مفہوم ہے۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَ جَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ﴿۶۱﴾

"بھلا کس نے بنایا ہے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور جاری کر دیں اس کے درمیان نہریں اور بنا دیئے زمین کے لئے (پہاڑوں کے) لنگر اور بنادی دو سمندروں کے درمیان آڑ۔ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں"۔

ارشاد ہوتا ہے کہ وہ کون ہے جس نے زمین کو ساکن، ثابت اور قرار کی جگہ بنایا ہے، یہ اپنے مکینوں سمیت نہ لرزتی ہے، نہ اضطراب کا شکار ہوتی ہے اور نہ ڈولتی ہے کیونکہ اگر یہ ایسے ہوتی تو اس پر زندگی دوبھر ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور رحمت سے اسے ہموار اور ثابت بچھونا بنایا ہے، نہ یہ متزلزل ہوتی ہے اور نہ متحرک جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً (المومن: 64) "اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قیام کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا"۔ پھر فرمایا: وَجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا یعنی اس نے زمین میں نہریں اور دریا جاری کر دیئے اور ہر علاقہ میں بندوں کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے چاروں اطراف میں پانی کی بہم رسانی کا انتظام کر دیا اور حسب ضرورت لوگوں کو رزق کے اسباب مہیا کر دیئے۔ پھر فرمایا: وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ یعنی زمین کی اضطراری حرکت کو روکنے کے لئے اس میں بلند و بالا پہاڑ گاڑ دیئے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا یعنی اللہ تعالیٰ نے شیریں اور نمکین پانیوں کے درمیان ایک مضبوط آڑ اور رکاوٹ قائم کر دی ہے جو دونوں قسم کے پانیوں کو باہم ملنے سے مانع ہے، اس طرح شیریں پانی فساد کا شکار نہیں ہوتا کیونکہ حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر پانی اپنی مخصوص صفت پر برقرار رہے۔ دونوں قسم کے پانیوں کے اپنے اپنے فوائد ہیں۔ نہروں اور دریاؤں کا پانی شیریں اور خوش ذائقہ ہے جو جانداروں کے پینے اور کھیتوں اور باغات وغیرہ کو سیراب کرنے کے کام آتا ہے اور زمین کے اطراف و اکناف میں نمکین اور کھاری پانی کے سمندر رواں ہیں جو ہوا کو خراب ہونے سے بچاتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا (الفرقان: 53) "اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا ہے یہ بہت شیریں ہے اور یہ سخت کھاری اور اس نے ان کے درمیان آڑ اور مضبوط رکاوٹ بنا دی"۔ اس لئے فرمایا: ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ یعنی کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی ایسا معبود ہے جس نے ایسا کیا ہو یا جو عبادت کے لائق ہو؟ یہ دونوں معانی باہم متلازم اور صحیح ہیں۔ آخر میں فرمایا: بَلْ اَكْثَرُهُمْ یعنی اکثر لوگ بے علمی کی وجہ سے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ﴿۶۲﴾

"بھلا کون قبول کرتا ہے ایک بیقرار کی فریاد جب وہ اسے پکارتا ہے اور (کون) دور کرتا ہے تکلیف کو اور (کس نے) بنایا ہے تمہیں زمین میں (اگلوں کا) خلیفہ۔ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ تم بہت کم غور و فکر کرتے ہو"۔

اس حقیقت پر متنبہ کیا جا رہا ہے کہ مشکلات اور مصائب کے وقت اللہ تعالیٰ سے ہی فریاد کی جاتی ہے اور اسی سے کشائش اور رستگاری

کی امید کی جاتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ (بنی اسرائیل: 67) ''اور جب سمندر میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو وہ (معبود) گم ہو جاتے ہیں جنہیں تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے''۔ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــَٔرُوْنَ (النحل: 53) ''پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی جناب میں گڑگڑاتے ہو''۔ اسی طرح یہاں فرمایا: اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ ۔ یعنی کون ہے وہ جس کی مجبور اور بے قرار پناہ لیتے ہیں اور اس کے سوا کوئی اور مصیبت زدہ لوگوں کی تکلیف کو دور نہیں کرتا۔ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں، وہ خدا کہ جب تو کسی مصیبت سے دوچار ہو کر اس کے حضور دعا کرتا ہے تو وہ تمہاری مصیبت کو دور کر دیتا ہے، وہ کہ جب تو جنگل میں راہ بھول کر اسے پکارتا ہے تو وہ تمہاری رہنمائی کرتا ہے اور وہ کہ جب تجھے قحط سالی آلیتی ہے تو دعا کرنے پر وہ تمہارے لئے فصلیں اگاتا ہے''۔ اس شخص نے عرض کی کہ مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی کو برا بھلا نہ کہو، کسی نیکی میں عدم دلچسپی کا اظہار نہ کرو اگرچہ وہ تمہارا اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرنا ہو اور اگرچہ وہ اپنا ڈول کسی کے برتن میں انڈیلنا ہو اور اپنے تہبند کو نصف پنڈلی تک باندھو اور اگر تم یہ نہیں چاہتے تو ٹخنوں تک۔ اس سے نیچے چادر لٹکانے سے بچو کیونکہ چادر لٹکانا فخر و تکبر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے''(1)۔ مسند احمد میں یہ حدیث ایک اور سند سے مروی ہے جس میں صحابی کا نام بھی مذکور ہے۔ ان کا نام جابر بن سلیم ہجیمی ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت چادر سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اور اس کا پلو آپ کے پاؤں پر لٹک رہا تھا۔ میں نے کہا کہ تم میں اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کون ہیں؟ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اپنی طرف اشارہ کیا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں دیہاتی علاقے سے تعلق رکھتا ہوں اور مجھ میں دیہاتیوں کی درشتی پائی جاتی ہے، آپ مجھے نصیحت فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی نیکی کو حقیر مت جانو اگرچہ وہ اپنے بھائی سے خندہ روئی کے ساتھ ملاقات ہی ہو اور اگرچہ وہ اپنے ڈول سے کسی پانی مانگنے والے کے برتن میں پانی ڈال دینا ہی ہو اور اگر کوئی شخص تمہیں ایسی بری بات کہہ ڈالتا ہے جس کے متعلق اسے علم ہے کہ وہ تجھ میں پائی جاتی ہے تو تو اس میں موجود ایسی بری بات اسے نہ کہہ جس کا تمہیں علم ہے، اس طرح تمہیں اجر حاصل ہوگا اور گناہ کا بوجھ اس پر ہوگا اور تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے سے احتراز کرو کیونکہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا تکبر ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا اور کسی کو گالی مت دو''۔ اس کے بعد میں نے کسی انسان بلکہ کسی جانور تک کو بھی گالی نہیں دی(2)۔ عبید اللہ بن ابی صالح بیان کرتے ہیں کہ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ میری عیادت کے لئے آئے تو میں نے ان سے کہا کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم خود اپنے لئے دعا کرو کیونکہ جب بے قرار اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سابقہ آسمانی کتاب میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے میری عزت کی قسم! جو میرا دامن رحمت تھام لیتا ہے، میں اس کے لئے نجات کی سبیل پیدا کر دیتا ہوں اگرچہ آسمان، زمین اور تمام مخلوق اسے گزند پہنچانے پر کمربستہ ہو جائے اور جو میرا دامن رحمت نہیں تھامتا تو میں اسے بے یار و مددگار اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہوں اور اگر چاہوں تو اس کے پاؤں تلے سے اسے زمین میں دھنسا دوں۔ حافظ ابن عساکر ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں، اس شخص کا کہنا ہے کہ میں لوگوں کو اپنے خچر پر سوار کر کے دمشق سے زبدانی لے جایا کرتا اور ان سے کرایہ وصول کرتا۔ ایک دن ایک شخص خچر پر سوار ہوا اور ہم چل پڑے۔ چلتے چلتے ہمارا گزر ایک غیر معروف رستہ سے ہوا تو وہ کہنے لگا کہ یہ راہ لو

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 64

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 63-64، سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 56-58 وغیرہ

کیونکہ یہ بہت قریب ہے۔ میں نے اسے کہا کہ میں تو اس رستہ سے واقف نہیں ہوں۔ اس نے کہا: نہیں، اسی راہ پر چلیں، میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں اور یہ بہت نزدیکی راستہ ہے۔ اس کی یقین دہانی پر ہم نے وہ رستہ اختیار کر لیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد ہم ایک دشوار گزار اور دہشت ناک جگہ پر پہنچے جہاں ایک گہری وادی میں بہت سی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ مجھ سے کہنے لگا کہ ذرا خچر کی لگام تھام و تا کہ میں اتر سکوں۔ اس نے اتر کر آستینیں چڑھائی، کپڑے ٹھیک کئے اور چھری نکال کر میری طرف لپکا، میں وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا لیکن اس نے میرا تعاقب جاری رکھا، میں نے اسے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہا کہ مال ومتاع سمیت یہ خچر لے لو اور مجھے چھوڑ دو۔ وہ کہنے لگا کہ خچر تو اب میرا ہو ہی گیا لیکن میں تمہیں قتل کر کے چھوڑوں گا۔ میں نے اسے اللہ کا خوف دلایا اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا لیکن وہ کسی قیمت پر مجھے چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ آخر کار میں نے اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا۔ اس مایوسی کے عالم میں میں نے اس سے درخواست کی کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دیں۔ اس نے کہا: اچھا! جلدی کرو۔ میں نے نماز شروع کی لیکن قرآن کریم کا ایک حرف بھی میری زبان پر جاری نہ ہوا۔ میں حیران پریشان اسی طرح کھڑا تھا، ادھر وہ شور مچائے جا رہا تھا کہ جلدی کرو۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے میری زبان پر یہ آیت اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ ۔ جاری کر دی۔ جونہی میں نے اس آیت کی تلاوت کی، ایک شہسوار وادی کے دہانے سے نکلا، اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ اس نے آتے ہی وہ نیزہ اس ڈاکو کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ نیزہ اس کے دل کے پار ہو گیا اور وہ ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اس شہسوار کا دامن تھام لیا اور اسے کہا: خدارا مجھے بتائیے کہ آپ کون ہیں؟ اس نے کہا میں اس کا بھیجا ہوا قاصد ہوں جو مجبور اور بے قرار کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور تکلیف کو دور کرتا ہے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنا خچر اور سامان لیا اور صحیح وسالم واپس لوٹ آیا۔ ایک اور واقعہ میں مذکور ہے کہ ایک جنگ میں مسلمان کافروں سے شکست کھا کر لوٹے۔ مسلمانوں کے لشکر میں ایک خوشحال اور صالح شخص تھا۔ اس نے اپنے برق رفتار گھوڑے کو ایڑی لگائی لیکن وہ اڑ گیا اور چلنے سے انکار کر دیا۔ کوشش بسیار کے باوجود جب وہ نہ چلا تو عاجز ہو کر اس شخص نے اپنے گھوڑے سے کہا کہ تمہیں کیا ہے، ایسے ہی موقعہ کے لئے میں نے تمہیں تیار کیا تھا۔ گھوڑے کو قوت گویائی مل گئی، اس نے اپنے مالک کو جواب دیا کہ میں اب سستی کیوں نہ کروں جب کہ تم چارہ جانوروں کی نگہداشت کرنے والوں کے سپرد کر دیا کرتے تھے، وہ مجھ پر ظلم ڈھاتے اور بہت کم کھانے کو دیتے۔ مالک نے اسے کہا کہ میں اللہ کے نام پر تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ آج کے بعد میں تمہیں اپنی گود میں چارہ کھلایا کروں گا۔ یہ عہد لے کر گھوڑا سرپٹ دوڑا اور اپنے مالک کو بچا لیا۔ اس کے بعد یہ نیک شخص حسب وعدہ اپنی گود میں چارہ ڈال کر گھوڑے کو کھلاتا رہا۔ یہ قصہ لوگوں میں عام ہو گیا اور لوگ یہ قصہ سننے کے لئے جوق در جوق اس کے پاس آنے لگے۔ اس کی شہرت پھیلتے پھیلتے شاہِ روم تک بھی پہنچ گئی۔ اس نے اس صالح شخص کو اپنے پاس بلانے کے لئے بہت کوشش کی لیکن بے سود۔ آخر کار اس نے ایک سازش تیار کی جس کی تکمیل کے لئے اس نے ایک ایسے شخص کو اس نیک آدمی کی طرف روانہ کیا جو پہلے مسلمان تھا لیکن اب مرتد ہو چکا تھا اور اس کے ذمہ لگایا کہ اس نیک شخص کو کسی بہانے سے میرے پاس لے آؤ۔ وہ مرتد جب اس صالح شخص کے پاس پہنچا، تو اس نے اسلام کے بارے میں حسن نیت کا اظہار کیا اور پارسا بن کر رہنے لگا یہاں تک کہ اس نے اس صالح شخص کا اعتماد حاصل کر لیا۔ دوسری طرف اس مرتد نے بادشاہ کو یہ پیغام بھیج دیا کہ فلاں وقت کسی شخص کو ساحل پر روانہ کر دینا جو مطلوبہ شخص کی گرفتاری پر مجھ سے تعاون کرے۔ مقررہ وقت پر یہ دونوں ساحل پر چہل قدمی کر رہے تھے کہ بادشاہ کا بھیجا ہوا آدمی نمودار ہو گیا۔ دونوں نے جب صالح شخص کو گرفتار کرنے کے لئے گھیر لیا تو اس نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور عرض کی: اے اللہ! اس شخص نے مجھے تیرے نام پر دھوکہ دیا ہے، اب تو ہی مجھے ان سے

جیسے چاہے بچا لے۔ اسی وقت دو درندے نکلے جنہوں نے ان دونوں بدقماشوں کو چیر پھاڑ کر ہلاک کر دیا اور وہ اللہ کا بندہ صحیح سالم واپس لوٹ آیا۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ یعنی وہی تمہیں زمین پر جانشین بناتا ہے کہ مسلسل ایک کے بعد دوسرا چلا آتا ہے جیسے کہ اور مقامات پر فرمایا: اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ (الانعام: 133) ''اگر چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہارے بعد تمہاری جگہ جسے چاہے لے آئے جیسے تمہیں دوسری قوم کی اولاد سے پیدا کیا''۔ وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (الانعام: 165) ''اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر (اپنا) خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا ہے''۔ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرۃ: 30) ''اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک نائب مقرر کرنے والا ہوں''۔ اس کی وضاحت ہو چکی ہے (1)۔ اسی طرح یہ آیت وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک امت کے بعد دوسری امت، ایک نسل کے بعد دوسری نسل اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم تسلسل کے ساتھ لاتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو تمام کو ایک ساتھ پیدا کر دیتا اور ایک ساتھ فنا کر دیتا لیکن اگر وہ ایسا کرتا تو زمین تنگ پڑ جاتی، معیشت بدحالی کا شکار ہو جاتی اور کسب معاش کے معاملہ میں لوگوں کو دقت کا سامنا کرنا پڑتا اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کا تقاضا یہ تھا کہ یکے بعد دیگرے لوگوں کو پیدا کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے نسل انسانی کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے کیا، پھر ان کی نسل بڑھتے بڑھتے زمین پر پھیل گئی اور اس سے کئی قومیں وجود میں آئیں۔ وقت مقررہ پر ہر ایک فنا ہو جاتا ہے پھر قیامت قائم ہوگی اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، اس لئے فرمایا: اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ ... آخر میں فرمایا: ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے جو ایسا کرنے کی قدرت رکھتا ہے یا کوئی اور ہے جو عبادت کے لائق ہو، حالانکہ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ ایسا کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن اس کے باوجود لوگ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾

''بھلا کون راہ دکھاتا ہے تمہیں بر و بحر کے اندھیروں میں اور کون بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لئے اپنی (باران) رحمت سے پہلے کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ برتر ہے اللہ تعالیٰ ان سے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں ایسے دلائل اور نشانیاں ودیعت کر دی ہیں جن کے ذریعے بر و بحر کی تاریکیوں میں راہ یاب ہونا ممکن ہے جیسا کہ فرمایا: وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (النحل: 16) ''اور علامتیں بنا دی ہیں اور ستاروں کے ذریعے سے وہ راہ یاب ہوتے ہیں''۔ وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ (الانعام: 97) ''اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے ہیں تاکہ تم ان سے خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں سیدھی راہ معلوم کرو''۔ پھر فرمایا: وَ مَنْ يُّرْسِلُ یعنی وہ کون ہے جو باران رحمت سے پہلے ٹھنڈی ٹھنڈی اور فرحت بخش ہوائیں چلاتا ہے اور قحط سالی اور مایوسی کا شکار ہونے والوں کو بارش سے نوازتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام سے اعلیٰ و ارفع ہے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ بقرۃ: 30، تفسیر سورۃ انعام: 165،133

أَمَّنْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ءَ إِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٤﴾

''بھلا کون ہے جو آغاز کرتا ہے آفرینش کا پھر دوبارہ پیدا کرے گا اسے، اور کون ہے جو رزق دیتا ہے تمہیں آسمان سے اور زمین سے؟ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ فرمایئے (اے مشرکو!) پیش کرو اپنی کوئی دلیل اگر تم سچے ہو''۔

فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنی قدرت اور حاکمیت کے ذریعے آفرینش کا آغاز کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿﴾ (البروج:13-12) ''بے شک آپ کے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ بے شک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا''۔ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم:27) ''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے''۔ پھر فرمایا: وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ۔ یعنی وہ کون ہے جو آسمان سے بارش برسا کر زمین سے انواع واقسام کی اشیاء اگاتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿﴾ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (الطارق:12-11) ''قسم ہے آسمان کی جس سے بارش برستی ہے اور زمین کی جو پھٹ جاتی ہے''۔ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا (الحدید:4) ''وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس کی طرف عروج کرتا ہے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے بابرکت پانی نازل کرتا ہے اور اسے زمین میں پھیلا کر طرح طرح کی کھیتیاں، پھل پھول اور دیگر چیزیں پیدا کرتا ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِأُولِي النُّهَىٰ (طہٰ:54) ''خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ بے شک اس میں دانشوروں کے لئے نشانیاں ہیں''۔ اس لئے فرمایا: ءَ إِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ... یعنی کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے جو ایسے کام کر سکے یا کوئی اور معبود ہے جو عبادت کے لائق ہو۔ اگر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ کوئی اور بھی عبادت کے لائق ہے تو اس دعویٰ کی صحت پر دلیل پیش کرو لیکن ان کے پاس کوئی دلیل اور حجت نہیں جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ (المومنون:117) ''اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پوجتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے بلاشبہ کافر کامیاب نہیں ہوں گے''۔

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ادَّارَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُونَ ﴿٦٦﴾

''آپ فرمایئے (خود بخود) نہیں جان سکتے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور وہ (یہ بھی) نہیں سمجھتے کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا۔ بلکہ گم ہو گیا ہے ان کا علم آخرت کے متعلق بلکہ وہ تو اس کے بارے میں شک میں ہیں۔ بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم فرما رہا ہے کہ آپ تمام مخلوق کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیں کہ بجز اللہ تعالیٰ کے زمین و آسمان کے مکینوں میں سے کوئی بھی (از خود) غیب نہیں جانتا۔ آیت کریمہ میں استثناء منقطع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا جیسا کہ

فرمایا: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (الانعام: 59) "اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، انہیں سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا"۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (لقمان: 34) اس مضمون کی حامل اور بھی متعدد آیات ہیں۔ پھر فرمایا: وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔ یعنی زمین وآسمان میں بسنے والی مخلوقات کو وقوع قیامت کے وقت کا کوئی علم نہیں جیسا کہ فرمایا: ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً (الاعراف: 187) "یہ آسمانوں اور زمین میں بہت گراں ہے، یہ نہ آئے گی تم پر مگر اچانک"۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس شخص کا یہ خیال ہے کہ آپ ﷺ کو کل کی بات کا علم تھا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ۔ (1)۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں تین فوائد رکھے ہیں، یہ آسمان کے لئے زینت، راہ یابی کا ذریعہ اور شیطانوں کو مار بھگانے کا آلہ ہیں۔ جو شخص ان تین فوائد کے سوا ستاروں سے کسی اور چیز کا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ خود ساختہ رائے اور جہالت پر مبنی بات کرتا ہے اور اپنے نصیب کو ضائع کرتا ہے۔ جاہل لوگوں نے علم نجوم اور کہانت پر یقین کر کے اپنے امور ستاروں کے ساتھ وابستہ کر رکھے ہیں، کہتے ہیں کہ جس نے فلاں ستارے کو دیکھ کر شادی کی تو یوں ہوگا، جس نے فلاں ستارے کو دیکھ کر سفر کیا تو یوں ہوگا اور جس کے ہاں فلاں ستارے کے وقت بچہ پیدا ہوا تو یوں ہوگا، یہ سب من گھڑت اور جاہلانہ باتیں ہیں اور نجومیوں کی باتیں عموماً غلط ہوتی ہیں۔ ہر ستارے کے وقت سرخ بھی پیدا ہوتا ہے سیاہ بھی، پستہ قد بھی اور دراز قد بھی، خوبصورت بھی اور بدصورت بھی، کسی ستارے، کسی جانور اور کسی پرندے سے غیب حاصل نہیں ہو سکتا۔ غیب جاننے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور لوگوں کو کچھ بھی شعور نہیں کہ انہیں دوبارہ زندہ کر کے کب اٹھایا جائے گا (2)۔ قتادہ کا یہ کلام بہت وقیع، پختہ اور صحیح ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ یعنی آخرت کے وقت کی معرفت سے مخلوق کا علم عاجز اور قاصر ہے۔ ایک دوسری قرأت میں "اَدْرَكَ" ہے (3) یعنی آخرت کے متعلق عدم واقفیت میں تمام مخلوق برابر ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے وقوع قیامت کے وقت کے متعلق جبریل علیہ السلام کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا: "مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ" (4) یعنی وقت قیامت کے ادراک میں سائل اور مسئول دونوں کا علم عاجز ہے۔ حضرت ابن عباس "اِدّٰرَكَ" کا معنی بتاتے ہیں غائب ہونا یعنی آخرت کے متعلق مخلوق کا علم غائب اور گم ہے (5)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ کفار چونکہ اپنے رب سے جاہل ہیں اس لئے آخرت کے بارے میں انہیں کوئی علم نہیں۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس اس آیت کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ آخرت میں انہیں اس وقت علم حاصل ہوگا جب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ عطاء خراسانی اور سدی بھی یہی کہتے ہیں کہ قیامت کے دن انہیں مکمل علم حاصل ہوگا لیکن بے سود جیسا کہ فرمایا: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (مریم: 38) "یہ خوب سنیں گے اور خوب دیکھیں گے جس دن ہمارے پاس آئیں گے لیکن یہ ظالم آج تو کھلی گمراہی میں ہیں"۔ حضرت حسن "اَدْرَكَ" پڑھا کرتے تھے یعنی جب یہ آخرت کا مشاہدہ کریں گے تو دنیا کے متعلق ان کا علم کافور ہو جائے گا۔ پھر فرمایا: بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا اس میں ضمیر کا مرجع جنس مذکور ہے لیکن مراد کافر ہیں جیسا کہ فرمایا: وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا (الکہف: 48) "اور وہ آپ کے رب کی بارگاہ میں صفیں باندھے ہوئے پیش کئے جائیں

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ نجم، جلد 8 صفحہ 606۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 159

2۔ تفسیر طبری، سورۂ نحل، جلد 8 صفحہ 91-92

3۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 60۔ الاتحاف لابن البناء، جلد 2 صفحہ 720

4۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 114۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 39

5۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 70

گے۔ (ہم کہیں گے) آج تم ہمارے پاس آ گئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ ہاں تم تو یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ ہم تمہارے لئے وعدہ کا وقت مقرر نہیں کریں گے"۔ یہاں بھی مراد کفار ہیں، آیت کے آخر میں فرمایا: بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ یعنی یہ لوگ قیامت کے متعلق کھلی گمراہی اور جہالت کا شکار ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

"اور کفار کہنے لگے کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی تو کیا ہمیں (پھر) نکالا جائے گا۔ بے شک قیامت کے آنے کا وعدہ ہم سے بھی کیا گیا اور ہمارے باپ دادا سے بھی اس سے پہلے۔ نہیں ہے یہ وعدہ مگر پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے۔ آپ فرمائیے سیر و سیاحت کرو زمین میں، پھر اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ کیسا ہولناک انجام ہوا مجرموں کا۔ (اے محبوب!) آپ غمزدہ نہ ہوں ان (کے رویہ) پر اور دل تنگ نہ ہوا کریں ان کے مکر و فریب سے"۔

قیامت اور اعادۂ حیات کا انکار کرنے والے مشرکین کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ یہ بات ان کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ جسموں کے گل سڑ جانے اور مٹی ہو جانے کے بعد انہیں از سر نو پیدا کرنا کیسے ممکن ہے، اسی لئے وہ وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت کی یہ دھمکی صرف ہمیں ہی نہیں دی جا رہی بلکہ ہمارے آباؤ اجداد کو بھی یہی دھمکی ملتی رہی ہے، ہمیں اس پر کوئی یقین نہیں۔ قیامت اور اعادۂ حیات کی یہ باتیں پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان منکرین قیامت کے جواب میں فرمایا: قُلْ سِيْرُوْا۔ یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! آپ انہیں فرما دیں کہ تم زمین میں سیر و سیاحت کرو اور دیکھو کہ پیغمبروں کو جھٹلانے والوں اور قیامت کا انکار کرنے والوں کا کیسا عبرتناک انجام ہوا، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہولناک عذاب سے دوچار کر کے برباد کر دیا اور اپنے پیغمبروں اور ان کی اتباع کرنے والے اہل ایمان کو بچا لیا۔ یہ پیغمبروں کی سچائی اور حقانیت کی دلیل ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے: وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ۔ یعنی آپ ان جھٹلانے والوں پر رنج اور افسوس نہ کریں اور نہ ہی ان کے مکر و فریب سے دل تنگ ہوا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر اور آپ کے دین کو اطراف عالم میں مخالفین اور معاندین پر غالب کرنے والا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ غَآىِٕبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾

"اور وہ پوچھتے ہیں کب (پورا ہوگا) یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ آپ فرمائیے قریب ہے کہ تمہارے پیچھے آ لگا ہو اس عذاب کا کچھ حصہ جس کے لئے تم جلدی مچا رہے ہو۔ اور بے شک آپ کا رب بہت فضل (و کرم) فرمانے والا ہے لوگوں پر، لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔ اور یقیناً آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے اور جو وہ ظاہر

کرتے ہیں۔ اور نہیں کوئی پوشیدہ چیز آسمان اور زمین میں مگر اس کا بیان کتاب مبین میں موجود ہے"۔
مشرکین وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہوئے دریافت کرتے: مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ ... اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ السلام کو یہ فرمانے کا حکم دے رہا ہے: عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ۔ یعنی ممکن ہے کہ وہ عذاب تمہارے قریب پہنچ چکا ہو جس کی تم جلدی مچا رہے ہو۔ یہی مراد اس فرمان سے ہے: وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۚ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا (بنی اسرائیل:51) "اور پوچھیں گے ایسا کب ہوگا؟ فرمایئے شاید اس کا وقت قریب ہی ہو"۔ ایک اور مقام پر فرمایا: يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ (العنکبوت:54) "وہ جلدی آپ سے عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں اور جہنم یقیناً ان کافروں کو گھیرے گا"۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان رَدِفَ لَكُمْ میں لام، صلہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ فعل "عجل" کے معنی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ پھر فرمایا: وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ ... یعنی لوگوں کے اپنی جانوں پر ظلم کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ ان پر اپنا کرم فرماتا ہے اور انہیں فراخ نعمتوں سے نوازتا ہے لیکن اکثر لوگ پھر بھی ناشکری کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ ... یعنی اللہ تعالیٰ جس طرح ظاہری چیزوں کو جانتا ہے، اسی طرح پوشیدہ چیزوں کا بھی علم رکھتا ہے جیسا کہ فرمایا: سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ (الرعد:10) "سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے"۔ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى (طہ:7) "وہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی"۔ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ (ہود:5) "سنتے ہو! جس وقت وہ اپنے کپڑے خوب اوڑھ لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں"۔ اس کے بعد بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی پوشیدہ چیزوں سے اچھی طرح واقف ہے، فرمایا: وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ ... اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (الحج:70) "کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ زمین و آسمان میں ہے یہ سب کچھ ایک کتاب میں (درج) ہے۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے"۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٧٦﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٨﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿٧٩﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾

"بلاشبہ یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل کے سامنے اکثر ان امور (کی حقیقت) کو جن میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور بلاشبہ یہ قرآن سراپا ہدایت اور مجسم رحمت ہے مومنین کیلئے۔ یقیناً آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان اپنے حکم سے۔ اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا۔ سو آپ بھروسہ کریں اللہ تعالیٰ پر۔ بے شک آپ روشن حق پر ہیں۔ بے شک آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو اور نہ آپ سنا سکتے ہیں بہروں کو اپنی پکار جب وہ بھاگے جا رہے ہوں پیٹھ پھیرے ہوئے۔ اور نہیں آپ ہدایت دینے والے (دل کے) اندھوں کو ان کی گمراہی سے۔ نہیں سنا سکتے آپ بجز ان کے جو ایمان لاتے ہیں

ہماری آیتوں پر پھر وہ فرمانبردار بن جاتے ہیں''۔

قرآن کریم ہدایت اور بیان پر مشتمل کتاب فرقان ہے اور یہ بنی اسرائیل (حاملین تورات وانجیل) کے سامنے ان کے اختلافی امور کو بیان کرتا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کا شدید اختلاف ہے۔ یہود آپ پر بہتان باندھتے اور تہمت لگاتے ہیں جب کہ نصاریٰ غلو کرتے ہوئے آپ کو حد سے بڑھا دیتے ہیں، قرآن کریم نے اس افراط وتفریط کو مسترد کرتے ہوئے حق وعدل پر مبنی صحیح بات بیان کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں جیسا کہ فرمایا: ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ (مریم: 34) ''یہ ہے عیسیٰ بن مریم (اور یہ وہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کر رہے ہیں''۔ قرآن کریم کے متعلق مزید فرمایا کہ یہ اہل ایمان کے لئے سراپا ہدایت اور مجسم رحمت ہے، پھر فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ... یعنی آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ فرمائے گا اور وہ اپنے انتقام میں غالب اور بندوں کے اقوال وافعال کو خوب جاننے والا ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا: فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ.. یعنی آپ اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور رسالت کی ذمہ داریاں نبھائیں، آپ واضح حق پر ہیں اور آپ مخالفت کرنے والے بدبختوں کی مخالفت کو خاطر میں نہ لائیں کیونکہ ان کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ ازلی بدبخت کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانیاں آ جائیں، اس لئے فرمایا: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى . یعنی جس طرح آپ مردوں کو کوئی ایسی چیز نہیں سنا سکتے جو ان کے لئے نفع رساں ہو اسی طرح یہ بدبخت ہیں ان کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ان کے کانوں میں کفر کی گرانی ہے۔ یہ ناہنجار کبھی بھی گمراہی سے باز نہیں آئیں گے اور نہ آپ کی باتوں سے متاثر ہو کر ایمان لائیں گے۔ آپ کی بات کو تو وہ قبول کرتا ہے جس کی سماعت، بصارت اور غور وفکر کی استعداد سلامت ہو اور حق بات کو سمجھنے اور قبول کرنے کے لئے صلاحیت اور بصیرت موجود ہو۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾

''اور جب ہماری بات کے ان پر پورا ہونے کا وقت آ جائے گا تو ہم نکالیں گے ان کے لئے ایک چوپایہ زمین سے جو ان سے گفتگو کرے گا۔ کیونکہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے''۔

جس دابہ (جانور) کا یہاں ذکر ہے، یہ آخری زمانہ میں مکہ یا کسی اور جگہ سے اس وقت ظاہر ہوگا جب لوگوں میں بگاڑ انتہا کو پہنچ چکا ہو گا، لوگ احکام الٰہی ترک کر چکے ہوں گے اور دین حق میں ردوبدل کر دیا گیا ہوگا۔ یہ جانور لوگوں سے باتیں کرے گا اور انہیں کہے گا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ابن جریر کا مختار قول یہی ہے(1) لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ یہ جانور لوگوں کو زخمی کرے گا، ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ دونوں کام کرے گا، یہ بھی اور وہ بھی۔ یہ قول عمدہ ہے اور دونوں میں کوئی منافات اور تضاد نہیں۔ دابہ کے متعلق کثیر تعداد میں احادیث اور آثار مروی ہیں جن میں سے کچھ ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ بیٹھے قیامت کا ذکر کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے بالاخانہ سے ہمیں جھانک کر دیکھا اور فرمایا: ''قیامت ا

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 16

س وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو: ''سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دھواں، دابہ، یاجوج ماجوج کا نکلنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا ظہور، دجال کا نکلنا، مغرب، مشرق اور جزیرۂ عرب میں تین خسف (زمین کا دھنسنا) اور آگ جو عدن سے نکلے گی اور لوگوں کا پیچھا کرے گی جہاں لوگ رات گزاریں گے وہ بھی وہاں ان کے ساتھ ہوگی اور جہاں لوگ دوپہر گزاریں گے وہاں وہ بھی ان کے ساتھ ہوگی''(1)۔ ابوداؤد طیالسی کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دابہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ تین مرتبہ نکلے گا۔ پہلے یہ دور دراز جنگل سے ظاہر ہوگا اور اس کا ذکر شہر مکہ تک نہ پہنچے گا، پھر ایک طویل عرصہ کے بعد ذرا قریب سے ظاہر ہوگا تو اس کی شہرت دیہاتی علاقوں میں عام ہوتے ہوتے شہر مکہ تک بھی پہنچ جائے گی۔ لوگ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حرمت وعظمت والی مسجد میں ہوں گے کہ اسی اثناء میں یہ دابہ وہاں ظاہر ہوگا۔ وہاں یہ لوگوں کو خوفزدہ تو نہیں کرے گا البتہ رکن اور مقام کے درمیان اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے قریب ہوگا۔ لوگ جماعت در جماعت اور ایک ایک کر کے تتر بتر ہو جائیں گے۔ مومنوں کی ایک جماعت وہاں رہ جائے گی، یہ ان کے پاس آئے گا اور ان کے چہروں کو بڑے روشن ستاروں کی طرح بنا ڈالے گا، پھر زمین میں چکر لگائے گا، نہ کوئی اسے پکڑ سکے گا اور نہ کوئی بھاگ کر اس سے بچ سکے گا یہاں تک کہ ایک آدمی نماز شروع کر کے اس سے پناہ چاہے گا لیکن یہ پیچھے سے آکر اسے کہے گا کہ اے فلاں! تو اب نماز پڑھنے لگا ہے۔ وہ شخص اس کی طرف متوجہ ہوگا تو یہ اس کی پیشانی پر نشان لگا کر چلتا بنے گا۔ لوگوں کے اموال مشترک ہوں گے اور وہ شہروں میں ایک ساتھ رہیں گے۔ اس وقت کافر اور مومن کی پہچان واضح طور پر ہوگی یہاں تک کہ مومن کافر سے کہے گا کہ میرا حق ادا کر اور کافر مومن سے کہے گا کہ میرا حق ادا کر''(2)۔ یہ روایت حضرت حذیفہ بن اسید سے موقوفاً مروی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں نکلے گا، اس وقت آپ علیہ السلام بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوں گے لیکن اس کی سند صحیح نہیں(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث یاد کی جسے میں آج تک نہیں بھولا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کی اولین علامتوں سے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت دابۃ (جانور) کا نکلنا ہے۔ ان دو میں سے جو بھی پہلے واقعہ ہوا، دوسرا اس کے فوراً بعد ہوگا''(2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چھ چیزوں کے ظہور سے پہلے پہلے نیک اعمال کر لو: سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دھواں، دجال، دابہ، تم میں سے کسی کا اپنے لئے کوئی چیز مخصوص کر لینا اور عوام الناس کا حکم''(3)۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں ایک اور سند سے مروی ہے۔(4) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دابۃ الارض نکلے گا تو اس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی۔ وہ عصا مار کر کافر کی ناک کو نشان زدہ کر دے گا اور انگوٹھی کے ساتھ مومن کے چہرے کو روشن کر دے گا یہاں تک کہ لوگ ایک دسترخوان پر جمع ہوں گے تو مومن اور کافر کے درمیان بآسانی امتیاز ہو جائے گا''(5)۔ ایک اور روایت میں ہے: ''یہ کافر کی ناک پر انگوٹھی سے نشان لگائے گا اور مومن کے چہرہ کو عصا کے ساتھ منور کر دے گا یہاں تک کہ ایک دسترخوان پر جمع ہونے والے لوگوں کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ مومن ہے اور یہ کافر ہے''(6)۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ کے قریب ایک جنگل

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ انعام: 158

2۔ مسند ابی داؤد طیالسی، جلد 144 تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 14-15

3۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 2267

4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1348

5۔ مسند ابی داؤد طیالسی: 334

6۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 295-491، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1351-1352

میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک خشک زمین دکھائی دی جس کے اردگرد ریت تھی، آپ علیہ السلام نے فرمایا: "اس جگہ سے دابہ نکلے گا"۔ ابن بریدہ کہتے ہیں کہ اس کے کئی سال بعد میں حج کے لئے گیا تو میرے والد محترم نے مجھے ایک عصا دکھایا جو میرے اس عصا کے برابر تھا(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بالوں والا جانور ہوگا جس کے چار پاؤں ہوں گے اور یہ تہامہ کی وادی سے نکلے گا۔ ایک اور روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ یہ صفا کے شگاف سے گھوڑے کی سی تیز رفتاری سے برآمد ہوگا لیکن تین دن میں اس کا ایک تہائی حصہ بھی نہ نکلے ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے دابہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ جیاد کی ایک چٹان تلے سے ظاہر ہوگا۔ اگر میں وہاں ہوتا تو وہ چٹان دکھا دیتا۔ آپ سے مزید دریافت کیا گیا کہ وہ کیا کرے گا تو آپ نے فرمایا کہ وہ مشرق کا رخ کرے گا اور ایسی زوردار چیخ مارے گا کہ ہر طرف اس کی آواز سنائے دے گی، پھر شام کی طرف جائیگا اور ایسی سخت چیخ مارے گا کہ ہر چیز تھرا جائے گی، پھر مغرب کا رخ کرے گا اور وہاں بھی ایسی دلدوز آواز سے چلائے گا کہ ہر جگہ اس کی آواز پہنچے گی، پھر یمن کی سمت لے گا اور وہاں بھی زور سے چلائے گا، پھر شام کے وقت مکہ سے چل کر صبح کے وقت عسفان پہنچ جائے گا۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ پھر کیا ہوگا؟ فرمایا: مجھے معلوم نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دابہ مزدلفہ کی رات نکلے گا(2)۔ حضرت عزیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ سدوم کے نیچے سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے گفتگو کرے گا، سب اس کی گفتگو سنیں گے، اس وقت حاملہ عورتوں کے حمل قبل از وقت گر جائیں گے، شیریں پانی کڑوا ہو جائے گا، دوست دشمن بن جائیں گے، حکمت جل جائے گی، علم اٹھ جائے گا اور اس کے ساتھ متصل زمین کلام کرے گی۔ اس زمانہ میں لوگ ایسی آرزوئیں کریں گے جو کبھی پوری نہ ہوں گی، ایسی چیزوں کے حصول کے لئے سخت محنت کریں گے جنہیں حاصل کرنا ناممکن ہوگا اور کام کریں گے لیکن کھانے کو کچھ نہ حاصل ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے جسم پر تمام رنگ ہوں گے، اس کے دونوں سینگوں کے درمیان ایک فرسخ (تین میل) کی مسافت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک عظیم نیزے کی مثل ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بال و پر، کھر اور داڑھی ہوگی لیکن دم نہیں ہوگی۔ یہ برق رفتار گھوڑے کی سی رفتار سے ظاہر ہوگا لیکن تین دن میں بمشکل اس کا ایک تہائی حصہ نکلے گا۔ حضرت ابوزبیر دابہ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا سر بیل کے سر جیسا، اس کی آنکھیں خنزیر کی آنکھوں جیسی، اس کے کان ہاتھی کے کانوں جیسے، اس کے سینگ بارہ سنگھے کے سینگ جیسے، گردن شترمرغ کی گردن جیسی، سینہ شیر کا سا، رنگ چیتے کا سا، کمر بلی کی سی، دم مینڈھے جیسی اور پاؤں اونٹ جیسے ہوں گے۔ ہر دو جوڑوں کے درمیان بارہ ہاتھ کا فاصلہ ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اس کے ساتھ ہوگی۔ وہ عصا کے ساتھ ہر مومن کے چہرہ پر ایک سفید نشان لگا دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا سارا چہرہ روشن ہو جائے گا اور انگوٹھی کے ساتھ ہر کافر کے چہرہ پر نشان لگا دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا تمام چہرہ سیاہ ہو جائے گا یہاں تک کہ لوگ خرید و فروخت کرتے وقت کہیں گے کہ اے مومن! یہ چیز کتنے کی ہے اور اے کافر! اس کی قیمت کتنی ہے؟ اس وقت یہ کیفیت ہوگی کہ ایک گھر کے افراد دسترخوان پر بیٹھے ہوں گے اور یہ بات عیاں ہوگی کہ ان میں سے کون مومن ہے اور کون کافر۔ پھر دابہ لوگوں سے کہے گا کہ اے فلاں! تمہیں خوشخبری ہو تو جنتی ہے، اے فلاں! تو دوزخی ہے۔ یہی مطلب اس آیت کا ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٨٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1352

2۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الفتن، جلد 15 صفحہ 180-181

قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

''اور جس روز ہم اکٹھا کریں گے ہر امت سے ایک گروہ جو جھٹلایا کرتا تھا ہماری آیتوں کو تو ان کو (اپنی اپنی جگہ پر) روک لیا جائے گا۔ حتیٰ کہ جب وہ آجائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم نے جھٹلایا میری آیتوں کو حالانکہ تم نے اچھی طرح انہیں جانا بھی نہ تھا یا اس کے علاوہ اور کیا تھا جو تم کیا کرتے تھے۔ اور پوری ہوگئی (اللہ کی) بات ان پر بوجہ ان کے ظلم کے تو وہ (اس وقت) بولیں گے نہیں۔ کیا انہوں نے غور نہ کیا کہ ہم نے بنایا ہے رات کو اس لئے تاکہ وہ اس میں آرام کریں اور بنایا ہے دن کو بینا۔ بے شک اس میں (ہماری قدرت کی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں''۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو اپنے سامنے اکٹھا کرے گا جو اس کی آیات اور اس کے پیغمبروں کو جھٹلاتے رہے اور ان کے اعمال کے متعلق باز پرس فرمائے گا، اس وقت ان کی خوب سرزنش اور تذلیل وتحقیر ہوگی۔ ہر قوم اور ہر زمانے کے ایسے لوگوں کے گروہ پیش ہوں گے جیسا کہ فرمایا: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ (الصافات: 22) ''جمع کرو انہیں جنہوں نے ظلم کیا اور ان کے ساتھیوں کو''۔ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (التکویر: 7) ''اور جب جانیں جوڑ دی جائیں گی''۔ ''یوزعون'' کا معنی ہے: انہیں دھکیلا جائے گا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ قتادہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے اول آخر پر لوٹائے جائیں گے (1)۔ عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ انہیں ہانکا جائے گا، یہاں تک کہ جب یہ حساب کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوں گے تو وہ انہیں فرمائے گا: اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ۔ یعنی ان سے ان کے عقیدہ اور اعمال کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ یہ اہل سعادت سے نہیں ہوں گے بلکہ اس فرمان کا مصداق ہوں گے: فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (القیامۃ: 32-31) ''نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ اس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا'' چنانچہ اس وقت ان پر حجت قائم ہو جائے گی اور یہ کوئی عذر پیش نہیں کر سکیں گے جیسا کہ فرمایا: هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ (المرسلات: 36-35) ''یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ بول نہ سکیں گے اور نہ انہیں اجازت ملے گی کہ وہ کچھ عذر پیش کریں''۔ اسی طرح یہاں فرمایا: وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ ..... یعنی یہ مبہوت ہو جائیں گے اور ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑے گا کیونکہ دنیا میں یہ اپنے اوپر ظلم ڈھاتے رہے اور اب اس ذات کے سامنے کھڑے ہوں گے جسے پوشیدہ اور ظاہر کا بخوبی علم ہے اور اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ، سلطنت عظیمہ اور رفعت شان پر آگاہ فرما رہا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی اطاعت، اس کے احکام کی بجا آوری اور اس کے پیغمبروں کی تصدیق ہر حال میں ضروری ہے، فرمایا: اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا۔ یعنی کیا انہوں نے غور وفکر نہیں کیا کہ ہم نے رات کو پرسکون بنایا تاکہ وہ اس کی تاریکی میں آرام کریں اور دن بھر کی تھکاوٹ سے راحت پائیں اور دن کو ہم نے روشن بنا دیا تاکہ اس میں وہ روزی کمائیں، سفر کریں، تجارت کریں اور دیگر ضروری امور سرانجام دیں، اس میں اہل ایمان کے لئے واضح نشانیاں موجود ہیں۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَكُلٌّ

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 17

أَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ
أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ إِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ
مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿٨٩﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۖ هَلْ تُجْزَوْنَ
إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٠﴾

''اور جس دن پھونکا جائے گا صور تو گھبرا جائے گا ہر کوئی جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے مگر جنہیں خدا نے چاہا (وہ نہیں گھبرائیں گے) اور سب حاضر ہوں گے اس کی بارگاہ میں عاجزی کرتے ہوئے۔ اور تو جب (اس روز) پہاڑوں کو دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ یہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے بادلوں کی سی چال۔ یہ کاریگری ہے اللہ کی جس نے (اپنی حکمت سے) مضبوط بنایا ہر چیز کو۔ بے شک وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ جو شخص نیک عمل لے کر آئے گا تو اسے کہیں بہتر اجر ملے گا اس نیک عمل سے۔ اور یہ نیک بندے اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔ اور جو برائی لے کر آئے گا تو ان کو منہ کے بل اوندھا پھینک دیا جائے گا آگ میں (اے بدکارو!) کیا تمہیں بدلا مے گا بجز اسکے جو تم عمل کیا کرتے تھے''۔

جس دن گھبراہٹ اور دہشت طاری کر دینے والے صور پھونکا جائے گا، اس کی ہولناکی کو بیان کیا جا رہا ہے۔ حدیث صور میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسرافیل علیہ السلام پہلے صور میں پھونکیں گے تو ہر ایک خوفزدہ ہو جائے گا، یہ نفخہ بہت طویل ہوگا۔ آخر زمانہ ہوگا، بدترین لوگ زمین پر بس رہے ہوں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔ اس وقت زمین و آسمان والے گھبرا جائیں گے سوائے شہداء کے کیونکہ وہ زندہ ہیں اور پروردگار عالم کے ہاں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ یہ کیا حدیث بیان کرتے ہیں کہ اتنی اتنی مدت تک قیامت آ جائے گی؟ آپ نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ یا اس قسم کا کوئی اور کلمہ تعجب کہا اور فرمایا کہ اب تو دل چاہتا ہے کہ کسی سے کوئی حدیث بیان ہی نہ کروں۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ تم عنقریب بڑے بڑے امور دیکھو گے، بیت اللہ برباد ہوگا اور یہ یہ ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں دجال ظاہر ہوگا جو چالیس تک ٹھہرے گا۔ .. مجھے نہیں معلوم کہ چالیس دن یا چالیس ماہ یا چالیس سال .. پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجے گا، وہ شکل و صورت میں عروہ بن مسعود جیسے ہیں، وہ دجال کو تلاش کر کے ہلاک کر ڈالیں گے، پھر سات سال ایسے گزریں گے کہ کوئی دو شخص ایسے نہ ہوں گے جن کے درمیان عداوت ہو، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلائے جو ہر اس شخص کی روح قبض کرے گی جس کے دل میں ذرہ بھر بھی خیر یا ایمان ہوگا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی پہاڑ کی کھوہ میں گھس گیا تو یہ ہوا وہاں داخل ہو کر اس کی روح قبض کر لے گی۔ اب زمین پر پرندوں کی طرح ہلکے اور درندوں جیسے بے عقل بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جنہیں نیکی بدی کی کوئی تمیز نہیں ہوگی، شیطان ان کے پاس آ کر انہیں کہے گا کہ کیا تم میری بات نہیں مانو گے؟ وہ کہیں گے کہ آپ کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ شیطان انہیں بت پرستی کا حکم دے گا۔ اس وقت یہ لوگ بہت خوشحال ہوں گے اور ان کے پاس رزق کی فراوانی ہوگی، پھر صور پھونکا جائے گا، جس کے کان میں اس کی آواز پڑی وہ مضطرب ہو کر کان کھڑے کر لے گا۔ سب سے پہلے اسے سننے والا وہ شخص ہے جو اپنے اونٹوں کے لئے حوض درست کر رہا ہوگا، وہ سنتے ہی بے ہوش ہو کر

گر پڑے گا اور اسی طرح سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ شبنم جیسی بارش برسائے گا جس سے لوگوں کے جسم اگنے لگیں گے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے، پھر اعلان ہوگا کہ اے لوگو! اپنے رب کے پاس چلو اور وہاں ٹھہرو، تم سے باز پرس ہوگی، پھر حکم ہوگا کہ آگ کا حصہ نکالو، پوچھا جائے گا کہ کتنا؟ فرمایا جائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ یہ ایسا دن ہوگا جس میں بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور پنڈلی سے پردہ اٹھا دیا جائے گا" (1)۔ پہلا نفخہ (صور میں پھونکنا) گھبراہٹ اور دہشت کا ہوگا، دوسرا موت کا اور تیسرا دوبارہ زندہ ہو کر رب العالمین کے حضور پیش ہونے کا، اس لئے فرمایا: وَكُلٌّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ فعل "اتوہ" کے الف کو مد کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور بغیر مد کے بھی۔ بہر حال یہ دونوں ہم معنی ہیں۔ "داخرین" کا معنی ہے عاجزی اور اطاعت کرتے ہوئے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہیں کر سکے گا جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ (بنی اسرائیل: 52) "اس دن کو یاد کرو جب اللہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے"۔ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ (الروم: 25) "جب تمہیں زمین سے بلائے گا تو تم فوراً باہر نکل آؤ گے"۔ حدیث صور میں ہے کہ تمام روحیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے صور کے سوراخ میں رکھی جائیں گی، جب اجسام قبروں میں اور اپنی اپنی جگہوں پر اگ آئیں گے تو حضرت اسرافیل صور میں تیسری مرتبہ پھونکیں گے، اب روحیں اڑنے لگیں گی، مومنوں کی روحیں نورانی ہوں گی اور کافروں کی روحیں تاریک اور سیاہ، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے میری عزت اور میرے جلال کی قسم! ہر روح اپنے جسم میں لوٹ جائے۔ چنانچہ تمام ارواح اپنے اجسام میں اس طرح پھیل جائیں گی جیسے زہر جسم میں سرایت کرتا ہے پھر وہ مٹی جھاڑتے ہوئے قبروں سے اٹھیں گے جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَى نُصُبٍ يُوفِضُونَ (المعارج: 43) "اس روز وہ جلدی جلدی قبروں سے نکلیں گے گویا وہ (اپنے بتوں کے) استھانوں کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں"۔ اس وقت پہاڑوں کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَتَرَى الْجِبَالَ یعنی پہاڑ یوں دکھائی دیں گے کہ وہ اپنی اصلی حالت پر ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ یہ اپنی جگہوں سے اکھڑ کر بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۝ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا (الطور: 10-9) "جس روز آسمان بری طرح تھرتھرا رہا ہوگا اور پہاڑ تیزی سے چلنے لگیں گے"۔ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَا تَرَى فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا (طہ: 106-105) "اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرمائیے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر رکھ دے گا پھر اس پہاڑی علاقے کو کھلا ہموار میدان بنا چھوڑے گا، نہ تجھے اس میں کوئی موڑ نظر آئے گا اور نہ ٹیلہ"۔ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً (الکہف: 47) "اور جس روز ہم پہاڑوں کو ہٹا دیں گے اور تم زمین کو دیکھو گے کہ کھلا میدان ہے"۔ پھر فرمایا: صُنْعَ اللَّهِ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے جس نے اپنی عظیم قدرت سے ہر چیز کو پختگی اور مہارت سے بنایا اور اس میں خاص حکمت ودیعت فرمائی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اچھے برے اعمال کو خوب جاننے والا ہے اور وہ عنقریب ان کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ پہلے قیامت کے دن سعادتمندوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ۔ یہاں بقول قتادہ نیکی سے مراد اخلاص ہے اور امام زین العابدین کے بقول اس سے مراد توحید ہے۔ ایک دوسرے مقام پر بیان فرمایا گیا ہے کہ جو ایک نیکی کرتا ہے اس کے لئے دس گنا اجر ہے۔ یہ نیکوکار اس دن کی گھبراہٹ اور وحشت سے محفوظ ہوں گے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ (الانبیاء: 103) "بڑی گھبراہٹ انہیں غمناک نہ کرے گی"۔ أَفَمَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ نساء، 159

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (حم السجدۃ:40)'' تو کیا جو آگ میں پھینکا جائے گا وہ بہتر ہے یا جو قیامت کے دن امن وسلامتی سے آئے گا''۔ وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ (سبا:37)'' اور وہ بالا خانوں میں امن وامان سے رہیں گے''۔ پھر بدکاروں کا انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ یعنی جس شخص کے پاس ایک نیکی بھی نہ ہوگی یا جس کی برائیاں اس کی نیکیوں پر غالب ہوں گی تو ہر ایک کو اس کی برائیوں کے مطابق سزا ملے گی۔ اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ یہاں سیئۃ (برائی) سے مراد شرک ہے۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٩١﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾

'' مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں اس (مقدس) شہر کے رب کی جس نے عزت وحرمت والا بنایا ہے اس کو اور اسی کی ہے ہر شے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں شامل ہو جاؤں فرمانبرداروں کے زمرہ میں۔ نیز (یہ بھی کہ) میں تلاوت کیا کروں قرآن کی۔ پس جو ہدایت قبول کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کیلئے ہدایت قبول کرتا ہے۔ اور جو گمراہ ہوتا ہے (تو اس کی قسمت) فرماؤ میں تو صرف ڈرانے والوں سے ہوں۔ اور آپ کہیے سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں وہ ابھی دکھائے گا تمہیں اپنی نشانیاں تو تم انہیں پہچان لوگے۔ اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبر ان کاموں سے جو (اے لوگو!) تم کیا کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرمارہا ہے کہ آپ لوگوں میں یہ اعلان کر دیں: اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ (یونس: 104)'' فرمایئے اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں شک ہو تو (سن لو) میں ان (بتوں) کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو لیکن میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں مارتا ہے''۔ یہاں بلدۃ (شہر مکہ) کی طرف ربوبیت کی اضافت تشریف و اہتمام کے طور پر ہے جیسا کہ فرمایا: فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۙ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (قریش:4-3)'' پس چاہئے کہ وہ عبادت کیا کریں اس خانہ (کعبہ) کے رب کی جس نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن عطا کیا''۔ فرمایا: الَّذِيْ حَرَّمَهَا یعنی اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو عزت وحرمت والا بنایا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا:'' اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو اسی دن سے حرمت والا بنایا ہے جس دن اس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا، یہ اللہ تعالیٰ کی حرمت عطا کرنے کے سبب قیامت تک حرمت والا ہی رہے گا۔ نہ اس کی گھاس اور کانٹے کاٹے جائیں، نہ اس کے شکار کو خوفزدہ کیا جائے اور نہ اس میں کسی کی گری ہوئی کوئی چیز اٹھائی جائے بجز اس کے کہ اگر کوئی شخص اسے پہچان کر مالک کو پہنچانا چاہے''(1)۔ یہ حدیث احادیث کی کتابوں میں متعدد سندوں سے مروی ہے۔ فرمایا: وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ یہ عام کا خاص پر عطف ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس شہر مقدس اور ہر چیز

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۃ البقرۃ:126

کا رب اور مالک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ۔ یعنی مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں ان مخلص موحدین میں سے ہو جاؤں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرنے والے اور اس کے مطیع ہیں نیز مجھے یہ بھی حکم ملا ہے کہ لوگوں کو قرآن سناؤں جیسا کہ ارشاد ہے: ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ (آل عمران: 58) "یہ جو ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں آیتیں ہیں اور حکمت والی نصیحت"۔ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ (القصص: 3) "ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ واقعہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں"۔ یعنی میں تبلیغ کا فریضہ انجام دینے والا اور بروقت خبردار کرنے والا ہوں پس جو شخص ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ اپنے بھلے کے لئے ہدایت پاتا ہے اور جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے تو آپ کہہ دیں کہ میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں یعنی میرے سامنے پہلے پیغمبروں کا اسوہ موجود ہے جنہوں نے اپنی قوموں کو خبردار کیا اور ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر اپنی ذمہ داری اور فریضہ سے عہدہ برآ ہو گئے۔ اب ان قوموں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے جیسا کہ فرمایا: فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد: 40) "بے شک آپ کے ذمہ (اللہ کا) پیغام پہنچانا ہے اور حساب لینا ہمارے ذمہ ہے"۔ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (ہود: 12) "آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے"۔ آخری آیت میں فرمایا: وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ یعنی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں جو اتمام حجت اور انذار سے پہلے کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا اس لئے فرمایا: سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حم السجدة: 53) آیت کے آخر میں فرمایا: وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں بلکہ وہ تو ہر چیز کا مکمل علم رکھتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! تم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ نہ کھائے، اگر وہ کسی چیز سے غافل ہوتا تو مچھر، رائی اور ذرہ سے ضرور غافل ہوتا"۔ حضرت عمر بن عبد العزیز فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی چیز سے بے خبر ہوتا تو وہ ابن آدم کے قدموں کے ان نشانات سے ضرور بے خبر ہوتا جنہیں ہوا مٹا دیتی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ دو شعر پڑھا کرتے تھے، یا تو یہ اشعار آپ کے ہیں یا کسی اور کے[1]۔

إِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ خَلَوْتُ وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيْبُ
وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفَلُ سَاعَةً وَلَا أَنَّ مَا يَخْفٰى عَلَيْهِ يَغِيْبُ

"جب تو کسی وقت تنہائی میں ہو تو یوں نہ کہہ کہ میں اکیلا اور تنہا ہوں بلکہ یوں کہہ کہ مجھ پر ایک نگہبان ہے۔ تو یہ گمان نہ کر کہ اللہ تعالیٰ کسی گھڑی غافل ہو سکتا ہے اور نہ یہ خیال کر کہ کوئی مخفی چیز اس سے اوجھل ہو سکتی ہے۔

1۔ البدایۃ والنہایۃ، جلد 10 صفحہ 244

سورۂ قصص (مکیہ)

مسند احمد میں حضرت معدیکرب بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے گزارش کی کہ ہمیں سورۂ طسم پڑھ کر سنائیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ مجھے تو یاد نہیں البتہ تم خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جاؤ جنہوں نے یہ سورت رسول اللہ ﷺ سے سیکھی ہے، چنانچہ ہم حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے ہمیں یہ سورت پڑھ کر سنائی (1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

طٰسٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝

طا۔سین۔میم۔یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کچھ واقعہ ٹھیک ٹھیک ان لوگوں (کے فائدہ) کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔بے شک فرعون متکبر (وسرکش) بن گیا سرزمین (مصر) میں اور اس نے بنادیا وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ وہ کمزور کرنا چاہتا تھا ایک گروہ کو ان میں سے ذبح کیا کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑ دیتا ان کی عورتوں کو۔بے شک وہ فساد برپا کرنے والوں سے تھا۔اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنادیا گیا تھا ملک (مصر) میں اور بنادیں انہیں پیشوا اور بنادیں انہیں (فرعون کے تاج وتخت کا) وارث۔اور تسلط بخشیں انہیں سرزمین (مصر) میں اور ہم دکھائیں فرعون اور ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کی جانب سے (وہی خطرہ) جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے"۔

حروف مقطعات کے متعلق بحث گزر چکی ہے۔فرمایا: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ یعنی یہ اس واضح اور جلی کتاب کی آیتیں ہیں جو حقائق اور ماضی و مستقبل کی خبروں کا انکشاف کرنے والی ہے۔پھر فرمایا: نَتْلُوْا عَلَيْكَ اس طرح ایک اور مقام پر فرمایا: نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ (یوسف:3) یعنی ہم یہ واقعہ اس طرح آپ کے لئے بیان کرتے ہیں گویا آپ اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور وہاں موجود ہیں۔فرعون کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ ۔یعنی فرعون نے سرزمین مصر میں تکبر، ظلم اور سرکشی کی اور وہاں کے باشندوں میں پھوٹ ڈال کر انہیں گروہ گروہ بنادیا اور اپنے مفاد میں انہیں استعمال کرنے لگا۔بنی اسرائیل کا وجود اس کے لئے ناقابل

1۔مسند احمد، جلد 1 صفحہ 419

41B

پیش خیمہ ثابت ہوئی اس لئے فرمایا: فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ ۔ یہاں بقول محمد بن اسحاق "لِيَكُوْنَ" کا لام، لام عاقبت ہے نہ کہ لام تعلیل(1) کیونکہ آپ کو باہر نکالنے سے ان کا ارادہ یہ نہ تھا کہ آپ علیہ السلام ان کے دشمن اور باعث رنج و ملال بن جائیں۔ ظاہری الفاظ تو اسی کا تقاضا کرتے ہیں لیکن سیاق کو پیش نظر رکھیں تو یہ لام تعلیل ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صندوق اٹھانے کے لئے مسخر کر دیا تھا تا کہ آپ کو ان کے لئے دشمن اور باعث رنج والم بنادے اور ان کی احتیاطی تدابیر کو خاک میں ملا دے اسی لئے فرمایا: اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا ۔ مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے قدریہ کو جو تقدیر کے منکر ہیں، ایک خط میں لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے علم سابق میں فرعون کے دشمن اور اس کے لئے باعث رنج و غم تھے جیسا کہ فرمان ہے: وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ لیکن تم کہتے ہو کہ اگر فرعون چاہتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کے دوست اور حامی و ناصر ہوتے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا۔ اس کے بعد فرمایا: وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ ۔ فرعون نے جب اس بچے کو دیکھا تو اسے خیال آیا کہ یہ کہیں بنی اسرائیل کا وہی بچہ نہ ہو جو اس کی بربادی کا باعث بننے والا ہے، اس لئے اس نے قتل کرنا چاہا لیکن اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم نے مزاحمت کی۔ فرعون کو اس کے ارادے سے باز رکھا اور اس بچے کو فرعون کے ہاں محبوب بناتے ہوئے کہنے لگی: قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ یہ سن کر فرعون کہنے لگا کہ یہ تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک تو ہو سکتا ہے لیکن میرے لئے نہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طفیل آسیہ کو ہدایت سے نوازا اور فرعون کو آپ کے ہاتھوں نیست و نابود کر دیا، سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں بیان کردہ حدیث فتون میں یہ طویل قصہ بیان ہو چکا ہے(2)۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طفیل ہدایت اور جنت ارزانی فرما کر نفع پہنچایا۔ مزید کہنے لگیں: اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا چونکہ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا کوئی بیٹا نہ تھا اس لئے انہوں نے چاہا کہ آپ علیہ السلام کو متبنیٰ بنالیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ یعنی انہیں اس بات کا احساس تک نہ تھا کہ ان کے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کروانے میں اللہ تعالیٰ کی کون سی حکمت اور حجت کارفرما ہے۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٠ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝١١ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝١٢ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝١٣

"اور موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دے اس راز کو اگر ہم نے مضبوط نہ کر دیا ہوتا اس کے دل کو تا کہ وہ بنی رہے اللہ کے وعدہ پر یقین کرنے والی۔ اور اس نے کہا موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لے، پس وہ اسے دیکھتی رہی دور سے اور وہ اس (حقیقت کو) نہ سمجھتے تھے۔ اور ہم نے حرام کر دیں اس پر ساری دودھ پلانے والیاں اس سے پہلے۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا کیا میں پتہ دوں تمہیں ایسے گھر والوں کا جو اس کی پرورش

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 32

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ: 40

کریں تمہاری خاطر اور وہ اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہوں گے۔ تو (اس طرح) ہم نے لوٹا دیا اس کو اس کی ماں کی طرف تا کہ اسے دیکھ کر اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور (اس کے فراق میں) غمزدہ نہ ہو اور وہ یہ بھی جان لے کہ بلا شبہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب آپ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دیا تو بہت بے قرار ہوئیں اور سوائے اپنے نور نظر کی یاد کے دل و دنیا کے ہر امر سے خالی ہو گیا۔ صرف اپنے بیٹے کا خیال بے چین کیے ہوئے تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں صبر اور دلجمعی عطا نہ کرتا تو وہ شدید غم اور فرط افسوس سے بے قابو ہو کر راز فاش کر دیتیں اور لوگوں کو بتا دیتیں کہ میرا بیٹا دریا کی نذر ہو گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی ڈھارس بندھائی اور ان کے مضطرب دل کو سکون عطا فرمایا تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں شامل رہیں۔ ام موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بڑی بیٹی سے کہا جو ذرا سمجھدار تھیں کہ اس صندوق کے پیچھے پیچھے چلتی رہو اور تمام حالات پر نظر رکھو، پھر مجھے آگاہ کرنا۔ چنانچہ یہ دور سے دیکھتے ہوئے اس طرح چلنے لگیں کہ گویا اس صندوق سے لاتعلق ہیں۔ ادھر فرعون کے محل میں جب حضرت آسیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی دست برد سے بچا لیا تو آپ کو دودھ پلانے کے لئے محل میں موجود ہر دایہ کے باری باری سپرد کیا گیا لیکن آپ نے کسی دایہ کے دودھ کو منہ تک نہ لگایا۔ آخر کار اس بچے کو باہر لایا گیا تا کہ کوئی ایسی عورت تلاش کی جائے جو اس بچے کو دودھ پلانے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ جب آپ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے آپ کو باہر لوگوں کے ہاتھوں میں دیکھا تو پہچان گئیں لیکن نہ تو اس چیز کا اظہار کیا اور نہ ہی کسی کو اس کا احساس تک ہونے دیا۔ قدرت کو منظور نہ تھا کہ آپ اپنی والدہ کے سوا کسی اور عورت کا دودھ پئیں۔ یہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا اعزاز ہے۔ اس میں دوسری حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طریقے سے آپ علیہ السلام کو اپنی والدہ کے پاس حسب وعدہ لوٹانا چاہتا تھا تا کہ وہ خوف و دہشت کے بعد سکون اور اطمینان سے اپنے لخت جگر کو دودھ پلائیں۔ لوگوں کو حیران دیکھ کر آپ علیہ السلام کی بہن کہنے لگیں: هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ...... ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے جب یہ بات کہی تو لوگوں کو کچھ شک گزرا۔ وہ انہیں پکڑ کر دریافت کرنے لگے کہ تمہیں کیسے معلوم ہے کہ وہ لوگ اس کے لئے خیر خواہ اور مشفق ہیں؟ کہنے لگیں کہ ان کی خیر خواہی اور شفقت اس بناء پر واضح ہے کہ وہ بادشاہ کی خوشنودی اور اس کے انعام و اکرام کے خواہاں ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے چھوڑ دیا۔ ان کی گزند سے محفوظ ہونے کے بعد انہوں نے ان لوگوں کو اپنے ساتھ لیا اور اپنے گھر لے آئیں۔ جونہی انہوں نے بچے کو اپنی والدہ کے سپرد کیا، بچہ فوراً ان کا دودھ پینے لگا۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ بہت خوش ہوئے۔ فوراً ایک آدمی نے حضرت آسیہ کو یہ خوشخبری پہنچائی تو انہوں نے ام موسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس بلا لیا اور اعزاز و اکرام سے نوازا لیکن انہیں یہ علم ہی نہ تھا کہ دراصل وہی اس بچے کی ماں ہیں۔ بہر صورت چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا دودھ پیا تھا اس لئے آسیہ ان سے بہت خوش ہوئیں۔ آسیہ نے ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ میرے ہاں ٹھہر جاؤ اور یہیں دودھ پلاتی رہو لیکن آپ علیہ السلام کی والدہ نے جواب دیا کہ ایسا ممکن نہیں کیونکہ میرے شوہر اور بچے ہیں جنہیں چھوڑ کر میں آپ کے پاس قیام نہیں کر سکتی البتہ میں اپنے گھر میں رہ کر اس بچے کو دودھ پلانے کے لئے تیار ہوں، ملکہ نے اس پر اپنی رضا مندی کا اظہار کر دیا اور انعام و اکرام سے نوازا۔ اس طرح ام موسیٰ علیہ السلام اپنے بیٹے کو لئے ہوئے راضی خوشی اپنے گھر لوٹیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے خوف کو امن سے بدل دیا اور عزت و جاہ اور رزق فراخ عطا فرمایا، حدیث شریف میں آتا ہے: "جو شخص کام کرتا ہے اور اپنے کام میں خیر کا طلب گار رہتا ہے، اس کی مثال ام موسیٰ کی سی ہے جو اپنے بیٹے کو دودھ پلائیں اور اس کی اجرت بھی لیتیں" (1)۔ شدت

1۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب السیر، جلد 9 صفحہ 27

اور راحت کے درمیان بہت قلیل فاصلہ تھا تقریباً ایک دن اور رات، پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر قسم کا امر ہے، جو وہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے اور جسے وہ نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا۔ وہی غم اور تنگی سے نجات دیتا ہے، اس لئے فرمایا: فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ یعنی ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی رہیں اور وہ اس پر غمزدہ نہ ہو اور وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا وعدہ برحق ہے کہ وہ اسے اس کی طرف لوٹا دے گا اور اسے منصب رسالت پر فائز فرمائے گا۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے پاس واپس آ گئے تو انہیں یقین ہو گیا کہ وہ واقعی رسول بننے والے ہیں اس لئے وہ پوری توجہ سے آپ کی تربیت میں مشغول ہو گئیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ یعنی اکثریت کو اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتوں اور ان کے قابل ستائش مقاصد کا علم نہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی ذات حمد کے لائق ہے۔ بعض اوقات ایک چیز ناپسندیدہ محسوس ہوتی ہے حالانکہ اس کا انجام اچھا ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ (البقرۃ:216) ”اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو“۔ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا (النساء:19) ”شاید تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر کثیر رکھ دی ہو“۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰى حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ۗ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَیْهِ ۗ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۷﴾

”اور جب پہنچ گئے موسیٰ علیہ السلام اپنے شباب کو اور ان کی نشو ونما مکمل ہو گئی تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا۔ اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو وہ شہر میں داخل ہوئے اس وقت جب بے خبر سو رہے تھے اس کے باشندے پس آپ نے پایا وہاں دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے ہوئے۔ یہ ایک ان کی جماعت سے تھا اور یہ دوسرا ان کے دشمنوں سے۔ پس مدد کے لئے پکارا آپ کو اس نے جو آپ کی جماعت سے تھا اس کے مقابلہ میں جو آپ کے دشمن گروہ سے تھا۔ تو سینہ میں گھونسا مارا موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اور اس کا کام تمام کر دیا۔ آپ نے فرمایا یہ کام شیطان کی انگیخت سے ہوا ہے۔ بے شک وہ کھلا دشمن ہے بہکا دینے والا۔ آپ نے عرض کی میرے پروردگار! میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر پس بخش دے مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اسے۔ بے شک وہی غفور رحیم ہے۔ عرض کرنے لگے میرے رب! مجھے ان انعامات کی قسم جو تو نے مجھ پر فرمائے۔ اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا“۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا ذکر کرنے کے بعد اب آپ کی جوانی کا ذکر ہو رہا ہے، فرمایا: وَلَمَّا بَلَغَ یعنی جب آپ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکم و علم یعنی بقول مجاہد نبوت سے نوازا اور نیکوکاروں کو ہم یونہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ پھر اس واقعہ کا ذکر ہو

رہا ہے جس کے باعث آپ کو مصر چھوڑ کر مدین کا رخ کرنا پڑا اور پھر یہی واقعہ آپ کے منصب نبوت پر فائز ہونے کا سبب بنا۔ فرمایا: وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ ... یعنی آپ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب اس کے باشندے غفلت اور بے خبری میں تھے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا اور ایک دوسری روایت میں آپ سے ہی مروی ہے کہ دوپہر کا وقت تھا، لوگ بے خبری سے آرام کر رہے تھے۔ اس وقت آپ نے دو آدمیوں کو لڑتے جھگڑتے دیکھا۔ ایک آپ کے گروہ سے یعنی اسرائیلی تھا اور دوسرا آپ کے دشمنوں سے یعنی قبطی تھا۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبطی کے مقابلہ میں مدد کی درخواست کی تو آپ نے موقعہ پر کر قبطی کو پکڑ لیا اور اسے ایسا گھونسہ رسید کیا کہ اس کا کام تمام ہو گیا۔ آپ پریشان ہو کر کہنے لگے: هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ یعنی یہ حرکت شیطان کی انگیخت سے سرزد ہوئی ہے، شیطان بلاشبہ کھلا دشمن اور گمراہ کرنے والا ہے، پھر عرض کی: اے میرے پروردگار! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا سو میری بخشش فرما تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا، بے شک وہی غفور رحیم ہے۔ عرض کی: اے میرے پروردگار! مجھے اس جاہ و مرتبہ اور انعام و اکرام کی قسم جو تو نے مجھے ارزانی فرمایا ہے، میں آئندہ کبھی بھی ان مجرموں کا معاون نہیں بنوں گا جو تیرے ساتھ کفر اور تیرے احکام کی مخالفت کرتے ہیں۔

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۗ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ ۱۹

"پھر آپ نے صبح کی اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے تو اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی آج پھر انہیں مدد کے لئے پکارتا ہے موسیٰ نے اسے فرمایا بے شک تو کھلا ہوا گمراہ ہے۔ پس جب آپ نے ارادہ کیا کہ جھپٹ پڑیں اس پر جو ان دونوں کا دشمن تھا۔ وہ کہنے لگا اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے بھی قتل کر ڈالے جیسے کل تو نے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ تو نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تو ملک میں بڑا جابر بن جائے اور تو نہیں چاہتا کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو"۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قبطی مر گیا تو آپ صبح صبح حالات کا جائزہ لینے کے لئے ڈرتے ڈرتے شہر میں آئے۔ ایک راستے سے آپ کا گزر ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی اسرائیلی آج کسی اور قبطی سے لڑ رہا ہے۔ جب اس کے پاس سے آپ گزرنے لگے تو اس نے فریاد شروع کر دی۔ آپ نے اسے فرمایا: اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ یعنی تو واضح گمراہ اور بہت شر پسند ہے۔ آپ نے جب ظالم قبطی کو روکنے کے لئے اسے پکڑنا چاہا تو اسرائیلی اپنی بزدلی، خست اور کمزوری کے باعث اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ڈانٹ ڈپٹ کے سبب یہ سمجھ بیٹھا کہ آپ مجھ پر گرفت کرنا چاہتے ہیں، اس لئے اپنی جان بچانے کی خاطر وہ کہنے لگا: يٰمُوْسٰۤى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ گزشتہ روز کے واقعہ کا علم صرف حضرت موسیٰ اور اس اسرائیلی کو تھا، آج جب اس کی زبانی راز فاش ہوا تو قبطی کو بھی معلوم ہو گیا۔ جونہی اس نے اسرائیلی کی زبان سے یہ بات سنی، وہ فوراً بھاگم بھاگ فرعون کے دربار میں پہنچا اور مخبری کر دی۔ جب یہ بات فرعون کے علم میں آئی تو وہ بہت سیخ پا ہوا۔ اس

نے عزم کرلیا کہ وہ موسیٰ کو قتل کر کے ہی دم لے گا چنانچہ اس نے آپ کو گرفتار کرنے کے لئے سپاہی روانہ کر دیئے۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۫ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ
فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝

''اور آیا ایک آدمی شہر کے آخری گوشہ سے دوڑتا ہوا۔ اس نے (آکر) بتایا اے موسیٰ علیہ السلام! سردار لوگ سازش کر رہے ہیں آپ کے بارے میں کہ آپ کو قتل کر ڈالیں، اس لئے نکل جائیے (یہاں سے) بے شک میں آپ کا خیر خواہ ہوں''۔

یہاں آدمی کی رجولیت (مردانگی) کا وصف بیان ہوا ہے کیونکہ جب اس نے دیکھا کہ فرعون کے سپاہی آپ کے تعاقب میں جا رہے ہیں تو اس نے ایک دوسرا قریبی رستہ اپنایا اور سپاہ کے پہنچنے سے پہلے پہلے آپ کو تازہ صورت حال کی اطلاع دیتے ہوئے کہنے لگا: يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ ۔۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا تَوَجَّهَ
تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ
وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا
خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ ٜ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ۝ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ
تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ۝

''پس آپ نکلے وہاں سے ڈرتے ہوئے (اپنی گرفتاری کا) انتظار کرتے ہوئے۔ عرض کی میرے رب! بچالے مجھے ظلم و ستم کرنے والوں سے۔ اور جب روانہ ہوئے مدین کی جانب (تو دل میں) کہنے لگے امید ہے میرا رب میری رہنمائی فرمائے گا سیدھے راستہ کی طرف۔ اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے۔ اور دیکھیں اس انبوہ سے الگ تھلگ دو عورتیں کہ اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ تم کیوں اس حال میں کھڑی ہو۔ ان دونوں نے کہا ہم نہیں پلا سکتیں جب تک چرواہے اپنے مویشیوں کو لے کر واپس نہ چلے جائیں۔ اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں۔ تو آپ نے پانی پلا دیا ان (کے ریوڑ) کو پھر لوٹ کر سایہ کی طرف آگئے اور عرض کرنے لگے میرے مالک! واقعی میں اس خیر و برکت کا جو تو نے میری طرف اتاری ہے محتاج ہوں''۔

جب اس خیر خواہ کی زبانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور دیگر اعیان مملکت کے ارادہ کا علم ہوا تو آپ تن تنہا مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ قبل ازیں آپ ناز و نعم میں پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے لیکن اب پیش آمدہ صورتحال آپ کے لئے پریشان کن تھی اور اس سے پہلے اس قسم کی پریشانی سے آپ کو واسطہ نہیں پڑا تھا، چنانچہ آپ خوف و ہراس کے عالم میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہاں سے نکلے اور عرض کی: اے میرے پروردگار! مجھے ان ظالموں یعنی فرعون اور اس کے درباریوں کی شر سے نجات دے۔ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی کے لئے ایک گھوڑ سوار فرشتہ بھیجا۔ چلتے چلتے جنگلوں کو عبور کرنے کے بعد جب آپ نے مدین کی راہ لی تو بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھی راہ دکھا دے گا۔ چنانچہ آپ کی امید بر آئی اور اللہ تعالیٰ نے نہ صرف دنیا و آخرت میں

آپ کی رہنمائی فرمائی بلکہ آپ کو دوسروں کے لئے ہادی اور رہنما بھی بنا دیا۔ جب آپ مدین کے چشمہ پر پہنچے تو وہاں آپ نے لوگوں کا ایک انبوہ دیکھا جو چشمے سے پانی نکال نکال کر اپنے جانوروں کو پلا رہے تھے۔ وہاں آپ نے ان لوگوں سے الگ تھلگ دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے ریوڑ کو روکے کھڑی تھیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس طرح بے چارگی کے عالم میں دیکھا تو آپ کا دل پسیج گیا اور ان عورتوں پر رحم آیا، آپ ان سے پوچھنے لگے کہ تمہارا کیا معاملہ ہے، تم ان لوگوں کے ساتھ اپنے ریوڑ کو پانی کیوں نہیں پلاتیں، وہ کہنے لگیں: لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ ۔ یعنی ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ لوگ اپنے جانوروں کو لے کر واپس نہ چلے جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم اس کیفیت سے دوچار ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً پانی نکال کر ان کے ریوڑ کو پلا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ چرواہے پانی پلانے سے فارغ ہوئے تو انہوں نے ایک بھاری چٹان حسب معمول کنوئیں کے دہانے پر رکھ دی جسے کم از کم دس آدمی سرکا سکتے تھے۔ آپ نے تنہا اس چٹان کو ہٹا دیا اور ایک ڈول پانی کا نکالا جس سے تمام ریوڑ سیراب ہو گیا(1)۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے مدین کی طرف عازم سفر ہوئے تو آپ کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا، صرف گھاس پھوس اور درختوں کے پتوں پر گزر اوقات ہوتی تھی۔ آپ کا جوتا ٹوٹ کر گر گیا اور آپ برہنہ پا مدین پہنچے اور ستانے کے لئے سائے تلے بیٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ برگزیدہ بندے جب مدین پہنچے تو بھوک کی شدت سے ان کا پیٹ پیٹھ سے لگا ہوا تھا اور گھاس کی سبزی پیٹ کے اندر سے دکھائی دے رہی تھی۔ اس وقت آپ کو کھجور کا ٹکڑا تک میسر نہ تھا۔ حضرات ابن عباس، ابن مسعود اور سدی فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اونٹ پر سوار ہوا اور دو راتوں کے سفر کے بعد مدین پہنچا۔ وہاں لوگوں سے میں نے اس درخت کی بابت دریافت کیا جس کے سائے تلے حضرت موسیٰ علیہ السلام ستانے کے لئے بیٹھے تھے۔ لوگوں نے اس درخت کی نشاندہی کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک سرسبز و شاداب درخت ہے۔ میرا اونٹ بھوکا تھا۔ اس نے اس درخت کے پتے لئے اور کچھ دیر بڑی دقت سے چباتا رہا اور آخر وہ پتے نکال کر پھینک دیئے۔ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دعا کی اور واپس پلٹ آیا(2)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس درخت کو دیکھنے کے لئے گئے تھے جہاں سے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم کلام ہوا تھا۔ اس کا ذکر عنقریب ہو گا۔ سدی کہتے ہیں کہ وہ ببول کا درخت تھا۔ عطاء بن سائب کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ ۔۔۔ کو اس عورت نے بھی سنا(3)۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ؗ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ

1۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الفضائل، جلد 11 صفحہ 530-531 2۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 58 3۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 59

شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۞

"کچھ دیر بعد آئی آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک خاتون شرم وحیاء سے چلتی ہوئی۔ (اور آ کر) کہا میرے والد تمہیں بلاتے ہیں تا کہ تم نے ہماری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے اس کا تمہیں معاوضہ دیں۔ پس جب آپ ان کے پاس آئے اور اپنا واقعہ ان کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے (تسلی دیتے ہوئے) کہا ڈرو نہیں۔ تم بچ کر نکل آئے ہو ظالموں (کے پنجہ) سے۔ ان دو میں سے ایک خاتون نے کہا میرے (محترم) باپ اسے نوکر رکھ لیجئے۔ بے شک بہتر آدمی جس کو آپ نوکر رکھیں وہ ہے جو طاقت ور بھی ہو، دیانتدار بھی ہو۔ آپ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میں بیاہ دوں تمہیں ایک ان اپنی دو بچیوں سے بشرطیکہ تو میری خدمت کرے آٹھ سال تک۔ پھر اگر تم پورے کرو دس سال تو یہ تمہاری اپنی مرضی۔ اور میں نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کروں۔ تو پائے گا مجھے اگر اللہ نے چاہا نیک لوگوں سے (جو وعدہ ایفا کرتے ہیں)۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے پا گئی۔ ان دو میعادوں سے جو میعاد میں گزاروں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ جو قول و قرار ہم نے کیا ہے اس پر نگہبان ہے"۔

جب یہ دونوں عورتیں معمول سے پہلے جلد ہی گھر واپس لوٹیں تو ان کے والد گرامی کو بہت تعجب ہوا۔ دریافت کرنے پر انہوں نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے اسی وقت اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک کو بھیجا تا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلا لائیں۔ چنانچہ وہ عفت مآب اور عصمت شعار شریف عورتوں کی طرح شرم وحیاء سے چلتی ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی چادر کے کنارے سے منہ ڈھانپ رکھا تھا اور حیاء سے چلتی ہوئی آئیں نہ کہ ان عورتوں کی طرح جو بڑی بے باکی سے مردوں کے پاس آتی جاتی ہیں اور انہیں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی (1)۔ پھر انہوں نے صرف یہی نہیں کہا کہ میرے والد آپکو بلا رہے ہیں کیونکہ اس میں شبہ کی گنجائش تھی بلکہ یہ کہا کہ میرے والد آپ کو اس لئے بلا رہے ہیں تا کہ وہ آپ کو پانی پلانے کا معاوضہ دیں۔ اس بات سے اس خاتون کی دانائی مترشح ہوتی ہے۔ جب آپ ان خواتین کے والد کے پاس آئے اور اپنی بپتا انہیں سنائی تو انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ڈرو نہیں، اطمینان رکھو۔ اب تم ان ظالموں کی دست برد سے محفوظ ہو کیونکہ یہاں ان کی حکومت نہیں۔ مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ بزرگ کون تھے؟ مشہور قول یہی ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے جنہیں نبی بنا کر اہل مدین کی طرف بھیجا گیا۔ حضرت حسن بصری وغیرہ کا یہی کہنا ہے۔ طبرانی کی ایک روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت سلمہ بن سعد عنزی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: "شعیب علیہ السلام کی قوم اور موسیٰ علیہ السلام کے سسرال والوں کو خوش آمدید کہ تمہیں ہدایت دی گئی" (2)۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ قوم شعیب کے ایک مومن مرد تھے۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے طویل عرصہ پہلے ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ (ہود: 89) "اور قوم لوط علیہ السلام تو تم سے کچھ دور نہیں"۔ اور قرآن کریم سے یہ بات ثابت ہے کہ قوم لوط کی ہلاکت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی تھی اور یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 407 2۔ معجم کبیر، جلد 7 صفحہ 55

السلام کے درمیان چار سو سال سے بھی زائد کا عرصہ ہے۔ بعض لوگوں نے اس اشکال سے بچنے کے لئے کہا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے بہت لمبی عمر پائی۔ اس قول سے یہ اشکال تو رفع ہو سکتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ اگر یہ بزرگ حضرت شعیب علیہ السلام ہی ہوتے تو قرآن کریم میں صاف طور پر ان کا ذکر کر دیا جاتا، اور وہ احادیث جن میں صراحتاً حضرت شعیب علیہ السلام کا نام مذکور ہے، ان کی سندیں صحیح نہیں جیسا کہ عنقریب ان کا ذکر ہوگا۔ بنی اسرائیل کی کتابوں میں ان کا نام یثرون مذکور ہے(1)۔ حضرت ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اثرون حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے تھے(1)۔ بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہ یہ یثربی تھے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اگر کوئی خبر وارد ہوتی تو یقینی طور پر نام کا تعین ہو جاتا لیکن ایسی کوئی خبر ہے ہی نہیں جس سے نام کا تعین ہو سکے(2)۔ ایک صاحبزادی نے اپنے والد سے کہا: يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۔۔۔ کہتے ہیں کہ یہ وہی تھیں جو آپ کو بلانے کے لئے گئی تھیں۔ انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ انہیں بکریاں چرانے کے لئے نوکر رکھ لیں کیونکہ سب سے بہتر نوکر وہی ہے جو طاقتور اور دیانتدار ہو۔ یہ سن کر باپ نے بیٹی سے پوچھا کہ تمہیں اس کی قوت اور دیانتداری کا علم کیسے ہوا؟ بیٹی نے جواب دیا کہ انہوں نے تنہا اس چٹان کو کنویں سے ہٹا دیا جسے دس آدمی مل کر سرکا سکتے ہیں۔ اس سے ان کی قوت کا اندازہ ہو گیا اور ان کی دیانتداری کا علم مجھے اس طرح ہوا کہ جب میں انہیں بلانے کے لئے گئی تو میں ان کے آگے آگے چل پڑی کیونکہ یہ رستہ سے ناواقف تھے لیکن یہ مجھے کہنے لگے کہ میرے پیچھے پیچھے چلو اور جہاں رستہ تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آئے، اس طرف کنکر پھینک دینا، اس سے مجھے معلوم ہو جائے گا کہ کون سی سمت اختیار کرنی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ زیرک اور صاحب فراست تین شخص ہوئے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب انہوں نے اپنی فہم و فراست کو بروئے کار لاتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا، حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے والا عزیز مصر جس نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ انہیں اچھی طرح رکھو اور وہ خاتون جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت اپنے والد سے کہا تھا: يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۔۔ (3)۔ اس خاتون کے باپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میں اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں بشرطیکہ آپ آٹھ سال تک میری بکریاں چرائیں۔ شعیب جبائی کہتے ہیں کہ ایک خاتون کا نام صفورا اور دوسری کا لیا تھا(4)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ایک کا نام صفورا اور دوسری کا شرفا تھا اور اسے لیا بھی کہتے تھے۔ احناف نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے ان دو غلاموں میں سے ایک کو ایک سو کے بدلہ فروخت کیا اور خریدار نے اسے منظور کر لیا تو یہ بیع صحیح ہوگی۔ وہ بزرگ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ میں اس شرط پر آپ کو اپنی ایک بیٹی بیاہ دوں گا کہ آپ آٹھ سال میری بکریاں چرائیں اور اگر مزید دو سال آپ یہ خدمت انجام دیں تو یہ آپ کی مرضی ہے ورنہ آٹھ سال کافی ہیں۔ میں آپ کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا اور آپ مجھے ان شاء اللہ صالح آدمی پائیں گے۔ میں نہ آپ کے لئے مشکل پیدا کروں گا نہ اذیت دوں گا اور نہ بددیانتی کروں گا۔ امام اوزاعی کے مسلک کی تائید میں اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے یہ چیز نقدوں کے بدلہ میں بیچی اور ادھار بیس کے عوض تو یہ بیع درست ہے اور خریدار کو اختیار ہے کہ وہ دونوں میں سے جسے چاہے اختیار کر لے اور سنن ابی داؤد کی یہ حدیث کہ "جو شخص ایک بیع میں دو بیع کرے، اس کے لئے کی والی بیع ہے ورنہ سود"(5)۔ اسی

1۔ مبہمات الاقران للسیوطی: 159 2۔ تفسیر طبری، جلد 11 صفحہ 62 3۔ تخریج کے لئے، دیکھئے تفسیر سورۂ یوسف: 21

4۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 62، مبہمات الاقران للسیوطی: 158 5۔ سنن ابی داود، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 274

مسلک پر محمول کی جائے گی، لیکن اس مسلک کے مطابق اس آیت اور حدیث سے استدلال کرنا محل نظر ہے جس کی تفصیلات کا یہ مقام نہیں۔ اصحاب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کھانے اور کپڑے کے عوض نوکر رکھنا درست ہے۔ وہ اس کی تائید میں ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو ابن ماجہ میں اس باب کے تحت مذکور ہے کہ پیٹ بھر کھانے کے معاوضہ پر نوکر رکھنا۔ اس حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ طسم کی تلاوت کی۔ جب آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ تک پہنچے تو فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت اور پیٹ بھر کھانے کی خاطر آٹھ یا دس سال کے لئے خود کو نوکر رکھ دیا''(1)۔ یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے کیونکہ اس کا ایک راوی مسلمہ بن علی خشنی دمشقی ضعیف ہے۔ ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے لیکن یہ سند بھی محل نظر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شرط کو قبول کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ... حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے سسر سے کہنے لگے کہ میرے اور آپ کے درمیان یہ بات طے پا گئی کہ میں آٹھ سال آپ کے ہاں مزدوری کروں گا اور اگر میں نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ میری اپنی مرضی پر موقوف ہے، بہر صورت آٹھ سال کی خدمت کے بعد میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جاؤں گا اور شرط پوری ہو جائے گی، اس لئے فرمایا: اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ... یعنی جو مدت بھی میں نے پوری کر دی، مجھ پر کوئی حرج نہیں۔ اگرچہ دس سال کی تکمیل مباح ہے لیکن یہ فاضل ہے، ضروری نہیں۔ ضروری صرف آٹھ سال کی مدت ہے جیسا کہ منی کے آخری دو دنوں کے متعلق فرمایا: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرۃ:203) اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا جو بکثرت روزہ رکھا کرتے تھے اور انہوں نے آپ ﷺ سے سفر کے روزہ کے متعلق دریافت کیا تھا، اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اگر چاہو تو روزہ رکھ لو اور اگر چاہو تو نہ رکھو''(2) حالانکہ ایک دوسری دلیل سے ثابت ہے کہ روزہ رکھنا راجح ہے۔ بہر صورت یہ دلیل موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کی مدت پوری کی۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حیرہ کے ایک یہودی نے مجھ سے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے کون سی مدت پوری کی؟ میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں البتہ میں عربوں کے سب سے بڑے عالم سے دریافت کروں گا چنانچہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے وہ مدت پوری کی جو زیادہ مفید تھی کیونکہ اللہ کے رسول جب کوئی بات کہتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں(3)۔ حدیث فتون میں آتا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر سے سوال کرنے والا نصرانی تھا(4) لیکن پہلی بات زیادہ درست ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جبریل سے دریافت کیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے کون سی مدت پوری کی تو انہوں نے جواب دیا کہ ان دونوں میں سے جو کامل اور مکمل تھی(5)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی؟ آپ نے فرمایا: ''مجھے اس کا علم نہیں''۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ جبریل علیہ السلام نے اپنے سے اوپر والے فرشتے سے پوچھا تو اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر اس فرشتے نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے زیادہ مفید اور پاکیزہ مدت کی تکمیل کی۔ یہ روایت مرسل ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الرہون، جلد 2 صفحہ 817 | 2۔ صحیح مسلم، کتاب الصوم، جلد 2 صفحہ 790، سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، جلد 2 صفحہ 316

3۔ صحیح بخاری، کتاب الشہادات، جلد 3 صفحہ 236 | 4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ: 40 | 5۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 68

السلام سے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی؟ انہوں نے کہا کہ میں اسرافیل سے پوچھوں گا۔ ان سے پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ میں اللہ تعالیٰ سے پوچھوں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تو فرمایا گیا کہ دونوں میں سے زیادہ نافع اور مکمل(1)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے جب یہ دریافت کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''دونوں میں سے جو زیادہ کامل اور مکمل تھی اور اگر تم سے یہ پوچھا جائے کہ دونوں میں سے کس خاتون کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نکاح کیا تھا تو کہہ دینا کہ دونوں میں سے چھوٹی کے ساتھ''(2)۔ ایک اور روایت میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جب موسیٰ علیہ السلام شعیب علیہ السلام سے رخصت ہونے لگے تو اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ گزر اوقات کے لئے اپنے والد سے کچھ بکریاں مانگ لو۔ انہوں نے اپنے والد سے سوال کیا تو وہ کہنے لگے کہ اس سال پیدا ہونے والی چتکبری بکریاں تمہاری ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کے پیٹ پر اپنا عصا مارا تو ہر بکری نے دو دو، تین تین بچے جنے جو تمام کے تمام چتکبرے تھے اور سب کے سب بے عیب، بڑے بڑے بھرے ہوئے تھنوں والے اور زیادہ دودھ دینے والے تھے''۔ آپ نے فرمایا: ''جب تم شام فتح کر دو گے تو اس کی باقی ماندہ نسل پاؤ گے اور یہ سامریہ ہے''(3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں خوبصورت سیاہ رنگ کی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں پانی پلانے کے لئے حوض پر لے گئے۔ جو بھی کوئی پانی پی کر واپس آتی، آپ اس کے پہلو پر عصا مار دیتے، اس طرح سوائے ایک دو بکریوں کے تمام بکریوں نے چتکبرے بچے جنم دیئے جو سب بے عیب تھے۔ ان روایات کا دارومدار عبداللہ بن لہیعہ مصری پر ہے جن کا حافظہ کمزور تھا اور خدشہ ہے کہ یہ روایات مرفوع نہ ہوں۔ ایک اور سند سے اس قسم کی روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ تکمیل مدت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سسر نے آپ سے کہا کہ جو بکریاں اپنے رنگ کے برعکس بچے جنم دیں گی وہ آپ کی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی کے اوپر رسیاں بلند کر دیں جنہیں دیکھ کر بکریاں خوفزدہ ہو گئیں اور سوائے ایک کے سب نے چتکبرے بچے جنم دیئے۔ آپ ان سب کو لے کر رخصت ہو گئے(4)۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ؗ وَّ اضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۳۲﴾

''پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ مدت پوری کر دی اور (وہاں سے) چلے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر تو آپ نے دیکھی طور

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 69
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 63
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 63-64
4۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 69

کے ایک طرف آگ۔ آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا تم ذرا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں لے آؤں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا آگ کی کوئی چنگاری تا کہ تم اسے تاپ سکو۔ پس جب آپ وہاں گئے تو ندا آئی وادی کے دائیں کنارہ سے اس بابرکت مقام میں ایک درخت سے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! بلاشبہ میں ہی ہوں اللہ جو رب العالمین ہے۔ اور (ذرا) ڈال دو (زمین پر) اپنے عصا کو۔ اب جو اسے دیکھا تو وہ اس طرح لہرا رہا تھا جیسے وہ سانپ ہو آپ پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (آواز آئی) اے موسیٰ علیہ السلام! سامنے آؤ اور ڈرو نہیں۔ یقیناً تم (ہر خطرہ سے) محفوظ ہو۔ ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید (چمکتا ہوا) بغیر کسی تکلیف کے اور رکھ لے اپنے سینے پر اپنا ہاتھ خوف دور کرنے کے لئے تو یہ دو دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں (کی طرف لے جانے) کے لئے بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں''۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کی مدت پوری کی۔ یہاں آیت کریمہ میں ''الاجل'' کا لفظ بھی اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے دس سال پورے کئے۔ مجاہد کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کی تکمیل کے بعد مزید دس گزارے لیکن اس بات کا کوئی اور قائل نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے وطن اور گھر والوں کی یاد ستا رہی تھی، اپنے خویش و اقارب کے ساتھ ملاقات کے شوق میں آپ نے فرعون اور اس کی قوم سے خفیہ خفیہ اپنے گھر جانے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے اہل خانہ اور ان بکریوں کو ساتھ لیا جو آپ کے سسر نے آپ کو ہبہ کی تھیں اور مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ رات کو بارش ہونے لگی، سخت اندھیرا چھا گیا اور سردی انتہا کو پہنچ گئی۔ آپ ایک جگہ ٹھہر گئے اور چقماق سے آگ جلانے کی بہت کوشش کی لیکن بے سود۔ اس صورتحال سے آپ بہت متعجب ہوئے، اسی اثناء میں کچھ دور طور کی جانب آپ کو آگ دکھائی دی تو آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا کہ ذرا ٹھہرو، مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں شاید وہاں کوئی ایسا آدمی مل جائے جس سے رستہ دریافت کر لوں یا آگ کی چنگاری لے آؤں جسے تم تاپ لو اور سردی سے محفوظ ہو جاؤ۔ جب آپ وہاں پہنچے تو مغربی سمت سے دائیں جانب پہاڑ کے ساتھ وادی کی طرف سے آواز آئی جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَى مُوسَى الْأَمْرَ (القصص: 44) ''اور آپ (طور کی) مغربی سمت میں نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف حکم بھیجا''۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کے قصد سے قبلہ کی جانب چلے تھے اور مغربی پہاڑ آپ کی دائیں طرف تھا۔ وہاں پہاڑ کے دامن میں ایک سرسبز درخت میں بھڑکتی ہوئی آگ دکھائی دی۔ آپ اسے دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ اس وقت اس مبارک مقام میں وادی کے دائیں کنارے درخت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس درخت کو دیکھا ہے جہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا دی گئی تھی۔ یہ سرسبز و شاداب درخت ہے جو چمک رہا ہے (1)۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ یہ علیق کا درخت ہے۔ بعض اہل کتاب کا کہنا ہے کہ یہ عوسج کا درخت تھا (2) اور آپ علیہ السلام کا عصا بھی اسی درخت کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَنْ یّٰمُوْسٰۤی یعنی تمہارے ساتھ جو مخاطب اور ہم کلام ہے وہ اللہ رب العالمین ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔ وہ اپنی ذات، صفات، اقوال اور افعال میں بے مثل اور مخلوق کی مثل بہت سے منزہ اور اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عصا پھینکنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ یعنی اپنا وہ عصا زمین پر

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 71

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طہٰ: 17-23

ڈال دو جو تمہارے ہاتھ میں ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ۝ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى (طٰہٰ: 18-17) ''اے موسیٰ یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کی یہ میرا عصا ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لئے اس میں کئی اور فائدے بھی ہیں'' یعنی آپ اپنا معروف عصا پھینکیں۔ جب آپ نے عصا پھینکا تو وہ فوراً سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ اس سے آپ علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ آپ سے کلام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے کن کہنے سے مطلوبہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ یہاں فرمایا: فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ عصا نے ایک خوفناک، بھاری بھرکم اور تیز رفتار اژدھے کی شکل اختیار کر لی ہے جس کا بہت بڑا منہ ہے اور اس کے دانت ایک دوسرے کے ساتھ بج رہے ہیں، جس چٹان کے پاس سے گزرتا ہے، اسے ہڑپ کر لیتا ہے اور وہ اس کے منہ سے لڑھکتی ہوئی نیچے چلی جاتی ہے، بشری تقاضا کے باعث حضرت موسیٰ علیہ السلام خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! سامنے آؤ اور ڈرو مت، تم امن میں ہو۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس اپنی پہلی جگہ لوٹ آئے تو ارشاد ہوا: اُسْلُكْ يَدَكَ ... یعنی جب تم اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالو گے تو وہ چاندی کی طرح چمکتا ہوا باہر نکلے گا، اس لئے فرمایا: مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ یعنی بغیر برص کی بیماری کے۔ پھر فرمایا: وَاضْمُمْ اِلَيْكَ.... یعنی سانپ کے سبب حاصل ہونے والے خوف کو دور کرنے کے لئے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیں۔ یہ قول عبدالرحمٰن بن زید اور ابن جریر کا ہے(1)۔ بہرکیف بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد عام معنی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جب بھی آپ کو کسی چیز سے خوف محسوس ہو تو اس خوف کو دور کرنے کے لئے آپ اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا کریں۔ مذکور ہے کہ جب کوئی شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتدا کرتے ہوئے خوف کے وقت اپنا ہاتھ اپنے دل پر رکھ لے تو ان شاء اللہ اس کا خوف جاتا رہے گا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں فرعون کا رعب طاری تھا۔ جب آپ اسے دیکھتے تو یہ دعا کرتے: ''اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَدْرَأُ بِكَ فِيْ نَحْرِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے دل سے یہ رعب و خوف ختم کر کے فرعون کے دل میں ڈال دیا۔ اس کے بعد جب بھی وہ آپ علیہ السلام کو دیکھتا، گدھے کی طرح اس کا پیشاب نکل جاتا۔ فرمایا: فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ.... یعنی عصا کا اژدھا بن جانا اور ہاتھ کا گریبان سے بغیر کسی تکلیف کے چمکتا ہوا باہر نکلنا یہ دونوں معجزے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی صحت پر قطعی اور واضح دلائل ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کے رؤساء، عظماء اور پیروکاروں کی طرف بھیجا، کیونکہ یہ لوگ اطاعت الٰہی سے منحرف اور اس کے دین کے مخالف تھے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۫ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝

''آپ نے عرض کی میرے رب! میں نے تو قتل کیا تھا ان سے ایک شخص کو پس میں ڈرتا ہوں کہیں وہ مجھے قتل نہ کر ڈالیں۔ اور میرا بھائی ہارون وہ زیادہ فصیح ہے مجھ سے گفتگو کرنے میں تو اسے بھیج میرے ساتھ میرا مددگار بنا کر تاکہ وہ میری تصدیق

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 73

کرے۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم مضبوط کریں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی سے اور ہم عطا کریں گے تمہیں ایسا غلبہ (اور شوکت) کہ وہ تمہیں (اذیت) نہیں پہنچا سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کے باعث۔ تم دونوں اور تمہارے پیروکار ہی غالب آئیں گے"۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا جس کے خوف سے آپ نے جلاوطنی اختیار کی تھی تو آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی: اِنِّیْ قَتَلْتُ ... یعنی مجھ سے ان کا ایک شخص (قبطی) قتل ہو گیا تھا، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کہیں مجھے قتل نہ کر دیں۔ پھر عرض کی: وَ اَخِیْ هٰرُوْنُ ... اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں کچھ لکنت تھی اور اس کا سبب وہ واقعہ ہے جو فرعون کے محل میں آپ کے ساتھ اس وقت پیش آیا جب آپ ابھی معصوم بچے تھے، بطور آزمائش آپ کے سامنے آگ کا ایک انگارہ، ایک کھجور اور ایک موتی رکھا گیا۔ آپ نے انگارہ اٹھایا اور منہ میں ڈال لیا، اس وجہ سے آپ کی زبان لکنت کا شکار ہو گئی اور خیالات کی تعبیر میں آپ کو دشواری ہونے لگی، اسی لئے عرض کی: وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴿۲۸﴾ وَ اجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِی ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ﴿۳۱﴾ وَ اَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ (طہ: 32-27) "اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں اور میرے خاندان سے میرا وزیر مقرر فرما یعنی میرا بھائی ہارون۔ اس سے میری کمر مضبوط کر دے اور اسے میری اس مہم میں شریک کر دے"۔ یعنی بار نبوت اٹھانے اور اس سرکش، متکبر اور جابر بادشاہ کو دعوت توحید دینے میں میرا بھائی میرا معاون ثابت ہو اس لئے یہاں بارگاہ خداوندی میں عرض کی: وَ اَخِیْ هٰرُوْنُ ... یعنی میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے، اسے میرے ساتھ رسول بنا کر بھیج تاکہ وہ میرا وزیر اور معاون ہو اور منصب رسالت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں میری تقویت کا باعث بنے، وہ میری باتوں کی تصدیق کرے کیونکہ دو آدمیوں کا پیغام ایک آدمی کے پیغام سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے، اس لئے فرمایا: اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ۔ محمد بن اسحاق "یُّصَدِّقُنِیْۤ" کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ وہ میری ترجمانی کرتے ہوئے میری باتیں لوگوں کے سامنے وضاحت سے بیان کرے کیونکہ وہ میری ایسی باتیں سمجھ لیتا ہے جنہیں لوگ نہیں سمجھ سکتے (1)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ یعنی ہم تمہارے بھائی کو تمہارے ساتھ نبی بنا کر تمہیں تقویت پہنچائیں گے اور مضبوط سہارا فراہم کریں گے جیسا کہ ارشاد ہے: قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی (طہ: 36) "اے موسیٰ علیہ السلام! آپ کی درخواست منظور کر لی گئی ہے"۔ وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِیًّا (مریم: 53) "اور ہم نے انہیں اپنی خاص رحمت سے ان کا بھائی ہارون بخشا جو نبی تھا"۔ اسی لئے کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ کسی بھائی نے اپنے بھائی پر اس سے بڑھ کر احسان نہیں کیا جو احسان حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام پر کیا۔ آپ علیہ السلام کی سفارش پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو نبی اور رسول بنا دیا، اسی عظمت کے باعث اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے: وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا (الاحزاب: 69) "اور آپ اللہ کے نزدیک بڑی شان والے تھے"۔ پھر فرمایا: وَ نَجْعَلُ لَكُمَا ... یعنی ہم تم دونوں کو زبردست حجت سے نوازیں گے، سو میری آیات کی تبلیغ کے سبب فرعونی تم دونوں کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے جیسا کہ فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ... وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدة: 67)، اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ ... وَ كَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا (الاحزاب: 39) یعنی اللہ تعالیٰ ہی ان کا حامی و ناصر اور معین و مددگار کافی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 74

ان دونوں حضرات کو آگاہ کر دیا کہ دنیا و آخرت میں اچھا انجام تمہارا اور تمہارے پیروکاروں کا ہی ہے، فرمایا: اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (المجادلہ: 21) " اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آ کر رہیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے"۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (المومن: 51) " بے شک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی اس دنیوی زندگی میں"۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ "بِاٰيٰتِنَا" کا تعلق بعد والی کلام کے ساتھ ہے یعنی تم دونوں کو اور تمہارے پیروکاروں کو ہماری دی ہوئی آیات کے سبب غلبہ حاصل رہے گا(1)۔ بلاشبہ یہ معنی صحیح ہے لیکن پہلی توجیہہ کا بھی یہی معنی ہے اس لئے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

"پھر جب آئے فرعونیوں کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) ہماری روشن نشانیاں لے کر انہوں نے کہا نہیں ہے یہ مگر جادو گھڑا ہوا اور ہم نے نہیں سنیں اس قسم کی باتیں اپنے پہلے آباؤ اجداد کے زمانہ میں۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے اسے جو اس کی بارگاہ سے (نور) ہدایت لے کر آیا ہے۔ اور وہی جانتا ہے کہ اس کا انجام اچھا ہوگا۔ بے شک بامراد نہیں ہوتے ظلم و ستم کرنے والے"۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس گئے، انہیں توحید اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع کی تلقین کی اور اپنی نبوت کی صداقت پر زبردست معجزات پیش کئے جنہیں دیکھ کر فرعونیوں کو یقین ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام واقعی اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں لیکن انہوں نے اپنے کفر، تکبر اور عناد کے باعث انکار اور ہٹ دھرمی کی روش اختیار کئے رکھی اور کہنے لگے: مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى یعنی یہ تو مصنوعی اور گھڑا ہوا جادو ہے۔ انہوں نے حیلہ و فریب اور قوت و سطوت کو بروئے کار لاتے ہوئے حق کے ساتھ مقابلہ کرنے کا عزم کر لیا لیکن انہیں منہ کی کھانا پڑی اور وہ ذلیل و رسوا ہو کر نیست و نابود ہو گئے۔ پھر کہنے لگے: مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا ... یعنی نہ تو ہم نے اپنے آباؤ اجداد میں سے کسی کو خدائے واحد کی عبادت کرتے دیکھا اور نہ ہی ان میں سے کسی کو اس دین پر کار بند پایا۔ ہم تو یہی دیکھتے چلے آ رہے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیگر معبودوں کو بھی شریک ٹھہراتے ہیں۔ انہیں جواب دیتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ ... یعنی میرا رب خوب جانتا ہے کہ مجھ سے اور تم سے کون اس کی جناب سے ہدایت یافتہ ہے اور وہ عنقریب میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا اس لئے فرمایا: وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ یعنی اللہ تعالیٰ یہ بھی جانتا ہے کہ کس کو اس کی تائید اور نصرت حاصل ہوگی۔ آخر میں فرمایا: اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے ظالم کبھی بامراد نہیں ہوں گے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاسْتَكْبَرَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 76

هُوَ وَ جُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ۝ وَ اَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ۝

''یہ (سن کر) فرعون نے کہا اے اہل دربار! میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لئے میرے سوا کوئی اور خدا ہے۔ پس آگ جلا میرے لئے اے ہامان! اور اس پر اینٹیں پکوا میرے لئے ایک اونچا محل تعمیر کر شاید (اس پر چڑھ کر) میں سراغ لگا سکوں موسیٰ کے خدا کا۔ اور میں تو اس کے بارے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے۔ اور تکبر کیا اس نے اور اس کی فوجوں نے زمین میں ناحق اور وہ یہ گمان کرتے رہے کہ انہیں ہماری طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔ پس ہم نے پکڑ لیا اسے اور اس کے لشکریوں کو اور پھینک دیا انہیں سمندر میں۔ دیکھو! کیسا (ہولناک) انجام ہوا ظلم وستم کرنے والوں کا۔ اور ہم نے بنایا تھا انہیں ایسے پیشوا جو بلاتے رہے تھے (اپنی رعایا کو) آگ کی طرف۔ اور روز حشر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ اور ہم نے ان کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت لگا دی۔ اور قیامت کے دن بھی ان کا شمار ملعونوں میں ہوگا''۔

فرعون کے کفر، سرکشی اور دعوائے الوہیت کا ذکر ہو رہا ہے جیسا کہ فرمایا: فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ (الزخرف: 54) ''یوں اس نے اپنی قوم کو احمق بنا دیا سو وہ اس کی پیروی کرنے لگے''۔ اس نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ وہ اس کے دعویٰ کو درست تسلیم کرتے ہوئے اسے اپنا خدا بنا لیں، چنانچہ انہوں نے اپنی کم عقلی اور بے وقوفی کے باعث فرعون کو اپنا معبود بنا لیا۔ فرعون کہنے لگا: یٰۤاَیُّهَا ۔ ایک اور مقام پر فرعون کے متعلق فرمایا: ''فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰى (النازعات: 26-23)'' پھر (لوگوں کو) جمع کیا پس پکارا اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں، آخر کار اللہ تعالیٰ نے اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ بے شک اس میں اس کے لئے عبرت ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے''۔ ان بدقماشوں نے فرعون کو اس قدر بددماغ بنا دیا کہ وہ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو دھمکی دیتے ہوئے کہنے لگا: لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ (الشعراء: 29) ''اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا بنایا تو میں تمہیں قیدیوں میں داخل کر دوں گا'' فرعون نے اپنے وزیر خاص، مشیر خصوصی اور منتظم اعلیٰ ہامان کو حکم دیا کہ وہ اینٹیں پکوا کر اس کے لئے ایک بلند و بالا محل تعمیر کروائے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ قَالَ فِرْعَوْنُ یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى ۔ وَ مَا كَیْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ (المومن: 37-36) ''اور فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لئے ایک اونچا محل بنا تاکہ (اس پر چڑھ کر) میں راہوں تک پہنچ جاؤں یعنی آسمان کی راہوں تک پھر میں جھانک کر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے اور یوں فرعون کیلئے اس کا برا عمل آراستہ کر دیا گیا اور اسے راہ راست سے روک دیا گیا اور فرعون کا سارا فریب نہیں تھا مگر اس کی اپنی تباہی کے لئے''۔ فرعون نے ایسا محل تعمیر کروایا جس سے بلند عمارت دنیا میں نہیں دیکھی گئی۔ اس سے اس کا مقصد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس دعویٰ کی تردید اور تکذیب کرنا تھا کہ فرعون خدا نہیں بلکہ خدا اور ہے اس لئے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہنے لگا: وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ یعنی میں خیال کرتا

ہوں کہ موسیٰ اس بات میں جھوٹا ہے کہ میرے سوا کوئی اور رب ہے۔ اس کا مقصد دعویٰ رسالت میں آپ کو جھٹلانا نہیں تھا کیونکہ وہ نہ صرف آپ کی رسالت کا منکر تھا بلکہ وہ تو سرے سے وجود باری تعالیٰ کا ہی قائل نہ تھا، اسی لئے وہ کہنے لگا: وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (الشعراء: 23) "رب العالمین کی کیا حقیقت ہے"۔ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ، يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ یہ قول ابن جریر کا ہے(1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ...... یعنی فرعون اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر، سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے فساد برپا کر دیا اور یہ یقین کر بیٹھے کہ نہ قیامت آئے گی اور نہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ چنانچہ پروردگار عالم کے عذاب کا کوڑا ان پر برسا کیونکہ وہ ظالموں کی تاک میں ہے اور انہیں برباد کر کے رکھ دیا، اس لئے یہاں فرمایا: فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ یعنی ہم نے فرعون اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور ایک ہی صبح انہیں سمندر میں پھینک کر غرق کر دیا، دیکھو، ظالم کیسے عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے اور ہم نے انہیں ایسا پیشوا بنا دیا جو ان لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے جو ان کی اتباع میں پیغمبروں کو جھٹلاتے تھے اور وجود باری تعالیٰ کا انکار کرتے تھے اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی، اس طرح یہ دنیا میں بھی رسوا ہوئے اور آخرت میں بھی ذلت ان کا مقدر ہو گی جیسا کہ فرمایا: اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ (محمد: 13) "ہم نے انہیں ہلاک کر دیا پس کوئی ان کا مددگار نہ تھا"۔ پھر فرمایا: وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا یعنی جس طرح دنیا میں انبیاء کرام اور ان کے متبعین کی زبانی ان پر لعنت برستی رہی، اسی طرح پیغمبروں کی اتباع کرنے والے اہل ایمان ان پر لعنت بھیجتے رہیں گے اور قیامت کے دن بھی یہ ملعونوں میں سے ہوں گے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس فرمان کی طرح ہے: وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ (ہود: 99) "اور ان پر اس دنیا میں لعنت بھیجی جاتی رہے گی اور قیامت کے دن بھی۔ بہت برا عطیہ ہے جو انہیں دیا جائے گا"۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَاۗىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

"اور ہم نے دی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اس کے بعد کہ ہم نے ہلاک کر دیا پہلی (نافرمان) قوموں کو (یہ کتاب) لوگوں کے لئے بصیرت افروز اور سراپا ہدایت و رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت قبول کریں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت کلیم علیہ السلام پر اپنے خصوصی انعام کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے فرعونیوں کو ہلاک کرنے کے بعد آپ کو تورات عطا فرمائی۔ آیت کے ان الفاظ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى سے ظاہر ہوتا ہے کہ نزول تورات کے بعد کسی امت پر عمومی عذاب نہیں آیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو دشمنان خدا کے خلاف جہاد کا حکم دیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَجَاۗءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً (الحاقۃ: 10-9) "اور فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹائی جانے والی بستیوں کے باشندوں نے غلطی کا ارتکاب کیا پس انہوں نے اپنے رب کے رسولوں کی نافرمانی کی تو اللہ نے انہیں بڑی سختی سے پکڑ لیا"۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تورات نازل ہونے کے بعد روئے زمین پر اللہ تعالیٰ نے کسی پوری قوم کو آسمانی یا زمینی عذاب سے ہلاک نہیں کیا بجز اس بستی والوں کے جنہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا کیونکہ وہ سنیچر کی بے حرمتی کرتے ہوئے شکار کھیلا کرتے تھے، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی(2)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 78 2۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 18

کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو آسمانی یا زمینی عذاب سے ہلاک نہیں کیا مگر موسیٰ علیہ السلام سے پہلے" (1)۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ اس کے بعد تورات کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا: بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى۔ یعنی یہ کتاب اندھے پن اور گمراہی سے بصیرت عطا کرنے والی، حق کی راہ دکھانے والی اور لوگوں کے لئے سراپا رحمت ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت اور ہدایت حاصل کریں۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَلٰكِنَّآ أَنْشَأْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ إِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَوْلَآ أَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾

"اور آپ نہیں تھے (طور) کی مغربی سمت میں جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف (رسالت کا) حکم بھیجا اور نہ آپ گواہوں میں شامل تھے۔ لیکن ہم نے پیدا فرمائیں کئی قومیں (یکے بعد دیگرے) اور کافی لمبا عرصہ گزر گیا ان پر۔ (اور انہوں نے عہد خداوندی بھلا دیا) اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے تاکہ آپ پڑھ کر سناتے انہیں ہماری آیتیں۔ لیکن ہم ہی رسول بنا کر بھیجنے والے تھے۔ اور آپ (اس وقت) طور کے کنارہ پر بھی نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کو) ندا فرمائی لیکن یہ آپ کے رب کی محض رحمت ہے (کہ اس نے آپ کو ان حالات پر آگاہ کر دیا) تاکہ آپ (قہر الٰہی سے) ڈرائیں اس قوم کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے شاید وہ نصیحت قبول کریں۔ (اور اس کی وجہ یہ ہے) کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب پہنچے انہیں کوئی مصیبت ان اعمال کے باعث جو انہوں نے کئے ہیں تو وہ یہ نہ کہنے لگیں کہ اے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تاکہ ہم پیروی کرتے تیری آیات کی اور ہم ہو جاتے ایمان والوں سے"۔

اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی دلیل پر آگاہ فرما رہا ہے کہ آپ غیب کی گزشتہ خبریں دے رہے ہیں اور ماضی کے واقعات بلا کم و کاست اس طرح بیان کر رہے ہیں گویا آپ اس وقت موجود تھے اور آپ نے اپنی آنکھوں سے ان چیزوں کا مشاہدہ کیا ہے حالانکہ آپ امی ہیں، کسی سے ایک حرف تک نہیں پڑھا اور پھر آپ ایسے ماحول میں پروان چڑھے جہاں لوگوں کو علمی مشاغل سے کوئی دلچسپی نہ تھی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو ان چیزوں کے متعلق آگاہی بخشی جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُوْنَ (آل عمران: 44) "اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلمیں پھینک رہے تھے (یہ فیصلہ کرنے کے لئے) کہ کون ان میں سے مریم کی سرپرستی کرے گا اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے"۔ یعنی آپ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو اس سے

1۔ مستدرک حاکم، جلد 2 صفحہ 408، کشف الاستار عن زوائد البزار تفسیر سورۃ القصص، جلد 3 صفحہ 64-65

مطلع کردیا، اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ (ہود:49) ''یہ قصہ غیب کی خبروں سے ہے جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ آپ اسے جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، پس آپ صبر کریں یقیناً نیک انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے''۔ سورت کے آخر میں فرمایا: ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ (ہود:100) ''یہ ان بستیوں کی بعض خبریں ہیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں''۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْكُرُوْنَ (یوسف:102) ''یہ (واقعات) غیب کی خبروں سے ہیں جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ اس بات پر متفق ہو گئے تھے درآں حالیکہ وہ مکر کر رہے تھے'' سورۂ طہ میں فرمایا: كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ (طہ:99) ''یوں ہم آپ سے ان لوگوں کی خبریں بیان کرتے ہیں جو پہلے گزر چکے''۔ اور یہاں اول سے لے کر آخر تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ ۔ یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! آپ مغربی پہاڑ کے کنارے موجود نہ تھے جہاں اس درخت سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف بخشا جو وادی کے کنارے پر مشرقی سمت میں ہے اور نہ ہی آپ اس کے گواہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو اس سے آگاہ کر دیا تاکہ یہ ان امتوں پر آپ کی نبوت کی دلیل بن جائے جن پر طویل عرصہ گزر گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کو فراموش کر بیٹھے جو سابقہ انبیاء علیہ السلام لائے تھے۔ پھر فرمایا: وَ مَا كُنْتَ ثَاوِیًا ۔ یعنی آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے کہ آپ (حضرت) شعیب علیہ السلام کے حالات بیان کرتے لیکن ہم نے بذریعہ وحی آپ کو ان حالات پر مطلع کر دیا اور لوگوں کی طرف آپ کو رسول بنا کر بھیجا۔ پھر فرمایا: وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ ۔ سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ ندا دی گئی: اے امت محمد ﷺ! تمہارے سوال کرنے سے پہلے میں نے تمہیں عطا کر دیا اور تمہارے دعا کرنے سے پہلے میں نے تمہاری دعا قبول کر لی(1)۔ مقاتل بن حیان اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ طور کے کنارے نہیں تھے جب ہم نے آپ کے امتیوں کو جو اپنے آباؤ اجداد کی پشتوں میں تھے، ندا دی کہ جب آپ ﷺ کو نبی بنا کر مبعوث کیا جائے تو وہ آپ پر ایمان لائیں(2)۔ قتادہ اس آیت کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ آپ طور کی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی اور یہی مفہوم زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ بیان ہوا: وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ ۔ اوپر عام ذکر تھا اور یہاں خاص (ندا) ہے جیسا کہ فرمایا: وَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى (الشعراء:10) ''اور یاد کرو جب آپ کے رب نے موسیٰ کو ندا دی''۔ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ (النازعات:16) ''جب ان کے رب نے انہیں طویٰ کی مقدس وادی میں پکارا تھا''۔ وَ نَادَیْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَیْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا (مریم:52) ''اور ہم نے انہیں طور کی دائیں جانب سے ندا دی اور ہم نے راز کی باتیں کرنے کے لئے انہیں قریب کیا''۔ پھر فرمایا: وَ لٰكِنْ رَّحْمَةً...... یعنی آپ نے ان میں سے کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور بندوں پر اپنی رحمت کرتے ہوئے آپ کی طرف وحی کی اور ان سب واقعات و اخبار سے آپ کو آگاہ کر دیا تاکہ آپ ان لوگوں کو بروقت خبردار کریں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں آیا، ممکن ہے وہ آپ کے پیغام کو سن کر ہدایت قبول کر لیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے اعمال کے باعث ان پر کوئی مصیبت نازل ہو اور وہ کہنے لگیں: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا، اس لئے ہم نے آپ کو رسول بنا

1۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 10 صفحہ 441
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 419

کر ان کی طرف بھیجا ہے تاکہ ان پر حجت قائم ہو جائے اور ان کے عذر بہانے ختم ہو جائیں اور جب عذاب الہٰی انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے تو حجت بازی کرتے ہوئے یہ نہ کہنے لگ جائیں کہ ہمارے پاس تو کوئی پیغمبر آیا ہی نہیں جیسا کہ نزول قرآن کے ذکر کے بعد فرمایا: اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۔ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ (الانعام:158-157)، رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء:165) ''یہ رسول (ہم نے بھیجے) خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ رسولوں کے (آنے کے) بعد لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر نہ رہے''۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ (المائدة:9) ''اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے، صاف بیان کرتا ہے تمہارے لئے (احکام الہٰی) بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری دینے والا آیا تھا اور نہ کوئی ڈرانے والا۔ اب تو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ گیا ہے''۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾

''پھر جب آ گیا ان کے پاس حق ہماری جناب سے تو وہ کہنے لگے کیوں نہ دیئے گئے انہیں اس قسم کے معجزے جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔ (ان نابکاروں سے پوچھو) کیا انہوں نے انکار نہیں کیا تھا ان معجزات کا جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔ انہیں نے کہا (موسیٰ و ہارون علیہما السلام) دو جادوگر ہیں، جو ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں نیز انہوں نے کہا تھا ہم ان تمام کا انکار کرتے ہیں۔ آپ فرمایئے تم لے آؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس سے جو زیادہ ہدایت بخش ہو ان دونوں (قرآن و تورات) سے تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہوئے۔ پس اگر وہ قبول نہ کریں آپ کے اس ارشاد کو تو جان لو کہ وہ صرف اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی رہنمائی کے بغیر۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو اور ہم مسلسل بھیجتے رہے ان کی طرف اپنا کلام تاکہ وہ نصیحت قبول کریں''۔

فرمایا جا رہا ہے کہ اگر لوگوں کو اتمام حجت سے پہلے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا تو وہ یہ عذر پیش کر سکتے تھے کہ ہمارے پاس تو کوئی رسول نہیں آیا۔ جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کی زبانی حق آ گیا تو یہ کفر، عناد، جہالت اور الحاد کے باعث کہنے لگے: لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى یعنی انہیں اس قسم کے معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے جیسے عصا، ید بیضاء، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون، اناج اور پھلوں میں کمی جس کی وجہ سے دشمنان خدا تنگی کا شکار ہو گئے، دریا کو چیرنا، بادل کا سایہ کرنا، من وسلویٰ کا اترنا اور ان جیسے دیگر معجزات جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں اور بنی اسرائیل پر بطور حجت و برہان

عطا فرمائے، اس کے باوجود فرعونی متاثر نہ ہوئے بلکہ کفر کی روش اپنائے رکھی جیسا کہانہوں نے حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے کہا تھا: اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ (یونس: 78) ''کیا تم اس لئے آئے ہو تا کہ تم ہمیں اس (دین) سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور سرزمین (مصر) میں تم دونوں کے لئے بڑائی ہو جائے اور ہم تو تمہیں نہیں ماننے گے''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ (المومنون: 48) ''پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا، سو وہ برباد ہونے والوں میں شامل ہو گئے'' اس لئے یہاں فرمایا: اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا یعنی ان لوگوں نے ان معجزات کا انکار کیا جو معجزات موسیٰ کو دیئے گئے اور کہنے لگے کہ یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی معاونت کررہے ہیں۔ مزید کہنے لگے کہ ہم دونوں کا انکار کرنے والے ہیں۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے درمیان شدت تلازم، مصاحبت اور تقارب کے باعث دونوں میں سے ایک کا ذکر دوسرے کے ذکر پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ شاعر کے اس شعر میں:

فَمَا اَدْرِيْ اِذَا يَمَّمْتُ اَرْضًا اُرِيْدُ الْخَيْرَ اَيُّهُمَا يَلِيْنِيْ

یعنی جب میں کسی جگہ کا قصد کرتا ہوں تو مجھے نہیں معلوم کہ وہاں مجھے نفع حاصل ہوگا یا نقصان۔ یہاں شاعر نے خیر کے ساتھ اگرچہ شر کا ذکر نہیں کیا لیکن اس کی دلالت موجود ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہود نے قریش کو اکسایا کہ وہ حضور ﷺ پر اعتراض کرتے ہوئے کہیں لَوْلَآ اُوْتِيَ ...اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا .. یہاں آیت کریمہ میں دونوں جادوگروں سے مراد حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام ہیں(1)۔ یہ قول قوی اور عمدہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دونوں جادوگروں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ ہیں۔ حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ ہیں لیکن یہ قول بہت بعید ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو یہاں ذکر ہی نہیں ہوا۔ یہ معنی اس صورت میں ہے جب قرأت ''سَاحِرَانِ'' ہو لیکن بعض علماء کی قرأت میں ''سِحْرَانِ'' ہے۔ اس صورت میں اس سے مراد قرآن اور تورات ہے جو ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد تورات اور انجیل ہے(2)۔ ضحاک اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد انجیل اور قرآن ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ ''سِحْرَانِ'' کی قرأت پر بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مراد تورات اور قرآن ہے کیونکہ اس کے بعد ارشاد ہے: قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ ..... (الانعام: 92) ''آپ پوچھئے کس نے اتاری تھی وہ کتاب جسے موسیٰ لائے تھے جو (سراسر) نور اور لوگوں کیلئے ہدایت تھی ..''۔ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الانعام: 155-156) ''پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی. ...اور یہ مبارک کتاب ہے جسے ہم نے اتارا سو اس کی پیروی کرو اور ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے'' جنات نے کہا: اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (الاحقاف: 30) ''ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی، یہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے''۔ ورقہ بن نوفل نے کہا تھا کہ یہ وہی ناموس ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اصحاب عقول سلیمہ پر یہ حقیقت واضح ہے کہ آسمانی کتابوں میں سب سے زیادہ کامل، جامع، فصیح، عظیم اور افضل کتاب قرآن کریم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا، اس کے بعد تورات کا مرتبہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا، یہی وہ کتاب ہے جس کے متعلق ارشاد ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 84
2۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 85

نُوْرٌ ۔ ۔ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ (المائدۃ:44) اور انجیل تو تورات کی تکمیل کرنے والی اور ان بعض چیزوں کو حلال کرنے والی ہے جو بنی اسرائیل پر حرام قرار دی گئی تھیں اس لئے فرمایا: قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ اس کے بعد فرمایا: فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ ۔۔ یعنی اگر یہ آپ کی بات نہ مانیں اور نہ ہی حق کی اتباع کریں تو جان لیں کہ یہ بغیر کسی دلیل وحجت کے محض اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کررہے ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی اتباع کئے جارہا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ پھر فرمایا: وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ مجاہد اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ان کے سامنے تفصیل سے اپنا کلام بیان کردیا ہے، سدی کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا قول بیان کردیا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں بتادیں کہ اس نے گزشتہ لوگوں کے ساتھ کیا کیا اور بعد والوں کے ساتھ کیا کرنے والا ہے (1)۔ "لھم" کی ضمیر کا مرجع قریش ہیں لیکن رفاعہ کہتے ہیں کہ یہ آیت دس آدمیوں کے متعلق نازل ہوئی جن میں سے ایک میں تھا (2)۔ یہ رفاعہ حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا کے ماموں ہیں، یہود کے قبیلہ بنو قریظہ سے ان کا تعلق تھا اور یہ وہی ہیں جنہوں نے تمیمہ بنت وہب کو طلاق دی تھی، پھر بعد میں عبدالرحمٰن بن زبیر بن باطا نے اس سے نکاح کرلیا تھا۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝

"جن کو ہم نے عطا فرمائی کتاب (نزول) قرآن سے پہلے وہ اس پر ایمان لائے ہیں۔ اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کرچکے تھے۔ یہ لوگ ہیں جنہیں دیا جائے گا ان کا اجر دو مرتبہ بوجہ ان کے صبر کے اور دور کرتے ہیں نیکی کے ساتھ برائی کو نیز اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب وہ سنتے ہیں کسی بیہودہ بات کو تو منہ پھیر لیتے ہیں اس سے اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔ تم سلامت رہو۔ ہم جاہلوں (سے الجھنے) کے خواہاں نہیں ہیں"۔

اہل کتاب میں سے خدا دوست علماء کی بابت بتایا جارہا ہے کہ وہ قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: "اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (البقرۃ:121) جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں، وہی اس پر ایمان لاتے ہیں"۔ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ (آل عمران:199)" اور بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو تمہاری طرف اتارا گیا اور اس پر جو ان کی طرف اتارا گیا، اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی کرنے والے ہیں"۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا (بنی اسرائیل:108-107)" بے شک وہ لوگ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب ان کے سامنے اسے پڑھا جاتا

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 87-88 2۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 88 معجم کبیر، جلد 5 صفحہ 53

ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے، بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے"۔ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ... فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (المائدہ:83-82) سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیات ان ستر علماء نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئیں جنہیں نجاشی نے تحقیق حال کے لئے نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا۔ جب یہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں سورۂ یٰسین سنائی جسے سن کر یہ رونے لگے اور مشرف باسلام ہو گئے۔ انہی کے متعلق یہ آیات اتریں: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ...یعنی جن کو ہم نے قرآن سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان پر یہ قرآن پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ ہم تو اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کرتے ہوئے موحد اور مخلص مومن بن گئے تھے، پھر فرمایا: اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ... یعنی وہ لوگ جو پہلی کتاب پر ایمان لانے کے بعد قرآن کریم پر ایمان لائے، انہیں اس وجہ سے دو مرتبہ اجر عطا کیا جائے گا کہ وہ اتباع حق پر ڈٹے رہے اور حق پر ڈٹ جانا کوئی معمولی بات نہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہیں دوہرا اجر عطا کیا جاتا ہے: اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لانے کے بعد مجھ پر ایمان لایا، عبد مملوک جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے آقا کا حق بھی اور وہ شخص جس کی کوئی لونڈی ہو، وہ اسے اچھا ادب سکھائے اور پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لے"(1)۔ حضرت قاسم بن ابی امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن میں رسول اللہ ﷺ کی سواری کے بالکل پاس ہی تھا۔ آپ نے نہایت عمدہ باتیں ارشاد فرمائیں جن میں ایک ارشاد یہ بھی تھا: "یہود و نصاریٰ میں سے جو اسلام لے آئے، اس کے لئے دوہرا اجر ہے، اس کے وہی حقوق فرائض ہوں گے جو ہمارے ہیں"(2)۔ پھر ان نفوس قدسیہ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيَدْرَءُوْنَ...... یعنی یہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے حلال رزق سے خرچ کرتے ہیں۔ اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب پر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے اور زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں اور جب وہ کوئی بیہودہ بات سنتے ہیں تو ایسی مجلس میں شریک نہیں ہوتے بلکہ ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (الفرقان:72) "اور جب وہ کسی لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو بڑے باوقار ہو کر گزر جاتے ہیں"۔ اللہ کے ان بندوں کو جب کسی احمق اور بے وقوف سے واسطہ پڑ جائے اور وہ ان سے ایسی غیر شائستہ گفتگو کرے جو جواب کے لائق نہ ہو تو یہ اس سے الجھتے نہیں، نہ ہی اسے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہیں اور نہ ہی غیر مناسب الفاظ ان کی زبان پر جاری ہوتے ہیں بلکہ یہ شائستہ زبان استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں: لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ..... یعنی ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، تم سلامت رہو، ہم جاہلوں سے الجھنے کے خواہاں نہیں اور نہ ہی ان کا وطیرہ ہمیں پسند ہے۔ محمد بن اسحاق سیرت میں بیان کرتے ہیں کہ حبشہ سے تقریباً بیس نصرانی مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، انہوں نے آپ سے بات چیت کی اور کچھ سوالات کئے۔ اس وقت قریش کے کچھ لوگ کعبہ شریف کے ارد گرد اپنی محفلیں جمائے بیٹھے تھے، عیسائی علماء کا یہ وفد جب بات چیت سے فارغ ہوا اور ان کی تشفی ہو گئی تو آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ جب انہوں نے تلاوت قرآن سنی تو ان کا دل پسیج گیا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، پھر وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئے کیونکہ جو

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 35، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 93
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 259

جو اوصاف انہوں نے اپنی کتاب میں پڑھے تھے، وہ انہوں نے بعینہ آپ ﷺ کی ذات میں موجود پائے۔ جب یہ لوگ وہاں سے اٹھے تو ابوجہل اور ان کے ساتھیوں نے ان کا رستہ روک لیا اور انہیں کہنے لگے کہ خدا تمہارے وفد کو نامراد اور ذلیل کرے! تمہاری قوم نے تمہیں اس شخص کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا لیکن تم نے آن واحد میں اپنا دین ترک کر کے اس کی تصدیق بھی کر دی، ہم نے تم سے بڑھ کر احمق اور نادان وفد کبھی نہیں دیکھا۔ اس کے جواب میں وہ نفوس قدسیہ انہیں کہنے لگے کہ تم سلامت رہو، ہم تمہارے مقابلہ میں جاہلانہ روش اختیار کرنا پسند نہیں کرتے۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، ہمیں جس چیز میں اپنے لئے بھلائی دکھائی دی ہے ہم نے بلا تامل اسے قبول کر لیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ وفد نجران کے عیسائیوں کا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیات ان کے بارے میں نازل ہوئیں۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے ان آیات کا شان نزول پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تو اپنے علماء سے یہی سنتا آیا ہوں کہ یہ آیات اور سورۂ مائدہ کی یہ آیات ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا - فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ نجاشی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئیں(1)۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

”بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں، البتہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو۔ اور انہوں نے کہا اگر ہم اتباع کریں ہدایت کا آپ کی معیت میں تو ہمیں اچک لیا جائے گا ہمارے ملک سے۔ کیا ہم نے بسا نہیں دیا انہیں حرم میں جو امن والا ہے کھنچے چلے آتے ہیں اس کی طرف ہر قسم کے پھل یہ رزق ہے ہماری طرف سے لیکن ان کی اکثریت کچھ نہیں جانتی“۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے اور یہ آپ کی ذمہ داری بھی نہیں بلکہ آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے اور ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ اپنی حکمت کے پیش نظر جسے چاہتا ہے، ہدایت سے نواز دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (البقرۃ:272) ”انہیں ہدایت دینا آپ کی ذمہ داری نہیں لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے“۔ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف:103) ”اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں خواہ آپ کتنے ہی خواہاں ہوں“۔ یہ آیت ان تمام سے خاص ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ ہدایت نہیں دے سکتے جسے آپ پسند کریں لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، ہدایت دے دیتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔ صحیحین میں ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے چچا جناب ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی جو آپ ﷺ کا بہت زیادہ خیال رکھتے، ہر ممکن تعاون کرتے، آپ ﷺ کی طرفداری کرتے اور ٹوٹ کر آپ سے محبت کرتے لیکن یہ محبت طبعی تھی نہ کہ شرعی۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن تقدیر کا نوشتہ غالب آ گیا موت نے انہیں ہاتھوں سے اچک لیا اور وہ کفر پر برقرار رہے۔ حضرت مسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب جناب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 392-391

پاس تشریف لائے۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ وہاں بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''چچا جان! لا الہ الا اللہ کہہ دو، میں اس کلمہ کے سبب اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری سفارش کروں گا''۔ ابوجہل اور عبداللہ نے کہا: اے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ رسول اللہ ﷺ مسلسل اپنی دعوت پیش کرتے رہے اور یہ دونوں بھی لگا تار اپنی بات دہراتے رہے۔ آخر کار انہوں نے کہہ دیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر قائم ہوں اور کلمہ توحید پڑھنے سے انکار کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تمہارے لئے اس وقت تک استغفار کرتا ہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہیں کر دیا جاتا''۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى (التوبہ: 113) ''نبی کے لئے اور ایمان والوں کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کے واسطے مغفرت طلب کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ داری ہوں''۔ اور ابوطالب کے متعلق یہ آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ اتری (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابوطالب کے انتقال کے وقت ان کے پاس آئے اور فرمایا: ''اے چچا جان! لا الہ الا اللہ کہہ دو، میں اس کی وجہ سے قیامت کے دن تمہاری گواہی دوں گا''۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر مجھے قریش کے اس طعنہ کا خوف نہ ہوتا کہ ابوطالب نے موت کی گھبراہٹ کے سبب اس کلمہ کا اقرار کر لیا تو میں یہ کلمہ پڑھ کر ضرور تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا لیکن پھر بھی میں تمہاری خوشی کی خاطر یہ کلمہ پڑھتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔ حضرات ابن عباس، ابن عمر، مجاہد، شعبی اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے کی تلقین کی لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں اپنے بڑوں کے دین پر قائم ہوں۔ ایک مرتبہ قیصر کا قاصد رسول اللہ ﷺ کے نام قیصر کا خط لایا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنی گود میں رکھا اور اس سے فرمایا کہ تو کس قبیلے سے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تنوخ قبیلے سے آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''کیا تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف کو اپنانے میں رغبت رکھتے ہو؟'' اس نے جواب دیا کہ سر دست تو میں جس قوم کا قاصد ہوں، اسی کے دین پر قائم ہوں۔ جب تک ان کے پاس پیغام کا جواب لے کر واپس نہیں چلا جاتا، میں ان کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس پر آپ ﷺ مسکرا دیے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھ کر اس آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ ..... کی تلاوت کی۔ اس کے بعد فرمایا: وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى - اس آیت میں بعض کفار کے ایمان نہ لانے اور ہدایت کی اتباع نہ کرنے کا عذر لنگ ذکر کیا جا رہا ہے، یہ کافر رسول اللہ ﷺ سے کہتے کہ اگر ہم نے آپ کی لائی ہوئی ہدایت کی اتباع کر لی تو ہمیں خطرہ ہے کہ ہمارے اردگرد بسنے والے قبائل عرب ہمارے دشمن بن جائیں گے، ہمیں تکلیفیں پہنچائیں گے اور ہم پر دھاوا بول کر ہمیں نیست و نابود کر دیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یعنی ان کفار کا یہ بہانہ محض جھوٹ اور باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں امن والے شہر اور عظمت والے حرم میں بسایا ہے جہاں شروع سے لے کر اب تک امن کی حکمرانی رہی ہے، اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ کفر و شرک کی حالت میں تو یہ حرم ان کے لئے باعث امن ہو اور جب یہ اسلام قبول کر کے حق کی اتباع کر لیں تو اس حرم سے ان کے لئے امن ختم ہو جائے۔ پھر فرمایا: يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ..... یعنی طائف وغیرہ سے ہر قسم کے پھل، مال تجارت اور دیگر سامان یہاں بکثرت آتا ہے۔ یہ ہماری طرف سے عطا کردہ رزق ہے لیکن اکثر لوگ بے علم اور نادان ہیں اسی لئے وہ ایسے بہانے تراشتے ہیں۔ مروی

1۔ صحیح بخاری، جلد 5 صفحہ 65، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 40

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 55، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ قصص، جلد 12 صفحہ 63 وغیرہ

ہے کہ یہ عذر لنگ پیش کرنے والا حارث بن عامر بن نوفل تھا(1)۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۗ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝

"اور ہم نے کتنے شہر برباد کر دیے جب وہ فخر کرنے لگے اپنی خوشحالی پر۔ پس یہ ہیں ان کے گھر جن میں سکونت نہیں کی گئی ان کے بعد مگر بہت کم عرصہ۔ اور (آخرکار) ہم ہی ان کے وارث بنے۔ اور نہیں ہے آپ کا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو یہاں تک کہ بھیجے ان کے مرکزی شہر میں کوئی رسول جو پڑھ کر سنائے وہاں کے رہنے والوں کو ہماری آیتیں۔ اور نہیں ہیں ہم ہلاک کرنے والے بستیوں کو مگر یہ کہ ان کے بسنے والے ظالم ہیں"۔

اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو سمجھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہم نے کتنی ہی بستیوں کو برباد کر دیا جن کے مکینوں کو اپنی خوشحالی پر بڑا ناز تھا، وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر اتراتے اور سرکشی کی روش اختیار کرتے ہوئے ناشکری کرتے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ ۔ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ (النحل: 113-112) اس لئے فرمایا: فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ ۔ یعنی یہ ان کی اجڑی ہوئی بستیاں ہیں جن میں ان کے بعد بہت کم سکونت کی گئی۔ ان کی ہلاکت کے بعد ان کے کھنڈرات میں الو بولنے لگے اور وہاں وحشت نے ڈیرے جمالئے۔ آخرکار ہم ہی ان کے وارث ٹھہرے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت کعب رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے الو سے دریافت کیا: تو اناج کیوں نہیں کھاتا؟ اس نے جواب دیا: اس لئے کہ اس کے سبب آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے۔ آپ علیہ السلام نے پھر پوچھا کہ تو پانی کیوں نہیں پیتا؟ اس نے جواب دیا: اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو اس میں غرق کر دیا۔ پھر سوال کیا کہ کیا وجہ ہے تو صرف ویرانے میں ہی رہتا ہے؟ اس نے جواب دیا: کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی میراث ہے۔ پھر حضرت کعب نے وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ پڑھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے عدل و انصاف کو بیان فرما رہا ہے کہ وہ اتمام حجت سے پہلے کسی قوم کو برباد نہیں کرتا، اس لئے فرمایا: وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى ۔ یہاں "ام" سے مراد مکہ شریف ہے۔ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضور نبی امی ﷺ ام القری (مکہ) سے تمام عرب و عجم کی طرف رسول مبعوث ہوئے جیسا کہ فرمایا: لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (الانعام: 93) "تاکہ آپ مکہ (والوں) کو اور اس کے اردگرد والوں کو ڈرائیں"۔ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف: 158) "فرمائیے: اے لوگو! میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول ہوں"۔ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام: 19) "تاکہ میں اس سے تمہیں اور اسے ڈراؤں جس تک یہ پہنچے"۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود: 17) "اور جو گروہوں میں سے اس کے ساتھ کفر کرے تو آگ اس کے وعدہ کی جگہ ہے"۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا (بنی اسرائیل: 58) "اور کوئی بستی نہیں ہے مگر ہم روز قیامت سے پہلے اسے برباد کر دیں گے یا اسے سخت عذاب دیں گے"۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل: 17) "اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں"۔ آپ ﷺ کی بعثت عام ہے اور دنیا کی تمام بستیوں کو شامل ہے کیونکہ آپ کو

1۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 5 صفحہ 190

مکہ شریف میں مبعوث کیا گیا جو تمام بستیوں کا اصل اور مرکز ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "مجھے تمام سرخ وسیاہ کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے"(1)، اسی لئے نبوت ورسالت کو آپ پر ختم کر دیا گیا۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ کوئی رسول بلکہ آپ کی شریعت قیامت تک باقی رہنے والی ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ "امھا" سے مراد اصل اور بڑا قریہ اور مرکزی شہر ہے(2)۔ یہ قول بعید نہیں۔

وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِیْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ هُوَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۶۱﴾

"اور جو چیز دی گئی ہے تمہیں تو یہ سامان ہے دنیوی زندگی کا اور اس کی زیب وزینت ہے۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور دیرپا ہے کیا تم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ (تم خود سوچو) آیا وہ (نیک بخت) جس کے ساتھ ہم نے وعدہ کیا ہے بہت اچھا وعدہ اور وہ اس کے پانے والا بھی ہے۔ اس (بدبخت) کی مانند ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا سامان دیا ہے پھر وہ (اس چندروزہ آسائش کے بعد) روز قیامت (مجرموں کے کٹہرے میں) پیش کیا جائے گا"۔

دنیا کی حقارت، بے ثباتی، گھٹیا زیب وزینت، فانی لذت اور ناپائیدار آسودگی کا ذکر ہو رہا ہے اور اس کے مقابلہ میں آخرت کی دائمی، پائیدار اور عظیم نعمتوں کا بیان ہو رہا ہے جیسا کہ دیگر مقامات پر فرمایا: مَا عِنْدَكُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (النحل:96) "جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا"۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (آل عمران:198) "اور جو (ابدی نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ نیکوں کے لئے بہت بہتر ہیں"۔ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ (الرعد:26) "اور آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی نہیں ہے مگر متاع حقیر"۔ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (الاعلیٰ:17-16) "بلکہ تم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت اس سے کہیں بہتر اور باقی رہنے والی ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! آخرت کے مقابلے میں دنیا ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکال لے، پھر دیکھ لے کہ انگلی کے ساتھ کس قدر پانی آتا ہے"(3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی کیا وہ لوگ عقل نہیں رکھتے جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا۔ یعنی کیا وہ شخص جسے ایمان کی دولت ارزانی ہوئی ہے اور وہ اپنے نیک اعمال پر ملنے والے یقینی ثواب کے وعدہ کی تصدیق کرنے والا ہے، کیا وہ اس کافر جیسا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات، اس کے وعدہ اور وعید کو جھٹلانے کے ساتھ ساتھ، اس چندروزہ زندگی کی فانی لذات میں منہمک ہے پھر قیامت کے دن یہ عذاب کے مستحق لوگوں میں سے ہوگا۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ اور ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت کا نزول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابو جہل کے متعلق ہے(4)۔ بہرصورت یہ آیت عام ہے جیسا کہ فرمان ہے کہ مومن جنت کے درجات سے جھانک کر کافر کو جہنم کی گھاٹیوں میں دیکھ کر کہے گا: وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ (الصافات:57) "اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی (آج) پکڑ کر لائے جانے والوں میں سے ہوتا"۔ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ (الصافات:158) "حالانکہ جن خود جانتے ہیں کہ انہیں (پکڑ کر) پیش کیا جائے گا"۔

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران:20
2۔ الکشاف، جلد 3 صفحہ 175، زاد المسیر، جلد 6 صفحہ 243
3۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران:185، تفسیر سورۂ رعد:26
4۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 97

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ
عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا ۚ أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۖ تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ ۖ مَا
كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾ وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا
الْعَذَابَ ۚ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ
الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٦﴾ فَأَمَّا مَن تَابَ وَ
آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَن يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾

"اور اس دن اللہ انہیں آواز دے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں وہ شریک جنہیں تم (میرا شریک) گمان کیا کرتے تھے۔ کہیں گے وہ لوگ جن پر عذاب کا فرمان ثابت ہو چکا اے ہمارے رب! یہ ہیں وہ جنہیں ہم نے گمراہ کیا۔ ہم نے انہیں بھی گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے۔ ہم (ان سے) بیزار ہو کر تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہ ہماری پوجا نہیں کیا کرتے تھے۔ اور (انہیں) کہا جائے گا (لو) اب پکارو اپنے شریکوں کو تو وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور دیکھ لیں گے عذاب کو۔ کیا اچھا ہوتا اگر وہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ اور اس دن اللہ تعالیٰ آواز دے گا انہیں پھر پوچھے گا تم نے کیا جواب دیا تھا (ہمارے) رسولوں کو۔ تو اندھی ہو جائیں گی ان پر خبریں اس دن۔ پس وہ (مارے دہشت کے) ایک دوسرے سے کچھ پوچھ نہ سکیں گے۔ تو وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے یقیناً وہ کامیاب وکامران لوگوں میں ہوگا"۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مشرکین کو سرزنش کرتے ہوئے آواز دے گا اور فرمائے گا کہ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جنہیں تم میرا شریک ٹھہراتے تھے اور دنیا میں جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے، کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا خود اپنی مدد کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں؟ یہ ارشاد دھمکی اور ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر ہوگا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ ... وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ (الانعام:95) "اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے آئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا تھا اور ہم تمہارے ساتھ ان سفارشیوں کو نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تم خیال کیا کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں۔ بے شک تمہارے سارے رشتے ٹوٹ گئے اور کھو گئے تم سے جو تم دعوے کیا کرتے تھے"۔ پھر فرمایا: قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ .. یعنی شیاطین، سرکش لوگ اور کفر کی دعوت دینے والے جن پر عذاب کا فرمان ثابت ہو چکا، وہ کہیں گے: رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا ...... چنانچہ یہ گواہی دیں گے کہ ہم نے انہیں گمراہ کیا پھر وہ ان کی عبادت سے بیزاری ظاہر کریں گے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (مریم:82-81) "اور انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لئے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے مددگار رہیں ہرگز نہیں! وہ جھوٹے خدا ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور وہ (الٹے) ان کے دشمن ہو جائیں گے"۔ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ .. وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ (الاحقاف:5-6)۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا (العنکبوت:25) "تم نے اس دنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ

کر بتوں کو باہمی محبت کا ذریعہ بنالیا ہے پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر پھٹکار بھیجو گے"۔ ایک اور جگہ فرمایا: اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا ۔ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ (البقرۃ: 17-166) اس لئے فرمایا: وَقِیْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ..... یعنی انہیں کہا جائے گا کہ اپنے شرکاء کو بلاؤ تاکہ وہ تمہیں عذاب سے چھٹکارا دلائیں جیسا کہ تم نے دنیا میں ان سے بہت امید وابستہ کر رکھی تھی۔ چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے۔ وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور اب انہیں یقین ہو جائے گا کہ انہیں ہر صورت جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ جب وہ عذاب کا مشاہدہ کر لیں گے تو خواہش کریں گے کہ کاش وہ دنیا میں ہدایت یافتہ ہوتے۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: وَیَوْمَ یَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ ۔ وَلَمْ یَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا (الکھف: 53-52)" اور اس روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلاؤ میرے شریکوں کو جنہیں تم (میرا شریک) خیال کیا کرتے تھے تو وہ انہیں پکاریں گے پس وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک آڑ حائل کر دیں گے اور مجرم آگ کو دیکھیں گے اور خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے نجات کی جگہ نہ پائیں گے"۔ پھر فرمایا: وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِیْنَ پہلی ندا میں توحید کے متعلق سوال تھا اور یہاں نبوت کے متعلق ان سے باز پرس کرتے ہوئے پوچھا جا رہا ہے کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا اور ان کے ساتھ تمہارا سلوک کیسا تھا؟ یہ ایسے ہے جیسے قبر میں بندے سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا نبی کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ مومن جواب میں گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں لیکن کافر ہائے ہائے کہتا ہوا جواب دیتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم۔ اس لئے قیامت کے دن کافر سے کوئی جواب نہیں بن پڑے گا اور لاچار اسے سکوت اختیار کرنا پڑے گا کیونکہ جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا اور گم کردہ راہ ہوگا اس لئے فرمایا: فَعَمِیَتْ عَلَیْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ ۔ یعنی دلائل ان سے اوجھل ہو جائیں گے اور نسب ناموں کا کوئی سوال نہ ہوگا(1)۔ اگلی آیت میں فرمایا: فَاَمَّا مَنْ تَابَ ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے "عسٰی" یقین اور تحقیق پر دلالت کرتا ہے یعنی مومن ضرور بامراد ہوگا۔

وَرَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ یَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

"اور آپ کا رب پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے (جسے چاہتا ہے) نہیں ہے انہیں کچھ اختیار۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور برتر ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو چھپائے ہوئے ہیں ان کے سینے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور وہی اللہ ہے نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ اسی کو زیبا ہے ہر قسم کی تعریف دنیا میں اور آخرت میں۔ اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"۔

بتایا جا رہا ہے کہ ہر قسم کی تخلیق اور ہر قسم کے اختیار کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس میں نہ کوئی اس کا شریک ہے، نہ کوئی اس سے جھگڑنے والا ہے اور نہ ہی کوئی اسے چیلنج کرنے والا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے پسند فرما لیتا ہے اور وہی ہوتا ہے جو وہ چاہے اور جو وہ نہ چاہے، وہ نہیں ہو سکتا۔ اچھے برے تمام امور اس کے دست قدرت میں ہیں اور ان کا مرجع اسی کی ذات ہے۔ پھر فرمایا:

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 99

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ صحیح قول یہی ہے کہ یہاں "ما" نافیہ ہے، اسی طرح اس آیت میں بھی "ما" نافیہ ہے: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (الاحزاب: 36) "نہ کسی مومن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ فرما دیں تو پھر انہیں اپنے اس معاملہ میں کوئی اختیار رہو"۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہاں ما بمعنی الذی ہے یعنی اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے جس میں ان کے لئے بھلائی ہو۔ اسی معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے معتزلہ نے مراعات اصلح کے وجوب پر استدلال کیا ہے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہاں "ما" نافیہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کیونکہ یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ تخلیق، تقدیر اور اختیار میں اللہ تعالیٰ کی ذات منفرد ہے اور اس میں اس کا کوئی مثیل نہیں، اس لئے فرمایا: سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ ان بتوں سے پاک اور برتر ہے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ نہ کچھ پیدا کر سکتے ہیں اور نہ کوئی اختیار رکھتے ہیں۔ پھر فرمایا: وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ یعنی اللہ تعالیٰ کو سینوں میں پوشیدہ راز اور دلوں میں مخفی بھیدوں کا بالکل اسی طرح علم ہے جس طرح کھلی اور ظاہر چیزوں کا جیسا کہ فرمایا: سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ (الرعد: 10) "سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے اور وہ بھی جو رات کے وقت چھپا رہتا ہے اور جو دن کے وقت چلتا رہتا ہے"۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو الوہیت میں منفرد اور یکتا ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب، اور وہی ہر چیز کا خالق اور مختار ہے۔ دنیا و آخرت میں ہر قسم کی تعریف صرف اسے ہی زیبا ہے کیونکہ اس کا ہر فعل عدل و حکمت پر مبنی ہے اور حکم بھی اسی کا ہی ہے جسے کوئی ٹالنے والا نہیں کیونکہ غلبہ، حکمت اور رحمت اسے ہی حاصل ہے اور اسی کی طرف تمام کو قیامت کے دن لوٹ کر جانا ہے۔ وہاں وہ ہر ایک کو اس کے اچھے برے اعمال کا بدلے دے گا اور اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

"آپ فرمائیے بھلا اتنا تو سوچو اگر بنا دے اللہ تعالیٰ تم پر رات ہمیشہ کے لئے قیامت کے دن تک تو کون سا خدا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جو لا دے تمہیں روشنی۔ کیا تم سن نہیں رہے ہو۔ فرمائیے بھلا اتنا تو سوچو اگر بنا دے اللہ تعالیٰ تم پر دن ہمیشہ کے لئے روز قیامت تک تو کون سا خدا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جو لا دے تمہیں رات جس میں تم آرام کر سکو کیا تمہیں (کچھ) نظر نہیں آتا؟ اور محض اپنی رحمت سے اس نے بنا دیا ہے تمہارے لئے رات اور دن کو تا کہ تم آرام کرو رات میں اور تلاش کرو (دن میں) اس کے فضل (رزق) سے اور تا کہ تم شکر گزار بنو"۔

اللہ تعالیٰ کا بندوں پر احسان عظیم ہے کہ اس نے بندوں کے لئے دن اور رات کو پیدا کیا جن کا وجود ان کے لئے بہت ضروری ہے۔ اگر قیامت تک ہمیشہ کے لئے رات ہی رہے تو یہ بھی لوگوں کے لئے ضرر، اکتاہٹ اور تکلیف کا باعث ہے اس لئے فرمایا: مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ

اللّٰہِ ...یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہے جو تمہارے لیے روشنی لائے جس میں تم دیکھ سکو اور اپنے امور کی انجام دہی کر سکو۔ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ پھر اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے قیامت تک صرف دن بنا دیتا تو بھی لوگ تکلیف کا شکار ہو جاتے، زندگی کا نظام تلپٹ ہو جاتا، حرکات اور مشاغل کی کثرت کے باعث جسم تھکاوٹ اور درماندگی سے چکنا چور ہو جاتے، اس لئے فرمایا: مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ.... یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کون خدا ہے جو تمہارے پاس رات لائے جس میں تم راحت اور سکون حاصل کر سکو، کیا تم دیکھتے نہیں؟ پھر فرمایا: وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ ۔ یعنی اس نے اپنی رحمت سے رات اور دن کو پیدا کیا تا کہ تم رات میں سکون حاصل کرو اور دن میں دوڑ دھوپ کر کے رزق تلاش کرو۔ اس آیت میں لف ونشر مرتب ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تا کہ تم دن رات مختلف قسم کی عبادات کر کے اللہ کا شکر ادا کرو۔ اگر رات کے وقت کوئی چیز فوت ہو جائے تو اس کا تدارک دن کو ممکن ہے اور اگر دن کے وقت کوئی قصور ہو جائے تو اس کی تلافی رات کو ہو سکتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (الفرقان:62) "اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا اس کے لئے جو یہ چاہتا ہے کہ نصیحت حاصل کر لے یا چاہتا ہے کہ شکر گزار رہے"۔

وَ یَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَ نَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْۤا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

"اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں آواز دے کر فرمائے گا کہاں ہیں وہ جنہیں تم میرا شریک خیال کرتے تھے۔ اور ہم نکالیں گے ہر امت سے گواہ پھر (ان امتوں کو) ہم کہیں گے لے آؤ اپنی دلیل تو وہ جان لیں گے کہ بے شک حق اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور گم ہو جائیں گے ان سے جو افترا وہ باندھا کرتے تھے"۔

مشرکین کو دوسری دفعہ سرزنش کرتے ہوئے اور ڈانٹ پلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ جنہیں تم دنیا میں میرا شریک خیال کیا کرتے تھے۔ پھر فرمایا: وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۔ یعنی ہم ہر امت سے ایک گواہ (رسول) لائیں گے اور مشرکین سے کہیں گے کہ اپنے شرک کے دعویٰ کی صحت پر دلیل پیش کرو تو وہ جان لیں گے کہ حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس وقت یہ حیران وششدر رہوں گے، کوئی جواب ان سے نہ بن پڑے گا اور جو افترا یہ باندھا کرتے تھے، اسے بالکل فراموش کر بیٹھیں گے۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَیْهِمْ ۪ وَ اٰتَیْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ ﴿۷۶﴾ وَ ابْتَغِ فِیْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا وَ اَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۷۷﴾

"بے شک قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم میں سے تھا پھر اس نے سرکشی کی ان پر، اور ہم نے دے دیے تھے اسے اتنے خزانے کہ ان کی چابیاں (اپنے بوجھ سے) جھکا دیتی تھیں ایک طاقت ور جتھہ (کی کمروں) کو۔ جب کہا اسے اس کی قوم نے زیادہ خوش نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا اترانے والوں کو۔ اور طلب کر اس (مال وزر) سے جو دیا ہے تجھے

اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر اور نہ فراموش کر اپنے حصہ کو دنیا سے اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے اور نہ خواہش کر فتنہ وفساد کی ملک میں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فساد برپا کرنے والوں کو"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔ ابراہیم نخعی، عبداللہ بن حارث بن نوفل، سماک بن حرب، قتادہ، مالک بن دینار اور ابن جریج وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریج نے اس کا نسب یہ لکھا ہے: قارون بن یصہر بن قاہث اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب یہ ہے: موسیٰ بن عمران بن قاہث۔ محمد بن اسحاق بن یسار کا خیال ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا لیکن اکثر علماء کا کہنا ہے کہ وہ آپ کے چچا کا لڑکا تھا(1)۔ یہ بہت خوش آواز تھا اور تورات خوش الحانی سے پڑھتا تھا، اس لئے اس کا نام منور پڑ گیا لیکن یہ دشمن خدا سامری کی طرح منافق بن گیا۔ مال و دولت کی فراوانی کے باعث یہ متکبر اور سرکش ہو گیا اور یہی چیز اس کی بربادی کا سبب بنی(2)۔ شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ یہ متکبر قوم پر اپنی امتیازی شان ظاہر کرنے کے لئے مروجہ لباس سے اپنا لباس بالشت بھر زیادہ لمبا بنوایا کرتا تھا۔ فرمایا: وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ ...یعنی ہم نے اسے مال و دولت کے اتنے خزانے عطا فرمائے کہ ان کی چابیاں اٹھانے سے ایک طاقتور جتھے کی کمریں جھک جاتیں۔ خیثمہ کہتے ہیں کہ قارون کے خزانوں میں ہر خزانے کی علیحدہ کنجی تھی جس کی لمبائی انگلی کے برابر تھی اور ساٹھ پنج کلیان خچروں پر اس کی چابیاں لادی جاتی تھیں(3)۔ فرمایا: اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ.....یعنی بنی اسرائیل کے صالح لوگوں نے اسے وعظ ونصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اپنے مال و دولت پر مت اتراؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ اترانے والوں، تکبر کرنے والوں اور ناشکری کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں فراوانی سے جو مال و دولت عطا کر رکھا ہے، اسے اپنے رب کی اطاعت اور اس کا قرب اور ثواب حاصل کرنے کے لئے نیک کاموں میں خرچ کر۔ اس کے ساتھ ساتھ ان دنیاوی نعمتوں سے استفادہ کو فراموش نہ کرنا جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مباح کی ہیں یعنی اچھا کھاؤ، عمدہ لباس پہنو، پرسکون رہائش اختیار کرو اور نکاح سے حظ اٹھاؤ کیونکہ تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے اہل کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے، چنانچہ ہر حقدار کو اس کا حق دو اور مخلوق خدا پر اسی طرح احسان کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے اور زمین پر فساد اور مخلوق کے ساتھ بدسلوکی سے باز رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ ؕ اَوَ لَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَ لَا یُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

"وہ کہنے لگا مجھے دی گئی ہے یہ (دولت وثروت) اس علم کی وجہ سے جو میرے پاس ہے۔ کیا اس (مغرور) کو اتنا علم بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالیں اس سے پہلے قومیں جو اس سے قوت میں کہیں سخت اور دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں۔ اور نہیں دریافت کئے جائیں گے مجرموں سے ان کے گناہ"۔

بنی اسرائیل کے صالح افراد کی نصیحت اور خیر خواہی کے جواب میں قارون کہنے لگا کہ مجھے تمہارے وعظ وارشاد کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ مال و دولت اس لئے عطا کیا ہے کہ اسے میرے ساتھ محبت ہے اور اسے علم ہے کہ صرف میں ہی اس کی اہلیت اور استحقاق رکھتا ہوں۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰى

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 105 2۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 106 3۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 106-107

علیہ (الزمر: 49) " پس جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اسے اپنی جناب سے نعمت عطا فرماتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ مجھے اپنے علم کے باعث دی گئی ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ (حم السجدۃ: 50) " اور اگر ہم اسے اپنی جناب سے رحمت چکھائیں اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچتی ہے تو کہتا ہے کہ میں اسی کا مستحق ہوں"۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قارون علم کیمیا جانتا تھا لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ علم کیمیا فی الواقع باطل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کے عین کو بدلنے کی قدرت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ (الحج: 73) " اے لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے پس اسے غور سے سنو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن معبودوں کو پکارتے ہو، یہ تو مکھی بھی نہیں پیدا کر سکتے اگرچہ وہ سب اس کام کے لئے جمع ہو جائیں"۔ ایک حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو میری طرح کوئی چیز تخلیق کرنا چاہتا ہے، اگر اس میں قدرت ہے تو اسے چاہئے کہ ایک ذرہ یا ایک جو ہی پیدا کر دے۔(1) " یہ حدیث ان لوگوں کے بارے میں ہے جو تصویریں اتارتے ہیں اور صرف ظاہری شکل وصورت کی نقل کرتے ہیں جب ان کی بے بسی کا یہ عالم ہے تو کسی شخص کے اس دعویٰ کو کیسے درست تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک چیز کی ماہیت کو دوسری چیز کی ماہیت میں منتقل کر سکتا ہے۔ ایسا دعویٰ کرنا بالکل جھوٹ، محال، جہالت اور گمراہی ہے البتہ کسی چیز پر کوئی رنگ چڑھا کر دھوکہ دہی اور فریب کاری ممکن ہے لیکن کیمیا گری اور ایک دھات کو دوسری دھات سے تبدیل کرنا یہ محض جھوٹ اور ملمع سازی ہے۔ شریعت کی رو سے بھی فن کیمیا گری کی کوئی حقیقت نہیں اور کیمیا گر جاہل، فاسق اور جھوٹے ہیں لیکن ایک بات ملحوظ خاطر رہے کہ بعض اولیاء اللہ کے ہاتھوں بطور کرامت بعض چیزیں سونے، چاندی وغیرہ میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا نہ کوئی مسلمان انکار کرتا ہے اور نہ کوئی مومن اسے رد کرتا ہے لیکن اس کا تعلق فن کیمیا گری سے نہیں بلکہ یہ زمین و آسمان کے مالک کی مشیت اور اس کے اختیار کی کرشمہ سازی ہے جیسا کہ مروی ہے کہ ایک مرتبہ کسی سائل نے حضرت حیوۃ بن شریح مصری رحمتہ اللہ علیہ سے سوال کیا۔ اس وقت آپ کے پاس دینے کو کچھ نہ تھا لیکن اس کی ضرورت کے باعث آپ بے قرار تھے۔ چنانچہ آپ نے زمین سے ایک کنکر اٹھایا، کچھ دیر اسے اپنے ہاتھوں میں گھمایا اور پھر اس سائل کو دے دیا تو وہ سونے کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس قسم کی احادیث اور آثار بکثرت موجود ہیں لیکن انہیں یہاں بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قارون اسم اعظم جانتا تھا جس کی برکت سے وہ مالدار بن گیا لیکن صحیح پہلا معنی ہی ہے اس لئے اس کے دعویٰ کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اَوَلَمْ يَعْلَمْ ۔ یعنی ہم نے اس سے پہلے ایسے لوگوں کو ہلاک کر دیا جو اس سے زیادہ قوی اور مالدار تھے۔ کسی کو قوت اور دولت سے نوازنے کا یہ مطلب نہیں اسے ہماری محبت بھی حاصل ہے۔ پہلے لوگوں کو ان کے کفر اور ناشکری کے باعث برباد کر دیا گیا۔ اس لئے فرمایا: وَلَا يُسْـَٔلُ ۔ یعنی ان کے اس قدر بکثرت گناہ ہیں کہ ان کے گناہوں کے متعلق سوال بھی نہیں کیا جائے گا۔ قتادہ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ کا معنی بتاتے ہیں: عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ یعنی یہ دولت و ثروت اس خیر کی وجہ سے مجھے عطا ہوئی ہے جو مجھے حاصل ہے۔ سدی اس کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ میں اس کا اہل ہوں۔ عبدالرحمن بن زید نے اس آیت کی بڑی عمدہ تفسیر بیان کی ہے کہ قارون کہتا تھا اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے خوش نہ ہوتا اور اسے میری فضیلت کا علم نہ ہوتا تو وہ مجھے یہ دولت و ثروت عطا نہ کرتا۔ کم علم لوگ جب کسی پر رزق اور مال و دولت کی فراوانی دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اگر یہ اس کا مستحق نہ ہوتا تو

1۔ فتح الباری، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 385، صحیح مسلم، کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 1671، وغیرہ

پیا سے نہ ملتا۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝

''الغرض (ایک دن) وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے بڑی زیب وزینت کے ساتھ۔ کہنے لگے وہ لوگ جو آرزومند تھے دنیوی زندگی کے اے کاش! ہمیں بھی اسی قسم کا (جاہ وجلال) نصیب ہوتا جیسے دیا گیا ہے قارون کو۔ واقعی وہ تو بڑا خوش نصیب ہے۔ اور کہا ان لوگوں نے جنہیں (دنیا کی بے ثباتی کا) علم دیا گیا تھا حیف ہے تمہاری عقل پر اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لے آیا اور نیک عمل کئے۔ اور نہیں مرحمت کی جاتی یہ نعمت بجز صبر کرنے والوں کے''۔

قارون کے متعلق بتایا جارہا ہے کہ وہ ایک دن پوری طرح آراستہ ہوکر، زرق برق لباس پہنے ہوئے اور عمدہ سواری پر سوار ہوکر اپنے خدام کے جلو میں اتراتا ہوا باہر نکلا۔ اس کے نوکر چاکر بھی خوبصورت لباس زیب تن کئے ہوئے سواریوں پر سوار تھے۔ اس امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ اور جاہ وحشمت کو دیکھ کر ان لوگوں کے منہ میں پانی بھر آیا جو دنیا اور اس کی زیب وزینت کے حریص تھے۔ وہ تمنا کرتے ہوئے کہنے لگے کہ کاش ہمیں بھی یہ جاہ وجلال مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ یہ تو واقعی بڑا خوش نصیب ہے جسے دنیا کا وافر حصہ میسر آیا ہے۔ جب نفع رساں علم کے حامل لوگوں نے ان کی بات سنی تو کہنے لگے: وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ ۔ یعنی حیف ہے تم پر! اللہ تعالیٰ اپنے صالح اور مومن بندوں کو آخرت میں جو اجر دے گا وہ اس ٹھاٹھ باٹھ سے بہتر ہے جسے تم دیکھ رہے ہو۔ حدیث شریف میں ہے: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیکوکار بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں بلکہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک بھی نہیں آیا'' (1)۔ اور اگر چاہو تو یہ ارشاد پڑھ لو: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (السجدة: 17) ''پس کوئی شخص نہیں جانتا جو (نعمتیں) ان کے لئے چھپا رکھی گئی ہیں جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی یہ صلہ ہے ان اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے''۔ پھر فرمایا: وَلَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ۔ سدی کہتے ہیں کہ ''ھا'' ضمیر کا مرجع جنت ہے یعنی جنت کو صرف صابر ہی پائیں گے۔ اس صورت میں یہ اہل علم کے کلام کا تتمہ ہوگا۔ ابن جریر نے اس ضمیر کا مرجع اس کلمہ کو بنایا ہے جو پہلے مذکور ہے یعنی یہ بات ان لوگوں کو میسر آتی ہے جو دنیا سے اعراض کر کے آخرت میں رغبت رکھتے ہیں۔ اس صورت میں یہ ان اہل علم واعظین کا کلام نہیں ہوگا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہوگی۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ۝ وَ اَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ یَقُوْلُوْنَ وَیْكَاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ ۚ لَوْ لَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیْكَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ سجدۃ، جلد 6 صفحہ 186، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 176

"پس ہم نے غرق کر دیا اسے بھی اور اس کے گھر کو بھی زمین میں۔ تو نہ تھی اس کے حامیوں کی کوئی جماعت جو (اس وقت) اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں۔ اور وہ خود بھی اپنا انتقام نہ لے سکا۔ اور صبح کی ان لوگوں نے جو کل تک اس کے مرتبہ کی آرزو کر رہے تھے یہ کہتے ہوئے اوہو! (اب پتہ چلا) کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں گاڑ دیتا۔ اوہو! (اب پتہ چلا) کہ کفار بامراد نہیں ہوتے"۔

قارون کی اکڑفوں، تکبر اور سرکشی کا ذکر کرنے کے بعد اب یہاں اس کے عبرتناک انجام کا بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے گھر سمیت زمین میں غرق کر دیا۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "ایک آدمی اپنا تہبند گھسیٹتے ہوئے تکبر سے جا رہا تھا کہ اسے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا" (1)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم سے پہلے ایک شخص دو سبز چادروں میں ملبوس اتراتا ہوا نکلا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین نے اسے نگل لیا، وہ قیامت تک اس میں دھنستا ہی چلا جائے گا" (2)۔ کتاب العجائب میں نوفل بن مساحق بیان کرتے ہیں کہ میں نے نجران کی مسجد میں ایک دراز قد، کامل اور نہایت خوبصورت نوجوان دیکھا۔ میں اسے دیکھے جا رہا تھا اور اس کے جمال وکمال پر تعجب بھی کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا کہ تم کیوں اس طرح مجھے دیکھ رہے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں تمہارے جمال وکمال پر متعجب ہوں۔ اس نے کہا کہ تمہاری کیا حیثیت ہے، مجھ پر تو اللہ تعالیٰ کو بھی تعجب ہے۔ بس یہ بات کہنے کی دیر تھی کہ اس کی جوانی خزاں کا شکار ہوگئی، اس کا رنگ روپ جاتا رہا اور اس کا قد پست ہونے لگا یہاں تک کہ وہ ایک بالشت کے برابر رہ گیا۔ اس کے ایک قریبی رشتہ دار نے اسے اپنی آستین میں ڈالا اور لے کر چلا گیا۔

مذکور ہے کہ قارون کی ہلاکت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے ہوئی اور اس کے سبب میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ قارون نے ایک فاحشہ عورت کے ساتھ مل کر سازش تیار کی اور اسے رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں کھڑے خطبہ دے رہے ہوں اور کتاب اللہ کی تلاوت کر رہے ہوں تو عین اس وقت وہ آئے اور آپ پر بدکاری کا الزام دھرتے ہوئے کہے کہ آپ نے میرے ساتھ یہ یہ کیا ہے۔ منصوبے کے مطابق جب اس بدکار عورت نے مجمع عام میں آپ پر بہتان باندھا تو آپ علیہ السلام کانپ اٹھے اور اسی وقت دو رکعتیں ادا کرنے کے بعد اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے سمندر کو شق کیا، تمہیں اور تمہاری قوم کو فرعون سے نجات دی اور یہ یہ احسانات فرمائے، مجھے سچ سچ بتا کہ تمہیں اس بہتان تراشی پر کس نے اکسایا ہے؟ عورت کہنے لگی کہ آپ نے مجھے اللہ کی قسم دی ہے اس لئے میں صحیح صورتحال سے آپ کو آگاہ کر دیتی ہوں۔ بات یہ ہے کہ قارون نے رشوت دے کر مجھے اس چیز پر اکسایا تھا لیکن میں اللہ تعالیٰ سے استغفار اور صدق دل سے توبہ کرتی ہوں۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ سے قارون کے متعلق درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ میں نے زمین کو حکم دے دیا ہے کہ وہ قارون کے متعلق تمہارے حکم کی تعمیل کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ وہ قارون کو اس کے گھر سمیت نگل جائے چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قارون خوب آراستہ وپیراستہ ہو کر اپنے خدام کے جلوس میں اکڑتا ہوا نکلا۔ سب ارغوانی رنگ کی بیش قیمت پوشاکیں پہنے سفید رنگ کے قیمتی خچروں پر سوار تھے۔ اس سج دھج

1۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، جلد 7 صفحہ 173
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 40

اور طمطراق سے اس کا قافلہ نکلا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے مجمع میں وعظ و نصیحت فرما رہے تھے۔ جب اس مجمع کے پاس سے قارون گزرنے لگا تو حاضرین کی نگاہیں اس پر مرکوز ہو گئیں اور وہ اس کے جاہ و حشمت کو دیکھنے میں مشغول ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ اس نمود و نمائش کے اظہار کا مقصد کیا ہے؟ وہ آپ علیہ السلام سے کہنے لگا کہ آپ کو نبوت کی وجہ سے مجھ پر فضیلت حاصل ہے اور مجھے دنیا کے سبب آپ پر فضیلت حاصل ہے۔ اگر آپ کو کوئی شک ہو تو آؤ باہر چل کر ایک دوسرے کے خلاف بددعا کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔ باہر جا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ پہلے تم دعا کرو گے یا میں دعا کروں؟ اس نے کہا کہ پہلے میں دعا کرتا ہوں۔ اس نے دعا کی لیکن اسے قبولیت حاصل نہ ہوئی۔ اب حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ میں دعا کروں؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی: اے اللہ! زمین کو حکم دے کہ وہ آج میری اطاعت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ میں نے زمین کو آپ کا مطیع کر دیا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین سے فرمایا کہ قارون اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ لے۔ زمین نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے قدموں تک انہیں پکڑ لیا، پھر آپ نے فرمایا کہ ان بدقسمتوں کو پکڑ لے تو یہ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، پھر آپ کے حکم پر زمین نے انہیں کندھوں تک نگل لیا، پھر آپ نے زمین سے فرمایا کہ ان کے خزانے اور اموال بھی یہاں لے آ۔ اسی وقت ان کے تمام خزانے اور اموال وہاں آ گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر لیا۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ انہیں ان کے خزانوں سمیت نگل جا۔ اسی وقت یہ سب زمین میں غرق ہو گئے اور زمین پہلے کی طرح برابر ہو گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ساتویں زمین تک انہیں دھنسا دیا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ہر روز انہیں قد انسان کے برابر دھنسایا جاتا ہے اور یہ قیامت تک اسی طرح نیچے غرق ہوتے چلے جائیں گے۔ اس مقام پر اور بھی عجیب و غریب اسرائیلی روایات ہیں جن سے ہم صرف نظر کرتے ہیں۔ فرمایا: فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ - یعنی مال و دولت کے انبار بھی اس کے کسی کام نہ آئے اور نہ ہی نوکر چاکر اسے اللہ تعالیٰ کے عبرتناک عذاب سے بچا سکے۔ نہ کوئی اس کی مدد کو پہنچا اور نہ یہ خود اپنے بچاؤ کی تدبیر کر سکا۔ اس خوفناک انجام کو دیکھ کر ان لوگوں کی آنکھوں سے بھی غفلت کی پٹی اتر گئی جو قارون کے مال و دولت اور جاہ و جلال کو دیکھتے تھے تو ان کے منہ میں پانی بھر آتا تھا اور وہ تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش ہمیں بھی ایسی دولت اور ایسا مقام نصیب ہو۔ جب انہوں نے اسے زمین میں غرق ہوتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے: وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ .... یعنی مال و دولت اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ مالدار شخص پر راضی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کبھی فراخ رزق عطا فرماتا ہے اور کبھی رزق میں تنگی کر دیتا ہے، کبھی بلند کرتا ہے اور کبھی پست، اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے: "اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہارے درمیان رزق کی تقسیم کی ہے، اسی طرح اس نے تمہارے درمیان اخلاق کو بھی تقسیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مال اس کو بھی دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور اسے بھی جس کے ساتھ اسے محبت نہیں ہوتی لیکن ایمان صرف اسے عطا فرماتا ہے جسے وہ پسند فرماتا ہے"(1)۔ پھر کہنے لگے: لَوْلَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ ... یعنی اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کا لطف و احسان نہ ہوتا تو وہ ہمیں بھی قارون کی طرح زمین میں غرق کر دیتا کیونکہ ہم نے اس جیسا مالدار ہونے کی آرزو کی تھی۔ وہ کافر تھا اور کافر اللہ تعالیٰ کے ہاں بامراد نہیں ہوتے، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ علمائے نحو کا "وَيْكَاَنَّ" کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ "وَيْلَكَ اِعْلَمْ اَنَّ" کے معنی میں ہے لیکن تخفیف کے بعد "وَيْكَ" رہ گیا اور "اَنَّ" کا فتحہ

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 387

اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں "اِعْلَمْ" محذوف ہے۔ ابن جریر نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے(1) لیکن یہ قول قوی ہے۔ قرآن کریم میں اس کی کتابت کا متصل ہونا اشکال کا باعث بنتا ہے لیکن یہ اس قول کے ضعیف ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ کتابت ایک اختراعی اور اصطلاحی امر ہے جس میں اسی کا اعتبار کیا جائے گا جو رواج پا جائے۔ اس سے معنی متاثر نہیں ہوتا۔ بعض نے کہا کہ یہ "اَلَمْ تَرَ اَنَّ" کے معنی میں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اصل میں وی کَاَنَّ ہے "وَیْ" تعجب یا تنبیہ کے لئے ہے اور "کَاَنَّ"، "اَظُنُّ" اور "اَحْتَسِبُ" کے معنی میں ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ان اقوال میں سے سب سے زیادہ قوی قول قتادہ کا ہے کہ یہ "اَلَمْ تَرَ اَنَّ" کے معنی میں ہے۔ اس کی تائید میں انہوں نے عربی شعر بھی پیش کیا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ۭ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

"یہ آخرت کا گھر ہم مخصوص کر دیں گے اس (کی نعمتوں) کو ان لوگوں کے لئے جو خواہش نہیں رکھتے زمین میں بڑا بننے کی اور نہ فساد برپا کرنے کی۔ اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ جو کرتا ہے نیکی تو اس کے لئے بہتر صلہ ہے اس کی نیکی سے اور جو ارتکاب کرتا ہے برائی کا تو نہ بدلہ دیا جائے گا انہیں جنہوں نے بدکاریاں کیں مگر اتنا جتنا انہوں نے کیا"۔

بتایا جا رہا ہے کہ دار آخرت کی دائمی اور ناقابل تغیر نعمتیں صرف ان اہل ایمان کو مرحمت ہوں گی جو تواضع اور عاجزی اختیار کرتے ہیں اور نہ لوگوں پر بڑا بنتے ہیں، نہ ان پر ظلم کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں فساد برپا کرتے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ "علو" کا معنی ہے جبر و ظلم۔ سعید بن جبیر نے اس کا معنی سرکشی بتایا ہے۔ مسلم البطین کہتے ہیں کہ "علو" کا معنی ہے ناحق تکبر کرنا اور فساد کا معنی ہے ناحق مال چھیننا(2)۔ ابن جریج کا کہنا ہے کہ "علو" کا معنی ہے بڑا اور جابر بننا اور "فساد" کا معنی ہے گناہوں کا ارتکاب کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو یہ بات اچھی لگے کہ اس کی جوتی کا تسمہ ساتھی کے تسمے سے بہتر ہے تو وہ بھی اس آیت میں داخل ہے(3)۔ اس قول سے مقصود یہ ہے کہ اگر وہ فخر و تکبر کرے۔ تکبر مذموم ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مجھے یہ وحی کی گئی ہے کہ تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی کسی پر نہ فخر کرے اور نہ سرکشی"(4)۔ لیکن اگر صرف زیبائش اور اظہار نعمت مقصود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! مجھے یہ چیز محبوب ہے کہ میری چادر بھی عمدہ ہو اور جوتی بھی اچھی ہو، کیا یہ تکبر کے زمرہ میں آتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال اسے محبوب ہے"(5)۔ فرمایا: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ ...... یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا اجر و ثواب بندے کی نیکی سے کہیں زیادہ بہتر ہے کیونکہ نیکی کا اجر کئی گناہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ مقام فضل ہے۔ پھر فرمایا: وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (النمل: 90) یہ مقام عدل ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 121 2۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 122 3۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 122

4۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2198-2199، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 274، وغیرہ

5۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 93، عارضۃ الاحوذی، ابواب البر والصلۃ، جلد 8 صفحہ 163-165

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَ
مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ
فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ
إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۘ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ
كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾

"(اے محبوب!) یقیناً وہ (قادر مطلق) جس نے آپ پر قرآن کی تبلیغ فرض کی ہے آپ کو واپس لے جائے گا جہاں آپ چاہتے ہیں۔ آپ فرمائیے میرا رب خوب جانتا ہے اسے جو آیا ہدایت یافتہ ہو کر اور اسے بھی جو کھلی گمراہی میں ہے۔ اور آپ کو تو یہ امید نہ تھی کہ نازل کی جائے گی آپ کی طرف کتاب مگر یہ محض رحمت ہے آپ کے رب کی (جو آپ کو صاحب قرآن بنا دیا) تو آپ ہرگز کافروں کے مددگار نہ بنیں۔ اور (خیال رہے) وہ ہرگز نہ روکیں آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات سے اس کے بعد کہ وہ اتاری گئیں آپ کی طرف اور بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف اور ہرگز نہ ہو جانا شرک کرنے والوں سے۔ اور نہ پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو۔ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے اسی کی حکمرانی ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تبلیغ رسالت اور لوگوں کو قرآن کریم سنانے کا حکم دینے کے ساتھ یہ خبر دے رہا ہے کہ وہ آپ کو معاد یعنی قیامت کی طرف لوٹائے گا اور نبوت کی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے متعلق باز پرس کرے گا جیسا کہ فرمایا: فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ (الاعراف:6) "سو ہم ضرور پوچھیں گے ان سے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور ہم ضرور رسولوں سے پوچھیں گے"۔ يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ (المائدة:109) "جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرے گا پھر پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا؟"۔ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ (الزمر:69) ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے "معاد" سے مراد جنت منقول ہے، ایک دوسری روایت میں آپ سے اس کا معنی موت مروی ہے۔ مجاہد اس سے مراد لیتے ہیں دوبارہ کی زندگی۔ حضرت حسن بصری اس کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دوبارہ زندہ کر کے جنت میں داخل فرمائے گا۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے "معاد" سے مراد مکہ منقول ہے یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ کی طرف لوٹائیگا(1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد آپ کی جائے پیدائش مکہ ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے جحفہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کے دل میں مکہ کا شدید اشتیاق پیدا ہوا۔ اس وقت یہ آیت اتری جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ وہ آپ کو مکہ واپس لوٹائے گا۔ اس قول کا تقاضا ہے کہ یہ آیت مدنی ہو حالانکہ پوری سورت مکی ہے۔ نعیم القاری کا کہنا ہے کہ "معاد" سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہ قول بھی اس قول کی طرح راجع ہے جس میں معاد سے مراد قیامت کا دن لیا گیا ہے کیونکہ بیت المقدس ارض محشر ہے۔ ان تمام اقوال میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کبھی تو اس سے مراد لیا ہے مکہ کی طرف لوٹنا۔ یہ بات فتح مکہ کے

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ قصص، جلد 6 صفحہ 142

دن پوری ہوئی اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے وصال کے قرب کی نشانی ہے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سورۃ اِذَاجَآءَ نَصۡرُاللّٰہِ کی تفسیر میں اس چیز کی نشاندہی کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر اپنی موافقت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں بھی اس کی وہی تفسیر جانتا ہوں جو تم جانتے ہو، اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کبھی "معاد" سے مراد موت لیتے ہیں، کبھی قیامت کا دن جو کہ موت کے بعد ہے اور کبھی جنت جو آپ کا ٹھکانہ اور تبلیغ کا صلہ ہے کیونکہ آپ نے بڑی دلسوزی اور جانفشانی کے ساتھ جن وانس کو تبلیغ کی اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ مخلوق خدا میں سب سے زیادہ کامل، فصیح اور افضل ہیں۔ پھر فرمایا: قُلۡ رَّبِّیۡۤ اَعۡلَمُ ..... یعنی آپ مخالفت اور تکذیب کرنے والے مشرکین اور کفر وشرک میں ان کی اتباع کرنے والوں سے کہہ دیں کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ ہم میں سے کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے اور عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اچھا انجام کس کا ہوتا ہے اور کس کو دنیا و آخرت میں فتح ونصرت سے نوازا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ پر اور بندوں پر اپنی نعمت کبری یاد دلا رہا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا، فرمایا: وَمَا کُنۡتَ تَرۡجُوۡۤا یعنی نزول وحی سے پہلے آپ کو یہ امید نہ تھی کہ آپ پر وحی نازل ہوگی لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر اور آپ کے طفیل بندوں پر خصوصی رحمت ہے کہ اس نے آپ کو منصب نبوت کے لئے چن لیا اور آپ پر وحی نازل کی۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ عظیم انعام عطا فرمایا ہے تو آپ کافروں کے مددگار نہ بنیں بلکہ ان کی مخالفت کریں اور ان سے الگ تھلگ رہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَا یَصُدُّنَّکَ عَنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ..... یعنی آپ اس چیز کو خاطر میں نہ لائیں کہ کافر آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ اس بات کی پرواہ کریں کہ وہ لوگوں کو راہ حق سے برگشتہ کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے کلمہ کو بلند کرنے والا، آپ کے دین کی تائید کرنے والا اور آپ کی رسالت کو غلبہ عطا فرمانے والا ہے، اس لئے فرمایا: وَادۡعُ اِلٰی رَبِّکَ ۔ یعنی اپنے وحدہ لاشریک رب کی عبادت کی دعوت دو اور مشرکین کا ساتھ نہ دو۔ پھر فرمایا: وَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے اور الوہیت بھی صرف اس عظیم ذات کو ہی زیبا ہے۔ اس کے بعد اپنے اس فرمان کُلُّ شَیۡءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجۡہَہٗ میں بتا دیا کہ وہی حی وقیوم اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ تمام مخلوق کو موت آنی ہے لیکن اس کی ذات اس سے منزہ اور برتر ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: کُلُّ مَنۡ عَلَیۡہَا فَانٍ ﴿ۚ۲۶﴾ وَّ یَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ ذُو الۡجَلٰلِ وَ الۡاِکۡرَامِ ﴿ۚ۲۷﴾ (الرحمٰن: 27-26) "جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے اور آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو بڑی عظمت اور احسان والی ہے"۔ "وجہ" (چہرہ) سے مراد ذات ہے یعنی ذات باری تعالیٰ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے زیادہ سچی بات لبید شاعر کا یہ قول ہے: "اَلَا کُلُّ شَیۡءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ" یعنی خبردار! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے(1)۔ مجاہد اور ثوری کہتے ہیں کہ وجہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی ہے۔ اس کی دلیل یہ شعر ہے(2)۔

اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ ذَنۡبًا لَسۡتُ مُحۡصِیَہٗ رَبَّ الۡعِبَادِ اِلَیۡہِ الۡوَجۡہُ وَ الۡعَمَلُ

یعنی میں اپنے لاتعداد گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں جو بندوں کا رب ہے، اسی کی خوشنودی مطلوب ہے اور اسی کے لئے ہر عمل ہے۔ یہ قول پہلے قول کے منافی نہیں کیونکہ اس میں یہ خبر دی جا رہی ہے کہ تمام اعمال باطل ہیں بجز ان صالح اعمال کے جو

1۔ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، جلد 5 صفحہ 53، صحیح مسلم، کتاب الشعر، جلد 4 صفحہ 1768

2۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 127، معانی القرآن للفراء، جلد 2 صفحہ 314

شریعت کے مطابق ہوں اور ان سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ پہلے قول کا مدعا یہ ہے کہ سب ذاتیں فانی اور زوال پذیر ہیں سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے کیونکہ وہی اول ہے اور وہی آخر۔ ہر چیز سے پہلے بھی وہی تھا اور ہر چیز کے بعد بھی وہی ہوگا۔ کتاب التفکر و الاعتبار میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب اپنے دل کو جھنجھوڑنا چاہتے تو کسی ویرانے کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور غمزدہ آواز سے اسے مخاطب کر کے دریافت کرتے کہ تمہارے مکین کہاں ہیں؟ پھر خود ہی جواب میں پڑھتے: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ آیت کے آخر میں فرمایا: لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ یعنی اسی کی حکمرانی اور بادشاہی ہے، اسے ہی ہر چیز میں تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہے اور اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور قیامت کے دن سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہاں وہ سب کو ان کے اچھے برے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

سورۂ عنکبوت (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾

"الف-لام-میم۔ کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔ اور بے شک ہم نے آزمایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے، پس اللہ تعالیٰ ضرور دیکھے گا انہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے تھے اور ضرور دیکھے گا (ایمان کے) جھوٹے (دعویداروں) کو۔ کیا خیال کر رکھا ہے انہوں نے جو کر رہے ہیں برے کرتوت کہ وہ ہم سے آگے نکل جائیں گے۔ بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں"۔

حروف مقطعات کی بحث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ فرمایا: اَحَسِبَ النَّاسُ۔ یہاں استفہام انکاری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ان کے ایمان کے مطابق ضرور آزمائش میں ڈالتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: "سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے، پھر صالحین کی پھر ان سے کم درجہ رکھنے والوں کی اور پھر ان سے کمتر درجہ والوں کی۔ آدمی کو اس کے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ اگر وہ اپنے دین میں سخت ہو تو اس کی آزمائش بھی زیادہ سخت ہوتی ہے" (1)۔ اسی طرح قرآن میں دیگر مقامات پر فرمایا: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران: 142)، اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۔ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (البقرۃ: 214)۔ اس لئے یہاں فرمایا: وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں اور کون جھوٹے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پہلے جانتا ہی نہ تھا۔ وہ تو ہر اس بات کو جانتا ہے جو ہو چکی، جو ہوگی اور جو نہیں ہوئی اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر وہ چیز ہوتی تو کیسے ہوتی۔ اس پر اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے۔ چنانچہ یہاں علم رؤیت (دیکھنے) کے معنی میں ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ وغیرہ نے لِنَعْلَمَ (البقرۃ: 143) کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ "لِنَرٰی" کے معنی میں ہے کیونکہ رؤیت کا تعلق موجود کے ساتھ ہے اور علم رؤیت سے عام ہے اس لئے اس کا تعلق موجود اور معدوم دونوں سے ہے۔ پھر فرمایا: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ یعنی وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے، وہ یہ خیال کریں کہ وہ فتنہ اور آزمائش سے بچ جائیں گے۔ انہیں عبرتناک عذاب سے ضرور دوچار کیا جائے گا۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۵﴾ وَ مَنْ جٰهَدَ فَاِنَّمَا

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 343-344، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 172

يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

''جو شخص امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے ملنے کی تو (وہ سن لے کہ) اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا وقت ضرور آنے والا ہے۔ اور وہی ہر بات سننے والا ہر چیز کو جاننے والا ہے اور جو شخص کوشش کرتا ہے (حق کو سربلند کرنے کی) تو وہ اپنے فائدہ کے لئے ہی کوشاں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غنی ہے تمام کائنات سے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے تو ہم دور کر دیں گے ان سے ان کی برائیوں (کی نحوست) کو اور ہم انہیں بہت عمدہ بدلہ دیں گے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

فرمایا جارہا ہے کہ جو شخص دار آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کی امید رکھتا ہے۔ نیک اعمال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا خواہاں ہے، اللہ تعالیٰ اس کی امید برلائے گا اور اسے اس کے اعمال کا وافر اجر عطا فرمائے گا۔ یہ ہر صورت میں ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو سننے والا اور کل کائنات کو دیکھنے والا ہے، اس لئے فرمایا: مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ اللّٰهِ اس کے بعد فرمایا: وَمَنْ جَاهَدَ . . . یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ (الجاثیہ: 15) یعنی جو شخص نیک عمل کرتا ہے اس کا فائدہ اسے ہی پہنچے گا، اللہ تعالیٰ تو بندوں کے اعمال سے بے نیاز ہے۔ اگر سب لوگ تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر فائز ہو جائیں تو بھی وہ اس کی سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تلوار چلانا ہی جہاد نہیں بلکہ ہر نیک کام میں کوشش کرنا جہاد ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ تمام مخلوق سے بے نیاز ہونے کے باوجود ان پر لطف و کرم اور احسان فرماتا ہے اور انہیں ان کے اعمال کا بہترین صلہ عطا کرتا ہے۔ چھوٹی سی نیکی کو بھی وہ ضائع نہیں کرتا بلکہ اسے شرف قبول عطا فرماتے ہوئے اس پر دس گناہ سے لے کر سات سو گنا تک اجر عطا کرتا ہے لیکن برائی کی سزا اس کے برابر ہوتی ہے یا وہ اسے معاف کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْھَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء: 40) ''بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر معمولی سی نیکی ہو تو اسے دگنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا کرتا ہے''۔ اور یہاں فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ . . .

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝

''اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور اگر وہ یہ کوشش کریں تیرے ساتھ کہ تو شریک بنائے کسی کو میرا جس کے متعلق تجھے کوئی علم نہیں تو (اس بات میں) ان کی اطاعت نہ کر۔ میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے، پھر میں آگاہ کروں گا تمہیں ان اعمال سے جو تم کیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال بھی کئے تو ہم ضرور شامل کرلیں گے انہیں نیکوں (کے زمرہ) میں''۔

توحید کا دامن مضبوطی سے تھام لینے کے حکم کے بعد اب والدین کے ساتھ حسن سلوک کا تاکیدی حکم دیا جارہا ہے کیونکہ انسان کا وجود والدین کا مرہون منت ہے اور ان کا اس پر بہت بڑا احسان ہے۔ باپ خرچ کرتا ہے اور ماں محبت و شفقت کے ساتھ پرورش کرتی ہے،

اس لئے ایک اور مقام پر فرمایا: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۔۔۔ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِیْ صَغِيْرًا (بنی اسرائیل:23) والدین کے احسان کے مقابلہ میں ان کے ساتھ محبت، رحمت اور حسن سلوک کا تاکیدی حکم دینے کے باوجود شرک میں ان کی اتباع سے منع کرتے ہوئے فرمایا: وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ ۔ یعنی جب تمہارے مشرک والدین تمہیں اپنے دین کی متابعت پر اکسائیں تو ان سے اجتناب کر لینا اور اس معاملہ میں ان کی ہرگز اتباع نہ کرنا۔ یاد رکھو تم سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت میں تمہیں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور دین اسلام پر کاربند رہنے کی جزا دوں گا اور تمہارا حشر نیک لوگوں کے ساتھ کروں گا نہ کہ تمہارے مشرک والدین کے ساتھ اگرچہ دنیا میں ان کے ساتھ تمہارا سب سے زیادہ قریبی تعلق تھا کیونکہ قیامت کے دن آدمی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے دینی محبت تھی، اس لئے فرمایا: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں چار آیتیں اتریں۔ وہ اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ (میرے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد) میری ماں نے مجھے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ساتھ نیکی کرنے کا حکم نہیں دیا؟ اللہ کی قسم! اگر تم نے دین اسلام کو ترک نہ کیا تو میں تادم مرگ بھوک ہڑتال کر لوں گی۔ چنانچہ اس نے یہی کیا یہاں تک کہ لوگ زبردستی اس کا منہ کھول کر غذا ڈالتے تھے۔ اس وقت یہ آیت وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ ۔ نازل ہوئی(1)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝

''اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اللہ تعالیٰ پر۔ پھر جب ستایا جائے اسے راہ خدا میں تو بنا لیتا ہے لوگوں کی آزمائش کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے برابر۔ اور اگر آ جائے نصرت آپ کے رب کی طرف سے تو وہ کہنے لگتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہر اس چیز کو جو لوگوں کے سینوں میں (پنہاں) ہے۔ اور ضرور دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور ضرور دیکھ لے گا منافقوں کو''۔

ان منافقوں کا حال بیان ہو رہا ہے جو زبانی زبانی ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ایمان ان کے دلوں میں قرار پذیر نہیں ہوا کہ دنیا میں جب بھی ان پر آزمائش کی گھڑی آتی ہے اور کوئی مصیبت انہیں آ گھیرتی ہے تو وہ اسے خدائی عذاب یقین کر کے اسلام سے مرتد ہو جاتے ہیں، اس لئے فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ ... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فتنہ سے یہی مراد لیتے ہیں کہ اذیت کے وقت دین سے پھر جانا۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ ۔ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ (الحج:12-11)۔ پھر فرمایا: وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ ... یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! اگر آپ کو اپنے رب کی طرف سے فتح و نصرت اور غنیمت حاصل ہو تو یہ ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے اس بات کی یقین دہانی کرانے لگتے ہیں کہ ہم تمہارے دینی بھائی ہیں جیسا کہ فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ

1۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 4 صفحہ 1878، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 77-78

الْمُؤْمِنِيْنَ (النساء:141) ''وہ جو تمہارے انجام کار کا انتظار کر رہے ہیں۔ تو اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح ہو جائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی تمہارے ساتھ ہی نہیں تھے اور اگر کافروں کیلئے کچھ (کامیابی) ہو تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہیں آئے تھے اور کیا ہم نے تم کو مومنوں سے نہیں بچایا تھا''۔ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ (المائدۃ:52) ''وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ (تمہیں) مکمل فتح دے دے یا اپنی طرف سے کوئی بات تو پھر ہو جائیں گے اس پر نادم جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھا تھا'' اور یہاں ان کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ یعنی اگر تمہارے رب کی طرف سے فتح و نصرت آجائے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اگرچہ یہ منافقین تمہارے لئے اپنی موافقت کا اظہار کرتے ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں پنہاں باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَلَيَعْلَمَنَّ یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو ضرور مصیبت اور راحت سے آزمائے گا تاکہ پہچان ہو جائے کہ ان دونوں حالتوں میں کون اس کی اطاعت کرتا ہے اور کون نفس کا پرستار بنا رہتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ (محمد:31) ''اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے تاکہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مصروف جہاد رہتے ہیں اور جو صبر کرتے ہیں اور ہم تمہارے حالات کو پرکھیں گے''۔ غزوہ احد میں پیش آنے والی آزمائش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (آل عمران:179) ''نہیں ہے (اللہ کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو جب تک الگ الگ نہ کردے پلید کو پاک سے''۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْــَٔـلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾

''اور کہا کافروں نے ایمان والوں سے تم چلو ہماری راہ پر اور ہم اٹھا لیں گے تمہارے گناہوں (کے بوجھ) کو۔ اور وہ نہیں اٹھا سکتے ان کے گناہوں سے کچھ بھی۔ وہ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں۔ اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور دوسرے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ۔ اور ان سے باز پرس ہوگی قیامت کے دن ان (جھوٹوں) کے متعلق جو وہ گھڑا کرتے تھے''۔

کفار قریش اہل ایمان کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ وہ اس کوشش میں انہیں یہ بھی کہتے کہ اپنے دین کو ترک کر کے ہمارے دین کی طرف لوٹ آؤ اور ہماری راہ اپنا لو۔ اگر اس میں کوئی گناہ ہوا تو ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھا لیں گے۔ کفار کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ یعنی یہ لوگ اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں کہ وہ ان کے گناہوں کا بوجھ خود اٹھائیں گے حالانکہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا جیسا کہ فرمایا: وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (فاطر:18) ''اور اگر پشت پر بوجھ اٹھانے والا (کسی کو) اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا تو اس کے بوجھ سے کوئی چیز نہ اٹھائی جا سکے گی اگرچہ کوئی قریبی رشتہ دار ہو''۔ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۚ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ (المعارج:10-11) ''اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا۔ ایک دوسرے کو دکھائی دیں گے''۔ اور یہاں کفر اور گمراہی کی دعوت دینے والوں کے متعلق فرمایا: وَ

لَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ ۔ یعنی یہ قیامت کے دن اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان لوگوں کے گناہوں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے جنہیں انہوں نے گمراہ کیا جبکہ ان کے گمراہ ہونے والوں کے بوجھوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی جیسا کہ فرمایا: لِیَحْمِلُوْۤا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ (النحل:25) ”تا کہ وہ قیامت کے دن اپنے پورے بوجھ اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی جنہیں وہ جہالت سے گمراہ کرتے رہتے ہیں“۔ حدیث صحیح میں ہے: ”جس نے ہدایت کی دعوت دی اس کے لئے قیامت تک اس پر عمل پیرا ہونے والوں جیسا اجر ہوگا اور ان کے اجر میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی اور جس نے گمراہی کی دعوت دی، اس پر قیامت تک گمراہی اختیار کرنے والوں جیسا گناہ ہوگا جبکہ ان گمراہوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی“ (1)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ”جو بھی جان ناحق قتل کی جاتی ہے تو اس کے خون کا وبال آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر بھی پڑتا ہے کیونکہ اس نے قتل کا طریقہ ایجاد کیا تھا“ (2)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ لَیُسْـَٔلُنَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ... یعنی قیامت کے دن ان سے ان کے جھوٹ، افتراپردازی اور بہتان تراشی کے متعلق ضرور باز پرس ہوگی۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حق تبلیغ ادا کر دیا، پھر فرمایا: ”ظلم سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم! آج کوئی ظلم مجھ سے نہیں چھوٹ سکتا، پھر ایک منادی ندا دے گا کہ فلاں بن فلاں کہاں ہے؟ وہ شخص آئے گا اور نیکیوں کے پہاڑ اس کے ساتھ ہوں گے۔ لوگ اپنی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھیں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے آکر کھڑا ہو جائے گا۔ پھر منادی ندا دے گا کہ کسی کا اس کے ذمہ کوئی حق ہو یا اس نے کسی پر ظلم کیا ہو تو وہ آئے اور اپنا بدلہ لے لے۔ چنانچہ بہت سے لوگ اپنا اپنا حق وصول کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور اکٹھے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس بندے کے ذمہ لوگوں کے حقوق دلواؤ۔ فرشتے عرض کریں گے کہ ہم کیسے حقوق دلوائیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کی نیکیاں لے کر انہیں دے دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا جائے گا یہاں تک کہ ایک نیکی بھی باقی نہیں بچے گی جبکہ حقدار ابھی اور باقی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ انہیں حقوق دلواؤ، فرشتے کہیں گے کہ اب تو اس کے پاس ایک نیکی بھی باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ان حقداروں کے گناہ اس پر لاد دو۔ پھر خوفزدہ ہو کر آپ ﷺ نے اس آیت وَ لَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ ... کی تلاوت کی (3)۔ اسی طرح کی ایک اور حدیث میں ہے: ”قیامت کے دن ایک آدمی نیکیوں کے پہاڑ لے کر آئے گا لیکن اس نے کسی پر ظلم کیا ہوگا، کسی کا مال ہڑپ کیا ہوگا اور کسی کی عزت پامال کی ہوگی، یہ بھی اس کی نیکیاں لے لیں گے۔ جب کوئی نیکی باقی نہیں رہے گی تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے“ (4)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ”اے معاذ! قیامت کے دن مومن سے اس کی تمام کوششوں کے متعلق باز پرس ہوگی یہاں تک کہ آنکھوں میں سرمہ ڈالنے اور انگلیوں سے مٹی کو ریزہ ریزہ کرنے کے متعلق بھی۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کوئی تجھ سے زیادہ سعادت مند تمہاری نیکیاں لے جائے“۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۴ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝۱۵

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 201، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 397 وغیرہ
2۔ صحیح مسلم، کتاب القسامۃ، 1303-1304، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 383 وغیرہ
3۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 454-455
4۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1997

"اور بے شک ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو وہ ٹھہرے رہے ان میں پچاس کم ہزار سال۔ آخر کار آ لیا انہیں طوفان نے اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔ پس ہم نے نجات دے دی نوح (علیہ السلام) کو اور کشتی والوں کو اور ہم نے بنا دیا اس کشتی کو ایک نشانی سارے جہان والوں کے لئے"۔

اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کی طویل اور صبر آزما جدوجہد کی داستان سنا کر اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کو تسلی دے رہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال کا طویل عرصہ اپنی قوم کو دن اور رات، پوشیدہ اور اعلانیہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا لیکن اس کے باوجود وہ اور زیادہ حق سے دور ہوتے گئے، ان کی سرکشی بڑھتی ہی گئی اور ان کی تکذیب میں مزید شدت آتی گئی۔ صرف چند سعادت مند افراد تھے جو ان میں سے ایمان لائے، اس لئے فرمایا: فَلَبِثَ فِیْهِمْ ۔ یعنی اس طویل مدت کی تبلیغ سے بھی وہ متاثر نہ ہوئے، اس لئے اے میرے پیارے رسول ﷺ! آپ ان لوگوں پر رنجیدہ خاطر اور افسردہ نہ ہوں جو آپ کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ہدایت اور گمراہی بلکہ ہر امر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جن لوگوں کا جہنمی ہونا طے ہو چکا ہے وہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانیاں آ جائیں۔ آپ یقین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ عنقریب آپ کو غلبہ عطا فرمائے گا اور آپ کے دشمنوں کو ذلیل اور پست کر دے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں حضرت نوح علیہ السلام کو منصب نبوت پر فائز کیا گیا۔ اس کے بعد ساڑھے نوسو سال آپ اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے۔ طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال زندہ رہے یہاں تک کہ اولاد آدم بکثرت ادھر ادھر پھیل گئی (1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کی کل عمر ساڑھے نوسو سال تھی۔ تین سو سال تو دعوت و تبلیغ کے بغیر گزرے، تین سو سال آپ نے دعوت و تبلیغ میں گزارے اور پھر طوفان کے بعد ساڑھے تین سو سال زندہ رہے، لیکن یہ قول غریب ہے۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے تو اس چیز کی نشاندہی ہی ہوتی ہے کہ آپ نے ساڑھے نو صدیاں تبلیغ کی۔ عون بن ابی شداد کہتے ہیں کہ ساڑھے تین سو سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی۔ اس کے بعد ساڑھے نوسو سال آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے پھر آپ ساڑھے تین سو سال مزید زندہ رہے۔ یہ قول بھی غریب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول درست معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کتنی مدت اپنی قوم میں رہے؟ میں نے عرض کی کہ ساڑھے نوسو سال۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس وقت سے آج تک لوگوں کی عمریں، عقلیں اور اخلاق گھٹتے ہی گئے (2)۔ فرمایا: فَاَنْجَیْنٰهُ ۔ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ سورۂ ہود میں بالتفصیل گزر چکا ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ جَعَلْنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ یعنی ہم نے اس کشتی کو لوگوں کے لئے نشانی بنا دیا، یا تو بعینہ اس کشتی کو جیسا کہ قتادہ کا قول ہے کہ آغاز اسلام تک وہ کشتی جودی پہاڑ پر باقی رہی یا اس کی نوع کو لوگوں کے لئے یادگار بنا دیا کہ کشتیوں کو دیکھ اللہ تعالیٰ کا احسان یاد آ جاتا ہے کہ اس نے کس طرح اپنے بندوں کو طوفان سے نجات دی جیسا کہ فرمایا: وَ اٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ... وَ مَتَاعًا اِلٰى حِیْنٍ (یٰسین: 44-41)، اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ ۙ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ (الحاقۃ: 12-11) "جب سیلاب حد سے گزر گیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا تاکہ ہم تمہارے لئے اس واقعہ کو یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے محفوظ رکھیں"۔ اور یہاں فرمایا: فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ یہاں شخص سے جنس کی طرف صعود ہے جیسا کہ اس آیت میں: وَ لَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ (الملک: 5)

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التاریخ، جلد 2 صفحہ 545-546، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 455
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 455

یعنی ہم نے ستاروں کی نوع کو شیطانوں کو مار بھگانے کا آلہ بنایا کیونکہ جو ستارے شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں وہ آسمان کے لئے زینت نہیں اور اسی طرح اس آیت میں بھی: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ (المومنون:13-12) یہاں مٹی سے تخلیق انسان کا ذکر کرنے کے بعد نطفہ کو اس کی اصل قرار دینے کا بیان فرمایا، اس قسم کی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَجَعَلْنٰهَا میں ھا ضمیر کا مرجع عقوبت بھی ہو سکتا ہے (1)۔

وَ اِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

"اور ابراہیم علیہ السلام کو یاد کرو جب آپ نے فرمایا اپنی قوم کو کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرتے رہا کرو۔ یہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ تم تو پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی اور تم گھڑا کرتے ہو نرا جھوٹ۔ بے شک جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ مالک نہیں تمہارے رزق کے پس طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے رزق کو اور اس کی عبادت کیا کرو اور اس کا شکر ادا کیا کرو اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) جھٹلایا (اپنے نبیوں کو) ان امتوں نے بھی جو تم سے پہلے تھیں اور رسول پر فرض نہیں بجز اس کے کہ وہ (اللہ کا حکم) صاف طور پر پہنچا دے۔"

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے، رسول اور خلیل امام الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بیان فرما رہا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو خدائے واحد کی عبادت، اخلاص، تقویٰ، اسی سے طلب رزق اور اسی کا شکر بجالانے کی دعوت دی کیونکہ صرف وہی نعمتیں عطا فرمانے والا ہے اور وہی شکر کے لائق ہے: فرمایا: اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ..... یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو۔ جب تم ایسا کرو گے تو تمہیں دنیا و آخرت کی ہر خیر حاصل ہوگی اور ہر شر دور ہو جائے گی۔ پھر فرمایا کہ جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو، وہ کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ یہ تو تمہارے خود تراشیدہ ہیں۔ خود ہی تم نے ان کے نام اور اجسام تراش کر انہیں اپنا معبود بنا لیا ہے حالانکہ یہ تمہاری طرح مخلوق ہیں۔ یہ تمہارے رزق کے مالک نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہی رزق طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ میں حصر کا بلیغ انداز ہے جیسا کہ ان آیات میں بھی ہے: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحہ:4)، رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (التحریم:11) اس لئے فرمایا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہی رزق طلب کرو نہ کہ کسی اور کے ہاں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی کسی چیز کا مالک نہیں۔ پھر فرمایا: وَاعْبُدُوْهُ..... یعنی اس کا رزق کھاؤ، صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ اس کے بعد فرمایا: وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا ... یعنی اگر تم جھٹلاتے ہو تو یہ کوئی نئی بات نہیں، تم سے پہلے قوموں نے بھی اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ اس کی پاداش میں وہ عبرتناک عذاب سے دوچار ہوئے۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی طرح

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 136

کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ اور رسول کا فریضہ صرف یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو واضح طور پر لوگوں تک پہنچا دے۔ باقی رہا مسئلہ ہدایت اور گمراہی کا تو اس کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت سے نواز دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اس لئے تم اپنی فکر کرو اور اہل سعادت کے زمرے میں داخل ہونے کی کوشش کرو۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو تسلی اور دلاسا دے رہا ہے۔ قتادہ کے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں سے "فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ" تک کلام بطور جملہ معترضہ ہے لیکن ظاہری الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام سے ہے کیونکہ آپ قیامت کے قائم ہونے کی دلیلیں پیش کر رہے ہیں۔ اس کے بعد قوم کا جواب مذکور ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾

"کیا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کس طرح آغاز فرماتا ہے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کا پھر وہ (کس طرح) اس کا اعادہ کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل آسان ہے۔ فرمایئے سیر و سیاحت کرو زمین میں اور غور سے دیکھو کس طرح اس نے خلق کی ابتداء فرمائی پھر اللہ تعالیٰ (اسی طرح) پیدا فرمائے گا دوسری بار۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور رحم فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے۔ اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے۔ اور نہیں ہو تم بے بس کرنے والے (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں (بھاگ کر) اور نہ آسمان میں (پناہ لے کر) اور نہیں ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور کوئی مددگار۔ اور جن لوگوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا، وہ لوگ مایوس ہو گئے ہیں میری رحمت سے اور وہی لوگ ہیں جن کے لئے عذاب الیم ہے"۔

حضرت خلیل علیہ السلام کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ آپ نے لوگوں کے سامنے قیامت اور دوبارہ زندہ کئے جانے کے اثبات میں ابتدائے آفرینش کی دلیل پیش کی۔ پہلے لوگ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں وجود بخشا اور سماعت، بصارت اور دیگر صلاحیتوں سے آراستہ کیا، وہ ذات جس نے آفرینش کا آغاز کیا، وہ اعادہ پر بھی قادر ہے بلکہ دوبارہ زندہ کرنا اس کے لئے بہت ہی آسان اور نہایت سہل ہے۔ دلائل انفس کے ذکر کے بعد آپ علیہ السلام نے لوگوں کی توجہ دلائل آفاق کی طرف مبذول کی۔ آسمان اور اس میں ستارے، زمین اور اس میں میدان، پہاڑ، وادیاں، جنگل، ریگستان، درخت، دریا، سمندر، نہریں، پھل اور کھیتیاں، یہ تمام اشیاء اپنے حدوث اور اس صانع مختار کے وجود کی دلیل ہیں جس کے امر کن (ہو جا) سے ہر چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ اس لئے فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم: 27) "اور وہی ہے جو تخلیق

کی ابتدا کرتا ہے اور پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ زندہ کرے گا اور یہ آسان تر ہے"۔ پھر فرمایا: قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ۔اس کے مشابہ یہ آیات بھی ہیں: سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حم السجدۃ: 53) "ہم انہیں آفاق میں اور ان کے اپنے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن واقعی حق ہے"۔ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۞ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ (الطور: 36-35) "کیا وہ بغیر کسی (خالق) کے پیدا ہو گئے یا وہ خود ہی (اپنے) خالق ہیں؟ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے بلکہ وہ یقین سے محروم ہیں"۔ اس کے بعد فرمایا: يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ یعنی اللہ تعالیٰ ہی حاکم اور متصرف ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ کوئی اس کے حکم کو ٹالنے والا نہیں۔ اس کے کسی کام کے متعلق باز پرس نہیں کی جاتی جبکہ وہ لوگوں سے باز پرس کرے گا۔ اسی کے لئے ہر قسم کی تخلیق اور ہر امر ہے۔ اس کا ہر فعل عین عدل ہے اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: "اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو بھی وہ ظالم نہیں" (1)۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ یعنی اسے نہ کوئی زمین والا عاجز کر سکتا ہے اور نہ کوئی آسمان والا بلکہ وہ ہر ایک پر غالب ہے۔ ہر چیز اس سے خائف اور اس کی محتاج ہے جبکہ وہ ہر ایک سے بے نیاز ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا اور قیامت کا انکار کیا، انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا اور انہی کے لئے دنیا و آخرت میں المناک عذاب ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۞ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۞

"آپ کی قوم سے کوئی جواب نہ بن آیا بجز اس کے کہ انہوں نے کہا کہ اسے قتل کر ڈالو یا اسے جلا دو، سو بچا لیا اسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے۔ بے شک اس واقعہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تم نے بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (و پیار) کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں۔ پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا اور پھٹکار بھیجو گے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانا آتش (جہنم) ہو گا اور نہیں ہو گا تمہارا کوئی مددگار"۔

قوم ابراہیم نے اپنے کفر، تکبر اور شقاوت کے باعث حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہدایت پر مبنی وعظ و ارشاد کے جواب میں کہا: اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ اس کی وجہ یہ تھی کہ قوم کو جب دلیل و حجت کے میدان میں شکست فاش ہوئی تو وہ طاقت کے استعمال پر اتر آئے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ۞ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ (الصافات: 98-97) "انہوں نے کہا کہ اس کے لئے وسیع آتش کدہ بناؤ پھر اسے بھڑکتی آگ میں پھینک دو۔ انہوں نے تو آپ کے ساتھ مکر کرنا چاہا لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 225، سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، جلد 1 صفحہ 29 وغیرہ

دیا"۔ چنانچہ وہ ایک طویل عرصہ لکڑیاں اکٹھی کرتے رہے اور ایک گڑھے میں لکڑیاں رکھ کر اس کے چاروں طرف دیواریں چن دیں اور لکڑیوں کو آگ لگا دی۔ اس طرح ایک بہت بڑی آگ بھڑک اٹھی جس کی پہلے مثال نہیں ملتی، جب اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اور اس کے انگارے خوب چٹخنے لگے تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باندھ کر منجنیق میں رکھا اور آگ میں ڈال دیا لیکن اللہ تعالی نے اس آگ کو آپ کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا باعث بنا دیا۔ آگ میں کچھ دن گزارنے کے بعد آپ بالکل صحیح وسالم وہاں سے نکل آئے۔ یہ اور اس جیسی دوسری آزمائشوں میں پورا اترنے کی وجہ سے اللہ تعالی نے آپ کو لوگوں کا امام بنا دیا۔ آپ نے اپنی ذات رحمن کے لئے، جسم آگ کے لئے، بیٹا قربانی کے لئے اور مال مہمانوں کے لئے پیش کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ادیان کے ماننے والے آپ سے محبت رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنی قوم کو بت پرستی پر سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی تم نے اللہ تعالی کو چھوڑ کر ان بتوں کو اس لئے اپنا معبود بنا رکھا ہے تاکہ دنیا میں تمہاری باہمی محبت اور دوستی قائم رہے۔ اس معنی کی صورت میں "مودة" مفعول لہ ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا۔ اگر اسے مرفوع پڑھیں تو معنی یہ ہوگا کہ انہیں معبود بنانے سے تمہارا مقصد یہ ہے کہ صرف دنیا میں تمہیں محبت حاصل ہو جائے لیکن قیامت کے دن معاملہ برعکس ہو جائے گا اور یہ محبت وصداقت بغض اور دشمنی میں بدل جائے گی، تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے جیسا کہ فرمایا: كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا (الاعراف: 38) "جب بھی کوئی امت داخل ہوگی تو وہ دوسری امت پر لعنت بھیجے گی"۔ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ (الزخرف: 67) "گہرے دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے بجز پرہیزگاروں کے"۔ اور یہاں فرمایا: ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ یہاں کافروں کا حال بیان فرمایا کہ ان کا انجام جہنم ہے، نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ ہی کوئی انہیں عذاب سے بچانے والا ہوگا لیکن اہل ایمان کا حال ان کے برخلاف ہوگا۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا: "اللہ تعالی تمام اگلوں پچھلوں کو قیامت کے دن ایک بڑے میدان میں جمع کرے گا، کون جانتا ہے کہ دونوں سمتوں میں سے کس طرف؟" حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ پھر ایک منادی عرش تلے سے ندا دے گا کہ اے اہل توحید! تو اہل توحید اپنے سر اٹھائیں گے، پھر ندا ہوگی: اے اہل توحید! پھر تیسری مرتبہ ندا ہوگی: اے اہل توحید! اللہ تعالی نے تمہیں معاف فرما دیا ہے۔ اب لوگ دنیا میں کی گئی زیادتیوں کے بدلہ کا مطالبہ کریں گے تو ندا آئے گی: اے اہل توحید! تم ایک دوسرے کو معاف کر دو، اللہ تعالی تمہیں اجر عطا فرمائے گا"۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

"تو ایمان لائے ان پر لوط علیہ السلام اور ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔ بے شک وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اور ہم نے عطا فرمایا آپ کو اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا پوتا) اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب اور ہم نے دیا ان کو ان (کی جاں نثاری) کا اجر اس دنیا میں۔ اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالحین (کے زمرہ) میں ہوں گے"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر آپ کی قوم میں سے صرف آپ کے بھتیجے حضرت لوط بن ہاران بن آزر اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا آپ پر ایمان لائے لیکن اس آیت اور اس حدیث میں تطبیق کیسے ہوگی جس میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ظالم بادشاہ کے علاقہ سے گزرے تو اس نے آپ سے پوچھا کہ سارہ سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ میری بہن ہے۔ پھر آپ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا کہ میں نے تمہاری بابت بادشاہ سے کہا ہے کہ تم میری بہن ہو۔ اب بادشاہ کے سامنے مجھے مت جھٹلانا اور یہی رشتہ بتلانا کیونکہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں اس لئے تم میری دینی بہن ہو۔ اس سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے علاوہ کوئی ایسا جوڑا نہیں جو اسلام پر کاربند ہو۔ آپ علیہ السلام کی قوم میں سے صرف حضرت لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی پھر آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ہی رسول بنا کر اہل سدوم کی طرف بھیجا گیا جس کا ذکر گزر بھی چکا ہے اور آگے بھی آئے گا۔ اس ارشاد وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ میں ضمیر کا مرجع حضرت لوط علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ مرجع اقرب ہے اور ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ضحاک کا قول ہے(1)۔ اور اس فرمان فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ میں مکنی عنہ آپ ہی ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ آپ نے غلبہ دین کی خاطر ہجرت کو ترجیح دی، اس لئے فرمایا: اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ یعنی عزت وغلبہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے، اس کے رسول کے لئے اور اس پر ایمان لانے والوں کے لئے ہے اور وہ اپنے اقوال، افعال اور تقدیری اور شرعی احکام میں حکیم بھی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ حضرات ابراہیم ولوط علیہما السلام نے کوفہ کے نواحی علاقہ کوثی سے شام کی طرف ہجرت کی۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی، لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ اس وقت زمین پر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جنہیں زمین پھینک دے گی، اللہ تعالیٰ ان سے نفرت کرے گا اور آگ انہیں بندروں اور خنزیروں کے ساتھ لئے پھرے گی، جہاں یہ رات گزاریں گے وہاں یہ بھی ان کے ساتھ رات گزارے گی، جہاں یہ دوپہر گزاریں گے وہاں یہ بھی ان کے ساتھ ہوگی اور یہ لوگوں میں ہر اس کو کھا جائے گی جو ان میں سے گر پڑے گا۔'' ایک اور روایت میں ہے کہ آگ اسے کھا جائے گی جو ان میں سے پیچھے رہ جائے گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں سے کچھ لوگ مشرق کی جانب سے نکلیں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن یہ ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ جب بھی ان کی ایک نسل ختم ہوگی دوسری آ جائے گی یہاں تک کہ بیس سے زیادہ مرتبہ آپ نے اس بات کو دہرایا کہ ایک گروہ کے ختم ہونے پر دوسرا گروہ آ جائے گا حتیٰ کہ ان کے آخری گروہ میں دجال کا خروج ہوگا(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک وقت وہ تھا جب ہم دولت مند شخص کو اپنے مسلمان بھائی پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ اب وہ زمانہ ہے کہ لوگوں کو درہم اور دینار اپنے مسلمان بھائی سے زیادہ عزیز ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اگر تم بیلوں کی دموں کے پیچھے لگ گئے، تجارت میں مشغول ہو گئے اور جہاد کو ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ تمہاری گردنوں میں ذلت کے طوق ڈال دے گا جو اس وقت تک تم سے نہیں ہٹائے جائیں گے جب تک تم پہلی حالت کی طرف لوٹ کر توبہ نہ کر لو۔'' اس کے بعد ہجرت والی وہی حدیث بیان کی جو اوپر مذکور ہے۔ ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو بدکاریاں کریں گے، وہ قرآن پڑھیں گے لیکن یہ ان کے حلق سے نیچے

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 143
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 198-199، 209

نہیں اترے گا۔ ان کے علم کے مقابلہ میں تم اپنے علم کو حقیر جانو گے۔ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے۔ جب یہ لوگ ظاہر ہوں گے تو انہیں قتل کر دینا، پھر جب دوبارہ ظاہر ہوں تو انہیں قتل کر دینا، پھر جب وہ سر نکالیں تو انہیں قتل کر دینا۔ وہ شخص خوش نصیب ہے جو انہیں قتل کرے گا اور وہ بھی خوش نصیب ہے جو ان کے ہاتھوں قتل ہوگا۔ جب بھی ان کی کوئی جماعت ظاہر ہوگی اللہ تعالیٰ اسے برباد کر دے گا"۔ آپ ﷺ نے بیس سے زیادہ مرتبہ اس بات کو دہرایا(1)۔ دوسری آیت میں فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا (مریم:49) یعنی جب آپ علیہ السلام اپنی قوم سے الگ تھلگ اور بیزار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو صالح فرزند اور آپ کی زندگی میں ہی صالح پوتا عطا کر کے اور ان دونوں کو منصب نبوت پر فائز کر کے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔ اسی طرح فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ ۖ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً (الانبیاء:72) "اور ہم نے عطا فرمایا انہیں اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا) پوتا"، جیسا کہ فرمایا: فَبَشَّرْنٰهَا بِإِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ إِسْحٰقَ يَعْقُوبَ (ہود:71) یعنی آپ علیہ السلام کی زندگی میں ہی آپ کے فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا۔ قرآن کریم اور سنت نبویہ سے ثابت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ ۔ إِلٰهًا وَّاحِدًا (البقرۃ:133)۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام"(2)۔ حضرت ابن عباس سے جو مروی ہے کہ حضرات اسحاق علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام دونوں حضرات ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے(3)، اس سے مراد یہ ہے کہ پوتا بھی بمنزلہ فرزند کے ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ دونوں آپ علیہ السلام کے صلبی فرزند تھے۔ یہ ایسی بات ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کم درجہ والے شخص پر بھی مخفی نہیں۔ فرمایا: وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل اور لوگوں کا امام بنایا، اس کے ساتھ ساتھ ایک اور بہت بڑا انعام فرمایا کہ آپ کی ذریت میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔ آپ علیہ السلام کے بعد ہونے والے تمام پیغمبر آپ کی اولاد سے ہیں۔ بنی اسرائیل کے تمام پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے نبی عربی قریشی ہاشمی خاتم الرسل اور سید اولاد آدم ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دی جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چن لیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں آپ کے سوا کوئی اور نبی نہیں ہوا۔ فرمایا: وَاٰتَيْنٰهُ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اخروی سعادت کے ساتھ دنیوی سعادت سے بھی نوازا۔ دنیا میں آپ کو فراخ رزق، کشادہ رہائش گاہ، میٹھا چشمہ، نیک صورت اور نیک سیرت بیوی، ثنائے جمیل اور عمدہ ذکر عطا ہوا، ہر ایک آپ سے محبت اور عقیدت رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر طرح سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطاعت کی توفیق ارزانی فرمائی جیسا کہ فرمایا: وَإِبْرٰهِيمَ الَّذِي وَفّٰى (النجم:37) یعنی ابراہیم جو اپنے رب کے تمام احکام بجالائے اور کامل اطاعت کا مظاہرہ کیا، اس لئے فرمایا: وَاٰتَيْنٰهُ أَجْرَهُ ۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: "إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۔ وَإِنَّهُ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِينَ (النحل:120-122) "بلاشبہ ابراہیم ایک مرد کامل، اللہ تعالیٰ کے مطیع اور یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے اور وہ مشرکوں سے نہ تھے... اور وہ آخرت میں نیک لوگوں سے ہوں گے"۔

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ ۖ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِينَ ﴿۲۸﴾

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 84 2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ یوسف، جلد 8 صفحہ 361، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 96 3۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 143

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿٣٠﴾

''اور (ہم نے) لوط کو رسول بنا کر بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو کہ نہیں پہل کی تم سے اس (بے حیائی) کی طرف کسی قوم نے دنیا بھر میں۔ کیا تم بدفعلی کرتے ہو مردوں کے ساتھ اور ڈاکے ڈالتے ہو عام راستوں پر اور اپنی کھلی مجلسوں میں گناہ کرتے ہو۔ تو نہیں تھا کوئی جواب آپ کی قوم کے پاس بجز اس کے کہ انہوں نے کہا اے لوط! لے آؤ ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو۔ آپ نے عرض کی میرے مالک! میری مدد فرما ان فسادی لوگوں کے مقابلہ میں''۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان کی بدکاری اور مردوں کے ساتھ بدفعلی کرنے جیسے قبیح اعمال پر ٹوکا اور اغلام بازی پر ناپسندیدگی اور نفرت کا اظہار کیا جس کی نظیر پہلے نہ تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے، اس کے رسول کی تکذیب اور مخالفت کرتے۔ عام راستوں پر ڈاکے ڈالتے اور راہ گیروں کو قتل کر کے ان کے اموال چھین لیتے۔ علاوہ ازیں بھری محفل میں وہ فحش گفتگو کرتے اور نازیبا حرکات کا ارتکاب کرتے اور کسی کو ان چیزوں پر تعجب نہ ہوتا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ سر عام لواطت کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ بر سر مجلس بآواز بلند ہوا خارج کرتے اور اس پر خوب ہنستے۔ بعض کا کہنا ہے کہ وہ مینڈھے اور مرغ لڑواتے تھے۔ بہر کیف ایسے تمام افعال شنیعہ کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ شریر لوگ تھے۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس فرمان وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ راہ گیروں پر کنکریاں پھینکتے اور ان کا مذاق اڑاتے یہی وہ منکر (گناہ) ہے جس کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے''(1)۔ مجاہد اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ سیٹیاں بجاتے، کبوتر بازی کرتے، غلیل سے کنکریاں پھینکتے مجلس میں سوال کرتے، سر عام برہنہ ہو جاتے۔ ان کے کفر، استہزاء اور عناد کے باعث ان کا جواب یہ تھا: فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ ۔ اس لئے آخر کار حضرت لوط علیہ السلام نے ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے عرض کی: رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُو أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۖ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۚ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَن فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٢﴾ وَلَمَّا أَن جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۖ إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا مُنزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ العنکبوت، جلد 12 صفحہ 65-66، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 341

يَفْسُقُوْنَ ۝ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

''اور جب آئے ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر۔ انہوں نے بتایا کہ ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس گاؤں کے باشندوں کو۔ بے شک یہاں کے رہنے والے بڑے ظالم تھے۔ آپ نے کہا اس میں تو لوط بھی رہتا ہے۔ فرشتوں نے عرض کی ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں۔ ہم ضرور بچالیں گے اسے اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی عورت کے۔ وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہے۔ اور جب آئے ہمارے فرشتے لوط (علیہ السلام) کے پاس تو بڑے غمزدہ ہوئے ان کی آمد سے اور دل تنگ ہوئے اور (انہیں پریشان دیکھ کر) فرشتوں نے کہا نہ خوفزدہ ہو اور نہ رنجیدہ خاطر۔ ہم نجات دینے والے ہیں تجھے اور تیرے کنبہ کو سوائے تمہاری بیوی کے۔ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے۔ بے شک ہم اتارنے والے ہیں اس بستی کے باشندوں پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔ اور بے شک ہم نے باقی رہنے دیئے اس بستی کے کچھ واضح آثار ان لوگوں (کی عبرت) کے لئے جو عقلمند ہیں''۔

جب حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کے لئے فرشتے بھیج دیئے۔ یہ فرشتے مہمانوں کے روپ میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ ان کی ضیافت کے لئے کھانا لے آئے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ یہ تو کھانے میں دلچسپی ہی نہیں لے رہے تو آپ کو ان پر بڑا تعجب ہوا اور آپ ان سے خوف محسوس کرنے لگے لیکن فرشتوں نے دلجوئی کرتے ہوئے اور تسلی دیتے ہوئے آپ کو بیٹے کی ولادت کی خوشخبری سنائی۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا جو وہاں موجود تھیں، یہ سن کر بہت متعجب ہوئیں جیسا کہ سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔ جب فرشتوں نے اپنا اصلی ارادہ ظاہر کرتے ہوئے بتایا کہ نہیں قوم لوط کی بربادی کے لئے بھیجا گیا ہے تو آپ نے انہیں اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی شاید وہ قوم لوط کو کچھ مزید مہلت دے دیں اور وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر راہ راست پر آجائیں۔ جب فرشتوں نے بتایا کہ ہم اس بستی کے باشندوں کو ہلاک کرنے والے ہیں تو آپ نے فرمایا: اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا کہ اس بستی میں تو لوط بھی ہیں۔ اس کے جواب میں فرشتے کہنے لگے: نَحْنُ اَعْلَمُ یعنی ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس میں کون ہے۔ ہم لوط اور ان کے کنبہ کو ضرور بچالیں گے سوائے ان کی بیوی کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے اور اسے بھی باقی قوم کے ساتھ ہلاک کر دیا جائے گا کیونکہ وہ کفر اور سرکشی میں اپنی قوم کی معاون تھی۔ پھر وہ فرشتے وہاں سے رخصت ہونے کے بعد خوبرو لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ انہیں دیکھتے ہی حضرت لوط علیہ السلام بڑے غمزدہ اور دل تنگ ہوئے۔ آپ بڑی نازک اور مشکل صورتحال سے دوچار ہو گئے۔ اگر انہیں اپنے پاس ٹھہراتے ہیں تو خدشہ ہے کہ قوم کے بدقماش لوگ دندناتے ہوئے آئیں گے اور ان مہمانوں کے ساتھ دست درازی کریں گے اور اگر انہیں اپنے پاس نہیں ٹھہراتے تو یہ قوم کے بدمعاشوں کے ہاتھ چڑھ جائیں گے۔ اس وقت آپ کو کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ کیا کریں۔ آپ کی پریشانی اور قلق کو دیکھ کر فرشتے کہنے لگے: لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۔۔۔ اِنَّا مُنَجُّوْكَ ۔۔۔ يَفْسُقُوْنَ۔ حضرت جبریل علیہ السلام ان کی بستیوں کو زمین سے اکھیڑ کر آسمان تک لے گئے اور وہاں سے نیچے پلٹ دیں اور ساتھ ہی ان پر ان کے ناموں کے نشان زدہ پتھر برسائے گئے اور وہ عذاب جسے وہ بعید اور محال سمجھتے تھے، بالکل قریب اور جلدی وقوع پذیر ہو گیا۔ ان کا علاقہ گندی اور بدبودار جھیل بن گیا اور یہ بد طینت لوگ قیامت تک نشان عبرت بن گئے۔ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب کے مستحق بھی یہی ہوں گے، اس لئے فرمایا: وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ ۝ وَبِاللَّيْلِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (الصافات: 137-138) "اور تم ان (کے اجڑے ہوئے دیاروں) پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گزرتے ہو۔ کیا تم نہیں سمجھتے"۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝

"اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو۔ آپ نے کہا: اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور امید رکھو پیچھے آنے والے دن کی اور ملک میں فتنہ وفساد برپا نہ کرو۔ پھر انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو آ لیا انہیں زلزلہ (کے جھٹکوں) نے پس صبح ہوئی تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے"۔

اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اور رسول حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے کہ آپ نے اپنی قوم اہل مدین کو خبردار کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں اور قیامت کے عذاب سے خوف کھائیں۔ بعض مفسرین نے وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ کا معنی بتایا ہے کہ یوم آخرت سے ڈریں۔ یہ اس ارشاد کی طرح ہے: لِمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ (الممتحنہ: 6) "اس کے لئے جو اللہ اور روز آخرت سے ڈرتا ہے" پھر آپ علیہ السلام نے انہیں زمین میں فساد بپا کرنے اور لوگوں پر زیادتی کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ۔ یہ لوگ ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے، راستے بند کر کے ڈاکے ڈالتے اور کفر کا جرم اس پر مستزاد تھا۔ ان جرائم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں زلزلے کے شدید جھٹکوں اور ایسی سخت چنگھاڑ سے جس سے ان کے دل اڑنے لگے اور چھتری والے دن کے ایسے عذاب سے دوچار کر دیا جس سے ان کی روحیں پرواز کر نے لگیں۔ اس قصہ کی تفصیلات سورۂ اعراف، سورۂ ہود اور سورۂ شعراء میں گزر چکی ہیں۔

وَعَادًا وَثَمُودَ وَقَد تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسَاكِنِهِمْ ۖ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ ﴿٣٩﴾ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

"اور (ہم نے برباد کیا) عاد اور ثمود کو اور واضح ہیں تمہارے لئے ان کے مکانات۔ اور آراستہ کر دیا تھا ان کے لئے شیطان نے ان کے (برے) عملوں کو اور روک لیا انہیں راہ (راست) سے حالانکہ وہ اچھے بھلے سمجھدار تھے۔ اور (ہم نے ہلاک کر دیا) قارون، فرعون اور ہامان کو اور بلاشبہ تشریف لائے ان کے پاس موسیٰ روشن دلیلوں کے ساتھ پھر بھی وہ غرور وتکبر کرتے رہے زمین میں اور وہ (ہم سے) آگے بڑھ جانے والے نہ تھے۔ پس ہر (سرکش) کو ہم نے پکڑا اس کے گناہ کے باعث۔ پس ان میں سے بعض پر ہم نے برسائے پتھر۔ اور ان میں سے بعض کو آلیا شدید کڑک نے اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا زمین میں۔ اور بعض کو ہم نے (دریا میں) ڈبو دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ ان پر ظلم کرے بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم

ڈھاتے رہے تھے"۔

ان قوموں کا ذکر ہو رہا ہے جنہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ اس وجہ سے وہ مختلف قسم کے عذابوں سے دوچار ہو کر برباد ہو گئیں۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد احقاف میں آباد تھی جو یمن کے شہر حضرموت کے قریب ہے۔ ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اور یہ لوگ وادی القریٰ کے قریب حجر کے مقام پر رہتے تھے۔ ان دونوں قوموں کی بستیاں اہل عرب کی گزرگاہ پر واقع تھیں۔ یہ انہیں اچھی طرح پہنچانتے تھے اور اکثر ان کے پاس سے گزرتے تھے۔ قارون وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس قدر مال و دولت سے نوازا کہ اس کے خزانوں کی چابیاں اٹھاتے ہوئے ایک جتھے کی کمریں جھک جاتیں۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصر کا بادشاہ تھا اور ہامان اس کا وزیر اعظم تھا۔ یہ دونوں قبطی کافر تھے۔ فرمایا: فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ - یعنی ہر ایک کو وہی سزا دی گئی جو اس کے حال سے مناسبت رکھتی تھی۔ قوم عاد کو ناز تھا کہ ہم سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں، اس لئے ان پر تند و تیز اور سخت ٹھنڈی ہوا مسلط کر دی گئی جو زمین سے پتھر اڑا اڑا کر ان پر برساتی۔ اس ہوا کی شدت اور تندی کا یہ عالم تھا کہ یہ ان بدقماشوں کو زمین سے اٹھا کر آسمان تک لے جاتی اور پھر اوندھا کر کے انہیں سر کے بل زمین پر پٹخ دیتی جس سے ان کے سر بدن سے الگ ہو جاتے۔ یوں محسوس ہوتا جیسے وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔ قوم ثمود پر حجت تمام ہوئی اور ان کی فرمائش پر اونٹنی کا معجزہ رونما ہوا۔ ان کے مطالبہ کے عین مطابق چٹان سے اونٹنی برآمد ہوئی۔ اس کے باوجود وہ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان نہ لائے بلکہ اپنی سرکشی اور کفر پر ڈٹے رہے۔ حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اہل ایمان کو سنگسار کرنے اور جلا وطن کرنے کی دھمکیاں دینے لگے۔ چنانچہ انہیں ایسی شدید کڑک نے آ گیا جس نے ان کی آوازوں کو خاموش اور حرکات کو جامد کر دیا۔ قارون بھی بڑا سرکش، باغی اور اللہ تعالیٰ کا نافرمان تھا۔ زمین پر اتراتا اور اکڑ اکڑ کر چلتا اور کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا بلکہ وہ اس غلط فہمی کا بھی شکار تھا کہ وہ سب سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں غرق کر دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔ فرعون، اس کے وزیر ہامان اور اس کے لشکروں کو ایک ہی صبح دریا میں ڈبو دیا اور ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا شخص باقی نہ رہا جو ان کا ذکر کرنے والا ہوتا۔ آخر میں فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ .....یعنی ان کا جو حشر ہوا، وہ ظلم نہیں تھا بلکہ یہ ان کے اعمال بد کی پوری پوری جزا تھی۔ یہ بیان یہاں بطور لف و نشر کے ہے۔ پہلے جھٹلانے والی قوموں کا ذکر ہوا پھر ان میں سے ہر ایک کے عذاب کا بیان ہوا جس سے اسے ہلاک کیا گیا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک جس قوم پر پتھر برسائے گئے اس سے مراد قوم لوط ہے اور جسے غرق کیا گیا اس سے مراد قوم نوح ہے لیکن یہ قول درست نہیں کیونکہ اس سند میں انقطاع ہے اور ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسی سورت میں پہلے ان دونوں قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہو چکا ہے۔ پھر بہت سے فاصلے کے بعد یہ بیان ہوا ہے۔ قتادہ کا کہنا ہے کہ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا سے مراد قوم لوط ہے اور مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ سے مراد قوم شعیب ہے(1)۔ لیکن یہ قول بھی بعید ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۖ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 149

دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۴۲﴾ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا یَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

"ان نادانوں کی مثال جنہوں نے بنا لئے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور دوست، مکڑی کی سی ہے اس نے (جالے کا) گھر بنایا۔ اور (تم سب جانتے ہو کہ) تمام گھروں سے کمزور ترین مکڑی کا گھر ہوا کرتا ہے۔ کاش! وہ بھی اس (حقیقت) کو جانتے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس چیز کو وہ پوجتے ہیں اس کو چھوڑ کر۔ اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے۔ اور یہ مثالیں ہیں ہم بیان کرتے ہیں انہیں لوگوں (کو سمجھانے) کے لئے۔ اور نہیں سمجھتے انہیں مگر اہل علم"۔

ان مشرکین کی مثال بیان ہو رہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کو اپنا معبود اور دوست بناتے ہیں، ان سے مدد اور رزق کی امید وابستہ کرتے ہیں اور مشکلات میں انہی کا دامن تھامتے ہیں۔ ان کی مثال مکڑی کے کمزور اور ضعیف جالے کی سی ہے۔ بتوں سے امیدیں وابستہ کرنے میں ان کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو مکڑی کے جالے میں پناہ لیتا ہے لیکن بے سود۔ اگر انہیں بتوں کی بے بسی کا علم ہوتا تو یہ کبھی بھی انہیں اپنا دوست نہ بناتے۔ مومن کا حال ان کے برعکس ہے۔ اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف لگا رہتا ہے، وہ شریعت کی اتباع کرتے ہوئے نیک کام کرتا ہے اور وہ اسلام کے مضبوط حلقے کو مضبوطی سے تھامے رکھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ مشرکین کو دھمکی دے رہا ہے کہ وہ ان کے اعمال اور ان کے معبودان باطلہ سے خوب آگاہ ہے، اس لئے وہ انہیں ان کے جرائم کی پوری پوری سزا دے گا۔ پھر فرمایا: وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا... یعنی یہ مثالیں ہیں جنہیں ہم لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں لیکن انہیں سمجھتے وہی ہیں جنہیں علم میں رسوخ، کمال اور تعمق حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک ہزار مثالیں سمجھی ہیں (1)۔ یہ آپ رضی اللہ عنہ کے لئے کمال شرف اور فضیلت ہے۔ حضرت عمرو بن مرۃ فرماتے ہیں کہ تلاوت کرتے وقت کتاب اللہ کی جس آیت کا معنی میری سمجھ میں نہ آئے تو مجھے دکھ لگتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۴﴾ اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾

"پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ بے شک اس میں (اس کی قدرت کی) نشانی ہے ایمان والوں کے لئے۔ آپ تلاوت کیجئے اس کتاب کی جو وحی کی گئی آپ کی طرف اور نماز صحیح صحیح ادا کیجئے۔ بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے۔ اور واقعی اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو"۔

اللہ تعالیٰ اپنی عظیم قدرت کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے زمین و آسمان کی تخلیق حق کے ساتھ کی ہے، نہ کہ کھیل تماشے کے طور پر عبث اور بے کار۔ پھر لوگوں کو آباد کیا تا کہ قیامت کے دن ہر ایک کو اس کی کوشش کا بدلہ دیا جائے۔ بدکاروں کو عذاب ہو گا اور نیکوکاروں کو عمدہ اجر و ثواب سے نوازا جائے گا۔ فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یعنی اس میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ تخلیق، تدبیر اور الوہیت

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 203

میں منفرد ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کو قرآن کی تلاوت و تبلیغ اور نماز قائم کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے:
اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ نماز اگر پابندی سے صحیح صحیح ادا کی جائے تو یہ بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:
''جس شخص کو اس کی نماز بے حیائی اور گناہ سے باز نہیں رکھتی، وہ نماز اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دوری کا باعث ہے۔'' حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اس فرمان اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''جس نمازی کو نماز بے حیائی اور برے کام سے نہ روکے، اس کی کوئی نماز نہیں''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو اس کی نماز بے حیائی اور گناہ سے باز نہ رکھے وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے''(1)۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس شخص کی نماز اسے نیکی کا حکم نہ دے اور برائی سے منع نہ کرے تو یہ نماز اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بنتی ہے(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جو نماز کی اطاعت نہیں کرتا''۔ نماز کی اطاعت یہ ہے کہ بے حیائی اور گناہ سے احتراز کرنا۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ (ہود:87) کی تفسیر میں فرمایا کہ بخدا! نماز حکم بھی دیتی ہے اور منع بھی کرتی ہے(2)۔
حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ فلاں شخص بڑی لمبی لمبی نمازیں پڑھتا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز صرف اسے نفع دیتی ہے جو اس کی اطاعت کرے۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص نماز پڑھتا ہے لیکن وہ اسے بے حیائی اور گناہ سے نہیں روکتی تو وہ شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے''(2)۔ صحیح یہی ہے کہ یہ تمام روایات موقوف ہیں۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ فلاں رات کو نماز میں مشغول رہتا ہے اور دن کو چوری کا ارتکاب کرتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی نماز عنقریب اسے اس برائی سے منع کر دے گی(3)۔ نماز بھی ذکر خدا ہی ہے اور یہی سب سے بڑا مقصود ہے اس لئے فرمایا: وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ یعنی یاد خدا بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اقوال و افعال سے واقف ہے۔ حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز میں تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو وہ کوئی نماز نہیں: اخلاص، خوف خدا اور ذکر اللہ۔ اخلاص نیکی کا حکم دیتا ہے، خوف خدا برائی سے منع کرتا ہے اور ذکر اللہ یعنی قرآن کریم حکم بھی دیتا ہے اور منع بھی کرتا ہے(4)۔ حضرت ابن عون انصاری فرماتے ہیں کہ جب تو نماز میں مشغول ہو تو نیکی میں ہے اور نماز تجھے بے حیائی اور گناہ سے باز رکھے ہوئے ہے اور اس میں جو تو یاد خدا کر رہا ہے وہ بہت بڑی چیز ہے۔
حماد بن ابی سلیمان اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جب تو نماز پڑھ رہا ہو تو کم از کم اس وقت نماز ضرور بے حیائی اور گناہ سے بچاتی ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس فرمان وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ جب بندے اللہ کو یاد کرتے ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو یاد کرنا بہت بڑی چیز ہے(5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کو یاد کرو اور سوتے وقت بھی۔ ایک آدمی نے آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ میرے ایک صاحب تو اس کا اور مطلب بیان کرتے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ اس آدمی نے جواب دیا کہ وہ اس کی وضاحت میں یہ ارشاد فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ (البقرۃ:152) پڑھتے ہوئے کہتے ہیں کہ

1۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 54، مجمع الزوائد، جلد 2 صفحہ 258
2۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 155
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، ابواب صلاۃ التطوع، جلد 1 صفحہ 346، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 447
4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 464
5۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 156، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 466

اللہ تعالیٰ کا ہمیں یاد کرنا ہمارے ذکر سے بڑا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ بہر صورت یہ دونوں مطلب درست ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ دونوں مروی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اللہ تعالیٰ کا بندوں کو یاد کرنا۔ حضرت عبداللہ بن ربیعہ رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ کیا تم اس فرمان وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کا مطلب جانتے ہو؟ میں نے عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا کہ وہ کیا ہے؟ میں نے عرض کی کہ اس سے مراد نماز میں تسبیح، تحمید، تکبیر اور تلاوت قرآن وغیرہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے بڑی عجیب بات کہی ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ امر اور نہی کے وقت اللہ تعالیٰ کا تمہیں یاد کرنا تمہارے ذکر اللہ سے بہتر اور بڑا ہے (1)۔ حضرت ابن مسعود، ابوالدرداء، سلمان فارسی رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات سے بھی یہی مروی ہے اور ابن جریر نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖۗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

"اور (اے مسلمانو!) بحث مباحثہ نہ کیا کرو اہل کتاب سے مگر شائستہ طریقہ سے مگر وہ جنہوں نے ظلم کیا ان سے اور تم کہو ہم ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا ہماری طرف اور اتارا گیا تھا تمہاری طرف اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اسی کے سامنے گردن جھکانے والے ہیں"۔

قتادہ اور دیگر متعدد حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آیت آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔ اب ان کے ساتھ مجادلہ اور بحث مباحثہ باقی نہیں رہا بلکہ اب تو یہی ہے کہ یا تو اسلام قبول کرلیں یا جزیہ ادا کریں یا جنگ کریں لیکن باقی حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آیت باقی اور محکم ہے اور اس کا حکم اہل کتاب میں سے اس شخص کے لئے قائم ہے جو دینی امور میں سمجھ بوجھ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ شائستہ انداز سے بحث و تمحیص کر کے اسے سمجھا دینا چاہئے تا کہ وہ اچھی طرح قائل ہو جائے جیسا کہ فرمایا: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل: 125) "اور اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت سے دعوت دیں"۔ فرعون کی طرف بھیجتے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے فرمایا: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ: 44) "اور اس سے نرم انداز میں گفتگو کریں شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے"۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے اور ابن زید سے اسے نقل کیا ہے۔ پھر استثناء کرتے ہوئے فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ یعنی بجز ان کے جو ان میں سے راہ حق سے بھٹک جائیں، واضح حجت کا انکار کردیں اور عناد و تکبر کی روش اختیار کرلیں تو ان سے بحث مباحثہ بے سود ہے بلکہ ان کے خلاف تو جنگ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ ... اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (الحدید: 25) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ ہمیں لڑائی کرنے کا حکم دیا گیا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ سے مراد اہل حرب اور ان کے وہ لوگ ہیں جو جزیہ کی ادائیگی سے انکار کردیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا یعنی جب وہ تمہیں ایسی چیز کی خبر دیں جس کے صدق و کذب کے متعلق تمہیں کوئی علم نہ ہو تو فوری طور پر نہ اس کی تکذیب کیا کرو کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حق ہو اور نہ ہی اس کی بلا تامل تصدیق کردیا کرو کیونکہ ہوسکتا ہے وہ باطل ہو بلکہ اجمالی طور پر اس شرط کے ساتھ ایمان لاؤ کہ اگر اسے واقعی اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اور اس میں کسی قسم کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 20 صفحہ 156

تبدیلی اور تحریف واقع نہیں ہوئی تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھتے اور مسلمانوں کے سامنے عربی زبان میں اس کا ترجمہ کرتے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ یوں کہو: اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا۔ (1)۔ ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کیا یہ جنازہ کلام کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ وہ یہودی کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں یہ کلام کرتا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: '' جب اہل کتاب تمہیں کوئی بات بتائیں تو تم نہ اس کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اس طرح اگر وہ بات حق ہوئی تو تم اس کی تکذیب کے مرتکب نہیں ہو گے اور اگر وہ باطل ہوئی تو تم اس کی تصدیق کرنے والے نہیں ہو گے (2)۔ اہل کتاب کی اکثر باتیں جھوٹ اور بہتان پر مبنی ہیں کیونکہ ان میں ردوبدل تحریف اور تاویل کا عام رواج تھا اس لئے ان میں صداقت بہت کم ہے۔ بالفرض اگر ان میں سچائی ہو بھی تو ہمیں ان سے نہ کوئی سروکار ہے اور نہ ہی ہمارا کوئی فائدہ ان سے وابستہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب سے کوئی چیز دریافت نہ کرو، چونکہ وہ خود گمراہ ہیں اس لئے وہ تمہاری رہنمائی نہیں کر سکتے لیکن اس سے تمہیں یہ نقصان ہوگا کہ یا تو تم حق کی تکذیب کر بیٹھو گے یا باطل کی تصدیق۔ ہر اہل کتاب کے دل میں اپنے دین کے لئے مال کی حرص جیسا تعصب ہے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کسی چیز کے متعلق کیونکر سوال کر سکتے ہو حالانکہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ نئی نئی کتاب موجود ہے جو بالکل خالص ہے اور اس میں باطل کی آمیزش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے متعلق تمہیں صاف صاف بتا دیا ہے کہ انہوں نے کتاب میں ردوبدل اور تحریف کر دی بلکہ اپنے ہاتھوں سے لکھی ہوئی کتاب کو خدا کی کتاب کہنے لگے۔ اس سے ان کا مقصد دنیا کا حصول تھا۔ جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں عطا ہوا ہے، اس کے ہوتے ہوئے تمہیں ان سے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حالانکہ ان کی یہ کیفیت ہے کہ وہ تم سے اس چیز کے متعلق پوچھنا گوارہ نہیں کرتے جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے (4)۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ان اہل کتاب اور ان کے متعلق باتیں کرنے والوں میں سب سے زیادہ سچے کعب الاحبار ہیں۔ اس کے باوجود ان کی باتوں میں کبھی کبھی جھوٹ کی آمیزش ہو جاتی ہے (5)۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دانستہ جھوٹ بولتے تھے بلکہ اس سے مراد نادانستہ جھوٹ ہے کیونکہ حضرت کعب اہل کتاب کے ان صحیفوں سے پڑھ کر باتیں بیان کرتے تھے جن کے متعلق انہیں حسن ظن تھا حالانکہ ان میں من گھڑت اور جھوٹی چیزیں بھی موجود ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح اس امت میں روایات کی چھان بین کرنے والے اور انہیں محفوظ کرنے والے علماء موجود ہیں، اس طرح کے علماء ان میں موجود نہ تھے۔ اس احتیاط اور انتظام کے باوجود اس امت میں بھی بہت سی موضوع احادیث جمع ہو گئیں ہیں اگرچہ علماء حدیث نے چھان پھٹک کر کے باطل کو حق سے بالکل الگ کر دیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٤٨﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 25 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 136 3۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 3
4۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، جلد 9 صفحہ 136 5۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، جلد 9 صفحہ 139

اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۹

''اور (اے حبیب!) اسی طرح ہم نے نازل کی آپ کی طرف کتاب۔ پس وہ جنہیں ہم نے دی تھی کتاب (تورات) وہ ایمان لاتے ہیں قرآن پر۔ اور اہل مکہ سے بھی کئی لوگ ایمان لا رہے ہیں قرآن پر۔ اور نہیں انکار کرتے ہماری آیتوں کا مگر کفار۔ اور نہ آپ پڑھ سکتے تھے اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ ہی اسے لکھ سکتے تھے اپنے دائیں ہاتھ سے (اگر آپ لکھ پڑھ سکتے) تو ضرور شک کرتے اہل باطل بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں جو ان کے سینوں میں محفوظ ہیں جنہیں علم دیا گیا۔ اور ظالموں کے بغیر ہماری آیتوں کا کوئی انکار نہیں کرسکتا''۔

ابن جریر اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح ہم نے سابقہ پیغمبروں پر کتابیں نازل کیں اسی طرح ہم نے آپ پر یہ کتاب اتاری (1)۔ ابن جریر کا یہ قول عمدہ ہے جس میں مناسبت بھی ہے اور ربط بھی۔ فرمایا: فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ یعنی اہل کتاب کے وہ جید اور زیرک علماء جنہوں نے قرآن کریم کی قدر کی اور اس کی تلاوت کا حق ادا کر دیا، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ اس فرمان وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ سے مراد قریش اور دیگر عرب کے وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم پر ایمان لا رہے ہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ یعنی ہماری آیات کی تکذیب اور ان کی حقانیت کا انکار وہی کرتے ہیں جو حق کو باطل کے پردے میں چھپانے والے اور سورج کی روشنی کو کپڑے سے ڈھانپنے والے ہیں۔ پھر فرمایا: وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ ۔ یعنی اے میرے رسول ﷺ! اس قرآن کریم کے نزول سے قبل آپ نے اپنی عمر کا ایک طویل عرصہ اپنی قوم میں گزارا ہے۔ نہ آپ پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے بلکہ آپ کی قوم اور دوسرے لوگوں کو اچھی طرح علم ہے کہ آپ امی ہیں، نہ آپ پڑھ سکتے ہیں اور نہ آپ لکھ سکتے ہیں۔ سابقہ کتب میں بھی آپ کا یہ وصف مذکور ہے جیسا کہ فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ (الاعراف:157) ''جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ نبی انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور انہیں برائی سے روکتا ہے''۔ اسی طرح پوری زندگی آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ایک حرف تک نہ لکھا بلکہ آپ ﷺ نے کاتب مقرر کر رکھے تھے جو وحی کے علاوہ دوسرے ممالک کے حکمرانوں کے نام خطوط بھی تحریر کرتے تھے۔ قاضی ابوالولید باجی اور متاخرین فقہاء میں سے ان کے بعض ہم نوا حضرات کا یہ کہنا درست نہیں کہ صلح حدیبیہ کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے ہاتھ سے صلح نامہ میں یہ الفاظ تحریر کیے تھے: ''هٰذَا مَا قَاضٰی عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ'' یعنی یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد بن عبد اللہ نے صلح کی ہے۔ قاضی صاحب کو یہ وہم بخاری شریف کی روایت کے ان الفاظ کی وجہ سے ہوا ہے: ''ثُمَّ اَخَذَ فَكَتَبَ'' (2)۔ یعنی آپ ﷺ نے صلح نامہ لے کر لکھا لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے لکھنے کا حکم دیا جیسا کہ ایک روایت میں صاف الفاظ ہیں: ''ثُمَّ اَمَرَ فَكَتَبَ'' یعنی پھر آپ ﷺ نے حکم دیا تو لکھا گیا۔ مشرق و مغرب کے فقہاء نے باجی کے اس قول کو رد کیا ہے اور اس سے بیزاری کا اظہار کیا ہے اور اپنے اشعار اور خطبات میں بھی اس کی تردید کی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قاضی باجی کا یہ مقصد ہو کہ آپ ﷺ نے بطور معجزہ لکھا تھا (3)، نہ یہ کہ آپ اچھی طرح لکھنا جانتے تھے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے دجال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا، ایک اور روایت میں ہے کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 4 2۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 499 3۔ دیکھیے الروض الانف، جلد 2 صفحہ 230

''کافر'' لکھا ہوا ہوگا جسے ہر مومن پڑھ سکے گا(1)۔ یعنی اگرچہ کوئی مومن ان پڑھ ہو تو بھی وہ یہ پڑھ لے گا۔ بعض لوگ ایک روایت لائے ہیں کہ آپ ﷺ کا اس وقت تک انتقال نہ ہوا جب تک آپ نے لکھنا نہ سیکھ لیا۔ یہ روایت ضعیف ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تاکید بالائے تاکید لگاتے ہوئے پہلے ''من کتب'' اور پھر وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ کے الفاظ استعمال فرمائے۔ آیت کریمہ میں دائیں ہاتھ کے ساتھ لکھنے کی قید باعتبار عموم اور غالب کے ہے یعنی عموماً دائیں ہاتھ سے لکھا جاتا ہے جیسا کہ اس ارشاد وَلَا طٰٓىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ (الانعام:38) میں پروں کی قید لگائی گئی ہے حالانکہ ہر پرندہ پروں سے ہی اڑتا ہے۔ فرمایا: اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ یعنی اگر آپ لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تب تو یہ اہل باطل آپ کی نسبت شک کر سکتے تھے کہ آپ سابقہ آسمانی کتابوں سے پڑھ کر نقل کر لیتے ہیں لیکن تعجب ہے کہ یہ علم ہونے کے باوجود کہ آپ امی ہیں اور لکھ نہیں سکتے، وہ آپ پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کے افسانے ہیں جنہیں انہوں نے لکھوا لیا ہے اور یہ صبح و شام انہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ اس الزام کے جواب میں فرمایا: قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الفرقان:6) ''فرمایئے اس کو اس (خدا) نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو جانتا ہے''۔ اور یہاں فرمایا: بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ ۔ یعنی یہ قرآن کریم ایسی آیات پر مشتمل ہے جو واضح طور پر حق پر دلالت کرتی ہیں، علماء کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کا حفظ، تلاوت کرنا اور اس کی تفسیر آسان کر دی ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر:17) ''اور بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے آسان بنا دیا ہے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کو وہ چیز عطا کی گئی جس کے باعث لوگ اس پر ایمان لائے۔ مجھے جو چیز عطا کی گئی ہے وہ وحی خدا ہے، مجھے امید ہے کہ سب انبیاء سے زیادہ میرے تابعدار ہوں گے''(2)۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ حضور ﷺ سے فرماتا ہے: ''میں تمہیں آزمانے والا ہوں اور تمہاری وجہ سے لوگوں کو بھی آزماؤں گا اور تم پر ایسی کتاب نازل کروں گا جسے پانی نہ دھو سکے، تم سوتے جاگتے اس کی تلاوت کرو گے''(3)۔ مقصد یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کا لکھا ہوا حصہ دھل بھی جائے اور پانی سے اس کے حروف دھو بھی دیئے جائیں تو بھی یہ محفوظ ہے کیونکہ ایک اور حدیث میں ہے: ''اگر قرآن کسی چمڑے میں ہو تو آگ اسے نہیں جلا سکتی''(4)۔ قرآن کے محفوظ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سینوں میں محفوظ ہے، زبانوں پر آسان ہے، دلوں میں جاگزیں ہے اور لفظ و معنی کے اعتبار سے ایک عظیم معجزہ ہے، یہی وجہ ہے کہ سابقہ کتابوں میں اس امت کا ایک وصف یہ بھی مروی ہے کہ ان کی کتاب ان کے سینوں میں ہوگی۔ ابن جریر نے اس آیت بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ کا یہ معنی پسند کیا ہے: بلکہ اس چیز کا علم کہ آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ لکھتے تھے، یہ ایسی آیات بینات ہیں جو اہل کتاب کے علماء کے سینوں میں ہیں۔ یہ قول انہوں نے قتادہ اور ابن جریج سے نقل کیا ہے اور پہلا قول حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اور یہی قول عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ضحاک کا بھی یہی قول ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔ آخر میں فرمایا: وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ یعنی ہماری آیات کی تکذیب اور حق تلفی وہی ظالم کرتے ہیں جو حد سے تجاوز کرتے ہیں، تکبر کرتے ہیں اور جان بوجھ کر حق سے اعراض کرتے ہیں جیسے کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس:97-96) '' بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن جلد 13 صفحہ 91

2۔ صحیح بخاری جلد 9 صفحہ 113 صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 92

3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2197

4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 151-155

ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے اگر چہ ان کے پاس ساری نشانیاں آجائیں جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں''۔

وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَ لَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ كَفٰی بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ شَهِیْدًا ۚ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾

''اور انہوں نے کہا کہ کیوں نہ اتاری گئی ان پر نشانیاں ان کے رب کی طرف سے۔آپ فرمایئے نشانیاں تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اتاری ہے کتاب جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ہے مومنوں کے لئے۔آپ فرمایئے کافی ہے اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ۔وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں باطل پر اور انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا وہی لوگ گھاٹے میں ہیں''۔

مشرکین کی ہٹ دھرمی، سرکشی اور ضد کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے ایسی نشانیاں اور معجزات طلب کر رہے ہیں جن سے یہ ثابت ہو جائے کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں جس طرح حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کی فرمائش پر اونٹنی کا معجزہ دکھایا تھا۔اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو فرما رہا ہے کہ آپ انہیں کہہ دیں: اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی نشانیاں اور معجزات دکھانے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔اگر اس کے علم میں ہوتا کہ تم ان نشانیوں کو دیکھ کر ہدایت حاصل کرلو گے تو وہ ضرور تمہارا مطالبہ پورا فرما دیتا کیونکہ یہ اس کے لئے نہایت آسان ہے لیکن وہ بخوبی جانتا ہے کہ ایسے مطالبات سے تمہارا مقصد صرف ہٹ دھرمی، سرکشی اور آزمائش ہے، اس لئے وہ تمہاری فرمائش کو پورا نہیں کرے گا جیسا کہ فرمایا: وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَ اٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا (بنی اسرائیل:59) ''اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں نشانیاں مگر اس بات نے کہ پہلوں نے انہیں جھٹلایا تھا اور ہم نے دی تھی قوم ثمود کو ایک اونٹنی جو روشن نشانی تھی پس انہوں نے اس پر زیادتی کی'' فرمایا: وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ یعنی مجھے مبعوث کرنے کا مقصد یہ ہے کہ میں تمہیں صاف صاف ڈراؤں، اس لئے میری ذمہ داری یہی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغام کو تم تک پہنچا دوں۔باقی رہا ہدایت اور گمراہی کا معاملہ تو یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔جسے وہ ہدایت سے نوازے، وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ایک اور جگہ فرمایا: لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (البقرۃ:272) ''انہیں سیدھی راہ پر چلانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہاں اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے''۔پھر اللہ تعالیٰ ان کی جہالت، کم عقلی اور بے وقوفی کو بیان کر رہا ہے کہ یہ ایسی نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں جو نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کی صداقت پر ان کی رہنمائی کریں حالانکہ ان کے پاس ایسی کتاب عزیز آچکی ہے جس کی طرف باطل کسی جانب سے بھی راہ نہیں پاسکتا۔یہ سب سے بڑا معجزہ ہے جس نے بڑے بڑے فصیح و بلیغ اہل زبان کو اس جیسا کلام لانے سے عاجز کر دیا۔پورے قرآن کی نظیر لانا تو بہت دور کی بات ہے، وہ اس کی مثل دس سورتیں بلکہ اس جیسی ایک سورت بھی نہ لا سکے۔فرمایا: اَوَ لَمْ یَكْفِهِمْ یعنی کیا انہیں یہی نشانی اور معجزہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ عظیم کتاب نازل کی ہے جس میں

ماضی کی خبریں، مستقبل کی پیشین گوئیاں اور جھگڑوں کے فیصلے ہیں حالانکہ آپ امی ہیں نہ لکھتے ہیں، نہ پڑھتے ہیں اور نہ ہی کبھی کسی اہل علم کی صحبت اختیار کی ہے۔ اس کے باوجود آپ ان لوگوں کے سامنے سابقہ کتابوں کی وہ خبریں بیان کرتے ہیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور آپ ان کے سامنے حق کو بالکل واضح کر دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى (طٰہٰ: 133) ''کیا ان کے پاس واضح بیان نہیں آ گیا جو پہلی نازل شدہ کتابوں میں ہے''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کو ایسی نشانیاں عطا کی گئیں جن کے باعث لوگ اس نبی پر ایمان لائے۔ مجھے جو عطا کیا گیا ہے وہ وحی خدا ہے، مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے تابعدار ہوں گے''(1)۔ فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ یعنی اس قرآن کریم میں اہل ایمان کے لئے رحمت، حق کا بیان، باطل کا ازالہ اور گنہگاروں کے عبرتناک عذاب کے ذکر سے نصیحت ہے۔ پھر فرمایا: قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے جس جھوٹ میں تم ملوث ہو اور اسے میری صداقت کا بھی خوب علم ہے۔ اگر میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتا تو وہ ضرور مجھ سے انتقام لیتا جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ (الحاقۃ: 47-44) ''اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے پھر اس کی رگ دل کاٹ دیتے پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ ہوتا''۔ میں اپنے پیغام میں بالکل سچا ہوں، اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے واضح معجزات اور قطعی دلائل کے ساتھ میری تائید فرمائی ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔ باطل پر ایمان رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والے قیامت کے دن گھاٹے میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی بداعمالیوں، انکار حق، اتباع باطل، تکذیب رسول اور اطاعت غیر اللہ کی پوری پوری سزا دے گا۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاۗءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

''وہ آپ سے جلدی عذاب نازل ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو آ جاتا ان پر عذاب۔ اور (اپنے وقت پر) وہ ان پر اچانک آئے گا اور انہیں ہوش تک نہ ہوگا۔ وہ آپ سے جلدی عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ (ذرا سی دیر ہے) جہنم یقیناً گھیرے گا ان کافروں کو۔ جس دن ڈھانپ لے گا انہیں عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا لو اب چکھو اپنے کرتوتوں کا مزہ''۔

مشرکین اپنی جہالت کے باعث جلد عذاب کے وقوع کا مطالبہ کرتے جیسا کہ وہ دعا کرتے تھے: وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (الانفال: 32) ''اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے سچ ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر دردناک عذاب لے آ''۔ ان کے اس مطالبہ کے جواب میں فرمایا: وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت تک عذاب کو موخر نہ کر دیا ہوتا تو ان کے مطالبہ پر فوراً عذاب آ جاتا۔ پھر فرمایا: وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً۔ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنم یہی بحر اخضر ہے۔ ستارے گر کر اس میں بکھر جائیں گے

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 451,341

اور سورج اور چاند کو لپیٹ کر اور بے نور کر کے اسی میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر اسے بھڑکایا جائے گا تو یہ جہنم بن جائے گا (1)۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "سمندر ہی جہنم ہے" (2)۔ راوی حدیث حضرت یعلی سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا (الکہف: 29) "انہیں اس آگ کی دیوار نے گھیر لیا ہے"۔ پھر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں یعلی کی جان ہے! میں اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاؤں اور مجھے اس کا ایک قطرہ بھی نہیں پہنچے گا یہاں تک کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاؤں۔ یہ تفسیر بھی بہت غریب ہے اور حدیث بھی۔ پھر فرمایا: يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ... اسی طرح دیگر مقامات پر فرمایا: لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ (الاعراف: 41) "ان کے لئے دوزخ کا ہی بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا"۔ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ (الانبیاء: 39) "کاش کفار جانتے جب وہ نہ روک سکیں گے اپنے چہروں سے آگ کو اور نہ اپنی پشتوں سے"۔ آگ انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوگی۔ یہ تو ہے حسی اور جسمانی عذاب۔ پھر انہیں سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے کہا جائے گا: ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ یہ سرزنش اور زجر و توبیخ روحانی اور معنوی عذاب ہے جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (القمر: 48-49) "اس روز انہیں آگ میں منہ کے بل گھسیٹا جائے گا (کہا جائے گا) چکھو اب آگ میں جلنے کا مزہ۔ ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے"۔ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا - اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الطور: 13-16)۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَ اِيَّاكُمْ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

"اے میرے بندو! جو ایمان لے آئے ہو میری زمین بڑی کشادہ ہے سو تم میری ہی عبادت کیا کرو۔ ہر ایک موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ پھر ہماری طرف ہی تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے انہیں ہم ٹھہرائیں گے جنت کے بالا خانوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کتنا عمدہ صلہ ہے نیک کام کرنے والوں کا۔ وہ جنہوں نے (ہر حال میں) صبر کیا اور صرف اپنے رب پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ اور کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں جو اٹھائے نہیں پھرتے اپنا رزق۔ اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے انہیں بھی اور تمہیں بھی اور وہ سب باتیں سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

یہاں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ہجرت کا حکم دے رہا ہے کہ جہاں وہ دین کو قائم رکھنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں، وہاں سے اس جگہ منتقل ہو جائیں جہاں ان کے لئے دین پر کاربند رہنا اور خدائے واحد کی عبادت کرنا ممکن ہو، اس لئے فرمایا: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 473 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 223

آمنوا مِنِ ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "تمام شہر اللہ کے شہر ہیں اور تمام بندے اللہ کے بندے ہیں پس جہاں تمہیں بھلائی ملے وہیں قیام کر لو" (1)۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرام پر مکہ کی سرزمین تنگ ہوگئی اور وہاں قیام کرنا مشکل ہوگیا تو انہوں نے اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی خاطر حبشہ کی طرف ہجرت کر لی۔ وہاں انہیں شاہ حبشہ اصحمہ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں بہترین میزبان مل گیا۔ نجاشی نے ان مہاجرین کی بھرپور تائید و نصرت کی اور ہر قسم کی سہولیات بہم پہنچائیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور باقی صحابہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر فرمایا: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۔ یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو، موت تمہیں ضرور آ لے گی، اس لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو۔ اس کا ہر حکم تمہارے لئے بہتر ہے اور موت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ پھر سب کو لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہے۔ جو شخص اس کی اطاعت کرتا رہا، اسے وہ بہترین اور کامل اجر و ثواب سے نوازے گا، اسی لئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔ یعنی ہم ان نیکوکار اہل ایمان کو جنت کے ایسے بالا خانوں میں ٹھہرائیں گے جن کے نیچے پانی، شراب، شہد اور دودھ کی نہریں رواں ہوں گی اور جنتی جہاں چاہیں گے وہاں ہی یہ نہریں بہیں گی۔ یہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کا انہیں خیال تک بھی نہ آئے گا۔ یہ بالا خانے ان اہل ایمان کے اعمال کا بہترین صلہ ہے جو اپنے دین پر سختی سے ڈٹے رہے، اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کی، دشمنوں کی مخالفت کی اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور حصول ثواب کی خاطر اپنے اہل و عیال اور اقرباء سے جدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے دکھائی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے لئے تیار کیا ہے جو کھانا کھلائیں، پاکیزہ گفتگو کریں، پابندی سے لگاتار نماز پڑھیں اور روزے رکھیں اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھیں جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں (2)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ یعنی وہ اپنے تمام دینی اور دنیوی امور میں صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بات پر آگاہ فرما رہا ہے کہ رزق کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا رزق تمام مخلوق کے لئے عام ہے۔ جہاں کوئی ہو اس کا رزق وہاں پہنچ جاتا ہے۔ مہاجرین کو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہجرت گاہ میں، بہت زیادہ فراخ اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا اور وہ قلیل عرصہ میں دنیا کے ایک وسیع و عریض خطہ کے حکمران بن گئے، اس لئے فرمایا: وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ ۔ یعنی بہت سے جانور ایسے ہیں جو نہ رزق حاصل کر سکتے ہیں، نہ جمع کر سکتے ہیں اور نہ ہی کل کے لئے بچا کر رکھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو انہیں بھی رزق پہنچاتا ہے اور تمہیں بھی۔ ہر ایک کے لئے اس نے رزق کا حصول آسان بنا دیا ہے اور ہر مخلوق کو اس کے حال کے مطابق روزی عطا کرتا ہے یہاں تک کہ چیونٹیوں کو زمین کے اندر، پرندوں کو خلا میں اور مچھلیوں کو پانی میں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (ہود: 6) "اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے، وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں ہے"۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلا۔ آپ مدینہ کے ایک باغ میں داخل ہوئے اور گری ہوئی کھجوریں اٹھا کر کھانے لگے۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ تم کیوں نہیں کھاتے؟ میں نے عرض کی کہ مجھے خواہش نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو خواہش ہے کیونکہ یہ چوتھے دن کی صبح ہے کہ میں نے کھانا چکھا تک نہیں اور نہ ہی مجھے کھانا ملا ہے۔ اگر میں چاہتا تو اپنے رب سے دعا کرتا اور وہ مجھے قیصر و کسریٰ جیسی بادشاہت عطا کر دیتا۔ اے ابن عمر! اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب تو ایسے لوگوں میں ہوگا جو یقین کی کمزوری کے باعث سال بھر کا غلہ ذخیرہ کر لیا کریں گے۔ اسی اثناء میں یہ آیت وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ ... نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ تو دنیا جمع کرنے کا

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 166
2۔ تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 7 صفحہ 231

حکم دیا ہے اور نہ شہوات کی پیروی کرنے کا۔ جو شخص باقی ماندہ زندگی کے لئے دنیا ذخیرہ کرتا ہے، وہ جان لے کہ زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ سنو، میں نہ دینار جمع کرتا ہوں اور نہ درہم اور نہ ہی کل کے لئے رزق بچا کر رکھتا ہوں" (1)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا راوی ابو العطوف الجزری ضعیف ہے۔ کہتے ہیں کہ جب کوے کے بچے نکلتے ہیں تو ان کے بال و پر سفید ہوتے ہیں۔ اس حالت میں دیکھ کر ان کے والدین ان سے نفرت کرتے ہوئے بھاگ جاتے ہیں۔ چند دنوں کے بعد ان کے پر سیاہ ہو جاتے ہیں تو یہ اپنا منہ کھولے اپنے والدین کو تلاش کرتے ہیں۔ ان ابتدائی دنوں میں جبکہ ان کے والدین انہیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی طرف مچھر اور اس جیسے چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے بھیجتا ہے جو ان کی غذا بن جاتے ہیں، پھر جب ان کے بال و پر سیاہ ہو جاتے ہیں تو ان کے والدین ان کے پاس واپس آ جاتے ہیں، ان کی نگہداشت کرتے ہیں اور غذا فراہم کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "سفر کرو صحت مند رہو گے اور رزق پاؤ گے"۔ ایک اور روایت میں ہے: "سفر کرو، صحت اور غنیمت پاؤ گے" (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سفر کرو نفع پاؤ گے، روزے رکھو صحت مند رہو گے اور جہاد کرو غنیمت حاصل ہو گی" (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ قسمت والوں اور خوشحال لوگوں کے ساتھ سفر کرو۔ آخر میں فرمایا: وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ یعنی وہ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا اور ان کی حرکات و سکنات کو خوب جاننے والا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٣﴾

"اور (اے حبیب!) اگر آپ پوچھیں ان (مشرکوں) سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور کس نے فرمانبردار بنایا ہے سورج اور چاند کو تو وہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے پھر وہ کہاں (توحید سے) پھیرے جاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کرتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اور اگر آپ پوچھیں ان سے کہ کس نے اتارا آسمان سے پانی، پھر زندہ کر دیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے بنجر بن جانے کے بعد تو ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔ آپ فرمایئے الحمد للہ (حق واضح ہو گیا) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں"۔

اللہ تعالیٰ ثابت کر رہا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں کیونکہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کی عبادت کرنے کے باوجود یہ اعتراف کیا کرتے تھے کہ زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا، سورج چاند اور دن رات کو مسخر کرنے والا، ہر چیز کا خالق اور رازق اور موت و حیات پر قادر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی نے کسی کو غنی بنا دیا ہے اور کسی کو فقیر، کسی کو کم رزق دیا ہے اور کسی کو زیادہ۔ وہ ہر ایک کی مصلحت سے خوب واقف ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کون غنا کا مستحق ہے اور کون فقر کا اور اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کی تخلیق و تدبیر میں منفرد ہے۔ جب یہ حقائق واضح ہیں تو یہ مشرکین کیوں غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور کیوں غیر اللہ پر توکل کرتے ہیں؟ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 475
2۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 102
3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 380

منفرد اور واحد ہے اسی طرح عبادت میں بھی وہ منفرد اور واحد ہے۔ قرآن کریم میں اکثر توحید ربوبیت کے اعتراف کے ساتھ مقام الوہیت کا ذکر آتا ہے۔ مشرکین توحید ربوبیت کے معترف تھے جیسا کہ وہ اپنے تلبیہ میں کہا کرتے تھے: ''لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ إِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ'' یعنی اے اللہ! ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں بجز اس کے کہ جسے تو نے اپنا شریک بنایا، تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کی ملک کا بھی۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۗ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا
يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ
اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

''اور نہیں یہ دنیوی زندگی مگر لہو ولعب۔ اور دار آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے (جسے موت نہیں) کاش! وہ (اس حقیقت کو) جانتے۔ پھر جب سوار ہوتے ہیں کشتی میں تو دعا مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ سے خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اپنے دین کو۔ پھر جب وہ سلامتی سے پہنچاتا ہے انہیں خشکی پر تو اس وقت وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔ وہ ناشکری کر لیں جو نعمت ہم نے انہیں دی ہے اور لطف اٹھالیں (اس سے) وہ عنقریب جان لیں گے (حقیقت کو)''۔

دنیا کی حقارت، بے ثباتی، ناپائیداری اور اس کے زوال وفنا کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ دنیا تو محض لہو ولعب ہے اور آخرت کی زندگی کو ہی بقاء، دوام اور ثبات حاصل ہے۔ اگر لوگ اس حقیقت کو جان لیں تو فانی کو باقی پر ترجیح نہ دیں۔ اس کے بعد مشرکین کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ اضطرار اور بے بسی کے وقت ہی صرف اللہ وحدہ لاشریک کو پکارتے ہیں۔ بھلا وہ ہمیشہ ایسا کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا: فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ۔ اسی طرح فرمایا: وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ (بنی اسرائیل: 67)'' اور جب سمندر میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو وہ (معبود) گم ہو جاتے ہیں جن کو تم پکارا کرتے ہو بجز اللہ تعالیٰ کے۔ پس جب وہ تمہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے تو تم روگردانی کرنے لگتے ہو'' اور یہاں فرمایا: فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ۔ فتح مکہ کے موقع پر عکرمہ بن ابی جہل مکہ سے بھاگ نکلا۔ جب وہ حبشہ جانے کے لئے کشتی پر سوار ہوا تو طوفان آ گیا اور کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ کشتی کے سوار کہنے لگے کہ خلوص کے ساتھ اپنے رب حقیقی سے دعا کرو کیونکہ اس وقت اس کے سوا کوئی اور نجات نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر عکرمہ نے کہا کہ اگر سمندر میں اس کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا تو خشکی پر بھی اس کے سوا کوئی نجات دہندہ نہیں۔ اے اللہ! میں عہد کرتا ہوں کہ اگر میں یہاں سے صحیح وسالم نکل آیا تو سیدھا محمد (ﷺ) کے پاس جاؤں گا اور ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں گا اور میں انہیں یقیناً رؤف رحیم پاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا(1)۔ اکثر مفسرین اور علماء اصول کا کہنا ہے کہ ''لِيَكْفُرُوْا'' اور ''لِيَتَمَتَّعُوْا'' میں لام، لام عاقبت ہے کیونکہ ان کا قصد یہ نہیں ہوتا لیکن ان کے حال کو دیکھتے ہوئے معاملہ ایسا ہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو دیکھیں تو یہ لام تعلیل ہے۔ اس کی وضاحت ہم اس فرمان لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (القصص: 8) کے تحت کر چکے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ
بِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5 صفحہ 50، 59-60، البدایۃ والنہایۃ از ابن کثیر، جلد 4 صفحہ 297

جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

"کیا انہوں نے (غور سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے بنا دیا ہے حرم کو امن والا حالانکہ اچک لیا جاتا ہے لوگوں کو ان کے آس پاس سے۔ کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔ اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگایا یا حق کو جھٹلایا جب وہ اس کے پاس آیا۔ کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ کفار کے لئے اور جو (بلند ہمت) مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کے لئے ہم ضرور دکھا دیں گے انہیں اپنے راستے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ہر وقت) محسنین کے ساتھ ہے"۔

اللہ تعالیٰ قریش کو اپنا احسان یاد دلا رہا ہے کہ اس نے انہیں اپنے امن والے حرم میں بسایا۔ جو شخص بھی اس میں داخل ہو جائے، اسے امن حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ اس کے اردگرد لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم رہتا ہے جیسا کہ سورۂ قریش میں فرمایا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی اس نعمت عظمیٰ پر کیا ان کا شکر یہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہراتے ہیں اور بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو کفر میں بدل دیا۔ خود بھی برباد ہوئے اور اپنی قوم کو بھی ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے اور اس کے رسول کی تصدیق و تعظیم کرتے لیکن الٹا انہوں نے شرک کا ارتکاب کیا، اللہ کے رسول ﷺ کو جھٹلایا، انہیں تکلیفیں پہنچائیں اور ظلم و طغیان کی حد کرتے ہوئے انہیں مکہ سے ہجرت کر جانے پر مجبور کر دیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی نعمتیں سلب کر لیں، غزوۂ بدر میں ان کے بہت سے لوگ قتل ہوئے، حق کو غلبہ حاصل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مکہ پر فتح عطا کر کے مشرکین کو سرنگوں اور ذلیل و رسوا کر دیا۔ پھر فرمایا: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى...... یعنی اس شخص سے بڑھ کر کوئی سزا کا مستحق نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی حالانکہ اس کی طرف وحی آئی ہی نہیں اور جو یہ کہتا ہے کہ میں بھی اس جیسا کلام نازل کر سکتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔ اسی طرح اس شخص سے بڑھ کر بھی کوئی عقوبت کا سزاوار نہیں جو حق آ جانے کے بعد حق کو جھٹلاتا ہے۔ پہلا افتراپرداز اور دوسرا جھٹلانے والا، اس لئے فرمایا: اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ۔ آخری آیت میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا اس سے مراد رسول اللہ ﷺ، آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور قیامت تک آنے والے آپ ﷺ کے پیروکار ہیں۔ ابو احمد عباس ہمدانی کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان امور میں بھی ان کی رہنمائی فرماتا ہے جن کا انہیں علم نہیں ہوتا۔ ابو سلیمان دارانی سے جب یہ ذکر کیا گیا تو انہیں یہ بات بہت پسند آئی، فرمانے لگے کہ اگر کسی کے دل میں کوئی بات جنم لے اگرچہ وہ اچھی ہو، پھر بھی اسے اس پر اس وقت تک عمل پیرا نہیں ہونا چاہئے جب تک قرآن و حدیث سے اس کی تصدیق نہ ہو جائے۔ جب قرآن و حدیث سے ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرے کہ اس کے دل میں جنم لینے والی بات کو قرآن و حدیث کی موافقت حاصل ہوگئی۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: احسان یہ ہے کہ تو اپنے ساتھ بدسلوکی کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ احسان اس چیز کا نام نہیں کہ تو اس کے ساتھ حسن سلوک کرے جو تیرے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے۔

سورۂ روم (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾

الف-لام-میم، ہرا دیے گئے رومی پاس کی زمین میں اور وہ ہار جانے کے بعد ضرور غالب آ ئیں گے۔ چند برس کے اندر اللہ ہی کا حکم ہے پہلے بھی اور بعد بھی۔ اور اس روز خوش ہوں گے اہل ایمان۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے۔ وہ مدد فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے، اور وہی سب پر غالب ہے ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ وہ جانتے ہیں دنیوی زندگی کے ظاہری پہلو کو۔ اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں''۔

یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب شاہ ایران شاپور نے شام، جزیرہ اور روم کے کچھ دیگر علاقوں پر قبضہ کر لیا اور شاہ روم ہرقل لاچار اور بے بس ہو کر قسطنطنیہ میں محصور ہو گیا، یہ محاصرہ ایک طویل عرصہ جاری رہا، بالآخر حالات نے اپنا رخ بدلا اور ہرقل کو فتح ہو گئی۔ اس کی تفصیلات عنقریب بیان ہوں گی۔ اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رومیوں کو پے در پے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اہل فارس چونکہ مشرک تھے، اس لئے طبعی طور پر مشرکین مکہ کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں اور وہ چاہتے تھے کہ ان کے مشرک ایرانی بھائی رومیوں پر غالب آ جائیں جبکہ اہل کتاب ہونے کے ناطے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ رومیوں کو فتح نصیب ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب اس بات کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ''سنو، رومی عنقریب غالب آ ئیں گے''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پیشین گوئی کا ذکر مشرکین سے کیا تو وہ کہنے لگے کہ آؤ شرط بدلو اور مدت مقرر کر لو۔ اگر اس مدت میں ایرانی غالب آ گئے تو تمہیں اتنا اتنا ہمیں دینا ہو گا اور اگر اس دوران رومی غالب آ گئے تو ہم تمہیں اتنا اتنا دیں گے۔ چنانچہ پانچ سال کی مدت طے ہوئی لیکن رومی فتح یاب نہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے جب اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے دس سال کی مدت کیوں مقرر نہ کی''۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ لفظ بضع کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے۔ بعد ازاں دس سال کے عرصہ میں رومی غالب آ گئے (1)۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن ہی

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ روم، جلد 12 صفحہ 68-69، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 304،276

رومیوں کو ایرانیوں پر فتح حاصل ہوئی (1)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں گزر چکی ہیں: دخان (دھواں)، لزام (جنگ بدر یا قحط)، بطشہ (جنگ بدر)، شق قمر اور غلبۂ روم (2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایرانی رومیوں پر غالب آ گئے۔ مشرکین کی یہ آرزو تھی کہ ان کے ہم عقیدہ مشرک ایرانی رومیوں پر غالب رہیں۔ اور مسلمانوں کی خواہش تھی کہ ان کے ہم مسلک اہل کتاب رومیوں کو ایرانیوں پر فتح حاصل ہو۔ جب مذکورہ بالا آیتیں اتریں تو مشرکین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ تمہارے صاحب کا کہنا ہے کہ چند سالوں میں رومی ایرانیوں پر فتح پالیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضور ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا آؤ شرط بدلیں۔ چنانچہ چار جوان اونٹنیوں کی شرط پر سات سال کی مدت مقرر ہوئی۔ سات سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود رومیوں کو فتح نہ ہوئی۔ اس پر مشرکین خوشیوں کے شادیانے بجانے لگے اور مسلمان بہت رنجیدہ خاطر ہوئے۔ جب نبی کریم ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کے ہاں بضع کا اطلاق کتنے پر ہوتا ہے؟ عرض کی کہ دس سے کم پر، تو آپ نے فرمایا: ''جاؤ، شرط میں بھی اضافہ کر دو اور مدت میں بھی دو سال کی توسیع کر دو''۔ چنانچہ اس مدت کے گزرنے سے پہلے پہلے رومی اہل فارس پر غالب آ گئے اور مسلمانوں کو اس پر بہت مسرت ہوئی۔ ان آیت میں اسی چیز کا بیان ہے (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو مشرکین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ تمہارے نبی (ﷺ) کے اس دعویٰ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے کہ اہل روم کو اہل فارس پر فتح حاصل ہوگی؟ آپ نے جواب دیا کہ میرے آقا نے سچ فرمایا ہے۔ چنانچہ شرط اور مدت طے ہوگئی۔ مدت گزر جانے کے باوجود رومی فتحیاب نہ ہوئے۔ جب حضور ﷺ کو اس چیز کا علم ہوا تو آپ بڑے آزردہ ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم نے ایسا کیوں کیا؟'' عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کی خاطر۔ فرمایا: ''ان کے پاس جاؤ، شرط میں بھی اضافہ کر دو اور مدت بھی دس سال مقرر کر لو''۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ مشرکین کے پاس گئے تو انہوں نے شرط میں زیادتی اور مدت میں توسیع کے مطالبہ کو منظور کر لیا۔ ابھی طے شدہ مدت گزری بھی نہ تھی کہ رومی فارسیوں پر غالب آ گئے، ان کا لشکر پایۂ تخت مدائن میں پہنچ گیا اور انہوں نے رومیہ کی بنا ڈالی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس شرط کا مال لے کر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے صدقہ کر دو'' (4)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں اس وقت ایرانی رومیوں پر غالب تھے۔ اہل کتاب ہونے کے باعث مسلمانوں کی دلچسپی رومیوں کی فتح کے ساتھ تھی لیکن مشرکین کی ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں کیونکہ وہ ان کی طرح نہ اہل کتاب تھے اور نہ قیامت پر یقین رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مکہ کے گلی کوچوں اور اس کے گردونواح میں علی الاعلان یہ آیات پڑھ کر لوگوں کو سنائیں۔ کفار کے ساتھ آپ کی شرط بدگئی۔ یہ واقعہ شرط کی حرمت سے پہلے کا ہے۔ چنانچہ چھ سال مدت مقرر ہوئی۔ اس روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ اس پیشین گوئی کے پورا ہونے پر بہت سے لوگ اسلام لے آئے (5)۔ امام سعید بن داؤد نے اپنی تفسیر میں ایک عجیب وغریب روایت بیان کی ہے کہ ایران میں ایک عورت تھی جس کے بیٹے بڑے جوانمرد، بہادر اور حکمران ہوتے تھے۔ کسریٰ نے اسے اپنے پاس بلایا اور رومیوں پر لشکر کشی کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے اس سے کہا کہ میں تمہارے بیٹوں میں سے کسی کو اس لشکر کا قائد بنانا چاہتا ہوں، اس لئے مجھے مشورہ دو کہ کون اس مہم کے لئے موزوں ہے؟ اس نے کہا کہ میرا فلاں بیٹا لومڑی سے زیادہ مکار اور شکرے

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 16-17
2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ دخان، جلد 6 صفحہ 164، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2157
3۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 20
4۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 497
5۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ روم، جلد 12 صفحہ 69-72

سے زیادہ ہوشیار ہے۔ میرا دوسرا بیٹا فرخان تیر سے زیادہ کارگر ہے اور تیسرا بیٹا شہریار سب سے زیادہ حلیم الطبع ہے۔ اب آپ کی مرضی ہے جسے چاہیں قائد مقرر کر دیں۔ غور و فکر کے بعد بادشاہ نے شہریار کو قائد لشکر مقرر کر دیا۔ یہ لشکر لے کر رومیوں کی طرف بڑھا، ان پر فتح پائی، قتل و غارت کا بازار گرم کیا، شہروں کو برباد کر دیا اور زیتون کے باغات کاٹ کر رکھ دیے۔ عطاء خراسانی نے ابوبکر بن عبداللہ سے پوچھا کہ کیا تم نے بلادِ شام کو دیکھا ہے؟ جواب دیا: نہیں۔ فرمانے لگے کہ اگر تم وہاں جاؤ تو اس تباہی و بربادی کے آثار تمہیں وہاں نظر آئیں گے۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ میں شام گیا تو واقعی ایسا ہی دیکھا۔ یحییٰ بن شمر بیان کرتے ہیں کہ قیصر نے قطمہ کی قیادت میں اور کسریٰ نے شہریزار کی قیادت میں لشکر بھیجے۔ اذرعات اور بصریٰ کے درمیان دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ اس خونریز معرکہ میں اہلِ فارس رومیوں پر غالب آ گئے۔ اس پر کفارِ قریش بڑے خوش ہوئے اور مسلمان رنجیدہ ہوئے۔ مشرکین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طعنہ دیتے ہوئے کہنے لگے کہ تم اور نصاریٰ اہلِ کتاب ہو جبکہ ہم اور اہلِ فارس ان پڑھ ہیں۔ ہمارے فارسی بھائی تمہارے اہلِ کتاب بھائیوں پر غالب آ گئے ہیں۔ اگر ہمارے ساتھ تمہاری جنگ ہوئی تو ہم بھی اسی طرح ضرور تم پر فتح پائیں گے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کفار کے پاس گئے اور انہیں کہنے لگے کہ اس فتح پر اترانے اور خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ عنقریب پانسہ پلٹے گا اور رومی ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے۔ یہ بات ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے بتائی ہے۔ یہ سن کر ابی بن خلف اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے ابوفضیل! تم جھوٹ کہتے ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے دشمنِ خدا! تم جھوٹے ہو۔ اس نے کہا آؤ دس جوان اونٹنیوں کی شرط بد لیتے ہیں۔ اگر تین سال تک رومی غالب آ گئے تو میں تمہیں دس اونٹنیاں دوں گا۔ بصورت دیگر تم مجھے دس اونٹنیاں دینا۔ شرط طے ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورتحال سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے اس طرح تو نہیں کہا تھا۔ بضع کا اطلاق تین سے نو پر ہوتا ہے۔ جاؤ شرط میں بھی زیادتی کر دو اور مدت میں بھی توسیع کرو“۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ابی کے پاس گئے تو وہ آپ سے کہنے لگا کہ شاید تمہیں ندامت ہوئی ہے؟! آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ میں تو شرط میں اضافہ اور مدت میں توسیع کے لئے آیا ہوں۔ اونٹنیاں سو کر لیں اور مدت نو سال۔ اس نے یہ مطالبہ منظور کر لیا۔ نو سال کی مدت گزرنے سے پہلے پہلے رومی ایرانیوں پر اور مسلمان مشرکین پر غالب آ گئے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ جب فارسی رومیوں پر غالب آ گئے تو شہریزار کا بھائی فرخان شراب کے نشہ میں دھت اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کسریٰ کے تخت پر متمکن ہوں۔ جب یہ بات کسریٰ تک پہنچی تو اس نے شہریزار کو لکھا کہ جب تمہیں میرا یہ خط موصول ہو تو اسی وقت فرخان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دینا۔ شہریزار نے بادشاہ کو لکھا کہ اس قدر عجلت سے کام نہ لیں۔ فرخان کو دشمن پر رعب، دبدبہ اور غلبہ حاصل ہے، اس جیسا شخص آپ کو نہیں ملے گا۔ اس لئے اسے قتل نہ کروائیں۔ بادشاہ نے اسے لکھا کہ میری سلطنت میں اس جیسے کثیر جوانمرد موجود ہیں، اس لئے جلد از جلد اس کا سر میرے پاس بھیجو۔ شہریزار نے پھر وہی جواب دیا۔ اس پر کسریٰ بہت خشمناک ہوا۔ اس نے اعلان کروا دیا کہ میں نے شہریزار کو معزول کر کے فرخان کو قائد لشکر بنا دیا ہے اور اس کی معزولی کا فرمان لکھوا کر اس کی طرف بھیج دیا۔ اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے ایک پوشیدہ خط قاصد کے حوالہ کیا اور تاکید کی کہ جب فرخان قیادت سنبھال لے اور اس کا بھائی اس کی اطاعت قبول کر لے تو اس وقت یہ خط اسے دینا۔ شہریزار نے اپنی معزولی کا فرمان پڑھتے ہی کہا کہ میں اپنے بادشاہ کے حکم کو تسلیم کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ تخت سے اتر گیا اور اس کے بھائی فرخان نے تخت سنبھال لیا۔ جب فرخان اچھی طرح اقتدار پر قابض ہو گیا تو بادشاہ کا پوشیدہ خط اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے خط پڑھتے ہی شہریزار کو پیش کرنے اور اسے قتل کرنے کا فرمان

جاری کر دیا۔ شہر یزار نے وصیت تحریر کرنے کے لئے مہلت مانگی جو اسے دے دی گئی۔ شہر یزار نے اپنا دفتر منگوایا اور فرخان کے قتل کے متعلقہ تمام کاغذات اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ یہ دیکھو تمہارے قتل کے بارے میں میرے اور بادشاہ کے درمیان اتنی خط و کتابت ہوئی، پھر بھی میں نے عجلت سے کام نہیں لیا اور تم صرف ایک خط کے باعث میرے قتل کے درپے ہو گئے۔ ان خطوط کو دیکھ کر فرخان کی آنکھیں کھل گئیں اور اس نے اقتدار فوراً اپنے بھائی شہر یزار کے سپرد کر دیا۔ اب شہر یزار نے قیصر شاہ روم کو لکھا کہ میں آپ سے ایک اہم امر کے سلسلہ میں خفیہ ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنی بات آپ تک نہ قاصد کے ذریعے پہنچا سکتا ہوں اور نہ ہی خط میں تحریر کر سکتا ہوں۔ پچاس آدمی آپ کے ساتھ ہوں گے اور پچاس ہی میرے ساتھ۔ قیصر ملاقات کے لئے نکلا تو اس نے احتیاطاً پانچ سو رومیوں کا دستہ اپنے ساتھ لے لیا اور کسی سازش کے خدشہ کے پیش نظر کچھ جاسوس آگے بھیج دیئے۔ جاسوسوں نے واپس آ کر اطلاع دی کہ خطرے کی کوئی بات نہیں اور شہر یزار کے ساتھ پچاس آدمی ہی ہیں۔ دونوں کی ملاقات کے لئے ایک ریشمی خیمہ نصب کیا گیا۔ وہاں دونوں کی ملاقات ہوئی، چھریوں کے سوا کوئی ہتھیار کسی کے پاس نہ تھا اور دونوں کی طرف سے ایک ایک ترجمان کے علاوہ کوئی اور شخص نہ تھا۔ شہر یزار نے قیصر کو بتایا کہ میں اور میرا بھائی ہم دونوں نے اپنی تدبیر اور شجاعت کے سبب تمہارے ملک کو برباد کیا ہے لیکن کسریٰ حسد کا شکار ہو گیا۔ پہلے اس نے میرے ہاتھوں میرے بھائی کو قتل کروانا چاہا لیکن جب میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو وہ میرے بھائی کو میرے قتل پر اکسانے لگا۔ ہم نے اس کی اطاعت کا جوا اتار پھینکا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم آپ کے ساتھ مل کر کسریٰ کے خلاف نبرد آزما ہوں گے۔ قیصر نے کہا کہ تم دونوں بھائیوں نے بہت درست فیصلہ کیا ہے۔ پھر دونوں نے اشارے کنائے میں ایک دوسرے کو سمجھایا کہ راز وہی ہے جو دو کے درمیان محدود رہے، اگر ان سے تجاوز کر جائے تو وہ لوگوں پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ دونوں ترجمان قتل کر دیئے جائیں۔ چنانچہ دونوں نے اپنی چھریوں کے ساتھ دونوں ترجمان ڈھیر کر دیئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو ہلاک کر دیا اور حدیبیہ والے دن جب یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت خوش ہوئے(1)۔ اب ہم ان آیات کریمہ کے الفاظ پر گفتگو کرتے ہیں۔

فرمایا: الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ سورتوں کے اوائل میں آنے والے حروف مقطعات کی بحث سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ رومی بنی اسرائیل کے چچازاد بھائی ہیں اور عیص بن اسحاق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ انہیں بنو اصفر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اہل یونان کے دین پر کاربند تھے۔ یونانی ترکوں کے چچازاد بھائی اور یافث بن نوح کی نسل سے ہیں یہ ستارہ پرست تھے۔ سات ستاروں کی پرستش کرتے تھے جنہیں متحیرہ کہا جاتا ہے۔ یہ قطب شمالی کو قبلہ مانتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دمشق کی بنیاد رکھی اور وہاں اپنی عبادت گاہ تعمیر کی جس کے محراب شمال کی طرف ہیں۔ رومی حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت کے بعد بھی تین سو سال تک اپنے دین پر جمے رہے۔ ان میں سے جو شام اور جزیرے کا حکمران بن جاتا، اسے قیصر کہا جاتا تھا۔ شاہان روم میں سے سب سے پہلے قسطنطین بن قسطنطین نے نصرانی دین قبول کیا۔ اس کی ماں مریم، ہیلانیہ غندقانیہ حران کی رہنے والی تھی۔ وہ پہلے ہی نصرانیت قبول کر چکی تھی۔ اس کی دعوت پر اس کے بیٹے نے بھی نصرانیت اختیار کر لی۔ قسطنطین بڑا زیرک اور فلسفی شخص تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے صدق دل سے نصرانیت کو قبول نہیں کیا تھا۔ بہر کیف اس کے دور میں مذہبی اختلافات شدت اختیار کر گئے۔ عیسائیوں کے عبداللہ بن اریوس کے ساتھ بہت سے مناظرے ہوئے، جھگڑے عام ہو گئے اور ہر سو انتشار پھیل گیا، البتہ تین سو اٹھارہ پادریوں نے اتفاق کر کے بادشاہ کے لئے عقائد پر مبنی ایک کتاب وضع کی، اسی کو امانت

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 18-19

کبیرہ کہا جاتا ہے حالانکہ یہ خیانت حقیرہ ہے۔ ان پادریوں نے اپنی خواہش کے مطابق حلت وحرمت کے مسائل بیان کیے۔ دین مسیح علیہ السلام میں ردوبدل اور کمی بیشی کردی، مشرق کو قبلہ بنالیا، ہفتہ کی بجائے اتوار کو مبارک دن مقرر کردیا، صلیب کی پرستش کا آغاز کردیا، خنزیر کو حلال قرار دے دیا، بہت سی عیدیں اور تہوار ایجاد کر لئے جیسے عید صلیب، عید قداس، عید غطاس وغیرہ۔ ان کے پادریوں کے درجہ بدرجہ عہدے قائم ہوگئے جیسے پوپ جو سب سے بڑا ہوتا ہے، لاٹ پادری اور بشپ وغیرہ اور رہبانیت کی بدعت ایجاد کر لی۔ بادشاہ نے ان کے لئے بہت سے کنیسے اور گرجے تعمیر کیے اور اپنے نام کی مناسبت سے شہر قسطنطنیہ کی بنیاد رکھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے عہد میں بارہ ہزار گرجے اور تین محرابوں سے بیت لحم بنوایا، اس کی ماں نے قمامہ بنوایا۔ جو لوگ بادشاہ کے دین پر تھے وہ ملکیہ کہلوائے، ان کے بعد یعقوب الاسکاف کے پیروکار یعقوبیہ، پھر نسطورا کے ساتھی نسطوریہ وجود میں آئے اور رفتہ رفتہ نصرانی بہت سے گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگئے (1)۔ الغرض رومی نصرانیت پر کاربند ہوگئے۔ ایک قیصر کی موت کے بعد دوسرا قیصر اس کا جانشین بن جاتا یہاں تک کہ آخر میں ہرقل سریر آرائے سلطنت ہوا۔ یہ تمام بادشاہوں سے زیادہ زیرک، دانا، ہشیار، دور اندیش اور صائب رائے والا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی سلطنت اور شان وشوکت والا بادشاہ تھا۔ کسریٰ شاہ فارس اس کے مقابلہ پر اٹھ کھڑا ہوا جو ایران، عراق، خراسان، رے اور دیگر بلاد عجم پر مشتمل وسیع وعریض سلطنت کا مالک تھا۔ اس کی سلطنت قیصر کی سلطنت سے وسیع تھی۔ یہ لوگ مجوسی تھے اور آگ کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اس بادشاہ کو عجمیوں کی قوت اور فارسیوں کی حمایت حاصل تھی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ اس نے ایک لشکر جرار مقابلہ کیلئے بھیجا لیکن مشہور یہی ہے کہ اس نے بذات خود لشکر کشی کی اور قیصر کو شکست فاش دے کر اس کی سلطنت کے اکثر حصے پر قبضہ جمالیا۔ قیصر اپنے پایہ تخت قسطنطنیہ میں محصور ہوگیا اور صرف یہی شہر اس کے قبضہ میں باقی بچا۔ کسریٰ نے ایک طویل عرصہ تک اس کا محاصرہ کیے رکھا لیکن اسے فتح نہ کرسکا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس شہر کے ساتھ نصاریٰ کی عقیدت وابستہ تھی، وہ اس کی بہت تعظیم کرتے تھے اور کسی قیمت پر اسے دشمن کے حوالے کرنے پر تیار نہ تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ قسطنطنیہ محفوظ شہر تھا۔ اس کا نصف حصہ خشکی کی طرف تھا اور باقی نصف سمندر کی طرف۔ سمندر کے راستے قیصر کو کمک اور رسد برابر پہنچتی رہی۔ جب محاصرہ نے بہت طول پکڑا تو قیصر نے ایک چال چلی۔ اس نے کسریٰ سے مطالبہ کیا کہ میں آپ کی مقرر کردہ شرائط پر مصالحت کرنے پر آمادہ ہوں۔ جو چاہیں مجھ سے لے لیں اور میرے ملک سے واپس چلے جائیں۔ کسریٰ نے اس کے مطالبہ کو قبول کرتے ہوئے اس قدر مال ودولت، زروجواہرات، لونڈیاں، غلام، کپڑے اور دیگر چیزیں طلب کیں جن کا مہیا کرنا دنیا کے کسی بادشاہ کے بس کا روگ نہ تھا بلکہ وہ اور یہ دونوں مل کر اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کرسکتے تھے۔ پھر بھی قیصر نے حامی بھر لی اور کسریٰ کو یقین دلایا کہ یہ سب کچھ اس کے پاس موجود ہے کیونکہ کسریٰ کی شرائط سے اسے اس کی کم عقلی کا اندازہ ہوگیا تھا۔ اس نے کسریٰ سے درخواست کی کہ مجھے آزاد کردیا جائے تاکہ میں شام اور اپنی سلطنت کے دوسرے علاقوں کا دورہ کرکے مطلوبہ دولت اکٹھی کرلوں۔ کسریٰ نے اس کی درخواست منظور کرلی۔ جب قیصر نے قسطنطنیہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تو اس نے اپنے ساتھیوں اور لشکر کو جمع کیا اور کہنے لگا کہ میں ایک اہم کام کے سلسلے میں اپنے لشکر میں سے مخصوص فوجی چن کر جارہا ہوں۔ اگر ایک سال کے اندر اندر میں اپنی مہم سے فارغ ہوکر تمہارے پاس لوٹ آیا تم تمہارا بادشاہ رہوں گا ورنہ تمہیں اختیار ہے۔ چاہو تو میری بیعت پر ہی قائم رہنا اور اگر چاہو تو کسی اور کو اپنا بادشاہ مقرر کرلینا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تک آپ زندہ ہیں اس وقت تک آپ ہی ہمارے بادشاہ ہیں

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنہ، جلد 4 صفحہ 197-198 سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1322

اگر چہ آپ دس سال تک غائب رہیں۔ چنانچہ قیصر فوج سے ایک جانثار دستہ لے کر چپکے سے نکلا۔ کسریٰ قسطنطنیہ کے قریب خیمہ زن اس کی واپسی کا منتظر تھا۔ قیصر نے کمال ہوشیاری اور تیزی سے بلاد فارس کی طرف پیش قدمی کی اور یلغار کر کے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ قتل عام کرتے کرتے وہ فارس کے قلب اور پایہ تخت مدائن تک پہنچ گیا۔ یہاں بھی اس نے ہر اس شخص کو تہ تیغ کر دیا جو اس کے سامنے آیا، مال و دولت اور زر و جواہرات لوٹ لئے، کسریٰ کی عورتوں اور لونڈیوں کو گرفتار کر لیا، اس کے بیٹے کا سر منڈوا کر گدھے پر بٹھایا اور اسے کسریٰ کی طرف اس پیغام کے ساتھ روانہ کر دیا کہ یہ لو جو تم نے مانگا تھا۔ جب کسریٰ کو یہ اطلاع ملی تو وہ غصہ سے پیچ و تاب کھانے لگا اور اسے سخت صدمہ پہنچا۔ غصہ سے بے قابو ہو کر اس نے شہر کا محاصرہ مزید تنگ کر دیا لیکن فتح کرنے میں ناکام رہا۔ اس ناکامی کے بعد اس نے قیصر کا راستہ روکنے کے لئے دریائے جیحوں کی طرف پیش قدمی کی کیونکہ قسطنطنیہ جانے کے لئے قیصر کے پاس صرف یہی راستہ تھا۔ قیصر کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے ایک بے مثال چال چلی۔ وہ یہ کہ اس نے اپنا لشکر اور مال و متاع دریا کے اس دہانے کے پاس چھوڑ دیا اور خود تھوڑی سی فوج اور گھاس پھوس، گوبر اور لید کی بوریاں لے کر پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ روانہ ہو گیا۔ تقریباً ایک دن چلنے کے بعد اس نے گھاس پھوس اور گوبر وغیرہ دریا میں ڈلوا دیا۔ جب یہ چیزیں بہتی ہوئی کسریٰ اور اس کے لشکر کے پاس سے گزریں تو وہ سمجھ گئے کہ قیصر یہاں سے گزر گیا ہے۔ چنانچہ وہ قیصر کے تعاقب میں نکلے اور تلاش کرتے کرتے آگے نکل گئے۔ ادھر دہانہ ایرانیوں سے خالی ہو گیا قیصر نے موقعہ غنیمت جانتے ہوئے دریا کا دہانہ عبور کیا اور اپنے لشکر سمیت ایرانیوں سے بچتے بچاتے قسطنطنیہ میں داخل ہو گیا۔ قیصر کے اپنے شہر میں داخل ہونے پر نصاریٰ نے بہت خوشیاں منائیں۔ جب کسریٰ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ حیران و ششدر رہ گیا، فارسیوں کو اب سمجھ ہی نہ آتی تھی کہ وہ کیا کریں۔ قیصر کی سلطنت پر کیا قبضہ کرتے، الٹا اپنا ملک برباد کروا بیٹھے اور اپنے مال و متاع اور اپنی عورتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ یہ ہے وہ غلبہ اور فتح جو نو سال کے بعد رومیوں کو فارسیوں پر حاصل ہوئی اور انہوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت واپس لے لی۔ جس معرکہ میں رومیوں کو غلبہ حاصل ہوا تھا، وہ اذرعات اور بصریٰ کے درمیان حجاز کی طرف ملک شام میں پیش آیا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ جنگ جزیرہ میں ہوئی تھی جس کی سرحد فارس سے ملتی ہے۔ نو سال کے اندر اندر رومیوں کو فتح ہوئی۔ قرآن کریم میں بِضْع کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا اطلاق تین سے لے کر نو تک کے اعداد پر ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں بھی اس کی یہی تشریح مذکور ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم نے احتیاط کیوں نہ کی کیونکہ بِضْع کا لفظ تین سے نو تک کے اعداد پر بولا جاتا ہے(1)۔ آیت کریمہ میں "قَبْلُ" اور "بَعْدُ" مبنی بر ضم ہیں کیونکہ ان کا مضاف الیہ محذوف ہے اور اس کے معنی کی نیت کی گئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ یعنی اس دن اہل ایمان بہت خوش ہوں گے جس دن رومی فارس کے مجوسیوں پر غالب آجائیں گے۔ حضرات ابن عباس، سدی، ثوری اور ان جیسے دیگر علماء کا قول ہے کہ غزوۂ بدر والے دن رومی ایرانیوں پر فتح یاب ہوئے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے کہ بدر کے دن اہل روم نے اہل فارس کو شکست دی تو مسلمان بہت مسرور ہوئے(2)۔ حضرات عکرمہ، قتادہ اور زہری وغیرہ کا کہنا ہے کہ روم کی فارس پر فتح حدیبیہ کے سال ہوئی۔ بعض نے اس قول کی یہ توجیہہ بیان کی ہے کہ قیصر نے نذر مان رکھی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے کسریٰ پر فتح عطا فرمائی تو وہ شکرانہ کے طور پر پیدل حمص سے ایلیا (بیت المقدس) جائے گا۔ جب اسے فتح حاصل ہوئی تو اس نے اپنی نذر

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ روم، جلد 12 صفحہ 66-67، تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 17

2۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ روم، جلد 12 صفحہ 67، تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 20

پوری کی۔ ابھی وہ بیت المقدس میں ہی قیام پذیر تھا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کا گرامی نامہ موصول ہوا جو آپ ﷺ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے بصری کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل تک پہنچایا تھا۔ مکتوب گرامی پاتے ہی قیصر نے حجاز کے ان عربوں کو اپنے پاس بلوالیا جو اس وقت شام میں موجود تھے۔ ان میں ابوسفیان اور قریش کے بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ یہ اس وقت غزہ میں تھے۔ ان سب کو لاکر بادشاہ کے سامنے حاضر کیا گیا۔ اس نے دریافت کیا کہ تم میں سے سب سے زیادہ اس شخص کا قریبی رشتہ دار کون ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ میں ہوں۔ بادشاہ نے ابوسفیان کو آگے اور باقی ساتھیوں کو پیچھے بٹھا کر ان سے کہا کہ میں اس شخص سے چند سوالات کروں گا۔ اگر اس نے جھوٹ بولا تو اس کی نشاندہی کرنا۔ ابوسفیان کا کہنا ہے کہ اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میرے ساتھی میرے جھوٹ کا پول کھول کر مجھے جھوٹا کہیں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا۔ ہرقل نے حضور ﷺ کے نسب اور دیگر اوصاف کے متعلق متعدد سوالات کئے جن میں سے ایک سوال یہ تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ آج تک تو اس نے کبھی بے وفائی اور غدر نہیں کیا۔ البتہ آج کل ہمارا اور اس کا ایک معاہدہ چل رہا ہے، معلوم نہیں اس میں وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہے(1)۔ اس سے ابوسفیان کی مراد صلح حدیبیہ تھی جس میں یہ طے ہوا تھا کہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان دس سال تک لڑائی موقوف رہے گی۔ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے ان علماء کا کہنا ہے کہ فارس پر روم کو فتح حدیبیہ کے سال ہوئی کیونکہ قیصر نے حدیبیہ کے بعد ہی اپنی نذر پوری کی تھی۔ پہلے قول والے اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ سلطنت روم پیہم جنگوں کے سبب برباد ہوگئی تھی اور اس کی معیشت اور اقتصادی حالت بہت دگرگوں ہوگئی تھی، اس لئے وہ چار سال اصلاح احوال اور اقتصادی بحالی کی طرف متوجہ رہا۔ چار سال کے بعد وہ اپنی نذر پوری کرنے پر قادر ہوا۔ یہ اختلاف کوئی زیادہ اہم اور نازک مسئلہ نہیں البتہ یہ واضح ہے کہ پہلے فارسی غلبہ کے باعث مسلمان بہت رنجیدہ ہوئے پھر جب اہل روم کو فتح نصیب ہوئی تو مسلمان بہت مسرور ہوئے کیونکہ رومی اہل کتاب تھے اور مجوس کی نسبت مسلمانوں کے زیادہ قریب تھے جیسا کہ فرمایا: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى ۔ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ (المائدہ: 82-83)۔ حضرت زبیر کلابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پہلے رومیوں پر فارسیوں کا غلبہ، پھر فارسیوں پر رومیوں کا غلبہ اور پھر روم و فارس دونوں پر مسلمانوں کا غلبہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ سب کچھ پندرہ سال کے قلیل عرصہ میں ہوا(2)۔ فرمایا: وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے پر غالب ہے اور اپنے اہل ایمان بندوں پر رحیم ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَعْدَ اللّٰهِ ۔ یعنی اے میرے رسول ﷺ! یہ جو ہم نے آپ کو خبر دی کہ ہم عنقریب روم کو فارس پر غلبہ عطا کریں گے، یہ ایسا برحق وعدہ اور سچی خبر ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی بلکہ اس کا وقوع یقینی اور حتمی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اس گروہ کی مدد فرماتا ہے جو حق کے قریب ہو اور اس کے تمام افعال اور فیصلے حق پر مبنی ہوتے ہیں لیکن اکثر لوگ اس کی حکمتوں کا علم نہیں رکھتے۔ یہ صرف دنیا کے ظاہری پہلو کو پیش نظر رکھتے ہیں، انہیں صرف دنیا اور اس کے امور کا علم ہے اور حصول دنیا اور کسب معاش میں انہیں بڑی مہارت اور سمجھ بوجھ حاصل ہے لیکن دین کے امور اور آخرت میں نفع رساں چیزوں سے یہ بالکل غافل اور بے خبر ہیں، یوں محسوس ہوتا ہے کہ اخروی امور میں یہ بالکل احمق ہیں، نہ ان کا ذہن اس بارے میں کام کرتا ہے اور نہ فکر۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دنیادار لوگوں میں سے بعض ایسے ماہر ہیں کہ درہم چٹکی میں لیتے ہی اس کا وزن بتا دیتے ہیں لیکن انہیں نماز پڑھنے کا طریقہ نہیں

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 4
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 482

آ تا(1)۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس فرمان یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کفار ہیں جو زمین کی آبادکاری کا خوب علم رکھتے ہیں لیکن امور دین سے بالکل بے خبر ہیں(2)۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

”کیا انہوں نے کبھی غور نہیں کیا اپنے جی میں نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت تک کے لئے۔ اور بلاشبہ اکثر لوگ اپنے رب کی ملاقات کے سخت منکر ہیں۔ کیا انہوں نے سیر وسیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ دیکھتے کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ زیادہ تھے ان سے زور میں اور انہوں نے خوب ہل چلائے زمین میں اور انہوں نے اسے آباد کیا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے اسے آباد کیا اور آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر۔ پس نہ تھی اللہ کی یہ شان کہ وہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے تھے۔ آخرکار ان کا انجام جنہوں نے برائی کی تھی بہت برا ہوا، کیونکہ انہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو اور وہ ان کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے“۔

مخلوقات میں غور وفکر کی دعوت دی جارہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود، وحدانیت، الوہیت اور ربوبیت کی دلیل ہیں۔ فرمایا: اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ یعنی کیا انہوں نے عالم علوی، عالم سفلی اور ان میں انواع واقسام کی موجودات پر غور وتدبر نہیں کیا تاکہ انہیں علم ہو جاتا کہ انہیں فضول اور بے کار نہیں پیدا کیا گیا بلکہ ان کی تخلیق حق کے ساتھ کی گئی ہے اور ایک مقررہ وقت یعنی قیامت کے دن تک ان کی مدت معین ہے، اس لئے فرمایا: وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ پھر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اپنے پیغمبروں کی صداقت پر آگاہ فرمارہا ہے کہ اس نے انہیں دلائل ومعجزات سے نوازا، ان کا انکار کرنے والوں کو ہلاک کر دیا اور ان کی تصدیق کرنے والوں کو نجات دی، فرمایا: اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ۔ یعنی کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر وسیاحت نہیں کی اور کیا انہیں پہلے لوگوں کے واقعات کا علم نہیں کہ ان سے پہلے آنے والی قوموں کا کیسا عبرتناک انجام ہوا، حالانکہ وہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور اور زیادہ اموال واولاد والے تھے۔ اے عرب والو! تم تو ان کا عشر عشیر بھی نہیں۔ انہیں زمین پر وہ اقتدار ملا جو تمہیں حاصل نہیں، انہوں نے تم سے زیادہ زمین کی آبادکاری کی اور زرعی مہارت اور صنعتی قابلیت میں وہ تم سے بڑھ کر تھے۔ اس کے باوجود جب انہوں نے ہمارے پیغمبروں کے لائے ہوئے دلائل ومعجزات کو جھٹلا دیا اور دنیا کے مال ومتاع پر اترانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں پکڑ لیا۔ اس وقت کوئی بھی انہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 484 2۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 23

نہ بچا سکا اور ان کے اموال واولاد بھی ان کے کسی کام نہ آئے۔ یہ عذاب ان کی سیاہ کاریوں کا نتیجہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ ان پر ظلم کرتا بلکہ انہوں نے آیات الٰہی کو جھٹلانے، ان کا تمسخر اڑانے، پیغمبروں کی تکذیب کرنے اور گناہوں کا ارتکاب کرنے کے سبب خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا، اس لئے فرمایا: ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ۔ اسی طرح فرمایا: وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (الانعام: 111) ''اور ہم ان کے دل اور ان کی آنکھیں پھیر دیں گے جس طرح وہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انہیں چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں''۔ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (الصف: 5) ''پھر جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا''۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ (المائدۃ: 49) ''اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دینے کا ارادہ کر لیا ہے''۔ اس صورت میں ''السوآی'' ''اساءوا'' فعل کا مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ''کان'' کی خبر ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ برائی کرنے والوں کا انجام برا ہی تھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا اور ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ یہ توجیہہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس اور قتادہ سے نقل کی ہے(1) اور ظاہر بھی یہی ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا: وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآىِٕهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓىِٕكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

''اللہ تعالیٰ ابتداء کرتا ہے تخلیق کی پھر (فنا کرنے کے بعد) دوبارہ پیدا کرے گا اسے پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور جس روز برپا ہوگی قیامت مجرموں کی آس ٹوٹ جائے گی۔ اور نہیں ہوں گے ان کے لئے ان کے شریکوں میں سے شفاعت کرنے والے اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے۔ اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس دن وہ جدا جدا ہو جائیں گے۔ تو وہ جو ایمان لائے تھے اور نیک عمل کرتے رہے تھے، وہ باغ (جنت) میں مسرور (اور محترم) ہوں گے۔ اور جنہوں نے کفر کیا تھا اور جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو تو وہ عذاب میں حاضر رکھے جائیں گے''۔

فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ابتدائے آفرینش پر قادر ہے اور اعادہ پر بھی صرف اسے ہی قدرت حاصل ہے۔ پھر قیامت کے دن ہر ایک کو اس کی بارگاہ میں لوٹ کر جانا ہے اور وہاں ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ پھر فرمایا: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن مجرم مایوس ہو جائیں گے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وہ ذلیل و رسوا ہوں گے۔ ایک اور روایت میں یہ معنی منقول ہے کہ وہ خاموش اور لاجواب ہو جائیں گے۔ جن معبودان باطلہ کی یہ پرستش کیا کرتے تھے، وہ ان کی سفارش نہیں کریں گے بلکہ وہ ان سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے اس وقت ان سے آنکھیں پھیر لیں گے جس

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 25

وقت انہیں ان کی اعانت کی اشد ضرورت ہوگی۔ پھر فرمایا: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ قتادہ فرماتے ہیں کہ نیک و بد کے درمیان یہ ایسی جدائی اور تفریق ہوگی کہ اس کے بعد اجتماع کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا یعنی جب نیکوکار علیین میں اور بدکار سجین میں پہنچ جائیں گے تو اس کے بعد ان کا ایک جگہ اکٹھا ہونا ناممکن ہوگا اس لئے فرمایا: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... یعنی نیکوکار اہل ایمان جنت میں مسرور اور محترم ہوں گے جبکہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور آخرت کو جھٹلانے والے کافر ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ مجاہد اور قتادہ "يُحْبَرُوْنَ" کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ نعمتوں سے شادکام ہوں گے۔ یحییٰ بن ابی کثیر اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ وہ غناء سنیں گے لیکن یہ لفظ عام ہے، ان کے علاوہ اور معانی کو بھی شامل ہے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝

"سو پاکی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔ اور اسی کے لئے ساری تعریفیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں نیز (پاکی بیان کرو) سہ پہر کو اور جب تم دوپہر کرتے ہو۔ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردے ہونے کے بعد۔ اور یونہی (قبروں سے) تمہیں نکالا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات مقدسہ کی خود بھی تسبیح بیان فرماتا ہے اور اپنے بندوں کو بھی پے در پے آنے والے ان اوقات میں اپنی تسبیح و تحمید کا حکم ارشاد فرماتا ہے جو اس کی کمال قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ شام کے وقت اس کی تسبیح کرو جب رات اپنی تاریکی کے ساتھ سایہ فگن ہو رہی ہوتی ہے اور صبح کے وقت بھی جب دن کا اجالا ہر سو پھیل رہا ہوتا ہے۔ صبح و شام کے ذکر کے بعد تسبیح کی مناسبت سے درمیان میں اپنی تحمید کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی زمین و آسمان کی تخلیق پر وہی لائق حمد اور قابل ستائش ہے۔ پھر فرمایا: وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ یعنی عشاء اور ظہر کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کرو۔ عشاء رات کی وہ گھڑی ہے جب تاریکی شدت اختیار کر جاتی ہے اور ظہر دن کا وہ وقت ہے جب روشنی خوب پھیل جاتی ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو رات کی تاریکی اور دن کے اجالے کو پیدا کرنے والا، صبح کو ظاہر کرنے والا اور رات کو باعث سکون بنانے والا ہے جیسا کہ فرمایا: وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا (الشمس: 4) "اور قسم ہے دن کی جب آفتاب کو روشن کر دے اور رات کی جب وہ اسے چھپا لے"۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى (اللیل: 2-1) "قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے اور دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے"۔ وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى (الضحیٰ: 2-1) "قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے"۔ اس قسم کی اور بھی آیات ہیں۔ حضرت معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل وفادار کا نام کیوں دیا؟ اس وجہ سے کہ وہ صبح و شام یہ کلمات فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ ... وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ کہا کرتے تھے" (1)۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص صبح کے وقت ان دونوں آیات کی تلاوت کرتا ہے، اس نے دن میں فوت ہو جانے والی چیز کی تلافی کر لی اور جس شخص نے شام کے وقت ان آیات کی تلاوت کی، اس نے رات میں فوت ہو جانے والی چیز کا تدارک کر لیا" (2)۔ اگلی آیت میں فرمایا:

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 439
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 319، معجم کبیر، جلد 12 صفحہ 239

یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ ..... یعنی زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے پر وہی قدرت رکھتا ہے۔ اس قسم کی آیات میں مذکور ہے کہ مختلف چیزیں اور ان کی ضدیں اسی نے پیدا کی ہیں۔ ان اضداد کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی واضح دلیل ہے، دانے سے درخت، درخت سے دانے، مرغی سے انڈا، انڈے سے مرغی، نطفہ سے انسان، انسان سے نطفہ، کافر سے مومن اور مومن سے کافر پیدا کرنا اس کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے پھر فرمایا: وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا، اسی طرح فرمایا: وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚۖ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ۔ وَفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ (یٰسین: 34-33)، وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ -- وَاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ (الحج: 7-5)، وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا - لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (الاعراف: 57)۔ اس لئے یہاں فرمایا: وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

''اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے (ایک یہ) ہے کہ اس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر تم اچانک بشر بن کر (زمین میں) پھیل رہے ہو۔ اور اس کی (قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں تاکہ تم سکون حاصل کرو ان سے اور پیدا فرما دیئے تمہارے درمیان محبت اور رحمت (کے جذبات) بے شک اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کمال قدرت پر دلالت کرنے والی بے شمار نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے باپ آدم (علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا پھر تم اچانک بشر بن کر زمین میں پھیل رہے ہو۔ تمہاری اصل مٹی ہے اور پھر حقیر سے پانی کا قطرہ جو پہلے جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور پھر گوشت کے ٹکڑے کی، پھر ہڈیاں بنتی ہیں، بعد ازاں ہڈیوں کو گوشت پہنایا جاتا ہے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے تو وہ قوت سماعت وبصارت سے آراستہ انسان بن جاتا ہے۔ پھر اپنی ماں کے شکم سے باہر آتا ہے تو یہ بہت چھوٹا اور کمزور ہوتا ہے اور حرکت کرنے کے قابل بھی نہیں ہوتا۔ پھر جوں جوں اس کی عمر بڑھتی ہے، اس کی قوتیں اور حرکتیں تکمیل کے مراحل طے کرتی جاتی ہیں یہاں تک کہ جب یہ مضبوط اور طاقتور جوان بن جاتا ہے تو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے شہر اور قلعے تعمیر کرتا ہے، مختلف ممالک کا سفر کرتا ہے، سمندروں پر سواری کرتا ہے، زمین کے کونے کونے میں گھومتا پھرتا ہے اور مال ودولت جمع کرتا ہے۔ ہر شخص کو اس کے حال کے مطابق دینی اور دنیوی امور میں عقل، سمجھ بوجھ، دور اندیشی، دانائی، رائے اور علم سے نوازا جاتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے لوگوں کو قدرت عطا کر کے طرح طرح کے امور میں لگا دیا اور علوم وفنون، غور وتدبر کی استعداد، حسن وقبح، غنا وفقر اور سعادت و شقاوت میں ان کے درمیان تفاوت پیدا کر دیا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹھی بھر مٹی سے پیدا کیا جو اس نے تمام زمین سے لی، اس لئے زمین کے مختلف حصوں کے مطابق اولاد آدم مختلف ہو گئی، ان میں سے کوئی سفید ہے، کوئی سرخ، کوئی سیاہ، کوئی ان کے بین بین رنگت والا، کوئی خبیث، کوئی طیب، کوئی نرم مزاج، کوئی سخت مزاج اور کوئی ملا جلا'' (1)۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 222، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 400 وغیرہ

پھر فرمایا: وَمِنْ اٰیٰتِہٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے عورتیں پیدا کیں جو تمہاری بیویاں بنتی ہیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا (الاعراف: 189) "وہ (خدا ہے) جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا فرمایا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس سے اطمینان حاصل کرے"۔ اس سے مراد حضرت حوا علیہا السلام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں طرف کی سب سے چھوٹی پسلی سے پیدا کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ تمام اولاد آدم کو مذکر بنا دیتا اور جنات یا حیوانات کی جنس سے ان کی بیویاں بنا دیتا تو ان کے اور ان کی بیویوں کے درمیان موجودہ الفت اور رحمت حاصل نہ ہو پاتی بلکہ جنس مختلف ہونے کی وجہ سے نفرت پیدا ہو جاتی۔ اولاد آدم پر اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت ہے کہ اس نے انہی کی جنس سے ان کے لئے جوڑے بنائے اور پھر ان کے درمیان محبت اور رحمت کے جذبات پیدا کر دیئے۔ مرد یا تو محبت کے باعث عورت کا خیال رکھتا ہے یا اس پر رحم کھا کر، اس لئے کہ اس سے اس کی اولاد ہوتی ہے یا اس وجہ سے کہ مرد اس کی ضروریات کا کفیل ہے یا اس سبب سے کہ دونوں میں باہمی محبت اور الفت کے جذبات موجود ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝

"اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے، نیز تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف۔ بے شک اس میں بھی نشانیاں ہیں اہل علم کے لئے۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا سونا رات کے وقت اور دن کے وقت اور تمہارا تلاش کرنا اس کے فضل کو، بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو (غور سے) سنتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ پر دلالت کرنے والی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کی تخلیق ہے۔ اس قدر بلند اور وسیع آسمان، اس میں متعدد اجرام اور ثابت و متحرک درخشاں ستارے، پست اور کثیف زمین، اس میں پہاڑ، وادیاں، سمندر، جنگل، حیوانات اور درخت ان سب چیزوں کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے۔ اسی طرح زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی اس کی قدرت کاملہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہر قوم کی اپنی مخصوص زبان ہے۔ عرب، تاتار، کرج، رومی، افرنگی، بربر، تکرور، ہندو، کرد اور دیگر ایسی لاتعداد قومیں ہیں جو مختلف زبانیں بولتی ہیں۔ یہی کیفیت رنگوں میں اختلاف کی بھی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے انسانوں کے اعضاء ایک جیسے ہیں۔ ہر ایک کی دو آنکھیں، دو ابرو، ایک ناک، ایک پیشانی، ایک منہ اور دو رخسار وغیرہ ہیں لیکن اعضاء میں یکسانیت کے باوجود کوئی شخص دوسرے کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا بلکہ ہیئت، صورت اور طرز کلام میں ہر شخص دوسرے سے ممتاز ہے اور غور و فکر کرنے سے یہ امتیاز اور اختلاف نمایاں طور پر نظر آنے لگتا ہے۔ اگر کچھ لوگ خوبصورتی یا بدصورتی میں ایک دوسرے کی موافقت رکھتے ہوں تو بھی ان کے درمیان فرق اور تفاوت ضرور ہوگا۔ اس میں اہل علم کیلئے نشانیاں ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ یعنی یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے کہ اس نے راحت و سکون کے حصول اور درماندگی اور تھکاوٹ دور کرنے کے لئے نیند جیسی نعمت پیدا

فرمادی اور سفر کے لئے اور کسب معاش کی خاطر دوڑ دھوپ کرنے کے لئے دن پیدا کیا۔ یہ نیند کی ضد ہے۔ اس میں سننے اور سمجھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رات کو بے خوابی کی بیماری لگ گئی۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے اس امر کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ دعا پڑھا کرو: "اَللّٰھُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمُ وَ ھَدَاَتِ الْعُیُوْنُ وَ اَنْتَ حَیٌّ قَیُّوْمٌ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَنِمْ عَیْنِیْ وَاَھْدِئْ لَیْلِیْ"۔ میں نے یہ دعا پڑھی تو بے خوابی کی شکایت جاتی رہی (1)۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝

"اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دکھاتا ہے تمہیں بجلی ڈرانے اور امید دلانے کے لئے اور اتارتا ہے آسمان سے پانی اور زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقلمند ہیں۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ قائم ہے آسمان اور زمین اس کے حکم سے۔ پھر جب بلائے گا تمہیں زمین سے تو تم فوراً باہر نکل آؤ گے"۔

بجلی بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرنے والی ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ بعض اوقات تم اس کی کڑک اور اس کے بعد برسنے والی شدید بارش سے دہشت زدہ ہو جاتے ہو اور کبھی تم اس کی گرج چمک کا انتظار کرتے ہو اور بوقت ضرورت اس سے بارش برسنے کی امید وابستہ کر لیتے ہو۔ اس لئے فرمایا: وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس کے ذریعے بنجر اور خشک ہو جانے والی زمین کو زندگی اور روئیدگی کی قوت عطا فرماتا ہے۔ جب اس زمین پر بارش برستی ہے تو ہر طرف انواع و اقسام کی فصلیں لہلہانے لگتی ہیں اور زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ اس میں عبرت کا سامان اور دوبارہ زندہ کئے جانے اور قیامت کی واضح دلیل ہے۔ پھر فرمایا: وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ ... اسی طرح فرمایا: وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (الحج: 65) "اور اس نے آسمان کو روکا ہوا ہے کہ زمین پر گر نہ پڑے بجز اس کے فرمان کے"۔ اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا (فاطر: 41) "بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے تاکہ وہ اپنی جگہ سے سرک نہ جائیں"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کوئی تاکیدی قسم اٹھاتے تو یوں کہتے: قسم ہے اس ذات کی جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم اور ثابت ہیں۔ پھر قیامت کے دن زمین و آسمان کو بدل دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی آواز پر مردے قبروں سے زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے، اس لئے فرمایا: ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ... جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا (بنی اسرائیل: 52) "اس دن کو یاد کرو جب تمہیں اللہ بلائے گا سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور یہ گمان کر رہے ہو گے کہ تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ"۔ فَاِنَّمَا ھِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ فَاِذَا ھُمْ بِالسَّاھِرَةِ (النازعات: 14-13) "بس (واپسی کے لئے) ایک جھڑک ہی کافی ہے پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے"۔ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا ھُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ (یٰسین: 53) "نہیں ہوگی مگر ایک زوردار کڑک پھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے"۔

1۔ معجم کبیر، جلد 5، صفحہ 124

وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ وَ هُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ وَ لَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

''اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اس کے تابع فرمان ہیں۔ اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے۔ پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے۔ اور اسی کے لئے برتر شان ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے''۔

زمین و آسمان کی کل مخلوق اللہ تعالیٰ کی ملک اور غلام ہے۔ ہر ایک چار و ناچار اس کا تابع فرمان اور اس کے سامنے عاجز، بے بس اور سرافگندہ ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں قنوت کا لفظ مذکور ہے، وہاں اس مراد اطاعت ہے(1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا - یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تخلیق کا آغاز کرتا ہے اور وہی اس کا اعادہ کرے گا اور اعادہ ابتداء کی نسبت اس کے لئے زیادہ آسان ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے اور یہ اسے زیب نہیں دیتا، وہ مجھے برا بھلا کہتا ہے حالانکہ یہ اس کے لئے مناسب نہیں۔ اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلی مرتبہ پیدا کیا اس طرح وہ دوبارہ مجھے پیدا نہیں کر سکتا حالانکہ اعادہ ابتدائے آفرینش کی نسبت زیادہ آسان ہے۔ اس کا مجھے برا بھلا کہنا یہ ہے کہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے حالانکہ میں یکتا اور بے نیاز ہوں جس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے''(2)۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے ابتداء اور اعادہ دونوں یکساں اور آسان ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ میں ضمیر کا مرجع خلق ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى اس فرمان کی طرح ہے: لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (الشوریٰ:11) ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں''(3)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہاں مثل سے مراد توحید الوہیت اور توحید ربوبیت ہے۔ کسی عارف نے اپنے اشعار میں کہا ہے کہ جب کوئی حوض صاف شفاف ہو، اس کا پاکیزہ پانی ٹھہرا ہوا ہو اور باد نسیم کے جھونکے اسے حرکت نہ دے رہے ہوں تو اس میں آسمان، سورج اور ستارے واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح تجلیات کے حامل وہ دل ہیں جن کے صاف شفاف آئینے میں خدائے بزرگ و برتر کے جلوے نظر آتے ہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ یعنی وہ ایسا غالب ہے جسے نہ زیر کیا جا سکتا ہے اور نہ مغلوب بلکہ اس کی قدرت و سطوت کے سامنے ہر چیز مغلوب ہے اور وہ اپنے شرعی اور تقدیری اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مثل اعلیٰ سے مراد ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِیْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِیْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ یَّهْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 75 2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ اخلاص، جلد 6، صفحہ 222، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 350 3۔ تفسیر طبری، جلد 21، صفحہ 38

"اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لئے ایک مثال تمہارے ہی حالات میں سے۔ (یہ بتاؤ) کیا تمہارے غلام تمہارے حصہ دار ہوتے ہیں اس مال میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے یوں کہ تم (اور وہ) اس میں برابر کے حصہ دار بن جاؤ۔ حتیٰ کہ تم ڈرنے لگو ان سے جیسے تم ڈرتے ہو آپس میں ایک دوسرے سے۔ یوں ہم کھول کر بیان کرتے ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لئے جو عقلمند ہے۔ بلکہ پیروی کرتے ہیں ظالم اپنی (نفسانی) خواہشات کی بغیر کسی دلیل کے۔ پس کون ہدایت دے سکتا ہے جسے (پیہم نافرمانی کے باعث) اللہ تعالیٰ گمراہ کردے۔ اور ان لوگوں کا کوئی مددگار نہیں"۔

مشرکین کی مثال بیان ہو رہی ہے کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہرانے کے باوجود اس چیز کے معترف تھے کہ ان کے بت اللہ تعالیٰ کے غلام اور اس کی ملک ہیں جیسا کہ وہ اپنے تلبیہ میں کہا کرتے تھے: "لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا هُوَ لَکَ تَمْلِکُهٗ وَمَا مَلَکَ" "یعنی ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں بجز اس کے جسے تو نے خود اپنا شریک ٹھہرایا۔ تو اس کا بھی مالک ہے اور اس چیز کا بھی جس کا وہ مالک ہے۔ فرمایا: ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے حالات سے ہی ایک مثال بیان فرما رہا ہے جس کا تم خود مشاہدہ بھی کرتے ہو اور اسے اچھی طرح سمجھتے بھی ہو فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی اس بات پر رضامند ہے کہ اس کے مال میں اس کا غلام برابر کا شریک ہو اور وہ اور اس کا غلام ہر چیز کے یکساں طور پر مالک بن جائیں حتیٰ کہ تم خوفزدہ ہو کہ کہیں وہ مال میں تمہارے ساتھ برابر کے حصہ دار نہ بن جائیں۔ جب تم اپنے لئے یہ بات پسند نہیں کرتے تو پھر تم کیونکر مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کے شریک اور مدمقابل ٹھہراتے ہو۔ یہ اس ارشاد کی طرح ہے: وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا یَكْرَهُوْنَ (النحل:62) یعنی یہ مشرکین اپنے لئے تو بیٹیاں ناپسند کرتے ہیں اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ٹھہراتے ہیں۔ بیٹیوں سے ان کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ جب ان میں سے کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ لوگوں سے منہ چھپائے پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ یا تو اسے ذلت و رسوائی کے ساتھ اپنے پاس رکھوں یا پھر اسے زندہ درگور کر دوں۔ کفر کی انتہا ہے کہ یہ بذات خود بیٹیوں سے متنفر ہیں لیکن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح یہاں بھی ان کی ایسی ہی کیفیت ہے کہ وہ اپنے غلاموں کو اپنا شریک بنانے پر تیار نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے غلاموں کو اس کا شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل شرک یہ تلبیہ کہتے: "لَبَّیْکَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا هُوَ لَکَ تَمْلِکُهٗ وَمَا مَلَکَ"۔ اس پر یہ آیت کریمہ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ نازل ہوئی (1)۔ اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذریعے شرک سے اپنی پاکی نزاہت اور برأت بیان کرنے کے بعد فرمایا: كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ پھر یہ بیان کرتے ہوئے کہ مشرکین محض اپنی حماقت اور جہالت کے باعث غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، فرمایا: بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا یعنی مشرکین اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے بغیر علم کے بتوں کی پوجا کر رہے ہیں۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جب وہ کسی کے مقدر میں گمراہی لکھ دے تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور قیامت کے دن کوئی بھی کفار کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچانے والا نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی انہیں عذاب سے پناہ دے سکے گا کیونکہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِیْمُوا

1۔ مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 223، بروایت طبرانی

الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝

''پس آپ کر لیں اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف پوری یکسوئی سے (مضبوطی سے پکڑ لو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔ کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا اللہ کی تخلیق میں۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ (اے غلامان مصطفیٰ تم بھی اپنا رخ اسلام کی طرف کر لو) اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے اور قائم کرو نماز کو اور نہ ہو جاؤ (ان) مشرکوں میں سے۔ جنہوں نے پارہ پارہ کر دیا اپنے دین کو اور خود گروہ گروہ ہو گئے۔ ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اسی پر خوش ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنا رخ سیدھا کر لیں اور اس دین پر کاربند رہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر کیا ہے یعنی ملت ابراہیم حنیف جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے تمہاری راہنمائی کی ہے اور تمہارے لئے اسے انتہائی کمال تک پہنچا دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فطرت سلیمہ پر قائم رہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیدا کیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت، توحید اور الوہیت اپنی مخلوق کی فطرت میں رکھ دی ہے جیسا کہ اس فرمان ''وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى'' (الاعراف: 173) کے تحت بیان ہو چکا ہے۔ حدیث قدسی میں آتا ہے: ''میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا لیکن شیطانوں نے انہیں ان کے دین سے برگشتہ کر دیا''(1)۔ عنقریب ہم ان احادیث کو بیان کریں گے جن میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو دین اسلام پر پیدا کیا پھر بعض لوگوں پر ادیان فاسدہ چھا گئے جیسے یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت۔ فرمایا: لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ بعض نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں رد و بدل کر کے لوگوں کو اس دین فطرت سے نہ پھیرو جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اس صورت میں یہ جملہ خبریہ طلب کے معنی میں ہوگا جیسا کہ یہ فرمان ہے: وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران: 97) ''اور جو بھی اس میں داخل ہو جاتا ہے، وہ محفوظ ہے''۔ یہ معنی عمدہ اور صحیح ہے۔ دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ یہ جملہ خبریہ اپنے اصل پر ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو دین فطرت پر پیدا کرنے میں یکسانیت قائم کر دی، ہر ایک اسی دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اس میں لوگوں کے درمیان کوئی تفاوت نہیں، اس لئے حضرات ابن عباس، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ، قتادہ، ضحاک اور ابن زید کے نزدیک لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کا معنی ہے کہ اللہ کے دین میں کوئی رد و بدل نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خلق اللہ کا یہی معنی بتایا ہے یعنی دین اور فطرت سے مراد اسلام ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسا کہ ایک جانور صحیح سالم بچہ جنتا ہے لیکن بعد میں لوگ اس کے کان وغیرہ کاٹ دیتے ہیں''۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ تلاوت کی(2)۔ اس حدیث کی ہم معنی اور بھی متعدد احادیث صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہیں۔ حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کیا اور ہمیں فتح نصیب ہوئی۔ اس دن مسلمان خوب لڑے یہاں تک کہ انہوں نے بڑوں کے علاوہ بہت سے چھوٹے بچوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! کو کیا ہو گیا کہ وہ حد سے تجاوز کرتے ہوئے بچوں کو قتل کرنے لگ گئے؟'' ایک آدمی نے عرض

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، 2197
2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ روم، جلد 6، صفحہ 143

کی: یارسول اللہ ﷺ! یہ بھی تو مشرکین کے ہی بچے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں تم میں سے بہترین مشرکین کے بچے ہیں۔ پھر فرمایا: بچوں کو مت قتل کرو، بچوں کو مت قتل کرو۔ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ زبان سے اظہار پر قادر ہو جائے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔"(1) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ مافی الضمیر کا اظہار کرنے لگے۔ جب وہ اپنی زبان سے خیالات کا اظہار کرنے لگے تو یا شکر گزار بنتا ہے یا ناشکرا"(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جب انہیں پیدا کیا تو اسے ہی خوب معلوم تھا کہ وہ کیسے کیسے اعمال کرنے والے ہیں"(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عرصہ میرا یہی موقف رہا کہ مسلمانوں کی اولاد مسلمانوں کے ساتھ اور مشرکین کی اولاد مشرکین کے ساتھ ہے یہاں تک کہ فلاں شخص سے مجھ تک یہ حدیث پہنچی جس میں مذکور ہے کہ مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال پر آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا اعمال کرتے۔" اس حدیث کو سن کر میں نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا(4)۔ حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ سکھا دوں جو اس نے آج مجھے سکھایا ہے اور جس سے تم جاہل ہو: ہر وہ چیز حلال ہے جو میں نے اپنے بندوں کو عطا کی، میں نے اپنے تمام بندوں کو موحد پیدا کیا لیکن شیطان ان کے پاس آتے ہیں اور انہیں ان کے دین سے برگشتہ کر دیتے ہیں، ان پر وہ چیزیں حرام کر دیتے ہیں جو میں نے ان کے لئے حلال کی ہیں اور انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائیں جس کی میں نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف نگاہ ڈالی اور تمام عرب و عجم کو ناپسند فرمایا بجز اہل کتاب کے بقایا کے۔ وہ فرماتا ہے کہ میں نے تمہیں مبعوث کیا تاکہ تمہیں بھی آزماؤں اور تمہارے سبب اوروں کو بھی اور میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی جسے پانی نہیں دھو سکتا۔ سوتے جاگتے تم اس کی تلاوت کرو گے، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں قریش کو متنبہ کروں۔ میں نے عرض کی: اے میرے پروردگار! کہیں وہ میرا سر کچل کر روٹی جیسا نہ بنا دیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں انہیں اس طرح نکالوں گا جس طرح وہ تمہیں نکالیں گے۔ ان کے ساتھ جہاد کرو، میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ خرچ کرو، ہم تمہیں عطا کریں گے۔ لشکر بھیجو، میں اس سے پانچ گنا زیادہ لشکر بھیجوں گا اور اپنے اطاعت گزاروں کے ساتھ اپنے نافرمانوں کا مقابلہ کریں۔ فرمایا: اہل جنت تین قسم کے ہیں: عادل، سخی اور توفیق یافتہ حکمران، ہر قریبی رشتہ دار اور مسلمان پر رحم کرنے والا نرم دل شخص اور پاکباز سوال سے احتراز کرنے والا عیالدار آدمی۔ دوزخی پانچ قسم کے ہیں: وہ گھٹیا اور کمینے لوگ جو دوسروں کے مرہون منت ہوں نہ ان کا گھر بار ہو اور نہ مال و دولت، وہ خائن جس کا طمع مخفی نہ ہو اور وہ حقیر سی چیزوں میں بھی خیانت سے باز نہ آئے، وہ دھوکہ باز جو صبح و شام تمہیں تمہارے اہل و عیال اور مال میں دھوکہ دینے میں کوشاں رہتا ہے، پھر آپ نے بخیل یا کذاب کا ذکر کیا اور بدزبان فحش گو"(1)۔ فرمایا: ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یعنی شریعت اور فطرت سلیمہ کو مضبوطی سے تھام لینا ہی سیدھا اور راست دین ہے، لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے، اس لئے وہ اس سے پہلو تہی کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 345
2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 353
3۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3، صفحہ 245۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، جلد 4، صفحہ 2049
4۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 73
5۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ: 2197-2198، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 162-266

بِمُؤْمِنِیْنَ (یوسف:103) "اور نہیں اکثر لوگ ایمان لانے والے اگرچہ آپ کتنے ہی حریص ہوں"۔ وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (الانعام:117) "اور اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے"۔ فرمایا: مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ یعنی اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے اپنا رخ اسلام کی طرف کر لیں۔ اسی سے ڈریں اور نماز قائم کریں، یہی بڑی اطاعت ہے اور مشرکین میں سے نہ ہو جانا بلکہ ان موحدین میں سے ہونا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اس امت کا دارومدار کن چیزوں پر ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تین چیزوں پر اور یہی نجات دہندہ ہیں: اخلاص اور یہی فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا، نماز اور یہی ملت ہے اور اطاعت جو عصمت سے بچاؤ ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے سچ کہا ہے(1)۔ پھر فرمایا: مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ یعنی ان مشرکین میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کو پارہ پارہ کر کے بدل دیا اور بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کر دیا۔ بعض نے فَرَّقُوْا کی بجائے "فٰرَقُوْا" پڑھا ہے(2) یعنی انہوں نے اپنے دین کو چھوڑ دیا اور پس پشت ڈال دیا جیسے یہود، نصاریٰ، مجوس، بت پرست اور باقی باطل ادیان والے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ (الانعام:160) "بے شک وہ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی گروہ ہو گئے، ان سے آپ کا کوئی علاقہ نہیں ہے۔ ان کا معاملہ صرف اللہ ہی کے حوالے ہے"۔ پہلی امتیں مختلف گروہوں میں بٹ گئیں جن میں سے ہر گروہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتا تھا۔ یہ امت بھی تفرقہ اور گروہ بندی کا شکار ہوگئی۔ یہ سب فرقے گمراہ ہیں بجز ایک فرقے کے اور وہ ہے اہل سنت و جماعت جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو تھامنے والے ہیں اور اس پر صحابہ کرام، تابعین اور آئمہ مسلمین کاربند رہے جیسا کہ مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نجات یافتہ فرقے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "مَنْ كَانَ عَلٰى مَا اَنَا عَلَیْهِ الْیَوْمَ وَ اَصْحَابِیْ" یعنی وہ لوگ جو اس طریقے پر کاربند ہوں جس پر آج میں اور میرے صحابہ قائم ہیں(2)۔

وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ یُشْرِكُوْنَ ﴿33﴾ لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ٝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿34﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ یَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ یُشْرِكُوْنَ ﴿35﴾ وَ اِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ ﴿36﴾ اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿37﴾

"اور جب پہنچتی ہے لوگوں کو کوئی تکلیف تو پکارنے لگتے ہیں اپنے رب کو رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف پھر جب (ان کی فریاد کو قبول فرما کر) چکھاتا ہے انہیں رحمت اپنی جانب سے تو یکایک ایک گروہ ان میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ (اچھا!) ناشکری کر لیں اس نعمت کی جو ہم نے دی ہے انہیں۔ پس (اے ناشکرو!) لطف اٹھا لو۔ تمہیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ کیا ہم نے اتاری ہے ان پر کوئی دلیل۔ پس وہ گواہی دیتی ہے اس شرک (کی سچائی) کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 21، صفحہ 40 2۔ دیکھئے الاتقان لابن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 645 3۔ مستدرک حاکم، کتاب العلم، جلد 1، صفحہ 128-129

جو وہ کرتے ہیں۔ اور جب ہم چکھاتے ہیں لوگوں کو رحمت (کا مزہ) تو وہ اس پر پھولے نہیں سماتے۔ اور اگر پہنچتی ہے انہیں کوئی تکلیف بوجہ ان کے کرتوتوں کے جو آگے بھیجے ہیں ان کے ہاتھوں نے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔ کیا انہوں نے (بارہا) مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لے آئے ہیں"۔

لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ وہ مصیبت اور مجبوری کے وقت بڑی عاجزی کے ساتھ اللہ وحدہ لا شریک کو ہی پکارتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنا کرم کرتے ہوئے ان پر اپنی نعمتوں کی بارش کرتا ہے تو حالت اختیار میں یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتے ہیں اور غیروں کی عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک "لیکفروا" میں لام عاقبت ہے اور بعض کے نزدیک لام تعلیل لیکن یہ لام تعلیل ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ان کے لئے مقدر کر دیا ہے پھر انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ کسی بزرگ کا فرمان ہے کہ اگر کوئی محافظ مجھے دھمکائے تو میں اس سے ڈر جاتا ہوں، یہاں کیا عالم ہوگا جبکہ دھمکی دینے والی وہ ذات ہے جس کے "امر کن" سے ہر چیز وجود میں آجاتی ہے۔ پھر غیر اللہ کی باطل عبادت کرنے پر مشرکین کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا یہاں انسان کی عمومی حالت بیان کر کے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ انسان اس بری خصلت کا شکار ہے کہ نعمت ملنے پر یہ خوشی سے پھولے نہیں سماتا اور تکبر کا اظہار کرنے لگتا ہے اور شدت اور مصیبت کے وقت اس قدر مایوس ہو جاتا ہے کہ اسے آئندہ کسی بھلائی کے ملنے کی توقع ہی نہیں رہتی لیکن وہ بندگان خدا جنہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور اپنی توفیق خاص سے نوازے، وہ اس کیفیت سے دوچار نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (ہود: 11) یعنی وہ نفوس قدسیہ اس سے مستثنیٰ ہیں جو مصیبت کے وقت صبر اور خوشحالی کے دور میں نیک اعمال کرتے رہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "مومن کا معاملہ عجیب ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جو بھی فیصلہ فرماتا ہے، وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ راحت پر شکر ادا کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے اور تکلیف کے وقت صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے" (1)۔ اگلی آیت میں فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنی حکمت اور عدل کے مطابق تصرف کرتا ہے کسی کے رزق کو فراخ کر دیتا ہے اور کسی کے رزق کو تنگ۔ اس میں اہل ایمان کے لئے نشانیاں ہیں۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَاۤ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۠ فِيْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَاۤ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

"پس دو رشتہ دار کو اس کا حق نیز مسکین اور مسافر کو۔ یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو رضائے الٰہی کے طلبگار ہیں۔ اور وہی لوگ دونوں جہانوں میں کامیاب ہوں گے۔ اور جو روپیہ تم دیتے ہو سود پر تاکہ وہ بڑھتا رہے لوگوں کے مالوں میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد: 2295

(سن لو!) اللہ کے نزدیک یہ نہیں بڑھتا۔ اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو رضائے الٰہی کے طلبگار بن کر، پس یہی لوگ ہیں جو (اپنے مالوں کو) کئی گنا کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تمہیں رزق دیا پھر (مقررہ وقت پر) تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے (ٹھہرائے ہوئے) شریکوں میں بھی کوئی ہے جو کر سکتا ہو ان کاموں میں سے کوئی۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ (ہر عیب سے) اور بلند ہے ان سے جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں"۔

قرابت داروں کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کرنے کا حکم ہو رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مسکین اور مسافر کا خیال رکھنے کا بھی حکم ہے۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کچھ بھی نہ ہو یا اس قدر ہو جو اس کی کفایت نہ کر سکے۔ ابن سبیل سے مراد مسافر ہے جس کے پاس سفر کے دوران سفر خرچ ختم ہو جائے۔ فرمایا: ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ یعنی یہ ان کے لئے بہتر ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار کے طلب گار ہیں اور یہی دراصل مقصود اصلی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا و آخرت میں بامراد ہیں۔ پھر فرمایا: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا... یعنی جو شخص اس ارادے سے عطیہ دے کہ عطیہ لینے والے لوگ اسے اس سے زیادہ دیں تو اگرچہ یہ مباح تو ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے اس کا کوئی اجر و ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، ضحاک، قتادہ، عکرمہ، محمد بن کعب اور شعبی نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ ایسا کرنا مباح ہونے کے باوجود باعث ثواب نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس سے بھی منع فرما دیا اور یہ حکم آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ ضحاک نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (المدثر: 6) یعنی آپ زیادہ لینے کی نیت سے کسی کو عطا نہ کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ربا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تجارت والا جسے بیاج کہتے ہیں یہ حرام ہے اور دوسرا ربا یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو اس ارادے سے تحفہ دے کہ وہ اسے جواب میں زیادہ دے گا۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا تلاوت کی (1)۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب زکوٰۃ ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے، اس لئے فرمایا: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ یعنی رضائے الٰہی کے لئے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ کئی گنا زیادہ کر دے گا جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: "جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور بھی صدقہ کرے تو خدائے رحمٰن اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اسے اس طرح بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی بچھیرے یا ٹوڈے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ کھجور احد پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے" (2)۔ پھر فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ یعنی وہی خالق اور رازق ہے جو انسان کو ماں کے شکم سے اس حالت میں نکالتا ہے کہ وہ برہنہ ہوتا ہے اور علم، سماعت، بصارت اور دیگر تمام قوتوں سے محروم ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے یہ تمام نعمتیں ارزانی فرما دیتا ہے۔ مال سے بھی نوازتا ہے اور لباس سے بھی اور پھر ذرائع معاش کی راہیں بھی اس کے سامنے کھول دیتا ہے۔ حضرات حبہ رضی اللہ عنہ و سواء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کسی کام میں مشغول تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تک تمہارے سر ہلتے رہیں، رزق سے مایوس نہ ہو جانا۔ انسان کو اس کی ماں جنم دیتی ہے تو یہ سرخ ہوتا ہے اور اس پر لباس تک نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ اسے سب کچھ عطا کر دیتا ہے (3)۔ فرمایا: هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ یعنی تمہارے شرکاء میں سے کوئی بھی ایسا کرنے پر قادر نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرنے والا، رزق دینے والا، زندہ کرنے والا، مارنے والا اور قیامت کے دن تمام

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 495

2۔ فتح الباری، کتاب الزکاۃ، جلد 3، صفحہ 278، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ 702 وغیرہ

3۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 469

مخلوقات کو زندہ کر کے اٹھانے والا ہے۔ اس لئے یہ سب بیان کرنے کے بعد فرمایا: سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ اس چیز سے برتر، مقدس، منزہ اور بالا ہے کہ اس کا کوئی شریک، مثیل، مدمقابل، بیٹا یا باپ ہو بلکہ وہ یکتا، اکیلا اور بے نیاز ہے۔ نہ اس کی اولاد ہے اور نہ ماں باپ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ۝ (42)

”پھیل گیا ہے فساد بر اور بحر میں بوجہ ان کرتوتوں کے جو لوگوں نے کئے ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ چکھائے انہیں کچھ سزا ان کے (برے) اعمال کی شاید وہ باز آجائیں۔ (اے محبوب!) آپ (انہیں) فرمائیے سیر و سیاحت کرو زمین میں اور دیکھو کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے۔ ان میں سے اکثر مشرک تھے“۔

حضرت ابن عباس، عکرمہ، ضحاک اور سدی فرماتے ہیں کہ یہاں ”بر“ سے مراد میدان اور جنگل ہیں اور بحر سے مراد شہر اور دیہات۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ بر و بحر کا معروف معنی ہی مراد ہے یعنی بر سے مراد خشکی اور بحر سے مراد سمندر اور تری۔ زید بن رفیع کہتے ہیں کہ خشکی پر فساد ظاہر ہونے سے مراد ہے بارش کا نہ ہونا جس کے نتیجہ میں قحط سالی آجاتی ہے اور تری میں فساد سے مراد جانوروں کا اندھا ہو جانا(1)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ فساد بر سے مراد قتل اولاد آدم ہے اور فساد بحر سے مراد کشتیوں کو جبراً چھین لینا۔ عطا خراسانی کہتے ہیں کہ بر سے مراد شہر، دیہات اور بستیاں ہیں اور بحر سے مراد اس کے جزیرے لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے اور اسی پر اکثر کا اتفاق ہے۔ اس کی تائید سیرت ابن اسحاق کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بادشاہ سے صلح کی اور اس کا بحر یعنی شہر اسی کے نام کر دیا(2)۔ آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ گناہوں کے سبب اناج اور پھلوں میں نقصان ظاہر ہو گیا۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس نے زمین پر فساد برپا کیا کیونکہ زمین و آسمان کی اصلاح اطاعت پر موقوف ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”زمین پر ایک حد کا قائم ہونا زمین والوں کے لئے چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے“(3)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حدود قائم کی جائیں تو تمام لوگوں کی اکثریت محرمات کے ارتکاب سے باز آجاتی ہے۔ اور جب گناہ نہیں ہوں گے تو زمین و آسمان کی برکتیں انسان کو حاصل ہوں گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آخر زمانہ میں اتریں گے تو اسی شریعت مطہرہ کے مطابق فیصلے کرتے ہوئے خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب توڑ ڈالیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے، پھر یا تو اسلام قبول کرنا پڑے گا یا جنگ کرنا پڑے گی۔ آپ کے عہد میں جب دجال، اس کے پیروکار اور یاجوج ماجوج ہلاک ہو جائیں گے تو زمین کو حکم ہوگا کہ اپنی برکتیں باہر نکال۔ چنانچہ اس وقت یہ کیفیت ہوگی کہ لوگوں کی ایک جماعت ایک انار کھا کر خوب سیر ہو جائے گی اور اس کا چھلکا اتنا بڑا ہوگا کہ یہ سب لوگ اس کا سایہ حاصل کر سکیں گے اور ایک اونٹنی کا دودھ ایک جماعت کے لئے کافی ہوگا(4)۔ یہ ساری برکتیں صرف شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نفوذ کی وجہ سے حاصل ہوں گی۔ یہ قاعدہ ہے کہ

1۔ جامع البیان، جلد 6، صفحہ 497-496

2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 526-525

3۔ سنن نسائی، باب القطع، جلد 8، صفحہ 76-75، سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، جلد 2، صفحہ 848

4۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، 2250-2255، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 182-183 وغیرہ

جوں جوں عدل قائم ہوگا، خیر و برکت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ فاجر کی موت پر بندے، شہر، درخت اور جانور راحت پا لیتے ہیں(1)۔ مسند احمد میں ہے کہ زیاد کے دور میں ایک تھیلی ملی جس میں کھجور کی گٹھلی جیسے گندم کے دانے تھے اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ اس زمانہ کی پیداوار ہے جس میں عدل و انصاف کا دور دورہ تھا(2)۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ یہاں فساد سے مراد شرک ہے لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ پھر فرمایا: لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا یعنی جان، مال اور پیداوار میں کمی ان کے لئے آزمائش اور ان کے کرتوتوں کا بدلہ ہے تاکہ یہ گناہوں سے باز آ جائیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ (الاعراف: 168) "اور ہم نے انہیں نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ آزمایا تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کریں"۔ پھر فرمایا: قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ... یعنی زمین میں سیر و سیاحت کر کے دیکھو کہ تم سے پہلے پیغمبروں کو جھٹلانے والوں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ الْقَیِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ یَوْمَىِٕذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَیْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ یَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۴۵﴾

"پس کرلو اپنا رخ اس دین قیم کی طرف اس سے پہلے کہ آ جائے وہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جسے ٹلنا نہیں، اس روز یہ لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ جس نے کفر کیا تو اس پر ہے اس کے کفر کا وبال۔ اور جنہوں نے نیک عمل کئے تو وہ اپنے لئے ہی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ بدلہ دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، اپنے فضل و کرم سے۔ بے شک وہ پسند نہیں کرتا کفار کو"۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی اطاعت پر استقامت اختیار کرنے اور نیک اعمال بجالانے کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ الْقَیِّمِ... یعنی اپنا رخ وقوع قیامت سے پہلے پہلے اس مستحکم اور راست دین کی طرف کرلو۔ قیامت کا دن ایسا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کے وقوع کا ارادہ فرمالے گا تو کوئی اسے ٹالنے والا نہیں ہوگا اور اس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ ایک جماعت جنت میں اور ایک جماعت بھڑکتی ہوئی آگ میں، اس لئے فرمایا: مَنْ كَفَرَ ... مِنْ فَضْلِهٖ یعنی جس نے کفر کیا، اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا اور جنہوں نے نیک اعمال کئے، وہ اپنے لئے جنت کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ ان سعادتمندوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے کہیں زیادہ اجر عطا فرمائے گا یعنی ایک نیکی کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ۔ کفار کو ناپسند کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ ان پر ظلم نہیں کرتا بلکہ عدل سے کام لیتا ہے۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِیُذِیْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَ كَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾

1۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 12 صفحہ 362، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 656
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 296

"اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو (بارش کا) مژدہ سناتے ہوئے نیز تا کہ وہ تمہیں چکھائے اپنی رحمت سے اور تا کہ چلیں کشتیاں اس کے حکم سے اور تا کہ تم طلب کرو اس کے فضل سے اور تا کہ تم شکر ادا کرو۔ اور بے شک ہم نے بھیجے آپ سے پہلے پیغمبران کی قوموں کی طرف پس وہ لے کر آئے ان کے پاس روشن دلیلیں۔ پس ہم نے بدلہ لیا ان سے جنہوں نے جرم کئے۔ اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے اہل ایمان کی امداد فرمانا"۔

مخلوق پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ وہ اپنی رحمت یعنی بارش سے پہلے ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو بارش کا مژدہ سناتی ہیں، اس لئے فرمایا: وَلِيُذِيقَكُم مِّن رَّحْمَتِهِ رحمت سے مراد بارش ہے جس کے برسنے سے ہر چیز میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ہر سو رونق اور شادابی چھا جاتی ہے۔ پھر فرمایا: وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ کشتیوں کا چلنا بھی ہوا پر موقوف ہے۔ اسی سبب سے تم تجارت، کسب معاش اور دیگر اغراض کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف سفر کرتے ہو۔ اب تم پر فرض ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی ان گنت ظاہری اور باطنی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ یعنی یہ لوگ اگر آپ کو جھٹلاتے ہیں تو اس پر آپ افسردہ نہ ہوں۔ آپ سے پہلے بھی پیغمبر واضح دلائل و معجزات لے کر آئے لیکن ان کی قوموں نے انہیں بھی جھٹلا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان جھٹلانے والوں اور پیغمبروں کی مخالفت کرنے والوں کو برباد کر دیا اور ان پر ایمان لانے والوں کو نجات بخشی اور اہل ایمان کی مدد کرنا ایسا حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہوا ہے جیسا کہ فرمایا: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام: 54) "آپ کے رب نے رحمت فرمانا اپنے آپ پر لازم کر لیا ہے"۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو مسلمان اپنے بھائی کی آبرو کی حفاظت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ قیامت کے دن آتش جہنم کو اس سے دور کر دے"۔ پھر آپ نے یہ الفاظ تلاوت کئے: وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (1)۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَ يَجْعَلُهٗ كِسَفًا
فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ
يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ۝ فَانْظُرْ اِلٰۤى
اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ۝

"اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو پس وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پس اللہ تعالیٰ پھیلا دیتا ہے اسے آسمان پر جس طرح چاہتا ہے اور کر دیتا ہے اسے ٹکڑے ٹکڑے پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ ٹپکنے لگتی ہے اس میں سے۔ پھر جب پہنچاتا ہے اسے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے اس وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں۔ اگرچہ وہ بندے اس سے پہلے کہ ان پر بارش ہوتی مایوس ہو چکے تھے۔ پس (چشم ہوش سے) دیکھو رحمت الٰہی کی علامتوں کی طرف (تمہیں پتہ چلے گا) کہ وہ کیسے زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد۔ بے شک وہی خدا مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

1۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 499

"اور اگر ہم بھیج دیتے ایسی ہوا (جس کے اثر سے) وہ دیکھتے اپنے سرسبز کھیتوں کو کہ وہ زرد ہو گئے ہیں تو اس کے باوجود وہ کفر پر اڑے رہتے"۔

بارش برسانے والے بادلوں کے پیدا ہونے کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو سمندر سے یا اس جگہ سے اٹھا لاتی ہیں جہاں سے وہ چاہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بادل کو آسمان پر پھیلا دیتا ہے یعنی اسے بڑھا کر تھوڑے کو زیادہ کر دیتا ہے۔ یہ مشاہدہ دیکھنے میں آتا رہتا ہے کہ ڈھال کی مقدار ابر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا آسمان پر نظر آتا ہے پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ٹکڑا پھیل جاتا ہے اور آسمان کے کناروں کو ڈھانپ لیتا ہے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ سمندر سے پانی کے بھرے ہوئے بادل اٹھتے ہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (الاعراف: 57) اور یہاں فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ مجاہد، ابو عمرو بن العلاء، مطر الوراق اور قتادہ کہتے ہیں کہ "کِسَفًا" کا معنی ہے ٹکڑے۔ ضحاک نے اس کا معنی تہ بہ تہ کیا ہے۔ بعض نے اس کا معنی بتایا ہے: پانی کی بہتات کے باعث سیاہ بادل جو بھاری اور زمین کے قریب دکھائی دیتے ہیں۔ پھر ان بادلوں سے بارش برسنے لگتی ہے اور جہاں برستی ہے وہاں کے لوگ بڑے خوش ہوتے ہیں اگرچہ وہ پہلے بارش سے مایوس ہو چکے تھے اور جب ناامیدی کے بعد بوقت ضرورت بارش برسی تو وہ نہال اور مسرور ہو گئے۔ آیت کریمہ میں "مِنْ قَبْلِ" کو مکرر لانے کے متعلق علمائے نحو کا اختلاف ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ تکرار بطور تاکید ہے(1)۔ بعض دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ "مِنْ قَبْلِهٖ" کی ضمیر کا مرجع انزال ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دلالت تاسیس کے باعث اسے دوبارہ ذکر کیا گیا ہو یعنی بارش برسنے سے پہلے وہ اس کے محتاج تھے اور اس سے پہلے بھی وہ وقتاً فوقتاً بارش ان سے فوت ہوتی رہی، یہ اس کے انتظار میں رہے لیکن اس کے برسنے میں تاخیر ہوتی گئی، پھر کچھ مدت کے بعد وہ بارش کی امید کرنے لگے لیکن اب بھی بارش موخر ہو گئی پھر ناامید ہو جانے اور زمین کے خشک اور بنجر ہو جانے کے بعد جب اچانک بارش برسی تو ہر طرف جل تھل ہو گئی، افسردہ چہروں پر رونق چھا گئی اور زمین پر کھیتیاں لہلہانے لگیں اس لئے فرمایا: فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ ۔ یعنی بارش کے آثار کو دیکھو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ پھر اس مثال کے ذریعے لوگوں کو متنبہ کیا کہ زمین کو زندگی بخشنے والا خدا اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندگی عطا کر دے جبکہ ان کے جسم گل سڑ کر ادھر ادھر بکھر چکے ہوں گے، فرمایا: اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى پھر فرمایا: وَلَىٕنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا یعنی اگر ہم کھیتوں پر ایسی مضر ہوا چلا دیں جو انہیں زرد بنا کر تباہ کر ڈالے تو بھی یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے سے باز نہیں آئیں گے جیسا کہ فرمایا: اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ... بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ (الواقعہ: 67-63)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہوائیں آٹھ ہیں۔ ان میں سے چار باعث رحمت ہیں اور چار باعث زحمت۔ رحمت والی ہوائیں یہ ہیں: ناشرات، مبشرات، مرسلات اور ذاریات اور زحمت و عذاب والی ہوائیں یہ ہیں: عقیم، صرصر، عاصف اور قاصف۔ ان میں سے پہلی دو خشکی کی ہیں اور باقی دو تری کی۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، رحمت کی ہوا چلا دیتا ہے اور اسے بارش سے پہلے باعث مسرت و رحمت، بشارت اور بادلوں کو پانی کیساتھ اس طرح باردار کرنے والا بنا دیتا ہے جیسے مذکر مونث کو باردار بنا دیتا ہے، اور اگر وہ چاہے تو رحمت والی ہوا چلا کر بندوں میں سے جنہیں چاہے تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ مختلف سمتوں سے چلنے والی ہواؤں کے نام بھی مختلف ہیں: صبا (پروائی ہوا)، دبور (پچھوائی ہوا)،

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 54

جنوب اور شمال۔ اسی طرح ہوائیں نفع اور تاثیر میں بھی مختلف ہیں۔ کچھ ہوائیں نرم خرام اور تر ہوتی ہیں جو نباتات اور اجسام کی غذا ہیں، بعض ہوائیں خشک کرتی ہیں بعض ہلاکت خیز ہوتی ہیں بعض سے تخم پیدا ہوتی ہے اور بعض کمزوری اور ضعف کا سبب بنتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہوائیں دوسری زمین میں مسخر ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ہواؤں کے محافظ فرشتے کو حکم دیا کہ وہ قوم عاد پر ایسی ہوا بھیجے جس کے سبب وہ سب تباہ و برباد ہو جائیں۔ فرشتے نے عرض کی: اے پروردگار! کیا میں بیل کے نتھنے کی مقدار ان پر ہوا چھوڑ دوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہیں اس طرح تو ساری زمین اور اس پر ساری چیزیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔ اس قدر نہیں بلکہ انگوٹھی کے سوراخ کی مقدار ان پر ہوا چھوڑو۔ یہی وہ ہوا ہے جس کے متعلق فرمایا: مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ (الذاریات: 42) ”نہیں چھوڑتی تھی کسی چیز کو جس پر گزرتی تھی مگر اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی“۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا مرفوع ہونا منکر ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

”پس آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں اپنی پکار (خصوصاً) جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں۔ اور نہ آپ ہدایت دے سکتے ہیں اندھوں کو ان کی گمراہی سے۔ آپ نہیں سناتے مگر انہیں جو ایمان لائے ہماری آیتوں پر پس وہ گردن جھکائے ہوئے ہیں“۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح مردوں کو قبروں میں سنانا اور اعراض برتنے والے بہروں تک اپنی بات پہنچانا آپ کی قدرت سے باہر ہے، اسی طرح حق سے اندھے بننے والوں کو ہدایت دینے اور انہیں گمراہی سے باز رکھنے پر بھی آپ قادر نہیں ہیں۔ اس پر صرف اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل ہے۔ وہ اپنی قدرت سے جب چاہے مردوں کو زندوں کی آواز سنا سکتا ہے اور جسے چاہے ہدایت سے نواز سکتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کر سکتا ہے۔ اس کے سوا کسی اور کے بس میں یہ بات نہیں، اس لیے فرمایا: اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ یعنی آپ صرف انہیں سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ سر تسلیم خم کرنے والے اور اطاعت کرنے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو حق کو سنتے بھی ہیں اور اس کی اتباع بھی کرتے ہیں۔ یہ حال اہل ایمان کا ہے اور اس سے پہلے کافروں کا حال بیان ہوا جیسا کہ فرمایا: اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ (الانعام: 36) ”صرف وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان مردوں کو اٹھائے گا پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے“۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کریمہ: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے سماع موتی کی نفی پر استدلال کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی تاویل کی ہے جس میں آتا ہے کہ غزوۂ بدر میں قتل ہونے والے کفار کی لاشوں کو ایک گڑھے میں پھینک دیا گیا اس کے تین دن بعد جب نبی کریم ﷺ وہاں تشریف لائے اور ان کے نام لے لے کر ان سے خطاب کیا اور انہیں سرزنش کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ایسے لوگوں کو خطاب فرما رہے ہیں جو بے جان لاشے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میری بات ان سے زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے“۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس روایت کی تاویل کرتے ہوئے

فرمایا ہے: کہ اس سے آپ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ وہ اب جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا تھا، وہ حق ہے(1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے آپ ﷺ کی وہ بات سن لی جو آپ نے بطور سرزنش انہیں فرمائی تھی۔ علماء کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت بالکل صحیح ہے کیونکہ اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔ ان میں سے ایک مرفوع اور مشہور روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے: "جو آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اسے سلام دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے"(2)۔ امت کے لئے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جب وہ اہل قبور کو سلام کرنا چاہیں تو انہیں زندوں کی سا سلام کریں اور یہ کہا کریں: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ"(3)

یہ خطاب اس شخص کے لئے ہے جو سنتا بھی ہے اور سمجھتا بھی ہے۔ اگر یہ خطاب مقصود نہ ہوتا تو ان سے خطاب کرنا ایسے ہی ہوتا جیسے معدوم اور جماد سے خطاب کیا جاتا ہے۔ سلف صالحین کا اس بات پر اجماع ہے اور متواتر روایات سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ میت اپنے زیارت کرنے والے کو پہچانتی ہے اور خوش ہوتی ہے۔ ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب قبر کو اس سے بڑی تسکین ہوتی ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ وہ وہاں سے اٹھ جائے۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کے ساتھ اس کی جان پہچان تھی اور اسے سلام دیتا ہے تو وہ سلام کا جواب دیتا ہے۔ آل عاصم الجحدری میں سے کسی شخص نے بیان کیا ہے کہ میں نے عاصم الجحدری کو ان کی وفات کے دو سال بعد خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ آپ تو فوت نہیں ہو گئے؟ انہوں نے کہا کہ بالکل ایسا ہی ہے۔ میں نے کہا کہ اس وقت آپ کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اور میرے ساتھی جنت کے ایک باغ میں ہیں۔ ہم ہر جمعہ کی رات اور صبح کو بکر بن عبداللہ المزنی کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں اور تم لوگوں کی خبریں وصول کرتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ اجسام اکٹھے ہوتے ہیں یا ارواح؟ انہوں نے جواب دیا کہ جسم تو بوسیدہ ہو چکے ہیں۔ ملاقات روحوں کی ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ جب ہم تمہاری زیارت کو آتے ہیں تو کیا تمہیں اس چیز کا علم ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جمعہ کی رات، جمعہ کا پورا دن اور ہفتہ کے دن طلوع آفتاب تک ہمیں تم لوگوں کی زیارت کا علم ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ باقی دنوں میں کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا کہ جمعہ کے دن کی فضیلت اور عظمت کے باعث۔ حسن القصاب کہتے ہیں کہ میں محمد بن واسع کے ساتھ ہفتہ کی صبح کو زیارت قبور کے لئے جاتا۔ ہم وہاں ٹھہرتے، انہیں سلام کرتے اور ان کے لئے دعا کرتے پھر واپس لوٹ آتے۔ ایک دن میں نے سوچا کہ اگر اس کی بجائے پیر کا دن مقرر کر لیا جائے؟ وہ کہنے لگے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مردے اپنے زائرین کو صرف جمعہ، جمعرات اور ہفتہ کے دن پہچانتے ہیں۔ حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہفتہ کے دن طلوع آفتاب سے پہلے کسی قبر کی زیارت کی جائے تو صاحب قبر کو اس زیارت کا علم ہوتا ہے۔ ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ یوم جمعہ کے مقام و مرتبہ کے باعث۔ ابو التیاح کہتے ہیں کہ مطرف ہمونا صبح کے وقت زیارت قبور کے لئے جاتے لیکن جمعہ کو شب کے آخر میں جاتے۔ ایک رات وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر قبرستان آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ہر صاحب قبر اپنی قبر پر بیٹھا ہوا ہے۔ قبروں والے ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، جلد 2، صفحہ 218

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 301، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2، صفحہ 643

3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2، صفحہ 619، سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3، صفحہ 219 وغیرہ

یہ مطرف ہیں جو جمعہ کو تمہارے پاس آتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں؟ کہنے لگے: ہاں اور ہمیں یہ بھی علم ہے کہ پرندے ان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ دریافت کیا کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ سلام علیکم کہتے ہیں۔ فضل بن موفق کہتے ہیں کہ جب میرے والد محترم کی وفات ہوئی تو میں بہت غمزدہ اور پریشان ہوا۔ میرا یہ معمول بن گیا کہ میں ہر روز ان کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا۔ پھر کچھ عرصہ یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، کچھ دنوں کے انقطاع کے بعد ایک دن میں اپنے والد کی قبر پر حاضر ہوا اور قبر کے پاس بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں میری آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میرے والد محترم کی قبر کھل گئی ہے اور وہ کفن پہنے مردوں کے روپ میں قبر کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر مجھے رونا آ گیا۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگے: بیٹا! میری زیارت میں تاخیر کا سبب کیا ہے؟ میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ کو میری آمد کا علم ہوتا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ تم میری قبر پر آتے تھے تو تمہاری دعا کی وجہ سے نہ صرف مجھے مسرت ہوتی تھی بلکہ میرے اردگرد قبروں والے بھی خوش ہوتے تھے۔ اس کے بعد میں اکثر اپنے والد کی قبر پر جایا کرتا تھا۔ عثمان بن سوید طفاوی بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ بہت عبادت گزار تھیں۔ انہیں راہبہ کہا جاتا تھا۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرنے لگیں کہ اے وہ ذات جس پر زندگی میں اور موت کے بعد اعتماد ہے! مجھے موت کے وقت نہ بے یارومددگار چھوڑنا اور نہ وحشت زدہ کرنا۔ ان کی وفات کے بعد میں ہر جمعہ کو ان کی قبر پر جاتا اور ان کے لئے اور دوسرے اہل قبور کے لئے دعا اور استغفار کرتا۔ ایک دن میں نے اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا: امی جان! آپ کیسی ہیں؟ وہ کہنے لگیں: بیٹا! موت سخت تکلیف دہ چیز ہے۔ اب میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے برزخ کی قابل ستائش زندگی بسر کر رہی ہوں جہاں پھولوں کی سیج اور ریشمی لباس میسر ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟ وہ کہنے لگیں: ہاں۔ میں نے دریافت کیا کہ وہ کیا؟ وہ کہنے لگیں کہ ہماری قبروں کی زیارت اور ہمارے لئے دعا کرنے کا اپنا معمول ترک نہ کرنا۔ جمعہ کے دن مجھے تمہاری آمد کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ جب تم اپنے گھر سے یہاں آتے ہو تو مجھے کہا جاتا ہے: اے راہبہ! تمہارا بیٹا آ رہا ہے تو اس سے مجھے اور میرے اردگرد اہل قبور کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ بشر بن منصور کہتے ہیں کہ طاعون کے زمانہ میں ایک شخص قبرستان جاتا اور نماز جنازہ میں شرکت کرتا۔ جب شام ہوتی تو اہل قبور سے خطاب کر کے کہتا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وحشت کو دور کرے، تمہاری تنہائی پر رحم فرمائے، تمہارے گناہوں کو بخشش دے اور تمہاری نیکیوں کو قبول فرمالے۔ وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتا تھا۔ اس شخص نے بتایا کہ میں ایک دن شام کو اپنے گھر لوٹا اور حسب معمول قبرستان جا کر دعا نہ کر سکا۔ رات کو خواب میں میرے پاس بہت سے لوگ آئے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ تم کون ہو اور تمہاری ضرورت کیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم قبروں والے ہیں۔ تمہارا یہ معمول تھا کہ تم شام کو اپنے گھر لوٹتے وقت ہمیں ہدیہ دیا کرتے تھے؟ میں نے پوچھا کہ وہ کون سا؟ وہ کہنے لگے کہ وہ دعائیں جو تم ہمارے لئے کیا کرتے تھے۔ پھر میں نے زیارت قبور کو اپنا معمول بنالیا اور اسے کبھی ترک نہ کیا۔ اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہے کہ میت کو اپنے عزیز و اقارب کے اعمال کا بھی علم ہوتا ہے۔ ابو ایوب کہتے ہیں کہ زندوں کے اعمال مردوں پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ اعمال اچھے ہوں تو انہیں دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتے ہیں اور اگر وہ اعمال برے ہوں تو انہیں دیکھ کر وہ کہتے ہیں: یا اللہ! انہیں لوٹا دے(1)۔ عباد بن عبادفلسطین کے گورنر ابراہیم بن صالح کے پاس آئے۔ ابراہیم کہنے لگے کہ مجھے کوئی نصیحت کریں۔ عباد کہنے لگے کہ میں تمہیں کیا نصیحت کروں، اللہ تعالیٰ تمہاری اصلاح فرمائے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ زندوں کے اعمال ان کے رشتہ دار مردوں پر پیش کئے

1۔ لمنامات لابن ابی الدنیا 20-21، کتاب الزہد لعبداللہ بن المبارک 149-150

جاتے ہیں، اس لئے دیکھو کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے کیسے اعمال پیش کرتے ہو۔ یہ سن کر ابراہیم اتنا روئے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہوگئی۔ صدقہ بن سلیمان جعفری کہتے ہیں کہ عالم شباب میں مجھ سے کئی گناہ سرزد ہوئے۔ میرے والد صاحب کی وفات ہوئی تو مجھے اپنے گناہوں پر بہت ندامت ہوئی اور میں نے توبہ کرلی۔ اس کے بعد پھر مجھ سے کچھ لغزشوں کا صدور ہوا۔ ایک رات خواب میں میرے والد محترم مجھے کہنے لگے: بیٹا! پہلے نیکوکار لوگوں جیسے تمہارے اعمال جب ہم پر پیش کئے جاتے تھے تو میں خوشی سے پھولے نہیں سماتا تھا، لیکن اس بار جب تمہارے اعمال پیش ہوئے تو مجھے بڑی شرمساری کا سامنا کرنا پڑا، مجھے میرے پڑوسی اہل قبور کے سامنے رسوا نہ کرو(1)۔ اس ضمن میں صحابہ کرام سے بھی بہت سے آثار مروی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ایک رشتہ دار حضرت عبداللہ کی شہادت کے بعد یوں دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں ایسے عمل سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس کے باعث عبداللہ بن رواحہ کے ہاں میری رسوائی ہو۔ مردوں کو سلام دینا مشروع ہے اور ایسے شخص کو سلام دینا محال ہے جو نہ محسوس کرتا ہو اور نہ مسلمان کو جانتا ہو۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو تعلیم دی ہے کہ وہ زیارت قبور کے وقت یہ کہا کریں: ''سَلَامٌ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَمِنْكُمْ وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ'' (2)۔

یہ سلام، خطاب اور نداء اس موجود کیلئے ہے جو سنتا ہو، خطاب کرتا ہو، سمجھتا ہو اور جواب دیتا ہو اگرچہ سلام دینے والا مسلمان اس کے جواب کو نہ سن سکے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ (54)

''اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں (ابتداء میں) کمزور پیدا فرمایا پھر عطا کی (تمہیں) کمزوری کے بعد قوت۔ پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دے دیا۔ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، اور وہی سب کچھ جاننے والا بڑی قدرت والا ہے''۔

انسان اپنی پیدائش سے لے کر جن مراحل اور تبدیلیوں سے گزرتا ہے، ان کا حال بیان ہورہا ہے۔ انسان کی اصل پہلے مٹی ہے اور پھر نطفہ۔ یہ نطفہ پہلے جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کرلیتا ہے، پھر گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، پھر ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں، پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا جاتا ہے اور اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ پھر جب اس کی ولادت ہوتی ہے تو یہ بہت کمزور، نحیف اور ناتواں ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ پروان چڑھتا اور بڑھتا رہتا ہے۔ بچپن سے لڑکپن اور پھر قرب بلوغت کا مرحلہ آجاتا ہے۔ اس کے بعد کمزوری اور ناتوانی کا دور اختتام پذیر ہوجاتا ہے اور قوت سے لبریز جوانی اپنی بہار دکھانے کیلئے آجاتی ہے۔ بالآخر شباب بھی رخصت ہوجاتا ہے اور ایک بار پھر ضعف اور نقص کے دور کا آغاز ہوجاتا ہے۔ انسان ادھیڑ عمر کا ہوجاتا ہے، پھر عمر رسیدہ اور پھر بہت ہی بوڑھا ضعیف۔ یہ قوت کے بعد ضعف کا مرحلہ ہے۔ یہ ایسی عمر ہے جس میں کمزوری اپنے پنجے گاڑ لیتی ہے، ہمت جواب دے جاتی ہے، چلنا پھرنا دوبھر ہوجاتا ہے، بال سفید ہو جاتے ہیں اور تمام ظاہری اور باطنی صفات میں انقلاب رونما ہوجاتا ہے۔ اس لئے فرمایا: ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ یعنی اس نے قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دے دیا، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسے اس کی مرضی ہو، اسی طرح اپنے بندوں میں تصرف کرتا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر اور ہر امر پر قادر ہے۔ عطیہ عوفی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ضعفا تک اس آیت کی تلاوت

1۔ المنامات: 29-30
2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 671، سنن نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4 صفحہ 93

کی تو آپ نے بھی اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح تم نے میرے سامنے یہ آیت پڑھی، اسی طرح میں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے اتنی مقدار ہی تلاوت کی تھی کہ آپ ﷺ اس آیت کو پڑھنے لگے(1)۔

وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

"اور جس روز قیامت قائم ہوگی قسمیں اٹھائیں گے مجرم کہ نہیں ٹھہرے وہ (دنیا میں) مگر ایک گھڑی۔ یونہی وہ (پہلے بھی) غلط بیانی کیا کرتے تھے۔ اور کہیں گے وہ لوگ جنہیں علم اور ایمان دیا گیا (انہیں) کہ تم ٹھہرے رہے ہو نوشتہ الٰہی کے مطابق روز حشر تک۔ پس یہ (آگیا) ہے یوم محشر لیکن تم نہیں جانتے تھے۔ پس اس دن میں نہ نفع دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور نہ اجازت ہوگی کہ توبہ کر کے اللہ کو راضی کر لیں"۔

اس بات کی خبر دی جا رہی ہے کہ کافر دنیا و آخرت کے امور میں بالکل جاہل اور احمق ہیں۔ دنیا میں ان کی جہالت یہ ہے کہ بت پرستی اور شرک کو اپنا شیوہ بنائے رہے اور آخرت میں بھی اپنی انتہائی جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قسم اٹھا کر کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں صرف ایک گھڑی ٹھہرے۔ اس بات سے ان کا مقصود یہ ہوگا کہ ان پر نہ تو حجت قائم ہوئی اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی تا کہ ان کا کوئی عذر باقی نہ رہتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ۔ یعنی مومن علماء جس طرح دنیا میں ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم کرتے رہے، اسی طرح وہ قیامت کے دن کفار کے اس بے سروپا دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے کہیں گے کہ تم یوم حشر تک نوشتہ اعمال میں ٹھہرے رہے لیکن تم حقائق سے نابلد رہے۔ قیامت کے دن ان ظالموں کو نہ ان کی عذر خواہی کچھ فائدہ دے گی اور نہ انہیں دنیا میں لوٹایا جائے گا جیسا کہ فرمایا: وَ اِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ (حم السجدۃ: 24) "اور اگر وہ رضائے الٰہی چاہیں گے تو وہ ان میں سے نہیں ہوں گے جن پر اللہ راضی ہوا"۔

وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ لَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾

"اور بے شک ہم نے بیان فرمائی ہے لوگوں (کے بھلے) کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال۔ اور اگر آپ لے آئیں ان کے پاس کوئی نشانی تو (جواباً) یہی کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا نہیں ہو تم مگر باطل پرست۔ یونہی مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو (حق کو) نہیں جانتے۔ سو آپ صبر فرمائیں بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور آپ کو پھسلا نہ دیں (راہ حق سے) وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے"۔

1۔ سنن ابی داود، کتاب الحروف، جلد 4 صفحہ 32۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 58 وغیرہ

فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے اس قرآن کریم میں حق کو واضح طور پر لوگوں کے سامنے بیان کر دیا ہے اور اس میں ان کیلئے مثالیں بھی ذکر کی ہیں تاکہ یہ حق کو سمجھ کر اس کی اتباع کرنے لگ جائیں اور اگر یہ ہر قسم کے معجزات اور نشانیاں دیکھ لیں تو بھی یہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے بلکہ یہی خیال کریں گے کہ یہ جادو کا کرشمہ ہے اور بالکل جھوٹ اور باطل ہے۔ ان کے سامنے چاند دو ٹکڑے ہوا اور دیگر متعدد معجزات کا مشاہدہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے کیا لیکن اس کے باوجود اپنے کفر و شرک سے باز نہ آئے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ (یونس: 97-96)'' بے شک وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ساری نشانیاں آ جائیں جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں''۔ اس لئے یہاں فرمایا: كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ ۔ یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ جاہلوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ آپ ان کی مخالفت اور عناد پر صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ فتح و نصرت کا جو وعدہ فرمایا ہے، وہ اسے ضرور پورا کرے گا اور دنیا و آخرت میں صرف آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو سرخرو فرمائے گا۔ یہ لوگ جو یقین کی دولت سے محروم ہیں۔ آپ کو پھسلا نہ دیں بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغام پر ثابت قدم اور ڈٹے رہیں اور اس سے سرمو انحراف نہ کریں کیونکہ یہی حق ہے جو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے، اسی میں حق منحصر ہے اور باقی سب کچھ باطل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک خارجی نے باآواز بلند اس آیت کو پڑھا: وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (الزمر: 65)'' اور بے شک وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے کہ اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپ بھی خاسرین میں سے ہو جائیں گے''۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو غور سے سنا اور اس خارجی کی غرض سمجھ گئے۔ چنانچہ آپ نے نماز کے دوران ہی جواباً یہ آیت فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ تلاوت کی (1)۔ اب وہ حدیث ذکر کی جاتی ہے جو اس سورت کی فضیلت اور نماز فجر میں اس کی قراءت کے استحباب کے متعلق مروی ہے۔ کسی صحابی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے سورۂ روم کی قراءت کی۔ دوران قراءت آپ کو کچھ وہم ہو گیا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمانے لگے: ''ہم پر بعض اوقات قرآن کریم مشتبہ ہو جاتا ہے کیونکہ تم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہوتے ہیں لیکن وضو اچھی طرح نہیں کرتے۔ تم میں سے جو بھی ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو، اسے چاہئے کہ وہ اچھی طرح وضو کرے'' (2)۔ اس کا متن اور سند دونوں حسن ہیں۔ اس میں ایک عجیب راز اور انوکھی خبر ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ اپنے مقتدیوں کے وضو کے نقص سے متاثر ہوئے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ معلق ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 59۔ مستدرک حاکم، جلد 3 صفحہ 146۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 145

2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 471-472

سورۃ لقمان (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ﴿١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿٤﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٥﴾

"الف-لام-میم، یہ آیتیں ہیں کتاب حکیم کی۔ سراپا ہدایت اور رحمت ہے نیکوکاروں کیلئے۔ وہ جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور یہی لوگ ہیں جو آخرت پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی توفیق سے اور یہی لوگ دونوں جہانوں میں کامران ہیں"۔

سورۂ بقرہ کی تفسیر کے آغاز میں اس سورت کی ابتدائی آیات کی متعلقہ تفسیر گزر چکی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کریم کو ان نیکوکاروں کیلئے سراپا ہدایت، شفاء اور رحمت بنایا ہے جو شریعت کے مطابق نیک اعمال بجالاتے ہیں، فرض نمازیں اور نوافل ان کی حدود اور اوقات کی پابندی کرتے ہوئے صحیح صحیح ادا کرتے ہیں، مستحق لوگوں کو زکوٰۃ دیتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، دار آخرت میں اپنے نیک اعمال کے اجر وثواب کا یقین رکھتے ہیں اور نہ ریاکاری کرتے ہیں اور نہ لوگوں کی داد وتحسین کی امید رکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ...یعنی انہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت، بصیرت اور صراط مستقیم میسر ہے اور یہی دنیا و آخرت میں بامراد ہیں۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖۗ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٦﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْۤ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٧﴾

"اور کئی ایسے لوگ بھی ہیں جو بیوپار کرتے ہیں (مقصد حیات سے) غافل کردینے والی باتوں کا تاکہ بھٹکاتے رہیں راہ خدا سے (اس کے نتائج بد سے) بے خبر ہو کر۔ اور اس کا مذاق اڑاتے رہیں۔ یہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔ اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اسے ہماری آیتیں تو منہ پھیر لیتا ہے تکبر کرتے ہوئے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں، جیسے اس کے دونوں کان بہرے ہیں۔ سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیں"۔

قبل ازیں نیک بختوں کا ذکر ہوا جو کتاب اللہ سے ہدایت پاتے ہیں اور اسے سن کر نفع اٹھاتے ہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ

اللہ(الزمر:23)" اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیات ایک جیسی ہیں، بار بار دہرائی جاتی ہیں اور اس سے ان کے بدن کانپنے لگتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں"۔

اب یہاں ان بدبختوں کا حال بیان ہو رہا ہے جو کتاب اللہ سے اعراض برتتے ہیں اور اسے سن کر استفادہ نہیں کرتے بلکہ غنا، گانے بجانے اور موسیقی سننے میں محو رہتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "لَهْوَ الْحَدِيْثِ" سے مراد غنا اور گانا بجانا ہے۔ایک مرتبہ آپ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے تین مرتبہ قسم اٹھا کر فرمایا کہ اس سے مراد گانا اور غناء ہے(1)۔حضرات ابن عباس، جابر، عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، مکحول، عمرو بن شعیب اور علی بن بذیمہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت غناء اور گیتوں کے متعلق نازل ہوئی(2)۔ اس آیت کی تشریح میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں صرف وہی مراد نہیں جو لہو ولعب میں پیسے خرچ کرتا ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اسے محبوب رکھتا ہے اور خریدنے سے یہی مراد ہے۔انسان کو یہی گمراہی کافی ہے کہ وہ حق بات پر باطل کو اور نفع رساں چیز پر ضرر رساں چیز کو ترجیح دے۔ بعض نے لہو ولعب کے بیوپار سے مراد لیا ہے مغنیہ لونڈیاں خریدنا(3)۔حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مغنیہ عورتوں کی خرید وفروخت حلال نہیں اور ان کی کمائی کھانا حرام ہے اور انہی کے متعلق یہ آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ نازل ہوئی(4)۔امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے اور اس کے ایک راوی علی بن یزید کو ضعیف قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ علی، ان کے شیخ اور ان کے شاگرد بھی ضعیف ہیں۔ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "لَهْوَ الْحَدِيْثِ" سے مراد شرک ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے راستہ کی اتباع سے روکے۔فرمایا: لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی لہو ولعب کا بیوپار کرنے سے اس کی غرض اسلام اور اہل اسلام کی مخالفت ہے۔"لیضل" کی ایک قرأت یاء کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے۔اس صورت میں لام، لام عاقبت ہوگا یا امر تقدیری کے لئے لام تعلیل یعنی ایسا کرنا ان کے لئے مقدر کر دیا گیا تاکہ وہ ایسے ہو جائیں۔پھر فرمایا: وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا یعنی وہ راہ خدا کو ہنسی مذاق بنالے۔مجاہد نے ھا ضمیر کا مرجع سبیل (رستہ) کو بنایا ہے جبکہ قتادہ نے اس کا مرجع آیات کو بنایا ہے یعنی وہ آیات الٰہی کو مذاق بنالے۔ مجاہد کا قول زیادہ موزوں ہے۔آیت کے آخر میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے راستہ کا تمسخر اڑایا، اس لئے قیامت کے دن دائمی عذاب میں مبتلا کر کے ان کی اہانت کی جائے گی، پھر فرمایا: وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا یعنی اس لہو ولعب اور موسیقی وطرب میں منہمک رہنے والے شخص پر جب قرآنی آیات پڑھی جاتی ہیں تو یہ ان سے منہ پھیر لیتا ہے اور جان بوجھ کر بہرا بن جاتا ہے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں۔چونکہ وہ ان آیات سے کسی فائدہ کی توقع نہیں رکھتا اس لئے وہ انہیں سننے سے ہی متنفر ہے۔دنیا میں جس طرح اسے آیات قرآن سننے سے تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح آخرت میں اسے المناک عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے خوشیوں والے باغات ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں

1۔تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 61
2۔الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 505
3۔تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 61
4۔تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 60، عارضۃ الاحوذی، ابواب البیوع، جلد 5 صفحہ 281-282

گے۔ اللہ کا یہ سچا وعدہ ہے۔ اور وہی سب پر غالب، بڑا دانا ہے"۔

یہاں قیامت کے دن ان سعادت مند نیکوکاروں کا انجام بیان ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، پیغمبروں کی تصدیق کی اور شریعت کے مطابق نیک کام کیے، ان کے لئے نعمتوں بھری جنتیں ہیں جہاں انہیں لذیذ کھانے، عمدہ لباس، آرام دہ رہائش گاہیں، بہترین سواریاں، نیک سیرت اور نیک صورت بیویاں اور دیگر ایسی اعلیٰ اور عظیم الشان نعمتیں حاصل ہوں گی جن کا کسی انسان کے دل میں خیال تک نہ آیا ہوگا۔ یہ نعمتیں انہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حاصل رہیں گی اور یہ اس جنت سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کا تصور بھی نہیں کریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو ہر صورت پورا ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کریم، محسن اور قادر ہے۔ وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور وہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ اسی نے قرآن کریم کو اہل ایمان کیلئے سرچشمہ ہدایت بنا دیا ہے جیسے کہ فرمایا: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى (حم السجدة:44) " آپ فرمائیے یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے"۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل:82) " اور ہم قرآن میں وہ چیزیں نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہیں اور قرآن نہیں بڑھاتا ظالموں کے لئے مگر خسارہ کو"۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا
مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝10 هٰذَا خَلْقُ
اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝11

" اس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر جنہیں تم دیکھ سکو۔ اور کھڑے کر دیے ہیں زمین میں اونچے اونچے پہاڑ تا کہ زمین ڈولتی نہ رہے ساتھ تمہارے اور پھیلا دیے ہیں اس میں ہر قسم کے جانور۔ اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی، پس اگائے ہم نے زمین میں ہر نوع کے نفیس جوڑے۔ یہ تو ہے اللہ کی تخلیق۔ (اے مشرکو!) اب ذرا دکھاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے اس کے سوا؟! (کچھ بھی نہیں) مگر یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی کرشمہ سازی ہے کہ اس نے زمین و آسمان اور ان کے اندر اور ان کے درمیان تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ حسن اور قتادہ اس آیت خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ آسمانوں کے ستون نہیں ہیں نہ مرئی اور نہ غیر مرئی۔ حضرات ابن عباس، عکرمہ اور مجاہد فرماتے ہیں کہ آسمانوں کے ستون تو ہیں لیکن تمہیں نظر نہیں آتے۔ سورۂ رعد کے شروع میں اس مسئلہ کو بیان کیا جا چکا ہے، اس لئے اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں (1)۔ فرمایا: وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ یعنی زمین کو متوازن رکھنے اور جنبش سے بچانے کیلئے اس میں بھاری بھر کم اور اونچے اونچے پہاڑ گاڑ دیے تا کہ زمین اپنے مکینوں سمیت ڈولتی نہ رہے اور اس نے زمین میں مختلف شکلوں اور رنگوں والے ان گنت اقسام کے حیوانات پھیلا دیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو ثابت کرنے کے بعد کہ وہی خالق ہے، یہ بیان فرمایا کہ رازق بھی وہی ہے، ارشاد ہوتا ہے: وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً یعنی ہم نے آسمان سے پانی اتارا اور زمین میں ہر چیز کے خوشنما جوڑے اگائے۔ شعبی فرماتے ہیں کہ انسان بھی زمین کی پیداوار ہے۔ جنتی کریم ہے اور دوزخی لئیم۔ فرمایا: هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ یعنی زمین و آسمان

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ رعد: 2

اور ان میں تمام مخلوقات کی تخلیق صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی قدرت اور تقدیر کی کرشمہ سازی ہے۔ پس اے مشرکو! مجھے دکھاؤ کہ تمہارے بتوں نے کیا پیدا کیا ہے جن کی پوجا پاٹ میں تم ہر وقت لگے رہتے ہو بلکہ اصل بات یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے مشرک واضح گمراہی، جہالت اور اندھے پن کا شکار ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

"اور ہم نے عنایت فرمائی لقمان کو حکمت (ودانائی) اور فرمایا اللہ کا شکر ادا کرو۔ اور جو شکر ادا کرتا ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اپنے بھلے کے لئے، اور جو کفران نعمت کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ غنی ہے حمید ہے"۔

سلف کا حضرت لقمان کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا وہ نبی تھے یا بغیر نبوت کے مرد صالح تھے؟ اکثر کا اتفاق دوسرے قول پر ہے کہ وہ اللہ کے نیکوکار بندے تھے، نبی نہیں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان حبشی غلام اور بڑھئی تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جب ان کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ پست قد چپٹی ناک والے نوبہ کے باشندے تھے(1)۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ آپ موٹے موٹے ہونٹوں والے سوڈان کے رہنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت عطا فرمائی لیکن نبوت سے نہیں نوازا۔(2) ایک مرتبہ حضرت سعید بن مسیب نے ایک سیاہ فام شخص سے کہا کہ اپنے سیاہ فام ہونے پر رنجیدہ نہ ہو۔ اچھے اور صالح لوگوں میں سے تین اشخاص ایسے ہیں جن کا تعلق سیاہ فام علاقے سے تھا: حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت مہجع رضی اللہ عنہ اور لقمان حکیم جو نوبہ کے بڑے بڑے ہونٹوں والے سیاہ فام باشندے تھے(3)۔ خالد ربعی کہتے ہیں کہ حضرت لقمان حبشی غلام اور بڑھئی تھے۔ ایک روز ان کے آقا نے انہیں کہا کہ ایک بکری ذبح کرو اور اس کے دو نفیس ترین ٹکڑے میرے پاس لاؤ۔ انہوں نے بکری ذبح کی اور زبان اور دل نکال کر لے آئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد آقا نے حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کرو اور اس میں سے دو خبیث ترین ٹکڑے نکال کر میرے پاس لے آؤ۔ انہوں نے بکری ذبح کی اور زبان اور دل نکال کر پیش کر دیئے۔ آقا بہت حیران ہوا۔ پوچھنے لگا کہ جب میں نے گوشت کے دو بہترین ٹکڑے لانے کیلئے کہا تو بھی تم یہ دونوں اعضاء لے آئے اور جب میں نے بدترین ٹکڑے لانے کو کہا تو بھی تم یہی اعضاء لے آئے۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت لقمان نے جواب دیا کہ جب یہ دونوں پاکیزہ بن جائیں تو ان سے بڑھ کر پاکیزہ چیز کوئی نہیں اور جب یہ خبیث ہو جائیں تو ان سے بڑھ کر کوئی چیز خبیث نہیں(4)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ لقمان عبد صالح تھے، نبی نہ تھے، وہ موٹے موٹے ہونٹوں والے اور چوڑے چوڑے قدموں والے سیاہ فام غلام تھے۔ ایک اور روایت میں مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ عمرو بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت لقمان ایک مرتبہ بھری محفل میں وعظ کر رہے تھے کہ ایک چرواہا آپ سے کہنے لگا کہ کیا تم فلاں فلاں جگہ میرے ساتھ بکریاں نہیں چرایا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، بات ایسی ہی ہے۔ پھر وہ پوچھنے لگا کہ تم اس مرتبہ پر کیسے فائز ہوئے؟ آپ نے جواب دیا کہ سچ بولنے اور لایعنی کلام سے احتراز کرنے کے سبب(5)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکمت کے باعث لقمان حکیم کو بلند

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 509
2۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 67، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 509
3۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 67
4۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 67-68، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 519
5۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 68

متاع عطا فرمایا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے جو پہلے آپ کو جانتا تھا، آپ سے کہا کہ کیا تم وہی غلام نہیں ہو جو کل تک بکریاں چرایا کرتے تھے؟ فرمایا: میں وہی ہوں، اس نے دریافت کیا کہ پھر یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ فرمایا: اللہ کے فضل، امانت کی ادائیگی، راست گوئی اور لایعنی چیزوں کو ترک کرنے کے سبب۔ یہ تمام آثار صراحتاً یا اشارتاً اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے کیونکہ ان میں مذکور ہے کہ آپ غلام تھے اور غلام ہونا منصب نبوت پر فائز ہونے کے منافی ہے۔ انبیاء کرام علیہ السلام حسب ونسب اور خاندانی لحاظ سے سب سے اعلیٰ اور برتر ہوا کرتے ہیں اس لئے جمہور سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ نبی نہیں تھے۔ صرف حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نبی تھے(1)۔ بشرطیکہ یہ روایت ثابت ہو کیونکہ اس کے ایک راوی جابر بن یزید جعفی ضعیف ہیں۔ ایک آدمی حضرت لقمان سے کہنے لگا کہ کیا تم بنی الحسحاس کے غلام نہیں؟ فرمایا: واقعی ہوں۔ اس نے پھر پوچھا کہ کیا تم چرواہے نہیں ہو؟ فرمایا: بات اسی طرح ہے۔ پھر پوچھنے لگا کہ کیا تم سیاہ فام نہیں؟ فرمایا کہ بظاہر ایسا ہی ہے لیکن تمہیں مجھ پر تعجب کیوں ہو رہا ہے؟ وہ شخص کہنے لگا کہ مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا ہے اور لوگ بڑی عقیدت اور شوق سے تمہاری باتیں سنتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ اگر تم میری باتوں پر عمل کرو تو تم بھی میرے جیسے بن سکتے ہو۔ سنو نگاہ کو نیچا رکھنا، زبان کو قابو میں رکھنا، حلال کھانا کھانا، شرمگاہ کی حفاظت کرنا، سچ بولنا، وعدہ ایفاء کرنا، مہمان کی عزت کرنا، پڑوسی کا خیال رکھنا اور لایعنی باتوں کو ترک کرنا میرا شیوہ ہے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن کے باعث میں اس مقام پر پہنچا ہوں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضرت لقمان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ کسی امیر اور بڑے خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی ان میں زیادہ دنیاوی خصوصیات پائی جاتی تھیں بلکہ وہ سیدھے سادھے خاموش طبع شخص تھے، اکثر غور وفکر میں مشغول رہتے، گہری نظر والے تھے، دن کو کبھی نہ سوتے تھے، کسی نے کبھی انہیں نہ تھوکتے دیکھا، نہ ناک صاف کرتے، نہ پیشاب کرتے، نہ قضائے حاجت کرتے، نہ غسل کرتے، نہ ہنستے اور نہ لہو ولعب میں مصروف دیکھا ان کی ہر بات حکمت سے لبریز ہوتی تھی۔ اپنی اولاد کی وفات پر وہ روئے تک نہیں۔ بادشاہوں اور حکمرانوں کے پاس اس لئے جاتے تا کہ وہ غور وفکر کریں اور عبرت حاصل کریں۔ اسی وجہ سے انہیں یہ اعلیٰ مقام نصیب ہوا(2)۔ قتادہ سے ایک غریب اثر مروی ہے کہ لقمان حکیم کو نبوت اور حکمت کے درمیان اختیار دیا گیا تو انہوں نے نبوت کی بجائے حکمت کو اختیار کر لیا۔ وہ سوئے ہوئے تھے کہ جبریل علیہ السلام آئے اور ان پر حکمت برسا دی۔ صبح ہوئی تو حکیمانہ باتیں زبان پر جاری ہو گئیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت لقمان سے دریافت کیا گیا کہ جب آپ کے رب نے آپ کو اختیار دیا تو آپ نے نبوت پر حکمت کو کیوں ترجیح دی؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر مجھے منصب نبوت پر فائز کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا تو میں اسے قبول کر لیتا اور اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق کی درخواست کرتا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا تو مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ شاید میں اس منصب کی ذمہ داریوں کو نہ نبھا سکوں، اس لئے میں نے حکمت کو پسند کر لیا۔ اس روایت میں سعید بن بشیر راوی کے سبب ضعف ہے۔ حضرت قتادہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کو حکمت یعنی دین اسلام کی سمجھ عطا فرمائی۔ نہ وہ نبی تھے اور نہ ان کی طرف وحی اتری۔ فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ ۔ یعنی ہم نے لقمان کو فہم، علم اور تعبیر کی صلاحیت سے نوازا اور انہیں حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کا جو فضل وکرم تمہیں ارزانی ہوا اور دوسروں پر جو فضیلت تمہیں بخشی گئی اس پر اس کا شکر ادا کرو۔ پھر فرمایا: وَمَنْ يَّشْكُرْ ... یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے اس کا نفع

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 68
2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 517

اور ثواب اسے ہی حاصل ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ (الروم: 44) ''اور جنہوں نے نیک عمل کئے تو وہ اپنے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں''۔ پھر فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ یعنی اللہ تعالیٰ بندوں سے بے نیاز ہے۔ اگر تمام زمین والے اس کی ناشکری کریں تو بھی اسے کوئی نقصان نہیں کیونکہ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۣ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝۱۳ وَ
وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ
لِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝۱۴ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا
تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ
فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۵

''اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو کہا اسے نصیحت کرتے ہوئے اے میرے پیارے فرزند! کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا۔ یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔ اور ہم نے تاکیدی حکم دیا انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ شکم میں اٹھائے رکھا ہے اسے اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری کے باوجود اور اس کا دودھ چھوٹنے میں دو سال لگے (اس لئے ہم نے حکم دیا) کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ (آخرکار) میری طرف ہی (تمہیں) لوٹنا ہے۔ اور اگر وہ دباؤ ڈالیں تم پر کہ تو میرا شریک ٹھہرائے اس کو جس کا تجھے علم تک نہیں، تو ان کا یہ کہنا نہ مان البتہ گزران کرو ان کے ساتھ دنیا میں خوبصورتی سے۔ اور پیروی کرو اس کے راستہ کی جو میری طرف مائل ہوا۔ پھر میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے، پس میں آگاہ کروں گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے''۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو پند و نصیحت کی، اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ لقمان بن عنقاء بن سدون تھے۔ ایک قول کے مطابق ان کے بیٹے کا نام ثاران تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ یہاں بہترین وصف کے ساتھ ان کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے نہایت قیمتی مواعظ سے اپنے بیٹے کے دامن کو بھر دیا اور ظاہر ہے کہ اولاد انسان کو سب سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور اسی کے ساتھ سب سے زیادہ دلی تعلق ہوتا ہے، اس لئے وہی اس بات کی مستحق ہے کہ اس کا باپ اسے سب سے زیادہ مفید اور انمول چیز عطا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے پہلے اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیا۔ پھر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ یعنی شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الانعام: 83) تو یہ صحابہ کرام پر بہت شاق گزری۔ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کون ہے جس نے کوئی ظلم نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظلم سے مراد عام گناہ نہیں بلکہ اس سے مراد وہ ظلم ہے جس کا ذکر لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کیا تھا: يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۣ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (1)۔ اللہ وحدہ لا

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ لقمان، جلد 6 صفحہ 143، صحیح مسلم، کتاب الایمان، حصہ 1 صفحہ 114-115

شریک کی عبادت اور شرک سے اجتناب کی وصیت کرنے کے بعد والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنے کی نصیحت کی جیسے کہ فرمایا: وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل: 23) "اور آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ نہ عبادت کرو مگر اس کی اور والدین کے ساتھ احسان کرو"۔ قرآن کریم میں عموماً ان دونوں چیزوں کو ایک ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ یہاں فرمایا: وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ وھن کا معنی ہے مشقت، تکلیف اور ضعف۔ اس فرمان وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ کا مطلب یہ ہے کہ وضع حمل کے بعد ماں اپنے بچے کو دو سال دودھ پلاتی رہتی ہے اور اس کی تربیت میں لگی رہتی ہے جیسے کہ فرمایا: وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (البقرۃ: 233) "اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں، (یہ مدت) اس کے لئے ہے جو دودھ کی مدت پوری کرنا چاہتا ہے"۔ اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ نے استنباط کیا ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے کیونکہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (الاحقاف: 15) "اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے"۔ اللہ تعالیٰ ان صبر آزما اور جانگسل مراحل کا ذکر کرتا ہے جن سے گزر کر ماں اپنی اولاد کی تربیت کرتی ہے اور اپنے بچوں کی خاطر دن رات جاگ کر مشقت اٹھاتی اور تھکاوٹ کا شکار ہوتی ہے تاکہ اولاد اپنی ماں کے احسان کو یاد رکھے جیسا کہ فرمایا: وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (بنی اسرائیل: 24) "اور عرض کرو اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا"۔ یہاں فرمایا: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ یعنی میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو، تمہیں لوٹ کر میرے پاس ہی آنا ہے اور میں تمہیں اس کا وافر بدلہ دوں گا۔ سعید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے امیر بنا کر ہماری طرف بھیجا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر خطبہ دیا جس میں حمد و ثناء کے بعد انہوں نے فرمایا کہ میں تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ کا فرستادہ ہوں اور میں یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ تم لوگ صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ اور میری اطاعت کرو، میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کروں گا، سب کو لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہے پھر جنت یا جہنم میں دائمی ٹھکانا ہوگا، وہاں سے نہ کوچ ہوگا اور نہ موت آئے گی۔ پھر فرمایا: وَاِنْ جَاهَدٰكَ ... یعنی اگر وہ دباؤ ڈال کر تمہیں اپنا غیر اسلامی دین قبول کرنے پر مجبور کریں تو ہرگز ان کی یہ بات نہ ماننا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم دنیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک سے بھی ہاتھ کھینچ لو، بلکہ اچھے طریقے سے ان کے ساتھ گزران کرو، ان کے دنیوی حقوق ادا کرو اور ان اہل ایمان کی راہ اپناؤ جنہوں نے میری طرف رجوع کیا، پھر تم سب کو میری طرف لوٹنا ہے اور میں تمہیں تمہارے اعمال سے آگاہ کروں گا۔ طبرانی میں ہے کہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت وَاِنْ جَاهَدٰكَ میرے بارے میں نازل ہوئی۔ میں اپنی ماں کا بہت فرمانبردار اور خدمت گزار تھا۔ جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو میری ماں بہت برافروختہ ہوئی اور مجھے کہنے لگی کہ اے سعد! یہ تم نے کون سا نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ تم اس نئے دین سے منحرف ہو جاؤ ورنہ میں کھانا پینا ترک کر دوں گی اور یونہی بھوکی مر جاؤں گی اور لوگ تمہیں اپنی ماں کا قاتل کہہ کر عار دلایا کریں گے۔ میں نے اپنی ماں سے کہا کہ ایسا مت کیجئے، میں اپنے دین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہی۔ اس نے تین دن فاقے میں گزار دیئے۔ اب اس کی حالت بہت ہی خراب ہو گئی۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی تو فیصلہ کن انداز میں اپنی ماں سے کہا کہ یقین کر لو اگر تمہاری سو جانیں ہوں اور وہ ایک ایک کر کے نکل جائیں تو بھی میں اپنے دین سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں۔ اگر تمہاری مرضی ہے تو کھانا شروع کرو ورنہ اسی طرح فاقے میں رہو۔ میرا یہ عزم مصمم دیکھ کر اس نے بھوک ہڑتال ختم کر دی(1)۔

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 521، اسد الغابہ، جلد 2 صفحہ 368

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝

"(لقمان نے کہا) پیارے فرزند! اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر وزنی یا پھر وہ کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں (چھپی) ہو تو لے آئے گا اسے اللہ تعالیٰ۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے۔ میرے پیارے بچے! نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو، نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکتے رہو اور صبر کیا کرو ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے۔ بے شک وہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔ اور (تکبر کرتے ہوئے) نہ پھیر لے اپنے رخسار کو لوگوں کی طرف سے اور نہ چلا کر زمین میں اتراتے ہوئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا کسی گھمنڈ والے، فخر کرنے والے کو۔ اور درمیانہ روی اختیار کر اپنی رفتار میں اور دھیمی کر اپنی آواز۔ بے شک سب سے وحشت انگیز آواز گدھے کی آواز ہے"۔

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کی مزید وصیتیں اور حکمت بھری باتیں بیان ہو رہی ہیں تا کہ لوگ انہیں اپنے لئے مشعل راہ بنائیں اور ان کی پیروی کریں۔ فرمایا: يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ یعنی اگر رائی کے دانہ کے برابر وزنی کوئی ظلم، زیادتی یا گناہ ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس وقت لا حاضر کرے گا جب عدل و انصاف کے ترازو نصب کئے جائیں گے اور اچھے برے اعمال کی جزا دی جائے گی جیسا کہ فرمایا: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـــًٔا (الانبیاء:47) "اور ہم قیامت کے دن صحیح تولنے والے ترازو رکھیں گے پس کسی پر ذرہ بھر ظلم نہ کیا جائے گا"۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال:8-7) "پس جو ذرہ برابر نیکی کرتا ہے وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرتا ہے وہ بھی اسے دیکھ لے گا"۔ اللہ تعالیٰ رائی کے دانہ جیسی چیز بھی ظاہر کر دے گا اگر چہ وہ کسی چٹان کے اندر پوشیدہ ہو یا زمین و آسمان کے کسی کونے میں چھپی ہوئی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایک ذرہ کے برابر وزنی چیز بھی مخفی نہیں اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ یعنی اللہ تعالیٰ بہت باریک بین اور لطیف علم والا ہے۔ تمام اشیاء خواہ وہ کتنی ہی باریک، لطیف اور معمولی ہوں، اس سے اوجھل نہیں، وہ تو سخت اندھیری رات میں چیونٹیوں کے رینگنے سے بھی پوری طرح باخبر ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ "اِنَّهَآ" کی ضمیر ضمیر شان و قصہ ہے۔ اس صورت میں انہوں نے "مثقال" کو مرفوع پڑھنا جائز قرار دیا ہے لیکن پہلا قول ہی زیادہ موزوں ہے کہ اس ضمیر کا مرجع مظلمۃ (ظلم و زیادتی) یا "خطیئۃ" (برائی) ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ "صخرۃ" سے مراد وہ چٹان ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت سے یہ قول مروی ہے۔ سدی نے اس کی اسناد ذکر کی ہیں بشرطیکہ وہ صحیح ہوں۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ قول ان اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے جن کی نہ تصدیق کی جا سکتی ہے اور نہ تکذیب۔ بظاہر اس کا یہی معنی ہے کہ اگر کوئی معمولی اور حقیر سا دانہ بھی کسی چٹان کے اندر ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے علم لطیف سے اسے بھی ظاہر کر دے گا جیسے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم میں سے کوئی شخص کسی ایسی ٹھوس چٹان کے اندر کوئی عمل کرے جس میں نہ

کوئی دروازہ ہو اور نہ کوئی سوراخ، تو اس کا عمل جیسا بھی ہو لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے گا" (1)۔ پھر فرمایا: یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ۔ یعنی اے میرے بیٹے! نماز کو صحیح صحیح ادا کرو اور اس کی حدود، شرائط، فرائض اور اوقات کی پابندی کرو، مقدور بھر نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو اور مصائب پر صبر کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بہت کٹھن ہے۔ اس راہ میں لوگوں کی مخالفت اور ایذاء کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے یہاں صبر کا حکم دیا اور فرمایا کہ لوگوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنا بہت ہمت اور جوانمردی کا کام ہے۔ پھر فرمایا: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ یعنی گفتگو کرتے وقت از راہ غرور و نخوت لوگوں سے اپنا چہرہ نہ پھیر لیا کرو بلکہ نرمی اور خندہ پیشانی سے پیش آیا کرو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے "تمہارا اپنے بھائی کے ساتھ کشادہ روئی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا بھی نیکی ہے، تہبند کو ٹخنے سے نیچا نہ کرو کیونکہ یہ تکبر ہے اور تکبر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں" (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو تم تکبر و غرور کے باعث اللہ کے بندوں کو حقیر جانو اور جب وہ تمہارے ساتھ کلام کریں تو تم ان سے اپنا منہ موڑ لو۔ زید بن اسلم رحمتہ اللہ علیہ اس کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ اس حالت میں گفتگو نہ کرو کہ تم اعراض کئے ہوئے ہو۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے باچھیں کھول کر گفتگو کرنا۔ صحیح قول پہلا ہی ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ فعل صعر سے ماخوذ ہے اور صعر ایک ایسی بیماری ہے جو اونٹوں کی گردن یا سر میں ظاہر ہوتی ہے اور اس سے گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ متکبر شخص کو اس سے تشبیہ دی جاتی ہے جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے (3)۔

وَ کُنَّا اِذَا الْجَبَّارُ صَعَّرَ خَدَّهٗ اَقَمْنَا لَهٗ مِنْ مَیْلِهٖ فَتَقَوَّمَا

یعنی جب کوئی جابر از راہ تکبر اپنا رخسار پھیر لیتا ہے تو ہم قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کی کجی کو درست کر دیتے ہیں تو وہ سیدھا ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا: وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا یعنی زمین پر تکبر، سرکشی اور فخر و غرور سے اتراتے ہوئے نہ چلو کیونکہ یہ چال اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ یعنی اللہ تعالیٰ ہر گھمنڈ کرنے والے اور فخر و غرور کرنے والے خود پسند کو محبوب نہیں رکھتا۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (بنی اسرائیل: 37) اس کی وضاحت اس کے مقام پر گزر چکی ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تکبر کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی سخت مذمت کرتے ہوئے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ہر خود پسند اور متکبر کو پسند نہیں کرتا۔" اس پر ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے کپڑے دھوتا ہوں تو مجھے ان کی صفائی اور سفیدی بھلی لگتی ہے، اسی طرح مجھے اپنے جوتے کا تسمہ اور اپنے کوڑے کا غلاف بہت اچھا لگتا ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تکبر اس چیز کا نام نہیں، تکبر تو یہ ہے کہ تو حق کی بے حرمتی کرے اور لوگوں کو حقیر خیال کرے" (4)۔ یہ روایت ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ اس میں ایک طویل قصہ ہے اور اس میں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے انتقال اور آپ کی وصیت کا بھی ذکر ہے (5)۔ پھر درمیانی چال چلنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ یعنی اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو، نہ بالکل سست اور نہ بہت زیادہ تیز بلکہ اعتدال کے ساتھ۔ اس کے بعد گفتار کا ادب سکھاتے ہوئے فرمایا: وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ یعنی کلام میں مبالغہ نہ کرو اور نہ اونچی آواز سے بے فائدہ گفتگو کرو کیونکہ سب سے زیادہ بھیانک اور وحشت انگیز آواز گدھے کی ہے۔ مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ قبیح ترین آواز گدھے کی ہے۔

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 28 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 56 3۔ دیوان المتلمس: 24

4۔ معجم کبیر، جلد 2 صفحہ 69 5۔ معجم کبیر، جلد 2 صفحہ 70-71

چنانچہ جو شخص بلا وجہ چیختا چلاتا ہے اسے گدھے کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض بھی ہوتا ہے۔ گدھے کے ساتھ یہ تشبیہ اس کی حرمت اور اسکے انتہائی مذموم ہونے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بری مثالیں ہمیں زیبا نہیں، اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے پھر اسے چاٹ لیتا ہے'' (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کرو اور جب گدھے کے ہینگنے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے'' (2)۔ یہ تو حضرت لقمان کی وہ نفع بخش وصیتیں ہیں جو قرآن کریم میں بیان کی گئی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی متعدد مواعظ اور حکیمانہ اقوال ان سے مروی ہیں۔ بطور نمونہ اور دستور کے ان میں سے بعض کا ہم ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لقمان حکیم کہا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز سونپ دی جائے تو وہ اس کی حفاظت کرتا ہے'' (3)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے میرے بیٹے! ڈھاٹا باندھنے سے اجتناب کرو کیونکہ یہ رات کو خوفزدہ کرنے والی اور دن کو مذمت والی چیز ہے'' (4)۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ حکمت مسکینوں کو بادشاہ بنا دیتی ہے۔ فرمایا کہ جب تم کسی محفل میں جاؤ تو انہیں سلام کرو پھر ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ جب تک وہ گفتگو نہ کریں، خاموش رہو۔ اگر وہ اللہ کا ذکر کریں تو بغیر کسی تاخیر کے ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ اور اگر وہ کسی دوسری چیز میں لگ جائیں تو تم ان سے الگ ہو جاؤ۔ حفص بن عمر فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان نے رائی سے بھری ایک تھیلی اپنے پاس رکھ لی اور اپنے بیٹے کو وعظ و نصیحت کرنے لگے۔ ہر نصیحت کے بعد تھیلی سے ایک دانہ نکال لیتے۔ جب تھیلی خالی ہو گئی تو اپنے بیٹے سے فرمانے لگے کہ اگر میں اس قدر وعظ و نصیحت کسی پہاڑ کو کرتا تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ چنانچہ آپ کے بیٹے کا بھی یہی حال ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حبشیوں کا خیال رکھو کیونکہ ان میں سے تین اہل جنت کے سرداروں میں سے ہیں: ''لقمان حکیم، نجاشی اور بلال مؤذن'' (5)۔

گمنامی اور تواضع کا بیان

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اس کی بھی وصیت کی تھی۔ حافظ ابو بکر بن ابی الدنیا نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔ اس میں سے ہم بعض اہم باتیں ذکر کرتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہت سے پراگندہ بالوں والے اور بوسیدہ کپڑوں والے ایسے لوگ ہیں جنہیں لوگوں کے دروازوں سے دھتکار دیا جاتا ہے لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ پر کوئی قسم اٹھا لیں تو وہ ضرور ان کی قسم پوری کرتا ہے'' (6)۔ ایک اور روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ براء بن مالک انہی میں سے ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان متقی صاحب ثروت لوگوں کو مبارک ہو کہ جب وہ لوگوں کے سامنے آئیں تو انہیں کوئی پہچانتا نہیں اور جب وہ غائب ہوں تو کوئی ان کا حال دریافت نہیں کرتا۔ یہ چراغ ہیں جو ہر پراگندہ کرنے والے غبار آلود فتنہ سے محفوظ ہیں''۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو روضہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الہبۃ، جلد 3 صفحہ 215، صحیح مسلم، کتاب الہبات، جلد 5 صفحہ 1240-1241

2۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، جلد 4 صفحہ 155، صحیح مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 2092 3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 87

4۔ مستدرک حاکم، تفسیر سورۂ لقمان، جلد 2 صفحہ 411 5۔ معجم کبیر، جلد 11 صفحہ 198، مجمع الزوائد، جلد 4 صفحہ 236 6۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 145

رسول ﷺ کے پاس روتے ہوئے دیکھا تو ان سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ وہ کہنے لگے کہ میرے رونے کا سبب ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”معمولی سی ریاکاری بھی شرک ہے اور اللہ تعالیٰ ان متقی صاحب ثروت گمنام لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جنہیں ان کی عدم موجودگی میں یاد نہیں کیا جاتا اور موجودگی میں انہیں پہچانا نہیں جاتا۔ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں اور یہ ہر غبار آلود تاریکی سے نجات یافتہ ہیں“ (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بعض ایسے بوسیدہ اور پھٹے پرانے کپڑوں والے ہیں جنہیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی لیکن (اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا یہ مقام ہے کہ) اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھا لیں تو وہ ضرور ان کی قسم پوری فرما دے۔ اگر وہ کہیں: یا اللہ! ہم تم سے جنت کا سوال کرتے ہیں تو وہ انہیں ضرور جنت مرحمت فرما دے اگرچہ اس نے انہیں دنیا سے محروم ہی رکھا ہو“ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اگر تمہارے دروازے پر آ کر درہم، دینار یا ایک پیسہ بھی مانگیں تو اسے وہ بھی نہ دے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کریں تو وہ ضرور انہیں عطا فرما دے لیکن اگر وہ دنیا کا سوال کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا نہ عطا کرے اور نہ ہی ان سے روکے کیونکہ دنیا بے وقعت چیز ہے۔ یہ گویا پھٹی پرانی دو چادروں میں ملبوس رہتے ہیں۔ انہیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی لیکن ان کا مقام یہ ہے کہ اگر یہ قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی قسم کو پورا کرے“ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جنت کے بادشاہوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو پراگندہ بالوں والے، غبار آلود چہروں والے اور دو بوسیدہ چادریں پہننے والے ہیں، انہیں کسی خاطر میں نہیں لایا جاتا۔ جب یہ امراء کے پاس جانے کے لئے اجازت طلب کرتے ہیں تو انہیں اجازت نہیں ملتی، جب یہ شادی کے لئے رشتہ مانگتے ہیں تو انہیں رشتہ نہیں ملتا اور جب یہ بات کرتے ہیں تو ان سے منصفانہ برتاؤ نہیں کیا جاتا، ان کی ضروریات اور آرزوئیں ان کے سینوں میں ہی دم توڑ دیتی ہیں۔ قیامت کے دن انہیں اس قدر نور میسر ہوگا کہ اگر اسے لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تو سب کو کافی ہو جائے۔ عبداللہ بن مبارک اپنے اشعار میں کہتے ہیں کہ بوسیدہ کپڑوں والے وہ لوگ جنہیں دنیا میں کوئی اہمیت اور وقعت نہیں دی جاتی، انہیں جنت میں ایسا مقام حاصل ہوگا جہاں عالی شان مسندیں بچھی ہوں گی، گاؤ تکیے لگے ہوں گے، ان کے محلات کے اردگرد انوار و تجلیات کی بارش ہوگی اور باغات کی پر بہار فضاؤں میں یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے شاد کام ہو رہے ہوں گے (3)۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے سب سے زیادہ محبوب ولی وہ مومن ہے جو کم مال والا اور نمازی ہو، اپنے رب کی خوب عبادت کرے اور خلوت میں بھی اپنے رب کو یاد کرے، لوگوں میں گمنام ہو اور اسے کوئی شہرت حاصل نہ ہو بشرطیکہ وہ اس پر صبر کرے“۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ جھاڑ کر فرمایا: ”اس کی موت جلد آ جائے، اس کی میراث کم ہو اور اس پر رونے والیاں بھی قلیل ہوں“ (4)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب بندے غرباء ہیں۔ دریافت کیا گیا کہ غرباء کون ہیں؟ فرمایا کہ وہ لوگ جو متاع ایمان کو خطرہ لاحق ہونے پر اپنے دین کو لے کر کسی اور جگہ منتقل ہو جاتے ہیں۔ قیامت کے دن انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جمع کیا جائے گا (5)۔ فضیل بن عیاض کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرمائے گا کہ کیا میں نے تم پر انعام نہیں فرمایا؟ کیا میں نے تمہیں عطا نہیں کیا؟ کیا میں نے تمہیں چھپایا نہیں؟ کیا میں نے یہ نہیں کیا؟ کیا میں نے یہ نہیں کیا؟ کیا میں نے تمہیں نیک نامی نہیں

1۔ التواضع والخمول از ابن ابی الدنیا: 30-28
2۔ التواضع والخمول، ابن ابی الدنیا: 17-15
3۔ التواضع والخمول۔ ابن ابی الدنیا: 25-24
4۔ مجمع الزوائد، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 209، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 252-253
5۔ الفقر والفقراء، جلد 43-42

بخشی؟ پھر حضرت فضیل فرمانے لگے کہ اگر ہو سکے تو گمنام رہو۔ اس صورت میں اگر لوگ تمہاری تعریف نہ کریں تو بھی کوئی حرج نہیں اور اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم لوگوں کے ہاں مذموم ہو بشرطیکہ اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب رکھتا ہو۔ ابن محیریز دعا کیا کرتے تھے: یا اللہ! میں تم سے گمنامی کی درخواست کرتا ہوں۔ خلیل بن احمد یہ دعا کرتے تھے: یا اللہ! مجھے اپنی نظروں میں بلند مقام عطا فرما اور مجھے میری نظروں میں حقیر بنا دے اور لوگوں کی نگاہوں میں مجھے اوسط درجے کا بنا دے (1)۔

شہرت کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آدمی کو یہی شر کافی ہے کہ اس کی دینداری یا دنیاداری میں لوگ انگلیوں سے اس کی طرف اشارہ کر کے اسے شہرت دیں (بجز اس کے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے) اور اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ تمہارے قلوب اور اعمال کو دیکھتا ہے" (2)۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت مرسلاً مروی ہے۔ جب آپ نے یہ روایت بیان کی تو کسی شخص نے آپ سے کہا کہ آپ کی طرف بھی تو انگلیوں کے ساتھ اشارے کئے جاتے ہیں یعنی آپ کو شہرت حاصل ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دین کے بارے میں بدعت کے ساتھ اور دنیا کے متعلق فسق و فجور کے ساتھ کسی پر انگلیاں اٹھیں (3)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حصول شہرت میں نہ پڑو، اپنے آپ کو اونچا نہ کرو کہ لوگوں میں تمہارے تذکرے ہونے لگیں، علم حاصل کرو، گمنام رہو اور خاموشی اختیار کرو، سلامتی پا جاؤ گے، نیکوکاروں کو خوش رکھو اور بدکاروں کو غضبناک کرو۔ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شہرت کو محبوب رکھنے والا اللہ کا دوست نہیں۔ ایوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کا دوست پسند کرتا ہے کہ اس کے مقام و مرتبہ پر کوئی آگاہ نہ ہو۔ محمد بن علاء فرماتے ہیں: جو شخص اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھتا ہے، وہ اس بات کو بھی محبوب رکھتا ہے کہ لوگ اسے نہ پہچانیں۔ سماک بن سلمہ فرماتے ہیں کہ زیادہ دوست بنانے سے اجتناب کرو۔ ابان بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر تم اپنے دین میں عافیت اور سلامتی کے خواہاں ہو تو لوگوں سے کم جان پہچان رکھو۔ حضرت ابو عالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس تین سے زیادہ آدمی جمع ہو جاتے تو وہ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوتے۔ حضرت طلحہ نے اپنے ساتھ لوگوں کا ہجوم دیکھا تو فرمانے لگے: طمع کی مکھیاں اور آگ کے پروانے۔ لوگ حضرت حنظلہ کو گھیرے کھڑے تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو اپنا کوڑا تان کر فرمایا کہ اس میں تابع کی ذلت اور متبوع کے لئے فتنہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو بہت سے لوگ آپ کے ساتھ ہو لئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہیں میری پوشیدہ باتوں کا علم ہو جائے تو تم میں سے دو آدمی بھی میرے پیچھے چلنا گوارا نہ کریں۔ حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ جب ہم کسی مجلس کے پاس سے گزرتے اور ہمارے ساتھ حضرت ایوب رحمۃ اللہ علیہ ہوتے تو ان کے سلام کرنے پر لوگ سختی سے سلام کا جواب دیتے۔ یہ ایک نعمت تھی۔ حضرت ایوب رحمۃ اللہ علیہ لمبی قمیض پہنتے۔ اس بارے میں آپ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ پہلے زمانہ میں قمیض لمبا کرنے میں شہرت تھی اور اب قمیض چھوٹا رکھنے میں شہرت ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے نبی کریم ﷺ کے جوتوں جیسے جوتے بنوائے اور انہیں کچھ دن پہننے کے بعد اتار دیا اور فرمایا کہ لوگ ایسے جوتے نہیں پہنتے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا لباس مت پہنو جو شہرت کا باعث بنے اور ایسے لباس سے بھی احتراز کرو جسے دیکھ کر لوگ نفرت کرنے لگیں۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلف صالحین نہ تو اتنا عمدہ اور قیمتی لباس پہنتے تھے جس کے سبب انہیں شہرت حاصل ہو اور لوگ نگاہیں اٹھا اٹھا کر اسے دیکھیں اور نہ ہی اتنا گھٹیا

1۔ التفسیر والاقتباس، جلد 4، 44-46
2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب القیامۃ، جلد 9، صفحہ 279
3۔ التوشیح والتحلیل، 61-63

لباس پہنتے تھے جو ذلت نفس اور حقارت دین کا باعث بنے۔ ابو قلابہ کے پاس ایک شخص نہایت قیمتی پوشاک پہنے ہوئے آیا تو آپ نے فرمایا کہ اس ہینگنے والے گدھے سے بچو۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے دلوں میں تکبر اور کپڑوں میں تواضع ڈال رکھی ہے۔ ایک چادر والا ایک جھوڑی والے سے زیادہ محبوب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تمہیں کیا ہے تم میرے پاس درویشوں کے لباس میں لیکن بھیڑیوں جیسے دلوں کے ساتھ آتے ہو۔ بادشاہوں جیسا لباس پہنو لیکن دلوں کو خوف خدا سے نرم رکھو(1)۔

حسن خلق کا بیان

رسول اللہ ﷺ سب سے اچھے اخلاق والے تھے(2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! کون سا مومن بہتر ہے؟ فرمایا: ''سب سے اچھے اخلاق والا''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: ''ایک بندہ حسن خلق کے باعث آخرت کے درجات اور جنت میں اعلیٰ مقامات حاصل کر لیتا ہے حالانکہ وہ کم عبادت کرنے والا ہوتا ہے اور ایک عبادت گزار اپنی بد خلقی کے سبب جہنم کے گڑھوں میں پہنچ جاتا ہے''(3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی ایک اور مرفوع حدیث مروی ہے: ''حسن خلق دنیا و آخرت کی خیر کا موجب ہے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے: ''بندہ اپنے حسن خلق کی وجہ سے رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے شخص کا درجہ پا لیتا ہے''(4)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حصول جنت کا عموماً کیا موجب ہے؟ فرمایا: ''خوف خدا اور حسن اخلاق''۔ پھر آپ سے جہنم میں لے جانے والی چیزوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''دو کھوکھلی چیزیں: منہ اور شرمگاہ''(5)۔ ایک مرتبہ بہت سے اعرابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! انسان کو سب سے بہتر چیز کون سی عطا ہوئی ہے؟ فرمایا: ''حسن خلق(6)''۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میزان میں حسن خلق سے زیادہ وزنی چیز کوئی نہیں(7)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: ''تم میں سے سب سے زیادہ بہتر وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں''(8)۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس طرح راہ خدا میں جہاد کرنے والے کو صبح و شام اجر ملتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بندے کو حسن اخلاق پر بھی ثواب عطا فرماتا ہے''(9)۔ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: ''تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں اور تم میں میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت اور جنت میں مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ ہیں جو بد اخلاق، باچھیں پھیلا پھیلا کر فضول گوئی کرنے والے اور بدزبان ہوں''(10)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ''کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں کہ تم میں سے کامل ایمان والے کون ہیں؟ وہ جو تم میں سب

1۔ التواضع والخمول: 193 — 2۔ فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 582، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1805

3۔ معجم کبیر، جلد 1 صفحہ 260 — 4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 252، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 64-90-132

5۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب البر والصلۃ، جلد 8 صفحہ 168، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1418

6۔ مستدرک حاکم، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 121، کتاب الطب، جلد 4 صفحہ 198-199، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 279

7۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب البر والصلۃ، جلد 8 صفحہ 167-168، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 442

8۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 16، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1810 — 9۔ التواضع والخمول: 225 — 10۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 193

سے زیادہ اچھے اخلاق والے اور تواضع کرنے والے ہیں جو دوسروں سے محبت کرتے ہیں اور دوسرے ان سے محبت رکھتے ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جس شخص کی سیرت اور صورت کو خوبصورت بنایا ہے وہ اسے آگ کا لقمہ نہیں بنائے گا"۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے "دو خصلتیں ایسی ہیں جو کسی مومن میں جمع نہیں ہو سکتیں: بخل اور بدخلقی"۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ہاں بدخلقی سے بڑا کوئی گناہ نہیں"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بداخلاق ایک گناہ سے نکل کر دوسرے گناہ میں پڑ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ہاں بدخلقی سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔ اچھے اخلاق گناہوں کو اس طرح گھلا دیتے ہیں جس طرح سورج برف کو پگھلا دیتا ہے اور برے اخلاق اعمال کو اس طرح فاسد کر دیتے ہیں جس طرح سرکہ شہد کو(1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: "تم لوگوں کو مال سے اپنا گرویدہ نہیں بنا سکتے بلکہ خندہ پیشانی اور خوش خلقی سے انہیں اپنا بنا سکتے ہو"۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ خوش خلقی دینی امور میں معاون ہے۔

تکبر کی مذمت کا بیان

حضور ﷺ فرماتے ہیں: "وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو اور وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو"(2)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہے، اسے اوندھے منہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا(3)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک آدمی خود پسندی کا شکار رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں جابروں کی فہرست میں لکھ لیا جاتا ہے اور اسے انہی جیسا عذاب پہنچتا ہے"(4)۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر رونق افروز ہوئے۔ دو لاکھ انسان اور دو لاکھ جن ساتھ تھے۔ آپ کو آسمان تک بلند کیا گیا یہاں تک کہ آپ فرشتوں کی تسبیح کی آواز سننے لگے پھر آپ کو نیچے لایا گیا یہاں تک کہ آپ کے پاؤں سمندر کے پانی کو چھونے لگے۔ پھر آپ کو ایک آواز سنائی دی جو یہ پیغام دے رہی تھی کہ اگر ان کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوتا تو انہیں جس قدر بلند کیا گیا تھا، اس سے بھی زیادہ نیچے انہیں دھنسا دیا جاتا(5)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے انسان کی پیدائش کا ذکر کیا اور فرمایا کہ انسان دو شخصوں کی پیشاب گاہ سے نکلتا ہے۔ آپ کا یہ بیان ایسا تھا کہ سامعین سے ہر شخص خود کو حقیر سمجھنے لگا۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے دو شخصوں کو قتل کیا وہ بڑا سرکش اور جابر ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ (القصص: 19) "کیا تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے جیسے کل تو نے ایک شخص کو قتل کیا تھا، تو نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تو ملک میں بڑا جابر بن جائے"۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم پر تعجب ہے! دن میں دو مرتبہ اپنے ہاتھ سے اپنا پاخانہ دھوتا ہے اور پھر بھی آسمانوں کے جبار کا مقابلہ کرتے ہوئے تکبر کرتا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کی مثال اس چیز سے دی ہے جو انسان سے خارج ہوتی ہے(6)۔ امام محمد بن حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کے دل میں جس قدر تکبر ہوتا ہے، اسی مقدار میں اس کی عقل کم ہو جاتی ہے(7)۔ یونس بن عبید فرماتے ہیں کہ سجدہ کے ساتھ تکبر اور توحید کے ساتھ نفاق نہیں ہوتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز

1۔ التواضع والخمول: 233

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 93۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 59

3۔ مجمع الزوائد عن احمد والطبرانی فی المعجم الکبیر، جلد 1 صفحہ 98

4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 165-166، التواضع والخمول: 248-249

5۔ التواضع والخمول: 250

6۔ التواضع والخمول: 257

7۔ التواضع والخمول: 273، حلیۃ الاولیاء، جلد 3 صفحہ 180

خلافت سنبھالنے سے پہلے ایک مرتبہ اتراتے ہوئے چل رہے تھے۔ حضرت طاؤس نے ان کے پہلو میں اپنی انگلی کے ساتھ کچوکا لگایا اور فرمایا کہ یہ چال اس شخص کو زیب نہیں دیتی جس کا پیٹ پاخانے سے بھرا ہوا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز یہ سن کر بہت شرمندہ ہوئے اور معذرت کے انداز میں کہنے لگے کہ اے بچا جان! مجھے مار مار کر یہ چال سکھائی گئی ہے، اس لئے میں اس کا خوگر ہو گیا ہوں۔ ابوبکر بن ابی الدنیا بیان کرتے ہیں کہ بنو امیہ اپنی اولاد کو مار پیٹ کر ایسی چال سکھایا کرتے تھے۔

خود پسندی اور گھمنڈ کا بیان

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "جو شخص فخر و گھمنڈ سے اپنا کپڑا زمین پر گھسیٹتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا" (1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا جو اپنا تہبند زمین پر گھسیٹتا ہے۔ ایک شخص دو قیمتی چادریں اوڑھے از راہ غرور و تکبر اتراتے ہوئے جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا۔ وہ قیامت تک نیچے دھنستا ہی چلا جائے گا" (2)۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمانبردار بنا دیا ہے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور تمام کردی ہیں اس نے تم پر ہر قسم کی نعمتیں ظاہری بھی اور باطنی بھی اور بعض ایسے نادان لوگ بھی ہیں جو جھگڑتے ہیں (رسول کریم سے) اللہ تعالیٰ کے بارے میں نہ ان کے پاس علم ہے نہ ہدایت اور نہ کوئی روشن کتاب۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے، کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو پیروی کریں گے اس کی جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو۔ کیا وہ (انہیں کا اتباع کریں گے) خواہ شیطان انہیں (اس طرح) دعوت دے رہا ہو بھڑکتے ہوئے عذاب کی"۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کو اپنی بے شمار نعمتوں پر آگاہ فرما رہا ہے۔ آسمانوں میں ستارے پیدا کر دیئے جن سے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں، مزید برآں آسمان، بادل، بارش، برف اور اولوں کا منبع ہے اور یہ لوگوں کے لئے ایک محفوظ چھت بھی ہے۔ زمین کو قرارگاہ بنا دیا، اس میں سمندر، دریا اور نہریں جاری کر دیں، درخت، کھیتیاں اور پھل اگائے اور پیغمبر بھیج کر، کتابیں نازل کر کے اور شبہات دور کر کے لوگوں پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تمام کر دیں۔ اس کے باوجود بھی سب لوگ ایمان نہیں لائے بلکہ ان میں سے ایسے بھی ہیں جو توحید اور پیغمبروں کی بعثت کے متعلق جھگڑتے ہیں حالانکہ نہ ان کے پاس علم ہے، نہ انہیں نور ہدایت حاصل ہے، نہ ان کے پاس کوئی صحیح حجت ہے اور نہ ہی کوئی واضح کتاب ہے، اس لئے فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ اگلی آیت میں فرمایا: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کے متعلق

1۔ التواضع والخمول: 285، فتح الباری، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 258 صحیح مسلم، کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 1651
2۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، جلد 7 صفحہ 143 صحیح مسلم، کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 1654

جھگڑنے والوں سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ کے رسول کی شریعت کو اپنالو تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں، بلکہ ہم تو اسی کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔یعنی ان کے پاس آباؤ اجداد کی تقلید کے سوا کوئی حجت نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (البقرۃ: 170) ''اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھ سکتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں''یعنی اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرنے والو! کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر تمہارے آباؤ اجداد گمراہ ہوں تو بھی تم آنکھیں بند کر کے ان کی روش پر چلتے رہو گے۔اس لئے فرمایا: اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿٢٢﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٢٣﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٢٤﴾

''اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے درآنحالیکہ وہ محسن ہو تو بے شک اس نے مضبوطی سے پکڑ لیا مضبوط حلقہ کو اور اللہ کی طرف ہی ہے تمام کاموں کا انجام۔اور جس نے کفر کیا تو نہ غمزدہ کرے آپ کو اس کا کفر۔ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پس ہم آگاہ کریں گے انہیں جو انہوں نے کیا تھا۔بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں (چھپا) ہے۔ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف''۔

فرمایا جارہا ہے کہ جو شخص خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے یعنی اخلاص کے ساتھ عمل کرے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرے اور اس کی شریعت کی اتباع کرے دریں حالیکہ وہ اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کے باعث نیکوکار ہو تو اس نے مضبوط حلقہ تھام لیا یعنی اس نے اللہ تعالیٰ سے یہ پختہ عہد لے لیا کہ وہ اسے عذاب نہیں دے گا اور تمام امور کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔پھر فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ یعنی اے میرے پیارے رسول ﷺ! آپ ان کے کفر اور تکذیب پر رنجیدہ نہ ہوں۔ان کے متعلق تقدیر الٰہی نافذ ہو چکی ہے۔انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے اور وہ انہیں ان کے اعمال کی پوری پوری سزا دے گا۔اس پر کوئی بات مخفی نہیں۔پھر فرمایا: نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا... یعنی ہم انہیں دنیا میں کچھ عرصہ لطف اندوز ہونے دیں گے پھر انہیں سخت بھیانک عذاب میں دھکیل دیں گے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (یونس: 70-69)۔

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٢٦﴾

''اور اگر آپ دریافت کریں ان سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔فرمائیے الحمد للہ (حق واضح ہو گیا) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔یقیناً اللہ ہی بے نیاز ہے (اور) ہر تعریف کے لائق''۔

مشرکین کے متعلق بتایا جارہا ہے کہ وہ اس حقیقت کو پہچاننے کے باوجود کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا خالق ہے، ان بتوں کی

پوجا کرتے ہیں جن کے متعلق وہ خود معترف ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی ملک ہیں، اس لئے فرمایا: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ ... یعنی جب ان کے اس اعتراف کے سبب ان پر حجت قائم ہوگئی تو آپ کہہ دیں اللہ کا شکر ہے کہ حق واضح ہوگیا۔ پھر فرمایا: لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یعنی زمین و آسمان میں ہر چیز اسی کی مخلوق اور اسی کی ملکیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہے، ہر چیز اس کی محتاج ہے اور وہ اپنی تمام تخلیق میں قابل ستائش ہے۔ زمین و آسمان میں پیدا کرنے اور احکام لاگو کرنے میں اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور تمام امور میں وہی محمود ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۞

”اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اور اس کے علاوہ سات سمندر اسے (مزید) سیاہی مہیا کریں تو پھر بھی ختم نہیں ہوں گی اللہ کی باتیں۔ بے شک اللہ سب پر غالب، بڑا دانا ہے۔ نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک نفس کی مانند۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے“۔

اللہ تعالیٰ اپنی عظمت، کبریائی اور جلالت شان کا اظہار کرتے ہوئے اپنے اسمائے حسنیٰ، صفات علا اور کلمات تامہ کی خبر دے رہا ہے جن کا کوئی شخص احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ کوئی بشر ان کی حقیقت پر آگاہی حاصل کر سکتا ہے اور نہ انہیں شمار کر سکتا ہے جیسا کہ حضور سید البشر خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ”اے اللہ! میں اس طرح تیری ثناء کا احاطہ نہیں کر سکتا جس طرح تو نے اپنی ثنا بیان فرمائی ہے“(1)۔ فرمایا: وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ یعنی اگر روئے زمین کے تمام درخت قلمیں بن جائیں، سمندر سیاہی بنا دیا جائے اور مزید سات سمندر اسے سیاہی فراہم کریں اور ان اقلام اور سیاہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وہ کلمات لکھنے شروع کئے جائیں جو اس کی عظمت، صفات اور جلالت پر دلالت کرتے ہیں تو قلمیں ٹوٹ جائیں اور سمندر کی روشنائی ختم ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی باتیں پھر بھی ختم نہ ہوں۔ یہاں سات سمندروں کا ذکر بطور مبالغہ ہے۔ اس سے حصر مقصود نہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ اگر سات سے زیادہ سمندر ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے کلمات لکھنے کے لئے کافی ہو جائیں گے اور یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ سات سمندر موجود ہیں جو تمام عالم کو گھیرے ہوئے ہیں جیسا کہ اسرائیلی روایات سے استفادہ کرنے والوں کا کہنا ہے لیکن ان روایات کی نہ تصدیق کی جا سکتی ہے اور نہ تکذیب۔ ہمارے قول کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (الکہف: 109) ”فرمایئے اگر سمندر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے روشنائی ہو جائے تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پیشتر ختم ہو جائے اگرچہ ہم اس کی مدد کو اتنی روشنائی اور لے آئیں“۔ یہاں ”بمثلہ“ سے مراد کوئی دوسرا ایک سمندر نہیں بلکہ مراد ہے اس جیسا، پھر اس جیسا، پھر اس جیسا الغرض اس جیسے کتنے ہی سمندر ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے کلمات کو نہیں لکھ سکتے کیونکہ ان کا حصر ممکن ہی نہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تمام درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر روشنائی بن جائے اور اللہ تعالیٰ لکھوانا شروع کر دے کہ میرا یہ امر یوں ہے اور

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 352

یہ امر یوں ہے تو سمندروں کے پانی ختم ہو جائیں اور قلمیں گھس جائیں(1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین کہا کرتے تھے یہ ایسا کلام ہے جو عنقریب ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کر کے ان کے زعم باطل کی تردید کر دی کہ اگر تمام درخت قلمیں اور سمندر سیاہی بن جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے عجائبات، اس کی حکمت، صفت اور علم ختم نہ ہو۔ ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں تمام بندوں کا علم ایسا ہے جیسے تمام سمندروں کے مقابلہ میں ایک قطرہ۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ اس کے کلمات کو ضبط تحریر میں لانے کے لیے سمندر سیاہی بن جائیں اور درخت قلمیں تو قلمیں گھس جائیں گی اور سمندروں کا پانی ختم ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات جوں کے توں باقی ہوں گے اور یہ فنا نہیں ہو سکتے کیونکہ کوئی بھی نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک کر سکتا ہے اور نہ کوئی کما حقہ اس کی ثنا کر سکتا ہے بلکہ وہی بذات خود اپنی ثنا کا حق ادا کرتا ہے۔ بلاشبہ ہمارا رب ایسے ہی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اور وہ ہمارے خیالات سے بہت بالا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود کے علماء نے مدینہ شریف میں رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ اس آیت وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (بنی اسرائیل:85) "اور نہیں دیا گیا تمہیں علم مگر تھوڑا سا" سے مراد ہم ہیں یا آپ کی قوم؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "دونوں"۔ وہ کہنے لگے کہ پھر اس آیت سے کیا مقصود ہوگا جس میں مذکور ہے کہ ہمیں تورات عطا ہوئی جس میں ہر چیز کا بیان ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ اللہ کے علم کے مقابلہ میں قلیل ہے اور اس میں سے جو تمہیں عطا ہوا وہ تمہارے لئے کافی ہے"۔ یہود کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ.... نازل فرمائی(2)۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی نہیں بلکہ مدنی ہے حالانکہ مشہور یہی ہے کہ یہ مکی ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے، نہ کوئی اس کے ارادہ کی مخالفت کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے اور وہ اپنی تخلیق، امر، اقوال، افعال، شریعت اور دیگر تمام امور میں حکیم بھی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ..... یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے تمام لوگوں کو پیدا کرنا اور پھر دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص کو پیدا کرنا۔ یہ سب کچھ اس پر بہت آسان ہے۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف "کُن" (ہو جا) کہتا ہے اور آنکھ جھپکنے کی دیر سے بھی پہلے وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ یعنی وہ صرف ایک مرتبہ ہی حکم دیتا ہے، اسے بار بار حکم دینے اور اس کی تعمیل پر زور دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک مقام پر فرمایا: فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿﴾ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿﴾ (النازعات:14-13) "پس ایک جھڑک ہی کافی ہوگی تو یہ سب ایک کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ یعنی جس طرح تمام بندوں کے اقوال سننا اور ان کے افعال دیکھنا اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص کے اقوال سننا اور اس کے افعال دیکھنا، اسی طرح تمام لوگوں پر اور ایک شخص پر بھی اسے یکساں قدرت حاصل ہے اس لئے فرمایا: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؗ كُلٌّ یَّجْرِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ ﴿۳۰﴾

"کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اس نے کام میں لگا دیا ہے سورج اور چاند کو، ہر ایک چل رہا ہے (اپنے مدار میں) وقت مقرر تک اور یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 81، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 528

2۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 81، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 527-526

جاننے والا ہے۔ یہ ہیں اس کی قدرت کے کرشمے تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ ہی حق ہے اور بلاشبہ جنہیں وہ پکارتے ہیں اس کے سوا وہ سب باطل ہیں اور بلاشبہ اللہ ہی بڑی شان والا بزرگ ہے"۔

بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی دن رات میں کمی بیشی کرتا ہے۔ موسم گرما میں دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں جبکہ موسم سرما میں دن چھوٹے اور راتیں بڑی ہوتی ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے اور یہ بھی اس کی قدرت کا کمال ہے کہ اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا، ان میں سے ہر ایک اپنی مقررہ میعاد تک رواں دواں ہے۔ بعض نے "اَجَلٍ مُّسَمًّى" سے مراد مقررہ جگہ لی ہے اور بعض نے اس سے مراد قیامت کا دن لیا ہے۔ یہ دونوں معانی صحیح ہیں۔ پہلے قول کی تائید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے ابوذر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟" میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: "یہ عرش تلے سجدہ کرنے کے لئے جاتا ہے پھر اپنے رب سے اجازت طلب کرتا ہے۔ قریب ہے کہ اسے کہہ دیا جائے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا"(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورج بمنزلہ رہٹ کے ہے دن کو آسمان کے اپنے مدار میں محو گردش رہتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو زمین کے نیچے رات کو اپنے مدار میں گردش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ مشرق سے طلوع ہو۔ اسی طرح چاند بھی ہے۔ فرمایا: وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ یہ اس فرمان کی طرح ہے: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الحج: 70) "کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے"۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تمام اشیاء کا خالق اور عالم ہے جیسا کہ فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (الطلاق: 12) "اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین کو بھی انہی کی مانند" پھر فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لئے یہ نشانیاں ظاہر فرماتا ہے تاکہ ان کے ذریعے تم اس حقیقت پر استدلال کر سکو کہ وہی ذات برحق ہے، وہی معبود برحق ہے اور اس کے سوا سب کچھ باطل ہے کیونکہ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے اور ہر چیز اس کی محتاج ہے کیونکہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق اسی کی تخلیق کردہ اور اسی کی غلام ہے۔ کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر ایک ذرہ کو حرکت دینے پر بھی قادر نہیں اور اگر سب زمین والے اکٹھے ہو کر ایک مکھی بنانا چاہیں تو سب اس سے بھی عاجز آ جائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی حق ہے اور اسے چھوڑ کر یہ جن کو پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی بڑی شان والا اور بزرگ ہے، نہ اس سے کوئی اعلیٰ ہے اور نہ بڑا۔ وہ ہر چیز سے بڑا ہے اور ہر چیز اس کے سامنے عاجز اور حقیر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝

"کیا تم ملاحظہ نہیں کرتے کہ کشتی چلتی ہے سمندر میں محض اس کی مہربانی سے تاکہ وہ دکھائے تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں۔ بے شک اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے۔ اور جب ڈھانپ لیتی ہیں انہیں پہاڑوں جیسی موجیں اس وقت پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اپنے عقیدہ کو۔ پھر جب بچا لاتا ہے انہیں ساحل تک تو ان میں سے (چند ہی) حق پر رہتے ہیں۔ اور نہیں انکار کرتا ہماری آیتوں کا مگر ہر وہ شخص جو غدار (اور

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 153، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 139

ناشکرا ہے"۔

بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے سمندر کو مسخر بنایا ہے تاکہ اس کے حکم، لطف وکرم اور تسخیر سے اس میں کشتیاں چلیں۔ اگر وہ جہاز رانی کے لئے پانی میں قوت اور صلاحیت نہ رکھتا تو اس میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا ناممکن ہوتا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھانا چاہتا ہے اور اس میں واقعی ہر اس شخص کے لئے نشانیاں ہیں جو مصیبت کے وقت صبر کرنے والا اور راحت کے وقت شکر بجالانے والا ہے۔ پھر فرمایا: وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ ۔ یعنی جب پہاڑوں اور بادلوں جیسی موجیں انہیں گھیر لیتی ہیں تو یہ کافر اپنے عقیدہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرتے ہوئے اسی کو پکارنے لگ جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ (بنی اسرائیل:) "اور جس سمندر میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو گم ہوجاتے ہیں وہ (معبود) جنہیں تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے"۔ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ (العنکبوت:65) پھر فرمایا: فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ یعنی جب اللہ تعالیٰ انہیں بچاکر ساحل تک پہنچادیتا ہے تو ان میں سے اکثر کفر پر اڑے رہتے ہیں۔ مجاہد نے مقتصد کا معنی کافر کیا ہے گویا یہاں انہوں نے اس لفظ کی تفسیر جاحد (منکر) سے کی ہے جیسا کہ فرمایا: فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ (العنکبوت:65)" پھر جب وہ سلامتی سے انہیں خشکی پر پہنچادیتا ہے تو وہ شرک کرنے لگتے ہیں)۔ ابن زید کے بقول مقتصد کا معنی ہے اوسط درجے کے اعمال والا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی اس لفظ سے یہی مراد ہے: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ (فاطر:32)" پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض درمیانہ رو ہیں"۔ یہاں بھی اس لفظ سے مراد ہے: اعمال میں میانہ رو۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہاں دونوں ہی مراد ہوں۔ اس صورت میں اس شخص پر اظہار ناپسندیدگی ہوگا جس نے سمندر کی ہولناکیوں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام فرمایا اور اسے ڈوبنے سے بچالیا۔ اب اسے چاہئے تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر شکر بجالاتے ہوئے اس کی عبادت میں اور اعمال صالحہ کی بجا آوری میں منہمک ہوجاتا لیکن اس نے کوتاہی کی اور اوسط درجے کے اعمال کرنے لگے اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو انعامات کے باوجود کفر پر بضد رہتے ہیں۔ آیت کریمہ میں "ختار" کا معنی ہے غدار یعنی جو عہد شکنی کا مرتکب ہو اور کفور کا مطلب ہے ناشکرا جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کردے۔ نہ ان کا شکر ادا کرے اور نہ انہیں یاد رکھے بلکہ جان بوجھ کر فراموش کردے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿٣٣﴾

"اے لوگو! ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ نہ بدلہ دے سکے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے اور نہ ہی بیٹا بدلہ دے سکے گا اپنے باپ کی جانب سے کچھ بھی۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور نہ دھوکہ دے تمہیں دنیوی زندگی اور نہ فریب میں مبتلا کرے تمہیں اللہ سے، وہ بڑا مکار دھوکہ باز"۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو تقویٰ کا حکم دیتے ہوئے قیامت کے دن سے ڈرا رہا ہے جس دن باپ اور بیٹا ایک دوسرے کے کام نہیں آئیں گے۔ اگر کوئی باپ اور بیٹا ایک دوسرے کے لئے اپنے آپ کو بطور فدیہ پیش کرنا چاہیں گے تو یہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ پھر پند ونصیحت کرتے ہوئے

فرمایا: فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ　یعنی یہ دنیاوی زندگی تمہیں دھوکہ میں مبتلا کر کے دارِ آخرت سے مشغول نہ کر دے اور نہ ہی دھوکہ باز شیطان تمہیں اللہ تعالیٰ سے فریب دے۔ شیطان ابن آدم کو فریب دیتا رہتا ہے، اس سے جھوٹے وعدے کرتا رہتا ہے اور اسے سنہری آرزوئیں دلاتا رہتا ہے حالانکہ ان کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ فرمایا: يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُورًا (النساء: 120) ”شیطان ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا ہے اور انہیں (غلط) امیدیں دلاتا ہے اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا“۔ وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب میں نے اپنی قوم کی تکلیف اور آزمائش دیکھی تو میں بہت رنجیدہ ہوا اور مجھے بہت فکر لاحق ہوگئی حتیٰ کہ میری نیند اچاٹ ہوگئی۔ میں عجز و نیاز سے اپنے رب کی بارگاہ میں خوب گڑگڑایا، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے اور اس دوران عجز و انکساری سے خوب روتا رہا۔ اسی اثناء میں ایک فرشتہ میرے پاس آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا نیکوکار بروں کی یا باپ اپنے بیٹوں کی شفاعت کریں گے؟ فرشتے نے جواب دیا کہ قیامت فیصلوں کا دن ہے، اللہ تعالیٰ بذات خود جلوہ فرما ہوگا اور کوئی اس کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا۔ اس دن نہ باپ کو بیٹے کے بدلہ میں، نہ بیٹے کو باپ کے بدلے میں، نہ بھائی کو بھائی کے بدلہ میں، نہ غلام کو آقا کے بدلہ میں اور نہ کسی اور کو کسی دوسرے کے بدلہ میں پکڑا جائے گا۔ اس دن نہ کوئی کسی کے متعلق دلچسپی لے گا، نہ کسی کے غم پر رنجیدہ ہوگا، نہ کسی پر رحم کریگا بلکہ ہر انسان صرف اپنے بارے میں متفکر اور لرزاں و ترساں ہوگا، ہر ایک کو صرف اپنی فکر دامن گیر ہوگی اور ہر ایک کو اپنا رونا پڑا ہوگا اور ہر ایک اپنا بوجھ اٹھائے گا۔ کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے پر آمادہ نہ ہوگا۔

إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُۥ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي
نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿٣٤﴾

”بے شک اللہ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم۔ اور وہی اتارتا ہے مینہ۔ اور جانتا ہے جو کچھ (ماؤں کے) رحموں میں ہے۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائے گا۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے“۔

یہ غیب کی کنجیاں ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر انہیں کوئی از خود نہیں جان سکتا۔ وقوع قیامت کا علم ایسا ہے جسے نہ کوئی نبی مرسل اور نہ کوئی مقرب فرشتہ خود بخود جان سکتا ہے بلکہ اس کے صحیح وقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہی وقت مقررہ پر اسے ظاہر کرے گا۔ اسی طرح بارش برسانے کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے لیکن جب وہ بارش کا حکم دیتا ہے تو ان فرشتوں کو بھی اس کا علم ہو جاتا ہے جو اس پر مقرر ہیں اور ان لوگوں کو بھی جنہیں اللہ تعالیٰ معلوم کروانا چاہے۔ اسی طرح رحموں میں جو کچھ ہے اور جو اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہتا ہے، اسے بھی صرف وہی جانتا ہے لیکن جب اس کام پر مامور فرشتوں کو حکم ہوتا ہے تو انہیں بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ نر ہوگا یا مادہ، شقی ہوگا یا سعید اور مخلوق میں سے ان کو بھی اس کا علم ہو جاتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ آگاہ فرما دے۔ اسی طرح کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ دنیا و آخرت کے معاملہ میں کل کیا کمائے گا اور نہ ہی کسی کو یہ علم ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا، اپنے وطن میں یا کسی اور جگہ۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَعِندَهُۥ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ (الانعام: 59) ”اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، انہیں سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا“۔ حدیث شریف میں ان پانچ چیزوں کو مفاتح الغیب (غیب کی کنجیاں) کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان کا بیان اس آیت إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُۥ عِلْمُ السَّاعَةِ ... میں

ہے(1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنہیں صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۔ (2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے ہر چیز کی چابیاں عطا ہوئیں بجز پانچ کے۔'' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی(3)۔ عمرو بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلمہ نے فرمایا کہ تمہارے نبی کو بجز پانچ کے ہر چیز کی کنجیاں دی گئیں(4)۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن مرہ سے پوچھا کہ کیا تم نے یہ بات عبداللہ سے سنی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، پچاس سے بھی زیادہ مرتبہ(5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ لوگوں کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی چلتے ہوئے آیا اور پوچھنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! ایمان کیا ہے؟ فرمایا: ''ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے پیغمبروں، اس کی ملاقات اور دوبارہ جی اٹھنے کو تسلیم کرے''۔ پھر اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے۔'' پھر دریافت کیا کہ احسان کیا ہے؟ فرمایا: ''احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ مقام نصیب نہ ہو تو کم از کم یہ تصور پختہ کر لے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے''۔ پھر سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ! قیامت کب ہوگی؟'' فرمایا: ''اس بارے میں مسئول سائل سے زیادہ علم نہیں رکھتا لیکن میں تمہیں اس کی نشانیاں بتلائے دیتا ہوں۔ جب لونڈی اپنی مالکن کو جنم دے۔ یہ اس کی نشانیوں میں سے ہے۔ جب ننگے پیروں اور ننگے بدنوں والے لوگوں کے سردار بن جائیں یہ بھی قیامت کی ایک علامت ہے۔ قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ پھر جب وہ شخص واپس لوٹ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے میرے پاس لوٹاؤ''۔ لوگ اسے واپس لانے کے لئے دوڑے لیکن وہ دکھائی نہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جبریل علیہ السلام تھے جو لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے''(6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ صحابہ کی محفل میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں جبریل آگئے اور دو آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے گھٹنوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے اور پوچھنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ تو خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور یہ گواہی دے کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' جبریل علیہ السلام پوچھنے لگے کہ جب میں نے ایسا کر لیا تو کیا میں مسلمان ہو گیا؟ فرمایا: ''جب تو نے ایسا کر لیا تو تو مسلمان ہو گیا۔'' پھر پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے بتائیے کہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا: ''ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ، یوم آخرت، فرشتوں، کتابوں، رسولوں، موت، موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے، جنت، دوزخ، حساب، میزان اور اچھی بری تقدیر پر یقین رکھے''۔ دریافت کیا کہ اگر میں نے ایسا کر لیا تو کیا میں مومن بن گیا؟ فرمایا: ''اگر تو نے ایسا کیا تو تو مومن بن گیا۔'' عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! احسان کیا ہے؟ فرمایا: ''احسان یہ ہے کہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اس طرح عمل کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو کم از کم یہ تصور رکھے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' پھر عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! قیامت کب ہے؟ آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کرتے

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 353 2۔ صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، جلد 2 صفحہ 41، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 24

3۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 85-86 4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 386 5۔ مسند احمد جلد 1 صفحہ 438، 445

6۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 19، تفسیر سورۃ لقمان، جلد 6 صفحہ 144، صحیح مسلم، کتاب الایمان جلد 1 صفحہ 39

ہوئے فرمایا: ”سبحان اللہ! یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ لیکن اگر تمہاری خواہش ہو تو میں تمہیں اس کی نشانیاں بتا دیتا ہوں۔ عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! مجھے ضرور آگاہ فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب لونڈی اپنے آقا کو جنم دے، لوگ اونچی اونچی عمارتیں بنانے میں مقابلہ کرنے لگیں اور بھوکے ننگے لوگ سردار بن جائیں۔ یہ قیامت کی علامتوں اور نشانیوں میں سے ہیں۔“ عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! یہ بھوکے ننگے بڑی بڑی عمارتوں والے کون ہیں؟ فرمایا: ”عرب“ (1)۔ بنو عامر قبیلے کا ایک شخص نبی کریم ﷺ سے اذن طلب کرتے ہوئے کہنے لگا کہ کیا میں داخل ہو جاؤں؟ آپ ﷺ نے اپنی خادمہ سے فرمایا: ”باہر اس کے پاس جاؤ، اسے تو اجازت طلب کرنے کا طریقہ ہی نہیں آتا، اسے سمجھاؤ کہ السلام علیکم کہنے کے بعد کہے کہ کیا میں داخل ہو جاؤں۔“ وہ شخص کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی بات سن لی تو میں نے اسی طرح اجازت طلب کرتے ہوئے کہا: السلام علیکم، کیا میں آ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے مجھے اجازت مرحمت فرما دی۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ ہمارے لئے کیا لے کر آئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہارے لئے بھلائی کے سوا کچھ نہیں لایا، میں تمہارے پاس یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو، لات وعزیٰ کو چھوڑ دو، دن رات میں پانچ نمازیں پڑھا کرو، سال میں ایک مہینہ کے روزے رکھا کرو، بیت اللہ کا حج کرو اور مالدار لوگوں سے زکوٰۃ لے کر فقراء کے درمیان تقسیم کرو“۔ پھر اس شخص نے پوچھا کہ کیا کوئی ایسی چیز بھی ہے جس کا آپ کو علم نہیں؟ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے بھلائی کی تعلیم دی ہے اور کچھ علم ایسا بھی ہے جسے بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا“۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کی (2)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میری بیوی حاملہ ہے، یہ بتایئے کہ وہ کیا جنے گی؟ ہمارے علاقہ میں قحط پڑا ہوا ہے بتایئے کہ بارش کب ہوگی؟ اس بات کا تو مجھے علم ہے کہ میں کب پیدا ہوا، اب یہ بتایئے کہ میں کب مروں گا؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یہی غیب کی کنجیاں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ“ (3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص تمہیں یہ بتائے کہ رسول اللہ ﷺ کل کی بات جانتے تھے، وہ جھوٹا ہے۔ پھر آپ نے ان کلمات وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا کی تلاوت کی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کیا ہے۔ ان پر نہ تو کوئی مقرب فرشتہ مطلع ہو سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے اور لوگوں میں سے کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ قیامت کس سال، کس مہینے، کس دن یا کس رات کو آئے گی۔ بارش بھی اللہ تعالیٰ ہی نازل کرتا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ دن یا رات کو کس وقت بارش برسے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ رحم مادر میں کیا ہے، نر ہے یا مادہ، سرخ ہے یا سیاہ، نیک ہے یا بد۔ اسی طرح کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کل نیکی کرے گا یا برائی۔ اے ابن آدم! تمہیں نہیں معلوم کہ تو کب مرے گا، ممکن ہے کل تمہیں موت آ جائے یا کل تمہیں کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑ جائے اور کسی شخص کو یہ معلوم نہیں کہ مرنے کے بعد زمین میں کہاں اس کا ٹھکانا ہوگا، سمندر میں یا خشکی پر، یا میدان میں یا پہاڑ میں۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ”جب اللہ تعالیٰ کسی زمین میں کسی بندے کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہاں اس کی کوئی ضرورت رکھ دیتا ہے“ (4)۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جس جگہ کسی بندے کی موت مقدر کرتا ہے وہاں اس کی کوئی حاجت پیدا کر دیتا

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 319-318

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 369-368

3۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 88-87

4۔ معجم کبیر، جلد 1 صفحہ 178، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 196

ہے"۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ کسی جگہ کسی بندے کی روح قبض کرنا چاہتا ہے تو وہاں اس کی کوئی حاجت پیدا کر دیتا ہے اور وہیں اس کی موت آتی ہے"(1)۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جب کسی کی موت کسی جگہ مقدر ہو تو کوئی ضرورت اسے وہاں لے آتی ہے۔ جب اس کا وقت مقرر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح قبض کر لیتا ہے۔ قیامت کے دن زمین عرض کرے گی: اے پروردگار! یہ ہے تیری امانت جو تو نے میرے سپرد کی تھی(2)۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8 صفحہ 313-314، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 227

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1424-1425

سورۃ السجدۃ (مکیہ)

امام بخاری کتاب الجمعہ میں یہ حدیث لائے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الٓمّٓ السجدہ اور هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ پڑھا کرتے تھے(1)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سونے سے پہلے الٓمّٓ السجدہ اور تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ کی تلاوت کیا کرتے تھے(2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ۝ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝

”الف-لام-میم، اس کتاب کا نزول، اس میں ذرہ شک نہیں، سب جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے کیا وہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اسے خود گھڑا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ وہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو نہیں آیا جن کے پاس کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے تاکہ وہ ہدایت پائیں“۔

حروف مقطعات کی بحث سورہ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ فرمایا: تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ۔ یعنی اس کتاب کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ کے متعلق مشرکین کی ہرزہ سرائی کو بیان کیا کہ وہ آپ پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے۔ فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ یہی آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ انہیں ڈرائیں، ممکن ہے یہ حق کی اتباع کرلیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝

”اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تخت (سلطانی) پر نہیں تمہارے لئے اس کے بغیر کوئی مددگار اور نہ کوئی سفارشی۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ تدبیر فرماتا ہے ہر (چھوٹے بڑے) کام کی آسمانوں سے زمین تک پھر رجوع کرے گا ہر کام اس کی طرف اس روز جس کی مقدار ہزار سال ہے اس اندازہ سے جس سے تم شمار کرتے ہو۔ وہی جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا سب پر غالب، ہمیشہ رحم فرمانے والا“۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، جلد 2 صفحہ 5، صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 599
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 340

بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اس نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان ہر چیز کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر وہ عرش پر متمکن ہوا۔ اس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے(1)۔ فرمایا: مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں بلکہ تمام امور کی زمام اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی ہر چیز کا خالق اور مدبر ہے اور اسے ہی ہر چیز پر پوری پوری قدرت حاصل ہے۔ اس کے سوا مخلوق کا کوئی حامی و ناصر نہیں اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں۔ اسے غیر اللہ کی عبادت کرنے والو اور غیر اللہ پر بھروسہ رکھنے والو! کیا تم سمجھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ یکتا ہے اور تمام قدرتوں کا مالک ہے، وہ نظیر، شریک، وزیر، مدمقابل اور مثیل سے منزہ اور بالا ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ اس کے سوا کوئی رب۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ تھام کر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ ساتویں دن عرش پر متمکن ہوا۔ اس نے مٹی ہفتہ کے دن پیدا کی، پہاڑ اتوار کے دن، درخت پیر کے دن، بری چیزیں منگل کے دن، نور بدھ کے دن، جانور جمعرات کے دن اور آدم علیہ السلام جمعہ کے دن عصر کے بعد دن کی آخری گھڑی میں۔ آدم کو روئے زمین کی سرخ، سیاہ، اچھی اور بری ہر قسم کی مٹی سے پیدا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اولاد آدم میں نیک بھی ہیں اور بد بھی'' (2)۔ یہ روایت مسلم میں بھی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے معلل کہا ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی حضرت کعب الاحبار سے روایت صحیح ہے لیکن محدثین نے اسے بھی معلل قرار دیا ہے۔ فرمایا: يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ... یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ساتوں آسمانوں کے اوپر سے اترتا ہے اور ساتوں زمینوں کے نیچے تک پہنچتا ہے جیسا کہ فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ (الطلاق: 12) ''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین کو بھی انہی کی مانند، ان کے درمیان حکم نازل ہوتا رہتا ہے''۔ تمام اعمال آسمان دنیا کے اوپر واقع اپنے دیوان کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ آسمان دنیا اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت کی ہے۔ مجاہد، قتادہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ اس قدر مسافت فرشتہ پلک جھپکنے میں طے کر لیتا ہے(3) اس لئے فرمایا: فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ ... ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ان امور کی تدبیر فرمانے والا ہے اور وہی اپنے بندوں کے اعمال پر گواہ ہے، تمام چھوٹے بڑے اعمال اس کی طرف بلند ہوتے ہیں۔ وہ عزیز ہے جسے ہر چیز پر مکمل غلبہ حاصل ہے اور تمام بندے اس کے مطیع ہیں اور وہ اپنے اہل ایمان بندوں پر رحم فرمانے والا ہے۔ وہ اپنی رحمت میں عزیز ہے اور اپنی عزت میں رحیم۔ عزت کے ساتھ رحمت اور رحمت کے ساتھ عزت و غلبہ یہی کمال ہے۔

الَّذِیْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

''وہ جس نے بہت خوب بنایا جس چیز کو بھی بنایا اور ابتداء فرمائی انسان کی تخلیق کی گارے سے پھر پیدا کیا اس کی نسل کو ایک جوہر سے یعنی حقیر پانی سے۔ پھر اس (کے قد و قامت) کو درست فرمایا اور پھونک دی اس میں اپنی روح اور بنا دیے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف: 54 تفسیر سورۂ یونس: 3، تفسیر سورۂ رعد: 2 اور تفسیر سورۂ فرقان: 59

2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 10 صفحہ 264، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار

3۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 91-92

تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل۔ تم لوگ بہت کم شکر بجالاتے ہو"۔

خبر دی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمام اشیاء کو بہت خوب، پختہ اور محکم بنایا۔ زید بن اسلم اس کا معنی بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تخلیق کو خوبصورت بنایا۔ گویا ان کے نزدیک یہاں تقدیم و تاخیر ہے۔ زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد یہاں انسان کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ ...یعنی اللہ تعالیٰ نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو گارے سے پیدا کیا پھر ان کی نسل کا سلسلہ حقیر سے نطفے سے جاری کر دیا جو مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کرنے کے بعد درست کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہیں کان، آنکھیں، دل اور عقل عطا فرمائی لیکن تم اس عطاء پر بہت کم شکر بجالاتے ہو۔ سعادتمند وہی ہے جو ان اعضاء کو اپنے رب کی اطاعت میں استعمال کرے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝ قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝

"اور کہنے لگے کیا جب (مرنے کے بعد) ہم گم ہو جائیں گے زمین میں تو کیا ہم از سر نو پیدا کئے جائیں گے۔ درحقیقت یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے انکار کر رہے ہیں۔ فرمائیے جان قبض کرے گا تمہاری موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے، پھر اپنے رب کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"۔

مشرکین اعادۂ حیات کو محال سمجھتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے، خاک میں مل جائیں گے، ہمارے جسم شکست و ریخت کا شکار ہو جائیں گے اور ہمارے اجزا زمین میں بکھر جائیں گے تو کیا اس کے بعد ہمیں از سر نو زندہ کیا جائے گا؟ وہ اس چیز کو بعید اور محال سمجھتے کیونکہ ایسا کرنا ان کی محدود اور عاجز قدرت کے بس کا روگ نہ تھا لیکن اس ذات کی قدرت کے سامنے یہ بعید اور ناممکن نہیں جس نے انہیں عدم سے وجود بخشا اور جس کے امر کن سے ہر چیز وجود میں آجاتی ہے، اس لئے فرمایا: بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ۔ پھر فرمایا: قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ ...اس آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ملک الموت ایک معین اور مخصوص فرشتہ ہے جیسا کہ سورۂ ابراہیم کی تفسیر میں مذکور حدیث براء رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہوتا ہے (1)۔ بعض آثار میں ان کا نام عزرائیل بیان ہوا ہے اور یہی مشہور ہے۔ ان کے معاون فرشتے بھی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ان کے معاون فرشتے تمام جسم سے روح کو نکالتے ہیں یہاں تک کہ جب روح گلے تک پہنچ جاتی ہے تو ملک الموت اسے قبض کر لیتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ زمین ان کے لئے سمیٹ دی گئی ہے اور اس طرح بنادی گئی ہے جیسے کوئی سینی ہو۔ جب چاہیں کسی کو لے لیں (2)۔ رسول اللہ ﷺ نے ملک الموت کو ایک انصاری کے سرہانے دیکھ کر فرمایا: "اے ملک الموت! میرے صحابی پر نرمی اور شفقت کرنا کیونکہ یہ مومن ہے"۔ ملک الموت نے کہا کہ آپ اطمینان رکھیں اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔ میں ہر مومن کے ساتھ بڑی نرمی کرنے والا ہوں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں ہر روز پانچ مرتبہ خشکی اور تری میں موجود ہر کچے پکے گھر کا چکر لگاتا ہوں اس لئے ہر چھوٹے بڑے کو اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں جس قدر وہ خود کو جانتے ہیں۔ اللہ کی قسم! جب تک مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو میں ایک مچھر کی روح بھی قبض نہیں کر سکتا (3)۔ حضرت جعفر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ملک الموت نمازوں کے اوقات میں لوگوں کی جستجو کرتا رہتا ہے۔ جو کوئی نمازوں کا پابند ہوتا ہے اسے لا الہ الا اللہ کی تلقین موت کے وقت فرشتہ اس کے قریب ہوتا ہے اور

1۔ دیکھئے ... 27 | 2۔ ... جلد 6 صفحہ 540-541 | 3۔ ... جلد 6 صفحہ 543

شیطان اس سے دور ہوتا ہے۔ اس نازک گھڑی میں فرشتہ اسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کرتا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر ہر گھر میں ملک الموت دن میں دو مرتبہ آتے ہیں۔ کعب الاحبار فرماتے ہیں کہ ملک الموت روزانہ ہر دروازے پر کھڑے ہو کر سات مرتبہ نظر ڈالتے ہیں کہ اس میں کوئی ایسا تو نہیں جس کی روح قبض کرنے کا حکم ہو چکا ہو۔ آیت کے آخر میں فرمایا: ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ یعنی قیامت کے دن قبروں سے اٹھ کر تمہیں جزا کے لئے اپنے رب کی بارگاہ میں لوٹنا ہوگا۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

''اور کاش! تم دیکھو جب مجرم اپنے سر جھکائے ہوئے اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے۔ (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیا اور (کانوں سے) سن لیا۔ پس (ایک بار) بھیج ہمیں (دنیا میں) اب ہم نیک عمل کریں گے ہمیں اب پورا یقین آ گیا ہے۔ (جواب ملے گا) اور اگر ہم چاہتے تو ہم دے دیتے ہر شخص کو اس کی ہدایت لیکن یہ بات طے ہو چکی ہے میری طرف سے کہ میں ضرور بھروں گا جہنم کو تمام (سرکش) جنوں اور (نافرمان) انسانوں سے۔ پس اب چکھو سزا اس جرم کی کہ تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس روز کی ملاقات کو۔ ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا اور چکھو ابدی عذاب ان (کرتوتوں) کے عوض جو تم کیا کرتے تھے''۔

قیامت کے دن مشرکین جس رسوا کن حالت سے دوچار ہوں گے، اس کی خبر دی جارہی ہے۔ جب وہ اعادۂ حیات کا خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حقیر و ذلیل ہو کر شرم و حیاء سے سر جھکائے کھڑے ہوں گے تو اس وقت وہ کہیں گے: رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا یعنی اب ہم تیرے فرمان کو سنتے ہیں اور تیرے حکم کی تعمیل کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا (مریم:38) ''وہ بہت سنیں گے اور دیکھیں گے جس روز ہمارے پاس آئیں گے''۔ اسی طرح جب وہ جہنم رسید ہوں گے تو اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہیں گے: لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک:10) ''کاش ہم سنتے اور سمجھتے تو آج (ہم) دوزخیوں میں نہ ہوتے''۔ اسی طرح یہاں کہیں گے: رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا یعنی ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔ اب ہمیں دنیا کی طرف لوٹا، ہم نیک عمل کریں گے کیونکہ اب ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ تیرا وعدہ بھی برحق ہے اور تیری ملاقات بھی برحق۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ اگر انہیں دنیا میں لوٹا بھی دیا گیا تو بھی یہ پہلے کی طرح کافر ہی ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلائیں گے اور اس کے رسولوں کی مخالفت کریں گے جیسا کہ فرمایا: وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ ... مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الانعام:27) اور یہاں فرمایا: وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا، اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (یونس:99) ''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں سب کے سب لوگ ایمان لے آتے''۔ فرمایا: وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ یعنی یہ بات طے ہو چکی ہے کہ میں جن و انس سے جہنم کو بھر دوں گا۔ اس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ جہنمیوں کو بطور سرزنش کہا جائے گا: فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ یعنی

تم قیامت کی تکذیب، اس کے وقوع کو محال سمجھنے اور اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دینے کے سبب عذاب کا ذائقہ چکھو۔ فرمایا: اِنَّا نَسِیْنٰكُمْ یعنی ہم تمہارے ساتھ اس شخص جیسا معاملہ کریں گے جو کسی کو فراموش کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھول چوک سے پاک ہے اس لئے یہاں نسیان بطور مقابلہ و مشاکلہ کے ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: اَلْیَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا (الجاثیہ: 34) ''آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے اپنے اس دن کی ملاقات کو فراموش کیے رکھا''۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ یعنی اپنے کفر اور تکذیب کی پاداش میں ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو جیسا کہ فرمایا: لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا .. فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا (النبا: 24-30)۔

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا٘ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ٘ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾

''صرف وہی لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جنہیں جب ہماری آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اور وہ غرور تکبر نہیں کرتے۔ دور رہتے ہیں ان کے پہلو (اپنے) بستروں سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے۔ اور ان نعمتوں سے جو ہم نے ان کو دی ہیں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ پس نہیں جانتا کوئی شخص جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کے لئے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، یہ صلہ ہے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

فرمایا جا رہا ہے کہ ہماری آیات کی تصدیق صرف وہی اہل ایمان کرتے ہیں جو انہیں توجہ اور انہماک سے سن کر قولاً اور فعلاً ان کی اطاعت کرتے ہیں، وہ اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے پاکی بیان کرتے ہیں اور اطاعت و انقیاد سے فاسق فاجر اور جاہل کفار کی طرح تکبر نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ (المومن: 60) ''بے شک وہ لوگ جو میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے''۔ پھر فرمایا: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ۔ اس سے مراد ہے رات کو قیام کرنا اور نیند اور نرم بستر پر لیٹنے کو ترک کر دینا۔ حضرات انس، عکرمہ، محمد بن منکدر، ابو حازم اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد مغرب و عشاء کے درمیان کی نماز (اوابین) ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد ہے عشاء کی نماز کا انتظار کرنا (1)۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد عشاء اور فجر کی نماز باجماعت ادا کرنا۔ فرمایا: یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ۔ یعنی وہ عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں یعنی یہ ایسی نیکیاں بھی کرتے ہیں جن کا فائدہ ان کی ذات تک محدود ہوتا ہے اور ایسی نیکیاں بھی جن کا فائدہ دوسروں کو پہنچتا ہے۔ ان میں سرفہرست سید اولاد آدم اور فخر دو جہاں رسول اللہ ﷺ ہیں جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ کی مدح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 101

وَفِينَا رَسُولُ اللَّهِ يَتْلُو كِتَابَهُ إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الصُّبْحِ سَاطِعُ

أَرَانَا الْهُدَى بَعْدَ الْعَمَى فَقُلُوبُنَا بِهِ مُوقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ

يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبَهُ عَنْ فِرَاشِهِ إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِكِينَ الْمَضَاجِعُ

یعنی ہم میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ جب صبح طلوع ہونے لگتی ہے تو آپ کتاب اللہ کی تلاوت کر رہے ہوتے ہیں۔ گمراہی کے بعد آپ ﷺ نے ہمیں ہدایت کی راہ پر گامزن کیا۔ چنانچہ ہمارے دل اس بات پر یقین رکھنے والے ہیں کہ جو آپ ﷺ نے فرمایا، وہ یقیناً وقوع پذیر ہوگا۔ رات بھر آپ اپنے پہلو کو بستر سے دور رکھتے ہیں جبکہ مشرکین گہری اور میٹھی نیند سو رہے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ہمارا رب دو شخصوں پر بہت خوش ہوتا ہے، ایک وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں رغبت اور اس کے عذاب سے خوف کے باعث اپنا بستر اور لحاف چھوڑ کر اپنے اہل و عیال کے درمیان سے صرف نماز پڑھنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور دوسرا وہ شخص جس نے راہ خدا میں جہاد کیا، اس کے ساتھی شکست کھا کر پسپا ہو گئے لیکن یہ جان کر کہ فرار ہونے میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے اور میدان جہاد کی طرف لوٹنے میں اس کی رضامندی مضمر ہے، وہ ثواب کی امید پر اور عذاب سے خوف کے سبب واپس پلٹا اور اپنی جان قربان کر دی۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کو دیکھو جو میرے ثواب کی امید پر اور میرے عذاب سے ڈر کر واپس گیا اور اپنی جان نثار کر دی" (1)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا۔ چلتے چلتے ایک صبح میں آپ کے قریب آ گیا اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! مجھے ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور جہنم سے دور کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے ایک بہت بڑے امر کے متعلق سوال کیا ہے لیکن یہ اس پر آسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ اسے آسان بنا دے، اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ پھر فرمایا کہ کیا میں بھلائی کے دروازوں پر تمہاری رہنمائی نہ کروں؟ روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہوں کو بھسم کر دیتا ہے اور انسان کا آدھی رات کو نماز پڑھنا۔ پھر آپ ﷺ نے ان آیات تَتَجَافٰی ۔۔۔ یَعْمَلُوْنَ کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں یہ خبر نہ دے دوں کہ اس امر کا سر، اس کا ستون اور اس کی کوہان کی چوٹی کیا ہے؟ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ضرور آگاہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس امر کا سر اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کی کوہان کی چوٹی راہ خدا میں جہاد کرنا ہے۔ پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں ان تمام چیزوں کی اصل نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کی کہ ضرور ارشاد فرمائیے۔ آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا کہ اسے اپنے قابو میں رکھو۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا گفتگو پر بھی ہم سے باز پرس ہوگی؟ فرمایا: اے معاذ! تمہاری ماں تم پر روئے، زبانوں کی باتوں کے باعث ہی لوگوں کو اوندھے منہ جہنم رسید کیا جائے گا" (2)۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "کیا میں ابواب خیر پر تمہاری رہنمائی نہ کروں؟ روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہ کا کفارہ ہے اور بندہ کا نصف شب کو قیام کرنا"۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت تَتَجَافٰی ۔ کی تلاوت کی۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ اس سے مراد ہے رات کو قیام کرنا (3)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا کہ آپ ﷺ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 20-19، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 461

2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 231، عارضۃ الاحوذی، ابواب الایمان، جلد 10، صفحہ 88-87 وغیرہ

3۔ تفسیر طبری، جلد 21، صفحہ 103-102

نے مجھے فرمایا: "اگر تم چاہو تو میں تمہیں خیر کے دروازے بتائے دیتا ہوں، روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور آدھی رات کو قیام کرنا"۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اول و آخر سب لوگوں کو جمع کرے گا تو ایک منادی آواز دے گا جسے تمام مخلوق سنے گی کہ آج سب کو معلوم ہو جائے گا کہ سب سے زیادہ معزز کون ہے، پھر ندا آئے گی کہ وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں جن کے پہلو بستروں سے دور رہتے تھے۔ یہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور ان کی تعداد بہت کم ہوگی (1)۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو ہم ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ صحابہ مغرب کے بعد عشاء تک نماز میں مشغول رہے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ پھر فرمایا: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ یعنی کوئی شخص ان مجاہدوں اور ریاضتوں کی عظمت کو نہیں جانتا جن میں ان کے لئے ایسی دائمی نعمتیں اور لذتیں مخفی ہیں جن پر کوئی شخص مطلع نہیں ہو سکتا۔ چونکہ انہوں نے اپنے اعمال کو مخفی رکھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اجر و ثواب کو مخفی کر دیا۔ یہ پورا پورا بدلہ ہے کیونکہ جیسا عمل ویسا بدلہ۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے پوشیدہ طور پر اعمال کئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسی پوشیدہ نعمتیں تیار کی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک آیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا تک نہیں، کسی کان نے سنا تک نہیں اور کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک بھی نہیں آیا" (3)۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو یہ آیت فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ پڑھ لو۔ ایک اور روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ یہ ایسا ذخیرہ ہے جس پر تم آگاہ نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی قرأت میں قرۃ کے بجائے "قرأۃ" ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "جو شخص جنت میں داخل ہوگا، اسے نعمتیں میسر ہوں گی۔ نہ وہ محتاج ہوگا، نہ اس کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ اس کی جوانی رخصت ہوگی۔ جنت میں ایسی ایسی نعمتیں ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ وہ کسی بشر کے دل میں کھٹکیں" (4)۔ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں میں نے رسول اللہ ﷺ کو جنت کا وصف بیان کرتے ہوئے سنا، آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں ایسی نعمتیں ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا، نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی بشر کے دل میں وہ کھٹکی ہوں گی۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی (5)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ سب سے ادنیٰ درجہ والا جنتی کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ شخص جو تمام جنتیوں کے جنت میں داخل ہو جانے کے بعد آئے گا۔ اسے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ وہ عرض کرے گا: یا اللہ! میں کیسے جنت میں جاؤں، لوگ تو اپنی اپنی جگہوں پر قابض ہو چکے ہیں اور وہ اپنا اپنا حصہ لے چکے ہیں؟ اسے کہا جائے گا کہ کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ تمہیں اس قدر مل جائے جس قدر دنیا کے کسی بادشاہ کو حاصل تھا؟ وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! میں اس پر راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ تیرا ہوا، اتنا اور، اتنا اور، اتنا اور۔ پانچویں مرتبہ یہ فرمانے پر وہ عرض کرے گا: پروردگار! میں راضی ہو گیا، میں خوش ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ بھی تجھے عطا ہوا اور اس

1۔ ابن ابی حاتم
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 3 صفحہ 65
3۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 145 صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2174 وغیرہ
4۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2180 تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 106
5۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2175، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 234

سے دس گنا و مزید بھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہر وہ چیز تمہیں عنایت کی جس کی تمہیں خواہش ہو اور جس سے تیری آنکھیں ٹھنڈک محسوس کریں۔ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! بس بس میں خوش ہوں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ سب سے اعلیٰ درجہ والا جنتی کون ہے؟ فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کرامت میں نے اپنے ہاتھ سے بوئی اور اس پر مہر لگا دی پھر نہ کسی آنکھ نے اسے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کو اس کا خیال آیا۔ اس کا مصداق یہ آیت فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ ہے(1)۔ حضرت عامر بن عبد الواحد فرماتے ہیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک جنتی ستر سال اپنی جگہ پر ٹھہرا رہے گا پھر وہ التفات کرے گا تو اسے نہایت خوبصورت حور دکھائی دے گی جو کہے گی کہ میں تمہارا حصہ ہوں۔ وہ اس حور کے ساتھ ستر سال ٹھہرا رہے گا پھر جو التفات کرے گا تو اسے اس سے بھی بڑھ کر حسن و جمال کا پیکر حور نظر آئے گی جو اسے کہے گی کہ میں تمہاری ہوں۔ وہ پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ وہ جواب دے گی کہ میں مزید سے ہوں۔ اس کے ساتھ ستر سال لطف اندوز ہونے کے بعد پھر جب وہ متوجہ ہوگا تو اسے اس سے بھی بڑھ کر مرقع حسن و جمال حور ملے گی جو اسے کہے گی کہ اب وقت آ گیا ہے کہ مجھے بھی آپ سے میرا حصہ نصیب ہو۔ وہ پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ کہے گی کہ میں وہی ہوں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَہُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ (2)۔ حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتے جنتیوں کے پاس دنیا کے دنوں کے اندازے کے مطابق ہر روز تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت عدن کے وہ تحفے لائیں گے جو ان کی جنت میں نہیں ہوں گے۔ اس آیت میں اسی کا بیان ہے اور وہ فرشتے انہیں خبر دیں گے کہ اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہے(3)۔ حضرت ابو الیمان فزاری یا کسی اور سے مروی ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں۔ پہلا درجہ چاندی کا ہے، اس کی زمین بھی چاندی کی، اس کے محلات بھی چاندی کے، اس کے برتن بھی چاندی کے اور اس کی مٹی مشک ہے۔ دوسرا درجہ سونے کا ہے، اس کی زمین بھی سونے کی، اس کے محلات بھی سونے کے، اس کے برتن بھی سونے کے اور اس کی مٹی مشک ہے۔ تیسرا درجہ موتی کا ہے اس کی زمین بھی موتیوں کی، رہائش گاہیں بھی موتیوں کی اور برتن بھی موتیوں کے اور مٹی مشک ہے۔ اور اس کے بعد باقی ستانوے درجے ایسے ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے، نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی دل میں گزرے پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی(4)۔ نبی کریم ﷺ حضرت روح الامین سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بندے کی نیکیاں اور بدیاں لائی جائیں گی جن میں سے بعض بعض سے کم کی جائیں گی۔ پھر اگر ایک نیکی بھی بچ گئی تو اللہ تعالیٰ جنت میں اسے کشادگی عطا فرمائے گا۔ راوی نے یزداد سے پوچھا کہ نیکیاں کہاں چلی گئیں؟ انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی: اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْہُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِہِمْ (الاحقاف: 16) "یہی وہ ہیں جن کے عمدہ اعمال کو ہم قبول کرتے ہیں اور ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں"۔ پھر دریافت کیا کہ اس آیت فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَہُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ کا مطلب کیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ جب بندہ لوگوں سے چھپا کر کوئی نیکی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے وہ نعمتیں عطا فرمائے گا جو اس نے اس کے لئے پوشیدہ کر رکھی تھیں(5)۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسْتَوٗنَ ۞ اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۟ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۞ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ اُعِیْدُوْا فِیْهَا وَ قِیْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 176۔ عارضة الاحوذی، تفسیر سورۂ سجدۃ، جلد 2، صفحہ 78-75
2۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 550-549
3۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 550
4۔ تفسیر طبری، جلد 21، صفحہ 105
5۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 551

النَّارِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ وَ لَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ
الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا
مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝۲۲

”تو کیا جو شخص ایماندار ہو وہ اس کی مانند ہو سکتا ہے جو فاسق ہو؟ (نہیں) یہ یکساں نہیں۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لیے جنتیں ہمیشہ ٹھکانا ہیں بطور ضیافت ان (نیکیوں) کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور جنہوں نے نافرمانی کی تو ان کا ابدی ٹھکانا آگ ہے۔ جتنی مرتبہ وہ ارادہ کریں گے کہ (کسی طرح) یہاں سے نکل جائیں تو (ہر بار) انہیں لوٹا دیا جائے گا اس میں اور انہیں کہا جائے گا چکھو آگ کا عذاب جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اور ہم ضرور چکھاتے رہیں گے انہیں تھوڑا تھوڑا عذاب بڑے عذاب سے پہلے تاکہ وہ (فسق و فجور سے) باز آجائیں۔ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جسے نصیحت کی گئی اس کے رب کی آیتوں سے پھر اس نے روگردانی کی ان سے۔ بے شک ہم مجرموں سے ضرور بدلہ لیں گے“۔

اللہ تعالیٰ کے عدل اور کرم کا بیان ہو رہا ہے کہ اس کے نزدیک اس کی آیات پر ایمان رکھنے والا اور اس کے رسولوں کی اتباع کرنے والا مومن اور اس کی نافرمانی کرنے والا اور اس کے پیغمبروں کی تکذیب کرنے والا فاسق یکساں نہیں ہو سکتے جیسے کہ اور مقامات پر فرمایا: اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ (الجاثیہ: 21) ”کیا ان لوگوں نے خیال کر رکھا ہے جو برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کی مانند بنا دیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے کہ یکساں ہو جائے ان کا جینا اور مرنا۔ بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں“ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ (ص: 28) ”کیا ہم بنا دیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان لوگوں کی طرح جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح بنا دیں گے“۔ لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ (الحشر: 20) ”دوزخی اور جنتی یکساں نہیں ہو سکتے“۔ عطاء بن یسار اور سدی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عقبہ بن ابی معیط کے متعلق نازل ہوئی (1)۔ پھر ان دونوں قسموں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی وہ لوگ جو صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لائے اور ان کے تقاضا کے مطابق نیک اعمال کرتے رہے ان کے لئے ایسی جنتیں ہیں جن میں محلات، رہائش گاہیں اور بالا خانے ہیں۔ یہ بطور ضیافت و کرامت کے ہے ان اعمال کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منحرف رہے ان کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہے، جب بھی وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے، انہیں اس میں لوٹا دیا جائے گا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا (الحج: 22) ”فرط رنج و الم کے باعث جب بھی وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو انہیں اس میں لوٹا دیا جائے گا“۔ فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں گے۔ آگ کے شعلے ان کی طرف لپک رہے ہوں گے اور فرشتے ان پر کوڑے برسا رہے ہوں گے، اور انہیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ اس آگ کے عذاب کو چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ پھر فرمایا: وَ لَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ

1۔ الدر منثور، جلد 6، صفحہ 553۔ تفسیر طبری، جلد 21، صفحہ 107

الْاَدْنٰى - حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عذاب ادنیٰ سے مراد دنیا کے مصائب، بیماریاں، آفات اور دوسری آزمائشیں ہیں جن میں مبتلا کرنے سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ لوگ توبہ کرلیں۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی منقول ہے حدود کا نفاذ۔ حضرات براء بن عازب، مجاہد اور ابوعبیدہ نے اس سے مراد عذاب قبر لیا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قحط سالی ہے(1)۔ حضرت ابی بن کعب اس آیت کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ انشقاق قمر اور دھواں یہ دونوں گزر چکے ہیں، سخت پکڑ اور جاہ کن عذاب(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ عذاب ادنیٰ کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد بدر کے دن کفار کا قتل اور قید کیا جانا ہے کیونکہ بدر کے دن انہیں ایسی شرمناک ہزیمت اٹھانا پڑی کہ مکہ کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی، کسی کا عزیز قتل ہوا اور کسی کا قید ہوا اور بعض کے رشتہ دار قتل بھی ہوئے اور قید بھی(3)۔ اس کے بعد فرمایا: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ یعنی اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جسے اللہ تعالیٰ کی آیات سے نصیحت کی گئی لیکن اس نے ان سے روگردانی کرتے ہوئے انہیں فراموش کر دیا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض نہ کرو کیونکہ ایسا کرنے والا شخص فریب خوردہ، بے وقعت اور گنہگار ہے۔ اس نے ایسے لوگوں کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں جنہیں کرنے والا مجرم ہے، جس نے بغیر حق کے جھنڈا باندھا، جس نے اپنے والدین کی نافرمانی کی، جس نے ظالم کی حمایت کی۔ یہ لوگ مجرم ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مجرموں سے انتقام لیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۣ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

"اور بے شک ہم نے عطا فرمائی تھی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب۔ تو آپ شک میں مبتلا نہ ہوں اس کتاب کے ملنے سے اور ہم نے بنایا تھا اسے ہدایت بنی اسرائیل کے لئے۔ اور ہم نے بنایا ان میں سے بعض کو پیشوا، وہ رہبری کرتے رہے ہمارے حکم سے جب تک وہ صابر رہے۔ اور جب تک وہ ہماری آیتوں پر پختہ یقین رکھتے تھے۔ بے شک آپ کا پروردگار، وہی فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن امور میں وہ (باہمی) اختلاف کیا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم نے اپنے بندے اور رسول موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا کی۔ قتادہ اس ارشاد فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ آپ معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کے بارے میں شک وشبہ میں نہ رہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے معراج کی رات حضرت موسیٰ بن عمران کو دیکھا گندمی رنگ والے، دراز قد اور گھونگھریالے بالوں والے جیسے قبیلہ شنوءہ کے آدمی ہوتے ہیں۔ میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، میانہ قد، رنگت سرخ و سفید اور سیدھے بالوں والے اور میں نے جہنم کے داروغے مالک اور دجال کو بھی دیکھا"۔ یہ سب ان نشانیوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دکھائیں۔ سو اس کی ملاقات میں شک نہ کرو۔ یقیناً آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معراج کی شب دیکھا اور ان سے

1۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 7، صفحہ 129 2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ دخان، جلد 6، صفحہ 164۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ یوم القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2157 وغیرہ
3۔ مستدرک حاکم، جلد 2، صفحہ 414، الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 554

ملاقات کی(1)۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا اور فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآىِٕهٖ میں حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی اپنے رب سے ملاقات مراد ہے(2)۔ ''وَجَعَلْنٰهُ'' کی ضمیر مفعول کا مرجع کتاب بھی ہو سکتی ہے یعنی ہم نے اس کتاب کو جو ہم نے موسیٰ کو عطا کی، بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنا دیا جیسا کہ فرمایا: وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا (بنی اسرائیل: 2) ''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے باعث ہدایت بنایا کہ میرے بغیر کسی اور کو (اپنا) کارساز نہ بناتا''۔ پھر فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً۔ یعنی جب تک یہ اوامر کی بجا آوری، نواہی سے اجتناب، رسولوں کی تصدیق اور ان کے لائے ہوئے پیغام کی اتباع پر ڈٹے رہے تو ہم نے ان میں سے ایسے امام اور پیشوا بنائے رکھے جو اللہ کے حکم سے حق کی راہ دکھاتے، بھلائی کی دعوت دیتے، نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے منع کرتے۔ پھر جب انہوں نے کتاب اللہ میں ردو بدل اور تحریف و تاویل کا ارتکاب کیا تو ان سے یہ مقام سلب کر لیا گیا اور ان کے دل سخت ہو گئے۔ نہ ان کا عمل نیک رہا اور نہ ان کا عقیدہ درست رہا۔ قتادہ اور سفیان لَمَّا صَبَرُوْا کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ جب وہ دنیا سے بچے رہے۔ سفیان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ایسے ہی تھے اور ایک پیشوا کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ دنیا سے احتراز کرے۔ مزید فرماتے ہیں کہ دین کیلئے علم اس طرح ضروری ہے جیسے جسم کے لئے روٹی۔ حضرت سفیان رحمتہ اللہ علیہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کے متعلق دریافت کیا گیا کہ صبر کا ایمان میں ایسا درجہ ہے جیسے سر کا جسم میں تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے یہ فرمان وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا نہیں سنا۔ جب انہوں نے تمام کاموں کے سر کو تھام لیا تو وہ رئیس اور امام بن گئے۔ کسی عالم کا قول ہے کہ دین میں امامت صبر اور یقین سے حاصل کی جاتی ہے، اس لئے فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۔۔۔ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ (الجاثیہ: 17-16) اسی طرح یہاں فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ یعنی اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن ان کے درمیان ان عقائد اور اعمال کا فیصلہ فرمائے گا جن میں یہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ۝

''کیا یہ چیز ان کی ہدایت کا باعث نہ بنی کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا حالانکہ یہ چل پھر رہے ہیں ان کے مکانوں میں۔ بے شک ان میں (عبرت کی) کئی نشانیاں ہیں۔ کیا وہ (ان درو دیوار سے داستان عبرت) نہیں سن رہے؟ کیا انہوں نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم لے جاتے ہیں پانی بنجر زمین کی طرف پھر ہم نکالتے ہیں اس کے ذریعے سے کھیتی، کھاتے ہیں اس سے ان کے چوپائے اور وہ خود بھی کیا وہ (یہ بھی) نہیں دیکھتے؟''

کیا رسولوں کو جھٹلانے والے یہ بدبخت اس سے بھی ہدایت کو قبول نہیں کرتے کہ ان سے پہلے ہم نے بہت سی قوموں کو برباد کر دیا کیونکہ وہ پیغمبروں کی تکذیب اور ان کے لائے ہوئے پیغام کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ اس جرم کی پاداش میں انہیں صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا، اس لئے فرمایا: يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ یعنی یہ جھٹلانے والے ان جھٹلانے والوں کی اجڑی

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بنی اسرائیل: 1

2۔ مجمع کبیر، جلد 12 صفحہ 160

ہوئی بستیوں میں چلتے پھرتے ہیں اور یہاں انہیں ان لوگوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آتا جنہوں نے ان بستیوں کو آباد کیا تھا۔ ان ویران مکانوں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہاں آباد ہوئے ہی نہیں تھے جیسے کہ فرمایا: فَتِلْكَ بُیُوْتُهُمْ خَاوِیَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا (النمل: 52) ''پس یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے ظلم کے باعث اجڑے پڑے ہیں''۔ فَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (الحج: 46-45) اس لئے یہاں فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ ؕ اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ یعنی پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں کی تباہی و بربادی اوران پر ایمان لانے والوں کی نجات میں عبرت اور پند و نصیحت کی بہت سی نشانیاں اور دلیلیں ہیں۔ کیا یہ لوگ پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی عبرتناک داستان نہیں سنتے کہ ان کا کیا انجام ہوا۔ پھر اگلی آیت میں فرمایا: اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اس میں اللہ تعالیٰ مخلوق پر اپنے لطف و کرم اور احسان کو بیان فرمارہا ہے کہ وہ آسمان سے بارش برسا کر اور نہروں اور دریاؤں کو جاری کر کے پانی مہیا کرتا ہے علاوہ ازیں پہاڑوں اور اونچی جگہوں سے پانی ڈھلکتا ہوا آتا ہے اور ندیوں اور نالوں کے ذریعے ادھر ادھر پھیل کر بنجر زمین کو سیراب کرتا ہے۔ الْاَرْضِ الْجُرُزِ سے مراد بنجر زمین ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا (الکہف: 8) ''اور ہم ہی ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں، چٹیل غیر آباد میدان بنانے والے ہیں'' اس سے مراد صرف سرزمین مصر نہیں، بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد مصر کی زمین ہے لیکن یہ درست نہیں۔ یہاں صرف مصر کی زمین مقصود نہیں بلکہ اس سے مراد ہر وہ زمین ہے جو سوکھ گئی ہو سخت ہو اور پانی کی محتاج ہو۔ بلاشبہ مصر کی زمین شوریلی اور ریتلی ہے اسے پانی کی اشد ضرورت رہتی ہے۔ اگر اس پر بارشیں برسیں تو مکانات اور عمارات کے منہدم ہونے کا خطرہ لاحق ہو جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے احسان فرماتے ہوئے دریائے نیل کے ذریعے پانی کا انتظام کر دیا۔ اب نہ صرف بلاد حبشہ کی بارشوں کا پانی دریائے نیل میں شامل ہو کر مصر تک پہنچتا ہے بلکہ وہ سرخ مٹی بھی اپنے ساتھ لاتا ہے جو مصر کی زمین میں شامل ہو کر اسے زرخیز اور قابل کاشت بنا دیتی ہے۔ بارش کسی اور علاقے میں برستی ہے، سرخ مٹی کسی اور علاقے کی ہوتی ہے لیکن ان سے استفادہ مصری کرتے ہیں اور ہر سال نئے پانی اور نئی مٹی کے سبب بہت زیادہ پیداوار حاصل کرتے ہیں۔ اس حکیم، کریم، منان اور محمود کی یہ کرم نوازیاں ہیں۔ مروی ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو بونہ مہینے میں وہاں کے باشندے امیر مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے نیل کی ایک عادت ہے جس کے مطابق یہ جاری ہوتا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ اس ماہ کی بارہ تاریخ کے بعد ہم والدین کی اکلوتی باکرہ بیٹی لیتے ہیں، اس کے والدین کو کسی نہ کسی طرح راضی کر لیتے ہیں اور پھر اسے خوبصورت کپڑوں اور زیورات سے آراستہ کر کے دریائے نیل کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ اگر ہم ایسی لڑکی دریا کی نذر نہ کریں تو اس میں پانی جاری نہیں ہوتا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اسلام تو ایسی جاہلانہ اور ظالمانہ رسموں کو مٹاتا ہے۔ آپ نے اس رسم کو موقوف کر دیا تو وہ اس سے باز آ گئے لیکن جب دریائے نیل جاری نہ ہوا تو لوگ تنگ آ کر مصر کو چھوڑنے کے متعلق سوچنے لگے۔ اب حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک خط تحریر کیا اور آپ کو اس صورتحال سے آگاہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب لکھا کہ تم نے بہت اچھا کیا۔ میں دریائے نیل کے نام ایک رقعہ بھیج رہا ہوں، اسے نیل میں ڈال دینا۔ فاتح مصر نے اس رقعہ کو نکال کر پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ اللہ کے بندے عمر کی طرف سے اہل مصر کے نیل کے نام، امابعد، اگر تو اپنی مرضی سے چلتا تھا تو بے شک نہ چل اور اگر تمہیں خدائے واحد جاری کرتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ تمہیں جاری کر دے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے وہ رقعہ دریائے نیل میں ڈال دیا تو ہفتہ کی صبح دریائے نیل جاری ہو گیا اور ابھی ایک رات بھی نہ گزری تھی کہ

دریائے نیل میں سولہ ہاتھ بھرا پانی چلنے لگا۔ اس طرح مصر میں اس قبیح رسم کا خاتمہ ہو گیا(1)۔ اس آیت جیسی یہ آیہ بھی ہیں: فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا (عبس:26-24) اسی طرح یہاں فرمایا: اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ارض جرز سے مراد وہ زمین ہے جس پر بارش نہ کافی برستی ہے پھر یہ سیلاب کے پانی سے سیراب ہوتی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ زمین یمن میں ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یمن اور شام کے درمیان ایسی بستیاں ہیں۔ عکرمہ، ضحاک، قتادہ، سدی اور ابن زید کہتے ہیں کہ یہ ایسی غبار آلود زمین ہے جس میں پیداوار نہ ہو۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۔ فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ (یٰسین:33)۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ۝

"اور (بار بار) پوچھتے ہیں یہ فیصلہ کب ہو گا؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ آپ فرمائیے فیصلہ کے دن نہ فائدہ پہنچائے گا کافروں کو ان کا ایمان لانا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی پس (اے حبیب!) رخ (انور) پھیر لیجئے ان سے اور انتظار فرمائیے، وہ بھی منتظر ہیں"۔

وقوع عذاب کے متعلق کفار کی جلد بازی کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ وہ نزول عذاب کو محال سمجھتے ہوئے، اسے جھٹلاتے ہوئے اور سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ کے نبی علیہ السلام سے کہا کرتے تھے کہ یہ فیصلہ کب ہو گا، کب تم ہم پر غالب آؤ گے، وہ وقت کب آئے گا جب تم ہمیں مغلوب کر کے ہم سے انتقام لو گے؟ ہم عرصہ سے تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو مغلوب، بے وقعت اور خوفزدہ دیکھ رہے ہیں۔ ہمارا اتنا خوف چھایا ہوا ہے کہ تم لوگ چھپ چھپ کر اپنی جان بچاتے ہو۔ اس کے جواب میں فرمایا: قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ یعنی جب دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اور غضب آ پڑا تو نہ اس وقت کا ایمان فائدہ دے گا اور نہ مزید مہلت دی جائے گی جیسا کہ فرمایا: فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۔(المومن:83) "پس جب ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر آئے تو انہوں نے کفر کیا اور نازاں رہے اس علم پر جو ان کے پاس تھا اور (آخر کار) انہیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے"۔ جس شخص نے یہاں فتح سے مراد فتح مکہ لی ہے وہ بہت دور کی کوڑی لایا ہے اور خطا کا مرتکب ہوا ہے کیونکہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ علیہ السلام نے تقریباً دو ہزار کافروں کے اسلام لانے کو قبول کر لیا تھا، اگر اس سے مراد فتح مکہ ہوتی تو آپ علیہ السلام ان کا اسلام قبول نہ کرتے کیونکہ اس آیت میں مذکور ہے کہ اس دن نہ کافروں کا ایمان انہیں نفع بخش ہو گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی بلکہ اس فتح سے مراد ہے فیصلہ کرنا جیسا کہ فرمایا: فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُمْ فَتْحًا (الشعراء:118) "پس تو میرے اور ان کے درمیان قطعی فیصلہ فرما دے"۔ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ (سبا:26) "فرمائیے ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا، پھر وہ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا"۔ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (ابراہیم:15) "اور رسولوں نے حق کی فتح کے لئے التجا کی اور نامراد ہو گیا ہر سرکش، منکر حق"۔ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (البقرۃ:89) "وہ اس سے پہلے (اس نبی کے وسیلہ سے) کافروں پر فتح مانگتے تھے"۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ (الانفال:19) "اگر تم فیصلے کے طلبگار تھے تو (لو) تمہارے پاس فیصلہ آ گیا"۔ پھر فرمایا: فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ یعنی آپ ان

1۔ البدایہ والنہایہ، جلد 7 صفحہ 102

مشرکین سے اعراض کرلیں اور ان کی باتوں کو خاطر نہ لاتے ہوئے فریضہ تبلیغ پوری دلجمعی کے ساتھ ادا کرتے رہیں جیسا کہ فرمایا: اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ (الانعام: 106) ”آپ اس وحی کی پیروی کریں جو آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف کی جاتی ہے، نہیں کوئی معبود بجز اس کے“۔ یہ کافر تمہارے متعلق حوادثات زمانہ کے منتظر ہیں اور آپ بھی انتظار کریں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ فتح و نصرت کا جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ اسے ضرور ایفاء کرے گا۔ عنقریب آپ دیکھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر اور تبلیغ کا اجر عطا کرتے ہوئے شاندار غلبہ عطا فرمائے گا اور آپ کے دشمنوں کو عبرتناک اور ہولناک عذاب سے دوچار کردے گا۔

سورۂ احزاب (مدنیہ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت زر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سورۂ احزاب کی کتنی آیتیں شمار کی جاتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا تہتر آیتیں۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے اسے دیکھا کہ یہ سورۂ بقرہ کے قریب قریب تھی اور اس میں یہ آیت بھی تھی: ”اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ“ یعنی جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت بدکاری کریں تو انہیں ضرور رجم (سنگسار) کرو۔ یہ عبرتناک سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے(1)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت میں کچھ اور آیات بھی تھیں پھر ان کے الفاظ منسوخ کر دیے گئے اور حکم بھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

”اے نبی (مکرم!) (حسب سابق) ڈرتے رہیے اللہ تعالیٰ سے اور نہ کہنا مانیے کفار اور منافقین کا۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، بڑا دانا ہے۔ اور پیروی کرتے رہیے جو وحی کیا جاتا ہے آپ کی طرف اپنے رب کی جانب سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اور (اے محبوب!) بھروسہ رکھئے اللہ پر، اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز۔“

یہاں اعلیٰ کو حکم دے کر ادنیٰ کو تنبیہ مقصود ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول کو یہ حکم دیتا ہے تو دوسروں پر بدرجہ اولیٰ یہ حکم لاگو ہوگا۔ طلق بن حبیب کے بقول تقویٰ یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل شدہ نور ہدایت کی روشنی میں ثواب کی امید پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور ہدایت کی روشنی میں اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کی نافرمانی ترک کر دے۔ فرمایا: وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ یعنی آپ کافروں اور منافقوں کی نہ بات سنیں اور نہ ان سے مشورہ لیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے احکام کی اتباع کی جائے کیونکہ وہی امور کے انجام سے باخبر ہے اور اپنے اقوال وافعال میں حکیم ہے، اس لئے فرمایا: وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ یعنی آپ اس قرآن وسنت کی اتباع کریں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں اور اپنے تمام امور اور احوال میں اسی پر بھروسہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کے لئے کارساز کافی ہے جو اس پر توکل کرے اور اسی کی طرف رجوع کرے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ

1۔ مختصر تلخیص کتاب الرجم جلد 1 صفحہ 1۱، مسند احمد جلد 5 صفحہ 132

اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑤

''نہیں بنائے اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے لئے دو دل اس کے شکم میں۔ اور نہیں بنایا اس نے تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں۔ اور نہیں بنایا اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے فرزند۔ یہ صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تو سچی بات کہتا ہے اور وہ ہدایت دیتا ہے سیدھی راہ پر چلنے کی۔ بلایا کرو انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے۔ یہ زیادہ قرین انصاف ہے اللہ کے نزدیک۔ اگر تمہیں علم نہ ہو تو ان کے باپوں کا تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں۔ اور نہیں ہے تم پر کوئی گرفت جو تم نادانستہ کر بیٹھو۔ البتہ وہ کام جو تمہارے دل قصداً کرتے ہیں (ان پر ضرور گرفت ہوگی) اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

مقصود معنوی بیان کرنے سے پہلے یہاں ایک معروف حسی مثال بطور تمہید اور مقدمہ کے بیان فرمائی کہ جس طرح ایک شخص کے دو دل نہیں ہوتے اور بیوی سے ظہار کرنے اور اسے صرف اتنا کہہ دینے سے کہ تو مجھ پر ایسے ہے جیسے میری ماں کی پشت، وہ اس کی ماں نہیں بن جاتی، اسی طرح کسی کے بیٹے کو اپنا متبنی بنا لینے سے وہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا۔ فرمایا: مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓيِٴْ وَلَدْنَهُمْ (المجادلۃ: 2) ''وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، نہیں ہیں ان کی مائیں بجز ان کے جنہوں نے انہیں جنا ہے''۔ اس تمہید کے بعد مقصود اصلی بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ یعنی تمہارے منہ بولے بیٹے تمہارے حقیقی بیٹے نہیں۔ یہ آیت نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے نبوت سے پہلے انہیں اپنا متبنی بنالیا تھا، اس لئے انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ کے ذریعے اس الحاق اور اس نسبت کو ختم کردیا جیسے کہ فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (الاحزاب: 40) ''محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔ اور یہاں فرمایا: ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ یعنی تمہارا کسی کو متبنی بنا لینے کا یہ مقصد نہیں کہ وہ حقیقی بیٹا بن گیا۔ جس طرح یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص کے دو دل ہوں، اس طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ ایک لڑکے کے دو باپ ہوں۔ اس کا باپ وہی ہے جس کی صلب سے یہ نکلا ہے اور اللہ تعالیٰ حق بات کہتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہاں حق سے مراد عدل ہے اور قتادہ کہتے ہیں کہ السبیل سے مراد صراط مستقیم ہے۔ متعدد حضرات نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ایک قریشی کے بارے میں نازل ہوئی جسے ذوالقلبین (دو دلوں والا) کہا جاتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے دو دل ہیں اور دونوں عقل وفہم سے لبریز ہیں۔ اس کے رد میں یہ آیت اتری (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن نماز پڑھ رہے

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 119

تھے کہ آپ کو کوئی خیال گزرا۔ اس پر آپ کی امامت میں نماز پڑھنے والے منافقین کہنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے اس کے دو دل ہیں۔ ایک تمہارے ساتھ اور ایک ان کے ساتھ۔ اس وقت یہ آیت اتری (1)۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں بطور مثال نازل ہوئی۔ یعنی جس طرح کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں ہوتے اسی طرح لے پالک کسی کا حقیقی صلبی بیٹا نہیں بن سکتا (2)۔ یہ ہماری بیان کردہ تفسیر کے موافق ہے۔ آغاز اسلام میں پہلے اس چیز کی اجازت تھی کہ لے پالک لڑکے کو اس کے پالنے والے کی طرف منسوب کر کے اس کا بیٹا کہا جاتا تھا لیکن اس فرمان اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ کے ذریعے اسے منسوخ کر دیا اور حکم دے دیا کہ ان کے جو حقیقی باپ ہیں، انہیں ان کی طرف ہی منسوب کر کے پکارو، یہی عدل، انصاف اور نیکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے پہلے ہم حضرت زید رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد ہی کہہ کر پکارتے تھے (3)۔ عربوں میں یہ دستور تھا کہ منہ بولے بیٹوں کو بھی حقیقی اور صلبی بیٹوں جیسے حقوق اور مراعات حاصل ہوتیں حتیٰ کہ گھر کی مستورات کے ساتھ ان کا اختلاط بے حجابانہ اور بے تکلفانہ ہوتا جس سے بعض لوگوں کو بہت کوفت ہوتی تھی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت سہلہ بنت سہیل نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے سالم کو منہ بولا بیٹا بنا رکھا تھا۔ اب اس بارے میں قرآن نے فیصلہ فرما دیا ہے۔ اب تک تو وہ میرے پاس بے حجابانہ آتا رہا لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ابوحذیفہ کو یہ چیز ناگوار گزرتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے دودھ پلا دو تم اس پر حرام ہو جاؤ گی“ (4)۔ لہٰذا جب اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے منہ بولے بیٹے کی بیوی کے ساتھ شادی کو بھی مباح کر دیا اور خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کر کے اس جاہلانہ رسم کا خاتمہ کر دیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا (الاحزاب: 37)“ تاکہ (اس عملی سنت کے بعد) ایمان لانے والوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی حرج نہ ہو جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کر لیں“۔ اسی طرح جہاں حرام عورتوں کا ذکر ہے وہاں فرمایا: وَ حَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ (النساء: 23)“ اور (حرام کی گئیں) تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشتوں سے ہیں“۔ یہاں بھی منہ بولے بیٹے کی بیوی کی حرمت کو بیان نہیں کیا، کیونکہ لے پالک صلبی بیٹا نہیں۔ جہاں تک رضاعی بیٹے کا تعلق ہے تو وہ شرعاً حقیقی اور صلبی بیٹے کے حکم میں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو رشتہ نسب سے حرام ہو جاتا ہے وہ رضاعت سے حرام ہو جاتا ہے“ (5)۔ البتہ محبت اور تکریم کے طور پر کسی کو بیٹا کہہ دینے کی ممانعت اس آیت سے ثابت نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خاندان عبدالمطلب کے چھوٹے لڑکوں کو رسول اللہ ﷺ نے رات کو ہی روانہ کر دیا اور آپ ہماری رانوں کو تھپکتے ہوئے فرمانے لگے: ”میرے بیٹو! سورج طلوع ہونے سے پہلے جمرات پر کنکریاں نہ مارنا“ (6)۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع ۱۰ھ کا ہے اور اس کی دلالت بالکل واضح ہے۔ یہ حکم اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوا۔ آپ

1۔ تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ احزاب، جلد 11 صفحہ 79-80، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 367-368
2۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 119

3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ احزاب، جلد 8 صفحہ 517، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4، صفحہ 1884 وغیرہ

4۔ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، جلد 4، صفحہ 1076-1077، سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 6 صفحہ 104-106 وغیرہ

5۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ احزاب، جلد 6 صفحہ 151، صحیح مسلم، کتاب الرضاعۃ، جلد 2 صفحہ 1068

6۔ سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، جلد 2 صفحہ 194، سنن نسائی، کتاب المناسک، جلد 5 صفحہ 270-272

۸ھ میں جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنا بیٹا کہہ کر بلایا(1)۔ اس کے بعد فرمایا: فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ یعنی اگر تمہیں لے پالک بچوں کے باپوں کا علم ہو تو انہیں ان کی نسبت سے پکارو اور اگر ان کے باپوں کا علم ہی نہ ہو تو اس کے عوض وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ رسول اللہ ﷺ جب عمرۃ القضاء کے سال مکہ شریف سے واپس لوٹے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی چچا چچا کہتی ہوئی آپ ﷺ کے پیچھے دوڑی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری چچا زاد بہن ہے اسے اپنے پاس رکھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے درمیان اس بچی کے متعلق جھگڑا ہو گیا کہ کون اس کی کفالت کرے گا، ہر ایک نے اپنا حق ثابت کرنے کے لئے دلیل پیش کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کیونکہ یہ میری چچا زاد بہن ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ یہ میری بھتیجی ہے اور حضرت جعفر بن ابی طالب کہنے لگے کہ یہ میری چچا زاد بہن ہے اور اس کی خالہ اسماء بنت عمیس میری بیوی ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ بچی اپنی خالہ کے پاس رہے گی اور فرمایا: "خالہ ماں کے قائم مقام ہے۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔" حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "تم سیرت اور صورت میں میرے مشابہ ہو۔" حضرت زید سے فرمایا: "تم ہمارے بھائی اور دوست ہو" (2)۔ اس حدیث میں بہت سے احکام ہیں، ان میں سے سب سے بہتر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نہ صرف حق کے ساتھ فیصلہ فرمایا بلکہ تنازعہ کرنے والوں میں سے ہر ایک کو راضی بھی کر دیا اور حضرت زید سے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی اور دوست جیسا کہ یہاں فرمایا: فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ میرا باپ غیر معروف ہے، اس لئے میں تمہارا دینی بھائی ہوں۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر انہیں یہ بھی معلوم ہوتا کہ ان کا باپ گدھا تھا تو بھی ضرور اس کی طرف اپنی نسبت کرتے(3)۔ حدیث شریف میں ہے: "جو شخص جان بوجھ کر کسی غیر باپ کی طرف منسوب ہوا اس نے کفر کیا" (4)۔ اس حدیث میں معروف نسب سے برأت پر سخت وعید اور سرزنش ہے اس لئے فرمایا: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ ۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ یعنی اگر تم پوری تحقیق اور مقدور بھر اجتہاد کے بعد کسی کو غلطی سے اس کے باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر دو تو اس غلطی پر تم سے باز پرس نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نادانستہ غلطی پر نہ گرفت کرتا ہے اور نہ یہ گناہ کا باعث ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس دعا کی تعلیم دی ہے: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ (البقرۃ: 286) "اے ہمارے رب! نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھول لیں یا خطا کر بیٹھیں۔" صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ جب مسلمانوں نے یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اسے قبول کیا(5)۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب حاکم اجتہاد کرے اور اس میں وہ صحت کو پہنچ جائے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر وہ اجتہاد کرے اور اس میں غلطی کر جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے" (6)۔ ایک اور حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، نسیان اور ہر اس امر کو معاف کر دیا ہے جس پر انہیں مجبور کیا جائے" (7)۔ یہاں فرمایا: وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ ... یعنی نادانستہ غلطی پر پکڑ اور گناہ نہیں بلکہ گناہ تو وہ ہے جو دانستہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاداب، جلد 3 صفحہ 1963، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 291 وغیرہ — 2۔ صحیح بخاری، کتاب الصلح، جلد 3 صفحہ 241

3۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 121 — 4۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، جلد 4 صفحہ 219، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 79

5۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 116، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 233

6۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۃ انبیاء: 79 — 7۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق: 259

باطل کا ارتکاب کرے جیسا کہ فرمایا: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ (البقرۃ: 225) ''اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری لایعنی قسموں پر نہیں پکڑے گا''۔ مذکورہ بالا حدیث کے الفاظ بھی یہی ہیں کہ اگر کسی نے جان بوجھ کر اپنی نسبت غیر باپ کی طرف کی تو اس نے کفر کیا۔ قرآن کریم کی آیت جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے، اس میں یہ حکم تھا کہ تمہارا اپنے باپوں کی نسبت سے اعراض کرنا کفر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ کو کتاب عطا فرمائی۔ اس میں رجم کی آیت بھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی رجم کیا اور ہم نے بھی آپ ﷺ کے بعد رجم کیا۔ ہم قرآن میں یہ آیت بھی پڑھا کرتے تھے کہ اپنے باپوں کی نسبت سے اعراض نہ کرو کیونکہ ایسا کرنا کفر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جیسا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوا، میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہو''۔ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''جس طرح نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں حد سے بڑھ کر مبالغہ کیا'' (1)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ''لوگوں میں تین خصلتیں کفر ہیں: نسب میں طعن، میت پر نوحہ اور ستاروں سے بارش طلب کرنا'' (2)۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝

''نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ اور قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں، کتاب اللہ کی رو سے عام مومنوں اور مہاجرین سے مگر یہ کہ تم کرنا چاہو اپنے دوستوں سے کوئی بھلائی (تو اس کی اجازت ہے) یہ (حکم) کتاب (الٰہی) میں لکھا ہوا ہے''۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت پر مہربان اور ان کے خیر خواہ ہیں اس لئے اس نے آپ کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ ان کا حق دار بنا دیا اور ان کی ذاتوں پر آپ کو حکمرانی عطا فرمائی۔ آپ ﷺ کو ان کے نفسوں پر جو اختیار حاصل ہے وہ ان کے اپنے اوپر اختیار پر مقدم ہے جیسا کہ فرمایا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء: 65) ''تیرے رب کی قسم! یہ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپ کو ان جھگڑوں میں حاکم بنائیں جو ان کے درمیان پھوٹ پڑیں پھر اپنے نفسوں میں اس سے تنگی نہ پائیں جو فیصلہ آپ نے کیا اور دل و جان سے تسلیم کر لیں''۔ حدیث شریف میں ہے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کی جان، مال، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں'' (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ مجھے بجز میری ذات کے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، اے عمر! جب تک میں تمہیں تمہاری ذات سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں''۔ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم، آپ مجھے ہر چیز سے حتیٰ کہ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: ''اب اے عمر'' (4)۔ اس آیت میں فرمایا: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 47
2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 644، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 342، 343-344
3۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 58، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 67
4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 336

اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بھی ایسا مومن نہیں جس کا میں دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ حقدار نہیں اگر چاہو تو آیت پڑھ لو: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ جو مومن ترکہ چھوڑے، اس کے وارث اس کے قریبی رشتہ دار ہیں اور اگر کوئی شخص قرض یا بال بچے چھوڑ کر مرے تو میں اس کا والی ہوں'' (1)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں ہر مومن کا اس کی جان سے بھی زیادہ حقدار ہوں، جو شخص قرض چھوڑ کر مرے تو وہ میرے ذمہ ہے اور جو مال چھوڑے، وہ اس کے وارثوں کا ہے'' (2)۔ پھر فرمایا: وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ یعنی آپ ﷺ کی ازواج مطہرات حرمت، عزت، احترام، توقیر، تکریم اور تعظیم میں اہل ایمان کی مائیں ہیں البتہ ان کے ساتھ خلوت جائز نہیں اور نہ ہی ان کی بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ اس پر علماء کا اجماع ہے اگرچہ بعض حضرات نے ان کی بیٹیوں کو مومنوں کی بہنیں کہا ہے جیسا کہ امام شافعی نے المختصر میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن یہ اطلاق عبارت ہے نہ کہ اثبات حکم۔ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور امہات المومنین کے دوسرے بھائیوں کو مومنوں کا ماموں کہا جائے گا؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف ہے کہ انہیں ایسا کہا جا سکتا ہے، اور کیا حضور ﷺ کو ابوالمومنین (مومنوں کا باپ) کہا جا سکتا ہے جب کہ جمع مذکر سالم کے صیغہ میں بطور تغلیب عورتیں بھی شامل ہوں؟ اس بارے میں بھی دو قول ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایسا نہیں کہہ سکتے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول یہی ہے جبکہ حضرات ابی بن کعب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں اُمَّهٰتُهُمْ کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں ''وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ'' یعنی آپ ﷺ ان کے باپ ہیں (3)۔ حضرات معاویہ، عکرمہ، مجاہد اور حسن سے بھی یہی مروی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں، میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں، جب تم میں سے کوئی پاخانہ کے لئے جائے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور نہ پیٹھ اور نہ ہی اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ طہارت کرے''۔ آپ ﷺ تین ڈھیلے لینے کا حکم دیتے تھے اور گوبر اور ہڈی کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع کرتے تھے (4)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو مومنوں کا باپ نہ کہا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (الاحزاب: 40) ''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں''۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم میں عام مومنوں اور مہاجروں کی نسبت قرابتدار ورثے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس آیت میں وراثت کا وہ قانون منسوخ ہو گیا جس کے تحت پہلے کسی کا حلیف بننے یا بھائی چارہ قائم ہو جانے سے بھی وہ ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ مہاجرین اور انصار بغیر کسی قرابتداری کے محض اس مواخات کی بناء پر ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے جو حضور ﷺ نے ان کے درمیان قائم کی تھی۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ خاص ہم مہاجرین اور انصار کے متعلق نازل ہوا۔ جب ہم ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ہمارے پاس کچھ نہ تھا۔ یہاں انصار ہمارے بہترین بھائی ثابت ہوئے۔ ہم ایک دوسرے کے بھائی بھی تھے اور ایک دوسرے کے وارث بھی بنتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فلاں کے بھائی بنے۔ حضرت

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الاحزاب، جلد 6 صفحہ 145، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 334-335
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارۃ والفئی، جلد 3 صفحہ 137، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 296
3۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 122، روح المعانی، جلد 21 صفحہ 152، تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 507
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 3، سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 38 وغیرہ

عثمان رضی اللہ عنہ اور بنی زریق کے ایک شخص کے درمیان بھائی چارہ قائم ہوا۔ میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بھائی بنا۔ یہ سخت زخمی ہوئے۔ اگر اس وقت ان کا انتقال ہو جاتا تو میرے سوا کوئی ان کا وارث نہ بنتا۔ یہاں تک کہ یہ آیت ہم مہاجرین اور انصار کے بارے میں نازل ہوئی اور ہم پر بھی میراث کا عام قانون لاگو ہو گیا(1)۔ پھر فرمایا: اَنْ تَفْعَلُوْٓا یعنی ان کیلئے میراث کا استحقاق تو ختم ہو گیا، البتہ ان کے ساتھ نیکی، حسن سلوک، نصرت اور احسان وصیت کے ذریعے ممکن ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا یعنی یہ حکم کہ قرابتدار ایک دوسرے کے مستحق ہیں، پہلے سے ہی لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا تھا جس میں رد و بدل ممکن نہیں اگرچہ ایک محدود مدت کے لئے ایک خاص حکمت کے پیش نظر اس کے خلاف وراثت کا حکم نافذ کئے رکھا لیکن اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اس عبوری قانون کو منسوخ کر کے وہی اصلی قانون لاگو کردے گا جو پہلے سے مقدر تھا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْــَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

”اور (اے حبیب!) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی، اور ہم نے ان سب سے پختہ عہد لیا تھا۔ یہ کہ (آپ کا رب) پوچھے سچوں سے ان کے سچ کے متعلق۔ اور اس نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لئے دردناک عذاب“۔

بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ اولوالعزم رسولوں اور دوسرے انبیاء سے یہ پختہ عہد لیا کہ وہ اس کے دین کو قائم کریں گے، اس کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں گے، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے اور اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کریں گے جیسا کہ فرمایا: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ - وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (آل عمران: 81) ”اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے پختہ وعدہ لیا کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو میں تمہیں کتاب و حکمت سے عطا کروں پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لے آئے جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لے لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کر دیا۔ فرمایا تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں“۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں خاص کا عام پر عطف کرتے ہوئے پہلے سب انبیاء کا ذکر کیا پھر نام لے کر پانچ اولوالعزم پیغمبروں کا۔ اسی طرح ان کے نام اس آیت میں بھی مذکور ہیں: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوریٰ: 13) ”اس نے تمہارے لئے وہ دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جسے ہم نے بذریعہ وحی آپ کی طرف بھیجا اور جس کا ہم نے ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا اور اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا“۔ اس آیت میں پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہوا، پھر درمیان میں حضور فاتح و خاتم ﷺ کا اور پھر ان رسولوں کا جو بالترتیب ان دونوں ہستیوں کے درمیان مبعوث ہوئے لیکن مذکورہ بالا آیت میں سب سے پہلے حضور خاتم النبیین کا ذکر ہوا کیونکہ آپ ﷺ سب سے افضل اور اشرف ہیں پھر ترتیب زمنی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے باقی پیغمبروں کا ذکر کیا جو یکے بعد دیگرے

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 345-344، تفسیر قرطبی، جلد 14 صفحہ 124

مبعوث ہوئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی وضاحت میں فرمایا: "میں پیدائش میں سب انبیاء سے اول ہوں اور بعثت میں سب سے آخر، پس مجھی سے ابتداء کی ہے"(1)۔ اس کا راوی سعید بن بشیر ضعیف ہے۔ بعض نے قتادہ سے اسے مرسلاً اور بعض نے موقوفاً روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اولادِ آدم میں سب سے افضل پانچ ہیں: نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد علیہم السلام اور ان میں سے سب سے افضل حضرت محمد ﷺ ہیں(2)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میثاق سے مراد وہ عہد و پیمان ہے جو اللہ تعالیٰ نے روزِ ازل اس وقت ان سے لیا تھا جب اس نے آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام ذریت کو نکالا تھا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بلند کیا گیا آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا تو اس میں کوئی غریب تھا، کوئی امیر، کوئی خوبصورت اور کوئی اور طرح تھا، یہ دیکھ کر عرض کی: اے میرے پروردگار! کیا ہی اچھا ہوتا اگر تو میری تمام اولاد کو یکساں بنا دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اس لئے ہے تاکہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ آپ نے ان میں انبیاء کو بھی دیکھا جو چراغوں کی طرح روشن تھے۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے متعلق دوسرا خصوصی عہد و پیمان لیا جس کا ذکر اس آیت وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ میں ہوا ہے(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پختہ عہد کو میثاق کہتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ ۔ یعنی جو رسولوں کا پیغام پہنچانے والے تھے، ان سے فریضۂ تبلیغ کے متعلق سوال ہو اور ان کی امتوں میں سے کفر کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تمام پیغمبروں نے حق تبلیغ ادا کر دیا، انہوں نے اپنی امتوں کی خیر خواہی کی اور اس واضح حق کو بیان کر دیا جس میں نہ کوئی شک ہے اور نہ کوئی التباس، اگرچہ جاہل سرکش ظالم اور کافر لوگ انہیں جھٹلاتے رہے۔ جو پیغمبر لے کر آئے وہی حق ہے اور جس نے ان کی مخالفت کی، وہ گمراہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝

"اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا۔ جب (حملہ آور ہو کر) آ گئے تھے تم پر (کفار کے) لشکر۔ پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا۔ جب انہوں نے حملہ بول دیا تھا تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے"۔

یہاں اس عنایت اور فضل و احسان کا ذکر ہو رہا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غزوۂ خندق کے سال سرفراز فرمایا تھا جب کفر و شرک کی طاقتیں اکٹھی ہو کر مسلمانوں کے خلاف صف آراء تھیں اور مدینہ شریف کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے پر تلی ہوئی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک کے ان سرغنوں کا رخ موڑ دیا اور انہیں شرمناک ہزیمت سے دوچار کیا۔ صحیح اور مشہور یہی ہے کہ غزوۂ خندق شوال 5ھ میں ہوا۔ موسیٰ بن عقبہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ یہ غزوہ 4ھ میں پیش آیا(4)۔ اس غزوہ کا پس منظر اور سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کے قبیلے

1۔ الدرالمنثور، جلد 6 صفحہ 570، دلائل النبوۃ از ابی نعیم، 11-12
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب علامات النبوۃ، جلد 3 صفحہ 114
3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 135، تفسیر طبری، جلد 9 صفحہ 115
4۔ دیکھئے، دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 3 صفحہ 292-297، البدایہ والنہایہ، جلد 4 صفحہ 95

بنی نضیر کو ان کی عہد شکنی کے باعث مدینہ سے خیبر جلا وطن کر دیا جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں اسلام سے عداوت کے شعلے اور شدت سے بھڑک گئے تھے، ان کے کچھ سرکردہ لوگ جن میں سلام بن ابی الحقیق، سلام بن مشکم اور کنانہ بن ربیع شامل تھے، مکہ پہنچے اور قریش کو نبی کریم ﷺ کے خلاف جنگ پر اکسانا شروع کر دیا اور انہیں ہر طرح کے تعاون اور امداد کا یقین دلایا۔ قریش نے ان کا ساتھ دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ یہاں سے وہ بنی غطفان کے پاس پہنچے اور ساز باز کر کے انہیں بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ چنانچہ قریش اور بنو غطفان تقریباً دس ہزار کا لشکر جرار لے کر نکلے، قریش کا قائد ابوسفیان صخر بن حرب تھا اور غطفان کا عیینہ بن حصن بن بدر۔ جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایک لشکر جرار مدینہ پر دھاوا بولنے کے لئے آ رہا ہے تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے اس لشکر کی یلغار کو روکنے کے لئے مدینہ شریف کے ارد گرد مشرق کی جانب خندق کھودنے کا حکم دیا جس میں تمام مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ رسول اللہ ﷺ بذات خود خندق کھودنے اور مٹی اٹھا اٹھا کر باہر پھینکنے میں مصروف تھے۔ اس نازک موقعہ پر بھی کئی معجزات اور دلائل کا ظہور ہوا۔ مشرکین بغیر کسی مزاحمت کا سامنا کئے مدینہ شریف پہنچ گئے اور احد پہاڑ کے قریب مدینہ طیبہ کی مشرقی جانب پڑاؤ ڈال دیا اور ان کا ایک دستہ شہر کی بالائی جانب خیمہ زن ہو گیا جیسا کہ فرمایا: اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ۔ رسول اللہ ﷺ تقریباً تین ہزار اور بقول بعض صرف سات سو جانثاروں کی جمعیت کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کیلئے نکلے۔ کوہ سلع کو پشت کی طرف رکھ کر اور دشمنوں کی طرف متوجہ ہو کر آپ ﷺ نے اپنے لشکر کی صف بندی کی۔ دشمن کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے خندق حائل تھی جس میں پانی نہیں چھوڑا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو مدینہ کے ایک محلے میں جمع کر دیا۔ یہود کا ایک قبیلہ بنو قریظہ مدینہ شریف میں آباد تھا، مشرقی جانب ان کا مضبوط قلعہ تھا۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کا دوستی کا معاہدہ تھا۔ ان میں تقریباً آٹھ سو جنگجو تھے۔ ایک دن موقعہ پا کر بنو نضیر کا رئیس حیی بن اخطب ان کے پاس گیا اور انہیں سبز باغ دکھا کر عہد شکنی پر اکساتا رہا یہاں تک کہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ توڑ دیا اور طاغوتی لشکروں کا ساتھ دینے کی حامی بھر لی۔ چنانچہ اب حالات مزید نازک ہو گئے، پریشانی حد سے بڑھ گئی اور معاملہ سنگین ہو گیا جیسا کہ فرمایا: هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا (الاحزاب: 11) "اس موقعہ پر ایمان والوں کو خوب آزمایا گیا اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے"۔ کفار نے تقریباً ایک ماہ تک محاصرہ کئے رکھا لیکن انہیں حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی دونوں لشکروں میں دست بدست لڑائی ہوئی البتہ ایک دن عرب کا مشہور شہسوار اور جنگجو عمرو بن عبدود عامری اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر خندق کے پار کود گئے۔ مسلمانوں کی طرف جا کر اس نے دعوت مبارزت دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے شہسواروں کو اس کا مقابلہ کرنے کی ترغیب دلائی لیکن کسی کو تیار نہ پا کر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ دونوں میں پنجہ آزمائی شروع ہو گئی اور دونوں پے در پے حملے کرنے کے لئے ایک دوسرے پر جھپٹتے رہے بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے مدمقابل کو زیر کر کے قتل کر دیا۔ یہ مسلمانوں کے لئے فتح و نصرت کی علامت تھی پھر اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک کے ان جتھوں پر سخت آندھی بھیجی جس سے ان کے خیمے اکھڑ گئے، ہر چیز الٹ پلٹ گئی، نہ آگ روشن ہوتی تھی اور نہ انہیں قرار نصیب تھا یہاں تک کہ سراسیمگی اور بدحواسی کے عالم میں وہ نامراد ہو کر واپس فرار ہو گئے جیسا کہ فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہاں جس ہوا کا ذکر ہے اس کا نام صبا (پروائی ہوا) ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: "مجھے صبا سے مدد دی گئی ہے اور قوم عاد کو دبور (پچھوائی ہوا) سے ہلاک کیا گیا" (1)۔ حضرت

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، جلد 2 صفحہ 40، صحیح مسلم، جلد 20 صفحہ 617

عکرمہ فرماتے ہیں کہ جنوبی ہوا نے غزوہ احزاب کی رات شمالی ہوا سے کہا کہ آؤ، ہم رسول اللہ ﷺ کی مدد کریں تو شمالی ہوا نے کہا کہ گرم ہوا رات کو نہیں چلا کرتی۔ پھر ان پر صبا ہوا بھیجی گئی(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے میرے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے خندق کی رات سخت سردی اور تیز آندھی میں مدینہ شریف بھیجا اور کھانا اور لحاف لانے کے لئے کہا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی اور فرمایا: ''میرے جو صحابی تمہیں ملیں انہیں کہہ دینا کہ میرے پاس واپس لوٹ آئیں۔ اب میں وہاں سے چل پڑا۔ آندھی اس قدر شدید تھی کہ ہر چیز کو اڑائے لئے جا رہی تھی۔ جو بھی مسلمان مجھے ملتا، میں نبی کریم ﷺ کا پیغام اس تک پہنچا دیتا۔ پیغام ملتے ہی ہر ایک حضور ﷺ کی طرف پلٹا اور کسی نے بھی روگردانی نہ کی۔ میرے پاس ڈھال تھی، اسے ہوا کے ایسے زوردار تھپیڑے پڑتے کہ وہ شدت سے مجھ پر لگتی۔ اس قیامت خیز طوفان میں میری ڈھال میں سے لوہا میرے ہاتھ پر گر پڑا جسے میں نے زمین پر پھینک دیا(2)۔ فرمایا: وَجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اس سے مراد فرشتے ہیں جنہوں نے کفار ومشرکین کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور ان کے دلوں پر رعب اور خوف وہراس طاری کر دیا۔ اس رعب اور خوف کی وجہ سے ہر سردار اپنے ماتحتوں سے کہہ رہا تھا کہ میرے پاس آؤ اور نجات کی کوئی تدبیر کرو۔ کوفے کے ایک نوجوان نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابوعبداللہ! تم لوگ بہت خوش نصیب ہو کہ تم نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اور تمہیں آپ کی صحبت نصیب ہوئی۔ یہ فرمایئے کہ تم لوگ کیا کرتے تھے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم جانثاری کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ نوجوان کہنے لگا کہ اگر ہمیں حضور ﷺ کا زمانہ نصیب ہوتا تو ہم آپ کو زمین پر نہ چلنے دیتے بلکہ ہم آپ ﷺ کو اپنی گردنوں پر اٹھاتے۔ یہ سن کر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! اگر غزوہ خندق کے موقعہ پر تم ہمیں دیکھ لیتے تو پھر تمہیں ہماری جانثاری اور فدائیت کا اندازہ ہوتا۔ آپ ﷺ رات کا کچھ حصہ نماز پڑھتے رہے پھر آپ نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جو جا کر لشکر کفار کی خبر لائے گا، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا''۔ نبی کریم ﷺ نے یہ شرط لگا کر اطمینان بھی دلا دیا کہ وہ ضرور واپس آئے گا۔ لیکن کوئی شخص کھڑا نہ ہوا۔ پھر آپ کچھ دیر کے لئے نماز میں مصروف ہو گئے۔ فراغت کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور پھر وہی بات فرمائی لیکن پھر بھی کوئی شخص کھڑا نہ ہوا۔ اس کے بعد پھر آپ کافی دیر نماز پڑھنے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''کون شخص ہے جو لشکر کفار کے حالات کا جائزہ لے پھر واپس لوٹ آئے''۔ حضور ﷺ نے اس کے لئے صحیح سالم واپس لوٹ آنے کی شرط لگائی۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ جنت میں میرا رفیق ہو''۔ خوف، بھوک اور سردی کی شدت کے باعث کوئی بھی جانے کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ آخرکار حضور ﷺ نے مجھے بلایا۔ اب آپ کے حکم پر لبیک کہنے کے سوا میرے لئے کوئی چارہ نہ تھا۔ میں حاضر خدمت ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے حذیفہ! جاؤ اور لشکر کفار میں گھس کر دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ میرے پاس واپس آنے تک کوئی نیا کام نہ کرنا''۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے تعمیل ارشاد کی اور کفار کے لشکر میں داخل ہو گیا۔ وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آندھی اور خدائی لشکر ان کا برا حشر کر رہے ہیں، خیمے اکھڑ رہے ہیں، دیگیں الٹ رہی ہیں، آگ جلتی نہیں جس کی وجہ سے وہ سخت بے قرار اور سراسیمہ ہیں۔ اس وقت ابوسفیان قریش سے کہنے لگا کہ تم میں سے ہر ایک کڑی نظر رکھے ایسا نہ ہو کہ کوئی اجنبی تم میں گھس آئے۔ میں نے فوراً اپنے ساتھ والے قریشی کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے بتایا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ ابوسفیان مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اب یہاں قیام ممکن نہیں، گھوڑے، اونٹ اور دوسرے جانور

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 127
2۔ معجم کبیر، جلد 12 صفحہ 368-369، مجمع الزوائد، جلد 6 صفحہ 135

ہلاک ہو رہے ہیں، بنو قریظہ نے ہمارے ساتھ بدعہدی کی اور ان کی طرف سے ہمیں بہت تکلیف پہنچی، آندھی قیامت ڈھا رہی ہے، ہماری ہانڈیاں الٹ رہی ہیں، آگ جلتی نہیں اور نہ کوئی خیمہ سلامت ہے۔ اس لئے اب عافیت اسی میں ہے کہ یہاں سے کوچ کر جاؤ، میں تو جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے بدحواسی کے عالم میں اپنے اونٹ کو ایڑ لگا کر اٹھانا چاہا لیکن اسے معلوم ہی نہ تھا کہ اس کا ایک پاؤں رسی کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ اس پر بیٹھ کر اس نے اسے مارا تو وہ تین پاؤں پر ہی کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے اس کا پاؤں کھولا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم نہ ہوتا کہ کوئی نیا کام نہ کرنا تو ابوسفیان کو قتل کرنے کا اب سنہری موقع تھا۔ اگر میں چاہتا تو تیر چلا کر اس کا کام تمام کر دیتا۔ میں واپس لوٹا تو رسول اللہ ﷺ اپنی کسی زوجہ محترمہ کی منقش چادر اوڑھے نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر آپ ﷺ نے مجھے اپنے قدموں میں بٹھا لیا اور چادر کا ایک کونہ مجھ پر ڈال دیا۔ اسی حالت میں آپ ﷺ نے رکوع و سجود کیا۔ جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو میں نے تازہ صورت حال سے آپ کو آگاہ کر دیا۔ جب قبیلہ غطفان کو قریش کے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے بھی واپسی کی راہ لی (1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کو پالیتا تو آپ کے ساتھ مل کر جہاد کرتا اور خوب داد شجاعت دیتا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم واقعی ایسا کرتے؟ سنو، غزوۂ احزاب کی رات بلا کی سردی پڑ رہی تھی اور تند و تیز آندھی چل رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا کوئی ایسا مرد ہے جو قوم کفار کی خبر لائے، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا۔ آپ ﷺ نے تین بار ایسا فرمایا لیکن ہم میں سے کوئی تیار نہ ہوا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے حذیفہ! اٹھو اور قوم کے حالات معلوم کر کے ہمیں آگاہ کرو۔ جب آپ نے میرا نام لے کر مجھے بلایا تو پھر اٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قوم کی خبر لاؤ اور کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس کے باعث وہ میرے خلاف بھڑک اٹھیں۔ چنانچہ میں ادھر چل نکلا مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گویا میں گرم حمام میں ہوں۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ابوسفیان آگ تاپ رہا ہے۔ میں نے تیر کمان پر چڑھایا اور ابھی تیر چلانے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ مجھے آپ ﷺ کا فرمان یاد آ گیا۔ اس وقت ابوسفیان بالکل زد میں تھا۔ اگر میں تیر چلا دیتا تو ضرور اسے لگتا۔ میں واپس لوٹا تو اس وقت بھی سردی نام کی کوئی چیز مجھے محسوس نہیں ہو رہی تھی بلکہ میں تو یہ خیال کر رہا تھا گویا میں گرم حمام میں ہوں۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو پھر مجھے سردی نے آ لیا۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنی اس چادر کا کچھ حصہ اوڑھا دیا جس میں آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ صبح تک میں اسی طرح سویا رہا۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: "قُمْ يَا نَوْمَانُ" (2) کہ اے زیادہ سونے والے اٹھو۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ آپ لوگوں کو حضور ﷺ کی صحبت میسر رہی لیکن ہم اس سے محروم رہے، آپ لوگ حضور ﷺ کا دیدار کرتے رہے لیکن ہم آپ کا دیدار نہ کر سکے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں تمہارے اس پختہ ایمان پر رشک آتا ہے کہ حضور ﷺ کی زیارت کے بغیر تمہارا عقیدہ اس قدر پختہ ہے۔ اے میرے بھتیجے! تمہیں نہیں معلوم کہ اگر تم حضور ﷺ کے زمانہ کو پاتے تو کیا کرتے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے مندرجہ بالا خندق کی رات والا واقعہ بیان کیا (3)۔ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان غزوات کا تذکرہ کیا جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی معیت میں جاں سپاری کا مظاہرہ کیا تو آپ کے ساتھی کہنے لگے کہ اگر ہم اس وقت موجود ہوتے تو بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھاتے اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اہل مجلس سے فرمانے لگے کہ ایسی تمنا نہ کرو۔ غزوۂ

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 393-392، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 232-231

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1415-1414، مستدرک حاکم، کتاب المغازی، جلد 3 صفحہ 31

3۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 3 صفحہ 455-454

احزاب کی رات ہم صف آرا تھے ابو سفیان اور اس کے ساتھ لشکر بالائی جانب خیمے ڈالے ہوئے تھے اور بنو قریظہ ہماری زیریں جانب گھات لگائے بیٹھے تھے اور ان کی طرف سے ہماری عورتوں اور بچوں پر ہر وقت یلغار کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ رات اس قدر تاریک تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا اور اس قدر زناٹے کی آندھی چل رہی تھی گویا بجلی کڑک رہی ہے۔ اس طرح کی سخت بھیانک، تاریک اور وحشت ناک رات ہم نے نہیں دیکھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ منافقین حضور ﷺ سے اجازت طلب کرتے ہوئے اور یہ بہانا بناتے ہوئے ہمارے حوصلے پست کر رہے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے۔ ان میں سے جس نے بھی حضور ﷺ سے گھر جانے کی اجازت چاہی، آپ نے اسے اجازت دے دی۔ وہ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے یہاں تک کہ ہم تقریباً تین سو جانثار باقی رہ گئے۔ حضور ﷺ ہم میں سے ہر ایک کا جائزہ لیتے ہوئے میرے پاس تشریف لائے۔ میرے پاس دشمن سے محفوظ رہنے کے لئے نہ ڈھال تھی اور نہ ہی سردی سے بچاؤ کے لئے کوئی کپڑا تھا سوائے میری بیوی کی چادر کے جو بمشکل میرے گھٹنوں تک پہنچتی تھی۔ جب آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں اپنے گھٹنوں میں سر ڈالے دبکا بیٹھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ میں نے عرض کی: حذیفہ۔ فرمایا: حذیفہ! یہ سن کر زمین مجھ پر تنگ ہو گئی کہ کہیں مجھے اٹھنا نہ پڑے۔ آخر کار ہمت کر کے اٹھ کھڑا ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''قوم کفار میں ایک نئی بات رونما ہونے والی ہے، جاؤ ان کی خبر لاؤ''۔ اس وقت مجھ سے زیادہ دہشت زدہ اور سردی میں کپکپاتا ہوا کوئی شخص نہ ہوگا لیکن جونہی حضور ﷺ کا حکم ہوا، میں نکل کھڑا ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ نے میرے لئے یہ دعا فرمائی: ''اے اللہ! اس کے آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے اس کی حفاظت فرما''۔ یہ دعا کرنے کی دیر تھی کہ میرے دل سے خوف و ہراس بھی جاتا رہا اور سردی بھی زائل ہو گئی۔ جب میں ادھر روانہ ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے آواز دے کر فرمایا: ''اے حذیفہ! میرے پاس واپس آنے تک وہاں کوئی نئی بات نہ کرنا''۔ میں جب دشمن کے لشکر کے قریب پہنچا تو وہاں جلنے والی آگ کی روشنی میں میں نے ایک شخص کو دیکھا، سیاہی مائل بھاری بھر کم جسم والا، وہ آگ تاپ رہا تھا اور اپنے ساتھیوں کو کوچ کرنے اکسا رہا تھا۔ اس سے پہلے میں ابو سفیان کو نہیں جانتا تھا۔ میں نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور کمان میں رکھ کر چلانا چاہا لیکن اسی وقت مجھے حضور ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ وہاں کوئی نئی بات نہ کرنا۔ میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور تیر واپس ترکش میں لوٹا دیا، پھر میں حوصلہ کر کے لشکر کے اندر گھس گیا، بنو عامر سب سے زیادہ میرے قریب تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: اے آل عامر! کوچ، کوچ، اب یہاں ٹھہرنا تمہارے لئے ممکن نہیں۔ میں نے ایک تعجب خیز معاملہ ملاحظہ کیا کہ آندھی صرف ان کے لشکر کے اندر چل رہی تھی اور ایک بالشت بھر بھی اس سے باہر نہ تھی۔ پتھر اڑ کر ان کے خیموں اور بستروں کو اپنی زد میں لے رہے تھے، سخت آندھی کے تھپیڑے لگ لگ کر ان کا برا حال کر رہے تھے، پھر وہاں سے نکل کر جب میں نبی کریم ﷺ کی طرف روانہ ہوا تو رستہ میں مجھے تقریباً بیس شہسوار ملے جو عمامے باندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو خبر دے دینا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفایت کر دی اور آپ کے دشمنوں کو ہزیمت سے دوچار کر دیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آیا تو آپ اس وقت چادر اوڑھے نماز پڑھ رہے تھے۔ جونہی میں واپس پہنچا، سردی نے دوبارہ مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور میں کانپنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے دوران نماز اپنے ہاتھ سے میری طرف اشارہ کیا۔ میں آپ کے قریب ہوا تو آپ ﷺ نے اپنی کچھ چادر مجھے اوڑھا دی۔ آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی آپ کو کوئی مشکل درپیش ہوتی، آپ نماز میں مشغول ہو جاتے۔ میں نے آپ کو کفار کے متعلق بتا دیا کہ وہ کوچ کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس وقت یہ آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ ۔ نازل

ہوئی(1)۔ فرمایا: اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ یعنی جب تمہاری بالائی جانب سے کفر و شرک کے ان لشکروں نے حملہ بول دیا اور تمہاری زیریں جانب سے بنو قریظہ نے اور شدت خوف سے تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ بعض وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، کہہ رہے تھے کہ اس بار کفار کو مومنوں پر غلبہ حاصل ہوگا۔ منافقین طرح طرح کی ہوائیاں اڑا کر سراسیمگی پھیلا رہے تھے یہاں تک کہ ان کا ایک سرغنہ معتب بن قشیر یہ ہرزہ سرائی کر رہا تھا کہ محمد (ﷺ) ہمارے ساتھ تو یہ وعدہ کر رہے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک بنیں گے لیکن اب یہ حالت ہے کہ ہمارے لئے قضائے حاجت کو جانا دوبھر ہو رہا ہے(2)۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ یہ مختلف گمان کرنے والے مختلف لوگ تھے۔ منافقوں کا گمان تھا کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کا (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) خاتمہ ہو جائے گا لیکن مومنوں کو پختہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کیا ہوا وعدہ برحق ہے اور اللہ تعالیٰ ضرور دین اسلام کو غلبہ عطا فرمائے گا اگرچہ مشرکین کو یہ ناگوار گزرے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس خوف و ہراس کے عالم میں جب کلیجے منہ کو آرہے تھے، ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں گھبراہٹ سے بچاؤ کے لئے کوئی دعا تلقین فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دعا مانگو: "اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَ اٰمِنْ رَوْعَاتِنَا" یعنی اے اللہ! ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمارے خوف کو امن میں بدل دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعے انہیں شرمناک ہزیمت سے دوچار کر دیا(3)۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ وَإِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ إِلَّا غُرُوْرًا ۝ وَإِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓأَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ إِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ إِنْ يُّرِيْدُوْنَ إِلَّا فِرَارًا ۝

"اس موقع پر خوب آزمالیا گیا ایمان والوں کو اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے۔ اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے (فتح کا) اللہ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لئے۔ اور یاد کرو جب کہتی پھرتی تھی ان میں سے ایک جماعت کہ اے یثرب والو! تمہارے لئے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں (جان عزیز ہے) تو لوٹ چلو (اپنے گھروں کو) اور اجازت مانگنے لگا ان میں سے ایک گروہ نبی کریم ﷺ سے یہ کہہ کر (حضور) ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے (اس بہانہ سازی سے) ان کا ارادہ محض (میدان جنگ سے) فرار تھا"۔

اس سنگین صورتحال کا ذکر ہو رہا ہے جس سے مسلمان غزوۂ احزاب کے موقع پر دوچار ہوئے۔ ہر طرف سے دشمن نے دھاوا بول دیا تھا، مسلمان سخت تنگی کی حالت میں محصور تھے، سخت آزمائش کا سامنا تھا، انہیں سختی سے جھنجھوڑا گیا۔ اس نازک گھڑی میں منافقین کا نفاق کھل کر سامنے آگیا۔ وہ اور دوسرے وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا روگ تھا کہنے لگے: مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ یعنی اللہ اور اس کے رسول نے محض دھوکہ دینے کے لئے ہمارے ساتھ فتح کا وعدہ کیا۔ اس طرح نہ صرف منافقین کے نفاق سے پردہ اٹھ گیا بلکہ وہ لوگ جو اپنے ایمان کی کمزوری اور حالات کی سنگینی کے باعث اسلام کے متعلق کسی شبہ کا شکار تھے یا اسلام کے متعلق بغض و عناد رکھتے تھے، وہ بھی اب برملا اپنے

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، کتاب المغازی، جلد 3 صفحہ 451-453، البدایہ والنہایہ، جلد 4 صفحہ 116

2۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 131، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 222 3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 3، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 573، تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 137

دل میں پیدا ہونے والے خدشات اور وسوسوں کا اظہار کرنے لگے۔ ان میں ایک اور گروہ تھا جو اہل مدینہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا: يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ ... یثرب سے مراد مدینہ ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: "مجھے خواب میں تمہاری ہجرت گاہ دکھائی گئی ہے جو دو سنگلاخ میدانوں کے درمیان ہے، پہلے تو مجھے یہ خیال گزرا کہ یہ ہجر ہے لیکن پھر معلوم ہوا کہ یہ جگہ یثرب ہے" (1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ جگہ مدینہ طیبہ ہے۔ جہاں تک مسند احمد کی اس حدیث کا تعلق ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مدینہ کو یثرب کہا، وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، یہ تو طابہ ہے طابہ (2)۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عمالیق کا ایک شخص یثرب بن عبیل بن مہلاییل بن عوض بن عملاق بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح یہاں آکر ٹھہرا، اس کے نام پر اس کا نام یثرب پڑ گیا۔ مروی ہے کہ تورات میں اس شہر کے گیارہ نام مندرج ہیں: مدینہ، طابہ، طیبہ، مسکینہ، جابرہ، محب، محبوبہ، قاصمہ، مجبورہ، عذراء اور مرحومہ (3)۔ حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تورات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ شریف سے فرمایا: اے طیبہ، اے طابہ، اے مسکینہ! خزانوں میں مبتلا نہ ہو، میں تمام بستیوں پر تیرا مقام بلند کروں گا (4)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا مُقَامَ لَكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ یہاں نبی کریم ﷺ کے پاس میدان جنگ میں تمہارے لئے ٹھہرنا ممکن نہیں اس لئے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس فرمان وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ میں جس گروہ کے اجازت طلب کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد بنو حارثہ ہیں جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں اور وہاں ہمیں چوری کا شدید خطرہ ہے (5)۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ بہانہ تراشنے والا اوس بن قیظی تھا (6)۔ بہر صورت ان لوگوں نے واپس لوٹنے کی خاطر یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں اور دشمن کی یلغار سے بچاؤ کرنے کے لئے وہاں کوئی نگہبان نہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ یعنی ان کے گھر بالکل غیر محفوظ نہیں جیسا کہ ان کا گمان ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ یہ نامرد جنگ سے بھاگ رہے ہیں۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿14﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿15﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿16﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿17﴾

"اور اگر گھس آتے (کفار کے لشکر) ان پر مدینہ کے اطراف سے پھر ان سے درخواست کی جاتی فتنہ انگیزی میں شرکت کی تو فوراً اسے قبول کر لیتے اور توقف نہ کرتے اس میں مگر بہت کم۔ حالانکہ یہی لوگ پہلے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا جاتا ہے اس کے متعلق ضرور باز پرس کی جاتی ہے۔ فرما دیجئے (اے بھگوڑو)

1۔ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، جلد 4 صفحہ 347، صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، جلد 4 صفحہ 1779
2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 285، مسند ابی یعلی، جلد 2 صفحہ 90، مجمع الزوائد، جلد 3 صفحہ 300
3۔ الروض الانف، جلد 2 صفحہ 16، التعریف والاعلام للسہیلی: 102، تفسیر قرطبی، جلد 14 صفحہ 148
4۔ الروض الانف، جلد 2 صفحہ 16
5۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 135
6۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 136

تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا قتل سے اور (اگر بھاگ کر تم نے جان بچا بھی لی) تو تم لطف اندوز نہ ہو سکو گے مگر تھوڑی مدت۔ فرمائیے کون بچا سکتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ سے اگر وہ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ کرلے یا اگر وہ تم پر رحمت فرمانا چاہے۔ اور نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار"۔

ان لوگوں کے متعلق بتایا جارہا ہے جنہوں نے یہ عذر لنگ پیش کر کے میدان جہاد سے راہ فرار اختیار کی تھی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، ان کی نسبت فرمایا کہ اگر ان پر مدینہ کی ہر جانب سے دشمن ٹوٹ پڑیں، پھر ان سے فتنہ انگیزی یعنی کفر میں داخل ہو جانے کی درخواست کی جائے تو یہ بلا تامل کفر کو قبول کر لیں گے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ معمولی سے خوف کے باعث یہ ایمان کے دامن کو چھوڑنے پر تیار ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں وہ عہد یاد کروا رہا ہے جو انہوں نے اس آزمائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا کہ وہ کسی صورت میں بھی میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگیں گے، اللہ تعالیٰ اس عہد کے متعلق ان سے ضرور باز پرس فرمائے گا۔ اس کے بعد انہیں صاف صاف بتادیا کہ ان کا جہاد سے فرار اختیار کرنا انہیں موت سے بچا سکتا ہے اور نہ ان کی عمروں کے طویل ہونے کا سبب بن سکتا ہے بلکہ بہت ممکن ہے کہ یہ اچانک پکڑ کا سبب بن جائے، اس لئے فرمایا: وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا یعنی اگر تم قتل سے بچ بھی گئے تو بھی تم بہت کم عرصہ لطف اندوز ہو گے۔ متاع دنیا بہت قلیل ہے اور اہل تقویٰ کے لئے آخرت ہی بہتر ہے۔ پھر فرمایا: قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ ۔ یعنی نہ ان کے لئے اور نہ دوسروں کے لئے کوئی ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ سے پناہ دے سکے اور مدد کر سکے۔

قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَآىٕلِیْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَیْنَا ۚ وَ لَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا ۟ۙ اَشِحَّةً عَلَیْكُمْ ۖۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ كَالَّذِیْ یُغْشٰى عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَیْرِ ؕ اُولٰٓىٕكَ لَمْ یُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ۟

"اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاد سے روکنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں (اسلامی کیمپ چھوڑ کر) ہماری طرف آجاؤ اور خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے مگر برائے نام۔ پرلے درجے کے کنجوس ہیں تمہارے معاملہ میں۔ پھر جب خوف (ودہشت) چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا رہی ہوتی ہیں اس شخص کی مانند جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ پھر جب خوف دور ہو جائے تو تمہیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے، بڑے حریص ہیں مال غنیمت کے حصول میں۔ (درحقیقت) یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے۔ پس اللہ نے ضائع کر دیے ہیں ان کے اعمال۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل آسان ہے"۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے متعلق اپنے علم محیط کی خبر دے رہا ہے جو دوسروں کو جہاد سے منع کرتے ہیں اور اپنے دوست احباب کو آرام دہ زندگی کی دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہماری طرف آؤ اور جس طرح ہم درختوں کے سائے تلے ان کے پھلوں سے شاد کام ہوتے ہوئے پرسکون زندگی بسر کر رہے ہیں، تم بھی ایسی ہی زندگی اختیار کرو، اس کے باوجود وہ میدان جنگ کا ایک آدھ چکر لگا کر کبھی کبھی اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔ یہ تم پر محبت اور شفقت کرنے میں پرلے درجے کے بخیل ہیں۔ سدی "اَشِحَّةً عَلَیْكُمْ" کا معنی بتاتے

ہیں کہ وہ مال غنیمت کے بہت حریص ہیں اور اس میں تمہارے حصہ پر ناخوش ہیں۔ ان نامردوں اور بزدلوں کی حالت یہ ہے کہ جب خوف چھا جاتا ہے تو خوف و ہراس کی شدت کے باعث ان کی آنکھیں چکرانے لگتی ہیں اور ان کی حالت ویدنی ہوتی ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان پر موت کی غشی طاری ہے اور جب امن کا دور دورہ ہو تو قینچی کی طرح ان کی تیز زبانیں چلنے لگتی ہیں، فصیح و بلیغ گفتگو اور اپنی شجاعت اور مردانگی کے بلند بانگ جھوٹے دعوے کرنے لگ جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سَلَقُوْكُمْ کا معنی بتاتے ہیں کہ وہ تیز زبانوں کے ساتھ تمہارا سامنا کرتے ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ غنیمت کے وقت یہ بدترین حریص ہوتے ہیں جو غل مچا دیتے ہیں کہ ہمیں دو، ہمیں دو، ہم نے بہت سی جنگی خدمات انجام دی ہیں لیکن جنگ کے وقت یہ بدبخت نہایت بزدل اور حق کے ساتھ قطع تعلق کرنے والے ہوتے ہیں(1)۔ ان میں بھلائی نام کی کوئی چیز نہیں۔ بھلائی سے خالی ہونے کے علاوہ یہ بزدل بھی ہیں اور جھوٹے بھی۔ حالت امن میں یہ گدھوں جیسے ہیں اور حالت جنگ میں حائضہ عورتوں کی طرح الگ تھلگ، اس لئے فرمایا: اُولٰٓىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ -

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآىِٕكُمْ ۖ وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْۤا اِلَّا قَلِيْلًا ۝

"(دشمن بھاگ گیا لیکن یہ بزدل) یہی خیال کر رہے ہیں کہ ابھی جتھے نہیں گئے۔ اور اگر جتھے (دوبارہ پلٹ کر) آ جائیں تو یہ پسند کریں گے کہ کاش! وہ صحرا میں بدوؤں کے ہاں ہوتے (آنے جانے والوں سے) تمہاری خبریں پوچھتے۔ اور اگر یہ (بزدل) تم میں موجود بھی ہوتے تو یہ (دشمن سے) جنگ نہ کرتے مگر برائے نام"۔

یہاں بھی ان کی بزدلی اور سراسیمگی کی تصویر کشی کی جارہی ہے کہ کفر و شرک کے لشکر لوٹ جانے کے باوجود انہیں دھڑکا لگا ہوا ہے کہ وہ ابھی لوٹے نہیں بلکہ ان کے قریب ہی موجود ہیں اور ان کی یلغار کا سخت خطرہ ہے۔ جب لشکر امڈ کر آتے ہیں تو ان کی تمنا ہوتی ہے کہ کاش ہم یہاں تمہارے ساتھ مدینہ میں رہائش پذیر نہ ہوتے بلکہ بادیہ نشین ہوتے اور وہاں سے ہی معلوم کر لیتے کہ تم لوگوں پر کیا بیتی۔ فرمایا: وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ - یعنی اگر یہ نامرد تم میں موجود ہوتے تو اپنی بزدلی، ذلت اور ضعف یقین کی وجہ سے برائے نام لڑتے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۫ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ۝

"بے شک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔ یہ نمونہ اس کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ (منافقین کا حال آپ پڑھ چکے) اور جب ایمان والوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو (فرط جوش سے) پکار اٹھے یہ ہے وہ لشکر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے۔ اور دشمن کے لشکر جرار نے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم میں اور اضافہ کر دیا"۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 141

تمام اقوال، افعال اور احوال میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے میں یہ آیت کریمہ بہت بڑی دلیل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ حضور ﷺ کے اس اسوہ کی تقلید کریں جسے آپ ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقع پر پیش کرتے ہوئے صبر و تحمل، شجاعت اور توکل کی عدیم النظیر مثال قائم کی، جہاد کی تیاری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمہ وقت مستعد رہے اور اللہ تعالیٰ سے اس سختی سے کشائش کی امید لگائے رہے۔ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے آپ ﷺ کا یہ اسوہ اور نمونہ قائم رہے گا اور مشکل حالات میں ان کی رہنمائی کرتا رہے گا، اسلئے جب غزوۂ احزاب کے موقع پر مسلمان سنگین حالات سے دوچار ہوئے اور ان پر خطرات کے مہیب بادل منڈلانے لگے تو اس وقت ان کی تسلی اور تشفی کے لئے فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یعنی اس وقت تم نے حضور ﷺ کے خصائل کی اقتداء کیوں ترک کی اور آپ ﷺ کے اسوہ کو کیوں نہ اپنایا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو خبر دے رہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی تصدیق کی اور یہی ایسے لوگ ہیں جن کا دنیا و آخرت میں اچھا انجام ہے۔ فرمایا: وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ... حضرت ابن عباس اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس وعدہ کا ذکر ہے، اس سے مراد ابتلاء اور آزمائش کا وہ وعدہ ہے جس کے بعد فتح و نصرت حاصل ہوگی اور اس کا بیان اس آیت میں ہے: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (البقرۃ: 214) ''کیا تم خیال کر رہے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر وہ حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے لوگوں پر گزرے۔ انہیں سختی اور مصیبت پہنچی اور وہ لرز اٹھے یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے کہہ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ سن لو! یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے''۔ اس لئے فرمایا: وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ یعنی اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا۔ یہ فرمان وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا بنسبت دوسرے لوگوں کے ان کے ایمان کی زیادتی اور قوت کی دلیل ہے جیسا کہ جمہور ائمہ کا کہنا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ شرح بخاری کے شروع میں ہم نے اس مسئلہ کی وضاحت کر دی ہے۔ آیت کے اس آخری حصے کا مطلب یہ ہے کہ تنگی اور شدت کی اس حالت نے ان کے ایمان اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے جذبہ کو بڑھا دیا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٤﴾

''اہل ایمان میں ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔ ان جواں مردوں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض (اس ساعت سعید کا) انتظار کر رہے ہیں۔ (جنگ کے مہیب خطرات کے باوجود) ان کے رویہ میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی۔ (اذن جہاد میں ایک حکمت یہ بھی ہے) کہ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اپنا وعدہ سچا کرنے والوں کو ان کے سچ کے باعث اور عذاب دے منافقوں کو اگر اس کی مرضی ہو یا ان کی توبہ قبول فرمالے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

منافقین، ان کی عہد شکنی اور بزدلی کا حال بیان کرنے کے بعد اب اہل ایمان اور ان کے ایفائے عہد کا وصف بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ ان میں سے بعض نے اپنی نذر اور عہد کو پورا کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا اور

بعض ابھی منتظر ہیں، انہوں نے اللہ کے عہد کو نہ تبدیل کیا اور نہ توڑا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم قرآن لکھ رہے تھے تو مجھے سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں مل رہی تھی حالانکہ میں خود رسول اللہ ﷺ سے وہ آیت سنا کرتا تھا۔ بالآخر یہ آیت صرف خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی جن کی گواہی کو رسول اللہ ﷺ نے دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا۔ وہ آیت یہی ہے: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ...(1)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے چچا (حضرت) انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی(2)۔ انہیں غزوۂ بدر میں عدم شرکت کا بہت ملال تھا، فرماتے کہ سب سے پہلے غزوہ میں ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شریک جہاد نہ ہو سکا۔ اب اگر موقع ملا تو میں بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھاؤں گا، اس سے زیادہ کوئی دعویٰ کرنے سے انہوں نے گریز کیا۔ چنانچہ غزوۂ احد میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کرنے کا موقع مل گیا۔ سامنے سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ انہیں کہنے لگے: اے ابوعمرو! کہاں جا رہے ہو، مجھے تو جنت کی خوشبو آ رہی ہے اور یہ خوشبو مجھے احد پہاڑ کے پیچھے سے آ رہی ہے۔ یہ کہتے ہوئے کفار کے لشکر میں گھس گئے اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اسی سے زائد زخم تھے جن کی وجہ سے انہیں پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔ آخرکار ان کی بہن ربیع بنت نضر نے انہیں انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ اور آپ جیسے دیگر جانثار صحابہ کے متعلق یہ آیت اتری(3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب لشکر اسلام میں کھلبلی مچ گئی اور مسلمان پسپا ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اے اللہ! میں مسلمانوں کے اس فعل پر معذوری ظاہر کرتا ہوں اور مشرکوں کے فعل سے بیزار ہوں۔ یہ کہہ کر آپ آگے بڑھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان کی طرح داد شجاعت نہ دے سکا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ احد سے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، اس غزوہ میں پیش آنے والی مصیبت پر مسلمانوں کو تسلی دی اور انہیں اجر و ثواب کی نوید سنائی پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ ایک مسلمان نے کھڑے ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ کون لوگ ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے؟ میں اس وقت سبز رنگ کے دو حضرمی کپڑوں میں ملبوس سامنے سے آ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا: "اے سوال کرنے والے! یہ ان لوگوں میں سے ہے"(4)۔ حضرت موسیٰ بن طلحہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ جب وہاں سے رخصت ہو کر باہر نکلنے لگا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے واپس بلا لیا اور فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ حدیث نہ سناؤں جو میں نے رسول خدا ﷺ سے سنی ہے؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "طلحہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اپنی نذر پوری کر دی"(5)۔ مجاہد اس فرمان فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے اپنے عہد کو ایفا کر دیا اور بعض ایسے دن کے منتظر ہیں جس میں کفار کے ساتھ لڑائی ہو اور وہ صبر و استقامت سے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ ان میں بعض ایسے ہیں جن کی وفات صدق و وفا پر ہوئی اور ان میں سے بعض ایسی موت کے منتظر ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے صدق و وفا کی خو کو نہیں بدلا۔ بعض حضرات نے "نحب" کا معنی نذر کیا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا یعنی انہوں

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ احزاب، جلد 8 صفحہ 518، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 188-189 وغیرہ
2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ احزاب، جلد 6 صفحہ 146
3۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1509-1510، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 194 وغیرہ
4۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ احزاب، جلد 12 صفحہ 83-84، کتاب المناقب، جلد 13 صفحہ 180
5۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 147

نے اپنے عہد کو نہیں بدلا اور نہ ہی وفا کی بجائے غدر اور بیوفائی کے مرتکب ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد پر سختی سے ڈٹے رہے اور منافقوں کی طرح انہوں نے یہ کہہ کر عہد شکنی نہیں کی: اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ (الاحزاب: 13) اگلی آیت میں فرمایا: لِیَجْزِیَ اللّٰهُ الصّٰدِقِیْنَ ... یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوف و دہشت سے آزماتا ہے تا کہ اچھے اور برے، خبیث اور طیب کے درمیان تمیز ہو جائے اور ہر ایک کا حال لوگوں کے سامنے عیاں ہو جائے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق ہے، وہ تو اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ہی انہیں جانتا ہے، لیکن وہ محض اپنے علم کی بنا پر کسی کو عذاب نہیں دیتا۔ عذاب اسی وقت دیتا ہے جب لوگ برے اعمال کا ارتکاب کر لیں جیسے کہ فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ (محمد: 31) ''اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے تا کہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مصروف جہاد رہتے ہیں اور جو صبر کرنے والے ہیں اور ہم تمہارے حالات کو پرکھیں گے''۔ یہ علم کسی چیز کے وجود پذیر ہونے کے بعد کا ہے اگر چہ اس کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا، اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰى یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ (آل عمران: 179) ''نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو جب تک الگ الگ نہ کر دے پلید کو پاک سے اور نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ وہ تمہیں غیب پر آگاہ کرے''۔ اس لئے یہاں فرمایا: لِیَجْزِیَ اللّٰهُ ... یعنی یہ اس لئے تا کہ اللہ تعالیٰ وعدہ سچ کر دکھانے والوں کو ان کے صدق و صبر کا اجر عطا فرمائے اور منافقوں کو ان کی عہد شکنی پر عذاب میں مبتلا کر دے لیکن دنیا میں ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اگر اس کی مرضی ہو تو وہ انہیں نفاق کی حالت پر ہی برقرار رہنے دے جس کا خمیازہ انہیں قیامت کے دن بھگتنا ہوگا اور اگر وہ چاہے تو ان پر نظر کرم فرماتے ہوئے انہیں نفاق سے ایمان کی طرف اور فسق و فجور اور نافرمانی سے اعمال صالحہ کی طرف متوجہ کر دے۔ چونکہ مخلوق پر اس کی رحمت اور مہربانی غالب ہے اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًاؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا ﴿۲۵﴾

''اور (ناکام) لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے کفار کو درآنحالیکہ اپنے غصہ میں (پیچ و تاب کھا رہے) تھے (اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور، ہر چیز پر غالب ہے''۔

کافروں کے ان لشکروں کی خبر دی جا رہی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سخت آندھی اور اپنے غیر مرئی لشکر کے ساتھ پسپا کر دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر نہ بھیجا ہوتا تو یہ ہوا ان کے لئے قوم عاد پر بھیجی جانے والی بے برکت ہوا سے بھی زیادہ تباہ کن ثابت ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ (الانفال: 33) ''اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ انہیں عذاب دے حالانکہ آپ ان میں تشریف فرما ہیں''۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی ہوا مسلط کر کے ان کی شرارت کا مزہ چکھایا جس نے ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا چونکہ یہ مختلف الخیال گروہ محض خواہش نفسانی کے باعث اکٹھے ہو کر یلغار کرنے کے لئے آئے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مناسبت سے ان پر ایسی ہوا بھیجی جس نے ان کے غیر فطری اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ان کے جتھوں کو تتر بتر کر دیا اور انہیں خائب و خاسر اور نامراد واپس لوٹا دیا۔ وہ غصہ سے پیچ و تاب کھا رہے تھے کہ انہیں کوئی نفع حاصل نہ ہوا۔ دنیا میں بھی فتح و ظفر اور غنیمت کے حصول میں ناکام رہے اور آخرت میں بھی انہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عداوت رکھنے، مقابلہ کرنے اور آپ اور آپ کے صحابہ کا استیصال کرنے کے عزم

کی پوری پوری سزا ملے گی کیونکہ جو شخص کسی کام کے کرنے کا پختہ ارادہ اور عزم کر لیتا ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ کام کرنے والا۔ فرمایا: وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ یعنی اہل ایمان کو ان کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنگ سے بچا لیا، اس نے اپنے محبوب بندے اور رسول ﷺ کی مدد کی اور اپنے لشکر کو غلبہ عطا فرمایا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنے وعدہ کو سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی، اپنے لشکر کو غالب کیا اور اکیلے ہی تمام جتھوں کو شکست دی۔ اس کے بعد کوئی چیز نہیں" (1)۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب کے موقعہ پر کفار کے جتھوں کے لئے یہ بددعا کی: "اے اللہ، اے کتاب کے اتارنے والے، جلد حساب لینے والے! ان جتھوں کو شکست دے۔ اے اللہ! انہیں ہزیمت سے دوچار کر اور انہیں سختی سے جھنجھوڑ ڈال" (2)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ میں مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ بندی کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد اسی طرح ہوا۔ اس غزوہ کے بعد مشرکین کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ مسلمانوں نے ہی ان پر ان کے وطن میں چڑھائی کی۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ غزوہ خندق کے موقع پر کفار کے پسپا ہو جانے کے بعد حضور ﷺ نے پیشین گوئی کرتے ہوئے صحابہ سے فرمایا: "اس سال کے بعد قریش تم سے ہرگز جنگ نہیں کریں گے بلکہ تم ان پر یلغار کرو گے" (3)۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔ اس کے بعد قریش کو حملہ آور ہونے کی ہمت نہ ہوئی بلکہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ان پر چڑھائی کرتے رہے یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت سے ان کافروں کو بے نیل مرام واپس لوٹا دیا اور وہ کچھ فائدہ حاصل نہ کر سکے اور اس نے اسلام اور اہل اسلام کو غلبہ اور عزت عطا کی، اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے اور رسول ﷺ کی تائید و نصرت کی۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

"اہل کتاب سے جن لوگوں نے کفار کی امداد کی تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے ہو۔ اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں اور ان کے مکانوں اور ان کے مال و متاع کا اور وہ ملک بھی تمہیں دے دیئے جہاں تمہارے قدم ابھی نہیں پہنچے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے"۔

یہ بیان ہو چکا ہے کہ جب مشرکین اور یہود کے لشکر مدینہ شریف پر حملہ آور ہوئے تو یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے دوستی کے معاہدہ کو توڑ ڈالا۔ یہ عہد شکنی بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی۔ ایک دن وہ لعین موقعہ پا کر بنو قریظہ کے قلعہ میں داخل ہوا اور ان کے سردار کعب بن اسد کو ورغلاتا رہا اور مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے معاہدہ کو توڑنے پر اکساتا

1۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 406، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا، جلد 4 صفحہ 2089
2۔ صحیح البخاری، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 106، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1363
3۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 405، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 262

رہا یہاں تک کہ اس نے معاہدہ توڑ دیا۔ حیی نے کعب کو قائل کرنے کے لئے یہ بھی کہا تھا کہ میں تمہارے پاس زمانہ بھر کی عزت لایا ہوں، میں تمہارے پاس قریش، غطفان اور ان کے حلفاء کا لشکر جرار لے کر آیا ہوں۔ وہ اس وقت تک یہاں ڈیرے جمائے رکھیں گے جب تک محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ اس کے جواب میں کعب نے اسے کہا کہ تم میرے پاس زمانہ بھر کی عزت نہیں بلکہ جہاں بھر کی ذلت لائے ہو، تم منحوس شخص ہو، اس لئے ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دو لیکن حیی اسے عہد شکنی پر برانگیختہ کرتا رہا یہاں تک کہ وہ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو گیا۔ آخر وہ کہنے لگا کہ اگر بالفرض قریش اور غطفان فرار ہو جائیں تو میں اپنی جمعیت کو لے کر تمہارے قلعہ میں آ جاؤں گا اور تمہارے ساتھ ہر قسم کے حالات کا سامنا کروں گا۔ اس قسم کی باتیں سن کر کعب نے مسلمانوں سے دوستی کے معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو بنو قریظہ کی عہد شکنی کا علم ہوا تو آپ کو سخت کوفت ہوئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی بہت صدمہ ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی تائید و نصرت فرمائی، آپ کے دشمنوں کو زیر کر دیا اور انہیں نامراد واپس لوٹا دیا، رسول اللہ ﷺ مظفر و منصور واپس مدینہ شریف آئے اور صحابہ نے ہتھیار اتار دیئے تو ابھی رسول اللہ ﷺ اپنا سر مبارک دھونے اور گرد و غبار سے پاک صاف ہونے کے لئے غسل کی تیاری کر رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام نمودار ہوئے۔ وہ ریشمی عمامہ باندھے خچر پر سوار تھے جس پر مخملی گدی تھی۔ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے ہتھیار اتار بھی دیئے لیکن فرشتوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں کھولے، میں ابھی کافروں کے تعاقب سے واپس آ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ بنو قریظہ کی گوشمالی کریں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی حکم دیا ہے کہ میں انہیں زیر و زبر کر دوں۔ حضور ﷺ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ نے صحابہ کو بنو قریظہ کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ بنو قریظہ کی گڑھی یہاں سے چند میلوں کے فاصلہ پر تھی۔ نماز ظہر کے بعد آپ ﷺ نے کوچ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک نماز عصر بنو قریظہ میں ادا کرے"۔ یہ اعلان سنتے ہی مسلمان ہتھیار سجائے چل پڑے۔ راستہ میں ہی عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ بعض صحابہ نے راستہ میں ہی نماز ادا کر لی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ حضور ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ ہم تیز رفتاری کے ساتھ چلیں جبکہ دوسرے صحابہ کا اصرار تھا کہ ہم تو بنی قریظہ میں پہنچ کر ہی نماز پڑھیں گے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں فریقوں میں سے کسی کو بھی سرزنش نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ شریف پر اپنا نائب مقرر کیا اور جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا کیا اور صحابہ کے پیچھے بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ چنانچہ پچیس روز تک آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کئے رکھا۔ جب محاصرہ طول پکڑ گیا اور یہود تنگی کا شکار ہو گئے تو انہوں نے اپنے زمانۂ جاہلیت کے حلیف قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہیں یقین تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان کے معاملہ میں اسی طرح رعایت اور تخفیف سے کام لیں گے جس طرح عبداللہ بن ابی کی سفارش پر بنی قینقاع سے نرمی برتی گئی تھی اور ان کی جان بخشی کر دی گئی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو خندق کے دنوں میں اکحل نامی رگ میں تیر لگا جس کے باعث وہ زخمی تھے، رسول اللہ ﷺ نے زخم پر داغ لگوایا اور انہیں مسجد کے قریب خیمے میں ٹھہرایا تاکہ ان کی عیادت میں آسانی ہو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو دعائیں کی ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی: اے اللہ! اگر اب بھی قریش کی کوئی جنگ باقی ہے تو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے مجھے زندہ رکھ اور اگر ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی ختم ہو گئی ہے تو بے شک میرے زخم سے خون بہتا رہے اور مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک بنی قریظہ کے استیصال سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا کو شرف قبول عطا فرمایا اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ بنی قریظہ نے خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا نام بطور حکم تجویز کیا۔ رسول اللہ ﷺ

نے انہیں مدینہ شریف سے بلوا لیا تا کہ وہ ان یہود کے متعلق فیصلہ سنائیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ گدھے پر سوار اپنے قبیلہ اوس کے آدمیوں کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے لئے چل پڑے۔ راستہ میں بنی اوس آپ سے لپٹ گئے اور آپ کو ہموار کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ آپ حکم مقرر ہوئے ہیں۔ بنو قریظہ آپ کے حلیف ہیں اور ان سے ہمارے قدیمی دوستانہ تعلقات ہیں، اس لئے ان پر رحم کرنا اور نرم برتاؤ کرنا، وہ لگاتار آپ کو قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن آپ نے چپ سادھے رکھی اور انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ جب انہوں نے افہام و تفہیم اور منت سماجت کی حد کر دی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا فرمایا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سعد کو متاثر نہیں کر سکتی۔ یہ سن کر انہیں یقین ہو گیا کہ اب بنو قریظہ کی بقا ممکن نہیں۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی سواری حضور ﷺ کی قیام گاہ کے قریب پہنچی تو آپ نے حاضرین سے فرمایا: ''قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ'' یعنی اپنے سردار کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ چنانچہ سب مسلمان تعمیل ارشاد کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ انہیں سواری سے اتارا اور بطور حکم آپ کے منصب کا خیال کرتے ہوئے پورے احترام کے ساتھ ٹھہرایا تا کہ ان کا فیصلہ پوری طرح قابل نفاذ سمجھا جائے۔ جب آپ بیٹھے تو رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے فیصلے پر رضامند ہو گئے ہیں۔ اب ان کے بارے میں جو چاہو فیصلہ کرو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میرا حکم ان پر نافذ ہو گا؟ فرمایا: ہاں۔ عرض کی کہ اس خیمے والوں پر بھی یہ حکم لاگو ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ پھر اس طرف اشارہ کرتے ہوئے جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے لیکن آپ کے احترام میں اس جگہ کی جانب نہ دیکھتے ہوئے عرض کرنے لگے کہ کیا اس طرف والوں پر بھی میرے فیصلے کی تعمیل ضروری ہو گی؟ فرمایا: ہاں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میرا فیصلہ تو یہ ہے کہ ان کے بالغوں کو قتل کر دیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے مال قبضے میں لے لئے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر فرمایا ہے''۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ تھا، وہی سنا دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے خندق کھودی گئی اور انہیں رسیوں میں جکڑ کر لایا گیا اور ان کی گردنیں ماری گئیں۔ ان کی تعداد سات آٹھ سو کے درمیان تھی۔ ان کی عورتیں اور نابالغ بچے غلام بنا لئے گئے اور مال اور جائیدادوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ یہ سب کچھ ہم نے کتاب السیرۃ میں بیان کر دیا ہے۔ فرمایا: وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ..... یعنی اللہ تعالیٰ نے ان اہل کتاب کو ان کے قلعوں سے نکال باہر کیا جنہوں نے کفر و شرک کے جتھوں کے ساتھ تعاون اور سازباز کی تھی۔ ان اہل کتاب سے مراد یہود بنی قریظہ ہیں جن کے آباؤ اجداد قدیم زمانہ میں محض اس طمع پر حجاز میں آباد ہو گئے تھے کہ وہ اس امی نبی کی اتباع کریں گے جن کا ذکر تورات و انجیل میں موجود ہے اور حجاز میں ان کا ظہور ہو گا لیکن جب آپ ﷺ کی تشریف آوری ہوئی تو ان ناخلفوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی۔ صیاصی کا معنی ہے قلعے۔ سینگوں کو بھی اسی مناسبت سے کہ وہ بھی بلند ہوتے ہیں، صیاصی کہا جاتا ہے۔ فرمایا: وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یعنی ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کیونکہ یہی وہ بدبخت تھے جنہوں نے مشرکین کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے پر اکسایا، عالم اور جاہل یکساں نہیں ہوتے اور انہوں نے ہی مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا عزم مصمم کیا لیکن معاملہ برعکس ہو گیا، پانسہ پلٹ گیا اور انہیں لینے کے دینے پڑ گئے، مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے لڑائی مول لی، مشرکین انہیں بے یار و مددگار چھوڑتے ہوئے دم دبا کر بھاگ گئے اور انہیں دشمن کے ساتھ سازباز کرنے کا سودا مہنگا پڑا۔ عزت حاصل کرتے کرتے ذلیل و رسوا ہو گئے اور مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کی بجائے خود ختم ہو گئے اور آخرت کی بدبختی اس پر مستزاد ہے۔ الغرض یہ ان کے

لئے کھانے کا سودا تھا جس میں وہ اپنی ہر چیز سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان میں جو جنگ لڑنے کے قابل تھے، انہیں قتل کر دیا گیا اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ عطیہ قرظی کا کہنا ہے کہ جب مجھے نبی کریم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا تو لوگوں کو میرے بارے میں کچھ تردد ہوا کہ آیا میں بالغ ہوں یا نابالغ۔ حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ دیکھو اگر اس کے زیر ناف بال اگے ہیں تو قتل کر دو ورنہ قیدیوں میں شامل کر دو۔ صحابہ نے دیکھا تو میں نابالغ نکلا، اس لئے مجھے قیدیوں میں شامل کر دیا(1)۔ پھر فرمایا: وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ یعنی ان کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کی زمینوں، مکانوں اور مال کا مالک بنا دیا۔ علاوہ ازیں ایسی سرزمین بھی تمہارے تصرف میں دے دی جہاں ابھی تک تمہارے قدم نہیں لگے۔ اس سے مراد خیبر ہے یا مکہ یا فارس و روم۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ سب علاقے مراد لئے جا سکتے ہیں(2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں خندق والے دن لشکر کا حال معلوم کرنے کے لئے نکلی۔ مجھے اپنے پیچھے سے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے دیکھا تو وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے جو زرہ پہنے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ باہر لٹکے ہوئے تھے۔ میں سمٹ کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ یہ رجز پڑھتے ہوئے میرے پاس سے گزر گئے۔ میں وہاں سے اٹھی اور ایک باغ میں گھس گئی، وہاں کچھ مسلمان موجود تھے جن میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہاں ایک اور آدمی بھی تھا جو خود پہنے ہوئے تھا۔ مجھے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا؟ تم نے اس قدر جرأت کی کہ میدان کارزار میں بے خوف و خطر آگئیں۔ نہ معلوم کیا نتیجہ برآمد ہو۔ انہوں نے مجھے اس قدر ملامت کی کہ میں تمنا کرنے لگی کاش ابھی زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں داخل ہو جاتی۔ یہ باتیں سن کر خود والے شخص نے اپنے چہرہ سے خود ہٹایا تو وہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ کہنے لگے: اے عمر! صد افسوس تم نے بہت باتیں کر لیں، آج بھلا کوئی بھاگ کر کہاں جائے گا۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس پر بھروسا اور اعتماد ہے۔ ایک قریشی نے جسے ابن عرقہ کہا جاتا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تیر مارا اور کہا لے میں ابن عرقہ ہوں۔ وہ تیر ان کی اکحل نامی رگ میں لگا اور اسے کاٹ ڈالا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا: اے اللہ! مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک بنو قریظہ سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔ بنو قریظہ زمانہ جاہلیت میں ان کے حلیف اور دوست تھے۔ اسی وقت ان کے زخم سے خون بہنا بند ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو سخت آندھی کے ذریعے پسپا کر کے اہل ایمان کو جنگ سے بچا لیا۔ ابو سفیان اور اس کے ساتھی بھاگ کر تہامہ چلے گئے، عیینہ بن بدر اور اس کے ساتھیوں نے نجد کی راہ لی، بنو قریظہ اپنے قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے اور رسول اللہ علیہ السلام واپس مدینہ شریف تشریف لے آئے۔ آپ علیہ السلام کے حکم سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں چمڑے کا خیمہ نصب کر دیا گیا۔ اسی وقت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے، آپ کا چہرہ گرد آلود تھا، کہنے لگے کہ آپ نے ہتھیار کھول بھی دیئے لیکن فرشتوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے۔ بنی قریظہ کی طرف نکلیں اور ان کے ساتھ جنگ کریں۔ رسول اللہ علیہ السلام نے فوراً زرہ پہنی اور بنو قریظہ کی طرف پیش قدمی کرنے کے لئے صحابہ میں منادی کروا دی۔ بنو تمیم کے مکانات مسجد نبوی سے متصل تھے۔ ان کے پاس سے گزرتے ہوئے آپ نے پوچھا کہ یہاں سے جاتے ہوئے تم نے کسی کو دیکھا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہمارے پاس سے دحیہ کلبی ابھی ابھی گزرے ہیں، حالانکہ وہ جبریل علیہ السلام تھے لیکن ان کی داڑھی اور حلیہ حضرت دحیہ سے ملتا جلتا تھا۔ اب رسول اللہ علیہ السلام نے بنی قریظہ کا محاصرہ کر لیا اور پچیس روز تک محاصرہ جاری رہا۔ جب ان کا ناطقہ بند ہو گیا اور وہ تنگدل ہو گئے تو انہیں کہا گیا کہ رسول اللہ علیہ السلام کے فیصلہ کو تسلیم کر لو۔ انہوں نے حضرت ابو لبابہ بن عبد المنذر سے مشورہ کیا تو انہوں نے اشارہ سے بتایا کہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 141، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 312 وغیرہ　　2۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 155

یہ فیصلہ ذبح کا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ منظور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس مطالبہ کو مان لیا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلوا لیا۔ وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے جس پر کھجور کی چھال کی گدی تھی۔ آپ کی قوم آپ کو گھیرے ہوئے تھی اور وہ بنو قریظہ کے حق میں آپ کو ہموار کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ یہ آپ کے حلیف، دوست اور اہل کتاب ہیں لیکن آپ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا بلکہ ان کی طرف کوئی توجہ ہی نہ دی۔ جب آپ ان کی گڑھی کے قریب پہنچے تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اب وقت آ گیا ہے مجھے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کسی ملامت کی کوئی پرواہ نہیں۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی سواری نمودار ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے سید (سردار) کے لئے اٹھو اور انہیں اتار دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہمارا سید تو اللہ تعالیٰ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں اتار دو۔ جب لوگ انہیں سواری سے اتار چکے تو حضور ﷺ نے انہیں فرمایا کہ ان کے متعلق فیصلہ کرو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا فیصلہ یہی ہے کہ ان کے جوان قتل کر دیے جائیں، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے مال تقسیم کر دیے جائیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی: اے اللہ! اگر تیرے نبی پر قریش کی کوئی یلغار باقی ہو تو اس کے لئے مجھے زندہ رکھ ورنہ مجھے اپنے پاس بلا لے۔ اسی وقت ان کے اس زخم سے خون بہنے لگا جو پہلے تقریباً مندمل ہو چکا تھا اور معمولی سا باقی تھا۔ پھر انہیں اس خیمہ میں منتقل کر دیا گیا جو حضور ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کے لئے لگوایا تھا اور وہیں شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ بذات خود وہاں تشریف لائے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں آئے۔ سب رو رہے تھے اور مجھے اپنے حجرہ سے ان کے رونے کی آوازوں میں تمیز ہو رہی تھی۔ صحابہ کرام ایسے ہی تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ (الفتح:29) ”آپس میں بڑے رحم دل ہیں“۔ حضرت علقمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ایسے موقعوں پر حضور ﷺ کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کی آنکھوں سے کسی پر آنسو تو نہیں بہتے تھے، البتہ غم و رنج کے موقعہ پر آپ اپنی داڑھی مبارک پکڑ لیتے تھے (1)۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

”اے نبی مکرم! آپ فرما دیجئے اپنی بیبیوں کو کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی آرائش (و آسائش) کی خواہاں ہو تو آؤ تمہیں مال و متاع دے دوں اور پھر تمہیں رخصت کر دوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ۔ اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے جو تم میں سے نیکوکار ہیں اجر عظیم“۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ اپنی بیویوں کو دو چیزوں میں سے ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دے دیں۔ یا تو وہ حضور ﷺ سے الگ ہو کر دنیاوی زندگی اور اس کی زیب و زینت کو اختیار کر لیں یا وہ اسی فقر و فاقہ کی زندگی پر صبر کریں۔ اس صورت میں انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم حاصل ہوگا۔ چنانچہ مومنوں کی ان ماؤں نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور دار آخرت کو پسند کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ صرف آخرت کی سعادت سے نوازا بلکہ دنیا کی مسرتیں بھی عطا فرما دیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

1۔ الفتح:29 2۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 411-412 صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1389، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 141-142

جب اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنی بیویوں کو یہ اختیار دے دیں تو آپ سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ایک بات کرنے آیا ہوں، جلد بازی نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا۔ یہ تو آپ کو بخوبی علم تھا کہ میرے والدین کبھی بھی مجھے آپ سے جدائی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ پھر آپ نے مجھے یہ دو آیتیں سنائیں۔ میں نے عرض کی: کیا میں اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی؟ مجھے اللہ تعالیٰ، اس کا رسول مکرم اور دار آخرت پسند ہے(1)۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ دوسری بیویوں کے پاس گئے بعد میں گھر تشریف لائے تو انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو میں نے دیا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے تین بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ میں ایک اہم بات کا ذکر تمہارے سامنے کرنے والا ہوں، اپنے والدین سے مشورہ کئے بغیر اس معاملہ میں فیصلہ نہ کرنا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور دار آخرت کو پسند کرتی ہوں تو یہ سن کر حضور ﷺ بہت خوش ہوئے(1)۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب آیت تخییر نازل ہوئی تو سب سے پہلے حضور ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میں تمہارے سامنے ایک معاملہ پیش کرنے والا ہوں، اپنے والدین ابوبکر اور ام رومان سے مشورہ کے بغیر اس معاملہ میں کوئی فیصلہ نہ کرنا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! وہ معاملہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ دو آیات سنائیں۔ جب میں نے عرض کی کہ میں اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو پسند کرتی ہوں اور مجھے اس معاملہ میں اپنے والدین کے ساتھ مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تو آپ ﷺ ہنس دیے۔ پھر آپ باری باری باقی ازواج کے حجروں میں تشریف لے گئے اور یہی بات ان سے کی۔ ساتھ آپ ﷺ یہ بھی فرما دیتے تھے کہ عائشہ نے یہ جواب دیا ہے۔ تمام ازواج مطہرات نے عرض کی کہ ہمارا جواب بھی وہی ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے(2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دیا تو ہم نے آپ ﷺ کو پسند کیا۔ یہ اختیار طلاق شمار نہیں ہوتا(3)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ گھر کے اندر تشریف فرما تھے، لوگ آپ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے، اسی اثناء میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے اجازت طلب کی لیکن اجازت نہ ملی۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آگئے لیکن انہیں بھی اجازت نہ ملی۔ کچھ دیر بعد ان دونوں حضرات کو اندر آنے کی اجازت مل گئی۔ دونوں اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات آپ کے اردگرد حلقہ بنائے بیٹھی ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں ایسی بات کروں گا کہ نبی کریم ﷺ ہنس پڑیں گے۔ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! اگر میری بیوی مجھ سے خرچہ مانگتی تو میں اس کی گردن مار دیتا۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ ہنس پڑے اور فرمانے لگے: "یہ سب میرے اردگرد بیٹھی مجھ سے خرچہ کا مطالبہ کر رہی ہیں۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مارنے کے لئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو مارنے کے لئے لپکے اور کہنے لگے کہ تم حضور ﷺ سے اس چیز کا سوال کرتی ہو جو آپ کے پاس نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں منع کر دیا۔ وہ کہنے لگیں کہ ہم اس کے بعد حضور ﷺ سے ایسی چیز کی فرمائش نہیں کریں گی جو آپ کے پاس نہ ہو۔ اس وقت یہ آیات اتریں۔

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 8 صفحہ 519-520
2۔ تفسیر طبری، جلد 21 صفحہ 158
3۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، جلد 7 صفحہ 55، صحیح مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 1104، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 45

سب سے پہلے آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: "میں تمہارے ساتھ ایک اہم بات کرنے والا ہوں، میں نہیں چاہتا کہ تم جلد بازی کا مظاہرہ کرو بلکہ اپنے والدین کے ساتھ مشورہ کر کے جواب دینا۔" عرض کی کہ وہ کیا بات ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ان دونوں آیات کی تلاوت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس بات میں میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی؟ بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں اور میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ میرے اس فیصلے کا ذکر اپنی کسی بیوی کے سامنے نہ کریں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سخت مزاج بنا کر نہیں بھیجا بلکہ میں سکھانے والا اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میری جو بیوی مجھ سے تمہارے اختیار کے متعلق پوچھے گی، میں اسے بتا دوں گا(1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو دنیا و آخرت میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا تھا۔ آپ نے انہیں طلاق کا اختیار نہیں دیا تھا(2)۔ اس کی سند منقطع ہے اور یہ آیت کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہے کیونکہ فرمایا: فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا یعنی آؤ میں تمہارے حقوق ادا کر کے تمہیں خوبصورتی سے رخصت کر دیتا ہوں۔ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر آپ ﷺ طلاق دے دیں تو کسی کے لئے ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں جن میں سے صحیح یہ ہے کہ جائز ہے تاکہ اس طلاق سے انہیں حصول دنیا کا مقصود حاصل ہو جائے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس وقت آپ ﷺ کی نو بیویاں تھیں، پانچ کا تعلق قریش سے تھا: عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سودہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن اور صفیہ بنت حیی نضریہ، میمونہ بنت حارث ہلالیہ، زینب بنت جحش اسدیہ اور جویریہ بنت حارث مصطلقیہ رضی اللہ عنہن۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝

"اے نبی کریم کی بیبیو! جس کسی نے تم میں سے کھلی بیہودگی کی تو اس کے لئے عذاب کو دو چند کر دیا جائے گا۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے۔ اور جو تم میں سے فرمانبردار رہی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نیک عمل کرتی رہی تو ہم اس کو اس کا اجر بھی دو چند دیں گے۔ اور ہم نے اس کے لئے عزت والی روزی تیار کر رکھی ہے"۔

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو وعظ و نصیحت فرما رہا ہے جنہوں نے دنیا کی بجائے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول مکرم ﷺ اور دار آخرت کو پسند کیا اور ہر حال میں آپ ﷺ کی زوجیت میں رہنے پر نازاں رہیں۔ اس خصوصی مقام کے پیش نظر ان کے لئے خاص حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر نبی کریم ﷺ کی کوئی زوجہ کھلی ہوئی بیہودگی کرے تو اس کے لئے عذاب دو چند کر دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فاحشہ سے مراد حضور ﷺ کی نافرمانی اور بدخلقی ہے۔ بہرصورت جو بھی مفہوم ہو، یہ فرمان بطور شرط کے ہے اور شرط کا وقوع ضروری نہیں ہوتا جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر: 65) "اور بے شک وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے کہ اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو آپ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 1104-1105، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 328 وغیرہ
2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 78

کے اعمال ضائع ہو جائیں گے"۔ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الانعام:89) "اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کے اعمال ضائع ہو جاتے"۔ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (الزخرف:81) "فرمایئے اگر رحمٰن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا"۔ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (الزمر:4) "اگر اللہ تعالیٰ کسی کو بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا، وہ پاک ہے، وہی اللہ ہے جو ایک ہے، سب سے زبردست"۔ یعنی جس طرح ان ارشادات میں شرط کا وقوع نہیں ہوا، اسی طرح اس آیت میں بھی یہ نہ سمجھا جائے کہ امہات المومنین سے واقعی ایسی کوئی حرکت سرزد ہوئی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں بڑا اونچا مقام اور عظمت حاصل ہے، اس لئے اس رفعت شان کا تقاضا ہے کہ اگر بالفرض ان میں سے کسی سے کوئی ناشائستہ حرکت صادر ہو جاتی تو اس کے لئے عذاب بھی دوگنا ہوتا، اس لئے فرمایا: مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ یہاں دنیا و آخرت کا عذاب مراد ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے عدل اور فضل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ ... یعنی تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اس کے لئے دو چند اجر ہے اور جنت میں باعزت روزی بھی تیار ہے۔ امہات المومنین رضی اللہ عنہن حضور ﷺ کے ساتھ تمام جنتیوں کی منازل سے اوپر اعلیٰ علیین میں ہوں گی۔ اسی کا نام وسیلہ ہے۔ یہ جنت کی سب سے اعلیٰ اور بالاتر منزل ہے جو عرش کے سب سے زیادہ قریب ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

"اے نبی کی ازواج (مطہرات) تم نہیں ہو دوسری عورتوں میں سے کسی عورت کی مانند اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو، پس ایسی نرمی سے بات نہ کرو کہ طمع کرنے لگے وہ (بےحیا) جس کے دل میں روگ ہے اور گفتگو کرو تو باوقار انداز سے کرو۔ اور ٹھہری رہو گھروں میں اور اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو جیسے سابق دور جاہلیت میں رواج تھا اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی۔ اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کردے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح پاک صاف کردے۔ اور یاد رکھو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا لطف فرمانے والا ہر بات سے باخبر ہے"۔

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو اور ان کی وساطت سے امت کی تمام خواتین کو آداب سکھا رہا ہے۔ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقویٰ اختیار کریں تو دنیا کی کوئی عورت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور انہیں وہ فضیلت اور مقام حاصل ہوگا جس کا کوئی عورت تصور بھی نہیں کرسکتی، پھر مردوں کے ساتھ طرز تخاطب میں نرمی کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا: فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ یعنی اگر کسی نامحرم سے بات کرنی پڑ جائے تو ایسی نرمی اور نزاکت سے بات نہ کرو کہ وہ شخص

طمع کرنے لگے جس کے دل میں روگ ہے اور جب گفتگو کرو تو باوقار انداز سے اچھی گفتگو کرو۔ اس آیت کے ذریعے عورتوں کو اجنبی مردوں کے ساتھ نرم اور لطیف لہجہ میں بات کرنے سے منع کر دیا۔ اس کے بعد امہات المومنین کو اپنے گھروں میں سکون و وقار کے ساتھ ٹھہرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ یعنی اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بغیر کسی ضرورت کے باہر نہ نکلو۔ نماز کے لئے مسجد میں آنا شرعی ضروریات میں شامل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد سے منع نہ کرو، لیکن انہیں چاہئے کہ وہ بغیر زیب و زینت کئے سادگی میں ہی باہر نکلیں'' (1)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''اور ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں'' (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عورتیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ! مرد ساری فضیلتیں لے گئے اور جہاد میں شرکت کا شرف بھی صرف انہیں نصیب ہوتا ہے، کیا کوئی ایسا عمل ہے جس کے کرنے سے ہمیں مجاہدین کا درجہ حاصل ہو جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جو عورت اپنے گھر میں بیٹھے گی، اسے راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کا درجہ ملے گا'' (3)۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورت سراپا پردہ ہے۔ جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکنے لگتا ہے جب تک وہ اپنے گھر کی چار دیواری میں رہتی ہے وہ اپنے رب کی رحمت کے زیادہ قریب ہوتی ہے'' (4)۔ ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: ''عورت کا اپنی خواب گاہ میں نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور گھر میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے'' (5)۔ پھر فرمایا: وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ یعنی اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو جیسے سابقہ دور جاہلیت میں رواج تھا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں بے حجابانہ مردوں کے سامنے نکلا کرتی تھیں، یہی جاہلیت کا تبرج ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں ناز و ادا سے مٹکتی اور لچکتی ہوئی سر بازار بے پردہ پھرا کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا۔ مقاتل بن حیان کے بقول تبرج یہ ہے کہ عورت اپنا دوپٹہ سر پر ڈال لے اور اس سے اپنے جسم کو اچھی طرح نہ ڈھانپے جس سے اس کی گردن اور کانوں کے زیورات ظاہر ہوتے رہیں۔ یہی تبرج یعنی اظہار زینت ہے جس سے تمام مسلمان خواتین کو روک دیا گیا (6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت وَلَا تَبَرَّجْنَ۔ کی تلاوت کرتے ہوئے بیان کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا زمانہ تھا، اس دوران حضرت آدم علیہ السلام کی دو نسلیں آباد تھیں، ایک میدانی علاقے میں اور دوسری پہاڑی علاقہ میں۔ پہاڑی علاقے کے مرد خوبصورت اور عورتیں سانولے رنگ کی تھیں جبکہ میدانی علاقہ کی عورتیں خوبصورت اور مرد سانولے رنگ کے تھے۔ ابلیس لعین نے انسانی شکل اختیار کی اور میدانی علاقہ کے ایک شخص کا خادم بن کر رہنے لگا۔ اس دوران اس نے بانسری جیسی ایک چیز بنائی اور اسے بجانے لگا۔ انوکھی وضع کی اس چیز کو دیکھ کر اور اس کی آواز سن کر لوگ بہت متعجب اور مسرور ہوئے۔ اردگرد کے لوگوں کو جب اس کا علم ہوا تو وہ بھی اس کی آواز سننے کے لئے امڈ آئے اور میلے کا ایک دن مقرر ہو گیا جس میں ہر سال مرد و زن کثیر تعداد میں اکٹھے ہوتے۔ عورتیں خوب بن سنور کر اپنے حسن و جمال کی نمائش کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ میلے کے دن ایک پہاڑی آدمی اتفاقاً ادھر آ نکلا اور ان کی عورتوں کے حسن و جمال سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے واپس جا کر اپنے لوگوں کے سامنے جب اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، جلد 2 صفحہ 382، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 327، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 155 وغیرہ

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 155، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 76

3۔ میزان الاعتدال، از ذہبی، جلد 2 صفحہ 61

4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الرضاع، جلد 5 صفحہ 122

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 156

6۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 607

چیز کا تذکرہ کیا تو انہیں بھی ان عورتوں کا بہت اشتیاق پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے ادھر کا رخ کر لیا اور ان عورتوں کے ساتھ جنسی مراسم قائم کر لئے۔ اس طرح ان میں بدکاری عام ہوگئی۔ یہی مطلب اس فرمان وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ کا ہے (1)۔ امہات المومنین کو شر سے منع کرنے کے بعد خیر کی طرف متوجہ کیا نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ نماز قائم کرنا اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے اور زکوٰۃ ادا کرنا مخلوق پر احسان ہے۔ نماز و زکوٰۃ کا حکم خاص ہے اور اس پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے عام حکم کا عطف کیا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ ۔ اس بات پر نص ہے کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات یہاں اہل بیت میں شامل ہیں کیونکہ انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے اور آیت کا شان نزول آیت کے حکم میں ضرور داخل ہوتا ہے۔ یا تو صرف وہی مراد ہوتا ہے یا وہ بھی اور اس کے سوا بھی۔ یہ دوسرا قول زیادہ صحیح ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ بازار میں منادی کرتے کہ یہ آیت خصوصاً حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عکرمہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی چاہے تو اس مسئلہ کے بارے میں مجھ سے مباہلہ کر لے۔ یہ آیت امہات المومنین کے متعلق نازل ہوئی۔ اگر اس قول سے یہ مطلب ہے کہ اس آیت کا شان نزول حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں نہ کہ کوئی اور تو یہ صحیح ہے لیکن اگر اس سے یہ مراد ہو کہ اہل بیت سے صرف یہی مراد ہیں اور ان کے علاوہ کوئی اس میں شامل نہیں تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت میں امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے سوا اور بھی داخل ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نماز صبح کے لئے تشریف لاتے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے پاس سے گزرتے اور فرماتے: "اے اہل بیت! نماز کا وقت ہو گیا ہے"۔ پھر یہ آیت إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ پڑھ کر سناتے۔ چھ ماہ تک حضور ﷺ کا یہ معمول رہا (3)۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ حضرت ابو الحمراء بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سات ماہ قیام پذیر رہا۔ اس عرصہ کے دوران میں نے دیکھا کہ فجر کے وقت حضور ﷺ حضرات علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر تشریف لاتے اور فرماتے: "نماز، نماز، إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ (4)۔ اس کا ایک راوی ابوداؤد اعمی نفیع بن حارث کذاب ہے۔ شداد بن عمار کہتے ہیں کہ میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ اس وقت ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہو رہا تھا اور یہ لوگ آپ کو برا بھلا کہہ رہے تھے، میں نے بھی ان لوگوں کا ساتھ دیا۔ جب وہ لوگ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تو حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ تم نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ان لوگوں کو دیکھ کر مجھ سے بھی گستاخی ہوگئی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ بات بتاتا ہوں جس کا میں نے رسول اللہ ﷺ سے بذات خود مشاہدہ کیا۔ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گیا اور ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ بارگاہ رسالت میں گئے ہیں۔ میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ اسی اثناء میں حضور ﷺ تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرات علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ دونوں شہزادے حضور ﷺ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ گھر تشریف لائے۔ حضرات علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے قریب کیا اور اپنے

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التاریخ، جلد 2 صفحہ 548، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 601، تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 4
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 8
3۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ احزاب، جلد 12 صفحہ 85، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 285
4۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 6

سامنے بٹھا لیا۔ دونوں شہزادوں کو اپنی رانوں پر بٹھا لیا پھر ان پر اپنی چادر ڈال دی اور اس آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ کی تلاوت کی پھر فرمایا: ''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں اور میرے اہل بیت زیادہ حقدار ہیں'' (1)۔ ایک اور روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت واثلہ بیان کرتے ہیں: میں نے یہ دیکھ کر عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں بھی آپ کے اہل بیت سے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم بھی میرے اہل سے ہو''۔ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان میرے لئے سب سے بڑی امید ہے (1)۔ شداد بن ابی عمار کہ بیان ہے کہ میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ بعض لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے لگے۔ ان کے چلے جانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ بیٹھو، میں تمہیں اس شخص کی شان کے متعلق بتاتا ہوں جس کی شان میں یہ گستاخی کر رہے تھے۔ سنو، میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرات علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم آ گئے۔ حضور ﷺ نے ان پر چادر ڈال کر فرمایا: ''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، اے اللہ! ان سے ناپاکی دور فرما دے اور انہیں خوب پاک فرما''۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم بھی''۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک یہ سب سے زیادہ قابل وثوق عمل ہے (2)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ذکر کرتی ہیں کہ حضور ﷺ میرے گھر تشریف فرما تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حریرے (دودھ، گھی اور آٹے سے تیار شدہ کھانا) کی ایک پتیلی لے آئیں اور حضور ﷺ کی خدمت میں اسے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کو بھی بلا لو۔ وہ بھی آ گئے اور سب مل کر وہ کھانا کھانے لگے۔ حضور اس وقت اپنے بستر پر تشریف فرما تھے اور آپ کے نیچے خیبر کی بنی ہوئی چادر بچھی ہوئی تھی۔ میں حجرے میں نماز پڑھ رہی تھی۔ اس وقت یہ آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ نازل ہوئی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان حضرات پر اپنی چادر ڈال دی، پھر چادر سے اپنا ہاتھ نکالا اور آسمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت اور میرے خواص ہیں، ان سے ناپاکی دور کر دے اور انہیں خوب پاک فرما''۔ میں نے اپنا سر خوابگاہ میں داخل کر کے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوں؟ فرمایا: تم خیر کی طرف ہو تم خیر کی طرف ہو'' (3)۔ اس روایت کی سند میں عطا کے شیخ کا نام مذکور نہیں۔ باقی راوی ثقہ ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حریرہ لائیں تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ تمہارے خاوند اور دونوں بچے کہاں ہیں؟ عرض کی کہ وہ گھر میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں بلاؤ۔ جب وہ آئے تو حضور ﷺ نے اپنے بستر پر بچھی ہوئی چادر اٹھائی اور اسے بچھا کر ان حضرات کو اس پر بٹھا دیا۔ پھر بائیں ہاتھ سے چادر کے چاروں کونوں کو پکڑ کر ملایا اور ان کے سروں پر ڈال دیا، پھر دائیں ہاتھ سے اپنے رب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے پلیدی کو دور کر دے اور انہیں اچھی طرح پاک فرما'' (4)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت میرے گھر میں نازل ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ کسی کو آنے کی اجازت نہ دینا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آ گئیں، میری مجال نہ تھی کہ میں انہیں اپنے والد محترم کی ملاقات سے روکتی، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ آ گئے، میں انہیں بھی منع نہ کر سکی، اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ آ گئے، انہیں اندر آنے سے روکنا بھی میرے بس کی بات نہ تھی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آ گئے، انہیں روکنا بھی میرے لئے ناممکن تھا۔ جب چاروں

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 107، تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 7
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 6-7
3۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 292
4۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 7

حضرات اکٹھے ہوگئے تو آپ ﷺ نے انہیں اپنی چادر اوڑھادی اور فرمایا: ''یہ میرے اہل بیت ہیں، اے اللہ! ان سے پلیدی دور کردے اور انہیں خوب پاک کردے'' یہ آیت اس وقت اتری جب یہ چادر پر اکٹھے ہوچکے تھے۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا میں بھی؟ لیکن اس وقت آپ نے مسرت کا اظہار نہ کیا اور فرمایا: ''تم خیر کی طرف ہو''(1)۔ ایک اور روایت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ اسی اثناء میں خادمہ نے اطلاع دی کہ دروازے پر حضرات علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''اٹھو اور میرے اہل بیت سے ایک طرف ہوجاؤ''۔ میں اٹھی اور قریب ہی ایک طرف بیٹھ گئی۔ ان کے ساتھ ان کے دونوں فرزند حسن وحسین بھی تھے۔ چاروں حضرات اندر داخل ہوئے۔ اس وقت حضرات حسن وحسین ابھی چھوٹے بچے تھے۔ آپ نے دونوں شہزادوں کو گود میں لیا، بوسہ دیا اور پیار کیا اور اپنا ایک ہاتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گردن میں اور دوسرا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گردن میں ڈالا، انہیں بوسہ دیا اور پیار کیا۔ پھر ان سب پر اپنی سیاہ چادر ڈال کر فرمایا: ''اے اللہ! تیری طرف، نہ کہ آگ کی طرف، میں اور میرے اہل بیت''۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا میں بھی؟ فرمایا: ''تم بھی''(2)۔ ایک اور روایت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اس وقت گھر کے دروازے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم بھلائی کی طرف ہو، تم نبی ﷺ کی بیویوں میں سے ہو''۔ اس وقت گھر میں رسول اللہ ﷺ اور حضرات علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم تھے(3)۔ ایک اور روایت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرات علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور پھر انہیں اپنے کپڑے کے نیچے داخل کر کے عجز و نیاز سے بارگاہ خداوندی میں دعا کی اور فرمایا: ''یہ میرے اہل بیت ہیں''۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! مجھے بھی ان میں شامل فرمادیں۔ آپ نے فرمایا: ''تو میری اہل سے ہے''(4)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دن صبح کے وقت حضور ﷺ نکلے۔ آپ اس وقت سیاہ رنگ کی منقش چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے انہیں اپنے ساتھ چادر میں داخل کرلیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے تو انہیں بھی چادر میں داخل کرلیا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں تو انہیں بھی چادر میں داخل کرلیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو انہیں بھی ساتھ شامل کرلیا۔ پھر اس آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ کی تلاوت کی(5)۔ ایک مرتبہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ محبوب لوگوں میں سے تھے اور ان کے گھر میں آپ ﷺ کی صاحبزادی تھیں جو آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرات علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان پر اپنا کپڑا ڈال کر یہ دعا کی: ''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے پلیدی دور کردے اور انہیں خوب پاک فرمادے''۔ میں ان کے قریب ہوگئی اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں بھی آپ کے اہل بیت میں ہوں؟ فرمایا: ایک طرف ہٹ جاؤ، تم خیر پر ہو''۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت پانچ افراد کے متعلق نازل ہوئی، میرے بارے میں اور علی، حسن، حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں(6)۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ پر وحی اتری تو آپ نے ان چاروں حضرات کو اپنے کپڑے کے نیچے لے کر فرمایا: اے میرے پروردگار! یہ میرے

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 8　　2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 296　　3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 7

4۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 8　　5۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 6، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 4 صفحہ 1883　　6۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 6

اہل اور میرے اہل بیت ہیں۔ حضرت یزید بن حیان کہتے ہیں کہ میں، حصین بن سبرہ اور عمر بن مسلمہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حصین حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ آپ نے تو خیر کثیر حاصل کر لی، آپ کو اعزاز حاصل ہوا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی، آپ سے احادیث سنیں، آپ کی معیت میں جہاد کیا اور آپ ﷺ کی امامت میں نمازیں پڑھیں، بخدا! آپ کو بہت زیادہ بھلائی مرحمت ہوئی۔ آپ ہمیں کوئی حدیث سنائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھتیجے! اب میں عمر رسیدہ ہو گیا ہوں اور حضور ﷺ کا زمانہ بھی کافی دور ہو گیا اس لئے مجھے بعض باتیں فراموش ہو گئی ہیں جنہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر یاد کیا تھا۔ جو باتیں میں تمہیں از خود بتا دوں، انہیں قبول کر لینا ورنہ مجھے تکلیف نہ دینا۔ پھر فرمایا: ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع خم نامی چشمہ پر خطبہ دیا، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، وعظ و نصیحت کی اور فرمایا: "اے لوگو! میں بشر ہوں قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد میرے پاس آئے اور میں اس کی دعوت پر لبیک کہوں۔ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، کتاب اللہ کو لو اور اسے مضبوطی سے تھام لو"۔ آپ نے کتاب اللہ کو تھام لینے پر ابھارا اور اس پر عمل کی خوب ترغیب دلائی۔ پھر فرمایا: "اور میرے اہل بیت، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں خدا کو یاد دلاتا ہوں"۔ یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔ حصین نے آپ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ ﷺ کی بیویاں آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟ فرمایا کہ آپ ﷺ کی بیویاں بلاشبہ آپ کے اہل بیت میں سے ہیں لیکن آپ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ لینا حرام ہے۔ عرض کی کہ وہ کون ہیں؟ فرمایا کہ وہ آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ پھر پوچھنے لگے کہ کیا حضور ﷺ کے بعد ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ فرمایا: ہاں (1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ کی بیویاں بھی اہل بیت میں شامل ہیں؟ فرمایا: نہیں، بخدا! عورت کا تو یہ معاملہ ہے کہ وہ اگر عرصۂ دراز تک بھی اپنے خاوند کے پاس رہے لیکن پھر اگر اسے طلاق ہو جائے تو وہ اپنے میکے اور قوم میں واپس چلی جاتی ہے۔ آپ ﷺ کے اہل بیت آپ کی اصل اور عصبہ ہیں جن پر آپ ﷺ کے بعد صدقہ حرام ہے۔ یہ روایت اسی طرح ہے لیکن پہلی روایت ہی زیادہ موزوں ہے اور اسے لینا ہی بہتر ہے۔ دوسری روایت میں اس بات کا احتمال ہے کہ حدیث میں مذکور اہل سے ان کی مراد آپ ﷺ کی آل ہو جن پر صدقہ حرام ہے یا اہل سے مراد صرف ازواج مطہرات ہی نہیں بلکہ وہ بھی اور آپ ﷺ کی آل بھی۔ یہی احتمال زیادہ راجح ہے، اس طرح ان دونوں روایات میں بھی تطبیق ہو جاتی ہے اور قرآن اور سابقہ احادیث کے درمیان بھی بشرطیکہ وہ احادیث صحیح ہوں کیونکہ ان میں سے بعض کی اسناد محل نظر ہیں۔ قرآن کریم میں غور و تدبر کرنے والے شخص کے لئے یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات اس آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ میں داخل ہیں کیونکہ سیاق کلام اسی کا تقاضا کرتا ہے اور اس فرمان سے پہلے بھی کلام انہی کے متعلق ہے اور بعد میں بھی، اس لئے اس کے بعد فرمایا: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ۔ یعنی جو قرآن و سنت تمہارے گھروں میں اتر رہا ہے اس پر عمل کرو اور اس خصوصی نعمت کو یاد رکھو کہ وحی صرف تمہارے گھروں میں ہی اترتی ہے نہ کہ کسی اور کے گھر میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف بدرجہ اولیٰ حاصل تھا۔ آپ کو اس رحمت عامہ سے خصوصی اور وافر حصہ میسر تھا کیونکہ بجز آپ رضی اللہ عنہا کے بستر کے کسی دوسری زوجہ کے بستر پر حضور ﷺ کی طرف وحی نازل نہیں ہوئی، اس کی وجہ علماء یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے آپ کے سوا کسی باکرہ سے

1۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 4 صفحہ 1873

نکاح نہیں اور آپ رضی اللہ عنہا کا بستر صرف حضور ﷺ کے لئے مخصوص رہا، لیکن جب آپ ﷺ کی ازواج آپ کے اہل بیت میں سے ہیں تو آپ کے قرابتدار بطریق اولی آپ کے اہل بیت ہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اہل بیت زیادہ حقدار ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے جب اس مسجد کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقوی پر رکھی گئی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ میری یہ مسجد ہے"۔ یہ بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ (التوبہ:108) تو مسجد قبا کے بارے میں اتری جیسا کہ دوسری احادیث سے ثابت ہے، لیکن جب مسجد نبوی میں بھی یہ وصف پایا جا رہا ہے اور اس کی بنیاد بھی تقوی ہی ہے تو اس مناسبت سے حضور ﷺ نے اسے بھی یہی نام دیا اور سائل کے جواب میں فرمایا کہ مسجد تقوی سے مراد یہی مسجد نبوی ہے(1) کیونکہ یہ بدرجہ اولی اس نام کی مستحق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ بنو اسد کا ایک شخص آپ پر جھپٹ پڑا اور سجدہ کی حالت میں آپ کے جسم میں خنجر گھونپ دیا۔ خنجر سرین میں لگا جس کی وجہ سے آپ کئی ماہ تک بیمار رہے۔ صحت یاب ہونے کے بعد آپ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا اور فرمایا: اے اہل عراق! ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرو، ہم تمہارے حاکم اور تمہارے مہمان ہیں۔ ہم اہل بیت ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ آپ بار بار یہ باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ مسجد میں تمام حاضرین زار و قطار رونے لگے۔ ایک مرتبہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے شام کے ایک شخص سے فرمایا کہ کیا تم نے سورۂ احزاب کی یہ آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ نہیں پڑھی؟ اس نے کہا: ہاں اور کیا اس سے مراد تم ہو؟ فرمایا: ہاں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا یعنی اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کی وجہ سے تم نے یہ بلند مقام حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم ہی اس رفعت شان کی اہل ہو، اس لئے اس نے تمہیں یہ خصوصی مرتبہ ارزانی فرمایا۔ ابن جریر اس آیت وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اے نبی ﷺ کی بیویو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد رکھو کہ اس نے تمہیں ایسے گھروں میں آباد کیا جہاں اللہ تعالیٰ کی آیات اور حکمت پڑھی جاتی ہے اور اس انعام پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر لطف و کرم فرمانے والا ہے کہ اس نے تمہیں ایسے گھروں میں جگہ دی، اور اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق پوری طرح باخبر ہے کیونکہ اس نے اپنے رسول ﷺ کی زوجیت کے لئے تمہیں چن لیا۔ حکمت سے مراد سنت ہے(2)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے اس انعام کو یاد رکھنے کی تلقین فرما رہا ہے(2)۔ عطیہ عوفی اس فرمان کی اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا وضاحت میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان آیات کے لانے میں لطیف اور ان کے موقع و محل سے باخبر ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِيْنَ
وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِيْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ
وَ الصَّآئِمِيْنَ وَ الصّٰٓئِمٰتِ وَ الْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ
الذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچ بولنے والے مرد

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 7-89، جلد 5 صفحہ 331، صحیح مسلم، کتاب الحج، 1015 وغیرہ
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 9

اور سچ بولنے والی عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں، خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لئے مغفرت اور اجر عظیم"۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے جس طرح قرآن کریم میں مردوں کا ذکر آتا ہے اس طرح ہم عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا؟ ایک دن میں کنگھی کر رہی تھی کہ میں نے منبر پر حضور ﷺ کی آواز سنی، میں نے یونہی اپنے بالوں کو لپیٹا اور حجرے میں آ کر آپ ﷺ کی بات سننے لگی تو آپ اس وقت منبر پر یہی آیت تلاوت فرما رہے تھے(1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اس کی کیا وجہ ہے کہ میں قرآن کریم میں مردوں کا ذکر تو سنتی ہوں لیکن عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا؟ اس وقت یہ آیت اتری(2)۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہر چیز میں مردوں کا ہی ذکر آتا ہے جبکہ ہمارا ذکر نہیں آتا۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ ابن جریر کی ایک روایت میں آیا ہے کہ عورتوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ بات کی تھی(3)۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ کچھ عورتوں نے امہات المومنین سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تمہارا ذکر کیا ہے لیکن ہمارا کوئی ذکر نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کریمہ میں اسلام اور ایمان کو الگ الگ بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان اسلام کا غیر ہے اور ایمان اسلام سے خاص ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ آیت ہے: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات: 14) "اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ فرمایئے تم ایمان تو نہیں لائے البتہ یہ کہو کہ ہم نے اطاعت اختیار کر لی ہے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا"۔ اور دوسری دلیل یہ حدیث ہے کہ "زانی زنا کے وقت مومن نہیں ہوتا"(4)۔ زنا سے ایمان سلب ہو جاتا ہے لیکن اس سے کفر لازم نہیں آتا۔ علماء کا اس پر اجماع ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان اسلام سے خاص ہے جیسا کہ شرح بخاری کے شروع میں ہم نے اس مسئلہ کو بیان کر دیا ہے۔ فرمایا: وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ قنوت کا معنی ایسی اطاعت ہے جس میں عاجزی شامل ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَاۗىِٕمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ (الزمر: 9) "بھلا جو شخص رات کی گھڑیاں عبادت میں بسر کرتا ہے کبھی سجدہ کرتے ہوئے اور کبھی قیام کرتے ہوئے، وہ آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے"، وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (الروم: 26) "اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اس کے تابع فرمان ہیں"۔ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (آل عمران: 43) "اے مریم! اپنے رب کی خلوص سے عبادت کرتی رہ اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر"۔ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (البقرۃ: 238) "اور اللہ کے لئے عاجزی کرتے ہوئے کھڑے رہا کرو"۔ پس اسلام سے اوپر ایمان کا مرتبہ ہے اور ان دونوں کے اجتماع سے قنوت یعنی فرمانبرداری جنم لیتی ہے۔ پھر سچائی کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ

1۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 13 صفحہ 22، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 305 وغیرہ

2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 13 صفحہ 42، تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 10

3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 10

4۔ فتح الباری، کتاب الحدود، جلد 12 صفحہ 58، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 76

یعنی اپنے اقوال میں سچے مرد اور سچی عورتیں۔ سچائی قابل ستائش خصلت ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی جھوٹ نہ بولا، نہ جاہلیت میں اور نہ اسلام میں۔ سچائی ایمان کی علامت ہے جبکہ جھوٹ نفاق کی نشانی ہے۔ سچا آدمی نجات پاتا ہے، سچائی اختیار کرو کیونکہ سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے۔ جھوٹ سے اجتناب کرو کیونکہ جھوٹ بدی کی طرف لے جاتا ہے اور بدی جہنم کی طرف۔ ایک آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی تلاش میں کوشاں رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق (سچا) لکھ لیا جاتا ہے اور ایک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ہمیشہ جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب (جھوٹا) لکھ لیا جاتا ہے(1)۔ اس مضمون کی متعدد احادیث ہیں۔ پھر صبر کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ۔ یہ ثابت قدم رہنے والوں اور مستقل مزاج لوگوں کی خصلت ہے یعنی صبر اور ثابت قدمی سے مصائب کا سامنا کرنا اور یہ یقین رکھنا کہ تقدیر کا لکھا ہوا ٹلتا نہیں بلکہ ہر صورت وقوع پذیر ہوتا ہے۔ سب سے سخت اور حقیقی صبر تو پہلی چوٹ اور صدمہ کے آغاز پر ہوتا ہے، اس کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صبر آسان ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر ایک اور خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ خشوع کا معنی ہے عاجزی، سکون، اطمینان، سنجیدگی، وقار اور تواضع اور یہ پیدا اس وقت ہوتا ہے جب دل میں خوف خدا ہو اور یہ یقین پختہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر وقت دیکھ رہا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو کم از کم یہ تصور پختہ ہونا چاہئے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے"(2)۔ پھر فرمایا: وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ صدقہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور مخلوق پر احسان کی خاطر ان کمزور ضرورت مند لوگوں کو اپنا فالتو مال دینا جن کی نہ کوئی کمائی ہو اور نہ ان کا کوئی کمانے والا ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سات قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش تلے سایہ دیگا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک شخص وہ ہے جو صدقہ کرتا ہے لیکن اس طرح پوشیدہ طور پر کہ اس کے بائیں ہاتھ کو اس کے دائیں ہاتھ کے خرچ کرنے کا علم تک نہیں ہوتا(3)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے: "صدقہ خطاؤں کو اسطرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے"(4)۔ علاوہ ازیں اور بھی متعدد احادیث ہیں جن میں صدقہ کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ پھر فرمایا: وَالصَّآىِٕمِيْنَ وَالصّٰٓىِٕمٰتِ روزہ کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے: "روزہ بدن کی زکوٰۃ ہے"(5)۔ یعنی روزہ جسم کو ہر قسم کی طبعی اور اخلاقی آلائشوں سے پاک صاف کر دیتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان کے روزوں کے علاوہ ہر ماہ تین روزے رکھے، وہ اس فرمان وَالصَّآىِٕمِيْنَ وَالصّٰٓىِٕمٰتِ میں داخل ہو گیا۔ روزہ چونکہ شہوت کو توڑنے میں بہت زیادہ معاون ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "اے نوجوانو! تم میں سے جسے قدرت حاصل ہو وہ ضرور نکاح کرے کیونکہ یہ نگاہ کو نیچی رکھنے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جسے استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ شہوت کو توڑنے والا ہے"(6)۔ اس لئے موزوں یہی تھا کہ اس کے بعد یہ ذکر کیا جاتا: وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ یعنی حرام کاری اور گناہوں سے اجتناب کرنے والے مرد اور خواتین بجز اس کے کہ جسے مباح کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ

1۔ فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 507، صحیح مسلم، کتاب البر: 2012

2۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 114، صحیح مسلم، کتاب الایمان: جلد 1 صفحہ 37

3۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 143، صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ: 715

4۔ سنن ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 1408، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 399

5۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصیام، جلد 1 صفحہ 555، معجم کبیر، جلد 6 صفحہ 193

6۔ فتح الباری، کتاب الصوم، جلد 4 صفحہ 119، صحیح مسلم، کتاب النکاح: 1018-1019 وغیرہ

فَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۝ (المعارج: 3-29)۔ اس کے بعد ان کی ایک اور صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب آدمی رات کے وقت اپنی بیوی کو جگائے اور دونوں دو رکعتیں ادا کرلیں تو اس رات انہیں ان لوگوں میں لکھ لیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتے ہیں''(1)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں کس کا درجہ سب سے بلند ہوگا؟ فرمایا: ''بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے مرد اور عورتوں کا''۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا راہ خدا کے مجاہد سے بھی زیادہ؟ فرمایا: ''اگر چہ وہ کافروں اور مشرکوں پر اس قدر تلوار چلائے کہ وہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے خوب رنگین ہوجائے پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والے اس سے افضل ہیں''(2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے رستہ میں جارہے تھے۔ جب آپ جمدان پر پہنچے تو فرمایا: ''یہ جمدان ہے، سفر جاری رکھو، مفرد سبقت لے گئے''۔ صحابہ نے عرض کی کہ مفرد سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: وہ مرد و زن جو بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے ہیں''۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! حج و عمرہ میں سر منڈوانے والوں کی مغفرت فرما''۔ صحابہ نے عرض کی کہ بال کتروانے والوں کی بھی۔ فرمایا: ''اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی بخشش فرما''۔ صحابہ نے کہا کہ بال کتروانے والوں کی بھی۔ فرمایا: ''اور بال کتروانے والوں کی بھی مغفرت فرما''(3)۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یاد خدا سے بڑھ کر کوئی ایسا عمل نہیں جو انسان کو نجات دلانے والا ہو''۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں سب سے بہتر، سب سے پاکیزہ اور سب سے بلند درجہ کا حامل عمل نہ بتاؤں جو تمہارے لئے سونا چاندی صدقہ کرنے سے بھی بہتر ہو اور اس سے بھی کہ تم اپنے دشمن کا مقابلہ کرو، تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں؟'' صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ضرور آگاہ فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل کا ذکر''(4)۔ ایک آدمی نے دریافت کیا: یارسول اللہ ﷺ! کون سا مجاہد افضل ہے؟ فرمایا: سب سے زیادہ اللہ کو یاد کرنے والا''۔ پھر پوچھا کہ کس روزہ دار کا درجہ سب سے بلند ہے؟ فرمایا: ''سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے کا''۔ پھر اس شخص نے نماز، زکوٰۃ، حج اور صدقہ کے متعلق پوچھا تو حضور ﷺ نے سب کا یہی جواب دیا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ اس طرح تو ذکر کرنے والے ہر بھلائی لے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں(5)۔ کثرت ذکر کی فضیلت میں وارد شدہ باقی احادیث کا بیان ہم ان شاء اللہ اس سورت کی اس آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (الاحزاب: 42-41) کی تفسیر کے تحت کریں گے۔ مذکورہ بالا صفات کے حامل لوگوں کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا یعنی ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے مغفرت اور اجر عظیم یعنی جنت تیار کر رکھی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝۳۶ۭ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب التطوع، جلد 2 صفحہ 33، سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 423-424 وغیرہ

2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 75

3۔ صحیح مسلم، کتاب الدعوات، جلد 4 صفحہ 2062، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 411

4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 239

5۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 438

"نہ کسی مومن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب فیصلہ فرمادے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا تو پھر انہیں کوئی اختیار ہو اپنے اس معاملہ میں۔ اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔"

رسول اللہ ﷺ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شادی کا پیغام لے کر حضرت زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ کہنے لگیں کہ میں ان سے نکاح نہیں کروں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انکار نہ کرو بلکہ ان سے نکاح کرلو۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اپنے بارے میں سوچنے اور مشاورت کرنے کی مہلت عطا فرمائیں۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اسے سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ میرے لئے اس نکاح پر رضامند ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ کہنے لگیں کہ پھر تو مجھے مجال انکار نہیں، میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی نہیں کرسکتی، میں نے خود کو زید کے نکاح میں دیا (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ پیغام لے کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو وہ اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے کہنے لگیں کہ میں حسب ونسب کے اعتبار سے زید سے بہتر ہوں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مزاج میں ذرا حدت اور تیزی تھی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ مجاہد، قتادہ اور مقاتل بن حیان بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے پہلے حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کردیا لیکن اس آیت کے نزول کے بعد اس رشتہ کو قبول کرلیا۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا کے بارے میں اتری۔ صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کرنے والی پہلی خاتون یہی تھیں۔ انہوں نے اپنا نفس نبی کریم ﷺ کو ہبہ کردیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے قبول ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کردیا۔ یہ نکاح حضرت زینب سے علیحدگی کے بعد ہوا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی بہت ناراض ہوئے کہ ہمارا ارادہ تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکاح کا تھا لیکن آپ نے اپنے غلام کے ساتھ نکاح کرادیا۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ اور اس سے بھی جامع حکم اس آیت میں ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب: 6) پس مذکورہ بالا آیت وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ خاص ہے اور یہ "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی" اس سے بھی جامع (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی لڑکی کا رشتہ جلیبیب کو دے دیں۔ انصاری نے کہا کہ میں لڑکی کی ماں کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد کچھ بتاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہت اچھا۔ وہ انصاری اپنی بیوی کے پاس گیا اور اسے حضور ﷺ کی خواہش سے آگاہ کیا۔ وہ کہنے لگی کہ تعجب ہے۔ ہماری بیٹی کے لئے جلیبیب ہی رہ گیا ہے۔ اس سے بڑے بڑے فلاں فلاں آدمیوں نے ہم سے رشتہ مانگا لیکن ہم نے انکار کردیا اور اب اس سے نکاح کردیں۔ لڑکی پردے کی اوٹ میں کھڑی یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ جب وہ انصاری حضور ﷺ کو اپنے فیصلہ سے آگاہ کرنے کے لئے جانے لگا تو لڑکی بول پڑی کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو رد کرنا چاہتے ہو، اگر حضور ﷺ اس رشتہ پر رضامند ہیں تو تم بھی اسے قبول کرلو۔ دونوں میاں بیوی نے یہ بات سنی تو کہنے لگے کہ ہماری بیٹی نے سچ کہا ہے۔ اسی وقت اس کا باپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ اگر آپ کی خوشی اسی میں ہے تو ہم بھی اس رشتہ پر راضی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس پر رضامند ہوں۔ چنانچہ اس انصاری کے رضامند ہو جانے پر نکاح ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 11 2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 12، الدرالمنثور، جلد 6 صفحہ 610

اہل مدینہ دشمن سے نبرد آزما ہونے کیلئے نکلے۔ ان میں حضرت جلیبیب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جو اس جنگ میں شہید ہوگئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ انہوں نے بہت سے مشرکین کو قتل کیا جن کی لاشیں ان کے اردگرد پڑی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں ان کا گھرانہ بہت شاہ خرچ تھا۔(1) حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جلیبیب خوش مزاج شخص تھے، وہ عورتوں سے بھی مزاح کر لیتے تھے۔ میں نے اپنے اہل خانہ سے کہہ دیا تھا کہ جلیبیب تمہارے پاس نہ آئے۔ اگر یہ تمہارے پاس آیا تو میں بہت برا سلوک کروں گا۔ انصار کا یہ معمول تھا کہ وہ اس وقت تک کسی عورت کا نکاح نہیں کرتے تھے جب تک وہ یہ نہ معلوم کر لیتے کہ حضور ﷺ کو اس رشتہ میں دلچسپی ہے یا نہیں۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک انصاری سے کہا کہ مجھے اپنی بیٹی کا رشتہ دو۔ اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ بات ہمارے لئے باعث صد افتخار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے لئے اس کا خواہشمند نہیں۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! پھر کس کے لئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جلیبیب کے لئے۔ اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! مجھے لڑکی کی ماں کے ساتھ مشاورت کا موقعہ عنایت فرمائیں۔ اس انصاری نے اپنی بیوی سے کہا کہ حضور ﷺ تمہاری بیٹی کا رشتہ مانگ رہے ہیں۔ پہلے تو اس نے بڑی مسرت کا اظہار کیا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ جلیبیب کے لئے رشتہ لینا چاہتے ہیں تو اس نے انکار کر دیا۔ بیٹی اپنے والدین کی باتیں سن رہی تھی، کہنے لگی کہ کیا تم حضور ﷺ کے حکم کو رد کر رہے ہو، مجھے حضور ﷺ کے سپرد کر دیں۔ آپ ﷺ مجھے ضائع نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ اس کے باپ کی رضامندی کے بعد حضور ﷺ نے اس کا نکاح جلیبیب سے کر دیا۔ ایک غزوہ میں فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کیا کوئی ایسا شخص ہے جسے تم مفقود پاتے ہو؟ عرض کی کہ فلاں فلاں مفقود ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو کیا کوئی ایسا شخص ہے جو تمہیں نہیں مل رہا؟ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تو جلیبیب نظر نہیں آ رہا، انہیں مقتولوں میں تلاش کرو۔ صحابہ تلاش کرتے کرتے ان تک پہنچے تو دیکھا کہ ان کی نعش کے قریب سات کافروں کی لاشیں پڑی ہیں جنہیں قتل کرنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ جب صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کیا تو آپ اپنے اس شہید صحابی کی نعش کے قریب کھڑے ہو کر فرمانے لگے: ”اس نے سات کو قتل کیا پھر خود شہید ہوا، یہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔“ دو تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا۔ پھر قبر کھدوا کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر انہیں قبر میں اتارا۔ کوئی چارپائی وغیرہ نہ تھی، حضور ﷺ کا دست مبارک ہی ان کا جنازہ تھا۔ یہ بھی مذکور نہیں کہ انہیں غسل دیا گیا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس انصاریہ خاتون سے بڑھ کر کوئی عورت شاہ خرچ نہ تھی جس نے حضور ﷺ کے حکم کو بلا تامل قبول کرتے ہوئے خود کو حضرت جلیبیب کی زوجیت میں دے دیا۔ حضور ﷺ نے اس سعادتمند خاتون کے لئے یہ دعا کی تھی: ”اے اللہ! اس پر اپنی رحمتوں کی بارش برسا اور اس کی زندگی مشکلات سے محفوظ رکھ“(2)۔ حافظ ابو عمر بن عبد البر استیعاب میں ذکر کرتے ہیں کہ جب اس لڑکی نے اپنے والدین سے کہا تھا کہ کیا تم حضور ﷺ کے فرمان کو رد کرنے کا ارادہ رکھتے ہو، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(3)۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھی جا سکتی ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے منع کرتے ہوئے اسی آیت کی تلاوت کی(3)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس آیت کا حکم عام ہے اگرچہ شان نزول کے لحاظ سے یہ خاص ہے۔ جب اللہ اور اس کے

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 136 2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1918، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 422 وغیرہ
3۔ سنن بیہقی، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 453، الدرالمنثور، جلد 6 صفحہ 610

رسول ﷺ کسی چیز کا حکم دیں تو نہ کوئی مخالفت کر سکتا ہے، نہ کسی کا کوئی اختیار باقی رہتا ہے اور نہ کسی کے لئے رائے زنی کی گنجائش ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء:65) ''پس تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپ کو ہر اس جھگڑے میں حاکم بنائیں جو ان کے درمیان پھوٹ پڑے پھر اپنے نفسوں میں اس سے تنگی نہ پائیں جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کرلیں''۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو جائے جسے میں لایا ہوں''۔ اس لئے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی پر شدید حکم لگاتے ہوئے فرمایا: وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِينًا۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهٖٓ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (النور:63) ''پس انہیں ڈرنا چاہئے جو رسول کریم ﷺ کے فرمان کی خلاف ورزی کرتے ہیں کہ انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا انہیں دردناک عذاب نہ آئے''۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشٰىهُ ۖ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِيٓ أَزْوَاجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا ﴿37﴾

''اور یاد کیجئے جب آپ نے فرمایا اس شخص کو جس پر اللہ نے بھی احسان فرمایا اور آپ نے بھی احسان فرمایا اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ مخفی رکھے ہوئے تھے اپنے جی میں وہ بات جسے اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن و تشنیع) کا، حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔ پھر جب پوری کر لی زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش تو ہم نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ (اس عملی سنت کے بعد) ایمان والوں پر کوئی حرج نہ ہو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کریں۔ اور اللہ کا حکم تو ہر حال میں ہو کر رہتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ اس کے نبی ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے اور اپنے گھر کو آباد رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اس معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ وہ شخص تھے جن پر اللہ اور اس کے رسول کا انعام تھا۔ اللہ تعالیٰ کا انعام یہ تھا کہ اس نے انہیں اسلام قبول کرنے اور حضور ﷺ کی اتباع کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کا یہ احسان تھا کہ آپ ﷺ نے انہیں غلامی سے آزاد کر دیا۔ یہ بڑے جلیل القدر، عظیم الشان اور حضور ﷺ کے محبوب صحابی تھے۔ انہیں حب الرسول (رسول اللہ ﷺ کے محبوب) اور ان کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو حب بن حب کہا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس لشکر میں انہیں بھیجتے، اس لشکر کا امیر انہی کو ہی بناتے۔ اگر یہ زندہ رہتے تو آپ ﷺ انہیں اپنا خلیفہ نامزد کر دیتے (1)۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا۔

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 27، 254-281

حضرت عباس وعلی رضی اللہ عنہما میرے پاس آئے اور مجھے کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے ہمارے لئے اذن طلب کرو۔ میں نے آپ کو خبر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ وہ کس مقصد کے لئے آئے ہیں؟'' میں نے عرض کی: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لیکن مجھے معلوم ہے''۔ چنانچہ انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی گئی دونوں حضرات عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! ہم یہ معلوم کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں کہ آپ کو اپنے اہل میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا: ''میرے اہل میں مجھے سب سے زیادہ محبوب فاطمہ بنت محمد ہے''۔ کہنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! ہم فاطمہ کے متعلق نہیں پوچھنا چاہتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر زید بن حارثہ جس پر اللہ تعالیٰ نے بھی انعام کیا اور میں نے بھی'' (1)۔ حضور ﷺ نے خود حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا سے کیا، ان کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبدالمطلب تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں دس دینار اور ساٹھ درہم مہر، کچھ پارچات اور خورد ونوش کا کچھ سامان دیا۔ تقریباً ایک سال حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے گھر آباد رہیں، پھر دونوں میں ناچاقی ہوگئی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر شکایت کی تو آپ ﷺ انہیں فرمانے لگے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس آباد رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَتُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِكَ…… اس مقام پر ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے بہت سی غیر صحیح روایات ذکر کی ہیں جن سے ہم عدم صحت کی بناء پر صرف نظر کرتے ہوئے درج نہیں کرتے۔ مسند احمد میں بھی ایک غریب روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اسے بیان کرنا بھی ہم مناسب نہیں سمجھتے۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری (2)۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اپنے رسول ﷺ کو یہ خبر دے دی تھی کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ یہی وہ بات تھی جسے آپ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا تھا۔ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ شکایت لے کر آئے تو آپ نے یہی فرمایا: اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ (3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اگر کتاب اللہ میں سے کچھ چھپاتے تو یہ آیت وَتُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِكَ… چھپاتے (4)۔ پھر فرمایا: فَلَمَّا قَضٰى زَيۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰكَهَا۔ وطر کا معنی ہے حاجت یعنی جب زید نے زینب کو طلاق دینے کی اپنی خواہش پوری کرلی تو ہم نے تمہارا اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔ اس نکاح کا ولی بذات خود اللہ تعالیٰ تھا یعنی اس کی وحی سے یہ نکاح ہوا اس لئے کسی ولی، ایجاب وقبول، مہر اور گواہوں کی ضرورت ہی نہ رہی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت گزر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم جاؤ اور زینب کو میرے نکاح کا پیغام دو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ اس وقت وہ آٹا گوندھ رہی تھیں۔ حضرت زید خود بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے انہیں دیکھا تو مجھ پر اس قدر ان کی عظمت چھا گئی کہ میں سامنے کھڑا ہوکر بات بھی نہ کرسکا میں نے منہ پھیر لیا اور کہا: اے زینب! تمہیں خوشخبری ہو، رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے شادی کا پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ وہ کہنے لگیں کہ میں اپنے رب سے استخارہ کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتی۔ یہ کہہ کر وہ اپنی جائے نماز پر کھڑی ہوکر نماز پڑھنے لگیں۔ اسی وقت وحی اتری جس میں اللہ تعالیٰ

1۔ مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 417۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 611
2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 147
3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 13۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 616
4۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 53

نے اپنے رسول ﷺ کو آگاہ کر دیا کہ ہم نے زینب کے ساتھ آپ کا نکاح کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ اسی وقت بغیر اجازت کے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس چلے آئے۔ پھر آپ ﷺ نے دعوت ولیمہ میں ہمیں روٹی اور گوشت کھلایا۔ دعوت کھا کر لوگ چلے گئے لیکن کچھ آدمی وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ آپ باہر نکل کر باری باری اپنی ازواج کے حجروں میں تشریف لے گئے۔ آپ انہیں سلام کرتے اور وہ آپ ﷺ سے پوچھتیں کہ آپ نے اپنے اہل کو کیسا پایا؟ مجھے یہ یاد نہیں کہ میں نے آپ کو خبر دی یا آپ کو خبر دی گئی کہ لوگ چلے گئے ہیں۔ پھر آپ گھر میں تشریف لے گئے۔ میں نے بھی آپ کے ساتھ جانا چاہا لیکن آپ ﷺ نے پردہ گرا دیا۔ اس وقت پردہ کا حکم نازل ہوا اور صحابہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا گیا: لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ (الاحزاب: 53) "نبی کریم کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو بجز اس کے کہ تمہیں اجازت دی جائے" (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا باقی امہات المومنین پر فخر کرتے ہوئے انہیں کہا کرتی تھیں کہ تم سب کے نکاح تمہارے ولیوں نے کئے لیکن میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کرایا (2)۔ سورۂ نور کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دوسرے پر اظہار افتخار کرنے لگیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں ہی ہوں جس کا نکاح آسمان سے اترا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ میں ہی ہوں جس کی براءت آسمان سے اتری۔ اس فضیلت کا اعتراف حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی کیا۔ (3) حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے کہا کرتی تھیں کہ مجھ میں تین خصوصیات ایسی ہیں جو آپ کی کسی اور زوجہ میں نہیں: (1) میرا اور آپ کا دادا ایک ہے، (۲) اللہ تعالیٰ نے آسمان سے میرا نکاح آپ کے ساتھ کیا اور (۳) سفیر جبریل علیہ السلام تھے (4)۔ اس کے بعد فرمایا: لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ یعنی ہم نے آپ کے لئے زینب کے ساتھ نکاح اس لئے مباح کر دیا تاکہ منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ عورتوں کے ساتھ شادی کرنے میں اہل ایمان پر کوئی حرج باقی نہ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نبوت سے پہلے حضرت زید بن حارثہ کو اپنا متبنی بنایا تھا اور انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔ قرآن کریم نے اس نسبت کو اس فرمان کے ذریعے ختم کر دیا: وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۔ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (الاحزاب: 5-4) "اور اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے فرزند نہیں بنایا، یہ صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ سچی بات کہتا ہے اور وہ سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت دیتا ہے۔ انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے بلایا کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے"۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن حارثہ کی مطلقہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور ﷺ کا نکاح کر کے اس حکم کو مزید واضح اور پختہ کر دیا۔ اس لئے لے پالک لڑکوں سے احتراز کرتے ہوئے آیت تحریم میں فرمایا: وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ (النساء: 23) یعنی تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں۔ اس میں منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے ساتھ نکاح کی حرمت کو بیان نہیں کیا۔ بہرصورت عربوں میں متبنی بنانے کا بہت رواج تھا جس پر حکم الٰہی اور حضور ﷺ کے عمل کے ذریعے کاری ضرب لگا دی گئی۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا یعنی یہ امر جو وقوع پذیر ہوا، اسے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی مقدر کر رکھا تھا، اس کا وقوع حتمی تھا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے لئے یہ شرف لکھا جا چکا تھا کہ وہ امہات المومنین میں شامل ہوں گی۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1048-1049، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 195-196
2۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 152
3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نور: 11
4۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 14

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۭ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۝ (38)

''نہیں ہے نبی پر کوئی مضائقہ ایسے کام کرنے میں جنہیں حلال کر دیا ہے اللہ نے اس کے لئے۔ اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے ان (انبیاء) کے بارے میں جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم ایسا فیصلہ ہوتا ہے جو طے پا چکا ہوتا ہے''۔

فرمایا جا رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اپنے رسول ﷺ کے لئے حلال کر دیا کہ آپ اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیں تو اب اس میں حرج کی کوئی بات نہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے سابقہ انبیاء علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام نازل ہوتے تھے، ان پر عمل پیرا ہونے میں ان پر کوئی حرج نہ تھا یہ دستور الٰہی پہلے سے چلا آرہا ہے۔ اس سے غرض منافقین کا رد ہے جو حضور ﷺ پر حرف گیری کرتے ہوئے کہتے تھے کہ دیکھو آپ نے اپنے لے پالک لڑکے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ایسا فیصلہ ہے جو حتمی اور قطعی ہوا کرتا ہے اور اس کا وقوع ہو کر رہتا ہے، وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ (39) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ (40)

''وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں وہ نہیں ڈرا کرتے کسی سے اللہ تعالیٰ کے سوا۔ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا۔ نہیں ہیں محمد (فداہ روحی) کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ان نفوس قدسیہ کی مدح فرما رہا ہے جو اس کے پیغامات مخلوق تک پہنچاتے ہیں اور امانت خداوندی کی ادائیگی کرتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اس کے سوا کسی سے خوف نہیں کھاتے اور کسی کی قوت و سطوت سے مرعوب اور خوفزدہ ہو کر دعوت و تبلیغ کے فریضہ کی ادائیگی کو ترک نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہی حامی و ناصر کافی ہے۔ دعوت و تبلیغ کے منصب پر فائز ہونے والوں میں سرفہرست سید اولاد آدم حضرت محمد ﷺ ہیں، صرف اس میں ہی نہیں بلکہ ہر ہر امر میں آپ کو سیادت اور قیادت حاصل ہے۔ آپ ﷺ نے مشرق و مغرب میں تمام اولاد آدم تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا، آپ نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ دین اسلام کی اشاعت میں بسر کر دیا اور ثابت قدمی سے ہر قسم کے مصائب کا سامنا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمہ کو بلند کیا اور اپنے دین اور شریعت کو تمام ادیان اور شریعتوں پر غالب کیا۔ حضور ﷺ سے پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا لیکن آپ ﷺ کو تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا خواہ وہ عرب ہوں یا عجم جیسا کہ ارشاد ہے: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا (الاعراف: 158) ''فرما دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں''۔ پھر آپ ﷺ کے وصال کے بعد منصب تبلیغ کے وارث آپ کے امتی ہوئے۔ اس امت میں فریضہ تبلیغ ادا کرنے والوں میں سب سے اعلیٰ مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے۔ ان جلیل القدر ہستیوں نے جو کچھ حضور ﷺ سے

سیکھا تھا، اسے بعینہ لوگوں تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور آپ ﷺ کے تمام اقوال، افعال اور احوال دنیا کے سامنے رکھ دیئے خواہ ان کا وقوع دن میں ہوا یا رات میں، سفر میں یا حضر میں، اعلانیہ یا پوشیدہ۔ پھر تابعین نے یہ ذمہ داری لے لی، ان کے بعد ہر زمانہ کے علماء اس منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے رہے اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ ہدایت یافتہ لوگ انہی کی اقتداء کرتے ہیں اور ان کی روشن کردہ شاہراہ پر گامزن رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری درخواست ہے کہ وہ ہمیں بھی ان میں شامل فرما دے! حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی اپنے آپ کو حقیر نہ بنائے کہ خلاف شرع کام دیکھ کر بھی خاموش رہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے باز پرس کرتے ہوئے فرمائے گا کہ تو خاموش کیوں رہا؟ وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! میں لوگوں سے ڈر گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں اس بات کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا" (1)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو کسی مرد کا باپ کہنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ۔ حضرت زید کو زید بن محمد کہنے کی بھی ممانعت کر دی گئی کیونکہ حضور ﷺ ان کے باپ نہیں اگرچہ آپ نے انہیں اپنا متبنی بنایا ہوا تھا۔ حضور ﷺ کی نرینہ اولاد ہوئی لیکن بلوغت تک پہنچنے سے پہلے ہی سب کا انتقال ہو گیا۔ حضرات قاسم، طیب اور طاہر یہ آپ ﷺ کے تین صاحبزادے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بطن سے پیدا ہوئے لیکن تینوں بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ آپ ﷺ کے چوتھے فرزند حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے متولد ہوئے لیکن ابھی شیر خوار بچے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں: زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ آپ کی تین بیٹیوں کی وفات آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی ہو گئی جبکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے وصال کے چھ ماہ بعد فوت ہوئیں۔ پھر فرمایا: وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ... یہ اس فرمان کی طرح ہے: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام: 124) "اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت رکھتا ہے"۔ یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ جب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں تو آپ کے بعد کوئی رسول کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ رسالت نبوت سے خاص ہے۔ ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں۔ متواتر احادیث سے بھی حضور ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "نبیوں میں میری مثال ایسی ہے جیسے کسی نے بہت حسین و جمیل اور مکمل مکان بنایا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی اور اس میں کچھ نہ رکھا۔ لوگ اس عمارت کے ارد گرد پھرتے، اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے اور کہتے کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس اینٹ کی جگہ بھی پر کر دی جاتی۔ پس میں نبیوں میں اس اینٹ کی جگہ ہوں" (2)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا، میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی"۔ صحابہ کو یہ بات شاق گزری تو آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن مبشرات (خوشخبریاں دینے والے)۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: "مسلمان کے خواب اور یہ اجزائے نبوت میں سے ایک جز ہیں" (3)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری اور انبیاء کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا، اسے مکمل اور حسین و جمیل کیا، صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ جو بھی اس میں داخل ہوتا اور اسے دیکھتا، وہ کہتا کہ یہ گھر کتنا خوبصورت ہے بجز

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 30

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13 صفحہ 101، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 136

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الرؤیا، جلد 9 صفحہ 126-127، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 267

اس اینٹ کی جگہ کے، میں اینٹ کی جگہ ہوں، مجھ پر انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم ہو گیا" (1)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میری اور انبیاء کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جس نے عمارت بنوائی، سوائے ایک اینٹ کی جگہ کے سب عمارت مکمل کر دی۔ میں آیا اور اس اینٹ کی جگہ کو بھی پر کر دیا" (2)۔ حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے بعد نبوت نہیں بجز مبشرات کے"۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا: "اچھے خواب یا فرمایا: نیک خواب" (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے مکمل اور حسین و جمیل عمارت بنائی لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹ گئی، لوگ اس عمارت کا چکر لگاتے، اسے دیکھ کر خوش ہوتے اور کہتے کہ یہاں اینٹ کیوں نہ رکھی گئی تا کہ عمارت مکمل ہو جاتی۔ فرمایا کہ میں ہی وہ اینٹ ہوں" (4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی: مجھے جوامع الکلم (ایسے مختصر کلمات جن میں معانی کا سمندر ہو) سے نوازا گیا، رعب کے ذریعے میری مدد فرمائی گئی، میرے لئے غنیمت کا مال حلال کیا گیا، میرے لئے تمام زمین کو مسجد بنا دیا گیا اور اس سے تیمم کی اجازت دی گئی، مجھے تمام مخلوق کے لئے رسول بنایا گیا اور میری ذات سے انبیاء علیہ السلام کا سلسلہ ختم کر دیا گیا" (5)۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا کہ میں اس وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین تھا جب کہ آدم علیہ السلام کا ابھی جسم تیار ہو رہا تھا (6)۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "میرے کئی نام ہیں: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی (مٹانے والا) ہوں، میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں، تمام لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا اور میں عاقب (پیچھے آنے والا) ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں" (7)۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس الوداع کرنے والے کے انداز میں تشریف لائے اور تین بار فرمایا: "میں محمد امی نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مجھے فاتح کلمات، جامع کلمات اور خاتم کلمات کی خوبیوں سے نوازا گیا ہے۔ مجھے علم ہے کہ جہنم کے داروغے اور عرش کے اٹھانے والے کتنے ہیں۔ میرا میری امت سے تعارف کروایا گیا۔ جب تک میں تم میں ہوں، میری سنو اور اطاعت کرو۔ جب میں رخصت ہو جاؤں تو کتاب اللہ کو تھام لینا، اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھنا" (8)۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد احادیث ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بندوں پر خصوصی رحمت ہے کہ اس نے حضرت محمد ﷺ کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا، پھر انہیں یہ شرف عطا فرمایا کہ آپ ﷺ کو خاتم الانبیاء والمرسلین بنایا اور آپ کے ہاتھوں دین کی تکمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے متواتر احادیث میں صاف طور پر بتا دیا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں تا کہ لوگوں پر عیاں ہو جائے کہ آپ ﷺ کے بعد نبوت و رسالت کا دعویٰ کرنے والا شخص جھوٹا، افترا پرداز، دجال، دھوکہ باز، گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے اگرچہ وہ شعبدہ بازی، جادو اور طلسمات کے ذریعے بڑے بڑے

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، جلد 4 صفحہ 226، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1791 وغیرہ
2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1791، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 9
3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 554
4۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1790، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 312
5۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 371، عارضۃ الاحوذی، ابواب السیر، جلد 7 صفحہ 41-42 وغیرہ
6۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 127
7۔ فتح الباری تفسیر سورۂ صف، جلد 8 صفحہ 640-641، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1828
8۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 172، 212

حیران کن کرتب، کمالات اور نیرنگیاں دکھائے لیکن اصحاب عقول جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ دجل، فریب اور گمراہی ہے جیسا کہ اسود عنسی نے یمن میں اور مسیلمہ کذاب نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا جن کے فاسد احوال اور جھوٹے اقوال سے ہر ذی فہم اور ہر ذی عقل پر واضح ہو گیا کہ وہ جھوٹے اور گمراہ ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو! قیامت تک ہر مدعی نبوت کا یہی حال ہوگا یہاں تک کہ ان سب کا اختتام مسیح دجال پر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نبوت کے جھوٹے دعویداروں میں ایسی علامات پیدا کر دیتا ہے جنہیں دیکھ کر اہل علم اور اہل ایمان ان کے جھوٹ کو پہچان لیتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا مخلوق پر خصوصی لطف و کرم ہے کیونکہ ایسے کذاب لوگوں کو یہ توفیق ہی نہیں ہوتی کہ وہ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔ البتہ ان احکام پر وہ بہت زور دیتے ہیں جن میں ان کی اپنی کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ ان کے اقوال اور افعال جھوٹ اور فسق و فجور پر مبنی ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا: هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ (الشعراء: 221-221) "کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں۔ وہ ہر جھوٹ گھڑنے والے بدکار پر اترتے ہیں"۔ لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حال ان کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہر قول، ہر امر اور ہر نہی میں انتہائی نیک، سچے، ہدایت یافتہ، عادل اور استقامت والے ہوتے ہیں، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں معجزات، خرق عادت اشیاء اور دلائل و براہین کے ذریعے تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے۔ ان ہستیوں پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی بے پایاں اور مسلسل رحمتیں برستی رہیں!

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۖۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۝

"اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے۔ اور اس کی پاکی بیان کیا کرو صبح و شام۔ اللہ وہ ہے جو رحمت نازل کرتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے بھی (تم پر نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں) تاکہ وہ نکال کرلے جائے تمہیں (طرح طرح کے) اندھیروں سے نور کی طرف۔ اور وہ مومنوں پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب کریم سے ملیں گے ہمیشہ سلامت رہو۔ اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے عزت والا اجر"۔

بندوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں جس نے انہیں طرح طرح کی نعمتوں اور قسم قسم کے احسانات سے نوازا ہے اور اس پر بہت زیادہ اجر و ثواب اور اچھے انجام کا وعدہ فرمایا۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا میں تمہیں سب سے بہتر، سب سے پاکیزہ اور سب سے بلند درجہ عمل نہ بتاؤں جو اللہ کے ہاں سونا چاندی خیرات کرنے سے بھی افضل ہو اور اس سے بھی بہتر ہو کہ تمہاری دشمن سے مڈبھیڑ ہو جس میں تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں"۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون سا عمل ہے؟ فرمایا: "اللہ عزوجل کا ذکر" (1)۔ یہ حدیث اسی سورت میں اس فرمان وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ کی تفسیر کے تحت گزر چکی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک دعا سنی جسے میں کسی وقت ترک نہیں کرتا: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اُعَظِّمُ شُكْرَكَ وَاَتَّبِعُ نَصِيْحَتَكَ وَاُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَاَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ" (2)۔ یعنی اے اللہ! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیرا بہت زیادہ شکر ادا کروں، تیری نصیحت کی اتباع کروں، کثرت سے تجھے یاد کروں اور تیری وصیت کو یاد رکھوں۔

1۔ جامع ترمذی، ابواب الدعوات، جلد 12 صفحہ 270، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1245 وغیرہ
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 477

دو اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ ایک پوچھنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! لوگوں میں کون سا شخص سب سے بہتر ہے؟ فرمایا: "جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھا ہو"۔ دوسرے نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اسلام کے احکام تو بہت زیادہ ہو گئے ہیں، مجھے ایک حکم بتا دیں جس پر میں مضبوطی سے کار بند رہوں۔ فرمایا: "تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے"(1)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس طرح کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگیں"(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس قدر بکثرت اللہ کو یاد کرو کہ منافقین تمہیں ریاکار کہنے لگیں"(3)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کریں، تو یہ مجلس قیامت کے دن ان کے لئے باعث حسرت ہوگی"(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر فریضہ کی حد مقرر کی ہے اور عذر کی صورت میں وہ معاف بھی ہو جاتا ہے بجز ذکر کے۔ اس کی نہ کوئی حد مقرر ہے اور نہ یہ کسی حالت میں معاف ہے سوائے اس کے کہ کوئی دیوانہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ (النساء:103) "ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے"۔ یعنی شب و روز ہر حال میں اللہ کا ذکر کرو خواہ تم خشکی پر ہو یا تری میں، سفر میں یا حضر میں، امیر ہو یا غریب، بیمار ہو یا تندرست، پوشیدہ یا اعلانیہ۔ پھر فرمایا: وَ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا۔ جب تم یہ بجا لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا اور فرشتے تمہارے لئے دعائیں کریں گے(5)۔ کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے متعلق بہت سی آیات، احادیث اور آثار وارد ہوئے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں بھی بکثرت اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی ترغیب دلائی جارہی ہے۔ دن اور رات کی تمام گھڑیوں کے متعلق اذکار اور وظائف کے سلسلہ میں بزرگوں نے کتابیں تصنیف کی ہیں مثلاً نسائی، معمری وغیرہ۔ ذکر اللہ کے موضوع پر سب سے بہترین کتاب شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاذکار ہے۔ اس فرمان وَ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا کی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۞ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ (الروم:18-17) "سو پاکی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو اور اسی کے لئے ساری تعریفیں ہیں آسمانوں اور زمین میں نیز (پاکی بیان کرو) سہ پہر اور دوپہر کو"۔ پھر ذکر پر برانگیخت کرتے ہوئے فرمایا: هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں یاد کرتا ہے، اس لئے تم بھی اسے یاد کرو جیسا کہ فرمایا: كَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ ... فَاذْكُرُوْنِيْۤ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ (البقرۃ:152-151) حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے، میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی محفل میں یاد کرتا ہے، میں اسے اس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں"(6)۔ صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے سامنے بندے کی تعریف کرنا(7)۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ کا معنی رحمت ہے۔ ان دونوں اقوال کے درمیان کوئی تضاد نہیں۔ جب صلوٰۃ کی اضافت فرشتوں کی طرف ہو تو اس کا مطلب ہوا کرتا ہے لوگوں کیلئے دعا اور استغفار کرنا جیسا کہ فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ قِهِمْ

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 12 صفحہ 269، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1246 وغیرہ 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 68

3۔ معجم کبیر، جلد 12 صفحہ 169 4۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 224 5۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 17، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 618-619

6۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 8 صفحہ 147، صحیح مسلم، کتاب الذکر: 2061، 2068 7۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ احزاب، جلد 6 صفحہ 151 عن ابی العالیہ

السَّيِّاٰتِ (المومن: 9-7)" جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں، وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں، (کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو اپنی رحمت اور علم سے ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے پس انہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی پیروی کی اور انہیں عذاب جہنم سے بچا لے، اے ہمارے رب! انہیں سدا بہار باغوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے اور ان کے والدین، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے جو قابل بخشش ہیں بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے اور انہیں سزاؤں سے بچالے"۔ فرمایا: لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت وثناء اور فرشتوں کی دعا کے سبب تمہیں جہالت اور گمراہی کی تاریکیوں سے ہدایت ویقین کے نور کی طرف نکالتا ہے اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر دنیا وآخرت میں ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ دنیا میں اس کی رحمت یہ ہے کہ اس نے اہل ایمان کو حق کی راہ دکھائی جس سے دوسرے نابلد رہے، ان کے لئے ہدایت کی شاہراہ روشن کی جس سے کفر وبدعت کے داعی کنارہ کش رہے اور انہیں باعزت روزی عطا کی۔ آخرت میں اس کی رحمت یہ ہے کہ وہ انہیں بہت بڑی گھبراہٹ اور خوف سے امن بخشے گا اور وہ فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ جنت کے حصول اور جہنم سے نجات کی نوید سناتے ہوئے اہل ایمان کا استقبال کریں۔ یہ کرم نوازی اس لئے ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان نفوس قدسیہ کے ساتھ محبت ہے اور وہ ان پر بہت مہربان ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک چھوٹا بچہ تھا۔ جب اس بچے کی ماں نے لوگوں کو دیکھا تو اسے اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں اس کا بچہ روند نہ دیا جائے۔ وہ میرا بیٹا میرا بیٹا کہتی ہوئی دوڑی اور اپنے بچے کو اٹھالیا۔ یہ دیکھ کر صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ممکن نہیں کہ یہ عورت اپنے بیٹے کو آگ میں ڈال دے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا مدعا سمجھتے ہوئے فرمایا: "نہیں، بخدا! اللہ تعالیٰ بھی اپنے دوستوں کو آگ میں نہیں ڈالے گا" (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قیدی عورت کو دیکھا جو اپنے شیر خوار بچے کو اپنے سینے کے ساتھ چمٹائے دودھ پلا رہی تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: "تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ عورت خوشی سے اپنے بیٹے کو آگ میں ڈال دے گی؟" عرض کی: نہیں۔ فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ رحم فرمانے والا ہے جس قدر یہ اپنے بیٹے کے ساتھ" (2)۔ پھر فرمایا: تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ بظاہر اس سے یہی مراد ہے کہ وہ جس دن اللہ تعالیٰ سے ملیں گے، اس دن ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعا اور تحفہ سلام ہوگا جیسا کہ فرمایا: سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (یٰسین: 58) "تم سلامت رہو، یہ رب رحیم کی طرف سے کہا جائے گا"۔ قتادہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ دار آخرت میں جب ان کی ملاقات اللہ تعالیٰ سے ہوگی تو اس دن یہ ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ ابن جریر نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ اس کی دلیل یہ فرمان بھی ہوسکتا ہے: دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس: 10) "ان کی صدا جنت میں یہ ہوگی پاک ہے تو اے اللہ! اور ان کی دعا یہ ہوگی کہ سلامتی ہو اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں"۔ آخر میں فرمایا: وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا یعنی جنت اور اس میں خورد ونوش کا سامان، عمدہ لباس، پرسکون محلات، لذت بخش عورتیں، خوش کن مناظر اور دیگر نعمتیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی دل میں کھٹکیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 104 2۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 9

مُّنِيْرًا ۝ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

''اے نبی (مکرم!) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا۔ اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا۔ اور آپ مژدہ سنادیں مومنوں کو ان کے لئے اللہ کی جناب سے بڑا ہی فضل ہے۔ اور نہ کہنا مانو کافروں اور منافقوں کا اور پرواہ نہ کرو ان کی اذیت رسانی کی اور بھروسہ رکھو اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز''۔

عطاء بن یسار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے وہ اوصاف بتائیں جو تورات میں مذکور ہیں تو آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں مذکور آپ کے اوصاف میں سے بعض تورات میں بھی ہیں، تورات میں ہے: اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا، بروقت ڈرانے والا اور امیوں کیلئے پناہ گاہ بنا کر بھیجا ہے، تم میرے بندے اور رسول ہو، میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے، نہ وہ تندخو ہیں، نہ سخت مزاج، نہ بازاروں میں شور وغل مچانے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ معاف کر دیتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت تک اپنے پاس واپس نہیں بلائے گا جب تک آپ کی ذات سے کجی کی شکار ملت کو سیدھا نہ کر دے اور وہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے قائل نہ ہو جائیں، اس سے اندھی آنکھیں، بہرے کان اور پردوں میں لپٹے ہوئے دل کھل جائیں گے (1)۔ حضرت وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اک نبی حضرت شعیاء علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ۔ میں تمہاری زبان پر وحی جاری کروں گا، میں امیوں میں سے ایک امی نبی بنا کر بھیجنے والا ہوں، وہ نہ تندخو ہیں، نہ درشت مزاج اور نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والے، اس قدر سکون و وقار والے کہ اگر چراغ کے قریب سے گزر جائیں تو وہ نہ بجھے اور اگر بانسوں اور سرکنڈوں پر چلیں تو پاؤں کی چاپ سنائی نہ دے، میں انہیں خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجوں گا، وہ فحش گو نہیں ہوں گے، ان کے طفیل میں اندھی آنکھیں، بہرے کان اور پردے میں مستور دل کھول دوں گا، میں ہر امر جمیل کی طرف ان کی رہنمائی کروں گا اور ہر اچھا خلق انہیں مرحمت کروں گا۔ سکینت ان کا لباس ہوگی، نیکی ان کا شعار، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کی گفتار، صدق و وفا ان کی فطرت، عفو و درگزر ان کا خلق، حق ان کی شریعت، عدل ان کی سیرت، ہدایت ان کی امام، اسلام ان کی ملت اور احمد ان کا نام ہوگا، ان کے طفیل میں گمراہوں کو ہدایت سے، جاہلوں کو علم سے، گمناموں کو شہرت سے، غیر معروف لوگوں کو ناموری سے نوازوں گا، میں ان کے سبب قلت کو کثرت میں، اور فقر کو تونگری میں، اختلاف کو اتفاق میں اور فرقت کو الفت میں بدل ڈالوں گا، میں ان کے ذریعہ ایسی قوموں کو وحدت اور اتفاق کی لڑی میں پرو دوں گا جو انتشار کا شکار ہوں گے، جن کے دلوں میں باہمی نفرت ہوگی اور جن کی خواہشات مختلف ہوں گی، میں ان کے طفیل دنیا کو ہلاکت سے بچا لوں گا اور ان کی امت کو سب سے افضل امت بناؤں گا جن کی تخلیق کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائیوں سے منع کریں، وہ موحد، مومن، مخلص اور رسولوں کی تصدیق کرنے والے ہوں گے، وہ اپنی مساجد، مجالس اور بستروں میں چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے میری تسبیح، حمد و ثناء، توحید اور بڑائی بیان کرتے رہا کریں گے، وہ میری خاطر کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر نمازیں پڑھا کریں گے، صفیں باندھ کر راہ خدا میں جہاد

1۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 78، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 174

کریں گے، میری رضا کی طلب میں ان کے ہزار ہا لوگ اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوں گے، وہ اپنے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو میں دھویا کریں گے، وہ اپنے تہبند آدھی پنڈلی تک باندھا کریں گے، میری راہ میں قربانیاں دیں گے، میری کتاب ان کے سینوں میں محفوظ ہو گی، راتوں کو عبادت گزار اور دنوں کو شیروں جیسے مجاہد ہوں گے، میں ان کے اہل بیت اور اولاد میں سبقت لے جانے والے، صدیق، شہید اور صالح لوگ پیدا کروں گا، ان کی امت ان کے وصال کے بعد حق کے ساتھ لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھائے گی اور حق کے ساتھ ہی عدل کرے گی۔ ان کی امداد کرنے والوں کو میں عزت سے نوازوں گا اور ان کیلئے دعا کرنے والوں کو میری تائید حاصل ہوگی، ان کی مخالفت کرنے والوں، ان کے ساتھ بغاوت کرنے والوں اور ان کے بدخواہوں کو میں برے انجام سے دوچار کروں گا، میں انہیں انبیاء کا وارث بناؤں گا، یہ لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلائیں گے، نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے منع کریں گے، نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے اور اپنے عہد و پیمان کو پورا کریں گے۔ میں ان کے ہاتھوں اس خیر کی تکمیل کردوں گا جس کا آغاز پہلوں سے ہوا۔ یہ میرا فضل ہے، جسے میں چاہتا ہوں عطا کر دیتا ہوں اور میں فضل عظیم کا مالک ہوں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ حضرات علی و معاذ رضی اللہ عنہما کو بطور حاکم یمن بھیج رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: "جاؤ خوشخبری دینا، نفرت نہ دلانا، آسانی کرنا، سختی نہ کرنا کیونکہ مجھ پر یہ آیت یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا۔ اتری ہے"۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر یہ وحی اتری ہے کہ اے نبی! ہم نے آپ کو اپنی امت پر گواہ، جنت کی بشارت دینے والا، دوزخ سے ڈرانے والا اللہ کے حکم سے شہادت توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والا اور قرآن کے ساتھ روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے (2)۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے گواہ ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور قیامت کے دن آپ لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوں گے جیسا کہ فرمایا: وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا (النساء: 41) "ہم آپ کو ان سب پر گواہ لے آئیں گے"۔ لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ یَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا (البقرۃ: 143) "تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور (ہمارا) رسول تم پر گواہ ہو"۔ آپ اہل ایمان کو اجر عظیم کی نوید سنانے والے ہیں اور کافروں کو تباہ کن عذاب سے ڈرانے والے ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخلوق کو اپنے رب کی عبادت کی طرف بلانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو روشن چراغ بنایا ہے یعنی آپ جو حق لے کر آئے ہیں، اس میں آپ کی صداقت آفتاب عالمتاب کی طرح واضح ہے جس کا انکار سوائے ضدی اور سرکش کے کوئی نہیں کرتا۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ یعنی آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانئیں بلکہ ان کی کسی بات پر کان ہی نہ دھریں۔ ان کی ایذا رسانیوں کی پرواہ نہ کریں بلکہ درگزر کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں، وہی ان سے نمٹنے کے لئے کافی ہے، اس لئے فرمایا: وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴿۴۹﴾

"اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر تم انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ پس تمہارے لئے ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں جسے تم شمار کرو۔ لہٰذا انہیں کچھ مال دے دو اور انہیں رخصت کردو خوبصورتی سے"۔

1۔ کتاب الشفاء از قاضی عیاض، جلد 1 صفحہ 31-32، ابن ابی حاتم
2۔ معجم کبیر، جلد 12 صفحہ 312

اس آیت کریمہ میں بہت سے احکام ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ صرف عقد پر بھی نکاح کا اطلاق ہوتا ہے، اس کے ثبوت میں اس سے زیادہ صراحت والی اور کوئی آیت نہیں۔ لفظ نکاح کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ کیا اس کا حقیقی استعمال صرف عقد کے لئے ہے یا صرف جماع کے لئے یا دونوں کے لئے؟ اس بارے میں تین اقوال ہیں۔ قرآن کریم میں اس لفظ کا اطلاق عقد اور وطی دونوں پر ہوتا ہے سوائے اس آیت کریمہ کے کہ اس میں اس لفظ کا اطلاق صرف عقد پر ہے۔ اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل موجود ہے کہ دخول سے پہلے بیوی کو طلاق دینا مباح ہے۔ آیت کریمہ میں "مومنات" کا لفظ عمومی اور غالب معمول کو ظاہر کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے ورنہ مومنہ اور کتابیہ سبھی عورتوں کے لئے بالاتفاق یہ حکم یکساں ہے۔ حضرات ابن عباس، سعید بن مسیب، حسن بصری، امام زین العابدین اور کچھ دیگر سلف اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ طلاق اسی وقت واقع ہوتی ہے جب اس سے پہلے نکاح ہو چکا ہو کیونکہ آیت کریمہ میں نکاح کے بعد طلاق کا ذکر ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح سے پہلے نہ طلاق صحیح ہے اور نہ ہی واقع ہوتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل اور سلف وخلف کی ایک بہت بڑی جماعت کا یہی مسلک ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ نکاح سے پہلے بھی طلاق صحیح ہو جاتی ہے مثلاً کوئی شخص کہے اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے۔ یہ کہے کہ جب بھی وہ اس عورت سے شادی کرے گا، اسے طلاق ہو جائے گی لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جس عورت سے نکاح کروں، اسے طلاق ہے تو اس بارے میں ان دونوں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک وہ کسی عورت کی تعیین نہیں کرے گا، اس وقت تک ایسا کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا کہنے سے ہر اس عورت کو طلاق ہو جائے گی جس سے وہ نکاح کرے گا۔ جمہور جن کا موقف ان کے خلاف ہے اور جو نکاح سے پہلے وقوع طلاق کے قائل نہیں، ان کی حجت یہی آیت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو بطور دلیل پیش کر کے فرمایا کہ جب کوئی شخص یہ کہے کہ ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں، اسے طلاق ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ طلاق تو نکاح کے بعد ہوتی ہے(1)۔ ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کہ نکاح سے پہلے کوئی طلاق نہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس میں کوئی طلاق نہیں جس کا ابن آدم مالک نہ ہو"(2)۔ ایک اور حدیث میں ہے: "نکاح سے پہلے کوئی طلاق نہیں"(3)۔ پھر فرمایا: فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ جب کسی عورت کو دخول سے پہلے طلاق ہو جائے تو اس پر کوئی عدت نہیں۔ وہ اسی وقت جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ اس حکم سے مستثنیٰ صرف وہ عورت ہے جس کا خاوند فوت ہو جائے، اگرچہ دخول نہ بھی ہوا ہو تو بھی ایسی عورت پر چار ماہ اور دس دن کی عدت گزارنا ضروری ہے۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ آخر میں فرمایا: فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا۔ بیوی کو چھونے سے پہلے اگر خاوند نے طلاق دے دی تو اس صورت میں اگر مہر مقرر ہو چکا تھا تو اس کا نصف ادا کرنا ہوگا ورنہ تھوڑا بہت مال دینا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (البقرۃ: 237) "اور اگر تم انہیں چھونے سے پہلے طلاق دو اور مقرر کر چکے ان کے لئے مہر تو نصف مہر وہ جو تم نے مقرر کیا ہے"۔ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ... حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ (البقرۃ: 236)۔ رسول اللہ ﷺ نے امیمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا۔ رخصتی کے بعد

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 628 — 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 258، عارضۃ الاحوذی، کتاب الطلاق، جلد 5 صفحہ 147-148، وغیرہ

3۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 660

آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے ناپسند کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کا سامان تیار کریں اور دو رازقی کپڑے دے کر رخصت کر دیں (1)۔ حضرت علی بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مہر مقرر تھا تو اس کا نصف دینا ضروری ہے ورنہ بساط کے مطابق دے۔ یہی سراح جمیل یعنی عمدہ طریقے سے رخصت کرنا ہے (2)۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

”اے نبی (مکرم!) ہم نے حلال کر دی ہیں آپ کے لئے آپ کی ازواج جن کے مہر آپ نے ادا کر دیئے ہیں اور آپ کی کنیزیں جو اللہ نے بطور غنیمت آپ کو عطا کی ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے ہجرت کی آپ کے ساتھ اور مومن عورت اگر وہ اپنی جان نبی کی نذر کر دے اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ (اجازت) صرف آپ کے لئے ہے دوسرے مومنوں کے لئے نہیں۔ ہمیں خوب علم ہے جو ہم نے مقرر کیا ہے مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں، تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے“۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ کی وہ تمام بیویاں آپ کے لئے حلال ہیں جنہیں آپ نے مہر ادا کر دیئے ہیں۔ آپ کی تمام ازواج مطہرات کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا جس کے پانچ سو درہم بنتے ہیں سوائے حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان، حضرت صفیہ بنت حیی اور حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہن کے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر حضرت نجاشی نے اپنے پاس سے چار سو دینار ادا کیا تھا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اسیران خیبر میں شامل تھیں۔ آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا اور ان کی آزادی ان کا مہر ٹھہرا اور حضور ﷺ نے حضرت جویریہ کی طرف سے ان کا زر کتابت حضرت ثابت بن قیس کو ادا کیا اور ان سے نکاح کر لیا (3)۔ پھر فرمایا: وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ یعنی اسی طرح وہ لونڈیاں بھی آپ کے لئے مباح ہیں جو مال غنیمت میں آپ کے ہاتھ آئیں۔ آپ ﷺ مال غنیمت میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے مالک ہوئے۔ آپ نے دونوں کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا، اسی طرح حضرت ریحانہ بنت شمعون نضریہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کی ملکیت میں آئیں (4)۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ نکاح کے معاملہ میں یہود و نصاریٰ کے افراط و تفریط سے اجتناب کرتے ہوئے درمیانی اور عادلانہ راہ واضح کر دی۔ نصاریٰ کا یہ معمول تھا کہ اگر مرد اور عورت کا کم از کم سات

1۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، جلد 9 صفحہ 356، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 498 2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 19
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 152-153، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 294-295
4۔ دیکھئے البدایہ والنہایہ، جلد 5 صفحہ 284,266,265,261,256,255

پشتوں تک نسب نہ ملتا، تو وہ اس شادی کو جائز سمجھتے تھے اور یہود کی یہ کیفیت تھی کہ وہ اپنی بھتیجیوں اور بھانجیوں سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔ اس شریعت کاملہ وطاہرہ نے نصاریٰ کے افراط کو ختم کرتے ہوئے چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹیوں سے نکاح جائز قرار دیا اور یہود کی تفریط کا قلع قمع کرتے ہوئے بھتیجی اور بھانجی کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دے دیا۔ اسلام اس امر شنیع کی اجازت نہیں دیتا۔ اس آیت کریمہ میں مذکر یعنی چچا اور ماموں کو مفرد اور مونث یعنی پھوپھیوں اور خالاؤں کو جمع ذکر کیا گیا ہے جو مذکر کے شرف اور مونث کے نقص پر دلالت کرتا ہے اور اس سے مردوں کی عورتوں پر فضیلت ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ (النحل: 48) اور يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (المائدۃ: 16) ان آیات میں یمین اور نور کو ان کی فضیلت کے باعث مفرد لایا گیا ہے اور اس کی اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔ پھر فرمایا: الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ یعنی وہ عورتیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے شادی کا پیغام بھیجا تو میں نے معذوری ظاہر کی جسے آپ ﷺ نے قبول فرمالیا اور یہ آیت اتری۔ میں ان عورتوں میں سے نہ تھی جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی بلکہ میں ان میں سے تھی جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا(1)۔ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہاں وہ عورتیں مراد ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی۔ ایک روایت میں قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اسلام لائیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں وَالّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ہے(1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ...... یعنی اے نبی کریم! اگر کوئی مومنہ عورت اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دے تو اگر آپ کی خواہش ہو تو آپ اس سے بغیر مہر کی ادائیگی کے نکاح کر سکتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں لگاتار دو شرطوں کے ساتھ حکم بیان کیا گیا ہے جیسا کہ اس فرمان میں جس میں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ (ہود: 34) ''اور تمہیں میری خیر خواہی فائدہ نہیں پہنچائے گی اگرچہ میرا ارادہ ہو کہ میں تمہاری خیر خواہی کروں اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دے''۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول میں بھی: يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ (یونس: 84) ''اے میری قوم! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم سچے مسلمان ہو''۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی: یارسول اللہ ﷺ! میں نے خود کو آپ کی نذر کیا، پھر وہ کافی دیر تک کھڑی رہی۔ ایک آدمی اٹھ کر کہنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں تو میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا مہر ادا کرنے کے لئے تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟'' عرض کی کہ اس تہبند کے سوا میرے پاس کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم یہ اسے دے دو گے تو بغیر تہبند کے رہ جاؤ گے، کوئی اور چیز تلاش کرو''۔ اس نے کہا میرے پاس اور کچھ موجود نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو''۔ تلاش بسیار کے باوجود اسے کچھ نہ ملا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟'' اس نے عرض کی: جی ہاں! مجھے فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا تو تمہیں جو قرآن حفظ ہے اسی پر میں نے اس عورت کو تمہارے نکاح میں دے دیا''(2)۔ حضرت ثابت بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ان کی ایک بیٹی بھی ان کے پاس موجود تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ مجھ سے نکاح کرنے کے

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورہ احزاب، جلد 12 صفحہ 89-90، تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 20-21

2۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 17، صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1040-1041

خواہاں ہیں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیٹی کہنے لگی کہ اس عورت میں حیا کس قدر کم تھا! حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ وہ تم سے بہتر تھی۔ حضور ﷺ کے ساتھ ناطہ جوڑنے میں وہ رغبت رکھتی تھی، اس لئے اس نے خود کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا(1)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ کے سامنے اپنی بیٹی کے حسن و جمال کی تعریف کرتے ہوئے کہنے لگی کہ میں چاہتی ہوں آپ اس سے نکاح کر لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے قبول ہے۔ اس کے بعد بھی وہ اپنی بیٹی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتی رہی یہاں تک کہ وہ کہنے لگی کہ میری بیٹی کو نہ کبھی سر میں درد ہوا ہے اور نہ کبھی کسی اور بیماری کی شکایت ہوئی ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تمہاری بیٹی کی کوئی ضرورت نہیں'' (2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس عورت نے خود کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ہبہ کیا وہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کا تعلق قبیلہ بنو سلیم سے تھا اور یہ بہت صالح اور پارسا خاتون تھیں(3)۔ ممکن ہے ام سلیم ہی حضرت خولہ ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی دوسری خاتون ہوں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیرہ عورتوں کے ساتھ نکاح کیا۔ ان میں سے چھ کا تعلق قریش سے تھا: خدیجہ، عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سودہ اور ام سلمہ، تین قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ سے تھیں اور دو قبیلہ بنو ہلال بن عامر سے تھیں۔ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا وہ خاتون ہیں جنہوں نے اپنا نفس حضور ﷺ کو ہبہ کیا تھا، ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہا، ایک عورت جس نے آپ سے پناہ طلب کی تھی، حضرت زینب بنت جحش جن کا تعلق بنو اسد سے تھا، علاوہ ازیں دو کنیزیں تھیں: حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب اور حضرت جویریہ بنت حارث بن عمرو بن مصطلق خزاعیہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس عورت نے خود کو حضور ﷺ کی نذر کیا تھا، وہ میمونہ بنت حارث تھیں لیکن اس روایت میں انقطاع ہے اور یہ مرسل ہے۔ یہ مشہور بات ہے کہ ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ تھیں جن کا تعلق انصار سے تھا اور ان کی وفات حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی ہوئی۔ یہ سب کچھ بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ وہ عورتیں جنہوں نے خود کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا، وہ بہت سی ہیں جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مجھے ان عورتوں پر بہت غیرت آتی تھی جنہوں نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کی خدمت میں ہبہ کر دیا تھا، مجھے تعجب ہوتا کہ کیا عورتیں خود کو ہبہ کرتی ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی: تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ (الاحزاب:51) ''آپ اپنی ازواج میں سے جسے چاہیں دور کر دیں اور جسے چاہیں اپنے پاس رکھیں اور اگر آپ (دوبارہ) طلب کریں جن کو آپ نے علیحدہ کر دیا تھا تو بھی آپ پر کوئی حرج نہیں'' تو میں نے کہا کہ آپ ﷺ کا رب جلد ہی آپ کی خواہش پوری فرماتا ہے(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی ایسی عورت نہ تھی جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہو۔ بقول یونس بن بکیر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ان عورتوں میں سے کسی کو قبول نہ کیا جنہوں نے خود کو حضور ﷺ کی نذر کیا اگرچہ یہ آپ کے لئے مباح اور آپ کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ یہ امر آپ کی مشیت اور مرضی پر موقوف تھا جیسا کہ فرمایا: اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا(5)۔ اس کے بعد فرمایا: خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی یہ بات صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہے، البتہ اگر کوئی شخص مہر ادا کر دے تو اس کے لئے وہ عورت حلال ہوگی جس نے اپنا نفس اسے ہبہ کر دیا ہو۔ مجاہد اور شعبی وغیرہ بھی یہی

1۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد 7 صفحہ 17، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 268
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 155
3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 23
4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ احزاب، جلد 6 صفحہ 147
5۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 23

کہتے ہیں کہ اگر کوئی عورت اپنا نفس کسی مرد کے حوالے کر دے تو دخول کے وقت مرد پر مہر مثل ادا کرنا ضروری ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بروع بنت واشق کے متعلق فیصلہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنا نفس سونپ دیا تھا جب ان کے خاوند کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے لیے مہر مثل کا فیصلہ فرمایا تھا۔ مہر کے اثبات اور اپنے نفس کو سونپنے والی عورت کے متعلق مہر مثل کے واجب کرنے میں موت اور دخول کا حکم یکساں ہے یعنی دونوں سے مہر واجب ہو جاتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اگرچہ آپ ایسی عورت سے دخول بھی کریں تو بھی آپ پر مہر واجب نہیں ہوگا کیونکہ آپ کے لئے بغیر مہر کے، بغیر ولی اور بغیر گواہوں کے نکاح کرنا جائز ہے جیسے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے قصہ میں مذکور ہے۔ قتادہ آیت کے اس حصہ کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ ولی اور مہر کے بغیر اپنا نفس کسی مرد کو ہبہ کر دے سوائے نبی کریم ﷺ کے۔ پھر فرمایا: قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ یعنی ہمیں خوب علم ہے کہ ہم نے اہل ایمان کو چار آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے تک محدود کر دیا ہے، علاوہ ازیں وہ جس قدر چاہیں لونڈیاں رکھ سکتے ہیں، اسی طرح ان پر ولی، مہر اور گواہوں کی شرط عائد کر دی۔ یہ حکم امت کے لئے ہے لیکن اس میں ہم نے آپ ﷺ کو رخصت عطا فرمائی اور یہ پابندیاں آپ پر لاگو نہیں کیں تاکہ آپ پر کوئی تنگی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝

"(آپ کو اختیار ہے) دور کر دیں جس کو چاہیں اپنی ازواج سے اور اپنے پاس رکھیں جس کو آپ چاہیں۔ اور اگر آپ (دوبارہ) طلب کریں جن کو آپ نے علیحدہ کر دیا تھا تب بھی آپ پر کوئی مضائقہ نہیں۔ اس (رخصت) سے پوری توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور وہ آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور سب کی سب خوش رہیں گی جو کچھ آپ انہیں عطا فرمائیں گے۔ اور (اے لوگو!) اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے ان عورتوں پر بہت غیرت آتی جو خود کو حضور ﷺ کی نذر کرتیں۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتیں کہ کیا عورت کو بغیر مہر کے اپنا نفس سپرد کرنے سے شرم نہیں آتی؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عائشہ کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کی مرضی اور خواہش کا بہت خیال ہے(1)۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ان عورتوں میں سے جنہوں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کیا ہے، جنہیں چاہیں الگ کر دیں جنہیں چاہیں آپ قبول کر کے اپنے پاس رکھیں اور جنہیں چاہیں قبول نہ کریں۔ پھر بھی جن عورتوں کو آپ نے قبول نہیں کیا، ان میں آپ کو اختیار حاصل ہے۔ اگر آپ کی خواہش ہو تو آپ انہیں نوازتے ہوئے اپنے پاس لا سکتے ہیں۔ عامر شعبی اس آیت کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ کچھ عورتیں ایسی تھیں جنہوں نے خود کو حضور ﷺ کی نذر کر دیا۔ ان میں سے بعض کو آپ نے شرف صحبت بخشا اور بعض کو مؤخر کر دیا جنہوں نے پھر کسی سے نکاح نہیں کیا۔ حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا ان میں سے تھیں۔ بعض دوسرے حضرات اس آیت کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ آپ کو اپنی بیویوں کے بارے میں اختیار ہے، اگر آپ باری کی تقسیم ترک کر دیں تو بھی آپ پر کوئی مضائقہ نہیں، جسے چاہیں مقدم کریں اور جسے چاہیں مؤخر کریں، جس سے چاہیں ہم بستری کریں اور جس

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 158

سے جاہیں ترک کر دیں۔ اس اختیار کے باوجود حضور ﷺ کا اپنی ازواج طاہرات کے ساتھ سلوک مساویانہ اور عادلانہ تھا، اور آپ ہمیشہ ان میں برابری کی تقسیم کرتے رہے، بعض فقہائے شافعیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ پر تقسیم واجب نہ تھی، ان کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی حضور ﷺ ہم سے اجازت لیا کرتے تھے۔ مجھ سے دریافت فرماتے تو میں کہتی کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر میرے بس میں ہو تو میں آپ کو کسی اور کے پاس نہ جانے دوں (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے مراد تقسیم کا عدم وجوب ہے جبکہ آپ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی پہلی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت ان خواتین کے متعلق اتری جنہوں نے اپنا نفس حضور ﷺ کو ہبہ کر دیا تھا۔ یہاں سے ابن جریر نے اختیار کیا ہے کہ یہ عام آیت ہے جو اپنا نفس ہبہ کرنے والی خواتین اور آپ کی ازواج طاہرات کو شامل ہے۔ اپنا نفس سونپنے والیوں کے بارے میں نکاح کرنے یا نہ کرنے کا آپ کو اختیار حاصل ہے اور ازواج کے بارے میں تقسیم یا عدم تقسیم کا اختیار حاصل ہے۔ ابن جریر کا یہ قول بہت عمدہ اور قوی ہے۔ اس سے احادیث کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے، اس لئے فرمایا: ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ ۔ یعنی جب حضور ﷺ کی ازواج طاہرات یہ جان لیں گی کہ آپ باریوں کے پابند نہ ہونے کے باوجود ان کے ساتھ مساویانہ اور عادلانہ سلوک فرما رہے ہیں تو انہیں اس پر انتہائی مسرت ہوگی، وہ آپ کی ممنون احسان ہوں گی اور عدل و انصاف پر مبنی مساویانہ سلوک کی وہ معترف رہیں گی۔ پھر فرمایا: وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ بخوبی آگاہ ہے کہ تم لوگوں کا اپنی بعض بیویوں کی طرف قلبی میلان زیادہ ہے اور یہ فطری بات ہے اور بس سے باہر ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کے درمیان مساویانہ تقسیم فرماتے اور عدل و انصاف سے پیش آتے تھے اس کے باوجود فرماتے: "اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں اور اس میں مجھ سے مواخذہ نہ کرنا جو تیرے اختیار میں ہے اور میرے بس سے باہر ہے (2)۔ یعنی دل کے معاملہ میں، اس لئے اس کے بعد فرمایا: وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا۔

لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا ﴿۵۲﴾

"حلال نہیں آپ کے لئے دوسری عورتیں اس کے بعد اور نہ اس کی اجازت ہے کہ آپ تبدیل کر لیں ان ازواج سے دوسری بیویاں اگرچہ آپ کو پسند آئے ان کا حسن بجز کنیزوں کے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران ہے"۔

حضرات ابن عباس، مجاہد، ضحاک، قتادہ، ابن زید، ابن جریر اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات نے اختیار ملنے کے بعد دنیا اور اس کی زیب و زینت کی بجائے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور دار آخرت کو پسند کیا اور کاشانہ نبوت میں عسرت اور تنگی کی زندگی کو ترجیح دی تو اس وقت بطور جزا اور رضا کے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اختیار کر لیا تو دنیا میں انہیں یہ بدلا ملا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دے دیا کہ آپ ان کے علاوہ نہ کسی اور عورت سے نکاح کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں چھوڑ کر ان کے بدلے میں دوسری عورتیں اپنے عقد میں لا سکتے ہیں اگرچہ ان کا حسن و جمال آپ کو بہت بھائے بجز کنیزوں اور لونڈیوں کے، ان کے متعلق آپ پر کوئی حرج نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ممانعت اور تنگی ختم کرتے ہوئے اس آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا اور نکاح کی

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الاحزاب، جلد 6 صفحہ 147
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 242، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 144 وغیرہ

اجازت دے دی لیکن پھر آپ ﷺ نے کوئی نکاح نہیں کیا تا کہ آپ ﷺ کا یہ احسان اپنی بیویوں پر رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اور عورتیں حلال کر دی تھیں (1)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کی وفات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کر دیا تھا کہ آپ جس عورت سے چاہیں نکاح کریں سوائے محرم عورتوں کے۔ یہ اجازت اس آیت کے ذریعے ہوئی تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ جو اس آیت سے پہلے گزر چکی ہے، وہ آیت تلاوت میں اپنے بعد والی آیت کے لئے ناسخ ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں عدت وفات کی پہلی آیت بعد والی آیت کے لئے ناسخ ہے۔ بعض دوسرے حضرات اس آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ آیت نمبر پچاس میں عورتوں کی جن اصناف کا ذکر کیا گیا ہے، وہ آپ ﷺ کے لئے حلال ہیں، ان کے سوا اور عورتیں آپ کے حلال نہیں۔ ایک انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اگر حضور ﷺ کی ازواج آپ کی زندگی میں انتقال کر جاتیں تو کیا اور عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی آپ کو اجازت تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ اس سے مانع کون سی چیز ہے؟ میں نے کہا کہ یہ آیت: لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ حضرت ابی فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ... کے ذریعے عورتوں کی وہ اصناف بیان کیں جن کے ساتھ نکاح کرنا آپ ﷺ کے لئے حلال تھا۔ اس کے بعد مذکورہ بالا آیت لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ کے ذریعے ان عورتوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت کر دی جن میں یہ اوصاف نہ ہوں (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے آپ کو مہاجر مومن عورتوں کے سوا دیگر عورتوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت کر دی گئی، ایماندار کنیزیں اور وہ عورتیں بھی آپ کے لئے حلال ہیں جو اپنا نفس حضور ﷺ کو ہبہ کر دیں اور غیر مسلم عورتوں سے نکاح حرام قرار دے دیا، پھر فرمایا: وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ (المائدہ: 5)۔ چنانچہ اس آیت یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ میں عورتوں کی مذکورہ اقسام کے علاوہ اور عورتیں آپ ﷺ کے لئے حرام ہیں (3)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ان کے سوا ہر قسم کی عورتیں حرام ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں، یہودیہ ہوں، نصرانیہ ہوں یا کافرہ (4)۔ ابو صالح کہتے ہیں کہ جن عورتوں سے آپ کو نکاح کی اجازت تھی، ان میں سے اگر آپ سینکڑوں سے نکاح کر لیں تو بھی حلال ہے، ان کے سوا کسی اعرابیہ اور عربیہ سے نکاح کی ممانعت کر دی گئی (5)۔ عکرمہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ان مذکورہ عورتوں کے سوا دیگر عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں۔ ابن جریر کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے جو ان عورتوں کو بھی شامل ہے جو آپ کی زوجیت میں تھیں اور ان عورتوں کو بھی جن کی اصناف پہلے بیان ہوئیں۔ یہ قول بہت عمدہ ہے اور جن لوگوں سے اس کے خلاف مروی ہے شاید ان کی مراد بھی یہی ہو کیونکہ ان میں سے اکثریت سے یہ دونوں قول مروی ہیں اس لئے منافات اور تضاد والی کوئی بات نہیں، پھر ابن جریر نے اپنے اوپر ایک اعتراض اٹھایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی، پھر رجوع کر لیا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے علیحدگی کا عزم کیا یہاں تک کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اپنی باری والے دن سے دستبردار ہو گئیں۔ اعتراض اٹھانے کے بعد امام ابن جریر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ واقعہ اس آیت لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ... کے نزول سے پہلے کا ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے لیکن اس جواب کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ آیت کریمہ اس بات پر

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ احزاب، جلد 12 صفحہ 91، سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 6 صفحہ 56

2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 29

3۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ نساء، جلد 12 صفحہ 90-91

4۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب النکاح، جلد 4،2 صفحہ 269، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 637، تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 30

5۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 29

دلالت کرتی ہے کہ آپ ان عورتوں کے سوا جو آپ کی حرم ہیں، دیگر عورتوں سے نہ نکاح کر سکتے ہیں اور نہ انہیں دوسری عورتوں سے تبدیل کر سکتے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ تبدیل کئے بغیر ان میں سے کسی کو طلاق بھی نہیں دے سکتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا والے قضیہ میں یہ آیت اتری: وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا (النساء: 128) ''اور اگر کوئی عورت خوف کرے اپنے خاوند سے زیادتی یا روگردانی کی وجہ سے تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ وہ آپس میں صلح کر لیں''(1)۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں طلاق دینے کے بعد رجوع کر لیا(2)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو وہ رو رہی تھیں۔ پوچھا: کیوں رو رہی ہو؟ شاید رسول اللہ ﷺ نے تمہیں طلاق دے دی ہے، سنو آپ ﷺ نے میری خاطر رجوع فرمایا ہے اگر آئندہ ایسی نوبت ہوئی تو میں تم سے کبھی بھی کلام نہیں کروں گا(3)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان وَلَا أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ کے ذریعے آپ ﷺ کو ان ازواج پر اضافہ کرنے اور ان کے بدلے میں دوسری بیویاں لانے سے منع فرما دیا بجز کنیزوں کے، یہ آپ ﷺ کے لئے حلال ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں تبدیل کرنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دو آدمی اپنی بیویوں کا تبادلہ کرتے۔ ایک اپنی بیوی دوسرے کو دے دیتا اور دوسرا اپنی بیوی اس کے حوالے کر دیتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ عیینہ بن حصن فزاری بغیر اجازت لئے حضور ﷺ کے پاس اندر داخل ہو گیا۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس موجود تھیں، آپ نے اسے فرمایا کہ تم نے اجازت کیوں نہیں طلب کی؟ وہ کہنے لگا کہ میں نے قبیلہ مضر کے کسی شخص سے کبھی اجازت نہیں مانگی، پھر وہ پوچھنے لگا کہ یہ آپ کے پاس کون بیٹھی ہوئی تھیں؟ فرمایا کہ یہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ کہنے لگا کہ کیا میں آپ کے حق میں اپنی خوبصورت بیوی سے دستبردار نہ ہو جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عیینہ! اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے''۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ احمق سردار ہے اور اپنی حماقت کے باوجود اپنی قوم کا سردار ہے''(4)۔ اس کا ایک راوی اسحاق بن عبداللہ نہایت ادنیٰ درجے کا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ
إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ
ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ
مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ
أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ
عَظِيمًا ﴿٥٣﴾ إِن تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٥٤﴾

1۔ سنن ابی داود، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 242-243، مستدرک حاکم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 186 وغیرہ

2۔ سنن ابی داود، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 285، سنن نسائی، جلد 6 صفحہ 213 وغیرہ

3۔ مسند ابی یعلی، جلد 1 صفحہ 115

4۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 65-66

"اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم کے گھروں میں بجز اس (صورت) کے کہ تم کو کھانے کیلئے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو۔ لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے آؤ پس جب کھانا کھا چکو تو فورا منتشر ہو جاؤ۔ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے کے لئے باتیں شروع کر دیا کرو۔ تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبی کے لئے تکلیف کا باعث بنتی ہیں پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں (اور چپ رہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کسی کی شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں۔ اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز تو مانگو پس پردہ ہو کر۔ یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لئے نیز ان کے دلوں کے لئے۔ اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ تم نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی۔ بے شک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔ چاہے تم کسی بات کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ یقینا اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے"۔

یہ پردے کی آیت ہے، اس میں بہت سے شرعی احکام اور آداب کا بیان ہے۔ یہ ان آیات میں سے ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق نازل ہوئیں جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو میں نے کہیں اور ان کے موافق اللہ تعالیٰ نے احکام نازل فرمائے۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالیں تو کیا ہی بہتر ہے۔ اس پر یہ آیت اتری: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (البقرۃ:125) "اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز بنالو"۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! مجھے یہ پسند نہیں کہ ہر نیک و بد کو آپ کی ازواج کے پاس آنے کی اجازت ہو۔ اگر آپ انہیں پردے کا حکم دے دیں تو اچھا ہے۔ اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔ جب حضور ﷺ کی ازواج نے غیرت کی وجہ سے محاذ بنالیا تو میں نے کہا: عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ (التحریم:5) چنانچہ اسی طرح سورۂ تحریم میں یہ آیت اتری۔(1) مسلم کی روایت میں اسیران بدر والا قضیہ بھی مذکور ہے، یہ چوتھی موافقت ہے۔ اس آیت کا نزول ذوالقعدہ ۵ھ میں اس صبح کو ہوا جب اللہ تعالیٰ نے بذات خود رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کیا۔ ابوعبیدہ معمر بن مثنی اور خلیفہ بن خیاط کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ۳ھ کا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لیا تو آپ نے دعوت ولیمہ کی۔ خورونوش کے بعد لوگ وہیں بیٹھے باتیں کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن اس کے باوجود وہ نہ اٹھے۔ آخر کار آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ بہت سے لوگ اٹھ کر چلے گئے لیکن تین اشخاص پھر بھی بیٹھے رہے۔ آپ ﷺ نے واپس آکر دیکھا تو یہ ابھی تک وہاں ہی موجود تھے، آپ پھر لوٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ لوگ چلے گئے تو میں نے نبی کریم ﷺ کو آگاہ کیا۔ اب آپ گھر تشریف لے گئے۔ میں نے بھی اندر جانا چاہا لیکن آپ نے اپنے اور میرے درمیان پردہ کروا دیا۔ اس وقت یہ آیت اتری(2)۔ ایک اور روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کے موقعہ پر دعوت ولیمہ میں گوشت روٹی کا انتظام کیا۔ آپ نے مجھے لوگوں کو بلانے کے لئے کہا۔ جو کوئی مجھے ملتا، میں اسے دعوت دے دیتا، لوگ آتے اور کھا کر چلے جاتے یہاں تک کہ مجھے کوئی ایسا آدمی نہ ملا جسے میں دعوت دیتا۔ میں نے عرض: یارسول اللہ

1۔ فتح الباری، کتاب الصلوۃ جلد 1 صفحہ 504۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ: 1864-1865، وغیرہ

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الاحزاب، جلد 6 صفحہ 149۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1050، وغیرہ

ﷺ! اب مجھے کوئی ایسا شخص دکھائی نہیں دیتا جس نے دعوت میں شرکت نہ کی ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دستر خوان اٹھا دو۔ سب لوگ چلے گئے۔ صرف تین آدمی گھر میں بیٹھے مصروف گفتگو ہے۔ نبی کریم ﷺ وہاں سے نکل کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لائے اور فرمایا: ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کی: ''وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ'' پھر دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اپنی اہل کو کیسا پایا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو برکت دے! پھر آپ باری باری اپنی ازواج کے حجروں میں تشریف لے گئے اور اسی طرح انہیں سلام کیا جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیا تھا اور سب نے وہی بات کی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کی تھی۔ پھر آپ ﷺ واپس لوٹے تو وہ تینوں اشخاص ابھی تک باتوں میں مصروف تھے۔ چونکہ آپ بہت حیا والے تھے اس لئے آپ نے انہیں کچھ نہ کہا۔ اب آپ ایک مرتبہ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف جانے لگے۔ اب معلوم نہیں کہ میں نے آپ کو خبر دی یا آپ کو خبر دی گئی کہ لوگ چلے گئے ہیں تو آپ واپس لوٹے۔ آپ نے اندر جانے کے لئے دہلیز میں قدم رکھا، ایک پاؤں اندر تھا اور ایک باہر کہ آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ کروا دیا۔ اس وقت آیت حجاب نازل ہوئی(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضور ﷺ کے کسی نکاح کے موقعہ پر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے مالیدہ تیار کر کے برتن میں ڈالا اور مجھے کہا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ، میری طرف سے آپ کو سلام عرض کرنا اور کہہ دینا کہ یہ ہماری طرف سے حقیر سا نذرانہ قبول فرمائیں۔ اس وقت لوگ تنگدستی کا شکار تھے۔ میں نے اسے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ میری والدہ محترمہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، وہ آپ کو سلام عرض کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہماری طرف سے یہ حقیر سا تحفہ قبول فرمائیں۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھا اور فرمایا کہ اسے رکھ دو۔ میں نے گھر کے کونے میں اسے رکھ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ فلاں فلاں کو بلا لاؤ۔ آپ نے بہت سے لوگوں کے نام لئے، پھر فرمایا کہ ان کے علاوہ جو بھی مسلمان ملے اسے دعوت دے دینا۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ میں نے واپس آ کر دیکھا تو تمام گھر لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ یہ تقریباً تین سو افراد تھے۔ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا کہ مالیدہ لاؤ۔ میں اسے لے آیا تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ میں لیا اور دعا کی جو اللہ نے چاہی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ دس دس آدمی حلقہ بنا کر بیٹھتے جائیں اور بسم اللہ پڑھ کر اپنے سامنے سے کھانا شروع کریں۔ چنانچہ مسلمان آتے رہے اور بسم اللہ پڑھ کر کھاتے رہے یہاں تک کہ تمام لوگ فارغ ہو گئے۔ اب رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ برتن اٹھا لو۔ جب میں نے برتن اٹھایا تو میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ جب میں نے برتن رکھا تھا تو اس وقت اس میں کھانا زیادہ تھا یا اب جب میں نے اسے اٹھایا۔ کچھ لوگ آپ ﷺ کے گھر بیٹھے بات چیت میں مصروف رہے۔ ام المومنین جن سے آپ کی شادی ہوئی تھی، وہ دیوار کی طرف منہ پھیرے بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کا دیر تک محو گفتگو رہنا آپ کو ناگوار گزر رہا تھا۔ چونکہ آپ بہت حیا والے تھے اس لئے آپ نے ان سے کچھ نہیں کہا، اگر انہیں معلوم ہو جاتا تو وہ نکل جاتے۔ چنانچہ آپ ﷺ باری باری اپنی ازواج کے حجروں میں تشریف لے گئے اور انہیں سلام فرمایا۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو ان لوگوں کو یہ محسوس کر کے بڑی ندامت ہوئی کہ ان کا بیٹھنا آپ ﷺ پر شاق گزر رہا ہے۔ چنانچہ وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ اندر تشریف لے گئے۔ میں حجرہ میں ہی تھا کہ آپ نے پردہ لٹکا دیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد یہ آیت حجاب نازل ہوئی اور آپ اس کی تلاوت کرتے ہوئے باہر نکلے۔ سب سے پہلے عورتوں نے اس آیت کو سنا اور میں تو ان سے بھی

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 6 صفحہ 149

پہلے سن چکا تھا(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت گزر چکی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت گزر جانے کے بعد حضور ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف شادی کا پیغام دے کر بھیجا تھا۔ یہ حدیث اس آیت فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا (الاحزاب: 37) کی تفسیر کے تحت گزر چکی ہے۔ بعض روایات میں اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ اس کے بعد لوگوں کو نصیحت کی گئی(2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج رات کو قضائے حاجت کے لئے جنگل کو جایا کرتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ چیز ناگوار گزرتی تھی۔ آپ رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتے کہ اپنی ازواج کو پردہ کروائیں اور اس طرح باہر نہ جانے دیں لیکن آپ ﷺ منع نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا باہر نکلیں، وہ دراز قد خاتون تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خواہش کے پیش نظر کہ پردہ کا حکم نازل ہو جائے، بآواز بلند کہا کہ اے سودہ! ہم نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ اس وقت پردے کا حکم نازل ہوا(3)۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ واقعہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حجاب کے حکم کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لئے نکلیں۔ چونکہ وہ دراز قد تھیں اس لئے ہر دیکھنے والا انہیں پہچان لیتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ کر کہا: اے سودہ! تم ہماری نظروں سے پوشیدہ نہیں، ذرا دیکھو تم اس طرح کیسے باہر نکلنا گوارہ کرتی ہو۔ حضرت سودہ فرماتی ہیں کہ میں اسی وقت گھر کو چلی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ رات کا کھانا کھا رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں ہڈی تھی۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں قضائے حاجت کے لئے باہر گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ یہ مجھے کہا۔ اس وقت جبکہ ہڈی آپ کے ہاتھ میں ہی تھی، آپ پر وحی نازل ہوئی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی حاجت کے لئے تمہیں باہر جانے کی اجازت ہے(4)۔ اس آیت کریمہ میں مومنوں کو رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے سے منع کر دیا گیا جیسا کہ زمانہ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں لوگوں کا دستور تھا کہ وہ بغیر اذن لئے یونہی گھروں میں گھس آتے تھے لیکن اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی غیرت کو یہ بات قابل برداشت نہ تھی اس لئے اس امت کے اکرام کی خاطر یہ حکم نازل فرمایا، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عورتوں کے پاس جانے سے اجتناب کرو"(5)۔ پھر اس حکم سے استثناء کرتے ہوئے فرمایا: اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ۔ یعنی کھانا پکنے اور دسترخوان پر لگنے کا انتظار نہ کرو یعنی کھانے کی تاک میں نہ رہو اور ایسا نہ ہو کہ کھانا چنے جانے کے وقت تم اندر جانے کے لئے پر تولنے لگو۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ یہ طفیلی (بن بلایا مہمان) بننے کی حرمت پر دلیل ہے۔ خطیب بغدادی نے طفیلیوں کی مذمت میں ایک کتاب لکھی ہے اور ان کے متعلق بہت کچھ تحریر کیا ہے جسے یہاں ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا، پھر فرمایا: وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو دعوت دے تو اسے ضرور قبول کر لینی چاہئے، خواہ دعوت ولیمہ ہو یا کوئی اور"(6)۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر مجھے دستی کے گوشت کی دعوت دی جائے تو میں ضرور قبول کروں اور اگر مجھے پائے تحفہ میں دیئے جائیں تو انہیں بھی ضرور قبول کر لوں۔ جب تم دعوت سے فارغ ہو جاؤ تو (میزبان کے) اہل خانہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1051-1052، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 12 صفحہ 92-94 وغیرہ

2۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1048-1049، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 195-196

3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 39

4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 6 صفحہ 149، صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1709 وغیرہ

5۔ فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9 صفحہ 330، صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1711

6۔ فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9 صفحہ 240، صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 1053

سے فوراً رخصت ہو کر زمین میں بکھر جاؤ"(1)۔ اس لئے فرمایا: وَلَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ یعنی باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو جیسا کہ ان تین افراد نے حضور ﷺ کے گھر میں کیا تھا اور اس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوئی لیکن شرم و حیاء کے باعث آپ خاموش رہے۔ بعض نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تمہارا اجازت کے بغیر حضور ﷺ کے گھر میں داخل ہونا آپ پر شاق گزرتا ہے اور اس سے آپ کو اذیت پہنچتی ہے لیکن شدت حیا کے باعث انہیں منع کرنا آپ ﷺ کو پسند نہ تھا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا: وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِ مِنَ الْحَقِّ یعنی اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے شرم نہیں کرتا، اسی لئے اس چیز سے منع فرمادیا۔ پھر فرمایا: وَإِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا ۔ یعنی جس طرح حضور ﷺ کی ازواج طاہرات کے پاس جانا تمہارے لئے ممنوع ہے، اسی طرح ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی حرام ہے۔ اگر کسی ضرورت کے پیش نظر تمہیں ان کے ہاں جانا پڑے یا کوئی چیز لینی دینی ہو تو پس پردہ ہونا چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مالیدہ کھا رہی تھی۔ اسی اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو آپ ﷺ نے انہیں دعوت دی، وہ بھی کھانے میں شریک ہو گئے۔ کھاتے ہوئے ان کی انگلیاں میری انگلیوں کے ساتھ لگ گئیں تو وہ بے ساختہ کہنے لگے کہ اگر میری بات مان لی جاتی اور پردے کا حکم دے دیا جاتا تو تم "امہات المومنین" پر کسی کی نگاہ بھی نہ پڑتی۔ اس وقت پردے کا حکم نازل ہوا(2)۔ اس کے بعد پردے کی افادیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ یعنی پردے کا یہ حکم مرد و زن سب کے دلوں کی پاکیزگی کا سبب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ فرمان وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوْا ... اس شخص کے متعلق نازل ہوا جس نے آپ ﷺ کے بعد آپ کی کسی زوجہ محترمہ سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اس کا یہ ارادہ تھا(3) لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دے دیا، اس لئے تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج طاہرات سے نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ وہ دنیا و آخرت میں آپ ﷺ کی ازواج اور مومنوں کی مائیں ہیں لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جس بیوی کو آپ ﷺ نے اپنے کاشانۂ اقدس میں آباد کرنے کے بعد اپنی زندگی میں طلاق دے دی تو کیا اس کے ساتھ کوئی اور نکاح کر سکتا ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ یہ اختلاف پیش آنے کا سبب یہ ہے کہ کیا یہ بات مِنْۢ بَعْدِهٖۤ کے عموم میں داخل ہے یا نہیں؟ البتہ وہ عورت جسے آپ ﷺ نے دخول سے پہلے طلاق دے دی، اس کے ساتھ کسی اور کے نکاح میں کوئی ممانعت نہیں۔ قیلہ بنت اشعث بن قیس نبی کریم ﷺ کی ملکیت میں آ گئی تھی۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ چیز بہت ناگوار گزری لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سمجھایا کہ اے خلیفہ رسول! یہ آپ ﷺ کی بیوی نہ تھی، نہ اسے آپ ﷺ نے اختیار دیا اور نہ ہی اسے پردہ کا حکم دیا، اور اس کی قوم کی ردت کے ساتھ اس کی ردت کے باعث اللہ تعالیٰ نے اسے حضور ﷺ سے بری کر دیا۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مطمئن ہو گئے(4)۔ اللہ تعالیٰ نے سختی سے ان دونوں چیزوں یعنی آپ ﷺ کو اذیت دینا اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد امہات المومنین سے نکاح کرنے کی حرمت اور ان کے گناہ کبیرہ ہونے کی بابت خبر دیتے ہوئے فرمایا: إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۔ پھر فرمایا: إِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوْهُ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے سینوں میں پوشیدہ بھیدوں، دلوں میں چھپی ہوئی باتوں اور تمہاری آنکھوں کی خیانت سے بھی بخوبی آگاہ ہے۔

1۔ فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9 صفحہ 246
2۔ سنن نسائی، کتاب التفسیر، جلد 12 صفحہ 295، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 640-641
3۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 643
4۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 41

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿55﴾

"کوئی حرج نہیں ان پر اگر ان کے سامنے آئیں ان کے باپ، ان کے بیٹے، ان کے بھائی، ان کے بھتیجے اور ان کے بھانجے اسی طرح مسلمان عورتوں اور لونڈیوں کی آمد و رفت پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ (اے عورتو!) ڈرا کرو اللہ (کی نافرمانی) سے، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے"۔

اجنبی مردوں سے پردہ کرنے کے حکم کے بعد اس آیت کریمہ میں ان قریبی رشتہ داروں کا بیان ہو رہا ہے جن سے پردہ ضروری نہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ سورۂ نور میں استثناء کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ ... اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَآءِ (النور: 31)۔ اس آیت میں مذکورہ بالا آیت کی نسبت کچھ اضافہ ہے۔ اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ ان دونوں آیتوں میں چچا اور ماموں کا ذکر بقول عکرمہ اور شعبی اس لئے نہیں ہوا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کے سامنے ان کے اوصاف بیان کریں۔ یہ دونوں حضرات چچا اور ماموں کے سامنے عورت کا دوپٹہ اتارنا مکروہ قرار دیتے تھے(1)۔ اس فرمان وَلَا نِسَآئِهِنَّ سے مراد مومنہ عورتیں ہیں یعنی ان سے بھی کوئی پردہ نہیں اور وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ سے مراد لونڈی غلام ہیں جیسا کہ اس کا بیان اور اس کے متعلق حدیث گزر چکی ہے(2)۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف لونڈیاں ہیں۔ فرمایا: وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ یعنی جلوت اور خلوت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہا کرو کیونکہ وہ ہر چیز پر گواہ ہے اور کوئی چیز اس سے مخفی نہیں، وراس بہ مدان اور بے مدین خدا کا لحاظ رکھو۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿56﴾

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم پر۔ اے ایمان والو تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب و محبت سے) سلام عرض کیا کرو"۔

بخاری شریف میں حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلاۃ (درود) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی بھری محفل میں اپنے محبوب کریم ﷺ کی تعریف و ثنا کرتا ہے اور فرشتوں کی صلاۃ آپ کے لئے دعا کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کا مطلب بتاتے ہیں کہ وہ برکت کی دعا کرتے ہیں(3)۔ بہت سے اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے رحمت اور اگر اس کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو اس سے استغفار مراد لیا جاتا ہے(4)۔ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ "سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ غَضَبِيْ" ہے یعنی میں انتہائی پاک اور مقدس ہوں، میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ اس آیت سے مقصود بندوں کو حضور نبی کریم ﷺ کے مقام و مرتبہ پر آگاہ کرنا مقصود ہے کہ عالم بالا میں اللہ تعالیٰ مقرب فرشتوں کے سامنے آپ ﷺ کی تعریف و توصیف فرماتا ہے اور ان گنت فرشتے آپ کی جناب میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ عالم بالا کی خبر دینے کے بعد اب اہل زمین کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ بھی آپ ﷺ کی خدمت میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کریں تاکہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 42
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نور: 31
3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ احزاب، جلد 6 صفحہ 532
4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الوتر، جلد 2 صفحہ 271

عالم علوی اور عالم سفلی کے مکینوں کا اس پر اجتماع ہو جائے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا آپ کا رب آپ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا دی کہ ان لوگوں کو جواب دو کہ نہ صرف میں بلکہ میرے فرشتے بھی میرے انبیاء و رسل پر درود بھیجتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اور مقامات پر یہ بھی خبر دی ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں پر بھی صلوٰۃ بھیجتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۙ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ (الاحزاب: 43-41) ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کیا کرو اللہ وہ ہے جو تم پر رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی''۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ (البقرۃ: 157-155) ''اور خوشخبری سنا دیجئے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں بے شک ہم صرف اللہ ہی کے لئے ہیں اور یقیناً ہم اسی طرف لوٹنے والے ہیں، یہی ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں ہیں''۔ حدیث شریف میں ہے: ''اللہ تعالیٰ اور فرشتے صفوں کے دائیں طرف والوں پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔(1)'' ایک اور حدیث میں یہ دعا مروی ہے: ''اے اللہ! آل ابی اوفیٰ پر اپنی صلوٰۃ (رحمت) نازل فرما''(2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ مجھ پر اور میرے خاوند پر صلوٰۃ بھیجیں تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تم پر اور تمہارے خاوند پر صلوٰۃ (رحمت) نازل فرمائے!''(3)۔ احادیث متواترہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کا حکم اور اس کی کیفیت بیان ہوئی ہے، ان میں سے ہم چند احادیث یہاں بیان کرتے ہیں۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں آپ پر سلام بھیجنے کا تو علم ہے لیکن یہ فرمایئے کہ صلوٰۃ کی کیا کیفیت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہا کرو! ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ''(4) ابن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے کہ کیا میں تمہیں ہدیہ نہ دوں؟ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے لیکن صلوٰۃ کا طریقہ بتلایئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہا کرو: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ ... اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ''(5)۔ یہ روایت متعدد کتب احادیث میں متعدد اسناد سے مروی ہے۔ بعض روایات میں ''وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ'' کے الفاظ ہیں اور بعض میں نہیں۔ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ تو آخر میں ''وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ'' بھی کہا کرتے تھے۔ ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ موجود ہے(6)۔ صحابہ کرام نے جس سلام کے معلوم ہونے کی بات کی تھی اس سے مراد تشہد اور التحیات والا سلام ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ'' ہے۔ حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ تشہد اور التحیات قرآن کریم کی سورت کی مثل سکھایا کرتے تھے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں درود کے یہ الفاظ مذکور ہیں: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ''(7) یزید بن الہاد کی روایت میں ہے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 181، سنن ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 321
2۔ صحیح بخاری، جلد 8 صفحہ 95، صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، جلد 2 صفحہ 257-256
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 89-88 وغیرہ
4۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 152
5۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 241
6۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الوتر، جلد 2 صفحہ 269-268
7۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الاحزاب، جلد 6 صفحہ 151

الفاظ ہیں: ''كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ'' (1)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ کے استفسار پر حضور علیہ السلام نے درود کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ یہ کہا کرو! ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ'' (2)۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم اس وقت حضرت سعد بن عبادہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بشیر بن سعد نے عرض کی کہ یا رسول اللہ علیہ السلام! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر درود بھیجنے کا حکم فرمایا ہے، آپ ہمیں اس کا طریقہ سکھا دیں؟ آپ نے اس قدر سکوت اختیار فرمایا کہ ہم تمنا کرتے لگے کہ کاش آپ سے سوال نہ کیا جاتا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ کہا کرو! اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِى الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اور سلام وہی ہے جو تمہیں معلوم ہے'' (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم اپنی نماز میں کس طرح آپ پر درود بھیجیں تو آپ علیہ السلام نے یہ درود تعلیم فرمایا (4)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آخری تشہد میں درود شریف پڑھنا ضروری ہے اگر کسی نے اسے ترک کر دیا تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ بعض متاخرین نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ میں رد کرتے ہوئے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ ان کا انفرادی موقف ہے اور اس کے خلاف اجماع ہے لیکن یہ قول اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے خلاف اجماع کا دعویٰ کرنا حقیقت سے دور اور لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ متعدد روایات میں درود و سلام کا وجوب مروی ہے اور آیت کریمہ میں بھی امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ صحابہ کرام میں سے حضرات ابن مسعود، ابو مسعود بدری اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حضرات شعبی، ابوجعفر باقر اور مقاتل بن حیان اور شوافع کا یہی موقف ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا آخری قول یہی ہے جیسا کہ ابوزرعہ دمشقی نے آپ سے نقل کیا ہے، اسحاق بن راہویہ اور فقیہ امام محمد بن ابراہیم کا بھی یہی مذہب ہے یہاں تک کہ بعض حنبلی ائمہ کا کہنا ہے کہ نماز میں آپ علیہ السلام پر درود پڑھتے ہوئے کم از کم علیہ السلام کہنا ضروری ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کو تعلیم دی اور ہمارے بعض ساتھیوں نے تو آپ علیہ السلام کی آل پر بھی درود بھیجنا واجب قرار دیا ہے۔ بندنیجی، حلیم رازی اور نصر بن ابراہیم مقدسی نے اسے نقل کیا ہے۔ امام الحرمین اور امام غزالی نے امام شافعی سے یہ ایک قول بیان کیا ہے۔ لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں اور انہوں نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا ہے۔ اور آپ کی آل پر درود کا وجوب حدیث کے ظاہری الفاظ سے ثابت ہوتا ہے، الغرض امام شافعی کے نزدیک نماز میں حضور علیہ السلام پر درود بھیجنا واجب ہے۔ سلف و خلف میں اور ائمہ بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم نوا ہیں اور اس مسئلہ میں اس قول کے خلاف کوئی اجماع نہیں، اس کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جس کے راوی حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنی نماز میں دعا کرتے وقت نہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور نہ نبی کریم علیہ السلام پر درود بھیجا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نے بہت جلدی کی، پھر آپ علیہ السلام نے اسے بلا کر فرمایا یا کسی اور سے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے پھر نبی کریم علیہ السلام پر درود بھیجے، پھر جو

1۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ احزاب، جلد 6 صفحہ 151؛ سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 3 صفحہ 49 وغیرہ
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 424
3۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 305؛ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 258 وغیرہ
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 258، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 119 وغیرہ

چاہے دعا کرے"(1)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں۔ جو بسم اللہ نہ پڑھے، اس کا وضو نہیں، جو نبی ﷺ پر درود نہ بھیجے اس کی نماز نہیں اور جو انصار سے محبت نہ رکھے اس کی بھی نماز نہیں"(2)۔ اس کا ایک راوی عبدالمہیمن متروک ہے، طبرانی میں یہ روایت اس کے بھائی ابی بن عباس سے مروی ہے لیکن یہ بھی محل نظر ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں آپ پر سلام بھیجنے کی کیفیت تو معلوم ہے لیکن ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ کہا کرو! اللھم اجعل صلواتك ورحمتك وبركاتك على محمد وعلى آل محمد كما جعلتها على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد"(3) حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو اس دعا کی تعلیم دیتے تھے: "اللهم داحي المدحوات وبارئ المسموكات وجبار القلوب على فطرتها شقيها وسعيدها، اجعل شرائف صلواتك ونوامي بركاتك ورأفة تحننك وفضائل آلائك على محمد عبدك ورسولك الفاتح لما اغلق والخاتم لما سبق والمعلن الحق بالحق والدامغ لجيشات الاباطيل كما حمل فاضطلع بامرك لطاعتك مستوفزا في مرضاتك غير نكل في قدم ولا واه في عزم واعيا لوحيك حافظا لعهدك ماضيا على نفاذ امرك حتى اورى قبسا لقابس، آلاء الله تصل باهله اسبابه، به هديت القلوب بعد خوضات الفتن والاثم وابهج موضحات الاعلام ونائرات الاحكام ومنيرات الاسلام فهو امينك المامون وخازن علمك المخزون وشهيدك يوم الدين وبعيثك نعمة ورسولك بالحق رحمة - اللهم افسح له في عدنك واجزه مضاعفات الخير من فضلك له مهنات غير مكدرات من فوز ثوابك المعلول وجزيل عطائك المجمول، اللهم اعل على بناء الناس بناءه واكرم مثواه لديك ونزله واتمم له نوره واجزه من ابتعاثك له مقبول الشهادة مرضي المقالة ذا منطق عدل وخطة فصل وحجة وبرهان عظيم"(4)۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشہور دعا ہے۔ ابن قتیبہ نے مشکل القرآن میں اور اسی طرح ابوالحسین احمد بن فارس اللغوی نے اس پر گفتگو کی ہے لیکن اس کی سند محل نظر ہے۔ اس کا راوی سلامہ کندی غیر معروف ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات ثابت نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجو تو بہت عمدہ طریقے سے درود بھیجو، بہت ممکن ہے کہ تمہارا یہ درود حضور ﷺ پر پیش کیا جائے۔ لوگوں کی فرمائش پر آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ درود سکھایا: "اللهم اجعل صلواتك ورحمتك وبركاتك على سيد المرسلين وامام المتقين وخاتم النبيين محمد عبدك ورسولك امام الخير وقائد الخير ورسول الرحمة اللهم ابعثه مقاما محمودا يغبطه الاولون والآخرون" یعنی اے اللہ! اپنے بندے اور رسول سید المرسلین، امام المتقین، خاتم النبیین، امام خیر، قائد خیر اور رسول رحمت حضرت محمد ﷺ پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما۔ اے اللہ! آپ کو مقام محمود پر فائز فرما جس پر اگلے اور پچھلے تمام لوگ آپ پر رشک کریں۔ اس کے بعد نماز والا درود شریف "اللهم صل على محمد ..." بتایا(5)۔ یہ روایت موقوف ہے۔ یونس بن حباب نے فارس میں اپنے خطبہ کے دوران اس آیت ان الله وملائكته يصلون کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 77، مسند احمد، جلد 6 صفحہ 18 وغیرہ 2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 140

3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 353

4۔ کتاب الشفاء از قاضی عیاض، جلد 2 صفحہ 643-644، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 163-164، شرح البلاغۃ خطبہ 70 صفحہ 80-81

5۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 293-294

روایت کرتے ہوئے ایک شخص نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے صحابہ کے استفسار پر اس طرح درود سکھایا: "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّ آلَ مُحَمَّدٍ کَمَا رَحِمْتَ آلَ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ، وَ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَآلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ" (1)۔ اس حدیث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کے لئے رحم کی دعا جائز ہے۔ جمہور کا یہی مسلک ہے۔ اس کی تائید ایک اعرابی والی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں اس نے دعا مانگتے ہوئے کہا تھا: "اے اللہ! مجھ پر اور محمد (ﷺ) پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ کرنا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے انتہائی فراخ چیز کو تنگ کر دیا (2)۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور مالکیہ سے اس کی ممانعت کا قول نقل کیا ہے جبکہ ابو محمد بن ابی زید نے اسے جائز قرار دیا ہے (3)۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "جب تک کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا رہتا ہے اس وقت تک فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔" اب یہ بندے کا اختیار ہے چاہے تو وہ اس میں کمی کرے یا اسے کثرت سے پڑھے (4)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے قریب وہ ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھا کرتا تھا" (5)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ جو بندہ مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرمائے گا"۔ یہ سن کر ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اپنا آدھا وقت درود شریف کے لئے نہ وقف کر دوں؟ فرمایا: "اگر تمہاری مرضی ہو۔" اس نے پھر عرض کی کیا میں اپنا دو تہائی وقت درود شریف میں نہ صرف کیا کروں؟ فرمایا: "جیسے تمہاری مرضی"۔ اس نے پھر عرض کی کہ کیا میں اپنا تمام وقت درود شریف کے لئے مخصوص نہ کر دوں؟ فرمایا: "پھر تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا و آخرت کے غم و اندوہ سے نجات عطا فرما دے گا" (6)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آدھی رات کو باہر نکلتے اور فرماتے: "تھرتھرا دینے والی (قیامت) آ گئی جس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہے، موت اپنی سختیوں سمیت آ گئی"۔ میں نے ایک مرتبہ عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں رات کے وقت نماز پڑھتا ہوں، کیا میں اس کا تہائی حصہ آپ پر درود شریف پڑھنے کے لئے خاص کر دوں؟ فرمایا: "آدھا حصہ۔" میں نے عرض کی کہ کیا میں اس کا نصف حصہ آپ پر درود شریف پڑھتا رہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "دو تہائی" میں نے عرض کی کہ کیا میں اپنا یہ تمام وقت درود شریف کے لئے وقف کر دوں؟ فرمایا: پھر تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہ بخش دے گا" (7)۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ جب دو تہائی رات گزر جاتی تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوتے اور فرماتے: "اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، کپکپا دینے والی آ گئی جس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہے، موت اپنی سختیوں کے ساتھ آ گئی، موت اپنی آفات سمیت آ پہنچی"۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں، یہ فرمایئے کہ میں اس کے لئے کتنا وقت صرف کروں؟ فرمایا: جس قدر چاہو، میں نے عرض کی: ایک چوتھائی فرمایا: جتنی مرضی ہو، اگر زیادہ ہو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے کہا: نصف۔ فرمایا: جیسے چاہو اور اگر اس پر اضافہ ہو سکے تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کی:

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 43-44
2۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 11
3۔ کتاب الشفاء، جلد 2 صفحہ 249
4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 294، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 445
5۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 2 صفحہ 608 ابواب الوتر
6۔ کتاب الشفاء، از قاضی عیاض
7۔ کتاب الشفاء

دو تہائی۔ فرمایا: جیسے تمہاری مرضی لیکن اس پر بھی اگر زیادہ ہو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں اپنا تمام وقت اس کے لئے خاص کرتا ہوں۔ فرمایا: ''پھر تو تمہارے مصائب ختم ہو جائیں گے اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے'' (1)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ پھر تو اللہ تعالیٰ تمہاری دنیا و آخرت کی تمام مشکلیں آسان کر دے گا (2)۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ باہر نکلے، میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا۔ آپ کھجوروں کے ایک باغ میں داخل ہوئے اور وہاں سجدہ ریز ہو گئے، آپ نے اس قدر طویل سجدہ کیا کہ مجھے یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں آپ کی روح پرواز نہ کر گئی ہو۔ میں آپ کو دیکھنے کے لئے قریب ہوا تو آپ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: ''اے عبدالرحمن! کیا بات ہے؟'' میں نے آپ کو اپنے اس خدشہ سے آگاہ کر دیا جو میرے دل میں پیدا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو شخص آپ پر درود بھیجے گا، میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا میں بھی اس پر سلام بھیجوں گا'' (3)۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ حضور ﷺ نے جب کافی دیر تک سجدہ سے سر نہ اٹھایا تو میں قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا کون ہے؟ میں نے عرض کی: عبدالرحمن۔ فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اس قدر لمبا سجدہ کیا کہ مجھے آپ کی روح کے پرواز کر جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل مجھے یہ بشارت دینے کے لئے آئے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو آپ پر صلوٰۃ بھیجے گا میں بھی اس پر صلوٰۃ (رحمت) بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں بھی اس پر سلام بھیجوں گا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ کیا'' (4)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لئے باہر نکلے۔ آپ کے ساتھ جانے کے لئے کوئی نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پانی کا کوزہ لئے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ باہر جا کر دیکھا کہ آپ ایک وادی میں سربسجود ہیں۔ وہ کچھ دور ہٹ کر پیچھے کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور فرمایا: ''اے عمر! تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھے سجدہ میں دیکھ کر مجھ سے دور ہٹ گئے۔ جبریل میرے پاس یہ پیغام لائے تھے کہ آپ کا جو امتی آپ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کے دس درجات بلند کر دے گا'' (5)۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ صحابہ کے پاس تشریف لائے۔ رخ انور پر خوشی اور مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آج تو چہرہ مبارک خوشی سے تاباں ہے۔ فرمایا: ''میرے پاس فرشتہ آیا اور اس نے مجھے کہا: کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ آپ کا جو امتی آپ پر ایک بار درود پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھے گا اور آپ کا جو امتی آپ پر ایک بار سلام پڑھے گا، اللہ تعالیٰ دس بار اس پر سلام بھیجے گا۔ میں نے جواب دیا کہ میں اس نوازش پر از حد خوش ہوں'' (6)۔ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اس قدر خوش تھے کہ مسرت آپ کے چہرہ سے عیاں ہو رہی تھی۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آج تو آپ بہت مسرور ہیں۔ فرمایا: ''ہاں، میرے پاس میرے رب کی طرف سے فرشتہ یہ پیغام لے کر آیا کہ آپ کی امت میں سے جو آپ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھے گا، دس گناہ معاف کر دے گا، دس درجات بلند فرمائے گا اور اسی کی مثل اس پر

1۔ ترمذی عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9 صفحہ 280-281
2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 136
3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 191
4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 191
5۔ معجم طبرانی
6۔ سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 3 صفحہ 44-50، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 30

لوٹایا جائے گا"(1)۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا"(2)۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:" مجھ پر درود پڑھا کرو، یہ تمہارے لئے زکوۃ ہے اور میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کیا کرو جو جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے۔ یہ صرف ایک شخص کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں"(3)۔حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر مرتبہ درود بھیجتے ہیں۔اب بندے کو اختیار ہے، چاہے وہ کم درود پڑھے یا زیادہ۔آپ رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ الوداع کہنے والے شخص کے انداز میں ہمارے پاس تشریف لائے اور تین بار فرمایا:" میں محمد امی نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں، مجھے فاتح کلمات، جامع کلمات اور خاتم کلمات سے نوازا گیا، مجھے علم ہے کہ جہنم کے داروغوں اور عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کی کتنی تعداد ہے، مجھ پر خصوصی کرم ہوا اور مجھے اور میری امت کو عافیت عطا ہوئی، جب تک میں تم میں موجود ہوں، سنتے رہو اور اطاعت کرتے رہو، میرے وصال کے بعد کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھام لینا اور اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور اس کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھنا"(4)۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " جس کے سامنے میرا ذکر ہو، اسے چاہئے کہ وہ مجھ پر درود پڑھے۔جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا"(5)۔ایک اور حدیث میں فرمایا:" جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا اور اس کے دس گناہ معاف کردے گا"(6)۔ایک حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:" بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا"(7)۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" بخیل ترین شخص وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہوا لیکن اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا"۔ایک اور روایت میں فرمایا:" آدمی کو یہی بخل کافی ہے کہ اس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے لیکن وہ مجھ پر درود نہ بھیجے"۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے، اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس ماہ رمضان آیا اور اس سے پہلے کہ اس کی مغفرت ہوتی، وہ رخصت ہو گیا اور اس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہو جس کی زندگی میں اس کے والدین بڑھاپے کو پہنچے لیکن وہ اسے جنت میں نہ پہنچا سکے"(8)۔یہ حدیث متعدد صحابہ اور متعدد اسناد سے مروی ہے۔یہ حدیث اور اس سے پہلے بیان کی گئی احادیث اس امر کی دلیل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا واجب ہے، امام طحاوی، حلیمی اور علماء کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:" جس شخص نے مجھ پر درود بھیجنا فراموش کر دیا، وہ جنت کی راہ بھول گیا"(9)۔یہ روایت مرسل ہے اور مذکورہ بالا احادیث اس کے لئے باعث تقویت ہیں۔دوسرے حضرات کا موقف یہ ہے کہ ایک مجلس میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے پھر بقیہ مجلس میں واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔اس کی تائید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے ہوتی ہے:" جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اس میں نہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور نہ اپنے نبی پر درود پڑھیں تو وہ مجلس قیامت کے دن ان کے لئے وبال ہوگی۔اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو

1۔مسند احمد، جلد 4 صفحہ 29 2۔صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 306، سنن ابی داود، کتاب الوتر، جلد 2 صفحہ 88، نمبر

3۔مسند احمد، جلد 2 صفحہ 365 4۔مسند احمد، جلد 2 صفحہ 172 5۔مسند ابی داؤد طیالسی، 283

6۔مسند احمد، جلد 3 صفحہ 102 7۔مسند احمد، جلد 1 صفحہ 201، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 62-63

8۔عارضۃ الاحوذی الادب الدعوات، جلد 13 صفحہ 62، الادب المفرد: 280 9۔سنن ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 294

انہیں عذاب دے اور اگر چاہے تو انہیں بخش دے"(1)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو لوگ بیٹھتے ہیں اور پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے بغیر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو قیامت کے دن وہ مجلس ان کے لئے باعث حسرت ہوگی۔ اگر وہ جنت میں داخل ہو بھی جائیں تو ثواب سے محرومی کے باعث انہیں ندامت ہوگی"۔ بعض حضرت کا یہ مسلک ہے کہ اس آیت کے حکم کے پیش نظر عمر بھر میں ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے، پھر ہر حال میں مستحب ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ پر درود پڑھنے کے وجوب پر اجماع نقل کرنے کے بعد اس قول کی تائید کی ہے، لیکن امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے استحباب ثابت ہوتا ہے اور اس پر انہوں نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ شاید ان کا مطلب یہ ہو کہ ایک مرتبہ درود شریف واجب ہے اور ایک سے زائد مرتبہ مستحب۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود پڑھنا اسی طرح واجب ہے جیسا کہ ایک مرتبہ آپ کی نبوت کی گواہی دینا واجب ہے اور اس سے زائد مستحب، مرغوب فیہ اور شعائر اسلام سے ہے(2) لیکن میں کہتا ہوں کہ بہت سے اوقات ایسے ہیں جن میں درود شریف پڑھنے کا حکم وارد ہوا ہے، ان میں سے بعض واجب ہیں اور بعض مستحب۔ اذان کے بعد بھی درود شریف پڑھنے کا حکم ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں آتا ہے: "جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو وہی جملے دہراؤ جو وہ کہہ رہا ہے، پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود پڑھتا ہے، پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ مانگو، یہ جنت میں ایک ایسا مقام ہے جو صرف ایک ہی بندے کو حاصل ہوگا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں۔ جس نے میرے لئے وسیلہ کا سوال کیا، اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگئی"(3)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: "جس نے میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی درخواست کی، وہ قیامت کے دن میری شفاعت کا مستحق ہوگیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھ پر درود بھیجا کرو، کیونکہ یہ تمہارے لئے زکوٰۃ ہے اور میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے جسے صرف ایک آدمی پائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ آدمی میں ہی ہوں۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "جو شخص محمد (ﷺ) پر درود پڑھے اور کہے: "اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" (اے اللہ! قیامت کے دن آپ کو اپنے جوار قدس میں بلند مقام پر فائز فرما)، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی"(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَةَ مُحَمَّدٍ الْكُبْرٰى وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ الْعُلْيَا وَاَعْطِهٖ سُؤْلَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى كَمَا اٰتَيْتَ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ" یعنی اے اللہ! حضور ﷺ کی شفاعت کبریٰ قبول فرما، آپ کے مقام رفیع کو بلند فرما اور دنیا و آخرت میں آپ کی مانگی ہوئی چیز آپ کو عطا فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کو نوازا۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت اور باہر نکلتے وقت بھی درود شریف پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں جاتے تو خود پر صلوٰۃ و سلام پڑھ کر یہ دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" اور جب مسجد سے باہر آتے تو صلوٰۃ و سلام کے بعد یہ دعا پڑھتے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ"(5)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم مساجد میں جاؤ تو نبی

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 12 صفحہ 272، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 453
2۔ کتاب الشفاء، قاضی عیاض، جلد 2 صفحہ 627
3۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 282-283، سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 144 وغیرہ
4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 108
5۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 282

کریم ﷺ پر درود بھیجا کرو۔ جہاں تک نماز کے آخری تشہد میں درود شریف پڑھنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں ہم تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اسے واجب قرار دیا ہے۔ پہلے تشہد میں درود شریف کو کسی نے بھی واجب قرار نہیں دیا، البتہ اس کے مستحب ہونے اور نہ ہونے کے متعلق امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ اسی طرح نماز جنازہ میں بھی درود شریف مشروع ہے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں سورۃ فاتحہ پڑھے، دوسری تکبیر میں درود شریف پڑھے، تیسری میں میت کے لئے دعا کرے اور چوتھی میں یہ دعا کرے: "اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ" ۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ امام پہلی تکبیر کہنے کے بعد آہستہ سے سورۃ فاتحہ پڑھے۔ پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے اور جنازہ کے لئے اخلاص سے دعا کرے اور تکبیروں میں کچھ نہ پڑھے، پھر آہستہ سے سلام پھیر دے (1)۔ نسائی نے اسے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور صحابی سے روایت مرفوع کے حکم میں ہے۔ نماز عید میں درود شریف پڑھنے کے متعلق مروی ہے کہ ولید بن عقبہ نے عید کے دن حضرات ابن مسعود، ابوموسیٰ اور حذیفہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ آج عید کا دن ہے، آپ یہ فرمائیں کہ اس میں تکبیروں کی کیا کیفیت ہے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تکبیر تحریمہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا جائے پھر دعا مانگی جائے، پھر تکبیر کے بعد اسی طرح کیا جائے، پھر تکبیر کہہ کر یہی عمل دہرایا جائے، پھر تکبیر کہنے کے بعد ایسا کیا جائے، پھر قرأت کے بعد تکبیر کہہ کر رکوع کیا جائے، پھر کھڑے ہو کر قرأت کی جائے، اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا جائے، پھر دعا کی جائے اور تکبیر کہنے کے بعد اسی طرح رکوع کیا جائے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی۔ درود شریف پر دعا کا اختتام کرنا مستحب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دعا زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے، جب تک نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھو، وہ اوپر نہیں چڑھتی (2)۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "دعا زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے اور اس وقت تک اوپر نہیں چڑھتی جب تک مجھ پر درود نہ پڑھا جائے، مجھے سوار کے پیالے کی طرح نہ سمجھو، دعا کے شروع میں بھی مجھ پر درود پڑھو، آخر میں بھی اور درمیان میں بھی"۔ یہ اضافہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے سوار کے پیالے کی طرح نہ بنالو کہ جب وہ تمام ضروریات سفر لے لیتا ہے تو پانی کا پیالہ بھی بھر لیتا ہے۔ اگر وضو کی ضرورت پڑی تو اس سے وضو کر لیا اور اگر پیاس لگی تو پی لیا ورنہ اس کا پانی بہا دیا، مجھے دعا کے شروع میں، دعا کے درمیان میں اور دعا کے آخر میں رکھا کرو"۔ یہ حدیث غریب ہے۔ دعائے قنوت میں درود شریف کی زیادہ تاکید ہے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے جنہیں میں وتروں میں پڑھتا ہوں: "اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِیْمَنْ هَدَیْتَ، وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ، وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ، وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ، وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ، وَاِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ، وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ" (3)۔ نسائی کی روایت میں اس کے بعد یہ اضافہ بھی ہے: "وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ" ۔ (4) جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کو درود شریف بکثرت پڑھنا مستحب ہے۔ حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، اسی میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اسی میں ان کی وفات ہوئی، اسی میں صور پھونکا جائے گا اور اسی میں ہر۔

1۔ ترتیب مسند الشافعی، جلد 1 صفحہ 210-211، سنن نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4 صفحہ 75
2۔ ترمذی، ابواب الوتر، جلد 2 صفحہ 271-272
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 63، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 199 وغیرہ
4۔ سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 3 صفحہ 248

ایک پر موت طاری ہوگی۔ اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے"۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے وصال کے بعد جب کہ آپ زمین میں دفن ہوں گے، آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا؟ فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے" (1)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھو، کیونکہ اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اس دن جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے، اس کا درود اس کے فارغ ہونے تک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، میں نے عرض کی کہ کیا موت کے بعد بھی؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے، اللہ کے نبی زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے" (2)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس میں عبادہ بن نسی اور حضرت ابوالدرداء کے درمیان انقطاع ہے۔ جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن کو بکثرت درود شریف پڑھنے کے متعلق حضرات ابوامامہ رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیہقی میں بھی حدیث مروی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ایک مرسل حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "زمین اس کا جسم نہیں کھاتی جس سے روح القدس نے کلام کیا ہو"۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کو مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو" (3)۔ یہ حدیث بھی مرسل ہے۔ اسی طرح خطیب پر واجب ہے کہ وہ جمعہ کے دن دونوں خطبوں میں درود شریف پڑھے، اس کے بغیر خطبے صحیح نہیں ہوتے کیونکہ یہ عبادت ہے اور اس میں اللہ کا ذکر شرط ہے، اس لئے اذان اور نماز کی طرح اس میں ذکر رسول ﷺ بھی واجب ہے۔ یہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔ حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت کرتے وقت درود و سلام کا نذرانہ پیش کرنا مستحب ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے جو مجھ پر سلام پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں" (4)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ، میری قبر پر میلے نہ لگانا۔ مجھ پر درود پڑھا کرو، جہاں کہیں بھی تم ہو، تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے" (5)۔ قاضی اسماعیل بن اسحاق اپنی کتاب فضل الصلوۃ میں ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کا معمول تھا کہ وہ ہر صبح حضور ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری دیتا اور آپ ﷺ پر صلوۃ و سلام کا ہدیہ پیش کرتا۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے اس کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ حضور ﷺ پر درود و سلام پڑھنا مجھے بہت محبوب ہے۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے اسے کہا کہ میں تمہیں اپنے والد محترم سے مروی ایک حدیث نہ سناؤں؟ عرض کی: ضرور سنائیے۔ فرمایا کہ میرے والد محترم نے میرے دادا جان سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا، اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور جہاں کہیں تم ہو مجھ پر صلوٰۃ و سلام پڑھو، تمہارا صلوٰۃ و سلام مجھ تک پہنچتا ہے"۔ اس کا ایک راوی مبہم ہے جس کا نام مذکور نہیں۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے روضۂ انور پر کچھ لوگوں کو دیکھ کر یہ حدیث سنائی تھی۔ ممکن ہے وہ لوگ وہاں ضرورت سے زیادہ اپنی آوازیں بلند کر رہے ہوں گے یا کسی اور بے ادبی کے مرتکب ہوئے ہوں گے، اس لئے آپ نے انہیں ممانعت کرتے ہوئے یہ حدیث سنائی۔ (6) یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو پے در پے روضۂ شریف پر حاضری دیتے ہوئے دیکھا تو اسے

1۔ سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 88، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 8 وغیرہ
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1 صفحہ 524
3۔ ترتیب مسند الشافعی، جلد 1 صفحہ 172
4۔ سنن ابی داود، کتاب المناسک، جلد 2 صفحہ 218
5۔ سنن ابی داود، کتاب المناسک، جلد 2 صفحہ 218، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 367
6۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 577

فرمایا کہ حضور ﷺ تک سلام پہنچنے کے معاملہ میں تم اور وہ شخص جو اندلس میں ہے، یکساں ہیں۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم جہاں بھی ہو، مجھ پر درود پڑھو تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے''(1)۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ ۔۔۔ کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ ایک سربستہ راز ہے، اگر تم مجھ سے اس کے متعلق نہ پوچھتے تو میں تمہیں نہ بتاتا، سنو، میرے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں۔ جب کسی مسلمان کے سامنے میرا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔ ان فرشتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آمین کہتے ہیں''(2)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو زمین پر گشت کرتے رہتے ہیں اور میری امت کے سلام مجھ پر پہنچاتے ہیں''(3)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''جو میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے، میں اسے سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے، وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے''۔ اس کی سند محل نظر ہے۔ اس کا راوی محمد بن مروان سدی صغیر متروک ہے۔ ہمارے اصحاب کا کہنا ہے کہ احرام باندھنے والے شخص کے لئے مستحب ہے کہ وہ تلبیہ کے بعد درود شریف پڑھے جیسا کہ امام شافعی اور دار قطنی نے قاسم بن محمد بن ابی بکر سے روایت بیان کی ہے کہ جب آدمی تلبیہ سے فارغ ہو جاتا تو اسے ہر حال میں درود شریف پڑھنے کا حکم دیا جاتا(4)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم مکہ شریف پہنچو تو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے سات چکر لگاؤ اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں ادا کرو پھر صفا پر اس طرح کھڑے ہو جاؤ کہ تمہیں بیت اللہ شریف دکھائی دے اور سات تکبیریں کہو، ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو، نبی کریم ﷺ پر درود بھیجو اور اپنے لئے دعائیں کرو، پھر مروہ پر جا کر بھی ایسا ہی کرو۔ ہمارے اصحاب کا یہ بھی کہنا ہے کہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ بطور دلیل انہوں نے یہ آیت پیش کی ہے: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح: 4) ''اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو بلند کر دیا''۔ کیونکہ اس کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا وہاں آپ کا بھی ذکر ہوگا لیکن جمہور نے اس کی مخالفت کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہاں صرف اللہ تعالیٰ کا نام ہی لیا جاتا ہے جیسا کہ خورد و نوش، جماع اور دیگر مواقع پر جہاں درود شریف پڑھنا سنت سے ثابت نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء و رسل پر بھی درود بھیجو کیونکہ میری طرح انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے''(5)۔ اس کی سند میں دو راوی عمرو بن ہارون اور ان کے شیخ ضعیف ہیں۔ کان کی سنسناہٹ کے وقت بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے بشرطیکہ اس کی سند صحیح ہو۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کا کان بجنے لگے تو وہ مجھے یاد کرے اور مجھ پر درود بھیجے اور یہ کہے کہ جس نے مجھے بھلائی کے ساتھ یاد کیا، اللہ تعالیٰ اسے یاد کرے''۔ اس کی سند غریب ہے اور اس کا ثبوت مشکوک ہے۔ مسئلہ: کاتب اس بات کو مستحب سمجھتے ہیں کہ وہ جب بھی حضور ﷺ کا نام لکھیں، اس کے ساتھ درود شریف لکھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھے تو اس درود کا ثواب اس وقت تک ملتا رہتا ہے

1۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 82 — 2۔ معجم کبیر، جلد 3 صفحہ 89، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 93

3۔ سنن نسائی، کتاب السہو، جلد 3 صفحہ 43، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 441

4۔ الام للشافعی، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 134، سنن دار قطنی، باب المواقیت، جلد 2 صفحہ 238 — 5۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 2 صفحہ 216

جب تک اس کتاب میں میرا نام موجود رہے''(1)۔ لیکن یہ حدیث صحیح نہیں۔ حافظ ذہبی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ تو اسے موضوع سمجھتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی حدیث مروی ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں۔ خطیب بغدادی اپنی کتاب ''الجامع لآداب الراوی والسامع'' میں ذکر کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کی اپنی تحریر میں متعدد مقامات پر حضور علیہ السلام کا اسم گرامی لکھا ہوا دیکھا جہاں درود شریف تحریر نہ تھا۔ آپ زبانی درود پڑھ لیا کرتے تھے۔

فصل: غیر انبیاء پر بھی صلوۃ بھیجنا جائز ہے جیسا کہ حدیث شریف میں گزر چکا ہے: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ''۔ اختلاف تو اس بات میں ہے کہ اگر انبیاء سے الگ کسی کا نام لیا جائے تو کیا اس پر صلوۃ بھیجنا جائز ہے؟ بعض حضرات نے اسے جائز قرار دیا ہے اور قرآن و سنت سے دلائل پیش کیے ہیں۔ جن آیات سے انہوں نے استدلال کیا ہے، وہ یہ ہیں: هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ (الاحزاب: 43)، اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ (البقرة: 157) اور خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ (التوبہ: 103) اور ان احادیث سے حجت پکڑی ہے: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کے پاس جب کسی قوم کا صدقہ آتا تو آپ ان کے لئے یہ دعا کرتے: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِمْ''۔ جب میرے والد اپنا صدقے کا مال لائے تو آپ نے فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِيْ اَوْفٰى''(2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی بیوی نے عرض کی: یارسول اللہ علیہ السلام مجھ پر اور میرے خاوند پر صلوۃ بھیجئے تو آپ نے فرمایا: ''صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَ عَلٰى زَوْجِكِ''(3) لیکن جمہور علماء اس کے خلاف ہیں اور وہ غیر انبیاء پر صلوۃ بھیجنے کو جائز نہیں سمجھتے جب انبیاء سے الگ ان کا ذکر کیا جائے کیونکہ صلوۃ وسلام انبیاء کے لئے شعار کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور ان کے ساتھ مخصوص ہو گیا ہے اس لئے غیر انبیاء کے لئے یہ الفاظ استعمال نہ کئے جائیں اور یہ نہ کہا جائے: ابوبکر صلی اللہ علیہ یا علی صلی اللہ علیہ، اگرچہ معنوی لحاظ سے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ محمد عزوجل نہیں کہا جا سکتا اگرچہ آپ علیہ السلام عزیز بھی ہیں اور جلیل بھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہو گئے ہیں اور کتاب وسنت میں غیر انبیاء کے لئے جہاں صلوۃ کا لفظ وارد ہوا ہے، وہ دعا کے معنی میں ہے، اس لئے یہ نہ آل ابی اوفی کے لئے شعار بنا، نہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے لئے اور نہ ان کی بیوی کے لئے۔ بعد میں ان کے ناموں کے ساتھ کسی نے بھی صلوۃ کا ذکر نہیں کیا۔ یہ مسلک بہت اچھا ہے۔ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ غیر انبیاء پر صلوۃ جائز نہیں کیونکہ یہ خواہش پرستوں اور بدمذہبوں کا شیوا ہے۔ جن لوگوں کے ساتھ انہیں دلی عقیدت ہوتی ہے، ان پر وہ صلوۃ بھیجتے ہیں اس لئے اس معاملہ میں ان کی اقتداء سے احتراز کرنا چاہئے۔ پھر ان منع کرنے والوں کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا ایسا کرنا حرام ہے یا مکروہ تنزیہی یا خلاف اولی؟ یہ تین اقوال ہیں جنہیں امام نووی نے کتاب الاذکار میں بیان کیا ہے، پھر فرماتے ہیں کہ صحیح مسلک جس پر اکثریت کا اتفاق ہے، یہی ہے کہ ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے اور ہمیں ان کے شعار کی تقلید سے منع کیا گیا ہے۔ اور مکروہ وہی ہوتا ہے جس میں نہی مقصود ہو۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ اس میں زیادہ دارومدار اس بات پر ہے کہ سلف کی زبان میں صلوۃ کا لفظ انبیاء کے ساتھ مخصوص ہو گیا جیسا کہ عزوجل اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے تو ہم جس طرح باوجود حضور علیہ السلام کے عزیز اور جلیل ہونے کے محمد عزوجل نہیں کہہ سکتے، اسی طرح ابوبکر یا علی صلی اللہ علیہ نہیں کہا جا

1۔ کتاب اشفاء از قاضی عیاض، جلد 2 صفحہ 639
2۔ صحیح بخاری، جلد 8 صفحہ 95، صحیح مسلم، کتاب زکوۃ، جلد 2 صفحہ 256-257
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 2 صفحہ 88-89

سکتا(1)۔ جہاں تک سلام کا تعلق ہے تو بقول شیخ ابو محمد الجوینی یہ صلوۃ کے معنی میں ہے۔ نہ کسی غائب کے لئے اسے استعمال کیا جا سکتا ہے اور نہ صرف غیر نبی کے لئے، چنانچہ علی علیہ السلام نہیں کہا جائے گا۔ اس میں زندوں اور مردوں کا یکساں حکم ہے۔ البتہ جو شخص سامنے حاضر ہو، اسے مخاطب کر کے "سلامٌ عَلَيْكَ"، والسلام علیک یا السلام علیکم کہنا جائز ہے۔ اس پر اجماع ہے(2)۔ یہ بات تو ظاطر رہے کہ اکثر لوگ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ علیہ السلام یا کرم اللہ وجہہ کہتے یا لکھتے ہیں، باقی صحابہ کے متعلق ایسا نہیں کرتے۔ معنی کے لحاظ سے یہ اگرچہ درست ہے لیکن تمام صحابہ میں یکسانیت ضرورت ہے، ان کے احترام، تعظیم اور تکریم کا یہی تقاضا ہے۔ حضرات ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم ان الفاظ کے زیادہ مستحق ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی پر صلوٰۃ بھیجنا صحیح نہیں بلکہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعائے مغفرت کرنی چاہئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے ایک خط میں لکھا کہ کچھ لوگ آخرت کے اعمال سے دنیا جمع کرنے کی فکر میں منہمک ہیں اور بعض واعظین خلفاء اور امراء پر بالکل اسی طرح صلوۃ بھیجتے ہیں جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجی جاتی ہے۔ جب تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو انہیں یہ بتادینا کہ صلوۃ صرف نبیوں کے لئے خاص ہونی چاہئے اور عام مسلمانوں کے لئے دعا کریں اور صلوٰۃ کے علاوہ جو چاہیں دعا کریں(3)۔ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہر طلوع فجر کے وقت ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے پروں کو سمیٹ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں اور ستر ہزار رات کو آتے ہیں یہاں تک کہ قیامت کے دن جب آپ کی قبر شق ہوگی تو آپ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے وقت صلوۃ وسلام دونوں ایک ساتھ بھیجے جائیں، صرف ایک پر اکتفا کرتے ہوئے نہ صرف صلی اللہ علیہ کہنا چاہئے اور نہ صرف علیہ السلام۔ یہ قول اسی آیت صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا سے ماخوذ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ یوں کہا جائے۔ "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا"۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿٥٧﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٨﴾

"بے شک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے رسوا کن عذاب۔ اور جو لوگ دل دکھاتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (معیوب) کام کیا ہو تو انہوں نے اٹھالیا (اپنے سر پر) بہتان باندھنے اور کھلے گناہ کا بوجھ"۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب کی دھمکی دے رہا ہے جو اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس کی نواہی کا ارتکاب کرتے ہیں اور پھر اس پر بضد رہتے ہیں، علاوہ ازیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی اور عیب جوئی کر کے آپ کی دل آزاری کرتے ہیں۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تصویریں بنانے والے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے، وہ زمانے کو گالی دیتا ہے حالانکہ زمانہ میں ہی ہوں، میں ہی دن

1۔ الاذکار للنووی، 4، المجلس: 108 2۔ الاذکار: 109 3۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزہد، جلد 13 صفحہ 468

رات کو الٹ پلٹ کرتا ہوں''(1)۔ مطلب یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت والے کہا کرتے تھے کہ ہائے زمانہ کی خرابی! اس نے ہمارے ساتھ یہ یہ کیا۔ وہ اللہ کے افعال زمانہ کی طرف منسوب کر کے زمانہ کو برا بھلا کہا کرتے تھے۔ تمام افعال کا فاعل چونکہ اللہ تعالیٰ ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہتے تھے اس لئے اس سے منع کر دیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ابو عبیدہ اور دیگر علماء نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ ۔ ان لوگوں کے بارے میں اتری جنہوں نے اس بناء پر حضور ﷺ پر طعن کرتے ہوئے آپ کو اذیت دی کہ آپ ﷺ نے حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا(2)۔ بہرصورت یہ آیت عام ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جو کسی طرح سے بھی آپ کی دل آزاری کا سبب بنتا ہے۔ جس نے آپ کو اذیت دی، اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی جیسا کہ جس نے آپ ﷺ کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں اپنے طعن وتشنیع کا ہدف نہ بنا لینا۔ جس نے ان کے ساتھ محبت رکھی۔ اس نے میری محبت کے باعث ایسا کیا اور جس نے ان کے ساتھ بغض رکھا، اس نے میرے بغض کی وجہ سے ایسا کیا۔ جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا پہنچائی، جس نے مجھے ایذا پہنچائی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو وہ ضرور اسے پکڑ لے گا''(3)۔ پھر اگلی آیت میں فرمایا: وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ یعنی وہ لوگ جو اہل ایمان کی طرف ان کی ناکردہ برائیوں کو منسوب کرتے ہیں اور ان کے متعلق ایسی افواہیں اڑاتے ہیں جن کے ساتھ ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، وہ بہت بڑے بہتان اور کھلے گناہ کا بھاری بوجھ اٹھاتے ہیں۔ اس وعید میں سب سے پہلے کفار داخل ہیں، پھر رافضی شیعہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی عیب جوئی کرتے ہیں اور ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کی الزام تراشیوں سے بری ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان نفوس قدسیہ کی مدح کرتے ہوئے یہ خبر دے دی کہ وہ مہاجرین وانصار سے راضی ہے لیکن اس کے باوجود یہ احمق اور جاہل لوگ ان کو برا بھلا کہتے ہیں، ان کی بے ادبی کرتے ہیں اور ان کے متعلق ایسی ناروا اور غیر شائستہ باتیں برملا کرتے ہیں جن سے وہ بالکل پاک ہیں۔ دراصل ان کے دل ٹیڑھے ہیں۔ یہ قابل ستائش لوگوں کی مذمت کرتے ہیں اور قابل مذمت لوگوں کی ستائش وتوصیف کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! غیبت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارا اپنے بھائی کا ایسا ذکر کرنا جو اسے ناپسند ہو''۔ عرض کی گئی کہ اگر میرا بیان کردہ عیب اس میں ہو تو؟ فرمایا: ''اگر تمہارا بیان کردہ عیب اس میں موجود ہو تو یہ اس کی غیبت ہے اور اگر اس میں نہ ہو تو یہ اس پر بہتان ہے''(4)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا سود کون سا ہے؟ عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا سود کسی مسلمان کی عصمت دری کرنا ہے''۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ
اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 168، صحیح مسلم، کتاب الالفاظ من الادب، جلد 4 صفحہ 1762
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 45
3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13 صفحہ 244، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 87
4۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2001، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 269 وغیرہ

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

"اے نبی مکرم! آپ فرمایئے اپنی ازواج مطہرات کو، اپنی صاحبزادیوں کو اور جملہ اہل ایمان کی عورتوں کو کہ (جب وہ باہر نکلیں تو) ڈال لیا کریں اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو۔ اس طرح وہ بآسانی پہچان لی جائیں گی پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہر دم رحم فرمانے والا ہے۔ اگر (اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور شہر میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے، تو ہم آپ کو مسلط کر دیں گے ان پر پھر وہ نہ ٹھہر سکیں گے آپ کے پاس مدینہ طیبہ میں مگر چند روز۔ وہ بھی اس حال میں کہ ان پر لعنت برس رہی ہوگی۔ جہاں پائے جائیں گے پکڑ لئے جائیں گے اور جان سے مار ڈالے جائیں گے۔ اللہ کی سنت ان (بدقماشوں) کے متعلق بھی یہی تھی جو پہلے گزر چکے۔ اور آپ سنت الٰہی میں ہرگز کوئی تغیر و تبدل نہ پائیں گے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ مومن مسلمان عورتوں کو حکم دیں خصوصاً اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں کو کیونکہ انہیں تمام عورتوں پر خصوصی شرف اور فضیلت حاصل ہے کہ وہ اپنی چادریں اپنے اوپر ڈال لیا کریں تاکہ وہ جاہلیت کی عورتوں اور لونڈیوں سے ممتاز ہو جائیں۔ جلباب دوپٹہ سے بڑی چادر کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمان خواتین کو حکم فرما رہا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو ان چادروں کے پلوؤں سے اپنے چہرے ڈھانپ لیں جو انہوں نے اپنے سروں پر اوڑھ رکھی ہوں اور صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں (1)۔ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہ سلمانی سے اس آیت کی وضاحت چاہی تو آپ نے اپنے چہرے اور سر کو ڈھانپ کر اور بائیں آنکھ کھلی رکھ کر اس آیت کی وضاحت کی۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ عورت اپنے اوپر بڑی چادر اوڑھ کر اپنے سینے کے بالائی حصہ کو ڈھانپ لے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد انصار کی عورتیں سیاہ چادروں سے اپنے آپ کو ڈھانپ کر اس طرح سکون اور وقار سے باہر نکلتیں گویا ان کے سروں پر کوے ہیں۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا لونڈی بھی چادر اوڑھے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ؟ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ شادی شدہ ہے تو وہ دوپٹہ اوڑھے لیکن جلباب (بڑی چادر) اوڑھنے سے اسے منع کیا جائے گا کیونکہ آزاد محصنہ عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا لونڈیوں کے لئے مکروہ ہے، اس کی دلیل یہی آیت کریمہ ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذمیوں کی عورتوں کی آرائش اور زینت دیکھنے میں کوئی حرج نہیں، اس کی ممانعت فتنہ میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے ہے نہ کہ ان کی حرمت و عزت کے باعث کیونکہ آیت کریمہ میں وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ کے الفاظ ہیں۔ پھر فرمایا: ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ۔ یعنی اگر وہ اس حکم کو بجا لاتے ہوئے چادر اوڑھ کر باہر نکلیں گی تو بآسانی پہچان ہو جائے گی کہ یہ عفت مآب اور آزاد عورتیں ہیں، نہ یہ لونڈیاں ہیں اور نہ ہی فاحشہ عورتیں۔ سدی فرماتے ہیں کہ مدینہ کے کچھ اوباش لوگ شام کے دھندلے میں گھروں سے باہر نکل آتے اور عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے خصوصاً رات کے وقت جب مستورات تقاضائے حاجت کے لئے

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 49

باہر نکلتیں تو یہ بدقماش انہیں پھانسنے کی کوشش کرتے۔ جب وہ کسی عورت کو بڑی چادر میں ملبوس دیکھتے تو یہ کہہ کر اس سے تعرض نہ کرتے کہ یہ آزاد عورت ہے، لیکن جب کوئی عورت چادر اوڑھے ہوئے نہ ہوتی تو وہ اسے لونڈی سمجھ کر چھیڑ چھاڑ کرنے لگ جاتے(1)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر عورتیں چادریں اوڑھے ہوئے ہوں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ عصمت شعار آزاد عورتیں ہیں اس طرح کسی فاسق کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ انہیں ستائے یا کسی شک وشبہ کا اظہار کرے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا یعنی زمانہ جاہلیت میں جب کہ انہیں ان احکام کا علم نہ تھا، جو قصور ان سے سرزد ہوئے، اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمانے والا ہے۔ پھر منافقین کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ حضرت عکرمہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہاں اس سے مراد بدکار لوگ ہیں۔ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ سے مراد وہ لوگ ہیں جو جھوٹی افواہیں پھیلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ دشمن یلغار کرنے والا ہے۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر یہ بدقماش اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور انہوں نے حق کی طرف رجوع نہ کیا تو ہم اے ہمارے پیارے رسول ﷺ آپ کو ان پر مسلط کردیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ کا مفہوم یہ ہے کہ ہم آپ کو ان پر مسلط کردیں گے۔ قتادہ اس کا معنی بتاتے ہیں کہ ہم آپ کو ان پر غالب کردیں گے(2)۔ سدی کہتے ہیں کہ ہم آپ کو ان کی حقیقت پر آگاہ کردیں گے، پھر وہ آپ کے پاس مدینہ میں کچھ دیر ہی ٹھہر سکیں گے وہ بھی اس حال میں کہ ان پر لعنت برس رہی ہوگی اور عنقریب انہیں دھتکار دیا جائے گا۔ یہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے، انہیں ان کی ذلت اور قلت کے باعث پکڑ لیا جائے گا اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ پھر فرمایا: سُنَّةَ اللّٰهِ یعنی اپنے نفاق اور کفر پر ڈٹے رہنے والے اور ایمان کی طرف نہ لوٹنے والے منافقین کے متعلق ہماری یہی سنت رہی ہے کہ اہل ایمان کے ذریعے انہیں مغلوب و مقہور کیا جاتا ہے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوتا۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۝ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ۚ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝

"لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں فرمایئے اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور (اے سائل!) تو کیا جانے شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے محروم کردیا کفار کو اور تیار کر رکھی ہے اس نے ان کے لئے بھڑکتی آگ۔ وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں تا ابد۔ نہ پائیں گے کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔ جس روز وہ منہ کے بل آگ میں پھینکے جائیں گے تو (بصد یاس) کہیں گے اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ تعالیٰ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسول اکرم کی۔ اور عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم نے پیروی کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑے لوگوں کی پس ان (ظالموں نے) ہمیں بہکا دیا سیدھی راہ سے۔ اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور لعنت بھیج ان پر بہت

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 661

2۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 48

بڑی لعنت''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو آگاہ فرما رہا ہے کہ آپ کو قیامت کے وقت کا علم نہیں اگرچہ لوگ آپ سے اس کے متعلق دریافت کرتے ہیں، اور فرمایا جا رہا ہے کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کریں جیسا کہ سورۂ اعراف میں بھی یہی فرمان ہے۔ سورۂ اعراف مکی ہے اور یہ سورت مدنی۔ چنانچہ وقوع قیامت کا علم اسی ذات کی طرف لوٹایا جاتا رہا جس نے اسے قائم کرنا ہے لیکن اپنے اس فرمان وَمَا يُدْرِيكَ کے ذریعے خبر دے دی کہ یہ عنقریب وقوع پذیر ہوگی، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر:1) ''قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا''۔ اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُعْرِضُونَ (الانبیاء:1) ''لوگوں کے لئے ان کے حساب کا وقت قریب آگیا اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں''۔ أَتَى أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ (النحل:1) ''حکم الٰہی قریب آ گیا ہے پس اس کے لئے عجلت نہ کرو''۔ پھر فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور دار آخرت میں ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہاں سے رہائی اور چھٹکارے کی کوئی امید نہیں اور نہ ہی وہ وہاں کوئی دوست پائیں گے اور نہ ہی مددگار جو انہیں اس عذاب سے نجات دلا سکے۔ پھر فرمایا: يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ یعنی انہیں منہ کے بل جہنم میں گھسیٹا جائے گا، اس وقت وہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی ان لوگوں میں سے ہوتے جو دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہے۔ اسی طرح میدان قیامت میں ان کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا (الفرقان:27)، رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ (الحجر:2) ''کفار بہت آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے''۔ اسی طرح یہاں ان کی حالت سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن تمنا کریں گے کہ کاش وہ دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے۔ وہ مزید کہیں گے: رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا طاؤس فرماتے ہیں کہ سادۃ سے مراد سردار اور کبراء سے مراد علماء ہیں یعنی ہم اپنے امراء و زعماء اور علماء و مشائخ کی پیروی کرتے رہے اور رسولوں کی مخالفت پر کمربستہ رہے اور ہم یہ سمجھتے رہے کہ ہمارے سردار اور بڑے لوگ ہدایت پر ہیں لیکن وہ تو اس سے کوسوں دور تھے اس لئے اے ہمارے پروردگار! انہیں ان کے کفر اور ہمیں گمراہ کرنے کی پاداش میں دوگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت بھیج۔ ایک دوسری قرأت میں ''کبیرا'' کی بجائے ''کثیرا'' ہے یہ دونوں قریب المعنی ہیں جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! مجھے ایسی دعا سکھایئے جسے میں اپنی نماز میں پڑھا کروں۔ آپ ﷺ نے اس دعا کی تعلیم دی: ''اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ'' (1) یعنی اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں، پس تو اپنی بخشش سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، بے شک تو ہی غفور رحیم ہے۔ اس حدیث میں بھی کثیرا اور کبیرا دونوں الفاظ مروی ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس دعا میں ان دونوں لفظوں کو ملا کر پڑھنا مستحب ہے لیکن یہ بات محل نظر ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ کبھی کثیرا کہے اور کبھی کبیرا یعنی دونوں میں سے جسے چاہے اختیار کرے جیسا کہ آیت کریمہ میں دونوں قرأتوں میں سے قاری جسے چاہے پڑھ لے لیکن دونوں کو جمع کرنا مناسب نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی آپ کے مخالفین سے کہا کرتے تھے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہو کر یہ کہو گے: رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، جلد 9 صفحہ 144۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر، جلد 2 صفحہ 2078

سَدَادًا (1)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾

''اے ایمان والو! تم بن جاؤ ان (بدبختوں) کی طرح جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ستایا۔ پس بری کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے جو انہوں نے کہا۔ اور آپ اللہ کے نزدیک بڑے شان والے تھے''۔

امام بخاری اس آیت کی تفسیر کے تحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت باحیا اور شرم والے تھے اور یہی اس آیت کا مطلب ہے(2)۔ اس مقام پر امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کو نہایت اختصار سے لائے ہیں، البتہ احادیث انبیاء کے بیان میں اسی سند سے اسے مفصل بیان کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''موسیٰ علیہ السلام بہت حیا والے، ستر کا خاص خیال رکھنے والے اور بہت پاکدامن تھے، سخت شرم و حیا کے باعث ان کے جسم کا کوئی عضو برہنہ نہیں ہوتا تھا، بنی اسرائیل کے کچھ لوگ آپ کو ستانے لگے اور کہنے لگے کہ اس قدر پردہ داری کی وجہ یہ ہے کہ ان کے جسم پر کوئی عیب ہے، یا تو برص کے داغ ہوں گے یا انہیں آماس خصیہ کا مرض ہے یا کوئی اور آفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی بدگمانی سے بری کرنے کا ارادہ فرمایا۔ ایک دن خلوت میں انہوں نے اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے اور پھر غسل کرنے لگے۔ غسل سے فراغت کے بعد آپ نے کپڑے لینے چاہے لیکن پتھر آپ کے کپڑوں کو لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ نے اپنا عصا لیا اور پتھر کا تعاقب کرنے لگے اور ساتھ ساتھ یہ کہتے جاتے تھے: اے پتھر! میرے کپڑے، اے پتھر! میرے کپڑے، یہاں تک کہ آپ بنی اسرائیل کی بھری محفل تک جا پہنچے۔ وہاں بنی اسرائیل نے آپ کے سارے جسم کو دیکھ لیا جو بے عیب اور بہت خوبصورت تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان لوگوں کی بدگمانی سے بری کر دیا۔ وہاں پتھر ٹھہر گیا اور آپ نے اپنے کپڑے پہن لئے، پھر آپ (فرط غضب سے) اپنا عصا لے کر اس پتھر کو مارنے لگے، اللہ کی قسم! آپ نے عصا کو اس قدر شدید ضربیں لگائیں کہ پتھر پر تین، چار یا پانچ نشانات پڑ گئے۔ یہی مطلب اس آیت کا ہے(3)، یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے۔ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔(4) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کے خصیے بڑھے ہوئے ہیں چنانچہ ایک دن آپ غسل کرنے کے لئے نکلے اور کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے۔ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ بھی برہنہ اس کے تعاقب میں نکل پڑے یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی مجلس تک پتھر کا تعاقب کرتے کرتے پہنچ گئے۔ بنی اسرائیل نے آپ کے جسم کو دیکھ لیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ آپ میں یہ عیب نہیں ہے(5)۔ مسند بزار میں بھی یہ روایت مذکور ہے(6)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام ایک مرتبہ پہاڑ پر گئے۔ وہاں حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کو یہ کہہ کر ستانے لگے کہ آپ نے انہیں قتل کر دیا ہے، وہ آپ سے زیادہ نرم خو اور باحیا تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے

1۔ اسد الغابہ، ترجمہ حجاج بن عمر، جلد 1 صفحہ 458 | 2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6 صفحہ 151
3۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 190 | 4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 514-515 | 5۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 51
6۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، تفسیر سورۃ الاحزاب، جلد 3 صفحہ 66-69

انہیں اٹھا لائے اور بنی اسرائیل کی مجالس کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کی موت کی تصدیق کی۔ آپ کی قبر کی جگہ غیر معروف تھی (1)۔ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد ابن جریر فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ ایذا سے مراد یہی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ ہو جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول سے بہتر کوئی قول نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نہ صرف یہ دونوں مراد لی جاسکتی ہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ اور ایذائیں مراد لینا بھی ممکن ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں کچھ تقسیم کیا۔ اس پر ایک انصاری کہنے لگا کہ اس تقسیم میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پیش نظر نہیں رکھی گئی۔ میں نے کہا: اے دشمن خدا! میں تمہاری اس بات سے رسول اللہ ﷺ کو ضرور آگاہ کروں گا۔ جب میں نے آپ ﷺ کے سامنے اس بات کا ذکر کیا تو آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، پھر فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو، انہیں اس سے بھی زیادہ اذیت دی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا'' (2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''میرے صحابہ میں سے کوئی کسی کے متعلق کوئی بات مجھ تک نہ پہنچائے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس آؤں تو میرا سینہ ہر قسم کی بدگمانی سے محفوظ ہو''۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس کچھ مال آیا۔ آپ ﷺ نے اسے تقسیم فرما دیا۔ اس کے بعد میں دو آدمیوں کے پاس سے گزرا جن میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ اس تقسیم میں حضور ﷺ کے پیش نظر نہ اللہ تعالیٰ کی رضا تھی اور نہ دار آخرت۔ میں وہاں ٹھہر گیا اور چپکے سے ان کی باتیں سنتا رہا، پھر میں نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے تو ہمیں یہ فرمایا تھا کہ کوئی کسی کی بات مجھ تک نہ پہنچائے لیکن ابھی ابھی دو آدمیوں کو میں نے یہ باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔ یہ سنتے ہی آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور یہ بات آپ کو بہت شاق گزری، پھر فرمایا: ''جانے دو، موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ ایذا دی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا'' (3)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بہت جاہ و مرتبہ والے تھے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ دیگر سلف کا کہنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا سوال کرتے، اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرما دیتا سوائے رویت باری تعالیٰ کے کیونکہ اس میں مشیت الٰہی یہی تھی۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی وجاہت عظیمہ کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کی سفارش پر اللہ تعالیٰ نے آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو منصب نبوت پر فائز فرما دیا۔ اس ضمن میں فرمان ہے: وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا (مریم: 53) ''اور ہم نے انہیں ان کا بھائی ہارون بخش دیا جو نبی تھا''۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ سچی (اور درست) بات کہا کرو۔ تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا۔ اور جو شخص حکم مانتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا تو وہی شخص حاصل کرتا ہے بہت بڑی کامیابی''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو تقویٰ اختیار کرنے اور ایسی عبادت کرنے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہے ہیں اور ایسی سچی اور سیدھی بات

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 52 2۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 191، صحیح مسلم کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 739، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 380
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 265، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 395-396 وغیرہ

کرنے کا حکم دے رہا ہے جس میں نہ کوئی کجی ہو اور نہ کوئی انحراف۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو درست فرما دے گا یعنی انہیں اعمال صالحہ کی مزید توفیق سے نوازے گا، گزشتہ گناہوں کو بخش دے گا اور مستقبل میں سرزد ہونے والے گناہوں سے توبہ کی توفیق ارزانی فرمائے گا۔ پھر فرمایا: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے کو نار جہنم سے محفوظ رکھا جائے گا اور جنت کی ابدی نعمتوں سے اسے شاد کام کیا جائیگا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے اپنے دست اقدس سے ہمیں اشارہ کیا تو ہم بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور درست بات کہنے کا حکم دوں"۔ پھر آپ عورتوں کے پاس آئے اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور سچی بات کہنے کا حکم دوں" (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے ہمیشہ اسی آیت کی تلاوت فرماتے ہوئے سنا۔ یہ روایت بہت غریب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ جس شخص کے لئے یہ بات خوش کن ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز ہو تو اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ قول سدید سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ بعض کے بقول سدید کا معنی صدق ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد درست بات ہے۔ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ حق و صواب پر مبنی بات کو سدید کہتے ہیں۔ یہ سب معانی درست ہیں۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿٧٢﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٣﴾

"ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھا لیں) تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے۔ بے شک یہ ظلوم بھی ہے (اور) جہول بھی۔ تاکہ عذاب دے اللہ تعالیٰ نفاق کرنے والوں اور نفاق کرنے والیوں کو اور شرک کرنے والوں اور شرک کرنے والیوں کو اور نگاہ لطف و کرم فرمائے اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور ایمان والیوں پر۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہر دم رحم فرمانے والا ہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امانت سے مراد اطاعت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کرنے سے پہلے زمین، آسمان اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن ان سب نے اس امانت کے بھاری بوجھ کو اٹھانے سے معذوری ظاہر کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے اس امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن انہوں نے بار امانت اٹھانے سے عدم استطاعت کا اظہار کیا، کیا تم اسے اس میں مضمر نتائج سمیت قبول کرو گے؟ عرض کی: اے پروردگار! اس میں کیا نتائج مضمر ہیں؟ فرمایا: اگر تم عمدہ طریقہ سے اس کا حق ادا کرو گے تو تمہیں اجر و ثواب سے نوازا جائے گا اور اگر کوتاہی کرو گے تو سزا ملے گی، چنانچہ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 667

حضرت آدم علیہ السلام نے اسے قبول کر کے اس بوجھ کو اٹھا لیا(1)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول امانت سے مراد فرائض ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا کہ اگر وہ اس امانت کی ذمہ داری نبھا ئیں گے تو انہیں اجر وثواب عطا ہوگا اور اگر وہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہوئے تو انہیں عذاب دیا جائے گا۔ اس پر انہوں نے اس بار امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے خوفزدہ ہو گئے لیکن یہ انکار نافرمانی کے باعث نہ تھا بلکہ اس خدشہ کے پیش نظر تھا کہ وہ اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکیں گے۔ بالآخر جب اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کیا تو آپ نے اسے اس کی ذمہ داریوں سمیت قبول کر لیا۔ انسان نے چونکہ عاقبت اندیشی کی بناء پر بار امانت کو اٹھانے کی حامی بھری تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (2)۔ حضرت ابن عباس اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر اس امانت کو پیش کر کے فرمایا کہ اسے اس کے نتائج کی ذمہ داری کے ساتھ قبول کر لو، اگر تم نے اطاعت کی تو تمہاری مغفرت ہوگی اور اگر نافرمانی کی تو میں تمہیں عذاب دوں گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ میں نے اسے قبول کیا، پھر اسی دن عصر سے رات تک کی مقدار ہی وقت گزرا تھا کہ آپ سے لغزش کا ارتکاب ہو گیا(2)۔ ضحاک نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے قریب قریب روایت کی ہے لیکن اس میں شک وشبہ کی گنجائش ہے کیونکہ اس میں دونوں حضرات کے درمیان انقطاع ہے۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر، ضحاک، حسن بصری وغیرہ فرماتے ہیں کہ امانت سے مراد فرائض ہیں جبکہ دیگر حضرات کے بقول اس سے مراد اطاعت ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عورت کا اپنے گوہر عصمت کی حفاظت کرنا بھی امانت میں شامل ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ دین، فرائض اور حدود سب امانت ہیں۔ بعض نے غسل جنابت کو امانت کہا ہے۔ حضرت زید بن اسلم کے بقول تین چیزیں امانت ہیں: نماز، روزہ اور غسل جنابت۔ ان تمام اقوال کے درمیان کوئی تضاد نہیں بلکہ ان تمام سے مقصود یہ ہے کہ امانت سے مراد تکلیفات شرعیہ اور اوامر ونواہی کو قبول کرنا ہے۔ اگر انسان انہیں بجالائے گا تو اسے ثواب مرحمت کیا جائے گا اور اگر وہ انہیں ترک کر دے گا تو اسے سزا دی جائے گی۔ چنانچہ انسان نے اپنی کمزوری، جہل اور ظلم کے باوجود اسے قبول کر لیا بجز ان سعادت مند افراد کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق ارزانی فرمائی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو ان تہہ بہ تہہ پختہ آسمانوں پر پیش کیا جو ستاروں سے آراستہ اور عرش عظیم کو اٹھانے والے فرشتوں کا مسکن ہے اور انہیں کہا گیا کہ کیا تم اس امانت کو اس میں مضمر نتائج سمیت قبول کرو گے؟ انہوں نے عرض کی کہ اس میں مضمر نتائج کیا ہیں؟ فرمایا گیا کہ اگر تم نے احسن طریقے سے اس کی بجا آوری کی تو تمہیں اجر وثواب دیا جائے گا اور اگر کوتاہی کی تو سزا ملے گی، چنانچہ آسمانوں نے بار امانت اٹھانے سے معذرت کر لی، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے سات سخت ٹھوس زمینوں پر پیش کیا جنہیں میخوں سے مضبوط کر کے بچھونا بنایا گیا ہے اور انہیں بھی وہی ارشاد ہوا جو آسمانوں کو ہوا تھا لیکن انہوں نے بھی اظہار عجز کیا، پھر سخت، مضبوط اور بلند وبالا پہاڑوں پر اس امانت کو پیش کر کے اس کے نتائج سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے بھی عذر خواہی کی۔ مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو انسانوں، جنوں، آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کو جمع کیا۔ سب سے پہلے آسمانوں پر اس امانت (اطاعت) کو پیش کر کے فرمایا کہ کیا تم اس بار امانت کو اس شرط پر اٹھاؤ گے کہ تمہیں فضیلت، کرامت اور جنت میں اجر وثواب حاصل ہوگا؟ آسمانوں نے کہا: اے پروردگار! یہ ہمارے بس کی بات

1۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 54 2۔ تفسیر طبری، جلد 22، جلد 54

نہیں لیکن اس کے باوجود ہم تیرے مطیع ہیں۔ پھر زمینوں پر اس امانت کو پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ کیا تم اس امانت کو قبول کروگی اور اس کے بدلہ میں میں تمہیں دنیا میں فضل وکرامت سے نوازوں گا؟ عرض کرنے لگیں: اے پروردگار! ہم تیری مطیع اور فرمانبردار ہیں اور تیری نافرمانی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتیں لیکن اس امانت کے بوجھ کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں، پھر پہاڑوں نے بھی اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو قریب کیا اور فرمایا کہ کیا تم اس امانت کو اٹھاؤ گے اور اس کا حق ادا کرو گے؟ اس پر حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ اگر میں اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوا تو مجھے کیا ملے گا؟ فرمایا: اے آدم! اگر تم نے احسن طریقے سے اس ذمہ داری کو نبھایا، اطاعت کی اور اس کا حق ادا کر دیا تو تمہیں میرے ہاں جنت میں کرامت، فضیلت اور عمدہ اجر وثواب عطا ہوگا اور اگر تم نے نافرمانی کی، اس امانت کا حق ادا نہ کیا اور کوتاہی کی تو میں تمہیں سزا دوں گا اور آگ میں ڈال دوں گا۔ عرض کی: اے پروردگار! میں راضی خوشی اس بار امانت کو اٹھاتا ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے یہ امانت تمہارے سپرد کی۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر امانت پیش کی تو وہ عرض کرنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ہم پر تو پہلے ہی ستاروں اور فرشتوں کا بھاری بوجھ ہے، ہمیں ثواب کی آرزو نہیں اور نہ ہم اس فریضہ کے متحمل ہو سکتے ہیں، جب یہ امانت زمین پر پیش کی تو وہ کہنے لگی: اے پروردگار! مجھ میں درخت بوئے گئے، دریا جاری کیے گئے اور مخلوق کو آباد کیا گیا، مجھے ثواب کی خواہش نہیں اور نہ ہی مجھ میں اس فریضہ کو اٹھانے کی ہمت ہے اور پھر پہاڑوں نے بھی یہی جواب دیا لیکن انسان نے انجام سے بے خبری کی بناء پر اس امانت کو قبول کر لیا۔ ابن اشوع کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے امانت پیش کی تو یہ تین دن تک آہ وزاری کرتے ہوئے معذرت کے ساتھ عرض کرتے رہے: اے ہمارے پروردگار! ہم عمل کرنے سے بے بس ہیں اور ہمیں ثواب کی خواہش نہیں (1)۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ جب انسان نے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارا معاون ہوں۔ میں نے تمہاری آنکھوں پر دو پلکیں رکھ دیں، جب تمہیں آنکھوں کے گناہ میں مبتلا ہو جانے کے اندیشہ ہو تو انہیں بند کر لینا، میں نے تمہاری زبان پر دو ہونٹ بنا دیے، جب تمہیں زبان کے لغزش کھا جانے کا خطرہ ہو تو اسے بند کر لینا اور میں نے تمہیں تمہاری شرمگاہ کی حفاظت کے لئے تمہیں لباس دے دیا چنانچہ اسے غیر مناسب جگہ پر مت کھولنا۔ ابن زید اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب پر امانت کو پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ دین کے امین اور پابند ہوں گے اور اس پر ثواب وعقاب بھی مرتب ہوگا تو انہوں نے اظہار عجز کرتے ہوئے عرض کی کہ ہم مسخر اور پابند حکم رہنا چاہتے ہیں، ہمیں ثواب وعقاب کی خواہش نہیں۔ بالآخر جب انسان نے اس بار کو اٹھانے کی حامی بھر لی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب جبکہ تم نے اس امانت کو قبول کر لیا ہے تو میں تمہاری مدد کروں گا۔ میں تمہاری آنکھوں پر پردہ بنا دوں گا اور جب تمہیں حرام چیز کی طرف نگاہ کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہوگا تو اس وقت یہ پردہ اس پر ڈال دینا، میں تمہاری زبان کے لئے ایک پختہ دروازہ بنا دوں گا، جب تمہیں اس سے لغزش کے صدور کا خطرہ ہوگا تو اس دروازے کو بند کر دینا اور میں تمہاری شرمگاہ کے لئے لباس بنا دوں گا اور اسے صرف اس پر کھولنا جسے میں نے تمہارے لئے حلال کیا ہے (2)۔ حضرت حکم بن عمیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: "ابن آدم پر امانت اور وفا انبیاء کے توسل سے نازل ہوئیں، ان میں سے بعض رسول ہیں، بعض نبی اور بعض نبی اور رسول۔ اللہ کا کلام نازل ہوا، عجمی اور عربی زبانیں اتریں، لوگوں نے اپنی اپنی زبانوں میں اللہ کا کلام اور پیغمبروں کی سنتیں سیکھیں، اللہ تعالیٰ نے تمام اوامر ونواہی ان پر واضح کر دیے، یہ ان پر حجتیں ہیں، ہر زبان کے لوگ اچھے برے کی پہچان

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 670

2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 55

رکھتے ہیں۔ سب سے پہلی چیز جسے اٹھالیا جاتا ہے وہ امانت ہے اور اس کا معمولی سا اثر لوگوں کے دلوں میں باقی رہ جاتا ہے، پھر وفا، عہد اور ذمہ داری کو اٹھالیا جاتا ہے اور کتابیں باقی رہ جاتی ہیں، عالم عمل پیرا ہوتے ہیں اور جاہل انجان بنتے ہیں۔ اب یہ امانت اور وفا مجھ تک اور میری امت تک پہنچی۔ خبردار! اللہ تعالیٰ صرف اسی کو ہلاک کرتا ہے جو خود کو ہلاکت میں ڈالنے پر مصر ہے اور غافل وہی ہے جو ترک کرنے والا ہے، اے لوگو! محتاط رہو، وسوسہ ڈالنے والے چھپ چھپ کر حملہ آور ہونے والے شیطان سے بچو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں آزماتا ہے کہ تم میں سے سب سے زیادہ اچھے عمل والا کون ہے" (1)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے لیکن اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جو شخص انہیں قیامت کے دن ایمان کے ساتھ لائے گا، جنت میں داخل ہوگا: وضو، رکوع، سجود اور اوقات کی پابندی کے ساتھ جس نے نماز پنجگانہ کی پابندی کی اور خوشی خوشی اپنے مال سے زکوٰۃ ادا کرتا رہا۔ اللہ کی قسم! ایسا صرف مومن ہی کرتا ہے اور امانت کو ادا کرتا رہا۔" حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ امانت کی ادائیگی کیا ہے؟ فرمایا: غسل جنابت، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں اس کے سوا کسی اور چیز کی امانت ابن آدم کے سپرد نہیں کی(2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے، یا یہ فرمایا کہ یہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے بجز امانت میں خیانت کے۔ خائن سے کہا جائے گا کہ امانت ادا کرو۔ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! دنیا تو جاتی رہی، اب میں کہاں سے ادا کروں؟ تین مرتبہ ایسا ہی حکم ہوگا اور خائن یہی جواب دہرائے گا۔ پھر حکم ہوگا کہ اسے اس کے ٹھکانے ہاویہ میں لے جاؤ۔ فرشتے اسے پکڑ کر ہاویہ (دوزخ کا ایک گہرا طبقہ) میں پھینک دیں گے، وہ لڑھکتے لڑھکتے جب نیچے تک پہنچ جائے گا تو وہاں اسے امانت کی ہم شکل کوئی چیز نظر آئے گی۔ یہ اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر اوپر جہنم کے کنارے کی طرف چڑھنا شروع کر دے گا لیکن جونہی کنارے پر پہنچ کر نکلنا چاہے گا، اس کا قدم پھسل جائے گا اور نیچے گر پڑے گا۔ ہمیشہ ہمیشہ اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہے گا"۔ امانت نماز میں بھی ہے، روزہ میں بھی، وضو میں بھی اور گفتگو میں بھی اور ان سب سے زیادہ گراں امانت وہ چیزیں ہیں جو بطور ودیعت رکھی جائیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کے متعلق حضرت براء رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو ایسی حدیثیں سنی ہیں جن میں سے ایک کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں اور دوسری کے ظہور پذیر ہونے کا منتظر ہوں۔ آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا کہ امانت لوگوں کے دلوں میں اتاری گئی، پھر قرآن نازل ہوا۔ لوگوں نے قرآن بھی سیکھا اور سنت بھی۔ پھر آپ ﷺ نے امانت کے اٹھ جانے کے متعلق فرمایا کہ انسان سوئے گا تو اس کے دل سے امانت اٹھ جائے گی اور اس کا اس قدر نشان باقی رہ جائے گا جیسا کہ پاؤں پر انگارہ لڑھکنے کے سبب آبلہ نمودار ہو جاتا ہے لیکن اس کے اندر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ پھر آپ نے اپنے پاؤں پر ایک کنکر لڑھکا کر لوگوں کو دکھایا۔ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خرید و فروخت کریں گے لیکن ایماندار تقریباً کوئی بھی نہ ہوگا یہاں تک کہ مشہور ہو جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک امین شخص ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ ایک شخص کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ کس قدر قوی، زیرک اور عقلمند ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا جب میں بلاخوف و خطر خرید و فروخت کیا کرتا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میں جس شخص سے معاملہ کر رہا ہوں، اگر وہ مسلمان ہے تو ضرور میرا حق مجھ تک پہنچا دے گا اور اگر وہ یہودی یا نصرانی ہے تو

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 55
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 55، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 116-117

حکومت مجھے میرا حق دلوا دے گی لیکن آج کل یہ کیفیت ہے کہ میں تم میں سے صرف فلاں فلاں کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہوں(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "چار چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ تجھ میں پائی جائیں تو دنیا میں سے جو کچھ بھی تمہارا کھو جائے، کوئی حرج نہیں: امانت کی حفاظت، سچ گوئی، حسن خلق اور کسب حلال"(2)۔ امانت کی قسم اٹھانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کتاب الزھد میں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن حکیم حضرت زیاد بن حدیر کے ساتھ جا رہے تھے۔ دوران گفتگو ان کی زبان سے نکل گیا کہ امانت کی قسم۔ یہ سن کر حضرت زیاد زار و قطار رونے لگے، ابن حکیم کہتے ہیں کہ مجھے یہ خیال گزرا کہ مجھ سے کوئی سخت غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ میں نے گزارش کی کہ کیا آپ اسے مکروہ سمجھتے ہیں؟ فرمایا: ہاں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ امانت کی قسم اٹھانے سے بڑی سختی کے ساتھ منع کیا کرتے تھے(3)۔ ایک حدیث مرفوع میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "جس نے امانت کی قسم اٹھائی، وہ ہم میں سے نہیں"(4)۔ اگلی آیت میں فرمایا: لِّيُعَذِّبَ اللَّهُ یعنی اولاد آدم کو اس امانت (تکلیفات شرعیہ) کا اس لئے متحمل بنایا تاکہ اللہ تعالیٰ ان میں سے منافق مردوں اور عورتوں کو عذاب میں مبتلا کرے جو اہل ایمان کے خوف سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور اہل کفر کی متابعت میں کفر چھپائے ہوئے ہیں اور اسی طرح ان مشرک مردوں اور عورتوں کو بھی عذاب دے جو پوشیدہ اور علانیہ ہر طرح شرک اور پیغمبروں کی مخالفت کا ارتکاب کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان اہل ایمان پر نظر رحمت و کرم فرمائے جو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لانے کے علاوہ اچھے اعمال بھی بجا لاتے رہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، جلد 9 صفحہ 66۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 126-127
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 177
3۔ کتاب الزہد للامام عبداللہ بن المبارک: 70-71
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذور، جلد 3 صفحہ 223

سورۂ سبا (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَۃِ ؕ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْھَا ؕ وَھُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ۝

"سب تعریفیں اللہ کے لئے جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور ہر اس چیز کا جو زمین میں ہے اور اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں آخرت میں۔ اور وہی بڑا دانا ہر بات سے باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے۔ نیز وہ جانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوتا اور جو آسمان کی طرف عروج کرتا ہے۔ اور وہی ہمیشہ رحم فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات بابرکات کے متعلق فرما رہا ہے کہ دنیا وآخرت میں ہر قسم کی تمام تعریفیں صرف اسی کے لئے ہیں کیونکہ اہل دنیا و آخرت کو نعمتوں سے نوازنے والا بھی وہی ہے اور تمام کا حاکم و مالک بھی وہی ہے جیسا کہ فرمایا: وَھُوَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ لَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ ۫ وَلَہُ الْحُکْمُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (القصص:70) "اور وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، دنیا وآخرت میں ہر تعریف اسی کو زیبا ہے اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"۔ اس لئے یہاں فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ یعنی زمین وآسمان کی ہر چیز اس کی ملکیت اور اس کے زیر تصرف ہے اور ہر چیز اس کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَۃَ وَالْاُوْلٰی (اللیل:13) "یقیناً آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں"۔ پھر فرمایا: وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَۃِ ۔ یعنی تا ابد الآباد وہی معبود اور محمود ہے اور وہ اپنے اقوال، افعال، شرعی احکام اور تقدیر میں حکیم ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح آگاہ ہے، کوئی چیز نہ اس سے مخفی رہ سکتی ہے اور نہ غائب ہو سکتی ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنی مخلوق سے باخبر ہے اور اپنے حکم میں حکیم ہے، اس لئے فرمایا: یَعْلَمُ مَا یَلِجُ یعنی وہ زمین کے اجزا میں برسنے والے بارش کے قطروں، زمین میں پوشیدہ اور اگنے والے دانوں کو بھی جانتا ہے اور جو چیزیں زمین سے نکلتی ہیں، انہیں ان کی تعداد، کیفیت اور صفات سمیت خوب جانتا ہے، نیز اسے آسمان سے اترنے والی بارش، اس کے قطرات کی تعداد اور رزق کا بھی اچھی طرح علم ہے اور آسمان میں عروج کرنے والے اعمال صالحہ وغیرہ پر بھی وہ پوری طرح مطلع ہے، آیت کے آخر میں فرمایا: وَھُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ یعنی وہ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے اور وہ نافرمانوں کو جلد سزا نہیں دیتا، نیز وہ ان لوگوں کے گناہوں کو بخشنے والا ہے جو اس کے حضور توبہ کرتے ہیں اور اسی پر توکل کرتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَۃُ ؕ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّکُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَیْبِ ۚ لَا

يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا
فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۙ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ
رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝ وَ
يَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطِ
الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝

"اور کفار کہتے ہیں ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ فرمایئے ضرور آئے گی۔ مجھے اپنے رب کی قسم، جو عالم الغیب ہے، تم پر قیامت ضرور آئے گی۔ نہیں چھپی ہوئی اس سے ذرہ برابر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چھوٹی چیز ذرہ سے اور نہ کوئی بڑی چیز مگر وہ کتاب مبین میں (درج) ہے (قیامت آئے گی) تاکہ اللہ تعالیٰ جزا دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے یہی وہ (نیک بخت) لوگ ہیں جن کے لئے بخشش اور رزق کریم ہے۔ اور جو (بدبخت) کوشش کرتے رہے ہیں کہ ہماری آیتوں کو جھٹلا کر ہمیں ہرا دیں، یہی ہیں جن کے لئے بدترین قسم کا دردناک عذاب ہے اور جانتے ہیں وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے آپ کے رب کی طرف سے وہی (عین) حق ہے۔ اور عزت والے، سب خوبیوں سراہے (خدا) کا راستہ دکھاتا ہے"۔

قرآن کریم میں تین آیات ایسی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا ہے کہ آپ ان اہل کفر و عناد کے جواب میں وقوع قیامت پر اپنے رب عظیم کی قسم اٹھائیں جو بڑے شد و مد سے اس کا انکار کرتے ہیں، ان آیات میں سے ایک سورۂ یونس میں ہے: وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (یونس: 53) "اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ واقعی سچ ہے؟ فرمایئے، ہاں بخدا! واقعی یہ سچ ہے اور تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو"، دوسری آیت یہی مذکورہ بالا ہے اور تیسری آیت سورۂ تغابن میں ہے: زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (التغابن: 7) "کافر گمان کرتے ہیں کہ انہیں ہرگز دوبارہ زندہ نہ کیا جائے گا، فرمایئے کیوں نہیں میرے رب کی قسم! تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا پھر تمہیں آگاہ کیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے"۔ قسم کے بعد مزید تقریر و تاکید کرتے ہوئے فرمایا: عٰلِمِ الْغَيْبِ۔ مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ کا مطلب یہ ہے کہ ذرہ برابر بھی کوئی چیز اس سے غائب نہیں (1) یعنی ہر چیز اس کے علم میں ہے اور کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔ ہڈیاں اگر چہ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں اور ناپید ہو جائیں، پھر بھی اسے علم ہے کہ وہ بکھر کر کہاں کہاں چلی گئیں پھر وہ انہیں بالکل اسی طرح لوٹائے گا جیسا کہ اس نے پہلی مرتبہ تخلیق کیا تھا کیونکہ وہ ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا ہے۔ اس کے بعد اعادۂ ابدان اور وقوع قیامت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... رِّجْزٍ اَلِيْمٌ یعنی قیامت برپا کرنے میں یہ حکمت مضمر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزا عطا فرمائے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور یہی وہ سعادتمند ہیں جن کے لئے مغفرت اور باعزت رزق ہے۔ ان کے برعکس وہ لوگ جو دوسروں کو راہ خدا سے برگشتہ کرنے اور پیغمبروں کو جھٹلانے میں کوشاں رہے، ان کے لئے بدترین قسم کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 60

المناک عذاب ہے۔ مختصر یہ کہ قیامت اس لئے قائم ہوگی تا کہ سعادت مند اہل ایمان کو نعمتوں سے شادکام کیا جائے اور بدبخت اہل کفر کو عذاب دیا جائے جیسا کہ فرمایا: لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ (الحشر:20) ''جنتی اور دوزخی یکساں نہیں ہو سکتے۔ جنتی ہی تو کامیاب لوگ ہیں''۔ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (ص:28) ''کیا ہم بنا دیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان لوگوں کی مانند جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح بنا دیں گے''۔ پھر وقوع قیامت کی ایک اور حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ...... یعنی اہل ایمان جب اپنی آنکھوں سے وقوع قیامت اور نیکوں کو جزا ملنے اور بدوں کو سزا ملنے کا مشاہدہ کر لیں گے تو اس وقت انہیں عین الیقین حاصل ہو جائے گا اور وہ پکار اٹھیں گے: لَقَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (الاعراف:43) ''بے شک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے)۔ فرمایا: ''هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ'' (7) (یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا''۔ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ فَھٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ (الروم:56) ''تم نوشتہ الٰہی کے مطابق روز حشر تک ٹھہرے رہے ہو، پس یہ ہے روز محشر''۔ عزیز کا معنی ہے زبردست طاقت والا جسے نہ مغلوب کیا جا سکے اور نہ اس سے کوئی جھگڑا کیا جا سکے بلکہ وہی ہر چیز پر غالب ہے اور اپنے اقوال، افعال، شریعت اور قضاء وقدر میں سب خوبیوں سراہا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝

''اور منکرین (قیامت) کہتے ہیں (اے یارو!) کیا ہم پتہ بتائیں تمہیں اس شخص کا جو تمہیں خبردار کرتا ہے کہ جب تم (مرنے کے بعد) ریزہ ریزہ کر دیئے جاؤ گے تو تم ازسرنو پیدا کئے جاؤ گے؟ یا تو اس نے (یہ کہہ کر) اللہ پر جھوٹا بہتان لگایا ہے یا یہ دیوانہ ہے۔ (میرا حبیب نہ مفتری ہے نہ دیوانہ) بلکہ وہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ (کل) عذاب میں اور (آج) دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ انہیں آگے اور پیچھے سے آسمان اور زمین نے گھیر رکھا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو دھنسا دیں انہیں زمین میں یا گرا دیں ان پر چند ٹکڑے آسمان سے۔ درحقیقت اس میں (کھلی) نشانی ہے ہر اس بندے کے لئے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے''۔

کفار اور ملحدین کا ذکر ہو رہا ہے جو وقوع قیامت کو محال سمجھتے اور اس کے متعلق خبردار کرنے پر رسول اللہ ﷺ کا تمسخر اڑاتے۔ یہ منکرین قیامت ایک دوسرے سے کہتے کہ کیا ہم تمہیں ایسے شخص کا پتہ نہ دیں جو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی ہو جاؤ گے اور ریزہ ریزہ ہو کر زمین میں بکھر جاؤ گے تو اس کے بعد تمہیں ازسرنو زندہ کیا جائے گا اور رزق بھی دیا جائے گا۔ اس معاملہ میں اس شخص کی بابت دو ہی خیال ہو سکتے ہیں، یا تو یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے بذریعہ وحی قیامت کے متعلق آگاہ کیا گیا ہے یا پھر بات یہ ہے کہ اس

نے قصداً جھوٹ نہیں بولا بلکہ مجنون کی طرح اس کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے اور اسے جنون کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے جیسا کہ آیت میں ہے: اَفۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَمۡ بِہٖ جِنَّۃٌ اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلِ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ۔ یعنی معاملہ اس طرح نہیں جیسا کہ ان منکرین قیامت کا خیال ہے بلکہ محمد ﷺ راست گو، پاکباز اور ہدایت یافتہ ہیں اور آپ جو پیغام لائے ہیں وہ عین حق ہے جبکہ یہ منکرین جھوٹے، جاہل اور غبی ہیں۔ یہ ایسے کفر میں سرگرداں ہیں جو انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا اور یہ دنیا میں گمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں جو حق سے بالکل بعید ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں زمین و آسمان کی تخلیق میں اپنی قدرت کاملہ پر آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ یعنی یہ لوگ جس طرف بھی متوجہ ہوں اور جہاں بھی جائیں، انہیں اوپر سے آسمان اور نیچے سے زمین گھیرے ہوئے ہے جیسا کہ فرمایا: وَالسَّمَآءَ بَنَیۡنٰہَا بِاَیۡىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ ۞ وَالۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰہَا فَنِعۡمَ الۡمٰہِدُوۡنَ (الذاریات: 48-47)

''اور ہم نے آسمان کو (قدرت کے) ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اسے وسیع کر دیا اور زمین کا ہم نے فرش بچھا دیا پس ہم کتنے اچھے بچھانے والے ہیں''۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ تم اپنی دائیں جانب دیکھو یا بائیں جانب، سامنے دیکھو یا پیچھے، ہر طرف تمہیں زمین و آسمان دکھائی دیں گے۔ پھر فرمایا: اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ یعنی اگر ہم چاہیں تو اپنی قدرت سے انہیں ان کے ظلم کے سبب زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے کچھ ٹکڑے گرا کر نیست و نابود کر دیں لیکن ہم اپنے حلم اور عفو کی وجہ سے انہیں مہلت دیتے ہیں۔ قتادہ کے بقول ''منیب'' کا معنی ہے تائب۔ ایک اور روایت میں آپ سے اس کا معنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا بھی منقول ہے یعنی زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرنے میں ہر اس زیرک اور عقلمند بندے کے لئے اعادۂ اجساد اور وقوع قیامت پر قدرت الٰہی کی دلیل ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہے کیونکہ جو ذات آسمانوں کو ان کی بلندی اور وسعت کے ساتھ اور زمینوں کو پستی اور اس قدر طول و عرض کے ساتھ پیدا کرنے پر قادر ہے، اسے اعادۂ اجسام اور بوسیدہ ہڈیوں کو از سر نو پیدا کرنے پر بھی پوری پوری قدرت حاصل ہے جیسا کہ فرمایا: اَوَلَیۡسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَہُمۡ ؕ بَلٰی (یٰسین: 81) ''کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، قادر نہیں کہ ان جیسی مخلوق پیدا کر سکے۔ بلاشبہ وہ ایسا کر سکتا ہے''۔ لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَکۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ (المومن: 57) ''بے شک آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بہت بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَہٗ وَالطَّیۡرَ ۚ وَاَلَنَّا لَہُ الۡحَدِیۡدَ ۞ اَنِ اعۡمَلۡ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرۡ فِی السَّرۡدِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ اِنِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ۞

''بے شک ہم نے داؤد کو اپنی جناب سے بڑی فضیلت بخشی۔ (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! تسبیح کہو اس کے ساتھ مل کر اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا نیز ہم نے لوہے کو اس کے لئے نرم کر دیا (اور حکم دیا) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں اندازے کا خیال رکھو اور (اے آل داؤد) نیک کام کیا کرو۔ بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو میں انہیں خوب دیکھ رہا ہوں''۔

اس فضل و کرم کا ذکر ہو رہا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت داؤد علیہ السلام کو نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے علاوہ عظیم بادشاہت اور کثیر لاؤ لشکر سے بھی سرفراز کیا، مزید برآں آپ کو حسن صوت بھی ارزانی فرمائی۔ جب آپ اپنی دلکش اور شیریں آواز میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تو بلند و بالا ٹھوس پہاڑ بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں مصروف ہو جاتے اور فضا میں پرکشا پرندے اپنی پرواز روک کر ٹھہر جاتے اور آپ کے ساتھ مل کر اپنی اپنی بولیوں میں اپنے رب کی حمد و ثناء کے گیت گاتے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ

اشعری رضی اللہ عنہ رات کے وقت قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر رسول اللہ ﷺ ٹھہر گئے اور کافی دیر سنتے رہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی میں سے حصہ ملا ہے (1)۔ ابو عثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز سے زیادہ پیاری اور شیریں آواز آلات موسیقی کی بھی نہیں سنی۔ حضرات ابن عباس اور مجاہد وغیرہ کے بقول "اَوِّبِي" کا معنی ہے "سَبِّحِي" یعنی تسبیح بیان کرو۔ ابو میسرہ کا خیال ہے کہ حبشی زبان میں اوبی کا معنی ہے تسبیح بیان کرو لیکن یہ قول محل نظر ہے، کیونکہ لغت عرب میں تاویب ترجیع کے معنی میں ہے۔ چنانچہ پہاڑوں اور پرندوں کو حکم ہوا کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اپنی آوازیں ملالیا کریں۔ زجاجی اپنی کتاب "الجمل" میں يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اے پہاڑو! دن بھر حضرت داؤد کے ساتھ چلتے رہا کرو۔ "تاویب" کا معنی ہے پورا دن چلنا۔ اس کے مقابلہ میں "سُرٰی" کا لفظ ہے جس کا معنی ہے رات کو چلنا (2) لیکن اس لفظ کی یہ تشریح بہت عجیب وغریب ہے کسی اور نے یہ معنی بیان نہیں کیا۔ اگرچہ لغوی اعتبار سے اس معنی کا بھی احتمال ہے لیکن یہاں آیت کریمہ میں یہ معنی مراد لینا حقیقت سے بہت دور ہے۔ صحیح معنی وہی ہے جو پہلے بیان ہوا یعنی تسبیح کرتے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام کا ساتھ دو۔ اس کے بعد ایک اور انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ۔ حضرات حسن بصری، قتادہ، اعمش وغیرہ کہتے ہیں کہ آپ کو لوہا بھٹی میں ڈالنے یا ہتھوڑے کے ساتھ کوٹنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی بلکہ آپ اپنے ہاتھ سے لوہے کو دھاگے کی طرح آسانی کے ساتھ موڑ لیتے، اس لئے فرمایا: اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ یعنی کشادہ زرہیں بناؤ۔ قتادہ کہتے ہیں کہ زرہ سازی آپ کا ایجاد کردہ فن ہے۔ ابن شوذب کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام ہر روز ایک زرہ تیار کرتے اور اسے چھ ہزار درہم کے عوض فروخت کر دیتے۔ دو ہزار درہم آپ اپنے اور اپنے گھر والوں کے اخراجات کے لئے رکھ لیتے اور باقی چار ہزار بنی اسرائیل کو کھانا کھلانے میں خرچ کر دیتے۔ فن زرہ سازی کی تعلیم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ یعنی زرہوں کے حلقے تنگ اور چھوٹے نہ بنائیں ورنہ پہننے والے کے لئے تکلیف کا باعث ہوں گی اور نہ ہی بہت بڑے بڑے حلقے بنائیں ورنہ ان کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہے بلکہ قدر اور صحیح اندازے کے مطابق کڑیاں اور حلقے ہونے چاہئیں (3)۔ حضرت وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھیس بدل کر نکلتے اور لوگوں سے دریافت کرتے کہ داؤد کیسا آدمی ہے۔ آپ جس سے بھی پوچھتے وہ آپ کی عبادت، سیرت اور عدل کے متعلق بہت تعریف وتوصیف کرتا۔ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ انسانی صورت میں بھیجا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام کی اس سے ملاقات ہوئی تو آپ نے حسب معمول اس سے بھی وہی سوال کیا جو آپ دوسرے لوگوں سے کیا کرتے تھے۔ فرشتے نے جواب دیا کہ داؤد علیہ السلام اپنی ذات کے لئے اور اپنی امت کے لئے سب سے اچھے آدمی ہیں لیکن ان میں ایک ایسی چیز ہے کہ اگر وہ نہ ہوتی تو وہ کامل ہوتے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ کیا ہے؟ فرشتے نے جواب دیا کہ وہ مسلمانوں کے بیت المال میں سے خود بھی کھاتے ہیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی کھلاتے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت داؤد علیہ السلام عجز ونیاز سے بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے کہ اے اللہ! مجھے کوئی ایسا کام سکھا دے جس سے میری اور میرے اہل وعیال کی گزر اوقات ہوتی رہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے لوہا نرم کر دیا اور زرہ سازی کا فن سکھا دیا۔ زرہیں بنانا آپ ہی کی ایجاد ہے۔ آپ جو زرہ بناتے، اسے فروخت کر دیتے اور اس سے حاصل شدہ آمدنی کا ایک تہائی صدقہ کر دیتے، ایک تہائی کے عوض اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضروری اشیاء خرید لیتے اور ایک تہائی اپنے پاس رکھ لیتے تاکہ اگلی زرہ بنانے تک اس کا صدقہ کرتے رہیں۔ اللہ

1۔ صحیح بخاری، جلد 9 صفحہ 241، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 546   2۔ الجمل فی النحو از زجاجی: 152-153   3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 68

تعالیٰ نے جس حسن صوت سے آپ کو نوازا تھا، وہ کسی اور کو عطا نہیں ہوئی۔ جب آپ زبور کی تلاوت کرتے تو وحشی جانور آپ کے پاس جمع ہو جاتے اور ان پر بھی وجد کی کیفیت جاری ہو جاتی۔ شیاطین نے آپ کی آواز کی مختلف اصناف کے مطابق مختلف آلات موسیقی وضع کئے ہیں۔ آپ کو خوش الحانی کی ستر اقسام عطا ہوئیں تھیں۔ آل داؤد کو ان نعمتوں کا شکر بجالانے کی تلقین کرتے ہوئے اعمال صالحہ کی بجا آوری کی تاکید کی اور فرمایا: وَاعْمَلُوْا صَالِحًا یعنی نیک اعمال کرو۔ کیونکہ میں تمہارے اعمال واقوال کو خوب دیکھنے والا ہوں اور تمہاری کوئی چیز مجھ پر مخفی نہیں۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۗ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۗ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۗ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۗ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

''اور ہم نے مسخر کر دی سلیمان کے لئے ہوا۔ اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی۔ اور ہم نے جاری کر دیا ان کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ اور کئی جن (ان کے تابع کر دیئے) جو کام میں جتے رہتے ان کے سامنے ان کے رب کے اذن سے۔ اور جو سرتابی کرتا ان میں سے ہمارے حکم (کی تعمیل) سے تو ہم اسے چکھاتے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب۔ وہ بناتے آپ کے لئے جو آپ چاہتے پختہ عمارتیں، مجسمے، بڑے بڑے لگن جیسے حوض ہوں اور بھاری دیگیں جو چولہوں پر جمی رہتیں۔ اے داؤد کے خاندان والو! (ان نعمتوں پر) شکر ادا کرو۔ اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں۔''

جن انعامات سے حضرت داؤد علیہ السلام کو نوازا گیا تھا، ان کا ذکر کرنے کے بعد اب نعمتوں کا تذکرہ ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کو ارزانی فرمائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا، ہوا آپ کے تخت کو اپنے دوش پر اٹھاتی اور مہینہ بھر کی مسافت ایک صبح میں ہی طے ہو جاتی اور اسی قدر سفر شام کو طے ہو جاتا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹھ کر صبح کے وقت دمشق سے روانہ ہوتے اور تھوڑی دیر کے بعد اصطخر پہنچ کر کھانا کھاتے، اسی طرح شام کو اصطخر سے روانہ ہوتے اور رات ہوتے ہوتے کابل پہنچ جاتے۔ دمشق اور اصطخر کے درمیان ایک تیز رفتار سوار کے لئے پورے مہینے کا سفر ہے اور اسی طرح پوری سرعت کے ساتھ سفر کیا جائے تو اصطخر اور کابل کے درمیان بھی مہینہ بھر کی مسافت ہے۔ فرمایا: وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، عطاء وغیرہ کا کہنا ہے کہ ''قطر'' سے مراد تانبا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ پگھلے ہوئے تانبے کا یہ چشمہ یمن میں تھا۔ لوگ اسی تانبے کو کام میں لا رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے نکالا تھا۔ سدی کہتے ہیں کہ تین دن تک تانبے کا یہ چشمہ آپ کے لئے بہتا رہا(1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ ... یعنی ہم نے جنات کو آپ کا تابع فرمان بنا دیا جو آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام میں جتے رہتے اور آپ کی حسب خواہش عمارات بنانے اور دیگر امور

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 69-70

بجالانے میں مشغول رہتے۔ ان میں سے جو جن آپ کے حکم سے سرتابی کرتا، اسے آگ میں جلا دیا جاتا۔ ابن ابی حاتم نے اس مقام پر حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے ایک غریب حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنات کی تین اقسام ہیں: ایک قسم کے وہ جنات ہیں جن کے پر ہیں اور وہ ہوا میں اڑتے ہیں، دوسری قسم سانپ اور کتے اور تیسری قسم کے وہ جنات ہیں جو سفر و حضر میں رہتے ہیں۔'' ابن انعم کہتے ہیں کہ جنات کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم کے لئے تو ثواب وعقاب ہے، ایک قسم وہ ہے جو زمین و آسمان کے درمیان اڑتے ہیں اور ایک قسم سانپ اور کتے ہیں۔ انسان بھی تین قسم کے ہیں: ایک وہ جنہیں قیامت کے دن عرش الٰہی تلے سایہ نصیب ہوگا، ایک قسم جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ بدتر اور ایک قسم وہ جن کی شکلیں تو انسانوں جیسی ہیں لیکن دل شیطانوں کے سے۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنات ابلیس کی اولاد ہیں اور انسان آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے، دونوں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی، ثواب و عقاب میں دونوں شریک ہیں اور دونوں میں سے مومن اللہ کا دوست ہے اور کافر شیطان ہے۔ فرمایا: يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ ۔ خوبصورت عمارات اور رہائش گاہوں میں سب سے زیادہ نمایاں اور بہترین مقامات کو ''محاریب'' کہا جاتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ محلات سے کمتر عمارتوں کو محاریب کہتے ہیں، بقول ضحاک اس کا معنی مسجدیں ہیں، قتادہ کے بقول یہ محلات اور مساجد کے معنی میں ہے اور ابن زید کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے رہائش گاہیں۔ عطیہ عوفی ضحاک اور سدی کہتے ہیں کہ ''تماثیل'' کا معنی ہے تصویریں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ تانبے کی بنائی جاتی تھیں، قتادہ کہتے ہیں کہ یہ مٹی اور شیشے کی تھیں۔ ''جواب'' جابیہ کی جمع ہے، اس سے مراد وہ حوض ہے جس میں پانی آتا رہتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد زمین میں بہت بڑا گڑھا ہے اور آپ سے اس کا معنی حوض بھی منقول ہے۔ ''قدور راسیات'' سے مراد وہ بڑی بڑی دیگیں ہیں جو اپنی اپنی جگہ پر جمادی جاتی تھیں اور بھاری بھرکم ہونے کے سبب انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بہت دشوار تھا۔ فرمایا: اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا یعنی اے آل داؤد! دین و دنیا میں ہماری عطا کردہ نعمتوں پر شکر بجالاؤ۔ اس صورت میں ''شکرا'' مذکورہ فعل کے مصدر کا مترادف ہے یعنی نائب عن مفعول مطلق ہوگا۔ دوسری صورت میں یہ مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ شکر جس طرح قول اور نیت سے ہوتا ہے، اسی طرح فعل سے بھی ہوتا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن سلمی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز بھی شکر ہے، روزہ بھی شکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جانے والا ہر عمل خیر شکر ہے اور سب سے افضل شکر حمد ہے۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ تقویٰ اور عمل صالح شکر ہے۔ آل داؤد علیہ السلام قولاً اور فعلاً دونوں طرح سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتی تھی۔ حضرت ثابت البنانی فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے اہل و عیال، اولاد اور عورتوں پر اس طرح اوقات کی تقسیم کر رکھی تھی کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی فرد نماز میں مشغول ہوتا، اس طرح انہوں نے اس حکم کا حق ادا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب نماز داؤد علیہ السلام کی نماز تھی، آپ نصف شب سوتے، ایک تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ سوتے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن بغیر روزہ کے اور دشمن کے ساتھ مقابلہ میں فرار نہ ہوتے''(1)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی والدہ ماجدہ نے آپ سے فرمایا: بیٹے! رات کو زیادہ نہ سویا کرو کیونکہ رات کو زیادہ سونا آدمی کو قیامت کے دن فقیر بنا دیتا ہے''(2)۔ اس مقام پر ابن ابی حاتم میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ایک طویل اور غریب اثر مروی ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 4 صفحہ 195، صحیح مسلم، کتاب الصیام، جلد 2 صفحہ 816   2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 422

ابن ابی حاتم میں ہی حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! میں کیسے تیرا شکر ادا کروں جبکہ شکر بذاتِ خود تیری ایک نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اب تم نے میرا شکر ادا کیا جب تم نے یہ اعتراف کیا کہ تمام نعمتیں میری طرف سے ہیں۔ پھر حقیقت حال اور امر واقع کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿١٤﴾

''پس جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا نہ پتہ بتایا جنات کو آپ کی موت کا مگر زمین کے دیمک نے جو کھاتا رہا آپ کے عصا کو۔ پس جب آپ زمین پر آ رہے تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو (اتنا عرصہ) نہ رہتے اس رسوا کن عذاب میں''۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کی کیفیت بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی واضح کیا جا رہا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات کو ان جنات پر مخفی رکھا جو آپ علیہ السلام کے حکم سے بڑے کٹھن اور مشقت طلب کام انجام دینے کے پابند تھے۔ آپ علیہ السلام انتقال کے بعد بھی تقریباً ایک سال تک اپنے عصا پر ٹیک لگائے کھڑے رہے، اور جنات آپ کو زندہ خیال کرتے ہوئے محنت طلب کاموں میں مشغول رہے۔ جب دیمک نے آپ کے عصا کو چاٹ کر کھوکھلا کر دیا تو وہ آپ کا بوجھ نہ سہار سکا اور آپ زمین پر آ رہے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ آپ تو طویل عرصہ سے وفات پا چکے ہیں اور اب جنوں اور انسانوں پر یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ جنات کو غیب کا علم نہیں جیسا کہ وہ لاف زنی کرتے ہوئے لوگوں کو اس کا یقین دلایا کرتے تھے۔ اس بارے میں ایک مرفوع غریب حدیث مروی ہے لیکن اس کی صحت مشکوک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھتے تو آپ اپنے سامنے ایک درخت پاتے۔ اس سے پوچھتے کہ تمہارا نام کیا ہے؟ وہ کہتا کہ فلاں۔ آپ اس سے دریافت کرتے کہ تو کس مقصد کے لئے ہے؟ وہ مقصد بتا دیتا تو آپ اسے اسی مقصد کے لئے استعمال کرتے۔ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک درخت آپ کو دکھائی دیا۔ اس سے دریافت کیا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: خروب۔ فرمایا: تمہارا مقصد کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اس گھر کی ویرانی۔ اس وقت آپ نے عرض کی: اے اللہ! میری موت کو جنات پر مخفی رکھنا تاکہ انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ جنات غیب نہیں جانتے۔ آپ نے اس درخت سے عصا بنوایا اور اس پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اسی اثناء میں موت آ گئی اور آپ ایک سال تک عصا کے سہارے کھڑے رہے اور جنات آپ کو زندہ سمجھ کر کام میں جتے رہے۔ جب دیمک نے آپ کے عصا کو چاٹ کر کھوکھلا کر دیا تو آپ زمین پر آ رہے۔ اب انسانوں پر واضح ہو گیا کہ اگر جنات کو غیب کا علم ہوتا تو وہ ایک سال تک اس رسوا کن عذاب میں نہ رہتے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ''مَالَبِثُوا'' کے بعد ''حَوْلًا'' کا لفظ بھی ہے۔ جنات نے دیمک کا شکریہ ادا کیا اور وہ اسے پانی لا کر دیا کرتے تھے(1)۔ یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ یہ موقوف ہے۔ اس کے راوی عطاء بن ابی مسلم خراسانی کی بعض حدیثوں میں نکارت پائی جاتی ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ معمول تھا کہ آپ سال سال، دو دو سال، مہینہ مہینہ، دو دو مہینے یا اس سے کم و بیش مدت کے لئے بیت المقدس میں اعتکاف کیا کرتے تھے اور خورد و نوش کا سامان بھی ساتھ

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 74

رکھ لیتے۔ وفات کے وقت بھی آپ بیت المقدس میں تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہاں ہر صبح آپ کے سامنے ایک درخت نمودار ہو جاتا۔ آپ اس درخت کے پاس آتے اور اس سے پوچھتے کہ تمہارا نام کیا ہے تو وہ بتا دیتا کہ میرا نام فلاں ہے۔ پھر آپ اس سے اس کا فائدہ پوچھتے تو وہ بتا دیتا، چنانچہ آپ اسی مقصد کے لئے اسے بروئے کار لاتے۔ ایک دفعہ ایک درخت آپ کے سامنے ظاہر ہوا۔ دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ میرا نام خروبہ ہے، پھر آپ نے دریافت کیا کہ تمہیں کس مقصد کے لئے اگایا گیا ہے؟ اس نے کہا کہ اس مسجد کو اجاڑنے کے لئے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے زندہ ہوتے ہوئے تو مسجد ویران نہیں ہوگی، البتہ میری موت اور بیت المقدس کی ویرانی تیرے سبب سے ہوگی، چنانچہ آپ نے اسے وہاں سے اکھیڑ کر اپنے باغ میں لگا دیا۔ پھر آپ محراب میں داخل ہوئے اور اپنے عصا پر ٹیک لگائے نماز میں مصروف ہو گئے، اسی اثنا میں آپ وفات پا گئے اور شیاطین کو اس کا علم تک نہ ہوا۔ وہ حسب معمول آپ کے خوف سے کام میں جتے رہے اور آپ کو زندہ خیال کرتے ہوئے انہیں دھڑکا لگا رہتا کہ اگر کام میں سستی کی تو وہ انہیں سخت سزا دیں گے۔ شیاطین محراب کے ارد گرد جمع ہوئے۔ محراب کے آگے پیچھے روزن تھے۔ ان میں سے ایک نڈر شیطان کہنے لگا کہ اگر میں اس طرف کے سوراخ میں سے داخل ہو کر ادھر کے سوراخ سے نکل جاؤں تو کیا تم میری قوت اور جسارت تسلیم کرو گے؟ چنانچہ وہ اندر داخل ہوا اور صحیح سلامت باہر نکل آیا حالانکہ جو شیطان بھی محراب میں آپ کو نظر بھر کر دیکھتا، جل کر راکھ ہو جاتا، وہ وہاں سے گزرا تو اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی آواز نہ آئی، پھر وہاں سے گزرا لیکن اب بھی آپ کی آواز اسے سنائی نہ دی۔ اب اس کی ہمت اور بڑھی تو وہ مسجد میں داخل ہو گیا لیکن وہاں جانے کے باوجود وہ نہ جلا۔ اب اس نے نگاہ بھر کر آپ کو دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ آپ تو وفات پا چکے ہیں اور زمین پر پڑے ہوئے ہیں۔ اس نے فوراً لوگوں کو آپ کے انتقال کی خبر دی۔ لوگوں نے محراب کو کھولا اور آپ کے جسد اقدس کو باہر نکال لائے۔ آپ کے عصا کو دیمک چاٹ چکی تھی۔ یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ آپ کو وفات پائے کتنا عرصہ ہو چکا ہے، انہوں نے وہی عصا دیمک کے آگے ڈال دیا۔ ایک دن اور رات میں جس قدر دیمک نے اسے کھایا، اس سے انہوں نے اندازہ لگایا کہ آپ کو وصال فرمائے ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ آپ کی وفات کے ایک سال بعد تک بھی جنات آپ کی چاکری کرتے رہے۔ اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ جنات غیب دانی کے دعویٰ میں جھوٹے تھے۔ اگر انہیں غیب پر آگاہی ہوتی تو انہیں ضرور حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا علم ہو جاتا اور وہ سال بھر اس قدر مشقت نہ اٹھاتے۔ پھر شیاطین نے دیمک سے کہا کہ اگر تم کھانا کھاتیں تو ہم تمہارے لئے بہترین کھانا فراہم کرتے اور اگر تم کوئی مشروب پیتیں تو ہم تمہارے لئے بہترین مشروب مہیا کر دیتے۔ ہم تمہیں پانی اور مٹی لا دیا کریں گے۔ چنانچہ شیاطین یہ چیزیں دیمک کو فراہم کرتے رہتے ہیں۔ لکڑی کے اندر مٹی وہی ہے جو شیاطین بطور شکریہ اسے فراہم کرتے ہیں (1)۔ یہ اثر علماء اہل کتاب سے ماخوذ ہے۔ ایسی روایت میں سے صرف انہی باتوں کی تصدیق کی جا سکتی ہے جو حق کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں اور جو باتیں حق کے مخالف ہیں، انہیں جھٹلا دیا جائے گا اور باقی کی نہ تصدیق کی جائے گی اور نہ تکذیب۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا کہ میری موت سے کچھ پہلے مجھے اس کے بارے میں خبر کر دینا۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ملک الموت نے آپ کو آگاہ کر دیا کہ آپ کی وفات میں تھوڑا سا وقت باقی ہے۔ چنانچہ آپ نے شیاطین کو بلایا اور انہوں نے آپ کے حکم سے شیشے کا ایک محل تعمیر کر دیا جس کا دروازہ نہ تھا۔ آپ اس میں اپنے عصا پر ٹیک لگائے نماز پڑھنے لگے۔ اسی حالت میں ملک الموت نے آپ

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 75-74

کی روح قبض کر لی۔ آپ نے موت کے ڈر سے ایسا نہیں کیا تھا۔ جنات آپ کے سامنے کام کرتے رہے۔ وہ آپ کو دیکھ کر یہی سمجھتے کہ آپ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دیمک کو بھیج دیا جو آپ کے عصا کو چاٹنے لگی، جب آپ کا عصا اندر سے کھوکھلا ہو گیا تو وہ آپ کا وزن نہ سہار سکا، چنانچہ آپ زمین پر آ رہے۔ یہ دیکھ کر جنات کو آپ کی موت کا یقین ہو گیا اور وہ وہاں سے فرار ہو گئے۔ ایک سال تک دیمک عصا کو کھاتی رہی(1)۔ اور بھی متعدد سلف سے یہ مروی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ۝ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۝ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَ هَلْ نُجٰزِيْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝

"قوم سبا کے لئے ان کے مسکن میں ہی نشانی موجود تھی۔ (وہاں) دو باغ تھے ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور اس کا شکر ادا کرو۔ اتنا پاکیزہ شہر اور اپنا رب غفور! (اہل سبا! تمہاری خوش بختی کا کیا کہنا) پھر انہوں نے منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا اور ہم نے بدل دیا ان کے دو باغوں کو ایسے دو باغوں سے جن کے پھل ترش اور کڑوے تھے۔ اور ان میں جھاؤ کے بوٹے اور بیری کے درخت تھے۔ یہ بدلہ دیا ہم نے انہیں بوجہ ان کی احسان فراموشی کے اور بجز احسان فراموش کے ہم کسے ایسی سزا دیتے ہیں"۔

قوم سبا یمن میں آباد تھی، یہی یمن کے بادشاہ تھے، تبع بھی انہی میں سے تھے اور ملکہ بلقیس بھی انہی میں سے تھی۔ انہیں اپنے ملک میں ہر طرح کی نعمت اور خوشحالی حاصل تھی، دولت کی فراوانی تھی، غلوں اور پھلوں کی بہتات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے، انہوں نے انہیں حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ، اس کی وحدانیت کا اقرار کرو اور عبادت کے ذریعے اس کا شکر بجا لاؤ۔ کچھ عرصہ تو وہ عنایات ربانی پر شکر بجالاتے رہے لیکن پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کی تو ان پر تند و تیز سیلاب بھیج کر انہیں سزا دی گئی۔ یہ تباہی اور بربادی کا شکار ہوئے اور زندہ بچ جانے والے مختلف علاقوں میں بکھر گئے۔ اس کی تفصیلات ان شاء اللہ عنقریب بیان ہوں گی۔ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے سبا کے متعلق دریافت کیا کہ کیا یہ کسی مرد کا نام ہے یا عورت کا یا جگہ کا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ ایک مرد کا نام ہے جس کے دس بیٹے تھے، ان میں سے چھ یمن میں سکونت پذیر ہوئے اور چار شام میں آباد ہو گئے۔ یمن میں آباد ہونے والے یہ تھے: مذحج، کندہ، ازد، اشعری، انمار اور حمیر، شام میں بسنے والے یہ تھے: لخم، جذام، عاملہ اور غسان"(2)۔ حضرت فروہ بن مسیک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اپنی قوم میں سے اسلام کے ماننے والوں کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے ان افراد کے خلاف جنگ کروں جو اسے نہیں مانتے؟ فرمایا: ہاں، اپنی قوم کے ماننے والوں کے ساتھ نہ ماننے والوں کے خلاف جنگ کرو"۔ جب میں واپس جانے لگا تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا: "ان کے خلاف اس وقت تک جہاد نہ کریں جب تک انہیں اسلام کی دعوت نہ دے لیں"۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! سبا کے متعلق فرمایئے، کیا یہ کسی وادی کا نام ہے یا پہاڑ کا یہ کیا ہے؟

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 76-75   2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 316

فرمایا: "نہیں، بلکہ یہ عربوں کے ایک آدمی کا نام ہے جس کے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے۔ چھ یمن میں آباد ہو گئے اور چار شام میں، ازد، اشعری، حمیر، کندہ، مذحج اور انمار یمن میں چلے گئے۔ قبیلۂ انمار وہی ہے جس میں بجیلہ اور خثعم ہیں۔ لخم، جذام، عاملہ اور غسان شام میں فروکش ہو گئے" (1)۔ ایک اور روایت میں حضرت فروہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! قوم سبا کو زمانہ جاہلیت میں بہت عزت حاصل تھی، مجھے خدشہ ہے کہ وہ اسلام سے مرتد ہو جائیں گے، کیا میں ان کے ساتھ جنگ کروں؟ فرمایا: "مجھے ابھی تک ان کے بارے میں کوئی حکم نہیں ملا"۔ اس وقت مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! سبا کیا ہے؟ باقی وہی حدیث ہے جو شروع میں گزر چکی ہے۔ اس روایت میں غرابت ہے کیونکہ اس میں اس آیت کا نزول مدینہ میں مذکور ہے حالانکہ یہ ساری سورت مکی ہے۔ حضرت فروہ بن مسیک غطیفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے سبا کے متعلق بتائیے، کیا یہ جگہ کا نام ہے یا عورت کا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہ یہ کسی جگہ کا نام ہے اور نہ کسی عورت کا، بلکہ یہ ایک مرد کا نام ہے جس کے دس بیٹے تھے۔ چھ یمن میں اور چار شام میں سکونت پذیر ہو گئے، شامی یہ تھے: لخم، جذام، عاملہ اور غسان، یمنی یہ تھے: کندہ، اشعری، ازد، مذحج، حمیر اور انمار۔" اس آدمی نے دریافت کیا کہ انمار کون ہیں؟ فرمایا: "وہی جن میں سے خثعم اور بجیلہ ہیں" (2)۔ محمد بن اسحاق اور دیگر علمائے نسب کا کہنا ہے کہ سبا کا نام عبد شمس تھا اور اس کا نسب نامہ یہ بیان کیا ہے: عبد شمس بن یشجب بن یعرب بن قحطان (3)۔ یہ عربوں میں وہ پہلا شخص ہے جس نے جنگ میں قیدی بنانے کا رواج ڈالا، اس لئے اس کا لقب سبا پڑ گیا اور یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے فوجیوں میں مال غنیمت کی تقسیم کا آغاز کیا، اس لئے اسے "رائش" بھی کہا جاتا تھا۔ عرب مال کو ریش اور ریاش کہتے ہیں۔ مذکور ہے کہ اس بادشاہ نے کافی عرصہ پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دے دی تھی اور اس بارے میں اس نے کچھ اشعار بھی کہے تھے جن کا ترجمہ یہ ہے: ہمارے بعد ایک ایسا نبی ملک کا مالک ہوگا جو حرام کے ارتکاب کی اجازت نہیں دے گا، آپ کے بعد آپ کی قوم میں سے کچھ خلفاء ہوں گے جو آپ کی اطاعت میں خون کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے، پھر ہم میں سے بادشاہ ہوں گے جو باری باری مسند اقتدار پر براجمان ہوں گے۔ قحطان کے بعد ساری مخلوق کے سردار متقی نبی مالک بنیں گے جن کا نام نامی احمد ہوگا۔ کاش! آپ کی بعثت تک میں زندہ رہتا تاکہ ہر ممکن طریقے سے آپ کی مدد کرتا اور ہر خدمت بجا لاتا۔ جب آپ تشریف لائیں تو آپ کا معاون بن جانا اور جس شخص کی آپ ﷺ سے ملاقات ہو وہ آپ کی خدمت میں میرا اسلام پہنچا دے (4)۔ ہمدانی نے اپنی کتاب "الاکلیل" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ قحطان کے بارے میں تین اقوال ہیں: (۱) یہ ارم بن سام بن نوح کی نسل سے ہے۔ (۲) یہ عابر یعنی ہود علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ (۳) یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہے۔ یہ تمام تفصیلات حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الانباہ علی ذکر اصول القبائل الرواۃ" میں ذکر کی ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان کہ سبا عرب کا ایک شخص تھا، اس سے مراد وہ خالص عرب ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے سام بن نوح کی نسل سے ہوئے۔ تیسرا قول مشہور نہیں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں، لیکن صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبیلہ اسلم کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو تیر اندازی کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "اے اولاد اسماعیل! تیر اندازی کرو کیونکہ تمہارے باپ بھی تیر انداز تھے" (5)۔ اسلم انصار کا ایک قبیلہ ہے

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 316 | 2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 76-77 | 3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 10

4۔ البدایہ والنہایہ، جلد 2 صفحہ 147 | 5۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، جلد 4 صفحہ 219

اور انصار (اوس اور خزرج) غسان کی نسل سے ہیں جو سبا کی اولاد میں سے ہے اور یہ سب یمنی عرب ہیں۔ جب یمن میں سیلاب نے تباہی مچائی تو یہ لوگ یثرب میں آباد ہو گئے اور ان میں سے کچھ شام میں سکونت پذیر ہو گئے۔ انہیں غسان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نام کے ایک چشمہ پر فروکش ہوئے تھے جو یمن میں تھا۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ مشلل کے قریب ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایک شعر سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ غسان چشمہ کا نام ہے (1)۔ حضور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ سبا کے ہاں دس عرب پیدا ہوئے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی نسل میں سے یہ دس افراد وہ تھے جن تک یمن کے عرب قبائل کا سلسلہ نسب پہنچتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دس کے دس اس کے صلبی بیٹے تھے کیونکہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کے درمیان دو، تین یا اس سے کم و بیش نسلوں کا فاصلہ ہے جیسا کہ نسب کی کتابوں میں مذکور ہے۔ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ ان میں سے چھ یمن میں اور چار شام میں آباد ہو گئے، اس کا معنی یہ ہے کہ یمن میں تند و تیز سیلاب آنے کے بعد ان میں سے کچھ اپنے وطن میں آباد ہو گئے اور کچھ دوسرے علاقوں کی طرف کوچ کر گئے۔ اہل یمن نے مارب کے قریب ایک زبردست بند (ڈیم) تعمیر کیا ہوا تھا۔ اس بند کا قصہ یہ ہے کہ ان کے دونوں اطراف میں پہاڑ تھے جن کے درمیان سے نہریں اور چشمے بہہ بہہ کر ان کے شہروں کی طرف آتے اور برسات کے موسم میں برساتی نالوں کے ذریعے بارش کا پانی آتا۔ یمن کے قدیم بادشاہوں نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط اور زبردست بند تعمیر کروا دیا اور دونوں پہاڑوں کے کناروں پر مضبوط پشتہ بنوا دیا۔ اس بند میں اس قدر پانی ذخیرہ ہو جاتا جو ان کی سال بھر کی ضروریات کے لئے کافی ہو جاتا۔ جب سرزمین یمن کو بروقت پانی دستیاب ہونے لگا تو ہر طرف سرسبز و شاداب کھیت لہلہانے لگے اور دونوں طرف دور دور تک بکثرت باغات اپنی بہار دکھانے لگے۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ ایک عورت اپنے سر پر ٹوکرا اٹھائے ہوئے درختوں کے نیچے سے گزرتی تو درختوں سے خود بخود ہی اس قدر پھل جھڑتے کہ تھوڑی دور جانے کے بعد اس کا ٹوکرا پھلوں سے لد جاتا، پھل اس قدر پکے ہوئے اور کثرت سے ہوتے کہ انہیں توڑنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ یہ بند مارب میں تھا۔ مارب ایک شہر ہے جو صنعاء سے تین دن کی مسافت پر واقع تھا۔ یہ بند سد مارب کے نام سے مشہور تھا۔ بعض حضرات تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اس ملک کی آب و ہوا اس قدر معتدل اور پاکیزہ تھی، مزاج اس قدر لطیف اور صحت مند تھے اور عنایات خداوندی کی اس قدر بہتات تھی کہ وہاں مکھی، مچھر وغیرہ کا نام تک نہ تھا۔ ان عنایات سے مقصد یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کریں اور اس کی عبادت میں مشغول رہا کریں جیسا کہ فرمایا: لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ پھر اس نشانی کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ یعنی دونوں پہاڑوں کے اطراف میں باغات کا ایک وسیع سلسلہ تھا اور ان کے درمیان یہ شہر آباد تھا۔ انہیں حکم ہوا: كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ ..... یعنی اپنے رب کے دیئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو، اتنا پاکیزہ شہر اور ایسا رب غفور (اے اہل سبا! تمہاری خوش بختی کا کیا کہنا) بشرطیکہ تم توحید پر ڈٹے رہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: فَاَعْرَضُوْا۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید، عبادت اور اس کے انعامات پر شکر ادا کرنے سے منہ موڑ لیا اور سورج کی پرستش میں لگ گئے جیسا کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بتایا: وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ۔ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ (النمل: 22-24) وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف تیرہ نبی مبعوث فرمائے۔ سدی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بارہ ہزار پیغمبر بھیجے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے سمجھانے کے باوجود وہ گمراہی اور شرک پر بضد رہے جس کی پاداش میں تند و تیز سیلاب بھیج کر انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ ”عرم“ کا معنی ہے پانی۔ بعض کے بقول

1۔ دیوان حسان بن ثابت: 279

اس کا معنی وادی ہے، بعض نے کہا ہے: چوہا اور بعض کے بقول اس کا معنی ہے: بہت زیادہ پانی۔ اس صورت میں اسم (سیل) اپنی صفت (العرم) کی طرف مضاف ہوگا جیسا کہ "مسجد الجامع" اور "سعید کرز" میں ہے۔ حضرات ابن عباس، وہب بن منبہ، قتادہ اور ضحاک وغیرہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیلاب بھیج کر انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ایک چوہا بھیج دیا جو بند کی دیوار میں سوراخ کرتا رہا۔ جب پانی کا تند ریلا آیا تو یہ بند ٹوٹ گیا جس سے ہر طرف تباہی پھیل گئی۔ وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی کتابوں میں یہ بات لکھی ہوئی تھی کہ اس بند کی بربادی چوہے کے ہاتھوں ہوگی۔ چنانچہ چوہوں کے خطرہ کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے وہاں بلیاں رکھ لیں لیکن جب تقدیر آ پہنچی تو چوہا بند کی دیوار تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا اور اس کی نقب زنی سے بند ٹوٹ گیا۔ قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ چوہے کی نقب زنی کے باعث بند کمزور ہوگیا۔ بارشوں کے زمانہ میں سیلاب کی صورت میں پانی آیا اور جب اس کی موجیں اس بند سے ٹکرائیں تو اسے لرزا کر رکھ دیا۔ بند میں دراڑیں نمودار ہوئیں اور کچھ لمحوں کے بعد پانی کا تند ریلا اسے بہا لے گیا۔ اب ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ شہر ملیا میٹ ہوگئے۔ درخت اکھڑ گئے، لہلہاتے ہوئے کھیتوں کا نام ونشان تک باقی نہ رہا اور باغات اجڑ گئے۔ اب رنگا رنگ پھلوں سے لدے ہوئے درختوں کی بجائے ترش اور کڑوے پھلوں والے درخت، جھاؤ کے بوٹے اور چند بیری کے درخت نظر آنے لگے جیسا کہ فرمایا: وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ...... حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، قتادہ، عطاء، سدی اور حسن فرماتے ہیں کہ خمط کا معنی ہے پیلو کا درخت (1)۔ اثل جھاؤ کے بوٹے کو کہتے ہیں۔ سیلاب کے بعد اگنے والے بے میوہ اور بدمزہ درختوں میں سے بیری کا درخت کچھ اچھا اور کارآمد تھا، اس لئے وہ کم مقدار میں اگا۔ پھلدار باغات، خوش کن مناظر، گہرے سایوں اور بہتی ہوئی نہروں کے بدلے میں خاردار جھاڑیاں، ترش پھل، پیلو، جھاؤ اور بیری کے درخت اگانے کا سبب یہ تھا کہ وہ لوگ کفر وشرک پر بضد رہے، حق کو جھٹلاتے رہے اور باطل کے ساتھ چمٹے رہے، اس لئے فرمایا: ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا...... یعنی ہم نے ان کے کفر کے سبب انہیں سخت سزا دی اور ایسی سزا کافر کو ہی دی جاتی ہے۔ حضرت ابن خیرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادت میں سستی، معاش میں تنگی اور لذت میں دشواری، نافرمانی کا بدلہ ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ لذت میں دشواری کا کیا مقصد ہے؟ فرمایا: جب بھی لذت آنے لگے تو کوئی آکر اسے بے مزہ کردے۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾

"اور ہم نے بسا دی تھیں ان کے درمیان اور ان شہروں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی اور کئی بستیاں سر راہ اور ہم نے منزلیں مقرر کر دی تھیں ان میں آنے جانے کی۔ سیر وسیاحت کرو ان میں (جب چاہو) رات یا دن کے وقت امن و امان سے۔ پھر وہ بولے اے ہمارے رب! دور دراز کر دے ہماری مسافتوں کو۔ (یہ کہہ کر) انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ پس ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور ہم نے ان (کی جمعیت) کو پارہ پارہ کر دیا۔ (سبا کی) اس (داستان) میں عبرت کی نشانیاں ہیں ہر بہت صبر بہت شکر کرنے والے کے لئے"۔

قوم سبا کو جو نعمتیں عطا ہوئیں، ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ لوگ بہت خوشحال اور فارغ البال تھے، بہت اچھا ملک انہیں ملا تھا، ہر طرف

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 89

امن کا دور دورہ تھا، جا بجا پر رونق اور قریب قریب بستیاں آباد تھیں، درختوں کی بہتات تھی، سرسبز و شاداب کھیت اور پھلوں سے بھرپور باغات دعوت نظارہ دیتے تھے۔ مسافروں کو اپنے پاس زادراہ اور پانی رکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی تھی بلکہ جہاں کہیں وہ ٹھہرتے، وہاں انہیں پانی اور پھل بھی مل جاتا اور دوپہر کو قیلولہ کرنے اور شب باشی کرنے کے لئے بھی کسی بستی میں جگہ مل جاتی، غرضیکہ دوران سفر بھی انہیں ضرورت کی ہر چیز میسر تھی، اس لئے فرمایا: وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ ۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ "القریٰ" سے مراد صنعاء کی بستیاں ہیں۔ حضرات مجاہد، حسن، سعید بن جبیر، زید بن اسلم، قتادہ، ضحاک، سدی اور ابن زید کے بقول اس سے مراد شام کی بستیاں ہیں یعنی یمن سے شام تک سفر کرتے ہوئے وہ سرراہ لگاتار بستیاں پاتے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بیت المقدس ہے۔ ایک اور روایت میں آپ سے منقول ہے کہ اس سے مراد مدینہ اور شام کے درمیان واقع بستیاں ہیں(1)۔ ظاہرۃ کا معنی ہے واضح اور معروف جنہیں مسافر اچھی طرح جانتے تھے۔ کسی میں وہ قیلولہ کرتے اور کسی میں رات بسر کرتے، اس لئے فرمایا: وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ...یعنی ہم نے مسافروں کی ضرورت کے مطابق ان میں سفر کی منزلیں مقرر کر دیں جہاں انہیں امن حاصل تھا خواہ وہ دن کو سفر کرتے یا رات کو۔ لیکن کچھ مدت کے بعد وہ اس آرام دہ زندگی سے اکتا گئے اور دعا کرنے لگے: رَبَّنَا بٰعِدْ ۔ بَاعِدْ کی دوسری قرأت بَعِّدْ ہے۔ وہ سرکشی اختیار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری مسافتوں کو طویل کر دے، ایک پڑاؤ دوسرے پڑاؤ سے کافی دور ہو، ان کے درمیان وسیع و عریض سنسان صحراء اور غیر آباد ویرانے ہوں جنہیں عبور کرنے کے لئے انہیں زادراہ اور سواریوں کی ضرورت پڑے، چلچلاتی دھوپ جلائے اور خطرات کا سامنا کرنا پڑے، سفر کا مزہ تو تب ہے، اسی طرح بنی اسرائیل نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لہسن، پیاز اور ترکاری وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا حالانکہ انہیں پرآسائش زندگی حاصل تھی جس میں انہیں من وسلویٰ کے علاوہ خورد و نوش کی من پسند اشیاء اور لباس فاخرہ میسر تھا، اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا: أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ ۔ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ (البقرۃ:61) اور مقامات پر فرمایا: وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ (القصص:58) "اور ہم نے کتنے شہر برباد کر دیے جب وہ اپنی خوشحالی پر فخر کرنے لگے"۔ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً ۔ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ (النحل:112) "اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ ایک بستی تھی جو امن وچین سے آباد تھی اس کے پاس اس کا رزق ہر طرف سے بکثرت آتا تھا پس اس (کے باشندوں) نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھوک اور خوف کا لباس چکھا دیا ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے"۔ اور ان کے متعلق فرمایا: فَقَالُوا رَبَّنَا بٰعِدْ ۔ یعنی یہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری مسافتوں کو دور کر دے۔ انہوں نے کفر کے باعث اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ چنانچہ ہم نے انہیں افسانہ اور قصہ پارینہ بنا دیا، ان کے خلاف خفیہ تدبیر کی اور ان کی جمعیت کو تتر بتر کر دیا اور مختلف ممالک میں ان کا شیرازہ بکھر گیا، یہی وجہ ہے کہ جب کسی قوم کا شیرازہ بکھر جائے تو عرب بطور مثال کہتے ہیں: "تَفَرَّقُوا أَيْدِي سَبَا وَ أَيَادِي سَبَا وَ تَفَرَّقَ شَذَرَ مَذَرَ"۔ حضرت عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ قوم سبا میں کچھ کاہن تھے جنہیں شیاطین وہ باتیں بتایا کرتے تھے جو وہ چوری چھپے آسمان سے سننے میں کامیاب ہو جاتے۔ ان میں ایک بہت مالدار اور معزز کاہن تھا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اس کی قوم کی تباہی کا وقت قریب آ چکا ہے اور عذاب ان کے سروں پر کھڑا ہے۔ اس کے پاس بہت جائیداد تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ آخر کار اسے ایک تدبیر سوجھی۔ اس نے اپنے بیٹے کو بلایا جس کے ننھیال باقی بیٹوں کی نسبت

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 84

زیادہ معزز تھے، اور اسے کہنے لگا کہ میں ایک کام تمہارے ذمہ لگا رہا ہوں، انکار مت کرنا۔ کل جب لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں گے تو میں ان کے سامنے تمہیں کسی کام کا کہوں گا تو انکار کر دینا۔ میں تمہیں برا بھلا کہوں گا تو تم بھی ایسا ہی کرنا، پھر میں غصہ میں تمہیں تھپڑ مار دوں گا تو تم بھی مجھے تھپڑ مار دینا اس نے کہا: ابا جان! یہ جسارت میرے بس کی بات نہیں۔ کاہن کہنے لگا: بیٹے! ایک اہم معاملہ درپیش ہے جس کی وجہ سے ایسا کرنا ناگزیر ہے۔ اس کے بار بار کہنے سے اس کا بیٹا قائل ہو گیا۔ اگلے دن جب صبح ہوئی اور لوگ اکٹھے ہو گئے تو کاہن نے کہا: بیٹے! ذرا یہ کام کر دینا۔ اس نے انکار کر دیا۔ باپ نے اسے جھڑکا تو اس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ جھگڑے نے طول اختیار کیا تو باپ نے بیٹے کو پکڑا اور اسے ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ جواب میں بیٹے نے بھی باپ کو تھپڑ دے مارا۔ کاہن غصہ سے کہنے لگا کہ میرا بیٹا مجھے تھپڑ مارنے کی جسارت کر رہا ہے، چھری لاؤ میں ابھی اپنے بیٹے کو ذبح کر دوں گا، لوگ کہنے لگے کہ کیا تم اپنے بیٹے کو ذبح کر دو گے؟ ایسا نہ کرو بلکہ اسے کوئی اور سزا دے لو لیکن وہ اسے ذبح کرنے پر ہی مصر رہا۔ لوگوں کے پیغام بھیجنے پر لڑکے کے ماموں بھی آ گئے۔ جب انہیں واقعہ کا علم ہوا تو وہ کاہن سے کہنے لگے کہ تم جو کچھ لینا چاہتے ہو، ہم سے لے لو لیکن اپنے بیٹے کو ذبح نہ کرو۔ اس کے باوجود کاہن اپنے عزم پر ڈٹا رہا۔ وہ کہنے لگے کہ اگر تم اپنی بات پر بضد ہو تو ایسا کرنے سے پہلے ہی ہم تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ وہ کہنے لگا کہ اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے، اس لئے میں ایسے شہر میں نہیں رہوں گا جہاں مجھے اپنے بیٹے پر بھی اختیار حاصل نہ ہو۔ مجھ سے میرا گھر بار اور جائیداد خرید لو۔ چنانچہ اس نے اپنا گھر، زمین اور جائیداد بیچ دی اور جب تمام قیمت وصول کر لی تو کہنے لگا: اے میری قوم! عذاب تمہارے اوپر منڈلا رہا ہے، تمہاری بربادی کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ تم میں سے جو نئے گھر کی خواہش میں مشقت اٹھا کر طویل سفر کر سکتا ہے، وہ عمان چلا جائے، جو تم میں سے خورد و نوش کا اشتیاق رکھتا ہے، وہ بصری چلا جائے اور جو شخص باغات میں بیٹھ کر آزادی سے مزیدار اور تازہ کھجوریں کھانا چاہے وہ کھجوروں کی سرزمین یثرب کی طرف چلا جائے۔ چنانچہ اہل عمان عمان کی طرف، غسان بصری کی طرف اور اوس، خزرج اور بنو عثمان یثرب کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ جب یہ بطن مر کے مقام پر پہنچے تو بنو عثمان کہنے لگے کہ یہ اچھی جگہ ہے، ہم اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔ چنانچہ وہ یہیں قیام پذیر ہو گئے۔ اس لئے ان کا نام خزاعہ پڑ گیا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے۔ اوس اور خزرج سفر جاری رکھتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے، اہل عمان نے عمان کا اور غسان نے بصری کا رخ کر لیا(1)۔ یہ اثر بہت عجیب و غریب ہے۔ اس کاہن کا نام عمرو بن عامر تھا جو یمن کے رؤساء اور سبا کے عظماء میں سے تھا۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ سیلاب کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے سب سے پہلے یہی کاہن یمن سے نکلا۔ یمن کو چھوڑنے کا سبب یہ تھا کہ اس نے ایک چوہے کو دیکھا جو سد مأرب میں سوراخ کر رہا تھا۔ اس سے اسے معلوم ہو گیا کہ اب یہ بند باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ اس نے یمن سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کا عزم کر لیا اور وہ مکر بروئے کار لایا جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ جب اس نے غصہ میں کہا کہ میں ابھی اپنی جائیداد اور زمین بیچتا ہوں تو یمن کے اشراف کہنے لگے کہ عمرو کے غصہ کو غنیمت جانو۔ چنانچہ انہوں نے اونے پونے داموں میں اس کی تمام جائیداد خرید لی۔ سب کچھ فروخت کرنے کے بعد وہ اپنے بیٹوں اور ان کی اولاد کو لے کر چل پڑا۔ بنی اسد نے جب یہ دیکھا تو وہ کہنے لگے کہ ہم عمرو بن عامر کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے، چنانچہ انہوں نے بھی اپنی جائیداد بیچی اور اس کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ قبیلہ عک کے علاقے سے گزرتے ہوئے ان کے ساتھ ان کی لڑائی چھڑ گئی جس میں دونوں کا پلہ برابر رہا۔ پھر وہاں سے کوچ کر کے وہ مختلف علاقوں میں تتر بتر ہو گئے۔ آل جفنہ بن عمرو بن عامر شام میں، اوس

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 688-689

خزرج یثرب میں، خزاعہ مر میں، ازد سراۃ سراۃ میں اور ازد عمان عمان میں فروکش ہو گئے۔ اس کے بعد زبردست سیلاب آیا جس نے ڈیم کو منہدم کر دیا(1)۔ سدی کہتے ہیں کہ عمرو بن عامر نے اپنے مکر و تدبیر سے اپنے بیٹے کو نہیں بلکہ اپنے بھتیجے کو شریک کیا تھا۔ گمان کیا جاتا ہے کہ عمرو بن عامر قوم کا چچا تھا۔ اس نے اپنی کہانت کے زور پر محسوس کیا کہ اس کی قوم کا شیرازہ بکھرنے والا ہے اور ان کی مسافتوں کو دور کر دیا جائے گا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ عنقریب تم منتشر ہو جاؤ گے۔ تم میں سے جو عالی ہمت اور طاقتور ہے وہ کاس یا کرود چلا جائے۔ چنانچہ وادعہ بن عمرو نے اس طرف کا رخ کیا، وہ تم میں سے کم ہمت ہے جو سرزمین شن کی طرف چلا جائے، ادھر جانے والے عوف بن عمرو تھے جنہیں بارق کہا جاتا تھا۔ جو تم میں سے آسان روزی اور پر امن حرم کا خواہشمند ہے، وہ ارزین چلا جائے۔ یہ خزاعہ تھے۔ جو تم میں سے باغات میں بیٹھ کر کھجوریں کھانے کا متمنی ہے وہ یثرب چلا جائے، یہ اوس اور خزرج تھے جنہیں بعد میں انصار کا لقب ملا اور جو تم میں سے اشیائے خورد و نوش شراب، ریشم اور حکومت کا دلدادہ ہے وہ کوثی اور بصری کی طرف چلا جائے۔ یہ شاہان شام غسان بنو جفنہ تھے اور ان میں سے کچھ عراق چلے گئے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ پیشین گوئی عمرو بن عامر کی بیوی طریفہ نے کی تھی۔ وہ کاہنہ تھی اور اس نے اپنی کہانت سے یہ بات معلوم کر کے لوگوں کو بتائی تھی(2)۔ شعبی کہتے ہیں کہ غسان عمان میں آباد ہو گئے، انصار یثرب میں، خزاعہ تہامہ میں اور ازد عمان میں۔ غسان اور ازد کی جمعیت کو بھی پارہ پارہ کر دیا گیا(2)۔ اعشیٰ میمون بن قیس نے ان کی بربادی کا قصہ اپنے اشعار میں بیان کیا ہے کہ اس واقعہ میں نشان عبرت ہے، یہ لوگ بلند و بالا عالی شان عمارتوں میں رہائش پذیر تھے لہلہاتے کھیت اور پھلوں سے لدے ہوئے باغات انہیں میسر تھے اور ہر طرح کی خوشحالی انہیں نصیب تھی لیکن ڈیم کے بہہ جانے سے اب ان کی حالت یہ ہو گئی کہ یہ پانی کی ایک ایک بوند کو ترسنے لگے(3)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ یعنی اس قوم پر اترنے والے عذاب اور ان کے کفر اور گناہوں کے سبب رحمت کو زحمت میں اور عافیت و نعمت کو عقوبت میں تبدیل کر دینے میں ہر اس شخص کے لئے عبرت کی نشانیاں ہیں جو مصائب پر صبر کرتا ہے اور نعمتوں پر شکر بجا لاتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر مجھے تعجب ہے۔ اگر اسے خیر پہنچے تو وہ اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور اس کا شکر بجا لاتا ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ مومن کو ہر چیز کا اجر عطا کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس لقمے کا بھی جو وہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے"(4)۔ صحیحین کی ایک حدیث اس کی شاہد ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: "مومن کے معاملہ پر تعجب ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جو بھی فیصلہ فرمائے، وہ اس کے لئے موجب خیر ہے۔ اگر اسے راحت ملے تو وہ شکر بجا لاتا ہے اور یہ اس کے لئے باعث خیر ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لئے خیر ہے۔ یہ کرم نوازی مومن کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں"(5)۔ حضرت مطرف فرمایا کرتے تھے کہ صابر و شاکر بندہ کتنا اچھا ہے کہ جب اسے کچھ عطا کیا جاتا ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور جب اس پر آزمائش آتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے(6)۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لَهٗ

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 10-13
2۔ تفسیر طبری، حصہ 22 صفحہ 86
3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 14
4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 173
5۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 2295، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 332, 333, 15/6
6۔ تفسیر طبری، جلد 33 صفحہ 87، الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 694

عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِالۡاٰخِرَةِ مِمَّنۡ هُوَ مِنۡهَا فِىۡ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَفِيۡظٌ ۝

''اور بے شک سچ کر دکھایا ان (ناشکروں) پر شیطان نے اپنا گمان سو وہ اس کی تابعداری کرنے لگے بجز مومنوں کے ایک گروہ کے (جو حق پر ڈٹا رہا) اور نہیں حاصل تھا شیطان کو ان پر ایسا قابو (کہ وہ بے بس ہوں) مگر یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ہم دکھانا چاہتے تھے کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کے متعلق شک میں مبتلا ہے، اور (اے حبیب!) آپ کا رب ہر چیز پر نگہبان ہے''۔

قوم سبا اور اس قماش کے دوسرے لوگوں کے متعلق خبر دی جا رہی ہے جنہوں نے شیطان اور خواہشات نفسانی کی پیروی کی اور ہدایت کی ڈٹ کر مخالفت کی، ان کے متعلق فرمایا: وَلَقَدۡ صَدَّقَ عَلَيۡهِمۡ اِبۡلِيۡسُ ظَنَّهٗ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے جس میں ابلیس نے انکار سجدہ کی پاداش میں راندۂ درگاہ ہو جانے پر کہا تھا: اَرَءَيۡتَكَ هٰذَا الَّذِىۡ كَرَّمۡتَ عَلَىَّ لَئِنۡ اَخَّرۡتَنِ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَاَحۡتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلًا (بنی اسرائیل:62) ''مجھے بتا، یہ جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے (اس کی وجہ کیا ہے) اگر تو مجھے روز قیامت تک مہلت دے تو میں اس کی اولاد کو جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گا سوائے چند افراد کے''، اسی طرح اس نے کہا تھا: ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ (الاعراف:17) ''پھر میں ضرور آؤں گا ان کے پاس ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے اور تو نہ پائے گا ان میں سے اکثر کو شکرگزار''۔ اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حضرت حوا علیہا السلام سمیت جنت سے نیچے زمین پر اتارا تو اس وقت ابلیس خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا کیونکہ اسے مقصد میں کچھ کامیابی حاصل ہوئی تھی، کہنے لگا کہ جب ان پر میرا وار خطا نہیں گیا تو ان کی اولاد تو ان سے بھی بہت کمزور ہوگی۔ یہ ابلیس کا گمان تھا جس کے متعلق فرمایا: وَلَقَدۡ صَدَّقَ عَلَيۡهِمۡ ۔ اس وقت ابلیس نے کہا تھا کہ میں ابن آدم کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا، میں اسے سبز باغ دکھاتا رہوں گا، جھوٹی آرزوئیں دلاتا رہوں گا اور طرح طرح سے اسے فریب میں مبتلا رکھوں گا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! میں ابن آدم کے لئے موت کے غرغرے سے پہلے تک توبہ کا در کھلا رکھوں گا، وہ مجھ سے دعا کرے گا تو میں اس کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازوں گا، وہ مجھ سے مانگے گا تو میں اسے عطا کروں گا اور وہ مجھ سے استغفار کرے گا تو میں اسے بخش دوں گا(1)۔ فرمایا: وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول سلطان کا معنی حجت ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ شیطان کے بس میں نہ تھا کہ وہ انسانوں کو مارتا پیٹتا اور نہ ہی اسے یہ اختیار تھا کہ وہ انہیں کسی چیز کے ارتکاب پر زبردستی مجبور کرتا، صرف دھوکہ، فریب، وسوسہ اور جھوٹی امنگیں تھیں جن سے اس نے انہیں دعوت دی تو وہ اس کی اتباع کرنے لگے۔ فرمایا: اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ يُّؤۡمِنُ ... یعنی ہم نے ان پر شیطان کو اس لئے مسلط کیا تاکہ واضح ہو جائے کہ کون قیامت، حساب اور جزا پر ایمان رکھتے ہوئے اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور کون اس میں شک کا اظہار کرتا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَفِيۡظٌ یعنی اس کی حفاظت اور نگہبانی کے باوجود وہ لوگ گمراہ ہو گئے جنہوں نے ابلیس کی اتباع کی اور اس کی نگرانی اور نگہبانی کے طفیل پیغمبروں کی فرمانبرداری کرنے والے اہل

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 695

ایمان سلامتی پا گئے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾

”آپ فرمائیے (اے مشرکو!) تم پکار دیکھو جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا معبود خیال کرتے ہو۔ یہ تو ذرہ برابر کے بھی مالک نہیں ہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا زمین و آسمان میں کچھ حصہ ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا ان میں سے کوئی مددگار ہے۔ اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لئے اس نے اجازت دی ہو یہاں تک کہ جب دور کر دی جاتی ہے گھبراہٹ ان کے دلوں سے تو پوچھتے ہیں کیا ارشاد فرمایا تمہارے رب نے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس نے حق فرمایا ہے اور وہ بڑی شان والا سب سے بڑا ہے“۔

بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد، اکیلا، یکتا اور بے نیاز ہے، وہی معبود حقیقی ہے، نہ کوئی اس کی نظیر ہے اور نہ کوئی اس کا شریک، نہ کوئی اس کا مدمقابل ہے اور نہ مخالف۔ وہی ہر چیز کا مالک ہے۔ فرمایا: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ ۔ یعنی آپ انہیں فرما دیں کہ اے مشرکو! تم انہیں پکارو جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا معبود خیال کرتے ہو۔ یہ تو زمین و آسمان میں ذرہ برابر چیز کے بھی مالک نہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ (فاطر: 13) ”اور وہ (بت) جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا، وہ تو گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں“۔ مزید فرمایا: وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا ۔ یعنی ان معبودان باطلہ کو نہ تو مستقل کسی چیز کی ملکیت حاصل ہے اور نہ ہی بطور شراکت، اور ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا مددگار بھی نہیں جو امور کی انجام وہی میں اس کی مدد کرے بلکہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی محتاج اور اس کے سامنے سرافگندہ ہے۔ پھر فرمایا: وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ ۔۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت، جلال اور کبریائی کے سامنے کسی کو جرأت نہ ہوگی کہ وہ اس کے ہاں اس کے اذن کے بغیر کسی کی شفاعت کرے جیسا کہ فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرة: 255) ”کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے“، وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْضٰى (النجم: 26) ”اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے اذن دے اور پسند فرمائے“۔ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (الانبیاء: 28) ”اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں“۔ تمام اولاد آدم کے سردار اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑے شفیع حضرت محمد ﷺ مقام محمود پر کھڑے ہو کر تمام مخلوق کی شفاعت کریں گے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے فیصلے کرنے کے لئے تشریف لائے تو اس کے بارے میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا، جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا، میں سجدہ میں ہی پڑا رہوں گا اور اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی ایسی تعریفیں القاء فرمائے گا جن کا میں اب احاطہ نہیں کر سکتا۔ پھر کہا جائے گا: اے محمد ﷺ! اپنا

سر اٹھاؤ، کہو تمہاری بات سنی جائے گی، مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی" (1)۔ فرمایا: حَتّٰىٓ اِذَا فُزِّعَ ۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا بیان ہو رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے تو آسمان کے فرشتے اسے سن کر ہیبت سے کانپ اٹھتے ہیں اور ان پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ اور سراسیمگی دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ چنانچہ حاملین عرش اپنے پاس والے فرشتوں کو اس وحی سے آگاہ کرتے ہیں اور وہ اپنے سے نیچے والے فرشتوں کو خبر کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ خبر آسمان دنیا کے فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے فرمایا: قَالُوا الْحَقَّ یعنی وہ اس فرمان کو بغیر کمی بیشی کئے پہنچا دیتے ہیں۔ فزع کی دوسری قرأت فُرِّغَ ہے (2)۔ یہ دونوں ہم معنی ہیں۔ دوسرے حضرات اس فرمان حَتّٰىٓ اِذَا فُزِّعَ ۔ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد مشرکین ہیں، نزع کے وقت اور قیامت کے دن ان کی یہ کیفیت ہوگی، جب وہ اپنی غفلت سے بیدار ہوں گے اور قیامت کے دن ان کے ہوش و حواس ٹھکانے آئیں گے تو اس وقت وہ چونک کر پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ انہیں جواب ملے گا کہ حق فرمایا اور انہیں اس حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے گا جس سے وہ دنیا میں غافل اور لاپرواہ تھے۔ مجاہد اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن جب ان کے دلوں سے پردہ اٹھا دیا جائے گا۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے دلوں سے شک اور تکذیب کو دور کر دیا جائے گا۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ شیطان اور ان کے وسوسے دلوں سے دور ہو جائیں گے۔ ایسا موت کے وقت ہوتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت کا اقرار کر لیتے ہیں لیکن اس وقت کا اقرار کچھ نفع نہیں پہنچاتا (3)۔ ابن جریر نے پہلے قول کو پسند کیا ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں اور یہی حق ہے جس میں کوئی شک نہیں کیونکہ احادیث و آثار سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ امام بخاری اس آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے پر جھکا لیتے ہیں، کلام الٰہی اس طرح واقع ہوتا ہے جیسے پتھر پر زنجیر لگنے کی آواز۔ جب ان کے دلوں سے خوف و ہراس دور ہوتا ہے تو وہ پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ جواب ملتا ہے کہ حق فرمایا ہے اور وہ بہت بلند اور سب سے بڑا ہے۔ بعض اوقات چوری چھپے سننے والے جنات اسے سن لیتے ہیں۔ یہ جنات تہہ بہ تہہ ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں۔ اوپر والا کوئی بات سن کر اپنے سے نیچے والے جن کو بتا دیتا ہے، پھر وہ اپنے سے نیچے والے کو یہاں تک کہ وہ کسی ساحر یا کاہن تک وہ بات پہنچا دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ وہ بات نیچے پہنچانے سے پہلے ہی شہاب ثاقب اس جن کو آ دبوچتا ہے اور بعض اوقات وہ شہاب ثاقب کی زد میں آنے سے پہلے ہی وہ بات نیچے القا کر دیتا ہے۔ ساحر یا کاہن اس بات کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو بتا دیتا ہے۔ جب وہ بات سچی ثابت ہوتی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ کیا اس نے فلاں فلاں دن ہمیں یہ یہ نہیں کہا تھا؟ چنانچہ آسمان سے سنی ہوئی بات کی وجہ سے ہر بات میں اس کی تصدیق کی جاتی ہے" (4)۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں ایک ستارا گرا اور زبردست روشنی نمودار ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب زمانۂ جاہلیت میں ایسا ہوتا تو تم کیا خیال کیا کرتے تھے؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ ایسے موقع پر ہم یہ خیال کرتے تھے کہ یا تو کوئی عظیم آدمی پیدا ہوا ہے یا مرا ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا

1۔ دیکھئے احادیث شفاعت کے لئے تفسیر سورۂ بنی اسرائیل: 79
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 93، البحر المحیط، جلد 7 صفحہ 287
3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 92
4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ سبا، جلد 6 صفحہ 152، سنن ابی داؤد، کتاب الحروف والقراءات، جلد 4 صفحہ 34-35 وغیرہ

کہ کیا جاہلیت میں ستارے ٹوٹتے تھے؟ فرمایا: ہاں اور حضور ﷺ کی بعثت کے وقت تو یہ سلسلہ اور بڑھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ستاروں کے جھڑنے کا کسی کی موت وحیات سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش تسبیح کرتے ہیں، پھر ان کے نیچے (ساتویں) آسمان کے فرشتے تسبیح کہتے ہیں یہاں تک کہ آسمان دنیا تک یہ تسبیح پہنچ جاتی ہے۔ پھر آسمان کے فرشتے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ انہیں بتلاتے ہیں، پھر ہر آسمان کے فرشتے اپنے سے نیچے والے آسمان کے فرشتوں کو خبر کرتے ہیں یہاں تک کہ پہلے آسمان تک یہ خبر پہنچ جاتی ہے، کبھی کبھی جنات اس خبر کو اچک لیتے ہیں اور نیچے زمین پر پہنچا دیتے ہیں۔ جو خبر وہ من وعن بتاتے ہیں وہ حق ہے لیکن وہ عموماً اس میں اضافہ کر کے لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں" (1)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ تبارک وتعالیٰ کسی امر کی وحی کا ارادہ فرماتا ہے تو وحی کے ساتھ کلام کرتا ہے، جب وہ کلام کرتا ہے تو خوف الٰہی کی وجہ سے آسمان لرزنے لگتے ہیں۔ جب آسمان کے فرشتے اسے سنتے ہیں تو وہ بے ہوش ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ سب سے پہلے جبریل علیہ السلام اپنا سر اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی وحی سے آگاہ فرماتا ہے۔ جبریل علیہ السلام اسے فرشتوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ وہ جس آسمان سے گزرتے ہیں، اس کے فرشتے ان سے پوچھتے ہیں کہ اے جبریل علیہ السلام! ہمارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا اور وہ بہت بلند اور ہر ایک سے بڑا ہے۔ پھر فرشتے بھی یہی کہتے ہیں۔ بالآخر جبریل علیہ السلام اس وحی کو زمین و آسمان میں اس جگہ پہنچا دیتے ہیں جہاں انہیں حکم ہوتا ہے" (2)۔ حضرات ابن عباس اور قتادہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ وحی ہے جس کا آغاز حضرت محمد ﷺ سے آپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان انقطاع وحی کا زمانہ گزرنے کے بعد ہوا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ بھی اس آیت میں داخل ہے۔

قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ قُلِ اللّٰہُ ۙ وَ اِنَّاۤ اَوۡ اِیَّاکُمۡ لَعَلٰی ہُدًی اَوۡ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲۴﴾ قُلۡ لَّا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّاۤ اَجۡرَمۡنَا وَ لَا نُسۡـَٔلُ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾ قُلۡ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفۡتَحُ بَیۡنَنَا بِالۡحَقِّ ؕ وَ ہُوَ الۡفَتَّاحُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۲۶﴾ قُلۡ اَرُوۡنِیَ الَّذِیۡنَ اَلۡحَقۡتُمۡ بِہٖ شُرَکَآءَ کَلَّا ؕ بَلۡ ہُوَ اللّٰہُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲۷﴾

"آپ فرمایئے کون روزی دیتا ہے تمہیں آسمانوں اور زمین سے۔ خود ہی فرمایئے اللہ۔ اور ہم یا تم (دونوں میں سے ایک) ہدایت پر ہے اور (دوسرا) کھلی گمراہی میں ہے۔ فرمایئے تم سے باز پرس نہیں ہوگی ان جرموں کی جو ہم نے کئے اور نہ ہم سے باز پرس ہوگی تمہارے کرتوتوں کی۔ فرمایئے ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق (و انصاف) کے ساتھ۔ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ فرمایئے مجھے بھی دکھاؤ تو وہ شریک جنہیں تم نے اللہ کے ساتھ ملا دیا ہے، ہرگز نہیں بلکہ فقط وہی اللہ ہے جو زبردست بڑا دانا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ وہ رب ہے، تخلیق میں، رزق بہم پہنچانے میں اور الوہیت میں منفرد ہے۔ جیسا کہ یہ لوگ اقرار

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 218۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1751، حدیث 1750 وغیرہ
2۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 91

کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے بارش برسا کر اور زمین میں کھیتیاں اگا کر ان کے رزق کا بندوبست کرتا ہے، اسی طرح انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس کے سوا کوئی معبود بھی نہیں۔ اس فرمان وَ اِنَّاۤ اَوْ اِیَّاكُمْ ۔ میں لف ونشر ہے یعنی فریقین میں سے ایک ہدایت یافتہ ہے اور دوسرا گمراہ۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ دونوں فریق ہدایت پر ہوں یا دونوں گمراہی پر، بلکہ ہم میں سے ایک فریق ہدایت یافتہ ہے اور چونکہ ہم نے توحید پر دلیل قائم کر دی ہے، اس لئے ثابت ہوا کہ تمہاری مشرکانہ روش باطل ہے۔ پس ہم یقیناً ہدایت پر ہیں اور تم یقیناً گمراہی میں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے مشرکین سے یہ بات کہی تھی کہ ہمارا اور تمہارا معاملہ یکساں نہیں بلکہ ہم میں سے ایک فریق ہدایت یافتہ ہے (1)۔ عکرمہ اور زیاد بن ابی مریم اس کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ بے شک ہم ہدایت پر ہیں اور تم کھلی گمراہی میں۔ اس کے بعد فرمایا: قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ اس آیت سے مقصود ان مشرکین سے اظہار برات ہے یعنی ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں بلکہ ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صرف اسی کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر تم نے اسے قبول کر لیا تو تم ہمارے ہو اور ہم تمہارے اور اگر تم نے تکذیب کی تو ہم تم سے بری الذمہ ہیں اور تم ہم سے بری الذمہ جیسے کہ فرمایا: وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (یونس:41)'' اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیں میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم اس سے بری الذمہ ہو جو میں کرتا ہوں اور میں اس سے بری الذمہ ہوں جو تم کرتے ہو''۔ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ (الکافرون:1-6)۔ پھر فرمایا: قُلْ یَجْمَعُ . یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مخلوقات کو ایک وسیع میدان میں جمع فرمائے گا پھر ہمارے درمیان حق اور عدل کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور ہر ایک کو اچھے برے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ابدی عزت، نصرت اور سعادت کس کے حصہ میں آتی ہے جیسا کہ فرمایا: وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَىٕذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ . فَاُولٰٓىٕكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ (الروم:16-14)، اس لئے فرمایا: وَ هُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ یعنی وہی عادل حاکم اور امور کے حقائق کو جاننے والا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ . . . یعنی مجھے وہ معبود دکھاؤ جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا مدمقابل اور ہمسر ٹھہراتے ہو۔ ہرگز نہیں، نہ اس کا مثیل ہے، نہ مدمقابل، نہ شریک اور نہ ہمسر، بلکہ وہ واحد اور یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور وہی ہر چیز پر غالب اور اپنے اقوال، افعال، شرعی احکام اور قضاء وقدر میں حکیم ہے اور وہ مشرکین کی ہر زہ سرائیوں سے منزہ اور بالا ہے۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّ لَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾

''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر، لیکن (اس حقیقت کو) اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ فرمائیے (اے منکرو!) تمہارے لئے وعدہ کا دن مقرر ہے نہ تم اس سے ایک لمحہ پیچھے ہٹ سکو گے اور نہ (ایک لمحہ) آگے بڑھ سکو گے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ کو تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے جیسے کہ فرمایا: قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا (الاعراف:158)'' فرما دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول

1۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 93

ہوں" تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان: 1) "بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے خاص بندہ پر الفرقان نازل فرمایا تاکہ وہ جہان والوں کے لئے ڈرانے والا بن جائے"۔ فرمایا: بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا یعنی آپ اس شخص کو جنت کی بشارت دیں جو آپ کی اطاعت کرتا ہے اور اس شخص کو آگ سے ڈرائیں جو آپ کی نافرمانی کرتا ہے۔ پھر فرمایا: وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اور مقامات پر فرمایا: وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف: 103) "اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہیں، ایمان لانے والے" وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانعام: 117) "اور اگر تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے"۔ محمد بن کعب اس آیت کا معنی بیان کرتے ہیں کہ آپ کو عام لوگوں کی طرف رسول مبعوث کیا گیا(1)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرب و عجم سب کی طرف آپ کو مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ اس کا مطیع ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو تمام آسمان والوں اور پیغمبروں پر فضیلت دی ہے۔ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ پیغمبروں میں آپ کو کس چیز میں فضیلت حاصل ہے؟ فرمایا: سنو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم: 4) "اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس قوم کی زبان کے ساتھ تاکہ وہ ان کے لئے کھول کر بیان کرے"۔ اور نبی کریم ﷺ کے لئے فرمایا: وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جن و انس کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے موقف کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے پانچ ایسی خصوصیات سے نوازا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں: ایک مہینے کی مسافت پر رعب سے میری مدد کی گئی، میرے لئے تمام روئے زمین کو مسجد اور باعث طہارت بنا دیا گیا، میری امت میں سے جس شخص کو جہاں کہیں نماز کا وقت آ جائے، وہ اسی جگہ نماز پڑھ لے، میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے یہ کسی کے لئے حلال نہیں ہوا، مجھے شفاعت عطا کی گئی اور ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے"(3)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "مجھے سیاہ اور سرخ کی طرف بھیجا گیا ہے(4)، بقول مجاہد اس سے مراد جن و انس ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد عرب و عجم ہیں۔ کفار وقوع قیامت کو محال سمجھتے تھے، ان کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا: وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ... یہ اس فرمان کی طرح ہے: يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ (الشوریٰ: 18) "اس کے لئے وہ لوگ جلدی مچاتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اس سے خوفزدہ رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے"۔ پھر فرمایا: قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ یعنی تمہارے لئے وعدہ کا ایک دن مقرر ہے جس میں کمی بیشی ممکن نہیں۔ جب وقت مقررہ آ جائے گا تو پھر ایک گھڑی کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہوگی جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ (نوح: 4) "بلاشبہ اللہ کا مقررہ وقت جب آ جاتا ہے تو اسے مؤخر نہیں کیا جا سکتا"۔ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ؕ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ (ہود: 104-105)۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 72

2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 96

3۔ فتح الباری، کتاب التیمم، جلد 1 صفحہ 435-436، صحیح مسلم، کتاب المساجد 370-371

4۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد: 370-371

الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۚ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

''کفار (اب تو) کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل ہوئیں۔کاش! تم (وہ منظر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کیے جائیں گے اپنے رب کے روبرو۔اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔کہیں گے وہ لوگ جو (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار ہوتے۔جواب دیں گے متکبر ان کمزوروں کو کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت (قبول کرنے) سے جب (نور ہدایت) تمہارے پاس آیا تھا، درحقیقت تم خود مجرم تھے۔کہیں گے وہ کمزور لوگ ان مغروروں سے (یوں نہیں) بلکہ تمہارے شب و روز کے مکر وفریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسر بنائیں۔اور دل ہی دل میں پچھتائیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو۔اور ہم ڈال دیں گے طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر کیا (خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے) کیا نہیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو وہ کیا کرتے تھے''۔

قرآن کریم اور قیامت کا انکار کرنے پر کفار کی ہٹ دھرمی، عناد اور سرکشی کو بیان کیا جا رہا ہے، فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا انہیں دھمکی آمیز انداز میں خبردار کیا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن ان کی حالت دیدنی ہوگی جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے فرط ندامت سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے۔ان کی اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ وہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے اور وہ چھوٹے لوگ جنہیں دنیا میں کمزور سمجھا جاتا تھا اور وہ اپنے بڑوں کی کورانہ تقلید کیا کرتے تھے، وہ اپنے بڑوں اور سرداروں سے کہیں گے کہ اگر تم نے ہمیں راہ راست سے برگشتہ نہ کیا ہوتا تو ہم ضرور پیغمبروں کی اتباع کرتے اور ان کی رسالت پر ایمان لے آتے۔ان کے متکبر روساء اور سردار انہیں جواب دیں گے: اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ یعنی ہم نے تو صرف اتنا کام کیا کہ تمہیں گمراہی کی دعوت دی اور تم نے بغیر کسی دلیل و حجت کے اسے قبول کر لیا حالانکہ ہماری دعوت کسی دلیل پر مبنی نہ تھی اور تم نے اپنی خواہش اور اختیار سے پیغمبروں کے دلائل کو ٹھکرا دیا۔اس لیے سراسر جرم تمہارا اپنا ہے۔وہ کمزور لوگ اپنے متکبر روساء سے کہیں گے کہ تمہارے شب و روز کے مکر و فریب ہمیں لے ڈوبے۔تم دھوکے بازی کرتے ہوئے ہمیں سہانے سپنے دکھاتے تھے اور ہمیں یہ باور کرایا کرتے تھے کہ ہم ہی ہدایت پر ہیں حالانکہ یہ سب کچھ باطل اور جھوٹ تھا۔تم اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر کے ہمیں گمراہ کیا کرتے تھے اور یہ حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیں اور دیگر معبودوں کو اس کا ہمسر ٹھہرائیں۔قیامت کے دن ان کی اس وقت کی کیفیت کو بیان

کرتے ہوئے فرمایا: وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ یعنی یہ دونوں فریق جب عذاب کو دیکھ لیں گے تو دل ہی دل میں اپنے کئے پر پچھتائیں گے اور ہم کفار کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ ملا کر طوق اور زنجیروں سے جکڑ دیں گے اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا۔ گمراہ کرنے والے سرداروں کو اپنے کرتوتوں کے مطابق اور ان کی پیروی کرنے والے چھوٹے لوگوں کو ان کی بدکاریوں کے مطابق سزا ملے گی۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب جہنمیوں کو ہانک کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا تو اس کا ایک ہی شعلہ انہیں جھلسا کر رکھ دے گا اور تمام گوشت پاؤں پر آ گرے گا۔" حسن بن یحیٰی خشنی فرماتے ہیں کہ جہنم کے ہر قید خانے، ہر غار، ہر طوق، ہر بیڑی اور ہر زنجیر پر جہنمی کا نام لکھا ہوا ہے۔ جب یہ بات ابو سلیمان دارانی کے سامنے بیان کی گئی تو وہ زار و قطار رونے لگے، پھر فرمانے لگے کہ ہائے! اس کا کیا حال ہوگا جس پر یہ سب عذاب جمع ہو گئے۔ پیروں میں بیڑیاں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور گردن میں زنجیر، پھر آگ اور جہنم کا غار؟ یا اللہ! ہمیں سلامت رکھنا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَ
قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ
بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا
عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي
الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَ
مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝

"اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر یہ کہ (برملا) کہہ دیا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے ہم اس (دین) کا جو دے کر تم بھیجے گئے ہو انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے (تم کون ہو ہمیں ڈرانے والے) ہمارا مال بھی (تم سے) زیادہ ہے اور اولاد بھی۔ اور ہمیں عذاب نہیں دیا جا سکتا۔ آپ فرمائیے بے شک میرا رب کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) لیکن اکثر لوگ (ان حکمتوں کو) نہیں جانتے۔ اور (یاد رکھو) نہ تمہارے اموال اور نہ ہی تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں ہمارا قرب بخش دیں۔ مگر جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا (اسے ہی ہمارا قرب نصیب ہوگا)۔ پس یہی لوگ ہیں جن کے لئے دوگنا صلہ ہے ان کے عملوں کا اور وہ بالا خانوں میں امن و امان سے رہیں گے۔ اور جو لوگ کوشاں ہیں ہماری آیتوں کی تکذیب میں تاکہ ہمیں ہرا دیں وہی لوگ عذاب میں ہمیشہ گرفتار رہیں گے۔ آپ فرمائیے بے شک میرا پروردگار کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے، اور جو چیز تم خرچ کرتے ہو تو وہ اس کی جگہ اور دے دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے اور گزشتہ پیغمبروں کے اسوہ کو اپنانے کا حکم دیتے ہوئے اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ آپ سے پہلے جس بستی میں جو بھی رسول مبعوث ہوا، وہاں کے خوشحال لوگوں نے اس کی تکذیب کی اور کمزور لوگوں نے اس کی اتباع کی

جیسا کہ قوم نوح علیہ السلام نے کہا تھا: اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ (الشعراء: 111) ''کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں حالانکہ تمہاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں''۔ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ (ہود: 27) ''ہم نہیں دیکھتے تمہیں کہ پیروی کرتے ہوں تمہاری مگر وہ لوگ جو ہم میں حقیر و ذلیل (اور) ظاہر بین ہیں''۔ قوم صالح علیہ السلام کے اکابر نے کمزور سمجھے جانے والے اہل ایمان سے کہا تھا: اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (الاعراف: 75-76) ''کیا تم یقین رکھتے ہو کہ صالح علیہ السلام اپنے رب کی طرف سے رسول ہے۔ انہوں نے کہا بے شک ہم اس پر ایمان لانے والے ہیں جسے دے کر انہیں بھیجا گیا ہے، وہ لوگ کہنے لگے جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو اس چیز کے منکر ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو''۔ دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا ... بِالشّٰكِرِيْنَ (الانعام: 53)، وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا (الانعام: 124)، وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً ... فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (بنی اسرائیل: 16) ''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہاں کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں مگر وہ نافرمانی کرنے لگتے ہیں اس میں پس ان پر واجب ہو جاتا ہے (عذاب کا) فرمان، پھر ہم اس بستی کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیتے ہیں''۔ اور یہاں فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ ... یعنی ہم نے جس بستی میں کوئی نبی یا رسول بھیجا، وہاں کے خوشحال، جاہ و حشمت والے اور شریر و سیاہ رو نے کہا کہ ہم اس پیغمبر پر نہ ایمان لاتے ہیں اور نہ اس کی اتباع کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو رزین بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی آپس میں شریک تھے۔ ان میں سے ایک سمندر پار چلا گیا اور دوسرا وہیں رہا۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو اس شخص نے بذریعہ خط اپنے ساتھی سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کے کیا حالات ہیں؟ اس نے جواباً لکھا کہ قریش کے شرفاء نے تو ان کی اتباع نہیں کی البتہ قوم کے مسکین اور گھٹیا لوگ ان کی پیروی کر رہے ہیں۔ اس شخص نے کاروبار کو خیر باد کہا اور پھر اپنے ساتھی کے پاس پہنچ کر کہنے لگا کہ مجھے حضور ﷺ کا پتہ بتاؤ۔ یہ شخص آسمانی کتابوں کا علم رکھتا تھا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے دریافت کرنے لگا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ فرمایا: ''میں فلاں فلاں چیز کی دعوت دیتا ہوں''۔ اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ تمہیں کیسے اس کا علم ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ جو بھی نبی مبعوث ہوا، پہلے پہل اس کی اتباع کرنے والے ہمیشہ کمتر اور مسکین لوگ ہی ہوا کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ ... نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے اس شخص کو پیغام بھجوایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بات کی تصدیق کر دی ہے۔ اسی طرح ہرقل اور ابو سفیان کے درمیان ہونے والی بات چیت میں ہرقل نے حضور ﷺ کے متعلق یہ سوال بھی کیا تھا کہ قوم کے ضعیف لوگ آپ کی پیروی کر رہے ہیں یا بڑے لوگ؟ اس کے جواب میں جب ابو سفیان نے کہا کہ ضعیف لوگ آپ کے پیروکار ہیں تو ہرقل نے کہا کہ ایسے لوگ ہی رسولوں کے ابتدائی پیروکار ہوتے ہیں (1)۔ جھٹلانے والے صاحب ثروت لوگوں کے متعلق فرمایا: وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ ... یعنی یہ لوگ مال و اولاد کی کثرت پر گھمنڈ کرتے ہوئے یہ یقین رکھتے کہ یہ انعام ان کے محبوب خدا ہونے کی دلیل ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ دنیا میں انہیں اپنی نعمت سے نوازے اور پھر آخرت میں عذاب میں مبتلا کر دے، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (المومنون: 55-56) ''کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مال و اولاد سے امداد کر رہے ہیں تو ہم انہیں بھلائیاں

1۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، جلد 1، صفحہ 4۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 395

پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں بلکہ وہ (حقیقت سے) بے خبر ہیں"۔ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۔ وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (التوبہ: 55) "سو تمہیں ان کے مال اور ان کی اولاد تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ انہیں دنیاوی زندگی میں ان چیزوں سے عذاب دے اور ان کا سانس اس حال میں نکلے کہ وہ کافر ہوں"۔ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۔ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (المدثر: 17-11) اور قرآن کریم میں دو باغات کے مالک کا بھی قصہ بیان کیا گیا ہے جس کے پاس اولاد، مال و دولت اور پھل بکثرت تھے لیکن یہ چیزیں اسے عذاب الٰہی سے نہ بچا سکیں بلکہ یہ سب کچھ دنیا میں ہی سلب کر لیا گیا، اس لئے فرمایا: قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بھی مال عطا فرماتا ہے اور دشمنوں کو بھی، وہ جسے چاہے فقیر بنا دیتا ہے اور جسے چاہے غنی کر دیتا ہے، ہر چیز میں خاص حکمت اور قطعی حجت مضمر ہے لیکن اکثر لوگ اس راز کو نہیں جانتے۔ پھر فرمایا: وَمَآ اَمْوَالُكُمْ ۔ یعنی تمہارے مال اور تمہاری اولاد اس بات کی دلیل نہیں کہ تمہیں ہمارا قرب اور ہماری محبت حاصل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے" (1)۔ اس لئے فرمایا: اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا یعنی ایمان اور اعمال صالحہ ہی ایسی چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنتی ہیں۔ ایمان لانے والے اور اعمال صالحہ بجا لانے والے ہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کے اعمال کی کئی گنا جزا ہے، انہیں ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک عطا ہوگا اور وہ جنت کے بالا خانوں میں ہر خوف، تکلیف اور شر سے محفوظ ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے دکھائی دے گا"۔ ایک اعرابی نے پوچھا کہ یہ کس کے لئے ہیں؟ فرمایا: اس شخص کیلئے جو پاکیزہ گفتگو کرے، کھانا کھلائے، ہمیشہ روزے رکھے اور رات کو نماز تہجد پڑھے جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں"۔ فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۔ یعنی وہ لوگ جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے، اس کے پیغمبروں کی اتباع سے اور اس کی آیات کی تصدیق سے باز رکھنے میں کوشاں رہتے ہیں، ان سب کو جہنم میں ان کے اعمال کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔ اگلی آیت میں فرمایا: قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق جسے صرف وہی جانتا ہے، کسی کو فراخ رزق عطا فرماتا ہے اور کسی کے رزق میں تنگی کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل: 21) "دیکھو! کیسے ہم نے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے اور آخرت باعتبار درجوں کے سب سے بڑی اور باعتبار فضل و کرم سب سے اعلیٰ ہے"۔ یعنی جس طرح دنیا میں فقر و غنا کے اعتبار سے ان میں تفاوت ہے، اسی طرح آخرت میں بھی درجات و درکات کے لحاظ سے تفاوت ہوگا۔ مومن جنت میں اعلیٰ درجہ کے بالا خانوں میں براجمان ہوں گے اور کافر جہنم کی پستیوں میں غوطے کھا رہے ہوں گے۔ حضور ﷺ دنیا میں سب سے اچھے شخص کے متعلق فرماتے ہیں: "وہ شخص فلاح پا گیا جس نے صدق دل سے اسلام قبول کیا، اسے بقدر کفایت روزی عطا ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی عطا پر اس نے قناعت کر لی" (2)۔ فرمایا: وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جو مباح چیز تم خرچ کرو گے دنیا میں اس کا تمہیں بدل عطا ہوگا اور آخرت میں اجر و ثواب جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: خرچ کرو، تم پر خرچ کیا جائے گا" (3)۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ ہر صبح دو فرشتے آتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: "اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا" یعنی اے اللہ!

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1987 / سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1388

2۔ صحیح مسلم، جلد 3 صفحہ 102

3۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ ہود، جلد 6 صفحہ 93 / صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، جلد 2 صفحہ 691-690

بخیل کے مال کو تلف کر۔ دوسرا فرشتہ یہ دعا مانگتا ہے: "اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا" یعنی اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما(1)۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے بلال! خرچ کرو اور عرش والے سے قلت کا اندیشہ نہ رکھو(2)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خبردار! تمہارے اس زمانہ کے بعد کاٹ کھانے والا سخت زمانہ آئے گا جس میں مالدار آدمی خرچ کرنے کے خوف سے اپنے مال پر دانت گاڑ لے گا"۔ پھر آپ ﷺ نے وَمَآ اَنْفَقْتُمْ والی آیت تلاوت کی۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "بدترین لوگ وہ ہیں جو مجبور اور بے بس لوگوں کے ساتھ (سستے داموں) بیع کرتے ہیں، خبردار! مجبور لوگوں کی بیع حرام ہے، خبردار! مجبور لوگوں کی بیع حرام ہے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اگر ممکن ہو تو اپنے بھائی سے ساتھ نیکی کرو ورنہ اس کی ہلاکت میں اضافہ نہ کرو(3)۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس آیت کے متعلق غلط فہمی کا شکار نہ ہونا۔ جب تم میں سے کسی کے پاس مال ہو تو وہ میانہ روی اختیار کرے کیونکہ رزق تقسیم ہو چکا ہے(4)۔

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۗ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝

"اور جس روز وہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کیا کرتے تھے؟ فرشتے عرض کریں گے تو پاک ہے ہر شرک سے، ہمارا مالک تو ہے ہمارا ان سے کیا واسطہ، بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے۔ پس آج تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو نہ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ نقصان کی۔ اور ہم کہیں گے جنہوں نے ظلم کیا تھا کہ چکھو آتش (جہنم) کا عذاب جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مشرکین کو سر عام شرمندہ اور لاجواب کرنے کے لئے فرشتوں سے سوال کرے گا جن کی صورتوں جیسے خود ساختہ بتوں کی یہ عبادت کیا کرتے تھے تاکہ وہ ان کے لئے قرب الٰہی کا ذریعہ بنیں، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھا گا: اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ یعنی کیا تم نے انہیں اپنی عبادت کا حکم دیا تھا جیسا کہ سورۂ فرقان میں ہے: ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ (الفرقان: 17) "کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا یا وہ خود ہی سیدھی راہ سے بھٹک گئے تھے"۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا: ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ (النساء: 117-118) اسی طرح فرشتے جواب دیں گے: سُبْحٰنَكَ ... یعنی تو اس سے پاک اور برتر ہے کہ تیرے ساتھ کوئی اور معبود ہو۔ ہم تیرے فرمانبردار بندے ہیں اور ان سے ہم بیزار ہیں بلکہ یہ تو شیاطین کی پوجا کیا کرتے تھے کیونکہ انہوں نے ہی ان کے لئے بت پرستی کو آراستہ کیا تھا اور اس طرح انہیں گمراہی میں ڈال دیا۔ ان میں سے اکثر شیطان پر ایمان رکھتے تھے جیسا کہ فرمایا: اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۙ لَّعَنَهُ اللّٰهُ (النساء: 117-118) "یہ مشرک عبادت نہیں کرتے اللہ کے سوا مگر دیویوں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، جلد 2 صفحہ 142، صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، جلد 2 صفحہ 700
2۔ صحیح الجامع الصغیر، جلد 2 صفحہ 34
3۔ مطالب العالیہ، ابن حجر، کتاب البیوع، باب السلم، جلد 1 صفحہ 404
4۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 561

نہ کی اور نہیں عبادت کرتے مگر سرکش شیطان کی، اس پر اللہ نے لعنت کی ہے"۔ فرمایا: فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ یعنی بتوں کے ساتھ جو نفع تم نے وابستہ کر رکھا تھا اور جن تکالیف کے ازالے کے لئے تم ان کی پرستش کیا کرتے تھے، وہ مقصد آج تمہیں ان سے حاصل نہیں ہوگا کیونکہ آج یہ تمہارے لئے کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں۔ اس دن مشرکین کو بطور زجر وتوبیخ حکم ہوگا: ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ۔

وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ
اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۙ
اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٣﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ
قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿٤٤﴾ؕ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا
رُسُلِيْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٥﴾

"اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں انہیں ہماری آیتیں در آنحالیکہ وہ بالکل واضح ہیں کہتے ہیں نہیں ہے یہ مگر ایسا شخص جس نے ارادہ کر لیا ہے کہ روک دے تمہیں ان (معبودوں) سے جن کی تمہارے باپ دادا پوجا کیا کرتے تھے، نیز کہتے ہیں نہیں ہے یہ قرآن مگر جھوٹ گھڑا ہوا۔ اور کفار کہتے ہیں حق کے بارے میں جب وہ ان کے پاس آیا کہ نہیں ہے مگر یہ جادو کھلا کھلا۔ اور نہ ہی ہم نے انہیں کوئی کتابیں دیں جن کا یہ مطالعہ کرتے ہوں اور نہ ہی ہم نے بھیجا ان کی طرف آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا۔ اور (انبیاء کی) تکذیب کی جو ان سے پہلے گزرے۔ اور یہ (کفار مکہ) نہیں پہنچے دسویں حصہ کو بھی جو (قوت و دبدبہ) ہم نے ان کو دیا تھا پس جب انہوں نے جھٹلایا میرے رسولوں کو تو کتنا ہولناک تھا میرا عذاب"۔

کفار کے متعلق خبر دے رہی ہے کہ وہ سخت سزا اور دردناک عذاب کے مستحق ہیں کیونکہ جب یہ رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے اللہ تعالیٰ کا تازہ کلام سنتے ہیں تو آپ ﷺ کے متعلق ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ شخص تم لوگوں کو آبائی دین سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔ یاد رکھو تمہارے آباؤ اجداد کا دین ہی حق ہے اور اس رسول کا لایا ہوا قرآن باطل، جھوٹ اور واضح جادو ہے۔ پھر فرمایا: وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ ۔۔ یعنی قرآن کریم سے پہلے کوئی کتاب اللہ تعالیٰ نے عربوں پر نہیں اتاری اور نہ ہی حضرت محمد ﷺ سے پہلے کوئی نبی ان کی طرف مبعوث کیا حالانکہ ان کی آرزو تھی کہ انہیں یہ نعمت نصیب ہو جائے، وہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی رسول آتا، کوئی کتاب اترتی تو ہم سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم نوازی کرتے ہوئے انہیں اس گراں قدر نعمت سے سرفراز کیا تو انہوں نے تکذیب، عناد اور انکار کی روش اختیار کر لی۔ پھر فرمایا: وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی ان سے پہلے گزری ہوئی قوموں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا اور دنیا میں ہم نے انہیں جو طاقت اور جاہ و منصب عطا کر رکھا تھا، یہ تو اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جیسا کہ فرمایا: وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً (المومن:82) یعنی ان کی قوت اور طاقت ان سے عذاب الٰہی کو نہ دور کر سکی بلکہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا تو انہیں نیست و نابود کر دیا گیا اس لئے فرمایا: فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ یعنی انہوں نے میرے پیغمبروں کو جھٹلایا تو انہیں کیسے عبرتناک عذاب سے دوچار ہونا پڑا اور کس طرح میں نے اپنے رسولوں کو فتح و نصرت سے نوازا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۣ مَا بِصَاحِبِكُمْ

مِّنۡ جِنَّةٍ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا نَذِيۡرٌ لَّـكُمۡ بَيۡنَ يَدَىۡ عَذَابٍ شَدِيۡدٍ ۝

"(اے حبیب!) آپ (انہیں) فرمایئے میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں (یہ تو مان لو) تم اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ دو دو یا اکیلے اکیلے پھر خوب سوچو۔ (تمہیں ماننا پڑے گا) تمہارے اس رفیق میں جنون کا شائبہ تک نہیں۔ نہیں ہے وہ مگر بروقت خبردار کرنے والا تمہیں سخت عذاب کے آنے سے پہلے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہا ہے کہ آپ ان کافروں سے کہہ دیں جو اپنے زعم باطل میں آپ کو مجنون کہتے ہیں کہ میں تمہیں صرف ایک ہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم سب خواہش نفسانی اور تعصب سے بالاتر ہو کر پورے خلوص کے ساتھ غور وفکر کرو اور ایک دوسرے سے دریافت کرو کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جنون کا شائبہ تک بھی ہے؟ ہر شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تنہائی میں غور وفکر کرے اور اگر کوئی اشکال پیدا ہو تو دوسروں سے دریافت کرے، اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں جنون والی کوئی بات نہیں بلکہ آپ تو تمہیں سخت عذاب کی آمد سے پہلے بروقت خبردار کرنے والے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد تنہا اور باجماعت نماز ادا کرنا ہے۔ دلیل کے طور پر وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "مجھے تین خصوصیات عطا ہوئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئیں اور میں یہ بات فخر یہ نہیں کہہ رہا۔ میرے لئے غنیمت حلال کی گئی حالانکہ مجھ سے پہلے یہ کسی کے لئے حلال نہیں ہوئی۔ پہلے لوگ غنیمت کے مال جمع کر کے انہیں جلا دیا کرتے تھے، مجھے ہر سرخ وسیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا جبکہ ہر نبی کو صرف اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، میرے لئے سارے زمین کو مسجد اور باعث طہارت بنا دیا گیا اور میں اس کی مٹی سے تیمم کرلوں اور جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز ادا کرلوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ مَثۡنٰى وَفُرَادٰى اور ایک ماہ کی مسافت پر رعب سے میری مدد کی گئی" (1)۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس آیت کی تفسیر باجماعت اور تنہا نماز پڑھنے سے کرنا بعید ہے۔ شاید کسی راوی نے اپنی طرف سے حدیث میں اضافہ کر دیا ہو کیونکہ اصل حدیث تو صحاح وغیرہ میں موجود ہے۔ فرمایا: اِنۡ هُوَ اِلَّا نَذِيۡرٌ لَّـكُمۡ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر چڑھے اور "یا صباحاہ" کہہ کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگے۔ آپ کی آواز سن کر قریش آپ کے پاس جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تمہیں میں یہ خبر دوں کہ صبح یا شام کے وقت دشمن تم پر یلغار کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟" سب نے یک زبان جواب دیا کہ ہم ضرور آپ کی تصدیق کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہوں۔ یہ سن کر ابولہب کہنے لگا کہ تمہارے لئے ہلاکت ہو، کیا تم نے اس لئے ہمیں جمع کیا تھا۔ اس کے جواب میں سورۂ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ (الشعراء: 214) کے تحت ہو چکا ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور تین مرتبہ ندا دیتے ہوئے فرمایا: "اے لوگو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میری اور تمہاری مثال کیا ہے؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: "میری اور تمہاری مثال اس قوم کی سی ہے جسے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خوف لاحق ہوا۔ انہوں نے ایک آدمی روانہ کیا جو دشمن کے حالات سے آگاہی حاصل کر کے انہیں خبردار کرے۔ اسی اثناء میں اس نے دشمن کو دیکھ لیا اور اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لئے بھاگا۔ اسے یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو اس

1۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 710

کے خبردار کرنے سے پہلے ہی دشمن وہاں پہنچ جائے، چنانچہ اس نے اپنا کپڑا ہلانا شروع کر دیا کہ اے لوگو، خبردار دشمن آ پہنچا، دشمن آ پہنچا"(1)۔ تین مرتبہ یہ بات کہی۔ اسی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے اور قیامت کو ایک ساتھ بھیجا گیا۔ قریب تھا کہ وہ مجھ پر سبقت لے جاتی"(1)۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۖ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۚ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾

"فرمائیے (لوگو!) جو معاوضہ میں نے تم سے مانگا ہے وہ تم اپنے پاس رکھو۔ میری (دلسوزیوں) کا اجر تو (میرے) اللہ کے ذمہ ہے، اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ فرمائیے بے شک میرا رب (باطل پر) حق سے ضرب لگاتا ہے، وہ سب غیبوں کو جاننے والا ہے۔ (اے محبوب!) اعلان کر دیجئے حق آ گیا اور باطل کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ فرمائیے (تمہارے گمان کے مطابق) اگر میں بہک گیا ہوں تو اس کا وبال میری جان پر ہوگا۔ اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو (محض) اس وحی کے باعث جو میرا رب میری طرف بھیجتا ہے۔ بے شک وہ سب کچھ سننے والا بالکل نزدیک ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ مشرکین سے فرما دیں: مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ۔ یعنی میں جو تم تک اللہ تعالیٰ کا پیغام بڑی دلسوزی سے پہنچا رہا ہوں تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دے رہا ہوں، اس سے مقصود یہ نہیں کہ میں تم سے معاوضہ کا خواہشمند ہوں۔ اس کا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے، میں اسی سے اجر وثواب کا طلبگار رہوں اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ وہ میرے حالات کو بھی اچھی طرح جانتا ہے اور تمہارے حالات کے متعلق بھی اسے خوب علم ہے۔ اس کے بعد فرمایا: قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ۔ یہ اس فرمان کی طرح ہے: يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (المومن: 15) "نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر وہ چاہتا ہے"۔ یعنی وہ جبریل امین علیہ السلام کو اہل زمین میں سے جس بندے پر چاہے بھیجتا ہے اور وہ تمام غیبوں کا عالم ہے۔ زمین وآسمان کی کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔ فرمایا: قُلْ جَآءَ الْحَقُّ ... یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق اور عظیم شریعت آ گئی اور باطل کی قوت کا خاتمہ ہو گیا جیسا کہ ارشاد ہے: بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ (الانبیاء: 18) "بلکہ ہم تو حق سے باطل پر چوٹ لگاتے ہیں پس وہ اسے کچل دیتا ہے اور وہ یکا یک نابود ہو جاتا ہے"۔ فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو کعبہ کے ارد گرد نصب کئے ہوئے بتوں کو آپ اپنی قوس کی لکڑی سے گراتے جاتے تھے اور ان آیات کی تلاوت کرتے جاتے تھے: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل: 81) قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ (2)۔ یعنی باطل کی قوت کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ قتادہ اور سدی کا خیال ہے کہ یہاں باطل سے مراد ابلیس ہے یعنی ابلیس نہ کسی کو پہلے پیدا کر سکتا ہے اور نہ دوبارہ اور نہ ہی اسے اس پر قدرت حاصل ہے۔ اگرچہ یہ بات حق ہے لیکن یہاں یہ مراد نہیں۔ فرمایا: قُلْ اِنْ

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 348

2۔ صحیح بخاری، جلد 3 صفحہ 178، جلد 5 صفحہ 188، صحیح مسلم، جلد 5 صفحہ 173، مسند احمد، جلد 1 صفحہ 377

ضَلَلْتُ... یعنی خیر تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی اور حق میں ہی ہدایت، بیان اور رشد ہے۔ جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے تو وہ اپنی مرضی سے ہی ایسا کرتا ہے اور اس کا وبال اسی پر ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مفوضہ کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں اپنی رائے سے یہ بیان کر رہا ہوں۔ اگر یہ صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہوا تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں (1)۔ آخر میں فرمایا: اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ یعنی وہ اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا اور قریب ہے۔ وہ ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا اور قبول فرماتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "تم نہ کسی بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ غائب کو بلکہ جسے تم پکار رہے ہو وہ سمیع، قریب اور مجیب ہے" (2)۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾

"کاش! تم دیکھو جب یہ گھبرائے ہوں گے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی سے پکڑ لئے جائیں گے۔ اس وقت کہیں گے ہم ایمان لے آئے ان پر، لیکن اب کیونکر وہ پا سکتے ہیں ایمان کو اتنی دور جگہ سے۔ حالانکہ وہ کفر کرتے رہے اس سے اس سے پہلے۔ اور دور سے بن دیکھے یاوہ گوئیاں کرتے رہے۔ اور رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی ان کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جو وہ دل سے چاہتے ہونگے جیسے ان کے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ پہلے کیا گیا تھا۔ وہ ایسے شک میں مبتلا تھے جو دوسروں کو بھی شک میں ڈالنے والا تھا"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اگر آپ دیکھتے جب قیامت کے دن یہ جھٹلانے والے گھبراہٹ اور سراسیمگی کا شکار ہوں گے تو اس وقت ان کے سامنے فرار اور نجات کی تمام راہیں مسدود ہوں گے، نہ بھاگ نکلنا ان کے ممکن ہوگا اور نہ ہی انہیں کوئی جائے پناہ میسر آئے گی اور انہیں قریب سے ہی دبوچ لیا جائے گا یعنی یہ فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے بلکہ فوراً ہی انہیں پکڑ لیا جائے گا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبروں سے نکلتے ہی انہیں گرفتار کر لیا جائے گا۔ مجاہد، عطیہ عوفی اور قتادہ فرماتے ہیں کہ انہیں قدموں تلے سے پکڑ لیا جائے گا۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عذاب دنیا ہے۔ عبدالرحمن بن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد ان کا میدان بدر میں قتل ہونا ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن کا عذاب ہے جو بہت بڑی آفت ہے اگرچہ دنیاوی عذاب بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ لشکر ہے جسے عہد عباسی میں مکہ اور مدینہ کے درمیان زمین میں دھنسا دیا گیا (3)۔ ابن جریر نے اس قول کو نقل کیا ہے، پھر ایک حدیث بھی بطور دلیل پیش کی ہے جو بالکل موضوع اور من گھڑت ہے۔ سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ موصوف نے اس کے موضوع ہونے کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ فرمایا: وَقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ یعنی یہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، پیغمبروں اور کتابوں پر ایمان لانے کا اعلان کریں گے جیسا کہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، جلد 2 صفحہ 236-237، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 279

2۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، جلد 8 صفحہ 101، صحیح مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 2076

3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 107

ایک اور مقام پر فرمایا: وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ (السجدۃ:12) ''اور کاش تم دیکھو جب مجرم سر جھکائے اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا پس ہمیں واپس بھیج، ہم نیک عمل کریں گے ہمیں اب پورا یقین ہو گیا ہے'' اس لئے فرمایا: وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ یعنی اب ان کے لئے ایمان لانا کیسے ممکن ہے جب وہ قبول ایمان کے محل سے بہت دور ہیں اور دار دنیا سے دار آخرت میں پہنچ چکے ہیں اور دار آخرت دار جزا ہے نہ کہ دار ابتلا۔ اگر وہ دنیا میں ایمان لے آتے تو اس کا انہیں فائدہ ہوتا۔ اب دار آخرت میں منتقل ہونے کے بعد قبول ایمان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کی کیفیت اس شخص کی سی ہے جو بہت دور کی چیز کو پکڑنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ امام زہری وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ کا معنی بتاتے ہیں کہ دنیا سے کوچ کر کے آخرت میں جانے کے بعد ان کا ایمان کو پا لینا ممکن نہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسے امر کی خواہش کریں گے جس کا حصول ممکن نہیں۔ یعنی دور سے ایمان کو پانے کی کوشش کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ دنیا میں واپس لوٹنے اور توبہ کر لینے کی آرزو کریں گے لیکن اب نہ لوٹنے کا وقت ہو گا اور نہ توبہ کا۔ فرمایا: وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ یعنی آخرت میں انہیں ایمان کیسے حاصل ہو گا حالانکہ دنیا میں وہ حق کا انکار اور پیغمبروں کی تکذیب کرتے رہے اور دور سے بن دیکھے قیاس آرائیاں اور یاوہ گوئیاں کرتے رہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: رَجْمًۢا بِالْغَیْبِ (الکہف:22) ''یہ سب تخمینے ہیں بن دیکھے''۔ یعنی وہ ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کاہن کہتے، کبھی ساحر، کبھی مجنون، کبھی شاعر اور اس طرح کی ہرزہ سرائی کرتے۔ مزید برآں وہ قبروں سے جی اٹھنے اور قیامت کی تکذیب کرتے ہوئے کہتے: اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ (الجاثیہ:32) ''ہمیں تو یونہی ایک گمان سا ہوتا ہے اور ہمیں اس پر قطعاً یقین نہیں''۔ قتادہ اور مجاہد اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ اٹکل پچو سے کہتے ہیں کہ نہ دوبارہ قبروں سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، نہ جنت ہو گی اور نہ دوزخ (1)۔ اس فرمان وَحِیْلَ بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ مَا یَشْتَهُوْنَ کے متعلق حضرات حسن بصری اور ضحاک وغیرہ کہتے ہیں کہ ان کے اور ایمان کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی۔ سدی کہتے ہیں کہ ان کے اور توبہ کے درمیان حجاب قائم کر دیا جائے گا۔ ابن جریر نے اس کو پسند کیا ہے۔ مجاہد اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ان کے درمیان اور مال و متاع اور اہل و عیال کی ان کی دنیاوی خواہشات کے درمیان دیوار کھڑی کر دی جائے گی۔ صحیح بات یہی ہے کہ ان دونوں قولوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ انہیں نہ صرف دنیاوی خواہشات سے محروم کر دیا جائے گا بلکہ آخرت میں بھی ان کی مطلوبہ اشیاء انہیں میسر نہ ہوں گی۔ ابن ابی حاتم نے اس مقام پر ایک نہایت عجیب و غریب اثر نقل کیا ہے جسے ہم مکمل ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت مالدار شخص تھا، اس کی وفات کے بعد اس کا نالائق اور نااہل بیٹا اس کا وارث بنا۔ وہ گناہوں میں اپنا مال پانی کی طرح بہانے لگا۔ جب اس کے چچاؤں کو اس کی فضول خرچی کا علم ہوا تو وہ اسے لعن طعن اور ملامت کرنے لگے۔ نوجوان نے برافروختہ ہو کر چپکے سے اپنی ساری جائیداد فروخت کر دی اور وہاں سے کوچ کر کے ایک ابلتے چشمے کے قریب آباد ہو گیا۔ یہاں اس نے ایک محل تعمیر کروایا۔ ایک دن وہ وہاں بیٹھا ہوا تھا کہ زور کی آندھی چلی جو اس کے پاس خوشبو سے مہکتی ہوئی ایک خوبرو عورت اڑا لائی۔ عورت نے نوجوان سے پوچھا: اے اللہ کے بندے! تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں بنی اسرائیل کا ایک فرد ہوں۔ عورت نے دریافت کیا کہ یہ محل اور یہ مال تمہارا ہے؟ جواب دیا: ہاں۔ عورت نے سوال کیا کہ تمہاری بیوی ہے؟

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 112۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 715

کہا: نہیں۔ وہ کہنے لگی کہ بیوی کے بغیر تم زندگی سے کیسے لطف اندوز ہوتے ہو؟ نوجوان نے جواب دیا کہ سب کچھ تھا، تم بتاؤ کہ کیا تمہارا خاوند ہے؟ عورت نے جواب دیا: نہیں۔ نوجوان کہنے لگا کہ کیا تم میرے ساتھ شادی کرنے کے لئے راغب ہو؟ عورت نے جواب دیا کہ میں یہاں سے ایک میل کی مسافت پر رہتی ہوں کل میرے پاس ایک دن کا زاد لے کر آنا اور اگر رستہ میں تمہیں کوئی خوفناک چیز نظر آئے تو مت ڈرنا۔ اگلے دن نوجوان نے ایک دن کا زاد لیا اور وہاں سے چل پڑا۔ ایک میل کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ ایک محل تک پہنچ گیا۔ دستک دی تو خوشبو سے مہکتا ہوا ایک خوبصورت نوجوان باہر آیا اور پوچھنے لگا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں اسرائیلی ہوں۔ پوچھا: کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ اس محل کی مالکہ نے مجھے بلایا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ تم نے درست کہا، کیا رستہ میں تمہیں کوئی ہولناک چیز نظر آئی؟ اسرائیلی نے جواب دیا: ہاں اور اگر اس عورت نے مجھے ان خطرات سے آگاہ نہ کیا ہوتا تو میں ان خوفناک چیزوں کو دیکھ کر دہشت سے مر ہی جاتا جو مجھے رستہ میں نظر آئیں۔ اس نے پوچھا کہ تم نے کیا دیکھا؟ اسرائیلی نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ رستہ میں مجھے منہ کھولے ہوئے ایک کتیا دکھائی دی، میں خوفزدہ ہو کر بھاگا لیکن پھر بھی وہ میرے آگے آگے رہی اور اس کے پیٹ میں بچے بھونکتے رہے۔ اس نوجوان نے کہا کہ تم اسے نہیں پاؤ گے، یہ تو آخر زمانہ میں ہونے والی ایک بات کی مثال تجھے دکھائی گئی ہے کہ ایک لڑکا بڑے بوڑھوں کی محفل میں بیٹھ کر ان سے راز و نیاز کی باتیں کرے گا۔ اسرائیلی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ پھر تھوڑا سا فاصلہ طے کر لینے کے بعد جب میں آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سو بکریاں ہیں جن کے تھن دودھ سے لبریز ہیں اور ایک بچہ دودھ پی رہا ہے، جب دودھ ختم ہو جاتا ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ اب کچھ باقی نہیں رہا تو وہ مزید دودھ کے لئے اپنا منہ کھولتا ہے۔ نوجوان نے جواب دیا کہ تو اسے نہیں پائے گا۔ یہ آخر زمانہ میں ہونے والی ایک بات کی مثال بیان کی گئی ہے کہ ایسے بادشاہ ہوں گے جو لوگوں سے سب کچھ چھین لینے کے باوجود منہ کھولے ان سے اور طلب کریں گے۔ اس کے بعد پھر میں آگے بڑھا، ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ مجھے درخت نظر آئے۔ ان میں سے ایک سرسبز درخت کی ٹہنی مجھے بہت بھلی لگی، میں نے اسے توڑنا چاہا تو ایک دوسرے درخت نے مجھے آواز دی کہ اے اللہ کے بندے! میری ٹہنی توڑ لو، پھر ہر ایک درخت مجھ سے یہی تقاضا کرنے لگا۔ یہ سن کر نوجوان نے کہا کہ تم اسے نہیں پاؤ گے۔ یہ چیز اس بات کی علامت ہے کہ آخر زمانہ میں مردوں کی قلت ہوگی اور عورتوں کی کثرت۔ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ ایک مرد کسی عورت کو شادی کا پیغام دے گا تو دس بیس عورتیں اسے اپنی طرف بلانے لگیں گی۔ اسرائیلی نے مزید بتایا کہ میں نے پھر سفر شروع کر دیا، تھوڑا آگے جا کر میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک چشمہ پر کھڑا لوگوں کو پانی بھر بھر کر دے رہا ہے۔ جب سب لوگ وہاں سے پانی لے کر چلے جاتے ہیں تو وہ اپنے گھڑے میں پانی ڈالتا ہے لیکن پانی کا ایک قطرہ تک اس میں نہیں ٹھہرتا۔ اس نوجوان دربان نے اسرائیلی سے کہا کہ تم اسے بھی نہیں پاؤ گے۔ اس میں دراصل اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ آخر زمانہ میں ایسے واعظین ہوں گے جو لوگوں کو علم سکھائیں گے لیکن خود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے۔ اسرائیلی نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ تھوڑی سی مسافت طے کرنے کے بعد پھر میں نے ایک بکری دیکھی، کچھ لوگ اس کے پاؤں پکڑے ہوئے تھے، ایک شخص نے اس کے سینگوں کو اور ایک نے دم کو پکڑ رکھا تھا، ایک شخص اس پر سوار تھا اور ایک اس کا دودھ دوہ رہا تھا۔ نوجوان دربان نے جواب دیا کہ بکری دنیا ہے، اس کے پاؤں پکڑنے والے وہ ہیں جو دنیا کے عیش و آرام سے محروم ہو جاتے ہیں۔ سینگوں کو تھامنے والا وہ شخص ہے جسے تنگدستی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جو دم پکڑے ہوا تھا، ایسے شخص سے دنیا منہ پھیر لیتی ہے، اس پر سوار تارک الدنیا ہے اور اسے دوہنے والا کیا ہی خوش نصیب ہے جو اس کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اسرائیلی مزید کہنے لگا کہ آگے جا کر میں نے

دیکھا کہ ایک آدمی کنوئیں سے پانی نکال رہا ہے، جو بھی ڈول نکالتا ہے، اسے ایک حوض میں انڈیل دیتا ہے لیکن پانی پھر حوض سے کنوئیں میں لوٹ آتا ہے۔ یہ سن کر دربان کہنے لگا کہ یہ ایسے شخص کی مثال ہے جو نیک عمل کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں کرتا۔ اسرائیلی کہنے لگا کہ تھوڑا آگے جا کر مجھے ایک ایسا شخص دکھائی دیا جو زمین میں بیج ڈال رہا ہے، فوراً کھیتی تیار ہو جاتی ہے اور عمدہ گندم برآمد ہوتی ہے۔ نوجوان دربان نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایسا شخص ہے جس کے نیک اعمال کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت بھی عطا کرتا ہے اور اس میں برکت اور اضافہ بھی فرماتا ہے۔ اسرائیلی نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بتایا کہ مزید مسافت طے کرنے کے بعد میں نے ایک آدمی دیکھا جو چت لیٹا ہوا تھا، اس نے مجھے کہا: اے اللہ کے بندے! میرے قریب آؤ اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بٹھاؤ۔ اللہ کی قسم! جب سے میں پیدا ہوا ہوں، اس وقت سے نہیں بیٹھا۔ چنانچہ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ بھاگ کھڑا ہوا اور میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یہ سن کر وہ نوجوان کہنے لگا کہ یہ تیری عمر ہے جو ختم ہو چکی ہے اور میں ملک الموت ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہاری روح اس جگہ قبض کروں اور پھر تمہیں جہنم رسید کر دوں۔ اس کے بارے میں یہ آیت وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ ... نازل ہوئی(1)۔ یہ اثر غریب ہے اور اس کی صحت مشکوک ہے۔ اس شخص کے متعلق اس آیت کے نزول کا مطلب یہ ہے کہ کفار کو جب موت آتی ہے تو ان کی روحیں دنیاوی زندگی اور اس کی لذتوں میں ہی کھوئی رہتی ہیں، بالکل اسی طرح جیسا کہ اس فریب خوردہ اسرائیلی کے ساتھ ہوا۔ وہ اپنا مقصود حاصل کرنے کے لئے گیا لیکن ملک الموت نے اسے اچانک دبوچ لیا اور اس کے اور اس کی خواہش کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی۔ فرمایا: كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ۔ یعنی پیغمبروں کو جھٹلانے والی گزشتہ قوموں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ جب عذاب الٰہی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا تو وہ تمنا کرنے لگے کہ کاش وہ ایمان لے آتے لیکن اب ان کا ایمان قبول نہ کیا گیا جیسا کہ فرمایا: فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ ... وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ (المومن:85-84)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ یعنی وہ دنیا میں شک وشبہ کا شکار تھے اس لئے عذاب کا مشاہدہ کر لینے کے بعد ان کا ایمان قبول نہ ہوا۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ شک وشبہ سے بچو کیونکہ جو شخص شک پر فوت ہوا، وہ اسی پر اٹھایا جائے گا اور جس شخص کی وفات یقین پر ہوئی، اسے اسی پر اٹھایا جائے گا(2)۔

1۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 717-716 2۔ الدر المنثور، جلد 6 صفحہ 719

سورۂ فاطر (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْۤ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

''سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا جس نے بنایا ہے فرشتوں کو پیغام رساں جو پروں والے ہیں کسی کے دو، کسی کے تین اور کسی کے چار۔ وہ زیادہ کرتا ہے بناوٹ میں جو چاہتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے لفظ ''فاطر'' کا صحیح معنی اس وقت سمجھ میں آیا جب دو اعرابی ایک کنویں کے بارے میں جھگڑتے ہوئے میرے پاس آئے، ان میں سے ایک نے کہا: ''اَنَا فَطَرْتُهَا'' یعنی اس کنویں کو ابتداءً میں نے کھودا تھا(1)۔ پس فاطر کا معنی ہے ایجاد کرنے والا، بغیر نمونہ کے تخلیق کرنے والا۔ ضحاک کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں فاطر بمعنی خالق ہے۔ پھر فرمایا: جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ.... یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے پیغمبروں کے درمیان پیغام رسانی کے لئے پروں والے فرشتوں کو اپنا قاصد بنایا ہے جو ان کے ذریعے پرواز کر کے فوراً پیغام پہنچاتے ہیں، ان میں سے بعض کے دو پر ہیں، بعض کے تین اور بعض کے چار۔ بعض ایسے فرشتے ہیں کہ جن کے اس سے بھی زائد پر ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے معراج کی شب جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے اور ہر دو پروں کے درمیان اس قدر مسافت تھی جتنی مشرق و مغرب کے درمیان(2)، اس لئے فرمایا: یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ سدی اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کے چاہتا ہے، پر اور زیادہ کر دیتا ہے اور جیسے چاہے انہیں تخلیق فرماتا ہے۔ امام زہری اور ابن جریج اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حسن صوت میں اضافہ کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے، ایک شاذ قراءت میں الخلق کی بجائے الحلق ہے یعنی حاء کے ساتھ۔

مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَ مَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

''جو عطا فرمائے اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اپنی) رحمت سے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جو روک دے، تو اسے کوئی دینے والا نہیں اس کے روکنے کے بعد، اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے''۔

اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور جو اس کی مشیت میں نہ ہو، وہ نہیں ہو سکتا۔ جو وہ عطا کرے، اسے کوئی

1۔ الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 3 2۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6 صفحہ 313، صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 158

روکنے والا نہیں اور جسے وہ روک لے، اسے کوئی دینے والا نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے بذریعہ خط خواہش کی کہ آپ مجھے ایسے ارشادات لکھ دیں جنہیں آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھا کہ حضور ﷺ نماز سے فراغت کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے: ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ - اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ'' اور آپ ﷺ فضول گوئی، کثرت سوال، مال کو ضائع کرنے، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے، ماؤں کی نافرمانی کرنے، بخل اور چھینا جھپٹی سے منع کیا کرتے تھے(1)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو کہتے: ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ - اَللّٰهُمَّ أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ''(2) اس آیت کی طرح یہ آیت بھی ہے: وَإِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (یونس: 107) ''اور اگر تجھے اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو اسے بجز اس کے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے لئے کسی بھلائی کا ارادہ فرمائے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں''۔ اس جیسی اور بھی آیات ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بارش برستی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ ہم پر فتح کے ستارے سے بارش برسائی گئی، پھر آپ اس آیت کی تلاوت کرتے(3)۔

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳﴾

''اے لوگو! یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو اس نے تم پر فرمائی۔ (بھلا یہ تو بتاؤ) کیا اللہ کے بغیر کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے۔ نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ سو (اس سے) منہ پھیر کر کدھر جا رہے ہو؟''

صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے مستحق عبادت ہونے پر استدلال کرنے کی طرف رہنمائی کی جا رہی ہے۔ چونکہ خالق اور رازق صرف وہی ہے، اس لئے چاہئے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، اس لئے فرمایا: لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ - یعنی جب دلیل کے ساتھ یہ بات ثابت اور واضح ہو چکی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو پھر تم کیونکر بہکے بہکے پھر رہے ہو اور بتوں کی پوجا کر رہے ہو۔

وَإِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۗ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ ﴿۴﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۵﴾ إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ أَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۶﴾

''اور اے حبیب! اگر یہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں (تو کوئی نئی بات نہیں) آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا۔ اور (آخر کار)

1۔ فتح الباری، کتاب الاعتصام، جلد 13 صفحہ 264 صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 415
2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 343
3۔ موطا امام مالک، کتاب الاستسقاء، جلد 1 صفحہ 192

اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جاتے ہیں۔ اے لوگو! (یاد رکھو) یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے پس دھوکہ میں نہ ڈال دے تمہیں یہ دنیوی زندگی۔ اور نہ فریب میں مبتلا کردے تمہیں اللہ کے بارے میں وہ بڑا فریبی۔ یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے (اپنا) دشمن سمجھا کرو۔ وہ فقط اس لئے (سرکشی کی) دعوت دیتا ہے اپنے گروہ کوتا کہ وہ جہنمی بن جائیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اگر یہ مشرکین آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور آپ کے لائے ہوئے پیغام توحید کی مخالفت کر رہے ہیں تو آپ آزردہ خاطر نہ ہوں، سابقہ انبیاء کا اسوہ آپ کے سامنے ہے۔ وہ جب اپنی قوموں کے پاس واضح دلائل لے کر آئے اور انہیں توحید کا پیغام دیا تو ان کی قوموں نے بھی ان کی تکذیب اور مخالفت کی، اور تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں یعنی وہ انہیں ان کے کرتوتوں کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ پھر فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ... یعنی اے لوگو! قیامت کا وعدہ برحق ہے اور اس کا وقوع یقینی اور حتمی ہے، اس لئے اخروی ابدی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی گھٹیا زندگی تمہیں دھوکہ میں مبتلا نہ کرے اور دنیا کی فانی لذتوں میں گم ہوکر اس دائمی زندگی سے غافل مت ہو جانا اور بہت بڑا فریبی تمہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ فریب میں مبتلا نہ کردے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غرور سے مراد شیطان ہے یعنی شیطان تمہیں فتنہ میں ڈال کر اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی اتباع اور اس کے کلمات کی تصدیق سے برگشتہ نہ کردے کیونکہ وہ بہت بڑا مکار، دھوکہ باز اور جھوٹا ہے۔ سورۂ لقمان کے آخر میں بھی یہی فرمان ہے۔ پس غرور (دھوکہ باز) سے مراد شیطان ہے۔ قیامت کے دن جب مومنوں اور منافقوں کے درمیان دیوار کھڑی کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کے اندرونی حصہ میں رحمت ہوگی اور ظاہری حصہ میں عذاب ہوگا، اس وقت منافقین مومنین سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اہل ایمان جواب دیں گے: بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (الحدید:14) پھر ابن آدم کے ساتھ ابلیس کی عداوت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ... یعنی شیطان تو تمہارے ساتھ اپنی عداوت علی الاعلان ظاہر کرنے والا ہے، اس لئے تم اس سے انتہائی عداوت اور بغض رکھو، اس کی مخالفت کرو اور اس کے فریب میں نہ آؤ، اس کا مقصد تمہیں گمراہ کرنا ہے تاکہ وہ تمہیں بھی اپنے ساتھ گھسیٹ کر جہنم میں لے جائے۔ یہ ہے واضح اور اعلانیہ دشمن۔ ہم اللہ قوی وعزیز سے خواستگار ہیں کہ وہ ہمیں شیطان کا دشمن ہی بنائے رکھے اور اپنی کتاب کی اتباع اور اپنے رسول ﷺ کی سنت کی اقتداء کی توفیق ارزانی فرمائے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور دعاؤں کو قبول فرمانے والا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر شیطان دشمنی کو یوں بیان فرمایا: وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ... بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا (الکہف:50)۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۬ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

"جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ ان کے لئے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔ پس کیا وہ شخص جس کے لئے مزین کردیا گیا ہے اس کا برا عمل اور وہ اس کو خوبصورت نظر آتا ہے (اس کے لئے آپ آزردہ کیوں ہوں) بے شک اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ پس

نہ گھلے آپ کی جان ان کے لئے فرط غم سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو (کرتوت) وہ کیا کرتے ہیں''۔

یہ بیان کرنے کے بعد کہ ابلیس کے پیروکاروں کا ٹھکانہ جہنم ہے اب یہاں اس بات کا ذکر ہو رہا ہے کہ کفار کے لئے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ شیطان کے مطیع اور رحمٰن کے نافرمان ہیں۔ ان کے برعکس جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، ان سے سرزد ہونے والے گناہوں کو نہ صرف بخش دیا جاتا ہے بلکہ انہیں ان کے نیک اعمال کا بہت بڑا اجر ملے گا، پھر فرمایا: اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ ۔ یعنی کفار اور بدکار لوگ جو اپنی سیاہ کاریوں اور بداعمالیوں کو نیکیاں گمان کرتے ہیں کیا ایسے گمراہ لوگوں کے متعلق آپ کی کوئی تدبیر کارگر ہو سکتی ہے؟ بالکل نہیں۔ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اس لئے آپ فرط غم سے ان پر اپنی جان نہ گھلائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلہ میں کوئی نہ کوئی حکمت کارفرما ہوتی ہے۔ وہ اپنی حکمت بالغہ اور علم کامل کے پیش نظر ہی کسی کو گمراہ کرتا ہے یا ہدایت سے نوازتا ہے، اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا۔ پس اس دن جس پر وہ نور پڑ گیا وہ ہدایت پا گیا اور جسے وہ نور نہ ملا، وہ گمراہ ہو گیا، اس لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق قلم (چلنے کے بعد) خشک ہو گیا'' (1)۔ حضرت زید بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو گمراہی سے ہدایت عطا فرماتا ہے اور جس پر چاہے گمراہی ڈال دیتا ہے''۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ
الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ
شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ
اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ
عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو وہ اٹھا لاتی ہیں بادل کو، پھر ہم لے جاتے ہیں بادل کو مردہ شہر کی طرف پھر ہم زندہ کر دیتے ہیں اس بادل (کے مینہ) سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد، یونہی (انہیں) قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ جو عزت کا طلبگار ہو (وہ جان لے) کہ ہر قسم کی عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور نیک عمل پاکیزہ کلام کو بلند کرتا ہے۔ اور جو لوگ فریب کاریاں کرتے ہیں برے کاموں کے لئے ان کیلئے شدید عذاب ہے۔ اور ان کا مکر (وفریب) تباہ ہو کر رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تمہیں مٹی سے، پھر پانی کی بوند سے پھر تمہیں بنا دیا جوڑے جوڑے، اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی عورت اور نہ بچہ جنتی ہے مگر اس کو اس کا علم ہوتا ہے۔ اور نہ لمبی زندگی دی جاتی ہے کسی طویل العمر کو اور نہ کم رکھی جاتی ہے کسی کی عمر مگر (اس کی تفصیل) کتاب میں درج ہے۔ بیشک یہ بات اللہ کے لئے

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 176، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 102

بالکل آسان ہے''۔

قرآن کریم میں عموماً موت کے بعد کی زندگی پر مردہ زمین کے زندہ اور سرسبز و شاداب ہو جانے سے استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ سورۂ حج کے شروع میں بھی اس چیز کا تذکرہ کیا گیا ہے(1)۔ بندوں کے لئے اس میں یہ عبرت اور دلیل ہے کہ وہ دوبارہ جی اٹھنے کو مردہ زمین پر قیاس کریں۔جس میں شادابی اور ہریالی کا نام و نشان تک نہیں ہوتا لیکن جب اس پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارش برستی ہے تو ہر طرف جل تھل ہو جاتا ہے، اسی خشک زمین پر رونق آ جاتی ہے اور نباتات اپنی بہار دکھانے لگتی ہیں، بالکل اسی طرح بندوں کے اجسام مردہ حالت میں ادھر ادھر منتشر ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا چاہے گا تو عرش تلے سے بارش برسائے گا جس کا پانی تمام روئے زمین پر پھیل جائے گا اور اس سے اجسام اپنی قبروں میں یوں اگنے لگیں گے جیسے زمین سے دانے اگتے ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے: ''ہر ابن آدم بوسیدہ ہو جاتا ہے بجز ریڑھ کی ہڈی کے، اسی سے یہ پیدا کیا گیا اور اسی سے اسے ترکیب دیا جائے گا''(2)۔ اس لئے فرمایا: كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ۔ سورۂ حج میں حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث گزر چکی ہے کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ کیسے مردوں کو زندہ کریگا اور مخلوق میں اس کی دلیل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابورزین! کیا تمہارا کسی ایسی وادی سے گزر ہوا جو پہلے بنجر اور اجاڑ تھی اور پھر دوبارہ گزر ہوا تو وہ سبزی و شادابی کے ساتھ لہلہا رہی تھی؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا''(3)۔ اس کے بعد فرمایا: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ... یعنی جو شخص دنیا و آخرت میں معزز رہنے کا خواہاں ہے، اسے چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لے تو پھر اسے اپنا مقصود حاصل ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دنیا و آخرت کا مالک ہے اور عزت بھی تمام کی تمام اسی کی ملکیت میں ہے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (النساء:139) ''وہ کافر جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں تو (وہ سن لیں) عزت سب کی سب اللہ کے لئے ہے''۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (المنافقون:8) ''اور ساری عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے ہے اور ایمان والوں کے لئے ہے مگر منافقوں کو (اس بات کا) علم ہی نہیں''۔ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُھُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (یونس:65) ''اور ان کی باتیں آپ کو غمزدہ نہ کریں یقیناً ساری عزت اللہ کے لئے ہے''۔ مجاہد اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو شخص بت پرستی کے ذریعے عزت کا طلبگار ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ عزت تمام کی تمام اللہ کیلئے ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ جو شخص عزت کے حصول کا متمنی ہے، اسے چاہئے کہ وہ اطاعت الٰہی کے ذریعے عزت حاصل کرے۔ بعض نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جو شخص یہ جاننے کا خواہشمند ہو کہ عزت کس کے لئے ہے تو وہ جان لے کہ عزت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے لئے ہے(4)۔ پھر فرمایا: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ۔ متعدد سلف کے بقول الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (پاکیزہ کلمات) سے مراد ذکر، تلاوت اور دعا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تمہارے سامنے جو حدیث بیان کرتے ہیں، اس کی تصدیق قرآن کریم سے بھی پیش کرتے ہیں۔ سنو! جب کوئی بندۂ مسلمان یہ کلمات پڑھتا ہے: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ''۔ تو ایک فرشتہ ان کلمات کو اپنے پر کے نیچے محفوظ کر لیتا ہے، پھر انہیں لے کر

1۔ الحج:5-7 2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ مومنون:14

3۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ حج:6 4۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 120

آسمان کی طرف رخ کرتا ہے، وہ فرشتوں کے جس مجمع کے پاس سے گزرتا ہے، وہ ان کے قائل کے لئے استغفار کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان کلمات کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیتا ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی (1)۔ حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کی عرش کے اردگرد اس طرح گونج پڑتی ہے جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ۔ یہ کلمات اپنے قائل کا ذکر اللہ تعالیٰ کے سامنے کرتے رہتے ہیں اور نیک اعمال خزانوں میں محفوظ ہیں (1)۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ اللہ تعالیٰ کے جلال سے اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کی تسبیح، اس کی بڑائی، اس کی حمد اور اس کی تہلیل کرتے ہیں تو یہی کلمات عرش کے اردگرد اکٹھے ہو جاتے ہیں، شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی ان کی گونج ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے قائل کا ذکر کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی ایسی چیز ہو جو اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارا ذکر کرتی رہے'' (2)۔ پھر فرمایا: وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پاکیزہ کلمات سے مراد اللہ کا ذکر ہے جو اس کی طرف بلند ہوتا ہے اور عمل صالح سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے۔ پس جو شخص فرائض کی ادائیگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا عمل اس ذکر کو اللہ تعالیٰ کے حضور بلند کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر تو کرے لیکن فرائض کی ادائیگی نہ کرے، اس کا کلام اس کے عمل پر لوٹا دیا جاتا ہے (3)۔ مجاہد بھی یہی فرماتے ہیں کہ عمل صالح پاکیزہ کلمہ کو بلند کرتا ہے۔ ایاس بن معاویہ قاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عمل صالح نہ ہو تو پاک کلمہ بلند نہیں ہوتا۔ حضرات حسن و قتادہ فرماتے ہیں کہ عمل کے بغیر قول مقبول نہیں۔ حضرات مجاہد، سعید بن جبیر اور شہر بن حوشب فرماتے ہیں کہ ''وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا'' سے مراد مشرکین ہیں۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے اور مشرکین اس میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں اس لئے فرمایا: لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ.... یعنی ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا مکر و فریب فاسد، باطل اور نیست و نابود ہونے والا ہے اور ان کا مکر اور جھوٹ عنقریب عقلمندوں پر ظاہر ہو جائے گا کیونکہ کسی شخص کے دل میں جو بات پوشیدہ ہوتی ہے، اس کے اثرات اس کے چہرے پر ظاہر ہوہی جاتے ہیں اور کبھی نہ کبھی وہ بات اس کی زبان پر آ ہی جاتی ہے کیونکہ باطن کا ظاہر پر منعکس ہونا لازمی امر ہے۔ چنانچہ کسی کے باطن میں جو کچھ مخفی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا لباس اسے پہنا دیتا ہے، اگر خیر پوشیدہ ہے تو خیر کا لباس اور اگر شر مضمر ہے تو شر کا۔ ریاکار اپنے بھیس کو زیادہ دیر تک نہیں چھپا سکتا اور نہ طویل مدت تک لوگوں کو دھوکہ ہی کا شکار رکھ سکتا ہے۔ کوئی غبی اور بے وقوف ہی اس کی حقیقت سے ناواقف رہ سکتا ہے، جہاں تک فہم و فراست کے حامل اہل ایمان کا تعلق ہے تو ان پر ان کا فریب طویل عرصہ تک پوشیدہ نہیں رہتا بلکہ جلد ہی منکشف ہو جاتا ہے اور اس عالم غیب پر تو کوئی چیز مخفی نہیں۔ پھر فرمایا: وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی، پھر ان کی نسل کا سلسلہ ایک حقیر پانی سے جاری کر دیا۔ پھر اس نے تمہیں جوڑا جوڑا (مرد و زن) بنا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم اور رحمت ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون و راحت حاصل کر سکو۔ پھر فرمایا: وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى یعنی ہر حاملہ کے حمل اور وضع حمل کا اسے بخوبی علم ہے۔ اس بارے میں کوئی چیز اس پر مخفی نہیں بلکہ ہر جھڑنے والے پتے، زمین کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے دانے اور ہر خشک و تر کے متعلق اسے پورا پورا علم ہے۔ اس موضوع پر بحث اس فرمان اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ ... الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ (الرعد: 9-8) کے تحت گزر چکی ہے۔ اس کے بعد ارشاد

1۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 120 2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 1252، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 268

3۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 121

ہوتا ہے: وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ ۔ یعنی جس نطفے کو طویل عمر ملنے والی ہے، اسے بھی وہ جانتا ہے اور یہ اس کے پاس لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ میں ہ ضمیر کا مرجع جنس ہے نہ کہ معین فرد کیونکہ طویل العمر کتاب (لوح محفوظ) میں درج ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کی عمر میں کمی نہیں ہوتی، پس ضمیر جنس کی طرف لوٹتی ہے، یہ عربوں کے اس قول کی طرح ہے: "عِنْدِیْ ثَوْبٌ وَّنِصْفُهٗ" یعنی میرے پاس ایک کپڑا اور دوسرے کپڑے کا نصف ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس فرمان کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس شخص کے لئے میں نے طویل عمر مقدر کی ہے، وہ اس تک ضرور پہنچے گا کیونکہ یہ میں نے کتاب میں لکھ رکھا ہے اور اس پر اضافہ نہیں ہوگا اور اسی طرح میں نے کتاب میں جس شخص کی کم عمر مقرر کی ہے، وہ لامحالہ اس مقررہ عمر تک پہنچے گا۔ یہ ساری باتیں کتاب میں درج ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے(1)۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ اس فرمان وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ ۔ کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد حمل کا مکمل ہونے سے پہلے ساقط ہو جانا ہے۔ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ بعض لوگ سو سو سال کی عمر پاتے ہیں اور بعض پیدا ہوتے ہی مر جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ساٹھ سال کی عمر سے پہلے مرنے والا بھی کم عمر والا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شکم مادر میں عمر لکھ دی جاتی ہے۔ ساری مخلوق کی عمر یکساں نہیں ہوتی بلکہ کوئی لمبی عمر والا ہوتا ہے اور کوئی کم عمر والا۔ یہ سب کچھ لکھا ہوا ہے اور یہی ظہور پذیر ہوتا ہے(2)۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ کا معنی ہے جو اجل لکھی جاتی ہے اور وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ کا معنی ہے جو اس میں سے آہستہ آہستہ گزر رہی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاں مکتوب ہے۔ یکے بعد دیگرے جو سال، مہینے، ہفتے، دن اور گھڑیاں بیت جاتی ہیں، ان سب کا حساب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ ابن جریر نے یہ قول ابو مالک سے نقل کیا ہے اور سدی اور عطاء خراسانی کا بھی یہی موقف ہے لیکن ابن جریر کا پسندیدہ قول پہلا ہے(3)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اسے رزق میں فراخی اور عمر میں زیادتی عطا کی جائے، اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے"(4)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کسی کی اجل آ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مہلت نہیں دیتا۔ عمر میں زیادتی صالح اولاد کے باعث ہوتی ہے، جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرتی ہے تو ان کی دعا قبر میں اسے پہنچتی رہتی ہے، یہی عمر میں زیادتی ہے"۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ یعنی اس کا اور تمام مخلوقات کی تفصیلات کا علم ہونا اس کیلئے بہت معمولی بات ہے کیونکہ اس کا علم تمام مخلوقات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

"اور یکساں نہیں ہو سکتے پانی کے دو ذخیرے۔ یہ (ایک) میٹھا ہے بہت شیریں اس کا پینا بڑا خوشگوار ہے اور یہ (دوسرا) سخت نمکین کھاری تلخ۔ اور دونوں میں سے تم کھاتے ہو تر و تازہ گوشت اور نکالتے ہو زینت کا سامان جسے تم پہنتے ہو۔ اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو پانی میں کہ اسے چیرتی، شور مچاتی چلی جاری ہیں تاکہ تم تلاش کرو اس کے فضل کو اور (وہ سب نوازشات اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 122 2۔ الدرالمنثور، جلد 7 صفحہ 11 3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 123

4۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 73۔ صحیح مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1982 وغیرہ

لئے) تا کہ تم شکر ادا کرو"۔

اللہ تعالیٰ مختلف اور متنوع چیزیں تخلیق کرنے پر اپنی قدرت کاملہ سے آگاہ فرما رہا ہے، اس کی قدرت کا ایک کرشمہ یہ ہے کہ اس نے پانی کے دو بڑے ذخیرے پیدا کئے۔ ان میں سے ایک میٹھا اور نہایت شیریں ہے اور یہ چھوٹے بڑے دریاؤں کی شکل میں شہروں، آبادیوں، جنگلوں اور ویرانوں میں بہہ رہا ہے۔ یہ پانی نہایت میٹھا اور اس کا پینا بہت خوشگوار لگتا ہے۔ جبکہ دوسرا ذخیرہ نہایت نمکین، کھاری اور تلخ ہے۔ اس سے مراد ساکن سمندر ہے جس میں بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز رواں دواں رہتے ہیں۔ اس کا پانی چونکہ کڑوا، نمکین اور کھاری ہوتا ہے اس لئے فرمایا: وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ۔ پھر فرمایا: وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ یعنی تم دونوں سے تازہ گوشت یعنی مچھلیاں کھاتے ہو اور پہننے کے لئے زینت کا سامان نکالتے ہو جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (الرحمٰن: 23-22) "نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے" پھر ارشاد ہوتا ہے: وَتَرَى الْفُلْكَ۔ یعنی کشتیاں اپنے اگلے سرے سے جو پرندے کے سینے کی طرح ہوتا ہے، پانی کو چیرتی ہوئی چلتی رہتی ہیں اور ہوا کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھتی رہتی ہیں تا کہ تم ان پر سفر کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو کر تجارت کرو اور اللہ تعالیٰ کا اس نعمت پر شکر ادا کرو کہ اس نے ہیبت ناک سمندر کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے، تم جیسے چاہو، اس میں تصرف کر سکتے ہو اور جہاں چاہو، جا سکتے ہو، یہ تمہارے سامنے سرکشی نہیں کر سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رحمت کا تو یہ عالم ہے کہ اس نے اپنی قدرت سے سمندر اور دریا بلکہ زمین و آسمان کی تمام چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں۔

یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۙ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۖ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ۝۱۳ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَ لَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ ۝۱۴

"وہ داخل کرتا ہے (کبھی) رات (کے ایک حصہ) کو دن میں اور (کبھی) داخل کرتا ہے دن (کے ایک حصہ) کو رات میں۔ اور اس نے پابند حکم کر دیا ہے سورج اور چاند کو۔ ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک۔ یہ ہے اللہ جو تمہارا رب ہے اسی کی ساری بادشاہی ہے اور وہ (بت) جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا، وہ تو گٹھلی کے چھلکے تک کے بھی مالک نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو نہ سن سکیں گے تمہاری پکار۔ اور اگر وہ بالفرض سن بھی لیں تو وہ تمہاری التجا قبول نہیں کر سکیں گے اور روز قیامت (صاف) انکار کر دیں گے تمہارے شرک کا اور (حقیقت حال سے) تجھے کوئی آگاہ نہیں کر سکتا خدائے خبیر کی مانند"۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کے ایک اور مظہر کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے رات کے اندھیرے کے ساتھ اور دن کو روشنی کے ساتھ پابند کر رکھا ہے، کبھی راتیں بڑی اور کبھی دن بڑے، کبھی موسم گرما اور کبھی موسم سرما۔ اس نے سورج، چاند اور متحرک و ساکن ستاروں کو پابند حکم بنا رکھا ہے، تمام معین مقدار کے ساتھ مقررہ راہ پر گامزن رہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ عزیز و علیم کا قائم کیا ہوا نظام ہے کہ ہر ایک مقررہ میعاد یعنی روز قیامت تک رواں دواں رہے گا۔ یہ اللہ تمہارا رب اور معبود حقیقی ہی تو ہے جس کی قدرت کی یہ کرشمہ سازی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا تم

جن خود ساختہ بتوں کو پکارتے ہو، یہ تو کھجور کی گٹھلی کے پردے کے بھی مالک نہیں یعنی اتنی حقیر سی چیز بھی ان کی ملکیت میں نہیں۔ پھر فرمایا: اِنْ تَدْعُوْهُمْ ...یعنی اگر تم ان معبودان باطلہ کو پکارو تو یہ تمہاری پکار نہیں سن سکتے کیونکہ یہ بے جان جمادات ہیں اور اگر بالفرض یہ تمہاری آواز سن بھی لیں تو تمہاری التجا کو پورا کرنے اور تمہیں تمہاری مطلوبہ چیز فراہم کرنے پر قادر نہیں اور قیامت کے دن یہ تم سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے جیسا کہ فرمایا: وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ ۔ ۔ وَ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (الاحقاف:6-5)'' اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔ اور جب جمع کیے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے'' اور فرمایا: وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۙ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (مریم:82-81)'' اور انہوں نے اللہ کے سوا اور خدا بنا لیے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے مددگار بنیں، ہرگز نہیں، وہ جھوٹے خدا ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور (الٹا) ان کے دشمن بن جائیں گے''۔ آیت کے آخر میں فرمایا'' وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ '' یعنی امور کے انجام کے متعلق وہی خبردار کر سکتا ہے جو ان سے مکمل آگاہی رکھنے والا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات ہے کیونکہ وہی حقیقت حال کی پوری پوری خبر دینے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَاْتِ
بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَ اِنْ تَدْعُ
مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ
رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ مَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

'' اے لوگو! تم سب محتاج ہو اللہ تعالیٰ کے۔ اور اللہ ہی غنی ہے سب خوبیوں سراہا۔ اگر اس کی مرضی ہو تو تم سب کو نابود کر دے اور لے آئے ایک نئی مخلوق۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر قطعاً دشوار نہیں۔ اور بوجھ نہیں اٹھائے گا کوئی گنہگار کسی دوسرے کا بوجھ۔ اور اگر بلائے گا پشت پر بوجھ اٹھانے والا (کسی کو) اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے تو نہ اٹھائی جا سکے گی اس کے بوجھ سے کوئی شے اگرچہ کوئی قریبی رشتہ دار ہی ہو۔ آپ صرف ان کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز۔ اور جو پاکیزگی اختیار کرتا ہے سو وہ اپنی بھلائی کے لیے ہی اختیار کرتا ہے اور (یاد رکھو آخرکار) اللہ کی طرف ہی لوٹنا ہے''۔

اس حقیقت سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بے نیاز ہے اور تمام مخلوقات اس کی محتاج اور اس کے سامنے عاجز ہیں۔ فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ یعنی لوگ اپنی تمام حرکات و سکنات میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور وہ بالذات ان سے غنی ہے، اس لیے فرمایا: وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ یعنی اللہ وحدہ لا شریک بے نیاز ہونے اور اپنے تمام اقوال، افعال، شرعی احکام اور قضاء و قدر میں قابل ستائش ہونے میں منفرد ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ ...یعنی اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم سب کو نابود کر کے کوئی دوسری قوم لے آئے، یہ کام اس کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ ... یعنی قیامت کے دن کوئی گنہگار دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور اگر اپنی پشت پر کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے کہے گا تو وہ اس کا ذرہ برابر بھی بوجھ نہیں اٹھائے گا اگرچہ

وہ اس کا قریبی رشتہ دار حتیٰ کہ باپ یا بیٹا ہی ہو۔ اس دن ہر ایک کو اپنی فکر دامن گیر ہو گی۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اس فرمان وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد پڑوسی ہے جو قیامت کے دن اپنے پڑوسی سے چمٹ جائے گا اور کہے گا: اے مومن! میں نے دنیا میں تم پر احسان کیا تھا لیکن آج میں تمہارا محتاج ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے رب کے حضور اس کی سفارش کرتا رہے گا یہاں تک کہ اس کے عذاب میں تھوڑی سی تخفیف ہو جائے گی۔ والد قیامت کے دن اپنے بیٹے کو پکڑ کر اس پر اپنا احسان جتلائے گا اور اسے کہے گا کہ میں آج مشکل صورتحال سے دوچار ہوں، مجھے اپنی نیکیوں میں سے ایک ذرہ بھر دے دو شاید میں اس کے ذریعے نجات پا جاؤں۔ بیٹا کہے گا: ابا جان! آپ نے کس قدر معمولی چیز طلب کی ہے لیکن آج مجھے بھی وہی خوف دامن گیر ہے جو آپ کو ہے، اس لئے میں آپ کو کچھ نہیں دے سکتا، پھر اپنی بیوی کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ میں تمہارے لئے کیسا اچھا خاوند تھا۔ وہ اس کی تعریف کرے گی تو وہ اسے کہے گا کہ آج مجھے ایک نیکی عطا کر دو شاید یہ میری نجات کا ذریعہ بن جائے۔ وہ جواب دے گی کہ آپ کا مطالبہ تو معمولی ہے لیکن آج ایسا کرنا میرے بس کا روگ نہیں کیونکہ مجھے بھی وہ اندیشہ لاحق ہے جو آپ کو ہے۔ اللہ تعالیٰ اور مقامات پر فرماتا ہے: لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا (لقمان:33) "نہ بدلہ دے سکے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے اور نہ ہی بیٹا اپنے باپ کی جانب سے کچھ بدلہ دے سکے گا"۔ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ ... يُغْنِيْهِ (عبس:37-34)۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ...... یعنی آپ کے لائے ہوئے پیغام سے صرف وہ عقلمند نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے نماز قائم کرتے ہیں اور جو شخص پاکیزگی اختیار کرتا ہے اور نیک اعمال کرتا ہے تو اس کا فائدہ اسے ہی حاصل ہوگا اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ جلد حساب لینے والا ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے اچھے برے اعمال کی جزا دے گا۔

وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾

"اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا۔ اور نہ (یکساں ہیں) اندھیرے اور نور۔ اور نہ (یکساں ہے) سایہ اور تیز دھوپ۔ اور نہ ایک جیسے ہیں زندے اور مردے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں۔ نہیں ہیں آپ مگر بروقت ڈرانے والے۔ ہم نے آپکو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا۔ اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ ہو گزرا ہو۔ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کوئی تعجب نہیں) بے شک جھٹلاتے رہے جو ان سے پہلے تھے۔ تشریف لائے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں، آسمانی صحیفے اور نورانی کتاب لے کر۔ پھر (جب ان کی سرکشی کی حد ہو گئی) تو میں نے پکڑ لیا کفار کو پس (ساری دنیا جانتی ہے) میرا عذاب کیسا تھا"۔

فرمایا جا رہا ہے کہ یہ مختلف اور متضاد اشیاء یکساں نہیں۔ اندھا اور بینا یکساں نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے، اسی طرح اندھیرے اور نور، سایہ اور دھوپ اور زندے اور مردے برابر نہیں۔ یہاں مومنوں اور کافروں کی مثال بیان ہو رہی ہے۔ مومنوں کی مثال زندوں کی سی ہے اور کافروں کی مثال مردوں کی سی جیسا کہ فرمایا: اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (الانعام:123) ”کیا وہ جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لئے نور بنا دیا جس کے اجالے میں وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو، ان سے نکلنے والا نہ ہو“۔ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا (ہود:24) ”ان دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا ہو، کیا ان دونوں کا حال یکساں ہے“۔ مومن دیکھنے سننے والا ہے، اسے نور حاصل ہے اور وہ دنیا و آخرت میں صراط مستقیم پر گامزن ہے جو اسے سایوں اور نہروں والی جنت میں پہنچا دے گا جبکہ کافر اندھا اور بہرا ہے، اندھیروں میں بھٹک رہا ہے جن سے باہر نکلنا اس کے لئے ممکن نہیں، وہ ہمیشہ گمراہی میں سرگرداں رہتا ہے اور قیامت کے دن جہنم رسید ہو گا جہاں حرارت، شدید لو، کھولتا ہوا پانی اور گرم سیاہ سایا اس کی تواضع کے لئے تیار ہے۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہے سماع حجت اور اس کے قبول کرنے کی طرف رہنمائی فرما دیتا ہے اور آپ انہیں نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں یعنی جس طرح مردے (کفار) قبروں میں جانے کے بعد ہدایت اور اس کی دعوت سے استفادہ نہیں کر سکتے اسی طرح یہ مشرکین ہیں۔ ان پر بدبختی لکھ دی گئی ہے اس لئے آپ ان کی ہدایت کے لئے کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور نہ انہیں راہ راست پر گامزن کر سکتے ہیں۔ آپ تو صرف خبردار کرنے والے ہیں یعنی انہیں تبلیغ کرنا اور ڈرانا ہی آپ کی ذمہ داری ہے۔ باقی رہی ہدایت اور گمراہی تو یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ فرمایا: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ ۔ یعنی ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ آپ مومنوں کو بشارت دیں اور کافروں کو ڈرائیں اور بنی آدم سے جتنی قومیں گزری ہیں، سب کی طرف اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والے رسول بھیجے اور ان کے تمام عذر ختم کر دیے جیسا کہ فرمایا: اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد:7) ”آپ تو ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ہادی ہے“۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ (النحل:36) ”اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دور رہو۔ سو ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور کچھ ایسے بھی تھے جن پر گمراہی مسلط ہو گئی“۔ اس قسم کی اور بھی آیات ہیں۔ پھر فرمایا: وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ ... ۔ البینات سے مراد روشن معجزات اور قطعی دلائل ہیں، زبر سے مراد کتابیں اور منیر سے مراد واضح اور نورانی۔ اگلی آیت میں فرمایا: ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ یعنی اس کے باوجود ان قوموں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو اس کی پاداش میں وہ عبرتناک عذاب سے دوچار ہوئے۔ پس میرا عذاب کیسا شدید تھا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ
الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَ
الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

”کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اتارتا ہے آسمان سے پانی۔ پس ہم نکالتے ہیں اس کے ذریعے طرح طرح کے پھل جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ اور پہاڑوں سے بھی رنگ برنگ ٹکڑے ہیں کوئی سفید، کوئی سرخ مختلف رنگوں میں (کوئی شوخ کوئی مدھم) اور بعض حصے سخت سیاہ۔ اور انسانوں، چارپایوں، اور جانوروں کے رنگ بھی اسی طرح جدا جدا ہیں۔ اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب پر غالب، بہت بخشنے والا ہے“۔

اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی بوقلمونیوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ ایک ہی چیز یعنی بارش کے پانی سے رنگارنگ اور مختلف چیزیں تخلیق فرماتا ہے، یہ پانی ایک ہی طرح کا ہے لیکن اس کے ذریعے زرد، سرخ، سبز، سفید اور دیگر رنگوں میں مختلف اقسام کے پھل پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح ان کے رنگ، ذائقہ، مہک اور خوشبو میں بھی تنوع ہے۔ یہ نیرنگی قدرت الٰہی کی اعجاز آفرینی ہے جیسا کہ فرمایا: وَ فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ ۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (الرعد: 4)“ اور زمین میں مختلف ٹکڑے ہیں جو قریب قریب ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں کچھ ایک تنے سے پھوٹی ہیں اور کچھ الگ الگ تنوں سے، سیراب کیا جاتا ہے ایک ہی پانی سے اور ہم بعض کو بعض پر ذائقہ اور بو میں فضیلت دیتے ہیں۔ بے شک اس میں عقلمند قوم کے لئے نشانیاں ہیں“، پھر فرمایا: وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ ۔ یعنی اسی طرح پہاڑ بھی جدا جدا اور انواع و اقسام کے تخلیق کیے گئے ہیں، ان میں سے کچھ سفید ہیں، کچھ سرخ، کچھ سیاہ اور بعض میں راستے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول ”جدد“ کا معنی راستے ہیں۔ یہ جدۃ کی جمع ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غرابیب کا معنی ہے لمبے لمبے پہاڑ۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ عرب جب کسی سیاہ چیز کی سیاہی کی شدت اور کثرت کو بیان کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں: ”اَسْوَدُ غِرْبِيْبٌ“ (1) یعنی سخت سیاہ، اس لئے بعض مفسرین نے اس معنی کے پیش نظر کہا ہے کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے، اصل میں کلام یوں ہے: ”سُوْدٌ غَرَابِيْبُ“ (2)۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَ مِنَ النَّاسِ ۔ یعنی اسی طرح جانداروں میں سے انسان، چوپائے اور جانور بھی قسم قسم کے ہیں۔ الانعام کا الدواب پر عطف ”عَطْفُ الْخَاصِّ عَلَى الْعَامِّ“ ہے۔ انسانوں میں بربر، حبشی اور طمطم بالکل سیاہ فام ہیں، صقالبہ اور رومی انتہائی سفید، عرب ان کے بین بین اور ہنود ان کے قریب قریب، اس لئے فرمایا: وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ (الروم: 22)“ نیز تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف۔ بے شک اس میں بھی اہل علم کے لئے نشانیاں ہیں“۔ اسی طرح چوپائے اور جانور بھی جدا جدا رنگوں والے ہیں یہاں تک کہ ایک جنس بلکہ ایک ہی نوع کے جانوروں کے رنگ مختلف ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ ایک ہی جانور کئی کئی رنگوں والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کتنا بابرکت ہے جو سب سے اچھا خالق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کہ کیا آپ کا رب رنگ آمیزی بھی کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایسی خوب رنگ آمیزی جو کبھی دھیمی نہ پڑے، سرخ، زرد اور سفید“ (3)۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے صرف وہ علماء ہی کما حقہ ڈرتے ہیں جو اس کی ذات کا عرفان رکھنے والے ہیں کیونکہ اس عظیم، قدیر، علیم، تمام صفات کمال سے متصف اور تمام اسمائے حسنیٰ سے موسوم ذات کے متعلق جس قدر زیادہ علم اور معرفت حاصل ہوگی، اسی قدر زیادہ اس کی خشیت حاصل ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ علماء ہیں جو اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 131
2۔ تفسیر بغوی، جلد 3 صفحہ 569
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب اللباس، جلد 3 صفحہ 361

حقیقت کا علم رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (1)۔ ایک اور روایت میں آپ سے منقول ہے کہ بندوں میں رحمن کے متعلق علم رکھنے والا وہ ہے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور اس کی حرام کردہ چیزوں کو حرام جانے، اس کی وصیت کی حفاظت کرے اور یہ یقین رکھے کہ اس کی اس سے ضرور ملاقات ہوگی اور وہ اس سے اس کے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں: خشیت (ڈرنا) وہ طاقت ہے جو بندے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم وہ ہے جو خلوت میں بھی رحمن سے ڈرے اور ایسے امور میں رغبت رکھے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب ہیں اور ایسے کاموں سے اجتناب کرے جو اس کی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں، پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زیادہ باتیں جاننا علم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے خشیت کا نام علم ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بکثرت روایات کرنے کا نام علم نہیں بلکہ علم ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ کسی دل میں ڈال دیتا ہے یعنی کثرت روایات سے خشیت نہیں حاصل ہوتی بلکہ جس علم کی اتباع فرض قرار دی گئی ہے، وہ کتاب وسنت، صحابہ اور ائمہ مسلمین سے حاصل ہونے والا علم ہے اور یہ روایت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ علم کے نور ہونے کا مقصد علم کی فہم اور اس کے معانی کی معرفت ہے۔ ایک بزرگ سے منقول ہے کہ علماء کی تین قسمیں ہیں: "عالم باللّٰہ، عالم بِاَمْرِ اللّٰہ اور عالم باللّٰہ وَ عالم بِاَمْرِ اللّٰہ۔ عالم باللّٰہ، عالم بامر اللّٰہ نہیں اور عالم بِاَمْرِ اللّٰہ، عالم باللّٰہ نہیں، البتہ" عالم باللّٰہ و عالم بامر اللّٰہ" ہی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور حدود وفرائض کا علم رکھتا ہے۔ عالم باللہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو لیکن اسے حدود وفرائض کا علم نہ ہو اور عالم بامر اللہ وہ ہے جو حدود وفرائض کا علم تو رکھتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہ ہو (3)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾

"بے شک جو (غور وتدبر سے) تلاوت کرتے ہیں اللہ کی کتاب کی اور نماز قائم کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے رازداری سے اور اعلانیہ، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو ہرگز نقصان والی نہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا اجر عطا فرمائے اور مزید اضافہ کرے ان کے اجر میں اپنے فضل سے۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا بڑا قدردان ہے"۔

ان بندگان خدا کا ذکر ہو رہا ہے جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے احکام کی بجا آوری کرتے ہوئے اوقات مشروعہ میں نماز کی پابندی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، یہ سعادتمند اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر وثواب کے خواہشمند ہیں جس کا حصول یقینی اور ضروری ہے جیسا کہ اس تفسیر کے آغاز میں فضائل قرآن کے ذکر میں ہم نے بیان کیا ہے کہ قرآن کریم اپنے ساتھی سے کہے گا کہ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے اور آج تم تمام تجارتوں کے پیچھے ہو۔ اس لئے فرمایا: لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ - تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا اجر عطا فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے انہیں غیر متوقع مزید اجر ارزانی فرمائے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخشنے والا اور قلیل اعمال کا بھی قدردان ہے۔ حضرت مطرف رحمۃ اللہ علیہ جب اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 22، صفحہ 132، الدر المنثور، جلد 7، صفحہ 20 2۔ الدر المنثور، جلد 7، صفحہ 20 3۔ الدر المنثور، جلد 7، صفحہ 20

آیت کی تلاوت کرتے تو فرماتے کہ یہ قاریوں کی آیت ہے(1)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر راضی ہوتا ہے تو اس پر خیر کی ایسی سات اصناف کے ساتھ ثنا کرتا ہے جو اس نے کی ہی نہیں ہوتیں اور جب وہ کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو اسے شر کی ایسی سات اصناف کے ساتھ ذکر کرتا ہے جن کا اس نے ارتکاب کیا ہی نہیں ہوتا'' (2)۔

یہ حدیث بہت غریب ہے۔

وَ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ مِنَ الۡکِتٰبِ هُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیۡرٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۳۱﴾

''اور جو کتاب بذریعہ وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے سراسر حق ہے وہ تصدیق کرتی ہے پہلی کتابوں کی۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سارے احوال سے باخبر ہے (اور) دیکھنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے کہ ہم نے یہ قرآن آپ کی طرف وحی کیا ہے جو سابقہ آسمانی کتابوں کی صداقت اور ان کے اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیے جانے کی گواہی دیتا ہے، اسی طرح یہ کتابیں بھی قرآن کریم کی شان کو بیان کرتی ہیں اور اس بات کی گواہ ہیں کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ اس کے بندوں میں سے کون زیادہ فضیلت کا مستحق ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے انبیاء ورسل کو تمام بنی نوع انسان پر فضیلت عطا فرمائی، پھر انبیاء کرام میں سے بعض کو بعض پر فضیلت اور اعلیٰ درجہ عطا فرمایا اور حضرت محمد ﷺ کو سب سے اعلیٰ مقام و مرتبہ ارزانی فرمایا۔

ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡکَبِیۡرُ ﴿ؕ۳۲﴾

''پھر ہم نے وارث بنایا اس کتاب کا ان کو جنہیں ہم نے چن لیا تھا اپنے بندوں سے۔ پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض درمیانہ رو ہیں۔ اور بعض سبقت لے جانے والے ہیں نیکیوں میں اللہ کی توفیق سے۔ یہی (اللہ تعالیٰ کا) بہت بڑا فضل (وکرم) ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی اس کتاب (قرآن) کا وارث ہم نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کو بنایا جو اس پر عمل پیرا ہونے والے ہیں۔ جن برگزیدہ بندوں کو کتاب کا وارث بنایا گیا، وہ حضور ﷺ کی امت ہے، پھر اس امت کے تین گروہ ہو گئے، ایک گروہ وہ ہے جس سے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جاتی ہے اور بعض سے محرمات کا بھی ارتکاب ہو جاتا ہے۔ یہ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ہے، دوسرا گروہ وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ وہ ہے جو درمیانہ رو ہے۔ یہ فرائض کو ادا کرتے ہیں اور محرمات کے نزدیک نہیں پھٹکتے لیکن کبھی کبھی مستحبات میں سستی کر جاتے ہیں اور بعض مکروہ چیزیں ان سے سرزد ہو جاتی ہیں۔ تیسرے گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ ۔ یعنی یہ وہ پاکباز ہیں جو فرائض و مستحبات کی مکمل طور پر پابندی کرتے ہیں اور محرمات، مکروہات حتیٰ کہ بعض مباح چیزوں سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے، ان سے مراد امت محمد ﷺ ہے

1۔ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 3 صفحہ 476-477، تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 132-133، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 23
2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 38

جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر کتاب کا وارث بنایا۔ ان میں سے بعض ظالم یعنی گنہگار ہیں جن کے گناہ بخش دیئے جائیں گے، بعض درمیانہ رو ہیں جن سے آسان حساب لیا جائے گا اور بعض نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں جنہیں بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لئے ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نیکیوں میں سبقت لے جانے والے بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے، درمیانہ رو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں جائیں گے اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے اور اصحاب اعراف حضرت محمد ﷺ کی شفاعت کے طفیل جنت میں جائیں گے(2)۔ متعدد سلف سے مروی ہے کہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا اس امت کا گروہ باوجود اپنی کجی اور کوتاہی کے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور برگزیدہ بندوں میں داخل ہے۔ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ یہ ظالم لوگ نہ اس امت میں سے ہیں اور نہ ان چنے ہوئے افراد سے جو اس کتاب کے وارث ہیں۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد کافر ہیں(3)۔ مجاہد کے بقول اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ زید بن اسلم، قتادہ اور حسن فرماتے ہیں کہ یہ منافق لوگ ہیں، پھر حضرات ابن عباس، حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ تین اقسام وہی ہیں جو سورۂ واقعہ کے اول و آخر میں مذکور ہیں لیکن صحیح بات یہی ہے کہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے گروہ کا تعلق بھی اسی امت سے ہے، امام ابن جریر کا پسندیدہ قول یہی ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ اور متعدد احادیث سے اسی چیز کی نشاندہی ہوتی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ یہ تمام کے تمام گویا ایک جیسے ہیں اور تمام جنتی ہیں(4)۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور اس کے ایک راوی کا نام مذکور نہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس امت میں ہونے اور جنتی ہونے کی بناء پر گویا ایک جیسے ہیں ورنہ مقام و مرتبہ کے لحاظ سے تو ان میں تفاوت ہے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: ''سابقین بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے، درمیانہ رو لوگوں سے آسان حساب لیا جائے گا اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کو طول محشر میں روک لیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ان کی تلافی ہو جائے گی تو یہ کہیں گے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم سے غم و اندوہ کو دور کیا، ہمارا رب غفور اور شکور ہے جس نے اپنے فضل سے ہمیں ایسی قیام گاہ میں اتارا جہاں ہمیں نہ تو کوئی دکھ درد ہوگا اور نہ تھکاوٹ و درماندگی''(5)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ظالموں کو روک لیا جائے گا، انہیں غم و اندوہ اور حزن و ملال لاحق ہوگا پھر انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت ابو ثابت رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے قریب بیٹھ کر یہ دعا کرنے لگے: یا اللہ! میری وحشت کو دور فرما، میری تنہائی پر رحم کر اور مجھے صالح رفیق عطا فرما۔ یہ سن کر حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اگر تمہاری طلب صادق ہے تو میں تمہارا رفیق ہوں۔ میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جو میں نے پہلے کسی کو نہیں سنائی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ سابقین بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، درمیانے لوگوں سے آسان آسان حساب لیا جائے گا اور ظالموں کو وہاں حزن و ملال کا سامنا ہوگا جس سے نجات پانے کے بعد وہ کہیں گے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ(6)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 133-134، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 23 2۔ معجم طبرانی کبیر، جلد 11 صفحہ 189 3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 135
4۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ فاطر، جلد 12 صفحہ 105-106، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 78
5۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 198 6۔ فاطر: 34، تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 137

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں گروہوں کے متعلق فرمایا: ''یہ تمام اس امت سے ہیں''(1)۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں تین قسم کے لوگ ہیں، ایک تہائی لوگ بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے، ایک تہائی لوگوں سے آسان آسان حساب لیا جائے گا اور اس کے بعد وہ جنت میں جائیں گے اور ایک تہائی لوگ وہ ہوں گے جن سے باز پرس ہوگی لیکن فرشتے ان کی سفارش کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ'' کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ سچ کہا کرتے تھے، بلاشبہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، انہیں اس کلمہ کی برکت سے جنت میں داخل کردو اور ان کے گناہوں کو جہنمیوں پر ڈال دو اسی بارے میں ارشاد ہے: ''وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ''(2) یعنی وہ اپنے بوجھ اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کچھ دوسرے بوجھ اٹھائیں گے۔ اس کی تصدیق اس میں ہے جس میں فرشتوں کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ ...۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تین اقسام بنائی ہیں۔ ان میں سے جو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں، ان کا محاسبہ ہوگا(3)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اس امت کے تین ثلث ہوں گے، ایک تہائی لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، ایک تہائی سے آسان حساب لیا جائے گا اور ایک تہائی لوگ بڑے بڑے گناہ لے کر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق دریافت فرمائے گا حالانکہ اسے بخوبی علم ہے کہ یہ کون ہیں؟ فرشتے جواب دیں گے کہ یہ بہت گنہگار ہیں لیکن انہوں نے کبھی تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ انہیں میری وسیع رحمت میں داخل کردو۔ اس کے بعد آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی(4)۔ حضرت عقبہ بن صہبان الہنائی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کا مفہوم دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بیٹا! یہ تمام جنتی ہیں۔ نیکیوں میں سبقت لے جانے والے وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھے اور آپ ﷺ نے انہیں جنت کی بشارت دی، درمیانہ رو وہ صحابہ ہیں جو آپ کے نقش قدم چلتے رہے یہاں تک کہ ان کے ساتھ مل گئے اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے میرے اور تمہارے جیسے لوگ ہیں(5)۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنے متعلق یہ کہنا تواضع کے طور پر ہے ورنہ آپ کا شمار تو اکابر سابقین میں ہوتا ہے اور حدیث شریف کی رو سے آپ رضی اللہ عنہا کو تمام عورتوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو ثرید کو تمام کھانوں پر۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ سے مراد ہمارے بدو لوگ ہیں۔ ''مُقْتَصِدٌ'' سے مراد ہمارے شہری اور ''سابق'' سے مراد اہل جہاد ہیں۔ حضرت کعب الاحبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مذکور تینوں گروہوں کا تعلق اس امت سے ہے اور تینوں جنتی ہیں البتہ اعمال کے مطابق ان کے درجات اور مراتب میں تفاوت ہے(6)۔ ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ تینوں جماعتیں ناجی ہیں۔ حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ امت مرحومہ ہے، ان میں ظالم کو بخش دیا جائے گا، ان کا مقتصد اللہ تعالیٰ کے پاس جنت میں ہوگا اور سابق اللہ تعالیٰ کے ہاں اعلیٰ درجات میں ہوگا(7)۔ امام باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ'' سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نیکیاں بھی کیں اور گناہ بھی۔ ان احادیث اور آثار کے پیش نظر ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ آیت عام ہے اور اس امت کی ان تینوں قسموں کو شامل ہے۔ چنانچہ علماء کرام اس نعمت پر سب سے زیادہ لائق رشک اور سب سے زیادہ اس رحمت کے مستحق ہیں جیسا کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص دمشق میں حضرت ابوالدرداء

1۔ معجم کبیر، جلد 1 صفحہ 167، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 96
2۔ معجم کبیر، جلد 1 صفحہ 167، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 96
3۔ معجم کبیر، جلد 18 صفحہ 79-80، المستدرک، جلد 7 صفحہ 24-25، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 96
4۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 134
5۔ مسند ابی داؤد الطیالسی 209
6۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 134
7۔ ایضاً صفحہ 135

رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت کیا: بھائی! کیسے آنا ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک حدیث سننے کی خاطر حاضر ہوا ہوں جسے آپ بیان کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم کسی تجارت کی غرض سے نہیں آئے؟ جواب دیا: نہیں، پھر پوچھا کہ کیا تم کسی اور مقصد کے لئے تو نہیں آئے؟ جواب دیا: نہیں۔ پھر آپ نے استفسار کیا کہ کیا تم اس حدیث کی طلب میں آئے ہو؟ جواب دیا: ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ''جو شخص طالب علم کے لئے کسی راہ پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہ پر چلاتا ہے، فرشتے راضی ہو کر طلب علم کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لئے زمین و آسمان کی ہر چیز یہاں تک کہ مچھلیاں پانی میں استغفار کرتی ہیں۔ عابد پر عالم کی فضیلت ایسے ہے جیسے چاند کی تمام ستاروں پر۔ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کرام ورثہ میں نہ دینار چھوڑتے ہیں اور نہ درہم بلکہ وہ ورثہ میں علم چھوڑتے ہیں، جس نے اسے لے لیا، اسے وافر حصہ نصیب ہوا'' (1)۔ ہم نے اس حدیث کو تمام طرق اور اختلاف رواۃ کے ساتھ بخاری شریف کتاب العلم کی شرح میں ذکر کر دیا ہے۔ سورۂ طٰہٰ کے آغاز میں حضرت ثعلبہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث گزر چکی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء سے فرمائے گا کہ میں نے اپنا علم اور حکمت تم میں اس لئے ودیعت کیا تھا تا کہ میں تمہیں بخش دوں اگرچہ تم کیسے ہی ہو، مجھے اس کی پرواہ نہیں'' (2)۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۳۳﴾ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۙ﴿۳۴﴾ الَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

''سدا بہار باغات! یہ ان میں داخل ہوں گے، پہنائے جائیں گے انہیں وہاں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار۔ اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہو گی۔ (شکر نعمت کے طور پر) کہیں گے سب ستائشیں اللہ کے لئے ہیں جس نے دور کر دیا ہم سے غم (و اندوہ)۔ یقیناً ہمارا رب بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔ جس نے ہمیں بسایا ہے ابدی ٹھکانے پر اپنے فضل (و احسان) سے۔ نہ چھوئے گی ہمیں یہاں کوئی تکلیف اور نہ چھوئے گی ہمیں یہاں کوئی تھکن''۔

اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں کے متعلق بتایا جا رہا ہے جنہیں رب العالمین کی اتاری ہوئی کتاب کا وارث بنایا گیا کہ قیامت کے دن ان کا ٹھکانہ سدا بہار باغات ہوں گے جہاں انہیں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچتا ہے'' (3)۔ مزید برآں وہاں ان کا لباس ریشمی ہو گا جس کا پہننا دنیا میں ان کے لئے ممنوع تھا۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں یہ لباس بھی عطا فرمائے گا۔ حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص دنیا میں ریشم پہنے گا، اسے آخرت میں نہیں پہنایا جائے گا''۔ ایک اور حدیث میں اس کے متعلق فرمایا: ''یہ ان (کافروں) کے لئے دنیا میں ہے اور تمہارے لئے آخرت میں'' (3)۔ حضور ﷺ نے اہل جنت کے زیورات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں سونے چاندی کے ایسے کنگن پہنائے جائیں گے جن میں موتیوں کا جڑاؤ کیا ہو گا اور ان پر بادشاہوں جیسے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب العلم، جلد 3 صفحہ 317، عارضۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 154-155، سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، جلد 1 صفحہ 81، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 196
2۔ معجم کبیر، جلد 2 صفحہ 84 3۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ حج: 23

موتی اور یاقوت سے مرصع تاج ہوں گے، وہ بے ریش اور سرمگیں آنکھوں والے جوان ہوں گے"۔ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہیں گے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ یعنی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم سے خوف کو زائل کیا اور دنیا و آخرت کے ان غموں اور پریشانیوں سے ہمیں راحت اور نجات بخشی جن کا ہمیں اندیشہ رہتا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" والوں پر نہ موت کے وقت وحشت ہوگی، نہ قبروں میں اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے وقت۔ میں تو گویا ابھی قیامت کی چیخ و پکار کے وقت ان کی حالت دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہہ رہے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ۔ شَكُوْرٌ(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی بہت سی خطاؤں کو معاف کرنے والا اور ان کی معمولی معمولی نیکیوں کی قدر کرنے والا ہے۔ وہ مزید کہیں گے: الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنے فضل و احسان سے یہ اعلیٰ مقام اور ابدی ٹھکانہ عطا فرمایا ورنہ ہمارے اعمال تو اس قابل نہ تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی بھی شخص اپنے عمل کے بل بوتے پر جنت میں داخل نہیں ہوگا"۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ بھی نہیں؟ فرمایا: "میں بھی نہیں مگر اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانپ دے" (2)۔ فرمایا: لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا ۔ یعنی اس میں نہ انہیں محنت و مشقت کا سامنا ہوگا اور نہ تھکاوٹ اور درماندگی کا۔ نصب اور لغوب دونوں تھکاوٹ کے معنی میں استعمال کیے جاتے ہیں، گویا دونوں کی نفی سے مراد یہ ہے کہ نہ ان کے بدن تھکاوٹ کا شکار ہوں گے اور نہ ان کی روحیں، چونکہ دنیا میں یہ سعادتمند عبادت میں مشغول رہ کر خود کو تھکاتے رہے اس لئے جنت میں یہ مکلف نہیں رہیں گے بلکہ انہیں ابدی راحت حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ (الحاقہ: 24) "کھاؤ اور پیو مزے اڑا کر، یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے گزشتہ دنوں میں آگے بھیج دیئے"۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝

"اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے دوزخ کی آگ (تیار) ہے۔ نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مرجائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر ناشکر گزار کو۔ اور وہ اس میں چیختے چلاتے ہوں گے۔ (فریاد کریں گے) اے ہمارے رب! (ایک بار) ہمیں یہاں سے نکال، ہم بڑے نیک کام کریں گے ایسے نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے۔ (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی جس میں (بآسانی) نصیحت قبول کرسکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تشریف لے آیا تھا تمہارے پاس ڈرانے والا (تم نے اس کی بات نہ مانی) پس اب (اپنے کیے کا) مزا چکھو ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں"۔

سعادتمندوں کے ذکر کے بعد اب بدبختوں کے انجام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... اسی طرح ایک اور مقام پر

1۔ تفسیر کبیر، کتاب الدعاء، جلد 3 صفحہ 1491، مجمع الزوائد، جلد 1 صفحہ 83

2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 8 صفحہ 123، صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، جلد 4 صفحہ 2169

فرمایا: ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی (الاعلیٰ:13) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”دوزخ میں ہمیشہ رہنے والوں کو وہاں نہ موت آئے گی اور نہ وہ زندہ رہیں گے“(1)۔ ایک اور مقام پر ان کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ (الزخرف:77)”اور وہ پکاریں گے اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے۔ وہ جواب دے گا کہ تمہیں یہاں ہمیشہ ٹھہرنا ہے“۔ وہ اس بری اور المناک حالت میں موت کو اپنے لئے راحت خیال کریں گے لیکن انہیں موت نہیں آئے گی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ ... یعنی نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ (الزخرف:75-74)”بے شک مجرم عذاب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ (عذاب) ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اس میں آس توڑ بیٹھیں گے“۔ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِیْرًا (بنی اسرائیل:97) ”جب بھی آگ سرد ہونے لگے گی تو ہم ان کے لئے اس کی آنچ بڑھا دیں گے“۔ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا (النباء:30)”پس (اپنے کئے کا) مزہ چکھو ہم نہیں زیادہ کریں گے تم پر مگر عذاب“۔ پھر فرمایا: كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ یعنی یہ ہر اس شخص کی جزا ہے جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے۔ اگلی آیت میں ان کی حالت زار کے متعلق مزید فرمایا: وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ۔ یعنی وہ جہنم میں چیخ و پکار کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں فریاد کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال کر دنیا میں واپس لوٹا دے، ہم وہاں نیک کام کریں گے، نہ کہ وہ عمل جو ہم پہلے کیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں، اگر انہیں واپس دنیا میں بھیج بھی دیا جائے تو بھی یہ برے کام ہی کریں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی اس درخواست کو قبول نہیں کرے گا جیسا کہ ان بدبختوں کے متعلق فرمایا: فَهَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ ۝ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا (المومن:12-11)”تو آگ سے نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے۔ یہ اس لئے ہوا کہ جب ایک اللہ کو پکارا جاتا تو تم کفر کرتے اور اگر اس کا شریک ٹھہرایا جاتا تو تم مان لیتے“۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری اس التجا کو قبول نہیں کرے گا کیونکہ اگر تمہیں لوٹا بھی دیا جائے تو بھی تم پہلے کی طرح وہی برے اعمال کرو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا تھا، اس لئے یہاں فرمایا: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ ... یعنی کیا تم دنیا میں طویل عرصہ زندہ نہیں رہے، اگر تم ان لوگوں میں سے ہوتے جو حق کے ساتھ نفع حاصل کرتے ہیں تو تم اپنی مدت عمر میں ضرور ایسا کرتے؟ آیت کریمہ میں عمر کی کتنی مقدار مراد ہے، اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سترہ سال کی عمر مراد ہے، حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طول عمر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت ہے، ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ طول عمر سے دھوکہ کھا کر برائیوں میں مبتلا رہیں، جب یہ آیت اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ اتری تو اس وقت بعض لوگوں کی عمر صرف اٹھارہ برس تھی(2)۔ حضرت وہب بن منبہ کے بقول یہاں بیس سال کی عمر مراد ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چالیس سال۔ مسروق فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے(3)۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ عمر جس میں اللہ تعالیٰ ابن آدم کے عذر ختم کر دیتا ہے، چالیس سال کی ہے(3)۔ ابن جریر کا پسندیدہ قول یہی ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ساٹھ سال کی مقدار منقول ہے۔ یہ روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس کی تائید حدیث سے ہوتی ہے جسے ہم ابھی بیان کریں گے اگرچہ ابن جریر نے کہا ہے کہ اس کی سند مشکوک ہونے کے باعث یہ حدیث صحیح نہیں لیکن ان کی بات درست نہیں۔

1۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورہ طہ:74 2۔ الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 32-31 3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 141

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس عمر کی انہیں عار دلائی ہے، اس کی مقدار ساٹھ سال ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کہا جائے گا کہ ساٹھ سال کی عمر والے کہاں ہیں، اور یہی وہ عمر ہے جس کے متعلق فرمایا: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ... (1)۔ یہ حدیث اس کے ایک راوی ابراہیم بن فضل کے باعث قابل غور ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اس بندے کا عذر ختم کر دیا جو ساٹھ ستر سال کی عمر کو پہنچ گیا، اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر باقی نہ رہا، اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر باقی نہ رہا'' (2)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا عذر ختم کر دیا جسے اتنی عمر بخشی کہ وہ ساٹھ سال کو پہنچ گیا'' (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک اور حدیث میں فرمایا: ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال عمر عطا فرمائی، اس کا عذر بہانہ اس عمر میں ختم کر دیا'' (4)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''وہ عمر جس میں اللہ تعالیٰ ابن آدم کا عذر ختم کر دیتا ہے، ساٹھ سال ہے''۔ یہ حدیث اور بھی متعدد طرق سے مروی ہے۔ اگر یہ امام بخاری کے ایک ہی پسندیدہ طریقہ سے مروی ہوتی تو بھی اس کی صحت کے لئے کافی تھا۔ ابن جریر کا یہ کہنا کہ اس کی سند مشکوک ہے، قابل التفات نہیں کیونکہ امام بخاری نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ مذکور ہے کہ اطباء کے نزدیک طبعی عمر ایک سو بیس سال ہے۔ ساٹھ سال تک تو انسان بڑھتا رہتا ہے لیکن پھر نقص اور بڑھاپے میں قدم رکھ لیتا ہے۔ بقول شاعر جب آدمی ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو مسرت اور شباب رخصت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ میں یہی عمر مراد ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے عذر اور بہانے ختم کر دیتا ہے اور یہی اس امت کی غالب عمر ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال تک ہیں اور اس سے تجاوز کرنے والے کم ہیں'' (5)۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں لیکن امام ترمذی کا یہ کہنا بہت عجیب ہے۔ یہ حدیث تو متعدد اسناد سے مروی ہے، بلکہ خود ترمذی میں یہ حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے جسے امام موصوف نے کتاب الزہد میں ذکر کیا ہے (6)۔ ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں ستر سال والے کم ہوں گے'' (7)۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں اپنی امت کی عمروں کے متعلق آگاہ فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پچاس سے ساٹھ سال تک کے درمیان''۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ستر سال والے؟ فرمایا: ''میری امت میں سے بہت کم اس عمر کو پہنچیں گے، اللہ تعالیٰ ستر اور اسی سال والوں پر رحم فرمائے'' (8)۔ پھر بزار کہتے ہیں کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ صرف اسی سند سے مروی ہے اور اس کا ایک راوی عثمان بن مطر جو اہل بصرہ میں سے ہے، قوی نہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کی عمر تریسٹھ برس تھی، یہی مشہور ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی عمر پینسٹھ سال تھی، ایک اور قول کے مطابق ساٹھ برس تھی۔ پھر فرمایا: وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، عکرمہ، امام باقر، قتادہ اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ نذیر سے مراد بڑھاپے کے سفید بال ہیں جبکہ سدی اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے بقول اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں جیسا کہ فرمایا: هٰذَا

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 141، تفسیر کبیر، جلد 11 صفحہ 177-178
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 275
3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 11 صفحہ 238
4۔ سنن نسائی، کتاب الرقاق، جلد 9 صفحہ 472، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 417
5۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعا، جلد 12 صفحہ 65، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1415
6۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 202-203
7۔ مسند ابی یعلی، تحقیق ارشاد الحق، جلد 6 صفحہ 65-66
8۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 225

نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى (النجم: 56) "یہ ڈرانے والا (رسول عربی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے"(1)۔ چنانچہ عمر دے کر اور رسول بھیج کر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی حجت پوری کر دی۔ دوسرا قول ہی صحیح ہے اور ابن جریر نے اسے ہی پسند کیا ہے اور اس کی تائید ان آیات سے بھی ہوتی ہے: وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ (الزخرف: 78-77) "اور وہ پکاریں گے: اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے، وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ بے شک ہم تمہارے پاس دین حق لے آئے لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے تھے"۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل: 15) "اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم کسی رسول کو نہ بھیجیں"، كُلَّمَاۤ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ ... فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ (الملک: 9-8)۔ یہاں آیت کے آخر میں فرمایا: فَذُوْقُوْا۔ یعنی تمام عمر انبیاء کرام کی مخالفت کی پاداش میں اب جہنم کے عذاب کا مزہ چکھو، آج تمہارا کوئی مددگار نہیں جو تمہیں اس عبرتناک عذاب سے بچا سکے۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۳۸ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَیْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَ لَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَ لَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝۳۹

"بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین میں ہر چھپی ہوئی چیز کو۔ یقیناً وہ جانتا ہے دلوں کے رازوں کو۔ وہی ہے جس نے تمہیں (گزشتہ قوموں کا) جانشین بنایا زمین میں۔ پس جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ اور نہیں اضافہ کریگا کفار کیلئے ان کا کفر اللہ کی جناب میں بجز ناراضگی کے۔ اور نہ اضافہ کرے گا کفار کیلئے ان کا کفر بجز گھاٹے (اور خسران) کے"۔

یہ خبر دینے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر مخفی چیز اور دلوں کے بھیدوں کو خوب جاننے والا ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا، فرمایا: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ ۔ یعنی ایک قوم گزشتہ قوم اور ایک نسل اپنی پیشرو نسل کی جانشین بنتی ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ (النمل: 62) "اور (کس نے) تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے"۔ پھر فرمایا: فَمَنْ كَفَرَ ۔ یعنی جو شخص کفر اختیار کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہوگا، نہ کہ کسی اور پر۔ جوں جوں کفار اپنے کفر میں بڑھتے جاتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور قیامت کے دن کا خسارہ بھی بڑھتا جاتا ہے لیکن مومنوں کی کیفیت ان کے برعکس ہے، جوں جوں ان کی عمر بڑھتی ہے اور نیک اعمال میں اضافہ ہوتا ہے، اسی قدر جنت میں ان کے درجات بلند ہوتے ہیں، ان کا اجر بڑھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتا ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَیِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ یَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝۴۰ اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ۬ وَ لَىِٕنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ۝۴۱

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 142، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 32-31

'' آپ فرمائیے کیا تم نے دیکھے ہیں اپنے شریک جنہیں تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ مجھے بھی تو دکھاؤ زمین کا وہ گوشہ جو انہوں نے بنایا ہے یا ان کی کوئی شرکت ہو آسمانوں (کی تخلیق) میں۔ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہو اور وہ اس کے روشن دلائل پر قائم ہیں۔ (کچھ بھی نہیں) بلکہ یہ ظالم محض ایک دوسرے کے ساتھ جھوٹے (دلفریب) وعدے کرتے رہتے ہیں۔ بے شک اللہ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو تاکہ وہ اپنی جگہ سے سرک نہ جائیں۔ اور اگر وہ سرک گئیں تو کوئی نہیں روک سکتا انہیں اللہ تعالیٰ کے بعد۔ بے شک وہ بڑا حلیم (اور) بخشنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ مشرکین سے کہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کو پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ کہ انہیں نے زمین کا کون سا گوشہ تخلیق کیا ہے یا ثابت کرو کہ آسمانوں کی تخلیق میں ان کی شراکت ہے؟ یعنی ایسا کوئی کمال ان کے بس کا روگ نہیں۔ یہ تو اس قدر بے بس اور بے اختیار ہیں کہ کھجور کی گٹھلی کے پردے کے بھی مالک نہیں۔ مزید فرمایا: اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا .. یعنی یا پھر یہی ثابت کردیں کہ ہم نے ان پر ایسی کتاب اتاری ہے جو کفر وشرک کی دعوت دیتی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے کے ساتھ جھوٹے وعدے کرتے رہتے ہیں اور اس میں وہ اپنی باطل، جھوٹی اور دلفریب خواہشات، آراء اور آرزوؤں کی پیروی میں لگے رہتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی عظیم اور کامل قدرت کی خبر دے رہا ہے جس کے ذریعے زمین وآسمان اس کے حکم سے قائم ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے مقام پر جما اور تھما ہوا ہے، فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ - یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے تاکہ یہ اپنی جگہوں سے سرک نہ سکیں، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (الحج:65) '' اور وہ آسمان کو روکے ہوئے ہے کہ زمین پر گر نہ پڑے بجز اس کے فرمان کے''۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ (الروم:25) '' اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں''۔ اور اگر زمین وآسمان اپنی جگہوں سے سرک جائیں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا زور آور نہیں جو انہیں اپنے اپنے مقام پر برقرار رکھ سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ حلیم اور غفور بھی ہے۔ وہ اپنے بندوں کو کفر اور نافرمانی کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ درگذر فرماتا ہے، مہلت پر مہلت دیے جاتا ہے اور انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا، مزید برآں اگر کوئی گنہگار اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے تو وہ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے، اس لئے فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۔ ابن ابی حاتم نے اس مقام پر ایک غریب بلکہ منکر حدیث بیان کی ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: '' موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کیا اللہ تعالیٰ کو بھی نیند آتی ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا جس نے انہیں تین دن بیدار رکھا اور انہیں دو بوتلیں دے دیں، ہر ایک ہاتھ میں ایک بوتل اور انہیں حکم دیا کہ ان بوتلوں کی حفاظت کرنا، کہیں گر کر ٹوٹ نہ جائیں لیکن آپ کو نیند آنے لگی اور قریب تھا کہ دونوں ہاتھ آپس میں ٹکرا جاتے لیکن آپ ہوشیار ہو گئے اور دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے سے الگ روک لیا۔ آخر کار نیند آپ پر غالب آ گئی، دونوں ہاتھ نے جنبش کھائی اور شیشیاں گر کر ٹوٹ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذریعے آپ کو بتایا کہ اگر اللہ تعالیٰ سو جاتا تو زمین وآسمان کا تھامنا ناممکن تھا''۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ یہ اسرائیلی روایات میں سے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کے بارے میں یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق ایسا خیال دل میں لا سکتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے متعلق فرماتا ہے: اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ (البقرۃ:255) '' وہ زندہ ہے سب کو زندہ

رکھنے والا ہے، نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے''۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نہ سوتا ہے اور نہ ہی سونا اسے زیب دیتا ہے، وہ میزان کو پست اور بلند کرتا رہتا ہے، دن سے پہلے رات کے اعمال اور رات سے پہلے دن کے اعمال اس کے حضور بلند کئے جاتے ہیں، اس کا حجاب نور ہے یا آگ ہے، اگر وہ اسے منکشف کر دے تو اس کے چہرہ کی تجلیات، جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے، سب مخلوق کو جلا ڈالیں'' (1)۔ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا: شام سے۔ آپ نے پوچھا کہ وہاں کس سے تمہاری ملاقات ہوئی؟ اس نے بتایا کہ میری کعب سے ملاقات ہوئی۔ پھر آپ نے دریافت کیا کہ انہوں نے تم سے کون سی بات بیان کی؟ وہ شخص کہنے لگا کہ انہوں نے مجھے بتایا کہ آسمان ایک فرشتے کے کندھے پر گھوم رہے ہیں۔ آپ نے اس شخص سے کہا کہ کیا تم نے ان کی تصدیق کی یا تکذیب؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے نہ تو ان کی تصدیق کی ہے اور نہ تکذیب۔ آپ نے فرمایا کہ کعب کی بات صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ (2)۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ آسمان نہیں گھومتا۔ آپ نے مذکورہ بالا آیت کے علاوہ اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے: ''مغرب میں توبہ کا ایک دروازہ ہے، وہ اس وقت تک کھلا رہے گا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو'' (3)۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ
فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۙ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا
يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ
اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾

''اور (کفار مکہ) اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ زیادہ ہدایت قبول کریں گے پہلی امتوں سے۔ پس جب آ گیا ان کے پاس ڈرانے والا تو ان کی (حق سے) نفرت اور بڑھ گئی۔ وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے زمین میں اور گھناؤنی سازشیں کرنے لگے۔ اور نہیں گھیرتی گھناؤنی سازش بجز سازشیوں کے۔ پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو پہلے (نافرمانوں) کے ساتھ کیا گیا تھا۔ (اگر یہ بات ہے) تو آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی۔ اور آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تغیر''۔

قریش اور عربوں کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے بڑی پختہ قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نذیر (رسول) آیا تو ہم تمام سابقہ امتوں سے زیادہ ہدایت کو قبول کریں گے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ ... وَصَدَفَ عَنْهَا (الانعام: 157-158) ''کہیں تم یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے کتاب تو صرف دو گروہوں پر اتاری گئی تھی اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے یا یہ نہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری ہوتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل اور سراسر ہدایت اور رحمت آ گئی تو اس سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے اللہ کی آیات

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 161-162
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 144
3۔ تحفۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 12 صفحہ 55-57، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1353، غیرہ۔

کو جھٹلایا اور ان سے منہ پھیرا"۔ وَ اِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ۙ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ... فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (الصافات: 170-167)" اور وہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس پہلے لوگوں کی طرح سے کوئی نصیحت ہوتی تو ہم اللہ کے مخلص بندے بن جاتے پس (جب نصیحت آئی تو) اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ عنقریب جان لیں گے"۔ فرمایا: فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ ۔ یعنی جب حضرت محمد ﷺ قرآن کریم جیسی عظیم کتاب لے کر ان کے پاس تشریف لائے تو حق سے ان کی نفرت اور ان کے کفر میں اضافہ ہو گیا، انہوں نے سرکشی کی روش اپناتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی آیات سے منہ موڑ لیا اور گھناؤنی سازشیں کرتے ہوئے یہ دوسرے لوگوں کو بھی راہ خدا سے برگشتہ کرنے میں کوشاں ہو گئے اور گھناؤنی سازش صرف سازشیوں کا ہی احاطہ کرتی ہے یعنی اس کا وبال ان پر ہی پڑتا ہے نہ کہ دوسروں پر۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "برے مکر سے اجتناب کرو، کیونکہ برا مکر مکاروں کو ہی اپنی لپیٹ میں لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے مؤاخذہ ہوگا" (1)۔ محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین کام ایسے ہیں جن کا ارتکاب کرنے والا نجات نہیں پا سکتا یہاں تک کہ ان کا وبال اس پر پڑ جائے: مکر، سرکشی اور عہد شکنی۔ اس کی تصدیق ان آیات سے ہوتی ہے: وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ ... اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ (یونس: 23)، فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ (الفتح: 10)(2) پھر فرمایا: فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ .... یعنی کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان پر ویسا ہی عذاب نازل ہو جیسا کہ پہلی امتوں پر نازل ہوا جنہوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی اور تم اللہ تعالیٰ کی سنت میں کوئی رد و بدل نہیں پاؤ گے بلکہ ہر تکذیب کرنے والے پر یہ سنت جاری ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب سے دوچار کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس عذاب کو ٹالنے کی کسی میں ہمت نہیں ہوتی۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿٤٤﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿٤٥﴾

"کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تا کہ وہ دیکھ لیتے کہ کتنا (دردناک) انجام ہوا ان (سرکشوں) کا جو ان سے پہلے گزر چکے حالانکہ وہ قوت (و طاقت) میں ان سے (کئی گنا) زیادہ تھے۔ اور (سنو!) اللہ تعالیٰ ایسا (کمزور) نہیں ہے کہ اسے آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز نیچا دکھا سکے۔ وہ ہر بات جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ (فوراً) پکڑ لیا کرتا لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث تو نہ (زندہ) چھوڑتا زمین کی پشت پر کسی جاندار کو لیکن (اس کی سنت یہ ہے) وہ ڈھیل دیتا رہتا ہے انہیں ایک مقررہ میعاد تک۔ پس جب ان کی میعاد آ جائے گی تو بے شک اللہ کے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ اپنی رسالت کے منکرین سے کہہ دیں کہ زمین میں سیاحت کرو اور دیکھو کہ ان لوگوں کا کیسا عبرتناک انجام ہوا جو رسولوں کو جھٹلاتے تھے، کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں نیست و نابود کر دیا، ان کی بستیاں کھنڈرات اور ان

1۔ الدرالمنثور، جلد 7، صفحہ 36
2۔ الدرالمنثور، جلد 7، صفحہ 36

کے گھر ویرانے بن گئے، نعمتیں چھن گئیں، طاقت جاتی رہی، مال برباد ہوگئے اور اولاد سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ جب اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا تو یہ چیزیں ان کے کسی کام نہ آئیں اور نہ کوئی چیز ان سے عذاب الٰہی کو ٹال سکی کیونکہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان میں جب کسی چیز کے وجود کا ارادہ فرما لیتا ہے تو اسے نہ عاجز کیا جا سکتا ہے اور نہ نیچا دکھایا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا عالم اور تمام چیزوں پر قادر ہے۔ پھر فرمایا: وَلَوْ يُؤَاخِذُ..... یعنی اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیتا تو تمام آسمان اور زمین والوں کو ہلاک کر دیتا یہاں تک کہ نہ جانور باقی رہتے اور نہ رزق۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ قریب تھا ابن آدم کے گناہوں کے سبب سیاہ بھونرا اپنی بل میں عذاب سے دوچار ہو جاتا۔ حضرات سعید بن جبیر اور سدی اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا کرتا تو ان پر بارش نہ برساتا جس کی وجہ سے تمام جانور مر جاتے، لیکن اللہ تعالیٰ انہیں قیامت تک مہلت دیتا ہے۔ روز قیامت ان کا محاسبہ ہوگا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا، اطاعت شعاروں کو ثواب اور نافرمانوں کو عقاب، اس لئے فرمایا: فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ

سورۂ یٰسین (مکیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل سورۂ یٰسین ہے، جو شخص سورۂ یٰسین پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کی تلاوت کے بدلہ میں دس قرآن ختم کرنے کا ثواب لکھ دیتا ہے“(1)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا ایک راوی ہارون مجہول ہے۔ اس بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ اس حدیث کو حکیم ترمذی نے اپنی کتاب نوادر الاصول میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے اور یہ بھی قابل غور ہے، اسے بزار نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”ہر چیز کا قلب ہے اور قرآن کریم کا قلب سورۂ یٰسین ہے“(2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص رات کو سورۂ یٰسین پڑھے، اسے بخش دیا جاتا ہے اور جو سورۂ دخان پڑھے اس کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے“(3)۔ اس کی سند عمدہ ہے۔ صحیح ابن حبان میں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے رات کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے سورۂ یٰسین کی تلاوت کی، اسے بخش دیا گیا“(4)۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”سورۂ بقرہ قرآن کی کوہان اور اس کی چوٹی ہے، اس کی ہر ہر آیت کے ساتھ اسی اسی فرشتے اترتے ہیں اور اس کی ایک آیت یعنی آیۃ الکرسی عرش تلے سے نکالی گئی ہے اور اس کے ساتھ ملائی گئی ہے۔ سورۂ یٰسین قرآن کریم کا دل ہے، جو شخص اسے اللہ تعالیٰ اور دار آخرت کی خاطر پڑھتا ہے، اس کی بخشش ہو جاتی ہے اور اسے اپنے اموات پر پڑھا کرو“(5)۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سورت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جس مشکل کام کے وقت اسے پڑھا جائے، اللہ تعالیٰ اسے آسان کر دیتا ہے اور قریب الوفات شخص کے پاس اس کی تلاوت رحمت اور برکت کا موجب ہے اور اس سے روح نکلنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ مشائخ بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب مرنے والے کے پاس سورۂ یٰسین پڑھی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس سے تخفیف فرماتا ہے(6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میری خواہش ہے کہ میری امت کے ہر فرد کے دل میں یہ سورت محفوظ ہو“(7)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11 صفحہ 17-18
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، باب فضائل القرآن، جلد 3 صفحہ 87
3۔ مسند ابی یعلیٰ تحقیق ارشاد الحق، جلد 5 صفحہ 452-453
4۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الصلاۃ، جلد 4 صفحہ 121
5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 91، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 26 وغیرہ
6۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 105
7۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، باب فضائل القرآن، جلد 3 صفحہ 87

أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

اے سید (عرب وعجم) قسم ہے قرآن حکیم کی۔ بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں (یقیناً) آپ راہ راست پر ہیں۔ نازل فرمایا ہے (قرآن حکیم کو) عزیز (اور) رحیم نے۔ تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو جن کے باپ دادا کو (طویل عرصہ سے) نہیں ڈرایا گیا اس لئے وہ غافل ہیں۔ بے شک (ان کے پیہم کفر وعناد کے باعث) یہ بات لازم ہو چکی ہے ان میں سے اکثر پر کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے"۔

سورۂ بقرہ کی تفسیر کے آغاز میں حروف مقطعات کے متعلق بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ "یٰسٓ" یا انسان کے معنی میں ہے (1)۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہی ہے لیکن یہ لغت حبشہ کا لفظ ہے۔ زید بن اسلم کے بقول یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم مبارک ہے۔ فرمایا: وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ یعنی قرآن محکم کی قسم جس کے کسی گوشہ پر باطل حملہ نہیں کر سکتا کہ یقیناً اے محمد (ﷺ) آپ رسولوں میں سے ہیں اور آپ راہ راست، پختہ دین اور شرع مستقیم پر قائم ہیں۔ یہ شریعت اور دین اللہ رب العزت کا اتارا ہوا ہے جو اپنے مومن بندوں پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَإِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ (الشوریٰ: 53-52) "بے شک آپ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جو اللہ کی راہ ہے وہ اللہ جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، سنو! سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے"۔ اس کے بعد فرمایا: لِتُنْذِرَ قَوْمًا ۔ یہاں مراد عرب ہیں جن کے پاس آپ ﷺ سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا۔ یہاں صرف عربوں کے ذکر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے اس حکم سے خارج ہیں جیسا کہ بعض افراد کے ذکر سے عموم کی نفی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف: 158) کی تفسیر میں ایسی متعدد آیات اور احادیث متواترہ گزر چکی ہیں جو آپ ﷺ کی بعثت عامہ پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر فرمایا: لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ ۔ یعنی ان کی اکثریت پر عذاب لازم ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں یہ حتمی فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ چنانچہ وہ نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں گے اور نہ اس کے رسولوں کی تصدیق کریں گے (2)۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝

"ہم نے ڈال دیے ہیں ان کی گردنوں میں طوق پس وہ ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اس لئے ان کے سر اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں۔ اور ہم نے بنا دی ہے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اور یکساں ہے ان کے لئے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 148، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 41
2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 150

آپ تو صرف اسی کو ڈرا سکتے ہیں جو اتباع کرتا ہے قرآن کا اور ڈرتا ہے (خداوند) رحمٰن سے بن دیکھے۔ پس مژدہ سنایئے ایسے شخص کو مغفرت کا اور بہترین اجر کا۔ بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھ لیتے ہیں (ان اعمال کو) جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے آثار کو جو وہ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے لوح محفوظ میں''۔

ازلی بدبختوں کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کا ہدایت تک پہنچنا محال ہے۔ ان کی حالت ایسی ہے جیسے ان کے ہاتھوں میں زنجیر اور گلے میں طوق ڈال کر انہیں گردن کے ساتھ یوں سختی کے ساتھ جکڑ دیا ہو کہ ان کا سر اوپر اٹھ کر رہ گیا ہو، اس لئے فرمایا: فَهُمْ مُقْمَحُونَ مقمح اسے کہتے ہیں جس کا سر اوپر اٹھا ہو۔ ام زرع کا قول ہے: ''أَشْرَبُ فَأَتَقَمَّحُ'' یعنی میں خوب سیر ہو کر پیتی ہوں اور اپنا سر اٹھاتی ہوں۔ آیت کریمہ میں گردن میں طوق کا ذکر ہے، ہاتھوں کا نہیں لیکن مراد ہاتھ بھی ہیں اور ایسا ہوتا رہتا ہے کہ ایک چیز کے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے دوسری چیز کا اس لئے لفظوں میں ذکر نہیں کرتے کہ سیاق کلام کی دلالت اس پر موجود ہوتی ہے چونکہ غل (طوق) اسی چیز کا نام ہے کہ ہاتھوں کو گردن کے ساتھ جکڑ دیا جائے، اس لئے گردن کے ذکر کو کافی سمجھتے ہوئے ہاتھوں کا ذکر نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ (بنی اسرائیل: 29) ''اور نہ بنالو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ بندھا ہوا''۔ مذکورہ بالا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے ہاتھ ان کی گردنوں کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، اس لئے وہ اپنے ہاتھ کار خیر کے لئے بڑھا نہیں سکتے (1)۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ان کے سر اونچے اور ہاتھ ان کے مونہوں پر رکھے ہوئے ہیں اور یہ ہر خیر سے بے بس اور جکڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ... یعنی ہم نے ان کے آگے بھی حق سے ایک رکاوٹ اور دیوار بنا دی ہے اور ان کے پیچھے بھی، چنانچہ یہ گمراہی میں بھٹکتے ہوئے تردد کا شکار ہیں، مزید برآں ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، اس لئے یہ حق کو دیکھ نہیں سکتے اور خیر سے نہ یہ استفادہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کی راہ پا سکتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرأت میں فَأَغْشَيْنَاهُمْ عین کے ساتھ ہے۔ یہ عشا (رتوندھی) سے ماخوذ ہے جو آنکھوں کی ایک بیماری کا نام ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ایمان و اسلام کے درمیان دیوار حائل کر دی ہے اس لئے یہ ایمان و اسلام تک نہیں پہنچ سکتے جیسا کہ ایک اور آیت میں ہے: إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ... الْعَذَابَ الْأَلِيمَ (یونس: 96)۔ اللہ تعالیٰ جس سے ہدایت روک لے، وہ بے بس ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ابوجہل لعین کہنے لگا کہ اگر میں نے محمد (ﷺ) کو دیکھ لیا تو یوں یوں کر دوں گا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ لوگ اسے کہتے تھے کہ یہ محمد (ﷺ) ہیں لیکن اسے آپ ﷺ دکھائی ہی نہ دیتے تھے اس لئے وہ پوچھتا تھا کہ وہ کہاں ہیں، وہ کہاں ہیں؟ (2) ایک مرتبہ ابوجہل اپنے ساتھی کافروں کی محفل میں حضور ﷺ کے متعلق کہنے لگا کہ اس شخص کا خیال ہے کہ اگر تم اس کی اتباع کرو گے تو بادشاہ بن جاؤ گے، مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور تمہیں اردن کے باغات سے بہتر باغات نصیب ہوں گے اور اگر تم نے اس کی مخالفت کی تو یہاں موت کے گھاٹ اتار دیے جاؤ گے اور پھر مرنے کے بعد زندہ کر کے تمہیں جہنم کے دائمی عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ آج میں اس سے نپٹ لیتا ہوں۔ حضور ﷺ اسی دوران وہاں تشریف لے آئے۔ آپ کی مٹھی میں مٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کافروں کو اندھا کر دیا۔ آپ سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات تلاوت کرتے ہوئے اور ان کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے وہاں سے تشریف لے گئے۔ یہ بدبخت آپ کے دروازے پر نظریں جمائے آپ کی تاک میں رات بھر بیٹھے رہے کہ اسی اثناء میں گھر سے کوئی آدمی نکلا اور ان سے پوچھنے لگا کہ تم

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 151 2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 152، روح المعانی، جلد 22 صفحہ 115

یہاں کیسے ڈیرا جمائے بیٹھے ہو؟ کافر کہنے لگے کہ ہم محمد (ﷺ) کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ تو تمہارے پاس آئے تھے اور تم میں سے ہر ایک کے سر پر خاک ڈالتے ہوئے نکل گئے۔ اب ہر ایک اپنے سر سے مٹی جھاڑنے لگا۔ جب نبی کریم ﷺ تک ابوجہل کی یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میں یہ بات کہتا ہوں، میرے ہاتھوں یہ قتل ہوں گے اور میں انہیں پکڑنے والا ہوں" (1)۔ اس کے بعد فرمایا: وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر گمراہی کی مہر لگا دی ہے۔ اس لئے انہیں ڈرانے کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی یہ اس سے متاثر ہوں گے۔ اس جیسی آیت سورۂ بقرہ کے شروع میں بھی گزر چکی ہے (2)۔ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ ... الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس: 97-96) پھر ارشاد ہوتا ہے: اِنَّمَا تُنْذِرُ یعنی آپ کے ڈرانے اور نصیحت کرنے سے صرف مومن ہی استفادہ کرتے ہیں جو ذکر یعنی قرآن کریم کی اتباع کرتے ہیں، بن دیکھے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اس بات کا علم رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر پوری طرح آگاہ ہے اور ان کے اعمال کو خوب جاننے والا ہے۔ پس ایسے لوگوں کو گناہوں سے مغفرت اور بے پایاں عمدہ اجر کی نوید سنا دیں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ (الملک: 12) "بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے"۔ پھر فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى یعنی ہم قیامت کے دن مردوں کو زندہ کریں گے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گمراہی کے سبب مردہ دل کافروں میں سے جس کا چاہے دل زندہ کر دیتا ہے اور گمراہی سے نکال کر ہدایت کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر سنگدلوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (الحدید: 7) "جان لو! اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے، ہم نے تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں تا کہ تم سمجھو"۔ اس کے بعد فرمایا: وَنَكْتُبُ ... "یعنی ہم ان کے وہ اعمال لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجے اور ان کے وہ آثار بھی جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ آئے، ان کا بھی ہم انہیں بدلہ دیں گے۔ اگر خیر چھوڑ آئے تھے تو اچھا بدلہ ملے گا اور اگر شر کو رواج دیا تھا تو برا بدلہ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے اسلام میں اچھا طریقہ رائج کیا، اسے اس کا اجر اور ان لوگوں کا سا اجر بھی ملے گا جو اس کے بعد اس پر عمل پیرا رہے جبکہ ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں برا طریقہ رائج کیا، اس پر اس کا بوجھ اور ان لوگوں کا بھی بوجھ ہوگا جو اس کے بعد اس پر عمل پیرا رہے جبکہ ان کے بوجھ میں ذرہ بھر بھی کمی نہ ہوگی" (3)۔ ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ نے اس آیت وَنَكْتُبُ کی تلاوت کی (4)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب ابن آدم مر جاتا ہے تو اس کے تمام عمل منقطع ہو جاتے ہیں بجز تین کے: ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے، نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے اور صدقہ جاریہ جو اس کے بعد باقی رہے" (5)۔ مجاہد "وآثارھم" کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد گمراہی ہے جسے گمراہ لوگ اپنے پیچھے چھوڑ جائیں۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ طریقہ ہے جو لوگ اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ اچھا طریقہ رائج کرنے والوں کو ان لوگوں کا بھی اجر حاصل ہوگا جو اس کی وفات کے بعد اس پر گامزن رہے اور برا طریقہ رائج کرنے والوں پر ان لوگوں کا بھی بوجھ ہوگا جنہوں نے اس کے بعد اسے اپنائے رکھا جبکہ عمل پیرا ہونے والوں میں سے نیک لوگوں کے اجر اور برے لوگوں کے بوجھ کم نہیں ہوں گے۔ یہ "آثارھم" کی تفسیر میں پہلا قول تھا۔ بغوی نے اسی کو

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 483، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 43 2۔ البقرۃ: 6 3۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 705-704
4۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 706 5۔ صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، جلد 3 صفحہ 1255

پسند کیا ہے (1)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آثارھم سے مراد ان کے قدموں کے نشانات ہیں جو اطاعت یا معصیت کی طرف اٹھیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور حسن رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ان کے اٹھنے والے قدم ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! اگر اللہ تعالیٰ تیرے کسی عمل سے غافل ہوتا تو تیرے نشان قدم سے غافل ہوتا جسے ہوا مٹا دیتی ہے لیکن وہ ابن آدم کا ہر نشان قدم اور عمل شمار کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ یہ بھی لکھ رہا ہے کہ یہ قدم اطاعت کی طرف اٹھایا معصیت کی طرف (2)۔ اس معنی کی تائید میں بہت سی احادیث موجود ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسجد نبوی کے اردگرد کچھ مکانات خالی ہو گئے تو بنوسلمہ نے مسجد نبوی کے قریب منتقل ہو جانے کا ارادہ کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے انہیں فرمایا: ”مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو؟“ انہوں نے عرض کی: جی ہاں، یا رسول اللہ ﷺ! ہمارا ارادہ تو ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے بنی سلمہ! اپنے گھروں میں رہو، تمہارے قدم لکھے جاتے ہیں۔ اپنے گھروں میں رہو تمہارے قدم لکھے جاتے ہیں“ (3)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنوسلمہ مدینہ شریف کے ایک کنارے رہائش پذیر تھے، انہوں نے مسجد نبوی کے قریب آباد ہونے کا ارادہ کیا تو یہ آیت اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ نازل ہوئی اور حضور ﷺ نے انہیں فرمایا: ”بلاشبہ تمہارے نشانات قدم (اللہ تعالیٰ کے ہاں) لکھے جاتے ہیں“۔ چنانچہ انہوں نے نقل مکانی کا ارادہ ترک کر دیا (4)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بنوسلمہ نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ ہمارے گھر مسجد نبوی سے بہت دور ہیں تو اس وقت یہ آیت اتری۔ چنانچہ وہ اپنے گھروں میں ہی مقیم رہے لیکن اس روایت میں اس آیت کے شان نزول کے ذکر کی وجہ سے غرابت ہے حالانکہ یہ ساری سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انصار کے مکانات مسجد نبوی سے دور واقع تھے، انہوں نے مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ہم اپنے گھروں میں ہی رہیں گے (5)۔ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مدینہ شریف کے ایک شخص کا انتقال ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھانے کے بعد فرمایا: ”کاش کہ اس کی وفات اس کی جائے پیدائش کے سوا کسی اور جگہ ہوتی“۔ ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیوں؟ فرمایا: ”جب کوئی آدمی کسی دوسرے وطن میں فوت ہو جاتا ہے تو اس کی جائے پیدائش سے لے کر جائے وفات کی زمین کے برابر اسے جنت میں جگہ ملتی ہے“ (6)۔ حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز کے لئے نکلا، میں تیز تیز قدم اٹھانے لگا تو آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ چنانچہ ہم آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی معیت میں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے مسجد کی طرف نکلا تو آپ نے مجھے فرمایا: اے انس! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ نشانات قدم بھی لکھے جاتے ہیں؟ (7) اس قول اور پہلے قول کے درمیان کوئی تضاد نہیں بلکہ یہ قول پہلے کی تائید کرتا ہے کیونکہ جب نشانات قدم لکھے جاتے ہیں تو وہ نیک و بد طریقے بدرجہ اولیٰ لکھے جاتے ہوں گے جن کی لوگ اتباع کرتے ہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ یعنی ہم نے ہر چیز لوح محفوظ میں درج کر رکھی ہے۔ ”امام مبین“ سے مراد ام الکتاب یعنی لوح محفوظ ہے۔ اسی طرح اس آیت يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ (بنی

1۔ تفسیر البغوی، جلد 4 صفحہ 7

2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 155، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 47

3۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 462، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 333-332

4۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ یٰسین، جلد 12 صفحہ 107-106

5۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 154، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 97 عن الطبرانی

6۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، جلد 1 صفحہ 515، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 177

7۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 154

اسرائیل:71) میں بھی امام سے یہی مراد ہے یعنی ان کا نامۂ اعمال جو ان کے اچھے برے اعمال کا گواہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ (الزمر:69)" اور رکھ دیا جائے گا دفتر عمل اور حاضر کئے جائیں گے انبیاء اور (دوسرے) گواہ"، وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ ۔۔۔ وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (الکہف:49)۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْیَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۚ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَیْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّآ اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۷﴾

اور بیان فرمایئے ان کے (سمجھانے کے) لئے مثال گاؤں کے باشندوں کی جب آئے وہاں (ہمارے) رسول۔ جب (پہلے) ہم نے بھیجے ان کی طرف دو رسول تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پس ہم نے تقویت دی (انہیں) ایک تیسرے رسول سے تو ان تینوں نے (انہیں) کہا کہ ہمیں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ بستی والوں نے کہا نہیں ہو تم مگر انسان ہماری مانند۔ اور نہیں اتاری رحمٰن نے کوئی چیز۔ نہیں ہو تم مگر جھوٹ بول رہے ہو۔ رسولوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم یقیناً تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور نہیں ہم پر کوئی ذمہ داری بجز اس کے کہ (پیغام حق) کھول کر پہنچا دیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ اپنی قوم کے سامنے جو آپ کو جھٹلاتی ہے، گاؤں کے باشندوں کی مثال بیان کریں جنہوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلا دیا تھا۔ حضرات ابن عباس، کعب الاحبار اور وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ یہاں جس بستی کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد انطاکیہ شہر ہے۔ یہاں کے بادشاہ کا نام انطیخس بن انطیخس بن انطیخس تھا اور یہ بت پرست تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف تین رسول بھیجے، صادق، صدوق اور شلوم لیکن بادشاہ نے ان کی تکذیب کی۔ بعض ائمہ نے کئی وجوہ کی بناء پر جن کا تذکرہ ہم ان شاء اللہ اس قصہ کے بعد کریں گے، شہر انطاکیہ مراد لینے سے انکار کیا ہے۔ فرمایا: اِذْ اَرْسَلْنَآ یعنی جب ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے تو ان بستی والوں نے انہیں فوراً جھٹلا دیا، چنانچہ ہم نے تیسرے رسول کے ساتھ انہیں تقویت پہنچائی۔ شعیب الجبئی کہتے ہیں کہ پہلے دو رسول شمعون اور یوحنا تھے، تیسرے کا نام بولص تھا اور بستی انطاکیہ تھی۔ ان تینوں نے اس گاؤں کے باشندوں سے کہا کہ ہم تمہاری طرف تمہارے رب کے فرستادہ ہیں جس نے تمہیں پیدا کیا۔ وہی تمہارا خالق تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔ قتادہ کا خیال ہے کہ یہ تینوں حضرت مسیح علیہ السلام کے فرستادہ تھے جنہیں آپ نے اہل انطاکیہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ ان رسولوں کی دعوت کے جواب میں بستی والے کہنے لگے کہ تم تو ہماری مثل بشر ہو۔ ہم بھی بشر ہیں اور تم بھی بشر ہو، پھر یہ بہت تعجب خیز بات ہے کہ تمہاری طرف تو وحی آتی ہے لیکن ہماری طرف نہیں آتی۔ اگر تم واقعی رسول ہوتے تو فرشتے ہوتے۔ یہ ایسا شبہ ہے جو ہمیشہ جھٹلانے والی قوموں کے دلوں میں کھٹکتا رہا جیسا کہ ان کے متعلق فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا (التغابن:6)" اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آتے رہے پس وہ بولے کیا انسان ہماری رہبری کریں گے"۔ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ (ابراہیم:10)" انہوں نے جواب دیا کہ تم نہیں ہو مگر ہماری طرح بشر تم یہ چاہتے ہو کہ

ہمیں ان سے روک دو جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے، پس ہمارے پاس کوئی روشن دلیل لے آؤ"۔ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (المومنون:34) "اگر تم اپنے جیسے بشر کی پیروی کرنے لگے تو تم نقصان اٹھانے والے بن جاؤ گے"۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل:94) "اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اس چیز نے کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے"۔ اس لئے یہ جھٹلاتے ہوئے کہنے لگے: مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ ۔۔ ۔ ان کی تکذیب کے جواب میں تینوں رسول کہنے لگے: رَبُّنَا يَعْلَمُ ۔۔ یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے اس کے رسول ہیں۔ اگر ہم جھوٹے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہم سے سخت انتقام لیتا اور جھوٹ کی ہمیں سخت سزا دی جاتی لیکن تم خود دیکھو لے کہ وہ ہماری مدد فرمائے گا اور تم پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اچھا انجام کس کا ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا: قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۔۔ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (العنکبوت:52) رسول کہنے لگے: وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ یعنی ہماری ذمہ داری صرف یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دیں۔ اگر تم نے اطاعت کی تو دنیا و آخرت کی سعادت پالو گے اور اگر ہماری دعوت کو قبول نہ کیا تو تمہیں اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٨﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿١٩﴾

"وہ کہنے لگے ہم تو تمہیں اپنے لئے فال بد سمجھتے ہیں۔ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور پہنچے گا تمہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب۔ رسولوں نے فرمایا تمہاری بد فالی تمہیں نصیب ہو۔ (حیرت ہے) اگر تمہیں نصیحت کی جاتی ہے (تو تم دھمکیاں دینے لگتے ہو) بلکہ تم لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہو"۔

بستی والے ان رسولوں سے کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں اپنے لئے فال بد سمجھتے ہیں۔ اس شہر میں تمہارے کیا سبز قدم لگے ہیں کہ ہم تو خیر و برکت سے ہی محروم ہو گئے، جو بھی مصیبت ہم پر اترتی ہے، اس کا سبب تم ہی تو ہو اور تم جیسے منحوس لوگ جس بستی میں داخل ہو جاتے ہیں، وہ بستی آفات اور مصائب کا شکار ہو جاتی ہے۔ پھر وہ دھمکی دیتے ہوئے کہنے لگے: لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا یعنی اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور تمہیں ہماری طرف سے سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ رسولوں نے انہیں جواب دیا: طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ یعنی تمہاری نحوست اور بد فالی تمہارے اوپر لوٹا دی گئی ہے جیسا کہ قوم فرعون کے متعلق فرمایا: فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ ۔ ۔ ۔ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ "تو جب ان پر خوشحالی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے بدفالی پکڑتے۔ سن لو ان کی بدفالی تو اللہ کے پاس سے ہے"۔ قوم صالح علیہ السلام نے کہا: اِطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ "ہم تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو برا شگون سمجھتے ہیں آپ نے فرمایا تمہارا برا شگون تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے"۔ قتادہ اور وہب بن منبہ طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ کا معنی بتاتے ہیں کہ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ ...... لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا (النساء:78) پھر فرمایا: اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ .. یعنی اس وجہ سے کہ ہم نے تمہیں نصیحت کی اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کا حکم دیا، تم ہمیں منحوس سمجھنے لگے اور دھمکیاں دینے لگے بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔ قتادہ اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں تو تم ہم سے بدشگونی لیتے ہو، دراصل بات یہ ہے کہ تم زیادتی کرنے والے لوگ ہو۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا لِیَ لَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّ لَا یُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّیْۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾

دریں اثناء آیا شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا۔ اس نے کہا اے میری قوم! پیروی کرو رسولوں کی۔ پیروی کرو ان (پاکبازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے اور وہ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں عبادت نہ کروں اس کی جس نے مجھے پیدا فرمایا اور اسی کی طرف تم (سب) نے لوٹ کر جانا ہے۔ کیا (میرے لئے جائز ہے کہ) میں بنالوں اسے چھوڑ کر کوئی اور خدا؟ (ہرگز نہیں) اگر رحمٰن مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے ذرا فائدہ نہ پہنچا سکے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے (اگر میں شرک کروں) تو میں بھی اس وقت کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ میں ایمان لے آیا ہوں تمہارے رب پر، پس (کان کھول کر) میرا اعلان سن لو۔

حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، کعب الاحبار اور وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ بستی والوں نے ان رسولوں کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ ایک مسلمان شخص شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا تا کہ وہ اپنی قوم کے مقابلہ میں پیغمبروں کی مدد کرے۔ کہتے ہیں کہ اس مسلمان کا نام حبیب تھا، اور یہ بافندہ تھا۔ اسے جذام کی بیماری لگی ہوئی تھی اور یہ سلیم الفطرت شخص بہت سخی تھا، اپنی کمائی کا نصف صدقہ کر دیا کرتا تھا۔ ابومجلز کہتے ہیں کہ اس کا نام حبیب بن سری تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس کا نام حبیب نجار تھا، قوم نے اسے قتل کر ڈالا تھا۔ بقول سدی یہ دھوبی تھا اور عمر بن حکم کے بقول یہ موچی تھا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سعادتمند شخص وہاں ایک غار میں عبادت کیا کرتا تھا۔ اس نے اپنی قوم کو ان تینوں رسولوں کی اتباع پر برانگیختہ کرتے ہوئے کہا: یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا ... یعنی ان رسولوں کی پیروی کرو جو وعظ و تبلیغ پر تم سے کسی معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتے اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دینے میں یہ بالکل سچے ہیں اور بھلا مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور قیامت کے دن تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہ تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ کیا مجھے یہ زیب دیتا ہے کہ میں اسے چھوڑ کر اور معبود بنالوں۔ ءَاَتَّخِذُ میں استفہام انکاری زجر و توبیخ کیلئے ہے۔ یعنی یہ تمہارے جھوٹے خدا کسی چیز کے مالک نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو یہ تمہارے خدا اسے دور نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ مجھے اس تکلیف سے چھٹکارا دلا سکتے ہیں۔ حقیقت حال واضح ہونے کے باوجود اگر میں شرک کا ارتکاب کروں تو مجھ سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا۔ اس فرمان اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ میں خطاب قوم کو ہے۔ یعنی میں تمہارے اس پروردگار پر ایمان لایا ہوں جس کا تم نے انکار کر رکھا ہے، پس میری بات سنو(1)۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں خطاب پیغمبروں سے ہو یعنی میں تمہارے رب پر ایمان لایا جس نے تمہیں مبعوث فرمایا ہے، پس تم اس پر گواہ رہنا۔ ابن جریر نے اس قول کو نقل کیا ہے۔ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں خطاب رسولوں سے ہے جنہیں اس مسلمان نے کہا کہ میری بات سن لو تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میری اس بات کی گواہی دو کہ میں تمہارے رب پر

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 160

ایمان لایا اور تمہاری اتباع کی۔(1) یہ قول پہلے سے بھی زیادہ واضح ہے۔ حق کے اس بے باک علمبردار نے جب اپنے ایمان کا برملا اعلان کیا تو سب کافر یکبارگی اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے شہید کر دیا۔ وہاں اس کی حمایت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ قوم نے اسے پتھر مار مار کر شہید کر دیا۔ یہ بندۂ خدا اپنی قوم کا ایسا مخلص خیر خواہ تھا کہ پتھر لگنے کے باوجود ان کے لئے دعا کر رہا تھا کہ یا اللہ! میری قوم کو ہدایت دے۔ یہ حقیقت کو نہیں جانتے(2)۔

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٧﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿٢٩﴾

”حکم ہوا (جا) جنت میں داخل ہو جا۔ وہ بولا کاش! میری قوم بھی جان لیتی۔ کہ بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے اور شامل کر دیا ہے مجھے باعزت لوگوں میں۔ اور نہ اتارا ہم نے اس کی قوم پر اس (کی شہادت) کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور نہ ہمیں اس کی ضرورت تھی۔ نہ تھی مگر ایک گرج پس وہ بجھے ہوئے کوئلے بن گئے“۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کفار اس مرد مومن کو مارنے پیٹنے اور پاؤں سے روندنے لگے یہاں تک کہ اس کی آنتیں نچلے رستے سے باہر آ گئیں(2)۔ اسی وقت اسے اللہ تعالیٰ نے جنت میں جانے کی نوید سنائی۔ وہ جنت میں داخل ہو گیا اور اس کے تمام روگ، بیماریاں اور غم واندوہ جاتے رہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ شہادت کے بعد حبیب نجار کے لئے جنت لازم ہو گئی۔ وہاں جب اس نے عظیم اجر و ثواب پایا تو کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو جاں نثاری کے اجر کا علم ہو جائے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ مومن خیر خواہ اور ہمدرد ہوتا ہے، بدخواہ اور دھوکے باز نہیں ہوتا۔ جنت میں جب حبیب نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعزاز و اکرام دیکھا تو آرزو کرنے لگا کہ کاش میری قوم کو اس کا علم ہو جائے(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنی زندگی میں قوم کی یہ کہتے ہوئے خیر خواہی کی تھی: يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ اور مرنے کے بعد خیر خواہی کرتے ہوئے یہ کہا تھا: يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بقول ابومجلز اس کا معنی یہ ہے کہ کاش میری قوم جان لیتی کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور پیغمبروں کی تصدیق کرنے کے سبب اس نے میری مغفرت کی ہے اور مجھے معزز لوگوں میں شامل کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ اگر میری قوم یہ جان لیتی کہ مجھے کس سبب سے بخشا گیا اور عزت افزائی کی گئی، تو وہ بھی رسولوں کی اتباع کر کے اس انعام کو حاصل کرنے کی سعی کرتے۔ اللہ تعالیٰ اس مرد مومن پر رحم فرمائے اور اس سے راضی رہے۔ یہ اپنی قوم کی ہدایت کا بہت زیادہ حریص تھا۔ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزارش کی کہ مجھے آپ دعوت وتبلیغ کے لئے میری اپنی قوم کی طرف بھیج دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمہیں قتل کر ڈالیں گے“۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ وہ میرا اس قدر احترام کرتے ہیں کہ اگر میں سویا ہوا ہوں تو وہ بیدار نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر جاؤ۔ وہاں سے روانہ ہونے کے بعد جب حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا گزر لات اور عزیٰ بتوں سے ہوا تو کہنے لگے کہ کل میں تم سے نپٹ لوں گا۔ یہ سن کر قبیلہ ثقیف غضبناک ہو گیا۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اے گروہ ثقیف! لات وعزیٰ کوئی چیز نہیں، اسلام قبول کر لو، سلامتی پا جاؤ گے، اے میرے عزیزو! لات وعزیٰ کی کوئی حقیقت نہیں، مسلمان ہو جاؤ، سلامت رہو گے۔ آپ نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی، اسی اثناء میں

1۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 160 2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 160-161 3۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 161

ایک آدمی نے تیر چلا دیا جو آپ کی رگ میں لگا اور آپ فوراً شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایسے تھا جیسے سورۂ یٰسٓ والا جس نے کہا تھا: یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ (1)۔ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے حضرت حبیب بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا، ان کا تعلق قبیلہ بنو مازن بن نجار سے تھا اور مسیلمہ کذاب نے انہیں یمامہ میں شہید کر دیا تھا۔ اس لعین نے آپ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی نسبت دریافت کیا کہ کیا تم محمد (ﷺ) کی رسالت کی گواہی دیتے ہو؟ فرمایا: ہاں۔ پھر وہ پوچھنے لگا کہ کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ آپ فرمانے لگے کہ میں نہیں سنتا۔ اس پر مسیلمہ بگڑ گیا اور کہنے لگا کہ ان کی بابت تو سنتے ہو اور میرے متعلق نہیں سنتے، چنانچہ اس مردود نے آپ کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ کر آپ کو شہید کر دیا۔ جب بھی وہ آپ سے پوچھتا، آپ یہی جواب دیتے یہاں تک کہ جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ یہ واقعہ سن کر حضرت کعب کہنے لگے کہ سورۂ یٰسٓ میں مذکور مردِ مومن کا نام بھی حبیب تھا(2)۔ فرمایا: وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ .. اس آیت میں یہ خبر دی جا رہی ہے کہ اللہ نے اس ولی کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے انتقام لیا اور زوردار گرج اور دلدوز چیخ کے عذاب سے دوچار کر کے انہیں نیست و نابود کر دیا کیونکہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ کے ایک دوست کو قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں ہلاک کرنے کے لئے ہم نے آسمان سے کوئی لشکر نہیں بھیجا اور نہ ہی ہمیں اس تردد کی ضرورت تھی بلکہ ان کی سرکوبی کا معاملہ بہت معمولی تھا اس لئے ہم نے فرشتوں کی جمعیت بھیجنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ چنانچہ ایک شدید گرج ان پر مسلط کر دی گئی جس کی وجہ سے انطاکیہ کا بادشاہ اور وہاں کے باشندے راکھ کا ڈھیر بن گئے اور حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ بعض نے وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ کا یہ معنی بتایا ہے کہ پہلی قوموں کو ہلاک کرنے کے لئے ہم فرشتے نہیں بھیجتے تھے بلکہ ان پر ایسا عذاب نازل کرتے جو انہیں تباہ و برباد کر دیتا۔ بعض کے بقول وَمَآ اَنْزَلْنَا کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کی طرف کوئی دوسری رسالت نہ اتاری۔ یہ قول مجاہد اور قتادہ کا ہے۔ قتادہ مزید فرماتے ہیں کہ اس مردِ مسلمان کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ نہیں کی بلکہ فوراً عذاب میں دھر لیا۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ رسالت کو جند (لشکر) نہیں کہا جاتا(3)۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے شہر کے دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر ایک دلدوز اور گرجدار چیخ ماری جس کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ تمام کے تمام بجھے کوئلوں کی طرح بھسم ہو گئے اور بے جان لاشے بن گئے۔ اکثر سلف کا کہنا ہے کہ یہ بستی انطاکیہ تھی، اور یہ تینوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے لیکن کئی وجوہ کی بناء پر یہ بات قابلِ اعتماد نہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ قصہ کا ظاہر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، نہ یہ کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری اور فرستادہ تھے کیونکہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ - مزید برآں وہ اپنا تعارف یوں کرواتے ہیں: رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ..... اگر وہ حواری ہوتے تو ان کے کلام کا یہ انداز نہ ہوتا بلکہ وہ ایسا انداز اختیار کرتے جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد ہیں۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ ہوتے تو کفار انہیں یہ بات نہ کہتے کہ تم ہماری مثل بشر ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انطاکیہ کے باشندے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصدوں کے ہاتھوں ایمان لے آئے تھے بلکہ یہ وہ شہر ہے جس نے سب سے پہلے دینِ مسیح کو قبول کیا۔ اس لئے نصاریٰ کے نزدیک انطاکیہ ان چار شہروں میں سے ایک ہے جو ان کے ہاں مقدس سمجھے جاتے ہیں۔ (۱) بیت المقدس کیونکہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کا شہر ہے، (۲) انطاکیہ کیونکہ وہ پہلا شہر ہے جس کے تمام کے تمام باشندے حضرت عیسیٰ

1۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5 صفحہ 299-300 2۔ تفسیر طبری، جلد 22 صفحہ 159 3۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 2

علیہ السلام پر ایمان لائے، (۳) اسکندریہ کیونکہ یہاں انہوں نے مذہبی پیشواؤں کے تقرر پر اتفاق کیا اور پھر (۴) رومیہ، اس کی وجہ عظمت یہ ہے کہ یہ شاہ قسطنطین کا شہر ہے جس نے نصرانیت کی حمایت کی اور اسے پروان چڑھایا۔ یہاں ہی کے ان کے تبرکات تھے۔ جب بادشاہ نے قسطنطنیہ شہر بسایا تو ان تبرکات کو یہاں منتقل کر دیا۔ سعید بن بطریق وغیرہ نصرانی مؤرخین کی تاریخوں میں یہ واقعات مذکور ہیں۔ مسلمان مؤرخین نے بھی یہی ذکر کیا ہے۔ ان تاریخوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انطاکیہ وہ شہر ہے جس نے سب سے پہلے مسیحی دین قبول کیا اور یہاں قرآن کریم میں مذکور ہے کہ رسولوں کی تکذیب کی پاداش میں انہیں برباد کر دیا گیا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اور ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے ساتھ انطاکیہ والوں کا قصہ نزول تورات کے بعد کا ہے اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور متعدد سلف نے ذکر کیا ہے کہ نزول تورات کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانی عذاب کے ذریعے کسی بستی کو بھی کلی طور پر برباد نہیں کیا بلکہ اس کے بعد مومنوں کو مشرکین کے خلاف جہاد کا حکم دیا جیسا کہ اس آیت وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى (القصص:43) کی تفسیر کے تحت مذکور ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر قرآن میں مذکور قریہ سے انطاکیہ مراد لینا درست نہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ انطاکیہ نامی کوئی اور شہر ہو جہاں یہ واقعہ پیش آیا ہو لیکن جو انطاکیہ مشہور و معروف ہے، اس کے بارے میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اسے برباد کیا گیا، نہ نصرانیت کے دور میں اور نہ اس سے پہلے۔ طبرانی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”سبقت لے جانے والے تین ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کرنے والے یوشع بن نون تھے، عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت لے جانے والے وہ تھے جن کا ذکر سورۂ یٰسین میں ہے اور محمد ﷺ کی طرف سبقت لے جانے والے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے“۔ اس حدیث کے متعلق یاد رہے کہ یہ منکر ہے اور اسے صرف حسین الاشقر نے روایت کیا ہے اور یہ شیعہ اور متروک ہے۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝

”صد افسوس ان بندوں پر نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگ گئے۔ کیا انہیں علم نہیں کہ کتنی امتوں کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا (اور) وہ (آج تک) ان کی طرف لوٹ کر نہ آئے۔ اور ان سب کو ہمارے سامنے حاضر کر دیا جائے گا“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ کا معنی بتاتے ہیں ہائے بندوں کی بربادی، قتادہ کہتے ہیں: صد افسوس بندوں کا خود پر کہ انہوں نے حکم الٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کی یعنی وہ کہیں گے کہ ہائے افسوس! ہم نے خود ہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ ایک قرأت میں ”یا حَسْرَةَ العِبادِ علی انفسہا“ کے الفاظ ہیں(1)۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن عذاب کو دیکھ کر وہ حسرت اور ندامت کا اظہار کریں گے کہ انہوں نے کیوں رسولوں کو جھٹلایا اور حکم الٰہی کی مخالفت کی۔ دنیا میں ان کی یہ کیفیت تھی کہ جو بھی رسول ان کے پاس آتا، یہ اسے جھٹلاتے، اس کا مذاق اڑاتے اور اس کی رسالت کا انکار کر دیتے۔ پھر فرمایا: اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا یعنی کیا انہوں نے ان سابقہ قوموں سے درس عبرت نہیں لیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی تکذیب کے باعث ہلاک کر دیا اور پھر اس دنیا میں واپس لوٹنا ان کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 2، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 54

لئے ممکن نہ رہا۔ دراصل معاملہ ایسا ہے بھی نہیں جیسا کہ اکثر جاہل اور فاجر لوگ گمان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا (المومنون:37) ''نہیں ہے کوئی اور زندگی سوائے ہماری اس دنیوی زندگی کے، یہی ہمارا مرنا ہے اور یہی ہمارا جینا ہے''۔ یہ اپنی جہالت کی بناء پر یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اسی طرح پھر اس دنیا میں لوٹ کر آنا ہے۔ ان کے اس زعم باطل کے رد میں فرمایا: اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا... اس کے بعد فرمایا: وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ یعنی تمام گزری ہوئی اور آنے والی قومیں قیامت کے دن حساب کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گی اور انہیں ان کے اچھے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ (ہود:111) ''اور یقیناً آپ کا رب انہیں ان کے کرتوتوں کا پورا پورا بدلہ دے گا''۔ لفظ ''لما'' کی قرأت میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے تخفیف کے ساتھ ''لَمَا'' پڑھا ہے اس صورت میں ان (مخففہ) اثبات کے لئے ہوگا اور بعض نے اسے تشدید کے ساتھ ''لَمَّا'' پڑھا ہے۔ اس صورت میں ان نافیہ ہوگا اور ''لمّا'' الّا کے معنی میں ہوگا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: ''وما کلٌّ الّا جمیعٌ لدینا مُحضرون''۔ دونوں قرأتیں ہم معنی ہیں۔

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۖۚ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

''اور ایک نشانی ان کے لئے یہ مردہ زمین ہے۔ ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ اس سے کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اگائے اس میں باغات کھجور اور انگوروں کے اور جاری کر دیے اس میں چشمے۔ تاکہ کھائیں وہ اس کے پھلوں سے اور نہیں بنایا ہے اس کو ان کے ہاتھوں نے۔ کیا وہ (ان نعمتوں پر) شکر ادا نہیں کرتے۔ ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں وہ (ابھی) نہیں جانتے''۔

اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی قدرت کاملہ اور مردوں کو زندہ کرنے کی ایک دلیل مردہ اور بنجر زمین ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعجاز ہے کہ جب وہ مردہ، بنجر اور غیر آباد زمین پر بارش برساتا ہے تو اسی مردہ زمین میں زندگی انگڑائیاں لینے لگتی ہے، ہر طرف جل تھل ہو جاتا ہے، زمین میں روئیدگی کی قوتیں نمودار ہو جاتی ہیں، ہر طرف فصلیں لہلہانے لگتی ہیں اور طرح طرح کے پھل اپنی بہار دکھانے لگتے ہیں۔ اس طرح غلہ اور رزق کی بہتات ہو جاتی ہے جو انسانوں اور جانوروں کے کام آتا ہے۔ مزید برآں کھجوروں اور انگوروں کے باغات تیار کر دیے جاتے ہیں اور آب پاشی کے لئے نہریں جاری کر دی جاتی ہیں۔ یہ سب فضل واحسان اس لئے ہے تاکہ لوگ ان کے پھل کھائیں اور کھیتوں اور باغات سے اپنی ضروریات پوری کریں۔ پھر فرمایا: وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قدرت کی کرشمہ سازی ہے، اس میں انسانوں کی سعی اور قوت کا کوئی دخل نہیں، اس لئے فرمایا: اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں اور لامحدود نعمتوں پر اس کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے۔ اس صورت میں ''ما''

نافیہ ہوگی۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں "ما" موصولہ بمعنی الذی ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: "لیا کلوا من ثمرہ ومما عملتہ ایدیھم" (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہی الفاظ ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ وہ ان باغات کے پھل کھائیں اور ان درختوں کے بھی جو اپنے ہاتھوں سے لگاتے ہیں۔ پھر فرمایا: سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے زمین میں اگنے والے درختوں، پودوں، پھلوں، پھولوں غرضیکہ زمین سے ہرا گنے والی چیز کا جوڑا جوڑا بنا کر اسے نر اور مادہ میں تقسیم کر دیا، اسی طرح انسانوں کو بھی مذکر اور مونث میں تقسیم کر دیا اور یہ سلسلہ ایسی بے شمار مخلوقات میں بھی جاری ہے جن تک انسانی علم کی ابھی تک رسائی نہیں ہوئی جیسے کہ فرمایا: وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (الذاریات: 49) "اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تاکہ تم غور و فکر کرو"۔

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۖۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

"اور دوسری نشانی ان کے لئے رات ہے۔ ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو یکلخت وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اور (یہ) آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف۔ یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے (اس) عزیز (اور) علیم (خدا) کا۔ اور (ذرا) چاند کو دیکھو ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لئے منزلیں، آخر کار ہو جاتا ہے کھجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند۔ نہ سورج کی یہ مجال کہ (پیچھے سے) چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کو یہ طاقت ہے کہ وہ دن سے آگے نکل جائے۔ اور سب (سیارے اپنے اپنے) فلک میں تیر رہے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک اعجاز آفرینی دن اور رات کی تخلیق ہے۔ دن میں اجالا پھیل جاتا ہے اور رات کو تاریکی چھا جاتی ہے اور دونوں تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا (الاعراف: 54) "وہ رات سے دن کو ڈھانپتا ہے درآں حالیکہ دن رات کو تیزی سے طلب کرتا ہے" اس لئے فرمایا: وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ۔ یعنی ہم رات سے دن کو اتار لیتے ہیں تو وہ رخصت ہو جاتا ہے اور رات اپنے ڈیرے جما لیتی ہے اور ہر سو اندھیرا چھا جاتا ہے جیسے حدیث میں ہے: "جب ادھر سے رات آ جائے اور ادھر سے دن چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزہ دار افطار کر لے" (2)۔ آیت کا ظاہر اسی مفہوم کا متقاضی ہے لیکن حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ یہ آیت اس آیت کے معنی میں ہے: یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ (فاطر: 13) "وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے"۔ امام ابن جریر نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "ایلاج" کا معنی ہے ایک سے کچھ لے کر دوسرے میں داخل کر دینا اور اس آیت میں یہ معنی مراد نہیں (3)۔ ابن جریر کا یہ قول حق ہے۔ آیت کریمہ میں "مستقر" کے معنی میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سورج کا مستقر مکانی (جائے قرار) ہے اور وہ عرش تلے زمین کی سمت میں ہے۔ چنانچہ صرف سورج ہی نہیں بلکہ تمام مخلوقات عرش کے نیچے ہیں اور یہ ان کی چھت ہے جو سب کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 4 2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 187 3۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 5

احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ کرہ نہیں ہے جیسا کہ علماء ہیئت وفلکیات کا گمان ہے بلکہ یہ قبہ کی مثل ہے، اس کے پائے ہیں اور فرشتے اسے اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ انسانوں کے سروں سے متصل عالم کے اوپر ہے۔ چنانچہ جب دوپہر کے وقت سورج فلک کے قبہ میں ہوتا ہے تو اس وقت وہ عرش کے بہت قریب ہوتا ہے۔ پھر جب وہ گھوم کر آدھی رات کے وقت اس مقام کے بالمقابل چوتھے فلک میں آجاتا ہے تو اس وقت یہ عرش سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ سجدہ کرتا ہے اور طلوع کی اجازت طلب کرتا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں غروب آفتاب کے وقت مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟'' میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ عرش تلے سجدہ کرنے کے لئے جاتا ہے اور یہی مطلب اس آیت وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ کا ہے(1)۔ ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے اس آیت کا معنی دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا مستقر (قرارگاہ) عرش تلے ہے''۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ سورج کے غروب کے وقت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ سورج کہاں جاتا ہے؟'' میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ہی معلوم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتا ہے پھر واپس لوٹنے کی اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت دے دی جاتی ہے۔ گویا اس سے کہا جاتا ہے کہ اسی جگہ لوٹ جا جہاں سے آیا تھا۔ چنانچہ یہ اپنے مطلع (جائے طلوع) کی طرف لوٹ جاتا ہے اور یہی اس کا مستقر ہے''۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی(2)۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''یہ عرش کے نیچے سجدہ کرنے کے لئے جاتا ہے، پھر اذن مانگتا ہے تو اسے اذن دے دیا جاتا ہے اور قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے لیکن قبول نہ کیا جائے اور اجازت مانگے لیکن اسے اجازت نہ دی جائے اور اسے کہا جائے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا۔ چنانچہ وہ مغرب سے ہی طلوع ہوگا''۔ یہی مطلب اس آیت کریمہ کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ سورج طلوع ہوتا ہے تو بنی آدم کے گناہ اسے لوٹا دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ غروب ہو کر عاجزی سے سجدہ ریز ہو جاتا ہے اور اجازت طلب کرتا ہے تو اسے اجازت مل جاتی ہے۔ ایک دن یہ عاجزی کرتے ہوئے سجدہ کرے گا اور اجازت مانگے گا لیکن اسے اجازت نہیں ملے گی۔ وہ کہے گا کہ مسافت بہت دور ہے اور اگر مجھے اجازت نہ ملی تو پہنچ نہیں سکوں گا، چنانچہ وہ جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا رکا رہے گا، پھر اسے کہا جائے گا کہ جہاں سے غروب ہوا تھا وہیں سے طلوع ہو جا۔ اس دن سے لے کر وقوع قیامت تک ایسا وقت ہوگا جس وقت ایسے شخص کا ایمان لانا جو پہلے مومن نہ تھا، بے سود ہوگا اور ایسے شخص کا نیکی کرنا اسے کوئی فائدہ نہ پہنچائے گا جو پہلے نیکوکار نہ تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مستقر سے مراد سورج کے چلنے کی انتہا ہے یعنی موسم گرما میں اس کی انتہائی بلندی اور سرما میں انتہائی پستی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مستقر سے مراد سورج کی چال اور گردش کا اختتام ہے۔ قیامت کے دن اس کی سیر ختم ہو جائے گی، حرکت بند ہو جائے گی، اسے لپیٹ کر بے نور کر دیا جائے گا اور کل عالم کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ مستقر زمانی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا کا مطلب یہ ہے کہ سورج اپنے مقررہ وقت اور میعاد پر چلتا رہتا ہے جس سے تجاوز کرنے کی اسے مجال نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورج گرمیوں اور سردیوں میں ایک نظام الاوقات کے تحت ان رستوں پر محو گردش رہتا ہے جو اس کے لئے مخصوص ہیں، اس سے وہ سر مو انحراف نہیں کرتا۔ حضرات ابن مسعود اور ابن عباس رضی

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ یٰسین، جلد 8 صفحہ 541　2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 152

اللہ عنہم کی قرأت میں "لَا مُسْتَقَرَّ لَهَا" ہے(1)۔ یعنی اس کے لئے نہ سکون ہے اور نہ قرار بلکہ یہ دن رات بغیر کسی توقف اور سستی کے مصروف گردش رہتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ (ابراہیم:33) "اور مسخر کر دیا تمہارے لئے آفتاب و مہتاب جو برابر چل رہے ہیں"۔ یعنی قیامت تک یہ نہ تھکیں گے اور نہ رکیں گے۔ پھر فرمایا: ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ یعنی یہ اس خدا کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے جو ایسا غالب ہے کہ نہ اس کی مخالفت کی جا سکتی ہے اور نہ اس کی حکم عدولی ممکن ہے اور وہ تمام حرکات و سکنات کا علم رکھنے والا بھی ہے۔ اس نے ایسا نظام الاوقات مقرر کر رکھا ہے جس میں نہ اختلاف واقع ہونے کا امکان ہے اور نہ اس کے برعکس ہونا ممکن ہے جیسے فرمان ہے: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (الانعام:96) "وہ صبح کو نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام کے لئے اور سورج اور چاند کو حساب کے لئے بنایا۔ یہ اندازہ ہے سب سے زبردست سب کچھ جاننے والے گا"۔ اسی طرح حم السجدہ کی آیت کا اختتام بھی انہی الفاظ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ پر کیا۔ پھر فرمایا: وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ یعنی ہم نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کر دیں اور یہ ایک الگ اور جداگانہ چال چلتا ہے جس سے مہینے معلوم کئے جاتے ہیں جس طرح سورج کی گردش سے دن رات کا علم ہوتا ہے جیسا کہ فرمان ہے: یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (البقرۃ:189) "وہ آپ سے نئے چاندوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں، فرمائیے یہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے وقت کی علامتیں ہیں"۔ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ (یونس:5) "وہی ہے جس نے سورج کو درخشاں اور چاند کو نور بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب کو جان لو"، وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَآ ...... وَكُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا (بنی اسرائیل:12)۔ سورج کی مخصوص ضوء (روشنی) ہے اور چاند کا مخصوص نور اور دونوں کی رفتار بھی مختلف ہے۔ سورج ہر روز ایک جیسی روشنی پر طلوع اور غروب ہوتا ہے لیکن موسم گرما اور سرما میں اس کے طلوع و غروب کے مقامات مختلف ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے کبھی دن لمبا ہوتا ہے اور رات چھوٹی اور کبھی رات لمبی ہوتی ہے اور دن چھوٹا۔ سورج کی حکمرانی دن کے وقت ہوتی ہے اور یہ دن کا ستارہ ہے جبکہ چاند رات کا ستارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی منزلیں مقرر کر رکھی ہے۔ مہینے کی پہلی شب کو جب یہ طلوع ہوتا ہے تو مدھم سا اور کم روشنی والا ہوتا ہے پھر دوسری رات میں اس کا نور کچھ بڑھ جاتا ہے اور یہ بلند بھی ہو جاتا ہے۔ جوں جوں یہ بلند ہوتا ہے، اس کی روشنی بڑھتی جاتی ہے اگرچہ اس کی روشنی سورج سے حاصل کردہ ہوتی ہے، بالآخر چودھویں کی رات یہ ماہ تمام بن جاتا ہے اور اس کا نور کمال کو پہنچ جاتا ہے، اس کے بعد یہ گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور بتدریج کم ہوتے ہوتے یہ کھجور کی خشک، بوسیدہ اور خمیدہ ٹہنی کی مانند ہو جاتا ہے جس پر تر کھجوریں لٹکتی ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے نئے سرے سے اگلے مہینہ کے آغاز میں ظاہر کرتا ہے۔ عربوں نے چاند کی روشنی کے اعتبار سے ہر تین قمری راتوں کا الگ الگ نام رکھا ہے۔ پہلی تین راتوں کو "غرر" کہتے ہیں، اس کے بعد کی تین راتوں کا نام "نفل"، اگلی تین راتوں کا "تسع" اس لئے کہ ان کی آخری رات نویں ہوتی ہے، اس کے بعد کی تین راتوں کو "عشر" کہتے ہیں کیونکہ ان کا آغاز دسویں رات سے ہوتا ہے، پھر اگلی تین راتیں "بیض" اس لئے کہ ان راتوں میں چاند کی روشنی آخر تک رہتی ہے، اس کے بعد کی تین راتیں "درع" کہلاتی ہیں۔ یہ "درعاء" کی جمع ہے۔ چونکہ ان میں سے پہلی رات میں چاند کے دیر سے طلوع ہونے کی وجہ سے یہ رات تاریک ہوتی ہے اس لئے اسے یہ نام دیا گیا، اسی سے "الشاۃ الدرعاء" ہے یعنی وہ بکری جس کا سر سیاہ ہو، اس کے بعد کی تین راتوں کو "ظلم" پھر اگلی تین کو "حنادس"، پھر تین کو "دآدی"،

1۔ روح المعانی، جلد 23 صفحہ 15

پھر آخری تین کو "محاق" کیونکہ ان میں چاند غائب اور مہینہ ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوعبیدہ "تسع" اور "عشر" کا انکار کرتے تھے۔ کتاب "غریب المصنف" ملاحظہ ہو۔ پھر فرمایا: لَا الشَّمْسُ ... مجاہد فرماتے ہیں کہ سورج اور چاند دونوں کی حد مقرر ہے جس سے نہ وہ تجاوز کر سکتے ہیں اور نہ پیچھے رہ سکتے ہیں۔ باری باری ان کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ ایک آتا ہے تو دوسرا رخصت ہو جاتا ہے(1)۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ چاند رات کو سورج کی یہ مجال نہیں کہ وہ چاند کو جا پکڑے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہوا کے پر ہیں اور چاند کا ٹھکانہ پانی کا غلاف ہے، ابوصالح اس آیت کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اس کی روشنی اس کی روشنی کو اور اس کی روشنی اس کی روشنی کو نہیں پکڑ سکتی۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی حکمرانی مخصوص اوقات میں ہے۔ سورج کی مجال نہیں کہ وہ رات کو طلوع ہو جائے اور اس فرمان وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں کہ رات کے گزر جانے کے بعد دوسری رات شروع ہو جائے بلکہ درمیان میں دن لازمی آتا ہے۔ پس سورج کی بادشاہت دن کو ہے اور چاند کی حکمرانی رات کو۔ ضحاک رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب تک دن نہ آئے، رات نہیں آتی۔ مجاہد اس فرمان وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ کے متعلق کہتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کو تیزی سے طلب کرتے ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے سے اتارا جاتا ہے یعنی دن اور رات کے درمیان کوئی وقفہ نہیں ہوتا بلکہ دونوں یکے بعد دیگرے بغیر کسی تاخیر کے آتے رہتے ہیں کیونکہ دونوں ہمہ وقت پابند ہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ یعنی دن اور رات، سورج اور چاند سب کے سب فلک آسمان میں تیر رہے ہیں اور محو گردش ہیں۔ عبدالرحمن بن زید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سب زمین و آسمان کے درمیان فلک میں تیر رہے ہیں لیکن یہ قول بہت غریب بلکہ منکر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور متعدد سلف کہتے ہیں کہ یہ فلک چرخے کے ٹکڑے کی مثل ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ یہ چکی کے پاٹ کے لوہے کی طرح ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۙ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾
وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ۙ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾

"اور ایک نشانی ان کے لئے یہ بھی ہے کہ ہم نے سوار کیا ان کی اولاد کو ایک کشتی میں جو بھری ہوئی تھی۔ اور ہم نے پیدا کیں ان کے لئے اس کشتی کی مانند اور چیزیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں پس کوئی ان کی فریاد سننے والا نہ ہو اور نہ وہ ڈوبنے سے بچائے جا سکیں۔ بجز اس کے کہ ہم ان پر رحمت فرمائیں اور انہیں کچھ وقت تک لطف اندوز ہونے دیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کی ایک اور کرشمہ سازی کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے سمندر کو کشتیوں اور بحری جہازوں کی آمد و رفت کے لئے مسخر کر دیا ہے۔ سب سے پہلی کشتی حضرت نوح علیہ السلام کی تھی جس پر سوار ہو کر آپ اور آپ علیہ السلام کے ساتھی مومن نجات پا گئے اور روئے زمین پر ان کے سوا کوئی انسان باقی نہ رہا، اس لئے فرمایا: وَاٰيَةٌ لَّهُمْ یعنی ہم نے ان کے آباؤ اجداد کو اس کشتی میں سوار کیا جو سامان اور حیوانات سے بھری ہوئی تھی اور اس میں ہر قسم کے جانور کا جوڑا جوڑا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول "مشحون" کا معنی ہے بوجھ سے لدی ہوئی۔ اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ ... کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد اونٹ ہیں جو خشکی کی کشتیاں ہیں اور ان کی طرح باربرداری، نقل و حمل

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 8، الدر المنثور، جلد 7 صفحہ 58

اور مواصلات کا ذریعہ ہیں۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد کشتیاں اور جہاز ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے نمونے پر بعد میں بنے(1)۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے: اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ ۙ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ (الحاقۃ: 12-11) ''جب پانی حد سے تجاوز کر گیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کیا تا کہ ہم اسے تمہارے لئے یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں''۔ پھر فرمایا: وَ اِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ... یعنی اگر ہم چاہیں تو کشتی میں سوار لوگوں کو غرق کر دیں، پھر نہ کوئی ان کی فریاد رسی کرنے والا ہو اور نہ ہی انہیں غرق کرنے سے بچایا جا سکے بجز اس کے کہ ہماری رحمت ان کے شامل حال ہو اور ایک مقررہ میعاد تک انہیں زندگی سے لطف اندوز رکھنا مقصود ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِلَّا رَحْمَةً ۔ میں استثناء منقطع ہے معنی یہ ہوگا: لیکن ہم اپنی رحمت سے تمہیں خشکی اور تری میں سفر کرنے کے قابل بناتے ہیں اور ایک مقررہ وقت تک تمہیں سلامت رکھتے ہیں۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ وَ مَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَ مَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۝ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

''اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ڈرو (اس عذاب سے) جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں سے، مگر وہ اس سے روگردانی کرنے لگتے ہیں۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ خرچ کرو اس مال سے جو تمہیں اللہ نے دیا ہے تو کافر کہتے ہیں اہل ایمان کو کہ کیا ہم انہیں کھانا کھلائیں جنہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔ (اے ناصحو!) تم تو بالکل بہک گئے ہو''۔

مشرکین کی سرکشی، گمراہی اور گناہوں پر ان کے اصرار کو بیان کیا جا رہا ہے کہ جب انہیں گزشتہ گناہوں سے ڈرنے اور توبہ کرنے اور قیامت کے دن پیش آنے والے عذاب سے محتاط ہونے کی تلقین کی جاتی ہے تو وہ اس سے روگردانی کر لیتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جب انہیں سابقہ گناہوں سے رجوع کرنے اور آئندہ کے لئے گناہوں سے باز رہنے کو کہا جاتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور انہیں عذاب سے محفوظ رکھے تو وہ اس نصیحت کو قبول نہیں کرتے بلکہ اس سے اعراض کر لیتے ہیں(2)۔ یہاں یہ جواب شرط محذوف ہے اور اس فرمان وَمَا تَاْتِیْهِمْ . . پر اکتفاء کرتے ہوئے اسے ذکر نہیں کیا(3)۔ یعنی توحید اور رسولوں کی صداقت کی جو بھی نشانی ان کے پاس آتی ہے، یہ اس سے اعراض کر لیتے ہیں، نہ اس میں غور و فکر کرتے ہیں، نہ اسے قبول کرتے ہیں اور نہ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا ۔ یعنی جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق میں سے مسلمان فقراء اور محتاجوں پر خرچ کرو تو وہ حجت بازی کرتے ہوئے ان فقراء و مساکین کی بابت اہل ایمان سے کہتے ہیں کہ تم ہمیں جن لوگوں پر خرچ کرنے کا حکم دے رہے ہو، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ خود ہی انہیں غنی کر دیتا اور اپنی جناب سے انہیں رزق بہم پہنچا دیتا۔ جب اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت نہیں تو ہم اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 10 2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 12 3۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 12

کی مشیت کے خلاف کرنے والے کون ہیں۔ یہ جو تم ہمیں حکم دے رہے ہو کہ ان مسکینوں پر خرچ کرو، اس میں تم واضح غلطی پر ہو۔ ابن جریر کے بقول اس بات کا احتمال ہے کہ اس فرمان اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کے مخاطب کفار ہوں۔ اہل ایمان کے ساتھ مناظرہ کے دوران جب کفار نے مذکورہ بالا ہرزہ سرائی کی تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ فرمایا کہ تم کھلی گمراہی میں ہو(1)۔ لیکن یہ احتمال محل نظر ہے۔

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَ هُمْ یَخِصِّمُوْنَ ۝ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّ لَاۤ اِلٰۤی اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ ۝

”اور کافر کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو (تو اس وقت مقررہ کو بتا دو) یہ (نامنجار) انہیں انتظار کر رہے مگر اس ایک گرج کا جو (اچانک) انہیں دبوچ لے گی جب وہ بحث مباحثہ کر رہے ہوں گے۔ پس نہ وہ (اس وقت) کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر آسکیں گے“۔

کفار وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہوئے کہتے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اور کب قیامت قائم ہوگی۔ جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا یَنْظُرُوْنَ ۔ یعنی انہیں صرف ایک گرج کا انتظار ہے جو انہیں دبوچ لے گی جبکہ وہ بحث مباحثہ کر رہے ہوں۔ صیحہ (گرج) سے مراد صور ہے۔ جب صور پھونکا جائے گا تو ہر چیز پر وحشت اور گھبراہٹ طاری ہو جائے گی۔ لوگ بازاروں میں اور کاروباری مقامات پر حسب معمول بحث مباحثہ کر رہے ہوں گے اور روزمرہ کے امور انجام دے رہے ہوں گے کہ اسی اثناء میں حضرت اسرافیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے صور پھونک دیں گے جو کافی دیر جاری رہے گا۔ روئے زمین پر ہر ایک اپنے کان کھڑے کر لے گا اور آسمان سے آنے والی اس ہولناک آواز کو غور سے سنے گا، پھر لوگوں کو میدان محشر کی طرف لے جایا جائے گا اور آگ انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئی ہوگی۔ اس نازک اور خوفناک صورتحال میں اتنی مہلت بھی نہیں ہوگی کہ وہ وصیت کر سکیں اور نہ انہیں اپنے گھر والوں کی طرف واپس لوٹایا جائے گا۔ اس آیت کے متعلق بہت سے آثار اور احادیث وارد ہوئے ہیں جنہیں ہم نے کسی دوسرے مقام پر بیان کر دیا ہے(2)۔ اس پہلے نفخہ کے بعد دوسرا نفخہ ہوگا جس کے سبب اس حی و قیوم ذات کے سوا ہر ایک مر جائے گا۔ اس کے بعد تیسرا نفخہ ہوگا جس سے سب دوبارہ جی اٹھیں گے۔

وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ ۝ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ٚ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝ فَالْیَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْـًٔا وَّ لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

”اور (دوبارہ جب) صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے جانے لگیں گے (اس وقت) کہیں گے ہائے ہم برباد ہو گئے! کس نے ہمیں اٹھا کھڑا کیا ہے ہماری خوابگاہ سے۔ (آواز آئے گی) یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور سچ کہا تھا (اس کے) رسولوں نے۔ نہیں ہوگی مگر ایک زوردار کڑک، پھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ پس آج نہیں ظلم کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور نہ ہی بدلہ دیا جائے گا

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 13 2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ الانعام: 73، تفسیر سورۃ نمل: 87

تمہیں نگران اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے"۔

یہاں تیسرے نفخے کا ذکر ہو رہا ہے جس سے مردے زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے، نسلان جو 'ینسلون' کا مصدر ہے، اس کا معنی ہے تیز تیز چلنا جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا: یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ (المعارج: 43) "اس روز جلدی جلدی قبروں سے نکلیں گے گویا وہ (اپنے بتوں کے) استھانوں کی طرف دوڑے جارہے ہیں"۔ اس وقت وہ کہیں گے: یٰوَیْلَنَا لیعنی جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے جن کے متعلق انہیں دنیا میں یقین تھا کہ انہیں زندہ کر کے ان سے ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا، جب وہ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہائے ہم برباد ہو گئے، ہمیں کس نے ہماری خوابگاہ (قبروں) سے اٹھایا ہے۔ اس سے عذاب قبر کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ جس عذاب سے وہ قیامت کے دن دوچار ہوں گے اس کی شدت کے مقابلہ میں عذاب قبر بہت خفیف ہے، گویا وہ آرام کر رہے تھے۔ حضرات ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، مجاہد رحمتہ اللہ علیہ اور حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوبارہ زندہ کئے جانے سے پہلے کچھ دیر کے لئے انہیں نیند آجائے گی۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے اور دوسرے نفخے کے درمیان یہ سو جائیں گے، اس لئے جب اٹھیں گے تو کہیں گے کہ ہمیں کس نے ہماری خوابگاہ سے بیدار کیا۔ اس کے جواب میں اہل ایمان انہیں کہیں گے: هٰذَا مَا وَعَدَ لیعنی یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتے انہیں یہ جواب دیں گے۔ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ یہ بھی کافروں کا قول ہے لیکن ابن جریر نے پہلا قول پسند کیا ہے(1) اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۞ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (الصافات: 20-21) "ہم برباد ہو گئے یہ تو یوم جزا ہے، یہی فیصلہ کا دن ہے جسے ہم جھٹلایا کرتے تھے"۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۔ لَا تَعْلَمُوْنَ (الروم: 55-56) اور یہ فرمان اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً ۔ ان فرامین کی طرح ہے: فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۞ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (النازعات: 13-14) "پس قیامت تو فقط ایک جھڑک ہوگی پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے"۔ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ (النحل: 77) "اور نہیں قیامت برپا ہونے کا معاملہ مگر جیسے آنکھ تیزی سے جھپکتی ہے یا اس سے بھی جلد"، یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا (بنی اسرائیل: 52) "اس دن کو یاد کرو جب تمہیں اللہ بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور یہ گمان کر رہے ہو گے کہ تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ"۔ لیعنی ہمارا ایک ہی حکم ہوگا کہ سب ہمارے پاس حاضر ہو جائیں گے۔ اس دن کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں ہوگا بلکہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْیَوْمَ فِیْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۞ هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِیْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۞ لَهُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ وَّ لَهُمْ مَّا یَدَّعُوْنَ ۞ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ۞

"بے شک اہل بہشت آج (حسب مراتب) اپنے اپنے شغل سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں سایہ میں (مرصع) تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان کے لئے وہاں (طرح طرح کے لذیذ) پھل ہوں گے اور انہیں ملے گا جو وہ طلب کریں گے۔ تم سلامت رہو۔ (انہیں) یہ کہا جائے گا رب رحیم کی طرف سے"۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 17

میدان قیامت سے فراغت کے بعد جنتی بہشت کے باغات میں جائیں گے تو ان پر نعیم جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور وہاں کی لذتوں اور لطف و سرور میں وہ اس طرح کھو جائیں گے کہ انہیں کسی دوسرے کا خیال نہ ہوگا۔ حضرات حسن بصری اور اسماعیل بن ابی خالد "فی شغل" کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ وہ جہنمیوں اور ان کے عذاب سے بے خبر ہوں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ نعمتوں میں مسرور ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ سے "فکھون" کا یہی معنی منقول ہے کہ وہ مسرور اور خوش باش ہوں گے۔ حضرات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر متعدد سلف اس کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ وہ کنواری حوروں کے ساتھ لطف اندوز ہونے میں مشغول ہوں گے۔ ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ موسیقی سننے میں مصروف ہوں گے۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ اس روایت کے سننے والے کو شاید سننے میں غلطی لگ گئی ہو۔ آپ سے منقول صحیح معنی وہی ہے جو اوپر مذکور ہے (1)۔ فرمایا: هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ - یعنی وہ اور ان کی بیویاں گھنے اور ٹھنڈے سایوں میں مرصع اور آراستہ تختوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، عکرمہ اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ "ارائك" سے مراد وہ تخت ہیں جن پر پردے لٹک رہے ہوں۔ اس کے بعد فرمایا: لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ ..... یعنی جنت میں ان کے لئے طرح طرح کے لذیذ پھل اور ہر وہ لذت بخش چیز ہوگی جسے وہ طلب کریں گے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا کوئی جنت کی طرف تیاری کرنے والا ہے؟ جنت میں کوئی خطرہ نہیں، رب کعبہ کی قسم! یہ تمام کی تمام نوری نور ہے، اس میں مہکتے پھول، پختہ شاندار محلات، بہتے ہوئے لذیذ پھل، بہتی ہوئی نہریں، حسین و جمیل حوریں، بیش قیمت پوشاکیں، ابدی نعمتیں، دائمی قیام، سبزہ، تازہ پھل، بکثرت انعامات اور عالیشان اور بلند و بالا رہائش گاہیں ہیں"۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہم اس کے لئے تیاری کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر کہو ان شاء اللہ"، تو سب حاضرین نے ان شاء اللہ کہا (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس فرمان سَلٰمٌ قَوْلًا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بذات خود اہل جنت کے لئے سلام ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ (الاحزاب: 44) "انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب سے ملیں گے کہ ہمیشہ سلامت رہو"۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اہل جنت اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے کہ اسی اثنا میں اچانک ان کے اوپر نور چمکے گا۔ جب وہ سر اٹھا کر دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ ان کا رب کریم ان کی طرف جھانک رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے جنتیو! السلام علیکم۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ سے یہی مراد ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھے گا اور وہ اس کی طرف دیکھیں گے محویت کا یہ عالم ہوگا کہ جب وہ جمال حقیقی کا دیدار کر رہے ہوں گے تو انہیں کسی دوسری نعمت کا خیال تک نہ رہے گا یہاں تک کہ وہ حسن حقیقی پردہ فرمائے گا لیکن اس کا نور اور اس کی برکت ان پر اور ان کے مکانوں پر ضیاء بار رہے گی" (3)۔ اس حدیث کی سند میں کچھ کلام ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب جنتیوں اور دوزخیوں سے فارغ ہوگا تو وہ بادلوں کے سایہ میں متوجہ ہوگا اور فرشتے بھی ساتھ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو سلام فرمائے گا اور وہ سلام کا جواب دیں گے۔ قرظی فرماتے ہیں کہ اس کا ذکر اس آیت سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ مجھ سے مانگو۔ وہ عرض کریں گے کہ اے پروردگار! ہم تجھ سے کیا

1۔ الدر المنثور، جلد 7، صفحہ 65

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1448-1449

3۔ سنن ابن ماجہ، المقدمہ، جلد 1، صفحہ 65-66

مانگیں، ہر نعمت تو میسر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ پھر بھی جو چاہو، مانگو۔ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ سے تیری رضا کے خواستگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ میری رضا ہی تو ہے جس کے سبب تمہیں جنت ارزانی ہوئی ہے۔ عرض کریں گے: یا رب! ہم تجھ سے کس چیز کا سوال کریں۔ تیری عزت، تیرے جلال اور ارتفاع مقام کی قسم! تو نے ہمیں اس قدر عطا کر رکھا ہے کہ اگر ہم تمام جنوں اور انسانوں کو کھلانے، پلانے، پہنانے اور ان کی تمام ضروریات پوری کرنے لگیں تو بھی اس عطا میں ذرہ برابر بھی کمی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ابھی میرے پاس اور بھی ہے۔ پھر فرشتے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید نئے نئے تحفے لائیں گے۔ یہ خبر غریب ہے۔ امام ابن جریر نے اسے متعدد طرق سے وارد کیا ہے(1)۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۝

''(اور حکم ہوگا) اے مجرمو! (میرے دوستوں سے) آج الگ ہو جاؤ۔ کیا میں نے تمہیں یہ تاکیدی حکم نہیں دیا تھا اے اولادِ آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے (بایں ہمہ) گمراہ کر دیا شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو۔ کیا تم عقل (وخرد) نہیں رکھتے تھے''۔

قیامت کے دن کفار کی حالت بیان ہو رہی ہے کہ انہیں اہل ایمان سے الگ تھلگ کر دیا جائے گا جیسے کہ فرمایا: وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ... فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ (یونس: 28)، وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ (الروم: 14) ''اور جس روز قیامت برپا ہوگی اس روز وہ جدا جدا ہو جائیں گے''۔ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ (الروم: 43) ''اس روز یہ لوگ جدا جدا ہو جائیں گے''۔ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ ... فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ (الصافات: 23-22) ''جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پس سیدھا لے چلو انہیں جہنم کی راہ کی طرف''۔ پھر فرمایا: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ ... یہ کفار کو بطور سرزنش اور زجر و توبیخ کہا جائے گا جو اپنے کھلے دشمن شیطان کی اطاعت کرتے رہے اور اپنے خالق و رازق خدائے رحمٰن کی نافرمانی کرتے رہے، اس لئے فرمایا: وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ..... یعنی میں نے تمہیں دنیا میں شیطان کی نافرمانی کرنے اور اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا اور یہی سیدھا راستہ ہے جسے چھوڑ کر تم شیطان کے پیچھے لگ گئے اور اس بدبخت نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ ''جِبِلًّا'' سے مراد خلق کثیر ہے۔ اس میں دوسری قرأت ''جُبُلًا'' ہے یعنی جیم اور باء پر ضمہ اور لام تخفیف کے ساتھ۔ ایک اور قرأت میں باء ساکن ہے(2)۔ آیت کے آخر میں فرمایا: اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ یعنی کیا تم میں اتنی عقل بھی نہ تھی کہ جسے بروئے کار لاتے ہوئے تم اپنے معبود حقیقی کی مخالفت اور اپنے ازلی دشمن شیطان کی اتباع سے باز رہتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہنم کی ایک سخت تاریک گردن ظاہر ہوگی جو کہے گی: اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ ... هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ، وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ چنانچہ تمام لوگ الگ الگ ہو جائیں گے اور گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ... تَعْمَلُوْنَ (الجاثیہ: 28) ''یعنی آپ ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھیں گے۔ ہر گروہ کو اس کے صحیفہ عمل کی طرف بلایا جائے

1۔ تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 22-21
2۔ دیکھئے الاتحاف لابن البناء، جلد 3، صفحہ 473

گا، (انہیں کہا جائے گا) آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو عمل تم کیا کرتے تھے'' (1)۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾

'' یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج اس کی آگ تاپو اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ آج ہم مہر لگا دیں گے کفار کے مونہوں پر اور بات کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں ان (بدکاریوں) پر جو وہ کمایا کرتے تھے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم ان کی آنکھوں کا نشان تک محو کر دیتے پھر وہ راستہ کی طرف دوڑ کر آتے بھی تو ان (اندھوں) کو راستہ کیسے نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم انہیں مسخ کر کے رکھ دیتے ان کی جگہوں پر پھر وہ نہ آگے جا سکتے اور نہ پیچھے پلٹ سکتے''۔

قیامت کے دن بھڑکتا ہوا جہنم سامنے ہوگا اور سرزنش کرتے ہوئے کفار سے کہا جائے گا: هٰذِهٖ جَهَنَّمُ .. یعنی یہ ہے وہ جہنم جس کے متعلق رسول تمہیں خبردار کرتے رہے لیکن تم نے ان کی ایک نہ مانی، اس لئے آج اپنے کفر کی پاداش میں اس کے اندر داخل ہو جاؤ جیسے ایک اور مقام پر فرمایا: يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ... اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ (الطور: 13-15) '' اس روز انہیں دھکے دے کر آتش جہنم میں پھینکا جائے گا، (انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ کیا یہ (آگ) جادو کا کرشمہ ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آ رہی''۔ قیامت کے دن جب کفار اور منافقین پر فرد جرم عائد کی جائے گی تو وہ اقبال جرم سے انکار کر دیں گے اور قسمیں اٹھا اٹھا کر یہ یقین دلائیں گے کہ دنیا میں انہوں نے کسی جرم یا گناہ کا ارتکاب کیا ہی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا کر ان کی زبان بندی کر دے گا اور ان کے اعضا کو قوت گویائی عطا کر دے گا جو ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے، اس حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ ...۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ اچانک ہنس دیئے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہونے لگیں، پھر فرمایا: '' کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کیوں ہنسا؟'' ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول کو ہی معلوم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: '' اس جھگڑے کی وجہ سے (میں ہنسا ہوں) جو بندہ قیامت کے دن اپنے رب سے کرے گا، بندہ کہے گا: اے پروردگار! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی تھی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیوں نہیں۔ بندہ کہے گا کہ آج میں اپنے اوپر اپنی ذات کے سوا کسی کو گواہ ماننے پر تیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ٹھیک ہے، میرے لکھنے والے معزز فرشتے نہ سہی، تیری اپنی ذات تجھ پر گواہ کافی ہے۔ چنانچہ اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء کو حکم ہوگا کہ بولو اور ان اعمال کی گواہی دو جو یہ تمہارے ساتھ کیا کرتا تھا، تو وہ ہر ایک بات صاف صاف بتا دیں گے۔ پھر بندہ (قوت گویائی لوٹنے کے بعد) اپنے اعضاء سے کہے گا کہ تمہاری بربادی ہو۔ تمہاری خاطر ہی تو میں جھگڑ رہا تھا'' (2)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: '' جب تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری زبان بندی کر کے بلایا جائے

1۔ تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 22
2۔ تخریج کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ نور: 25

گا تو سب سے پہلے رانوں اور ہتھیلیوں سے سوال ہوگا''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی قیامت کے متعلق ایک طویل حدیث میں فرمایا: ''پھر تیسرے سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تو کیا ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں تیرا بندہ ہوں، میں تجھ پر، تیرے نبی پر اور تیری کتاب پر ایمان لایا، روزے رکھے، نمازیں پڑھیں، صدقہ وزکوۃ دیتا رہا۔ علاوہ ازیں اور بھی نیک اعمال بیان کرے گا۔ اسے کہا جائیگا کہ کیا ہم تم پر اپنا گواہ نہ لائیں؟ وہ ابھی اسی سوچ میں ہوگا کہ کسے بطور گواہ پیش کیا جائے گا کہ اس کے منہ کو سی دیا جائے گا اور اس کی ران سے کہا جائے گا کہ تو بول۔ چنانچہ اس کی ران، گوشت اور ہڈیاں بول کر اس کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ یہ منافق ہوگا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوگا تا کہ اس کا عذر باقی نہ رہے اور ایسے سخت محاسبہ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض تھا(1)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مونہوں پر مہر لگنے کے بعد سب سے پہلے انسان کی بائیں ران بولے گی'' (2)۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن مومن کو حساب کے لئے بلایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کے وہ گناہ پیش کرے گا جن کا کسی اور کو علم نہ تھا۔ وہ اعتراف کرتے ہوئے عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے یہ گناہ کئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پردہ پوشی کرتے ہوئے اس کے گناہ معاف فرمادے گا اور مخلوق میں سے کسی پر بھی اس کا کوئی گناہ ظاہر نہیں ہوگا۔ پھر اس کی نیکیاں ظاہر کی جائیں گی تو وہ خواہش کرے گا کہ تمام لوگ انہیں دیکھ لیں۔ اس کے بعد کافر اور منافق کو حساب کے لئے بلایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان پر ان کے اعمال پیش کرے گا تو وہ صاف انکار کردیں گے اور کہیں گے کہ اے پروردگار! تیری عزت کی قسم! ہم نے تو یہ اعمال کئے ہی نہیں۔ فرشتے ناکردہ گناہ ہمارے کھاتے میں ڈالتے رہے ہیں۔ فرشتے کہیں گے کہ فلاں فلاں دن تم نے یہ یہ کام کئے؟ وہ کہیں گے: یارب، تیری عزت کی قسم! ہم نے یہ کام نہیں کئے۔ اس وقت ان کے مونہوں پر مہر لگ جائے گی اور میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے دائیں ران گفتگو کرے گی(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے تو انہیں گمراہ کردیتے اور پھر یہ کیسے ہدایت پا سکتے۔ مرہ کہتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے تو انہیں اندھا کردیتے، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کی آنکھوں کا نشان تک محو کردیتا اور انہیں اندھا بنادیتا تا کہ وہ بھٹکتے پھریں۔ یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کو مٹا دیتے، پھر وہ راہ حق کی طرف دوڑ کر آتے بھی تو ان کو راستہ کیسے نظر آتا دراں حالیکہ ان کی آنکھیں مٹ چکی تھیں۔ حضرت ابن عباس سے فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ کا معنی منقول ہے کہ وہ حق کو نہ دیکھ پاتے۔ پھر فرمایا: وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے تو انہیں ہلاک کردیتے۔ سدی کہتے ہیں کہ ہم ان کی صورت مسخ کردیتے، ابو صالح کہتے ہیں کہ ہم انہیں پتھر بنادیتے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم انہیں اپاہج کردیتے پھر وہ نہ آگے چل سکتے اور نہ وہ پیچھے لوٹ سکتے بلکہ ایک ہی حالت میں رہتے اور آگے پیچھے نہ ہو سکتے۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۞ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۞ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۞

''اور جس کو ہم طویل عمر دیتے ہیں تو کمزور کردیتے ہیں اس کی طبعی قوتوں کو۔ پھر کیا یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اور نہیں سکھایا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 4، صفحہ 2279-2250، سنن ابی داؤد، کتاب السنہ، جلد 4، صفحہ 233

2۔ تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 24، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 151

3۔ تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 24

ہم نے اپنے نبی کو شعر، اور نہ ان کے شایان شان ہے۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت اور قرآن جو بالکل واضح ہے۔ تا کہ وہ بروقت خبر دار کرے اسے جو زندہ ہے اور تا کہ حجت تمام کر دے کفار پر''۔

ابن آدم کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ اس کی عمر طویل ہو جاتی ہے تو قوت کے بعد کمزوری اور نشاط کے بعد عجز کا دور آتا ہے جیسا کہ فرمایا: اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ ... الۡعَلِیۡمُ الۡقَدِیۡرُ (الروم: 54)، وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِکَیۡ لَا یَعۡلَمَ بَعۡدَ عِلۡمٍ شَیۡئًا (النحل: 70) ''اور تم میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں نا کارہ عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تا کہ وہ جان لینے کے بعد کچھ نہ جانے'' آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا دار زوال وانتقال ہے نہ کہ دار دوام واستقرار، اس لئے فرمایا: اَفَلَا یَعۡقِلُوۡنَ یعنی یہ لوگ کیا اپنی عقلوں کو بروئے کار لا کر غور وفکر نہیں کرتے کہ یہ بچپن سے جوانی کی طرف اور پھر بڑھاپے کی طرف منتقل ہوئے تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ انہیں بالآخر یہاں سے دار آخرت کی طرف جانا ہے جو دائمی ہے، اسے نہ زوال ہے اور نہ ہی یہ لوگ اس سے کسی اور جگہ منتقل کئے جائیں گے۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ سے شاعری کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا عَلَّمۡنٰہُ الشِّعۡرَ یعنی ہم نے آپ کو نہ شاعری سکھائی اور نہ یہ آپ کے شایان شان ہے۔ نہ شعر وسخن سے آپ کو محبت تھی اور نہ شعر گوئی کی طرف فطری میلان۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح وزن پر کوئی پورا شعر آپ ﷺ کو یاد نہ تھا بلکہ اگر آپ کسی کا شعر پڑھتے تو وہ یا تو بے وزن ہوتا یا نامکمل۔ حضرت شعبی کہتے ہیں کہ عبد المطلب کی اولاد میں تمام مرد وزن شعر کہنا جانتے تھے بجز رسول اللہ ﷺ کے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے یہ مصرعہ پڑھا: ''کَفٰی بالاسلام والشیب لِلْمَرْءِ نَاھِیًا''۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! یہ اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے: ''کَفَی الشَّیْبُ وَالْاِسلامُ لِلْمرءِ نَاھِیًا'' (1)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس موقع پر کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا عَلَّمۡنٰہُ الشِّعۡرَ ۔ دلائل بیہقی میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عباس بن مرداس سلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا تم نے یہ شعر کہا ہے: ''اَتَجْعَلُ نَھْبِیْ وَنَھْبَ الْعُبَیْدِ بَیْنَ الْاَقْرَعِ وَعُیَیْنَۃَ''۔ انہوں نے عرض کی کہ یہ اس طرح ہے: ''بین عیینۃ والاقرع''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سب (معنی میں) یکساں ہیں (2)۔ سہیلی نے الروض الانف میں اس تقدیم وتاخیر کی ایک عجیب وغریب توجیہ بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے اقرع کو پہلے ذکر کیا کیونکہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہے لیکن عیینہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں مرتد ہو گیا، اس لئے اسے بعد میں ذکر کیا (3)۔ مغازی اموی میں ہے کہ حضور ﷺ مقتولین بدر کے درمیان چکر لگاتے ہوئے ایک شعر کا یہ حصہ نُفَلِّقُ ھامًا پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شعر کو مکمل کر دیا۔

من رجالٍ اعزّۃٍ علینا وھم کانوا اَعَقَّ وَاَظْلَمَا

کسی عرب شاعر کا یہ شعر حماسہ میں موجود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کو جب کسی خبر میں شک ہوتا تو آپ طرفہ کے ایک شعر کا یہ مصرعہ پڑھتے: ''وَیَاْتِیْکَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ'' (4)۔ اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے: ''سَتُبْدِیْ لَکَ الْاَیَّامُ مَا کُنْتَ جَاھِلًا''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضور ﷺ شعر پڑھتے تھے؟ فرمایا کہ آپ ﷺ کو سب سے

1۔ الاکلیل للسیوطی، جلد 2، صفحہ 768 2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 5، صفحہ 182-181، دیکھئے شعر سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 94-293

3۔ الروض الانف، جلد 2، صفحہ 310-309 4۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 31، عارضۃ الاحوذی، ابواب الادب، جلد 12، صفحہ 291

زیادہ وبغض شاعری سے تھا، البتہ آپ کبھی کبھار بنوقیس کے شاعر کا کوئی شعر پڑھتے لیکن وہ بھی تقدیم وتاخیر کے ساتھ الٹ۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تصحیح کرتے تو آپ ﷺ فرماتے: "اللہ کی قسم! نہ میں شاعر ہوں اور نہ شاعری میرے شایان شان ہے" (1)۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ آپ شعر نہیں پڑھتے تھے سوائے طرفہ کے شعر کے اور اسے بھی تقدیم وتاخیر کے ساتھ یوں پڑھتے: "من لم تزود بالاخبار"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! یہ اس طرح نہیں بلکہ ایسے ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نہ شاعر ہوں اور نہ یہ میرے لئے زیبا ہے"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کوئی مکمل شعر نہیں پڑھا بجز اس شعر کے

تَفَاءَ لْ بِمَا تَهْوٰى يَكُنْ فَلَقَلَّمَا   يُقَالُ لِشَيْءٍ كَانَ اِلَّا تَحَقَّقَا (2)

صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر خندق کھودتے وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ شعران کے ساتھ ساتھ پڑھے۔

لَاهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا   وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا   وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا

اِنَّ الْاُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا   اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

آپ لفظ "ابینا" کو کھینچ کر پڑھتے اور اس پر آواز بلند کرتے (3)۔ غزوۂ حنین کے موقع پر آپ اپنے خچر کو دشمن کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمارہے تھے: "اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ · اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ" (4) یہ شعر کے وزن پر تو ہے لیکن یہ اتفاقاً بغیر قصد وارادہ کے آپ کی زبان پر جاری ہو گیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ کسی غار میں تھے کہ آپ ﷺ کی انگلی زخمی ہو گئی تو آپ ﷺ نے اتفاقاً یہ شعر پڑھا۔

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ   وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ (5)

یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہوئی اور راہ خدا میں تجھے اس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی طرح "اِلَّا اللَّمَمَ" (النجم: 32) کی تفسیر کے تحت ذکر کیا جائے گا کہ آپ ﷺ نے یہ شعر پڑھا

اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا   وَاَيُّ عَبْدٍ لَكَ مَا اَلَمَّا

یہ سب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے منافی نہیں کہ نہ ہم نے آپ کو شعر سکھایا اور نہ یہ آپ کے لئے زیبا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کی تعلیم دی جس کی طرف باطل کسی گوشہ سے بھی نہیں پھٹک سکتا۔ قرآن حکیم نہ شعر ہے جیسا کہ بعض جاہل کفار کا خیال تھا، نہ کہانت ہے، نہ من گھڑت کلام ہے اور نہ جادو جیسا کہ گمراہ اور جاہل لوگ اس کے متعلق خیال آفرینی کرتے ہوئے مختلف آراء کا اظہار کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا میلان شعر کی طرف تھا ہی نہیں، نہ طبعی طور پر اور نہ شرعی لحاظ سے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی

1۔ تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 27 — 2۔ سنن کبریٰ بیہقی، کتاب النکاح، جلد 7، صفحہ 43

3۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 399، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1427-1428

4۔ تخریج کیلئے دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ: 35 — 5۔ فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 19، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1421

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے یہ تینوں چیزیں یکساں ہیں: تریاق کا پینا، تعویذ لٹکانا اور شعر گوئی (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا حضور ﷺ کو شاعری پسند تھی؟ آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ شاعری سے آپ کو بہت زیادہ نفرت تھی۔ آپ کو دعا میں جامع کلمات پسند تھے اور اس کے سوا چھوڑ دیتے (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ شاعری سے بھرے'' (3)۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے نماز عشاء کے بعد ایک شعر بھی کہا تو اس کی اس رات کی نماز نامقبول ہے'' (4)۔ یہاں مراد شعر نظم کرنا ہے نہ کہ پڑھنا، پھر شعر گوئی کی بھی اقسام ہیں۔ مشرکین کی ہجو میں شعر کہنا جائز ہے جیسا کہ حضرات حسان بن ثابت، کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ اور ان جیسے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کفار کی ہجو میں شعر کہا کرتے تھے۔ بعض اشعار حکمت، وعظ اور ادب پر مبنی ہوتے ہیں جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے بعض شعراء کے کلام میں ایسے اشعار پائے جاتے ہیں۔ ان میں ایک شاعر امیہ بن ابی الصلت تھا جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی شاعری مومن لیکن اس کا دل کافر تھا'' (5)۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو سو شعر سنائے۔ ہر شعر کے بعد آپ فرماتے کہ مزید سناؤ (6)۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض شعر سراسر حکمت'' (7)۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ یعنی ہم نے نہ آپ ﷺ کو شاعری کی تعلیم دی اور نہ یہ آپ کے لئے مناسب ہے بلکہ ہم نے آپ کو جس چیز کی تعلیم دی ہے وہ سراسر نصیحت اور واضح قرآن ہے۔ ہر غور وفکر کرنے والے کے لئے اس میں عبرت اور نصیحت کا سامان موجود ہے، اس لئے فرمایا: لِّیُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَیًّا تاکہ یہ روئے زمین پر موجود تمام لوگوں کو بروقت خبردار کرے جیسا کہ فرمایا: لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام: 19) ''تاکہ میں اس کے ساتھ تمہیں ڈراؤں اور اسے بھی جس تک یہ پہنچے''۔ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود: 17) ''جو اس کے ساتھ کفر کرے مختلف گروہوں سے تو آگ ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے''۔ قرآن کریم کے ڈراوے سے صرف وہی نفع حاصل کرسکتا ہے جس کا دل زندہ ہو اور بصیرت روشن ہو جیسا کہ قتادہ فرماتے ہیں کہ جس کا دل زندہ ہو اس کی آنکھ بھی زندہ ہوتی ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ''حیّ'' سے مراد عقلمند ہے۔ آخر میں فرمایا: وَیَحِقَّ الْقَوْلُ یعنی یہ مومنوں کے لئے رحمت اور کافروں پر حجت ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا یَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ۝

''کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے پیدا فرمائے ان کے لئے اس مخلوق سے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی، مویشی پھر (اب) یہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے تابعدار بنا دیا انہیں ان کا۔ پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا (گوشت) کھاتے ہیں۔ اور ان کے لئے ان مویشیوں میں اور بھی کئی منفعتیں ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں۔ کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے''۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب، جلد 4، صفحہ 6 2۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 148 3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 302
4۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 125 5۔ تفسیر قرطبی، جلد 7، صفحہ 320
6۔ صحیح مسلم، کتاب الشعر، جلد 4، صفحہ 1767؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 1236 7۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 303

انسانوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام فرمایا کہ مویشی پیدا کر کے ان کی ملکیت میں دے دیے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان مویشیوں کو انسانوں کے لیے مطیع اور پابند بنا دیا کہ کوئی جانور انسان کے سامنے سرکشی نہیں کر سکتا بلکہ اگر ایک چھوٹا بچہ بھی اونٹ کی نکیل تھام لے تو وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگتا ہے، اگر وہ اسے بٹھائے تو بیٹھ جاتا ہے اور اگر وہ اسے کھڑا کرے تو کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ جانوروں کے مطیع ہونے کی ایک دلیل ہے، اسی طرح اگر سو یا اس سے بھی زائد اونٹوں کی قطار ہو تو ایک بچے کے ہانکنے سے وہ سیدھے چلتے رہتے ہیں پھر مویشیوں کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا: فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ یعنی ان میں سے بعض مویشی ایسے ہیں جو سواری اور باربرداری کے کام آتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جنہیں ذبح کر کے ان کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے ساتھ اور بھی فوائد وابستہ ہیں۔ ان کی اون، صوف، بال اور کھالیں استعمال کی جاتی ہیں، دودھ پیا جاتا ہے اور ان کے پیشاب کو بعض اوقات بطور علاج کام میں لایا جاتا ہے علاوہ ازیں ان کے اور بھی متعدد منافع ہیں۔ آخر میں فرمایا: أَفَلَا يَشْكُرُونَ یعنی کیا وہ اس ذات کا شکر نہیں بجا لائیں گے جس نے ان جانوروں کو پیدا کر کے انسان کا مطیع بنا دیا اور کیا وہ شرک سے باز نہیں آئیں گے؟۔

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ۝ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُونَ ۝ فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝

"اور ان (ظالموں) نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خدا کہ شاید وہ ان کی مدد کریں۔ یہ جھوٹے خدا نہیں مدد کر سکتے ان کی۔ اور یہ کفار ان معبودوں کے لئے تیار شدہ لشکر ہیں۔ پس نہ رنجیدہ کرے آپ کو (اے حبیب!) ان کا قول۔ ہم خوب جانتے ہیں جس بات کو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں"۔

مشرکین پر اس چیز میں اظہار ناپسندیدگی کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بنا لئے ہیں جن کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ وہ ان کے مددگار، رازق اور انہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے ہیں۔ ان کے اس زعم باطل کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ یعنی یہ معبودان باطل اپنے پجاریوں کی مدد کرنے پر قادر نہیں، بلکہ یہ بہت ضعیف، ذلیل، حقیر اور کمتر ہیں، ان کی مدد تو کجا یہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ اس سے انتقام لے سکتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے کیونکہ یہ جمادات ہیں جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ عقل و شعور رکھتے ہیں۔ مجاہد اس فرمان وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُونَ کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ بت اپنے پجاریوں کے حساب کے وقت بے بسی کے عالم میں موجود ہوں گے تاکہ اس سے مشرکین کے حزن و ملال میں اضافہ ہو اور ان پر حجت مزید تمام ہو جائے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ معبودان باطل ان کی مدد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، اس کے باوجود یہ مشرکین دنیا میں ان کی خاطر بڑے غضبناک ہوتے ہیں گویا یہ ان کے لئے جمع شدہ لشکری ہیں حالانکہ یہ نہ تو انہیں کوئی بھلائی پہنچا سکتے ہیں اور نہ ان سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں۔ یہ محض بے جان بت ہی تو ہیں۔ یہ قول زیادہ بہتر ہے اور ابن جریر نے اسے ہی پسند کیا ہے (1)۔ اگلی آیت میں فرمایا: فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ یعنی آپ ان کی تکذیب اور کفر کے باعث رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم ان کے ظاہر و باطن اور تمام حالات و اعمال کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہم انہیں ان کے چھوٹے بڑے اور نئے پرانے تمام اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 30-29

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ
خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ
خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ۝

''کیا انسان (اس حقیقت کو) نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے پس اب وہ (ہمارا) کھلا دشمن بن بیٹھا ہے۔ اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لئے (عجیب وغریب) مثالیں اور اس نے فراموش کر دیا اپنی پیدائش کو۔ (گستاخ) کہتا ہے بھی! کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ آپ فرمائیے (اے گستاخ سن!) زندہ فرمائے گا انہیں وہی جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے۔ جس نے (اپنی حکمت سے) رکھ دی تمہارے لئے سبز درختوں میں آگ پھر تم اس سے اور آگ سلگاتے ہو''۔

ایک مرتبہ ابی بن خلف ملعون رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بوسیدہ ہڈی تھی، وہ اپنی چٹکی سے اسے چور چور کرتے ہوئے اور اسے ہوا میں اڑاتے ہوئے آپ ﷺ سے کہنے لگا کہ کیا تمہارا خیال ہے اللہ تعالیٰ ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا؟ آپ ﷺ فرمانے لگے: ''ہاں، اللہ تعالیٰ تمہیں مارے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تمہیں جہنم رسید کر دے گا۔'' اس وقت سورۂ یٰسین کی یہ آخری آیتیں نازل ہوئیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ ہرزہ سرائی کرنے والا عاص بن وائل تھا جسے حضور ﷺ نے مذکورہ بالا جواب دیا اور اس وقت اس آیت سے لے کر اختتام سورت تک کی آیات نازل ہوئیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اعتراض کرنے والا عبداللہ بن ابی تھا لیکن یہ قول درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور عبداللہ بن ابی مدینے میں تھا، بہر صورت یہ آیات ابی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی ہوں یا عاص بن وائل کے متعلق، اس کا مصداق ہر وہ شخص ہے جو دوبارہ جی اٹھنے کا انکار کرتا ہے۔ لفظ ''الانسان'' پر ''ال'' جنسی ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جو از سر نو زندہ کئے جانے کا منکر ہے۔ فرمایا: أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ یعنی کیا دوسری زندگی کا انکار کرنے والا اپنی پہلی زندگی سے دوبارہ زندہ کئے جانے پر استدلال نہیں کرتا، کیا اس نے کبھی غور وفکر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حقیر سے قطرۂ آب سے پیدا کیا جیسا کہ فرمایا: أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ إِلَىٰ قَدَرٍ مَّعْلُومٍ (المرسلات: 22-20) ''کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں فرمایا پھر ہم نے ایک معین مدت تک اسے ایک محفوظ جگہ (رحم مادر) میں رکھ دیا''۔ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ (الدہر: 2) ''بلاشبہ ہم نے ہی انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے پیدا فرمایا''۔ وہ ذات جو انسان کو حقیر وضعیف نطفہ سے پیدا کر سکتی ہے، کیا وہ اسے مرنے کے بعد از سر نو زندہ کرنے پر قادر نہیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہتھیلی میں تھوکا، پھر اس پر اپنی انگلی رکھ کر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! تو کیونکر مجھے عاجز کر سکتا ہے حالانکہ میں نے تمہیں اس حقیر سی چیز سے پیدا کیا یہاں تک کہ جب میں نے تمہیں درست کر کے معتدل بنا دیا تو تو اکڑ اکڑ کر چلنے لگا حالانکہ تمہیں زمین میں دفن ہونا ہے، پھر تو مال جمع کرنے اور بخل کرنے لگا یہاں تک کہ جب تمہاری روح ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے تو اس وقت تو کہنے لگتا ہے کہ اپنا مال صدقہ کرتا ہوں لیکن اب صدقے کا وقت کہاں؟'' (2) اس لئے فرمایا: وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا یعنی انسان یہ سمجھنے لگا کہ بوسیدہ ہڈیوں اور مردوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بھی بعید اور محال ہے۔ جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور یہ خود اپنی ذات کو

1۔ تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 21-30

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، جلد 2، صفحہ 903، مسند احمد، جلد 4، صفحہ 210

بھی فراموش کر بیٹھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی ہی تو ہے کہ اس نے اسے عدم سے وجود بخشا۔ پس ایک قطرۂ آب سے تخلیق انسان کی اپنی ذات میں پائی جانے والی قدرت الٰہی کی ایسی عظیم دلیل ہے جو اس سے بڑھ کر ہے جسے وہ محال سمجھتا ہے اور جس کا وہ انکار کرتا ہے، اس لئے فرمایا: قُلْ يُحْيِيهَا یعنی انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ تخلیق کیا اور اسے ان ہڈیوں کے متعلق مکمل علم ہے کہ یہ کہاں کہاں بکھری پڑی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عقبہ بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا آپ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی کوئی حدیث نہیں سنائیں گے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''ایک شخص کی موت کا وقت قریب آ گیا۔ جب وہ زندگی سے مایوس ہو گیا تو اس نے اپنے اہل خانہ کو وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد بہت ساری لکڑیاں جمع کر کے میری لاش کو جلا دینا۔ جب میرا جسم اور ہڈیاں راکھ بن جائیں تو اسے سمندر میں بہا دینا۔ چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی راکھ جمع کر کے اسے دوبارہ زندہ کیا اور پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ صرف تیرے خوف سے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا'' (1)۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی بہت سے الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مجھے جلانے کے بعد آدھی راکھ سمندر میں بہا دینا اور آدھی خشکی پر ہوا میں اڑا دینا۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے بر و بحر کو حکم دیا تو انہوں نے ساری راکھ یکجا کر دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ ہو جا تو وہ وہی آدمی بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ تیرے ڈر کی وجہ سے اور تو بہتر جانتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی (2)۔ اگلی آیت میں مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر ایک دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ یعنی اللہ تعالیٰ ایسا قادر مطلق ہے جو پانی سے درختوں کی تخلیق کا آغاز کرتا ہے، پھر یہ نشوونما پا کر سرسبز و شاداب اور پھلدار ہو جاتے ہیں، پھر سوکھ جاتے ہیں تو ان کی لکڑی آگ جلانے کے کام آتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ذات جس نے درختوں میں آگ اور پانی دو متضاد چیزوں کو یکجا کر دیا ہے، وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے اور وہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے، اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ قتادہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ ذات جس نے درختوں سے آگ نکالی، وہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر بھی قادر ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد ''مرخ'' اور ''عفار'' دو درخت ہیں جو سرزمین حجاز میں اگتے ہیں۔ ان دونوں کی سرسبز ٹہنیوں کو رگڑنے سے بالکل اسی طرح آگ نکلتی ہے جیسے چقماق سے، عربوں میں ایک ضرب المثل مشہور ہے: ''لِكُلِّ شَجَرٍ نَارٌ وَاسْتَمْجَدَ الْمَرْخُ وَالْعَفَارُ'' (3) یعنی ہر درخت میں آگ ہے خصوصاً مرخ اور عفار میں۔ حکماء کا قول ہے: ''فِي كُلِّ شَجَرٍ نَارٌ إِلَّا الْعُنَّابَ'' یعنی بجز عناب کے ہر درخت میں آگ ہے۔

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨١﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾

''کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی (چھوٹی سی) مخلوق۔

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 395

2۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 494-514، کتاب الرقاق

3۔ مجمع الامثال للمیدانی، جلد 2، صفحہ 74-75

بیشک! (وہ ایسا کر سکتا ہے) اور وہی پیدا فرمانے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کا حکم، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔ پس وہ (ہر عیب سے) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ اپنی عظیم قدرت پر آگاہ فرما رہا ہے کہ اس نے سات آسمان تخلیق کیے اور انہیں ستاروں کے ساتھ آراستہ کر دیا، اسی طرح ساتوں زمینیں اور ان میں پہاڑ، ٹیلے، سمندر، ریگستان، جنگل، میدان اور دیگر چیزیں اسی کی پیدا کردہ ہیں۔ زمین و آسمان کی تخلیق کے ذکر سے مقصود یہ استدلال کرنا ہے کہ ان بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کرنے والی ذات انسان جیسی چھوٹی مخلوق کے مردہ اجسام میں از سر نو زندگی پیدا کرنے پر بآسانی قادر ہے جیسا کہ فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (المومن: 57) "آسمانوں اور زمین کی تخلیق لوگوں کی تخلیق سے بڑی ہے"۔ اور یہاں فرمایا: اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ... یعنی آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا خدا کیا انسانوں جیسی چھوٹی اور کمزور مخلوق کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ وہ معبود حقیقی یقیناً اس پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے اور وہ دوبارہ انہیں اسی طرح زندہ کرے گا جیسے اس نے ابتداء میں انہیں تخلیق کیا تھا (1) جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (الاحقاف: 33) "کیا انہوں نے نہیں جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے بنانے میں ذرا تھکن محسوس نہ کی وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے"۔ اور یہاں فرمایا: بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۔ فَيَكُوْنُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف ایک دفعہ لفظ "کُنْ" کے ذریعے حکم دیتا ہے تو وہ چیز ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تکرار یا تاکید کی ضرورت نہیں پڑتی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! تم سب گنہگار ہو مگر جسے میں بچائے رکھوں، تم مجھ سے بخشش طلب کرو، میں تمہیں بخش دوں گا۔ تم سب فقیر ہو بجز اس کے جسے میں غنی کر دوں۔ میں جواد ہوں، ماجد ہوں، واجد ہوں، میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں، میری عطاء بھی کلام ہے اور میرا عذاب بھی کلام۔ جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے کہتا ہوں کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے" (2)۔ سورت کی آخری آیت میں فرمایا: فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ... یعنی وہ حی و قیوم ذات ہر عیب، ہر خامی اور ہر برائی سے پاک ہے جس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں ہیں۔ ہر معاملہ اسی کی جناب میں لوٹتا ہے، اسی کے لئے ہر قسم کی تخلیق اور ہر قسم کا امر ہے۔ قیامت کے دن تمام بندے لوٹ کر اسی کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا۔ وہی عادل، منعم اور محسن ہے۔ اس آیت کے ہم معنی اور بھی آیات ہیں: قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ (المومنون: 88) "آپ پوچھئے وہ کون ہے جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے"۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ (الملک: 1) "بڑی ہی بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر قسم کی بادشاہی ہے"۔ ملک اور ملکوت دونوں ہم معنی ہیں جیسے رحمت اور رحموت، رھبۃ اور رھبوت، جبر اور جبروت۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ ملک سے مراد عالم اجسام ہے اور ملکوت سے مراد عالم ارواح لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہ دونوں ہم معنی ہیں اور جمہور مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگا، آپ نے سات رکعتوں میں سات لمبی سورتیں پڑھیں۔ آپ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہنے کے بعد یہ پڑھتے:

1۔ تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 32 2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 177

''اَلحمدُ للہِ ذِی الملکوتِ وَالجبروت والکبریاءِ وَالعَظَمَۃِ''۔ آپ کا رکوع قیام کی طرح (لمبا) تھا اور سجدہ رکوع جیسا۔ اس دوران میری یہ حالت ہوگئی گویا ٹانگیں ٹوٹ گئیں (1)۔ ایک اور روایت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ تین مرتبہ اللہ اکبر کہنے کے بعد یہ کلمات پڑھتے: ''سبحان ذی الملکوت و الجبروت والکبریاء والعظمۃ''۔ پھر آپ نے قرأت شروع کی اور پوری سورۂ بقرہ پڑھنے کے بعد رکوع کیا۔ آپ کا رکوع تقریباً قیام جیسا (طویل) تھا۔ رکوع میں آپ سبحان ربی العظیم پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور تقریباً اتنی دیر کھڑے رہے اور ''لِرَبِّیَ الحمد'' پڑھتے رہے۔ پھر سجدہ کیا، وہ بھی قیام کے قریب قریب تھا۔ سجدہ میں آپ ''سبحان ربی الاعلی'' پڑھتے رہے۔ پھر سجدہ سے سر اٹھایا آپ تقریباً اتنی دیر دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھے اور ''رَبِّ اغفِرلِی ربِّ اغفِرلِی'' پڑھتے رہتے۔ آپ ﷺ نے چار رکعتیں ادا کیں اور ان میں بقرہ، آل عمران، نساء، اور مائدہ یا انعام کی تلاوت کی (2)۔ صحیح مسلم کی روایت میں ''الملکوت والجبروت والکبریاء وَالعظمۃ'' کے الفاظ کا ذکر نہیں (3)۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک رات رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نماز تہجد پڑھنے لگا۔ آپ سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمانے لگے۔ آپ ہر آیت رحمت پر ٹھہرتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی التجا کرتے، اسی طرح ہر آیت عذاب پر ٹھہرتے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے۔ پھر آپ نے قیام کی مقدار رکوع کیا اور یہ کلمات پڑھتے رہے: ''سبحان ذی الجبروت والملکوت و الکبریاء وَالعَظَمَۃِ''۔ پھر اس قدر ہی آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور یہی کلمات پڑھتے رہے، پھر قیام اور سورۂ آل عمران پڑھی، پھر اسی طرح ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت پڑھتے رہے (4)۔

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 388

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 231، سنن النسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 200-199

3۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ المسافرین وقصرھا، جلد 1، صفحہ 537-536

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 232-231، سنن نسائی، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 223

۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر ابنِ کثیر

تالیف

مفسرِ قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الاُمت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری

علامہ محمد الطاف حسین الازہری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی - پاکستان

تفسیر ابن کثیر جلد چہارم

تالیف

مفسرِ قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری

علامہ محمد الطاف حسین الازہری

زیرِ اہتمام: اِدارہ ضیاء المصنفین ۔ بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور کراچی پاکستان

چاند کتاب محل ڈسکہ

نام کتاب	تفسیر ابن کثیر، جلد چہارم
مفسر	حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ متن	ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری
	علامہ محمد الطاف حسین الازہری
	من علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر نگرانی	قاری اشفاق احمد خان، محمد انور سعید
اشاعت	اپریل 2004ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z385

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2630411-021-221201۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست

تفسیر سورۂ صافات

تفسیر سورۂ ص

تفسیر سورۂ زمر

تفسیر سورۂ مومن

تفسیر سورۂ حم السجدہ

تفسیر سورۂ شوریٰ

تفسیر سورۂ زخرف

تفسیر سورۂ دخان

تفسیر سورۂ جاثیہ

تفسیر سورۂ احقاف

تفسیر سورۂ محمد

تفسیر سورۂ فتح

تفسیر سورۂ حجرات

سورۂ صافات

نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اسماعیل بن مسعود کی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''رسول اللہ ﷺ ہمیں تخفیف کا حکم ارشاد فرمایا کرتے تھے اور دوران جماعت سورۂ صافات کی تلاوت فرمایا کرتے۔'' نسائی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں (1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۭ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۭ

''قسم ہے (مقام نیاز میں) پرے باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی، پھر خوب جھڑکنے والوں کی، پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی۔ کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور مالک ہے مشرقوں کا''۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت اعمش، ابوالضحیٰ، مسروق رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: وَالصّٰٓفّٰتِ'' والزاجرات'' اور'' والتالیات'' تینوں سے مراد ملائکہ ہیں (2)۔ ابن عباس، مسروق، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، سدی، قتادہ اور ربیع بن انس رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول بھی یہی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے آسمان میں فرشتوں کی صفیں ہیں۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بسند ابوبکر بن ابی شیبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہمیں دیگر لوگوں (امتوں) پر تین طرح سے فضیلت دی گئی ہے: 1۔ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوف کی طرح ہیں، 2۔ تمام روئے زمین ہمارے لئے مسجد قرار دی گئی ہے، 3۔ اور اگر پانی دستیاب نہ ہو تو اس کی مٹی ہمارے لئے باعث طہارت قرار دی گئی ہے''۔ (یعنی ہم اس سے تیمم کر سکتے ہیں) (3)۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی ہی ایک دوسری روایت میں اور ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ بروایت اعمش رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''تم اس طرح صفیں کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے سامنے صف بستہ ہوتے ہیں؟'' ہم نے عرض کیا: فرشتے اپنے رب کی بارگاہ میں کس طرح صفیں باندھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور شانہ بشانہ کھڑے ہوتے ہیں'' (4)۔

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا کا معنی کرتے ہوئے سدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بادلوں کو ڈانٹتے ہیں (5) ربیع بن انس کا

1۔ نسائی، جلد 2 صفحہ 95، کتاب الامامۃ، تحفۃ الاشراف، جلد 5 صفحہ 352

2۔ حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 329، درمنثور، جلد 7 صفحہ 87

3۔ مسلم، جلد 2 صفحہ 63 نیز دیکھئے تفسیر سورۂ نساء آیت 43

4۔ مسلم، جلد 2 صفحہ 69 سورۂ اعراف کے آخر میں یہ حدیث گزر چکی ہے

5۔ قرطبی، جلد 15 صفحہ 62 (القاہرہ دارالکتب المصریہ)، طبری، جلد 23 صفحہ 33

قول ہے کہ وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جھڑکا ہے(1)۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن اسلم سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا اسدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ملائکہ کتاب اور قرآن کریم اللہ کی طرف سے لوگوں کے پاس لاتے ہیں۔ یہ آیت ایک دوسری آیت کریمہ کے مشابہ ہے۔ جس میں ارشاد ہوتا ہے: فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا (المرسلات:6-5) ''پھر ان کی قسم جو (دلوں میں) ذکر کا القا کرنے والی ہیں۔ حجت تمام کرنے کے لئے یا ڈرانے کے لئے''۔

قولہ تعالیٰ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۙ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یہ مقسم علیہ ہے جس پر قسم کھائی گئی ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہٗ وحدہٗ لا شریک اور زمین وآسمان کا مالک ہے۔

وَمَا بَيْنَهُمَا اور اس کے مابین جو مخلوقات ہیں۔

وَرَبُّ الْمَشَارِقِ وہ مالک کل ہے۔ مخلوق کو مسخر کئے ہوئے ہے۔ ستارے اور سیارے اس میں شامل ہیں۔ جو مشرق سے طلوع ہوتے ہیں اور مغرب میں غروب ہو جاتے ہیں۔ صرف مشرق کا ذکر فرمایا اور مغرب کا تذکرہ چھوڑ دینے میں حکمت یہ ہے کہ سیاق کلام سے ہی اس کا مفہوم سمجھ آ رہا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر اس کی تصریح بھی فرما دی۔ ارشاد ہوتا ہے: فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ (المعارج:40) ''پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم پوری قدرت رکھتے ہیں''۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا: رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (الرحمٰن:17) ''وہی دونوں مشرقوں کا رب ہے اور دونوں مغربوں کا رب ہے''۔ یعنی موسم گرما اور سرما کے دوران شمس وقمر کے مطالع یعنی طلوع وغروب ہونے کا مقام(2)۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ۙ﴿۶﴾ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ﴿۸﴾ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

''بلاشبہ ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا کو ستاروں کے سنگھار سے۔ اور (اسے) محفوظ کر دیا ہے ہر سرکش شیطان (کی رسائی) سے۔ نہیں سن سکتے کان لگا کر عالم بالا کی باتوں کو اور پتھراؤ کیا جاتا ہے ان پر ہر طرف سے۔ ان کو بھگانے کے لئے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے مگر جو شیطان کچھ جھپٹ لینا چاہتا ہے تو تعاقب کرتا ہے اس کا تیز شعلہ''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ آگاہ فرما رہے ہیں کہ ہم نے آسمان دنیا اہل زمین کے لئے آراستہ کر دیا ہے ستاروں سے۔ بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ اسے اضافت کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور اسے (زينة سے) بدل بھی قرار دیا گیا ہے(3)۔ دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہے۔ ستاروں (خواہ وہ ساکن ہوں یا متحرک) کی روشنی شفاف آسمان کو منور کر دیتی ہے۔ اس کے سبب وہ اہل زمین کو جگمگاتا نظر آتا ہے۔ جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ (الملک:5) ''اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے اور بنا دیا ہے انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ۔ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب''۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 17 2۔ قرطبی، جلد 15 صفحہ 64-63

3۔ قرطبی، جلد 15 صفحہ 65-64 جامع البیان، جلد 23 صفحہ 24 مطبعہ امیریہ، بولاق مصر (1329ھ) مفاتیح الغیب، جلد 13 صفحہ 120 ج 26

اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ (الحجر: 18-16) ’’اور بیشک ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور ہم نے آراستہ کر دیا ہے آسمان کو دیکھنے والوں کے لئے۔ اور ہم نے محفوظ کر دیا ہے آسمان کو ہر شیطان سے جو راندہ ہوا ہے۔ بجز اس کے جو چوری چھپے سن لے تو (اس صورت میں) تعاقب کرتا ہے اس کا ایک روشن شعلہ‘‘۔ اور یہاں فرمایا: وَحِفْظًا یہ مفعول مطلق ہے تقدیر عبارت یوں ہے: و حفظناها حفظا(1)۔

مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ سرکش، متکبر شیطان سے جب وہ چوری چھپے کوئی بات سننے کا ارادہ کرتا ہے تو ایک شہاب ثاقب اس کا تعاقب کرتا ہے اور اسے خاکستر کر دیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى تاکہ وہ ملأ اعلیٰ تک نہ پہنچ سکیں۔ ملأ اعلی سے مراد آسمان ہیں اور جو فرشتے یہاں رہتے ہیں۔ اور وہ بارگاہ خداوندی سے عطا کردہ احکامات کے بارے میں بات چیت کرتے ہیں(2)۔ جس طرح کہ آیت کریمہ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ (3) ’’یہاں تک کہ جب دور کر دی جاتی ہے گھبراہٹ ان کے دلوں سے تو پوچھتے ہیں کیا ارشاد فرمایا تمہارے رب نے۔ وہ کہتے ہیں اس نے حق فرمایا ہے اور وہ بڑی شان والا سب سے بڑا ہے‘‘ کے تحت ذکر کردہ احادیث میں ہم نے بیان کیا ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَیُقْذَفُوْنَ انہیں مارا جاتا ہے مِنْ كُلِّ جَانِبٍ جس طرف سے بھی وہ آسمان کا قصد کریں۔ ’دحورا‘ رجم کر کے دور بھگا دیئے جاتے ہیں۔ انہیں ڈانٹا جاتا ہے اور آسمانوں کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیا جاتا۔ اور ان پر شہاب ثاقب کی بارش کر دی جاتی ہے۔ ’ولهم عذاب واصب‘ یعنی دار آخرت میں ان کے لئے دردناک، دائمی اور مسلسل عذاب ہے(4)۔ جیسے ایک اور مقام پر اسی صاحب عظمت وجلالت نے فرمایا: وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ (الملک: 5) ’’اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب‘‘۔

فرمایا: اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ یعنی مگر کبھی کوئی شیطان اہل سماء کا کوئی کلمہ اچک لیتا ہے اور اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے۔ وہ اس سے نیچے والے کو۔ بعض اوقات بات بتانے سے قبل ہی شہاب ثاقب اس کی طرف لپکتا ہے اور اسے خاکستر کر دیتا ہے۔ اور کبھی وہ قدرت باری کے بموجب شہاب کے آنے سے پہلے ہی اپنے ساتھی کو وہ بات کہہ چکا ہوتا ہے۔ وہ اسے کاہن کو جا کر سنا دیتا ہے۔ جیسے حدیث مبارکہ میں مذکور ہو چکا۔ اسی لئے ارشاد فرمایا: اِلَّا مَنْ خَطِفَ ......۔

ثاقب سے مراد مستنیر یعنی روشن ہے(5)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ ابوکریب نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ آسمانوں میں شیاطین کی پناہ گاہیں تھیں۔ وہ وہاں جا کر بیٹھ جاتے اور وحی پر کان لگا دیتے۔ ستارے نہیں چلتے تھے۔ اور ان پر آگ نہیں برسائی جاتی تھی۔ فرمایا: جب وہ وحی سنتے تو زمین پر اتر آتے اور ایک کلمہ کے ساتھ نو بڑھا دیتے۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو (شیطان کا داخلہ بند ہو گیا اور) جب کوئی شیطان وہاں بیٹھنا چاہتا تو شہاب اس کا تعاقب کرتا۔ وہ ٹھیک نشانے پر لگتا اور اسے جلا کر راکھ کر دیتا۔ جنات نے اس مسئلے کی شکایت ابلیس ملعون سے کی۔ وہ کہنے لگا ضرور کوئی نئی بات ہوئی ہے (جس کی بناء پر یہ حفاظتی اقدامات کیے گئے ہیں) چنانچہ اس نے اپنے لشکر ادھر ادھر پھیلا دیئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ نخلہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر نماز ادا فرما رہے ہیں۔ وکیع رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بطن نخلہ میں۔ فرمایا انہوں نے واپس آ کر ابلیس کو خبر

1۔ قرطبی، جلد 15 صفحہ 65، مفاتیح الغیب، جلد 13 صفحہ 121 تا 26

2۔ قرطبی، جلد 15 صفحہ 65 مفاتیح الغیب، جلد 13 صفحہ 124

3۔ سبا، جلد 34 صفحہ 23 نیز سورۂ سبا کی مذکورہ آیت کی تفسیر دیکھئے۔

4۔ جامع البیان، جلد 23 صفحہ 27، تفسیر کبیر، جلد 13 صفحہ 124

5۔ جامع البیان، جلد 23 صفحہ 28

دی۔ اس نے کہا یہی نیا واقعہ پیش آیا ہے(1)۔

اس مضمون کی احادیث و آثار کا تذکرہ ان آیات میں آئے گا جن میں جنوں کے بارے میں خبر دی گئی ہے کہ انہوں نے کہا: وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ شُهُبًا ۙ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (2) '' اور (سنو!) ہم نے ٹٹولنا چاہا آسمان کو تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کے لئے۔ لیکن اب جو (جن) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لئے کسی شہاب کو انتظار میں۔ اور ہم نہیں سمجھتے (اس کی وجہ کیا ہے) کیا کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے زمین کے مکینوں کے بارے میں یا ان کے رب نے ان کو ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے''۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ ۝۱۱ بَلْ عَجِبْتَ وَ یَسْخَرُوْنَ ۝۱۲ وَ اِذَا ذُكِّرُوْا لَا یَذْكُرُوْنَ ۝۱۳ وَ اِذَا رَاَوْا اٰیَةً یَّسْتَسْخِرُوْنَ ۝۱۴ وَ قَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۱۵ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝۱۶ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝۱۷ قُلْ نَعَمْ وَ اَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ۝۱۸ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ ۝۱۹

'' پس آپ ان سے پوچھئے آیا وہ زیادہ مضبوط ہیں خلقت کے اعتبار سے یا (دوسری چیزیں) جنہیں ہم نے پیدا فرمایا۔ بیشک ہم نے پیدا کیا ہے انہیں لیسدار کیچڑ سے۔ آپ تو اظہار تعجب کرتے ہیں (قدرت کے کرشمے دیکھ کر) اور وہ تمسخر اڑاتے ہیں اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے۔ اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق کرنے لگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور (مر کر) مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے (تو) کیا ہم زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔ فرمایئے! ہاں (ضرور) اس حال میں کہ تم ذلیل و خوار ہو گے۔ پس قیامت تو فقط ایک جھڑکی ہوگی پس وہ (اٹھ کر ادھر اُدھر) دیکھنے لگیں گے''۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ ذرا ان منکرین قیامت سے پوچھئے تو سہی کہ دونوں میں سے کون سی چیز مشکل ہے۔ تمہارا پیدا کرنا یا آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے یعنی ملائکہ و شیاطین اور دیگر بڑی بڑی مخلوقات۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے '' اَمْ مَّنْ عَدَدْنَا '' کر کے پڑھا ہے(3)۔ اس بات کا وہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ ان مخلوقات کو پیدا کرنا ان کی نسبت زیادہ مشکل ہے۔ جب حقیقت اس طرح ہے تو وہ موت کے بعد جی اٹھنے کا انکار کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ ان کا مشاہدہ ہے کہ عظیم بات کون سی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (غافر: 57)'' بے شک پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے۔ لیکن بہت سے لوگ (اس کھلی حقیقت کو) نہیں جانتے''۔ پھر بیان فرمایا کہ وہ ایک کمزور چیز سے پیدا کئے گئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ مجاہد، سعید بن جبیر اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ لازب سے مراد عمدہ چکنی مٹی ہے جو ایک دوسرے سے جڑ جاتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ

1۔ جامع البیان، جلد 23 صفحہ 25 2۔ سورۂ جن: 10-8 نیز سورۂ جن کی آیات 8 تا 10 کی تفسیر دیکھئے

3۔ جامع البیان، جلد 23 صفحہ 28، آلوسی، جلد 23 صفحہ 75

رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ بہترین چپکنے والی مٹی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جسے ہاتھ سے لیپ کیا جا سکتا ہے(1)۔

قولہ عز وجل: بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ یعنی اے محمد (ﷺ) آپ ان منکرین بعث (جی اٹھنا) کی تکذیب پر متعجب ہوں گے۔ حالانکہ فناء اجسام کے بعد اللہ رب العزت نے ان کے اعادہ کی جو عجیب خبر دی ہے آپ اس کی تصدیق فرماتے ہیں اور آپ کو اس کا یقین ہے۔ لیکن آپ کے برعکس شدت تکذیب سے وہ آپ کی بات کا تمسخر اڑاتے ہیں۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے بنو آدم کی گمراہی پر تعجب اور استہزاء فرمایا۔ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً جب وہ اس پر واضح نشانی دیکھ لیتے ہیں تو يَسْتَسْخِرُوْنَ مذاق اڑاتے ہیں۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے یستھزؤن استہزاء کرتے ہیں۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ وہ اس بات کو بعید از قیاس تصور کرتے ہیں اور اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ " وقالوا إن هذا لسحر مبين " اور کہتے ہیں کہ یہ جو کچھ آپ لائے ہیں کھلا جادو ہے۔

قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ یعنی اے محمد (ﷺ) آپ انہیں ارشاد فرمائیے ہاں روز قیامت تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا جب تم مٹی اور ہڈیاں بن چکے ہو گے وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کے سامنے تم حقیر و ذلیل ہو گے جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ (النمل:87) " اور سب حاضر ہوں گے اس کی بارگاہ میں عاجزی کرتے ہوئے"۔ اور فرمایا: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ (غافر:60) " بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر"۔

پھر اس صاحب عظمت و جلال نے ارشاد فرمایا: فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ یہ اللہ کی طرف سے ایک امر ہو گا۔ صرف ایک آواز ہو گی کہ اپنی قبروں سے نکل آؤ تو اچانک سب حاضر ہو جائیں گے اور قیامت کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کرنے لگیں گے واللہ اعلم۔

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿٢٠﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢١﴾ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٢٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿٢٣﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿٢٦﴾

" اور کہیں گے ہم برباد ہو گئے! یہ تو یوم جزا ہے۔ (ہاں ہاں) یہی فیصلہ کا دن ہے جس (کی آمد) کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ (اے فرشتو!) جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پس سیدھا لے چلو انہیں جہنم کی راہ کی طرف۔ اور (اب ذرا) روک لو انہیں، ان سے باز پرس کی جائے گی۔ تمہیں کیا ہو گیا تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے۔ بلکہ آج تو وہ سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں"۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کفار کی گفتگو کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرما رہے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو ملامت کریں گے اور اس بات کا

1۔ قرطبی، جلد 15 صفحہ 69، جامع البیان، جلد 23 صفحہ 29

نوٹ:۔ قرطبی نے ماوردی کے حوالے سے لکھا ہے کہ "لازق" اور لازب میں فرق یہ ہے کہ لازق وہ ہوتی ہے جو ایک دوسرے سے پیوست ہو اور لازق سے مراد وہ ہے جو جس چیز پر لگے اسے چپک جائے۔ (مترجم)

اعتراف کریں گے کہ دارِ دنیا میں وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ قیامت کے دہشت ناک منظر کو دیکھ کر اظہار ندامت کریں گے۔ لیکن اب یہ ندامت کسی کام نہیں آئے گی۔ وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ تو ملائکہ اور فرشتے انہیں کہیں گے هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ زجر وتوبیخ کے طور پر انہیں ایسا کہا جائے گا۔ اللہ رب العزت فرشتوں کو حکم ارشاد فرمائیں گے کہ میدان حشر میں کفار کو مومنین سے علیحدہ کر دیا جائے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا: اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ازواج سے مراد ان کے اشباہ وامثال ہیں۔ ابن عباس، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، سدی، ابوصالح، ابوالعالیہ اور زید بن اسلم رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول یہی ہے۔ سفیان ثوری نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی احوانھم کیا ہے یعنی ان کے بھائی بندوں کو(1) شریک نے ساک کی روایت سے نعمان بن بشیر کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے سنا کہ اس سے مراد ان جیسے لوگ ہیں۔ فرمایا زانی، زانیوں کے ساتھ، سودخور، سودخوروں کے ساتھ اور شرابی شرابیوں کے ساتھ آئیں گے۔ خصیف نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی نساء ھم (ان کی عورتیں) لیا ہے۔ یہ غریب ہے اور آپ کا مشہور قول پہلا ہی ہے جسے مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے یعنی ان کے ساتھی اور وہ غیر اللہ جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ یعنی بتوں اور باطل خداؤں کا حشر بھی ان کے ساتھ ان کی جگہ ہوگا(2)۔

قولہ تعالیٰ: فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِیْمِ یعنی جہنم کی طرف ان کی راہنمائی کرو اسی طرح ایک دوسری آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے: وَمَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْیًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِیْرًا (الاسراء:97) ''اور ہم اٹھائیں گے انہیں قیامت کے دن منہ کے بل اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جب بھی سرد ہونے لگے گی (جہنم کی آگ) تو ہم ان کے لئے اس کی آنچ کو بڑھادیں گے''۔

فرمایا: وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ انہیں ٹھہراؤ تاکہ دارِ دنیا میں کئے ہوئے اقوال واعمال کے بارے میں ان سے پرسش کی جائے۔ جیسا کہ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے یعنی انہیں محبوس کرلو ان کا محاسبہ ہوگا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی چیز کی طرف دعوت دینے والا یوم قیامت اس کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا۔ وہ اس سے علیحدہ نہیں ہوگا۔ اگرچہ ایک آدمی نے ایک آدمی کو ہی بلایا ہو''۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی حدیث لیث بن ابی سلیم کی حدیث سے روایت کی ہے(3)۔ اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت یعقوب بن ابراہیم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہی نقل کیا ہے(4)۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں نے عثمان بن زائدہ کو ارشاد فرماتے سنا: سب سے پہلے آدمی سے اس کے ہم نشینوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ پھر زجر وتوبیخ کے طور پر انہیں کہا جائے گا مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ یعنی جیسا کہ تمہارا خیال تھا کہ تم سب غالب ہو

1۔ حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 430، درمنثور، جلد 7 صفحہ 82

2۔ قرطبی، جلد 15 صفحہ 73، مفاتیح الغیب، جلد 13 صفحہ 133، 25؍7، طبری، جلد 23 صفحہ 31 حاشیہ شہاب بر بیضاوی، جلد 8 صفحہ 67

3۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 96 عارضۃ الاحوذی، کتاب التفسیر، جلد 12 صفحہ 108 تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 48، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 430

4۔ جامع البیان، جلد 23 صفحہ 32

اور ایک دوسرے کے مددگار رہو۔ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ یعنی اوامر الٰہیہ کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور نہ ہی سرمو اس سے انحراف کرتے ہیں''۔ واللہ اعلم۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿٢٨﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿٣١﴾ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿٣٢﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٤﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿٣٦﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٧﴾

''اور متوجہ ہوں گے ایک دوسرے کی طرف (اور) سوال جواب کریں گے۔ (پیروکار سرداروں سے) کہیں گے کہ تم آیا کرتے تھے ہمارے پاس بڑے کروفر سے۔ (اور ہمیں کفر پر مجبور کرتے تھے) وہ جواب دیں گے بلکہ تم ایمان ہی کب لائے تھے (کہ ہم نے تم کو گمراہ کر دیا) اور نہ ہمیں تم پر کوئی غلبہ حاصل تھا۔ بلکہ تم بذات خود سرکش لوگ تھے۔ پس لازم ہو گیا ہم سب پر اپنے رب کا حکم۔ اب (خواہ مخواہ) ہم اس عذاب کو چکھنے والے ہیں۔ پس ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا۔ ہم خود بھی گمراہ تھے۔ پس وہ (سب) اس روز عذاب میں حصہ دار ہوں گے۔ ہم اسی طرح سلوک کرتے ہیں مجرموں کے ساتھ۔ کفار کا یہ حال ہے کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا تو یہ تکبر کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے خداؤں کو ایک شاعر اور دیوانے کے کہنے سے۔ (دیوانے تو یہ خود ہیں) وہ تو دین حق لے کر آئے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں سارے رسولوں کی''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ کفار میدان حشر میں ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے جس طرح جہنم کے طبقات میں وہ ایک دوسرے سے الجھیں گے۔ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿٤٧﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ (غافر: 48-47) ''پس کہیں گے کمزور لوگ انہیں جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے پس کیا تم دور کر سکتے ہو ہم سے کچھ حصہ آگ (کے عذاب) کا۔ جواب دیں گے متکبر ہم سب آگ میں (بھن رہے) ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے بندوں کے متعلق (سو اب اس میں ردوبدل نہیں ہو سکتا)''۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۗ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۗ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِىْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سبا: 33-31) ''کاش! تم (وہ منظر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کئے جائیں گے اپنے رب کے روبرو۔ اس

وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ کہیں گے وہ لوگ جو (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار ہوتے۔ جواب دیں گے متکبر ان کمزوروں کو کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت (قبول کرنے) سے جب (نور ہدایت) تمہارے پاس آیا تھا، درحقیقت تم خود مجرم تھے۔ کہیں گے وہ کمزور لوگ ان مغروروں سے (یوں نہیں) بلکہ تمہارے شب وروز کے مکر وفریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسر بنائیں۔ اور دل ہی دل میں پچھتائیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو۔ اور ہم ڈال دیں گے طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر کیا (خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے) کیا انہیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو کیا کرتے تھے''۔ اس طرح یہاں وہ انہیں کہیں گے اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ کہیں گے ''تم ہمیں زبردستی یہ کام کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ کیونکہ ہم کمزور تھے اور تم طاقتور''۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یمین سے مراد حق ہے اور یہ کافروں کا مقولہ ہوگا جو وہ شیاطین سے کہیں گے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انسان جنوں سے یہ کہیں گے۔ اور یمین سے مراد بھلائی ہے یعنی تم ہمیں نیک کام سے روکتے اور اس کے بارے میں ہم میں کاہلی پیدا کرتے تھے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تم حق کی طرف سے آتے تھے اور باطل کو ہمارے سامنے مزین کرتے تھے۔ اور راہ راست سے ہمیں بھٹکا دیتے تھے۔ اس آیت کی تفسیر میں امام حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے۔ وہ ہر نیکی کے ارادہ کے وقت اس کے پاس آتے اور اس سے گمراہ کر دیتے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تم ہمارے اور نیک کاموں کے درمیان حائل ہو جاتے اور ہمیں اسلام، ایمان اور عمل خیر جس کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اس سے پھیر دیتے۔ یزید الرشک کا قول ہے کہ یمین سے مراد کلمہ لا الہ الا اللہ ہے۔ خصیف نے اس سے مراد دائیں سمت لی ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تم ہم پر اس طرح آتے تھے کہ ہمیں تمہارا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔

قولہ تعالیٰ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ جن وانس میں سے قائدین اپنے پیروکاروں سے کہیں گے کہ بات اس طرح نہیں جیسے تم کہہ رہے ہو بلکہ تمہارے دل ایمان سے انکاری تھے اور کفر وعصیان کی طرف لپک کر جاتے تھے۔

مَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ یعنی جس طرف ہم نے تمہیں بلایا تھا اس کی صحت کی دلیل۔

بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ بلکہ سرکشی اور نافرمانی تو تمہاری سرشت میں تھی۔

اس لئے تم نے ہماری بات کو مان لیا اور اس حق کو چھوڑ دیا جو انبیاء تمہارے پاس لائے تھے اور اس کی حقانیت کی دلیلیں تمہارے سامنے رکھی تھیں لیکن تم نے ان کی مخالفت کی۔ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ ۝ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ متکبرین کمزور لوگوں سے کہیں گے اللہ کا کلمہ ہم پر واجب ہے۔ ہم بدبخت ہیں جو قیامت تک عذاب کا ذائقہ چکھیں گے۔ فَاَغْوَيْنٰكُمْ یعنی تمہیں گمراہی کی طرف بلایا۔ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ یعنی ہم نے تمہیں اپنی راہ کی طرف بلایا تو تم دوڑے چلے آئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاِنَّهُمْ يَوْمَىِٕذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ یعنی درجات کے مطابق سب آگ میں ہوں گے اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا یعنی دار دنیا میں اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ یعنی مومنین کی طرح یہ کہنے کی بجائے وہ تکبر کرتے تھے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن مسیّب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں۔ جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا اس نے اپنا مال اور جان مجھ سے محفوظ کر لیا مگر اس کے حق سے اور اس

کا حساب اللہ رب العزت کے ذمہ ہے''۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں بھی ایک ایسی قوم کا ذکر کیا ہے جنہوں نے تکبر کیا تھا۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حماد بن سعید ابوالعلاء سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کو روز قیامت لایا جائے گا اور پوچھا جائے گا تم کس کی عبادت کرتے تھے وہ کہیں گے: اللہ اور عزیر کی۔ انہیں کہا جائے گا بائیں طرف ہو جاؤ۔ پھر نصاریٰ کو بلایا جائے گا اور پوچھا جائے گا تم کس کی عبادت کرتے تھے وہ کہیں گے ہم اللہ تعالیٰ اور مسیح کی عبادت کرتے تھے۔ تو انہیں بھی کہا جائے گا۔ بائیں طرف ہو جاؤ۔ پھر مشرکین کو لایا جائے گا اور انہیں لا الہ الا اللّٰہ کہا جائے گا تو وہ تکبر کریں گے۔ پھر دوبارہ لا الہ الا اللّٰہ کہا جائے گا تو وہ تکبر کریں گے۔ پھر تیسری مرتبہ یہی کہا جائے گا تو وہ پھر بھی تکبر کریں گے۔ انہیں کہا جائے گا بائیں طرف ہو جاؤ۔ ابونضرہ کا قول ہے کہ وہ پرندوں سے بھی تیز چلیں گے۔ ابوالعلاء کا قول ہے پھر مسلمانوں کو لایا جائے گا اور کہا جائے گا تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے اللہ وحدہٗ لا شریک کی۔ ان سے کہا جائے گا اگر تم اسے دیکھ لو تو پہچان لو گے؟ وہ کہیں گے ہاں ان سے دریافت کیا جائے گا کہ تم اسے کس طرح پہچان سکتے ہو جبکہ تم نے اسے دیکھا نہیں؟ وہ کہیں گے ہم جانتے ہیں کہ اس کا ہمسر کوئی نہیں۔ فرمایا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں اپنا تعارف کرائے گا اور مؤمنین کو نجات بخشے گا۔

وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ یعنی ہم اس مجنون شاعر کے کہنے پر اپنے اور اپنے آباءواجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور مراد حضور ﷺ کی ذات لیتے تھے۔ اللہ رب العزت ان کی تکذیب اور تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے: بل جاء بالحق یعنی رسول اللہ ﷺ حق کے ساتھ آئے ہیں۔ آپ کی ساری شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، خواہ خبریں ہوں یا احکام۔

وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ اور سابقہ مرسلین نے آپ کی جن صفات حمیدہ کی خبر دی ان کی تصدیق کرتے ہیں اور انہی احکام الٰہی کی خبر دی جن کے بارے وہ سابقہ مرسلین خبر دیتے رہے۔ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ (حم السجدہ:43) ''(اے حبیب) نہیں کہا جاتا آپ کو مگر وہی جو کہا گیا پیغمبروں کو آپ سے پہلے''۔

إِنَّكُمْ لَذَائِقُو الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ﴿٣٨﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٩﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿٤١﴾ فَوَاكِهُ ۖ وَهُم مُّكْرَمُونَ ﴿٤٢﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٤٣﴾ عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٤٤﴾ يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ﴿٤٥﴾ بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ﴿٤٦﴾ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ ﴿٤٧﴾ وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿٤٨﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ﴿٤٩﴾

''(اے مجرمو!) تم ضرور چکھو گے دردناک عذاب کو۔ اور نہیں بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر اسی کا جو تم کیا کرتے تھے۔ البتہ اللہ کے مخلص بندے (اس عذاب سے محفوظ رہیں گے) وہی ہیں انہیں وہ رزق دیا جائے گا جس کی کیفیت معلوم ہے۔ لذیذ پھل اور ان کا بڑا احترام واکرام کیا جائے گا۔ (اور وہ) نعمت کے باغوں میں ہوں گے (زرنگار) پلنگوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ پھرائے جائیں گے ان پر چھلکتے جام (شراب طہور کے) چشموں سے پر کر کے۔ (دودھ سے زیادہ) سفید بڑے لذیذ، پینے والوں کے لئے۔ نہ اس میں مضر صحت کوئی چیز ہے اور نہ وہ اس (کے پینے) سے مدہوش ہوں گے۔ اور ان

کے پاس ہوں گی نیچی نگاہوں والی آہوچشم (عورتیں) گویا وہ (شتر مرغ کے) انڈوں کی مانند گرد و غبار سے محفوظ''۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو خطاب فرما رہے ہیں کہ تم دردناک عذاب کا مزہ چکھنے والے ہو۔ پھر اپنے مخلص بندوں کی استثناء فرما دی جیسے ایک اور مقام پر ارشاد فرما رہے ہیں۔ وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر:3-1) ''قسم ہے زمانہ کی۔ یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے۔ بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے۔ نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۞ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ (التین:6-4) ''بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (عقل وشکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر۔ پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین حالت کی طرف بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے''۔ اور ارشاد فرمایا: وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰی رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا ۞ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا (مریم:72-71) ''اور تم سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دوزخ پر ہوگا یہ آپ کے رب پر لازم ہے اور (اس کا) فیصلہ ہو چکا ہے۔ پھر ہم نجات دیں گے پرہیزگاروں کو اور رہنے دیں گے ظالموں کو دوزخ میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ ۙ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ (المدثر:39-38) ''ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے۔ سوائے اصحاب یمین کے''۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ یعنی وہ دردناک عذاب چکھنے والے نہیں اور نہ ہی ان سے حساب کتاب لیا جائے گا۔ بلکہ اگر ان کے ذمہ کوئی گناہ ہوگا تو اس سے بھی درگزر کیا جائے گا اور ایک نیکی کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک کئی گنا ملے گا یا اس سے بھی زیادہ جس قدر اللہ تبارک وتعالیٰ چاہے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ رزق سے مراد جنت ہے۔ اگلی آیت میں خود ہی اس کی تصریح فرما دی۔

فَوَاكِهُ یعنی انواع واقسام کے پھل۔

وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ان کی خدمت کی جائے گی اور وہ عیش وعشرت میں ہوں گے۔

فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۙ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کسی کی پشت کسی کی طرف نہیں ہوگی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے زید بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ یعنی وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے اور آمنے سامنے ہوں گے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ۙ بَیْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ جس طرح کہ اللہ رب العزت نے ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ہے: یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِیْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ۙ لَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا یُنْزِفُوْنَ (الواقعہ:19-17) ''گردش کرتے ہوں گے ان کے اردگرد نوخیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے۔ (ہاتھوں میں) پیالے، آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے ہوئے جام لئے۔ نہ سر درد محسوس کریں گے اس سے اور نہ مدہوش ہوں گے''۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جنت کی شراب میں دنیا کی شراب کی طرح خرابیاں نہیں ہوں گی مثلاً سر درد، پیٹ کی تکلیف اور غول سے مراد یہی ہے اور عقل کا مکمل طور پر خاتمہ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا: یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ یعنی جنت کی بہتی نہروں سے جن کے خاتمے یا خالی ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے۔ سفید شراب کی بہتی نہر جس کا رنگ چمکدار، خوبصورت اور

دلفریب ہے نہ کہ دنیا کی شراب کی طرح کریہہ المنظر سرخ، سیاہ، پیلی یا گدلے رنگ کی جسے طبع سلیم ناپسند کرتی ہے۔

قولہ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ یعنی اس کا ذائقہ اس کے رنگ کی طرح اچھا ہے۔ ذائقے کا عمدہ ہونا بو کے اچھا ہونے کی دلیل ہے لیکن دنیا کی شراب میں یہ سب چیزیں موجود نہیں۔

قولہ تعالیٰ لَا فِيْهَا غَوْلٌ یعنی اس میں دردشکم بھی نہیں۔ جس طرح کہ دنیا کی شراب میں ہوتا ہے یعنی قولنج وغیرہ اور یہ اس کی کثرت مائیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔

ایک قول کے مطابق غول سے مراد دردسر ہے۔ ابن عباس سے ایک روایت اس طرح بھی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ سر درد اور پیٹ کی تکلیف ہے۔ ایک سے اور سدی سے مروی ہے کہ ان کی عقل وفہم کو گم نہیں کرتی۔ ایک شاعر کا قول ہے:

فَمَازَالَتِ الْكَأْسُ تَغْتَالُنَا وَتَذْهَبُ بِالْأَوَّلِ الْأَوَّلِ (1)

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس میں کوئی ناپسندیدہ بات یا تکلیف نہیں۔ صحیح قول مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ اس سے مراد پیٹ درد ہے۔

وقولہ تعالیٰ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ انہیں نشہ نہیں دلائے گی۔ ابن عباس، محمد بن کعب، حسن، عطاء بن ابی مسلم خراسانی، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ شراب میں چار برائیاں ہیں: 1۔ نشہ، 2۔ دردسر، 3۔ قے، 4۔ اور پیشاب۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت کی شراب کا ذکر فرمایا اور اسے ان تمام خرابیوں سے منزہ قرار دیا۔ جس طرح کہ سورۂ صافات میں ہے۔

قولہ تعالیٰ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ یعنی پاکدامن جو اپنے خاوندوں کے سوا کسی اور کے چہرے کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتیں۔ ابن عباس، مجاہد، زید بن اسلم، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔

قولہ تبارک وتعالیٰ عین یعنی خوبرو آنکھوں والیاں۔ ایک قول کے مطابق اس کا معنی ہے بڑی بڑی آنکھوں والیاں۔ اس کا تعلق بھی پہلے کے ساتھ ہے یعنی موٹی موٹی دیدہ زیب آنکھوں والیاں۔

ان کی آنکھوں کا وصف حسن اور عفت و پاکدامنی بیان فرمایا۔ جس طرح زلیخائے یوسف کا قول ہے۔ جب وہ حضرت یوسف کو ان عورتوں کے سامنے لے کر آئیں۔ جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو آپ کی عظمت حسن کی قائل ہوگئیں اور آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر وارفتگی کے عالم میں یہ پکار اٹھیں کہ یہ تو کوئی فرشتہ ہے۔ اس وقت زلیخا نے کہا: قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ (یوسف: 32) ''یہ ہے وہ (پیکر رعنائی) جس کے بارے تم مجھے ملامت کیا کرتی تھیں۔ بخدا میں نے اسے بہت بہلایا پھسلایا۔ لیکن وہ بچا ہی رہا''۔ یعنی اتنے حسن و جمال کے باوجود وہ بڑا پارسا اور متقی ہے اور حوریں بھی اسی طرح ہوا کرتی ہیں۔ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ (الرحمٰن: 70) ''اچھی سیرت والیاں اچھی صورت والیاں ہوں گی''۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ۔

قولہ جل جلالہ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ان کے بدنوں کو خوبصورت ترین رنگوں سے متصف فرمایا۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے اس کا

1۔ یہ شاعر مطیع بن ایاس ہے اور شعر ابوعبیدہ کی مجاز القرآن میں ہے، جلد 2 صفحہ 169، تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 53

معنی اللؤلؤ المکنون (پوشیدہ موتی) نقل کیا ہے اور بطور دلیل ابو دہبل شاعر کا شعر نقل کیا ہے۔ وہ اپنے قصیدے میں کہتا ہے:

وَهِيَ زَهْرَاءُ مِثْلُ لُؤْلُؤَةِ الْغَوَّا ۔ صِ مِيزَتْ مِنْ جَوْهَرٍ مَكْنُونِ (1)

حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ محفوظ موتی جسے کسی ہاتھ نے ابھی تک مس نہیں کیا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انڈا اپنے گھونسلے میں مکنون کہلاتا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مکنون یعنی انڈے کا پیٹ۔ عطاء خراسانی کا قول ہے کہ یہ وہ باریک جھلی ہے جو انڈے کے چھلکے اور انڈے کے گودے کے درمیان ہوتی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ انڈے کی سفیدی ہے جب اس کا چھلکا اتار دیا جائے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے مکنون کا یہی معنی اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اوپر والا چھلکا جسے پرندے کے پر اور گھونسلا مس کرتا رہتا ہے اور ہاتھ بھی لگتے ہیں جبکہ اندر والا حصہ اس طرح نہیں۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! بِحُوْرٍ عِيْنٍ کی وضاحت فرمائیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا عین سے مراد بڑی بڑی آنکھوں والی، سیاہ پلکوں والی ہیں جیسے عقاب کے پر۔ میں نے عرض کی بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ سے کیا مراد ہے فرمایا انڈے کے اندر کی سفید جھلی (2)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے لیث بن ربیع بن انس سے روایت کیا ہے آپ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے اٹھوں گا۔ جب وہ بارگاہ الٰہی میں پیش ہوں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا۔ جب وہ غمگین ہوں گے تو میں انہیں خوشخبریاں سنانے والا بنوں گا۔ میں ان کا سفارشی ہوں گا جب وہ روک لئے جائیں گے۔ حمد کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔ بنو آدم میں سے میں (اس دن) اللہ تعالیٰ کے ہاں اکرام و عزت والا ہوں گا۔ اور میں بطور فخر یہ نہیں کہہ رہا۔ ہزار خادم میرے آگے پیچھے گھوم رہے ہوں گے۔ گویا کہ وہ گرد و غبار سے محفوظ انڈوں کی طرح ہیں یا محفوظ موتی"۔

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٥٠﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿٥١﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿٥٢﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿٥٣﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿٥٤﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٥٥﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿٦١﴾

"پس وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے (اور) سوال جواب کریں گے۔ کہے گا ان میں سے ایک کہ میرا ایک جگری دوست ہوا کرتا تھا۔ وہ (مجھے) کہا کرتا تھا کہ کیا تو (قیامت پر) ایمان لانے والوں سے ہے۔ کیا جب ہم مریں گے اور (مرکر) مٹی اور (بوسیدہ) ہڈیاں ہو جائیں گے کیا اس وقت ہمیں جزاء دی جائے گی۔ ارشاد ہوگا کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو؟ پس جب اس نے جھانکا تو دیکھا اپنے یار کو جہنم کے وسط میں۔ جنتی بول اٹھے گا بخدا! تو تو مجھے ہلاک کرنا ہی چاہتا تھا۔ اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی (آج) پکڑ کر لائے جانے والوں میں سے ہوتا۔ (جنتی کہیں گے) کیا اب تو ہمیں

1۔ ابوعبیدہ، مجاز القرآن، جلد 2 صفحہ 170 تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 57 2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 58

مرنا نہیں ہوگا بجز اپنی پہلی موت کے اور نہ ہمیں (اب) عذاب دیا جائے گا۔ بے شک یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے۔ ایسی ہی عظیم الشان کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ جنتی لوگ ایک دوسرے کے حالات دریافت کریں گے اور یہ پوچھیں گے کہ وہ دنیا میں کیسے تھے اور کس قسم کی ابتلاء وآزمائش سے دوچار رہے۔ ان کی یہ گفتگو شراب کی محفلوں پر ہوگی۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مختلف مجالس میں ہم کلام ہوں گے۔ وہ اس وقت پلنگوں پر بیٹھے ہوں گے۔ خدام ان کے سامنے ہر قسم کی کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں لا رہے ہوں گے جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا، نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک گذرا ہوگا۔

قولہ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ مجاہد کا قول ہے یعنی شیطان۔

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد مشرک آدمی ہے دنیا میں اہل ایمان میں سے کوئی اس کا ساتھی ہوگا۔ مجاہد اور ابن عباس کے کلام میں کوئی تضاد نہیں۔ کیونکہ شیطان جنات میں سے ہوسکتا ہے جو دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور انسانوں میں سے بھی ہوسکتا ہے اور ایسی گفتگو کرتا ہے جسے کان سنتے ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (الانعام:112)'' جو چپکے چپکے سکھاتے ہیں ایک دوسرے کو خوشنما باتیں (لوگوں کو) دھوکہ دینے کے لئے''۔ اور ہر ایک ان میں سے وسوسہ ڈالتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ (الناس:5-4)'' بار بار وسوسہ ڈالنے والے، بار بار پسپا ہونے والے کے شر سے، جو وسوسہ ڈالتا رہتا ہے لوگوں کے دلوں میں۔ خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں سے''۔

قولہ تعالیٰ یَقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ یعنی کیا تو قیامت کے دن جی اٹھنے اور حساب وکتاب وغیرہ پر ایمان رکھتا ہے۔ یعنی وہ ازراہ تعجب، تکذیب، کفر وعناد اور بعید از قیاس سمجھتے ہوئے یہ بات کہتا ہے۔

قولہ تعالیٰ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ مجاہد اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے یعنی ہمارا حساب ہوگا۔ ابن عباس اور محمد بن کعب قرظی کا قول ہے: ''ہمیں ضرور اپنے اعمال پر جزا ملے گی''۔

قولہ تعالیٰ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ، ای مشرفون۔ مؤمن اپنے ساتھیوں اور جنتی ہم نشینوں سے کہے گا۔

قولہ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، خلید عصری، قتادہ، سدی، اور عطاء خراسانی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے سواء کا معنی ہے وسط (درمیان)۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دوزخ کے درمیان گویا وہ شہاب ہے جو بھڑک رہا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس نے جھانکا تو کیا دیکھا کہ قوم کی کھوپڑیاں ابل رہی ہیں۔ ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ کعب احبار کا قول ہے کہ جنت میں ایک روشندان ہے۔ جب اہل جنت میں کوئی اپنے دشمن کو آگ میں دیکھنا چاہے گا تو وہاں سے جھانک لے گا اور مزید اللہ کا شکر ادا کرے گا۔

قولہ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ مؤمن کافر سے مخاطب ہوکر کہے گا: اللہ کی قسم! اگر میں تیری بات مان لیتا تو قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کردے۔

قولہ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ یعنی اگر مجھ پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی تیری طرح جہنم میں اسی جگہ ہوتا۔ عذاب کی

سختیاں جھیل رہا ہوتا لیکن اس نے مجھ پر اپنا فضل فرمایا اور رحم فرماتے ہوئے مجھے ایمان کی دولت سے نوازا اور اپنی توحید کی طرف راہنمائی فرمائی۔ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (الاعراف:43) ''اور ہم ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتے تھے اگر نہ ہدایت دیتا ہمیں اللہ تعالیٰ''۔

قولہ تعالیٰ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ مومن کی یہ گفتگو اپنے نفس پر رشک کرتے ہوئے ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دائمی جنت عطا فرمائی اور دار کرامت میں اقامت بخشی جس میں نہ موت ہے اور نہ عذاب۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ اہل جنت کو فرمائیں گے۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (مرسلات:43) ''انہیں کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ اور پیو ان اعمال کے صلہ میں جو تم کیا کرتے تھے''۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ هنيئا سے مراد یہ ہے کہ انہیں موت نہیں آئے گی۔ اس وقت وہ پوچھیں گے اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ...... جواب دیا جائے گا نہیں تو اس وقت وہ کہیں گے اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔

فرمایا: لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ اہل جنت کا کلام ہوگا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا۔ اس کا معنی ہے اس طرح کی نعمتوں اور کامیابی کے لئے دنیا میں عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے تاکہ آخرت میں انجام کار ان نعمتوں کو حاصل کرسکیں (1)۔ اسی آیت کے بیان میں بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کا قصہ ذکر کیا جاتا ہے جو باہم شریک تھے۔

ابو جعفر جریر لکھتے ہیں۔ دو آدمی باہم حصہ دار تھے۔ ان کے پاس آٹھ ہزار اشرفیاں جمع ہوگئیں۔ ایک ان میں سے ہنرمند تھا جبکہ دوسرا کسی فن سے ناواقف تھا۔ ہنرمند نے دوسرے سے کہا تیرے پاس کوئی ہنر نہیں اس لئے میں تم سے الگ ہونا چاہتا ہوں۔ چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے حصے الگ الگ کر لئے۔ پھر اس آدمی نے ہزار دینار میں ایک بادشاہ کا محل خریدا جو فوت ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی کو بلا کر یہ محل دکھایا اور کہا دیکھو ہزار دینار کے بدلے میں نے کیسا گھر خریدا ہے۔ وہ کہنے لگا یہ کتنا خوبصورت ہے۔ جب وہ باہر نکلا تو کہنے لگا۔ اے اللہ! میرے اس ساتھی نے ہزار دینار کے بدلے میں دنیا کا محل خریدا ہے۔ میں تجھ سے جنت کے محل کا سوال کرتا ہوں۔ پھر اس نے ہزار دینار صرف کر دیئے۔ کچھ عرصے کے بعد اس دنیا دار نے ایک عورت سے ہزار دینار کے بدلے میں شادی کی اور دعوت میں اپنے پرانے ساتھی کو بھی بلایا۔ جب وہ آیا تو اسے بتایا کہ میں نے ہزار دینار کے بدلے اس عورت سے نکاح کیا ہے۔ وہ کہنے لگا بڑی اچھی بات ہے۔ جب وہ واپس پلٹا تو کہنے لگا اے رب! میرے اس ساتھی نے ہزار دینار کے بدلے اس عورت سے نکاح کیا ہے میں تجھ سے حور عین کا سوال کرتا ہوں۔ چنانچہ ہزار دینار صدقہ کر دیئے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد اس دنیا دار نے دو ہزار دینار کے بدلے میں دو باغ خریدے اور اپنے پرانے شریک کار کو بلا کر دکھائے۔ اور بتایا کہ میں نے یہ دو باغ دو ہزار دینار کے بدلے خریدے ہیں۔ اس نے بڑی تعریف کی لیکن جب باہر نکلا تو اللہ کی بارگاہ میں عرض کی اے رب! میرے اس ساتھی نے دو ہزار دینار میں دو باغ خریدے ہیں۔ میں تجھ سے جنت میں دو باغوں کا سوال کرتا ہوں۔ چنانچہ دو ہزار دینار راہ خدا میں صدقہ کر دیئے۔ پھر ان کے پاس فرشتہ آیا اور ان دونوں کی وفات ہوگئی۔ وہ اس صدقہ کرنے والے کو لے گیا اور اسے ایک ایسے گھر میں داخل کیا جو اسے بہت اچھا لگا۔ جب وہ اس میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس میں ایک از حد خوبصورت عورت ہے جس کے حسن سے ہر چیز روشن ہے۔ پھر اسے دو باغوں میں لے گیا اور دیگر انواع و اقسام کی نعمتوں میں جن کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اس وقت وہ کہنے لگا یہ چیزیں تو فلاں آدمی کی چیزوں کی طرح ہیں۔ فرشتے نے کہا یہ گھر، دونوں باغ اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 58

عورت تیری ہے۔ وہ کہنے لگا میرا ایک ساتھی تھا جو مجھے کہا کرتا تھا اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ اسے بتایا گیا کہ وہ دوزخ میں ہے۔ اس وقت اس نے کہا قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کردے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لَمِنَ الْمُصَّدِّقِيْنَ کی تشدید کے ساتھ قرأت کی تائید بھی اسی سے ہوتی ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے۔ ہمیں ابوحفص نے خبر دی ہے۔ میں نے اسماعیل سدی سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: تجھے کس چیز نے اس کی یاد دلاوی ہے؟ میں نے عرض کی میں نے ابھی اس کی تلاوت کی ہے۔ تو میں نے مناسب سمجھا کہ آپ سے اس کے بارے میں دریافت کیا جائے۔ تو انہوں نے فرمایا پھر یاد کرلو۔

بنو اسرائیل میں دو حصہ دار تھے۔ ایک مومن تھا اور دوسرا کافر۔ چھ ہزار دینار پر وہ ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ ہر ایک کے حصے میں تین ہزار دینار آئے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد ان کی دوبارہ ملاقات ہوئی۔ کافر نے مومن سے پوچھا تم نے اپنے مال کا کیا کیا؟ کیا اسے کسی تجارت وغیرہ میں لگایا ہے؟ مومن نے کہا نہیں۔ پھر اس نے پوچھا تم نے اپنے مال کا کیا کیا؟ وہ کہنے لگا میں نے زمین، کھجوریں، پھل اور نہریں ایک ہزار دینار میں خریدیں۔ مسلمان نے پوچھا واقعی اس نے کہا ہاں۔ مسلمان واپس چلا گیا۔ جب رات ہوئی تو اس نے نوافل پڑھنا شروع کیے۔ نماز سے فارغ ہوکر ہزار دینار اپنے سامنے رکھے اور کہنے لگا اے اللہ فلاں (یعنی اس کے کافر ساتھی) نے ہزار دینار کے بدلے زمین، درخت، پھل اور نہریں خریدیں ہیں۔ وہ کل انہیں چھوڑ مرے گا۔ میں ہزار دینار کے بدلے تجھ سے جنت میں زمین، درخت، پھل اور نہریں خریدتا ہوں۔ فرمایا: جب صبح ہوئی تو اس نے یہ سب رقم مساکین میں تقسیم کردی۔

کچھ عرصے کے بعد دوبارہ ان کی ملاقات ہوئی تو کافر نے مسلمان سے پوچھا تم نے اپنے مال کا کیا کیا؟ کیا اسے کسی کاروبار وغیرہ میں لگایا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ اور پوچھا تم نے کیا کیا؟ وہ کہنے لگا میری جاگیر کی ذمہ داریاں زیادہ ہوگئیں تو میں نے ہزار دینار کے غلام خریدے جو اس کی خبر گیری کرتے ہیں۔ اور میری خدمت کرتے ہیں۔ وہ مسلمان واپس آیا حسب سابق رات کو کچھ نوافل ادا کیے۔ ہزار دینار اپنے سامنے رکھ کر کہنے لگا اے اللہ! فلاں یعنی اس کے کافر ساتھی نے ہزار دینار کے بدلے میں دنیا کے غلام خریدے ہیں۔ جنہیں چھوڑ کر وہ کل مرجائے گا یا وہ اسے چھوڑ کر مرجائیں گے۔ اے اللہ میں ہزار دینار کے بدلے تم سے جنت میں غلام خریدتا ہوں۔ صبح اٹھ کر وہ سارے دینار اللہ کی راہ میں صرف کردیئے۔

کچھ عرصے کے بعد دوبارہ ان کی ملاقات ہوئی۔ کافر نے مسلمان سے وہی سابقہ سوال دہرایا۔ مومن نے نفی میں جواب دیا اور پوچھا تم نے کیا کیا؟ وہ کہنے لگا میری تمام آرزوئیں پوری ہوگئی تھیں۔ ماسوائے ایک کے۔ فلاں عورت کا خاوند فوت ہوگیا تھا۔ میں نے اسے ہزار دینار بطور مہر دے کر شادی کرلی۔ وہ اتنی ہی رقم اور لے کر میرے پاس آگئی۔

مومن جب گھر واپس پلٹا تو حسب سابق نماز ادا کرنے کے بعد دعا کی اے اللہ! فلاں کافر نے ہزار دینار کے بدلے ایک عورت سے نکاح کیا ہے وہ اسے کل چھوڑ مرے گا یا وہ اس سے پہلے مرجائے گی۔ اے اللہ میں اس ہزار دینار کے بدلے تجھ سے جنت کی حور کا سوال کرتا ہوں۔ پھر صبح اٹھ کر وہ ساری رقم اپنے معمول کے مطابق مساکین میں تقسیم کردی۔ اب اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ وہ بالکل قلاش ہو چکا تھا۔ اس نے سوتی قمیص پہن لی اور محنت مزدوری کرنے لگا۔

ایک آدمی اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کیا تم میرے ہاں ماہانہ تنخواہ پر کام کرنے کو تیار ہو۔ تم میرے جانوروں کو چارہ ڈالا کرو اور ان کا

گوبر صاف کیا کرو۔ اس نے حامی بھر لی۔ اور جانوروں کی خدمت کرنے لگا۔ جانوروں کا مالک ہر روز جانوروں کو دیکھنے کے لئے آتا۔ جب وہ کسی جانور کو کمزور دیکھتا تو اس کا سر پکڑ کر گردن میں کچوکے دیتا اور کہتا تم نے کل اس کے جو چرا لئے تھے۔ مومن نے جب یہ سختی دیکھی تو اپنے دل میں سوچا کہ میں اپنے کافر ساتھی کے پاس جاتا ہوں اس کی زمین میں کام کروں گا۔ وہ مجھے ہر روز روٹی کا ٹکڑا دے دے گا۔ اور یہ دونوں کپڑے بوسیدہ ہو گئے تو مجھے نئے کپڑے دے دے گا۔ چنانچہ وہ اس کی طرف چل دیا۔ جب وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک پختہ محل ہے جس کے چاروں طرف دربان پھر رہے ہیں۔ اس نے انہیں کہا مجھے اس محل کے مالک کے پاس جانے دو۔ اگر اسے میرا پتہ چلا تو وہ خوش ہوگا۔ وہ کہنے لگے اگر تم سچے ہو تو اس کونے میں سو جاؤ۔ صبح ہوئی تو اس کے سامنے آ جانا۔ وہ مومن ایک طرف چلا گیا نصف چادر نیچے بچھالی اور نصف اوپر اوڑھ لی۔ اور سو گیا۔ صبح جب اس کا ساتھی باہر نکلا تو وہ اس کے سامنے آ گیا۔ وہ سواری پر سوار تھا۔ اس نے اسے پہچان لیا۔ رک کر اسے سلام و مصافحہ کیا۔ اور پوچھا کیا تمہارے پاس میرے جتنا مال نہیں تھا۔ اس نے کہا ہاں۔ اس نے کہا تو پھر میری یہ حالت ہے اور تمہاری یہ حالت۔ اس نے کہا ہاں۔ اس کافر نے کہا اچھا بتاؤ تمہارا مال کہاں گیا؟ اس نے کہا اس کے بارے میں مت پوچھو۔ اس نے کہا اچھا پھر کیسے آنا ہوا؟ وہ کہنے لگا میں اس لئے آیا ہوں تا کہ تمہاری زمین میں کام کروں تم مجھے دو وقت کی روٹی اور کپڑا دے دیا کرو۔ اس نے کہا نہیں میں تمہارے ساتھ اس سے بہتر سلوک کروں گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے تم مجھے اپنے مال کے بارے میں بتاؤ وہ کدھر گیا۔ اس نے کہا میں نے قرض دے رکھا ہے۔ اس نے پوچھا کسے؟ وہ کہنے لگا۔ جو مالدار اور پورا دینے والا ہے۔ اس نے کہا وہ کون؟ وہ کہنے لگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ۔ اس کافر شخص کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور کہا: اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کیا ہمارا محاسبہ ہوگا؟

کافر نے یہ کہا اور چل دیا۔ مومن یہ سب کچھ دیکھ کر واپس آ گیا۔ اس نے کچھ عرصہ تکلیف میں بسر کیا اور کافر نے عیش و عشرت میں۔ فرمایا: جب قیامت کا دن آئے گا۔ تو اللہ تعالیٰ مومن کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ چلتے چلتے اس کا گزر ایک زمین سے ہوگا جس میں کھجور، پھل اور نہریں ہوں گی۔ وہ پوچھے گا۔ یہ کس کی ہیں؟ کہا جائے گا یہ سب کچھ تمہارے لئے ہے۔ وہ تعجب سے کہے گا کیا یہ میرے عمل کا ثواب ہے۔ فرمایا پھر آگے چلتے ہوئے اس کا گزر بے شمار غلاموں کے پاس سے ہوگا۔ وہ پوچھے گا یہ کس کے ہیں؟ بتایا جائے گا یہ سب تمہارے لئے ہیں۔ وہ کہے گا کیا یہ میرے اعمال کا ثواب ہے۔ وہ آگے جائے گا تو اس کا گزر سرخ یاقوت سے بنے گنبد کے پاس سے ہوگا اس میں حور ہوگی۔ وہ کہے گا یہ کس کے لئے ہے؟ بتایا جائے گا کہ تمہارے لئے وہ تعجب کا اظہار کرے گا۔ پھر مومن کو اپنے کافر ساتھی کی یاد آئے گی تو وہ کہے گا اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ...... فرمایا جنت بلند ہے اور دوزخ گڑھا ہے۔ فرمایا: اللہ اسے اس کا ساتھی دوزخ کے عین وسط میں دکھا دے گا۔ مومن اسے دیکھ کر پہچان لے گا اور کہے لگا تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ...... چنانچہ مومن دنیا کے مصائب اور آزمائشوں کو یاد کرے گا تو موت سے زیادہ بھاری بلا اسے کوئی نظر نہیں آئے گی (1)۔

اَذٰلِكَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْۤ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَیْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِیْمِ ﴿۶۸﴾

1۔ درمنثور، جلد 5 صفحہ 275

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

'' بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت۔ ہم نے بنا دیا ہے اسے آزمائش ظالموں کے لئے۔ یہ ایک درخت ہے جو اگتا ہے جہنم کی تہ میں۔ اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں۔ پس انہیں ضرور کھانا ہوگا اس سے اور بھریں گے اس سے اپنے پیٹ۔ پھر انہیں زقوم کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا۔ پھر انہیں لوٹا دیا جائے گا جحیم کی طرف۔ انہوں نے پایا تھا اپنے باپ دادا کو گمراہ۔ پس وہ (بے سوچے سمجھے) ان کے پیچھے بھاگے جا رہے ہیں''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ جنت کی جن نعمتوں کا یہاں تذکرہ ہو رہا ہے کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین ضیافت اور عطا ہے یا زقوم کا درخت جو جہنم میں ہے؟

زقوم سے مراد کوئی خاص درخت بھی ہوسکتا ہے۔ جس طرح کہ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ ایک درخت ہے جو سارے جہنم میں پھیلا ہوا ہے، جیسے طوبیٰ کا درخت، جنت کے ہر گھر میں اس کی کوئی نہ کوئی شاخ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد درختوں کی جنس ہو جسے زقوم کا نام دیا گیا ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ (المومنون:20) '' نیز پیدا کیا ایک درخت جو اگتا ہے طور سینا میں وہ اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور سالن لئے ہوئے کھانے والوں کے لئے''۔ یعنی زیتون کا درخت۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ (الواقعہ:52-51) '' پھر تمہیں اے گمراہ ہونے والو! اے جھٹلانے والو! حکماً کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے''۔

فرمایا: اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ زقوم کے درخت کا ذکر فرمایا اور اسے گمراہوں کے لئے باعث آزمائش بنایا۔ وہ کہنے لگے اے مسلمانو! تمہارا نبی یہ کہتا ہے کہ جہنم میں ایک درخت ہے حالانکہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ یعنی اسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور آگ کی ہی اسے غذا ملتی ہے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ابوجہل ملعون کہنے لگا زقوم سے مراد کھجور اور مکھن ہے میں تو اسے مزے لے کر کھاؤں گا۔

میں کہتا ہوں: آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے نبی! ہم نے آپ کو زقوم درخت کے بارے میں بتایا ہے اور اسے باعث آزمائش قرار دیا ہے کہ کون اس کی تصدیق کرتا ہے اور کون اس کی تکذیب کرتا ہے۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا (الاسراء:60) '' اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کے لئے نیز (آزمائش بنایا) اس درخت کو جس پر لعنت بھیجی گئی ہے قرآن میں۔ اور ہم انہیں (نافرمانی کے انجام سے) ڈراتے رہتے ہیں پس نہ بڑھایا اس ڈرانے نے انہیں مگر یہ کہ وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے''۔ اس کی جڑ جہنم کے پیندے میں ہے۔

مزید فرمایا: طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ اس کی بدمزگی اور ناپسندیدہ ہونے کا بیان کیا جا رہا ہے۔ وہب بن منبہ کا قول ہے شیطانوں کے اجسام آسمان تک ہیں۔ شیطان کے سروں سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ اگرچہ یہ تشبیہ ان کے ہاں معروف نہ تھی لیکن یہ بات ذہنوں میں راسخ تھی کہ شیاطین قبیح المنظر ہوا کرتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سانپوں کی ایک شکل ہے جن کے سر کریہہ المنظر ہوتے ہیں۔ ایک قول ہے کہ یہ ایک نبات ہے جس کے خوشے از حد، بدترین ہوتے ہیں۔ یہ دونوں احتمالات محل نظر ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ان

دونوں کو ذکر کیا ہے، اور پہلا زیادہ قوی ہے واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ وہ اس درخت سے کھائیں گے جس سے زیادہ بدصورت اور قبیح المنظر کوئی چیز نہیں۔ اس کے علاوہ ذائقہ، بو اور طبع کے اعتبار سے بھی وہ برا ہے۔ وہ اس سے کھانے پر مجبور ہوں گے۔ کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں پائیں گے مگر وہ بھی اس جیسی خصوصیات کی حامل ہوگی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ ۙ لَّا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ (الغاشیہ: 7-6) ''انہیں کوئی کھانا نہ ملے گا بجز خاردار جھاڑ کے جو نہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا''۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور فرمایا: اللہ سے اس طرح ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں ڈال دیا جائے تو سب اہل زمین کی زندگی دوبھر ہو جائے۔ تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کی خوراک ہی یہ ہو؟

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے شعبہ سے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے(1)۔

قولہ تعالیٰ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَیْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ابن عباس کا قول ہے کہ زقوم کھانے کے ساتھ ہی انہیں جہنم کا کھولتا ہوا پانی پیش کیا جائے گا۔ آپ سے ہی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اسے گرم پانی کے ساتھ ملا کر دیا جائے گا(2)۔

بعض دیگر مفسرین کا قول ہے کہ گرم پانی کے ساتھ انہیں پیپ، کچلہو وغیرہ پلایا جائے گا جو ان کی شرمگاہوں اور آنکھوں سے بہہ رہا ہوگا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے: اہل نار کو پانی پیش کیا جائے گا تو وہ اس سے بڑی کراہت محسوس کریں گے۔ جب اسے ان کے چہروں کے قریب کیا جائے گا تو ان کا منہ جھلس جائے گا اور سر کی کھال اس میں گر پڑے گی اور جب وہ اسے پئیں گے تو ان کی آنتیں کٹ کر دبر کے راستے باہر نکل آئیں گی۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب اہل نار بھوک محسوس کریں گے تو زقوم طلب کریں گے۔ اس کے کھانے سے ان کے چہروں کی جلدیں گر پڑیں گی۔ اگر کوئی گزرنے والا ان سے گزرے تو ان کے چہروں کو دیکھ کر انہیں پہچان لے گا۔ پھر انہیں پیاس محسوس ہوگی تو وہ بے چین ہو کر پانی طلب کریں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے جیسا پانی دیا جائے گا۔ جو از حد گرم ہوگا۔ جب وہ اسے منہ کے قریب کریں گے تو ان کے چہرے کا گوشت بھن جائے گا جس کی کھال پہلے ہی گر چکی تھی۔ جو کچھ ان کے پیٹ میں ہوگا پگھل جائے گا۔ وہ چلیں گے تو ان کی آنتیں بہہ رہی ہوں گی اور چمڑے گر رہے ہوں گے۔ پھر انہیں لوہے کے ہنٹر مارے جائیں گے تو ہر عضو جھڑ جائے گا اور وہ ہلاکت کو پکار رہے ہوں گے۔

فرمایا: ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاْ ِالَى الْجَحِیْمِ پھر ان کا ٹھکانہ دوبارہ بھڑکتی آگ ہوگی، جہنم کا بھڑکتا تنور ہوگا، شعلے مارتی آگ ہوگی۔ چنانچہ کبھی اس طرف اور کبھی اس طرف ان کو عذاب دیا جائے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ (الرحمٰن: 44) ''وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان جو از حد گرم ہوگا''۔

1۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 7 صفحہ 37، ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 37 کتاب الزہد تحفۃ الاشراف، جلد 5 صفحہ 219-218، عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ جہنم، جلد 10 صفحہ 54

2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 65

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس مقام پر اسی آیت کی تلاوت فرمائی اور یہ تفسیر مستحسن اور قوی ہے(1)۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ثم ان مقیلھم لالی الجحیم نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے قیامت کا آدھا دن بھی مکمل نہیں ہوگا۔ اہل جنت، جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچ جائیں گے۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ يَوۡمَئِذٍ خَيۡرٌ مُّسۡتَقَرًّا وَّاَحۡسَنُ مَقِيۡلًا (الفرقان: 24)

''اہل جنت کا اس دن بہت اچھا ٹھکانہ ہوگا اور دوپہر گزارنے کی جگہ بڑی آرام دہ ہوگی''۔

ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ پر جا کر قیلولہ کریں گے(2)۔ سفیان کا قول ہے کہ میرا خیال ہے کہ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اصحاب الجنة......۔

ثُمَّ اِنَّ مَرۡجِعَهُمۡ لَاِ۟لَى الۡجَحِيۡمِ میں کہتا ہوں کہ کہ اس تفسیر کے مطابق ثم خبر پر خبر کے لئے عاطفہ ہوگا۔

پھر فرمایا: اِنَّهُمۡ اَلۡفَوۡا اٰبَآءَهُمۡ ضَآلِّيۡنَ یعنی ہم نے انہیں یہ جزا اس لئے دی کہ انہوں نے اپنے آباء کو گمراہ پایا تو بلا دلیل ان کی اتباع کرتے رہے۔ اسی لئے فرمایا فَهُمۡ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمۡ يُهۡرَعُوۡنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ دوڑنے کے مشابہ ہے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ بے وقوفی کرتے رہے۔

وَلَقَدۡ ضَلَّ قَبۡلَهُمۡ اَكۡثَرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۙ﴿۷۱﴾ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا فِيۡهِمۡ مُّنۡذِرِيۡنَ ﴿۷۲﴾ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ۙ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴿۷۴﴾

''اور بہک گئے تھے ان سے قبل بہت سے پہلے لوگ۔ اور ہم نے بھیجے تھے ان میں ڈرانے والے۔ پس (اے مخاطب!) دیکھ کیسا انجام ہوا جنہیں ڈرایا گیا تھا (مگر وہ نہ سنبھلے تھے) سوائے ان کے جو اللہ کے مخلص بندے تھے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سابقہ امتوں کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ ان میں سے اکثر گمراہ تھے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ہم نے ان میں ڈرانے والے رسول مبعوث فرمائے جو انہیں اللہ کی قوت وسطوت سے آگاہ فرماتے رہے اور اس کا انکار کرنے اور دوسروں کی عبادت کرنے والوں سے انتقام لینے سے خبردار کرتے رہے، لیکن وہ اس کے رسولوں کی مخالفت اور تکذیب پر اڑے رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں کو ہلاک اور برباد کر دیا۔ مومنین کو نجات بخشی اور ان کی مدد ونصرت فرمائی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ......۔

وَلَقَدۡ نَادٰٮنَا نُوۡحٌ فَلَنِعۡمَ الۡمُجِيۡبُوۡنَ ۖ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ ۖ﴿۷۶﴾ وَجَعَلۡنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الۡبٰقِيۡنَ ۖ﴿۷۷﴾ وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ۖ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوۡحٍ فِى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ ﴿۸۲﴾

''اور (فریاد کرتے ہوئے) پکارا ہمیں نوح نے پس ہم بہترین فریاد رس ہیں۔ اور ہم نے نجات دے دی انہیں اور ان کے گھرانے کو ایسی مصیبت سے جو بڑی زبردست تھی۔ اور ہم نے بنا دیا فقط ان کی نسل کو باقی رہنے والا۔ اور ہم نے چھوڑا ان

1۔ تفسیری طبری، جلد 23 صفحہ 65 2۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 97-96

کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔نوح پر سلام ہو تمام جہانوں میں۔ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنین کو۔بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے لوگوں کو"۔

پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ گزشتہ امتوں میں سے اکثر لوگ راہ نجات سے بھٹک گئے تھے، اب اسے تفصیل سے بیان کرنا شروع کیا چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ انہیں اپنی قوم کے برے سلوک کا سامنا کرنا پڑا اور طویل مدت تک ان پر صرف چند لوگ ایمان لائے حالانکہ آپ انہیں ساڑھے نوسو سال تبلیغ فرماتے رہے۔ایک طویل عرصہ گزر گیا اور ان کا جھٹلانا آپ پر شدید ہو گیا۔ جب بھی آپ نے انہیں دعوت حق دی ان کی نفرت میں اضافہ ہی ہوا۔تو آپ نے اپنے رب سے یہ دعا کی :**رب انی مغلوب فانتصر** اے رب میں مغلوب ہو چکا ہوں تو میری مدد فرما۔آپ کے غضب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آ گیا۔اسی لئے فرمایا: وَلَقَدۡ نَادٰىنَا نُوۡحٌ فَلَنِعۡمَ الۡمُجِيۡبُوۡنَ ۞ وَنَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ سے مراد ان کی تکذیب اور ایذاء پہنچانا ہے۔

فرمایا: وَجَعَلۡنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الۡبٰقِيۡنَ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے ذریت حضرت نوح علیہ السلام کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ترمذی، ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی سند سے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں ذریت سے مراد سام، حام اور یافث لیا ہے(1)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "سام عربوں کا باپ ہے، حام حبشیوں اور یافث رومیوں کا"(2)۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہی نقل کیا ہے(3)۔

حافظ ابو عمر بن عبد البر نے اپنی سند سے بروایت حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ یہی حدیث شریف نقل فرمائی ہے۔

رومیوں سے مراد یہاں پہلے روی یعنی یونانی ہیں جو کہ رومی بن لیطی بن یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔ پھر اسماعیل بن عیاش کی روایت سے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین فرزند ہوئے۔سام، یافث اور حام۔پھر ان میں سے ہر ایک کے تین بیٹے تھے۔سام کی اولاد عرب، فارسی اور رومی ہیں۔یافث کی اولاد ترک، صقالیہ اور یاجوج ماجوج ہیں۔حام کی اولاد قبطی، سوڈانی اور بربر ہیں۔وہب بن منبہ سے بھی یہی مروی ہے، واللہ اعلم(4)۔

فرمایا: وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ابن عباس کا قول ہے کہ ان کا ذکر خیر ہو رہا ہے۔مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سب انبیاء کے لئے لسان صدق (اچھی شہرت) ہے۔قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسروں میں آپ کی اچھی ثناء باقی رکھی۔ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سلام اور عمدہ تعریف۔

فرمایا: سَلٰمٌ عَلٰى نُوۡحٍ فِى الۡعٰلَمِيۡنَ یہ گویا اگلے جملے کی تفسیر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر جمیل اور تعریف حسین کو باقی رکھا۔باقی گروہ اور امتیں آپ پر سلام بھیجتے ہیں۔

1۔تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 97، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ صافات، جلد 12 صفحہ 108 تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 67
2۔مسند احمد، جلد 5 صفحہ 9
3۔تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 98، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ صافات، جلد 12 صفحہ 109
4۔ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، جلد 1، صفحہ 108

اگلی آیت میں فرمایا: اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ یعنی اس طرح بندوں میں سے اگر کوئی اچھی طرح اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو ہم اسے یہی جزا دیتے ہیں یعنی اسے شہرت عطا کر دیتے ہیں کہ اس کے بعد اس کے حسب مرتبہ اس کا تذکرہ ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ وہ ہمارے سچے، موحد بندوں سے تھے جو دولت ایقان سے مالا مال تھے۔

پھر مخالفین کی ہلاکت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ یعنی ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اس طرح کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا اور اب اسی قبیح طریقے پر انہیں یاد کیا جاتا ہے۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾

"اور ان کی جماعت میں سے ابراہیم (علیہ السلام) بھی تھے۔ جب وہ حاضر ہوئے اپنے رب کے دربار میں قلب سلیم کے ساتھ۔ جب انہوں نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو۔ کیا جھوٹے گھڑے ہوئے خدا، اللہ تعالیٰ کے علاوہ چاہتے ہو۔ پس تمہارا کیا خیال ہے سارے جہانوں کے پروردگار کے بارے میں"۔

علی بن ابی طلحہ نے شیعة کا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "اہل دین" روایت کیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی قابل اتباع رستہ اور سنت کیا ہے۔

قولہ تعالیٰ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قلب سلیم سے مراد وہ دل ہے جو اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی گواہی دے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عوف رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے محمد بن سیرین سے پوچھا قلب سلیم کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا جو یہ جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ حق ہے، قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں، اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ اٹھائے گا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شرک سے پاک ہو۔ عروہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ لعن طعن کرنے والا نہ ہو۔

قولہ تعالیٰ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ بتوں اور جھوٹے معبودوں کی عبادت پر اظہار ناپسندیدگی فرمایا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ جب تم اسے ملو گے تو وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک فرمائے گا جبکہ اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت بھی کرتے رہے ہو۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

"سو آپ نے ایک بار دیکھا ستاروں کی طرف۔ پھر کہا میری طبیعت ناساز ہے۔ چنانچہ وہ لوگ انہیں پیچھے چھوڑ کر (میلہ دیکھنے) چلے گئے۔ پس آپ چپکے سے ان کے دیوتاؤں کی طرف گئے اور کہا کیا تم (یہ مٹھائیاں) نہیں کھاؤ گے؟ تمہیں کیا ہو

گیا کہ تم بولتے بھی نہیں؟ پھر پوری قوت سے ضرب لگائی ان پر داہنے ہاتھ سے۔ (رنگ رلیاں منانے کے بعد) آئے آپ کی طرف دوڑتے ہوئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ انہوں نے (فیصلہ کن انداز میں) کہا، بناؤ اس کے لئے وسیع آتشکدہ پھر پھینک دو اسے اس بھڑکتی آگ میں۔ انہوں نے تو چاہا کہ آپ کے ساتھ مکر کریں، لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر دیا"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ اس لئے فرمایا تاکہ جب وہ اپنے میلے میں چلے جائیں تو آپ شہر میں اکیلے رہ جائیں۔ میلے میں ان کے جانے کا وقت قریب آچکا تھا تو آپ نے چاہا کہ علیحدگی میں ان کے بتوں کو توڑ دیں۔ آپ نے ایسی گفتگو فرمائی جو فی الحقیقت سچ تھی۔ وہ اپنے عقیدہ کے مطابق آپ کو سچ مچ بیمار سمجھ بیٹھے۔

قولہ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو شخص کسی امر میں غور وفکر کرے اہل عرب اسے کہتے ہیں نظر فی النجوم اس نے ستاروں کی طرف نگاہ ماری۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے انہیں ٹالنے کے لئے غور وفکر کی حالت میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا: اِنِّيْ سَقِيْمٌ میں ضعیف ہوں۔ وہ حدیث جسے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہاں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین مرتبہ (بظاہر) جھوٹ بولا۔ دو مرتبہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں۔ 1۔ اِنِّيْ سَقِيْمٌ، 2۔ بَلْ فَعَلَهٗ كبيرهم، 3۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ کہنا ھی أختی (یہ میری بہن ہے)(1)۔

یہ حدیث صحاح اور سنن میں متعدد سندوں سے مروی ہے۔ لیکن دراصل یہ کذب حقیقی نہیں کہ اس کے قائل کو قابل مذمت سمجھا جائے حاشا وکلّا ولمّا۔ بلکہ انہیں مجازاً جھوٹ کہا گیا ہے۔ شرعی مقصد کے حصول کے لئے یہ تعریض ہے۔ جس طرح کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تعریض سے جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تینوں کلمات کے بارے میں ارشاد فرمایا: ان میں سے ایک کلمہ بھی ایسا نہیں ہے حکمت کے ساتھ اللہ کے دین کی بھلائی مقصود نہ ہو۔ آپ نے فرمایا اِنِّيْ سَقِيْمٌ اور فرمایا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا یعنی اس بڑے بت نے یہ سب کچھ کیا ہے اور بادشاہ نے جب آپ کی زوجہ محترمہ کو لے لینا چاہا تو فرمایا ھی أختی یہ میری بہن ہے۔ سفیان نے سقیم کا معنی طعین کیا ہے یعنی مجھے طاعون ہو گیا ہے۔ وہ طاعون زدہ مریض سے بھاگتے تھے۔ آپ نے ان کے معبودوں کے پاس الگ ہو جانا چاہا۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ آپ ان کے بت کدے میں تھے تو انہوں نے آپ کو کہا چلیئے۔ آپ نے فرمایا مجھے طاعون ہے۔ تو طاعون کے ڈر سے وہ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے (2)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن مسیّب سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ایک ستارہ طلوع ہوتے دیکھا تو فرمایا اِنِّيْ سَقِيْمٌ۔

بعض دوسرے علماء کی رائے ہے کہ آپ نے مستقبل کے اعتبار سے فرمایا یعنی میں مرض الموت میں مبتلا ہونے والا ہوں۔ ایک قول کے مطابق آپ نے مراد لی کہ میرا دل تمہارے خود تراشیدہ بتوں سے بیزار ہے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اپنے جشن کے لئے جانے لگی۔ تو انہوں نے آپ کو بھی ساتھ لے

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 71 نیز دیکھئے تفسیر سورۃ انبیاء آیت: 63 2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 70

جانا چاہا۔ آپ پشت کے بل لیٹ گئے اور فرمایا میں بیمار ہوں اور نگاہیں آسمان کی طرف گاڑ دیں۔ جب وہ چلے گئے تو آپ ان کے بتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں پاش پاش کر دیا۔ (بروایت ابن ابی حاتم) اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ جب وہ چلے گئے تو آپ جلدی سے اور چپکے سے ان دیوتاؤں کی طرف تشریف لے گئے۔ اور فرمایا: اَلَا تَاْكُلُوْنَ تم کھاتے کیوں نہیں؟ کیونکہ انہوں نے کھانا چڑھاوے کے طور پر ان کے سامنے رکھا تھا اور اسے تبرک تصور کرتے تھے (1)۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بت خانے میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بہت بڑا ہال ہے دروازے کے پاس بہت بڑا بت ہے۔ اس کے پہلو میں اس سے چھوٹا بت، اسی طرح ہر بت کے ساتھ اس سے چھوٹا بت رکھا تھا۔ یہاں تک دروازہ آ گیا۔ پھر انہوں نے کھانا تیار کر کے بتوں کے سامنے رکھا تھا۔ وہ کہتے جب ہم واپس آئیں گے تو ہمارے معبودوں نے اس میں برکت ڈال دی ہوگی اور ہم اسے کھائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے کھانا رکھا دیکھ کر ازراہ تشنیع فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں؟ تم بولتے کیوں نہیں؟ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ۔

قولہ تعالیٰ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ فراء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آپ دائیں ہاتھ سے ان پر پل پڑے۔ قتادہ اور جوہری رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ آپ انہیں دائیں ہاتھ سے پے در پے ضربیں لگانے لگے (2)۔ دائیں ہاتھ سے اس لئے مارا کہ یہ شدید اور سخت ہوتا ہے۔ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا تا کہ اس پر بدگمانی کی جا سکے۔ (سورۂ انبیاء میں اس آیت کی تفسیر گزر چکی ہے)۔

قولہ تعالیٰ فَاَقْبَلُوْا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بہت سے مفسرین نے اس کا معنی کیا ہے یسرعون (دوڑتے بھاگتے ہوئے) یہ واقعہ یہاں مختصر ہے اور سورۂ انبیاء میں اس کو مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ جب وہ واپس آئے تو پہلے پہل تو یہ سمجھ نہ سکے کہ ان کے خداؤں کی یہ درگت کس نے بنائی ہے۔ آخر قیاس آرائیوں اور غور و فکر سے اس نتیجے پر پہنچے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا اور کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ جب وہ آپ کو عتاب کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے تو آپ انہیں ملامت کرنے اور ان کے خود تراشیدہ اصنام کی بے وقعتی کو واضح فرمانے لگے۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان بتوں اور بے بس مجسموں کی پرستش کرتے ہو جنہیں تم نے خود اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے۔

قولہ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ایک احتمال یہ ہے کہ ما مصدریہ ہو اس صورت میں کلام یوں ہوگی: اس نے ہی تمہیں پیدا کیا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اور ایک احتمال یہ ہے کہ ما بمعنی الذی ہو یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا خالق بھی ہے اور تمہارے اعمال کا بھی پیدا کرنے والا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو مستلزم ہیں لیکن پہلا زیادہ ظاہر ہے، جس طرح کہ بخاری نے کتاب افعال العباد میں اپنی سند سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: ''بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ ہر صانع اور اس کی کاریگری کو پیدا فرماتا ہے'' (3)۔ جب ان پر حجت قائم ہوگئی (اور وہ آپ کی دلیل کا کوئی جواب نہ دے سکے) تو وہ آپ کے ساتھ دشمنی اور انتقامی کارروائی پر اتر آئے۔ اور کہنے لگے: ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ایک وسیع الاؤ تیار کرو اور اسے اس میں پھینک دو۔ اس کا پورا بیان سورۂ انبیاء میں گزر چکا ہے۔ اور اللہ رب العزت نے آپ کو آگ سے نجات بخشی اور غلبہ عطا فرمایا اور آپ کی حجت کو بلند فرمایا اور نصرت سے نوازا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 101 2۔ فراء: معانی القرآن، جلد 2 صفحہ 388، نیز دیکھئے جوہری: ''صحاح'' زیر مادہ راغ

3۔ درمنثور، جلد 5 صفحہ 279، مستدرک حاکم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 36-35، ابوعبید: غریب الحدیث (191)

فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْأَسْفَلِينَ لہٰذا ان کا منصوبہ خائب وخاسر ہو گیا۔

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٩٩﴾ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٠٠﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّي أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۚ قَالَ يٰأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِينَ ﴿١٠٢﴾ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ﴿١٠٣﴾ وَنٰدَيْنٰهُ أَنْ يٰإِبْرٰهِيمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١٠٥﴾ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِينُ ﴿١٠٦﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ﴿١٠٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٠٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰى إِبْرٰهِيمَ ﴿١٠٩﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١١٠﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١١﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِإِسْحٰقَ نَبِيًّا مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿١١٢﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى إِسْحٰقَ ۚ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِنَفْسِهِ مُبِينٌ ﴿١١٣﴾

''اور آپ نے کہا میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف وہ میری رہنمائی فرمائے گا۔ (دعا مانگی) میرے رب! عطا فرمادے مجھے ایک نیک بچہ۔ پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا۔ اور جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے۔ آپ نے فرمایا اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتا تیری کیا رائے ہے۔ عرض کیا میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔ پس جب دونوں نے سر اطاعت خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل پر لٹا دیا اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم! (بس ہاتھ روک لو) بے شک تو نے سچ کر دکھایا خواب کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو۔ بے شک یہ بڑی کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے بچالیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر۔ اور ہم نے چھوڑا ان کا ذکر خیر آنے والوں میں۔ سلام ہو ابراہیم پر۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحق کی (کہ) وہ نبی ہوگا (زمرۂ) صالحین میں سے۔ اور ہم نے برکتیں نازل کیں اس پر اور اسحق پر۔ اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہوگا اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہوگا''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو اپنی قوم پر فتح و نصرت عطا فرمائی اور آپ ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے باوجودیکہ انہوں نے بہت بڑی نشانیاں دیکھ لی تھیں۔ تو آپ وہاں سے عازم ہجرت ہو گئے اور فرمایا: قَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٩٩﴾ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ صالحین یعنی نیکوکار، فرمانبردار جو آپ کی قوم اور قبیلے (جن کو آپ چھوڑ رہے تھے) کا بدل ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ یہ فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ ان کی بشارت ہی سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی۔ تمام مسلمانوں اور اہل کتاب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے بڑے تھے۔ بلکہ ان کی کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب تولد ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ

السلام کی عمر مبارک چھیاسی برس تھی اور حضرت اسحٰق کی ولادت کے وقت آپ کی عمر مقدس ننانوے برس تھی۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے اکلوتے لخت جگر کو ذبح کر دینا۔ایک دوسرے نسخہ میں نوخیز کے الفاظ ہیں۔یہاں انہوں نے کذب و بہتان سے کام لیتے ہوئے حضرت اسحٰق علیہ السلام کو داخل کر دیا۔اور یہ درست نہیں کیونکہ ان کی کتب سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔انہوں نے حضرت اسحٰق علیہ السلام کو اس لئے شامل کیا ہے کہ آپ ان کے جد امجد ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام، اہل عرب کے جد امجد ہیں۔حسد کی بناء پر انہوں نے یہ اضافہ کر دیا اور تحریف سے کام لیتے ہوئے وحید کا معنی یہ کیا کہ جس کے علاوہ اس وقت آپ کے پاس اور کوئی نہیں۔کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آپ کی والدہ سمیت مکہ چھوڑ آئے تھے۔یہ تاویل فاسد اور باطل تحریف ہے۔اکلوتا (وحید) صرف اسے کہا جاتا ہے جس کے علاوہ اور کوئی اولاد نہ ہو۔نیز اکلوتے اور پہلوٹھے بچے کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ بعد کی اولاد سے نہیں ہوتی۔اس لئے ذبح کا حکم ابتلاء و آزمائش کی زبردست کڑی ہے۔

اہل علم کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ ذبیح سے مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں۔علمائے سلف کے ایک گروہ کا یہی خیال تھا حتیٰ کہ بعض صحابہ کرام سے بھی ایسی مرویات ہیں۔کتاب و سنت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔میرا خیال ہے کہ اس روایت کا ماخذ اہل کتاب کے علماء ہوں گے اور بلا دلیل اس بات کو تسلیم کر لیا گیا۔حالانکہ کتاب اس بات کی گواہی دے رہی ہے اور اشارہ کر رہی ہے کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔آپ کی بشارت ہی غلام حلیم کے الفاظ سے دی گئی ہے اور ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ہی ذبیح ہیں۔پھر فرمایا: وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ جب ملائکہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت دی تو کہنے لگے: قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ (الحجر:53) ''ہم آپ کو مژدہ سنانے آئے ہیں ایک صاحب علم بچے کی پیدائش کا''۔ایک دوسری جگہ آتا ہے: وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (ہود:71) ''تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحٰق کی۔اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی''۔یعنی دونوں کی زندگی میں حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ان کی ذریت سے نسل چلے گی۔ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ کم سنی میں ذبح کا حکم اس بشارت کے بعد کیسے دیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی اولاد ہوگی اور آگے نسل چلے گی۔یہ کس طرح ممکن ہے جبکہ چھوٹی عمر میں ہی ان کو ذبح کرنے کا حکم دیا جا چکا ہے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں حلیم کی صفت سے متصف فرمایا اور اس مقام کے یہی مناسب ہے۔

فرمایا: فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ یعنی جب آپ بڑے ہوگئے اور اپنے باپ کے ساتھ آنے جانے لگے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر وقت اپنے لخت جگر اور ام ولد کی خبر گیری کے لئے وادی فاران کا چکر لگایا کرتے۔آپ ان کے معاملات کا خیال رکھتے۔یہ بھی مذکور ہے کہ آپ تیز رفتار براق پر سوار ہو کر وہاں تشریف لے جاتے تھے۔واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، عطاء خراسانی اور زید بن اسلم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا قول ہے کہ اس جملے کا معنی یہ ہے کہ آپ جوان ہو گئے اور اپنے باپ کی طرح کام کاج کرنے کے قابل ہو گئے۔

قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى عبید بن عمیر کا قول ہے کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

محمد بن اسحاق نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت وَفَدَيْنَٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ (1) ''اور ہم نے بچالیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر'' کے ضمن میں نقل کیا ہے کہ یہ مینڈھا جنت سے لایا گیا تھا جو چالیس سال تک وہاں چرتا رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو چھوڑ دیا اور اس کو پکڑ کر جمرۂ اولی (پہلے شیطان) کے پاس لائے۔ اسے سات کنکریاں ماریں۔ وہ آپ کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ آپ نے اسے درمیانی جمرہ کے پاس پکڑا اور اس جمرے کو سات کنکریاں ماریں پھر وہ آپ سے بھاگ کر بڑے جمرۂ کے پاس چلا گیا۔ آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں۔ پھر اسے پکڑ کر قربان گاہ (منیٰ) میں لاکر ذبح فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں ابن عباس کی جان ہے ابتدائے اسلام تک اس مینڈھے کا سر اور سینگ کعبہ کے پرنالہ کی طرف لٹکے ہوئے تھے حتیٰ کہ وہ سوکھ گئے (2)۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اور کعب رضی اللہ عنہما جمع تھے۔ ابو ہریرہ احادیث سنا رہے تھے اور کعب سابقہ کتب کے قصے بیان کر رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہر نبی کی ایک دعا مستجاب (قبول شدہ) ہوتی ہے۔ میں نے اپنی دعا قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کرنے کے لئے چھپا رکھی ہے''۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا آپ نے نبی اکرم ﷺ سے یہ سنا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہاں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا میں تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں نہ بتادوں۔ انہیں جب خواب میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم ملا تو شیطان نے کہا اگر آج میں ان لوگوں کو آزمائش میں نہ ڈالوں تو پھر کبھی کامیاب نہیں ہوسکوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند کو لے کر جا رہے تھے۔ شیطان حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور کہنے لگا تمہیں پتہ ہے کہ ابراہیم بیٹے کو لے کر کدھر گئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا وہ کسی کام سے گئے ہیں۔ وہ کہنے لگا وہ کسی کام سے نہیں گئے بلکہ اسے ذبح کرنے کے لئے گئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا لیکن آپ اپنے بیٹے کو کیوں ذبح کریں گے؟ وہ کہنے لگا ان کا خیال ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں یہی حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر وہ اپنے رب کی فرمانبرداری کریں تو یہ بہت بہتر ہے۔ یہاں سے مایوس ہوکر شیطان دونوں باپ بیٹے کے پیچھے گیا۔ لڑکے کو کہنے لگا تیرا باپ تجھے کہاں لئے جا رہا ہے؟ انہوں نے فرمایا اپنے کسی کام کے لئے۔ شیطان نے کہا وہ تمہیں کسی کام کے لئے نہیں لے جا رہے بلکہ وہ تو تمہیں ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ لڑکے نے پوچھا لیکن آپ مجھے کیوں ذبح کریں گے؟ وہ لعین کہنے لگا۔ آپ کا گمان ہے کہ یہ رب کا حکم ہے۔ آپ کہنے لگے بخدا اگر یہ اللہ کا حکم ہے تو آپ کو یہ کام ضرور کرنا چاہئے۔ یہاں سے ناکام ہو کر شیطان حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملا اور کہنے لگا اپنے بیٹے کو کہاں لئے جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا کسی کام کے لئے۔ وہ کہنے لگا آپ اسے کسی کام کے لئے نہیں بلکہ ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا لیکن میں اپنے بیٹے کو ذبح کیوں کروں گا۔ وہ کہنے لگا اس لئے کہ تمہارا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا خدا تعالیٰ کی قسم! پھر تو میں ضرور اسے ذبح کروں گا۔ یہ سن کر وہ مایوس ہوگیا کہ اس کا داؤ نہیں چل سکا۔ چنانچہ آپ کو چھوڑ کر چلا گیا۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا اور اس سے آگے طویل حدیث ذکر کی ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہے: ''اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحٰق کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے آپ کی ایک دعا قبول کرلی ہے جو جی چاہے مانگئے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام نے عرض کی اے اللہ! میں تم سے یہ دعا کرتا ہوں

1۔ الصافات، جلد 37 صفحہ 17 2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 87

تو میری دعا کو قبول فرمالے کہ اولین وآخرین میں سے کوئی بندہ جو تیری بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو تو اسے جنت میں داخلہ عطا فرمانا'' (1)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے دو باتوں میں ایک کا اختیار دیا یا تو یہ کہ میری آدھی امت کو بخش دیا جائے یا یہ کہ میں شفاعت کروں۔ چنانچہ میں نے شفاعت کو پسند کرلیا اور مجھے امید ہے کہ یہ میری ساری امت کے لئے عام ہوگی۔ اگر ایک عبد صالح مجھ سے سبقت نہ لے چکا ہوتا تو میں اس معاملہ میں دعا کی جلدی کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت اسحٰق علیہ السلام سے ذبح ہونے کی تکلیف دور فرمائی تو آپ کو فرمایا گیا اے اسحٰق! مانگو، جو مانگو گے دیا جائے گا''۔ تو حضرت اسحٰق علیہ السلام نے فرمایا واللہ! میں شیطان کے بہکانے سے پہلے ہی اللہ سے ضرور مانگ لوں گا۔ اے اللہ! جو وفات پا جائے اور تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو اسے بخش دے اور جنت میں داخل فرما'' (2)۔ یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اس میں ضعیف الحدیث ہیں اور مجھے تو ڈر ہے کہ یہ الفاظ (جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحٰق علیہ السلام سے امتحان کو دور کیا...... تا آخر) ادراج یعنی راوی کے اپنے نہ ہوں۔ واللہ اعلم۔ اور اگر یہ روایت محفوظ ہے تو سیاق کلام یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہوں۔ انہوں نے بوجہ حسد تحریف کر کے حضرت اسحٰق علیہ السلام کا نام شامل کر دیا ہو۔ کیونکہ مناسک حج اور قربانیاں سرزمین مکہ میں منیٰ کے مقام پر ہوتی ہیں۔ یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کیونکہ وہ سرزمین شام کے علاقے کنعان میں تھے۔

قول تعالیٰ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا یعنی اپنے فرزند دلبند کو ذبح کے لئے لٹانے کے ساتھ تمہارے خواب کا مقصود حاصل ہوگیا۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے بچے کی گردن پر چھری چلا دی لیکن اس نے نہ کاٹا، بلکہ گردن اور چھری کے درمیان تانبے کی سطح حائل ہوگئی اور آپ کو یہ ندا دی گئی کہ آپ نے خواب سچا کر دکھایا۔

ارشاد ہوتا ہے: اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اسی طرح ہم اپنی اطاعت کرنے والوں سے سختیاں اور مشکلات دور کرتے ہیں اور انہیں چھٹکارا اور فراخی دیتے ہیں۔ جیسے اللہ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (الطلاق: 3-2) ''اور جو (خوش بخت) ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے بنا دیتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کا راستہ۔ اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کے لئے وہ کافی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔ مقرر کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے اندازہ''۔

اس آیت اور واقعہ سے علماء اصول کے ایک گروہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ فعل پر قدرت سے پہلے ہی وہ حکم منسوخ ہو سکتا ہے۔ معتزلہ کا ایک گروہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن وجہ استدلال بالکل ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بیٹے کو ذبح کرنا مشروع قرار دیا۔ پھر یہ حکم فدیہ کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا۔ پہلے اس کے مشروع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 82 2۔ مجمع الزوائد، کتاب الانبیاء، جلد 8 صفحہ 2-2، درمنثور، جلد 7 صفحہ 108

بیٹا ذبح کرنے کے ارادے اور اس پر صبر کا ثواب مرحمت فرما دیا جائے۔ اسی لئے فرمایا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ یہ ظاہر و باہر امتحان تھا کیونکہ آپ کو اپنے صاحبزادے کو ذبح کرنے کا حکم ملا۔ آپ نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے حکم خداوندی کو بجالانے میں جلدی فرمائی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى (النجم: 37) ''اور ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں جو پوری طرح احکام بجالائے''۔

قولہ تعالیٰ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ سفید رنگ، بڑی آنکھوں اور سینگوں والا مینڈھا تھا جو ببول کے درخت سے بندھا ہوا تھا۔ ابوطفیل کا قول ہے کہ انہوں نے اسے ثبیر میں ببول کے درخت سے بندھا ہوا پایا۔ (ثبیر ایک پہاڑ کا نام ہے جو مزدلفہ میں ہے اور منیٰ کو جانے والے کے بائیں طرف پڑتا ہے۔) ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ جنت میں چالیس خریف (برس) تک چرتا رہا۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ منیٰ میں ثبیر کے پاس وہ چٹان ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کا فدیہ ذبح فرمایا۔ یہ موٹی آنکھوں اور سینگوں والا مینڈھا ثبیر سے اترا۔ اس وقت یہ ممیا رہا تھا۔ چنانچہ آپ نے اسے ذبح فرمایا۔ یہ وہی مینڈھا تھا جسے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے نے راہ خدا میں قربان کیا تھا۔ یہ محفوظ رہا تا آنکہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بدلے اسے بطور فدیہ ذبح کیا گیا۔ اسی طرح حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مینڈھا جنت میں چرتا رہا حتیٰ کہ وہ ثبیر سے باہر آیا۔ اس پر سرخی مائل اون تھی۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مینڈھے کا نام جریر تھا۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے عبید بن عمیر نے فرمایا کہ آپ نے اسے مقام ابراہیم کے پاس ذبح کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آپ نے اسے منیٰ میں قربان گاہ پر ذبح کیا۔ ہشیم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے آپ کو ذبح کرنے کی نذر مانی تھی۔ آپ نے اسے سو اونٹ ذبح کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ پھر فرمایا اگر میں اسے ایک مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیتا تو یہ بھی کافی تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اسے ذبح عظیم فرمایا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ مینڈھے کی قربانی دی جائے گی اور اکثر کی یہی رائے ہے۔ ثوری نے ایک مجہول آدمی کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ پہاڑی بکرا تھا۔ محمد بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ پہاڑی بکرا تھا جو ثبیر پہاڑ سے اترا تھا جسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے ذبح کیا گیا(1)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے صفیہ بنت شیبہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ عثمان بن طلحہ کو بلایا۔ وہ فرماتی ہیں ایک دفعہ میں نے عثمان سے پوچھا حضور ﷺ نے آپ کو کیوں بلایا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا: میں نے بیت اللہ شریف میں داخلے کے وقت وہاں مینڈھے کے دو سینگ دیکھے تھے۔ پھر میں تمہیں یہ حکم دینا بھول گیا کہ انہیں ڈھانپ دو۔ تم جاؤ اور انہیں ڈھک دو کیونکہ کعبہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہئے جو نمازی کو مشغول کرے۔ سفیان کا قول ہے کہ یہ سینگ بیت اللہ شریف میں لٹکتے رہے حتیٰ کہ بیت اللہ شریف آگ لگنے سے جل گیا تو یہ بھی جل گئے(2)۔

یہ اس بات کی مستقل دلیل ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ قریش کو یہی سینگ بطور میراث ملے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد قریش تک نسل در نسل چلتے آئے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔ واللہ اعلم۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 87

2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 68

سلف سے منقول آثار کا بیان کہ ذبیح کون ہے؟

فصل:

پہلا فریق، جس کی رائے ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے(1)

حمزہ زیات نے ابو میسرہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے فرمایا: ''تو میرے ساتھ کھانا چاہتا ہے اللہ کی قسم! میں یوسف بن یعقوب نبی اللہ ابن اسحٰق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ ہوں۔'' ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن ابی ہذیل سے یہی بات روایت کی ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے عبید بن عمیر کے والد سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے رب! لوگ ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کے خدا کی قسم کیوں اٹھاتے ہیں؟ فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک اللہ کے برابر کوئی چیز نہ تھی مگر انہوں نے ہر بار مجھے ترجیح دی۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام نے ذبح ہونے کے لئے اپنے آپ کو میری راہ میں پیش کر دیا حالانکہ اور چیزیں پیش کر دینا ان کے نزدیک مشکل نہ تھا اور حضرت یعقوب علیہ السلام پر میری طرف سے جوں جوں بلائیں زیادہ آتی گئیں، ان کا حسن ظن میرے ساتھ بڑھتا ہی رہا۔

شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابوالأحوص نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک دفعہ فخر کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں فلاں بن فلاں بن فلاں معزز لوگوں کا بیٹا ہوں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قابل فخر باپ بیٹا تو حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ تھے۔ یہ ابن مسعود سے ثابت ہے۔ اسی طرح عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ذبیح سے مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں۔ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔

عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، شعبی، عبید بن عمیر، ابو میسرہ، زید بن اسلم، عبداللہ بن سقیق، زہری، قاسم بن ابی برزہ، مکحول، عثمان بن ابی حاضر، سدی، حسن، قتادہ، ابو ہذیل اور ابن سابط رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت کعب احبار کے نزدیک بھی اس سے مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں۔ لیکن یہ اقوال صحیح تو اللہ بہتر جانتا ہے، محسوس ہوتا ہے کہ حضرت کعب احبار سے ماخوذ ہیں۔

حضرت کعب احبار عہد فاروقی میں مسلمان ہوئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قدیم کتب کی باتیں سناتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کی باتیں سماعت فرمایا کرتے۔ لوگوں نے اسے رخصت سمجھ کر آپ کی باتیں سننا شروع کر دیں۔ پھر بلا تمیز رطب و یابس آگے بیان کرنے لگے (اور صحیح غلط کی تمیز اٹھ گئی)۔ حق بات تو یہ ہے کہ امت کو ان میں سے ایک حرف کی بھی ضرورت نہ تھی۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول عمر، علی، ابن مسعود اور عباس رضی اللہ عنہم سے اور تابعین میں کعب احبار، سعید بن جبیر، قتادہ، مسروق، عکرمہ، عطاء، مقاتل، زہری اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دو روایتوں میں سے ایک یہی ہے(2)۔

اس بارے میں ایک حدیث بھی ہے اگر وہ حدیث ثابت ہوتی تو ہم کہتے سر آنکھوں پر لیکن اس کی سند صحیح نہیں۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک

1۔ ان روایات کے لئے دیکھئے تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 83

2۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 37

حدیث میں ذبیح سے مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام لئے ہیں(1)۔ لیکن اس کی سند میں دو راوی حسن بن دینار بصری متروک ہیں اور علی بن زید بن جدعان منکر الحدیث ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے علی بن زید بن جدعان سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ یہی روایت ایک دوسری سند سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی بیان کی ہے۔ (یہ زیادہ صحیح ہے) واللہ اعلم۔

ان آثار کا بیان کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہی بات قطعی اور یقینی ہے

اس سے پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت گزر چکی ہے کہ وہ حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے واللہ اعلم۔

سعید بن جبیر، عامر شعبی، یوسف بن مہران، مجاہد، عطاء وغیرہ بہت سے علماء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عطاء بن ابی رباح حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ فدیہ دینے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ یہود کا گمان ہے کہ وہ حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے۔ لیکن وہ جھوٹے ہیں(2)۔ اسرائیل نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہی روایت کیا۔

یوسف بن مہران کا یہی قول ہے۔ شعبی کہتے ہیں کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اور میں نے کعبہ میں دو سینگ لٹکتے دیکھے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے حضرت حسن بصری کے بارے میں نقل کیا ہے کہ آپ کو اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے دو بیٹوں میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم ملا۔

فرمایا: وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (ہود: 71) "تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحاق کی۔ اور اسحاق کے بعد یعقوب کی"۔ یعنی بیٹے اور پوتے کی خوشخبری دی جا رہی ہے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا کیونکہ ابھی ان کے ہاں لڑکا پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے انہیں اکثر یہ کہتے ہوئے سنا(3)۔

ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے سامنے اس بات کا ذکر کیا۔ وہ اس وقت شام میں تھے۔ آپ نے فرمایا اس دلیل تک میرا ذہن نہیں پہنچا تھا۔ گو میری رائے بھی یہی تھی کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ پھر آپ نے شام کے ایک آدمی کو بلایا جو یہودی تھا اور مسلمان ہو گیا تھا اور اچھی طرح اسلام پر کاربند رہا۔ آپ اسے یہودی علماء سے تصور کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا۔ محمد بن کعب کہتے ہیں میں اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے سوال کیا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا؟ وہ کہنے لگا بخدا! اے امیر المؤمنین! وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ یہود یہ بات جانتے ہیں لیکن اے اہل عرب! تم سے حسد کرتے ہیں کہ تمہارے جد امجد کو یہ فضیلت ملے۔ چنانچہ وہ اس کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے۔ کیونکہ حضرت اسحٰق علیہ السلام ان کے جد امجد ہیں۔ حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ بہر حال ان میں سے جو بھی تھا، اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار اور مطیع تھا۔

حضرت عبداللہ بن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: میں نے اپنے باپ سے ذبیح کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون تھے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 81 2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 84 3۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 84

حضرت اسماعیل یا اسحٰق علیہما السلام؟ آپ نے فرمایا حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ (آپ نے یہ بات کتاب الزہد میں ذکر کی ہے۔) ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے میں نے اپنے باپ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ صحیح یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ آپ کا قول ہے کہ حضرات علی، ابن عمر، ابو ہریرہ، ابو طفیل، سعید بن مسیّب، سعید بن جبیر، حسن، مجاہد، شعبی، محمد بن کعب قرظی، ابو جعفر محمد بن علی اور ابو صالح رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ یہی رائے عبداللہ بن عمر، سعید بن مسیّب، سدی، حسن بصری، مجاہد، ربیع بن انس، محمد بن کعب قرظی اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ابن عباس سے بھی ایک روایت یہی ہے(1)۔ ابو عمرو بن علاء سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک غریب حدیث نقل کی ہے۔ انہوں نے اپنی سند سے صنابحی سے بیان کیا ہے کہ ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ تذکرہ چھڑا کہ ذبیح کون ہے حضرت اسماعیل یا اسحٰق علیہما السلام؟ معاویہ نے فرمایا تم نے صحیح آدمی سے سوال کیا۔ ہم ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں تھے کہ ایک آدمی نے آکر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اے دو ذبیحوں کے بیٹے جو کچھ اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے مجھے بھی آپ اس میں سے عطا فرمائیے۔ سرکار یہ سن کر مسکرا دیئے۔ عرض کی گئی امیر المؤمنین! دو ذبیح کون ہیں؟ آپ نے فرمایا جب حضرت عبدالمطلب کو بئر زمزم کھودنے کا حکم ملا تو آپ نے اللہ کی یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے معاملے کو آسان فرما دیا تو آپ ایک صاحبزادے کی قربانی دیں گے۔ فرمایا قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا ان کے ماموؤں نے اس بات سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگے اپنے بیٹے کے فدیہ میں سو اونٹ ذبح کرو۔ چنانچہ آپ نے سو اونٹ ذبح فرمائے اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ اموی نے اسے اسی طرح اپنے مغازی میں بیان کیا ہے۔ میں نے ایک اغلاط آمیز نسخہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے اور دلیل یہ دی ہے کہ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (الصافات:101) ''پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا''۔ میں اس بشارت سے مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں۔ قرآن کریم میں ایک اور جگہ آیا ہے فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ (الذاریات:28) ''اور انہوں نے بشارت دی آپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی''۔ یہاں بھی حضرت اسحٰق علیہ السلام مراد ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت کا آپ نے یہ جواب دیا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچ گئے تھے۔ اور ممکن ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ اور بھی کوئی اولاد ہوئی ہو اور فرمایا: وہ دو سینگ جو کعبہ میں لٹکے ہوئے تھے ممکن ہے کہ بلاد کنعان سے لائے گئے ہوں۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ بعض لوگوں کی رائے میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کو یہیں ذبح کیا گیا۔ اپنی تفسیر میں انہوں نے اسی بات پر اعتماد کیا ہے(2)۔ ان کی رائے نہ تو مذہب ہے اور نہ لازم ہے۔ بلکہ یہ حقیقت سے بہت دور ہے۔ محمد بن کعب قرظی کا استدلال کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے زیادہ پختہ، واضح اور اقویٰ ہے، واللہ اعلم۔

جہاں تک آیت کریمہ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ کا تعلق ہے جب اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں پھر ان کے بھائی حضرت اسحٰق علیہ السلام کے تولد ہونے کی بشارت کا عطف اس پر کیا جا رہا ہے۔ سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں میں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 32
2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 86-85

نے اس کا ذکر کیا ہے(1)۔

لفظ نبیًّا حال مقدرہ ہے یعنی نبی صالح بن جائیں گے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند سے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں اور اس آیت کریمہ میں بشارت سے مراد نبوت کی بشارت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِیًّا (مریم:53) ''اور ہم نے بخشا انہیں اپنی خاص رحمت سے ان کا بھائی ہارون جو نبی تھا''۔ حضرت ہارون، حضرت موسیٰ علیہما السلام سے بڑے تھے لیکن مراد یہ ہے کہ انہیں نبوت عطا فرمائی۔ ابن عبدالاعلی نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ صالح نبی کی اس آیت میں بشارت دی گئی ہے۔ فرمایا آپ کی نبوت کی بشارت اس وقت دی جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی جگہ ذبح میں فدیہ قبول فرمایا۔ نبوت کی بشارت ولادت کے وقت نہیں تھی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ کی بشارت دومرتبہ دی گئی۔ ولادت کے وقت اور نبوت سے قبل۔ سعید بن ابی عروبہ نے بھی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے کہ جب آپ نے اپنی جان کی قربانی دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری دی۔

فرمایا: وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَعَلٰۤى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ (ہود:48) ''ارشاد ہوا اے نوح! (کشتی سے) اتریئے امن وسلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر ہیں اور ان قوموں پر جو آپ کے ہمراہ ہیں اور (آئندہ) کچھ قومیں ہوں گی ہم لطف اندوز کریں گے انہیں پھر پہنچے گا انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب''۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ۚ وَنَجَّیْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۱۵﴾ۚ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ۚ وَاٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ ﴿۱۱۷﴾ۚ وَهَدَیْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۱۱۸﴾ۚ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِمَا فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ۙ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۲﴾

''ہم نے احسان فرمایا موسیٰ وہارون (علیہما السلام) پر اور ہم نے بچالیا ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم واندوہ سے۔ اور ہم نے ان کی مدد فرمائی پس ہو گئے وہی غلبہ پانے والے۔ اور ہم نے بخشی ان دونوں کو ایسی کتاب جو نہایت واضح ہے۔ اور ہم نے ہدایت دی انہیں سیدھے راستہ کی۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔ سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر۔ ہم اسی طرح جزادیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو۔ بے شک وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اس بات کا ذکر فرمارہے ہیں کہ ہم نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو نبوت کا انعام عطا فرمایا اور آپ کو آپ کے پیروکاروں اور آپ کی قوم کو فرعون کے قہر وجبروت سے نجات بخشی جو انہیں از حد رسوا کرتا تھا، ان کے بیٹوں کو قتل کردیتا، عورتوں کو زندہ رکھتا اور ان سے خسیس کام کرواتا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اس پر نصرت عطا فرمائی اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ چنانچہ وہ ان پر غالب

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ہود آیت، جلد 71 سورۂ حجر آیت: 53

آ گئے ان کی زمینوں اور اموال پر قبضہ کر لیا۔ ان کی ساری جمع شدہ پونجی کے یہ مالک بن گئے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر واضح اور عظیم کتاب نازل فرمائی جو کہ تورات ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِیَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ (الانبیاء:48) ''اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرقان اور روشنی''، اور اقوال و افعال میں انہیں صراط مستقیم عطا فرمائی اور ان کا ذکر جمیل اور ثنا گستری کو باقی رکھا۔

وَ اِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَ رَبَّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ یَاسِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۲﴾

''اور بے شک الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے ہیں۔ (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟ کیا تم عبادت کرتے ہو بعل کی اور چھوڑے ہوئے ہو احسن الخالقین کو۔ (یعنی) اللہ کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی پروردگار ہے۔ پھر انہوں نے آپ کو جھٹلایا پس یقیناً انہیں (پکڑ کر) حاضر کیا جائے گا بجز اللہ کے بندوں کے جو مخلص ہیں۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔ سلام ہو الیاس پر۔ ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو۔ بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں۔''

قتادہ اور محمد بن اسحٰق رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے الیاس سے مراد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت کیا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ وہب بن منبہ کا قول ہے کہ یہ الیاس بن نسی بن فخاص بن عیزار بن ہارون بن عمران ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں حضرت حزقیل علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں مبعوث فرمایا تھا۔ وہ اس وقت بعل نامی ایک بت کی پرستش کرتے تھے۔ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور ماسوا اللہ کی عبادت سے منع فرمایا ان کا بادشاہ بھی آپ پر ایمان لے آیا تھا وہ پھر مرتد ہو گیا۔ چنانچہ وہ اپنی گمراہی پر اڑے رہے اور ان میں سے کوئی بھی آپ پر ایمان نہ لایا۔ آپ نے ان کے خلاف بددعا فرمائی۔ تین سال تک ان پر بارش نہ ہوئی۔ مجبوراً انہوں نے آپ سے دعا کی درخواست کی اور بارش ہونے کی صورت میں ایمان لانے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی تو بارش ہوئی۔ لیکن وہ پہلے سے بھی زیادہ سختی سے کفر پر اڑے رہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ آپ کو اپنی طرف اٹھا لے۔ آپ کے زیر سایہ یسع بن اخطوب علیہ السلام نے پرورش پائی تھی۔ چنانچہ حضرت الیاس علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فلاں جگہ چلے جائیں۔ جو چیز آپ کو ملے اس پر سوار ہو جائیں اور اس سے نہ ڈریں۔ آگ کا ایک گھوڑا آپ کے پاس آیا۔ آپ اس پر سوار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور اور پر عطا فرمائے۔ آپ فرشتوں کے ساتھ مل کر اڑنے لگے اور فرشتوں کے ساتھ آسمانی، زمینی، انسانی فرشتہ بن گئے۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے اہل کتاب سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ اس واقعہ کی صحت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے، واللہ اعلم (1)۔

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 118، تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 94-92

قولہ تعالیٰ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو کہ اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہو۔

قولہ تعالیٰ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ بعل کا معنی رب ہے۔ یعنی وہ بت کو بعل کہتے تھے۔ عکرمہ اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ اہل یمن کی لغت ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہی ایک دوسری روایت ہے کہ یہ ازدشنوءۃ کی لغت ہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بعض اہل علم نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ ایک عورت کی پوجا کرتے تھے جس کا نام بعل تھا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ یہ بت کا نام ہے، اہل شہر جس کی پوجا کرتے تھے۔ اس شہر کا نام بعلبک تھا جو کہ دمشق کے مغرب میں واقع تھا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے بت ہی قرار دیا ہے۔ اتدعون بعلا کیا تم بت کی پرستش کرتے ہو اور جو وحدہ لاشریک عبادتوں کا مستحق ہے اسے چھوڑ دیتے ہو۔

قولہ تعالیٰ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ یعنی عذاب کے سامنے قیامت کے دن۔ مخلصین سے مراد موحدین ہیں۔ یہ کلام مثبت اور استثناء منقطع ہے۔

قولہ تعالیٰ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ یعنی ہم نے ان کا ذکر خیر باقی رکھا۔

قولہ تعالیٰ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ "ال یاسین" کی قراءت ایسے ہی ہے جس طرح اسماعیل کو اسماعین کر کے پڑھا جاتا ہے اور یہ بنو اسد کی لغت ہے۔ بنو تمیم کا کوئی شاعر جس نے گوہ کا شکار کیا تھا اس کے متعلق کہتا ہے(2)۔

يَقُوْلُ رَبُّ السوقِ لَمَّا جِيْنَا ہٰذَا وَرَبُّ الْبَيْتِ اِسْرَائِيْنَا

میکائیل کو میکال اور میکائن بھی کہا جاتا ہے اور ابراہیم کو ابراہام اور اسرائیل کو اسرائین، طور سینا کو طور سینین بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سب ایک ہی چیز کے اسماء ہیں اور دونوں طرح پڑھنا روا ہے۔ کچھ اور قراء نے سلامٌ علی ادراسین کر کے پڑھا ہے(1)۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت بھی یہی ہے۔ بعض قراء نے سَلٰمٌ عَلٰۤى اٰلِ يَاسِيْنَ پڑھا ہے یعنی اس سے مراد آل محمد ﷺ ہیں۔

اس فرمان: اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے، واللہ اعلم۔

وَ اِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ بِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

"اور بے شک لوط بھی پیغمبروں میں ہیں۔ (یاد کرو) جب بچا لیا ہم نے انہیں اور ان کے سارے اہل خانہ کو۔ بجز ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے برباد کر دیا دوسرے لوگوں کو۔ اور تم گزرتے رہتے ہو ان (کے اجڑے دیاروں) پر صبح کے وقت اور رات کے وقت۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ اللہ نے انہیں ان کی قوم کی طرف بھیجا لیکن انہوں نے آپ کی تکذیب کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اور آپ کے گھر والوں کو نجات دے دی۔ صرف آپ کی بیوی قوم سمیت ہلاک کر دیا گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انواع واقسام کے عذاب سے انہیں ہلاک کیا۔ ان کی رہائش کی جگہ ایک بدبودار جھیل (بحیرہ) بن گئی۔ جس کا پانی بدمنظر، بے ذائقہ اور بدبودار ہے جو عین آمد و رفت کے راستے میں پڑتی ہے۔ مسافر دن رات اس کے پاس

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 94، آلوسی: روح المعانی، جلد 23 صفحہ 142

سے گزرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِنَّکُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ بِالَّیْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی تم عبرت کیوں نہیں پکڑتے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے انہیں تباہ کر دیا اور تم جانتے ہو کہ کفار کی مثالیں اسی طرح ہیں۔

وَ اِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِیْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْ لَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ ﴿۱۴۸﴾

''اور بیشک یونس بھی (ہمارے) رسولوں میں سے ہیں۔ جب وہ بھاگ کر گئے تھے بھری ہوئی کشتی کی طرف (سوار ہونے کے لئے) پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوئے اور دھکیلے ہوؤں میں سے ہو گئے۔ پس نگل لیا انہیں حوت نے درآنحالیکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ پس اگر وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے والوں سے نہ ہوتے، تو پڑے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک۔ پھر ہم نے ڈال دیا انہیں کھلے میدان میں اس حال میں کہ وہ بیمار تھے۔ اور (ان کی حفاظت کے لئے) ہم نے اگا دی ان پر کدو کی بیل۔ اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں کچھ وقت تک''۔

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ سورۂ انبیاء میں گزر چکا ہے۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی بندے کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن مَتّٰی سے افضل ہوں''۔ اور آپ کو آپ کی والدہ کی طرف منسوب فرمایا(1)۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ نام آپ کے والد کا ہے۔

قولہ تعالیٰ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد ہے سامان سے بھری ہوئی کشتی۔

قولہ تعالیٰ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ قرعہ اندازی کی تو آپ مغلوب ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کشتی کو چاروں طرف سے موجوں نے گھیر لیا تھا۔ انہوں نے قرعہ اندازی کی کہ جس کے نام کا قرعہ نکل آئے اسے سمندر میں پھینک دیا جائے تاکہ کشتی کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ چنانچہ قرعہ اللہ کے نبی حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کے نام نکلا۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ وہ آپ کو پانی میں بہانا نہیں چاہتے تھے۔ لوگوں کے روکنے کے باوجود آپ خود کپڑے اتار کر سمندر میں کود پڑے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بحر اخضر کی ایک بہت بڑی مچھلی کو حکم دیا کہ سمندر چیرتی ہوئی جائے اور حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لے۔ نہ ان کے جسم پر کوئی خراش آئے اور نہ کوئی ہڈی ٹوٹے۔ چنانچہ وہ مچھلی آئی اور جب حضرت یونس علیہ السلام نے چھلانگ لگائی اس نے آپ کو نگل لیا اور سمندروں میں چلنے پھرنے لگی۔ جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو آپ نے خیال فرمایا کہ میں مر چکا ہوں۔ پھر آپ نے سر، پاؤں اور بازوؤں کو حرکت دی تو سمجھے کہ میں ابھی زندہ ہوں۔ چنانچہ کھڑے ہو کر مچھلی کے پیٹ کے اندر ہی نماز پڑھنے لگے اور اللہ سے دعا کی: بارالہا! میں نے تیرے لئے ایسی جگہ مسجد بنائی ہے جہاں کوئی نہ پہنچا ہو گا۔

1۔ بخاری، جلد 4 صفحہ 193، مسلم، کتاب الفضائل، فتح الباری، تفسیر سورۂ نساء، جلد 8 صفحہ 294-267، نیز کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 512 نیز کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 451-450

آپ مچھلی کے پیٹ میں کتنا عرصہ رہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قول ہے کہ تین دن۔ قتادہ کی یہی رائے ہے۔ ایک قول ہے سات دن۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے۔ ایک قول ہے کہ چالیس دن۔ ابو مالک کا قول یہی ہے۔ مجاہد نے شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ مچھلی نے آپ کو صبح کے وقت نگلا اور شام کو اگل دیا۔ اس کی صحیح مقدار کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ امیہ بن ابی الصّلت کا شعر ہے: (1)

وَأَنتَ بِفَضْلٍ مِنْكَ نَجَّيْتَ يُونُسًا وَقَدْ بَاتَ فِي اَضْعَافِ حُوْتٍ لَيَالِيَا

قولہ تعالیٰ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ یعنی اس سے پیشتر فراخی کے وقت ان کا کوئی عمل نہ ہوتا۔ ضحاک بن قیس، ابوالعالیہ، وہب بن منبہ، قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے بہت سے علماء کا یہی قول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔ ایک حدیث جسے ہم آگے بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ وہ بھی اسی بات کی دلیل ہے بشرطیکہ یہ روایت صحیح ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''فراخی میں اللہ کو پہچان وہ تنگی میں تجھے پہچانے گا''۔

ابن عباس، سعید بن جبیر، ضحاک، عطاء بن سائب، سدی، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ تسبیح سے مراد نماز ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں جانے سے قبل نماز پڑھا کرتے تھے۔ بعض کا قول ہے کہ اپنے والدین کے پیٹ میں نماز پڑھتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (الانبیاء: 88-87) ''پھر اس نے پکارا (تہ در تہ) اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاک ہے تو۔ بے شک میں ہی قصورواروں سے ہوں۔ پس ہم نے اس کی پکار کو قبول فرمالیا اور نجات بخش دی انہیں غم (واندوہ) سے۔ اور یونہی ہم نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو''۔ سعید بن جبیر وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے یزید الرقاشی سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے انس بن مالک کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ اور میں نہیں جانتا مگر یہ کہ انس حدیث کو رسول اللہ ﷺ تک مرفوع بیان کرتے تھے کہ حضرت یونس نبی علیہ السلام کو جب ان کلمات کا خیال آیا تو آپ نے مچھلی کے پیٹ میں ہی یہ دعا مانگی: اللهم لا إله إلا انت سبحانك إني كنت من الظالمين تو یہ دعا عرش کے گرد منڈلانے لگی۔ فرشتوں نے عرض کی اے رب! یہ کمزور آواز ہے لیکن جانی پہچانی لگتی ہے جو کسی دور دراز کے عجیب وغریب ملک سے آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ عرض کرنے لگے اے رب یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا بندہ یونس۔ انہوں نے عرض کی تیرا بندہ وہی یونس جن کے نیک اعمال اور مقبول دعائیں ہمیشہ اٹھائی جاتی ہیں۔ انہوں نے عرض کی اے رب! تو ان پر کیوں رحم نہیں فرماتا۔ جو وہ کشادگی کے وقت نیک اعمال کیا کرتے تھے، اس کے بدلے انہیں امتحان میں سرخرو فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور مچھلی کو حکم دیا تو اس نے آپ کو کھلی زمین پر ڈال دیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے سنا کہ اللہ نے آپ کو کھلی زمین کے کنارے ڈالا اور اس کے کنارے اللہ نے کدو کی بیل اگا دی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اللہ نے آپ کے لئے ایک جنگلی بکری بھیجی جو صبح وشام آپ کی خدمت میں آتی تھی۔ آپ اس کا دودھ پیتے تھے۔

امیہ بن ابی الصّلت نے ایک شعر کہا ہے:

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 228

فَانۢبَتَ یَقۡطِیۡنًا علیه برحمةٍ من اللهِ لولا اللهُ اَلۡفِیَ ضَاحِیًا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوعاً سند کے ساتھ سورۂ انبیاء میں مذکور ہو چکی ہے(1)۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَنَبَذۡنٰهُ بِالۡعَرَآءِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے کہ یہ ایسی زمین ہے جس میں نباتات اور آبادی نہ تھی۔ ایک قول ہے کہ یہ دجلہ کا کنارہ تھا۔ دوسرا قول ہے کہ سرزمین یمن تھی۔ واللہ اعلم۔

وَهُوَ سَقِيۡمٌ یعنی بدن کمزور ہو چکا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ چوزے کی طرح جس کے پر نہ ہوں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بچے کی طرح جب وہ پیدا ہوتا ہے یعنی صرف سانس لے رہا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابن زید نے بھی یہی کہا ہے۔

وَ اَنۡۢبَتۡنَا عَلَيۡهِ شَجَرَةً مِّنۡ يَّقۡطِيۡنٍ حضرت ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، وہب بن منبہ، ہلال بن یساف، عبداللہ بن طاؤس، سدی، قتادہ، ضحاک، عطاء خراسانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کثیر علماء کا قول ہے کہ یہ کدو کا درخت (بیل) ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر وہ درخت جس کی عمر ایک سال ہو وہ یقطین ہے۔

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ کدو کے بہت سے فوائد ہیں۔ بہت جلد اُگنا، بڑھنا، پتوں کے بڑا اور نرم ہونے کی وجہ سے سایہ گھنا ہونا۔ مکھی اس کے قریب نہیں آتی۔ اس کا پھل غذا کا کام دیتا ہے۔ اس کو کچا یا پکا کر گودے اور چھلکے سمیت کھایا جاتا ہے۔ مروی ہے رسول اللہ ﷺ کدو پسند فرمایا کرتے تھے اور سالن کے برتن سے اسے تلاش کیا کرتے تھے(2)۔

قولہ تعالیٰ وَاَرۡسَلۡنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلۡفٍ اَوۡ يَزِيۡدُوۡنَ شہر بن حوشب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی نبوت اس وقت شروع ہوئی جب آپ مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت بیان کی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں جانے سے قبل آپ ان کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔

میں کہتا ہوں اس میں کوئی مانع نہیں کہ جن لوگوں کی طرف آپ پہلے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے، مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد دوبارہ ان کی طرف لوٹنے کا حکم دیا گیا۔ ان سب نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد آپ کو ایک اور امت کی طرف بھیجا گیا۔ جن کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زیادہ تھی(3)۔

قولہ اَوۡ يَزِيۡدُوۡنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ او یہاں بمعنی بل ہے اور ان کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار تھی۔ ایک روایت میں ایک لاکھ تیس ہزار یا اس سے کچھ اوپر، ایک روایت میں ایک لاکھ چالیس ہزار یا اس سے کچھ اوپر، واللہ اعلم۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ستر ہزار۔

مکحول کا قول ہے کہ وہ ایک لاکھ دس ہزار تھے(4)۔

ابن ابی حاتم اور جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی سند سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی وضاحت پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا ان کی تعداد بیس ہزار تھی۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے یہی روایت کیا ہے اور اسے غریب قرار دیا ہے(5) اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ

1۔ شعر کے لئے دیکھئے تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 103 تفسیر سورۂ رعد آیت 2 سورۂ طٰہٰ آیت: 44

2۔ بخاری، جلد 7 صفحہ 102-98 فتح الباری، کتاب الاطعمۃ، جلد 9 صفحہ 563، مسلم کتاب الاشربہ، جلد 3 صفحہ 1615

3۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 43 4۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 97 5۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ صافات، جلد 12 صفحہ 108

علیہ لکھتے ہیں کہ اہل بصرہ میں سے بعض اہل عرب کی رائے میں یہ تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ یہی مسلک انہوں نے ان آیات میں اختیار کیا ہے۔ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (البقرہ:73) ''پھر سخت ہو گئے تمہارے دل یہ منظر دیکھنے کے بعد بھی وہ تو پتھر کی طرح (سخت) ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ''۔ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً (النساء:77) ''تب ایک گروہ ان میں سے ڈرنے لگا لوگوں سے جیسے ڈرا جاتا ہے خدا سے یا اس سے بھی زیادہ''۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (النجم:9) ''یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہوسکتا ہے۔

قولہ تعالیٰ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ یہ ساری قوم ایمان لے آئی جن کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا تھا۔ اِلٰى حِيْنٍ سے مراد موت کا وقت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (یونس:98) ''پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی تو نفع دیتا اسے اس کا ایمان (کسی سے ایسا نہ ہوا) بجز قوم یونس کے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں ایک مدت تک''۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

''ذرا پوچھئے ان (نادانوں) سے کیا آپ کے رب کے لئے تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے۔ آیا جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا تو کیا وہ موجود تھے۔ غور سے سنو! وہ جھوٹی تہمت لگاتے ہیں جب وہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ نے بچے جنے۔ اور وہ بلاشبہ جھوٹ بکتے ہیں۔ کیا اس نے پسند کی ہیں (اپنے لئے) بیٹیاں، بیٹوں کو چھوڑ کر۔ تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو۔ کیا تم غور وفکر نہیں کیا کرتے۔ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے۔ تو اپنی وہ دستاویز پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ اور ٹھہرا دیا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ۔ حالانکہ جن خود جانتے ہیں کہ انہیں (پکڑ کر) پیش کیا جائے گا۔ پاک ہے اللہ ان (لغویات) سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ مگر اللہ کے چنے ہوئے بندے (ایسی ہرزہ سرائی نہیں کرتے)''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مشرکین کا انکار فرما رہے ہیں کہ اللہ کے لئے تو انہوں نے لڑکیاں پسند کی ہیں اور اپنے لئے جو وہ چاہتے ہیں یعنی لڑکے۔ یعنی اپنے لئے اچھی چیز پسند کرتے ہیں۔ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ (النحل:58) ''اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو بیٹی (کی پیدائش) کی تو (غم سے) اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ (رنج واندوہ) سے بھر جاتا ہے''۔ یعنی اسے برا محسوس ہوتا ہے اور اپنے لئے صرف لڑکے پسند کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں کہ انہوں نے یہ تقسیم اللہ کی طرف کیسے

منسوب کر دی ہے جسے وہ خود پسند نہیں کرتے۔ اسی لئے فرمایا: فَاسْتَفْتِهِمْ یعنی علی سبیل الانکار ان سے پوچھئے: اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰى (النجم:22-21) ''کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لئے نری بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے''۔

قولہ تعالیٰ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ انہوں نے فرشتوں کے بارے میں یہ حکم کیسے لگا دیا کہ وہ لڑکیاں ہیں حالانکہ وہ ان کی تخلیق کے وقت موجود نہ تھے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَیُسْئَلُوْنَ (الزخرف:19) ''اور انہوں نے ٹھہرالیا فرشتوں کو جو (خداوند) رحمٰن کے بندے ہیں، عورتیں۔ کیا یہ موجود تھے ان کی پیدائش کے وقت؟ لکھ لی جائے گی ان کی گواہی اور ان سے باز پرس ہوگی''۔ قیامت کے دن ان سے پوچھا جائے گا۔

فرمایا: اَلَاۤ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَیَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ یعنی وہ جھوٹ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں ان کے تین اقوال ذکر کئے ہیں جو جھوٹ اور کفر کی انتہاء ہیں:۔

(۱) فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں قرار دے کر اس کی اولاد ثابت کر دی۔

(۲) پھر اس اولاد کو بھی لڑکیاں قرار دیا۔

(۳) پھر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت شروع کر دی۔

ان میں سے ہر قول ان کے نار جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لئے کافی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کا انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِیْنَ یعنی کیا وجہ ہے کہ اس نے لڑکے چھوڑ کر لڑکیاں اپنے لئے پسند فرمائیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا (الاسراء:40) ''پس کیا چن لیا ہے تمہیں تمہارے رب نے بیٹوں کے لئے اور (اپنے لئے) بنا لیا ہے فرشتوں کو بیٹیاں۔ (صد افسوس) تم تو ایسی بات کہہ رہے ہو جو بہت سخت ہے''۔ اسی لئے فرمایا مَا لَكُمْ ۫ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ کیا تمہارے پاس عقل نہیں۔ جس سے کام لے کر تم یہ سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟

سلطان سے مراد حجت اور دلیل ہے۔

قولہ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ یعنی اس پر دلیل ذکر کرو جس کی سند کسی آسمانی کتاب سے ہو کہ اس نے اختیار کر لیا ہے جو تم کہتے ہو۔ بلاشبہ جو تم کہتے ہو اسے عقل کی طرف منسوب کرنا ممکن نہیں بلکہ عقل اسے کلیۃً جائز ہی قرار نہیں دیتی۔

قولہ وَجَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مشرکوں نے کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا تو پھر ان کی مائیں کون سی ہیں؟ وہ کہنے لگے جن سرداروں کی لڑکیاں۔ قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ یعنی جن کی طرف انہوں نے منسوب کیا تھا وہ جنات بھی یہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کو جھٹلانے کی وجہ سے قیامت کے دن عذاب پر پیش کئے جائیں گے۔

عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَجَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا کے تحت روایت کیا ہے کہ دشمنان خدا نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور ابلیس دونوں بھائی ہیں۔ تعالی اللہ عن ذلك علوا كبيرا ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کیا ہے۔

قولہ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے مقدس اور منزہ ہے کہ اس کی اولاد ہو یا جو یہ ظالم ملحد الزام لگاتے ہیں وہ

اس سے برتر اور پاک ہے۔

قولہ اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الْمُخْلَصِیْنَ یہ استثناء منقطع ہے اور کلام مثبت ہے بشرطیکہ عَمَّا یَصِفُوْنَ کی ضمیر الناس (سب لوگوں) کی طرف لوٹ رہی ہو۔ پھر ان میں سے مخلص لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہر نبی مرسل پر نازل شدہ حق کی اتباع کرتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ سے استثناء کیا ہے۔ لیکن ان کا یہ قول محل نظر ہے۔ واللہ اعلم۔

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿١٦١﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿١٦٢﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿١٦٤﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿١٦٥﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿١٦٦﴾ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧٠﴾

''پس تم اور جن (جھوٹے خداؤں) کی تم پوجا کرتے ہو۔ تم (سب مل کر) اللہ کے خلاف (کسی کو) نہیں بہکا سکتے۔ مگر اسے جو تاپنے والا ہے بھڑکتی آگ کو۔ اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لئے مقام متعین ہے۔ اور ہم پرے باندھے (مقام نیاز میں) کھڑے ہیں۔ اور بیشک ہم اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں۔ اور وہ (بعثت نبوی سے پہلے) کہا کرتے تھے اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت ہوتی پہلے لوگوں کی طرف سے تو ہم اللہ کے مخلص بندے بن جاتے۔ پس (جب نصیحت آئی) تو اسے ماننے سے انکار کر دیا وہ عنقریب (اپنا انجام) جان لیں گے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مشرکین کو فرمارہے ہیں کہ تمہاری بات اور جس گمراہی اور باطل میں تم مبتلا ہوا سے وہی مانیں گے جو تم سے زیادہ گمراہ ہیں۔ جو صرف آگ کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۗ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (الاعراف:179) ''ان کے دل (تو) ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں ان سے اور ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں ان سے اور ان کے کان تو ہیں لیکن وہ سنتے نہیں ان سے۔ وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہی لوگ تو غافل ہیں''۔

لوگوں کی یہی صنف دین شرک وکفر اور ضلالت وگمراہی کی پیروی کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿٨﴾ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ (الذاریات:9-8) ''بیشک تم مختلف (بے ربط) باتوں میں پڑے ہو۔ منہ پھیرے ہے اس (قرآن) سے جس کا منہ ازل سے ہی پھیر دیا گیا ہے''۔ یعنی اس کے ساتھ صرف وہی گمراہ ہوتا ہے جو بہکا ہوا اور باطل پرست ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس سے منزہ قرار دیا جو وہ ان کی طرف کفر کی نسبت کرتے تھے اور یہ جھوٹ بولتے تھے کہ وہ اللہ کی لڑکیاں ہیں۔

قولہ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ یعنی آسمانوں میں ہر فرشتہ کی جگہ اور مقام عبادت مخصوص ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھتا۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن خالد کے حالات میں یہ ذکر کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے ارشاد فرمایا: ''آسمان چرچرا رہا ہے اور اسے چرچرانا بھی چاہئے (کیونکہ) اس میں ایک قدم رکھنے کی جگہ بھی باقی نہیں ہے مگر وہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ رکوع میں ہے یا سجدہ ریز ہے''۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مسروق رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان دنیا پر کوئی جگہ نہیں ہے مگر وہاں کوئی فرشتہ حالت قیام یا سجدہ میں ہے۔ اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مسروق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بے شک آسمانوں میں ایک ایسا آسمان ہے جس میں ایک بالشت بھر جگہ بھی باقی نہیں جہاں کسی نہ کسی فرشتے کے قدم اور پیشانی نہ ہو۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مرد اور عورتیں مل کر ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ تو مرد آگے ہو گئے اور عورتیں پیچھے ہو گئیں۔

وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ یعنی اطاعت میں ہم صف بستہ ہیں۔ جیسے اس آیت کے تحت گزرا وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا (الصافات:1) ''قسم ہے (مقام نیاز میں) پرے باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی)۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے ولید بن عبداللہ بن اَبی مغیث سے روایت کیا ہے کہ وہ نماز میں صفیں نہیں باندھتے تھے پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے صفیں بنالیں(1)۔

ابونضرۃ کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے وقت لوگوں کی طرف منہ کر کے فرمایا کرتے: ''اپنی صفوں کو درست رکھو، سیدھے کھڑے رہو۔ اللہ تعالیٰ تم سے بھی فرشتوں کی طرح صف بندی چاہتا ہے۔ پھر فرماتے وَ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ اے فلاں پیچھے ہو۔ اے فلاں آگے بڑھو۔'' پھر آگے بڑھ کر تکبیر کہتے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی روایت کیا ہے(2)۔ صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمیں لوگوں پر تین اعتبار سے فضیلت دی گئی ہے: 1۔ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح ہیں، 2۔ ہمارے لئے ساری روئے زمین مسجد بنادی گئی ہے، 3۔ اور اس کی مٹی پاک بنائی گئی، الحدیث(3)۔

قولہ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ یعنی ہم صفیں باندھ لیتے ہیں۔ اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کی بزرگی بیان کرتے ہیں اور اسے نقائص سے مقدس اور منزہ جانتے ہیں۔ ہم اسی کے بندے، اسی کے محتاج اور اسی کے تابع ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان تینوں آیات سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے تسبیح سے مراد نماز لی ہے یعنی اپنی عبادت کی جگہ ثابت قدم رہتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ (الانبیاء:26-29) ''وہ کہتے ہیں بنالیا ہے رحمٰن نے (اپنے لئے) بیٹا سبحان اللہ! (یہ کیونکر ہو سکتا ہے) بلکہ وہ تو (اس کے) معزز بندے ہیں۔ نہیں سبقت کرتے اس سے بات کرنے میں اور وہ اسی کے حکم پر کار بند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا ہے اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اس کی بے نیازی کے باعث) اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں۔ اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اسے ہم سزا دیں گے جہنم کی۔ یونہی ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو''۔

قولہ تعالیٰ وَ اِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ حضور ﷺ کی آمد سے قبل وہ یہ آرزو کرتے تھے کاش ان کے پاس کوئی شخص آتا جو انہیں ڈراتا اللہ کے امر سے اور اگلے لوگوں کے واقعات سناتا اور اللہ کی کتاب ان کے پاس

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 136 2۔ طبری، جلد 23 صفحہ 112 3۔ مسلم، جلد 2 صفحہ 63، کتاب المساجد

لاتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ لَئِنْ جَآءَہُمْ نَذِیْرٌ لَّیَکُوْنُنَّ اَہْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَہُمْ نَذِیْرٌ مَّا زَادَہُمْ اِلَّا نُفُوْرًا (فاطر:42) ''اور (کفار مکہ) اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ زیادہ ہدایت قبول کریں گے پہلی امتوں سے۔ پس جب آ گیا ان کے پاس ڈرانے والا تو ان کی (حق سے) نفرت اور بڑھ گئی''۔ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْکِتٰبُ عَلٰی طَآئِفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۖ وَاِنْ کُنَّا عَنْ دِرَاسَتِہِمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْکِتٰبُ لَکُنَّآ اَہْدٰی مِنْہُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَہُدًی وَّرَحْمَۃٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَصَدَفَ عَنْہَا ۗ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا کَانُوْا یَصْدِفُوْنَ (الانعام:156-157) ''ہم نے اسے اتارا ہے) تا کہ یہ نہ کہو کہ اتاری گئی تھی کتاب تو صرف دو گروہوں پر ہم سے پہلے اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے یا یہ نہ کہو کہ اگر اتاری گئی ہوتی ہم پر تو ہوتے ہم زیادہ ہدایت پانے والے ان سے۔ بے شک آ گئی ہے تمہارے پاس روشن دلیل اپنے رب کی طرف سے اور سراسر ہدایت اور رحمت تو کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو اور منہ پھیرا ان سے عنقریب ہم سزا دیں گے انہیں جو منہ موڑتے ہیں ہماری آیتوں سے برے عذاب سے اس وجہ سے کہ وہ منہ پھیرا کرتے تھے''۔

قولہ تعالیٰ فَکَفَرُوْا بِہٖ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ان کے کفر اور اللہ کے رسول ﷺ کو جھٹلانے پر پختہ وعدہ اور شدید دھمکی دی جارہی ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّہُمْ لَہُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَہُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْہُمْ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْہُمْ فَسَوْفَ یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِہِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْہُمْ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

''اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی۔ اور بیشک ہمارا لشکر ہی غالب ہوا کرتا ہے۔ پس آپ رخ (انور) پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر۔ اور ملاحظہ فرماتے رہئے ان (کے حالات) کو وہ (خود بھی) اپنا انجام دیکھ لیں گے۔ کیا وہ ہمارے عذاب (کے اترنے) کے لئے جلدی مچا رہے ہیں۔ پس جب وہ اترے گا ان کے آنگن میں تو وہ صبح بڑی خوفناک ہوگی جنہیں ڈرایا جاتا تھا۔ اور رخ انور پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر کے لئے۔ اور (قدرت الٰہی کا تماشا) دیکھتے رہئے، وہ بھی اپنا انجام دیکھ لیں گے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے پہلی کتاب میں بھی یہ واضح کر دیا تھا کہ دنیا اور آخرت میں ہمارے رسولوں اور ان کے پیروکاروں کا انجام ہی بہتر ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ۗ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (المجادلہ:21) ''اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آ کر رہیں گے بے شک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْہَادُ (غافر:51) ''بے شک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے''۔

قولہ تعالیٰ اِنَّہُمْ لَہُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ یعنی دنیا اور آخرت میں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ ان کی قوم سے ان کی تکذیب اور مخالفت کرنے

والوں پر اللہ نے انہیں نصرت عطا فرمائی اور کس طرح کفار کو ہلاک کر دیا اور اپنے مومن بندوں کو نجات بخشی۔

قولہ تعالیٰ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ یعنی بالآخر۔

قولہ تعالیٰ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ یعنی ان کی تکلیف پر صبر فرمائیے۔ ایک مقررہ وقت کا انتظار فرمائیے۔ ہم اچھا انجام، نصرت اور کامیابی تمہیں ہی عطا فرمائیں گے۔ غزوۂ بدر اور اس طرح کے مواقع کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ جل جلالہ وَ اَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ آپ کی مخالفت اور تکذیب کے سبب ان پر جو عذاب نازل ہوگا اسے آپ دیکھتے رہئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بطور وعید فرمایا کہ وہ بھی دیکھ لیں گے۔

قولہ تعالیٰ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ آپ کی تکذیب اور انکار کے باوجود وہ عذاب کی جلدی میں ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا اور جلد سزا ملے گی۔ اس کے ساتھ وہ نادان اپنے کفر وعناد کے ساتھ عذاب وسزا کے لئے بے تاب ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں: فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ جب ان کے محلّہ پر عذاب نازل ہوگا تو ان کی ہلاکت اور تباہی کے اعتبار سے یہ بدترین دن ہوگا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ 'ساحۃ' سے مراد ان کا گھر ہے۔ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ یعنی ان کی صبح بدترین صبح ہوگی۔ اسی لئے صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح سویرے خیبر پر دھاوا بولا۔ جب وہ اپنے کلہاڑے اور کدالیں لے کر باہر نکلے، لشکر کو دیکھا تو وہ واپس پلٹے اور پکار رہے تھے محمد اور لشکر۔ سرکار نے فرمایا: ''اللہ اکبر، خیبر برباد ہوگیا۔ ہم جب کسی قوم کے آنگن میں اتریں تو ان لوگوں کی صبح بڑی خطرناک ہوگی جنہیں ڈرایا جارہا تھا'' (1)۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے یہی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (2)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ خیبر جا پہنچے تو وہ لوگ اپنے پھاوڑے لے کر کھیتوں اور اراضی کی طرف نکلے۔ جب نبی اکرم ﷺ کو دیکھا تو الٹے پاؤں پھر گئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہم جب کسی قوم کے ہاں اتریں تو وہ صبح بڑی خوفناک ہوتی ہے ان کے لئے جنہیں ڈرایا جارہا تھا'' (3)۔

شیخین نے اسے اس سند سے روایت نہیں کیا۔ شیخین کی شرائط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

قولہ تعالیٰ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّ اَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ سابقہ کلام میں تاکید کے لئے وہی کلام دہرائی جارہی ہے، واللہ اعلم۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

''پاک ہے آپ کا رب، جو عزت کا مالک ہے ان (ناسزا باتوں سے) جو وہ کیا کرتے ہیں اور سلامتی ہو سب رسولوں پر۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات سے ان باتوں کی براءت فرمارہے ہیں جو ظالموں، جھٹلانے والوں نے کہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا رسولوں پر

1۔ بخاری، جلد 1 صفحہ 103 مسلم، جلد 5 صفحہ 185

2۔ بخاری، جلد 5 صفحہ 167، فتح الباری، کتاب الصلوۃ، جلد 1 صفحہ 480-479، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 467، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1427-1426

3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 28

سلام ہو دنیا اور آخرت میں بوجہ صحیح اور حقیقی اقوال کے جو انہوں نے اپنے رب کے بارے میں ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اس کے لئے ہی حمد پہلے بھی اور بعد میں بھی ہر حال میں۔ جب تسبیح اپنے ضمن میں تنزیہ اور نقص سے براءت کو لئے ہوئے ہے دلالت مطابقی کے طور پر اور اثبات کمال کو مستلزم ہے۔ جیسا کہ حمد دلالت مطابقی کے طور پر صفات کے اثبات کی دلیل ہے۔ اور نقص سے منزہ ہونے کو مستلزم ہے۔ اس لئے تسبیح اور حمد کو اس جگہ اور بہت سے دوسرے مقامات پر قرآن کریم نے ملا کر ذکر کیا ہے۔ اسی لئے فرمایا: سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تم مجھ پر سلام بھیجو تو تمام مرسلین پر سلام بھیجو کیونکہ میں بھی رسولوں میں سے ایک رسول ہوں۔“ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے(1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند بیان کرتے ہوئے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تم مجھ پر سلام بھیجو تو مرسلین پر بھی سلام بھیجو“۔

حافظ ابویعلی نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرنا چاہتے تو یہ تینوں آیات پڑھتے پھر سلام پھیرتے۔ (اس کی سند ضعیف ہے)۔ ابن ابی حاتم نے شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ قیامت کے دن اسے اجر کا بہت بڑا پیمانہ بھر کر دیا جائے تو اپنی مجلس کے آخر میں جب اٹھنا چاہے تو یوں کہے: سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

ایک اور سند سے یہی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ تک متصلاً مروی ہے لیکن یہ موقوف ہے۔ ابومحمد بغوی نے اپنی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے(2)۔

جسے یہ پسند ہو کہ قیامت کے دن اجر کا پیمانہ بھر کر ملے تو مجلس کے آخر میں اس کی گفتگو یہ تین آیات ہونی چاہئیں۔ طبرانی نے اپنی سند سے بروایت زید بن ارقم روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے ہر نماز کے بعد تین مرتبہ یہ تین آیتیں پڑھیں تو اس نے اجر کا بہت بڑا پیمانہ بھر لیا“(3)۔

مجلس کے کفارہ کے بارے میں بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ یہ پڑھے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ(4)۔

* میں نے اس موضوع پر الگ کتاب تالیف کی ہے۔ آپ وہاں سے رجوع کر سکتے ہیں۔

سورۂ صافات کی تفسیر ختم ہوئی۔ واللہ اعلم۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 119
2۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 46
3۔ المعجم الکبیر، جلد 5 صفحہ 211
4۔ ان احادیث کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ طور آیت: 28

سورۂ ص

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

صٓ وَ الۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ۝۱ بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ ۝۲ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ فَنَادَوۡا وَّ لَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ ۝۳

''ص قسم ہے قرآن، سراپا نصیحت کی (دعوت محمدی حق ہے) لیکن یہ کفار تکبر اور مخالفت میں (اندھے ہو گئے) ہیں۔ بہت سی اُمتوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے پس وہ فریاد کرنے لگے اور نہیں تھا یہ وقت بچ نکلنے کا''۔

فرمایا: وَالۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ قرآن جو کہ مشتمل ہے ایسی چیز پر جس میں بندوں کے لئے تذکیر اور دنیا و آخرت میں ان کے لئے نفع ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے ذِی الذِّکۡرِ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد تذکیر ہے جیسے اس آیت میں ہے: لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ کِتٰبًا فِیۡہِ ذِکۡرُکُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (الانبیاء:10) ''بیشک ہم نے اتاری تمہاری طرف ایک کتاب جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے''۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، اسماعیل بن ابی خالد، ابن عیینہ، ابو حصین، ابو صالح اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس سے مراد شرف ہے یعنی شان اور مرتبے والا۔ دونوں قولوں میں کوئی تضاد نہیں۔ یہ وہ عظمت والی کتاب ہے جو تذکیر اور نصیحت (ڈرانا) پر مشتمل ہے۔ اس قسم کے جواب میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک جواب قسم یہ آیت کریمہ ہے اِنۡ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ اور بعض کے نزدیک یہ آیت ہے اِنَّ ذٰلِکَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَہۡلِ النَّارِ دونوں اقوال ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کئے ہیں۔ دوسرا قول بہت بعید ہے۔ اسے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب قسم بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ کو قرار دیا ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ پھر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بعض اہل عرب کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس کا جواب قسم ص ہے۔ بمعنی صداقت اور حقانیت۔ ایک قول یہ ہے کہ پوری سورت کا خلاصہ اس کا جواب ہے، واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ یعنی اس قرآن میں نصیحت ہے اس کے لئے جو نصیحت حاصل کرے اور عبرت ہے اس کے لئے جو عبرت پکڑے۔ کفار اس سے نفع نہیں اٹھا سکے اپنے تکبر، تعصب اور عناد و مخالفت کی وجہ سے۔ پھر انہیں سابقہ جھٹلانے والی امتوں کے انجام سے ڈرایا جا رہا ہے جنہیں اپنے رسولوں کی مخالفت کے سبب اور آسمان سے نازل شدہ کتب کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا پس اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ فَنَادَوۡا، قرن سے مراد جھٹلانے والی امتیں ہیں۔ جب ان پر عذاب آیا تو وہ فریاد کرنے اور اللہ کی پناہ لینے لگے لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَمَّاۤ اَحَسُّوۡا بَاۡسَنَاۤ اِذَا ہُمۡ مِّنۡہَا یَرۡکُضُوۡنَ (الانبیاء:12) ''پس جب انہوں نے محسوس کیا ہمارا عذاب تو فوراً انہوں نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا)۔ لَا تَرۡکُضُوۡا

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 119

وَارْجِعُوْٓا اِلٰی مَآ اُتْرِفْتُمْ فِیْہِ وَمَسٰکِنِکُمْ لَعَلَّکُمْ تُسْئَلُوْنَ(الانبیاء:13)'' اب مت بھاگو اور واپس لوٹو آسائشوں کی طرف جو تمہیں دی گئی تھیں اور (لوٹو) اپنے مکانوں کی طرف تا کہ تم سے باز پرس کی جائے''۔

قولہ تعالیٰ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ابوداؤد طیالسی نے اپنی سند کے ساتھ تمیمی سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا اب پکار، کودنے پھلانگنے یا بھاگنے کا وقت نہیں (1)۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مفہوم روایت کیا ہے: کہ اب فریاد کا وقت نہیں۔ شبیب بن بشر نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے ندادی جب پکارنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ اور یہ شعر پڑھا:

تَذَكَّرَ لَيْلَى لَاتَ حِيْنَ تَذَكُّرٍ

محمد بن کعب نے ذکر کیا ہے کہ جب دنیا نے ان سے منہ موڑ لیا تو انہوں نے توحید کی ندادی اور توبہ کے لئے سبقت کی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب انہوں نے عذاب دیکھ لیا تو توبہ کا بے وقت ارادہ کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب فرار اور جواب کا وقت نہ تھا۔ یہی بات عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو مالک، ضحاک، زید بن اسلم، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔

مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے بے وقت کی پکار کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔

کلمہ لات میں لا نافیہ ہے جس کے ساتھ تاء کا اضافہ کیا گیا ہے۔ جس طرح ثم کے آخر میں ت کا اضافہ کر کے کہتے ہیں۔ ثمت اور رُب کو ربت کر کے پڑھتے ہیں۔ یہ مفصولہ (علیحدہ) ہے اور اس پر وقف ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض لوگوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ مصحف امام میں ت حین سے ملی ہوئی ہے۔ لیکن مشہور قول پہلا ہے۔ جمہور نے حین کو منصوب پڑھا ہے۔ اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی۔ لیس الحینُ حینَ مناص۔ بعض نے نصب کو جائز رکھا ہے اور بطور دلیل یہ شعر ذکر کیا ہے(2):

تَذَكَّرَ حُبَّ لَيْلَى لَاتَ حِيْنًا وَأَضْحَى الشَّيْبُ قَدْ قَطَعَ الْقَرِيْنَا

بعض نے جر کو جائز قرار دیا ہے اور بطور استشہاد یہ شعر نقل کیا ہے(3)۔

طَلَبُوْا صُلْحَنَا وَلَاتَ أَوَانٍ فَأَجَبْنَا أَنْ لَيْسَ حِيْنُ بَقَاءٍ

بعض نے یہ مصرعہ ذکر کیا ہے(4)۔

وَلَاتَ سَاعَةِ مَنْدَمِ

ساعۃ کے کسرہ کے ساتھ۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ نوص کا معنی ہے تاخر اور بوص کا معنی ہے تقدم (آگے بڑھنا)۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿4﴾ اَجَعَلَ

1۔ حاکم، مستدرک، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 433-432، درمنثور، جلد 7 صفحہ 144، طبری، جلد 23 صفحہ 121

2۔ یہ شعر مفضل کا ہے دیکھئے الفراء: معانی القرآن، جلد 2 صفحہ 397، البغدادی: شرح ابیات المغنی، جلد 5 صفحہ 29

3۔ یہ شعر ابوزبید طائی کا ہے دیکھئے شرح ابیات المغنی، جلد 5 صفحہ 32-31، معانی القرآن للفراء، جلد 2 صفحہ 398، تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 122

4۔ ابن سکیت نے کتاب الاضداد میں اسے ذکر کیا ہے۔ مکمل شعر اس طرح ہے۔

وَلَتَعْرِفَنَّ خَلَائِقًا مَشْمُوْلَةً

وَلَتَنْدَمَنَّ وَلَاتَ سَاعَةَ مَنْدَمِ

الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝۵ وَ انْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَ
اصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝۶ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ
اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا
یَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝۸ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ۝۹ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۫ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ۝۱۰ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ
مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝۱۱

''اور وہ (اس پر) حیران تھے کہ آیا ہے ان کے پاس ایک ڈرانے والا ان میں سے۔ اور کفار کہنے لگے کہ یہ شخص ساحر ہے، کذاب ہے۔ کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا۔ بیشک یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے۔ اور تیزی سے چل دیئے قوم کے سردار (رسول کے پاس سے) اور (قوم سے کہا) یہاں سے نکلو اور جمے رہو اپنے بتوں پر۔ بیشک اس میں اس کا کوئی (ذاتی) مدعا ہے۔ ہم نے تو ایسی بات آخری ملت (نصرانیت) میں بھی نہیں سنی۔ یہ بالکل من گھڑت مذہب ہے۔ کیا نازل کیا گیا ہے اس پر 'الذکر' (قرآن) ہمارے درمیان میں سے بلکہ یہ کفار شک میں مبتلا ہیں میرے ذکر کے متعلق۔ بلکہ انہوں نے ابھی نہیں چکھا میرے عذاب کا مزا۔ کیا ان کے قبضہ میں ہیں خزانے آپ کے رب کی رحمت کے، جو عزت والا بے حساب عطا کرنے والا ہے۔ کیا ان کے لئے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ پس چاہئے کہ چڑھ جائیں (آسمان پر) اس کی راہوں سے۔ (درحقیقت) کفار کے لشکروں میں سے یہ ایک چھوٹا سا لشکر ہے جسے وہاں (بدر میں) شکست دے دی جائے گی''۔

حضور علیہ السلام کو بشیر ونذیر بنا کر مبعوث فرمائے جانے پر مشرکین کے تعجب کا اللہ تبارک وتعالیٰ ذکر فرما رہے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ (یونس:2) ''کیا (یہ بات) لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے وحی بھیجی ایک مرد (کامل) پر جو ان میں سے ہے کہ ڈراؤ لوگوں کو اور خوش خبری دو انہیں جو ایمان لائے کہ ان کے لئے مرتبہ بلند ہے ان کے رب کے ہاں کفار نے کہا بلاشبہ یہ جادوگر ہے کھلا ہوا''۔

قولہ تعالیٰ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ یعنی ان جیسا بشر۔ اور کفار نے کہا هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا یعنی گمان کیا کہ معبود ایک اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ مشرکین، قبحھم اللہ تعالی نے اس بات کا انکار کیا اور اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانے پر متعجب ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے آباء سے یہی عقیدہ وراثۃً پایا تھا اور یہ بات ان کے دلوں میں راسخ ہو چکی تھی۔ جب اللہ کے رسول علیہ السلام نے انہیں دعوت دی کہ اس عقیدے کو اپنے دلوں سے نکال دیں اور ایک اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائیں۔ تو انہوں نے اس بات کو عظیم جانا اور اس پر حیرانی کا اظہار کیا اور کہنے لگے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ، ملاء سے مراد ان کے رؤسا، قائدین، سردار اور بڑے لوگ ہیں۔ وہ یہ کہتے ہوئے تیزی سے چل دیئے۔

اَنِ امْشُوْا جمے رہو اپنے دین پر۔ وَاصْبِرُوْا عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمْ یعنی (حضرت محمد ﷺ) تمہیں توحید کی طرف بلاتے ہیں اس پر لبیک مت کہو۔

قولہ تعالیٰ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ محمد (ﷺ) جس توحید کی طرف ہمیں دعوت دیتے ہیں، اس کا ذاتی مدعا ہے، وہ تم پر مرتبہ اور بلندی چاہتے ہیں تاکہ تم میں سے ان کے پیروکار رہوں لیکن ہم ان کی بات کو نہیں مانیں گے (1)۔

ان آیات کا شان نزول

سدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قریش کے کچھ لوگ جمع ہوئے۔ ان میں ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل، اسود بن مطلب اور اسود بن عبد یغوث جیسے رؤسائے قریش شامل تھے۔ وہ کہنے لگے ابوطالب کے پاس جائیں اور ان سے بات کریں کہ وہ ہمیں آپ ﷺ سے انصاف دلائیں۔ وہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے رک جائے اور ہم اس کے خدا کو کچھ نہیں کہیں گے۔ ہمیں خدشہ ہے کہ ابوطالب کا انتقال ہو جائے اور اس کے بعد اگر ہم نے ان پر سختی کی تو اہل عرب ہمیں عار دلائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ انہوں نے اسے کچھ نہیں کہا، جب ابوطالب کی وفات ہو گئی تو ان پر تشدد شروع کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے مطلب کو بھیجا کہ ابوطالب سے اجازت طلب کریں۔ وہ جا کر کہنے لگا ابوطالب! تمہاری قوم کے سردار اور مشائخ تم سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ ابوطالب نے کہا اجازت ہے۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو کہنے لگے اے ابوطالب! آپ ہم سب سے بڑے اور سردار ہیں۔ اپنے بھتیجے اور ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیں۔ آپ انہیں حکم دیں کہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے رک جائیں۔ ہم انہیں اور ان کے خدا کو کچھ نہیں کہیں گے۔ چنانچہ ابوطالب نے آپ کو بلا بھیجا۔ جب حضور ﷺ تشریف لائے تو ابوطالب نے کہا یہ آپ کی قوم کے شیوخ اور سردار ہیں اور ان کا یہ مطالبہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: چچا جان! کیا میں ان کو ایسی بات کی دعوت نہ دوں جو ان کے لئے سراپا خیر ہے۔ پوچھا کیا بات ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ ایک کلمہ کہیں۔ اس کی برکت سے سارا عرب بھی ان کا باجگزار بن جائے گا اور عجم کے بھی وہ مالک بن جائیں گے۔ ابوجہل ملعون کہنے لگا ہم ایک نہیں اس جیسے دس کلمے بھی کہنے کو تیار ہیں۔ بتاؤ وہ کونسا کلمہ ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا تم کہو لا الہ إلا اللہ۔ یہ سن کر انہوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے کسی اور چیز کا مطالبہ کیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم سورج لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دو تو میں اس کے علاوہ اور کوئی مطالبہ نہیں کروں گا۔ یہ سن کر وہ بھڑک اٹھے اور اس محفل سے چلے گئے اور کہہ رہے تھے: بخدا ہم آپ کو اور آپ کے خدا کو بھی برا بھلا کہیں گے جس نے تمہیں یہ حکم دیا ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے اور مزید یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا کو دعوت حق دی تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا نہیں بلکہ شیوخ کے دین پر۔ تو یہ آیت اتری: اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (2) "بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جسے آپ پسند کریں"۔

ابوجعفر ابن جریر نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو قریش کا ایک گروہ آپ کے پاس آیا۔ ابوجہل ان میں شامل تھا اور شکایت کرنے لگا کہ آپ کا بھتیجا ہمیں اور ہمارے خداؤں کو سب وشتم کرتا ہے آپ اسے بلا کر تنبیہ کر دیں۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو بلایا۔ جب نبی کریم ﷺ گھر کے اندر داخل ہوئے تو ان کے اور حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ ابوجہل نے خیال کیا کہ اگر آپ اپنے چچا کے پاس آ کر بیٹھ گئے تو زیادہ اثر ڈال سکیں گے۔ چنانچہ یہ اچھل کر اس خالی جگہ جا بیٹھا جو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے قریب تھی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 26
2۔ القصص: 56، تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 128-127

حضور ﷺ کو اپنے چچا کے پاس کوئی جگہ نہ ملی تو آپ دروازے کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے کہا بھتیجے کیا وجہ ہے کہ تیری قوم تیری شکایت کرتی ہے اور اس کا یہ خیال ہے کہ تم ان کے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہو۔ حضور ﷺ نے گفتگو شروع فرمائی: ''اے چچا! میں ان سے ایک کلمہ کہنے کا مطالبہ کرتا ہوں جس سے سارا عرب ان کا مطیع ہو جائے گا اور عجم انہیں جزیہ دے گا''۔ وہ سب یہ سن کر پکار اٹھے کہ ایک نہیں ہم اس طرح کے دس کلمے کہنے کو تیار ہیں۔ بتایئے وہ کلمہ کیا ہے؟ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے بھی پوچھا کہ وہ کون سا کلمہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا لا الہ إلا اللہ۔ یہ سن کر وہ کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے لوسنو یہ تو سارے معبودوں کا ایک معبود بنا رہا ہے۔ چنانچہ یہ آیات یہاں سے لے کر بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ تک اتریں۔ امام احمد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور ترمذی، نسائی، ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی سب نے اپنی تفاسیر میں سفیان ثوری سے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ روایت حسن ہے(1)۔

قولھم، مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ یہ توحید جس کی طرف حضور ﷺ ہمیں بلاتے ہیں ہم نے آخری ملت میں بھی نہیں سنی۔ مجاہد، قتادہ اور ابوزید رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ان کی مراد دین قریش تھی۔ بعض دوسرے علماء کی رائے میں اس سے مراد عیسائیت ہے۔ محمد بن کعب اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ وہ کہنے لگے اگر یہ قرآن حق ہوتا تو نصاریٰ ہمیں اس کے بارے میں خبر دیتے۔

قولہ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اس سے مراد کذب ہے۔ ابن عباس نے کہا ہے کہ من گھڑت بات مراد ہے۔

قولھم ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا وہ انہیں چھوڑ کر آپ ﷺ پر قرآن نازل ہونے کو بعید سمجھتے تھے۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف: 31)'' اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دوشہروں میں بڑا ہے''۔ اور فرمایا: اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (الزخرف: 32)'' کیا وہ بانٹا کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو؟ ہم نے خود تقسیم کیا ہے ان کے درمیان سامان زیست کو اس دنیوی زندگی میں اور ہم نے ہی بلند کیا ہے بعض کو بعض پر مراتب میں''۔ ان کا یہ دعویٰ ان کی جہالت اور قلت عقل کی دلیل ہے جو انہوں نے حضور ﷺ پر قرآن کریم کے نزول کو بعید سمجھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ وہ یہ اس لئے کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے ابھی اللہ کے عذاب کا ذائقہ نہیں چکھا۔ اپنے دعویٰ اور حضور ﷺ کو جھٹلانے کا انجام انہیں اس وقت معلوم ہوگا جب انہیں نار جہنم کی طرف بلایا جائے گا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بارے میں فرما رہے ہیں کہ وہ جیسے چاہیں اپنی ملکیت میں تصرف کر سکتے ہیں۔ جسے جو چاہیں دیتے ہیں اور جسے چاہیں عزت دیتے ہیں اور جسے چاہیں ذلت دیتے ہیں، جسے چاہیں ہدایت سے سرفراز کریں، جسے چاہیں گمراہ کر دیں۔ اسی کی اجازت سے اس کے بندوں میں سے جس پر چاہے جبریل آتا ہے اور جس کے دل پر چاہے مہر لگا دیتا ہے۔ اللہ کے بعد اسے کوئی ہدایت عطا نہیں کر سکتا۔ بندے کسی چیز کے مالک نہیں۔ اپنی ملکیت میں تصرف کا ذرہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اور وہ تو گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی مالک نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ان

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 362، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 99، تحفۃ الاشراف، جلد 4 صفحہ 456، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ ص، جلد 12 صفحہ 111-109

کا انکار کرتے ہوئے فرما رہے ہیں:

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ عزیز جس کی جناب کا قصد نہیں کیا جا سکتا۔ وھّاب جو جسے چاہے جو چاہے عطا فرما دے۔ یہ آیت کریمہ اس آیت کریمہ کے مشابہ ہے: اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا (النساء:53-55) '' کیا ان کے لئے کوئی حصہ ہے حکومت میں اگر ایسا ہوتا تو نہ دیتے یہ لوگوں کو تل برابر کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے (وہ حسد کی آگ میں جلا کریں) ہم نے تو مرحمت فرمادی ہے ابراہیم کے گھرانے کو کتاب اور حکمت اور عنایت فرمادی ہے انہیں عظیم الشان سلطنت۔ تو ان میں سے کوئی ایمان لائے اس کے ساتھ اور کسی نے منہ پھیر لیا اس سے اور کافی ہے (انہیں جلانے کے لئے) جہنم کی دہکتی ہوئی آگ''۔ اور فرمایا: قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۚ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا (الاسراء:100) '' فرمائیے اگر تم مالک ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے تو اس وقت تم ضرور ہاتھ روک لیتے اس خوف سے کہیں (سارے خزانے) ختم ہی نہ ہو جائیں واقعی انسان بڑا تنگدل ہے''۔ یہ اس کے بعد کہ جب کفار نے بشری رسول ﷺ کی بعثت کا انکار کر دیا تھا جیسے اللہ نے قوم صالح علیہ السلام کے بارے میں خبر دی ہے جب انہوں نے کہا تھا۔ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ (القمر:26-25) '' کیا اتاری گئی ہے وحی اس پر ہم سب میں سے (یہ کیونکر ممکن ہے) بلکہ وہ بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے''۔

فرمایا: اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ کیا انہیں یہ اختیار ہے کہ چڑھ جائیں اس کے راستوں سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا قول ہے کہ اسباب سے مراد آسمان کی راہیں ہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ساتویں آسمان تک چڑھ جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ یہ جھٹلانے والے لشکر جو تکبر اور مخالفت میں اندھے ہو رہے ہیں، عنقریب شکست کھائیں گے اور مغلوب ہو جائیں گے اور سابقہ اقوام کی طرح ذلیل و رسوا ہو جائیں گے۔ یہ آیت کریمہ بھی مضمون میں اس آیت کے مطابق ہے: اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ (القمر:46-44) '' یا وہ کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہے گی۔ عنقریب پسپا ہوگی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ بلکہ ان کے وعدے کا وقت (روز) قیامت ہے اور قیامت بڑی خوفناک اور تلخ ہے''۔ یہ یوم بدر کا واقعہ ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ ۚ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾

'' جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح، عاد اور میخوں والے فرعون نے اور ثمود، قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے۔ یہی وہ گروہ ہیں (جن کا ذکر پہلے گزر چکا)۔ ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو (ان پر) لازم ہو گیا میرا عذاب۔ اور نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ

(کفار) مگر ایک کڑک کی جس کے بعد کوئی مہلت نہیں ہوگی۔ اور (مذاقاً) کہتے ہیں اے ہمارے رب جلدی دے دے ہمارے حصہ (کا عذاب) یوم حساب سے پہلے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سابقہ امم کی خبر دے رہے ہیں کہ رسولوں کی مخالفت اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی تکذیب کے سبب ان پر طرح طرح کے عذاب نازل ہوئے۔ ان کے واقعات اس سے پہلے متعدد مقامات پر بالتفصیل گزر چکے ہیں۔

قولہ تعالیٰ اُولٰٓئِکَ الْاَحْزَابُ وہ تعداد، قوت وشوکت اور مال واولاد کے اعتبار سے تم سے زیادہ تھے۔ جب اللہ کا امر آ پہنچا تو انہیں عذاب الٰہی سے کوئی چیز نہ بچا سکی۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا: اِنْ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ان کی ہلاکت علت رسولوں کو جھٹلانا قرار دی۔ لہٰذا مخاطبین کو اس سے سخت خبردار رہنا چاہیے۔

قولہ تعالیٰ وَمَا یَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ اس میں مہلت نہیں ہوگی یعنی قیامت اچانک آجائے گی، اس کی نشانیاں وقوع پذیر ہو رہی ہیں، یہ ایک خوفناک کڑک ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اسرافیل کو حکم دیں گے کہ اسے طویل کردے۔ آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی نہیں ہوگا مگر گھبرا جائے گا مگر جسے اللہ تعالیٰ استثناء عطا فرمادے۔

قولہ جل جلالہ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ مشرکین جو صبح وشام عذاب فوراً نازل ہونے کا مطالبہ کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اس کا انکار فرما رہے ہیں۔ قِطٌّ: کتاب۔ ایک قول ہے کہ اس کا معنی ہے الخط و النصیب: حصہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک، حسن رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا قول ہے کہ انہوں نے عذاب جلد نازل ہونے کا مطالبہ کیا۔ قتادہ نے اس پر یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ جیسے انہوں نے کہا تھا۔ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ کَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (الانفال:32) "اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) حق (سچ) تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب"۔ ایک قول ہے کہ انہوں نے جنت میں اپنے حصہ کی جلدی کا مطالبہ کیا۔ اگر ہو تو تاکہ دنیا میں ہی وہ اس سے شادکام ہو سکیں۔ یہ سب مطالبہ جھوٹ اور محال تصور کرنے کی وجہ سے کیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ خیر وشر جس کے وہ حقدار تھے انہوں نے دنیا میں ہی اس کا مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے بہت خوب بات کہی ہے۔ ضحاک اور اسماعیل بن ابی خالد رحمہما اللہ تعالیٰ کی تفسیر بھی اسی کے گرد گھومتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ کُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْکَهٗ وَاٰتَیْنٰهُ الْحِکْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾

"(اے حبیب) صبر کرو ان کی (نامعقول) باتوں پر یاد فرماؤ ہمارے بندے داؤد کو جو بڑا طاقتور تھا۔ وہ (ہماری طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا۔ ہم نے فرمانبردار بنا دیا تھا پہاڑوں کو وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشاء اور اشراق کے وقت۔ اور پرندوں کو وہ بھی تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے سب ان کے فرمانبردار تھے۔ اور ہم نے مستحکم کر دیا ان کی حکومت کو اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ فرمارہے ہیں کہ وہ بڑے طاقتور تھے۔ الأید: علم وعمل کی قوت۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے اید سے مراد قوت لی ہے۔ ابن زید نے اس آیت کو یوں پڑھا ہے: وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ(الذاریات: 47)'' اور ہم نے آسمان کو (قدرت کے) ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اس کو وسیع کر دیا''۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اید سے مراد قوت اطاعت ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو قوت عبادت اور اسلام کی سمجھ مرحمت فرمائی گئی تھی۔ ذکر کیا گیا ہے آپ تہائی رات قیام کرتے تھے اور ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتے تھے۔ یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ترین نماز داؤد علیہ السلام کی اور پسندیدہ ترین روزہ اللہ کے نزدیک حضرت داؤد علیہ السلام کا تھا۔ آپ نصف رات سوتے، ایک تہائی قیام کرتے چھٹا حصہ پھر سو جاتے۔ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار فرماتے اور جہاد کے وقت پیٹھ نہ دکھاتے۔ آپ اپنے تمام امور میں اپنے رب کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والے تھے۔

فرمایا: اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ سورج کے طلوع ہونے اور دن کے آخری وقت اللہ نے پہاڑوں کو آپ کے ساتھ مسخر کر دیا تھا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ(سبا: 10)'' (ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! تسبیح کہو اس کے ساتھ مل کر اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا''۔ اسی طرح پرندے آپ کی تسبیح گاتے اور آپ کے ہم آواز ہو جاتے۔ جب آپ مترنم آواز میں زبور پڑھ رہے ہوتے تو آپ کو سن کر اڑتے ہوئے پرندے ہوا میں رک جاتے۔ وہ آگے پرواز نہ کر سکتے اور آپ کے ساتھ شامل ہو جاتے۔ بلند وبالا پہاڑ بھی تسبیح وتقدیس میں آپ کے ساتھ شریک ہوتے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت موسیٰ بن ابی کثیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہیں خبر پہنچی ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے ذکر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن چاشت کی آٹھ رکعتیں ادا فرمائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وقت وقت نماز ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری سند سے مولی عبد اللہ بن حارث بن نوفل سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما چاشت کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ میں انہیں ام ہانی رضی اللہ عنہا کے پاس لے گیا۔ اور عرض کی جو بات آپ نے مجھے بتائی ہے انہیں بھی بتائیں تو انہوں نے فرمایا: فتح مکہ کے دن رسول اکرم ﷺ میرے گھر تشریف لائے۔ ایک برتن میں پانی ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر ایک کپڑے کی آڑ لے کر غسل فرمایا۔ پھر گھر کے ایک کونے میں چھڑکاؤ فرمایا اور آٹھ رکعتیں ادا فرمائیں۔ یہ چاشت کی نماز تھی۔ ان تمام رکعتوں کا قیام، رکوع، سجود اور جلسہ تقریباً برابر تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما باہر نکلے تو فرمارہے تھے کہ میں نے پورا قرآن کریم پڑھ دیا ہے: لیکن چاشت کی نماز کا مجھے آج علم ہوا ہے۔ میں کہتا تھا نماز اشراق کا ذکر کہاں ہے؟ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا(1)۔

فرمایا: وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً یعنی ہوا میں محبوس۔

فرمایا: كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ یعنی مطیع، آپ کی اتباع میں تسبیح کہتا ہے۔ سعید بن جبیر، قتادہ اور مالک رحمہم اللہ تعالیٰ نے زید بن اسلم سے اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 137

ابن زید کا قول یہی ہے۔

قولہ تعالیٰ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ بادشاہوں کو جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب ہم نے آپ کو عطا فرمادیں۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ آپ اہل دنیا کے شدید بارعب بادشاہ تھے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہر روز چار ہزار محافظ آپ کی چوکیداری کرتے۔ سلف میں سے کسی کا قول ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ ہر رات تینتیس ہزار فرشتے آپ کی حفاظت کرتے تھے۔ پھر سال بھر ان کی باری نہ آتی تھی۔ بعض دوسرے علماء کے نزدیک آپ کے پاس ہروقت چالیس ہزار مسلح سپاہی تیار رہتے تھے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بنو اسرائیل کے دو آدمیوں کا آپس میں جھگڑا ہوا۔ ایک کا دعویٰ تھا کہ اس نے میری گائے غصب کر لی ہے۔ دوسرے نے انکار کر دیا۔ مدعی کے پاس گواہ نہیں تھے۔ جب وہ ثبوت فراہم نہ کر سکا تو آپ نے فرمایا اچھا کل تمہارا فیصلہ سنایا جائے گا۔ رات حضرت داؤد علیہ السلام کو خواب میں حکم ہوا کہ دعویدار کو قتل کر دو۔ صبح آپ نے ان دونوں کو بلایا اور مدعی کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ وہ کہنے لگا اللہ کے نبی آپ میرے ہی قتل کا حکم ارشاد فرما رہے ہیں حالانکہ اس شخص نے میری گائے چھین لی ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ لہٰذا لازماً میں تمہیں قتل کروں گا۔ وہ کہنے لگا اللہ کے نبی! بخدا اللہ نے آپ کو میرے قتل کا حکم اس مقدمے کی وجہ سے نہیں دیا میں اس دعویٰ میں سچا ہوں لیکن میں نے اس کے باپ کو قتل کر دیا تھا اور کسی کو پتہ نہ چلا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حکم فرمایا اور اس شخص کو قتل کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر شخص کے دل میں آپ کی ہیبت بیٹھ گئی(1)۔

قولہ عزوجل وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حکمت سے مراد فہم، عقل اور ذہانت ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا: عدل و انصاف۔ پھر فرمایا کہ اس سے صحیح بات مراد ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کتاب اللہ اور جو کچھ اس میں ہے اس کی اتباع کرنا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے حکمت سے مراد نبوت لیا ہے۔

قولہ جل جلالہ وَفَصْلَ الْخِطَابِ قاضی شریح اور شعبی نے اس سے مراد گواہ اور قسمیں لی ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مدعی کے ذمہ دو گواہ ہیں یا مدعی علیہ کے ذمہ قسم ہے۔ یہ ہے فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ جو انبیاء و رسل کو عطا فرمایا گیا۔ یا مومنین اور صالحین کا یہی طریقہ تھا اور قیامت تک اس امت کا یہی طریقہ ہے۔ ابو عبد الرحمٰن السلمی نے یہی کہا ہے۔ مجاہد اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ صحیح فیصلہ کرنا اور اسے سمجھنا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے کہ گفتگو کرتے ہوئے اور فیصلہ کرتے وقت پختہ بات کرنا۔ یہ لفظ ان سب معانی کو شامل ہے اور یہی مراد ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے اما بعد کا لفظ ایجاد کیا تھا اور فصل الخطاب میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَاۤ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِيْ ۫ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫ فَقَالَ

1۔ طبری، جلد 23 صفحہ 139-138

اَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ﴿٢٣﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَى نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۩ ﴿٢٤﴾ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٢٥﴾

''اور کیا آئی ہے آپ کے پاس اطلاع فریقان مقدمہ کی جب انہوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد پر پس آپ کچھ گھبرا گئے ان سے۔ انہوں نے کہا ڈریئے نہیں، ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں، زیادتی کی ہے ہم میں سے ایک نے دوسرے پر آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمایئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور دکھایئے ہمیں سیدھا راستہ (صورت نزاع یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے۔ اور اس کی ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کردے اور سختی کرتا ہے میرے ساتھ گفتگو میں۔ آپ نے فرمایا بیشک اس نے ظلم کیا ہے تم پر یہ مطالبہ کرکے کہ تیری دُنبی کو اپنی دُنبیوں میں ملا دے اور اکثر حصے دار زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اور فوراً خیال آ گیا داؤد کو ہم نے اسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں اور (دل و جان سے) اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پس ہم نے بخش دی ان کی یہ تقصیر اور بیشک ان کے لئے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے اور خوبصورت انجام ہے''۔

مفسرین نے یہاں ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ اس کا اکثر حصہ بنو اسرائیل کی روایتوں (اسرائیلیات) سے لیا گیا ہے۔ اس میں کوئی بات بھی نبی معصوم سے ثابت نہیں جس کی اتباع کرنا لازمی ہو۔ لیکن ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک حدیث روایت کی ہے جس کی سند صحیح نہیں کیونکہ اس کے ایک راوی یزید رقاشی ہیں جو اگرچہ صالحین میں سے ہیں لیکن ائمہ کے نزدیک ضعیف الحدیث ہیں۔ لہٰذا اولیٰ یہ ہے کہ اس قصہ کی تلاوت پر اکتفا کیا جائے اور اس کا علم صرف اللہ کی طرف لوٹایا جائے۔ بلاشبہ قرآن حق ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی حق ہے۔

قولہ تعالیٰ فَفَزِعَ مِنْهُمْ آپ اپنے خصوصی عبادت خانے میں تھے۔ آپ نے پہریداروں کو حکم دیا تھا کہ آج کوئی بھی اندر نہ آئے۔ اچانک دو اشخاص کو دیکھ کر آپ حیران ہو گئے جو آپ کے گرد گھیرا ڈالے کوئی مسئلہ پوچھ رہے تھے۔

قولہ عزوجل وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ یعنی مجھ پر غالب آ گیا۔ غلبہ کے وقت کہا جاتا ہے عَزَّ يَعُزُّ إذا غلب۔

قولہ تعالیٰ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی ہے ہم نے آپ کو آزمایا۔

وقولہ تعالیٰ وَخَرَّ رَاكِعًا یعنی سجدہ کرتے ہوئے وأناب یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے رکوع کیا پھر سجدہ۔ ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ نے چالیس دن تک سر مبارک نہ اٹھایا۔

فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ یعنی جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حسنات الأبرار سیئات المقربین نیک لوگوں کی نیکیاں بھی بعض اوقات

مقربین کے لئے باعث گناہ ہوتی ہیں۔

ائمہ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سورۂ ص کا سجدہ لازمی ہے یا نہیں۔ اس بارے میں دو قول ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جدید مذہب تو یہ ہے کہ یہاں سجدہ واجب نہیں بلکہ یہ سجدۂ شکر ہے۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا سورۂ ص کا سجدہ واجب نہیں۔ ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس مقام پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے (1)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر کے وقت اپنی سند سے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سورۂ ص میں سجدہ کیا اور ارشاد فرمایا: ''حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی یہ سجدہ کیا تھا اور ہم بھی از راہ شکر یہ سجدہ ادا کرتے ہیں''۔

نسائی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ حافظ ابوالحجاج المزی نے بروایت عبید اللہ بن یزید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کے پاس آیا عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔ میں نے نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کیا۔ میرے سجدہ کرنے سے اس درخت نے بھی سجدہ کیا۔ میں نے سنا کہ وہ سجدہ میں کہہ رہا ہے: اے اللہ اس سجدے کو تو اپنے پاس میرے لئے باعث اجر اور ثواب بنا اور اس کے صدقے مجھ سے بوجھ کو دور کر اور اس کو میری طرف سے قبول فرما جس طرح تو نے اپنے بندے حضرت داؤد علیہ السلام کا سجدہ قبول فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ کھڑے ہوئے آپ نے آیت سجدہ تلاوت فرمائی اور سجدہ کیا اور وہی دعا کہنا شروع فرمائی جس کا تذکرہ واقعہ درخت کے بارے میں گزر چکا ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی سند سے یہی روایت بیان کی ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ سند غریب ہے ہم نے اسے صرف اسی طرح روایت کیا ہے (2)۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں عوام سے روایت کیا ہے (3) کہ میں نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے سورۂ ص کے سجدہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ میں نے ابن عباس سے سجدہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کیا اس کا ذکر تم نے قرآن میں نہیں پڑھا: وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ (الانعام: 84) ''اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان''۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: 90) ''اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہدایت دی تھی اللہ نے تو انہی کے طریقے کی پیروی کرو''۔ حضرت داؤد علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہیں جن کی اقتداء کرنے کا حکم تمہارے نبی ﷺ کو دیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی سجدہ کیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی سجدہ کیا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ وہ سورۂ ص لکھ رہے ہیں۔ جب سجدہ والی آیت پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دوات، قلم اور ہر چیز سجدہ ریز ہوگئی ہے۔ انہوں نے یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 360، فتح الباری، کتاب تجوید القرآن، جلد 2 صفحہ 552، بخاری، جلد 2 صفحہ 50، سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 2 صفحہ 59، تحفۃ الاحوذی، جلد 3 صفحہ 172، عارضۃ الاحوذی، ابواب السفر، جلد 3 صفحہ 59، تحفۃ الاشراف، جلد 5 صفحہ 110-109

2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 383، ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 334، کتاب الاقامۃ، عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلوۃ، جلد 3 صفحہ 60

3۔ بخاری، جلد 6 صفحہ 155، فتح الباری، تفسیر سورۂ ص، جلد 8 صفحہ 544

میں بیان کیا تو آپ ﷺ برابر سجدہ کرتے رہے۔ (احمد اس روایت میں منفرد ہیں)(1)۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر سورۂ ص کی تلاوت فرمائی۔ جب سجدہ والی آیت پر پہنچے تو سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ مل کر سجدہ کیا۔ ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے اس سورت کی تلاوت فرمائی جب آیت سجدہ پر پہنچے تو لوگ سجدہ کے لئے تیار ہو گئے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ تو ایک نبی کی توبہ کا سجدہ تھا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم سجدہ کے لئے تیار ہو گئے ہو۔'' چنانچہ آپ ﷺ اترے اور سجدہ فرمایا(2)۔ یہ روایت صرف ابوداؤد میں ہے اور اس کی اسناد صحیح کی شرط پر ہے۔

قولہ تعالیٰ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ یعنی قیامت کے دن آپ کی بڑی قدر و منزلت ہوگی اور خوبصورت انجام۔ یعنی اپنی توبہ اور قلمرو میں مکمل عدل و انصاف کا بول بالا کرنے کی وجہ سے جنت میں مراتب عالیہ پر فائز ہوں گے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: ''انصاف سے کام لینے والے (عادل لوگ) نور کے منبروں پر رحمٰن کے دائیں جانب ہوں گے اور خدا تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اہل و عیال اور جن کے وہ مالک ہوں سے عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں''(3)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے محبوب اور درجہ کے اعتبار سے مقرب ترین عادل حکمران ہوگا اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک مبغوض ترین اور سب سے زیادہ عذاب میں ظالم حکمران ہوگا(4)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عطیہ اسے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لا نعرفہ مرفوعا إلا من هذا الوجه(5) (اس سند کے علاوہ یہ حدیث مرفوعاً بیان نہیں ہوئی)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ روز قیامت حضرت داؤد علیہ السلام کو عرش کے پائے کے پاس کھڑا کیا جائے گا۔ اللہ رب العزت ارشاد فرمائیں گے: اے داؤد! آج اسی خوبصورت، گداز، رس بھری آواز میں میری حمد و ثناء کرو جس طرح تم دنیا میں میری بزرگی بیان کیا کرتے تھے۔ وہ عرض کریں گے: اے رب! یہ کیسے ممکن ہے جب تو نے اس کیفیت کو سلب فرما لیا ہے۔ اللہ رب العزت فرمائیں گے وہ آواز تمہیں لوٹائی جا رہی ہے۔ چنانچہ جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی آواز کا جادو جگائیں گے تو اہل جنت بھی مدہوش ہو جائیں گے(6)۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝

''اے داؤد! ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو (اپنا) نائب زمین میں پس فیصلہ کیا کرو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ پیروی کیا کرو ہوائے نفس کی وہ بہکا دے گی تمہیں راہ خدا سے۔ بے شک جو لوگ بھٹک جاتے ہیں راہ خدا سے ان کے لئے

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 78

2۔ ابوداؤد، جلد 2 صفحہ 59 کتاب الصلوٰۃ

3۔ مسلم، جلد 3 صفحہ 1458، کتاب الامارۃ

4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 22

5۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 4 صفحہ 559، عارضۃ الاحوذی، ابواب الاحکام، جلد 6 صفحہ 70

6۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 167-168

سخت عذاب ہے اس لئے کہ انہوں نے بھلا دیا تھا یوم حساب کو"۔

یہ آیت کریمہ اللہ جل مجدہ کی طرف سے حکمرانوں اور بااختیار لوگوں کے لئے وصیت ہے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ حق کے ساتھ لوگوں کے مابین عدل وانصاف سے کام لیں اور اس سے روگردانی نہ کریں۔ ورنہ وہ صراط مستقیم سے بھٹک جائیں گے۔ جو شخص راہ حق سے گمراہ ہو جائے اور روز حساب کو بھول جائے اسے اللہ تعالیٰ نے پختہ وعید فرمائی اور شدید عذاب کی دھمکی دی۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ ابوزرعہ ابراہیم جنہوں نے سابقہ کتاب کا مطالعہ کیا تھا، سے ولید بن عبدالملک نے پوچھا: کیا خلیفہ وقت سے بھی حساب لیا جائے گا؟ چونکہ آپ نے پہلی کتاب کا بھی مطالعہ کیا ہے اور قرآن کو بھی سمجھا ہے اس کی روشنی میں یہ بات سمجھائیں۔ ابوزرعہ نے کہا گستاخی معاف اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔ بادشاہ نے آپ کو امان دی۔ تو آپ نے فرمایا اے امیر المؤمنین! آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ معزز ہیں یا حضرت داؤد علیہ السلام؟ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے نبوت اور خلافت کو جمع فرمایا۔ اس کے باوجود آپ کو ارشاد ہوا: يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ......

لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہاں تقدیم وتاخیر ہے کلام کی ترتیب اس طرح ہے۔ لھم عذاب شدید یوم الحساب بما نسوا۔ سدی رحمۃ علیہ کا قول ہے کہ انہیں شدید عذاب اس لئے ہوگا کہ انہوں نے قیامت کے دن کے لئے نیک اعمال نہیں کئے۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے یہی قول مطابقت رکھتا ہے۔ واللہ سبحانہ ھو الموفق للصواب۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

"اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ۔ یہ تو کفار کا گمان ہے۔ پس بربادی ہے کفار کے لئے آگ (کے عذاب) سے۔ کیا ہم بنادیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان لوگوں کی مانند جو فساد برپا کرتے ہیں زمین میں۔ یا ہم بنادیں گے پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف، بڑی بابرکت تاکہ وہ تدبر کریں اس کی آیتوں میں اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقل مند"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ ہم نے مخلوق کو عبث اور بے مقصد پیدا نہیں فرمایا۔ انہیں تو اپنی عبادت اور توحید کا اعلان کرنے کے لئے پیدا فرمایا۔ پھر روز جزا انہیں جمع فرمائے گا۔ نیکوکار اور مطیع کو ثواب ملے گا اور کافر کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے جو قیامت کے دن اٹھائے جانے اور حساب وکتاب پر یقین نہیں رکھتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ صرف یہ دار دنیا ہی ہے، آخرت کچھ نہیں۔

قولہ تعالیٰ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ یعنی بربادی ہے ان کے لئے روزِ جزاء کو اس آگ سے جو ان کے لئے تیار کی گئی ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ اپنے عدل وحکمت سے مومنوں اور کفار کو برابر نہیں رکھے گا فرمایا: اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا......

كَالْفُجَّارِ یعنی ہم ایسا نہیں کریں گے، وہ دونوں اللہ کے نزدیک یکساں نہیں ہیں۔ جب بات اس طرح ہے تو دار آخرت کا وجود لازمی ہے جس میں فرمانبردار کو جزا ملے اور فاجر و بدکار کو سزا دی جائے۔ یہ ارشاد حق عقل سلیم اور فطرت مستقیمہ کی اس بات کی طرف راہنمائی کرتا ہے کہ یوم جزاء کا وجود ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ظالم باغی کا مال و دولت بڑھتا جاتا ہے، اولاد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اسی فراخ دستی اور خوشحالی کی حالت میں وہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نیکو کار مظلوم غم واندوہ کے ساتھ انتقال کرتا ہے۔ اس لئے ایک حکیم، علیم اور عادل جو ذرہ برابر بھی ظلم نہیں فرماتا، کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ ایک کو دوسرے سے انصاف دلائے۔ چنانچہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ایک ایسا جہان بھی ہے جہاں پر جزاء اور خبر گیری ہوگی۔ چونکہ قرآن کریم مقاصد صحیحہ اور صریح عقلی ماخذوں کی طرف اشارہ کرتا ہے تو فرمایا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ...... اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی عقل مند۔ الألباب: لبٌّ کی جمع۔ عقل۔

حضرت حسن بصری کا فرمان ہے بخدا! قرآن کے حروف والفاظ یاد کر لینے اور اس کی حدود کو ضائع ہونے سے بچانے کا نام غور و تدبر نہیں ہے، حتیٰ کہ ان میں سے کوئی کہتا ہے میں نے سارا قرآن پڑھ لیا ہے۔ لیکن اس کے خلق اور عمل میں قرآن کا نمونہ نظر نہیں آتا۔ (بروایت ابن ابی حاتم)۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝۳۰ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝۳۱ فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝۳۲ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝۳۳

''اور ہم نے عطا فرمایا داؤد کو سلیمان (جیسا فرزند) بڑی خوبیوں والا بندہ۔ بہت رجوع کرنے والا۔ جب پیش کئے گئے آپ پر سہ پہر کو تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے۔ تو آپ نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لئے (پھر انہیں چلانے کا حکم دیا) یہاں تک کہ چھپ گئے پردہ کے پیچھے۔ (حکم دیا) واپس لاؤ انہیں میرے پاس۔ تو ہاتھ پھیرنے لگے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ ہم نے حضرت داؤد علیہ اسلام کو (بطور جانشین) سلیمان نبی عطا فرمائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (النمل: 16) ''اور جانشین بنے سلیمان داؤد کے''۔ مراد نبوت کا وارث ہے۔ بالخصوص نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا ورنہ ان کے اور بیٹے بھی تھے۔ آپ کی سو آزاد بیویاں تھیں (لونڈیاں اس کے علاوہ تھیں)۔

قولہ تعالیٰ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف کی جارہی ہے کہ آپ بہت زیادہ مطیع، عبادت گزار اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت مکحول رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حضرت سلیمان علیہ السلام عطا فرمائے تو آپ نے ان سے پوچھا اے بیٹے! اچھی چیز کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا اللہ کی سکینت اور ایمان۔ پوچھا قبیح چیز کیا ہے؟ فرمایا ایمان کے بعد کفر کرنا۔ پھر پوچھا سب سے میٹھی چیز کیا ہے؟ آپ نے عرض کی اللہ کی اپنے بندوں پر رحمت۔ پوچھا سب سے ٹھنڈی چیز کیا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو معاف کر دینا اور لوگوں کا آپس میں

ایک دوسرے سے عفوو درگزر سے کام لینا۔ ان سوالات کے یہ جوابات سن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا تب آپ نبی ہیں۔

قولہ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد اقتدار میں آپ کے سامنے تیز رفتار گھوڑے پیش کئے گئے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صافنات سے مراد وہ گھوڑا ہے جو تین قدموں پر کھڑا ہوتا ہے اور چوتھے قدم کے سم کا کنارہ زمین پر رکھتا ہے۔ سلف صالحین میں سے بہت سے حضرات کی یہی رائے ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابراہیم تیمی سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ بیس پروں والے گھوڑے تھے (رواہ ابن جریر)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابراہیم تیمی سے نقل کیا ہے کہ وہ گھوڑے جنہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو مشغول کر دیا تھا۔ ان کی تعداد بیس ہزار تھی۔ یہ قول صورت کے زیادہ مشابہ ہے، واللہ اعلم۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ غزوۂ تبوک یا خیبر سے تشریف لائے تو آپ کے گھر میں ایک دریچہ تھا جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ جب ہوا چلی تو پردہ ہٹ گیا۔ وہاں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھیلنے کی گڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضور انور ﷺ (کی نگاہ مبارک پڑی تو آپ) نے پوچھا اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یہ میری گڑیاں ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے درمیان ایک گھوڑا دیکھا جس کے دو پر تھے جو چیتھڑوں کے بنے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ ان کے درمیان کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: گھوڑا۔ آپ ﷺ نے پوچھا اس پر کیا ہے؟ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی دو پر۔ آپ ﷺ نے فرمایا گھوڑوں کے بھی پر ہوتے ہیں؟ تو حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سن کر سرکار ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے (1)۔

قولہ تعالیٰ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ اسلاف اور مفسرین میں سے کثیر علماء کی رائے یہ ہے کہ آپ گھوڑوں کو ملاحظہ فرمانے میں مشغول رہے یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت ختم ہو گیا۔ قطعی اور یقینی بات یہی ہے کہ آپ نے دانستہ طور پر نماز ترک نہیں کی تھی بلکہ آپ بھول گئے تھے۔ جس طرح نبی کریم ﷺ غزوۂ خندق کے دن نماز عصر سے مشغول رہے اور غروب آفتاب کے بعد نماز ادا فرمائی یہ حدیث صحیحین میں متعدد سندوں سے مروی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق کے دن غروب آفتاب کے بعد تشریف لائے تو کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے عصر کی نماز ابھی نہیں پڑھی تھی کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخدا میں نے بھی یہ نماز ابھی نہیں پڑھی۔ فرمایا ہم بطحان کی طرف نکلے۔ اللہ کے نبی ﷺ اور ہم سب نے وضو کیا اور غروب آفتاب کے بعد عصر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد مغرب پڑھی (2)۔

ممکن ہے کہ ان کی ملت میں یہ جائز ہو کہ لڑائی اور قتال کی خاطر نماز مؤخر کی جاسکتی ہے اور گھوڑے اسی مقصد کے لئے پالے جاتے ہوں۔ علماء کے ایک گروہ کی رائے میں ایسا کرنا مشروع تھا لیکن صلاۃ خوف سے یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ جب لڑائی کا بازار گرم ہو، ہر طرف زور کا رن پڑ رہا ہو اور نماز، رکوع و سجود ادا کرنا ممکن نہ ہو تو نماز کو مؤخر کرنے کا حکم ہے جیسے صحابہ کرام نے تستر کی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 284-283

2۔ بخاری، جلد 5 صفحہ 141، مسلم، جلد 2 صفحہ 113 کتاب المساجد، فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 405

لڑائی میں کیا تھا۔ مکحول، اوزاعی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ لیکن پہلا قول ہی ٹھیک ہے کیونکہ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ رُدُّوْهَا عَلَیَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ نہیں۔ فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے اپنے رب کی عبادت سے مشغول نہیں کرے گی کوئی چیز اس کے بعد۔ پھر حکم فرمایا تو ان کی کونچیں کاٹ دی گئیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ان کی گردنیں اور کونچیں تلواروں سے کاٹ دی گئیں۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ گھوڑوں کی ایال اور کونچوں پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول اختیار کیا ہے(1)۔ فرماتے ہیں کیونکہ آپ سے یہ تصور کرنا ممکن نہیں کہ آپ جانوروں کی کونچیں کاٹ کر انہیں تکلیف دیں اور بلاوجہ اپنا مال ضائع کریں۔ محض اس لئے کہ ان کی طرف دیکھنے میں محو ہو جانے سے آپ کی نماز قضا ہوگئی۔ حالانکہ اس میں گھوڑوں کا تو کوئی قصور نہ تھا۔ لیکن ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ترجیح بھی محل نظر ہے کیونکہ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ آپ کی شریعت میں اس کا جواز موجود ہو خصوصاً جب ان میں مشغولیت سے نماز کا وقت نکل جائے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب ہے۔ اسی لئے جب اللہ کی خاطر آپ ان سے دست بردار ہو گئے تو اللہ کریم نے ان کا دہ عوض عطا فرمایا جو ان سے بہتر تھا۔ یعنی ہوا کو آپ کا مطیع بنا دیا وہ آپ کے حسب حکم آرام سے چلتی تھی۔ اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی ہوتی تھی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی تھی۔ یہ گھوڑوں سے کہیں زیادہ تیز رفتار اور بہتر تھی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابوقتادہ اور ابودہماء سے روایت کیا ہے۔ یہ دونوں اکثر بیت اللہ شریف کا سفر کیا کرتے تھے۔ ان دونوں کا قول ہے کہ ایک دفعہ ہماری ملاقات ایک بدوی سے ہوئی۔ بدوی نے ہمیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے تعلیم دینے لگے اس سے جو کچھ اللہ نے آپ کو سکھایا تھا۔ آپ نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرتے ہوئے کسی چیز کو نہیں چھوڑے گا مگر اللہ تعالیٰ اس سے بہتر تجھے عطا فرمائے گا(2)۔

وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَ اَلْقَیْنَا عَلٰى كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ ۙ﴿۳۶﴾ وَ الشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ۙ﴿۳۷﴾ وَّ اٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾

''اور ہم نے فتنہ میں ڈالا سلیمان (علیہ السلام) کو اور ڈال دیا ان کے تخت پر ایک بے جان جسم۔ پھر وہ (ہماری طرف) متوجہ ہوئے عرض کی میرے رب! مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میسر نہ ہو میرے بعد۔ بیشک تو ہی بے انداز عطا کرنے والا ہے پس ہم نے ہوا کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا چلتی تھی آپ کے حسب حکم آرام سے جدھر آپ جا ہتے۔ اور سب جنوں کو بھی ماتحت کر دیئے کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور۔ اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) باندھ دیئے گئے

1۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 78

3۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 156

زنجیروں میں (اے سلیمان!) یہ ہماری عطا ہے چاہے (کس کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس رکھ تم سے باز پرس نہ ہو گی۔ اور بیشک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمایا اختیار سلب کرنے سے۔

قولہ وَ اَلْقَیْنَا عَلٰی كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، سعید بن جبیر اور حسن رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد شیطان ہے۔

ثُمَّ اَنَابَ پھر آپ اپنے تاج وتخت کی طرف لوٹے اور اسے دہشت زدہ کیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس شیطان کا نام صخر تھا(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام آصف تھا۔ یہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ایک قول ہے کہ مرد۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی یہ بھی کہا ہے۔ ایک قول ہے کہ حبیق۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے۔ مفسرین نے یہ قصہ مفصل ذکر کیا ہے اور بعض نے اختصار کے ساتھ۔ سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس شریف کی تعمیر کا حکم فرمایا۔ حکم ہوا اس طرح تعمیر کرو کہ لوہے کی آواز پیدا نہ ہو۔ آپ نے اس کی تعمیل کرنا چاہی لیکن آپ ایسا نہ کر سکے۔ کہا گیا سمندر میں ایک شیطان ہے اس کا نام صخر ہے جو یہ کام کر سکتا ہے۔ آپ نے اسے لانے کا حکم دیا۔ سمندر میں ایک چشمہ تھا جہاں وہ ہر ساتویں روز پانی پینے آتا تھا۔ اس کا پانی نکال کر اس میں شراب بھر دی گئی جب اس کی آمد کا دن آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس میں شراب ہے۔ کہنے لگا تو اچھا مشروب ہے مگر تو عقل مند کی عقل کو ختم کر دیتی اور جاہل کی جہالت میں اضافہ کرتی ہے۔ یہ کہا اور چلا گیا۔ جب پیاس شدید ہوگئی تو دوبارہ آیا اور وہی پہلے والے کلمات دہرائے۔ آخر اسے پی گیا اور مدہوش ہو گیا۔ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی دکھائی گئی اس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر لگا دی گئی تو وہ رام ہو گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت اس مہر میں تھی۔ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لایا گیا۔ آپ نے فرمایا ہمیں اس گھر کی تعمیر کا حکم ملا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس میں لوہے کی آواز سنائی نہ دے۔ چنانچہ وہ ہدہد کا انڈہ لایا اور اس پر شیشہ رکھ دیا۔ ہدہد نے آکر انڈوں کے گرد چکر لگانے شروع کر دیئے لیکن انڈہ حاصل کرنا اس کے لئے مشکل ہو گیا۔ اڑ کر چلا گیا اور الماس لے آیا اسے شیشے پر رکھ کر شیشے کو کاٹا اور انڈوں تک پہنچ گیا۔ یہ الماس لے لیا گیا اور اس کے ساتھ پتھر کاٹنے لگے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب حمام یا بیت الخلاء جانا چاہتے تو انگوٹھی لے کر نہیں جاتے تھے۔ ایک دن آپ نے غسل خانے جانا تھا۔ یہ شیطان صخر آپ کے ہمراہ تھا۔ آپ اس وقت غسل فرض کے لئے جا رہے تھے۔ آپ نے غسل خانے میں داخل ہوتے وقت وہ انگوٹھی شیطان کو پکڑائی۔ اس نے اسے سمندر میں پھینک دیا۔ اسے ایک مچھلی نے نگل لیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت چھن گئی۔ شیطان (جن) پر آپ کی شکل ڈال دی گئی۔ وہ آکر آپ کی کرسی اور تخت پر بیٹھ گیا۔ آپ کی ساری سلطنت پر قبضہ کر لیا ماسوائے آپ کی ازواج کے۔ چنانچہ وہ لوگوں کے مابین فیصلے کرنے لگا۔ اب اس سے بعض عجیب باتیں بھی ظاہر ہونے لگیں۔ حتی کہ کہنے لگے اللہ کے نبی کو آزمائش میں ڈال دیا گیا دماغی توازن درست نہیں رہا۔ ان میں ایک آدمی تھا جسے قوت میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے تشبیہ دیتے تھے۔ وہ کہنے لگا۔ اللہ کی قسم میں ضرور اس کو آزماؤں گا۔ چنانچہ اس نے کہا اے اللہ کے نبی! کیونکہ وہ نبی کی شکل میں تھا۔ اگر سرد رات میں کوئی شخص جنبی ہو جائے اور دانستہ غسل نہ کرے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔ آپ کا کیا خیال ہے

2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 156، سیوطی: مفحمات الاقرآن، جلد 177-176، تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 64 روح المعانی، جلد 23 صفحہ 199

اس میں کوئی حرج تو نہیں؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ چالیس راتوں تک یہی حال رہا۔ آخر اللہ کے نبی کو انگوٹھی مچھلی کے پیٹ سے ملی۔ آپ نے اسے ہاتھ میں پہن لیا۔ لہٰذا جو جن یا پرندہ سامنے آتا آپ کو سجدہ کرتا۔ یہاں تک کہ آپ ان کے پاس پہنچ گئے۔ جسداً سے مراد یہی شیطان صخر ہے (1)۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ شیطان چالیس روز تک آپ کی کرسی پر براجمان رہا۔ مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سو سے زیادہ بیویاں تھیں۔ ان میں سے ایک عورت جرادہ نام کی تھی آپ کو اس سے بہت زیادہ محبت تھی۔ جنابت یا قضائے حاجت کے وقت انگوٹھی اتار دیتے اور اس اہلیہ کے علاوہ اور کسی کو نہ دیتے۔ ایک دن آپ نے اسے انگوٹھی دی اور بیت الخلاء چلے گئے شیطان آپ کی صورت میں ظاہر ہوا اور انگوٹھی طلب کی۔ اس عورت نے وہ انگوٹھی اسے دے دی۔ وہ انگوٹھی پہن کر آیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی جگہ بیٹھ گیا۔ جب آپ باہر نکلے تو انگوٹھی طلب کی۔ وہ کہنے لگی کیا آپ نے پہلے انگوٹھی نہیں لی۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ چنانچہ آپ حیران و سرگرداں ہو کر باہر نکل آئے اور شیطان چالیس روز لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا رہا۔ لوگوں نے اس کے فیصلوں کو عجیب محسوس کیا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے علماء اور قراء جمع ہوئے اور آپ کی عورتوں کے پاس آئے۔ اور ان سے کہا یہ کیا معاملہ ہے (ہمیں سلیمان کی ذات کے بارے میں شبہ ہو گیا ہے)۔ اگر یہ واقعی سلیمان ہیں تو ان کی عقل جاتی رہی ہے۔ وگرنہ یہ پھر سلیمان نہیں۔ یہ سن کر آپ کی عورتیں رونے لگیں۔ وہ سب واپس آئے اور بادشاہ کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔ اور تورات کھول کر تلاوت شروع کر دی۔ کلام الٰہی کی تاثیر سے یہ وہاں سے بھاگا اور بالکونی پر چلا گیا۔ انگوٹھی اس کے پاس تھی۔ پھر وہاں سے اڑ کر سمندر کی طرف گیا۔ انگوٹھی اس سے سمندر میں گر گئی۔ ایک مچھلی نے اسے نگل لیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اسی حال میں تھے۔ ایک دن پھرتے پھراتے سمندر کی طرف جا نکلے۔ آپ کو شدت کی بھوک لگ رہی تھی۔ آپ نے ماہی گیر کو بتایا کہ میں سلیمان ہوں اور اس سے شکار مانگا۔ ان میں سے ایک اٹھا اور ڈنڈا اٹھا کر آپ کے سر پر دے مارا۔ آپ کے سر پر زخم ہو گیا۔ آپ ساحل پر جا کر زخم دھونے لگے۔ ماہی گیروں نے اپنے ساتھی کو ملامت کی جس نے آپ کو زخمی کیا تھا۔ وہ کہنے لگے تم نے اس (بیچارے) کو زخمی کر کے بہت برا کیا ہے۔ وہ کہنے لگا یہ سمجھتا ہے کہ میں سلیمان ہوں۔ انہوں نے آپ کو دو مچھلیاں دے دیں۔ بھوک کی شدت نے آپ کو زخموں کی تکلیف بھلا دی تھی۔ چنانچہ آپ ساحل کی طرف گئے۔ اور مچھلیوں کے پیٹ چاک کر کے انہیں دھونے لگے۔ ایک مچھلی کے پیٹ سے وہ انگوٹھی نکلی۔ آپ نے اسے پہنا تو اللہ نے آپ کی شان و شوکت اور سلطنت آپ کو واپس کر دی۔ پرندے آ کر آپ کے اوپر منڈلانے لگے۔ ان لوگوں نے آپ کو پہچان لیا۔ چنانچہ وہ آپ سے معذرت کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا میں نہ تمہارے عذر پر تمہاری تعریف کروں گا۔ اور نہ تمہارے کیے پر تمہیں ملامت کروں گا۔ ایسا ہونا لازمی تھا۔ آپ تشریف لائے اور اپنے تخت پر بیٹھ گئے۔ اور حکم دیا کہ اس شیطان کو لایا جائے۔ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ آپ نے اسے ایک لوہے کے صندوق میں بند کرنے کا حکم دیا۔ اسے تالا لگا کر اس پر اپنی مہر لگا دی اور اسے سمندر میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ وہ قیامت تک وہیں رہے گا۔ اس کا نام حقیق تھا۔ ہوا آپ کے لئے مسخر کر دی گئی حالانکہ اس سے پہلے کسی کے لئے نہ تھی اسی کی طرف اشارہ ہے وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي......۔

ابن ابی نجیح نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ اس شیطان کا نام آصف تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ اس سے پوچھا کہ تم لوگوں کو کس طرح فتنہ میں ڈالتے ہو۔ اس نے کہا مجھے اپنی انگوٹھی دکھائیے میں آپ کو بتاتا ہوں۔ جب آپ نے اسے انگوٹھی

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 158-157

دی۔آصف نے اسے سمندر میں پھینک دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تاج و تخت کا مالک بن بیٹھا۔آپ ادھر ادھر گھومنے لگے۔اللہ نے شیطان کو آپ کی عورتوں سے روک دیا تھا۔وہ ان کے قریب نہ گیا۔اور نہ وہ اس کے قریب آئیں۔انہوں نے اس کو پہچاننے سے انکار کر دیا ادھر حضرت سلیمان علیہ السلام لوگوں سے کھانا مانگتے اور کہتے کیا تم مجھے پہچانتے ہو میں سلیمان ہوں مجھے کھانا دو۔لوگ آپ کو جھٹلاتے۔ایک دن ایک عورت نے آپ کو مچھلی دی۔آپ نے اس کا پیٹ چیرا۔آپ کی انگوٹھی اس کے پیٹ سے نکل آئی۔آپ نے اسے پہنا تو آپ کی سلطنت آپ کو واپس مل گئی۔آصف بھاگ کر سمندر میں داخل ہو گیا(1) (یہ سب تفصیلات اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں)۔

اس سے بھی زیادہ عجیب وہ واقعہ ہے جسے حضرت ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ''حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت الخلاء جانے لگے تو اپنی انگوٹھی جرادہ کو دی۔یہ آپ کی محبوب ترین بیوی تھی۔شیطان آپ کی صورت اختیار کر کے آیا اور کہا میری انگوٹھی دو۔جرادہ نے انگوٹھی اسے دے دی۔انگوٹھی کا پہننا تھا کہ جن و انس اور شیاطین سب اس کے مطیع ہو گئے۔حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت الخلاء سے باہر نکلے تو انگوٹھی طلب کی۔اس نے کہا میں نے سلیمان کو انگوٹھی دے دی ہے۔وہ کہنے لگا میں سلیمان ہوں۔وہ کہنے لگی آپ جھوٹ بولتے ہیں۔آپ سلیمان نہیں ہیں۔آپ کسی کے پاس جا کر یہ کہتے کہ میں سلیمان ہوں تو وہ آپ کو تسلیم نہ کرتا۔حتیٰ کہ بچے آپ کو پتھروں سے مارتے۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب یہ سب کچھ دیکھا تو اسے امر الٰہی سمجھ کر چپ ہو رہے۔ادھر شیطان لوگوں کے مابین حکمرانی کرنے لگا۔جب اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کا ملک واپس کرنا چاہا تو لوگوں کے دلوں میں شیطان کا انکار ڈال دیا۔انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج مطہرات کی طرف پیغام بھیجا اور پوچھا کیا تمہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی کوئی بات عجیب لگتی ہے۔انہوں نے بتایا ہاں یہ حیض کی حالت میں ہمارے پاس آتا ہے۔حالانکہ اس سے پہلے ایسا نہیں تھا۔جب شیطان نے دیکھا کہ اس کا بھانڈا پھوٹ گیا ہے تو انہوں نے کتابیں لکھیں جن میں جادو اور کفر تھا۔ان کتب کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کے نیچے دفن کر دیا۔پھر لوگوں کے سامنے انہیں نکلوا کر پڑھا اور کہا دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام ان کی مدد سے ہی تم پر غالب تھے۔چنانچہ لوگوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کافر ٹھہرانا شروع کر دیا۔شیطان نے وہ انگوٹھی لے جا کر سمندر میں ڈال دی۔اس کو ایک مچھلی نے نگل لیا۔حضرت سلیمان علیہ السلام ساحل سمندر پر مزدوری کرتے تھے۔ایک آدمی آیا اس نے مچھلیاں خریدیں ان میں سے ایک مچھلی کے بطن میں انگوٹھی تھی۔اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلایا اور کہا کیا تم یہ مچھلیاں اٹھا کر لے چلو گے۔آپ نے فرمایا ہاں۔اس نے پوچھا کتنے میں؟ آپ نے فرمایا ان میں سے ایک مچھلی کے بدلے۔حضرت سلیمان علیہ السلام مچھلیاں اٹھا کر لے گئے۔جب اس کے گھر کے دروازے تک پہنچے تو اس نے آپ کو وہ مچھلی دی جس کے پیٹ میں وہ انگوٹھی تھی۔آپ نے اس مچھلی کا پیٹ چیرا تو اس میں انگوٹھی تھی۔آپ نے اسے لے کر پہن لیا۔اس کو پہنتے ہی جن و انس اور شیاطین آپ کے تابع ہو گئے۔آپ اپنی پہلی حالت پر واپس آ گئے۔وہ شیطان بھاگ کر ایک سمندری جزیرہ میں چلا گیا۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے لانے کا حکم دیا۔وہ بڑا سرکش جن تھا۔اس پر قابو پانا مشکل تھا۔حتیٰ کہ انہوں نے ایک دن اسے سوئے ہوئے پایا تو انہوں نے اس پر سیسے کی ایک عمارت بنا دی۔جب وہ بیدار ہو کر اچھلا تو قبضے میں آ گیا۔انہوں نے اسے پکڑ کر باندھ دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لے آئے۔آپ نے حکم دیا تو سنگ مرمر میں سوراخ کر کے اسے اس کے پیٹ میں داخل کر دیا گیا۔اور اس کا منہ تانبے سے بند کر دیا گیا اور

1۔تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 157

اسے سمندر میں ڈال دیا گیا۔ اس آیت سے یہی مراد ہے اور یہی شیطان آپ پر مسلط ہوا تھا" (1)۔

اس کی اسناد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک قوی ہے۔ لیکن ظاہر یہی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اہل کتاب سے یہ واقعہ اخذ کیا ہے (بشرطیکہ اس کی نسبت آپ تک صحیح ہو)۔ اور ان میں سے ایک گروہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا قائل نہیں۔ ظاہر ہے وہ آپ کو جھٹلاتے تھے۔ اس لئے اس واقعہ میں بعض عجیب ترین چیزیں ہیں۔ ان میں سے شدید ترین عورتوں کا ذکر ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سلف سے مشہور یہ ہے کہ وہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کی عورتوں پر مسلط نہیں ہوا بلکہ اللہ نے اپنے نبی کی عظمت وتکریم کی خاطر انہیں محفوظ رکھا۔ سلف کی ایک جماعت سے یہ قصہ بالتفصیل مروی ہے۔ جیسے سعید بن مسیّب، زید بن اسلم اور ایک دوسرا گروہ۔ یہ سارے واقعات اہل کتاب سے ماخوذ ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔ یحییٰ بن ابی عروبہ شیبانی کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنی انگوٹھی عسقلان میں ملی تو آپ از راہ تواضع بیت المقدس تک چل کر پیدل گئے (رواہ ابن ابی حاتم)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کعب احبار سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کے بارے میں ایک عجیب بات روایت کی ہے۔ ابو اسحٰق مصری کا قول ہے کہ جب حضرت کعب ارم ذات العماد کی گفتگو سے فارغ ہوئے تو معاویہ نے کہا اے ابو اسحٰق! مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کے بارے میں بتاؤ کہ اس پر کیا تھا اور وہ کس چیز کا بنا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا وہ ہاتھی دانت کا تھا۔ اس پر موتی، یاقوت، زبرجد اور لولؤ جڑے ہوئے تھے۔ اس کی ایک سیڑھی پر موتی، یاقوت، زبرجد لگے ہوئے تھے۔ اس کے اطراف میں سونے کی کھجوریں تھیں جن کی شاخیں بھی یاقوت، زبرجد اور لولؤ کی تھیں۔ تخت کے دائیں طرف والی کھجوروں پر سونے کے مور بنے ہوئے تھے اور بائیں طرف والی کھجوروں پر سونے کے عقاب تھے۔ پہلی سیڑھی کے دائیں طرف سونے کے بنے صنوبر کے دو درخت تھے اور بائیں طرف سونے کے دو شیر تھے۔ دونوں شیروں کے سر پر زبرجد کے دو ستون تھے اور تخت کے دونوں اطراف میں سونے کی بنی انگور کی بیلیں تھیں جو تخت پر سایہ کر رہی تھیں۔ ان کے خوشے موتی اور سرخ یاقوت کے تھے۔ تخت کی سیڑھیوں سے اوپر سونے کے بڑے دو شیر تھے۔ جن کے خالی پیٹوں میں کستوری اور عنبر بھرا ہوا تھا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر بیٹھنا چاہتے تو یہ دونوں شیر حرکت کرتے اور ان کے پیٹوں میں جو کستوری اور عنبر بھرا ہوا تھا اسے تخت کے گرد چھڑک دیتے۔ پھر دو منبر رکھے جاتے ایک آپ کے خلیفہ کے لئے اور دوسرا اس زمانے میں بنو اسرائیل کے سب سے بڑے عالم کے لئے۔ پھر آپ کے تخت کے سامنے سونے کے ستر منبر بچھائے جاتے جن پر بنو اسرائیل کے قاضی، علماء، سردار اور معزز لوگ بیٹھتے۔ ان منبروں کے پیچھے سونے کے پینتیس منبر ہوتے جو خالی رہا کرتے جب حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر بیٹھنا چاہتے تو نچلی سیڑھی پر قدم مبارک رکھتے سارا تخت ان تمام چیزوں سمیت گھوم جاتا۔ شیر اپنا دایاں پاؤں پھیلا دیتا اور عقاب اپنا بایاں پر۔ جب دوسرے درجے پر قدم رکھتے تو شیر اپنا بایاں پاؤں پھیلاتا اور عقاب اپنا دایاں پر پھیلا دیتا۔ جب آپ تیسری سیڑھی پر چڑھ کر بیٹھ جاتے تو ایک بڑا عقاب آپ کا تاج لے کر آپ کے سر اقدس پر رکھ دیتا۔ تاج کے سر پر رکھتے ہی پورا تخت چکی کی طرح تیزی سے گھومتا۔

حضرت معاویہ نے پوچھا اے ابو اسحاق اسے کیا چیز گھماتی تھی؟ فرمایا سونے کا ایک بہت بڑا اژدھا جس پر یہ تخت تھا۔ اسے صخر جن نے بنایا تھا۔ اس کی حرکت سے وہ شیر، عقاب اور مور بھی حرکت کرتے جو تخت سے نیچے ہوتے نہ کہ اوپر والے۔ جب وہ رکتا تو یہ سب چیزیں بھی رک جاتیں اس حال میں کہ ان کے سر حضرت سلیمان علیہ السلام پر جھکے ہوتے۔ جبکہ آپ تشریف فرما ہوتے۔ پھر وہ سب اپنے

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 180-179

اندر موجود عنبر اور کستوری کا چھڑکاؤ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے سر پر کرتے۔ پھر سونے کا ایک کبوتر جو کہ ہیرے کے ایک ستون پر بیٹھا ہوتا تورات اٹھا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ میں دیتا جسے آپ تلاوت فرماتے۔ پھر سارا واقعہ سنایا۔ لیکن یہ روایت بہت غریب ہے۔

قولہ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ بعض علماء کے نزدیک اس کا معنی ہے کہ کوئی دوسرا اسے مجھ سے چھین نہ سکے۔ جس طرح کہ جسم والا واقعہ تھا جسے آپ کے تخت پر ڈال دیا گیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ دوسروں کے لئے ایسا ملک نہ ملنے کی دعا کر رہے تھے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ نے اللہ سے ایسی حکومت کا سوال کیا جو سلطنت آپ کے بعد کسی بشر کو نہ ملے۔ اس آیت کے سیاق کلام سے بھی یہی پتہ چلتا ہے اور صحیح احادیث میں بھی یہی مذکور ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک سرکش جن گزشتہ رات مجھ پر کود پڑا اور میری نماز میں خلل ڈالنا چاہا (یا اس طرح کے الفاظ فرمائے) تو اللہ نے مجھے اس پر قدرت عطا فرمائی۔ میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دوں تاکہ صبح تم سب لوگ اسے دیکھو تو مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی بات یاد آ گئی۔ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ...... روح کا قول ہے کہ آپ نے اسے ذلیل و رسوا کر کے چھوڑ دیا(1)۔ مسلم اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے شعبہ سے اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر نماز ادا فرما رہے تھے(3) کہ ہم نے تین مرتبہ آپ کو یہ ارشاد فرماتے سنا أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ پھر تین بار فرمایا: اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ میں تجھ پر اللہ کی لعنت بھیجتا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک آگے بڑھایا گویا آپ کوئی چیز پکڑ رہے ہیں۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ ہم نے نماز میں آپ کو کوئی بات کہتے سنا۔ یہ بات ہم نے پہلے آپ سے نہیں سنی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا ایک شہاب لے کر آیا وہ اسے میرے منہ پر ڈالنا چاہتا تھا۔ میں نے تین مرتبہ أعوذ باللّٰه منك کہا۔ پھر میں نے کہا العنُك بلعنة اللّٰه التَّامَّةِ۔ میرے تین مرتبہ لعنت بھیجنے کے باوجود وہ پیچھے نہ ہٹا تو میں نے اسے پکڑ لینا چاہا۔ بخدا اگر ہمارے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی۔ تو وہ بندھا ہوتا اور اہل مدینہ کے بچے اس سے کھیلا کرتے(4)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ابو عبید حاجب سلیمان نے بیان کیا ہے کہ میں نے عطاء بن یزید رقاشی کو کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ میں آپ کے سامنے سے گزرنے لگا تو آپ نے مجھے روک دیا۔ پھر فرمایا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر نماز صبح ادا فرما رہے تھے۔ میں بھی آپ کے پیچھے تھا۔ آپ ﷺ نے قراءت فرمائی لیکن قراءت آپ پر خلط ملط ہو گئی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کاش تم مجھے اور ابلیس کو دیکھتے میں نے اپنا ہاتھ نیچے کیا اس کو پکڑ کر اس کا گلا دبائے رکھا۔ حتیٰ کہ اس کے منہ کے لعاب کی ٹھنڈک میں نے اپنی ان دو انگلیوں پر محسوس کی۔ (ساتھ ہی انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا) اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ صبح کو مسجد کے ستون سے بندھا ہوتا۔ مدینہ کے بچے اس سے

1۔ بخاری، جلد 6 صفحہ 156، فتح الباری تفسیر سورۂ ص، جلد 8 صفحہ 546
2۔ مسلم، جلد 2 صفحہ 72، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 384
3۔ نسائی، جلد 3 صفحہ 13، تحفۃ الاشراف، جلد 10 صفحہ 325
4۔ مسلم، جلد 2 صفحہ 72، کتاب المساجد

کھیلتے۔ جو تم میں سے یہ طاقت رکھتا ہو کہ تمہارے اور قبلہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو ایسا کر دکھائے(1)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ربیعہ بن یزید بن عبداللہ دیلمی کا قول نقل کیا ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ آپ طائف میں اپنے باغ میں تھے جس کا نام وھط تھا۔ آپ اس وقت ایک قریشی نوجوان کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے جو زانی اور شرابی تھا۔ میں نے عرض کی مجھے آپ کے حوالے سے ایک حدیث پہنچی ہے: ''جس نے شراب کا ایک گھونٹ پیا۔ اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا۔ شقی وہ ہے جو ماں کے پیٹ سے ہی بدبخت ہو اور جو شخص بیت المقدس آئے۔ نماز کے علاوہ اس کی اور کوئی غرض نہ ہو۔ تو وہ گناہوں سے اسی طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اس روز تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا''۔

جب نوجوان نے شراب کا ذکر سنا تو اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور چلا گیا۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں کسی کے لئے یہ بات درست نہیں سمجھتا کہ میری طرف وہ بات منسوب کرے جو میں نے کبھی نہیں کہی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''جو شخص شراب کا ایک گھونٹ پیے چالیس روز اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ اگر وہ توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ پھر اگر دوبارہ لوٹے (یعنی پی لے) تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ پھر فرمایا مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ تیسری یا چوتھی مرتبہ فرمایا اگر وہ دوبارہ یہی جرم کرے تو اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اسے قیامت کے دن دوزخیوں کے زخموں کی پیپ پلائے''۔ اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: ''بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنا نور ڈالا۔ جس پر اس دن وہ روشنی پڑی ہدایت یافتہ ہو گیا اور جس تک وہ نور نہ پہنچا وہ گمراہ ہو گیا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں: اللہ جل جلالہ کے علم کے مطابق قلم خشک ہو چکا''۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: ''بے شک (حضرت) سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا تو اللہ نے آپ کو دو چیزیں عطا فرما دیں اور ہمیں امید ہے کہ تیسری ہمیں ملے گی۔ 1:۔ آپ نے سوال کیا مجھے ایسا حکم دے جو تیرے حکم کے موافق ہو۔ تو آپ کو یہ عطا فرما دیا۔ 2:۔ اور سوال کیا کہ مجھے ایسی سلطنت دے جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو۔ یہ چیز بھی اللہ نے آپ کو عطا فرما دی۔ 3:۔ جو شخص بھی اپنے گھر سے خالص اس مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت سے نکلے تو جب وہ لوٹے تو گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے جیسے آج ہی پیدا ہوا۔ پس ہمیں امید ہے کہ اللہ نے ہمیں یہ عطا فرما دی ہوگی''(2)۔ اس حدیث کا آخری حصہ نسائی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی متعدد سندوں سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بیت المقدس بنایا تو اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا'' (اور ان تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے)(3)۔ یہی حدیث حضرت رافع بن عمیر رضی اللہ عنہ سے ایک عجیب متن اور اسناد سے روایت کی گئی ہے۔ چنانچہ طبرانی نے اپنی سند سے حضرت رافع بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین پر میرا گھر بنائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس گھر کی تعمیر سے پہلے اپنا گھر بنا لیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی'' اے داؤد! تم نے اپنا گھر میرے گھر سے پہلے کھڑا کر لیا؟'' آپ نے عرض کی: اے رب! اسی طرح فیصلہ کیا گیا تھا۔ پھر مسجد کی تعمیر

5۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 83، سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 1 صفحہ 186 2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 176 2۔ نسائی، جلد 2 صفحہ 43، کتاب المساجد، سنن ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 451، کتاب الاقامۃ

شروع کی۔ جب دیواریں مکمل ہوگئیں تو اس میں سے تین گر گئیں۔ آپ نے اللہ کی بارگاہ میں شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد تو میرا گھر بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ عرض کی کیوں میرے رب؟ فرمایا اس لئے کہ تیرے ہاتھ سے خون بہا ہے۔ آپ نے عرض کی: اے رب! کیا وہ تیری محبت میں نہیں تھا؟ اللہ نے فرمایا کیوں نہیں۔ لیکن وہ بھی میرے بندے تھے میں ان پر رحم کرتا ہوں۔ یہ بات آپ کو دشوار لگی تو اللہ نے آپ کی طرف وحی فرمائی۔ غمگین مت ہو! میں اسے تیرے بیٹے سلیمان کے ہاتھ سے مکمل کراؤں گا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال ہوگیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تعمیر شروع کی۔ جب وہ مکمل ہوگیا تو قربانیاں کیں اور بہت جانور ذبح کئے اور بنو اسرائیل کو جمع کیا تو اللہ نے آپ کی طرف وحی فرمائی۔ میرے گھر کی تکمیل پر میں تمہیں خوش دیکھ رہا ہوں۔ لہٰذا جو مانگو گے عطا کیا جائے گا۔ آپ نے عرض کی خدایا میری تین گزارشات ہیں: 1۔ مجھے ایسا فیصلہ سمجھا جو تیری منشا کے مطابق ہو۔ 2۔ ایسا ملک عطا فرما جو حکومت میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو۔ 3۔ جو اس گھر میں آنے اور نماز کے علاوہ کوئی اور ارادہ نہ ہو تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو جائے جیسے آج ہی پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو چیزیں تو آپ کو عطا فرما دی گئیں اور مجھے امید ہے کہ تیسری بھی دے دی گئی ہوگی" (1)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دعا فرماتے سنا آپ ان الفاظ سے ابتدا فرماتے: سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّيَ الْعَلِيِّ الْاَعْلَى الْوَهَّابِ (2)۔

ابوعبید نے لکھا ہے کہ جب اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال ہوا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے لخت جگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ آپ اپنی حاجت طلب کریں۔ آپ نے عرض کی: مجھے اپنے باپ کی طرح خشیت والا دل عطا فرما۔ میرے دل میں اپنی محبت ڈال دے جس طرح میرے والد محترم کے دل میں تھی۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: میں نے اپنے بندوں کو پیغام بھیجا اور اس کی حاجت دریافت کی۔ اس کی حاجت یہ تھی کہ میں اس کا دل اس طرح بنا دوں کہ وہ مجھ سے ڈرتا رہے۔ اور میں اس کا دل اس طرح کر دوں کہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگے۔ میں اس کو ایسی سلطنت عطا کروں گا۔ جو اس کے بعد کسی کو میسر نہ ہوگی۔

قال اللہ جلت عظمتہ: (فسخرنالہ الریح تجری بامرہ رخاء حیث اصاب) اور جو اس کے بعد ہے۔ فرمایا: اور آپ کو عطا فرمایا جو عطا فرمایا اور آخرت میں آپ پر حساب نہیں ہے۔ ابوالقاسم ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے حالات میں یہی درج کیا ہے (3)۔ بعض سلف سے مروی ہے آپ نے فرمایا: مجھے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں خبر ملی ہے کہ آپ نے فرمایا: اے بارالہا! سلیمان کے لئے بھی اسی طرح ہو جا جس طرح تو میرے ساتھ لطف وکرم سے پیش آتا رہا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ سلیمان سے کہہ دو کہ وہ بھی میرے ساتھ اسی طرح رہے جس طرح کہ تم تھے تو میں اس کے ساتھ ہو جاؤں گا جیسے کہ تمہارے ساتھ تھا۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت حسن بصری نے لکھا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی خاطر گھوڑوں کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے عوض اس سے بہتر اور تیز رفتار چیز عطا فرمائی یعنی ہوا کو آپ کے تابع کر دیا جس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی مسافت اور شام کی منزل ایک ماہ کی مسافت تھی (4)۔ قولہ جل وعلا: حیث اصاب یعنی جس جگہ آپ تشریف لے جانا چاہتے۔

1۔ معجم الکبیر، جلد 5 صفحہ 25-24
2۔ مسند احمد جلد 4 صفحہ 54
3۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 189
4۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 189

وَالشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ان میں سے کچھ فن تعمیر میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ وہ بلند و بالا عمارتوں کی تعمیر میں لگے رہتے یعنی پختہ عمارتیں، مجسمے، بڑے بڑے لگن جیسے حوض ہوں اور بھاری دیگیں جو چولہوں پر جمی رہتیں، بنایا کرتے تھے اور اسی طرح کے دیگر مشقت آمیز کام کرتے جو انسانی طاقت سے باہر تھے۔ ان میں سے ایک تیراکی اور غوطہ خوری میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ وہ سمندروں کی گہرائیوں میں غوطہ لگا کر لولو، جواہرات اور دیگر قیمتی چیزیں نکال لاتے جو صرف سمندروں سے ہی دستیاب ہوتی ہیں۔

وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے یعنی جو سرکش ہوتے، حکم عدولی کرتے، کام کرنے سے انکار کرتے یا اپنے کام کاج میں کوتاہی کرتے تھے۔ قولہ عزوجل ھٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ یعنی یہ مکمل بادشاہی، اور ان میں تصرف کرنے کے کلی اختیارات۔ جو ہم نے آپ کے مطالبہ پر آپ کو عطا کئے ہیں، ان کو خرچ کرنے میں آپ مکمل آزاد ہیں۔ جس کو چاہیں آپ دیں، جس کو چاہیں محروم رکھیں اور کچھ نہ دیں۔ آپ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ یعنی جو تصرف آپ کریں وہ آپ کے لئے جائز ہے۔ جو چاہیں فیصلہ کریں وہ درست ہے۔

صحیحین میں یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ اختیار دیا گیا کہ رسول عبد بن جائیں۔ جو وہی کرتا ہے جو اسے حکم دیا جاتا ہے۔ وہ تو تقسیم کنندہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق لوگوں میں تقسیم کرتا ہے۔ یا نبی ملک (بادشاہ نبی) بن جائیں۔ جسے چاہے عطا کریں، جسے چاہے روک دیں آپ کو کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی تو حضور ﷺ نے جبریل کے مشورے سے پہلا مرتبہ (نبی عبد بننا) پسند فرمایا۔ جبریل نے عرض کی تواضع اختیار کیجئے(1) تو آپ نے پہلی بات قبول فرمائی۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ قدر والی اور آخرت میں بلند مقام والی ہے۔ اگرچہ دوسری بات یعنی نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی دنیا و آخرت میں عظیم ہے۔ اسی لئے جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا میں جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں ان کا ذکر فرمایا تو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا مرتبہ ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ یعنی دار آخرت میں بھی انہیں ہماری بارگاہ میں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام بھی۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَیُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

''اور یاد فرمایئے ہمارے بندے ایوب کو۔ جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو (الٰہی) پہنچائی ہے مجھے شیطان نے بہت تکلیف اور دکھ۔ (حکم ہوا) اپنا پاؤں (زمین پر) مارو۔ یہ نہانے کے لئے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لئے۔ اور ہم نے عطا فرمایا انہیں ان کا اہل و عیال اور ان کی مانند اور ان کے ساتھ بطور رحمت اپنی جناب سے اور بطور نصیحت اہل عقل کے لئے۔ اور (حکم ملا) پکڑ لو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا ایک مٹھا اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔ بیشک ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا۔ بڑا

1۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 231

خوبیوں والا بندہ۔ ہر وقت ہماری طرف متوجہ''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر فرما رہے ہیں اور جن جسمانی، مالی اور اولاد کی تکلیف میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو مبتلا فرمایا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کے جسم اقدس پر سوئی کے برابر بھی تندرست جگہ باقی نہ رہی ماسوائے آپ کے مبارک دل کے۔ دنیا کی کوئی چیز باقی نہ رہی جس کی مدد سے اپنی تکالیف کا ازالہ کرتے۔ مگر آپ کی زوجہ کے دل میں آپ کی محبت باقی رہی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی تھی۔ وہ اجرت پر لوگوں کی خدمت کرتی اور اٹھارہ سال تک اسی طرح آپ کو کھلاتی پلاتی اور آپ کی خدمت کرتی رہی اس سے پہلے آپ کے پاس بہت سا مال تھا اور اولاد تھی اور دنیا کی ہر چیز کی فراوانی تھی۔ یہ سب کچھ سلب کر لیا گیا اور حالت یہاں تک پہنچی کہ اس پوری مدت میں آپ کو شہر کے کوڑا کرکٹ کی جگہ پر جا کر ڈال دیا گیا تھا۔ قریب وبعید سب چھوڑ گئے، ماسوائے آپ کی اہلیہ کے وہ صبح شام آپ کو نہیں چھوڑتی تھی مگر لوگوں کی خدمت کے سبب اسے کچھ دیر جانا پڑتا۔ وہ جلد واپس آ جاتی۔ جب ایک طویل عرصہ گزر گیا۔ حالت زیادہ دگرگوں ہوگئی، قدر ختم ہوگئی اور ابتلاء وآزمائش کے خاتمے کا وقت آ پہنچا تو آپ نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں تضرع وزاری کی۔ اور عرض کی: مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (الانبیاء: 83)'' مجھے سخت تکلیف ہے اور تو ارحم الراحمین ہے (میرے حال زار پر بھی رحم فرما)''۔

اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے: وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ أَيُّوْبَ ۘ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ أَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ کہا گیا ہے کہ بدن میں تکلیف اور مال واولاد میں دکھ۔ اس وقت اس ارحم الراحمین نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو حکم دیا کہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور اپنا پاؤں زمین پر ماریں۔ آپ نے ایسے ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے وہاں ایک چشمہ پیدا فرما دیا اور آپ کو اس میں غسل کرنے کا حکم فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کے بدن کی ظاہری تمام بیماریاں کافور ہوگئیں۔ پھر آپ کو دوسری جگہ پاؤں مارنے کا حکم ملا۔ وہاں آپ کے لئے ایک اور چشمہ پھوٹا۔ آپ کو اس میں سے پینے کا حکم دیا گیا۔ اس کے ساتھ آپ کے اندر کے تمام روگ ختم ہوگئے۔ اور ظاہر وباطن میں آپ کو شفا حاصل ہوگئی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام اٹھارہ سال تک ابتلاء وآزمائش میں مبتلا رہے۔ حتیٰ کہ قریبی اور دور کے سب رشتے دار وغیرہ آپ کو چھوڑ گئے۔ ماسوائے دو مخلص دوستوں کے وہ صبح شام آپ کی مزاج پرسی کے لئے آتے۔ ایک دفعہ ایک نے دوسرے سے کہا۔ تمہیں پتہ ہے حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ کی کوئی بہت بڑی نافرمانی کی ہے جو آج تک کسی سے سرزد نہیں ہوئی۔ اس نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا دیکھئے اٹھارہ سال سے آپ مرض میں مبتلا ہیں اور اللہ آپ پر رحم نہیں فرماتا کہ آپ کی تکلیف دور ہو جائے۔ جب وہ آپ کے پاس حاضر خدمت ہوئے تو اس شخص سے نہ رہا گیا۔ اس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے سامنے اس بات کا ذکر کر دیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ تو کیا کہہ رہا ہے ماسوائے اس کے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جانتا ہے کہ میرا گزر اگر ایسے دو اشخاص کے پاس سے ہوتا جو آپس میں لڑ رہے ہوتے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو میں اپنے گھر آتا اور ان کی طرف سے کفارہ ادا کر دیتا۔ مجھے یہ بات ناپسند تھی کہ حق کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔

آپ رفع حاجت کیلئے نکلتے فراغت کے بعد آپ کی اہلیہ آپ کا ہاتھ پکڑ کر لے آتیں۔ ایک دن انہیں دیر ہوگئی تو اللہ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ اپنی لات زمین پر ماریں............ کچھ دیر کے بعد جب آپ کی زوجہ آئیں۔ تو ادھر ادھر آپ کو تلاش کرنے لگیں۔

چنانچہ آپ آگے بڑھے۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہر تکلیف دور فرمادی تھی اور آپ پہلے سے کہیں بہتر حالت میں تھے۔جب آپ کی اہلیہ کی نظر آپ پر پڑی تو کہنے لگیں۔اے شخص! اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے نبی کو یہاں دیکھا ہے جو کہ تکلیف میں مبتلا تھے۔بخدا وہ جب تندرست تھے تو آپ سے زیادہ ان کے مشابہ میں نے کوئی نہیں دیکھا۔آپ نے فرمایا: وہ میں ہی ہوں۔راوی کا کہنا ہے کہ آپ کے دو گودام (کھلیان) تھے۔ایک گندم کے لئے اور دوسرا جو کیلئے۔چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دو بادل بھیجے۔جب وہ ابر گندم کے گودام پر آیا تو اسے سونے سے معمور کر دیا۔دوسرا بادل دوسرے گودام پر برسا اور اسے بھی بھر دیا۔(یہ الفاظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں)(1)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب حضرت ایوب علیہ السلام کپڑے اتار کر غسل فرمارہے تھے کہ آسمان سے آپ پر سونے کی ٹڈیوں کی بارش ہوئی۔آپ انہیں اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی۔اے ایوب کیا میں نے تمہیں اس سے غنی اور بے پرواہ نہیں کر رکھا تھا۔آپ نے عرض کی ہاں میرے رب لیکن میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوں(2)۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث عبدالرزاق سے یہی روایت انفراداً ذکر کی ہے(3)۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ حضرت حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا اور ان کی مانند ان کے ساتھ بھی(4)۔

قولہ تعالیٰ رَحْمَةً مِّنَّا آپ پر یہ انعام آپ کے صبر وثبات، اسی کی طرف توجہ، تواضع اور انکساری کے سبب تھا۔

قولہ تعالیٰ وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ یعنی عقلمندوں کے لئے تاکہ وہ جان لیں کہ صبر کا بدلہ کشادگی، آسودگی اور راحت ہے۔

قولہ تعالیٰ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو اپنی بیوی کی کوئی بات سخت ناگوار گزری اور اس پر غصہ آگیا۔کہا جاتا ہے کہ روٹی کے بدلے انہوں نے اپنی زلف (بالوں کی لٹ مینڈھی) فروخت کر دی اور آپ کو کھانا کھلایا۔آپ نے انہیں ملامت فرمائی اور یہ قسم کھائی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفا عطا فرمائی تو آپ اسے سو کوڑے لگائیں گے۔اس کے علاوہ اور وجوہات بھی بیان کی گئی ہیں۔چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت وتندرستی عطا فرمادی تو آپ کی بھرپور خدمت، رحمت وشفقت اور حسن سلوک کا صلہ یہ نہیں تھا کہ اسے سزا دی جائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ ترکیب بتائی کہ ایک مٹھا لیں یعنی کھجور کی ڈالی جس میں سو ٹہنیاں ہوں۔اسے ایک دفعہ مارو۔اس طرح آپ کی قسم اور نذر بھی پوری ہو جائے گی۔یہ سہولت اور ترکیب اس کیلئے ہے جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اور کامل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا اللہ تعالیٰ آپ کی مدح وتوصیف فرمارہے ہیں۔نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ یعنی رجوع کرنے والا کامل توجہ کرنے والا۔اسی لئے فرمایا: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (طلاق:3-2)'' اور جو (خوش بخت) ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے بنا دیتا ہے اللہ اس کیلئے نجات کا راستہ۔اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کے لئے وہ کافی ہے۔بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے

1۔تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 167
2۔مسند احمد، جلد 2 صفحہ 314
3۔بخاری، جلد 1 صفحہ 78، فتح الباری کتاب احادیث الانبیاء، جلد 7 صفحہ 424
4۔تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 168

مقرر کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ''۔ اس آیت کریمہ سے بہت سے فقہاء نے قسم وغیرہ مسائل میں استدلال کیا ہے اور اس کے مقتضا (اقتضاء النص) پر عمل کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿٤٥﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿٤٦﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿٤٧﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿٤٨﴾

''اور یاد فرماؤ ہمارے (مقبول) بندوں ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کو بڑی قوتوں والے اور روشن دل تھے۔ ہم نے مختص کیا تھا انہیں ایک خاص چیز سے اور وہ دار آخرت کی یاد تھی۔ اور یہ (حضرات) ہمارے نزدیک چنے ہوئے بہت بہترین لوگ ہیں۔ اور یاد فرمائیے اسمٰعیل، یسع اور ذی الکفل کو۔ یہ سب بہترین لوگوں میں سے ہیں''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے عابد رسولوں کے فضائل بیان فرما رہے ہیں۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ اس سے مراد عمل صالح، علم نافع، قوت عبادت اور گہری بصیرت ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اُولِي الْاَيْدِيْ کا معنی صاحب قوت ہے۔ الْاَبْصَارِ سے مراد تفقہ فی الدین ہے(1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اُولِي الْاَيْدِيْ سے مراد اطاعت الٰہی کی قوت ہے اور الْاَبْصَارِ سے مراد حق کو دیکھنا ہے۔ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ انہیں قوت عبادت اور دین کی بصارت سے نوازا گیا تھا۔

قولہ تعالیٰ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہم نے انہیں اس طرح بنا دیا کہ وہ صرف عمل آخرت میں ہی مصروف رہتے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں اور کوئی غم نہیں تھا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے کہ آخرت کو یاد کرنا اور اس کے لئے عمل کرنا۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت اور یاد چھین لی تھی۔ اور انہیں آخرت کی یاد اور محبت سے مختص کر دیا تھا۔ عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد دار جنت ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس سے مراد دار عقبیٰ ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ لوگوں کو آخرت اور اس کے لئے عمل کی ترغیب دیتے تھے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ خاص طور پر انہیں کے لئے دار آخرت میں افضل چیز رکھی۔

قولہ تعالیٰ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ یعنی برگزیدہ، چنے ہوئے، بہترین پس وہ بہترین پسندیدہ ہیں۔

قولہ تعالیٰ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ان کے واقعات وحالات بالتفصیل سورۂ انبیاء میں گزر چکے ہیں۔ لہٰذا ان کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں(2)۔

هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٩﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 170

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انبیاء آیت: 85

''یہ نصیحت ہے۔ اور بے شک پرہیز گاروں کے لئے بہت عمدہ ٹھکانا ہے۔ سدا بہار باغات، کھلے ہوں گے ان کے لئے سب دروازے۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان میں، طلب فرماتے ہوں گے وہاں طرح طرح کے پھل اور مشروبات۔ اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی (عمر، جمال و کمال میں) ہم مثل (حوریں) ہوں گی۔ یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ روزِ حساب (تمہیں ملے گا) بے شک یہ ہمارا (دیا ہوا) رزق ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا''۔

قولہ عزوجل هٰذَا ذِكْرٌ یہ فصل ہے اس میں نصیحت ہے ان کے لئے جو نصیحت حاصل کریں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ذکر سے مراد قرآن عظیم ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے سعادت مند مومن بندوں کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ دارِ آخرت میں ان کا انجام بہت خوبصورت ہوگا۔

مآب: مرجع، منقلب، ٹھکانہ۔ پھر اس کی تفسیر بھی خود ہی بیان فرما دی جَنّٰتِ عَدْنٍ رہنے کے باغات۔

مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ الف لام یہاں بمعنی اضافت ہے۔ گویا یوں ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوں گے۔ یعنی جب وہ آئیں گے تو ان کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے جائیں گے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں ایک محل ہے اس کے اردگرد برج اور مرغزار ہیں اس کے پانچ ہزار دروازے ہیں۔ ہر دروازے پر پانچ ہزار چادریں ہیں۔ اس میں داخل نہیں ہوگا (رہائش اختیار نہیں کرے گا) مگر نبی یا صدیق یا شہید یا عادل حکمران''۔ جنت کے آٹھ دروازوں کے بارے میں متعدد سندوں سے بہت سی احادیث مروی ہیں(1)۔

قولہ عزوجل مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ پلنگوں پر چار زانو (آلتی پالتی مارے) آراستہ کمروں میں بیٹھے ہوں گے۔

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ یعنی جو وہ مطالبہ کریں گے پالیں گے اور جو چیز وہ چاہیں گے حاضر کی جائے گی۔

وَّشَرَابٍ مشروبات یعنی جس قسم کا وہ مطالبہ کریں گے، خدام لے کر حاضر خدمت ہوں گے۔ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ (الواقعہ:18) ''پیالے، آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے ہوئے جام لئے''۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ یعنی اپنے خاوندوں کے علاوہ دوسرے لوگوں سے۔ اپنے شوہروں کے علاوہ وہ کسی اور کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گی۔

اَتْرَابٌ: ہم عمر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، محمد بن کعب اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال کا مفہوم یہی ہے۔

قولہ تعالیٰ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ یعنی جنت کے جو اوصاف ہم نے اوپر ذکر کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں سے ان کا وعدہ کر رکھا ہے۔ قیامت کے دن قبروں سے اٹھنے اور آگ سے سلامتی کے بعد ان کا یہی ٹھکانہ ہوگا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جنت کی نعمتوں میں نہ بے قراری ہوگی نہ ان میں کمی آئے گی اور نہ یہ کبھی ختم ہوں گی۔

قال تعالیٰ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ جیسے ایک اور جگہ فرمایا: مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (النحل:96) ''جو (مال و زر) تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو (رحمت کے خزانے) اللہ تعالیٰ کے پاس وہ باقی رہیں گے''۔ جیسے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: عَطَآءً

1۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 57، نسائی کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 93-92، سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز، جلد 1 صفحہ 512

غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ہود:108) ''یہ وہ عطا ہے جو ختم نہیں ہوگی''۔ اور اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (التین:6) ''ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے''۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: اُكُلُهَا دَآىِٕمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ (الرعد:35) ''اس کا پھل ہمیشہ رہتا ہے اور اس کا سایہ بھی نہیں ڈھلتا۔ یہ انجام ہے ان کا جو (اپنے رب سے) ڈرتے رہے اور کفار کا انجام آگ ہے''۔ اس طرح کی آیات بے شمار ہیں۔

هٰذَا ؕ وَ اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۙ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ۙ﴿۵۷﴾ وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ؕ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَ قَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ؕ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾

''یہ تو (پرہیزگاروں کے لئے) اور بلاشبہ سرکشوں کے لئے برا ٹھکانا ہوگا (یعنی) جہنم۔ وہ داخل ہوں گے اس میں۔ تو یہ کتنا تکلیف دہ بچھونا ہے۔ یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہئے کہ وہ اسے چکھیں۔ اور اس کے علاوہ اس کی مانند طرح طرح کا عذاب۔ یہ (لو) دوسری فوج گھسنا چاہتی ہے تمہارے ساتھ۔ کوئی خوش آمدید نہیں انہیں۔ یہ ضرور آگ تاپنے والے ہیں۔ وہ کہیں گے (ظالمو!) تمہیں کوئی خوش آمدید نہ ہو۔ تم نے ہی آگے کیا اس عذاب کو ہمارے لئے۔ سو بہت برا ٹھکانا ہے۔ کہیں گے اے ہمارے رب! جس (بدبخت) نے آگے کیا ہے ہمارے لئے یہ عذاب پس بڑھا دے اس کا عذاب دوگنا آگ میں۔ اور کہیں گے کیا وجہ ہے کہ ہمیں نظر نہیں آ رہے (یہاں) وہ لوگ جنہیں ہم شمار کرتے تھے برے لوگوں میں۔ ہم جن کا تمسخر اڑایا کرتے تھے یا پھر گئی ہیں ان کی طرف سے ہماری آنکھیں۔ یقیناً یہ سچ ہے دوزخی آپس میں جھگڑیں گے''۔

سعادتمندوں کے ذکر خیر کے بعد آخرت میں بدنصیبوں کے انجام اور حساب و کتاب کا ذکر ہو رہا ہے۔ فرمایا: ''ھذا وإن للطاغین'' جو اللہ کی اطاعت سے نکلنے والے اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے والے ہیں۔

لَشَرَّ مَاٰبٍ خوفناک انجام۔

قولہ جل وعلا جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا یعنی وہ اس میں داخل ہوں گے تو دوزخ کی آگ انہیں ہر طرف سے ڈھانپ لے گی۔

فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ: الحمیم: سخت گرم کھولتا ہوا پانی۔ غساق: حمیم کے برعکس یخ ٹھنڈا شدید ٹھنڈک کی وجہ سے جسے پیا نہ جا سکے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ یعنی اور اسی طرح کی اشیاء۔ ایک چیز اور اس کی متضاد سے انہیں سزا دی جائے گی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر غساق (بدبودار پیپ) کا ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو پوری دنیا بدبودار ہو جائے (1)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک اور سند سے اس

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 28

حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہے لا نعرفه إلا من حديث رشدين ''ہم اسے رشدین کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے''(1)۔ حالانکہ اوپر والی روایت رشدین سے مروی نہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بروایت عمرو بن حارث ذکر کیا ہے۔

کعب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ غساق جہنم میں ایک گرم چشمہ ہے جس میں ہر زہریلے جانور سانپ بچھو وغیرہ کا زہر جمع ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اس میں غوطہ دیا جائے گا۔ جب وہ باہر نکلے گا تو اس کی جلد اور ہڈیوں سے گوشت اکھڑ چکا ہوگا۔ اس کی جلد اور گوشت ہڈیوں اور ٹخنوں پر لٹکنے لگے گا اور وہ اپنا گوشت اس طرح گھسیٹتا پھرے گا جس طرح آدمی اپنا کپڑا گھسیٹتا ہے۔ (ابن ابی حاتم) حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ انواع واقسام کے عذاب۔ دیگر علماء کا قول ہے جیسے زمہریر، مختلف زہر، کھولتا ہوا پانی پینا، زقوم کھانا، پہاڑوں اور بلندیوں پر چڑھانا، گڑھوں میں اتارنا وغیرہ مختلف عذاب جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ انہیں یہ سب عذاب دیئے جائیں گے اور اس کے سبب وہ رسوا ہوں گے۔

قولہ عزوجل هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۚ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ اللہ تبارک وتعالیٰ جہنمیوں کی ایک دوسرے سے گفتگو کا ذکر فرما رہے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا (الاعراف:38) ''جب بھی داخل ہوگی کوئی امت تو وہ لعنت بھیجے گی دوسری امت پر''۔ یعنی بجائے سلام کے وہ ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے، جھوٹ بولیں گے، ایک دوسرے کو کافر ٹھہرائیں گے۔ ایک گروہ سے پہلے جو گروہ موجود ہوگا، جب وہ جہنم کے داروغوں کے ساتھ کوئی اور جماعت آتی دیکھے گا تو کہے گا: هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۚ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ کیونکہ وہ جہنمی ہیں۔

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ یعنی آنے والے انہیں یہ جواب دیں گے۔ اور کہیں گے کہ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا تم ہمیں ایسے کاموں کی طرف بلاتے رہے کہ آج ہمارا یہ انجام ہوا۔

القرار: المنزل والمستقر والمصير: ٹھکانہ۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف:38) ''تو کہے گی آخری امت پہلی امتوں کے بارے میں اے ہمارے رب! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ پس دے ان کو دگنا عذاب آگ سے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے''۔ یعنی ہر ایک کو اس کے حسب حال عذاب دیا جا رہا ہے۔

وَ قَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ دوزخ کے اندر کفار کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ انہیں کچھ لوگ نظر نہیں آئیں گے جن کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ وہ گمراہ ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے زعم میں خود کو مومن تصور کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کیا وجہ ہے ہم انہیں اپنے ساتھ آگ میں دیکھ نہیں رہے؟ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ابوجہل کہے گا کیا وجہ ہے کہ میں بلال، عمار، صہیب اور فلاں فلاں کو نہیں دیکھ رہا(2)۔ یہ بطور مثال کہا جا رہا ہے ورنہ تمام کفار کا یہی حال ہوگا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ مومنین داخل فی النار ہوں گے۔ جب کفار جہنم میں جائیں گے تو انہیں دوزخ میں نہ پا کر یہ دریافت کریں گے کہ ہمیں وہ لوگ نظر کیوں نہیں آ رہے۔ چنانچہ وہ کہیں گے: اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ کہاں ہیں وہ لوگ ہم دنیا میں جن کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ سے محال چیز کا سوال

1۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 7 صفحہ 305، عارضۃ الاحوذی ابواب صفت جہنم، جلد 10 صفحہ 53، تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 178
2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 181

کریں گے۔ وہ کہیں گے یا شاید وہ ہمارے ساتھ جہنم میں ہی ہیں۔ لیکن ہماری نگاہ ان پر نہیں پڑی۔ اس وقت وہ جان لیں گے کہ وہ بلند ترین درجات میں ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ (الاعراف: 49-44)'' اور آوازیں دیں گے جنتی دوزخیوں کو بے شک ہم نے پا لیا جو وعدہ فرمایا تھا ہمارے ساتھ ہمارے رب نے سچا تو کیا تم نے بھی پا لیا جو وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے سچا وہ کہیں گے ہاں۔ تو پھر اعلان کرے گا ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان یہ کہ لعنت ہو اللہ کی ظالموں پر جو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے اور چاہتے ہیں اسے کہ ٹیڑھا ہو جائے اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں اور ان دونوں (جنت و دوزخ) کے درمیان پردہ ہے اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو پہچانتے ہوں گے سب کو ان کی علامت سے اور وہ آواز دیں گے جنتیوں کو کہ سلامتی ہو تم پر (اور ابھی) جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور وہ جنت میں داخل ہونے کے خواہش مند ہوں گے۔ اور جب پھیری جائے گی ان کی نگاہیں دوزخیوں کی طرف (تو) کہیں گے اے ہمارے رب! نہ کر تو ہمیں ظلم پیشہ لوگوں کے ساتھ اور پکاریں گے اعراف والے ان لوگوں کو جنہیں وہ پہچانتے ہوں گے ان کی علامتوں سے (انہیں) کہیں گے نہ فائدہ پہنچایا تمہیں تمہارے جتھے نے اور (نہ اس ساز و سامان نے) جس کی وجہ سے تم غرور کیا کرتے تھے۔ (اے سرکشو!) کیا یہ (جنتی) وہی (نہیں) ہیں جن کے متعلق تم قسمیں اٹھایا کرتے تھے کہ نہیں عطا کرے گا انہیں اللہ اپنی رحمت سے۔ (دیکھو! انہیں تو حکم مل گیا ہے کہ) داخل ہو جاؤ جنت میں نہیں کوئی خوف تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے''۔

قولہ تعالیٰ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ اے محمد (ﷺ) یہ جو خبر ہم آپ کو دے رہے ہیں کہ دوزخی آپس میں تنازعہ کریں گے اور ایک دوسرے کو ملعون ٹھہرائیں گے، یقیناً سچ ہے اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مُنْذِرٌ ۖۗ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰۤى اِلَيَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾

''(اے حبیب!) آپ فرمائیے میں تو فقط ڈرانے والا ہوں۔ اور نہیں ہے کوئی خدا مگر اللہ جو ایک ہے سب پر غالب ہے۔ مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عزت والا بہت بخشنے والا۔ فرمائیے یہ بڑی اہم اور عظیم خبر ہے۔ تم اس سے منہ موڑے ہوئے ہو۔ مجھے کوئی علم نہ تھا عالم بالا کے بارے میں جب وہ جھگڑ رہے تھے نہیں وحی کی جاتی میری طرف مگر یہ کہ میں فقط کھلا ڈرانے والا ہوں''۔

اللہ رب العزت اپنے رسول ﷺ کو فرما رہے ہیں کہ کفار و مشرکین جو اس کے رسول کی تکذیب کرتے ہیں، سے کہہ دیں کہ میں تو

فقط ڈرانے والا ہوں نہ کہ اس طرح جیسے تم گمان کرتے ہو۔

وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ وہ اکیلا ہے ہر چیز پر متصرف ہے اور ہر چیز پر غالب ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وہ چیزوں کا مالک ہے اور اپنی مرضی سے ان میں تصرف کرتا ہے۔

الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ اپنی عظمت اور عزت کے ساتھ بخشنے والا ہے۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِیْمٌ یعنی عظیم خبر اور بہت بڑی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا ہے۔

مُعْرِضُوْنَ: غافل۔ مجاہد، قاضی شریح اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے نَبَؤٌا عَظِیْمٌ سے مراد قرآن کریم لیا ہے۔

قولہ تعالیٰ مَا كَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤى اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ یعنی اگر میرے پاس وحی نہ آتی تو مجھے ملاء اعلیٰ کے اختلاف کا پتہ نہ ہوتا؟۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ جب ابلیس نے آپ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حضرت آدم علیہ السلام پر اپنی فضیلت ظاہر کی۔ وہ حدیث مبارکہ جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے صبح کی نماز میں دیر کر دی۔ یہاں تک کہ ہم ایڑیاں اٹھا اٹھا کر سورج کی ٹکیہ کو دیکھتے۔ چنانچہ سرکار ﷺ تیزی سے تشریف لائے۔ اقامت کہی گئی اور آپ ﷺ نے جلدی جلدی نماز پڑھائی۔ جب سلام پھیرا تو فرمایا: ''اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔'' پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں رات کے وقت کھڑا ہوا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جتنا مقدور تھا نوافل ادا کئے حتیٰ کہ نماز کے دوران ہی مجھے اونگھ آنے لگی۔ اچانک میں نے اپنے رب کو انتہائی حسین صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ اے محمد! ملاء اعلیٰ(1) (عالم بالا) کے فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کی اے رب مجھے خبر نہیں۔ تین مرتبہ مجھ سے یہی سوال و جواب ہوا۔ پھر میں نے دیکھا کہ جناب باری تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا۔ یہاں تک کہ اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی تو اس کی برکت سے ہر چیز میرے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی اور میں نے اسے پہچان لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! عالم بالا کے فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کی کفاروں میں۔ فرمایا: کفارے کیا ہیں؟ میں نے عرض کی۔ باجماعت نماز کے لئے چل کر جانا، نمازوں کے بعد مساجد میں اگلی نماز کے لئے بیٹھے رہنا اور باوجود مشقت اور تکلیف کے وضو اچھی طرح کرنا۔ ارشاد فرمایا: درجات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی کھانا کھلانا، نرمی سے گفتگو کرنا، نماز پڑھنا درآں حالیکہ لوگ سو رہے ہوں۔ فرمایا: (اے محمد) سوال کیجئے یعنی جو جی چاہے مانگ لیجئے۔ میں نے عرض کی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہر اچھا کام کرنے اور ہر برائی ترک کرنے، مساکین کی محبت کا اور التجا کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ اور جب کسی قوم کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہے تو اس فتنے میں مبتلا ہونے سے قبل ہی مجھے موت دے دینا۔ میں تجھ سے تیری محبت، تجھ سے محبت رکھنے والے کی محبت اور اس عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری محبت کے قریب کر دے اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ یقیناً حق ہے۔ دعا کے یہ فقرے سیکھو اور سکھاؤ'' (2)۔ یہ مشہور حدیث خواب کی ہے۔ بعض اسے بیداری کا واقعہ قرار دیتے ہیں وہ غلط ہے۔ یہ حدیث سنن میں متعدد سندوں سے

1۔ ملاء اعلیٰ سے مراد یہاں فرشتوں کی وہ جماعت ہے جو اپنے شرف وعز کے علاوہ عالم بالا کی مکین ہے۔ ان کے ذریعے احکام کونیہ کی تنفیذ ہوتی ہے۔ اور تدابیر خداوندی کو عملی جامعہ پہنایا جاتا ہے۔ اس لئے ان میں اپنے متعلقہ فرائض کو انجام دینے کے لئے قیل وقال اور بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ وہ امور جو یہاں زیر بحث آتے ہیں ان میں تخلیق آدم کا واقعہ بھی ہے (ضیاء القرآن، جلد 4 صفحہ 250) (مترجم)

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 343

مروی ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بعینہ یہی روایت جہضم بن عبداللہ یمامی سے بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے(1)۔

فرشتوں کی یہ بحث وتمحیص (اختصام) وہ نہیں جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے کیونکہ اس کی تفسیر بیان ہو چکی ہے لیکن وہ بحث وتمحیص جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے اس کی تفسیر اگلی آیت میں آرہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّن طِينٍ ﴿٧١﴾ فَإِذَا سَوَّيْتُهُۥ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن
رُّوحِي فَقَعُوا۟ لَهُۥ سَٰجِدِينَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٧٣﴾ إِلَّآ إِبْلِيسَ
ٱسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٧٤﴾ قَالَ يَٰٓإِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ
أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ ٱلْعَالِينَ ﴿٧٥﴾ قَالَ أَنَا۠ خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُۥ مِن
طِينٍ ﴿٧٦﴾ قَالَ فَٱخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيٓ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿٧٨﴾ قَالَ
رَبِّ فَأَنظِرْنِيٓ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٧٩﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ ٱلْمُنظَرِينَ ﴿٨٠﴾ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْوَقْتِ
ٱلْمَعْلُومِ ﴿٨١﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ ٱلْمُخْلَصِينَ ﴿٨٣﴾ قَالَ
فَٱلْحَقُّ وَٱلْحَقَّ أَقُولُ ﴿٨٤﴾ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٥﴾

"(اے حبیب!) یاد فرمائیے جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو کیچڑ سے۔ پس جب میں اس کو سنوار دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی (طرف سے خاص) روح تو تم گر پڑنا اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے۔ پھر سجدہ کیا سب کے سب فرشتوں نے سوائے ابلیس کے۔ اس نے گھمنڈ کیا اور ہو گیا کافروں میں سے۔ ارشاد ہوا اے ابلیس! کس چیز نے باز رکھا تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے۔ کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے آپ کو اس سے عالی مرتبہ خیال کرتا ہے۔ وہ (گستاخ) بولا میں بہتر ہوں اس سے۔ تو نے پیدا کیا ہے مجھے آگ سے اور پیدا کیا ہے اسے کیچڑ سے۔ حکم ملا (اے بے حیا!) نکل جا جنت سے بے شک تو پھٹکارا گیا۔ اور بے شک تجھ پر میری لعنت برسے گی قیامت تک۔ ابلیس بولا! (اگر یہی اٹل فیصلہ ہے) تو میرے رب! مجھے مہلت دیجئے روزِ حشر تک۔ جواب ملا بیشک تو مہلت دیئے جانے والوں میں سے ہے۔ (یہ مہلت) مقررہ وقت کے دن تک ہے۔ کہنے لگا تیری عزت کی قسم! میں ضرور گمراہ کر دوں گا ان سب کو۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا ہے۔ فرمایا تو میں حق ہوں اور میں سچ ہی کہتا ہوں۔ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرمانبرداروں سے"۔

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ، ابتدائے اعراف، سورۂ حجر، سورۂ سبحان، سورۂ کہف میں اور پھر یہاں ذکر فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل یہ

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ ص، جلد 12 صفحہ 117-112، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 104 ترمذی کا قول ہے کہ اس حدیث کے متعلق میں نے امام بخاری سے پوچھا آپ نے بھی فرمایا ہذا حدیث صحیح یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن رجب حنبلی نے اس حدیث کی تصحیح میں ایک مستقل کتابچہ تالیف کیا ہے۔ (مترجم) حضور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں۔ "اس حدیث صحیح کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو کتنا علم عطا فرمایا اور جب قدرت کا ہاتھ حضور کی پشت پر رکھا گیا تو سینے میں علم کے سمندر موجزن ہو گئے اور زمین وآسمان کی ہر چیز منکشف ہو گئی اور فرشتے جن معاملات میں بحث وتمحیص کر رہے تھے ان کا بھی علم ہو گیا۔ (ضیاء القرآن، جلد 4 صفحہ 251)(مترجم)

ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل آگاہ کیا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے والا ہوں بجنے والی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار تھی۔ انہیں حکم فرمایا کہ جب میں اس کی تخلیق سے فارغ ہو جاؤں اور اس کی نوک پلک سنوار دوں تو تم اس کی تکریم وتعظیم، احترام اور میرے حکم کی بجا آوری کے لئے اسے سجدہ کرنا۔ چنانچہ تمام ملائکہ نے حکم الٰہی کی تعمیل کی ماسوائے ابلیس کے۔ یہ فرشتوں کی جنس سے نہ تھا بلکہ ایک جن تھا۔ اس کی طبیعت اور جبلت نے اس چیز کی طرف اس کی راہنمائی نہ کی جس کی اسے شدید ضرورت تھی۔ چنانچہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے رب سے اس مسئلہ میں مباحثہ شروع کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر ہے۔ کیونکہ وہ آگ سے پیدا ہوا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔ اس کے خیال میں آگ مٹی سے بہتر تھی۔ اس سے خطا ہوگئی اور اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دھتکار کر ذلیل ورسوا کر دیا۔ اسے اپنے باب رحمت، مقام انسیت اور بارگاہ قدس سے نکال دیا۔ اسے ابلیس کا لقب دیا گیا۔ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ وہ رحمت سے مایوس ہو چکا ہے، اسے راندۂ درگاہ بنا کر آسمان سے زمین پر جلاوطن کر دیا گیا اس حال میں کہ وہ مذمت کیا ہوا اور ٹھکرایا ہوا تھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے روز حشر تک مہلت طلب کی۔ اس حلیم رب نے جو خطا کاروں کو فوراً نہیں پکڑتا اسے مہلت عطا فرما دی اور اس کی آرزو پوری کر دی گئی۔ جب وہ قیامت تک ہلاکت سے مامون ہو گیا تو سرکشی اور بغاوت پر اتر آیا اور کہنے لگا:

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ جیسے ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا (الاسرا:62) ''اس نے کہا مجھے بتا یہ (آدم) جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے (اس کی کیا وجہ ہے)؟ اگر تو مجھے مہلت دے روز قیامت تک تو جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گا اس کی اولاد کو سوائے چند لوگوں کے''۔ ایک دوسری آیت میں ان کی استثنا کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا (الاسراء:65) ''جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا اور (اے محبوب) کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کارسازی کے لئے''۔

قولہ تعالیٰ قَالَ فَالْحَقُّ ۫ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ایک گروہ نے اسی طرح پڑھا ہے (پہلے حق کو پیش کے ساتھ)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ انہی میں سے ہیں۔ اس کی تفسیر میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ أنا الحقُّ والحقَّ أقولُ میں حق ہوں اور میں سچ ہی کہتا ہوں۔ ایک دوسری روایت میں اسے یوں پڑھا گیا ہے۔ الحقُّ منی أقولُ الحقَّ۔ بعض دوسرے قاریوں نے دونوں لفظ منصوب (زبر کے ساتھ) پڑھے ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ قسم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اٹھائی ہے(1)۔

قلت (میں کہتا ہوں) یہ آیت ان آیات کی طرح ہے۔ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (السجدۃ:13) ''لیکن یہ بات طے ہو چکی ہے میری طرف سے کہ میں ضرور بھروں گا جہنم کو تمام (سرکش) جنوں اور (نافرمان) انسانوں سے''۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا (الاسراء:63) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا چلا جا (جو مرضی ہو کر) سو جو تیری پیروی کرے گا ان میں سے تو بے شک جہنم ہی تم سب کی پوری پوری سزا ہے''۔

قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَ

1۔ طبری، جلد 23 صفحہ 188

لَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِیۡنٍ ﴿۸۸﴾

''آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی اجر اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔ نہیں ہے یہ (قرآن) مگر نصیحت سب جہانوں کے لئے۔ اور (اے کفار!) تم ضرور جان لو گے اس کی خبر کچھ عرصہ بعد''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ارشاد فرمار ہے ہیں اے محمد! (ﷺ) ان مشرکین سے فرما دیجئے کہ میں اس تبلیغ دین اور نصیحت پر آپ سے مطالبہ نہیں کرتا کہ تم متاع دنیا میں سے کچھ اجر دو۔

وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَكَلِّفِیۡنَ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا ہے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا اور اس پر اضافے کا خواہاں نہیں ہوں۔ بلکہ مجھے جو حکم دیا گیا وہ میں ادا کروں گا۔ نہ اس میں اضافہ کروں گا نہ اس میں کمی کروں گا۔ میرا اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور دارِ آخرت ہے۔ سفیان ثوری نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! جسے کسی بات کا علم ہو وہ اسے بیان کرے اور جسے علم نہ ہو وہ یوں کہے: اللہ اعلم یعنی اللہ بہتر جانتا ہے۔ لاعلمی کے وقت آدمی کا یہ کہہ دینا کہ اللہ اعلم یہ بھی علم کی دلیل ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ارشاد فرمایا: قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ...... شیخین نے بروایت اعمش اسے ذکر کیا ہے (1)۔

قولہ تعالیٰ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ یعنی قرآن کریم جن وانس میں سے تمام مکلفین کے لئے نصیحت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی سند سے بروایت حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عالمین سے مراد جن وانس ہیں۔ اس آیت کی تائید ایک دوسری آیت کے مضمون سے بھی ہوتی ہے۔ لِاُنۡذِرَكُمۡ بِهٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ (الانعام:19) '' تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے''۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: وَمَنۡ یَّكۡفُرۡ بِهٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ (ہود:17) ''اور جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے''۔

قولہ تعالیٰ وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ یعنی اس کی خبر اور اس کا سچا ہونا۔

بَعۡدَ حِیۡنٍ یعنی عنقریب۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ موت کے بعد۔

عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یعنی قیامت کے دن۔ اور دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں۔ جس شخص کا انتقال ہو جائے وہ قیامت کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت حسن نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ اے ابن آدم! موت کے وقت تمہیں یقینی خبر حاصل ہو جائے گی (2)۔

سورۂ ص کی تفسیر یہاں ختم ہوئی۔

ولله الحمد والمنّة۔ والله سبحانه وتعالى أعلم

1۔ بخاری، جلد 6 صفحہ 156، مسلم، جلد 8 صفحہ 131، کتاب صفت قیامت، فتح الباری تفسیر سورۂ ص، جلد 8 صفحہ 549

2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 189

سورۂ زمر

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسلسل روزے رکھنا شروع کر دیتے حتیٰ کہ ہم سمجھتے کہ آپ روزہ چھوڑنا نہیں چاہتے (اور کبھی) آپ روزہ رکھنا چھوڑ دیتے تا آنکہ ہم یہ خیال کرتے کہ اب آپ ﷺ کبھی روزہ نہیں رکھیں گے اور آپ ﷺ ہر رات سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے(1)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ① اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ؕ ② اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُہُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ بَیۡنَہُمۡ فِیۡ مَا ہُمۡ فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ۬ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِیۡ مَنۡ ہُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ ③ لَوۡ اَرَادَ اللّٰہُ اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصۡطَفٰی مِمَّا یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ۙ سُبۡحٰنَہٗ ؕ ہُوَ اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ ④

"اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو عزیز (اور) حکیم ہے۔ ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ۔ پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اطاعت کو۔ خبردار! صرف اللہ کے لئے ہے دین خالص۔ اور جنہوں نے بنا لئے اس کے سوا اور والی (اور کہتے ہیں) ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان جن باتوں میں یہ اختلاف کیا کرتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس کو جو جھوٹا (اور) بڑا ناشکرا ہو۔ اگر اللہ چاہتا کہ کسی کو بیٹا بنائے تو چن لیتا اپنی مخلوق سے جس کو چاہتا۔ وہ پاک ہے۔ وہی اللہ ہے جو ایک ہے سب سے زبردست"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اس کتاب مقدس قرآن کریم کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّہٗ لَتَنۡزِیۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۹۲﴾ؕ نَزَلَ بِہِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ ﴿۱۹۳﴾ۙ عَلٰی قَلۡبِکَ لِتَکُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾ۙ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیۡنٍ (الشعراء:195-192) " اور بلاشبہ یہ کتاب رب العالمین کی اتاری ہوئی ہے۔ اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبریل علیہ السلام) آپ کے قلب (منیر) پر تا کہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے۔ یہ ایسی عربی زبان میں ہے جو بالکل واضح ہے"۔ ایک اور مقام پر آتا ہے: وَ اِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیۡزٌ ﴿ۙ۴۱﴾ لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِہٖ ؕ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ (فصلت:

1۔189 یہ حدیث سورۂ بنی اسرائیل کی ابتدا میں گزر چکی ہے۔ نیز دیکھئے نسائی، سنن، کتاب الصوم، جلد 4 صفحہ 199، التفسیر، سنن کبریٰ، الیوم واللیلۃ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 12 صفحہ 303

41-42)'' اور بیشک یہ بڑی عزت (حرمت) والی کتاب ہے۔ اس کے نزدیک نہیں آ سکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے۔ یہ اتری ہوئی ہے بڑے حکمت والے، سب خوبیاں سراہے کی طرف سے''۔

العزیز: المنیع الجناب۔ اَلْحَکِیْم یعنی اپنے اقوال وافعال اور شرع وقدر میں حکیم ہے۔

قولہ جل وعلا اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں۔ اس کی طرف مخلوق کو بلائیں۔ انہیں آگاہ کریں کہ عبادت کے لائق صرف وہی یکتا ہے بلاشبہ اس کا کوئی شریک، نظیر یا مدمقابل نہیں۔ اسی لئے ارشاد فرمایا: اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ یعنی صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لئے ہو۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد کلمہ توحید کا اقرار کرنا ہے(1)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بت پرست مشرکین کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ کہتے ہیں۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی یہی چیز انہیں بتوں کی عبادت پر ابھارتی ہے۔ انہوں نے اپنے گمان میں مقرب ملائکہ کی صورت کے مطابق بت بنائے۔ ان بتوں کی عبادت شروع کی یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کی پرستش بتوں کی عبادت کے قائم مقام ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مدد ونصرت، رزق وغیرہ دیگر دنیوی معاملات میں ان کی سفارش کریں گے۔ جہاں تک آخرت کا تعلق ہے تو وہ قیامت کا انکار کرتے تھے اور اس کے قائل ہی نہ تھے۔ (اس لئے روز حشر کے بارے میں انہیں کوئی فکر نہ تھی۔ وہ صرف اسی دنیا کو سنوارنا چاہتے تھے)(2)۔

قتادہ، سدی، مالک نے زید بن اسلم سے اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ بت ان کی سفارش کریں گے اور اللہ کے ہاں انہیں مقرب بنادیں گے۔ اسی لئے زمانہ جاہلیت میں حج کے دوران تلبیہ میں یہ اضافہ کرتے لبیك لا شریك لك إلا شریکا ھو لك تملکه وما ملك ترجمہ: '' اے اللہ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسا شریک جس کا تو مالک ہے۔ اور جو چیز اس کی ملکیت میں ہے اس کا بھی مالک ہے۔'' یہی شبہ ہے کہ قدیم وجدید ہر دور میں مشرکین کا اس پر اعتماد رہا۔ انبیاء کرام صلوٰت اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اس کی تردید اور اس سے روکنے اور خالص اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دینے کے لئے تشریف لاتے رہے۔ مشرکین نے یہ نظریہ بذات خود اختیار کیا تھا۔ اللہ نے نہ تو اس کی اجازت دی تھی اور نہ اس پر رضامندی کا اظہار فرمایا بلکہ اس کو ناپسند فرمایا اور اس سے منع فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:36)'' اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء:25)'' اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 191

2۔ بعض صاحبان حصول دعا کے لئے اولیائے کرام کی خدمت میں حاضری کو بھی اس ضمن میں شمار کرتے ہیں اور حاضر ہونے والوں پر بڑی بے رحمی سے شرک کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ خود ہی انصاف فرمادیں کہ جب کوئی مسلمان کسی ولی یا بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور دعا کے لئے عرض کرتا ہے تو کیا وہ ان کی عبادت کر رہا ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ اگر صرف طلب دعا کے لئے بھی کسی کے پاس جانا شرک اور عبادت ہے تو ان صاحبان کا صحابہ کرام کے بارے میں کیا فتویٰ ہے۔ جو حضور سرور عالم، رحمت مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس واطہر میں کبھی بارش کے نزول کے لئے، کبھی بارش کے رکنے کے لئے، کبھی بیماری سے شفایاب ہونے کے لئے، کبھی دیگر مقاصد کے لئے حاضر ہوتے اور دعا کے لئے عرض کرتے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام دعا کے لئے دست مبارک بارگاہ الٰہی میں اٹھاتے تو مشکلیں آسان ہوجاتیں۔ لا علاج مریض شفایاب ہوجاتے۔ طویل خشک سالی کے بعد آن واحد میں گھنگھور گھٹائیں برسنے لگتیں اور برستے ہی چلے جاتیں۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس بات پر محکم یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت کفر ہے، شرک ہے، گمراہی ہے اور ابدی عذاب کا موجب ہے اور ان بے رحم مفتیوں سے بھی مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ شمع توحید کے پروانوں پر شرک کی جھوٹی تہمت لگانے کا شغل ترک کریں اور کوئی مفید مشغلہ اختیار فرمائیں جس سے انہیں بھی فائدہ ہو اور ان کی قوم کا بھی بھلا ہو۔ (ضیاء القرآن، جلد 4 صفحہ 259)(مترجم)

یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو"۔ اور یہ بتایا کہ ملائکہ جو آسمانوں میں ہیں خواہ مقربین بارگاہ ہوں یا دوسرے، سب اللہ تعالیٰ کے غلام اور فرمانبردار ہیں۔ اس کی بارگاہ میں کسی کی سفارش نہیں کرتے مگر اس کی اجازت سے جسے وہ منتخب فرمائے وہ اس کی بارگاہ میں اس طرح نہیں ہیں جس طرح امراء اپنے بادشاہوں کے دربار میں ہوتے ہیں۔ وہ بادشاہوں کے سامنے بلا اجازت سفارش بھی کر لیتے ہیں۔ خواہ بادشاہوں کو وہ بات پسند ہو یا ناپسند۔ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (النحل:73) "پس (اے جاہلو) نہ بیان کیا کرو اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں"۔

تعالی اللہ عن ذلك علوا کبیرا (اللہ تعالیٰ تو اس سے کہیں زیادہ بلند و برتر ہے)۔

قولہ جل وعلا اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ یعنی قیامت کے دن۔

فِیْ مَاهُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ یعنی روزِ حشر مخلوقات کے مابین فیصلہ فرمائے گا۔ ہر کام کرنے والے کو اس کے کام کا بدلہ ملے گا۔

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (سبا:41-40) "اور جس روز وہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کیا کرتے تھے؟ فرشتے عرض کریں گے تو پاک ہے ہر شرک سے، ہمارا مالک تو ہے ہمارا ان سے کیا واسطہ، بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے"۔

قولہ عزوجل اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ جس کا ارادہ اللہ تعالیٰ پر کذب وافتراء باندھنا ہو اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی آیات و براہین اور حجج کا منکر ہو، اللہ ہدایت کی طرف اس کی راہنمائی نہیں فرماتا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ جس طرح ملائکہ کے بارے میں بعض جہلاء مشرکین کا عقیدہ تھا۔ یا حضرت عزیر وعیسیٰ علیہم السلام کے بارے میں سرکش یہود ونصاریٰ کا عقیدہ تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ یعنی معاملہ اس کے برعکس ہوتا جو وہ گمان کرتے ہیں۔ یہ شرط ہے اس کا وقوع پذیر ہونا اور امکان و جواز لازم نہیں بلکہ محال ہے اور اس کا مقصد ان کے دعویٰ اور گمان کی جہالت بیان کرنا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا: لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ (الانبیاء:17) "اگر ہمیں یہی منظور ہوتا کہ ہم (اس کائنات کو) کھیل تماشا بنائیں تو ہم بنا لیتے اسے خود بخود (ہمیں کون روک سکتا تھا) مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں"۔ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (الزخرف:81) "آپ فرمائیے (بفرض محال) اگر رحمٰن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا"۔ یہ سب آیات شرط کے باب سے ہیں اور متکلم کے مقصد کے لئے شرط کو محال (مستحیل) پر معلق کرنا جائز ہے۔

قولہ تعالیٰ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ یعنی اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک مقدس اور منزہ ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ وہ واحد، یکتا، فرد (منفرد) اور بے نیاز ہے۔ ہر چیز اس کی غلام، اس کی محتاج ہے۔ وہ ماسوا سے مستغنی ہے جس نے تمام اشیاء کو اپنا مطیع بنا لیا ہے اور وہ سب اس کے سامنے سرنگوں اور اس کی تابع فرمان ہو گئی ہیں۔ ظالموں اور منکرین کے اقوال سے اس کی ذات مبرا و منزہ ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَ يُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ

فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝

''اس نے پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر اور اس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو۔ ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک۔ غور سے سنو! وہی عزت والا (اور) بہت بخشنے والا ہے۔ اس نے پیدا کیا ہے تمہیں فردِ واحد سے پھر بنایا اسی سے اس کا جوڑا اور پیدا کئے تمہارے لئے جانوروں میں سے آٹھ جوڑے۔ وہ پیدا فرماتا ہے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں (تدریجاً) ایک حالت سے دوسری حالت تین اندھیروں میں۔ یہ (قدرت والا) اللہ تمہارا رب ہے، اسی کی حکومت ہے۔ نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ پھر تم کدھر منہ پھیر کر جا رہے ہو''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں کہ آسمانوں اور زمین اور ان کے مابین جو کچھ ہے اس کا خالق وہی ہے۔ وہ اس ساری بادشاہی کا مالک ہے۔ اس میں تصرف کرنے والا ہے۔ رات دن کو وہی پھیرتا ہے۔ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ ان دونوں کو مسخر فرمایا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے ہیں۔ سستی نہیں دکھاتے ہر ایک تیزی سے دوسرے کے پیچھے آتا ہے جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا (الاعراف:54) ''ڈھانکتا ہے رات سے دن کو در آں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے''۔

حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے جو کچھ مروی ہے اس کا مفہوم یہی ہے(1)۔

قولہ عزوجل وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ایک مخصوص مدت تک جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور قیامت کے روز ختم ہو جائے گی۔

اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ یعنی اپنی عزت، عظمت اور کبریائی کے ساتھ ساتھ وہ غفار بھی ہے جس نے غلطی کی پھر توبہ کر لی اور کامل طور پر اسی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

فرمایا: خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ تمہاری نسلوں، اقسام، زبانوں اور رنگوں کے مختلف ہونے کے باوجود تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا اور یہ حضرت حواء علیہا السلام ہیں جیسے اللہ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (النساء:1) ''اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں)''۔

قولہ تعالیٰ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ تمہارے لئے جانوروں کی پشت سے آٹھ جوڑے پیدا فرمائے۔ ان کا ذکر سورۃ انعام میں آیا ہے: ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ''(پیدا فرمائے) آٹھ جوڑے۔ بھیڑ سے دو (نر و مادہ) اور بکری سے دو (نر و مادہ) آپ پوچھئے کیا دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 193

مادائیں یا جسے لئے ہوتے ہیں (اپنے اندر) دو ماداؤں کے رحم بتاؤ مجھے علم کے ساتھ اگر ہو تم سچے اور اونٹ سے دو (نر و مادہ) اور گائے سے دو (نر و مادہ) آپ پوچھئے کیا دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا جسے لئے ہوئے ہیں (اپنے اندر) دو ماداؤں کے رحم کیا تم تھے موجود جب وصیت کی تمہیں اللہ نے اس بات کی تو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو بہتان باندھے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو اپنی جہالت سے بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو ظالم ہے''۔

قولہ عزوجل يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ أی قدر کم: تمہیں پیدا فرمایا۔

خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ تم میں سے ہر ایک پہلے نطفہ ہوتا ہے۔ پھر جما ہوا خون پھر لوتھڑا۔ پھر گوشت، ہڈیاں، پٹھے اور رگیں بنتی ہیں اور اس میں روح پھونکی جاتی ہے تو ایک دوسری مخلوق وجود میں آتی ہے۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (المومنون:14) پس بڑا بابرکت ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

قولہ جل وعلا فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ رحم کا اندھیرا، جھلی کا اندھیرا جو بچے کے لئے پردہ اور بچاؤ کا کام دیتی ہے۔ پیٹ کا اندھیرا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، ابو مالک، ضحاک، قتادہ، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ اور ابن زید کا یہی قول ہے۔

قولہ جل جلالہ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ یہی وہ ذات ہے جس نے آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے پیدا کیا، تمہیں اور تمہارے آباء کو پیدا کیا۔ وہی رب ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے اور تمام چیزوں میں تصرف اسی کا ہے۔

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ یعنی عبادت صرف اسی وحدہ لاشریک کی ہونی چاہئے۔

فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ تم اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کس طرح کرتے ہو؟ تمہاری عقلیں کہاں چلی گئی ہیں۔

إِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنكُمْ ۖ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۖ وَإِن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٧﴾ وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلَّ عَن سَبِيلِهِ ۚ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ﴿٨﴾

''اگر تم ناشکری کرتے ہو تو بیشک اللہ کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ اور وہ پسند نہیں کرتا اپنے بندوں سے ناشکری کو اور اگر تم شکر ادا کرو تو وہ پسند کرتا ہے اسے تمہارے لئے اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ۔ پھر اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹنا ہے۔ پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے۔ بیشک وہ خوب جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کو۔ اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف (اس وقت) پکارتا ہے اپنے رب کو دل سے رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف۔ پھر جب عطا کرتا ہے اسے نعمت اپنی (جناب سے) تو بھول جاتا ہے اس تکلیف کو جس کے لئے فریاد کرتا رہا تھا اس سے پہلے اور بناتا ہے اللہ کے ہم مثل تاکہ بہکاوے اس کی راہ سے۔ (اے مصطفیٰ! آپ اسے) فرمائیے

لطف اٹھالے اپنے کفر سے تھوڑے دن۔ بیشک تو دوزخیوں میں سے ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ وہ تمام مخلوقات سے مستغنی ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ (ابراہیم:8) ''اگر تم ناشکری کرنے لگو (صرف تم ہی نہیں بلکہ) جو بھی سطح زمین پر ہے (ناشکری کرے) تو بے شک اللہ تعالیٰ غنی اور سب تعریفوں کا مستحق ہے''۔ صحیح مسلم میں ہے: ''اے میرے بندو! اگر تمہارے اول، آخر، انسان اور جن سب تم میں سے کسی فاجرترین آدمی کے دل پر ہوتے تو بھی میری شہنشاہی میں کوئی کمی نہ آتی'' (1)۔

لَا يَرْضٰى: لا يحبه ولا يأمر به نہ اسے پسند کرتا ہے اور نہ اس کا حکم دیتا ہے۔

وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ یعنی تم سے محبت کرے گا اور اپنے فضل کو تم پر اضافہ کر دے گا۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر ایک سے اس کی ذات کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

قولہ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ یعنی بوقت حاجت عاجزی وزاری سے کام لینے لگتا ہے اور اللہ وحدہٗ لاشریک سے استغاثہ کرتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا (اسراء:67) ''اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف میں تو ہم گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے پس جب وہ خیر وعافیت سے تمہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے (تو) تم روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان (واقعی) بڑا ناشکرا ہے''۔

قولہ تبارک وتعالیٰ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ یعنی فراخی وخوشحالی کے وقت اس دعا، تضرع اور جبیں سائی کو فراموش کر دیتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ (یونس:12) ''اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف (تو اس وقت) پکارتا ہے ہمیں لیٹا ہوا یا بیٹھا ہوا یا کھڑا ہو، پھر جب ہم دور کر دیتے ہیں اس سے اس کی تکلیف (تو) چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں (کبھی) پکارا ہی نہیں تھا کسی تکلیف میں جو اسے پہنچی تھی''۔

قولہ تعالیٰ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کے وقت اس سے شرک کرنے لگتا ہے اور اس کے شریک ٹھہرا دیتا ہے۔

قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ڰ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ جس کی یہ حالت، طریقہ اور مسلک ہو اسے فرما دیجئے کہ اپنے کفر سے تھوڑے دن لطف اٹھالو۔ یہ شدید دھمکی اور پختہ وعید ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ (ابراہیم:3) ''آپ (انہیں) فرمائیے (کچھ وقت) لطف اٹھالو پھر یقیناً تمہارا انجام آگ کی طرف ہے''۔ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (لقمان:24) ''ہم لطف اندوز ہونے دیں گے تھوڑی دیر پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف''۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَاۗىِٕمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

''بھلا جو شخص عبادت میں بسر کرتا ہے رات کی گھڑیاں کبھی سجدہ کرتے ہوئے کبھی کھڑے ہوئے (بایں ہمہ) ڈرتا ہے

1۔ نیز دیکھئے تفسیر سورۂ ابراہیم آیت: 7، سورۂ رعد آیت: 29، سورۂ نمل آیت: 40

آخرت سے اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی رحمت کی۔ آپ پوچھئے کیا کبھی برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور جاہل۔ البتہ صرف عقلمند ہی نصیحت قبول کرتے ہیں''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں بھلا جس کی یہ حالت ہو وہ اس کی طرح ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے شرک کرے اور اس کا شریک ٹھہرائے۔ دونوں اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہوسکتے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ (آل عمران: 113) ''سب یکساں نہیں اہل کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے یہ تلاوت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی رات کے اوقات میں اور وہ سجدے کرتے ہیں''۔

فرمایا: اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَاۗىِٕمًا یعنی حالت سجود اور حالت قیام میں۔ اسی لئے اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جن کی یہ رائے ہے کہ قنوت سے مراد نماز میں خشوع وخضوع ہے، صرف قیام نہیں جس طرح کہ بعض دیگر علماء کی رائے ہے۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: قانت کا معنی ہے: المطیع للہ عزوجل و لرسولہ ﷺ: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اطاعت گزار۔

ابن عباس، حسن، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ آناء اللیل: جوف اللیل آدھی رات۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے منصور سے روایت کیا ہے کہ یہ مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت ہے۔ قتادہ اور حسن رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ رات کا اول، درمیان اور آخر مراد ہے۔

قولہ تعالیٰ يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ یعنی بحالت عبادت ہر وقت وہ لرزاں ترساں بھی ہوتا ہے اور اس کی رحمت کا امیدوار بھی۔ عبادت میں ان دونوں خصوصیات کا ہونا لازمی ہے۔ اور زندگی میں اکثر ڈرتے رہنا چاہئے۔ اسی لئے فرمایا يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ...... بوقت دم واپسی خوف پر امید کا غلبہ ہونا چاہئے۔ جس طرح امام عبد بن حمید نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک آدمی کے پاس تشریف لے گئے وہ اس وقت جان کنی کے عالم میں تھا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تو اپنے آپ کو کس حالت میں پاتا ہے؟ اس نے عرض کی امید وبیم اور خوف ورجا کی حالت میں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اس مقام پر کسی بندے کے دل میں یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہوتیں مگر اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے جو وہ امید رکھتا ہے اور اسے امن عطا فرماتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے۔ ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی روایت ''فی الیوم واللیلۃ'' میں روایت کی ہے اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سیار بن حاتم عن جعفر بن سلیمان اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ روایت غریب ہے۔ بعض نے اسے بروایت ثابت عن انس عن النبی ﷺ مرسلاً روایت کیا ہے(1)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے کہ ہمیں یحییٰ البکاء نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا: یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے(2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اس لئے فرمایا کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رات کو بکثرت نماز پڑھتے اور قرآن کریم کی تلاوت فرماتے یہاں تک کہ کبھی ایک ہی رکعت

1۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 4 صفحہ 17، سنن ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 1423، کتاب الزہد، عارضۃ الاحوذی ابواب الجنائز، جلد 4 صفحہ 205 نیز دیکھئے تحفۃ الاشراف، جلد 1 صفحہ 64

2۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 214-213

میں پورا قرآن ختم کر دیتے۔ جس طرح کہ ابوعبیدہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے: (1)

ضَحَّوا بِأَشْمَطَ عُنْوانُ السُّجُودِ بِه يُقَطِّعُ اللَّيلَ تَسبِيحاً وقُرْآنَا

ترجمہ: ۔ انہوں نے ایسے ادھیڑ عمر شخص کو شہید کر دیا جس کے چہرے پر سجدوں کے نشانات تھے اور جو پوری رات تسبیح و تقدیس اور تلاوت قرآن میں گزار دیتا تھا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت تمیم الداری کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے ایک رات میں سو آیات کی تلاوت کی اس کے نامہ اعمال میں پوری رات کا قیام لکھ دیا جاتا ہے'' (2)۔

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت 'الیوم واللیلۃ' میں ذکر فرمائی ہے۔

قولہ تعالیٰ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ یہ شخص اور جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا برابر نہیں ہو سکتے یعنی جو اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتا ہے تاکہ اسے سیدھی راہ سے بھٹکا دے۔

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ان دونوں کے مابین وہی فرق کر سکتا ہے جو عقل و شعور رکھتا ہو۔ واللہ اعلم۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝۱۱ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۲

''آپ فرمائیے اے میرے بندو! جو ایمان لے آئے ہو ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے۔ (اور یاد رکھو) ان کے لئے جنہوں نے نیک اعمال کئے اس دنیا میں نیک صلہ ہے۔ اور اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ (مصائب و آلام میں) صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔ فرمائیے! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اطاعت کو۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں''۔

اللہ تعالیٰ مؤمنین کو یہ حکم فرما رہے ہیں کہ وہ اس کی اطاعت اور تقویٰ پر جمے رہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ یعنی جنہوں نے اس دنیا میں نیک اعمال کئے ان کے لئے نیک صلہ ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

قولہ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اس میں گھومو پھرو، جہاد کرو اور بتوں سے علیحدہ رہو (3)۔ شریک نے بروایت منصور عطاء سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کا مطلب ہے جب تمہیں اس کی معصیت کی طرف بلایا جائے تو بھاگ اٹھو۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا (النساء: 97) ''کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ تاکہ تم ہجرت کرتے اس میں''۔

قولہ تعالیٰ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کے لئے وزن یا پیمائش نہیں ہوگی بلکہ انہیں پیمانے بھر بھر کر اجر دیا جائے گا۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے مجھے پتہ چلا ہے کہ صرف ان کے عمل کا حساب ہی نہیں ہوگا بلکہ اس کے

1۔ ابوعبیدہ کی روایت تفسیر کی ابتداء میں کتاب فضائل القرآن میں گزر چکی ہے۔ ابن کثیر نے وہاں لکھا ہے کہ ''اس کی اسناد صحیح ہے'' نیز دیکھئے دیوان حسان بن ثابت (216)

2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 103، المزی: تحفۃ الاشراف، جلد 2 صفحہ 118 3۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 203

علاوہ بھی عطا کیا جائے گا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جنت میں ان سے یہ معاملہ ہوگا۔

قولہ قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اخلاص کے ساتھ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کروں۔

وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یعنی آپ ﷺ کی امت سے۔

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

''آپ فرمائیے! میں ڈرتا ہوں اگر میں حکم عدولی کروں اپنے رب کی، اس بڑے دن کے عذاب سے۔ فرمائیے! اللہ کی ہی میں عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اپنے دین کو۔ پس تم عبادت کرو جس کی چاہو اس کے سوا۔ (نیز) فرما دیجئے اصل نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جو گھاٹے میں ڈالیں گے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن۔ سنو! یہی کھلا گھاٹا ہے۔ ان (بدبختوں) کے لئے اوپر سے بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی آگ کے شعلے۔ اس (عذاب الیم) سے ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو، اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے محمد! باوجودیکہ آپ اللہ کے رسول ہیں اس بات کا اعلان فرما دیجئے: اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ...... یَوْمٍ عَظِیْمٍ سے مراد قیامت کا دن ہے۔ یہ شرط ہے اور اس کا معنی دوسرے کے لئے بطریق اولیٰ تعریض ہے۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ یہ بھی تہدید (دھمکی) اور ان سے براءت کا اظہار ہے۔

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ یعنی سراسر خسارے میں۔

الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ جدائی ہے اور پھر کبھی ملاقات نہ ہوگی۔ خواہ ان کے اہل خانہ جنت میں جائیں یا دوزخ میں یا سب دوزخ میں رہیں نہ ان کا اجتماع ہوگا نہ انہیں خوشی ہوگی۔

اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ظاہر و واضح خسارہ ہے۔ پھر آگ میں ان کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ جیسے ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ (الاعراف:41) '' ان کے لئے دوزخ کا ہی بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو''۔ اور فرمایا: یَوْمَ یَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَ یَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (العنکبوت:55) '' جس دن ڈھانپ لے گا انہیں عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا لو اب چکھو اپنے کرتوتوں کا مزہ''۔

قولہ جل جلالہ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ اس کا ذکر کرنا لامحالہ طور پر اپنے بندوں کو خوف دلانا ہے تاکہ وہ حرام چیزوں اور گناہوں سے بچیں۔

قولہ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ میری قوت وسطوت، عذاب اور انتقام سے ڈرو۔

وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

''اور جولوگ بچتے ہیں شیطان سے کہ اس کی عبادت کریں اور (دل سے) جھکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے لئے مژدہ ہے۔ پس آپ مژدہ سنادیں میرے ان بندوں کو جو غور سے سنتے ہیں بات کو پھر پیروی کرتے ہیں اچھی بات کی۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے۔ اور یہی لوگ دانشور ہیں''۔

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ آیت وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ...... حضرت زید بن عمرو بن نفیل، ابوذر اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ان کو بھی شامل ہے اور ان کے علاوہ ہر اس شخص کو بھی جو بتوں کی عبادت سے بچا رہا اور کامل طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے متوجہ ہوا۔ انہی لوگوں کے لئے اس دنیا میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔ پھر فرمایا: فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ یعنی اسے سمجھتے ہیں اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرماتے وقت فرمایا: فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا (الاعراف: 145)'' پھر (فرمایا) پکڑلو اسے مضبوطی سے اور حکم دو اپنی قوم کو کہ پکڑلیں اس کی اچھی باتیں''۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ یعنی جو لوگ اس صفت سے متصف ہیں وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہدایت فرمائی۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ عقل صحیح اور فطرت مستقیمہ سے متصف۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَیْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِیَّةٌ ۙ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِیْعَادَ ﴿۲۰﴾

''بھلا جس پر واجب ہو گیا عذاب کا حکم۔ تو کیا آپ چھڑا سکتے ہیں اسے جو آگ میں ہے؟ البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں۔ رواں ہیں جن کے نیچے سے نہریں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کیا کرتا''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرمارہے ہیں کیا وہ شخص جس کے لئے اللہ نے بدبختی لکھ دی ہے۔ کیا آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ اسے گمراہی اور ہلاکت سے بچالیں گے؟ یعنی اللہ کے بعد کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ کیونکہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اس کا کوئی ہادی نہیں اور جسے وہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے سعادت مند بندوں کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ جنت میں ان کے لئے کمرے ہوں گے یعنی بالا خانے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 207

مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ کئی منزلوں والے، پختہ، آراستہ اور بلند۔

عبداللہ بن امام احمد نے اپنی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ ایک اعرابی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! یہ کس کے لئے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو اچھی گفتگو کرے، کھانا کھلائے اور نماز پڑھے اس وقت جب لوگ سو رہے ہوں۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عبدالرحمن بن اسحٰق سے روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ بعض اہل علم نے حفظ کے اعتبار سے اس پر بحث کی ہے(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کے اندر سے ان کا باہر اور باہر سے ان کا اندر نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اس شخص کے لئے بنائے ہیں جو کھانا کھلائے، نرم گفتگو کرے، مسلسل نوافل ادا کرے اور جب لوگ سو رہے ہوں تو تہجد پڑھے''(2)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری سند سے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اہل جنت بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔'' ایک اور روایت میں ہے میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے سنا: ''جس طرح تم مشرقی یا مغربی افق پر ستارہ دیکھتے ہو''(3)۔

صحیحین میں یہی روایت ابو حازم اور ابو مالک کی حدیث سے بروایت حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے منقول ہے(4)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اہل جنت، جنت میں بالا خانوں والوں کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح تم افق میں چمکتے ستارے کو دیکھتے ہو۔ اصحاب درجات کے درجوں کے تفاوت کے مطابق ہوگا''۔ صحابہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ نبی ہوں گے؟ فرمایا: ہاں اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اور وہ اقوام جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی(5)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے(6)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ہم نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! جب ہم آپ کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہو جاتے ہیں اور ہم آخرت کی طرف ہمہ تن مائل ہو جاتے ہیں لیکن جب ہم آپ کی مجلس سے اٹھ جاتے ہیں تو ہمیں دنیا اچھی لگنے لگتی ہے اور ہم زوجات اور اولاد کو چومنے لگتے ہیں۔ (دلوں کی وہ حالت نہیں رہتی جو آپ کی صحبت میں تھی)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم اسی حالت پر رہو جو تمہاری حالت میرے پاس تھی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہارے گھروں میں آکر تم سے ملاقات کرتے اور اگر تم کوئی گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لے آتا جو غلطیوں کا ارتکاب کرتی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتا''۔ ہم نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! ہمیں بتایئے جنت کی عمارت کس چیز کی ہے؟ آپ ﷺ

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 156-155، نیز دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ آیت 72:

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 343

3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 340، نیز صحیحین میں ابوسعید کی روایت کے لئے دیکھئے سورۂ نساء آیت (49) اور حدیث سہیل بن سعد کے لئے دیکھئے سورۂ توبہ تفسیر آیت (72)

4۔ بخاری، جلد 4 صفحہ 145، مسلم، جلد 8 صفحہ 145

5۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 339

6۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 7 صفحہ 272، عارضۃ الاحوذی ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 21

نے فرمایا: ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی ہے۔ اس کا گارا مہکتی مشک ہے۔ اس کی کنکریاں لولؤ اور یاقوت ہیں۔ اس کی مٹی زعفران ہے۔ جو اس میں داخل ہوگا وہ نعمتوں سے مالا مال ہو جائے گا۔ اب محتاجی کا کوئی خطرہ نہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اس کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوں گے۔ اس کی جوانی ختم نہیں ہوگی۔ تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی: عادل حکمران، روزہ دار یہاں تک کہ افطار کرلے اور مظلوم کی دعا، ابر پر اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میری عزت کی قسم! میں ضرور تیری مدد کروں گا اگرچہ کچھ دیر کے بعد ہی کیوں نہ ہو(1)۔ ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے(2)۔

قولہ تعالیٰ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جیسی وہ چاہیں۔ وَعْدَ اللّٰهِ یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا وعدہ ہے جو اللہ نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ ان اللہ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِیْعَادَ۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطٰمًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۲﴾

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے آسمان سے پانی پھر جاری کیا اسے زمین کے چشموں سے پھر اگاتا ہے اس کے ذریعہ فصلیں جن کے رنگ جدا جدا ہیں۔ پھر وہ خشک ہونے لگتی ہے پس تو دیکھتا ہے اسے زردی مائل پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے۔ یقیناً اس (کرشمہ قدرت) میں نصیحت ہے اہل عقل کے لئے۔ بھلا وہ (سعادت مند) کشادہ فرمادیا ہو اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لئے تو وہ اپنے رب کی طرف سے دیئے ہوئے نور پر ہے۔ پس ہلاکت ہے ان سخت دلوں کے لئے جو ذکر خدا سے متاثر نہیں ہوتے۔ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ زمین میں موجود پانی دراصل آسمان سے آیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا (الفرقان:48) ''اور ہم اتارتے ہیں آسمان سے پاکیزہ پانی''۔ جب پانی آسمان سے اترتا ہے تو زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے اسے زمین کے اجزاء میں پھیلا دیتا ہے اور حسب ضرورت چھوٹے بڑے چشموں کی شکل میں اسے باہر نکالتا ہے، اسی لئے فرمایا: فَسَلَكَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ زمین میں پانی نہیں ہے مگر یہ آسمان سے برستا ہے لیکن زمین کی رگیں اسے تبدیل کر دیتی ہیں اور یہی اس آیت سے مراد ہے۔ جسے یہ پسند ہو کہ نمک (نمکین پانی) میٹھا ہو جائے تو اسے (بھاپ بنا کر) اوپر آسمان کی طرف اٹھا دے(3)۔

اسی طرح سعید بن جبیر اور عامر شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ زمین کا سارا پانی درحقیقت آسمان سے اترا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 304

2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 56، ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 557 کتاب الصیام، عارضۃ الاحوذی ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 88

3۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 219

اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کی اصل برف ہے یعنی برف پہاڑوں پر تہہ در تہہ جم جاتی ہے اور ان کی تہہ میں اتر جاتی ہے۔ اس کے نیچے سے چشمے ابلتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ یعنی پھر آسمان سے اترنے اور زمین سے ابلنے والے پانی سے طرح طرح کی فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کی شکلیں، ذائقے، مہک اور فوائد مختلف ہیں۔

ثُمَّ یَهِیْجُ یعنی تروتازگی اور شباب کے بعد وہ بوڑھی ہونے لگتی ہے تو آپ اسے دیکھتے ہیں کہ وہ زرد ہو چکی ہے پھر خشک ہونے لگتی ہے۔

ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطَامًا پھر وہ خشک زردی مائل ہو جاتی ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ یعنی جو لوگ اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں اور یہ سبق اخذ کرتے ہیں کہ دنیا اسی طرح شاداب، تروتازہ اور خوبصورت ہوتی ہے پھر بوڑھی اور بدصورت ہو جاتی ہے اور نوجوان بالآخر بوڑھا، عمر رسیدہ اور کمزور ہو جاتا ہے اور ان سب کے بعد موت آجاتی ہے۔ سعادت مند وہ ہے جس کی حالت اس کے بعد بہتر ہو۔ اکثر اوقات اللہ تعالیٰ دنیوی زندگی کی مثال یوں بیان فرماتا ہے کہ آسمان سے پانی اترتا ہے۔ اس سے کھیتیاں اور پھل اُگتے ہیں۔ اس کے بعد خشک سالی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِیْمًا تَذْرُوْهُ الرِّیٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا (الکہف: 45) ''بیان فرمائیے ان سے دنیوی زندگی کی (ایک اور) مثال یہ پانی کی طرح ہے جسے ہم نے اتارا ہے آسمان سے پس گنجان ہو کر اُگ گئی ہیں اس پانی سے زمین کی انگوریاں پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ خشک بوسیدہ گھاس ہو جاتی ہے اڑائے پھرتی ہیں اسے ہوائیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔

قولہ تبارک وتعالیٰ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ یعنی کیا یہ شخص اور ایک سنگ دل، حق سے دور آدمی برابر ہو سکتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (الانعام: 122) ''کیا وہ جو (پہلے) مردہ تھا پھر زندہ کیا ہم نے اسے اور بنا دیا اس کے لئے نور چلتا ہے جس کے اجالے میں لوگوں کے درمیان وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو نہیں نکلنے والا ان سے''۔

اسی لئے فرمایا: فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ یعنی اس کے ذکر کے وقت بھی نرم نہیں ہوتے، خشوع وخضوع اور عاجزی اختیار نہیں کرتے اور کوئی بات سمجھنے سے عاری ہیں۔ اُولٰٓىِٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

''اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ اور کانپنے لگتے ہیں اس (کے پڑھنے) سے بدن ان کے جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے۔ پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے رہنمائی کرتا ہے اس کے ذریعے جسے چاہتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں''۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ کتاب قرآن عظیم کی تعریف فرمارہے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قرآن سارے کا سارا متشابہ ہے اور اس کی آیات کی بار بار تلاوت کی جاتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آیت کے مشابہ آیت اور حرف کے مشابہ حرف ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: مَثَانِيَ: تَرْدِيْدُ القولِ لِيَفْهَمُوْا عَنْ رَبِّهِم تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى۔ ایک بات کو بار بار دہرانا تا کہ اپنے رب کے مفہوم کو سمجھ سکیں۔ عکرمہ اور حسن رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اللہ نے اس میں قضا کو دہرایا ہے۔ حسن نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ ایک سورت میں ایک آیت ہوتی ہے۔ دوسری میں اس کے مشابہ آیت ہوتی ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے۔ مثانی: مردَّد، بار بار دہرائی جانے والی بات۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے اور صالح، ہود اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا ذکر متعدد جگہ آیا ہے۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس سے اس لفظ کا مفہوم یہ نقل کیا ہے کہ قرآن کا بعض بعض کے مشابہ ہوتا ہے اور ایک دوسرے کو دہراتا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے اور سفیان بن عیینہ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ قرآن کے سیاقات ایک ہی معنی میں ہوتے ہیں اور یہ دونوں متشابہ سے ہیں۔ کبھی ایک چیز کا ذکر کر کے اس کی ضد بھی ذکر کر دی جاتی ہے جیسے مؤمنین کے ساتھ کفار کا تذکرہ یا جنت کے ساتھ دوزخ کا بیان وغیرہ۔ یہ مثانی کی ہی ایک صورت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ (الانفطار:14-13) ''بے شک نیک لوگ عیش وآرام میں ہوں گے اور یقیناً بدکار جہنم میں ہوں گے''۔ ایک اور آیت میں ہے: كَلَّاۤ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ (المطففین:7) ''یہ حق ہے کہ بدکاروں کا نامہ عمل سجین میں ہوگا''۔ یہاں تک فرمایا: كَلَّاۤ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ (المطففین:18) ''اور حق ہے نیکوکاروں کا صحیفہ عمل علیین میں ہوگا''۔ یا فرمایا: اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ (ص:49) ''یہ نصیحت ہے اور بے شک پرہیزگاروں کے لئے بہت عمدہ ٹھکانہ ہے''۔ حتیٰ کہ فرمایا: هٰذَا ۚ وَ اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ (ص:55) ''یہ (تو پرہیزگاروں کے لئے) اور بلاشبہ سرکشوں کے لئے برا ٹھکانہ ہوگا''۔ وغیرہ آیات میں سیاق کلام یہ سب مثانی کی اقسام ہیں یعنی دو معانی کا تذکرہ۔ اور اگر سیاق کلام سارے کا سارا ایک ہی معنی میں ہو اور ایک دوسرے کے مشابہ ہو تو وہ متشابہ کہلاتا ہے لیکن اس سے مراد وہ متشابہ نہیں جس کا تذکرہ اس آیت میں آتا ہے: اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (آل عمران: 7) ''اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں''۔ اس کا مفہوم اور ہے۔

قولہ تعالیٰ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ یہ نیک لوگوں کی صفت ہے کہ جب وہ جبار، مہیمن، عزیز، غفار کا کلام سنتے ہیں تو ان کی یہی حالت ہوتی ہے کیونکہ وہ اس میں مذکور وعدے، وعید، تخویف اور دھمکی کو سمجھتے ہیں۔ خشیت اور خوف سے ان کے بدن کانپنے لگتے ہیں۔ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ اللہ کے لطف وکرم کی امید میں۔

وہ دوسرے فاجر لوگوں سے کئی اعتبار سے مختلف ہیں:۔

(۱) یہ لوگ آیات قرآن کی تلاوت سنتے ہیں اور وہ لونڈیوں کے اشعار و گیت سنتے ہیں۔

(۲) جب رحمٰن کی آیتوں کی ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ادب، خشیت، امید، محبت اور فہم وعلم کے ساتھ گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور زار وقطار روتے ہوئے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ

دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (انفال:4-2) ''صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ کی آیتیں تو یہ بڑھا دیتی ہیں ان کے ایمان کو اور صرف اپنے رب پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں (اور) جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو، نیز اس سے جو ہم نے انہیں دیا ہے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں انہی کے لئے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور باعزت روزی''۔ اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا (الفرقان:73) ''اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے رب کی آیات سے تو نہیں گر پڑتے ان پر بہرے اور اندھے ہو کر''۔ ان کی سماعت کے وقت وہ مشغول اور غافل نہیں ہوتے بلکہ ان کی طرف کان لگائے ہوتے ہیں انہیں سمجھ رہے ہوتے ہیں اور ان کے معانی پر ان کی رسائی ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ ان پر عمل کرتے ہیں اور ان پر سجدہ کرتے ہیں، بصیرت وفہم کے ساتھ نہ کہ جہالت اور دوسروں کی اتباع میں۔

(۳) آیات کی تلاوت کے وقت وہ ادب کا لحاظ رکھتے ہیں۔ جس طرح صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے کلام الٰہی کی تلاوت سن کر غایت ادب کا لحاظ رکھتے تھے۔ ان کے بدن تھر تھر کانپنے لگتے پھر اپنے دلوں کے ساتھ ذکر الٰہی کی طرف نرم ہو جاتے۔ وہ چیخ و پکار نہیں کرتے تھے اور نہ ہی تکلف کرتے تھے بلکہ سکون، ثابت قدمی، ادب اور خشیت کا جو مقام انہیں حاصل تھا، اس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لئے وہ دنیا و آخرت میں اپنے رب قدوس کی مدح وثنا کے حقدار ٹھہرے۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ اولیاء اللہ کی صفت بیان کی جا رہی ہے کہ ان کے بدن خشیت الٰہی سے کانپنے لگتے ہیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں اور ان کے دل ذکر الٰہی سے مطمئن ہوتے ہیں۔ ان کی یہ صفت نہیں بیان فرمائی کہ ان کی عقل زائل ہو جاتی ہے اور بناوٹی غشی طاری ہو جاتی ہے۔ یہ اہل بدعت کا شعار ہے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ذکر اللہ سے مراد اللہ کا وعدہ ہے۔

قولہ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اپنے بندوں میں سے یہ ان لوگوں کی صفت ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی۔ جو اس کے برعکس ہو یہ وہ شخص ہے جسے اللہ نے گمراہ کر دیا۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۲۴ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۵ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۶

''بھلا وہ شخص جو ڈھال بنائے گا شدید عذاب کے سامنے اپنے چہرہ کو روز قیامت (وہ کتنا بدنصیب ہوگا) اور کہا جائے گا ظالموں کو (اب) چکھو جو کچھ تم کمایا کرتے تھے۔ جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے تو آیا ان پر عذاب وہاں سے جہاں سے وہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ پس چکھائی انہیں اللہ نے ذلت اس دنیوی زندگی میں، اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے۔ کاش! وہ جان لیتے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں: اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور بطور ملامت اور عتاب اسے اور اس جیسے

ظالموں کو کہا جائے گا: ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۔ کیا ایسا شخص اس جیسا ہو سکتا ہے جو قیامت کے دن مامون و محفوظ آئے گا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الملک: 22) '' کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا پڑتا چلا جارہا ہے وہ راہِ راست پر ہے یا جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے''۔ ایک اور آیت میں فرمایا: يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ (القمر: 48) '' اس روز انہیں گھسیٹا جائے گا آگ میں منہ کے بل۔ (انہیں کہا جائے گا) چکھو اب آگ میں جلنے کا مزہ''۔ اور فرمایا: اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (فصلت: 40) '' تو کیا جو پھینکا جائے گا آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئے گا امن و سلامتی کے ساتھ قیامت کے دن (وہ بہتر ہے)''۔ اس آیت میں دونوں قسموں کی جگہ صرف ایک پر اکتفا کر لیا ہے۔ جیسے ایک شاعر کہتا ہے:

فَمَا أَدْرِيْ إِذَا يَمَّمْتُ أَرْضاً   أُرِيْدُ الْخَيْرَ أَيُّهُمَا يَلِيْنِيْ؟ (1)

خیر اور شر دونوں مراد ہیں۔

قولہ جلت عظمتہٗ: كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ یعنی رسولوں کو جھٹلانے والی سابقہ امتیں۔ ان کے گناہوں کے سبب اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔

قولہ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی جو ان پر عذاب نازل ہوا اور مؤمنین کو راحت قلبی نصیب ہوئی۔ پس مخاطبین کو اس سے محتاط رہنا چاہئے۔ بے شک انہوں نے اشرف الرسل خاتم الانبیاء ﷺ کی تکذیب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کے لئے جو سخت عذاب تیار کر رکھا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ شدید ہے جو انہیں دنیا میں ملا۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا: وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٢٨﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣١﴾

'' اور ہم نے بیان کی ہیں لوگوں کے لئے اس قرآن (حکیم) میں ہر قسم کی مثالیں تا کہ وہ نصیحت قبول کریں۔ اور ہم نے دیا ہے (انہیں) قرآن جو عربی زبان میں ہے جس میں ذرا کجی نہیں، تا کہ وہ اللہ سے ڈریں۔ بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال، ایک غلام ہے جس میں کئی حصہ دار ہیں جو سخت بدخو ہیں اور ایک غلام ہے جو پورا ایک مالک کا ہے کیا ان دونوں کا حال یکساں ہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ بیشک آپ نے بھی (دنیا سے) انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔ پھر تم (سب) روزِ حشر اپنے رب کے حضور میں آپس میں جھگڑو گے''۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں: وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ یعنی اس میں ضرب الامثال بیان فرمائیں۔

1۔ یہ شعر سورۂ برآت (توبہ) آیت (16) اور سورہ قصص آیت (48) اور سورۂ یاسین آیت (8) کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ضرب المثل معنی کو ذہن کے قریب کر دیتی ہے جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (روم:28) ''اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لئے ایک مثال تمہارے ہی حالات میں سے''۔یعنی تم خودا سے جانتے ہو۔اور فرمایا: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (حشر:23-21)'' اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لئے تا کہ وہ غور وفکر کریں۔اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔جاننے والا ہر چھپی ہوئی اور ہر ظاہر چیز کا۔ وہی بہت مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔سب کا بادشاہ، نہایت مقدس، سلامت رکھنے والا، امان بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر ہے۔پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں''۔

قوله جل و علا: قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ یعنی وہ قرآن پاک ہے جو واضح عربی زبان میں ہے نہ اس میں ٹیڑھا پن ہے نہ کجی اور نہ کوئی التباس۔بلکہ یہ بیان، وضاحت اور برہان ہے۔اللہ نے اسے اسی طرح بنایا ہے اور اسی کے ساتھ نازل کیا ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اس میں بیان کردہ وعید سے بچیں اور اس میں ذکر کردہ وعدے پر عمل کریں پھر فرمایا: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ اس مشترک غلام کے بارے باہم تنازعہ کرتے ہیں۔

سَلَمًا: أي سالماً یعنی سلامت۔

لِّرَجُلٍ خالص کسی کے لئے اس کے علاوہ اس کا کوئی مالک نہیں۔

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔اسی طرح وہ مشرک جو اللہ کے ساتھ دیگر معبودوں کی عبادت کرتا ہے اور وہ مخلص مؤمن جو صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتا ہے۔کہاں یہ اور کہاں وہ؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے کہ یہ آیت مشرک اور مخلص کے لئے ضرب المثل ہے۔جب یہ ضرب المثل ظاہر، واضح اور جلی ہے تو فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ان پر حجت قائم کرنے کی وجہ سے۔بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ اسی لئے وہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ یہ آیت ان آیات میں سے جن کے ساتھ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کے وصال کے وقت استدلال قائم کیا تھا۔یہ آیت بھی ساتھ پڑھی: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (آل عمران:144)'' اور نہیں محمد ﷺ (مصطفیٰ) مگر (اللہ کے) رسول گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول۔تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیئے جائیں پھر جاؤ گے تم الٹے پاؤں (دین اسلام سے) اور جو پھرتا ہے الٹے پاؤں تو نہیں بگاڑ سکے گا اللہ کا کچھ بھی اور جلدی اجر دے گا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو''۔یہاں تک کہ لوگوں کو آپ ﷺ کی وفات کا یقین آ گیا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ لامحالہ طور پر تمہیں اس دار دنیا سے منتقل ہونا ہے اور آخرت میں اللہ کے ہاں تم سب جمع ہو گے اور دنیا میں توحید یا شرک (جس پر تم تھے) کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جھگڑا کرو گے اور وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور حق کو کھول دے گا۔وہ فتاح اور علیم ہے۔چنانچہ مومنین، مخلصین، موحدین کو نجات دے گا اور کفار، منکرین، مشکرین اور مکذبین کو عذاب دے گا۔پھر یہ آیت سیاق کلام کے اعتبار سے اگرچہ مؤمنین اور کفار کے بارے میں اور آخرت میں ان کے جھگڑوں کے بارے میں ہے لیکن یہ دنیا میں سب جھگڑا کرنے والوں کو شامل ہے۔دار آخرت میں ان سب کے

مقدمات دوبارہ شروع کئے جائیں گے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا قیامت کے دن پھر دوبارہ ہمارے جھگڑے شروع ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' تو انہوں نے عرض کی۔ پھر تو معاملہ بڑا سخت ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تھوڑی سی زیادتی کے ساتھ یہی روایت ذکر فرمائی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (التکاثر: 8) '' پھر ضرور پوچھا جائے گا تم سے اس دن جملہ نعمتوں کے بارے میں''۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کون سی نعمت کے بارے میں ہم سے سوال کیا جائے گا؟ ہماری نعمتیں تو صرف دو ہیں۔ کھجور اور پانی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: '' تمہارے پاس نعمتیں ہوں گی۔'' (1) یہ زیادتی ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے بحدیث سفیان نقل کی ہے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری روایت میں نقل کیا ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا دنیا میں ہمارے جو جھگڑے تھے، گناہوں کے ساتھ ان کی پرسش بھی ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں وہ ضرور تم پر دہرائے جائیں گے۔ حتیٰ کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے گا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی بخدا یہ بڑا مشکل معاملہ ہے (3)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے محمد بن عمرو سے روایت کیا ہے اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے (4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور روایت میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' قیامت کے دن سب سے پہلے مدمقابل دو پڑوسی ہوں گے'' (5)۔ امام احمد اس روایت میں منفرد ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری روایت میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! دو فریق آپس میں جھگڑیں گے۔ حتیٰ کہ وہ دو بکریاں جنہوں نے ایک دوسرے کو سینگ مارے ہوں گے (6)۔ (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی مسند میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن دو بکریوں کو ایک دوسری سے سینگ لڑاتے دیکھا تو فرمایا: '' اے ابوذر! کیا تمہیں پتہ ہے یہ کیوں سینگ مار رہی ہیں؟'' میں نے عرض کی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: '' لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور ان دونوں کے مابین فیصلہ بھی فرمائے گا'' (7)۔

حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' قیامت کے دن ظالم، خائن بادشاہ کو لایا جائے گا۔ اس کی رعایا اس کے ساتھ جھگڑا کرے گی۔ وہ اس پر غالب آجائیں گے تو اس کو کہا جائے گا جہنم کے ارکان میں سے ایک رکن (کونہ) لے لو''۔ علی بن ابی طلحہ نے بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ سچا جھوٹے سے، مظلوم ظالم سے، ہدایت یافتہ گمراہ سے، ضعیف متکبر سے جھگڑا کرے گا۔ ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ آپس میں جھگڑا کریں گے حتیٰ کہ روح جسم کے ساتھ۔ چنانچہ روح جسم سے کہے گی: تم نے یہ کیا۔ جسم روح کو کہے گا تم نے حکم دیا تھا اور فریب دلایا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجے

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 164 — 2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 289، ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 1392 — 3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 167

4۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 110 — 5۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 151 — 6۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 29 — 7۔ مسند احمد، جلد 6-5 صفحہ 162

گا جوان کے مابین فیصلہ کرے گا۔ وہ انہیں کہے گا: تمہاری مثال ایک اپاہج آنکھوں والے آدمی اور دوسرے نابینا کی طرح ہے جو دونوں ایک باغ میں داخل ہوئے۔ اپاہج نے کہا میں یہاں پھل دیکھ رہا ہوں لیکن ان تک پہنچ نہیں سکتا۔ اندھے نے کہا میرے اوپر سوار ہو جاؤ اور پھل توڑ لو۔ وہ اس پر سوار ہو گیا اور پھل توڑ لئے۔ اب ان دونوں میں سے مجرم کون ہے؟ وہ دونوں کہیں گے دونوں۔ فرشتہ انہیں کہے گا۔ تم دونوں نے اپنا فیصلہ خود کر دیا۔ یعنی جسم روح کے لئے سواری کی طرح ہے اور وہ اس پر سوار ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی اور ہمیں پتہ ہے کس چیز میں نازل ہوئی۔ فرمایا: ہم کہتے تھے کہ ہم کس سے جھگڑیں گے۔ ہمارے اور اہل کتاب کے مابین کوئی جھگڑا نہیں۔ پھر ہم کس سے جھگڑیں گے؟ حتیٰ کہ آپس کے فتنے شروع ہو گئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہی وہ چیز ہے جس کے بارے میں ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ ہم اس کے بارے میں جھگڑیں گے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اہل قبلہ دوسروں سے جھگڑا کریں گے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اہل اسلام اور اہل کفر کا باہمی جھگڑا مراد ہے لیکن ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ یہ آیت اپنے عموم پر ہے اور اس کا حکم عام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَ الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَ يَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

''پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے اور تکذیب کرتا ہے اس سچ کی جب وہ اس کے پاس آیا۔ کیا جہنم میں کفار کا ٹھکانا نہیں ہے؟ اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور جنہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔ انہیں ملے گا جو وہ چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے۔ یہ صلہ ہے محسنوں کا۔ تاکہ ڈھانپ لے اللہ تعالیٰ ان سے ان کے بدترین اعمال کو اور عطا فرمائے انہیں اجر ان کے بہترین اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کو مخاطب ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھا۔ اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک ٹھہرایا اور یہ دعویٰ کیا کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اولاد ٹھہرائی۔ تعالی اللہ عن قولهم علوا كبيرا۔ اور اس کے ساتھ حق کو جھٹلاتے رہے۔ جو اللہ کے رسولوں کی زبانی ان پر نازل ہوا تھا۔ اسی لئے فرمایا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں۔ کیونکہ اس نے باطل کی دونوں طرفوں کو جمع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور رسول اللہ ﷺ کو جھٹلایا۔ باطل کا اقرار کیا اور حق کی تکذیب کی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ انہیں دھمکی دیتے ہوئے ارشاد فرما رہے ہیں: اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ حالانکہ وہ انکار کرنے والے تکذیب کرنے والے ہیں۔

پھر فرمایا: وَ الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ صدق کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد جبریل ہے۔

وَصَدَّقَ بِہٖۤ یعنی حضرت محمد ﷺ۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پہلے صدق سے مراد کلمہ توحید کا اقرار اور تصدیق سے مراد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق ہے۔ ربیع بن انس نے والذین جاؤ وابالصدق وصدقوا پڑھا ہے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام۔ وصدّقوا یعنی اتباع مراد ہے۔ لیث بن سلیم نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ مومن اصحاب قرآن کو قیامت کے دن لایا جائے گا۔ وہ کہیں گے یہ وہ ہے جو تم نے ہمیں عطا کیا۔ جو کچھ تم نے ہمیں اس میں حکم دیا ہم نے اس پر عمل کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول تمام مجاہدین کو شامل ہے۔ مومنین حق بات کہتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق رسول اللہ ﷺ بدرجہ اولیٰ اس آیت کے تحت داخل ہیں۔ بلاشبہ آپ صدق کے ساتھ تشریف لائے اور دوسرے مرسلین کی تصدیق کی۔ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر اتارا گیا اس پر ایمان لائے اور مومنین بھی۔ ہر ایک اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان رکھتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ صدق (سچائی) کو لانے والے رسول اللہ ﷺ ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے مسلمان ہیں۔

اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ شرک سے بچتے رہے۔

لَهُمۡ مَّا یَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ یعنی جنت میں جو وہ مطالبہ کریں گے حاضر کر دیا جائے گا۔

ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۳۴﴾ لِیُکَفِّرَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ اَسۡوَاَ الَّذِیۡ عَمِلُوۡا وَ یَجۡزِیَهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ الَّذِیۡ کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَ نَتَجَاوَزُ عَنۡ سَیِّاٰتِهِمۡ فِیۡۤ اَصۡحٰبِ الۡجَنَّةِ ؕ وَعۡدَ الصِّدۡقِ الَّذِیۡ کَانُوۡا یُوۡعَدُوۡنَ (احقاف:16) ”یہی وہ (خوش نصیب) ہیں قبول کرتے ہیں ہم جن کے بہترین اعمال کو اور درگزر کرتے ہیں ہم جن کی برائیوں سے یہ جنتیوں میں سے ہوں گے۔ یہ (اللہ کا) سچا وعدہ ہے جو (اہل ایمان سے) کیا گیا ہے“۔

اَلَیۡسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبۡدَهٗ ؕ وَ یُخَوِّفُوۡنَکَ بِالَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ ؕ وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَ مَنۡ یَّهۡدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیۡسَ اللّٰهُ بِعَزِیۡزٍ ذِی انۡتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلۡ اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلۡ هُنَّ کٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوۡ اَرَادَنِیۡ بِرَحۡمَةٍ هَلۡ هُنَّ مُمۡسِکٰتُ رَحۡمَتِهٖ ؕ قُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰهُ ؕ عَلَیۡهِ یَتَوَکَّلُ الۡمُتَوَکِّلُوۡنَ ﴿۳۸﴾ قُلۡ یٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَانَتِکُمۡ اِنِّیۡ عَامِلٌ ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۹﴾ مَنۡ یَّاۡتِیۡهِ عَذَابٌ یُّخۡزِیۡهِ وَ یَحِلُّ عَلَیۡهِ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ ﴿۴۰﴾

”کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندے کے لئے؟ (یقیناً کافی ہے) اور وہ (نادان) ڈراتے ہیں آپ کو ان معبودوں سے جو اللہ کے سوا ہیں۔ اور جسے اللہ گمراہ ہونے دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور جس کو ہدایت بخش دے اللہ تعالیٰ تو اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ زبردست، انتقام لینے والا؟ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔ آپ فرمایئے پھر ذرا یہ تو بتاؤ کہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا اگر اللہ تعالیٰ مجھے کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ معبود دور کر دیں گے اس تکلیف کو یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر کچھ رحمت فرمانا چاہے تو کیا وہ روک

سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو۔ فرما دیجئے مجھے کافی ہے اللہ تعالیٰ، فقط اسی پر بھروسہ کرتے ہیں بھروسہ کرنے والے فرمائیے اے میری قوم! تم عمل کئے جاؤ اپنی جگہ پر میں اپنا کام کرتا رہوں گا۔ پس تم ضرور جان لوگے، کہ کس پر آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کردے گا اور کون ہے جس پر دائمی عذاب اترتا ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ بعض قاریوں نے اسے (عبادہ) پڑھا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اسے کافی ہے جو اس کی عبادت کرتا ہے اور اس پر توکل کرتا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اپنی سند سے فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: ''فلاح پا گیا جسے اسلام کی ہدایت بخشی گئی، اس کا رزق بقدر ضرورت تھا اور اس پر اس نے قناعت کرلی''۔

ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

وَیُخَوِّفُوْنَکَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ یعنی مشرکین حضور ﷺ کو ڈراتے ہیں اور اپنے بتوں اور جھوٹے خداؤں کے ساتھ دھمکی دیتے ہیں۔ اپنی جہالت اور گمراہی کے سبب اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہیں۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا: وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِعَزِیْزٍ ذِی انْتِقَامٍ: منیع الجناب: قوت وشوکت والا۔ جو اس کی جناب کا سہارا لے اور اس کے دروازے پر آجائے اس پر زیادتی نہیں ہوتی۔ وہ ایسا عزیز ہے کہ جس سے بڑھ کر کوئی عزت والا اور جو اس کا انکار کرے، شرک کرے اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی کرے اس سے زیادہ شدید اس سے انتقام لینے والا کوئی نہیں۔

قولہ وَلَئِنْ سَاَلْتَہُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ یعنی مشرکین وہ اس بات کے معترف تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اس کے باوجود وہ اس کے ساتھ دوسرے خداؤں کی پوجا کرتے جو نفع ونقصان کی قدرت نہیں رکھتے۔ اسی لئے فرمایا: قُلْ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ...... مُمْسِکٰتُ رَحْمَتِہٖ یعنی کسی بات کی طاقت نہیں رکھتے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں مرفوعاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے: ''تو اللہ کو یاد رکھ وہ تجھے یاد رکھے گا (حفاظت فرمائے گا) تو اللہ کو یاد رکھ (اس کے احکام (فرائض ومحرمات) کا خیال رکھ) تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ (یعنی وہ تجھے دنیا اور آخرت دونوں کی آفات سے محفوظ رکھے گا)۔ تو اپنی فراخی کے وقت میں اللہ کو اپنی پہچان کروا (عبادت اور اطاعت وشکر کے ساتھ) وہ سختی کے وقت تجھے بچائے گا۔ جب تو سوال کرے تو صرف اللہ سے سوال کر۔ اور جب مدد طلب کرے تو صرف اللہ سے مدد طلب کر۔ یہ جان لے کہ اگر ساری امت مل کر تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے نہیں لکھا، تو وہ تمہیں یہ نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ سب جمع ہو کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں جو اللہ نے تیری قسمت میں نہیں لکھا تو وہ تمہیں وہ نفع نہیں پہنچا سکتے۔ صحیفے خشک ہوچکے، قلمیں اٹھالی گئیں۔ یقین کے ساتھ اللہ کے شکر کے طور پر نیک اعمال کر۔ اور تو جان لے کہ تکلیف میں صبر کرنے میں خیر کثیر ہے۔ مدد صبر کے ساتھ ہے۔ فراخی رنج وغم کے ساتھ اور بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے'' (1)۔

قُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ أی کافیّ: مجھے کافی ہے۔

عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ ۚ وَعَلَیْہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ جس طرح حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا جب انہوں

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 307

نے کہا: اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۙ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (ہود: 56-54) ”ہم تو یہی کہیں گے کہ مبتلا کر دیا ہے تجھے ہمارے کسی خدا نے دماغی خلل میں۔ ہود نے کہا میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان بتوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو، اس کے سوا پس سازش کر لو میرے خلاف سب مل کر پھر مجھے مہلت نہ دو۔ بلاشبہ میں نے بھروسہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کوئی جاندار بھی ایسا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر (چلانے والا) ہے“۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ہمیں یہ حدیث بیان فرمائی اور اسے رسول اکرم ﷺ تک مرفوع قرار دیا۔ فرمایا: ”جسے یہ بات پسند ہو کہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ طاقتور بن جائے تو اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور جو اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ غنی ہو جائے تو اسے چاہئے کہ جو دولت اس کے ہاتھ میں ہے اس سے زیادہ اس پر یقین رکھے جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جو شخص چاہتا ہے کہ سب سے زیادہ مکرم و معظم بن جائے تو اسے چاہئے کہ اللہ سے ڈرا کرے“۔

قولہ تعالیٰ قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ: أي على طريقتكم: اپنے طریقہ پر۔ یہ اللہ کی طرف سے تہدید اور وعید ہے۔

اِنِّیْ عَامِلٌ، أي على طريقتي ومنهجي: اپنے طریقے اور اسلوب کے مطابق۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ اس کے انجام اور وبال کو تم عنقریب جان لو گے۔

مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ: أي في الدنيا: دنیا میں ہی۔

وَ یَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ، أي دائم مستمر لا محيد له عنه: دائمی مسلسل جس سے مفر نہ ہو اور ایسا قیامت کے دن ہو گا۔ اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ۝ اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَ یُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

”(اے حبیب!) ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب لوگوں (کی ہدایت) کے لئے حق کے ساتھ۔ پس جو ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ اپنا بھلا کرتا ہے۔ اور جو بہکتا ہے تو وہ بہکتا ہے اپنے آپ کو گمراہ کرنے کے لئے۔ اور آپ ان (بدبختوں) کے ذمہ دار نہیں۔ اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا (ان کی روحیں) حالت نیند میں پھر روک لیتا ہے ان روحوں کو جن کی موت کا فیصلہ کرتا ہے اور واپس بھیج دیتا ہے دوسری روحوں کو مقررہ میعاد تک۔ بے شک اس میں (اس کی قدرت کی) نشانیاں ہیں ان کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں“۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں کہ ہم نے آپ پر یہ قرآن کریم تمام مخلوق (جن و انس) کے لئے

نازل فرمایا ہے تاکہ آپ انہیں ڈرائیں۔ اگر وہ راہ ہدایت پر آ گئے تو اس میں ان کا اپنا ہی فائدہ ہے اور گمراہ ہونے والے کا وبال بھی اس کی اپنی جان پر ہوگا۔

وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ آپ اس کے ذمہ دار نہیں کہ وہ راہ راست پر آئیں جیسے فرمایا: اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِیْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ (ہود:12) ''آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے''۔ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ (آل عمران:20) ''آپ کے ذمہ تھا کہ آپ پیغام پہنچا دیں (جو آپ نے پہنچا دیا)''۔ پھر اپنے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر موجود میں تصرف کرنے والا وہی ہے۔ وہی نفوس وابدان کو وفاۃ کبری دیتا ہے جس میں اس کے بھیجے ہوئے فرشتے روح قبض کر لیتے ہیں اور وفاۃ صغری جو نیند کے وقت ہوتی ہے اسی کے قبضے میں ہے۔ جیسے فرمایا: یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ (الانعام:61-60) ''اور وہ وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تمہیں رات کو اور جانتا ہے جو کمایا تم نے دن کو پھر اٹھاتا ہے تمہیں (نیند سے) دن میں تاکہ پوری کر دی جائے (تمہاری عمر کی) میعاد مقرر۔ پھر اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے پھر وہ بتائے گا تمہیں جو تم کیا کرتے تھے اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک کہ جب آ جائے تم میں سے کسی کی موت تو قبض کر لیتے ہیں اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اور وہ کوتاہی نہیں کرتے''۔ دونوں وفاتوں صغری اور کبری کا ذکر فرمایا۔ اس آیت میں پہلے کبری اور پھر صغری کا ذکر ہے۔

اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ارواح ملأ اعلیٰ میں جمع ہوتی ہیں جس طرح ابن مندہ وغیرہ نے مرفوع حدیث میں روایت کیا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی بستر پر جائے تو اپنے ازار کے اندرونی حصے سے اسے جھاڑ لے۔ پھر یہ دعا کہے: بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ، إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا، وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ(1)۔

ترجمہ:۔ اے میرے رب! تیرے نام سے میں لیٹتا ہوں اور اسی کی برکت سے میں بیدار ہوں گا۔ اگر تو میری روح کو روک لے تو اس پر رحم فرما اور اگر تو اسے بھیج دے تو اس کی اسی طرح حفاظت فرما جیسے تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ مردوں کی روحیں بوقت موت اور زندوں کی روحیں بوقت نیند قبض کر لی جاتی ہیں تو ان میں تعارف ہوتا ہے جب تک اللہ چاہے۔

قُضِیَ عَلَیْهَا الْمَوْتَ اسے موت آ گئی۔

اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عمر کے بقایا حصے تک۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ مرنے والوں کی روحوں کو روک لیتا ہے اور زندوں کی ارواح کو واپس کر دیتا ہے اور غلطی نہیں کرتا۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا یَمْلِكُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ
لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ
اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِیْنَ مِنْ

1۔ بخاری، جلد 8 صفحہ 87 کتاب الدعوات، مسلم، جلد 8 صفحہ 77، کتاب الذکر

دُوْنِہٖٓ اِذَا ھُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

''کیا انہوں نے بنا لئے ہیں اللہ کو چھوڑ کر اور سفارشی۔ پوچھئے اگر چہ وہ (مزعومہ سفارشی) کسی چیز کے مالک نہ ہوں، اور نہ عقل و شعور رکھتے ہوں۔ آپ فرمائیے سب شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے۔ اسی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ پھر اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے اور جب ذکر کیا جائے اکیلے اللہ کا تو کڑھنے لگتے ہیں ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور جب ذکر کیا جاتا ہے اس کے سوا دوسروں کا تو اسی وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کی مذمت بیان فرما رہے ہیں کہ انہوں نے غیر اللہ کو اپنا سفارشی سمجھ لیا ہے اور یہ بت اور انداد (مد مقابل) ہیں جن کو وہ اپنا شفیع سمجھنے لگے ہیں اور ان کے پاس اس کی کوئی دلیل یا برہان بھی نہیں۔ یہ بت تو کسی چیز کے مالک نہیں۔ بلکہ نہ تو ان کی عقل ہے کہ وہ کچھ سمجھیں، نہ کان کہ کچھ سن سکیں اور نہ آنکھیں کہ کچھ دیکھ سکیں۔ بلکہ یہ تو جمادات ہیں اور حیوانوں سے بدر جہا بدتر ہیں۔ پھر فرمایا: قُلْ اے محمد ﷺ! انہیں فرما دیجئے کہ انہیں تم نے اللہ کے ہاں سفارشی ٹھہرایا ہے اور اللہ کے ہاں شفاعت نفع نہیں دے گی مگر اس کی جسے وہ اجازت مرحمت فرمائے اور اس پر راضی ہو جائے۔ ساری شفاعتوں کا مرجع تو وہی ہے۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (البقرہ: 255) ''کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے''۔

لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ان سب میں تصرف کرنے والا وہی ہے۔

ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ قیامت کے دن تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ اپنے عدل سے تمہارے درمیان فیصلے کرے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دے گا۔ پھر دوبارہ مشرکین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: وَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ یعنی جب یہ کہا جائے لا الہ الا اللہ وحدہ۔

اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ...... اشْمَاَزَّتْ: مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تنگ ہو جاتے ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کفر و سرکشی پر اتر آتے ہیں۔ مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے وہ تکبر کرنے لگتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّھُمْ کَانُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَسْتَکْبِرُوْنَ (صافات: 35) ''کفار کا یہ حال ہے کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا تو یہ تکبر کرنے لگتے ہیں''۔ یعنی اطاعت و انقیاد کی بجائے وہ تکبر کرنے لگتے ہیں۔ ان کے دل بھلائی کو قبول نہیں کرتے اور جو بھلائی کو قبول نہیں کرتا شر کو قبول کرتا ہے۔

مِنْ دُوْنِہٖٓ: الأصنام و الأنداد۔ بت اور شریک۔

یَسْتَبْشِرُوْنَ فرحت اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔

قُلِ اللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْ مَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ لَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَہٗ مَعَہٗ لَافْتَدَوْا بِہٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ وَ بَدَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مَا لَمْ یَکُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ بَدَا لَھُمْ سَیِّاٰتُ مَا کَسَبُوْا وَ حَاقَ بِھِمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

"آپ عرض کیجئے اے اللہ! اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے! اے جاننے والے غیب اور شہادت کے! تو ہی فیصلہ فرمائے گا اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ اور اگر ان کے پاس جنہوں نے شرک کیا زمین میں جو کچھ ہے سب ہو اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تو چاہیں گے کہ بطور فدیہ ادا کر دیں اسے برے عذاب کے عوض، قیامت کے دن۔ اور (اس روز) ظاہر ہو جائے گا ان پر اللہ کی طرف سے جس کا وہ گمان بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہو جائیں گے ان پر وہ برے اعمال جو انہوں نے کمائے تھے اور گھیر لے گا انہیں وہ (عذاب) جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے"۔

مشرکین اور انہیں شرک سے جو محبت اور توحید سے جو نفرت ہے کا بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ دعا فرمایئے کہ تو ہی وحدہ لاشریک ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور انہیں اس طرح بنایا کہ پہلے ان کی مثال نہ تھی۔

عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ پوشیدہ اور علانیہ۔

اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ...... یعنی دنیا میں جو اختلافات تھے قبروں سے اٹھنے کے بعد وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت کی نماز کو کس چیز سے شروع فرمایا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ رات کو آپ ﷺ جب اٹھتے تو اس دعا سے نماز شروع فرماتے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ(1)۔

ترجمہ:۔ اے اللہ! اے جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے رب، اے آسمانوں اور زمین کو بغیر پیشگی نمونے کے پیدا کرنے والے، اے غیب و مشہود کے جاننے والے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کرنے والا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ جس بات میں اختلاف کیا گیا ہے تو حق کے ساتھ اس میں میری راہ نمائی فرما۔ تو جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے یہ دعا پڑھی:

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اِنِّيْ اَعْهَدُ اِلَيْكَ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا اَنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ فَاِنَّكَ اِنْ تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ تُقَرِّبْنِيْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِيْ مِنَ الْخَيْرِ، وَاِنِّيْ لَآ اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِّيْ عِنْدَكَ عَهْدًا تُوَفِّيْنِيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔(2)۔

ترجمہ:۔ اے اللہ! زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے۔ اے غائب و ظاہر کے جاننے والے، میں اس دنیا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو وحدہ لاشریک ہے۔ اور بلاشبہ حضرت محمد (ﷺ) تیرے بندے اور رسول ہیں۔ اگر تو مجھے میرے نفس کے حوالے کرے گا تو وہ مجھے برائی کے قریب کر دے گا اور بھلائی سے دور کر دے گا۔ مجھے صرف تیری رحمت پر ہی بھروسہ ہے پس تو میرے ساتھ عہد فرما جسے تو قیامت کے دن پورا کرے بے شک تو وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

1۔ مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین، جلد 3 صفحہ 534 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 412

جب وہ یہ دعا پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے قیامت کے دن فرمائے گا میرے بندے نے مجھ سے عہد کیا تھا۔ اسے پورا کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرما دے گا۔ سہیل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں نے قاسم بن عبدالرحمٰن کو یہ حدیث سنائی کہ عون اس طرح بیان کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ہماری پردہ نشین بچیوں کو بھی یہ حدیث یاد ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک کاغذ نکالا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں یہ دعا سکھایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ، أَنْتَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ وَاِلٰہُ کُلِّ شَیْءٍ أَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ، وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ وَالْمَلَائِکَۃُ یَشْھَدُوْنَ، أَعُوْذُبِکَ مِنَ الشَّیْطَانِ وَشِرْکِہٖ، أَعُوْذُبِکَ أَنْ أَقْتَرِفَ عَلٰی نَفْسِیْ اِثْمًا أَوْ اَجُرَّہٗ إِلٰی مُسْلِمٍ۔

ترجمہ:۔ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، غیب وظاہر کے عالم، تو ہر چیز کا رب ہے اور ہر چیز کا معبود، میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں معبود کوئی تیرے سوا۔ تو ایک ہے تیرا کوئی شریک نہیں اور بے شک سیدنا محمد ﷺ تیرے بندے اور رسول ہیں اور فرشتے (بھی اسی بات کی) گواہی دیتے ہیں۔ میں شیطان اور اس کے شرک سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اس بات سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں کوئی گناہ کروں یا اسے کسی اور مسلمان کی طرف لے جاؤں۔

ابوعبدالرحمٰن کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ دعا سکھائی تھی کہ سوتے وقت اسے پڑھا کریں(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ابوراشد ابدانی سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کوئی حدیث سنانے کی خواہش کی تو انہوں نے ایک صحیفہ میرے سامنے نکال کر رکھ دیا اور فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے یہ میرے لئے لکھوایا تھا۔ میں نے اس میں دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ارشاد فرمایئے کہ صبح وشام کون سی دعا پڑھا کروں تو آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! یوں پڑھا کر اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا أَنْتَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ وَمَلِیْکُہٗ أَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَ شَرِّ الشَّیْطَانِ وَشِرْکِہٖ أَنْ أَقْتَرِفَ عَلٰی نَفْسِیْ سُوْٓءًا أَوْ أَجُرَّہٗ إِلٰی مُسْلِمٍ(2)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور حسن غریب قرار دیا ہے(3)۔

امام احمد نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا مجھے صبح وشام اور رات کو بستر پر لیٹتے وقت یوں پڑھنے کا حکم دیا: اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ......(4)۔

قولہ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَہٗ یعنی مشرکین اگر وہ سب کچھ خرچ کر دیں جو زمین میں ہے بلکہ اس سے دوگنا تو بھی اس بدترین عذاب سے نہیں بچ سکتے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے قیامت کے دن تیار کیا ہے۔ اس کے باوجود ان سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا خواہ زمین بھر سونا ہی کیوں نہ ہو۔

قولہ وَبَدَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ...... اللہ تعالیٰ انہیں جس عذاب میں مبتلا کرے گا انہیں اس کا خیال بھی نہ گزرا ہوگا۔ دنیا کی حرام کاریاں اور بدکاریاں ان کے سامنے آجائیں گی۔ جس بات کا تمسخر وہ دنیا میں مذاق کرتے تھے آج انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی۔

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 171

2۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 196

3۔ عارضۃ الاحوذی ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 53-52

4۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 14

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

''پس جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے۔ پھر جب ہم عطا کر دیتے ہیں اسے نعمت اپنی جناب سے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت مجھے دی گئی ہے (اپنے) علم (وفضل) کے باعث۔ (اے غافل یوں نہیں) بلکہ یہ آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ کہی تھی یہی بات ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے (جب ہم نے انہیں پکڑا) تو نہ فائدہ پہنچایا انہیں (مال ودولت نے) جو وہ کمایا کرتے تھے۔ پس جو برے کام انہوں نے کئے ان کا نتیجہ انہیں بھگتنا پڑا۔ اور جنہوں نے ظلم کیا ہے ان لوگوں میں سے انہیں بھی عنقریب اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگتنی ہوگی اور یہ (ہمیں) عاجز نہیں کر سکتے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کشادہ عطا فرماتا ہے رزق جس کو چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے)۔ یقیناً اس (تقسیم رزق) میں اس کی (حکمت کی) نشانیاں اہل ایمان کے لئے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ وہ مشکل وقت میں اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے سامنے عاجزی و زاری شروع کر دیتا ہے اور دعائیں مانگتا ہے اور جب اس پر کوئی انعام ہوتا ہے تو بغاوت اور سرکشی پر اتر آتا ہے اور کہتا ہے: اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ اللہ تعالیٰ اس نعمت کے بارے میں میرے استحقاق کو جانتا ہے۔ اگر اللہ کے نزدیک میں اس نعمت کا حقدار نہ ہوتا تو وہ ہرگز مجھے یہ نعمت عطا نہ فرماتا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ کہے گا میں نے اپنے تجربے کی بنا پر اسے حاصل کیا ہے۔

بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بات اس طرح نہیں جیسے اس نے گمان کیا بلکہ دراصل ہم نے اسے یہ نعمت اس لئے دی ہے تا کہ ہم اسے آزمائیں کیا وہ اطاعت کرتا ہے یا نافرمانی کرتا ہے؟ ہمارے پیشگی علم کے باوجود یہ آزمائش ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اور طرح طرح کی باتیں کرتے اور قسم قسم کے دعوے کرتے ہیں۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سابقہ امتوں نے بھی یہی بات کہی تھی، یہی گمان کیا اور یہی دعویٰ کیا تھا لیکن ان کی بات صحیح ثابت نہ ہوئی۔ انہیں کسی چیز نے فائدہ نہ دیا۔

......وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ قارون نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ (القصص:78-76) ''زیادہ خوش نہ ہو بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا اترانے والوں کو۔ اور طلب کر اس (مال وزر) سے جو دیا ہے تجھے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر اور نہ فراموش کر اپنے حصہ کو دنیا سے اور احسان کیا

کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے اور نہ خواہش کر فتنہ وفساد کی ملک میں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فساد برپا کرنے والوں کو۔ وہ کہنے لگا مجھے دی گئی ہے یہ (دولت وثروت) اس علم کی وجہ سے جو میرے پاس ہے۔ کیا اس (مغرور) کو اتنا علم بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالیں اس سے پہلے قومیں جو اس سے قوت میں کہیں سخت اور دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں۔ اور نہیں دریافت کئے جائیں گے مجرموں سے ان کے گناہ''۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا (سبا: 35) ''اور کہتے (تم کون ہو ہمیں ڈرانے والے) ہمارا مال بھی (تم سے) زیادہ ہے اور اولاد بھی۔ اور ہمیں عذاب نہیں دیا جا سکتا''۔

رزق کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ کسی قوم پر اسے کشادہ کر دیتا ہے اور کسی پر تنگ کر دیتا ہے۔ اس میں مومنین کے لئے عبرتیں اور دلیلیں ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ وَ اَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَ اسْتَكْبَرْتَ وَ كُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾

''آپ فرمائیے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو۔ بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور (سچے دل سے) لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور سرخم کر دو اس کے سامنے اس سے پہلے کہ آ جائے تم پر عذاب پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔ اور پیروی کرو عمدہ کلام کی جو اتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اس سے پیشتر کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں خبر تک نہ ہونے پائے۔ (اس وقت) کوئی شخص یہ کہنے لگے صد حیف! ان کوتاہیوں پر جو مجھ سے سرزد ہوئیں اللہ کے بارے میں اور میں تو تمسخر اڑانے والوں سے تھا۔ یا یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں ہو جاتا پرہیزگاروں میں سے۔ یا یہ کہنے لگے جب عذاب دیکھے کاش! مجھے ایک بار پھر موقع دیا جائے تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں گا۔ ہاں! ہاں! آئی تھیں تیرے پاس میری آیتیں پس تو نے انہیں جھٹلایا اور تو گھمنڈ کرتا رہا اور تو کفر کرنے والوں میں سے تھا''۔

اس آیت میں تمام نافرمانوں کفار وغیرہ کو توبہ اور انابت ورجوع الی اللہ کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اور بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کے تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے خواہ وہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں اگرچہ اپنی کثرت میں سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔ اس آیت کو توبہ کے بغیر مغفرت کے معنوں میں لینا صحیح نہیں کیونکہ شرک توبہ کے بغیر بخشا نہیں جاتا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بعض مشرکین جنہوں نے بے شمار قتل کئے تھے اور لاتعداد مرتبہ

بدکاری میں مبتلا ہوئے تھے، حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے آپ کی باتیں اچھی ہیں اور آپ کی دعوت عمدہ ہے لیکن ہمیں یہ بتایئے کہ ہمارے سابقہ گناہوں کا کفارہ کیا ہوگا؟ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ (فرقان:68) '' اور جو نہیں پوجتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو اور نہیں قتل کرتے اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے مگر حق کے ساتھ، اور نہ بدکاری کرتے ہیں)۔ اور یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ...... رَّحْمَةِ اللّٰهِ مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے(1)۔ اور پہلی آیت سے مراد یہ آیت کریمہ ہے: اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا (مریم:60) '' مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ثوبان مولی رسول اللہ ﷺ بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: مجھے دنیا اور مافیہا سے یہ آیت زیادہ پسند ہے قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا...... تو ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! جس نے شرک کیا ہو؟ یہ سن کر آپ ﷺ خاموش رہے اس آدمی نے تین مرتبہ یہی سوال کیا(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک بوڑھا آدمی لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھ سے فراڈ اور گناہ سرزد ہوئے ہیں کیا اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے گا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تو نے کلمہ شہادت نہیں پڑھا؟ اس نے عرض کی کیوں نہیں۔ اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تیری دغابازیاں اور گناہ معاف کردیئے گئے ہیں(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے: اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (ہود:46) '' اس کے عمل اچھے نہیں''۔ اور اس آیت کو اس طرح پڑھتے ہوئے سنا۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ '' وَلَا يُبَالِي '' اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے ثابت حدیث سے روایت کیا ہے(4)۔

یہ ساری احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کے ساتھ تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے اور بندے کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے خواہ اس کے گناہ کتنے بڑے اور کتنے زیادہ کیوں نہ ہوں۔ رحمت اور توبہ کا دروازہ وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (توبہ:104) '' کیا وہ نہیں جانتے کہ (اللہ تعالیٰ) ہی توبہ قبول فرماتا ہے اپنے بندوں سے''۔ اور فرمایا: وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (نساء:110) '' اور جو شخص کر بیٹھے برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا''۔ اور منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا (نساء:145-146) '' بے شک منافق سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے اور ہرگز نہ پائے گا تو ان کا کوئی مددگار مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی''۔ اور فرمایا: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا

1۔ بخاری، جلد 6 صفحہ 157، فتح الباری تفسیر سورۃ زمر، جلد 8 صفحہ 549، مسلم کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 113، سنن ابی داؤد کتاب الفتن والملاحم، جلد 4 صفحہ 105، نسائی کتاب سنن کبریٰ کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4 صفحہ 458

2۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 275 3۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 385 4۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 454، نیز دیکھئے تفسیر سورۃ ہود آیت:46

عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (مائدہ:72) ''بے شک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے (یہ) کہا کہ اللہ تیسرا ہے تین (خداؤں) سے اور نہیں ہے کوئی خدا مگر ایک اللہ اور اگر باز نہ آئے اس (قول باطل) سے جو وہ کہہ رہے ہیں تو ضرور پہنچے گا جنہوں نے کفر کیا ان میں سے دردناک عذاب''۔ اور فرمایا: اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (مائدہ:74) ''تو کیا نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور کیا نہیں بخشش طلب کرتے اس سے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے''۔ اور فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا (البروج:10) ''بے شک جن لوگوں نے ایذاء دی مومن مردوں اور مومن عورتوں کو پھر توبہ بھی نہ کی''۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: اس کے جود وکرم کی طرف دیکھو انہوں نے اس کے دوستوں کو قتل کر دیا اور وہ انہیں توبہ اور مغفرت کی طرف بلا رہا ہے۔ اس طرح کی آیات بہت سی ہیں۔ صحیحین میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس آدمی کا واقعہ بھی مذکور ہے جس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کر دیا تھا پھر اپنے کئے پر شرمسار ہوا اور بنی اسرائیل کے ایک عابد سے جا کر پوچھا کہ کیا اس کے لئے توبہ کی گنجائش ہے؟ اس نے کہا نہیں تو اس نے اسے بھی قتل کر دیا۔ اس طرح سو کی تعداد پوری ہوگئی۔ پھر ایک اور عالم سے پوچھا کیا اس کے لئے توبہ ہے؟ اس نے جواب دیا تمہارے اور توبہ کے مابین کون حائل ہو سکتا ہے؟ پھر اسے اللہ والوں کی ایک بستی کی طرف جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ اس گاؤں کی طرف چل پڑا۔ لیکن راستے میں اسے موت آ گئی۔ چنانچہ رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں آپس میں اختلاف ہوا تو اللہ عزوجل نے دونوں طرف کی زمین ناپنے کا حکم دیا کہ جس دیہات کے وہ قریب ہو اسی میں سے اس کا شمار ہو۔ لہٰذا زمین ناپی گئی تو نیک لوگوں کی بستی کی طرف ایک بالشت کم نکلی۔ چنانچہ اسے رحمت کے فرشتے لے گئے۔ یہ بھی مذکور ہے کہ وہ موت کے وقت سینے کے بل گھسٹ کر اس بستی کی طرف چلا جس میں اللہ کے عبادت گزار بندے رہتے تھے اور یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اچھے لوگوں کی بستی کو قریب ہو جانے اور دوسری بستی کو دور ہو جانے کا حکم دیا۔ اس حدیث کو انہی الفاظ کے ساتھ ہم نے دوسری جگہ ذکر کیا ہے(1)۔ علی بن ابی طلحہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مغفرت کی طرف بلایا ہے جو یہ سمجھتے تھے کہ مسیح خدا ہے، یا یوں کہتے کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے یا عزیر خدا کا فرزند ہے، یا یوں گمان کیا کہ اللہ فقیر ہے، یا یوں سمجھے کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، یا یہ دعویٰ کیا کہ تین خداؤں میں سے ایک اللہ ہے۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں: اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (مائدہ:74) ''تو کیا نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور کیا نہیں بخشش طلب کرتے اس سے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے''۔ پھر ان لوگوں کو توبہ کی طرف دعوت دی جنہوں نے اس سے بھی بڑی بات کہی تھی۔ جن کا یہ دعویٰ تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ اور یہ کہتا تھا: مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (قصص:38) ''میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لئے میرے سوا کوئی اور خدا ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس اعلان کے بعد بھی اگر کوئی بندہ توبہ سے اللہ کے بندوں کو مایوس کرے تو اس نے کتاب اللہ کا انکار کیا۔ لیکن بندہ اس وقت تک توبہ نہیں کر سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہ فرمائے۔ طبرانی نے شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے سنا: کتاب اللہ میں سب سے زیادہ عظیم آیت اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (آل عمران:2) ''اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے'' یعنی آیت الکرسی ہے۔ اور خیر و شر کی سب سے زیادہ جامع آیت: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ

1۔ بخاری، جلد 4 صفحہ 211، فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 512، مسلم کتاب التوبہ، جلد 4 صفحہ 2119-2118

اَلْاِحْسَانِ (نحل:90) ''بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملہ میں انصاف کرو اور (ہر ایک کے ساتھ) بھلائی کرو''۔ اور سارے قرآن میں سب سے زیادہ خوشی کی آیت سورۂ غرف کی آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ...... ہے(1)۔ اور سب سے زیادہ ڈھارس دینے والی آیت: وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ (الطلاق:3-2) ''اور جو (خوش بخت) ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے، بنا دیتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کا راستہ۔ اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا''۔ ہے۔ یہ سن کر مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آپ نے سچ فرمایا(2)۔

اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا گزر کسی جگہ سے ہوا جہاں ایک قصہ گو (واعظ) لوگوں کو وعظ کر رہا تھا۔ آپ نے سن کر فرمایا: اے واعظ! تو کیوں لوگوں کو مایوس کر رہا ہے؟ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی قُلْ یٰعِبَادِیَ ...... ۔ (ابن ابی حاتم۔

ان احادیث کا بیان جن میں مایوسی اور ناامید کی ممانعت ہے

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حسن سدوسی سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ آپ نے فرمایا میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر تم گناہ کرتے رہو حتیٰ کہ تمہارے گناہ آسمان اور زمین کو بھر دیں پھر تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو تو وہ تمہیں بخش دے گا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! اگر تم خطائیں کرو ہی نہیں تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جو گناہ کریں اور پھر اللہ سے استغفار کریں تو وہ انہیں بخش دے(3)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی تھی اور آج تک تمہیں بیان نہیں کی۔ اب بیان کر رہا ہوں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو پیدا فرماتا جو گناہ کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں بخشتا(4)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح میں اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے(5)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گناہ کا کفارہ ندامت ہے۔ اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جو گناہ کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے(6)۔ عبداللہ بن امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس گناہ گار کو پسند کرتا ہے جو بہت زیادہ توبہ کرنے والا ہے(7)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عبید بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ ابلیس ملعون نے عرض کی اے رب! تو نے آدم کی وجہ سے مجھے جنت سے نکالا اور میں تیرے غالب کئے بغیر اس پر غالب نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا تو اس پر مسلط ہے۔ اس نے عرض کی خدایا کچھ اور بھی عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی کوئی اولاد نہیں ہوگی مگر تیری بھی اتنی ہی ہوگی۔ اس نے کہا مجھے مزید اضافہ فرما۔ ارشاد ہوا ان کے سینے تیرا گھر ہوں گے اور تو ان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرے گا۔ اس نے التجا کی مزید عطا فرما۔ ارشاد ہوا: جا تو ان پر اپنے سوار اور پیادے دوڑا اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہو جا اور انہیں امید دلا۔ اور

1۔ یعنی سورۂ زمر اور یہ نام اس آیت سے نکالا گیا ہے۔ (لھم غرف من فوقھا غرف) دیکھئے روح المعانی، جلد 23 صفحہ 223

2۔ طبرانی، المعجم الکبیر، جلد 9 صفحہ 143-142 3۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 238

4۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 414 5۔ مسلم، کتاب التوبہ، جلد 4 صفحہ 2106-2105، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 59

6۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 289 7۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 80

شیطان انہیں امنگیں نہیں دلاتا مگر دھوکہ۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی اے رب تو نے شیطان کو مجھ پر غلبہ دیا۔ اب میں تیرے بچائے بغیر اس سے بچ نہیں سکتا۔ ارشاد ہوا تیری جو اولاد ہوگی میں اس کے ساتھ ایک محافظ پیدا کروں گا جو اسے برے ہم نشینوں سے بچائے گا۔ آپ نے عرض کی اے رب کچھ اور عنایت فرما۔ ارشاد فرمایا ایک نیکی کا بدلہ دس گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور برائی کا بدلہ صرف ایک یا میں اسے معاف کردوں گا۔ آپ نے عرض کی اے رب مزید عطا فرما۔ ارشاد ہوا جب تک روح جسم میں ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ آپ نے عرض کی اے رب مزید مہربانی فرما ارشاد ہوا: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا...... محمد بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم کہا کرتے تھے کہ جو لوگ فتنہ میں پڑ گئے اللہ تعالیٰ ان کا فدیہ اور توبہ قبول نہیں فرمائے گا کیونکہ انہوں نے اللہ کو پہچانا اور کفار کی تکالیف برداشت نہ کر سکے اور کفر کی طرف لوٹ گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ہماری آیت کی تردید کر دی اور يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ سے لَا تَشْعُرُوْنَ تک کی آیات نازل ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے میں نے اپنے ہاتھ سے یہ آیات لکھیں اور ہشام بن عاص کی طرف بھیج دیں۔ ہشام کا قول ہے کہ جب یہ خط مجھے ملا میں اس وقت ذی طوی میں تھا۔ میں انہیں بآواز بلند پڑھ رہا تھا اور انہیں سمجھ نہیں رہا تھا اور یہ عرض کر رہا تھا اے اللہ! مجھے ان کی سمجھ عطا فرما۔ چنانچہ اللہ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ان سے مراد ہم ہی ہیں اور ہمارے بارے میں ہی یہ نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ میں اپنے اونٹ کی طرف پلٹا اور اس پر بیٹھ کر آپ ﷺ سے مدینے میں جاملا۔

قولہ وَاَنِيْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ...... اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جلد توبہ کرنے پر ابھار رہے ہیں کہ اللہ کی طرف توجہ کریں اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ یعنی عذاب آنے سے قبل توبہ اور عمل صالح میں جلدی کریں اور جو قرآن ان پر اتارا گیا ہے اس کی اتباع کریں اس سے قبل کہ اچانک عذاب آجائے اور انہیں پتہ بھی نہ چلے۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى...... یعنی قیامت کے دن توبہ اور انابت میں کمی کرنے والا مجرم حسرت سے کہے گا اور آرزو کرے گا کاش! وہ بھی محسنین، مخلصین اور اللہ کی اطاعت کرنے والوں سے ہوتا۔ وہ کہے گا میرا کام تو دنیا میں ہنسی مذاق، استہزاء، عدم یقین اور کسی بات کی تصدیق نہ کرنا تھا۔

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ...... الْمُحْسِنِيْنَ یعنی تو چاہے گا کہ اگر مجھے دنیا کی طرف لوٹایا جائے تو میں نیک کام کروں گا۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہے ہیں کہ بندے کیا کہیں گے؟ یہ پیشین گوئی کی جارہی ہے۔ اور ان کے قول اور عمل سے قبل ہی خبر دی جارہی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ (فاطر:14) ''اور (حقیقت حال سے) تجھے کوئی آگاہ نہیں کر سکتا خدائے خبیر کی مانند''۔ اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں کہ اگر انہیں واپس دنیا میں بھیج دیا جائے تو بھی ہدایت پر قادر نہ ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (الانعام:28) ''اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے (جیسے ان کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں''۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر دوزخی جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھتا ہے تو وہ کہتا ہے کاش اللہ مجھے ہدایت دیتا۔ یہ چیز اس کے لئے باعث حسرت ہوگی۔ فرمایا: اور ہر جنتی جہنم میں اپنا مقام دیکھ کر کہتا ہے اگر اللہ مجھے ہدایت نہ دیتا۔ فرمایا: وہ شکر ادا کر رہا ہوگا (1)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ابو بکر بن عیاش سے روایت کیا ہے (2)۔

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 512 2۔ تحفۃ الاشراف، جلد 9 صفحہ 374

جب گناہ گار لوگ دنیا کی طرف لوٹنے کی آرزو کریں گے اور خدا کی آیات کی تصدیق اور اس کے رسولوں کی اتباع نہ کرنے پر حسرت کا اظہار کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ...... مِنَ الْكٰفِرِيْنَ اے نادم ہونے والے دار! دنیا میں تیرے پاس میری نشانیاں آئیں۔ تیرے سامنے حجت قائم ہوئی لیکن تو نے تکذیب کی اور ان کی اتباع کی بجائے تکبر کیا۔ تو نے کفر اختیار کیا اور منکر رہا۔

وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۶۰ وَ يُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۱

''اور روز قیامت آپ دیکھیں گے انہیں جو اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے، اس حال میں کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانا تکبر کرنے والوں کا؟ اور نجات دے گا اللہ تعالیٰ متقیوں کو کامیابی کے ساتھ۔ نہ چھوئے گی انہیں کوئی تکلیف اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے دن کچھ چہرے سیاہ ہوں گے اور کچھ سفید۔ اہل فرقت و اختلاف کے چہرے تو سیاہ پڑ جائیں گے اور اہل سنت و جماعت کے چہرے نورانی ہوں گے۔

كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ یعنی اللہ کا شریک ٹھہرانے اور اس کی اولاد مقرر کرنے کا دعویٰ کرنے والوں نے۔

وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ یعنی کذب و افتراء کی وجہ سے۔

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ کیا قید خانے اور ٹھکانے کے اعتبار سے جہنم ان کے لئے کافی نہیں؟ تکبر، تجبر اور قبول حق سے انکار کی وجہ سے ان کے لئے ذلت اور رسوائی ہوگی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تکبر کرنے والوں کا حشر روزِ قیامت انسانی شکل میں چیونٹیوں کی صورت میں ہوگا۔ ذلت و رسوائی سے ہر چیز انہیں روندتی چلی جائے گی حتیٰ کہ وہ آگ کے قید خانے میں داخل ہو جائیں گے۔ جو ایک وادی میں ہے جسے بولس کہتے ہیں یہ آگوں کی آگ ہے (یعنی ایسی آگ جو آگ کو لکڑی کی طرح جلائے گی) انہیں دوزخیوں کا لہو اور پیپ پلائی جائے گی۔ اور متقی لوگوں کو اللہ کے ہاں سعادت اور کامیابی ہوگی اور قیامت کے دن انہیں فزع اکبر (بڑی گھبراہٹ) نہیں ہوگی اور وہ ہر پریشانی سے امن میں ہوں گے۔ ہر شر سے دور اور ہر بھلائی کو حاصل کرنے والے ہوں گے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝۶۲ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۶۳ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝۶۴ وَ لَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۶۵ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۶۶

''اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا، اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ وہی مالک ہے آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا۔ اور جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا وہی لوگ خسارہ میں ہیں۔ آپ فرمائیے اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ اللہ کے سوا

کسی اور کی عبادت کروں۔ اور بیشک وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے۔ کہ اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال اور آپ بھی خاسرین میں سے ہو جائیں گے۔ بلکہ صرف اللہ کی ہی عبادت کیا کرو اور ہو جاؤ شکر گزاروں میں سے''۔

اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ وہ تمام اشیاء کا خالق اور رب ہے۔ ان کا مالک اور تصرف کرنے والا ہے۔ ہر چیز اس کی تدبیر، قبضے اور ماتحتی میں ہے۔ مَقَالِیْدُ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فارسی میں چابیوں کو مقالید کہتے ہیں۔ قتادہ، ابن زید اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مروی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقالید سے مراد آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں۔ دونوں اقوال کے مطابق معنی یہی ہے کہ زمام امور اس کے ہاتھ میں ہے۔ اسی کے لئے بادشاہی اور حمد ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

بِاٰیٰتِ اللّٰہِ اللہ کی حجج اور براہین۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بہت ہی غریب حدیث نقل کی ہے اور اس کی صحت میں بھی کلام ہے لیکن ہم اس کو ان کی اتباع میں ذکر کر دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تفسیر کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عثمان تم سے قبل کسی نے مجھ سے اس آیت کا مطلب نہیں پوچھا۔ اس کی تفسیر یہ کلمات ہیں:۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ، وَالظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ، يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

اے عثمان! جو شخص اسے صبح کے وقت دس مرتبہ پڑھ لے اللہ تعالیٰ اسے چھ فضائل عطا فرماتا ہے۔ اول تو وہ شیطان اور اس کے لشکروں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ دوم اسے ایک قنطار اجر ملتا ہے۔ تیسرے جنت میں اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ چوتھے اس کا نکاح حور عین سے کر دیا جاتا ہے۔ پانچویں اس کے پاس بارہ فرشتے آتے ہیں۔ چھٹے اسے اتنا ثواب ملتا ہے جیسے کسی نے قرآن، تورات، انجیل اور زبور پڑھی ہو۔ پھر اس کے ساتھ ہی اے عثمان ایک حج مبرور اور مقبول عمرے کا ثواب ملتا ہے۔ اگر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو اسے شہید کا رتبہ ملتا ہے۔ ابو یعلی موصلی نے بھی اسے روایت کیا ہے لیکن یہ بہت غریب ہے اور اس میں نکارت ہے۔ واللہ اعلم (1)۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ اس کے سبب نزول میں ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مشرکین نے اپنی جہالت کی بناء پر آپ ﷺ کو اپنے معبودوں کی پرستش کی دعوت دی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی طرح ایک اور آیت میں آتا ہے: وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (انعام:88) ''اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ضائع ہو جاتا ان سے وہ (عمل) جو وہ کیا کرتے تھے''۔ ایک اور آیت میں ہے: بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ (زمر:66) ''بلکہ صرف اللہ کی ہی عبادت کیا کرو اور ہو جاؤ شکر گزاروں میں سے''۔ یعنی آپ اور آپ کے پیروکار خالص اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞

''اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا اور (اس کی شان تو یہ ہے) ساری زمین اس کی

1۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 243، مسند ابو یعلی الموصلی، جلد 1 صفحہ 166-165

مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور سارے آسمان لپٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے۔ پاک ہے وہ ہر عیب سے اور برتر ہے لوگوں کے شرک سے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرمار ہے ہیں کہ مشرکین نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو معبود ٹھہرا کر اس کی قدر نہیں پہچانی۔ وہ عظیم ہے جس سے زیادہ عظمت والا کوئی نہیں۔ ہر چیز پر قادر اور ہر چیز کا مالک ہے۔ ہر چیز اس کی قدرت کے تحت ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ آیت قریش کے بارے میں نازل ہوئی۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انہوں نے اس کی تعظیم کا حق ادا نہیں کیا محمد بن کعب کا قول ہے کہ اگر وہ اس کی قدر اس طرح پہچانتے جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا تو تکذیب نہ کرتے۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ کفار ہیں جو اللہ کی قدرت پر ایمان نہیں لائے۔ جو اس بات پر ایمان لایا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے تو اس نے اللہ کو اس طرح پہچاننے کا حق ادا کر دیا جس طرح اسے پہچاننے کا حق تھا۔ اور جو اس پر ایمان نہیں لایا اس نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی۔ اس آیت کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اس جیسی آیات کے بارے میں سلف صالحین کا یہی مسلک رہا ہے کہ جن الفاظ سے یہ آیات وارد ہوئی ہیں بغیر تکییف اور تحریف کے انہیں اسی طرح مان لینا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہود کا ایک بہت بڑا عالم آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے محمد! ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں کہ اللہ عزوجل آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور مٹی کو ایک انگلی اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور فرمائے گا میں بادشاہ ہوں۔ حضور ﷺ اس کی اس بات کی تصدیق میں ہنس دیئے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے دانت ظاہر ہو گئے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ...... يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الآیہ(1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح میں ایک دوسری جگہ بھی اور امام احمد، مسلم، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسے ابن مسعود سے روایت کیا ہے(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور سند سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اہل کتاب میں سے ایک شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے ابوالقاسم! کیا آپ کو خبر ملی ہے کہ اللہ مخلوقات کو ایک انگلی پر اٹھالے گا، آسمانوں کو ایک انگلی پر...... الخ (اس روایت کے آخر میں ہے کہ) رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کے دانت ظاہر ہو گئے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ سے تا آخر الآیۃ(3)۔ بخاری، مسلم اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا۔ آپ تشریف فرما تھے۔ وہ کہنے لگا: اے ابوالقاسم! آپ کیا فرماتے ہیں جس دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ آسمان کو اس پر رکھ لے گا (اور شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کیا) اور پہاڑوں کو اس پر اور تمام مخلوق کو اس پر اور ساتھ ساتھ انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرتا جاتا تھا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی(5)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں اسے روایت کیا ہے اور

1۔ مرجع مذکور، بخاری، جلد 6 صفحہ 175

2۔ بخاری، جلد 8 صفحہ 184، فتح الباری، تفسیر سورۂ زمر، جلد 8 صفحہ 551-550، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 438-393، مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 429، مسلم، کتاب صفات القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2147، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ زمر، جلد 12 صفحہ 119، نسائی، سنن کبریٰ، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 92

3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 378

4۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 393، مسلم، کتاب صفات القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2148، نسائی، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 100

5۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 324

اسے صحیح غریب قرار دیا ہے(1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو ایک انگلی پر لپیٹ لے گا اور آسمان کو لپیٹ کر اپنے داہنے ہاتھ میں۔ پھر فرمائے گا میں ہوں بادشاہ! زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے روایت کیا ہے(2)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور جگہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت زمینوں کو اپنی انگلی پر رکھ لے گا اور آسمان آپ کے داہنے ہاتھ میں ہوں گے۔ پھر فرمائے گا میں ہوں بادشاہ۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے روایت کیا ہے(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دوسری سند سے ذرا تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن منبر پر یہ آیت تلاوت فرمائی اور آپ ﷺ ہاتھ کو آگے پیچھے ہلاتے جاتے اور فرماتے جاتے: "اللہ تعالیٰ اپنی بزرگی فرمائے گا کہ میں جبار ہوں، میں متکبر ہوں، میں غالب بادشاہ ہوں۔ میں کریم ہوں۔" آپ کے اس بیان کے وقت منبر ہلنے لگا حتیٰ کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ ﷺ منبر سمیت گر نہ پڑیں(4)۔ مسلم، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمر کی طرف دیکھا کہ کس طرح نبی کریم ﷺ کی حکایت بیان فرماتے ہیں...... الخ۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اور منبر ہلنے لگا اور آپ تین مرتبہ آئے گئے۔ امام حافظ ابو القاسم طبرانی نے اسے عبید اللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم کبیر کی روایت میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے کچھ صحابہ سے فرمایا: آج میں سورۂ زمر کی آخری آیات تم پر تلاوت کرنے والا ہوں۔ جسے تم میں سے رونا آ گیا اس کے لئے جنت واجب ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ سے آخر سورت تک آیات تلاوت فرمائیں۔ ہم میں سے بعض روئے اور بعض کو رونا نہ آیا۔ جو رو نہیں سکے تھے انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہمیں انتہائی کوشش کے باوجود رونا نہیں آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا میں پھر یہ آیات پڑھوں گا جسے رونا نہ آئے وہ رونی صورت بنا کر بتکلف رونے کی کوشش کرے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ اس سے بھی غریب معجم کبیر کی ہی ایک دوسری روایت ہے۔ ابو مالک اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تین چیزیں میں نے اپنے بندوں سے چھپائی ہوئی ہیں۔ اگر آدمی انہیں دیکھ لے تو کبھی برائی نہ کرے۔ اگر میں پردہ ہٹا دیتا اور وہ مجھے دیکھ لیتا تو وہ یہ یقین کر لیتا اور جان لیتا کہ میں اپنی مخلوق سے کیا سلوک کروں گا جب میں ان کے پاس آؤں گا اور آسمانوں کو اپنے قبضے میں لے لوں گا پھر زمین کو اپنی مٹھی میں لے لوں گا۔ پھر میں کہوں گا میں ہوں بادشاہ۔ میرے سوا کون ہے جس کی بادشاہی ہے۔ پھر میں انہیں جنت اور جو بھلائیاں میں نے اس میں تیار کی ہیں انہیں دکھاؤں گا۔ وہ یقین کے ساتھ انہیں خوب اچھی طرح دیکھ لیں گے۔ پھر انہیں جہنم اور اس کے عذابوں کا مشاہدہ کراؤں گا حتیٰ کہ انہیں یقین آ جائے۔ لیکن میں نے عمداً یہ چیزیں ان سے پوشیدہ کر رکھی ہیں تاکہ میں جان لوں کہ وہ کس طرح عمل کرتے ہیں حالانکہ میں نے یہ سب چیزیں ان کے لئے بیان کر دی ہیں(5)۔ اس کی سند

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ زمر، جلد 12 صفحہ 121-120

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ زمر، جلد 8 صفحہ 551، مسلم، کتاب صفات القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2149-2148

3۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 393، مسلم، کتاب صفات القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2149-2148

4۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 72، مسلم، کتاب صفات القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2149-2148، نسائی: سنن کبریٰ، کتاب النعوت، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 6 صفحہ 5، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1429

5۔ درمنثور، جلد 5 صفحہ 335، جلد 7 صفحہ 248، المعجم الکبیر، جلد 2 صفحہ 348

متقارب ہے اور اس نسخے سے بہت سی احادیث روایت کی جاتی ہیں، واللہ اعلم۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِآئَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾

''اور پھونکا جائے گا صور، پس غش کھا کر گر پڑے گا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے بجز ان کے جنہیں اللہ چاہے گا (کہ بیہوش نہ ہوں) پھر دوبارہ (جب) اس میں پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے ہوکر (حیرت سے) دیکھنے لگ جائیں گے۔ اور جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے۔ اور رکھ دیا جائے گا دفتر عمل اور حاضر کئے جائیں گے انبیاء اور (دوسرے) گواہ اور فیصلہ کر دیا جائے گا ان کے درمیان انصاف سے اور ان پر (رتی بھر) ظلم بھی نہیں کیا جائے گا۔ اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو اس نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کام لوگ کرتے ہیں''۔

قیامت کی ہولناکی اور اس میں جو عظیم واقعات اور شدید زلزلے ہوں گے ان کا بیان ہو رہا ہے۔ یہ دوسرا نفخہ (صور پھونکنا) ہے۔ یعنی نفخہ صعق، جس سے آسمانوں اور زمین والوں سے ہر ایک مر جائے گا مگر جسے اللہ چاہے۔ جس کی تصریح صور والی مشہور حدیث میں ہے(1)۔ پھر باقی کی ارواح قبض کر لی جائیں گی حتیٰ کہ سب سے آخر میں خود ملک الموت کو بھی موت آ جائے گی۔ صرف حی وقیوم خدا باقی رہ جائے گا جو اول بھی تھا اور آخر میں بھی دوام اور بقاء اسی کو ہے اور تین مرتبہ یہ ارشاد فرمائے گا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (غافر:16) ''کس کی بادشاہی ہے آج؟''۔ پھر خود ہی یہ فرمائے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (غافر:16) '' (کسی کی نہیں) صرف اللہ کی جو واحد (اور) قہار ہے)۔ میں ہی اکیلا تھا۔ ہر چیز کو میں نے اپنی ماتحتی میں لے رکھا ہے اور ہر چیز کو فنا کا حکم دے دیا ہے پھر سب سے پہلے اسرافیل کو زندہ فرمائے گا۔ اسی کے حکم سے وہ دوبارہ صور پھونکیں گے۔ یہ نفخہ ثالثہ (تیسرا صور) ہوگا یعنی نفخہ بعث، جس سے سب زندہ ہو جائیں گے۔

قولہ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى ..... يَّنْظُرُوْنَ یعنی سب زندہ ہو جائیں گے، اس کے بعد کہ وہ ہڈیاں اور گل سڑ چکے تھے زندہ ہوکر قیامت کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کریں گے جیسے فرمایا: فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (النازعات:14-13) '' (پس اس واپسی کے لئے) تو فقط ایک جھڑک کافی ہے۔ پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے''۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا (الاسراء:52) ''اس دن کو یاد کرو جب تمہیں اللہ تعالیٰ بلائے گا۔ سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور یہ گمان کر رہے ہو گے کہ تم نہیں ٹھہرے (دنیا میں) مگر تھوڑا عرصہ''۔ اور فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَا اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ (الروم:25) ''اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ قائم ہے آسمان اور زمین اس کے حکم سے۔ پھر جب بلائے گا تمہیں زمین سے تو تم فوراً باہر نکل آؤ گے''۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ میں نے ایک آدمی کو سنا وہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے کہہ رہا تھا۔ آپ فرماتے ہیں اتنے اتنے وقت تک

1۔ حدیث صور کے لئے دیکھئے سورۂ نساء، آیت:149، سورہ کہف آیت:99، سورۂ نمل آیت:87

قیامت آجائے گی۔ آپ نے (ناراض ہوکر) فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تمہیں کوئی حدیث بیان نہ کروں۔ میں نے تو کہا تھا کہ تھوڑی مدت میں تم عظیم امر دیکھو گے۔ پھر حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت میں دجال آئے گا۔ وہ چالیس تک رہے گا۔ میں نہیں جانتا چالیس یوم یا چالیس مہینے یا چالیس سال یا چالیس راتیں۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمائے گا۔ آپ کی صورت گویا عروہ بن مسعود ثقفی کی طرح ہے۔ آپ غالب آئیں گے اور اللہ تعالیٰ دجال کو ہلاک فرما دے گا۔ پھر لوگ سات سال تک رہیں گے اس طرح کہ دو افراد کے مابین بھی کوئی عداوت نہیں ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چلائے گا۔ جس کے دل میں ایک چیونٹی کے برابر بھی ایمان ہوگا اسے موت آجائے گی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی پہاڑ کے سینے میں بھی ہوگا تو یہ ہوا اس تک بھی پہنچ جائے گی۔ فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا۔ اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو اپنی کمینگی میں پرندوں کی طرح ہلکے، کم عقلی میں درندوں کی طرح بے وقوف ہوں گے، نیکی کو نہ جانتے ہوں گے نہ برائی کو برا سمجھیں گے۔ شیطان ان کے پاس آئے گا اور انہیں کہے گا تم میری بات نہیں مانتے۔ چنانچہ وہ انہیں بت پرستی کا حکم دے گا اور وہ بتوں کو پوجنا شروع کر دیں گے۔ اس حالت میں بھی ان کی روزی وافر اور معاش میں کشادگی ہوگی۔ پھر صور پھونکا جائے گا جو اسے سنے گا وہ اپنی گردن کی ایک جانب تو جھکائے گا اور دوسری جانب اٹھا دے گا (یعنی بے ہوش ہو جائے گا)۔ سب سے پہلے اسے جو آدمی سنے گا وہ اپنا حوض لیپ پوت رہا ہوگا (یعنی اچانک قیامت قائم ہو جائے گی)۔ وہ غش کھا کر گر پڑے گا۔ پھر ہر شخص بے ہوش ہو جائے گا پھر اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جو شبنم کی طرح ہوگی۔ اس سے لوگوں کے جسم اگ آئیں گے۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا۔ تو لوگ اٹھ کر بیٹھ جائیں گے اور ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے۔ پھر کہا جائے گا اے لوگو اپنے رب کی طرف چلو۔ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ (الصافات: 24) ''اور (اب ذرا) روک لو انہیں، ان سے باز پرس کی جائے گی)۔ پھر کہا جائے گا آگ کا حصہ نکال دو۔ عرض کیا جائے گا کتنے؟ ارشاد ہوگا ہر ہزار سے نوسو ننانوے۔ اس دن بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ اور پنڈلی سے پردہ سرکایا جائے گا (مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح میں روایت کیا ہے)(1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ دو نفخوں کے درمیان چالیس ہوں گے۔ عرض کی گئی اے ابوہریرہ کیا چالیس دن؟ آپ نے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا۔ عرض کی گئی چالیس سال؟ فرمایا میں نہیں کہہ سکتا عرض کی گئی چالیس ماہ؟ فرمایا میں نہیں کہہ سکتا اور انسان کی ہر چیز گل سڑ جائے گی مگر ریڑھ کی ہڈی۔ اسی سے مخلوق ترتیب دی جائے گی(2)۔ ابویعلی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نے جبریل سے پوچھا اس آیت میں جو استثناء ہے اس سے مراد کون لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بے ہوش کرنا نہیں چاہے گا۔ فرمایا شہداء یہ عرش کے اردگرد اپنی تلواریں لٹکائے ہوئے ہوں گے۔ فرشتے انہیں قیامت کے دن یاقوت کی اونٹنیوں پر محشر کی طرف لے جائیں گے۔ ان کے گدے ریشم سے بھی نرم ہوں گے۔ تا حد نگاہ ان کا ایک قدم ہوگا۔ وہ جنت میں سیر و سیاحت کریں گے پھر کہیں گے۔ چلو اپنے رب کی طرف تاکہ ہم دیکھیں کہ وہ اپنی مخلوق کے مابین کس طرح فیصلے کرتا ہے۔ اللہ رب العزت ان کی اس بات سے ہنس پڑے گا اور جب وہ کسی بندے پر کسی جگہ تبسم فرمالے اس کا حساب نہیں ہوگا(3)۔ اس کے کل راوی ثقہ ہیں مگر اسماعیل بن عیاش کے استاد غیر معروف ہیں، واللہ اعلم۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 166، مسلم کی حدیث سورۂ نمل کی آیت 87 میں گزر چکی ہے۔ 2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ زمر، جلد 8 صفحہ 552-551
3۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 250-249

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے فیصلے کے لئے آئے گا۔ حق تعالیٰ کی تجلی سے اس وقت ساری زمین جگمگا اٹھے گی۔

وَوُضِعَ الْکِتٰبُ یعنی نامہ اعمال لائے جائیں گے۔

وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اپنی امتوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رسالت ان تک پہنچادی تھی۔

وَالشُّھَدَآءِ یعنی بندوں کے نیک و بد اعمال کے محافظ فرشتے۔

وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ اور عدل وانصاف کے ساتھ ان کے درمیان فیصلے کئے جائیں گے۔

وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا ؕ وَاِنْ کَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِھَا ؕ وَکَفٰی بِنَا حٰسِبِیْنَ (انبیاء: 47) ''اور ہم رکھ دیں گے صحیح تولنے والے ترازو قیامت کے دن پس ظلم نہ کیا جائے کسی پر ذرہ بھر۔ اور اگر (کسی کا کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے۔ اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے''۔ اور فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَکُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْھَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا (نساء: 40) ''بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرہ برابر بھی۔ (بلکہ) اگر ہو معمولی سی نیکی تو دوگنا کر دیتا ہے اسے اور دیتا ہے اپنے پاس سے اجر عظیم''۔ اور فرمایا کہ ہر شخص کو اس کے بھلے برے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ وہ ہر شخص کے اعمال سے باخبر ہے۔

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی جَھَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْھَا فُتِحَتْ اَبْوَابُھَا وَقَالَ لَھُمْ خَزَنَتُھَآ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ رَبِّکُمْ وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰی وَلٰکِنْ حَقَّتْ کَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ۞ قِیْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ ۞

''اور ہانکے جائیں گے کفار جہنم کی طرف گروہ در گروہ۔ جب اس کے پاس آئیں گے تو کھول دیئے جائیں گے اس کے دروازے اور پوچھیں گے ان سے دوزخ کے پہریدار کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر تم میں سے جو پڑھ کر سناتے تمہیں تمہارے رب کی آیتیں اور ڈراتے تمہیں اس دن کی ملاقات سے کہیں گے بیشک آئے تھے لیکن ثبت ہو چکا تھا (لوحِ محفوظ میں) عذاب کا حکم کفار پر۔ انہیں کہا جائے گا داخل ہو جاؤ دوزخ کے دروازوں سے اس حال میں کہ تم ہمیشہ اس میں رہو گے۔ پس کتنا برا ٹھکانا ہے مغروروں کا''۔

بدنصیب کفار کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ کس طرح ذلت اور رسوائی سے آگ کی طرف ہانکے جائیں گے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَھَنَّمَ دَعًّا (طور: 13) ''اس روز انہیں دھکے دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا''۔ یعنی انہیں دھکے دیئے جائیں گے اور وہ پیاس سے تڑپ رہے ہوں گے۔ جیسے ایک اور آیت میں فرمایا: یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۞ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَھَنَّمَ وِرْدًا (مریم: 86) ''وہ دن جب ہم اکٹھا کریں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے حضور میں (معزز و مکرم مہمان بنا کر) اور

اس روز ہانک کرلائیں گے مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح''۔ اس حال میں وہ گونگے، بہرے، اندھے ہوں گے اور منہ کے بل گھسیٹے جارہے ہوں گے جیسے فرمایا: وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا (الاسراء:97) ''اور ہم اٹھائیں گے انہیں قیامت کے روز منہ کے بل اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب بھی سرد ہونے لگے گی (جہنم کی آگ) تو ہم ان کے لئے اس کی آنچ کو بڑھادیں گے''۔

قولہ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا...... یعنی ان کے قریب پہنچتے ہی دروازے جلدی سے کھول دیئے جائیں گے تاکہ فوراً ہی عذاب نار شروع ہو جائے۔ پھر وہاں کے محافظ فرشتے انہیں ڈانٹ کر اور جھڑک کر کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہاری ہی طرح کے رسول نہیں آئے تھے جن سے تم گفتگو کر سکتے اور اپنی تسلی کر سکتے۔ انہوں نے خدا کی آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائیں اور اپنے دعویٰ کی صحت پر دلیلیں قائم کیں اور اس دن کے شر سے تمہیں ڈرایا تو کفار انہیں کہیں گے ہاں یہ سچ ہے کہ وہ ہمارے پاس آئے تھے انہوں نے دلیلیں بھی قائم کیں۔

وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ لیکن ہم نے انہیں جھٹلایا اور ان کی مخالفت کی کیونکہ ہماری قسمت میں شقاوت تھی۔ اس لئے ہم حق سے ہٹ گئے اور باطل کے طرفدار بن گئے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: كُلَّمَاۤ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ۝۸ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ۙ۬ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۖۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ۝۹ وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (الملک:10-8) ''جب بھی اس میں کوئی جتھا جھونکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا۔ پس ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو (صاف صاف) کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری۔ تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔ وہ کہیں گے کاش! ہم (ان کی نصیحت کو) سنتے اور سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے''۔ وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کریں گے اور اظہار ندامت کریں گے: فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (الملک:11) ''پس (اس روز) اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے تو پھٹکار ہو اہل جہنم پر''۔ یعنی دوری اور خسارہ ہو۔

قولہ تعالیٰ قِيْلَ ادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ یعنی ہر وہ شخص جو انہیں دیکھے گا اور ان کی حالت معلوم کرے گا۔ ان کے بارے میں گواہی دے گا اور صراحۃً یہ کہہ اٹھے گا کہ بے شک یہ اسی عذاب کے مستحق ہیں۔ اسی لئے کہنے والے کا نام نہیں لیا گیا اور اسے مطلق چھوڑا گیا تاکہ اس بات کی دلیل ہو جائے کہ کائنات ان کے بارے میں گواہی دے گی کہ وہ اسی سزا کے حقدار تھے، جس طرح کہ اس عادل وخبیر نے ان کے بارے میں گواہی دی ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وہ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں گے نہ اس سے نکل سکیں گے اور نہ ہی یہ عذاب ان سے ختم ہوگا۔

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ یعنی کیا ہی برا ٹھکانہ اور انجام ہوگا۔ یہ ہے دنیا میں تمہارے تکبر اور حق کو قبول نہ کرنے کا بدلہ جس نے تمہیں اس برے مقام پر پہنچایا۔ کتنا ہی برا حال ہے اور کیا ہی عبرت ناک انجام ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝۷۳ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝۷۴

''اور لے جایا جائے گا انہیں جوڈرتے رہے تھے (عمر بھر) اپنے رب سے جنت کی طرف گروہ در گروہ۔ حتیٰ کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور جنت کے دروازے پہلے ہی کھول دیئے گئے ہوں گے تو کہیں گے انہیں جنت کے محافظ تم پر سلام ہو تم خوب رہے پس اندر تشریف لے چلو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ اور وہ (خوش بخت) کہیں گے ساری تعریفیں اس اللہ (کریم) کے لئے جس نے پورا فرمایا ہمارے ساتھ اپنا وعدہ اور وارث بنا دیا ہمیں اس (پاک) زمین کا، اب ہم ٹھہریں گے جنت میں جہاں چاہیں گے۔ پس کتنا عمدہ اجر ہے نیک کام کرنے والوں کا''

اب سعادت مند مؤمنین کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں اونٹنیوں پر سوار کر کے گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ پہلے مقربین پھر ابرار اور اسی طرح درجہ بدرجہ۔ ہر گروہ اپنے مناسب حال لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ انبیاء انبیاء کے ساتھ۔ صدیقین اپنے جیسوں کے ہمراہ۔ شہیدا اپنے جیسے لوگوں کے ساتھ، علماء اپنے ساتھیوں کی معیت میں، غرضیکہ ہر صنف اپنے ہم جنس لوگوں کے ساتھ ہوگی۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْهَا یعنی پل صراط عبور کرنے کے بعد جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے تو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک دیئے جائیں گے اور دنیا میں ایک دوسرے پر ان کے جو مظالم ہوں گے ان کا بدلہ لیا جائے گا۔ حتیٰ کہ جب وہ پاک صاف ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں داخلے کا حکم ملے گا۔ صور کی مفصل حدیث میں ہے کہ مؤمنین جب جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو آپس میں مشورہ کریں گے کہ سب سے پہلے کسے اجازت طلب کرنے کے لئے کہا جائے۔ چنانچہ وہ پہلے حضرت آدم پھر حضرت نوح، پھر حضرت ابراہیم، پھر حضرت موسیٰ، پھر حضرت عیسیٰ علیہم السلام پھر حضرت محمد ﷺ کے پاس آئیں گے، جیسے میدان حشر میں شفاعت طلب کرنے کے موقع پر انہوں نے کیا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ جناب احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا شرف تمام لوگوں پر موقعہ بموقعہ ظاہر ہو جائے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں جنت کے بارے میں پہلا سفارشی ہوں گا۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے الفاظ میں ''میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا'' (1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر آ کر دروازہ کھلوانا چاہوں گا۔ خازن جنت یہ پوچھے گا کہ آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا محمد (ﷺ)۔ وہ کہے گا مجھے یہی حکم تھا کہ آپ کی تشریف آوری سے قبل جنت کا دروازہ کسی کے لئے نہ کھولوں۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلی جماعت جو سب سے پہلے جنت جائے گی ان کے چہرے چودہویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ تھوک، رینٹ اور پیشاب کی حاجت یہاں نہیں ہوگی۔ ان کے برتن اور سامان آرائش سونے اور چاندی کا ہو گا۔ ان کی انگیٹھیوں میں بہترین اگر خوشبو دے رہا ہوگا۔ ان کا پسینہ کستوری کی طرح ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی۔ جن کی پنڈلی کا گودا بوجہ حسن ولطافت گوشت کے پیچھے سے نظر آ رہا ہوگا۔ ان کے درمیان اختلاف اور نفرت نہ ہوگی۔ ان کے دل ایک جیسے ہوں گے یعنی جس طرح ایک شخص کا دل ہوتا ہے۔ صبح وشام اللہ کی تسبیح کریں گے۔ بخاری، مسلم اور ابو الزناد رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے (3)۔ مسند ابو یعلی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے جو جماعت جنت میں جائے گی ان کے چہرے

1۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 188 2۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 316، مسلم کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 188

3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مریم آیت 62، نیز مسند، جلد 2 صفحہ 316

چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گے۔ اس کے بعد والی جماعت کے چہرے آسمان پر بہترین چمکتے ستارے کی طرح (اس کے بعد اوپر والی روایت کی طرح بیان ہوا ہے اور یہ بھی ہے کہ) وہ اپنے باپ آدم کی طرح ہوں گے ان کا قد ساٹھ ہاتھ ہوگا(1)۔ شیخین کی ہی ایک اور روایت میں ہے کہ میری امت کی ایک جماعت جس کی تعداد ستر ہزار ہوگی، جنت میں سب سے پہلے جائیں گے ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ مجھے ان سے کر دے۔ آپ ﷺ نے دعا کی اے اللہ! انہیں بھی انہی سے کر دے۔ پھر ایک انصاری نے بھی اٹھ کر یہی دعا کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا عکاشہ تم پر سبقت لے گیا(2)۔ ستر ہزار افراد کے بغیر حساب و کتاب جنت میں داخلے کی روایت کو بخاری و مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس، جابر بن عبداللہ، عمران بن حصین، ابن مسعود، رفاعہ بن عرابہ جہنی اور ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ شیخین نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے ستر ہزار یا سات لاکھ افراد جنت جائیں گے۔ اس طرح کہ سب ایک ہی بار جنت میں قدم رکھیں گے۔ ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح تاباں ہوں گے(3)۔ ابن ابی شیبہ نے ابوامامہ باہلی سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار جنت جائیں گے اور ہر ستر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔ جن سے حساب و کتاب وعذاب نہیں ہوگا اور میرا رب تین چلو بھر کر جنت پہنچائے گا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے(4)۔ اس روایت کی تائید متعدد روایات سے ہوتی ہے(5)۔

اور آیت کریمہ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡهَا...... کا جواب یہاں مذکور نہیں۔ تقدیر عبادت یوں ہے کہ جب وہ جنت کے پاس آئیں گے، ان کی عزت و تکریم کرتے ہوئے دروازے کھول دیئے جائیں گے جنت کے خازن فرشتے انہیں بشارت سنائیں گے۔ انہیں سلام کہیں گے۔ ان کی تعریف ہوگی۔ دوسری طرف دوزخ کے فرشتے کفار کو ڈانٹ کر ملیں گے اور گناہوں پر عار دلائیں گے۔ جواب کو یہاں عموم کے لئے محذوف رکھا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت وہ سعادت مند ہوں گے۔ خوشی، آرام اور راحت میں ہوں گے۔ جب جواب محذوف ہے تو ذہن میں ہر طرح کی آس اور امید بندھ جاتی ہے۔

وَفُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جنت کے ساتھ واؤ آٹھویں ہے اور اس سے استدلال کیا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ انہوں نے بے کار مشقت اٹھائی ہے اور تکلف سے کام لیا ہے۔ جنت کے آٹھ دروازوں کا ثبوت تو صحیح احادیث میں ہے(6)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے مال میں سے دو جوڑے(7) اللہ کی راہ میں خرچ کرے اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا اور جنت کے کئی دروازے ہیں۔ نمازی کو باب الصلاۃ سے، صدقہ دینے والے کو باب الصدقہ سے، مجاہد کو باب الجہاد سے، روزہ دار کو باب الریان سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

1۔ مسند ابی یعلی، جلد 5 صفحہ 399، بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 362، مسلم کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2179

2۔ دیکھئے سورۂ آل عمران بر آیت: 110

3۔ ایضاً مرجع سابق

4۔ المعجم الکبیر، جلد 17 صفحہ 127-126

5۔ حدیث ثوبان کے لئے دیکھئے المعجم الکبیر، جلد 2 صفحہ 92 اور روایت ابوسعید انماری کے لئے دیکھئے المعجم الکبیر، جلد 22 صفحہ 305-304

6۔ آلوسی: روح المعانی، جلد 24، صفحہ 34، ابن ہشام: المغنی (401)

7۔ زمانہ جاہلیت میں مال کا لفظ بول کر اونٹ مراد لئے جاتے تھے اس روایت میں یہ لفظ مطلق ہے اس سے مراد کوئی سی دو چیزیں ہیں۔ خواہ وہ کسی کا مال ہو بشرطیکہ اسے خرچ کیا جا سکتا ہو

نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! گو اس بات کی ضرورت نہیں کہ کس دروازے سے پکارا جائے کیا کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جسے سب دروازوں سے پکارا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم انہی سے ہوگے۔ بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(1)۔ بخاری و مسلم میں ہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں آٹھ دروازے ہیں جس میں سے ایک کا نام باب الریان ہے۔ اس سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے(2)۔ صحیح مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر یہ کہتا ہے "أشهد أن لا إله الا الله وأن محمدا عبده ورسوله" اس کے لئے جنت کے آٹھ دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جس سے چاہے چلا جائے(3)۔ حسن بن عرفہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا: جنت کی کنجی لا إله إلا الله ہے۔

جنت کے دروازوں کی وسعت کا بیان

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی جنت نصیب فرمائے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی شفاعت کی مفصل حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد! اپنی امت سے جن پر حساب نہیں انہیں دائیں دروازے سے جنت میں لے جاؤ۔ لیکن دیگر دروازوں میں بھی وہ لوگوں کے ساتھ شریک ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! جنت کے دروازے کے دو کواڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور ہجر میں (ایک روایت میں مکہ اور بصرہ کے مابین کے الفاظ آئے ہیں)"(4)۔ صحیح مسلم میں عتبہ بن غزوان سے مروی ہے کہ آپ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا کہ اس کے دروازے کے دونوں کواڑوں کی مسافت چالیس برس کی راہ ہے۔ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ جنت کھچا کھچ بھر جائے گی(5)۔ مسند میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت کی چوکھٹ چالیس سال کی راہ ہے(6)۔

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ یعنی تمہارے اعمال و اقوال اور تمہاری کوشش اور جزاء اچھی ہو۔ جس طرح کسی غزوہ کے موقعہ پر حضور ﷺ نے منادی کو یہ ندا کرنے کا حکم دیا کہ جنت میں صرف مسلمان ہی جائیں گے یا فرمایا تھا صرف مؤمن ہی(7)۔

خٰلِدِيْنَ تم اس میں ہمیشہ رہو گے یہاں سے نکالے نہ جاؤ گے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ...... جنت کی سرمدی نعمتوں کو دیکھ کر بلا اختیار وہ پکار اٹھیں گے۔

وعدے سے مراد وہ وعدہ ہے جو اللہ نے اپنے رسولوں کی مبارک زبان سے فرمایا۔ ان کی دعا دنیا میں اس طرح تھی: رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آل عمران: 194) اور وہ کہیں گے: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ (فاطر: 35-34)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 268، فتح الباری، کتاب الصوم، جلد 4 صفحہ 111 نیز دیکھئے کتاب فضائل صحابہ، جلد 7 صفحہ 19، مسلم: کتاب الزکوۃ، جلد 2 صفحہ 712-711

2۔ متفق علیہ، کتاب الصوم، فتح الباری، جلد 4 صفحہ 111، مسلم، جلد 2 صفحہ 808

3۔ مسلم، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 210

4۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ الاسراء، جلد 8 صفحہ 396، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 186

5۔ مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2279-2278، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 3

6۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 29

7۔ نسائی کتاب الحج، جلد 5 صفحہ 234، تحفۃ الاشراف، جلد 10 صفحہ 18

وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ ...... ابوالعالیہ، ابوصالح، قتادہ، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ جنت کی سرزمین۔ اس کی مثل یہ آیت ہے: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُونَ (انبیاء:105)۔

نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ یعنی جہاں ہماری مرضی ہو ہم اتر سکتے ہیں۔ ہمارے اعمال کا کتنا اچھا اجر ہے۔

صحیحین میں واقعہ معراج میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " مجھے جنت میں لے جایا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے خیمے لؤلؤ اور مٹی کستوری ہے(1)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صائد سے جنت کی مٹی کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: " سفید اور خالص مشک کی طرح۔" یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا یہ سچا ہے۔ مسلم کی ہی ایک روایت میں ہے کہ ابن صائد نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنت کے دروازے پر پہنچ کر وہ ایک درخت کو دیکھیں گے جس کے تنے سے دو نہریں پھوٹ رہی ہوں گی۔ وہ ایک میں غسل کریں گے تو اس کے بعد ان کے چہرے کی چمک کبھی تبدیل نہیں ہوگی۔ ان کے بال اس طرح ہو جائیں گے جیسے ان میں تیل لگا ہو۔ پھر دوسری کی طرف جائیں گے۔ گویا کہ ان سے کہہ دیا گیا ہو وہ اس کا پانی پئیں گے تو ان کے پیٹوں کی گندگی اور غلاظت ختم ہو جائے گی اور جنت کے دروازے پر فرشتے انہیں سلام کہیں گے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس غلمان آئیں گے اور بچوں کی طرح ان کے گرد چکر لگائیں گے۔ غیب سے آواز آئے گی تمہارے لئے خوشخبری ہو اللہ نے تمہارے لئے یہ یہ انعام تیار کر رکھے ہیں۔ ان میں سے ایک غلام حورعین میں سے اس کی بیویوں کے پاس جا کر کہے گا کہ تمہیں مبارک ہو فلاں صاحب آ گئے۔ وہ کہیں گی تم نے اسے دیکھا ہے۔ وہ کہے گا ہاں۔ یہ سن کر وہ خوشی سے جھوم اٹھیں گی اور دروازے پر آ کر کھڑی ہو جائیں گی۔ چنانچہ وہ آ کر دیکھے گا کہ گدے لگے ہوئے ہیں۔ آبخورے رکھے ہوئے ہیں اور قالین بچھے ہوئے ہیں۔ اب اس کی نگاہ دیواروں پر پڑے گی تو وہ دیکھے گا کہ اس کی بنیادیں سرخ، سبز، زرد، سفید اور قسم قسم کے رنگ برنگے موتیوں سے بنی ہوئی ہیں۔ پھر وہ چھت کی طرف نگاہ اٹھائیگا تو اس کی چمک اس طرح ہوگی کہ آنکھوں کو خیرہ کر دے۔ پھر وہ اپنی بیویوں کی طرف دیکھے گا اور اپنے پلنگوں میں سے کسی پلنگ پر تکیہ لگائے گا۔ اور کہے گا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدٰنَا...... (اعراف:43)(3)۔ ایک اور حدیث میں ابومعاذ بصری سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ جب وہ اپنی قبروں سے باہر آئیں گے ان کا استقبال کیا جائے گا اور ان کے لئے پروں والی اونٹنیاں لائی جائیں گی جس پر سونے کے کجاوے ہوں گے۔ ان کی جوتیوں کے تسمے نور سے چمک رہے ہوں گے۔ ان اونٹنیوں کا ہر قدم تا حد نگاہ پڑے گا۔ وہ ایک درخت کے پاس پہنچیں گے جس کے نیچے سے دو نہریں نکلتی ہیں۔ وہ ایک سے پانی پئیں گے تو ان کے پیٹ کی تمام میل کچیل صاف ہو جائے گی۔ دوسری نہر سے غسل کریں گے تو ان کے چہرے اور بال کبھی پراگندہ نہ ہوں گے۔ وہ جنت کے دروازے پر آئیں گے کیا دیکھیں گے کہ اس میں سرخ یاقوت کا ایک حلقہ ہے جو سونے کی تختیوں پر آویزاں ہے۔ وہ اسے ہلائیں گے تو ایک خوبصورت آواز پیدا ہوگی۔ اے علی! جس کو سن کر ہر حور سمجھ لے گی کہ اس کا خاوند آ گیا۔ وہ دربان کو بھیجے گی کہ جاؤ دروازہ کھولو۔ اس دربان کو دیکھتے ہی وہ سجدہ میں گر پڑے گا۔ وہ دربان کہے گا سر اٹھاؤ میں تو تمہارا

1۔ سورۂ اسراء کی ابتداء میں یہ حدیث گزر چکی ہے 2۔ مسلم کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 2243

3۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 264-263، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 13 صفحہ 114-112

ماتحت ہوں۔تمہارے اوامر کو بجالانے کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔وہ اس کے ساتھ جائے گا۔جب یہ درّ یاقوت کے اس خیمے کے پاس پہنچے گا تو وہ حور دوڑ کر اسے گلے لگا لے گی اور کہے گی تو میرا محبوب ہے اور میں تیری محبوبہ ہوں میں ہمیشہ زندہ رہوں گی مجھے کبھی موت نہیں آئے گی۔میں نعمتوں والی ہوں فقر وافلاس سے دور ہوں۔میں راضی ہوں کبھی ناراض ہونے والی نہیں۔میں ہمیشہ مقیم رہنے والی ہوں کبھی کوچ نہیں کروں گی۔پھر وہ گھر میں داخل ہوگا جس کی چھت ایک لاکھ ہاتھ بلند ہوگی۔اس کی دیواریں انواع واقسام کے رنگ برنگے موتیوں کی ہوں گی۔اس گھر میں ستر تخت ہوں گے۔ہر تخت پر ستر چھولداریاں ہوں گی۔اوران میں سے ہر بستر پر ستر حوریں ہوں گی۔ہر حور نے ستر جوڑے زیب تن کر رکھے ہوں گے۔ان حلوں کے نیچے سے اس کی ہڈیوں کا گودا نظر آئے گا۔ان کے ایک جماع کا انداز ایک پوری رات کا ہوگا۔ان کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن کا پانی کبھی بدبودار نہیں ہوتا۔صاف شفاف رہتا ہے۔دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا۔ایسا دودھ جو کسی جانور کے تھن سے نہیں نکلا اور شراب کی نہریں ہوں گی جو بہت لذیذ ہوگی۔جسے مردوں نے کشید نہیں کیا اور صاف شہد کی نہریں ہوں گی جو مکھیوں کے پیٹ سے نہیں نکلا۔وہ پھل چن سکے گا اگر چاہے تو کھڑے کھڑے اور اگر چاہے بیٹھے بیٹھے اور اگر چاہے تو ٹیک لگا کر۔پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا (الدہر:14)۔اس کو کھانے کی خواہش ہوگی تو سبز یا سفید پرندے اس کے پاس آ کر اپنا پر اٹھا دیں گے۔یہ جس پہلو کا چاہے گا گوشت کھائے گا۔پھر وہ پرندہ اڑ جائے گا پھر فرشتہ اس کے پاس آ کر کہے گا: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ (قصص:55) اگر کسی حور کا ایک بال زمین پر آ جائے تو وہ اپنی چمک سے سورج کو بھی ماند کر دے۔یہ حدیث غریب ہے گویا کہ مرسل ہے۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

"اور (اے حبیب!) آپ دیکھیں گے فرشتوں کو حلقہ باندھے کھڑے ہوں گے عرش کے اردگرد تسبیح پڑھ رہے ہوں گے اپنے رب (جلیل) کی حمد کے ساتھ۔اور فیصلہ کر دیا گیا ہوگا ان کے درمیان حق کے ساتھ اور کہا جائے گا سب تعریفیں اللہ کے لئے جو رب العلمین ہے"۔

اہل جنت اور اہل جہنم کا ذکر کرنے کے بعد جب ہر ایک کو اس کے مناسب حال ٹھکانے پر پہنچایا جا چکا ہوگا اور وہ اس معاملے میں عادل بھی ہے، ظلم وجور سے کام نہیں لیتا، اپنے ملائکہ کے بارے میں بتایا کہ وہ عرش مجید کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں۔اپنے رب کی حمد وستائش، بزرگی اور بڑائی بیان کر رہے ہیں۔نقائص وعیوب اور ظلم وجور سے اس کی تقدیس وتنزیہ بیان کر رہے ہیں، مسئلے کا فیصلہ ہو چکا، حکم دے دیا گیا، عدل وانصاف کا بول بالا ہو چکا۔اسی لئے فرمایا: وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ یعنی مخلوق کے درمیان۔اس کائنات کی ہر چیز ناطق وحیوان یہ پکار اٹھے گی کہ وہی رب العالمین ہے جس نے حق اور عدل وانصاف سے فیصلہ فرمایا۔یہاں مجہول کا صیغہ لا کر فاعل کو عام کر دیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ ساری مخلوق حمد وثنا کے ساتھ اس کی گواہی دے گی۔حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خلق کی پیدائش کی ابتدا بھی حمد سے ہے ارشاد ہوتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (انعام:1) اور مخلوق کی انتہا بھی حمد سے ہے ارشاد ہوتا ہے: وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

سورۂ غافر (المؤمن)

بعض سلف سے منقول ہے کہ جن سورتوں کی ابتداء حٰم سے ہوتی ہے انہیں حوامیم کہنا مکروہ ہے بلکہ آل حم کہنا چاہئے۔ حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آل حم قرآن مجید کا دیباچہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے اور قرآن کریم کا دروازہ آل حم ہے یا فرمایا حوامیم ہیں۔ حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سورتوں کو عرائس کہا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ امام عالم ابوعبید قاسم بن سلام نے اپنی کتاب فضائل القرآن میں ذکر کیا ہے۔ حمید بن زنجویہ نے حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے کسی اچھے مکان کی تلاش میں نکلا تو اس کا گزر ایسی جگہ سے ہوا جہاں تازہ بارش ہوئی تھی۔ وہ حیرانی کے عالم میں آگے چل رہا تھا کہ تروتازہ لہلہاتے ہوئے باغات کے پاس جا پہنچا۔ وہ کہنے لگا میں تو پہلی بارش سے متعجب تھا ہی یہ تو اس سے بھی عجیب ہے۔ اسے کہا گیا پہلی بارش کی مثال قرآن کریم کی عظمت کی مثال ہے اور ان باغیچوں کی مثال اس طرح ہے جیسے قرآن میں حم والی سورتیں۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

ابن لہیعہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہر چیز کا دروازہ ہے اور قرآن کا دروازہ حوامیم ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جب میں دوران تلاوت حم والی سورتوں پر پہنچتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں ہرے بھرے پھلے پھولے باغیچوں کی سیر کر رہا ہوں۔ ایک شخص نے حضرت ابودرداء رحمۃ اللہ علیہ کو مسجد بناتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کیا؟ فرمایا کہ میں اسے حم والی سورتوں کے لئے بنا رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ یہ مسجد وہی ہو جو دمشق کے قلعہ کے اندر ہے اور آپ ہی کے نام سے منسوب ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی حفاظت ابودرداء کی نیک نیتی اور جس وجہ سے یہ مسجد بنائی گئی تھی اس کی برکت کے باعث ہو۔ اس کلام میں دشمنوں پر فتح و نصرت کی بھی دلیل ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی غزوۂ میں اپنے اصحاب سے فرمایا تھا اگر تم رات کو حملہ کرو تو یوں کہو حٰم لا ینصرون (اور ایک روایت میں ہے) لا تنصرون (1)۔ حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے آیت الکرسی اور سورۂ حٰم (المؤمن) کا ابتدائی حصہ پڑھ لیا تو اس دن ہر برائی سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور اہل علم نے اس کے ایک راوی پر جرح بھی کی ہے (2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝٢ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝٣

1۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 65، جلد 5 صفحہ 377 ابوداؤد اور ترمذی نے اسے کتاب الجہاد میں روایت کیا ہے۔ سنن ابوداؤد، جلد 3 صفحہ 23، عارضۃ الاحوذی، جلد 7، صفحہ 179-178

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11 صفحہ 11-10

''حا۔میم اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا سخت سزا دینے والا۔فضل وکرم فرمانے والا ہے۔نہیں کوئی معبود اس کے سوا۔اسی کی طرف (سب نے) لوٹنا ہے''۔

حروف مقطعات کی بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔اس کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔ایک قول ہے کہ حٰم اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے اور اس کے لئے بطور استشہاد وہ یہ شعر بھی پیش کرتے ہیں(1):

يذكرنی حم والرمح شاجر فهلا تلا حٰم قبل التقدم

ترجمہ:۔یعنی یہ مجھے حم یاد دلاتا ہے جبکہ نیزہ تن چکا تھا۔پھر اس سے پہلے ہی اس نے حٰم کیوں نہ کہہ دیا۔

ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم رات کو حملہ کرو تو کہو حم لا ينصرون اس کی سند صحیح ہے(2)۔ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ حم لا ينصروا کہنا چاہئے یعنی اگر تم یوں کہو گے تو انہیں فتح نہیں ہوگی اور قول صرف حٰم رہا۔لا ينصروا کو فقولوا کی جزاء قرار دیا ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ یعنی قرآن مجید اس اللہ کی طرف سے ہے جو عزت اور علم والا ہے۔اس کی جناب ہر بے ادبی سے پاک ہے۔کوئی ذرہ بھی اس پر مخفی نہیں خواہ وہ کتنے ہی پردوں میں کیوں نہ ہو۔

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ یعنی سابقہ گناہوں کو بخشنے والا اور مستقبل میں توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرنے والا ہے جو توبہ کرے اور اس کی طرف جھکے۔

شَدِيْدِ الْعِقَابِ شدید سزا دینے والا ہے اسے جو سرکشی کرے، دنیوی زندگی کو ترجیح دے۔اللہ کے اوامر کو بجالانے سے سرکشی کرے اور بغاوت پر اتر آئے۔جس طرح ایک اور آیت میں آتا ہے: نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (الحجر:50-49)۔ان دونوں اوصاف کو قرآن کریم میں متعدد جگہ ملایا گیا ہے تاکہ بندہ خوف ورجا کی حالت میں رہے۔

ذِي الطَّوْلِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ وسعت اور غنیٰ والا ہے۔مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔یزید الاصم نے اس سے مراد خیر کثیر لیا ہے۔عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ذی المنّ (احسان کرنے والا)۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ذی النعم و الفواضل (بے شمار انعامات اور احسانات والا) اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں پر اس قدر انعام واحسان کرنے والا ہے کہ وہ اس میں سے ادنیٰ احسان کا شکر یہ ادا کرنے سے بھی قاصر ہیں۔وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ تمام صفات میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔اس کے سوا کوئی رب نہیں۔اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔

وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ابوبکر عیاش رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی اے امیر المؤمنین! میں نے کسی کو قتل کر دیا ہے کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی۔حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ

1۔طبری نے تفسیر میں اسے شریح بن اوفی عبسی کی طرف منسوب کیا ہے، جلد 24 صفحہ 39، نیز دیکھئے کتاب نسب قریش (281)، اسد الغابۃ، جلد 5 صفحہ 98

2۔سورۂ کی ابتدا (مقدمہ) میں اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

الْكِتٰبِ سے الْعِقَابِ تک اور فرمایا عمل کرتا جا اور مایوس نہ ہو۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ الفاظ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں(1)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن الأصم سے روایت کیا ہے کہ اہل شام میں سے ایک آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کرتا تھا۔ آپ نے کافی عرصہ تک اسے نہ دیکھا تو فرمایا: فلاں بن فلاں کو کیا ہوا؟ تو لوگوں نے عرض کی امیر المؤمنین اس نے مے نوشی شروع کر دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سیکرٹری کو بلایا اور کہا لکھو یہ خط ہے عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں بن فلاں کے نام۔ بعد از سلام میں تیرے سامنے اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ گناہوں کو بخشنے والا ہے، توبہ قبول کرنے والا، سخت ترین عذاب اور بدترین سزا دینے والا ہے۔ بہت بڑے احسان والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ یہ خط بھجوا کر اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اپنے بھائی کے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو متوجہ کر دے اور اس کی توبہ قبول کر لے۔ جب اس شخص کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط ملا تو وہ اسے پڑھنے اور بار بار دہرانے لگا۔ اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے عذاب سے ڈرایا بھی ہے اور اپنی رحمت کی امید دلا کر بخشش کا وعدہ بھی کیا ہے۔ حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ وہ اسے بار بار دہرانے لگا۔ پھر روتا رہا اور شراب سے توبہ کی اور اس پر قائم بھی رہا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ملی تو فرمایا جب تم اپنے کسی بھائی کو دیکھو کہ اس نے لغزش کھائی ہے تو اسے سیدھا کرو اور مضبوط کرو اور اللہ سے دعا کرو کہ اس کی توبہ قبول فرمائے اور اس کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت بنانی سے روایت کیا ہے کہ میں مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ کے گردونواح میں تھا۔ میں نے ایک باغ میں جا کر دو رکعت نماز نفل شروع کی۔ میں نے حم المؤمن شروع کی اور اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ تک پہنچا۔ تو ایک شخص نے جو خچر پر سوار تھا اس پر یمنی چادریں تھیں۔ میرے پیچھے سے آواز دی جب غافر الذنب کہو تو یوں پڑھو یا غافر الذنب اغفرلی ذنبی۔ اور جب قابل التوب پڑھو تو کہو یا قابل التوب اقبل تو بتی اور جب شَدِیْدِ الْعِقَابِ پر پہنچو تو کہو یا شدید العقاب لا تعاقبنی۔ فرماتے ہیں میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کسی کو نہ پایا۔ نماز سے فارغ ہو کر میں دروازے پر پہنچا اور لوگوں سے پوچھا ابھی کوئی آدمی گزرا ہے جس پر یمنی چادریں تھیں؟ وہ کہنے لگے ہم نے کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ یہ خیال کر رہے تھے کہ یہ حضرت الیاس علیہ السلام تھے۔

یہ روایت ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ اس میں حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَ هَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَ جٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ وَ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝

"نہیں تنازعہ کیا کرتے اللہ کی آیتوں میں مگر کافر پس نہ دھوکہ میں ڈالے تمہیں ان لوگوں کا (بڑے کروفر سے) آنا جانا مختلف

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 41 2۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 271-270، حلیۃ الاولیاء، جلد 4 صفحہ 98-97

شہروں میں۔ جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے اور کئی (دوسرے) گروہوں نے ان کے بعد۔ اور قصد کیا ہر امت نے اپنے رسول کے متعلق کہ اسے گرفتار کرلیں اور جھگڑتے رہے (اس کے ساتھ) ناحق، تاکہ جھٹلا دیں اس کے ذریعے حق کو پس میں نے پکڑ لیا انہیں۔ پس کتنا شدید تھا میرا عذاب۔ اور اسی طرح واجب ہو گیا اللہ کا فیصلہ کفار پر کہ وہ دوزخی ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حق واضح ہونے کے بعد اس کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو اللہ کی آیات کے منکر ہیں۔

فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ یعنی مال و منال اور چکا چوند۔ جیسے فرمایا: لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (آل عمران: 97-196) اور فرمایا: نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ (لقمان: 24)۔ پھر اپنے پیارے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کی تکذیب پر نہ گھبرانا یہ سابقہ انبیاء کا اُسوہ ہے۔ ان کی امتوں نے انہیں جھٹلایا۔ ان کی مخالفت کی اور بہت کم لوگ ان میں سے ایمان لائے۔ حضرت نوح علیہ السلام جو بنی آدم میں سب سے پہلے رسول تھے اللہ نے آپ کو بتوں کی عبادت سے روکنے کے لئے مبعوث فرمایا تھا اور اس کے بعد بھی ہر ایک امت اپنے انبیاء کو جھٹلاتی رہی بلکہ اسے قید کرنا اور مار ڈالنا چاہا۔ اور بعض نے تو اپنے رسولوں کو قتل بھی کر دیا اور اپنے باطل شبہات سے واضح حق کو حقیر کر دینا چاہا۔ ابو القاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے حق کو کمزور کرنے کے لئے باطل کی مدد کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اس سے بری الذمہ ہیں (1)۔

فَأَخَذْتُهُمْ ان کے سخت ترین گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا۔ تو آپ کو کیا خبر ملی ہے کہ میرا انہیں عذاب کتنا سخت دردناک اور تکلیف دہ تھا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اللہ کی قسم! یہ عذاب بہت سخت تھا۔

وَكَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى..... یعنی جس طرح سابقہ امتوں میں سے جھٹلانے والوں پر عذاب ثابت ہو گیا تھا، اسی طرح اس امت میں سے جو لوگ آپ کی مخالفت کرتے ہیں ان کا انجام بھی بدرجہ اولیٰ ان جیسا ہی ہوگا کیونکہ جو آپ کی تکذیب کرے تو اس کی دوسروں کی تصدیق کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿٧﴾ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٨﴾ وَ قِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٩﴾

''جو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں عرش کو اور وہ جو عرش کے اردگرد (حلقہ زن) ہیں وہ تسبیح کرتے ہیں حمد کے ساتھ اپنے رب کی اور ایمان رکھتے ہیں اس پر اور استغفار کیا کرتے ہیں ایمان والوں کے لئے۔ (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو گھیرے ہوئے ہے ہر شے کو (اپنی) رحمت اور علم سے۔ پس بخش دے انہیں جنہوں نے (کفر سے) توبہ کی ہے اور پیروی کی ہے

1۔ المعجم الکبیر، جلد 11 صفحہ 216-215

تیرے راستہ کی اور بچالے انہیں عذاب جہنم سے۔اے ہمارے رب! واخل فرما انہیں سدا بہار باغوں میں۔جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور جو قابل بخشش ہیں ان کے والدین، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے۔ بیشک تو ہی سب سے زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ اور بچالے انہیں سزاؤں سے۔ اور جس کوتو بچالے سزاؤں سے اس دن تو گویا تو نے بڑی رحمت فرمائی اس پر۔ اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی''۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ عرش کو اٹھانے والے ملائکہ چار ہیں اور ان کے اردگرد کروبیان فرشتے گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔سب اس کی تسبیح و تقدیس کے ترانے گا رہے ہیں وَيُؤْمِنُونَ بِهٖ اس کے سامنے خشوع و خضوع ظاہر کر رہے ہیں۔اہل زمین میں سے جو لوگ غیب پر ایمان لائے ہیں، ان کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مقربین ملائکہ کو مقرر فرمایا کہ وہ مومنین کے لئے پیٹھ پیچھے دعا کیا کریں۔ ملائکہ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ مومن کی اپنے بھائی کے لئے دعا پر آمین کہتے ہیں جس طرح کہ صحیح مسلم میں ہے کہ جب مسلمان اپنے بھائی کے لئے اس کی عدم موجودگی میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے۔اور اس کے لئے یہ دعا کرتا ہے کہ خدا تجھے بھی اس کے مثل عطا فرمائے جو تو اپنے مسلمان بھائی کے لئے مانگ رہا ہے(1)۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا امیہ بن ابی الصلت نے اپنے اس شعر میں سچ کہا ہے وہ کہتا ہے:

رَجُلٌ وَثَوْرٌ تَحْتَ رِجْلِ يَمِينِهٖ وَالنَّسْرُ لِلْأُخْرٰى وَلَيْثٌ مُرْصَدُ (2)

یعنی حاملین عرش چار فرشتے ہیں دو دائیں طرف اور دو دوسری طرف یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ سچ ہے۔'' پھر اس نے کہا:

والشمسُ تَطْلُعُ كلّ آخر ليلةٍ حَمْراءُ يُصْبِحُ لَوْنُها يَتَوَرَّدُ
تَأْبٰى فَمَا تَطْلُعُ لَنَا فِي رِسْلِهَا إِلَّا مُعَذَّبَةً وَإِلَّا تُجْلَدُ (3)

ترجمہ:۔سورج ہر رات کے آخر میں سرخ رنگ میں طلوع ہوتا ہے پھر اس کا رنگ گلابی ہو جاتا ہے۔اپنی ہیئت میں کبھی صاف ظاہر نہیں ہوتا بلکہ روکھا پھیکا ہی رہتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا یہ سچ ہے(4) (اس کی اسناد عمدہ ہے)۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ حاملان عرش چار ہیں اور قیامت کے دن ان کی تعداد آٹھ ہو جائے گی جیسے فرمایا: وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ (حاقہ: 17)۔لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت کے مفہوم اور اس حدیث کے مطلب کو کس طرح جمع کیا جائے؟ اور اس حدیث کو جسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں بطحاء میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ تھا۔ایک بادل کا ٹکڑا گزرا۔اسے دیکھ کر سرکار ﷺ نے پوچھا اس کا کیا نام ہے؟ صحابہ نے عرض کی ''سحاب'' (ابر)۔آپ ﷺ نے فرمایا اور اسے مزن بھی کہتے ہو؟ عرض کی ہاں۔فرمایا اور عنان بھی؟ عرض کیا ہاں۔صحابہ نے عرض کی ہاں۔آپ ﷺ نے پوچھا زمین و آسمان کے مابین کتنا فاصلہ ہے؟ عرض کیا معلوم نہیں۔فرمایا اکہتر، بہتر یا تہتر سال کا فاصلہ پھر اس سے اوپر کا آسمان پہلے آسمان سے اتنے ہی فاصلے پر ہے۔اسی طرح

1۔مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 2094

2۔یہ شعر خزانۃ الادب، جلد 2 صفحہ 248 میں ہے۔بغدادی کا قول ہے کہ حاملان عرش فرشتے آٹھ ہیں۔رَجُلٌ ثَوْرٌ، نَسْرٌ، اَسَدٌ.....الخ) اسکے علاوہ مزید تفصیلات بھی مذکور ہیں

3۔پہلے مصرعے کی ایک اور روایت بھی ہے

ليست بطالعة لهم فى رِسْلِهَا إِلَّا مُعَذَّبَةً والا تُجْلَدُ (دیکھئے الشعر والشعراء، جلد 1 خ صفحہ 460)

4۔مسند احمد، جلد 1 صفحہ 256

ساتوں آسمانوں کا ذکر فرمایا۔ پھر ساتویں آسمان سے اوپر ایک سمندر ہے جس کی گہرائی اتنی ہے جتنی دو آسمانوں کے درمیان فاصلہ۔ پھر اس سے اوپر آٹھ پہاڑی بکرے ہیں جن کے کھر سے گھٹنے کا فاصلہ بھی اسی قدر ہے۔ ان کی پشت پر خدائے تعالیٰ کا عرش ہے جس کی اونچائی بھی اسی قدر ہے پھر اس کے اوپر اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام ہے۔ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمھم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے(1)۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتوں کی تعداد آٹھ ہے۔ جس طرح شہر بن حوشب کا قول ہے کہ حاملان عرش آٹھ ہیں ان میں سے چار کی تسبیح یہ ہے: سبحانك اللهم وبحمدك لك الحمد على حلمك بعد علمك (یعنی اے رب تو پاک ہے تیرے لئے حمد و ثناء ہے کہ تو جاننے کے باوجود بردباری کرتا ہے)۔ دوسرے چار کی تسبیح یہ ہے: (سبحانك اللهم وبحمدك لك الحمد على عفوك بعد قدرتك)۔ اے اللہ تو پاک ہے حمد و بزرگی تیرے ہی لئے ہے کیونکہ تو ہی قدرت کے باوجود درگزر کرتا ہے۔ اسی لئے مؤمنوں کے استغفار کے وقت وہ یہی کہتے ہیں: رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا یعنی تیری رحمت ان کی خطاؤں اور گناہوں کو محیط ہے اور تیرا علم ان کے تمام اعمال، اقوال اور حرکات و سکنات کو محیط ہے۔

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا...... تو خطاکاروں سے درگزر فرما جب وہ توبہ کریں تیری طرف جھکیں، گناہوں سے کنارہ کش ہو جائیں، تیرے احکام کی تعمیل کریں اور نیکی کریں اور برائیاں چھوڑ دیں۔

وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ...... انہیں جہنم کے دردناک، تکلیف دہ عذاب سے نجات دے اور انہیں مع اپنے والدین، اولاد اور ازواج جنت میں ایک ہی جگہ رکھ تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (الطّور:21) یعنی درجے میں سب برابر ہوں گے تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ ہم بلند مرتبہ کو نیچے نہیں کریں گے بلکہ کم مرتبہ کو بڑھا کر اونچے درجہ میں پہنچا دیں گے۔ یہ سب ہمارا فضل و کرم ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مؤمن جب جنت میں جائے گا تو وہ اپنے باپ، بیٹے اور بھائی کے بارے میں پوچھے گا کہ وہ کدھر ہیں؟ جواب ملے گا ان کی نیکیاں اتنی نہ تھیں کہ وہ اس درجے میں پہنچتے۔ وہ کہے گا میں نے اپنے لئے اور ان سب کے لئے عمل کئے تھے چنانچہ درجہ میں انہیں اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا پھر سعید بن جبیر نے اسی آیت کی تلاوت کی:

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ...... الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اور اللہ کے بندوں کو سب سے زیادہ دھوکہ دینے والے شیاطین ہیں(2)۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ جس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ جو چاہے ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے نہیں ہوتا۔ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ تو انہیں برائیاں کرنے سے یا ان کے وبال سے دونوں جہان میں محفوظ رکھ۔ قیامت کے دن جس پر تو نے رحم فرمایا اور عذاب سے نجات دی، حقیقتاً یہی عظیم کامیابی اور کامرانی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 231، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ الحاقۃ، جلد 12 صفحہ 219-217، ابن ماجہ، المقدمۃ، جلد 1 صفحہ 69، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 233، سنن ابوداؤد، کتاب باب فی الجھمیۃ
2۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 276

خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ⑪ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَ اِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ
فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ⑫ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ وَ مَا
يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ⑬ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑭

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں ندا دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی (تم سے) بیزاری بہت زیادہ ہے اس بیزاری سے جو تمہیں اپنے آپ سے ہے۔ (یاد ہے) جب تم بلائے جاتے ایمان کی طرف تو تم کفر کیا کرتے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا، پس اب ہم اعتراف کرتے ہیں اپنے گناہوں کا۔ سو کیا (یہاں سے) نکلنے کی بھی کوئی صورت ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب پکارا جاتا اللہ تعالیٰ کو اکیلا تو تم انکار کر دیتے۔ اور اگر شریک بنایا جاتا کسی کو اس کا تو تم مان لیتے۔ پس حکم کا اختیار اللہ کے لئے ہے جو برتر اور بزرگ ہے۔ وہی ہے جو دکھاتا ہے تمہیں اپنی آیتیں اور نازل فرماتا ہے تمہارے لئے آسمان سے رزق۔ اور نہیں نصیحت قبول کرتا مگر وہ جو (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا ہے۔ تو عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لئے دین کو اگرچہ ناپسند کریں کفار''۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے دن جب کفار آگ کے شعلوں سے لپٹ رہے ہوں گے تو انہیں آواز دی جائے گی۔ اس وقت جب وہ خدا کے عذاب کو چکھ چکے ہوں گے تو اپنے آپ کے دشمن بن جائیں گے کیونکہ ان کے اعمال سیئہ ان کے جہنم میں داخلے کا سبب بن گئے۔ اس وقت فرشتے انہیں یہ ندا دیں گے کہ آج جس قدر تم اپنے آپ سے نفرت کر رہے ہو، دنیا میں جب تمہیں اسلام کی دعوت دی جاتی تھی اور تم انکار کر دیتے تھے، اللہ کے ہاں تم اس سے کہیں زیادہ قابل نفرین تھے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اہل ضلال کے ساتھ اللہ کی نفرت و بیزاری (جب ان پر دنیا میں ایمان پیش کیا گیا اور انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا) اس سے کہیں زیادہ تھی جب وہ روز قیامت عذاب الٰہی کو دیکھ کر اپنے آپ سے بیزاری ظاہر کرنے لگیں گے (1)۔ حسن بصری، مجاہد، سدی، ذر بن عبید اللہ ہمدانی، عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم اور ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی قول ہے۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (بقرہ:28)۔ ابن عباس، ضحاک، قتادہ اور ابو مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ درست یہی ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ دنیا میں مار ڈالے گئے پھر قبروں میں زندہ کر کے سوال و جواب کے بعد انہیں پھر موت دے دی گئی اور روز قیامت پھر زندہ کئے گئے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی صلب سے روز میثاق زندہ کئے گئے پھر انہیں ماؤں کے پیٹوں سے پیدا فرمایا پھر موت آئی اور روز قیامت دوبارہ زندہ ہوئے (2)۔ لیکن سدی اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ کے یہ اقوال ضعیف ہیں کیونکہ اس طرح تین موتیں اور تین زندگیاں لازم آتی ہیں حالانکہ آیت میں دو موتوں کا ذکر ہے۔ صحیح قول وہی ہے جو ابن مسعود اور ابن عباس اور ان کے پیروکاروں کا ہے۔ اس سب سے مقصود یہی ہے کہ میدان حشر میں کفار اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور دنیا میں واپسی کا سوال کریں گے یہ آرزو کریں گے کہ دنیا میں انہیں ایک مرتبہ اور بھیج دیا جائے۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 46 2۔ طبری، جلد 24 صفحہ 48

اِنَّا مُوْقِنُوْنَ (السجدہ:12)۔لیکن ان کی یہ درخواست منظور نہ ہوگی۔ پھر جب وہ آگ کو دیکھیں گے اور اس کے شدید عذاب کو بچشم دید ملاحظہ کریں گے تو پہلے سے زیادہ زور دے کر یہی کہیں گے لیکن ان کی یہ بات تسلیم نہ کی جائے گی جیسے فرمایا: وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُکَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا کَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ط وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ (انعام:28-27)۔اور جب وہ واصل فی النار کر دیئے جائیں گے اور طرح طرح کے عذاب چکھ لیں گے تو دوبارہ دنیا میں ان کی واپسی کا مطالبہ بہت شدید ہو جائے گا۔وہ چیخ و پکار کرتے ہوئے یہ مطالبہ کریں گے: رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ کُنَّا نَعْمَلُ ط اَوَلَمْ نُعَمِّرْکُمْ مَّا یَتَذَکَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَکَّرَ وَجَآءَکُمُ النَّذِیْرُ ط فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ (فاطر:37)۔رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝ قَالَ اخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُکَلِّمُوْنِ (مومنون:107)۔اس آیت کریمہ میں ان لوگوں نے اپنے سوال سے پہلے ایک مقدمہ ذکر کر کے ایک لطافت سی قائم کر دی ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو ذکر کیا کہ تیری قدرت عظیم ہے تو نے ہمیں زندہ کیا جبکہ ہم مردہ تھے پھر ہمیں موت دی پھر زندہ کر دیا۔تو جو چاہے اس پر قادر ہے۔ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا۔دارِ دنیا میں ہم نے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی۔کیا تو دوبارہ ہمیں دنیا کی طرف لوٹائے گا حالانکہ تو اس پر قادر بھی ہے۔ہم وہاں جا کر پہلے کے برعکس اچھے اعمال کریں گے۔اگر ہم دوبارہ وہی کام کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں۔انہیں جواب دیا جائے گا کہ اب دارِ دنیا کی طرف واپسی کی کوئی راہ نہیں۔پھر انہیں روکنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری طبیعتیں حق کو قبول نہیں کریں گے بلکہ تم اس کی مخالفت ہی کرو گے۔اسی لئے فرمایا: ذٰلِکُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ...... (مومن:12) یعنی اگر تم دارِ دنیا کی طرف لوٹا بھی دیئے جاؤ تو تم یہی کرو گے۔ایک اور آیت میں آتا ہے: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ (انعام:28)۔اور فرمایا: وہ اپنی مخلوق کے ساتھ عدل کرنے والا ہے۔ظلم نہیں کرتا۔جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔جسے چاہے گمراہ کرتا ہے۔جس پر چاہے رحم کرتا ہے اور جسے چاہے عذاب دیتا ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ وہ اپنی قدرتیں لوگوں پر ظاہر کرتا ہے۔زمین و آسمان میں اس کی کمال قدرت کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔وہ آسمان سے روزی یعنی بارش نازل فرماتا ہے۔جس سے کھیتیاں اور پھل نکلتے ہیں جن کے ذائقے، رنگ اور شکلیں مختلف ہیں حالانکہ پانی ایک ہے۔اس نے اپنی عظیم قدرت سے ان اشیاء کے درمیان فرق کر دیا۔

وَمَا یَتَذَکَّرُ...... عبرت پکڑنے اور ان اشیاء میں غور و فکر کرنے اور ان سے اپنے خالق کی عظمت کی دلیل پکڑنے کی توفیق صرف اسے ملتی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ دعا اور عبادت خلوص کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی کیا کرو اور مشرکین کے طریق کار کی مخالفت کرو۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوزبیر محمد بن مسلم بن مدرس مکی سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر ہر فرض نماز کے سلام کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وحدَهٗ لا شریكَ له، له الملكُ ولهُ الحمدُ وهوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا باللّٰهِ، لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاهُ، لَهُ النعمةُ ولَهُ الفَضْلُ ولَهُ الثَّنَاءُ الحَسَنُ، لا اله اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِهَ الکَافِرُوْنَ۔

اور فرماتے تھے کہ نبی کریم ﷺ بھی ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔مسلم ابوداؤد اور نسائی میں متعدد سندوں سے مروی ہے کہ

عبداللہ بن زبیر نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ہر نماز کے بعد یہی دعا پڑھا کرتے تھے(1)۔ صحیحین میں ابن زبیر سے یہی روایت مروی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ سے دعا کرو اور مقبولیت کا یقین رکھو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور بے پرواہ دل کی دعا قبول نہیں فرماتا۔

رَفِيعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

"بلند درجات پر فائز کرنے والا عرش کا مالک۔ نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے۔ وہ دن جب وہ ظاہر ہوں گے۔ پوشیدہ نہ ہوگی اللہ تعالیٰ پر ان کے حالات سے کوئی شے۔ کس کی بادشاہی ہے آج؟ (کسی کی نہیں) صرف اللہ کی جو واحد (اور) قہار ہے۔ آج بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا تھا۔ ذرا ظلم نہیں ہوگا آج۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت تیزی سے حساب لینے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ اپنی عظمت، کبریائی اور اپنے عرش عظیم کی بلندی بیان فرما رہے ہیں جو تمام مخلوق پر چھت کی طرح چھایا ہوا ہے، جیسے ایک اور جگہ فرمایا: مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِیْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (معارج: 4-3)۔

ان شاء اللہ اس بات کا بیان آگے آئے گا کہ یہ مسافت عرش اور ساتویں زمین کے مابین ہے۔ سلف و خلف کی ایک جماعت کا یہی قول ہے اور یہی راجح ہے۔ متعدد مفسرین کی رائے ہے کہ عرش سرخ رنگ کے یاقوت کا ہے۔ اس کے دونوں قطروں (کناروں) کے اور ساتویں زمین سے اس کی اونچائی پچاس ہزار سال ہے۔ پہاڑی بکروں والی حدیث میں اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ عرش عظیم ساتوں آسمانوں سے بھی بہت بلند ہے۔(1)

يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: (النحل: 2) يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ اور فرمایا: وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (شعراء: 94-192)۔

اسی لئے فرمایا: لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ يَوْمَ التَّلَاقِ قیامت کے اسماء میں سے ایک نام ہے۔ اللہ نے اس کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈرایا ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ وہ دن ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد میں سے آخری بچہ ایک دوسرے سے ملیں گے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دن بندوں کی ملاقات خدا سے ہوگی۔ قتادہ، سدی، بلال بن سعد اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس دن اہل آسمان، اہل زمین اور خالق و مخلوق سب ملیں گے۔ ایک قول کے مطابق اس دن یہ سب کچھ بھی ہوگا اور ہر عامل کو اس کا

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 4، مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 416-415، ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2 صفحہ 83-84، نسائی، کتاب السہو، جلد 3 صفحہ 70-69

2۔ دیکھئے یہی سورت آیت نمبر 7

عمل بھی ملے گا خواہ خیر ہو یا شر۔

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ آج سب خدا کے سامنے ہوں گے۔ کوئی چیز انہیں نہیں چھپائے گی۔ کوئی سایہ یا پردہ نہ ہوگا۔ سب لوگ اس کے علم میں ہوں گے۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی روایت میں اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو لپیٹ کر اپنے ہاتھ میں لے لے گا اور یہ اعلان فرمائے گا: میں ہوں بادشاہ، میں ہوں جبار، میں ہوں متکبر، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ جابر کدھر ہیں؟ تکبر کرنے والے کدھر ہیں؟(1)۔ صور والی روایت میں ہے کہ اللہ عزوجل تمام مخلوق کی ارواح کو اپنے قبضے میں لے لیں گا اور اس وحدہ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی باقی نہ رہ جائے گا۔ اس وقت وہ فرمائے گا آج فرمانروائی کس کی ہے؟ پھر خود ہی خالق کائنات جواب دے گا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ یعنی ہر چیز پر وہی غالب ہے(2)۔

محمد ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابی نضرۃ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے قائم ہونے کے وقت ایک منادی اعلان کرے گا: اے لوگو! قیامت آ گئی۔ جسے زندہ و مردہ سب سنیں گے۔ اللہ رب العزت آسمان دنیا پر نزول اجلال فرمائے گا اور کہے گا آج بادشاہی کس کے لئے ہے؟ صرف اللہ کے لئے جو غلبہ والا ہے(3)۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ مخلوق کے مابین اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا بیان ہو رہا ہے کہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا بلکہ نیکی کا بدلہ دس گنا اور برائی کا صرف ایک گنا۔ اسی لئے فرمایا: لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ جس طرح کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا فرمان (حدیث قدسی) ذکر فرمایا: ''اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور تم پر بھی۔ تم بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو...... یہاں تک کہ فرمایا...... اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں شمار کروں گا اور تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔ جو شخص بھلائی پائے اللہ کی حمد و ثناء کرے اور جو اس کے علاوہ پائے وہ نہ ملامت کرے مگر اپنے آپ کو ہی(4)۔

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ تمام خلائق سے حساب لینا اس کے لئے اسی طرح ہے جیسے ایک شخص کا حساب لینا۔ جیسے ایک اور آیت میں فرمایا ہے: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان:28) اور فرمایا: وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ (قمر:50)۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿١٨﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿٢٠﴾

''اور آپ ڈرایئے انہیں قریب آنے والے دن سے جب کہ دل گلے میں اٹک جائیں گے خوف و دہشت سے بھرے ہوئے۔ نہ ہوگا ظالموں کے لئے کوئی دوست اور نہ ایسا سفارشی جس کی سفارش مانی جائے۔ وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور ان باتوں کو جنہیں سینے میں چھپائے ہوئے ہیں۔ اور اللہ فیصلہ فرمائے گا حق کے ساتھ۔ اور جنہیں وہ اللہ کے بغیر پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا (اور) سب کچھ دیکھنے والا ہے''۔

1۔ دیکھئے سورۂ زمر آیت:67
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام آیت:73
3۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 279، مستدرک تفسیر سورۂ مومن، جلد 2 صفحہ 437
4۔ مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1995-1994

آزفة قیامت کا ایک نام ہے اسے یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ بہت قریب ہے ایک اور جگہ آتا ہے: اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿﴾ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ (النجم:58-57) اور فرمایا: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ان کا آج کوئی قریبی نہ ہوگا جو انہیں نفع دے اور نہ کوئی سفارشی۔ اور فرمایا: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ۔ اور فرمایا: اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (النحل:1)۔ اور فرمایا: فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (الملک:27)۔

قولہ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِیْنَ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دل خوف سے حلق میں اٹک جائیں گے۔ نہ باہر نکل پائیں گے اور نہ اپنی جگہ پر واپس جاسکیں گے۔ عکرمہ، سدی رحمہما اللہ تعالیٰ اور بہت سے مفسرین سے یہی منقول ہے۔

كٰظِمِیْنَ یعنی خاموش۔ کوئی بولنے کی جرأت نہیں کر سکے گا مگر اس کی اجازت سے۔ ایک اور آیت میں ہے: یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙۗ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (النباء:38)...... ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کاظمین کا معنی ہے روتے ہوئے۔

مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ یعنی کفار و مشرکین کیلئے کوئی ایسا رشتہ دار نہ ہوگا جو انہیں فائدہ پہنچائے اور نہ کوئی ایسا سفارشی ہوگا جو ان کی سفارش کرے۔ بلکہ بھلائی کے تمام اسباب کٹ چکے ہوں گے۔

یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ...... اللہ تعالیٰ اپنے علم تام کی خبر دے رہے ہیں جو تمام اشیاء خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی، عمدہ ہوں یا حقیر، دقیق ہوں یا لطیف سب کو محیط ہے تاکہ لوگ اس کے علم سے ڈریں اور اللہ سے حیاء کریں جس طرح حیا کرنے کا حق ہے۔ کما حقہ تقویٰ اختیار کریں اور یہ مراقبہ ان کے دلوں میں پختہ ہو جائے کہ وہ انہیں دیکھ رہا ہے۔ وہ آنکھوں کی خیانت سے بھی آگاہ ہے اگرچہ دیانت داری ظاہر کریں اور ان کے سینوں کے پوشیدہ رازوں سے بھی وہ خوب واقف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ اس سے مراد وہ آدمی ہے جو گھر میں داخل ہوتا ہے۔ وہاں کوئی خوبصورت عورت ہے، یا وہ اس کے پاس سے گزرتے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک خوبرو عورت ہے۔ جب انہیں خیال نہ ہو تو اسے دیکھ لیتا ہے اور جب کسی کی نظر پڑے تو فوراً نگاہ پھیر لیتا ہے۔ اسی طرح جب ان کی توجہ نہ تھی تو دیکھ لیا۔ اور کسی نے اسے دیکھ لیا تو فوراً نگاہ نیچے کر لی اور اللہ تعالیٰ کو تو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ پوشیدہ عضو کو بھی دیکھ لے(1) (رواہ ابن ابی حاتم)۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد آنکھ مارنا اور آدمی کا یہ کہنا میں نے دیکھا حالانکہ اس نے دیکھا نہ تھا۔ یا یہ کہنا کہ میں نے نہیں دیکھا حالانکہ اس نے دیکھ لیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم ہے کہ اس شخص نے کس ارادے سے نگاہ ڈالی ہے۔ یعنی کیا اس کا ارادہ برا تھا یا نہیں؟ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی یہی منقول ہے۔

وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اگر تجھے قدرت ہو تو اس کے ساتھ زنا کرے گا یا نہیں؟ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ دلوں کے وسوسے سے آگاہ ہے۔

یَقْضِیْ بِالْحَقِّ وہ عدل کے ساتھ فیصلے کرتا ہے۔ اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ وہ قادر ہے نیکی کا بدلہ نیکی سے اور برائی کا برائی سے دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى (نجم:31)۔

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 282، ابن ابی شیبہ مصنف، جلد 4 صفحہ 327

وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَقْضُوْنَ بِشَیْءٍ اس کے علاوہ جن بتوں کو وہ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کے مالک نہیں اور کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ مخلوق کے اقوال کو سننے والا ہے۔ ان کے احوال کو ملاحظہ فرما رہا ہے۔ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کرتا ہے۔ ان سب امور میں وہ عدل و انصاف سے کام لے رہا ہے۔

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾

''کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں۔ تا کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ قوت کے لحاظ سے بھی ان سے طاقت ور تھے اور زمین میں (چھوڑے ہوئے) آثار کے لحاظ سے بھی تو پکڑ لیا انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے باعث، اور نہیں تھا ان کے لئے اللہ سے کوئی بچانے والا۔ یہ اس لئے کہ لے کر آتے رہے ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں تو انہوں نے (ہر بار) ماننے سے انکار کر دیا پس پکڑ لیا انہیں اللہ نے۔ بیشک وہ بڑا طاقتور سخت سزا دینے والا ہے''۔

ارشاد ہوتا ہے اے پیارے حبیب! آپ کو جھٹلانے والے ان لوگوں نے ادھر ادھر پھر کر سابقہ انبیاء کو جھٹلانے والی اقوام کا انجام ملاحظہ نہیں کیا کہ ان پر کیا کیا عذاب نازل ہوئے۔ حالانکہ وہ ان سے زیادہ طاقت ور اور قوی الجثہ تھے اور زمین پر وہ عالی شان عمارتیں کھڑی کیں جس پر یہ قادر نہیں جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِیْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِیْهِ (احقاف:26)۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَاۤ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا (روم:9)۔ اتنی عظیم الشان طاقت اور شوکت و دبدبے کے باوجود ان کے کفر اور گناہوں پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا۔

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ اللہ کے عذاب کو ان سے کوئی روک نہ سکا اور نہ انہیں بچا سکا پھر ان پر نزول عذاب کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ...... واضح دلائل اور روشن حجتوں کے ساتھ۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے کفر کیا تو اللہ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ وہ عظیم قوتوں اور شدید گرفت والا ہے۔ اس کا عذاب، دردناک اور شدید ہے۔ اللہ ہمیں اس سے نجات عطا فرمائے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْۤا اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَ اسْتَحْیُوْا نِسَآءَهُمْ وَمَا كَیْدُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَ

قَالَ مُوْسٰۤى اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

''اور بیشک بھیجا ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ۔ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا (یہ) جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے۔ پھر جب موسیٰ لے کر آئے ان لوگوں کے پاس حق ہمارے ہاں سے تو انہوں نے کہا کہ قتل کر ڈالو ان لوگوں کے بچوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے اور زندہ چھوڑ دو ان کی لڑکیوں کو۔ اور نہیں ہے کافروں کا ہر مکر مگر رائیگاں۔ اور فرعون نے (جھنجھلا کر) کہا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ بلائے اپنے رب کو (اپنی مدد کے لئے) مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تمہارا دین بدل نہ دے یا فساد نہ پھیلا دے ملک میں۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے پروردگار کی ہر اس متکبر (کے شر) سے جو روزِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی کو یہ تسلی دے رہے ہیں کہ انجام کار فتح و نصرت آپ کی ہی ہوگی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ آپ کے سامنے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آیات و معجزات کے ساتھ مبعوث فرمایا، قبطیوں کے بادشاہ فرعون کی طرف جو دیارِ مصر کا حکمران تھا اور ہامان کی طرف جو اس کا وزیر تھا اور قارون کی طرف جو اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے زیادہ مال و دولت اور تجارت کا مالک تھا۔

فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ انہوں نے آپ کی تکذیب کی آپ کو معاذ اللہ جادوگر، دیوانہ اور کذاب ٹھہرایا۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ (ذاریات: 53-52)۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ ...... جب آپ ان کے پاس واضح دلیل لے کر آئے تو انہوں نے دوسری مرتبہ یہ فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کی نسل کشی کی جائے۔ ان کے بچے مار ڈالے جائیں۔ اس سے پہلے بھی فرعون یہی حکم دے چکا تھا اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا نہ ہو جائیں، یا اس قوم بنی اسرائیل کو ذلیل کرنا اور ان کی طاقت کم کرنا مقصود تھا اور ممکن ہے کہ دونوں مصلحتیں ہی اس کے پیش نظر ہوں۔ دوبارہ یہی حکم اب جاری کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس قوم کی اہانت و تذلیل کی جائے اور نیز اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی مصیبت کا سبب گرداننا شروع کر دیں۔ اسی لئے بنو اسرائیل نے کہا اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ یَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ (اعراف: 129)۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فرعون کا یہ حکم دوبارہ تھا یعنی پہلے بھی وہ کسی موقع پر یہ حکم دے چکا تھا۔

وَ مَا كَیْدُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ان کی اس سازش کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی عددی قوت کم ہو جائے تاکہ وہ ان پر غالب نہ آسکیں۔ لیکن ان کی یہ سازش بھی ناکام رہی۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَ لْیَدْعُ رَبَّهٗ ملعون فرعون نے اپنے اعیانِ مملکت سے کہا اگر تم مجھے کچھ نہ کہو تو میں موسیٰ کا کام تمام کر دوں۔ وہ اپنے خدا کو مدد کے لئے پکارے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ یہ از حد درجے کا انکار، شیخی اور عناد تھا۔

قولہ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ فرعون کو یہ خدشہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی عادات و رسومات کو بدل دیں گے۔ اسی سے عربوں میں یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی: صَارَ فِرْعَوْنُ مُذَكِّرًا یعنی فرعون بھی واعظ بن گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لوگوں کیلئے خدشہ محسوس کرنے لگا۔ اکثر قاریوں کی قرأت یہی

ہے جو متن میں ہے۔ جبکہ بعض قراتوں میں ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے(1)۔

قَالَ مُوْسٰۤى اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے اس بدارادہ کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا اے لوگو! میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں اس کے اور اس جیسے لوگوں کے شر سے جو حق سے تکبر کرنے والے مجرم ہوں۔ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔ حدیث شریف میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کسی قوم سے کوئی خدشہ محسوس ہوتا تو آپ یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ وَنَدْرَأُ بِكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ(2)۔

ترجمہ: ''اے اللہ! ہم ان کی شرانگیزیوں سے تیری پناہ میں آتے ہیں اور ہم تجھ کو ان کے سامنے کرتے ہیں (تاکہ ان کا شر ہم تک نہ پہنچے۔ تو بیچ میں حائل ہو جائے)''۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِی الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰى وَمَاۤ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

''اور کہنے لگا ایک مردِ مومن جو فرعون کے خاندان سے تھا اور چھپائے ہوئے تھا اپنے ایمان کو کیا تم قتل کرنا چاہتے ہو ایک شخص کو اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے، حالانکہ وہ لے آیا ہے تمہارے پاس دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے (اسے اپنے حال پر رہنے دو) اگر وہ حقیقتاً جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کی شامت اس پر ہوگی اور اگر سچا ہوا (اور تم نے اس کو گزند پہنچائی) تو ضرور پہنچے گا تمہیں عذاب جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہو۔ اے میری قوم! مانا آج حکومت تمہاری ہے (نیز تمہیں) غلبہ حاصل ہے اس ملک میں (لیکن مجھے یہ تو بتاؤ) کون بچائے گا ہمیں خدا کے عذاب سے اگر وہ ہم پر آجائے۔ (یہ سن کر) فرعون کہنے لگا میں تو تمہیں وہی مشورہ دیتا ہوں جس کو میں درست سمجھتا ہوں اور نہیں رہنمائی کرتا میں تمہاری مگر سیدھے راستہ کی طرف''۔

مشہور یہ ہے کہ یہ مؤمن آدمی آل فرعون سے ایک قبطی شخص تھا جو مخفی طور پر ایمان لا چکا تھا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ فرعون کا چچا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات پائی تھی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے پسند کیا ہے اور آپ نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ وہ اسرائیلی ہے کیونکہ فرعون نے اس کی بات کا اثر قبول کیا اور اسے خوب غور سے سنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے باز رہا۔ اور اگر وہ اسرائیلی ہوتا تو فوراً دھر لیا جاتا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن

1۔ نافع، ابوعمرو اور حفص نے یاء کے ضمہ اور ہاء کے کسرہ سے (یُظْهِرَ) پڑھا ہے اور الفساد کو نصب سے پڑھا ہے۔ باقی ''یَظْهَرَ'' یاء اور ہاء کے فتحہ کے ساتھ اور (الفساد) کو فاعل ہونے کی بنا پر رفع دیا ہے۔ دیکھئے ابن باذش: الاقناع، جلد 2 صفحہ 753

2۔ ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2 صفحہ 89، امام احمد مسند، جلد 4 صفحہ 414-415

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آل فرعون میں سے اس آدمی اور فرعون کی بیوی کے سوا اور کوئی مسلمان نہیں ہوا۔ تیسرا وہ شخص جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی تھی: یٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ (رواہ ابن ابی حاتم) (1)۔ یہ قبطی شخص اگر چہ ایمان تو لا چکا تھا لیکن اس نے اپنی قوم کو اپنے ایمان سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب فرعون نے اپنی قوم سے کہا اگر تم کہو تو میں موسیٰ کو قتل کرا دوں تو حمیت الہیہ کی خاطر اس شخص سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور سب سے افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے جس طرح کہ حدیث سے ثابت ہے (2)۔ اور فرعون کے سامنے اس سے بڑھ کر بڑی جسارت اور کوئی نہ تھی۔ یعنی اس شخص کا یہ کہنا کیا تم اسے محض اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ...... ماسوائے اس روایت کے جسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے کہا: مجھے بتایئے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو سب سے شدید تکلیف کیا پہنچائی تھی؟ آپ نے فرمایا: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کعبہ شریف میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا۔ آپ کو کندھے مبارک سے پکڑا اور آپ کی گردن مبارک میں کپڑا لپیٹ کر زور سے کھینچا (گلا گھونٹنا چاہا)۔ حضرت ابوبکر آئے اس کو سرکار ﷺ سے دور ہٹایا اور یہ فرمایا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ (3)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کی نظر میں قریش نے رسول اللہ ﷺ کو سب سے بڑی تکلیف کیا پہنچائی تھی؟ آپ نے فرمایا: ایک دن آپ ﷺ کا گزر قریش کے پاس سے ہوا۔ وہ آپ سے کہنے لگے کیا آپ ہیں جو ہمیں اس چیز کی عبادت سے روکتے ہیں جسے ہمارے آباؤ اجداد پوجتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں میں ہی ہوں۔ چنانچہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ سے چمٹ گئے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کو پیچھے سے بازوؤں میں لئے ہوئے ہیں۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں اور آپ باآواز بلند یہ پکار رہے ہیں: یا قوم اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ...... حتی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے پوری آیت پڑھ دی۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسے مسند حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے شمار کیا ہے (4)۔

قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ...... یعنی تم اس لئے ایک آدمی کے درپے آزار ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ کیا اس کا قصور صرف یہی ہے حالانکہ اس نے اپنے عقیدہ کی سچائی کے لئے سند اور دلیل بھی پیش کر دی ہے۔ چنانچہ اس آدمی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: وَ اِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ...... یعنی اگر تمہیں اس کی بات سے اختلاف ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر بالفرض وہ غلط بھی کہہ رہا ہے تو عقل و مصلحت، مناسب رائے اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اسے کچھ نہ کہا جائے اور کوئی ایذاء نہ دی جائے۔ اگر (معاذ اللہ) وہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) جھوٹے ہیں تو خدا تعالیٰ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ سے دنیا و آخرت میں خود نپٹ لے گا اور اگر وہ سچا ہے اور تم نے اسے کوئی تکلیف پہنچا دی تو تم پر وہ عذاب نازل ہوگا جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے کیونکہ وہ تمہیں دھمکی دے رہا ہے کہ اگر تم نے اس کی مخالفت کی تو دنیا و

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 284 2۔ یہ حدیث سورہ مائدہ کی آیت: 79 کی تفسیر میں گزر چکی ہے نیز دیکھئے سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب الامر والنہی، تحفۃ الاحوذی، جلد 6 صفحہ 395، نسائی، جلد 7 صفحہ 161، ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 1329 مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 19

3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مومن، جلد 8 صفحہ 554-553

4۔ ابن ابی شیبہ مصنف، جلد 14 صفحہ 297، درمنثور، جلد 7 صفحہ 285، نسائی، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر، نیز بخاری نے کتاب المناقب میں اسے تعلیقاً روایت کیا ہے۔ دیکھئے فتح الباری، جلد 7 صفحہ 166 تحفۃ الاشراف، جلد 8 صفحہ 155

آخرت دونوں میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ ممکن ہے کہ وہ سچا ہی ہو اس لئے تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ اس سے تعرض نہ کرو بلکہ اسے اور اس کی قوم کو چھوڑ دو وہ انہیں تبلیغ کرتا رہے اور وہ اس کی پیروی کرتے رہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر دی کہ آپ نے فرعون سے یہ مطالبہ کیا تھا: وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ......لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ (دخان:17)۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے اپنی قوم قریش سے فرمایا تھا کہ مجھے اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے دو اور مجھے کوئی تکلیف نہ دو اور میری قرابت داری کا لحاظ رکھتے ہوئے میری ایذاء رسانی سے باز رہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (شوریٰ:23)۔ چونکہ میرے اور تمہارے درمیان قرابت داری ہے لہٰذا مجھے دکھ نہ دو اور میرے اور لوگوں کے درمیان حائل نہ ہو۔ اسی بات پر صلح حدیبیہ طے پائی جو فتح مبین کہلائی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ یعنی اگر یہ شخص جو گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے تمہاری طرف مبعوث فرمایا ہے، اگر تمہارے خیال میں جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا پول جلد ہی کھل جاتا او واس کے افعال واقوال میں تناقض اور اختلاف ہوتا۔ لیکن ہم اس کے منہج کو صحیح دیکھ رہے ہیں۔ اگر وہ مسرفین اور کذابین سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے کبھی ہدایت نہ دیتا۔ اس کے قول وفعل میں جو یکسانیت ہے اسے عطا نہ ہوتی۔ پھر اس مؤمن شخص نے اپنی قوم کو عیش وعشرت کے خاتمے اور اللہ کے عذاب وانتقام سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ...... اے قوم اللہ نے تمہیں حکومت وسلطنت عطا فرمائی ہے اور زمین میں تمہیں عزت وآرام اور جاہ ومرتبہ سے نوازا ہے۔ لہٰذا اللہ کے شکر اور اس کے رسول کی تصدیق کے ساتھ اس انعام کا حق ادا کرو اور اس کے رسول کی تکذیب کر کے اللہ کے انتقام کو دعوت نہ دو۔

فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ..... اگر اللہ نے عذاب کا فیصلہ کر لیا تو اس وقت یہ لشکر اور سپاہ ہمیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گی۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اس نیک، پاکباز آدمی جو کہ فرعون کی نسبت اقتدار کا زیادہ حقدار تھا، کے مشورے کے بعد فرعون نے کہا! میں نے تمہیں جو بات کہی ہے، جو مشورہ دیا ہے وہی بات میں اپنی ذات کے لئے بھی پسند کرتا ہوں۔ فرعون نے جھوٹ بولا تھا۔ درحقیقت اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت کا یقین تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ رسالت میں سچے ہیں۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَاۤءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ (اسراء:102)۔ اور فرمایا: وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (النمل:14)۔

مَاۤ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰى میں نے تمہیں جو مشورہ دیا ہے وہ درست ہے حالانکہ وہ کذب وافتراء پردازی سے کام لے رہا تھا اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کی رعایا کے ساتھ خیانت سے کام لے رہا تھا۔ اس نے لوگوں کو دھوکا دیا اور صحیح مشورہ نہ دیا۔

وَمَاۤ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ میں تمہیں راہ حق اور رشد وہدایت پر گامزن کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اس بات میں بھی جھوٹا تھا اگرچہ اس کی قوم نے اس کی بات مان لی اور اس کی پیروی کی۔ ارشاد ربانی ہے: فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ (ہود:98)۔ اور فرمایا: وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى (طٰہٰ:79)۔

حدیث شریف میں ہے: ''کوئی امام (حاکم) نہیں مرتا اس حال میں کہ وہ اپنی قوم کو دھوکا دے رہا ہو مگر وہ جنت کی بو سونگھ نہیں پائے گا

حالانکہ اس کی خوشبو تو پانچ سو سال کی مسافت سے محسوس ہو جاتی ہے"(1)۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿30﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿31﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿32﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿33﴾ وَلَقَدْ جَاۗءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَاۗءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿34﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿35﴾

"اور کہنے لگا وہی ایمان والا اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں کہ تم پر (بھی کہیں) پہلی قوموں کی تباہی کے دن جیسا دن نہ آ جائے۔ جیسا حال ہوا تھا قوم نوح، عاد اور ثمود کا اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئے۔ اور اللہ نہیں چاہتا کہ بندوں پر ظلم کرے۔ اور اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں تمہارے بارے میں پکار کے دن سے۔ جس روز تم بھاگو گے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔ نہیں ہوگا تمہارے لئے اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا۔ اور جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ (اے میری قوم!) بیشک آئے تمہارے پاس یوسف (موسیٰ) سے پہلے روشن دلائل لے کر پس تم شک میں گرفتار رہے اس میں جو وہ لے کر آئے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہنا شروع کر دیا کہ نہیں بھیجے گا اللہ تعالیٰ ان کے بعد کوئی رسول۔ یونہی گمراہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جو حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا ہوتا ہے۔ (یونہی گمراہ کرتا ہے) انہیں جو جھگڑتے رہتے ہیں اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی (معقول) دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو۔ (یہ طریقہ) بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک۔ اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مغرور (اور) سرکش دل پر"۔

آل فرعون کے اس ایماندار شخص کا بیان ہو رہا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو دنیا اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور پند و نصیحت کرتے ہوئے سابقہ اقوام کی بداعمالیوں کا تذکرہ شروع کر دیا جنہوں نے زمانہ قدیم میں اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ جیسے قوم نوح، عاد، ثمود اور ان کے بعد زمانوں میں آنے والی اقوام جنہوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو کس طرح اللہ کا عذاب ان پر نازل ہوا اور اسے کوئی طاقت نہ روک سکی۔

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ یعنی اللہ نے انہیں ان کے گناہوں، مرسلین کی تکذیب اور اس کے اوامر کی مخالفت کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور اپنی تقدیر کو ان میں نافذ کر دیا۔ پھر فرمایا! وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ یعنی قیامت کا دن۔ اور قیامت کو یہ نام دینے کی وجہ اس حدیث صور میں مذکور ہے جس میں آتا ہے کہ زمین تھرتھرائے گی اور زمین پھٹ کر تقسیم ہو جائے گی اور جوش مارنے لگے گی۔ لوگ یہ دیکھیں

1۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب الاحکام، جلد 13 صفحہ 127-126، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 125، مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 25

گے تو گھبرا کر ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیں گے اور ایک دوسرے کو آوازیں دیں گے۔ ضحاک و دیگر مفسرین کا قول ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب جہنم لائی جائے گی۔ لوگ اس سے بھاگیں گے تو فرشتے انہیں میدان محشر کی طرف کھینچ لائیں گے۔ جیسے فرمان خداوندی ہے: وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآىِٕهَا (حاقہ: 17)۔ اور فرمایا: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (الرحمٰن: 33) ''اے گروہ جن وانس اگر تم میں طاقت ہے کہ تم نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو نکل کر بھاگ جاؤ۔ (سنو!) تم نہیں نکل سکتے بجز سلطان کے (اور وہ تم میں مفقود ہے)''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس وال کو مشدد کر کے یَوْمَ التَّنَادِّ پڑھا ہے(1)۔ اور یہ ماخوذ ہے نَدَّ البعیرُ اذا شرَدَ و ذَهَبَ سے جب وہ چلا جائے اور سرکشی کرے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ میزان کے پاس ایک فرشتہ ہوگا۔ جب بندے کے اعمال تولے جا رہے ہوں گے اور پلڑا بھاری ہو جائے گا تو وہ باآواز بلند یہ پکارے گا خبردار! فلاں بن فلاں سعاوت مند ہو گیا ہے ایسی سعادت جس کے بعد کبھی شقاوت و بدبختی نہیں آئے گی۔ اور اگر اس کا عمل کم ہوگا تو وہ آواز دے گا فلاں بن فلاں بدنصیب ہو گیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ ہر قوم کو اعمال کے ساتھ پکارا جائے گا۔ اہل جنت جنتیوں کو اور اہل جہنم جہنمیوں کو ندا دیں گے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت والے دوزخ والوں کو پکاریں گے۔ جس کی طرف قرآن نے بھی اشارہ کیا ہے: اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ (اعراف: 44) ''بے شک ہم نے پالیا جو وعدہ فرمایا تھا ہمارے ساتھ ہمارے رب نے سچا تو کیا تم نے بھی پایا جو وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے سچا وہ کہیں گے ہاں''۔ اور اہل نار جنتیوں سے کہیں گے: اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ (اعراف: 50) ''کہ انڈیلو ہم پر کچھ پانی یا جو کچھ دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے جنتی کہیں گے کہ اللہ نے حرام کر دی ہیں یہ دونوں چیزیں کافروں پر''۔

نیز اہل اعراف جنتیوں اور دوزخیوں کو آوازیں دیں گے جس طرح کہ سورۂ اعراف میں مذکور ہے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول پسند کیا ہے کہ ان تمام وجوہات کی بناء پر روز قیامت کو یہ نام دیا گیا ہے۔ یہی قول زیادہ مستحسن اور عمدہ ہے۔ واللہ اعلم(2)۔

یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ جس دن تم بھاگو گے۔ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ اِلٰى رَبِّكَ یَوْمَىِٕذِ ﹰالْمُسْتَقَرُّ (قیامہ: 12-11) ''ہرگز نہیں، وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں۔ صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانا ہوگا''۔

مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ اللہ کے عذاب سے تمہیں بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے ہدایت سے کوئی بھی سرفراز نہیں کر سکتا۔

وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ یعنی اہل مصر کی طرف۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل رسول بنا کر ان میں مبعوث فرمایا تھا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ آپ عزیز مصر تھے اور اللہ کے رسول بھی۔ اپنی امت کو عدل و انصاف کے ساتھ خدا کی طرف بلاتے تھے مگر انہوں نے آپ کی اطاعت محض وزارت دنیوی اور جاہ و منصب کے سبب کی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَكٍّ...... اور تذبذب اور تشکیک کی وادیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے۔ حتیٰ کہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو لگے کف افسوس ملنے اور کہنے لگے: لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا اب ایسا کوئی رسول تشریف نہیں لائے گا۔ ایسا انہوں نے اپنے کفر اور تکذیب کے سبب کہا۔

1۔ طبری، جلد 24 صفحہ 61، آلوسی: روح المعانی، جلد 24 صفحہ 67 2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 97

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ...... تمہاری طرح جس شخص کی حالت ہو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال میں اسراف اور دل میں شک وارتیاب کی وجہ سے اسے گمراہ کر دیتا ہے۔

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ یعنی جو لوگ حق کو باطل کے ساتھ ہٹاتے ہیں اور اللہ کی طرف سے معجزات و براہین کو بغیر دلیل کے ہٹاتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے شدید ناراض ہے۔ اسی لئے فرمایا: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان صفات کے حامل شخص سے تو مومنین بھی نفرت کرتے ہیں۔ جس میں یہ صفت ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے اس کے بعد اسے نیکی اور برائی میں امتیاز نہیں رہتا۔ اسی لئے فرمایا: كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ یعنی حق کی اتباع سے تکبر کرنے والا۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ اور شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ انسان جبار نہیں بنتا حتیٰ کہ دو انسانوں کو قتل کر ڈالے۔ ابو عمران جونی اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ جابروں کی نشانی ناحق کسی کو قتل کر دینا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿٣٦﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿٣٧﴾

''اور فرعون نے کہا اے ہامان! بنا میرے لئے ایک اونچا محل (اس پر چڑھ کر) میں ان راہوں تک پہنچ جاؤں۔ یعنی آسمانوں کی راہوں تک پھر میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے اور یوں آراستہ کر دیا گیا فرعون کے لئے اس کا برا عمل اور روک دیا گیا اسے راہِ (راست) سے۔ اور نہیں تھا فرعون کا سارا فریب مگر اس کی اپنی تباہی کے لئے۔''

فرعون اس کی سرکشی، تکبر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کرنے کا بیان ہو رہا ہے کہ اس نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ میرے لئے ایک بلند و بالا محل تعمیر کرو۔ اس نے پختہ اینٹوں سے اسے تعمیر کیا۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا (قصص:38) ''پس آگ جلا میرے لئے اے ہامان! اور اس پر اینٹیں پکوا میرے لئے ایک اونچا محل تعمیر کر''۔ اسی لئے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سلف صالحین پختہ اینٹوں سے عمارت بنانا مکروہ جانتے تھے اور قبر میں اینٹیں لگانے کو مکروہ قرار دیا (ابن ابی حاتم)۔

لَعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿٣٦﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ...... سعید بن جبیر اور ابو صالح نے اسباب کا معنی دروازہ کیا ہے۔ ایک قول ہے آسمان کے راستے۔

فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى...... یہ اس کا کفر اور عناد تھا کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول ماننے سے انکار کر دیا۔

وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ...... فرعون کی یہ ایک چال تھی۔ وہ دراصل اپنی رعیت کو دھوکا دینا چاہتا تھا۔ اس نے کہا وہ ایک ایسی تدبیر کر رہا ہے جس کے ساتھ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معاذ اللہ! کذاب ثابت کر دے گا۔

تَبَابٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی خسارہ کیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿٣٨﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ

الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَ
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا
بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

''اور کہنے لگا وہ جو ایمان لایا تھا اے میری قوم! میرے پیچھے چلو میں دکھاؤں گا تمہیں ہدایت کی راہ۔ اے میری قوم! یہ دنیوی زندگی تو (چندروزہ) لطف اندوزی ہے۔ اور آخرت ہی ہمیشہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ جو بُرے کام کرتا ہے اُسے سزا دی جائیگی اسی قدر۔ اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ایماندار ہو تو وہ داخل ہوں گے جنت میں رزق دیا جائے گا انہیں وہاں بغیر حساب''۔

مؤمن نے اپنی قوم کے جبار اور سرکش لوگوں سے جنہوں نے دنیوی زندگی کو ترجیح دی اور جبار اعلیٰ کو بھول گئے تھے خطاب کرتے ہوئے کہا: يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ نہ کہ جس طرح فرعون نے جھوٹ بولا تھا۔ پھر دنیا کی بے رغبتی ان کے سامنے بیان کی جسے انہوں نے آخرت پر ترجیح دی تھی اور جس نے اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق سے انہیں روک دیا تھا۔

هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ یعنی قلیل اور فانی ہے۔ اور دار آخرت نہ تو ختم ہونے والا ہے نہ اس سے منتقل ہوا جا سکتا ہے نہ کوچ کیا جا سکتا ہے بلکہ یا جنت ہے یا دوزخ۔

بِغَيْرِ حِسَابٍ نیکی کا ثواب بے حد وحساب دیا جائے گا جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

وَ يٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ
اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّ اَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا
تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَا فِي الْاٰخِرَةِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَ اَنَّ
الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ
الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ
فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

''اور اے میری قوم! میرا بھی عجیب حال ہے کہ میں تو تمہیں دعوت دیتا ہوں نجات کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھے آگ کی طرف۔ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور میں شریک ٹھہراؤں اس کے ساتھ اس کو جس کا مجھے علم تک نہیں۔ اور میرا حال یہ ہے کہ میں پھر بھی تمہیں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو عزت والا، بہت بخشنے والا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس کی (بندگی کی) طرف تم مجھے بلاتے ہو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے پکارا جائے اس دنیا میں اور نہ آخرت میں اور یقیناً ہم سب کو لوٹنا ہے اللہ کی طرف اور یقیناً حد سے گزرنے والے ہی جہنمی ہیں۔ پس (اے میرے ہم وطنو!) عنقریب تم یاد

کروگے جو میں (آج) تمہیں کہہ رہا ہوں۔ اور میں اپنا (سارا) کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ بیشک اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو۔ پس بچالیا اسے اللہ تعالیٰ نے ان اذیتوں سے جن کے پہنچانے کا انہوں نے حیلہ کیا اور ہر طرف سے گھیر لیا فرعونیوں کو سخت عذاب نے۔ دوزخ کی آگ ہے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح و شام اور جس روز قیامت قائم ہو گی (حکم ہوگا) داخل کردو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں"۔

مومن آدمی انہیں کہہ رہا تھا کہ یہ کیا بات ہے میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور یہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور اس کے رسول کی تصدیق ہے جسے اس نے مبعوث فرمایا ہے۔

مَا لَيْسَ لِي بِهٖ عِلْمٌ..... یعنی جہل بلا دلیل۔

الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ یعنی وہ اپنی عزت و کبریائی سے توبہ کرنے والے کی بخشش فرماتا ہے۔

لَا جَرَمَ: لا جرم کے معنی ہیں حق و صداقت۔ سدی اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کا یہی معنی کیا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یہ جھوٹ نہیں۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بلی (کیوں نہیں) تم جن بتوں کی عبادت کی طرف مجھے بلاتے ہو وہ کوئی چیز نہیں۔

لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ بت کوئی چیز نہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بت نفع و نقصان نہیں دیتے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو اپنے پکارنے والے کی پکار کا جواب نہیں دیتے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ اور یہی بات ایک اور آیت میں ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (احقاف: 6-5) "اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کرسکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔ اور جب جمع کئے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کردیں گے"۔ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ (فاطر: 14) "اگر تم انہیں پکارو تو نہ سن سکیں گے تمہاری پکار۔ اور اگر وہ بالفرض سن بھی لیں تو وہ تمہاری التجا قبول نہیں کرسکیں گے"۔

وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ..... یعنی دار آخرت میں اللہ کے ہاں ہی لوٹ کر جانا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا۔

وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ..... اپنے اسراف کے سبب وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہ شرک ہے۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ..... میں نے تمہیں جو حکم دیا ہے یا جس چیز سے روکا ہے اور اس کی وضاحت کی ہے اس کی سچائی تم پر واضح ہو جائے گی۔ تم اسے یاد کرو گے اور اس وقت ندامت کا اظہار کرو گے جب ندامت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْۤ اِلَى اللّٰهِ..... میں اللہ پر توکل کرتا ہوں۔ اسی سے مدد چاہتا ہوں۔ میں تم سے الگ ہوں اور تم سے نفرت کرتا ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ یعنی وہ ان سے آگاہ ہے۔ ہدایت کے مستحق کو ہدایت دیتا ہے اور گمراہی کے حقدار کو گمراہ کرتا ہے۔ حجت بالغہ، حکمت تامہ اور قدرت نافذہ اسی کے لئے ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ..... یعنی دنیا و آخرت میں نجات دی۔ یعنی دنیا میں اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بچالیا اور آخرت میں جنت ملے گی۔

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ...... یعنی دریا میں ڈوب جانا پھر وہاں سے جہنم کی طرف منتقلی۔ ان کی ارواح صبح وشام آگ پر پیش کی جاتی ہیں اور قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ پھر قیامت کے دن ان کی ارواح اور اجسام آگ میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ اسی لئے فرمایا: یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ یعنی سخت تکلیف دہ اور دردناک عذاب میں۔

عالم برزخ میں قبروں میں عذاب ہوتا ہے اہل سنت اپنے اس مسلک کی تائید کے لئے اسی آیت سے استشہاد کرتے ہیں اور یہ ان کی بہت بڑی دلیل ہے۔ یعنی آیت کریمہ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بلاشک وشبہ یہ آیت مکی ہے اور اس سے انہوں نے برزخ میں عذاب قبر کی دلیل پکڑی ہے جس کا علم مدینہ میں ہوا جس طرح کہ بعض روایات میں ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک یہود یہ ان کی خدمت کرتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے اسے کوئی چیز دیتیں تو وہ عورت آپ کو یوں دعا دیتی۔ اللہ تجھے عذاب قبر سے بچائے! سیدہ فرماتی ہیں کہ جب حضور ﷺ تشریف لائے تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا قیامت سے قبل بھی قبر میں عذاب ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ یہ کس نے کہا ہے؟ میں نے عرض کی اس یہودی عورت کو جب بھی میں کوئی چیز دیتی ہوں تو وہ کہتی ہے: اللہ تجھے عذاب قبر سے بچائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہود نے جھوٹ بولا۔ وہ تو اللہ پر بھی جھوٹ باندھتے ہیں۔ قیامت کے دن کے علاوہ اور کوئی عذاب نہیں۔ کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک دن آپ نصف النہار کے وقت کپڑا لپیٹے تشریف لائے۔ آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ تھیں اور آپ ﷺ باآواز بلند فرما رہے تھے۔ قبر سیاہ رات کے اندھیروں کی ٹکڑیوں کی طرح ہے۔ اے لوگو! اگر تم جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم رؤو زیادہ اور ہنسو کم۔ اے لوگو! عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ بے شک عذاب قبر حق ہے۔ اس کی سند صحیح ہے اور بخاری و مسلم کی شرط پر ہے(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی عورت نے آپ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تو آپ نے اسے کچھ عطا فرمایا تو اس نے وہ دعا دی۔ اللہ تمہیں آگ کے عذاب سے بچائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ جملہ عجیب لگا۔ جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو آپ نے سرکار سے عرض کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد سرکار نے ہمیں فرمایا: ''میری طرف وحی کی گئی ہے کہ قبروں میں تمہیں آزمایا جائے گا''(2)۔ یہ حدیث بھی شیخین کی شرط پر ہے۔ اس حدیث، آیت مبارکہ کے مکی ہونے اور اس میں عذاب برزخ کی دلیل میں تطبیق کیسے ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت یعرضون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برزخ میں ارواح کو صبح وشام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل نہیں کہ روحوں کی تکلیف قبور میں اجسام کو بھی محسوس ہوتی ہے یا نہیں کیونکہ یہ دلیل صرف روح سے مختص ہے اور جہاں تک برزخ میں جسم کے عذاب کا تعلق ہے تو اس کا ثبوت احادیث سے ہے جن کا ذکر آگے آئے گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آیت برزخ میں کفار کے عذاب کی دلیل ہے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مومن کو اس کے گناہوں کے سبب قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ اس کی دلیل امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے جسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آئے۔ ایک یہودی عورت آپ کے پاس بیٹھی تھی اور یہ کہہ رہی تھی کیا تمہیں پتہ ہے کہ قبر میں بھی عذاب ہوگا۔ یہ سن کر حضور ﷺ کانپ گئے اور فرمایا یہود کو عذاب ہوگا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کچھ راتیں گزر گئیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار تمہیں بھی قبروں میں عذاب

1۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 81 2۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 238

ہوگا۔ اس کے بعد آپ ﷺ فتنہ قبر سے بھی پناہ مانگا کرتے تھے۔ مسلم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے (1)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آیات برزخ میں صرف روحوں کو عذاب ہونے کی دلیل ہیں۔ قبر میں جسم تک اس عذاب کا تعلق ان سے ثابت نہیں ہوتا۔ بعد میں آپ ﷺ کو بذریعہ وحی بتایا گیا کہ جسم کو بھی عذاب ہوتا ہے تو آپ نے اس سے بچاؤ کی دعا شروع فرمائی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی اور عذاب قبر سے پناہ طلب کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: ہاں عذاب قبر حق ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس کے بعد میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ہر نماز میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے ہیں (2)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس حدیث میں اس یہودیہ کی تصدیق فرمائی۔ اور سابقہ احادیث میں ہے کہ آپ نے عذاب قبر کا انکار کیا حتیٰ کہ آپ کو بذریعہ وحی بتایا گیا۔ شاید یہ دو الگ الگ واقعات ہوں اور عذاب قبر کے ثبوت کی احادیث بہت سی ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ صبح وشام جب تک دنیا باقی ہے انہیں کہا جائے گا اے آل فرعون! یہ تمہارا مقام ہے۔ انہیں ایسا کہنے سے مقصود زجر وتوبیخ، انتقام اور تحقیر ہے (3)۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ اب بھی آگ میں ہیں اور قیامت تک صبح وشام عذاب میں ہی رہیں گے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ شہداء کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں۔ جہاں چاہیں جنت میں جاتے ہیں اور مومنوں کے بچوں کی ارواح چڑیوں کے قالب میں جہاں چاہیں جنت میں جاتے ہیں اور عرش میں لٹکی ہوئی قندیلوں میں پناہ گزین ہوجاتے ہیں اور آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کے پیٹ میں ہیں صبح وشام جہنم کے پاس جاتے ہیں۔ یہی ان کا پیش کرنا ہے (4)۔ ثوری اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح مروی ہے (5)۔ معراج والی طویل حدیث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر مجھے ایک بہت بڑی مخلوق کی طرف لے چلے جس میں سے ہر مرد کا پیٹ ایک بہت بڑے گھر کی طرح تھا۔ جو آل فرعون کے پاس ہی جکڑے ہوئے ہیں اور آل فرعون کو صبح وشام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ..... اور آل فرعون نکیل والے اونٹوں کی طرح پتھر اور درخت چر رہے ہوں گے۔ اور بالکل بے شعور ہوں گے (6)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ خواہ مسلمان ہو یا کافر جو نیکی بھی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ضرور بدلہ عطا فرمائے گا۔ فرماتے ہیں ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی طرف سے کافر کو کیا بدلہ ملتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اگر اس نے صلہ رحمی کی ہے یا صدقہ دیا ہے یا کوئی نیک کام کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مال، اولاد اور صحت اور اس طرح کی چیزوں میں بدلہ عطا فرماتا ہے۔ ہم نے عرض کی: اسے آخرت میں کیا بدلہ ملتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا بڑے درجے سے کم درجے کا عذاب اور یہ آیت تلاوت فرمائی: اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (7)۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مسند میں روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہمارے علم میں اس کے علاوہ اس کی کوئی سند نہیں۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حماد بن محمد فزاری بلخی سے روایت کیا ہے کہ میں نے اوزاعی کو ارشاد فرماتے سنا: ایک آدمی آپ سے پوچھ رہا

1۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 248، مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 411-410
2۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 232
3۔ طبری، جلد 24 صفحہ 72
4۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 291
5۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 290، طبری، جلد 24 صفحہ 71
6۔ دیکھئے ابتدائے سورۃ الاسراء
7۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 292، کشف الاستار عن زوائد البزار، ابواب صدقۃ المتطوع، جلد 1 صفحہ 448، حاکم: مستدرک، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 253

تھا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے! ہم نے پرندے دیکھے ہیں جو سمندر سے نکلتے ہیں اور غول در غول مغرب کی طرف جاتے ہیں ان کی صحیح تعداد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور شام کے وقت ایسا ہی جھنڈ واپس آتا ہے جن کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے اسے خوب سمجھ لیا؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ پرندے ہیں جن کے قالب میں آل فرعون کی روحیں ہیں۔ جو صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی ہیں۔ پھر وہ پرندے اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں اس حال میں کہ ان کے پر جل کر سیاہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ پھر رات کو ان کے سفید پر اُگ آتے ہیں اور سیاہ جھڑ جاتے ہیں۔ پھر اسی طرح صبح و شام انہیں آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ دنیا میں ان کی یہی حالت ہوتی ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ کہتے ہیں کہ ان کی تعداد چھ لاکھ جنگجو تھی (1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مرتا ہے تو صبح و شام اس کا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اہل جنت سے ہے تو جنت اور اگر جہنمی ہے تو جہنم۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا مقام ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اٹھائے۔ صحیحین میں یہی روایت مالک سے مروی ہے (2)۔

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝

''اور (کتنا ہوشربا سماں ہوگا) جب باہم جھگڑیں گے دوزخ میں پس کہیں گے کمزور لوگ انہیں جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے پس کیا تم دور کر سکتے ہو ہم سے کچھ حصہ آگ (کے عذاب) کا۔ جواب دیں گے متکبر ہم سب آگ میں (بھن رہے) ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے بندوں کے متعلق (اب اس میں ردّ و بدل نہیں ہو سکتا) اور کہیں گے سارے دوزخی جہنم کے داروغوں کو دعا کرو اپنے رب سے کہ ایک دن تو ہمارے عذاب میں (کچھ) تخفیف فرما دے۔ وہ (جواب میں) کہیں گے کیا نہیں آیا کرتے تھے تمہارے پاس رسول روشن دلیلوں کے ساتھ۔ وہ کہیں گے بیشک! داروغے کہیں گے تم خود ہی دعا مانگو اور حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے کافروں کی دعا مگر محض بے سود''۔

اللہ تبارک و تعالیٰ آگ میں دوزخیوں کے باہمی جھگڑے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں۔ فرعون اور اس کی قوم بھی ان میں شامل ہوگی۔ کمزور لوگ (یعنی پیروکار) تکبر کرنے والوں (قائدین، سرداروں اور بڑے لوگوں) سے کہیں گے: اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا کہ دنیا میں جس کفر و ضلال کی طرف آپ لوگوں نے ہمیں بلایا۔ ہم نے تمہاری اطاعت کی۔

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ یعنی کچھ حصہ تم اٹھا لو۔ وہ رؤساء اور سردار جواب دیں گے ہم تمہارا عذاب نہیں اٹھا سکتے۔ ہمارے اوپر جو عذاب ہو رہا ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 71 2۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 113، فتح الباری کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 243، مسلم کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2199

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ اللہ کا حکم جاری ہو چکا۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کے برابر سزا ملے گی۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (اعراف:38) ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لئے دُگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے''۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ...... جب دوزخیوں کو یہ یقین ہو جائے گا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی دعا کو قبول نہیں فرمائے گا بلکہ ارشاد ہوگا: اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (مومنون:108) ''پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اس میں اور مت بولو میرے ساتھ''۔ تو وہ کفار دوزخ کے داروغوں سے (جو وہاں کے دربان ہیں) کہیں گے کہ تم ہی اللہ سے دعا کرو کہ ہمارے عذاب میں تخفیف فرمائے۔ خواہ ایک دن کے لئے ہی ہوتو وہ داروغے انہیں جواب دیں گے: اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ کیا رسولوں کی زبانی دنیا میں تم پر حجت قائم نہیں ہوگئی تھی؟

قَالُوْا فَادْعُوْا پھر تم خود ہی اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ ہم تمہارے لئے دعا نہیں کر سکتے اور نہ ہی تمہاری کوئی بات سنیں گے۔ ہم تمہاری رہائی کے خواہش مند نہیں اور ہم تم سے بری الذمہ ہیں۔ ہاں سنو ہم تمہیں یہ بتائے دیتے ہیں کہ خواہ تم دعا کرو یا نہ کرو، تمہاری دعا مستجاب نہیں ہوگی اور نہ ہی تمہارے عذاب میں کوئی تخفیف کی جائے گی۔

وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ: فی ذهاب۔ رائیگاں۔ ان کی دعا نامقبول اور مردود ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿٥١﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿٥٢﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿٥٣﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿٥٤﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿٥٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿٥٦﴾

''بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے۔ اس روز نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور ان کے لئے لعنت ہوگی۔ اور ان کے لئے (دوزخ کا) بدترین گھر ہوگا۔ اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ کو (نور) ہدایت اور وارث بنایا بنی اسرائیل کو کتاب کا۔ جو سراپا ہدایت اور نصیحت تھی عقلمندوں کے لئے۔ پس (اے محبوب!) آپ صبر فرمائیے (کفار کی اذیتوں پر) بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور استغفار کرتے رہئے اپنی (موہومہ) کوتاہی پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے شام کے وقت اور صبح کے وقت۔ بے شک جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی آیتوں کے بارے میں بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو۔ نہیں ہے ان کے سینوں میں بجز بڑائی کی ایک ہوس کے جس کو وہ پا نہیں سکیں گے۔ تو آپ اللہ کی پناہ طلب کیجئے۔ بیشک وہی سب کچھ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے''۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا ابوجعفر بن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک اعتراض ذکر کیا ہے کہ اس آیت میں خدا نے رسولوں کی مدد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض انبیاء کو ان کی اقوام نے قتل کر دیا جیسے حضرت یحییٰ، زکریا اور شعیاء علیہم السلام اور بعض کو اپنا وطن

چھوڑنا پڑا خواہ ہجرت کی صورت میں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام یا انہیں آسمان پر اٹھالیا گیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ تو پھر یہ دنیا میں نصرت کا وعدہ کیا ہے؟

پھر خود ہی اس کے دو جواب دیئے ہیں:۔

(۱) یہ کہ یہ خبر عام ہے لیکن اس سے مراد بعض ہے۔ اور لغت عرب میں اس کی گنجائش ہے کہ مطلق ذکر ہو اور مراد بعض افراد ہوں۔

(۲) دوسرے یہ کہ مدد کرنے سے مراد بدلہ لینا ہو، ان لوگوں سے جنہوں نے انہیں تکلیف پہنچائی۔ خواہ ان کی موجودگی میں یا عدم موجودگی میں یا ان کے وصال کے بعد۔ پس کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جسے ایذاء پہنچانے والوں سے قدرت نے زبردست انتقام نہ لیا ہو۔ جیسے حضرت یحییٰ، حضرت زکریا اور حضرت شعیاء علیہم السلام کے قاتلوں پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا جنہوں نے ان کی تذلیل کی اور ان کے خون کی ندیاں بہائیں۔ نمرود کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ قدرت نے اسے کیسی پکڑ میں پکڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جن یہودیوں نے سولی دینے کی کوشش کی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان پر رومیوں کو مسلط کر دیا جن کے ہاتھوں ان کی سخت اہانت و تذلیل ہوئی۔ وہ ان پر غالب آ گئے۔ پھر جب قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ بن مریم امام عادل اور انصاف پسند حکمران بن کر اتریں گے تو مسیح الدجال اور اس کے لشکری یہودیوں کو تہ تیغ کریں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب توڑ دیں گے اور جزیہ باطل کریں گے اور بجز اسلام کے کچھ قبول نہ کریں گے۔ یہ عظیم نصرت ہے۔ اپنی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا یہی دستور ہے جو زمانہ قدیم سے ہے اور اب تک جاری و ساری ہے کہ وہ دنیا میں اپنے مؤمن بندوں کی نصرت فرماتا ہے جن لوگوں نے انہیں تکلیف پہنچائی تھی ان سے انتقام لے کر ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جس نے میرے ولی سے لڑائی مول لی اس نے مجھے لڑائی کے لئے دعوت مبارزت دی۔'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ: ''میں اپنے دوستوں (اولیاء) کے لئے اسی طرح لڑائی کا بدلہ لیتا ہوں جیسے شیر بدلہ لیتا ہے(1)۔ اسی بناء پر اس خدائے قہار و جبار نے قوم نوح، عاد، ثمود، اصحاب الرس، قوم لوط، اہل مدین اور ان جیسی دیگر اقوام جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور حق کی مخالفت کی تھی بدلہ لیا اور انہیں ہلاک کر دیا۔ ان میں سے جتنے مومن تھے انہیں نجات عطا فرمائی اور کسی کو ہلاک نہ کیا۔ جبکہ کفار کو عذاب دیا اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم میں رسول مبعوث نہیں فرمایا مگر انہوں نے اسے قتل کر دیا یا مؤمنین کی ایک جماعت جو دعوت حق دیا کرتی تھی انہیں مار ڈالا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ بھیجتا ہے جو ان کی مدد کرتے ہیں اور ان کے خون کا بدلہ طلب کرتے ہیں۔ پس انبیاء اور مومنین اگرچہ دنیا میں قتل کر دیئے گئے لیکن ان کی مدد و اعانت کی گئی۔ یعنی ان کے دشمنوں کو تہس نہس کر دیا گیا(2)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت سیدنا محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کو ان مخالفین پر غلبہ دیا جنہوں نے آپ کی تکذیب و مخالفت کی تو آپ کے کلمے کو ہی بلند فرمایا۔ آپ کا دین ہر اعتبار سے تمام ادیان پر غالب ہے۔ اللہ نے آپ کو اپنی قوم کی مخالفت کی وجہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ وہاں آپ کو اعوان و انصار عطا فرمائے۔ پھر غزوہ بدر میں مشرکین پر غلبہ عطا فرمایا۔ انہیں رسوا کیا۔ صناد ید قریش قتل ہوئے۔ سرداران قوم گرفتار ہوئے اور پا بجولاں لائے گئے۔ حکمت خداوندی نے ان پر مزید احسان یہ فرمایا کہ فدیہ لے کر وہ آزاد کر دیئے گئے۔ پھر تھوڑی ہی مدت کے بعد مکہ فتح ہوا اور عزت و شرف والے آپ کے مقدس شہر کے ساتھ آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور اللہ نے

1۔ یہ دونوں حدیثیں سورۂ بقرہ کی آیت: 98 کی تفسیر میں گزر چکی ہیں 2۔ طبری، جلد 24 صفحہ 75، درمنثور، جلد 7 صفحہ 293-292

اسے کفر و شرک سے پاک صاف کر دیا۔ یمن فتح ہوا۔ تمام جزیرہ عرب زیر نگین ہوا۔ لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ پھر اللہ رب العزت نے آپ کو اپنی طرف بلا لیا۔ کیونکہ اللہ کے ہاں آپ تکریم و تعظیم کے حقدار ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے اصحاب آپ کے خلفاء بنے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی طرف سے اللہ کا دین پہنچایا اور اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلایا۔ مختلف ممالک، شہر، اقالیم اور دیہات اور دل فتح کئے حتی کہ دعوت محمدیہ مشرق و مغرب میں پھیل گئی۔ اب یہ دین قیامت تک قائم، غالب اور منصور رہے گا۔ اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ یعنی قیامت کے دن نصرت کہیں زیادہ عظیم اور بہت بڑی ہوگی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ 'اشهاد' سے مراد ملائکہ ہیں (1)۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ یہ بدل ہے یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ سے بعض دیگر قاریوں نے یومُ کو رفع (پیش) سے پڑھا ہے تو گویا یہ پہلے یوم کی تفسیر ہے۔ ظالمین سے مراد مشرکین ہیں یعنی نہ تو ان کا کوئی عذر قبول ہوگا اور نہ کوئی فدیہ۔

وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ اور رحمت ربانی سے دوری ہوگی اور انہیں دھتکار دیا جائے گا۔

وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ یہ دوزخ ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ برا گھر اور ٹھکانہ۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی نقل کیا ہے کہ اس سے مراد برا انجام ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْهُدٰى اللہ نے آپ کو ہدایت اور نور کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا۔

وَاَوْرَثْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ہم نے ان کا انجام بہتر کیا اور انہیں فرعون کے اموال اور زمینوں کا وارث بنایا کیونکہ انہوں نے اللہ کی اطاعت اس کے رسول موسیٰ علیہ السلام کی اتباع میں سختیاں برداشت کیں اور صبر کیا۔ وہ تورات کے وارث بنے جو اصحاب عقول سلیمہ کے لئے باعث ہدایت ہے۔

فَاصْبِرْ اے محمد ﷺ بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے یعنی ہمارا آپ سے وعدہ ہے کہ بالآخر آپ اور آپ کے پیروکاروں ہی کا بول بالا ہوگا۔ حسن انجام آپ اور آپ کے متبعین کا ہے اور اللہ وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور آپ کو یہ خبر دی جا رہی ہے۔ یہ سچ ہے اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں (2)۔

وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ...... یہاں امت کو استغفار پر برانگیختہ کیا جا رہا ہے۔ دن کے اواخر اور رات کے اوائل اور دن کے اوائل (ابتداء) اور رات کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیجئے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ...... یعنی باطل کے ساتھ حق کا دفاع کرتے ہیں اور صحیح دلائل کو فاسد شبہات اور کٹ حجتی سے ٹال

1۔ طبری، جلد 24 صفحہ 75

2۔ حضور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں "افضل اور اولیٰ کا ترک عام لوگوں کے لئے جرم اور گناہ تصور نہیں ہوتا لیکن مقربین بارگاہ صمدیت سے غیر اولیٰ کا صدور بھی قابل مواخذہ ہوتا ہے۔ یہاں بھی جس ذنب سے استغفار کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ اس سے مراد ایسے امر سے استغفار ہے جو بذات خود اگرچہ مباح اور جائز ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام رفیع اور شان عالی کے شایان شان نہیں اور سالکان راہ محبت سے یہ چیز مخفی نہیں کہ منزل محبوب کی طرف ان کے سفر میں ایک لمحے کے لئے توقف بھی ناقابل برداشت ہے اور لائق صد استغفار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ امر محض تعبدی ہو تا کہ امت کیلئے استغفار سنت نبوی ﷺ بن جائے اور کوئی شخص خواہ اس کا رتبہ کتنا بلند ہو اعتراف قصور اور طلب عفو میں کوتاہی نہ کرے" (ضیاء القرآن، جلد 4 صفحہ 312)

دیتے ہیں۔نہیں ہے ان کے سینوں میں مگر اتباع حق سے تکبر اور اس دعوت کو لانے والے کو حقیر تصور کرنا۔حق کو گوشہ گمنامی میں ڈالنے اور باطل کو سر بلند کرنے کا ان کا ارادہ ہرگز پورا نہیں ہوگا بلکہ حق کا جھنڈا سر بلند ہوگا اور ان کے ناپاک ارادے خائب و خاسر ہوں گے۔

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ......ان جیسے لوگوں کو دیکھ کر آپ اللہ کی پناہ طلب کیا کریں۔یا فرمایا اللہ کی آیات میں بلا دلیل جھگڑا کرنے والے ان جیسے لوگوں کے شر سے اللہ کی پناہ مانگا کریں۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ سے یہی تفسیر منقول ہے(1)۔

کعب اور ابوالعالیہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی۔ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہود یہ دعویٰ کرتے تھے کہ دجال انہی سے ہوگا اور اس کے ساتھ مل کر وہ روئے زمین کے مالک بن جائیں گے۔پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم ارشاد فرمایا کہ فتنہ دجال سے اللہ کی پناہ طلب کیا کریں کیونکہ وہی سمیع و بصیر ہے۔یہ قول غریب ہے اور تکلف پر مبنی ہے۔اگرچہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے واللہ اعلم۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾

''بیشک پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے لیکن بہت سے لوگ (اس کھلی حقیقت کو) نہیں جانتے۔اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا۔اور (اسی طرح) مومن نیکوکار اور بدکار یکساں نہیں۔تم بہت کم غور کرتے ہو۔یقیناً قیامت آکر رہے گی ذرا شک نہیں ہے اس میں لیکن بہت سے لوگ (قیامت پر) ایمان نہیں لاتے''۔

اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ وہ قیامت کے دن مخلوق کو دوبارہ زندہ فرمائے گا اور اس کے لئے ایسا کرنا آسان ہے کیونکہ اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور ان دونوں چیزوں کا پیدا کرنا انسانوں کی تخلیق اور دوبارہ لوٹانے سے کہیں زیادہ بڑی بات ہے۔جو ان کی تخلیق پر قادر ہے وہ بدرجہ اولیٰ ان کم تر چیزوں پر بھی قادر ہے۔جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا (اسراء:99) ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جس نے پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ پیدا فرمادے ان کی مثل اور اس نے مقرر فرمادی ہے ان کے لئے ایک میعاد جس میں ذرا شک نہیں۔پس انکار کر دیا ظالموں نے (اللہ کی قدرت کا) سوائے اس کے کہ وہ ناشکری کریں''۔

اسی لئے فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ......لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اس لئے وہ اس دلیل میں تدبر اور غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔جس طرح بہت سے عرب اس حقیقت کے معترف تھے کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس کے باوجود وہ از روئے استبعاد اور کفر و عناد کی بناء پر دوبارہ اٹھنے سے انکاری تھے۔انہوں نے اس چیز کا اعتراف کیا جو اولیٰ تھی اس سے جس کا وہ انکار کرتے تھے۔

پھر فرمایا: وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ......یعنی جس طرح ایک نابینا شخص جسے کچھ نظر نہیں آتا اور بینا آدمی جو تاحد نظر دیکھ سکتا ہے برابر نہیں ہو سکتے بلکہ ان دونوں کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔اسی طرح مومن، نیکوکار اور کفار و فجار کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔اکثر لوگ کم ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔

1۔تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 77

پھر فرمایا: اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ قیامت ضرور وقوع پذیر ہونے والی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ اس بات کو درست نہیں سمجھتے بلکہ اس کے واقع ہونے کی تکذیب کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یمنی شخص سے سنی ہوئی روایت ذکر کی ہے کہ قرب قیامت کے وقت لوگوں پر بلاؤں کی شدت آ جائے گی اور سورج کی حرارت تیز ہو جائے گی۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝۶۰

''اور تمہارے رب نے فرمایا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل وخوار ہو کر''۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو دعا مانگنے کی تعلیم دی اور اسے قبول کرنے کی ضمانت دی ہے۔
حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اے وہ خدا جسے وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو اس سے زیادہ سوال کرتا ہے اور اے وہ جسے وہ شخص سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے جو دعا نہیں مانگتا اے میرے رب یہ صفت صرف تیری ہی ہے (رواہ ابن ابی حاتم)۔
یہی مفہوم ایک شاعر (1) نے یوں ادا کیا ہے:

اَللّٰهُ يَغْضَبُ اِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهُ وَبنى آدَمَ حِيْنَ يُسالُ يَغْضَبُ

ترجمہ:۔ سوال نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوتا ہے اور بنو آدم سوال کرنے سے ناراض ہوتے ہیں۔
قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کعب احبار کا قول نقل کیا ہے کہ اس امت کو تین ایسی چیزیں عطا فرمائی گئیں ہیں جو اس سے پہلے کسی امت کو نہیں دی گئیں بجز نبی کے۔ ہر نبی کو جب مبعوث کیا گیا اسے کہا گیا تو اپنی امت پر گواہ ہے اور تمہیں لوگوں پر گواہ بنایا ہے اور ہر نبی سے یہ کہا جاتا تھا کہ دین میں تجھ پر کوئی حرج نہیں اور اس امت کو فرمایا: وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج:78) ''حق کی پاسبانی اور اشاعت کے لئے) اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی''۔ ہر نبی سے یہ کہا جاتا مجھ سے مانگنا میں تیری دعا کو قبول کروں گا اور اس امت کو یہ مژدہ سنایا مجھی سے مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (بروایت ابن ابی حاتم) (2)۔
امام حافظ ابو یعلی احمد بن علی بن المثنی الموصلی نے اپنی سند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حدیث قدسی میں ہے۔ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ چار خصلتیں ہیں جن میں سے ایک میرے لئے ہے اور ایک تیرے لئے۔ ایک میرے اور تیرے درمیان ہے اور ایک تیرے اور میرے بندوں کے درمیان ہے۔ جو خاص میرے لئے ہے وہ یہ کہ میری عبادت کرنا اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ

1۔ قرطبی نے اپنی تفسیر، جلد 5 صفحہ 164 میں قول کو بعض علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء آیت (واسالوا الله من فضله) قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ قول ابن ماجہ کی روایت کردہ اس حدیث سے ماخوذ ہے ''جو اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے''۔

2۔ ''اگر کسی ولی سے اس کی ظاہری زندگی یا اسکے وصال کے بعد دعا کیلئے التماس کی جائے یا بارگاہ رسالت میں استغاثہ کیا جائے تو اسے بھی بعض لوگ عبادت شمار کرتے ہیں اور ایسا کرنے والے کو بلا تامل مشرک کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ ایسا کرنے والا نہ ان کو خدا مانتا ہے نہ ان کو قادر مطلق سمجھتا ہے اور نہ اس کے دل میں یہ واہمہ ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تب بھی یہ حضرات اس کی مشکل کشائی کر سکتے ہیں۔ البتہ وہ ان پاکیزہ ہستیوں کو اپنے سے بہتر متقی اور خداوند تعالیٰ کا فرمانبردار سمجھتا ہے اور یہ حسن ظن رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکی دعاؤں کو شرف قبولیت سے سرفراز فرماتا ہے اور کسی غیر سے دعا منگوانا ہرگز شرک نہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا علی المرتضیٰ کو وصیت فرمائی تھی کہ وہ اویس قرنی سے اپنے لئے اور امت مسلمہ کیلئے دعا کروائیں'' (بحوالہ ضیاء القرآن، جلد 4 صفحہ 316)

ٹھہرانا اور تیرا حق مجھ پر یہ ہے کہ ہر نیکی کا تجھے بدلہ دوں گا اور جو تیرے اور میرے مابین ہے وہ یہ کہ تجھ پر دعا مانگنا لازمی ہے اور مجھ پر قبول کرنا۔(اور چوتھی خصلت) جو تیرے اور میرے بندوں کے درمیان ہے وہ یہ کہ تو ان کے لئے وہی چیز پسند کر جو تو اپنے لئے پسند کرتا ہے"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دعا عین عبادت ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ...... اصحاب سنن (ترمذی،نسائی اور ابن ماجہ) ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں نے اپنی اپنی صحیح میں اسے روایت کیا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتا اس پر اللہ کا غضب ہوتا ہے"(2)۔ اس کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو اس سے سوال نہیں کرتا اس سے وہ ناراض ہوتا ہے"(3)۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے۔ حافظ ابو محمد حسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی نے محمد بن سعید سے روایت کیا ہے کہ جب محمد بن مسلمہ انصاری کا انتقال ہوا تو ان کی تلوار کی میان سے ایک مکتوب نکلا اس پر لکھا ہوا تھا: "اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن و رحیم ہے۔" میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: "تمہارے رب کی طرف سے رحمت کے مواقع آتے رہتے ہیں۔ تم ان کی تلاش میں رہو۔ یہ ممکن ہے کہ تم کسی ایسے وقت میں دعا کرو جو اس رحمت کی گھڑی کے موافق ہو تو اس دعا مانگنے والے کو وہ سعادت مل جائے کہ پھر وہ کبھی خائب و خاسر نہ ہو"

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ...... یعنی مجھ سے دعا کرنے اور میری توحید سے۔ داخرین: حقیر و ذلیل۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عمرو بن شعیب ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ روز قیامت متکبر لوگوں کا حشر چھوٹی چیونٹیوں کی صورت میں ہوگا۔ ان کی شکل تو انسانوں کی سی ہوگی لیکن جسامت چیونٹیوں کے برابر۔ ہر چیز انہیں روند کر گزر جائے گی حتیٰ کہ جہنم کے قید خانے میں داخل ہو جائیں گے جس کا نام بولس ہے۔ ان کے اوپر آگوں کی آگ ہوگی اور انہیں دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی(4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ملک روم میں رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ ایک دن میں نے سنا کہ ہاتف غیبی ایک پہاڑ کی چوٹی سے یہ کہہ رہا تھا اے رب! مجھے اس آدمی پر تعجب ہے جو تجھے پہچاننے کے باوجود تیری ذات کے سوا دوسروں سے امید رکھتا ہے۔ اے رب! مجھے تعجب ہے اس شخص سے جو تجھے پہچان لینے کے باوجود تجھے چھوڑ کر دوسروں سے اپنی ضروریات طلب کرتا ہے۔ فرماتے ہیں پھر وہ آواز بند ہو گئی۔ پھر دوبارہ اس نے یہ آواز لگائی: اے رب! مجھے تعجب ہے اس شخص سے جو تجھے پہچانتے ہوئے دوسرے کی رضامندی کے حصول کی خاطر وہ کام کرتا ہے جس سے تو ناراض ہو جائے۔ وہیب کا قول ہے کہ یہی بہت

1۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 271، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ بقرہ، جلد 11 صفحہ 94-93، نیز سورۂ مومن، جلد 12 صفحہ 127-126، سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 77-76، نسائی، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9 صفحہ 730 تحفۃ الاحوذی، جلد 8 صفحہ 309، ابن ماجہ، کتاب الدعاء، جلد 2 صفحہ 1258-1257، تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 79، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الادعیۃ، جلد 2 صفحہ 124 حاکم، مستدرک، کتاب الدعاء، جلد 1 صفحہ 491-49

2۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 477، ابن ماجہ کتاب الدعاء، جلد 2 صفحہ 1852

3۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 442 4۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 179

بڑی آفت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے اسے آواز دی کیا تو جن ہے یا انسان؟ اس نے جواب دیا کہ انسان ہوں۔ تو ان باتوں سے اپنا دھیان ہٹا لے جو تجھے فائدہ نہ دیں اور ان کاموں میں مشغول ہو جا جو تیرے لئے فائدے کا باعث ہوں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾ كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۵﴾

"اللہ ہی ہے جس نے بنائی ہے تمہارے لئے رات تا کہ تم آرام کرو اس میں اور (بنایا ہے) دن کو روشن۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا فضل (وکرم) فرمانے والا ہے لوگوں پر لیکن بہت سے لوگ (اس کی نعمتوں کا) شکر ادا نہیں کرتے۔ وہ ہے اللہ تمہارا رب پیدا کرنے والا ہر چیز کا۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے۔ پس کیسے راہِ حق سے تم روگردانی کرتے ہو۔ اسی طرح (راہِ حق سے) منہ پھیر دیا جاتا ہے ان (بدنصیبوں) کا جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لئے زمین کو قیام کی جگہ اور آسمان کو چھت (کی مانند) اور تمہاری صورت گری کی اور حسین بنا دیا تمہاری صورتوں کو اور کھانے کے لئے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں۔ ایسی (خوبیوں والا) اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ پس بڑی ہی برکتوں والا ہے اللہ تعالیٰ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ وہی ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے پس اس کی عبادت کرو اپنے دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے"۔

اللہ تعالیٰ مخلوق پر اپنے احسان کا بیان فرما رہا ہے کہ اس نے رات کو دن بھر کی تھکن کے بعد سکون کا باعث بنایا اور دن کو روشن اور چمکیلا بنایا تا کہ وہ سفر کرنے اور کام کاج کرنے پر قادر ہو سکیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے۔

خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ جس نے ان اشیاء کو پیدا کیا ہے وہ اللہ واحد و یکتا ہے۔ تمام اشیاء کا خالق وہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے علاوہ کوئی رب نہیں۔

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ تم اس کے علاوہ دیگر بتوں کی عبادت کیسے کرتے ہو۔ جو کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر نہیں بلکہ خود مخلوق اور گھڑے ہوئے ہیں۔

كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا...... یعنی جس طرح یہ لوگ غیر اللہ کی عبادت سے گمراہ ہوئے ہیں اسی طرح ان سے پہلی قومیں بھی گمراہ ہوئیں اور بغیر کسی دلیل و حجت کے محض جہالت اور خواہش نفس کی پیروی میں غیر اللہ کی عبادت کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کی نشانیوں کو جھٹلاتے رہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا اسے تمہارے لئے قرار گاہ اور بچھونا بنایا جس پر تم زندگی گزارتے ہو۔ ادھر ادھر چلتے پھرتے ہو۔

اور پہاڑوں کو اس میں گاڑا تا کہ وہ ڈولتی نہ رہے۔

بِنَآءً محفوظ چھت۔

فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ یعنی تمہیں اچھی شکل وصورت عطا فرمائی اور ہر جوڑ وعضو کو متناسب پیدا فرمایا۔

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ یعنی دنیا میں کھانے پینے کی اشیاء۔ یہ ذکر فرمایا کہ اسی نے دنیا، انسانوں اور ان کی روزی کو پیدا کیا۔ وہی خالق و رازق ہے۔ جیسے سورۂ بقرہ میں آتا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (بقرہ:22-21) ''اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ وہ جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے کچھ پھل تمہارے کھانے کے لئے پس نہ ٹھہراؤ اللہ کے مدمقابل اور تم جانتے ہو''۔ اور یہاں فرمایا: ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ وہ بلندی، پاکیزگی اور بزرگی والا ہے۔

پھر فرمایا: هُوَ الْحَيُّ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اول وآخر اور ظاہر و باطن وہی ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کا نظیر وعدیل کوئی نہیں۔ اسی کی توحید وربوبیت کو مانتے ہوئے اسی سے دعا کرو کہ تمام تعریفوں کا مالک وہی رب العالمین ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اہل علم کی ایک جماعت لوگوں کو یہ حکم دیا کرتی تھی کہ لا الٰہ إلا اللّٰہ پڑھنے والے کو ساتھ ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ بھی پڑھنا چاہئے تا کہ اس آیت پر عمل ہو جائے (1)۔ محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت کیا ہے۔ آیت کریمہ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ...... سے مراد یہی ہے (2)۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہر نماز کا سلام پھیرنے کے بعد یہ کہا کرتے تھے: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير، لا حول ولا قوة إلا بالله، لا اله إلا الله ولا نَعْبُدُ إلَّا إيَّاه، له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسنُ، لا إله إلا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اسے ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے (3)۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۠ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

''آپ فرما دیجئے کہ مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا (میں ان کی عبادت کیسے

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 81
2۔ ایضاً مرجع مذکور
3۔ گزشتہ صفحات میں اس کا بیان ہو چکا ہے

کر سکتا ہوں) جب آ گئی ہیں میرے پاس دلیلیں اپنے رب کی طرف سے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سر تسلیم خم کر دوں رب العلمین کے سامنے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے پھر نکالا تمہیں (شکم مادر سے) بچہ بنا کر پھر (پرورش کی تمہاری) تا کہ تم پہنچو اپنی جوانی کو پھر (تمہیں زندہ رکھا) تا کہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور بعض تم میں سے فوت ہو جاتے ہیں پہلے ہی اور (یہ سارا نظام اس لئے ہے) کہ تم پہنچ جاؤ مقررہ میعاد تک اور تا کہ تم (اپنے رب کی عظمتوں کو) سمجھنے لگ جاؤ۔ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ پس جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو صرف اتنا فرماتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے محمد! ان مشرکین سے کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ نے اس کی ذات کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اس کے سوا عبادت کا حقدار کوئی نہیں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ...... اس کی سب سے بڑی دلیل یہ آیت ہے یعنی ان سب اطوار و حالات کو وہی بدلتا ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ سب کام اسی کے حکم، تقدیر اور تدبیر سے ہوتے ہیں۔

وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ اور تم میں سے بعض اس سے قبل ہی فوت ہو جاتے ہیں یعنی حمل گر جاتا ہے اور بعض صغر سنی میں، بعض جوانی میں اور بعض ادھیڑ عمر میں بڑھاپے سے پیشتر ہی مر جاتے ہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ ؕ وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى (حج:5) ''ہم ظاہر فرما دیں تمہارے لئے (اپنی قدرت کا کمال) اور ہم قرار بخشتے ہیں رحموں میں جسے ہم چاہتے ہیں ایک مقررہ میعاد تک''۔

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تم مرنے کے بعد جی اٹھنے کو یاد کرو۔

پھر فرمایا: هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ جلانے اور مارنے میں وہ اکیلا ہے۔ اس کے علاوہ اس پر کوئی قادر نہیں۔ اس کے کسی فیصلے کو توڑنے والا کوئی نہیں۔

كُنْ فَیَكُوْنُ یعنی اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں ہوتی بلکہ وہ جو چاہے لامحالہ ہو کر رہتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى یُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَ بِمَاۤ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ۫ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ ؕ یُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ فِی الْحَمِیْمِ ۙ۬ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِیْلَ لَهُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ اُدْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿۷۶﴾

''کیا تم نہیں دیکھتے ان (نادانوں) کی طرف جو جھگڑا کرتے ہیں، اللہ کی آیات میں۔ یہ کہاں بھٹک رہے ہیں۔ جن لوگوں نے جھٹلایا اس کتاب کو اور اس چیز کو بھی جو دے کر ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا۔ انہیں (اپنی تکذیب کا انجام) معلوم ہو

جائے گا جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں۔ انہیں گھسیٹ کر لے جایا جائے گا۔ کھولتے ہوئے پانی میں۔ پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ پھر پوچھا جائے گا ان سے کہاں ہیں وہ جنہیں تم شریک ٹھہراتے تھے۔ اللہ کے سوا (بصد یاس) کہیں گے وہ تو گم ہو گئے ہم سے بلکہ ہم تو کسی چیز کو پوجتے ہی نہ تھے اس سے پہلے۔ اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے کافروں کو یہ (سزا اور رسوائی) بدلہ ہے اس کا کہ تم خوشیاں منایا کرتے تھے زمین میں (اپنے عارضی اقتدار پر) ناحق اور بدلہ ہے اس کا جو تم (اپنے فانی اموال و املاک پر) اترایا کرتے تھے۔ اب داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں تم وہاں ہمیشہ رہنے والے ہو۔ پس یہ بہت برا ٹھکانا ہے تکبر وغرور کرنے والوں کا''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد! اللہ کی آیات کو جھٹلانے اور باطل کے ساتھ حق سے جھگڑا کرنے والوں سے آپ تعجب نہ کریں۔ ان کی عقلیں کس طرح ہدایت سے گمراہی کی طرف پھر گئی ہیں۔

بِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا یعنی ہدایت اور وضاحت کے ساتھ۔

فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ اللہ کی طرف سے انہیں یہ شدید دھمکی اور پختہ وعید ہے جس طرح ایک اور جگہ فرمایا: فَوَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ (طور:11) ''پس بربادی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے''۔

قولہ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی اور جہنم کے داروغے انہیں منہ کے بل گھسیٹ رہے ہوں گے۔ کبھی گرم پانی میں اور کبھی دوزخ میں۔ اسی لئے فرمایا: یُسْحَبُوْنَ ۙ فِی الْحَمِیْمِ ۙ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ جیسے ایک دوسری آیت میں آتا ہے: هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۘ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَ بَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ (الرحمٰن:44-43) ''یہی وہ جہنم ہے جسے جھٹلایا کرتے تھے مجرم''۔

ان آیتوں میں زقوم کھانے اور گرم پانی پینے کا بیان کرنے کے بعد فرمایا: ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِ۫الَى الْجَحِیْمِ (صافات:68) ''پھر انہیں زقوم کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا''۔ اور فرمایا: وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ (واقعہ:41) ''اور بائیں ہاتھ والے، کیسی خستہ حالت ہو گی بائیں ہاتھ والوں کی''۔ یعنی انہیں ایسا زجر وتوبیخ تحقیر وتذلیل اور استہزاء وتمسخر کے طور پر کہا جائے گا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یعلی بن منبہ سے ایک مرفوع حدیث میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخیوں پر ایک سیاہ ابر بھیجے گا۔ ارشاد ہوگا اے اہل نار! تم کیا چاہتے ہو؟ وہ اسے دنیوی گھٹا پر قیاس کرتے ہوئے کہیں گے ہمیں ٹھنڈا پانی درکار ہے لیکن اس میں سے طوق اور زنجیریں اور آگ کے انگارے برسیں گے(1)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ قولہ ثُمَّ قِیْلَ لَهُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۙ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی انہیں کہا جائے گا وہ بت کہاں ہیں اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے تھے۔ کیا آج وہ تمہاری مدد کریں گے؟

قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا یعنی وہ چلے گئے اور انہوں نے ہمیں کوئی نفع نہ دیا۔

بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ ...... یعنی وہ بتوں کی عبادت کا انکار کر دیں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ (انعام:23)۔ اسی لئے فرمایا: كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِیْنَ۔

قولہ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ ...... تَمْرَحُوْنَ یعنی ملائکہ انہیں کہیں گے یہ عذاب اس کا بدلہ ہے جو دنیا میں تم بلاوجہ اکڑتے پھرتے تھے اور تکبر کرتے تھے۔

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 305

قولہ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا...... یہ بہت برا ٹھکانہ اور جائے قرار ہے جس میں ذلت اور شدید عذاب ہے اس شخص کے لئے جو اللہ کی آیات کو قبول کرنے اور اس کے دلائل و براہین کو ماننے سے تکبر کرے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

"(اے حبیب!) آپ (ان کی ناز یبا حرکتوں پر) صبر فرمائیے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ سو ہم خواہ آپ کو دکھائیں اس عذاب کا کچھ حصہ جس کا ان سے ہم نے وعدہ کیا ہے یا (اس سے پہلے ہی) آپ کو دنیا سے اٹھالیں (یہ بچ نہیں سکتے) آخر کار ہماری طرف ہی لوٹائے جائیں گے۔ اور ہم نے بھیجے تھے پیغمبر آپ سے پہلے بھی ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ سے کر دیا اور ان میں سے بعض کا ذکر (قرآن کریم میں) آپ سے نہیں کیا۔ اور کسی رسول کی مجال نہ تھی کہ وہ لے آتا کوئی نشانی اللہ کی اجازت کے بغیر۔ پس جب آئے گا اللہ کا حکم (تو) فیصلہ کر دیا جائے گا حق (وانصاف) کے ساتھ اور باطل پرست وہاں (سراسر) گھاٹے میں رہیں گے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ الصلاۃ والتسلیم کو اپنی قوم کی تکذیب پر صبر کرنے کا حکم ارشاد فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مدد و نصرت کا جو وعدہ آپ سے فرمایا ان شاء اللہ اسے ضرور پورا فرمائے گا۔ دنیا اور آخرت میں آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا ہی اچھا انجام ہوگا۔

فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ یعنی دنیا میں ہی اور اسی طرح ہوا۔ غزوۂ بدر کے دن ان کے بڑے بڑے متکبرین اور جابر لوگوں کو برباد کر کے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ پھر آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی مکہ اور تمام جزیرۂ عرب فتح ہوگیا۔

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ یعنی آخرت میں ہم انہیں شدید عذاب میں مبتلا کریں گے۔ پھر اپنے رسول کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ...... جس طرح سورۂ نساء میں آتا ہے(1)۔ یعنی برابر ہے کہ ہم نے آپ کے سامنے ان کے حالات و واقعات بیان کئے ہیں یا نہیں کہ ان کی قوم نے کیسے ان کی تکذیب کی پھر حسن انجام اور نصرت بالآخر رسولوں کے لئے ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ اور جن کا ہم نے تذکرہ نہیں کیا وہ بہ نسبت ان کے بہت زیادہ ہیں۔ جس طرح کہ سورۂ نساء میں اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ وللہ الحمد والمنۃ(2)۔

قولہ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ یعنی کسی رسول کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنی مرضی سے معجزات اور خوارق عادات دکھائے۔ مگر جب خدا تعالیٰ اسے اجازت دے تو یہ اس کے صدق و سچائی کی دلیل ہوگی اور جب اللہ کا عذاب آجاتا ہے تو وہ تکذیب کرنے والوں کو گھیر لیتا ہے۔ مومن نجات پا جاتے ہیں اور کفار ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا: وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء آیت: 164

2۔ اس آیت سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ بقایا انبیاء کا حضور کو علم نہیں تھا بلکہ تمام انبیاء نے معراج کی رات حضور کی اقتدا میں نماز ادا کی جیسا کہ علامہ آلوسی نے تشریح کی ہے (مترجم)

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَیْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

''اللہ پاک وہ ہے جس نے بنائے تمہارے لئے مویشی تاکہ ان میں سے کسی پر سواری کرو اور کسی کا (گوشت) کھاؤ۔ اور تمہارے لئے ان میں طرح طرح کے فائدے ہیں اور ان میں سے ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ ان پر سوار ہو کر اس منزل تک پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم لدے پھرتے ہو۔ اور وہ دکھاتا ہے تمہیں اپنی نشانیاں۔ پس اللہ تعالیٰ کی کن کن آیتوں کا تم انکار کرو گے۔''

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان جتلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے انسان کے لئے طرح طرح کے جانور اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری پیدا فرمائے۔ جو سواری کے کام آتے ہیں اور ان کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے۔ اونٹ پر سواری کی جاتی ہے اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور دودھ بھی پیا جاتا ہے اور دور دراز علاقوں کی طرف سفر اور بار برداری کے کام بھی آتا ہے۔ گائے کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ دودھ پیا جاتا ہے اور زمین میں ہل چلایا جاتا ہے۔ بکری کا گوشت کھایا جاتا ہے اور دودھ پیا جاتا ہے۔ پھر ان سب کی اون، بال وغیرہ سے اثاثہ، کپڑے اور دیگر سامان تیار کیا جاتا ہے جس کا تفصیلی بیان سورۂ ''الانعام'' اور سورۂ ''النحل'' وغیرہ میں ہو چکا ہے(1)۔ اسی لئے یہاں فرمایا: لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ......

وَ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ یعنی اس کی حجتیں اور دلائل آفاق میں اور تمہاری اپنی ذات میں۔ تم اس کی آیات میں سے کسی چیز کا انکار نہیں کر سکتے مگر جب تم سرکشی پر اتر آؤ اور تکبر کرو۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ اَشَدَّ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

''کیا ان منکروں نے کبھی سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ انہیں نظر آ جاتا کہ کیا انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان سے پہلے گزرے۔ وہ لوگ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں زبردست تھے اور زمین میں اپنی نشانیوں کے لحاظ سے (کہیں ہنرمند تھے) پس یہ بتائیں کہ کیا فائدہ پہنچایا انہیں اس دولت نے جو وہ کماتے تھے۔ پس جب آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر تو انہوں نے کفر کیا اور نازاں رہے اس علم پر جو ان کے پاس تھا اور (آخرکار) گھیر لیا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام (142) اور النحل (8-5)

انہیں جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب۔ یہی دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو (قدیم سے) اس کے بندوں میں جاری ہے۔ اور سراسر خسارہ میں رہے اس وقت حق کا انکار کرنے والے''۔

اللہ تعالیٰ ان اقوام کی خبر دے رہا ہے جنہوں نے زمانہ قدیم میں رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان پر جو شدید عذاب نازل ہوا۔ باوجودیکہ وہ قوی تھے اور زمین پر نشانات وغیرہ رکھنے والے بھی تھے۔ بے پناہ اموال و دولت بھی انہوں نے جمع کی۔ لیکن اس چیز کا انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور کوئی چیز عذاب الٰہی کو ان سے نہ روک سکی کیونکہ جب اللہ کے رسول ان کے پاس معجزات لے کر آئے تو انہوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ان کے پاس جو علم تھا اسے رسولوں کے لائے ہوئے علم پر ترجیح دی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ کہنے لگے ہم ان سے زیادہ بڑے عالم ہیں۔ ہمیں دوبارہ نہ تو اٹھایا جائے گا اور نہ عذاب دیا جائے گا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اپنی جہالت کے سبب وہ اپنے علم پر تکبر کرنے لگے تو ان پر اللہ کا وہ عذاب آیا کہ جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

وَحَاقَ بِهِمْ یعنی انہیں گھیر لیا۔

یَسْتَهْزِءُوْنَ وہ اس کی تکذیب کرتے تھے اور اس کے وقوع پذیر ہونے کو بعید از قیاس تصور کرتے تھے۔

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا جب انہوں نے عذاب کو دیکھ لیا تو اللہ کی توحید پر ایمان لے آئے اور طاغوت کا انکار کر دیا لیکن اس وقت معذرت کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ فرعون کو بھی جب ڈوبنے کا یقین ہو گیا تو کہا تھا: آمنت أنه لا إله...... المسلمين۔

ایک اور آیت میں ہے آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (یونس:91) ''کیا اب؟ اور تو نافرمانی کرتا رہا اس سے پہلے اور تو فتنہ وفساد برپا کرنے والوں سے تھا''۔ یعنی اللہ نے اس کی توبہ قبول نہ فرمائی کیونکہ اس نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا قبول فرما لی تھی۔ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس:88) ''اور سخت کردے ان کے دلوں کو تاکہ وہ نہ ایمان لائیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو''۔

اسی طرح یہاں فرمایا: فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ...... اللہ تعالیٰ کا یہ حکم عام ہے کہ جو بھی عذاب دیکھ کر توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول نہیں۔ اسی لئے حدیث میں ارشاد ہوتا ہے: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک کہ جان غرغرے تک نہ پہنچ جائے'' (1)۔ اور جب روح حلقوم تک پہنچ جائے اور غرغر کرنے لگے اور وہ فرشتے کو دیکھ لے تو اس وقت کوئی توبہ نہیں۔ اسی لئے فرمایا: وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ کفار سراسر خسارے میں ہیں۔

1۔ یہ حدیث سورۂ نساء کی آیت 17 میں گزر چکی ہے نیز دیکھئے تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 21، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 132

سورۂ فصلت (حم السجدہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حٰمٓ ① تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ② کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ③ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُہُمۡ فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ④ وَ قَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ وَ فِیۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّ مِنۡۢ بَیۡنِنَا وَ بَیۡنِکَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ⑤

''حا۔میم۔اتارا گیا ہے (یہ قرآن) رحمٰن ورحیم (خدا) کی طرف سے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں۔ یہ قرآن عربی (زبان میں) ہے یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو علم (وفہم) رکھتے ہیں۔ یہ مژدہ سنانے والا اور (بروقت) خبردار کرنے والا ہے۔ بایں ہمہ منہ پھیر لیا ان میں سے اکثر نے، پس وہ اسے قبول نہیں کرتے۔ اور ان (ہٹ دھرموں) نے کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے۔ تم اپنا کام کرو، ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں''۔

حٰمٓ ۚ تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ یعنی قرآن کریم رحمٰن ورحیم کا اتارا ہوا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: قُلۡ نَزَّلَہٗ رُوۡحُ الۡقُدُسِ مِنۡ رَّبِّکَ بِالۡحَقِّ (النحل:102) ''فرمایئے نازل کیا ہے اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ''۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: وَ اِنَّہٗ لَتَنۡزِیۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِہِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰی قَلۡبِکَ لِتَکُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ (شعراء:94-192) ''اور بلاشبہ یہ کتاب رب العالمین کی اتاری ہوئی ہے۔ اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبریلؑ) آپ کے قلب (منیر) پر تاکہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے''۔

قولہ کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ یعنی اس کے معانی بیان کئے گئے ہیں اور احکام پختہ اور مضبوط ہیں۔

قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا اس کے الفاظ واضح عربی زبان میں ہیں، معانی مفصل ہیں۔ الفاظ واضح اور غیر مشکل ہیں۔ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ (حم سجدہ:42)۔

لفظ کے اعتبار سے بھی معجز اور معنی کے اعتبار سے بھی معجز۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ...... حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ۔

قولہ لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ یعنی وضاحت اور بیان کو صرف علماء راسخین ہی جانتے ہیں۔

بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا کبھی مومنین کو بشارت دیتا ہے اور کبھی کفار کو ڈراتا ہے۔

فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُہُمۡ فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ یعنی اکثر قریش کوئی بات نہیں سمجھتے۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ یعنی غلاف میں۔

مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَفِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ گرانی اور بہرہ پن۔

حِجَابٌ جو آپ کہتے ہیں ہم تک نہیں پہنچتا۔

فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ یعنی آپ اپنے طریقے پر چلتے رہیں اور ہمیں اپنے طریقے پر چلنے دیں۔ ہم آپ کی پیروی نہیں کریں گے۔

امام علم عبد بن حمید نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ صنادید قریش جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ جادو، کہانت اور شعر و شاعری میں جو شخص سب سے زیادہ ماہر ہو وہ اس آدمی کے پاس جائے جس نے ہماری جماعت کے مابین تفریق ڈال دی ہے اور ہمارے معاملے کو پراگندہ کر دیا ہے اور ہمارے دین میں عیب جوئی شروع کر دی ہے تا کہ ہم دیکھیں وہ اسے کیا جواب دیتا ہے؟ وہ سب کہنے لگے عتبہ بن ربیعہ کے سوا ہم میں ایسا کوئی اور شخص نہیں۔ وہ سب مل کر عتبہ کے پاس آئے اور متفقہ طور پر کہنے لگے اے ابوالولید! تمہارے سوا کوئی اس بات کا اہل نہیں۔ چنانچہ عتبہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا اے محمد! آپ بہتر ہیں یا عبداللہ؟ (یعنی آپ کے والد گرامی) آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پھر کہنے لگا آپ بہتر ہیں یا عبدالمطلب؟ سرکار پھر بھی خاموش رہے وہ کہنے لگا۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگ آپ سے بہتر تھے تو آپ کو پتہ ہونا چاہئے وہ ان خداؤں کو پوجتے رہے جن پر آپ نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اگر آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ ان سے بہتر ہیں تو بات کیجئے تا کہ ہم بھی آپ کی بات سنیں خدا کی قسم! دنیا میں کوئی انسان اپنی قوم کے لئے آپ سے زیادہ ضرر رساں پیدا نہیں ہوا۔ آپ نے ہمارے درمیان تفریق پیدا کی۔ ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کیا۔ ہمارے دین پر حرف زنی کی اور عرب میں ہمیں رسوا کیا حتیٰ کہ ہر طرف یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ قریش میں ایک جادوگر ہے۔ قریش میں ایک کاہن ہے۔ اب یہی بات رہ گئی ہے کہ ہم ایک دوسرے پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑیں اور آپس میں فنا ہو جائیں۔ اے شخص اگر تجھے مال کی خواہش ہے تو آؤ ہم سب مل کر تجھے قریش کا سب سے غنی شخص بنا دیتے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ شادی کرو تو تم اشارہ کرو ہم دس لڑکیوں کا تم سے نکاح کر دیتے ہیں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا کیا تمہاری بات ختم ہو گئی؟ اس نے کہا ہاں۔ اس کے بعد آپ نے ان آیات کی تلاوت شروع فرمائی اور مثل صاعقۃ عاد و ثمود تک پڑھا۔ اتنا سن کر عتبہ کہنے لگا بس بس کافی ہے۔ تیرے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ چنانچہ وہ قریش کے پاس واپس آیا۔ انہوں نے پوچھا کیا نتیجہ نکلا؟ وہ کہنے لگا آپ لوگ جو کچھ اسے کہنا چاہتے تھے میں نے اسے کہہ دیا ہے۔ انہوں نے پوچھا پھر اس نے ہاں میں جواب دیا؟ وہ کہنے لگا نہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے کعبہ کی تعمیر کی میں اس کی بات نہیں سمجھ سکا مگر یہ کہ اس نے تمہیں عذاب سے ڈرایا ہے۔ وہ متعجب ہو کر کہنے لگے۔ وہ تم سے عربی میں گفتگو کر رہا تھا اور تم اسے نہیں سمجھ سکے۔ وہ کہنے لگا میں عذاب کی بات کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ سکا(1)۔ حافظ ابو یعلی موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ابو بکر بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہی واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے جب اس آیت کی تلاوت کی تو عتبہ نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور آپ سے رحم کی اپیلیں کرنے لگا اور اپنے گھر واپس آ گیا اور بیٹھ رہا اور قریش کی طرف نہ نکلا۔ ابو جہل کہنے

1۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب المغازی، جلد 14 صفحہ 297-295، دلائل ابونعیم (184) دلائل بیہقی، جلد 2 صفحہ 203-202، حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے دیکھئے مستدرک، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 254-253، درمنثور، جلد 7 صفحہ 309-308

2۔ مسند ابو یعلی، جلد 2 صفحہ 232-231

لگا: اے گروہ قریش! بخدا میں نہیں سمجھتا مگر یہ کہ عتبہ بھی محمد کی طرف جھک گیا ہے اسے آپ کا کھانا پسند آ گیا ہے اور وہ تھا بھی حاجت مند۔ آؤ اس کے پاس چلیں۔ وہ اس کی طرف گئے۔ ابوجہل کہنے لگا اے عتبہ! تم نے ہمارے پاس آنا جانا اس لئے ترک کیا ہے کہ تمہارا جھکاؤ بھی محمد کی طرف ہو گیا ہے۔ تمہیں اس کا کھانا بھا گیا ہے۔ اگر تمہیں ضرورت ہو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کئے دیتے ہیں جو تمہیں محمد کے کھانے سے مستغنی کر دے گا۔ یہ سن کر عتبہ غصے میں آ گیا اور یہ قسم اٹھائی کہ محمد سے بات تک نہیں کرے گا۔ وہ کہنے لگا اللہ کی قسم! تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ لیکن میں اس کے پاس گیا اور سارا قصہ اسے سنایا لیکن اس نے مجھے جو جواب دیا ہے اللہ کی قسم وہ نہ شعر ہے نہ کہانت اور نہ جادو۔ اس نے سورت کو یہاں تک پڑھا فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً..... تو میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور قریبی رشتہ داری کا واسطہ دیتے ہوئے اسے کہا کہ وہ رک جائے اور تم جانتے ہو کہ محمد جب بات کرے تو جھوٹ نہیں بولتا۔ مجھے خدشہ ہوا کہ اسی وقت تم پر عذاب نازل نہ ہو جائے(1)۔ یہ واقعہ، بزار اور ابو یعلی رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت سے مشابہ ہے۔ واللہ اعلم۔ امام محمد بن اسحٰق بن یسار رحمۃ اللہ علیہ نے یہی واقعہ اپنی سیرت میں دوسری طرز پر نقل کیا ہے۔ محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ عتبہ سردار قریش ایک دن قریش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ اکیلے مسجد میں تشریف فرما تھے۔ وہ کہنے لگا: اے گروہ قریش! اگر تم کہو تو میں محمد کے پاس جا کر بات کروں اور چند تجاویز اس کے سامنے رکھوں شاید وہ ان میں سے کوئی بات تسلیم کر لے تو ہم اسے وہی چیز دے دیں اور وہ ہماری مذمت سے باز آ جائے؟ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے ورانہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ وہ سب کہنے لگے ہاں اے ابوالولید! تم جا کر ان سے بات کرو۔ عتبہ اٹھ کر آپ ﷺ کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا اے برادر زادے! تم ہم سے ہی ہو اور عزت وشرف اور حسب ونسب کے مالک ہو۔ تم اپنی قوم کے پاس ایک بہت بڑی بات لے کر آئے ہو۔ تم نے ان کی جمعیت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ ان کے دانشوروں کو بیوقوف قرار دیا ہے۔ ان کے خوابوں کو چکنا چور کر دیا ہے۔ ان کے دین اور معبودوں پر حرف گیری شروع کر دی ہے اور ان کے آباؤ اجداد کو کافر قرار دے دیا ہے۔ تم میری بات غور سے سنو میں تم پر چند امور پیش کروں گا تم انہیں غور سے سننا شاید ان میں سے کوئی صورت تمہیں پسند آ جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا اے ابوالولید! کہو میں تمہاری بات سن رہا ہوں وہ کہنے لگا اے بھتیجے! اگر اس چال سے تمہارا ارادہ مال جمع کرنے کا ہے تو ہم سب مل کر تمہارے لئے مال جمع کرتے ہیں حتیٰ کہ تم ہم سب سے زیادہ مال دار بن جاؤ گے۔ اگر آپ کا مقصد سرداری ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں اور تمہارے بغیر کوئی بات حتمی طور پر طے نہیں کریں گے اور اگر آپ بادشاہی چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر آپ کو جن وغیرہ کا کوئی اثر ہے تو ہم تمہارا علاج کرانے کے لئے تیار ہیں اور اس کے لئے مال خرچ کرنے میں کوتاہی سے کام نہ لیں گے حتیٰ کہ آپ صحت یاب ہو جائیں۔ بعض دفعہ تابع جن عامل پر غالب آ جاتا ہے تو علاج کر کے ہی اس سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کی بات کو پوری توجہ سے سن رہے تھے جب وہ خاموش ہوا تو آپ نے فرمایا اے ابوالولید! تمہاری بات مکمل ہو گئی؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اچھا اب میری بات غور سے سنو۔ اس نے کہا فرمائیے۔ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اس سورت کی تلاوت شروع کی۔ آپ ﷺ پڑھتے رہے اور عتبہ خاموش سنتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے سجدہ کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر فرمایا اے ابوالولید تم نے سن لیا جو کچھ سنا اب تمہاری مرضی۔ عتبہ اٹھ کر اپنے ساتھیوں کی طرف

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 110

چلا۔ وہ اسے دیکھتے ہی ایک دوسرے سے قسمیں اٹھانے لگے کہ عتبہ کا چہرہ اب اترا ہوا ہے۔ جب وہ ان کے پاس بیٹھ گیا تو وہ پوچھنے لگے اے ابوالولید کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا اللہ کی قسم میں نے وہ بات سنی ہے جو اس سے پہلے کبھی سنی نہ تھی۔ اللہ کی قسم یہ نہ جادو ہے نہ شعر اور نہ کہانت۔ اے گروہ قریش! میری بات مان لو۔ اس آدمی کو اس کے حال پر چھوڑ دو اللہ کی قسم! اس کی بات جو اس نے کی ہے اس کا ضرور چرچا ہوگا تو عرب اگر اس پر غالب آگئے تو تمہارا مسئلہ حل ہے اور اگر وہ غالب آگیا تو اس کی بادشاہی تمہاری ہی بادشاہی ہوگی اور تم سب سے زیادہ سعادت مند ہوگے۔ وہ کہنے لگے اے ابوالولید! اس کی زبان کا جادو تم پر بھی چل گیا ہے۔ وہ کہنے لگا یہ میری ذاتی رائے ہے آگے تمہاری مرضی جو چاہو کرو(1)۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ وَ اسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَ وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿۶﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۸﴾

"آپ فرمائیے میں انسان ہی ہوں (بظاہر) تمہاری مانند۔ (البتہ) وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود خداوند یکتا ہی ہے۔ پس متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف اور مغفرت طلب کرو اس سے۔ اور ہلاکت ہے مشرکوں کے لئے جو زکوۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں اے محمد! (ﷺ) آپ جھٹلانے والے ان مشرکین سے فرما دیجئے قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ...... میں بظاہر تمہاری طرح کا ہی ایک انسان ہوں(2)۔ مجھے بذریعہ وحی یہ بتایا گیا ہے کہ تمہارا معبود ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ نہ وہ بت اور ارباب جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ خالص اسی کے لئے اس طرح عبادت کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبان سے تمہیں یہ حکم دیا ہے اور گزشتہ گناہوں پر استغفار کرو۔ مشرکین کے لئے بربادی اور ہلاکت ہے جو زکوۃ نہیں دیتے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو لا اله إلا الله کی شہادت نہیں دیتے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے(3)۔ اسی طرح ایک اور آیت میں آتا ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۙ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (شمس: 10-9) "یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کر لیا۔ اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا"۔ اور فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (اعلیٰ: 15-14) "بیشک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا۔ وہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا"۔ اور فرمایا: فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى (نازعات: 18) "پس (اس سے) دریافت کرو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے"۔

الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اور زکاۃ سے یہاں مراد طہارت نفس ہے یعنی رذیل عادات سے پاکی اور نفس کی سب سے بڑی ناپاکی شرک

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 294-293

2۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اظہار تواضع کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ کہنے کا حکم دیا (اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد 3 سورۂ کہف، آیت 110

3۔ طبری، جلد 24 صفحہ 92

سے پاک ہونا ہے۔ مال کی زکاۃ کو زکاۃ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ حرمت سے پاک کر دیتی ہے اور اس میں برکت، زیادتی، کثرت نفع کا باعث ہے اور نیکی کے کاموں میں اسے خرچ کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جو زکوۃ نہیں دیتے۔ معاویہ بن قرۃ نے کہا ہے جو اہل زکوۃ نہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جو اپنے مال کی زکوۃ دینے سے ممتنع ہیں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہی معنی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے لیکن یہ قول قابل غور ہے کیونکہ زکوۃ 2ھ میں مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی۔ جس طرح کہ بہت سے مفسرین نے ذکر کیا ہے اور یہ آیت مکی ہے۔ ہاں یہ کہنا ممکن ہے کہ زکوۃ اور صدقے کا اصل حکم ابتدائے نبوت میں ہی دے دیا گیا تھا۔ جیسے آیت کریمہ: وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (انعام: 141) ''اور ادا کرو اس کا حق جس دن وہ کٹے''۔ اور وہ زکوۃ جس میں نصاب اور مقداروں کا بیان ہے بعد از اں مدینہ منورہ میں اس کا حکم نازل ہوا ہو۔ اس طرح ان دونوں قولوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ جس طرح نماز کا حکم ابتداء میں یہی تھا کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے قبل دو نمازیں فرض تھیں۔ ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل اللہ تعالی نے پانچ نمازیں با قاعدہ شروط و ارکان اور دیگر تفصیلات کے ساتھ مقرر فرمائیں۔ یہ معراج والی رات کا واقعہ ہے۔ پھر فرمایا: لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے نہ منقطع ہونے والا نہ ختم ہونے والا۔ جیسے دیگر آیات میں آتا ہے: مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا (کہف: 3) ''وہ ٹھہریں گے اس (جنت) میں تا ابد''۔ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ہود: 108) ''یہ وہ عطا ہے جو ختم نہیں ہوگی''۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ گویا یہ ان کا حق ہے جو انہیں دیا گیا نہ کہ بطور احسان۔ بعض آئمہ نے اس کی تردید کی ہے کیونکہ اہل جنت پر بھی یقیناً خدا تعالی کا احسان ہے جیسے ارشاد ہوتا ہے: بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ (حجرات: 17) ''بلکہ اللہ نے احسان فرمایا ہے تم پر کہ تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی''۔ اور اہل جنت کہیں گے: فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ (طور: 27) ''سو بڑا احسان فرمایا ہے اللہ نے ہم پر اور بچا لیا ہے ہمیں گرم لو کے عذاب سے''۔ خود رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: إلا أن يتغمدني الله برحمة منه وفضل (1)۔ مگر یہ کہ خدا تعالی مجھے اپنی رحمت اور فضل و احسان میں لے لے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾

''آپ (ان سے) پوچھئے کیا تم لوگ انکار کرتے ہو اس ذات کا جس نے پیدا فرمایا زمین کو دو دن میں اور ٹھہراتے ہو اس کے لئے مدمقابل۔ وہ تو رب العلمین ہے (اس کا مدمقابل کون ہو سکتا ہے)۔ اور اس نے (ہی) بنائے ہیں زمین میں گڑے ہوئے پہاڑ جو اس کے اوپر (اٹھے ہوئے) ہیں اور اس نے بڑی برکتیں رکھی ہیں اس میں اور اندازہ سے مقرر کر دی ہیں اس

1۔ یہ حدیث سورہ فاطر آیت 35 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

میں غذائیں، (ہر نوع کے لئے) چار دنوں میں۔ (ان کا حصول) یکساں ہے طلب گاروں کے لئے۔ پھر اس نے توجہ فرمائی آسمان کی طرف، وہ اس وقت محض دھواں تھا پس فرمایا اسے اور زمین کو کہ آجاؤ (تعمیل حکم اور ادائے فرائض کے لئے) خوشی سے یا مجبوراً۔ دونوں نے عرض کی ہم خوش خوشی (دست بستہ) حاضر ہیں۔ پس بنا دیا انہیں سات آسمان دو دنوں میں اور وحی فرمائی ہر آسمان میں اس کے حسب حال۔ اور ہم نے مزین کر دیا آسمان دنیا کو چراغوں سے۔ اور اسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ (سارا) نظام سب سے غالب، سب کچھ جاننے والے (خدا) کا ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان مشرکین کی بات کا انکار فرما رہے ہیں جنہوں نے اس کے ساتھ دیگر معبودوں کی بھی عبادت کی۔ وہ ہر چیز کا خالق، ہر چیز پر غالب اور ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا ہے۔

ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی تمام اشیاء کا خالق وہی رب العالمین ہے۔ اس جگہ اس آیت کا تفصیلی بیان ہو رہا ہے: (حدید: 4) ''جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں'' (1)۔ یعنی تفصیلاً یہ ذکر فرمایا زمین کتنے دنوں میں بنی۔ آسمان کتنے ایام میں بنا۔ یہ بھی ذکر فرمایا کہ اس نے زمین کو پہلے پیدا فرمایا تھا کیونکہ یہ اساس ہے۔ اور اصل یہی ہے کہ بنیاد سے شروع کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد چھت کی باری آتی ہے۔ جیسے فرمایا: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (بقرہ: 29) ''وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب''۔ اس آیت میں یہ وضاحت کی جا رہی ہے کہ زمین کو آسمان کی تخلیق کے بعد بچھایا گیا۔ پس دَحْوٌ (بچھانا) یہاں مُفَسَّرٌ ہے۔ جس کی وضاحت اس آیت میں ہے: اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا (النازعات: 31) ''نکالا اس سے اس کا پانی اور اس کا سبزہ''۔ اس کے بعد آسمان کی تخلیق ہوئی۔ نص سے یہ بات ثابت ہے کہ زمین کی تخلیق آسمان کی تخلیق سے قبل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی جواب منقول ہے جسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں نقل کیا ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت سعید بن جبیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس کی خدمت میں عرض کی کہ قرآن کی بعض آیات میں مجھے اختلاف نظر آتا ہے۔ چنانچہ ایک آیت میں ہے: فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ (المومنون: 101) ''تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے''۔ دوسری آیت میں ہے: وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ (الصافات: 27) ''اور متوجہ ہوں گے ایک دوسرے کی طرف (اور) سوال جواب کریں گے''۔ اسی طرح ایک اور آیت میں ہے: وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا (نساء: 42) ''اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات''۔ ایک دوسری آیت میں ہے: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (انعام: 23) ''اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے نہ تھے ہم شرک کرنے والے''۔ اس آیت میں وہ بات چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسی طرح ایک آیت میں اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا سے دَحٰىهَا (یا آسمان کا، اس نے اسے بنایا۔ اس کی چھت کو خوب اونچا کیا پھر اس کو درست کیا۔ اور تاریک کیا اس کی رات کو اور ظاہر کیا اس کے دن کو۔ اور زمین کو بعد ازاں بچھا دیا)۔ تک یہ مذکور ہے کہ زمین سے پہلے آسمان کو بنایا اور یہاں دوسری آیت قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ (حم السجدہ: 9) سے لے کر طَآىِٕعِيْنَ تک پہلے زمین پھر آسمان کی پیدائش کا ذکر ہے۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا، عَزِيْزًا حَكِيْمًا، سَمِيْعًا بَصِيْرًا اس کا مطلب تو یہ بنتا ہے گویا وہ پہلے ایسے تھا اب نہیں ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ

1۔ اعراف: 54، یونس: 3، ہود: 7، حدید: 4

جن دو آیات میں سوال و جواب کا بیان ہے(1) اور ایک میں انکار ہے یہ فی الحقیقت دو وقت ہیں یعنی صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔ پہلے صور پھونکے جانے کے بعد وہ ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے اور دوسرے کے بعد آپس میں ایک دوسرے سے سوالات ہوں گے اور جن دو آیات میں سے ایک میں بات کے نہ چھپانے اور دوسری میں چھپانے کا ذکر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اہل اخلاص کے گناہوں کو معاف فرمادے گا تو مشرکین کہیں گے آؤ ہم کہیں کہ ہم بھی مشرک ہرگز نہ تھے۔ تو ان کے منہ پر مہریں لگادی جائیں گی اور ان کے ہاتھ بولنا شروع کردیں گے۔ اس وقت معلوم ہوجائے گا کہ اللہ سے کوئی بات چھپائی نہیں جاسکتی۔ اسی وقت: یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا...... (بقرہ:105)

آسمان وزمین کی پیدائش کی ترتیب میں بھی دراصل کوئی تعارض نہیں۔ پہلے دو دنوں میں زمین بنائی گئی، پھر آسمان، آسمان کی طرف توجہ فرمائی اسے دو دن میں مکمل فرمایا۔ اور پھر زمین کو بچھایا۔ اور دَحٰىهَا سے مراد یہ ہے کہ اس میں پانی اور مرغزار پیدا فرمائے۔ پہاڑ، جمادات، ٹیلے اور ان کے مابین جو کچھ ہے اسے بھی الگ دو دن میں مکمل فرمایا۔ 'دحاھا' اور خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ سے مراد یہی ہے۔ پس زمین اور جو کچھ اس میں ہے چار دن میں پیدا فرمایا اور آسمانوں کو پیدا فرمایا جیسے فرمایا: وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (النساء:100) اپنے آپ کو اس صفت سے متصف فرمایا ہے یعنی وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ جو ارادہ فرمائے پورا ہوجاتا ہے۔ پس قرآن میں ہرگز اختلاف نہیں۔ اس کا ایک ایک لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے منہال بن عمرو سے یہی حدیث نقل کی ہے(2)۔

خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ یعنی اتوار اور پیر کے دن۔

وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ یعنی اسے مبارک، خیر کے قابل اور بیج بونے اور درخت لگانے کے قابل بنایا اور اس میں مقرر کردی ہیں غذائیں یعنی وہ اشیاء جن کی ضرورت روئے زمین پر رہنے والے لوگوں کو محسوس ہوتی رہتی ہے جیسے کھیتیاں اور کھیت۔ یہ کام منگل اور بدھ کے دنوں میں انجام پائے۔ اس طرح سابقہ دو دنوں کو ملا کر کل چار دن ہوئے۔

فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآىٕلِیْنَ یعنی جو لوگ اس کے بارے میں سوال کرنا چاہتے ہیں انہیں جواب دے دیا۔

مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہر علاقے کی سرزمین میں وہی چیز رکھی جو وہاں کے لوگوں کے لائق تھی۔ مثلاً عصب یمن میں، سابری سابور میں اور طیالسہ (کمبل) رے میں(3)۔ حضرت ابن عباس، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے للسائلین کا معنی ہے جو سوال کرنا چاہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس کی جو حاجت تھی اللہ تعالیٰ نے مہیا کردی۔ یہ قول اس آیت کے مشابہ ہے: وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ (ابراہیم:34) ''اور عطا فرمایا تمہیں ہر اس چیز سے جس کا تم نے اس سے سوال کیا''۔

قولہ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ پھر باری تعالیٰ نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔ وہ دھوئیں کی شکل میں تھا۔ یعنی بخارات جو زمین کی تخلیق کے وقت ظاہر ہوئے۔ اب دونوں کو فرمایا کہ آجاؤ تعمیل حکم اور ادائے فرض کے لئے خوشی سے یا مجبوراً۔ دونوں نے عرض کیا ہم خوشی خوشی دست بستہ حاضر ہیں۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے فرمایا: سورج، چاند اور ستارے لاؤ۔ زمین سے فرمایا: نہریں جاری کر اور پھل اگا۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم راضی خوشی

1۔ یہاں سے بخاری کی روایت کا آغاز ہو رہا ہے 2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ سجدہ، جلد 8 صفحہ 556-555

3۔ عصب: مضبوط بنی ہوئی یمنی چادر سابری: سابور کی طرف منسوب ہے۔ سابور یہ اصفہان کے قریب ایک شہر ہے۔ ہر پتلا، باریک کپڑا ان کے ہاں سابری ہوتا ہے۔ طیالسہ: یہ طیلسان کی جمع ہے۔ معنی کمبل یا کندھے پر رکھنے والی چادر وغیرہ، اسے خاص علماء استعمال کرتے ہیں۔ یہ عجمیوں کا لباس ہے۔ رے: یہ ایران کا مشہور شہر ہے

تیار ہیں۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو اختیار کیا ہے(1)۔انہوں نے عرض کیا ہم اطاعت کے ساتھ تیری بات قبول کرتے ہیں مع اس تمام مخلوق (ملائکہ، انس وجن) کے جو تیرے تابع فرمان ہیں۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض عربوں سے یہی روایت کیا ہے۔ایک اور قول میں ہے انہیں ان لوگوں کے قائم مقام کیا گیا جو کلام کو سمجھتے ہیں اور ان کی بات سمجھ آتی ہے(2)۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمین کے جس حصے نے کلام کیا وہ کعبہ کی جگہ تھی اور آسمان کا وہ حصہ تھا جو اس کے اوپر ہے واللہ اعلم۔حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ آسمان وزمین اطاعت گزاری نہ کرتے تو انہیں وہ سزا ہوتی جس کا انہیں احساس بھی ہوتا (رواہ ابن ابی حاتم)۔

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ...... اور دوسرے دو دنوں میں سات آسمان پیدا فرمائے۔یہ جمعرات اور جمعہ کا دن تھا۔

وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا اور ہر آسمان میں ضرورت کے مطابق فرشتے مقرر کئے اور ان میں وہ چیزیں ہیں جن کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں۔اور آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین فرمایا جو زمین پر چمکتے رہتے ہیں اور ان شیاطین کا خیال رکھتے ہیں جو ملاء اعلیٰ کی باتیں سننے کے لئے اوپر آتے ہیں۔

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ عزیز جو ہر چیز پر غالب وقاہر ہے علیم یعنی اپنی مخلوقات کی حرکات وسکنات سے واقف ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ہناد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں نے ساری حدیث پڑھی ہے کہ یہود نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی بابت سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا فرمایا اور پہاڑوں اور جو کچھ ان کے اندر ہے کو منگل کے روز پیدا کیا اور بدھ کے روز درخت، پانی، شہر، آبادی اور ویرانے کو پیدا کیا۔ان چار کا ذکر اس آیت میں ہے قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ.....(فصلت:9) اس کے ساتھ ہی آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جمعرات کو آسمان پیدا فرمایا اور جمعہ کے دن ستارے، سورج، چاند اور ملائکہ کو پیدا کیا تین ساعتوں کے باقی رہنے تک۔یعنی صرف تین ساعتیں باقی رہ گئیں۔ان میں سے پہلی ساعت میں موتیں پیدا فرمائیں اور دوسری ساعت میں ہر چیز پر (جو لوگوں کے لئے باعث نفع ہے) آفت ڈالی۔اور تیسری میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور انہیں جنت میں بسایا اور ابلیس کو آپ کو سجدہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور آخری یعنی تیسری ساعت میں آپ کو وہاں سے نکال دیا۔پھر یہود کہنے لگے اے محمد! پھر کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا پھر اس نے عرش کی طرف توجہ فرمائی۔وہ کہنے لگے یہ تو ٹھیک ہے لیکن بہتر یہ تھا کہ آپ اپنی بات کو مکمل فرما دیتے۔وہ کہنے لگے۔اس کے بعد اس نے آرام کیا۔یہ سن کر آپ ﷺ شدید غضبناک ہو گئے۔تو یہ آیت نازل ہوئی: وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ (3) "اور ہم نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں۔اور ہمیں تھکن نے چھوا تک نہیں۔پس آپ صبر فرمایئے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر"۔اس حدیث میں غرابت ہے۔

ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ والی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مٹی کو ہفتے کے روز پیدا فرمایا اور اتوار کے روز اس میں پہاڑ پیدا فرمائے اور درختوں کو پیر کے روز اور مکروہات و آفات کو منگل کے روز، نور کو بدھ کے روز پیدا فرمایا اور جمعرات کے دن اس میں جانوروں کو پھیلایا اور جمعہ کے دن عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں یعنی

1۔تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 98 2۔تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 99

3۔ق:38، تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 94، حاکم: مستدرک، جلد 2 صفحہ 451-450، درمنثور، جلد 7 صفحہ 315-314

رات اور عصر کے درمیان حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ مسلم اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کتابوں میں روایت فرمایا ہے۔ یہ بھی صحیح کے غرائب میں سے ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں اسے معلل بتلایا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا ہے اور زیادہ صحیح یہی ہے (1)۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

''پس اگر وہ (پھر بھی) روگردانی کریں تو آپ فرمائیے کہ میں نے ڈرایا ہے تمہیں اس کڑک سے جو عاد و ثمود کی کڑک کی مانند (ہلاکت خیز) ہوگی۔ (کچھ یاد ہے) جب آئے تھے ان کے پاس رسول سامنے سے اور پیچھے سے (یعنی ہر طرف سے یہ سمجھانے کے لئے) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ انہوں نے کہا اگر ہمارے رب کی مرضی ہوتی (کہ ہمیں کچھ سمجھائے) تو فرشتے نازل کرتا، پس ہم جو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے (اس کا سراسر) انکار کرتے ہیں۔ پس قوم عاد نے تو سرکشی اختیار کی زمین میں ناحق۔ اور کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوی ہے۔ اور وہ (تو) ہمیشہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ پس ہم نے بھیج دی ان پر سخت ٹھنڈی تند ہوا منحوس دنوں میں تاکہ ہم انہیں چکھائیں ذلت آمیز عذاب اس دُنیوی زندگی میں۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ رسوا کن ہوگا اور ان کی ہرگز مدد نہ کی جائے گی۔ باقی رہے ثمود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر تو پکڑ لیا انہیں اس عذاب کی کڑک نے جو رسوا کن ہے ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے تھے اور (اللہ کی نافرمانی سے) ڈرتے رہتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے محمد! ان مشرکین کو جو آپ کو جھٹلاتے ہیں یہ بتا دیجئے کہ جو کچھ آپ لائے ہیں، وہ حق ہے۔ اگر تم نے میری دعوت جو کہ درحقیقت اللہ کی طرف سے ہے، کا انکار کیا تو میں تمہیں ڈرا رہا ہوں کہ کہیں تم پر بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل نہ ہو جائے جس طرح سابقہ امتوں پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی تھی عذاب نازل ہوا۔ یعنی قوم عاد و ثمود اور ان جیسی دیگر اقوام پر جیسے عذاب

1۔ یہ حدیث سورہ بقرہ کی آیت 29 اور سورۂ اعراف آیت (54) میں گزر چکی ہے۔ نیز دیکھئے التاریخ الکبیر، جلد 2 صفحہ 414-413 برائے سوانح ایوب بن خالد بن ابو ایوب الانصاری

نازل ہوا۔

قولہ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ (احقاف: 21) ''(اے حبیب ﷺ!) ذکر سنایئے انہیں قوم عاد کے بھائی (ہود) کا۔ جب ڈرایا اس نے اپنی قوم کو احقاف میں اور گزر چکے تھے ڈرانے والے ان سے پہلے بھی اور ان کے بعد بھی''۔ یعنی ان کے شہر کے قرب وجوار کے دیہاتوں میں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رسول مبعوث فرمائے جو انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دیتے تھے اور خوشخبریاں سناتے اور عذاب سے ڈراتے تھے۔ سابقہ اقوام پر جو عذاب نازل ہوا اور ایمان لانے والے اللہ کے دوستوں پر جو انعام ہوا اسے دیکھنے کے باوجود وہ ایمان نہ لائے اور نہ آپ کی تصدیق کی بلکہ تکذیب وانکار پر ڈٹے رہے اور کہنے لگے: لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً اگر اللہ تعالیٰ رسول مبعوث فرماتا تو اپنے پاس سے فرشتے بھیجتا۔ اے بشر! آپ جن امور کی دعوت کے ساتھ بھیجے گئے ہیں، ہم اس کا انکار کرتے ہیں یعنی ہم تمہاری پیروی نہیں کریں گے تم بھی تو ہماری طرح بشر ہی ہو۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بغاوت، سرکشی اور نافرمانی پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ ہم سے زیادہ قوی کون ہے۔ اپنی جسمانی طاقت پر ناز کرنے لگے۔ وہ یہ سمجھے کہ ہم اپنی طاقت سے عذاب الٰہی کو روک لیں گے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ کیا وہ یہ نہیں سوچتے کہ وہ کس کے ساتھ دشمنی کا اعلان کر رہے ہیں؟ وہ عظیم ہستی جس نے کائنات کو پیدا کیا اور اس میں قوت رکھی اس کی پکڑ بڑی شدید ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ (ذاریات: 47) ''اور ہم نے آسمان کو (قدرت کے) ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اس کو وسیع کر دیا''۔ انہوں نے قہار وجبار کو دعوت مبارزت دی۔ اس کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسول کی تکذیب کی۔ اسی لئے فرمایا: فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا بعض کا قول ہے کہ صرصر سے مراد تند وتیز ہوا ہے۔ ایک قول ہے کہ سخت ٹھنڈی ہوا۔ ایک قول ہے کہ وہ ہوا جو شدید شور مچائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں مذکورہ تمام صفات موجود تھیں۔ یہ سخت تیز ہوا تھی تاکہ انہیں اسی نوعیت کا عذاب دیا جائے جس فریب میں وہ مبتلا تھے کہ ہمارے قویٰ بہت مضبوط ہیں۔ یہ ہوا سخت ٹھنڈی تھی جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ (الحاقہ: 6) ''آندھی سے جو سخت سرد، بے حد تند تھی''۔ شدید سرد۔ اس کی آواز سخت تکلیف دہ تھی۔ اسی وجہ سے بلاد مشرق میں ایک نہر کو بھی ''نہر صرصر'' کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا پانی چلتا ہے تو سخت شور سنائی دیتا ہے(1)۔

قولہ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ یعنی مسلسل۔ ایک اور جگہ آتا ہے: سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا (الحاقہ: 7) ''ان پر (مسلسل) سات رات اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑنے والی تھی''۔ اور فرمایا: فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ (القمر: 19) ''ایک دائمی نحوست کے دن میں''۔ ایک منحوس دن میں ان پر عذاب نازل ہونا شروع ہوا اور سات راتوں اور آٹھ دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس نے انہیں جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیا اور عذاب آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا میں رسوائی بھی ان کے حصے میں آئی۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا...... خزی: شدید رسوائی کا باعث۔ اور آخرت میں بھی ان کی کوئی مدد نہ کی جائے گی جس طرح کہ دنیا میں ان کی کوئی مدد نہیں کی گئی تھی اور اللہ کے عذاب سے انہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

1۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ بغداد میں صرصر نام کے دو دیہات ہیں جنہیں بالائی صرصر اور زیریں صرصر کہتے ہیں۔ یہ نہر عیسیٰ کے کنارے پر ہیں شاید نہر صرصر کو یہ نام ان دونوں دیہات کی وجہ سے دیا گیا۔

فَهَدَيْنٰهُمْ ابن عباس، ابوالعالیہ، سعید بن جبیر، قتادہ، سدی اور ابن زید نے اس کا معنی کیا ہے بینالھم (ہم نے ان کے لئے وضاحت کردی)۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے دعوناھم (ہم نے انہیں بلایا)(1)۔

فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى یعنی ہم نے ان کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کی زبان سے ان کے سامنے حق کی وضاحت کی لیکن انہوں نے اس کی مخالفت اور تکذیب کی اور اونٹنی جسے اللہ نے اپنی نشانی اور اپنے نبی کے صدق کی علامت قرار دیا تھا کی کونچیں کاٹ دیں۔

فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ اللہ نے ان پر اپنا عذاب چنگھاڑ، زلزلے، ذلت اور رسوائی کی صورت میں بھیجا۔

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ یعنی تکذیب اور انکار سے جو وہ کمایا کرتے تھے۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان میں سے اہل ایمان کو ذرا سی گزند نہیں پہنچی اور وہ بالکل محفوظ رہے۔ ان کے ایمان اور تقوی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ نجات عطا فرمائی۔

وَ يَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَ لَا جُلُوْدُكُمْ وَ لٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾

"اور (ذرا خیال کرو) اس دن کا جب جمع کیے جائیں گے اللہ کے دشمن آتش (جہنم) کی طرف پھر وہ (گروہوں میں) بانٹ دیئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے قریب آجائیں گے (تو حساب شروع ہوگا اس وقت) گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کے کان ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں اس کے بارے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں سے تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی۔ وہ کہیں گے (ہم بے بس ہیں) ہمیں تو گویا کر دیا ہے اللہ نے جس نے گویا کیا ہے ہر شے کو اور اسی نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ اور اب اس کی طرف تم لوٹائے جا رہے ہو۔ اور تم نہیں چھپا سکتے تھے اپنے آپ کو اس امر سے کہ گواہی نہ دیں تمہارے خلاف تمہارے کان اور نہ تمہاری آنکھیں اور نہ تمہاری کھالیں بلکہ تم تو یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہی نہیں تمہارے اکثر اعمال کو جو تم کرتے ہو۔ اور تمہارے اسی گمان نے جو تم اپنے رب کے بارے میں کیا کرتے تھے تمہیں ہلاک کر دیا پس تم ہو گئے نقصان اٹھانے والوں سے۔ پس وہ صبر کریں (یا نہ کریں) آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے۔ اور اگر وہ (اس وقت) رضائے الٰہی چاہیں گے تو وہ ان میں سے نہیں ہوں گے جن پر اللہ راضی ہوا"۔

1۔ ہدایت کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے کسی کو منزل مقصود تک پہنچا دینا یا کسی کو منزل کی راہ دکھانا۔ اھدنا الصراط المستقیم کا معنی یہی ہے کہ ہمیں سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھ۔ (مترجم)

ان مشرکین کو یاد کیجئے جس دن انہیں آگ کی طرف لایا جائے گا۔ دوزخ کے داروغے تمام مشرکین کو جمع کریں گے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا (مریم: 86) ''اور اس روز ہانک کر لائیں گے مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح''۔ وِردا: یعنی پیاسے۔

حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا یعنی جب وہ اس پر کھڑے ہوں گے تو ان کے کان، آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی ان کے تمام گزشتہ اعمال پر اور ایک حرف بھی نہیں چھپ سکے گا۔

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا وہ اپنے اعضاء اور اپنی کھالوں کو ملامت کریں گے اور انہیں کوسنے دیں گے تو ان کے اعضاء انہیں یوں جواب دیں گے: قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ...... اپنے معذور ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ کہیں گے ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو ہم نے بولنا شروع کر دیا۔ اس کے حکم کی مخالفت نہیں کی جا سکتی نہ اس کی حکم عدولی کی جا سکتی ہے۔ بالآخر سب نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور تبسم فرمایا اور فرمایا کیا تم مجھ سے میرے ہنسنے کا سبب دریافت نہیں کرو گے؟ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے مسکرانے کا سبب کیا تھا؟ فرمایا مجھے قیامت کے دن بندے کے اپنے رب سے جھگڑنے پر تعجب ہوا۔ وہ کہے گا! اے میرے رب کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تو مجھ پر ظلم نہیں کرے گا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں کیوں نہیں۔ وہ کہے گا میں اپنے خلاف اپنی ذات کے علاوہ اور کسی کو گواہ تسلیم نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میری اور میرے ملائکہ جو کراماً کاتبین ہیں کی شہادت کافی نہیں۔ لیکن وہ پھر بھی اپنی بات پر اڑا رہے گا۔ تو اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء بدن اس کے تمام اعمال کی گواہی دینا شروع کر دیں گے تو وہ انہیں ملامت کرے گا تمہارے لئے دوری اور ہلاکت ہے تمہارے لئے ہی تو میں جھگڑا کر رہا تھا۔ ابن ابی حاتم، مسلم اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(1)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبردہ سے روایت کیا ہے کہ ابوموسیٰ اشعری کا قول ہے کہ کافر اور منافق کو حساب کے لئے بلایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کا عمل اس کے سامنے کرے گا تو وہ انکار کر دے گا اور کہے گا۔ اے رب! مجھے تیری عزت کی قسم اس فرشتے نے میرے خلاف وہ کچھ لکھ دیا ہے جو میں نے کبھی نہیں کیا تو فرشتہ اسے کہے گا کیا فلاں دن فلاں مقام پر تو نے یہ کام نہیں کیا تھا؟ وہ کہے گا خدایا تیری عزت کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا۔ جب وہ یہ کہے گا تو اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔ اشعری فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے اس کی دائیں ران گفتگو کرے گی(2)۔ حافظ ابویعلی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن کافر کو اس کے اعمال دکھائے جائیں گے تو وہ سرے سے ان کا انکار کر دے گا اور جھگڑنا شروع کر دے گا۔ کہا جائے گا یہ تیرے پڑوسی تیرے خلاف گواہی دے رہے ہیں؟ وہ کہے گا یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ارشاد ہو گا تیرے خاندان قبیلے والے گواہ ہیں۔ وہ کہے گا سب جھوٹے ہیں۔ ارشاد ہو گا سب قسم اٹھاؤ وہ قسم اٹھائیں گے تو اللہ انہیں خاموش کرا دے گا اور ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی پھر انہیں واصل جہنم کر دیا جائے گا(3)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دن ابن ازرق سے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں پر ایک وقت آئے گا کہ وہ نہ تو بات کر سکیں گے اور نہ معذرت کر سکیں گے پھر جب بولنے کی

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نور آیت 24 سورۂ یٰسین آیت 65 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یٰسین آیت: 65

3۔ مسند ابویعلی، جلد 2 صفحہ 135، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 351، نیز دیکھئے تفسیر سورۂ نور آیت: 24

اجازت دی جائے گی تو وہ جھگڑنا شروع کر دیں گے۔ حتیٰ کہ شرک کرنے والا اپنے شرک سے انکار کر دے گا۔ وہ اللہ کے سامنے اسی طرح قسمیں اٹھائیں گے جیسے تمہارے سامنے قسمیں اٹھاتے ہیں۔ ان کے انکار کے وقت اللہ تعالیٰ ان کی اپنی ذات سے ہی گواہ لائے گا یعنی ان کی کھالیں، آنکھیں، ہاتھ پاؤں اور ان کے منہ پر مہر لگ جائے گی۔ پھر ان کے منہ کھول دیئے جائیں گے تو وہ اعضاء سے جھگڑیں گے۔ تو وہ کہیں گے ہم آج اللہ کے حکم سے بول رہے ہیں۔ اَنۡطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ کُلَّ شَیۡءٍ...... تو زبانیں انکار کے بعد اقرار کر لیں گی۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے رافع ابوالحسن سے روایت کیا ہے۔ آپ نے ایک انکار کرنے والے شخص کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی زبان کی طرف اشارہ فرمائیں گے تو زبان اس کے منہ میں موٹی ہو جائے گی اور منہ کو بھر دے گی تو وہ ایک کلمہ بھی نہ بول سکے گا۔ پھر اس کے اعضاء بدن کو حکم ہو گا بولو اور اس کے خلاف گواہی دو۔ تو اس کے کان، آنکھیں، جلد، شرمگاہ اور ہاتھ پاؤں یوں گواہی دیں گے: ہم نے یہ کام کیا (صنعنا، عملنا، فعلنا)۔ سورۂ یٰسین کی آیت اَلۡیَوۡمَ نَخۡتِمُ عَلٰۤی اَفۡوَاهِهِمۡ...... کی تفسیر میں بہت سی احادیث و آثار کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ جس کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب سمندر کی ہجرت سے لوگ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم ہمیں حبشہ کی سرزمین پر ہونے والی عجیب و غریب باتوں کے بارے میں نہیں بتاؤ گے؟ تو ان میں سے ایک نوجوان نے کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ! ایک دن ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پادریوں میں سے ایک بڑھیا ہمارے پاس سے گزری۔ اس کے سر پر پانی کا ایک گھڑا تھا۔ ایک نوجوان نے اسے دھکا دیا۔ وہ اوندھے منہ گر پڑی اور اس کا گھڑا ٹوٹ گیا۔ وہ اٹھی اور اس نوجوان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی: اے مکار! تو اس وقت جان لے گا جب اللہ تعالیٰ اپنی کرسی بچھائے گا اور سب اگلے پچھلوں کو جمع کرے گا اور ہاتھ اور پاؤں بولنا شروع کر دیں گے اور اپنے کرتوتوں کے بارے میں خود بتائیں گے۔ اس وقت تمہیں پتہ چلے گا کہ تیرا اور میرا کیا معاملہ ہے؟ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ اس قوم کو اللہ تعالیٰ کس طرح پاک فرمائے گا جن کے طاقتور سے کمزور کا بدلہ نہ لیا جائے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ ابن ابی دنیا رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کتاب الاھوال میں ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے (1)۔

قولہ وَمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَتِرُوۡنَ اَنۡ يَّشۡهَدَ عَلَيۡكُمۡ...... ان کے اعضاء اور ان کی کھالیں ان کے خلاف جب گواہی دیں گی تو وہ انہیں ملامت کریں گے۔ تو وہ جواب دیں گے تم جو کچھ کرتے تھے اسے ہم سے نہیں چھپاتے تھے بلکہ تم نے تو علانیہ کفر و معاصی کا بازار گرم کر رکھا تھا اور تمہیں کوئی پرواہ نہیں تھی کیونکہ تمہارا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال و اعمال سے آگاہ نہیں ہے۔

وَلٰكِنۡ ظَنَنۡتُمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعۡلَمُ كَثِيۡرًا مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۝ وَذٰلِكُمۡ ظَنُّكُمُ الَّذِىۡ ظَنَنۡتُمۡ بِرَبِّكُمۡ اَرۡدٰٮكُمۡ یعنی یہ گمان فاسد کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کثیر اعمال کو نہیں جانتا، نے تمہیں تباہی کے کنارے پہنچایا اور برباد کیا۔

فَاَصۡبَحۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ یعنی روز قیامت ہو گئے تم نقصان اٹھانے والے خود بھی اور تمہارا خاندان بھی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں کعبہ کے پردوں سے چھپا ہوا تھا کہ تین افراد آئے ان میں ایک قریشی اور دو اس کے داماد تھے جو بنو ثقیف سے تھے (ایک روایت میں ہے ایک ثقفی اور اس کے دو قریشی داماد)۔ ان کے پیٹ بڑھے ہوئے تھے لیکن عقلیں محدود۔ انہوں نے وہ بات کہی جو میں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ ایک نے کہا تمہارا کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ

1۔ ابن ماجہ، سنن، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1329

ہماری یہ گفتگو سن رہا ہے؟ دوسرا کہنے لگا اگر ہم بآواز بلند کوئی بات کریں تو وہ سنتا ہے اور آہستہ بولیں تو نہیں سن سکتا۔ تیسرا کہنے لگا اگر سن سکتا ہے تو سب کچھ سن لیتا ہوگا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے کو یہ بات عرض کی تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سے لے کر مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ تک (1)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ہناد، ابومعاویہ سے اسی سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے (2)۔ احمد، مسلم اور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بروایت ثوری حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے اور بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی بروایت مجاہد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے (3)۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت بہز بن حکیم عن أبیہ عن جدہ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ...... کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم قیامت کے دن اس حال میں بلائے جاؤ گے کہ تمہارے منہ فدام (4) سے بند ہوں گے اور سب سے پہلے ران اور ہتھیلی گواہی دے گی (5)۔ راوی حضرت معمر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا بندہ میرے ساتھ جو گمان کرتا ہے میں اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں (6)۔ پھر حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول میں کچھ دیر تامل فرمایا۔ اس کے بعد فرمانے لگے: لوگوں کا عمل ان کے اپنے رب کے ساتھ گمانوں کے برابر ہوتا ہے۔ (یعنی جس کا جیسا گمان خدا کے ساتھ ہوتا ہے ویسا ہی اس کا عمل بھی ہوتا ہے) چونکہ مؤمن کا اپنے رب کے ساتھ اچھا گمان ہوتا ہے اس لئے وہ عمل بھی اچھے کرتا ہے۔ کافر اور منافق کا گمان بھی چونکہ اپنے رب کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا اس لئے ان کے اعمال بھی برے ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ سے لے کر ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ الآیۃ تک تلاوت فرمائی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص نہ مرے مگر اس حال میں کہ وہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو۔ ایک قوم کو اللہ کے بارے میں برے گمان نے تباہ و برباد کر دیا پھر یہی آیت تلاوت فرمائی: وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ سے مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ تک (7)۔

فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ...... یعنی برابر ہے ان کے لئے کہ وہ صبر کریں یا نہیں وہ دوزخی ہیں اور اس سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ اس وقت اگر وہ اللہ کو راضی کرنا بھی چاہیں، معذرتیں پیش کریں تو ان کا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔

وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر وہ دوبارہ دنیا میں لوٹنے کا مطالبہ کریں گے تو انہیں کوئی جواب نہیں دیا جائے گا۔ اسی مضمون کو ایک اور آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ۝ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (مومنون:106) " (معذرت کرتے ہوئے) کہیں گے اے ہمارے رب! غالب آ گئی تھی ہم پر ہماری بدبختی اور ہم گم کردہ راہ لوگ تھے۔ اے ہمارے مالک! (ایک بار) ہمیں نکال اس سے، پھر اگر ہم نافرمانی

1۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 381 2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 123

3۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 408، فتح الباری، تفسیر سورۂ حم سجدہ، جلد 8 صفحہ 561، بخاری، جلد 6 صفحہ 161، مسلم، کتاب صفات المنافقین، جلد 4 صفحہ 2142-2141، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 164، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ حم سجدہ، جلد 12 صفحہ 129-128

4۔ فدام سے مراد چھکا ہے جو منہ کو باندھنے کیلئے استعمال ہوتا ہے یا وہ چیز جو لوٹے وغیرہ کے منہ پر باندھ دی جاتی ہے تاکہ اس میں سے جو کچھ نکلے وہ صاف ہو جائے۔ (مترجم)

5۔ یہ حدیث سورۂ یٰسین آیت: 65 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

6۔ مسند امام احمد عن انس، جلد 3 صفحہ 277، طبرانی، کتاب الدعاء، جلد 2 صفحہ 793، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 148، ورواہ ابو یعلی اسکے رجال صحیح کے ہی ہیں۔

7۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 391-390

کی طرف رجوع کریں تو یقیناً پھر ہم ظالم ہوں گے۔ جواب ملے گا پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اس میں اور مت بولو میرے ساتھ''۔

وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

''اور ہم نے مقرر کر دیئے ان کے لئے کچھ ساتھی پس انہوں نے آراستہ کر دکھایا انہیں اگلے اور پچھلے گناہوں کو اور ثابت ہو گیا ان پر فرمانِ (عذاب) ان قوموں کی طرح جو ان سے پہلے گزر چکی تھیں جنوں اور انسانوں سے۔ وہ سب (اگلے پچھلے) نقصان اٹھانے والے تھے۔ اور کہنے لگے وہ کافر مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور وغل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان شاید تم (اس طرح) غالب آ جاؤ پس ہم ضرور چکھائیں گے کفار کو شدید عذاب (کا مزہ) اور انہیں بدلہ دیں گے بہت برا اس (نافرمانی) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ یہ ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی یعنی آگ۔ ان کے لئے اس میں ہی ہمیشہ ٹھہرنے کا گھر ہے۔ یہ سزا ہے اس بات کی کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور کافر کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں دکھا وہ دونوں (شیطان) جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا جنوں اور انسانوں سے ہم انہیں روند ڈالیں گے اپنے قدموں کے نیچے تا کہ وہ ہو جائیں پست ترین لوگوں سے''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اسی نے مشرکین کو گمراہ کیا ہے اور یہ اس کی مشیت، حکم تکوینی اور قدرت سے ہے اور وہ اپنے افعال میں حکمت والا ہے اس نے جن وانس میں سے شیاطین بطور ساتھی اس کے لئے مقرر کر دیئے تھے۔

فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ جنہوں نے ان کے اعمال بد کو دلکش پیرائے میں ان کے سامنے پیش کئے رکھا۔ انہوں نے خیال کیا کہ دور ماضی کے لحاظ سے اور مستقبل کے اعتبار سے ان کے اعمال بہت خوبصورت ہیں۔ وہ اپنے آپ کو نیکوکاروں میں شمار کرتے تھے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَ اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (زخرف: 37-36) ''اور جو شخص (دانستہ) اندھا بنتا ہے رحمان کے ذکر سے، تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے ایک شیطان، پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے۔ اور شیاطین روکتے ہیں ان (اندھوں) کو راہِ ہدایت سے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں''۔

قولہ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ یعنی کلمہ عذاب ان پر صادق آ گیا جس طرح سابقہ اقوام پر آیا تھا۔ جنہوں نے ان جیسے افعال کئے تھے۔ خسارے اور بربادی میں یہ دونوں برابر ہو گئے۔

وقولہ تعالیٰ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ انہوں نے آپس میں طے کیا کہ قرآن کی بات نہ مانو۔ اس کے اوامر کی اطاعت نہ کرو۔

وَالْغَوْا فِيْهِ یعنی جب اس کی تلاوت کی جائے تو اس کو نہ سنو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی تالیاں بجانا، سیٹیاں مارنا اور سرکار کی آواز مبارک کے ساتھ آوازیں نکالنا کیا ہے۔ چنانچہ قریش ایسا ہی کرتے تھے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی عیب نکالنا کیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس کا انکار کر دو، اسے تسلیم نہ کرو اور اس کے ساتھ دشمنی رکھو(1)۔

لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ہر جاہل کافر کا یہی حال ہے۔ اسی طرح اس شخص کی بھی یہی حالت ہے جو قرآن سننے کے وقت کفار کی اتباع کرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اس کے برعکس حکم دیا ہے اور ارشاد فرمایا: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (اعراف: 204) ''اور جب پڑھا جائے قرآن (مجید) تو کان لگا کر سنو اسے اور چپ ہو جاؤ تاکہ تم پر رحمت کی جائے''۔ قرآن کیلئے نصرت کرتے ہوئے اور اہل کفر سے انتقام لیتے ہوئے فرمایا۔ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا یعنی ان کے جرم کی سزا کے طور پر۔

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ ان کے شریر اعمال اور برے افعال کے سبب۔ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ... ۔

اَضَلّٰنَا سفیان نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد ابلیس اور ابن آدم ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابلیس ہر صاحب شرک کو اور ابن آدم (یعنی حضرت آدم کا یہ صاحبزادہ) ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کو بلائے گا جس طرح کہ حدیث سے ثابت ہے: ''کوئی آدمی ظلماً مقتول نہیں ہوتا مگر آدم علیہ السلام کا یہ بیٹا بھی اس گناہ میں شریک ہوتا ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے اسی نے قتل شروع کیا تھا'' (2)۔

قولہ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا عذاب میں ہم سے نیچے تاکہ ان کا عذاب ہم سے شدید ہو۔ اسی لئے فرمایا: لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ یعنی آگ کے نچلے درجے میں۔ جس طرح سورۂ اعراف میں بھی یہ بیان گزر چکا ہے(3) کہ یہ پیروکار اپنے قائدین کے لئے دوگنا عذاب کا مطالبہ کریں گے۔ ارشاد ہوتا ہے: لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (اعراف: 38) ''ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اس کے اعمال بد کے مطابق ہی عذاب دیا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں فرمایا: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ (النحل: 88)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝٣١ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝٣٢

''بیشک وہ (سعادت مند) جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 112 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مائدہ آیت: 29، سورۂ عنکبوت آیت: 13

3۔ دیکھئے سورۂ اعراف آیت: 38

دوست ہیں دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ شے ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو گے۔ یہ میزبانی ہے بہت بخشنے والے ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے"۔

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا یعنی ان کا عمل اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے تھا اور وہ اس کے احکام کی اطاعت کرتے رہے۔ حافظ ابویعلی موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا: اکثر لوگ کہنے کو تو یہ کلمہ کہہ دیتے ہیں لیکن پھر اکثر اس کا انکار کر دیتے ہیں جو آدمی تادم واپسیں اس پر ثابت قدم رہا اس کا شمار اس زمرہ میں ہوگا۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اور بزار اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے پھر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "میں (سعید بن نمران) نے یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے تلاوت کی تو آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی شرک نہیں کیا" (1) پھر اسود بن ہلال سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی اور ہم سے دریافت کیا اس کا کیا مطلب ہے؟ لوگوں نے کہا لم یذنبوا کہ استقامت کا معنی یہ ہے کہ پھر اس سے گناہ صادر نہ ہو۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: تم نے تو یہ کام بڑا مشکل بنا دیا ہے۔ عرض کی گئی پھر آپ ہی فرمائیے۔ فرمایا: اللہ کو رب ماننے کے بعد اس پر استقامت کا معنی یہ ہے کہ پھر بتوں کی پوجا نہ شروع کر دیں (2)۔ مجاہد، عکرمہ، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ اور بہت سے مفسرین سے یہی منقول ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کتاب اللہ میں کون سی آیت سب سے زیادہ آسان ہے؟ تو آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ کلمہ شہادت کی گواہی دینا (3)۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا اللہ کی قسم! استقامت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثابت قدمی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور لومڑی کی طرح حیلہ سازیاں کر کے راہ فرار اختیار نہیں کرتے۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ استقامت یہ ہے کہ وہ فرائض کی ادائیگی پر کاربند رہتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ یوں دعا فرمایا کرتے تھے۔ اے اللہ! تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت نصیب فرما۔ ابوالعالیہ کا قول ہے وہ عمل اور دین میں مخلص ہوتے ہیں (یعنی وہاں ریا اور نمائش کا کوئی دخل نہیں ہوتا)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اسلام کے بارے میں مجھے ایسی بات بتائیے کہ حضور کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "قل آمنت باللہ ثم استقم کہہ کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور پھر عمر بھر اس پر ثابت قدم رہ۔" میں نے عرض کی میں کس سے بچوں تو آپ نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا (4)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایسی بات بتائیے کہ میں اس پر مضبوطی سے کاربند رہوں آپ نے ارشاد فرمایا: قل ربی اللہ ثم استقم کہہ میرا رب اللہ ہے، پھر اس پر

1۔ مسند ابویعلی، جلد 3 صفحہ 407، ترمذی اور نسائی نے اسے کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے، تحفۃ الاحوذی تفسیر سورۂ حم سجدہ، جلد 12 صفحہ 130-129، سنن کبری از نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 1 صفحہ 139 تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 115-114

2۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 115-114 3۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 322

4۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 385-384، نسائی، کتاب سنن کبری، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4 صفحہ 20

استقامت اختیار کر۔ فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ کس چیز سے میرے بارے سب سے زیادہ خدشہ محسوس کرتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو کنارے سے پکڑا اور فرمایا ھذا یعنی اس سے (1)۔ ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ! اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی بات بتلائیے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ (اس سے آگے وہی روایت ہے جو اوپر بیان ہوئی)(2)۔

قولہ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ مجاہد، سدی، زید بن اسلم رحمہم اللہ تعالیٰ اور آپ کے صاحبزادے فرماتے ہیں یعنی بوقت وصال فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔

اَلَّا تَخَافُوْا مجاہد، عکرمہ اور زید بن اسلم رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے یعنی جو امور آخرت تمہیں درپیش ہیں، ان سے خوف نہ کھاؤ۔

وَلَا تَحْزَنُوْا اپنے پیچھے تم دنیا میں جو کچھ چھوڑے جا رہے ہو یعنی بیوی بچے، مال و دولت، دیانت۔ ان کے بارے میں خدشہ محسوس نہ کرو۔ ان کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔ وہ انہیں شر کے خاتمے اور بھلائی کے حصول کی خوشخبری دیں گے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: بے شک ملائکہ مومن کی روح سے کہتے ہیں: اے پاک روح جو کہ پاک جسم میں سرایت کئے ہوئے تھی نکل آ۔ روح اور ریحان کی طرف۔ چل اس خدا کے پاس جو تجھ پر ناراض نہیں(3)۔ یہ بھی مروی ہے کہ فرشتے ان کے قبروں سے نکلنے کے وقت ان کے پاس آتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور سدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت کیا ہے(4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے جعفر بن سلیمان سے روایت کیا ہے کہ میں نے ثابت کو سورۂ حم سجدہ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا جب آپ اس آیت پر پہنچے تو توقف فرمایا اور ارشاد فرمایا: ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ مومن جب قبر سے اٹھے گا تو اس کے پاس دو فرشتے آئیں گے جو دنیا میں اس کے ساتھ تھے۔ وہ اسے کہیں گے اندیشہ نہ کر، غمگین مت ہو۔

وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ فرمایا اللہ اس کے خوف کو امن سے بدل دے گا اور اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گا۔ ہر وہ عظیم بات جس سے لوگ قیامت کے دن ڈریں گے۔ وہ مومن کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی کیونکہ اللہ نے اسے ہدایت عطا فرمائی تھی۔ نیز وہ دنیا میں نیک عمل کرتا تھا۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ بشارت اسے موت کے وقت، قبر میں اور قبر سے اٹھنے کے بعد دی جائے گی۔ (بروایت ابن ابی حاتم) یہ قول تمام اقوال کو جامع ہے۔ یہ بہت ہی مستحسن بات ہے۔ واقع کے مطابق بھی یہی ہے۔

قولہ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ یعنی ملائکہ بوقت وفات مومن سے کہیں گے جس طرح ہم دنیا میں تمہارے ساتھی تھے، تمہیں نیکی کی راہ دکھاتے، اچھائی کی طرف راہنمائی کرتے اور اللہ کے حکم سے تمہاری حفاظت کرتے، اسی طرح آخرت میں بھی ہم تمہارے ساتھ ہوں گے۔ تم سے قبروں کی وحشت دور کریں گے۔ صور پھونکے جانے کے وقت، قبروں سے اٹھنے اور حشر میں، ہم پل صراط تمہارے ساتھ عبور کریں گے اور تمہیں جنت کی نعمتوں اور باغات میں پہنچائیں گے۔

1۔ مرجع مذکور 2۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 413، عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 249، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 65، تحفۃ الاحوذی، جلد 7 صفحہ 91، ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 1314

3۔ یہ حدیث سورۂ انعام آیت: 62 کی تفسیر میں گزر چکی ہے اس کے راوی ابو ہریرہ ہیں اور حضرت براء کی روایت سورۂ انعام آیت: 40 میں بیان ہو چکی ہے۔

4۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 117-116

قولہ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ اَنْفُسُكُمْ جنت میں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو تم پسند کرو گے تمہاری دلی خواہش پوری ہوگی اور آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔

قولہ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ جو تم مانگو گے پالو گے۔ جو چیز تم پسند کرو گے تمہارے پاس حاضر ہو جائے گی۔

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ یعنی یہ ضیافت، عطا اور بدلہ ہوگا۔ گناہوں کو بخشنے والے رؤف رحیم کی طرف سے جس نے بخش دیا، پردہ پوشی کی اور لطف وکرم سے نوازا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس آیت کی تفسیر میں حدیث سوقِ جنت (بازارِ جنت) ذکر کی ہے جو اس طرح ہے۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی ملاقات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو جنت کے بازار میں ملائے۔ سعید نے پوچھا کیا جنت میں بازار بھی ہو گا؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے تو اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجات پر فائز ہوں گے۔ دنیا کے حساب سے جمعہ کے دن کے برابر انہیں ایک جگہ جمع ہونے کی اجازت ملے گی۔ چنانچہ وہ دیدار الٰہی سے فیض یاب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا عرش ان کے سامنے ہوگا۔ یہ سب کچھ جنت کے ایک باغ میں ہوگا۔ ان کے لئے نور کے منبر رکھے جائیں گے اسی طرح لؤلؤ، یاقوت، زبرجد (زمرد) سونے اور چاندی کے منبر رکھے ہوں گے۔ ان میں سے کم رتبے کے جنتی (لیکن جنتی ہونے کے اعتبار سے کوئی کسی سے کم تر نہیں) مشک اور کافور کے ٹیلوں پر ہوں گے۔ کرسیوں والے مجلس کے اعتبار سے ان سے افضل نظر آئیں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم اپنے رب کا دیدار کریں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ کیا تمہیں سورج اور چودہویں کی رات چاند دیکھنے میں کوئی شک رہتا ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دیدار میں بھی تمہیں کوئی شبہ نہیں ہوگا۔ اس مجلس میں کوئی شخص نہیں ہوگا مگر اللہ تعالیٰ اس کے سامنے حجابات اٹھا دے گا اور بغیر ترجمان کے اس سے بات چیت فرمائے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کسی سے فرمائے گا اے فلاں بن فلاں تمہیں یاد ہے جب تم نے فلاں دن یہ کام کیا تھا؟ (اللہ تعالیٰ اسے دنیا کا کوئی غلط کام یاد دلائے گا) وہ کہے گا اے رب کیا تو نے مجھے معاف نہیں فرمادیا تھا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں کیوں نہیں۔ میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے ہی تو اس درجے تک پہنچا ہے۔ فرمایا: اسی اثناء میں انہیں ایک ابر ڈھانپ لے گا۔ اس سے ایسی خوشبو برسے گی جو کسی نے آج تک نہیں سونگھی ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اٹھو ان انعامات کی طرف جو میں نے تمہارے لئے تیار کئے ہیں اور لو جو تم چاہو۔ فرمایا: پھر ہم سب ایک بازار میں پہنچیں گے جسے فرشتوں نے گھیر رکھا ہوگا اس میں وہ چیزیں ہوں گی جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی دل میں اس کا خیال تک گزرا ہے۔ فرمایا: ہم جو چاہیں گے ہمارے ساتھ اٹھا لیا جائیگا۔ اس میں نہ کوئی چیز بیچی جائے گی اور نہ خریدی جائے گی۔ اسی بازار میں اہل جنت ایک دوسرے سے ملیں گے۔ فرمایا: چنانچہ بلند رتبے والا ایک شخص آئے گا اور اپنے سے کم درجے والے شخص سے ملے گا ان میں سے کوئی بھی کسی سے کم تر نہیں۔ چنانچہ اس کا لباس دیکھ کر ادنیٰ درجہ والا کچھ مرعوب سا ہوگا۔ اس کی بات ختم نہیں ہوگی کہ اسے اپنے جسم پر اس سے بھی اچھا لباس نظر آئے گا۔ کیونکہ وہاں کسی کو کوئی رنج وغم نہیں ہوگا۔ پھر ہم اپنے گھروں کو جائیں گے وہاں ہماری بیویاں ہمارا استقبال کریں گی اور ہمیں مرحبا کہیں گی۔ وہ کہیں گی میرے محبوب خوش آمدید! آپ تشریف لائے ہیں آپ کا حسن وجمال اور خوشبو پہلے سے بھی بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے وہ کہے گا ہم آج اللہ رب العزت کی مجلس میں تھے اور ہمارا یہ حق ہے کہ ہم اسی طرح بدل جائیں جس طرح اس نے ہمیں بدل دیا۔ ترمذی رحمۃ

اللہ علیہ نے اپنی جامع میں "جنت کے حالات" میں اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ حدیث غریب ہے (1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرے اللہ اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم سب موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ موت کو ناپسند کرنا نہیں ہے۔ لیکن جب مومن کا آخری وقت آتا ہے تو اللہ کی طرف سے بشارت دینے والا آئے گا اور اسے اس کا مقام بتائے گا۔ تو کوئی چیز اس کے نزدیک خدا تعالیٰ کی ملاقات سے زیادہ پسندیدہ نہیں رہتی۔ فرمایا: جب فاجر...... یا کافر...... کا آخری وقت آتا ہے تو جو شر اسے ملنے والا ہے اس کی خبر اسے دی جاتی ہے۔ تو وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے اور صحیح میں دوسری سند سے بھی آئی ہے (2)۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

"اور اس شخص سے بہتر کس کا کلام ہے جس نے دعوت دی اللہ کی طرف اور نیک عمل کئے اور کہا کہ میں تو (اپنے رب کے) فرمانبردار بندوں سے ہوں۔ نہیں یکساں ہوتی نیکی اور برائی۔ برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے پس ناگہاں وہ شخص، تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے، یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان (خصائل حمیدہ) کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو۔ اور (اے سننے والے) اگر شیطان کی طرف سے تیرے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو (اس کے شر سے) اللہ کی پناہ مانگ۔ یقیناً وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی طرف بلایا۔

وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وہ خود بھی ہدایت پر ہے۔ اس کا نفع اس کے لئے بھی اور دوسرے کے لئے بھی لازم اور متعدی ہے۔ یعنی اپنے آپ کو بھی نفع پہنچایا اور خلق خدا کو بھی۔ وہ ان لوگوں سے نہیں جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود نہیں کرتے۔ اور برائی سے روکتے ہیں اور خود بھی کرتے ہیں بلکہ بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی کو چھوڑ دیتا ہے اور مخلوق کو خالق کی طرف بلاتا ہے۔ یہ آیت عام ہے ہر اس شخص کے لئے جو بھلائی کی طرف بلاتا ہے اور وہ خود بھی ہدایت یافتہ ہے۔ حضور ﷺ سب لوگوں سے زیادہ اس بات کے مصداق ہیں۔ محمد بن سیرین، سدی اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے یہی منقول ہے۔ ایک قول ہے کہ اس سے مراد نیک مؤذن ہیں۔ جس طرح

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 17-16، تحفۃ الاحوذی، جلد 7 صفحہ 259، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1451-1450

2۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 107، فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11 صفحہ 357، مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 2066-2065

کہ صحیح مسلم میں ہے: "موذنین قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ لمبی گردنوں والے ہوں گے۔" (1) سنن میں مرفوع حدیث میں ہے امام ضامن ہے اور موذن امانت دار ہے۔ اللہ تعالیٰ اماموں کو راہ راست دکھائے اور موذنین کو بخشے (2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے قیامت کے دن اذان دینے والوں کا حصہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مثل جہاد کرنے والوں کی طرح ہے۔ اذان و اقامت کے مابین اس کی حالت وہ ہوتی ہے جیسے کوئی راہ خدا میں جہاد میں اپنے خون میں لت پت ہو (3)۔ فرماتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے اگر میں موذن ہوتا تو مجھے حج، عمرے اور جہاد کی کوئی پرواہ نہ ہوتی۔ لکھتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے اگر میں موذن ہوتا تو میری آرزو پوری ہوتی اور میں رات کے قیام اور دن کے روزوں کے لئے تنگ و دو نہ کرتا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا اے اللہ! موذنین کو بخش دے (تین مرتبہ یہ دعا فرمائی) فرمایا: میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے ہمیں چھوڑ دیا حالانکہ ہم اذان کہنے پر تلواریں تان لیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اے عمر! ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ لوگ اذان کو کمزور لوگوں کے لئے چھوڑ دیں گے۔ وہ گوشت جنہیں اللہ نے آگ پر حرام کر دیا ہے موذنین کے گوشت ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اس آیت میں بھی موذنین کی تعریف ہے۔ اس کا حیّ علی الصلاۃ کہنا اللہ کی طرف بلانا ہے۔ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ آیت موذنین کے حق میں نازل ہوئی۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو امامہ الباہلی سے روایت کیا ہے کہ وَعَمِلَ صَالِحًا سے مراد اذان و تکبیر کے درمیان دو رکعتیں پڑھنا ہے (4)۔ پھر بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ والی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ (تین مرتبہ یہی فرمایا) اور تیسری مرتبہ فرمایا: "اس کے لئے جو چاہے۔" (5)۔ جماعت محدثین نے اسے اپنی کتب میں روایت کیا ہے (6)۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے کہ "اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی۔" ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے الیوم واللیلۃ میں روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے (7)۔ آیت کا عموم اس امر کا مقتضی ہے کہ اس کو کسی کے ساتھ مختص نہ کیا جائے بلکہ یہ موذنین اور غیر موذنین سب کو شامل ہے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت اذان سرے سے شروع ہی نہ ہوئی تھی۔ اس لئے کہ یہ آیت مکہ میں اتری تھی اور اذان ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مقرر ہوئی۔ جب عبداللہ بن زید بن عبدربہ انصاری کو خواب میں اذان دکھائی گئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ خواب سنایا۔ چنانچہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ کلمات سکھانے کا حکم دیا کیونکہ وہ بلند آواز تھے جس طرح کہ اپنی جگہ وضاحت کی گئی ہے۔ پس صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ جیسا کہ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری سے

1۔ مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 290، ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 240، مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 169

2۔ عارضۃ الاحوذی، باب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 8، مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 232-284، جلد 5 صفحہ 260، جلد 6 صفحہ 65

3۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 1 صفحہ 213، مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 232　4۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 114　5۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 115-114

6۔ فتح الباری کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 106، مسلم کتاب صلوۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 573، سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 26، عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 300، نسائی، کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 28، ابن ماجہ کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 368، مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 86، جلد 5 صفحہ 54-56-57

7۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 115، سنن ابوداؤد کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 144، عارضۃ الاحوذی ابواب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 13، نسائی: "الیوم واللیلۃ" بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 1 صفحہ 408-409، تحفۃ الاحوذی، جلد 1 صفحہ 624، مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 119

یہی روایت کیا ہے۔ آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا یہ اللہ کے حبیب ہیں۔ ولی اللہ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ یہ تمام اہل زمین سے زیادہ خدا تعالیٰ کو محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور لوگوں کو اس چیز کی طرف بلایا جس میں اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اس کے جواب میں نیک عمل کرتے رہے اور فرمایا: میں مسلمانوں سے ہوں یہ اللہ کے خلیفہ ہیں۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ یعنی ان دونوں کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ جو تیرے ساتھ برائی کرے تو تو احسان کے ساتھ اسے ہٹا دے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیرے بارے میں جو شخص خدا کی نافرمانی کرے تو تو اس کے بارے میں خدا کی فرمانبرداری کر۔

قولہ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ولی: دوست یعنی جب تو برائی کرنے والے سے بھلائی کرے گا تو یہ نیکی اسے تیرے ساتھ خلوص، محبت اور شفقت کی طرف لے جائے گی حتیٰ کہ وہ تیرا گہرا دوست بن جائے گا۔

وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا اس وصیت کو قبول نہیں کرتا اور اس پر عمل نہیں کرتا مگر جو اس پر صبر کر سکے۔ یہ چیز نفوس کے لئے بہت سخت ہے۔

ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ سعادت دنیا و آخرت میں سے حظ وافر کا مالک۔

علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو غصے کے وقت صبر کرنے اور جہالت کے وقت بردباری اختیار کرنے، برے سلوک کے جواب میں درگزر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں شیطان سے محفوظ فرمائے گا۔ ان کا دشمن بھی مطیع ہو جائے گا۔ گویا وہ گہرا دوست ہے(1)۔

وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ یعنی انسانی شکل میں جو شیطان ہے ممکن ہے اس کے ساتھ احسان سے دھوکے میں آ جائے لیکن جن شیطان جب وسوسہ اندازی کرے تو خالق کی پناہ کے سوا کوئی حیلہ نہیں ہے جس نے اسے تجھ پر مسلط کیا ہے۔ جب تو اللہ کی پناہ طلب کرے اور اس کی امان میں آ جائے تو وہ شیطان کے شر کو تم سے دور کر دے گا۔ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه ونفخه و نفثه(2)۔

اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس مقام کی نظیر قرآن کریم میں سورۂ اعراف میں ہے جہاں یہ ارشاد ہے: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (اعراف: 200-199)۔ اور سورۂ مؤمنون کی آیت: اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ (مومنون: 98-96) ''دور کرو اس چیز سے جو بہت بہتر ہے برائی کو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں وہ بیان کرتے ہیں۔ اور کہئے میرے رب! میں پناہ طلب کرتا ہوں تیری شیطانوں کے وسوسوں سے۔ اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں میرے رب اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں''۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 327

2۔ تعوذ کی تشریح میں یہ حدیث گزر چکی ہے نیز دیکھئے تفسیر سورۂ مومنون آیت: 97

لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ هُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾

''اوراس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی۔ سورج بھی ہے اور چاند بھی۔ مت سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے۔ اگر تم واقعی اس کے پرستار ہو۔ پھر (بھی) اگر وہ تکبر کرتے رہیں (تو ان کی قسمت) پس وہ (فرشتے) جو آپ کے رب کے پاس ہیں تسبیح کرتے رہتے ہیں اس کی شب و روز اور وہ نہیں تھکتے۔ اوراس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو کہ وہ (کسی وقت) خشک بنجر ہے، پھر جب ہم اتارتے ہیں اس پر (بارش کا) پانی تو جھومنے لگتی ہے اور کھل اٹھتی ہے بیشک وہ (قادر مطلق) جس نے زندہ کر دیا ہے زمین کو وہی زندہ کرنے والا ہے مردوں کو۔ بلاشبہ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی مخلوق کو اپنی عظیم الشان قدرت کے بارے میں آگاہ فرما رہا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں وہ جو کرنا چاہے اس پر قادر ہے۔ وَ مِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ اس نے رات کو اندھیرے سمیت پیدا کیا اور دن کو روشنی سمیت۔ یہ دونوں یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اور سورج کو اور اس کی روشنی اور چمک کو اور چاند کو، اس کی روشنی کو تخلیق کیا اور فلک میں اس کی منازل مقرر فرمائیں اور آسمان میں اس کے اور سورج کی رفتار میں اختلاف سے رات، دن، مہینے اور سالوں کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ جس سے حقوق کی ادائیگی اور عبادات و معاملات کے اوقات کی تعیین میں آسانی ہوتی ہے۔ جب چاند اور سورج عالم علوی اور سفلی میں سب اجرام سے زیادہ خوبصورت ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا کہ یہ دونوں اس کی مخلوق اور اس کے امر کے پابند ہیں۔ چنانچہ فرمایا: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا...... یعنی اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کی عبادت تمہیں نفع نہیں دے گی۔ وہ شرک کو معاف نہیں فرماتا۔ اسی لئے فرمایا: فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا یعنی اگر وہ خدا تعالیٰ کو وحدہ لاشریک نہ مانیں اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانا چاہیں۔

فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یعنی ملائکہ دن رات اس کی پاکیزگی بیان فرماتے ہیں جیسے ایک اور آیت میں ہے: فَاِنْ یَّكْفُرْ بِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِیْنَ (انعام:89) ''تو اگر انکار کریں اس کا یہ (مکہ والے) تو ہم نے مقرر کر دیئے ہیں اس کو ماننے کے لئے ایسے لوگ جو اس کے ساتھ کفر کرنے والے نہیں''۔ حافظ ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات اور دن کو گالی نہ دو، نہ سورج اور چاند کو اور نہ ہواؤں کو کیونکہ انہیں کسی قوم کے لئے رحمت اور کسی قوم کے لئے عذاب بنا کر بھیجا جاتا ہے(1)۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اس کی قدرت کی نشانی مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا ہے۔ جیسے آپ دیکھتے ہیں کہ زمین مردہ تھی۔ خاشعة: هامدة لا نبات

1۔ مسند ابویعلی، جلد 2 صفحہ 444

فیھا بل ھی میتة: بنجر۔

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ یعنی خوبصورت رنگوں کی کھیتیاں اور پھل نکالے۔ جس نے انہیں زندہ کیا ہے وہ جو چاہے اس پر قادر ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝

''بیشک جولوگ ہماری آیتوں میں اپنی طرف سے اضافے کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ تو کیا جو پھینکا جائے گا آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئے گا امن وسلامتی کے ساتھ قیامت کے دن (وہ بہتر ہے) تم وہ کرو جو تمہاری مرضی۔ یقیناً جو کچھ تم کرتے ہو، وہ خوب دیکھ رہا ہے۔ بیشک وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو ماننے سے انکار کیا جب وہ ان کے پاس آیا (تو وہ ہٹ دھرم لوگ ہیں) اور بیشک یہ بڑی عزت (حرمت) والی کتاب ہے۔ اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے۔ یہ اتری ہوئی ہے بڑے حکمت والے، سب خوبیاں سراہے کی طرف سے۔ (اے حبیب!) نہیں کہا جاتا آپ کو مگر وہی جو کہا گیا پیغمبروں کو آپ سے پہلے۔ بیشک آپ کا پروردگار (اہل ایمان کے لئے) بہت بخشنے والا اور (منکرین کے لئے) دردناک عذاب دینے والا ہے''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ الحاد یہ کہ کلام کو اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد کفر وعناد ہے (1)۔

قولہ لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا اس میں شدید دھمکی ہے اور پختہ وعید کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو جانتا ہے جو اس کی آیات، اسماء اور صفات میں اعتراضات تلاش کرتا ہے۔ اس کا بدلہ بدترین سزا کی صورت میں ہوگا۔ اسی لئے فرمایا: اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ کیا یہ اور یہ برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ مجاہد، ضحاک اور عطاء خراسانی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ وعید ہے یعنی اچھا یا برا جو عمل چاہو کرتے جاؤ وہ تم سے خوب آگاہ ہے اور تمہارے اعمال سے اچھی طرح واقف۔ اسی لئے فرمایا: اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ضحاک، سدی اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ذکر سے مراد یہاں قرآن ہے۔

عزیز: منیع الجناب، لا یرام أن یأتی أحد مثله: تمام اطراف سے محفوظ کوئی اس کی مثل نہیں لا سکتا۔

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ باطل کے اس میں شامل ہونے کی کوئی راہ نہیں وہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اسی لئے فرمایا: تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ یعنی وہ اپنے افعال واقوال میں حکیم ہے۔ حمید بمعنی محمود ہے۔ یعنی ہر وہ چیز جس کا وہ حکم

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 126-125

دیتا ہے یا اس سے روکتا ہے، اس کے تمام اوامر ونواہی قابل تعریف مقاصد وعواقب کے حامل ہیں۔

قال مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کا قول ہے کہ آپ کی تکذیب میں بھی وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پیشتر مرسلین سے کہی گئی تھیں۔ جس طرح آپ کی تکذیب کی جارہی ہے ان کی بھی تکذیب کی گئی تھی۔ جس طرح انہوں نے اپنی قوم کی طرف سے دی گئی تکالیف پر صبر کیا تھا اسی طرح آپ بھی اپنی قوم کی طرف سے تکالیف وشدائد پر صبر فرمائیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو پسند کیا ہے(1)۔ انہوں نے اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اور کوئی بات نہیں لکھی۔

قولہ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ یعنی توبہ کرنے والے کو بخشنے والا ہے۔

ذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ دردناک عذاب دینے والا ہے اسے جو اپنے کفر، سرکشی، عناد، ضد اور مخالفت حق پر اڑا رہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ عفو وکرم اور گناہوں سے صرف نظر نہ فرماتا تو کوئی شخص آرام دہ زندگی نہ گزار سکتا۔ اور اگر اس کی وعید اور عذاب نہ ہوتا تو ہر شخص اطمینان سے تکیہ کر لیتا۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّ هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَ لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾

''اور بالفرض اگر ہم اسے بنا کر بھیجتے قرآن عجمی زبان میں تو کہتے کیوں نہ کھول کر بیان کی گئیں اس کی آیتیں۔ کیا اچنبہ ہے کتاب عجمی اور نبی عربی۔ آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے۔ انہیں گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے۔ اور ہم نے عطا فرمائی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب پس اس میں بھی بہت اختلاف کیا گیا۔ اور اگر ایک بات طے نہ ہوگئی ہوتی آپ کے رب کی طرف سے تو (ابھی) فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان۔ اور بیشک وہ ایک شک میں مبتلا ہیں اس کے بارے میں جو بے چین کر دینے والا ہے''۔

جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت اور لفظی ومعنوی پختگی اور فوائد ومحاسن کا بیان فرمایا اور کفار اس کے باوجود ایمان نہ لائے تو اس بات سے آگاہ کیا کہ ان کا یہ کفر وانکار بوجہ عناد اور سرکشی کے ہے۔ جس طرح ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ (شعراء:99-198) ''اور اگر ہم اتارتے قرآن کو کسی غیر عربی پر۔ پھر وہ ان کو پڑھ کر سناتا تب بھی وہ ایمان لانے والے نہیں تھے)۔ چنانچہ اگر قرآن پورے کا پورا کسی عجمی زبان میں نازل کیا جاتا تو پھر بھی اپنے عناد اور سرکشی کی بناء پر یہ کہتے: لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ یعنی قرآن کریم کو مفصلاً عربی زبان میں کیوں نہیں اتارا گیا اور اسے ماننے

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 126-125

سے انکار کرتے ہوئے یوں کہتے اُعجمی وعربی؟ یعنی ایک عرب رسول پر عجمی زبان میں یہ کیا اتارا گیا ہے کہ وہ اسے سمجھنے سے قاصر ہے۔ ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مفہوم منقول ہے۔ ایک دوسرے قول کے مطابق وہ یوں کہیں گے کیا کچھ حصہ عربی اور کچھ حصہ عجمی زبان میں اتارا گیا ہے؟ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ وہ اسے ہمزۂ استفہام کے بغیر پڑھتے ہیں۔ اَعْجَمِيٌّ سعید بن جبیر سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے۔ سرکشی اور بغاوت کے مفہوم کی طرف اشارہ کرنے میں یہی زیادہ بلیغ ہے(1)۔

پھر فرمایا: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ یعنی اے محمد! فرما دیجئے یہ قرآن اس پر ایمان لانے والے کے دل کے لئے ہدایت اور سینوں میں پائے جانے والے شکوک سے شفاء ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ یعنی وہ اسے سمجھ نہیں سکتے۔ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اس میں جو بیان ہے وہ اس کی طرف ہدایت نہیں پا سکتے جیسے ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (اسراء: 82) ''اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے۔ اور قرآن نہیں بڑھاتا ظالموں کے لئے مگر خسارہ کو''۔

اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کے دلوں سے دور ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ گویا انہیں مخاطب کرنے والا انہیں دور سے آواز دے رہا ہے۔ جو وہ کہتا ہے یہ اسے سمجھ نہیں پاتے(2)۔ (میں کہتا ہوں) یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (بقرہ: 171) ''اور مثال ان کی جنہوں نے کفر (اختیار) کیا ایسی ہے جیسے کوئی چلا رہا ہو ایسے (جانوروں) کے پیچھے جو نہیں سنتے سوائے خالی پکار اور آواز کے یہ لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے''۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ روز قیامت انہیں بدترین ناموں سے پکارا جائے گا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک شخص کے پاس بیٹھے تھے وہ حالت نزع میں تھا کہ اس نے یکا یک پکارا ''لبیك'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے وجہ پوچھی اور فرمایا کیا تو نے کسی کو دیکھا ہے یا کسی نے تجھے پکارا ہے تو وہ کہنے لگا: مجھے سمندر کے اس پار کوئی شخص بلا رہا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ (بروایت ابن ابی حاتم)

وقولہ تعالیٰ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ یعنی تکذیب کی گئی اور تکلیف دی گئی۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف: 35)۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ ایک مقررہ وقت تک یعنی قیامت تک ان کے حساب و کتاب کو مؤخر کر دیا گیا ہے۔

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ضرور انہیں جلد عذاب دیا جاتا بلکہ انہیں اس وقت تک مہلت ہے جس کے بعد انہیں ہرگز نجات کی کوئی راہ نہیں ملے گی۔

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ یعنی ان کا حضور ﷺ کو جھٹلانا بوجہ بصیرت نہیں تھا بلکہ وہ جو کچھ کہہ رہے تھے خود انہیں بھی اس پر شک تھا۔ اس کی حقیقت سے لاعلم تھے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی توجیہہ بیان کی ہے(3) اور کلام میں اس بات کا احتمال بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٤٦﴾ اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا

1۔ طبری، جلد 24 صفحہ 127 2۔ طبری، جلد 24 صفحہ 128 3۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 130

بِعِلْمِهٖ ؕ وَ یَوْمَ یُنَادِیْهِمْ اَیْنَ شُرَكَآءِیْ ۙ قَالُوْۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِیْدٍ ۚ﴿۴۷﴾ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَ ظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۴۸﴾

''جو نیک عمل کرتا ہے تو وہ اپنے بھلے کے لئے اور جو برائی کرتا ہے اس کا وبال اس پر ہے۔ اور آپ کا رب تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ اسی اللہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے قیامت کا علم۔ اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلافوں سے اور نہ حاملہ ہوتی ہے کوئی مادہ اور نہ بچہ جنتی ہے اس کے علم کے بغیر۔ اور جس روز وہ انہیں پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک؟ کہیں گے ہم (پہلے) عرض کر چکے ہیں ہم میں سے کوئی بھی (اس پر) گواہی نہ دے گا۔ اور گم ہو جائیں گے ان سے جن کی وہ پہلے عبادت کیا کرتے تھے اور وہ یقین کر لیں گے کہ اب بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ اس کا فائدہ اسے ہی ہوگا۔ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا اس کا وبال اسی کی طرف لوٹے گا۔ وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ یعنی کسی کو سزا نہیں دیتا مگر اس کے گناہ کے سبب اور کسی کو عذاب نہیں دیتا مگر اس کے خلاف دلیل قائم کرنے اور رسول مبعوث فرمانے کے بعد۔

اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنی اس کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں جس طرح کہ حضرت سید البشر سیدنا محمد ﷺ نے سید الملائکہ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام سے فرمایا تھا، جب انہوں نے قیامت کے بارے میں دریافت کیا تھا تو فرمایا: ''مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ''(1) یعنی مسئول عنه (جس سے دریافت کیا جا رہا ہے) قیامت کے بارے میں سائل سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا (النازعات:44) ''آپ کے رب تک اس کی انتہا ہے''۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ (اعراف:187) ''نہیں ظاہر کرے گا اسے اپنے وقت پر مگر وہی''۔

وَ مَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ یعنی اسے سب چیزوں کا علم ہے۔ زمین وآسمان میں کوئی چیز اس کے علم سے ذرہ برابر بھی باہر نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا (انعام:59) ''اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو''۔ اور فرمایا: یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰی وَ مَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَ مَا تَزْدَادُ ؕ وَ كُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ (رعد:8) ''اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو (شکم میں) اٹھائے ہوتی ہے کوئی مادہ اور (جانتا ہے) جو کم کرتے ہیں رحم اور جو زیادہ کرتے ہیں۔ اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازہ سے ہے''۔ اور فرمایا: وَ مَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ (فاطر:11) ''اور نہ لمبی زندگی دی جاتی ہے کسی طویل العمر کو اور نہ کم رکھی جاتی ہے کسی کی عمر مگر (اس کی تفصیل) کتاب میں درج ہے۔ بیشک یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے''۔

قولہ عزوجل یَوْمَ یُنَادِیْهِمْ اَیْنَ شُرَكَآءِیْ؟ یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مشرکین کو مخلوق خدا کے سامنے ندا فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ میرے شرکاء جنہیں تم میرے ساتھ پوجا کرتے تھے؟

قَالُوْۤا اٰذَنّٰكَ یعنی ہم نے آپ کو خبر دی تھی۔

مَا مِنَّا مِنْ شَهِیْدٍ ہم میں سے آج کوئی بھی اس بات کی گواہی نہیں دیتا کہ تیرا کوئی شریک ہے۔

1۔ یہ حدیث سورۂ اعراف آیت:187 اور سورۂ نمل آیت:66 میں گزر چکی ہے۔

وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ یعنی چلے گئے اور انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔

وَظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ یعنی روز قیامت مشرکین یہ گمان کریں گے اور یہ گمان بمعنی یقین ہے۔

مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ اللہ کے عذاب سے اس دن کوئی چیز نہیں بچا سکے گی۔ ایک اور آیت میں فرمایا: وَرَاَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ النَّارَ فَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ مُّوَاقِعُوۡهَا وَلَمۡ يَجِدُوۡا عَنۡهَا مَصۡرِفًا (کہف:53) ''اور دیکھیں گے مجرم (جہنم کی) آگ کو اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور نہ پائیں گے اس سے نجات پانے کی کوئی جگہ''۔

لَا يَسۡـَٔمُ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ دُعَآءِ الۡخَيۡرِ وَاِنۡ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنَّا مِنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ هٰذَا لِىۡ ۙ وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰى رَبِّىۡۤ اِنَّ لِىۡ عِنۡدَهٗ لَـلۡحُسۡنٰى ۚ فَلَـنُنَبِّئَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا وَلَـنُذِيۡقَنَّهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِيۡظٍ ﴿۵۰﴾ وَاِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِيۡضٍ ﴿۵۱﴾

''نہیں اکتاتا انسان بھلائی کی دعا کرنے سے۔ اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بالکل مایوس (اور) ناامید ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم چکھائیں اسے رحمت اپنی جناب سے اپنی تکلیف کے بعد جو اسے پہنچتی ہے تو کہتا ہے میں اسی کا مستحق ہوں۔ اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہوگی۔ اور اگر میں لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میرے لئے اس کے پاس بھی اکرام ہی اکرام ہوگا۔ (یہ احمق کیا سوچ رہے ہیں) ہم تو آگاہ کریں گے کافروں کو جو کرتوت انہوں نے کئے اور ہم ضرور چکھائیں گے انہیں سخت عذاب۔ اور جب ہم احسان فرماتے ہیں انسان پر تو وہ (تکبر سے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرنے لگتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگ جاتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں انسان اپنے رب سے بھلائی کا سوال کرنے سے نہیں اکتاتا۔ جیسے مال اور صحت جسمانی وغیرہ ہے۔ اگر اسے شر یعنی آزمائش اور فقر آ لے تو فَيَـُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ اس کے ذہن میں آ جاتا ہے کہ اس کے بعد اسے بھلائی نہیں ملے گی۔

وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنَّا مِنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ هٰذَا لِىۡ یعنی سختی اور تکلیف کے بعد جب اسے بھلائی اور رزق ملے تو کہنے لگتا ہے۔ یہ میرے لئے ہے، میں اپنے رب کے ہاں اس کا حقدار تھا، میں اسی کے لائق تھا۔

وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً قیام قیامت کا انکار کر دے گا یعنی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر اترانا اور فخر کرنا شروع کر دے گا اور کفر کرنے لگے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَلَّاۤ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَيَطۡغٰٓى ۙ اَنۡ رَّاٰهُ اسۡتَغۡنٰى (علق:7-6) ''ہاں ہاں! بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے۔ اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے''۔

وَّلَئِنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰى رَبِّىۡۤ اِنَّ لِىۡ عِنۡدَهٗ لَـلۡحُسۡنٰى یعنی اگر قیامت آ بھی گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس دار دنیا میں جس طرح مجھ پر کرم فرمایا ہے۔ قیامت کے دن بھی مجھے ضرور نوازے گا۔ اپنی بداعمالیوں اور عدم یقین کے باوجود ان تمناؤں کا اظہار کرے گا۔

فَلَـنُنَبِّئَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا وَلَـنُذِيۡقَنَّهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِيۡظٍ اللہ تعالیٰ وعید فرما رہے ہیں کہ جس کا یہ عمل اور اعتقاد ہوگا عذاب وعقاب

میں مبتلا ہوگا۔ پھر فرمایا: وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ یعنی اطاعت سے رخ موڑ لیتا ہے اور اوامر الٰہیہ کو بجالانے میں تکبر سے کام لیتا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ (ذاریات:39) ''پس اس نے روگردانی کی اپنی قوت کے بل بوتے پر''۔

وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ اور جب اسے کوئی تکلیف آپہنچے تو ایک چیز کے بارے میں طویل مناجات کرتا ہے۔ عریض کلام اسے کہتے ہیں جس کے الفاظ بہت زیادہ ہوں مگر معانی کم ہوں اور کلام وجیز وہ ہے جو اس کے برعکس ہو۔ ارشاد ربانی ہے: وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ (یونس:12) ''اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف (تو اس وقت) پکارتا ہے ہمیں لیٹا ہوا ہو یا بیٹھا ہوا ہو یا کھڑا ہوا ہو۔ پھر جب ہم دور کردیتے ہیں اس سے اس کی تکلیف (تو) چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں (کبھی) پکارا ہی نہیں تھا کسی تکلیف میں جو اسے پہنچتی تھی''۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾

''آپ فرمایئے (اے کافرو!) تم مجھے بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم اس کا انکار کرو تو کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو اختلاف میں بہت دور نکل گیا ہو۔ ہم دکھائیں گے انہیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں اور ان کے اپنے نفسوں میں تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن واقعی حق ہے۔ کیا یہ کافی نہیں کہ آپ کا رب ہر چیز پر گواہ ہے سنو! یہ لوگ شک میں مبتلا ہیں اپنے رب سے ملنے کے بارے میں۔ یاد رکھو! وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے محمد قرآن کی تکذیب کرنے والے ان مشرکین سے فرمادیجئے: اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے۔

ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ یعنی تمہارا کیا حال ہے اس کے نزدیک جس نے اسے اپنے رسول پر نازل کیا ہے؟ اسی لئے فرمایا:

مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ یعنی کفر، عناد، مخالفت حق اور ہدایت سے دور مسلک۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ یعنی قرآن کے سچا کلام اور منزل من اللہ ہونے کے خارجی دلائل ہم ان کے سامنے ظاہر کریں گے۔

فِي الْاٰفَاقِ یعنی فتوحات اور تمام اقالیم اور ادیان پر اسلام کا ظہور۔ مجاہد، حسن اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور ان کی ذات میں بھی انہیں دلائل دکھائے جائیں گے جیسے واقعہ بدر و فتح مکہ اور اس جیسے دیگر واقعات جو انہیں پیش آئے جن میں حضور ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو نصرت حاصل ہوئی اور اہل باطل رسوا ہو گئے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد انسان کی اپنی بناوٹ اور ہیئت ترکیبی ہو جس طرح کہ علم تشریح الابدان میں مفصل مذکور ہے اور صانع کی حکمت کی دلیل ہے۔ اسی طرح وہ اچھے برے اخلاق جو اس کی طبیعت میں ودیعت کئے گئے ہیں۔

ابن ابی دنیا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التفکر و الاعتبار میں اپنے شیخ سے انہی چیزوں کو روایت کیا ہے۔

قولہ تعالیٰ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ یعنی اللہ اپنے بندوں کے اقوال وافعال کے لئے

بطور شاہد کافی ہے وہی یہ شہادت دے رہا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اپنی دعوت میں سچے ہیں ایک اور آیت میں فرمایا: لٰكِنِ اللّٰهُ يَشۡهَدُ بِمَآ اَنۡزَلَ اِلَيۡكَ اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ (النساء:166) ''لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعہ جو اس نے آپ کی طرف اتاری کہ اس نے اسے اتارا ہے اپنے علم سے''۔

قولہ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّهِمۡ یعنی وقوع قیامت کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہیں۔ اسی لئے اس میں نہ غور وفکر کرتے ہیں، نہ اس کے لئے عمل کرتے ہیں اور نہ اس سے ڈرتے ہیں بلکہ وہ ان کے نزدیک رائیگاں ہے وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے یہ لامحالہ طور پر واقع ہوگی اور اس کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ابن ابی دنیا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا فرمائی پھر فرمایا:

امابعد، اے لوگو! میں نے تمہیں کسی نئی بات کے لئے جمع نہیں کیا لیکن میں نے اس معاملے میں غور کیا جس کی طرف تم جانے والے ہو (قیامت) اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اسے سچا جاننے والا احمق اور اس کی تکذیب کرنے والا ہلاک ہونے والا ہے پھر منبر سے اتر آئے۔

آپ کے فرمان: أن المصدق به أحمق سے مراد یہ ہے کہ اس کے لئے عمل کرنے والا اس کے مثل عمل نہیں کرتا اور اس سے بچتا نہیں ہے اور اس کے ہول سے نہیں ڈرتا۔ اس کے ساتھ ہی وہ تصدیق کرنے والا اور اس کے وقوع پذیر ہونے کا یقین بھی رکھتا ہے لیکن لہو ولعب اور گناہوں اور شہوات میں مشغول بھی ہے۔ چنانچہ وہ اس اعتبار سے احمق ہے اور لغت عرب میں احمق کا معنی ضعیف العقل ہے۔

اور آپ کے فرمان: والمكذب به هالك سے مراد ہے کہ اس کی تکذیب کرنے والا ہلاک ہونے والا ہے اس کا مفہوم از حد واضح ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ وہ ذات ہر چیز پر قادر اور ہر چیز کو محیط ہے۔ قیامت کا واقع کرنا اس کے نزدیک بہت سہل اور آسان ہے۔

اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍ مُّحِيۡطٌ یعنی تمام مخلوقات اس کے قہر کے نیچے، اس کے قبضہ قدرت میں اور اس کے علم میں ہیں۔ وہ اپنے حکم کے ساتھ تمام چیزوں میں تصرف کرنے والا ہے۔ جو چاہے ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے نہیں ہوتا اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

سورۂ حم سجدہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد والمنة

سورۂ شوریٰ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ كَذٰلِكَ يُوۡحِىۡۤ اِلَيۡكَ وَاِلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۙ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۳﴾
لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡعَظِيۡمُ ﴿۴﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡ
فَوۡقِهِنَّ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَيَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ
هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ﴿۵﴾ وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيۡظٌ عَلَيۡهِمۡ ۖ وَمَاۤ
اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ ﴿۶﴾

”حا۔میم۔عین۔سین۔قاف۔اسی طرح (کے مطالب نفیسہ) وحی فرماتا رہا ہے آپ کی طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو آپ سے پہلے گزرے ہیں۔اللہ جو زبردست (اور) بہت دانا ہے۔اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔اور وہی سب سے اعلیٰ (اور) عظمت والا ہے۔قریب ہے کہ (جلال الٰہی سے) آسمان پھٹ پڑیں اپنے اوپر سے اور (ایسا نہیں ہوتا کیونکہ) فرشتے تسبیح کر رہے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور بخشش طلب کر رہے ہیں اہل زمین کے لئے۔سن لو! یقیناً اللہ ہی بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔اور جنہوں نے بنا رکھے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا (اور) دوست، اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کے حالات سے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں“۔

حروف مقطعات کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک عجیب وغریب اور منکر روایت ذکر کی ہے۔وہ اپنی سند سے اَرطاۃ بن منذر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا مجھے حم عسق کی تفسیر سمجھائیے۔اس وقت حضرت حذیفہ بن یمان بھی آپ کے پاس بیٹھے تھے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ سن کر اپنا سر جھکا لیا اور اس سے رخ پھیرلیا۔اس نے دوبارہ عرض کی تو آپ نے پھر رخ پھیرلیا اور اسے کوئی جواب نہ دیا اور اس کی بات کو ناپسند کیا۔اس نے تیسری مرتبہ یہی بات کی تو آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں اس کے بارے میں بتاتا ہوں۔مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے کیوں ناپسند کر رہے ہیں۔یہ ان کے اہل بیت کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جسے عبدالالہ یا عبداللہ کہا جاتا ہوگا وہ مشرق کے دریاؤں میں سے ایک دریا کے پاس اترے گا اس پر دو شہر آباد ہوں گے یہ دریا ان کے درمیان سے بہتا ہوگا۔جب اللہ تعالیٰ ان کے ملک کے زوال اور ان کی حکومت اور مدت کے خاتمے کا ارادہ فرمائے گا تو اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک پر رات کو آگ بھیجے گا۔وہ اسے جلا کر بھسم کر دے گی۔گویا وہاں کچھ بھی نہ تھا۔صبح دوسرے شہر کے لوگ متعجب ہوں گے کہ وہ کس طرح بچ گئے پس جب دن کی روشنی ہوگی اور ان کے سب جبار، سرکش لوگ جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو شہر سمیت

زمین میں دھنسا دے گا۔ حٰمٓ ۚ عٓسٓقٓ سے مراد یہی ہے یعنی اللہ کی طرف سے یہ عزیمت ہے اور فتنہ و آزمائش اور قضا و قدر یعنی اللہ کی طرف سے فیصل شدہ ہے۔ عین سے مراد اس کا عدل، سین سے مراد سکون یعنی عنقریب ہو کر رہے گا۔ ق سے مراد ان شہروں کے ساتھ ہونے والا واقعہ ہے(1)۔

اس سے بھی زیادہ غریب وہ روایت ہے جسے حافظ ابو یعلی موصلی نے اپنی مسند کے دوسرے جز میں حضرت ابن عباس اور ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ذکر کیا ہے لیکن اس کی سند بہت ضعیف اور منقطع ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا: اے لوگو! کیا تم میں سے کسی نے اس آیت حٰمٓ ۚ عٓسٓقٓ کی تفسیر آنحضرت ﷺ سے سنی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اچھل کر بیٹھ گئے کہ میں اور فرمایا حم اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے۔ عرض کی گئی عین؟ فرمایا: بدر کے روز حق سے اعراض کرنے والوں نے عذاب دیکھ لیا۔ عرض کی گئی ''سین''؟ فرمایا: سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ پوچھا ق سے کیا مراد ہے؟ آپ خاموش ہو گئے یہ سن کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق تفسیر کی اور فرمایا ق سے مراد قارعۃ آسمانی ہے جو تمام لوگوں کو ڈھانپ لے گی(2)۔

قولہ عزوجل كَذٰلِكَ يُوۡحِىۡۤ اِلَيۡكَ وَاِلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۙ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ یعنی جس طرح یہ قرآن آپ کی طرف اتارا گیا ہے اسی طرح آپ سے قبل انبیاء پر کتب اور صحیفوں کا نزول ہوا۔

الۡعَزِيۡزُ اپنے انتقام میں۔

الۡحَكِيۡمُ اپنے اقوال و افعال میں حکمت والا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کبھی تو گھنٹی کی طرح آواز آتی ہے اور یہ مجھ پر بہت زیادہ بھاری ہوتی ہے۔ جب وہ ختم ہوتی ہے تو یہ چیز مجھے یاد ہو چکی ہوتی ہے اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے۔ مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے تو میں اس کی باتوں کو یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے دیکھا کہ شدید سردی میں آپ پر وحی اترتی اور جب وہ کیفیت دور ہوتی تو آپ کی پیشانی پسینے سے شرابور ہوتی۔ صحیحین میں اسے روایت کیا گیا ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں(3)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن امام احمد سے اسی طرح روایت کیا ہے(4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کو وحی کا پتہ چلتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: میں گھنٹیوں کی آواز سنتا ہوں تو خاموش ہو جاتا ہوں۔ جب بھی مجھ پر وحی اترتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میری روح پرواز کر جائے گی(5)۔ وحی کی کیفیت ہم نے شرح بخاری کی ابتداء میں بیان کی ہے۔ اس کے یہاں اعادے کی ضرورت نہیں۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

قولہ تبارک وتعالیٰ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ یعنی سب اس کے غلام اور اس کی ملکیت ہیں اور اس کی قہر و تصرف کے زیر اثر ہیں۔

وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡعَظِيۡمُ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ الۡكَبِيۡرُ الۡمُتَعَالِ (رعد:9) ''سب سے بڑا عالی مرتبہ ہے''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 6 2۔ درمنثور بروایت ابی یعلی، ابن عساکر، جلد 7 صفحہ 336

3۔ بخاری، جلد 1 صفحہ 302، فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 18، مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1817-1816

4۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 158، مجمع زوائد، جلد 8 صفحہ 356، المعجم الکبیر، جلد 3 صفحہ 359 5۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 222

هُوَ الۡعَلِيُّ الۡكَبِيۡرُ اس طرح کی آیات بے شمار ہیں۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ...... ابن عباس، ضحاک، قتادہ، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ اور کعب احبار کا قول ہے کہ عظمت کے ڈر سے پھٹ جائیں۔

الۡمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَيَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِمَنۡ فِي الۡاَرۡضِ جیسے ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: اَلَّذِيۡنَ يَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَمَنۡ حَوۡلَهٗ يُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَيُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَيَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ رَبَّنَا وَسِعۡتَ كُلَّ شَيۡءٍ رَّحۡمَةً وَّعِلۡمًا (غافر:7) ’’جو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں عرش کو اور وہ جو عرش کے اردگرد (حلقہ زن) ہیں وہ تسبیح کرتے ہیں حمد کے ساتھ اپنے رب کی اور ایمان رکھتے ہیں اس پر اور استغفار کیا کرتے ہیں ایمان والوں کے لئے۔ (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو گھیرے ہوئے ہے ہر شے کو (اپنی) رحمت اور علم سے‘‘۔

قولہ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ اس بات کا اعلان اور شان خداوندی کا بیان ہے۔

الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا یعنی مشرکین (1)۔

اللّٰهُ حَفِيۡظٌ عَلَيۡهِمۡ ان کے اعمال کا گواہ ہے اور انہیں شمار کیے ہوئے ہے اور روز قیامت انہیں بہترین جزاء دے گا۔

وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ یعنی آپ تو ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز پر وکیل ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰى وَمَنۡ حَوۡلَهَا وَتُنۡذِرَ يَوۡمَ الۡجَمۡعِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ فَرِيۡقٌ فِي الۡجَنَّةِ وَفَرِيۡقٌ فِي السَّعِيۡرِ ۞ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنۡ يُّدۡخِلُ مَنۡ يَّشَآءُ فِيۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوۡنَ مَا لَهُمۡ مِّنۡ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ۞

’’اور یونہی ہم نے وحی کے ذریعے اتارا ہے آپ کی طرف قرآن عربی زبان میں تاکہ آپ ڈرائیں اہل مکہ کو اور جو اس کے آس پاس (آباد) ہیں اور تاکہ آپ ڈرائیں اکٹھے ہونے کے دن سے جس (کی آمد) میں کچھ شبہ نہیں۔ (اس دن) ایک فریق جنت میں اور دوسرا فریق بھڑکتی آگ میں ہوگا اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا ان (سب) کو ایک امت لیکن وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں اور جو ظلم کرنے والے ہیں نہ ان کا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار‘‘۔

اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں اور جس طرح ہم نے آپ سے پیشتر انبیاء کی طرف وحی کی، آپ کی طرف بھی واضح ظاہر قرآن اتارا۔

عَرَبِيًّا واضح، جلی، آشکارا۔

اُمَّ الۡقُرٰى مراد مکہ ہے۔

وَمَنۡ حَوۡلَهَا مشرق و مغرب میں سارے ملک میں۔

مکہ کو اُمَّ الۡقُرٰى نام اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ تمام شہروں سے افضل ہے۔ اس کے مفصل دلائل اپنی جگہوں پر مذکور ہیں۔ مختصر ترین روایت وہ ہے جسے امام احمد نے عبد اللہ بن عدی بن حمراء سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا آپ اس وقت مکہ کے بازار حزورہ میں تھے۔ فرمایا: ’’بخدا تو اللہ تعالیٰ کی ساری سرزمین سے اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔ اگر مجھے تم

1۔ ولی کا لفظ اگرچہ لغت میں متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں اس کا معنی المتولی لِلۡامور یعنی ’’امور عالم کا کارساز‘‘ یہاں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس معنی میں کسی کو ولی کہنا شرک ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد 4 صفحہ 362)

سے نکالا نہ جاتا تو میں نہ نکلتا(1)۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے(3)۔

وَتُنۡذِرَ یَوۡمَ الۡجَمۡعِ یہ روز قیامت ہے جب اللہ تعالیٰ اولین وآخرین سب کو ایک جگہ جمع فرمائے گا۔

لَا رَیۡبَ فِیۡهِ اس کے واقع ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

فَرِیۡقٌ فِی الۡجَنَّةِ وَفَرِیۡقٌ فِی السَّعِیۡرِ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: یَوۡمَ یَجۡمَعُکُمۡ لِیَوۡمِ الۡجَمۡعِ ذٰلِكَ یَوۡمُ التَّغَابُنِ (تغابن: 9) ''جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن یہی گھاٹے کے ظہور کا دن ہے''۔ اور فرمایا: اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنۡ خَافَ عَذَابَ الۡاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ یَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ یَوۡمٌ مَّشۡهُوۡدٌ ۝ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ ۝ یَوۡمَ یَاۡتِ لَا تَکَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ۚ فَمِنۡهُمۡ شَقِیٌّ وَّسَعِیۡدٌ (ہود: 5-103) ''بیشک ان واقعات میں (عبرت کی) نشانی ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہے عذاب آخرت سے۔ یہ وہ دن ہے جس دن اکٹھے کئے جائیں گے سب لوگ اور یہ وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائے گا۔ اور ہم نے نہیں مؤخر کیا ہے اسے مگر ایک مقرر مدت تک جو گنی ہوئی ہے۔ جب وہ دن آئے گا تو (اس کی ہیبت سے) کوئی شخص نہیں بول سکے گا بجز اس کی اجازت کے۔ بعض ان میں سے بدنصیب ہوں گے اور بعض خوش نصیب''۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ کے دست اقدس میں دو کتابیں تھیں۔ آپ نے دریافت فرمایا جانتے ہو یہ کتابیں کیسی ہیں؟ ہم نے عرض کیا نہیں، یا رسول اللہ ﷺ! یہاں تک کہ آپ خود ہمیں خبر دیں آپ ﷺ نے اس کتاب جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی کے بارے میں فرمایا یہ اللہ رب العالمین کی کتاب ہے اس میں جنتیوں کے اسماء اور ان کے آباء اور قبائل کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ آخر میں سب کی میزان ہے۔ اب اس میں کمی یا اضافہ نہیں ہوگا۔ پھر دوسری کتاب کے بارے میں فرمایا یہ جہنمیوں کے اسماء اور ان کے آباء اور قبائل کے اسماء ہیں اور آخر میں حساب کر کے میزان درج کر دی گئی ہے اب اس میں کمی بیشی ناممکن ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! جبکہ سب کچھ طے ہو چکا تو پھر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک راستہ پر چلو اور میانہ روی اختیار کرو (نہ افراط اور نہ تفریط) بلاشبہ صاحب جنت کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوگا خواہ وہ کیسا ہی عمل کرتا رہے اور صاحب نار کا خاتمہ دوزخیوں کے سے عمل پر ہوگا خواہ کوئی عمل کرتا رہے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس طرح مارا اور مٹھی کو بند کر لیا۔ پھر فرمایا تمہارا رب بندوں کے فیصلوں سے فراغت حاصل کر چکا ہے۔ پھر دائیں ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا: فَرِیۡقٌ فِی الۡجَنَّةِ اور بائیں ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا ایک فریق دوزخ میں ہے فَرِیۡقٌ فِی السَّعِیۡرِ (4)۔ ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے(5)۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اسے چند اضافوں سے روایت کیا ہے(6)۔ ابن ابی حاتم اور طبری رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے(7)۔

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 305

2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 305، عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13 صفحہ 280، نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 5 صفحہ 316، ابن ماجہ، کتاب المناسک، جلد 2 صفحہ 1038-1037 تحفۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 426

3۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 427

4۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 167

5۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 6 صفحہ 350، عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8 صفحہ 310-308 تحفۃ الاشراف، جلد 6 صفحہ 343

6۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 121-120

7۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 9

طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور سند سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انہیں توشہ دان کی طرح جھاڑا تو آپ کی ذریت کیڑوں کی طرح پھیل گئی تو اللہ نے انہیں دونوں مٹھیوں میں لے لیا۔ پھر فرمایا بدبخت اور سعادتمند۔ پھر انہیں نیچے ڈال دیا۔ پھر انہیں مٹھی میں لیا اور فرمایا ایک جنت میں اور دوسرا فریق دوزخ میں(1)۔ یہ روایت موقوف اور صواب کے مشابہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابونضرۃ سے روایت کیا ہے کہ اصحاب نبی اکرم ﷺ میں سے ایک آدمی جنہیں ابوعبداللہ پکارا جاتا تھا کو پوچھنے کے لئے ان کے ساتھی آئے تو وہ رو رہے تھے۔ انہوں نے رونے کی وجہ پوچھی اور کہا کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد نہیں فرمایا تھا: ''اپنی مونچھ نیچی رکھا کرو، یہاں تک کہ مجھ سے ملو۔'' اس پر وہ صحابی فرمانے لگے یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن مجھے یہ حدیث رلا رہی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دائیں ہاتھ میں ایک مٹھی لی اور بائیں میں دوسری۔ اور فرمایا یہ لوگ اس کے لئے ہیں اور یہ اس کے لئے۔ اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔'' چنانچہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں کون سی مٹھی میں تھا(2)۔ اثبات قضاء وقدر سے متعلقہ احادیث صحاح، سنن اور مسانید میں بے شمار ہیں جو حضرات علی، ابن مسعود اور دیگر بہت سے صحابہ کرام سے مروی ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً یا ہدایت کے راستے پر اور یا گمراہی میں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں تفاوت رکھا۔ جسے چاہا حق کی طرف ہدایت دی اور جسے چاہا گمراہ کر دیا۔ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔

اسی لئے فرمایا: وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے رب! تو نے اپنی مخلوق میں سے کچھ کو جنت اور کچھ دوزخ میں لے جائے گا کیا ہی اچھا ہو کہ تو ان سب کو جنت میں داخل کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ اپنا پیرہن اونچا کرو۔ آپ نے اسے اونچا کیا اور عرض کی حکم کی تعمیل ہوگئی۔ فرمایا اور اونچا کرو۔ عرض کی یا رب! اوپر اٹھا لیا۔ فرمایا اور اٹھاؤ۔ عرض کی میں نے سارے جسم سے اونچا کر لیا ہے بجز اس جگہ کے جس کے اوپر اٹھانے میں کوئی خیر نہیں فرمایا: بس اسی طرح میں اپنی تمام مخلوق کو جنت میں داخل کروں گا۔ ماسوائے ان کے جو بالکل خیر سے خالی ہیں(3)۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۹ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۗ وَ
اِلَيْهِ اُنِيْبُ ۱۰ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ
اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۱۱ لَهٗ مَقَالِيْدُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۱۲

''کیا انہوں نے بنا لئے ہیں اسے چھوڑ کر دوسرے کارساز۔ پس اللہ ہی حقیقی کارساز ہے اور زندہ کرتا ہے مردوں کو۔ اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ اور جس بات میں تمہارے درمیان اختلاف رونما ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد کر دو۔ یہی اللہ میرا رب ہے اور اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ وہ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 9 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 176 3۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 9

زمین کا۔ اسی نے بنائے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے اور مویشیوں سے بھی جوڑے بنائے۔ وہ پھیلاتا رہتا ہے تمہاری نسل کو اس کے ذریعہ۔ نہیں ہے اس کی مانند کوئی چیز۔ اور وہی سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اسی کے قبضہ میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین (کے خزانوں) کی۔ کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کے فعل کا انکار فرما رہے ہیں جو وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا کر کیا کرتے تھے۔ اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ حقیقی کارساز اور ولی وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ وہ سب چیزوں پر قادر ہے پھر فرمایا: وَمَا اخۡتَلَفۡتُمۡ فِیۡہِ مِنۡ شَیۡءٍ...... یعنی جس معاملہ میں بھی تمہارا اختلاف ہو۔ یہ تمام اشیاء میں عام ہے۔

فَحُكۡمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ یعنی وہ اپنی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کے مطابق فیصلہ فرمانے والا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ (النساء:59) '' پھر اگر جھگڑنے لگو تم کسی چیز میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور (اپنے) رسول (کے فرمان) کی طرف''۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّیۡ وہ ہر چیز کے بارے میں فیصلہ کرنے والا ہے۔

عَلَیۡهِ تَوَكَّلۡتُ ۖ وَ اِلَیۡهِ اُنِیۡبُ تمام امور میں لوٹتا ہوں۔

قولہ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ان دونوں کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے پیدا کرنے والا ہے۔

جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا یعنی تمہاری جنس اور شکل۔ تم پر احسان اور فضل فرماتے ہوئے تمہاری جنس سے نر اور مادہ پیدا فرمائے۔

وَّ مِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا یعنی تمہارے لئے جانوروں کے آٹھ جوڑے پیدا فرمائے۔

قولہ یَذۡرَؤُكُمۡ فِیۡهِ وہ تمہیں اسی صفت پر پیدا فرماتا ہے اور اسی طریقے پر نر و مادہ پیدا فرماتا رہا اور نسل در نسل جانوروں اور انسانوں میں یہی سلسلہ جاری ہے۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مراد رحم میں پیدا کرنا ہے۔ ایک قول ہے کہ بطن میں، ایک قول ہے کہ اس سے مراد اسی طریق پر پھیلانا ہے (1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد نسلیں پھیلانا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ فی بمعنی الباء ہے۔ (فیہ بمعنی بہ)

لَیۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ تمام جوڑوں کے خالق جیسی کوئی چیز نہیں کیونکہ وہ فرد صمد ہے اس کی کوئی نظیر نہیں۔ وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ۔

قولہ تعالیٰ لَهٗ مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اس کی تفسیر سورۂ زمر میں گزر چکی ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ تصرف کرنے والا، فیصلے فرمانے والا ہے (2)۔

یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ جس پر چاہے وہ وسعت فرماتا ہے اور جس پر چاہے تنگی فرماتا ہے اس کے لئے حکمت اور عدل تام ہے۔ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ۔

شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوۡحًا وَّ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ وَ مَا وَصَّیۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ مُوۡسٰی وَ عِیۡسٰۤی اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡهِ ؕ كَبُرَ عَلَی الۡمُشۡرِكِیۡنَ مَا تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَیۡهِ ؕ اَللّٰهُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَهۡدِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یُّنِیۡبُ ﴿۱۳﴾ وَ مَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 121 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ زمر آیت: 63

بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿١٤﴾

"اس نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لئے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور تفرقہ نہ ڈالنا اس میں۔ بہت گراں گزرتی ہے مشرکین پر وہ بات جس کی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔ اور نہ بٹے وہ فرقوں میں مگر اس کے بعد کہ آ گیا ان کے پاس (صحیح) علم (یہ تفرقہ) محض باہمی حسد کے باعث تھا۔ اور اگر یہ فرمان پہلے نہ ہو چکا ہوتا آپ کے رب کی طرف سے کہ انہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دی جائے تو فیصلہ ہو چکا ہوتا ان کے درمیان۔ اور جو لوگ وارث بنائے گئے تھے کتاب کے، ان کے بعد وہ اس کے متعلق ایسے شک میں مبتلا ہیں جو قلق انگیز ہے"۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں اس امت کو مخاطب ہے اور اس میں حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اول الرسل نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور ان میں سے آخری نبی سیدنا محمد ﷺ ہیں اور ان کے مابین اولوالعزم رسولوں کا ذکر فرمایا اور وہ ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم ہیں۔ اس آیت میں پانچ رسولوں کا ذکر ہے۔ جس طرح سورۂ احزاب میں بھی انہیں پانچ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ (احزاب: 7)" اور (اے حبیب!) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی"۔ وہ دین جسے تمام رسول لائے وہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ" اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو(1)۔ حدیث شریف میں ہے "ہم گروہ انبیاء علاتی بھائی ہیں۔ ہمارا دین ایک ہے"(3)۔ یعنی ان کے مابین قدر مشترک اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت ہے اگرچہ ان کی شریعتیں اور اسالیب مختلف ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا(2)" ہر ایک کے لئے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ"۔

اسی لئے فرمایا: اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو اتفاق و اتحاد سے رہنے کی وصیت فرمائی اور اختلاف و افتراق سے منع فرمایا۔

قولہ عزوجل كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ یعنی ان پر دشوار ہے اور اے محمد! آپ انہیں جس چیز کی طرف بلاتے ہیں وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

1۔ انبیاء: 25، دیکھئے تفسیر سورۂ انبیاء آیت: 25

2۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ بقرہ آیت 133، سورۂ انعام: 163، سورہ یونس: 72 سورہ انبیاء: 92، سورۂ مریم: 6 میں گزر چکی ہے۔ علاتی بھائی، جس کا باپ ایک ہوتا ہے لیکن مائیں مختلف۔ اسی طرح تمام پیغمبروں کے اصول ایمان ایک ہیں جیسے توحید الٰہی، ایمان بر ملائکہ اور حشر و نشر وغیرہ صرف فروعی احکام شریعت میں اختلاف ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر زمانے اور ہر قوم کے حالات کے موافق اتارے تھے (لغات الحدیث، جلد 3 صفحہ 181)

قولہ اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ یعنی وہی مستحق کو ہدایت دینے پر قادر ہے اور گمراہی لکھ دیتا ہے اس کے لئے جو اسے ہدایت کے راستے پر ترجیح دے۔ اسی لئے فرمایا: وَمَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡعِلۡمُ یعنی جب ان کے پاس حق آ گیا اور حجت قائم ہوگئی تو انہوں نے اس کی مخالفت اور اس چیز پر انہیں نہیں ابھارا مگر سرکشی، عناد اور باہمی رقابت وعداوت نے پھر فرمایا: وَلَوۡ لَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّکَ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر یہ فرمان جاری نہ ہو چکا ہوتا کہ بندوں کو قیامت تک مہلت ہے تو دنیا میں فوراً ان پر عذاب نازل ہوجاتا۔

قولہ وَ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡرِثُوا الۡکِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ پہلی قرن کے لوگ جنہوں نے حق کو جھٹلایا تھا کے بعد آنے والی نسل۔

قولہ لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡہُ مُرِیۡبٍ وہ اپنے امر اور ایمان سے یقین پر نہیں ہیں۔ وہ تو صرف اپنے آباء اور اسلاف کے پیروکار ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل اور حجت نہیں۔ وہ اپنے معاملے میں حیرت قلق انگیز شک اور دور دراز کار عداوت میں مبتلا ہیں۔

فَلِذٰلِکَ فَادۡعُ ۚ وَ اسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ ۚ وَ قُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنۡ کِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَیۡنَکُمۡ ؕ اَللّٰہُ رَبُّنَا وَ رَبُّکُمۡ ؕ لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَ لَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ ؕ لَا حُجَّۃَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ ؕ اَللّٰہُ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا ۚ وَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿ؕ۱۵﴾

"پس اس دین کی طرف آپ دعوت دیتے رہئے۔ اور ثابت قدم رہئے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اور نہ اتباع کیجئے ان کی خواہشات کا۔ اور (برملا) فرمائیے کہ میں ایمان لایا ہر کتاب پر جو اللہ نے نازل کی۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عدل کروں تمہارے درمیان۔ اللہ تعالیٰ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ کسی بحث وتکرار کی ضرورت نہیں ہمارے اور تمہارے درمیان۔ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف (سب نے) پلٹنا ہے"۔

یہ آیت کریمہ دس مستقل کلمات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے سے ماقبل سے الگ، ایک مستقل حکم ہے۔ علماء کا قول ہے کہ اس آیت کی نظیر صرف آیت الکرسی ہے جس میں اس طرح کے دس احکام بیان کئے گئے ہیں۔

قولہ فَلِذٰلِکَ فَادۡعُ یعنی دین جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے۔ جس کی آپ سے قبل تمام مرسلین کو وصیت فرمائی تھی آپ خلق خدا کو اس کی طرف دعوت دیں۔

قولہ وَ اسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ یعنی آپ اور آپ کے پیروکار اللہ کی عبادت پر ثابت قدم رہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے۔

قولہ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ یعنی مشرکین نے جو باتیں گھڑی ہیں اور بتوں کی عبادت کے بارے میں کذب وافتراء سے کام لیا۔ آپ ان کی خواہشات کی پیروی میں نہ آجانا۔

قولہ وَ قُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنۡ کِتٰبٍ یعنی تمام آسمانی کتب پر بلا تفریق ایمان لایا۔

قولہ وَ اُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَیۡنَکُمۡ یعنی فیصلے میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔

قولہ اَللّٰہُ رَبُّنَا وَ رَبُّکُمۡ وہی معبود ہے اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں ہم اپنے اختیار سے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ اگر تم برضا ورغبت اس

بات کو تسلیم نہ کرو تو اس دنیا کی ہر چیز طوعاً و کرھاً اس کے سامنے سجدہ ریز ہے۔

قولہ لَنَآ اَعۡمَالُنَا وَ لَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ہم تم سے بری ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ لِّیۡ عَمَلِیۡ وَ لَكُمۡ عَمَلُكُمۡ ۚ اَنۡتُمۡ بَرِیۡٓـُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَ اَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ (یونس: 41) ''اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیجئے میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم بری الذمہ ہو اس سے جو میں کرتا ہوں۔ اور میں بری الذمہ ہوں اس سے جو تم کرتے ہو''۔

قولہ لَا حُجَّةَ بَيۡنَنَا وَ بَيۡنَكُمۡ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جھگڑا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ آیت سیف کے نزول سے قبل کی بات ہے۔ ممکن ہے اسی طرح ہو کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور آیت سیف ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔

قولہ عزوجل اَللّٰهُ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا یعنی قیامت کے دن۔ جیسے ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: قُلۡ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفۡتَحُ بَيۡنَنَا بِالۡحَقِّ ؕ وَ هُوَ الۡفَتَّاحُ الۡعَلِيۡمُ (سبا: 26) ''فرمائیے ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق (و انصاف) کے ساتھ۔ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

قول جلا وعلا وَ اِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ روز حساب اس کی طرف لوٹنا ہے۔

وَ الَّذِيۡنَ يُحَآجُّوۡنَ فِي اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا اسۡتُجِيۡبَ لَهٗ حُجَّتُهُمۡ دَاحِضَةٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَ عَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ وَّ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ﴿۱۶﴾ اَللّٰهُ الَّذِيۡۤ اَنۡزَلَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ وَ الۡمِيۡزَانَ ؕ وَ مَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيۡبٌ ﴿۱۷﴾ يَسۡتَعۡجِلُ بِهَا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهَا ۚ وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡهَا ۙ وَ يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهَا الۡحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِيۡنَ يُمَارُوۡنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيۡ ضَلٰلٍۭ بَعِيۡدٍ ﴿۱۸﴾

''اور جو حجت بازی کرتے ہیں اللہ (کے دین) کے بارے میں اس کے بعد کہ (اکثر حق شناس) اس کو مان چکے ہیں، سو ان کی حجت بازی لغو ہے ان کے رب کے نزدیک اور ان پر (اللہ کا) غضب ہے اور انہی کے لئے سخت عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے نازل کیا ہے کتاب کو حق کے ساتھ اور (نازل کیا ہے) میزان کو۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو۔ جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے۔ خبردار! جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے متعلق، وہ بڑی گمراہی میں (مبتلا) ہیں''۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو وعید فرما رہا ہے جو اللہ کی راہ میں ایمان لانے والوں کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

وَ الَّذِيۡنَ يُحَآجُّوۡنَ فِي اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ ...... اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہنے والوں سے جھگڑتے ہیں تاکہ وہ انہیں طریق ہدایت سے برگشتہ کر سکیں۔

دَاحِضَةٌ یعنی اللہ کے ہاں باطل ہے۔

وَ عَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ ان پر اللہ کا غضب ہے۔

وَّ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ اور قیامت کے دن شدید عذاب۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے مؤمنین نے

جب اللہ اور اس کے رسول کی دعوت کو قبول کر لیا تو یہ ان سے مجادلہ کرنے لگے تاکہ انہیں ہدایت سے روک دیں اور یہ خواہش کی کہ جاہلیت لوٹ آئے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ انہوں نے ہی کہا تھا ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے اور ہمارا نبی تمہارے نبی سے افضل اور اللہ کے ہاں ہم تم سے بہتر اور زیادہ قریب ہیں اور وہ اس بات میں جھوٹے تھے۔ پھر فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ یعنی اس نے ہی تمام نازل شدہ کتابیں اپنے انبیاء پر اتاری ہیں۔

الْمِیْزَانَ یعنی عدل و انصاف۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی منقول ہے۔ یہ آیت ان آیات کے مشابہ ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (حدید:25) ”یقیناً ہم نے بھیجا ہے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور ہم نے اتاری ہے ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں“۔ اور فرمایا: وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِیْزَانَ ۙ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ (رحمٰن:8-7) ”اور آسمان اسی نے بلند کیا اور میزان (عدل) قائم کی۔ تاکہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو“۔

قولہ وَ مَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ بطور ترغیب و ترہیب اور دنیا کی اہمیت کم کرنے کے لئے ایسا کہا جا رہا ہے۔

قولہ یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا یعنی کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟ وہ جھٹلانے، بعید سمجھتے ہوئے اور کفر و عناد کے طور پر ایسا کہتے ہیں۔

قولہ مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا خائف ہیں اور ان کے وقوع پذیر ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں۔

قولہ وَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ یعنی لامحالہ طور پر واقع ہونے والی ہے۔ وہ اس کے لئے مستعد ہیں اور اس کے لئے عمل کا توشہ بھی تیار کر رہے ہیں۔ ایک حدیث میں جو کتب صحاح، حسان، سنن اور مسانید میں مذکور ہے اور تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہے، اس کے بعض الفاظ میں ہے کہ ایک سفر میں ایک آدمی نے باآواز بلند آپ ﷺ کو پکارا: ”اے محمد۔“ آپ ﷺ نے اسی گنوار کی طرح آواز بلند کر کے فرمایا آ اور پوچھ لے۔ اس نے عرض کی قیامت کب ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری خرابی ہو وہ تو واقع ہوگی تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کی: ”محض اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔“ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو ان کے ساتھ ہوگا جن سے تو محبت رکھتا ہے“(1)۔ ایک اور حدیث کے الفاظ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ترجمہ:۔ ”آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس نے محبت کی“ یہ لامحالہ متواتر ہے۔ الغرض آپ ﷺ نے اسے یہ جواب نہیں دیا کہ قیامت کب ہوگی بلکہ اس کے لئے تیاری کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

قولہ تعالیٰ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ اس کے واقع ہونے کے بارے جھگڑا کرتے ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں۔ لَفِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ واضح جہالت میں کیونکہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے مردوں کو جلانے پر درجہ اولیٰ قادر ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَ هُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ (روم:27) ”اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے۔ پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے“۔

اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۱۹﴾ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ ۚ وَ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ

1۔ یہ حدیث سورۂ اعراف آیت: 187 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

نَّصِیۡبٍ ﴿۲۰﴾ اَمۡ لَهُمۡ شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا لَمۡ یَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَ لَوۡ لَا کَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَی الظّٰلِمِیۡنَ مُشۡفِقِیۡنَ مِمَّا کَسَبُوۡا وَ هُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیۡ رَوۡضٰتِ الۡجَنّٰتِ ۚ لَهُمۡ مَّا یَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ ذٰلِکَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡکَبِیۡرُ ﴿۲۲﴾

''اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور وہی قوی (اور) زبردست ہے۔ جو طلب گار ہو آخرت کی کھیتی کا تو ہم (اپنے فضل و کرم سے) اس کی کھیتی کو اور بڑھا دیں گے۔ اور جو شخص خواہش مند ہے (صرف) دنیا کی کھیتی کا تو ہم اسے دیں گے اس سے اور نہیں ہوگا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ۔ کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے مقرر کیا ہے ان کے لئے ایسا دین جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ اور اگر ان کے فیصلہ کی بات پہلے سے طے نہ ہوتی تو ان کا قصہ کبھی کا چکا دیا گیا ہوتا۔ اور جو ظالم ہیں یقیناً ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ آپ دیکھیں گے ظالموں کو کہ ڈر رہے ہوں گے ان (کرتوتوں) سے جو انہوں نے کمائے اور وہ ان پر واقع ہو کر رہے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وہ بہشتوں کے باغوں میں ہوں گے۔ انہیں ملے گا جو وہ چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے۔ یہی بڑا فضل ہے''۔

اپنی مخلوق پر اپنے لطف و عنایت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ وہ انہیں ایک دوسرے کے ہاتھ رزق عطا فرما رہے ہیں۔ کوئی بھی ایسا نہیں جسے اللہ تعالیٰ بھول جائے نیک و بد ہر ایک اس معاملے میں برابر ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزۡقُهَا وَ یَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَ مُسۡتَوۡدَعَهَا ؕ کُلٌّ فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ (ہود:6) ''اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق۔ وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے''۔ اور اس کی نظائر بہت ہیں۔

یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ جس پر چاہے وسعت فرماتا ہے۔

الۡعَزِیۡزُ اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ یعنی عمل آخرت۔

نَزِدۡ لَهٗ فِیۡ حَرۡثِهٖ ہم اسے طاقت دیتے ہیں۔ اس کے ارادے پر اس کی معاونت فرماتے ہیں۔ اور اس میں برکت دیتے ہیں اور اسے نیکی کا بدلہ دس گنا سے لے کر سات گنا تک جتنا اللہ چاہے عطا فرمایا جاتا ہے۔

مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِهٖ...... جس کی تمام مساعی کا مقصد فقط حصول دنیا ہو اور آخرت سے اسے کوئی سروکار نہ ہو، اللہ تعالیٰ اسے آخرت اور دنیا دونوں سے محروم کر دیتا ہے۔ اگر چاہے تو اسے اس میں سے عطا فرمائے اور اگر نہ چاہے تو اسے نہ تو یہ ملے اور نہ وہ۔ اس نیت سے کوشش کرنے والا دنیا اور آخرت دونوں کے سودے میں ناکام رہتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیت سورۂ سبحان کی اس آیت سے مقید ہے: مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِیۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِیۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ یَصۡلٰهَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ﴿۱۸﴾ وَ مَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ وَ سَعٰی لَهَا سَعۡیَهَا وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعۡیُهُمۡ مَّشۡکُوۡرًا ﴿۱۹﴾ کُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَآءِ وَ هٰۤؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّکَ ؕ وَ مَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّکَ مَحۡظُوۡرًا ﴿۲۰﴾ اُنۡظُرۡ

كَيۡفَ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ؕ وَلَلۡاٰخِرَةُ اَكۡبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكۡبَرُ تَفۡضِيۡلًا (ہود:6) ”جو لوگ طلب گار ہیں صرف دنیا کے ہم جلدی دے دیتے ہیں اس دنیا میں جتنا چاہتے ہیں (ان میں سے) جسے چاہتے ہیں۔ پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے جہنم۔ تاپے گا وہ اسے اس حال میں کہ وہ مذمت کیا ہوا (اور) ٹھکرایا ہوا ہوگا۔ اور جو شخص طلب گار ہوتا ہے آخرت کا اور جدوجہد کرتا ہے اس کے لئے پوری طرح درآنحالیکہ وہ مومن بھی ہو، پس یہ وہ (خوش نصیب ہیں) جن کی کوشش مقبول ہوگی۔ ہر ایک کی ہم امداد کرتے ہیں ان کی بھی (جو طالب دنیا ہیں) اور ان کی بھی (جو طالب آخرت ہیں) آپ کے رب کی بخششوں سے۔ اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں۔ دیکھو! کیسے بزرگی دی ہے ہم نے بعض کو بعض پر اور آخرت باعتبار درجوں کے سب سے بڑی اور باعتبار فضل و کرم سب سے اعلیٰ ہے“۔

ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابوالعالیہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس امت کو خوشخبری دے دیں بلند مرتبے، رفعت، مدد و نصرت اور زمین میں غلبے کی۔ ان میں سے جو شخص آخرت کا عمل دنیا کے لئے کرے گا، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔(1)

قولہ جل وعلا اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ...... اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو دین قویم عطا فرمایا ہے وہ اس کی پیروی نہیں کرتے بلکہ جن وانس میں سے شیاطین جو احکام انہیں بتاتے ہیں ان کی پیروی کرتے ہیں۔ مثلاً بحیرہ، سائبہ، وصیلۃ اور حام کی حرمت، مردار کھانے، خون اور جوئے کو حلال قرار دینا اور اس طرح کی خرافات اور باطل جاہلانہ باتیں جنہیں انہوں نے جاہلیت میں گھڑا تھا۔ یعنی حلت و حرمت، باطل عبادات اور فاسد اموال پر مبنی خود تراشیدہ احکام۔

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی آنت کھینچ رہا تھا“(2) کیونکہ اس نے ہی سب سے پہلے غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسم کی ابتداء کی تھی۔ یہ شخص بنوخزاعہ کے بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ اسی نے سب سے پہلے ان کاموں کی ابتدا کی تھی جو زمانہ جاہلیت میں عربوں میں مروج تھے۔ اسی نے قریش کو بتوں کی عبادت پر ابھارا۔ لعنه الله و قبحه۔ اسی لئے فرمایا: وَلَوۡلَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ یعنی اگر یہ بات طے شدہ نہ ہوتی کہ گناہ گاروں کو قیامت کے دن تک ڈھیل دی جائے گی تو انہیں جلد ہی عذاب میں دھر لیا جاتا۔

عَذَابٌ اَلِيۡمٌ شدید، دردناک عذاب ہے جہنم میں اور برا ٹھکانہ ہے۔

تَرَى الظّٰلِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ...... قیامت کے روز وہ لرزاں ترساں ہوں گے۔

وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ جس سے وہ ڈرتے ہیں لامحالہ ان پر واقع ہونے والا ہے۔ قیامت کے دن ان کا یہ حال ہوگا وہ شدید خوف اور ڈر کی حالت میں ہوں گے۔

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ...... کہاں یہ اور کہاں وہ؟ یعنی وہ لوگ جو روز حشر ذلت و رسوائی اور واضح خوف میں مبتلا ہوں گے اور وہ لوگ جو جنت کے باغ و بہار میں انواع و اقسام کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا اور نہ ہی کسی دل پر ان کا خیال تک گزرا ہے۔ دونوں آپس میں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ حسن بن عرفہ نے ابوطیبہ سے روایت کیا ہے کہ جنتیوں کا ایک گروہ ہوگا۔ اس پر ابر سایہ کئے ہوگا۔ وہ کہے گا بتاؤ میں کیا برساؤں؟ چنانچہ جو کچھ کوئی مانگے گا وہی برسے گا۔ حتیٰ کہ کوئی یہ بھی

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 134 نوٹ۔ یہ حدیث سورۂ نور کی آیت: 55 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ 2۔ یہ حدیث سورۂ مائدہ کی آیت: 103 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

کہے گا کہ ہم پر ابھرے سینے والی عورتیں برسائی جائیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ یعنی عظیم کامیابی اور کامل نعمت یہی ہے۔

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

''یہ وہ چیز ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے۔ آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا اس (دعوت حق) پر کوئی معاوضہ بجز قرابت کی محبت کے۔ اور جو شخص کماتا ہے کوئی نیکی ہم دوبالا کردیں گے اس کے لئے اس میں حسن۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا ہے۔ پس اگر اللہ چاہتا تو مہر لگا دیتا آپ کے دل پر۔ اور مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ باطل کو اور ثابت کرتا ہے حق کو اپنے ارشادات سے، بیشک وہ جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے''۔

جنت کے باغات کا ذکر فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے فرماتا ہے۔

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ تعالیٰ کی طرف سے انہیں خوشخبری ہے کہ انہیں یہ نعمتیں ضرور حاصل ہوں گی۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى اے محمد! ان مشرکین قریش سے فرما دیجئے کہ اس تبلیغ اور خیر خواہی پر تم سے مال و دولت کا طلب گار نہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنا شرک مجھ سے روک دو اور مجھے چھوڑ دو میں اپنے رب کا پیغام عام کرتا رہوں۔ اگر تم میری مدد نہیں کرتے تو میرے ساتھ قرابت داری کا لحاظ رکھتے ہوئے مجھے تکلیف نہ دو۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو سعید بن جبیر نے کہا قربی سے مراد آل محمد ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے جلدی کی قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس کے ساتھ آپ ﷺ کی رشتہ داری نہ ہو تو آپ نے فرمایا: تم اس رشتہ داری کا لحاظ رکھو۔ بخاری اس روایت میں منفرد ہیں(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت شعبہ، اور اسی طرح عامر شعبی، ضحاک، علی بن ابی طلحہ، عوفی، یوسف بن مہران وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے اور مجاہد، عکرمہ، قتادہ، سدی، ابو مالک اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہم سے یہی منقول ہے۔ حافظ ابوالقاسم طبرانی نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا مگر تم مجھ سے محبت کرو تمہارے ساتھ میری قرابت داری کی وجہ سے اور قرابت داری کا لحاظ رکھو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔''(2) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مجاہد، ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمہیں واضح نشانیاں اور جو ہدایت دی ہے اس پر تم سے اجر کا طلب گار نہیں سوائے اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اور اس کی اطاعت کے ساتھ اس کا قرب اختیار کرو۔''(3) قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بصری سے بھی یہی روایت کیا ہے۔

1۔ فتح الباری تفسیر سورۂ حم عسق: 564 2۔ المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 435 3۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 268

گویا یہ دوسرا قول ہوا۔

گویا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰی کا مطلب یہ ہے کہ تم اطاعت کے ساتھ اعمال صالحہ پر گامزن رہو، یہ چیز تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا فرمائے گی۔ اور تیسرا قول وہ ہے جسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے سعید بن جبیر سے روایت کیا اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت کرو یعنی ان سے اچھا سلوک کرو اور ان پر احسان کرو۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابی دیلم ذکر کیا ہے کہ جب حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے لایا گیا اور دمشق پہنچے تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا تعریف اس خدا کی جس نے تمہیں قتل کیا اور تمہیں جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیا اور فتنے کو فرو کیا۔ یہ سن کر حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کیا تو نے آل حم والی سورتیں پڑھی ہیں؟ وہ کہنے لگا واہ میں نے سارا قرآن پڑھا ہے اور حم والی سورتیں نہیں پڑھیں؟ آپ نے فرمایا کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰی وہ کہنے لگا کیا وہ تم ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ ابواسحٰق سبیعی کا قول ہے کہ میں نے عمرو بن شعیب سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد قرابت رسول ﷺ ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ نے ان دونوں واقعات کو روایت کیا ہے۔(1) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مقسم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انصار نے فخر کے طور پر اسلام میں اپنی خدمات گنواتے ہوئے کہا ہم نے یہ بھی کیا اور یہ کارنامہ بھی انجام دیا۔ اس پر عباس یا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (راوی کو شک ہے) نے فرمایا: ہم تم سے افضل ہیں۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ ان کی مجالس میں تشریف لے گئے اور فرمایا اے گروہ انصار! کیا تم ذلیل نہیں تھے کہ اللہ نے تمہیں میرے سبب عزت عطا فرمائی؟ وہ کہنے لگے ہاں یارسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا: کیا تم گمراہ نہیں تھے کہ اللہ نے تمہیں میرے ساتھ ہدایت عطا فرمائی؟ انہوں نے عرض کی ہاں یارسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا کیا تم مجھے جواب نہیں دو گے؟ وہ کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ! ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا: کیا تم یوں نہیں کہو گے کہ تمہاری قوم نے تمہیں نکال دیا تو ہم نے آپ کو پناہ دی؟ کیا انہوں نے آپ کی تکذیب نہیں کی کہ ہم نے آپ کی تصدیق کی؟ کیا انہوں نے آپ کو رسوا نہیں کیا کہ ہم نے آپ کی نصرت کی؟ آپ ﷺ اسی طرح فرماتے رہے حتیٰ کہ انصار گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور کہنے لگے: ہمارے پاس جو کچھ مال و منال ہے سب اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں ضعف ہے۔ صحیحین میں ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ حنین کے اموال غنیمت کی تقسیم کے وقت پیش آیا تھا لیکن اس میں آیت کے نزول کا ذکر نہیں۔ اس آیت کو مدنی کہنا بھی محل نظر ہے کیونکہ سورت مکی ہے۔ اس آیت اور اس سیاق کلام میں کچھ اتنی مناسبت بھی نہیں۔ واللہ اعلم(3)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ! یہ کون لوگ ہیں جن سے محبت کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے؟ فرمایا فاطمہ اور اس کی اولاد۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں ایک مبہم آدمی ہے جو معروف نہیں پھر اس کا استاد ایک شیعہ ہے جو کذاب ہے۔ اس کا نام حسین اشقر ہے۔ اس جگہ اس کی روایت مقبول نہیں۔ آیت کو مدنی کہنا بعید ہے بلکہ یہ مکی ہے اور اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ابھی ان کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ ان کا نکاح غزوۂ بدر کے بعد ہجرت

1۔ ابن جریر، جلد 25 صفحہ 25 2۔ ابن جریر تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 25

3۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 8 صفحہ 47، مسلم کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 733 وما بعد، بخاری، جلد 5 صفحہ 200

کے دوسرے سال ہوا۔ اس کی صحیح تفسیر وہی ہے جو حبر امت، ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ جس طرح کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ہم اہل بیت کے ساتھ خیر خواہی اور حسن سلوک کا حکم دینے اور ان کے احترام وتکریم کا انکار نہیں کرتے۔ بلاشبہ وہ پاک ذریت سے ہیں۔ فخر اور حسب ونسب کے اعتبار سے یہ گھرانہ روئے زمین پر سب سے زیادہ معزز ہے۔ بالخصوص جب وہ سنت نبویہ صحیحہ کے پیروکار ہوں۔ جس طرح کہ ان کے اسلاف کی روش تھی جیسے حضرت عباس اور آپ کے صاحبزادگان، حضرت علی اور آپ کے اہل بیت وعترت طاہرہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم(1) کے مقام پر اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا تھا: ''میں تم میں دو نفیس (گرانقدر) چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کتاب اللہ اور میری عترت (خاص الخاص قریبی رشتہ دار) یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے آ کر مل جائیں''(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عبداللہ بن حارث حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! قریش آپس میں ایک دوسرے سے خندہ پیشانی سے ملتے ہیں اور جب ہمیں ملتے ہیں تو عجیب وغریب انداز سے ملتے ہیں۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ سخت غصے میں آ گئے اور فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی آدمی کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خاطر تم سے محبت نہ رکھے''(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت عبداللہ بن حارث، عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے پاس داخل ہوئے اور عرض کی: ہم نکلتے ہیں تو قریش آپس میں باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ ہمیں دیکھ کر خاموش ہو جاتے ہیں یہ سن کر رسول اکرم ﷺ کو شدید غصہ آیا حتیٰ کہ آپ کی پیشانی پر بل پڑ گئے(4) پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا یہاں تک کہ اللہ اور میری قرابت کی وجہ سے تم سے محبت نہ رکھے(5)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن عمر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: حضور کا لحاظ حضور کے اہل بیت میں رکھو(6)۔ صحیح میں ہی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں سے حسن سلوک مجھے اپنے قرابت داروں کے سلوک سے پیارا ہے(7)۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ کی قسم! آپ کا اسلام لانا مجھے اپنے والد خطاب کے اسلام سے بھی زیادہ اچھا لگا اگر وہ اسلام لاتے کیونکہ رسول اکرم ﷺ کو آپ کا اسلام خطاب کے اسلام سے زیادہ پسند تھا۔ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اس کا موقف شیخین رضی اللہ عنہما کے موقف کی طرح ہی ہو۔ اسی لئے وہ دونوں انبیاء ومرسلین کے بعد تمام مؤمنین سے افضل قرار پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور تمام صحابہ کو اپنی رضامندی میں لے لیں رضی اللہ عنہما، وعن سائر الصحابة أجمعين۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن حیان سے روایت کیا ہے کہ میں، حصین بن میسرہ اور عمر بن مسلم، زید بن ارقم رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے، جب

1۔ غدیر: جھیل، تالاب (کیونکہ اسکا پانی فریب دیتا ہے اکثر اوقات ضرورت کے وقت خشک ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسے یہ نام دیا گیا۔

2۔ مسلم کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1873، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 14، نسائی، سنن کبریٰ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 3 صفحہ 203

3۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 207

4۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دونوں ابرو کے بیچ میں ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت پھول جاتی تھی (اس میں خون بھر جاتا جیسے چھاتی میں دودھ بھر جاتا ہے)

5۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 207-208

6۔ بخاری، جلد 5 صفحہ 26 فتح الباری، کتاب فضائل صحابہ، جلد 7 صفحہ 78

7۔ بخاری، جلد 5 صفحہ 5، مسلم 5 صفحہ 155، فتح الباری، کتاب فضائل، جلد 7 صفحہ 78

ہم آپ کے پاس بیٹھے تو حصین نے فرمایا: اے زید! آپ نے تو بڑی خیر و برکت حاصل کی۔ آپ نے رسول اکرم ﷺ کا دیدار کیا، آپ سے احادیث سنیں، آپ کے ساتھ غزوات میں شرکت فرمائی اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا فرمائی اے زید! فی الحقیقت آپ نے تو بہت بڑی خیر و برکت کا مشاہدہ فرمایا۔ لہٰذا آپ ﷺ سے سنی ہوئی کوئی حدیث ہمیں بھی سنائیے۔ تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بھتیجے میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور سرکار کو اس دنیا سے رخصت ہوئے کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ آپ ﷺ سے یاد کی ہوئی بعض اشیاء اب میرے ذہن میں مستحضر (محفوظ) بھی نہیں رہیں۔ لہٰذا جو کچھ میں تمہیں بیان کروں اسے قبول کرو اور جو نہ ذکر کروں مجھے اس کی تکلیف نہ دو۔ پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے یوں بیان فرمایا: مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام خم کے تالاب پر ایک دن آپ ﷺ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء فرمائی، وعظ و نصیحت کے بعد فرمایا: ''اما بعد! اے لوگو! میں ایک بشر ہوں۔ قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد آئے اور میں اس کی بات مان لوں۔ بلاشبہ میں تمہارے درمیان دو قیمتی ترین چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان میں سے پہلی کتاب اللہ ہے۔ اس میں ہدایت اور نور ہے۔ پس کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑو اور اسی پر جمے رہو'' چنانچہ کتاب اللہ پر ابھارا اور اس میں ترغیب دلائی اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور میرے اہل بیت۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔'' حصین نے کہا۔ اے زید آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی عورتیں آپ کے اہل بیت نہیں ہیں؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت ہیں۔ لیکن آپ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔ پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہ آل علی، آل عقیل، آل جعفر، اور آل عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ پوچھا: کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟(1) فرمایا ہاں۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل میں اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔ ابو عیسیٰ ترمذی نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ان میں سے ایک دوسری سے زیادہ عظمت والی ہے۔ کتاب اللہ، اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی گئی ہے۔ اور دوسری چیز میرے اہل بیت میری عترت ہے اور یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کریں گے۔ تم غور کرو میرے بعد تم کس طرح ان میں میری نیابت کرتے ہو۔''(3) ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یوم عرفۃ کو دوران حج دیکھا۔ آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے آپ کو ارشاد فرماتے سنا: ''اے لوگو میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اسے مضبوطی سے تھام لو گے تو گمراہ نہ ہو گے کتاب اللہ اور میری عترت میرے اہل بیت۔'' ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں اور اسے حسن غریب قرار دیا ہے(4)۔ اسی باب میں ابوذر، ابوسعید، زید بن ارقم اور حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم سے مرویات بھی مذکور ہیں۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اس کی نعمتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کی خاطر اور میرے اہل بیت سے محبت کرو میری وجہ سے''۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 367-366 2۔ مسلم، جلد 6 صفحہ 411 نوٹ: مسلم کی روایت سورۂ احزاب کی آیت 33 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

3۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 289، عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13 صفحہ 201-199

4۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 287، ترمذی، عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 3 صفحہ 201-199

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں(1)۔ اس مضمون کی دیگر احادیث ہم نے آیت کریمہ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَ يُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا(2) کے تحت ذکر کی ہیں ان کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔ واللہ الحمد و المنۃ۔

حافظ ابویعلی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے سنا وہ بیت اللہ شریف کے دروازے کا کنڈا تھامے کھڑے تھے اور فرما رہے تھے: اے لوگو! جو مجھے جانتے ہیں وہ تو مجھے پہچانتے ہی ہیں اور جو نہیں جانتا وہ یہ جان لے میں ابوذر ہوں میں نے رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''میرے اہل بیت کی مثال تم میں اس طرح ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جو اس میں سوار ہوگیا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا ہلاک ہوگیا''۔ یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے۔

قولہ عزوجل وَمَنۡ يَّقۡتَرِفۡ حَسَنَةً نَّزِدۡ لَهٗ فِيۡهَا حُسۡنًا یعنی جو نیکی کرتا ہے ہم اس کے اجر و ثواب میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ جیسے ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنۡ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفۡهَا وَ يُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِيۡمًا (نساء: 40) ''بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرہ برابر بھی۔ (بلکہ) اگر ہو معمولی سی نیکی تو دوگنا کر دیتا ہے اسے اور دیتا ہے اپنے پاس سے اجر عظیم''۔ بعض سلف کا قول ہے کہ نیکی کا ثواب اس کے بعد نیکی ہے اور برائی کی جزا اس کے بعد برائی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ شَكُوۡرٌ بہت سی برائیوں کو معاف کر دیتا ہے اور قلیل نیکیوں میں اضافہ کر دیتا ہے۔ پردہ پوشی کرتا ہے، گناہوں کو بخشنے والا ہے اور اجر میں کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے۔ پس وہ قدردان ہے۔

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا...... یعنی اگر تو نے اللہ پر افتراء پردازی کی جس طرح ان جہلاء کا خیال ہے۔

يَخۡتِمۡ عَلٰى قَلۡبِكَ تو آپ کے دل پر مہر لگا دی جائے گی اور قرآن میں سے جو کچھ اترا ہے اسے سلب کر لیا جائے گا، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِيۡلِ ۙ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡيَمِيۡنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِيۡنَ ۖ فَمَا مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ حٰجِزِيۡنَ (الحاقۃ: 47-44) ''اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری طرف منسوب کرتا، تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔ پھر ہم کاٹ دیتے اس کی رگِ دل۔ پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا''۔ ہم اس سے شدید انتقام لیتے اور لوگوں میں سے کوئی بھی انہیں اس سزا سے بچا نہ سکتا۔

وَ يَمۡحُ اللّٰهُ الۡبَاطِلَ اس کا عطف (يَخۡتِمۡ) پر نہیں ہے کہ اسے جزم دی جائے بلکہ جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے یہ مرفوع ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ واؤ کا یہاں سے حذف کرنا مصحف امام کے رسم الخط کی اتباع میں ہے جس طرح ان آیات میں واؤ لکھنے میں نہیں آتی: سَنَدۡعُ الزَّبَانِيَةَ (علق: 18) ''ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے)۔ وَيَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالۡخَيۡرِ(3) ''اور دعا مانگا کرتا ہے انسان برائی کے لئے جیسے دعا مانگا کرتا ہے بھلائی کے لئے''۔

آیت کریمہ: وَ يُحِقُّ الۡحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ کا عطف وَ يَمۡحُ اللّٰهُ الۡبَاطِلَ پر ہے۔ یعنی اسے ثابت کرتا ہے اور اپنے دلائل و براہین کے ساتھ اسے واضح اور بین کر دیتا ہے۔

اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ جو چیز دلوں میں پوشیدہ اور سینوں میں پنہاں ہے اس سے خوب آگاہ ہے۔

1۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 292 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ احزاب آیت: 33 3۔ اسراء: 11، تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 27

وَ هُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَ یَعۡفُوۡا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَ یَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾ وَ یَسۡتَجِیۡبُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ یَزِیۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَ الۡکٰفِرُوۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ﴿۲۶﴾ وَ لَوۡ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزۡقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ لٰکِنۡ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیۡرٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۲۷﴾ وَ هُوَ الَّذِیۡ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا قَنَطُوۡا وَ یَنۡشُرُ رَحۡمَتَهٗ ؕ وَ هُوَ الۡوَلِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۲۸﴾

’’اور وہی ہے جو توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی اور درگزر کرتا ہے ان کی غلطیوں سے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور وہی قبول کرتا ہے دعائیں ان لوگوں کی جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اور (ان کے حق سے بھی) انہیں زیادہ (اجر) دیتا ہے اپنی مہربانی سے۔ اور کفار، ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اور اگر کشادہ کر دیتا اللہ تعالیٰ رزق کو اپنے (تمام) بندوں کے لئے تو وہ سرکشی کرنے لگتے زمین میں، لیکن وہ اتارتا ہے ایک اندازے سے جتنا چاہتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں (کے احوال) سے خوب آگاہ ہے، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ اور وہی ہے جو برساتا ہے مینہ اس کے بعد کہ لوگ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں اور پھیلا دیتا ہے اپنی رحمت کو اور وہی کارساز حقیقی (اور) سب تعریفوں کے لائق ہے‘‘۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اظہار احسان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ جب وہ توبہ کریں اور اس کی طرف رجوع کریں تو وہ اپنے حلم وکرم سے ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اور عفو وکرم سے گناہوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ ثُمَّ یَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا (نساء:110) ’’اور جو شخص کر بیٹھے برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا‘‘۔ صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے چچا سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ پر اس آدمی سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جس کی اونٹنی بیابان میں ہو اور اس سے چھوٹ گئی ہو۔ اسی پر اس کا کھانے پینے کا سامان ہو۔ وہ اس کی تلاش سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سائے میں لیٹ چکا ہو۔ اس دوران کیا دیکھتا ہے کہ اس کی اونٹنی یکایک اس کے سامنے کھڑی ہے۔ وہ اس کی لگام پکڑ لیتا ہے اور شدت خوشی سے پکار اٹھتا ہے۔ اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں...... شادی مرگ کی کیفیت کی وجہ سے اس سے یہ غلطی ہوتی ہے۔ صحیح میں ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے (1)۔

عبدالرزاق نے زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’اللہ کو اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جو اپنی گم شدہ سواری کو ایسی جگہ پالیتا ہے جہاں اسے یہ خدشہ ہو کہ پیاس کی شدت اسے ہلاک کر دے گی‘‘ (2)۔ ہمام بن حارث کا قول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی عورت سے بدکاری میں مبتلا ہوتا ہے پھر اس سے نکاح کر لیتا ہے؟ فرمایا: اس نکاح میں کوئی حرج نہیں اور پھر یہی آیت پڑھی وَ هُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ...... ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری سند سے یہی واقعہ روایت کیا ہے (3)۔

1۔ مسلم، کتاب التوبہ، جلد 4 صفحہ 2105-2102 2۔ ایضاً مرجع مذکور 3۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 28

وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ مستقبل میں توبہ قبول فرماتا ہے اور ماضی کے (گذشتہ) گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ تمہارے ہر قول، فعل اور عمل کا اسے علم ہے۔ اس کے باوجود توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

قولہ تعالیٰ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔ اسی طرح ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی دعا قبول کر لیتا ہے خواہ اپنے لئے ہو یا اپنے ساتھیوں اور بھائیوں کے لئے۔ اور بعض نحویوں نے یہی نقل کیا ہے اور اسے اس آیت کے مشابہ قرار دیا ہے: فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ (آل عمران: 195) ''تو قبول فرمالی ان کی التجا ان کے پروردگار نے''۔ پھر ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے سلمہ بن سبرۃ کا قول نقل کیا ہے: شام میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا تم مومنین اور تم ہی جنتی ہو۔ اللہ کی قسم! میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان فارسیوں اور رومیوں کو بھی جنت میں داخل فرمائے گا جنہیں تم قید کر کے لاتے ہو کیونکہ ان میں سے کوئی جب تمہارا کام کر دیتا ہے تو تم کہتے ہو: أحسنت رحمك الله أحسنت بارك الله فيك ''تم نے اچھا کام کیا اللہ تم پر رحم فرمائے، تو نے اچھا کام کیا اللہ تمہیں برکت دے''۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ...... (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہی بعض عربی دانوں سے نقل کیا ہے کہ اس نے الذین یستمعون القول کی تفسیر یوں نقل کی ہے وہ حق کو قبول کرتے ہیں اور اس کی اتباع کرتے ہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ (2) ''صرف وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور ان مردہ (دلوں) کو اٹھائے گا اللہ تعالیٰ''۔ اور پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے۔

وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اس کے علاوہ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔ اسی لئے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''شفاعت اس کے لئے ہے جس کے لئے دوزخ واجب ہو چکی ہو۔ ان کی طرف سے جن کے ساتھ اس نے دنیا میں نیکی کی ہو''۔

قتادہ نے ابراہیم نخعی (3) رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی سفارش کریں گے۔ اپنی مہربانی سے انہیں زیادہ اجر دینے سے مراد یہ ہے کہ انہیں بھائیوں کے بھائیوں کی شفاعت کی بھی اجازت ہو جائے گی (4)۔

وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ جب مومنین اور ان کے لئے ثواب عظیم کا ذکر ہو چکا تو کفار کا ذکر فرمایا اور روز قیامت انہیں جو شدید، دردناک عذاب ہو گا۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ...... اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کی ضرورت سے زائد رزق عطا فرماتا تو یہ چیز انہیں ایک دوسرے کے خلاف سرکشی اور خرمستی پر ابھارتی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بہترین زندگی وہی ہے جو تجھے لہو ولعب کی غفلت میں نہ ڈالے اور سرکش بھی نہ بنا دے (5)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک حدیث ذکر کی ہے: ''مجھے تم پر سب سے زیادہ دنیوی نمود ونمائش کا خدشہ ہے''۔ اور سائل کا پوچھنا کیا مال و دولت شر کا باعث ہے...... الحدیث (6)۔

وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ...... انہیں اسی قدر رزق دیتا ہے جس میں اس کی بہتری ہے۔ وہ اس سے خوب واقف ہے۔ جو تونگری

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 29 2۔ الانعام: 36 تفسیر طبری ایضاً مرجع مذکور 3۔ ایک نسخہ میں ابراہیم نخعی کے الفاظ آئے ہیں

4۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 29 5۔ ایضاً مرجع مذکور 6۔ ایضاً مرجع مذکور

کا حقدار ہے اسے غنی کر دیتا ہے اور جو فقر کا حقدار ہے اسے فقیر کر دیتا ہے۔ جس طرح کہ ایک حدیث میں مروی ہے: ''بلاشبہ میرے بعض بندے ایسے ہیں جن کے لئے صرف مالداری ہی مناسب ہے اگر میں اسے فقیر بنا دوں تو اس کے دین کو فساد میں ڈال دوں اور بلاشبہ میرے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن کے لئے تنگدستی ہی مناسب ہے اگر میں انہیں غنی کر دوں تو وہ اپنے دین کے معاملے میں خرابی میں پڑ جائیں'' (1)۔

قولہ تعالیٰ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ...... لوگوں کے بارش سے مایوس ہونے کے بعد ان کی احتیاج اور ضرورت کے مطابق بارش نازل فرماتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمُبْلِسِينَ (روم: 49) ''اگرچہ وہ بندے اس سے پہلے کہ ان پر بارش ہوتی مایوس ہو چکے تھے''۔

قولہ جل وعلا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ پھر اس کی رحمت اس علاقے پر ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے عرض کی اے امیر المومنین بارش کم ہوگئی ہے اور لوگ مایوس ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ اب بارش ہوگی۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ...... (2)۔

وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ وہ ولی حمید ہے یعنی اپنی مخلوق کے لئے اس طرح تصرف کرنے والا ہے جس میں ان کی دنیا اور آخرت کا فائدہ ہو۔ اس کے تمام تصرفات قابل ستائش ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاۗءُ قَدِيْرٌ ﴿٢٩﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٠﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ښ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٣١﴾

''اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے اور جو جاندار اس نے پھیلا دیئے ہیں آسمان و زمین میں۔ اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچی ہے اور وہ (کریم) درگزر فرما دیتا ہے (تمہارے) بہت سے کرتوتوں سے۔ اور تم عاجز نہیں کر سکتے (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں۔ اور نہ تمہارا اللہ کے سوا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کی عظمت، عظیم قدرت اور سلطنت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ زمین و آسمان اور ان کے مابین ساری مخلوق اسی کی پیدا کردہ ہے۔

مِنْ دَآبَّةٍ یہ ملائکہ، جن و انس، حیوانات ان کی مختلف شکلوں، رنگوں، زبانوں، طبیعتوں، اجناس اور انواع سب کو شامل ہے۔ انہیں زمین اور آسمانوں کے مختلف علاقوں اور جہتوں میں پھیلا رکھا ہے۔

وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاۗءُ قَدِيْرٌ لیکن اس کے باوجود وہ جب چاہے انہیں جمع کرنے پر قادر ہے۔ یعنی قیامت کے دن اولین و آخرین اور ساری مخلوقات کو ایک جگہ جمع فرمائے گا۔ وہ داعی کی باتوں کو سن سکتے ہوں گے (یعنی وہ ایسے موقع پر ہوں گے کہ اگر ان کو کوئی بلائے تو

1۔ یہ حدیث سورۂ بنی اسرائیل آیت: 30 کے ضمن میں گزر چکی ہے

2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 31

اس کی آواز سن لیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی آواز سنائے گا) اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ ان سب پر حاوی ہوگی چنانچہ وہ ان میں اپنے عدل حقیقی کے ساتھ فیصلے فرمائے گا۔ (بعض نے کہا ہے کہ دیکھنے والے کی نگاہ سب پر دوڑ جائے گی)۔

قولہ عزوجل وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ...... یعنی اے لوگو تمہیں جو تکلیف پہنچتی ہے یہ تمہارے اپنے سابقہ گناہوں کا ثمر ہے۔

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ وہ بہت سی برائیاں معاف بھی فرما دیتا ہے۔ چنانچہ ان پر تمہیں کوئی سزا نہیں دے گا بلکہ چشم پوشی فرمائے گا: وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ (فاطر:45) '' اور اگر اللہ تعالیٰ (فوراً) پکڑ لیا کرتا لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث تو نہ (زندہ) چھوڑتا زمین کی پشت پر کسی جاندار کو''۔ صحیح حدیث میں ہے: '' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مومن کو کوئی تکلیف، بیماری اور غم واندوہ نہیں پہنچتا مگر اللہ تعالیٰ اسے اس کی خطاؤں کا کفارہ بنا دیتا ہے حتیٰ کہ وہ کانٹا جو اسے چبھتا ہے'' (1)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ایوب سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابوقلابہ کی کتاب میں پڑھا جب آیت کریمہ '' فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۞ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال:8-7) '' پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا''۔ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم اپنے اچھے برے اعمال کو دیکھیں گے؟ فرمایا: '' دیکھو اس دنیا میں جو تم چھوٹی بڑی مشکلات دیکھتے ہو یہ تمہاری خطاؤں کا بدلہ ہیں اور تمہاری نیکیاں خدا کے ہاں محفوظ ہیں حتیٰ کہ روز قیامت تمہارے حوالے کی جائیں گی''۔

ابوادریس کا قول ہے کہ میں اس کا مصداق کتاب اللہ کی اس آیت میں دیکھ رہا ہوں وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ...... ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے اور پہلی زیادہ صحیح ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: '' میں تمہیں کتاب اللہ کی افضل ترین آیت نہ بتا دوں جو ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتائی تھی۔ آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ...... تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا اے علی میں تمہیں اس کی تفسیر بتاتا ہوں۔ تمہیں جو بیماری، سختی یا بلاء وآفت دنیا میں پہنچتی ہے وہ سب تمہارے اعمال کا بدلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حلم اس سے بہت زیادہ ہے کہ دوبارہ آخرت میں بھی اس پر سزا دے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ جو معاف فرما دیتا ہے تو اس کے کرم سے یہ بالکل بعید ہے کہ عفو ودرگزر کے بعد پھر ان پر مؤاخذہ کرے۔'' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مرفوعاً روایت کیا ہے(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ابوجحیفہ سے مروی ہے کہ میں حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا: میں تمہیں ایک ایسی حدیث نہ سناؤں جسے ہر مؤمن کو یاد کر لینا چاہئے؟ فرماتے ہیں ہم نے دریافت کیا تو آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ...... فرمایا: اللہ تعالیٰ جس چیز کے بدلے دنیا میں سزا دے دیتا ہے تو اس کا حلم اس بات سے مانع ہے کہ اس پر دوبارہ قیامت کے دن سزا دے اور جس چیز کو اللہ دنیا میں معاف کر دے وہ اتنا کریم ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ روز قیامت اپنی معافی کو واپس لے لے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: '' مومن کو جو جسمانی تکلیف پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے'' (3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

1۔ یہ حدیث سورۂ نساء آیت: 123 کے ضمن میں گزر چکی ہے 2۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 85 3۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 98

ارشاد فرمایا: ''جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور کفارے کے لئے اس کے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے رنج وغم میں مبتلا کر دیتا ہے تا کہ یہی اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے'' (1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے لکڑی سے جسم کا چھل جانا، رگ کا پھڑکنا اور پاؤں پھسلنا نہیں ہے مگر کسی گناہ کے سبب اور خدا تعالیٰ جن گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، ان کی تعداد تو بہت زیادہ ہے۔'' ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کے ساتھی آپ کے پاس گئے۔ آپ کے جسم میں تکلیف تھی۔ کسی نے کہا ہم آپ کی تکلیف کو دیکھ کر صدمے سے دوچار ہیں۔ فرمایا: ایسا نہ کرو آپ جو آزمائش دیکھ رہے ہیں یہ گناہوں کے سبب ہے اور جو اللہ تعالیٰ معاف کرتا ہے، ان کی تعداد تو اس سے بھی زیادہ ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ......۔

ابو البلاد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے میں نے علاء بن بدر سے کہا کہ قرآن میں تو یہ آیت ہے اور میری بینائی چلی بھی گئی ہے حالانکہ میں تو ابھی بچہ ہوں؟ آپ نے فرمایا: یہ تیرے والدین کے گناہوں کا بدلہ ہے۔ حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: ہم کسی کو نہیں جانتے کہ قرآن یاد کر کے بھول گیا ہو مگر کسی گناہ کے سبب۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پھر ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے قرآن یاد کر کے بھول جانے سے بڑی مصیبت اور کیا ہوگی (2)۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣٣﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٤﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٥﴾

''اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے وہ سمندر میں تیرنے والے جہاز ہیں جو پہاڑوں کی مانند ہیں۔ اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے پس وہ رکے رہیں سمندر کی پشت پر۔ بے شک اس میں اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں ہر کمال درجہ صبر کرنے والے شکر کرنے والے کے لئے۔ یا (اگر وہ چاہے تو) تباہ کر دے انہیں لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے اور وہ درگزر فرما دیا کرتا ہے بہت سے گناہوں سے۔ اور (اس وقت) جان لیں گے جو جھگڑا کرتے رہتے ہیں ہماری آیتوں میں۔ کہ ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کی قدرت باہرہ اور سلطنت کی دلیل سمندروں کو مسخر کر لینا ہے تا کہ اس کے حکم سے ان میں کشتیاں چلیں۔ یہ کشتیاں سمندر میں ایسے معلوم ہوتی ہیں جیسے پہاڑ۔ مجاہد، حسن، سدی اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے یعنی یہ سمندر میں اسی طرح جیسے خشکی پر پہاڑ۔

اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ یعنی جو سمندر میں کشتیوں کو چلاتی ہے۔ اگر چاہے تو اسے ٹھہرا دے حتیٰ کہ کشتیاں پانی کی سطح پر رک کر کھڑی کی کھڑی رہ جائیں اور حرکت نہ کر سکیں۔

صَبَّارٍ یعنی سختیوں میں۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 157 2۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 355

شَکُوۡرٍ یعنی سمندر کے مسخر کرنے اور بقدر ضرورت ہوا کے چلانے میں مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ہر اس شخص کیلئے علامات ہیں جو مشکلات میں صبر کرتا ہے اور خوشحالی میں شکرگزار رہتا ہے۔

شَکُوۡرٍ فراخی میں شکرادا کرنے والا ہے۔

اَوۡ یُوۡبِقۡهُنَّ...... یعنی اگر چاہے تو کشتی اس کے سواروں کے گناہوں کے سبب غرق آب کر دے۔

وَ یَعۡفُ عَنۡ کَثِیۡرٍ بہت سے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اگر ان کے تمام گناہوں کا مؤاخذہ فرمانے لگے تو سمندر کا ہر راکب ہلاک ہو جائے۔ بعض علماء تفسیر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر چاہے تو ہوا کو سرکش و تند و تیز بنا کر بھیج دے۔ وہ کشتیوں پر مسلط ہو جائے اور ان کے اصلی راستے سے ہٹا دے۔ یا دائیں بائیں طرف پھیر دے۔ نہ تو وہ اپنے راستے پر چل سکیں اور نہ ہی منزل تک پہنچ سکیں۔ یہ قول ان کی تباہی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ اور یہی پہلے معنی کے مناسب ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اگر چاہے تو ہوا کو ہمیشہ کے لئے موقوف کر دے اور وہ جہاز اپنی جگہ رک جائیں یا پھر اسے طوفان بلاخیز بنا دے اور وہ جہاز کو الٹ کر رکھ دے لیکن اس کا لطف و رحمت یہ ہے کہ وہ اسے بقدر ضرورت بھیجتا ہے۔ جس طرح بارش بقدر کفایت برستی ہے اگر بہت زیادہ برسے تو عمارتیں گر جائیں یا کم ہو تو کھیتیاں اور پھل نہ اُگ سکیں۔ حتیٰ کہ وہ ممالک مصر کی طرف سے اسے دوسری سرزمین سے بہا کر لاتا ہے کیونکہ انہیں بارش کی ضرورت نہیں۔ اگر ان کے علاقے پر موسلا دھار بارش ہو تو ان کے مکانات اور عمارتیں گر جائیں۔

مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِیۡصٍ: أي لا محيد یعنی ہماری سطوت اور انتقام سے بچنے کے لئے انہیں کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی۔ وہ ہماری قدرت سے مقہور و مغلوب ہیں۔

فَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۚ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَلٰی رَبِّهِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿۳۶﴾ وَ الَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوۡا هُمۡ یَغۡفِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّهِمۡ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَ اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَهُمۡ ۪ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الۡبَغۡیُ هُمۡ یَنۡتَصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾

''پس جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے یہ دنیوی زندگی کا سامان ہے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت عمدہ اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں اور بدکاریوں سے اور جب وہ غضب ناک ہوتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔ اور جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے سارے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ اس کا (مناسب) بدلہ لیتے ہیں۔''

دنیوی زندگی اس کی زیبائش اور اس میں جو کچھ ٹھاٹھ باٹھ اور فانی نعمتیں ہیں، ان کی تحقیر کا بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ سامان دنیا میں سے جو کچھ بھی تم جمع کر لو اس پر دھوکے میں نہ آ جانا یہ سب کچھ متاع دنیا ہے اور یہ دار دنیا کم ظرف اور بالآخر فنا پذیر ہے۔

وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی اور اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ثواب اس دنیا سے کہیں بہتر ہے۔ وہ لازوال اور سرمدی ہے۔ لہٰذا فانی کو باقی پر ترجیح

نہ دو۔

اسی لئے فرمایا: لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یعنی ان کے لئے ہے جو دنیوی عیش وعشرت کو ترک کرنے پر صبر کرتے رہے۔

وَعَلٰی رَبِّهِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ یعنی تاکہ واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے بچنے اور صبر کرنے میں وہ ان کی اعانت فرمائے۔

پھر فرمایا: وَالَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ...... إثم اور فواحش کی بحث سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے(1)۔

هُمۡ یَغۡفِرُوۡنَ ان کی طبیعت لوگوں سے عفو ودرگزر کی متقاضی ہوتی ہے۔ ان کا مزاج انتقامی نہیں ہوتا۔ صحیح میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا، مگر جب اللہ کی حرام کردہ اشیاء کی بے حرمتی اور بے توقیری ہوتی(2)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ ہم میں سے کسی کو عتاب کے وقت بھی یوں فرماتے: مالهٗ تَرِبَتۡ یَمِیۡنُهٗ۔ ترجمہ: ''اسے کیا ہو گیا ہے اس کا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو''(3)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ مومنین اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور جب قدرت ہوتی تو انتقام نہیں لیتے تھے(4)۔

قولہ عزوجل وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَهُمۡ حتیٰ فیصلہ سے قبل وہ باہم مشورہ کرتے ہیں تاکہ جنگی اور دیگر معاملات میں ان کی آراء اور صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَشَاوِرۡهُمۡ فِی الۡاَمۡرِ (آل عمران: 159) ''اور صلاح مشورہ کیجئے ان سے اس کام میں''۔ اسی لئے آپ ﷺ کا معمول تھا کہ غزوات وغیرہ میں صحابہ کی طیب خاطر کے لئے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو وفات سے قبل زخمی کر دیا گیا تو آپ نے اپنے بعد چھ افراد پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ قائم کی۔ یہ حضرات عثمان، علی، طلحہ، الزبیر، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم تھے۔ چنانچہ سب صحابہ نے باتفاق رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا۔

وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ یعنی مخلوق خدا پر احسان کرتے ہیں اور درجہ بدرجہ قریبی عزیزوں کا خیال رکھتے ہیں۔

قولہ عزوجل وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الۡبَغۡیُ...... جو ان پر پیہم زیادتی کرتا ہے اور حد سے گزر جاتا ہے تو ان میں بدلہ لینے کی قوت بھی ہوتی ہے۔ وہ عاجز، بے بس اور ذلیل نہیں ہوتے بلکہ جو ان کے خلاف سرکشی پر اتر آئے اس سے انتقام لینے پر قادر ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس قدرت کے باوجود وہ عفو ودرگزر کرتے ہیں۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا: لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ ؕ یَغۡفِرُ اللّٰهُ لَکُمۡ (یوسف: 92) ''نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن۔ معاف فرمادے اللہ تعالیٰ تمہارے (قصوروں) کو''۔ حالانکہ آپ ان کے مؤاخذہ کرنے اور ان کی زیادتی کے مطابق سزا دینے پر قادر تھے۔ اور جس طرح آپ ﷺ نے ان اسّی افراد کو معاف فرما دیا تھا جو حدیبیہ کے موقع پر جبل تنعیم کی طرف سے حملہ کے لئے اترے تھے۔ بدلہ لینے کی قدرت کے باوجود آپ نے انہیں معاف فرما دیا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے غورث بن حارث کو بھی معاف فرما دیا تھا جس نے اچانک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ ﷺ کو شہید کرنے کی ناپاک جسارت کی تھی۔ جب آپ ﷺ آرام فرما رہے تھے تو اس نے آپ کی تلوار اچک لی۔ جب آپ کی آنکھ کھلی تو وہ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام آیت: 151 و سورۂ اعراف آیت: 32

2۔ اخرجہ الشیخان، فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 525-524، مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1813، بخاری، جلد 8 صفحہ 36

3۔ بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 15، فتح الباری، جلد 10 صفحہ 452، مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 126-144-158 نوٹ: ایک روایت میں تربت جَبِیۡنُهٗ (تیری پیشانی خاک آلود ہو) کے الفاظ آئے ہیں

4۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 357

اسے ہاتھ میں لہرائے کھڑا تھا۔ آپ نے اسے جھڑکا تو اس نے تلوار رکھ دی۔ رسول اکرم ﷺ نے تلوار ہاتھ سے لے لی اور اپنے صحابہ کو آواز دی۔ اور انہیں ساری بات سے آگاہ فرمایا پھر اس آدمی کو معاف فرما دیا(1)۔ اسی طرح لبید بن اعصم نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا۔ قدرت کے باوجود آپ ﷺ نے اس سے کوئی تعرض نہ فرمایا اور اسے کوئی سزا نہ دی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے یہودی عورت کو معاف فرما دیا۔ یہ زینب نامی عورت خیبر کے یہودی سردار مرحب کی بیٹی تھی جسے محمود بن سلمہ نے قتل کر دیا تھا۔ اس (نابکار) عورت نے دستی کے گوشت میں زہر ملا کر خیبر کے مقام پر آپ کو پیش کیا تھا(2)۔ اس دستی نے خود ہی آپ ﷺ کو اپنے زہر آلود ہونے کی خبر دے دی۔ آپ ﷺ نے اس عورت کو بلایا تو اس نے اعتراف کر لیا۔ تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''تمہیں اس چیز پر کس نے ابھارا؟'' وہ کہنے لگی میں نے سوچا اگر آپ سچے نبی ہیں تو اس سے آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے گا اور اگر آپ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں تو ہمیں آپ سے راحت مل جائے گی(3)۔ تو آپ ﷺ نے اسے اقبال جرم کے باوجود معاف فرما دیا لیکن جب اسی زہر خورانی کی وجہ سے حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو اسے بھی قتل کرا دیا۔ اس موضوع کی احادیث و آثار بے شمار ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ؕ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾

''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ پس جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔ بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ اور جو بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد پس یہ لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں۔ بے شک ملامت ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور فساد برپا کرتے ہیں زمین میں ناحق۔ یہی ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور جو شخص (ان مظالم پر) صبر کرے اور (طاقت کے باوجود) معاف کر دے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے''۔

قولہ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ...... اسی مضمون کی ایک اور آیت ہے: فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ (بقرہ:194) ''تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو''۔ ایک اور آیت میں ہے: وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (النحل:126) ''اور اگر تم (انہیں) سزا دینا چاہو، تو انہیں سزا دو لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے''۔ عدل کو مشروع قرار دیا اور وہ قصاص ہے اور فضل و احسان کو مندوب قرار دیا اور وہ عفو و درگزر کرنا ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (مائدہ:45) ''اور زخموں کے لئے قصاص تو جو شخص معاف کر دے بدلہ تو یہ معافی کفارہ بن جائے گی اس کے گناہوں کا''۔

1۔ اخرجہ الشیخان، فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 429-426، مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1787-1786، بخاری، جلد 5 صفحہ 47

2۔ آنحضرت سرور عالم دست کا گوشت پسند فرماتے تھے چونکہ وہ بے ریشہ اور مزیدار ہوتا ہے اور جلدی گل جاتا ہے۔

3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الدیات، جلد 4 صفحہ 174-173

اسی لئے یہاں فرمایا: فَمَنۡ عَفَا وَ اَصۡلَحَ فَاَجۡرُہٗ عَلَی اللّٰہِ یعنی اللہ کے ہاں اس کا اجر ضائع نہیں ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے: معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ نہیں بڑھاتا بندے کو مگر اس کی عزت(1)۔

قولہ تعالیٰ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ یعنی حد سے تجاوز کرنے والوں کو یعنی برائی کی ابتداء کرنے والا۔

قولہ تعالیٰ وَ لَمَنِ انۡتَصَرَ بَعۡدَ ظُلۡمِہٖ...... جس پر زیادتی ہوئی ہے ان کے لئے مناسب بدلہ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عون سے روایت کیا ہے کہ میں الانتصار کی تفسیر کی جستجو میں تھا کہ مجھے علی بن زید بن جدعان نے بروایت اپنی والدہ اُمّ محمد کے بیان کیا۔ ابن عون کا قول ہے وہ گمان کرتے تھے کہ وہ ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جایا کرتی تھیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ام المؤمنین نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اس وقت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہمارے پاس موجود تھیں۔ آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے دل لگی کرنے لگے۔ آپ کو ان کی موجودگی کا علم نہ تھا۔ میں نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور آپ کو سمجھانا چاہا تو اسی وقت آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت زینب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بے تحاشا برا بھلا کہنے لگیں۔ سرکار ﷺ نے ان کو منع فرمایا لیکن انہوں نے خاموش رہنے سے انکار کر دیا۔ تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو جواب دینے کی اجازت دی۔ تھوڑی دیر میں ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لاجواب کر دیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نکلیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور کہا حضرت عائشہ تمہارے بارے میں یہ یہ باتیں کرتی ہیں اور ایسا ایسا کرتی ہیں۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی بارگاہ میں شکایت لے کر حاضر ہوئیں۔ تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: ''رب کعبہ کی قسم وہ تیرے باپ کی محبوبہ ہے۔'' وہ یہ سن کر واپس تشریف لے گئیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سارا واقعہ کہہ سنایا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ سے اس موضوع پر بات کی(2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت اسی طرح ذکر کی ہے۔ علی بن زید بن جدعان اکثر اپنی روایات میں منکرات کا ذکر کرتا ہے۔ یہ روایت بھی منکر ہے۔ صحیح حدیث اس کے برعکس ہے جس طرح کہ نسائی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے پتہ نہ چلا حتیٰ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بلا اجازت داخل ہوئیں۔ وہ شدید غصے کی کیفیت میں تھیں اور آپ ﷺ کو کہنے لگیں۔ اگر آپ ابوبکر کی بیٹی کے بازو دیکھیں تو یہی آپ کے لئے کافی ہے(3)۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئیں اور لڑنے لگیں تو میں نے رخ پھیر لیا۔ حتیٰ کہ نبی ﷺ نے مجھے بدلہ لینے کی اجازت دی۔ پھر میں نے انہیں جواب دینا شروع کیا حتیٰ کہ کیا دیکھتی ہوں کہ ان کے منہ میں تھوک خشک ہوگئی اور وہ مجھے کوئی جواب نہ دے سکیں۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ کا چہرۂ اقدس چمک رہا تھا(4)۔ یہ الفاظ نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے اپنے اوپر ظلم کرنے والے کے لئے بددعا کی، اس نے اپنا بدلہ لے لیا۔'' ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے روایت کیا ہے۔ اس کے

1۔ مسلم، کتاب ابر، جلد 4 صفحہ 201، ترمذی، ابواب البر، عارضۃ الاحوذی، جلد 8 صفحہ 184 تحفۃ الاحوذی، جلد 6 صفحہ 177 نوٹ: مزید دیکھئے تفسیر سورۃ نساء آیت: 149 اور سورۃ اسراء آیت: 29

2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 39

3۔ الذّرِیعۃ: ذراع کی تصغیر، مراد بازو ہے۔ یعنی ان سے شدت محبت کی وجہ سے کسی اور طرف نہیں دیکھتے۔

4۔ نسائی، کتاب عشرۃ النساء، کتاب التفسیر، سنن کبریٰ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 12 صفحہ 15-14، ابن ماجہ، کتاب النکاح، جلد 1 صفحہ 637

راوی میں کچھ کلام ہے(1)۔

السَّبِيْلُ: حرج۔

عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ یعنی لوگوں پر ظلم کی ابتدا کرتے ہیں جیسے صحیح حدیث میں آیا ہے۔ ''ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے والے جو کچھ کہیں دونوں کا بوجھ شروع کرنے والے پر ہے، جب تک مظلوم بدلے کی حد سے آگے نہ نکل جائے''(2)۔

عَذَابٌ اَلِيْمٌ شدید، تکلیف دہ۔ ابوبکر بن اَبی شیبہ نے محمد بن واسع سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں میں مکہ جانے لگا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ خندق پر چوکی بنی ہوئی ہے (ناکہ لگا ہوا ہے)۔ چنانچہ مجھے دھرلیا گیا اور امیر بصرہ مروان بن مہلب کے پاس لایا گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا ابوعبداللہ تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا یہی کہ اگر ہو سکے تو تم بنوعدی کے بھائی جیسے بن جاؤ وہ کہنے لگا بنوعدی کا بھائی کون تھا؟ میں نے کہا علاء بن زیاد کہ اپنے ایک دوست کو ایک مرتبہ کسی صیغہ کا عامل بنایا تو اس کی طرف لکھا:

اَمابعد، اگر ہو سکے تو اس طرح ہو جانا کہ تیری کمر بوجھ سے ہلکی رہے، تیرا پیٹ خالی رہے، اور تیرا ہاتھ مسلمانوں کے خون اور مال سے آلودہ نہ ہو اگر تو نے ایسے کیا تو تجھ پر گناہ کی کوئی راہ باقی نہیں رہے گی۔ یہ راہ ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق زمین میں فساد چاہتے ہیں۔ ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ مروان یہ سن کر کہنے لگا بخدا اس نے سچ کہا اور خیر خواہی پر مبنی بات کہی ہے۔ پھر پوچھا ابوعبداللہ تمہاری آرزو کیا ہے؟ میں نے کہا میری آرزو یہ ہے کہ مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ اس نے کہا بالکل ٹھیک(3)۔ (رواہ ابن اَبی حاتم) جب اللہ تعالیٰ نے ظلم اور ظالموں کی مذمت کی اور قصاص کو جائز قرار دیا تو عفو و درگزر کو مستحب قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ تکلیف اور برائی کی پردہ پوشی پر صبر کیا۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ یہ ان حقیقی امور سے ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ یعنی امور مشکورہ اور افعال حمیدہ سے جن پر بہت زیادہ ثواب اور عمدہ تعریف ہے۔ ابن اَبی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تیرے پاس کوئی شخص کسی کی شکایت لے کر آئے تو تو کہہ، اے بھائی! اسے معاف کر دے بے شک معافی تقوی کے زیادہ قریب ہے اور اگر وہ یہ کہے کہ میرا دل معاف کرنے کی ہمت نہیں رکھتا لیکن میں تو اس طرح بدلہ لوں گا جس طرح اللہ نے مجھے حکم دیا ہے تو تو اسے کہہ اگر تو اچھی طرح بدلہ لے سکتا ہے تو ٹھیک ورنہ معاف کرنے کی طرف لوٹ کیونکہ معافی کا دروازہ بڑا وسیع ہے۔ بے شک جو معاف کرے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ معاف کرنے والا رات کو آرام سے بستر پر سوتا ہے اور بدلہ لینے والا اسی کے بارے رات دن متفکر رہتا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک آدمی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ نبی کریم ﷺ اس وقت وہیں تشریف فرما تھے۔ آپ متعجب تھے اور تبسم فرما رہے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خاموش تھے لیکن جب اس نے حد کر دی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی کسی بات کا جواب دیا۔ یہ سن کر نبی ﷺ غصے ہوئے اور وہاں سے اٹھ کر چل دیئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے سے آکر ملے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! وہ مجھے سب و شتم کرتا رہا تو آپ بیٹھے رہے اور جب میں نے اسے جواب دینے کا ارادہ کیا تو آپ غصے میں اٹھ کر چلے آئے۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 66 تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 540

2۔ مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2000، ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 274، ترمذی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 151 تحفۃ الاحوذی، جلد 6 صفحہ 115، مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 135

3۔ ابن ابی شیبہ، مصنف، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 64-63

فرمایا: ''تیرے ساتھ ایک فرشتہ تھا وہ تیری طرف سے جواب دے رہا تھا۔ جب تم نے اس کی کسی بات کا جواب دیا تو شیطان آگیا اور میں شیطان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا تھا۔'' پھر فرمایا: اے ابوبکر تین باتیں بالکل برحق ہیں۔ جس پر کوئی ظلم کیا جائے اور وہ اللہ کے لئے اس سے چشم پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے عزت دیتا ہے اور اس کی اعانت فرماتا ہے اور جو شخص عطیات کا دروازہ کھولے اور اس سے اس کا ارادہ صلہ رحمی کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس میں اضافہ فرما دیتا ہے اور کوئی آدمی سوال کا دروازہ کھولے اور اس سے اس کا ارادہ زیادتی و کثرت کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس میں کمی فرما دیتا ہے(1)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مرسلاً بھی روایت کیا ہے۔ یہ حدیث معنوی اعتبار سے از حد حسین ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان کے مناسب ہے(2)۔

وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَ تَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾

''اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کا کوئی کارساز نہیں اس کے بعد۔ اور آپ ملاحظہ کریں گے ظالموں کو جب وہ دیکھیں گے عذاب (تو سٹپٹا جائیں گے) پوچھیں گے کیا واپس لوٹنے کا بھی کوئی راستہ ہے؟ اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ پیش کئے جا رہے ہوں گے دوزخ پر اس حال میں کہ عاجز و درماندہ ہوں گے ذلت کے باعث، دیکھتے ہوں گے کنکھیوں سے چوری چوری۔ اور کہیں گے اہل ایمان کہ حقیقی گھاٹے میں وہی لوگ ہیں جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے روز۔ سن لو! ظالم لوگ ضرور ابدی عذاب میں ہوں گے اور نہیں ہوں گے (اس روز) ان کے لئے مددگار جو مدد کر سکیں ان کی اللہ کے بغیر۔ اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو اس کے لئے (بچنے کی) کوئی راہ نہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنی شان بیان فرما رہا ہے کہ وہ جو چاہے ہو جاتا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو نہ چاہے نہیں ہو سکتا اسے کوئی کر نہیں سکتا۔ وہ جسے ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے گمراہ کر دے اسے کوئی راہ ہدایت پر نہیں لا سکتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (کہف: 17) ''اور جسے وہ گمراہ کر دے تو تو نہیں پائے گا اس کے لئے کوئی مددگار (اور) رہنما''۔ پھر ظالمین یعنی مشرکین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ یعنی قیامت کے دن عذاب دیکھ کر وہ دوبارہ دار دنیا کی طرف واپسی کی تمنا کریں گے۔ کہیں گے هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ جیسے ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا: وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (انعام: 28-27) ''اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں سے بلکہ عیاں ہو گیا ان پر جسے چھپایا کرتے تھے پہلے

1۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 436 2۔ سنن ابوداؤد کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 274

اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے (جیسے ان کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں''۔

وَتَرٰىهُمۡ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا یعنی آگ پر۔

خٰشِعِيۡنَ مِنَ الذُّلِّ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے سبب ان پر ذلت برس رہی ہوگی۔

يَنۡظُرُوۡنَ مِنۡ طَرۡفٍ خَفِىٍّ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یعنی ذلیل۔ شدت خوف کے باعث چوری چوری کن انکھیوں سے آگ کی طرف دیکھیں گے۔ جس سے وہ بچتے ہیں آج لامحالہ طور پر وہ عذاب ان پر آنے والا ہے جو ان کے وہم وگمان سے کہیں زیادہ ہے۔ أجارنا الله من ذلك ''اللہ ہمیں اس سے بچائے''۔

قَالَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا قیامت کے دن مؤمنین کہیں گے سب سے زیادہ خسارے میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ساتھ والوں کو واصل جہنم کیا۔ اس ابدی زندگی میں ان کی لذتوں کو ختم کیا۔ اور خود بھی خسارے میں رہے۔ ان کے اور ان کے احباب، دوستوں، رشتہ داروں اور اہل خانہ کے مابین جدائی ہوگئی۔ چنانچہ وہ انہیں کھو بیٹھے۔

فِىۡ عَذَابٍ مُّقِيۡمٍ یعنی دائمی سرمدی اور ابدی عذاب، جس سے خروج اور فرار کی کوئی راہ نہیں۔

يَنۡصُرُوۡنَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ انہیں عذاب سے چھڑا سکے۔

فَمَا لَهٗ مِنۡ سَبِيۡلٍ یعنی اسے چھٹکارا دلانے والا کوئی نہ ہوگا۔

اِسۡتَجِيۡبُوۡا لِرَبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ يَّوۡمَئِذٍ وَّمَا لَكُمۡ مِّنۡ نَّكِيۡرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ؕ اِنۡ عَلَيۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ كَفُوۡرٌ ﴿۴۸﴾

''(لوگو!) مان لو اپنے رب کا حکم اس سے پیشتر کہ آ جائے وہ دن جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں۔ نہ ہوگی تمہارے لئے کوئی پناہ گاہ اس روز اور نہ تمہاری طرف سے کوئی روک ٹوک کرنے والا ہوگا۔ پس اگر وہ (پھر بھی) روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان کے اعمال کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ آپ کا فرض تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے۔ اور ہم جب مزا چکھا دیتے ہیں انسان کو اپنی رحمت کا تو خوش ہو جاتا ہے اس سے۔ اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچے اپنے کرتوتوں کے باعث (تو شور مچانے لگتا ہے) بے شک انسان بڑا ناشکر گزار ہے''۔

قیامت کے ہولناک واقعات کا ذکر کرنے کے بعد اس سے ڈرایا اور اس کے لئے تیاری کا حکم دیا جا رہا ہے۔ فرمایا: اِسۡتَجِيۡبُوۡا لِرَبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ..... تمہارے پاس کوئی قلعہ نہیں ہوگا جس میں تم قلعہ بند ہو سکو اور کوئی جگہ نہ ہوگی جہاں تم چھپ سکو یا شکل وصورت بدل کر یا حلیہ تبدیل کر کے اس کی آنکھوں سے چھپ جاؤ۔ بلکہ وہ اپنے علم، نگاہ اور قدرت سے تمہیں گھیرے میں لئے ہوئے ہے اور کوئی پناہ نہیں مگر اسی کی طرف۔ يَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍ اَيۡنَ الۡمَفَرُّ ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوۡمَئِذِ ۨالۡمُسۡتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ (قیامہ: 12-10) ''(اس روز) انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے۔ ہرگز نہیں، وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں۔ صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانا ہوگا''۔

قولہ تعالیٰ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا...... یعنی مشرکین اگر نہیں مانتے تو آپ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ فرمایا: لَیۡسَ عَلَیۡكَ هُدٰىهُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ (بقرہ: 272) ''نہیں ہے آپ کے ذمہ ان کو سیدھی راہ پر چلانا ہاں اللہ سیدھی راہ پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے''۔ اور فرمایا: فَاِنَّمَا عَلَیۡكَ الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ (آل عمران: 20) ''تو (فکرمند نہ ہو) آپ کے ذمہ تو صرف وضاحت سے پیغام پہنچانا ہے''۔

قولہ اِنۡ عَلَیۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ہم نے آپ کو صرف اس بات کا مکلف بنایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام ان تک پہنچا دیں۔ پھر فرمایا: اِذَآ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً...... جب اسے خوشحالی یا نعمت ملتی ہے تو اترانے لگتا ہے اور جب لوگوں کو تکلیف آتی ہے تو سابقہ نعمتوں کو بھول جاتے ہیں اور صرف اسی گھڑی کا ذکر کرتے ہیں۔ اگر اسے کوئی نعمت ملے تو کبر و غرور کرنے لگتا ہے اور جب آزمائش آئے تو مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا تھا: ''اے عورتوں کے گروہ! صدقہ کرو۔ میں نے تمہیں زیادہ تعداد میں جہنم میں دیکھا ہے۔'' ایک عورت نے عرض کی: کیوں یا رسول اللہ ﷺ! (یعنی یہ کس وجہ سے)۔ فرمایا: کیونکہ تم بکثرت شکایت کرتی ہو اور خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو۔ اگر آپ زمانہ بھر ان میں سے کسی ایک سے احسان کرتے رہیں پھر ایک دن چھوڑ دیں تو وہ کہے گی: ''میں نے تم سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی'' (1)۔ اکثر عورتوں کا یہی حال ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ ہدایت و رشد عطا فرمائے اور وہ ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں سے ہو جائے۔ چنانچہ مومن جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر اسے راحت ملے تو شکر کرتا ہے چنانچہ یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اسے تکلیف آئے تو صبر کرتا ہے چنانچہ یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے۔ یہ بجز مومن کے اور کسی کے بس کی بات نہیں'' (2)۔

لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّكُوۡرَ ﴿۴۹﴾ اَوۡ یُزَوِّجُهُمۡ ذُكۡرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ یَجۡعَلُ مَنۡ یَّشَآءُ عَقِیۡمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌ قَدِیۡرٌ ﴿۵۰﴾

''اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے بچیاں اور عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے فرزند۔ یا ملا جلا کر دیتا ہے انہیں بیٹے اور بیٹیاں۔ اور بنا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بانجھ۔ بیشک وہ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قادر ہے''۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ ہر چیز اس کے تصرف میں ہے۔ وہ جو چاہے ہوتا ہے۔ جو نہ چاہے نہیں ہوتا۔ وہ جسے چاہے دیتا ہے اور جس سے چاہے روک دیتا ہے۔ جسے دے اس سے روکنے والا کوئی نہیں اور جس سے منع کر دے اسے دینے والا کوئی نہیں۔ وہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے۔

یَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا صرف لڑکیاں دیتا ہے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام انہی سے ہیں۔

وَّ یَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّكُوۡرَ جسے چاہے صرف بیٹے دیتا ہے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جیسے ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام۔ آپ کی کوئی بیٹی پیدا نہیں ہوئی۔

اَوۡ یُزَوِّجُهُمۡ ذُكۡرَانًا وَّ اِنَاثًا اور جسے چاہے ملے جلے یعنی بچے بچیاں دونوں عطا فرماتا ہے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جیسے حضور

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ آیت: 282، بخاری، کتاب الایمان، فتح الباری، جلد 1 صفحہ 83 مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 298

2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 332، مسلم، جلد 8 صفحہ 227 نیز دیکھئے تفسیر سورۂ یونس آیت: 12

سرور عالم ﷺ۔

وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا بانجھ یعنی اس کی اولاد ہی پیدا نہ ہو۔ جیسے حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما الصلاۃ والسلام (1)۔

چنانچہ اولاد کے سلسلہ میں لوگوں کی چار قسمیں بنائیں: (۱) وہ لوگ جنہیں صرف بچیاں دیتا ہے۔ (۲) جن کو صرف بچے عطا کئے جاتے ہیں۔ (۳) جنہیں بچے اور بچیاں دونوں مرحمت فرماتا ہے۔ (۴) جس کو دونوں سے محروم کر کے بانجھ بنا دیتا ہے اس کی کوئی نسل اور اولاد نہیں ہوتی۔

اِنَّهٗ عَلِيْمٌ وہ علیم ہے بہتر جانتا ہے کہ کون ان میں سے کس قسم کا مستحق ہے۔

قَدِيْرٌ لوگوں میں اس تفریق پر قادر ہے۔ یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اس آیت کے مشابہ ہے۔ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا (مریم: 21)'' اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم بنائیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی لوگوں کے لئے''۔ یعنی اس کی قدرت کاملہ کی دلیل۔ اس طرح کہ مخلوق کو چار اقسام پر پیدا کیا: (۱) حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے نہ ماں نہ باپ۔ (۲) حضرت حواء علیہا السلام صرف مرد سے پیدا ہوئیں بغیر عورت کے۔ (۳) باقی تمام مخلوق کو نر و مادہ سے پیدا کیا ماسوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ (۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت سے پیدا فرمایا بغیر مرد کے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم کی پیدائش سے یہ چاروں اقسام پوری ہوگئیں۔ اسی لئے فرمایا: وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ..... (مریم: 21) یہ مقام آباء کے بارے ہے اور پہلا مقام ابناء کے بارے اور دونوں کی چار چار اقسام ہیں۔ فسبحان العليم القدير۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٥١﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٢﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿٥٣﴾

''اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہ راست) مگر وحی کے طور پر یا پس پردہ یا بھیجے کوئی پیغامبر (فرشتہ) اور وہ وحی کرے اس کے حکم سے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ بلاشبہ وہ اونچی شان والا بہت دانا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے۔ نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ لیکن (اے حبیب!) ہم نے بنا دیا اس کتاب کو (سراپا) نور، ہم ہدایت دیتے ہیں اس کے ذریعہ جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں سے۔ اور بلاشبہ آپ رہنمائی فرماتے ہیں صراطِ مستقیم کی طرف۔ جو اللہ کی راہ ہے وہ اللہ جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ خوب سن لو! سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی جناب سے مقامات وحی کا بیان ہو رہا ہے۔ کبھی تو وہ وحی کو نبی کریم ﷺ کے دل میں ڈال دیتا ہے اس طرح کہ آپ کو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 132

اس کے وحی من اللہ ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ جس طرح صحیح ابن حبان میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک روح القدس علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اپنا رزق اور عمر پوری نہ کر لے۔ پس اللہ سے ڈرو اور روزی کی طلب میں اچھائی اختیار کرو'' (1)۔

اَوۡ مِنۡ وَّرَآئِ حِجَابٍ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ کلام کے بعد آپ نے دیدار کا سوال بھی کیا لیکن یہ بات نہ مانی گئی۔

صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اللہ نے کسی سے کلام نہیں فرمایا مگر پردے کے پیچھے سے۔ لیکن تیرے باپ سے بالمشافہ گفتگو فرمائی۔ (حدیث میں اسی طرح آیا ہے) (2)۔ وہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے لیکن عالم برزخ کی بات ہے اور آیت کریمہ دار دنیا کے بارے میں ہے۔

وقولہ عزوجل اَوۡ يُرۡسِلَ رَسُوۡلًا...... جس طرح جبریل علیہ السلام وغیرہ ملائکہ انبیاء علیہم السلام پر اترتے رہے۔ وہ علو، بلندی اور بزرگی والا اور حکمت والا ہے۔ روح سے مراد قرآن ہے یعنی کتاب اور ایمان کو اس تفصیل کے ساتھ جو ہم نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے تو اس سے پہلے جانتا تک نہ تھا۔

وَلٰكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِيۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ...... جس طرح ایک اور آیت میں آتا ہے: قُلۡ هُوَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ فِيۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرٌ وَّهُوَ عَلَيۡهِمۡ عَمًى ؕ (فصلت: 44) '' آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے)۔

وَاِنَّكَ اے محمد! آپ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کر رہے ہیں پھر خود ہی اگلی آیت میں اس کی وضاحت کر دی صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيۡ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ یعنی ان کا رب اور مالک ہے اور ان میں تصرف کرنے والا ہے۔ وہ حاکم ہے۔ کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا۔

اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيۡرُ الۡاُمُوۡرُ خوب سن لو سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے۔ وہ ان کے فیصلے فرماتا ہے۔ وہ پاک اور برتر ہے اس سے جو منکرین اور ظالم کہتے ہیں بہت ہی بلند و برتر۔

سورۂ شوریٰ کی تفسیر ختم ہوئی۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ آیت: 87

2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 8 صفحہ 360، عارضۃ الاحوذی، جلد 11 صفحہ 139-138، ترمذی، تفسیر سورۂ آل عمران، ابن ماجہ، مقدمہ، جلد 1 صفحہ 13، کتاب الجہاد، جلد 2 صفحہ 936

سورۂ زخرف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۳﴾ۚ وَ اِنَّہٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡکِتٰبِ لَدَیۡنَا لَعَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ؕ﴿۴﴾ اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا اَنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ ﴿۵﴾ وَ کَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۶﴾ وَ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۷﴾ فَاَہۡلَکۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡہُمۡ بَطۡشًا وَّ مَضٰی مَثَلُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۸﴾

''حا۔میم قسم ہے اس کتاب مبین کی۔ہم نے اتارا ہے اسے قرآن عربی زبان میں تا کہ تم (اس کے مطالب کو) سمجھو۔اور بے شک یہ قرآن ہمارے ہاں لوحِ محفوظ میں ثبت ہے اونچی شان والا حکمت سے لبریز۔کیا ہم روک لیں گے تم سے اس ذکر کو ناراض ہو کر اس وجہ سے کہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو۔اور ہم نے بکثرت بھیجے ہیں نبی پہلے لوگوں میں۔اور نہیں آیا ان کے پاس کوئی نبی مگر وہ (کفار) اس کا مذاق اڑایا کرتے۔پس ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا جو ان سے زیادہ طاقتور تھے اور گزر چکا ہے حال پہلے لوگوں کا''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ اس کے معانی اور الفاظ واضح اور جلی ہیں۔کیونکہ یہ لغت عرب میں نازل ہوا ہے جو باہمی گفتگو کے لئے تمام لغات سے فصیح ترین ہے۔اسی لئے فرمایا: اِنَّا جَعَلۡنٰہُ ہم نے اسے نازل کیا ہے۔

قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا فصیح واضح لغت عرب میں۔

لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ تا کہ تم اسے سمجھو اور غور وفکر کرو۔جیسے اللہ نے ارشاد فرمایا: بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیۡنٍ (شعراء:195) ''یہ ایسی عربی زبان میں ہے جو بالکل واضح ہے''۔

قولہ تعالیٰ اِنَّہٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡکِتٰبِ لَدَیۡنَا...... ملاء اعلیٰ میں اس کا شرف بیان کیا تا کہ اہل زمین اس کو عزت وتعظیم دیں اور اس کی اطاعت کریں۔

وَ اِنَّہٗ یعنی قرآن۔

فِیۡۤ اُمِّ الۡکِتٰبِ یعنی لوح محفوظ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے۔

لَدَیۡنَا: أي عندنا ہمارے پاس۔قتادہ وغیرہ سے یہی منقول ہے۔

لَعَلِیٌّ بلند مرتبے اور عظمت وشرف والا ہے۔قتادہ نے یہی کہا ہے۔

حَکِیۡمٌ یعنی محکم اور التباس اور ٹیڑھے پن سے مبرا۔جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّہٗ لَتَنۡزِیۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (شعراء:192) ''اور

بلا شبہ یہ کتاب رب العالمین کی اتاری ہوئی ہے)۔اور فرمایا کَلَّآ اِنَّهَا تَذۡكِرَةٌ ...... كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ (عبس:16-11) ایسا نہ چاہئے یہ تو نصیحت ہے۔سو جس کا جی چاہے اسے قبول کرلے۔ یہ ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں۔ جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں۔ ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھے ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں"۔ اسی لئے علماء کرام نے ان دو آیات سے یہ مستنبط کیا ہے کہ بے وضو شخص قرآن پاک کو نہ چھوئے جس طرح ایک حدیث میں آیا ہے بشرطیکہ یہ صحیح ہو۔ کیونکہ ملائکہ عالم بالا میں ان مصاحف کی تعظیم کرتے ہیں جن پر قرآن لکھا ہے، تو اہل زمین اس بات کے بدرجہ اولی حقدار ہیں کیونکہ یہ ان پر نازل ہوا اور اس کا خطاب انہی کی طرف متوجہ ہے۔ وہ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ اس کی تعظیم وتکریم کریں اور قبول وتسلیم کے ساتھ اس کے سامنے سرخم کردیں۔

اَفَنَضۡرِبُ عَنۡكُمُ الذِّكۡرَ صَفۡحًا اَنۡ كُنۡتُمۡ ...... اس آیت کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے: کیا تم گمان کرتے ہو ہم تمہیں معاف کردیں گے اور تمہیں عذاب نہیں دیں گے حالانکہ جو تمہیں حکم دیا گیا تھا تم نے وہ کام نہیں کیا؟ حضرت ابن عباس، ابوصالح، مجاہد اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے(1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے اللہ کی قسم! اگر یہ قرآن اس وقت اٹھالیا جاتا جب اس امت کے اوائل نے اسے جھٹلایا تھا، تو وہ ضرور ہلاک ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت نے یہ پسند نہ فرمایا حتیٰ کہ بیس سال تک قرآن اترتا رہا یا جتنی مدت اللہ نے چاہا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول معنی کے اعتبار سے بہت لطیف ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اس کے معنی میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر لطف و رحمت کی وجہ سے انہیں بھلائی اور ذکر قرآن کی طرف بلانا ترک نہیں فرماتا اگرچہ وہ اسراف سے کام لیں اور اس سے اعراض کریں بلکہ اس کے ساتھ حکم دیا تاکہ ہدایت پاجائے جس کی قسمت میں ہدایت یافتہ ہونا لکھا ہے اور جس کی قسمت میں شقاوت ہے اس پر حجت تمام ہوجائے۔ پھر قوم کی تکذیب پر اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ ...... وہ اسے جھٹلاتے اور اس کے ساتھ استہزاء کرتے تھے۔

فَاَهۡلَكۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا ہم نے رسول کو جھٹلانے والوں کو ہلاک کردیا حالانکہ وہ ان جھٹلانے والوں سے کہیں زیادہ زورآور تھے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡهُمۡ وَ اَشَدَّ قُوَّةً (غافر:82) "کیا ان منکروں نے کبھی سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ انہیں نظر آجاتا کہ کیا انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان سے پہلے گزرے۔ وہ لوگ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں زبردست تھے)۔ اس طرح کی آیات بے شمار ہیں۔

وقولہ عزوجل مَضٰی مَثَلُ الۡاَوَّلِیۡنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ان کی سنت، قتادہ کا قول ہے ان کا عذاب۔ اور دیگر کا قول ہے ان کی عبرت۔ یعنی ہم نے انہیں بعد میں آنے والے مکذبین کے لئے باعث عبرت بنادیا کہ انہیں بھی وہی عذاب ہوگا جو ان پر اترا تھا۔ جیسے سورت کے آخر میں آتا ہے: فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلۡاٰخِرِیۡنَ (زخرف:52) "اور بنادیا انہیں پیش رو اور کہاوت پچھلوں کے لئے"۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیۡ قَدۡ خَلَتۡ فِیۡ عِبَادِهٖ (غافر:85) "یہی دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو (قدیم سے) اس کے بندوں میں جاری ہے"۔ ایک اور جگہ آتا ہے: وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِیۡلًا (فتح:23) "اور اللہ کے دستور میں تو ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا"۔

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ خَلَقَهُنَّ الۡعَزِیۡزُ الۡعَلِیۡمُ ۙ﴿۹﴾ الَّذِیۡ

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 49

جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰﴾ وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ
السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَأَنشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِي خَلَقَ
الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوُوا عَلٰى ظُهُورِهِ ثُمَّ
تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحٰنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا
لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ ﴿۱۴﴾

"اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے پیدا کیا ہے انہیں بڑے زبردست، سب کچھ جاننے والے نے۔ جس نے بنا دیا ہے تمہارے لئے زمین کو گہوارہ اور بنا دیئے ہیں تمہارے لئے اس میں راستے تا کہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔ اور جس نے اتارا آسمان سے پانی اندازہ کے مطابق۔ پس ہم نے زندہ کر دیا اس سے ایک مردہ شہر کو، یونہی تمہیں بھی (قبروں سے) نکالا جائے گا۔ اور جس نے ہر قسم کی مخلوق پیدا فرمائی اور بنا دیں تمہارے لئے کشتیاں اور مویشی جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تا کہ تم جم کر بیٹھو ان کی پیٹھوں پر پھر (دلوں میں) یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو جب تم خوب جم کر بیٹھ جاؤ ان پر اور (زبان سے) یہ کہو پاک ہے وہ ذات جس نے فرمانبردار بنا دیا ہے اسے ہمارے لئے اور ہم اس پر قابو پانے کی قدرت نہ رکھتے تھے۔ اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں"۔

حضور ﷺ کو فرمایا جا رہا ہے کہ اگر آپ ان مشرکین سے پوچھیں کہ زمین و آسمان کا خالق کون ہے؟

لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ یعنی اس بات کا اعتراف کریں گے کہ ان سب کا خالق اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اس کے باوجود وہ دیگر بتوں اور انداد کی پوجا کرتے ہیں۔

پھر فرمایا: الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا یعنی بچھونا، گہوارہ، قرارگاہ، مضبوط جس پر تم چلتے پھرتے، کھڑے ہوتے، سوتے اور تمام کام کرتے ہو۔ باوجودیکہ یہ پانی کی سطح پر کھڑی ہے۔ لیکن اس میں پہاڑ گاڑ کر اسے مضبوط کیا گیا ہے تا کہ ادھر ادھر ڈولتی نہ رہے۔

وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا یعنی پہاڑوں اور وادیوں کے درمیان راستے۔

لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ یعنی تمہارے سفر میں ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک یا ایک اقلیم سے دوسرے اقلیم کی طرف۔

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ...... جس قدر تمہاری کھیتیوں، پھلوں اور تمہارے اور تمہارے جانوروں کے پینے کے لئے کافی ہو۔

قولہ تعالیٰ فَأَنشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا یعنی مردہ زمین۔ جب اس پر پانی برسا تو یہ لہلہانے لگی اور پھل پھول اگنے لگے۔ پھر زمین کی شادابی اور احیاء کو قیامت کے دن موت کے بعد جسموں کے زندہ ہونے کی دلیل بنایا۔ چنانچہ فرمایا: كَذٰلِكَ تُخْرَجُونَ۔

پھر فرمایا: وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا اس نے زمین سے اگنے والی تمام اصناف مثلاً نباتات، کھیتیاں، پھل اور پھول وغیرہ کے جوڑے جوڑے پیدا کئے۔ اسی طرح اختلاف اجناس و اصناف کے ساتھ ساتھ تمام حیوانات کے جوڑے بنائے۔

الْفُلْكِ: السفن، کشتیاں۔

وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ انہیں تمہارا مطیع اور مسخر کیا تمہارے کھانے کے لئے ان کے گوشت، پینے کے لئے دودھ اور سواری کے لئے ان

کی پشتیں بنا ئیں۔

لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ تا کہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر بیٹھ سکو۔

لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ اس جنس کی پیٹھوں پر۔

نِعْمَةَ رَبِّكُمْ جو اس نے تمہارے لئے مسخر فرمائے۔

وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ مقابلہ کرنے والے۔ اگر اللہ تعالیٰ مسخر نہ فرماتا تو ہم انہیں قابو نہ کر سکتے۔ حضرت ابن عباس، قتادہ، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے: مُقْرِنِيْنَ: أي مطيقين طاقت رکھنے والے، قابو پانے اور مطیع کرنے والے (1)۔

وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ موت کے بعد اسی کی طرف جانے والے ہیں۔ اسی کی طرف سیر أکبر ہے۔ یہ سیر دنیا سے سیر آخرت کی طرف اشارہ کرنے کے باب سے ہے۔ جس طرح ایک آیت میں زاد دنیا سے زاد آخرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (بقرہ: 197) ''اور سفر کا توشہ تیار کرو اور سب سے بہتر توشہ تو پرہیزگاری ہے''۔ اور لباس دنیا کے ذکر کے موقع پر لباس آخرت کی طرف متوجہ کیا۔ اور فرمایا: وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (اعراف: 26) ''اور باعث زینت ہے اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بہتر ہے''۔

سواری پر سوار ہونے کے بارے میں ذکر کردہ احادیث کا بیان

حدیث حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن ربیعہ سے روایت کیا ہے میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ جب آپ سواری پر سوار ہونے لگے تو رکاب میں پیر رکھتے ہی فرمایا باسم اللہ جب جم کر بیٹھ گئے تو فرمایا الحمد للہ پھر یہ آیت پڑھی: سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ پھر تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی (الحمد للہ کہا) پھر تین مرتبہ اللہ اکبر کہا۔ پھر فرمایا: سُبْحَانَكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ۔ پھر ہنس دیئے۔ میں نے عرض کی امیر المؤمنین آپ کے ہنسنے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ آپ نے میری طرح کیا اور وہی کلمات کہے جو میں نے کہے پھر ہنس دیئے۔ میں نے ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ متعجب اور خوش ہوتا ہے جب وہ اپنے بندے کے منہ سے سنتا ہے ربِّ اغفِرْلی میرے رب مجھے بخش دے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ گناہوں کو بخشنے والا میں ہی ہوں اور کوئی نہیں بخش سکتا (2)۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے (3)۔

حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا۔ جب آپ اس پر جم کر بیٹھ گئے تو آپ نے تین مرتبہ تکبیر، تین مرتبہ الحمد للہ اور ایک مرتبہ لا الہ إلا اللہ کہا۔ پھر اس پر چت لیٹنے کی حالت میں ہو کر ہنس دیئے پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''کوئی مسلمان سواری پر

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 55 2۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 97

3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 33، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 6، نسائی، سنن کبری بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 436

سوار نہیں ہوتا اور پھر اسی طرح کرتا ہے جیسے میں نے کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہو کر ہنس دیتا ہے جس طرح میں ہنسا" (1)۔

حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سواری پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ تکبیر کہتے پھر یہ آیت پڑھتے سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا...... پھر فرماتے: اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُكَ فِیْ سَفَرِیْ هٰذَا الْبِرَّ وَ التَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی، اللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْنَا السَّفَرَ، وَاطْوِلَنَا الْبَعِیْدَ۔ اَللّٰهُمَّ، أَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ، وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْأَهْلِ۔ اَللّٰهُمَّ، اصْحَبْنَا فِیْ سَفَرِنَا، وَاخْلُفْنَا فِیْ أَهْلِنَا۔

اور جب اپنے گھر کی طرف لوٹے تو یوں کہے: "آیِبُوْنَ تَائِبُوْنَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، عَابِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ" (2)۔ مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے (3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابولاس خزاعی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حج کی سواری کے لئے صدقے کے اونٹ عطا فرمائے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ہم نہیں سمجھتے کہ آپ ہمیں اس پر سوار کرائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ہر اونٹ کی کوہان کی بلندی میں شیطان رہتا ہے۔ لہٰذا اس پر سواری کے وقت اللہ کا نام لیا کرو جس طرح میں تمہیں حکم دے رہا ہوں پھر تم اسے اپنے لئے استعمال کیا کرو اور سوار تو اللہ تعالیٰ کراتا ہے" (4)۔ ابولاس کا نام محمد بن اسود بن خلف ہے (5)۔

ایک اور حدیث:۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہر اونٹ کی پشت پر شیطان ہے۔ اس پر سواری کے وقت اللہ کا نام لیا کرو۔ پھر اپنی حاجات میں کمی نہ کرو" (6)۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ؕ﴿۱۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَ مَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَ هُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ﴿۱۸﴾ وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿ؕ۲۰﴾

"اور بنا دی ہے (مشرکوں نے) اس کے لئے اس کے بندوں سے اولاد۔ بے شک انسان کھلا ہوا ناشکر گزار ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے پسند کر لی ہیں (اپنے لئے) اپنی مخلوق سے بیٹیاں اور مخصوص کر دیا ہے تمہیں بیٹوں کے ساتھ۔ اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو اس کی جس کی نسبت اس نے رحمٰن کی طرف کی ہے تو اس کا چہرہ (فرط رنج سے) سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کا دل غم سے بھر جاتا ہے۔ کیا وہ (ایسی اولاد جنے گا) جو پروان چڑھتی ہے زیوروں میں اور وہ مباحثہ کے وقت اپنا مدعا واضح نہیں کر سکتی۔ اور انہوں نے ٹھہرا لیا ہے فرشتوں کو جو (خداوند) رحمٰن کے بندے ہیں، عورتیں۔ کیا یہ موجود تھے ان کی

1۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 330 | 2۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 144

3۔ مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 978، سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 33 عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 7، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 409، نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 6 صفحہ 16 | 4۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 221

5۔ ان کے حالات زندگی کے لئے دیکھئے اسد الغابہ، جلد 5 صفحہ 80، جلد 6 صفحہ 265 | 6۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 394

جس پر پایا ہے تم نے اپنے باپ دادا کو (تب بھی؟) انہوں نے جواب دیا ہم جو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے اس کو نہیں مانتے۔
پس ہم نے ان سے انتقام لیا ذرا دیکھو کیسا (المناک) انجام ہوا جھٹلانے والوں کا''۔

بلا دلیل و برہان مشرکین جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں ان کا انکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مِّنۡ قَبۡلِهٖ ان کے شرک سے۔ فَهُمۡ بِهٖ مُسۡتَمۡسِكُوۡنَ جس میں وہ ہیں یعنی معاملہ اسی طرح نہیں ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: اَمۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوۡا بِهٖ يُشۡرِكُوۡنَ (روم:35) ''کیا ہم نے اتاری ہے ان پر کوئی دلیل۔ پس وہ گواہی دیتی ہے اس شرک (کی سچائی) کی جو وہ کرتے ہیں''۔ یعنی بات اسی طرح نہیں تھی۔

قال تعالیٰ بَلۡ قَالُوۡۤا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کے سوا ان کے پاس شرک کی کوئی دلیل نہ تھی یعنی ہم نے اپنے باپ دادا کو اس راہ پر چلتے دیکھا۔ اب ہم اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔

اَلۡاُمَّةِ اس سے مراد دین ہے۔ اس کی تائید ایک اور آیت کے مضمون سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً (1) ''(ان انبیاء کو ماننے والو!) یہی (توحید) تمہارا دین ہے جو ایک دین ہے''۔

قولہ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمۡ ان کے پیچھے۔

مُّهۡتَدُوۡنَ ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ان سے پہلے مرسلین کو جھٹلانے والی سابقہ امتوں نے بھی یہی کہا تھا دلی مشابہت کی وجہ سے انہوں نے بھی یہی بات کہی: كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا قَالُوۡا سَاحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوۡا بِهٖ ۚ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ طَاغُوۡنَ (الذاریات:53-52) ''اسی طرح نہیں آیا ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے یہی کہا کہ یہ ساحر ہے یا دیوانہ۔ کیا پہلوں نے پچھلوں کو یہی وصیت کی تھی (نہیں) بلکہ یہ لوگ سرکش ہیں''۔ اسی طرح یہاں فرمایا: وَكَذٰلِكَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ......

قُلۡ اَوَلَوۡ جِئۡتُكُمۡ بِاَهۡدٰى مِمَّا وَجَدۡتُّمۡ...... اے محمد! ان مشرکین سے فرما دیجئے۔ اگر انہیں آپ کی دعوت کے صدق و حقانیت کا یقین بھی آ جائے تو بھی برے ارادے اور حق اور اہل حق سے تکبر کی وجہ سے وہ کبھی اطاعت نہیں کریں گے۔

فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ عذاب کو جھٹلانے والی سابقہ امتوں سے۔ ان کے واقعات مختلف مقامات پر بالتفصیل مذکور ہیں۔

عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ یعنی وہ کس طرح ہلاک اور تباہ و برباد ہو گئے اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے مومنین کو نجات عطا فرمائی۔

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ لِاَبِيۡهِ وَقَوۡمِهٖۤ اِنَّنِىۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِىۡ فَطَرَنِىۡ فَاِنَّهٗ سَيَهۡدِيۡنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِىۡ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۸﴾ بَلۡ مَتَّعۡتُ هٰۤؤُلَاۤءِ وَاٰبَآءَهُمۡ حَتّٰى جَآءَهُمُ الۡحَقُّ وَرَسُوۡلٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الۡحَقُّ قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡيَتَيۡنِ عَظِيۡمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمۡ يَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ

1۔ الانبیاء، جلد 21 صفحہ 92، المومنون، جلد 23 صفحہ 52

فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا ؕ وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ يَّكۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُيُوۡتِهِمۡ سُقُفًا مِّنۡ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيۡهَا يَظۡهَرُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوۡتِهِمۡ اَبۡوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيۡهَا يَتَّكِـُٔوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخۡرُفًا ؕ وَاِنۡ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۵﴾

''اور (یاد کیجئے) جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہ میں بیزار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ بجز اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا بے شک وہی میری رہنمائی کرے گا۔ اور آپ نے بنا دیا کلمہ توحید کو باقی رہنے والی بات اپنی اولاد میں، تاکہ وہ (اس کی طرف) رجوع کریں۔ بلکہ میں نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو یہاں تک کہ آ گیا ان کے پاس حق اور کھل کر بیان کرنے والا رسول۔ اور جب آ گیا ان کے پاس حق تو وہ کہنے لگے یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں۔ اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دو شہروں میں بڑا ہے۔ کیا وہ بانٹا کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو؟ ہم نے خود تقسیم کیا ہے ان کے درمیان سامان زیست کو اس دنیوی زندگی میں اور ہم نے ہی بلند کیا ہے بعض کو بعض پر مراتب میں تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔ اور آپ کے رب کی رحمتِ (خاص) بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک امت بن جائیں گے تو ہم بنا دیتے ان کے لئے جو انکار کرتے ہیں رحمٰن کا ان کے مکانوں کے لئے چھتیں چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں (وہ بھی چاندی کی) اور ان کے گھروں کے دروازے بھی چاندی کے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں وہ بھی چاندی اور سونے کے۔ اور یہ سب (سنہری روپہلی) چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہے۔ اور آخرت (کی عزت و کامیابی) آپ کے رب کے نزدیک پرہیزگاروں کے لئے ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے، رسول، خلیل، امام الحنفاء، ابوالانبیاء کے بارے میں خبر دے رہا ہے۔ قریش اپنے نسب اور مذہب میں انہی کی طرف منسوب ہیں۔ انہوں نے بتوں کی عبادت میں اپنے باپ اور قوم سے برأت کا اظہار کیا اور فرمایا:

اِنَّنِيۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ...... یعنی یہ کلمہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور اس کے ماسوا بتوں سے برأت کا اظہار کرنا اور یہ لا الہ اِلاّ اللہ ہے۔ یعنی اسے آپ کی ذریت میں باقی رکھا۔ اس کی پیروی کرتا ہے وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے ذریت ابراہیمی میں سے ہدایت نصیب فرمائی۔

لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ یعنی اس کی طرف عکرمہ، مجاہد، ضحاک، قتادہ اور سدی وغیرہ کا قول ہے کہ آپ کی اولاد میں سے کچھ لوگ ہمیشہ کلمہ لا الہ اِلاّ اللہ پر قائم رہیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد کلمہ اسلام ہے(1)۔ اور ایک جماعت کا قول بھی یہی ہے۔

بَلۡ مَتَّعۡتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمۡ یعنی مشرکین اور ان کے آباء کو۔ وہ عمر بھر گمراہی میں سرگرداں رہے۔

1۔ طبری، جلد 25 صفحہ 63

رَسُوۡلٌ مُّبِیۡنٌ رسالت اور نذارۃ (ڈرانا) کو واضح کرنے والا۔

اِنَّا بِہٖ کٰفِرُوۡنَ بوجہ کفر، حسد اور سرکشی اپنے ہاتھوں اور دل سے اس کا مقابلہ کیا اور بوجہ عناد اس کا انکار کر دیا۔

قَالُوۡا معترضین کی طرح کہنے لگے۔ لَوۡلَا نُزِّلَ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنُ...... یعنی اس قرآن کو ان کی نظر میں دونوں شہروں کے کسی عظیم آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا یعنی مکہ اور طائف۔ حضرت ابن عباس، عکرمہ، محمد بن کعب قرظی، قتادہ، سدی، ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ بہت سے علماء کی رائے میں ان کی مراد ولید بن مغیرہ اور عروہ بن مسعود ثقفی تھے۔ مالک نے زید بن اسلم، ضحاک اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ ان کی مراد ولید بن مغیرہ اور مسعود بن عمرو ثقفی تھے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے عمیر بن عمرو بن مسعود ثقفی مراد لیا ہے۔ ان سے ہی مروی ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد عتبہ بن ربیعہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جابران قریش میں سے دو جابر شخص۔ ان سے مروی ایک روایت کے مطابق اس سے مراد ولید بن مغیرہ اور حبیب بن عمرو بن عمیر ثقفی ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مکہ میں عتبہ بن ربیعہ اور طائف میں ابن عبد یالیل مراد ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں ولید بن مغیرہ اور کنانہ بن عمرو ثقفی ہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد دونوں شہروں کا عظیم آدمی ہے خواہ کوئی بھی ہو۔ ان کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں اَھُمۡ یَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّکَ؟ یہ ان کا اختیار نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ یہ منصب رفیع کسے عطا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے نازل نہیں فرماتا مگر اس شخص پر جو قلب و نفس کے اعتبار سے سب سے زیادہ پاکیزہ، گھرانے کے اعتبار سے سب سے معزز اور نسل کے لحاظ سے سب سے زیادہ ارفع ہو پھر فرمایا کہ ہم نے مخلوق کے مابین مال و دولت اور عقل و فہم کے لحاظ سے ظاہری و باطنی قوتوں میں تفاوت رکھا ہے۔

چنانچہ فرمایا: نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَھُمۡ مَّعِیۡشَتَھُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا......۔

قولہ جلت عظمتہ: لِّیَتَّخِذَ بَعۡضُھُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِیًّا: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اعمال میں ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مالک بن جائیں۔ یہ قول پہلے قول کی طرح ہے۔ پھر فرمایا وَرَحۡمَتُ رَبِّکَ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ یعنی اللہ کی رحمت اپنی مخلوق سے بہتر ہے اس سے جو مال و دولت اور متاع دنیا ان کے پاس ہے۔ پھر فرمایا: وَلَوۡلَاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً اگر کثیر جاہل لوگوں کا یہ خیال نہ ہوتا کہ ہمارا کسی کو مال و دولت دینا اس سے ہماری محبت کی دلیل ہے تو وہ مال کی خاطر کفر پر کیوں جمع نہیں ہو جاتے۔ حضرت ابن عباس، حسن، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔

لَجَعَلۡنَا لِمَنۡ یَّکۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ...... سقف سے مراد سیڑھیاں ہیں۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔

یَظۡھَرُوۡنَ وہ چڑھتے ہیں۔

اَبۡوَابًا یعنی دروازوں کے تالے۔

وَّسُرُرًا عَلَیۡھَا...... یہ سب چیزیں چاندی کی بنی ہوں گی۔

زُخۡرُفًا سونا۔ حضرت ابن عباس، قتادہ، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔

پھر فرمایا: وَاِنۡ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا یہ سب کچھ فنا ہونے والی حقیر دنیا ہے۔ یعنی دنیا میں ان کے اعمال اور اچھائیوں کے بدلے کھانا پینا وغیرہ نعمتیں عطا کی جاتی ہیں تاکہ جب وہ آخرت میں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں تو ان کے پاس کوئی نیکی بھی نہ بچی ہو جس کا

بدلہ انہیں دیا جا سکے۔ جس طرح کہ صحیح حدیث میں آیا ہے(1)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اس دنیا کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نصیب نہ ہوتا۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بروایت سہل بن سعد مرفوعاً ذکر کیا ہے(2)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ اگر اس دنیا کی قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس میں سے کچھ نہ دیا جاتا(3)۔

وَالۡاٰخِرَۃُ عِنۡدَ رَبِّکَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ آخرت خاص طور پر ان کے لئے ہی ہے۔ کوئی اس میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوگا۔ چنانچہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لئے بالا خانے پر گئے جب آپ ﷺ نے اپنی ازواج سے ایلاء کیا تھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک بوریئے پر لیٹے ہوئے ہیں جس کے نشانات آپ کے جسم اقدس پر پڑ چکے ہیں۔ یہ دیکھ کر بلا اختیار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ قیصر و کسریٰ کس آن بان سے زندگی گزار رہے ہیں اور آپ تو اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ مخلوق ہیں۔ رسول اکرم ﷺ اس وقت ٹیک لگائے ہوئے تھے سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: ''اے عمر بن خطاب کیا تم کسی شک میں ہو؟''...... ''یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں پیشگی دنیوی زندگی میں ہی انہیں دے دی گئی ہیں'' ایک دوسری روایت میں ہے: ''کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ دنیا ان کے لئے ہو اور آخرت ہمارے لئے''(4)۔ صحیحین وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ کھاؤ پیؤ۔ یہ دنیا میں ان کے لئے ہیں اور آخرت میں ہمارے لئے''(5)۔ دنیا میں یہ نعمتیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں کہ دنیا حقیر ہے۔ جس طرح کہ ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر دنیا کی وقعت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی کبھی نہ پلاتا''۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے(6)۔

وَمَنۡ یَّعۡشُ عَنۡ ذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَیِّضۡ لَہٗ شَیۡطٰنًا فَہُوَ لَہٗ قَرِیۡنٌ ﴿۳۶﴾ وَ اِنَّہُمۡ لَیَصُدُّوۡنَہُمۡ عَنِ السَّبِیۡلِ وَ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَنَا قَالَ یٰلَیۡتَ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکَ بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَیۡنِ فَبِئۡسَ الۡقَرِیۡنُ ﴿۳۸﴾ وَ لَنۡ یَّنۡفَعَکُمُ الۡیَوۡمَ اِذۡ ظَّلَمۡتُمۡ اَنَّکُمۡ فِی الۡعَذَابِ مُشۡتَرِکُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ اَوۡ تَہۡدِی الۡعُمۡیَ وَ مَنۡ کَانَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذۡہَبَنَّ بِکَ فَاِنَّا مِنۡہُمۡ مُّنۡتَقِمُوۡنَ ﴿ۙ۴۱﴾ اَوۡ نُرِیَنَّکَ الَّذِیۡ وَعَدۡنٰہُمۡ فَاِنَّا عَلَیۡہِمۡ مُّقۡتَدِرُوۡنَ ﴿۴۲﴾ فَاسۡتَمۡسِکۡ بِالَّذِیۡۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ ۚ اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴۳﴾ وَ اِنَّہٗ لَذِکۡرٌ لَّکَ وَ لِقَوۡمِکَ ۚ وَ سَوۡفَ تُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ

1۔ مسلم، کتاب صفات القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2162؛ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 123

2۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 139-138

3۔ طبرانی: المعجم الکبیر، جلد 6 صفحہ 178

4۔ بخاری، جلد 7 صفحہ 99، مسلم، جلد 2 صفحہ 36 نیز دیکھئے تفسیر سورۃ طٰہٰ آیت: 131

5۔ فتح الباری، کتاب الاطعمۃ، جلد 6 صفحہ 554، مسلم کتاب اللباس والزینۃ، جلد 3 صفحہ 1637

6۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 6 صفحہ 611، عارضۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 198-197، ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 1377 نوٹ: دونوں نے اسے کتاب الزہد میں بیان کیا ہے۔

اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾

''اور جو شخص (دانستہ) اندھا بنتا ہے رحمان کے ذکر سے، تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے ایک شیطان، پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے۔ اور شیاطین روکتے ہیں ان (اندھوں) کو راہ ہدایت سے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ (اندھا) ہمارے پاس آئے گا تو (آنکھیں کھل جائیں گی) کہے گا کاش! میرے درمیان اور (اے شیطان) تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی تو تو بہت برا ساتھی ہے۔ اور (یہ شور و فغاں) تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا آج جبکہ تم (دنیا میں) ظلم کرتے رہے تم (سب) اس عذاب میں حصہ دار ہو۔ کیا آپ سنانا چاہتے ہیں بہروں کو یا راہ دکھانا چاہتے ہیں اندھوں کو اور انہیں جو کھلی گمراہی میں ہیں۔ پس اگر ہم لے جائیں آپ کو (اس دارِ فانی سے) تو پھر بھی ہم ان سے بدلہ لیں گے۔ یا ہم آپ کو دکھا دیں گے وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے، پس ہم ان پر پوری طرح قادر ہیں۔ پس مضبوطی سے پکڑے رہیے اس (قرآن) کو جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور بے شک یہ بڑا شرف ہے آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے اور (اے فرزندانِ اسلام) تم سے جواب طلبی ہو گی۔ اور آپ پوچھئے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے۔ کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند رحمٰن کے علاوہ اور خدا تا کہ ان کی پوجا کی جائے''۔

يَّعْشُ آنکھیں بند کرنا، غفلت اور اعراض کرنا۔ العشا فی العین آنکھ کی ضعف بصارت کو کہتے ہیں۔

نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا...... جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى (نساء:115) ''اور جو شخص مخالفت کرے (اللہ کے) رسول کی اس کے بعد کہ روشن ہو گئی اس کے لئے ہدایت کی راہ''۔ اور فرمایا: فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (الصف:5) ''پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا''۔ اور فرمایا: وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (فصلت:25) ''اور ہم نے مقرر کر دیئے ان کے لئے کچھ ساتھی پس انہوں نے آراستہ کر دکھایا انہیں اگلے اور پچھلے گناہوں کو''۔ اسی طرح فرمایا: وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ...... یعنی وہ شخص جو ہدایت سے غفلت کرتا ہے تو ہم اس کے لئے شیطان کو مقرر کر دیتے ہیں جو اسے گمراہ کر دیتا ہے اور دوزخ کی راہ دکھاتا ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت کے دن آئے گا تو اس شیطان سے براءت کا اظہار کرے گا اور کہے گا: يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ...... ایک قراءت میں جاءانا بھی آیا ہے۔ یعنی ساتھی اور ہمراہی۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے سعید جریری سے روایت کیا ہے کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ کافر قیامت کے دن جب اپنی قبر سے اٹھے گا تو شیطان اس کا ہاتھ پکڑ لے گا اور اس وقت تک جدا نہیں ہو گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ میں نہ پہنچا دے۔ اسی وقت وہ کہے يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ (1)۔ مشرقین سے مراد مشرق و مغرب ہیں۔ یہاں اس کا استعمال باعتبار غلبے کے ہے جس طرح کہا جاتا ہے قمرین (دو چاند) مراد سورج اور چاند ہے۔ اسی طرح عمران اور ابوان۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہی کہا ہے (2)۔

پھر فرمایا: لَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ...... آگ میں تمہارا مجتمع ہونا اور عذاب الیم میں تمہارا اشتراک تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ...... آپ کے ذمے نہیں ہے مگر پیغام پہنچانا۔ ان کو راہ ہدایت پر گامزن کرنا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ اللہ

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 378
2۔ ابن جریر، تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 74

تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے۔ وہ حاکم عادل ہے۔

پھر فرمایا: فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ...... یعنی لازمی ہے کہ ہم ان سے انتقام لیں اور انہیں سزا دیں اگر چہ آپ چلے بھی جائیں۔

اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ یعنی ہم اس پر بھی قادر ہیں اور اس پر بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس دنیا سے واپس نہیں بلایا جب تک کہ آپ کے دشمنوں کے بارے میں آپ کی آنکھیں ٹھنڈی نہ کر لیں اور ان کی جان و مال پر آپ کو مکمل تصرف عطا نہیں فرما دیا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تفسیر کی ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے معمر سے روایت کیا ہے کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ...... اور فرمایا: نبی ﷺ اس دنیا سے اٹھا لئے گئے اور انتقام باقی رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو آپ کی امت کے وہ معاملات نہ دکھائے جو آپ کو ناپسندیدہ تھے یہاں تک آپ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا مگر اس نے اپنی امت پر عذاب دیکھ لیا بجز نبی اکرم ﷺ کے۔ فرمایا: مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان تمام حالات کا مشاہدہ کروایا گیا جو آپ کے بعد آپ کی امت کو پیش آنے والے تھے چنانچہ اس کے بعد کبھی آپ ﷺ کو کھل کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ بروایت سعید بن ابی عروبہ ابن جریر نے قتادہ سے یہی بیان کیا ہے اور حضرت حسن سے بھی ایک روایت اسی طرح ذکر کی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ''ستارے آسمان کے محافظ ہیں جب ستارے مٹ جائیں گے تو آسمان کے لئے جو وعدہ ہے وہ آن پہنچے گا۔ اور میں اپنے اصحاب کے لئے امان ہوں۔ جب میں اس دنیا سے چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب کے لئے جو وعدہ ہے وہ آن پہنچے گا'' (2)۔

پھر فرمایا: فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ...... قرآن جو آپ کے دل پر اتارا گیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لیجئے۔ یہ حق ہے اور جس طرف لے جاتا ہے وہ بھی حق ہے اور صراط مستقیم کی طرف لے جاتا ہے جو جنت اور دائمی سرمدی بھلائی کی طرف پہنچانے والا ہے۔

پھر فرمایا: وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ ایک قول ہے کہ اس کا معنی ہے یہ آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے باعث شرف عظیم ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی پسند کیا ہے اور دوسرا کوئی قول ذکر نہیں فرمایا۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''یہ امر (خلافت و امامت کا منصب) قریش میں ہی رہے گا، جب تک دین کو قائم رکھیں گے۔ کوئی ان سے اس میں نہیں جھگڑے گا مگر اللہ اسے اوندھے منہ گرائے گا'' (3)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ ان کے لئے باعث شرف ہے کیونکہ اس (کلام مقدس) کا نزول ان کی زبان میں ہوا ہے۔ تمام لوگوں سے بڑھ کر وہی اس کے سمجھنے پر قادر ہیں۔ چنانچہ انہیں چاہئے کہ وہ سب سے زیادہ اس پر کاربند رہیں اور اس کی تعلیمات پر عمل کریں۔ مخلص مہاجرین میں سے سابقون الأولون اور جو لوگ ان کے نقش قدم پر چلے اسی طرح تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ اور آپ کی قوم کے لئے نصیحت ہے۔ بالخصوص ان کا ذکر کرنے سے دوسروں کی نفی مقصود نہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (انبیاء: 10) ''بیشک ہم نے اتاری تمہاری طرف ایک کتاب جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے''۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: وَ اَنْذِرْ

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 76
2۔ مسلم، کتاب فضائل صحابہ، جلد 4 صفحہ 1961، مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 398
3۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 140، فتح الباری، کتاب الاحکام، جلد 13 صفحہ 114-113

عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ (شعراء:214) ''اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو''۔

وَسَوۡفَ تُسۡـَٔلُوۡنَ یعنی قرآن کریم اور اس کی تعلیمات پر عملدرآمد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ...... تمام انبیاء و مرسلین نے اپنی اپنی قوم کو وہی دعوت دی جس کی طرف آپ اپنی امت کو دعوت دے رہے ہیں۔ یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنے کا حکم دیا اور بتوں کی پرستش سے منع فرمایا۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِىۡ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ (النحل:36) ''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت اس طرح روایت کی ہے۔ واسئل الذين ارسلنا إليهم قبلك رسلنا؟(1)۔ قتادہ۔ ضحاک اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ یہ گویا اس کی تفسیر ہے نہ کہ تلاوت۔ واللہ اعلم۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ معراج کی رات ان سے پوچھئے جب تمام انبیاء آپ کے پاس جمع تھے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا قول پسند کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝٤٦ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمۡ مِّنۡهَا يَضۡحَكُوۡنَ ۝٤٧ وَمَا نُرِيۡهِمۡ مِّنۡ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكۡبَرُ مِنۡ اُخۡتِهَا وَاَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡعَذَابِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۝٤٨ وَقَالُوۡا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنۡدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهۡتَدُوۡنَ ۝٤٩ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِذَا هُمۡ يَنۡكُثُوۡنَ ۝٥٠

''اور ہم نے بھیجا موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، پس آپ نے (انہیں) کہا بیشک میں رب العٰلمین کا فرستادہ ہوں۔ پس جب آپ آئے ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو اس وقت وہ ان سے ہنسنے لگے۔ اور ہم نہیں دکھاتے تھے انہیں کوئی نشانی مگر وہ بڑی ہوتی پہلی سے۔ اور ہم نے مبتلا کر دیا انہیں عذاب میں تاکہ وہ باز آجائیں۔ اور وہ بولے اے جادوگر! دعا مانگئے ہمارے لئے اپنے رب سے بسبب اس عہد کے جو اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے ہم ضرور ہدایت قبول کریں گے۔ پس جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب تو فوراً وہ عہد شکنی کرنے لگے''۔

اپنے بندے اور رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں فرعون، اس کے امراء، وزراء، قائدین، پیروکاروں اور رعایا (قبطی و بنو اسرائیل) کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ انہیں توحید کی دعوت دیتے اور غیر اللہ کی عبادت سے روکتے۔ نیز آپ کو بڑے بڑے معجزات دے کر مبعوث فرمایا جیسے ید بیضاء اور عصا، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون جیسی چیزیں آپ کے ساتھ بھیجیں۔ پیداوار، جانوں اور پھلوں میں کمی ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود وہ قبول حق سے تکبر کرتے رہے اور اسے جھٹلایا، تمسخر اڑایا اور اس دعوت کے لانے والوں کا مذاق اڑایا۔

وَمَا نُرِيۡهِمۡ مِّنۡ اٰيَةٍ...... اس کے باوجود وہ اپنی گمراہی، جہالت اور فساد انگیزی سے باز نہ آئے۔ جب بھی کوئی تکلیف درپیش ہوتی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عاجزی سے دعا کی درخواست کرتے اور خوشامد سے یوں کہتے: (يأيها الساحر): اے

1۔ طبری، جلد 25 صفحہ 77

عالم۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی لکھا ہے (1)۔ اس زمانے کے علماء فن سحر سے بھی آگاہ ہوتے تھے۔ اس دور میں جادو مذموم شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ یاأیھا الساحر یہاں تحقیر کے لئے نہیں بلکہ احترام کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ چونکہ اس وقت انہیں بلا کوٹالنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس لئے یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے بطور اعتراض ایسا کہا ہو بلکہ ان کے نزدیک یہ لقب معزز اور محترم تھا۔ ہر مرتبہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کرتے کہ اب اگر یہ عذاب ہٹ گیا تو وہ ایمان لے آئیں گے اور بنو اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔ لیکن ہر مرتبہ کام نکل جانے کے بعد عہد شکنی کرتے۔ ایک اور جگہ اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَیْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا یٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَىٕنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَ لَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ (اعراف: 135-133) "پھر بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون (یہ سب) واضح نشانیاں تھیں پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ (پیشہ ور) مجرم تھے اور جب آجاتا ان پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ! دعا کر ہمارے لئے اپنے رب سے اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے ساتھ ہے۔ اگر تم ہٹا دو گے ہم سے یہ عذاب تو ہم ضرور ایمان لائیں گے تم پر اور ضرور روانہ کر دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو پھر جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب ایک مقررہ میعاد تک جس کو وہ پہنچنے والے تھے تو فوراً انہوں نے (توبہ کا عہد) توڑ دیا"۔

وَ نَادٰى فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ ۙ۬ وَّ لَا یَكَادُ یُبِیْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْ لَاۤ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓىٕكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾

"اور پکارا فرعون اپنی قوم میں (اور) کہنے لگا اے میری قوم! کیا میں مصر کا فرمانروا نہیں؟ اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہہ رہی ہیں کیا تم (انہیں) دیکھ نہیں رہے؟ کیا میں بہتر نہیں ہوں اس شخص سے جو ذلیل ہے اور بات بھی صاف نہیں کر سکتا۔ (اگر یہ سچا نبی ہے) تو کیوں نہ اتارے گئے اس پر سونے کے کنگن یا کیوں نہ آئے اس کے ساتھ فرشتے قطار در قطار۔ یوں اس نے احمق بنا دیا اپنی قوم کو سو وہ اس کی پیروی کرنے لگے۔ درحقیقت یہ نافرمان لوگ تھے۔ پس جب انہوں نے ہمیں ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ اور بنا دیا انہیں پیش رو اور کہاوت پچھلوں کے لئے"۔

اللہ تعالیٰ فرعون کی سرکشی اور کفر و عناد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور مملکت مصر اور اپنی فرمانروائی پر فخر و مباہات اور غرور کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ ..... قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کے ہاں باغات اور نہریں جاری تھیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 80

اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ کیا تم میری عظمت و سطوت اور مصر کی وسیع و عریض سلطنت کو نہیں دیکھتے ہو؟ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے پیروکار فقراء اور کمزور ہیں۔ ایک اور آیت میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا: فَحَشَرَ فَنَادٰی ﴿ۖ﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰی ﴿ۖ﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الۡاٰخِرَةِ وَالۡاُوۡلٰی (نازعات: 25-23) ''پھر (لوگوں کو) جمع کیا پس پکارا۔ اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ آخر کار مبتلا کر دیا اسے اللہ نے آخرت اور دنیا کے (دوہرے) عذاب میں''۔

قولہ اَمۡ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ هُوَ مَهِيۡنٌ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس نے کہا بلکہ میں اس شخص سے بہتر ہوں جو ذلیل ہے۔ بعض بصری نحویوں کا یہی قول ہے۔ اَمۡ یہاں بَلۡ کے معنی میں ہے۔ اس کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے فراء نے بعض قاریوں سے حکایت کیا ہے(1)۔ وہ قرأت یوں ہے: اَمَّا اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ هُوَ مَهِيۡنٌ۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر یہ قرأت صحیح ہو تو معنی بالکل صحیح اور واضح ہو جاتا ہے لیکن یہ شہروں کی قرأت کے خلاف ہے۔ سب کی قرأت اَمۡ اَنَا خَيۡرٌ یعنی اَمۡ استفہام کے ساتھ ہے(2)۔

(مصنف کا قول ہے) جس طرح بھی پڑھا جائے اس کا مفہوم یہی بنتا ہے کہ فرعون لعنه الله بذلك۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہتر ہے۔ حالانکہ اپنی اس بات میں وہ سراسر جھوٹا تھا۔ اس پر تا قیام قیامت مسلسل اللہ تعالیٰ کی لعنتیں ہوں۔

مَهِيۡنٌ سے مراد سفیان کے قول کے مطابق حقیر ہے۔ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضعیف۔ ابن جریر رحمۃ اللہ کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس نہ تو بادشاہی ہے نہ جاہ وحشمت اور نہ مال و دولت۔

وَّلَا يَكَادُ يُبِيۡنُ اس کی بات تقریباً سمجھی نہیں جاتی۔ قتادہ، سدی اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ کے مطابق اس کا معنی ہے اس کی زبان میں لکنت ہے۔ سفیان کا قول ہے: یعنی آپ کی زبان میں اس انگارے کی تاثیر ہے جو آپ نے صغرسنی میں اپنی زبان پر رکھ لیا تھا۔ فرعون ملعون کی یہ بات دجل و کذب اور افتراء تھا۔ اس کی اس بات کا سبب فقط کفر اور عناد تھا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف بد بخت کافر آنکھ کے ساتھ دیکھ رہا تھا حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عزت و وقار اور عقلمندوں کی نگاہوں کو خیرہ کر دینے والے ظاہری حسن و جمال کے حامل تھے۔ اس کا مَهِين کہنا محض دجل و فریب تھا بلکہ وہ خود تخلیقی، اخلاقی اور دینی اعتبار سے ذلیل و رسوا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام معزز سردار، سچے، نیکوکار اور صاحب رشد و ہدایت تھے۔ اسی طرح اس کا لَا يَكَادُ يُبِيۡنُ کہنا بھی مطلق افتراء تھا۔ بچپن میں چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انگارہ منہ میں رکھ لیا تھا اگرچہ اس کی وجہ سے آپ کی زبان میں کچھ لکنت تھی لیکن آپ نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ میری زبان کی گرہ کھول دے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول بھی فرمالیا۔ اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ قَدۡ اُوۡتِيۡتَ سُؤۡلَكَ يٰمُوۡسٰی (طٰہٰ: 36) ''جواب ملا منظور کر لی گئی ہے آپ کی درخواست اے موسیٰ''۔ بفرض تسلیم اگر اس کا اثر کچھ باقی رہ گیا جس کے ازالے کا آپ نے سوال نہ کیا تو یہ کوئی عیب نہیں جس طرح کہ حضرت حسن بصری کا قول ہے کیونکہ دعاء کلیمی فقط اس قدر تھی کہ میری زبان اس قدر کھل جائے کہ تبلیغ دین اور اپنا مدعا سمجھانے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ تخلیقی اشیاء بندے کا فعل نہیں ہیں۔ ان کی بناء پر آدمی کو عیب نہیں دیا جاسکتا اور نہ اسے مذموم ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ فرعون عقل و شعور رکھتا تھا اور اس بات سے آگاہ بھی تھا لیکن اس نے اپنی رعایا کو بہکانا چاہا تھا وہ لوگ جاہل اور کج فہم تھے۔ اس کی یہ بات بھی اسی طرح ہے: فَلَوۡلَاۤ اُلۡقِیَ عَلَيۡهِ اَسۡوِرَةٌ مِّنۡ ذَهَبٍ یعنی وہ زیورات (کنگن) جو ہاتھوں میں ڈالے جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہی کہا ہے۔

1۔ فراء، معانی القرآن، جلد 3 صفحہ 35
2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 83

اَوۡجَآءَ مَعَہُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ مُقۡتَرِنِیۡنَ اسی طرح اس نے کہا کہ فرشتے اس کی خدمت اور تصدیق کے لئے اس کے ہمراہ کیوں نہیں ہوتے۔ اس نے ظاہری شکل کی طرف دیکھا اور معنوی حسن وخوبی کا ادراک نہ کر سکا حالانکہ یہ بالکل واضح بات تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَہٗ...... اپنی قوم کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا اور انہیں احمق بنا دیا۔ اس نے انہیں گمراہی کی طرف بلایا تو انہوں نے اس کی بات کو مان لیا اور دھوکے میں آ گئے۔

قال اللہ تعالیٰ فَلَمَّآ اٰسَفُوۡنَا انۡتَقَمۡنَا مِنۡہُمۡ...... علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آسفونا کا معنی نقل کیا ہے أسخطونا (ہمیں ناراض کر دیا)(1)۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے أغضبونا (ہمیں غصہ دلایا)۔ ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، محمد بن کعب قرظی، قتادہ، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ مفسرین سے یہی منقول ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تو دیکھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی بندے کو نعمتیں دیئے جا رہا ہے حالانکہ وہ نافرمانیوں پر جما ہوا ہے تو یہ اس کی ڈھیل ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی: فَلَمَّآ اٰسَفُوۡنَا......(2)۔ ابی نے طارق بن شہاب سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ جب اچانک موت کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا: یہ مؤمن کے لئے تخفیف اور کافر کے لئے حسرت ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی فَلَمَّآ اٰسَفُوۡنَا انۡتَقَمۡنَا...... حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انتقام غفلت کے ساتھ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَلَمَّآ اٰسَفُوۡنَا......۔

قولہ سبحانہ وتعالیٰ فَجَعَلۡنٰہُمۡ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلۡاٰخِرِیۡنَ ابومجلز کا قول ہے پیش رواں کے لئے جوان جیسا عمل کرے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا قول ہے: مثال یعنی نشان عبرت بعد میں آنے والی اقوام کے لئے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ الموفق للصواب، وإلیہ المرجع والمآب۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوۡمُکَ مِنۡہُ یَصِدُّوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوۡٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَیۡرٌ اَمۡ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوۡهُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ خَصِمُوۡنَ ﴿۵۸﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَیۡهِ وَجَعَلۡنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿ؕ۵۹﴾ وَلَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنَا مِنۡکُمۡ مَّلٰٓئِکَۃً فِی الۡاَرۡضِ یَخۡلُفُوۡنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَۃِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوۡنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا یَصُدَّنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِیۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ قَالَ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِالۡحِکۡمَۃِ وَلِاُبَیِّنَ لَکُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ فِیۡهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوۡنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیۡ وَرَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَیۡنِهِمۡ ۚ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ عَذَابِ یَوۡمٍ اَلِیۡمٍ ﴿۶۵﴾

''اور جب بیان کیا جاتا ہے مریم کے فرزند (عیسیٰ) کا حال تو آپ کی قوم اس سے شور وغل مچا دیتی ہے۔ اور کہتے ہیں کیا

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 84

2۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 145، طبرانی، المعجم الکبیر، جلد 17 صفحہ 331-333، درمنثور، جلد 7 صفحہ 384، نیز دیکھئے تفسیر سورۂ انعام: 44

ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ۔ وہ نہیں بیان کرتے یہ مثال آپ سے مگر کج بحثی کے لئے۔ درحقیقت یہ لوگ بڑے جھگڑالو ہیں۔ نہیں ہے عیسیٰ مگر ایک بندہ ہم نے انعام فرمایا ہے ان پر اور ہم نے بنا دیا ہے انہیں ایک نمونہ بنی اسرائیل کے لئے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم بسا دیتے تمہارے بدلے فرشتے زمین میں جو تمہارے جانشین ہوتے اور بیشک وہ ایک نشانی ہیں قیامت کے لئے پس ہرگز شک نہ کرو اس میں اور میری پیروی کیا کرو۔ یہ سیدھا راستہ ہے۔ کہیں روک نہ دے تمہیں شیطان (اس راہ سے) بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور جب آئے عیسیٰ (علیہ السلام) روشن نشانیاں لے کر تو فرمایا میں آیا ہوں تمہارے پاس حکمت لے کر اور میں بیان کروں گا تم سے کچھ وہ بات جس میں تم اختلاف کرتے ہو۔ پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور میری فرمانبرداری کیا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ وہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے پس اس کی عبادت کیا کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے پھر اختلاف کرنے لگ گئے (ان کے) گروہ آپس میں۔ پس ہلاکت ہے ظالموں کے لئے دردناک عذاب کے دن سے''۔

قریش کے کفر و تعنت اور دانستہ دجل و عناد کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

یَصِدُّوْنَ بہت سے مفسرین نے حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، سدی اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس کا معنی نقل کیا ہے کہ وہ حیرت و تعجب سے ہنسنے لگے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے خوب ہنسے۔ ابراہیم نخعی کا قول ہے منہ موڑنے لگے۔ اس کی وجہ یہ ہے جسے محمد بن اسحٰق نے سیرت میں ذکر کیا ہے ایک دن آپ ﷺ ولید بن مغیرہ کے ساتھ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ اس دوران نضر بن حارث آ کر بیٹھ گیا۔ مجلس میں اس وقت بہت سے سرداران قریش تھے۔ آپ ﷺ نے کوئی بات کی تو نضر بن حارث آڑے آ گیا۔ آپ ﷺ نے اسے لاجواب کر دیا۔ پھر آپ نے ان کے سامنے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ (انبیاء:98)'' (اے مشرکو!) تم اور جن بتوں کی تم عبادت کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ تم اس میں داخل ہونے والے ہو''۔ پھر آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ اتنے میں عبداللہ بن زبعری تمیمی آیا اور بیٹھ گیا۔ ولید بن مغیرہ نے اس سے کہا: اللہ کی قسم نضر بن حارث تو ابن عبدالمطلب سے ہار گیا ہے۔ محمد کا کہنا ہے کہ ہم اور جس چیز کی ہم عبادت کرتے ہیں سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ یہ سن کر عبداللہ بن زبعری کہنے لگا: اللہ کی قسم اگر میں ہوتا تو انہیں لاجواب کر دیتا۔ محمد سے پوچھو کیا وہ غیر اللہ جس کی عبادت کی جاتی ہے اپنے عبادت کرنے والے کے ساتھ جہنم میں جائے گا؟ ہم ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں یہود حضرت عزیر علیہ السلام کی اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ بن مریم کو پوجتے ہیں۔ تو نتیجتاً یہ حضرات (معاذ اللہ) جہنم میں ہوں گے تو ہم راضی ہیں کہ ہم اور ہمارے معبود بھی ان کے ساتھ ہوں۔ ولید اور مجلس کے دیگر افراد یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے ہاں یہ جواب ٹھیک ہے۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: '' ہر وہ جو یہ پسند کرتا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کی جائے تو وہ اس کے ساتھ ہے جس کی اس نے عبادت کی۔ وہ شیطان کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی جس کا شیطان انہیں حکم دیتا ہے۔'' تو اس وقت یہ آیت اتری: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (انبیاء:101)'' بلاشبہ وہ لوگ جن کے لئے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی۔ تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے''۔ یعنی حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر علیہما السلام اور ان کے علاوہ جن احبار و رہبان کی یہ لوگ پرستش کرتے رہے، حالانکہ یہ لوگ خود اطاعت الٰہی پر گامزن رہے تھے لیکن بعد میں گمراہوں نے اللہ کو چھوڑ کر انہیں رب بنا لیا اور فرشتوں

کو اللہ کی بیٹیاں قرار دینے والوں کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (انبیاء:26) ''وہ کہتے ہیں بنالیا ہے رحمٰن نے (اپنے لئے) بیٹا سبحان اللہ! (یہ کیونکر ہوسکتا ہے) بلکہ وہ تو (اس کے) معزز بندے ہیں''۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس نے جو جواب دیا تھا اور جس کو سن کر ولید اور دیگر کفار خوش ہوئے تھے کی تردید میں یہ آیتیں نازل ہوئیں وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ...... یعنی آپ کے معاملے سے شور وغل مچا دیتے ہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا: اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا......۔

وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ مردوں کو زندہ کرنے، بیماروں کو شفایاب کرنے کی جو نشانیاں آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئیں۔ یہی قیامت کی دلیل کافی ہے (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عوفی ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ قریش کو جب یہ آیات سنائی گئیں اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ...... (الانبیاء:98) تو قریش کہنے لگے ابن مریم کا کیا ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ کہنے لگے یہ نہیں چاہتے مگر یہ کہ ہم انہیں اسی طرح رب بنالیں جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو اپنا رب بنالیا تھا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا...... (2)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابی یحییٰ مولیٰ ابن عقیل انصاری روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے قرآن کریم میں سے ایک ایسی آیت کا پتہ ہے جس کے بارے میں مجھ سے کسی نے کبھی نہیں پوچھا۔ معلوم نہیں لوگوں کو اس کا پتہ ہے اس لئے نہیں پوچھا یا وہ اسے نہیں جانتے کہ اس کے بارے میں سوال کریں؟ فرماتے ہیں پھر آپ دیگر باتیں بیان فرماتے رہے اور مجلس کے خاتمے پر جب آپ اٹھ گئے تو ہم نے ایک دوسرے کو ملامت کی کہ ہم نے اس آیت کے بارے میں کیوں دریافت نہیں کیا میں نے کہا اچھا میں کل دریافت کروں گا۔ اگلے دن میں نے عرض کی کہ کل آپ نے ایک آیت کے بارے میں فرمایا تھا۔ اب مجھے اس کے بارے میں اور اس سے ماقبل آیات کے بارے میں بتائیے۔ آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہاں رسول اللہ ﷺ نے قریش سے فرمایا تھا: ''اے گروہ قریش! کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت خدا کے سوا کی جاتی ہو مگر اس میں خیر ہو''۔ قریش یہ جانتے تھے کہ نصاریٰ عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کی عبادت کرتے ہیں اور حضور ﷺ کے بارے میں جو رائے رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہنے لگے: اے محمد! کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے نبی اور نیک بندے تھے۔ اگر آپ سچے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ان کے معبودوں کا انجام (معاذ اللہ) جہنم ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ...... میں نے پوچھا يَصِدُّوْنَ کا کیا معنی ہے؟ فرمایا: وہ ہنستے ہیں۔ وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فرمایا اس کا مطلب قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ بن مریم کا نزول ہے (3)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بروایت احمد مولیٰ انصار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قریش کہنے لگے: محمد کا خیال ہے کہ ہم اس کی عبادت اسی طرح کریں جس طرح قوم عیسیٰ حضرت عیسیٰ السلام کی عبادت کرتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

قولہ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ کہتے ہیں ہمارے معبود ان سے بہتر ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہی مروی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے أم هذا کر کے پڑھا ہے۔ مطلب یہ کہ ہمارے معبود (حاشا وکلا) حضور سے بہتر ہیں (4)

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انبیاء آیت: 98 2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 86 3۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 318 4۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 88

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا یہ بلاوجہ کج بحثی ہے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ ہمارا اعتراض اس آیت پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ غیر ذوی العقول کے لئے ہے (کلمه ما کا اشارہ اسی طرف ہے)۔ دیکھئے آیت کریمہ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ...... (انبیاء:98) پھر یہ خطاب قریش کو ہے اور وہ بتوں اور انداد کی پیروی کرتے تھے اور حضرت مسیح کے پجاری نہ تھے کہ اعتراض برمحل مانا جائے۔ چنانچہ یہ بات واضح ہوگئی کہ ان کا اعتراض صرف مجادلہ اور کٹ حجتی ہے۔ وہ اسے درست خیال نہیں کرتے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہ نہیں ہوتی مگر اسے بے دلیل حجت بازی عطا کر دی جاتی ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ(1)۔ ترمذی، ابن ماجہ اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے ہم اسے نہیں جانتے مگر اسی حدیث سے(2)۔ یہی حدیث ایک اور سند سے بھی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حماد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مجھے یہ یاد نہیں کہ آپ نے اسے مرفوع قرار دیا تھا یا نہیں۔ فرمایا: ''کوئی امت (قوم) اپنے نبی کے بعد گمراہ نہیں ہوتی مگر اس کی گمراہی کی پہلی بات تقدیر کو جھٹلانا ہوتی ہے اور کوئی قوم اپنے نبی کے بعد گمراہ نہیں ہوتی مگر اسے حجت بازی عطا کر دی جاتی ہے۔'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا...... ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس آئے تو وہ قرآن کی آیتوں کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔ آپ ﷺ یہ سن کر سخت غضب ناک ہوئے حتیٰ کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ کے چہرے پر سرکہ انڈیل دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کتاب اللہ کی آیات کو ایک دوسرے کے ساتھ نہ ٹکراؤ کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی مگر اسے مجادلہ عطا کیا گیا'' (3)۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا...... (4)۔

قولہ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ وہ نہیں ہیں مگر اللہ کے ایک بندے جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت عطا فرمائی تھی۔

قولہ تعالیٰ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ یعنی تمہارے بدلے۔

مَّلٰٓىِٕكَةً سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ تمہارے جانشین ہوتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جس طرح تم ایک دوسرے کے جانشین ہوتے ہو وہ بھی ایک دوسرے کے جانشین ہوتے ہیں۔ یہ قول پہلے قول کو مستلزم ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تمہاری جگہ وہ زمین کو آباد کرتے۔

قولہ سبحانہ وتعالیٰ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے مادر زاد اندھے اور برص زدہ کو ٹھیک کرنے جیسے معجزات عطا فرمائے گئے تھے لیکن یہ بات محل نظر ہے اور اس سے بھی زیادہ دور کی بات وہ ہے جسے قتادہ نے حضرت حسن بصری اور سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ اِنَّه کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ سیاق کلام سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔ پھر اس سے مراد آپ کا قیامت سے قبل

1۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 256

2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 130، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ زخرف: 134-132، ابن ماجہ: المقدمۃ، جلد 1 صفحہ 19 تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 88

3۔ یعنی انہیں جھگڑے کی عادت ہو جاتی ہے اور وہ گمراہی کو ہدایت ثابت کرتے ہیں 4۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 89-88

نزول ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَ اِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ (نساء:159) ''اور کوئی ایسا نہیں ہوگا اہل کتاب سے مگر وہ ضرور ایمان لائے گا مسیح پر ان کی موت سے پہلے''۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے قبل۔ وَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا (نساء:159) ''اور قیامت کے دن وہ ہوں گے ان پر گواہ''۔ اس معنی کی تائید ایک اور قراءت سے بھی ہوتی ہے وَ اِنَّهٗ لَعَلَمٌ لِّلسَّاعَةِ(1)۔ یعنی وقوع قیامت کی علامت و دلیل۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ علامت ہے قیامت کی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت سے قبل تشریف لانا۔ حضرت ابو ہریرہ، ابن عباس، ابو العالیہ، ابو مالک، عکرمہ، حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ متواتر احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امام عادل، حاکم منصف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قیامت سے قبل نزول کی خوشخبری سنائی۔

قولہ تعالیٰ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِهَا اس کے واقع ہونے کے بارے میں شک وشبہ میں نہ پڑو یہ لامحالہ طور پر واقع ہو کر رہے گی۔

وَ اتَّبِعُوۡنِ جو میں تمہیں خبر دوں۔

وَ لَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيۡطٰنُ اتباع حق سے بھٹکا نہ دے۔

بِالۡحِكۡمَةِ: أي بالنبوۃ۔ نبوت کے ساتھ۔

تَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تمہارا اختلاف امور دینیہ میں نہ کہ امور دنیا میں۔ حضرت حسن کا یہ قول بہت عمدہ ہے پھر ان لوگوں کی تردید کی ہے جن کا یہ خیال ہے کہ ''بعض'' یہاں بمعنی ''کل'' ہے اور بطور استشہاد لبید شاعر کا یہ قول پیش کیا ہے:

تَرَّاكُ أَمۡكِنَةٍ إِذَا لَمۡ أَرۡضَهَا أَوۡ يَعۡتَلِقۡ بَعۡضَ النُّفُوسِ حِمَامُهَا

اور اس کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد تمام لوگ ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہاں بھی مراد شاعر کا اپنا نفس ہے اسے ''بعض'' سے تعبیر کیا ہے۔ امام صاحب نے شعر کا جو مطلب بیان کیا ہے یہ بھی ممکن ہے(2)۔

پھر فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی اس میں جو میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔

وَ اَطِيۡعُوۡنِ اس میں جو میں تمہارے پاس لایا ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيۡ وَ رَبُّكُمۡ یعنی میں اور تم اس کے بندے اور اسی کے محتاج ہیں۔ سب اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں۔

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ جو کچھ میں تمہارے پاس لایا ہوں یہی سیدھی راہ ہے اور وہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتا ہے۔

قولہ فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَيۡنِهِمۡ لوگ فرقوں میں منقسم ہو گئے اور مختلف گروہ بن گئے۔ بعض آپ کو اللہ کا بندہ اور رسول مانتے تھے اور یہی حق ہے جبکہ بعض دیگر یہ کہتے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہیں اور بعض انہیں خود خدا ہی قرار دیتے۔ تعالی اللّٰه عن قولهم علوًّا كبيرا۔

اسی لئے فرمایا: فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ عَذَابِ يَوۡمٍ اَلِيۡمٍ

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً وَّ هُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿٦٦﴾ اَلۡاَخِلَّآءُ يَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿٦٧﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ

1۔ روح المعانی، جلد 25 صفحہ 95 2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 93-92

تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٣﴾

"کیا یہ لوگ قیامت برپا ہونے کے منتظر ہیں کہ آ جائے ان پر اچانک اور انہیں خبر تک نہ ہو۔ گہرے دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے بجز ان کے جو متقی (اور پرہیزگار) ہیں۔ اے میرے (پیارے) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم (آج) غم زدہ ہو گے۔ (یعنی) وہ بندے جو ایمان لے آئے تھے ہماری آیتوں پر اور فرمانبردار تھے۔ (حکم ہوگا) داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں خوشی خوشی۔ گردش میں ہوں گے ان پر سونے کے تھال اور جام۔ اور وہاں ہر چیز موجود ہوگی جسے دل پسند کریں اور آنکھوں کو لذت ملے۔ (مزید برآں) تم وہاں ہمیشہ رہو گے۔ اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنا دیئے گئے ہو ان اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ تمہارے لئے یہاں بکثرت پھل ہیں ان میں سے کھاؤ گے (جو جی چاہے)"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رسولوں کو جھٹلانے والے یہ مشرکین انتظار نہیں کر رہے مگر قیامت کا وہ نہیں جانتے یہ لامحالہ طور پر واقع ہو کر رہے گی اس طرح کہ وہ بے خبر اور اس کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ جب یہ آ جائے گی تو اچانک بے خبری میں آئے گی۔ اس وقت وہ نادم ہوں گے لیکن یہ ندامت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی۔

اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ...... غیر اللہ کے ساتھ ہر قسم کی دوستی اور سنگت قیامت کے دن عداوت سے بدل جائے گی مگر جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو وہ ہمیشہ رہے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا: وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (العنکبوت: 25)۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دو ایماندار آپس میں دوست ہوتے ہیں اور دو کافر آپس میں دوست ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک مومن کا انتقال ہو جاتا ہے اسے جنت کی بشارت دی جاتی ہے۔ وہ اپنے دوست کو یاد کرتا ہے اور کہتا ہے اے اللہ! میرا فلاں دوست مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا۔ اور بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے منع کرتا تھا اور مجھے بتاتا تھا کہ ایک دن تو نے اپنے رب سے ملنا ہے۔ اے اللہ! اسے میرے بعد گمراہ نہ کرنا یہاں تک کہ تو اسے وہی کچھ دکھائے جو تو نے مجھے دکھایا ہے اور تو اس سے راضی ہو جائے جس طرح مجھ سے راضی ہوا۔ اس سے کہا جائے گا جاؤ اگر تمہیں معلوم ہو جائے جو میں نے اس کے لئے تیار کیا ہے تو ہنسو زیادہ اور روؤ کم۔ فرمایا: پھر دوسرے کا انتقال ہو جاتا ہے تو ان کی ارواح آپس میں ملتی ہیں۔ تو ان سے کہا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کی تعریف بیان کرو۔ پس ہر ایک دوسرے سے کہتا ہے یہ کتنا اچھا بھائی، کتنا اچھا ساتھی اور کتنا اچھا دوست تھا۔ اور جب دونوں کافروں میں سے کوئی مرتا ہے اور اسے دوزخ کی خوشخبری دی جاتی ہے تو وہ اپنے دوست کو یاد کرتا ہے۔ وہ کہے گا: اے اللہ! میرا فلاں دوست مجھے تیری اور تیرے رسول کی نافرمانی کا حکم دیتا۔ برائی کی رغبت دلاتا اور بھلائی سے روکتا تھا۔ اور مجھے یہ کہتا کہ تجھ سے ملاقات

نہیں ہوگی۔ اے اللہ تو اسے میرے بعد ہدایت نہ دینا یہاں تک کہ تو اسے وہی دکھائے جو مجھے دکھایا اور اس پر اسی طرح ناراض ہو جس طرح مجھ پر ناراض ہوا۔ فرمایا: جب دوسرا کافر مرتا ہے اور ان دونوں کی روحوں کو جمع کیا جاتا ہے۔ کہا جائے گا کہ تم میں سے ہر ایک دوسرے کے اوصاف بیان کرے۔ تو ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے کہے گا تو کتنا برا بھائی، کتنا برا ساتھی اور بدترین دوست تھا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے(1)۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے: روز قیامت ہر دوستی عداوت میں بدل جائے گی ماسوائے متقیوں کی دوستی کے۔ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ہشام بن احمد کے حالات میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر دو آدمیوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت کی ان میں سے ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ضرور ان کو جمع فرمائے گا'' اور فرمائے گا: یہ وہ شخص ہے جس سے میری خاطر تو نے محبت کی تھی(2)۔

قولہ تعالیٰ یٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ ...... پھر انہیں خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا: اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ یعنی ان کے دل اور باطن ایمان لائے اور ظاہری اعضاء و جوارح نے اللہ کی شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ معتمر بن سلیمان کا قول ہے کہ جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو کوئی بھی ان میں سے باقی نہیں رہے گا مگر اس پر گھبراہٹ طاری ہوگی۔ اس وقت ایک منادی ندا کرے گا یٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ ...... تو سب لوگ اسے حکم عام سمجھ کر خوش ہو جائیں گے لیکن ساتھ ہی وہ منادی اعلان کرے گا اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰیٰتِنَا ...... چنانچہ مؤمنین کے علاوہ باقی سب لوگ مایوس ہو جائیں گے(3)۔

اُدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ انہیں جنت میں داخلے کے لئے کہا جائے گا۔

اَزۡوَاجُکُمۡ تمہارے جیسے لوگ، ساتھی۔

تُحۡبَرُوۡنَ نعمتوں اور سعادتوں سے شاد کام ہو۔ اس کی تفسیر سورۂ روم میں گزر چکی ہے(4)۔

یُطَافُ عَلَیۡہِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَہَبٍ: أي زبادیّ(5)، کھانے کے برتن، تھال۔

وَّ اَکۡوَابٍ پینے کے پیالے، جام۔ یہ سونے کے ہوں گے۔

وَ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡہِ الۡاَنۡفُسُ بعض نے اسے تَشۡتَہِیۡہِ الۡاَنۡفُسُ پڑھا ہے(6)۔

وَ تَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ اس کا ذائقہ، خوشبو اور رنگت عمدہ ہوگی۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ مولی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے نچلے درجے کا جنتی ایک آدمی ہوگا جس کے بعد کوئی جنت نہیں جائے گا۔ اس کی نگاہ سو سال تک جائے گی۔ ہر طرف سونے کے محلات اور لولو کے خیمے نظر آئیں گے۔ اس میں ایک بالشت برابر جگہ بھی خالی نہ ہوگی۔ صبح و شام اس پر ستر ستر ہزار سونے کی پلیٹیں پیش کی جائیں گی۔ ہر رکابی کا رنگ دوسری سے مختلف ہوگا۔ اول سے آخر تک اس کی اشتہاء برابر رہے گی۔ اگر تمام اہل زمین اس پر بیٹھ جائیں تو سب کو

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 389، تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 94
2۔ بیہقی: شعب الایمان، تفسیر مظہری
3۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 95
4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ روم آیت: 15
5۔ شاید یہ شامی زبان کا لفظ ہے کیونکہ عام قاموس میں اس کا معنی دستیاب نہیں
6۔ نافع، ابن عامر اور حفص کی قرات یہی ہے باقی سات نے اسے تشتھی (ایک ہاء کے ساتھ) پڑھا ہے۔ دیکھئے ابن باذش کی ''الاقناع'' جلد 2 صفحہ 761

کافی ہو جائے اور اس میں کچھ کمی نہ آئے(1)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ جنت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! تم میں سے کوئی لقمہ اٹھائے گا۔ اسے اپنے منہ میں رکھے گا تو اس کے دل میں خیال آئے گا کہ فلاں قسم کا کھانا ہوتا۔ وہ نوالہ اس کے منہ میں وہی ذائقہ اختیار کر لے گا جس کی اس نے خواہش کی ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَفِيۡهَا مَا تَشۡتَهِيۡهِ الۡاَنۡفُسُ وَتَلَذُّ الۡاَعۡيُنُ......

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے ادنیٰ درجے کے جنتی کے مقام کی سات منزلیں ہوں گی۔ وہ چھٹی منزل پر ہوگا اور اس کے اوپر ساتویں منزل ہوگی۔ اس کے تین سو خادم ہوں گے۔ ہر صبح و شام اسے تین سو پلیٹیں پیش کی جائیں گی۔ اور میں نہیں جانتا آپ نے فرمایا...... سونے کی۔ ہر برتن کا رنگ دوسرے سے مختلف ہوگا۔ اس کا اول اسی طرح لذیذ ہوگا جس طرح اس کا آخر لذیذ ہوگا۔ مشروبات کے تین سو جام ہوں گے۔ ہر ایک کا رنگ دوسرے سے مختلف ہو گا۔ اس کا مزا اول تا آخر قائم رہے گا۔ اور وہ کہے گا: اے رب! اگر تو مجھے اجازت دے تو میں تمام اہل جنت کی دعوت کروں۔ سب اگر میرے ہاں کھا جائیں تب بھی کوئی کمی نہیں آئے گی۔ حور عین میں سے بہتر بیویاں ہوں گی۔ یہ بیویاں دنیا کی ازواج کے علاوہ ہوں گی۔ ان میں سے ایک زمین کے میل بھر کی جگہ بیٹھے گی(2)۔

قولہ تعالیٰ وَاَنۡتُمۡ فِيۡهَا جنت میں۔

خٰلِدُوۡنَ نہ اس سے نکلو گے۔ پھر فضل و احسان کا اظہار کرتے ہوئے انہیں کہا جائے گا: وَتِلۡكَ الۡجَنَّةُ الَّتِيۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا...... یعنی تمہارے اعمال صالحہ، اللہ کی وسیع رحمت تمہیں ملنے کا سبب بنے۔ کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کر سکتا۔ لیکن اللہ کی رحمت اور اس کا فضل اور جنت کے درجات میں تفاوت اعمال صالحہ میں فرق کے سبب ہوگا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر دوزخی جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ کر حسرت سے کہے گا: لَوۡ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيۡ لَكُنۡتُ مِنَ الۡمُتَّقِيۡنَ (زمر: 57) "اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں ہو جاتا پرہیزگاروں میں سے"۔ اور ہر جنتی جہنم میں اپنا مقام دیکھ کر کہے گا: وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِيَ لَوۡلَاۤ اَنۡ هَدٰىنَا اللّٰهُ (اعراف: 43) "اور ہم ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے تھے اگر نہ ہدایت دیتا ہمیں اللہ تعالیٰ"۔ اس کا یہ کہنا از راہ تشکر ہوگا۔ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر شخص کی جگہ جنت میں بھی ہے اور دوزخ میں بھی۔ کافر مومن کی جہنم کی جگہ کا وارث ہوگا اور مومن کافر کی جنت والی جگہ کا وارث ہوگا۔ یہی اس فرمان الٰہی سے مراد ہے وَتِلۡكَ الۡجَنَّةُ الَّتِيۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ۔

لَكُمۡ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ كَثِيۡرَةٌ یعنی ہر قسم کے۔

مِّنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ یعنی جو تم چاہو اور اپنے لئے منتخب کرو۔ کھانے اور مشروبات کے بعد اتمام نعمت کے لئے پھلوں اور میووں کا ذکر بھی فرما دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اِنَّ الۡمُجۡرِمِيۡنَ فِيۡ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنۡهُمۡ وَهُمۡ فِيۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰكِنۡ كَانُوۡا هُمُ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوۡا يٰمٰلِكُ لِيَقۡضِ عَلَيۡنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ

1۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 391-390 2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 537

إِنَّكُم مَّٰكِثُونَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنَٰكُم بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَٰرِهُونَ ﴿٧٨﴾ أَمْ أَبْرَمُوٓا
أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ﴿٧٩﴾ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَىٰهُم ۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا
لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾

"بے شک مجرم عذابِ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے (یہ عذاب) اور وہ اس میں آس توڑ بیٹھیں گے۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ (اپنی جانوں پر) ظلم ڈھانے والے تھے۔ اور وہ پکاریں گے اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے۔ وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ (جلتے) رہنا ہے۔ بیشک ہم لے آئے تمہارے پاس (دین) حق، لیکن تم سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے تھے۔ ہاں اگر انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی اپنا قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں۔ کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کے رازوں اور سرگوشیوں کو۔ ہاں ہم سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس بیٹھے لکھتے بھی رہتے ہیں"۔

سعادتمندوں کے بعد بدبختوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ چنانچہ فرمایا: إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ......۔

لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ یعنی ایک گھڑی کے لئے بھی۔

مُبْلِسُونَ ہر خیر سے مایوس۔

وَمَا ظَلَمْنَٰهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا هُمُ الظَّٰلِمِينَ یعنی حجت قائم ہونے اور رسولوں کے مبعوث فرمانے کے بعد اپنے اعمال سیئہ کے سبب تکذیب کی اور نافرمانی کی جس کی انہیں سزا دی گئی اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

وَنَادَوْا يَٰمَٰلِكُ یہ دوزخ کا داروغہ ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت صفوان بن یعلیٰ عن ابیہ ذکر کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا: وَنَادَوْا يَٰمَٰلِكُ......(1)۔

لِيَقْضِ عَلَيْنَا یعنی ہماری روحوں کو قبض کرے اور جس میں ہم ہیں اس سے راحت دلائے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُم مِّنْ عَذَابِهَا (فاطر:36) "نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب"۔ اور فرمایا: وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ﴿١١﴾ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (اعلیٰ:13-11) "اور دور رہے گا اس سے بدبخت جو (بالآخر) بڑی آگ میں داخل ہو گا۔ پھر نہ وہ وہاں مرے گا اور نہ جیئے گا"۔ جب انہوں نے موت کی آرزو کی تو داروغہ انہیں کہے گا: قَالَ إِنَّكُم مَّٰكِثُونَ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ مکث سے مراد ایک ہزار سال ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ (بروایت ابن ابی حاتم) یعنی تم نہ نکل سکو گے اور نہ چھٹکارا پاؤ گے۔ پھر ان کی بدبختی کا سبب بیان فرمایا کہ یہ حق کی مخالفت ہے۔ اور فرمایا: لَقَدْ جِئْنَٰكُم بِالْحَقِّ یعنی اسے تمہارے لئے واضح کر دیا ہے۔

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَٰرِهُونَ لیکن تمہاری طبیعتیں اسے قبول نہیں کرتیں اور نہ اس کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ یہ باطل کے سامنے جھکتی اور اس کی تعظیم کرتی ہیں اور قبول حق سے انکاری ہیں۔ اہل حق سے نفرت کرتی ہیں۔ پس اپنے آپ کو ہی ملامت کرو اور ندامت سے آنسو بہاؤ

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ زخرف: 568

جبکہ ندامت کا کوئی فائدہ نہیں۔ پھر فرمایا: اَمۡ اَبۡرَمُوۡۤا اَمۡرًا فَاِنَّا مُبۡرِمُوۡنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے انہوں نے ہم سے بری تدبیر کا ارادہ کیا تو ہم نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا(1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفسیر کی شہادت اس آیت سے بھی ملتی ہے: وَمَكَرُوۡا مَكۡرًا وَّمَكَرۡنَا مَكۡرًا وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ (نمل:50) ''اور انہوں نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی اور وہ سمجھ ہی نہ سکے ہماری تدبیر کو''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین حق کو رد کرنے اور باطل پر چلنے کے لئے طرح طرح کی حیلہ سازیاں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ اللہ نے بھی ان سے وہی سلوک کیا اور اس کا وبال انہی پر ڈال دیا۔ اسی لئے فرمایا:

اَمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰىهُمۡ یعنی ان کی پوشیدہ اور علانیہ باتیں۔

بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيۡهِمۡ يَكۡتُبُوۡنَ یعنی ہمیں ان کا حال معلوم ہے اور ملائکہ بھی ان کے چھوٹے بڑے اعمال لکھ رہے ہیں۔

قُلۡ اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِيۡنَ ﴿۸۱﴾ سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرۡهُمۡ يَخُوۡضُوۡا وَيَلۡعَبُوۡا حَتّٰى يُلٰقُوۡا يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ يُوۡعَدُوۡنَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ فِى السَّمَآءِ اِلٰـهٌ وَّفِى الۡاَرۡضِ اِلٰـهٌ ؕ وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۚ وَعِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا يَمۡلِكُ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنۡ شَهِدَ بِالۡحَقِّ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ۙ ﴿۸۷﴾ وَقِيۡلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوۡمٌ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ۘ ﴿۸۸﴾ فَاصۡفَحۡ عَنۡهُمۡ وَقُلۡ سَلٰمٌ ؕ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۹﴾

''آپ فرمائیے (بفرض محال) اگر رحمٰن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا۔ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا پروردگار (اور) عرش کا رب ہر اس عیب سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ پس (اے حبیب!) آپ رہنے دیں انہیں کہ بیہودہ باتیں بناتے رہیں اور کھیل (تماشا) کرتے رہیں حتیٰ کہ ملاقات ہو جائے ان کی اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اور وہی ایک آسمان میں خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے۔ اور وہی بہت دانا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور بڑی برکت والا ہے وہ جس کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم۔ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور نہیں اختیار رکھتے جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کرنے کا ہاں شفاعت کا حق انہیں ہے جو حق کی گواہی دیں اور وہ (اس کو) جانتے بھی ہیں۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے اللہ نے، پھر کدھر یہ الٹے پھر رہے ہیں۔ اور قسم ہے میرے رسول کے اس قول کی کہ اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ پس (اے حبیب!) رخ انور پھیر لیجئے ان سے اور فرمائیے تم سلامت رہو۔ وہ (اس کا انجام) ضرور جان لیں گے''۔

ارشاد ہوتا ہے: (قل) اے محمد! ﷺ۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 50

اِنۡ کَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا...... یعنی اگر یہ فرض کرلیا جائے تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرتا۔ کیونکہ میں اس کا بندہ ہوں۔ اس کے تمام احکامات پر عمل پیرا ہوں۔ اس کی عبادت سے مجھے کوئی تکبر اور انکار نہیں۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے تو یہ بھی ہو جائے۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ممتنع ہے اور شرط سے وقوع لازم نہیں ہوتا اور نہ جواز۔ (یعنی یہاں شرط بھی محال ہے اور جزاء بھی محال ہے اور ایک محال دوسرے محال کو مستلزم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونا بھی محال ا ور میرا اس کی عبادت کرنا بھی محال) جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَوۡ اَرَادَ اللّٰہُ اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصۡطَفٰی مِمَّا یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ۙ سُبۡحٰنَہٗ ؕ ہُوَ اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ (زمر:4) ''اگر اللہ چاہتا کہ کسی کو بیٹا بنائے تو چن لیتا اپنی مخلوق سے جس کو چاہتا۔ وہ پاک ہے۔ وہی اللہ ہے جو ایک ہے سب سے زبردست''۔ بعض مفسرین نے فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِیۡنَ کی تفسیر میں لکھا ہے: الآنفین۔ یعنی میں اس کذب و افتراء کو تسلیم کرنے سے سب سے پہلے انکار کرتا ہوں اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک سفیان ثوری ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ أول العابدین: الجاحدین۔ پہلا انکار کرنے والا۔ یہ عَبِدَ یَعۡبَدُ سے مشتق ہے(1)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے شواہد میں بعجۃ بن زید جہنی سے روایت کیا ہے کہ ان کے خاندان کی ایک عورت کی رخصتی اپنے خاوند کے ہاں ہوئی۔ وہ آدمی بھی اسی خاندان سے تھا۔ چھ ماہ کے بعد اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس کے خاوند نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا۔ آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے: وَحَمۡلُہٗ وَفِصٰلُہٗ ثَلٰثُوۡنَ شَہۡرًا (احقاف:15) ''اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے تک تیس مہینے لگ گئے''۔ اور فرمایا: وَّفِصٰلُہٗ فِیۡ عَامَیۡنِ (لقمان:14) ''ماں نے کمزوری پر کمزوری کے باوجود اور اس کا دودھ چھوٹنے میں دو سال لگے''۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انکار نہ کرسکے اور اس عورت کو واپس بلانے کا حکم دیا۔

ابو وہب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عَبِدَ کا معنی ہے استنکف: انکار کرنا۔ ایک شاعر کہتا ہے:

مَتَی مَا یَشَاءُ ذُوالوُدِّ یُصرِمُ خَلِیۡلَہٗ وَیَعۡبُدُ عَلَیۡہِ لَا مَحَالَۃَ ظَالِمًا

لیکن اس قول میں نظر ہے کیونکہ شرط سے اس کی مناسبت نہیں رہتی۔ چنانچہ کلام کا مطلب یہ ہو جائے گا اگر یہ اولاد رکھتا ہے تو میں سب سے پہلے اس سے انکاری ہوں۔ اس میں نظر ہے اس پر غور و فکر کرنا چاہئے۔ مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اِن یہاں شرطیہ نہیں بلکہ نافیہ ہے جس طرح علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ تو اب مفہوم یوں ہوگا۔ رحمٰن کی اولاد نہیں۔ اگر اس کی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی گواہی دیتا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ کلام عرب کے محاورے کے مطابق ہے: اِنۡ کَانَ لِلرَّحۡمٰنِ...... یعنی نہ رحمان کی اولاد اور نہ میں اس کا قائل۔

ابو صخر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں میں تو سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوں کہ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ اور میں ہی سب سے پہلے اس کی وحدانیت کا قائل ہوں۔ عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم کا یہی قول ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں ہی سب سے پہلے اس کا عبادت گزار، موحد اور تمہاری تکذیب کرنے والا ہوں۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اَوَّلُ الۡعٰبِدِیۡنَ أی الآنفین: انکار کرنے والا۔ عَابِدٌ اور عَبِدٌ یہ دو لغتیں ہیں(2) اور اول زیادہ

1۔ فتح الباری تفسیر سورۂ زخرف: 568

2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 102

قریب ہے اس بناء پر یہ شرط و جزا ہے لیکن یہ ممتنع ہے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یعنی اگر اس کی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اسے مان لیتا لیکن اس کی کوئی اولاد نہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو پسند کیا ہے (1) اور جو لوگ اِن کو نافیہ شمار کرتے ہیں ان کی تردید کی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ...... یعنی اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا خالق اور اس بات سے مبرا و منزہ ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ وہ یکتا، واحد اور صمد ہے۔ اس کی کوئی نظیر اور کفو نہیں اور نہ کوئی اولاد۔

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا یعنی اپنی جہالت اور گمراہی میں۔

وَ يَلْعَبُوا یعنی اپنی دنیا میں۔

حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ اور وہ قیامت کا دن ہے۔ یعنی عنقریب وہ جان لیں گے کہ اس دن ان کا ٹھکانہ اور انجام کیا ہوگا اور ان کی حالت کیا ہوگی۔

وَ هُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِي الْاَرْضِ یعنی وہ ہی آسمان میں خدا اور وہی زمین میں۔ دونوں کی مخلوقات اس کی عبادت کرتی ہیں اور سب اس کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔

وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ اس آیت کی مثل ایک اور آیت ہے: وَ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ (انعام: 3) ''اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں وہ جانتا ہے تمہارے بھید بھی اور تمہاری کھلی باتیں بھی اور جانتا ہے جو تم کمارہے ہو''۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں وہی خدا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

وَ تَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ...... یعنی ان کا خالق و مالک اور بلا شرکت غیرے تصرف کرنے والا وہی ہے۔ وہ اولاد سے پاک و برتر ہے۔ تمام عیوب و نقائص سے منزہ ہے۔ کیونکہ وہ بلند عظیم رب ہے تمام اشیاء کا مالک، زمام امور کلیۃً اسی کے ہاتھ میں ہے۔ خواہ قضائے مبرم ہو یا غیر مبرم۔

عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ اسے اپنے وقت پر وہی ظاہر کرے گا۔

وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ یعنی وہی ہر ایک کو اس کے اچھے برے اعمال کا بدلہ دے گا۔

پھر فرمایا: مِنْ دُوْنِهٖ یعنی بتوں کو۔

الشَّفَاعَةَ ان کے لئے سفارش کی قدرت نہیں رکھتے۔

اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ یہ استثناء منقطع ہے یعنی لیکن وہ شخص جو بصیرت اور علم کے ساتھ حق کی گواہی دیتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے ساتھ اس کی جناب میں اس کی سفارش فائدہ مند ہوگی۔

پھر فرمایا: وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ...... یعنی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرنے والے ان مشرکین سے اگر آپ پوچھیں۔

مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ تو وہ یہ اعتراف کریں گے کہ وہی تمام اشیاء کا خالق ہے وہی وحدہ لاشریک ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ تو کسی چیز کی مالک ہیں اور نہ کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں چنانچہ وہ پرلے درجے کے جاہل، سفیہ، بیوقوف

1۔ ایضاً تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 103

اور سخیف العقل ہیں۔ اسی لئے فرمایا: (فَاَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ؟) پھر فرمایا:

وَ قِیْلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ ...... یعنی حضرت محمد ﷺ نے اپنا قول کہا یعنی اپنے رب کے سامنے اپنی قوم کا شکوہ کیا جنہوں نے آپ کی تکذیب کی تھی۔ چنانچہ فرمایا: یٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں خبر دی ہے: وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (الفرقان:30)'' اور رسول عرض کرے گا میرے رب! بلاشبہ میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے''۔ ابن مسعود، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تفسیر بیان کی ہے(1)۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے (وَقَالَ الرسولُ یَارَبِّ)(2) کی قرأت نقل کی ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کا قول نقل فرما رہا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ تمہارے نبی کا قول ہے وہ اپنے رب کے سامنے اپنی قوم کی شکایت پیش کرتے ہیں۔

وَ قِیْلِهٖ یٰرَبِّ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دو قرأتیں نقل کی ہیں۔ ایک لام کے نصب (زبر) کے ساتھ۔ اس کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا عطف نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ پر ہے۔ دوسری یہ کہ یہاں فعل قال کو مقدر مانا جائے۔

وقال: قِیْلِهٖ دوسری قرأت لام کے زیر کے ساتھ۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس کا عطف وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ پر مانا جائے۔ اس وقت تقدیر کلام یوں ہوگی (وَعِلْمُ قِیْلِهٖ) یعنی قیامت کا علم اور اس قول کا علم اس کے پاس ہے(3)۔

قولہ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ یعنی مشرکین سے۔

وَقُلْ سَلٰمٌ یعنی جس بیہودہ انداز سے وہ آپ سے مخاطب ہوتے ہیں آپ اسی زبان میں جواب نہ دیں۔ لیکن ان سے اظہار الفت کریں اور قول و فعل میں ان سے نرمی کا برتاؤ کریں(4)۔

فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں دھمکی دی جا رہی ہے۔ اسی لئے ان پر اپنا عذاب واقع کیا جو واپس نہیں ہو سکتا۔ اپنے دین اور کلمے کو بلند کر دیا۔ اس کے بعد جہاد اور جلاوطنی کو مشروع کیا حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کے دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہوئے اور مشرق و مغرب میں اسلام پھیل گیا۔

سورۂ زخرف کی تفسیر ختم ہوئی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 106 2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ زخرف، جلد 8 صفحہ 568 3۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 106

4۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ ''سلام'' یہاں دعائیہ نہیں بلکہ ان سے اپنی براءت اور قطع تعلق کے اعلان کیلئے مستعمل ہوا ہے (ضیاء القرآن، جلد 4 صفحہ 430)

سورہ دخان

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص رات کے وقت سورۂ حم دخان پڑھے ستر ہزار فرشتے صبح تک اس کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔'' ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اس کے ایک راوی عمرو بن اُبی خثعم ضعیف ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے(1)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے جمعہ کی رات سورۂ حم الدخان کی تلاوت کی اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔'' یہ حدیث بھی غریب ہے اس کے ایک راوی ہشام ابو المقدام ضعیف ہیں اور حسن کا سماع ابو ہریرہ سے ثابت نہیں(2)۔ مسند بزار میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد(3) سے فرمایا: میں نے تیرے لئے ایک چیز چھپا رکھی ہے (یعنی دل میں ٹھان رکھی ہے) بتا، وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے اپنے دل میں سورۂ دخان کو پوشیدہ کر رکھا تھا۔ اس نے جواباً کہا دُخ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''چپ رہ جو اللہ چاہے وہ ہوتا ہے۔'' پھر آپ تشریف لے گئے(4)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۚ۝۱ وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۙ۝۲ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ۝۳ فِیۡہَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ۙ۝۴ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ ۝۵ رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۙ۝۶ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا ۘ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِیۡنَ ۝۷ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ؕ رَبُّکُمۡ وَ رَبُّ اٰبَآئِکُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ۝۸

''حا۔ میم۔ حق کو واضح کرنے والی کتاب کی قسم۔ بیشک ہم نے اتارا ہے اسے ایک بابرکت رات میں۔ ہماری یہ شان ہے کہ ہم بروقت خبردار کر دیا کرتے ہیں۔ اسی رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر اہم کام کا۔ ہر حکم ہماری جناب سے صادر ہوتا ہے۔ ہم ہی (کتاب و رسول) بھیجنے والے ہیں۔ سراپا رحمت آپ کے رب کی طرف سے۔ بیشک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا

1۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 8 صفحہ 198، عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11 صفحہ 19-18

2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 8 صفحہ 198، عارضۃ الاحوذی، جلد 11 صفحہ 19-18

3۔ ابن صیاد کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ یہودی تھا یا ان میں دخیل تھا۔ اس کا نام صاف تھا۔ اس کے پاس کہانت یا جادو تھا۔ اس کی کوئی کوئی بات صحیح ہو جاتی تھی۔ قصہ مختصر وہ ایک فتنہ تھا جس کے ساتھ اللہ نے اپنے مومن بندوں کو آزمائش میں ڈالا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مدینہ میں مرگیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ واقعہ حرہ میں غائب ہو گیا تھا اور پتہ ہی نہ لگا کہ کدھر گیا۔ اس کے بارے میں دجال ہونے کا شبہ تھا (مترجم)

4۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 218، مسلم، کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 2244

ہے۔ وہ جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر تم ایماندار ہو۔ نہیں کوئی معبود بجز اس کے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی رب ہے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن عظیم کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ اسے مبارک رات لیلۃ القدر میں اتارا گیا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ (القدر: 1) "بے شک ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے شب قدر میں"۔ اور یہ ماہ رمضان کی بات ہے جس طرح ایک اور آیت میں آتا ہے: شَہۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ (بقرہ: 185) "ماہ رمضان المبارک جس میں اتارا گیا قرآن"۔ اس موضوع سے متعلقہ احادیث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں۔ ان کے اعادے کی ضرورت نہیں (1)۔

جس کا یہ قول ہے کہ یہ نصف شعبان کی رات تھی، جس طرح عکرمہ سے مروی ہے، اس نے بڑی دور کی بات کی ہے۔ (دور کی کوڑی)۔ کیونکہ نص قرآنی کے مطابق یہ ماہ رمضان ہے۔ وہ حدیث جسے عبداللہ بن صالح نے عثمان بن محمد بن مغیرہ بن اخنس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمام کام شعبان سے شعبان تک مکمل کئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک آدمی نکاح کرتا ہے اور اس کا بچہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کا نام فوت ہونے والوں میں لکھا جا چکا ہوتا ہے (2)۔ یہ حدیث مرسل ہے اور ایسی حدیث نصوص قرآنیہ کے متعارض نہیں آسکتی (3)۔

اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ یعنی لوگوں کو وہ چیزیں سکھانے والے ہیں جو شرعاً ان کیلئے مفید یا نقصان دہ ہیں تاکہ بندوں پر اللہ کی حجت قائم ہو جائے۔

فِیۡہَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ یعنی لیلۃ القدر میں ہی ہر محکم کام طے کیا جاتا ہے اور لوح محفوظ سے کاتب فرشتوں کے حوالے کیا جاتا ہے۔ اور عمریں، روزی وغیرہ تمام امور سال کے آخر تک طے کر لئے جاتے ہیں۔ ابن عمر، مجاہد، ابو مالک، ضحاک اور بہت سے سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔

حَکِیۡمٍ محکم، پختہ جس میں تغیر وتبدل نہیں ہو سکتا۔

اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا وہ سب کچھ جو وقوع پذیر ہوگا جسے اللہ تعالیٰ مقدر فرماتا ہے اور اس کے علم، حکم اور اجازت سے جو وحی نازل ہوگی۔

اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ لوگوں کی طرف رسول بھیجنے والے جو ان پر اللہ کی واضح آیات کی تلاوت کرتا ہے، اس کی شدید ضرورت تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ......

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ جس نے قرآن اتارا ہے وہ آسمانوں اور زمین کا رب اور جو کچھ ان میں ہے سب کا خالق و مالک ہے۔

اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِیۡنَ اگر تمہیں یقین ہو۔ پھر فرمایا: لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ...... یہ آیت اس آیت کی مثل ہے: قُلۡ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعَا الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ (اعراف: 158) "آپ فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف وہ اللہ جس کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی۔ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے"۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ البقرۃ آیت: 185 2۔ طبری، جلد 25 صفحہ 109 درمنثور، جلد 7 صفحہ 401

3۔ یہ محض علمی اختلاف ہے کہ نزول قرآن کی ابتداء کسی رات میں ہوئی لیکن اس پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت کی نفی نہیں ہوتی یہ رات بڑی برکتوں والی ہے اس کے فضائل متعدد احادیث میں مذکور ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ (مترجم)

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ﴿٩﴾ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ﴿١٠﴾ يَغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ ﴿١٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَجْنُونٌ ﴿١٤﴾ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿١٥﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى إِنَّا مُنْتَقِمُونَ ﴿١٦﴾

''بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں۔ پس آپ انتظار کریں اس دن کا جب ظاہر ہوگا آسمان پر صاف نظر آنے والا دھواں۔ جو چھا جائے گا لوگوں پر۔ یہ دردناک عذاب ہوگا۔ (اس وقت کہیں گے) اے ہمارے رب! دور کر دے ہم سے یہ عذاب ہم (ابھی) ایمان لاتے ہیں۔ ان کے نصیحت قبول کرنے کی امید کہاں حالانکہ ان کے پاس تشریف لے آیا روشن رسول۔ پھر انہوں نے منہ پھیر لیا تھا اس سے اور کہا سکھایا ہوا ہے، دیوانہ ہے۔ ہم دور کرنے والے ہیں عذاب کو قلیل عرصہ کے لئے تم پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ جس روز ہم انہیں پوری شدت سے پکڑیں گے (اس روز) ہم (ان سے) بدلہ لے لیں گے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ مشرکین شک میں پڑے کھیل رہے ہیں یعنی ان کے پاس حق آچکا ہے لیکن وہ ابھی تک شک وارتیاب میں پڑے ہوئے ہیں اور نور یقین سے محروم ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں وعید سناتے ہوئے اور دھمکی دیتے ہوئے فرماتے ہیں: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ سلیمان بن مہران نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ ہم مسجد کوفہ میں داخل ہوئے جو ابواب کندہ کے پاس ہے۔ کیا دیکھا کہ ایک آدمی اپنے ساتھیوں کو وعظ کر رہا تھا اس نے پوچھا کیا تمہیں پتہ ہے يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ سے کیا مراد ہے؟ وہ دھواں کونسا ہے؟ قیامت کے دن یہ دھواں منافقین کے کانوں اور آنکھوں میں بھر جائے گا اور مومنین کو زکام کی مثل عارضہ لاحق ہو جائے گا۔ فرماتے ہیں، ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آپ کے گوش گزار کر دیا۔ آپ اس وقت پہلو کے بل لیٹے ہوئے تھے گھبرا کر فوراً سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو فرمایا ہے: قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا (فرقان:57) ''فرما دیجئے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس (خیر خواہی) پر کچھ اجرت مگر میری اجرت یہ ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کرے''۔ یہ بھی علم کا حصہ ہے آدمی کو اگر کسی چیز کا پتہ نہ ہو اور وہ یہ کہہ دے اللہ اعلم (اللہ بہتر جانتا ہے)۔ میں عنقریب تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گا۔ قریش نے جب قبول اسلام میں تاخیر کر دی اور آپ ﷺ کی نافرمانی کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے خشک سالی کی بددعا فرمائی۔ انہیں قحط اور خشک سالی نے آلیا۔ نوبت بایں جا رسید کہ وہ ہڈیاں اور مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔ ان کی نگاہیں بار بار آسمان کی طرف اٹھتی تھیں لیکن وہاں سوائے دھوئیں کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ (چونکہ ہر طرف خاک اڑ رہی تھی، ساری فضا گرد آلود تھی یوں محسوس ہوتا کہ ہر طرف دھواں ہی دھواں پھیل گیا ہے۔) ایک اور روایت میں ہے کہ بھوک کی وجہ سے نقاہت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے والے کو یوں محسوس ہوتا جیسے ہر چیز دھوئیں میں چھپ کر رہ گئی ہے۔ اسی کا بیان ان دو آیات میں ہے: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ...... لوگ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! (اپنی قوم) مضر کے لئے دعا فرمائیے وہ تو (بھوک سے) ہلاک ہو گئی ہے۔ چنانچہ

حضور ﷺ نے دعا فرمائی اور بارش برسنے لگی تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا......حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن ان سے عذاب کچھ وقت کے لئے ٹال دیا جائے گا۔ لیکن جب خوشحالی آئی تو وہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ گئے اور رویہ میں جو عارضی تبدیلی تھی وہ ختم ہوگئی تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ یعنی مراد بدر کا دن ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے پانچ چیزیں گزر چکی ہیں۔ دخان (آسمان سے دھوئیں کا آنا)، رومیوں کا شکست کے بعد دوبارہ غالب آنا، چاند کا دو ٹکڑے ہونا، بدر کی لڑائی میں کفار کی گرفتاری اور قحط۔ یہ حدیث صحیحین میں مذکور ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب التفسیر میں اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی متعدد طرق سے اسے روایت کیا ہے(1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس تفسیر کہ دھواں گزر چکا ہے سے مفسرین کی ایک جماعت نے موافقت کی ہے جیسے مجاہد، ابوالعالیہ، ابراہیم نخعی، ضحاک اور عطیہ عوفی، ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسے اختیار کیا ہے(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمٰن الأعرج سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ یہ فتح مکہ کا واقعہ ہے۔ لیکن یہ قول بہت غریب بلکہ منکر ہے۔ بعض دیگر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ دخان ابھی گزرا نہیں بلکہ یہ علامات قیامت میں سے ایک علامت ہے۔ جس طرح حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ والی روایت میں گزرا ہے کہ حضور ﷺ کمرے سے باہر ہمارے پاس تشریف لائے ہم اس وقت قیامت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو: مغرب سے سورج کا طلوع ہونا، دخان (دھواں)، دابۃ الارض، یاجوج ماجوج کا نکلنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا، دجال، تین خسوف (زمین کا دھنس جانا) ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک جزیرہ عرب میں اور آگ جو عدن کے انتہائی مقام سے نکلے گی اور لوگوں کو ہانک کر یکجا کرے گی۔ جہاں یہ رات گزاریں گے وہ بھی ان کے ساتھ رات وہیں بسر کرے گی اور جہاں یہ قیلولہ کریں گے یہ بھی وہیں کرے گی۔ (مسلم اس روایت میں منفرد ہیں)(3)۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد سے فرمایا: میں نے تمہارے لئے ایک چیز چھپا رکھی ہے وہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: دُخ۔ آپ ﷺ نے فرمایا خاموش رہ تو اپنی ہمت سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کے لئے فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ اپنے دل میں چھپا رکھی تھی(4)۔

اس میں بھی اس بات کا اشارہ ہے کہ ابھی اس کا انتظار باقی ہے اور یہ کوئی آنے والی چیز ہے۔ ابن صیاد کاہنوں کی طرح جنوں کی زبان سے پوشیدہ باتیں بتانے کا عادی تھا۔ جنات کی عادت ہوتی ہے وہ عبارت کو کاٹ دیتے ہیں۔ اسی لئے اس نے کہا ''هو الدُّخ'' یعنی الدخان۔ اس وقت آپ ﷺ کو اس کا ماخذ پتہ چل گیا کہ یہ شیطانی ہے تو آپ ﷺ نے اسے ارشاد فرمایا: خاموش ہو جا، تو اپنی قدرت سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کی اولین نشانیاں دجال اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کا نزول ہے۔ اور آگ جو عدن کے انتہائی مقام ''اَبْيَن'' نامی گاؤں سے نکلے گی اور لوگوں کو میدان حشر کی طرف ہانک کر لائے گی۔ راستے میں جہاں وہ آرام کریں گے وہ بھی وہیں

1۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 381-380، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ الدخان، جلد 12 صفحہ 136-134، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 132، نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 147 نوٹ: یہ حدیث سورۂ روم کے شروع میں گزر چکی ہے۔

2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 114 3۔ دیکھئے سورۂ نمل آیت: 82 4۔ اس سورۃ کی ابتداء میں اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے

ٹھہرے گی اور الدخان۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! دخان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۙ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ فرمایا: یہ دھواں مشرق و مغرب کے مابین جو کچھ ہے اسے بھر دے گا اور چالیس دن رات تک رہے گا مومن کو تو مثل زکام کے ہو جائے گا اور کافر مدہوش آدمی کی طرح ہو گا۔ یہ دھواں اس کے نتھنوں، کانوں اور مقعد سے نکل جائے گا(1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو پھر دخان کا معنی واضح کرنے کے لئے کافی تھی۔ لیکن اس کی صحت کی گواہی نہیں دی جا سکتی کیونکہ اس کے راوی محمد بن خلف عسقلانی نے رواد سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا: کیا آپ نے یہ حدیث سفیان سے سنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا کیا آپ نے اسے ان پر پڑھا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے پوچھا جب ان پر پڑھا جا رہا تھا کیا آپ اس وقت موجود تھے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا پھر آپ نے یہ کہاں سے سنی ہے؟ انہوں نے فرمایا: میرے پاس اسے ایک قوم لائی، مجھے سنایا اور پھر یہ کہنا شروع کر دیا کہ انہوں نے اسے مجھ سے سنا ہے۔ یا جیسے آپ نے فرمایا۔ یہ حدیث اس سند سے موضوع ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کئی جگہ ذکر کیا ہے۔ اس میں بہت سے منکرات ہیں۔ خصوصاً سورۂ بنواسرائیل کے شروع میں جہاں مسجد اقصیٰ کا بیان ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تمہارے رب نے تمہیں تین چیزوں سے ڈرایا ہے۔ دھواں جو مومن کو زکام کر دے گا اور کافر کا سارا جسم پھلا دے گا حتیٰ کہ اس کے کانوں سے دھواں خارج ہو گا۔ دوسرے دابۃ الارض اور تیسرا دجال۔'' طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اس کی سند عمدہ ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دھواں لوگوں میں پھیل جائے گا۔ مومن کو تو مثل زکام کے لگے گا اور کافر کو پھلا دے گا حتیٰ کہ اس کے کانوں سے بھی خارج ہو گا۔ یہ حدیث حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے اور حضرت حسن کے اپنے قول سے بھی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: آیت دخان کا مصداق ابھی پورا نہیں ہوا۔ مومن کو زکام ہو گا اور کافر سے آر پار ہو جائے گا(2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دھوئیں سے مومن کو زکام ہو گا کافر اور منافق کے کانوں میں داخل ہو جائے گا حتیٰ کہ وہ اس طرح ہو گا جیسے گرم پتھر پر بھنا ہوا سر (3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن ملکیہ سے روایت کیا ہے کہ میں ایک صبح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: میں آج رات بالکل نہیں سویا۔ میں نے پوچھا وہ کیوں؟ فرمانے لگے ''اس لئے کہ میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ دم دار ستارہ نکلا ہے تو مجھے یہ اندیشہ ہوا کہیں یہی دخان نہ ہو تو میں صبح تک سو نہیں سکا'' (4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اس کی سند حبر الامۃ و ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تک صحیح ہے۔ اسی طرح دیگر صحابہ و تابعین سے اس موضوع کی مرفوع احادیث بھی مروی ہیں۔ جن میں سے کچھ صحیح اور کچھ حسن ہیں۔ جن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دخان ایک علامت ہے جو آنے والی ہے قرآن کے ظاہری الفاظ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ أي بيّن واضح يراه كل أحد یعنی واضح اور ظاہر جسے ہر شخص دیکھ سکے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی جو تفسیر کی ہے کہ وہ ایک خیالی چیز ہے جو بھوک کی شدت اور قحط کی وجہ سے آنکھوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 114 2۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 407 3۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 113 4۔ ایضاً مرجع مذکور

میں نظر آتی ہے۔ اگر یہ مشرکین مکہ کے بارے میں خیالی چیز ہوتی تو یہ نہ فرمایا جاتا یَّغۡشَی النَّاسَ سب لوگوں کو ڈھانک لے گا۔

قولہ تعالیٰ هٰذَا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ انہیں تقریع وتوبیخ اور وعید کے لئے یہ کہا جارہا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: یَوۡمَ یُدَعُّوۡنَ اِلٰی نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؕ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیۡ كُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ (الطور: 14-13) ''اس روز انہیں دھکے دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے''۔ یا وہ ایک دوسرے سے کہیں گے۔

قولہ تعالیٰ رَبَّنَا اكۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ یعنی کفار اللہ کا عذاب دیکھ کر اسے دور کرنے کا مطالبہ کریں گے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ وُقِفُوۡا عَلَی النَّارِ فَقَالُوۡا یٰلَیۡتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (انعام: 27) ''اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں سے''۔ اسی طرح ایک اور آیت میں ہے: وَاَنۡذِرِ النَّاسَ یَوۡمَ یَاۡتِیۡهِمُ الۡعَذَابُ فَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا رَبَّنَاۤ اَخِّرۡنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ۙ نُّجِبۡ دَعۡوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمۡ تَكُوۡنُوۡۤا اَقۡسَمۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ مَا لَكُمۡ مِّنۡ زَوَالٍ (ابراہیم: 44) ''(اے میرے نبی!) ڈرائیے لوگوں کو اس دن سے جب آئے گا ان پر عذاب تو بول اٹھیں گے ظالم اے ہمارے رب! ہمیں مہلت دے تھوڑی دیر کے لئے۔ ہم تیری دعوت پر لبیک کہیں گے اور ہم رسولوں کی پیروی کریں گے (اے کافرو!) کیا تم قسمیں نہیں اٹھایا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تمہیں یہاں سے کہیں جانا نہیں ہے''۔ اور یہاں فرمایا: اَنّٰی لَهُمُ الذِّكۡرٰی وَقَدۡ جَآءَهُمۡ ...... مَجۡنُوۡنٌ وہ نصیحت کیسے قبول کریں گے حالانکہ ہم نے ان کی طرف رسول مبعوث فرمایا ہے جس نے رسالت اور وعید عذاب کو واضح کر دیا لیکن اس کے باوجود وہ اور ان کے ساتھی منہ موڑ گئے بلکہ آپ کی تکذیب کی اور کہنے لگے: کسی شخص نے انہیں سکھایا ہے انہیں جنون کا مرض لاحق ہو گیا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ فَزِعُوۡا فَلَا فَوۡتَ وَاُخِذُوۡا مِنۡ مَّكَانٍ قَرِیۡبٍ (سبا: 51) ''کاش! تم دیکھو جب یہ گھبرائے ہوں گے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی سے پکڑ لئے جائیں گے۔ اس وقت کہیں گے ہم ایمان لے آئے ان پر، لیکن اب کیونکر وہ پاسکتے ہیں ایمان کو اتنی دور جگہ سے۔ حالانکہ وہ کفر کرتے رہے ان سے اس سے پہلے۔ اور دور سے بن دیکھے یاوہ گوئیاں کرتے رہے۔ اور رکاوٹ کھڑی کردی جائے گی ان کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جو وہ دل سے چاہتے ہوں گے جیسے ان کے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ پہلے کیا گیا تھا۔ وہ ایسے شک میں مبتلا تھے جو دوسروں کو بھی شک میں ڈالنے والا تھا''۔

قولہ تعالیٰ اِنَّا كَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِیۡلًا اِنَّكُمۡ عَآئِدُوۡنَ اس آیت کے دو معنی ہو سکتے ہیں:۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر ہم تم سے عذاب ہٹا دیں اور دوبارہ تمہیں دار دنیا کی طرف لوٹا دیں تو تم پھر سابقہ کفر و تکذیب کی طرف لوٹ جاؤ گے جیسے ایک آیت میں آتا ہے: وَلَوۡ رَحِمۡنٰهُمۡ وَكَشَفۡنَا مَا بِهِمۡ مِّنۡ ضُرٍّ لَّلَجُّوۡا فِیۡ طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ (مومنون: 75) ''اور اگر ہم ان پر مہربانی بھی فرمائیں اور دور بھی کر دیں اس مصیبت کو جس میں مبتلا ہیں پھر بھی وہ بڑھتے جائیں گے اپنی سرکشی میں اندھے بنے ہوئے''۔ ایک اور آیت میں ہے: وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَاِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ (انعام: 28) ''اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے (جیسے ان کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں''۔

(۲) اگر عذاب کے اسباب کے منعقد ہونے اور اس کے تمہارے پاس پہنچنے کے بعد بھی ہم کچھ دیر کے لئے تم سے عذاب مؤخر کر دیں تو پھر بھی تم اپنی سرکشی اور گمراہی پر ڈٹے رہو گے ہٹانے سے مراد یہ نہیں کہ انہیں عذاب نے آلیا تھا۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے:

اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ (یونس:98)'' بجز قوم یونس کے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں ایک مدت تک)۔ عذاب ابھی آیا نہیں تھا ہاں اس کے اسباب فراہم ہو چکے تھے۔ اس سے یہ بھی لازم نہیں کہ وہ کفر سے تائب ہو کر پھر اس کی طرف لوٹ آئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا جب انہوں نے کہا: لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا (اعراف:89-88)'' نکال کر رہیں گے تمہیں اے شعیب! اور جو ایمان لائے تمہارے ساتھ اپنی بستی سے یا تمہیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں شعیب نے کہا اگر چہ ہم اس (ارتداد) کو ناپسند بھی کرتے ہوں پھر تو ہم نے ضرور بہتان باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اگر ہم لوٹ آئیں تمہارے دین میں اس کے بعد کہ جب نجات دے دی ہمیں اللہ نے اس سے''۔ ظاہر ہے حضرت شعیب علیہ السلام اس سے پہلے بھی کبھی ان کی ملت پر نہیں تھے۔ اس آیت کی تفسیر میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: تم اللہ کے عذاب کی طرف لوٹنے والے ہو۔

یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر یوم بدر سے کی ہے۔ آپ کی موافقت میں ایک جماعت کا قول بھی یہی ہے۔ جس طرح کہ دخان کی تفسیر میں مذکور ہو چکا۔ حضرت ابن عباس اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے یہ مطلب بھی ہو تو سکتا ہے لیکن بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد یوم قیامت ہے اگر چہ یوم بدر بھی پکڑ کا دن تھا۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى سے مراد غزوہ بدر کا دن لیتے ہیں جبکہ میں کہتا ہوں اس سے مراد قیامت کا دن ہے(1)۔ اس کی اسناد صحیح ہے حضرت حسن بصری اور عکرمہ سے دونوں روایتوں میں سے زیادہ صحیح یہی روایت ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّیْۤ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَقَدْ نَجَّیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ﴿۳۰﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِیًا مِّنَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 177

اٰتَیۡنٰهُمۡ مِّنَ الۡاٰیٰتِ مَا فِیۡهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیۡنٌ ﴿۳۳﴾

''اور ہم نے آزمایا تھا ان سے پہلے قوم فرعون کو اور آیا تھا ان کے پاس معزز رسول۔ (اس نے فرمایا تھا) کہ میرے حوالے کر دو اللہ کے بندوں کو میں تمہارے لئے معتبر رسول ہوں۔ اور نہ سرکشی کرو اللہ کے مقابلہ میں۔ میں لے آیا ہوں تمہارے پاس (اپنی رسالت کی) روشن دلیل۔ اور میں نے پناہ لے لی ہے اپنے رب کی اور تمہارے رب کی کہ تم مجھ پر پتھراؤ کر سکو۔ اور اگر تم ایمان لانے کے لئے تیار نہیں تو پھر مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ پس پکارا موسیٰ نے اپنے رب کو (الٰہی) بلاشبہ یہ مجرم لوگ ہیں۔ (حکم ملا) لے چلو میرے بندوں کو راتوں رات، تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ اور رہنے دو سمندر کو تھما ہوا۔ بیشک وہ ایسا لشکر ہے جو غرق ہو کر رہے گا۔ وہ چھوڑ گئے بہت سے باغات اور چشمے۔ (سرسبز) کھیتیاں اور شاندار مقامات۔ اور بہت سارا ساز و سامان جس میں وہ عیش کیا کرتے تھے۔ یونہی ہوا۔ اور ہم نے وارث بنا دیا ان تمام چیزوں کا دوسرے لوگوں کو۔ پس نہ رویا ان (کی بربادی) پر آسمان اور نہ زمین اور نہ انہیں مزید مہلت دی گئی۔ اور بے شک ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو رسوا کن عذاب سے۔ (یعنی) فرعون (کی غلامی) سے۔ بلاشبہ وہ بڑا متکبر (اور) حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا۔ اور ہم نے چنا تھا بنی اسرائیل کو جان بوجھ کر جہان والوں پر۔ اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں ایسی نشانیاں جن میں صریح آزمائش تھی''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ان مشرکین سے قبل ہم نے قوم فرعون کو آزمایا تھا۔ یہ مصر کے قبطی تھے۔

رَسُوۡلٌ کَرِیۡمٌ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

اَنۡ اَدُّوۡۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: فَاۡتِیٰهُ فَقُوۡلَاۤ اِنَّا رَسُوۡلَا رَبِّکَ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ وَ لَا تُعَذِّبۡهُمۡ ؕ قَدۡ جِئۡنٰکَ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ وَ السَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰی (طٰہٰ: 47) ''پس بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور انہیں (اب مزید) عذاب نہ دے۔ ہم لے آئے ہیں تیرے پاس ایک نشانی تیرے رب کے پاس سے۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے''۔

اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ معتبر، قابل اعتماد۔

وَّ اَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ اللہ کی آیات کی اتباع اور اس کی حجتوں کو قبول کرنے اور اس کے دلائل و براہین پر ایمان لانے سے تکبر نہ کرو، جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیۡنَ (غافر: 60) ''بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر''۔

اِنِّیۡۤ اٰتِیۡکُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ اور ظاہر اور واضح حجت کے ساتھ۔ یعنی جس کے ساتھ اللہ نے واضح آیات اور قطعی دلائل کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا۔

وَ اِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَ رَبِّکُمۡ اَنۡ تَرۡجُمُوۡنِ حضرت ابن عباس اور ابو صالح کا قول ہے کہ اس سے مراد زبان سے رجم یعنی گالی گلوچ ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ پتھروں کے ساتھ رجم کرنا یعنی میں اس اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں جس نے مجھے اور تمہیں پیدا کیا اس سے کہ تم اپنے قول یا فعل سے مجھے کوئی گزند پہنچاؤ۔

وَ اِنۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا لِیۡ فَاعۡتَزِلُوۡنِ یعنی مجھ سے تعرض نہ کرو اور میرے ساتھ صلح صفائی رکھو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے۔ پھر جب انہوں نے ان کے درمیان ایک طویل مدت گزاری اور اللہ کی دلیلیں ان کے سامنے قائم فرمائیں لیکن اس سے ان کے کفر

وعناد میں اور ہی اضافہ ہوا تو آپ نے ان کے لئے بددعا فرمائی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالَ مُوۡسٰی رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَیۡتَ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَاَهٗ زِیۡنَةً وَّ اَمۡوَالًا (یونس: 88) ''اور عرض کی موسیٰ نے اے ہمارے پروردگار! تو نے بخشا ہے فرعون اور اس کے سرداروں کو سامانِ آرائش اور مال و دولت دنیوی زندگی میں اے ہمارے مولا! کیا اس لئے کہ وہ گمراہ کرتے پھریں (لوگوں کو) تیری راہ سے۔ اے ہمارے رب! برباد کردے ان کے مالوں کو اور سخت کردے ان کے دلوں کو تاکہ وہ نہ ایمان لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا قبول کرلی گئی تمہاری دعا پس تم ثابت قدم رہو''۔

اسی طرح یہاں فرمایا: فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوۡمٌ مُّجۡرِمُوۡنَ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ بنو اسرائیل کو لے کر نکل جائیں اور فرعون کو کوئی اطلاع نہ دیں۔ اسی لئے فرمایا: فَاَسۡرِ بِعِبَادِیۡ لَیۡلًا اِنَّكُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِیۡۤ اِنَّكُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ (شعراء: 52) ''اور ہم نے وحی کی موسیٰ کی طرف کہ راتوں رات (یہاں سے) میرے بندوں کو لے جاؤ یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا''۔

وقولہ عزوجل وَاتۡرُكِ الۡبَحۡرَ رَهۡوًا ؕ اِنَّهُمۡ جُنۡدٌ مُّغۡرَقُوۡنَ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنو اسرائیل کو لے کر سمندر سے پار اتر گئے تو آپ نے دوبارہ اس پر اپنا عصا مارنا چاہا تاکہ یہ ان کے اور فرعون کے درمیان حائل ہو جائے اور وہ ان تک نہ پہنچ سکے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ارشاد فرمایا: اسے اپنی حالت پر ہی رہنے دیجئے اور ساتھ ہی آپ کو خوشخبری دی کہ یہ لشکر غرق ہونے والے ہیں۔ آپ کسی قسم کا کوئی خدشہ محسوس نہ کریں۔

وَاتۡرُكِ الۡبَحۡرَ رَهۡوًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یونہی اس کی اپنی حالت پر ہی مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے رَهۡوًا: یعنی خشک راستہ جس طرح وہ بنا ہوا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے اسے اپنی اصلی حالت پر لوٹنے کا حکم نہ دیں اور اسی طرح رہنے دیں۔

عکرمہ، ربیع بن انس، ضحاک، قتادہ، ابن زید، کعب الاحبار اور سماک بن حرب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے پھر فرمایا: كَمۡ تَرَكُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ باغات۔

وَّ عُیُوۡنٍ وَّ زُرُوۡعٍ اس سے مراد نہریں اور کنوئیں ہیں۔

وَّ مَقَامٍ كَرِیۡمٍ شاندار اور عمدہ رہائشیں۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے اس کا یہی معنی منابر کیا ہے۔

ابن لہیعۃ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: دریائے نیل تمام دریاؤں کا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب کے ہر دریا کو اس کے مطیع کردیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کو جاری کرنا چاہیں تو ہر دریا کو حکم ہوتا ہے کہ اسے اپنا پانی دو تو ہر دریا سے اسے کچھ پانی ملتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے لئے پانی کے چشمے جاری فرمادیتا ہے اور جب اس کی روانی کو منقطع کرنا مقصود ہوتا ہے تو ہر پانی کو حکم ہوتا ہے اپنے اصل کی طرف لوٹ جا۔ اور اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ان کے باغات کا یہ سلسلہ نیل کے دونوں کناروں پر اسوان سے رشید تک پھیلا ہوا تھا۔ اور اس سے سو نہریں نکلتی تھیں۔ نہر اسکندریہ، نہر دمیاط، نہر سردوس، نہر منف، نہر الفیوم، نہر مَنۡهٰی۔ یہ سب آپس میں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں۔ مصر کے اول سے لیکر آخر تک پہاڑوں کے مابین بھی کھیتیاں تھیں جن کو یہ پانی سیراب کرتا تھا۔ تمام سرزمین مصر سولہ ذراع سے سیراب ہوتی تھی۔ اس کا اندازہ انہوں نے پلوں اور خلیجوں سے لگایا تھا۔

وَّ نَعۡمَةٍ كَانُوۡا فِیۡهَا فٰكِهِیۡنَ وہ بڑی مزے کی زندگی گزار رہے تھے جو چاہتے کھاتے۔ جو چاہتے پہنتے، مال و دولت، جاہ و مرتبہ اور حکمرانی

ملی ہوئی تھی۔ ایک صبح یہ سب کچھ چھن گیا اور وہ دنیا کو چھوڑ کر واصل جہنم ہو گئے۔ بلاد مصر، اس ساری جائیداد اور ممالک قبطیہ پر بنو اسرائیل کا تسلط قائم ہو گیا۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: كَذٰلِكَ ؕ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ (شعراء:59) ''ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا''۔ ایک دوسری آیت میں آتا ہے: وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ (اعراف: 137) ''اور ہم نے وارث بنا دیا اس قوم کو جسے ذلیل و حقیر سمجھا جاتا تھا (انہیں وارث بنایا) اس زمین کے شرق و غرب کا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی اور پورا ہو گیا آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے متعلق بوجہ اس کے کہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے برباد کر دیا جو کیا کرتا تھا فرعون اور اس کی قوم اور (برباد کر دیئے) جو بلند مکان وہ تعمیر کیا کرتے تھے''۔ اور یہاں فرمایا:

كَذٰلِكَ ۫ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ مراد بنو اسرائیل ہیں جس طرح اوپر بیان ہو چکا۔

قولہ تعالیٰ فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ یعنی ان کے اعمال بھی صالح نہیں تھے جو آسمانوں سے اوپر جاتے تھے کہ جن کے نہ ہونے سے وہ روتے۔ اور نہ روئے زمین پر کوئی ایسے مقامات تھے جہاں وہ عبادت کرتے تھے کہ آج وہ انہیں نہ پا کر ان پر آنسو بہاتے۔ اس لئے وہ اس بات کے مستحق تھے کہ انہیں ان کے کفر، جرم شنیع، عناد اور سرکشی کی وجہ سے انہیں کسی قسم کی کوئی مہلت نہ دی جاتی۔ حافظ ابویعلی موصلی نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر بندے کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں۔ ایک دروازے سے اس کا رزق اترتا ہے اور دوسرے دروازے سے اس کا عمل اور کلام اوپر جاتا ہے۔ جب اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو وہ دونوں اسے نہ پا کر روتے ہیں''۔ اور اس آیت کی تلاوت فرمائی: فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ مذکور ہے کہ نہ تو وہ روئے زمین پر نیک عمل کرتے تھے کہ وہ ان پر روتے اور نہ آسمان کی طرف ان کی اچھی گفتگو اور نیک عمل جاتا تھا کہ اس کے کھو جانے پر وہ رویا کرتے (1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے موسیٰ بن عبیدۃ الربذی کی حدیث سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے شریح بن عبید الحضرمی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ شروع میں بھی غریب الدیار تھا آخر میں پھر اسی طرح ہو جائے گا۔ جس طرح ابتداء میں تھا۔ خبردار مؤمن پر کوئی مسافری نہیں۔ مؤمن حالت سفر میں نہیں مرتا جہاں اس پر رونے والا کوئی نہ ہو مگر وہاں بھی آسمان و زمین اس پر روتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اور فرمایا: ''یہ دونوں کافر پر نہیں روتے'' (2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کیا زمین اور آسمان بھی کسی پر روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے ایسی بات کے بارے میں پوچھا ہے جس کے بارے میں آج تک کسی نے نہیں پوچھا۔ ہر بندے کی زمین پر ایک نماز پڑھنے کی جگہ ہوتی ہے اور ایک جگہ آسمان میں اس کے عمل کے چڑھنے کی ہوتی ہے۔ آل فرعون کا نہ تو روئے زمین پر کوئی نیک عمل تھا اور نہ آسمان کی طرف جانے والا ان کا کوئی عمل صالح تھا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: فَمَا بَكَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ سے ایک آدمی نے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ مخلوق میں سے ہر ایک کے لئے آسمان میں دروازہ ہے جس سے اس کا رزق اترتا ہے اور اس کا عمل چڑھتا ہے۔ جب کوئی مومن اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اس کے نہ

1۔ مسند ابویعلی الموصلی، جلد 4 صفحہ 158-157 2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 125

ہونے پر آسمان روتا ہے اور زمین پر اس کی جائے نماز جہاں وہ عبادت کرتا تھا اور ذکر و اذکار کیا کرتا تھا اسے نہ پا کر روتی ہے۔ قوم فرعون کے زمین پر کوئی نیک اعمال نہیں تھے اور نہ آسمان کی طرف ان کی کوئی بھلائی بلند ہوتی تھی چنانچہ نہ تو ان پر آسمان رویا اور نہ زمین (1)۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ سفیان ثوری نے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ کہا جاتا تھا کہ زمین چالیس دن تک مؤمن پر روتی ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر وغیرہ سے اسی طرح مروی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ہی ایک اور روایت میں ہے کہ جب مؤمن کا انتقال ہوتا ہے تو آسمان اور زمین چالیس روز تک اس پر روتے ہیں۔ یہ سن کر کسی نے تعجب سے پوچھا: کیا زمین بھی روتی ہے تو آپ نے فرمایا تعجب کرتے ہو۔ زمین کو کیا ہے کہ اس بندے پر نہ روئے جو زندگی بھر اسے رکوع و سجود کے ساتھ آباد رکھتا رہا؟ اور آسمان اس بندے پر کیوں نہیں روئے گا جس کی تسبیح و تکبیر کی گونج شہد کی مکھیوں کی آواز کی طرح تھی (2)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فرعونی اللہ کے ہاں اس سے کہیں زیادہ کم تر تھے کہ ان پر زمین روئے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم کا قول نقل کیا ہے کہ آفرینش عالم سے لے کر آج تک آسمان صرف دو بندوں پر رویا ہے پوچھا گیا: کیا زمین و آسمان ہر مومن پر نہیں روتے؟ فرمایا اس کے لئے صرف وہ مقام روتا ہے جہاں سے اس کا عمل چڑھتا تھا۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا: کیا تو جانتا ہے کہ آسمان کے رونے سے کیا مراد ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں فرمایا: اس کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے جب حضرت یحیٰی بن زکریا علیہ السلام کو شہید کیا گیا تو آسمان سرخ ہو گیا اور اس سے خون برستا رہا۔ اور جب حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو شہید کیا گیا تو آسمان سرخ ہو گیا۔ یزید بن ابوزیاد کا قول ہے کہ حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت پر آسمان کے آفاق چار ماہ تک سرخ رہے۔ یزید کا قول اس کی سرخی اس کا رونا ہی ہے۔ سدی کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ عطاء خراسانی کا قول ہے آسمان کا رونا یہ ہے کہ اس کے اطراف سرخ ہو جائیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں ہی یہ ذکر فرمایا کہ اس دن کوئی پتھر نہیں اٹھایا گیا مگر اس کے نیچے تازہ خون موجود ہوتا تھا۔ اس دن سورج کو گرہن ہوا۔ افق سرخ ہو گیا اور پتھر گرے اور یہ سب باتیں محل نظر ہیں۔ بظاہر یہ شیعہ کی حماقت اور جھوٹ ہے تا کہ اس معاملے کو عظمت دی جا سکے۔ بلا شک و شبہ یہ ایک عظیم سانحہ تھا۔ لیکن یہ سب باتیں جو انہوں نے گھڑی ہیں جھوٹ ہیں۔ کیونکہ قتل حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ بڑے واقعات ہوئے لیکن یہ جو کچھ وہ ذکر کرتے ہیں ظہور پذیر نہیں ہوا۔ مثلاً آپ کے والد ماجد حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا۔ بالا جماع آپ اپنے فرزند سے افضل تھے۔ لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ اسی طرح اس سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو ظلماً محاصرے کی حالت میں شہید کیا گیا لیکن مذکورہ بالا چیزوں میں سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا۔ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو صبح کی نماز میں محراب میں شہید کیا گیا۔ مسلمانوں کو اس سے قبل کسی مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، لیکن ان میں سے کوئی بات ظاہر نہیں ہوئی اور خود رسول اکرم ﷺ جو کہ دنیا و آخرت میں سید البشر ہیں آپ ﷺ کے ارتحال کے وقت بھی کچھ نہیں ہوا۔ جس دن حضرت صاحبزادہ ابراہیم بن نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا، سورج گرہن ہوا تو لوگ کہنے لگے یہ حضرت ابراہیم کی وجہ سے گہن ہوا ہے تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو نماز کسوف پڑھائی۔ انہیں خطبہ دیا اور یہ واضح فرمایا کہ سورج اور چاند کسی کی موت یا زندگی سے گہن میں نہیں آتے (3)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 125-124 2۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 412

3۔ یہ حدیث سورۂ اسراء آیت: 59 اور سورہ حج آیت: 18 میں گزر چکی ہے نیز دیکھئے مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 249

قولہ تعالیٰ: وَلَقَدۡ نَجَّيۡنَا بَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنَ الۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ اللہ تبارک وتعالیٰ ان پر احسان جتلا رہے ہیں کہ ہم نے انہیں فرعون کی ذلت ورسوائی اور مشقت سے نجات دلائی تھی۔

قولہ تعالیٰ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا یعنی متکبر، جبار، سرکش۔ جیسے ایک دوسرے مقام پر ہے: اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِي الۡاَرۡضِ (قصص:4) ''بے شک فرعون متکبر (وسرکش) بن گیا سرزمین (مصر) میں''۔ اور فرمایا: فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا عَالِيۡنَ (مومنون:46) ''توانہوں نے بھی غرور وتکبر کیا اور وہ لوگ بڑے سرکش تھے''۔ یعنی اسراف کرنے والے۔ أي مسرف في أمره سخيف الرأي على نفسه: وہ اپنے معاملے میں اسراف کرنے والے بیوقوف تھے۔

قولہ جل وعلا وَلَقَدِ اخۡتَرۡنٰهُمۡ عَلٰى عِلۡمٍ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ۔ أي على من هم بين ظهريه اس زمانے کی جملہ اقوام پر۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انہیں اس زمانے کے لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی گئی۔ ہر زمانے کو ''عَالَم'' کہا جاتا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: يٰمُوۡسٰۤى اِنِّي اصۡطَفَيۡتُكَ عَلَى النَّاسِ (اعراف:144) ''اے موسیٰ! میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر''۔ یعنی آپ کے اہل زمانہ پر۔ اور حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا: وَاصۡطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ (آل عمران:42) ''اور پسند کیا ہے تجھے سارے جہان کی عورتوں سے''۔ یعنی ان کے زمانے میں، حالانکہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان سے افضل یا مرتبہ میں ان کے مساوی ہیں۔ اسی طرح سیدہ آسیہ بنت مزاحم جو کہ فرعون کی زوجہ تھیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر اسی طرح ہے جیسے ثرید (شوربے میں بھگوئی ہوئی روٹی) کی فضیلت دیگر تمام کھانوں پر(1)۔

قولہ وَاٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنَ الۡاٰيٰتِ یعنی دلائل وبراہین اور خارق للعادت اشیاء۔

مَا فِيۡهِ بَلٰٓـؤٌا مُّبِيۡنٌ ظاہر، واضح امتحان اس کے لئے جو ہدایت کا متلاشی ہے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوۡلُوۡنَ ﴿۳۴﴾ اِنۡ هِيَ اِلَّا مَوۡتَتُنَا الۡاُوۡلٰى وَمَا نَحۡنُ بِمُنۡشَرِيۡنَ ﴿۳۵﴾ فَاۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمۡ خَيۡرٌ اَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ ۫ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿۳۷﴾

''بے شک یہ (کفار مکہ) بھی کہتے ہیں۔ نہیں ہے (ہمارے لئے) مگر ہماری (یہی) پہلی موت اور نہ ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ بھلا ہمارے باپ دادوں کو تو زندہ کر کے لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ (اے لوگو! ذرا سوچو) کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں، ہم نے انہیں (بہمہ شوکت وحشمت) ہلاک کر دیا۔ بیشک وہ مجرم تھے''۔

مشرکین کے دوبارہ جی اٹھنے اور وقوع قیامت کے انکار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ صرف یہی دنیوی زندگی ہے اور موت کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ قبروں سے اٹھنے اور حشر بپا ہونے کی کوئی حقیقت نہیں اور اپنے سابقہ آباء واجداد سے یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ وہ فوت ہوئے لیکن واپس نہیں لوٹے اگر موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی بات برحق ہے تو فَاۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ہمارے آباء واجداد جو عرصہ ہوا اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ان کو زندہ کر کے لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ یہ باطل دلیل اور فاسد شبہ تھا کیونکہ وعدہ روز قیامت کا تھا نہ کہ دار دنیا کا۔ اس دنیا کے خاتمے کے بعد اللہ تعالیٰ دنیا کو از سر نو نئی زندگی مرحمت فرمائے گا۔ ظالموں کو جہنم

1۔ فتح الباری، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 7 صفحہ 106 مسلم، جلد 4 صفحہ 1895

کا ایندھن بنائے گا۔ اس دن تم لوگوں پر گواہ ہو گے اور رسول کریم ﷺ تم پر گواہ ہوں گے پھر انہیں تہدید اور وعید سناتے ہوئے فرمایا کہ اس کا عذاب آ جانے کے بعد واپس نہیں ہوتا جس طرح تم سے پہلے تمہارے جیسی گزشتہ مشرک قوموں کے ساتھ ہو چکا ہے۔ جیسے قوم تبع...... یہ قوم سبا تھی اور دوبارہ جی اٹھنے کی کے منکر تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ان کا ملک برباد کر دیا اور انہیں مختلف علاقوں میں تتر بتر کر دیا۔ جس طرح کہ سورۂ سبا میں اس سے پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ اس تہدید کا سبب ان کا انکار قیامت ہے۔ اسی طرح یہاں انہیں ان مشرکوں سے تشبیہ دی وہ قحطانی عرب تھے اور یہ عرب بنو عدنان سے ہیں۔ حِمْیَر جو کہ سبا سے تھے وہ اپنے بادشاہ کو تبع کے لقب سے پکارتے تھے، جس طرح فارس کا بادشاہ کسریٰ اور روم کا شہنشاہ قیصر، کافر مصر کے بادشاہ کو فرعون اور حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک تبع یمن سے نکلا اور تمام علاقے تاخت و تاراج کرتا ہوا سمرقند تک جا پہنچا۔ اس کی مملکت کی حدود کافی وسیع تھیں۔ اسی نے حیرہ کا شہر آباد کیا۔ حسن اتفاق سے اس کا گزر مدینہ طیبہ کے مقام سے ہوا۔ یہ زمانہ جاہلیت تھا اس نے یہاں کے باشندوں سے لڑنا چاہا تو وہ دن بھر اس سے لڑائی کرتے رہے اور رات کو اس کی مہمان نوازی کی۔ یہ دیکھ کر اسے حیا آ گیا اور اس نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس کے ساتھ یہاں کے دو یہودی علماء ہو گئے تھے۔ انہوں نے اسے نصیحت کی کہ اس شہر پر اس کا تصرف نہیں ہو سکتا۔ یہ مقام نبی آخر الزمان کی ہجرت گاہ ہے۔ وہ واپس لوٹ گیا اور ان دونوں کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ جب وہ مکہ مکرمہ کے مقام سے گزرا تو کعبہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ دونوں علماء اس کی راہ میں مزاحم ہوئے اور اسے اس گھر کی عظمت کے بارے میں بتایا کہ اسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر کیا تھا اور اس نبی کے ہاتھ اس کی شان میں مزید اضافہ ہو گا جو آخر زمانے میں مبعوث ہونے والا ہے۔ چنانچہ اس نے اس گھر کی تعظیم کی۔ اس کا طواف کیا اور اس پر یمنی کپڑوں کا بنا ہوا قیمتی غلاف چڑھایا۔ اور واپس یمن چلا گیا اور وہاں کے باشندوں کو یہودیت اختیار کرنے کی دعوت دی۔ اس وقت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ اس کے ساتھ یمن کے اکثر لوگوں نے یہودیت اختیار کر لی۔ یہ قصہ الامام محمد بن اسحٰق نے اپنی کتاب سیرۃ میں مفصل ذکر فرمایا ہے(1) اور حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اس کے حالات شرح و بسط سے بیان کئے ہیں۔ ان میں سے کچھ چیزوں کو ہم نے یہاں چھوڑ دیا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ دمشق اس کے زیر نگیں تھا اور جب وہ لشکر کا معائنہ کرتا تو اس کی صفیں دمشق سے یمن تک ہوتی تھیں۔ پھر عبد الرزاق کی سند سے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نہیں جانتا کہ حدود لگنے سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور مجھے معلوم نہیں تبع ملعون تھا یا نہیں؟ مجھے پتہ نہیں کہ ذوالقرنین نبی تھا یا بادشاہ''(2)۔ دیگر روایات میں ہے: ''کیا عزیر نبی تھے یا نہیں؟'' ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس حدیث کی روایت صرف عبد الرزاق سے ہے۔ پھر ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے: ''عزیر میں نہیں جانتا کہ نبی تھے یا نہیں؟ اور مجھے یہ بھی علم نہیں کہ تبع پر لعنت بھیجنی چاہئے یا نہیں؟'' اس کے بعد ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے وہ تمام روایات ذکر کی ہیں جن میں تبع کو سب وشتم کرنے اور لعنت بھیجنے کی ممانعت آئی ہے۔ اس کا تذکرہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ کافر تھا پھر اسلام لے آیا اور اپنے زمانے کے یہودی علماء کے ہاتھ پر اس وقت کے دین برحق، شریعت کلیمی کی پیروی کی۔ یہ بعثت حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے کا واقعہ ہے۔ بنو جرہم

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 28-19 2۔ ابوداؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 218

کے زمانہ میں بیت اللہ کا حج کیا اور بیت اللہ شریف کو ریشم وحبر کا قیمتی غلاف پہنایا اور تعظیم وتکریم کے طور پر یہاں چھ ہزار اونٹ ذبح کئے۔ اور یمن واپس لوٹ گیا۔ حافظ ابن عسا کر نے یہ قصہ بالتفصیل اور متعدد سندوں سے روایت کیا ہے جو حضرت ابی بن کعب، عبداللہ بن سلام، عبداللہ بن عباس اور کعب احبار رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اصل قصہ کا دار و مدار حضرت کعب احبار اور عبداللہ بن سلام پر ہے اور وہ مستند، بزرگ اور بہت بڑے عالم ہیں۔ وہب بن منبہ اور محمد بن اسحٰق نے سیرت میں یہی واقعہ بیان کیا ہے جس طرح کہ مشہور ہے۔ ابن عسا کر رحمۃ اللہ علیہ نے اس تبع کے واقعہ کے ساتھ ایک دوسرے تبع کے واقعات کو ملا دیا ہے جو اس کے بہت عرصہ بعد گزرا ہے۔ اسی تبع کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے۔ اس کی قوم اس کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئی تھی۔ جب وہ فوت ہو گیا تو دوبارہ بت پرستی ان میں عود کر آئی۔ ان کے اسی فعل کو قرآن نے سورۂ سبا میں ذکر کیا ہے۔ وہاں ان کا واقعہ تفصیلا مذکور ہے۔ وللّٰه الحمد والمنّة۔ سعید بن جبیر کا قول ہے تبع نے کعبہ پر غلاف چڑھایا تھا اور حضرت سعید اس کی تنقیص سے منع فرماتے تھے(1)۔ یہ تبع، درمیانی تبع (تبع الاوسط) تھا۔ اس کا نام ابو کریب بن ملیکرب یمانی تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنی قوم پر تین سو چھبیس سال تک حکومت کی۔ شاہان حمیر میں اس سے زیادہ طویل حکومت کسی کی نہیں ہوئی۔ یہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے تقریباً سات سو سال قبل فوت ہوا۔ یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ جب مدینہ کے یہودی علماء نے اسے بتایا کہ یہ شہر نبی آخر الزمان کی جائے ہجرت ہے۔ جن کا نام احمد ہوگا۔ تو اس نے کچھ شعر کہے اور بطور امانت اہل مدینہ کے پاس رکھے۔ وہ قصیدہ بطور میراث ان کے پاس رہا اور اس کی روایت نسل در نسل چلتی رہی۔ یہ ابو ایوب خالد بن زید کو حفظ تھا جن کے ہاں نبی کرم ﷺ ہجرت کے بعد قیام فرما ہوئے وہ قصیدہ اس طرح ہے:

شَهِدْتُ عَلَى أَحْمَدَ أَنَّهُ رَسُوْلٌ مِنَ اللّٰه بَارِي النَّسَم
فَلَوْ مُدَّ عُمْرِيْ إِلَى عُمْرِهِ لَكُنْتُ وَزِيرًا لَهُ وَابْنَ عَمّ
وَجَاهَدْتُ بِالسَّيْفِ أَعْدَاءَهُ وَفَرَّجْتُ عَنْ صَدْرِهِ كُلَّ غَمّ (2)

ابن ابی دنیا نے لکھا ہے کہ زمانہ اسلام میں صنعاء میں ایک قبر کھودی گئی تو اس میں دو عورتوں کے اجسام بالکل صحیح وسالم حالت میں پائے گئے ان کے سرہانے چاندی کی ایک تختی لگی تھی جس پر سونے سے یہ عبارت لکھی ہوئی تھی: ''یہ قبر حبی اور لمیس کی ہے''۔ ایک روایت میں حُبّیٰ اور تماضر کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ تبع کی صاحبزادیاں تھیں۔ یہ دونوں مرتے وقت اس بات کی گواہی دیتی تھیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتی تھیں۔ اس سے پہلے بھی صالحین کا انتقال اسی بات پر ہوتا رہا ہے۔ سورۂ سبا میں ہم نے اس بارے میں سبا کے شعر بھی نقل کر دیئے ہیں(3)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت کعب تبع کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ اس کی تعریف نیک آدمی کی طرح کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی قوم کی مذمت فرمائی اور اس کی مذمت نہیں کی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں: ''تبع کو برامت کہو وہ ایک نیک آدمی تھا''(4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تبع کو گالی نہ دو وہ اسلام لے آیا تھا''۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 129

2۔ ان ابیات کا ترجمہ اس طرح ہے (میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد، خالق کائنات کے رسول ہیں۔ آپ کے زمانے تک بقید حیات رہا تو ضرور آپ کا ساتھی اور چچازاد بن کر رہوں گا اور آپ کے دشمنوں سے تلوار کے ساتھ جنگ کروں گا اور آپ سے ہر غم کو دور کروں گا۔ (مترجم)

3۔ ان اشعار کے لئے دیکھئے سورہ سبا آیت: 15

4۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 129-128، مستدرک، جلد 2 صفحہ 450

نے اپنی مسند میں ابن لہیعہ سے یہی روایت ذکر کی ہے (1)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تبع کے خلاف دشنام طرازی نہ کرو وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تھا (2)۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھا یا غیر نبی؟'' یہ حدیث پہلے اسی سند سے بروایت ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ گزر چکی ہے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ اس طرح ہیں: ''مجھے نہیں پتہ تبع ملعون تھا یا نہیں'' واللہ اعلم۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کا قول کیا ہے: ''تبع کو گالی نہ دیا کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے برا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۰﴾ یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَیْــٴًـا وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۲﴾

''اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان و زمین کو مگر حق کے ساتھ لیکن ان میں سے اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ یقیناً فیصلہ کا دن ان سب کو (دوبارہ زندہ کرنے کے لئے) مقرر وقت ہے۔ جس روز کوئی دوست کسی دوست کے ذرا کام نہیں آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ سوائے ان کے جن پر اللہ نے رحم فرمایا ہے۔ بیشک وہ سب پر غالب، ہمیشہ رحم کرنے والا ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے عادل ہونے، لہو ولعب، بے فائدہ اور باطل چیزوں سے اپنے پاک صاف ہونے کی خبر دے رہا ہے۔ ایک اور آیت میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ (ص:27) ''اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ۔ یہ تو کفار کا گمان ہے۔ پس بربادی ہے کفار کے لئے آگ (کے عذاب) سے''۔ ایک دوسری آیت میں ہے: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ (مومنون:115) ''کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔ پس بہت بلند ہے اللہ جو بادشاہِ حقیقی ہے (بے مقصد تخلیق سے) نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ وہ مالک ہے عزت والے عرش کا''۔

قال تعالیٰ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مراد یوم قیامت ہے جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلے فرمائے گا۔ کفار کو عذاب اور مومنین کو جزا عطا فرمائے گا۔

قولہ عزوجل مِیْقَاتُهُمْ اَجْمَعِیْنَ: اولین وآخرین سب کو جمع فرمائے گا۔

قولہ عزوجل یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَیْــٴًـا کوئی رشتہ دار دوسرے کو فائدہ نہیں دے سکے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىٕذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ (مومنون:101) ''تو جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی ان کے

1۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 340 2۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 11 صفحہ 296

درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے''۔ ایک اور جگہ آتا ہے: وَلَا یَسْـَٔلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا ﴿۱۰﴾ یُّبَصَّرُوْنَهُمْ (معارج: 10-11) ''اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا۔ دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو''۔ یعنی بھائی اپنے بھائی کا حال نہیں پوچھے گا حالانکہ وہ اسے اپنے سامنے دیکھ رہا ہوگا۔

قولہ عزوجل وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ کوئی رشتے دار اپنے قریبی کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا اور نہ کوئی بیرونی مدد آئے گی۔

پھر فرمایا: اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ کوئی چیز اس روز فائدہ نہیں دے سکے گی مگر اللہ کی رحمت اپنی مخلوق کے شامل ہوگی۔

اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ وہ عزیز و غالب ہے۔ وسیع رحمت والا ہے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

'' بلاشبہ زقوم کا درخت گنہگار کی خوراک ہوگا۔ پگھلے تانبے کی مانند۔ پیٹوں میں جوش مارے گا۔ جیسے کھولتا پانی جوش مارتا ہے۔ (حکم ہوگا) اس (نابکار) کو پکڑ لو پھر اسے گھسیٹ کر لے جاؤ جہنم کے وسط میں۔ پھر انڈیلو اس کے سر کے اوپر کھولتا پانی (اسے) عذاب دینے کے لئے۔ لو چکھو۔ تم بڑے معزز و مکرم ہو۔ بے شک یہ وہ ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے منکر کفار کی سزا کا بیان ہو رہا ہے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ: الاثیم أی فی قوله و فعله: یعنی اپنے قول و فعل میں بدکار اور فاجر اور وہ کافر ہے۔ متعدد مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس آیت کا مصداق ابوجہل ہے۔ اس کے اس آیت کی وعید میں داخل ہونے میں کوئی شک نہیں تاہم یہ صرف اس کے حق میں ہی نازل نہیں ہوئی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہمام بن حارث سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ ایک شخص کو یہ آیت پڑھا رہے تھے تو اس نے الاثیم کی جگہ طعام الیتیم پڑھ دیا۔ تو حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یوں کہو: إن شجرت الزقوم طعام الفاجر یعنی اس کے علاوہ اسے کھانے کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔ مجاہد رحمۃ اللہ کا قول ہے اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی زمین پر گر جائے تو اہل زمین کی معاش کو خراب کر دے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی پہلے یہی بات بیان ہو چکی ہے (1)۔

قولہ عزوجل كَالْمُهْلِ: عَكَرُ الزیت: تیل کی تلچھٹ۔

یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْیِ الْحَمِیْمِ جوش مارے گا اپنی حرارت اور بدمزگی کے باعث (2)۔

قولہ خُذُوْهُ یعنی کافر کو۔ روایات میں آتا ہے کہ جہنم کے داروغوں کو یہ حکم ہوگا تو ستر ہزار فرشتے اس کی طرف دوڑ پڑیں گے۔

قولہ فَاعْتِلُوْهُ اسے اوندھے منہ گھسیٹ کر لے جاؤ دھکے دیتے ہوئے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اسے پکڑ لو اور آگے دھکیلو۔ فرزدق شاعر کہتا ہے:

1۔ دیکھئے سورۃ صافات آیت: 62

4۔ بعض نسخوں میں تغلی (تاء کے ساتھ) کے الفاظ بھی آئے ہیں باقی سات قاریوں نے اسے تا کے ساتھ اور ابن کثیر اور حفص نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ (الاقناع، جلد 2 صفحہ 763)

لَیْسَ الْکِرَامُ بِنَا حِلِیْکَ أَبَاھُمُ حَتّٰی تُرَدَّ إِلٰی عَطِیَّةَ تُعْتَلُ (1)

اِلٰی سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ یعنی اس کے وسط میں۔

ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِهٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِیۡمِ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: یُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِیۡمُ ﴿۱۹﴾ یُصۡهَرُ بِهٖ مَا فِیۡ بُطُوۡنِهِمۡ وَ الۡجُلُوۡدُ (حج:20-19) ''انڈیلا جائے گا ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی۔گل جائے گا اس کھولتے پانی سے جو کچھ ان کے شکموں میں ہے اور ان کی چمڑیاں بھی گل جائیں گی''۔اس بات کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ فرشتہ اسے لوہے کا گرز مارے گا تو اس کا دماغ گھل جائے گا۔پھر اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا تو وہ اس کی آنتوں سے ہوتا ہوا ٹخنوں سے آر پار نکل جائے گا۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

قولہ تعالیٰ ذُقۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡکَرِیۡمُ ازراہ سرزنش اور توبیخ یہ کہا جا رہا ہے۔ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: یعنی نہ تو عزت والا ہے اور نہ بزرگ۔اموی نے اپنے مغازی میں لکھا ہے: حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابوجہل ملعون سے ملے اور فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں یہ کہہ دوں'' یہ سن کر اس نے آپ کے ہاتھ سے آپ کا کپڑا کھینچتے ہوئے کہا: تو اور تیرا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔تم جانتے ہو میں اہل بطحاء کی حفاظت کرتا ہوں اور عزت و تکریم والا ہوں۔فرمایا: چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے بدر کے دن قتل کیا اور ذلیل و رسوا کیا۔اس آیت کے ساتھ اسے عار دلائی جا رہی ہے: ذُقۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡکَرِیۡمُ۔

قولہ اِنَّ هٰذَا مَا کُنۡتُمۡ بِهٖ تَمۡتَرُوۡنَ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ بِهَا تُکَذِّبُوۡنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحۡرٌ هٰذَاۤ اَمۡ اَنۡتُمۡ لَا تُبۡصِرُوۡنَ (الطور:15-14) ''(انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔کیا یہ (آگ) جادو (کا کرشمہ) ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آ رہی''۔اسی لئے یہاں فرمایا: اِنَّ هٰذَا مَا کُنۡتُمۡ بِهٖ تَمۡتَرُوۡنَ۔

اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ مَقَامٍ اَمِیۡنٍ ﴿۵۱﴾ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۵۲﴾ یَّلۡبَسُوۡنَ مِنۡ سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ ﴿۵۳﴾ کَذٰلِکَ ۟ وَ زَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ ﴿۵۴﴾ یَدۡعُوۡنَ فِیۡهَا بِکُلِّ فَاکِهَةٍ اٰمِنِیۡنَ ﴿۵۵﴾ لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡهَا الۡمَوۡتَ اِلَّا الۡمَوۡتَةَ الۡاُوۡلٰی ۚ وَ وَقٰهُمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ ﴿۵۶﴾ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ ذٰلِکَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّهُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۵۸﴾ فَارۡتَقِبۡ اِنَّهُمۡ مُّرۡتَقِبُوۡنَ ﴿۵۹﴾

''یقیناً پرہیزگار امن کی جگہ میں ہوں گے۔باغات میں اور (بہتے ہوئے) چشموں میں۔پہنے ہوئے ہوں گے لباس باریک اور دبیز ریشم کا، آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ہاں یونہی ہوگا اور ہم بیاہ دیں گے انہیں گوری گوری آہو چشم عورتوں سے۔وہ منگوا لیا کریں گے وہیں ہر قسم کا پھل اطمینان سے۔نہ چکھیں گے وہاں موت کا ذائقہ بجز اس پہلی موت کے اور اللہ نے بچا لیا ہے انہیں عذابِ جہنم سے۔محض آپ کے رب کی مہربانی سے۔یہی وہ بڑی کامیابی ہے۔(جس کی انہیں آرزو تھی) پس ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔سو آپ بھی انتظار کیجئے وہ بھی انتظار کرنے

1۔تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 133، دیوان فرزدق، جلد 2 صفحہ 160

والے ہیں''۔

بدبختوں کا ذکر کرنے کے بعد اب نیکوکاروں اور سعادت مندوں کا ذکر ہو رہا ہے اسی لئے قرآن کریم کو مثانی کہا گیا ہے۔

فقال اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ جو دار دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہے۔

فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ: أي في الآخرة یعنی آخرت میں اور وہ جنت ہے۔ وہ اس میں موت اور باہر نکلنے سے محفوظ ہوں گے اور ہر غم و اندوہ، حزن وملال، تھکن، پریشانی، شیطان اور اس کے شر سے اور تمام مصیبتوں اور بلاؤں سے آزاد ہوں گے۔

فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ دوزخیوں کے مقابلے میں انہیں یہ نعمتیں ملیں گی اور وہ زقوم اور کھولتا ہوا پانی پی رہے ہوں گے۔

مِنْ سُنْدُسٍ اعلیٰ درجے کا ریشم۔ یعنی قمیص وغیرہ پہننے کو ملیں گی۔

وَّ اِسْتَبْرَقٍ چمکدار، زرق برق کپڑا۔ یہ ظاہری لباس ہے جو کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے۔

مُّتَقٰبِلِیْنَ پلنگوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے کسی کی پیٹھ دوسرے کی طرف نہ ہوگی۔

قولہ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ ایسی عطاء کے ساتھ ساتھ ہم انہیں گوری رنگت والی خوبصورت آہو چشم عورتوں سے بیاہ دیں گے۔ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن:60-56) ''جن کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ تو گویا یاقوت اور مرجان ہیں۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے''۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی نوح اسے مرفوع قرار دیتے تھے فرمایا: اگر وہ گوری رنگت والی حور کھارے سمندر میں اپنا لعاب ڈال دے تو اس کی تاثیر و حلاوت سے سارا سمندر آب شیریں بن جائے (1)۔

قولہ عزوجل یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِیْنَ جو پھل و میوہ وہ طلب کریں گے فوراً پیش کر دیا جائے گا۔ نہ یہ فکر ہوگا کہ مطلوبہ مقدار نہیں ملے گی اور نہ یہ خدشہ کہ یہ ذخیرہ کہیں ختم نہ ہو جائے۔

قولہ عزوجل لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی یہ استثناء نفی کی تاکید کے لئے ہے۔ یہ استثناء منقطع ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ یہاں انہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ صحیحین میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: موت کو ایک چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا۔ اور جنت و دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔ ارشاد ہوگا اے اہل جنت اب دوام ہے کوئی موت نہیں آئے گی اور اے اہل جہنم اب ہمیشہ کی زندگی ہے موت کا کوئی تصور نہیں یہ حدیث سورۂ مریم میں گزر چکی ہے (2)۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' اہل جنت سے کہہ دیا جائے گا کہ یہاں تم ہمیشہ تندرست رہو گے، کبھی بیمار نہ ہو گے۔ ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی نہ مرو گے، ہمیشہ خوشحال رہو گے، کبھی خستہ حال نہ ہو گے۔ ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے''۔ مسلم نے اسے بروایت عبدالرزاق ذکر کیا ہے (3)۔ ابوبکر بن داؤد السجستانی نے حضرت عبید اللہ بن عمرو اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' جو اللہ سے ڈرتا رہا، جنت میں داخل ہوگا، ناز و نعمت میں ہو

1۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 421 2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ ہود آیت 8-1 سورۃ مریم آیت: 39 3۔ مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2182

گا۔ کوئی رنج و تکلیف نہ ہوگی۔ ہمیشہ زندہ رہے گا اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اس کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوں گے اور عالم شباب کبھی رخصت نہ ہوگا''۔ ابو القاسم طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: کیا اہل جنت سوئیں گے؟ تو آپ نے فرمایا: ''نیند موت کی بہن ہے اور اہل جنت نہیں سوئیں گے''(1)۔ ابوبکر بن مردویہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نیند موت کی بہن ہے اور جنتی سوئیں گے نہیں''۔ ابوبکر بزار نے بھی اپنی مسند میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے عرض کی گئی: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا اہل جنت کو نیند آئے گی؟'' فرمایا: ''نہیں، نیند موت کی بہن ہے''(2)۔

قولہ تعالیٰ وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ یعنی ان عظیم سرمدی نعمتوں کے ساتھ ساتھ اللہ نے انہیں جہنم کے عذاب سے نجات دے دی ہے۔ پس انہیں مطلوب حاصل ہے اور خوف و اندیشہ سے نجات۔ اسی لئے فرمایا: فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ یہ سب احسانات اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا ثمرہ ہوں گے، جس طرح صحیح میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی شان مذکور ہے کہ ''عمل کرو، اللہ کی نزدیکی چاہو اور اعتدال اختیار کرو اور جان لو کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جا سکتا۔'' عرض کی گئی: ''یا رسول اللہ ﷺ! اور نہ آپ کو بھی؟'' فرمایا: ''اور نہ مجھے ہاں اگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانپ لے''(3)۔

قولہ عزوجل فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ یعنی ہم نے اس قرآن کو آسان، واضح اور بین کر کے نازل فرمایا ہے اور آپ کی مادری زبان میں اتارا جو تمام زبانوں سے زیادہ فصیح، قابل فہم، شیریں اور اعلیٰ ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ تا کہ وہ اسے سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ اس وضاحت کے باوجود جب لوگ کفر، عناد اور سرکشی پر اتر آئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے، دشمنوں پر نصرت کا وعدہ کرتے ہوئے اور جھٹلانے والے کو ہلاکت اور تباہی کی وعید سناتے ہوئے فرمایا: فَارْتَقِبْ یعنی انتظار کیجئے۔ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ عنقریب وہ جان لیں گے نصرت اور کامیابی کسے ملتی ہے۔ دنیا و آخرت میں ڈنکا کس کا بجتا ہے۔ بلاشبہ اے محمد! یہ آپ کے لئے آپ کے بھائی انبیاء و مرسلین اور آپ کے پیروکاروں کے لئے ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (مجادلہ: 21) ''اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آکر رہیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے''۔ اور فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (غافر: 52-51) ''بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے۔ اس روز نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور ان کے لئے لعنت ہوگی۔ اور ان کے لئے (دوزخ کا) بدترین گھر ہوگا''۔

سورۂ دخان کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد والمنۃ وبہ التوفیق والعصمۃ

1۔ طبرانی: الاوسط، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 415
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 4 صفحہ 193
3۔ یہ حدیث سورۂ فاطر آیت: 35 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

سورۃ الجاثیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾ وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۴﴾ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۵﴾

"حا۔میم اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین میں (اس کی یکتائی اور قدرت کی) نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لئے۔ اور (خود) تمہاری پیدائش میں اور ان حیوانات میں جن کو پھیلا رہا ہے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔ نیز گردش لیل و نہار میں اور جو اتارا ہے اللہ نے آسمان سے رزق (کا سبب مینہ) پھر زندہ کر دیا اس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور ہواؤں کے اِدھر اُدھر چلنے میں نشانیاں ہیں ان کے لئے جو عقلمند ہیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی راہنمائی فرماتا ہے کہ اس کی نعمتوں اور عظیم قدرت میں غور و فکر کرو جس کے ساتھ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے۔ اور ان کے اندر انواع و اقسام اور مختلف اجناس کی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں جیسے ملائکہ، جن و انس، چوپائے، پرندے، جنگلی جانور درندے اور حشرات الأرض اور سمندر میں بھی متنوع قسم کی مخلوق پیدا فرمائی اور رات دن کا مسلسل ایک دوسرے کے پیچھے آنا۔ اس طرح کہ وہ کوتاہی نہ کریں۔ ایک کے ساتھ تاریکی ہے اور دوسرے کے ساتھ روشنی اور اللہ تبارک و تعالیٰ بادلوں سے بوقت ضرورت جو بارش نازل فرماتا ہے اور اسے رزق کا نام دیا ہے کیونکہ رزق اسی سے حاصل ہوتا ہے۔

فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا اس کے بعد کہ یہ بنجر تھی اس میں نباتات اور دوسری کوئی چیز نہ تھی۔

قولہ عز و جل وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ یعنی جنوباً شمالاً دبوراً اور صبا (1)۔ خشکی سے آنے والی، سمندر سے آنے والی، رات اور دن کی ہوائیں۔ کچھ ان میں سے بارش لاتی ہیں۔ کچھ بادلوں کو پانی سے لاد دیتی ہیں۔ کچھ روح کی غذا ہیں اور کچھ بانجھ ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

چنانچہ پہلے فرمایا: لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ پھر فرمایا: وہ یقین رکھتے ہیں، پھر فرمایا: سمجھتے ہیں اس ترتیب میں ایک بلند رتبہ سے دوسرے بلند تر مرتبہ کی طرف ترقی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ آیات سورۂ بقرہ کی ان آیات کے مشابہ ہیں: اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ الۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ بَثَّ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ

1۔ صبا: وہ ہوا جو مشرق سے چلتی ہے جب رات و دن برابر ہوں اسے "القبول" کہتے ہیں۔ الدبور: یہ مغرب سے چلتی ہے اور قبول کے مقابل ہے

دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ(بقرہ:164) ''بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کی گردش میں اور جہازوں میں جو چلتے ہیں سمندر میں وہ چیزیں اٹھائے جو نفع پہنچاتی ہیں لوگوں کو اور جو اتارا اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی پھر زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور پھیلا دیئے اس میں ہر قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلتے رہنے میں اور بادل میں جو حکم کا پابند ہو کر آسمان اور زمین کے درمیان (لٹکتا رہتا) ہے (ان سب میں) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں''۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک عجیب وغریب اثر روایت کیا ہے جس میں انسان کو چار اخلاط سے پیدا کرنے کا بیان ہے، واللہ اعلم۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝

''یہ سب نشانیاں ہیں اللہ کی (قدرت کی) ہم بیان کرتے ہیں انہیں آپ پر حق کے ساتھ۔ پس وہ کونسی ایسی بات ہے جس پر وہ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد ایمان لائیں گے۔ ہلاکت ہے ہر جھوٹے بدکار کے لئے۔ جو سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے پھر بھی وہ (کفر پر) اڑا رہتا ہے غرور کرتے ہوئے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں۔ پس آپ اسے دردناک عذاب کا مژدہ سنا دیں۔ اور جب وہ آگاہ ہوتا ہے ہماری آیتوں میں سے کسی پر تو ان کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ یہی وہ (بدقماش) ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔ ان کے آگے جہنم ہے۔ اور ان کے ذرا کام نہ آئے گا جو انہوں نے (عمر بھر) کمایا اور نہ وہ کسی کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مددگار بنایا تھا۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہو گا۔ یہ قرآن سراپا ہدایت ہے۔ اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا ان کے لئے دردناک عذاب ہے سخت ترین عذاب میں سے''۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ یعنی قرآن اور اس میں جو دلائل و براہین ہیں۔

نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ یہ حق ہیں اور اپنے ضمن میں حق کو لئے ہوئے ہیں اگر وہ ان پر ایمان نہیں لاتے اور ان کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے تو اللہ اور اس کی آیات کے بعد آخر کس چیز پر ایمان لائیں گے؟

پھر فرمایا: وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ: أي أفاك في قوله بات میں جھوٹا، قسمیں اٹھانے والا، رسوا، أثيم في فعله وقلبه: اپنے دل اور عمل کے اعتبار سے بدکار۔ اللہ کی آیات کا انکار کرنے والا۔ اسی لئے فرمایا: يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ یعنی اس پر پڑھی جاتی ہیں۔

ثُمَّ یُصِرُّ پھر وہ اپنے کفر اور انکار پر اڑا رہتا ہے تکبر اور عناد کے ساتھ۔

کَاَنۡ لَّمۡ یَسۡمَعۡهَا گویا کہ اس نے انہیں نہیں سنا۔

فَبَشِّرۡهُ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ اسے بتا دیجئے کہ روز قیامت اللہ کے ہاں اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَ اِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰیٰتِنَا شَیۡـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا یعنی جب قرآن میں سے کوئی چیز یاد کر لے تو اس کا انکار کرتا ہے اور تمسخر اڑانا شروع کر دیتا ہے۔

اُولٰٓئِکَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ قرآن کی اہانت اور بے قدری کی سزا کے طور پر۔ مسلم نے صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کو دشمن کی سرزمین کی طرف لے جانے سے منع فرمایا اس خدشہ سے کہ دشمن کہیں اس کی بے ادبی کرے(1) پھر قیامت کے دن آنے والے عذاب کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ جَهَنَّمُ ان بد اطوار کے حامل سب لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

وَ لَا یُغۡنِیۡ عَنۡهُمۡ مَّا کَسَبُوۡا شَیۡـًٔا ان کے اموال اور اولاد انہیں کوئی فائدہ نہ دیں گے۔

وَّ لَا مَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِیَآءَ ان کے معبود انہیں کوئی فائدہ نہ دیں گے۔ اللہ کو چھوڑ کر جن کی وہ عبادت کرتے رہے۔ ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔ ثم قال تبارک و تعالیٰ: هٰذَا هُدًی۔

لَهُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ اَلِیۡمٌ: المؤلم الموجع المناک، دردانگیز اور لرزہ خیز۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَکُمُ الۡبَحۡرَ لِتَجۡرِیَ الۡفُلۡکُ فِیۡهِ بِاَمۡرِهٖ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾ وَ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مِّنۡهُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یَغۡفِرُوۡا لِلَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجۡزِیَ قَوۡمًۢا بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَ مَنۡ اَسَآءَ فَعَلَیۡهَا ۫ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۵﴾

”اللہ وہ ہے جس نے مسخر کر دیا ہے تمہارے لئے سمندر کو تاکہ رواں رہیں اس میں کشتیاں اس کے حکم سے اور تاکہ تم (بحری تجارت سے) تلاش کرو اس کا فضل اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کیا کرو۔ اور اس نے مسخر کر دیا تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اپنے حکم سے۔ بیشک اس (نظام) میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کیا کرتے ہیں۔ (اے حبیب!) فرمائیے اہل ایمان کو کہ درگزر کرتے رہیں ان لوگوں سے جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی تاکہ اللہ تعالیٰ خود بدلہ دے ہر قوم کو جو وہ کیا کرتے تھے۔ جو نیک عمل کرتا ہے پس وہ اپنے بھلے کے لئے کرتا ہے۔ اور جو برا کرتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہوگا۔ پھر اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا“۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ ان کے لئے سمندر کو مسخر فرمایا۔

1۔ متفق علیہ، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1491-1490

لِتَجۡرِىَ الۡفُلۡكُ۔ کشتیاں۔

فِيۡهِ بِاَمۡرِهٖ اسی نے سمندر کو ان چیزوں کے اٹھانے کا حکم دیا ہے۔

وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ أي في المتاجر و المكاسب تجارت میں۔

وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ یعنی دور دراز مقامات سے جو منافع اور فوائد تمہیں حاصل ہوتے ہیں ان پر شکر ادا کرو۔

قال وَسَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ یعنی ستارے، پہاڑ، سمندر، دریا اور ہر وہ چیز جس سے تم فائدہ اٹھاتے ہو یعنی یہ سب کچھ اسی کا فضل و کرم اور احسان ہے چنانچہ فرمایا: جَمِيۡعًا مِّنۡهُ: اس وحدہ لاشریک کی جناب سے۔ جس طرح ایک دوسری آیت میں آتا ہے: وَمَا بِكُمۡ مِّنۡ نِّعۡمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيۡهِ تَجۡـَٔرُوۡنَ (النحل:53) ''اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں، پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی جناب میں گڑگڑاتے ہو''۔ ابن جریر نے بطریق عوفی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ نام اس کے اسماء میں سے ایک نام ہے۔ چنانچہ یہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے۔ اس بارے میں کوئی اس سے تنازعہ نہیں کر سکتا اور یہ یقین کر کہ وہ اسی طرح ہے(1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابواراکہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا مخلوق کی پیدائش کس سے ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا نور، آگ، تاریکی اور مٹی سے۔ فرمایا: ابن عباس کے پاس جاؤ اور ان سے دریافت کرو۔ وہ آدمی گیا تو آپ نے بھی یہی جواب دیا اور فرمایا: ابن عمر کے پاس جاؤ اور پوچھو یہ سب کس چیز سے پیدا ہوئے؟ اس آدمی نے واپس آ کر یہی پوچھا تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَسَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ...... یہ اثر غریب ہے اور منکر بھی۔ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ۔

قولہ تعالیٰ قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يَغۡفِرُوۡا لِلَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ اَيَّامَ اللّٰهِ یعنی تاکہ وہ ان سے درگزر کریں اور ان سے تکلیف برداشت کریں۔ یہ ابتداء اسلام کی بات ہے کہ انہیں مشرکین اور اہل کتاب کی ایذاء رسانی پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ اس سے ان کی تالیف قلوب ہو۔ لیکن جب وہ اپنے عناد پر اڑے رہے تو اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے جہاد اور شمشیر زنی کو مشروع فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ سے یہی مروی ہے(2)۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے يَرۡجُوۡنَ اَيَّامَ اللّٰهِ کی تفسیر میں لکھا ہے۔ وہ اللہ کی نعمتوں کو نہیں پاتے۔

لِيَجۡزِىَ قَوۡمًۢا بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ یعنی دنیا میں انہیں معاف کر دیتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ آخرت میں انہیں ان کے اعمال سیئہ کی سزا دے گا۔ چنانچہ فرمایا: مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا ۖ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ تم روز قیامت اس کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ تمہارے اعمال کھول کر تمہارے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ وہ تمہیں اچھے برے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۚ﴿16﴾ وَاٰتَيۡنٰهُمۡ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ ۚ فَمَا اخۡتَلَفُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ ۙ بَغۡيًۢا بَيۡنَهُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقۡضِىۡ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿17﴾ ثُمَّ

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 143
2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 145-144

جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ
يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَ اللّٰهُ وَلِيُّ
الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

''اور بے شک ہم نے عطا فرمائی بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت اور ہم نے ان کو پاکیزہ رزق دیا اور انہیں بزرگی دی (اپنے زمانے کے) اہل جہاں پر۔ اور ہم نے انہیں دین کے معاملہ میں واضح دلائل دیئے۔ پس آپس میں انہوں نے جھگڑنا شروع نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ انہیں (حقائق کا) صحیح علم آ گیا۔ محض باہمی حسد وعناد کے باعث۔ یقیناً آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن باتوں میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ پھر ہم نے پختہ کر دیا آپ کو صحیح راہ پر دین کے معاملہ میں۔ پس آپ اس کی پیروی کرتے رہیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو بے علم ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں آپ کو قطعاً کچھ فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔ بلاشبہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا دوست ہے۔ یہ بصیرت افروز باتیں ہیں سب لوگوں کے لئے اور (باعث) ہدایت ورحمت ہیں ان کے لئے جو یقین رکھتے ہیں''۔

بنی اسرائیل پر جو انعامات فرمائے گئے ان کا ذکر ہو رہا ہے، کتابوں کا نازل کرنا، رسولوں کا بھیجنا اور سلطنت عطا فرمانا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ......۔

الطَّيِّبٰتِ پاکیزہ رزق، کھانے پینے کی اشیاء۔

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ یعنی ان کے زمانے میں۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ قطعی دلائل وبراہین۔ ان پر حجتیں قائم ہو گئیں۔ اس کے بعد وہ اختلاف کرنے لگے۔ یہ ایک دوسرے کے خلاف سرکشی کی وجہ سے تھا۔

اِنَّ رَبَّكَ اے محمد!۔

يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ...... ان کے درمیان فیصلے فرمائے گا اپنے عدل وانصاف کی رو سے۔ اس میں اس امت کے لئے بھی تحذیر ہے کہ مبادا ان کی راہ پر چلے۔

چنانچہ فرمایا: ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا اللہ وحدہٗ لاشریک جس کے سوا کوئی معبود نہیں کی طرف سے آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے اس کی پیروی کیجئے اور مشرکین سے رخ پھیر لیجئے۔

وقال جل وعلا اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ایک دوسرے کے ساتھ ان کی دوستی انہیں کیا فائدہ دے گی؟ یہ ایک دوسرے کی بربادی اور ہلاکت میں ہی اضافہ کریں گے۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ وہ انہیں تاریکیوں سے نور کی طرف لے جائے گا۔ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے دوست طاغوت ہیں وہ انہیں روشنیوں سے ظلمات کی طرف لے جاتے ہیں۔

ثم قال عز وجل هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ یعنی یہ قرآن۔

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ كَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحۡیَاهُمۡ وَ مَمَاتُهُمۡ ؕ سَآءَ مَا یَحۡكُمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَ لِتُجۡزٰی كُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا كَسَبَتۡ وَ هُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلۡمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰی سَمۡعِهٖ وَ قَلۡبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنۡ یَّهۡدِیۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۳﴾

”کیا خیال کر رکھا ہے ان لوگوں نے جو ارتکاب کرتے ہیں برائیوں کا کہ ہم بنا دیں گے انہیں ان لوگوں کی مانند جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ یکساں ہو جائے ان (دونوں) کا جینا اور مرنا۔ بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو جو اس نے کمایا اور ان پر (قطعاً) ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ذرا اس کی طرف تو دیکھو جس نے بنا لیا ہے اپنا خدا اپنی خواہش کو اور گمراہ کر دیا ہے اسے اللہ نے باوجود علم کے اور مہر لگا دی ہے اس کے کانوں اور اس کے دل پر اور ڈال دیا ہے اس کی آنکھوں پر پردہ۔ پس کون ہدایت دے سکتا ہے اسے اللہ کے بعد۔ (لوگو) کیا تم غور نہیں کرتے“۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ مومن اور کفار برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں آتا ہے: لَا یَسۡتَوِیۡۤ اَصۡحٰبُ النَّارِ وَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ؕ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ (حشر:20) ”یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی اور اہل جنت۔ اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں“۔

وقال تعالیٰ اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ یہ برے اعمال کمائے۔

سَوَآءً مَّحۡیَاهُمۡ وَ مَمَاتُهُمۡ یعنی دنیا و آخرت میں ہم انہیں برابر کر دیں گے۔

سَآءَ مَا یَحۡكُمُوۡنَ کتنا برا ہے وہ گمان جو انہوں نے ہمارے اور ہمارے عدل کے متعلق کیا کہ ہم نیکوکاروں اور بدکاروں کے ساتھ آخرت اور دنیا دونوں میں برابری کا سلوک کریں گے۔

حافظ ابویعلیٰ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی بنیاد چار ارکان پر رکھی ہے جو ان سے باز رہا اور ان پر عمل نہ کیا تو وہ خدا سے فاسق ہو کر ملے گا۔ پوچھا گیا: اے ابوذر وہ کیا چیزیں ہیں فرمایا اللہ کے حلال و حرام اور امر و نہی کو اس کے حوالے کر دے (یعنی یہ عقیدہ رکھے کہ یہ چاروں چیزیں صرف اسی کے اختیار میں ہیں) فرمایا: ابوالقاسم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جس طرح ببول کے درخت سے انگور نہیں چنے جا سکتے اسی طرح بدکار لوگ نیک لوگوں کا مرتبہ حاصل نہیں کر سکتے“۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔

محمد بن اسحٰق نے اپنی کتاب السیرۃ میں لکھا ہے کہ کعبہ کی بنیاد سے ایک پتھر ملا۔ اس پر لکھا ہوا تھا: تم برائیاں کرتے ہو اور نیکیوں کی امید رکھتے ہو؟ ہاں یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح خاردار درخت سے انگور چننا(1)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسروق سے روایت کیا ہے

1۔ یہ اثر سورۃ نحل آیت: 62 کی تفسیر میں گزر چکا ہے

کہ حضرت تمیم الداری قیام لیل میں ایک دفعہ صبح تک یہی آیت دہراتے رہے۔ اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ كَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ(1) اسی لئے فرمایا: سَآءَ مَا یَحۡكُمُوۡنَ۔

وقال عزوجل بِالۡحَقِّ: عدل وانصاف کے ساتھ۔ وَلِتُجۡزٰی كُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ۔

ثم قال جل وعلا: اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اپنی خواہش کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ جس چیز کو اچھا سمجھا وہ کام کر دیا اور جسے قبیح خیال کیا اسے چھوڑ دیا۔ یہ آیت معتزلہ کے خلاف دلیل بن سکتی ہے جو وہ یہ کہتے ہیں کہ اشیاء کا حسین اور قبیح ہونا عقلی ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کسی چیز کو پسند نہیں کرتا مگر اس کی پرستش کرنے لگتا ہے۔

وقولہ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلۡمٍ کے دو احتمال ہیں: (۱) ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ پہلے سے جانتا ہے کہ یہ اس کا مستحق ہے اس لئے اسے گمراہ کر دیا۔

(۲) دوسری صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اس کے پاس علم پہنچ جانے اور دلیل قائم ہو جانے کے بعد اللہ نے اسے گمراہ کر دیا۔ دوسرا معنی پہلے کو مستلزم ہے اور اس کے برعکس نہیں۔

وَّخَتَمَ عَلٰی سَمۡعِهٖ وَقَلۡبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً چنانچہ وہ نفع بخش بات سن نہیں سکتا اور جو چیز اسے راہ ہدایت پر گامزن کر سکے اس کی طرف التفات نہیں کرتا اور کسی دلیل کو حجت نہیں تصور کرتا کہ اس سے عرفان حاصل کرے۔

قال تعالیٰ فَمَنۡ یَّهۡدِیۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ اسی طرح ایک اور آیت میں ہے: مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَیَذَرُهُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ (اعراف: 186) ”جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو نہیں کوئی ہدایت دینے والا اسے۔ وہ رہنے دیتا ہے انہیں کہ اپنی گمراہی میں بھٹکتے رہیں“۔

وَقَالُوۡا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَنَحۡیَا وَمَا یُهۡلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ ۚ وَمَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا یَظُنُّوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ یُحۡیِیۡكُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُكُمۡ ثُمَّ یَجۡمَعُكُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾

”اور وہ کہتے ہیں نہیں (کوئی دوسری) زندگی بجز ہماری دنیا کی زندگی کے (یہیں) ہم نے مرنا اور زندہ رہنا ہے اور نہیں کوئی فنا کرتا ہمیں مگر زمانہ۔ حالانکہ انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں۔ وہ محض ظن (وتخمین) سے کام لے رہے ہیں۔ اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تو (ان کے جواب میں) ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی بجز اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ لے آؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو۔ فرمائیے اللہ نے زندہ فرمایا ہے تمہیں پھر وہی مارے گا تمہیں پھر جمع کرے گا تمہیں روز قیامت میں جس میں ذرا شک نہیں، لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے“۔

دہریہ کفار اور ان کے ہم عقیدہ مشرکین عرب کے بارے میں خبر دی جارہی ہے کہ یہ قیامت کے منکر تھے۔

وَقَالُوۡا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَنَحۡیَا صرف یہ دنیوی زندگی ہی ہے ایک قوم مرتی ہے دوسری اس کی جگہ لیتی ہے۔ قیامت کوئی چیز نہیں۔ قیامت کے منکر مشرکین عرب یہی کہتے تھے اور فلاسفہ میں سے علم کلام کے ماہرین ابتداء زندگی اور قیامت کے منکر تھے اور فلاسفہ

1۔ المعجم الکبیر: 50

میں سے دھریۃ اور دوریّۃ یہی کہتے تھے۔ وہ وجودِ خدا کے منکر تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہر چھتیس ہزار سال گزرنے پر ہر چیز پہلے کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ یعنی زمانے کا ایک دور ختم ہو جاتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ یہ لامتناہی سلسلہ مسلسل اسی طرح جاری ہے۔ انہوں نے عقل کو بڑا تصور کیا اور منقول کا انکار کیا۔ اسی لئے کہنے لگے: وَمَا يُهْلِكُنَآ إِلَّا الدَّهْرُ۔

قال تعالیٰ: إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّوْنَ وہ وہم اور تخیلات میں مبتلا ہیں۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جیسے صحیحین اور ابوداؤد ونسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے کیونکہ وہ ''دھر'' کو برا بھلا کہتا ہے، حالانکہ 'انا الدھر' میں زمانہ ہوں۔ سارا اختیار میرے دست قدرت میں ہے میں رات اور دن کو بدلتا رہتا ہوں''(1)۔ ایک دوسری روایت میں ہے: ''دھر کو برا بھلامت کہو اللہ تعالیٰ ہی دھر ہے''(2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک بالکل غریب انداز سے وارد کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''زمانہ جاہلیت میں لوگ کہا کرتے تھے ہمیں رات دن ہلاک کرتے ہیں۔ وہی ہمیں زندہ کرتے اور مارتے ہیں۔ تو اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا: وَقَالُوْا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ...... اور زمانے کو گالی دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابن آدم مجھے ایذاء دیتا ہے وہ (دھر) زمانے کو گالی دیتا ہے حالانکہ میں دھر ہوں۔ ہر چیز میرے اختیار میں ہے میں ہی رات دن کو بدلتا ہوں(3)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''اللہ فرماتا ہے ابن آدم دھر کو گالی دیتا ہے اور میں دھر ہوں۔ میرے ہاتھ میں رات دن ہیں۔'' صحیحین اور نسائی میں اسی طرح مروی ہے(4)۔

محمد بن اسحٰق نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندے سے قرضہ مانگا اس نے مجھے کچھ نہ دیا۔ مجھے میرے بندے نے گالیاں دیں۔ وہ کہتا ہے: ''ہائے زمانہ اور زمانہ میں ہوں''(5)۔

امام شافعی اور ابوعبیدہ وغیرہ ائمہ نے اس حدیث ''لا تسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر''۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کو جب کوئی سختی، آفت اور تکلیف پہنچتی تھی تو وہ کہا کرتے برا ہو زمانے کا اور ان افعال کو دھر کی طرف منسوب کرتے اور اسے گالی دیتے۔ حالانکہ ان سب چیزوں کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ گویا کہ انہوں نے اللہ کو گالی دی کیونکہ اللہ تعالیٰ دھر ہے جس کی طرف وہ ان افعال کو منسوب کرتے ہیں۔ اس کی تفسیر میں سب سے عمدہ بات یہی کہی گئی ہے اور یہی مراد ہے واللہ اعلم۔ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر ظاہریہ نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ دھر اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔

قولہ تعالیٰ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ جب ان کے سامنے دلیل قائم کردی جاتی ہے اور حق واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اجسام کے فنا ہو جانے اور بکھر جانے کے بعد دوبارہ ان کے اعادہ پر قادر ہے۔

مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّآ أَنْ قَالُوا ائْتُوْا الآیۃ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو انہیں زندہ کر کے دکھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا:

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ یعنی جس طرح تمہارا مشاہدہ ہے کہ وہ تمہیں عدم سے وجود میں لاتا ہے: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ (بقرہ:28) ''کیونکر تم انکار کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ جاثیہ، جلد 8 صفحہ 544، مسلم، کتاب الالفاظ من الادب، جلد 4 صفحہ 1762، ابوداؤد، جلد 4 صفحہ 369

2۔ ایضاً مسلم حوالہ مذکورہ بالا، مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 311-299

3۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 152

4۔ فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 564، مسلم، کتاب الفاظ من الادب، جلد 4 صفحہ 1762

5۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 152

تمہیں زندہ کرے گا''۔ جو ابتداء پر قادر ہے وہ اعادے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم:27) اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے۔ پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے''۔

ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ یعنی تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا نہ کہ اس دار دنیا میں کہ تم یہ مطالبہ شروع کر دو۔ ثم ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (تغابن:9) ''جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن یہی گھاٹے کے ظہور کا دن ہے۔ اور جو ایمان لے آیا اللہ پر اور نیک عمل کرتا رہا اللہ دور فرما دے گا اس سے اس کے گناہوں کو اور داخل فرمائے گا اسے باغوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے ندیاں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے تا ابد یہی بہت بڑی کامیابی ہے''۔

لَا رَيْبَ فِيْهِ یعنی اس میں شک وشبہ نہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ اسی لئے وہ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور دوبارہ زندہ ہونے کو بعید از قیاس تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا (معارج:7-6) ''کفار کو تو یہ بہت دور نظر آتا ہے۔ (لیکن) ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں''۔ وہ اس کے واقع ہونے کو بعید سمجھتے ہیں جبکہ مؤمنین اسے آسان اور قریب سمجھتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ تَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

''اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس روز سخت نقصان اٹھائیں گے باطل پرست۔ اور آپ دیکھیں گے ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا۔ ہر گروہ کو بلایا جائے گا اس کے صحیفہ (عمل) کی طرف۔ (انہیں کہا جائے گا) آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ یہ ہمارا نوشتہ ہے جو بولتا ہے تمہارے بارے میں سچ۔ ہم لکھ لیا کرتے تھے جو تم (دنیا میں) عمل کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ وہ دنیا وآخرت میں ان کے مابین فیصلے فرمانے والا ہے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ روز قیامت۔

يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ اور وہ اللہ سے کفر کرنے والے اور اپنے رسول پر اس نے جو آیات بینات نازل فرمائی ہیں کا انکار کرنے والے ہیں۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سفیان ثوری مدینہ آئے تو آپ نے سنا کہ معافری لوگوں کو ہنسا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا: اے شیخ تمہیں پتہ ہے کہ اللہ کے پاس ایک دن نقصان اٹھائیں گے باطل پرست؟ چنانچہ اس بات کا معافری پر بہت اثر ہوا اور مرتے دم تک قائم رہا۔ (بروایت ابن ابی حاتم)

قال تعالیٰ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً گھٹنوں کے بل شدت اور عظمت کی وجہ سے۔ کہا جاتا ہے کہ اس روز جب جہنم سامنے لائی جائے گی تو وہ زور سے سانس لے گی تو ہر شخص گھٹنوں کے بل گر جائے گا۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت عیسیٰ علیہ

السلام بھی نفسی نفسی پکاریں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، کعب احبار اور حسن بصری کا قول ہے کہ جاثیہ کا معنی ہے گھٹنوں کے بل۔ عکرمہ کے نزدیک مراد یہ ہے کہ ہر گروہ جداگانہ الگ الگ ہوگا اور گھٹنوں کے بل نہیں ہوگا لیکن پہلی تفسیر ہی زیادہ بہتر ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن باباہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''گویا میں تمہیں جہنم کے پاس ایک ٹیلے پر گھٹنوں کے بل جھکے دیکھ رہا ہوں'' (1)۔ اسماعیل بن رافع مدنی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً صور والی حدیث میں روایت کیا ہے کہ لوگ الگ الگ ہو جائیں گے اور قومیں گھٹنوں کے بل جھک جائیں گی۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً۔ یہاں دونوں اقوال کو جمع کر دیا ہے اور اس میں کوئی تضاد نہیں۔ واللہ اعلم (2)۔

قولہ تعالیٰ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا یعنی صحیفہ اعمال کی طرف۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ (زمر: 69) ''اور رکھ دیا جائے گا دفتر عمل اور حاضر کئے جائیں گے انبیاء اور (دوسرے) گواہ اور فیصلہ کر دیا جائے گا''۔

قال تعالیٰ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ ..... تمہارے نیک و بد اعمال کا تمہیں بدلہ دیا جائے گا۔ جیسے ارشاد فرمایا: یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَىٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ۞ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۞ وَّ لَوْ اَلْقٰى مَعَاذِیْرَهٗ (قیامہ: 14-13) ''آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا۔ بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے احوال پر نظر رکھتا ہے۔ خواہ وہ (زبان سے ہزار) بہانے بناتا رہے''۔

قال هٰذَا كِتٰبُنَا یَنْطِقُ عَلَیْكُمْ بِالْحَقِّ کسی بیشی کے بغیر تمہارے تمام اعمال حاضر کر دیئے جائیں گے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَ یَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّ لَا كَبِیْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (الکہف: 49) ''اور رکھ دیا جائے گا (ان کے سامنے) نامہ اعمال پس تو دیکھے گا مجرموں کو کہ وہ ڈر رہے ہوں گے اس سے جو اس میں ہے اور کہیں گے صد حیف! اس نوشتہ کو کیا ہو گیا ہے کہ نہیں چھوڑا ہے اس نے کسی چھوٹے گناہ کو اور نہ کسی بڑے گناہ کو مگر اس نے اس کا شمار کر لیا ہے۔ اور (اس دن) وہ پالیں گے جو عمل انہوں نے کئے تھے اپنے سامنے۔ اور آپ کا رب تو (اے حبیب!) کسی پر زیادتی نہیں کرتا''۔

قولہ عزوجل اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ہم نے محافظ فرشتوں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ تمہارے اعمال کو لکھتے رہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے کہ ملائکہ بندوں کے اعمال لکھتے ہیں پھر انہیں لے کر آسمان کی طرف جاتے ہیں اور ان فرشتوں سے ملتے ہیں جو دیوان اعمال میں ہیں چنانچہ وہ اسے لوح محفوظ میں لکھے ہوئے اعمال سے ملاتے ہیں۔ جو ہر رات اتنی مقدار کے مطابق ان پر ظاہر ہوتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے آفرینش مخلوق سے قبل لکھا ہے تو وہ اسے بلا کم و کاست یعنی اس میں ایک حرف کی کمی و زیادتی نہیں پاتے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی: اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ۞ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۟ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ۞ وَ اِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ السَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 428 2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ انعام آیت: 73 اور ابتدائے سورۃ حج

اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَ بَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَ قِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٤﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَ لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَ لَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۪ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٧﴾

''پس جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ یہی وہ روشن کامیابی ہے۔ اور جولوگ کفر کرتے رہے (ان سے پوچھا جائے گا) کیا میری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت نہیں کی جاتی تھیں پھر تم (سن کر) تکبر کیا کرتے تھے اور تم لوگ (عادی) مجرم تھے۔ اور جب (تمہیں) کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں تو تم (بڑے غرور سے) کہتے ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے۔ ہمیں تو یونہی ایک گمان سا ہوتا ہے، اور ہمیں اس پر (قطعاً) یقین نہیں۔ اور ظاہر ہو گئے ان کے لئے برے نتائج ان کے کرتوتوں کے اور (ہر طرف سے) گھیر لیا انہیں اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اور (انہیں) کہہ دیا گیا آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے فراموش کئے رکھا اپنے اس دن کی ملاقات کو اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے۔ اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ یہ اس لئے کہ تم نے بنا رکھا تھا اللہ کی آیتوں کو مذاق اور فریب میں مبتلا کر دیا تھا تمہیں دنیوی زندگی نے۔ پس آج وہ نہیں نکالے جائیں گے آگ سے اور نہ انہیں توبہ کر کے اپنے رب کو راضی کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ پس اللہ کے لئے ہیں سب تعریفیں جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا (اور وہی) سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور فقط اسی کے لئے بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور وہی عزت والا، حکمت والا ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس فیصلے کی خبر دے رہا ہے جو وہ قیامت کے دن اپنی مخلوق کے درمیان فرمائے گا۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ان کے دل ایمان لائے اور ان کے اعضاء خالص شریعت کے مطابق نیک عمل کرتے رہے۔

فَیُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِیْ رَحْمَتِهٖ اور یہ جنت ہے۔ جس طرح صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے تیرے ساتھ میں جس پر چاہوں رحم کروں گا(1)۔

الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ: أی البین الواضح یعنی واضح، روشن۔

قال تعالیٰ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۟ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ؟ بطور زجر و توبیخ انہیں ایسا کہا جائے گا کیا تمہارے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی تو تم ان کی اتباع سے انکار کرتے رہے اور ان کو سننے سے منہ موڑے رہے۔ اپنے افعال کی بناء پر تم مجرم قرار پائے۔ تمہارے دل اللہ کے فرمان کی تکذیب پر مشتمل تھے۔

وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ...... یعنی مومن جب تمہیں یہ کہیں گے۔

1۔ متفق علیہ، فتح الباری، تفسیر سورۃ ق: 595، مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2187-21186

قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ یعنی ہم اسے نہیں جانتے۔

اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا ہمیں تو اس کے وقوع پذیر ہونے کا ظن (گمان) سا ہوتا ہے اور وہ بھی مرجوح۔

بِمُسْتَیْقِنِیْنَ: أي متحققين، ہمیں یقین نہیں ہے۔

قال تعالیٰ وَبَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا ان کے اعمال سیۂ کی سزا ان کے سامنے آجائے گی۔

وَحَاقَ بِهِمْ انہیں گھیر لے گا۔

مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ یعنی عذاب وجزا۔

وَقِیْلَ الْیَوْمَ نَنْسٰىكُمْ ہم تمہارے ساتھ بھول جانے والے کی طرح سلوک کریں گے یعنی تمہیں جہنم میں ڈال کر۔

كَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا یعنی تم نے اچھے اعمال نہیں کئے کیونکہ تمہیں اس کے واقع ہونے کا یقین ہی نہ تھا۔

وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی سے فرمائے گا۔ کیا میں نے تیری شادی نہ کی تھی؟ کیا میں نے تجھے عزت نہ دی تھی؟ کیا میں نے گھوڑے اور اونٹ تیرے لئے مسخر نہیں فرمائے تھے؟ کیا میں نے تجھے دنیا میں ایسا نہیں چھوڑا تھا کہ تو لوگوں سے لوٹ کا چوتھائی مال لیا کرتا تھا اور سرداری کرتا تھا؟(1) وہ کہے گا اے میرے پروردگار یہ سب کچھ سچ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''کیا تجھے معلوم تھا کہ تو نے میری بارگاہ میں پیش ہونا ہے؟'' وہ کہے گا نہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''آج میں تجھے اسی طرح بھلا دوں گا جس طرح تو مجھے بھول گیا تھا''(2)۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ہم نے تمہیں یہ جزا اس لئے دی کہ تم اللہ کی نشانیوں کا مذاق اڑاتے رہے۔

وَّغَرَّتْكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا تمہیں دنیوی زندگی نے دھوکہ دیا اور تم اسی پر قانع ہو کر بیٹھے رہے اور خسارہ پانے والے ہو گئے۔ اسی لئے فرمایا:

فَالْیَوْمَ لَا یُخْرَجُوْنَ مِنْهَا یعنی آگ سے۔

وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ان سے توبہ کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا بلکہ بغیر حساب وعتاب کے سزا دی جائے گی۔ جس طرح مومنین کا ایک گروہ بغیر حساب وکتاب جنت میں داخل ہوگا۔ مومنین وکفار کے بارے میں اپنا فیصلہ کرنے کے بعد فرمایا:

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ ان کا اور جو کچھ ان کے مابین ہے اس کا مالک ہے۔ اسی لئے فرمایا: رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

پھر فرمایا: وَلَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی ''سلطان'' کیا ہے سلطنت یعنی وہ عظیم بزرگی والا ہے ہر چیز اس کی مطیع اور اس کی محتاج ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''بڑائی میرا ازار (تہبند) اور کبریائی میری چادر ہے۔ جو کوئی ان میں سے کسی چیز کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ میں اسے جہنم رسید کروں گا''(3) مسلم نے بھی اس حدیث کو بروایت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے(4)۔

1۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ ہر قوم کا سردار لوٹ مار کے مال میں سے ایک چوتھائی اپنے لئے نکال لیتا اور باقی لوٹنے والوں میں تقسیم ہوتا تھا۔

2۔ یہ حدیث سورۂ بقرہ آیت: 46 اور سورۃ اعراف آیت: 51 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

3۔ ابوداؤد، کتاب البر، جلد 8 صفحہ 36-35، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1397، مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 442, 427, 414, 376, 248, 19-6

4۔ مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2023

سورۃ الاحقاف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝1 تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝2 مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا
بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝3 قُلْ
اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي
السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝4 وَمَنْ
اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ
غٰفِلُوْنَ ۝5 وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝6

"حا۔ میم۔ اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو سب پر غالب، بہت دانا ہے۔ نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور مدت مقرر تک۔ اور کفار اس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے روگردانی کرنے والے ہیں۔ فرمائیے (اے کفار!) کبھی تم نے (غور سے) دیکھا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا (خدا سمجھ کر) پکارتے ہو (بھلا) مجھے بھی تو دکھاؤ جو پیدا کیا ہے انہوں نے زمین سے یا ان کا آسمانوں (کی تخلیق) میں کچھ حصہ ہے۔ لاؤ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے اتری ہو، یا کوئی (دوسرا) علمی ثبوت اگر تم سچے ہو۔ اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔ اور جب جمع کیے جائیں گے لوگ (روزِ محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ اس نے قرآن حکیم اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا اور اپنے آپ کو غلبہ اور قوت اور اقوال وافعال میں حکمت سے متصف فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا: وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ (الحجر:85) "اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو نیز جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ"۔ یعنی عبث اور بیکار نہیں بنایا۔ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى (انعام:2) "اور ایک میعاد مقرر ہے"۔ یعنی ایک مخصوص مدت تک جس میں کمی اور اضافہ نہیں ہو سکتا۔

قولہ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ یعنی غافل ہیں حالانکہ ان پر کتاب اتاری گئی ہے اور رسول مبعوث فرمایا گیا ہے اور وہ ان سب سے اعراض کیے ہوئے ہیں یعنی وہ عنقریب اس کا انجام جان لیں گے۔

پھر فرمایا قُلْ یعنی غیر اللہ کی عبادت کرنے والے ان مشرکین سے کہہ دیجئے۔

اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ یعنی زمین و آسمان میں سے جو کچھ انہوں نے پیدا کیا ہے مجھے

دکھا دیجئے۔

اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ آسمان وزمین میں ان کا کچھ حصہ نہیں اور وہ گٹھلی کے چھلکے برابر بھی ملکیت نہیں رکھتے۔ بادشاہی اور تصرف جب صرف اللہ کا ہے تو تم اس کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اور اس کے ساتھ شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ کس نے اس بات کی طرف تمہاری راہنمائی کی ہے؟ کس نے اس طرف تمہیں بلایا ہے؟ کیا اس نے تمہیں یہ حکم دیا ہے؟ یا اس چیز کی تجویز تم نے خود پیش کی تھی؟ اسی لئے فرمایا: اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ یعنی اللہ کی طرف سے انبیاء پر نازل کردہ کتب میں سے کوئی ایسی کتاب لاؤ جو ان بتوں کی پرستش کا حکم دیتی ہو۔

اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اپنے موقف کی کوئی علمی دلیل۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ تمہارے پاس اس بات کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے۔ اسی لئے دوسروں نے یوں پڑھا ہے:

اَوْ اَثْرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ یعنی اسلاف سے حاصل کردہ صحیح علم (1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد بیّنۃ (گواہی، دلیل) ہے (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے سفیان کا قول ہے کہ میں نہیں جانتا مگر نبی اکرم ﷺ سے کہ اس سے مراد خط (تحریر) ہے (3)۔ ابوبکر بن عیاش نے اس کا معنی بقیہ علم کیا ہے۔ حسن بصری کا قول ہے کہ کوئی ایسی چیز جسے وہ نکال کر پھیلائے۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، ابوبکر بن عیاش کی ایک رائے کے مطابق اس سے مراد تحریر ہے۔ قتادہ نے اس سے مراد خاص علم لیا ہے۔ یہ سب اقوال ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور انہیں جنت میں مقام عطا فرمائے (4)۔

قولہ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ یعنی اس شخص سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوسکتا ہے جو بتوں کو پکارتا ہے اور ان سے اس چیز کا سوال کرتا ہے جو وہ قیامت تک دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں نہ پکڑتے ہیں کیونکہ وہ تو جمادات، گونگے پتھر ہیں۔

قولہ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ جیسے ارشاد باری ہے: وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (مریم: 82-81) '' اور انہوں نے بنالئے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا کہ وہ ان کے لئے مددگار بنیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ جھوٹے خدا انکار کردیں گے ان کی عبادت کا۔ اور وہ (الٹے) ان کے دشمن ہوجائیں گے''۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّ يَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (العنکبوت: 25) '' کہ تم نے بنالیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (وپیار) کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں۔ پھر قیامت کے دن تم انکار کروگے ایک دوسرے کا اور پھٹکار بھیجوگے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانا آتش (جہنم) ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار''۔

1۔ روح المعانی للآلوسی، جلد 26 صفحہ 6
2۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 3
3۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 226
4۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 3

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَاۤ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَ لَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ وَ مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞

''اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں جو روشن ہیں تو کہتے ہیں کفار حق کے بارے میں، جب ان کے پاس آیا، کہ یہ کھلا جادو ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ نبی نے اس کو خود گھڑ لیا ہے۔ فرمائیے اگر میں نے اس کو خود گھڑا ہے تو تم اس طاقت کے مالک نہیں کہ مجھے اللہ سے چھڑا لو۔ وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم مشغول ہو۔ وہ کافی ہے بطور گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان، اور وہ بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ آپ کہیے میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں اور میں (از خود یہ) نہیں جان سکتا کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور کیا کیا جائے گا تمہارے ساتھ۔ میں تو پیروی کرتا ہوں جو وحی میری طرف کی جاتی ہے اور میں نہیں ہوں مگر صاف صاف ڈرانے والا''۔

مشرکین کے کفر و عناد کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں: اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ جب ان پر اللہ کی آیات بینات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ اسے واضح جادو کا نام دینے لگتے ہیں۔ انہوں نے جھوٹ بولا، افتراء باندھا، گمراہ اور کافر ہو گئے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ حضور ﷺ کی ذات مراد لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اگر میں نے جھوٹ بولا ہے اور نبوت کا سچا دعویٰ نہیں کیا تو وہ مجھے سخت سزا دے اور اہل زمین میں سے کوئی بھی مجھے نجات نہ دلا سکے۔ جیسے ایک اور آیت میں فرمایا: قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۞ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ (الجن: 24-23) ''آپ فرمائیے مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ میں پا سکتا ہوں اس کے بغیر کہیں پناہ البتہ میرا فرض صرف یہ ہے کہ پہنچا دوں اللہ کے احکام اور اس کے پیغامات''۔ ایک اور آیت میں فرمایا: لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۞ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۞ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۞ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ (الحاقۃ: 47-44) ''اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔ پھر ہم کاٹ دیتے اس کی رگ دل۔ پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا''۔ اس آیت میں کفار کے لئے شدید وعید ہے۔

قولہ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ انہیں توبہ اور رجوع کی تلقین کی جا رہی ہے یعنی یہ سب کچھ کرنے کے باوجود اگر تم لوٹ آؤ اور توبہ کر لو تو وہ تمہاری توبہ قبول فرما لے گا اور تمہاری مغفرت فرما دے گا۔ یہی مضمون سورۂ فرقان کی ایک آیت میں ہے: وَ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۞ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (الفرقان: 6-5) ''اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے اس شخص نے لکھوا لیا ہے انہیں پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح و شام (تا کہ از بر ہو جائیں) آپ فرمائیے اتارا ہے اس کو اس (خدا) نے جو جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو۔ واقعی وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ

رحم فرمانے والا ہے''۔

قولہ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ میں سب سے پہلا رسول نہیں ہوں بلکہ مجھ سے پہلے بھی کئی رسول آ چکے ہیں۔ میں کوئی ایسی چیز نہیں لایا جسے تم عجیب سمجھ کر اس کا انکار کر دو اور اسے بعید از قیاس تصور کرنے لگو۔ مجھ سے پہلے بہت سے انبیاء مبعوث ہوئے۔

حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ نے (بِدْعًا) کا معنی پہلا رسول ہی کیا ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اور کچھ نقل نہیں فرمایا(1)۔

وقولہ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت میں یہی نقل کیا ہے۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح:2)'' تاکہ دور فرما دے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے''۔

عکرمہ، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ آیت لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ...... سے منسوخ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اب اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے کہ وہ آپ سے اور ہم سے کیا سلوک کرنے والا ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ (الفتح:5)'' تاکہ داخل کر دے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو باغوں میں''۔ انہوں نے یہی لکھا ہے اور صحیح میں بھی یہی مذکور ہے کہ مؤمنین نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ کو تو مبارک ہو، ہمارا کیا بنا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی(2)۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے مجھے معلوم نہیں کہ اس کے بعد مجھے کیا حکم ہوگا اور کس چیز سے روکا جائے گا؟ ابوبکر ہذلی نے حضرت حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ معاذ اللہ آپ کو یہ تو علم تھا کہ آخرت میں آپ جنت میں ہیں لیکن دنیا کے بارے میں فرمایا کہ مجھے اپنے بارے میں علم نہیں کہ دنیا سے اسی طرح جاؤں گا جیسے سابقہ انبیاء یا مجھے سابقہ انبیاء کی طرح قتل کر دیا جائے گا اور مجھے نہیں معلوم کہ تمہیں دھنسا دیا جائے گا یا تم پر پتھروں کی بارش ہوگی؟(3)۔ یہ قول وہی ہے جس پر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اعتماد کیا ہے اس کے علاوہ اور کوئی تفسیر درست نہیں اور بلاشک وشبہ یہی تاویل آپ ﷺ کے مقام کے مناسب بھی ہے کہ آخرت کے بارے میں تو آپ کو یہ یقین تھا کہ آپ اور آپ کے پیروکار جنتی ہیں لیکن دنیا میں اپنا اور مشرکین مکہ کا علم نہیں تھا کہ وہ ایمان لائیں گے یا کفر پر اڑے رہیں گے اور عذاب نازل کر کے انہیں جڑ سے اکھیڑ دیا جائے گا؟ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ام علاء سے مروی ہے کہ میں نے خواب دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے جنت میں نہر جاری ہے تو آپ نے فرمایا یہ اس کا عمل ہے۔ بخاری اس روایت میں منفرد ہیں(4)۔ یہ اور اس طرح کی دیگر آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ جنتی صرف اسی کو کہا جا سکتا ہے جس کے بارے میں واضح نص ہو جیسے عشرہ مبشرہ، عبداللہ بن سلام، عمیصاء، بلال، سراقہ، جابر کے والد عبداللہ بن عمرو بن حزام، ستر قراء جو بئر معونہ کے پاس شہید ہوئے، زید بن حارثہ، جعفر اور ابن رواحہ وغیرہ۔

قولہ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ میں اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جو اللہ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 6 — 2۔ ترمذی نے اسے سورۃ فتح کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے دیکھئے عارضۃ الاحوذی، جلد 12 صفحہ 149 اور لکھا ہے ''حسن صحیح''

3۔ تفسیر طبری، جلد 66 صفحہ 8-7 — 4۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 436، فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 114

مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ
قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا
لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا
فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

”فرمائیے کیا تم نے کبھی اس پر غور کیا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا انکار کر دو (اس کا انجام کیا ہوگا؟) حالانکہ گواہی دے چکا ہے ایک گواہ بنی اسرائیل سے اس کی مثل پر اور وہ ایمان بھی لے آیا اور تم نے تکبر کیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم لوگوں کو۔ اور کفار اہل ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف۔ اور کیونکہ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوئی قرآن سے تو یہ اب ضرور کہیں گے کہ (اجی) یہ تو وہی پرانا جھوٹ ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے کتابِ موسیٰ رہنما اور رحمت بن کر آ چکی ہے۔ اور یہ کتاب (قرآن) تو اس کی تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے تا کہ بروقت خبردار کر دے ظالموں کو۔ اور خوشخبری ہے نیکوکاروں کے لئے۔ بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے پس کوئی خوف نہیں انہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہی لوگ جنتی ہیں، ہمیشہ رہیں گے اس میں۔ یہ جزا ہے ان نیکیوں کی جو وہ کیا کرتے تھے“۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں اے محمد! قرآن کا انکار کرنے والے ان مشرکین سے کہہ دیجئے تمہارا کیا خیال ہے کہ اس کتاب کا انکار کرنے کی صورت میں تمہارا کیا انجام ہوگا؟

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اس کتاب کی تصدیق تو سابقہ سماوی کتب سے بھی ہو رہی ہے جو مجھ سے پہلے انبیاء پر نازل ہوئی تھیں۔ ان میں بھی اس بات کی خبر اور بشارت موجود ہے جس کی قرآن کریم نے خبر دی تھی۔

قولہ فَاٰمَنَ جس کی تصدیق بنو اسرائیل نے کی۔

وَاسْتَكْبَرْتُمْ تم نے اس کی اتباع کرنے سے تکبر کیا۔

مسروق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ شاہد اپنے نبی اور کتاب کے ساتھ ایمان لایا اور تم نے اپنے نبی اور کتاب کے ساتھ کفر کیا۔

الشاهد کا کلمہ یہاں اسم جنس ہے جو عبداللہ بن سلام اور دیگر کو شامل ہے۔ یہ آیت مکی ہے اور عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے سے قبل نازل ہوئی۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ (القصص: 53) ”اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کر چکے تھے“۔ ایک اور آیت میں فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا (الاسراء: 108) ”بے شک وہ لوگ جنہیں دیا گیا ہے علم اس سے پہلے جب اسے

پڑھا جاتا ہے ان کے سامنے تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے ہیں (ہر عیب اور نقص سے) پاک ہے۔ ہمارا رب بلا شبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے''۔

مسروق اور شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس سے مراد عبد اللہ بن سلام نہیں۔ یہ آیت مکی ہے اور ابن سلام مدینہ منورہ میں ایمان لائے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی نقل کیا ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے(1)۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک گزرنے والے آدمی کے بارے میں یہ ارشاد فرماتے سنا: وہ اہل جنت سے ہے مگر عبد اللہ بن سلام ان کے بارے میں یہی آیت نازل ہوئی یعنی وَشَهِدَ شَاهِدٌ......(2)۔

بخاری، مسلم اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے ابو مالک سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، ضحاک، قتادہ، عکرمہ، یوسف بن عبد اللہ بن سلام، ہلال بن یساف، سدی، ثوری، مالک بن انس اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ سب کی رائے میں اس آیت کا مصداق عبد اللہ بن سلام ہیں۔

قولہ تعالیٰ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ یعنی انہوں نے قرآن پر ایمان لانے والوں کے بارے میں کہا کہ اگر یہ بہتر ہوتو یہ لوگ اس پر ایمان لانے میں ہم سے سبقت نہ لے جاتے یعنی حضرت بلال، عمار، صہیب اور خباب رضی اللہ عنہم کمزور، مظلوم اور ستم رسیدہ لوگ غلام لونڈیاں وغیرہ۔ ان کے اس وہم وگمان کی وجہ یہ تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے ہاں ان کا بہت بڑا مرتبہ ہے حالانکہ یہ ان کی واضح غلطی تھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا(3) ''اور اسی طرح ہم نے آزمائش میں ڈال دیا بعض کو بعض سے تاکہ کہیں (مالدار کافر نادار مسلمانوں کو دیکھ کر) کیا یہ ہیں احسان کیا ہے اللہ نے جن پر ہم میں سے''۔ از راہ تعجب وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ کیسے ہدایت پا گئے۔ اسی لئے یہ دعویٰ کیا۔

اہل سنت و جماعت کے نزدیک ہر وہ قول اور فعل جو صحابہ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔ کیونکہ اگر یہ بات بہتر ہوتی تو وہ ضرور اس کی طرف سبقت فرماتے کیونکہ وہ خصائل حمیدہ کی طرف جلدی کرتے تھے۔

قولہ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ یعنی قرآن کے ساتھ۔ اِفْكٌ یعنی جھوٹ۔ قَدِيْمٌ: قدماء سے منقول۔

وہ قرآن اور اہل قرآن کی تنقیص کرتے ہیں یہی وہ تکبر ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ ''یعنی حق کو باطل ٹھہرانا اور لوگوں کی تحقیر''(4)۔

كِتٰبُ مُوْسٰٓى سے مراد تورات اور هٰذَا كِتٰبٌ سے مراد قرآن ہے۔

مُّصَدِّقٌ سابقہ کتب کی تصدیق کرنے والی۔

لِّسَانًا عَرَبِيًّا فصیح عربی زبان۔

لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ کفار کے لئے ڈراوا مومنوں کے لئے بشارت۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 12

2۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 10، فتح الباری کتاب مناقب الانصار، جلد 7 صفحہ 28، مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 8 صفحہ 1930

3۔ الانعام: 6 صفحہ 53

4۔ بطر والحق: دفعہ وانکارہ ترفعا وتجبرا، غمط الناس: احتقارھم مسلم، کتاب الایمان: 93، مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 385 تفسیر ابن کثیر زیر آیت: 61 سورہ بقرہ

قولہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (فصلت:30) اس کی تفسیر سورۂ حٰمٓ سجدہ میں گزر چکی ہے۔

قولہ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ یعنی آئندہ۔

قولہ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ یعنی گزشتہ امور پر۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ یعنی ان کے اعمال صالحہ اللہ کی رحمت کے نزول کا سبب ہوں گے۔

وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

''اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ (اپنے شکم میں) اٹھائے رکھا اس کو اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اور جنا اس کو بڑی تکلیف سے۔ اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے تک تیس مہینے لگ گئے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو اس نے عرض کی اے میرے رب! مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی۔ اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے اور صلاح (ورشد) کو میرے لئے میری اولاد میں راسخ فرما دے۔ بے شک میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں تیرے حکم کے سامنے سر جھکانے والوں میں سے ہوں۔ یہی وہ (خوش نصیب) ہیں قبول کرتے ہیں ہم جن کے بہترین اعمال کو اور درگزر کرتے ہیں ہم جن کی برائیوں سے یہ جنتیوں میں سے ہوں گے۔ یہ (اللہ کا) سچا وعدہ ہے جو (اہل ایمان سے) کیا گیا ہے''۔

گزشتہ آیت میں توحید، عبادت میں اخلاص اور استقامت کا ذکر کرنے کے بعد والدین کے بارے میں وصیت فرمائی۔ جس طرح کہ دیگر آیات میں بھی مذکور ہے۔ وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (الاسراء:23) ''اور حکم فرمایا آپ کے رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو''۔ اور فرمایا: اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ (لقمان:14) ''کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا (آخر کار) میری طرف ہی (تمہیں) لوٹنا ہے''۔ وغیرہ کثیر آیات۔

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا یعنی ہم نے اسے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

ابوداؤد طیالسی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ام سعد نے سعد سے کہا کیا اللہ نے والدین کی اطاعت کا حکم نہیں دیا۔ میں اس وقت تک نہیں کھاؤں پیوں گی جب تک تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ چنانچہ اس نے کھانا پینا بند کر دیا۔ چنانچہ وہ عصا کے ساتھ ان کا

منہ کھولتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی(1)۔ مسلم اور اصحاب سنن ماسوائے ابن ماجہ نے اسے مختلف سندوں سے روایت کیا ہے۔

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا یعنی بحالت حمل مشکلات برداشت کیں۔

وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا اور وضع حمل میں بے شمار صعوبتیں اٹھائیں۔ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت اور سورۂ لقمان والی آیت وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ (لقمان:14) ''اور اس کا دودھ چھوٹنے میں دو سال لگے''۔ اور سورۂ بقرہ والی آیت: وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (بقرہ:233) ''اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال (یہ مدت) اس کے لئے ہے جو پورا کرنا چاہتا ہے دودھ کی مدت'' سے استدلال کیا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ یہ درست اور قوی استنباط ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے اس سے اتفاق کیا۔ رضی اللہ عنہم۔

محمد بن اسحاق بن یسار نے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے بنوجہینہ کی ایک عورت سے شادی کی۔ اس نے چھ ماہ پورے ہونے پر بچہ جن دیا۔ اس کا خاوند مسئلہ لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس عورت کو بلا بھیجا۔ جب وہ کپڑے پہننے کے لئے اٹھی تو اس کی بہن نے رونا شروع کر دیا۔ اس نے پوچھا روتی کیوں ہو؟ بخدا اس کے علاوہ میرے ساتھ کبھی کسی نے مجامعت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے گا میرے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔ جب اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی تو آپ نے ان سے پوچھا کیا کرتے ہو؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس نے چھ ماہ پورے ہونے پر بچہ جن دیا ہے کیا ایسا ممکن ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ہو؟ فرمایا کیوں نہیں۔ فرمایا: کیا آپ نے یہ ارشاد ربانی نہیں سنا: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اور فرمایا: حولین کاملین چنانچہ باقی صرف چھ ماہ رہ گئے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ! میں یہ بات نہیں سمجھ سکا تھا۔ عورت کو لایا جائے(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔ ہم نے اسے ایک اور سند سے فأنا أول العابدين کے تحت نقل کیا ہے(3)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب عورت نو ماہ کے بعد بچہ جن دے تو رضاعت کے لئے اسے اکیس ماہ کافی ہیں اور سات ماہ پر جنے تو رضاعت کے لئے تیئیس ماہ کافی ہیں اور چھ ماہ کے بعد جنے تو دو پورے سال کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا(4)۔

قولہ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ یعنی سن شباب کو پہنچ گیا۔

وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً یعنی اس کی عقل و حلم مکمل ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر آدمی پختہ ہو جاتا ہے۔ ابوبکر بن عیاش نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ میں نے مسروق سے کہا آدمی کو اپنے گناہوں پر کب پکڑا جاتا ہے۔ فرمایا جب تو چالیس سال کو پہنچ جائے تو محتاط ہو جا(5)۔ حافظ ابویعلی موصلی نے اپنی سند سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مسلمان آدمی جب چالیس سال کو پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب آسان فرما دیتا ہے، جب ساٹھ سال کو پہنچے تو اسے اپنی طرف توجہ

1۔ مسند ابوداؤد طیالسی:29-28 2۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 441 3۔ دیکھئے سورہ زخرف آیت:81

4۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 442 5۔ بروایت ابن ابی حاتم درمنثور، جلد 7 صفحہ 442

عطا فرماتا ہے۔ جب ستر سال کو پہنچے تو اہل آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور جب اسّی سال کا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں کو باقی رکھتا ہے اور برائیوں کو مٹا دیتا ہے اور جب نوے سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اس کے اہل خانہ کے بارے میں اس کی شفاعت کو قبول کرتا ہے اور آسمان میں لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ زمین پر اللہ کا اسیر ہے(1)''۔ مسند امام احمد میں یہ حدیث دیگر سندوں سے بھی مروی ہے(2)۔ دمشق میں بنو امیہ کے ایک امیر حجاج بن عبداللہ حکمی نے کہا: میں نے چالیس سال تک گناہوں کو لوگوں سے حیاء کے سبب ترک کئے رکھا پھر اللہ تعالیٰ کے حیاء سے ترک کر دیا۔ کیا ہی خوب کسی شاعر نے کہا ہے:

صَبَا مَا صَبَا حتى عَلَا الشَّيْبُ رَأْسَهُ   فلمّا علاهُ قال للباطل، ابطُلِ

قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ یعنی مجھے الہام فرما۔ ذُرِّیَّتِیْ: أى نَسْلى و عَقِبى۔

اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اس میں نصیحت ہے کہ آدمی جب چالیس سال کا ہو جائے تو از سرنو توبہ کرے اور اس پر قائم رہنے کا عزم کرے۔ ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ انہیں سکھایا کرتے تھے کہ وہ تشہد میں یوں کہا کریں: اللهمَّ، أَلِّفْ بين قلوبنا، وأَصْلِحْ ذاتَ بَيْنِنَا، واهدِنا سُبُلَ السلام، ونَجِّنا من الظلمات إلى النور، وجَنِّبْنا الفواحش ما ظَهَرَ منها وما بَطَنَ، وبارِكْ لنا في أسماعِنا وأبصارِنا وقُلوبِنَا، وأزواجنا وذُرِّياتنا، وتُبْ علينا، إنك أنت التواب الرحيم، واجعلنا شاكرين لنعمتك، مُثنِين بها قَابِلِيها، وأَتِمَّها علينا۔''(3)

قال اللہ تعالیٰ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ مذکورہ صفات کے حامل لوگ اللہ سے توبہ کرنے والے، اسی کی طرف رجوع کرنے والے، سابقہ گناہوں کی توبہ و استغفار سے تلافی کرنے والے وہی ہیں جن کے اعمال حسنہ کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے، ان کی برائیوں سے درگزر فرماتا ہے، بہت سی لغزشوں کو معاف فرما دیتا ہے اور تھوڑا بہت عمل بھی قبول فرما لیتا ہے۔

فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ان کا شمار اہل جنت سے ہے۔ اللہ کے ہاں ان کا حکم یہی ہے جس طرح اللہ نے توبہ کرنے اور اس کی طرف متوجہ ہونے والوں سے فرمایا ہے اسی لئے فرمایا: وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے، آپ نے روح الامین سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''بندے کی نیکیوں اور برائیوں کو لایا جاتا ہے اور ایک دوسرے کے برابر کیا جاتا ہے۔ اگر نیکی بچ جائے تو اللہ اسے جنت میں وسعت عطا فرماتے ہیں۔'' فرماتے ہیں میں یَزْدَاد کے پاس گیا اسی طرح کی حدیث بیان ہوئی میں نے کہا اگر کوئی نیکی باقی نہ رہے، فرمایا: اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا......(4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ یہ مذکور ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اس کی اسناد اچھی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے محمد بن حاطب سے روایت کیا ہے فرمایا: وہ میرے گھر آئے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل بصرہ پر غالب آئے تھے۔ تو ایک دن مجھے فرمایا: میں نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ اس وقت آپ کے پاس عمار، صعصعہ، اُشتر اور محمد بن ابوبکر تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر چھڑا تو انہوں نے آپ کی شان میں گستاخی کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

1۔ مسند ابی یعلی، جلد 1 صفحہ 158، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 205
2۔ مسند امام احمد، عن انس، جلد 3 صفحہ 218
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 254
4۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 18

اس وقت چار پائی پر تھے۔ آپ کے ہاتھ میں لکڑی تھی۔ ان میں سے ایک نے کہا تم میں فیصلہ کرنے والا آدمی علی موجود ہے انہوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا عثمان ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا ...... فرمایا اللہ کی قسم عثمان اور اصحاب عثمان۔ یہ تین مرتبہ فرمایا۔ یوسف کا قول ہے کہ میں نے محمد بن حاطب سے کہا: بخدا کیا تو نے یہ بات علی سے سنی تھی؟ فرمایا اللہ کی قسم! میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝

''اور جس نے کہا اپنے والدین کو افسوس ہے تمہارے حال پر کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو اس کی کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا حالانکہ گزر چکی ہیں کئی صدیاں مجھ سے پہلے (ان میں سے تو کوئی اب تک زندہ نہ ہوا) اور اس کے والدین بارگاہ الٰہی میں فریاد کرتے ہیں (اور اسے کہتے ہیں) تیرا خانہ خراب ہو ایمان لے آ۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تو وہ (جواباً) کہتا ہے نہیں ہیں یہ دھمکیاں مگر پہلے لوگوں کی فرسودہ کہانیاں۔ یہی وہ (بدبخت) ہیں جن پر ثابت ہو چکا ہے عذاب کا فرمان ان گروہوں میں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں جنوں اور انسانوں میں سے۔ بے شک وہ سراسر گھاٹے میں تھے۔ اور ہر ایک کے لئے مرتبے ہوں گے ان کے اعمال کے مطابق۔ اور اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا انہیں ان کے اعمال کا بدلہ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور جس روز لا کھڑا کر دیا جائے گا کفار کو آگ کے سامنے (تو انہیں کہا جائے گا) تم نے ختم کر دیا تھا اپنی نعمتوں کا حصہ اپنی دنیوی زندگی میں اور خوب لطف اٹھالیا تھا تم نے ان سے، آج تمہیں رسوائی کا عذاب دیا جائے گا بوجہ اس گھمنڈ کے جو تم زمین میں ناحق کیا کرتے تھے اور بوجہ تمہاری نافرمانیوں کے''۔

والدین کے اطاعت گزاروں اور ان کی کامیابی اور نجات کا حال ذکر کرنے کے بعد بدبخت اور والدین کے نافرمانوں کا ذکر فرمایا۔ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ یہ آیت عام ہے۔ یہ قول کہ یہ آیت عبدالرحمٰن بن أبی بکر کے بارے میں نازل ہوئی، ضعیف ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر اسلام لائے اور ایمان پر قائم رہے اور اپنے اہل زمانہ میں بہترین تھے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے بارے میں نازل ہوئی(1)۔ لیکن اس کی صحت محل نظر ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن جریج، مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ اور دیگر کا قول یہی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ فی الحقیقت اس آیت کا حکم

1۔ طبری، جلد 25 صفحہ 19

عام ہے اور سب کو شامل ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے عبداللہ بن مدینی سے روایت کیا ہے کہ جب مروان نے خطبہ دیا تو میں مسجد میں تھا۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین کو یزید کے بارے میں صائب رائے سے نوازا اگر آپ نے اسے اپنا نائب مقرر کیا تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے بھی تو اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے یہ سن کر کہا کیا یہ شہنشاہیت ہے؟ بخدا ابوبکر نے اسے اپنی اولاد اور اہل خانہ میں نہیں رکھا۔ جبکہ معاویہ نے اپنے بیٹے کی خاطر ایسا کیا ہے۔ تو مروان کہنے لگا کیا تو وہی نہیں ہے جس نے اپنے والدین سے یہ کہا تھا (اف لکما؟) تو عبدالرحمٰن نے کہا کیا تو لعین کا بیٹا نہیں ہے تیرے باپ پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات سنی تو فرمایا اے مروان! کیا تو نے عبدالرحمٰن کو یوں یوں کہا ہے؟ تو نے جھوٹ بولا۔ یہ عبدالرحمٰن کے بارے میں نازل نہیں ہوئی بلکہ فلاں بن فلاں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ پھر مروان رونے لگا پھر منبر سے اترا اور آپ کے حجرے کے دروازے تک آیا۔ آپ رضی اللہ عنہا سے گفتگو کرتا رہا پھر واپس پلٹا (1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت مختلف الفاظ سے ایک دوسری سند سے نقل کی ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور سند سے یہ روایت ذکر فرمائی ہے (2)۔

قولہ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ: أی أبعث۔

قولہ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ یعنی لوگ گزر گئے اور کوئی خبر دینے والا ان میں سے نہیں لوٹا۔

وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وہ اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ اسے ہدایت دے۔

قولہ اُولٰٓئِكَ کا والذی قال کے بعد ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مراد جنس عام ہے اور ہر ایسے شخص کو شامل ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس سے مراد کافر، فاجر، اپنے والدین کا نافرمان، قیامت کے دن کا انکار کرنے والا ہے۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے سہل بن داؤد کے حالات میں ابوامامہ باہلی سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "چار لوگوں پر اللہ تعالیٰ عرش پر سے لعنت فرماتا ہے اور فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ مسکین کو گمراہ کرنے والا۔ (خالد کا قول ہے) یعنی اپنا ہاتھ مسکین کی طرف پھیلاتا ہے کہ آؤ تمہیں کچھ دوں۔ جب وہ اس کے پاس آتا ہے تو کہتا ہے میرے پاس کچھ نہیں اور جو آدمی نابینا کو کہتا ہے سواری سے بچ حالانکہ اس کے سامنے کوئی چیز نہیں۔ اور جس شخص سے کسی کے گھر کے بارے میں دریافت کیا جاتا ہے تو وہ اسے غلط راستے پر لگا دیتا ہے۔ اور جو اپنے والدین کو مارتا ہے حتیٰ کہ وہ فریاد کرنے لگیں۔" (یہ حدیث بہت غریب ہے)۔

قولہ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ہر ایک کے اعمال کے مطابق حساب ہوگا۔

لَا یُظْلَمُوْنَ ذرہ برابر یا اس سے کم بھی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ جنت کے درجات اوپر کو اور دوزخ کے درجات نیچے کی طرف چلتے ہیں۔

قولہ وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ...... زجر و توبیخ کے طور پر انہیں یوں کہا جائے گا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی آیت کے سبب بہت سی اشیاء ماکولات و مشروبات کو ترک فرما دیا تھا۔

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 445-444

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ احقاف، جلد 576، نسائی، کتاب التفسیر سنن الکبری، بحوالہ تحفۃ الاشراف (مزی)، جلد 12 صفحہ 296

ابو مجلز کا قول ہے کہ بعض لوگوں کی دنیا کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور انہیں یہ کہا جائے گا۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ ۭ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ
خَلْفِهٖٓ أَلَّا تَعْبُدُوْٓا إِلَّا اللّٰهَ ۭ إِنِّيْٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوْٓا أَجِئْتَنَا
لِتَأْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ
اللّٰهِ ۡ وَأُبَلِّغُكُمْ مَّآ أُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ أَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا
مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا
عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿٢٤﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى إِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ
نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٥﴾

”(اے حبیب ﷺ!) ذکر سنایئے انہیں قوم عاد کے بھائی (ہود) کا۔ جب ڈرایا اس نے اپنی قوم کو احقاف میں اور گزر چکے تھے ڈرانے والے ان سے پہلے بھی اور ان کے بعد بھی کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو (ورنہ) مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آ جائے۔ وہ (برافروختہ ہوکر) بولے (اے ہود) کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہمارے خداؤں سے برگشتہ کر دو۔ لے آؤ (وہ عذاب) جس کی تم ہمیں دھمکیاں دیتے رہتے ہو اگر تم سچے ہو۔ ہود نے فرمایا کہ نزول عذاب کا علم تو اللہ کے پاس ہے۔ اور میں (برابر) پہنچا رہا ہوں تمہیں وہ پیغام جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں۔ لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو۔ پس جب انہوں نے دیکھا عذاب کو بادل کی صورت میں کہ وہ ان کی وادیوں کی طرف آ رہا ہے، تو بولے یہ بادل ہے ہم پر برسنے والا ہے۔ (نہیں نہیں!) بلکہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کے لئے تم جلدی مچا رہے تھے۔ (یہ تند) ہوا ہے اس میں دردناک عذاب ہے۔ تہس نہس کر کے رکھ دے گی ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے، پس جب ان پر صبح ہوئی تو نہ دکھائی دی کوئی چیز بجز ان کے (ویران) مکانوں کے۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرموں کو“۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کو تسلی دے رہے ہیں کیونکہ آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا تھا۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ یہ حضرت ہود علیہ السلام ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے عاد اولیٰ کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ وہ احقاف میں رہتے تھے۔ یہ حِقْف کی جمع ہے۔ اس کا معنی ابن زید نے ریت کا ٹیلہ بتایا ہے اور عکرمہ نے پہاڑ اور غار۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ حضرموت میں ایک وادی ہے۔ اسے برہوت کہتے ہیں۔ اس میں کافروں کی ارواح ڈالی جاتی ہیں۔ قتادہ سے منقول ہے کہ یہ ایک قبیلہ تھا جو یمن میں ساحل سمندر پر ”شحر“ نامی علاقے میں رہتے تھے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ہم پر اور عاد کے بھائی (ہود) پر رحم فرمائے“(1)۔

قولہ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اللہ نے ان کے اردگرد کے علاقے میں رسول بھیجے جیسے فرمایا: فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا (بقرہ:66) ”پس ہم نے بنادیا اس سزا کو عبرت ان کے لئے جو اس زمانہ میں موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے

1۔ ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب اذا دعا فلیبدأ بنفسہ، جلد 2 صفحہ 1266

تھے"۔اور جیسے فرمایا: فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُكُمۡ صٰعِقَةً مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوۡدَ (فصلت:13) "پس اگر وہ (پھر بھی) روگردانی کریں تو آپ فرمائیے کہ میں نے ڈرایا ہے تمہیں اس کڑک سے جو عاد و ثمود کی کڑک کی مانند (ہلاکت خیز) ہو گی"۔

قولہ تعالیٰ قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِتَاۡفِكَنَا تاکہ آپ ہمیں روک دیں۔ انہوں نے عذاب الٰہی کے مطالبہ میں جلدی کی کیونکہ وہ اسے بعید از قیاس سمجھتے تھے جیسے اس آیت میں ہے: يَسۡتَعۡجِلُ بِهَا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهَا (شوریٰ:18) "جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر"۔

قَالَ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ یعنی اللہ تمہیں زیادہ جاننے والا ہے اگر تمہیں عذاب کی جلدی ہے تو وہ تمہارے ساتھ ایسا ہی کرے گا میرا کام تو صرف پیغام رسالت پہنچانا ہے۔ جب انہوں نے عذاب کو دیکھا تو یہ سمجھے کہ یہ بادل ہے بارش لائے گا۔ وہ خوش ہونے لگے کیونکہ انہیں خشک سالی کی وجہ سے بارش کی ضرورت تھی۔ تو اللہ نے فرمایا یہ تو تمہارا طلب کردہ عذاب ہے۔

تُدَمِّرُ: تخرّب: برباد کر دیتا ہے۔ أمر: إذن: حکم۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا تَذَرُ مِنۡ شَيۡءٍ اَتَتۡ عَلَيۡهِ اِلَّا جَعَلَتۡهُ كَالرَّمِيۡمِ (الذاریات:42) "نہیں چھوڑتی تھی کسی چیز کو جس پر گزرتی مگر اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی"۔ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ہمارے رسولوں کی تکذیب کرنے اور ہمارے اوامر کی مخالفت کرنے والے کا یہی انجام ہے۔ ان کے قصہ میں ایک حدیث بھی مروی ہے۔ یہ بہت غریب ہے اور غرائب حدیث سے ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے حارث بکری نے بیان فرمایا کہ میں علاء بن حضرمی کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کی طرف نکلا۔ میرا گزر ربذہ کے مقام پر ہوا وہاں بنو تمیم کی ایک بڑھیا مقیم تھی۔ وہ مجھ سے کہنے لگی اے عبداللہ! مجھے رسول اللہ ﷺ سے ایک کام ہے۔ کیا تم مجھے وہاں پہنچا دو گے؟ چنانچہ میں اس عورت کو لے کر مدینہ آیا۔ کیا دیکھتا ہوں مسجد لوگوں سے پر ہے۔ کالا پرچم لہرا رہا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تلوار سے لیس سرکار کے سامنے کھڑے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ بتایا گیا کہ آپ، عمرو بن عاص کو کہیں روانہ کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ میں بیٹھ گیا۔ آپ اپنے گھر یا قیام گاہ میں فروکش ہوئے تو میں نے اجازت طلب کی۔ آپ نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی۔ میں داخل ہوا آپ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تمہارے اور بنو تمیم کے درمیان کچھ ہے؟ میں نے عرض کی ہاں ہماری ان سے لڑائی ہے جس میں ہم فتح یاب ہیں۔ میرا گزر بنو تمیم کی ایک بڑھیا کے پاس سے ہوا تو میں اسے اس کے مطالبے پر یہاں لے آیا اب وہ دروازے پر ہے۔ آپ ﷺ نے اسے اجازت دی وہ اندر آئی تو میں نے عرض کی اگر آپ (ﷺ) ہمارے اور ان کے مابین آڑ قائم کرنا چاہتے ہیں تو مقام دھناء کو بنا دیجئے۔ یہ سن کر وہ بڑھیا جوش میں آ گئی اور عرض کرنے لگی۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے مضر کہاں جائیں گے؟ میں نے کہا میری مثال اس مقولے کی طرح ہے۔ "بکری اپنی موت کو ساتھ لائی" میں اسے لایا اور مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ میری مد مقابل ہے۔ میں اس بات سے اللہ اور اس کے رسول کی پناہ چاہتا ہوں کہ عاد کے وفد کی طرح ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: وضاحت کرو عاد کا یہ وفد کون سا تھا؟ آپ سمجھتے تو تھے لیکن ان کی گفتگو کی حلاوت کی خاطر سوال کیا۔ میں نے عرض کی قوم عاد بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط سالی میں مبتلا ہو گئے۔ تو انہوں نے "قیل" نامی وفد بھیجا۔ اس کا گزر معاویہ بن ابو بکر کے پاس سے ہوا۔ اس نے اسے ایک ماہ اپنے پاس ٹھہرایا اور شراب پیش کرتا رہا اور دو لونڈیاں اسے گیت سناتیں۔ ایک ماہ گزرنے کے بعد وہ "مہرۃ" کے پہاڑوں کی طرف گیا اور کہنے لگا اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں کسی بیمار کی دوائی کے لئے یا قیدی کے فدیہ کے لئے نہیں آیا۔ اے اللہ قوم عاد پر پہلے کی طرح بارش برسا۔ تو اس کے پاس سے کالے بادل گزرے۔ آواز آئی ان میں سے پسند کر لو۔ اس نے ایک سیاہ گھٹا کی

طرف اشارہ کیا۔ آواز آئی: "اس ہلاکت کو لے لو۔ ہم قوم عاد میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔" بتایا کہ جو مجھے پتہ چلا ہے کہ ان پر میری انگوٹھی کے برابر ہوا چلی۔ حتیٰ کہ سب ہلاک ہو گئے۔ ابووائل کا کہنا تھا کہ یہ سچ ہے۔ پھر جب کوئی مرد یا عورت کسی کو بھیجتے تو کہتے عاد کے وفد کی طرح نہ ہونا۔ (ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے سورۂ اعراف میں بیان کیا ہے)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے حلق کا کوا نظر آئے بلکہ آپ مسکراتے تھے۔ اور آپ نے فرمایا کہ جب آپ ﷺ بادل یا ہوا کو دیکھتے تو یہ بات آپ کے چہرے پر نظر آتی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ لوگ بادل کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ اس میں بارش ہوگی اور آپ کو میں دیکھتی ہوں کہ آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ مجھے کیا پتہ کہ اس میں عذاب ہی ہو۔ ایک قوم پر تیز ہوا کا عذاب آیا۔ ایک قوم نے عذاب دیکھا تو کہنے لگے بارش ہوگی کیونکہ یہ بادل آرہے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سرکار آسمان پر بادل کا ٹکڑا دیکھ کر اپنا کام ترک فرما دیتے۔ اگرچہ نماز میں کیوں نہ ہوتے۔ پھر یہ دعا کہتے: "اے اللہ میں اس کے انجام سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔" اگر اللہ اسے دور فرما دیتا تو اللہ کی حمد و ثنا فرماتے۔ اگر بارش ہوتی تو یوں فرماتے: "اے اللہ اسے نفع بخش بنا۔" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی یہ روایت مختلف الفاظ سے بھی ذکر فرمائی ہے۔ قوم عاد اور ہود کی ہلاکت کا قصہ سورۂ اعراف میں مفصل گزر چکا ہے۔ اس کے اعادے کے یہاں ضرورت نہیں۔ وللہ تعالی الحمد والمنۃ۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قوم عاد پر ہوا نہیں کھولی گئی تھی مگر انگوٹھی کے برابر پھر شہر و دیہات سب پر پھیلا دی گئی۔ اہل شہر اسے دیکھ کر کہنے لگے یہ بادل آگئے۔ بارش برسائیں گے ہماری وادیاں سرسبز ہو جائیں گی۔ اہل دیہہ کو اہل شہر پر الٹ دیا گیا حتیٰ کہ سب ہلاک ہو گئے۔ ہوا محافظ فرشتوں سے بے قابو ہو گئی یہاں تک کہ وہ کھڑکیوں سے داخل ہو کر دروازوں سے نکل گئی۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٢٦ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝٢٧ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝٢٨

"اور ہم نے ان کو وہ قوت و طاقت بخشی تھی جو ہم نے تمہیں نہیں دی اور ہم نے عطا کئے تھے انہیں کان، آنکھیں اور دل۔ لیکن ان کے کسی کام نہ آئے ان کے کان، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کیونکہ وہ انکار کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور احاطہ کر لیا ان کا اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اور ہم نے برباد کر دیئے وہ گاؤں جو تمہارے اردگرد (آباد) تھے اور ہم نے مختلف انداز میں اپنی نشانیاں پیش کیں شاید وہ (حق کی طرف) لوٹ آئیں۔ پس کیوں مدد نہ کی ان کی ان معبودوں نے جنہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہوں نے تقرب کے لئے (اپنے) خدا بنا رکھا تھا۔ بلکہ وہ تو ان سے روپوش

ہو گئے۔ اور یہ محض ان کا ڈھونگ تھا اور بہتان جو وہ باندھتے تھے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں ہم نے سابقہ امتوں کو بھی مال واولاد کے ساتھ دنیا میں تمکنت عطا فرمائی تھی۔ انہیں وہ کچھ عطا فرمایا جو تمہیں نہیں دیا گیا بلکہ اس کے قریب بھی نہیں اور ہم نے انہیں کان، آنکھیں اور دل عطا فرمائے۔

فَمَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ...... كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ انہیں عذاب نے گھیر لیا جسے وہ جھٹلاتے اور بعید از وقوع تصور کرتے تھے۔ یعنی اے مخاطبین! محتاط رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی ان کی طرح ہو جاؤ تو تمہیں بھی دنیا وآخرت میں ان کا سا عذاب آلے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى یعنی اہل مکہ کے اردگرد مرسلین کو جھٹلانے والی اقوام جیسے عاد وغیرہ کو اللہ نے ہلاک کر دیا۔ وہ یمن میں حضر موت کے نزدیک احقاف میں رہتے تھے اور ثمود شام اور مکہ کے درمیان تھے۔ سبا اہل یمن اور مدین تھے۔ یہ غزہ کی طرف ان کے راستے میں پڑتا تھا۔ اسی طرح بحیرہ قوم لوط کے قریب سے ان کا گزر ہوتا تھا۔

صَرَّفْنَا: ہم نے واضح کر دیا۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ...... اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً کیا انہوں نے بوقت ضرورت ان کی مدد کی تھی؟

ضَلُّوْا: ذهبوا، چلے گئے۔ اِفْك: كذب، جھوٹ۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٠﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣١﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٢﴾

''اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سنیں۔ تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو۔ پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے۔ انہوں نے (جا کر) کہا اے ہماری قوم! ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی رہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور راہِ راست کی طرف۔ اے ہماری قوم! قبول کر لو اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو اور بچا لے گا تمہیں دردناک عذاب سے۔ اور جو قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو تو وہ اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں زمین میں (کہ اس سے بچ کر بھاگ نکلے) اور نہیں اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔ یہ (منکر لوگ) کھلی گمراہی میں ہیں''۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ نخلہ کا مقام تھا اور رسول اکرم ﷺ عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے۔

كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا سفیان کا قول ہے ألبد بعضهم على بعض كاللبد بعضه على بعض۔ یہ روایت احمد کی ہے۔ ابن

جریر عن عکرمہ عن ابن عباس والی روایت میں آئے گا کہ ان جنوں کی تعداد سات تھی۔ امام احمد اور ابوبکر بیہقی رحمہما اللہ تعالی نے اپنی کتاب ''دلائل نبوت'' میں بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ابھی رسول اللہ ﷺ نے جنوں پر نہ پڑھا اور نہ انہیں دیکھا تھا۔ آپ اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ بازار عکاظ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ شیاطین کا آسمانوں پر داخلہ بند کر دیا گیا اور انہیں شہاب مارے گئے۔ وہ اپنی قوم کی طرف آئے پوچھا گیا تمہیں کیا ہوا؟ کہنے لگے ہمیں آسمان کی خبریں سننے سے روک دیا گیا اور سنگ باری کی گئی۔ وہ کہنے لگے ضرور اس کی کوئی وجہ ہے؟ مشرق و مغرب میں پھیل جاؤ اور دیکھو کیا وجہ ہے؟ چنانچہ وہ ہر طرف پھیل گئے۔ تہامہ کی طرف جانے والے جنات کی آپ ﷺ سے ملاقات ہوگئی۔ آپ اس وقت نخلہ میں اپنے صحابہ کو نماز فجر پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے تلاوت سنی تو اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ کہنے لگے یہی سبب ہے اور واپس آ کر اپنی قوم کو خبر دی۔ تو اللہ نے اپنے نبی کو بذریعہ وحی اس بات کی خبر دے دی۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ (الجن: 1) آپ کو ان کی گفتگو بتائی گئی تھی۔

بخاری نے مسند، مسلم نے عن شیبان بن فروخ عن ابی عوانہ اور ترمذی اور نسائی نے بھی تفسیر میں بروایت ابوعوانہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جن وحی سنتے تھے ایک کلمے کے ساتھ دس بڑھا دیتے تھے۔ یہ اضافہ باطل و جھوٹ تھا۔ اس سے پہلے جنات کو ستاروں سے نہیں مارا جاتا تھا۔ بعثت نبوی کے بعد ان میں کوئی اپنی جگہ دوبارہ آتا تو اسے شہاب مارا جاتا جسے لگتا اسے جلا دیتا۔ انہوں نے ابلیس سے اس بات کی شکایت کی۔ وہ کہنے لگا ایسا کسی نئی بات کے ظہور پذیر ہونے کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس نے اپنے لشکر پھیلا دیئے وہ کیا دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نخلہ کے پہاڑوں کے مابین نماز ادا فرما رہے ہیں انہوں نے واپس آ کر ابلیس کو بتایا تو وہ کہنے لگا یہی وہ واقعہ ہے۔ ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالی نے اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں یہی حدیث بروایت اسرائیل بھی ذکر کی ہے ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ایوب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس اور عوفی عن ابن عباس بھی اسی طرح مروی ہے۔ حسن بصری کا قول ہے کہ آپ ﷺ کو ان کی بات کا پتہ وحی سے چلا۔ محمد بن اسحٰق نے محمد بن کعب قرظی سے حضور ﷺ کے طائف تشریف لے جانے کا واقعہ مفصل ذکر فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ وہاں سے واپسی پر آپ ﷺ نے نخلہ میں رات گزاری۔ اسی رات قرآن کریم کی تلاوت فرمائی تو نصیبین کے جنوں نے یہ تلاوت سنی۔ یہ صحیح ہے۔ لیکن جنوں کی اس رات سننے والی بات محل نظر ہے کیونکہ جنوں کی سماعت نزول وحی کے ابتداء میں تھی۔ جس طرح کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت میں مذکور ہے۔ اور آپ ﷺ طائف اپنے چچا کے وصال کے بعد تشریف لے گئے اور یہ ہجرت سے ایک یا دو سال پہلے کا واقعہ ہے جیسا کہ ابن اسحٰق وغیرہ نے لکھا ہے واللہ اعلم۔ ابوبکر بن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ جن آپ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ اس وقت بطن نخلہ میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ تلاوت سنتے ہی وہ کہنے لگے خاموش ہو جاؤ۔ ان کی تعداد نو تھی۔ ان میں سے ایک زوبعۃ تھے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت اور ابن عباس کی پہلی روایت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس دفعہ ان کی آمد کا پتہ نہ چلا۔ وہ آپ کی قراءت سن کر اپنی قوم کے پاس واپس چلے گئے۔ پھر اس کے بعد گروہ در گروہ آتے رہے جیسا کہ اخبار و آثار میں ہے، جن کا تذکرہ ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا۔ بخاری و مسلم کی متفقہ روایت میں ہے معن بن عبدالرحمٰن نے اپنے باپ سے سنا۔ انہوں نے فرمایا میں نے مسروق سے پوچھا جس رات جنوں نے تلاوت قرآن کریم سنی تھی آپ ﷺ کو اس

بات کی اطلاع کس نے دی؟ انہوں نے فرمایا مجھے تمہارے باپ یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا ہے کہ آپ ﷺ کو درخت نے خبر دی تھی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ پہلی دفعہ کا واقعہ ہو۔ اس صورت میں یہ اثبات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نفی کی خبر پر مقدم ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ واقعہ تو پہلی مرتبہ کا ہو لیکن آپ کو ان کے سننے کا پتہ نہ چل سکا تا آنکہ ایک درخت نے آپ کو ان کے بارے میں بتایا۔ واللہ اعلم۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ اس کے بعد کا کوئی اور موقع ہو۔

حافظ بیہقی نے لکھا ہے کہ ابن عباس کی یہ روایت پہلی مرتبہ کی ہے جب جنوں نے آپ ﷺ کی تلاوت سنی اور انہیں آپ کا پتہ چلا۔ اس وقت آپ ﷺ نے نہ تو انہیں سنایا تھا اور نہ انہیں دیکھا تھا۔ بعد میں جنوں کا داعی آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اسے قرآن سنایا اور انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلایا جس طرح کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔

اس موضوع سے متعلقہ روایات

(۱) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے علقمہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا جنوں والی رات آپ میں سے کوئی سرکار دو عالم ﷺ کے ہمراہ تھا؟ تو انہوں نے فرمایا: ہم میں سے کوئی بھی آپ کے ساتھ نہ تھا۔ لیکن ایک رات ہم نے آپ ﷺ کو مکہ میں نہ پایا۔ ہم یہ سمجھے کہ معاذ اللہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے؟ یا جن اٹھا لے گئے ہیں؟ یا کیا بات ہوئی ہے؟ چنانچہ ہم نے بدترین رات گزاری جس قدر کسی قوم نے نہ گزاری۔ صبح (یا فرمایا سحری) کے وقت ہم کیا دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ غار حراء کی طرف سے تشریف لا رہے ہیں۔ ہم نے آگے بڑھ کر اپنی کیفیت عرض کی تو آپ نے فرمایا میرے پاس جنوں کا بلانے والا آیا تھا میں ان کے پاس گیا اور انہیں قرآن سنایا۔ پھر آپ چلے اور ہمیں ان کے اور ان کی آگ کے نشانات دکھلائے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے انہوں نے آپ سے زادِ راہ کا سوال کیا۔ عامر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے انہوں نے مکہ میں یہ سوال کیا اور یہ جزیرہ کے جنات تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ تمہارے ہاتھ لگے تو یہ گوشت سے بڑھ کر ہے۔ اور گوبر یا لید تمہارے جانوروں کی خوراک ہے۔ فرمایا: ان دونوں چیزوں سے استنجا نہ کرو یہ تمہارے بھائی جنوں کی خوراک ہے۔ (مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اسی طرح روایت کیا ہے)۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی ہی ایک روایت میں عامر کا قول ہے کہ میں نے علقمہ سے پوچھا کیا لیلۃ الجن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے؟ آپ نے فرمایا میں نے ابن مسعود سے پوچھا تو آپ نے نفی میں جواب دیا...... الحدیث۔

(۲) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: ''میں آج رات حجون پر کھڑا جنات کو قرآن سناتا رہا۔''

(۳) ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس رات آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں ایک دفعہ اپنے صحابہ سے فرمایا: تم میں سے جو کوئی جنوں کے پاس آنا چاہتا ہے آج رات آئے۔ تو میرے سوا کوئی نہ آیا۔ چنانچہ ہم بالائی مکہ کی طرف پہنچے تو آپ ﷺ

نے اپنے پاؤں سے میرے گرد خط کھینچ دیا۔ پھر مجھے اس میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر ایک طرف ہو کر قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی۔ آپ کو بہت سارے سایوں نے گھیر لیا جو میرے اور آپ کے درمیان حائل تھے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کی آواز نہیں سن پا تا تھا۔ پھر وہ بادل کے ٹکڑوں کی طرح چھٹنے لگے اور چلے گئے حتیٰ کہ ان میں سے صرف ایک گروہ باقی رہ گیا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ فجر کے وقت فارغ ہوئے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل اور اسحٰق بن راہویہ اور حافظ ابونعیم نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

(۴) ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ ہم چلتے چلتے فلاں جگہ پہنچے تو آپ ﷺ نے میرے گرد خط کھینچ دیا اور فرمایا: ''اس سے باہر نہ نکلنا۔ اگر تم باہر نکلے تو مارے جاؤ گے۔''

(۵) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ ثقفی سے روایت کیا ہے انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کی: مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ جنوں کے وفد کی آمد کے وقت آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ میں نے پوچھا یہ کس طرح تھا؟ تو انہوں نے ساری روایت سنائی اور یہ بھی بتایا کہ نبی ﷺ نے آپ کے گرد دائرہ کھینچ دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اس سے باہر نہ نکلنا۔ فرمایا کہ سیاہ غبار نے رسول اللہ ﷺ کو گھیر لیا تھا۔ چنانچہ مجھ پر تین مرتبہ گھبراہٹ طاری ہوگئی حتیٰ کہ جب صبح ہونے والی تھی تو سرکار ﷺ تشریف لائے۔ فرمایا کیا سو گئے تھے؟ میں نے عرض کی: نہیں بخدا میں نے بار بار لوگوں کو آواز دینے کا ارادہ کیا۔ پھر میں نے سنا کہ آپ ﷺ اپنی چھڑی سے انہیں مار رہے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں بیٹھ جاؤ۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم باہر نکلتے تو مجھے امن نہیں تھا کہ ان میں سے کوئی تمہیں اٹھا لے جائے۔ پھر فرمایا کیا تم نے کچھ دیکھا؟ میں نے عرض کی ہاں میں نے سفید لباس میں سیاہ مردوں کو دیکھا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ نصیبین کے جنات تھے۔

(۶) حافظ ابوبکر بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔...... وہ فرماتے ہیں کہ صبح جا کر میں نے اس جگہ کے نشانات تلاش کئے تو یہ اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔

(۷) بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی حدیث ایک دوسری سند سے ذکر کی ہے۔

(۸) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لیلۃ الجن میں سرکار نے مجھ سے پوچھا کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کی میرے پاس پانی تو نہیں لوٹے میں نبیذ ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کھجور اچھی ہے اور پانی پاک ہے۔

ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

(۹) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: یہی انڈیلو۔ تو آپ ﷺ نے اس سے وضو فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ مشروب اور پاک ہے۔

دارقطنی نے بھی یہی روایت نقل فرمائی ہے۔

(۱۰) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنوں والی رات واپسی پر سرکار ﷺ نے زور

کی سانس لی۔ میں نے پوچھا کیا بات ہوئی؟ فرمایا مجھے اپنی موت کی خبر دی گئی؟

(۱۱) حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت دلائل نبوت میں ذرا تفصیل سے بیان فرمائی ہے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس بات کی زیادہ سزاوار ہے کہ محفوظ نہ ہو۔ اس کی صحت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مدینہ آمد کے بعد کی بات ہے جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ اس وقت مکہ فتح ہو چکا تھا اور جن وانس جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے تھے۔ اسی وقت سورہ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللہِ ...... نازل ہوئی۔ یہی وہ سورت ہے جس میں آپ ﷺ کو وصال کی خبر دی گئی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر فرمایا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی بات تسلیم کی۔ اس کی تفصیل اس سورت کی تفسیر میں آئے گی۔ واللہ اعلم۔

ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے جو خلیفہ بنانے کا واقعہ ذکر کیا ہے اس کی سند اور متن عجیب وغریب ہے۔

(۱۲) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور سند میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سرکار ﷺ نے نبیذ سے وضو فرمایا۔

(۱۳) ایک مرسل روایت میں ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان جنات کی تعداد بارہ تھی اور یہ موصل سے آئے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنوں کے ڈر سے جانا چاہا تو آپ ﷺ کا فرمان یاد آیا۔ سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم چلے جاتے تو قیامت تک ہماری ملاقات نہ ہوتی۔

(۱۴) ایک دوسری مرسل روایت میں قتادہ سے مروی ہے کہ ان جنات کا تعلق نینوا سے تھا۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔

ان سب روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ قصداً جنوں کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ انہیں قرآن سنایا، توحید کی طرف بلایا اور شرعی احکام سمجھائے۔ یہ احتمال ہے کہ انہوں نے جب پہلی مرتبہ قرآن کی تلاوت سنی تو آپ ﷺ کو پتہ نہ چلا ہو۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ پھر وہ بعد میں وفد لے کر آپ ﷺ کے پاس آئے ہوں جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے اور جنوں کو تبلیغ کے وقت آپ ﷺ تنہا تھے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ دور تھے اور آپ ﷺ کے سوا کوئی دوسرا نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہ تھا۔ یہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ پہلی مرتبہ آپ ﷺ اکیلے ہوں اور کوئی بھی آپ کے ساتھ نہ ہو جیسا کہ پہلی روایت کے الفاظ ہیں۔ جیسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور مسلم میں بھی ہے۔ پھر کسی دوسری رات حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہوں۔ جیسا کہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نخلہ کے مقام پر آنے والے جن نینوا کے تھے اور وہ جنات جو مکہ میں ملے نصیبین کے تھے۔ حافظ ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ابوہریرہ آپ کے پیچھے لوٹا لے کر چلتے تھے۔ تو آپ ﷺ نے انہیں استنجاء کے لئے پتھر لانے کا حکم دیا اور ہڈی اور گوبر سے منع کیا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں اس کے قریب روایت ذکر کی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ وہ جنات نصیبین سے تھے اور ان کی تعداد سات تھی۔ رسول ﷺ نے انہیں اپنی قوم کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے دو واقعے روایت کئے ہیں۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ یہ سات تھے تین اہل حران سے اور چار اہل نصیبین سے۔ ان کے اسماء حي، حسّي، مسّي، شاصر و ناصر، أرد، إيبان اور احقم تھے۔ ابوحمزہ ثمالی نے لکھا ہے کہ جنوں کے اس قبیلے کو بنوشیصبان کہتے تھے یہ تعداد میں زیادہ، نسب میں اعلیٰ اور ابلیس کے عمومی لشکر میں تھے۔ بروایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سفیان ثوری کا قول ہے کہ ان کی تعداد نو تھی۔ ان میں سے ایک زوبعہ تھا۔ یہ نخلہ سے آئے تھے۔

ان سے ہی اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ان کی تعداد پندرہ ہے۔ وہ ساٹھ سواریوں پر تھے اور ان کے سردار کا نام وردان تھا۔ ایک قول کے مطابق یہ تین سو تھے۔ عکرمہ کا قول مذکور ہو چکا ہے کہ وہ بارہ ہزار تھے۔ روایات کا یہ اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ ایک سے زیادہ مرتبہ کا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ جنوں کی آمد کے بارے میں ایک اور حدیث ابونعیم نے ابراہیم سے بیان کی ہے کہ اصحاب عبداللہ میں سے کچھ لوگ حج کے لئے نکلے۔ راستے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سانپ تڑپ رہا ہے اور اس سے کستوری کی خوشبو آ رہی ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم آگے چلو میں یہیں رہوں گا حتیٰ کہ اس سانپ کا انجام دیکھوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے بعد وہ سانپ مر گیا۔ میں نے اسے ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا اور شام کو اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔ فرماتے ہیں ہم بیٹھے تھے کہ مغرب سے چار عورتیں آئیں۔ ایک نے پوچھا تم میں سے کس نے عمرو کو دفن کیا تھا؟ ہم نے پوچھا عمرو کون؟ وہ کہنے لگی کس نے سانپ کو دفن کیا تھا؟ وہ کہنے لگی بخدا تو نے عبادت گزار روزہ دار کو دفن کیا جو اللہ اور تمہارے نبی پر ایمان لایا اور آپ کی بعثت سے چار سو سال قبل آپ کے بارے میں آسمان سے سنا تھا۔ آدمی نے کہا ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ حج کے بعد میں مدینہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا آپ کو سانپ کا واقعہ سنایا۔ تو آپ نے فرمایا تو نے سچ کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''وہ چار سو سال قبل از بعثت مجھ پر ایمان لایا'' یہ بہت غریب ہے۔ واللہ اعلم۔ ابونعیم نے اس طرح کی دیگر روایات بھی ذکر کی ہیں۔

نَفَرًا: جنوں کا طائفہ۔ أنصتوا: غور سے سنو۔ از راہ ادب یہ کہا۔ قُضِيَ: فَرِغَ: فارغ ہوا۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ رحمٰن کی تلاوت کی اور اسے ختم کر کے فرمایا میں تمہیں خاموش کیوں دیکھ رہا ہوں۔ تم سے بہتر تو جنات جواب دیتے تھے۔ میں نے جب بھی یہ آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ تلاوت کی تو انہوں نے کہا ہم تیری نعمتوں میں سے کسی چیز کو نہیں جھٹلاتے، تیرے لئے حمد وثناء ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

فَلَمَّا قُضِيَ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ (جمعہ:10) ''پھر جب پوری ہو چکے نماز''۔ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ (فصلت:12) ''پس بنا دیا انہیں سات آسمان دو دنوں میں''۔ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ (بقرہ:200) ''پھر جب تم پورے کر چکو حج کے ارکان''۔

وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ اپنی قوم کو واپس جا کر ڈراتے رہے۔ جیسے ارشاد باری ہے: لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (توبہ:122) ''تاکہ تفقہ حاصل کر سکیں دین میں اور ڈرائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ (نافرمانیوں) سے بچیں''۔

اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جنات میں نذیر (ڈرانے والے) تو ہیں رسول نہیں۔ بلاشبہ اللہ نے جنوں میں کوئی رسول

نہیں بھیجا جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (یوسف: 109) ''اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے''۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (فرقان: 20) ''اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں''۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ (العنکبوت: 27) ''اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب''۔ اس کے بعد جو نبی بھی آیا وہ آپ کی ذریت اور نسل سے تھا۔ جہاں تک سورۂ انعام کی آیت کا تعلق ہے: يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ (انعام: 130) ''اے گروہ جنوں اور انسانوں کے! کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے'' اس میں دونوں جنسوں کے مجموعے سے مراد ایک ہے اور وہ انسان ہیں جیسے ارشاد ہوتا ہے: يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (الرحمٰن: 22) ''نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان''۔ یعنی ان دونوں میں سے ایک۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جنوں کے اپنی قوم کو ڈرانے کی وضاحت یوں فرمائی: قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى (الاحقاف: 30) ''انہوں نے (جا کر) کہا اے میری قوم! ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد''۔ اور حضرت عیسیٰ السلام کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی۔ اس میں وعظ ونصیحت اور کچھ تھوڑا سا حلال وحرام کا بیان تھا۔ فی الحقیقت یہ شریعت تورات کا تکملہ تھا۔ اصل بنیاد تورات ہے۔ اسی لئے فرمایا: اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى اسی طرح ورقہ بن نوفل نے کہا تھا جب نبی کریم ﷺ نے انہیں جبریل کی آمد کی پہلی مرتبہ خبر دی: بہت خوب یہ تو وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آتا تھا اے کاش کہ میں اس وقت جوان ہوتا(1)۔

قولہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ یعنی سابقہ انبیاء پر نازل کردہ کتب سے۔

يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ یعنی اعتقاد اور اخبار میں۔

اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی اعمال میں۔

قرآن دو چیزوں پر مشتمل ہے: خبر اور طلب، اس کی خبر صدق اور طلب عدل ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (انعام: 115) ''اور مکمل ہو گئی آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے''۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ (الصف: 9) ''وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ''۔ ہدایت سے مراد علم نافع ہے اور دین حق سے مراد عمل صالح۔ اسی طرح جنوں نے کہا کہ حق یعنی اعتقادات میں اور طریق مستقیم یعنی عملیات میں۔

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو ثقلین یعنی جن وانس کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے انہیں توحید کی طرف بلایا اور یہ سورۃ (جس میں فریقین کو خطاب وتکلیف اور وعد ووعید کا بیان ہے) اور سورۂ رحمٰن سنائی۔

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ کہا گیا ہے من یہاں زائدہ ہے اور اس میں نظر ہے کیونکہ کلام مثبت میں یہ بہت کم زائد ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اپنے باب میں تبعیض کے لئے ہے۔

1۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 22، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 142

یُجِرْكُمْ: تمہیں بچائے گا۔

يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مؤمن جن جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ ان کے صالحین کی یہی جزاء ہے کہ وہ روزِ قیامت عذاب جہنم سے بچ جائیں گے۔ اسی لئے انہوں نے اس مقام پر یہ کہا اور یہ فخر ومباہات اور مبالغے کا مقام ہے۔ اگر اس سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی انعام ہوتا تو وہ ضرور اسے ذکر کرتے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مومن جنات جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ کیونکہ وہ ذریت ابلیس ہیں۔ اور ابلیس کی اولاد جنت نہیں جائے گی۔

درحقیقت ان کے مؤمن، مؤمن انسانوں کی طرح جنت میں جائیں گے۔ جیسا کہ سلف کے ایک گروہ کی رائے ہے۔ بعض نے اس کی تائید میں یہ آیت بھی نقل کی ہے: لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ (الرحمٰن: 56) ''جن کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے''۔

یہ استدلال محل نظر ہے اور اس سے بہتر یہ آیت ہے: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (الرحمٰن: 47-46) ''اور جو ڈرتا ہے اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے تو اس کو دو باغ ملیں گے پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

ثقلین: (جن وانس) پر احسان فرماتے ہوئے ان کے نیکوکاروں کو جنت دی اور جنات نے انسانوں سے بڑھ کر اس پر شکر ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ وہ احسان نہیں جتلا سکتے جو ان پر کیا نہیں گیا۔ اسی طرح جب ان میں سے کفار کی سزا جہنم ہے اور یہ مقام عدل ہے تو بدرجہ اولی مومنین کی جزا جنت ہوگی اور یہ مقام فضل ہے۔ اس کی تائید اس آیت کے عموم سے بھی ہوتی ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (الکہف: 107) ''یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل (بھی) کرتے رہے تو فردوس کے باغات ان کی رہائش گاہ ہوں گے''۔ وغیرہ دیگر آیات۔ میں نے یہ مسئلہ ایک الگ جزء میں بیان کیا ہے۔ کیا اس میں ایمان لانے والے اور نیکوکار داخل نہیں ہوں گے؟ اور یہاں پر گناہوں کے کفارہ اور عذاب الیم سے پناہ کی جو بات ذکر کی گئی ہے، وہ بھی دخول جنت کو مستلزم ہے۔ کیونکہ آخرت میں جنت اور دوزخ کے سوا کچھ نہیں۔ جو دوزخ سے بچ گیا لامحالہ طور پر جنت میں داخل ہوگا۔ ہمارے سامنے کوئی واضح نص نہیں کہ مومن جنات جنت میں نہیں جائیں گے خواہ آگ کے عذاب سے بچ بھی جائیں۔ اگر کوئی صحیح روایت ہوتی تو ہم اسے ذکر کرتے واللہ اعلم۔

یہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ارشاد فرما رہے ہیں: يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (نوح: 4) ''وہ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقررہ میعاد تک''۔ بلا اختلاف آپ کی قوم کے مومن جنت میں ہوں گے۔ اسی طرح یہ جنات بھی ان کے بارے میں عجیب وغریب اقوال مروی ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جنت کی وسعتوں میں نہیں ہوں گے بلکہ اطراف میں ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ جنت میں بنو آدم انہیں دیکھ سکیں گے لیکن وہ بنو آدم کو نہیں دیکھ پائیں گے۔ ایک رائے کے مطابق وہ جنت میں کچھ نہیں کھائیں پئیں گے بلکہ ملائکہ کی طرح تسبیح وتحمید اور تقدیس کے ترانے گائیں گے۔ ان تمام اقوال کی صحت کی کوئی دلیل نہیں۔

قولہ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ اللہ کی قدرت اس کے شامل حال اور گھیرا ڈالے ہوئے ہے۔

لَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یہ مقام تہدید وترہیب ہے۔ اسی لئے ان میں سے کثیر نے نصیحت حاصل کی اور وفود لے کر آپ ﷺ کے پاس آئے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ
الْمَوْتَىٰ ۚ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٣﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَلَيْسَ
هَٰذَا بِالْحَقِّ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٤﴾ فَاصْبِرْ كَمَا
صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ
يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٣٥﴾

''کیا انہوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ذرا تھکن محسوس نہ کی ان کے بنانے میں وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کردے۔ بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا یہ حق نہیں؟ کہیں گے ہمارے رب کی قسم یہ حق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا اب چکھو عذاب کا مزہ اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ پس (اے محبوب!) آپ صبر کیجئے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا تھا اور ان کے لئے (بددعا کرنے میں) جلدی نہ کیجئے۔ جس روز وہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو خیال کریں گے کہ وہ نہیں ٹھہرے تھے دنیا میں مگر دن کی فقط ایک گھڑی۔ یہ پیغام حق ہے۔ پس کیا نافرمانوں کے علاوہ بھی کسی کو ہلاک کیا جائے گا''۔

اَوَلَمْ يَرَوْا ارشاد ہوتا ہے ان منکرین قیامت نے اس بات میں کبھی غور نہیں کیا کہ زمین و آسمان کی تخلیق اس کے لئے باعث تھکن نہیں۔ بلکہ ''کونی'' کہہ کر انہیں بنا دیا۔ کیا وہ مردے زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ جیسے ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (غافر:57) ''بیشک پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے لیکن بہت سے لوگ (اس کھلی حقیقت کو) نہیں جانتے''۔ اسی لئے فرمایا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پھر کفار کو از راہ وعید یہ فرمایا وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۖ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ یعنی انہیں کہا جائے گا کیا یہ حق نہیں؟ کیا یہ جادو ہے؟ کیا تم نہیں دیکھتے۔

قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا انہیں اعتراف کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہوگا۔

پھر اپنے رسول کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ اولوالعزم کی تعداد میں اختلاف ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ وہ نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور خاتم الانبیاء محمد ﷺ ہیں۔ سورۂ احزاب اور شوریٰ میں ان کے اسماء کی تصریح کر دی ہے مع دیگر انبیاء(1)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد تمام انبیاء ہوں۔ اور ''من'' بیان جنس کے لئے ہے۔

ابن ابی حاتم نے مسروق رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے مجھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا سرکار ﷺ روزے رکھتے رہے پھر فاقہ کرتے رہے۔ پھر روزے رکھتے اور فاقہ کرتے رہے پھر روزے رکھتے اور فرمایا: اے عائشہ! محمد اور آل محمد کو دنیا نہیں چاہئے۔ اے عائشہ! اللہ اولوالعزم رسولوں سے راضی نہیں ہوا مگر تکلیف پر صبر کرنے اور پسندیدہ چیز کو چھوڑنے پر۔ پھر مجھ سے راضی نہیں ہوا مگر یہ کہ مجھے

1۔ دیکھئے احزاب:7، شوریٰ آیت:13

اسی چیز کا مکلّف بنائے جس کا انہیں مکلّف بنایا تھا اور فرمایا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ...... اور میں بخدا حسب استطاعت ضرور صبر کروں گا جیسے وہ صبر کرتے رہے اور قوت نہیں ہے مگر اللہ ہی کی طرف سے(1)۔

وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ان پر نزول عذاب کی جلدی نہ طلب کیجئے۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَ ذَرْنِيْ وَ الْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا (مزمل:11) ''آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جھٹلانے والے مال داروں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں''۔ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا (طارق:17) ''پس آپ کفار کو (تھوڑی سی) مہلت اور دے دیجئے کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہئے''۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ جیسے فرمایا: كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا (نازعات:46) ''گویا وہ جس روز اس کو دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح''۔ اور فرمایا: وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (یونس:45) ''اور جس روز اللہ تعالیٰ جمع کرے گا انہیں (وہ خیال کریں گے) گویا وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی دن کی پہچانیں گے ایک دوسرے کو (تب حقیقت کھلے گی کہ) گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو اور وہ ہدایت یافتہ نہیں تھے''۔

قولہ بَلٰغٌ: ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کے دو معنی ہیں ایک صورت میں عبارت یوں ہے۔

وذلك لُبث بلاغ اور دوسری صورت میں عبارت یوں ہوگی۔ هذا القرآن بلاغ(2)۔

فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ کوئی ہلاک نہیں ہوتا مگر جس کی ہلاکت واجب ہوچکی ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے کہ وہ عذاب نہیں دیتا مگر اسے جو عذاب کا حق دار ہے۔

سورۃ الاحقاف کی تفسیر ختم ہوئی۔

ولله الحمد والمنّة

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 454 2۔ طبری، جلد 26 صفحہ 38

سورۂ محمد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ① وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۙ کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَہُمۡ ② ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الۡحَقَّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ؕ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ اَمۡثَالَہُمۡ ③

”جنہوں نے (خود بھی) حق کا انکار کیا اور (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے رہے، اللہ نے ان کے عملوں کو برباد کر دیا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایمان لے آئے جو اتارا گیا (رسولِ معظم) محمد پر اور وہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے۔ اللہ تعالیٰ نے دور کر دیں ان سے ان کی برائیاں اور سنوار دیا ان کے حالات کو۔ (یوں) اس لئے کہ جنہوں نے کفر کیا وہ باطل کی پیروی کرتے تھے اور جو ایمان لائے تھے وہ حق کی پیروی کرتے تھے جو ان کے رب کی طرف سے تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے لوگوں کے لئے ان کے حالات“۔

فرمایا اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا اللہ کی آیات کا انکار کیا اور دوسروں کو روکتے رہے۔

اَضَلَّ ختم فرما دے گا اور اس پر کوئی ثواب اور جزاء نہیں ہوگی۔ جیسے فرمایا: وَقَدِمۡنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰہُ ہَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا (الفرقان:23) ”اور ہم متوجہ ہوں گے ان کے کاموں کی طرف اور انہیں گرد وغبار بنا کر اڑا دیں گے“۔

پھر فرمایا: وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو لوگ صمیم قلب وجان سے ایمان لائے۔ وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ خاص کا عطف عام پر ہو رہا ہے۔ آپ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لانا صحت ایمان کے لئے شرط ہے۔

ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ یہ جملہ معترضہ ہے۔

کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَہُمۡ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: أمرھم۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: شأنھم قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے: حالھم یہ سب اقوال قریب المعنی ہیں۔

چھینک کے جواب کے بارے میں حدیث میں آیا ہے: یھدیکم اللّٰہ ویصلح بالکم(1)۔

قولہ تعالیٰ: ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ یعنی ہم نے کفار کے اعمال کو باطل کر دیا نیکوں کی برائیوں سے تجاوز کیا۔ ان کے احوال کی اصلاح کی۔ اتبعوا: اختیار کیا۔

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 4 صفحہ 308-307، عارضۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 199-198، ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 1224

يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ان کا انجام انہیں بتاتا ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ۫ ذٰلِكَ ؕۛ وَ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَاۡ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴ سَيَهْدِيْهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵ وَ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹

''پھر جب (میدانِ جنگ میں) تمہارا کفار سے آمنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو۔ یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر لو تو پھر کس کر باندھو رسیاں۔ بعد ازاں یا تو احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لو یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔ یہی حکم ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا، لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے تمہیں بعض کو بعض سے۔ اور جو مارڈالے گئے اللہ کی راہ میں پس اللہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہونے دے گا وہ پہنچا دے گا انہیں بلند مدارج پر اور سنوار دے گا ان کے حالات کو۔ اور داخل کرے گا انہیں بہشت میں جس کی پہچان اس نے انہیں کرا دی تھی۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور (میدانِ جہاد میں) تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔ اور جنہوں نے (حق کا) انکار کیا، خدا کرے وہ منہ کے بل اوندھے گریں اور اللہ ان کے اعمال کو برباد کر دے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا پس اس نے ضائع کر دیئے ان کے اعمال''۔

فَشُدُّوا یعنی قیدیوں کو جنہیں تم گرفتار کرتے ہو۔ پھر جنگ کے خاتمے کے بعد تمہیں اختیار ہے اگر چاہو تو بطور احسان انہیں آزاد کر دو، اگر چاہو تو فدیہ لے لو۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ آیت غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ اللہ نے مؤمنین پر اس روز عتاب فرمایا تھا: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (انفال: 67-68) ''نہیں مناسب نبی کے لئے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کر لے زمین میں۔ تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمہارے لئے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب (اور) دانا ہے اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطاء اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں بوجہ اس کے جو تم نے لیا ہے بڑی سزا''۔ بعض علماء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ آیت جس میں فدیہ لینے کا اختیار تھا اس آیت سے منسوخ ہے: فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ: 5) ''پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انہیں''۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے (1)۔ قتادہ، ضحاک، سدی اور ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ کی یہی رائے ہے۔

اکثر علماء کی رائے ہے کہ یہ منسوخ نہیں۔ پھر بعض کی رائے یہ ہے کہ امام کو فدیہ لینے یا بغیر تاوان آزاد کرنے کا اختیار ہے۔ اس کے

1۔ طبری، جلد 26 صفحہ 41

لئے قتل کرنا جائز نہیں۔ دیگر علماء کی رائے میں اسے قتل کرنے کا بھی اختیار ہے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے غزدۂ بدر کے قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو قتل کروا دیا(1)۔ یہ مسئلہ علم فروع میں مفصل مذکور ہے۔ ہم نے الاحکام میں اس کی وضاحت کی ہے۔

قولہ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول ہو۔ شاید انہوں نے اس حدیث سے یہ مفہوم مستنبط کیا ہے: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق حتى يقاتل آخرهم الدجال(2)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جبیر بن نفیل سے روایت کیا ہے کہ سلمہ بن نفیل نے انہیں خبر دی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی میں نے گھوڑے چھوڑ دیئے اور اسلحہ رکھ دیا اور لڑائی ختم ہوگئی۔ میں نے کہا اب لڑائی نہیں ہوگی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اب لڑائی کا وقت آ گیا ہے۔ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا یہاں تک کہ کچھ لوگ ان سے لڑائی کریں گے۔ اللہ انہیں نصرت عطا فرمائے گا۔ حتیٰ کہ اللہ کا امیر آ پہنچے اور وہ اسی حال میں ہوں مگر مؤمنین کا مرکز شام ہے اور قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھلائی لکھ دی گئی ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دو سندوں سے اسی طرح روایت کیا ہے(3)۔ ابو القاسم بغوی اور حافظ ابویعلی موصلی نے بھی یہی روایت بیان کی ہے۔ قتادہ نے اس سے مراد شرک لیا ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (بقرہ:193) ''اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (وفساد) اور ہو جائے دین صرف اللہ کے لئے''۔ بعض نے کہا: اوزار المحاربین مراد لیا ہے اور وہ مشرکین ہیں۔ یعنی وہ توبہ کرلیں اور راہ راست پر آ جائیں۔

قولہ: لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ یعنی اگر اللہ چاہے تو کفار کو عذاب دے لیکن اس نے تمہاری آزمائش کے لئے جہاد کا حکم دیا ہے۔ جس طرح کہ جہاد کی حکمت سورت آل عمران اور سورۂ براءت میں بیان ہوئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران:142) ''کیا تم گمان رکھتے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ ابھی دیکھا ہی نہیں اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا تم سے اور دیکھا ہی نہیں (آزمائش میں) صبر کرنے والوں کو''۔ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبہ:15-14) ''جنگ کرو ان سے عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا کرے گا انہیں اور مدد کرے گا تمہاری ان کے مقابلے میں اور (یوں) صحت مند کر دے گا اس جماعت کے سینوں کو جو اہل ایمان ہے اور (یوں) دور فرما دے گا غصہ ان کے دلوں کا اور اپنی رحمت سے توجہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے''۔ لڑائی کے نتیجے میں چونکہ بہت سے مؤمنین قتل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے فرمایا اللہ ان کے اعمال کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ بڑھا کر دگنا کر دے گا۔ بعض لوگوں کا عمل برزخ میں بھی جاری رہے گا۔ جیسے کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شہید کو چھ خصلتیں دی جاتی ہیں: (۱) خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (۲) وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے۔ (۳) حورعین سے اس کی شادی ہوتی ہے۔ (۴) وہ طویل گھبراہٹ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ (۵) عذاب قبر سے نجات ملتی ہے۔ (۶) اسے ایمان

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 638
2۔ ابوداؤد کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 4
3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 102، سنن نسائی، کتاب الخیل، جلد 6 صفحہ 215-214

کا حلہ پہنایا جاتا ہے(1)۔ امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایک اور سند سے بھی یہی روایت کچھ اضافے سے بیان کی ہے(2)۔ اس میں ہے کہ اس کے سر پر تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک یاقوت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ ستر حوروں سے اس کا نکاح ہوتا ہے اور وہ اپنے اقارب میں سے ستر کی سفارش کر سکتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ قرض کے علاوہ شہید کا ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے(3)۔ ابو درداء سے مروی ہے کہ شہید ستر اہل خانہ کی سفارش کرتا ہے(4)۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔ شہید کے فضائل میں بے شمار احادیث ہیں۔

یُدۡخِلُهُمُ الۡجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمۡ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ گھروں والے اپنے گھر اس طرح پہچان لیں گے گویا وہ ہمیشہ سے یہاں رہ رہے ہیں۔(5) مالک نے ابن زید بن اسلم سے یہی روایت کیا ہے۔ محمد بن کعب کا قول ہے کہ وہ اپنے مکانات یوں پہچانیں گے جیسے تم جمعہ کی نماز کے بعد اپنے گھروں کو ہی لوٹتے ہو۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ فرشتہ جو دنیا میں اس کے اعمال کی حفاظت پر مامور تھا اس کے سامنے چلے گا اور بندہ اس کے پیچھے ہو گا حتیٰ کہ وہ اس کے گھر کی ہر چیز کے بارے میں اسے بتائے گا۔ گھر کے آخر میں جا کر وہ اپنے اہل خانہ کے پاس چلا جائے گا تو فرشتہ واپس آ جائے گا(6)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صحیح حدیث میں قتادہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آگ سے خلاصی کے بعد مومنین جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لئے جائیں گے اور دنیا کے مظالم کا ایک دوسرے سے قصاص لے کر پاک صاف جنت میں داخل ہوں گے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! ان میں سے کوئی جنت میں اپنے گھر کو دنیا والے اپنے گھر سے بھی زیادہ پہچان لے گا۔

قولہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ یَنۡصُرۡكُمۡ وَ یُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَیَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ یَّنۡصُرُهٗ (الحج: 40) ''اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا''۔ جزاء بلاشبہ عمل کی جنس سے ہوگی۔

وَ یُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ جس طرح کہ حدیث میں ہے جس نے بادشاہ تک ایسے آدمی کی حاجت پہنچائی جو اسے پہنچا نہیں سکتا تھا تو قیامت کے دن اللہ اسے پل صراط پر ثابت قدم رکھے گا۔

فَتَعۡسًا لَّهُمۡ مومنین کے برعکس ان کے ساتھ مختلف سلوک ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے: ''مال و دولت کا بندہ ہلاک ہو گیا...... الخ'' (یہ حدیث سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 200 کے تحت گزر چکی ہے۔)

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ ۫ وَ لِلۡكٰفِرِیۡنَ اَمۡثَالُهَا ﴿۱۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوۡلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اَنَّ الۡكٰفِرِیۡنَ لَا مَوۡلٰی لَهُمۡ ﴿۱۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ یُدۡخِلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ وَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا یَتَمَتَّعُوۡنَ وَ یَاۡكُلُوۡنَ كَمَا تَاۡكُلُ الۡاَنۡعَامُ وَ النَّارُ مَثۡوًی لَّهُمۡ ﴿۱۲﴾ وَ

1۔ احمد، جلد 4 صفحہ 200

2۔ احمد، جلد 4 صفحہ 131، عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل الجہاد، جلد 7 صفحہ 161 ابن ماجہ، کتاب الجہاد، جلد 2 صفحہ 936-935

3۔ مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1502 4۔ ابو داؤد، سنن، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 15

5۔ طبری، جلد 26 صفحہ 44 6۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 462

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿١٣﴾

"تو کیا انہوں نے سیر وسیاحت نہیں کی زمین میں تا کہ وہ خود دیکھ لیتے کہ کیسا انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان سے پہلے گزرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی نازل کر دی اور کفار کے لئے اسی قسم کی سزائیں ہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مددگار ہے اور کفار کا کوئی مددگار نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے (سدا بہار) باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں۔ اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش اڑا رہے ہیں اور محض کھانے (پینے) میں مصروف ہیں ڈنگروں کی طرح حالانکہ آتش جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔ اور بہت سی ایسی بستیاں تھیں جو قوت وشوکت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس (کے باشندوں) نے آپ کو نکال دیا ہم نے ان بستیوں کے مکینوں کو ہلاک کر دیا پس کوئی ان کا مددگار نہ تھا"۔

سردار مکہ ابوسفیان بن صخر نے احد کے دن نبی کریم ﷺ اور ابوبکر وعمر کو پکارا۔ جواب نہ پا کر کہنے لگا کیا یہ لوگ ہلاک ہو گئے ہیں تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا اے اللہ کے دشمن تو نے جھوٹ بولا۔ اللہ نے تیرے لئے وہ چیز باقی رکھی ہے جو تمہیں ناپسند ہے۔ جن کا تو نے ذکر کیا یہ لوگ زندہ ہیں۔ ابوسفیان نے اگلی دفعہ لڑائی کا چیلنج دیا اور یہ رجز پڑھنے لگا اعل ھبل، اعل ھبل (ہبل بلند ہو، ہبل بلند ہو) تو سرکار نے یوں کہنے کا حکم ارشاد فرمایا: اللہ اعلی و اجل (اللہ بزرگ و برتر ہے) پھر ابوسفیان کہنے گا ہمارے پاس عزی ہے اور تمہارا کوئی عزی نہیں۔ لنا العزی ولا عزی لکم تو صحابہ نے سرکار ﷺ کے حکم پر یوں جواب دیا: (اللہ مولانا ولا مولی لکم)(1)۔

وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ صحیح میں ہے کہ مومن ایک آنت میں اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے(2)۔ قریہ سے مراد مکہ ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ جب مکہ سے نکل کر غار میں روپوش ہو گئے تو مکہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تو اللہ کے شہروں میں سے اللہ کے نزدیک پسندیدہ ترین ہے اور تو اللہ کے شہروں میں سے مجھے محبوب تر ہے۔ اگر وہ مجھے نہ نکالتے تو میں نہ نکلتا۔ بدترین وہ دشمن ہے جو اللہ کے حرم میں اس سے دشمنی کرتا ہے یا غیر قاتل کو قتل کرتا ہے یا جاہلیت کے انتقام وعداوت کی بناء پر قتل کرتا ہے(3) تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿١٤﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ ﴿١٥﴾

"کیا وہ شخص جس کے پاس روشن دلائل ہیں اپنے رب کے پاس سے، اس (بدبخت) کی مانند ہے آراستہ کر دیئے گئے جس

1۔ دیکھئے آل عمران آیت: 152

2۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب الاطعمۃ، جلد 9 صفحہ 536، مسلم، کتاب الاشربۃ، جلد 3 صفحہ 1631

3۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 463

کے لئے اس کے برے اعمال اور وہ پیروی کرتے رہے اپنی خواہشوں کی۔ احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے۔ اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا۔ اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔ اور نہریں ہیں شراب کی جو لذت بخش ہے پینے والوں کے لئے۔ اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے۔ اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور (مزید برآں ان کے لئے) بخشش ہوگی اپنے رب کی طرف سے۔ (سوچو) کیا یہ ان کی مانند ہوں گے جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا اور وہ کاٹ دے گا ان کی آنتوں کو''۔

بَیِّنَۃٍ یعنی بصیرت اور اللہ کے امر اور دین کے بارے میں یقین۔

مَثَلُ: صفت۔ غَیْرِ اٰسِنٍ: غیر متغیر۔ قتادہ، ضحاک اور عطاء خراسانی نے اس کا معنی غیر منتن (شفاف) کیا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرفوع حدیث میں لکھا ہے: غَیْرِ اٰسِنٍ: الصافی الذی لا کدر فیہ۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنت کی نہریں کستوری کے پہاڑ سے پھوٹتی ہیں۔

وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ از حد سفید، لذیذ اور گھنا۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے: ''جو جانوروں کی کھیری سے نہیں نکلا''۔

وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ دنیا کی شراب کی طرح یہ بدذائقہ اور بدبودار نہیں ہوگی۔ اس کا رنگ، بو اور ذائقہ اور تاثیر عمدہ ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے: لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ (الصافات: 47) ''نہ اس میں مضر صحت کوئی چیز ہے اور نہ وہ اس (کے پینے) سے مدہوش ہوں گے''۔ لَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا یُنْزِفُوْنَ (الواقعہ: 19) ''نہ سر درد محسوس کریں گے اس سے اور نہ مدہوش ہوں گے''۔ بَیْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ (الصافات: 46) ''(دودھ سے زیادہ) سفید بڑے لذیذ پینے والوں کے لئے''۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے اسے مردوں نے نہیں نچوڑا ہوگا۔

وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى شفاف۔ رنگ، ذائقے اور بو میں بہترین۔ مرفوع حدیث ہے جو مکھیوں کے پیٹ سے برآمد نہیں ہوا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں دودھ کا سمندر، پانی کا سمندر، شہد کا سمندر اور شراب کا سمندر ہے پھر اس سے نہریں نکلتی ہیں (1)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ابوبکر بن مردویہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ نہریں جنت عدن میں ایک جھیل سے نکلتی ہیں اور پھر آگے تقسیم ہو جاتی ہیں (2)۔ صحیح میں ہے جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو۔ یہ اوسط اور اعلیٰ درجے کی جنت ہے۔ اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔ اور اسی پر رحمٰن کا عرش ہے (3)۔ حافظ ابو القاسم طبرانی نے روایت کیا ہے کہ لقیط بن عامر سرکار کی بارگاہ میں حاضری کے لئے نکلے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم جنت میں کس چیز پر جھانکیں گے؟ فرمایا صاف شہد کی نہروں پر، شراب کی نہروں پر جس میں سر درد اور ندامت نہیں ہوگی۔ دودھ کی نہروں پر جو خراب نہیں ہوا۔ اور صاف پانی اور پھلوں پر۔ تیرے خدا کی قسم جو تم جانتے ہو اور اس سے بہتر۔ اور پاک بیویاں۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا وہاں ہماری نیک بیبیاں بھی ہوں گی۔ تو آپ نے فرمایا صالحات صالحین کے لئے، تم ان سے لطف اندوز ہوگے اور وہ تم سے۔ مگر اولاد نہ ہوگی (4)۔

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 5، عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 41

2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 416، سنن دارمی، کتاب الرقاق، جلد 2 صفحہ 240

3۔ دیکھئے آل عمران آیت 133، سورہ کہف آیت: 107، سورہ مومنون آیت: 11

4۔ المعجم الکبیر، جلد 19 صفحہ 214-211، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 13

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا
قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ
اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ
بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾

''اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو کان لگائے رکھتے ہیں آپ کی طرف۔حتیٰ کہ جب نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو کہتے ہیں اہل علم سے (کہ ذرا غور فرمایئے) یہ صاحب ابھی ابھی کیا کہہ رہے تھے۔یہی وہ (بدبخت) ہیں مہر لگادی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور وہ پیروی کرتے ہیں اپنی خواہشوں کی۔اور جو لوگ راہِ ہدایت پر چلے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے ان کے نورِ ہدایت کو اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے۔پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں قیامت کا کہ آجائے ان پر اچانک بے شک اس کی نشانیاں تو آہی گئی ہیں۔(تو جب قیامت ان پر آگئی) تو اس وقت ان کو سمجھنا کب نصیب ہوگا۔پس آپ جان لیں کہ نہیں کوئی معبود بجز اللہ کے اور دعا مانگا کریں کہ اللہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے نیز مغفرت طلب کریں مومن مردوں اور عورتوں کے لئے۔اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے چلنے پھرنے اور آرام کرنے کی جگہوں کو''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ منافقین کی بلادت اور قلت فہم کی خبر دے رہے ہیں۔وہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوتے، آپ کی گفتگو سنتے لیکن کچھ سمجھ نہ پاتے۔تو کہتے مَاذَا قَالَ اٰنِفًا۔ابھی ابھی۔یعنی وہ کج فہم اور کج ارادہ ہیں۔

قولہ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ ایک اور آیت میں آتا ہے: فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا (محمد:18) ''بے شک اس کی نشانیاں تو آہی گئی ہیں''۔ایک دوسری آیت میں فرمایا: هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ (النجم:57-56) ''یہ ڈرانے والا (رسولِ عربی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے''۔اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر:1) ''قیامت قریب آگئی ہے اور چاند شق ہوگیا)۔ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (النحل:1) ''قریب آگیا ہے حکم الٰہی پس اس کے لئے عجلت نہ کرو''۔اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ (الانبیاء:1) ''قریب آگیا ہے لوگوں کے لئے ان کے (اعمال) کے حساب کا وقت اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں)۔

رسول اکرم ﷺ کی بعثت بھی علامات قیامت میں سے ہے، کیونکہ آپ ختم المرسلین ہیں۔حضور ﷺ نے قیامت کی علامات کو شرح وبسط سے بیان فرمایا۔حسن بصری کا قول ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت علامات قیامت سے ہے اور اسی لئے آپ کے اسماء میں نبی التوبہ، نبی الملحمة، حاشر (جس کے قدموں پر حشر ہوگا) اور عاقب (جس کے بعد کوئی نبی نہیں) ہے(1)۔

بخاری شریف میں سہل بن سعد سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے درمیان والی انگلی اور ساتھ والی انگلی کو ملایا اور فرمایا میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں۔

قال تعالیٰ: فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ جیسے ارشاد فرمایا: يَوْمَىِٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى (الفجر:23) ''اس روز انسان کو سمجھ

1۔متفق علیہ، فتح الباری، تفسیر سورہ الصف، جلد 8 صفحہ 641-640، مسلم، کتاب الفضائل، جلد 1829-1828، امام احمد (مسند) جلد 4 صفحہ 47، 404-395 جلد 5 صفحہ 405

آئے گی لیکن اس سمجھنے کا کیا فائدہ؟"۔ وَقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ (سبا:52)" اس وقت کہیں گے ہم ایمان لے آئے ان پر لیکن اب کیونکر وہ پا سکتے ہیں۔ ایمان کو اتنی دور جگہ سے"۔

قولہ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یہ اعلان توحید ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نماز کے بعد یوں کہا کرتے تھے: اللهم اغفرلی خطيئتي وجَهلي، وإسرافي في أمري، وما أنت اعلم به مني، اللهم اغفرلي هزلي وجدّي، وخطئي وعمدي وكلّ ذلك عندي(1)۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نماز کے آخر میں فرمایا کرتے: اللهم اغفرلي ما قدّمت وما أخّرتُ، وما أسررْتُ وما أعلنتُ، وما أسرفتُ، وما أنت اعلَمُ به مني، أنت الهي لا إله إلا أنت(2)۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اپنے رب سے توبہ کرو میں ایک دن میں ستر سے زیادہ مرتبہ توبہ کرتا ہوں(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن سرخس کا قول نقل کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ کے ساتھ کھانا کھایا۔ اور عرض کی: غفر الله لك يا رسول الله! فرمایا تمہیں بھی۔ پھر میں نے عرض کی کیا آپ ﷺ نے آپ کے لئے استغفار کیا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں۔ مسلم، ترمذی، نسائی، ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے متعدد سندوں سے روایت کیا ہے(4)۔ ابو یعلی نے ایک اور حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت کیا کرو۔ ابلیس کا کہنا ہے میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انہوں نے مجھے کلمہ اور استغفار سے ہلاک کیا۔ جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے خواہشات کے ساتھ انہیں ہلاک کیا۔ حالانکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے۔ ابلیس کہنے لگا تیرے عزت وجلال کی قسم میں انہیں اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کی روحیں ان کے اجسام میں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے عزت وجلال کی قسم! میں انہیں اس وقت تک بخشتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے مغفرت مانگتے رہیں گے(5)۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ دن کے وقت تمہارے تصرفات اور رات کو تمہارے ٹھکانے کے بارے میں جانتا ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ (الانعام:60)" اور وہ وہی ہے۔ جو قبضہ میں لیتا ہے۔ تمہیں رات کو اور جانتا ہے جو کمایا تم نے دن کو"۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (ہود:6)" اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں (لکھی) ہوئی ہے"۔

ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ اسی طرف گئے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک دنیا میں تمہاری حرکات وسکنات اور آخرت کا ٹھکانہ۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے دنیا میں اٹھنا بیٹھنا اور قبور کا ٹھکانہ۔ پہلا قول

1۔ متفق علیہ، کتاب الدعوات، فتح الباری، جلد 11 صفحہ 196 مسلم، جلد 4 صفحہ 2087

2۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 371، مسلم، کتاب صلاۃ المسافر، جلد 1 صفحہ 532-532

3۔ متفق علیہ، مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 276-2075، بخاری، کتاب الدعوات، جلد 11 صفحہ 101

4۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 82، مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1824-1823 عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13 صفحہ 120، نسائی، کتاب التفسیر، سنن الکبریٰ، تحفۃ الاشراف، جلد 4 صفحہ 350-349، طبری، جلد 26 صفحہ 54

5۔ دیکھئے آل عمران آیت: 135، سورۂ نساء آیت، جلد 17

زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۚ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾

''اور اہل ایمان کہتے ہیں کیوں نہ اتری کوئی نئی سورت (جہاد کے بارے میں) پس جب اتاری جاتی ہے کوئی واضح سورت اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے۔ تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہوتا ہے کہ وہ تکتے ہیں آپ کی طرف جیسے تکتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ پس ان کے لئے بہتر یہ تھا کہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے۔ پھر جب حکم ناطق ہو چکا تو اگر وہ سچے رہتے اللہ تعالیٰ سے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ پھر تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم فساد برپا کرو گے زمین میں اور قطع کر دو گے اپنی قرابتوں کو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی پھر (حق سننے سے) انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مومنین کو یہ خبر دے رہے ہیں کہ انہوں نے جہاد کی مشروعیت کی تمنا کی۔ جب اللہ نے اسے فرض کر دیا اور اس کا حکم دیا تو بہت سے لوگ پھر گئے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْۤا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا (النساء:77) ''کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں جب کہا گیا کہ روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ (ان باتوں کو تو مان لیا) پھر جب فرض کیا گیا ان پر جہاد تب ایک گروہ ان میں سے ڈرنے لگ گیا لوگوں سے جیسے ڈرا جاتا ہے خدا سے یا اس سے بھی زیادہ۔ اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار! کیوں فرض کر دیا تو نے ہم پر جہاد۔ (اور) کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں تھوڑی مدت تک۔ (اے ترجمان حقیقت انہیں) کہو دنیا کا سامان بہت قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کے لئے جو تقویٰ اختیار کئے ہیں اور نہیں ظلم کیا جائے گا تم پر کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر''۔

اور یہاں فرمایا: وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ جو لڑائی کے حکم پر مشتمل ہو۔ اسی لئے فرمایا کہ لڑائی کا حکم نافذ ہونے کی صورت میں دشمن کے رعب سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

تُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ تم جاہلیت کے دور کی طرف لوٹ جاؤ، خونریزی کرنے لگو اور قطع رحمی پر اتر آؤ۔ یہ زمین میں عموماً فساد انگیزی کرنے کی نہی ہے اور قطع رحمی کرنے کی خصوصاً۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اصلاح کرنے اور صلہ رحمی کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور وہ رشتہ داروں سے احسان کرنا ہے گفتگو، افعال اور مال خرچ کرنے میں۔ اس بارے میں متعدد صحیح اور حسن احادیث وارد ہوئی ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ جب اس

سے فارغ ہوا تو رحم کھڑا ہو گیا۔ اس نے رحمٰن کے حقو کو مضبوطی سے پکڑ لیا(1)۔ ارشاد ہوا ٹھہر جاؤ۔ اس نے کہا قطع سے تیری پناہ لینے والے کا یہی مقام ہے۔ ارشاد ہوا کیا تو اس بات سے راضی نہیں کہ میں اس سے صلہ رحمی کروں جو تجھ سے صلہ رحمی کرتا ہے اور اسے چھوڑ دوں جو تجھ سے قطع تعلقی کرے؟ عرض کی کیوں نہیں۔ ارشاد ہوا: اسی طرح ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر چاہو تو یہ آیت تلاوت کرو فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ...... بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی حدیث دیگر دو سندوں سے اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا فساد پھیلانے اور قطع رحمی سے زیادہ بڑا کوئی گناہ نہیں جس کی سزا آخرت کے ساتھ ساتھ اللہ دنیا میں ہی دے دیتا ہے(3)۔ ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ثوبان سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جسے عمر میں برکت اور رزق میں اضافہ درکار ہو وہ صلہ رحمی سے کام لے(4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ والی روایت سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے اقارب ہیں میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ مجھے چھوڑ دیتے ہیں۔ میں معاف کرتا ہوں اور وہ ظلم کرتے ہیں۔ میں نیکی کرتا ہوں تو وہ برائی سے بدلہ دیتے ہیں۔ کیا میں جواباً ان سے وہی سلوک کروں؟ فرمایا نہیں۔ اس طرح تو تم سب چھوڑ دیئے جاؤ گے لیکن فضل اختیار کر اور ان سے صلہ رحمی کر۔ تیرے ساتھ اللہ کی طرف سے غالب کرنے والا رہے گا جب تک تو اس طریق کار پر قائم ہے(5)۔ احمد نے ہی حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رحم عرش سے معلق ہے اور صلہ رحمی کرنے والا بدلہ دینے والا نہیں ہے۔ صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے جو قطع رحمی کے باوجود صلہ رحمی کرتا ہے۔ رواہ البخاری(6)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رحم کو قیامت کے دن رکھا جائے گا۔ اس میں چرخہ کے تکلے کی طرح کجی ہوگی۔ وہ فصیح زبان میں گفتگو کرے گا۔ حسن سلوک کرنے والے سے صلہ رحمی اور قطع رحمی کرنے والے سے قطع رحمی کرے گا(7)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔ اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ رحم رحمٰن کی ایک شاخ ہے۔ جس نے اسے ملایا میں نے اسے ملا دیا اور جس نے اسے کاٹا میں اسے کاٹ دیتا ہوں(8)۔ ابو داؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے۔ وہی "تسلسل الأولية"(9) روایت کرتے ہیں۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم بن عبداللہ بن قارظ کے باپ سے روایت کیا ہے کہ وہ عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس گئے وہ بیمار تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا رحم تجھے ملا، بے شک رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں رحمٰن ہوں، میں نے رحم کو پیدا کیا۔ اسے اپنے نام سے مشتق کیا جو اسے ملائے میں اس سے ناطہ رکھوں۔ جو اسے چھوڑے گا میں

1۔ یہ بطور مجاز اور تمثیل ہے
2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ محمد، جلد 8 صفحہ 580-579، مسلم کتاب البر، جلد 4 صفحہ 981
3۔ دیکھئے مائدہ زیر آیت: 31، سورۂ یونس آیت: 23، سورۂ نحل آیت: 90
4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 279
5۔ مسند، جلد 2 صفحہ 181
6۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 163، فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 423
7۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 189
8۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 160، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 285، عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 111
9۔ تسلسل الاولیہ یعنی روایت کا ایک خاص تسلسل جس میں ہر راوی اپنے شاگرد سے کہے۔ حدثنی فلان، وھو اول حدیث سمعتہ منہ، یہ شرط نہیں کہ وسط سند میں بھی تسلسل برقرار رہے جیسے حدیث رحمت جو اوپر مذکور ہوئی (مزید دیکھئے قواعد التحدیث قاسمی: 127-126، سیوطی: تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی 381

اس سے قطع تعلقی کرلوں گا(1)۔ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت ایک اور سند سے زہری سے اور ابوداؤد اور ترمذی نے ابوسلمہ کے باپ سے روایت کی ہے(2)۔ اس موضوع کی احادیث بے شمار ہیں۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلمان سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ارواح اکٹھے لشکر (جھنڈ) ہیں۔ جو آپس میں پہچان رکھتی ہیں ایک دوسری سے مانوس ہوتی ہیں اور جو پہچان نہیں رکھتی ہیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں(3)۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب قول ظاہر ہو جائے، عمل محفوظ ہو جائے، زبانیں مانوس ہوں، دلوں میں نفرت ہو ہر ذی رحم اپنے قریبی سے قطع تعلقی کرنے لگے تو اس وقت اللہ ان پر لعنت فرمائے۔ انہیں بہرا اور اندھا کر دے(4)۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَ اَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾

"کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے قرآن میں یا (ان کے) دلوں پر قفل لگا دیئے گئے ہیں۔ بے شک جو لوگ پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹ گئے باوجودیکہ ان پر ہدایت (کی راہ) ظاہر ہو چکی تھی۔ شیطان نے انہیں فریب دیا اور انہیں لمبی زندگی کی آس دلائی۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا ان لوگوں کو جنہوں نے ناپسند کیا جو اللہ نے اتارا کہ ہم تمہاری ایک بات میں اطاعت کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ مشوروں کو جانتا ہے۔ پس ان کا کیا حال ہو گا جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کریں گے اور چوٹیں لگائیں گے ان کے چہروں اور پشتوں پر۔ یہ درگت اس لئے بنے گی کہ انہوں نے پیروی کی اس کی جو اللہ کی ناراضگی کا باعث تھا اور ناپسند کیا اس کی خوشنودی کو۔ پس اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے"۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی تو اہل یمن میں سے ایک نوجوان کہنے لگا بلکہ ان پر تالے لگے ہوئے ہیں۔ وہی انہیں کھولتا ہے۔ وہ نوجوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں رہا حتیٰ کہ اس کو والی بنایا اور اس سے مدد لی(5)۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِیْنَ ۙ وَ نَبْلُوَاۡ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 191

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 194، سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 132، عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 100-99

3۔ المعجم الکبیر، جلد 6 جلد 264-263، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 287 4۔ طبری، جلد 26 صفحہ 58 5۔ طبری، جلد 26 صفحہ 58

"کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر نہیں کرے گا ان کے دلی کھوٹوں کو۔ اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو دکھا دیں یہ لوگ سو آپ پہچان تو چکے ہیں ان کو ان کے چہرہ سے۔ اور آپ ضرور پہچان لیا کریں گے انہیں ان کے اندازِ گفتگو سے۔ اور اللہ جانتا ہے تمہارے اعمال کو۔ اور ہم ضرور آزمائیں گے۔ تمہیں تاکہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مصروفِ جہاد رہتے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں، اور ہم پرکھیں گے تمہارے حالات کو"۔

کیا منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا معاملہ مومنین پر ظاہر نہیں کرے گا بلکہ اسے ضرور واضح کرے گا۔ اللہ نے ان کے بارے میں سورۂ براءت نازل فرمائی۔ اس میں ان کے نفاق کا پردہ چاک کر دیا۔ اسی لئے اس سورت کو فاضحۃ بھی کہتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ کسی نے کسی کو کوئی راز نہیں بتایا مگر اللہ اسے اس کا چونغہ پہنا دیتا ہے۔ اگر بہتر ہے تو بہتر اور برا ہے تو برا(1)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابومسعود عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا۔ حمد وثنا کے بعد فرمایا: تم میں سے کچھ منافقین ہیں میں جس کا نام لوں وہ اٹھ جائے۔ پھر فرمایا اے فلاں کھڑا ہو، اے فلاں کھڑا ہو، اے فلاں کھڑا ہو، حتیٰ کہ چھتیس افراد کے نام گنوائے۔ پھر فرمایا تم میں سے کچھ ہیں۔ پس اللہ سے ڈرو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جس کا نام لیا گیا تھا آپ اسے جانتے تھے۔ وہ ڈھاٹا باندھے ہوئے تھا۔ آپ نے پوچھا تمہیں کیا ہوا تو اس نے ساری بات سنائی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا سارا دن تمہیں دوری ہے(2)۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾

"بیشک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور لوگوں کو بھی روکتے رہے اللہ کی راہ سے اور مخالفت کرتے رہے رسولِ (کریم) کی باوجودیکہ ظاہر ہو چکی تھی ان کے لئے راہِ ہدایت۔ وہ قطعاً اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا۔ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسولِ (مکرم) کی اور نہ ضائع کرو اپنے عملوں کو۔ بیشک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے روکتے رہے پھر وہ مر گئے کفر کی حالت میں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ (اے فرزندانِ اسلام!) ہمت مت ہارو اور (کفار کو) صلح کی دعوت مت دو۔ تم ہی غالب آؤ گے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال (اور کوششوں کو) ضائع نہیں ہونے دے گا"۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ کفر والا، اللہ کی راہ سے ہٹنے والا، اس کے رسول کی مخالفت کرنے والا اور مرتد ہونے والا اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ وہ خود خسارے میں ہے۔

1۔ دارقطنی: المعجم الکبیر، جلد 2 صفحہ 171، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 225 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 273

امام محمد بن نصر مروزی نے کتاب الصلاۃ میں ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرام یہ سمجھتے تھے کہ لا الہ إلا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا جیسے شرک کے ساتھ کوئی عمل نفع نہیں دیتا۔ تو یہ آیت اتری تو انہیں خدشہ ہوا کہ گناہ نیک عمل کو بھی ختم کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم صحابہ کا گروہ یہ سمجھتے تھے کہ ہر نیکی مقبول ہے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ہم کہنے لگے کیا چیز ہمارے اعمال کو باطل کرتی ہے؟ ہم نے خیال کیا کہ کبیرہ گناہ اور فحش امور۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: 116) ''بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس (جرم عظیم) کو کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جتنے جرائم ہوں جس کے لئے چاہتا ہے''۔ چنانچہ ہم رک گئے اور کبیرہ گناہوں کے مرتکب کے بارے میں ڈرتے تھے اور جو ان سے محفوظ ہوتا اس کے بارے میں پرامید ہوتے۔

فَلَا تَهِنُوْا: دشمن کے سامنے کمزوری نہ دکھاؤ۔ جب کفار مسلمانوں سے زیادہ طاقتور ہوں تو مصلحت کی خاطر امام ان سے صلح کر سکتا ہے جیسے صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ لَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝۳۶ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝۳۷ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ۝۳۸

''یہ دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل اور تماشا ہے۔ اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگار بن جاؤ تو وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا اور وہ نہ طلب کرے گا تم سے تمہارے مال۔ اگر وہ طلب کرے تم سے تمہارے مال اور اس پر اصرار کرے تو تم بخل کرنے لگو اور (یوں) ظاہر کر دے گا تمہاری ناگواریوں کو۔ ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جنہیں دعوت دی جاتی ہے کہ (اپنے مال) خرچ کرو اللہ کی راہ میں۔ پس تم میں سے کچھ بخل کرنے لگتے ہیں۔ اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ اپنی ذات سے بخل کر رہا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہے (کسی کا محتاج نہیں) بلکہ تم (اس کے) محتاج ہو۔ اور اگر روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کر دیئے جاؤ گے) اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔''

وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ''اللہ کے علم میں ہے کہ مال نکالنے سے کینہ ختم ہوتا ہے۔'' قتادہ نے سچ کہا ہے بے شک مال پسندیدہ ہے اور اسے صرف اسی شخص پر خرچ کیا جا سکتا ہے جو اس سے بھی زیادہ محبوب ہو۔

لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ کون لوگ ہیں اگر ہم رخ پھیر لیں تو اللہ انہیں ہماری جگہ لے آئے۔ تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر مارا اور فرمایا یہ اور اس کی قوم۔ اگر دین ثریا پر بھی ہوتا تو ایرانی لوگ اسے پا لیتے (1)۔

1۔ ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 12 جلد 146-145 بیہقی: دلائل، جلد 6 صفحہ 334 طبری، جلد 26 صفحہ 66، درمنثور، جلد 7 صفحہ 50

سورۂ فتح

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عام الفتح کے دوران سواری پر سورۂ فتح تلاوت فرمائی (1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿١﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٢﴾ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿٣﴾

''یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی ہے۔ تا کہ دور فرما دے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے اور مکمل فرما دے اپنے انعام کو آپ پر اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر۔ اور تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی مدد فرمائے جو زبردست ہے''۔

یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب ذیقعد 6ھ میں سرکار ﷺ حدیبیہ سے واپس آئے۔ جب مشرکین نے آپ کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور صلح حدیبیہ طے پائی۔ جب محصر ہونے کے بعد آپ ﷺ نے اپنی ھدی کو ذبح کر دیا تو یہ سورت نازل ہوئی اور اس صلح کو فتح مبین قرار دیا۔ جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یا دیگر لوگوں سے مروی ہے کہ تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو اور ہم صلح حدیبیہ کو فتح سمجھتے ہیں۔ اعمش نے جابر سے روایت کیا ہے کہ ہم صلح حدیبیہ کو فتح شمار کرتے تھے (2)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے (3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے میں نے ایک چیز کے بارے میں تین دفعہ سوال کیا۔ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا میں نے اپنے آپ کو ملامت کی: اے ابن خطاب تجھے تیری ماں روئے تو نے رسول اللہ ﷺ پر تین مرتبہ اصرار کیا لیکن آپ نے تجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ چنانچہ میں اپنی سواری پر سوار ہو گیا اس ڈر سے کہ میرے بارے میں کوئی چیز نہ اتری ہو؟ کیا سنتا ہوں کہ منادی میرے نام کی ندا دے رہا ہے۔ میں یہ خیال کرتے ہوئے لوٹا کہ میرے بارے میں کوئی چیز نازل ہوئی ہے۔ جب میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا آج رات مجھ پر یہ سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے زیادہ پسند ہے۔ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ...... بخاری، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے (4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حدیبیہ سے واپسی پر لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: آج مجھ پر ایک آیت اتری ہے جو مجھے روئے زمین پر

1۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 24، فتح الباری، تفسیر سورۂ فتح، جلد 8 صفحہ 583، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 547 2۔ طبری، جلد 26 صفحہ 70

3۔ بخاری، فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 441

4۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 31 فتح الباری، کتاب فضائل القرآن، جلد 9 صفحہ 58، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ فتح، جلد 12 صفحہ 149-148، نسائی، سنن کبری، کتاب التفسیر، تحفۃ الاشراف، جلد 8 صفحہ 6

جو کچھ ہے اس سے زیادہ پسند ہے۔ پھر یہ آیت سنائی۔ تو صحابہ نے آپ کو مبارک باد دیتے ہوئے عرض کی اللہ نے آپ کو تو آپ کے بارے میں بتا دیا کہ جو کچھ آپ کے ساتھ ہوگا۔ اب ہمارا کیا ہوگا؟ تو یہ آیت اتری لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا (فتح: 5) صحیحین میں یہ روایت قتادہ سے مروی ہے(1)۔ امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ سرکار ﷺ نے خیبر کی غنیمت صرف اہل صلح حدیبیہ پر تقسیم فرمائی۔ اس کے اٹھارہ حصے کئے لشکر کی تعداد پندرہ سو تھی۔ شہسوار کو دو اور پیدل کو ایک حصہ عطا فرمایا(2)۔ امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی حدیث نقل کی ہے(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے مغیرہ بن شعبہ سے سنا کہ نبی کریم ﷺ اتنی نماز ادا فرماتے کہ آپ کے پاؤں مبارک پر ورم آجاتا۔ عرض کی گئی کیا اللہ نے آپ کے گناہوں کو معاف نہیں فرما دیا۔ فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟(4)۔ امام احمد اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ایک اور سند سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(5)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے(6)۔ فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ اس کے سبب بہت سے لوگ ایمان لائے مومن و کافر کا آپس میں رابطہ ہوا۔ علم نافع اور ایمان پھیلا۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہے جس میں آپ کا کوئی شریک نہیں۔ کسی اور کو یہ خوشخبری نہیں ملی۔ سرکار ﷺ اپنے تمام امور میں اطاعت و استقامت کے بلندترین مقام پر فائز تھے۔ اولین و آخرین میں سے کوئی بھی اس تک نہیں پہنچ سکا۔ آپ علی الاطلاق اکمل البشر اور سید الدنیا والآخرۃ ہیں۔ آپ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ اطاعت گزار ہیں اور اس کے اوامر و نواہی کی سب سے زیادہ تعظیم کرنے والے ہیں۔ جب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تو فرمایا: اسے ہاتھیوں کو روکنے والے نے روک دیا ہے۔ پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ آج وہ مجھ سے کسی چیز کے بارے میں نہیں پوچھیں گے جس کے ساتھ وہ اللہ کی محرمات کی تعظیم کرتے ہیں مگر میں انہیں جواب دوں گا(7)۔ جب آپ نے اللہ کی اطاعت کی اور صلح قبول فرمائی تو آپ کو یہ بشارت دی گئی۔

وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا اطاعت الٰہی کی وجہ سے تمہیں دشمنوں پر نصرت حاصل ہوگی جیسے صحیح حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ مغفرت کے ساتھ بندے کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے۔ کسی نے اللہ کے ساتھ تواضع نہیں کی مگر اللہ اسے رفعتیں عطا فرما دیتا ہے''(8)۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ④ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 197 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 420، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 76

3۔ طبری، جلد 26 صفحہ 69، احمد، جلد 1 صفحہ 464، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 122 تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 77، نسائی، کتاب السیر

4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 255، فتح الباری تفسیر سورۂ فتح، جلد 8 صفحہ 584، مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2172-2171، عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 205، نسائی، کتاب قیام اللیل، جلد 3 صفحہ 219، ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 456

5۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 115، مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2172 6۔ مسند ابویعلی، جلد 3 صفحہ 222، مجمع الزوائد، جلد 2 صفحہ 271

7۔ یہ حدیث اس سورت کی آیت نمبر 28 میں مفصل آئے گی 8۔ دیکھئے تفسیر سورۂ شوریٰ آیت: 40

ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

''وہی ہے جس نے اتارا اطمینان کو اہل ایمان کے دلوں میں تاکہ وہ اور بڑھ جائیں (قوتِ) ایمان میں اپنے (پہلے) ایمان کے ساتھ۔ اور اللہ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، بہت دانا ہے تاکہ داخل کردے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اور دور فرما دے ان سے ان کی برائیوں کو اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔ اور تاکہ عذاب میں مبتلا کردے منافق مردوں اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں۔ انہیں پر ہے بُری گردش اور ناراض ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان پر اور (اپنی رحمت سے) انہیں دور کردیا ہے اور تیار کر رکھا ہے ان کے لئے جہنم۔ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ اور اللہ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے۔ اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب بڑا دانا ہے''۔

السَّكِيْنَةَ: طمانینت (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک)۔ ایک روایت میں آپ کے نزدیک اس سے مراد رحمت ہے(1)۔ قتادہ نے اس کا معنی وقار لیا ہے جو مومنین کے دلوں میں ہے اور یہ صحابہ کرام تھے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ علماء نے اسی آیت سے ایمان کے بڑھنے گھٹنے پر استدلال قائم کیا ہے۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پھر فرمایا اگر وہ چاہے تو کفار سے بدلہ لے سکتا ہے۔ یعنی اگر وہ ان پر اپنا ایک فرشتہ بھیج دے تو وہ انہیں برباد کر کے رکھ دے۔ لیکن اس نے اپنے مؤمن بندوں کے لئے جہاد و قتال کو مشروع کیا کیونکہ اس میں حکمت، حجت قاطعہ اور برہان دامغہ ہے۔

قال لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ...... حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا: ماكثين فيها أبدًا۔ سیئات: غلطیاں اور گناہ۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (آل عمران: 185) ''پس جو شخص بچالیا گیا آتش (دوزخ) سے اور داخل کیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہوگیا۔ اور نہیں یہ دنیوی زندگی مگر ساز و سامان دھوکہ میں ڈالنے والا''۔

الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ جو اللہ کے فیصلوں پر اعتراض کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ معاذ اللہ! نیست و نابود ہو جائیں گے۔ لَعَنَهُمْ: انہیں اپنی رحمت سے دور کردیا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَ

1۔ طبری، جلد 26 صفحہ 72، ابن منذر، طبرانی، ابن مردویہ اور بیہقی نے اسے دلائل میں روایت کیا ہے۔ درمنثور، جلد 70 صفحہ 514

تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۰

"بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر (اپنی رحمت کی) خوشخبری سنانے والا (عذاب سے) بروقت ڈرانے والا۔ تاکہ (اے لوگو!) تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور تاکہ تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو۔ اور پاکی بیان کرو اللہ کی صبح اور شام۔ (اے جانِ عالم!) بیشک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پس جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی ذات پر ہوگا اور جس نے ایفاء کیا اس عہد کو جو اس نے اللہ سے کیا تو وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا"۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو فرما رہے ہیں ہم نے آپ کو بھیجا ہے۔

شَاهِدًا مخلوق پر گواہ۔ مُبَشِّرًا مومنوں کے لئے بشارت دینے والا۔ نَذِيْرًا کفار کے لئے ڈرانے والا۔ اس کی تفسیر سورۂ احزاب میں گزر چکی ہے(1)۔

تُعَزِّرُوْهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے اس کا معنی تعظیم کرنا کیا ہے۔ تُوَقِّرُوْهُ توقیر سے ہے یعنی احترام و اجلال اور تعظیم۔

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ یعنی وہ ان کے پاس موجود ہے ان کے اقوال کو سنتا ہے ان کو اور ان کے دلوں کو دیکھ رہا ہے۔ اپنے رسول کے واسطہ سے وہی بیعت لے رہا ہے۔ ایک اور آیت میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبہ: 111) "یقیناً اللہ تعالیٰ نے خرید لی ہیں ایمانداروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس عوض میں کہ ان کے لئے جنت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے اس پر پختہ وعدہ توراۃ اور انجیل اور قرآن (تینوں کتابوں) میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے (اے ایمان والو!) پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے۔ اور یہی تو سب سے بڑی فیروز مندی ہے"۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ کی راہ میں اپنی تلوار سونت لی اس نے اللہ کی بیعت کر لی۔ میں (ابن کثیر) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا: اللہ کی قسم اللہ اسے قیامت کے دن مبعوث فرمائے گا۔ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھے گا۔ زبان ہوگی، اس سے بات کرے گا اور حق کے ساتھ جس نے اس کا استلام کیا اس کی گواہی دے گا۔ جس نے اس کا استلام کیا اس نے اللہ کی بیعت کی۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ...... یہ بیعت رضوان تھی جو حدیبیہ کے مقام پر ایک درخت تلے ہوئی۔ اس روز تیرہ سو یا چودہ سو یا پندرہ سو صحابہ نے بیعت کی۔ درمیانی تعداد زیادہ صحیح ہے۔

1۔ دیکھئے احزاب آیت: 45

اس موضوع سے متعلقہ روایات کا بیان

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم حدیبیہ کے دن ایک ہزار چار سو تھے (1)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

بخاری و مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم اس دن چودہ سو تھے سرکار ﷺ نے اپنا دست مبارک پانی میں رکھا تو پانی آپ کی انگلیوں سے پھوٹ پڑا جسے سب نے سیر ہو کر پیا (2)۔ یہ ایک اور طویل حدیث کا اختصار ہے جس میں ہے کہ وہ حدیبیہ کے روز پیاسے تھے۔ سرکار ﷺ نے انہیں ایک تیر عطا فرمایا۔ انہوں نے اسے حدیبیہ کے کنویں میں گاڑا تو پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ حتیٰ کہ سب کو کافی ہو گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا اس روز تمہاری تعداد کیا تھی؟ آپ نے فرمایا چودہ سو اور اگر ہم ایک لاکھ ہوتے تو یہ پانی کافی تھا (3)۔ صحیحین کی ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس روز ان کی تعداد پندرہ سو تھی (4)۔ بخاری میں قتادہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت سعید بن میسّب رضی اللہ عنہ سے پوچھا بیعت رضوان میں کتنے آدمی تھے؟ آپ نے فرمایا پندرہ سو۔ میں نے عرض کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ چودہ سو تھے۔ آپ نے فرمایا: شاید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو وہم ہو گیا ہے۔ انہوں نے خود مجھے بتایا تھا کہ ان کی تعداد پندرہ سو تھی (5)۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک ہزار پانچ سو پچیس کی تعداد نقل کی ہے۔ مشہور یہی ہے جیسا کہ متعدد حضرات سے مروی ہے کہ ان کی تعداد چودہ سو تھی۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت قتادہ حضرت سعید بن میسّب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ درخت کے نیچے چودہ سو تھے (6)۔ سلمہ بن اکوع، معقل بن یسار، براء بن عازب اور دیگر بہت سے اصحاب سیر و مغازی سے یہی مروی ہے۔ صحیحین میں عبداللہ بن ابی اوفی سے بھی چودہ سو کی تعداد مروی ہے (7)۔ محمد بن اسحاق نے سیرت میں مسور اور مروان سے روایت کیا ہے کہ عام الحدیبیہ میں رسول اکرم ﷺ زیارت بیت اللہ کے ارادہ سے نکلے۔ لڑائی کا کوئی پروگرام نہ تھا۔ آپ کے ساتھ ستر اونٹ قربانی کے لئے تھے۔ لوگ سات سو تھے ہر اونٹ دس افراد کی طرف سے۔ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔ جیسے مجھے پتہ چلا ہے فرمایا کرتے تھے کہ اصحاب الحدیبیہ چودہ سو تھے (8)۔ یہ ابن اسحٰق کے اوہام میں سے ہے کیونکہ صحیحین کی محفوظ روایت میں ہے کہ ان کی تعداد چند سو تھی۔

بیعت رضوان کا سبب

محمد بن اسحٰق نے سیرت میں لکھا ہے: پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجنے کے لئے بلایا تا کہ اشراف قریش کو اپنی آمد کا مقصد بتائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے قریش سے اپنی جان کا خطرہ ہے اور مکہ میں میرے قبیلے بنو عدی کا کوئی فرد موجود نہیں جو مجھے پناہ دے سکے۔ قریش میری ان سے شدید عداوت سے آگاہ ہیں۔ لیکن میں آپ کو ایک

1۔ فتح الباری تفسیر سورۂ فتح، جلد 8 صفحہ 587، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1484

2۔ فتح الباری، کتاب الاشربۃ، جلد 10 صفحہ 101، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1484

3۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6 صفحہ 581

4۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 441، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1484

5۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 443

6۔ دلائل النبوۃ، جلد 4 صفحہ 98

7۔ فتح الباری کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 443، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1485

8- سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 308-309

آدمی کے بارے میں بتاتا ہوں جو مجھ سے زیادہ ان کے ہاں معزز ہیں اور وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان اور اشراف قریش کی طرف بھیجا کہ وہ لڑائی کے لئے نہیں بلکہ بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ گئے۔ مکہ مکرمہ میں داخلہ کے وقت ان کی ملاقات ابان بن سعید سے ہوئی۔ انہوں نے آپ کو اپنی پناہ میں لیا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابوسفیان اور عظماء قریش کے پاس پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ پیغام سننے کے بعد وہ کہنے لگے: اگر آپ چاہتے ہیں تو طواف کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں رسول اللہ کے بغیر طواف نہیں کر سکتا۔ قریش نے آپ کو اپنے پاس روک لیا۔ رسول اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن ابوبکر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر سن کر فرمایا ہم ان لوگوں سے لڑائی کئے بغیر یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔ اور آپ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کی دعوت دی۔ بیعت رضوان ایک درخت کے نیچے تھی۔ لوگ کہتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان سے موت کی بیعت لی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے موت نہیں بلکہ اس بات کی بیعت لی تھی کہ ہم لڑائی سے فرار اختیار نہیں کریں گے۔ چنانچہ تمام لوگوں نے بیعت کی۔ اس وقت موجود مسلمانوں میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ ماسوائے جد بن قیس (اخو بنی سلمہ) کے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بخدا میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی اونٹنی کے ساتھ لگ کر چھپنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر آپ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ یہ افواہ تھی (1)۔ ابن لہیعۃ نے عروہ بن زبیر سے تقریباً یہی روایت کیا ہے۔ اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یرغمال بنا کر سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ اس دوران بعض مسلمانوں اور قریش کے درمیان بات بڑھ گئی اور تیر اندازی اور سنگباری تک نوبت جا پہنچی۔ دونوں فریق لڑائی پر تل گئے اور قاصد یرغمال بنا لئے گئے سرکار ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ روح القدس رسول اللہ ﷺ کی بیعت کا حکم لے کر آئے ہیں۔ اللہ کے نام پر نکلو اور بیعت کرو۔ مسلمان آپ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ درخت کے نیچے تشریف فرما تھے انہوں نے اس بات پر بیعت کی کہ لڑائی سے پیٹھ نہیں پھیریں گے۔ یہ دیکھ کر مشرکین مرعوب ہو گئے۔ ان کے پاس جو مسلمان تھے وہ چھوڑ دیئے اور صلح کا معاہدہ کرنے کی پیش کش کی (2)۔ حافظ ابوبکر بیہقی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو بیعت کا حکم ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے قاصد کی حیثیت سے اہل مکہ کے پاس تھے۔ چنانچہ لوگوں نے بیعت کر لی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام سے گئے ہیں۔ پھر اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا۔ عثمان کے لئے رسول اللہ کا ہاتھ ان سب کے ہاتھوں سے بہتر تھا۔ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے (3)۔ عبدالملک بن ہشام نحوی نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے بیعت رضوان کی سعادت حاصل کرنے والے ابوسنان اسدی تھے۔ ابوبکر عبداللہ بن زبیر حمیدی نے بھی شعبی سے یہی روایت کیا ہے (4)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نافع سے روایت کیا ہے کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قبل اسلام لائے۔ بات یوں نہیں ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ کے دن عبداللہ کو ایک انصاری کے پاس بھیجا تا کہ آپ کا گھوڑا لائیں۔ رسول اللہ ﷺ درخت کے پاس بیعت لے رہے تھے۔ حضرت عمر رضی

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 315-316
2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 4 صفحہ 133-134
3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 316، ابوداؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 74
4۔ بیہقی: دلائل النبوۃ، جلد 7 صفحہ 137

اللہ عنہ کو اس بات کا علم نہ تھا۔ چنانچہ عبداللہ نے بیعت کی اور پھر جا کر گھوڑا لے آئے اور باپ کو پیش کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لڑائی کے لئے ہتھیار زیب تن کر رہے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ لڑائی کے لئے بیعت لے رہے ہیں۔ چنانچہ آپ بیٹے کے ساتھ گئے اور بیعت کی۔ اسی لئے لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر، حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے پہلے اسلام لائے (1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور روایت میں نقل کیا ہے کہ حدیبیہ کے موقع پر لوگ ادھر ادھر درختوں کے سائے میں تھے۔ اچانک لوگ سرکار ﷺ کے گرد جمع ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیٹے کو صورت حال کا پتہ کرنے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ گئے تو لوگ بیعت کر رہے تھے آپ نے بیعت کی واپس آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا تو آپ نے بھی آکر بیعت کی (2)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ لیث نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم حدیبیہ کے روز چودہ سو تھے۔ ہم نے بیعت کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے...... الخ (3)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے اس دن دیکھا کہ نبی ﷺ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے اور میں ایک ٹہنی آپ ﷺ کے سر سے ہٹائے ہوئے تھا۔ اس دن ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ ہم نے موت پر بیعت نہیں بلکہ اس بات پر بیعت کی کہ ہم راہ فرار اختیار نہیں کریں گے (4)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے درخت کے نیچے سرکار ﷺ کی بیعت کی۔ یزید نے کہا میں نے پوچھا اے ابو مسلم تم اس دن کس چیز پر بیعت کر رہے تھے۔ فرمایا موت پر (5)۔ بخاری اور مسلم کی بعض دیگر روایات سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ موت کی بیعت تھی (6)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ آئے۔ ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ اس کا پانی پچاس بکریوں کو سیراب کرنے کے برابر بھی نہ تھا۔ سرکار اقدس ﷺ اس کے کنارے تشریف فرما ہوئے یا تو دعا فرمائی یا پھر اس میں لعاب مبارک ڈالا۔ وہ کنواں ابلنے لگا۔ ہم نے خود بھی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا۔ پھر سرکار ﷺ نے درخت کے پاس بیعت کرنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے میں نے بیعت کی اور لوگ بھی بیعت کرتے رہے۔ میں لوگوں کے درمیان کھڑا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا اے سلمہ بیعت کرو۔ میں نے عرض کی میں سب سے پہلے بیعت کر چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر بیعت کرو۔ فرمایا سرکار نے مجھے دیکھا کہ میرے پاس اسلحہ نہیں۔ آپ ﷺ نے مجھے ایک ڈھال عطا فرمائی۔ پھر بیعت لینے لگے۔ آخر میں فرمایا اے سلمہ کیا تم بیعت نہیں کرو گے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں پہلے دو مرتبہ بیعت کر چکا ہوں فرمایا پھر بیعت کرو۔ چنانچہ میں نے تیسری مرتبہ بیعت کی۔ آپ نے فرمایا اے سلمہ! تیری ڈھال کہاں ہے جو میں نے تجھے دی ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے عامر کو خالی دیکھا تو اسے دے دی۔ یہ سن کر آپ ﷺ ہنس دیئے اور فرمایا تو اس شخص کی طرح ہے جس نے کہا تھا: اے اللہ مجھے وہ محبوب دے جو میرے نفس سے بھی زیادہ مجھے محبوب ہو۔ فرمایا پھر مشرکین نے ہمیں صلح کا پیغام بھیجا۔ گفتگو جاری رہی۔ آخر صلح ہو گئی۔ میں طلحہ بن عبیداللہ کا خادم تھا میں ان کے گھوڑے کو پانی پلاتا اور ان کے ساتھ رکھتا۔ اور ان کا کھانا کھاتا تھا۔ میں نے اپنے اہل و عیال اور مال کو مکہ میں چھوڑ کر ہجرت کی تھی۔ جب صلح ہو گئی اور ہم ایک دوسرے سے گھل مل گئے، میں ایک درخت کے نیچے آیا۔ کانٹے صاف کئے اور اس کے سائے میں لیٹ گیا۔ مشرکین مکہ میں چار افراد میرے پاس آئے اور سرکار کی شان

1۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 456-455 2۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 456-455

3۔ مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1483 4۔ مسلم، ایضاً، جلد 3 صفحہ 1485 ۔ 5۔ فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 117

6۔ فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 117، کتاب الاحکام، جلد 13، جلد 199، مسلم کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1486

میں گستاخی کرنے لگے۔ میں نے ان سے نفرت کی اور دوسرے درخت کی طرف چلا گیا۔ وہ اپنا اسلحہ لٹکا کر لیٹ گئے۔ اتنے میں وادی کے نیچے سے کسی نے آواز دی اے مہاجرین! ابن زنیم مارا گیا۔ میں نے تلوار سونت لی اور ان چاروں پر کھڑا ہو گیا۔ میں نے ان کے ہتھیار قابو کر لئے اور کہنے لگا اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو عزت دی! اگر تم میں سے کسی نے سر اٹھایا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ پھر میں انہیں ہانک کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں لے آیا۔ میرا چچا عامر عبلات سے ایک شخص کو لے کر آیا۔ اس کا نام مکرز تھا۔ حتیٰ کہ ہم مشرکین کے ستر افراد کو ہانک کر لے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا انہیں چھوڑ دو غلطی کی ابتداء اور اعادہ انہی کی طرف سے ہوگا۔ پھر آپ نے انہیں معاف کر دیا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا (فتح:24)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تقریباً یہی بات روایت کی ہے(1)۔ صحیحین میں سعید بن میتب سے مروی ہے کہ میرے والد نے بیعت رضوان میں رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی(2)۔ ابوبکر حمیدی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا تو ہم نے قیس بن جد نامی ایک شخص کو دیکھا کہ اونٹ کے ساتھ چھپنے کی کوشش کر رہا ہے(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والا آگ میں داخل نہیں ہو گا(4)۔ حمیدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یوم حدیبیہ کو ہم چودہ سو تھے۔ سرکار ﷺ نے ہمیں ارشاد فرمایا آج روئے زمین پر تم سب سے بہتر ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میری نظر باقی ہوتی تو میں تمہیں درخت والی جگہ بتاتا۔ سفیان کا قول ہے کہ درخت والی جگہ کے بارے میں اختلاف تھا(5)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا درخت کے نیچے بیعت کرنے والا ہر شخص جنتی ہے ماسوائے سرخ اونٹ والے کے۔ فرماتے ہیں ہم ادھر ادھر پھیل گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی کا اونٹ گم ہو گیا ہے۔ ہم نے کہا آؤ بیعت کر لو وہ کہنے لگا مجھے میرا اونٹ مل جائے تو میرے نزدیک یہ بیعت کرنے سے بہتر ہے۔ عبداللہ بن احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور مسلم نے عبید اللہ سے یہی روایت کیا ہے(6)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک غلام حاطب کی شکایت لے کر آیا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! حاطب ضرور آگ میں داخل ہوگا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے جھوٹ بولا۔ وہ آگ میں داخل نہ ہوگا وہ بدر اور حدیبیہ میں شامل تھا(7)۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَاۤ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ⑪ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ

1۔ دلائل النبوۃ جلد 4 صفحہ 141-138، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1433

2۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 447، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1485

3۔ بیہقی: دلائل، جلد 4 صفحہ 136، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1483 4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 350

5۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 443، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1484 بیہقی: دلائل، جلد 4 صفحہ 97

6۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، جلد 4 صفحہ 2145-2144 7۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 4 صفحہ 1942

لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَ كُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ۝ وَ مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

''عنقریب آپ سے عرض کریں گے وہ دیہاتی جو پیچھے چھوڑ گئے تھے ہمیں بہت مشغول رکھا ہمارے مالوں اور اہل وعیال نے پس ہمارے لئے معافی طلب کریں۔ (اے حبیب!) یہ اپنی زبانوں سے ایسی بات کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں آپ (انہیں) فرمائیے کون ہے جو اختیار رکھتا ہو اللہ کے مقابلے میں کسی چیز کا، اگر ارادہ فرمائے تمہارے لئے کسی ضرر کا یا ارادہ فرمائے تمہارے لئے کسی نفع کا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے خیال کر لیا تھا کہ اب ہرگز لوٹ کر نہیں آئے گا یہ پیغمبر اور ایمان والے اپنے اہل خانہ کی طرف کبھی اور بڑا خوشنما لگتا تھا یہ ظن (فاسد) تمہارے دلوں کو اور تم طرح طرح کے برے خیالوں میں مگن رہے (اس وجہ سے) تم برباد ہونے والی قوم بن گئے۔ اور جو نہ ایمان لے آئے اللہ پر اور اس کے رسول پر تو بیشک ہم نے ان تمام کافروں کے لئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ بخش دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو خبر دے رہے ہیں کہ وہ بدو جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ ٹھہرے رہے اور اپنے کاموں میں مشغول رہے اور سرکار کے ساتھ لڑائی کے لئے نہیں نکلے اب اپنی مصروفیت کا بہانہ کرتے ہوئے معذرت کرتے ہیں۔ اور آپ سے استغفار کی درخواست کرتے ہیں وہ ایسا علی سبیل الاعتقاد نہیں کہہ رہے بلکہ وہ تقیہ کرتے ہیں۔ فرمایا تمہارا پیچھے رہ جانا بوجہ عذر نہیں بلکہ نفاق کی وجہ سے تھا۔ تم نے سمجھا تھا کہ یہ لوگ ادھر ہی قتل ہو جائیں گے اور ان کا نام ونشان مٹ جائے گا۔

بُوْرًا: ہلاک شدہ۔ قتادہ نے کہا ہے یعنی فساد پھیلانے والے۔ ایک قول کے مطابق یہ عمان کی زبان ہے۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

''کہیں گے (پہلے سفر جہاد سے) پیچھے چھوڑے جانے والے جب تم روانہ ہو گے اموال غنیمت کی طرف تاکہ تم ان پر قبضہ کر لو ہمیں بھی اجازت دو کہ تمہارے پیچھے پیچھے آئیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کو بدل دیں۔ فرمائیے تم قطعاً ہمارے پیچھے نہیں آسکتے، یونہی فرما دیا ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے۔ پھر وہ کہیں گے کہ (نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو۔ (ان کا یہ غلط خیال ہے) درحقیقت وہ (احکام الٰہی کے اسرار کو) بہت کم سمجھتے ہیں''۔

وہ بدو جو غزوۂ حدیبیہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام خیبر کی طرف جانے لگے تو انہوں نے ہمراہی کی

خواہش ظاہر کی۔ ارشاد ہوا کہ انہیں اجازت نہ دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل حدیبیہ سے خیبر کی غنیمت کا وعدہ فرمایا تھا جس میں دیگر بدو شریک نہیں ہو سکتے (1)۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝ لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ ؕ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝

''فرما دیجئے ان پیچھے چھوڑ دیجانے والے بدوی عربوں کو کہ عنقریب تمہیں دعوت دی جائے گی ایک ایسی قوم سے جہاد کی جو بڑی سخت جنگجو ہے تم ان سے لڑائی کرو گے یا وہ ہتھیار ڈال دیں گے۔ پس اگر تم نے اس وقت اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھا اجر دے گا۔ اور اگر تم نے (اس وقت بھی) منہ موڑا جیسے تم نے پہلے منہ موڑا تھا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دے گا۔ نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ ہی مریض پر کوئی گناہ ہے۔ (اگر یہ شریک جہاد نہ ہو سکیں) اور جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی داخل فرمائے گا اسے باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں۔ اور جو شخص روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا''۔

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ سے مراد کون سی قوم ہے۔ اس میں متعدد اقوال ہیں:۔

(۱) یہ بنو ہوازن ہے۔ سعید بن جبیر، عکرمہ اور قتادہ سے یہی مروی ہے۔

(۲) بنو ثقیف۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے۔

(۳) بنو حنیفہ۔ جویبر، محمد بن اسحٰق، زہری، سعید بن جبیر اور عکرمہ کی یہ رائے ہے۔

(۴) اہل فارس۔ علی بن ابی طلحہ، ابن عباس، عطاء، مجاہد اور ایک روایت کے مطابق عکرمہ کی بھی یہی رائے ہے۔ کعب احبار نے کہا ہے یہ رومی ہیں۔ اور ابن ابی لیلیٰ، عطاء، حسن اور قتادہ نے رومی و ایرانی مراد لئے ہیں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ بت پرست ہیں۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے کسی خاص تعیین کے بغیر طاقتور لوگ مراد لئے ہیں۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منقول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے (2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ یہ لوگ ابھی نہیں آئے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے مراد دعوت مبارزت دینے والے لئے ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم چھوٹی آنکھوں اور چپٹی ناک والی قوم سے لڑائی کرو۔ گویا ان کے چہرے ڈھال کی طرح ہیں۔ سفیان کا قول ہے کہ یہ ترک ہیں۔ حضرت ابن ابی عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے

1۔ طبری، جلد 26 صفحہ 80 2۔ طبری، جلد 26 صفحہ 84-83

اور حدیث مبارکہ (تم ایک قوم سے لڑو گے جن کے جوتے بالوں کے ہیں) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا اس سے مراد ''کُرد'' ہیں۔ آخر میں ترک جہاد کے عذروں کا بیان فرمایا ان میں سے بعض دائمی ہیں اور بعض عارضی جیسے بیماری۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾ وَّ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۹﴾

''یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی اس درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر اور بطور انعام انہیں یہ قریبی فتح بخشی۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جن کو وہ (عنقریب) حاصل کریں گے، اور اللہ سب سے زبردست بڑا دانا ہے''۔

مومنین جنہوں نے بیعت کی سعادت حاصل کی اللہ ان سے اپنی رضامندی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ ان کی تعداد کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ وہ چودہ سو تھے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے طارق بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ میں حج کے ارادے سے چلا۔ ہمارا گزر کچھ لوگوں کے پاس سے ہوا جو نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ سجدہ گاہ کون سی ہے۔ انہوں نے بتایا یہ درخت وہ ہے جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی۔ میں نے سعید بن مسیّب کے پاس آ کر پوچھا تو انہوں نے بتایا میرا باپ ان بیعت کرنے والوں میں شامل تھا۔ جب ہم اگلے سال آئے تو بھول گئے اور اسے تلاش نہ کر سکے۔ سعید نے کہا صحابہ کرام کو تو اس کا پتہ نہیں تھا اور تمہیں پتہ ہے لہٰذا تم بڑے عالم ہو۔ (انہوں نے علی سبیل الاستنکار یہ فرمایا تھا) (1)۔

مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ یعنی صدق، وفاء اور سمع و طاعت۔

وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا یعنی جو صلح طے پائی اور اس کے معاً بعد فتح خیبر اور فتح مکہ پھر اس کے بعد تمام علاقے فتح ہونے سے جو خیر حاصل ہوئی اور دنیا و آخرت میں جو عزت، نصرت اور رفعت ملی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ہم دوپہر کو آرام کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے آواز دی اے لوگو! بیعت کرو۔ روح القدس اتر آئے ہیں ہم آپ ﷺ کی طرف آئے۔ یہ درخت سمر (ببول) کا تھا (2)۔ فرمایا: آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت کی۔ لوگ کہتے ہیں ابن عفان کو مبارک ہو۔ وہ بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہوں گے اور ہم یہاں ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر اتنا عرصہ ٹھہرا رہا تو طواف نہیں کرے گا یہاں تک کہ میں طواف کروں (3)۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَ لِتَكُوْنَ اٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَ یَهْدِیَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۲۰﴾ وَّ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۱﴾ وَ لَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا

1۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 447 2۔ السمر: ایک درخت ہے جسے اونٹ چرتے ہیں ضرب من شجر الطلح وھو شجر عظام ترعاہ الابل

3۔ طبری، جلد 26 صفحہ 86 درمنثور، جلد 7 صفحہ 521

الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿۲۴﴾

"(اے غلامانِ مصطفٰی) اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم (اپنے اپنے وقت پر) حاصل کرو گے۔ پس جلدی دے دی ہے تمہیں یہ (صلح) اور روک دیا ہے اس نے لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے۔ اور تاکہ ہو جائے یہ (ہماری نصرت کی) نشانی اہل ایمان کے لئے اور تاکہ ثابت قدمی سے گامزن رکھے تمہیں صراط مستقیم پر۔ اور کئی مزید فتوحات بھی جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے لیکن وہ اللہ کے احاطہ قدرت میں ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ اور اگر جنگ کرتے تم سے یہ کفار تو پیٹھ دے کر بھاگ جاتے پھر نہ پاتے کسی کو (دنیا بھر میں) اپنا دوست اور مددگار۔ یہ اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے۔ اور اللہ کے دستور میں تو ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔ اور اللہ وہی ہے جس نے روک دیا تھا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے وادیٔ مکہ میں باوجودیکہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا"۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد آج تک حاصل ہونے والی تمام غنیمتیں ہیں۔

فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ یعنی فتح خیبر۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے یعنی صلح حدیبیہ۔

كَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ یعنی دشمن سے تمہیں کوئی گزند نہ پہنچا۔ اسی طرح تم اپنے پیچھے جن لوگوں کو چھوڑ آئے تھے، ان سے تمہارے اہل و عیال کو محفوظ رکھا۔

لِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ یعنی وہ عبرت حاصل کریں۔ اللہ تمام اعداء سے قلت تعداد کے باوصف ان کا حافظ و ناصر ہے۔ نیز تاکہ وہ جان لیں جو اللہ ان سے کرنے والا ہے وہ امور کے انجام سے آگاہ ہے۔ بہتر وہی ہے جو وہ مؤمنین کے لئے اختیار کرے اگرچہ بظاہر وہ اسے ناپسند کریں۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَعَسٰٓى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (بقرہ:216) "اور ہو سکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو"۔

وَّأُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا...... ایک دوسری غنیمت اور معین فتح جس پر تم قادر نہیں تھے۔ اللہ نے اسے تمہارے لئے آسان بنا دیا اور تمہاری خاطر اسے گھیر لیا۔ اللہ اپنے متقی بندوں کو وہاں سے رزق دیتا ہے جس کا انہیں گمان تک نہیں ہوتا۔ مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس غنیمت سے کیا مراد ہے؟ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ خیبر ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب (فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ) سے مراد صلح حدیبیہ لی جائے۔ ضحاک، ابن اسحاق، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے یہی کہا ہے۔ قتادہ کے نزدیک یہ مکہ ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے (1)۔ ابن ابی لیلیٰ، حسن بصری کے نزدیک یہ فارس و روم ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیامت تک حاصل ہونے والی ہر فتح اور غنیمت ہے۔ ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت کیا ہے (2)۔

1۔ اخرجہ عبد بن حمید، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ بیہقی درمنثور، جلد 7 صفحہ 525 2۔ ایضاً

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ...... اللہ اپنے بندوں کو یہ خوشخبری دے رہا ہے کہ اگر مشرکین ان کے مقابلے پر آئے تو اللہ اپنے رسول اور مومنین کو نصرت عطا فرمائے گا اور کفار کو شکست فاش ہوگی۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ...... مخلوق میں اللہ کی سنت و عادت یہی ہے کہ کسی فیصلہ کن مقام پر کفر و ایمان کا معرکہ بپا نہیں ہوا مگر اللہ نے ایمان کو کفر پر نصرت دی، حق کو بلند و بالا اور باطل کو خائب و خاسر کیا۔ جیسا کہ بدر کے دن قلت تعداد و اسلحہ کے باوجود کفار پر ان کی کثرت اور وافر اسلحہ کے باوجود مومنین کو فتح دی۔

هُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ...... یہ اللہ کا مومنین پر احسان ہے۔ جس طرح کہ سلمہ بن اکوع والی روایت میں گزر چکا ہے، جب وہ ستر قیدیوں کو لائے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حدیبیہ کے دن رسول اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب پر اہل مکہ کے اسی آدمیوں نے جبل تنعیم کی طرف سے حملہ کر دیا۔ وہ آپ ﷺ کو دھوکہ دینا چاہتے تھے۔ آپ نے ان پر بددعا فرمائی تو وہ پکڑے گئے۔ عفان کا قول ہے پھر آپ نے انہیں معاف فرما دیا اور یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ مسلم، ابوداؤد نے سنن اور ترمذی و نسائی نے اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں اسے روایت کیا ہے (2)۔ احمد نے عبداللہ بن مغفل مزنی سے روایت کیا ہے کہ ہم اس درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔ اس درخت کی شاخیں سرکار ﷺ کی پشت پر پڑ رہی تھیں۔ علی بن ابی طالب اور سہیل بن عمرو آپ کے سامنے تھے۔ سرکار ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا لکھو: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سہیل نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا ہم رحمن اور رحیم کو نہیں جانتے ہمارے معاملہ میں وہی لکھو جو ہم جانتے ہیں۔ فرمایا: لکھو ''باسمك اللهم'' اور لکھا: ''یہ معاہدۂ صلح ہے محمد رسول اللہ اور اہل مکہ کے درمیان۔'' سہیل بن عمرو نے پھر آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا اگر آپ اس کے رسول ہیں تو ہم نے آپ پر ظلم کیا۔ ہمارے مسئلہ میں وہی لکھو جو ہم جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لکھو'' اس بات پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی ہے۔'' ہم اسی حالت میں تھے کہ تیس مسلح نوجوان اچانک ہمارے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ سرکار نے ان پر بددعا فرمائی تو اللہ نے ان کے کانوں کو پکڑ لیا۔ ہم اٹھے اور انہیں گرفتار کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تم کسی کے عہد میں ہو؟ یا کیا تمہیں کسی نے امان دی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تو آپ نے انہیں آزاد کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اسے نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابزیٰ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب قربانی کے جانور لے کر نکلے اور مقام ذوالحلیفہ پر پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے نبی آپ ایسی قوم کی طرف بغیر اسلحہ کے جا رہے ہیں جن سے آپ کی جنگ ہے تو آپ ﷺ نے مدینہ پیغام بھیجا اور تمام گھوڑے اور اسلحہ لے لیا۔ جب مکہ کے قریب پہنچے تو کفار نے آپ کو داخل ہونے سے روک دیا۔ آپ چلتے چلتے منیٰ پہنچ کر وہیں فروکش ہو گئے۔ آپ کے جاسوس نے خبر دی کہ عکرمہ بن ابوجہل پانچ سو سوار لے کر آ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے خالد بن ولید کو فرمایا یہ تیرا چچا زاد لشکر لے کر آ رہا ہے۔ خالد نے کہا میں اللہ اور اس کے رسول کی تلوار ہوں۔ (اسی دن آپ کا لقب سیف اللہ پڑا)۔ یا رسول اللہ ﷺ جدھر چاہیں مجھے چلائیں۔ سرکار ﷺ نے انہیں ایک دستے کے ساتھ بھیجا۔ گھاٹی میں عکرمہ سے ان

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 290- 125-124-122 مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1442 سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 61، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ فتح، جلد 12 صفحہ 150-149 واخرجہ النسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 1 صفحہ 116

2۔ ایضاً مرجع مذکور 3۔ ایضاً مرجع مذکور

کی مڈبھیڑ ہوئی۔ آپ نے اسے شکست دے کر مکہ کی دیواروں میں پہنچا دیا۔ وہ دوبارہ پلٹا۔ آپ نے دوبارہ شکست دے کر مکہ میں واپس داخل کر دیا۔ وہ تیسری مرتبہ پھر حملہ آور ہوا تو آپ نے اسے پھر شکست دے کر واپس مکہ کی طرف لوٹنے پر مجبور کر دیا تو یہ آیت عَذَابًا اَلِیْمًا تک نازل ہوئی۔ اللہ نے اپنے نبی کو ان پر غالب کرنے کے بعد روک دیا ان مسلمانوں کی خاطر جو وہاں باقی رہ گئے تھے یہ ناپسند کرتے ہوئے کہ گھوڑے انہیں روند ڈالیں (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عکرمہ مولی ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ قریش نے اپنے چالیس یا پچاس نوجوانوں کو بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کے لشکر کے گرد چکر لگائیں تا کہ آپ کے اصحاب کو گزند پہنچائیں لیکن وہ پہلے ہی دھر لئے گئے اور سرکار کی بارگاہ میں لائے گئے۔ آپ نے انہیں معاف فرما کر آزاد کر دیا حالانکہ انہوں نے آپ ﷺ کے لشکر پر پتھر اور تیر برسائے تھے (2)۔

قتادہ کا قول ہے "ابن زنیم" نامی ایک آدمی حدیبیہ میں ایک گھاٹی پر چڑھا مشرکین نے اسے تیر مار کر قتل کر دیا۔ سرکار نے ایک دستہ بھیجا وہ بارہ کافر گھڑسواروں کو پکڑ کر لے آئے۔ سرکار نے پوچھا کیا تم کسی کی امان یا ذمہ داری میں ہو؟ انہوں نے کہا نہیں تو آپ نے انہیں چھوڑ دیا (3)۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

"یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں بھی روک دیا مسجد حرام (میں داخل ہونے) سے اور قربانی کے جانوروں کو بھی کہ وہ بندھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں۔ اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں) چند مسلمان مرد اور چند مسلمان عورتیں جن کو تم نہیں جانتے (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم روند ڈالو گے انہیں سو تمہیں پہنچے گی ان کی وجہ سے عار بے علمی کے باعث۔ (نیز) تا کہ داخل کر دے اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے۔ اگر یہ (کلمہ گو) الگ ہو جاتے تو (اس وقت) جنہوں نے کفر کیا ان میں سے تو ہم انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے۔ جب جگہ دی کفار نے اپنے دلوں میں ضد کو وہی (زمانہ) جاہلیت کی ضد تو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین کو اپنے رسول (مکرم) پر اور اہل ایمان پر اور انہیں استقامت بخش دی تقویٰ کے کلمہ پر اور وہ اس کے حقدار بھی تھے اور اس کے اہل بھی تھے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہ کفار ہیں نہ کوئی اور۔

1۔ طبری، جلد 26 صفحہ 95
2۔ طبری، جلد 26 صفحہ 94، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 314
3۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 527، طبری، جلد 26 صفحہ 95-94

صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حالانکہ تم اس کے زیادہ حقدار ہو۔ بلکہ درحقیقت تم ہی اس کے مالک ہو۔

وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا۔ ھدی کے جانوروں کی تعداد ستر اونٹ تھی۔

لَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ یعنی ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو پوشیدہ طور پر مسلمان ہیں۔ لیکن اگر ہم نے تمہیں ان پر مسلط کر دیا اور تم نے انہیں قتل کر دیا تو وہ مسلمان بھی مفت میں رگڑے جائیں گے۔

معرة: گناہ اور جرمانہ۔ تزیل: پہچان کرنا۔ حافظ ابوالقاسم طبرانی نے روایت کیا ہے میں نے جنید بن سبع کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا میں نے ابتدائے دن میں بحالت کفر رسول اللہ ﷺ سے لڑائی کی۔ اور دن کے آخری حصے میں مسلمان ہو کر آپ کے ساتھ لڑائی میں حصہ لیا۔ ہمارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی لَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ ہم نو افراد تھے سات مرد اور دو عورتیں(1)۔

یہی روایت طبرانی میں ایک اور سند سے بھی ہے(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اگر کفار مومنین سے ممتاز ہو جاتے تو ان کے قتل کے ساتھ ان پر دردناک عذاب نازل ہوتا۔

حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ جب انہوں نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور محمد رسول اللہ لکھنے سے انکار کر دیا۔

كَلِمَةَ التَّقْوٰى یہ کلمہ لا الٰه إلا اللّٰه ہے جیسا کہ ابن جریر اور عبداللہ بن امام احمد سے مروی ہے کہ ابی بن کعب نے رسول اللہ ﷺ کو یہی معنی ارشاد فرماتے سنا(3)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الٰه إلا اللّٰه کہہ دیں۔ جس نے یہ کلمہ کہہ لیا تو اس نے اپنا مال اور جان مجھ سے بچالی مگر اس کے حق سے اور اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔ قرآن کریم میں ایک قوم کا ذکر آتا ہے: اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ(4) ''کفار کا یہ حال ہے کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا تو یہ تکبر کرنے لگتے ہیں''۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی اخلاص کیا ہے۔ عطاء بن ابی رباح کے نزدیک اس سے مراد لا الٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد وهو على كل شئ قدير ہے۔

مسود کے نزدیک: لا الٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك له۔

علی اور ابن عمر کے نزدیک: لا الٰه إلا اللّٰه واللّٰه أكبر۔

علی بن ابی طلحہ اور ابن عباس کے نزدیک اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں اور یہی تقوی کی اساس ہے۔

سعید بن جبیر کے نزدیک: لا الٰه إلا اللّٰه کہنا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

عطاء خراسانی کے نزدیک: لا الٰه إلا اللّٰه محمد رسول اللّٰه۔

عبداللہ بن مبارک اور زہری کے نزدیک: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

قتادہ کا قول ہے کہ لا الٰه إلا اللّٰه کہنا اور مسلمان اس کے اہل اور زیادہ حقدار ہیں(5)۔

1۔ المعجم الکبیر، جلد 2 صفحہ 290 — 2۔ المعجم الکبیر، جلد 4 صفحہ 24

3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 138 تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 104 عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ فتح، جلد 12 صفحہ 151-15

4۔ الصافات: 35 طبری، جلد 26 صفحہ 104-103 — 5۔ طبری، جلد 26 صفحہ 106

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ابی بن کعب آیت کریمہ اَلْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ کی تفسیر میں فرماتے اگر تم بھی ان کی طرح ہو جاتے تو مسجد حرام میں فساد برپا ہو جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے ان پر سختی کی تو آپ نے فرمایا: آپ کو پتہ ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا کرتا تھا اور آپ ﷺ اللہ کے دیئے ہوئے علم سے مجھے سکھاتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو عظیم آدمی ہے تیرے پاس علم اور قرآن ہے لہٰذا پڑھیے اور اللہ اور اس کے رسول نے آپ کو جو کچھ سکھایا ہے اس سے سکھائیے (1)۔

واقعہ حدیبیہ اور معاہدۂ صلح کے بارے میں مروی احادیث کا بیان

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ زیارت بیت اللہ کے ارادہ سے نکلے تھے۔ آپ کا مقصد لڑائی نہ تھا۔ آپ کے ساتھ قربانی کے ستر اونٹ تھے۔ لوگوں کی تعداد سات سو۔ اس طرح ہر اونٹ دس افراد کی طرف سے۔ چلتے چلتے جب عسفان پہنچے تو بشر بن سفیان کعبی سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! قریش کو آپ کی آمد کا پتہ چل گیا ہے۔ وہ اپنی اونٹنیاں شیر خوار بچوں سمیت لے کر نکلے ہیں۔ انہوں نے چیتے کی فرویں (Furs) پہن رکھی ہیں۔ وہ اس بات کا عزم کئے ہوئے ہیں کہ بزور بازو آپ کو مکہ میں ہرگز داخل نہ ہونے دیں گے۔ خالد بن ولید اپنے گھڑ سواروں کے ساتھ کراع غمیم تک آ گیا ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قریش کا برا ہو۔ انہیں لڑائی کی پڑی ہے۔ انہیں کیا ہے اگر وہ میرے اور لوگوں کے درمیان حائل نہ ہوں۔ اگر لوگ میرا انکار کریں تو ان کا مقصد پورا ہو گیا۔ اور اگر اللہ مجھے غالب کر دے تو وہ بھی اسلام میں داخل ہو جائیں اور وہ کثرت ہیں اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو پھر لڑائی کریں۔ ان کے پاس قوت بھی ہے قریش کا کیا خیال ہے؟ اللہ کی قسم میں ان سے اس بات پر جہاد کرتا رہوں گا جس پر اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے تا آنکہ اللہ مجھے غالب کر دے یا یہ گردن اتر جائے۔ پھر لوگوں کو حکم دیا تو وہ ظَهْر حمض کے درمیان دائیں طرف چلے یہ راستہ ثنیۃ المرار اور زیریں مکہ میں حدیبیہ کی طرف جاتا تھا۔ آپ لشکر سمیت اس راستے پر چلتے رہے۔ جب قریش نے لشکر کا گرد و غبار اس طرف دیکھا تو وہ واپس پلٹے۔ رسول اللہ ﷺ چلتے ہوئے ثنیۃ المرار پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا یہ بیٹھ گئی۔ آپ نے فرمایا یہ بیٹھی نہیں۔ نہ یہ اس کی عادت ہے۔ لیکن اسے مکہ سے اسی چیز نے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ سے روک دیا تھا۔ اللہ کی قسم! قریش آج مجھ سے صلہ رحمی کا کوئی منصوبہ طلب نہیں کریں گے مگر میں انہیں عطا کروں گا۔ پھر لوگوں سے کہا اتر آو۔ انہوں نے عرض کی وادی میں پانی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے ترکش سے اپنا تیر نکالا اسے کسی صحابی کو دیا۔ وہ اسے لے کر کسی کنوئیں میں اترے۔ اسے گاڑا تو اس میں سے پانی ابلنا شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ لوگوں نے وہاں اونٹ بٹھانے کی جگہ بنا لی۔ جب سرکار ﷺ مطمئن ہو گئے تو بدیل بن ورقاء بنوخزاعہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ حاضر ہوا آپ نے بشر بن سفیان والی بات دہرائی۔ وہ قریش کی طرف لوٹ گئے۔ انہیں کہنے لگے تم محمد کے خلاف جلدی میں ہو۔ وہ لڑائی کے لئے نہیں بلکہ زیارت بیت اللہ اور اس کی تعظیم کا حق ادا کرنے کے لئے آئے ہیں۔ انہوں نے یہ بات نہ مانی۔ محمد بن اسحٰق نے زہری سے روایت کیا ہے کہ بنوخزاعہ (مسلم و کافر) سب حضور ﷺ کے حلیف تھے۔ وہ مکہ کی کوئی بات آپ سے نہ چھپاتے تھے۔ چنانچہ قریش کہنے لگے اگرچہ وہ زیارت بیت اللہ کے ارادے سے آئے ہیں لیکن اللہ کی قسم اپنی طاقت سے وہ یہاں نہیں آ سکتے۔ عرب یہ بات نہیں کریں گے پھر انہوں نے مِکْرَز بن حَفْص (بنو عامر بن لوی کا ایک شخص) کو بھیجا۔ سرکار ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا یہ دھوکے باز آدمی ہے۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے

1۔ تحفۃ الاشراف، جلد 1 صفحہ 21-20

اسے بھی وہی بات دہرائی جو اپنے اصحاب کو فرمائی تھی۔ اس نے قریش کے پاس جا کر انہیں یہی بات بتا دی۔ پھر انہوں نے احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ کنانی کو بھیجا۔ سرکار ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا یہ خدا پرست قوم سے ہے ہدی کے جانور بھیجو۔ چنانچہ قربانی کے جانور اس کے سامنے سے گزارے گئے۔ جب اس نے وادی کے کونے سے جانور نکلتے دیکھے تو یہ دیکھ کر وہ وہاں سے ہی سرکار کو ملے بغیر واپس چلا گیا اور کہا: اے گروہ قریش! میں نے وہ چیز دیکھی ہے جسے روکنا جائز نہیں۔ ہدی کے جانور قلادے نے ان کی گردن کے بال ختم کر دیئے ہیں۔ وہ کہنے لگے بیٹھ جاؤ تم ایک بدو ہو تمہیں کچھ پتہ نہیں۔ پھر انہوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا۔ وہ کہنے لگا اے گروہ قریش! [illegible] تم محمد کے پاس بھیجتے ہو واپسی پر اس کا استقبال سخت الفاظ سے کرتے ہو۔ تم جانتے ہو تم باپ ہو اور میں بیٹا۔ مجھے تمہاری مشکل کا پتہ چلا تو میں نے اپنی قوم کے ان افراد کو جمع کیا جنہوں نے میری بات مانی۔ اور تمہاری غم خواری کے لئے آ گیا۔ وہ کہنے لگے تو نے سچ کہا تو ہمارے نزدیک متہم نہیں ہے۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا اے محمد! تم نے اوباش لوگوں کو جمع کیا اور اپنے خاندان کو تباہ کرنے کے لئے لے آئے۔ یہ قریش عورتوں اور بچوں سمیت نکل آئے ہیں۔ انہوں نے چیتوں کی کھالیں پہنی ہیں (یعنی سخت غصہ میں ہیں)۔ اللہ کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ کل تمہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سرکار ﷺ کے پیچھے کھڑے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابے جالات کا ثنا چوس(1)۔ کیا ہم اسے چھوڑ دیں گے؟ اس نے پوچھا اے محمد یہ کون ہے آپ نے فرمایا ابن ابی قحافہ۔ وہ کہنے لگا اللہ کی قسم! اگر آپ کا مجھ پر احسان نہ ہوتا تو میں آپ کو جواب دیتا۔ چلو یہ اس کے بدلے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی داڑھی پکڑ لی۔ مغیرہ بن شعبہ شمشیر براں ہاتھ میں لئے آپ ﷺ کے سر پر کھڑے تھے۔ تلوار اس کے ہاتھ پر ماری اور کہا اپنا ہاتھ پیچھے کر و وگرنہ یہ کٹ جائے گا۔ وہ کہنے لگا تیرا ناس تو بڑا درشت مزاج ہے یہ سن کر آپ ﷺ نے تبسم فرمایا۔ اس نے پوچھا اے محمد یہ کون ہے آپ نے فرمایا یہ تمہارا چچازاد مغیرہ بن شعبہ ہے۔ وہ کہنے لگا او دغا باز! ابھی کل کی بات ہے کہ تیری مکاری کا داغ میں نے تجھ سے دھویا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس سے بھی وہی بات کہی جو پہلے وفود کو کہی تھی۔ اسے بتایا کہ ہم جنگ نہیں چاہتے۔ چنانچہ وہ وہاں سے اٹھا اور صحابہ کرام کو دیکھنے لگا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ صحابہ کرام آپ ﷺ کے وضو کے پانی پر جھپٹتے ہیں۔ آپ کی تھوک مبارک اچک لیتے ہیں۔ آپ کا کوئی بال نہیں گرتا مگر اسے لے لیتے ہیں۔ وہ قریش کے پاس آیا اور کہنے لگا کسریٰ، قیصر اور نجاشی کے پاس گیا ہوں۔ اللہ کی قسم میں نے کوئی بادشاہ اس طرح نہیں دیکھا جس طرح محمد ﷺ اپنے اصحاب میں ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ آپ کو اکیلا کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ لہٰذا اب تمہاری مرضی۔ اس سے پہلے آپ ﷺ نے خراش بن امیہ خزاعی کو اپنے اونٹ جس کا نام ثعلب تھا پر سوار کر کے مکہ بھیجا تھا۔ وہ جب مکہ داخل ہوا تو قریش نے اس کی کونچیں کاٹ دیں اور خراش کو قتل کرنا چاہا لیکن احابیش نے انہیں روک دیا۔ وہ آپ ﷺ کے پاس واپس لوٹ آیا۔ پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجنے کے لئے بلایا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے قریش سے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ مکہ میں بنو عدی کا کوئی فرد نہیں جو مجھے پناہ دے سکے مجھے قریش سے جو شدید عداوت ہے وہ اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔ لیکن میں آپ کو مناسب آدمی بتاتا ہوں۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے انہیں بلایا اور قریش کو یہ بتانے کے لئے بھیجا کہ ہم لڑائی کے لئے نہیں آئے۔ ہمارا ارادہ صرف عمرہ کرنے کا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ آئے۔ ان کی ملاقات ابان بن سعید بن العاص سے ہوئی۔ وہ اپنی سواری سے اترا۔

1۔ یہ محاورہ عربوں میں سب وشتم کے لئے بولا جاتا ہے

آپ کو اپنے آگے بٹھایا اور خود پیچھے بیٹھ گیا اور آپ کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کا پیغام ابوسفیان اور سرداران قریش کو پہنچایا۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے اگر تم چاہتے ہو تو طواف کرلو۔ آپ فرمانے لگے میں رسول اللہ ﷺ کے بغیر طواف نہیں کروں گا۔ قریش نے آپ کو اپنے پاس روک لیا۔ ادھر یہ افواہ ملی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں۔ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے زہری سے روایت کیا ہے کہ قریش نے سہیل بن عمرو کو بھیجا اور کہا محمد کے پاس جاؤ اور صلح کرو اور صلح میں یہ شرط بھی ہو کہ وہ اس سال واپس چلے جائیں۔ اللہ کی قسم عرب باتیں بنائیں گے کہ آپ بزور بازو داخل ہوئے ہیں۔ سہیل بن عمرو آیا۔ سرکار ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا۔ اس آدمی کو بھیج کر قوم صلح پر تیار ہوگئی ہے۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچا تو طویل گفتگو ہوئی جو صلح پر ختم ہوئی۔ جب اتفاق ہوگیا اور صرف معاہدہ لکھنا باقی تھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے ابوبکر کیا آپ ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا وہ مشرک نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو پھر ہم اپنے دین میں ذلت کیوں برداشت کریں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اطاعت کو لازم پکڑو جو کچھ بھی ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سابقہ سوال و جواب ہوئے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔ اس کے حکم کی ہرگز مخالفت نہیں کروں گا اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بعد میں اپنی اس گفتگو کے بدلے روزے رکھتا رہا، نوافل ادا کرتا رہا اور صدقہ دیتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا۔ شاید یہ اس کے کفارے کے لئے کافی ہے۔

پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھو سہیل کہنے لگا میں یہ نہیں جانتا تم لکھو باسمک اللھم۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا لکھو: باسمک اللھم ان شرائط پر محمد رسول اللہ صلح کرتے ہیں۔" سہیل کہنے لگا اگر میں یہ گواہی دیتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ سے جنگ نہ کرتا۔ لیکن یوں لکھو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے صلح کی ہے کہ:

1۔ دس سال تک فریقین کے مابین جنگ نہ ہوگی۔ لوگ امن میں رہیں گے۔ اور ایک دوسرے کے خلاف کارروائی نہ کریں گے۔

2۔ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر جو شخص بھی آپ ﷺ کے پاس آئے گا آپ اسے قریش کو واپس کردیں گے اور جو قریش کے پاس آئے گا، وہ اسے آپ ﷺ کو واپس نہیں کریں گے اور ہمارے درمیان بندھی ہوئی گٹھڑی ہے۔ (یعنی صاف سینہ جو بیر اور کینہ سے خالی، صلح اور رضامندی سے بھرا ہوا) نہ چوری اور نہ خیانت (1)۔

3۔ ایک شرط یہ بھی تھی کہ فریقین میں جس کے ساتھ کوئی دوسرا قبیلہ معاہدہ کرنا چاہے کرسکتا ہے۔ چنانچہ بنوخزاعہ آپ ﷺ کے حلیف بن گئے اور بنوبکر قریش کے۔

4۔ آپ اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلے جائیں گے۔ اگلے سال ہم نکل جائیں گے اور آپ اپنے اصحاب کے ساتھ تین دن رہ سکیں گے۔ اسلحہ ساتھ نہیں ہوگا۔ صرف تلواریں وہ بھی نیام میں ہوں گی۔

معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ ابوجندل بن سہیل بن عمرو بیڑیوں سمیت بھاگ کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں آ گئے۔ صحابہ کرام کو حضور ﷺ کے

1۔ مکہ کے کفار نے آنحضرت ﷺ سے اس دس برس کی مدت تک لڑائی موقوف رکھنے کی شرط پر صلح کی تھی اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک بندھی ہوئی گٹھڑی رہے گی۔ یعنی صلح اور صفائی۔

خواب کی وجہ سے فتح کا یقین تھا۔ صلح اور واپسی کا سن کر ان کے ہوش اڑ گئے۔ قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جائیں۔ سہیل نے ابو جندل کو دیکھا تو اسے تھپڑ دے مارا اور کہنے لگا اے محمد معاہدہ کی پابندی لازمی ہے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک۔ وہ اٹھا اور ابو جندل کی گردن میں کپڑا ڈال لیا۔

ابو جندل بلند آواز سے پکار اٹھے: اے مسلمانو! کیا تم مجھے اہل شرک کے پاس واپس کرو گے۔ وہ مجھے تکلیفیں دیں گے لوگ مزید پریشان ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو جندل صبر کرو۔ اللہ تمہارے اور دیگر کمزور مسلمانوں کے لئے ضرور راہ نکالے گا۔ ہماری ان لوگوں سے صلح ہو گئی ہے۔ ہم نے ان سے عہد کیا ہے۔ ہم اپنے عہد کی پاسداری کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اچھل کر اٹھے اور ابو جندل کے ساتھ چلنے لگے اور فرمانے لگے اے ابو جندل صبر کرو۔ یہ مشرکین ہیں۔ ان کا خون کتے کے خون کی طرح ہے اور اپنی تلوار کا دستہ ابو جندل کے قریب کر رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بتایا: میرا خیال تھا کہ وہ تلوار لے کر اپنے باپ کی گردن اڑا دیں گے۔ لیکن انہوں نے باپ کی زندگی کا خیال رکھا۔ چنانچہ معاہدہ کی تحریر مکمل ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ حدود حرم میں نماز ادا فرماتے۔ آپ کا قیام حل میں تھا۔ (کیونکہ حدیبیہ حدود حرم سے قریب ہے) آپ ﷺ اٹھے اور لوگوں کو قربانی کرنے اور سر کے بال اتارنے کا حکم فرمایا۔ کوئی نہ اٹھا۔ آپ نے پھر فرمایا پھر بھی کوئی نہ اٹھا۔ آپ ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آئے اور پوچھا اے ام سلمہ! ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ان کے دل کا آپ کو پتہ ہے۔ آپ کسی سے کوئی بات نہ کریں اور خود قربانی کریں اور حلق کروائیں۔ آپ کو دیکھ کر لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔ چنانچہ سرکار ﷺ نے ایسے ہی کیا۔ لوگوں نے بھی ایسے کیا۔ حتیٰ کہ مکہ اور مدینہ کے درمیانی راستے پر سورۂ فتح نازل ہوئی۔ احمد، ابن اسحٰق اور عبد الرزاق رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں کتاب الشروط اور احمد نے مسند میں روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ حدیبیہ کے وقت اپنے چند سو اصحاب کے ساتھ نکلے۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو قربانی کے جانوروں کا شعار کیا اور انہیں قلادہ پہنایا(2)۔ عمرے کا احرام باندھا اور بنوخزاعہ سے تعلق رکھنے والا اپنا ایک جاسوس بھیجا اور چل پڑے جب غدیر الاشطاط کے پاس پہنچے (یہ جگہ عسفان سے قریب ہے اور عسفان مکہ سے دو مرحلوں کے سفر پر واقع ہے) تو آپ کے جاسوس نے آ کر خبر دی کہ قریش نے آپ کے خلاف لشکر جمع کئے ہیں اور احابیش کو اکٹھا کیا ہے۔ وہ آپ سے جنگ کرنے اور آپ کا راستہ روکنے پر تیار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! مشورہ دو۔ کیا تمہاری رائے ہے کہ ہم ان لوگوں کے عیال اور اولاد پر جا پڑیں جنہوں نے ہمیں بیت اللہ شریف سے روکنا چاہا ہے۔ (ایک دوسری روایت کے الفاظ میں) یا ان لوگوں کی اولاد پر جا پڑیں جنہوں نے ان کی مدد کی ہے۔ اگر وہ ہماری طرف آئے تو اللہ نے مشرکین کی گردن کاٹ دی ہو گی اور ہم انہیں غمزدہ حالت میں چھوڑیں گے۔ (بعض روایات کے الفاظ مختلف بھی ہیں)۔ یا پھر ہم بیت اللہ شریف کا قصد کریں اور جو ہماری راہ میں مزاحم ہو اس سے لڑائی کریں؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ بیت اللہ شریف کے لئے نکلے ہیں ہم کسی سے لڑائی نہیں چاہتے۔ لہٰذا بیت اللہ شریف کی طرف چلئے۔ جو راہ میں آیا ہم اس سے لڑیں گے۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے ہم تو عمرے کے لئے جا رہے ہیں کسی سے لڑائی کے لئے نہیں لیکن جو ہمارے راستے کی رکاوٹ بنا ہم اس سے لڑیں گے تو نبی ﷺ نے فرمایا: تب اللہ کا نام لے کر چلو(3)۔ جب وہ راستے میں تھے سرکار ﷺ نے فرمایا خالد

1۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 326-323، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 319-308 المسند، جلد 4 صفحہ 331-328

2۔ شعار سے مراد اونٹ کی کوہان کو ایک طرف سے زخمی کر دینا یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ ہدی (حج کی قربانی) کا جانور ہے۔ قلادہ سے مراد اسکی گردن میں ایسی چیز لٹکانا جو اس بات کی علامت ہو کہ یہ قربانی کا جانور ہے

3۔ بخاری، کتاب المغازی، فتح الباری، جلد 7 صفحہ 453، مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 328

بن ولید قریش کے ایک دستہ کے ساتھ آ رہا ہے۔لہٰذا دائیں طرف چلو۔اللہ کی قسم خالد کو ان کا پتہ نہ چلا پھر جب اس نے لشکر کی دھول دیکھی تو دوڑ کر قریش کو خبردار کرنے کے لئے گیا۔آپ ﷺ چلتے رہے حتیٰ کہ اس گھاٹی میں پہنچے جس سے ان پر اترا جا سکتا تھا تو آپ کی سواری بیٹھ گئی۔لوگوں نے اسے آگے چلانا چاہا تو اس نے حرکت نہ کی۔لوگوں نے پکارا قصواء بیٹھ گئی۔آپ ﷺ نے فرمایا: قصواء بیٹھی نہیں اور نہ یہ اس کی عادت ہے لیکن اسے تو ہاتھیوں کو روکنے والے نے روک لیا ہے۔پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم وہ مجھ سے کسی ایسی چیز کا سوال نہیں کریں گے جس میں وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا احترام کریں، مگر میں انہیں وہ دوں گا پھر اونٹنی کو ہانکا تو وہ چل پڑی۔آپ ﷺ چلتے چلتے حدیبیہ کے قلیل پانی والے کنوئیں پر اترے۔تھوڑی دیر میں پانی ختم ہو گیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی گئی تو آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر وہاں گاڑنے کا حکم دیا۔اس سے پانی ابلتا رہا حتیٰ کہ وہ سیراب ہو گئے۔اس دوران بدیل بن ورقاء خزاعی اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ آیا۔یہ رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے۔اس نے عرض کی میں نے کعب بن لوی اور عامر بن لوی کو آپ سے لڑائی پر تیار پایا ہے وہ حدیبیہ کے ان مقامات پر اترے ہیں جہاں پانی ملنے کی امید تھی۔وہ عورتیں اور بچے ساتھ لائے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا ہم کسی سے لڑائی کے لئے نہیں بلکہ عمرہ کے لئے آئے ہیں۔قریش کو لڑائی نے نڈھال کر دیا ہے۔اگر وہ چاہیں تو میں انہیں ایک مہلت دینے کو تیار ہوں۔اس دوران وہ مجھے اور لوگوں کو چھوڑ دیں اگر میں غالب آ جاؤں تو ان کی مرضی ہو تو وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں ورنہ آرام کریں اور اگر انہوں نے انکار کیا تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں اس معاملے میں ان سے لڑوں گا حتیٰ کہ میری گردن جدا ہو جائے۔اللہ اپنے امر کو ضرور نافذ کرے گا۔بدیل نے کہا میں آپ کی بات ان تک پہنچا دوں گا۔چنانچہ وہ قریش کے پاس گیا اور کہا میں اس آدمی کے پاس سے آیا ہوں وہ ایک بات کہہ رہا ہے اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں بتاؤں۔ان کے بیوقوف کہنے لگے ہمیں کسی چیز کے بارے میں مت بتاؤ۔اصحاب رائے کہنے لگے بتاؤ وہ کیا کہتے ہیں۔بدیل نے انہیں آپ ﷺ کی ساری بات بتا دی۔یہ سن کر عروہ بن مسعود اٹھا اور کہنے لگا اے قوم کیا تم باپ نہیں ہو؟ انہوں نے کہا ہاں۔وہ کہنے لگا کیا میں فرزند نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔وہ کہنے لگا کیا تم مجھ پر اتہامات لگاتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں۔وہ کہنے لگا۔کیا تم جانتے ہو میں نے اہل عکاظ سے مدد طلب کی تھی؟ تو انہوں نے انکار کر دیا۔تو میں اپنے اہل وعیال اور پیروکاروں کو لے کر تمہارے پاس آ گیا۔انہوں نے کہا ہاں۔وہ کہنے لگا۔یہ شخص اگر تمہیں کوئی اچھا منصوبہ دیتا ہے تو اسے قبول کرو۔چھوڑو میں اس کے پاس جاتا ہوں انہوں نے کہا جاؤ۔وہ آیا اور نبی ﷺ سے گفتگو کرنے لگا۔آپ ﷺ نے اس کے سامنے بدیل بن ورقاء والی بات دہرائی۔وہ کہنے لگا اے محمد! کیا آپ کا خیال ہے کہ اپنی قوم کو برباد کر دیں گے۔کیا اہل عرب میں سے کسی نے آج تک اپنی اصل کو نابود کیا ہے؟ اگر دوسری بات ہے تو اللہ کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے جھڑک کر کہا کیا ہم آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ اس نے پوچھا یہ کون ہیں؟ بتایا گیا ابو بکر۔وہ کہنے لگا اللہ کی قسم اگر ان کا احسان میرے گلے میں نہ ہوتا تو میں ضرور انہیں جواب دیتا۔اور آپ ﷺ سے گفتگو کرنے لگا۔دوران گفتگو وہ آپ ﷺ کی داڑھی پکڑ لیتا۔مغیرہ بن شعبہ تلوار لئے نبی کریم ﷺ کے سر پر کھڑے تھے۔انہوں نے خود پہن رکھا تھا۔جب عروہ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو مغیرہ نے تلوار کی میان کا سرا اس کے ہاتھ پر مارا اور کہا اپنا ہاتھ نبی ﷺ کی داڑھی مبارک سے پیچھے رکھو۔عروہ نے اپنا سر اٹھایا اور پوچھا یہ کون ہیں؟ بتایا گیا مغیرہ بن شعبہ۔اس نے کہا اے دھوکے باز! کیا میں تیرے شر کو روکنے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں؟ زمانہ جاہلیت میں مغیرہ بن شعبہ کچھ لوگوں کے ساتھ سفر پر نکلے

انہیں قتل کر کے مال لے لیا اور آ کر مسلمان ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تیرا اسلام قبول کرتا ہوں اور تیرے مال سے ہمیں کوئی غرض نہیں۔ پھر عروہ صحابہ کرام کو دیکھنے لگا وہ کہتا ہے اللہ کی قسم! سرکار ﷺ نے ناک صاف نہیں کی مگر وہ کسی آدمی کے ہاتھ میں پڑی۔ اس نے اسے اپنے چہرے اور جلد پر مل لیا۔ جب آپ انہیں کوئی حکم دیتے تو آپ کی تعمیل ارشاد کے لئے وہ دوڑ پڑتے۔ آپ ﷺ وضو فرماتے تو وضو کا پانی لینے کے لئے لڑ پڑتے۔ جب گفتگو فرماتے تو اپنی آوازیں پست کر لیتے اور تعظیماً آپ کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتے۔ عروہ واپس آیا اور کہنے لگا اے قوم! اللہ کی قسم میں نے لوگوں کو کسی بادشاہ کا اتنا احترام کرتے نہیں دیکھا جتنا محمد کے اصحاب محمد کا کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر وہ کھنکاریں تو رینٹ (بلغم) کسی آدمی کے ہاتھ میں پڑی ہے اور اسے وہ اپنے چہرے اور جلد پر مل لیتا ہے۔ اور آپ کا حکم سن کر وہ تعمیل میں جلدی کرتے ہیں۔ وضو کے پانی پر وہ تقریباً لڑ پڑتے ہیں۔ اس کی گفتگو کے وقت آواز آہستہ کر لیتے ہیں اور بوجہ احترام آپ کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتے۔ اس نے آپ کو ایک تجویز دی ہے اسے قبول کر لو۔ بنو کنانہ کا ایک آدمی کہنے لگا میں اس کے پاس جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا جاؤ۔ وہ جب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کے پاس آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا یہ فلاں ہے۔ یہ اس قوم سے ہے جو قربانی کے جانور کی تعظیم کرتے ہیں۔ اسے یہ جانور دکھاؤ۔ لوگوں نے تلبیہ کہہ کر اس کا استقبال کیا۔ وہ یہ دیکھ کر کہنے لگا سبحان اللہ! ایسے لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا جائز نہیں۔ اس نے واپس آ کر اپنے ساتھیوں کو بتایا میں نے اونٹوں کو دیکھا ہے انہیں قلادے پہنائے گئے ہیں اور شعار کیا گیا ہے۔ میری رائے میں انہیں روکنا مناسب نہیں۔ یہ سن کر مکرز بن حفص کہنے لگا مجھے جانے دو۔ انہوں نے کہا جاؤ۔ اسے دیکھ کر نبی ﷺ نے فرمایا یہ مکرز ہے یہ فاجر شخص ہے۔ وہ آپ سے گفتگو کرنے لگا۔ اس دوران سہیل بن عمرو آ گیا۔ معمر رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ جب سہیل آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا معاملہ آسان ہو گیا۔ معمر رحمۃ اللہ علیہ نے زہری سے روایت کیا ہے کہ سہیل بن عمرو کہنے لگا ہمارے ساتھ تحریری معاہدہ کر لیجئے۔ نبی کریم ﷺ نے کاتب کو بلایا اور فرمایا لکھو: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ سہیل کہنے لگا رحمن کو ہم نہیں جانتے باسمك اللهم لکھو جیسے تم لکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا ہم ایسا ہی لکھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یوں ہی لکھو باسمك اللهم پھر فرمایا: ''محمد رسول اللہ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔'' سہیل کہنے لگا اللہ کی قسم اگر ہم یہ جانتے ہوتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ سے جنگ نہ کرتے اور بیت اللہ شریف سے نہ روکتے لیکن لکھو: محمد بن عبد اللہ غرض معاہدہ مکمل ہو گیا..... الخ۔

اس کے بعد کچھ مومن عورتیں آئیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۭ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (الممتحنہ: 10) '' اے ایمان والو! جب آ جائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کر لو۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف مت واپس کرو۔ نہ وہ حلال ہیں کفار کے لئے اور نہ وہ (کفار) حلال ہیں مومنات کے لئے اور دے دو کفار کو جو مہر انہوں نے خرچ کئے اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم ان عورتوں سے نکاح کر لو۔ جب تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو اور (اسی طرح) تم بھی نہ روکے رکھو (اپنے نکاح میں) کافر عورتوں کو''۔ اس روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو طلاق دے دی۔ ایک سے معاویہ اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے نکاح کر لیا۔ پھر آپ ﷺ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ ایک قریشی ابو بصیر مسلمان ہو کر مدینہ آ گئے۔ قریش نے ان کی تلاش میں دو آدمی بھیجے۔ سرکار ﷺ نے ان کے مطالبے پر ابو بصیر کو ان کے حوالے کر دیا۔ وہ انہیں لے کر چلے جب

ذوالحلیفہ پہنچے تو اتر کر کھجوریں کھانے لگے۔ ابوبصیر نے ایک سے کہا اللہ کی قسم میں تمہاری تلوار بہت مضبوط دیکھ رہا ہوں۔ دوسرے نے اسے سونت لیا اور کہا ہاں یہ بہت عمدہ ہے۔ میں نے اسے آزمایا ہے۔ ابوبصیر نے کہا مجھے دکھاؤ اس نے تلوار دی۔ ابوبصیر نے فوراً اس کی گردن تن سے جدا کر دی اور وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ دوسرا بھاگ کر مدینہ آ گیا اور مسجد میں ہی شور مچانے لگا۔ سرکار ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا یہ گھبرایا ہوا ہے۔ وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر دہائی دینے لگا کہ میرا ساتھی مارا گیا ہے اور میں بھی مارا جاؤں گا۔ اتنے میں ابوبصیر بھی آ گئے اور عرض کی اللہ نے آپ کا ذمہ پورا کر دیا۔ آپ نے مجھے ان کے حوالے کیا۔ اللہ نے مجھے ان سے بچا لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تعجب ہے یہ تو (ابوبصیر) جنگ کی آگ سلگایا چاہتا ہے (عجب بہادر اور جری آدمی ہے)۔ جب ابوبصیر نے یہ سنا تو سمجھ گئے کہ آپ انہیں واپس کر دیں گے۔ چنانچہ وہ وہاں سے نکل کر ساحل سمندر پر آ گئے۔ ابوجندل بھی بھاگ کر ابوبصیر کے پاس پہنچ گئے۔ پھر قریش میں سے جو آدمی بھی مسلمان ہوتا وہ ابوبصیر کے پاس آ جاتا حتیٰ کہ ان کا ایک گروہ بن گیا۔ اب قریش کا جو قافلہ بھی شام کی طرف نکلتا وہ اس پر حملہ کر کے انہیں قتل کر کے مال لوٹ لیتے۔ قریش نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر یہ شرط ختم کرنے کی اپیل کی تو حضور ﷺ نے انہیں بلا بھیجا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ سے الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ تک۔ ان کی نخوت یہ تھی کہ انہوں نے آپ کو رسول تسلیم نہ کیا۔ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا انکار کیا اور بیت اللہ شریف کی راہ میں آپ سے مزاحم ہوئے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح یہاں بیان کیا ہے۔ جیسا کہ تفسیر، عمرۂ حدیبیہ اور حج وغیرہ میں ہے(1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دیگر مقامات پر اور مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''ہم میں سے جو کوئی ان کی طرف جائے گا، اللہ اسے دین سے دور کر دے گا۔''(3) مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت کیا ہے۔ مسند احمد اور ابوداؤد میں بھی اس طرح کی دیگر مرویات ہیں(4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے دن ستر اونٹ ذبح فرمائے ان میں ابوجہل کا ایک اونٹ بھی تھا۔ جب اسے بیت اللہ سے روک دیا گیا تو وہ اس طرح غمگین آوازیں نکالنے لگا جیسے اس وقت نکالتا ہے جب وہ اپنی اولاد کی طرف مشتاق ہو۔(5)

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ؕ ﴿۲۸﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ۔ کہ تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا

1۔ فتح الباری کتاب الشروط، جلد 5 صفحہ 333-329، کتاب الحج، جلد 3 صفحہ 542 کتاب الحصر، جلد 4 صفحہ 10، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 453-444، تفسیر سورۂ فتح، جلد 8 صفحہ 587

2۔ فتح الباری، کتاب الجزیہ، جلد 6 صفحہ 281، کتاب الاعتصام، جلد 12 صفحہ 282 کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 257، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1413-1411، نسائی، کتاب التفسیر تحفۃ الاشراف، جلد 4 صفحہ 100

3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 268، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1411

4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 342، سنن ابوداؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 35

5۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 315-314

امن و امان سے۔ منڈواتے ہوئے اپنے سروں کو یا ترشواتے ہوئے۔ تمہیں (کسی کا) خوف نہ ہوگا۔ پس وہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے تو اس نے عطا فرمادی (تمہیں) اس سے پہلے ایسی فتح جو قریب ہے۔ وہ (اللہ) ہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو (کتاب) ہدایت اور دین حق دے کر تا کہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر۔ اور (رسول کی صداقت پر) اللہ کی گواہی کافی ہے"۔

آپ ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ مکہ میں داخل ہوئے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو خواب سنایا۔ آپ اس وقت مدینہ میں تھے جب وہ عام حدیبیہ میں نکلے تو کسی کو اس بارے میں شبہ نہیں تھا کہ اس سال اس خواب کی تعبیر پوری ہو گی۔ جب صلح کا معاہدہ طے پایا اور اس سال انہیں واپس آنا پڑا تو بعض صحابہ کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ اسی لئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے وہ سوالات کئے تھے (جن کا اوپر ذکر ہوا) ان میں سے ایک سوال یہ تھا کیا آپ ﷺ نے ہمیں یہ بتایا نہیں تھا کہ ہم بیت اللہ شریف کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں لیکن کیا میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تم اس سال آؤ گے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کی نہیں۔ فرمایا تم ادھر آؤ گے اور طواف کرو گے۔ اس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جواب دیا۔ اسی لئے اللہ نے اس خبر کی تصدیق و توثیق کر دی۔ یہاں استثناء نہیں ہے۔

اٰمِنِيْنَ تمہارے داخلے کے وقت۔

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ یہ مقدر کا حال ہے کیونکہ وہ داخلے کے وقت اس حالت میں نہ تھے۔ ایسا بعد میں ہوا پھر بعض نے حلق کروایا اور بعض نے قصر۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ حلق کروانے والوں پر رحم فرمائے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! قصر کرانے والوں پر بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ حلق کرانے والوں پر رحم کرے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! اور قصر کرانے والوں پر بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ حلق کرانے والوں پر رحم فرمائے عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! اور قصر کرانے والوں پر بھی؟ آپ ﷺ نے تیسری یا چوتھی مرتبہ فرمایا: اور قصر کرانے والوں پر بھی" (1)۔

لَا تَخَافُوْنَ حال ہے جو معنی کو پختہ کر رہا ہے۔ بوقت داخلہ ان کے لئے امن ثابت ہوا اور وہاں قیام کی صورت میں خوف کی نفی کر دی۔ یہ عمرۂ قضا ذیقعد سنہ 7 ھ کا واقعہ ہے۔ نبی کریم ذیقعد میں حدیبیہ سے واپس آئے اور ذوالحج اور محرم تک مدینہ میں قیام پذیر رہے۔ صفر میں خیبر کی طرف نکلے اللہ نے اس پر آپ کو فتح دی۔ بعض بزور شمشیر اور بعض بطور صلح۔ اس علاقے میں بہت زیادہ کھجور کے باغات اور کھیتیاں تھیں۔ آپ نے یہود کو یہ بٹائی پر دے دیئے اور صرف اہل حدیبیہ میں تقسیم کئے۔ اس میں اور کوئی شامل نہیں تھا مگر وہ جوگ جو حبشہ سے واپس آئے تھے۔ جعفر بن ابو طالب اور ان کے ساتھی، ابو موسیٰ اشعری اور آپ کے ساتھی۔ کوئی بھی ان میں سے غیر حاضر نہیں تھا ما سوائے ابودجانہ سماک بن خرشہ کے جیسا کہ ابن زید نے بیان کیا ہے۔ اس کی تفصیل اپنی جگہ مذکور ہے۔ پھر آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے۔ اور ذیقعد سنہ 7 ھ میں آپ ﷺ اہل حدیبیہ کے ساتھ مل کر عمرے کی نیت سے نکلے ذوالحلیفہ سے احرام باندھا۔ ہدی کا جانور ساتھ لیا۔ کہا گیا ہے کہ ساٹھ اونٹ پھر آپ اپنے صحابہ کے ساتھ تلبیہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے۔ جب مرالظہران (2) کے قریب پہنچے تو محمد بن سلمہ کو گھڑ سوار اور اسلحہ دے کر آگے

1۔ دیکھئے یہ حدیث سورۂ بقرہ آیت: 196 کی تفسیر میں

2۔ مرالظہران: یہ مکہ سے پانچ میل کے فاصلے پر ہے یہاں بہت سے چشمے حمیز (گولر) اور کھجوروں کے باغات ہیں یہ بنو اسلم بذیل اور غاضرہ کا ہے مَرّ کا معنی قریہ (گاؤں) اور ظہران بمعنی وادی ہے

بھیجا۔ مشرکین اسے دیکھ کر شدید رعب میں مبتلا ہو گئے۔ اور یہ سمجھے کہ رسول اللہ ﷺ ان پر حملہ آور ہو گئے ہیں اور دس سالہ عدم قتال کا معاہدہ پس پشت ڈال دیا ہے۔ انہوں نے جا کر اہل مکہ کو خبر دی۔ آپ ﷺ مر الظہر ان میں اترے جہاں سے حدود حرم نظر آتی تھی۔ وہاں سے آپ ﷺ نے تمام اسلحہ بطن یأجج کی طرف بھیج دیا۔ (یہ مقام مکہ سے آٹھ میل دور ہے) اور حسب شرط تلواریں نیام میں ڈالے مکہ میں داخل ہوئے۔ ابھی راستے میں ہی تھے کہ قریش نے مکرز بن حفص کو بھیجا۔ وہ کہنے لگا۔ اے محمد! آپ نے کبھی عہد نہیں توڑا تھا؟ آپ نے پوچھا کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا یہ اسلحہ کس لئے ہے؟ آپ نے فرمایا ایسی کوئی بات نہیں ہم نے اسے یأجج کی طرف بھیج دیا ہے۔ وہ کہنے لگا۔ اسی طرح ہم نے آپ کو نیکی اور وفا کے ساتھ پہچانا تھا۔ سرداران قریش غیظ وغضب سے مکہ سے نکل گئے۔ بقایا اہل مکہ مرد، عورتیں اور بچے راستوں اور گھروں کی چھتوں پر بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے صحابہ کرام آپ کے سامنے تلبیہ کہہ رہے تھے۔ آپ نے ھدی کے جانوروں کو ذی طوی (مکہ میں ایک مقام) کی طرف بھیج دیا تھا۔ آپ ﷺ اپنی ناقہ قصواء پر سوار تھے۔ صلح حدیبیہ کے دن بھی یہی آپ کی سواری تھی۔ عبداللہ بن رواحہ انصاری ناقہ کی مہار تھامے یوں رجز پڑھ رہے تھے:(1)

بِاسمِ الذی لا دینَ إلا دینُهُ   باسم الذی محمدٌ رَسُولُه
خَلّوا بنی الكُفّارِ عن سبيله   اليوم نَضرِبُكم عَلَى تأويله
كَمَا ضَرَبْنَاكم عَلَى تنزيلِهِ   ضربًا يزيلُ الهامَ عن مَقِيلِه
ويُذْهِلُ الخليلَ عن خَلِيله   قد أنزل الرحمٰنُ فی تنزيلِهِ
فی صحفٍ تُتلَى على رسوله   بأنّ خير القتلِ فی سَبِيلِهِ
يَا ربِّ إنّی مؤمنٌ بقيله

یہ متفرق روایات کا مجموعہ ہے۔ بعض روایات میں اشعار کے الفاظ میں اختلاف بھی ہے(2)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب آپ ﷺ نے مر الظہر ان میں پڑاؤ کیا تو صحابہ کرام کو یہ خبر ملی کہ قریش کہتے ہیں کہ کمزوری کی وجہ سے یہ لوگ اٹھ نہیں سکتے۔ صحابہ کرام کہنے لگے ہم اپنی سواریاں ذبح کر کے ان کا گوشت کھاتے اور شوربہ پیتے ہیں تاکہ کل جب مکہ میں داخل ہوں تو قوی نظر آئیں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو بلکہ اپنا زاد راہ میرے سامنے جمع کرو سب کچھ جمع کر کے آپ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ وہ کھاتے رہے لیکن کافی مقدار میں چھوڑ کر اٹھ گئے۔ پھر ہر ایک نے اپنے توشہ دان میں ڈال دیا۔ سرکار آگے بڑھے اور مسجد حرام میں داخل ہوئے قریش مقام حجر کی طرف بیٹھے تھے۔ آپ نے اپنی چادر کا اضطباع کیا۔ اور فرمایا قوم کو تم میں کمزوری نظر نہ آئے۔ آپ ﷺ نے رکن اسود کو استلام کر کے رمل(3) کیا جب رکن یمان کی آڑ میں ہو گئے تو رکن حجر اسود آرام سے چلے۔ قریش کہنے لگے تم چلنے پر راضی نہیں ہو تم تو ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتے ہو۔ تین چکروں میں آپ ﷺ نے ایسے ہی کیا۔ یہ سنت ہو گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں بھی ایسا ہی کیا(4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی بروایت سعید بن جبیر ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام مکہ آئے۔ انہیں یثرب کے بخار نے

1۔ واقدی: المغازی، جلد 2 صفحہ 736-735، البدایہ والنھایہ، جلد 4 صفحہ 50231 صفحہ 392

2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 371، فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 501 ابو یعلیٰ نے اپنی سند سے عبدالرزاق سے روایت کیا ہے

3۔ رمل سے مراد کندھوں کو ہلاتے ہوئے تیز تیز چلنا ہے

4۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 305

کمزور کر دیا تھا۔ مشرکین کہنے لگے تمہارے پاس وہ قوم آئی ہے جس کو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ ان کی حالت خراب ہے۔ مشرکین حجر والے کونے میں بیٹھ گئے۔ اللہ نے اپنے نبی کو ان کی بات سے آگاہ فرما دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پہلے تین چکروں میں رمل کریں تا کہ مشرکین ان کی مضبوطی کا مشاہدہ کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے تین چکروں میں رمل کیا اور دونوں رکنوں کے مابین آرام سے چلنے کا حکم دیا کیونکہ مشرکین اس طرف دیکھ نہیں رہے تھے۔ سرکار ﷺ نے تمام چکروں میں رمل کرنے سے منع کر دیا صرف مگر ان پر شفقت کرتے ہوئے۔ مشرکین نے کہا کیا تم ان کے بارے میں کہتے تھے کہ بخار نے انہیں کمزور کر دیا ہے۔ یہ تو فلاں فلاں سے بھی طاقتور ہیں(1)۔ یہی حدیث صحیحین میں حماد بن زید سے بھی مروی ہے(2)۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ میں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ ذیقعد کی چار تاریخ کو آئے۔ مشرکین نے کہا تمہارے پاس وہ وفد آ رہا ہے جسے یثرب کی وبا نے نحیف و نزار کر دیا ہے تو حضور ﷺ نے پہلے تین چکروں میں رمل کرنے کا حکم دیا اور انہیں تمام چکروں میں رمل کرنے سے منع کر دیا صرف ان پر رحمت و شفقت کرتے ہوئے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ صلح کے سال نبی کریم ﷺ آئے اور انہیں فرمایا: رمل کرو تا کہ مشرکین کو ان کی قوت نظر آئے اور ان مشرکین کو جو جبل قعیقعان پر تھے۔ (یہ پہاڑ مکہ میں ہے اور شامی ارکان کے مابین ہے۔ یمانی ارکان کے درمیان کا حصہ یہاں سے نظر نہیں آتا)۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ اور صفا و مروہ میں سعی کی تا کہ مشرکین کو اپنی طاقت دکھائیں(3)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے مقامات پر اور مسلم و نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے(4)۔ عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ عمرہ کے وقت ہم نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی آڑ میں لے رکھا تھا (معاذ اللہ) ایسا نہ ہو کہ مشرکین اور ان کے لڑکے آپ کو کوئی نقصان پہنچا دیں(5)۔ یہ روایت صرف بخاری میں ہے مسلم میں نہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ قریش آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو گئے۔ آپ نے اپنی قربانی کی اور حدیبیہ میں سر کا حلق کروایا اور ان سے صلح کی کہ آپ اگلے سال تشریف لائیں گے۔ تلواروں کے علاوہ اور کوئی اسلحہ ساتھ نہیں ہوگا اور اتنی دیر یہاں قیام کریں گے جس قدر قریش چاہیں گے چنانچہ اگلے سال آپ نے عمرہ کیا اور صلح کے مطابق مکہ آئے۔ تین دن کے بعد انہوں نے واپسی کا مطالبہ کیا تو آپ چلے آئے (صحیح مسلم میں بھی اسی طرح ہے)(6)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ذیقعد میں عمرہ ادا کرنے کا ارادہ کیا۔ اہل مکہ آپ کی راہ میں حائل ہو گئے تا آنکہ آپ نے ان سے معاہدہ کیا کہ تین دن یہاں قیام کریں گے معاہدہ لکھنے کے بعد آخر میں یہ لکھا گیا: ''ان شرائط پر محمد رسول اللہ نے معاہدہ کیا ہے۔'' وہ کہنے لگے ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ اگر ہم آپ کو رسول تسلیم کرتے تو آپ کو ہرگز نہ روکتے۔ بلکہ آپ تو محمد بن عبداللہ ہیں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا میں رسول اللہ ہوں اور میں ہی محمد بن عبداللہ ہوں۔ پھر علی بن ابی طالب سے فرمایا: ''رسول اللہ کے الفاظ مٹا دو''۔ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کی نہیں اللہ کی قسم! میں اسے ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے معاہدہ لیا۔ آپ اچھی طرح لکھنا نہیں جانتے تھے آپ نے خود یوں لکھ دیا: محمد بن عبداللہ نے یہ معاہدہ

1۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 295 2۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 509-508، مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 933
3۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 509-508، مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 923
4۔ فتح الباری، کتاب الحج، جلد 3 صفحہ 502، مسلم الکتاب الحج، جلد 2 صفحہ 923، نسائی، کتاب المناسک، جلد 5 صفحہ 242
5۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 508 6۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 409

کیا ہے۔ (اس معاہدہ میں یہ بھی تھا کہ) آپ ﷺ مکہ میں اسلحہ نہیں لائیں گے ماسوائے تلواروں کے وہ بھی نیاموں میں ہوں گی۔ اگر یہاں کا کوئی باشندہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو اسے ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ اور آپ کے ساتھیوں میں سے اگر کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اسے نہیں روکیں گے۔ جب آپ مکہ آئے اور مہلت پوری ہوگئی تو وہ کفار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے اپنے ساتھی سے کہو مہلت پوری ہوگئی اب نکلئے تو آپ ﷺ روانہ ہو گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی چچا چچا پکارتے ہوئے آپ کے پیچھے دوڑی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے اٹھالیا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تمہارے چچا کی بیٹی ہے اسے لے لو تو انہوں نے اسے اٹھالیا۔ حضرت علی، زید اور جعفر رضی اللہ عنہم کے مابین اس پر جھگڑا ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اسے اٹھایا ہے یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ زید نے کہا میری بھتیجی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے لڑکی خالہ کو دی اور فرمایا: ''خالہ ماں کی طرح ہے'' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو خَلق اور خُلق میں مجھ سے مشابہ ہے۔ زید سے فرمایا تو ہمارا بھائی اور مولی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: کیا آپ حمزہ کی بیٹی سے شادی نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے(1)۔

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا اللہ کے علم میں تھا کہ تمہیں مکہ سے پھیرنا اور اگلے سال جانا تمہارے لئے بہتر ہے۔ اسی میں تمہاری مصلحت ہے۔

فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ اس داخلے کی طرف جس کا نبی کے خواب میں تم سے وعدہ تھا۔

فَتْحًا قَرِيْبًا یعنی وہ صلح جو تمہارے اور تمہارے اعداء مشرکین کے مابین طے پائی۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنین کو رسول اللہ ﷺ کے تمام دشمنان اور تمام اہل زمین پر نصرت کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ یعنی علم نافع اور عمل صالح کے ساتھ۔ شریعت دو چیزوں پر مشتمل ہے: علم اور عمل۔ علم شرعی صحیح ہے اور عمل شرعی مقبول۔ اس کی خبریں حق اور انشائیں (انشاءات) عدل ہیں۔

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ یعنی عرب وعجم میں روئے زمین کے تمام ادیان پر۔

كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا یعنی آپ ہی اس کے رسول اور مددگار ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ټ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ۧ

''(جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور وہ (سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں، آپس میں بڑے رحمدل ہیں تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے اور کبھی سجدہ کرتے ہوئے طلب گار ہیں اللہ کے

1۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 499

فضل اور اس کی رضا کے۔ ان (کے ایمان وعبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے۔ یہ ان کے اوصاف تورات میں (مذکور) ہیں۔ نیز ان کی صفات انجیل میں بھی (مرقوم) ہیں۔ (یہ صحابہ) ایک کھیت کی مانند ہیں جس نے نکالا اپنا پٹھا پھر تقویت دی اس کو پھر وہ مضبوط ہو گیا پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اپنے تنے پر (اس کا جوبن) خوش کر رہا ہے بونے والوں کو، تا کہ (آتشِ) غیظ میں جلتے رہیں انہیں دیکھ کر کفار۔ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے مغفرت کا اور اجرِ عظیم کا''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو یہ بتا رہے ہیں کہ آپ ﷺ بلاشک وشبہ اس کے رسول ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ مبتدا خبر ہے اور ہر وصف جمیل پر مشتمل ہے۔ پھر اس کے بعد صحابہ کرام کی مدح وثناء فرمائی۔

ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (مائدہ:54) ''(تو اس کی بدنصیبی) سو عنقریب لے آئے گا ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو نرم ہوں گے ایمانداروں کے لئے بہت سخت ہوں گے کافروں پر''۔ یہ مؤمنین کی صفات ہیں کہ وہ کفار پر سخت، نیکوکاروں پر مہربان، کافر کے سامنے ترش رو اور مؤمن بھائی کے سامنے خندہ رو ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً (التوبہ:123) ''اے ایمان والو! جنگ کرو ان کافروں سے جو آس پاس ہیں تمہارے اور چاہئے کہ وہ پائیں تم میں سختی''۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مؤمنین کی مثال آپس میں محبت کرنے اور ایک دوسرے پر ترس کھانے میں ایک جسم کی طرح ہے جب اس کا کوئی عضو تکلیف میں مبتلا ہو جائے تو سارا جسم بیداری اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے''(1)۔ ایک اور حدیث میں ہے: ''مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے عمارت کی طرح ہے جو ایک دوسرے کے لئے قوت ہیں اور انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرمایا''(2)۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح میں ہیں۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا...... رِضْوَانًا کثرت عمل اور کثرت نوافل کے ساتھ ان کی صفت بیان فرمائی۔ یہ بہترین اعمال ہیں۔ انہیں اخلاص اور اللہ سے ثواب چاہنے والے قرار دیا۔ یہ جنت ہے جو اللہ کے فضل پر مشتمل ہے۔ یہی ان پر رزق کی وسعت اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ یہ پہلی چیز سے زیادہ بڑی ہے جیسے اللہ نے فرمایا: وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (توبہ:72) ''اور رضائے خداوندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے''۔

قولہ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ علی بن أبی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اچھا راستہ۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے خشوع اور تواضع مراد ہے۔ ابن ابی حاتم نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس کا معنی خشوع روایت کیا ہے۔

(میں کہتا ہوں) اس کے آثار چہرے پر نظر آتے ہیں بلکہ شاید اس کی آنکھوں کے سامنے جو فرعون سے بھی سخت دل ہو۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ نماز ان کے چہروں کو خوبصورت بنا دیتی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے رات کو جس کی نماز زیادہ ہو دن کو اس کا چہرہ بڑا خوبصورت ہو جاتا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے(3)۔ بعض علماء سے منقول ہے نیکی دل میں نور، چہرے پر ضیاء (تابانی) رزق میں وسعت اور لوگوں کے دلوں میں اس کیلئے محبت لاتی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی شخص جب کوئی کام چھپ کر بڑی رازداری سے کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے آثار اس کے چہرے اور اس کے کلام میں نمایاں کر دیتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ دل میں پوشیدہ بات چہرے پر ظاہر ہو جاتی ہے اور مومن کا

1۔ دیکھئے سورۂ بقرہ آیت:84 2۔ دیکھئے سورۂ براۃ آیت:71 3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 422

حال جب اللہ کے ساتھ صحیح ہو تو اللہ اس کا ظاہر لوگوں کے ساتھ صحیح کر دیتا ہے جیسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: ''جس کا باطن صحیح ہو جائے۔ اللہ اس کے ظاہر کی بھی اصلاح فرما دیتا ہے''۔ ابو القاسم طبرانی نے جندب بن سفیان بجلی سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب آدمی چھپ کر کوئی کام کرتا ہے تو اللہ اسے اس کی چادر پہنا دیتا ہے۔ اگر بہتر ہو تو بہتر اور برا ہو تو بری (راوی عزرمی متروک ہے)(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی ایسے پتھر میں عمل کرتا ہے جس میں کوئی شگاف نہ ہو۔ اس کا عمل لوگوں کے سامنے ظاہر ہو کر رہتا ہے خواہ کچھ بھی ہو(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اچھے طریق پر چلنا اور اچھی خصلت اور میانہ روی نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے (رواہ ابوداؤد)(3)۔ صحابہ کی نیتیں خالص اور اعمال نیک تھے۔ جو انہیں دیکھتا انکے خصائل اور طریق کو بہت پسند کرتا۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے مجھے خبر ملی ہے کہ نصاریٰ نے جب ان صحابہ کو دیکھا جنہوں نے شام کو فتح کیا تو کہنے لگے: ''اللہ کی قسم یہ لوگ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے بھی بدرجہا بہتر ہیں جن کے بارے میں ہم نے سنا ہے۔'' اور ان کی بات صحیح تھی۔ اس امت معظمہ کا ذکر سابقہ کتب میں ہے۔ اور ان میں سے افضل ترین اصحاب رسول ہیں۔ جیسے کہ قرآن نے یہاں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شطأ: خوشے، بالی، پودے کی بچیاں، آزرہ، شدّہ: قوت دی۔ فاستغلظ: نشوونما پائی۔

یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ صحابہ کرام جنہوں نے آپ ﷺ کی نصرت و مدد کی ہے اسی طرح ہیں جیسے کھیتی اور خوشہ۔

لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ایک روایت کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت سے روافض جو صحابہ سے بغض رکھتے ہیں، کی تکفیر کی ہے کیونکہ وہ ان پر غصہ کرتے ہیں اور جو صحابہ سے غیظ و غضب رکھتا ہے وہ اس آیت کے مطابق کافر ہے۔ علماء کے ایک گروہ نے اس رائے میں آپ سے اتفاق کیا ہے۔ صحابہ کرام کے فضائل اور ان کے خلاف دشنام طرازی کی ممانعت کی احادیث بے شمار ہیں۔ ان کے لئے قرآن کی طرف سے بیان کردہ تعریف اور رضامندی کا سرٹیفکیٹ کافی ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ، من بیان جنس کے لئے ہے۔

مَّغْفِرَةً گناہوں کی بخشش۔

اَجْرًا عَظِيْمًا بہت زیادہ ثواب اور اللہ کا وعدہ حق اور سچ ہے، جس کی خلاف ورزی یا اس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ صحابہ کے نقش قدم پر چلنے والا ہر شخص ان کے حکم میں ہے۔ ان کے لئے وہ فضل، سبقت اور کمال ہے جسے اس امت کا کوئی فرد نہیں پا سکتا۔

رضی اللّٰہ عنھم وأرضاھم وجعل جنات الفردوس مثواھم اور ایسے ہی ہوا۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو ان کے مُدّ بلکہ اس کے نصف کو بھی نہیں پا سکتا۔''(4)

سورۂ فتح کی تفسیر ختم ہوئی۔ وللّٰہ الحمد والمنّة

1۔ المعجم الکبیر، جلد 2 صفحہ 171 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 28 نیز دیکھئے سورۂ لقمان آیت: 12

3۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 296، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 247

4۔ مد: ایک پیمانہ جو چوتھائی صاع کے برابر ہوتا ہے یعنی ربع صاع تقریباً ایک کلو دیکھئے مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 4 صفحہ 1967

سورۂ حجرات

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىِ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِىِّ وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ۝۲ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَهُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ لِلتَّقۡوٰى ؕ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۝۳

"اے ایمان والو! آگے نہ بڑھا کرو اللہ اور اس کے رسول سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے، بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی (کریم) کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو۔ جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو۔ (اس بے ادبی سے) کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔ بے شک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول کے سامنے، یہی وہ لوگ ہیں مختص کر لیا ہے اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے۔ انہی کے لئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے"۔

اللہ تبارک و تعالیٰ مؤمنین کو یہ آداب تعلیم فرما رہے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر کریں۔ چنانچہ فرمایا: لَا تُقَدِّمُوۡا آپ کے سامنے مختلف اشیاء میں آپ سے سبقت نہ کرو بلکہ تمام امور میں آپ کے تابع رہو۔ حدیث معاذ بھی اسی شرعی ادب کے عموم میں آتی ہے۔ آپ کو یمن بھیجتے وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم کیسے فیصلے کرو گے؟ انہوں نے عرض کی کتاب اللہ کے ساتھ فرمایا: اگر اس میں نہ پاؤ تو؟ عرض کی: سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو؟ عرض کی: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ تو آپ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا تمام تعریفیں اس رب کے لئے ہیں جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔ احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے (1)۔ یعنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے اور اجتہاد کو کتاب وسنت کے بعد رکھا۔ اگر وہ اپنے اجتہاد کو پہلے رکھتے تو یہ بھی اللہ اور اس کے رسول کے سامنے سبقت ہوتی۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے لَا تُقَدِّمُوۡا یعنی کتاب وسنت کے خلاف کچھ نہ کہو۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی گفتگو کے سامنے گفتگو کرنے کی نہی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آپ ﷺ کی اجازت کے علی الرغم کوئی کام نہ کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زبان سے فیصلہ فرما دے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 242-236-230، سنن ابوداؤد، کتاب الاقضیۃ، جلد 3 صفحہ 303، عارضۃ الاحوذی، ابواب الاحکام، جلد 6 صفحہ 69، ابن ماجہ، المقدمۃ، جلد 1 صفحہ 21

قول ہے: دین کے معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر اپنی رائے سے کوئی کام نہ کرو۔ سفیان ثوری کا قول ہے لَا تُقَدِّمُوْا یعنی قول وفعل میں پیش دستی نہ کرو۔ حسن بصری کا قول ہے امام سے قبل دعا نہ مانگو۔ قتادہ کا قول ہے ہمیں بتایا گیا ہے کہ لوگ یوں کہتے تھے اگر اس معاملہ میں یوں آیت اترتی، اگر اس طرح کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو ناپسند فرمایا اور یہ حکم دیا(1)۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ یعنی تمہیں جو حکم دیا ہے۔

سَمِیْعٌ تمہارے اقوال کو سننے والا ہے۔

عَلِیْمٌ تمہاری نیتوں سے آگاہ ہے۔

قولہ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ دوسرا ادب سکھایا جارہا ہے کہ آپ کی آواز سے آواز بلند نہ کرو۔ مروی ہے کہ یہ آیت شیخین یعنی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کیا ہے قریب تھا کہ دونوں برگزیدہ حضرات (ابوبکر وعمر) ہلاک ہوجاتے۔ ان کی آوازیں آپ ﷺ کے سامنے بلند ہوگئی تھیں۔ جب بنوتمیم کا وفد آیا تو ایک نے اقرع بن حابس کی طرف اشارہ کیا اور دوسرے نے ایک اور آدمی کی طرف۔ راوی نافع کہتے ہیں مجھے اس کا نام یاد نہیں رہا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تو نے میری مخالفت کرنا چاہی ہے۔ آپ نے فرمایا ایسی کوئی بات نہیں۔ چنانچہ دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آہستہ آہستہ کلام کرنے کو اپنا معمول بنالیا حتیٰ کہ آپ ﷺ کو استفسار کی ضرورت پیش آتی(2)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری روایت میں عبداللہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ بنوتمیم کا ایک وفد آپ ﷺ کے پاس آیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی قعقاع بن معبد کو امیر بنائیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں بلکہ اقرع بن حابس کو امیر بنائیے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم نے میری مخالفت کرنا چاہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کی نفی فرمائی۔ بات نے طول کھینچا حتیٰ کہ دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(3)۔ حافظ ابوبکر بزار نے اپنی مسند میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس آیت کے نزول کے بعد میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ سے سرگوشی کے انداز میں بات کروں گا(4) اس کے راوی حصین بن عمر اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ہم نے اسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ثابت بن قیس کو نہ دیکھا تو ان کے بارے میں دریافت کیا۔ ایک آدمی نے عرض کی میں ان کی خبر لاتا ہوں۔ وہ آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سر جھکائے گھر میں بیٹھے ہیں۔ اس نے پوچھا کیا ہوا؟ وہ فرمانے لگے بہت برا ہوا میری آواز سرکار کی آواز سے بلند ہے میرا تو عمل غارت ہوگیا۔ اب تو میرا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس آدمی نے آکر آپ ﷺ کو ساری صورت حال عرض کی۔ تو سرکار ﷺ نے انہیں خوشخبری دینے کے لئے اس آدمی کو دوبارہ بھیجا کہ ثابت کو خبر کردو کہ تم دوزخی نہیں۔ تم تو جنتی ہو(5)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے جس کا اوپر والی حدیث میں بیان ہوا اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا چنانچہ ہم

1۔ طبری، جلد 26 صفحہ 116-117
2۔ دیکھئے ترمذی ومسلم، فتح الباری، تفسیر سورۃ الحجرات، جلد 8 صفحہ 590
3۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ الحجرات، جلد 8 صفحہ 594
4۔ کشف الاستار عن زوائد ابزار لکتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 69
5۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ الحجرات، جلد 8 صفحہ 590

انہیں اپنے درمیان دیکھتے اور یہ جانتے تھے کہ وہ جنتی ہیں۔ یمامہ کے مقام پر ہم نے دیکھا کہ ثابت بن قیس بن شماس حنوط لگائے کفن پہنے آئے اور دشمن سے لڑے حتیٰ کہ شہید ہوگئے (1)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ذکر کی ہے۔ اس میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا ثابت کو کیا ہو گیا ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی وہ میرے پڑوسی ہیں۔ مجھے ان کا کوئی علم نہیں۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے...... الحدیث (2)۔ یہ تینوں روایات جو مسلم میں مذکور ہیں معلل ہیں صحیح یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس وقت زندہ نہیں تھے کیونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا انتقال 5ھ میں غزوۂ بنی قریظہ کے چند دن بعد ہی ہو گیا تھا اور یہ آیت بنو تمیم کے وفد کی آمد کے بعد نازل ہوئی اور وفود 9ھ میں آئے واللہ اعلم۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت بن قیس بن شماس کے صاحبزادے محمد سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ بنو عجلان کے عاصم بن عدی کا گزر ان کے پاس سے ہوا تو پوچھا اے ثابت! تم کیوں روتے ہو؟ انہوں نے فرمایا مجھے خدشہ ہے کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہو کیونکہ میری آواز قدرتی طور پر بلند ہے۔ عاصم بن عدی رسول اکرم ﷺ کے پاس چلے گئے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ زار و قطار رو رہے تھے۔ انہوں نے اپنی بیوی جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی بن سلول سے کہا جب میں اپنے گھوڑے کے کمرے میں جاؤں تو تم کیل سے کواڑ بند کر دینا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اندر بیٹھ رہے اور یہ عزم کیا میں اس وقت تک نہیں نکلوں گا جب تک میری وفات نہ ہو جائے یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے راضی نہ ہو جائیں۔ عاصم کو بڑا ترس آیا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں تمام ماجرا عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جا کر ثابت کو بلا لاؤ۔ عاصم ان کے مکان پر آئے انہیں نہ پایا۔ پھر انہیں اصطبل میں پایا اور انہیں پیغام دیا کہ سرکار ﷺ بلا رہے ہیں۔ چنانچہ انہیں ساتھ لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے رونے کا سبب پوچھا تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کی مجھے خدشہ ہے کہ یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی ہے۔ میری تو عمر بھر کی کمائی غارت ہوگئی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا: کیا اس بات پر راضی نہیں کہ تم قابل تعریف زندگی بسر کرو اور شہید قتل کیے جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں اللہ اور اس کے رسول کے اس مژدۂ جانفزا پر راضی ہوں اور اپنی آواز آپ ﷺ کی آواز سے کبھی بلند نہ کروں گا۔ تو یہ آیت اتری اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ...... (3)۔ اس قصہ کو بہت سے تابعین نے بھی روایت کیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کی بارگاہ میں آواز بلند کرنے سے روک دیا۔ ہم نے روایت کیا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں کو مسجد نبوی میں بآواز بلند گفتگو کرتے سنا۔ آپ تشریف لائے اور فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تم کہاں ہو؟ پھر پوچھا تم کہاں سے ہو؟ وہ کہنے لگے ہم اہل طائف سے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم مدینہ سے ہوتے تو میں تمہیں سخت سزا دیتا (4)۔ علماء کرام کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کی قبر اطہر کے پاس آواز بلند کرنا اسی طرح منع ہے جس طرح آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ممنوع تھا۔ کیونکہ ظاہری حیات مبارکہ میں بھی آپ محترم ہیں اور اپنی قبر میں بھی ہمیشہ آپ کا احترام لازمی ہے۔

وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ پھر فرمایا آپ ﷺ سے اس طرح مخاطب نہ ہوا کرو جس طرح آدمی عام لوگوں سے گفتگو کرتا ہے بلکہ سکینت، وقار

1۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 137 — 2۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 111-110

3۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 118 — 4۔ بخاری، کتاب الصلاۃ، فتح الباری، جلد 1 صفحہ 560

اور تعظیم سے آپ سے گفتگو کیا کرو۔ فرمایا: وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ......

قولہ: اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ یعنی ہم نے تمہیں آپ ﷺ کی بارگاہ میں آواز بلند کرنے سے اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ تم سے غضب ناک ہو جائیں۔ آپ کے غضب کو دیکھ کر جلال الٰہی بھی جوش میں آجائے اور اس آدمی کا عمل اکارت جائے لیکن اسے پتہ بھی نہ ہو جیسے صحیح حدیث میں ہے: ''آدمی اللہ کی رضامندی پر مبنی کوئی کلمہ منہ سے نکالتا ہے اسے کوئی پتہ نہیں ہوتا لیکن اس کے لئے جنت لکھ دی جاتی ہے۔ اور بے شک آدمی کبھی ایسا کلمہ منہ سے نکالتا ہے اسے کوئی علم نہیں ہوتا لیکن وہ اس کے ساتھ آگ میں گر جاتا ہے'' (1)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ...... اللہ تبارک وتعالیٰ آواز کو پست رکھنے کی ترغیب وتحریض فرما رہے ہیں۔

امْتَحَنَ: انہیں اپنے لئے خالص کر لیا ہے اور اس کے اہل قرار دیا ہے۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزہد میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا گیا: اے امیر المؤمنین! وہ آدمی جو نہ تو معصیت کی خواہش کرتا ہے اور نہ اس کا ارتکاب کرتا ہے افضل ہے یا وہ آدمی جو گناہ کی آرزو تو رکھتا ہے لیکن اس کا مرتکب نہیں ہوتا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا وہ لوگ جو معصیت کی خواہش تو رکھتے ہیں لیکن اس پر عمل نہیں کرتے، اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے مختص کر لیا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ (2)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''بے شک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر ناسمجھ ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لاتے ان کے پاس تو یہ ان کے لئے بہت بہتر ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی جا رہی ہے جو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ یہ امہات المؤمنین کے گھر تھے۔ اجڈ بدوؤں کا یہی طریقہ تھا۔

فرمایا: اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ پھر ادب کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ اس میں ان کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی تھی۔ پھر انہیں توبہ اور انابت (رجوع) کی طرف بلاتے ہوئے فرمایا: وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

مروی ہے کہ یہ اقرع بن حابس تمیمی کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ متعدد روایات میں ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اقرع بن حابس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو حجروں کے باہر سے آواز دی: یا محمد، یا محمد اور ایک روایت میں یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔

میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میری حمد مزین کر دیتی ہے اور میری مذمت معیوب بنا دیتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ذاك الله عزوجل یعنی اللہ کی مدح باعث زینت ہے اور اسی کی مذمت باعث تحقیر ہے (3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نور آیت: 15 2۔ تفسیر درمنثور، جلد 26 صفحہ 552 3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 488، جلد 6 صفحہ 394-393

اس آیت کی تفسیر میں یہی نقل کیا ہے(1)۔حسن بصری اور قتادہ سے بھی مرسلاً یہی مروی ہے۔سفیان ثوری نے حبیب بن ابوعمرة سے روایت کیا ہے کہ بشر بن غالب اور لبید بن عطارد (یا بشر بن عطارد اور لبید بن غالب) حجاج کے پاس بیٹھے تھے بشر بن غالب نے لبید بن عطارد سے کہا یہ آیت تیری قوم بنوتمیم کے بارے میں نازل ہوئی تھی: اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ...... فرماتے ہیں میں نے سعید بن جبیر سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر انہیں اس آیت کے آخر کا علم ہوتا تو جواب دیتے!

یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا انہوں نے کہا: اسلمنا: ہم ایمان لائے اور بنواسد نے آپ سے لڑائی نہیں کی(2)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن ارقم سے روایت کیا ہے کہ عرب کے کچھ لوگ جمع ہوئے اور کہنے لگے ہمیں اس آدمی کے پاس چلنا چاہئے۔اگر یہ نبی ہے تو ہم سب لوگوں سے زیادہ اس کے ہاں سعادت مند ہوں گے۔اور اگر وہ بادشاہ ہے تو اس کے زیر سایہ زندگی گزاریں گے۔میں نے آ کر رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر دی وہ آپ کے حجرے کے پاس آ کر حضور ﷺ کا اسم گرامی لے کر پکارنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی۔حضور ﷺ نے میرا کان پکڑا اور فرمانے لگے اے زید اللہ نے تیری بات کو سچ کر دکھایا ہے۔اے زید! اللہ نے تیری بات کو سچ کر دکھایا ہے۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے معتمر بن سلیمان سے روایت کیا ہے(3)۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۝ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝

''اے ایمان والو! اگر لے آئے تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم ضرر پہنچاؤ کسی قوم کو بے علمی میں پھر تم اپنے کئے پر پچھتانے لگو۔اور خوب جان لو تمہارے درمیان رسول اللہ تشریف فرما ہیں۔اگر وہ مان لیا کریں تمہاری بات اکثر معاملات میں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا ہے تمہارے نزدیک ایمان کو اور آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں میں اور قابل نفرت بنا دیا ہے تمہارے نزدیک کفر، فسق اور نافرمانی کو۔یہی لوگ راہ حق پر ثابت قدم ہیں۔(یہ سب کچھ) محض اللہ کا فضل اور انعام ہے۔اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فاسق کی خبر پر احتیاط سے کام لینے اور کارروائی سے پہلے حقیقت حال معلوم کر لینے کا حکم دے رہے ہیں کیونکہ درحقیقت وہ جھوٹا یا خطا کار ہوتا ہے۔اس طرح حاکم اس کی اتباع کرنے والا ہو جائے گا حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مفسدین کی راہ کی پیروی کرنے سے منع فرمایا ہے۔اسی وجہ سے بعض علماء نے مجہول الحال کی روایت کو قبول کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس کے فسق کا احتمال موجود ہے۔بعض دوسرے علماء اس کی خبر کو قبول کرتے ہیں کیونکہ ہمیں فاسق کی خبر کی تحقیق کا حکم دیا گیا ہے۔اس کے فسق کا حکم لگانا مشکل ہے کیونکہ وہ مجہول الحال ہے۔میں نے یہ مسئلہ کتاب العلم میں بخاری کی شرح میں بیان کیا ہے۔

کثیر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی جب رسول اکرم ﷺ نے اسے

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 جلد 121 2۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 122، الدر المصون، جلد 7 صفحہ 553 3۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 121

بنو مصطلق کے صدقات کی وصولی کے لئے بھیجا۔ یہ متعدد سندوں سے مروی ہے۔ سب سے بہترین وہ روایت ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں بنو مصطلق کے بادشاہ حارث بن ضرار سے روایت کیا ہے۔ یہ ام المؤمنین جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے والد ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حارث بن ضرار خزاعی سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ میں دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا اور ایمان میرے دل میں راسخ ہوگیا۔ آپ ﷺ نے مجھے زکوٰۃ کا حکم دیا۔ میں نے اسے بھی قبول کرلیا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میں اپنی قوم کی طرف واپس جاتا ہوں اور انہیں اسلام اور ادائے زکوٰۃ کی دعوت دوں گا۔ جس نے میری دعوت کو قبول کیا۔ اس کی زکوٰۃ جمع کرلوں گا۔ فلاں وقت آپ ﷺ اپنا قاصد بھیجیں گے تاکہ وہ زکوٰۃ کا جمع شدہ مال لے آئے۔ جب حارث نے زکوٰۃ کا مال جمع کرلیا اور وہ وقت بھی آگیا جب آپ ﷺ نے اپنا قاصد بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ لیکن قاصد نہ آیا۔ یہ دیکھ کر حارث کو فکر دامن گیر ہوئی کہ شاید اس سے اللہ اور اس کے رسول کی شان میں گستاخی ہوگئی ہے۔ اور وہ ناراض ہیں۔

چنانچہ اس نے سرداران قوم کو بلایا اور کہا آپ ﷺ نے فلاں وقت میری طرف قاصد بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا تاکہ مال صدقات وصول کرے۔ آپ ﷺ وعدہ خلافی بھی نہیں فرماتے۔ ہونہ ہو آپ ﷺ کے قاصد کا نہ آنا آپ کی ناراضگی کی وجہ سے ہے۔ چلو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں چلتے ہیں۔ ادھر سرکار ﷺ نے ولید بن عقبہ کو مال زکوٰۃ وصول کرکے لانے کا حکم دیا۔ ولید نکلا۔ راستے میں اسے خدشہ ہوا کہ (وہ اسے قتل نہ کردیں) چنانچہ وہ واپس آپ ﷺ کی بارگاہ میں آیا اور کہنے لگا۔ یارسول اللہ ﷺ! حارث نے مجھے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اور مجھے قتل کرنا چاہا۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک دستہ حارث کی طرف بھیجا۔ حارث اپنے ساتھیوں سمیت آرہا تھا کہ اس دستے سے اس کی ملاقات ہوئی۔ وہ مدینہ سے باہر آچکے تھے۔ وہ کہنے لگے یہ حارث ہے۔ حارث نے پوچھا تم کس طرف بھیجے گئے ہو؟ انہوں نے کہا تیری طرف۔ اس نے پوچھا لیکن کیوں؟ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ولید کو تیری طرف بھیجا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اور اسے قتل کرنا چاہا۔ حارث کہنے لگا نہیں اس ذات کی قسم جس نے محمد (ﷺ) کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے اسے بالکل نہیں دیکھا اور نہ ہی وہ میرے پاس آیا ہے۔ چنانچہ جب حارث رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا تم نے زکوٰۃ سے انکار کیا اور میرے قاصد کو قتل کرنا چاہا؟ اس نے عرض کی نہیں جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے اسے نہیں دیکھا اور نہ ہی وہ میرے پاس آیا ہے۔ بلکہ جب آپ ﷺ کا قاصد نہیں پہنچا تو میں خود آیا ہوں۔ مجھے یہ خدشہ ہوا کہ شاید یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی کا سبب ہو۔ اس وقت سورۂ حجرات کی یہ آیات یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا سے حَكِیْمٌ تک) نازل ہوئیں (1)۔ ابن ابی حاتم اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے (2)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق کے واقعہ کے بعد آپ ﷺ نے اس قوم کے صدقات جمع کرنے کے لئے ایک آدمی بھیجا۔ انہوں نے اس کا استقبال کیا اور تعظیم کی۔ اس شخص کو شیطان نے یہ وہم دلایا کہ وہ تمہیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کے پاس واپس آگیا۔ اور عرض کی بنو مصطلق نے صدقات دینے سے انکار کردیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ اور مسلمان غصے میں آگئے۔ اس قبیلہ والوں کو بھی قاصد کی واپسی کا پتہ چل گیا۔ وہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ نماز ظہر کے بعد وہ قطار بنا کر کھڑے ہوگئے اور عرض کرنے لگے ہم اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ چاہتے

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 279

2۔ المعجم الکبیر، جلد 3 صفحہ 275-273

ہیں۔آپ ﷺ نے صدقات کے لئے اپنا عامل بھیجا۔ہمیں خوشی ہوئی اور اس سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔پھر وہ واپس آ گیا۔ ہمیں خدشہ ہوا کہ شاید یہ اللہ اور اس کے رسول کے غضب کی وجہ سے ہو۔وہ یہی بات عرض کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عصر کی اذان دے دی تو یہ آیت نازل ہوئی: یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ......(1)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بطریق عوفی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو صدقات جمع کرنے کے لئے بنو مصطلق کی طرف بھیجا۔جب انہیں خبر ملی تو وہ خوش ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے قاصد کے استقبال کو باہر آئے۔ولید کو جب یہ خبر ملی تو وہ واپس رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آ کر کہنے لگا۔بنو مصطلق نے صدقہ دینے سے انکار کر دیا ہے رسول اکرم ﷺ شدید غضبناک ہو گئے۔آپ ﷺ ابھی ان پر حملہ کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ ان کا وفد آ گیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ کا قاصد نصف راستے سے واپس لوٹ آیا ہے۔ہمیں خدشہ ہوا کہ آپ کے خط نے اسے واپس کیا ہو اور آپ ﷺ ہم پر غضبناک ہو گئے ہوں۔ہم اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔نبی کریم ﷺ سمجھے کہ وہ لوگ فریب دے رہے ہیں اور آپ ﷺ نے انہیں جھڑکنا اور ڈانٹنا شروع فرما دیا۔لیکن اللہ نے قرآن میں ان کا عذر بیان فرما دیا(2)۔مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ کو بنو مصطلق کے صدقات جمع کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے صدقات پیش کئے۔وہ واپس آ گیا اور کہنے لگا۔بنو مصطلق آپ سے لڑائی پر تیار ہیں۔(قتادہ کی روایت میں ہے) وہ اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ پوری تحقیق کرنا اور کارروائی میں جلدی نہ کرنا۔آپ چلتے چلتے رات کو ان کے ہاں پہنچے۔اپنے جاسوس بھیجے۔انہوں نے واپس آ کر خالد کو خبر دی کہ وہ اسلام پر مضبوطی سے قائم ہیں انہوں نے اذان اور نماز کی آواز سنی ہے۔صبح خالد ان کے پاس آئے تو انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور حیران ہوئے۔ واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔قتادہ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے: اطمینان اور سوچ و بچار سے کام لینا اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے(3)۔

قولہ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کا نبی تمہارے درمیان ہے۔لہٰذا اس کی تعظیم و توقیر کرو۔ان کا ادب بجا لاؤ اور ان کے اوامر کی اطاعت کرو۔وہ تمہاری مصلحتوں سے آگاہ ہیں اور تم پر تم سے بھی زیادہ شفیق ہیں۔ان کی رائے تمہارے بارے میں تم سے بھی زیادہ وقیع ہے۔اسی لئے ارشاد فرمایا: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ(احزاب:6)'' نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں''۔پھر فرمایا: ان کی رائے ان کی مصلحتوں کے اعتبار سے بھی کم ہے۔لَعَنِتُّمْ یعنی اگر وہ تمہاری ہر بات کو ماننے لگیں تو یہ چیز تمہیں مشقت اور حرج میں ڈال دے جیسے فرمایا: وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ(المومنون:71)'' اور اگر پیروی کرتا حق ان کے خواہشات (نفسانی) کی تو درہم برہم ہو جاتے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے بلکہ ہم ان کے پاس لے آئے ان کی نصیحت تو وہ اپنی نصیحت سے ہی روگردانی کرنے والے ہیں''۔

لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ...... ایمان تمہارے نزدیک محبوب بنا دیا ہے اور اس کے ساتھ تمہارے دلوں کو مزین کر دیا ہے۔حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:'' اسلام علانیہ اور

1۔تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 123 2۔تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 124-123 3۔تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 124

ایمان دل میں ہوتا ہے۔'' پھر اپنے سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا تقویٰ یہاں ہے۔ تقویٰ یہاں ہے(1)۔

کَرَّہَ: ناپسندیدہ بنا دیا ہے۔ بغض۔ الفسوق: بڑے گناہ۔ العصیان: تمام معاصی اور گناہ مراد ہیں۔ یہ کمال انعام (نعمت) کی تدریج ہے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ اس صفت سے متصف لوگ ہی راشدون ہیں جنہیں اللہ نے رشد و ہدایت عطا فرمائی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن رفاعہ زرقی سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد کے دن مشرکین جب تتر بتر ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: صفیں باندھ لوتا کہ میں رب کی حمد و ثنا کروں۔ چنانچہ لوگوں نے صفیں باندھ لیں تو آپ ﷺ نے یوں دعا فرمائی:۔

''اللهم لكَ الحمدُ كُلُّهُ، اللهم لَا قابِضَ لمَا بَسَطْتَ، ولا باسط لما قبضت، ولا هادى لما أضللتَ، ولا مُضِلَّ لمنْ هَدَيتَ، ولا معطِيَ لما مَنَعتَ، ولا مانِعَ لِمَا أعطَيْتَ ولَا مقرِّبَ لِمَا باعدتَ، ولا مُباعِدَ لما قَرَّبتَ، اللهم، ابسُط علينا من بَرَكاتك ورحمتِكَ وفضلِكَ ورِزْقِكَ، اللهم إنِّي اسألُكَ النعيم المقيم الذى لا يحُولُ ولا يزُولُ۔ اللّٰهُمَّ، إِنِّي اَسْأَلُكَ النَّعِيْمَ يَوْمَ الْعَيْلَةِ، والأمنَ يومَ الخوف۔ اللهم۔إني عائذبك من شرِّ ما اَعْطَيْتَنَا ومِنْ شرِّ ما مَنَعتَنَا۔ اللهمَّ حبِّبْ إلينا الايمانَ وزيِّنه في قلوبنا وكرِّه إلينا الكفرَ والفسوقَ والعصيَانَ، واجعلنا من الراشدينَ۔ اللهمّ، توَفَّنا مسلِمينَ وأحينَا مسلمينَ، وألحِقْنَا بالصالحين، غيْرَ خزَايَا ولا مفتُونِيْنَ۔ اللهمَّ، قاتِلِ الكفرةَ الَّذين يكذبون رُسُلَكَ ويصُدُّونَ عن سبيلِكَ، واجعلْ عليهم رِجْزَكَ وَعَذَابَكَ۔ اللهمّ، قاتِلِ الكفرةَ الذين أُوتُوا الكتابَ، إلهَ الحقِّ''(2)۔

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الیوم واللیلۃ'' میں روایت کیا ہے۔ مرفوع حدیث میں ہے جو اپنی نیکی سے خوش اور برائی سے رنجیدہ ہو وہ مومن ہے(3)۔

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ یہ جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے۔ اپنے اقوال و افعال اور شرع و قدر میں حکیم ہے۔

وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

'' اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے پر تو پھر سب (مل کر) لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف۔ پس اگر لوٹ آئے تو صلح کرا دو ان کے درمیان عدل (وانصاف) سے اور انصاف کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے۔ بیشک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔ پس صلح کرا دو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے تا کہ تم پر رحم فرمایا جائے''۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 135-134 2۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 424، تحفۃ الاشراف، جلد 3 صفحہ 171

3۔ ترمذی، ابواب الفتن، عارضۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 9-8، نسائی فی سنن الکبریٰ تحفۃ الاشراف، جلد 8 صفحہ 63-62، مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 18-26، جلد 3 صفحہ 446

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے مابین اصلاح کرنے کا حکم ارشاد فرمار ہے ہیں جو ایک دوسرے سے زیادتی پر اتر آتے ہیں۔ باہمی جدال کے باوجود انہیں مومن قرار دیا۔ اسی آیت سے بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ علماء نے استدلال کیا ہے کہ آدمی گناہوں کے باوجود ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ خواہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں۔ جیسے کہ خوارج اور معتزلہ وغیرہ کی رائے تھی۔ اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ ارشاد فرمایا۔ منبر پر آپ ﷺ کے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ ایک مرتبہ ان کی طرف دیکھتے اور دوسری مرتبہ لوگوں کی طرف اور فرمار ہے تھے: ''میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا'' (1)۔ چنانچہ آپ ﷺ نے جس طرح ارشاد فرمایا تھا، آپ کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور اللہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے صدقے طویل، دردناک لڑائیوں کے بعد اہل عراق اور اہل شام کے درمیان صلح کروادی۔

حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ یعنی وہ لوٹ آئے اللہ کے امر کی طرف اور حق کو سنے اور اس کی اطاعت کرے۔ جیسا کہ صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے بھائی کی مدد کر خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔'' میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مظلوم کی تو میں مدد کروں گا لیکن ظالم کی مدد کیسے کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اسے ظلم سے روک دے تو یہی اس کی امداد ہے'' (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی: اگر آپ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے چلیں؟ چنانچہ سرکار ﷺ اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر چلے۔ مسلمان ہمراہ پیدل تھے۔ یہ زمین شور والی تھی۔ جب نبی کریم ﷺ اس کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا دور ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم مجھے تمہارے گدھے کی بو سے تکلیف ہوئی ہے۔ یہ سن کر ایک انصاری کہنے لگا اللہ کی قسم! سرکار ﷺ کا گدھا تم سے زیادہ خوشبودار ہے۔ یہ سن کر عبداللہ کی قوم کے کچھ لوگ غصے میں آ گئے۔ بالآخر دونوں فریق جوش میں آ گئے۔ اور کھجور کی شاخوں، تھپڑوں اور جوتوں سے لڑائی ہوئی تو یہ آیت نازل ہوئی (3)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کتاب الصلح میں اور مسلم نے مغازی میں اسے روایت کیا ہے۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ اوس و خزرج کے درمیان، کھجور کی شاخوں اور جوتوں سے لڑائی ہوئی۔ اس وقت یہ آیت اتری اور صلح کا حکم ہوا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انصار کا ایک شخص عمران نامی تھا۔ اس کی بیوی ام زید تھی۔ عورت نے اپنے گھر جانا چاہا تو مرد نے انکار کر دیا اور اسے بالائی منزل میں بند کر دیا۔ اس کے پاس کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ اس عورت نے اپنے اہل خانہ کو پیغام بھیجا وہ لوگ آ گئے اور اسے اتار کر اپنے ساتھ لے جانے لگے۔ وہ آدمی بھی نکل آیا اس نے اپنے خاندان سے مدد طلب کی۔ اس کے چچا زاد آ گئے اور ان لوگوں کو اس کی بیوی لے جانے سے روک دیا۔ انہوں نے جوتوں سے ایک دوسرے کی پٹائی کی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلایا۔ ان کے مابین صلح کروائی اور وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے۔

فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ: القسطُ: العدل النصاف۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دنیا میں انصاف کرنے والے قیامت کے دن رحمٰن کے پاس موتیوں کے منبروں پر ہوں گے۔ کیونکہ وہ دنیا میں انصاف کرتے تھے'' (4)۔ نسائی

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام آیت: 86 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مائدہ آیت: 2

3۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 219-157، فتح الباری، کتاب الصلح، جلد 5 صفحہ 297، مسلم کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1424

4۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 561-560 تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 129-128

رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عمدہ قوی سند سے روایت کیا ہے۔ اس کے رجال صحیح کی شرط پر ہیں (1)۔ ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "انصاف کرنے والے اللہ کے پاس قیامت کے دن عرش کے دائیں نور کے منبروں پر ہوں گے جو اپنے احکام، اہل و عیال اور جس چیز پر انہیں والی بنایا گیا ہے عدل سے کام لیتے ہیں۔" مسلم اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے (2)۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ تمام مؤمن دینی بھائی ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار کسی ظالم کے حوالے کر دیتا ہے" (3)۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی مدد فرماتا رہتا ہے، جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی امداد و اعانت میں لگا رہے (4)۔ صحیح میں ہے: "جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کے لئے اس کی عدم موجودگی میں اس کے لئے دعا مانگتا ہے تو فرشتہ اس پر آمین کہتا ہے اور کہتا ہے کہ یہی دعا تیرے حق میں بھی مقبول ہو" (5)۔ اس طرح کی احادیث بے شمار ہیں۔ صحیح میں ہے کہ "مسلمانوں کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے میں، ایک دوسرے پر رحم کرنے میں، ایک دوسرے سے صلہ رحمی کرنے میں ایسی ہے جیسے ایک جسم ہو۔ جب اس کا کوئی عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بیدار رہتا ہے" (6)۔ صحیح میں ہے: "ایک مومن دوسرے مومن کے لئے دیوار کی مانند ہے جس کی ہر اینٹ دوسری کو سہارا دیتی ہے اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے سے ملایا"۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سہل بن سعد ساعدی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ مومن اہل ایمان میں اسی طرح ہے جیسے جسم میں سر۔ مومن اہل ایمان کے لئے اسی طرح تکلیف محسوس کرتا ہے جیسے جسم میں سر تکلیف برداشت کرتا ہے (7)۔

اَخَوَيْكُمْ آپس میں لڑنے والے دو گروہوں کے درمیان۔ وہ تو ایک دوسرے کے اور تمہارے بھی بھائی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪

"اے ایمان والو! نہ تمسخر اڑایا کرے مردوں کی ایک جماعت دوسری جماعت کا شاید وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں مذاق اڑایا کریں دوسری عورتوں کا شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے پر اور نہ برے القاب سے کسی کو بلاؤ۔ کتنا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا۔ اور جو لوگ باز نہیں آئیں گے (اس روش سے) تو وہی بے انصاف ہیں"۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ تمسخر، استہزاء اور انہیں حقیر سمجھنے سے منع فرما رہے ہیں جیسے صحیح میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ

1۔ تحفۃ الاشراف، جلد 6 صفحہ 300

2۔ مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1458، نسائی، کتاب آداب القضاء، جلد 8 صفحہ 222-221 نیز دیکھئے سورۂ ص آیت، جلد 25، سورۃ الممتحنہ آیت: 8

3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اسراء آیت: 53

4۔ مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 2074، ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 287، ابن ماجہ المقدمۃ، جلد 1 صفحہ 82

5۔ دیکھئے سورۂ غافر آیت: 7، سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2 صفحہ 89

6۔ دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ آیت: 71 7۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 340

نے فرمایا: کبر وغرور یہ ہے کہ آدمی حق بات قبول کرنے سے انکار کر دے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔ ایک روایت میں غمط الناس (ذلیل سمجھنا) کے الفاظ ہیں (1)۔ لوگوں کو کم تر اور چھوٹا سمجھنا مراد ہے اور یہ حرام ہے۔ ممکن ہے جسے وہ حقیر سمجھ رہا ہے وہ اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ قدر والا اور محبوب ہو۔

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ طعن وتشنیع کرنے والا، عیب جو شخص مذموم وملعون ہے جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (الہمزہ: 1) ''ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لئے جو (روبرو) طعنے دیتا ہے (پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے''۔ ھمز فعل سے اور لمز قول سے ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا: هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ (القلم: 11) ''جو بہت نکتہ چین چغلیاں کھاتا پھرتا ہے''۔ یعنی لوگوں کو حقیر گردانتا ہے اور ان پر طعنہ زنی اور چغل خوری کرتا ہے۔ اسے ہی لمز بالمقال کا نام دیا گیا ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا وَلَا تَلْمِزُوْٓا جیسے فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء: 29) ''اور نہ ہلاک کرو اپنے آپ کو''۔ ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور مقاتل نے اس آیت کا معنی کیا ہے کہ ایک دوسرے کو طعنے نہ دو۔

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ وہ لقب جس کا سننا آدمی کو برا لگے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوجبیرۃ بن ضحاک سے روایت کیا ہے کہ یہ بنوسلمہ میں ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ واقعہ یہ تھا کہ جب سرکار ﷺ مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرما ہوئے تو ہم میں سے ہر آدمی کے دو یا تین نام تھے جب ان میں سے کسی ایک نام سے اسے پکارا جاتا تو وہ غصہ کھاتا۔ سرکار کی بارگاہ میں عرض کی گئی تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

قولہ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ بری صفت اور نام کسی کو نامناسب الفاظ سے پکارنا ہے جیسے اہل جاہلیت کا دستور تھا کیونکہ اب تم اسلام کے دائرہ میں داخل ہو چکے ہو اور اسے خوب سمجھ چکے ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ⑫

''اے ایمان والو! دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے۔ بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور نہ جاسوسی کیا کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اسے تو مکروہ سمجھتے ہو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو زیادہ گمان (ظن) سے منع فرما رہے ہیں یعنی اہل واقارب اور لوگوں پر نامناسب تہمت لگانا۔ کیونکہ اس میں سے بعض محض گناہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا ہے کہ کثیر گمانوں سے بچا جائے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''تیرے مسلمان بھائی کے منہ سے جو کلمہ نکلا ہے اسے اچھا ہی گمان کر، تو اس کے لئے اچھی تاویل پالے گا''۔

ابوعبداللہ بن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دوران طواف ارشاد فرماتے سنا: تو کتنا اچھا ہے اور تیری خوشبو کتنی عمدہ ہے۔ تو کتنا عظیم ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان

1۔ دیکھئے سورۂ بقرہ آیت: 61، آل عمران: 22، احقاف: 11

2۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 260، سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 291-290

ہے اللہ کے نزدیک مؤمن کی جان و مال کی حرمت تجھ سے بھی زیادہ ہے اور نہ گمان کیا جائے اس کے بارے میں مگر اچھا'' (1)۔

مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گمان سے بچو۔ گمان جھوٹی بات ہے۔ ٹوہ نہ لگاؤ، جاسوسی نہ کرو (دنیا میں) رغبت نہ کرو۔ حسد نہ کرو، بغض و نفرت نہ رکھو۔ ایک دوسرے کی طرف پیٹھ نہ کرو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ بخاری، مسلم اور ابو داؤد رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(2)۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ترک ملاقات نہ کرو اور ایک دوسرے سے رخ نہ پھیرو، ایک دوسرے سے دشمنی نہ رکھو، حسد نہ کرو اور اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔ مسلم اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(3)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حارثہ بن نعمان سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تین چیزیں میری امت کو لازم ہیں (ان سے بچنا مشکل ہے) بدشگونی، حسد اور سوء ظن۔'' ایک آدمی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اگر کسی میں یہ ہوں تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا حسد پر اللہ کا استغفار کر، جب گمان کرے تو اسے سچ نہ سمجھ، جب بدشگونی کرے تو چلتا رہ(4)۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی گئی: فلاں کی داڑھی سے شراب کے قطرات گر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمیں تجسس سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن اگر کوئی چیز ظاہر ہو جائے تو ہم اسے پکڑ لیں گے(5)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روایت میں ولید بن عقبہ بن ابی معیط کا نام ذکر کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ عقبہ کے کاتب (سیکرٹری) دخین نے عقبہ سے کہا ہمارے پڑوسی شراب نوشی کرتے ہیں۔ میں پولیس کو بلا کر انہیں گرفتار کروانا چاہتا ہوں۔ آپ نے منع فرما دیا اور فرمایا انہیں وعظ و نصیحت کرو اور دھمکی دو۔ کاتب نے ایسا ہی کیا لیکن وہ باز نہ آئے۔ دخین عقبہ کے پاس آ کر کہنے لگا میری نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں پولیس کو بلا رہا ہوں۔ عقبہ نے فرمایا تیری خرابی ہو! ایسا نہ کر۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''جس نے مومن کی پردہ پوشی کی گویا اس نے زندہ درگور کی جانے والی بچی کو اس کی قبر سے نکالا''۔ ابو داؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(6)۔ سفیان ثوری نے معاویہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''اگر تو نے لوگوں کی پوشیدہ باتوں کی ٹوہ لگانا چاہی تو قریب ہے تو انہیں فساد میں ڈال دے یعنی خراب کر دے'' (رواہ ابو داؤد)(7)۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد راویوں سے روایت کیا ہے کہ حاکم جب لوگوں پر تہمت رکھے (اور اپنی بدگمانی لوگوں پر واضح کر دے) تو وہ انہیں بگاڑ دے گا(8)۔

قولہ وَلَا تَجَسَّسُوْا لیکن ایک دوسرے کے خلاف۔ تجسس کا اطلاق عموماً شر پر ہوتا ہے۔ اسی سے ہے جاسوس اور تَحَسُّس عموماً خیر میں ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں خبر دی آپ نے فرمایا: يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1297

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء آیت: 12، بخاری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 484، مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1985، ابو داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 280

3۔ مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1983، عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 121-120 4۔ المعجم الکبیر، جلد 3 صفحہ 228، مجمع الزوائد، جلد 8 صفحہ 78

5۔ سنن ابو داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 273-272

6۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 153، سنن ابو داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 273، نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 307-306

7۔ سنن ابو داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 272 8۔ مرجع مذکور

اَخِیۡهِ وَلَا تَایۡــَٔسُوۡا مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ (یوسف:87) ''اے میرے بیٹو! جاؤ اور سراغ لگاؤ یوسف کا اور اس کے بھائی کا اور مایوس نہ ہو جاؤ رحمت الٰہی سے''۔ بعض اوقات دونوں کلمے شر کے معنی میں آتے ہیں جیسے صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جاسوسی نہ کرو، ٹوہ میں نہ پڑو، ایک دوسرے سے دشمنی نہ رکھو، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو۔ الحدیث'' (1)۔ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تجسس کسی چیز کو تلاش کرنا اور تحسس کسی کی ایسی بات سننے کی کوشش کرنا جسے وہ ناپسند کرتے ہوں یا ان کے دروازوں پر کان لگانا۔ التدابر: الصّرام: ترک سلام وکلام (رواہ ابن ابن حاتم)۔

قولہ وَلَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُكُمۡ بَعۡضًا اس میں غیبت کی نہی ہے۔ اس کی تفسیر شارع نے اسی طرح کی جیسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ عرض کی گئی یارسول اللہ ﷺ! غیبت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا اپنے بھائی کو اس انداز سے ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔'' عرض کی گئی اگر وہ چیز اس میں موجود ہو؟ فرمایا: ''اگر اس میں وہ چیز موجود ہے تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں نہیں تو تو نے اس پر بہتان باندھا'' (2) ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے علاء سے روایت کیا ہے۔ ابن عمر، مسروق، قتادہ، ابواسحاق اور معاویہ بن قرۃ سے یہی منقول ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے میں نے آپ ﷺ سے عرض کی صفیہ میں یہ کمزوری ہے کہ اس کا قد چھوٹا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے ایسی بات کہی ہے اگر اسے سمندر کے پانی میں ملایا جائے تو سمندر کی حالت بدل جائے۔ فرماتی ہیں میں نے ایک آدمی کی نقل اتاری فرمایا: مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں کسی شخص کی نقل اتاروں اگرچہ مجھے اتنا مال دیا جائے (3)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حسان بن مخارق سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی۔ جب وہ نکلنے لگی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ وہ کوتاہ قامت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے اس کی غیبت کی۔'' (4)

غیبت بالاجماع حرام ہے۔ اس سے صرف وہی صورت مستثنیٰ کی جا سکتی ہے جس میں مصلحت ہو۔ ان صورتوں میں غیبت مباح ہو جائے گی۔ مثلاً جرح وتعدیل اور مشورے اور نصیحت کے لئے۔ جیسے ایک فاجر آدمی نے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اسے اجازت دو۔ یہ اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے'' (5)۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فاطمہ بنت قیس کو فرمایا۔ اسے خاوند نے طلاق دیدی تھی تو معاویہ اور ابوجہم نے پیغام بھیجا۔ وہ مشورہ کے لئے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''معاویہ مفلس اور قلاش ہے اور ابوجہم اپنے کندھے سے عصا کو دور نہیں کرتا'' (6)۔ اسی طرح دیگر مثالیں۔ بقایا صورتیں شدید حرام ہیں۔ ان کے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا۔ اور فرمایا: اَیُحِبُّ اَحَدُكُمۡ اَنۡ یَّاۡكُلَ لَحۡمَ

1۔ یہ حدیث اوپر اسی آیت میں گزر چکی ہے۔

2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 269، عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 120 تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 136

3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 269، عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9 صفحہ 310-309

4۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 136

5۔ شیخین نے اسے کتاب الادب میں روایت کیا ہے فتح الباری، جلد 10 صفحہ 452، مسلم، جلد 4 صفحہ 2002

6۔ مسلم اور ابوداؤد نے اسے کتاب الطلاق میں روایت کیا ہے مسلم، جلد 2 صفحہ 114، ابوداؤد، جلد 2 صفحہ 286-255، نسائی، کتاب النکاح، جلد 6 صفحہ 77-75، عارضۃ الاخودی، جلد 5 صفحہ 71 نوٹ: عصا کندھے سے نہیں اتارتا یعنی وہ ہر وقت سفر میں رہتا ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ عورتوں کو زیادہ مارتا ہے۔ (مترجم)

اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ یعنی جس طرح طبعاً (فطری طور پر) اسے ناپسند کرتے ہو اسی طرح شرعاً اسے ناپسند کرو۔ اس کی سزا اس سے زیادہ ہے(1)۔ نفرت اور محتاط رہنے (تحذیر) کے لئے یہ فرمایا جیسے آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "ہبہ کو واپس لینے والے کے بارے میں ہے کہ وہ کتے کی طرح ہے جو قے کر کے پھر چاٹ لیتا ہے" (2)۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا بری بات کہنے کی ہمارے پاس مثال نہیں(3)۔ صحیح، حسن اور مسانید میں متعدد سندوں سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا: بلاشبہ تمہاری جانیں، مال، عزتیں تم پر اسی طرح حرمت والی ہیں جیسے اس دن، مہینے اور شہر کی حرمت ہے(4)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر مسلمان کا مال، عزت اور جان دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ آدمی کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقارت کی نظر سے دیکھے(5)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ عثمان بن ابی شیبہ نے ابو برزہ اسلمی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے وہ گروہ جو زبان سے ایمان لائے ہو لیکن ایمان تمہارے دل میں داخل نہیں ہوا! مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کی پوشیدہ باتوں کا کھوج مت لگاؤ۔ جو ان کے اسرار کا کھوج لگاتا ہے، اللہ اس کا راز فاش کر دیتا ہے اور اللہ جس کی ٹوہ میں پڑے اسے اس کے گھر میں رسوا کر دیتا ہے(6)۔ حافظ ابویعلی نے اپنی مسند میں براء بن عازب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا حتیٰ کہ باپردہ عورتوں نے گھروں میں سنا...... الخ (اس سے آگے وہی روایت ہے جو اوپر مذکور ہوئی)(7)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے مستورد سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مسلمان کی برائی کر کے ایک لقمہ کھایا اللہ اس کے مثل جہنم میں اسے کھلائے گا اور جس کو کوئی کپڑا پہنایا گیا۔ اللہ اسے اس جیسا کپڑا جہنم میں پہنائے گا الحدیث(8)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: معراج کی رات میرا گزر ایک قوم کے پاس سے ہوا۔ ان کے ناخن تانبے کے تھے، جن کے ساتھ وہ اپنے چہرے اور سینے زخمی کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا جبریل یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے (غیبت کرتے) ہیں اور ان کی عزت پر حملہ آور ہوتے ہیں(9)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ معراج کی رات کے بارے میں ہمیں کوئی بات سنائیے۔ فرمایا مجھے بہت سے لوگوں کی طرف لے جایا گیا ان میں مرد اور عورتیں تھیں۔ ان پر کچھ لوگ مقرر ہیں۔ وہ کسی ایک آدمی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے پہلو سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ لیتے ہیں۔ پھر اسے کسی کے منہ میں ڈال کر کہتے ہیں اسے کھاؤ جس طرح تو نے پہلے کھایا۔ اس کا کھانا اس کے لئے موت ہے۔ اے محمد کاش اسے موت آ جائے اور وہ اس کو کھانے پر مجبور کیا جائے۔ میں نے پوچھا جبریل یہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ لوگ غیبت کرنے والے، عیب جو، چغل خور ہیں۔ اسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے پر مجبور کیا جائے گا۔ (اس حدیث کو

1۔ شیخین نے اسے کتاب الہبۃ میں روایت کیا ہے۔ فتح الباری، جلد 5 صفحہ 234، مسلم، جلد 3 صفحہ 340

2۔ شیخین نے اسے کتاب الادب میں روایت کیا ہے۔ فتح الباری، جلد 1 صفحہ 452 مسلم، جلد 4 صفحہ 2002

3۔ بخاری، کتاب الہبۃ، فتح الباری، جلد 5 صفحہ 235-234، ترمذی، ابواب البیوع، عارضۃ الاحوذی، جلد 5 صفحہ 303-301

4۔ بخاری، کتاب العلم، فتح الباری، جلد 1 صفحہ 158-157، مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 889

5۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 270، عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 115-114

6۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 270

7۔ مسند ابویعلی، جلد 3 صفحہ 286-285، ترمذی، عارضۃ الاحوذی، کتاب البر، جلد 8 صفحہ 186-185

8۔ ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 270

9۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 269، مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 224

ہم نے سورۂ بنو اسرائیل میں روایت کیا ہے)۔

ابوداؤد طیالسی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا: میری اجازت کے بغیر کوئی افطار نہ کرے۔ شام کو ایک آدمی آیا اور افطار کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ پھر ایک اور آدمی آیا اسے بھی اجازت مرحمت فرما دی۔ حتیٰ کہ ایک آدمی آیا اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! دو نوجوان لڑکیوں نے روزہ رکھا انہیں افطار کی اجازت دیجئے۔ آپ ﷺ نے اس سے رخ پھیر لیا۔ اس نے دوبارہ عرض کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انہوں نے روزہ نہیں رکھا، جو لوگوں کا گوشت کھاتا رہے روزہ دار کیسے ہوسکتا ہے؟ جاؤ اور انہیں حکم دو کہ اگر تم روزہ دار ہو تو قے کرو۔ انہوں نے قے کی تو ہر ایک کے منہ سے گوشت کا ٹکڑا نکلا۔ اس نوجوان نے آکر آپ ﷺ کو خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر ان کا انتقال ہو جاتا اور یہ ٹکڑا ان کے اندر ہوتا تو انہیں آگ کھاتی (1)۔ حافظ بیہقی اور احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی ابوعثمان نہدی سے اسے روایت کیا ہے (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سعد مولی رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ انہیں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ نصف النہار کے وقت ایک آدمی آیا اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! فلاں فلاں عورت کی حالت خراب ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ اس سے اعراض کیا۔ پھر فرمایا: انہیں بلاؤ۔ ایک پیالہ لا کر ایک سے فرمایا قے کر۔ اس نے گوشت، تازہ خون اور پیپ کی قے کی۔ پھر دوسری کو یہی حکم دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان دونوں نے اللہ کی حلال کردہ چیز کے ساتھ روزہ رکھا اور اللہ کی حرام کردہ چیز سے افطار کیا۔ ایک دوسری کے پاس آئی اور دونوں لوگوں کا گوشت کھاتی رہیں حتیٰ کہ پیپ سے ان کے پیٹ بھر گئے۔ حافظ ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ماعز دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے چار مرتبہ یہی کہا۔ پانچویں مرتبہ آپ نے پوچھا کیا تم نے زنا کیا؟ انہوں نے عرض کی ہاں۔ آپ نے پوچھا تمہیں پتہ ہے زنا کیا ہوتا ہے؟ ماعز نے عرض کی: میں نے حرام طریقے سے وہی کام کیا ہے جو آدمی حلال طریقے سے اپنی عورت سے کرتا ہے۔ آپ نے پوچھا۔ اس بات سے تمہاری مراد کیا ہے؟ ماعز نے عرض کی میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے پاک کریں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تو نے اسی طرح دخول کیا جیسے سرمہ سلائی، سرمہ دانی میں یا رسی کنوئیں میں؟ اس نے عرض کی ہاں رسول اللہ ﷺ! چنانچہ سرکار نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے دو آدمیوں کو سنا ایک دوسرے سے کہہ رہے تھا کیا تو نے اس کو نہیں دیکھا اللہ نے جس کا پردہ قائم رکھا تھا لیکن اس سے رہا نہ گیا حتیٰ کہ کتے کی طرح اسے سنگسار کیا گیا۔ آپ ﷺ چلتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک مردار گدھے کے پاس سے گزرے۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا فلاں فلاں کدھر ہیں؟ اترو اور اس مردار کو کھاؤ۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اللہ آپ کو معاف فرمائے کیا یہ کھایا جاتا ہے؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا: تم نے ابھی اپنے بھائی کا تذکرہ کیا تھا وہ اس کے کھانے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ اب جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے (3)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے کہ بدبودار مردار کی ہوا آئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا تمہیں پتہ ہے یہ ہوا کیسی ہے؟ یہ لوگوں کی غیبت کرنے والوں کی ہے (4)۔ عبد بن حمید نے مسند میں حضرت

1۔ مسند ابوداؤد طیالسی صفحہ 282 — 2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 6 صفحہ 181، جلد 6 صفحہ 187، مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 431

3۔ ابویعلی، مسند، جلد 5 صفحہ 420-419، ابوداؤد کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 148 — 4۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 351

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: منافقین کے ایک گروہ نے مسلمانوں کی غیبت کی۔ اس لئے یہ ہوا آئی ہے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک سفر میں دو صحابہ کے ساتھ تھے اور ان کی خدمت کرتے تھے، جوتے رکھتے، کھانا تیار کرتے۔ ایک دفعہ جب لوگ چلے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سوئے رہے اور ساتھ نہ گئے۔ ان دونوں نے جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو نہ پایا تو خود ہی خیمہ لگایا اور کہنے لگے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ تو صرف تیار کھانے اور لگے ہوئے خیمے پر آئیں گے۔ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس سالن لانے کے لئے بھیجا۔ وہ پیالہ لے کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے ساتھی سالن کا کیا کریں گے۔ وہ تو سالن کھا چکے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جا کر انہیں وہی بات کہہ دی جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی۔ وہ دونوں صحابی آئے اور عرض کی اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے جب سے پڑاؤ کیا ہے ہم نے کھانا نہیں کھایا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا سلمان کے بارے میں بات کہہ کر تم نے سالن کھالیا جبکہ وہ سو رہے تھے(1)۔ حافظ ضیاء مقدسی نے اپنی کتاب (مختارہ) میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ عرب دوران سفر ایک دوسرے کی خدمت کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک آدمی تھا جو ان کی خدمت کرتا تھا۔ وہ دونوں سو گئے اور جب بیدار ہوئے تو اس نے کھانا تیار نہیں کیا تھا۔ انہوں نے کہا یہ تو سونے کا عادی ہے۔ اسے جگا کر کہا رسول اکرم ﷺ کے پاس جا کر سلام کہو اور سالن لاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ تو سالن کھا چکے۔ انہوں نے آکر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے کیا چیز کھائی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے بھائی کا گوشت۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں اس کا گوشت تمہارے دانتوں میں دیکھ رہا ہوں۔ دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے لئے استغفار کیجئے۔ آپ نے فرمایا اسے کہو تمہارے لئے استغفار کرے(2)۔ حافظ ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا، آخرت میں اس کا گوشت اسے پیش کیا جائے گا۔ اسے کہا جائے گا اس مردار کو کھاؤ جیسے تم نے اسے زندہ حالت میں کھایا تھا۔ چنانچہ وہ اسے کھائے گا اور تکلیف سے چیخے چلائے گا۔ یہ حدیث بہت غریب ہے(3)۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس کے اوامر و نواہی میں اسی سے ڈرو۔

تَوَّابٌ توبہ قبول کرنے والا اس کی جو توبہ کرے۔ رَّحِيۡمٌ: مہربان ہے اس کے لئے جو اس کی طرف لوٹے اور اسی پر اعتماد کرے۔

جمہور علماء کی رائے میں غیبت سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے باز آ جائے اور دوبارہ یہ کام نہ کرنے کا عزم کرے۔ سابقہ کئے پر ندامت شرط ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معذرت کرے۔ دیگر علماء کی رائے میں معذرت کرنا شرط نہیں۔ کیونکہ جب وہ اسے بتائے گا تو شاید اسے زیادہ تکلیف ہو۔ اس کا حل یہ ہے کہ جن محافل میں اس کی مذمت کیا کرتا تھا اس کی تعریف کرے۔ اپنے منصب اور طاقت سے غیبت اس سے دور کرے تو یہ اس کا بدل ہو جائے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مومن کی کسی منافق کے سامنے حمایت کی جو کہ اسے عیب دے رہا تھا تو اللہ اس کے لئے فرشتہ مبعوث فرمائے گا جو قیامت کے دن اسے آگ سے بچائے گا اور جس نے کسی مؤمن پر الزام لگایا جس سے اس پر عیب لگانا چاہتا تھا تو اللہ اسے جہنم

1۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 570 2۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 572 3۔ ایضاً مرجع مذکور

کے پل پر روک لے گا۔ حتیٰ کہ اس سے نکلے جو اس نے کہا تھا(1)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ اور ابوطلحہ بن سہل انصاری رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کو رسوا نہیں کرتا ہے مگر اللہ اسے ایسی جگہ رسوا کر دیتا ہے جہاں اسے نصرت پسند ہوتی ہے(2)۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾

''اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے بیشک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے''۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو خبر دے رہے ہیں کہ انہیں ایک نفس سے پیدا کیا ہے۔ اسی سے ان کی بیوی کو پیدا کیا۔ یہ آدم اور حوا ہیں۔ انہیں اقوام بنایا۔ یہ قبائل سے عام ہے۔ قبائل کے بعد مزید درجات ہوتے ہیں۔ فصيلة، عشيرة، عمارة، فخذ وغیرہ۔(3)

ایک قول ہے کہ شعوب سے مراد بطون عجم اور قبائل سے مراد بطون عرب ہیں۔ جس طرح اسباط سے مراد بطون بنی اسرائیل ہیں۔ میں نے اس موضوع کو ایک مقدمہ میں جمع کیا ہے۔ یہ ابوعمر بن عبدالبر کی تالیف (كتاب الأنباه) اور کتاب القصد والأمم في معرفة أنساب العرب والعجم سے ماخوذ ہے۔ حضرت آدم وحواء کی طرف نسبت خاکی میں تمام لوگ برابر ہیں۔ تفاوت صرف دینی امور میں ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی متابعت ہے۔ اسی لئے غیبت اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کی نہی کے بعد اس بات کا ذکر فرمایا کہ تمام لوگ برابر ہیں۔ یہ قبائل وشعوب تعارف کے لئے ہیں۔ ہر شخص کا تعلق اپنے قبیلہ سے ہے۔

لِتَعَارَفُوا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فلاں بن فلاں کا تعلق فلاں قبیلے سے ہے۔ سفیان ثوری کا قول ہے کہ حِمیَر اپنے علاقے کی طرف اور حجاز کے عرب اپنے قبائل کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''انساب کا علم سیکھو۔ اس کے ساتھ تم اپنے ارحام تک پہنچو گے۔ بے شک صلہ رحمی اہل میں محبت، مال میں اضافہ اور عمر میں زیادتی کا باعث ہے(4)۔

قولہ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ اللہ کے ہاں بزرگی کا معیار تقویٰ ہے حسب ونسب نہیں۔ اس بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا۔ لوگوں میں سے کون زیادہ معزز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک وہ سب سے زیادہ معزز ہے جو زیادہ متقی ہے انہوں نے عرض کی ہم نے اس چیز کے بارے میں نہیں پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے نبی یوسف بن نبی اللہ بن خلیل اللہ ہیں۔ انہوں

1۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 441، سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 271-270 2۔ ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 271

3۔ شعوب کا واحد شعب ہے یہ ایسے اصل کو کہتے ہیں جس سے کئی قبیلے نکلتے ہوں۔ ان کی ترتیب یہ ہے شعب، قبیلہ، فصیلہ، عمارۃ، بطن، فخذ

4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 150

نے عرض کی ہم نے اس کے بارے میں نہیں پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا: تم مجھ سے عربوں کے خاندان (قبیلے) کے بارے میں پوچھتے ہو؟ انہوں نے عرض کی ہاں (1)۔ تو آپ نے فرمایا: ان میں سے وہی بہترین ہیں جو جاہلیت میں بہترین شمار کئے جاتے تھے۔ بشرطیکہ دین کا علم حاصل کریں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مقامات پر اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں روایت کیا ہے (2)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور مالوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور عملوں کی طرف دیکھتا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے (3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دیکھ، تو سرخ اور سیاہ سے افضل نہیں مگر جب تقویٰ کے ساتھ برتری حاصل کرے'' (4)۔ حافظ ابوالقاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے: ''مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی برتری نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ'' (5)۔ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ لوگ اپنے باپ دادا پر فخر کرنے سے باز آجائیں ورنہ وہ اللہ کے نزدیک گوبر کے کالے کیڑے سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہوں گے (6)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے اپنی قصواء پر سوار ہو کر طواف کیا۔ اپنی چھڑی سے استلام فرمایا۔ مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ مسجد میں اونٹنی بٹھانے کی جگہ نہ تھی۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ لوگوں کے بازوؤں کا سہارا لے کر اونٹنی سے اترے۔ اونٹنی کو بطن مسیل میں بٹھایا گیا۔ پھر سرکار ﷺ نے اونٹنی پر ہی خطبہ ارشاد فرمایا: حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا کبر و نخوت اور آباؤ اجداد کو بڑا سمجھنے جیسے عیبوں کو دور کیا۔ لوگ دو قسم کے ہیں: ایک نیک متقی جو اللہ کے نزدیک محترم ہے۔ دوسرا بدکار بدبخت جو اللہ کے نزدیک حقیر ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ...... پھر فرمایا: ''أقولُ قولی هذا واستغفرُ اللهَ لی ولکم''۔ عبد بن حمید نے اسی طرح روایت کیا ہے (7)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تمہارے یہ نسب کسی کے لئے عیب (گالی) نہیں ہیں۔ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو پھر ماپ میں کم ہو۔ وہ بھی تم سے پورا نہیں بھرتا (تم سب میں نقص ہے) کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں مگر دین اور تقویٰ کے ساتھ۔ آدمی کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ زبان دراز، بخیل اور فحش گو ہو (8)''۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن لہیعہ سے روایت کیا ہے: سب لوگ حضرت آدم و حواء کی اولاد ہیں۔ مقدار میں کم، صاع کو پورا نہیں بھرتے۔ اللہ تعالیٰ روز محشر تم سے تمہارے حسب و نسب کے بارے میں باز پرس نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محترم وہ ہوگا جو زیادہ متقی ہو گا (9)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے درۃ بنت ابولہب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تھے کہ ایک آدمی کھڑا ہوا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! لوگوں میں سے سب سے بہترین کون ہے؟ آپ نے فرمایا: سب سے بہترین وہ ہے جو سب سے بڑا قاری، تقویٰ

1۔ معدن سے مراد جد اعلیٰ ہے جو عربوں میں تفاخر کا باعث تھا۔
2۔ دیکھئے سورۂ یوسف آیت: 4
3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 275، سورۂ انعام آیت: 53، سورۂ حج آیت: 37، سورۂ سبا آیت: 37
4۔ مسند امام، جلد 5 صفحہ 158
5۔ المعجم الکبیر، جلد 4 صفحہ 25، مجمع الزوائد، جلد 8 صفحہ 84
6۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 435-434
7۔ ابن ابی شیبۃ، المصنف، جلد 14 صفحہ 494-493، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ حجرات، جلد 12 صفحہ 157-155، درمنثور، جلد 7 صفحہ 579
8۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 158
9۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 140

میں سب سے بڑھ کر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا ہے اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہے(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ دنیا میں رسول اللہ ﷺ کو کوئی چیز پسند نہیں آئی اور نہ کوئی آدمی مگر متقی شخص'' (2)۔

قولہ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ تمہیں جانتا اور تمہارے امور سے آگاہ ہے۔ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کرتا ہے۔ جس پر چاہے رحم فرماتا ہے، جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہے اپنا فضل فرماتا ہے۔ وہ ہر چیز کے بارے میں حکیم، علیم اور خبیر ہے۔ اس آیت کریمہ اور ان احادیث شریفہ سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ نکاح میں کفاءۃ (برابری، کفو ہونا) شرط نہیں بلکہ دین (تقویٰ) کے علاوہ اور کوئی شرط نہیں۔ بعض دیگر علماء کی آراء کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔ ہم نے اس کا کچھ حصہ کتاب الاحکام میں ذکر کیا ہے۔ وللہ الحمد و المنۃ۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک ہاشمی کو یہ کہتے سنا میں رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ قریب ہوں۔ کسی اور نے کہا کہ میں تمہاری نسبت آپ ﷺ کے زیادہ قریب ہوں اور مجھے آپ ﷺ سے نسبت ہے۔

قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَ لٰکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا وَ لَمَّا یَدۡخُلِ الۡاِیۡمَانُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ ؕ وَ اِنۡ تُطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ لَا یَلِتۡکُمۡ مِّنۡ اَعۡمَالِکُمۡ شَیۡـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ ثُمَّ لَمۡ یَرۡتَابُوۡا وَ جٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَ اَنۡفُسِهِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ﴿۱۵﴾ قُلۡ اَتُعَلِّمُوۡنَ اللّٰهَ بِدِیۡنِکُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۶﴾ یَمُنُّوۡنَ عَلَیۡکَ اَنۡ اَسۡلَمُوۡا ؕ قُلۡ لَّا تَمُنُّوۡا عَلَیَّ اِسۡلَامَکُمۡ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ هَدٰىکُمۡ لِلۡاِیۡمَانِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸﴾

''اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ آپ فرمائیے تم ایمان تو نہیں لائے البتہ یہ کہو کہ ہم نے اطاعت اختیار کر لی ہے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم (سچے دل سے) اطاعت کرو گے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ ذرا کمی نہیں کرے گا تمہارے اعمال میں۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (کامل) ایماندار تو وہی ہیں جو ایمان لے آئے اللہ اور اس کے رسول پر پھر (اس میں) کبھی شک نہیں کیا اور جہاد کرتے رہے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ یہی لوگ راست باز ہیں۔ آپ فرمائیے! کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ کو اپنے دین سے۔ حالانکہ اللہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ وہ احسان جتلاتے ہیں آپ پر کہ وہ اسلام لے آئے۔ فرمائیے مجھ پر مت احسان جتلاؤ اپنے اسلام کا۔ بلکہ اللہ نے احسان فرمایا ہے تم پر کہ تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی، اگر تم (اپنے ایمان کے دعویٰ میں) سچے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے سب چھپے بھیدوں کو خوب جانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے جو تم کر رہے ہو''۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 432 2۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 69

ان اعرابیوں کا بیان ہورہا ہے جو نئے نئے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور ایمان کا دعویٰ کیا حالانکہ ایمان ابھی ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا تھا۔ فرمایا: قَالَتِ الْاَعْرَابُ...... اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایمان اسلام سے أخصّ ہے۔ جیسے اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ حدیث جبریل سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ جب آپ نے پہلے اسلام پھر ایمان اور پھر احسان کے بارے میں سوال کیا اور اعم ثم الأخصّ فالأخصّ کا ذکر فرمایا(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عامر بن سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو عطا فرمایا۔ لیکن ایک آدمی کو کچھ نہ دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فلاں فلاں کو تو عطا فرمایا لیکن فلاں کو کچھ نہیں دیا اور وہ مؤمن ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یا مسلمان''۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا اور حضور ﷺ یہی فرماتے رہے أو مسلم (یا مسلمان)۔ پھر فرمایا: ''میں لوگوں کو دیتا ہوں اور ان میں سے جو مجھے زیادہ محبوب ہوا سے کچھ نہیں دیتا۔ اس خدشے سے کہ کہیں وہ آگ میں اوندھا نہ جا گرے''۔ صحیحین میں اسے زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے(2)۔

حضور ﷺ نے مؤمن اور مسلم میں فرق کیا ہے پتہ چلا کہ ایمان اسلام سے زیادہ خاص ہے۔ ہم نے صحیح بخاری کی شرح میں کتاب الایمان کے شروع میں اس مسئلے کی وضاحت کی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آدمی مسلمان تھا کافر نہ تھا۔ یہ آیت اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ اعراب جن کا تذکرہ اس آیت میں ہوا ہے منافق نہیں تھے۔ وہ ایسے مسلمان تھے جن کے دلوں میں ایمان ابھی مستحکم نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے لئے اس بلند مقام کا دعویٰ کیا جس تک ابھی ان کی رسائی نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ انہیں ادب سکھایا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابراہیم نخعی، قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کا یہی مفہوم ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے اختیار کیا ہے(3)۔ ہم نے یہ اس لئے ذکر کیا ہے کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں یہ لوگ منافق تھے۔ ایمان تو ظاہر کرتے تھے لیکن فی الحقیقت مؤمن نہیں تھے۔

وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا اس کی تفسیر میں ابن زید، مجاہد اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ یوں کہو ہم قتل اور گرفتاری کے خوف سے مسلمانوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ بنو اسد بن خزیمہ کے بارے میں نازل ہوئی اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی کریم ﷺ پر اپنے ایمان کا احسان جتلایا تھا۔

صحیح پہلی رائے ہے کہ ایک قوم نے اپنے لئے مقام ایمان کا دعویٰ کیا تھا حالانکہ انہیں ابھی یہ رتبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ انہیں ادب سکھایا گیا اور یہ بتایا گیا کہ ابھی وہ اس رتبے تک نہیں پہنچے۔ اگر وہ منافق ہوتے تو انہیں سختی سے جھڑکا جاتا اور ان کا پردہ چاک کر دیا جاتا۔ جس طرح کہ سورۂ براءۃ میں منافقین کا ذکر آیا ہے لیکن انہیں صرف تادیباً یہ کہا گیا لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔

لَا يَلِتْكُمْ تمہارے اجر میں کمی نہیں کرے گا جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَمَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (الطور: 21) ''اور ہم کمی نہیں کریں گے ان کے عملوں (کی جزا) میں ذرہ بھر''۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ...... ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا نہ شک کیا اور نہ تذبذب میں پڑے بلکہ ایک ہی حالت پر ثابت قدم رہے۔ یہ تصدیق محض ہے اور اپنے جان و مال کی قربانی دی۔ وہی لوگ سچے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

1۔ شیخین نے اسے کتاب الایمان میں روایت فرمایا ہے فتح الباری، جلد 1 صفحہ 114، مسلم، جلد 1 صفحہ 39

2۔ شیخین نے اسے کتاب الایمان میں روایت کیا ہے فتح الباری، جلد 1 صفحہ 79، مسلم، جلد 1 صفحہ 132، مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 176 نیز دیکھئے سورۂ توبہ آیت: 60

3۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 143-142

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا میں مومن تین قسم کے ہیں: ۱۔ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کبھی شک نہیں کیا اور اپنی جان و مال کو اللہ کی راہ میں قربان کیا۔ ۲۔ جس سے لوگ اپنے جان و مال کو محفوظ تصور کریں۔ ۳۔ جسے کوئی لالچ تھا پھر اسے اللہ تعالیٰ کے لئے چھوڑ دیا(1)۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ تم اسے خبر دیتے ہو جو تمہارے دل میں ہے۔

وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ زمین و آسمان میں سے ذرہ برابر چیز بھی اس سے مخفی نہیں خواہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ مَنَّ: احسان جتلانا۔

قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ فرمایا اس اسلام کا فائدہ تو خود تمہیں ہی ہوگا بلکہ اللہ کا احسان تم پر ہے۔ جس طرح نبی کریم ﷺ نے غزوۂ حنین کے دن انصار سے فرمایا اے گروہ انصار! کیا میں نے تمہیں گمراہ نہیں پایا تھا۔ اللہ نے تمہیں میرے بدلے ہدایت دی؟ تم جدا جدا تھے اللہ نے میرے صدقے تمہیں اتفاق دیا۔ تم تنگ دست تھے میرے سبب اللہ نے تمہیں غنی کیا؟ ہر سوال کے بدلے انصار جواباً کہتے اللہ اور اس کے رسول کا احسان عظیم ہے۔ حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت سعید بن جبیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بنو اسد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور ہم نے جنگ نہیں کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کم فہم ہیں۔ شیطان ان کی زبان سے بولتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا...... صٰدِقِيْنَ(2) پھر اس اعلان کا اعادہ کیا کہ اس کا علم کائنات کے ذرے ذرے پر محیط ہے اور وہ تمام مخلوقات کے اعمال سے آگاہ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ......

سورۂ الحجرات کی تفسیر ختم ہوئی

1۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 8 2۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 584، نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4 صفحہ 441

سورۂ ق

صحیح روایت کے مطابق حزب مفصل کی یہ پہلی سورت ہے۔ایک قول کے مطابق پہلی سورۃ حجرات ہے۔عام لوگوں کے خیال میں پہلی سورت (عمّ) ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں اور معتبر علماء میں سے کسی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ ہمارے اس موقف کی دلیل کہ پہلی سورت ق ہے سنن ابوداؤد کی روایت ہے۔ جسے انہوں نے باب تحزیب القرآن میں ذکر کیا ہے۔ حضرت اوس بن حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ہم بنوثقیف کے وفد میں سرکار ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔أحلاف (حلفاء) تو مغیرہ بن شعبہ کے پاس اترے اور بنو مالک کو سرکار ﷺ نے اپنے خیمے میں ٹھہرایا۔ یہ لوگ بھی بنوثقیف کے وفد کے ساتھ تھے۔سرکار ﷺ ہر رات عشاء کے بعد ہمارے پاس تشریف فرما ہوتے اور کھڑے کھڑے آرام کے لئے کبھی ایک کبھی دوسری ٹانگ پر سہارا لیتے۔زیادہ تر آپ ﷺ قریش کی بدسلوکی کا ذکر فرماتے۔ پھر فرماتے دراصل اس وقت ہم کمزور تھے (یعنی مکہ میں) جب مدینہ پہنچے تو لڑائی میں کبھی ہم فتح یاب ہوتے اور کبھی وہ۔ایک رات آپ ﷺ مقررہ وقت پر تشریف نہ لائے۔ہم نے پوچھا آج آپ ﷺ تاخیر سے تشریف لائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں روزانہ قرآن کا ورد کیا کرتا تھا۔ میں نے ناپسند کیا کہ اسے مکمل کرنے سے پہلے آؤں۔اوس کا قول ہے۔میں نے اصحاب رسول سے پوچھا آپ لوگ قرآن کو کس طرح تقسیم کرتے ہیں؟انہوں نے فرمایا: تین، پانچ، سات، نو، گیارہ، تیرہ اور حزب مفصل(1)۔(ابن ماجہ اور احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے)۔اس طرح یہ اڑتالیس سورتیں بنتی ہیں۔ان کے بعد سورۂ ق ہے۔تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ (تین) بقرہ، آل عمران اور نساء۔(پانچ) مائدہ، انعام، اعراف، انفال اور براءۃ۔(سات) یونس، ہود، یوسف، رعد، ابراہیم، حجر اور نحل۔(نو) سبحان، کہف، مریم، طہٰ، انبیاء، حج، مومنون، نور اور فرقان۔(گیارہ) شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، الم سجدہ، احزاب، سباء، فاطر اور یٰسٓ۔(تیرہ) صافات، صٓ، زمر، غافر، حٰم السجدہ، حٰم عسق، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، قتال (محمد)، فتح اور حجرات۔

اس کے بعد حزب مفصل ہے جس طرح کہ صحابہ نے کہا ہے۔لہٰذا یہ بات متعین ہوگئی کہ پہلی سورۃ ق ہی حزب مفصل کی پہلی سورت ہے۔امام احمد نے عبید اللہ بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابوواقد لیثی سے پوچھا: حضور ﷺ عید میں کون سی سورت پڑھا کرتے تھے۔انہوں نے فرمایا قاف اور اقتربت(2)۔مسلم اور اہل سنن اربعہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ام ہشام بنت حارثہ سے روایت کیا ہے کہ دو سال یا ایک سال اور کچھ زیادہ ہمارا اور نبی کریم ﷺ کا تنور ایک ہی تھا۔ میں نے سورۂ ق سرکار ﷺ کی زبان سے سنی ہے۔آپ اسے ہر جمعہ منبر پر پڑھا کرتے جب آپ خطبہ ارشاد فرماتے۔مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے(3)۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حارثہ بنت نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے سورۂ ق رسول اکرم ﷺ کی زبان

1۔سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 56-55، ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 428-427، مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 9

2۔مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 218-217، مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، جلد 2 صفحہ 607، سنن ابوداؤد کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 300، عارضۃ الاحوذی، ابواب العیدین، جلد 3 صفحہ 6، نسائی، کتاب العیدین، جلد 3 صفحہ 184-183، ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 408

3۔مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 436-435، مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 595

مبارک سے سن کر یاد کی۔ آپ ﷺ ہر خطبہ جمعہ میں اسے پڑھا کرتے تھے۔ ہمارا اور آپ ﷺ کا تنور ایک تھا۔ مسلم، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(1)۔ مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس سورت کو بڑے مجمعوں عید، جمعہ وغیرہ میں تلاوت فرمایا کرتے تھے کیونکہ اس میں ابتدائے آفرینش، مرنے کے بعد اٹھنا (بعث ونشور)، قیام، حساب، جنت، دوزخ، ثواب وعتاب اور ترغیب وترہیب کا بیان ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قٓ ۚ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ۚ﴿۱﴾ بَلۡ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ فَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا شَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ۚ﴿۲﴾ ءَ اِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِکَ رَجۡعٌۢ بَعِیۡدٌ ﴿۳﴾ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا تَنۡقُصُ الۡاَرۡضُ مِنۡہُمۡ ۚ وَ عِنۡدَنَا کِتٰبٌ حَفِیۡظٌ ﴿۴﴾ بَلۡ کَذَّبُوۡا بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَہُمۡ فَہُمۡ فِیۡۤ اَمۡرٍ مَّرِیۡجٍ ﴿۵﴾

"قاف۔ قسم ہے قرآن مجید کی (کہ میرا رسول سچا ہے) مگر یہ (نادان) حیران ہیں اس بات پر کہ آیا ہے ان کے پاس ڈرانے والا ان میں سے تو کہنے لگے کفار کہ یہ تو بڑی عجیب وغریب بات ہے۔ (وہ کہتے ہیں) کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے۔ (تو پھر زندہ کئے جائیں گے) یہ واپسی تو (عقل سے) بعید ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو زمین ان کے جسموں سے گھٹاتی ہے۔ اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے۔ (بلکہ انہوں نے جھٹلایا (دین) حق کو جب وہ ان کے پاس آیا پس (اس وجہ سے) وہ بڑی الجھن میں پھنس گئے ہیں"۔

(ق): یہ حروف تہجی میں سے ہے جن کا ذکر سورتوں کے اوائل میں آتا ہے۔ جیسے (صٓ، نٓ، الٓمٓ، حٰمٓ، طٰسٓ) وغیرہ۔ یہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ہم نے سورۂ بقرہ کے آغاز میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ قاف پہاڑ ہے جو تمام زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ بنو اسرائیل کی خرافات سے ہے جنہیں بعض لوگوں نے قبول کر لیا ہے، جب انہوں نے دیکھا کہ ایسے امور جن کی تصدیق وتکذیب نہیں کی جاسکتی میں ان سے روایت کرنا جائز ہے۔ میری رائے میں یہ اور اس طرح کے دیگر واقعات زنادقہ کی خرافات ہیں جن سے وہ لوگوں پر دینی معاملات کو ملتبس کرتے ہیں۔ جس طرح جلیل القدر علماء، حفاظ اور آئمہ کی موجودگی میں اس امت کے نبی کی احادیث میں آمیزش کر دی گئی ہے جبکہ ابھی اتنا عرصہ نہیں گزرا تو بنو اسرائیل کا کیا حال ہوگا جن کی عمر بہت طویل ہے۔ ان میں حفاظ اور نقاد بھی کم تھے۔ وہ مے نوشی کے بھی عادی تھے اور ان کے علماء کرام تحریف سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ شارع نے ان کی وہ روایت لینا درست قرار دی ہے جسے عقل تسلیم کرتی ہو۔ حدیث شریف میں ہے(2): بنو اسرائیل سے روایت کرو اور کوئی حرج نہیں۔ لیکن وہ امور جو عقلاً محال ہیں یا ان کے جھوٹ ہونے کا ظن غالب ہے، وہ اس قبیل سے نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ سلف میں سے بہت سے مفسرین اور خلف کے ایک بہت بڑے گروہ نے تفسیر قرآن کے سلسلے میں اہل کتاب سے روایت کو جائز رکھا ہے۔ حالانکہ انہیں اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ حتیٰ کہ امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی نے بھی یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک عجیب وغریب (اثر) روایت کی ہے جس کی سند صحیح

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 288، مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 595، نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 157، تحفۃ الاشراف، جلد 13 صفحہ 109-108

2۔ مقدمہ میں یہ حدیث گزر چکی ہے

نہیں۔ وہ فرماتے ہیں: مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کے پیچھے ایک سمندر پیدا فرمایا۔ اس سمندر میں ایک پہاڑ تخلیق فرمایا۔ اسے قاف کہتے ہیں۔ آسمان دنیا اسی پر قائم ہے۔ پھر اس پہاڑ کے نیچے ایک زمین اور اس زمین کی طرح کی سات زمینیں ہیں پھر اس کے پیچھے ایک بحر محیط اور اس کے پیچھے ایک پہاڑ اسے قاف کہتے ہیں۔ دوسرا آسمان اس پر قائم ہے۔ اس طرح سات زمینیں، سات سمندر، سات پہاڑ اور سات آسمان گنوائے ہیں۔ لکھتے ہیں جس طرح اس آیت میں ہے: وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ (لقمان: 27) (1)۔ اس اثر کی اسناد میں انقطاع ہے۔ ابن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قاف اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ ثابت ہے کہ یہ حروف تہجی میں سے ایک ہے۔ جیسے صٓ، نٓ، حٰمٓ، طٰسٓ، الٓمٓ، وغیرہ۔ اس روایت سے بھی سابقہ روایت کی نفی ہو جاتی ہے۔ ایک قول ہے کہ اس سے مراد ہے قضی الأمر واللہ (اللہ کی قسم فیصلہ کر دیا گیا) اور ق محذوف کلام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جیسے شاعر کا قول ہے(2): قلت لها: قفی، فقالت قاف۔ یہ تفسیر بھی محل نظر ہے کیونکہ کلام میں حذف اس وقت ہوتا ہے جب اس کی دلیل ہو۔ ایک حرف کے ذکر کرنے سے اس بات کی سمجھ کہاں آتی ہے؟

وَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ یعنی عظیم کتاب۔ باطل جس میں نہیں آ سکتا۔ تنزیل من حکیم حمید۔ جواب قسم میں اختلاف ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض نحویوں سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَ عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ ہے۔ یہ جواب بھی محل نظر ہے بلکہ جواب، قسم کے بعد مضمون کلام ہے اور وہ اثبات نبوۃ اور اثبات معاد ہے۔ اگرچہ قسم لفظاً ملی ہوئی نہیں۔ ایسا قرآن کریم میں متعدد جگہ ہے۔ جیسے: صٓ وَ الْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ؕ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ (ص: 2-1)۔

اسی طرح یہاں فرمایا کہ کافر اپنا ہم جنس رسول دیکھ کر متعجب ہیں۔ جیسے فرمایا: اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ (یونس: 2) یہ عجیب نہیں اللہ تعالیٰ فرشتوں اور لوگوں سے رسول مبعوث فرماتا رہتا ہے۔

قولہ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ یعنی وہ کہتے ہیں اگر ہم مر گئے اور بوسیدہ ہو گئے اور مٹی میں شامل ہو گئے تو از سر نو اس ترکیب کی طرف لوٹنا کیسے ممکن ہے؟

رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ بعید الوقوع۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اسے محال خیال کرتے ہیں۔ اللہ نے ان کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ہمیں پتہ ہے ان کے اجسام بوسیدہ ہو جائیں گے۔ یہ بات بھی ہم سے مخفی نہیں کہ اعضاء کہاں بکھر گئے؟ کدھر گئے؟ عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ اس میں سب کچھ محفوظ ہے۔ علم جامع ہے اور کتاب میں ہر چیز مضبوط ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے مَا تَنْقُصُ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ یعنی جو ان کے گوشت، چہروں، ہڈیوں کو کھا جائے گی۔ مجاہد، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ...... اللہ تعالیٰ ان کے کفر و عناد کا سبب بیان فرما رہے ہیں۔ جو شخص بھی حق سے نکل جاتا ہے، اس کے بعد وہ جو کچھ کہے باطل ہے۔

المریج، المضطرب الملتبس المنکر خلالہ۔ جیسے فرمایا: إنکم لفی قول مختلف، یؤفك عنه من أفك۔

1۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 579 2۔ سورۂ بقرہ شروع میں اس کا تذکرہ ہو چکا ہے

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ زَيَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۶ وَ الْاَرْضَ
مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝۷ تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ
عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝۸ وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الْحَصِيْدِ ۝۹ وَ النَّخْلَ
بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝۱۰ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَ اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝۱۱

''کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کی طرف جوان کے اوپر ہے ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور اسے کیسے آراستہ کیا ہے اور اس میں کوئی شگاف نہیں۔ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور جما دیئے اس پر بڑے بڑے پہاڑ اور اگا دی ہیں اس میں ہر قسم کی رونق افزا چیزیں۔ یہ (آثارِ قدرت) بصیرت افروز اور یاددہانی ہیں ہر اس بندے کے لئے جو اپنے رب کی طرف مائل ہے۔ اور ہم نے اتارا آسمان سے برکت والا پانی پس ہم نے اگائے اس سے باغات اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے۔ اور کھجور کے لمبے لمبے درخت جن کے گچھے (پھل سے) گندھے ہوتے ہیں۔ بندوں کی روزی کے لئے۔ اور ہم نے زندہ کر دیا اس پانی سے مردہ شہر۔ یونہی (روزِ محشر ان کا) نکلنا ہوگا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی عظیم قدرت کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ ہم نے تو اس سے بھی عظیم چیزیں تخلیق فرمائی ہیں جنہیں وہ بعید الوقوع سمجھتے ہیں۔ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ......

فُرُوْجٍ: شگاف ۱۔ شقوق، ۲۔ فتوق، ۳۔ صدوع۔ تینوں معانی قریب المفہوم ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا...... وَّهُوَ حَسِيْرٌ (الملک: 4-3)۔

قولہ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا پھیلایا اور بچھایا۔ رواسی: پہاڑ۔ تاکہ یہ ڈولتی نہ رہے۔ یہ پانی پر قائم ہے جو اسے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

بَهِيْجٍ: حسن نضر: حسین تروتازہ۔ منیب: خاضع خائف وجل رجّاع إلی اللہ عز وجلّ۔ رجوع کرنے والا۔ خشوع و خضوع والا۔

بٰسِقٰتٍ بلند و بالا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ اور سدی وغیرہم سے منقول ہے: الباسقات: الطِّوال۔ نضید: منضود۔

وَ اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا زمین پر پانی اترا۔ اس سے وہ جھوم اٹھی۔ بڑھی اور اس سے تروتازہ نباتات، پھول وغیرہ اُگ آئے جنہیں دیکھ کر آنکھیں خوش ہوتی ہیں۔ وہی زمین جو پہلے بیابان تھی اب سرسبز و شاداب ہوگئی۔ موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے (حشر) کی بات سمجھنے کے لئے یہ مثال دی کہ اللہ اسی طرح مردوں کو بھی زندہ کرتا ہے۔ منکرین بعث و حشر کے لئے ایک عظیم حسی مثال ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (غافر: 57)۔ اور فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (احقاف: 33) اور فرمایا: وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى...... كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (فصلت: 39)۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّ
اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ
الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾

"(حق کو) جھٹلایا تھا ان (اہل مکہ) سے پہلے قوم نوح، اہل رس اور ثمود نے۔ اور (جھٹلایا تھا) عاد فرعون اور قوم لوط نے۔ نیز ایکہ کے باشندوں اور تبع کی قوم نے۔ ان سب نے جھٹلایا تھا رسولوں کو پس پورا ہو گیا (ہمارا) عذاب کا وعدہ۔ تو کیا ہم تھک گئے ہیں پہلی مرتبہ مخلوق کو پیدا کر کے (ایسا نہیں) بلکہ یہ (کفار) از سر نو پیدا ہونے کے بارے میں شک میں ہیں"۔

کفار قریش کو یہ دھمکی دی جا رہی ہے کہ ان کے پیش رو سابقہ امتوں پر طرح طرح کے عذاب نازل ہوئے۔ جیسے قوم نوح اور ان پر جو عذاب نازل ہوا جس نے ساری زمین کو ڈبو دیا۔

اَصْحٰبُ الرَّسِّ: ان کا قصہ سورۂ فرقان میں گزر چکا ہے۔

وَثَمُوْدُ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم اہل سدوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے اور کس طرح اللہ نے انہیں زمین میں دھنسا دیا اور ان کی اراضی کو بدبودار بحیرہ میں تبدیل فرما دیا۔ کیونکہ انہوں نے کفر و سرکشی کی اور حق کی مخالفت کی۔

اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ یعنی قوم حضرت شعیب علیہ السلام۔

قَوْمُ تُبَّعٍ وہ یمنی تھے۔ تبع کا واقعہ سورۂ دخان میں گزر چکا ہے اس کے اعادے کی اب ضرورت نہیں۔ وللہ الحمد۔

كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ ان سابقہ امتوں میں سے ہر ایک نے رسولوں کی تکذیب کی ایک رسول کی تکذیب کرنا اسی طرح ہے جیسے تمام رسولوں کی تکذیب کرنا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِيْنَ ان کے پاس صرف ایک رسول آیا۔ فی الحقیقت اگر ایک سے زیادہ رسول بھی آتے تو وہ ان کی بھی تکذیب کرتے۔

فَحَقَّ وَعِيْدِ اللہ نے ان سے عذاب کا جو وعدہ فرمایا تھا اسے پورا کر دیا۔ مخاطبین کو چاہئے کہ وہ محتاط رہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں بھی اس طرح کا عذاب آلے کیونکہ انہوں نے بھی اپنے رسول کی اسی طرح تکذیب کی ہے جیسے انہوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔

قولہ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ..... کیا پہلی تخلیق نے ہمیں عاجز کر دیا ہے کہ اس کے اعادے سے وہ شک میں مبتلا ہیں۔ یعنی ابتدائے تخلیق کی نسبت اعادہ ہمارے لئے زیادہ آسان ہے۔ جیسے فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (روم: 27)، وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (یٰسین: 78)۔ صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابن آدم اپنی اس بات سے مجھے تکلیف دیتا ہے کہ وہ پہلے کی طرح مجھے ہرگز نہیں لوٹائے گا اور ابتدائے خلق اس کے اعادے سے زیادہ آسان نہیں ہے (1)۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ښ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ
الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ روم آیت: 27 نیز بخاری، کتاب بدء الخلق، فتح الباری، جلد 9 صفحہ 287، التفسیر، جلد 8 صفحہ 739

لَدَیۡهِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ ﴿۱۸﴾ وَ جَآءَتۡ سَکۡرَۃُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِکَ مَا کُنۡتَ مِنۡهُ تَحِیۡدُ ﴿۱۹﴾ وَ نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ ؕ ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡوَعِیۡدِ ﴿۲۰﴾ وَ جَآءَتۡ کُلُّ نَفۡسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِیۡدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدۡ کُنۡتَ فِیۡ غَفۡلَۃٍ مِّنۡ هٰذَا فَکَشَفۡنَا عَنۡکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الۡیَوۡمَ حَدِیۡدٌ ﴿۲۲﴾

''اور بلاشبہ ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم (خوب) جانتے ہیں اس کا نفس جو وسوسے ڈالتا ہے۔ اور ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ جب (اس کے اعمال کو) لے لیتے ہیں دو لینے والے (ان میں سے) ایک دائیں جانب اور (دوسرا) بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے۔ وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لئے) تیار ہوتا ہے۔ اور آ پہنچی موت کی بے ہوشی سچ مچ۔ (اے نادان!) یہ ہے وہ جس سے تو دور بھاگا کرتا تھا اور صور پھونکا جائے گا۔ یہی وعید کا دن ہوگا۔ اور حاضر ہوگا ہر شخص اس طرح کہ اس کے ہمراہ ایک (اسے) ہانکنے والا اور ایک گواہ ہوگا۔ تو (عمر بھر) غافل رہا اس دن سے پس ہم نے اٹھا دیا ہے تیری آنکھوں سے تیرا پردہ، سو تیری بینائی آج بڑی تیز ہے''۔

اللہ تعالیٰ انسان پر اپنی قدرت کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ وہی اس کا خالق ہے۔ اس کا علم تمام امور کو محیط ہے۔ حتیٰ کہ وہ ان وساوس سے بھی آگاہ ہے جو بنو آدم کا نفس اس کے دل میں ڈالتا ہے۔ خواہ خیر ہوں یا شر۔ صحیح میں ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے تجاوز فرمالیا ہے ان چیزوں کے بارے میں جو ان کا نفس ان سے کہتا ہے جب تک وہ کہے انجام نہ دے'' (1)۔

قولہ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ یعنی اللہ کے فرشتے انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ جس نے ان کی تاویل علم سے کی ہے اس نے حلول اور اتحاد کے لزوم سے فرار اختیار کیا ہے۔ ان دونوں چیزوں کی نفی اجماع سے ہوتی ہے لیکن لفظ اس کا متقاضی نہیں کیونکہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا: وأنا أقرب إليه من حبل الوريد۔ بلکہ فرمایا: وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ...... جیسے فرمایا: وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡکُمۡ وَ لٰکِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ (واقعہ: 75)۔ یعنی ملائکہ اور جیسے فرمایا: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر: 9) اور ملائکہ ہی قرآن لے کر اترے۔ اسی طرح ملائکہ شہ رگ سے بھی زیادہ انسان کے قریب ہیں۔ اللہ نے انہیں یہ قدرت عطا فرمائی ہے۔ فرشتے کی طرف سے انسان کے دل میں اسی طرح خیال آتا ہے جس طرح شیطان دل میں خیال ڈالتا ہے (2)۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ شیطان بنو آدم کے خون میں دوڑتا ہے (3)۔

قولہ اِذۡ یَتَلَقَّی الۡمُتَلَقِّیٰنِ یعنی دو فرشتے جو انسان کا عمل لکھتے ہیں۔

رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ یعنی اس کی تاڑ میں ہے۔ اسے لکھنے کے لئے تیار، کوئی کلمہ اور حرکت نہیں چھوڑتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ...... مَا تَفۡعَلُوۡنَ (الانفطار: 10)۔

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کیا فرشتہ ہر چیز لکھ لیتا ہے۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول یہی ہے۔ یا صرف وہی چیز لکھتا ہے جس میں ثواب اور عتاب ہو جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے؟ (ایک روایت کے مطابق)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بلال بن حارث مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی ایک ایسی بات منہ سے نکالتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 284، سورۂ اعراف آیت: 157، سورۂ نور آیت: 16

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 268

3۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب الاحکام، جلد 13 صفحہ 159-158، مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1713-1712

رضا پر مبنی ہوتی ہے اللہ اس کے بدلے قیامت کے دن اپنی رضا لکھ دیتا ہے اور آدمی اللہ کی ناراضگی پر مبنی کوئی بات منہ سے نکالتا ہے تو اس کے لئے قیامت کے دن ناراضگی لکھ دی جاتی ہے۔علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بلال بن حارث رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی ہی باتوں سے مجھے منع فرمایا۔ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا۔ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔صحیح میں اس کی شاہد موجود ہے(1)۔احنف بن قیس سے مروی ہے دائیں طرف والا بھلائی لکھتا ہے۔وہ بائیں طرف والے پر امیر ہے۔اگر بندہ کوئی غلطی کرے تو وہ اسے روک دیتا ہے اگر وہ استغفار کرلے تو اسے لکھنے سے روک دیتا ہے۔وگرنہ وہ اسے لکھ لیتا ہے۔(رواہ ابن ابی حاتم)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا: اے ابن آدم! تیرا اعمال نامہ پھیلایا گیا ہے اور دو فرشتے مقرر کر دیئے گئے ہیں ایک تیرے دائیں اور دوسرا بائیں طرف۔جو دائیں طرف ہے نیکیاں لکھتا ہے اور جو بائیں طرف ہے وہ تیری برائیوں کی حفاظت کرتا ہے۔تو جو چاہے کر۔کم ہو یا زیادہ۔حتیٰ کہ جب تیرا وصال ہوجائے گا تو تیرا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا اور تیری گردن میں ڈال کر تیری قبر میں رکھ دیا جائے گا اور قیامت کے دن نکالا جائے گا۔اس وقت یہ تلاوت فرماتے: وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (الاسراء:39)۔پھر فرماتے اللہ کی قسم اس نے عدل کیا جس نے تجھے اپنے نفس کا محافظ خیال کیا(2)۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فرشتہ اس کی ساری گفتگو لکھتا جاتا ہے حتیٰ کہ یہ بھی لکھ دیتا ہے میں نے کھایا، میں نے پیا، میں گیا، میں نے دیکھا پھر جمعرات کے دن اس کا اعمال نامہ پیش ہوتا ہے اور خیر وشر کے علاوہ باقی سب کچھ مٹا دیا جاتا ہے جس طرح اللہ کا ارشاد ہے: يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ (الرعد:39)۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ بیماری میں آہیں بھرتے تھے کہ انہیں طاؤس کی طرف سے خبر ملی کہ فرشتہ ہر چیز لکھتا ہے حتیٰ کہ اوں اوں کرنا بھی۔اس کے بعد ان کے کراہنے کی آواز سنائی نہ دی حتیٰ کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا۔

قولہ وَجَاۗءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے انسان! موت کی سختی یقین کے ساتھ تیرے لئے اس چیز کو واضح کردے گی جس کے بارے میں تمہیں شبہ تھا۔

تَحِيْدُ یہ وہ چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔اب فرار کی کوئی راہ نہیں اور گلوخلاصی بھی نہیں ہوسکتی۔اس آیت کا مخاطب کون ہے؟ اس بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔صحیح یہ ہے کہ اس کا مخاطب انسان ہے۔ایک قول کے مطابق کافر ہے اور دیگر روایات بھی ہیں۔

ابوبکر بن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں اپنے باپ کی وفات کے وقت حاضر تھی۔میں ان کے سرہانے بیٹھی تھی کہ ان پر غشی طاری ہوگئی۔میں نے ایک شعر پڑھا:

من لایزالُ دمعُهُ مُقنَعاً فإنّهُ لابُدَّ مرّةً مدفُوقُ

فرماتی ہیں آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا اس طرح نہیں۔لیکن اس طرح جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجَاۗءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ……ایک دوسری روایت میں ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس شعر کو دہرایا:

1۔مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 469، نیز دیکھئے تفسیر سورۂ حجرات آیت: 3 و سورۂ نور آیت: 15

2۔تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 159 نیز سورۂ اسراء آیت: 13

لَعَمْرُكَ مَايُغْنِي الثَّرَاءُ عَنِ الْفَتَى إِذَا حَشْرَجَتْ يَوْماً وَضَاقَ بِهَا الصَّدْرُ(1)

یہ سن کر آپ نے چہرے سے پردہ اٹھایا اور فرمایا اس طرح نہیں بلکہ یوں کہو: وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ......

میں نے سیرۃ صدیق میں وفات کے بیان میں اس اثر کے طرق (اسناد) ذکر کئے ہیں۔ صحیح میں ہے کہ نبی کریم ﷺ وصال کے وقت اپنے چہرے سے پسینہ پونچھتے اور فرماتے سبحان اللہ! موت کے بھی سکرات (سختیاں) ہیں۔

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ اس بارے میں دو اقوال ہیں:۔

(۱) ما یہاں موصولہ ہے۔ أي الذي كنت منه تحيد۔ جس چیز سے تو دور ہٹتا تھا۔ اب تیرے گھر میں آ گئی ہے۔

(۲) ما یہاں نافیہ ہے۔ بمعنی ذلك كنتَ تقدُرُ على الفرار منه ولا الحَيْد عنه۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔ حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''موت سے بھاگنے والے کی مثال لومڑی کی طرح ہے۔ جس سے زمین نے قرض مانگا تو ادھر ادھر بھاگتی رہی۔ تھک ہار کر اپنے بل میں گھس گئی۔ زمین نے کہا میرا قرض۔ یہ سن کر وہ بھاگ اٹھی اور اسی طرح بھاگتی رہی۔ حتیٰ کہ اس کی گردن کٹ گئی اور وہ مر گئی(2)۔

اس مثال کا مضمون یہ ہے کہ جس طرح اسے زمین سے جدائی اور فرار نہیں اسی طرح انسان کو موت سے فرار نہیں۔ صور پھونکنے، قیامت اور حشر ونشر کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے(3)۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں کیسے بے فکر رہ سکتا ہوں حالانکہ صور کا فرشتہ صور منہ میں لئے منتظر کھڑا ہے۔ اس نے پیشانی جھکا رکھی ہے اور اجازت کا منتظر ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! ہم کیا کہیں؟ فرمایا یوں کہو: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ لوگوں نے یہی کلمات دہرائے: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ(4)۔

قولہ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ یعنی فرشتہ جو اسے محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گا اور ایک فرشتہ اس کے اعمال کی گواہی دے گا۔ بظاہر آیت کریمہ سے یہی مراد ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ اور اسماعیل بن خالد کی سند سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خطبہ ارشاد فرماتے سنا اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا: ایک ہانکنے والا اسے اللہ کی طرف لے جائے گا اور ایک گواہ اس کے خلاف گواہی دے گا۔ مجاہد، قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی منقول ہے۔ مطرف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے سائق فرشتہ اور شہید عمل ہے۔ ضحاک اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے سائق ملائکہ سے اور شہید خود انسان کی ذات ہے جو اپنے خلاف گواہی دے گا۔ ضحاک بن مزاحم نے یہی کہا ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی وضاحت میں تین اقوال نقل کئے ہیں:۔

(۱) اس سے مراد کافر ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔ ضحاک بن مزاحم اور صالح بن کیسان نے یہی کہا ہے۔

(۲) اس سے مراد ہر نیک و بدکار ہے کیونکہ آخرت دنیا کی نسبت بیداری ہے اور دنیا نیند (یعنی جیسے آدمی سو کر اٹھے)۔ ابن جریر

1۔ یہ شعر حاتم طائی کا ہے

2۔ طبرانی: المعجم الکبیر، جلد 7 صفحہ 222۔ مجمع الزوائد، جلد 2 صفحہ 320

3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام آیت: 73، سورۂ کہف آیت: 99، سورۂ طٰہٰ آیت: 102

4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران آیت: 173، سورۂ کہف آیت: 99

رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اختیار کیا ہے اور حسین بن عبداللہ بن عبید اللہ بن عباس سے نقل کیا ہے۔

(۳) اس کا مخاطب نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔ زید بن اسلم اور آپ کے فرزند کا یہی قول ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یوں بنے گا۔ نزول وحی سے قبل آپ غفلت میں تھے۔ ہم نے آپ کی طرف وحی نازل کر کے آپ سے پردہ ہٹایا...... الخ۔

آیت کے سیاق کلام سے اس کے برعکس مفہوم نکلتا ہے بلکہ خطاب انسان کو ہے اور من ھذا سے مراد (من ھذا الیوم) ہے یعنی آج کے دن سے۔

حَدِیْدٌ: قوی، طاقت ور۔ کیونکہ قیامت کے دن ہر ایک پر حقیقت حال روشن ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ کفار بھی روز قیامت استقامت پر ہوں گے لیکن یہ چیز انہیں نفع نہ دے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ ۙ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا (مریم:38)۔ اور فرمایا: وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ...... صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ (سجدہ:12)۔

وَ قَالَ قَرِیْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِیْدٌ ؕ﴿۲۳﴾ اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿ۙ۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ مُّرِیْبِ ﴿ۙ۲۵﴾ الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِیٰهُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِیْنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَیْتُهٗ وَ لٰكِنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ ﴿۲۸﴾ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَ مَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۲۹﴾

''اور کہے گا اس کا (عمر بھر کا) ساتھی یہ اعمال نامہ جو میرے پاس تھا بالکل تیار ہے۔ جہنم میں جھونک دو ہر کافر سرکش کو۔ جو سختی سے روکنے والا تھا نیکی سے، حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا تھا۔ جس نے بنا رکھے تھے اللہ کے ساتھ کئی اور خدا پس جھونک دو اس (بدبخت) کو عذاب شدید میں۔ اس کا ساتھی (شیطان) بولے گا اے ہمارے پروردگار! میں نے تو اسے سرکش نہیں بنایا تھا بلکہ وہ خود ہی گمراہی میں دور تک چلا گیا۔ (اللہ) فرمائے گا مت جھگڑو میرے روبرو میں تو پہلے ہی تم کو وعید سنا چکا ہوں۔ میرے ہاں حکم بدلا نہیں جاتا۔ اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہوں''۔

اللہ تعالیٰ اس بات سے آگاہ فرما رہے ہیں کہ ابن آدم کے عمل پر موکل فرشتہ قیامت کے دن ان کے خلاف گواہی دے گا۔

عَتِیْدٌ: تیار، حاضر بغیر کسی کمی بیشی کے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ فرشتہ یوں کہے گا: اے اللہ! یہ وہ شخص ہے جس کی نگہداشت میرے سپرد کی گئی تھی۔ میں نے اسے حاضر کر دیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ سائق اور شہید دونوں کو عام ہے۔ اسے قوت حاصل ہو گی۔ اسی روز اللہ تعالیٰ مخلوق کے بارے میں عدل سے فرمائیں گے۔ اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ......

اَلْقِیَا: نحویوں کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ بعض اہل عرب کی زبان ہے۔ وہ واحد کو تثنیہ سے مخاطب کرتے ہیں۔ جس طرح حجاج سے مروی ہے۔ وہ یوں کہا کرتا: (یا حَرَسِیُّ! اِضْرِبا عُنُقَه) اے پہریدار اس کی گردن اڑا دو(1)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس لغت کی تائید میں کسی شاعر کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

1۔ بغدادی: خزانۃ الادب، جلد 6 صفحہ 148، جلد 7 صفحہ 54، جلد 11 صفحہ 18 ابوبکر ابن الانباری: شرح القصائد السبع الطوال: 17

فَإِنْ تَزْجُرَانِي يَاابْنَ عَفَّانَ أَنْزَجِرْ وَإِنْ تَتْرُكَانِي أَحْمِ عِرْضاً مُمْنَعاً (1)

ایک قول ہے کہ یہ دراصل تثنیہ کا صیغہ نہیں بلکہ فعل امر بانون تاکید خفیفہ تھا (اَلْقِيَنْ) آسانی کے لئے نون کو الف سے تبدیل کر دیا گیا۔ لیکن یہ بعید از تسلیم ہے۔ کیونکہ یہ وقف میں ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں سائق اور شہید کے ساتھ خطاب ہے۔ سائق اسے کارگاہ حساب میں لے جائے گا اور شہید جب گواہی دے چکے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں حکم فرمائے گا کہ اسے جہنم میں ڈال دو۔

كَفَّارٍ عَنِيْدٍ: كثير الكفر والتكذيب بالحق: سرکش کافر، حق کو جھٹلانے والا۔

عَنِيْدٍ: معاند للحق، معارض له بالباطل مع علمه بذلك: حق کا مخالف، جان بوجھ کر باطل کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے والا۔

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ: اپنے حقوق کو ادا نہیں کرتا۔ احسان اور صلہ رحمی سے ناواقف۔

مُعْتَدٍ: جو چیز خرچ کرتا ہے اس میں حد سے تجاوز کرنے والا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں اپنے سیرت وسلوک میں حد سے تجاوز کرنے والا۔

مُّرِيْبٍ: اپنے معاملہ میں شک کرنے والا۔ دوسروں کو شک میں ڈالنے والا۔

فَأَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ: اس سے پہلے حدیث شریف میں گزر چکا ہے کہ آگ سے ایک گردن ظاہر ہوگی۔ وہ مخلوق سے کہے گی مجھے تین اشیاء کی ذمہ داری دی گئی ہے: ۱۔ ہر جابر سرکش، ۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والا، ۳۔ مصورین۔ پھر وہ ان پر ٹوٹ پڑے گی (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آگ سے ایک گردن ظاہر ہوگی لوگوں سے باتیں کرے گی اور کہے گی مجھے تین قسم کے افراد پر مسلط کیا گیا ہے: ۱۔ ہر جابر شخص، ۲۔ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والا، ۳۔ ناحق کسی کو قتل کرنے والا پھر وہ انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور جہنم میں ڈال دے گی۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ وہ شیطان ہے جس کی اسے ذمہ داری دی گئی ہے۔ لیکن شیطان بھی اس سے براءت کا اظہار کرے گا۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (ابراہیم: 22)(3)۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ﴿۳۳﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾

"(یاد کرو) وہ دن جب ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو پر ہوگئی وہ (جواباً) کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے۔ اور قریب کر دی جائے گی جنت پرہیزگاروں کے لئے وہ (ان سے) دور نہیں ہوگی۔ یہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو

1۔ یہ سوید بن کراع ہے اور فراء کی معانی القرآن: (3/78) میں ہے اور فراء ہی وہ نحوی ہے جس کا طبری نے اس آیت کی تفسیر میں جس کا تذکرہ کیا ہے (165/26) اسی لئے یہ شعر نقل کیا ہے۔

2۔ دیکھئے سورۂ ابراہیم آیت: 15

3۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 40

اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اپنی توبہ کی حفاظت کرنے والا ہے۔ جو ڈرتا تھا رحمٰن سے بن دیکھے۔ اور ایسا دل لئے ہوئے آیا جو یادِ الٰہی کی طرف متوجہ تھا۔ داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی سے۔ یہ ہمیشگی کا دن ہے۔ انہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ وہاں خواہش کریں گے اور ہمارے پاس تو (ان کے لئے) اس سے بھی زیادہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جہنم سے پوچھا جائے گا کیا تو پر ہوگئی؟ کیونکہ اللہ نے اس سے وعدہ فرمایا ہے کہ جن وانس سے اسے بھر دے گا۔ وہ جواباً کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟ سیاق کلام سے یہی پتہ چلتا ہے اور احادیث بھی اس کی مؤید ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگ آگ میں ڈالیں جائیں گے تو وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا قدم قدرت اس میں رکھ دے گا تو وہ کہے گی بس بس (1)۔

(۱) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جہنم میں لوگوں کے ڈالے جانے کے باوجود وہ مزید کا سوال کرتی رہے گی حتیٰ کہ اللہ رب العزت اپنا قدم قدرت اسمیں رکھیں گے تو وہ سمٹ جائے گی اور کہے گی بس بس تیری عزت وجلال کی قسم! اور جنت میں برابر خالی مقامات رہیں گے (یعنی گنجائش بہت ہوگی) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک اور مخلوق کو پیدا فرمائے گا اور انہیں جنت کی زائد جگہ پر بسائے گا۔ مسلم، اَبان العطار اور سلیمان تیمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے اسی طرح روایت کیا ہے (2)۔

(۲) بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اسے مرفوع قرار دیا ہے۔ اکثر وہ اسے ابوسفیان پر موقوف فرماتے تھے کہ جہنم سے پوچھا جائے گا کیا تو بھر گئی تو وہ کہے گی کیا کچھ مزید بھی ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ اپنا قدم مبارک اس میں رکھیں گے تو وہ کہے گی بس بس (3)۔

(۳) بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنت اور دوزخ آپس میں جھگڑا کریں گی۔ دوزخ کہے گی متکبرین اور جبارین کے ساتھ مجھے ترجیح دی گئی ہے۔ جنت کہے گی کیا وجہ ہے مجھ میں صرف کمزور اور گھٹیا لوگ ہی آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا تو میری رحمت ہے۔ اپنے بندوں سے میں جس پر چاہوں تیرے ساتھ رحم کرتا ہوں اور دوزخ سے فرمائے گا تو میرا عذاب ہے۔ تیرے ساتھ میں اپنے بندوں سے جسے چاہوں عذاب دوں۔ تم میں سے ہر ایک کو بھرا جائے گا۔ دوزخ اس وقت تک نہیں بھرے گی جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا مبارک قدم اس میں نہیں رکھیں گے تو وہ کہے گی بس بس۔ اس وقت وہ بھر جائے گی اور سمٹ جائیگی۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا اور جنت کے لئے ایک اور مخلوق پیدا فرمائے گا (4)۔

(۴) ایک اور حدیث:۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دوزخ اور جنت آپس میں جھگڑا کریں گی (اس سے آگے وہی روایت ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اسے صرف مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے (5)۔

(۵) حافظ ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ق: 594 2۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 234، مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2188-2187، تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 171

3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ق: 595، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 507، تفسیر طبری، جلد 26، جلد 170

4۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ق: 8 صفحہ 595، نیز یہی حدیث دیکھئے سورۂ بقرہ آیت (24)، سورۂ اسراء آیت: 15

5۔ مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 8 صفحہ 2187، مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 13

کے دن مجھے اپنی پہچان کرائے گا تو میں سجدہ کروں گا جس سے وہ مجھ سے راضی ہو جائے گا۔ پھر میں اس کی مدح وثنا کروں گا جس سے وہ مجھ سے راضی ہو جائے گا۔ پھر مجھے کلام کا حکم ہوگا۔ پھر میری امت کا گزر پل صراط سے ہوگا جسے جہنم کی پشت پر بچھایا گیا ہے۔ وہ نگاہ اور تیر کی طرح اور تیز رفتار گھوڑے کی طرح گزریں گے پھر ایک آدمی ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا گزرے گا اور یہ اعمال ہیں۔ اور جہنم مزید کا سوال کرتی رہے گی حتیٰ کہ اللہ رب العزت اپنا قدم اس میں ڈالیں گے تو وہ آپس میں سمٹ جائے گی اور کہے گی بس بس۔ اور میں حوض پر ہوں گا۔ عرض کی گئی یارسول اللہ ﷺ! حوض کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ عمدہ ہے اس کے برتنوں کی تعداد ستاروں سے بڑھ کر ہے۔ جو کوئی پیئے گا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول اختیار کیا ہے (2)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کا معنی ہے هل فيّ من مكان يزاد فيّ۔ حکم بن ابان نے عکرمہ سے یوں روایت کیا ہے هل فيّ مدخل واحد قد امتلأت۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس میں لوگ ڈالے جاتے رہیں گے حتیٰ کہ کہا جائے گا تو بھر گئی تو وہ کہے گی کیا مجھ میں مزید کی گنجائش ہے؟ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے یونہی مروی ہے۔ ان سب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا سوال (هل امتلأت) اس میں قدم الٰہی رکھے جانے کے بعد ہوگا۔ اس وقت وہ سمٹ کر کہے گی کیا مجھ میں مزید کی گنجائش ہے؟ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس وقت سوئی کے برابر بھی اس میں جگہ باقی نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔

اُزْلِفَتْ: قتادہ، ابو مالک اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب وہ متقین کے قریب کر دی جائے گی۔

غَيْرَ بَعِيْدٍ ایسا قیامت کے دن ہوگا اور وہ دن دور نہیں کیونکہ وہ لامحالہ واقع ہونے والا ہے۔ جو چیز آنے والی ہو وہ قریب ہوتی ہے۔

اَوَّابٍ: رجاع، تائب مقلع، سچی توبہ کرنے والا۔ حَفِيْظٍ: جو عہد کو پورا کرتا ہے اور اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ عبید بن عمیر نے اَوَّابٍ حَفِيْظٍ کا معنی کرتے ہوئے لکھا ہے جو کسی مجلس کے خاتمے پر استغفار کر کے اٹھتا ہے۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ جو مخفی طور پر اللہ سے ڈرتا ہے جب اسے اللہ کے سوا کوئی دیکھ نہیں رہا ہوتا۔ جیسے حدیث شریف میں ہے: ''جس نے علیحدگی میں اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے..... الحدیث'' (3)۔

(منيب) سليم إليه، خاضع لديه۔ خشوع وخضوع کی حالت میں۔

ادْخُلُوْهَا یعنی جنت میں۔ بسلام قتادہ کا قول ہے وہ عذاب الٰہی سے نجات پائیں گے اور ملائکہ ان پر سلام بھیجیں گے۔

يَوْمُ الْخُلُوْدِ وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور باہر نہیں نکلیں گے۔ نہ انہیں موت آئے گی نہ کبھی باہر نکل سکیں گے۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ جو وہ مانگیں گے حاضر کر دیا جائے گا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کثیر بن مرہ سے روایت کیا ہے کہ ایک بادل اہل جنت پر سے گزرے گا اور کہے گا تم کیا چاہتے ہو وہ تم پر برسا دوں؟ وہ جو چیز مانگیں گے ان پر برسا دی جائے گی۔ کثیر کا قول ہے اگر ہمیں یہ موقع ملا تو میں کہوں گا ہم پر خوبصورت لونڈیاں برسا (4)۔ حدیث شریف میں ہے جسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 603 2۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 170

3۔ بخاری، فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 28 صفحہ 143، مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 715، نیز دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 271 اور سورۂ یوسف آیت 33 اور سورۂ یٰسین آیت: 29 4۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 608

آپ ﷺ نے فرمایا تو جنت میں پرندے کی خواہش کرے گا تو وہ بھن کر تیرے سامنے گر جائے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بندۂ مومن جب جنت میں بچے کی آرزو کرے گا تو حمل، وضع حمل اور عمر کے تمام مراحل یکبارگی طے پا جائیں گے(1)۔ ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب لکھا ہے(2)۔

وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ (یونس:26)۔ صحیح مسلم میں ہے کہ اس سے مراد دیدار الٰہی ہے(3)۔ بزار اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ رب العزت ہر جمعہ انہیں اپنے دیدار سے نوازے گا(4)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند میں مرفوعاً حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کی بارگاہ میں ایک آئینہ لائے۔ اس میں ایک نکتہ تھا آپ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ جبریل نے عرض کی یہ جمعہ ہے جس کے ساتھ آپ کو اور آپ کی امت کو تمام لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ لوگ (یہود و نصاریٰ) اس میں تمہارے تابع ہیں۔ اس میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔ اس میں تمہارے لئے ایسی گھڑی ہے جس میں بندۂ مومن کوئی اچھی دعا نہیں مانگے گا مگر وہ مقبول ہوگی اور وہ ہمارے نزدیک یوم المزید ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا یوم المزید کیا ہے؟ جبریل نے عرض کی آپ کے رب نے جنت میں ایک وسیع وادی بنائی ہے اس کے ٹیلے کستوری کی طرح ہیں۔ جب جمعہ کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں کچھ فرشتوں کو اتارتا ہے جو وہ چاہے۔ اس کے اردگرد نور کے منبر ہوں گے جن پر انبیاء تشریف فرما ہوں گے۔ ان کے گرد سونے کے منبر ہوں گے جن پر یاقوت اور زبرجد جڑا ہوگا وہ جگہ شہداء اور صدیقین کی ہوگی۔ وہ ان ٹیلوں کے پیچھے ہوں گے اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اب سوال کرو تمہیں عطا ہوگا۔ وہ عرض کریں گے اے رب ہمیں تیری رضامندی درکار ہے۔ وہ فرمائے گا میں تم سے راضی ہوں اور تمہیں وہ ملے گا جس کی تم نے آرزو کی اور مزید بھی۔ وہ جمعہ کا دن پسند کریں گے جس میں اللہ تعالیٰ انہیں بھلائی سے نوازے گا۔ یہی وہ دن ہے جس میں تمہارے رب نے عرش پر استواء فرمایا۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف ام کی کتاب الجمعہ میں اسی طرح روایت کیا ہے(5)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور ایک طویل روایت بھی لکھی ہے جس میں بہت سی عجیب و غریب باتیں ہیں(6)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی جنت میں ستر سال تک ایک سمت میں تکیہ لگائے رکھے گا پھر اس کے پاس ایک عورت آئے گی اور اس کے کندھے پر ہاتھ مارے گی وہ اسے دیکھے گا۔ اس کا رخسار آئینے سے زیادہ شفاف ہوگا اس میں اسے چہرہ نظر آئے گا اور اس کا کم درجے کا ہیرا مشرق و مغرب کو روشن کر دے گا۔ وہ اسے سلام کرے گی۔ وہ اس کے سلام کا جواب دے گا اور پوچھے گا تو کون ہے؟ وہ کہے گی میں ''المزید'' سے ہوں۔ اس پر ستر حلے ہوں گے۔ لیکن اس کی پنڈلی کا گودا ان کے پیچھے سے بھی نظر آئے گا۔ اس کے سر پر تاج ہوگا جس کا ادنیٰ موتی مشرق و مغرب کو روشن کر دینے کے لئے کافی ہے(7)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 9
2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الجنۃ، جلد 10 صفحہ 36-35 و ابن ماجہ، الزہد، جلد 2 صفحہ 1452
3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یونس آیت: 26
4۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 69، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 112
5۔ الام، جلد 1 صفحہ 185، مسند امام شافعی، جلد 1 صفحہ 137-136
6۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 175-173
7۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 75 تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 176-175

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا
يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ
فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

”اور قریش مکہ سے پہلے ہم نے برباد کر دیا بہت سی قوموں کو جو شوکت و قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں پس وہ گھومتے رہے شہروں میں۔ کیا عذاب الٰہی سے انہیں کوئی پناہ گاہ ملی؟ بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو دل (بینا) رکھتا ہو یا (کلام الٰہی کو) کان لگا کر سنے متوجہ ہو کر۔ اور ہم نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں۔ اور ہمیں تھکن نے چھوا تک نہیں۔ پس آپ صبر فرمایئے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔ اور رات کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی“۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان جھٹلانے والے لوگوں سے قبل ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جو تعداد اور قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھے۔ انہوں نے زمین کو ان سے بڑھ کر آباد کیا تھا۔

فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے أی وأثروا فیھا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے زمین کو خراب کیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ معاش کی تلاش میں زمین میں تم سے بڑھ کر پھرتے تھے۔ زمین پر گھومنے والے کو کہا جاتا ہے نقب فیھا۔ امرؤالقیس کا قول ہے:

لَقَدْ نَقَّبْتُ فِي الآفَاقِ حَتَّى رَضِيْتُ مِنَ الغَنِيْمَةِ بِالإِيَابِ (1)

هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ کیا اللہ کی قضاء وقدر سے بھاگنے کی انہیں کوئی جگہ ملی؟ کیا ان کے جمع کردہ مال نے عذاب خداوندی سے بچانے میں ان کی مدد کی۔ اسی طرح تمہارے لئے بھی کوئی مفر نہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ ذکری: عبرت۔ قلب: لب یعی به: سمجھ۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ”عقل“۔

اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ کلام کو سنا سمجھا اور اسے یاد کر لیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی کیا ہے: دل کے ساتھ اپنے آپ سے بات نہیں کرتا (2)۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے عرب کہتے ہیں: ألقی فلان سمعه (جب کوئی کان لگا کر کسی بات کو سنے اور اس کا دل بھی حاضر ہو)۔ ثوری وغیرہ نے بھی یہی کہا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ اس میں وجود آخرت کی دلیل ہے کہ جو ذات زمین و آسمان کی تخلیق پر قادر ہے اور ان کی تخلیق سے اسے کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی، وہی ذات بطریق اولیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر

1۔ دیوان قیس: 99
2۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 178

ہے۔ قتادہ سے مروی ہے کہ یہود (ان پر اللہ کی لعنتیں ہوں) کہنے لگے اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں زمین وآسمان کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا۔ یہ ہفتہ تھا۔ وہ اسے آرام کا دن کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کو جھوٹا قرار دیا۔

لغوب: اعیاء و تعب و نصب: تھکن (1)۔ جیسے ایک اور آیت میں فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (احقاف:33)۔ اور جیسے فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (غافر:10)۔ اور فرمایا: ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا (النازعات:27)۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ......ان کی تکذیب کے باوجود آپ صبر جمیل اختیار کیجئے اور اپنے رب کی نماز ادا کیجئے۔ معراج سے قبل طلوع آفتاب سے قبل فجر کے وقت اور غروب سے قبل یعنی عصر کی دو رکعتیں فرض تھیں اور رات کا قیام آپ ﷺ اور آپ کی امت پر ایک سال تک فرض تھا۔ پھر امت کے حق میں اس کا وجوب منسوخ کر دیا گیا۔ اس کے بعد سب کچھ منسوخ فرما کر معراج کی رات پانچ نمازیں فرض کر دیں۔ صبح اور عصر کی نماز بھی اس میں شامل رکھی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں بیٹھے تھے چودہویں کے چاند کی طرف آپ نے نگاہ فرمائی اور ارشاد فرمایا: تم اپنے رب کے سامنے جاؤ گے اور اسے اسی طرح دیکھو گے جیسے تم چاند کو دیکھ رہے ہو۔ تمہیں اس کے دیکھنے میں کوئی شبہ نہ ہوگا۔ اگر تم یہ کر سکو کہ طلوع آفتاب اور غروب سے قبل نماز ترک نہ کرو تو ایسا ضرور کرو۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ...... بخاری ومسلم رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ نے بھی اسے بیان کیا ہے (2)۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ أي فصلّ له: نماز پڑھئے۔ جیسے فرمایا: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (الاسراء:79)۔

وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد نماز کے بعد تسبیح ہے۔ اس کی تائید صحیحین کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ فقراء مہاجرین سرکار ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مالدار لوگ بلند درجے اور دائمی نعمتیں حاصل کر چکے ہیں۔ یہ سن کر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ کس طرح؟ عرض کی وہ ہماری طرح نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں۔ صدقہ کرتے ہیں اور غلام آزاد کرتے ہیں لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ سکھاؤں کہ جب تم اسے کرو گے تو دوسروں سے سبقت لے جاؤ گے اور کوئی تم سے افضل نہ ہوگا مگر جو اس طرح کرے جیسے تم کرتے ہو؟ ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہا کرو۔ روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی سن کر اسی طرح کرنا شروع کر دیا ہے تو سرکار ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرماوے (3)۔

دوسرے قول کے مطابق وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے مراد مغرب کے بعد کی دو رکعتیں ہیں۔ حضرت عمر، علی، حسن (آپ کے صاحبزادے)، حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ اور ابو امامہ رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ مجاہد، عکرمہ، شعبی، نخعی، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کی یہی

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 179 2۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 366-365 نیز دیکھئے تفسیر سورۂ طہٰ آیت: 130

3۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 325، مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 417-416

رائے ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر نماز کے بعد دو رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے ماسوائے فجر اور عصر کے۔ (عبدالرحمٰن کی روایت میں ہے) ہر نماز کے بعد۔ ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے(1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے میں نے ایک رات آپ ﷺ کے پاس بسر کی۔ آپ نے فجر سے پہلے مختصر دو رکعتیں ادا فرمائیں پھر نماز کے لئے تشریف لے گئے اور فرمایا اے ابن عباس! فجر سے پہلے دو رکعتیں ادبار النجوم اور مغرب کے بعد دو رکعتیں ادبار السجود ہیں۔ (ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے)(2)۔ اس رات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی خالہ میمونہ کے گھر میں تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ مل کر تیرہ رکعتیں ادا فرمائیں۔ یہ صحیحین وغیرہ سے ثابت ہے(3)۔ لیکن یہ زیادتی صرف اسی روایت میں ہے اور راوی رشیدین بن کریب ضعیف ہے۔ شاید یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہو اور موقوف ہو۔

وَ اسْتَمِعْ یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ﴿۴۱﴾ یَّوْمَ یَسْمَعُوْنَ الصَّیْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْیٖ وَ نُمِیْتُ وَ اِلَیْنَا الْمَصِیْرُ ﴿۴۳﴾ یَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَیْنَا یَسِیْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ﴿۴۵﴾

''اور کان کھول کر سنو اس دن کے بارے میں جب پکارنے والا قریب سے پکارے گا۔ جس دن سنیں گے سب لوگ ایک گرجدار آواز بالیقین۔ وہی دن (قبروں سے) نکلنے کا دن ہوگا۔ بیشک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف ہی (سب نے) لوٹنا ہے۔ جس روز زمین پھٹ جائے گی ان کے اوپر سے جلدی سے نکل پڑیں گے۔ یہی حشر ہے یہ ہمارے لئے بالکل آسان ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں۔ پس آپ نصیحت کرتے رہیئے اس قرآن سے ہر اس شخص کی جو (میرے) عذاب سے ڈرتا ہے''۔

حضور ﷺ کو خطاب ہو رہا ہے۔

یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ کعب احبار نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرشتے کو حکم فرمائے گا کہ صخرہ بیت المقدس پر یہ ندا دو: اے بوسیدہ ہڈیو! اے بکھرے ہوئے جوڑو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دے رہا ہے کہ فیصلے کے دن کے لئے جمع ہو جاؤ(4)۔

الصَّیْحَةَ بِالْحَقِّ صور پھونکا جانا ایک حقیقت ہے جس کے بارے میں تم وہم و گمان میں مبتلا ہو۔

یَوْمُ الْخُرُوْجِ قبروں سے نکلنے کا دن۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْیٖ وَ نُمِیْتُ وَ اِلَیْنَا الْمَصِیْرُ وہی ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا پھر وہی دوبارہ اسے لوٹائے گا اور یہ اس کے لئے آسان ہے۔ تمام مخلوق نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ خواہ اچھے ہوں یا برے۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 124، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 24 نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 389

2۔ ترمذی تفسیر سورۃ طور، عارضۃ الاحوذی، جلد 12 صفحہ 167-165 تفسیر طبری، جلد 26، جلد 181 درمنثور، جلد 7 صفحہ 610

3۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 191، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 526-525

4۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 183

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے تمام مخلوق کے اجسام قبروں میں اسی طرح اگیں گے جیسے دانہ پانی کے ساتھ مٹی میں اگ آتا ہے۔ جب اجسام مکمل ہو جائیں گے تو اللہ اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم ارشاد فرمائیں گے۔ تمام روحیں صور کے سوراخ میں ہوں گی۔ صور پھونکتے ہی وہ آسمان و زمین کے درمیان پھرنے لگیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری عزت اور جلال کی قسم! ہر روح اپنے جسم کی طرف لوٹے گی جس میں وہ رہتی تھی۔ چنانچہ ہر روح اپنے جسم کی طرف لوٹ جائے گی اور اس میں اسی طرح سرایت کرے گی جس طرح سانپ ڈسے شخص میں زہر سرایت کرتا ہے۔ زمین پھٹ جائے گی اور وہ میدان حساب کی طرف تیز تیز چل پڑیں گے۔

ارشاد ہوتا ہے: مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ (القمر:8) اور فرمایا: يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا (الاسراء:52)۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے میرے اوپر سے زمین میں شگاف ہوگا (1)۔

ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ اس کا اعادہ ہمارے لئے آسان ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (قمر:50) اور فرمایا: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (لقمان:28)۔

قولہ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ مشرکین آپ کی جو تکذیب کرتے ہیں۔ وہ ہمارے علم میں ہے۔ جیسے فرمایا: وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ ...... حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر:97)۔

قولہ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ آپ انہیں ہدایت پر مجبور کرنے والے نہیں اور نہ ہی آپ اس بات کے مکلف ہیں۔ مجاہد، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک (آپ ان پر جبر نہیں کرتے) پہلا معنی زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ اگر یہ مراد ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ولا تکن جبارا علیھم فرمایا: وما أنت علیھم بجبار بمعنی وما أنت بمجبرھم علی الایمان انما انت مبلغ آپ انہیں ایمان پر مجبور کرنے والے نہیں آپ تو مبلغ ہیں۔ فراء کا قول ہے میں نے عرب کو یوں کہتے سنا جبر فلان فلانا علی کذا بمعنی أجبرہ (1)۔ پھر فرمایا:

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ یعنی اپنے رب کا پیغام پہنچایئے بیشک وہی نصیحت حاصل کرے گا جو اللہ اور اس کی وعید سے ڈرتا ہے اور اس کے وعدے کی امید رکھتا ہے جیسے فرمایا: فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد:40)۔ اور فرمایا: فَذَكِّرْ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ؕ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشیہ:22-21) اور فرمایا: اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (القصص:56)۔ قتادہ فرمایا کرتے تھے اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے کردے جو تیری وعید سے ڈرتے ہیں اور تیرے وعدے کی امید رکھتے ہیں اے مہربان اے رحیم۔

(سورۂ ق کی تفسیر ختم ہوئی)

1۔ صحیح مسلم، جلد 4 صفحہ 1712

2۔ تفسیر طبری، جلد 29 صفحہ 185

سورۃ الذاریات

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَ الذّٰرِيٰتِ ذَرۡوًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡحٰمِلٰتِ وِقۡرًا ۙ﴿۲﴾ فَالۡجٰرِيٰتِ يُسۡرًا ۙ﴿۳﴾ فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا ۙ﴿۴﴾ اِنَّمَا
تُوۡعَدُوۡنَ لَصَادِقٌ ۙ﴿۵﴾ وَّ اِنَّ الدِّيۡنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡحُبُكِ ۙ﴿۷﴾ اِنَّكُمۡ لَفِىۡ قَوۡلٍ
مُّخۡتَلِفٍ ۙ﴿۸﴾ يُّؤۡفَكُ عَنۡهُ مَنۡ اُفِكَ ؕ﴿۹﴾ قُتِلَ الۡخَرّٰصُوۡنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِيۡنَ هُمۡ فِىۡ غَمۡرَةٍ
سَاهُوۡنَ ۙ﴿۱۱﴾ يَسۡـَٔلُوۡنَ اَيَّانَ يَوۡمُ الدِّيۡنِ ؕ﴿۱۲﴾ يَوۡمَ هُمۡ عَلَى النَّارِ يُفۡتَنُوۡنَ ﴿۱۳﴾ ذُوۡقُوۡا
فِتۡنَتَكُمۡ ؕ هٰذَا الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۱۴﴾

''قسم ہے ان ہواؤں کی جو اڑ کر بکھیرنے والیاں ہیں۔ پھر ان بادلوں کی جو (بارش کا) بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ پھر کشتیوں کی جو آہستہ چلنے والیاں ہیں، پھر فرشتوں کی جو حکم (الٰہی) سے بانٹنے والے ہیں۔ بیشک جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے وہ سچا ہے۔ اور یقیناً جزا و سزا کا دن ضرور آئے گا۔ قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں۔ بے شک تم مختلف (بے ربط) باتوں میں پڑے ہو۔ منہ پھیرے ہے اس (قرآن) سے جس کا منہ ازل سے ہی پھیر دیا گیا ہے۔ ستیاناس ہو اٹکل پچو باتیں بنانے والوں کا جو غفلت (کے نشہ) میں بے سدھ پڑے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں روزِ جزا کب آئے گا۔ یہ اس دن ہوگا جب وہ آگ پر تپائے جائیں گے۔ اپنی سزا کا مزہ چکھو۔ یہی وہ ہے جس کے لئے تم جلدی مچا رہے تھے''۔

شعبہ بن حجاج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کوفہ کے منبر پر فرما رہے تھے تم مجھ سے کسی آیت یا حدیث کے بارے میں سوال نہیں کرو گے مگر میں تمہیں بتاؤں گا۔ یہ سن کر ابن کواء کھڑا ہو کر کہنے لگا: امیر المومنین (وَالذّٰرِيٰتِ ذَرۡوًا) کا کیا معنی ہے؟ فرمایا الریح (ہوا)۔ پوچھا (فَالۡحٰمِلٰتِ وِقۡرًا)؟ آپ نے فرمایا بادل۔ پوچھا (فَالۡجٰرِيٰتِ يُسۡرًا)؟ آپ نے فرمایا: کشتیاں۔ عرض کی (فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا) فرمایا: فرشتے(1)۔ اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے۔ ابوبکر بزار نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ صبیغ تمیمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور پوچھا امیر المومنین! مجھے الذّٰرِيٰتِ ذَرۡوًا کے بارے میں بتائیے۔ آپ نے فرمایا یہ ہوائیں ہیں۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے نہ سنا ہوتا تو نہ کہتا۔ اس نے پوچھا فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا کے بارے میں بتائیے؟ آپ نے فرمایا یہ فرشتے ہیں۔ اگر میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے نہ سنا ہوتا تو نہ کہتا۔ اس نے پوچھا فَالۡجٰرِيٰتِ يُسۡرًا کے بارے میں بتائیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کشتیاں ہیں۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے نہ سنا ہوتا تو ہرگز نہ کہتا۔ پھر اسے کوڑے مارنے کا حکم دیا چنانچہ اسے سو کوڑے مارے گئے اور ایک کمرے میں ڈال دیا گیا۔ جب وہ صحت یاب ہو گیا تو اسے بلایا اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 186، مستدرک، حاکم، تفسیر سورۃ ذاریات، جلد 2 صفحہ 467-422، درمنثور، جلد 7 صفحہ 614

مزید سو کوڑے لگوائے۔ اسے ایک سواری پر سوار کیا اور ابو موسیٰ اشعری کو لکھا لوگوں کو اس کے ساتھ بیٹھنے سے منع کر دو۔ ایسا ہی کیا گیا حتیٰ کہ وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور بڑی شدید قسمیں اٹھا کر کہنے لگا اب اس کے دل میں وہ چیز باقی نہیں ہے جو پہلے تھی۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میرا خیال ہے وہ سچ ہی بولتا ہے اسے چھوڑ دو اور لوگوں سے ملنے دو(1)۔

(میں کہتا ہوں) یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک موقوف ہے۔ صبیغ بن عسل کا واقعہ مشہور ہے آپ نے اسے کوڑے اس لئے لگوائے تھے کہ آپ نے محسوس کیا تھا کہ وہ سرکشی اور عناد کے ساتھ سوال کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی واقعہ صبیغ کے حالات میں مفصل درج کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن عمر، مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کچھ بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ الذّٰرِيٰتِ سے مراد ریح ہے جیسا کہ مذکور ہوا اور فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا سے مراد بادل ہے جس طرح اوپر گزرا کیونکہ یہ پانی اٹھائے ہوتے ہیں۔ جیسے زید بن عمرو بن نفیل کا قول ہے(2)۔

وأسلمتُ نَفْسِي لِمَنْ أسلمتْ   له المزنُ تحملُ عذباً زُلَالَا

فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا سے مراد کشتیاں ہیں۔ جمہور کا مشہور قول یہی ہے جس طرح گزرا ہے کہ یہ پانی میں چلتی جاتی ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد ستارے ہیں جو اپنے افلاک میں چلتے جاتے ہیں تاکہ یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہو اسی طرح درجہ بدرجہ ہواؤں سے اوپر بادل ہوتے ہیں اور ستارے اس سے اوپر اور مقسمات امراء یعنی فرشتے اس سے اوپر اللہ کے شرعی اور تکوینی اوامر لے کر اترتے ہیں۔ وقوع قیامت پر یہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے۔ لصادق: سچی خبر۔ الدین: حساب۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی کیا ہے ذات الجمال والبھاء و الحسن والاستواء۔ خوبصورتی میں بے مثال۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو مالک، ابو صالح، سدی، قتادہ، عطیہ عوفی، ربیع بن انس وغیرہ کا یہی قول ہے۔ حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ پانی کی موجیں اور ریت کے ذرے اور کھیتوں کے پتے جب ہوا سے لہراتے ہیں تو گویا ان میں راستے پڑ جاتے ہیں۔ اسی کو حبك کہتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے پیچھے جھوٹا، گمراہ ہے۔ اس کے سر کے بال پیچھے کی طرف سے حبك حبك ہیں یعنی گھونگریالے ہیں(3)۔ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حبك سے مراد شدت والا، خصیف کہتے ہیں خوش منظر اور حسن بصری کہتے ہیں اس کی خوبصورتی ستارے ہیں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ذَاتِ الْحُبُكِ: یعنی ساتواں آسمان(4)۔ گویا آپ کی مراد یہ تھی کہ وہ آسمان جس میں ستارے ہیں۔ بہت سے علماء ہیئت کے نزدیک یہ ساتویں سے اوپر آٹھویں فلک میں ہیں۔ واللہ اعلم۔ یہ سب اقوال ایک ہی چیز کی طرف لوٹتے ہیں اور وہ حسن اور بھاء (خوبصورتی اور رونق) ہے، جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس کا حسن، اس کی بلندی، شفاف ہونا، مضبوطی، چوڑائی، نفاست اور ستاروں اور سیاروں سے مزین ہونا اور سورج چاند سے آراستہ ہونا ہے۔

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 70-69
2۔ سیرۃ ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 231
3۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 190
4۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 191

قولہ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ یعنی اے مرسلین کی تکذیب کرنے والے مشرکین! تم خود اپنے اقوال میں مضطرب ہو اور کسی نتیجے پر نہیں پہنچے۔ قتادہ کا قول ہے کہ تم قرآن کی تصدیق اور تکذیب کرنے میں مختلف ہو۔

يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ یہ حالت اس کی ہوتی ہے جو خود گمراہ ہو اور اپنے باطل اقوال کی وجہ سے بھٹک جاتا ہے۔ اس کی پیروی بھی گمراہی کا سبب ہے جیسے فرمایا: فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۞ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۞ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ (صافات: 163-161) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی گمراہ کرنا لیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ کہ اس کا معنی یہ ہے: عَنْهُ مَنْ: اس سے دور وہی ہوتا ہے جو بھلائیوں سے دور ڈال دیا گیا ہے حسن بصری کا قول ہے کہ اسے قرآن سے پھیر دیا جاتا ہے جو اسے جھٹلاتا ہے۔

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کذابین (جھوٹے) یہ اسی طرح ہے جیسے سورۂ عبس میں آتا ہے: قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ۔ خراصون یہی وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اٹھائے نہیں جائیں گے اور قیامت پر یقین نہیں رکھتے (1)۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے یعنی شک کرنے والوں (خراصون) پر اللہ کی لعنت ہو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے: شک کرنے والے ہلاک ہوگئے۔ قتادہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد اهل الغرۃ والظنون شک کرنے والے فریب میں مبتلا ہیں۔

غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے کہ وہ کفر وشرک میں غافل اور لا پرواہ ہیں۔

يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ وہ ایسا تکذیب، عناد، شک اور بعید از قیاس سمجھتے ہوئے کہتے ہیں۔

يُفْتَنُوْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن وغیرہ کا قول ہے: أي يعذبون كما يفتن الذهب بالنار۔ اسی طرح عذاب دیئے جائیں گے جیسے سونا آگ میں پگھلایا جاتا ہے۔

ایک دوسرے گروہ جیسے مجاہد (ایک روایت)، عکرمہ، ابراہیم نخعی، زید بن اسلم اور سفیان ثوری کا قول ہے: یفتنون أي يحرقون جلائے جائیں گے۔

ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اپنی آگ۔ دیگر کا قول ہے عذاب۔

تَسْتَعْجِلُوْنَ انہیں ایسا زجر و توبیخ، تحقیر اور چھوٹا ہونے کا احساس دلانے کے لئے کہا جا رہا ہے واللہ اعلم۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۞ اٰخِذِيْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۞ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۞ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۞ وَ فِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ۞ وَ فِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۞ وَ فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۞ وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ۞ فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۞

" البتہ اللہ سے ڈرنے والے (اس روز) باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ (بصد شکر) لے رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں بخشے گا۔ بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بھی نیکوکار تھے۔ یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔ اور سحری کے وقت

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 192

(اپنی خطاؤں کی) بخشش طلب کرتے تھے۔ اور ان کے اموال میں حق تھا سائل کے لئے اور محروم کے لئے۔ اور زمین میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اہل یقین کے لئے۔ اور تمہارے وجود میں بھی (نشانیاں ہیں) کیا تمہیں نظر نہیں آتیں۔ اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور وہ ہر چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ حق ہے (بعینہ اسی طرح) جس طرح تم باتیں کر رہے ہو"۔

اللہ تعالیٰ متقی حضرات کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ روز قیامت وہ جنت کے باغ و بہار میں ہوں گے بخلاف ان بدبختوں کو جو عذاب ونکال، آگ اور بیڑیوں میں ہوں گے۔

قولہ تعالیٰ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ نے انہیں جو فرائض عطا فرمائے ہیں ان پر عمل پیرا ہوں گے۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ فرائض کے ان کے ذمے لازم کئے جانے سے قبل بھی وہ دنیا میں نیک اعمال کرتے تھے۔ ابن حمید نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ان کے رب نے جو فرائض انہیں عطا فرمائے، وہ فرائض سے قبل بھی نیک عمل کرتے تھے(1)۔ اس کی سند ضعیف ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں۔ عثمان بن ابی شیبہ نے بھی بروایت سعید بن جبیر ابن عباس سے یہی روایت کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تفسیر قابل غور ہے اور آخذین یہ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ سے حال ہے۔ یعنی متقی لوگ جنت میں اپنے رب کی عطا کی ہوئی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔

قَبْلَ ذٰلِكَ سے مراد دار دنیا ہے۔

مُحْسِنِيْنَ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ (الحاقہ: 24)۔ ان کے اخلاص عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے دو اقوال ہیں:۔

(۱) ایک یہ کہ یہ "ما" نافیہ ہے۔ اس صورت میں معنی یوں بنے گا کہ وہ رات کا قلیل حصہ نہیں سویا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کوئی رات نہیں گزرتی تھی مگر وہ اس کا کچھ حصہ یاد خدا میں ضرور بسر کیا کرتے تھے۔ قتادہ نے مطرف بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ہر رات کا کچھ حصہ ضرور یاد خداوندی میں صرف کرتے تھے خواہ ابتدا میں یا درمیان میں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ کسی رات وہ صبح تک سوئے رہے ہوں اور نماز تہجد ادا نہ کی ہو۔ قتادہ سے بھی یہی مروی ہے۔ انس بن مالک اور ابوالعالیہ کا قول ہے کہ وہ مغرب اور عشاء کے مابین نماز پڑھا کرتے تھے۔ ابوجعفر باقر کا قول ہے کہ وہ نماز عشاء کی ادائیگی سے قبل نہیں سوتے تھے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ "ما" یہاں مصدریہ ہے۔ اس صورت میں مفہوم یہ بنے گا کہ ان کی رات کی نیند بہت کم تھی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول پسند کیا ہے(2)۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ وہ رات کو قیام کرتے تھے اور رات کا بہت کم حصہ سوتے تھے۔ پھر اٹھ جاتے اور سحری تک بیدار رہتے حتیٰ کہ استغفار سحری کے وقت ہوتا۔ قتادہ نے احنف بن قیس سے اس روایت کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ رات کو کم ہی سوتے تھے۔ پھر آپ ارشاد فرماتے اس آیت میں جن لوگوں کا بیان ہوا ہے میں ان میں شامل نہیں۔ حضرت حسن بصری کا قول

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 196 2۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 200

ہے کہ احنف بن قیس فرمایا کرتے تھے میں نے اپنے اعمال کا موازنہ جنتیوں کے اعمال سے کیا تو ان کے اور اپنے درمیان طویل فاصلہ پایا وہ ایسی قوم ہیں ہم جن کے اعمال کو نہیں پہنچ سکتے وہ رات کو کم ہی سوتے تھے۔ اور پھر میں اپنا عمل دوزخیوں کے اعمال کے مقابل لایا تو کیا دیکھتا ہوں وہ لوگ تو خیر سے بالکل خالی تھے۔ کتاب اللہ اور اللہ کے رسول کی تکذیب کرتے تھے۔ موت کے بعد دوبارہ زندگی کے منکر تھے۔ میں نے ان لوگوں کو خود سے اچھی حالت میں پایا جن کی نیکیاں اور برائیاں ملی ہوئی ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ بنو تمیم کے ایک آدمی نے ابی سے کہا: اے ابواسامۃ! یہ صفت ہم میں نہیں پائی جاتی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! ہم رات کا بہت ہی کم حصہ عبادت میں گزارتے ہیں تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ شخص بھی بہت خوش نصیب ہے جو نیند آئے تو سو جائے اور جب بیدار ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں جلوہ فرما ہوئے تو لوگ آپ ﷺ کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ میں بھی اس اجتماع میں شریک تھا۔ جب میں نے آپ ﷺ کے روئے انور کو دیکھا تو مجھے یہ یقین ہو گیا کہ ایسا چہرہ جھوٹے آدمی کا نہیں ہوسکتا۔ آپ ﷺ کی سب سے پہلی بات جو میرے کان میں پڑی وہ یہ تھی: ''اے لوگو! کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، سلام آپس میں پھیلاؤ۔ اور رات کو نماز پڑھو جب لوگ سور ہے ہوں تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے'' (1)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جنت میں ایسے کمرے ہیں جن کے اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا حصہ اندر سے نظر آتا ہے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ کس کے لئے ہوں گے؟ فرمایا: ان کے لئے جو نرم گفتگو کرے، کھانا کھلائے اور قیام اللیل کرے جبکہ لوگ سور ہے ہوں (2)۔ معمر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ زہری اور حسن فرمایا کرتے تھے کہ وہ رات کا اکثر نوافل میں گزارتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ سویا نہیں کرتے تھے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ كَانُوْا قَلِيْلًا کو اس سے پہلے جملے کے ساتھ ملاتے تھے اور من اللیل سے اگلی آیت شروع فرماتے لیکن اس قول میں دوری اور تکلف ہے (3)۔

قولہ عزوجل وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس سے مراد نماز پڑھنا لیا ہے۔ بعض دیگر مفسرین کا قول ہے وہ راتوں کو قیام کرتے ہیں اور آخر میں سحری کے وقت استغفار کرتے ہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (آل عمران: 17) '' اور (اپنے گناہوں کی) معافی مانگنے والے ہیں سحری کے وقت''۔ اگر یہ استغفار نماز ہی میں ہو تو بہت بہتر ہے۔ صحاح ستہ وغیرہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' اللہ تعالیٰ ہر رات کے آخری تیسرے حصے میں آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اسے بخش دوں؟ ہے کوئی جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کا سوال پورا کر دوں؟ طلوع فجر تک یہی ندا آتی رہتی ہے'' (4)۔

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ حضرت یعقوب علیہ وعلی نبینا الصلاۃ والتسلیم نے اپنے بیٹوں سے جو فرمایا تھا: سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ

1۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 451، یہی حدیث سورۂ یونس کی آیت: 17 میں گزر چکی ہے۔

2۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 173 دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ آیت: 72 اور سورۂ عنکبوت آیت: 58

3۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 199

4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران آیت: 97

(یوسف:98) ''عنقریب مغفرت طلب کروں گا تمہارے لئے'' آپ نے اسے سحری کے وقت تک کے لئے مؤخر فرمایا تھا(1)۔

قولہ فِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ...... یہ وصف بیان کرنے کے بعد کہ وہ نمازیں ادا کرتے ہیں اب ان کے زکوٰۃ دینے، حسن سلوک اور صلہ رحمی کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ ''حق'' سے مراد ہے مقررہ حصہ جسے وہ سائل اور محروم کے لئے الگ کرتے ہیں۔ سائل کا معنی تو معروف ہے جو سوال میں سبقت کرتا ہے اور اس کا حق ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے''(2)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مختلف سندوں سے موقوفاً اور مرفوعاً روایت کیا ہے(3)۔

اَلۡمَحۡرُوۡمِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ کا قول ہے: هو المحارف الذی لیس له فی الاسلام سهم یعنی جس کا بیت المال میں کوئی حصہ نہ ہو نہ اس کے پاس کوئی کام کاج ہو اور نہ کوئی پیشہ جس سے وہ روزی کما سکے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ ایسا شخص جس کی آمدنی سے اس کا گزارہ نہیں ہوتا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس کا مال ضائع ہو گیا ہو۔ ابوقلابہ کا قول ہے کہ یمامہ میں سیلاب آیا اور ایک آدمی کا مال بہا کر لے گیا تو کسی صحابی نے فرمایا: محروم سے مراد یہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن مسیّب، ابراہیم نخعی، نافع مولی ابن عمر اور عطاء بن ابی رباح نے محروم سے مراد مُحَارف لیا ہے۔ قتادہ اور زہری رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اَلۡمَحۡرُوۡمِ سے مراد وہ ہے جو لوگوں سے کوئی سوال نہیں کرتا۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مسکین وہ نہیں جو آتے جاتے رہتے ہیں اور ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک کھجور اور دو کھجوریں لے کر واپس چلے جاتے ہیں بلکہ حقیقی مسکین تو وہ ہے کہ جس کے پاس اتنا مال بھی نہ ہو کہ کفایت کر سکے اور نہ لوگوں کو اس کا پتہ چلتا ہے کہ اسے صدقہ دیں''(4)۔ اس حدیث کو شیخین نے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے(5)۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ جو شخص آتا ہے تو مال غنیمت تقسیم ہو چکا ہوتا ہے چنانچہ اسے تھوڑا بہت دے دیا جاتا ہے۔ محمد بن اسحاق نے اپنی سند سے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ مکہ جارہے تھے کہ راستے میں ایک کتا آ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے بکری کا ایک شانہ کاٹ کر اس کی طرف پھینکا اور فرمایا لوگ کہتے ہیں یہ بھی محروم میں سے ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں محروم کا معنی معلوم کرنے سے عاجز آ گیا ہوں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ معنی پسند کیا ہے کہ محروم وہ ہے جس کے پاس مال نہ ہو خواہ وجہ کوئی بھی ہو۔ اس کا مال ضائع ہو چکا ہو۔ خواہ کمائی کرنے پر قادر نہ ہو یا اس کا مال کسی آفت وغیرہ سے ضائع ہو گیا ہو(6)۔ ثوری نے حضرت حسن بن محمد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سریّۃ (لشکر) روانہ فرمایا وہ مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے تقسیم کے وقت وہ لوگ بھی آ گئے جو اس دستے میں شامل نہ تھے تو یہ آیت نازل ہوئی(7)۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ آیت مدنی ہے لیکن دراصل یہ آیت مکی ہے اور اپنے مابعد کو شامل ہے۔

قولہ وَ فِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ یعنی زمین میں ایسی نشانیاں ہیں جو اس کے خالق کی عظمت اور اس کی قدرت کی واضح دلیل ہیں۔ جیسے اس میں طرح طرح کی نباتات، حیوانات، پہاڑ، صحراء، دریا اور سمندر، لوگوں کے رنگوں اور زبانوں کا مختلف ہونا۔ ان کے ارادوں اور طاقتوں کا فطری طور پر جدا جدا ہونا، اسی طرح ان کی عقلوں، حرکات اور سعادت وشقاوت کا اختلاف، ان کے اعضائے ترکیبی کی بناوٹ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یوسف آیت:98
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یوسف آیت:98
3۔ طبرانی: المعجم الکبیر، جلد 22 صفحہ 203-204
4۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 202، دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیات: 177-273 اور سورۂ توبہ آیت:60
5۔ بخاری ومسلم
6۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 304
7۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 203، درمنثور، جلد 7 صفحہ 616

میں تفاوت۔

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو اپنی تخلیق میں غور و فکر کرے تو اسے پتہ چلے گا کہ اس کی تخلیق اور اعضاء کی نرمی اس بات کی دلیل ہے کہ اسے عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ یعنی بارش۔

وَمَا تُوْعَدُوْنَ یعنی جنت۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ سفیان ثوری سے مروی ہے کہ واصل احدب نے یہ آیت پڑھی وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ...... اور فرمایا میرا رزق تو آسمانوں میں ہے اور میں اسے زمین میں تلاش کر رہا ہوں؟ چنانچہ ایک ویرانے میں چلے گئے۔ تین دن تک تو کچھ نہ ملا۔ تیسرے دن کیا دیکھتے ہیں کہ تازہ کھجوروں کی ایک تھیلی پاس پڑی ہے۔ آپ کا ایک مخلص بھائی تھا جو حسن نیت میں آپ سے بھی بڑھ کر تھا وہ آپ کے پاس آیا تو یہ دو ہوگئیں۔ چنانچہ ان کا یہی معمول رہا حتیٰ کہ موت نے انہیں علیحدہ کیا۔

فَوَرَبِّ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ...... اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی قسم اٹھا رہا ہے کہ وقوع قیامت اور حساب و جزاء کا جو وعدہ ان سے کیا گیا ہے وہ سچا ہے لازماً ایسا ہو کر رہے گا اس میں کوئی شبہ نہیں۔ لہٰذا تم اس میں کسی شک کا اظہار نہ کیا کرو جس طرح تمہیں اس بات کی سچائی میں کوئی شبہ نہیں ہوتا جو تم خود کہتے ہو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو اپنے مخاطب سے فرماتے یہ بات اسی طرح حق ہے جس طرح تو یہاں ہے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو برباد کرے جنہیں رب نے عطا فرمایا ہے پھر بھی وہ صدقہ نہیں دیتے''۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مرسلاً ذکر فرمایا ہے(1)۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝24 اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝25 فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَاۗءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝26 فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝27 فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝28 فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۝29 قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝30

''(اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو خبر ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی۔ جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا تم پر بھی سلام ہو (دل ہی دل میں سوچا) بالکل انجان لوگ ہیں۔ پس چپکے سے اپنے اہل خانہ کی طرف گئے اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لے آئے۔ لا کر ان کے قریب رکھ دیا فرمایا کھاتے کیوں نہیں۔ پس دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے۔ وہ بولے ڈریئے نہیں۔ اور انہوں نے بشارت دی آپ کو ایک صاحبِ علم بیٹے کی۔ پس آئی آپ کی بیوی چیں بجبیں ہو کر اور (فرطِ حیرت سے) طمانچہ دے مارا اپنے چہرہ پر اور بولی (میں) بوڑھی (میں)

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 206

بانجھ (کیا میرے ہاں بچہ ہوگا!) انہوں نے کہا ایسا ہی تیرے رب نے فرمایا ہے۔ بے شک وہی بڑا دانا، سب کچھ جاننے والا ہے"۔

یہ واقعہ سورۂ ہود اور حجر میں گزر چکا ہے۔

الْمُكْرَمِيْنَ جنہیں اللہ نے عزت وشرف عطا فرمایا تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور علماء کرام کی ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ مہمان کی ضیافت کرنا واجب ہے۔ حدیث میں بھی یہی آیا ہے۔ آیت کریمہ کے الفاظ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

قولہ تعالیٰ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۖ قَالَ سَلٰمٌ پیش سے پڑھنا زبر کی نسبت اقوی اور مضبوط ہے۔ سلام سے سلام کا جواب دینا افضل ہے۔ چنانچہ ایک اور آیت میں فرمایا: وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ (1) "اور جب سلام دیا جائے تمہیں کسی لفظ دعا سے تو سلام دو تم ایسے لفظ سے جو بہتر ہو اس سے یا (کم از کم) دوہرا دو وہی لفظ"۔ چنانچہ حضرت خلیل علیہ السلام نے افضل صورت کو اختیار فرمایا۔

قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ملائکہ جبریل، میکائیل اور اسرافیل خوبرو نوجوانوں کی شکل میں آپ کے پاس آئے۔ ان کے چہروں پر رعب وجلال تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا یہ لوگ غریب الدیار اور اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ چپ چاپ تیزی سے اپنے گھر گئے۔

فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ بہترین قسم کا۔ ایک دوسری آیت میں ہے: فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ (ہود:69) "پھر آپ جلدی لے آئے (ان کی ضیافت کے لئے) ایک بچھڑا بھنا ہوا"۔

فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ اسے ان کے قریب رکھ دیا۔

قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ عبارت میں لطافت اور پیش کرنے کا خوبصورت انداز ہے۔ یہ آیت ضیافت کے آداب کو شامل ہے۔ آپ تیزی سے کھانا لے کر آئے اس طرح کہ مہمانوں کو پتہ بھی نہ چلا۔ پہلے ان پر احسان نہ جتلایا یعنی یہ کہہ کر کہ تمہارے لئے کھانا لاتے ہیں بلکہ خاموشی اور تیزی سے بہترین چیز بھنا ہوا موٹا تازہ بچھڑا لائے اور اسے ان کے سامنے رکھ دیا اور یہ بھی نہ فرمایا قریب آؤ بلکہ اسے ان کے سامنے رکھ دیا۔ اور ایسے حتمی صیغہ سے بھی مخاطب نہ فرمایا جو سامع کو دشوار گزرے بلکہ از حد تواضع اور نرمی سے فرمایا اَلَا تَاْكُلُوْنَ جیسے آج کوئی یہ کہہ دے اگر آپ فضل وکرم اور صدقہ فرمانا چاہتے ہیں تو کیجئے۔

قولہ تعالیٰ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً یہ محال ہے جس طرح یہی واقعہ دوسری سورت میں گزر چکا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً (ہود:70) "پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں بڑھ رہے کھانے کی طرف تو اجنبی خیال کیا انہیں اور دل ہی دل میں ان سے اندیشہ کرنے لگے۔ فرشتوں نے کہا ڈریئے نہیں۔ ہمیں تو بھیجا گیا ہے قوم لوط کی طرف۔ اور آپ کی اہلیہ (سارہ پاس) کھڑی تھیں۔ وہ ہنس پڑیں"۔ ان سرکشوں کی ہلاکت کی خبر سن کر آپ ہنس دیں۔ اس وقت فرشتوں نے آپ کو اسحٰق اور ان کے ہاں یعقوب کی پیدائش کی خوشخبری دی۔ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (ہود:73-72) "سارہ نے کہا وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔ بلاشبہ یہ تو عجیب وغریب بات ہے فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے

1۔ نساء، جلد 4 صفحہ 86

حکم پر؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو! بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے"۔

اسی کی طرف یہاں اشارہ فرمایا وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت آپ کی بیوی کو بشارت دینا ہے کیونکہ فرزند دونوں کا تھا۔ اس لئے خوشخبری دونوں کو ہے۔

قولہ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ چیخنے اور شور مچاتی ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، ابوصالح، ضحاک، زید بن اسلم، ثوری اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے یعنی آپ کا یہ کہنا (یاویلتاہ!)۔

فَصَكَّتْ وَجْهَهَا یعنی اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر مارا۔ مجاہد اور ابن سابط رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حیرت زدہ ہو کر اپنے منہ پر طمانچہ مارا جس طرح عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ عجیب وغریب بات کو دیکھ کر وہ اسی طرح کرتی ہیں۔

وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ یعنی میں کیسے بچہ جن سکتی ہوں جبکہ میں بوڑھی اور بچپن سے بانجھ ہوں مجھے حمل نہیں ٹھہرتا؟

قَالُوْا كَذٰلِكِ...... علیم یعنی جس تکریم کے تم مستحق ہوا سے خوب جانتا ہے اور اپنے اقوال وافعال میں حکیم ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

"آپ نے پوچھا تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے اے فرشتو! وہ بولے ہم بھیجے گئے ہیں ایک قوم کی طرف جو جرائم پیشہ ہے۔ تاکہ ہم برسائیں ان پر گارے کے بنے ہوئے پتھر (کھنگر) جن پر نشان لگے ہیں آپ کے رب کی طرف سے حد سے بڑھنے والوں کے لئے۔ (نزولِ عذاب سے پہلے) ہم نے نکال لیا وہاں کے تمام ایمانداروں کو پس نہ پایا ہم نے اس (ساری) بستی میں بجز ایک مسلم گھر کے اور ہم نے باقی رہنے دی وہاں ایک نشانی اُن لوگوں (کی عبرت پذیری) کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ: أي ماشأنكم وفيم جئتم؟ آپ کو کیا کام ہے؟ آپ کی تشریف آوری کا مقصد کیا ہے؟

اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ یعنی قوم لوط۔

مُّسَوَّمَةً نشان زدہ۔

عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ اللہ کے ہاں ہر پتھر پر ان کے نام لکھے جاچکے ہیں۔ سورۂ عنکبوت میں ہے: قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۤ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ (عنکبوت:32) "آپ نے کہا اس میں تو لوط بھی رہتا ہے۔ فرشتوں نے عرض کی ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں ہم ضرور بچالیں گے اسے اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی عورت کے۔ وہ پیچھے رہ

جانے والوں سے ہے"۔ اور یہاں فرمایا: فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مراد حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے اہل خانہ ہیں ماسوائے آپ کی بیوی کے۔

فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ یہ دونوں آیتیں معتزلہ کی رائے رکھنے والے لوگوں کی دلیل ہیں جو ایمان اور اسلام میں فرق نہیں کرتے کیونکہ ان لوگوں پر مؤمنین اور مسلمین کا اطلاق کیا گیا ہے لیکن یہ استدلال ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ لوگ مؤمن تھے اور ہمارے نزدیک ہر مؤمن تو مسلم ہے لیکن اس کے برعکس نہیں۔ پس حال کی خصوصیت کی وجہ سے انہیں مؤمن مسلم کہا گیا ہے اور ہر حال میں یہ لازم نہیں آتا یعنی اس سے عام طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر مسلم مؤمن ہے۔

قولہ وَتَرَكْنَا فِيْهَا اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ عذاب کے ساتھ تباہ و برباد کر کے اور ان کے محلے کو بد بودار بحیرہ میں تبدیل کر کے ہم نے انہیں باعث عبرت بنا دیا اور اس میں مؤمنین کے لئے بھی عبرت ہے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔

وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

"اور (داستان) موسیٰ میں بھی نشانی ہے جب ہم نے انہیں بھیجا فرعون کی طرف ایک روشن دلیل دے کر۔ پس اس نے روگردانی کی اپنی قوت کے بل بوتے پر اور کہنے لگا یہ شخص جادوگر ہے یا دیوانہ۔ تو ہم نے اس کو اس کے لشکر سمیت پکڑا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا اور وہ قابل ملامت بن گیا۔ اور (قصہ) عاد میں بھی نشانِ عبرت ہے جب ہم نے ان پر آندھی بھیجی جو خیر و برکت سے خالی تھی۔ نہیں چھوڑتی تھی کسی چیز کو جس پر گزرتی مگر اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی۔ اور (واقعہ) ثمود میں بھی نشانی ہے جب انہیں کہہ دیا گیا کہ لطف اٹھا لو ایک وقت تک۔ پس انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے تو پکڑ لیا انہیں ایک خوفناک کڑک نے درآنحالیکہ وہ دیکھ رہے تھے۔ پھر ان میں نہ اٹھنے کی طاقت رہی اور نہ وہ (ہم سے) انتقام لے سکے۔ اور قوم نوح کا اس سے پہلے (یہی حشر ہوا) بے شک وہ لوگ بھی (پرلے درجے کے) نافرمان تھے"۔

بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ قطعی دلائل و براہین۔

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ یعنی موسیٰ جو دعوت حق لائے تھے فرعون نے تکبر اور عناد کے ساتھ اس سے رخ پھیر لیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس نے اپنے ساتھیوں کو باعث تقویت قرار دیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ کا دشمن اپنی قوم پر غالب آ گیا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اس نے اپنے اعوان و انصار و لشکر جرار کے ساتھ روگردانی کی۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ (1)

1۔ ہود 80، تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 3

”لوط نے (بصد حسرت) کہا اے کاش! میرے پاس بھی تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں پناہ ہی لے سکتا کسی مضبوط سہارے کی“۔ لیکن پہلا معنی اقوی ہے۔ جس طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الحج: 9)” (تکبر سے) گردن مروڑے ہوئے تا کہ بہکا دے (دوسروں کو بھی) اللہ تعالیٰ کی راہ سے“۔ یعنی حق سے روگردانی کرنے والا تکبر کرنے والا۔

وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ آپ کا معاملہ دو چیزوں سے خالی نہیں یا تو آپ جادوگر ہیں یا پھر دیوانے۔

فَنَبَذْنٰهُمْ: أى القيناهم۔ ہم نے انہیں پھینک دیا۔

فِي الْيَمِّ: وهو البحر: سمندر میں۔

وَهُوَ مُلِيْمٌ اس حال میں کہ وہ ملامت زدہ، کافر، منکر، فاجر اور سرکش تھا۔

پھر فرمایا: وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ جو بانجھ تھی یعنی بار آور کرنے والی نہ تھی بے برکت۔ ضحاک، قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ یعنی جسے ہوا خراب کر دیتی ہے۔

كَالرَّمِيْمِ ہلاک شدہ، بوسیدہ چیز کی طرح۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہوا دوسری زمین میں مسخر ہے جب اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ہلاک کرنا چاہا تو ہوا کے خازن کو حکم فرمایا کہ قوم عاد کی تباہی کے لئے ہوا بھیجو اس نے عرض کی اے رب کیا بیل کے نتھنے کے برابر ان پر ہوا بھیجوں؟ تو جبار تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: نہیں یہ تمام روئے زمین والوں کے لئے کافی ہوگی بلکہ ان پر انگوٹھی کے برابر سوراخ کرو۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے(1)۔ اس حدیث کو مرفوع قرار دینا قابل تسلیم نہیں۔ اقرب یہی ہے کہ یہ حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔ یرموک کے دن اہل کتاب کی کتب کے جو دو بورے آپ کے ہاتھ لگے تھے۔ ممکن ہے یہ انہی سے ہو۔ واللہ اعلم۔ سعید بن مسیب وغیرہ کا قول ہے کہ یہ ہوائیں جنوبی تھیں۔ صحیح میں بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میری مدد صبا سے کی گئی ہے اور عاد کو دبور نے ہلاک کیا۔“(2)

تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ایک مقررہ وقت تک(3)۔ ظاہر ہے کہ یہ آیت اسی طرح ہے: وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ (فصلت: 71)” باقی رہے ثمود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر تو پکڑ لیا انہیں اس عذاب کی کڑک نے جو رسوا کن ہے“۔

وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ انہوں نے تین دن تک عذاب کا انتظار کیا چوتھے دن صبح ہی صبح اللہ کا عذاب آ گیا۔

مِنْ قِيَامٍ بھاگنا یا اٹھنا اور کھڑا ہونا۔

وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ اس بات کا انتقام بھی نہیں لے سکتے۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ان سے پہلے ہم نے قوم نوح کو ہلاک کر دیا تھا۔

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ یہ سارے واقعات اس سے قبل متعدد جگہوں پر بہت سی سورتوں میں بیان ہو چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ روم آیت: 48 2۔ یہ حدیث سورۂ احزاب کی آیت: 9 میں گزر چکی ہے۔ 3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 6-5

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۱﴾

''اور ہم نے آسمان کو (قدرت کے) ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اس کو وسیع کر دیا۔ اور زمین کا ہم نے فرش بچھا دیا پس ہم کتنے اچھے (فرش) بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تا کہ تم غور وفکر کرو۔ پس دوڑو اللہ کی طرف (اور اس کی پناہ لے لو) بے شک میں تمہیں اس (کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور نہ بناؤ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود۔ بے شک میں تمہیں اس (کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں''۔

عالم علوی اور سفلی کا بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے: وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا ہم نے اسے بلند محفوظ چھت بنایا ہے۔

بِاَيْىدٍ قوت کے ساتھ ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور ثوری وغیرہ سے مروی ہے۔

وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ یعنی ہم نے اس کے اطراف کو وسیع فرمایا اور بغیر ستونوں کے اسے بلند کیا۔ حتیٰ کہ یہ اسی طرح ٹھہر گیا جس طرح آپ اسے دیکھ رہے ہیں۔

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا مخلوقات کے لئے اس کا فرش بچھایا۔

فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ہم اسے اس کے باشندوں کے لئے بستر بنانے والے ہیں۔

وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ تمام مخلوقات کے جوڑے بنائے۔ آسمان اور زمین، رات اور دن، سورج چاند، بر و بحر، روشنی و تاریکی، ایمان و کفر، موت و حیات، شقاوت و سعادت، جنت و دوزخ حتیٰ کہ حیوانات اور نباتات۔

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ یعنی تا کہ تم جان لو کہ خالق وحدہٗ لاشریک ہے۔

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اسی کی پناہ لو اور تمام معاملات میں اسی پر اعتماد کرو۔

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا یَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ یَّوْمِهِمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

''اسی طرح نہیں آیا ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے یہی کہا کہ یہ ساحر ہے یا دیوانہ۔ کیا پہلوں نے

پچھلوں کو یہی وصیت کی تھی (نہیں) بلکہ یہ لوگ سرکش ہیں۔ پس آپ ان سے رخ انور پھیر لیجئے آپ پر کوئی الزام نہیں۔ اور آپ سمجھاتے رہئے یقیناً سمجھانا اہل ایمان کے لئے فائدہ بخش ہے۔ اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ نہ طلب کرتا ہوں میں ان سے رزق اور نہ طلب کرتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی (سب کو) روزی دینے والا، قوت والا (اور) زور والا ہے۔ پس ان ظالموں کے لئے عذاب کا ویسا ہی حصہ ہے جیسا ان کے ہم مشربوں کو حصہ ملا تھا پس یہ جلد بازی نہ کریں۔ پس تباہی ہے ان کے لئے جنہوں نے کفر کیا اس دن سے جس کا (ان سے) وعدہ کیا گیا ہے''۔

اپنے نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے اللہ رب العزت ارشاد فرما رہے ہیں جس طرح ان مشرکین نے آپ سے کہا ہے تو یہ کوئی انہونی بات نہیں۔ پہلے زمانے کے کفار نے بھی رسولوں کی تکذیب کی تھی اور یہی کہا تھا۔

اَتَوَاصَوْا بِهٖ کیا وہ ایک دوسرے کو اس بات کی وصیت کر کے جاتے ہیں؟

بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ لیکن یہ تو ایک سرکش قوم ہیں۔ ان کے دل سے بھی وہی بات نکلی جو ان لوگوں کے منہ سے نکلی تھی۔ متاخرین نے بھی وہی کہا جو متقدمین نے کہا تھا۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ اے محمد آپ ان سے رخ پھیر لیجئے۔

فَمَاۤ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ہم اس پر آپ کو ملامت نہیں کریں گے۔

وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ مومن دل اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ میں نے انہیں اس لئے پیدا کیا ہے کہ انہیں اپنی عبادت کرنے کا حکم دوں نہ کہ مجھے ان کی کوئی ضرورت ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مگر وہ طوعاً و کرھاً میری عبادت کریں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول اختیار کیا ہے(1)۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تاکہ وہ جان لیں۔ ربیع بن انس کا قول ہے مگر عبادت کے لئے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے عبادت کے لئے خواہ یہ فائدہ مند ہو یا نہ ہو۔ ایک اور جگہ آتا ہے: وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (لقمان:25) ''اور اگر دریافت کریں ان سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے''۔ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزمر:38) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ تو ضرور کہیں گے اللہ نے''۔ یہ ان کی عبادت ہے اور شرک کے ساتھ کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد مومنین ہیں۔

قولہ تعالیٰ مَاۤ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ آیت یوں پڑھائی ہے: إني أنا الرزاق ذو القوة المتين(2)۔

ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح کہا ہے(3)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 62 2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 394

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحروف، جلد 4 صفحہ 35، تحفۃ الاحوذی، ابواب القراءت، جلد 11 صفحہ 59، نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 86، تحفۃ الاحوذی، جلد 8 صفحہ 361

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا تا کہ اس وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔ چنانچہ جس نے اس کی اطاعت کی اسے مکمل جزا عطا فرمائے گا اور جس نے اس کی نافرمانی کی اسے سخت عذاب دے گا۔ ساتھ ہی انہیں یہ بتادیا کہ اسے ان کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ وہ ہر حال میں اس کے محتاج ہیں وہی ان کا خالق ورازق ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم! میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا، میں تیرا سینہ تونگری سے پر کردوں گا اور تیری فقیری کو روک دوں گا''(1)۔

ترمذی وابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے(2)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دونوں صاحبزادوں حبۃ اور سواء نے بیان کیا ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ کسی کام میں مشغول تھے یا کوئی دیوار بنار ہے تھے۔ ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کوئی چیز درست کر رہے تھے ہم بھی مدد کے لئے ساتھ شامل ہو گئے۔ فارغ ہو کر آپ ﷺ نے ہمارے لئے دعا کی اور فرمایا: ''سر ہل جانے تک روزی سے مایوس نہ ہو۔ انسان کو اس کی ماں سرخ جنتی ہے اس پر کوئی چھلکا نہیں ہوتا پھر اللہ اسے سب کچھ دیتا ہے اور روزی بھی''(3)۔ بعض آسمانی کتابوں میں ہے اے ابن آدم میں نے تجھے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے پس تو لہو ولعب میں نہ پڑ۔ میں نے تیرے رزق کی ذمہ داری لی ہے تو بے جا اپنے آپ کو مت تھکا۔ تو مجھے تلاش کر تو مجھے پالے گا۔ اگر تو نے مجھے پالیا تو تجھے سب کچھ مل گیا۔ اگر میں تجھے نہ ملا تو یوں سمجھ لے کہ تو نے سب کچھ کھو دیا اور ہر چیز سے زیادہ تیرے دل میں میری محبت ہونی چاہئے۔

ذَنُوْبًا عذاب کا حصہ۔

فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ جلدی نہ کریں یہ عذاب آکر رہے گا۔

مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ یعنی روز قیامت۔

سورۂ ذاریات کی تفسیر یہاں ختم ہوئی۔

وللّٰه الحمد والمنّة

1۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 358

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9 صفحہ 286، تحفۃ الاحوذی، جلد 7 صفحہ 166، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1376

3۔ یہ حدیث سورۂ روم آیت: 40 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

سورۂ طور

مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سنا آپ نماز مغرب میں سورۂ طور کی تلاوت فرمارہے تھے۔ آپ ﷺ سے زیادہ خوش الحان اور عمدہ قراءت والا میں نے کسی کو نہیں سنا(1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے میں نے اپنی بیماری کی شکایت آپ ﷺ سے کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم سواری پر سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے طواف کرلو'' چنانچہ میں نے طواف کیا اس وقت آپ ﷺ بیت اللہ شریف کے ایک کونے میں نماز ادا فرمارہے تھے اور سورت وَالطُّوْرِ ۙ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ کی تلاوت فرمارہے تھے(2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالطُّوْرِ ۙ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ﴿۳﴾ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ﴿۴﴾ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ﴿۵﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ﴿۹﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ؕ﴿۱۰﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۘ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؕ﴿۱۳﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۚ﴿۱۵﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

''قسم ہے (کوہ) طور کی اور کتاب کی جو لکھی گئی ہے۔ کھلے ورق پر۔ اور قسم ہے بیت معمور کی اور بلند چھت کی اور سمندر کی جو لبالب بھرا ہے۔ یقیناً آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا۔ اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ جس روز آسمان بری طرح تھرتھرا رہا ہوگا۔ اور پہاڑ (اپنی جگہ چھوڑ کر) تیزی سے چلنے لگیں گے۔ پس بربادی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ جو محض تفریح طبع کے لئے فضول باتوں میں لگے رہتے ہیں۔ اس روز انہیں دھکے دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ کیا یہ (آگ) جادو (کا کرشمہ) ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آ رہی۔ اس میں (تشریف لے) چلو، اب چاہے صبر کرو یا نہ کرو۔ دونوں برابر ہیں تمہارے لئے تمہیں اسی کا بدلہ دیا جارہا ہے جو تم کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کی قسم کھارہا ہے جو اس کی عظیم قدرت کی دلیل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اس کا عذاب اس کے دشمنوں پر واقع ہو کر

1۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 247، وتفسیر سورۂ طور، جلد 8 صفحہ 603، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 338

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ طور، جلد 8 صفحہ 603

رہے گا اور کوئی انہیں اس سے بچا نہ سکے گا۔ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر درخت ہوں۔ جس طرح وہ پہاڑ جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ جس پہاڑ پر درخت نہ ہوں اسے طور نہیں کہتے بلکہ اسے جبل کہا جاتا ہے۔

وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ اس سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا تحریری شکل میں خدا کی اتاری ہوئی کتابیں جو لوگوں پر علانیہ پڑھی جاتی ہیں۔ اسی لئے فرمایا: فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ وَّ الْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ صحیحین میں مذکور ہے کہ واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ساتویں آسمان سے آگے گزرنے کے بعد مجھے بیت المعمور دکھلایا گیا۔ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت کے لئے جاتے ہیں۔ دوبارہ انہیں موقع نہیں ملتا۔ یعنی اس میں عبادت کرتے ہیں اور اس کا طواف کرتے ہیں جس طرح اہل زمین اپنے کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اسی طرح بیت المعمور ساتویں آسمان والوں کا کعبہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے کیونکہ آپ زمینی کعبہ کے بانی ہیں اور جزاء عمل کی جنس سے ہوتی ہے۔ یہ کعبہ شریف سے عین اوپر ہے۔ ہر آسمان میں ایک گھر ہے جس میں اس آسمان کے باسی عبادت کرتے ہیں اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ جو گھر آسمان دنیا میں ہے اسے بیت العزۃ کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ساتویں آسمان میں ایک گھر ہے جسے بیت المعمور کہتے ہیں۔ یہ کعبہ سے بالکل اوپر کعبہ کی سیدھ میں ہے۔ چوتھے آسمان میں ایک نہر ہے جس کا نام نہر حیوان ہے۔ جبریل ہر روز اس میں غوطہ لگاتے ہیں اور باہر نکل کر بدن جھاڑتے ہیں۔ اس سے ستر ہزار قطرے گرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر قطرے سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے جنہیں حکم ہوتا ہے کہ بیت المعمور میں نماز ادا کریں۔ چنانچہ وہ اس میں نماز ادا کر کے باہر نکلتے ہیں دوبارہ کبھی ان کی باری نہیں آئے گی۔ ان میں سے ایک کو ان کا سردار مقرر کیا جاتا ہے اسے حکم دیا جاتا ہے کہ انہیں لے کر آسمان میں ایک جگہ کھڑا ہو جائے۔ وہ وہاں کھڑے ہو کر قیامت تک تسبیح پڑھتے رہیں گے'' (1)۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ اس کے راوی روح بن جناح اس میں منفرد ہیں حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے ان کی اس حدیث کا انکار کیا ہے۔ جیسے جوز جانی، عقیلی اور حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری وغیرہ۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سعید اور زہری رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت سے اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی بیت المعمور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: آسمان میں ایک گھر ہے اسے ''ضراح'' کہتے ہیں۔ یہ کعبہ سے اوپر ہے۔ آسمان میں اس کی حرمت اسی طرح ہے جیسے زمین میں بیت اللہ شریف کی حرمت۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے اس میں نماز ادا کرتے ہیں اور پھر کبھی ان کی باری نہیں آتی (2)۔ ایک روایت میں ہے کہ سوال کرنے والا ابن کواء تھا۔ جس طرح کہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن ربیعہ سے روایت کیا ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیت المعمور کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: آسمان میں ایک مسجد ہے اسے ''ضراح'' کہتے ہیں...... الخ (3)۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ''یہ گھر عرش کے سامنے ہے۔ فرشتے اسے آباد رکھتے ہیں۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے اس میں نماز ادا کرتے ہیں۔ پھر کبھی ان کی باری نہیں آئے گی۔'' عکرمہ، مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ اور بہت سے سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔ قتادہ، ربیع بن انس اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے

1۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 627، میزان الاعتدال، جلد 2 صفحہ 57 2۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 16 3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 17

صحابہ سے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو بیت المعمور کیا ہے؟'' صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: ''یہ آسمان میں ایک مسجد ہے کعبہ سے بالکل اوپر اس طرح کہ اگر گرے تو کعبہ کے عین اوپر گرے۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے اس میں نماز ادا کر کے باہر نکلتے ہیں اور پھر کبھی ان کی باری نہیں آتی۔''(1)۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ یہ فرشتے ''جن'' کہلاتے ہیں۔ یہ ابلیس کے قبیلہ سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ سفیان ثوری، شعبہ اور ابوالاحوص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی آسمان ہے۔ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ(2) ''اور ہم نے بنایا آسمان کو ایک چھت جو (شکست و ریخت سے) محفوظ ہے۔ اور وہ لوگ (اب بھی) اس کی نشانیوں سے روگردانی کئے ہوئے ہیں''۔

مجاہد، قتادہ، سدی، ابن جریج اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے(3)۔ حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ نے اس سے مراد عرش لیا ہے۔ یعنی یہ تمام مخلوقات کی چھت ہے اور اس کی توجیہہ ہو سکتی ہے کہ یہ بھی مراد ہو اور دوسرے معانی بھی جس طرح کہ جمہور کا قول ہے۔

قولہ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ربیع بن انس کا قول ہے کہ اس سے مراد زیر عرش پانی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے اور جس کے ساتھ روز قیامت مردے اپنی قبروں سے جی اٹھیں گے۔ جمہور کا قول ہے کہ اس سے مراد سمندر ہے۔ اور مسجور کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد آگ ہے جو روز قیامت روشن ہوگی۔ جیسے ایک اور جگہ آتا ہے: وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (التکویر: 6) ''اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے)۔ یعنی ان میں آگ لگائی جائے گی جو پھیل کر تمام اہل محشر کو گھیرے میں لے لے گی۔ سعید بن مسیّب نے علی بن ابی طالب سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر اور عبد اللہ بن عبید بن عمیر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ علاء بن بدر کا قول ہے کہ سمندر کو مسجور اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ اس کا پانی نہ تو پینے کے کام آتا ہے اور نہ اس سے کھیتی کو سیراب کیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن بھی سمندر اسی طرح ہوں گے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے المسجور المرسل یعنی بہتا ہوا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے المملوء یعنی بھرا ہوا۔ پرشدہ۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔ ایک قول ہے کہ اس سے مراد فارغ یعنی خالی شدہ۔ اصمعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی فارغ (خالی) ہے۔ ایک لونڈی پانی لینے گئی اور واپس آ کر کہا: اِنَّ الحوضَ مسجُورٌ۔ حوض خالی ہے۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مسانید الشعراء میں روایت کیا ہے(4)۔ ایک قول ہے کہ مسجور سے مراد ہے جسے زمین سے روک دیا گیا ہو۔ کہیں زمین پر پھیل کر اہل زمین کو ڈبو نہ دے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر رات تین مرتبہ سمندر اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ تمام لوگوں کو ڈبو دے مگر اللہ تعالیٰ اسے روک دیتا ہے''(5)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 17 2۔ انبیاء: 32، حاکم: مستدرک، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 468 3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 18
4۔ درمنثور، جلد 7، صفحہ 630 5۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 43

حافظ ابوبکر اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ مجاہد (جو کہ ساحل سمندر پر لشکر کے ساتھ تھے) نے بیان کیا ہے میں ایک رات چوکیداری کے لئے نکلا۔ میرے ساتھ کوئی دوسرا چوکیدار نہ تھا۔ میں بندرگاہ کی طرف آیا اور ایک پہاڑ پر چڑھ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ سمندر پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر آرہا ہے۔ ایسا کئی مرتبہ ہوا۔ میں اسے بیداری کی حالت میں دیکھ رہا تھا۔ میں نے ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے بروایت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اوپر والی حدیث سنائی۔ لیکن اس میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔

وقولہ تعالیٰ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ اب اس چیز کا بیان ہو رہا ہے جس چیز پر یہ قسمیں کھائی گئی تھیں۔ یعنی عذاب کفار پر واقع ہو کر رہے گا۔ جس طرح ایک دوسری آیت میں ہے: مَّا لَهُ مِن دَافِعٍ (طور:8) ''اسے کوئی ٹالنے والا نہیں''۔ یعنی جب اللہ ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمالے تو کوئی اس کے عذاب کو ہٹا نہیں سکتا۔ حافظ ابوبکر بن ابی دنیا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہر مدینہ کا گشت لگانے کے لئے نکلے۔ آپ کا گزر ایک مسلمان کے پاس سے ہوا۔ وہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ کھڑے ہو کر اس کی تلاوت سننے لگے جب اس نے سورۂ طور کی یہ آیت پڑھی: اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ...... تو آپ نے فرمایا رب کعبہ کی قسم سچی ہے اور اپنے گدھے سے اتر پڑے اور دیوار سے ٹیک لگا کر کچھ دیر کھڑے رہے پھر اپنے گھر چلے گئے۔ ایک مہینہ آپ کی یہی کیفیت رہی۔ لوگ آپ کی عیادت کے لئے آتے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ بیماری کیا ہے؟ امام ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل القرآن میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ ..... تو اسی وقت آپ کی ہچکی بندھ گئی اور بیس روز تک یہی کیفیت رہی۔

يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: تتحرك تحريكاً جھول رہا ہو گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت میں ہے پھٹ جانا مراد ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ چکر کھانے لگے گا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس کا ڈولنا اور حرکت کرنا اللہ کے حکم سے ہوگا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ قول پسند کیا ہے کہ ڈولنا اور جھولنا مراد ہے۔

ابوعبیدۃ معمر بن مثنی نے اعشیٰ کا یہ شعر نقل کیا ہے:

كَأَنَّ مِشْيَتَهَا مِنْ بَيْتِ جارتها مَوْرُ السَّحَابَةِ لَا رَيْثٌ وَلَا عَجَلُ(1)

وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ختم ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

فَوَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ یعنی ان کے لئے اللہ کے عذاب سے ہلاکت ہے۔

الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ یعنی دنیا میں وہ باطل میں گم رہے اور ان کے دین سے ٹھٹھا اور مذاق کرتے رہے۔

يَوْمَ يُدَعُّونَ دھکیل کر لے جایا جائے گا۔ مجاہد، شعبی، محمد بن کعب، ضحاک، سدی اور ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ انہیں دھکا دیا جائے گا۔

هَٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ داروغہ جہنم انہیں از راہ زجر و توبیخ کہیں گے۔

1۔ مجاز القرآن، جلد 2 صفحہ 231، دیوان (55)، تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 20

اِصْلَوْهَا اس میں داخل ہو جاؤ تو یہ تمہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی۔

فَاصْبِرُوْٓا خواہ تم اس کے عذاب پر صبر کرو یا نہ کرو تم اس سے بچ کر نہیں جا سکتے۔

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ...... یعنی اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا عطا فرمائے گا۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَ وَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾

”بیشک پرہیزگار (اس روز) باغوں میں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ شاد و مسرور ان نعمتوں پر جو انہیں ان کے رب نے دی ہوں گی۔ اور بچا لیا انہیں ان کے رب نے دوزخ کے عذاب سے۔ (حکم ملے گا) کھاؤ پیو خوب مزے لے لے کر ان (نیکیوں) کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بچھے ہوئے پلنگوں پر اور ہم انہیں بیاہ دیں گے گوری گوری آہو چشموں سے“۔

اللہ تعالیٰ سعادت مندوں کی حالت کا بیان فرما رہا ہے کہ متقی لوگ جنتوں اور ناز و نعم میں ہوں گے جبکہ کفار عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے شاد کام ہو رہے ہوں گے جیسے طرح طرح کے کھانے، ملبوسات، محلات، سواریاں وغیرہ۔

وَ وَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ اللہ نے انہیں دوزخ کے عذاب سے نجات بخشی ہے۔ یہ بھی ایک مستقل نعمت ہے پھر اس کے علاوہ جنت میں داخلہ اور انواع و اقسام کی نعمتیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا بلکہ کسی بشر کے دل پر اس کا خیال تک نہیں گزرا۔

قولہ تعالیٰ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ (الحاقہ: 24) ”(اذن ملے گا) کھاؤ اور پیو مزے اڑاؤ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج دیئے گزشتہ دنوں میں“۔ یہ اللہ کا فضل واحسان ہے۔

قولہ تعالیٰ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ سرر سے مراد حجال: پردے ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”آدمی چالیس سال تک ایک ہی جگہ ٹیک لگائے بیٹھا رہے گا نہ وہاں سے اٹھے گا اور نہ اکتائے گا۔ اس کی ہر خواہش پوری ہوگی“۔ ایک دوسری روایت میں ہے آدمی جنت میں ستر سال تک تکیہ لگائے بیٹھا رہے گا۔ اس کے پاس اس کی بیویاں اور خدام ہوں گے اور اللہ کی عطا کردہ دیگر نعمتیں۔ پھر جب وہ دوسری طرف نظر اٹھائے گا تو اس کے سامنے حوریں ہوں گی جنہیں اس نے پہلے کبھی دیکھا نہ ہوگا۔ وہ کہیں گی شکر ہے تم نے ہماری طرف بھی توجہ کی۔

مَّصْفُوْفَةٍ ایک دوسرے کی طرف منہ کئے ہوئے۔ ایک دوسری آیت میں ہے: وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (الحجر: 47) ”اور تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے)، عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (صافات: 44) ”(زرنگار) پلنگوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے“۔

وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ہم نے ان کے ہمراہ پاک دامن، نیک، خوبصورت حوریں کی ہوں گی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے زوجناھم کا معنی نکاح کرنا کیا ہے۔ ان کے اوصاف متعدد جگہ گزر چکے ہیں۔ ان کے اعادے کی اب یہاں ضرورت نہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿٢١﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢٢﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٢٤﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَاۗءَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿٢٨﴾

''اور جولوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ، ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم کمی نہیں کریں گے ان کے عملوں (کی جزا) میں ذرہ بھر۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں اسیر ہوگا۔ اور ہم مسلسل دیتے رہیں گے انہیں (ایسے) میوے اور گوشت جو وہ پسند کریں گے۔ وہ چھینا جھپٹی کریں گے وہاں جام شراب پر (لیکن) اس میں نہ کوئی لغویت ہوگی اور نہ گناہ۔ اور (خدمت بجا لانے کے لئے) چکر لگاتے ہوں گے ان کے گرد ان کے غلام (اپنے حسن کے باعث) یوں معلوم ہوں گے گویا وہ چھپے موتی ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے۔ کہیں گے ہم بھی اس سے پہلے اپنے اہل خانہ میں (اپنے انجام کے بارے میں) سہمے رہتے تھے۔ سو بڑا احسان فرمایا ہے اللہ نے ہم پر اور بچالیا ہے ہمیں گرم لو کے عذاب سے۔ بے شک ہم پہلے بھی (دنیا میں) اس سے دعا کیا کرتے تھے۔ یقیناً وہ بہت احسان کرنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی مخلوق پر اپنے بے پایاں لطف و احسان ذکر فرما رہا ہے کہ مؤمنین کی اولادیں جب ایمان میں ان کی پیروی کریں گی تو انہیں بھی ان کے آباء کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اگرچہ وہ حسن عمل میں ان کے برابر نہ پہنچے ہوں تاکہ اپنے ابناء کو اپنے ساتھ دیکھ کر آباء کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ انہیں احسن انداز سے جمع کیا جائے گا یعنی ناقص العمل کو کامل کے درجہ میں بلند کر دیا جائے گا اور اس کے عمل اور درجہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور دونوں برابر ہوں گے۔ اسی لئے فرمایا:

اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ...... ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ عزوجل مومن کی اولاد کو بھی جنت میں اس کا درجہ عطا فرمائے گا، اگرچہ وہ اپنے عمل کے ذریعہ وہاں رہنے کا مستحق نہ ہو۔ یہ اس لئے تاکہ انہیں اس مقام پر فائز دیکھ کر اس نیک بندے کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ......(1)۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے سفیان ثوری سے روایت کیا ہے اسی طرح ابن جریر نے شعبہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی

1۔ حاکم، مستدرک، جلد 2، صفحہ 468، طبری، جلد 27، صفحہ 24، درمنثور، جلد 7، صفحہ 632

روایت کیا ہے۔ بزار رحمۃ اللہ نے بروایت سعید، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بھی ذکر کیا ہے(1)۔ پھر لکھتے ہیں ثوری نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد مومنین کی اولاد یں ہیں جن کا انتقال بحالت ایمان ہوگا۔ اگر ان کے آباء کے درجات ان سے بلند ہوں گے تو انہیں اپنے آباء سے ملا دیا جائے گا اور ان کے اعمال میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ حافظ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (اور اسے مرفوع قرار دیا ہے) کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب آدمی جنت میں داخل ہوگا تو اپنے والدین اور بیوی بچوں کے بارے میں دریافت کرے گا۔ اسے بتایا جائے گا کہ وہ تمہارے درجہ کو نہیں پہنچ سکے۔ وہ کہے گا: اے رب! میں نے اپنے لئے اور ان کے لئے بھی نیک عمل کئے تھے۔ چنانچہ انہیں اس کے ساتھ ملا دینے کا حکم دیا جائے گا۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ ...... (2)۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ارشاد ہوتا ہے: جن کی اولاد ایمان لائی اور میری اطاعت کرتی رہی میں انہیں ان کے ایمان کے ساتھ جنت میں ان کے ساتھ ملا دوں گا اور ان کی کم سن اولاد کو بھی۔ (3) اس کا مفہوم پہلی تفسیر کی طرح ہی ہے بلکہ اس میں زیادہ وضاحت ہے۔ شعبی، سعید بن جبیر، ابراہیم، قتادہ، ابوصالح، ربیع بن انس، ضحاک اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی منقول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ عبداللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے اپنے ان دو بچوں کی بابت پوچھا جو زمانہ جاہلیت میں انتقال کر گئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ تو دوزخ میں ہیں۔'' جب آپ ﷺ نے ان کے چہرے پر کبیدگی کے آثار دیکھے تو فرمایا: ''اگر تم ان کی جگہ دیکھ لیتیں تو تمہارے دل میں ان کا بغض پیدا ہو جاتا۔'' انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میرا بچہ جو آپ سے ہوا ہے؟ فرمایا: ''وہ جنت میں ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک مومنین اور ان کی اولاد جنت میں ہے اور مشرکین اور ان کی اولاد دوزخ میں''۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ الآیۃ۔ (4) یہ تو آباء کے نیک اعمال کی برکت سے ابناء پر اللہ تعالیٰ کے فضل کی بات تھی اور اب ابناء کی دعاء کی برکت سے آباء پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم بھی ملاحظہ ہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے نیک بندے کا درجہ بلند فرمائے گا تو وہ کہے گا اے رب یہ کہاں سے عطا ہوئی؟ ارشاد ہوگا تیرے بیٹے کی تیرے لئے استغفار کرنے کی وجہ سے(5)۔

اس کی اسناد صحیح ہے۔ شیخین نے اسے اس سند سے روایت نہیں کیا لیکن صحیح مسلم میں اس طرح کی ایک روایت مروی ہے اس کے راوی بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب ابن آدم کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے اعمال موقوف ہو جاتے ہیں ماسوائے تین چیزوں کے صدقہ جاریہ، علم دین جس سے نفع پہنچتا رہے، نیک اولاد جو اس مرنے والے کے لئے دعا کرتی رہے(6)۔

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 71-70 2۔ طبرانی، المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 441-44 3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 25

4۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 135-134۔ نوٹ: یہ حدیث سورۃ نساء کی آیت: 15 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ 5۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 509

6۔ ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1207، مسلم، کتاب الوصیۃ، جلد 3 صفحہ 1255

قولہ تعالیٰ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ مقام فضل (آباء کی وجہ سے اولاد کے درجات بغیر عمل کے بلند کرنے کا بیان کرنے) کے بعد اب مقام عدل کا بیان ہو رہا ہے۔ وہ یہ کہ کسی کو کسی کے گناہ کے بدلے میں نہیں پکڑا جائے گا۔

رَهِيْنٌ یعنی ہر شخص اپنے عمل کے ساتھ اسیر ہے کسی دوسرے کا گناہ اس پر نہیں لادا جائے گا۔ خواہ باپ ہو یا بیٹا۔ ایک اور آیت میں ہے: كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۙ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۛ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ۙ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ (المدثر:41-38) ''ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے۔ سوائے اصحاب یمین کے جو جنتوں میں ہوں گے اہل جنت پوچھیں گے مجرموں سے''۔

قولہ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ انواع واقسام کے پھلوں اور گوشت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

قولہ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا یعنی وہ شراب کے جام ایک دوسرے کو پلا رہے ہوں گے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے۔

لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ یعنی ان کی گفتگو میں یا وہ گوئی نہ ہوگی نہ بیہودگی۔ جس طرح دنیا میں مے خواری کے وقت مے خوار کیا کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لغو سے مراد باطل اور تاثیم سے جھوٹ مراد لیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ نہ تو کسی کو گالی دیں گے اور نہ ناشائستہ حرکات کریں گے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دنیا میں ایسی حرکات شیطان کی وجہ سے تھیں(1) لیکن اللہ تعالیٰ نے آخرت کی شراب کو دنیا کی تمام آلودگیوں سے پاک فرمادیا۔ جیسے سر درد، پیٹ درد، عقل کا کلیۃً زائل ہو جانا وغیرہ اور یہ بتایا کہ یہ بیہودہ گفتگو جو ہذیان اور فحش گوئی پر مبنی ہو، سے خالی ہوگی۔ اس کی عمدگی اور ذائقے کی نفاست کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ (صافات:47-46) ''(دودھ سے زیادہ) سفید بڑے لذیذ، پینے والوں کے لئے۔ نہ اس میں مضرِ صحت کوئی چیز ہے اور نہ وہ اس (کے پینے) سے مدہوش ہوں گے''۔ اور فرمایا: لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ (الواقعہ:19) ''نہ سر درد محسوس کریں گے اس سے اور نہ مدہوش ہوں گے''۔ اور یہاں فرمایا: يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا......۔

قولہ تعالیٰ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ...... جنت میں ان کے خدم وحشم کی خبر دی جارہی ہے کہ اپنے حسن و جمال، رونق اور لباس کی صفائی میں وہ یوں محسوس ہوں گے جیسے چھپے موتی۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ (الواقعہ:18-17) ''گردش کرتے ہوں گے ان کے اردگرد نوخیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے۔ (ہاتھوں میں) پیالے، آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے جام لئے ہوئے''۔

قولہ تعالیٰ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ وہ آپس میں گفتگو کریں گے اور دنیا میں ایک دوسرے کے اعمال واحوال کے بارے میں دریافت کریں گے جس طرح دنیا کی دعوتوں میں ندیم کرتے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ یعنی دار دنیا میں اپنے اہل خانہ کے درمیان ہم اپنے رب کے عذاب وعتاب سے ڈرتے رہتے تھے۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا...... یعنی اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں اس چیز سے پناہ دی جس سے ہم ڈرتے تھے۔

نَدْعُوْهُ ہم نہایت عاجزی سے اس کی بارگاہ میں دعا مانگا کرتے تھے۔ اس نے ہماری دعاؤں کو قبول فرمالیا اور ہمیں ہماری طلب کردہ چیز عطا فرمادی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 29

اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ اس مقام پر ایک حدیث وارد ہوئی ہے جسے حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب اہل جنت جنت میں چلے جائیں گے تو وہ اپنے دوستوں سے ملنا چاہیں گے۔ چنانچہ ایک کا تخت اڑے گا اور دوسرے کے تخت کے سامنے آ جائے گا۔ وہ دونوں آپس میں گفتگو کریں گے۔ دونوں ٹیک لگائے دنیا کی یاد تازہ کریں گے۔ ایک دوسرے سے کہے گا۔ اے فلاں! تمہیں پتہ ہے رب نے کس دن ہماری مغفرت فرمائی تھی؟ فلاں دن ہم فلاں جگہ پر تھے کہ ہم نے اللہ سے بخشش کی دعا مانگی تھی تو اس نے ہمیں بخش دیا''۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہماری معلومات کے مطابق یہ حدیث صرف اسی سند سے مروی ہے(1)۔ (مؤلف ابن کثیر کی رائے) میں کہتا ہوں کہ اس کا ایک راوی سعید بن دینار دمشقی ہے۔ ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مجہول قرار دیا ہے۔ اس کا شیخ ربیع بن صبیح ہے۔ اگرچہ وہ نیک اور ثقہ ہے لیکن کثیر حفاظ نے اس کے حافظے پر اعتراضات کئے ہیں(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیات تلاوت فرمائیں: فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ...... هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ اور یہ دعا مانگی: اللهم مُنَّ علينا وقِنَ عذابَ السَّموم، إنّك أنتَ البرُّ الرّحيم۔ اعمش سے پوچھا گیا کیا آپ نے نماز میں یہ دعا مانگی تھی؟ فرمایا ہاں(3)۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿٢٩﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿٣١﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٣٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٣٤﴾

''پس آپ سمجھاتے رہئے آپ اپنے رب کی مہربانی سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون۔ کیا یہ (نابکار) کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں (اور) ہم انتظار کر رہے ہیں ان کے متعلق گردش زمانہ کا۔ فرمایئے (ہاں ضرور) انتظار کرو پس میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔ کیا حکم دیتی ہیں انہیں ان کی عقلیں ان (مہمل) باتوں کا یا یہ لوگ ہی سرکش ہیں۔ کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے خود ہی (قرآن) گھڑ لیا ہے درحقیقت یہ بے ایمان ہیں۔ پس (گھڑ کر) لے آئیں وہ بھی اس جیسی کوئی (روح پرور) بات اگر وہ سچے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو فرما رہے ہیں کہ اس کا پیغام رسالت اس کے بندوں تک پہنچا دیں اور جو کچھ اللہ نے آپ پر اتارا ہے اس کی یاد دلائیں۔ پھر اہل بہتان و فجور جو الزام تراشیاں آپ پر کرتے تھے ان کی نفی فرما دی۔ چنانچہ فرمایا: فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ بحمد اللہ آپ نہ تو کاہن ہیں جس طرح کفار قریش کے جہلا کہتے ہیں۔

کاھن: اسے کہتے ہیں جس کے پاس جن آسمان سے غیب کی خبریں لاتا ہے۔

وَلَا مَجْنُوْنٍ وہ جس کو شیطان نے ہاتھ لگا کر ٹامک ٹوئیوں میں مبتلا کر دیا ہو۔ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں کفار کے مقولے کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ...... یعنی حوادثات زمانہ منون سے مراد موت ہے۔ کہتے ہیں ہم اس کا

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب صفۃ الجنۃ، جلد 4 صفحہ 211 2۔ الجرح والتعدیل، جلد 4، صفحہ 18، جلد 3 صفحہ 465-464
3۔ درمنثور، جلد 7، صفحہ 634

انتظار کرتے ہیں اور اس پر صبر کرتے ہیں حتیٰ کہ موت آ کر اس کا کام تمام کر دے۔ قال تعالیٰ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ...... یعنی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ تم عنقریب جان لو گے کہ انجام کار دنیا و آخرت میں مدد کسے ملتی ہے۔ محمد بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قریش جب نبی کریم ﷺ کے بارے میں مشورہ کرنے کے لئے دار الندوہ میں جمع ہوئے تو کسی نے تجویز پیش کی کہ آپ کو بیڑی سے باندھ دو اور دیکھو حتیٰ کہ حوادثات دہرا سے ختم کر دیں جس طرح اس سے قبل شعراء زہیر اور نابغہ وغیرہ ہلاک ہو گئے۔ یہ بھی انہیں میں سے ایک ہے تو اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں (1)۔

پھر فرمایا: اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ آپ کے بارے میں جو لغویات ان کی زبان پر ہیں کیا ان کی عقلیں انہیں ایسا کہنے کا حکم دیتی ہیں؟ حالانکہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ یہ سب باتیں جھوٹ اور افتراء ہیں۔

اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ لیکن وہ تو سرکش، گمراہ اور عناد رکھنے والے ہیں۔ یہی چیز انہیں آپ کے بارے میں ایسی بات کہنے پر مجبور کرتی ہے۔

قولہ تعالیٰ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ یعنی اسے خود گھڑا ہے اور یہ افتراء ہے۔ ان کی مراد قرآن تھی۔

قال اللہ تعالیٰ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ان کا کفر انہیں ایسی بات کہنے پر مجبور کرتا ہے۔

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ اگر یہ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں کہ آپ نے قرآن خود گھڑا ہے اور یہ کلام آپ کا اپنا بنایا ہوا ہے تو پھر اس جیسا قرآن بنا کر پیش کیوں نہیں کر دیتے۔ اگر وہ اور اہل زمین میں سے تمام جن و انس جمع ہو جائیں تب بھی اس کی مثل نہیں لا سکتے اور نہ دس سورتیں بلکہ اس جیسی ایک سورت بھی لانے سے قاصر ہیں۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۖ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾

" کیا وہ پیدا ہو گئے بغیر کسی (خالق) کے یا وہ خود ہی (اپنے) خالق ہیں؟ کیا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ (ہرگز نہیں) بلکہ وہ یقین سے محروم ہیں۔ کیا ان کے قبضہ میں ہیں آپ کے رب کے خزانے یا انہوں نے ہر چیز پر تسلط جما لیا ہے۔ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے (جس پر چڑھ کر) وہ (خفیہ باتیں) سن لیا کرتے ہیں۔ (اگر ایسا ہے) تو لے آئے ان میں سے سننے والا روشن دلیل۔ (ظالمو!) کیا اللہ کے لئے نری بیٹیاں اور تمہارے لئے نرے بیٹے۔ (اے حبیب!) کیا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں۔ پس وہ چٹی کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں۔ کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے پس وہ لکھتے جاتے ہیں۔ کیا وہ (رسولِ خدا سے) کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں تو وہ کافر خود ہی اپنے فریب کا شکار ہو جائیں گے۔ کیا ان کا

1۔ طبرانی، جلد 27، صفحہ 31

اور خدا ہے اللہ کے سوا۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں"۔

یہاں ربوبیت اور توحید الوہیت کا درس دیا جارہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخٰلِقُوْنَ ...... یعنی کیا وہ کسی خالق کے بغیر ہی پیدا ہوگئے ہیں یا انہوں نے اپنے آپ کی خود تخلیق کی ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے جبکہ یہ قابل ذکر چیز نہ تھے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نماز مغرب میں سورۃ طور کی تلاوت فرماتے ہوئے سنا جب آپ ان آیات پر پہنچے اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخٰلِقُوْنَ ...... تو میری یہ حالت ہوگئی گویا میرا دل اڑا جارہا ہے(1)۔ یہ حدیث صحیحین میں اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ جبیر بن مطعم غزوۂ بدر کے بعد اسیروں کی رہائی کے متعلق بات چیت کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا اس وقت یہ مشرک تھا۔ اس سورت کی اس آیت کا سننا بعد میں اس کے اسلام لانے کا ذریعہ بن گیا۔

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ کیا انہوں نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے؟ یہاں ان کے شرک کا انکار کیا جارہا ہے۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہی خالق وحدہٗ لاشریک ہے لیکن بے یقینی کی کیفیت انہیں اس بات پر مجبور کرتی ہے۔

اَمْ عِنْدَھُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ ھُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ کیا وہ کائنات میں اپنی مرضی سے تصرف کرتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں ہیں۔

اَمْ ھُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ یعنی مخلوقات کا محاسبہ کرنے والے۔ معاملہ اس طرح نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی مالک و متصرف اور جو چاہے کرنے والا ہے۔

اَمْ لَھُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْهِ ملاء اعلیٰ کی طرف سیڑھی، زینہ۔

بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ان میں سے سن کر آنے والا ان کے افعال واقوال کی صحت کی ظاہری دلیل لائے۔ ان کے پاس اس کی کوئی راہ نہیں۔ نہ وہ کسی چیز پر ہیں اور نہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے۔ اس کی تردید کی جارہی ہے کہ انہوں نے اللہ کی طرف بیٹیوں کی جو نسبت کی تھی اور ملائکہ کو بیٹیاں قرار دیا تھا پھر اپنے لئے لڑکے پسند کئے اس طرح کہ ان میں سے کسی کو جب لڑکی کی خوشخبری سنائی جاتی تو کبیدگی کی وجہ سے اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا۔ چنانچہ انہوں نے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا اور انہیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا کر ان کی عبادت کی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ یہ شدید دھمکی اور پختہ وعدہ ہے۔

اَمْ تَسْــَٔلُهُمْ اَجْرًا یعنی ان تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی اجرت کے طور پر یعنی آپ ان سے معاوضہ کے طلب گار نہیں۔

فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ وہ تو کم تر چیز سے بیزار ہوجاتے ہیں اور یہ چیز ان پر دشوار اور ثقیل ہوجاتی ہے۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ یعنی معاملہ اس طرح نہیں۔ آسمانوں اور زمین میں سے غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اَمْ یُرِیْدُوْنَ كَیْدًا ...... کیا رسول اکرم ﷺ اور دین کے بارے میں یہ بات کہہ کر وہ لوگوں کو فریب دینا اور رسول محتشم اور آپ کے اصحاب کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ ان کے مکر کا وبال تو خود ان کی گردن پر ہوگا۔ کفار اپنے فریب کا خود ہی شکار ہوجائیں گے۔

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ ...... بتوں اور انداد کی عبادت کرنے میں مشرکین کا شدید انکار کیا جارہا ہے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے شرک اور

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ طور، جلد 8 صفحہ 603

افتراء سے اپنے آپ کو مبرا فرما رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ۔

وَ اِنۡ يَّرَوۡا كِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوۡلُوۡا سَحَابٌ مَّرۡكُوۡمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرۡهُمۡ حَتّٰى يُلٰقُوۡا يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ فِيۡهِ يُصۡعَقُوۡنَ ﴿۴۵﴾ يَوۡمَ لَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـًٔا وَّ لَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا عَذَابًا دُوۡنَ ذٰلِكَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡهُ وَاِدۡبَارَ النُّجُوۡمِ ﴿۴۹﴾

''اور اگر وہ دیکھ لیں آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا تو یہ (احمق) کہیں گے یہ تو بادل ہے تہہ در تہہ۔ پس انہیں (یونہی) چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں جس میں وہ غش کھا کر گر پڑیں گے۔ جس روز ان کی فریب کاری ان کے کسی کام نہ آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ اور بے شک ظالموں کے لئے (ایک) عذاب (دنیا میں) اس سے پہلے بھی ہے لیکن ان میں سے اکثر (اس سے) بے خبر ہیں۔ اور آپ صبر فرمائیے اپنے رب کے حکم سے پس آپ بلاشبہ ہماری نظروں میں ہیں اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے جبکہ آپ اٹھتے ہیں۔ اور رات کے کسی حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور اس وقت بھی جب ستارے ڈوب رہے ہوتے ہیں''۔

مشرکین کے عناد اور محسوس چیز کا انکار کرنے کی خبر دی جارہی ہے۔

وَ اِنۡ يَّرَوۡا كِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا اس کو ان پر گرتا دیکھ کر بھی نہیں مانیں گے اور انہیں یقین نہیں آئے گا۔ وہ کہیں گے یہ بادل کا تہہ در تہہ ٹکڑا ہے۔ جس طرح ایک اور آیت میں آتا ہے: وَلَوۡ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوۡا فِيۡهِ يَعۡرُجُوۡنَ ۙ لَقَالُوۡۤا اِنَّمَا سُكِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُوۡرُوۡنَ (الحجر:15-14) ''اور اگر ہم کھول بھی دیتے ان پر دروازہ آسمان سے اور وہ سارا دن اس میں سے اوپر چڑھتے رہتے۔ پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے''۔

قال اللہ تعالیٰ فَذَرۡهُمۡ اے محمد! انہیں چھوڑ دیجئے۔

حَتّٰى يُلٰقُوۡا يَوۡمَهُمُ...... یعنی یوم قیامت۔

يَوۡمَ لَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـًٔا ان کا مکر وفریب جسے وہ دنیا میں چلاتے تھے قیامت کے دن ان کے کسی کام نہ آئے گا۔

وَ اِنَّ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا عَذَابًا دُوۡنَ ذٰلِكَ یعنی اس سے پہلے دار دنیا میں جیسے ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَنُذِيۡقَنَّهُمۡ مِّنَ الۡعَذَابِ الۡاَدۡنٰى دُوۡنَ الۡعَذَابِ الۡاَكۡبَرِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ (السجدہ:21) ''اور ہم ضرور چکھاتے رہیں گے انہیں تھوڑا تھوڑا عذاب بڑے عذاب سے پہلے تاکہ وہ (فسق و فجور سے) باز آجائیں''۔

وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ہم دنیا میں بھی انہیں طرح طرح کے مصائب و آلام میں مبتلا کر دیں گے شاید وہ ہماری طرف لوٹ آئیں۔ لیکن وہ تو سمجھنے سے رہے بلکہ جب عذاب دور ہوگا تو وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ بری حالت کی طرف لوٹ جائیں گے۔ جس طرح بعض احادیث میں آیا ہے: ''منافق جب بیمار ہو جائے اور تندرست ہو جائے تو اس کی مثال ایک اونٹ کی سی ہے جسے گھر والوں نے پہلے باندھا اور پھر آزاد چھوڑ دیا۔ اسے اس کی خبر نہیں ہوتی کہ اسے باندھا کیوں گیا تھا اور اسے کھول کیوں دیا گیا ہے'' (1)۔

1۔ ابوداؤد، کتاب الجنائز (ابتدا)، جلد 3، صفحہ 182

اثر الٰہی (حدیث قدسی) میں ہے: "میں کتنی مرتبہ تیری نافرمانی کروں تو تو مجھے سزا نہ دے گا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "اے میرے بندے میں نے کتنی مرتبہ تجھے عافیت دی اور تجھے علم بھی نہ تھا؟"

قولہ تعالیٰ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا یعنی آپ ان کی تکلیف پر صبر کریں اور ان کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ آپ ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہماری حفاظت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کو محفوظ رکھے گا۔

قولہ تعالیٰ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ نماز کے دوران تسبیح کہیں: سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا اله غيرك(1)۔ ربیع بن انس، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ آپ نماز کی ابتداء میں یہ تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ احمد اور اہل سنن نے بروایت ابوسعید وغیرہ حضور ﷺ کا یہی فعل روایت کیا ہے(2)۔ ابن جوزاء رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب آپ نیند سے بیدار ہوں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔ یہ حدیث بھی اسی قول کی تائید کرتی ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات کو سوئے ہوئے جس کی آنکھ کھل جائے اور اس وقت یہ تسبیح پڑھے:۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔ پھر فرمایا یوں کہے اے رب مجھے بخش دے (یا فرمایا) پھر جو دعا مانگے قبول ہوگی اور اگر اٹھ کر وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی وہ نماز بھی قبول ہوگی۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح میں اور اصحاب سنن نے اسے ولید بن مسلم سے روایت کیا ہے(3)۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ رب کی تسبیح بیان کرنے کا حکم ہر مجلس سے اٹھنے کے وقت ہے۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوالاً حوص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب آدمی کسی مجلس سے اٹھنا چاہے یہ پڑھے: سبحان اللهم وبحمدك۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ ہر مجلس سے اٹھتے وقت تسبیح پڑھا کر۔ اگر تو نے اس مجلس میں نیکی کی ہے تو وہ تسبیح تیرے لئے مزید باعث بھلائی ہے اور اگر کچھ اور ہوا ہے تو یہ کلمات اس کا کفارہ بن جائیں گے۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں ابوعثمان فقیر سے روایت کیا ہے کہ جبریل نے نبی کریم ﷺ کو سکھایا کہ جب کسی مجلس سے کھڑے ہوں تو یہ تسبیح کہیں: سبحانك اللهم وبحمدك، أشهد أن لا اله إلا أنت، استغفرك وأتوب إليك۔

معمر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ یہ قول اس مجلس کا کفارہ ہو جاتا ہے(4)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ اس موضوع کی مسند حدیثیں بھی اس بارے میں مروی ہیں جن کی سندیں ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مجلس میں بیٹھتا ہے اور خوب گپیں ہانکتا ہے۔ لیکن اس مجلس

1۔ طبری، جلد 27 صفحہ 38، ابن ابی شیبہ، کتاب الصلوٰت، المصنف، جلد 1 صفحہ 232

2۔ مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 299، مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 50 (اصحاب سنن نے اسے کتاب الصلاۃ میں روایت کیا ہے) سنن ابوداؤد، جلد 4 صفحہ 314، عارضۃ الاحوذی، جلد 2 صفحہ 41-40 تحفۃ الاحوذی، جلد 2 صفحہ 47، سنن نسائی، جلد 2، صفحہ 133، ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 264

3۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 313، فتح الباری، کتاب التہجد، جلد 3 صفحہ 39، سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 314، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعا، جلد 12 صفحہ 298، نسائی، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9 صفحہ 419، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 359

4۔ درمنثور، جلد 7، صفحہ 637

سے اٹھنے سے پہلے یہ کہتا ہے: سبحانك اللهم وبحمدك أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔ اس مجلس میں اس سے جو گناہ ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں بخش دیتا ہے۔ یہ الفاظ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ''الیوم واللیلۃ'' میں بروایت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ بیان کیا ہے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مستدرک میں نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر ہے۔ مگر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے معلل قرار دیا ہے یعنی اس میں علت نکالی ہے(1)۔

(مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں امام احمد، بخاری، مسلم، ابوحاتم، ابوزرعۃ اور دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اسے معلل قرار دیا ہے اور وہم کی نسبت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی ہے۔ مگر ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دوسری سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس سند میں راوی ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا نام نہیں آتا۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ (الفاظ ابوداؤد کے ہیں)، نسائی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے مستدرک میں حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی آخری عمر میں جب کسی مجلس سے کھڑے ہوتے تو یہ کلمات کہتے:۔ سبحان اللهم وبحمدك، أشهد أن لا إله إلَّا أَنْتَ استغفرك وأتوبُ إليكَ تو ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے آج ایک نئی بات ارشاد فرمائی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجلس میں جو کچھ ہوا یہ کلمات اس کا کفارہ بن جاتے ہیں۔'' یہ روایت مرسل سند سے بھی حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ فاللہ اعلم۔

نسائی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بروایت رافع بن خدیج نبی کریم ﷺ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور یہ مرسلاً بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم(2)۔ اسی طرح ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ''چند کلمات ایسے ہیں، کوئی شخص مجلس سے اٹھتے وقت انہیں نہیں کہتا مگر یہ اس کے لئے اس مجلس کا کفارہ ہو جاتے ہیں اور مجلس خیر اور مجلس ذکر میں انہیں کہنے سے یہ مثل مہر کے ہو جاتے ہیں۔ وہ کلمات یہ ہیں: ''سبحانك اللهم وبحمدك لا إله إلا أنت، استغفرك وأتوبُ إليك''(3)۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے اور اسے جبیر بن مطعم سے بھی روایت کیا ہے(4)۔ ابوبکر اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ان سب نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ میں نے ایک علیحدہ جز میں اس کے الفاظ، طرق، علتوں وغیرہ کو بیان کیا ہے۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

قولہ تعالیٰ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ یعنی اس کا ذکر کیجئے اور تلاوت اور رات کے وقت نماز کے ساتھ اس کی عبادت کیجئے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (اسراء:69)'' اور رات کے بعض حصہ میں (اٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو (تلاوتِ قرآن کے ساتھ) (یہ نماز) زائد ہے آپ کے لئے یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقامِ محمود پر''۔

قولہ تعالیٰ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں اس سے پہلے گزر چکا ہے(5) کہ اس سے مراد نماز فجر سے قبل کی دو رکعتیں ہیں۔ یہ ستاروں کے غروب ہونے کے لئے جھک جانے کے وقت مشروع ہیں۔ ابن سیلان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: '' ان دو رکعتوں کو مت چھوڑو اگرچہ گھوڑے تمہیں کچل ڈالیں۔'' یعنی فجر کی دو رکعتیں۔ (براویت

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعا، جلد 13 صفحہ 315-314، مستدرک، کتاب الدعا، جلد 1 صفحہ 537-536 تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 392، بخاری، جلد 2 صفحہ 68

2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الذب، جلد 4 صفحہ 225، نسائی (الیوم واللیۃ) تحفۃ الاشراف، جلد 19 صفحہ 12 مستدرک، جلد 1 صفحہ 537

3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 265-264، مستدرک، جلد 1 صفحہ 537

4۔ مستدرک، جلد 1 صفحہ 537

5۔ یہ حدیث سورۃ ق کی آیت: 40 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

ابوداؤد)(1)۔ اس حدیث کی رو سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب نے تو انہیں واجب قرار دیا ہے لیکن یہ رائے ضعیف ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے: ''دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔'' عرض کی کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ لازم ہے؟ فرمایا: ''نہیں مگر یہ کہ تو نفل ادا کرے''(2)۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ'' حضور ﷺ فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ کسی نفل کی اتنی شدت سے پابندی نہیں کرتے تھے۔'' مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں: فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔''(3)۔

سورۂ طور کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد والمنۃ

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 2 صفحہ 20

2۔ شیخین نے اسے کتاب الایمان میں روایت کیا ہے، فتح الباری، جلد 1 صفحہ 106، مسلم، جلد 1 صفحہ 41-40

3۔ فتح الباری، کتاب التہجد، جلد 3 صفحہ 45، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 501

سورۃ النجم

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلی سورت جس میں سجدہ تھا سورۂ نجم اتری۔ نبی کریم ﷺ نے بھی سجدہ کیا اور جو لوگ آپ کے پیچھے تھے انہوں نے بھی ماسوائے ایک آدمی کے میں نے دیکھا کہ اس نے مٹھی میں خاک لی اور اسی پر سجدہ کرلیا۔ میں نے اسے دیکھا کہ یہ کفر کی حالت میں ہی مارا گیا۔ یہ امیہ بن خلف تھا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے متعدد مقامات پر اور مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے متعدد طرق سے ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ یہ تعین کہ یہ امیہ بن خلف تھا اس میں اشکال ہے کیونکہ دیگر روایات میں ہے کہ یہ عتبہ بن ربیعہ تھا (1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿1﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿2﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿3﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿4﴾

''قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اترا۔ تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا۔ اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔ نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے''۔

شعبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے کہ خالق تو اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم اٹھالے۔ لیکن مخلوق سوائے اپنے خالق کے اور کسی کی قسم نہیں کھا سکتی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى اس کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابو نجیح نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ نجم سے مراد ثریا (پروین) ہے جب فجر کے ساتھ غروب ہو جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ یہ زہرہ ستارہ ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اِذَا هَوٰى جب اس سے شیاطین کو مارا جائے۔ یہ قول قابل توجیہ ہے۔ اعمش نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى یعنی جب قرآن کا نزول ہوا۔ یہ آیت اس آیت کے مشابہ ہے: فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الواقعہ: 80-75) ''پس میں قسم کھاتا ہوں ان جگہوں کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں۔ اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ بے شک یہ قرآن ہے بڑی عزت والا۔ ایک کتاب میں جو محفوظ ہے۔ اس کو نہیں چھوتے مگر وہی جو پاک ہیں۔ یہ اتارا گیا ہے رب العٰلمین کی طرف سے''۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى یہ جواب قسم ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ کی شہادت دی جارہی ہے کہ آپ رشد و ہدایت پر حق کے تابع ہیں

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ نجم، جلد 8 صفحہ 614، کتاب مناقب الانصار، جلد 7 صفحہ 165، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 299، مسلم کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 405، سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 59، نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 160، نسائی: سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 13-12

اور ضال نہیں ہیں۔ یہ وہ جاہل ہوتا ہے جو بے علمی کے ساتھ کسی غلط راستے پر لگا ہوتا ہے۔ غاوی سے مراد وہ ہے جو حق کا علم رکھتا ہے لیکن قصداً اس سے منہ موڑے ہوئے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اہل ضلال (نصاریٰ و یہود) کی عادت کے ساتھ مشابہت سے مبرا قرار دیا۔ ان کی عادت تھی کہ چیز کا علم ہونے کے باوجود اسے چھپاتے اور اس کے خلاف عمل کرتے۔ جبکہ آپ ﷺ تو شرع عظیم کے حامل، انتہا درجے کی استقامت اور اعتدال والی راہ پر قائم ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى: آپ اپنی خواہش اور غرض سے کوئی بات نہیں فرماتے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى یعنی آپ تو وہی بات فرماتے ہیں جس کا آپ کو حکم فرمایا گیا ہے۔ بلا کم و کاست اسے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ایک شخص کی شفاعت سے جو نبی نہیں، دو قبیلوں ربیعہ اور مضر کے برابر آدمی جنت میں داخل ہوں گے۔“ ایک روایت میں ہے ایک قبیلے کے برابر۔ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا ربیعہ بنو مضر قبیلے سے نہیں؟ آپ نے فرمایا: ”میں تو وہی کہتا ہوں جو کہتا ہوں“ (1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں جو چیز بھی حضور ﷺ سے سنتا تو اسے لکھ لیا کرتا تا کہ یاد کرنے میں آسانی ہو۔ قریش نے مجھے روکا۔ وہ کہنے لگے تم حضور ﷺ سے سنی ہوئی ہر بات لکھ لیا کرتے ہو، حالانکہ آپ بشر ہیں اور کبھی غصے کی حالت میں بھی کوئی بات ارشاد فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے لکھنا بند کر دیا اور اس بات کا ذکر آپ ﷺ سے کیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لکھ، مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! میری زبان سے حق بات کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں نکلتی“ (2)۔ ابو داؤد اور ابو بکر بن ابی شیبہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے یحییٰ بن سعید قطان سے روایت کیا ہے (3)۔

حافظ ابو بکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں تمہیں جس امر کی خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوں۔ اس میں شک و ارتیاب کی کوئی گنجائش نہیں۔“ پھر لکھا ہے کہ ہم نہیں جانتے مگر یہ حدیث اسی سند سے مروی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں نہیں کہتا مگر حق بات۔“ بعض صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ کبھی از راہ ملاعبت و ملاطفت کوئی بات ارشاد فرمایا کرتے ہیں فرمایا: ”میں حق بات ہی کہتا ہوں“ (4)۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۭ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا
فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۭ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ
الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ
الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۭ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا
طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾

”انہیں سکھایا ہے زبردست قوتوں والے نے۔ بڑے دانا نے۔ پھر اس نے (بلندیوں کا) قصد کیا۔ اور وہ سب سے اونچے

1۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 257 2۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 162 3۔ سنن ابی داؤد، کتاب العلم، جلد 3 صفحہ 318

4۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 340، تحفۃ الاحوذی، جلد 3 صفحہ 316، ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 589

کنارہ پر تھا۔ پھر وہ قریب ہوا، اور قریب ہوا۔ یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف جو وحی کی۔ نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ) نے۔ کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا۔ اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حدِ ادب سے) آگے بڑھی۔ یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول سیدنا محمد ﷺ کے بارے میں خبر دی ہے کہ اس نے ہی آپ کو وہ سکھایا ہے جو دعوت آپ لوگوں کے پاس لے کر آئے ہیں۔

شَدِيْدُ الْقُوٰى مراد جبریل علیہ السلام ہیں: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ (التکویر: 19-21) ''کہ یہ (قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے۔ جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔ (سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے''۔

ذُوْمِرَّةٍ: یعنی ذو قوۃ (قوی)۔ مجاہد، حسن اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے خوش شکل قتادہ کا قول ہے کہ خلق عظیم کا مالک اور دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ آپ خوش شکل اور قوی تھے۔ صحیح حدیث میں حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''غنی کے لئے صدقہ لینا جائز نہیں اور نہ قوت والے تندرست پر'' (1)۔

قولہ تعالیٰ فَاسْتَوٰى یعنی جبریل علیہ السلام۔ حسن، مجاہد، قتادہ اور ربیع بن انس رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔

وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى یعنی جبریل علیہ السلام بلند تر افق پر جلوہ افروز ہوئے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ عکرمہ کا قول ہے افق اعلیٰ وہ ہے جس سے صبح نمودار ہوتی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مراد مطلع الشمس، سورج طلوع ہونے کی جگہ، قتادہ کا قول ہے جس سے دن نمودار ہوتا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل کو اس کی حقیقی ملکی شکل میں دو مرتبہ دیکھا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ وہ اپنی ملکی شکل میں ظاہر ہو کر پیش ہوں (چنانچہ جبریل اپنے چھ سو پروں سمیت نمودار ہوئے) آپ کے وجود سے آسمان کے شرقی غربی کنارے بھر گئے، دوسری مرتبہ اس وقت جب جبریل آپ کو معراج کی رات اوپر لے گئے۔ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى میں اسی کی طرف اشارہ ہے (2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک قول ذکر کیا ہے جسے کسی نے بیان نہیں کیا۔ خود انہوں نے بھی اس قول کو کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ ان کی رائے میں اس کا معنی یہ بنتا ہے کہ شدید طاقت ور، بڑے دانا جبریل اور سیدنا محمد ﷺ دونوں بلند ترین افق پر سیدھے کھڑے تھے۔ یہ معراج کی رات کا واقعہ ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے اور اس کی تائید کہیں سے نہیں ہوتی پھر عربیت کی حیثیت سے اپنے قول کی تائید کے لئے دلائل لائے ہیں۔ لکھتے ہیں یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ (النمل: 67) ''ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا''۔ چنانچہ آباء کو ''کُنّا'' کے کنایہ پر معطوف کیا

1۔ یہ حدیث سورۃ توبہ کی آیت: 60 کی تفسیر میں گزر چکی ہے
2۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 407، درمنثور، جلد 7 صفحہ 333

اور "نَحْنُ" ضمیر کو ظاہر نہیں کیا۔ اسی طرح فاستوی وھو میں ہے۔

فراء رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کسی عرب نے اسے یہ شعر سنایا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ النَّبْعَ يَصْلُبُ عُودُهُ وَلَا يَسْتَوِي وَالْخِرْوَعُ الْمُتَقَصِّفُ(1)

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی عربی قواعد کی رو سے تو جیہہ ہو سکتی ہے لیکن معنی سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ جبریل کو دیکھنا معراج کی رات نہیں تھا بلکہ اس سے پہلے کا ہے۔ اس وقت آپ ﷺ زمین پر تھے کہ جبریل آپ کی طرف اترے اور آپ کے انتہائی قریب ہو گئے۔ جبریل اس وقت اپنی اصلی صورت میں تھے۔ آپ کے چھ سو پر تھے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے جبریل کو معراج کی رات سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ پہلی رؤیت بعثت کے اوائل کی بات ہے۔ اس وقت سورۂ اقراء کی ابتدائی آیات پہلی وحی کی صورت میں آپ پر نازل ہو چکی تھیں۔ پھر وحی کے نزول میں وقفہ آ گیا۔ اس دوران کئی مرتبہ آپ ﷺ کا ارادہ ہوا کہ اپنے آپ کو پہاڑوں کی چوٹی سے گرا دیں۔ جب بھی یہ ارادہ کیا جبریل نے فضا سے آپ کو آواز دی اے محمد! آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔ اس سے آپ ﷺ کے دل کو قرار اور آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہوتی۔ کچھ دنوں کے وقفے کے بعد دوبارہ یہی حالت ہو جاتی۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ آپ ﷺ ابطح میں تھے کہ جبریل اپنی اصلی ملکی صورت میں ظاہر ہوئے۔ آپ کے چھ سو پر تھے اور آپ نے افق کو بھر دیا تھا۔ جبریل حضور ﷺ کے قریب آئے اور اللہ عزوجل کی وحی آپ کو پہنچائی۔ اس وقت آپ ﷺ کو اس فرشتے کی عظمت و جلالت کی قدر معلوم ہوئی جو آپ ﷺ کے پاس رسالت اور وحی لایا تھا۔ اور خالق کے نزدیک اس کے بلند رتبے کا علم ہوا۔ وہ حدیث جسے ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب میں بیٹھا ہوا تھا کہ جبریل میرے پاس آئے اور میرے دونوں شانوں کے درمیان ایک مکا لگایا، میں اٹھ کر درخت کے پاس گیا۔ اس میں پرندے کے دو گھونسلے سے تھے۔ ایک میں خود بیٹھے اور دوسرے میں مجھے بٹھایا۔ وہ اوپر اٹھے اور بلند ہو گئے اور آسمان کے دونوں کنارے بھر دیئے۔ اور میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اور اگر میں چاہتا تو آسمان کو چھو سکتا تھا پھر جبریل میری طرف متوجہ ہوئے گویا وہ ایک کمبل ہے جو (ہیبت الٰہی سے) زمین سے چمٹا ہوا ہے۔ چنانچہ مجھے جبریل کی علمی فضیلت کا پتہ چلا۔ آسمان کا ایک دروازہ میرے لئے کھول دیا گیا۔ میں نے نور اعظم کا دیدار کیا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ حجاب کے پیچھے یاقوت اور موتیوں کو حرکت کرتے دیکھا ہے اور میری طرف جو اللہ نے وحی کرنا چاہا وحی کی گئی"۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کے راوی حارث بن عبید ہیں جو بصرہ کے مشہور شخص ہیں(2)۔

(مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں حارث بن عبید کی کنیت ابو قدامہ ایادی ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں ان سے روایتیں لی ہیں۔ مگر ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے اور فرمایا ہے یہ کوئی چیز نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ مضطرب الحدیث ہیں۔ ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ان کی حدیث لکھی جائے گی لیکن ان سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ بڑے وہمی تھے جب یہ کوئی روایت اکیلے بیان کریں تو اس سے استدلال قائم کرنا درست نہیں۔ چنانچہ یہ حدیث ان کی غریب روایات سے ہے۔ یہ منکر بھی ہے، الفاظ بھی غریب ہیں اور سیاق کلام بھی عجیب ہے۔ شاید یہ خواب کا واقعہ ہے۔ واللہ اعلم

1۔ فراء، معانی القرآن، جلد 3 صفحہ 95، یہ شعر جریر کا ہے دیکھئے اسکا دیوان (298) النقائض، جلد 2 صفحہ 596 تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 43

2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 47 نیز یہ حدیث سورۃ اسراء کے شروع میں گزر چکی ہے

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل کو اصلی ملکی شکل میں دیکھا۔ ان کے چھ سو پر تھے۔ ہر پر نے افق کو بھر دیا تھا۔ ہر پر سے زمرد، موتی اور مروارید جھڑ رہے تھے جن کا صحیح علم اللہ کو ہی ہے۔ صرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی یہ روایت ذکر کی ہے(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جبریل کو اس کی اصلی صورت میں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت جبریل نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ آپ نے رب سے دعا کی تو مشرق کی طرف سے آپ کو ایک سیاہ چیز نظر آئی جو اوپر اٹھ رہی تھی اور پھیل رہی تھی۔ جب آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ جبریل فوراً آئے۔ آپ ﷺ کو ہوش میں لائے اور آپ کی باچھوں سے لعاب کو دور کیا(2)۔ صرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی یہ روایت ذکر کی ہے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے عتبہ بن ابی لہب کے حالات میں ہناد بن اسود سے روایت کیا ہے: ابولہب اور اس کا بیٹا شام کے سفر کی تیاری کرنے لگے۔ میں نے بھی ان کے ساتھ تیاری کی۔ ابولہب کا بیٹا عتبہ کہنے لگا اللہ کی قسم میں محمد کے پاس جاؤں گا اور آپ کے رب کے بارے میں آپ کو ذہنی اذیت پہنچاؤں گا۔ چنانچہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے محمد! میں اس کا انکار کرتا ہوں جو قریب ہوا اور قریب ہوا، یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! اپنے کتوں میں سے کوئی کتا اس پر مسلط کردے۔'' جب وہ لوٹ کر اپنے باپ کے پاس آیا تو اس نے پوچھا تو نے اسے کیا کہا؟ اس نے ساری بات سنائی۔ اس نے پوچھا: پھر اس (محمد) نے تمہیں کیا کہا؟ وہ کہنے لگا اس نے مجھے یوں بددعا دی ہے۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا بیٹے اللہ کی قسم میں اس کی بددعا سے تیرے بارے میں اندیشہ میں مبتلا ہوں۔ چنانچہ یہ قافلہ چل پڑا۔ ہمارا پڑاؤ شام میں ''شراۃ'' کے مقام پر ایک راہب کے عبادت خانہ کے پاس ہوا۔ یہ شیروں کا جنگل تھا۔ وہ راہب کہنے لگا۔ اے گروہ عرب تم نے یہاں پڑاؤ کیوں کیا ہے یہاں تو شیر اس طرح چرتے ہیں جیسے بکریاں چرتی ہیں۔ ابولہب ہمیں کہنے لگا تمہیں میری عمر رسیدگی اور تم پر میرے حق کا علم ہے۔ اس شخص نے میرے بیٹے کے لئے بددعا کی تھی۔ اللہ کی قسم میں سخت خدشہ میں مبتلا ہوں۔ تم اپنا سارا سامان اسی معبد کے پاس جمع کرو اور اس کے اوپر میرے بیٹے کا بستر بچھاؤ اور اس کے اردگرد اپنے بستر بچھاؤ۔ چنانچہ ہم نے ایسے ہی کیا۔ شیر آیا ہمارے منہ سونگھے۔ جب اسے اپنا مقصود نہ ملا تو اس نے پیچھے ہٹ کر زور سے جست لگائی اور (مچان) اسباب کے اوپر پہنچ گیا۔ اس کا منہ سونگھا۔ اس کو مارا اور اس کا سر پھوڑ دیا۔ ابولہب کہنے لگا۔ مجھے پتہ تھا کہ یہ محمد کی بددعا سے بچ نہیں سکے گا(3)۔

قولہ تعالیٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ جبریل جب زمین پر اترے تو آپ ﷺ کے قریب آئے۔ اتنا قریب کہ آپ کے اور جبریل کے مابین دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا یعنی اتنی مقدار جب انہیں کھینچا جائے۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اتنا فاصلہ تھا جتنا کمان کے وتر اور درمیانی حصے کے مابین ہوتا ہے۔

أَوْ أَدْنَىٰ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عربی زبان میں یہ صیغہ مخبر عنہ (جس کی خبر دی جارہی ہے) کے اثبات اور اس پر جو زیادتی ہو اس کے ختم کرنے کے لئے آتا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً (بقرہ:47) ''پھر سخت ہوگئے تمہارے دل یہ منظر دیکھنے کے بعد بھی وہ تو پتھر کی طرح (سخت) ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت''۔ یعنی یہ پتھر سے بھی زیادہ نرم نہیں بلکہ اس کی طرح یا سختی میں اس سے بھی زیادہ ہیں۔ ایک اور آیت میں ہے: يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَ

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 395 2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 322 3۔ ابونعیم: الدلائل، 455-454

قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ (النساء:77) ''ڈرنے لگ گیا لوگوں سے جیسے ڈرا جاتا ہے خدا سے یا اس سے بھی زیادہ''۔ ایک اور آیت میں ہے: وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ (الصافات:147) ''اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف''۔ یعنی اس سے کم نہیں ہیں بلکہ وہ درحقیقت ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ ہیں۔ یہ مُخْبَرْ بہ کی تحقیق کے لئے ہے اس میں شک اور تردد کے لئے نہیں۔ کیونکہ یہاں یہ ممتنع ہے۔ اسی طرح یہ آیت بھی ہے: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔

یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ از حد قریب ہونے والے (جن کے اور سرکار دو عالم ﷺ کے درمیان فاصلہ تقریباً کالمعدوم ہو گیا تھا) حضرت جبریل علیہ السلام تھے، یہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن مسعود، ابوذر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ ان کی مرویات کو بھی ہم عنقریب آگے ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: ''حضور نے اپنے دل سے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا''(1)۔ ان میں سے ایک کا بیان اس آیت میں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث معراج میں ہے: ''پھر جبار رب العزت قریب ہوا اور قریب آیا''(2) اسی لئے بہت سے محدثین نے اس روایت کے متن میں کلام کیا ہے اور اس میں کئی غریب چیزیں ثابت کی ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو کسی دوسرے وقت اور دوسرے واقعہ پر محمول ہے۔ اس آیت کی تفسیر نہیں کہی جا سکتی۔ یہ واقعہ تو اس وقت کا ہے جب آپ ﷺ زمین پر تھے۔ یہ معراج والی رات کی بات نہیں۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھنا معراج کی رات ہے اور پہلا واقعہ زمین پر دیکھنے کا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کی تفسیر میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جبریل کو دیکھا اس کے چھ سو پر تھے''(3)۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ابتدائے بعثت میں آپ ﷺ نے خواب میں جبریل کو اجیاد پہاڑ کے مقام پر دیکھا۔ پھر آپ ﷺ کسی ضروری کام سے فارغ ہونے کے لئے نکلے تو جبریل نے پکارا اے محمد! اے محمد! حضور ﷺ نے دائیں بائیں دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ پھر آپ نے اپنی نگاہ اوپر اٹھائی تو کیا دیکھا کہ جبریل آسمان کے افق پر ایک ٹانگ کو دوسری کے ساتھ موڑے ہوئے ہیں۔ جبریل نے ندا دی اے محمد! میں جبریل ہوں۔ میں جبریل ہوں۔ وہ آپ کو تسلی دے رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ تیزی سے بھاگ کر لوگوں میں چلے گئے۔ ادھر ادھر دیکھا کچھ نظر نہ آیا۔ جب باہر نکلے تو آسمان کی طرف نظر ڈالی پھر جبریل اسی طرح نظر آئے۔ آپ ﷺ دوبارہ لوگوں میں چلے گئے۔ کچھ نظر نہ آیا جب باہر نکلے تو پھر جبریل کو دیکھا۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى سے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى کا یہی مفہوم ہے۔ یعنی جبریل کا آپ کے قریب آنا۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى قاب آدھی انگلی کو بھی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں دو ہاتھ یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا تھا۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس کی ایک شاہد حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی ہے(4)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جبریل کو دیکھا اس کے چھ سو پر تھے(5)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جبریل کو دیکھا ان پر خالص دو ریشمی حلے

1۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 158 2۔ یہ حدیث سورۃ اسراء کی ابتداء میں دیکھئے نیز دیکھئے تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 45
3۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 49-48 4۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 49 5۔ فتح الباری تفسیر سورۃ نجم، جلد 8 صفحہ 610

تھے۔ اس نے آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دیا تھا(1)۔

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى اوپر جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کا معنی ہوگا جبریل نے اللہ کے بندے محمد کی طرف وحی کی یا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے محمد کی طرف جبریل کے واسطہ سے وحی کی۔ دونوں معنی صحیح ہیں۔

سعید بن جبیر نے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ نے آپ کی طرف یہ وحی کی: اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا (الضحیٰ:6)'' کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم''۔ اور وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الشرح:4)'' اور ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو''۔ دیگر مفسرین کی رائے ہے کہ اللہ نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ جنت انبیاء پر حرام ہے یہاں تک کہ آپ اس میں داخل ہوں اور تمام امتوں پر حرام ہے یہاں تک کہ آپ کی امت اس میں داخل ہو۔

قولہ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى...... مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے دل سے دو دفعہ دیکھا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے آپ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رؤیت کو مطلق رکھا ہے۔ (یعنی خواہ دل سے دیکھنا ہو یا ظاہری آنکھ سے) یہ بھی ممکن ہے کہ اس مطلق کو بھی مقید پر محمول کریں یعنی آپ نے اپنے دل سے دیکھا۔ جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ انہوں نے بڑی عجیب بات کہی ہے۔ صحابہ سے اس بارے میں کوئی چیز صحت کے ساتھ مروی نہیں۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، حسن اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے(2) لیکن اس میں نظر ہے واللہ اعلم۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا۔ میں نے عرض کی کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام:103)'' نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں اور وہ گھیرے ہوئے ہے سب نظروں کو''۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا: ''تیری ہلاکت ہو یہ اس وقت ہے کہ جب وہ اپنے نور کی پوری تجلی کرے اور آپ علیہ السلام نے تو اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔'' ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے(3)۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ملاقات عرفہ کے مقام پر کعب سے ہوئی۔ آپ نے ان سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے زور سے اللہ اکبر کہا حتیٰ کہ اس کی صدائے بازگشت پہاڑوں میں بھی سنائی دی(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہم بنو ہاشم ہیں۔ کعب نے فرمایا: اللہ نے رؤیت اور کلام کو سیدنا محمد اور موسیٰ کے درمیان تقسیم فرما دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو مرتبہ کلام فرمایا اور حضرت محمد علیہ السلام کو دو مرتبہ اپنا دیدار عطا فرمایا۔ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہوا اور پوچھا کیا حضور علیہ السلام نے اپنے رب کا دیدار کیا؟ تو آپ نے فرمایا: تو نے ایسی بات کہہ دی ہے جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا قرآن کریم میں آتا ہے: لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى (النجم:18)'' یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں''۔ آپ نے فرمایا تم کدھر جا رہے ہو؟ یہ تو جبریل ہیں۔ جس کسی نے آپ کو یہ بتایا ہو کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 49

2۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 247

3۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 169، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ نجم، جلد 12 صفحہ 171-170

4۔ آپ نے باآواز بلند تکبیر کہی گویا یہ سوال آپ کو ناگوار گزرا ہے شاید یہ سوال رویت باری تعالیٰ سے متعلق تھا۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 166، ہم بنو ہاشم سے خاندان نبوت سے ہیں آپ ہماری بات کو ٹال نہیں سکتے۔

حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا کوئی ایسی چیز چھپائی ہے جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا یا آپ کو ان پانچ باتوں کا علم تھا جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ (لقمان: 34)(1) ''بیشک اللہ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم۔ اور وہی اتارتا ہے مینہ''۔ اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ لیکن آپ نے تو جبریل کو اس کی ملکی شکل میں دو مرتبہ دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک مرتبہ اجیاد میں اس کے چھ سو پر تھے۔ اس نے افق کو بھر دیا تھا(2)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: کیا تمہیں تعجب ہوتا ہے کہ خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے، کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے اور شرف دیدار حضور ﷺ کے لئے ہو(3)۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے تو آپ نے فرمایا: ''نُوْرٌ أَنّٰى أَرَاهُ'' یعنی یہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے: ''میں نے نور دیکھا'' (4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب سے روایت کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا میں نے اسے دو مرتبہ اپنے دل سے دیکھا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض صحابہ کرام سے روایت کیا ہے ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے اسے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا اور اپنے دل سے اسے دو مرتبہ دیکھا ہے۔'' پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى (5)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عباد بن منصور سے روایت کیا ہے میں نے عکرمہ سے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں بتاؤں کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ میں نے عرض کی ہاں فرمایا: آپ نے اسے دیکھا ہے۔ فرمایا پھر میں نے اس کے بارے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: حضور ﷺ نے اپنے رب کی عظمت، جلال اور کبریائی کو دیکھا ہے۔ حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے ایک نہر دیکھی اور اس نہر کے پیچھے ایک پردہ دیکھا اور پردے کے پیچھے نور دیکھا۔ اس کے علاوہ میں نے کچھ نہیں دیکھا۔'' یہ حدیث بہت غریب ہے۔ وہ حدیث جیسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت قتادہ عن عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے اپنے رب العزت کا دیدار کیا'' (6)۔ اس حدیث کی سند صحیح کی شرط پر ہے۔ لیکن یہ حدیث حدیث رؤیا (خواب) کا ایک حصہ ہے۔ اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی بروایت ابی قلابہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے آج رات اپنے رب کو بڑی خوبصورت شکل میں دیکھا۔ میرا خیال ہے کہ خواب میں۔ میرے رب نے فرمایا اے محمد! تمہیں پتہ ہے کہ عالم بالا کے فرشتے کس بات میں بحث کر رہے ہیں؟ فرمایا: میں نے عرض کیا نہیں۔ تو

1۔ لقمان: 34 ''یہ امور خمسہ فی الحقیقت مفاتیح الغیب (غیب کی کنجیاں) ہیں ان کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ انبیاء اور اولیاء کو علم غیب اللہ تعالیٰ کی تعلیم بطریق معجزہ و کرامت عطا ہوتا ہے۔ یہ اس اختصاص کے منافی نہیں اور کثیر آیتیں اور حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے کوئی نہیں جانتا اس کے معنی یہ لینا کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بھی کوئی نہیں جانتا محض باطل اور آیات و احادیث کے خلاف ہے (مختصراً) (ضیاء القرآن)

2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 166، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ نجم: 170-168 نوٹ: اجیاد: یہ مکہ میں ایک پہاڑ ہے

3۔ نسائی: سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 5 صفحہ 165

4۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 161، یہ حدیث سورۃ اسراء کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔

5۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 47-46

6۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 285

میرے رب نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ اس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں...... اور ایک روایت میں ہے حلق میں...... محسوس کی اور آسمانوں اور زمین کے مابین جو کچھ ہے اسے جان لیا(1)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد کیا تمہیں پتہ ہے عالم بالا کے فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کی: وہ کفاروں اور درجات کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں۔ پھر فرمایا: کفارے کیا ہیں؟ میں نے عرض کی نماز کے بعد مساجد میں ٹھہرے رہنا اور پیدل جماعت کے لئے جانا۔ جب وضو ناگوار گزرتا ہو اس وقت بھی وضو مکمل اطمینان سے کرنا(2) جو ایسا کرے گا بھلائی کے ساتھ زندگی گزارے گا اور بھلائی پر ہی اس کا انتقال ہوگا اور گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا گویا اس کی ماں نے آج ہی اسے جنا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! جب نماز پڑھو تو یہ کہو۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّیٓ اَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكِرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ، وَإِذَا أَرَدْتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً أَنْ تَقْبِضَنِیْ إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ اور فرمایا: ''درجات بڑھانے والی یہ چیزیں ہیں کھانا کھلانا، سلام پھیلانا، جب لوگ سو رہے ہوں تو رات کو نماز ادا کرنا''(3)۔ یہ حدیث سورۂ ''ص'' کے آخر میں گزر چکی ہے(4)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بالفاظ دیگر اور زیادتی کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے اپنے رب کو خوبصورت ترین شکل میں دیکھا'' اس نے مجھے فرمایا: اے محمد! کیا تمہیں پتہ ہے کہ ملاء اعلیٰ کے فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کی نہیں میرے رب۔ تو اس نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا تو آسمانوں اور زمین کے مابین جو کچھ تھا میں نے اسے جان لیا۔ پھر فرمایا اے محمد تمہیں پتہ ہے عالم بالا کے مکین فرشتے کس بات کے بارے میں بحث و تمحیص کر رہے ہیں؟ تو میں نے عرض کی ہاں وہ کفاروں، درجات، جمعہ کی نماز کے لئے پیدل جانے اور نماز کے بعد اگلی نماز کا انتظار کرنے کے بارے میں بات چیت کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کی اے رب تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا اور یہ یہ کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا؟ کیا میں نے تیرا بوجھ نہیں ہٹایا اور اس کے علاوہ فلاں فلاں کرم نوازیاں آپ پر نہیں کی ہیں؟ فرمایا: چنانچہ ایسی چیزیں بھی بتلائیں جن کے اظہار کی مجھے اجازت نہیں ہے۔ اسی کا بیان ان آیات میں ہے: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى...... اس نے میری بصارت کا نور میرے دل میں رکھا تو میں نے اپنے دل سے اس کا دیدار کیا۔ اس کی سند ضعیف ہے(5)۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ہبار بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عتبہ بن لہب جب تجارت کے لئے شام روانہ ہونے لگا تو اس نے اہل مکہ سے کہا۔ جان لو میں دَنَا فَتَدَلّٰى کے مالک کا منکر ہوں۔ اس کی بات حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر بھیجے گا۔'' حضرت ہبار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ تھا۔ ہم ایسی زمین میں فروکش ہوئے جہاں بہت شیر تھے۔ میں نے دیکھا کہ ایک شیر آیا اور ایک ایک کر کے ہمارے سروں کو سونگھنے

1۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات جو آسمانوں میں تھی بلکہ ان کے اوپر بھی جو کچھ تھا اور جو کائنات سات زمینوں میں تھی بلکہ ان کے نیچے بھی جو کچھ تھا وہ میں نے جان لیا۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ، جلد 1 صفحہ 463) حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ مشکوۃ کی شرح اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں اس ارشاد نبوی کا مقصد یہ ہے کہ تمام علوم جزدی اور کلی مجھے حاصل ہو گئے اور ان کا میں نے احاطہ کر لیا (بحوالہ ضیاء القرآن، جلد 3 صفحہ 458 وما بعد)

2۔ مثلاً سردی سخت ہو یا بوجہ بیماری پانی کا استعمال تکلیف دہ ہو وغیرہ 3۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 368

4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ص آیت: 69- نوٹ: اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے متعلق امام بخاری سے دریافت کیا انہوں نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے (مشکوۃ، کتاب الصلوۃ، المرقاۃ- شرح مشکاۃ، جلد 1 صفحہ 463)

5۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 48

لگا۔ حتیٰ کہ عتبہ کے قریب آیا اور اس کا سر علیحدہ کر دیا۔ ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے سیرت میں لکھا ہے کہ یہ سرزمین ''زرقاء'' تھی۔ ایک قول ہے کہ یہ ارض ''سراۃ'' تھی اور وہ اس رات خوفزدہ تھا۔ انہوں نے اسے درمیان میں رکھا اور خود اس کے اردگرد سو گئے۔ ایک شیر آیا اور دھاڑنے لگا پھر اس کی طرف لپکا اور اس کا سر چبا ڈالا۔ لعنه الله (اس پر اللہ کی لعنت ہو)(1)۔

قولہ تعالیٰ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى...... حضور ﷺ کا جبریل کو ملکی شکل میں دوسری مرتبہ دیکھنے کا بیان ہو رہا ہے۔ یہ معراج کی رات تھی۔ سورۂ سبحان کی ابتداء میں معراج کی تمام احادیث مختلف سندوں اور الفاظ کے ساتھ گزر چکی ہیں۔ ان کو دوبارہ یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس بات کا بیان بھی ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شب معراج حضور ﷺ کے لئے دیدار الٰہی ثابت کرتے تھے اور اس آیت سے استدلال کرتے تھے۔ سلف وخلف کی ایک جماعت کی بھی یہی رائے تھی۔ جبکہ کثیر صحابہ اور تابعین کی رائے اس کے برعکس تھی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے جبریل کو دیکھا اس کے چھ سو پر تھے۔ ہر پر سے رنگ برنگے موتی اور یاقوت جھڑ رہے تھے''(2)۔ اس کی سند قوی اور عمدہ ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جبریل کو ملکی شکل میں دیکھا اس کے چھ سو پر تھے ہر پر نے افق کو ڈھانپ دیا تھا۔ اور پروں سے رنگ برنگے موتی اور یاقوت جھڑ رہے تھے۔ جن کا علم اللہ کو ہی ہے۔ اس کی سند بھی حسن ہے(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے جبریل کو سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھا ان کے چھ سو پر تھے۔ فرماتے ہیں میں نے راوی حدیث عاصم سے جبریل کے پروں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مجھے بتانے سے انکار کر دیا۔ لیکن آپ کے ساتھیوں میں سے کسی نے مجھے بتایا کہ ایک پر مشرق سے مغرب تک ہے(4)۔ اس کی سند بھی عمدہ ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جبریل میرے پاس سبز لباس میں آئے آپ کے ساتھ موتی تھے''(5)۔ اس کی اسناد بھی بہتر ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی لکھا ہے کہ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہی سوال پوچھا: اے ام المؤمنین کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو آپ فرمانے لگیں: سبحان اللہ تو نے ایسی بات کہی ہے جسے سن کر میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ تین چیزیں ایسی ہیں جو تمہیں ان کے بارے میں بتائے اس نے جھوٹ بولا اور جس نے تمہیں یہ بتایا کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے بھی جھوٹ بولا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام:103) ''نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں اور وہ گھیرے ہوئے ہے سب نظروں کو''۔ اور فرمایا: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ (الشوریٰ:51) ''اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہ راست) مگر وحی کے طور پر یا پس پردہ''۔ اور جو تمہیں یہ بتائے کہ حضور ﷺ کل کی بات (غیب) جانتے تھے اس نے بھی جھوٹ بولا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ (لقمان:34) ''بیشک اللہ کے پاس ہی ہے

1۔ دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 2 صفحہ 339-338 2۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 460 3۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 395-394-418
4۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 407 5۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 407

قیامت کا علم۔ اور وہی اتارتا ہے مینہ۔ اور جانتا ہے جو کچھ (ماؤں کے) رحم میں ہے''۔ اور جو شخص تمہیں یہ بتائے کہ حضور ﷺ نے دعوت حق میں سے کوئی چیز پوشیدہ رکھی اس نے بھی جھوٹ بولا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (مائدہ:67) اے رسول ﷺ! پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے''۔ لیکن آپ نے تو جبریل کو اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری سند سے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نہیں فرمایا: وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ (التکویر:23)'' اور بلاشبہ اس نے اس قاصد کو دیکھا ہے روشن کنارے پر''۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (نجم:13)'' اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا''۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس امت میں سے سب سے پہلے میں نے حضور ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا:'' وہ جبریل ہے''۔ آپ ﷺ نے اسے اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا۔ ایک مرتبہ آسمان سے زمین پر اترتے ہوئے۔ اس نے آسمان اور زمین کے درمیان خلاء کو پر کر دیا تھا(2)۔ صحیحین میں بھی یہی روایت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے(3)۔

روایت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن شقیق سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اگر میں حضور ﷺ کو دیکھتا تو آپ سے ایک سوال ضرور پوچھتا۔ آپ نے فرمایا: تم آپ ﷺ سے کیا پوچھتے؟ فرمایا: میں آپ ﷺ سے پوچھتا کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ تو ابوذر نے فرمایا میں نے یہی بات آپ ﷺ سے پوچھی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا:'' میں نے اسے نور دیکھا ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟'' (قَدْ رَأَيْتُهُ نُوْرًا أَنّٰى أَرَاهُ؟) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں اسی طرح ہے(4)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دو سندوں اور دو الفاظ سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:'' نُوْرٌ أَنّٰى أَرَاهُ؟'' (وہ نور ہے میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں)(5)۔ دوسری سند کی راوی بھی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں۔ عبد اللہ بن شقیق فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے عرض کی اگر میں سرکار سے ملتا تو آپ سے ایک بات پوچھتا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کیا پوچھنا چاہتے تھے؟ فرمایا: میں یہ پوچھتا کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے یہ سوال پوچھا تو آپ نے فرمایا: میں نے نور دیکھا(6)۔

خلال نے اپنی علل میں لکھا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میں ابھی تک اس کا منکر ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ اس کی توجیہ کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے دل سے اپنے رب کا دیدار کیا نہ کہ ظاہری آنکھ سے۔ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن شقیق اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے مابین انقطاع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ شاید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ سوال واقعہ معراج سے پہلے کا ہو اور حضور ﷺ نے یہ جواب دیا ہو۔ اگر یہی سوال معراج کے بعد کیا جاتا تو ضرور آپ اس کے جواب میں ہاں

1۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 50-49 2۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 241

3۔ فتح الباری: تفسیر سورۃ نجم، جلد 8 صفحہ 206، مسلم کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 159 4۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 147، مسلم کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 159

5۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 147، مسلم کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 159 نوٹ: اس لفظ کو اس طرح بھی پڑھا گیا ہے'' نُوْرَانِيٌّ اَرَاهُ'' یعنی وہ سراپا نور ہے میں نے اسے دیکھا ہے۔ 6۔ طبری، جلد 27، صفحہ 56

فرماتے۔ لیکن یہ بات بہت ضعیف ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سوال تو معراج کے بعد تھا لیکن آپ بھی رویت کی قائل نہ تھیں۔ جن حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے خطاب ان کی عقل کے مطابق فرمایا یا یہ کہ ان کی رائے خطا پر مبنی ہے، جس طرح کہ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التوحید میں نقل کیا ہے، فی الحقیقت وہ غلطی پر ہیں۔ واللہ اعلم۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دل سے اپنے رب کو دیکھا اور سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھا (1)۔ صحیح مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جبریل کو دیکھا (2)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے جبریل کو دو مرتبہ دیکھا (3)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور ربیع بن انس وغیرہ کی یہی رائے ہے۔

قولہ تعالیٰ اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰى معراج والی احادیث میں یہ گزر چکا ہے کہ فرشتوں نے کووں کی طرح آپ ﷺ کو گھیر لیا تھا۔ انوار و تجلیات کے ہجوم نے آپ ﷺ کو ڈھانپ لیا تھا اور طرح طرح کے رنگوں کی کثرت تھی معلوم نہیں یہ کیا تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ شب معراج حضور ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ پر لے جایا گیا۔ یہ ساتویں آسمان پر ہے۔ زمین سے اوپر جانے والی چیزیں یہاں جا کر رک جاتی ہیں۔ پھر یہاں سے اٹھالی جاتی ہیں اور اوپر سے آنے والی چیز بھی یہاں آ کر رک جاتی ہے اور یہاں سے وصول کر لی جاتی ہے۔ فرمایا: یہ سونے کے پتنگے ہیں۔ اس موقع پر آپ ﷺ کو تین چیزیں عطا فرمائی گئیں: (۱) پانچ نمازیں۔ (۲) سورۂ بقرہ کی آخری آیات۔ (۳) آپ کی امت میں سے جو مشرک نہ ہو اس کے گناہوں کی بخشش۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں (4)۔ ابوجعفر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی سے روایت کیا ہے کہ شب معراج حضور ﷺ جب سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو آپ ﷺ کو بتایا گیا یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے خلاق عالم کا نور اس پر چھارہا تھا اور ملائکہ کووں کی طرح اس درخت پر گر رہے تھے آپ ﷺ سے کہا گیا: ''جو مانگنا ہے مانگئے'' (5)۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ سدرہ کی شاخیں مروارید، یاقوت اور زمرد کی تھیں۔ سرکار ﷺ نے انہیں دیکھا اور اپنے رب کا دیدار دل سے کیا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے سدرہ پر کیا چیز چھاتے ہوئے دیکھی؟ فرمایا: ''میں نے دیکھا اس پر سونے کے پتنگے چھارہے تھے۔ اس کے ہر پتے پر ایک فرشتہ کھڑے ہو کر اللہ کی تسبیح بیان کر رہا تھا''۔

قولہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ دائیں بائیں نہیں بھٹکی۔

وَمَا طَغٰى اسے جو حکم دیا گیا تھا اس سے تجاوز نہ کیا۔ ثابت قدمی اور اطاعت کی یہ عظیم دلیل ہے۔ وہی کام کیا جس کا حکم دیا گیا تھا۔ جو کچھ عطا کیا گیا اس سے زیادہ کا سوال نہ کیا۔

ایک ناظم نے کیا خوب کہا ہے:

رَاٰی جَنَّةَ الْمَاْوٰی وَمَا فَوْقَهَا وَلَوْ رَاٰی غَیْرُهٗ مَا قَدْ رَاٰهُ لَتَاهَا

قولہ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی جیسے ایک اور آیت میں ہے: لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا (اسراء: 1) ''ہم نے دکھائیں اپنے بندے کو اپنی

1۔ نسائی، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9، صفحہ 191 2۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 158 3۔ طبری، جلد 27، صفحہ 51

4۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 432، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 157، یہ حدیث سورۂ بقرۃ آیت: 285 اور سورہ اسراء کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔

5۔ طبری، جلد 27، صفحہ 56

قدرت کی نشانیاں''۔ یعنی ہماری قدرت اور عظمت کی نشانیاں۔ اہل سنت کے ایک گروہ نے ان دو آیات سے یہ ثابت کیا ہے کہ معراج کی شب حضور ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے اپنے رب کا دیدار نہیں کیا۔ کیونکہ ارشاد ہوتا ہے آپ ﷺ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ اگر آپ ﷺ نے دیدار الٰہی کیا ہوتا تو اس کا ذکر بھی کیا جاتا اور لوگوں پر ظاہر کیا جاتا۔ اس کی وضاحت سورۂ سبحان میں ہو چکی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جبریل کو اپنی اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا۔ ایک دفعہ جب آپ ﷺ نے خواہش فرمائی تو جبریل نے اپنی ملکی شکل آپ کو دکھائی۔ اس نے افق کو بند کر دیا تھا۔ دوسری دفعہ شب معراج آسمان کی طرف چڑھتے وقت۔

وقولہ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى ...... عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى جب جبریل نے اپنے رب کو محسوس کیا تو اپنی اصلی صورت میں لوٹ گئے اور سجدہ کیا۔

وقولہ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ...... رَبِّهِ الْكُبْرٰى فرمایا جبریل کی تخلیق اسی طرح ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے اور یہ روایت غریب ہے(1)۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾
تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ
الْهُدٰى ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ
لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾

''(اے کفار!) کبھی تم نے غور کیا لات وعزیٰ کے بارے میں۔ اور منات کے بارے میں جو تیسری ہے۔ کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لئے نری بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے۔ نہیں ہیں یہ مگر محض نام جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں نازل کی اللہ نے ان کے بارے میں کوئی سند۔ نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر گمان کی اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں۔ حالانکہ آگئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت۔ کیا انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے۔ پس اللہ کے دست قدرت میں ہے آخرت اور دنیا۔ اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لئے چاہے اور پسند فرمائے''۔

بتوں اور اَنداد کی عبادت کرنے اور کعبہ جسے خلیل اللہ علیہ السلام نے بنایا تھا کے مقابلے میں گھر بنانے کی وجہ سے مشرکین کی زجر وتوبیخ کی جارہی ہے۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ لات یہ سفید منقش پتھر تھا۔ اس کا استھان طائف میں تھا۔ اس پر پردے پڑے ہوئے تھے اور مجاور مقرر تھے۔ اس کے اردگرد کی جگہ اہل طائف کے نزدیک بڑی مقدس تھی۔ اہل طائف بنو ثقیف اور ان کے ہمنوا تھے۔ وہ قریش کے بعد تمام قبائل عرب میں اپنے آپ پر فخر کرتے تھے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انہوں نے اس کا نام اسم الٰہی سے مشتق کیا اور لات کا نام دیا۔ وہ اسے خدا

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 407

کی مؤنث سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان کے قول سے پاک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ربیع بن انس رحمہما اللہ تعالیٰ کے بارے میں بیان کیا گیا کہ انہوں نے لات کو تاء مشدد کر کے پڑھا ہے اور اس کی وضاحت یہ بیان کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص حجاج کے لئے ستو تیار کیا کرتا تھا۔ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر پر مجاورت شروع کر دی اور اس کو پوجنے لگے (1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن جوزاء رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لات حاجیوں کے ستو میں گڑ وغیرہ ڈال کر لتھیڑا کرتا تھا (2)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اسی طرح عزی یہ لفظ عزیز سے مشتق ہے (3)۔ یہ ایک درخت تھا جس پر عمارت بنائی گئی اور پردے ڈال دیئے گئے تھے۔ یہ مکہ اور طائف کے درمیان تھا۔ قریش اس کی تعظیم کرتے تھے جس طرح ابوسفیان نے غزوۂ احد کے دن کہا تھا: ہمارے پاس عزی دیوی ہے اور تمہارے پاس کوئی عزی نہیں۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہو اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں'' (4)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو لات اور عزی کی قسم کھا بیٹھے اسے چاہئے کہ فوراً لا الٰہ إلا اللّٰہ کہے۔ اور جو اپنے ساتھی سے کہے آ ؤ جوا کھیلیں اسے صدقہ کرنا چاہئے (5)۔ اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ جس کی زبان پر اچانک یہ الفاظ جاری ہو جائیں جس طرح زمانہ جاہلیت میں ان کی عادت تھی (یعنی وہ ان کلمات کے ساتھ قسم کھایا کرتے تھے)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ میں نے لات وعزی کی قسم کھالی۔ میرے ساتھیوں نے مجھے کہا تم نے کتنی بری بات کہی میں نے کہا میں ان الفاظ سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ چنانچہ میں حضور ﷺ کے پاس آیا اور یہ بات ذکر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: یوں کہو ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' اور تین مرتبہ بائیں طرف تھوک دو اور تین مرتبہ تعوذ پڑھو اور آئندہ ایسا نہ کرنا (6)۔

منات: یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان قدید کے پاس مشلل کے مقام پر تھا۔ بنوخزاعہ اور اوس وخزرج اس کی تعظیم کرتے اور یہاں سے کعبہ کے لئے حج کا احرام باندھتے تھے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت کیا ہے (7)۔

ان تین بتوں کے علاوہ جزیرہ عرب وغیرہ میں اور بت بھی تھے اہل عرب جن کی اسی طرح تعظیم کرتے جیسے کعبہ کی تعظیم کرتے تھے۔ لیکن ان تینوں کی شہرت چونکہ بہت زیادہ تھی اس لئے یہاں صرف ان تین کا ہی بالخصوص ذکر فرمایا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ میں لکھا ہے کہ عربوں نے کعبہ کے ساتھ بھی کچھ طاغوت رکھے ہوئے تھے یہ وہ استھان تھے جن کی وہ کعبہ کی طرح تعظیم وتوقیر کیا کرتے تھے۔ ان کے مجاور اور دربان تھے اور کعبہ کی طرح یہاں بھی جانور لا کر ذبح کئے جاتے تھے۔ بیت اللہ کی طرح ان کا طواف بھی کیا جاتا اور نذرانے چڑھائے جاتے تھے۔ ان کا درجہ بھی کعبہ کے برابر تھا۔ وہ جانتے تھے کہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھر اور مسجد تھی۔ یہ قریش کیلئے تھا۔ بنوکنانہ عزی کے پجاری تھے یہ نخلہ میں تھا اس کے نگہبان اور متولی بنوشیبان تھے یہ قبیلہ سلیم کی شاخ تھا اور بنوہاشم کے حلیف تھے (8)۔

(مؤلف کی رائے): میں کہتا ہوں حضور ﷺ نے اس کی طرف خالد بن ولید کو بھیجا آپ نے اسے منہدم کر دیا اور یہ شعر کہا:

1۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 58-59، 2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ نجم، جلد 8 صفحہ 611، 3۔ ایضاً طبری، جلد 27 صفحہ 58-59

4۔ یہ حدیث سورۂ محمد کی آیت: 111 کی تفسیر میں گزر چکی ہے، 5۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ نجم، جلد 8 صفحہ 611، 6۔ نسائی، کتاب الایمان، جلد 7، صفحہ 8

7۔ فتح الباری تفسیر سورۃ نجم، جلد 8 صفحہ 613، 8۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 84-83، جلد 2 صفحہ 436

يَا عَزَّ كُفْرَانَكِ لَا سُبْحَانَكِ إِنِّي رَأَيْتُ اللَّهَ قَدْ أَهَانَكِ (1)

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوطفیل سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جب مکہ فتح فرمایا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نخلہ کی طرف بھیجا۔ یہ عزی کا مقام تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس کی طرف آئے یہ کیکر کے تین درختوں پر تھا۔ آپ نے درخت کاٹ ڈالے اور اس گھر کو گرادیا جوان پر تھا۔ پھر نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو اطلاع دی۔ تو آپ نے فرمایا: تم نے کچھ نہیں کیا واپس جاؤ۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ واپس آئے جب اس کے دربانوں نے آپ کو دیکھا تو وہ حیلہ سازیاں کرنے لگے اور یہ نعرے لگا رہے تھے اے عزی، اے عزی! جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک برہنہ عورت بال پھیلائے کھڑی ہے اور اپنے سر پر مٹی ڈال رہی ہے۔ آپ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا اور واپس آ کر آپ ﷺ کو خبر دی تو آپ نے فرمایا: ''عزی یہی تھا'' (2)۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ لات ثقیف کی دیوی تھی۔ یہ طائف کے مقام پر تھی۔ اس کے نگہبان بنو معتب تھے (3)۔

(مؤلف کی رائے): میں کہتا ہوں حضور ﷺ نے مغیرہ بن شعبہ اور ابوسفیان صخر بن حرب کو اس کی طرف بھیجا انہوں نے اسے گرا کر اس کی جگہ مسجد طائف تعمیر کر دی۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مناۃ اوس وخزرج اور ان کے ہم خیال لوگوں کا بت تھا۔ یہ ساحل سمندر پر مشلل کی طرف قدید کے مقام پر تھا۔ حضور ﷺ نے ابوسفیان صخر بن حرب کو اس کی طرف بھیجا جنوں نے اسے گرادیا۔ ایک قول ہے کہ آپ نے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو بھیجا (4)۔ اور ذُوالْخَلَصَة نامی بت خانہ دوس، خَثْعَم، بَجِيْلَة اور ان کے علاقے کے عربوں کا تھا۔ یہ تَبَالَة (5) کے مقام پر تھا۔

(مؤلف کی رائے): میں کہتا ہوں اسے کعبہ یمانیہ کہتے تھے اور جو کعبہ مکہ میں تھا اسے کعبہ شامیّہ کہتے تھے۔

حضور ﷺ نے حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ آپ نے اسے گرادیا (6)۔ فلس نامی بت یہ بنو طے اور آس پاس کے عربوں کا تھا۔ یہ جبلُ طے میں سلمی اور اُجا کے درمیان تھا (7)۔

ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے! بعض اہل علم نے مجھے بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اس کی طرف بھیجا۔ آپ نے اسے توڑ دیا۔ اور یہاں سے دو تلواریں لے گئے یہ رسوب اور مخزم تھیں۔ حضور ﷺ نے یہ دونوں تلواریں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی بخش دیں۔ چنانچہ آپ کے پاس یہی تلواریں تھیں۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اہل یمن اور حمیر نے صنعاء میں رِیَام (8) نامی بت خانہ بنا رکھا تھا۔ مذکور ہے کہ اس میں ایک سیاہ کتا تھا۔ وہ دو یہودی عالم جو تبع کے ساتھ گئے تھے انہوں نے اسے نکال کر مار ڈالا اور اس بت خانے کو برباد کر دیا (9)۔

ابن اسحاق کا قول ہے کہ ''رُضَاء'' نامی بت کدہ بنو ربیعہ بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم کا تھا۔ مستوغر بن ربیعہ بن کعب بن سعد نے زمانہ اسلام میں اسے ڈھا دیا اور اس بارے میں یہ شعر کہے تھے:

وَلَقَدْ شَدَدْتُ عَلَى رُضَاءٍ شَدَّةً فَتَرَكْتُهَا قَفْرًا بِقَاعٍ أَسْحَمَا

1۔ الاصنام للکلبی: 26
2۔ نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 235
3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 85، کلبی: الاصنام: 16
4۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 85، الاصنام: 16
5۔ تبالہ مکہ اور یمن کے درمیان ایک مقام
6۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 86
7۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 87
8۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 87
9۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 38-27

ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہا جاتا ہے کہ ان کی عمر تین سو تیس سال تھی چنانچہ وہ کہتے ہیں: ؎

وَلَقَدْ سَئِمْتُ مِنَ الحَيَاةِ وطُولِهَا وَعُمِّرْتُ من عَدَدِ السِّنِينَ مِئِينَا
مائةٌ حَدَتْهَا بَعْدَهَا مِئَتَانِ لِي وازددتُ مِن عدد الشهور سنينا
هَلْ مَا بقِي إِلَّا كَمَا قَدْ فَاتَنَا يَوْمٌ يَمُرُّ وَلَيلَةٌ تَحْدُونَا

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ذو الکَعَبَات نامی بت خانہ بکر و تغلب (بنووائل) اور ایاد کا تھا۔ یہ سنداد(1) کے مقام پر تھا اعشی بنی قیس بن ثعلبہ اسی کے بارے کہتا ہے: ؎

بَيْنَ الخَوَرْنَقِ وَالسَّدِيْرِ وَبَارِقٍ والبيتِ ذِي الكَعَبَاتِ مِنْ سَنْدَاد(2)

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى(3)۔

ثم قال تعالیٰ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى کیا تم اس کے لئے اولاد تسلیم کرتے ہو اور وہ بھی لڑکیاں اور اپنے لئے لڑکے پسند کرتے ہو؟ اگر تم یا تمہارے جیسی کوئی مخلوق تقسیم کرے تو یہ تقسیم (قسمة ضيزى) ظالمانہ ہوگی۔ یعنی ظالمانہ اور باطل۔ تم اپنے رب کے ساتھ یہ تقسیم کس طرح کرتے ہو جو دو مخلوقوں کے درمیان ہو تو ظالمانہ اور احمقانہ ہوگی۔ پھر ان کے کذب و افتراء اور بتوں کی عبادت کے ساتھ کفر کرنے اور انہیں خدا قرار دینے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ تمہاری طرف سے۔

مِنْ سُلْطٰنٍ: حجت اور دلیل۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ اس کی کوئی دلیل نہیں ماسوا اپنے آباء کے ساتھ حسن ظن کے، جو ان سے قبل اس باطل مسلک پر عمل پیرا رہے اور ماسوائے خواہش نفس کے۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رسول مبعوث فرمائے روشن حق اور قطعی حجت کے ساتھ۔ اس کے باوجود انہوں نے ان کی بات نہ مانی اور ان کی پیروی نہ کی۔

ثم قال تعالیٰ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى یہ لازمی نہیں کہ ہر شخص جو خیر کی تمنا کرے اس کی یہ آرزو پوری ہو جائے۔ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ (النساء: 123)۔ ہر وہ شخص جو یہ گمان کرے کہ وہ ہدایت یافتہ ہے ضروری نہیں وہ حق پر ہی ہو اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو چیز پسند ہو وہ مل بھی جائے گی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی آرزو کرے تو اسے چاہئے کہ سوچ لے وہ کیا تمنا کر رہا ہے وہ نہیں جانتا کہ اس تمنا پر اس کے لئے کیا لکھا جائے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں(4)۔

قولہ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى حکم کلی طور پر اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ دنیا و آخرت کا مالک ہے اور دنیا اور آخرت میں تصرف کرنے والا ہے۔ وہ جو چاہے ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے نہیں ہوتا۔

1۔ سنداد: زیریں کوفہ کے قریب ایک جگہ 2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 88-87

3۔ بعض کتب تفسیر میں یہ روایت لکھ دی گئی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف کے صحن میں کفار کے مجمع کے سامنے یہ سورۃ تلاوت فرمائی تو اس آیت کے بعد حضور کی زبان سے یہ جملہ نکلا (العیاذ باللہ) تلك الغرانيق العلى وان شفا عتهن لترتجى۔ یہ جملہ سن کر مشرکین کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی وغیرہ وغیرہ یہ روایت سراسر لغو، باطل، موضوع اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔

4۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 357

قولہ کَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (بقرہ:255)۔ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (سبا:23)۔ جب ملائکہ مقربین کا یہ حال ہے تو اے جہلاء! تم اللہ کے ہاں ان بتوں اور انداد کی شفاعت کی امید کیسے رکھنے لگے۔ اس رب قدوس نے ان کی عبادت کی اجازت نہیں فرمائی اور نہ اسے جائز قرار دیا ہے بلکہ تمام رسولوں کی زبانی اس سے روکا اور اس کی نہی میں تمام کتابیں نازل فرمائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ڏ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾

''بے شک جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں۔ حالانکہ انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں۔ وہ محض ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ اور ظن حق کے مقابلہ میں کسی کام نہیں آسکتا۔ پس آپ رخِ انور پھیر لیجئے اس (بدنصیب) سے جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی اور نہیں خواہش رکھتا مگر دنیوی زندگی کی۔ یہ ہے ان کا مبلغ علم۔ بیشک آپ کا رب خوب جانتا ہے جو بھٹک گیا اس کی راہ سے۔ اور وہی بہتر جانتا ہے جس نے راہ راست پائی''۔

مشرکین نے ملائکہ کے نام عورتوں کے سے رکھے اور انہیں اللہ کی بیٹیاں قرار دیا۔ اس کی تردید فرمائی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اس سے بلند تر ہے جیسے ایک آیت میں آتا ہے: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا...... شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ (زخرف:19)۔

فرمایا: مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ جو وہ کہتے ہیں اس کی سچائی کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ سب جھوٹ، افتراء اور کفر شنیع ہے۔ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا یہ کوئی فائدہ نہیں دے گا اور حق کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گمان سے بچو۔ بے شک گمان بدترین جھوٹ ہے(1)۔

قولہ تعالیٰ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ڏ عَنْ ذِكْرِنَا جس نے حق سے اعراض کیا اور اسے چھوڑ دیا۔

قولہ وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ان کا منتہائے ہمت اور مبلغ علم دنیا ہی ہے، یہ ایسی غایت ہے جس کا انجام کبھی نیک نہیں ہوتا۔

اسی لئے فرمایا ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ یعنی دنیا کی تلاش اور اس کے لئے کوشش کرنا۔ ان کی غایت یہی ہے جس تک یہ پہنچتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے: دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو، یہ اس کا مال ہے جو (آخرت میں) کنگال ہو۔ اسے جمع کرنے میں مگن وہی رہتا ہے جس میں عقل نہ ہو(2)۔

دعاماثور میں ہے: ''اللهمَّ لا تجعلِ الدنيا أكبرَ همِّنا ولا مبلغَ علمِنا''(3)۔

قولہ تعالیٰ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ یعنی وہ تمام مخلوقات کا خالق، اپنے بندوں کی مصلحتوں سے آگاہ ہے۔ وہ جسے چاہے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ نساء آیت:12 اور سورۃ حجرات آیت:12 2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ بقرۃ آیت:212 اور سورۃ اسراء آیت:18

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 32-31، نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 5 صفحہ 343، مستدرک، کتاب الدعاء، جلد 1 صفحہ 528، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 475

ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے۔ یہ سب کچھ اس کی قدرت اور علم وحکمت سے ہے۔ وہ عادل ہے اپنی شرع اور تقدیر میں کبھی ظلم نہیں کرتا۔

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ يَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

''اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ تاکہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان کے اعمال کا اور بدلہ دے نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا۔ جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر شاذ و نادر۔ بلاشبہ آپ کا رب وسیع بخشش والا ہے۔ وہ (اس وقت سے) خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب کہ تم حمل تھے اپنی ماؤں کے شکموں میں۔ پس اپنی خودستائی نہ کیا کرو۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے''۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ وہ ماسوی سے مستغنی ہے۔ اپنی مخلوق کے بارے میں عدل سے فیصلے کرنے والا ہے اور مخلوق کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا...... یعنی ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا اگر اعمال اچھے ہوئے تو اچھی اور اگر برے ہوئے تو بری۔ پھر محسنین کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: جو کبیرہ گناہوں اور فحش باتوں سے بچتے ہیں۔ یعنی محرمات کبائر سے بچتے ہیں اگرچہ بعض اوقات صغیرہ گناہ ان سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ وہ انہیں بخش دیتا ہے اور ان کی پردہ داری کرتا ہے۔

ایک دوسری آیت میں ہے: اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا (النساء:31) اور یہاں فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ لمم صغیرہ گناہوں اور حقیر اعمال کو کہتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے لمم کے مشابہ اس حدیث سے زیادہ کوئی چیز نہیں دیکھی جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے: '' اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا وہ لامحالہ طور پر اسے پا کر ہی رہے گا۔ پس آنکھوں کا زنا دیکھنا، زبان کا زنا بولنا، نفس کا زنا خواہش وامنگ پیدا ہونا۔ شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے (1)۔ صحیحین میں یہی روایت عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے (2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آنکھوں کا زنا دیکھنا، ہونٹوں کا زنا بوس و کنار، ہاتھوں کا زنا پکڑنا، ٹانگوں کا زنا چل کر جانا اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ اگر شرمگاہ کے ساتھ آگے بڑھا تو زانی ہے ورنہ وہ لمم ہے (3)۔ مسروق اور شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔

عبدالرحمن بن نافع جنہیں ابن لُبَابۃ (یا لبانۃ) طائفی کہا جاتا ہے کا قول ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے (إلا اللمم) کی تفسیر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: یہ بوسہ لینا، چھیڑنا، نظر بازی اور مباشرت فاحشہ ہے اور جب دونوں شرمگاہیں مل

1۔ یہ حدیث سورۂ نور کی آیت: 30 کی تفسیر میں گزر چکی ہے 2۔ دیکھئے ایضاً سورۂ نور 3۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 65

جائیں (اور دخول کامل طور پر متحقق ہو جائے) تو غسل واجب ہو گیا اور یہ زنا ہے(1)۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ (إلا اللمم) سے مراد إلا ما سلف (جو گزر چکا ہے)۔ زید بن اسلم نے یہی کہا ہے۔ ابن جریر نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے إلا اللمم کی تفسیر میں فرمایا: جو گناہ کا ارادہ کرے پھر اسے چھوڑ دے۔

ایک شاعر کا قول ہے:۔

إِنْ تَغْفِرْ اللهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَأَيُّ عَبْدٍ لَكَ مَا أَلَمَّا!

ابن جریر نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جو شخص کبھی کبھی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے پھر اس سے تائب ہو جائے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تھے اور یہ شعر پڑھتے:

إِنْ تَغْفِرْ اللهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَأَيُّ عَبْدٍ لَكَ مَا أَلَمَّا!

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے(2)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ شخص جو کبھی بے حیائی کا مرتکب ہو جاتا ہے پھر اس سے توبہ کر لیتا ہے۔ اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنْ تَغْفِرْ اللهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَأَيُّ عَبْدٍ لَكَ مَا أَلَمَّا! (3)

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عاصم نبیل سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ہم اسے حدیث زکریا بن اسحٰق کے علاوہ نہیں جانتے۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ متصلاً صرف اس سند سے مروی ہے۔ ابن ابی حاتم اور بغوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے ابو عاصم نبیل سے روایت کیا ہے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سورہ ''تنزیل'' کی تفسیر میں ذکر کیا ہے لیکن اس مرفوع کی صحت میں نظر ہے(4)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حسن، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ میرا خیال ہے آپ نے اسے مرفوع قرار دیا فرمایا: زنا سے نزدیک ہونے کے بعد توبہ کر لے اور پھر نہ لوٹے۔ چوری کے قریب جانے کے بعد توبہ کر لے اور پھر نہ لوٹے۔ شراب نوشی کے قریب جانے کے بعد توبہ کر لے اور پھر یہ کام نہ کرے۔ إلمام سے مراد یہی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ 'لمم' سے مراد زنا، چوری یا شراب نوشی کے قریب جانا اور پھر یہ کام نہ کرنا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام فرمایا کرتے تھے: یہ وہ آدمی ہے جو کبھی زنا یا شراب کے قریب جائے پھر اس سے اجتناب کرے اور توبہ کر لے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ إلا اللمم: يلمّ بها في الحين شاذ و نادر اس کے قریب چلا جائے۔ میں نے پوچھا زنا؟ فرمایا زنا اور پھر توبہ کر لے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہی بروایت عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: اللمم: الذي يلم المرّة۔ (جو ایک مرتبہ کوئی گناہ کرے)۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ابو صالح نے فرمایا مجھ سے لمم کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے کہا یہ وہ آدمی ہے جو گناہ کرتا ہے اور پھر توبہ کر لیتا ہے۔ پھر میں نے اس کا ذکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کیا تو آپ نے فرمایا

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 66 2۔ مصدر مذکور، جلد 27، صفحہ 66-65

3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 66، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ نجم، جلد 12، صفحہ 174-173 تفسیر بغوی تفسیر سورۃ زمر: 85، تحفۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 172

4۔ تفسیر بغوی تفسیر سورۃ زمر: 85، تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 66 عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ نجم، جلد 12 صفحہ 174-173، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 172

تیری مدد ایک کریم فرشتے نے کی ہے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بیان کیا ہے(1)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لمم سے مراد وہ گناہ ہیں جو شرک سے کم ہیں(2)۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عطاء حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے دو حدوں کے درمیان ہیں حد زنا اور عذاب آخرت(3)۔ شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت بھی کیا ہے کہ ہر چیز جو دو حدوں حد دنیا اور حد آخرت کے درمیان ہو نمازیں اس کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ یہ لمم ہے یعنی جو چیز حد لازم کر دینے والی نہ ہو بلکہ اس سے کم ہو۔ حد دنیا سے مراد ہر وہ حد ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سزا مقرر فرمائی ہے۔ حد آخرت: ہر وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ نے آگ کی سزا لازم کی ہے اور اسے روز قیامت تک مؤخر رکھا ہے۔ عکرمہ، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔

قولہ تعالیٰ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ اس کی مغفرت تمام گناہوں کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے اس کے لئے جو ان گناہوں سے تائب ہو جائے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (زمر:53)۔

قولہ تعالیٰ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ یعنی وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ تمہارے احوال، افعال اور اقوال جو تم سے صادر ہوں گے یا ہوتے ہیں، سے اس وقت سے آگاہ ہے جب سے اس نے تمہارے باپ آدم کو زمین سے پیدا کیا تھا۔ اور چیونٹیوں کی شکل میں آپ کی ذریت کو آپ کی صلب سے نکالا پھر انہیں دو فریقوں میں تقسیم کیا ایک فریق جنت کے لئے اور دوسرا فریق جہنم کے لئے۔

قولہ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ جب تم اپنی ماں کے پیٹ میں تھے اس وقت مقرر فرشتے نے تمہارا رزق، عمر، عمل اور نیک بختی یا بدبختی لکھ دی تھی۔ مکحول رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہم اپنی ماؤں کے پیٹ میں حمل تھے۔ کچھ حمل ساقط ہو گئے اور ہم ان میں شامل تھے جو باقی رہ گئے۔ پھر ہم شیر خوار تھے۔ ہم میں سے بعض ہلاک ہو گئے اور ہم باقی رہ گئے۔ پھر ہم قریب البلوغ ہوئے تو کچھ فوت ہو گئے اور ہم باقی رہ گئے پھر نوجوان ہوئے تو ہم میں سے کچھ انتقال کر گئے اور ہم بچ گئے پھر ہم بوڑھے ہو گئے۔ تیرا باپ نہ رہے! اس کے بعد ہم کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

قولہ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ یعنی خودستائی نہ کرو اور پارسائی ظاہر نہ کرو کہ اپنے اعمال کو سراہنے لگو۔

قولہ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى جیسے ایک اور آیت میں ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ...... فَتِيْلًا (النساء:49)۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کا نام "برۃ" رکھا تو زینب بنت ابی سلمۃ نے کہا حضور ﷺ نے یہ نام رکھنے سے منع فرمایا ہے: میرا بھی یہ نام رکھا گیا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا: اپنی مدح سرائی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے نیک لوگوں سے خوب آگاہ ہے۔ عرض کی گئی: ہم اس کا کیا نام رکھیں؟ فرمایا: "اس کا نام زینب رکھو"(4)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کے سامنے کسی آدمی کی تعریف کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 252
2۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 67
3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 68
4۔ مسلم، کتاب الآداب، جلد 2 صفحہ 1688

تیری ہلاکت ہو تو نے کتنی بار اپنے ساتھی کی گردن ماری ہے۔ جب تم میں سے کوئی لامحالہ اپنے ساتھی کی تعریف کرے تو یوں کہے میں گمان کرتا ہوں حقیقی علم تو اللہ کو ہی ہے۔ میں اللہ کے سامنے کسی کی پاکیزگی بیان نہیں کرتا۔ میں اسے یوں گمان کرتا ہوں۔ اگر اسے پتہ ہو تو۔(1) بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے خالد الحذاء سے یہی روایت کیا ہے(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ کے سامنے اس کی تعریف کی گئی۔ یہ سن کر مقداد بن اسود اس کے منہ پر مٹی ڈالنے لگے اور فرمانے لگے کہ ہمیں سرکار نے یہ حکم دیا تھا کہ جب ہم مدح کرنے والوں سے ملیں تو ان کے منہ پر مٹی ڈالیں(3)۔ مسلم اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(4)۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿٣٣﴾ وَ اَعْطٰى قَلِيْلًا وَّ اَكْدٰى ﴿٣٤﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿٣٥﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿٣٦﴾ وَ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ﴿٣٧﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿٣٨﴾ وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿٣٩﴾ وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿٤٠﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿٤١﴾

"کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا جس نے روگردانی کی۔ اور تھوڑا سا مال دیا پھر کنجوس بن گیا۔ کیا اس کے پاس علم غیب ہے اور وہ دیکھ رہا ہے۔ کیا وہ آگاہ نہیں ہوا جو موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں ہے۔ اور ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں جو پوری طرح احکام بجالائے۔ کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ اور اس کی کوشش کا نتیجہ جلد نظر آجائے گا۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى (القیامۃ: 31) اور فرمایا: وَ اَعْطٰى قَلِيْلًا وَّ اَكْدٰى۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ تھوڑی دیر اطاعت کی پھر بھول گیا(5)۔ مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ عکرمہ اور سعید سے مروی ہے جیسے ایک قوم جب کنواں کھودنے لگے اور کھودنے کے دوران سخت چٹان آجائے اور وہ کام مکمل نہ کرسکیں اور کہیں "اَكْدَيْنَا" اور کام چھوڑ دیں۔

قولہ تعالیٰ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى یہ شخص جس نے ختم ہوجانے کے ڈر سے ہاتھ روک لیا ہے اور نیکی کا سلسلہ بند کر دیا ہے کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے ختم ہوجائے گا حتیٰ کہ اس نے نیکی سے ہاتھ کھینچ لیا ہے کیا وہ اسے واضح دیکھ رہا ہے؟ یعنی درحقیقت بات اس طرح نہیں ہے وہ بخل، کنجوسی اور لالچ کی وجہ سے صدقہ، نیکی، حسن سلوک اور صلہ رحمی سے باز آگیا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ہے: "اے بلال خرچ کر اور صاحب عرش بریں سے فقر کا خدشہ نہ کر" (6)۔ ارشاد باری ہے: وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 46-45

2۔ فتح الباری، کتاب الادب، جلد 1، صفحہ 476، مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2296 سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 254، ابن ماجہ، کتاب ادب، جلد 2، صفحہ 1232

3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 5

4۔ مسلم، کتاب الزہد، جلد 4، صفحہ 2297، ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 254

5۔ طبری، جلد 27، صفحہ 71

6۔ یہ حدیث سورۃ بقرۃ کی آیت: 212 کی تفسیر میں گزر چکی ہے، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الزہد، جلد 4، صفحہ ۹۶

يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (السباء:39)۔

قولہ تعالیٰ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ۙ وَ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا تھا اسے پوری طرح بجالائے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اللہ کے لئے تبلیغ کا حکم پورا کر دکھایا۔سعید بن جبیر کا قول ہے آپ کو جو حکم دیا گیا تھا اسے پورا کر دیا۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اللہ کی اطاعت اور اس کی مخلوق تک پیغام رسالت کا حکم بجالائے۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول پسند کیا ہے(1)۔یہ اس سے پہلے اقوال کو بھی شامل ہے۔اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے: وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (بقرہ:124)۔چنانچہ آپ تمام اوامر کو بجالائے اور نواہی کو ترک کر دیا اور پیغام رسالت بہتمام وکمال پہنچا دیا اور اس طرح لوگوں کا امام بننے کے حقدار قرار پائے۔تمام احوال،اقوال اور افعال میں آپ کی اقتداء کی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل:123)۔ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔وَ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى اور دریافت فرمایا جانتے ہو انہوں نے کیا بجا آوری کی تھی؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں؟ فرمایا:'' آپ ہر دن کی ابتداء میں چار رکعات ادا کرتے تھے۔'' ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جعفر بن زبیر سے روایت کیا ہے لیکن وہ ضعیف ہے۔ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع میں حضرت ابودرداء اور ابوذر رضی اللہ عنہما سے حدیث قدسی میں روایت کیا ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:'' اے ابن آدم! تو دن کی ابتداء میں میرے لئے چار رکعتیں ادا کر،میں آخر دن تک تیری کفایت کروں گا''(2)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم کو وفیٰ کے الفاظ سے کیوں یاد فرمایا؟ آپ صبح وشام یہ کلمات پڑھ کرتے تھے: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ (الروم:17) یہاں تک کہ حضور ﷺ نے پوری آیت ختم کی۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابوکریب یہی بیان کیا ہے(3)۔

پھر حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں بیان کردہ تعلیمات کا ذکر شروع فرمایا: قال لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (انعام:164) ہر وہ انسان جس نے کفر یا گناہوں کے ساتھ اپنی جان پر ظلم کیا ہو اس کا بوجھ صرف اسی کے ذمے ہوگا۔اسے کوئی اس کی طرف سے نہیں اٹھائے گا۔جس طرح ایک دوسری آیت میں ہے: وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (فاطر:18)۔

وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى یعنی جس طرح دوسرے کا بوجھ اس پر نہیں لادا جائے گا۔اسی طرح صرف وہی اجر ملے گا جو اس نے خود کمایا ہو۔اسی آیت کریمہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے پیروکاروں نے استنباط کیا ہے کہ قرآن خوانی کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا کیونکہ یہ نہ تو اس کا عمل ہے نہ کسب۔اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لئے نہ اس کا جواز بیان فرمایا نہ اس پر رغبت دلائی اور نہ صریح فرمان کے ذریعہ سے نہ کسی اشارے کنایئے سے اس کی طرف راہنمائی فرمائی اور صحابہ میں سے کسی سے بھی منقول نہیں اگر یہ کام بہتر

1۔تفسیر طبری،جلد 27،صفحہ 73 2۔عارضۃ الاحوذی،ابواب الوتر،جلد 2،صفحہ 259،تحفۃ الاحوذی،جلد 2،صفحہ 585

3۔یہ حدیث سورۃ بقرۃ:124،سورۃ روم آیت:19 کی تفسیر میں گزر چکی ہے نیز دیکھئے تفسیر طبری،جلد 27،صفحہ 73

ہوتا تو وہ ضرور ہم سے سبقت لے جاتے۔ عبادات میں صرف نصوص پر اکتفا کیا جاتا ہے کسی قسم کے قیاس یا رائے کو اس میں دخل نہیں۔ ہاں دعا اور صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اس پر اجماع ہے اور شارع کے الفاظ سے ثابت ہے۔

وہ حدیث جسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب انسان کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین چیزیں: نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے۔ صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا رہے(1)۔ یہ تینوں چیزیں حقیقت میں اس کی اپنی کدو کاوش اور محنت سے حاصل ہوتی ہیں۔ جس طرح حدیث شریف میں ہے: ''سب سے عمدہ چیز جسے انسان کھاتا ہے وہ ہے جسے اس نے اپنے ہاتھوں سے کمایا ہو اور انسان کی اولاد بھی اس کی اپنی کمائی ہے''(2)۔ اور صدقہ جاریہ جیسے وقف وغیرہ بھی اس کے اپنے عمل اور وقف کا اثر ہے۔ ارشاد باری ہے: اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ (یٰسین: 12) اور وہ علم جسے لوگوں میں پھیلایا ہو اور اس کے بعد لوگ اس کی پیروی کریں تو یہ بھی اس کی اپنی مساعی اور محنت ہے۔ صحیح حدیث میں ہے: جو شخص ہدایت کی طرف بلائے تو اسے پیروی کرنے والوں کے اجر کے برابر بھی اجر ملتا ہے اس طرح کہ ان کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آتی(3)۔

قولہ تعالیٰ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى یعنی قیامت کے دن۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ...... كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (توبہ: 94)۔ تمہارے اعمال کے بارے میں تمہیں آگاہ کرے گا اور ان پر مکمل جزاء عطا فرمائے گا خواہ اچھے ہوں یا برے۔

اسی طرح فرمایا: ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى یعنی وافر۔ پورا پورا۔

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۗ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾

''اور یہ کہ سب کو آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے۔ اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے۔ اور یہ کہ اسی نے پیدا فرمائیں دونوں قسمیں نر اور مادہ۔ (وہ بھی) ایک بوند سے جب ٹپکتی ہے۔ اور یہ کہ اسی (اللہ تعالیٰ) کے ذمہ ہے دوسری بار پیدا فرمانا۔ اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور مفلس بناتا ہے۔ اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا رب ہے۔ اور یہ کہ اسی نے ہلاک کیا عادِ اول (قوم ہود) کو۔ اور ثمود کو بھی پھر کسی کو نہ چھوڑا۔ اور (ہلاک کیا) قوم نوح کو ان سب سے پہلے۔ وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے۔ اور (لوط کی) اوندھی بستی کو بھی پٹخ دیا۔ پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا۔ پس (اے سننے والے بتا) تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلائے گا''۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ بقرۃ آیت: 128، یٰس آیت: 12 اور سورۃ طور آیت: 21

2۔ نسائی، کتاب البیوع، جلد 7، صفحہ 241-24، ابن ماجہ، التجارات، جلد 2، صفحہ 723

3۔ دیکھئے تفسیر سورۃ مائدۃ آیت: 2، سورۃ نحل آیت: 25 اور سورۃ عنکبوت آیت: 13

ارشاد ہوتا ہے: وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَہٰی قیامت کے دن اس کی بارگاہ میں جانا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن میمون اَودی سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اے بنی اَود! میں تمہاری طرف اللہ کے رسول کا پیامبر ہوں۔ تم جانتے ہو کہ بالآخر اللہ کی طرف لوٹنا ہے پھر جنت ملے گی یا جہنم میں جانا ہوگا۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی ذات میں فکر کرنا جائز نہیں (1)۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس کے مثل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: ''مخلوق میں غور و فکر کرو اور خالق میں غور و فکر نہ کرو۔ اسے عقل اپنے حیطہ ادراک میں نہیں لے سکتی۔'' (2) ان الفاظ سے یہ حدیث محفوظ نہیں ہے۔ مگر صحیح حدیث میں یہ بھی ہے: ''تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے اسے کس نے پیدا کیا؟ اسے کس نے پیدا کیا؟ حتیٰ کہ یہ کہہ دیتا ہے تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب تم میں سے کوئی اس مقام تک پہنچ جائے تو اعوذ باللہ پڑھے اور فوراً اس خیال کو اپنے دل سے دور کرے'' (3)۔

سنن کی ایک حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور و فکر کرو لیکن اللہ کی ذات میں غور و فکر نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا فرمایا ہے جس کے کانوں کی لو سے کندھے تک تین سو سال تک کی مسافت ہے (4) (یا جس طرح فرمایا): وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى یعنی اپنے بندوں میں ہنسنے اور رونے کی صفات اور ان کے اسباب پیدا فرمائے جو بالکل مختلف ہیں۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا جیسے فرمایا: الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ (الملک: 2)۔

مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى جیسے فرمایا:

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی ...... اَنْ یُّحْیِ َۧ الْمَوْتٰی (قیامہ: 40)۔

قولہ تعالیٰ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى یعنی جس طرح اس نے ابتداءً پیدا کیا ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے اور یہ قیامت کے دن دوبارہ پیدا کرنا ہے۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى یعنی اپنے بندوں کو مال و دولت عطا فرمایا جو ہمیشہ کے لئے ان کا اندوختہ ہے، اس کو بیچنے کی انہیں ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ اتمام نعمت ہے۔ اکثر مفسرین کے کلام کا خلاصہ اس مقام پر یہی ہے۔ ابو صالح اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔

(۱) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے أغنی مال دار بنایا۔ أقنی خدام عطا فرمائے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: أغنی، أعطی: عطا فرمایا۔ أقنی، رضی: راضی ہوا۔

(۳) ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ اسے غنی بنایا اور تمام مخلوق کو اس کا محتاج بنایا۔ حضرمی بن لاحق کا یہی قول ہے۔

(۴) مخلوق میں سے جسے چاہا غنی بنایا اور جسے چاہا فقیر بنایا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منقول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دونوں اقوال بیان کئے ہیں لیکن یہ لفظ سے مطابقت نہیں رکھتے۔

قولہ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ یہ اس روشن ستارے کا نام ہے جسے ''مِرْزَمُ الْجَوْزَاء'' کہا جاتا ہے۔ اہل عرب کا ایک طائفہ اس کی عبادت کرتا تھا (5)۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 255
2۔ ایضاً، جلد 4 صفحہ 255
3۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6 صفحہ 336، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 120
4۔ مجمع الزوائد، جلد 1، صفحہ 86
5۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 75

وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى یہ قوم ہود ہیں انہیں عاد بن ارم بن سام بن نوح کہتے ہیں۔ ایک اور آیت میں ہے: اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ...... مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ (فجر: 8)۔ یہ بڑی طاقت ور قوم تھی اور سب لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا: بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ ۙ سَخَّرَهَا عَلَیْهِمْ سَبْعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوْمًا (الحاقہ: 7-6)۔

قولہ تعالیٰ وَثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى یعنی انہیں برباد کر دیا اس طرح کہ ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ یعنی ان سے قبل۔

اَظْلَمَ وَاَطْغٰى بعد میں آنے والوں سے کہیں زیادہ سرکش تھے۔

وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى یعنی مدائن قوم لوط۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اوندھا اور زیروزبر کر دیا اور ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔ اسی لئے فرمایا: فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى یعنی پتھروں سے جو ان پر برسائے گئے۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ (شعراء: 173)۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مدائن لوط میں چار لاکھ افراد تھے۔ پوری وادی سات دن تک ان پر آگ، تیل اور تارکول سے اس طرح بھڑک اٹھی جس طرح بھٹی ہوتی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے اور یہ بہت غریب ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى یعنی اے انسان تو اللہ تعالیٰ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلائے گا؟ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہاں خطاب حضور ﷺ کو ہے لیکن پہلا قول زیادہ بہتر ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند فرمایا ہے(1)۔

هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

''یہ ڈرانے والا (رسول عربی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے۔ قریب آنے والی قریب آ گئی۔ اللہ کے سوا اس کو کوئی ظاہر کرنے والا نہیں۔ بھلا کیا تم اس بات سے تعجب کر رہے ہو۔ اور (بے شرموں کی طرح) ہنس رہے ہو اور روتے نہیں۔ اور تم نے کھیل مذاق بنا رکھا ہے۔ پس سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کی عبادت کیا کرو''۔

هٰذَا نَذِیْرٌ: ھذا کا مشار الیہ حضور نبی کریم ﷺ ہیں۔

مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى یعنی ان کی جنس سے۔ ان کی طرح ہی آپ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (احقاف: 9)۔

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ قریب آنے والی قریب آ گئی اور یہ قیامت ہے۔

لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ اللہ کے علاوہ کوئی بھی اسے ہٹانے پر قادر نہیں۔ اس کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں۔

نَذِیْرٌ: محتاط کو کہتے ہیں جو شر دیکھتا ہے اور اس کے ان پر واقع ہونے سے ڈرتا ہے جنہیں اس نے ڈرایا تھا۔ جیسے فرمایا: ''میں تمہیں شدید ترین عذاب سے پیشگی ڈرانے والا ہوں''۔ ارشاد ہوتا ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ (سبا: 46)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 51

حدیث شریف میں ہے کہ میں تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ یعنی جو شر دیکھ لے کہ وہ قریب آ چکا ہے تو فوراً اپنی قوم کو ڈرانے کے لئے ننگے پاؤں دوڑتا ہوا آئے۔ اس آیت اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ کے مناسب یہی معنی ہے۔ یعنی قریب آنے والی قریب آ چکی ہے یعنی قیامت۔ جس طرح بعد میں آنے والی سورت کی ابتداء میں ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (قمر:54) ''قیامت قریب آ گئی ہے''۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایسے گناہوں سے بچو جنہیں تم چھوٹا اور حقیر تصور کرتے ہو۔ صغیرہ گناہوں کی مثال ایسے ہے جیسے ایک قافلہ کسی وادی میں اترا (سب ادھر ادھر بکھر گئے) اور لکڑیاں سمیٹ کر لے آئے اور روٹی پکالی اور چھوٹے گناہوں پر آدمی کی جب پکڑ ہو جائے تو وہ ہلاک کر دیتے ہیں'' (1)۔ ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میری اور قیامت کی مثال اس طرح ہے۔ پھر آپ نے درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی کے درمیان فاصلہ دکھایا۔ پھر فرمایا: ''میری اور قیامت کی مثال اس طرح ہے جیسے شرط کے دو گھوڑے۔'' پھر فرمایا: ''میری اور قیامت کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جسے اس کی قوم نے مخبری کے لئے آگے بھیجا ہو۔ (اس نے دشمن کو قریب ہی دیکھ لیا کہ گھات لگائے بیٹھے ہیں) چنانچہ اسے خدشہ ہوا کہ یہ مجھ سے پہلے نہ پہنچ جائیں تو اس نے کپڑا اہلایا اور یہ اشارہ کیا خبردار ہو جاؤ دشمن آ چکا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ میں ہوں''۔ اس حدیث کی تائید میں اور بہت سی صحیح اور حسن حدیثیں متعدد سندوں سے مروی ہیں۔ مشرکین کے قرآن کریم کو سننے اور پھر اس سے اعراض کرنے اور لہو و لعب میں مشغول ہونے کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: تَعْجَبُوْنَ تم اس کے صحیح ہونے پر تعجب کر رہے ہو۔

وَتَضْحَكُوْنَ استہزاء اور تمسخر کے طور پر ہنس رہے ہو۔

وَلَا تَبْكُوْنَ جس طرح وہ لوگ کرتے ہیں جو یقین کی دولت سے مالا مال ہیں۔ ایک دوسری آیت میں آتا ہے: وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (الاسراء:109)۔

وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: السمد: الغناء: گانا بجانا۔ یہ یمنی زبان ہے۔ کہا جاتا ہے اسمد لنا: ہمارے لئے گانا گاؤ۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی معرضون منہ موڑنے والے کیا ہے۔ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ حسن کا قول ہے غافل۔

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہی ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی تستکبرون (تم تکبر کرتے ہو) کیا ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کو اسے سجدہ کرنے اور اسی کی عبادت کرنے اور اپنے رسول کی اتباع کرنے اور توحید و اخلاص کا حکم ارشاد فرما رہا ہے۔ فرمایا: فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا یعنی اس کے لئے خضوع و خشوع اختیار کرو، مخلص ہو جاؤ اور اسے وحدہٗ لاشریک تصور کرو۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس مقام پر سجدہ کیا اور حاضرین میں سے مسلمانوں، مشرکین اور جن و انس نے بھی سجدہ کیا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں نہ کہ مسلم (1)۔

1۔ یعنی جس طرح ایک ایک لکڑی جمع کرنے سے انبار لگ جاتا ہے اور دیگیں پک سکتی ہیں اسی طرح چھوٹے چھوٹے گناہ مل کر ڈھیر لگ جاتا ہے اور جب اس گناہ گار کو پکڑ لیا جاتا ہے تو یہ (چھوٹے چھوٹے گناہ) اس کے لئے ہلاکت کا باعث بن جاتے ہیں۔

2۔ بخاری، جلد 6، صفحہ 113

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مطلب بن ابی وداعۃ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے مکہ میں سورۂ والنجم کی تلاوت فرمائی تو سجدہ ریز ہو گئے اور تمام حاضرین بھی سجدے میں گر گئے۔ میں نے اپنا سر اٹھائے رکھا اور سجدہ نہ کیا۔ مطلب اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ جس کسی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنتے، اس کے ساتھ سجدہ کرتے۔

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلاۃ میں اسے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے (1)۔

سورۂ نجم کی تفسیر ختم ہوئی

وللہ الحمد والمنّۃ

1۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 400-399، نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 160

سورۃ القمر

ابو واقد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین کی نماز میں سورۂ ق اور سورۂ قمر پڑھا کرتے تھے(1)۔ اسی طرح بڑی بڑی محافل میں بھی آپ ان کی تلاوت فرمایا کرتے تھے کیونکہ ان میں وعدے، وعید، ابتدائے آفرینش، دوبارہ زندہ ہونا، توحید، اثبات نبوت وغیرہ عظیم مقاصد کا ذکر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝١ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝٢ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝٣ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝٤ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝٥

”قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا۔ اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور کہنے لگتے ہیں یہ بڑا زبردست جادو ہے۔ اور انہوں نے جھٹلایا (رسول ﷺ خدا کو) اور پیروی کرتے رہے اپنی خواہشات کی اور ہر کام کے لئے ایک انجام ہے۔ اور پہنچ چکی ہیں ان کے پاس (پہلی قوموں کی بربادی کی) اتنی خبریں جن میں بڑی عبرت ہے۔ (وہ خبریں) سراسر حکمت ہیں پس ڈرنے والوں نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا“۔

قرب قیامت اور دنیا کے خاتمے کی خبر دی جا رہی ہے ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (النحل: 1) اور فرمایا: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ (الانبیاء: 1)۔

اس مضمون کا ذکر احادیث میں بھی ہے۔ حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہ کو خطبہ ارشاد فرمایا: قریب تھا کہ سورج غروب ہو جائے اس کا تھوڑا حصہ باقی رہ گیا تھا تو آپ نے فرمایا: ”مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! دنیا کے گزرے ہوئے اور باقی ماندہ وقت میں وہی نسبت ہے جو اس دن کے گزرے ہوئے اور بقایا وقت میں نسبت ہے اور ہم نہیں دیکھتے سورج کو مگر تھوڑا سا“۔

(میں کہتا ہوں) اس حدیث کا دارومدار خلف بن موسیٰ پر ہے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اسے ثقہ لوگوں میں شمار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کبھی کبھی خطا بھی کر جاتے تھے۔

حدیث:۔ یہ حدیث پہلی حدیث کی تفسیر اور تائید کرتی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ہم عصر کے بعد نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ سورج اس وقت جبل قُعَیْقِعان پر تھا (غروب کے قریب تھا)۔ آپ ﷺ نے ارشاد

1۔ یہ حدیث سورۂ ق کے شروع میں گزر چکی ہے۔

فرمایا: ''سابقہ امتوں کے مقابلے میں تمہاری عمریں اتنی ہی باقی ہیں جتنا یہ باقی کا دن گزرے ہوئے دن کے مقابلہ میں ہے''(1)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے'' میں اور قیامت اس طرح مبعوث کئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا''(2)۔ شیخین نے اسے حدیث ابو حازم سلمہ بن دینار سے روایت کیا ہے(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب ولید بن عبد الملک کے پاس تشریف لائے تو اس نے قیامت کے بارے میں حدیث سنانے کا سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''تم اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہو''(4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی وہب سوائی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں اور قیامت اس طرح مبعوث کئے گئے ہیں جیسے یہ دونوں انگلیاں۔ قریب تھا کہ وہ مجھ سے بڑھ جائے'' اور راوی حدیث اعمش نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو جمع فرمایا(5)۔ اس کی تائید صحیح کی روایت سے بھی ہوسکتی ہے جس میں حضور ﷺ کے اسماء مبارکہ میں سے حاشر آیا ہے۔ اس کا معنی ہے حشر جس کے قدموں پر ہوگا(6)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خالد بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ عتبہ بن غزوان نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: حدیث کے راوی بھز بن اُسد نے فرمایا ہے کہ اس سے پہلے خطبہ میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حضور ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا: دنیا کے خاتمے کا اعلان ہو چکا۔ یہ پیٹھ پھیرے واپس بھاگی جا رہی ہے۔ اب اس کا اتنا حصہ باقی ہے جیسے برتن میں پینے کے بعد کچھ پانی نیچے رہ جاتا ہے جسے پینے والا پی جائے اور تم دار دنیا سے ایسے جہان کی طرف جانے والے ہو جو دائمی ہے اسے زوال نہیں۔ پس تم اپنے ساتھ بھلائیاں لے کر جاؤ۔ بے شک ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ جہنم کے کنارے سے ایک پتھر پھینکا جائے گا جو برابر ستر سال تک نیچے کی طرف جاتا رہے گا لیکن نیچے تہہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اللہ کی قسم تم اسے پر کرو گے۔ کیا تمہیں اس پر تعجب ہے۔ اللہ کی قسم ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ جنت کی چوکھٹ کی دونوں لکڑیوں کے درمیان چالیس برس کی راہ ہے اور ضرور اس پر ایک دن آئے گا جب وہ لوگوں سے بالکل پر ہوگی(7) (اور پوری حدیث ذکر فرمائی)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں(8)۔ ابو جعفر ابن جریر نے عبد الرحمٰن سلمی سے روایت کیا ہے: ہم مدائن پہنچے۔ ہم بستی سے تین میل کے فاصلہ پر رکے ہوئے تھے۔ جمعہ کا دن آگیا۔ میں اپنے باپ کے ہمراہ نماز کے لئے گیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: خبردار اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ...... خبردار قیامت قریب آچکی۔ خبردار بلاشبہ چاند شق ہوگیا۔ خبردار دنیا جدائی کا اعلان کر چکی۔ خبردار آج کا دن عمل کا وقت ہے اور کل گھوڑ دوڑ کا۔ یہ سن کر میں نے اپنے باپ سے پوچھا کیا کل گھوڑ دوڑ ہوگی؟ تو انہوں نے فرمایا بیٹے تم نہیں جانتے یہ اعمال میں سبقت لینا مراد ہے۔ پھر اگلا جمعہ آیا ہم موجود تھے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا: خبردار! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ...... خبردار دنیا جدا ہونے والی ہے۔ خبردار آج عمل کرنے اور کل آگے بڑھنے کا دن ہے۔ خبردار انجام آگ ہے۔ سبقت کرنے والا وہ ہے جو جنت میں پہلے پہنچ گیا۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 116-115 2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 388

3۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 247، مسلم، کتاب الفتن، جلد 4، صفحہ 2268 یہ حدیث سورۂ اعراف آیت: 187 اور سورۂ محمد آیت: 18 میں گزر چکی ہے۔

4۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 223 5۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 309

6۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6، صفحہ 555، مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4، صفحہ 1828 یہ حدیث سورۂ احزاب کی آیت: 40 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

7۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 174 8۔ مسلم، کتاب الزہد، جلد 4، صفحہ 2279-2278

قولہ تعالیٰ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ چاند کا دو ٹکڑے ہونا یہ واقعہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں پیش آیا جیسا کہ متواتر احادیث میں صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ چیزیں گزر چکی ہیں۔ رومی، دخان (دھواں)، لزام، بطشہ اور چاند کا پھٹنا۔ علماء کے مابین یہ بات متفقہ ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ عہد نبوی میں پیش آیا تھا اور یہ بہت بڑا معجزہ تھا۔

اس بارے میں احادیث کا بیان

روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ:۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم ﷺ سے معجزہ طلب کیا۔ جس پر مکہ میں چاند دو مرتبہ ٹکڑے ہوا۔ اسی کا ذکر ان دو آیتوں میں ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (1)۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عبد الرزاق سے روایت کیا ہے (2)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے چاند کو جبل حراء کے دونوں طرف دیکھ لیا ایک اس طرف اور دوسرا اس طرف (3)۔ شیخین نے ہی اسے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے بروایت ابوداؤد، طیالسی اور یحییٰ قطان رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (4)۔

روایت حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ:۔ امام احمد رحمۃ اللہ نے آپ سے روایت کیا ہے کہ عہد نبوی میں چاند شق ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر رہا اور دوسرا دوسرے پہاڑ پر۔ یہ دیکھ کر کفار کہنے لگے (معاذ اللہ) محمد نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ بعض کہنے لگے اگر ہم پر جادو کیا تو سب لوگوں پر تو نہیں کر سکتے (5)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دلائل میں، اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حصین بن عبد الرحمٰن سے روایت کیا ہے اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے بھی ذکر کیا ہے (6)۔

بروایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے کہ شق القمر کا واقعہ عہد نبوی میں پیش آیا (7)۔ بخاری و مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری سند سے بھی یہی روایت کیا ہے (8)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت علی بن ابی طلحہ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ واقعہ قبل از ہجرت پیش آیا۔ حتیٰ کہ لوگوں نے اس کے دو ٹکڑے دیکھ لئے (9)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ عہد نبوی میں چاند شق ہوا تو لوگوں نے کہا چاند پر جادو ہو گیا ہے تو یہ آیتیں ''مستمر'' تک اتریں (10)۔

روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ:۔ حافظ ابو بکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب چاند پھٹا تو اس کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک پہاڑ کے اس طرف اور دوسرا پہاڑ کے پیچھے چلا گیا۔ یہ دیکھ کر سرکار ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! گواہ

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 165، مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2159 2۔ ایضاً مرجع مذکور
3۔ فتح الباری، کتاب مناقب الانصار، جلد 7، صفحہ 182، مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2159
4۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 82-81، دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 2، صفحہ 268، تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 86 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً
7۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ (اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ)، کتاب المناقب، جلد 7، صفحہ 182، مسلم کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2159 8۔ ایضاً
9۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 87-86 10۔ معجم کبیر، جلد 11، صفحہ 250، مجمع الزوائد، جلد 2، صفحہ 209

رہنا(1)۔'' مسلم اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حسن صحیح قرار دیا(2)۔

روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: ''اب گواہ رہنا(3)۔'' بخاری و مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی یہی روایت کیا ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم اس وقت منیٰ میں تھے۔ جب چاند دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک حصہ پہاڑ کے دوسری طرف چلا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: گواہ ہو جاؤ۔ گواہ ہو جاؤ(4)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا۔ ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عہد نبوی میں جب چاند دو ٹکڑے ہوا تو کفار کہنے لگے کہ یہ ابن ابی کبشہ (یعنی حضور) کا جادو ہے لیکن ان کے بعض لوگوں نے کہا ساری دنیا پر تو جادو نہیں ہو سکتا جو لوگ سفر سے آئیں ان سے دریافت کرنا کیونکہ محمد سب لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ چنانچہ جب وہ لوگ واپس آئے تو سب نے اس کی تصدیق کی(5)۔ بخاری اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے پہاڑ کو چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا(6)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ سے یہی نقل کیا ہے۔ لیث نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم گواہ رہنا۔'' مشرکین کہنے لگے یہ جادو ہے(7)۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ دلیل، حجت اور برہان دیکھ کر بھی وہ اسے تسلیم نہیں کرتے بلکہ اسے پس پشت ڈال دیتے ہیں اور جادو کہہ کر بات کو ٹال دیتے ہیں۔

مُّسْتَمِرٌّ: أي ذاهب: ختم ہونے والا۔ مجاہد، قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے یعنی باطل، مضمحل جسے دوام نہ ہو۔

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ...... یعنی حق کو جھٹلایا اور اپنی ذاتی آراء اور خواہشات کی پیروی کی۔

قولہ كُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ قتادہ نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ اہل خیر کے ساتھ خیر اور اہل شر کے ساتھ شر واقع ہونے والا ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ روز قیامت یہ امر واقع ہونے والا ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مرسلین کو جھٹلانے والی سابقہ امتوں کے واقعات جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔

مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ یعنی ان کو شرک سے روکنے اور تکذیب پر اڑے رہنے سے مانع کوئی چیز نہیں۔

حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ وہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کرے۔

فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ یہ ڈرانے والی باتیں اسے فائدہ کب دے سکتی ہیں جب اس کے ذمے بدبختی لکھی جا چکی ہے اور اس کے دل پر مہر لگ چکی ہے۔ اللہ کے بعد اسے راہ ہدایت پر گامزن کون کر سکتا ہے۔ اس آیت کا مضمون ان آیات میں بھی ہے: قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (انعام:149)۔ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (یونس:101)۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۙ﴿۶﴾ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ

1۔ بیہقی: دلائل النبوۃ، جلد 2، صفحہ 267، مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2159-2158 عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ القمر: 176 2۔ ایضاً
3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 85 4۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 377، فتح الباری، تفسیر سورۃ قمر، جلد 8، صفحہ 617، مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2158
5۔ مسند ابوداؤد طیالسی: 38 6۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 86 7۔ طبری، جلد 27، صفحہ 87

الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۙ﴿۷﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿۸﴾

''پس آپ رخ انور پھیر لیجئے ان سے۔ایک روز بلائے گا (انہیں) بلانے والا ایک نا گوار چیز کی طرف (خوف سے) ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی قبروں سے یوں نکلیں گے جیسے وہ پراگندہ ٹڈیاں ہیں۔ڈرتے ڈرتے بھاگے جارہے ہوں گے بلانے والے کی طرف۔کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے''۔

ارشاد ہوتا ہے اے محمد آپ ان مشرکین سے منہ پھیر لیں جو معجزہ دیکھ کر اس کا انکار کر دیتے ہیں اور اسے جادو قرار دینے لگتے ہیں۔

اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ عجیب وغریب اور خوفناک چیز۔یعنی میدان حساب اور اس میں جو کچھ آزمائشیں اور حالات پیش آئیں گے۔

خُشَّعًا جھکی ہوئی۔

الْاَجْدَاثِ قبریں۔

كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ میدان حشر میں وہ ٹڈی دل کی طرح تیزی سے پھیل جائیں گے۔

مُّهْطِعِيْنَ تیزی سے۔

اِلَى الدَّاعِ نہ حکم کی خلاف ورزی کریں گے اور نہ لیٹ ہوں گے۔

يَوْمٌ عَسِرٌ شدید ہولناک دن۔فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ (مدثر:10-9)۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ﴿۹﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾ فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۱﴾ۖ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ۚ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ۙ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾

''جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے یعنی انہوں نے جھٹلایا ہمارے بندے کو اور کہا یہ دیوانہ ہے اور اسے جھڑکا بھی گیا۔آخر کار آپ نے دعا مانگی اپنے رب سے کہ میں عاجز آ گیا ہوں پس تو (ان سے) بدلہ لے۔پھر ہم نے کھول دیئے آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش کے ساتھ۔اور جاری کر دیا ہم نے زمین سے چشموں کو پھر دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کے لئے جو پہلے مقرر ہو چکا تھا۔اور ہم نے سوار کر دیا نوح کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر۔وہ بہتی جارہی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے۔(یہ طوفان) بدلہ تھا اس (نبی) کا جس کا انکار کیا گیا تھا۔اور ہم نے باقی رکھا اس (قصہ) کو بطور نشانی۔پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔سو کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے،پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا''۔

قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا آپ کی قوم سے قبل قوم نوح نے بھی اس برگزیدہ رسول کی تکذیب کی تھی اور آپ کو مجنون ٹھہرایا تھا۔

وَازْدُجِرَ: (۱) آپ کو جنون ہو گیا ہے۔

(۲) انہوں نے انہیں سختی سے جھڑکا اور دھمکی دی کہ اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں رجم کر دیا جائے گا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اور یہ توجیہہ عمدہ ہے۔

مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ان لوگوں کے مقابلے میں کمزور ہوں۔ تو ہی ان کے مقابلے میں اپنے دین کی مدد فرما۔

مُّنْهَمِرٍ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کثیر۔

وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا روئے زمین پر ہر طرف سے پانی ابلنے لگا حتیٰ کہ آگ کے تنوروں سے بھی امڈ رہا تھا۔

فَالْتَقَى الْمَآءُ یعنی آسمان اور زمین دونوں کا پانی۔

عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ یعنی مُقَدَّرٌ۔ مقرر شدہ۔

ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ منهمر کا معنی ہے کثیر یعنی اتنی مقدار میں پانی آج تک آسمان سے نہیں برسا تھا اور نہ آئندہ برسے گا مگر بادلوں سے۔ آسمان کے دروازے بادلوں کے بغیر ہی کھول دیئے گئے اور زمین اور آسمان کا پانی مل گیا جس طرح کہ طے ہو چکا تھا(1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آسمان کے دہانے کھول دیئے گئے تھے(2)۔

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، قرظی، قتادہ اور ابن زید رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد میخ یا کیل ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔ اس کا واحد دسار ہے یا دسیر جیسے حبیك اور حباك اس کی جمع حبك آتی ہے(3)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دسر کشتی کے پہلوؤں کو کہتے ہیں۔ عکرمہ اور حسن کے نزدیک اس سے مراد اس کا سینہ ہے جسے موج تھپیڑے مارتی ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دسر سے مراد اس کے دونوں کنارے اور ذیلی سطح ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ اس کا سینہ ہے۔

بِاَعْيُنِنَا ہمارے حکم سے ہماری نگاہوں کے نیچے اور ہماری حفاظت میں۔

جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ اللہ کے ساتھ کفر کرنے کی جزاء اور حضرت نوح علیہ السلام کی مدد کی خاطر۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً قتادہ کا قول ہے کہ اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو باقی رکھا حتیٰ کہ اس امت کے اوائل لوگوں نے بھی اسے دیکھا ہے۔ اور بظاہر اس سے مراد اس کشتی کے نمونے ہیں۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَ اٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي ..... مَا يَرْكَبُوْنَ (یٰسین:42)۔ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ...... اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (الحاقہ:11)۔

مُّدَّكِرٍ کیا ہے کوئی جو وعظ و نصیحت حاصل کرے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مجھے حضور ﷺ نے مُّدَّكِرٍ پڑھایا ہے(4)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ خود حضور ﷺ بھی اسی طرح پڑھا کرتے تھے۔

حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ یہ لفظ دال سے ہے یا ذال سے؟ فرمایا میں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے

1۔ درمنثور، جلد 7، صفحہ 675 — 2۔ درمنثور، جلد 7، صفحہ 675

3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 93 — 4۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 395، فتح الباری تفسیر سورۃ قمر، جلد 8، صفحہ 618-617

دال کے ساتھ سنا ہے اور وہ فرماتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ سے دال کے ساتھ ہی سنا ہے(1)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا دیگر اصحاب سنن نے اس حدیث کو روایت کیا ہے(2)۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ میرے ساتھ کفر کرنے اور میرے رسولوں کو جھٹلانے والے اور عبرت نہ پکڑنے والوں پر میرا عذاب کس طرح آیا اور میں نے بدلہ کس طرح لیا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ اس کے الفاظ کو سہل اور معنی کو آسان بنایا ہے اس کے لئے جو چاہے تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ جس طرح فرمایا: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا (مریم: 97)۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے: ہم نے اس کی قراءت کو آسان بنایا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی زبانوں پر آسان نہ بناتا تو کوئی بھی کلام الٰہی کو نہ پڑھ سکتا۔

(مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں کہ ان آسانیوں میں سے ایک آسانی وہ ہے جس کا ذکر اس سے قبل حدیث میں گزر چکا ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ یہ قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا ہے۔'' اس حدیث کے تمام طرق والفاظ پہلے گزر چکے ہیں۔ ان کے اعادے کی اب ضرورت نہیں۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ یعنی ہے کوئی اس قرآن سے نصیحت حاصل کرنے والا جس کے یاد کرنے اور سمجھنے کو اللہ نے آسان بنا دیا ہے؟

محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہے کوئی جو گناہوں سے نصیحت حاصل کرے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے مطر الوراق سے روایت کیا ہے ہے کوئی طالب علم کہ اس کی مدد کی جائے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تعلیقات میں صیغہ جزم کے ساتھ اسی طرح ذکر کیا ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ سے بھی یہی منقول ہے(3)۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ⑱ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ⑲ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ⑳ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ㉑ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ㉒

''عاد نے بھی جھٹلایا پھر کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے۔ ہم نے ان پر تند و تیز آندھی بھیجی ایک دائمی نحوست کے دن میں وہ اکھاڑ کر پھینک دیتی لوگوں کو گویا وہ مڈھ ہیں اکھڑی ہوئی کھجور کے۔ پس کیسا (سخت) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔ بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا''۔

عاد (قوم ہود) کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ انہوں نے اپنے رسول کی تکذیب کی۔ جس طرح قوم نوح نے کیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر شدید برفانی ہوا بھیجی۔ یعنی بادِ صرصر۔

يَوْمِ نَحْسٍ ان کے لئے یہ دن منحوس تھا۔ ضحاک، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ قمر، جلد 8، صفحہ 618، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 565، ترمذی، ابواب القراءات، جلد 11، صفحہ 58 2۔ ایضاً

3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 97

مُّسْتَمِرٌّ اس کی نحوست اور بربادی مسلسل تھی کیونکہ اس دن دنیوی عذاب کو آخروی عذاب سے ملا دیا گیا تھا۔

تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ...... کیونکہ ان میں سے کسی پر ہوا آتی اسے اٹھا کر لے جاتی اور نگاہوں سے غائب کر دیتی۔ پھر اسے سر کے بل گرا دیتی۔ جب وہ زمین پر گرتا تو اس کا سر جدا ہو جاتا اور دھڑ الگ رہ جاتا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾

"ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ پھر وہ کہنے لگے کیا ایک انسان جو ہم میں سے ہے (اور) اکیلا ہے ہم اس کی پیروی کریں۔ پھر تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ کیا اتاری گئی ہے وحی اس پر ہم سب میں سے (یہ کیونکر ممکن ہے) بلکہ وہ بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے۔ کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے۔ ہم بھیج رہے ہیں ایک اونٹنی ان کی آزمائش کے لئے پس (اے صالح) ان کے انجام کا انتظار کرو اور صبر کرو۔ اور انہیں آگاہ کر دیجئے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان۔ سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں۔ پس ثمودیوں نے بلایا اپنے ایک ساتھی (قدار) کو پس اس نے وار کیا اور (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ دیں۔ پھر (معلوم ہے) کیسا تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے۔ ہم نے بھیجی ان پر ایک چنگھاڑ پھر وہ اس طرح ہو کر رہ گئے جیسے روندی ہوئی خاردار باڑھ۔ بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا"۔

قوم ثمود کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے اپنے رسول حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی۔

اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ہم خائب و خاسر ہیں اگر یہ فرض کر لیں کہ ہم اپنے جیسے ایک شخص کے تابعدار ہیں۔ پھر وہ آپ پر وحی اترنے سے متعجب ہوتے۔ اور آپ کو جھٹلانا شروع کر دیتے۔

بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ یعنی جھوٹ میں حد سے تجاوز کرنے والا۔ ارشاد ہوتا ہے: سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ یہ شدید دھمکی اور پختہ وعید ہے۔

فِتْنَةً لَّهُمْ انہیں آزمانے کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبہ پر چٹان سے ایک بہت بڑی اونٹنی نکالی۔ تاکہ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی صداقت کی دلیل بن سکے۔ پھر اپنے رسول صالح کو ارشاد فرمایا: فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ دیکھئے ان کا کیا انجام ہوتا ہے اور صبر کیجئے حسن انجام اور دنیا و آخرت میں غلبہ آپ کو ہی نصیب ہوگا۔

قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ایک دن ان کے لئے اور ایک دن اس اونٹنی کے لئے۔ ایک اور آیت میں ہے: قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ

يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (الشعراء:155)۔

مُّحْتَضَرٌ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب وہ نہ ہو تو پانی حاضر ہے اور جب وہ اونٹنی ہو تو دودھ حاضر ہے (1)۔

فَعَقَرَ اپنے رفیق کو آواز دی مفسرین کے نزدیک اس کا نام قدار بن سالف تھا۔ یہ اپنی قوم کا بدبخت ترین آدمی تھا۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا (الشمس:12)۔

فَتَعَاطٰى: أي حسر۔ دست درازی کی۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ یعنی ان کا انجام۔ کفر کرنے اور میرے رسول کو جھٹلانے کی وجہ سے ان پر میرا عذاب کس طرح تھا۔

الْمُحْتَظِرِ وہ سب تباہ ہو گئے۔ ان میں سے کوئی فرد باقی نہ رہا۔ سب اس طرح ساکت وصامت ہو گئے جیسے خشک کھیتی اور نبات اڑتی ہے۔ بہت سے مفسرین کا یہی قول ہے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ محتظر سے مراد چراگاہ ہے جب اس کی گھاس خشک ہو جائے اور جل جائے تو ہوا اسے اڑائے پھرتی ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اہل عرب خشک ڈھنگروں سے اونٹوں اور مویشیوں کے لئے باڑے بناتے تھے اور ھشیم المحتظر سے یہی مراد ہے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مراد دیوار سے گرنے والی مٹی ہے لیکن یہ قول غریب ہے اور پہلا قول ہی اقویٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ۝۳۳ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝۳۴ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ۝۳۵ وَ لَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝۳۶ وَ لَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَاۤ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ۝۳۷ وَ لَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳۸ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ۝۳۹ وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۴۰

"قوم لوط نے بھی جھٹلایا تھا پیغمبروں کو۔ ہم نے بھیجی ان پر پتھر برسانے والی ہوا سوائے لوط کے گھرانے کے۔ ہم نے ان کو بچا لیا سحری کے وقت۔ یہ (خاص) مہربانی تھی ہماری طرف سے۔ اسی طرح ہم جزاء دیتے ہیں جو شکر کرتا ہے۔ اور بے شک ڈرایا تھا انہیں لوط (علیہ السلام) نے ہماری پکڑ سے پس جھگڑنے لگے ان کے ڈرانے کے بارے میں اور انہوں نے پھسلانا چاہا لوط کو اپنے مہمانوں سے تو ہم نے میٹ دیا ان کی آنکھوں کو، لو اب چکھو (اے بے حیاؤ!) میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ۔ پس صبح سویرے ان پر ٹھہرنے والا عذاب نازل ہوا۔ لو اب چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ۔ اور بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا"۔

قوم لوط کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنے رسول کی تکذیب کی اور اس کے اوامر کی خلاف ورزی کی اور اغلام بازی جیسا ناپسندیدہ فعل کیا۔ یہ جرم شنیع ان سے پہلے کسی سے صادر نہ ہوا تھا۔ اس لئے اللہ نے انہیں اس طرح کا عذاب دیا جو کسی قوم پر نہ

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 102

آیا تھا۔ اللہ نے حضرت جبریل کو حکم دیا۔ آپ ان کی بستیوں کو اٹھا کر آسمان کے قریب لے گئے اور وہاں سے اوندھا الٹا دیا۔ پھر ان پر ان کے ناموں کے پتھر برسائے۔

حَاصِبًا: پتھر۔

بِسَحَرٍ: وہ رات کے آخری حصہ میں نکلے اور اس عذاب سے نجات پا گئے جو ان کی قوم پر آیا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام پر آپ کی قوم میں سے کوئی بھی ایمان نہ لایا تھا۔ ایک شخص بھی نہیں حتیٰ کہ آپ کی زوجہ بھی آپ پر ایمان نہ لائی تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیٹیوں کو لے کر نکلے۔ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچی۔

كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ نزول عذاب سے قبل انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا۔ لیکن انہوں نے ان باتوں پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ شک وشبہ میں پڑے رہے۔

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ اس رات آپ کے پاس فرشتے جبریل، میکائیل اور اسرافیل خوبرو نوجوانوں کی شکل میں اللہ کی آزمائش بن کر آئے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں مہمان ٹھہرایا۔ آپ کی بیوی نے جو بدباطن بڑھیا تھی انہیں خبر کردی کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس مہمان آئے ہیں۔ وہ ہر طرف سے دوڑتے ہوئے آئے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے دروازہ بند کرلیا۔ وہ دروازے کو توڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ عشاء کا وقت تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام انہیں باز رکھنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اور فرمارہے تھے: (ھؤلاء بناتی) یعنی تمہاری عورتیں جو موجود ہیں۔ ان کنتم فاعلین قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ (ہود: 79)۔ ہمیں ان کی کوئی خواہش نہیں۔ جب معاملہ طول پکڑ گیا اور وہ باز نہ آئے تو حضرت جبریل باہر نکلے ان کی آنکھوں پر اپنا پر مارا۔ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ ایک قول ہے کہ آنکھوں کو سلب کرلیا گیا۔ ایک قول ہے کہ ان کی آنکھیں بالکل ختم ہوگئیں اور چہرہ سپاٹ ہوگیا گویا یہاں کبھی آنکھ کا نام ونشان تک نہ تھا چنانچہ وہ پشت کے بل دیواریں ٹٹولتے ہوئے واپس ہوگئے اور حضرت لوط علیہ السلام کو صبح آنے کی دھمکی دیتے چلے گئے۔

عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ اس سے بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾
اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾
سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾

''اور آئے آل فرعون کے پاس ڈرانے والے۔ انہوں نے جھٹلایا ہماری ساری آیتوں کو پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا جیسے کوئی زبردست قوت والا پکڑتا ہے۔ کیا تمہاری قوم کے کفار بہتر ہیں ان سے یا تمہارے لئے معافی لکھ دی گئی ہے آسمانی نوشتوں میں۔ یا وہ کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہے گی۔ عنقریب پسپا ہوگی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ بلکہ ان کے وعدہ کا وقت (روزِ) قیامت ہے اور قیامت بڑی خوفناک اور تلخ ہے''۔

فرعون اور اس کی قوم کے واقعات کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کے پاس اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی حضرت

ہارون علیہ السلام کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا اور بہت سے معجزات عطا فرمائے۔ لیکن انہوں نے ان سب کو جھٹلایا تو اللہ کی پکڑ نے انہیں آلیا اور انہیں برباد کر دیا۔ کوئی مخبران میں باقی نہ رہا۔ اور نہ ان کا کوئی نام ونشان بچا۔

اَكُفَّارُكُمْ یعنی اے کفار قریش کے مشرکین! کیا تم ان لوگوں سے بہتر ہو جن کا اوپر تذکرہ ہوا، جنہیں رسولوں اور کتابوں کے جھٹلانے کی وجہ سے برباد کر دیا گیا۔

اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ یا تمہارے پاس کسی آسمانی کتاب میں اللہ کی طرف سے معافی لکھ دی گئی ہے کہ تم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔

جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ یعنی وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ ان کی جمعیت انہیں ہر تکلیف سے محفوظ رکھے گی۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ان کی جمعیت پراگندہ کر دی جائے گی اور وہ مغلوب ہو جائیں گے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ بدر کے دن نبی کریم ﷺ اپنے خیمے میں یہ دعا فرما رہے تھے: ''اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدے کی قسم دیتا ہوں۔ اگر تیری منشا یہی ہے تو آج کے بعد روئے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔'' اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کو کافی ہے۔ آپ نے اپنے رب کی بہت الحاح کر لی۔ چنانچہ آپ زرہ بند جلدی سے باہر تشریف لائے۔ آپ کی زبان پر یہ آیات جاری تھیں۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ سے وَاَمَرُّ تک (1)۔ بخاری ونسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہوں پر اسی طرح ذکر کیا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا یہ کون سی جماعت ہے جو شکست کھائے گی اور مغلوب ہوگی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن جب میں نے حضور ﷺ کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ...... تو مجھے اس دن اس آیت کی تاویل معلوم ہوگئی۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے یہ آیت مکہ میں اتری میں اس وقت کم سن تھی اور اپنی ہمجولیوں میں کھیلتی پھرتی تھی۔ یعنی آیت بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ...... (2)۔ یہ روایت یہاں مختصر ہے اور فضائل قرآن میں مطول موجود ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ میں یہ روایت نہیں ہے۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

''بے شک مجرم گمراہی اور پاگل پن کا شکار ہیں۔ اس روز انہیں گھسیٹا جائے گا آگ میں منہ کے بل۔ (انہیں کہا جائے گا) چکھو اب آگ میں جلنے کا مزہ۔ ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے ایک اندازے سے۔ اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے۔ اور بیشک ہم نے ہلاک کر دیا جو (کفر میں) تمہارے ہم مشرب تھے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ قمر، جلد 8، صفحہ 619، کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 99

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ قمر، جلد 8، صفحہ 619، کتاب فضائل قرآن، جلد 9، صفحہ 39

والا۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے ان کے نامہ اعمال میں درج ہے۔ اور ہر چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔
بے شک پرہیزگار باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے۔ بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے''۔

مجرمین کے بارے میں یہ خبر دی جارہی ہے کہ وہ راہ حق سے گمراہ اور پاگل پن کا شکار ہیں اور اپنے خیالات کے شکوک واضطراب میں مبتلا ہیں۔ یہ آیت ہر اس شخص کو شامل ہے جس میں یہ صفات ہیں۔ یعنی کافر اور تمام فرقوں کے مبتدع۔

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ...... یعنی وہ جس طرح پاگل پن، تردد اور شکوک وشبہات میں مبتلا تھے ان کا یہ فعل انہیں آگ میں لے گیا، اسی طرح وہ گمراہ بھی تھے انہیں اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا لیکن انہیں پتہ نہیں ہوگا کہ انہیں کدھر لے جایا جارہا ہے۔ از راہ تقریع وتوبیخ انہیں کہا جارہا ہے۔ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ

قولہ تعالیٰ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ایک اور آیت میں ہے: وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (فرقان:2) اور فرمایا: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى...... قَدَّرَ فَهَدٰى۔ یعنی ایک تقدیر مقرر کی پھر خلائق کی راہنمائی اس کی طرف کی۔ اس آیت کریمہ سے آئمہ اہل سنت نے تقدیر پر استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تقدیر ان کی پیدائش سے پہلے ہی مقرر کردی ہے۔ ہر چیز اپنے وجود سے قبل اللہ کے علم میں ہے اور اپنے ظہور سے پیشتر خدا کے ہاں لکھی جاچکی ہے۔ اہل سنت نے اس آیت اور اس طرح کی دیگر آیات واحادیث سے فرقہ قدریہ کا رد کیا ہے۔ یہ لوگ عہد صحابہ کے اواخر میں ظاہر ہوچکے تھے۔ ہم نے اس مضمون کی احادیث کو صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی شرح میں ذکر کیا ہے اور اس پر مفصل بحث کی ہے۔ یہاں ہم اس آیت کریمہ سے متعلقہ احادیث ذکر کرتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مشرکین قریش نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور قدر کے بارے میں جھگڑا کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ...... (1)۔ مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ یہ آیات تقدیر کے بارے میں ہی نازل ہوئی ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ میری امت کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو آخر زمانہ میں ہوں گے اور تقدیر کو جھٹلائیں گے(3)۔ حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا۔ آپ اس وقت چاہ زمزم سے پانی نکال رہے تھے۔ آپ کے کپڑوں کے دامن بھیگے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کی تقدیر کے بارے میں بات کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا لوگوں نے ایسا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا: اللہ کی قسم یہ آیت انہی لوگوں کے بارے میں اتری ہے۔

ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ...... یہ لوگ اس امت کے شریر لوگ ہیں۔ ان کے بیماروں کی عیادت نہ کرو۔ ان کے مرنے والوں کی نماز جنازہ نہ پڑھو۔ اگر میں ان میں سے کسی کو دیکھوں تو اپنی ان انگلیوں سے ان کی آنکھیں پھوڑ دوں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے اسے مرفوع روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ آپ کی خدمت میں عرض کی گئی ہمارے پاس ایک آدمی آیا

1۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 444، مسلم، کتاب القدر، جلد 4، صفحہ 2046، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ قمر، جلد 12، صفحہ 177، ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 33-32
2۔ ایضاً
3۔ مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 117

ہے جو تقدیر کو جھٹلاتا ہے۔ فرمایا مجھے اس کے پاس لے چلو۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ عرض کی گئی آپ اس کو کیا کہیں گے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں اس پر قادر ہوا تو اس کی ناک پر کاٹ لوں گا حتیٰ کہ اسے الگ کردوں اور اگر اس کی گردن میرے ہاتھ میں آ گئی تو اسے دبا دوں گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا۔ آپ ﷺ فرماتے تھے: ''میں بنی فہر کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں وہ خزرج کے ارد گرد طواف کرتی پھرتی ہیں۔ ان کے جسم حرکت کرتے ہیں اور وہ مشرکہ عورتیں ہیں۔ اس امت کا پہلا شرک یہی ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان کی بری رائے یہاں تک بڑھے گی کہ وہ اللہ کو بھلائی مقدر کرنے والا بھی نہ مانیں گے جس طرح اسے برائی مقدر کرنے والا نہیں مانیں گے (1)۔'' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے بھی اسے روایت کیا ہے۔ شیخین نے اسے ذکر نہیں کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نافع سے روایت کیا ہے کہ ایک شامی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا دوست تھا وہ آپ سے خط و کتابت کرتا تھا۔ آپ نے اسے لکھا کہ مجھے پتہ چلا ہے تم تقدیر کے بارے میں بات چیت کرتے ہو۔ آئندہ مجھے خط نہ لکھنا۔ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے: ''میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو تقدیر کو جھٹلائیں گے (2)۔'' ابوداؤد نے احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے (3)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر امت کے مجوسی ہیں۔ میری امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کوئی تقدیر نہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازے پر نہ جاؤ (4)''۔ اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے اسے اس سند سے روایت نہیں کیا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا۔ میری امت میں مسخ ہوگا یعنی لوگوں کی صورتیں بدل دی جائیں گی۔ خبردار یہ ان لوگوں میں ہوگا جو تقدیر کو جھٹلائیں گے اور زندیقیہ (الحاد) میں (5)۔

ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے (6)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر چیز تقدیر سے ہے حتیٰ کہ نادانی اور عقلمندی بھی (7)۔'' مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے الگ سند سے بھی اسے روایت کیا ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے: ''اللہ سے مدد مانگ اور عاجز نہ بن۔ اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے تو کہہ دے جو اللہ نے چاہا مقرر کیا تھا اور جو چاہا کیا۔ اور یہ نہ کہہ اگر میں یوں کرتا تو یوں ہوتا کیونکہ اس طرح ''اگر'' کہنا شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے (8)''۔

حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ سے فرمایا: تو جان لے اگر تمام امت جمع ہو کر تجھے کوئی نفع پہنچانا چاہیں جو اللہ نے تیری قسمت میں نہیں لکھا تو وہ تجھے یہ نفع نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر وہ تجھے وہ نقصان پہنچانا چاہیں جو اللہ نے تیری قسمت میں نہیں لکھا تو وہ تجھے یہ نقصان نہیں پہنچا سکتے قلمیں خشک ہو چکیں اور دفتر لپیٹ دیئے گئے (9)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 330
2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 90، سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4، صفحہ 204
3۔ ایضاً
4۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 82
5۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 108، عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8، صفحہ 318، ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 1350
6۔ ایضاً
7۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 110، مسلم، کتاب القدر، جلد 4، صفحہ 2045
8۔ مسلم، کتاب القدر، جلد 4، صفحہ 2052، ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 31
9۔ ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، عارضۃ الاحوذی، جلد 2، صفحہ 319-320، مسند احمد، جلد 1، صفحہ 293-303-307

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ولید بن عبادہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے عرض کی جب کہ وہ بیمار تھے اور مجھے ان کے وصال کا خدشہ تھا۔ ابا جی ہمیں کچھ وصیت کر جایئے۔ آپ نے فرمایا: مجھے بٹھا دو۔ جب آپ کو بٹھا دیا گیا تو فرمایا: اے بیٹے! تجھے ایمان کا لطف حاصل نہیں ہوگا اور اللہ کے متعلق تجھے جو علم ہے اس کی حقیقت تک تو نہیں پہنچ سکتا یہاں تک کہ تو تقدیر کے خیر و شر پر ایمان لائے۔ میں نے عرض کی ابا جان میں یہ کیسے معلوم کر سکتا ہوں کہ میرا ایمان تقدیر کی بھلائی برائی پر ہے؟ فرمایا تجھے یہ یقین ہو کہ جو تجھے نہیں ملا وہ ملنے والا ہی نہ تھا اور جو تجھے پہنچا وہ ٹلنے والا ہی نہ تھا۔ اے بیٹے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا پھر اسے لکھنے کا حکم دیا۔ وہ اسی وقت چل پڑا اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب کچھ لکھ دیا''۔ اے بیٹے اگر میں مر جاؤں اور اس عقیدے پر نہ ہوں تو سیدھا دوزخ میں جاؤں گا(1)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے اور حسن صحیح غریب قرار دیا ہے(2)۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کوئی شخص مومن نہیں ہوتا یہاں تک کہ چار چیزوں پر ایمان لائے، وہ یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے اور موت کے بعد جی اٹھنے پر ایمان رکھتا ہو اور تقدیر کے خیر و شر پر ایمان رکھے''۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسے اصح قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے(3)۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس قبل مخلوقات کی تقدیر لکھی۔ اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا(4)''۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے(5)۔

قولہ تعالیٰ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ پروردگار عالم اپنی مخلوق میں اپنے تصرف ونفوذ اور اپنی تقدیر کے صحیح ہونے کے بارے میں خبر دے رہا ہے۔

اِلَّا وَاحِدَةٌ یعنی ہم کسی چیز کا ایک مرتبہ حکم دیتے ہیں۔ یعنی پلک جھپکنے کے برابر بھی اس میں تاخیر نہیں ہوتی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے(6): ؎

إِذَا مَا أَرَادَ اللّٰهُ أَمْرًا فَإِنَّمَا ۔۔۔ يَقُوْلُ لَهُ كُنْ قَوْلَةً فَيَكُوْنُ

قولہ تعالیٰ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ یعنی مرسلین کو جھٹلانے والی سابقہ اقوام۔

مُّدَّكِرٍ کیا پکڑنے والا کوئی ہے جو ان کے انجام کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ (سبا: 54)۔

قولہ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ہر چیز ملائکہ کے پاس کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔

كُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ یعنی ان کے اعمال میں سے۔

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 317، عارضۃ الاحوذی، جلد 8 صفحہ 320-319 2۔ ایضاً

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8 صفحہ 313-312، ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 32

4۔ مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2044، عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 4 صفحہ 321-320

5۔ ایضاً 6۔ یہ شعر سورۂ یسین کی آیت: 81 کی تفسیر میں گزر چکا ہے

مُّسْتَطَرٌ ان کا ہر عمل جمع شدہ صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ کوئی چھوٹا بڑا عمل نہیں مگر شمار میں ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! صغیرہ گناہوں سے بھی پرہیز کر۔ خدا کی طرف سے اس کا مطالبہ کرنے والا بھی ہے(1)''۔ نسائی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے سعید بن مسلم بن بانک مدنی سے روایت کیا ہے احمد، ابن معین اور ابوحاتم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن مسلم کے حالات میں ایک دوسری سند سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

حضرت سلیمان بن مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا۔ میں نے اسے کم سمجھا (اور حقیر تصور کیا) رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک آنے والا کہہ رہا ہے اے سلیمان:

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ صَغِيْراً ۔ إِنَّ الصَّغِيْرَ غَداً يَعُوْدُ كَبِيْرَا

إِنَّ الصَّغِيْرَ وَلَوْ تَقَادَمَ عَهْدُهُ ۔ عِنْدَ الإِلٰهِ مُسَطَّرٌ تَسْطِيْرَا

فَازْجُرْ هَوَاكَ عَنِ الْبَطَالَةِ لَا تَكُنْ ۔ صَعْبَ الْقِيَادِ، وَشَمِّرَن تَشْمِيْرَا

إِنَّ الْمُحِبَّ إِذَا أَحَبَّ إِلٰهَهُ ۔ طَارَ الْفُؤَادُ وأُلْهِمَ التَّفْكِيْرَا

فَاسْئَلْ هِدَايَتَكَ الإِلٰهَ بِنِيَّةٍ ۔ فَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيْرَا

صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ یہ صغیرہ کل کبیرہ ہو جائیں گے۔ صغیرہ گناہوں کو اگرچہ ایک عرصہ گزر چکا ہو وہ اللہ کے پاس لکھے ہوئے موجود ہیں۔ بدی سے اپنے آپ کو روکے رکھ۔ ایسا نہ ہو کہ پھر نیکی کی طرف اس کا لانا دشوار ہو اور ہر وقت کمر بستہ رہ۔ محب جب اپنے خدا سے محبت کرتا ہے تو اس کا دل اڑنے لگتا ہے اور اسے غور وفکر کی عادت الہام کی جاتی ہے۔ صدق نیت سے اپنے رب سے ہدایت طلب کرے۔ تیرا رب ہی تجھے ہدایت دینے والا اور مددگار کافی ہے۔

قولہ تعالیٰ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ بدبختوں کے برعکس جو گمراہی اور پاگل پن میں مبتلا ہوں گے اور اوندھے منہ آگ میں گھسیٹے جائیں گے۔

وقولہ تعالیٰ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ دار کرامت ورضوان میں، فضل وامتنان اور جود واحسان میں ہوں گے۔

عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ یاس عظیم شہنشاہ کے پاس جو تمام اشیاء کا خالق اور مقرر کرنے والا ہے۔ وہ جو چاہے اس پر قادر ہے اس میں سے جو وہ چاہتے ہیں اور جس کا مطالبہ کرتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن عمرو سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ انصاف کرنے والے روز قیامت نور کے منبروں پر رحمٰن کے دائیں جانب ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہی ہیں۔ جو لوگ اپنے فیصلوں، اہل خانہ اور جس پر انہیں والی بنایا گیا ہو عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں۔ مسلم اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ میں بھی یہ روایت موجود ہے(2)۔

سورۂ قمر کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللّٰہ الحمد والمنّة وبه التوفيق والعصمة۔

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 151، نسائی، کتاب الرقاق بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 12 صفحہ 250، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1417

2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 160

سورۂ رحمٰن

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے زر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ قرآن میں یہ لفظ کس طرح ہے ''من ماء غیر یاسن یا آسن''(1)۔ آپ نے فرمایا: گویا تو نے باقی سارا قرآن سمجھ لیا ہے۔ وہ کہنے لگا میں مفصل کی تمام سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھا کرتا ہوں آپ نے فرمایا تیرا باپ نہ ہو پھر تو تو اشعار کی طرح جلدی جلدی پڑھتا ہوگا؟ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ مفصل کی ابتدائی کون کون سی دو سورتوں کو ملایا کرتے تھے(2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں مفصل کی سب سے پہلی سورت یہی ہے(3)۔

ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز حضور ﷺ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور مکمل سورۂ رحمٰن کی تلاوت فرمائی۔ وہ سب خاموش گم سم بیٹھے رہے۔ آپ نے فرمایا میں نے لیلۃ الجن میں اسے جنوں پر تلاوت کیا تھا۔ وہ جواب دینے میں تم سے بہتر تھے۔ جب بھی میں یہ آیت پڑھتا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ تو وہ جواب میں کہتے (وَلَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ) ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے اور سب تعریفیں تیرے لئے ہیں(4)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے غریب قرار دیا ہے۔ حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی روایت بیان کی ہے۔ اس میں ہے کہ یا تو آپ نے یہ سورت پڑھی یا آپ کے سامنے اس کی تلاوت کی گئی۔ تو صحابہ کو خاموش دیکھ کر آپ نے فرمایا: کیا وجہ ہے میں جنات کو تم سے زیادہ اپنے رب کا جواب دینے والا پاتا ہوں۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! وہ کیا جواب ہے؟ فرمایا میں جب بھی اس آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پر پہنچا تو جنوں نے کہا: لَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِعَمِ رَبِّنَا نُكَذِّبُ(5) حافظ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾ اَلشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۪﴿۵﴾ وَّ النَّجْمُ وَ الشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿۶﴾ وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ﴿۷﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿۸﴾ وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿۹﴾ وَ الْاَرْضَ وَ ضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۙ﴿۱۰﴾ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۪ۙ وَّ النَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۖ﴿۱۱﴾ وَ الْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَ الرَّيْحَانُ ۚ﴿۱۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾

1۔ ابوحیان: البحر المحیط، جلد 8، صفحہ 79 2۔ فتح الباری، جلد 2، صفحہ 259

3۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 412، مسند ابن شیبہ، جلد 2، صفحہ 520، بخاری، کتاب الاذان، فتح الباری، جلد 2، صفحہ 255، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 563-565 4۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ رحمٰن، جلد 12 صفحہ 178-177

5۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 124-123، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 74

"رحمٰن نے (اپنے حبیب کو) سکھایا ہے قرآن۔ پیدا فرمایا انسانِ (کامل) کو۔ (نیز) اسے قرآن کا بیان سکھایا۔ سورج اور چاند حساب کے پابند ہیں۔ اور (آسمان کے) تارے اور (زمین کے) درخت اسی کو سجدہ کناں ہیں۔ اور آسمان اسی نے بلند کیا اور میزان (عدل) قائم کی۔ تاکہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو۔ اور وزن کو ٹھیک رکھو انصاف کے ساتھ۔ اور تول کو کم نہ کرو۔ اور اس نے زمین کو پیدا کیا مخلوق کے لئے اس میں گوناگوں پھل ہیں اور کھجوریں غلافوں والی۔ اور اناج بھی بھوسہ والا اور خوشبودار پھول۔ پس (اے انس و جاں) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

اللہ تعالیٰ مخلوق پر فضل و رحمت کا بیان فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے بندوں پر قرآن نازل فرمایا اور جس پر وہ رحم فرمائے اس کے لئے اس کا سمجھنا اور یاد کرنا آسان فرما دیا۔

اَلْبَيَانَ حسن کا قول ہے یعنی نطق۔ ضحاک، قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کا قول ہے کہ خیر و شر۔ لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول یہاں اقویٰ اور احسن ہے۔ کیونکہ سیاق کلام میں تعلیم قرآن کا ذکر ہو رہا ہے اور مراد اداء تلاوت اور تلاوت ہے موقوف ہے اختلاف مخارج کے ساتھ حلق، زبان اور ہونٹوں سے ان الفاظ کا بآسانی ادا ہونا۔

بِحُسْبَانٍ ایک دوسرے کے پیچھے ایک مقررہ حساب سے گردش میں ہیں۔ ان کی حرکت میں اختلاف اور اضطراب نہیں۔ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۗ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسین:40)، فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ۗ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (انعام:96)۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر تمام انسانوں، جنات، چوپایوں اور پرندوں کی آنکھوں کا نور ایک بندے کی آنکھ میں رکھ دے پھر سورج کے سامنے جو ستر پردے ہیں ان میں سے ایک پردہ ہٹا دے تو یہ آنکھ سورج کی طرف نہ دیکھ سکے۔ سورج کا نور کرسی کے نور کا سترواں حصہ ہے اور کرسی کا نور عرش کے نور کا سترواں حصہ ہے اور عرش کا نور حجاب باری کے پردے کے نور کا سترواں حصہ ہے۔ ذرا غور فرمائیے اللہ نے اپنے بندے کی آنکھوں میں کس قدر نور رکھا ہوگا جب نور باری آنکھوں کے بالکل سامنے اور عیاں ہو گا۔ (ابن ابی حاتم)

يَسْجُدٰنِ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اس پر تو مفسرین کا اتفاق ہے کہ شجر وہ ہے جو تنے پر قائم ہو۔ لیکن نجم کے معنی میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ النجم ما انبسط علی وجه الأرض یعنی من النبات(1)۔ نباتات۔ سعید بن جبیر، سدی اور سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ النجم الذی فی السماء ستارے۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے اور یہی اظہر ہے واللہ اعلم۔ ارشاد ہوتا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ ...... وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ (الحج:18)۔

وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ یعنی میزان عدل۔ ارشاد ہوتا ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید:25)۔

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ آسمان و زمین کو حق اور عدل کے ساتھ پیدا فرمایا تاکہ تمام اشیاء حق اور عدل کے ساتھ ہوں۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے:

1۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 116

وزنوا بالقسطاس المستقیم۔

قولہ تعالیٰ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ جس طرح آسمان کو بلند کیا زمین کو بچھایا اس میں بلند و بالا پہاڑ گاڑے تا کہ وہ مخلوق کے لئے قائم رہے۔ الأنام سے مراد مختلف اطراف اور ممالک میں رنگ برنگی مخلوق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے: الأنام: الخلق: مخلوق۔

فِيْهَا فَاكِهَةٌ مختلف رنگوں، ذائقے اور خوشبو والے۔

وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ اس کے شرف اور خشک وتر دونوں حالتوں میں نفع بخش ہونے کی وجہ سے اس کا خصوصی تذکرہ فرمایا۔

الْاَكْمَامِ: ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: هي أوعيه الطلع۔ غلاف۔ بہت سے مفسرین سے یہی منقول ہے۔ جسے چیر کر یہ میوہ باہر آتا ہے، پھر خوشے سے الگ ہو کر مختلف مراحل طے کرتا ہوا مکمل کھجور بنتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ قیصر نے امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لکھا ہے کہ میرے جو قاصد تمہارے ملک سے آئے ہیں انہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ کے ملک میں ایک درخت ہوتا ہے جس کی سی خو کسی درخت میں نہیں۔ وہ گدھے کے کان کی طرح زمین سے نکلتا ہے پھر موتی کی طرح ہو جاتا ہے۔ پھر سبز ہو کر سبز زمرد کی طرح ہو جاتا ہے۔ پھر سرخ ہو کر یاقوت احمر کی طرح ہو جاتا ہے پھر پک کر عمدہ فالودے کی طرح ہو جاتا ہے پھر خشک ہو کر مقیم لوگوں کے لئے بچاؤ اور مسافروں کے لئے زادِ راہ ہوتا ہے۔ اگر میرے قاصدوں کی بات صحیح ہے تو پھر میرے نزدیک یہ جنتی درخت ہے۔ اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا: ''اللہ کے بندے عمر امیر المؤمنین کی طرف سے قیصر شاہ روم کے نام۔ تیرے قاصدوں نے سچ بتایا ہے یہ درخت ہمارے پاس بہت سے ہیں۔ یہ وہی درخت ہے جسے اللہ نے حضرت مریم کے پاس اگایا تھا جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنم دیا۔ پس اللہ سے ڈرو اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے ساتھ معبود نہ ٹھہراؤ۔'' بے شک: اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۞ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ (آل عمران: 60-59)۔

اکمام کا ایک معنی لیف بھی کیا گیا جو کھجور کی گردن پر ہوتے ہیں۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی منقول ہے۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی بھوسہ نقل کیا ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی نقل کیا ہے: سبز کھیتی کے پتے جس کا سرا کاٹ لیا گیا ہو اور پھر خشک کر لیا گیا ہو۔ خشک ہونے پر اسے عصف کہتے ہیں۔ قتادہ، ضحاک اور ابو مالک رحمہم اللہ تعالیٰ سے اسی طرح مروی ہے۔ عصفه تبنه۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے۔ الریحان: رزق۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد ریحان کا پھولدار پودا ہے۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے الریحان: خضر الزرع کھیتی کا سبزہ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حب سے مراد گندم اور جو وغیرہ کے دانے جو بال و پر و بھوسی سمیت خوشے میں ہوتے ہیں۔ اور ریحان سے مراد وہ پتے جو تنے پر لپٹے ہوتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کھیتی کے پہلے اگے ہوئے پتوں کو عصف کہتے ہیں اور جو پتے دانے نکلنے کے بعد اگیں انہیں ریحان کہتے ہیں۔ جس طرح زید بن عمرو بن نفیل اپنے مشہور قصیدے میں کہتا ہے (1):

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 228

وَقُوْلَا لَهٗ مَنْ يُّنْبِتُ الْحَبَّ فِي الثَّرٰى فَيُصْبِحُ مِنْهُ الْبَقْلُ يَهْتَزُّ رَابِيًا؟
وَيُخْرِجُ مِنْهُ حَبَّهٗ فِيْ رُءُوْسِهٖ فَفِيْ ذَالِكَ آيَاتٌ لِّمَنْ كَانَ وَاعِيًا

قولہ تعالیٰ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ اے گروہ جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہی کہا ہے اور بعد میں آنے والی کلام کے سیاق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی نعمتیں تم پر ظاہر ہیں اور تم ان کے نیچے دبے ہوئے ہو۔ ان کا تم انکار کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح مومن جنات نے کہا تھا: اَللّٰهُمَّ وَلَا بِشَيْءٍ مِنْ اٰلَائِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ، فَلَكَ الْحَمْدُ

اے اللہ ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے۔ سب تعریفیں تیرے لئے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے (لا بِاَيِّهَا يَارَبِّ) (1) یعنی ہم ان میں سے کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ابتدائے نبوت میں جبکہ ابھی اسلام کا اعلان پوری طرح نہیں ہوا تھا میں نے حضور ﷺ کو بیت اللہ شریف میں رکن حجر اسود کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ اس سورت کی تلاوت فرما رہے تھے اور مشرکین بھی یہ سن رہے تھے فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (2)۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿١٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٦﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٨﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢١﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٣﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٥﴾

''پیدا فرمایا انسان کو بجنے والی مٹی سے ٹھیکری کی مانند۔ اور پیدا کیا جان کو آگ کے خالص شعلے سے۔ پس (اے انس و جان) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہی دونوں مشرقوں کا رب ہے اور دونوں مغربوں کا رب ہے پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے ہیں۔ ان کے درمیان آڑ ہے آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے۔ پس (اے ن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اور اسی کے زیر فرمان ہیں وہ جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی مانند بلند نظر آتے ہیں۔ پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

ارشاد ہوتا ہے ہم نے انسان کو ٹھیکری کی مانند بجنے والی مٹی سے پیدا فرمایا اور جنوں کو آگ کے شعلے کی ایک طرف سے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔ عکرمہ، مجاہد، حسن اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ عوفی

1۔ طبری، جلد 27 صفحہ 123 2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 349

رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے من لهب النار من أحسنها: آگ کے احسن شعلے سے۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے من خالص النار یعنی خالص آگ سے۔ عکرمہ، مجاہد اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا اور جنات کو آگ کے خالص شعلے اور حضرت آدم علیہ السلام کو اس چیز سے جس کا تمہارے سامنے ذکر کیا گیا ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے (1)۔

قولہ تعالیٰ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ موسم گرما اور سرما کے سورج نکلنے کے مختلف مقامات اور گرما اور سرما کے دو الگ الگ مغرب ہیں۔

ایک دوسری آیت میں آتا ہے: فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ (المعارج: 40)۔ سورج کے طلوع و غروب ہونے کا مطلع تو ہر روز بدلتا رہتا ہے۔ ایک دوسری آیت میں ہے: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا (مزمل: 9)۔

اس سے مراد مشارق و مغارب کی جنس ہے۔ مشارق و مغارب کے اس اختلاف کے ساتھ مختلف انسانی مصلحتیں مربوط ہیں۔ چنانچہ فرمایا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔

قولہ تعالیٰ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے انہیں چھوڑ دیا ہے۔

یَلْتَقِیٰنِ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ ملنے سے روک دیا ہے اور ان کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی ہے (2)۔ بحرین سے مراد نمکین اور میٹھا ہیں۔ میٹھے سے مراد یہ دریا ہیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے رواں دواں ہیں۔ اس پر تفصیلی بحث سورۂ فرقان میں ہو چکی ہے (3) دیکھئے آیت: وَ هُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا (فرقان: 53)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ قول پسند کیا ہے کہ بحرین سے مراد بحر السماء اور بحر الأرض ہے۔ یہ مجاہد، سعید بن جبیر، عطیہ اور ابن ابزی رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے موتی آسمان کے پانی سے اور صدف زمینی سمندر سے (4)۔ واقعۃً اگرچہ بات اسی طرح ہے لیکن یہاں یہ مراد نہیں ہے۔ الفاظ آیت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ ارشاد ہوتا ہے: بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ اور ان کے درمیان زمینی رکاوٹ ہے تاکہ آپس میں مل کر ایک دوسرے کو خراب نہ کر دیں۔ آسمان اور زمین کے درمیان جو فاصلہ ہے اسے پردہ نہیں کہا جا سکتا۔

قولہ تعالیٰ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ یعنی ان دونوں کے مجموعے سے۔ جب یہ دونوں ایک سے ہی مل جائیں تو یہی کافی ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ (انعام: 130)۔ اور ظاہر ہے رسول صرف انسانوں سے ہی ہوئے ہیں نہ کہ جنات سے۔ اور یہ اطلاق صحیح ہے۔ لؤلؤ کا معنی معروف ہے اور مرجان بعض چھوٹے موتی کو کہتے ہیں۔ مجاہد، قتادہ، ابورزین، ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے۔ ایک قول ہے بڑا اور عمدہ موتی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے

1۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 168   2۔ طبری، جلد 27، صفحہ 129   3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ فرقان آیت: 53

4۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 129-128

بعض اسلاف سے یہی نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ، سدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی حکایت کیا ہے۔ علی، مجاہد، اور مرۃ ہمدانی رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ سرخ رنگ کے جواہرات کی ایک قسم ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مرجان سرخ مہرے ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فارس میں اسے کسد کہتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے: وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا (فاطر:12) اور گوشت دونوں قسم کے پانیوں سے حاصل ہوتا ہے جبکہ زیورات صرف نمکین سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آسمان سے جو قطرہ سمندر میں سیپ میں جا پڑے وہ موتی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اگر سیپ میں نہ پڑے تو عنبر بن جاتا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جب بارش ہوتی ہے تو سمندر میں صدف اپنا منہ کھول دیتا ہے۔ اس میں جو قطرہ گرے وہ موتی ہے(1)۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ ان زیورات کا استعمال چونکہ نعمت ہے اس لئے اس کا احسان جتلایا اور فرمایا: فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔

الْمُنْشَآتُ یعنی کشتیاں جو چلتی ہیں۔

فِي الْبَحْرِ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جن کشتیوں کے بادبان بلند ہوں وہ منشآت ہیں اور جن کے بلند نہ ہوں وہ منشآت نہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: الْمُنْشَآتُ: المخلوقات۔ دیگر مفسرین کا قول ہے: المنشآت سین کے زیر کے ساتھ یعنی البادیات۔

كَالْأَعْلَامِ پہاڑوں کی طرح جسامت میں اور پھر ان میں جو کاروبار اور طرح طرح کا سامان ہوتا ہے جسے ایک ملک سے دوسرے اور ایک اقلیم سے دوسرے کی طرف لے جایا جاتا ہے جس میں لوگوں کی بہتری ہوتی ہے: فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عمیرۃ بن سعد سے روایت کیا ہے کہ میں دریائے فرات کے کنارے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا کہ ایک جہاز اپنے بادبان بلند کئے ہوئے گزرا۔ چنانچہ آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی تلاوت فرمائی: وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ...... جس نے انہیں بنایا ہے وہ اس کے سمندروں میں ہی چلتے ہیں مجھے اس ذات کی قسم نہ میں نے عثمان کو قتل کیا اور نہ ان کے قتل کا ارادہ کیا(2)۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٨﴾ يَسْأَلُهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٠﴾

"جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے۔ اور باقی رہے گی آپ کے رب کی ذات جو بڑی عظمت اور احسان والی ہے۔ پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ مانگ رہے ہیں اس سے (اپنی حاجتیں) سب آسمان والے اور زمین والے۔ ہر روز وہ ایک نئی شان سے تجلی فرماتا ہے۔ پس (اے جن و انس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

بتایا جا رہا ہے کہ تمام اہل زمین پر موت آئے گی اور اسی طرح تمام اہل آسمان پر مگر جسے اللہ چاہے اور ماسوائے اس کی ذات کے کوئی

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 132۔ درمنثور، جلد 7، صفحہ 296۔ ابن ابی دنیا: کتاب المطر

2۔ درمنثور، جلد 7، صفحہ 698

باقی نہیں رہے گا۔ اللہ رب العزت کو موت نہیں آئے گی وہ تو حی لا یموت ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے پہلے اس کا ذکر کیا جو پیدا فرمایا۔ پھر فرمایا: یہ سب کچھ فنا ہونے والا ہے۔ دعا ماثورہ میں ہے:

''یاحی یا قیوم، یا بدیع السموٰت والأرض، یاذا الجلال والاکرام، لا إله إلا أنت برحمتك نستغیث، أصلح لنا شأننا کله، ولا تکلنا إلى أنفسنا طرفة عین، ولا إلى أحد من خلقك۔''

شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جب تو كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ پڑھے تو خاموش نہ ہو یہاں تک کہ تو وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ بھی نہ پڑھ لے۔ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص: 88)۔

اس آیت میں اللہ نے اپنی صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ ذوالجلال والاکرام ہے اور عظمت وجلالت کا اہل ہے اس کی نافرمانی نہیں کی جانی چاہئے۔ وہ اس لائق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کی جائے جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ (الکہف: 28)۔ یا صدقہ دینے والوں کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا: إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ (الدہر: 9)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ یعنی ذو العظمة والكبرياء (1) اس بات کا ذکر کرنے کے بعد کہ تمام اہل زمین وفات پائیں گے اور دار آخرت میں جائیں گے اور اللہ رب العزت اپنے عدل وانصاف کے ساتھ ان کے درمیان فیصلے فرمائے گا، ارشاد فرمایا: فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔

ارشاد ہوتا ہے: يَسْأَلُهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ۔ ماسواہ سے اپنے مستغنی ہونے کی خبر دی جارہی ہے اور یہ کہ تمام مخلوقات ہر لحظہ اس کی محتاج ہیں اور بزبان حال وقال اسی کے سامنے سوال کررہے ہیں۔ ہر روز اس کی نئی شان، نئی تجلی ہے۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ اس کی شان یہ ہے کہ دعا مانگنے والے کی دعا قبول فرماتا ہے، سائل کو عطا فرماتا ہے، محتاج کی حاجت روائی کرتا ہے اور بیمار کو تندرستی سے نوازتا ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد رحمہا اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ وہ ہر روز دعا مانگنے والے کی دعا کو قبولیت سے سرفراز فرماتا، مصیبت زدہ کی مصیبت کو دور کرتا اور پریشان حال کی دستگیری فرماتا اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ زمین وآسمان والے اس سے مستغنی نہیں ہوسکتے۔ وہ زندہ کو زندہ رکھتا ہے اور مرنے والے کو مارتا ہے۔ چھوٹے کی پرورش فرماتا ہے اور قیدی کو آزاد فرماتا ہے۔ صالحین کی حاجات ومناجات اور شکووں کی منتہی وہی ذات ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے جبیر فزاری سے روایت کیا ہے کہ تمہارے رب کی ہر روز نئی شان ہے وہ گردن آزاد کرتا اور عذاب کو روکتا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو صحابہ نے عرض کیا وہ شان کیا ہے؟ فرمایا: ''گناہوں کو معاف کرنا، دکھ درد دور کرنا، کسی قوم کو بلند کرنا اور دوسروں کو پست رکھنا(2)''۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ...... اس سے آگے وہی روایت ہے جس کا اوپر بیان ہوا(3)۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت ذکر کی ہے اور صحیح پہلی ہے یعنی اس کی سند۔

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 165
2۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 135
3۔ ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 73، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 73

(مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں یہ موقوفاً بھی مروی ہے جس طرح بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صیغہ جزم تعلیقاً ذکر کیا ہے اور اسے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے(1)۔ فاللہ اعلم۔ بزار میں بھی کچھ کمی کے ساتھ یہی روایت مرفوعاً مروی ہے(2)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا فرمایا۔ اس کے دونوں گتے سرخ یاقوت سے اور قلم نورانی ہے۔ اس کی کتاب بھی نور ہے۔ اس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے۔ وہ ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ اسے دیکھتا ہے۔ ہر نگاہ پر جلاتا، مارتا، عزت دیتا اور ذلت دیتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے(3)۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۚ﴿۳۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۚ﴿۳۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ۬ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۚ﴿۳۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

"ہم عنقریب توجہ فرمائیں گے تمہاری طرف اے جن وانس! پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اے گروہ جن و انس اگر تم میں طاقت ہے کہ تم نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو نکل کر بھاگ جاؤ۔ (سنو!) تم نہیں نکل سکتے بجز سلطان کے (اور وہ تم میں مفقود ہے) پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ بھیجا جائے گا تم پر آگ کا شعلہ۔ اور دھواں پھر تم اپنا بچاؤ بھی نہ کر سکو گے۔ پس (اے جن وانس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کو وعید ہے اور اللہ کو کوئی مصروفیت نہیں، وہ فارغ ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ یہ وعید ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اللہ کے پاس اپنی مخلوق کے لئے فراغت کا وقت قریب ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہم تمہارے لئے فیصلے کریں گے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: عنقریب ہم تمہارا محاسبہ کریں گے۔ کوئی چیز اسے دوسری چیز سے مشغول نہیں کر سکتی۔ ایسا محاورہ، کلام عرب میں معروف ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں: لأتفرغنّ لك حالانکہ وہ بالکل فارغ ہوتا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: لآخذنك على غرتك(4)۔

قولہ تعالیٰ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ، ثقلین یعنی جن وانس۔ جس طرح صحیح حدیث میں ہے: "جن وانس کے سوا ہر چیز اسے سنتی ہے(5)۔" ایک روایت میں ہے "ماسوائے جن وانس کے"۔ حدیث صور میں ہے ثقلین جن وانس ہیں(6)۔

لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ یعنی تم اللہ کے امر اور تقدیر سے بھاگ نہیں سکتے بلکہ وہ تمہیں گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ تم اس کے حکم اور نفوذ سے جان نہیں چھڑا سکتے۔ خواہ کہیں بھی چلے جاؤ تم گھیرے میں ہو۔ یہ حشر کا مقام ہے۔ فرشتوں کی سات صفیں ہر طرف سے مخلوق کو گھیرے میں لئے ہوئے ہوں گی۔ کوئی شخص ادھر ادھر نہیں جا سکے گا۔

اِلَّا بِسُلْطٰنٍ مگر اللہ کی اجازت سے۔ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ...... يَوْمَىِٕذِ ࣙالْمُسْتَقَرُّ (قیامہ:12)۔ اور فرمایا: وَ الَّذِيْنَ كَسَبُوا

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ رحمٰن، جلد 8 صفحہ 620
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 74
3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 135
4۔ فتح الباری تفسیر سورۂ رحمٰن، جلد 8 صفحہ 620
5۔ بخاری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 205، مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2201
6۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام آیت: 73

السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ...... فِيهَا خٰلِدُوْنَ (یونس: 27)۔

قال تعالیٰ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

شُوَاظٌ: آگ کا شعلہ۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

شواظ: دھواں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ سبز رنگ کا ختم ہونے والا شعلہ ہے۔

ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ شعلہ جو آگ سے اوپر اور دھوئیں کے نیچے ہوتا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے آگ کا سیلاب۔

قولہ تعالیٰ وَّنُحَاسٌ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ نحاس آگ کا دھواں ہے۔ ابوصالح، سعید بن جبیر، ابوسنان سے یہی مروی ہے۔ اہل عرب دھوئیں کو نحاس کہتے ہیں۔ یہ نون کی پیش اور زیر کے ساتھ ہے۔

قراء حضرات کا پیش پڑھنے پر اتفاق ہے۔ نحاس بمعنی دخان کی تائید نابغة بنی جعدة کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے(1):

يُضِيئُ كَضَوْءِ سِرَاجِ السَّلِيْطِ، لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ فِيْهِ نُحَاسًا(2)

یعنی دھواں۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے شواظ سے مراد وہ شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو۔ آپ نے اس کی تائید میں امیہ بن ابی الصلت کا شعر سنایا جو حسان کے بارے میں ہے:

أَلَا مَنْ مُبْلِغٌ حَسَّانَ عَنِّي مُغَلْغَلَةً تَدِبُّ إِلَى عُكَاظِ

أَلَيْسَ أَبُوْكَ فِيْنَا كَانَ قَيْنًا لَدَى الْقَيْنَاتِ فَسْلًا فِي الْحِفَاظِ

يَمَانِيًّا يَظَلُّ يَشُبُّ كِيْراً وَيَنْفُخُ دَائِبًا لَهَبَ الشُّوَاظِ

فرمایا: تو نے سچ کہا۔ نحاس کیا ہے؟ فرمایا وہ دھواں جس میں شعلہ نہ ہو۔ فرمایا کیا عربوں میں یہ بات معروف ہے؟ فرمایا ہاں کیا تم نے نابغہ بنی ذبیان کا یہ شعر نہیں سنا۔

يُضِيئُ كضوء سراج...... (یہ شعر اوپر مذکور ہو چکا ہے)۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: نحاس تانبا ہے جسے پگھلا کر ان کے سروں پر ڈالا جائے گا۔ قتادہ نے یہی کہا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تانبے کا سیلاب۔ ہر صورت میں معنی یہ ہے کہ اگر تم قیامت کے دن بھاگے تو فرشتے اور داروغے آگ کے شعلوں اور پگھلے تانبے کو بھیجیں گے تاکہ تم واپس آجاؤ۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾
فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ
الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾
هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

1۔ مجاز ابی عبیدہ، جلد 2، صفحہ 245-244۔ تفسیر طبری، جلد 27، جلد 144 2۔ طبرانی: المعجم الکبیر، جلد 10، صفحہ 305-304

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾

''پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو سرخ ہو جائے گا جیسے رنگا ہوا سرخ چمڑا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ تو اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ پہچان لئے جائیں گے مجرم اپنے چہروں سے تو انہیں پکڑ لیا جائے گا پیشانی کے بالوں اور ٹانگوں سے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہی وہ جہنم ہے جسے جھٹلایا کرتے تھے مجرم۔ وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان جو از حد گرم ہوگا پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

ارشاد ہوتا ہے فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ قیامت کے دن جب آسمان پھٹ جائے گا۔ یہ مضمون اور آیات میں بھی بیان ہوا ہے۔ جیسے وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَىِٕذٍ وَّاهِيَةٌ (الحاقہ :16)۔ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ تَنْزِيْلًا (فرقان :25)۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (الانشقاق :2-1)۔ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ۔ اسی طرح پگھل جائے گا جس طرح چاندی کٹھالی میں پگھلائی جاتی ہے۔ آسمان مختلف رنگ بدلے گا۔ کبھی سرخ، کبھی زرد، کبھی نیلا اور کبھی سبز۔ ایسا قیامت کی شدت و ہولناکی کی وجہ سے ہوگا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور آسمان ان پر بارش برسا رہا ہوگا(1)۔

جوہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے الطش: المطر الضعیف: ہلکی پھوار۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ الدھان: الأديم الأحمر: سرخ رنگا ہوا چمڑا۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جیسے گلابی رنگ کا گھوڑا۔ پھر سرخ ہو جائے گا۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ گلابی گھوڑا بہار میں زرد اور سرما میں سرخ ہوتا ہے سردی میں شدت آ جائے تو اس کا رنگ تبدیل ہو جاتا ہے(2)۔ حسن بصری کا قول ہے آسمان کے مختلف رنگ ہو جائیں گے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے گلابی خچر کی طرح جو کہ تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تیل کے مختلف رنگوں کی طرح۔ عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے گلاب کے تیل کی طرح زرد رنگ کا۔ قتادہ کا قول ہے کہ آج یہ سبز ہے۔ اس دن اس کا رنگ سرخ ہوگا پھر یہ تبدیل ہوتا رہے گا۔ ابو جوزاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تیل کی طرح صاف۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے آسمان پگھلے ہوئے تیل کی طرح ہو جائے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب اسے جہنم کی تپش لگے گی۔

قولہ تعالیٰ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ اس کی تائید ایک اور آیت سے بھی ہوتی ہے: هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ (مرسلات :35)۔ ایک یہ حالت ہوگی پھر تمام مخلوقات سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا ارشاد ہوتا ہے: فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الحجر :92)۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سوال و جواب کے بعد ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے ہاتھ پاؤں گفتگو کریں گے۔ اور ان کے اعمال سے آگاہ کریں گے۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ان سے یہ نہیں پوچھا جائے

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 267-666
2۔ بغوی: معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 272

گا کیا تم نے یہ کام کیا کیونکہ وہ ان کی ذات سے زیادہ ان سے آگاہ ہے بلکہ سوال یوں ہوگا تم نے یہ یہ کام کیوں کئے؟ یہ دوسرا قول ہے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ملائکہ مجرمین کے بارے میں دریافت نہیں کریں گے بلکہ ان کی پیشانیوں سے انہیں پہچان لیں گے۔ یہ تیسرا قول ہے۔ گویا اس کے بعد انہیں جہنم میں داخل کرنے کا حکم ہوگا۔ اب ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھنے کا وقت نہیں بلکہ انہیں ہانک کر آگ میں ڈال دیا جائیگا۔

بِسِيْمٰهُمْ ان علامات سے جو ان کے چہروں پر ظاہر ہوں گی۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ وہ لوگ چہروں کی سیاہی اور آنکھوں کی زردی سے پہچانے جائیں گے۔

(مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں جس طرح مؤمن وضو کے سبب غرّہ و تحجیل (ہاتھ پاؤں کی سفیدی) سے پہچان لئے جائیں گے۔ اسی طرح یہ لوگ۔

قولہ تعالیٰ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِىْ وَالْاَقْدَامِ جہنم کے فرشتے (داروغے) انہیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر آگ میں ڈال دیں گے۔ اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کی پیشانی اور پاؤں اس طرح توڑ دیئے جائیں گے جس طرح لکڑی توڑ کر تنور میں ڈال دی جاتی ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انہیں پیشانی اور پاؤں سے پکڑ کر پشت کے بل ایک زنجیر سے باندھ دیا جائے گا۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کافر کی پیشانی اور قدم ملا دیا جائے گا اور پیٹھ مروڑ دی جائے گی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ قبیلہ بنو کندہ کا ایک شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور پردے کے پیچھے سے سوال کیا۔ کیا آپ نے حضور ﷺ سے یہ سنا ہے کہ آپ پر ایسی گھڑی آئے گی جب آپ کسی کی شفاعت نہ کریں گے؟ فرمایا میں نے یہ سوال اس بارے میں آپ سے اس وقت پوچھا جب ہم ایک ہی چادر میں تھے تو آپ نے فرمایا: ''ہاں جب پل صراط کو رکھا جائے گا تو میں کسی کی شفاعت کا مالک نہیں ہوں گا یہاں تک کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ مجھے کدھر لے جایا جائے گا۔ اور جس روز چہرے سیاہ اور سفید ہونے شروع ہوں گے یہاں تک کہ میں دیکھ لوں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا؟ یا فرمایا کہ میں دیکھ لوں میری طرف کیا وحی کی جاتی ہے؟ اور پل کے پاس جب اسے تیز اور گرم کیا جائے گا۔'' میں نے عرض کی اس کی تیزی اور گرمی کی حد کیا ہے؟ فرمایا: اسے تیز کیا جائے گا یہاں تک کہ تلوار کی دھار کی طرح تیز ہو جائے گا اور گرم کیا جائے گا یہاں تک کہ انگارے کی طرح ہو جائے گا۔ مؤمن تو بے ضرر اس سے گزر جائے گا اور منافق چمٹ جائے گا حتیٰ کہ جب درمیان میں پہنچے گا تو اس کے پاؤں پھسل جائیں گے تو وہ اپنے ہاتھ نیچے جھکائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم نے کبھی ننگے پاؤں چلنے والے آدمی کو دیکھا ہے اسے کانٹا چبھ جائے تو وہ بے صبری سے ہاتھ بڑھاتا ہے۔ اسی طرح یہ منافق بھی چنانچہ فرشتے اسے لگام سے ماریں گے اور جہنم میں گرا دیں گے۔ وہ پچاس سال تک نیچے گرتا رہے گا۔ میں نے پوچھا حضور اس جہنمی کا وزن کس قدر ہوگا فرمایا دس گابھن اونٹنیوں کے برابر اس دن مجرم اپنی پیشانیوں سے پہچان لئے جائیں گے اور پیشانیوں اور پاؤں سے پکڑ لئے جائیں گے(1)''۔

یہ حدیث غریب ہے۔ اس کے بعض الفاظ کا حضور ﷺ کے کلام سے ہونا قابل تسلیم نہیں۔ اس کی سند میں ایک شخص ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔ اس طرح کی روایت قابل حجت نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

1۔ الدر المنثور، جلد 7، صفحہ 704

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (النازعات: 40) سرکشی کی نہ دنیوی زندگی کو ترجیح دی اور یہ یقین رکھا کہ دار آخرت بہتر اور ابدی ہے۔ اللہ کے فرائض کو بجالایا اور محارم سے اجتناب کیا۔ قیامت کے دن اپنے رب کے ہاں اسے دو جنتیں ملیں گی۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اور ان کا کل اسباب بھی چاندی کا ہوگا اور دو جنتیں سونے کی ہیں اور ان کے برتن اور سب کچھ بھی سونے کا ہے۔ ان جنتیوں اور دیدار باری میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی سوائے اس کبریائی کے پردے کے جو اللہ عزوجل کے چہرے پر ہے۔ یہ جنت عدن میں ہوں گے (1)۔ یہ حدیث صحاح کی اور کتابوں میں بھی ہے ماسوائے ابوداؤد۔ راوی حدیث حضرت حماد رضی اللہ عنہ اسے مرفوع قرار دیتے ہیں۔ اللہ کے فرمان وَلِمَنْ خَافَ اور وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ کی دو جنتیں سونے کی مقربین کے لئے ہیں اور چاندی کی دو جنتیں اصحاب یمین کے لئے ہیں (2)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ اس آیت کی تلاوت فرمائی تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اگرچہ زنا اور چوری بھی اس سے ہوگئی ہو؟ آپ نے پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ میں نے پھر کہا: یارسول اللہ ﷺ! اگرچہ زنا اور چوری بھی اس سے سرزد ہوگئی ہو؟ آپ ﷺ نے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ میں نے پھر یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگرچہ ابو درداء کی ناک خاک آلود ہو جائے۔ نسائی میں یہ روایت ایک سند سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس دل میں اپنے رب کے سامنے حاضری کا خدشہ موجود ہو ناممکن ہے کہ اس سے زنا ہو یا وہ چوری کرے (3)۔ یہ آیت جن وانس میں عام ہے یعنی دونوں کو شامل ہے اور اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ جنات اگر ایمان لائیں اور تقوی اختیار کریں تو جنت میں جائیں گے۔ اسی لئے جن وانس کو احسان جتلایا کہ تمہیں یہ جزا عطا فرمائی گئی ہے۔ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ پھر ان دو جنتوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ اس کی شاخیں سرسبز وشاداب، خوبصورت اور خوش ذائقہ پھلوں سے لدی پھندی ہیں۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت سے یہ مروی ہے کہ افنان سے مراد درخت کی وہ شاخیں ہیں جو آپس میں پیوستہ ہوں۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ جو شاخیں دیواروں پر ہوں۔ کیا آپ نے شاعر کا قول نہیں سنا: (4)

مَا هَاجَ شَوْقَكَ مِنْ هَدِيْلِ حَمَامَةٍ   تَدْعُوْ عَلَى فَنَنِ الْغُصُوْنِ حَمَامَا
تَدْعُوْ فَرْخَيْنِ صَادَفَ طَاوِيًا   ذَا مِخْلَبَيْنِ مِنَ الصُّقُوْرِ قَطَامَا

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد، عکرمہ، ضحاک اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد سیدھی شاخیں ہیں (5)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ: مختلف رنگوں والی کیا ہے۔ سعید بن جبیر، حسن، سدی، خصیف، نضر بن عربی اور ابن سنان رحمہم اللہ تعالیٰ سے اسی طرح مروی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان شاخوں کے میوے مختلف ذائقے والے ہوں گے۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10، صفحہ 6، ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 67-66، نسائی: سنن کبری، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 6، صفحہ 468-467

2۔ طبری، جلد 27، صفحہ 146، درمنثور، جلد 7، صفحہ 708

3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 146، درمنثور، جلد 7، صفحہ 707

4۔ درمنثور، جلد 7، صفحہ 709، طبری، جلد 27، صفحہ 147

5۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 274

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول پسند کیا ہے (1)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر شاخ کے اوپر مختلف پھل ہوں گے۔ ربیع بن انس کا قول ہے وہ کشادہ ہوں گی۔ یہ سب اقوال صحیح ہیں۔ ان میں کوئی تضاد نہیں۔ واللہ اعلم۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یہ ما سوا سے بہتر ہوں گی۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ان شاخوں کا سایہ اس قدر دراز ہے کہ سوار سو سال تک اس کے سائے میں چلتا جائے یا فرمایا کہ سو سوار اس کے سایہ تلے ٹھہر جائیں۔ اس پر سونے کے پتنگے ہیں۔ اس کے پھل گویا بڑے بڑے مٹکے ہیں۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے (2)۔ سونے کی دو جنتیں مقربین کے لئے اور چاندی کی دو جنتیں اصحاب یمین کے لئے ہیں۔

قولہ فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ درختوں کو سیراب کر رہی ہیں تاکہ ان پر ہر قسم کے پھل آئیں۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ایک کو تسنیم اور دوسری کو سلسبیل کہتے ہیں۔ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ایک شفاف پانی کی اور دوسری شراب کی جو پینے والوں کے لئے لذت کا باعث ہوگی۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا: فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ یعنی اس میں انواع واقسام کے پھل ہوں گے جو پھل انہوں نے دیکھ رکھے ہیں ان سے بہتر، ایسی چیز جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے اور کسی بشر کے دل میں اس کا خیال تک نہیں گزرا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے دنیا میں کوئی میٹھا یا کڑوا پھل نہیں مگر وہ جنت میں بھی موجود ہے حتیٰ کہ حنظل بھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دنیا کی ان چیزوں اور جنت کی چیزوں کے نام تو ملتے جلتے ہیں لیکن حقیقت اور لذت بالکل جداگانہ ہے۔

مُتَّكِـِٔيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۭ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٥﴾ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۗنٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٧﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٩﴾ هَلْ جَزَاۗءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾

''وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بستروں پر جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے۔ اور دونوں باغوں کا پھل نیچے جھکا ہوگا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں نیچی نگاہوں والی (حوریں) ہوں گی۔ جن کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ تو گویا یاقوت اور مرجان ہیں۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

اہل جنت ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے۔ ٹیک لگانے سے مراد پہلو کے بل لیٹنا ہے اور کہا جاتا ہے چوکڑی مار کر بیٹھنا ہے۔ مِنْ اِسْتَبْرَقٍ خالص ریشم کا دبیز کپڑا۔ عکرمہ، ضحاک، قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ ابو عمران جونی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ سونے سے منقش دبیز۔ اوپر کے ابرے کا ساتھ اندر کے استر کے ساتھ شرف ظاہر کیا جا رہا ہے۔ اس میں ادنیٰ کے ساتھ اعلیٰ کی طرف اشارہ کیا

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 147
2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10، صفحہ 12

جا رہا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ اندر کے استر کا حال ہے تو پھر ابرا کا کیا حال ہوگا؟(1) مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس کے استر ریشم کے اور ابرے نور کے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ قاسم بن محمد کا قول ہے ان کے استر قنادیز کے ہوں گے اور ابر باعث رحمت ہوں گے۔ امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سب روایات ذکر کی ہیں۔

وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ اس کے پھل ان کے قریب ہوں گے جب چاہیں گے لے لیں گے۔ ایک اور جگہ آتا ہے: قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ (حاقہ: 23) اور فرمایا: وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا (الدہر: 14)۔ ان کا توڑنا مشکل نہیں ہوگا۔ ٹہنیاں ان کی طرف جھک آئیں گی۔

فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ بستروں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔ ان بستروں پر نیچی نگاہوں والی حوریں ہوں گی۔ جنت میں ان سے خوبصورت کوئی چیز نہ ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور عطا خراسانی رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے مروی ہے کہ حور اپنے خاوند سے کہے گی اللہ کی قسم! میرے نزدیک جنت میں تم سے زیادہ خوبصورت اور محبوب چیز کوئی نہیں۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے تیرے لئے اور تجھے میرے لئے بنایا۔

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ بلکہ وہ کنواری دوشیزہ ہوں گی۔ ان کے خاوندوں کے علاوہ آج تک انہیں کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا ہوگا۔ یہ آیت مومن جنوں کے جنت جانے کی دلیل ہے۔ حضرت ضمرہ بن حبیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کیا مومن جن جنت جائیں گے فرمایا ہاں جنی عورتوں سے ان کا نکاح ہوگا جیسے انسانوں کا انسان عورتوں سے۔ پھر یہی آیتیں تلاوت کیں(2)۔

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ان کی تعریف ہو رہی ہے کہ وہ حسن وخوبی میں گویا یاقوت اور مرجان ہیں۔ مجاہد، حسن اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا قول ہے کہ یاقوت سے صفائی میں اور مرجان سے سفیدی میں تشبیہ دی ہے۔ مرجان سے مراد یہاں لولو ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے: ”اہل جنت کی حوروں میں سے ہر ایک ایسی ہے کہ ان کی پنڈلی کی سفیدی ریشمی ستر حلوں کے اندر سے بھی نظر آئے گی حتیٰ کہ اندر کا گودا بھی۔“

اَلْيَاقُوْتُ یاقوت یہ پتھر ہے۔ اگر اس میں دھاگہ پرو دیں تو باہر سے نظر آتا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح موقوفا بھی روایت کیا ہے اور اس کو صحیح ترین قرار دیا ہے(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں آدمی کی دو بیویاں حور عین سے ہوں گی ہر ایک نے ستر حلے پہن رکھے ہوں گے۔ اس کی پنڈلی کا گودا کپڑوں کے پیچھے سے بھی نظر آئے گا(4)۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ یا تو فخر کے طور پر یا مذاکرہ کے طور پر یہ بحث چھڑ گئی کہ جنت میں عورتیں زیادہ ہوں گی یا مرد؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کیا ابو القاسم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا: ”پہلا گروہ جو جنت میں جائے گا ان کی شکلیں چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گی۔ اس کے بعد والی جماعت آسمان کے چمکیلے ستاروں کی طرح چہرے والی ہوگی۔ ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی۔ ان کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا اور جنت میں کوئی کنوارہ نہ ہوگا“(5)۔ یہ حدیث صحیحین میں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے(6)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 149
2۔ طبری، جلد 27، صفحہ 151
3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10، صفحہ 89
4۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 345، مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، صفحہ 4، صفحہ 2178-2179
5۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 318، مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2180
6۔ ایضاً

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”خدا کی راہ میں صبح یا شام کو نکلنا ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہے اور جنت میں کمان یا کوڑا رکھنے کے برابر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور اگر کوئی جنتی عورت زمین پر جھانک لے تو جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے خوشبو سے مہکا دے اور سب کچھ جگمگا اٹھے۔ اس کے سر کا دوپٹہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے (1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے (2)۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ دنیا میں جس نے نیکی کی، آخرت میں اس کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں۔ جس طرح ایک دوسری آیت میں ہے: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (یونس: 26)۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور پوچھا تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ تو صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو میں نے نعمت توحید سے سرفراز فرمایا، کیا جنت کے بغیر بھی اس کی کوئی جزا ہو سکتی ہے (3)۔ چونکہ یہ بھی ایک عظیم الشان نعمت ہے جو دراصل کسی عمل کے بدلے نہیں بلکہ صرف اس کا احسان اور فضل و کرم ہے۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا: فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔

رب کے مقام سے ڈرنے والے کی بشارت کے متعلق ترمذی و بغوی رحمہما اللہ تعالیٰ کی حدیث ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جس مسافر کو راہزنوں کا ڈر ہوتا ہے وہ سوتا نہیں رات بھر چلتا رہتا ہے اور جو رات بھر چلتا رہتا ہے وہ اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ خبردار! اللہ تعالیٰ کا سامان بہت گراں ہے۔ سن لو اللہ تعالیٰ کا سامان جنت ہے۔“ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے (4)۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو منبر پر وعظ بیان فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے یہ آیت وَلِمَنْ خَافَ تلاوت فرمائی میں نے عرض کی اگرچہ زنا کیا ہو چوری کی ہو؟ ۔ الحدیث (یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے) (5)۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۝۶۲ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۶۳ مُدْهَآمَّتٰنِ ۝۶۴ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۶۵ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۝۶۶ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۶۷ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۝۶۸ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۶۹ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ۝۷۰ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۷۱ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ۝۷۲ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۷۳ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝۷۴ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۷۵ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۝۷۶ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۷۷ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝۷۸

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 141، فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 15 2۔ ایضاً 3۔ بغوی، معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 276
4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9، صفحہ 277، بغوی معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 273 5۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 273-274

"اور ان دو کے علاوہ دو اور باغ بھی ہیں۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں نہایت سرسبز وشاداب۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں دو چشمے جوش سے ابل رہے ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں میوے ہوں گے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں اچھی سیرت والیاں اچھی صورت والیاں ہوں گی۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ حوریں، پردہ دار خیموں میں۔ پس (اے جن وانس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان کو بھی اب تک نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز مسند پر جو از حد نفیس، بہت خوبصورت ہوگی۔ پس (اے انسانو اور جنو!) تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ (اے حبیب ﷺ!) بڑا بابرکت ہے آپ کے رب کا نام بڑی عظمت والا، احسان فرمانے والا"۔

یہ دونوں باغات نص قرآنی کی رو سے مذکورہ بالا دونوں باغات سے درجہ میں کم ہیں وہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ دو جنتیں سونے کی اور دو چاندی کی ہیں پہلی دونوں (خواص مومنین) مقربین کے لئے اور آخری دونوں اصحاب یمین (عام مومنوں) کے لئے ہیں۔ ابوموسیٰ کا یہی قول ہے۔

مِنْ دُوْنِهِمَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے درجے میں یہ ان دو سے کم ہیں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے فضیلت میں ان دو سے کم ہیں۔ پہلی دو کی فضیلت کی بہت سی دلیلیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان دو کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور تقدیم بھی فضیلت کی دلیل ہے۔ پھر یہاں مِنْ دُوْنِهِمَا فرمانا یہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ مرتبہ میں ان سے کم ہیں۔ وہاں ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ کہا تھا یعنی مختلف ذائقوں کے پھلوں والی شاخیں۔ اور یہاں مُدْهَآمَّتٰنِ فرمایا یعنی بکثرت سیراب کرنے کی وجہ سے ان کی سبزی سیاہی مائل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے سبز حضرت ابوایوب انصاری، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن ابی اوفی، عکرمہ، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم، ایک روایت میں مجاہد سے، عطاء، عطیہ عوفی، حسن بصری، یحییٰ بن رافع اور سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالی سے یہی مروی ہے۔ محمد بن کعب فرماتے ہیں سبزی سے پر۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے سیراب کرنے سرسبز وشاداب، نرم ونازک، گنجان درختوں کی آپس میں ملی شاخوں کے تروتازہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ وہاں فرمایا فیهما عینان تجریان اور یہاں فرمایا نضاختان۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، فیاضتان: ابلنے والے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جری (چلنا) نضخ (ابلنے) سے اقویٰ ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یہ دونوں پر ہیں ان کا پانی رکتا نہیں۔

وہاں فرمایا: فیهما من کل فاکهة زوجان اور یہاں فرمایا: فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے الفاظ عمومیت کی وجہ سے اولیٰ ہیں۔ اور نکرہ اثبات کے سیاق میں عام نہیں ہوتا۔ اسی لئے (نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ) خاص کا عطف عام پر کرنے کے باب سے نہیں۔ جس طرح بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ کا خصوصی الگ ذکر اس لئے فرمایا کہ انہیں اور میووں پر شرف حاصل ہے۔ مسند عبد بن حمید میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود کے کچھ لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کیا جنت میں میوے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اس میں پھل، کھجور اور انار ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا جنتی دنیا کی طرح وہاں بھی کھائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ۔ انہوں نے پوچھا: کیا انہیں رفع حاجت کی ضرورت محسوس ہوگی

فرمایا: تمہیں، بلکہ انہیں پسینہ آئے گا جس سے پیٹ کا فضلہ دور ہو جائے گا(1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جنتی کھجوروں کی شاخیں جنتیوں کی پوشاک ہوگی۔ اسی سے ان کے کپڑے اور حلے ہوں گے ان کی جڑیں سرخ سونے کی، تنے سبز زمرد اور پھل شہد سے شیریں، مکھن سے نرم ہوگا اور اس میں گٹھلی نہیں ہوگی(2)۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے جنت کو دیکھا اس کے انار اتنے بڑے تھے جیسے اونٹ کجاوے سمیت(3)۔

پھر فرمایا: فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خیرات سے مراد ہے کہ وہ جنت میں بکثرت ہوں گی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے۔ ایک قول ہے کہ خیرات خیرۃ کی جمع ہے۔ یعنی پاکباز، خوبرو، خوب سیرت عورت۔ جمہور کی یہی رائے ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث میں یہی مروی ہے(4)۔ ایک اور حدیث جس کا تذکرہ ان شاء اللہ سورۃ واقعہ میں آئے گا، میں ہے کہ حورعین یہ گیت گائیں گی: ہم خوش خلق حوریں ہیں جو معزز خاوندوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں(5)۔ اسی لئے بعض نے خیّرات پڑھا ہے۔

پھر فرمایا: حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ اور وہاں فرمایا فیھن قاصرات الطرف اس میں کوئی شک نہیں کہ جو خود اپنی نگاہ نیچی رکھتی ہو وہ اس سے افضل ہے جس کی نگاہ نیچی کی گئی ہو۔ گو پردہ دار دونوں ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ ہر مسلمان کے لئے خیرۃ ہے اور ہر خیرہ کے لئے خیمہ ہے اور ہر خیمے کے چار دروازے ہیں جن سے ہر روز تحفہ، کرامت اور ہدیہ آتا رہتا ہے۔ جو پہلے نہ تھا۔ نہ اترانے والی ہیں، نہ گھور کر دیکھنے والی، نہ ان کی بغلوں میں گندگی ہے اور نہ منہ میں۔ وہ حور عین ہیں گویا سفید پوشیدہ موتی(6)۔

فِي الْخِيَامِ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک خیمہ ہے جو ایک موتی سے بنا ہے۔ اس کا عرض ساٹھ میل ہر کونے میں جنتی کے اہل خانہ ہیں جو دوسروں کو نہیں دیکھ پاتے۔ مومن ان کے پاس طواف کرے گا۔ ایک روایت میں اس کا عرض تیس میل مذکور ہے۔ یہ حدیث شریف مسلم میں بھی ہے(7)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ خیمہ ایک لؤلؤۃ کا ہے اس میں ستر دروازے موتی کے ہیں(8)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جنت میں ایک خیمہ ہوگا جو چار مربع فرسخ ہوگا اس کے چار ہزار دروازے سونے کے ہیں(9)۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ادنیٰ درجے کے جنتی کے اسی ہزار خادم ہوں گے۔ اور بہتر بیبیاں اس کے لئے موتی، زمرد اور یاقوت کا خیمہ نصب کیا جائے گا جس کی مسافت اس قدر ہوگی جو جابیہ اور صنعاء کے مابین ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ میں بھی یہ روایت موجود ہے(10)۔

1۔ در منثور، جلد 7، صفحہ 716 — 2۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 717 — 3۔ ایضاً

4۔ ابن جریر، جلد 27 صفحہ 158، المعجم الکبیر، جلد 23 صفحہ 367-368 — 5۔ دیکھئے تفسیر سورۃ واقعہ آیت: 37

6۔ طبری، جلد 27 صفحہ 158، مصنف ابن ابی شیبۃ، جلد 13 صفحہ 133

7۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ رحمٰن، جلد 8 صفحہ 624، کتاب بدء الخلق، جلد 6 صفحہ 318، مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2182

8۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 161 — 9۔ طبری، جلد 27 صفحہ 161

10۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 9 صفحہ 35

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ اس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے مگر اوّل کے وصف میں یہ اضافہ بھی ہے کأنھن الیاقوت والمرجان۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔

قولہ تعالیٰ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رفرف سے مراد مجالس ہیں یعنی چادریں۔ مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ علاء بن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایسا پلنگ جو اوپر نیچے جاتا ہے۔ عاصم جحدری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے الوسائد: گاؤ تکیے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول رفرف جنت کا باغ ہے۔

قولہ تعالیٰ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ابن عباس، قتادہ، ضحاک اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ العبقری: الزرابی۔ عمدہ رنگ برنگ غالیچہ۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے عِتَاق الزرابی یعنی بہترین۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے عبقری سے مراد دیباج ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: تمہارا باپ نہ ہو یہ اہل جنت کے بستر ہیں۔ یہ مانگا کرو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ہی ایک روایت ہے کہ: المرافق۔

زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عبقری سے مراد سرخ، زرد اور سبز ہے۔ علاء بن زید سے عبقری کا معنیٰ پوچھا گیا تو فرمایا: قالین اس سے کم تر ہوتا ہے۔ ابوحزرہ یعقوب بن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: عبقری سے مراد جنتیوں کے کپڑے ہیں جنہیں کوئی نہیں جانتا۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے نرم و گداز مسند۔ قتیبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عرب ہر منقش کپڑے کو عبقری کہتے ہیں۔ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ ایک جگہ کا نام ہے جہاں کپڑوں پر کشیدہ کاری کی جاتی ہے۔ خلیل بن احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہر نفیس چیز کو عرب عبقری کہتے ہیں(1)۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا: میں نے کسی عبقری کو نہیں دیکھا جو عمر کی طرح کام کرتا ہو(2)۔ الختصر پہلے دو باغوں والوں کے مرافق کا وصف اس وصف سے اعلیٰ وارفع ہے جس کا یہاں بیان ہو رہا ہے۔

وہاں فرمایا متکئین علی فرش بطائنھا من استبرق ان کے بستروں کے استر کا تو بیان فرما دیا اور ابری کو بیان نہ فرمایا۔ (ابری یعنی اوپر کا کپڑا ہمیشہ استر سے بہتر اور خوبصورت ہوتا ہے، یہاں صرف استر کا بیان ہے جس کا مطلب ہے کہ ابری اس سے کہیں زیادہ عمدہ ہوگا)۔

اور سابقہ اوصاف کے خاتمے پر فرمایا: هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ان اہل جنت کے اوصاف میں احسان کو بیان فرمایا۔ یہ مراتب میں سے اعلیٰ درجہ ہے۔ جس طرح حدیث جبریل میں ہے کہ انہوں نے اسلام کے بارے میں پوچھا پھر ایمان اور پھر احسان کے بارے میں۔ یہ کئی وجوہات ہیں جن کی بناء پر پہلے دونوں باغوں کو (جن کا ذکر آیت 46 میں آیا ہے) ان دو باغوں پر بہت سی فضیلت حاصل ہے۔ اللہ کریم سے التجا ہے وہ ہمیں بھی پہلی جنتوں والوں میں شامل فرما دے۔

پھر فرمایا: تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اور وہ اس کا اہل ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے نافرمانی نہ کی جائے۔ تکریم کی جائے، معبود مانا جائے۔ شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے اسے بھلایا نہ جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا

1۔ تفسیر قرطبی، جلد 1، صفحہ 192
2۔ فتح الباری، جلد 7، صفحہ 41، مسلم، جلد 4، صفحہ 1860

معنی کیا ہے وہ عظمت اور کبریائی والا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا اجلال کرو وہ تمہیں بخش دے گا(1)"۔ ایک دوسری روایت میں ہے "اللہ کی عظمت ماننے میں یہ بھی داخل ہے کہ بوڑھے مسلمان، صاحب اقتدار اور حامل قرآن کی جو قرآن میں غلو کرتا ہو نہ درشتی، عزت کی جائے"(2)۔ حافظ ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: یاذاالجلال والاکرام کا واسطہ دیا کرو(3)۔ یہ حدیث ترمذی رحمۃ اللہ علیہ میں بھی ہے وہ اس کی سند کو غیر محفوظ اور غریب لکھتے ہیں۔ مسند احمد رحمۃ اللہ علیہ میں یہی حدیث ایک دوسری سند سے ہے اس میں یا کا لفظ نہیں ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

جوہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جب کوئی کسی کو چمٹ جائے تو عرب کہتے ہیں أَلَظَّ فُلَانٌ بِفُلَانٍ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: أَلِظُّوا بياذ الجلال والاكرام أي ألزموا يا ذا الجلال والاكرام کہنا لازم کرلو (یعنی دعا میں اکثر یہ کلمہ کہا کرو)۔ کہا جاتا ہے الا لظاظ هو الالحاح: الحاح یعنی زاری کرنا۔ (میں کہتا ہوں) یہ دونوں معنے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ یعنی دوام اختیار کرنا، لازم پکڑنا اور الحاح وزاری کرنا۔ صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرض نماز کے سلام کے بعد حضور ﷺ صرف اتنی دیر بیٹھتے جس میں یہ کلمات کہہ لیں: اللهم انتَ السلامُ ومنكَ السلامُ، تَبَارَكْتَ يا ذا الجلالِ والاكرام(4)۔

سورۂ رحمٰن کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد و المنۃ

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 199

2۔ ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 262-261

3۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 4، صفحہ 62، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13، صفحہ 50

4۔ مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 414، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 84، عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 92-91، نسائی: کتاب السہو، جلد 3، صفحہ 69، ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 298

سورۂ واقعہ

ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ بوڑھے ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "ہاں مجھے سورۃ ھود، واقعہ، والمرسلات، سورۃ عم یتساءلون اور سورۂ اذا الشمس کوّرت نے بوڑھا کر دیا ہے۔" اس حدیث کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اور اسے حسن غریب قرار دیا ہے(1)۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے واقعات میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے آپ کی عیادت کی اور پوچھا آپ کو کیا شکوہ ہے فرمایا: گناہوں کا۔ آپ نے دریافت کیا کوئی خواہش؟ فرمایا اپنے رب کی رحمت کی۔ آپ نے پوچھا کسی طبیب کو بھیج دوں؟ فرمایا: طبیب نے ہی تو مجھے بیمار کیا ہے۔ پوچھا کچھ ہدیہ بھیج دوں؟ فرمایا: مجھے مال کی کوئی حاجت نہیں۔ فرمایا آپ کے بعد آپ کی بچیوں کے کام آئے گا فرمایا: کیا آپ کو میری بچیوں کی تنگدستی کا ڈر ہے میں نے اپنی بیٹیوں کو حکم دیا ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کریں۔ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لے اسے ہرگز ہرگز فاقہ نہیں پہنچے گا۔ اس واقعہ کے راوی حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ بھی اس سورت کو بلاناغہ پڑھا کرتے تھے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث اور یہ واقعہ دیگر سندوں سے بھی روایت کیا ہے۔ مسند احمد میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ اسی طرح نمازیں ادا فرماتے تھے جس طرح تم آج پڑھتے ہو لیکن آپ کی نماز تخفیف والی ہوتی تھی۔ فجر کی نماز میں آپ سورۂ واقعہ اور اس جیسی سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے(2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿۲﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿۳﴾ اِذَا رُجَّتِ
الْاَرْضُ رَجًّا ﴿۴﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿۵﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿۶﴾ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿۷﴾
فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۸﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۹﴾ وَ
السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾

"جب قیامت برپا ہو جائے گی۔ نہیں ہوگا جب یہ برپا ہو گی (اسے) کوئی جھٹلانے والا۔ کسی کو پست کرنے والی کسی کو بلند کرنے والی۔ جب زمین تھرتھر کانپے گی۔ اور ٹوٹ پھوٹ کر پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پھر غبار بن کر بکھر جائیں گے۔ اور تم لوگ تین گروہوں میں بانٹ دیے جاؤ گے۔ پس (ایک گروہ) دائیں ہاتھ والوں کا ہو گا کیا شان ہو گی دائیں ہاتھ والوں کی۔ اور (دوسرا گروہ) بائیں ہاتھ والوں کا ہو گا کیا (خستہ) حال ہو گا بائیں ہاتھ والوں کا۔ اور (تیسرا گروہ) ہر کار خیر

1۔ تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ واقعہ، جلد 12، صفحہ 181　2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 104

میں) آگے رہنے والوں کا، وہ (اس روز بھی) آگے آگے ہوں گے۔ وہی مقرب بارگاہ ہیں۔ عیش و سرور کے باغوں میں''۔

واقعہ قیامت کے اسماء سے ہے چونکہ اس کا ہونا یقینی امر ہے اس لئے اسے یہ نام دیا گیا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (الحاقہ: 15)۔

قولہ تعالیٰ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ جب اللہ تعالیٰ اس کا ارادہ فرمالے تو کوئی ٹلنے والا اسے ٹال نہیں سکتا۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ (الشوریٰ: 73)۔ اور فرمایا: سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ...... دَافِعٌ (معارج: 1) اور فرمایا: وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ قَوْلُهُ الْحَقُّ .. الْخَبِيْرُ (الانعام: 73)۔

كَاذِبَةٌ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس کا معنی ہے یہ لازماً واقع ہوگی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس دن نہ تو دوبارہ آنا ہے نہ وہاں سے لوٹنا ہے اور نہ واپس آنا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے كَاذِبَةٌ مصدر ہے جیسے عاقبۃ اور عافیۃ (1)۔

قولہ تعالیٰ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ یعنی بعض اقوام کو جہنم میں اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ تک پہنچادے گی اس کے باوصف کہ وہ دنیا میں شان وشوکت کے مالک تھے اور کچھ لوگوں کو بلند کر کے اعلیٰ علیین میں ابدی نعمتوں تک پہنچادے گی۔ باوجود یکہ دنیا میں وہ لوگ پست اور بے قدر تھے۔ حسن اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قیامت اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو آتش جہنم میں سرنگوں کردے گی اور اولیاء اللہ کو جنت میں سربلند وسرفراز کردے گی۔''

محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ کا قول دنیا میں جو لوگ ذی وقار تھے انہیں پست کردے گی اور جو متواضع تھے انہیں بلند مرتبہ بنادے گی۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے متکبرین کو پست اور متواضعین کو بلند کردے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ نزدیک اور دور والوں کو سنادے گی۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ نیچا کرے گی اور نیچے والوں کو سنائے گی اور اوپر کرے گی اور دور والوں کو سنائے گی۔ ضحاک اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا شدید حرکت کرے گی اور طول وعرض میں جھولنے اور کانپنے لگے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ سے مروی ہے اس میں زلزلہ آئے گا۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے اس طرح لرزے گی جیسے چھلنی میں کوئی چیز ہو تو وہ حرکت کرتی ہے۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (الزلزال: 1) اور فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ (الحج: 1)۔

قولہ تعالیٰ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے پہاڑوں کی حالت یوں ہوگی جس طرح اس آیت میں ہے: كثيبا مهيلا۔

قولہ تعالیٰ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جیسے گرد وغبار پھیل جاتا ہے پھر ختم ہوتا ہے تو اس میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچتی۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ھباء ان شراروں کو بھی کہتے ہیں جو آگ جلاتے وقت پروانوں کی طرح اڑتے ہیں۔ نیچے گرنے پر وہ کچھ نہیں رہتے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے منبث وہ چیز ہے جسے ہوا اڑاتی ہے اور بکھیر دیتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس خشک درخت کی طرح جسے ہوائیں ادھر ادھر اڑاتی ہیں۔ یہ آیت اور اس طرح کی دیگر آیات

1۔ طبری، جلد 27 صفحہ 166

روز قیامت پہاڑوں کے اپنی جگہ سے اٹھ جانے، ختم ہونے اور روئی کے گالوں کی طرح اڑنے کی دلیل ہیں۔

قولہ تعالیٰ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً قیامت کے دن لوگوں کو تین گروہوں میں بانٹ دیا جائے گا۔ ایک قوم عرش کے دائیں ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں پہلو سے نکلے تھے۔ انہیں اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے اور دائیں طرف لے جائے جائیں گے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ جنتیوں کا عام گروہ ہے۔ دوسری قوم عرش کے بائیں طرف ہوگی یہ وہ لوگ ہوں گے جو آدم کے بائیں پہلو سے نکلے۔ انہیں اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور بائیں طرف لے جائے جائیں گے۔ یہ سب جہنمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے انجام سے محفوظ رکھے۔ تیسری جماعت سابقون کی ہے یہ خاص الخاص لوگ ہیں۔ یہ مدارج عالیہ میں اصحاب یمین کے بھی سردار ہوں گے ان میں انبیاء، ومرسلین، صدیقین اور شہداء ہوں گے۔ یہ تعداد میں اصحاب یمین سے کم ہوں گے۔ اسی لئے فرمایا: فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ .... اسی طرح سورت کے آخر میں بھی انہیں تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک اور آیت میں بھی ان کا ذکر ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (فاطر:32) الآیہ۔ یہ اس وقت ہے جب ظالم لنفسہ کی وہ تفسیر لیں جو اس کے مطابق ہے (1)۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۂ ملائکہ میں انہی تین اقسام کا ذکر ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ وہ تین اقسام ہیں جن کا ذکر اس سورت اور سورۂ ملائکہ کے آخر میں آیا ہے۔ یزید الرقاشی کا قول ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: تین اقسام۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ تین فرقے۔ میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تین گروہ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو گروہ جنت میں ہوں گے اور ایک آگ میں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۪ۙ (تکویر:7)۔ فرمایا: قسم قسم کے یعنی ہر عمل کے عامل کی ایک جماعت۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم تین قسم پر ہو جاؤ گے۔ یعنی اصحاب یمین، اصحاب شمال اور سابقین۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ۔ اور اپنے ہاتھوں کی دونوں مٹھیاں بند کر لیں اور فرمایا: یہ جنتی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ یہ سب جہنمی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں (2)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جانتے ہو اللہ تعالیٰ کے سایے کی طرف قیامت کے دن سب سے پہلے کون لوگ جائیں گے؟ صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول سب سے بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا: جو لوگ اپنا حق دیئے جائیں تو قبول کر لیں اور جب مانگا جائے تو خرچ کریں۔ لوگوں کے لئے بھی وہی فیصلہ کریں جو وہ اپنے لئے پسند کرتے ہیں (3)۔

وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد انبیاء کرام ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو لوگ اعلیٰ علیین میں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مراد یوشع بن نون ہیں جو سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور آل لیس کے مومن جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر پہلے ایمان لائے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو حضرت محمد ﷺ پر سب

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ فاطر آیت:32 2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 239 3۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 67

سے پہلے ایمان لائے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جن لوگوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے(1)۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے ہر امت کے لوگ جو اپنے اپنے نبیوں پر پہلے پہل ایمان لائے۔ حضرت عثمان بن ابی سودہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ پھر فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے مسجد جاتے ہیں اور سب سے پہلے جہاد کے لئے نکلتے ہیں(2)۔ یہ سب اقوال صحیح ہیں۔ سابقیں سے مراد وہ لوگ ہیں جو بھلائی کے کاموں کی طرف سبقت کرتے ہیں جس طرح انہیں حکم دیا گیا۔ جیسے فرمایا: وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ ۔ ۔ وَ الْاَرْضُ (آل عمران: 133)۔ اور فرمایا: سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ ۔ وَ الْاَرْضِ (الحدید: 21)۔ جس شخص نے اس دنیا میں نیکیوں اور کار خیر کی طرف سبقت کی وہ آخرت میں خدا کی نعمتوں کی طرف بھی سابق ہی رہے گا کیونکہ ہر عمل کی جزا اس کی جنس سے ہوتی ہے۔ جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی پاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اُولٰٓىِٕكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ملائکہ نے درگاہ خداوندی میں عرض کیا اے رب! تو نے ابن آدم کے لئے دنیا بنادی ہے وہ اس میں کھاتے پیتے اور شادیاں کرتے ہیں۔ پس ہمارے لئے آخرت کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ انہوں نے تین مرتبہ یہی دعا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جسے میں نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اسے ان جیسا ہرگز نہیں کروں گا جنہیں میں نے صرف لفظ کُنْ سے پیدا فرمایا۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ یہ آیت تلاوت فرمائی۔ یہ اثر امام عثمان بن سعید دارمی نے اپنی کتاب الرد علی الجهمية میں ذکر فرمایا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: " جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اس کی نیک اولاد کو اس جیسا نہ کروں گا جسے میں نے کہا کُنْ (ہوجا) تو وہ ہوگیا"۔

وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۴ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝۱۵ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝۱۶ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝۱۷ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ ۙ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝۱۸ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا يُنْزِفُوْنَ ۝۱۹ وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۝۲۰ وَ لَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝۲۱ وَ حُوْرٌ عِيْنٌ ۝۲۲ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۝۲۳ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲۴ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِيْمًا ۝۲۵ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝۲۶

" ایک بڑی جماعت پہلوں سے۔ اور قلیل تعداد پچھلوں سے۔ ان پلنگوں پر جو سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان پر آمنے سامنے۔ گردش کرتے ہوں گے ان کے اردگرد نوخیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے۔ (ہاتھوں میں) پیالے، آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے جام لئے ہوئے۔ نہ سر درد محسوس کریں گے اس سے اور نہ مدہوش ہوں گے۔ اور میوے بھی (پیش کریں گے) جو وہ جنتی پسند کریں گے۔ اور پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ رغبت کریں گے۔ اور حوریں خوبصورت آنکھوں والیاں۔ (سچے) موتیوں کی مانند جو چھپا رکھے ہوں۔ یہ اجر ہوگا ان نیکیوں کا جو وہ

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 171
2۔ طبری، جلد 27، صفحہ 171

کرتے رہے تھے۔ نہ سنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں۔ بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی"۔

سابقین مقربین کے بارے میں خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اولین میں اس جماعت کی تعداد زیادہ ہوگی پھر گھٹتی جائے گی۔

مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ اس کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے ایک قول ہے کہ اولین سے مراد سابقہ اقوام ہیں اور آخرین سے مراد یہ امت ہے۔ مجاہد اور حسن بصری سے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے(1) اور اپنے قول کی تائید میں اس حدیث کو پیش کیا۔ ہم آخر میں ہیں اور قیامت کے دن پہلے ہیں۔ اس قول کی تائید ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے بھی ہو سکتی ہے کہ جب یہ آیت اتری اصحاب رسول کو گراں گزرا تو یہ آیت نازل ہوئی ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ تو حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ کل اہل جنت کا ایک چوتھائی ایک تہائی تم ہو بلکہ تم نصف اہل جنت ہو یا اہل جنت کا ایک حصہ اور باقی نصف میں بھی تم دیگر امتوں کے ساتھ شریک ہو گے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔ حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں بھی اسی طرح ہے۔ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب سورۂ واقعہ کی آیات ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ اتری تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اولین کی ایک جماعت اور ہماری قلیل تعداد؟ چنانچہ اس کے ایک سال کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ تو حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت سنائی۔ اور ارشاد فرمایا: آدم سے لے کر مجھ تک ایک ثلۃ ہے اور میری امت ایک ثلۃ ہے۔ اور ہم اس ثلۃ کو پورا کرنے کے لئے اونٹ چرانے والے حبشیوں سے بھی مدد لیں گے جو اللہ کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں لیکن اس روایت کی سند میں نظر ہے۔ یہ حدیث بہت سی سندوں سے مروی ہے کہ مجھے امید ہے تم اہل جنت کا ایک چوتھائی ہو گے الحدیث۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے لیکن اس میں نظر ہے بلکہ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ نص قرآنی کی رو سے یہ امت خیر الامم ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مقربین بارگاہ صمدیت دیگر امتوں میں اس امت سے زیادہ ہوں۔ ہاں یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ ان تمام امتوں کے مقربین ملا کر اس امت کے مقربین سے بڑھ جائیں۔ لیکن بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل امتوں کے مقربین سے صرف اس امت کے مقربین کی تعداد زیادہ ہو گی واللہ اعلم۔ دوسرا قول ہی اس مقام پر راجح ہے کہ اس امت کے پہلے لوگوں میں سابقین کی تعداد زیادہ اور پچھلے لوگوں میں تھوڑی ہو گی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا سابقین تو گزر چکے۔ اے اللہ! ہمیں اصحاب یمین میں سے کر دے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اس امت سے جو گزر چکے ہیں ان میں مقربین بہت تھے۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اسلاف کہا کرتے تھے یا امید رکھتے تھے کہ مقربین سب اس امت سے ہوں گے چنانچہ حسن بصری کا قول ہے کہ سب مقربین اسی امت سے ہوں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر امت کا اول اس کے آخر سے بہتر ہوتا ہے۔ لہٰذا احتمال یہ ہے کہ یہ آیت تمام امتوں کو شامل ہو۔ ہر قوم سے کچھ تعداد شامل ہو۔ چنانچہ صحاح وغیرہ میں متعدد سندوں سے ثابت ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا: "سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد والا، پھر جو اس کے متصل ہے(3)" الحدیث۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 172 2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 391 3۔ دیکھئے سورۂ فرقان کی تفسیر آیت: 38

ایک حدیث جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے نہ معلوم بارش کی ابتداء بہتر ہو یا اخیر (1)"۔ بشرط صحت اسناد اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ جس طرح ابتدائی زمانہ میں دین کو لوگوں کی ضرورت تھی کہ تبلیغ دین کا فریضہ اپنے سے بعد والوں تک پہنچائیں، اسی طرح آخر میں بھی وہ لوگوں کا محتاج ہے اسے قائم رکھنے، لوگوں کے دلوں میں پختہ کرنے اور روایت و اظہار کے لئے لیکن فضیلت اول زمانے والوں کو ہی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کھیتی کو ابتداء میں بھی بارش کی ضرورت ہوتی ہے اور آخر میں بھی۔ لیکن زیادہ انحصار پہلی بارش پر ہی ہوتا ہے اور فصل کو اس کی ضرورت محتاج بیان نہیں کیونکہ اگر یہ بارش نہ ہو تو بیج اگے ہی نہیں اور نہ پودے کی جڑیں زمین میں جم سکیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہتے ہوئے غالب رہے گی تا قیامت ان کے دشمن انہیں رسوا نہ کر سکیں گے اور ان کے مخالفین انہیں زیر نہیں کر سکیں گے (2) (ایک روایت میں ہے) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا امر آ پہنچے اور وہ اسی طرح ہوں گے (3)"۔ الغرض یہ امت تمام امتوں سے افضل ہے۔ اس کے مقربین کی تعداد دیگر امتوں سے زیادہ ہے۔ اپنے دین اور نبی کے طفیل باقی تمام امتوں سے اشرف و ممتاز ہے۔ متواتر حدیث میں حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ اس امت کے ستر ہزار بغیر حساب جنت جائیں گے (اور ایک روایت میں ہے) ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور بھی ہوں گے (4)۔ ابو القاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! قیامت کے دن تم میں سے ایک بہت بڑی جماعت کھڑی کی جائے گی جو اس قدر بڑی ہوگی گویا رات آ گئی۔ وہ زمین کو گھیر لے گی حتیٰ کہ فرشتے کہنے لگیں گے محمد کے ساتھ دیگر انبیاء کی نسبت بہت زیادہ لوگ آئے ہیں۔ یہاں اس حدیث کا ذکر کر دینا بھی مستحسن ہوگا جسے ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل نبوت میں حضرت ابن زمل جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ صبح کی نماز کے بعد پاؤں موڑے ہوئے ستر دفعہ یہ پڑھتے: سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ إن اللہ کان توابا پھر فرماتے ستر کے بدلے سات سو ہیں جس کے گناہ ایک دن میں سات سو سے بڑھ جائیں اس کے لئے کوئی بھلائی نہیں۔ پھر دو مرتبہ یہی فرماتے پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھتے۔ آپ کو خواب اچھا معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے دریافت فرماتے کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ حضرت ابن زمل رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے خواب دیکھا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا خدا خیر سے ملائے تمہیں شر سے بچائے۔ خیر ہمارے لئے اور شر ہمارے دشمنوں کے لئے ہے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اپنا خواب بیان کر۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے دیکھا ہے کہ ایک راستہ ہے کشادہ، نرم اور صاف اور بے شمار لوگ اس راستے میں چلے جا رہے ہیں یہ راستہ ایک سبزہ زار کی طرف نکلتا ہے۔ میری آنکھوں نے ایسا لہلہاتا ہوا باغ کبھی نہیں دیکھا۔ ہر طرف پانی رواں ہے۔ ہر طرف سبزہ پھیلا ہوا ہے۔ اب میں نے دیکھا کہ پہلی گھڑ سوار جماعت آئی میں ان کے ساتھ ہوں یہ اس باغ کے پاس پہنچی تو انہوں نے تکبیر کہی اور اپنی سواریوں پر چلتے رہے۔ دائیں بائیں نہیں گئے۔ گویا میں انہیں جاتے دیکھ رہا ہوں۔ اب دوسری گھڑ سوار جماعت آئی یہ تعداد میں ان سے کئی گنا زیادہ ہیں جب وہ سبزہ زار کے پاس پہنچے تو نعرۂ تکبیر بلند کیا اور راستہ چلتے رہے۔ بعض نے اپنے جانوروں کو چرانا شروع کیا اور بعض تھوڑی بہت گھاس لے کر چل دیئے۔ پھر بہت سارے لوگ آئے اور

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 319
2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ بقرہ، جلد 1، 129-120 سورۃ واقعہ: 181
3۔ ایضاً
4۔ دیکھئے تفسیر سورۃ آل عمران: 110

چراگاہ کے پاس نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اور کہنے لگے یہ اچھی جگہ ہے۔ گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں وہ دائیں بائیں ہو گئے ہیں۔ جب میں نے یہ دیکھا تو راستے پر چلتا رہا حتیٰ کہ چراگاہ کے آخر میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سات سیڑھیوں والا منبر ہے اور یا رسول اللہ ﷺ آپ اس کے اعلیٰ درجہ پر تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ کے دائیں طرف گندمی رنگ کے موٹی انگلیوں والے چپٹی ناک والے صاحب ہیں۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو لوگ انہماک سے ان کی بات سنتے ہیں۔ آپ ﷺ کے بائیں طرف ایک میانہ قد موٹا تازہ آدمی ہے جس کے چہرے پر بکثرت تل ہیں۔ ان کے بال گویا پانی سے ابھی دھوئے ہیں۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو تم سب اس کی بات کو غور سے سنتے ہو اور اس کے سامنے ایک بوڑھا شخص ہے جو اخلاق و عادات اور شکل و صورت میں آپ ﷺ سے زیادہ مشابہ ہے۔ تم سب ان کی طرف متوجہ ہو۔ ان کے آگے ایک دبلی پتلی عمر رسیدہ اونٹنی ہے یا رسول اللہ ﷺ! گویا آپ اسے اٹھا رہے ہیں۔ یہ سن کر کچھ دیر کے لئے آپ ﷺ کا رنگ متغیر ہوا پھر یہ کیفیت دور ہو گئی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا تم نے جو کھلا راستہ دیکھا ہے یہ وہ راہ ہدایت ہے جو میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں اور تم اس پر گامزن ہو۔ ہرا بھرا سبزہ زار جو تم نے دیکھا ہے یہ دنیا اور اس کی عیش و عشرت ہے۔ میں اور میرے صحابہ اس سے گزر جائیں گے اور اس میں مشغول نہ ہوں گے۔ نہ ہم اسے چاہیں گے نہ اس کا ہم سے کوئی تعلق ہوگا۔ پھر ہمارے بعد دوسری جماعت آئے گی وہ ہم سے تعداد میں زیادہ ہوں گے۔ بعض ان میں سے دنیا میں پھنس جائیں گے اور بعض بقدر حاجت لے کر چل دیں گے اور نجات پائیں گے۔ پھر ان کے بعد لوگوں کی بہت بڑی تعداد آئے گی وہ پوری طرح دنیا میں مستغرق ہو جائیں گے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون رہے تم تو تم سیدھے راستے پر گامزن ہو اسی طرح چلتے رہو گے یہاں تک کہ تمہاری مجھ سے ملاقات ہو جائے۔ سات سیڑھیوں والا منبر جو تم نے دیکھا ہے اس کے اوپر میں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور میں آخری ہزار میں ہوں۔ میرے دائیں تم نے جو گندم گوں پر گوشت ہتھیلیوں والا آدمی دیکھا ہے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جو وہ کلام کرتے ہیں تو ان کی آواز بلند ہو جاتی ہے یہ اس لئے ہے کہ انہیں اللہ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ تم نے میرے بائیں جس میانہ قد موٹے جسم والے تلوں والے شخص کو دیکھا جن کے بالوں سے پانی نچڑ رہا تھا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ چونکہ اللہ نے ان کا اکرام کیا اس لئے ہم بھی ان کا اکرام کرتے ہیں۔ وہ عمر رسیدہ شخص جنہیں تم نے مجھ سے مشابہ دیکھا وہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ہم سب ان کی اقتداء کرتے ہیں۔ اونٹنی جو تم نے دیکھی ہیں اسے کھڑا کر رہا ہوں اس سے مراد قیامت ہے جو میری امت پر قائم ہوگی۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میرے بعد کوئی امت نہیں۔ فرماتے ہیں اس کے بعد حضور ﷺ نے یہ پوچھنا چھوڑ دیا کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے تو بیان کرے۔ ہاں اگر کوئی شخص خود اپنا خواب بیان کرتا تو آپ ﷺ تعبیر بیان فرما دیتے (1)۔

قولہ تعالیٰ عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ایسے پلنگ جو سونے کی تاروں سے بنے ہوئے ہیں۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، زید بن اسلم، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے اور ان پر موتی لگے ہوں گے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے انہیں موتیوں اور یاقوت سے مرصع کر دیا گیا ہوگا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اسی سے ہے: وضین الناقۃ الذی تحت بطنھا (اونٹنی کے پیٹ کے نیچے والا حصہ)۔ یہ فعیل بمعنی مفعول ہے کیونکہ انہیں جوڑا گیا ہے جنت کے پلنگ اسی طرح سونے اور موتیوں سے مرصع ہوں گے (2)۔

1۔ بیہقی، دلائل النبوۃ، جلد 7 صفحہ 38-36 2۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 172

گے۔ جیسے وہ چاہے گا وہ پرندہ اس کے سامنے آ جائے گا۔ وہ اس کے داخل اور خارج سے کھائے گا پھر وہ اڑ جائے گا اس طرح کہ اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہوگی۔

حسن بن عرفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم جنتی پرندوں کو دیکھو گے ان کی خواہش کرو گے تو وہ بھنے ہوئے تمہارے سامنے گریں گے (1)۔

قولہ تعالیٰ: وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۞ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُوِٴ الْمَكْنُوْنِ حور کی قراءت پیش سے ہے اس کا معنی ہے کہ جنتیوں کے لئے حوریں ہوں گی اور زیر سے قراءت دو معانی کا احتمال رکھتی ہے۔ ایک یہ کہ گویا ماقبل اعراب کی ماتحتی میں یہ اعراب بھی ہے۔ جیسے وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ (مائدہ: 6) میں زیر کی قرأت ہے۔ اور جیسے ایک اور آیت میں ہے: عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ (الدھر: 21)۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ غلمان جن چیزوں کو لے کر اہل جنت پر چکر لگا رہے ہوں گے۔ ان میں یہ حوریں بھی ہوں گی لیکن ایسا ان کے محلات اور خیموں میں ہوگا۔

كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُوِٴ الْمَكْنُوْنِ یہ حوریں ایسی ہوں گی جیسے سفید تر و تازہ موتی ہوں جیسے سورۂ صافات میں ہے: كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ (الصافات: 49)۔ سورۂ رحمٰن میں بھی یہ وصف گزر چکا ہے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یعنی انعام ان کے اچھے اعمال کی وجہ سے ملے گا۔

قال تعالیٰ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا وہ جنت میں عبث، بے معنی یا بیہودہ، لچر گفتگو نہیں سنیں گے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً (غاشیہ: 11)۔ یعنی لغو کلمہ۔

وَّلَا تَاْثِيْمًا یعنی قبیح گفتگو نہیں ہوگی۔

اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا مگر ایک دوسرے کو سلام کے کلمات ہی کہیں گے۔ جیسے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ (یونس: 10)۔ ان کی بات چیت بھی لغویات اور گناہ سے پاک ہوگی۔

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۞ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۞ وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۞ وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۞ وَّ مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۞ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۞ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ۞ وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۞ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۞ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۞ عُرُبًا اَتْرَابًا ۞ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۞ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۞ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۞

"اور دائیں ہاتھ والے۔ کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ والوں کی۔ بے خار بیریوں میں۔ اور کیلے کے گچھوں میں اور لمبے لمبے سایوں میں۔ اور پانی کے آبشاروں میں اور پھلوں کی بہتات میں نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا اور بستر بچھے ہوں گے اونچے اونچے پلنگوں پر۔ ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو حیرت انگیز طریقہ سے۔ پس ہم نے بنا دیا انہیں کنواریاں۔ (دل و جان سے) پیار کرنے والیاں ہم عمر۔ (یہ سب نعمتیں) اصحاب یمین کے لئے مخصوص ہوں گی۔ ایک

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ رعد: 35

بڑی جماعت اگلوں سے اور ایک بڑی جماعت پچھلوں میں سے ہوگی"۔

سابقین یعنی مقربین کا ذکر کرنے کے بعد اصحاب یمین کا ان پر عطف کیا یہ نیکوکار لوگ ہوں گے۔ جس طرح میمون بن مہران کا قول ہے کہ اصحاب یمین کا مرتبہ مقربین سے کم تر ہے۔

مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ اصحاب یمین کیا ہیں؟ ان کا کیا حال ہے؟ ان کا کیا انجام ہوگا۔ پھر ان کی تفسیر میں فرمایا۔

فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، مجاہد، ابوالاحوص، قسامہ بن زہیر، سفر بن قیس، حسن، قتادہ، عبداللہ بن کثیر، سدی اور ابوحزرہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا قول ہے جس میں کانٹے نہ ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس پر پھل ہوں گے عکرمہ اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ دونوں باتیں ہیں۔ دنیا میں بیری کے درختوں پر کانٹے زیادہ ہوتے ہیں اور پھل کم جبکہ آخرت میں صورت حال مختلف ہوگی۔

حافظ ابوبکر احمد نجاد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت وارد کی ہے۔ صحابہ کرام فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ہمیں بدوؤں اور ان کے سوالات سے فائدہ عطا فرماتا ہے ایک دن ایک اعرابی آیا اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جنت میں ایک تکلیف دہ درخت ہے۔ آپ نے پوچھا وہ درخت کون سا ہے؟ فرمایا: بیری کا درخت اس کے کانٹے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا (مَّخْضُوْدٍ) اللہ نے اس کے کانٹوں کی جگہ پھل رکھ دیئے ہیں ہر بیر کا ذائقہ مختلف ہوگا۔ ہر پھل کے بہتر ذائقے ہوں گے جو ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے (1)۔

ایک اور سند:۔ یہ روایت دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہے اس میں لفظ طلح ہے اور ستر ذائقوں کا بیان ہے۔ عتبہ بن عبد السلمی کا بیان ہے کہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھا کہ ایک اعرابی آیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ بکثرت یہ ذکر فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ہے اس کے کانٹے بے شمار ہیں یعنی درخت طلح۔ سرکار ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر کانٹے کی جگہ پھل عطا فرمائے گا جس طرح موٹے بکرے کا خصیہ۔ اس کے ستر ذائقے ہوں گے جو آپس میں مختلف ہوں گے۔

طَلْحٍ یہ ایک بہت بڑا درخت ہے جو وادی حجاز میں ہوتا ہے کانٹے دار درختوں کی جنس سے ہے۔ اس کا واحد طلحۃ ہے۔ اس پر کانٹے بہت زیادہ ہوتے ہیں ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کسی حدی خوان کا یہ شعر پڑھا: (2)۔

بَشَّرَهَا دَلِيْلُهَا وَقَالَا غَدًا تَرَيْنَ الطَّلْحَ وَالْجِبَالَا

مَّنْضُوْدٍ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تہہ بہ تہہ پھلوں والا۔

قریش کو یہ یاد دلایا جا رہا ہے کیونکہ وہ مقام وج پر طلح اور سدر (بیری) کی گھنی چھاؤں کو پسند کرتے تھے (3)۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے مَّنْضُوْدٍ یعنی مصفوف۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یہ درخت دنیا میں پائے جانے والے درخت طلح کے مشابہ ہے لیکن اس کے پھل شہد سے زیادہ شیریں ہیں۔

جوہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ لغت عرب میں طلح بھی کہتے ہیں اور طلع بھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے تو یہ امکان بھی ہے کہ یہ بھی سدر (بیری) کی ہی صفت ہو گویا یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اس پر پھل زیادہ اور کانٹے نہیں ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ

1۔ طبرانی: المعجم الکبیر، جلد 17 صفحہ 130، درمنثور، جلد 7 صفحہ 12 2۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 181 3۔ طبری، جلد 27 صفحہ 182

اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ طلح سے مراد کیلا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابوہریرہ، حسن، عکرمہ، قسامہ بن زہیر اور ابوحزرۃ سے بھی مروی ہے۔ مجاہد اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اہل یمن کیلے کو طلح کہتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے علاوہ اور کوئی قول ذکر نہیں فرمایا۔

ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جنت میں ایک درخت ہے اس کے سائے میں سوار سو سال تک چلتا رہے گا لیکن سایہ ختم نہ ہوگا۔ اگر تم چاہو اس آیت کو پڑھو ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ۔ یہ حدیث مسلم، مسند احمد اور مسند ابویعلی میں بھی ہے اور بخاری میں بھی دیگر سندوں سے مذکور ہے۔ اور حدیث میں شک ہے یعنی ستر یا سو بار۔ اور یہ بھی ہے کہ شجرۃ الخلد ہے۔

ابن جریر اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث متواتر اور صحیح ہے۔ اس کی سندیں بہت ہیں اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ ابن ابی حاتم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوحصین سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک دروازے پر تھے۔ ہمارے ساتھ ابوصالح اور شقیق ضبی تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی اوپر کی حدیث بیان کی۔ ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کیا تو ابوہریرہ کو جھٹلاتا ہے؟ فرمایا میں ابوہریرہ کو نہیں بلکہ تجھے جھٹلاتا ہوں۔ پس یہ قاریوں پر بہت گراں گزرا(1)۔ میں کہتا ہوں جو اس ثابت صحیح اور مرفوع حدیث کو جھٹلائے وہ غلطی پر ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے ہر جنتی درخت کا تنا سونے کا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جنت میں ایک درخت ہے جس کے ہر طرف سو سو سال کے راستے تک سایہ پھیلا ہوا ہے۔ جنتی اس کے نیچے آ کر بیٹھتے ہیں اور آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ کسی کو دنیوی کھیل تماشے اور بہلاوے یاد آتے ہیں تو اسی وقت ایک جنتی ہوا چلتی ہے اور اس درخت میں سے مختلف قسم کے سروں کی آواز ابھرتی ہے۔ یہ اثر غریب ہے اس کی سند قوی اور حسن ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن میمون سے روایت کیا ہے کہ یہ سایہ ستر ہزار سال تک طویل ہوگا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ پانچ سو ہزار (پانچ لاکھ سال) طویل ہوگا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ سایہ سو سال میں طے نہ ہو سکے گا۔ ضحاک، سدی اور ابوحزرۃ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے یہ سایہ طے نہیں ہو سکتا اس میں نہ تو سورج ہے اور نہ گرمی بلکہ طلوع شمس سے پیشتر کا وقت ہوگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے جنت کا موسم معتدل رہے گا۔ سایہ کے مضمون والی آیات پہلے گزر چکی ہیں۔ جیسے: وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا (نساء:57) اور فرمایا: اُكُلُهَا دَآىِٕمٌ وَّظِلُّهَا (رعد:35) اور فرمایا: فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ (المرسلات:41) وغیرہ آیات۔

وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہاں کھدی ہوئی زمین نہ ہوگی پانی ایسے ہی چل رہا ہوگا۔ اس کی تفسیر فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ (محمد:15) میں گزر چکی ہے۔ اس کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں(3)۔

قولہ تعالیٰ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ان کے پاس متنوع پھل بکثرت ہوں گے جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا بلکہ کسی فرد بشر کے دل میں ان کا خیال تک نہیں گزرا۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا (بقرہ:25)۔ شکل تو ایک ہوگی لیکن ذائقہ مختلف ہوگا۔ صحیحین میں سدرۃ المنتہیٰ کے بیان میں ہے کہ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح ہوں گے اور بیر ہجر کے مٹکوں کی طرح بڑے بڑے۔ صحیحین میں ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سورج

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 184 2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 3 3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ محمد:15

گرہن ہوا حضور ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد صحابہ نے عرض کی حضور ﷺ ہم نے دوران نماز آپ کو آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹتے دیکھا۔ گویا آپ کوئی چیز پکڑ رہے ہیں۔ فرمایا میں نے جنت کو دیکھا اور انگوروں کا ایک خوشہ لیا۔ اگر میں اسے پکڑ لیتا تو رہتی دنیا تک تم اسے کھاتے رہتے (1)۔ حافظ ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نماز ظہر ادا کر رہے تھے کہ حضور ﷺ آگے بڑھ گئے۔ ہم بھی آگے بڑھ گئے۔ پھر آپ نے کوئی چیز لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور پیچھے ہٹ گئے۔ نماز کے بعد ابی بن کعب نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آج نماز میں آپ نے وہ کام کیا جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ فرمایا: جنت مجھ پر پیش کی گئی میں نے اس میں سے انگور کا ایک گچھا توڑنا چاہا تا کہ اسے تمہیں دوں لیکن مجھے روک دیا گیا۔ اگر میں اسے لے آتا تو زمین و آسمان کی کل مخلوق اسے کھاتی پھر بھی اس میں کمی نہ آتی (2)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے (3)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عتبہ بن عبد السلمی سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے آ کر حوض کوثر اور جنت کے بارے میں سوال کیا۔ پوچھا کیا اس میں پھل ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں وہاں طوبیٰ نامی درخت بھی ہے۔ پھر جو کچھ فرمایا مجھے یاد نہیں ہے۔ پھر اس نے پوچھا وہ درخت ہماری زمین کے کس درخت سے مشابہت رکھتا ہے۔ فرمایا تیرے ملک کی زمین میں کوئی درخت اس کا ہم شکل نہیں۔ کیا تو شام میں گیا ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا شام میں ایک درخت ہوتا ہے جسے جوزہ کہتے ہیں اس کا ایک ہی تنا ہوتا ہے۔ اور اوپر کا حصہ پھیلا ہوا ہوتا ہے پھر اس نے پوچھا جنتی گچھے کتنے بڑے ہوتے ہیں؟ فرمایا کالا کوا مہینہ بھر اڑتا رہے اتنے بڑے۔ عرض کیا: اس کے تنے کتنے موٹے ہیں فرمایا: اگر تو اپنے جوان اونٹ کو چھوڑ دے اور وہ چلتا رہے یہاں تک کہ بوڑھا ہو کر گر پڑے تب بھی اس کے تنے کا چکر پورا نہیں کر سکتا۔ پوچھا کیا اس میں انگور ہیں؟ فرمایا ہاں۔ پوچھا ایک دانہ کتنا موٹا ہوتا ہے فرمایا: کیا کبھی تیرے باپ نے ریوڑ میں سے موٹا تازہ بکرا ذبح کر کے اس کی کھال اتار کر تیری ماں کو دے کر یہ کہا ہے کہ اس کا ڈول بنالو۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا بس اتنے بڑے انگور کے دانے ہیں۔ اس نے پوچھا کیا وہ ایک دانہ میرے اور میرے گھر والوں کے لئے کافی ہوگا؟ فرمایا ہاں بلکہ تیرے سارے خاندان کو (4)۔

قولہ تعالیٰ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَّلَا مَمْنُوعَةٍ گرمی ہو یا سردی ان کا پھل کبھی ختم نہیں ہوگا بلکہ وہ ہمیشہ پھلوں سے لدے رہیں گے۔ جب بھی وہ خواہش کریں گے وہ پھل موجود ہوں گے۔ خدا کی قدرت سے ان کا لینا مشکل نہ ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کے اتارنے میں کوئی شاخ کانٹا آڑے نہیں آئے گا اور وہ دور بھی نہیں ہوں گے کہ ان کے توڑنے میں کوئی وقت محسوس ہو۔ حدیث شریف میں ہے آدمی جونہی ایک پھل توڑے گا اس کی جگہ دوسرا فوراً موجود ہوگا۔

قولہ تعالیٰ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ بلند و بالا، نرم و گداز۔

نسائی اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ ان کی بلندی اس قدر ہوگی جتنی زمین و آسمان کی اور ان کے مابین پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فرش کی بلندی کے درجات ہیں اور ایک سیڑھی کی مسافت اس قدر ہوگی جتنی زمین و آسمان کے مابین ہے (5)۔ اس حدیث کا راوی رشدین بن سعد مصری ضعیف ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم، ضیاء نے صفة الجنة میں اور امام احمد رحمۃ

1۔ فتح الباری، جلد 2، صفحہ 540، مسلم، جلد 2، صفحہ 626 2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ رعد: 35 3۔ ایضاً

4۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 184-183 5۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10، صفحہ 11، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 75

اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حسن سے روایت کیا ہے کہ آدمی کے بستر کی بلندی اسّی سال کی مسافت ہے۔

قولہ تعالیٰ: اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ اس کے بعد ضمیر لائے ہیں جس کا مرجع پہلے مذکور نہیں۔ اس لئے کہ قرینہ موجود ہے۔ یعنی جب بستر کا ذکر آ گیا جس پر جنتیوں کی بیویاں ہوں گی تو اسی پر اکتفا کر لیا اور ضمیر ان کی طرف پھیر دی۔ جس طرح اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں مونث کی ضمیر لائی گئی ہے حالانکہ اس کا مرجع شمس کا لفظ اس سے پہلے نہیں پس قرینہ کافی ہے: اِذْ عُرِضَ عَلَیْهِ بِالْعَشِیِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ ۚ حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ (ص:32-31)۔

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اخفش رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے انہیں پوشیدہ رکھا اور پہلے ان کا ذکر نہ کیا۔ ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے(1)۔ وحور عین۔ انشأناهن أي أعدناهن في النشأة الأخرى - الخ ہم نے انہیں دوبارہ پیدا کیا ہے اس کے بعد کہ وہ بوڑھی ضعیف ہو چکی تھیں۔ آنکھیں میلی کچیلی تھیں بھرپور جوان ہو جائیں گی۔ اپنے خاوندوں کو چاہنے والی ہوں گی۔ بعض علماء کا قول ہے ناز و ادا والی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ عورتیں دنیا میں بالکل بوڑھی تھیں۔ ان کی بینائی کمزور تھی۔ آنکھیں میلی کچیلی رہتی تھیں۔ ترمذی، ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے غریب قرار دیا ہے۔ موسیٰ اور یزید ضعیف ہیں(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ دنیا کی ثیبہ اور کنواری عورتیں جو دنیا میں تھیں کنواریاں ہم عمر بن جائیں گی۔ عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک بڑھیا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ سے دعا کیجئے مجھے جنت میں داخل فرمائے۔ آپ نے فرمایا: اے ام فلاں! جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی۔ وہ روتی ہوئی واپس لوٹیں تو آپ نے فرمایا جاؤ انہیں سمجھاؤ کہ جب وہ جنت میں جائیں گی تو بڑھیا نہ ہوں گی۔ ترمذی نے شمائل میں اسی طرح روایت کیا ہے(3)۔ ابو القاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے حور عین کی تفسیر سمجھایئے۔ فرمایا: وہ گورے رنگ کی بڑی آنکھوں والی، سیاہ پلکوں اور لمبے بالوں والی ہیں جیسے گدھ کا پر۔ میں نے کہا لؤلؤ مکنون کے بارے میں بتایئے۔ فرمایا: ان کی صفائی موتی کی طرح ہے جو صدف سے ابھی نکلا ہو جسے کسی کا ہاتھ بھی نہ لگا ہو۔ میں نے پوچھا خیرات حسان کی کیا تفسیر ہے؟ فرمایا: خوش خلق خوبصورت۔ میں نے پوچھا بیض مکنون سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ان کی نزاکت اور نرمی اس جھلی کی مانند ہے جو انڈے کے اندر چھلکے کے نیچے ہوتی ہے۔ میں نے عرض کیا عربا اترابا کے معنی بتایئے۔ فرمایا: اس سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جو دنیا سے اس حال میں گئیں کہ ان کی آنکھیں میلی کچیلی رہتی تھیں بالوں میں سفیدی آ گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نئے سرے سے پیدا کیا اور کنواریاں، ہم عمر، خاوندوں سے پیار و محبت کرنے والیاں بنا دیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! دنیا کی عورتیں افضل ہیں یا حور عین؟ فرمایا بلکہ دنیا کی عورتیں حور عین سے افضل ہیں جس طرح ابری کپڑے کو استر پر فضیلت حاصل ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کس طرح؟ فرمایا: ان کے نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور اللہ عزوجل کی عبادت کے طفیل اللہ نے ان کے چہروں کو نورانی اور اجسام کو ریشم کی طرح بنا دیا ہے۔ ان کے رنگ گورے، کپڑے سبز زیورات پیلے، موتی کے انگردان، کنگھیاں سونے کی۔ وہ یہ کہتی رہیں گی:

1۔ طبری، جلد 27 صفحہ 185، اخفش: معانی القرآن، جلد 2 صفحہ 491

2۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ واقعہ، جلد 12 صفحہ 181-180، تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 186، 185

3۔ درمنثور، جلد 8 صفحہ 15

نحنُ الخالدات فلا نموتُ أبدًا ونحنُ الناعمات فلا نبأس أبدًا ونحنُ المقيماتُ فلا نَظعَنُ أبدًا ألا ونحنُ الراضيات فلا نسخطُ أبدًا طوبى لِمَن كنا له وكان لنا۔

"میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! بعض عورتوں کے دو دو، تین تین چار چار خاوند ہوتے ہیں اس کے بعد اسے موت آتی ہے وہ جنت جاتی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے خاوند بھی جنت جاتے ہیں۔ اس کا خاوند کون ہوگا؟ فرمایا اے ام سلمہ اسے اختیار دیا جائے گا کہ ان میں سے اچھے اخلاق والے کو اختیار کر لے۔ وہ عرض کرے گی اے رب! یہ مجھ سے حسن سلوک رکھتا تھا اس کے ساتھ مجھے بیاہ دے۔ اے ام سلمہ حسن خلق دنیا اور آخرت کی بھلائیاں لئے ہوئے ہے(1)۔"

صور کی مشہور مطول حدیث میں ہے کہ حضور تمام مسلمانوں کو جنت لے جانے کی سفارش کریں گے تو اللہ فرمائے گا میں نے آپ کی شفاعت قبول کر لی ہے اور انہیں جنت میں لے جانے کی اجازت دی چنانچہ سرکار ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے: "مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہے! تم جس قدر اپنے گھربار اور بیویوں سے واقف ہو، اہل جنت اس سے کہیں زیادہ اپنے بیوی بچوں سے واقف ہوں گے۔ پس ایک جنتی کی بہتر بیویاں ہوں گی جو اللہ کی بنائی ہوئی ہیں اور دو عورتیں اولاد آدم سے ہوں گی۔ دنیا میں عبادت الٰہی کے طفیل انہیں جنتی عورتوں پر فضیلت حاصل ہوگی۔ وہ ان میں سے ایک کے پاس جائے گا یہ اس بالا خانے میں ہوگی جو یاقوت کا بنا ہوگا۔ اس میں سونے کا پلنگ ہوگا جس پر موتی مرصع ہوں گے۔ اس پر سندس اور استبرق کے ستر جوڑے ہوں گے۔ وہ اپنا ہاتھ اس کے دونوں شانوں کے درمیان رکھے گا اور اس کے سینے سے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھے گا تو اسے اپنا ہاتھ صاف نظر آ جائے گا۔ کپڑے، جلد اور گوشت کی رکاوٹ نہ ہوگی۔ وہ اس کی ران کے گودے کی طرف دیکھے گا تو وہ آئینے کی طرح شفاف ہوگا۔ جس طرح مروارید میں سوراخ کر کے دھاگہ ڈال دیں تو وہ ڈورا باہر سے نظر آتا ہے۔ اسی طرح وہ گودا اسے نظر آئے گا۔ اس کا جگر اس کے لئے آئینہ ہوگا اور اس عورت کا جگر اس مرد کے لئے۔ وہ اس کے پاس ہوگا نہ وہ اکتائے گی اور نہ یہ۔ جب بھی وہ اس سے جنسی تعلق استوار کرے گا اسے باکرہ پائے گا۔ نہ اس کا عضو سست ہوگا نہ اسے گراں گزرے گا مگر وہاں منی نہیں ہوگی یہ یوں ہی مشغول ہوگا کہ ندا آئے گی ہمیں خوب معلوم ہے تم نہیں اکتاؤ گے اور نہ یہ مگر آپ کی دوسری بیویاں بھی ہیں۔ وہ باہر آئے گا اور ہر ایک کے پاس جائے گا۔ جس کے پاس جائے گا اسے دیکھ کر بے ساختہ اس کے منہ سے نکلے گا: اللہ کی قسم جنت میں تم سے خوبصورت کوئی چیز نہیں، اور نہ میرے نزدیک تجھ سے زیادہ کوئی محبوب ہے(2)"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پوچھا کیا جنتی لوگ جماع بھی کریں گے۔ فرمایا ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! خوب اچھی طرح۔ جب وہ الگ ہوگا تو پھر وہ پہلے کی طرح پاک صاف اچھوتی باکرہ بن جائے گی۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا اہل جنت جب اپنی عورتوں سے مقاربت کریں گے تو وہ دوبارہ کنواری ہو جائیں گی(3)۔

ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ مومن کو جنت میں اتنی عورتوں کے پاس جانے کی قوت عطا کی جائے گی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا وہ اتنی طاقت رکھے گا فرمایا: ایک سو آدمیوں کی طاقت کے برابر(4)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح غریب قرار دیا ہے(5)۔ ابوالقاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ سے

1۔ المعجم الکبیر، جلد 23، صفحہ 367-368
2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ انعام، 73
3۔ المعجم الاصغر، جلد 1، صفحہ 91
4۔ مسند ابوداؤد: 269، عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 9-10
5۔ ایضاً

عرض کی گئی کیا جنت میں ہم اپنی عورتوں کے پاس جائیں گے؟ فرمایا آدمی ایک دن میں سو عورتوں کے پاس جائے گا۔ حافظ ابو عبداللہ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ حدیث شرط صحیح پر ہے واللہ اعلم۔

عُرُبًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ اپنے خاوندوں کی محبوبہ ہوں گی۔ کیا تو نے ایسی اونٹنی نہیں دیکھی جسے نر کی خواہش ہو۔ فرمایا وہ اپنے خاوندوں کی عاشق ہوں گی اور وہ ان کے عاشق ہوں گے۔ عبداللہ بن سرجس، مجاہد، عکرمہ، ابو العالیہ، یحییٰ بن ابی کثیر، عطیہ، حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے اسی طرح مروی ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اپنے خاوند کے سامنے ناز نخرے کرنے والی، نزاکت والی، نازنین۔ تمیم بن حذلم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جو اپنے خاوند کا دل مٹھی میں رکھے۔ زید بن اسلم اور ان کے فرزند عبدالرحمٰن کا قول ہے، خوش گفتار۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ انہیں عرب اس لئے کہا گیا کہ ان کی زبان عربی ہوگی۔

اَتْرَابًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ہم عمر۔ ہر ایک کی عمر تینتیس برس ہوگی۔ مجاہد رحمۃ اللہ کہتے ہیں ہم پلہ، برابر۔ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہم عصر۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ برادرانہ اخلاق والی دنیا کی سوکنوں کی طرح ان میں بغض اور حسد نہ ہوگا۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حسن اور محمد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے ان کی عمریں برابر ہوں گی ایک دوسرے سے پیار کریں گی اور مل کر کھیلیں گی۔ ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جنت میں حورعین کی مجلس گاہ ہوگی۔ وہ اونچی آوازیں بلند کریں گی۔ ایسی سریلی آواز مخلوق نے کبھی سنی نہ ہوگی۔ وہ کہیں گی۔ ہم ہمیشہ رہیں گی۔ ...الخ

نحن الخالدات فلا نبید، ونحن الناعمات فلا نَبْأَسُ، ونحن الرّاضیات فلا نَسْخَطُ، طُوبٰی لِمَنْ کَانَ لَنَا وَکُنَّا لَہٗ۔ یہ حدیث غریب ہے(1)۔ حافظ ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''حورعین کا جنت میں یہ گانا ہوگا: نحنُ خیراتٌ حِسَانٌ خُبِّئنَا لِاَزْوَاجٍ کِرَامٍ۔ ہم پاک صاف خوبصورت ہیں جو محترم خاوندوں کے لئے ہیں۔'' ایک اور روایت میں خیرات کی جگہ حور کا لفظ آیا ہے۔

قولہ تعالیٰ لِّاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ اصحاب یمین کے لئے پیدا کی گئی ہیں، ان کے لئے ہی محفوظ و مصون کی گئی ہیں۔ یا ان کے ساتھ ہی ان کا نکاح ہوگا۔ اظہر یہ ہے کہ یہ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ..... کے متعلق ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے: انشاناھن لأصحاب الیمین۔ یہ توجیہہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے(2)۔ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے میں نے ایک رات نماز ادا کی۔ پھر بیٹھ کر دعا کرنے لگا۔ سردی سخت تھی۔ میں ایک ہاتھ سے دعا مانگنے لگا۔ میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں ایک حور کو دیکھا اس جیسی خوبصورت نورانی شکل میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ وہ کہنے لگی اے ابو سلیمان تم ایک ہاتھ سے دعا مانگتے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں پانچ سو سال سے مجھے تمہارے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ لام ماقبل اَتْرَابًا کے متعلق ہو۔

اَتْرَابًا: ہم عمر۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گے۔ دوسری جماعت کے چہرے آسمان کے از حد چمکدار ستارے کی طرح۔ انہیں پاخانے، پیشاب، تھوک اور رینٹھ کی حاجت نہ ہوگی۔ ان کی کنگھیاں سونے کی اور خوشبو کستوری ہوگی، انگیٹھیاں موتی کی، ان

1۔ ترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 37-36

2۔ طبری، جلد 27 صفحہ 189

کی بیویاں حور عین ہوں گی۔ ان سب کے اخلاق ایک آدمی کی مثل ہوں گے۔ وہ سب اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی شکل پر ساٹھ ہاتھ لمبے ہوں گے (1)۔ امام احمد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جنتی جرد مرد سفید رنگ، گھنگھریالے بالوں والے سرگیں تینتیس برس کے ہوں گے۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے قد وقامت پر ساٹھ ہاتھ لمبے ساتھ ہاتھ چوڑے ہوں گے (2)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت مروی ہے ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے (3)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور نے فرمایا: گو کسی عمر میں انتقال ہو جنت میں داخلے کے وقت سب کی عمر تینتیس برس ہوگی اور ہمیشہ یہی عمر رہے گی۔ اسی طرح جہنمی بھی (ترمذی)۔ ابوبکر بن ابی دنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل جنت کے قد ساٹھ ہاتھ فرشتے کے ہاتھ کے اعتبار سے ہوں گے اور حسن یوسف، عمر عیسیٰ یعنی تینتیس برس، زبان محمد (یعنی عربی زبان)، جرد مرد، سرگیں آنکھوں والے ہوں گے۔ ابوبکر بن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (جس طرح اوپر بیان ہوا) اس روایت میں یہ بھی ہے کہ دخول جنت کے ساتھ ہی انہیں ایک جنتی درخت کے پاس لایا جائے گا۔ اس سے انہیں کپڑے پہنائے جائیں گے جو بوسیدہ نہیں ہوں گے۔ ان کی جوانی کبھی ختم نہ ہوگی۔

ثُلَّةٌ: جماعت۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک رات ہم دیر تک حضور ﷺ کے پاس باتیں کرتے رہے۔ صبح جب حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: مجھ پر انبیاء مع اپنی امتوں کے پیش ہوئے۔ کسی نبی کے ساتھ مضبوط جماعت تھی۔ کسی کے ساتھ تین افراد اور کسی کے ساتھ کوئی شخص بھی نہ تھا۔ قتادہ نے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ (ہود: 78)۔ حتیٰ کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام گزرے۔ آپ کے ساتھ بنو اسرائیل کی ایک جماعت تھی۔ میں نے عرض کی یا رب یہ کون ہیں؟ بتایا گیا یہ تمہارے بھائی موسیٰ بن عمران اور بنو اسرائیل میں سے ان کے امتی ہیں۔ میں نے عرض کیا اے رب میری امت کدھر ہے؟ فرمایا: اپنے دائیں جانب ٹیلے کی طرف دیکھئے مجھے بے شمار لوگوں کے چہرے نظر آئے۔ فرمایا: کیا تم راضی ہو؟ میں نے عرض کیا پروردگار! راضی ہوں۔ فرمایا اپنی بائیں طرف افق کی طرف دیکھو۔ مجھے ایک جم غفیر کے چہرے نظر آئے فرمایا: کیا خوش ہو؟ میں نے عرض کیا راضی ہوں اے میرے رب۔ فرمایا: ان کے ساتھ ستر ہزار بلا حساب جنت جائیں گے۔ یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن اسدی رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہو گئے یہ بدری تھے۔ عرض کیا اے اللہ کے نبی دعا فرمایئے اللہ مجھے بھی انہی سے کردے آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ پھر ایک اور شخص اٹھا اور دعا کی درخواست کی۔ فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا: میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ اگر تم سے ہو سکے تو اپنے آپ کو ان ستر ہزار میں شامل کر لو۔ ورنہ کم از کم دائیں جانب والوں سے ہو جاؤ۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو افق والوں میں شامل ہو جاؤ۔ میں نے اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ اپنے ہی احوال میں لٹک جاتے ہیں۔ مجھے امید ہے اہل جنت کی چوتھائی تعداد تمہاری ہوگی۔ پس ہم نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پھر فرمایا مجھے امید ہے اہل جنت کی تہائی تعداد تمہاری ہوگی۔ پس ہم نے تکبیر کہی۔ فرمایا: مجھے امید ہے اہل جنت کی نصف تعداد تمہاری ہوگی۔ ہم نے تکبیر کہی۔ پھر حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۔ ہم آپس میں کہنے لگے یہ ستر ہزار کون لوگ ہوں گے۔ ہم نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اور شرک نہ کیا۔ حضور ﷺ نے سنا تو فرمایا: ”بلکہ یہ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مریم: 63، سورۂ زمر: 73 2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 295 3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10، صفحہ 14

وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگواتے۔ چوری چھپے کوئی بات نہیں سنتے۔ بری فال نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں"۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے(1)۔ یہ حدیث صحاح وغیرہ کتابوں میں بہت سی سندوں سے مروی ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کی تفسیر میں حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ سب میری امت کے لوگ ہیں"۔ یعنی اس امت کا اول و آخر مراد ہے(2)۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿41﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿42﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿43﴾ لَّا
بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿44﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿45﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ
الْعَظِيْمِ ﴿46﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَىِٕذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿47﴾ اَوَ
اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿48﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿49﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ
مَّعْلُوْمٍ ﴿50﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿51﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿52﴾
فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿53﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿54﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿55﴾ هٰذَا
نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿56﴾

"اور بائیں ہاتھ والے، کیسی خستہ حالت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی۔ (یہ بدنصیب) جھلستی لو اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے۔ نہ یہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دہ۔ بے شک یہ لوگ پہلے بڑے خوشحال تھے۔ اور وہ اصرار کیا کرتے تھے بڑے بھاری گناہ پر۔ اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی (یہ ناممکن ہے) آپ فرمادیجئے بیشک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی۔ سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں۔ پھر تمہیں اے گمراہ ہونے والو! اے جھٹلانے والو! کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے۔ پس تم بھرو گے اس سے (اپنے) پیٹوں کو۔ پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا پانی۔ اس طرح پیو گے جیسے پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے۔ یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن"۔

اصحاب یمین کا ذکر کرنے کے بعد اصحاب شمال کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ کلمہ "ما" یہاں اَیُّ شیءٍ کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ کس حال میں ہیں۔ پھر خود ہی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: فِيْ سَمُوْمٍ گرم ہوا۔ (جو جھلسا دینے والی ہو)۔

وَّحَمِيْمٍ گرم پانی جو کھول رہا ہو۔

وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ دھوئیں کا سایہ۔ مجاہد، عکرمہ، ابوصالح، قتادہ، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی مروی ہے۔ جس طرح ایک اور آیت میں آتا ہے: اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ ... سے جِمٰلَتٌ صُفْرٌ تک۔ اور یہاں مراد سیاہ دھواں ہے۔

لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ جو نہ جسم کو اچھا لگے نہ آنکھوں کو بھلا محسوس ہو۔ جس طرح حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے: اَیْ ولا کریم المنظر۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہر وہ مشروب جو میٹھا نہ ہو کریم نہیں ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 191-190
2۔ طبری، جلد 27، صفحہ 191

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عرب یہ لفظ نفی کے معنی میں لاتے ہیں اور کہتے ہیں: ھذا الطعام لیس بطیب ولا کریم، ھذا اللحم لیس بسمین ولا کریم، وھذہ الدار لیست بنظیفۃ ولا کریمۃ(1) یعنی جس چیز کی زیادہ برائی بیان کرنا مقصود ہو وہاں اس کا ایک برا وصف بیان کرنے کے بعد کہہ دیتے ہیں: ولا کریم۔

مُتْرَفِيْنَ دار دنیا میں یہ لوگ لذات نفس نفیسہ میں مبتلا تھے اور انبیاء مرسلین کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دیتے تھے۔

يُصِرُّوْنَ اصرار کرتے تھے اور توبہ کی نیت نہ کرتے تھے۔

عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ اللہ تعالیٰ سے کفر کرنا اور اللہ کے سوا بتوں اور انداد کو اپنا رب بنا لینا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حنث عظیم سے مراد شرک ہے۔ مجاہد، عکرمہ، ضحاک، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یمین غموس ہے۔

كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ... اب ان کا ایک اور عیب بیان کیا جا رہا ہے کہ قیامت کو جھٹلاتے اور بعید از وقوع سمجھتے ہوئے ایسی باتیں کرتے تھے اور عقلی استدلال پیش کرتے کہ مر کر مٹی میں ملنے کے بعد پھر کبھی کوئی کیسے جی سکتا ہے؟

مِيْقَاتِ يَوْمٍ انہیں جواب دیا جا رہا ہے کہ کل اولاد آدم اس روز نئی زندگی میں آ کر میدان میں جمع ہوگی۔ جیسے ایک آیت میں آتا ہے: ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ ... فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ (ہود:105)۔

يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ اس کا وقت متعین ہے۔ آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ نہ اس میں کمی و زیادتی ہوگی۔

لَاٰكِلُوْنَ انہیں حکما یہ چیزیں کھانا پڑیں گی تاکہ ان کا پیٹ بھر سکے۔

شُرْبَ الْهِيْمِ پیاسے اونٹ اس کا واحد اَهْيَم ہے اور مؤنث هَيْمَاءُ ہے۔ هَائِم اور هَائِمَة بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر اور عکرمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے: الھیم: الابل العطاش الظماء۔ شدید پیاسا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ الھیم الابل المراض تمص الماء مصا ولا تروی: جسے پیاس کی بیماری ہوتی ہے پانی چوستا رہتا ہے اور سیرابی نہیں ہوتی۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اونٹ کو یہ بیماری لگ جاتی ہے۔ اس کی پیاس نہیں بجھتی حتیٰ کہ وہ مر جاتا ہے۔ اسی طرح اہل جہنم بھی کھولتے ہوئے پانی سے سیراب نہ ہوں گے۔ مروی ہے کہ خالد بن معدان غٹاغٹ، تین سانس لئے بغیر پینے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

نُزُلُهُمْ روز قیامت ان کی یہ ضیافت ہوگی۔ جیسے مومنین کے بارے میں ایک اور جگہ ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (الکہف:107)۔ نُزُل: ضیافت اور تکریم۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿57﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿58﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿59﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿60﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿61﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿62﴾

"(آج غور کرو) ہم نے ہی تم کو پیدا کیا ہے پس تم قیامت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ بھلا دیکھو تو جو منی تم ٹپکاتے ہو۔ (اور سچ بتاؤ) کیا تم اس کو (انسان بنا کر) پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم ہی نے مقرر کی ہے تمہارے

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 193

درمیان موت اور ہم (اس سے) عاجز نہیں ہیں۔ کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے۔ اور تمہیں اچھی طرح علم ہے اپنی پہلی پیدائش کا پس تم (اس میں) کیوں غور وخوض نہیں کرتے''۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز دوبارہ اٹھنے کے اثبات اور اہل زیغ والحاد کی تردید فرما رہے ہیں جو قیامت کو جھٹلاتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا... انہوں نے قیامت کو جھٹلاتے ہوئے اور اسے محال سمجھتے ہوئے یہ بات کہی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ ہم نے تمہیں ابتداء میں پیدا کیا جبکہ تم کوئی قابل ذکر چیز نہ تھے۔ کیا وہ ذات جو ابتدائے آفرینش پر قادر ہے۔ دوبارہ اعادے پر بدرجہ اولیٰ قادر نہیں ہوگی۔

فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ تم دوبارہ جی اٹھنے کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم اسے رحم میں ٹھہراتے اور پیدا کرتے ہو یا وہ ذات قدوس ان کی خالق ہے؟ پھر فرمایا:

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمْ: صرفناہ بینکم تمہارے درمیان اسے پھیرا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اہل ارض وسماء کے درمیان برابری ہے۔

بِمَسْبُوْقِيْنَ یعنی عاجز۔

اَمْثَالَكُمْ قیامت کے دن تمہاری تخلیق کو بدل دیں۔

وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی ایسی صفات وحالات پر پیدا کریں جن کا تمہیں علم نہیں۔ پھر فرمایا: النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى تم یہ جانتے ہو کہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے اس کے بعد کہ تم کوئی قابل ذکر چیز نہ تھے اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے اور یہ یقین نہیں کرتے کہ جو عدم محض سے تمہیں وجود میں لا سکتا ہے وہ تمہارے مرنے کے بعد تمہیں از سر نو پیدا کرنے پر بطریق اولیٰ قادر ہے۔ جس طرح ایک اور آیت میں ہے: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم: 27)۔ اور فرمایا: اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا (مریم: 67)۔ (قیامہ: 40)۔ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (یٰسین: 79) اور فرمایا: فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ..... الْمَوْتٰى (قیامہ: 40)۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَاۗءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَاۗءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِــُٔوْنَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾

''کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے جو تم بوتے ہو۔ (سچ سچ بتاؤ) کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم ہی اس کو اگانے والے ہیں۔ اگر

ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا بنا دیں پھر تم کف افسوس ملتے رہ جاؤ۔ (ہائے!) ہم تو قرضوں کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے۔ بلکہ ہم تو ہیں ہی بڑے بدنصیب۔ کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے پانی جو تم پیتے ہو۔ (سچ سچ بتاؤ) کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اس کو کھاری بنا دیتے، پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے۔ کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے آگ کو جو تم سلگاتے ہو۔ (سچ سچ بتاؤ) کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے ہی بنایا ہے اس کو نصیحت اور فائدہ مند مسافروں کے لئے۔ تو (اے حبیب!) تسبیح کیجئے اپنے رب عظیم کے نام کی"۔

تَحْرُثُوْنَ: حرث سے مراد زمین میں ہل چلانا، تیار کرنا اور بیج بونا۔

تَزْرَعُوْنَهٗ: اگاتے ہو۔ بلکہ ہم اسے زمین میں قرار بخشتے اور اگاتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یوں نہ کہو زرعتُ (میں نے اگایا) بلکہ حرثتُ (میں نے بویا) کہا کرو۔ یہ حدیث سنانے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عبدالرحمٰن سے نقل کیا ہے زرعنا کہو بلکہ حرثنا کہا کرو(1)۔ حجر مدری جب ان آیتوں کو پڑھتے یا اس جیسی دوسری آیات کو تو فرمایا کرتے (بَلْ اَنْتَ یَا رَبِّ) ہم نے نہیں بلکہ اے پروردگار تو نے ہی۔

حُطَامًا ہم نے انہیں اپنے لطف و کرم سے پیدا فرمایا اور تم پر رحمت کرتے ہوئے اسے تمہارے لئے باقی رکھا اگر ہم چاہتے تو اس کے پکنے اور کٹنے سے قبل ہی اسے خشک کر دیتے۔

تَفَكَّهُوْنَ اگر ہم ایسا کرتے تو تم کف افسوس ملتے رہ جاتے اور طرح طرح کی باتیں کرتے۔ کبھی کہتے لَمُغْرَمُوْنَ. ہم تو قرضوں کے بوجھ تلے دب گئے۔ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول: انا لمولع بنا۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہم پر آفت آگئی۔ اور کبھی کہتے ہم تو ہیں ہی محروم۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہم تنگدستی میں مبتلا ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: نہ ہمارا مال باقی رہا نہ نفع۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے ہماری قسمت ہی کھوٹی ہے۔

تَفَكَّهُوْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے تم تعجب کرتے ہو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ہی قول ہے تم ندامت سے جزع و فزع کرتے ہو اور کھیتی کے ضیاع پر غمزدہ ہو۔ یہ معنی پہلے معنی کی طرف ہی لوٹتا ہے۔ یہ تعجب مال پر آفت آ پڑنے کی وجہ سے ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تم اپنے آپ کو ملامت کرتے ہو۔ حسن، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے تم نادم ہو یہ ندامت یا تو فصل ضائع ہونے پر ہے یا سابقہ گناہوں پر۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تَفَكَّهَ یہ اضداد سے ہے عرب کہتے ہیں تفکّہتُ بمعنی تنعمتُ اور تفکّہتُ بمعنی حزنتُ۔ یعنی یہ لفظ اپنے اندر نفع اور غم دونوں معنے رکھتا ہے۔

الْمُزْنِ یعنی بادل۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے اسی طرح مروی ہے۔ اُم: بمعنی بل ہے۔ اُجاج: زعاق مر الا یصلح لشرب ولا زرع: کڑوا کھاری جو نہ پینے کے کام آئے اور نہ کھیتی باڑی کے۔

فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ یعنی تم اللہ کا شکر کیوں ادا نہیں کرتے جس نے میٹھے پانی کی بارش نازل فرمائی۔ لَكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 198، مجمع الزوائد، جلد 4، صفحہ 120

تُسِيمُوْنَ ○ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (النحل:10)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور انور ﷺ پانی پی کر یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

الحمد للہ الذی سقانا عذبا فراتا برحمتہ، ولم یجعلہ ملحا اجاجا بذنوبنا۔

''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنی رحمت سے ہمیں میٹھا پانی پلایا اور ہمارے گناہوں کے باعث اسے کھاری، کڑوا نہیں بنایا۔'' (1)

تُوْرُوْنَ تم اسے زنادسے جلاتے ہو اور اسے اس کے تنے سے نکالتے ہو۔

ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ بلکہ ہم نے ہی اس جگہ ودیعت کیا ہے۔ اہل عرب کے ہاں دو درخت تھے مرخ اور عفار، ان کی دو سبز شاخیں جب یک دوسرے سے رگڑی جاتیں تو آگ نکلتی۔

تَذْكِرَةً مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ نار کبری (دوزخ) کی یاد دلاتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے قوم! یہ آگ جو تم جلاتے ہو یہ نار جہنم کا سترواں حصہ ہے۔ عرض کی گئی حضور ﷺ یہی بہت ہے۔ فرمایا: اسے دو مرتبہ سمندر کے پانی سے دھویا گیا تا کہ بنو آدم اس کے قریب آسکیں اور اس سے فائدہ اٹھا سکیں'' (2)۔ یہ حدیث قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلا مروی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تمہاری یہ آگ جہنم کا سترواں حصہ ہے اسے دو مرتبہ سمندر سے دھویا گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کسی کے لئے اس میں منفعت نہ رکھتا(3)۔'' موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں بھی یہی روایت ہے مگر اس میں ہے کہ اسے اس پر ننانویں درجے فضیلت حاصل ہے(4)۔ بخاری و مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابو القاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری اس آگ اور جہنم میں کیا نسبت ہے؟ جہنم اس سے ستر گنا زیادہ جلانے والی ہے۔ ضیاء مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میرے نزدیک یہ حدیث صحیح کی شرط پر ہے۔

مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ، ضحاک اور نضر بن عربی کے نزدیک مقوین سے مراد مسافر ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول پسند کیا ہے اور لکھا ہے اس سے اہل عرب کا محاورہ ہے: اقوت الدار إذا رحل أهلها(5) بعض دیگر علماء کے نزدیک القِيّ والقواء سے مراد خالی چٹیل میدان ہے جو آبادی سے دور ہو۔ عبد الرحمن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ اس سے مراد جائع: بھوکا ہے۔ لیث بن ابو سلیم نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے ہر مسافر اور مقیم کے لئے ہر وہ کھانا جسے پکانے کے لئے آگ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک دوسری روایت میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ مقوین سے مراد ''فائدہ اٹھانے والے'' ہے(6)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے یہ تفسیر دیگر سے عام ہے کیونکہ مقیم، مسافر، غنی، فقیر سب کھانا پکانے، تاپنے، روشنی حاصل کرنے وغیرہ فوائد کے لئے اس کے محتاج ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ لطف خصوصی کہ اسے پتھروں اور خالص لوہے میں ودیعت فرمایا تا کہ مسافر اسے اپنے سامان

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 24 2۔ طبری، جلد 27، صفحہ 201 3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 244

4۔ موطا، کتاب جہنم، جلد 2، صفحہ 994، فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 330، مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2184

5۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 202 6۔ ایضاً

اور کپڑوں میں اٹھا سکے اور پڑاؤ میں جب اس کی ضرورت ہو اپنا چقماق نکالے اور آگ جلا کر کھانا پکائے، تپش حاصل کرے، انسیت حاصل کرے اور تمام فوائد اٹھائے۔ اسی لئے مسافروں کا یہاں خصوصی ذکر فرمایا گیا ہے اگرچہ اس کا فائدہ سب لوگوں کے لئے عام ہے۔ اس مفہوم کی تائید میں ابوداؤد، احمد رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کی حدیث بھی ذکر کی جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں: ”آگ، گھاس اور پانی“(1)۔ ابن ماجہ میں عمدہ سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزوں سے منع نہ کیا جائے(2)۔ آگ، گھاس اور پانی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت مرفوعاً مروی ہے اس میں ان کی قیمت کا بھی ذکر ہے(3) لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

قولہ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ جس کی قدرت میں ہے ان مختلف، متضاد اشیاء کا تخلیق کرنا یعنی ٹھنڈا آب زلال۔ اگر وہ چاہتا تو اسے کڑوا نمکین بنا دیتا یا جیسے ڈبو دینے والے سمندر، اور جلا دینے والی آگ جس کے ساتھ دنیا میں ان کے فوائد وابستہ ہیں اور آخرت میں اس کے عذاب سے ڈرانے کا باعث بھی ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝ وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝

”پس میں قسم کھاتا ہوں ان جگہوں کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں۔ اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ بے شک یہ قرآن ہے بڑی عزت والا۔ ایک کتاب میں جو محفوظ ہے۔ اس کو نہیں چھوتے مگر وہی جو پاک ہیں۔ یہ اتارا گیا ہے رب العلمین کی طرف سے۔ کیا تم اس قرآن کے بارے میں کوتاہی کرتے ہو۔ اور (اس کی بے پایاں برکتوں سے) تم نے اپنا یہی نصیب بنا لیا ہے کہ تم اس کو جھٹلاتے رہو گے“۔

جویبر نے ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی چیز کی قسم نہیں اٹھاتے بلکہ یہ کلام کو شروع کرنے کے لئے ہیں۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ جمہور علماء کی رائے میں یہ قسمیں ہیں اور اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے جس چیز کی چاہے قسم اٹھا سکتا ہے اور یہ اس کی عظمت کی دلیل ہے۔ پھر بعض مفسرین کے نزدیک یہاں لا زائدہ ہے۔ اور تقدیر عبارت یوں ہے: (أقسم بمواقع النجوم) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اور جواب قسم (إنه لقرآن كريم) ہے(4)۔ بعض دیگر مفسرین کے نزدیک لا کو زائد قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ کلام عرب کے دستور کے مطابق وہ قسم کے شروع میں آتا ہے جبکہ جس چیز کی قسم اٹھائی جارہی ہے وہ منفی ہو۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول میں ہے (لا والله ما مست يد رسول الله ﷺ يد امرأة قط) یعنی خدا کی قسم حضور ﷺ کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو کبھی مس نہیں فرمایا: (یعنی بیعت میں بھی عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا)(5)۔

اسی طرح یہاں تقدیر عبارت یوں ہوگی: لا أقسم بمواقع النجوم بات اسی طرح نہیں ہے جس طرح قرآن کے بارے میں یہ گمان کیا گیا ہے کہ یہ جادو یا کہانت ہے بلکہ یہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض اہل عرب کا قول ہے

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 364۔ سنن ابوداؤد، کتاب البیوع، جلد 3، صفحہ 278-277
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الرہون، جلد 2، صفحہ 826
3۔ ایضاً
4۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 203
5۔ بخاری، کتاب الطلاق، فتح الباری، جلد 8، صفحہ 636

معاملہ اس طرح نہیں جیسے تم کہتے ہو پھر اس کے بعد قسم اٹھائی (1)۔

بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے حضرت سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے مراد نجوم القرآن (قرآن کا بتدریج اترنا) ہے کیونکہ لیلۃ القدر میں یہ آسمان بالا سے آسمان دنیا پر اترا۔ پھر تھوڑا تھوڑا کئی سال تک اترتا رہا۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن کریم مکمل طور پر لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں فرشتوں پر اترا۔ وہاں سے سفیر فرشتوں نے قسطوں کی صورت میں جبریل پر بیس سالوں میں اتارا اور جبریل نے حضور ﷺ پر مکمل بیس سال میں اتارا۔ اور یہی اس آیت سے مراد ہے۔ عکرمہ، مجاہد، سدی اور ابوحزرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد ستاروں کے مطالع اور ظاہر ہونے کی جگہیں ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مطالع سے مراد منازل ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد ان کا قیامت کے دن منتشر ہو جانا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ستارے ہیں جن کے بارے میں مشرکین کا عقیدہ ہے کہ ان کی وجہ سے ہم پر بارش برستی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں وہ یہی کہا کرتے تھے۔

وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ یعنی یہ قسم جو میں نے اٹھائی ہے بہت عظیم ہے۔ اگر تم اس کی عظمت کو سمجھو تو مقسم بہ کی عظمت کو تسلیم کرلو۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ یہ قرآن جو حضور ﷺ پر اتارا گیا ہے بلاشبہ عظیم کتاب ہے۔

فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ قابل تعظیم ہے، قابل تعظیم کتاب میں ہے جو محفوظ اور قابل تکریم بھی ہے۔

لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ فرمایا وہ کتاب جو آسمان میں ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے مطہرون سے مراد ملائکہ ہیں۔ انس، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ضحاک، ابوالشعثاء جابر بن زید، ابونہیک، سدی، اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ سے روایت کیا ہے اللہ کے ہاں اسے کوئی نہیں چھوتا مگر پاک لوگ۔ دنیا میں تو نجس مجوسی، پلید منافق اسے چھوتے رہتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے **ما یمسه المطهرون** پڑھا ہے (2)۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اے گناہ گارو! تم نہیں (3)۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کفار قریش کا یہ خیال تھا کہ اس قرآن کو شیاطین لے کر اترتے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے اس بات کی خبر دی کہ اسے نہیں چھوتے مگر پاک لوگ۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ (شعراء: 210)۔ یہ قول عمدہ اور سابقہ اقوال سے خارج نہیں۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کا ذائقہ اور نفع نہیں پا سکتا مگر وہ شخص جو اس پر ایمان لایا (4)۔ بعض دیگر مفسرین کے نزدیک مراد جنابت اور حدث سے پاک ہونا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آیت کا لفظ خبر ہے اور اس کا معنی طلب ہے اور قرآن سے مراد یہاں مصحف ہے۔ جس طرح مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کو دشمن کی سرزمین کی طرف لے جانے سے منع فرمایا ایسا نہ ہو کہ دشمن اسے کچھ نقصان پہنچائے (5)۔ ان کی دلیل موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وہ حدیث بھی ہے جس کے مطابق نبی کریم ﷺ نے جو فرمان عمرو بن حزم کو لکھ کر دیا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک (6)۔ ابوداؤد

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 203
2۔ طبری، جلد 27، صفحہ 206
3۔ ایضاً
4۔ فراء: معانی القرآن، جلد 3، صفحہ 130۔ تفسیر قرطبی، جلد 17، صفحہ 226
5۔ مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3، صفحہ 1491
6۔ موطا، کتاب القرآن، جلد 1، صفحہ 199

رحمۃ اللہ علیہ نے مراسیل میں زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے اس خط کو دیکھا ہے۔ اس میں یہی لکھا تھا۔ یہ وجادہ کی عمدہ قسم ہے زہری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسے پڑھا تھا۔ اس کی روایت کو قبول کر لینا چاہئے دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اسناد بھی ذکر کی ہے مگر اس میں نظر ہے۔ اور یہ قابل غور ہے(1)۔ واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ یہ قرآن اللہ رب العزت کی طرف سے اتارا گیا ہے اور تمہارا یہ دعویٰ درست نہیں کہ یہ جادو، کہانت یا شعر ہے بلکہ یہ وہ حق ہے جس میں کوئی شبہ نہیں اور اس کے علاوہ کوئی نفع حق نہیں ہے۔

مُّدْهِنُوْنَ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ تکذیب کرنے والے تصدیق نہ کرنے والے۔ ضحاک، ابوحزرہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تم ان کی طرف جھکنا چاہتے ہو۔

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ بعض مفسرین کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ تم شکر کے بدلے تکذیب کرتے ہو۔ مروی ہے کہ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح پڑھا ہے۔ وتجعلون شكر كم أنكم تكذبون۔ اس کا تذکرہ آئے گا۔

ہیثم بن عدی سے ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی روایت کیا ہے کہ قبیلہ ازد کے کلام میں رزق بمعنی شکر استعمال ہوتا رہتا ہے(2)۔

مسند امام احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے(3)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعاً یہی ذکر کیا ہے(4)۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مرفوع قرار نہیں دیا(5) اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کسی قوم پر بارش ہوتو وہ کہتے فلاں ستارے کی وجہ سے ایسا ہوا۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت فرمائی(6)۔ اس کی سند حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک صحیح ہے۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں زید بن خالد جہنی سے روایت کیا ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر حضور ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ رات کو بارش ہوئی تھی نماز کے بعد آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تمہیں پتہ ہے۔ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندوں میں سے کچھ مجھ پر ایمان لاتے والے اور کچھ کفر کرنے والے ہیں۔ جو یہ کہے اللہ کے فضل ورحمت سے بارش ہوئی تو وہ مومن ہے اور ستارے کا انکار کرنے والا ہے اور جو کہے فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی وہ مجھ سے کفر کرنے والا اور ستارے پر ایمان رکھنے والا ہے(7)۔ یہ حدیث صحیحین، ابوداؤد اور نسائی میں ہے(8)۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کوئی برکت نہیں اتاری مگر اس کے سبب لوگوں کا ایک فریق کافر ہو گیا۔ بارش اترتی ہے تو وہ کہتے ہیں: فلاں ستارے کے سبب(9)۔ ۔۔ الخ۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی قوم پر صبح یا شام کو بارش نہیں برساتا مگر وہ قوم اس کے ساتھ کافر ہو جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں فلاں ستارے کے طلوع ہونے سے یہ بارش ہوئی۔ حضرت عمر بن

1۔ سنن دارقطنی، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 122-121 2۔ طبری، جلد 27، صفحہ 207 3۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 108
4۔ طبری، جلد 27، صفحہ 208-207، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ واقعہ، جلد 12، صفحہ 180
5۔ ایضاً 6۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 208
7۔ موطا، کتاب الاستسقاء، جلد 1، صفحہ 192، سنن ابوداؤد، کتاب الطب، جلد 4، صفحہ 16، نسائی، کتاب الاستسقاء، جلد 3، صفحہ 165-164
8۔ ایضاً 9۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 84

خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا اے عباس! اے عم رسول ثریا ستارے کا وقت کتنا باقی ہے۔ فرمایا اس علم کے علماء کی رائے ہے کہ یہ اپنے گرنے کے ہفتہ بعد نمودار ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا سات دن روز بارش ہوئی(1)۔ یہ واقعہ محمول ہے اس وقت کے بارے میں پوچھنے پر جب اللہ تعالیٰ بالعموم بارش نازل فرماتا ہے۔ نہ یہ کہ وہ ستارہ بذات خود بارش اترنے میں مؤثر ہوتا ہے۔ یہ اعتقاد رکھنا ممنوع ہے۔ اس مضمون کی احادیث اس سے پہلے گزر چکی ہیں دیکھئے آیت: مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلَا مُمْسِکَ لَھَا(فاطر:2)(2)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سن لیا کہ فلاں ستارے کے سبب بارش ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا: تو جھوٹا ہے یہ تو اللہ کی برسائی ہوئی ہے۔ یہ رزق الٰہی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی قوم پر رات کو بارش نہیں ہوتی مگر وہ صبح کے وقت کافر ہو گئے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَکُمْ ۔۔ کوئی کہنے والا یہ کہتا ہے کہ فلاں ستارے کے اثر سے بارش ہوئی(3)۔ حدیث حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ میں مرفوعاً یہ مذکور ہے۔ اگر سات برس تک قحط سالی رہے پھر بارش ہو تو لوگ کہیں گے کہ فلاں ستارے کے سبب ہم پر بارش ہوئی(4)۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یوں کہا کرو سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے اور اسی کا رزق ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے حسن کہا کرتے تھے کتنی بری بات ہے جو کسی قوم نے اپنے لئے لی ہے۔ انہیں کتاب اللہ سے نہیں ملا مگر تکذیب(5)۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے مقولے کا مفہوم یہ ہے کہ تم کتاب اللہ سے اپنا حصہ یہ بناتے ہو کہ تم اس کی تکذیب کرتے ہو اسی لئے اس سے پہلے فرمایا: اَفَبِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُّدْھِنُوْنَ ۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَ اَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَ لٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ کُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَھَآ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۸۷﴾

”پس تم کیوں لوٹا نہیں دیتے جب روح حلق تک پہنچ جاتی ہے۔ اور تم اس وقت (پاس بیٹھے) دیکھ رہے ہوتے ہو۔ اور ہم (اس وقت بھی) تم سے زیادہ مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں البتہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ پس اگر تم کسی کے پابند حکم نہیں ہو تو پھر کیوں نہیں لوٹا دیتے (مرنے والے کی روح) اگر تم سچے ہو“۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روح جب حلق تک پہنچ جاتی ہے اور وہ جانکنی کا وقت ہوتا ہے۔ ایک دوسری آیت میں ہے: کَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ۔ یَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ (قیامہ:26)۔

وَ اَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ آخری وقت سکرات الموت اور دیگر تکالیف جو وہ برداشت کرتا ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ یعنی اپنے ملائکہ کے ساتھ۔

لَا تُبْصِرُوْنَ لیکن تم انہیں نہیں دیکھتے جیسے ایک دوسری آیت میں ہے: وَ ھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ وَ یُرْسِلُ عَلَیْکُمْ حَفَظَۃً حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا وَ ھُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ۝ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰىھُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَہُ الْحُکْمُ ۣ وَ ھُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ (انعام:61)۔

غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ اس کا معنی یہ ہے کہ تم اس جان کو واپس جسم میں کیوں نہیں پلٹا لیتے جو حلق تک پہنچ چکی ہے۔ اگر تم پابند حکم نہیں ہو۔

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 208
2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ فاطر، 2
3۔ طبری، جلد 27، صفحہ 209
4۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 7
5۔ طبری، جلد 27، صفحہ 209

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یعنی محاسبین(1)۔

مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، ضحاک، سدی اور ابوحزرۃ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اسی طرح مروی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر و حسن بصری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے تصدیق نہیں کرتے کہ تم کو جزا دی جائے گی اور دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ چنانچہ اس نفس کو واپس لوٹا دو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے غیر موقنین تمہیں یقین نہیں۔ میمون بن مہران کا قول ہے: غیر معذبین مقھورین۔

فَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ ٱلْمُقَرَّبِينَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ ﴿٨٩﴾ وَأَمَّآ إِن كَانَ مِنْ أَصْحَـٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿٩٠﴾ فَسَلَـٰمٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَـٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿٩١﴾ وَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ ٱلْمُكَذِّبِينَ ٱلضَّآلِّينَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٩٣﴾ وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ ﴿٩٤﴾ إِنَّ هَـٰذَا لَهُوَ حَقُّ ٱلْيَقِينِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلْعَظِيمِ ﴿٩٦﴾

''پس وہ (مرنے والا) اگر اللہ کے مقرب بندوں سے ہوگا تو اس کے لئے راحت، خوشبودار غذائیں اور سرور والی جنت ہوگی اور اگر وہ اصحاب یمین (کے گروہ) سے ہوگا تو (اسے کہا جائے گا) تمہیں سلام ہو اصحاب یمین کی طرف سے۔ اور اگر (وہ مرنے والا) جھٹلانے والے گمراہوں سے ہوگا تو اس کی مہمانی کھولتے پانی سے ہوگی۔ اور داخل ہونا پڑے گا اسے بھڑکتے دوزخ میں۔ بے شک (جو بیان ہوا) یہ یقیناً حق ہے۔ پس (اے حبیب!) پاکی بیان کیجئے اپنے رب کے نام کی جو بڑی عظمت والا ہے''۔

یہ تینوں حالتیں وقت نزع کی ہیں۔ یا تو وہ مقربین سے ہوگا یا ان سے رتبہ میں کم اصحاب یمین سے یا حق کو جھٹلانے والے گمراہوں، اللہ کے امر سے جاہل لوگوں سے۔ اسی لئے فرمایا: فَأَمَّآ إِن كَانَ قریب الموت شخص۔

مِنَ ٱلْمُقَرَّبِينَ وہ لوگ جنہوں نے واجبات اور مستحبات ادا کئے اور محرمات، مکروہات اور بعض مباحات بھی ترک کر دیئے۔

فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ یعنی ان کے لئے روح بھی ہے ریحان بھی ہے۔ ملائکہ موت کے وقت انہیں خوشخبری دیتے ہیں۔ جس طرح کہ حدیث براء میں آیا ہے: ''رحمت کے فرشتے کہتے ہیں اے پاک روح تو پاک جسم میں قیام پذیر تھی۔ نکل چل راحت، خوشبودار غذاؤں اور ناراض نہ ہونے والے رب کی طرف(2)''۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ روح سے مراد راحت اور ریحان سے جائے آرام۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ روح سے مراد استراحت۔ ابوحزرۃ کا قول ہے کہ دنیا سے راحت سعید بن جبیر اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ روح سے مراد فرحت ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان سے مراد جنت اور فراخی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں روح رحمت ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے ریحان سے مراد رزق ہے۔ یہ سارے اقوال قریب المعنی صحیح ہیں۔ مقربین میں سے جو شخص فوت ہوتا ہے اسے رحمت، راحت، استراحت، فرحت و سرور اور عمدہ رزق سارے انعام حاصل ہوتے ہیں۔

وَجَنَّتُ نَعِيمٍ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب مقرب خدا کی روح قبض کی جاتی ہے ریحان جنت کی ایک ہری بھری شاخ آتی ہے اور اس کی روح اس میں قبض ہوتی ہے۔ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کوئی شخص نہیں مرتا یہاں تک کہ اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ

1۔ طبری، جلد 27 صفحہ 210 2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ ابراہیم: 27

وہ جنتی ہے یا دوزخی۔ نزع کے وقت کی احادیث کو سورہ ابراہیم میں ذکر کیا ہے دیکھئے آیت: یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (ابراہیم: 27)۔ اگر انہیں یہاں ذکر کیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔ ان میں سے ایک روایت حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالی ملک الموت سے فرماتا ہے فلاں کی طرف جاؤ اور اسے میرے پاس لے آؤ۔ میں نے اسے راحت وتنگی دونوں میں آزمایا ہے اور اسے محبت کرنے والا پایا ہے۔ اسے لاؤ تا کہ میں اسے راحت دوں۔ ملک الموت پانچ سو فرشتوں کی جماعت کے ساتھ نکلتے ہیں۔ ان کے ساتھ کفن، جنتی خوشبو، ریحان کے گچھے ہوتے ہیں گو ریحان ایک ہی ہوتا ہے لیکن سرے پر بیس قسموں کے رنگ ہوتے ہیں ہر رنگ کی جداگانہ مہک ہوتی ہے۔ ان کے پاس سفید ریشم ہوتا ہے جس میں کستوری ہوتی ہے۔ (آگے مفصل حدیث ذکر فرمائی ہے)۔

اس آیت سے متعلقہ احادیث بھی آئی ہیں:۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی قراءت راء کی پیش سے تھی(1)۔
ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالی نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے غریب قرار دیا ہے۔ یہ قراءت صرف یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے باقی قاریوں کی قراءت راء کے زبر سے ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا مرنے کے بعد ہم آپس میں ایک دوسرے سے ملیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "روح ایک پرندے کی طرح ہو جاتی ہے اور درختوں سے معلق رہتی ہے۔ یہاں تک کہ روز قیامت ہر روح اپنے جسم میں داخل ہو جائے گی(2)"۔

اس حدیث میں ہر مومن کے لئے بشارت ہے۔ معلق ہونے سے مراد ہے کہ وہ کھاتے رہتے ہیں۔ اس کی صحت کی شاہد مسند احمد کی دوسری روایت ہے جس کی اسناد بہت بہتر اور متن قوی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مومن کی روح پرندے کے قالب میں جنت کے درخت سے لٹکی رہتی ہے حتی کہ یوم البعث اللہ اسے اس کے جسم میں لوٹا دے گا(3)۔

صحیح روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں جنت کے باغوں میں کھاتی پیتی رہتی ہیں۔ پھر عرش سے لٹکی ہوئی قندیلوں میں آ بیٹھتی ہیں(4)" الحدیث۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء بن سائب سے روایت کیا ہے کہ میں نے پہلی مرتبہ عبدالرحمن بن ابی لیلی کو دیکھا۔ اس وقت آپ کی عمر بڑھاپے کی تھی اور سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ آپ ایک گدھے پر سوار جنازے میں جا رہے تھے اسی اثناء میں میں نے آپ کو یہ حدیث بیان فرماتے ہوئے سنا: "حضور ﷺ نے فرمایا: جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتا ہے اور جو خدا کو ملنے سے کراہت کرتا ہے اللہ بھی اسے ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔" صحابہ یہ سن کر رونے لگے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کیوں روتے ہو؟ صحابہ نے کہا حضور ﷺ ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں فرمایا: یہ مراد نہیں بلکہ مطلب سکرات موت کے وقت ہے اس وقت مقرب بارگاہ الہی کو تو راحت وانعام اور پر سکون جنت کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ جب اسے یہ بشارت دی جاتی ہے تو وہ اللہ کی ملاقات کو پسند کرنے لگتا ہے اور اللہ بھی اس کی ملاقات کے لئے مشتاق ہوتا ہے اور اگر یہ تکذیب کرنے والا گمراہ ہے تو گرم پانی کی مہمانی اور دوزخ میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ یہ بشارت سن کر وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الحروف، جلد 4 صفحہ 35۔ روضۃ الاحوذی، ابواب القراءات، جلد 11 صفحہ 58
2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 424-425
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 455
4۔ دیکھئے تفسیر سورۃ البقرۃ: 154، آل عمران 169

ہے اور اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی ایک شاہد بھی مروی ہے(2)۔

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ اگر قریب المرگ آدمی اصحاب یمین سے ہو تو فرشتے اسے سلام کہتے ہیں۔ یعنی یہ خوشخبری دیتے ہیں تم پر کوئی حرج نہیں تو سلامتی میں ہے تو اصحاب یمین سے ہے۔ قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اللہ کے عذاب سے سلامتی ہوتی ہے اور اللہ کے فرشتے اس پر سلام کرتے ہیں۔ جس طرح عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فرشتے اسے سلام کہتے ہیں اور آگاہ کرتے ہیں کہ وہ اصحاب یمین سے ہے۔ یہ معنی خوبصورت ہے جس طرح ایک اور آیت میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ (حم سجدہ:30)

بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے (فسلام لك) أی مسلم لك أنك من أصحاب اليمين۔ یعنی یہ مسلمہ امر ہے کہ تو اصحاب یمین سے ہے۔ اِنّ کو لغو کر دیا گیا اور اس کا معنی باقی رہا۔ جس طرح تو کہے: أنت مصدق مسافر عن قليل۔ جب اس نے یہ کہا ہو کہ (إني مسافر عن قليل)۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلام یہاں دعا کے معنی میں ہو۔ جیسے کوئی کہے سَقْياً لك من الرجال۔ اگر سلام کو رفع (پیش) دیں تو سلام دعا کے معنی میں ہوگا(3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اہل عرب سے یہی روایت کیا ہے اور اسی طرف ان کا میلان ہے(4)، واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ اگر مرنے والا حق کو جھٹلانے والا، راہ ہدایت سے برگشتہ ہو تو اس کی ضیافت گرم کھولتے پانی سے ہوگی۔ ان کے پیٹوں اور کھال میں جو کچھ ہے وہ اسے پگھلا دے گا۔

وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ اور آگ میں داخلہ جو اسے چاروں طرف سے گھیر لے گی پھر فرمایا۔

لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ یہ خبر حَقُّ الْيَقِيْنِ ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کسی کے لئے جائے مفر نہیں۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت اتری حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسے رکوع میں رکھو اور جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى نازل ہوئی تو فرمایا اسے سجدے میں رکھو(5)۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(6)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے ایک مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کہا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔ ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے(7)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں، میزان میں بوجھل ہیں، رحمٰن کو بہت پیارے ہیں۔ یعنی سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم(8)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بقایا جماعت نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

سورۂ واقعہ کی تفسیر ختم ہوئی ہے۔ وللہ الحمد والمنۃ

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 260-259، مسلم، کتاب الذکر، جلد 4، صفحہ 2065
2۔ ایضاً
3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ واقعہ، جلد 8، صفحہ 625
4۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 213
5۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 155، سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 230، ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوۃ، جلد 10، صفحہ 286
6۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13، صفحہ 15
7۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13، صفحہ 15
8۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انا نبیاء:47، عارضۃ الاحوذی، جلد 14، صفحہ 16، ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 1251

سورۂ حدید

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے قبل مسبحات پڑھا کرتے تھے (یہ وہ سورتیں ہیں جن کا آغاز سبّح یا یسبّح سے ہوتا ہے) اور فرمایا کرتے ان میں ایک آیت ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حدیث حسن غریب ہے(1)۔

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے خالد بن معدان سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ جس آیت کی فضیلت کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے غالباً وہ آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ سے عَلِیْمٌ تک ہے۔ اس کا تفصیلی بیان عنقریب آ رہا ہے۔ وبه الثقة وعليه التكلان وهو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

”اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہہ رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہی سب پر غالب، بڑا دانا ہے۔ اسی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن، اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ زمین و آسمان کے درمیان سارے حیوانات اور نباتات اسی کی تسبیح کے ترانے گا رہے ہیں۔ جس طرح ایک اور آیت میں ہے: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ ... حَلِيْمًا غَفُوْرًا (اسراء: 44)۔

وَ هُوَ الْعَزِيْزُ ہر چیز اس کے سامنے سرنگوں ہے۔

الْحَكِيْمُ اپنی تخلیق، امر اور شریعت میں۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وہ اپنی مخلوق میں تصرف کرنے والا ہے جسے چاہے زندہ کرتا ہے جسے چاہے مارتا ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔

وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ جو چاہے ہو جاتا ہے جو نہ چاہے نہیں ہوتا۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ اس آیت کی طرف مذکورہ بالا حدیث عرباض بن ساریہ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ آیت ہزار آیتوں سے افضل

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 128۔ سنن ابی داود، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 313، مارسۃ الاحوانی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 42-41۔ نسائی، سنن کبری، کتاب فضائل القرآن اور الیوم واللیلۃ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7، صفحہ 288

ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوزمیل سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: میں اپنے سینے میں کوئی کھٹکا پاتا ہوں۔ آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ میں نے کہا میں اسے زبان پر نہیں لاؤں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا شاید کچھ شک ہوگا اور ہنس کر فرمایا: اس سے کوئی نہیں بچا حتیٰ کہ قرآن میں ہے: فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ ... مِنْ قَبْلِكَ (یونس: 94)۔ پھر فرمایا اگر تیرے دل میں کوئی شک ہو تو اس آیت کو پڑھ لیا کر۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ ... (1)۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین سے تقریباً انیس اقوال مروی ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے یحییٰ کا قول ہے ظاہر و باطن سے مراد از روئے علم کے ہر چیز پر پوشیدہ اور ظاہر ہونا ہے (2)۔ ہمارے شیخ حزی کا کہنا ہے کہ یہ یحییٰ ابن زیاد فراء ہیں۔ ان کی کتاب معانی القرآن ہے۔ اس مضمون کی احادیث بھی آئی ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اللهم رب السموات السبع ورب العرش العظيم، ربنا ورب كل شيء، منزل التوراة والانجيل والفرقان، فالق الحب والنوى، لا إله إلا أنت، أعوذ بك من شر كل شيء أنت آخذ بناصيته، أنت الأول فليس قبلك شيء وأنت الآخر فليس بعدك شيء، وأنت الظاهر فليس فوقك شيء، وأنت الباطن ليس دونك شيء، اقض عنا الدين، واغننا من الفقر (3)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ ابوصالح اپنے متعلقین کو حکم فرماتے کہ سوتے وقت داہنی کروٹ پر لیٹ کر یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ اس کے الفاظ میں تھوڑا بہت اختلاف ہے (4)۔ مسند ابویعلیٰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کے حکم سے آپ کا بستر قبلہ رخ بچھایا جاتا۔ آپ آکر اپنے داہنے ہاتھ پر تکیہ لگا کر آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے رہتے۔ پھر آخر رات میں زور سے یہ دعا پڑھتے جو اوپر بیان ہوئی (5)۔ اس روایت میں سری بن اسماعیل ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ سمیت تشریف فرما تھے کہ ایک بادل سر پر آگیا۔ آپ نے فرمایا: جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے عنان کہتے ہیں یہ زمین کو سیراب کرنے والے ہیں۔ یہ ان لوگوں پر بھی برسائے جاتے ہیں جو نہ شکر گزار ہوں اور نہ خدا کو پکارنے والے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا تمہارے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: رقیع (آسمان دنیا) محفوظ چھت اور لپٹی ہوئی موج۔ پھر فرمایا جانتے ہو تمہارے اور اس کے مابین کتنا فاصلہ ہے۔ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا: تمہارے اور اس کے مابین پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ پھر فرمایا جانتے ہو اس سے اوپر کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے اوپر آسمان ہے۔ ان دونوں کے مابین پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ حتیٰ کہ اسی طرح ساتوں آسمان گنوائے اور ہر دو کے مابین اتنی ہی دوری بیان فرمائی۔ پھر فرمایا جانتے ہو اس سے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والا ہے۔ فرمایا: اس سے اوپر عرش ہے اس کے اور آسمان کے مابین بھی اتنا فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان ہے۔ پھر فرمایا جانتے ہو تمہارے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا یہ زمین ہے۔ پھر فرمایا جانتے ہو اس

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 329

2۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 361، ابن زیاد، معانی القرآن جلد 3 صفحہ 132، بخاری، تفسیر ... جلد 8 صفحہ 627 (یعنی بخاری نے یحییٰ کا نام ذکر نہیں کیا)

3۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 404، مسلم، کتاب ... جلد 4 صفحہ 2084

4۔ ایضاً

5۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 4 صفحہ 390-391

کے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا: اس کے نیچے ایک اور زمین ہے ان دونوں کے مابین پانچ سو سال کا فاصلہ ہے حتیٰ کہ ساتوں زمینیں گنوائیں ہر دو کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ پھر فرمایا: "مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر تم کوئی رسی سب سے نیچے والی زمین کی طرف لٹکاؤ تو وہ بھی اللہ کے پاس پہنچے گی۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ ۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند سے روایت کو غریب قرار دیا ہے۔ اس کے راوی حسن کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ بعض اہل علم نے اس حدیث کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد رسی کا اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت اور غلبے تک پہنچنا ہے (نہ کہ ذات باری تک) اور اللہ کا علم، قدرت اور نفوذ ہر جگہ ہے اور وہ عرش پر ہے جس طرح کہ اس نے اپنا وصف اپنی کتاب میں خود بیان فرمایا ہے (1)۔ انتہی کلامہ۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے اس میں دو دو زمینوں کے درمیان فاصلہ سات سو سال بیان ہوا ہے (2)۔ ابن ابی حاتم اور بزار رحمہما اللہ تعالیٰ میں بھی یہ حدیث ہے لیکن ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ میں رسی لٹکانے کا جملہ نہیں اور ہر دو زمینوں کے مابین دوری بھی پانچ سو سال مذکور ہے۔ امام بزار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو نبی کریم ﷺ سے روایت کرنے والا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ میں یہ حدیث مرسلاً مروی ہے یعنی قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے یوں ذکر کیا گیا ہے پھر آگے وہی حدیث بیان کرتے ہیں جو ترمذی میں موجود ہے۔ ممکن ہے یہ حدیث مرسل بلکہ محفوظ ہو۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "الاسماء والصفات" (3) میں یہ حدیث نقل کی ہے لیکن اس کی اسناد میں نظر اور متن میں غرابت ونکارت ہے واللہ اعلم۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے (ومن الارض مثلهن) کی تفسیر میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ "آسمان وزمین کے درمیان چار فرشتوں کی ملاقات ہوئی انہوں نے ایک دوسرے سے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ ایک نے کہا میرے رب نے مجھے ساتویں آسمان سے بھیجا ہے۔ میں نے اسے وہاں چھوڑا ہے۔ دوسرے نے کہا میرے رب نے مجھے ساتویں زمین سے بھیجا ہے میں نے اسے وہاں چھوڑا ہے۔ تیسرے نے کہا میرے رب نے مجھے مشرق سے بھیجا ہے میں نے اسے وہاں چھوڑا ہے۔ آخری کہنے لگا میرے رب نے مجھے مغرب سے بھیجا ہے میں نے اسے وہاں چھوڑا ہے (4)"۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور پہلی روایت جو اوپر بیان ہوئی ممکن ہے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ پر موقوف ہو۔ جس طرح یہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا قول ہے واللہ اعلم۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۞ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۞ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَ هُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞

"وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تخت حکومت پر۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ حدید، جلد 12 صفحہ 184-182
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 370
3۔ الاسماء والصفات، جلد 2 صفحہ 145-144
4۔ تفسیر طبری، سورۃ طلاق، جلد 8 صفحہ 154

داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس کی طرف عروج کرتا ہے، اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں تم ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو (اسے) خوب دیکھنے والا ہے۔ اسی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جائیں گے۔ داخل فرماتا ہے رات (کا کچھ حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کا کچھ حصہ) رات میں۔ اور وہ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے"۔

اللہ تعالیٰ زمین وآسمان اور ان کے مابین جو کچھ ہے اس کی تخلیق چھ دنوں میں مکمل کرنے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں۔ اس آیت اور اس طرح کی دیگر آیات پر بحث سورۂ اعراف میں بیان ہو چکی ہے(1) اس کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔

قولہ تعالیٰ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ اسے علم ہے کہ اس میں بارش کی کتنی بوندیں گئیں۔

وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا اور اس سے جو نباتات، کھیتی اور پھل نکلتے ہیں۔ جس طرح ایک اور آیت میں ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ ..... فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (انعام:59)۔

قولہ تعالیٰ وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ یعنی بارشیں، برف، سردی تقدیر اور احکام جو ملائکہ کرام کے ذریعے نازل ہوتے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آسمان سے کوئی قطرہ نہیں گرتا مگر اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اسے خدا کی مقرر کردہ جگہ اتارتا ہے۔

قولہ تعالیٰ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا یعنی ملائکہ اور اعمال جس طرح کہ صحیح حدیث میں ہے: رات کا عمل دن سے قبل اور دن کے اعمال رات سے قبل اس کی جناب میں پیش کر دیئے جاتے ہیں(2)۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تمہیں تاڑ رہا ہے تمہارے اعمال کا گواہ ہے جہاں کہیں تم ہو اور جس حال میں خشکی پر سمندر میں، رات میں ہو یا دن میں۔ گھر میں ہو یا صحراء میں۔ اس کے علم میں سب برابر اور اس کی آنکھوں اور کانوں کے پاس ہیں۔ وہ تمہاری گفتگو سنتا، تمہارے مکان سے آگاہ اور تمہاری سرگوشی اور ظاہر کو وہ سنتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (ہود:5) اور فرمایا: سَوَاۗءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ (رعد:10)۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، کوئی پروردگار نہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے جبریل سے جب انہوں نے احسان کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: "تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے دیکھ نہیں رہا تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے(3)۔ حافظ ابوبکر اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے آکر حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی: مجھے کوئی ایسی حکیمانہ بات بتایئے کہ مجھے زندگی بھر کام دے تو آپ نے فرمایا: اللہ سے اسی طرح حیا کر جس طرح تو اپنے قبیلے کے نیک لوگوں میں سے کسی آدمی سے حیا کرتا ہے جو تجھ سے جدا نہ ہوتا ہو"۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن معاویہ غاضری سے مرفوعاً روایت کیا ہے جس نے تین کام کر لئے اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ اللہ وحدہٗ لا شریک کی عبادت کی۔ ہر سال راضی وخوشی اپنے مال کی زکوٰۃ دی اور بوڑھا، خارش زدہ، دبلا پتلا اور بیمار جانور نہ دیا بلکہ درمیانے درجے کا مال دیا اور اپنا تزکیہ کیا۔ ایک شخص نے عرض کی حضور، اپنے نفس کو پاک کرنے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: اسے یہ یقین ہو کہ اللہ ہر جگہ اس

1۔ تفسیر سورۂ اعراف آیت:54 2۔ یہ حدیث سورۂ بقرہ کی آیت:255 اور سورۂ نحل کی آیت:8 میں گزر چکی ہے۔

3۔ بخاری، کتاب الایمان، فتح الباری، جلد 1 صفحہ 114؛ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 38

کے ساتھ ہے۔

نعیم بن حماد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "افضل ترین ایمان یہ ہے کہ تمہارا یہ عقیدہ ہو کہ خدا تعالیٰ ہر جگہ میرے ساتھ ہے"۔ یہ حدیث غریب ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ دو اشعار بکثرت پڑھا کرتے تھے:

إِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ خَلَوْتُ، وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيْبُ
وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفُلُ سَاعَةً وَلَا أَنَّ مَا يَخْفٰى عَلَيْهِ يَغِيْبُ

جب تو بالکل تنہا ہو تو بھی یہ نہ کہہ کہ میں خلوت میں ہوں بلکہ کہہ مجھ پر ایک نگہبان ہے اور اللہ تعالیٰ کو کسی لمحے بے خبر نہ سمجھ اور مخفی کام کو بھی اس پر مخفی مت تصور کر۔

قولہ تعالیٰ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وہ دنیا و آخرت کا مالک ہے جس طرح ایک آیت میں آتا ہے: وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى (الیل:13)۔ اور فرمایا: وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ (القصص:69) اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ (سبا:1)۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی ملکیت ہے۔ ان کے مابین مخلوق اس کے بندے اور غلام ہیں اور اسی کے سامنے دست بستہ ہیں جیسے ایک اور آیت میں فرمایا: اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ... فَرْدًا (مریم:93-95)۔

قال وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ وہ جس طرح چاہے اپنی مخلوق میں فیصلے فرمائے گا۔ وہ عادل ہے ذرہ برابر بھی ظلم و جور نہیں کرتا بلکہ اگر کسی کے عمل میں ایک نیکی ہو تو اسے دس گنا تک بڑھا دیتا ہے۔ وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا (نساء:40)۔ اور فرمایا: وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْـًٔا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِیْنَ (الانبیاء:47)۔

قولہ تعالیٰ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وہ مخلوق میں تصرف کرنے والا ہے رات دن کو پلٹتا ہے اور اپنی حکمت کے مطابق انہیں مقرر کرتا ہے کبھی رات طویل ہو جاتی ہے اور دن مختصر ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس۔ کبھی دونوں کو معتدل رکھتا ہے کبھی موسم سرما ہوتا ہے پھر بہار پھر گرما پھر خزاں۔ یہ سب اس کی حکمت اور بندوں کی مصلحت کے لحاظ سے ہیں۔

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ وہ دلوں کی چھوٹی سے چھوٹی اور پوشیدہ باتوں سے بھی آگاہ ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ۝ وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ قَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ

الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝

''ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو (اس کی راہ میں) ان مالوں سے جن میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے۔ پس جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور (راہِ خدا میں) خرچ کرتے رہے ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ (اس کا) رسول دعوت دے رہا ہے تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ بھی لے چکا ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ وہی ہے جو نازل فرما رہا ہے اپنے (محبوب) بندہ پر روشن آیتیں تاکہ تمہیں نکال لے (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کے) نور کی طرف۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی شفقت فرمانے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خرچ نہیں کرتے (اپنے مال) راہِ خدا میں حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا وارث ہے۔ تم میں سے کوئی برابری نہیں کر سکتا ان کی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (راہِ خدا میں) مال خرچ کیا اور جنگ کی۔ ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جنگ کی (ویسے تو) سب کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے بخوبی خبردار ہے۔ کون ہے جو (اپنا مال) اللہ تعالیٰ کو (بطور) قرض حسنہ دے اور اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھا دے اس کے مال کو اس کے لئے (اس کے علاوہ) اسے شاندار اجر بھی ملے گا''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اور اپنے رسولوں پر اکمل طریقے سے ایمان لانے اور اس پر دوام اور ثابت قدمی اختیار کرنے، ہمیشہ قائم رہنے اور اپنی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دلا رہا ہے کہ تمہارے پاس جو کچھ ہے یہ عارضی ہے۔ تم سے پہلے یہ سابقہ لوگوں کے ہاتھ میں تھا۔ پھر تمہارے پاس آ گیا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جس مال میں تمہیں اس نے اپنا نائب بنایا ہے اسے اس کی اطاعت میں خرچ کرو۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو وہ ان کا محاسبہ کرے گا اور ترک واجب پر انہیں عقاب (سزا) دے گا۔

قولہ تعالیٰ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ اس میں اشارہ ہے کہ عنقریب یہ مال تیرا ورثہ ہوگا۔ ممکن ہے تیرا وارث اللہ کا مطیع ہو۔ اس طرح وہ اس مال کو خرچ کر کے سعادت مند بن جائے یا اللہ کا نافرمان ہو اور تو گناہ اور عدوان میں اس کا مددگار رہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ فرما رہے تھے اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ تمہیں مال کی کثرت نے غافل کر دیا ہے۔ انسان کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ اے انسان! تیرے مال میں تیرا کچھ حصہ نہیں بجز اس کے جو تم نے کھا لیا اور ختم کر دیا، یا پہن لیا اور اسے پرانا کر دیا، یا صدقہ کیا اور راہِ آخرت کے لئے بطور زادِ راہ بھیج دیا۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ جانے والا ہے اور تو لوگوں کے لئے چھوڑنے والا ہے (1)۔

قولہ تعالیٰ لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ایمان اور اطاعت کے کاموں میں خرچ کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

قال تعالیٰ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ تمہیں ایمان سے کون سی چیز روک رہی ہے حالانکہ اللہ کے رسول تمہارے سامنے موجود ہیں۔

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 34، مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2273

تمہیں اس کی دعوت دے رہے ہیں اوران کی دعوت حقہ پر دلائل وبراہین بھی موجود ہیں۔ ہم نے صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی شرح کے اوائل میں یہ حدیث متعدد طرق سے ذکر کی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہ سے فرمایا: ”سب سے اچھے ایمان والے تمہارے نزدیک کون ہیں؟“ صحابہ نے عرض کی فرشتے۔ فرمایا: وہ تو اللہ کے پاس ہی ہیں پھر ایمان کیوں نہ لاتے؟ عرض کیا پھر انبیاء۔ فرمایا: وہ کیسے ایمان نہ لائیں جبکہ ان پر وحی اترتی ہے۔ عرض کیا پھر ہم۔ فرمایا: تم ایمان کیوں نہ لاؤ جبکہ میں تم میں زندہ موجود ہوں۔ لیکن سب سے بہترین ایمان ان لوگوں کا ہوگا جو تمہارے بعد آئیں گے۔ صحیفوں میں لکھا دیکھیں گے اور ایمان قبول کریں گے۔ اس حدیث کا ایک حصہ ہم نے سورۂ بقرہ کے شروع میں یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے تحت نقل کیا ہے(1)۔

قولہ تعالیٰ وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَكُمْ جس طرح ایک اور آیت میں ہے: (وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ (بقرہ:231)۔ مراد بیعت رسول ﷺ ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ اس سے مراد میثاق ہے جو اس وقت لیا گیا جب وہ صلب آدم میں تھے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہی ہے(2)۔ واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ یعنی حجج واضحہ، دلائل باہرہ اور براہین قاطعہ۔

لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ جہل، کفر اور متضاد آراء کی تاریکیوں سے نور ہدایت اور ایقان وایمان کی طرف۔

لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ یعنی کتب اتارنے اور رسول بھیجنے میں لوگوں کی ہدایت اور شکوک وشبہات دور کرنے کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انہیں ایمان لانے اور خرچ کرنے کا حکم دیا پھر انہیں ایمان کی رغبت دلائی اور یہ واضح کر دیا کہ اب ایمان نہ لانے کا کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ پھر صدقہ وخیرات کی رغبت دلائی۔ اور فرمایا: وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یعنی خرچ کرو اور فقر اور کمی سے نہ ڈرو۔ جس کی راہ میں تم خرچ کر رہے ہو وہ زمین اور آسمانوں کا مالک ہے اس کے ہاتھ میں ان کی کنجیاں اور خزانے ہیں۔ وہ عرش کا مالک ہے۔ وہی کہتا ہے: وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (سبا:39)۔ اور فرمایا: مَا عِنْدَكُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (النحل:96)۔ جس کا اللہ پر بھروسہ ہے وہ خرچ کرے اور صاحب عرش سے کمی کا خدشہ نہ کرے اور یہ یقین رکھے کہ اسے اللہ اس خرچ شدہ مال کا نعم البدل عطا فرمائے گا۔

قولہ تعالیٰ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ ۔ یہ لوگ اور جنہوں نے کچھ خرچ نہیں کیا برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ فتح مکہ سے قبل حالات بہت سخت تھے اس وقت صرف صدیقین ہی ایمان لاتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد تو اسلام کو واضح غلبہ نصیب ہوا اور لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اسی لئے فرمایا: اُولٰٓىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ ۔ جمہور علماء کی یہ رائے ہے کہ فتح سے مراد یہاں فتح مکہ ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے مروی ہے کہ فتح سے مراد یہاں صلح حدیبیہ ہے۔ اس کی تائید مسند احمد کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خالد بن ولید اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کے درمیان کچھ اختلاف ہو گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے کہا تم اس بات پر اترا رہے ہو کہ ہم سے چند روز پہلے ایمان لائے۔ یہ بات جب حضور ﷺ نے سنی تو فرمایا: ”میرے صحابہ کو میرے لئے چھوڑ دو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر تم احد کے برابر سونا خرچ کر دیا فرمایا پہاڑوں کے برابر تو بھی ان کے اعمال کو نہیں پہنچ سکتے(3)“۔ اور یہ بات معروف ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا اسلام صلح

1۔ یہ حدیث سورۂ بقرہ کی آیت 3 میں گزر چکی ہے۔ حسن بن عرفہ، 2، 52-51

2۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 218

3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 266

حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان تھا۔ اور یہ اختلاف بنو جذیمہ کے بارے میں ہوا تھا۔ فتح مکہ کے بعد حضور ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ان کی طرف لشکر بھیجا تھا۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے پکارنا شروع کیا ہم صابی ہو گئے ہیں اور اسلمنا (ہم اسلام لائے) نہ کہہ سکے۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا اور ان کے قیدیوں کو بھی قتل کرا دیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف اور ابن عمر رضی اللہ عنہم نے ان کی مخالفت کی۔ چنانچہ اسی بناء پر حضرت خالد اور عبدالرحمن رضی اللہ عنہم کے درمیان جھگڑا ہوا(1)۔

صحیح میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر کوئی تم میں سے احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو بھی ان کے ایک مد بلکہ اس کے نصف کے برابر بھی نہیں پہنچے گا(2)"۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے سال ہم حضور ﷺ کے ساتھ نکلے۔ جب مقام عسفان پر پہنچے تو حضور ﷺ نے فرمایا: "قریب ہے کہ ایسے لوگ بھی تمہارے پاس آئیں جن کے مقابلہ میں تم اپنے اعمال کو حقیر تصور کرنے لگو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ کون لوگ ہیں؟ کیا قریش ہیں؟ فرمایا: "نہیں بلکہ اہل یمن، نہایت نرم دل سادہ مزاج"۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا وہ ہم سے بہتر ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ان میں سے کسی کے پاس پہاڑ برابر سونا ہو اور اسے خرچ کر دے تو تم میں سے کسی کے مد یا اس کے نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یاد رکھو ہمارے اور دوسرے لوگوں کے درمیان فرق یہی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ ... خَبِيْرٌ(3)۔ یہ حدیث ان الفاظ سے غریب ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں خوارج کے بیان میں ہے: "تم اپنی نمازیں ان کے مقابلہ میں اپنے روزے ان کے روزوں کے مقابلہ میں حقیر تصور کرو گے۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے(4) الحدیث"۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ایک اور سند سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ ایک ایسی قوم آئے جن کے اعمال کے مقابلہ میں تم اپنے اعمال کو حقیر تصور کرنے لگو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ کون لوگ ہیں؟ کیا قریش ہیں؟ فرمایا نہیں نرم دلوں والے اہل یمن اور اپنے ہاتھ سے یمن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یاد رکھو وہ اہل یمن ہیں۔ ایمان تو یمن والوں کا ایمان ہے اور حکمت یمن والوں کی حکمت ہے۔ ہم نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا وہ لوگ ہم سے بہتر ہیں؟ فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ان میں سے کسی کے پاس سونے کا پہاڑ ہو اور اسے خرچ کرے تو تم میں سے کسی کے مد یا اس کے نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ پھر آپ نے مٹھی بند کی اور چھنگلیا کو دراز کر کے فرمایا: یہ ہمارے اور تمہارے درمیان فرق ہے۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی: لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ خَبِيْرٌ(5)۔ اس حدیث میں حدیبیہ کا ذکر نہیں ہے۔ اگر یہ محفوظ ہو جس طرح پہلے بیان ہوا تو یہ احتمال ہے کہ یہ آیت فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی ہو اور بعد میں پیش آنے والے حالات کی خبر دی جا رہی ہو۔ جس طرح سورۂ مزمل جو کہ مکی ہے۔ اس میں ہے: وَآخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اس آیت میں مستقبل کی بشارت دی جا رہی ہے۔ اسی طرح یہ آیت ہے واللہ اعلم۔

1۔ بخاری، کتاب الاحکام، فتح الباری، جلد 13، صفحہ 181، تحفۃ الاشراف، جلد 5، صفحہ 394
2۔ فتح الباری، جلد 7، صفحہ 21
3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 221
4۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 733-734، تحفۃ الاشراف، جلد 3، صفحہ 394-410
5۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 221

قولہ تعالیٰ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى یعنی فتح مکہ سے قبل بھی اور اس کے بعد بھی جن لوگوں نے خرچ کیا انہیں ان کے نیک اعمال کا ثواب ملے گا۔ اگرچہ جزا میں فرق ہوگا۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَي الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰي ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَي الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء:95)۔ حدیث صحیح میں ہے: ''قوی مومن اللہ کے نزدیک ضعیف مومن سے افضل اور پسندیدہ ہے اور دونوں میں بھلائی ہے(1)''۔

اس بات کی طرف اس لئے اشارہ فرمایا کہ پہلے کی مدح کرنے سے دوسری جانب بالکل نظر انداز نہ ہو جائے مبادا اس کی مذمت کا پہلو نکل آئے اسی لئے دوسرے کی مدح پر عطف فرمایا اور پہلے فریق کی فضیلت بھی بیان فرمادی۔

قال اللہ تعالیٰ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ اس کے علم میں ہیں فریقین کے اعمال اور جزا میں تفاوت۔ ایسا نہیں ہے مگر پہلے فریق کے قصد اور اخلاص تام کا علم ہونے اور تنگی، قلت اور سختی میں خرچ کرنے کا اسے اچھی طرح علم ہونے کی وجہ سے۔ حدیث شریف میں ہے: ''ایک درہم ایک لاکھ سے بڑھ جاتا ہے(2)''۔ اہل ایمان کو اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس آیت سے حظ وافر نصیب ہے۔ اس لئے کہ تمام انبیاء کی امتوں میں سے خرچ کرنے والوں کے وہ سردار ہیں۔ انہوں نے اپنے گھر کا تمام اثاثہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نچھاور کر دیا تھا۔ جس کا بدلہ بجز خدا کسی اور سے مطلوب نہ تھا۔ ابو محمد حسین بن مسعود بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ صرف ایک عبا آپ کے جسم پر تھی۔ گریبان میں کانٹے گاڑے ہوئے تھے۔ جبریل اترے اور پوچھا کیا بات ہے کہ ابوبکر نے فقط ایک عبا پہن رکھی ہے اور بٹن کی جگہ کانٹا لگا رکھا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا انہوں نے اپنا کل مال میری مرضی میں فتح سے قبل ہی اللہ کیلئے وقف کر دیا ہے۔ جبریل نے فرمایا: ان سے کہو کہ خدا انہیں سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ اس فقیری میں تم مجھ سے راضی ہو یا ناراض؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! اللہ تمہیں سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کیا تم اس حال میں مجھ سے راضی ہو یا خفا؟ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں اپنے رب سے ناراض ہو سکتا ہوں؟ میں اپنے رب سے راضی ہوں(3)۔ یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد انفاق فی سبیل اللہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ ایک قول ہے کہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا۔ صحیح یہ ہے کہ اپنے عموم کے لحاظ سے یہ آیت دونوں کو شامل ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ کی راہ میں خالص نیت اور عزم صادق سے خرچ کرے اس آیت کے عموم میں داخل ہے۔ اسی لئے فرمایا: فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ ایک اور آیت میں ہے: اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَلَهٗ اَجْرٌ كَرِيْمٌ۔ یعنی قیامت کے دن خوبصورت جزا اور وسیع رزق۔ یہ جنت ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابو دحداح انصاری نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! کیا اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے؟'' فرمایا: ''ہاں اے ابو دحداح'' انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اپنا ہاتھ دکھایئے۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ابو دحداح نے عرض کی میں نے اپنا یہ باغ اللہ کو قرض دیا۔

1۔ مسلم، کتاب القدر، جلد 4، صفحہ 2052۔ ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 31 2۔ نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 5، صفحہ 8 3۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 295

اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے۔ ام دحداح اور ان کے بچے اس باغ میں رہائش پذیر تھے۔ ابو دحداح آئے اور باہر سے انہیں ندا دی۔ اے ام دحداح! باہر نکل آؤ میں نے اپنا یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے (1)۔ ایک روایت میں ہے کہ ام دحداح نے کہا تمہارا سودا بڑا منافع والا ہے اور اپنے سامان اور بچوں کو وہاں سے منتقل کر لیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابو دحداح کے لئے جنت میں کھجوروں کے بڑے بڑے باغات ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے: "کھجور کے کتنے ہی درخت ہیں جن کی شاخیں یاقوت اور موتی کی ہیں۔ یہ سب جنت میں ابو دحداح کے ہیں۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِينَ اٰمَنُوا انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ ۚ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا ۚ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ ۚ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۚ قَالُوا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتّٰى جَاءَ أَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُورُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ مَأْوٰىكُمُ النَّارُ ۖ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۵﴾

"جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ ضوفشانی کر رہا ہوگا ان کا نور ان کے آگے بھی اور ان کی دائیں جانب بھی۔ (مومنو!) تمہیں مژدہ ہو آج ان باغوں کا بہہ رہی ہیں جن کے نیچے نہریں تم ہمیشہ وہاں رہو گے۔ یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے۔ اس روز کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے (اے نیک بختو!) ذرا ہمارا بھی انتظار کرو ہم بھی روشنی حاصل کر لیں تمہارے نور سے۔ (انہیں) کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور (وہاں) نور تلاش کرو۔ پس کھڑی کر دی جائے گی ان کے اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا۔ اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہوگا۔ منافق پکاریں گے اہل ایمان کو کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ کہیں گے بیشک! لیکن تم نے اپنے آپ کو خود فتنوں میں ڈال دیا اور (ہماری تباہی کا) انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور دھوکہ میں ڈال دیا تمہیں جھوٹی امیدوں نے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان آ پہنچا اور دھوکہ دیا تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان (دغاباز) نے۔ پس آج نہ تم سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کفار سے۔ تم (سب کا) ٹھکانا آتش (جہنم) ہے۔ وہ تمہاری رفیق ہے۔ اور بہت بری جگہ ہے لوٹنے کی"۔

صدقہ و خیرات دینے والے مومنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ قیامت کے میدانوں میں ان کے اعمال کے مطابق ان کے سامنے نور ہوگا جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے: یہ نور ان کے اعمال کے مطابق ہوگا۔ جب

1۔ جزء حسن بن عرفة:92

وہ پل صراط سے گزریں گے تو بعض کا نور پہاڑ کے برابر، بعض کا کھجور کے درخت کے برابر، بعض کا کھڑے آدمی کے قد کے برابر۔ سب سے کم نور ایک مومن کا ہوگا جس کے انگوٹھے میں نور ہوگا جو کبھی چمکے گا اور کبھی بجھ جائے گا۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے مومنین میں سے بعض کا نور مدینہ سے عدن ابین اور صنعاء تک ہوگا۔ اسی طرح درجہ بدرجہ حتیٰ کہ مومنین میں سے کسی کا نور پاؤں کی جگہ ہوگا۔ سفیان ثوری نے جنادہ بن ابی امیہ سے روایت کیا ہے: لوگو! اللہ کے ہاں تمہارے اسماء بمعہ خاص نشانیوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح تمہارا ظاہر بھی اور باطن بھی۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اسے کہا جائے گا۔ اے فلاں یہ تیرا نور ہے۔ اے فلاں تیرا کوئی نور نہیں۔ اور اس آیت کی تلاوت فرمائی: یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، روز قیامت ہر ایک کو نور دیا جائے گا۔ جب پل صراط سے گزر جائیں گے تو منافقوں کا نور بجھ جائے گا۔ مومنین یہ صورتحال دیکھ کر گھبرا جائیں گے اور عرض کریں گے ہمارے نور کو مکمل فرما۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدے کی اجازت دی جائے گی۔ اسی طرح سب سے پہلے مجھے ہی سجدے سے سر اٹھانے کا حکم ہوگا۔ میں اپنے سامنے، پیچھے اور دائیں بائیں دیکھوں گا اور اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے جبکہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی امت تک کی تمام امتیں اس میدان میں اکٹھی ہوں گی۔ فرمایا میں انہیں چمکتے اعضاء کے سبب پہچان لوں گا۔ یہ وصف کسی اور امت میں نہ ہوگا۔ میں انہیں ان کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال کے سبب پہچانوں گا۔ ان کے چمکتے چہروں کے ساتھ پہچانوں گا اور ان کے آگے چلتے نور کے ساتھ انہیں پہچانوں گا۔

قولہ وَبِاَيْمَانِهِمْ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ان کے دائیں ہاتھ میں ان کے اعمال نامے ہوں گے۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: فمن اوتی کتابہ بیمینہ(2)۔

قولہ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ انہیں کہا جائے گا آج تمہیں جنت کی خوشخبری ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ای ماکثین فیھا ابدا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ اللہ تعالیٰ احوال قیامت کی خبر دے رہے ہیں کہ میدان حشر میں ہولناک، کپکپا دینے والے واقعات پیش آئیں گے۔ اور اس دن نجات نہیں پا سکے گا مگر وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ اور اللہ کے امر پر عمل کیا اور نہی سے باز رہا۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سلیم بن عامر سے روایت کیا ہے کہ ہمارا گزر باب دمشق کے پاس ایک جنازے سے ہوا۔ ہمارے ساتھ ابوامامہ باہلی تھے۔ جب نماز جنازہ پڑھی گئی اور اسے دفن کرنے لگے تو ابوامامہ نے فرمایا اے لوگو! تم دنیا کی اس منزل میں صبح و شام گزار رہے ہو۔ تم اس میں نیکیاں اور برائیاں کرتے ہو۔ قریب ہے کہ تم یہاں سے ایک اور منزل کی طرف جاؤ اور وہ یہ ہے۔ پھر قبر کی طرف اشارہ فرمایا: یہ تنہائی، تاریکی اور تنگی والا مکان ہے مگر جس کے لئے اللہ تعالیٰ وسعت عطا فرمائے۔ پھر تم یہاں سے منتقل ہو کر میدان حشر میں مختلف مقامات پر وارد ہوگے۔ کہیں ایک جگہ بہت سے لوگوں کے چہرے سفید ہو جائیں گے اور بہت سے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔ پھر تم

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 223

2۔ طبری، جلد 27، صفحہ 223

ایک ایسی جگہ جاؤ گے جہاں اندھیرا ہوگا۔ پھر نور تقسیم ہوگا۔ مومن کو نور عطا ہوگا اور کافر اور منافق کو چھوڑ دیا جائے گا۔ انہیں کچھ نہیں ملے گا۔

اسی چیز کی مثال اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ..... فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (النور: 40)۔ مومن کے نور سے کافر اور منافق کے لئے روشنی نہیں ہوگی۔ جس طرح نابینے کو بینا شخص کی بصارت کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ منافقین اور منافقات مومنین سے کہیں گے ہمیں بھی اپنے نور سے کچھ حصہ دو۔

قِیْلَ ارْجِعُوْا ۔ یہ منافقین کے ساتھ خدا کی خفیہ تدبیر ہے۔ جیسے فرمایا: یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ (نساء: 142)۔ وہ اس جگہ جائیں گے جہاں نور تقسیم ہورہا ہوگا۔ وہ وہاں کچھ نہ پائیں گے اور واپس پلٹیں گے تو مومنوں اور ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی۔ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ..... سلیم بن عامر کا قول ہے پس منافق دھوکے میں پڑا رہے گا حتیٰ کہ نور تقسیم ہوگا اور مومن اور منافق میں تمیز ہوجائے گی۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تاریکی بھیجے گا۔ مومن ہویا کافر اپنی ہتھیلی نہیں دیکھ سکے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی طرف ان کے اعمال کے برابر نور بھیجے گا۔ منافقین ان کے پیچھے جائیں گے۔ اور کہیں گے اُنْظُرُوْنَا۔ عوفی، ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ لوگ تاریکی میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نور بھیجے گا۔ مومنین نور دیکھ کر اس طرف متوجہ ہوں گے۔ یہ نور اللہ کی طرف سے جنت کی دلیل ہوگا۔ منافقین مومنین کو جاتا دیکھ کر ان کے پیچھے جائیں گے تو اللہ منافقین کے لئے تاریکی پھیلا دے گا اس وقت منافق کہیں گے: ہم دنیا میں تمہارے ساتھ تھے۔ مومن کہیں گے ہو جاؤ جہاں سے تم واپس آئے ہو وہیں نور تلاش کرو (1)۔ ابوالقاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اسماء سے بلائے گا اپنے بندوں کی پردہ پوشی کی خاطر۔ پل صراط کے پاس بلاتخصیص ہر مومن اور منافق کو نور ارزاں ہوگا۔ جب پل صراط سے گزر جائیں گے تو منافقین کا نور ضبط کرلیا جائے گا۔ منافقین مومنین سے درخواست کریں گے کہ ہمیں بھی اپنے نور سے حصہ دو۔ مومن کہیں گے اے رب ہمارے نور کو مکمل فرما۔ اس وقت کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا (2)۔

بِسُوْرٍ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ جنت اور دوزخ کے مابین ایک دیوار ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا قول ہے اسی کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: وبینهما حجاب۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور یہی صحیح ہے۔

بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ یعنی جنت اور جو کچھ اس میں ہے۔

وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ یعنی آگ۔ قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ دیوار بیت المقدس کی دیوار ہے جو جہنم کی وادی کے پاس ہوگی۔ پھر عبداللہ بن عمرو کا قول نقل کیا ہے کہ وہ دیوار جس کا اللہ نے قرآن میں ذکر کیا ہے یہ مشرقی دیوار ہے۔ اس کا باطن مسجد ہے اور ظاہر وادی جہنم (3)۔ پھر عبادہ بن صامت، کعب احبار، علی بن حسین زین العابدین سے یہی مروی ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ انہوں نے یہ مثال تقریب الی المعنی کے لئے ذکر کی ہے نہ یہ کہ بعینہٖ یہ دیوار اور مسجد مراد ہے۔ جنت اعلیٰ علیین میں ہے اور دوزخ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ میں۔ کعب احبار کا قول ہے کہ قرآن میں مذکور باب سے مراد مسجد کا باب رحمت ہے۔ یہ ان کی اسرائیلی روایت ہے اور اس سے مراد وہ فصیل ہے جو روز قیامت مومنوں اور منافقوں کے درمیان

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 224، در منثور، جلد 8 صفحہ 53 2۔ المعجم الکبیر، جلد 11 صفحہ 122 3۔ طبری، جلد 27، صفحہ 225

آڑ ہوگی۔ جب مومن وہاں پہنچیں گے تو دروازے سے داخل ہوں گے۔ ان کا داخلہ مکمل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا جائے گا اور منافق پیچھے حیرت، تاریکی اور عذاب میں مبتلا رہ جائیں گے جس طرح دار دنیا میں وہ کفر، جہل، شک اور حیرت کا شکار تھے۔

یُنَادُوْنَهُمْ ... منافقین مومنوں کو آواز دے کر کہیں گے کیا ہم دار دنیا میں تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ جمعہ کی نماز میں شامل ہوتے اور تمہارے ساتھ باجماعت نمازیں ادا کرتے، تمہارے ہمراہ عرفات میں وقوف کرتے، غزوات میں شامل ہوتے اور تمام واجبات ادا کرتے تھے؟

قَالُوْا بَلٰى مومنین، منافقین کو جواب دیں گے ہاں تم ہمارے ساتھ تھے۔

وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ بعض سلف کا قول ہے کہ تم لذات، معاصی اور شہوات میں منہمک رہے۔

وَتَرَبَّصْتُمْ توبہ کو ایک وقت سے دوسرے وقت تک موخر کر دیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے حق اور اس کے اہل کے ساتھ۔

وَارْتَبْتُمْ یعنی موت کے بعد جی اٹھنے کے بارے میں۔

وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ یعنی تم کہتے رہے ہمیں بخش دیا جائے گا۔ ایک قول ہے کہ دنیا نے تمہیں دھوکہ دیا۔

حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ تم اسی حالت پر رہے حتی کہ یوم اجل آپہنچا۔

وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ یعنی شیطان۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: وہ شیطان کے فریب میں مبتلا تھے اور اسی کیفیت میں مبتلا رہے حتی کہ اللہ نے انہیں آگ میں جھونک دیا۔ اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ مومنین منافقین سے کہیں گے ہاں تم ہمارے ساتھ تھے لیکن بدنی طور پر، نیت اور دل سے تم ہمارے ہمراہ نہ تھے۔ تم حیرت اور شک میں مبتلا تھے۔ تم لوگوں کے لئے دکھلاوا کرتے تھے اور اللہ کی یاد کم ہی کرتے تھے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ منافقین مومنین کے ساتھ دنیا میں نکاح، شادی وغیرہ معاملات میں شریک رہے اور موت کی حالت میں بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ان سب کو قیامت کے دن نور عطا کیا جائے گا۔ جب اس دیوار کے پاس پہنچیں گے تو منافقین کا نور بجھا دیا جائے گا اور بالکل علیحدہ کر دیئے جائیں گے (1)۔ مومنین کا یہ قول ان کے اس قول کے منافی نہیں ہوگا جس کی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے۔ وہ ارشاد فرماتا ہے اور وہ اصدق القائلین ہے۔ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ ۔ اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ (مدثر: 38)۔ یہ سوال بطور زجر و توبیخ ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ (مدثر: 38)۔

فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْیَةٌ ۔ اگر کوئی زمین کے برابر سونا اور اتنا ہی مزید لائے تاکہ عذاب الٰہی سے اپنے آپ کو چھڑا سکے تو بھی قبول نہ کیا جائے گا۔

مَاْوٰىكُمُ النَّارُ یہ تمہارا ٹھکانہ ہے اور اس کی طرف تمہیں لوٹنا ہے۔

هِیَ مَوْلٰىكُمْ یعنی تمہارے کفر و ارتیاب کی وجہ سے یہی منزل تمہارے لائق ہے۔

وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ بدترین جگہ۔

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 226

فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾

''کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا اہل ایمان کے لئے کہ جھک جائیں ان کے دل یاد الٰہی کے لئے اور اس سچے کلام کے لئے جو اترا ہے اور نہ بن جائیں ان لوگوں کی طرح جنہیں کتاب دی گئی اس سے پہلے پس لمبی مدت گزر گئی ان پر تو سخت ہو گئے ان کے دل۔ اور ایک کثیر تعداد ان میں سے نافرمان بن گئی۔ جان لو! اللہ تعالیٰ زندہ کر دیتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے بعد۔ ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں تمہارے لئے (اپنی) نشانیاں تا کہ تم سمجھو''۔

ارشاد ہوتا ہے کیا مومنین کے لئے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد کے لئے جھک جائیں۔ یعنی پند و نصیحت اور سماع قرآن کے وقت نرم پڑ جائیں۔ اسے سمجھیں، موم ہو جائیں۔ سنیں اور اس کی اطاعت کریں۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن اترنے کے تیرہویں سال اللہ تعالیٰ نے مومنین کے دلوں کے اس طرف نہ جھکنے پر عتاب فرمایا۔ ابن ابی حاتم اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہمارے اسلام کی عمر ابھی چار برس تھی کہ اللہ نے اس آیت کے ساتھ ہم پر عتاب فرمایا(1)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے آخر میں بھی طرح روایت کیا ہے۔ نسائی، ابن ماجہ اور بزار رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ سفیان ثوری نے قاسم رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اصحاب رسول تھک گئے تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! حدیث بیان فرمایئے تو یہ آیت اتری: نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ (یوسف:3) پھر اکتائے اور سرکار ﷺ کی بارگاہ میں کوئی بات سننے کی خواہش کی تو یہ آیت اتری: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ (زمر:23) جب پھر پر ملال ہوئے تو یہ آیت اتری: اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا (2)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلے لوگوں سے خشوع و خضوع اٹھایا جائے گا(3)۔

قولہ تعالیٰ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا ۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی طرح ہونے سے منع فرمایا۔ جب ایک عرصہ گزر گیا تو انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کر دی اور تھوڑی قیمت پر اسے فروخت کر دیا اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر مختلف آراء، از خود ایجاد کردہ اقوال کے پیچھے پڑ گئے اور اللہ کے دین میں دوسروں کی تقلید کرنے لگے اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار اور راہبوں کو رب بنا لیا۔ اس وقت ان کے دل سخت ہو گئے۔ وہ موعظت کو قبول نہ کرتے اور وعدے وعید سے مومن نہ ہوتے۔

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ یعنی اعمال میں ان کے دل فاسد اور اعمال باطل ہیں۔ جس طرح ایک دوسری آیت میں ہے: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ ... حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (مائدہ:13)۔ یعنی ان کے دلوں میں فساد آ گیا اور ان کی عادت تحریف بن گئی۔ وہ اعمال جن کا انہیں حکم دیا گیا تھا انہیں چھوڑ دیا اور وہ کام کرنے لگے جن سے انہیں روکا گیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ مومنین کو منع فرما رہے ہیں کہ امور اصلیہ یا فرعیہ میں ان کی مشابہت اختیار نہ کریں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع بن ابو عمیلہ فزاری سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں ایک بات سنائی۔ کتاب و سنت کے بعد اس سے زیادہ عجیب بات میں نے نہیں سنی۔ فرمایا: کچھ عرصہ بعد ہو

1۔ مسلم، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 2319، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1402
2۔ دیکھئے تفسیر سورہ یوسف:3
3۔ معجم حمید، اسد، جلد 8 صفحہ 57، طبری، جلد 27 صفحہ 228، جبرانی، المعجم الکبیر، جلد 7 صفحہ 295

اسرائیل کے دلوں میں سختی آ گئی۔ انہوں نے اپنے پاس سے کتاب اختراع کی جسے ان کے دلوں نے پسند کیا۔ وہ ان کی زبانوں پر جاری ہو گئی۔ حق ان کے اور ان کی کثیر خواہشات کے درمیان حائل تھا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ بنو اسرائیل کو اپنی اس کتاب کی طرف بلائیں۔ جو ہماری اتباع کرے اسے چھوڑ دیں۔ اور جو باز رہے اسے قتل کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ ان میں ایک فقیہ تھا۔ جب اس نے دیکھا جو کچھ وہ کر رہے تھے تو اس نے کتاب الٰہی کو ایک لطیف چیز پر لکھ کر ایک سینگ میں ڈال کر اپنی گردن میں لٹکا لیا۔ جب ان لوگوں کا قتل و غارت حد سے بڑھ گیا تو کسی نے انہیں مشورہ دیا۔ فلاں عالم دین کو بلاؤ اسے اپنی کتاب پیش کرو۔ اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو بقایا لوگ بھی تمہاری بات مان جائیں گے۔ اگر انکار کرے تو اسے قتل کر دو۔ چنانچہ انہوں نے اس فقیہ کو بلایا اور پوچھا کیا تم ہماری کتاب پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے پوچھا اس میں کیا ہے؟ مجھے سناؤ۔ وہ جب سنا چکے تو انہوں نے پوچھا کیا تمہارا اس پر ایمان ہے؟ اس نے کہا ہاں اس میں جو کچھ ہے میرا اس پر ایمان ہے اور اپنے ہاتھ سے نرسینگ کی طرف اشارہ کیا۔ اسے چھوڑ دیا گیا۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے دیکھا کہ وہ اس سینگ کو لٹکائے ہوئے تھا۔ اسے کھولا تو اس میں سچی کتاب تھی۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ یہ باتیں ہم پہلے تو نہیں سنتے تھے۔ یہ شخص کسی فتنہ میں مبتلا ہوا ہے۔ چنانچہ بنو اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے۔ ان میں سے بہترین فرقہ وہ تھا جو نر سینگ والے مسائل پر عامل تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ باتیں سنانے کے بعد فرمایا اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو عنقریب تم ایسی باتیں دیکھو گے جنہیں تم عجیب تصور کرو گے لیکن ان کے بدلنے کی تم میں طاقت نہ ہو گی۔ چنانچہ آدمی کے لئے اس وقت یہی کافی ہے کہ وہ اپنے دل سے اسے ناپسند کرتا ہو (1)۔ ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عتریس بن عرقوب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا اے ابو عبد اللہ! ہلاک ہوا وہ شخص جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہ کیا۔ آپ نے فرمایا: ہلاک وہ ہو گا جو اپنے دل سے اچھائی کو اچھائی تصور نہ کرے اور برائی کو برائی تسلیم نہ کرے۔ پھر آپ نے یہ واقعہ سنایا (جو اوپر گزرا) (2)۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سختی کے بعد دلوں کو نرم، حیرانوں کو گمراہی کے بعد ہدایت عطا فرما دیتا ہے اور شدت کے بعد سختیوں کو دور فرما دیتا ہے۔ چنانچہ جس طرح بنجر، قحط زدہ خشک زمین کو بارش کے ساتھ ہرا بھرا کر دیتا ہے، اسی طرح قرآن کے دلائل و براہین کے ساتھ سخت دلوں کو ہدایت عطا فرماتا ہے اور مقفل دلوں کو منور فرما دیتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو گمراہی کے بعد جسے چاہے ہدایت سے سرفراز فرما دے اور جسے چاہے کمال کے بعد گمراہ کر دے۔ وہ فعال لما یشاء ہے۔ وہ حکیم، اپنے تمام افعال میں عادل، لطیف، خبیر کبیر المتعال ہے۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۸﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖۗ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۹﴾

"بے شک صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا کئی گنا بڑھا دیا جائے گا ان کے لئے (ان کا مال) اور انہیں فیاضانہ اجر ملے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر وہی (خوش نصیب) اللہ کی جناب میں صدیق اور شہید ہیں ان کے لئے (خصوصی) اجر اور ان کا (مخصوص) نور ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور

1۔ در منثور، جلد 8 صفحہ 59 2۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 229

ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ تو دوزخی ہیں"۔

اللہ تعالیٰ اس ثواب کا ذکر فرمارہے ہیں جو اپنے اموال کو اہل حاجت و فقر و مسکنت پر صرف کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ قَرْضًا حَسَنًا یعنی خالص نیت سے اللہ کی رضامندی کی خاطر دیا اور اپنے دیئے پر بدلے اور شکریے کے خواہاں بھی نہ تھے۔ اسی لئے فرمایا: يُضٰعَفُ لَهُمْ ایک نیکی دس گنا سے سات سو گنا بلکہ اس سے بھی بڑھ جائے گی۔

وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ یعنی ثواب جزیل، اچھا مرجع اور عمدہ ٹھکانہ۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ...... یہاں جملہ مکمل ہو رہا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ صدیقین ہیں۔ بعض حضرات نے والشہداء کو ایک جملہ تصور کیا ہے۔ مسروق، ضحاک اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے۔ اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ تین طرح کے لوگ ہیں۔ یعنی مصدقین، صدیقین اور شہداء، جس طرح ایک دوسری آیت میں ہے: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء:69)۔ صدیقین اور شہداء کے درمیان فرق کیا کہ یہ دو اقسام ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صدیق، شہید سے درجے میں اعلیٰ ہے جس طرح امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اہل جنت اپنے سے اوپر کے بالا خانوں والے لوگوں کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح تم مشرق یا مغرب میں موتی کی طرح چمکتے ستارے کو دیکھتے ہو جو ڈوبنے کے قریب ہو یا آسمان کے کنارے میں باقی رہ گیا ہو۔ ایسا ان کے درجات میں تفاوت کی وجہ سے ہے۔" صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ انبیاء کے درجات ہیں ان تک کوئی پہنچ نہیں سکتا۔ فرمایا: ہاں کیوں نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور مرسلین کی تصدیق کرتے رہے۔ (بخاری و مسلم دونوں نے اسے روایت کیا ہے)(1)۔

بعض دوسرے مفسرین کی رائے ہے کہ صدیق اور شہید دونوں وصف مؤمنین کے ہیں۔ ابن جریر نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس سے آگے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: "میری امت کے مؤمنین شہداء ہیں۔" پھر حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ۔ (2) یہ حدیث غریب ہے۔ عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ قیامت کے دن ان دو انگلیوں کی طرح اکٹھے آئیں گے۔

وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ یعنی جنات النعیم میں۔ جس طرح صحیحین میں ہے: "شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں ہوں گی، جہاں چاہیں کھاتی پیتی پھریں گی اور ان قندیلوں میں پناہ لیں گی۔ انکا رب ان کی طرف توجہ فرما کر دریافت کرے گا تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں دار دنیا کی طرف لوٹا دے ہم تیری خاطر جہاد کریں اور پہلے کی طرح شہید ہو جائیں۔ وہ فرمائے گا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ دوبارہ واپسی نہیں ہے(3)۔

قولہ تعالیٰ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ اللہ کے ہاں ان کے لئے اجر جزیل اور بہت بڑا نور ہوگا۔ دار دنیا میں اعمال میں تفاوت کے سبب اس نور کی مقدار میں فرق ہوگا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور کو ارشاد فرماتے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء آیت:69، سورۂ زمر:20 2۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 231 3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران:169، سورۂ بقرہ:46

شہداء کی چار قسمیں ہیں: عمدہ ایمان والا مومن جس نے دشمن خدا کا مقابلہ کیا اور راہ فرار اختیار نہ کی حتیٰ کہ اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کر دی۔ لوگ اس کی طرف اسی طرح دیکھیں گے اور اپنا سر مبارک اتنا اٹھایا کہ آپ کی ٹوپی نیچے گر گئی۔ (اس حدیث کے راوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا سر اتنا بلند کیا کہ آپ کی ٹوپی بھی نیچے گر گئی)۔ اور دوسرا وہ مومن جس کی دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی، جیسے ببول کے کانٹے سے کھال پر مارا (یعنی لرزہ طاری ہو گیا) اسے ایک نامعلوم تیر آ کر لگا اور وہ شہید ہو گیا۔ یہ دوسرے درجہ میں ہے۔ تیسرا وہ مومن جس کے اعمال اچھے بھی اور برے بھی تھے اس نے دشمن کا سامنا کیا۔ جوانمردی سے مقابلہ کرتا رہا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ یہ تیسرے درجہ میں ہے۔ چوتھا وہ شخص جس نے اپنی جان پر بہت اسراف کیا (اس کے گناہ بہت زیادہ تھے) اس کا دشمن سے آمنا سامنا ہوا اس نے پامردی سے مقابلہ کیا اور شہادت سے سرفراز ہوا یہ چوتھے درجہ میں ہے(1)۔ علی بن مدینی اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے(2)۔

أُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلْجَحِيمِ سعادت مندوں (سعداء) اور ان کا انجام ذکر کرنے کے بعد اشقیاء کے بیان کو اس پر عطف کیا اور ان کا حال بیان فرمایا۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

"خوب جان لو! کہ دنیوی زندگی محض کھیل، تماشا اور (سامان) آرائش ہے اور آپس میں (حسب ونسب پر) اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد حاصل کرنا۔ اس کی مثال یوں سمجھو جیسے بادل برسے اور نہال کر دے کسانوں کو اس کی (شاداب وسرسبز) کھیتی پھر وہ (یکا یک) سوکھنے لگے تو تو اسے دیکھے کہ اس کا رنگ زرد پڑ گیا ہے پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اور (دنیا پرستوں کے لئے) آخرت میں سخت عذاب ہوگا اور (خدا پرستوں کے لئے) اللہ کی بخشش اور (اس کی) خوشنودی ہوگی۔ اور نہیں ہے دنیاوی زندگی مگر ترا دھوکہ۔ تیزی سے آگے بڑھو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے۔ جو تیار کر دی گئی ان کے لئے جو ایمان لے آئے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ یہ اللہ کا فضل (وکرم) ہے عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے"۔

دنیوی زندگی اور اس کی حقارت کا بیان فرمایا جا رہا ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ... اہل دنیا کے نزدیک دنیوی زندگی کا حاصل یہی ہے۔ جیسے فرمایا: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ . .

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 23   2۔ ایضا

عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاٰبِ (آل عمران:14)۔ پھر دنیوی زندگی اور اس کی عارضی زیب وزینت وچکا چوندی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: کَمَثَلِ غَيْثٍ: یہ وہ بارش ہوتی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد برستی ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا (شوریٰ:28)۔

قولہ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ: جس طرح بارش سے اگنے والی نباتات کسانوں کے دلوں کو بھاتی ہے۔ اسی طرح دنیوی زندگی کفار کو پسند ہے وہ اس کے بڑے حریص ہیں۔

ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا: اس کھیتی کی تر و تازگی ماند پڑنے لگتی ہے۔ وہ خشک ہونے لگتی ہیں، پھر اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے جبکہ یہ سرسبز و شاداب اور لہلہا رہی تھی۔ پھر وہ خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہی حال انسان کی دنیوی زندگی کا ہے۔ پہلے شباب، پھر سن کہولت، پھر بدزیب بڑھاپا آتا ہے۔ جب انسان اپنی اوائل عمر میں عنفوان شباب میں ہوتا ہے، اس کا جسم تروتازہ وقوت وتوانائی سے بھرپور، شگفتہ اور دلکش ہوتا ہے پھر سن کہولت (ادھیڑ عمری) میں طبیعت بدل جاتی ہے۔ بعض قوا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ پھر وہ آہستہ آہستہ شیخ کبیر بن جاتا ہے۔ قوا کمزور، اور نقل وحرکت کم ہو جاتی ہے۔ تھوڑے کام سے ہی تھکن و درماندگی آ جاتی ہے۔ جیسے ایک دوسری آیت میں ہے: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ (روم:54) یہ مثال زوال دنیا اور اس کے فانی ہونے کی دلیل ہے اور قیامت لامحالہ واقع ہو کر رہے گی۔ اس کی ہولناکی سے ڈرایا اور اس میں جو کچھ بھلائی ہے اس کی طرف ترغیب دلائی۔

قال وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ عنقریب آنے قیامت میں دو چیزوں میں سے ایک ضرور ہوگی یا شدید عذاب یا پھر اللہ کی طرف سے مغفرت ورضوان۔

مَتَاعُ الْغُرُوْرِ: یہ متاع فانی، جو اس کی طرف میلان رکھے اسے دھوکہ دینے والی ہے۔ وہ اس کی چکا چوند سے فریب میں آ جاتا ہے حتیٰ کہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کے سوا کوئی گھر اور لوٹنے کی جگہ نہیں۔ دار آخرت کی نسبت یہ حقیر اور قلیل ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک کوڑے کے برابر جنت کی جگہ ساری دنیا و مافیہا سے بہتر ہے(1)۔ یہ آیت پڑھو وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ ۔ یہ حدیث صحیح میں موجود ہے۔ اس میں آیت کی زیادتی نہیں ہے(2)۔ واللہ اعلم۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت تم میں سے کسی کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اسی طرح جہنم بھی(3)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اعمش سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خیر وشر انسان کے بہت قریب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے اچھے افعال کے ساتھ خیرات کی طرف سبقت کرنے اور محرمات سے اجتناب کرنے پر ابھارا جو اس کے لئے گناہوں کا کفارہ ہیں اور حصول ثواب اور درجات کی بلندی کا باعث۔

قولہ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ: مراد جنس ارض وسماء ہے۔ جس طرح ایک دوسری آیت میں آتا ہے: وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ (آل عمران:133) اور یہاں فرمایا: اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ

1۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 232، دیکھئے تفسیر سورہ آل عمران، 185 2۔ ایضاً

3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 442-387، فتح الباری، کتاب الرقاق جلد 11 صفحہ 321

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ... اللہ نے انہیں جس چیز کا اہل بنایا ہے یہ اس کا فضل و کرم اور احسان ہے۔ جس طرح ہم نے ایک صحیح حدیث بیان کی کہ فقراء مہاجرین کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ! مال دار لوگ تو جنت میں بلندئی درجات اور ابدی نعمتوں سے سرفراز ہو گئے۔ فرمایا "وہ کیسے؟" عرض کی گئی وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، وہ صدقہ دیتے ہیں، جبکہ ہم صدقہ نہیں دیتے۔ وہ غلام آزاد کرتے ہیں جبکہ ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتا دوں اگر تم اسے کرو تو بعد والوں سے سبقت لے جاؤ اور کوئی بھی تم سے افضل نہ ہو مگر وہ شخص جو تمہاری طرح کرے۔ تم ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ کہا کرو۔ وہ کچھ دنوں کے بعد دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کی ہمارے مالدار بھائیوں نے یہ وظیفہ سنا تو انہوں نے بھی اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمادے (1)۔

مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۟ۚ لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۟ۙ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۟

"نہیں آئی کوئی مصیبت زمین پر اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں۔ بے شک یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے۔ (ہم نے تمہیں یہ اس لئے بتا دیا ہے) کہ تم غمزدہ نہ ہو اس چیز پر جو تمہیں نہ ملے اور نہ اترانے لگو اس چیز پر جو تمہیں مل جائے۔ اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی مغرور، شیخی باز کو۔ جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں۔ اور جو (اللہ کے حکم سے) روگردانی کرے تو بے شک اللہ ہی بے نیاز ہر تعریف کا مستحق ہے"۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ اس نے مخلوق کو پیدائش سے قبل ہی اس کی تقدیر مقرر کر دی تھی۔

فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ یعنی آفاق میں بھی اور تمہاری اپنی جانوں میں بھی۔

مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ارواح کی پیدائش سے قبل۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا نفوس کی طرف راجع ہے بعض کے نزدیک مصیبت کی طرف۔ احسن یہ ہے کہ اسے خلیقة اور بریة کی طرف لوٹائیں۔ کیونکہ کلام میں اس بات کی دلیل موجود ہے۔ جس طرح ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے منصور بن عبدالرحمن سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی نے کہا اس آیت مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ کے بارے میں آپ سے پوچھو۔ میں نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ! اس بات میں کسی کو کوئی شک وشبہ ہے؟ آسمان اور زمین کے درمیان ہر مصیبت جانوں کی پیدائش سے قبل ہی کتاب اللہ میں لکھ دی گئی تھی (2)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے مصیبت سے مراد خشک سالی ہے۔ اور اس فرمان وَ لَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ سے مراد بھوک اور وبائیں ہیں۔ فرمایا: ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ کسی کو خراش، لغزش یا رگ میں کوئی خلجان نہیں

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ق: 39

2۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 234

ہوتا مگر گناہوں کے سبب اور جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرماتا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

قدریہ جو علم سابق کا انکار کرتے ہیں۔ قبحھم اللہ یہ آیت کریمہ ان کی تردید میں بہترین دلیل ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل مقادیر خلائق مقرر فرما دیں(1)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اسی طرح روایت کیا ہے اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ''اس کا عرش اس وقت پانی پر تھا'' ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے(2)۔

قولہ تعالیٰ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ اشیاء کے وجود میں آنے سے قبل ان کا علم، اور بعینہٖ جس طرح وہ واقع ہوگی اسی طرح لکھ دینا اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے جو ہو چکا ہے، جو ہونے والا ہے اور جو نہیں ہوا اگر ہوتا تو کس طرح ہوتا۔

قولہ تعالیٰ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ..... ہم نے تمہیں اپنے پیشگی علم اور اشیاء کے وجود سے قبل ان کے بارے میں لکھنے اور کائنات کے وجود سے قبل اس کی تقدیر سے تمہیں آگاہ کر دیا ہے تاکہ تم یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تمہیں جو کچھ ملا ہے تم سے چوکنے والا نہ تھا۔ اور جو تمہیں پیش نہیں آیا، تمہیں درپیش آنے والا نہیں تھا۔ نہ ملنے والی چیز پر افسوس مت کرو۔ کیونکہ اگر کوئی چیز مقدر ہوتو وہ ہو کر رہتی ہے۔

وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ یعنی تمہارے پاس آیا ہے۔ 'آتاکم' کی تفسیر یہ ہے کہ اس نے تمہیں عطا کیا۔ اور دونوں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔ یعنی اللہ نے تمہیں جو انعام عطا فرمایا ہے لوگوں کے سامنے اس پر اتراؤ مت۔ یہ تمہاری کدو کاوش کا حاصل نہیں یہ تو اللہ کی تقدیر اور اس کا رزق ہے۔ اللہ کی نعمتوں کو کبر و غرور اور نخوت کا ذریعہ نہ بناؤ کہ تم لوگوں پر فخر کرتے رہو۔

لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ اسی لئے فرمایا وہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ مختال اس متکبر کو کہتے ہیں جو اپنی ذاتی خوبی اور کمال پر فخر و ناز کرے۔ اور فخور اس متکبر کو کہتے ہیں جو دوسری چیزوں یعنی مال و دولت یا جاہ و منصب پر گھمنڈ کرے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہر شخص پر خوشی اور غم آتا ہے تم خوشی کو شکر یہ اور حزن کو صبر کا ذریعہ بناؤ۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ منکر کا ارتکاب کرتے اور لوگوں کو بھی اس پر ابھارتے ہیں۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ یعنی اللہ کے امر اور اطاعت سے منہ موڑا۔

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ (ابراہیم: 8)۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ؀

''یقیناً ہم نے بھیجا ہے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور ہم نے اتاری ہے ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اور ہم نے پیدا کیا ہے لوہے کو اس میں بڑی قوت ہے اور طرح طرح کے فائدے ہیں

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 169، مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2044، عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8 صفحہ 321-320

2۔ ایضاً مرجع مذکور

لوگوں کے لئے اور (یہ سب اس لئے) تاکہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ کہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے۔
یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زور آور (اور) سب پر غالب ہے"۔

اللہ فرماتا ہے ہم نے اپنے رسولوں کو معجزات، واضح حجتیں اور قطعی دلائل دے کر بھیجا۔

وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ جو کھری اور سچی وحی ہے۔ والمیزان اور عدل و انصاف۔ مجاہد، قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ یہ وہ حق ہے عقل سلیم جس کی گواہی دے رہی ہے جو مریض افکار کے مخالف ہو۔ جس طرح ایک اور آیت میں ہے: اَفَمَنۡ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ وَ يَتۡلُوۡهُ شَاهِدٌ مِّنۡهُ (ہود: 17)۔ اور فرمایا: فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا (الروم: 30) اور فرمایا: وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الۡمِيۡزَانَ (الرحمن: 7)۔

اور اس آیت میں فرمایا: لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ یعنی حق اور عدل کے ساتھ اور وہ رسولوں کی اتباع کرنا ہے اس میں جو وہ خبر دیں اور اطاعت کرنا ہے جس کا وہ حکم دیں۔ جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں یہ حق ہے۔ اس کے بعد کوئی حق نہیں۔ جیسے فرمایا: وَ تَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّ عَدۡلًا (انعام: 115)۔ یعنی اخبار میں سچا اور اوامر و نواہی میں عدل۔ اسی لئے مومنین جنت کے بالا خانوں، بلند منازل اور بچھے ہوئے پلنگوں پر جلوہ افروز ہو جائیں گے تو کہیں گے: الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ هَدٰٮنَا لِهٰذَا ۗ وَ مَا كُنَّا لِنَهۡتَدِىَ لَوۡلَاۤ اَنۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ (اعراف: 43)۔

قولہ تعالیٰ وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ یعنی ہم نے لوہے کو منکرین حق اور حجت قائم ہونے کے بعد انکار کرنے والوں کی سرکوبی کے لئے رکاوٹ بنایا۔ چنانچہ حضور ﷺ نبوت کے بعد تیرہ سال تک مکہ میں قیام پذیر رہے آپ پر مکی سورتوں کی وحی آتی رہی۔ ان سب میں مشرکین سے جدال، توحید کی وضاحت اور دلائل و بینات کا ذکر تھا۔ جب ان لوگوں پر حجت قائم ہو گئی جنہوں نے اس دین کو قبول نہ کیا تو مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا اور تلوار سے لڑائی اور قرآن کی مخالفت اور سرکشی کرنے والوں کی گردنیں اڑا دینے کا حکم دیا۔ امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے قیامت کے وقوع سے پہلے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہے حتیٰ کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی جانے لگے اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھا گیا ہے۔ ذلت اور رسوائی اس شخص کا مقدر ہے جس نے میری مخالفت کی۔ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی سے ہے(1)۔

فِيۡهِ بَاۡسٌ شَدِيۡدٌ یعنی اسلحہ جیسے تلواریں، حربے، نیزے، بھالے اور زرہیں وغیرہ اسی سے بنتے ہیں۔

وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ یعنی ان کی زندگی میں اس کے ساتھ فوائد وابستہ ہیں جیسے سکہ، پھل، کلہاڑی، تیشہ، آری وغیرہ آلات جو ہل چلانے، سینے، پکانے اور روٹی میں معاون ہیں جن کے بغیر لوگوں کا گزارہ ممکن نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تین چیزیں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ اتریں۔ سندان (سل)، کلبتان (سنسی) اور ہتھوڑا۔ (ابن جریر و ابن ابی حاتم)(2)۔

مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ جس کا ارادہ اسلحہ اٹھانے سے اللہ اور اس کے رسول کی مدد ہے۔

قَوِىٌّ عَزِيۡزٌ وہ قوی عزیز ہے جو اس کی مدد کرے وہ اس کی مدد کرتا ہے حالانکہ اسے لوگوں کی احتیاج نہیں۔ تمہیں آپس میں آزمانے کے لئے جہاد کو مشروع کیا۔

وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا وَّ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ جَعَلۡنَا فِىۡ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الۡكِتٰبَ فَمِنۡهُمۡ مُّهۡتَدٍ ۚ وَ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ البقرہ: 104 2۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 237

كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

"اور ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے رکھ دی ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب پس ان میں سے چند تو ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں۔ پھر ہم نے ان کے پیچھے انہیں کی راہ پر اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو اور انہیں انجیل عطا فرمائی۔ اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰ کے تابعدار تھے شفقت اور رحمت۔ اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اسے اختیار کیا تھا پھر اسے وہ نباہ نہ سکے جیسے اس کے نباہنے کا حق تھا۔ پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے (ان کے حسن عمل اور حسن نیت) کا اجر۔ اور ان میں سے اکثر فاسق (وفاجر) تھے"۔

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جب سے اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے اس کے بعد کوئی رسول یا نبی نہیں بھیجا مگر آپ کی ذریت سے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام آپ کے بعد کوئی کتاب نہیں اتری یا کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا اور کسی بشر پر وحی نہیں آئی مگر وہ آپ کی ذریت سے تھا۔

جس طرح ایک اور جگہ فرمایا: وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ۔ حتیٰ کہ بنو اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اپنے بعد حضور ﷺ کی آمد کی بشارت دی۔

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وہ آپ کے حواری تھے۔

رَاْفَةً یعنی رقت اور خشیت۔

وَّرَحْمَةً اور مخلوق سے رحمت۔

ابْتَدَعُوْهَا یعنی نصرانی قوم نے اسے ایجاد کیا۔

مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ہم نے مشروع نہیں کیا تھا۔ انہوں نے خود ہی اپنے اوپر اس کا التزام کر لیا۔

اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ انہوں نے اللہ کی رضامندی کا قصد کیا۔ سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم نے یہ بات ان پر لازم نہیں کی تھی بلکہ ان پر اللہ کی رضامندی کا حصول ضروری تھا۔

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا جس چیز کو انہوں نے اپنے اوپر لازم کیا تھا وہ اسے پوری طرح بجا نہ لا سکے۔ یہ دو اعتبار سے ان کی مذمت ہے۔ ایک اللہ کے دین میں اس چیز کا داخل کرنا جس کا اللہ نے انہیں حکم نہیں دیا۔ دوسرے جس چیز کو انہوں نے قرب الٰہی کا باعث تصور کیا تھا اس پر قائم نہ رہنا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے مجھے بلایا تو میں نے لبیک کہا۔ آپ نے فرمایا: کیا تمہیں پتہ ہے بنو اسرائیل کے بہتر فرقے ہو گئے تھے ان میں سے صرف تین گروہوں نے نجات پائی

جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہوں اور امراء کے سامنے کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دین کی طرف بلایا۔ ظالموں سے جنگ کی قتل کیے گئے اور نجات پائی۔ پھر دوسرا فرقہ اٹھ کھڑا ہوا ان میں لڑائی کی ہمت نہ تھی۔ انہوں نے بادشاہوں اور امراء کے دربار میں حق گوئی کا فریضہ سرانجام دیا۔ چنانچہ اس کی پاداش میں قتل کیے گئے۔ ان پر آرے چلائے گئے۔ انہیں آگ سے جلایا گیا لیکن انہوں نے صبر کیا اور نجات پائی۔ پھر ایک اور گروہ اٹھا۔ ان میں لڑائی اور حق پر قائم رہنے کی قدرت نہ تھی۔ وہ پہاڑوں میں چلے گئے گوشہ نشینی میں اللہ کی عبادت کی اور رہبانیت اختیار کر لی۔ انہی کا ذکر اس آیت میں آیا ہے(1)۔ یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے اس میں تہتر فرقوں میں بٹنے کا ذکر ہے۔ (آگے وہی حدیث ہے جو اوپر بیان ہوئی)۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اجر انہیں ملے گا جو مجھ پر ایمان لائے اور میری تصدیق کی۔ اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں جو میری تکذیب کریں اور میری مخالفت کریں(2)۔ اس متابعت میں داود بن محبر کی حالت کی وجہ سے کوئی فرق نہیں آتا۔ یہ واضع حدیث تھا۔ لیکن ابو یعلی نے مسند میں اسے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے جو اس کے لئے تقویت کا باعث ہے(3)۔

ابن جریر اور ابو عبد الرحمٰن نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بنو اسرائیل کے بادشاہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات اور انجیل کو بدل دیا۔ لیکن ایک جماعت ایمان پر قائم تھی وہ تورات اور انجیل کی تلاوت کرتے رہے ان بادشاہوں سے کہا گیا کہ ان لوگوں کی گالی سے بڑھ کر ہمارے لئے کوئی گالی نہیں یہ پڑھتے ہیں: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ:44)۔ اور اس طرح کی دیگر آیات۔ علاوہ بریں وہ ہم پر عیب جتلاتے رہتے ہیں اور ہمارے اعمال پر حرف گیری کرتے ہیں۔ پس آپ انہیں دربار میں بلوائیے اور مطالبہ کیجئے کہ وہ ہماری طرح پڑھا کریں اور وہی عقیدہ رکھیں جو ہمارا ہے۔ چنانچہ انہیں دربار میں طلب کیا گیا۔ اور یہ کہا گیا کہ یا تو جان سے ہاتھ دھو لو یا پھر ہماری تبدیل شدہ تورات پڑھا کرو۔ انہوں نے کہا ہمیں چھوڑ دو۔ ایک فریق نے کہا بلند منارہ تعمیر کرو۔ ہمیں اس میں ڈال دو۔ ہمیں کوئی رسی وغیرہ دے دو جس کے ساتھ ہم اپنا کھانا پانی اوپر اٹھا سکیں۔ ہم تمہارے پاس نہیں آئیں گے۔ ایک گروہ نے کہا: ہمیں زمین میں گھومنے پھرنے دو۔ ہم جانوروں کی طرح کھائیں پئیں گے۔ اگر تم ہمیں اپنے علاقے میں دیکھو تو قتل کر دینا۔ تیسرے فریق نے کہا ہمیں آبادی سے دور گھر بنا کر دے دو۔ ہم کنوئیں کھودلیں گے اور سبزیاں کاشت کریں گے اور تمہارے پاس نہیں آیا کریں گے۔ چونکہ اس جماعت سے ان لوگوں کی قریبی رشتہ داریاں تھیں اس لئے ان کی درخواست منظور کر لی گئی۔ تو یہ آیت وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا اتری۔ بقایا لوگ جو بادشاہ کے پاس رہ گئے انہوں نے کہا ہم اسی طرح عبادت کریں گے جس طرح فلاں نے عبادت کی اور اسی طرح سیر و سیاحت کریں گے جس طرح فلاں نے سیر و سیاحت کی۔ اسی طرح گھر بنائیں گے جس طرح فلاں نے بنائے۔ وہ اپنے شرک پر تھے۔ جن لوگوں کی انہوں نے اتباع کی تھی انہیں ان کے ایمان کا علم نہ تھا۔ جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو ان میں سے بہت تھوڑے لوگ باقی رہ گئے تھے۔ آپ کی بعثت کی خبر سنتے ہی خانقاہوں والے اپنی خانقاہوں سے، سیاح اپنی سیاحت سے اور دیر والے اپنے دیروں سے نکل آئے۔ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ۔

1۔ طبرانی: المعجم الکبیر، جلد 10 صفحہ 212-211

2۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 240-239، المعجم الکبیر، جلد 10 صفحہ 272، حاکم، مستدرک، جلد 2 صفحہ 480

3۔ ایضاً

دوسرا اجر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر ایمان لانے اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کا۔ فرمایا: وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ۔ قرآن اور حضور ﷺ کی اتباع۔ فرمایا: لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ۔ جو تم سے مشابہت رکھتے ہیں: اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ - الْعَظِيْمِ (1)۔ یہ سیاق غریب ہے اور ان آخری دو آیات کی تفسیر اس کے بعد آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسند ابو یعلی میں ہے کہ سہل بن ابی امامہ اپنے باپ کے ہمراہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ آئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ آپ اس وقت امیر مدینہ تھے۔ جب یہ لوگ آئے حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے بہت مختصر نماز ادا کی گویا یہ مسافر کی نماز ہو یا اس کے قریب قریب۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں نے پوچھا اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ نے فرض نماز پڑھی ہے یا نفل؟ فرمایا فرض۔ اور یہی نماز رسول اکرم ﷺ کی تھی۔ میں نے اپنے خیال سے کوئی غلطی نہیں کی۔ ہاں اگر میں کچھ بھول گیا ہوں تو اس کی بابت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے اپنے نفسوں پر سختی نہ کرو ورنہ تم پر بھی سختی کی جائے گی۔ ایک قوم نے اپنے آپ پر ناروا سختی کی تو ان پر سختی کی گئی۔ ان کے باقی ماندہ لوگ ہی خانقاہوں اور کلیساؤں میں ہیں۔ رہبانیت کی ابتدا انہوں نے خود کی تھی۔ ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔ دوسرے دن ہم نے کہا آؤ سوار ہو کر چلیں۔ دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔ فرمایا: ٹھیک ہے۔ چنانچہ سب لوگ سوار ہو کر چلے اور ایک اجڑے دیار میں پہنچے جس کے باشندے فنا اور ختم ہو گئے تھے۔ پوچھا جانتے ہو یہ کون سی بستی ہے؟ مجھ سے زیادہ اس بستی اور اس کے باشندوں سے کوئی واقف نہیں۔ اس دیار والوں کو سرکشی اور حسد نے ہلاک کر دیا تھا۔ حسد نیکیوں کے نور کو بجھا دیتا ہے اور سرکشی اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ آنکھ زنا کرتی ہے ہتھیلیاں، قدم، جسم، زبان اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہیں (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہر نبی کے لئے رہبانیت تھی اور اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے (3)"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے اس چیز کے بارے میں پوچھا ہے تم سے پہلے میں نے یہی سوال حضور ﷺ سے دریافت کیا تھا۔ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں تقویٰ ہر چیز کی بنیاد ہے۔ تجھ پر جہاد لازم ہے یہ اسلام کی رہبانیت ہے اور ذکر اللہ اور تلاوت قرآن پر مداومت اختیار کر یہ آسمان میں تیری روح اور زمین میں تیری یاد ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں (4)۔ واللہ اعلم۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

1۔ نسائی، کتاب آداب القضاۃ، جلد 8 صفحہ 233-231 طبری، جلد 27، صفحہ 239

2۔ مسند ابو یعلی، جلد 4 صفحہ 22-21، ابو داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ

3۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 266، مسند ابو یعلی، جلد 4 صفحہ 184

4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 82

"اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اس کے رسول (مقبول) پر اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لئے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے اور بخش دے گا تمہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (تم پر یہ خصوصی کرم اس لئے کیا) تا کہ جان لیں اہل کتاب کہ ان کا کوئی قابو نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل (وکرم) پر اور یہ کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے نواز تا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے"۔

اس سے پہلے نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کو مومن اہل کتاب پر محمول کیا ہے اور یہ کہ انہیں دگنا اجر ملے گا جس طرح کہ سورۂ قصص کی آیت میں ہے نیز جس طرح شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تین اشخاص کو دوہرا اجر ملے گا۔ ایک وہ کتابی جو اپنے نبی پر ایمان اور مجھ پر بھی ایمان لایا اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔ عبد مملوک جس نے اللہ اور اپنے موالی کا حق ادا کیا اس کے لئے دگنا اجر ہے۔ اور وہ شخص جس نے اپنی لونڈی کو خوب اچھی طرح ادب سکھایا پھر اسے آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ اس کے لئے بھی دوہرا اجر ہے۔ صحیحین میں اسی طرح ہے(1)۔ اس تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ ضحاک، عتبہ بن ابی حکیم رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ موافق ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے پسند کیا ہے(2)۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب اہل کتاب نے یہ فخر کیا کہ انہیں دگنا اجر ملے گا تو اللہ نے یہ آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اس امت کے حق میں نازل فرمائی۔ دوہرے اجر کے بعد ان سے نور کا وعدہ کیا۔ یعنی ہدایت جس کے ساتھ نابینا پن اور جہالت سے ہدایت عطا فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ چنانچہ نور اور مغفرت کے ساتھ انہیں فضیلت عطا فرمائی۔ (ابن جریر) یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (انفال: 29)۔ سعید بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہود کے ایک حبر (عالم) سے پوچھا کہ تمہیں ایک نیکی پر زیادہ سے زیادہ کس قدر فضیلت ملتی ہے؟ اس نے کہا ساڑھے تین سو تک۔ چنانچہ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا ہمیں تم سے دوہرا ملا ہے۔ سعید نے پھر اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا اسی طرح جمعے کا دوہرا اجر ہے۔ (ابن جریر)

اس قول کی تائید امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے چند مزدور کام پر لگائے اور اعلان کیا کون ہے جو ایک قیراط کے بدلے صبح کی نماز سے لے کر نصف النہار تک کام کرے۔ چنانچہ یہود تیار ہو گئے۔ پھر کہا کون ہے جو ظہر سے لے کر عصر تک ایک قیراط پر کام کرے؟ تو نصاریٰ تیار ہو گئے۔ پھر کہا کون ہے جو صلاۃ عصر سے لے کر غروب آفتاب تک دو قیراط کے بدلے کام کرے پس وہ تم ہو جنہوں نے یہ کام کیا۔ اس پر یہود و نصاریٰ بہت بگڑے۔ کہنے لگے کام ہم نے زیادہ کیا اور مزدوری کم۔ فرمایا: کیا تمہارے اجر میں کوئی کمی کی ہے؟ کہنے لگے نہیں۔ فرمایا: یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہوں دیتا ہوں(3)۔ مسند احمد میں یہ حدیث دوسری سند سے بھی ہے۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ، جلد 4 سورہ آل عمران: 199 سورۂ قصص: 54 2۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 241

3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 111-6، صحیح البخاری، کتاب الاجارۃ، جلد 4 صفحہ 445 کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 496-495

بخاری شریف میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا: "مسلمانوں، یہود اور نصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے کچھ لوگ کام پر لگائے کہ وہ دن بھر کام کریں گے اور ایک خاص اجرت لیں گے۔ انہوں نے آدھا دن کام کیا اور کہا ہمیں مزدوری کی کوئی ضرورت نہیں اور ہمارا کام باطل ہے۔ اس نے کہا ایسا نہ کرو بقایا کام مکمل کرو اور پوری مزدوری لو۔ انہوں نے انکار کر دیا اور کام چھوڑ دیا۔ اس کے بعد اس نے دو مزدور رکھے۔ اور کہا باقی کام شام تک پورا کرو میں تمہیں وہی مزدوری دوں گا جس کا ان کے ساتھ وعدہ ہے۔ وہ کام کرتے رہے حتیٰ کہ عصر کی نماز کے بعد کہنے لگے ہم نے جو کام کیا وہ باطل ہے۔ ہم معاوضے کے طلب گار بھی نہیں۔ اس نے کہا بقایا کام کرو۔ اب دن کا تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اس نے کچھ اور لوگوں کو کام پر لگایا کہ دن کا بقیہ حصہ کام کرو اور سابقہ دونوں فریقین کے برابر اجرت لے لو۔ پس یہ ہے ان کی مثال اور اس نور کی مثال جسے انہوں نے قبول کیا (1)۔

لِّئَلَّا يَعْلَمَ تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ جسے اللہ دے وہ اسے روکنے کی اور جس کو اللہ روک دے اسے دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ لِّئَلَّا يَعْلَمَ میں لا زائدہ ہے معنی ہے لیعلم۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے لکی یعلم پڑھا ہے۔ اسی طرح عطاء بن عبد اللہ اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ کلام جس کے اول یا آخر میں غیر مصرح انکار ہو وہاں "لا" بطور صلہ استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح یہ آیات: مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ (اعراف: 12)، وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ (انعام: 109)، وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (انبیاء: 95)(2)۔

سورۂ حدید کی تفسیر ختم ہوئی

وللہ الحمد والمنۃ

1۔ فتح الباری، کتاب الاجارۃ، جلد 4 صفحہ 449-448

2۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 246، فراء، معانی، جلد 3 صفحہ 138-137

سورۃ مجادلہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

"بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور (ساتھ ہی) شکوہ کیے جاتی تھی اللہ سے (اپنے رنج و غم کا) اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو۔ بے شک اللہ (سب کی باتیں) سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس کی سماعت نے تمام آوازوں کو گھیر رکھا ہے۔ تکرار کرنے والی عورت حضور ﷺ کی بارگاہ میں آئی۔ وہ گفتگو کر رہی تھی اور میں گھر کے کونے میں تھی۔ اس کی آواز مجھے سنائی نہیں دیتی تھی کہ یہ آیت اتری(1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التوحید میں تعلیقاً اسی طرح بیان کیا ہے۔ نسائی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح بیان کیا ہے(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دوسری روایت میں ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بابرکت ہے وہ ذات جو ہر اونچی نیچی آواز کو سن سکتا ہے۔ میں خولہ بنت ثعلبہ کی بات سن رہی تھی۔ بعض باتیں مجھے سنائی نہ دے رہی تھیں۔ یہ اپنے خاوند کی حضور ﷺ سے شکایت کر رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں یا رسول اللہ ﷺ! اس نے میرا مال کھایا۔ میرا شباب ختم کیا۔ ان سے بچے ہوئے۔ حتیٰ کہ جب میں بوڑھی ہو گئی میرے گھر والے نہ رہے تو اس نے مجھ سے ظہار کیا۔ اے اللہ! میں تجھ سے شکوہ کرتی ہوں۔ وہ اسی طرح کہتی رہیں حتیٰ کہ جبریل یہ آیت لے کر اترے۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ ان کے خاوند کا نام اوس بن صامت تھا۔ ان کے مزاج میں کچھ جنون سا تھا۔ جب اس میں شدت آتی تو اپنی بیوی سے ظہار کر لیتے اور جب یہ کیفیت ختم ہوتی تو گویا کچھ نہ تھا۔ یہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں استفتاء کے لئے حاضر ہوئیں اور اللہ کی بارگاہ میں شکایت کرنے لگیں تو یہ آیت اتری۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو یزید سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی۔ اس کا نام خولہ بنت ثعلبہ تھا۔ آپ اس وقت لوگوں کے ساتھ جا رہے تھے۔ اس نے آواز دی تو آپ فوراً رک گئے۔ اس کے قریب گئے۔ اس کے لئے سر جھکا دیا اور اپنا ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھا حتیٰ کہ جب وہ واپس لوٹ گئیں تو ایک آدمی نے کہا: امیر المومنین! آپ نے اس بڑھیا کی خاطر سرداران

1۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 46، فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 372، نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6، صفحہ 168، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 12 صفحہ 3، ابن ماجہ مقدمہ، جلد 1 صفحہ 68، تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 5

2۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 372، نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6، صفحہ 168، ابن ماجہ مقدمہ، جلد 1 صفحہ 68

قریش کو روک دیا۔ آپ نے فرمایا: تیرا برا ہو تمہیں پتہ ہے یہ کون ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا: یہ وہ عورت ہے جس کا شکوہ اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر سے سن لیا تھا۔ یہ خولہ بنت ثعلبہ ہے۔ اللہ کی قسم اگر یہ رات تک واپس نہ لوٹتی تو میں ٹھہرا رہتا حتیٰ کہ یہ اپنی ضرورت پوری کر لیتیں۔ ہاں اگر نماز کا وقت ہو جاتا تو میں نماز کے لئے جاتا اور پھر خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابی عامر سے روایت کیا ہے کہ وہ عورت جس نے اپنے خاوند کے بارے میں تکرار کی تھی خولہ بنت صامت تھیں۔ ان کی والدہ کا نام معاذہ تھا۔ ان کے بارے میں ہی یہ آیت اتری: وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا (النور:33)۔ صحیح یہ ہے کہ خولہ اوس بن صامت کی زوجہ تھیں (1)۔

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۲ وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۳ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴

"جو لوگ تم میں سے ظہار کرتے ہیں اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔ نہیں ہیں ان کی مائیں بجز ان کے جنہوں نے انہیں جنا ہے۔ بے شک یہ لوگ کہتے ہیں بہت بری بات اور جھوٹ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے۔ جو لوگ ظہار کر بیٹھیں اپنی عورتوں سے پھر وہ پلٹنا چاہیں اس بات سے جو انہوں نے کہی تو (خاوند) غلام آزاد کرے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو (اس سے) آگاہ ہے۔ پس جو شخص غلام نہ پائے تو وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو تو کھانا کھلائے ساٹھ مسکینوں کو۔ یہ اس لئے کہ تم تصدیق کرو اللہ اور اس کے رسول (کے فرمان) کی۔ اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں۔ اور منکرین کے لئے دردناک عذاب ہے"۔

امام احمد رحمۃ اللہ نے خولہ بنت ثعلبہ سے روایت کیا ہے کہ میرے اور اوس بن صامت کے بارے میں اللہ نے سورۂ مجادلہ کا ابتدائی حصہ نازل فرمایا۔ فرماتی ہیں میں ان کے نکاح میں تھی۔ یہ عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ مزاج میں چڑچڑا پن آ گیا تھا۔ چنانچہ وہ ایک دن میرے پاس آئے۔ میں نے باتوں باتوں میں ان کی کسی بات کا جواب دیا تو وہ غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے پھر باہر چلے گئے اور اپنی قوم کی مجلس گاہ میں کچھ دیر بیٹھے رہے پھر میرے پاس آئے۔ اور مجھ سے جنسی حقوق پورا کرنے چاہے۔ میں نے کہا ہرگز نہیں مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں خولہ کی جان ہے! آپ تب تک میرے قریب نہیں آ سکتے تاوقتیکہ اللہ اور اس کا رسول ہمارے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔ وہ نہ مانے اور دست درازی کرنے لگے۔ مگر چونکہ کمزور تھے میں ان پر غالب آ گئی اور انہیں دور کر دیا۔ پھر

1۔ اسد الغابہ، ترجمہ خولہ بنت ثعلبہ، جلد 8 صفحہ 91

کسی پڑوسن کے پاس گئی۔ اس سے کپڑے عاریۃً لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی۔ اور آپ کے سامنے بیٹھ کر سارا واقعہ گوش گزار کر دیا اور ان کی بد خلقی کی شکایت کی۔ حضور ﷺ فرمانے لگے اے خولہ! تیرے چچازاد بوڑھے ہو چکے ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ فرماتی ہیں میں اسی طرح تھی کہ میرے بارے میں قرآن نازل ہوا۔ سرکار پر وحی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ جب یہ کیفیت دور ہوئی تو مجھے فرمایا: اے خولہ! اللہ نے تیرے اور تیرے خاوند کے بارے میں قرآن نازل کیا ہے۔ پھر یہ آیات قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ سے لے کر وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ تک سنائیں۔ چنانچہ سرکار ﷺ نے فرمایا اسے کہو غلام آزاد کرے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ان کے پاس آزاد کرنے کو کچھ نہیں۔ فرمایا: "مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے"۔ میں نے عرض کیا اللہ کی قسم وہ بوڑھا ہے روزہ رکھنے پر قادر نہیں سرکار ﷺ نے فرمایا: "پھر ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق کھجوریں کھلائے (1)۔" میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اس کے پاس کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا میں اپنے پاس سے ایک فرق (2) کھجوریں انہیں دے دوں گا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ایک فرق میں انہیں اپنے پاس سے دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم نے ٹھیک کیا اور بہت خوب کیا۔ جاؤ اور یہ اس کی طرف سے صدقہ کر دو اور اپنے چچازاد کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ فرماتی ہیں چنانچہ میں نے اسی طرح کیا (3)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں کتاب الطلاق میں اسے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ خولہ بنت ثعلبہ انہیں خولہ بنت مالک بن ثعلبہ کہتے ہیں اور کبھی تصغیر کے طور پر "خویلہ" بھی کہا جاتا ہے۔ ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں۔ معاملہ قریب قریب ہے۔ واللہ اعلم۔

اس سورت کی ابتدائی آیات کے نزول کا صحیح سبب یہی ہے۔ حدیث سلمہ بن صخر جس کا بیان آگے آ رہا ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ یہ اس سورت کے نزول کا سبب ہے۔ ہاں اس سورت میں ظہار کا جو حکم بیان کیا گیا ہے غلام آزاد کرنا، روزے رکھنا یا کھانا کھلانا۔ وہ انہیں بھی دیا گیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سلمہ بن صخر انصاری سے روایت کیا ہے کہ مجھ میں جماع کی طاقت اوروں کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ جب ماہ رمضان آیا تو میں نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا تا کہ رمضان گزر جائے مبادا میں روزے کے وقت میں پرہیز نہ کر سکوں۔ کیونکہ رکنے کی مجھ میں طاقت نہ تھی۔ ایک رات یہ میری خدمت کر رہی تھیں کہ جسم سے کپڑا ہٹ گیا۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ اچھل کر اس پر چڑھ گیا صبح میں نے اپنی قوم کو رات کا واقعہ سنایا۔ میں نے کہا مجھے حضور ﷺ کی بارگاہ میں لے چلو اور اس بات سے آگاہ کرو۔ وہ کہنے لگے اللہ کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے۔ ہمیں خدشہ ہے کہ ہمارے بارے میں کوئی آیت نازل نہ ہو جائے یا سرکار خود کچھ فرما دیں جس کی عار ہمیشہ کے لئے ہم پر باقی رہ جائے۔ تم خود جاؤ اور گفتگو۔ فرماتے ہیں میں نے خود نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنا معاملہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ایسا کیا؟ میں نے کہا ہاں میں نے ایسا کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ایسا کیا؟ میں نے عرض کیا ہاں میں نے یہ فعل کیا۔ تیسری بار حضور ﷺ نے فرمایا تم نے ایسا کیا میں نے عرض کیا ہاں۔ اب میں حاضر ہوں۔ اللہ کا حکم مجھ پر نافذ فرمائیے میں اس کے لئے راضی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: غلام آزاد کر۔ میں نے اپنا ہاتھ گردن پر مار کر عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس کے سوا کسی کا مالک نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مسلسل دو مہینے کے روزے رکھ کر۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! یہ روزوں کی وجہ سے ہی تو ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر صدقہ کر۔ میں نے عرض کیا مجھے اس ذات کی

1۔ وسق: مکیلہ معلومہ، وہ ساٹھ (60) صاع کا ہوتا ہے۔

2۔ فرق: ایک نسخے میں عرق کا لفظ آیا ہے اور اس سے مراد "زنبیل المنسوج من نسائج الخوص" ہے جو پندرہ صاع کا ہوتا ہے۔

3۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 411-410، سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 267-266

قسم جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا ہے۔ ہم نے یہ رات بدترین حالت میں گزاری ہے ہمارے پاس شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا بنو زریق کے صاحب صدقہ کے پاس جاؤ۔ اسے کہو وہ صدقہ کا مال تمہیں دے دے تم اس میں سے ایک وسق ساٹھ مسکینوں کو دے دو اور باقی اپنے اور بال بچوں کے کام میں لاؤ۔ وہ کہتے ہیں چنانچہ میں اپنی قوم کے پاس واپس آیا۔ انہیں کہا میں نے تمہارے پاس تنگی اور بری رائے پائی اور حضور ﷺ کے پاس وسعت اور برکت پائی۔ سرکار کا حکم ہے کہ اپنا صدقے کا مال مجھے دے دو۔ چنانچہ انہوں نے مجھے دے دیا(1)۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مختصر کیا ہے اور حسن کہا ہے۔ سیاق کلام سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ اوس بن صامت اور ان کی زوجہ خولہ بنت ثعلبہ کے واقعہ کے بعد کا ہے۔ دونوں واقعات کے سیاق کلام سے یہی پتہ چلتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ سب سے پہلے عبادہ بن صامت کے بھائی اوس بن صامت نے ظہار کیا۔ ان کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ بنت مالک تھیں۔ اس واقعہ سے خولہ کو خدشہ ہوا کہ طلاق ہوگئی ہے۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں آئیں اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اوس نے مجھ سے ظہار کیا ہے اور اگر ہم دونوں میں جدائی ہو جائے تو ہم ہلاک ہو جائیں۔ میری اس سے اولاد ہے اور میں ایک عرصے سے ان کے پاس ہوں۔ یہ تکرار کر رہی تھیں اور رو رہی تھیں۔ ابھی تک اس بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ تو یہ آیات عَذَابٌ اَلِیْمٌ تک اتریں۔ سرکار ﷺ نے انہیں بلایا اور فرمایا: کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ اس نے عرض کیا اللہ کی قسم! مجھ میں طاقت نہیں۔ سرکار ﷺ نے ان کے لئے رقم جمع کی انہوں نے اس سے غلام خرید کر آزاد کیا اور بیوی سے رجوع کیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین اسی طرف گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ ظہار یہ ظَھْر سے مشتق ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی اپنی بیوی سے ظہار کرتا تو اسے کہتا تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ پھر شریعت اسلامی میں پیٹھ پر قیاس کرتے ہوئے تمام اعضاء میں ظہار ہوگا۔ یعنی خواہ کسی عضو کا نام لے ظہار ہوگا۔ زمانہ جاہلیت میں ظہار طلاق شمار ہوتا تھا۔ اللہ نے اس امت پر مہربانی فرمائی۔ اس میں کفارہ لازم کیا اور اسے طلاق نہ بنایا۔ جس طرح جاہلیت کا دستور تھا۔ بہت سے سلف سے یہی منقول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی اپنی بیوی کو اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ کہتا تو وہ اس پر حرام شمار ہوتی۔ اسلام میں سب سے پہلے حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے ظہار کیا۔ ان کی چچازاد بہن ان کے نکاح میں تھی۔ اسے خولہ بنت ثعلبہ کہا جاتا تھا۔ انہوں نے ظہار کر لیا اور پھر اپنے کیے پر پچھتانے لگے۔ انہوں نے کہا میرے خیال میں تو مجھ پر حرام ہوگئی ہے۔ خولہ نے بھی یہی کہا۔ چنانچہ اپنی اہلیہ کو حضور ﷺ کے پاس بھیجا۔ وہ آپ کے پاس آئیں تو دیکھا کہ ایک ماشطہ آپ کے سر کی کنگھی کر رہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے خولہ تمہارے بارے میں کوئی حکم ہم پر نازل نہیں ہوا۔ چنانچہ یہ آیت اتری۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: اے خولہ! تمہیں خوشخبری ہو۔ خولہ نے پوچھا: خیر کا حکم نازل ہوا ہے؟ تو آپ نے قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ سے فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا تک آیت سنائیں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگیں کون سی گردن؟ اللہ کی قسم وہ میرے علاوہ کسی گردن کے مالک نہیں؟ آپ نے روزوں کا حکم سنایا وہ کہنے لگیں اللہ کی قسم! اگر وہ دن میں تین

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 37، سنن ابو داؤد، الطلاق، جلد 2 صفحہ 265-266، ابن ماجہ، کتاب الطلاق جلد 1 صفحہ 265-266، جامع ترمذی، تفسیر سورہ مجادلہ، جلد 12 صفحہ 185-186

2۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 6

مرتبہ پانی نہ پیئے تو اس کی بینائی چلی جائے۔ سرکار ﷺ نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم سنایا وہ کہنے لگیں: "کہاں سے؟" چند لقموں پر ہمارا دن گزرتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے نصف وسق یعنی تیس صاع منگوائے۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور فرمایا: یہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے اور تم سے رجوع کرلے (1)۔ اس کی سند عمدہ اور قوی ہے اور سیاق غریب ہے۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ خولہ بنت دلیج ایک انصاری کے نکاح میں تھی۔ وہ فقیر، بدسلوکی کرنے والا اور کمزور بصارت والا تھا۔ جاہلیت کا دستور تھا کہ آدمی اپنی عورت کو طلاق دینا چاہتا تو کہتا تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔ اس شخص کی اس عورت سے اولاد بھی تھی۔ ایک روز کسی بات پر جھگڑا ہوا تو اس نے یہی الفاظ کہہ دیئے۔ اس عورت نے کپڑے سمیٹے اور سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوگئی۔ آپ اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا سر دھو رہی تھیں۔ وہ عورت بچوں سمیت حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرا خاوند کمزور نظر والا، تنگدست اور بداخلاق ہے۔ میں نے کسی بات پر اصرار کیا تو وہ غصے سے سرخ ہوگیا اور مجھے یہ الفاظ کہہ دیئے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔ اس کا ارادہ طلاق کا نہ تھا۔ میرے اس سے بچے بھی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میری نظر میں تو اس پر حرام ہوگئی ہے۔ وہ کہنے لگی میں اپنی مصیبت کا شکوہ اللہ سے کرتی ہوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے گھوم کر سر کا دوسرا حصہ دھویا تو وہ عورت بھی ساتھ گھوم گئی اور دوبارہ اپنا واقعہ عرض کیا۔ سرکار ﷺ نے وہی جواب دیا۔ اس نے کہا میں رب کی بارگاہ میں اپنی شکایت پیش کرتی ہوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ سرکار کا رنگ متغیر ہو رہا ہے۔ آپ نے اس عورت کو ایک طرف ہٹ جانے کا حکم دیا۔ سرکار ﷺ پر غشی کی کیفیت کچھ دیر کے لئے برقرار رہی۔ جب وحی ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا عائشہ وہ عورت کدھر ہے؟ آپ نے اسے بلایا تو حضور ﷺ نے اسے فرمایا: جاؤ اپنے خاوند کو لے کر آؤ۔ وہ دوڑتی ہوئی گئیں اور اسے لے آئیں۔ وہ اسی طرح تھا جس طرح اس عورت نے بتایا تھا۔ سرکار ﷺ نے تعوذ اور تسمیہ کے بعد قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ سے لے کر ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا تک آیات کی تلاوت فرمائی اور پوچھا کیا تمہارے پاس غلام ہے جسے اس کو چھونے سے پہلے آزاد کرنا ہوگا۔ اس نے کہا نہیں۔ سرکار ﷺ نے پوچھا کیا دو ماہ کے لگاتار روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے عرض کیا: مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا اگر میں دن میں دو یا تین مرتبہ نہ کھاؤں تو قریب ہے مجھے رتوندا ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ عرض کیا نہیں مگر یہ کہ آپ میری مدد فرمائیں۔ چنانچہ سرکار ﷺ نے اس کی مدد فرمائی اور فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ۔ فرمایا: اللہ نے طلاق کو ظہار سے بدل دیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے مختصراً ابوالعالیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے (2)۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایلاء اور ظہار زمانہ جاہلیت میں طلاق شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ اللہ نے ایلاء کے لئے چار ماہ کا وقت متعین فرمایا اور ظہار میں کفارہ مقرر کیا۔ (ابن ابی حاتم) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "منکم" سے استدلال کیا ہے کہ کافر اس آیت میں داخل نہیں کیونکہ یہ خطاب مومنین کو ہے۔ جمہور کی رائے ہے کہ ایسا باعتبار غلبہ کے کہہ دیا گیا ہے۔ اس کا کوئی مفہوم نہیں۔ جمہور علماء نے مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ سے استدلال کیا ہے کہ لونڈی سے ظہار نہیں ہوتا۔ اور وہ اس خطاب میں داخل نہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 3

2۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 102، در منثور، جلد 8 صفحہ 77، بیہقی سنن کبریٰ جلد 7 صفحہ 385-384

فَمَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۔۔ آدمی کے یہ کہہ دینے سے ”تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے“ وغیرہ بیوی ماں نہیں بن جاتی۔ اس کی ماں وہی ہے جس نے اسے جنا ہے۔

مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا فحش باطل کلام۔

لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ یعنی جاہلیت میں تم سے جو کچھ سرزد ہوا۔ اسی طرح سبقت لسانی سے جو بات منہ سے نکل گئی اور متکلم کا یہ قصد نہ تھا۔ جس طرح ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو سنا وہ اپنی عورت کو کہہ رہا تھا اے میری بہن۔ آپ نے پوچھا: ”کیا یہ تمہاری بہن ہے؟“ (1) یہ اس کی بات کا انکار ہے لیکن اتنی بات سے وہ عورت اس پر حرام نہیں فرمائی کیونکہ اس کا یہ قصد نہ تھا۔ اور اگر اس کا یہ ارادہ ہوتا تو وہ اس پر حرام ہو جاتی۔ کیونکہ صحیح روایت کے مطابق ماں اور دیگر محارم بہن، پھوپھی اور خالہ وغیرہ میں کوئی فرق نہیں۔

ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا سلف اور آئمہ کا اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ لفظ ظہار کی طرف لوٹنے اور اسے دوبارہ کہے۔ یہ قول باطل ہے۔ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے پسند کیا ہے۔ داؤد، فراء (2) اور اہل کلام کے ایک فرقہ کی یہی رائے ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ظہار کیا پھر اس عورت کو روکے رکھا۔ یہاں تک کہ اتنا زمانہ گزر گیا کہ اگر وہ چاہتا تو اس میں طلاق دے سکتا تھا مگر اس نے طلاق نہ دی۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جماع کی طرف لوٹے یا لوٹنے کا ارادہ کرلے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ اس سے مراد جماع کا ارادہ یا بسانے کا عزم یا صرف جماع ہے۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تحریم کے بعد اب کوئی ظہار کی طرف لوٹے۔ پس جب آدمی اپنی عورت سے ظہار کرے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی جب تک کفارہ ادا نہ کرے۔ اصحاب ابوحنیفہ اور لیث بن سعد کا یہی قول ہے۔ ابن لہیعہ نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ وہ جماع کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں جسے انہوں نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے فرج میں جماع کرنا کیونکہ ان کی رائے میں کفارہ سے قبل چھونے میں کوئی حرج نہیں۔

مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مس سے مراد نکاح ہے۔ عطاء، زہری، قتادہ اور مقاتل بن حیان رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کے ساتھ بوس وکنار کفارہ ادا کرنے سے قبل جائز نہیں۔ اہل سنن نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں نے اپنی عورت سے ظہار کیا اور کفارہ سے قبل اس سے جنسی ملاپ کرلیا۔ فرمایا: ”اللہ تم پر رحم کرے“ کس چیز نے تمہیں اس پر مجبور کیا تھا۔ وہ کہنے لگا میں نے چاندی کی روشنی میں اس کا پازیب دیکھا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کے حکم کے مطابق کفارہ ادا کرنے سے قبل اس کے قریب نہ جانا۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب صحیح قرار دیا۔ ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے مرسلاً روایت کیا ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صحیح یہی ہے (3)۔

قولہ تعالیٰ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ اسے چھونے سے قبل مکمل غلام آزاد کرنا۔ یہاں رقبہ (غلام) کا لفظ مطلق ہے یہاں ایمان کی قید نہیں۔ اور کفارہ قتل میں مومن غلام آزاد کرنے کی شرط ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مطلق کو اس مقید پر محمول کیا ہے اتحاد موجب کی وجہ

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 264 2۔ فراء، معانی القرآن، جلد 3 صفحہ 139

3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 268، عارضۃ الاحوذی، کتاب الطلاق، جلد 5، صفحہ 177-176، نسائی، کتاب الطلاق، جلد 4 صفحہ 380، ابن ماجہ، کتاب الطلاق، جلد 1 صفحہ 667-666

سے اور وہ غلام آزاد کرنا ہے۔ اس کی تائید امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک سیاہ فام لونڈی کے بارے فرمایا تھا۔ اسے آزاد کردو یہ مومنہ ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی مسند اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے(1)۔

ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں نے اپنی عورت سے ظہار کرلیا ہے اور کفارہ ادا کرنے سے قبل مجامعت بھی کر بیٹھا ہوں۔ سرکار علیہ السلام نے فرمایا: کیا اللہ نے مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا کی قید نہیں لگائی۔ عرض کیا: مجھے بیوی اچھی لگی تھی۔ فرمایا: کفارہ ادا کرنے سے قبل رکے رہو۔

بزار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس سے بہتر روایت مروی نہیں۔ اسماعیل بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں علماء اسماء الرجال نے کلام کیا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے ان سے روایت کیا ہے۔ اس سے یہ سمجھ آتی ہے کہ سرکار علیہ السلام نے اسے صرف ایک کفارہ ہی ادا کرنے کا حکم فرمایا۔

تُوْعَظُوْنَ بِهٖ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے۔ خَبِیْرٌ تمہاری مصلحتوں سے خبردار اور تمہارے احوال کا جاننے والا ہے۔ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ اس ترتیب کے ساتھ کفارہ ادا کرنے کی مرویات گزر چکی ہیں۔ جس طرح صحیحین میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کرنے والے کو بھی فرمایا تھا۔ ہم نے یہ احکام اس لئے مقرر کئے ہیں کہ اللہ پر تمہارا کامل ایمان ہوجائے۔

وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ یہ خدا کی مقرر کردہ حدیں ہیں اس کے محارم ہیں۔ ان کی بے حرمتی نہ کرو۔

وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ جو ایمان نہ لائے اور اس شریعت کے احکام کا التزام نہ کیا، یہ مت سمجھو کہ وہ نجات پا جائیں گے۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا جس طرح انہوں نے گمان کیا ہے بلکہ ان کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں دردناک عذاب ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ قَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝ یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَ لَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

"بے شک جو لوگ مخالفت کر رہے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی انہیں ذلیل کیا جائے گا جس طرح ذلیل کئے گئے وہ (مخالفین) جو ان سے پہلے تھے، اور بے شک ہم نے اتاری ہیں روشن آیتیں۔ اور کفار کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔ (یاد کرو) جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو زندہ کرے گا پھر انہیں آگاہ کرے گا جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو گن رکھا ہے اور وہ بھلا چکے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں

1۔ یہ حدیث تفسیر سورۃ نساء آیت 92 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم میں اور نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں کہیں وہ ہوں۔ پھر وہ انہیں آگاہ کرے گا جو (کرتوت) وہ کرتے رہے، قیامت کے دن۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور اس کی شریعت سے سرکشی کی۔

کُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ یعنی ان کی اہانت کی جاسئے گی۔ لعنت اور رسوائی ان کا مقدر ہے جس طرح ان کے پیش رو لوگوں کے ساتھ ہوا۔

اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ: واضح۔ ان سے سرکشی نہیں کرتا یا ان کی مخالفت نہیں کرتا مگر کافر فاجر مکابر۔

عَذَابٌ مُّهِیْنٌ اس لئے کہ انہوں نے شریعت الہیہ کی اتباع کرنے اور اس کے سامنے سرتسلیم خم کرنے سے انکار کیا۔

یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا روز قیامت اولین وآخرین کو ایک ہی جگہ جمع کرے گا۔

فَیُنَبِّئُهُمْ آگاہ کرے گا جو خیر وشر وہ کرتے رہے تھے۔

اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ اللہ نے اسے لکھ کر محفوظ رکھا ہوا ہے حالانکہ وہ اسے بھول چکے تھے۔

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ اس سے کوئی چیز غائب نہیں اور نہ پوشیدہ، اور نہ وہ کوئی چیز فراموش کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کے بارے میں اپنے علم کے احاطہ اور مطلع ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ جہاں ہوں اس کی نظر میں ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ ۔۔ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ تین کی سرگوشی۔

اَیْنَ مَا كَانُوْا ان پر مطلع ہے ان کی گفتگو عیاں ہو یا پوشیدہ اسے سنتا ہے۔ اس کے باوجود اس کے نمائندے سب کچھ لکھ رہے ہیں۔

جیسے ایک اور آیت میں ہے: اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (توبہ:68)۔ اور فرمایا: اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ بَلٰى وَ رُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ (زخرف:80)۔ اکثر علماء نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس آیت سے مراد معیت علمی ہے۔ اور یہ معنی مراد لینے میں کوئی شبہ بھی نہیں۔ مزید برآں اس کی سماعت ان کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے اور اس کی بصارت ان میں نافذ (آر پار) ہے۔ وہ ذات قدس اپنی مخلوق سے آگاہ ہے۔ اس سے ان کی کوئی چیز مخفی نہیں۔

بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آیت کا افتتاح بھی اور خاتمہ بھی علم سے ہوا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ یَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ٘ وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُۙ وَ یَقُوْلُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُۚ یَصْلَوْنَهَاۚ فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰىؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْــٴًـا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝

"کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہیں (اسلام کے خلاف) سرگوشیوں سے روکا گیا پھر دوبارہ وہی کرتے ہیں جس سے انہیں روکا گیا اور سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ، ظلم اور رسول کی نافرمانی کے بارے میں۔ اور جب آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام دیتے ہیں جیسے اللہ نے آپ کو سلام نہیں دیا۔ اور وہ کہا کرتے ہیں آپس میں کہ (اگر یہ سچے رسول ہیں) تو اللہ تعالیٰ ہماری ان باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ کافی ہے انہیں جہنم، اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ اے ایمان والو! جب تم خفیہ مشورہ کرو تو مت خفیہ مشورہ کرو گناہ، زیادتی اور رسول (کریم) کی نافرمانی کے متعلق بلکہ نیکی اور تقویٰ کے بارے میں مشورہ کیا کرو، اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کی (بارگاہ میں) تمہیں جمع کیا جائے گا۔ (کفار کی) سرگوشیاں تو شیطان کی طرف سے ہیں، تاکہ وہ غمزدہ کردے ایمان والوں کو حالانکہ وہ انہیں کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اللہ کے حکم کے بغیر۔ اور اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے اہل ایمان کو"۔

نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یہود ہیں(1)۔ مقاتل اور ابن حیان رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور یہود کے درمیان صلح کا معاہدہ تھا۔ یہود کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی صحابی ان کے پاس سے گزرتا تو وہ بیٹھ کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگتے۔ حتیٰ کہ مومن یہ گمان کرتا کہ وہ اس کے قتل یا اسے آزار پہنچانے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ مومن یہ بات دیکھ کر خدشہ محسوس کرتا اور راستہ بدل لیتا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے انہیں سرگوشیاں کرنے سے منع فرمایا۔ لیکن وہ اپنی عادات خبیثہ سے باز نہ آئے تو یہ آیت نازل ہوئی: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ۔۔۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ باری باری رات کو حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے کہ اگر کوئی خدمت ہو تو انجام دیں۔ ایک رات باری والے بھی آگئے اور ثواب کی نیت سے کچھ اور لوگ بھی آگئے۔ ہم ٹولیاں بن کر ادھر ادھر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے کہ سرکار باہر تشریف لائے اور فرمایا: یہ سرگوشیاں کیا ہیں؟ کیا تمہیں سرگوشیوں سے روکا نہیں گیا۔ ہم نے عرض کیا ہماری توبہ۔ ہم تو مسیح الدجال کا ذکر کر رہے تھے اس کے ڈر کی وجہ سے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ خوفناک چیز کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیوں نہیں۔ فرمایا: مخفی شرک یہ ہے کہ آدمی کسی کو دکھانے کے لئے کوئی کام کرے(2)۔ اس کی سند غریب ہے اور اس میں کچھ ضعیف راوی بھی ہیں۔

وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ کی باتیں کرتے ہیں۔ جس کا تعلق ان کے ساتھ ہے۔

وَالْعُدْوَانِ جس میں دوسروں کا نقصان ہو۔ جیسے حضور کی نافرمانی اور مخالفت۔ وہ اس پر اصرار کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو اس کی وصیت کرتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ: وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں کچھ یہودی آئے۔ اور کہنے لگے السام علیك یا ابا القاسم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواباً کہا وعلیکم السام۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! اللہ تعالیٰ بدکلامی اور یاوہ گوئی کو پسند نہیں کرتا۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ نے نہیں سنا وہ السام علیك کہہ رہے تھے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے سنا جو کچھ میں نے کہا؟ وعلیکم۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَاِذَا جَآءُوْكَ ... صحیح کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 13
2۔ یہ حدیث سورۂ کہف کی آیت: 110 کی تفسیر گزر چکی ہے۔ در منثور، جلد 8 صفحہ 80

روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں جواباً فرمایا: علیکم السام والذام واللعنۃ۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہماری دعا ان کے حق میں مقبول ہے اور ان کی دعا ہمارے حق میں مقبول نہیں (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی آیا سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ سرکار ﷺ نے پوچھا تمہیں پتہ ہے اس نے کیا کہا؟ سب نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اس نے سلام کیا۔ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ اس نے کہا ہے سام علیکم یعنی تمہارا دین مغلوب ہو جائے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا اسے واپس لاؤ۔ اسے واپس بلایا گیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا تم نے سام علیکم کہا تھا؟ اس نے عرض کیا ہاں تو حضور ﷺ نے فرمایا: اہل کتاب میں سے کوئی جب تم کو سلام کہے تو کہو' علیک ' ای علیك ما قلت۔ (جو تم نے کہا تجھ پر ہی ہو) (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتیں صحیح میں موجود ہیں (3)۔

وَيَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ یعنی ایسا کرتے ہیں اور کلام اور سلام کو مبہم رکھ کر تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ اندرون خانہ دشنام طرازی ہے۔ اس کے باوجود وہ آپس میں کہتے ہیں کہ اگر یہ سچے نبی ہوتے تو عذاب خداوندی ہمیں نابود کر کے رکھ دیتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ باتوں سے بھی آگاہ ہے۔ اگر یہ سچے نبی ہوتے تو دنیا میں ہی فوراً خدا کا عذاب ہمیں تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ اور آخرت میں جہنم ہی ان کے لئے کافی ہے۔

يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيرُ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کا شان نزول یہودیوں کا متذکرہ بالا طریقے پر سلام تھا۔ اس کی اسناد حسن ہے اور شیخین نے اسے روایت نہیں کیا (4)۔

عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ منافق حضور ﷺ کو اسی طرح سلام کرتے تھے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی (5)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ... پھر اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ادب سکھاتے ہوئے فرما رہا ہے کہ کفار اور منافقین کی طرح نہ ہو جاؤ۔

فَلَا تَتَنَاجَوْا اس طرح مشورہ نہ کیا کرو جیسے کافر اہل کتاب کے جہلا، اور گمراہی میں ان کے ہمنوا منافقین کرتے ہیں۔

الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ وہ تمہیں تمہارے اعمال واقوال کے بارے میں آگاہ کرے گا جو اس نے گن کر رکھے ہوئے ہیں اور عنقریب تمہیں اس پر جزاء بھی دے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صفوان بن محرز رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا کہ آپ کو ایک آدمی ملا۔ اس نے کہا قیامت کے دن کی سرگوشی کے بارے میں آپ نے حضور ﷺ سے کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کرے گا یہاں تک کہ اسے اپنے ظل عاطفت سے ڈھانپ لے گا اور لوگوں سے اسے پردے میں کر لے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کروائے گا اور کہے گا کیا تم جانتے ہو تم نے فلاں گناہ کیا تھا؟ فلاں گناہ کیا تھا۔ فلاں گناہ کیا تھا۔ حتیٰ کہ جب وہ گناہوں کا اقرار کر چکے گا اور یہ خیال کرے گا کہ میں مارا گیا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی اور آج انہیں بخش رہا ہوں۔ پھر اسے نیکیوں کا

1۔ بخاری، کتاب الادب، فتح الباری، جلد 10 صفحہ 452
2۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 15، فتح الباری، کتاب الاستئذان، جلد 11 صفحہ 42-41
3۔ فتح الباری، کتاب الاستئذان، جلد 11 صفحہ 42-41، مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1807-186
4۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 170
5۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 14

اعمالنامہ دیا جائے گا۔ کفار اور منافقین کے بارے میں گواہ پکار کر کہیں گے انہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے (1)۔ صحیحین میں اسی طرح ہے (2)۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ سرگوشی جس سے مومن کو غلط فہمی ہو۔ یہ سرگوشیاں شیطان کی انگیخت سے ہوتی ہیں۔

لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تاکہ مسلمان ہراساں ہوں اور وہ انہیں کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا مگر اللہ کے حکم سے۔ جو کوئی ایسا خدشہ محسوس کرے تو اعوذ باللہ پڑھے اور اللہ پر بھروسہ کرے اسے وہ چیز نقصان نہیں پہنچائے گی مگر اللہ کے حکم سے۔ حدیث مبارکہ میں ایسی سرگوشی سے منع کیا گیا ہے جس میں مومن کے لئے تکلیف ہو۔ جس طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تم تین آدمی اکٹھے بیٹھے ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی نہ کرو۔ یہ اس کے لئے اذیت کا باعث ہے (3)۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم تین آدمی بیٹھے ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کرنے لگ جاؤ مگر جب وہ اجازت دے کیونکہ وہ آدمی اس طرح آزردہ خاطر ہوگا۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو بیان کیا ہے (4)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

''اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ (آنے والوں کے لئے) جگہ کشادہ کرو مجلس میں تو کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہارے لئے کشادگی فرمائے گا۔ اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا درجات بلند فرما دے گا، اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ادب سکھاتے ہوئے یہ حکم فرما رہا ہے کہ مجالس میں ایک دوسرے سے اچھائی کے ساتھ پیش آؤ۔ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ اسے فی المجلس بھی پڑھا گیا ہے (5)۔

يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ کیونکہ جزا عمل کی جنس سے ہوتی ہے جس طرح صحیح حدیث میں ہے: ''جس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا (6)''۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: ''جس نے کسی تنگ دست پر آسانی کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر آسانی فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہے (7)''۔ اس طرح کی بہت سی حدیثیں ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مجالس ذکر کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ جو لوگ حضور ﷺ کے پاس پہلے سے

1۔ یہ حدیث سورہ ہود آیت: 18 کی تفسیر میں گزر چکی ہے 2۔ ایضاً مرجع مذکور

3۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 432-431، مسلم، کتاب سلام، جلد 4، صفحہ 1718، تحفۃ الاشراف، جلد 7، صفحہ 40

4۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 11، صفحہ 26، مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1718 5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 2، صفحہ 782

6۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 544، مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 378 7۔ مسلم، کتاب الذکر، جلد 4، صفحہ 2074

بیٹھے ہوتے وہ کسی نئے آنے والے کو دیکھتے تو حضور ﷺ کی قریبی جگہ پر براجمان رہنے کی کوشش کرتے۔ تو اللہ نے انہیں یہ حکم دیا کہ آنے والوں کے لئے جگہ کشادہ کریں (1)۔ حضرت مقاتل بن حیان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ آیت جمعہ کے دن نازل ہوئی۔ سرکار دو عالم ﷺ اس روز اصحاب صفہ کے چبوترے پر تشریف فرما تھے۔ جگہ تنگ تھی۔ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ بدری مہاجرین وانصار کی تکریم فرمایا کرتے تھے۔ اس اثناء میں کچھ بدری صحابہ آ گئے۔ مجلس میں جگہ نہ تھی۔ حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر انہوں نے سلام کیا۔ سرکار ﷺ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر حاضرین کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ وہ کھڑے ہو کر یہ انتظار کرنے لگے کہ ان کے لئے جگہ بنائی جائے گی لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ حضور ﷺ ان کے کھڑے ہونے کا مقصد سمجھ گئے۔ آپ ﷺ کو یہ بات ناگوار گزری۔ آپ کے اردگرد غیر بدری مہاجرین وانصار میں سے کچھ لوگ موجود تھے۔ آپ نے فرمایا اے فلاں کھڑے ہو جاؤ۔ اے فلاں تم کھڑے ہو جاؤ۔ اسی طرح آپ نے سب کھڑے لوگوں کو بٹھایا۔ جسے مجلس سے اٹھایا گیا تھا، اسے یہ بات گراں گزری۔ جس کے آثار نبی کریم ﷺ نے ان کے چہروں پر دیکھ لئے۔ منافقین کہنے لگے تم تو کہتے تھے کہ ہمارے نبی لوگوں کے درمیان عدل کرتے ہیں۔ بخدا ہم نے ایسا عدل آج تک نہیں دیکھا کہ کچھ لوگ اپنی جگہ بیٹھے ہیں اور اپنے نبی کے قریب بیٹھنا چاہتے ہیں۔ ان کا نبی انہیں اٹھا کر بعد میں آنے والوں کو بٹھا رہا ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو اپنے بھائی کے لئے جگہ کشادہ کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد لوگ جلدی سے اٹھنے لگے اور تاخیر سے آنے والوں کو جگہ دینے لگے اور یہ آیت جمعہ کے دن نازل ہوئی۔ (ابن ابی حاتم) (2)۔ امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے۔ لیکن سمٹ جاؤ اور کشادگی پیدا کرو۔ یہ روایت صحیحین میں بھی ہے (3)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کوئی آدمی جمعہ کے دن اپنے بھائی کو نہ اٹھائے بلکہ یوں کہے: "کشادگی پیدا کرو (4)۔" یہ سنن کی شرط پر ہے۔ انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے۔ لیکن کشادگی پیدا کرو اللہ تم پر وسعت فرمائے گا (5)۔ احمد رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں (6)۔ کسی آنے والے کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے حدیث "قوموا الی سیدکم" (اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ) سے جواز پر استدلال کیا ہے (7)۔ بعض ممانعت کی طرف گئے ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ من احب ان یتمثل له الرجال قیاما فلیتبوا مقعدہ من النار "جو شخص یہ پسند کرے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں۔ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے" (8)۔

بعض علماء نے اس میں فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی سفر سے آیا ہو یا حاکم کے لئے اس کے محل ولایت میں کھڑا ہونا جائز ہے۔ جس طرح کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ یہ بنو قریظہ کے لئے حکم بنائے گئے تھے۔ جب سرکار ﷺ نے انہیں آتے

1۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 17
2۔ در منثور، جلد 8 صفحہ 81
3۔ فتح الباری، کتاب الجمعہ، جلد 2 صفحہ 393، مسلم کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1714
4۔ مسند الشافعی، جلد 2 صفحہ 187
5۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 523-483-338
6۔ ایضاً مرجع مذکور
7۔ یہ حدیث سورۃ احزاب آیت: 27 کی تفسیر میں گزر چکی ہے، ابوداؤد، جلد 4 صفحہ 355
8۔ ابوداؤد، ترمذی، کتاب الادب، سنن ابوداؤد، جلد 4 صفحہ 358، عارضۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 214-213 طبرانی، المعجم الکبیر، دیکھئے المجمع، جلد 8 صفحہ 40

ہوئے دیکھا تو مسلمانوں سے فرمایا: اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ (1)۔ یہ اس لئے تھا کہ آپ کی ثالثی کو نافذ کروایا جائے۔ واللہ اعلم۔ لیکن یہ عادت بنالینا عجمیوں کا شعار ہے۔ سنن میں ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک کوئی شخص حضور علیہ السلام سے زیادہ محبوب نہ تھا۔ لیکن آپ کو آتا دیکھ کر وہ کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ انہیں حضور علیہ السلام کی ناپسندیدگی کا علم تھا۔ سنن میں مروی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام آتے ہی مجلس کے خاتمہ پر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ لیکن جہاں آپ بیٹھتے وہی صدارت کی جگہ بن جاتی۔ صحابہ کرام حسب مراتب بیٹھا کرتے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ علیہ السلام کے بائیں بیٹھتے اور آپ کے سامنے اکثر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھتے۔ کیونکہ یہ دونوں کاتبین وحی سے تھے۔ سرکار علیہ السلام انہیں اس کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ جس طرح مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: "فہم و فراست والے لوگ میرے قریب بیٹھا کریں۔ پھر درجہ بدرجہ (2)"۔

اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ حضور علیہ السلام کے ارشادات کو بخوبی سمجھیں اسی لئے صفہ والی مجلس میں (جس کا ذکر اوپر ہوا) ان لوگوں کو مجلس سے اٹھنے کا حکم دیا گیا تاکہ بدری لوگ ان کی جگہ بیٹھیں اس کی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے بدریوں کے مرتبے کا خیال نہ رکھا۔ یا پھر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بدری لوگ بھی علم سے اپنا حصہ لیں جس طرح پہلے لوگ لے چکے تھے۔ یا پھر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انہیں یہ تعلیم دینا مقصود ہو کہ افضل کو امام کے قریب بٹھائیں اور انہیں اپنے سے مقدم رکھیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نماز سے قبل ہمارے مونڈھے پکڑ کر صفیں درست کروایا کرتے اور یہ فرماتے: "سیدھے کھڑے ہو، ترچھے نہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو تمہارے دل بھی ٹیڑھے ہو جائیں۔ مجھ سے قریب عقل رسا اور فہم و ذکا والے لوگ کھڑے ہوں پھر اسی طرح درجہ بدرجہ"۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "آج تم لوگ صفوں کو بہت ٹیڑھا رکھتے ہو (3)۔ مسلم اور اصحاب سنن نے اسی طرح روایت کیا ہے ماسوائے ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے (4)۔ جب آپ علیہ السلام کا یہ حکم نماز کے لئے تھا کہ عقلاء اور علماء آپ کے پیچھے ہوں تو نماز کے علاوہ دیگر اوقات میں تو بدرجہ اولیٰ یہی حکم رہے گا۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "صفیں سیدھی رکھو، کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو۔ شگاف کو بند کرو۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ نرم بن جایا کرو۔ شیطان کے لئے خالی جگہیں نہ چھوڑو جس نے صف کو ملایا اللہ اسے ملائے گا۔ جس نے صف کو قطع کیا اللہ اسے کاٹ دے گا (5)"۔ چنانچہ سید القراء حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جب پہلی صف کے پاس پہنچتے تو کسی عامی کو پیچھے ہٹا دیتے اور اگلی صف میں شامل ہو جاتے اور اس حدیث سے استدلال فرماتے: لیلینی منکم...۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اگر کوئی شخص کھڑا ہوتا تو آپ اس کی جگہ نہ بیٹھتے اس حدیث کے مطابق جسے ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ ہم اتنی مقدار پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ اس آیت کی تفصیل کسی اور جگہ کی محتاج ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام تشریف فرما تھے کہ تین افراد آئے۔ ایک کو حلقے میں جگہ مل گئی وہ وہاں بیٹھ گیا۔ دوسرا لوگوں کے

1۔ مسلم، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 323 2۔ ایضاً مرجع مذکور

3۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 122، مسلم، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 323، ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 180، نسائی، جلد 2، صفحہ 88-87، کتاب الصلوۃ، سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 213

4۔ ایضاً مرجع مذکور 5۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 179-178

پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرے نے واپسی کے لئے پیٹھ موڑی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں تینوں کے بارے میں خبر نہ دوں پہلے نے اللہ کی پناہ مانگی۔ اللہ نے بھی اسے پناہ دے دی۔ دوسرے نے حیاء کیا تو اللہ نے بھی اس کا شرم کیا۔ تیسرے نے منہ موڑ لیا تو اللہ نے بھی اس سے منہ موڑ لیا(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی آدمی کے لئے جائز نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان تفریق کرے مگر ان کی اجازت سے(2)۔ ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے(3)۔ حضرت حسن بصری اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے فرمایا ہے کہ مجالس کی کشادگی کا حکم جہاد کے دوران ہے۔

وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا حضرت ابن عباس اور حسن بصری رضی اللہ عنہما کے نزدیک مراد لڑائی کے لئے کمربستہ ہو جاؤ ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب تمہیں بھلائی کی طرف بلایا جائے تو اس پر لبیک کہو۔ مقاتل رحمۃ اللہ عیہ کا قول ہے جب تمہیں نماز کے لئے پکارا جائے تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ صحابہ جب نبی کریم ﷺ کے پاس ہوتے تو واپسی پر ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ وہ سب سے آخر میں جائے۔ یہ بات حضور ﷺ کو گراں گزرتی۔ بسا اوقات آپ کو کوئی کام ہوتا۔ تو انہیں حکم دیا گیا کہ جب واپسی کا حکم ہو تو واپس ہو جایا کرو جیسے اس آیت میں ہے: وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا۔

قولہ تعالیٰ يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ یہ نہ سمجھو کہ اگر تم نے اپنے بھائی کے لئے جگہ وسیع کی جب وہ آیا۔ یا جس وقت واپسی کا حکم ہو تو باہر نکلنا آپ کے حق میں کمی ہے بلکہ اللہ کے ہاں یہ بلند رتبہ ہے اور اللہ اسے ضائع نہیں فرمائے گا بلکہ دنیا و آخرت دونوں میں اس پر جزا عطا فرمائے گا۔ جس نے اللہ کے لئے تواضع کی، اللہ اس کی قدر کو بلند فرمائے گا اور اس کا ذکر پھیلائے گا۔

خَبِيرٌ آگاہ ہے اس سے جو اس بات کا مستحق ہے اور جو مستحق نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ نافع بن عبدالحارث کی ملاقات عسفان کے مقام پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مکہ کا عامل بنایا تھا۔ آپ نے پوچھا اپنا قائم مقام کسے بنا کر آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا ابن ابزیٰ کو۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم نے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) کو ان پر عامل بنایا ہے؟ انہوں نے عرض کی امیر المومنین وہ کتاب اللہ کے قاری، ماہر فرائض اور اچھے واعظ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے نبی ﷺ کا فرمان ہے: "بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن کریم) کی وجہ سے ایک قوم کو بلند مرتبہ عطا فرماتا ہے اور دوسری کو پست فرماتا ہے(4)"۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور یہ متعدد سندوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ علم اور اہل علم کی فضیلت میں نے بخاری کی کتاب العلم کی شرح میں ذکر کی ہے۔ وللہ الحمد و المنۃ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ۚ ذَٰلِكَ
خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ ۚ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑫ أَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُوا
بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ ۚ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا

1۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب العلم، جلد 1، صفحہ 156، مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1713

2۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 213، ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 292، ترمذی، کتاب الادب عارضۃ الاحوذی، جلد 10، صفحہ 211-210

3۔ ایضاً مرجع مذکور 4۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 35، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 585

الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! جب تنہائی میں بات کرنا چاہو رسول (مکرم) سے تو سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا کرو۔ یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے اور (دلوں کو) پاک کرنے والی ہے۔ اور اگر تم (اس کی سکت) نہ پاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ کیا تم (اس حکم سے) ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی سے پہلے صدقہ دینا چاہئے۔ پس جب تم ایسا نہیں کر سکے تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی (پس اب) تم نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو اور زکوۃ دیا کرو، اور تابعداری کیا کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کرتے رہتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم فرما رہا ہے کہ ان میں سے کوئی اگر حضور ﷺ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہے تو اس سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا کرے۔ یہ تمہارے لئے پاکیزگی اور تزکیہ کا باعث ہے نیز تاکہ تم اس قابل بن جاؤ کہ میرے پیغمبر سے مشورہ کر سکو۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا اگر جو اپنے فقر و تنگدستی کی وجہ سے عاجز ہو۔

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یہ حکم صرف اس کے لئے ہے جو اس پر قادر ہو یعنی مالدار ہو۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا کیا تمہیں مناجات سے قبل صدقہ دینے کے اس حکم کے باقی رہ جانے کا خدشہ تھا۔

فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ۔ چنانچہ اس کا وجوب منسوخ کر دیا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی نے اس آیت پر عمل نہیں کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ صدقہ دینے سے قبل مناجات کرنے سے انہیں روک دیا گیا تو صرف حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سرگوشی سے قبل صدقہ دینے کا شرف حاصل کیا۔ آپ نے ایک دینار صدقہ کر کے دس مسائل دریافت کئے پھر رخصت کا حکم نازل ہو گیا(1)۔ لیث بن ابی سلیم نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کتاب اللہ میں ایک آیت ایسی ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد کوئی اس پر عمل کرے گا۔ میرے پاس ایک دینار تھا۔ میں نے اسے دس درہم سے تبدیل کیا۔ میں جب آپ سے سرگوشی کرتا تو پیشگی ایک درہم صدقہ دیتا۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اس آیت پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد کوئی اس پر عمل کرے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ (2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے صدقہ کی مقدار ایک دینار مقرر کرنی چاہئے؟ میں نے عرض کیا: لوگوں کو اس کی طاقت نہیں۔ فرمایا: ''نصف دینار''۔ میں نے عرض کیا ہر شخص کو اس کی طاقت نہیں۔ آپ نے فرمایا تمہاری کیا رائے ہے؟ عرض کیا۔ ایک جو برابر سونا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم تو بہت تھوڑا مقرر کر رہے ہو۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ءَاَشْفَقْتُمْ ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے صدقے اللہ نے اس امت پر تخفیف فرمائی(3)۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسے حسن غریب کہا ہے اور ابویعلیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(4)۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مسلمان حضور ﷺ سے سرگوشی سے قبل

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 20-19 2۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 21، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ مجادلہ، جلد 8، صفحہ 187-186، مسند ابویعلیٰ، جلد 1، صفحہ 223

3۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 20-19 4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 21، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ مجادلہ، جلد 8، صفحہ 187-186، مسند ابویعلیٰ، جلد 1، صفحہ 223

برابر صدقہ نکالتے رہے۔ جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا تو اسے منسوخ کر دیا گیا۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مسلمانوں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں جب عرض و معروض کا سلسلہ دراز کر دیا تو یہ بات حضور ﷺ پر گراں ہوگئی۔ تو اللہ نے اپنے نبی پر تخفیف فرمائی۔ اس کے بعد لوگ کنجوسی کرنے لگے اور سوالات کرنے سے گریز کرنے لگے تو اللہ نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی چنانچہ ان پر وسعت فرمائی اور تنگی نہ فرمائی۔ عکرمہ اور حسن بصری کا قول ہے کہ یہ حکم بعد والی آیت سے منسوخ ہو چکا ہے۔ سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ اور مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے کہ لوگ بکثرت حضور ﷺ سے سوالات کرنے لگے۔ اس آیت نے ساتھ اللہ نے ان کے منہ بند کر دیے۔ چنانچہ اس کے بعد اگر کسی آدمی کو حضور ﷺ سے کوئی کام ہوتا تو وہ پہلے صدقہ دیئے بغیر نہیں کر سکتا تھا۔ جب یہ امر دشوار گزرنے لگا تو اللہ نے اس کے بعد رخصت پر مبنی حکم نازل فرمایا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ حکم صرف دن کی چند ساعتوں تک برقرار رہا پھر منسوخ ہو گیا۔ اسی طرح عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میرے ماسوا کسی نے اس حکم پر عمل نہیں کیا تھا کہ یہ منسوخ ہو گیا (میرا خیال ہے فرمایا) اور دن کا تھوڑا حصہ ہی یہ حکم برقرار رہا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤﴾ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٦﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ ۖ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٨﴾ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٩﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا ان (نادانوں) کی طرف جنہوں نے دوست بنالیا ایسی قوم کو جن پر خدا کا غضب ہوا۔ نہ یہ لوگ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے، یہ جان بوجھ کر جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں۔ تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب۔ بلاشبہ یہ لوگ بہت برے کام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بنا رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال پس وہ (اس طرح) روکتے ہیں اللہ کی راہ سے۔ سو ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔ کچھ نفع نہیں پہنچا ئیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد عذاب الٰہی سے بچانے کے لئے۔ یہ لوگ جہنمی ہیں۔ یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کسی مفید چیز پر تکیہ کئے ہیں۔ خبردار! یہی وہ جھوٹے لوگ ہیں۔ تسلط جما لیا ہے ان پر شیطان نے اور اس نے اللہ کا ذکر انہیں فراموش کرا دیا ہے۔ یہ لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں۔ خوب سن لو! شیطان کا ٹولہ ہی یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے''۔

کفار کے ساتھ منافقین کی در پردہ دوستی کا انکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ وہ نہ تو کفار کے ساتھ ہیں اور نہ مومنین کے ساتھ

جیسے ایک اور آیت میں ہے: مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا (النساء: 143)۔

اور یہاں فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا یعنی جن کے ساتھ منافقین دلی ہمدردیاں رکھتے تھے اور انہیں مخفی طور پر اپنا دوست بنائے ہوئے تھے۔

مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ یعنی یہ منافقین درحقیقت نہ تو اے مومنین تمہارے ساتھ ہیں اور نہ ان یہود کے ساتھ جن سے وہ یارانہ گانٹھتے ہیں۔

پھر فرمایا: يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ منافقین جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں حالانکہ انہیں پتہ ہے کہ وہ جھوٹی قسمیں اٹھا رہے ہیں۔ یہ یمین غموس ہے۔ خصوصاً ان کی ملعون حالت میں۔ ان سے اللہ کی پناہ۔ وہ جب مومنوں سے ملتے تو کہتے ہم ایمان رکھتے ہیں اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں آکر جھوٹی قسمیں اٹھاتے کہ وہ مومن ہیں۔ حالانکہ انہیں پتہ ہوتا کہ وہ جھوٹی قسمیں کھا رہے ہیں کیونکہ وہ اپنی بات کی سچائی کا یقین نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے اللہ نے ان کی قسموں اور گواہی میں جھوٹا ہونے کی گواہی دی۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا اللہ نے ان کے اعمال سیئہ پر عذاب تیار کر رکھا ہے اور کفار سے دوستی، اخلاص اور مومنین سے دشمنی اور فراڈ کی وجہ سے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً یعنی انہوں نے ایمان ظاہر کیا اور باطن میں کفر چھپایا۔ اور جھوٹی قسموں کے سبب بچتے رہے۔ بہت سے لوگ جو حقیقت حال سے آگاہ نہیں دھوکہ کھا جاتے ہیں اور انہیں سچا سمجھنے لگتے ہیں۔ اس طرح وہ بعض لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کا باعث بنے ہیں۔

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ اللہ کے نام کی جھوٹی قسمیں کھانے کی وجہ سے۔

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اللہ کا عذاب جس وقت آجائے گا کوئی چیز اسے ٹال نہ سکے گی۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا قیامت کے دن اللہ ان سب کو جمع کرے گا تو کوئی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔

فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ یعنی وہ آج بھی اللہ عزوجل کے نام کی قسمیں اٹھائیں گے کہ وہ راہ ہدایت اور استقامت پر گامزن تھے، جس طرح وہ دنیا میں قسمیں اٹھایا کرتے تھے۔ کیونکہ آدمی زندگی بھر جو کام کرتا رہے اسی پر اسے موت آتی ہے اور اسی پر وہ اٹھایا جائے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ فعل اللہ کے ہاں بھی فائدہ دے گا جس طرح دنیا میں لوگوں کے سامنے فائدہ دیتا تھا۔ وہ اپنے اوپر ظاہری احکام جاری کریں گے۔

عَلٰى شَيْءٍ یعنی اللہ رب العزت کے سامنے ان کا قسمیں اٹھانا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کا انکار کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ کذب کے ساتھ تاکید لگا کر خبر کو پختہ کر دیا۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے کسی حجرے کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ چند صحابہ کرام آپ کے پاس بیٹھے تھے سایہ دار جگہ کم تھی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ابھی تمہارے پاس ایک آدمی آئے گا۔ جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ جب وہ تمہارے پاس آئے تو اس سے گفتگو نہ کرو"۔ تھوڑی دیر میں نیلی آنکھوں والا شخص آیا۔ حضور ﷺ نے اسے پاس بلا کر فرمایا: تم اور فلاں فلاں شخص مجھے گالیاں کیوں دیتے ہو۔ حضور ﷺ نے چند لوگوں کے نام گنوائے۔

چنانچہ یہ آدمی چلا گیا اور جن کا نام حضور ﷺ نے لیا تھا انہیں لے آیا۔ انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے قسمیں کھائیں اور معذرت کی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ امام احمد اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے (1)۔ اس کی اسناد عمدہ ہے۔ شیخین نے اسے بیان نہیں کیا۔ ان کی حالت کو ایک اور آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا ... كَانُوا يَفْتَرُونَ (انعام: 23)۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ شیطان نے ان کے دلوں پر قابو پالیا ہے اور اللہ کی یاد کو ان کے دلوں سے محو کر دیا ہے۔ شیطان جس پر تسلط جمالے وہ اسی طرح کرتا ہے۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''جس بستی یا جنگل میں تین افراد بھی ہوں اور ان میں نماز قائم نہ ہوتی ہو تو شیطان ان پر چھا جاتا ہے۔ پس تو جماعت کو لازم پکڑ لے۔ بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو۔ یہاں جماعت سے مراد نماز باجماعت ہے (2)''۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ۝ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

''بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی، وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہوں گے۔ اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آ کر رہیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے۔ تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر (پھر) وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی خواہ وہ (مخالفین) ان کے باپ ہوں یا ان کے فرزند ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبہ والے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں نقش کر دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان اور تقویت بخشی ہے انہیں اپنے فیض خاص سے۔ اور داخل کرے گا انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں، وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان سے اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ (بلند اقبال) اللہ کا گروہ ہیں۔ سن لو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہے''۔

اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے سرکش کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ حق سے ایک طرف، اس کی نافرمانی کرنے والے ہیں۔ وہ ایک طرف ہیں اور ہدایت دوسری طرف۔

الْأَذَلِّينَ یعنی بدبخت، راہ حق سے دور، دھتکارے ہوئے دنیا اور آخرت میں ذلیل ترین ہیں۔

كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے اور اپنی ازلی کتاب میں یہ لکھ دیا ہے اور اس کی تقدیر کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں یہ طے کر دیا ہے کہ فتح و نصرت دنیا اور آخرت دونوں میں اسے، اس کی کتاب، اس کے رسولوں اور

1۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 350-267-240، تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 25-23 2۔ سنن ابو داؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 1 صفحہ 150

مومن بندوں کے نصیب میں ہے۔ والعاقبۃ للمتقین اور فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا .. سُوْٓءُ الدَّارِ (غافر:51)۔

اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ: قوی، عزیز کا یہ لکھا ہوا ہے کہ وہ اپنے اعداء پر غالب ہے۔ یہ تقدیر محکم، اور امر مبرم ہے کہ حسن انجام اور نصرت بالآخر دنیا و آخرت دونوں میں مومنین کے لئے ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ ... وہ مخالفت کرنے والوں سے دوستی نہیں رکھتے اگرچہ ان کے قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے فرمایا: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ ... اللّٰهُ نَفْسَهٗ (آل عمران:28) اور فرمایا: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ ..... يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (توبہ:24)۔

سعید بن عبدالعزیز وغیرہ علماء کی رائے ہے کہ یہ آیت ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح کے بارے میں نازل ہوئی۔ غزوۂ بدر کے دن انہوں نے اپنے کافر باپ کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری وقت میں خلیفہ مقرر کرنے کے لئے مجلس شوریٰ بنائی تو فرمایا اگر ابوعبیدہ آج زندہ ہوتے تو میں انہیں اپنا خلیفہ بناتا (1)۔

قولہ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ کہا گیا ہے کہ یہ ابوعبیدہ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے کافر والد کو غزوہ بدر میں قتل کر دیا۔

اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اور یہ حصہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جنہوں نے اپنے بیٹے عبدالرحمن کے قتل کا ارادہ کیا۔

اَوْ اِخْوَانَهُمْ یہ حصہ مصعب بن عمیر کے بارے میں جنہوں نے اپنے بھائی کو بدر کے دن قتل کیا۔

اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جنہوں نے اس دن اپنا قریبی عزیز قتل کیا نیز حمزہ، علی اور عبیدہ بن حارث کے بارے میں جنہوں نے عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو اس دن قتل کیا (2) واللہ اعلم۔

(مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں اسی قبیل سے ہے حضور ﷺ کا اساریٰ بدر کے بارے میں مسلمانوں سے صلاح مشورہ کرنا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ان سے فدیہ لیا جائے جو مسلمانوں کے لئے تقویت کا باعث ہو یہ ہمارے ہی قریبی عزیز ہیں۔ شاید اللہ انہیں ہدایت عطا فرما دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میری رائے ہے کہ میرا فلاں قریبی عزیز مجھے عطا فرمایئے تاکہ میں اسے قتل کر دوں۔ علی کو عقیل دے دیجئے۔ اسی طرح فلاں کو فلاں تاکہ اللہ جان لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں ....الخ۔

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ .. یعنی جو اس بات سے متصف ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا اگرچہ اس کا باپ یا بھائی ہو۔ اس شخص کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کے دل میں اللہ نے دولت ایمان رکھ دی ہے اور ان کی بصیرت کو ایمان سے مزین کیا ہے اور سعادت ان کے مقدر میں لکھ دی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ انہیں قوت دی ہے۔

قولہ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ.. ....اس سارے کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

قولہ تعالیٰ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ میں سر بدیع یہ ہے کہ جب وہ اپنے اعزہ و اقرباء سے اللہ کی خاطر ناراض ہو گئے تو اس کے عوض اللہ

1۔ حاکم: مستدرک، کتاب معرفۃ الصحابہ، جلد 2، صفحہ 268، دیکھئے طبقات ابن سعد، جلد 1، صفحہ 300 تا 3، صفحہ 300، اسد الغابہ، جلد 3، صفحہ 128

2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 312

نے انہیں رضا عطا فرمادی اور انہیں اپنے آپ سے راضی کر لیا۔ ابدی نعمتیں، عظیم کامیابی اور فضل عمیم سے نوازا۔

حِزْبُ اللّٰهِ۔ یہ اللہ کا گروہ ہیں یعنی اس کے بندے اور اس کے تکریم یافتگان۔

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ دنیا و آخرت میں ان کی فلاح وسعادت اور نصرت کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ یہ ان لوگوں کے مقابلے میں ہیں جن کا ذکر ہوا گروہ شیطان کا گروہ ہیں۔ پھر فرمایا: اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ذیال بن عباد سے نقل کیا ہے کہ ابوحازم اعرج نے زہری کی طرف لکھا کہ جاہ دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جسے اللہ اپنے اولیاء کے لئے اپنے اولیاء کے ہاتھ پر جاری کرتا ہے۔ یہ لوگ گم نام اور گوشہ نشین ہوتے ہیں۔ ان کا وصف زبان رسالت مآب ﷺ سے یوں بیان ہوا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ گوشہ نشین، متقی، نیکوکار لوگوں کو پسند کرتا ہے جو غائب ہوں تو ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے اور جب موجود ہوں تو انہیں بلایا نہ جائے۔ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ وہ ہر فتنے سے کامیاب ہو کر نکلتے ہیں(1)۔'' یہ ہیں وہ اولیاء اللہ جنہیں اللہ نے اپنا گروہ قرار دیا ہے اور انہیں کامیاب وکامران ہونے کی نوید سنائی ہے۔

نعیم بن حماد رحمۃ اللہ علیہ نے حسن سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! کسی فاجر وفاسق کا مجھ پر کوئی احسان باقی نہ رکھ۔ میں نے تیری نازل کردہ وحی میں پڑھا ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ یعنی ایماندار مخالفین کے دوست نہیں ہوتے(2)۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بادشاہ سے میل جول رکھتے ہوں(3)۔ ابواحمد العسکری رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح مروی ہے(4)۔

سورۂ مجادلہ کی تفسیر ختم ہوئی

وللہ الحمد والمنۃ

1۔ ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 1321-1320
2۔ تفسیر قرطبی، جلد 17، صفحہ 308
3۔ ایضاً مرجع مذکور
4۔ البدایہ والنہایہ، جلد 11 صفحہ 343-342

سورۂ حشر

بقول ابن عباس سورۂ بنی نضیر

حضرت سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے میں نے ابن عباس سے عرض کیا یہ سورۂ حشر ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ قبیلہ بنونضیر کے بارے میں اتری ہے۔ بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے جواباً فرمایا: یہ سورت بنونضیر ہے (1)۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَ ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ ھُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ
کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ مِنْ دِیَارِھِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕؔ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ
مَّانِعَتُھُمْ حُصُوْنُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ فَاَتٰىھُمُ اللّٰہُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ٭ وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ
الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِاَیْدِیْھِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ٭ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ○
وَ لَوْ لَآ اَنْ کَتَبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَھُمْ فِی الدُّنْیَا ؕ وَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابُ النَّارِ ○
ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ شَآقُّوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ ۚ وَ مَنْ یُّشَآقِّ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○ مَا
قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَۃٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْھَا قَآئِمَۃً عَلٰٓی اُصُوْلِھَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ وَ لِیُخْزِیَ الْفٰسِقِیْنَ ۵

"اللہ ہی کی پاکی بیان کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ اور وہی سب پر غالب، بڑا دانا ہے۔ وہی تو ہے جو باہر نکال لایا اہل کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی جلاوطنی کے وقت۔ تم نے کبھی یہ خیال بھی نہ کیا تھا کہ وہ نکل جائیں گے، اور وہ بھی گمان کرتے تھے کہ انہیں ان کے قلعے بچائیں گے اللہ (کے قہر) سے۔ پس آیا ان پر اللہ (کا قہر) اس جگہ سے جس کا انہیں خیال بھی نہ آیا تھا اور اللہ نے ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب چنانچہ وہ برباد کر رہے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے۔ پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو۔ اور اگر نہ لکھ دی ہوتی اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی تو انہیں عذاب دے دیتا اس دنیا میں۔ اور ان کے لئے آخرت میں تو آگ کا عذاب ہے ہی۔ یہ سزا اس لئے دی گئی کہ انہوں نے مخالفت کی تھی اللہ اور اس کے رسول کی۔ اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ عذاب دینے میں بڑا سخت ہے۔ جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو تم نے چھوڑ دیا کہ کھڑے رہیں اپنی جڑوں پہ تو

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ حشر، جلد 8، صفحہ 629-628، مسلم، کتاب التفسیر، جلد 4، صفحہ 2322

یہ (دونوں باتیں) اللہ کے اذن سے تھیں تا کہ وہ رسوا کرے فاسقوں کو"۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے اس کی تسبیح و تقدیس، تمجید اور توحید کے ترانے گا رہی ہے جیسے ارشاد ہوتا ہے: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۚ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (الاسراء: 43)۔

اَلْعَزِيْزُ: ای منیع الجناب، عالی جناب۔

اَلْحَكِيْمُ: اپنی تقدیر اور شرع میں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اہل کتاب سے مراد یہاں یہود بنو نضیر ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور زہری رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہ قول ہے۔ حضور ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو ان سے امن کا معاہدہ طے فرمایا اور یہ عہد نامہ طے پایا کہ فریقین ایک دوسرے سے لڑائی نہیں کریں گے لیکن انہوں نے عہد شکنی کی تو اللہ نے اپنا عذاب ان پر نازل فرمایا جسے لوٹانے والا کوئی نہ تھا۔ ان پر اپنی قضا نازل کی جسے روکنے والا کوئی نہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے انہیں ان کے مضبوط قلعوں سے نکال کر جلاوطن کر دیا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کی یہ گڑھیاں عذاب الٰہی سے مانع ہیں۔ لیکن کسی چیز نے فائدہ نہ دیا۔ ان پر وہ آفت پڑی جس کا انہیں خواب و خیال تک نہ تھا۔ سرکار ﷺ نے انہیں مدینہ سے جلاوطن کر دیا۔ ان کا ایک گروہ ملک شام کے بالائی حصے میں اُذرِعات کے مقام پر آباد ہو گیا۔ یہ حشر و نشر کی جگہ ہے۔ ان میں سے ایک گروہ خیبر کی طرف چلا گیا۔ ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ اپنے اونٹوں پر جو کچھ لاد کر لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ وہ اپنی ان منقولات کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر رہے تھے جنہیں وہ اپنے ساتھ لے جانے پر قادر تھے۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا:

يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ ...۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ اس آدمی کے انجام میں غور و فکر کرو جس نے اللہ اور اس کے رسول کے امر کی مخالفت کی اور اس کی کتاب کی تکذیب کی۔ اس کے لئے کس طرح دنیا میں رسوا کن عذاب اترتا ہے اور آخرت میں بھی اس کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ کفار قریش نے عبداللہ بن ابی اور اوس و خزرج کے دیگر بت پرست افراد کو لکھا۔ یہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے اور حضور ﷺ ان دنوں مدینے میں تشریف فرما تھے: تم نے حضور ﷺ کو اپنے ہاں ٹھہرایا ہے۔ ہماری قسم ہے کہ تم اس سے لڑائی کرو یا تم اس کو نکال دو یا ہم تم پر چڑھائی کریں گے۔ تمہارے جنگجو افراد کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو حلال سمجھیں گے۔ ابن ابی اور اس کے ساتھیوں کو جب یہ خط ملا تو انہوں نے حضور ﷺ سے لڑائی کا پروگرام بنا لیا۔ حضور ﷺ کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو ان سے ملے اور فرمایا: قریش کی دھمکی کام کر گئی ہے۔ وہ تمہیں اتنا فریب نہیں دے سکتے تھے جتنا تم اپنے آپ کو دے رہے ہو۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو قتل کرو۔ حضور ﷺ کی بات سن کر وہ ادھر ادھر بکھر گئے اور لڑائی کا پروگرام ملتوی کر دیا۔ قریش کو بھی یہ خبر مل گئی۔ واقعہ بدر کے بعد انہوں نے یہود کو لکھا تم مضبوط قلعوں اور اسلحہ والے ہو ہمارے ساتھی کے ساتھ جنگ کرو ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ سلوک کریں گے اور ہمارے اور تمہاری عورتوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو گی۔ جب ان کا خط حضور ﷺ تک پہنچا تو بنو نضیر نے عہد شکنی پر کمر باندھ لی اور حضور ﷺ کو پیغام بھیجا کہ تیس آدمی لے کر آئیے تا کہ ہمارے تیس علماء سے ملیں۔ آپس میں بات چیت ہو۔ اگر یہ لوگ آپ کو سچا مان لیں اور ایمان لے آئیں تو ہم بھی ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ اگلے دن سرکار ﷺ نے اپنے دستوں کے ساتھ ان کا محاصرہ کر لیا اور فرمایا: نئے سرے سے معاہدہ کرو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ اگلی صبح آپ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کر

لیا اور بنونضیر کو چھوڑ کر انہیں نئے سرے سے عہد و پیمان کرنے کا حکم دیا۔ وہ مان گئے۔ آپ ﷺ نے وہاں سے فارغ ہو کر دوبارہ بنونضیر سے لڑائی شروع کر دی حتیٰ کہ وہ جلا وطنی پر تیار ہو گئے اور اپنے ساتھ اونٹوں پر سامان، دروازے اور لکڑی لاد کر جلا وطن ہو گئے۔ بنونضیر کی کھجوریں بالخصوص حضور ﷺ کے لئے تھیں اللہ نے آپ کو عطا فرمائی تھیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ۔ یعنی بغیر لڑائی کے ہاتھ آ گئیں۔ حضور ﷺ نے ان میں سے اکثر مہاجرین کے مابین تقسیم کر دیں اور دو انصاریوں کو بھی عطا فرمائیں۔ یہ ضرورت مند تھے۔ ان کے علاوہ کسی انصاری کو کچھ نہ دیا۔ یہی وہ مال تھا جو حضور ﷺ کا صدقہ تھا اور بنوفاطمہ کے پاس رہا(1)۔ اب ہم مختصراً غزوۂ بنونضیر ذکر کرتے ہیں۔ وباللہ المستعان۔

اس کا سبب جیسا کہ اصحاب مغازی وسیر نے ذکر کیا ہے کہ بئر معونہ پر حضور ﷺ کے ستر صحابہ جب شہید ہو گئے۔ ان میں سے عمرو بن امیہ ضمری بچے۔ وہ واپس مدینہ آ رہے تھے کہ موقع پا کر بنوعامر کے دو آدمی قتل کر دیئے حالانکہ ان کے ساتھ حضور ﷺ کا صلح کا معاہدہ تھا جس کا عمرو کو علم نہ تھا۔ واپس آ کر انہوں نے حضور ﷺ کو خبر دی تو آپ نے فرمایا تم نے دو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ اب مجھے ان کی دیت دینا ہوگی۔ بنوعامر بنونضیر کے حلیف تھے۔ سرکار بنونضیر کی طرف دیت کے لئے تشریف لے گئے۔ ان کی گڑھی مدینہ سے کئی میل کے فاصلے پر مشرق میں تھی۔ محمد بن اسحاق نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ دیت میں مدد لینے کے لئے بنونضیر کے پاس گئے۔ بنونضیر دیت دینے پر راضی ہو گئے۔ پھر آپس میں مشورہ کیا کہ یہ بہترین موقع ہے آپ سے چھٹکارا پا لیا جائے۔ سرکار ﷺ ان کے کسی گھر کی دیوار کے پاس تشریف فرما تھے۔ انہوں نے پروگرام بنایا کہ کوئی آدمی چھت پر چڑھ کر اوپر سے پتھر لڑھکا دے تاکہ آپ سے نجات مل جائے۔ عمرو بن جحاش بن کعب اس کام کے لئے مقرر ہوا۔ سرکار ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم وغیرہ تھے۔ آپ کو وحی کے ذریعے ان کی سازش کی خبر مل گئی۔ آپ ﷺ مدینہ کی طرف چل پڑے۔ آپ کے یہاں دیر کرنے کی وجہ سے صحابہ آپ کی تلاش میں نکلے۔ انہیں مدینہ سے آتا ہوا ایک آدمی ملا اس نے بتایا کہ میں نے حضور کو مدینہ میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ صحابہ کرام بھی آپ سے آ ملے۔ حضور ﷺ نے انہیں یہود کی خیانت اور غداری سے آگاہ فرمایا اور ان سے لڑائی کے لئے تیار ہونے کا حکم دیا اور ان کی طرف چل پڑے۔ وہ قلعہ بند ہو گئے۔ سرکار نے ان کی کھجوریں کاٹنے اور جلا دینے کا حکم فرمایا۔ وہ اوپر سے حضور ﷺ کو پکارنے لگے کہ آپ تو زمین میں فساد پھیلانے سے منع کرتے تھے اور فسادیوں کو برا بھلا کہتے تھے۔ پھر یہ کھجوروں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ بنی عوف بن خزرج کا ایک گروہ جن میں عبداللہ بن ابی بن سلول، ودیعہ، مالک بن ابی قوقل، سوید اور داعس وغیرہ شامل تھے نے بنونضیر کو پیغام بھیجا ثابت قدم رہو اور مقابلے پر ڈٹے رہو۔ ہم تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ تمہارا دشمن ہمارا دشمن ہے۔ اگر تم نکلے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے۔ انہوں نے ان کی کمک کا انتظار کیا جو نہ پہنچی۔ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ انہوں نے سرکار سے لڑائی روک دی اور اس شرط پر جلا وطنی پر آمادگی ظاہر کی کہ اسلحہ کے سوا اونٹوں پر جس قدر مال اسباب ساتھ لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمالی۔ یہ لوگ جس قدر ممکن تھا اسباب اونٹوں پر لاد کر نکلے۔ حتیٰ کہ دروازے اکھاڑ کر اونٹوں پر لاد لئے اور چل دیئے۔ وہ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔ بعض شام چلے گئے اور اپنے اموال حضور ﷺ کے حوالے کر دیئے۔ یہ اموال بالخصوص آپ ﷺ کے ہو گئے جہاں چاہیں صرف کریں۔ آپ ﷺ نے انہیں مہاجرین اولین پر صرف کیا ماسوائے انصار کے۔ مگر سہل بن حنیف اور ابو دجانہ سماک بن خرشہ

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الخراج، جلد 3، صفحہ 157-156

نے اپنی تنگدستی کی شکایت کی تو انہیں بھی عطا فرمادیا۔ بنونضیر میں سے صرف دو آدمی مسلمان ہوئے یامین بن عمرو بن کعب بن عمرو بن جحاش اور ابو سعد بن وہب۔ یہ دونوں مسلمان ہو گئے اور ان کے اموال ان کے پاس رہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آل یامین میں سے کسی نے مجھے بتایا کہ حضور ﷺ نے یامین سے فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا تیرے چچا زاد نے میرے ساتھ کیا کرنا چاہا۔ چنانچہ یامین بن عمیر نے ایک آدمی کو کچھ رقم دے کر عمرو بن جحاش کو قتل کرا دیا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سورۂ حشر مکمل طور پر بنونضیر کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ آیت کریمہ میں اَهْلِ الْكِتٰبِ سے مراد قبیلہ بنونضیر ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جسے اس بات میں شک ہو کہ ارض محشر شام کی سرزمین ہے تو وہ اس آیت کو پڑھ لے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے لِاَوَّلِ الْحَشْرِ تک۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا نکل جاؤ؟ انہوں نے عرض کیا کس طرف فرمایا ارض محشر کی طرف (2)۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے بنونضیر کو جلاوطن کر دیا تو فرمایا یہ پہلا حشر ہے اور ہم بھی اس کے پیچھے ہیں۔ (ابن جریر) (3)

قولہ تعالیٰ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا تمہیں یہ خیال نہ تھا کہ تمہارے محاصرے کے دوران اور اتنی قلیل مدت یعنی صرف چھ دنوں میں وہ نکل جائیں گے حالانکہ ان کے قلعے بڑے پختہ اور مضبوط تھے۔

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ... یعنی اللہ کا امر اس طرح آیا کہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ ایک دوسری آیت میں آتا ہے:

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (النحل: 26)

قولہ تعالیٰ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یعنی خوف، بزدلی اور پریشانی۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ ان کا محاصرہ اس ذات نے فرمایا تھا جس کی مدد ایک ماہ کی مسافت سے رعب سے کی گئی ہے۔

قولہ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ اس سے مراد ان کا مکانوں کی خوبصورت چھتیں اور دروازے اکھاڑنا اور انہیں اونٹوں پر لادنا ہے۔ عروہ بن زبیر، عبدالرحمن بن زید بن اسلم وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضور ﷺ ان سے لڑائی کر رہے تھے جب آپ کسی گلی کے صدر دروازے یا مکان پر غالب آتے تو اس کی دیواریں گرا دی جاتیں تاکہ لڑائی کے لئے جگہ کھلی ہو جائے اور یہود بھی جب کسی مکان یا گلی میں مغلوب ہو جاتے تو نقب لگا کر نکلنے کے راستے بناتے جاتے تھے اور مکانوں کو محفوظ بناتے جاتے (4)۔

لَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ... اگر اللہ نے مال و منال سمیت یہ جلاوطنی ان کے مقدر میں نہ لکھ دی ہوتی تو اللہ کے ہاں قتل گرفتاری وغیرہ کی صورت میں دوسرا عذاب نازل ہوتا۔ زہری نے عروہ، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی روایت کیا ہے۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ دار دنیا میں بھی انہیں عذاب ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ دار آخرت میں بھی ان کے لئے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ واقعہ بنونضیر بدر کے چھ ماہ بعد پیش آیا۔ ان کی آبادی مدینہ کے مضافات میں تھی۔ حضور ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا حتیٰ کہ وہ جلاوطنی پر راضی ہو گئے۔ حضور ﷺ نے انہیں شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔ یہ سزا

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 192-190

2۔ بزار، ابن منذر، ابن مردویہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے، در منثور، جلد 8، صفحہ 89، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب البعث، جلد 4، صفحہ 154

3۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 29، در منثور، جلد 8، صفحہ 89 4۔ بیہقی: الدلائل، جلد 3، صفحہ 358، در منثور، جلد 8، صفحہ 97

تورات میں لکھی ہوئی تھی۔ یہ اس قبیلے کی نسل سے تھے جنہیں اس سے قبل کبھی جلاوطن نہیں کیا گیا تھا اور سَبَّحَ لِلّٰهِ سے لے کر الْفٰسِقِيْنَ تک آیتیں اس واقعہ کے بیان میں نازل ہوئیں۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جلاء سے مراد قتل کرنا اور ایک روایت میں فنا کر دینا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جلاء سے مراد لوگوں کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکال دینا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انہیں حضور ﷺ نے شام کی طرف جلاوطن کر دیا اور ہر تین افراد کو ایک اونٹ اور ایک مشک عطا فرمائی۔ یہ جلاء ہے۔

حافظ ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اس شدت سے ان کا محاصرہ کیا کہ وہ بے بس ہو گئے اور سرکار ﷺ کی شرائط پر صلح کر لی۔ انہوں نے یہ شرط لگائی کہ ان کی جان بخشی کی جائے، انہیں ان کے علاقے سے ہر تین کیلئے ایک اونٹ اور مشک سمیت شام کے مقام اذرعات کی طرف جلاوطن کر دیا جائے (1)۔ ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو بنونضیر کی طرف بھیجا کہ انہیں جلاوطنی میں تین دن کی مہلت دیں (2)۔

وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ۔۔ یعنی حتمی، لازمی اور لابدی امر ہے۔

شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللہ نے ان کے ساتھ یہ سلوک اس لئے فرمایا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی خلاف ورزی کی تھی۔ اور سابقہ رسولوں پر حضور ﷺ کے بارے میں جو بشارتیں اتری تھیں۔ ان کی تکذیب کی حالانکہ وہ انہیں اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ جانتے تھے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ۔ اللینۃ: یہ ایک قسم کی عمدہ کھجور ہوتی ہے یہ عجوہ اور برنی کے علاوہ ہے (3)۔ کثیر مفسرین کی رائے ہے کہ عجوہ کے علاوہ دیگر تمام اقسام کی کھجوروں کو لینۃ کہتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہر قسم کی کھجوریں عجوہ میں شامل ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بویرہ بھی اس میں داخل ہے (4)۔

جب حضور ﷺ نے ان کا محاصرہ فرمایا تو ان کی اہانت، ہراساں کرنے اور رعب کی خاطر ان کے کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالنے کا حکم فرمایا۔ محمد بن اسحاق نے یزید بن رومان، قتادہ اور مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے کہ بنوقریظہ نے حضور ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپ تو فساد سے منع کرتے ہیں پھر کھجوروں کے درخت کیوں کاٹ رہے ہیں؟ تو اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ جو درخت تم نے کاٹے ہیں یا باقی چھوڑ دیے ہیں سب اللہ کے اذن، مشیت، تقدیر اور رضا سے ہے۔ اس کا مقصد دشمن کو رسوا کرنا اور اطاعت پر مجبور کرنا ہے (5)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بعض مہاجرین نے ایک دوسرے کو درخت کاٹنے سے منع کیا اور کہا کہ یہ مسلمانوں کا مال غنیمت ہے۔ چنانچہ قرآن کاٹنے سے منع کرنے والے کی تصدیق اور کاٹنے والے کو گناہ سے بری الذمہ قرار دینے کے لئے نازل ہوا اور یہ بتایا کہ ان کا کاٹنا اور چھوڑ دینا اسی کی اجازت سے ہے۔ اسی طرح مرفوع حدیث میں بھی ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مسلمان انہیں قلعوں سے اترنے کا کہہ رہے تھے کہ انہیں درخت کاٹنے کا حکم ملا۔ یہ چیز ان کے دلوں میں کھٹکی۔ چنانچہ مسلمانوں نے آپس میں طے کیا کہ کچھ درخت کاٹ دیتے ہیں اور کچھ چھوڑ دیتے ہیں اور حضور ﷺ سے پوچھتے ہیں کیا درخت کاٹنے پر کوئی اجر ہے؟ یا نہ کاٹنے پر کوئی سزا؟ تو یہ آیت اتری (6)۔ حافظ ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

1۔ بیہقی: الدلائل، جلد 3، صفحہ 359 — 2۔ الدلائل، جلد 3، صفحہ 360، مغازی الواقدی، جلد 1، صفحہ 367-366

3۔ مجاز القرآن، جلد 2، صفحہ 256 — 4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 33 — 5۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 34

6۔ نسائی، سنن کبریٰ، کتاب السیر و التفسیر، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 408، ترمذی، کتاب التفسیر، عارضۃ الاحوذی، جلد 8، صفحہ 189-188

روایت کیا ہے کہ انہیں کھجوروں کے درخت کاٹنے کی رخصت دی گئی۔ پھر سختی کردی گئی تو وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہمارا درخت کاٹنا گناہ ہے یا چھوڑ دینا قابل مواخذہ؟ تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے بنونضیر کے کھجوروں کے درخت کاٹنے اور جلا دیئے (2)۔ صحیحین میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنونضیر اور بنوقریظہ نے جنگ کی۔ بنونضیر کو جلا وطن کردیا گیا اور بنوقریظہ کو مدینہ میں ہی رہنے دیا گیا۔ حضور ﷺ نے ان پر یہ احسان فرمایا لیکن بالآخر جب بنوقریظہ نے بھی لڑائی کی تو ان کے مردوں کو قتل کیا گرفتار کیا گیا اور ان کی عورتیں، اولاد اور اموال مسلمانوں میں تقسیم کردیئے گئے مگر ان کے بعض لوگ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے۔ آپ نے انہیں امان عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہوگئے۔ مدینہ کے تمام یہودی جلاوطن کردیئے گئے۔ بنوقینقاع جو کہ عبداللہ بن سلام کا قبیلہ تھا، بنوحارثہ اور کل یہود مدینہ کو جلاوطن کردیا گیا (3)۔ ان تمام واقعات کو عرب شعراء نے نہایت حسن وخوبی سے نظم کے پیرایئے میں بند کیا ہے۔ یہ سب قصائد سیرت ابن اسحٰق میں موجود ہیں۔ ان میں آداب، مواعظ، حکمت آموز باتیں، نصائح اور واقعہ کی دیگر تفصیلات ہیں۔ ہم ان تفصیلات کو اختصار کی غرض سے ترک کر رہے ہیں۔ وللّٰہ الحمد والمنۃ (4)۔ ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ واقعہ بنونضیر غزوۂ احد اور سانحہ بئر معونہ کے بعد پیش آیا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ بنونضیر بدر کے چھ ماہ بعد پیش آیا (5)۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

"اور جو مال پلٹا دیئے اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان سے سو نہ تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ بلکہ اللہ تعالیٰ تسلط بخشتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ جو مال پلٹا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے تو وہ اللہ کا ہے، اس کے رسول کا ہے اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ تاکہ وہ مال گردش نہ کرتا رہے تمہارے دولت مندوں کے درمیان۔ اور رسول (کریم) جو تمہیں عطا فرمادیں وہ لے لو۔ اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ، اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ یہاں فیٔ کی تعریف اور حکم بیان فرما رہے ہیں۔ مال فیٔ: وہ مال ہوتا ہے جو لڑائی کے بغیر قبضے میں آجائے جیسے بنونضیر کے

1۔ مسند ابو یعلی، جلد 2، صفحہ 443، مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 122
2۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 7-8
3۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 329، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1365-1366
4۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 195-196
5۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 329

یہ اموال۔ مسلمانوں نے ان کے لئے جنگ نہیں کی تھی نہ دعوت مبارزت دی تھی بلکہ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تو اللہ نے یہ اموال اپنے رسول کو پلٹا دیئے کہ جس طرح چاہیں تصرف میں لائیں۔ چنانچہ آپ نے کار خیر اور ان مصالح جن کا ذکر ان آیات میں آیا ہے کے لئے مسلمانوں کو لوٹا دیئے۔

مِنْهُمْ یعنی بنونضیر سے۔ رِکَاب: اونٹ۔ قَدِیْرٌ: وہ قدرتوں والا ہے کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا۔ بلکہ وہ ہر چیز پر تسلط رکھتا ہے۔

مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى تمام شہر جو فتح ہوں گے ان کا حکم اموال بنونضیر کی طرح ہی ہے۔

فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى یہاں سے اموال فے کے مصارف کا بیان ہو رہا ہے جو اس آیت اور بعد والی آیت میں ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اموال بنونضیر ان میں سے تھے جو اللہ نے اپنے رسول کی طرف لوٹائے، جن پر مسلمانوں نے نہ تو گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔ یہ خالصۃً حضور ﷺ کے لئے تھے۔ آپ ان میں سے اپنے گھر والوں کو سال کا خرچ دیتے تھے اور بقایا جہاد کے لئے اسلحہ اور گھوڑوں کی خریداری میں صرف کرتے (1)۔ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں مختصراً اسی طرح روایت کیا ہے۔ اصحاب صحاح ستہ نے ماسوائے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے اسے روایت کیا ہے (2)۔ ہم نے اسے مطولاً بھی روایت کیا ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے مالک بن اوس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دن چڑھے مجھے بلا بھیجا۔ میں حاضر ہوا تو آپ ایک ننگی چارپائی پر (جو کھجور کے پتوں اور شاخوں سے بنی ہوئی تھی) تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھ کر آپ نے فرمایا: اے مالک! تیری قوم کے شعراء اور قصیدہ گو حاضر ہوئے ہیں میں نے انہیں کچھ دینے کا حکم دیا ہے تم اسے ان کے مابین تقسیم کر دو۔ میں نے عرض کیا اگر آپ کسی اور کو یہ حکم فرماتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ آپ نے فرمایا: تم ہی تقسیم کرو۔ اتنے میں آپ کا غلام یرفا اندر آیا اور عرض کیا امیر المومنین! حضرات عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تشریف لائے ہیں کیا انہیں اندر آنے کی اجازت ہے؟ فرمایا ہاں۔ انہیں اجازت ملی تو وہ اندر آ گئے۔ پھر دوبارہ یرفا اندر آیا اور عرض کیا امیر المومنین حضرات عباس اور علی رضی اللہ عنہما تشریف لائے ہیں اور اجازت طلب کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں انہیں اندر آنے دو۔ وہ اندر آئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امیر المومنین! ہمارے درمیان فیصلہ کیجئے۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا ہاں امیر المومنین ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دو اور انہیں راحت پہنچاؤ۔ مالک بن اوس کا قول ہے کہ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ یہ لوگ بھی اسی نیت سے آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جلدی نہ کرو۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر آپ ان حضرات کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین اور آسمان قائم ہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ہمارا ورثہ نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں صدقہ ہوتا ہے۔ انہوں نے اقرار کیا۔ پھر آپ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں تمہیں اس رب کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین اور آسمان قائم ہیں کیا تم جانتے ہو کہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا: ہمارا ورثہ نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں صدقہ ہوتا ہے۔ ان دونوں نے بھی اقرار کیا تو آپ نے فرمایا اللہ نے اپنے رسول کو ایک خصوصیت عطا فرمائی تھی یہ اور کسی کے لئے نہ تھی۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۔۔ اور فرمایا اللہ نے بنونضیر کے اموال حضور کو عطا فرمائے تھے۔ اللہ کی قسم نہ آپ نے

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 25-48، فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 93، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1377-1376، سنن ابوداؤد، کتاب الخراج والامارۃ، جلد 3، صفحہ 141، نسائی، کتاب قسم الفئی، جلد 7، صفحہ 132، عارضۃ الاحوذی، ابواب الجہاد، جلد 7، صفحہ 218-215

2۔ ایضاً مرجع مذکور

تم پر کسی کو ترجیح دی اور نہ خود سارے کا سارا لے لیا۔ رسول اللہ ﷺ اس میں سے اپنا اور اہل خانہ کا سال بھر کا نفقہ لے لیا کرتے تھے اور باقی مثل بیت المال کے ہوتا تھا۔ پھر ان چاروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے صدقے زمین و آسمان قائم ہیں کیا تمہیں یہ علم ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر ان دونوں سے قسم دے کر پوچھا انہوں نے بھی ہاں کہی۔

پھر فرمایا حضور ﷺ کے فوت ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کا ولی ہوں۔ تم اور یہ دونوں ابوبکر کے پاس آئے تم اپنے بھتیجے کے مال سے ورثہ طلب کر رہے تھے اور یہ اپنی بیوی کے والد کی میراث مانگ رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے ہمارا ورثہ تقسیم نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ابوبکر راست باز، نیکوکار اور حق کی اتباع کرنے والے تھے۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس مال کو اپنی تولیت میں لے لیا۔ جب وہ فوت ہو گئے تو میں نے کہا میں رسول اللہ کا اور ابوبکر کا ولی ہوں۔ پھر وہ مال کچھ عرصہ میری تولیت میں رہا۔ پھر تم دونوں آئے۔ تمہارا مسئلہ ایک ہے تم نے مجھ سے یہ مانگا جس کے جواب میں میں نے کہا کہ میں تمہیں اس شرط پر دینے کو تیار ہوں کہ تم اسے اسی طرح صرف کرو گے جس طرح رسول اللہ ﷺ اسے خرچ کرتے تھے۔ تم نے اس شرط پر یہ مال لے لیا۔ اب تم آئے ہو کہ میں اس کے علاوہ کوئی فیصلہ کروں۔ اللہ کی قسم میں اس کے علاوہ فیصلہ نہیں کروں گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے۔ اگر تم عاجز ہو اور اس کی نگرانی نہیں کر سکتے تو مجھے یہ واپس کر دو (1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لوگ نبی کریم ﷺ کو اپنی کھجوروں کے درخت دے دیا کرتے تھے حتیٰ کہ جب بنو قریظہ اور بنو نضیر فتح ہو گئے تو سرکار لوگوں کے اموال واپس کرنے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے گھر والوں نے بھی مجھے بھیجا کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کروں کہ ہمارا سارا مال یا کچھ حصہ جتنا چاہیں ہمیں واپس فرما دیں۔ آپ ﷺ نے یہ سب کچھ ام ایمن کو عطا فرما دیا تھا یا جسے اللہ نے چاہا۔ میں نے سرکار ﷺ سے پوچھا تو آپ نے یہ سب کچھ مجھے مرحمت فرما دیا۔ ام ایمن آئیں۔ انہیں جب پتہ چلا تو انہوں نے کپڑا میری گردن میں ڈال دیا اور فرمانے لگیں خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! حضرت تمہیں کچھ نہیں دیں گے آپ یہ سب کچھ مجھے دے چکے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا: ام ایمن تمہیں یہ یہ چیزیں اس کے بدلے میں دی جائیں گی۔ وہ کہتی رہیں ہرگز نہیں اور سرکار فرماتے رہے ہم تمہیں اس کے بدلے اتنا مال دیں گے حتیٰ کہ میرا خیال ہے کہ جب آپ نے تقریباً دس گنا دینے کا وعدہ فرمایا تو وہ راضی ہوئیں (2)۔ بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے (3)۔ اس آیت میں مذکورہ مصارف پر ہی غنیمت کا پانچواں حصہ بھی صرف ہوگا۔ سورۂ انفال میں ہم نے اس پر بحث کی ہے۔ یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ وللہ الحمد۔

قولہ تعالیٰ: كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ ہم نے مال فے کے یہ مصارف اس لئے بیان کئے ہیں کہ یہ مال اغنیاء کا لقمہ نہ بن جائے کہ وہ اسے اپنی خواہشات اور آراء کے مطابق صرف کریں اور فقراء کو کچھ نہ دیں۔

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الخراج والامارۃ، جلد 3، صفحہ 139-140

2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 219، فتح الباری، کتاب فرض الخمس، جلد 6، صفحہ 227، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 339، جلد 7، صفحہ 410-411، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1392-1393

3۔ فتح الباری، کتاب فرض الخمس، جلد 6، صفحہ 197-198، مسلم، کتاب الجہاد والسیر، جلد 3، صفحہ 1377-1379، عارضۃ الاحوذی، ابواب السیر، جلد 7، صفحہ 112-113، نسائی کتاب قسم الفئی، جلد 7، صفحہ 136-137

قولہ تعالیٰ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۔ جو حکم وہ دیں اسے کرو اور جس سے روک دیں۔ اس سے اجتناب کرو، وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

ابن ابی حاتم نے مسروق رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں آئی اور دریافت کیا مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ سوئی سے گودنے اور بالوں میں جوڑ لگانے سے منع فرماتے ہیں۔ کیا آپ نے کتاب وسنت میں اس کی کوئی دلیل پائی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں کتاب اللہ میں بھی اور حدیث مبارکہ میں بھی اس کی ممانعت موجود ہے۔ اس عورت نے کہا خدا کی قسم دونوں لوحوں کے درمیان جو قرآن مجید ہے میں نے اس کی ورق گردانی کی ہے لیکن مجھے تو یہ بات کہیں نظر نہیں آئی جو آپ کہہ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے آیت مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ نہیں پڑھی۔ اس نے کہا ہاں کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا آپ بالوں میں جوڑ لگانے، سوئی سے گودنے اور چہرے سے بال اکھیڑنے سے منع فرما رہے تھے۔ اس عورت نے کہا یہ چیز تو آپ کے گھر میں بھی ہے آپ نے فرمایا جا کر دیکھو۔ وہ اندر گئی اور دیکھ کر آئی۔ کہنے لگی میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی۔ آپ نے فرمایا کیا تمہیں نیک بندے کی وصیت یاد نہیں: وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ (ہود: 88)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "اللہ نے لعنت فرمائی ہے گودنے والیوں، گدوانے والیوں، بالوں میں جوڑ لگانے والیوں، حسن اور خوبصورتی کے لئے اپنے دانتوں میں کشادگی کرنے والیوں، اللہ کی تخلیق کو بدلنے والیوں پر لعنت فرمائی ہے"۔ بنو اسد کی ایک عورت جس کا نام ام یعقوب تھا، نے اپنے گھر میں یہ بات سنی تو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا میں نے سنا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں میں اس عورت پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ اور اس کے رسول نے لعنت فرمائی ہے۔ اس نے عرض کیا میں نے پورا قرآن پڑھا ہے لیکن مجھے تو یہ حکم نہیں ملا۔ آپ نے فرمایا: اگر تو پڑھتی تو تمہیں مل بھی جاتا۔ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ ۔ اس نے عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا: حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ وہ کہنے لگی میرا خیال آپ کی بیویاں ایسے کرتی ہیں۔ آپ نے فرمایا: جاؤ، دیکھو۔ وہ گئی اور کچھ نہ دیکھا تو آ کر کہنے لگی میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا اگر ایسا ہوتا تو ہم جمع نہ ہوتے یعنی یہ میرے گھر میں نہ ہوتیں (1)۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے (2)۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جس قدر استطاعت ہو اس پر عمل کرو اور میں جس چیز سے روک دوں تو اس سے اجتناب کرو (3)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس بات کی گواہی دی کہ حضور ﷺ نے کدو کے برتن، سبز گھڑے، لکڑی کے کریدے ہوئے برتن اور تارکول ملے ہوئے برتن میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی (وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ ۔ (4)۔

شَدِيْدُ الْعِقَابِ اس کے اوامر کو بجا لانے، نواہی سے بچنے کے معاملہ میں اس سے ڈرو۔ وہ نافرمانی کرنے والے اور اوامر کو بجا نہ لانے اور نواہی سے نہ رکنے والے کو شدید عذاب دے گا۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 434-433 2۔ صحیح البخاری، تفسیر سورۃ حشر، جلد 8، صفحہ 230، مسلم، کتاب اللباس، جلد 3، صفحہ 1678

3۔ صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، جلد 13، صفحہ 21، مسلم کتاب الفضائل، جلد 4، صفحہ 1830

4۔ نسائی، سنن کبریٰ، کتاب تفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 449

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

"(نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لئے ہے جنہیں (جبراً) نکالدیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی راست باز لوگ ہیں۔ اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو۔ اور جس کو بچا لیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں۔ اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے۔ جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لئے اے ہمارے رب! بے شک تو رؤف رحیم ہے"۔

مال فے کے مستحقین فقراء کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جنہیں اپنے گھر سے نکال دیا گیا اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی رضا کی خاطر اپنی قوم کی مخالفت کی۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے قول و فعل میں سچے ہیں یہ سادات مہاجرین ہیں۔ پھر انصار کی مدح کرتے ہوئے اور ان کی فضیلت، بزرگی، سخاوت، عدم حسد اور ضرورت کے باوجود اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینے جیسی صفات کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ ۔ یعنی مہاجرین سے قبل دار ہجرت میں مقیم تھے اور ان میں سے بہت سے لوگوں سے پہلے مسلمان ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اپنے بعد والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے حق کا لحاظ رکھے۔ ان کی بزرگی کو محفوظ رکھے اور میں اسے وصیت کرتا ہوں کہ انصار سے حسن سلوک سے پیش آئے جو مہاجرین کی آمد سے پہلے دار ہجرت کے باسی ہیں اور ایمان میں ثابت قدم ہیں کہ ان کی نیکی کرنے والے کو قبول کرے اور ان کے خطا کار کو معاف کر دے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے یہاں روایت کیا ہے (1)۔

قولہ تعالیٰ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ یعنی اپنی سخاوت اور شرف کی وجہ سے مہاجرین سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے اموال کے ساتھ ان کی

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ حشر، جلد 8 صفحہ 631

خبر گیری کرتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مہاجرین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے تو ان انصار جیسے لوگ نہیں دیکھے۔ قلیل ہونے کے باوجود باحسن طریق خبر گیری کرنے والے ہیں۔ اور کثیر المال ہونے کی صورت میں بھی ان سے بڑھ کر خرچ کرنے والا کوئی نہیں۔ انہوں نے گھر بسانے اور باغات لگانے میں ہماری مدد کی اور ہر چیز میں ہمیں شریک کیا، حتیٰ کہ ہمیں خدشہ ہوا کہ سارا اجر وہ لے جائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، تمہارا ان کے لئے دعا مانگنا تمہارے ساتھ ان کی بھلائی کے قائم مقام ہو جائے گا جب تک تم ان کے لئے دعائے خیر کرتے رہو (1)۔'' میں نے کتب حدیث میں اس سند سے اسے نہیں دیکھا۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے انصار کو بلایا اور انہیں بحرین کا علاقہ دینا چاہا۔ وہ کہنے لگے نہیں یا رسول اللہ ﷺ! مگر جب تک آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اتنا ہی نہ دیں۔ آپ نے فرمایا اگر نہیں لینا چاہتے تو صبر کرو یہاں تک کہ مجھ سے ملو۔ تم میرے بعد دیکھو گے کہ دوسرے لوگوں کو بلا استحقاق تم پر ترجیح دی جائے گی۔'' بخاری اس سند سے اس روایت میں منفرد ہیں (2)۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انصار نے عرض کیا: ہمارے کھجوروں کے باغات ہم میں اور ہمارے بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا: نہیں تم محنت کرو اور ہمیں پھل میں شریک رکھو۔ انہوں نے عرض کیا: سمعنا واطعنا (ہمیں بسر و چشم یہ بھی منظور ہے) (3)۔

وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً ... اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو جو قدر و منزلت اور رتبہ عطا فرمایا ہے حتیٰ کہ ان کا ذکر بھی مقدم فرمایا ہے، انصار اس پر حسد نہیں کرتے۔ حسن بصری نے بھی حاجۃ سے مراد حسد لیا ہے (4)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جو کچھ ان کے بھائیوں کو عطا فرمایا گیا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ اس معنی کی تائید امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ آپ نے فرمایا: ''ابھی تمہارے پاس ایک جنتی شخص آئے گا۔ اتنے میں ایک انصاری آیا۔ اس کی داڑھی سے وضو کے پانی کے قطرات گر رہے تھے۔ اس نے جوتے بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے۔ اگلے دن سرکار ﷺ نے پھر یہی فرمایا: وہی شخص دوبارہ آیا۔ تیسرے دن پھر آپ نے وہی بات دہرائی تو وہی شخص پھر آیا۔ جب سرکار ﷺ مجلس سے اٹھے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس شخص کے پیچھے ہو لئے اور اسے کہا میرا اپنے باپ سے جھگڑا ہو گیا ہے۔ میں نے قسم اٹھائی ہے کہ تین دن تک گھر نہیں جاؤں گا۔ اگر آپ تین دن تک مجھے پناہ دے سکیں تو میں یہ وقت آپ کے ہاں گزاروں۔ اس شخص نے کہا ٹھیک ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے پاس تین راتیں گزاریں۔ آپ نے دیکھا کہ وہ رات کو تہجد کے لئے نہیں اٹھتا۔ بس جب رات کو آنکھ کھل گئی تو بستر پر لیٹے لیٹے اللہ کا ذکر کیا اور تکبیر کہی حتیٰ کہ نماز فجر کے لئے اٹھتا۔ ہاں یہ بات ہے کہ میں نے اس کی زبان سے خیر کے علاوہ اور کوئی کلمہ نہیں سنا۔ جب تین راتیں گزر گئیں تو قریبا مجھے اس کا عمل بہت ہلکا محسوس ہونے لگا۔ میں نے اسے بتایا کہ میرا اپنے باپ سے کوئی جھگڑا یا قطع تعلقی نہ تھی۔ بلکہ میں نے تو تین مرتبہ حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ ابھی تمہارے پاس ایک جنتی شخص آئے گا اور تینوں مرتبہ تم

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 200، ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ، عارضۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 302-301، ابو داؤد کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 255

2۔ فتح الباری کتاب مناقب الانصار، جلد 7، صفحہ 117 3۔ بخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ، جلد 5، صفحہ 8 4۔ طبری، جلد 28، صفحہ 42

آئے۔ چنانچہ میں نے سوچا تمہارے گھر میں پناہ لوں اور تمہارا عمل دیکھوں تاکہ اس کی پیروی کروں۔ لیکن میں نے تمہیں کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا۔ تم یہ بتاؤ تمہیں اس بلند مقام تک کس چیز نے پہنچایا ہے جس کا ذکر حضور ﷺ نے بھی فرمایا ہے۔ اس نے کہا یہی کچھ جو تم نے مشاہدہ کیا۔ جب میں اجازت لے کر چلا تو مجھے بلایا اور کہا: میرا عمل صرف وہی ہے جو تم نے ملاحظہ فرمایا۔ مگر میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے لئے دھوکہ یا حسد کے جذبات نہیں رکھتا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسی چیز نے تمہیں یہاں تک پہنچایا ہے اور اس کی ہر کسی میں طاقت بھی نہیں (1)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے الیوم واللیلۃ میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیحین کی شرط پر صحیح ہے۔ فاللہ اعلم (2)۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے روایت کیا ہے کہ ان انصار میں یہ وصف تھا کہ مہاجرین کو اگر کچھ دیا جاتا تو یہ برا نہیں مانتے تھے۔ لیکن بنونضیر کے اموال جب مہاجرین میں تقسیم ہوئے تو کسی انصاری نے کوئی بات کہی جس پر یہ آیت وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ سے قَدِيْرٌ تک اتری)۔ اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارے بھائی مال اور اولاد چھوڑ کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ہمارا مال ہمارے اور ان کے درمیان برابر تقسیم کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا اس کے علاوہ بھی کچھ ایثار کر سکتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! وہ کیا؟ فرمایا یہ ایسی قوم ہیں جو کام کرنا نہیں جانتے تم گھر وغیرہ آباد کرنے میں ان کی ذمہ داری لو اور پھل ان کے ساتھ تقسیم کرو۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ہمیں یہ بھی منظور ہے (3)۔

خَصَاصَةٌ یعنی حاجت۔ ضرورتمندوں کی حاجات کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں اور ضرورت مند ہونے کے باوجود پہلے لوگوں سے شروع کرتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: افضل صدقہ وہ ہے جو کم مال والا اپنی گنجائش کے مطابق نکالے (4)۔ یہ مقام ان لوگوں سے اعلیٰ ہے جس کا بیان اس آیت میں ہے ارشاد ہوتا ہے: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ (انسان: 8)، وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى (بقرہ: 177) ان لوگوں نے صدقہ دیا اور وہ جو چیز صدقہ دیتے ہیں اسے پسند کرتے ہیں۔ بسا اوقات انہیں اس کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ ان لوگوں نے اپنے فاقہ اور ضرورت کے باوجود ان پر صدقہ کرنے کو ترجیح دی۔ اسی مقام سے ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سارا مال صرف کر دینا۔ حضور ﷺ نے پوچھا اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کا نام (5)۔ اسی طرح پانی کا واقعہ ہے۔ غزوۂ تبوک کے دوران عکرمہ اور ان کے ساتھیوں کو پانی پیش کیا گیا۔ ہر ایک دوسرے کو دینے کا کہہ رہا تھا حالانکہ وہ زخموں سے چور پڑے تھے۔ ایسی حالت میں پانی کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک نے دوسرے کو دینے کا حکم دیا۔ اسی طرح وہ سب شہید ہو گئے اور کسی نے بھی نہ پیا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں ایک آدمی آیا۔ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! مجھے مالی پریشانیوں نے آلیا ہے، بھوکا ہوں۔ آپ نے ازواج مطہرات کے پاس پیغام بھیجا کچھ نہ ملا۔ تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا: ہے کوئی شخص جو آج رات انہیں مہمان ٹھہرائے۔ اللہ اس پر رحم فرمائے! ایک انصاری کھڑا ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں۔ وہ گھر گیا اور بیوی سے کہا یہ حضور ﷺ کا مہمان ہے۔ کوئی چیز بچا کر نہ رکھنا۔ بیوی نے کہا اللہ کی قسم! بچوں کے کھانے کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں۔ اس نے کہا بچے شام کا کھانا طلب کریں تو تم انہیں سلا دینا اور آ کر چراغ بجھا دینا ہم

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 166
2۔ تحفۃ الاشراف، جلد 1، صفحہ 395-394
3۔ طبری، جلد 28، صفحہ 42-41
4۔ فتح الباری، کتاب الحزن والمزارعۃ، جلد 5، صفحہ 8
5۔ ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 68، نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 5، صفحہ 58، مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 358، جلد 3، صفحہ 412-411، جلد 5، صفحہ 265، جلد 5 صفحہ 179-178

بھوکے رہ لیں گے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اگلے دن جب وہ انصاری شخص آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فلاں شخص اور اس کی زوجہ کے فعل سے خوش ہوا ہے یا فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر ہنسے ہیں اور یہ آیت نازل ہوئی ہے: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ(1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دوسری جگہ اور مسلم، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں اس انصاری کا نام ابوطلحہ مذکور ہے(2)۔

قولہ تعالیٰ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ...... یعنی جس نے بخل سے اپنے آپ کو بچالیا وہ نجات پا گیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ظلم سے بچو یہ قیامت کے دن کی تاریکی ہے اور بخل سے بچو۔ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کردیا۔ انہیں انگیخت دی کہ وہ ان کا خون بہائیں اور ان کے محارم کو حلال سمجھیں(3)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے ذکر کرنے میں منفرد ہیں(4)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ظلم سے بچو بے شک ظلم قیامت کے دن کی تاریکیوں سے ہے۔ اور فحش باتوں سے بچو۔ اللہ تعالیٰ فحش گوئی اور بیہودگی کو پسند نہیں فرماتا اور بخل سے بچو اس نے سابقہ امتوں کو ہلاک کردیا۔ انہیں ظلم کا حکم دیا۔ انہوں نے ظلم کیا۔ اس نے انہیں فجور کا حکم دیا تو انہوں نے فسق و فجور کا بازار گرم کردیا۔ انہیں قطع تعلقی کا حکم دیا تو انہوں نے قطع تعلقی شروع کردی۔ احمد، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(5)۔ لیث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''اللہ کی راہ میں گرد و غبار اور جہنم کا دھواں ایک بندے کے پیٹ میں جمع نہیں ہوسکتا اور کنجوسی اور ایمان ایک دل میں کبھی نہیں جمع ہوسکتے(6)''۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے آکر عرض کی۔ اے ابوعبدالرحمٰن! میں تو ہلاک ہوگیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا قرآن میں ہے: وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ...... اور میں تو کنجوس ہوں۔ میرے ہاتھ سے کوئی چیز خرچ نہیں ہوتی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ وہ بخل نہیں جس کا قرآن نے ذکر فرمایا ہے۔ جس بخل کا قرآن میں تذکرہ آیا ہے وہ یہ ہے کہ تو ظلماً اپنے بھائی کا مال کھالے۔ لیکن یہ تو کنجوسی ہے اور کنجوسی کتنی ہی بری چیز ہے(7)۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالہیاج اسدی سے روایت کیا ہے میں بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا میں نے ایک آدمی کو یہ کہتے سنا: اَللّٰهُمَّ قِنِي شُحَّ نَفْسِي (اے اللہ! مجھے اپنے نفس کی حرص سے بچالے)۔ مجھ سے ضبط نہ ہوسکا میں نے پوچھا آپ صرف یہی دعا کیوں مانگتے ہیں؟ اس نے کہا جب اس سے بچاؤ ہوجائے تو پھر نہ تو میں چوری کروں گا اور نہ بدکاری کروں گا اور نہ کوئی دوسرا برا کام۔ میں نے غور کیا تو پتہ چلا یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ (ابن جریر)(8)

1۔ ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 129، ترمذی، ابواب المناقب، عارضۃ الاحوذی، جلد 13، صفحہ 139-137 2۔ مرجع مذکور

3۔ فتح الباری، کتاب التفسیر، جلد 8، صفحہ 631، کتاب مناقب الانصار، جلد 7، صفحہ 199، مسلم کتاب الاشربۃ، جلد 3، صفحہ 1625-1624، عارضۃ الاحوذی، ابواب التفسیر، جلد 12، صفحہ 191-189 نسائی: سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 10، صفحہ 88-87

4۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ طٰہٰ آیت: 111 اور تفسیر سورۂ شعراء آیت: 227 میں گزر چکی ہے۔

5۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 170-159، سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 123، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 6، صفحہ 290

6۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 320، مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 342، ترمذی، کتاب الجہاد، عارضۃ الاحوذی، جلد 7، صفحہ 130-129، نسائی، کتاب الجہاد، جلد 7، صفحہ 14-13، حاکم مستدرک، جلد 2، صفحہ 72

7۔ طبرانی: المعجم الکبیر، جلد 9 صفحہ 248، حاکم: تفسیر سورۂ تغابن، جلد 2، صفحہ 490، طبری، جلد 28، صفحہ 43 8۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 43

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ دے دی اور مہمان نوازی کی اور مشکل حالات میں اللہ کی راہ میں خرچ کیا وہ حرص ولالچ سے بری ہو گیا۔

قولہ تعالیٰ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ...... مال فے کے مستحقین کی یہ تیسری قسم ہے یہ مہاجرین، انصار اور احسان کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والے ہیں۔ جس طرح سورۃ براۃ کی اس آیت میں ہے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (توبہ:100)۔ احسان کے ساتھ اتباع کرنے والے جو ان کے اچھے آثار، عمدہ اوصاف کی پیروی کرتے ہیں اور سراً جہراً ان کے لئے دعا کرنے والے ہیں۔

یَقُوْلُوْنَ: أی قائلین: کہنے والے۔ غلاً: یعنی بغض وحسد۔

لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اس آیت کریمہ سے امام مالک رضی اللہ عنہ نے کتنی خوبصورت بات مستنبط کی ہے کہ صحابہ کی شان میں گستاخی کرنے والے رافضی کو مال فے سے حصہ نہیں ملے گا کیونکہ اس میں یہ صفت موجود نہیں جس کا ذکر اس آیت میں ہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا...... (1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ان لوگوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ صحابہ کرام کے لئے استغفار کریں لیکن انہوں نے ان کے خلاف دشنام طرازی کی۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ...... (2)۔ اسماعیل بن علیہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ تمہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ صحابہ کرام کے لئے استغفار کرو لیکن تم نے انہیں سب وشتم شروع کر دی۔ میں نے تمہارے نبی کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ یہ امت اس وقت تک ختم نہ ہو گی جب تک کہ اس کا آخر اس کے اول پر لعنت نہ بھیجے۔ (3)۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِكَابٍ یہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ عرب گاؤں (فدک وغیرہ وغیرہ)۔ اور اس کے بعد کی آیات مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی......

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا...... اور وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ...... وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ...... ان آیات نے حکم عام کر دیا اور تمام مسلمانوں کو اس میں شامل کر دیا ہے۔ اب ایک مسلمان بھی ایسا نہیں جس کا حق اس مال میں نہ ہو ماسوائے تمہارے غلاموں کے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ اس میں انقطاع ہے (4)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے مالک بن اوس بن حدثان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ سے عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ (توبہ:60) تک پھر فرمایا زکوٰۃ کے مستحق یہ لوگ ہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی: وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ...... اَهْلِ الْقُرٰی سے مِنْۢ بَعْدِهِمْ...... (انفال:41) فرمایا: یہ لوگ مال فے کے مستحق ہیں۔ اور یہ آیت پڑھی وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ...... لِذِی الْقُرْبٰی...... اور فرمایا مال غنیمت کے حقدار یہ لوگ ہیں۔ پھر فرمایا مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ نے تمام مسلمانوں کو مال فے کا مستحق کر دیا ہے۔ ہر ایک کا اس میں حق ہے۔ پھر فرمایا: اگر میں زندہ رہا تو چرواہے کو اس کا حصہ سَرْو حِمْیَر میں ملے گا جس کے حصول میں اس کا پسینہ تک نہیں بہا (5)۔ (سر و حمیر سے مراد کسی قبیلے کا علاقہ یا کوئی نشیبی علاقہ مراد ہے)۔

1۔ تفسیر قرطبی، جلد 18، صفحہ 32 2۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 113 3۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 321
4۔ سنن ابوداؤد، کتاب الخراج والامارۃ والفئی، جلد 3، صفحہ 141 5۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 37، ابی عبید: الاموال: 24-23

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ
أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ
يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١١﴾ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا
يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿١٢﴾ لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي
صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿١٣﴾ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى
مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٤﴾ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَ
لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٥﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ
مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا وَ
ذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿١٧﴾

''کیا آپ نے منافقوں کی طرف نہیں دیکھا جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب میں سے کہ اگر تمہیں (یہاں سے) نکالا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے اور ہم تمہارے بارے میں کسی کی بات ہرگز نہیں مانیں گے۔ اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں۔ (سن لو!) اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو یہ نہیں نکلیں گے ان کے ساتھ۔ اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر (جی کڑا کر کے) انہوں نے ان کی مدد کی تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی۔ (اے فرزندانِ اسلام!) ان (یہودیوں) کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا ڈر ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں۔ (یہ بڑے بزدل ہیں) کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تم سے جنگ نہیں کریں گے جنگ کریں گے تو قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ لے کر۔ ان کا اختلاف آپس میں بہت سخت ہے۔ تم انہیں متحد خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔ یہ ان لوگوں کی مانند ہیں جو ان سے پہلے ابھی ابھی اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ منافقین اور یہود کی مثال شیطان کی سی ہے جو (پہلے) انسان کو کہتا ہے انکار کر دے۔ اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں، میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب العالمین ہے۔ پھر ان دونوں (شیطان اور اس کے چیلے) کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں آگ میں ڈالے جائیں گے اس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔ اور یہی ظالموں کی سزا ہے''۔

اللہ تعالیٰ منافقین عبداللہ بن ابی اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ جب انہوں نے یہود بنی نضیر کی طرف پیغام بھیجا کہ ہم تمہاری مدد کریں گے۔

لَكٰذِبُوْنَ یعنی وہ اپنے وعدہ میں جھوٹے ہیں کیونکہ انہوں نے ایسی بات تو کہہ دی ہے لیکن ان کی نیت یہ ہے کہ اسے پورا نہ کریں، یا جو کچھ انہوں نے کہا ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ یعنی ان کے ساتھ مل کر لڑائی نہیں کریں گے۔

لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۚ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ یہ ایک عظیم خوشخبری ہے۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ...... یہ تم سے جتنا خوف کھاتے ہیں اللہ سے بھی اتنا خوف نہیں کھاتے۔ جیسے فرمایا: اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً (النساء:77)۔

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا میدانی لڑائی میں یہ جیش اسلام کو دعوت مبارزت نہیں دے سکتے بلکہ صرف قلعہ بند ہو کر یا دیوار کے پیچھے سے کارروائی کریں گے۔ یہ بھی اس صورت میں جب شدید ضرورت پیش آ جائے۔

بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ آپس میں ان کی عداوت شدید ہے۔ جیسے فرمایا: وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (انعام:65)۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى آپ انہیں متحد سمجھتے ہیں حالانکہ ان میں انتہا درجے کا اختلاف ہے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی اہل کتاب اور منافقین کے درمیان۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ...... مجاہد، سدی اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس کے مثل جو کفار قریش کے ساتھ غزوۂ بدر میں ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جس طرح ان سے قبل یہود بنو قینقاع کے ساتھ ہوا۔ قتادہ اور محمد بن اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ قرین صواب بھی یہی محسوس ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس سے پہلے یہود بنو قینقاع کو جلاوطن کر دیا تھا۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ...... یعنی ان یہود کی طرح جو منافقین سے دھوکہ کھا گئے۔ انہوں نے ان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا لیکن جب حقائق سے پردہ اٹھا اور محاصرے میں شدت آئی تو وہ کنارہ کش ہو گئے اور انہیں موت کے حوالے کر دیا۔ ان کی مثال شیطان کی سی ہے جو معاذ اللہ انسان کو کفر پر آمادہ کرتا ہے۔ جب وہ دائرہ کفر میں داخل ہوتا ہے تو کہتا ہے میرا تیرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب العالمین ہے۔ بعض علماء نے یہاں بنو اسرائیل کے عابد کا قصہ بیان کیا ہے یعنی اس کی مثال اسی طرح ہے نہ یہ کہ فقط یہی مراد ہے بلکہ اس طرح کے متعدد واقعات ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک راہب نے ساٹھ سال تک اللہ کی عبادت کی۔ شیطان نے اسے شیشے میں اتارنا چاہا لیکن ناکام ہو گیا۔ اس نے ایک عورت پر اپنا اثر ڈالا اور یہ ظاہر کیا کہ گویا اسے آسیب ہے۔ اس عورت کے بھائی تھے۔ ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ اس کا علاج صرف اسی عابد سے ممکن ہے۔ چنانچہ وہ اسے اس عابد کے پاس لے آئے۔ اس نے اس کا علاج کیا یہ عورت اس کے پاس رہنے لگی۔ ایک دن نفسانی خواہش کا غلبہ ہو گیا تو اس عورت سے بدکاری کر بیٹھا اسے حمل ہو گیا۔ اس نے اسے قتل کر دیا۔ جب اس کے بھائی آئے تو شیطان نے راہب سے کہا تو میرا دوست ہے میں نے تمہیں اس گناہ میں مبتلا کیا۔ اب میری بات مان لو میں تمہیں بچا لوں گا۔ مجھے سجدہ کرو۔ جب اس نے سجدہ کر لیا تو شیطان کہنے لگا میں تم سے بری ہوں میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں(1)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت بکریاں چرایا کرتی تھی۔ اس کے چار بھائی

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 49

تھے۔ وہ رات کو ایک راہب کی خانقاہ میں ٹھہرتی تھی۔ راہب رات کو اس کے پاس آیا بدکاری کی۔ اسے حمل ہو گیا تو شیطان اس کے پاس آیا اور کہا اسے قتل کر کے دفن کر دو۔ تم ایک راست گفتار ہو تمہاری بات مان لی جائے گی۔ اس نے اسی طرح کیا۔ شیطان خواب میں اس کے بھائیوں کو ملا اور بتایا کہ فلاں راہب نے تمہاری بہن سے بدکاری کی۔ وہ حاملہ ہو گئی تو اسے قتل کر کے فلاں جگہ دفن کر دیا ہے۔ صبح ان میں سے ایک کہنے لگا آج میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ مجھے ہمت نہیں پڑتی اسے بیان کروں یا چھوڑ دوں۔ انہوں نے کہا سناؤ۔ اس نے پورا خواب بیان کیا۔ دوسرے تینوں بھائیوں نے کہا کہ ہمیں بھی یہی خواب آیا ہے۔ انہوں نے کہا ضرور کوئی بات ہے۔ وہ گئے اور بادشاہ کے پاس اس راہب کی شکایت کی۔ چنانچہ اسے بادشاہ کے پاس لانے کے لئے گئے۔ جب اسے لے کر چلے تو شیطان نے کہا میں نے تمہیں اس مشکل میں پھنسایا ہے۔ میرے سوا کوئی تمہیں اس سے نہیں نکال سکتا۔ مجھے ایک سجدہ کر دو میں تمہیں بچا لوں گا۔ چنانچہ اس نے اسے سجدہ کر دیا۔ جب وہ اسے بادشاہ کے دربار میں لے گئے تو یہ بری الذمہ ہو گیا چنانچہ اسے پکڑ کر قتل کر دیا گیا(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، طاؤس اور مقاتل بن حیان رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح مروی ہے اور بہت سے لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ اس راہب کا نام برصیصا تھا(2)۔ واللہ اعلم۔ یہ واقعہ عابد جریج کے واقعہ سے مختلف ہے۔ زاہد جریج پر ایک فاحشہ عورت نے تہمت لگا دی اور یہ دعویٰ کیا کہ اس کا حمل اس زاہد سے ہے۔ معاملہ حاکم وقت تک پہنچا۔ چنانچہ اس کے حکم سے اسے گرفتار کر لیا گیا اور عبادت خانہ اجاڑ دیا گیا۔ جریج پوچھتا رہا واقعہ کیا ہے۔ وہ کہنے لگے اے اللہ کے دشمن تم نے اس عورت کے ساتھ زیادتی کی۔ جریج نے کہا صبر کرو پھر اس بچے کو پکڑا جو بالکل شیر خوار تھا اور پوچھا تمہارا والد کون ہے؟ اس نے کہا میرا باپ چرواہا ہے۔ اس عورت نے چرواہے کو اپنے اوپر قدرت دی تو اسے حمل ہو گیا۔ جب بنو اسرائیل نے یہ دیکھا تو اس زاہد کی از حد تعظیم کی اور کہا ہم تمہارا عبادت خانہ سونے سے بنا دیتے ہیں۔ اس نے کہا نہیں مٹی سے اسی طرح بنا دو جس طرح پہلے تھا۔

فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ کفر کا انجام اور ان دونوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ہر ظالم کی جزا یہی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

"اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لئے۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے جو تم کرتے رہتے ہو۔ ان (نادانوں) کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے بھلا دیا اللہ تعالیٰ کو پس اللہ نے ان کو خود فراموش بنا دیا۔ یہی نافرمان لوگ ہیں۔ یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی اور اہل جنت۔ اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم دن کے ابتدائی حصے میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ کچھ لوگ جو ننگے پاؤں، ننگے بدن، چیتوں کی کھالیں پہنے ہوئے تلواریں لٹکائے ہوئے تھے، وہ اکثر بلکہ کل کے کل قبیلہ مضر سے تھے۔ ان کی فقر و فاقہ کی اس حالت نے حضور ﷺ کے رنگ کو متغیر کر دیا۔ آپ گھر کے اندر چلے گئے پھر باہر آئے اور بلال کو حکم دیا انہوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 50-49 2۔ تفسیر قرطبی، جلد 18، صفحہ 37

نے اذان دی اور نماز کے لئے اقامت کہی۔ آپ نے نماز پڑھائی اور خطبہ دیا اور یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ (لقمان:33) سے آخر آیت تک تلاوت فرمائی اور سورۂ حشر کی آیت وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ تلاوت فرمائی۔ لوگ صدقہ دینے لگے، دینار، درہم، کپڑے، گندم، کھجوریں وغیرہ۔ تا آنکہ آپ نے فرمایا: اگرچہ آدھی کھجور ہو۔ ایک انصاری رقم کی ایک تھیلی لے کر آئے جو بہت وزنی تھی اور وہ اسے بمشکل لائے۔ پھر لوگ چیزیں لانے لگے حتیٰ کہ میں نے خوراک اور کپڑوں کے دو ڈھیر دیکھے اور میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کا چہرہ کھل اٹھا اور خوشی سے چمکنے لگا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: "جس نے اسلام میں اچھی بات شروع کی اسے اجر ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس پر عمل کریں ان کا بھی ثواب ملتا ہے۔ اس طرح کہ ان کے اپنے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔ اور جو اسلام میں بری رسم شروع کرتا ہے اس پر اس کا گناہ ہوتا ہے اور ان لوگوں کا بھی جو بعد میں اس پر کاربند ہوں لیکن ان کے گناہوں میں بھی کمی نہیں ہوگی۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں(1)۔

اتَّقُوا اللّٰهَ تقویٰ کا حکم دیا جو کہ امر کو بجالانے اور نہی کو ترک کر دینے کا نام ہے۔

قولہ تعالیٰ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ اپنا محاسبہ کر اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اور دیکھو تم نے کل قیامت کے دن رب کی بارگاہ میں حاضری کے لئے اعمال صالحہ کا کون سا ذخیرہ تیار کر رکھا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ دوسری مرتبہ تاکید کی جارہی ہے۔

خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ تم جان لو کہ وہ تمہارے تمام اعمال اور احوال سے آگاہ ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ تمہارے چھوٹے بڑے سب اعمال اس کے سامنے ہیں۔

لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا...... اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہو ورنہ وہ تمہیں نیک اعمال جو آخرت میں تمہیں نفع دیں گے بھلا دے گا۔ بلاشبہ جزاء عمل کی جنس سے ہوتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اللہ کی اطاعت سے خارج، روز قیامت ہلاک ہونے والے اور خسارے میں ہیں۔ جیسے فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ...... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (منافقون:9)۔

حافظ ابو القاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ کا ایک مختصر سا حصہ نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ صبح و شام تم اپنے مقررہ وقت کی طرف بڑھ رہے ہو۔ جو شخص اپنا وقت اللہ کی اطاعت میں گزار سکتا ہے اسے یہ کرنا چاہئے۔ یہ چیز تم ہرگز حاصل نہیں کر سکتے مگر اللہ کے فضل و کرم سے۔ ایک قوم نے اپنی عمریں دیگر کاموں میں صرف کیں اللہ تمہیں ان کی مثل ہونے سے منع فرماتا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ...... تمہارے بھائی جنہیں تم جانتے ہو کہاں ہیں؟ اپنے گزشتہ ایام میں انہوں نے جو کچھ کیا تھا اس کا سامنا کرنے کے لئے بارگاہ خداوندی میں جا پہنچے ہیں اور شقاوت یا سعادت میں ہیں۔ کہاں ہیں گزشتہ ادوار کے وہ جابر لوگ جنہوں نے شہر بسائے اور ان کے گرد مضبوط فصیلیں بنائیں؟ آج وہ پتھروں کے نیچے گڑھوں میں ہیں۔ یہ کتاب اللہ ہے جس کے عجائبات ابدی ہیں۔ تم تاریک دن کے لئے اس سے روشنی حاصل کرو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کے اہل بیت کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ

1۔ یہ حدیث سورۂ نساء کی ابتداء میں تفسیر سورۂ یٰسین آیت:12 میں گزر چکی ہے۔

یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (انبیاء:80)۔جس بات سے خدا کی رضامندی مقصود نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔اس مال میں کوئی بھلائی نہیں جو مال اللہ کی راہ میں خرچ نہ ہو۔اس میں کوئی بھلائی نہیں جس کی جہالت بردباری پر غالب ہو۔جو اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتا ہے اس میں بھی کوئی بھلائی نہیں(1)۔

اس کی سند عمدہ ہے اور سارے راوی ثقہ ہیں۔حریز بن عثمان کے شیخ نعیم بن نمحہ کی ثقاہت یا عدم ثقاہت کا مجھے علم نہیں۔مگر ابوداؤد سجستانی کا یہ فیصلہ ہے کہ حریز کے تمام شیوخ ثقہ ہیں۔اس خطبہ کے اور شواہد بھی مروی ہیں۔واللہ اعلم۔

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ روز قیامت یہ دونوں اللہ کے ہاں یکساں نہیں ہوں گے۔ایک اور آیت میں ہے: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ ..... مَا يَحْكُمُوْنَ (جاثیہ:21)۔اور فرمایا: وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ..... تتذکرون (فاطر:19)۔اور فرمایا: اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ..... الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (ص:28)۔دیگر آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نیکوں کی تکریم کرے گا اور بروں کی اہانت۔

الْفَاۗىِٕزُوْنَ یعنی نجات پانے والے، اللہ کے عذاب سے محفوظ۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

''اگر ہم نے اتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ اس کو دیکھتے کہ وہ جھک جاتا (اور) پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف سے۔اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لئے تاکہ وہ غور وفکر کریں۔اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔جاننے والا ہر چھپی ہوئی اور ہر ظاہر چیز کا۔وہی بہت مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔سب کا بادشاہ، نہایت مقدس، سلامت رکھنے والا، امن بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر ہے۔پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔وہی اللہ سب کا خالق، سب کو پیدا کرنے والا (سب کی مناسب) صورت بنانے والا ہے سارے خوبصورت نام اسی کے ہیں۔اس کی تسبیح کر رہے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔اور وہی عزت والا، حکمت والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ قرآن کی بزرگی اور علو قدر کا بیان فرمارہے ہیں۔چاہئے کہ دل اس سے ڈریں اور اس کے وعدے وعید سے کے وقت پھٹ جائیں۔

1۔المعجم الکبیر، جلد1، صفحہ 61-60

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ پہاڑ اپنی مضبوطی اور سنگ خارا ہونے کے باوجود اگر اس قرآن کو سمجھ لے اور اس کی تعلیمات میں غور وتدبر سے کام لے تو وہ اللہ کے خوف سے پھٹ جائے۔ اے انسانو! یہ کس طرح تمہارے لئے مناسب ہے کہ تمہارے دل نرم نہ ہوں اور جھک نہ جائیں اور خشیت الٰہی سے پاش پاش نہ ہو جائیں۔ حالانکہ تم نے اللہ کے امر کو سمجھ لیا ہے اور اس کی کتاب میں تدبر کر لیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اگر میں یہ قرآن پہاڑ پر نازل فرماتا، اس پر لازم کرتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا اور اس کے بوجھ اور اللہ کے خوف سے جھک جاتا۔ چنانچہ اللہ نے جب قرآن نازل فرمایا تو انہیں حکم دیا کہ وہ خشیت اختیار کریں(1)۔

لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ قتادہ اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے اور متواتر حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کے لئے جب منبر بچھایا گیا۔ اس سے پہلے آپ ﷺ خطبہ کے لئے کھجور کے مُڈھ کا سہارا لیتے تھے۔ جب منبر رکھا گیا اور سرکار آ کر اس پر خطبہ دینے کے لئے اس تنے کو چھوڑ کر منبر کی طرف متوجہ ہوئے، اس وقت وہ تنا آپ ﷺ کے فراق میں بچے کی طرح بلک بلک کر رونے لگا(2) کیونکہ وہ ذکر اور وحی سنا کرتا تھا۔ اس حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کرتے لوگو! تم ایک تنے سے زیادہ اس بات کے حقدار ہو کہ اللہ کے رسول کے مشتاق ہو جاؤ۔

اسی طرح اس آیت کریمہ میں جب بہرے پہاڑ اگر اللہ کا کلام سن کر سمجھ لیں تو جھک جائیں اور اس کی خشیت سے پاش پاش ہو جائیں تو تمہارا کیا حال ہونا چاہئے جبکہ تم اسے سن بھی رہے ہو اور سمجھ بھی رہے ہو۔ ارشاد ہوتا ہے: وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ...... لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (رعد:31)۔ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اس کا معنی ہے ''لکان هذا القرآن''(3)۔ ایک اور جگہ فرمایا: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ...... عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔

قال تعالیٰ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ...... اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ایسی ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے سوا کوئی رب نہیں اس کے علاوہ کسی معبود کا کوئی وجود نہیں۔ اس کے علاوہ جن کی عبادت کی جاتی ہے وہ سب معبودان باطلہ ہیں۔ وہ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ہے تمام کائنات کا علم رکھنے والا ہے خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔ زمین وآسمان میں کوئی چیز اس پر مخفی نہیں خواہ عمدہ ہو یا حقیر، چھوٹی ہو یا بڑی، حتیٰ کہ چیونٹیاں اندھیرے میں بھی۔

قولہ تعالیٰ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ تفسیر کی ابتداء میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔ اس کے اعادے کی اب ضرورت نہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہ وسیع رحمتوں والا ہے جو تمام مخلوقات کو شامل ہے۔ وہ دنیا و آخرت میں رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔ ارشاد باری ہے: وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف:156)۔ اور فرمایا: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (انعام:54) اور فرمایا: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ...... يَجْمَعُوْنَ (یونس:58)۔

قال هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ وہ تمام اشیاء کا مالک ہے اور بلا ممانعت و مدافعت ان میں تصرف کرنے والا ہے۔

قولہ تعالیٰ الْقُدُّوْسُ وہب بن منبہ کا قول ہے۔ الطاهر: پاک۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے: المبارك۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ملائکہ کرام اس کی تقدیس بیان کرتے ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 53

2۔ بخاری، کتاب المناقب، فتح الباری، جلد 6، صفحہ 602-601، دلائل النبوۃ، جلد 404-399

3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ رعد آیت: 31

السَّلٰمُ ذات، صفات اور افعال میں کمال کے منافی تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہے۔

قولہ تعالیٰ اَلْمُؤْمِنُ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اپنی مخلوق کو اس بات سے امن دیا ہے کہ ان پر ظلم کرے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ فرما کر کہ وہ حق ہے سب کو امن دے رکھا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اپنے ایماندار بندوں کے ایمان کی تصدیق فرماتا ہے۔

اَلْمُهَيْمِنُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ مفسرین سے مروی ہے کہ اپنی مخلوق کے جملہ اعمال پر شاہد ہے۔ یعنی ان پر رقیب ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ ...... شهيد۔ اور فرمایا: فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ ...... يُرْجَعُوْنَ (رعد: 33)۔ اور فرمایا: اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ...... مِنْ هَادٍ (رعد: 33)۔

اَلْعَزِيْزُ ہر چیز پر زبردست اور غالب ہے۔ اس کی عزت، عظمت، جبروت اور کبریائی کی وجہ سے اس کی جناب کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اَلْجَبَّارُ اَلْمُتَكَبِّرُ جبریت صرف اسی کے شایان شان ہے اور کبریائی صرف اسی کی عظمت کو زیبا ہے، جس طرح صحیح حدیث قدسی میں گزرا ہے کہ ''عظمت میرا ازار اور کبریائی میری چادر ہے۔ جس نے ان دونوں میں سے کسی کے حق میں مجھ سے تنازعہ کیا میں اسے عذاب دوں گا'' (1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ جبار ہے جس چیز پر چاہے اپنی مخلوق کو رکھ سکتا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جبار یعنی اپنی مخلوقات کے امور کو درست کرنے والا اور ان میں ایسا تصرف کرنے والا ہے جس میں ان کی فلاح و بہبود ہوتی ہے (2)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے المتکبّر: یعنی ہر برائی سے متکبر ہے۔

قولہ تعالیٰ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ: الخلق: التقدیر: اندازہ کرنا۔ والبرء هو: الفری: اس اندازے کو نافذ کرنے والا۔ اور جس چیز کو مقدر کیا ہے اسے نیست سے ہست میں لانے والا، عدم سے وجود بخشنے والا۔ وہ جس چیز کو مقدر اور مرتب فرمادے اس کے اذن کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔ ایک شاعر دوسرے کی مدح کرتے ہوئے کہتا ہے: (3)

وَلَأَنْتَ تَفْرِي مَاخَلَقْتَ وَبَعْـ ـضُ الْقومِ يَخْلُقُ ثُمَّ لَا يَفْرِيْ

یعنی تو جو اندازہ مقرر کرے اسے نافذ بھی کرتا ہے۔ بخلاف دوسروں کے ان میں یہ صفت نہیں۔ الخلق: التقدیر: اندازہ مقرر کرنا۔ الفریُ: التنفیذ: نافذ کرنا، عملی جامہ پہنانا۔ اسی سے محاورہ ہے: قدر الجلاد ثم فری: جلاد نے اندازہ مقرر کیا۔ پھر اس کے مطابق کاٹا جیسے وہ چاہتا تھا۔

اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ یعنی جب کسی چیز کا ارادہ فرمالے تو اسے کہتا ہے کُنْ (ہو جا) تو وہ اسی شکل کے ساتھ ہو جاتی ہے جیسے وہ چاہتا ہے اور اس صفت پر جسے وہ پسند فرماتا ہے۔ ایک دوسری آیت میں ہے: فِىْٓ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ (انفطار: 8)۔ اس لئے فرمایا:

اَلْمُصَوِّرُ جس وصف پر اسے وجود میں لانا چاہتا ہے اس کا ارادہ نافذ ہے۔ وہ چیز اسی طرح ہو جاتی ہے۔

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى سورۂ اعراف میں اس موضوع پر بحث ہو چکی ہے۔ اب ہم صحیحین میں مروی حدیث ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانویں یعنی ایک کم ایک سو نام ہیں۔ جو انہیں یاد کرلے جنت میں

1۔ یہ حدیث سورۂ جاثیہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے 2۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 25

3۔ زہیر بن ابی سلمہ: دیوان، جلد 94 تفسیر قرطبی، جلد 18، صفحہ 48

داخل ہوگا وہ وتر ہے اور وتر (اکیلا ہونا) کو پسند کرتا ہے (1)۔ ترمذی میں ان اسماء کی تصریح یوں کی گئی ہے:

هو الله الذی لا إله إلا هو، الرحمٰن، الرحيم، الملك، القدّوس، السلام، المؤمن، المهيمن، العزيز، الجبّار، المتكبر، الخالق، البارئ، المصوّر، الغفّار، القهّار، الوهّاب، الرزّاق، الفتاح، العليم، القابض، الباسط، الخافض، الرافع، المعز، المذل، السميع، البصير، الحكَم، العدْل، اللطيف، الخبير، العليم، العظيم، الغفور، الشكور، العليّ، الكبير، الحفيظ، المقيت، الحسيب، الجليل، الكريم، الرقيبُ، المجيب، الواسع، الحكيم، الودود، المجيد، الباعث، الشهيدُ، الحقُّ، الوكيل، القويّ، المتين، الوليّ، الحميد، المحصِي، المبْدئُ، المعيد، المحيي، المميت، الحيّ، القيّوم، الواجد، الماجد، الواحد، الصمد، القادر، المقتدر، المقدّم، المؤخر، الأوّل، الآخر، الظاهر، الباطن، الوالي، المتعالي، البرّ، التواب، المنتقم، العفوّ، الرؤوف، مالكُ الملك، ذوالجلال والاكرام، المقسطُ، الجامع، الغنيّ، المغني، المعطي، المانع، الضارّ، النافع، النور، الهادي، البديع، الباقي، الوارث، الرشيد، الصّبُوْرُ۔

ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں الفاظ کی زیادتی، کمی اور تقدیم و تاخیر ہے۔ ہم نے اس کے طرق اور الفاظ کو مفصل مطول پہلے ذکر کیا ہے۔ اب اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔(2)

يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جیسے ایک دوسری آیت میں ہے: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ ..... غَفُوْرًا (اسراء: 44)۔

اَلْعَزِيْزُ اس کی جناب کا قصد نہیں کیا جا سکتا۔

اَلْحَكِيْمُ حکیم ہے اپنی شرع اور تقدیر میں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم پڑھ کر سورۂ حشر کی آخری ان تین آیات کو پڑھ لے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر کرتا ہے جو شام تک اس کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں اور اگر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو شہید کا رتبہ پاتا ہے اور جو شخص شام کو یہ عمل کرے اس کا بھی یہی حکم ہے (3)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے غریب قرار دیا ہے (4)۔

سورۂ حشر کی تفسیر ختم ہوئی۔

ولله الحمد والمنّه

1۔ یہ حدیث بسم اللہ کی اور سورۂ اعراف آیت: 180 کی تفسیر میں گزر چکی ہے
2۔ مرجع مذکور
3۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 26، عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 9، صفحہ 42
4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 9 صفحہ 42

سورۃ الممتحنۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّکُمۡ اَوۡلِیَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ وَ قَدۡ کَفَرُوۡا بِمَا جَآءَکُمۡ مِّنَ الۡحَقِّ ۚ یُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَ اِیَّاکُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ رَبِّکُمۡ ؕ اِنۡ کُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ جِہَادًا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِیۡ ٭ۖ تُسِرُّوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ ٭ۖ وَ اَنَا اَعۡلَمُ بِمَاۤ اَخۡفَیۡتُمۡ وَ مَاۤ اَعۡلَنۡتُمۡ ؕ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡہُ مِنۡکُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ○ اِنۡ یَّثۡقَفُوۡکُمۡ یَکُوۡنُوۡا لَکُمۡ اَعۡدَآءً وَّ یَبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَہُمۡ وَ اَلۡسِنَتَہُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَ وَدُّوۡا لَوۡ تَکۡفُرُوۡنَ ؕ ﴿۲﴾ لَنۡ تَنۡفَعَکُمۡ اَرۡحَامُکُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ ۚۛ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۚۛ یَفۡصِلُ بَیۡنَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۳﴾

''اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو (اپنے) جگری دوست، تم تو اظہار محبت کرتے ہو ان سے، حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں (اس دین) حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے۔ انہوں نے نکالا ہے رسول (مکرم) کو اور تمہیں بھی (مکہ سے) محض اس لئے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر تم جہاد کرنے نکلے ہو میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لئے (تو انہیں دوست مت بناؤ) تم بڑی رازداری سے ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں جانتا ہوں جو تم نے چھپا رکھا ہے اور جو تم نے ظاہر کیا۔ اور جو ایسا کرے تم میں سے تو وہ بھٹک گیا راہِ راست سے۔ اگر وہ تم پر قابو پا لیں تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے اور بڑھائیں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم (ان کی طرح) کافر بن جاؤ۔ نہ نفع پہنچائیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار اور نہ تمہاری اولاد۔ روزِ قیامت۔ اللہ تعالیٰ جدائی ڈال دے گا تمہارے درمیان۔ اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے''۔

اس سورۂ کریمہ کی ابتدائی آیات کا شانِ نزول حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ قصہ یہ ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے اور بدری صحابی تھے۔ مکہ میں ان کی اولاد اور مال تھا۔ یہ خاندان قریش سے نہ تھے بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کی عہد شکنی کی وجہ سے فتح مکہ کا عزم فرمایا اور دعا فرمائی: اے اللہ ہماری خبر ان سے پوشیدہ رہے تو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھ کر قریشی عورت کے حوالے کیا۔ اس میں انہیں حضور ﷺ کے ارادہ سے آگاہ کر دیا تاکہ اہل مکہ پر ان کا احسان رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی دعا منظور فرماتے ہوئے اپنے نبی کو

خبر کر دی۔ آپ نے اس عورت کے پیچھے ایک دستہ بھیجا۔ انہوں نے اس عورت سے وہ خط لے لیا۔ یہ واقعہ صحیح حدیث میں آ چکا ہے(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے مجھے، زبیر اور مقداد کو فرمایا: ''یہاں سے کوچ کرو۔ جب تم مقام روضہ خاخ(2) میں پہنچو تو وہاں تمہیں ایک سانڈنی سوار مسافر عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے لے لو۔ چنانچہ ہم روانہ ہوئے اور تیزی سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے روضہ کے مقام پر پہنچے۔ (یہ مدینہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے)۔ اس عورت کو ہم نے ٹھیک اسی مقام پر پایا۔ ہم نے کہا خط نکالو۔ وہ کہنے لگی میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا خط نکالو یا کپڑے اتارو یعنی ہم تمہاری تلاشی لیں گے۔ چنانچہ اس نے جوڑے میں سے خط نکال کر دے دیا۔ ہم وہ خط لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں آئے کیا دیکھتے ہیں کہ یہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کی طرف لکھا گیا تھا۔ انہیں حضور ﷺ کی خفیہ فوجی مہم کی اطلاع دی گئی تھی۔ سرکار ﷺ نے فرمایا: اے حاطب یہ کیا ہے؟ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! جلدی نہ کیجئے اور میری بات بھی سن لیجئے۔ میں قریش سے ملا ہوا تھا۔ ان کے قبیلہ سے نہ تھا۔ آپ کے ساتھ دیگر مہاجرین کی وہاں رشتہ داریاں ہیں جو مکہ میں ان کے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ نسب کی کمی کو ان پر احسان کر کے دور کروں تا کہ وہ میرے بال بچوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ میں نے ایسا کفر وارتداد اور اسلام قبول کرنے کے بعد کفر پر راضی ہونے کی وجہ سے نہیں کیا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بدر میں شریک ہوئے ہیں اور بدری حضرات کے بارے اللہ تعالیٰ خبردار ہے اسی لئے اس نے اہل بدر کے حق میں فرمایا کہ جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا(3)۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ جماعت نے اسی طرح روایت کیا ہے(4)۔ بخاری کی کتاب المغازی میں یہ اضافہ بھی ہے: پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی(5) اور کتاب التفسیر میں بھی اسی طرح ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسی بارے میں آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا...... اتری لیکن راوی کو شک ہے کہ آیت کے اترنے کا بیان عمرو کا ہے یا حدیث میں ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام علی بن مدینی سے روایت کیا ہے کہ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ یہ آیت اسی میں اتری ہے؟ تو سفیان نے فرمایا لوگوں میں یہی بات ہے میں نے اسے عمرو سے حفظ کیا ہے اور ایک حرف بھی نہیں چھوڑا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے علاوہ کسی اور نے بھی اسے حفظ کیا ہے یا نہیں(6)۔ صحیحین کی حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے اس میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے نام کے بدلے حضرت ابو مرثد رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم سب شہسوار تھے اور حضور ﷺ نے بتا دیا تھا کہ اس عورت کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا خط ہے جو مشرکین کے نام ہے۔ ہمیں وہ عورت ایک اونٹ پر جاتی ہوئی ملی جس طرح حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔ ہم نے اس سے خط مانگا اس نے انکار کر دیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے سواری بٹھا کر خوب تلاشی لی لیکن کچھ ہاتھ نہ لگا۔ ہم نے کہا رسول اللہ ﷺ! کی بات غلط نہیں ہو سکتی خط نکالو یا ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے جب اس نے ہمارے عزم مصمم کو دیکھا

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 397
2۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے جو کہ مدینہ سے 12 میل کے فاصلہ پر واقع ہے
3۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 80-79، فتح الباری، تفسیر سورۂ ممتحنہ، جلد 5 صفحہ 634-633، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 519، مسلم، کتاب فضائل صحابہ، جلد 4، صفحہ 1942-1941، سنن ابو داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 48-47، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ ممتحنہ، جلد 12 صفحہ 194-191 سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ الاشراف، جلد 7 صفحہ 427-426
4۔ مرجع مذکور ایضاً
5۔ فتح الباری تفسیر سورۂ ممتحنہ، جلد 8، صفحہ 634-633، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 519
6۔ مرجع مذکور

تو اپنی کمر کی طرف ہاتھ بڑھایا یہ ازار باندھے ہوئے تھی اور خط نکال کر ہمیں دے دیا۔ ہم اسے لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اس نے اللہ، اس کے رسول اور مومنین سے خیانت کی ہے مجھے اس کی گردن مارنے کی اجازت دیجئے۔ حضور ﷺ نے حاطب سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں نے قریش پر احسان کرنا چاہا جس کے سبب اللہ اس قوم کو میرے اہل وعیال اور مال سے دور رکھے۔ دیگر صحابہ میں سے ہر ایک کی وہاں رشتہ داری ہے جو ان کے اہل وعیال اور مال کی حفاظت کریں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے۔ اس کے بارے میں صرف اچھی بات کہو۔ حضرت عمر نے فرمایا اس نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنین سے خیانت کی ہے مجھے اس کی گردن مار دینے کی اجازت دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا یہ اہل بدر سے نہیں۔ اللہ کو اہل بدر کا علم تھا، اسی لئے فرمایا: جو چاہو کرو تمہارے لئے جنت واجب ہے (یا فرمایا) میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے(1)۔ بخاری شریف کی کتاب المغازی میں غزوۂ بدر کے بیان میں اسی طرح ہے۔ ایک دوسری سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ جانے کا ارادہ چند صحابہ کے سامنے ظاہر کیا تھا۔ حاطب بن ابی بلتعہ ان میں شامل تھے اور لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ حضور ﷺ خیبر تشریف لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کو حضور ﷺ کے ارادے سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے مجھے اور ابومرثد کو بھیجا۔ ہم میں سے ہر ایک کے پاس گھوڑا تھا۔ سرکار ﷺ نے حکم دیا کہ روضہ خاخ کے مقام پر جاؤ وہاں تمہیں ایک عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے یہ اس سے لے لو۔ چنانچہ ہم چل پڑے اور اسے اسی جگہ پایا جہاں حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔ ہم نے کہا خط نکالو تو اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے اس کا سامان اتارا اور تلاشی لی خط نہ ملا۔ ابومرثد فرمانے لگے شاید اس کے پاس خط نہ ہو۔ میں نے کہا نہ تو حضور ﷺ نے جھوٹ بولا ہے اور نہ ہم نے۔ چنانچہ ہم نے اسے کہا خط نکالو یا تمہارے کپڑے اتار دیں گے۔ وہ کہنے لگی تم اللہ سے نہیں ڈرتے۔ کیا تم مسلمان نہیں؟ ہم نے دوبارہ کہا کہ خط نکالو یا تمہارے کپڑے اتروا دیں گے۔ عمرو بن مرہ کا قول ہے کہ اس نے خط اپنی کمر کے پاس سے نکالا۔ حبیب بن ابی ثابت کا قول ہے کہ اس نے جسم کے اگلے حصے سے خط نکالا۔ ہم اسے لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ یہ حاطب بن ابی بلتعہ کا خط تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ! اس نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے مجھے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن اڑا دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا یہ بدر میں شریک نہیں تھے؟ عرض کی گئی ہاں کیوں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں یہ بات ٹھیک ہے۔ لیکن انہوں نے عہد شکنی کی ہے اور آپ ﷺ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کی ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کو اہل بدر کا علم تھا فرمایا جو چاہو کرو بے شک جو کچھ تم کرتے ہو میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا: اللہ اور اس کا رسول ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور دریافت فرمایا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں قریش کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ وہاں میرے اہل وعیال اور مال تھا۔ آپ کے اصحاب میں سے ہر ایک کے رشتہ دار مکہ میں ان کے اہل وعیال اور مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے انہیں لکھ دیا اور خدا کی قسم! یا رسول اللہ ﷺ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں تو حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا

1۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 305-304، مسلم، کتاب فضائل صحابہ، جلد 4، صفحہ 1942

حاطب نے سچ کہا۔ حاطب کو صرف اچھی بات کہو۔ حبیب بن ابی ثابت فرماتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے(1)۔ اصحاب مغازی والسیر نے اسے ذکر کیا ہے۔ محمد بن اسحاق نے سیرت میں عروہ بن زبیر وغیرہ علماء کرام سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ نے مکہ جانے کا عزم فرمایا تو حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کی طرف خط لکھ دیا۔ اس میں انہیں سرکار کے ارادے کی خبر لکھ بھیجی۔ یہ خط ایک عورت کو دیا۔ محمد بن جعفر کا خیال ہے کہ یہ عورت بنومزینہ سے تھی۔ دیگر علماء کی رائے ہے کہ یہ بنوعبدالمطلب کی لونڈی سارہ تھی۔ حاطب نے یہ خط قریش تک پہنچانے کے بدلے اسے انعام دینے کا وعدہ کیا۔ اس نے یہ خط اپنے سر میں رکھ کر اوپر سے مینڈھیاں بنالیں اور چل دی۔ حضور ﷺ کو آسمان سے حاطب کے کئے کی اطلاع مل گئی۔ آپ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور فرمایا: اس عورت کا تعاقب کرو جس کے پاس قریش کے نام حاطب کا خط ہے۔ اس میں انہیں ہمارے ارادے کی اطلاع دی گئی ہے۔ وہ روانہ ہوئے اور خُلَیْفَۃ(2) بنی احمد میں اسے جا ملے۔ اسے خُلَیْفَۃ میں اتار کر اس کی تلاشی لی۔ اس کے کجاوے میں کچھ نہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ حضور ﷺ نے جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہم نے۔ تم یہ خط ضرور نکال کرو دو گی یا ہم تمہارے کپڑے اتروا کر تلاشی لیں گے۔ جب اس نے دیکھا کہ ہم سنجیدہ ہیں تو وہ کہنے لگی منہ دوسری طرف کرو میں خط نکال دیتی ہوں۔ ہم نے منہ دوسری طرف پھیر لیا تو اس نے بالوں سے خط نکال کر آپ کے حوالے کیا۔ آپ اسے لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے حاطب کو بلا کر اس واقعہ کا سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں۔ مجھ میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا لیکن وہاں میرے بال بچے ہیں اور قریش سے میری کوئی رشتہ داری نہیں۔ میں نے ان پر احسان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑا دوں۔ یہ منافق ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے عمر تمہیں کیا پتہ اللہ تعالیٰ بدر کے دن اصحاب بدر پر آگاہ ہوا اور فرمایا: جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ تو یہ آیات یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا سے تا آخر نازل ہوئیں ..... تا آخر قصہ(3)۔

معمر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت زہری، عروہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے کہ یہ آیات حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ انہوں نے سارہ نامی بنو ہاشم کی لونڈی کو دس درہم دے کر یہ خط دے کر روانہ کیا۔ حضور ﷺ نے ان کے پیچھے حضرت عمر، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ وہ اسے مقام جحفہ میں ملے...... آگے اسی طرح واقعہ ہے جیسے اوپر مذکور ہوا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی تقریباً اسی طرح مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ آیات حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں نازل ہوئیں(4)۔

ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین و کفار اللہ، اس کے رسول اور مومنین سے جنگ کرنے والے ہیں۔ اللہ نے ان کی عداوت کو جائز قرار دیا ہے اور انہیں دوست بنانے سے منع کیا ہے۔ جیسے اس آیت میں ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ ...... مِنْهُمْ (مائدہ: 51)۔ اس میں شدید دھمکی اور پختہ وعید ہے۔ اور فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا ...... كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (مائدہ: 57) اور فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۭ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 59
2۔ ایک جگہ کا نام۔ ابوذر: شرح السیر: 368
3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 399-398، تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 60-59
4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 61-59

سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا (نساء:144) اور فرمایا: لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَهٗ (آل عمران:28)۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حاطب رضی اللہ عنہ عذر قبول فرمالیا کہ اپنے مال واولاد کے بچاؤ کی خاطر انہوں نے قریش سے حسن سلوک کرنا چاہا۔

یہاں وہ حدیث ذکر کی جاتی ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ہمارے سامنے کئی مثالیں بیان فرمائیں ایک، تین، پانچ، سات، نو اور گیارہ۔ پھر ان میں سے ایک کی تفصیل بیان کی اور باقی سب چھوڑ دیں۔ فرمایا: ''ایک قوم ضعیف و مسکین تھی۔ جابر و ظالم لوگوں نے ان پر چڑھائی کی۔ اللہ نے کمزوروں کو ان پر غلبہ عطا فرمایا۔ وہ اپنے دشمن کی طرف بڑھے ان پر حاکم بن گئے اور ان پر زیادتیاں شروع کر دیں اور قیامت تک کے لئے اللہ کو ناراض کر دیا'' (1)۔

قولہ تعالیٰ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ ماقبل آیات کے ساتھ ساتھ یہاں بھی ان کی عداوت اور ان سے دوستی نہ کرنے پر برانگیختہ کیا جا رہا ہے کیونکہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کو صرف اس وجہ سے نکال دیا تھا کہ یہ توحید اور خالص اللہ کی عبادت کرنے کے قائل تھے۔

اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ تمہارا ان کے ہاں اس کے علاوہ اور کوئی گناہ نہ تھا کہ تم اللہ رب العالمین پر ایمان رکھتے ہو۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ (البروج:8)۔ اور فرمایا: الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ (الحج:40)۔

قولہ تعالیٰ اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا...... اگر تم سچ مچ میری راہ میں جہاد کی خاطر میری رضامندی کے لئے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں سے موالات نہ رکھو انہیں دوست نہ بناؤ، جبکہ انہوں نے تمہیں تمہارے دیار اور اموال سے نکال دیا ہے تمہارے اور تمہارے دین کے ساتھ دشمنی رکھتے ہوئے۔

قولہ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ...... تم ایسا کرتے ہو اور میں ظاہر و باطن کا جاننے والا ہوں۔

اِنْ یَّثْقَفُوْکُمْ یَکُوْنُوْا لَکُمْ اَعْدَآءً...... یعنی اگر وہ تم پر قادر ہو جائیں تو اپنے قول و فعل سے تمہیں تکلیف پہنچانے سے بھی نہ ڈریں۔

وَوَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ یہ اس بات کے حریص ہیں کہ تمہیں بھلائی نہ ملے۔ ان کی دشمنی ولڑائی تمہارے ساتھ ڈھکی چھپی اور ظاہر بھی ہے پھر اس طرح کے لوگوں سے تم دوستی کیوں رکھتے ہو؟ یہاں بھی ان کی عداوت پر برانگیختہ کیا جا رہا ہے۔

لَنْ تَنْفَعَکُمْ اَرْحَامُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ تمہاری قرابتیں اللہ کے ہاں کوئی فائدہ نہیں دیتیں جب وہ تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ فرما لے اور جب تم اللہ کو ناراض کر کے انہیں راضی کرو تو اس کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جو اہل کفر سے ان کی رضامندی کی خاطر موافقت کرتا ہے وہ خائب و خاسر ہے۔ اس کا عمل گمراہ کن ہے اور کسی سے اس کی رشتہ داری اللہ کے ہاں کوئی نفع نہ دے گی اگرچہ کسی نبی کا قریبی کیوں نہ ہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ کہاں ہے آپ نے فرمایا'' آگ میں''۔ جب وہ واپس جانے کے لئے مڑا تو اسے بلا کر فرمایا: میرا اور تیرا باپ دوزخ میں ہے(2)۔ مسلم اور ابوداؤد

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 407۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 190 میں گزر چکی ہے
2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 368

رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(1)۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ④ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑤ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ⑥

’’بے شک تمہارے لئے خوب صورت نمونہ ہے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں (کی زندگی) میں۔ جب انہوں نے (برملا) کہہ دیا اپنی قوم سے کہ ہم بیزار ہیں تم سے اور ان معبودوں سے جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا۔ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض پیدا ہوگیا ہے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ ایک اللہ پر مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا اس سے مستثنیٰ ہے کہ میں ضرور مغفرت طلب کروں گا تمہارے لئے اور میں مالک نہیں ہوں تمہارے لئے اللہ کے سامنے کسی نفع کا۔ (پھر کہا) اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا اور تیری طرف ہی رجوع کیا اور تیری طرف ہی ہمیں پلٹ کر آنا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں نہ بنادے فتنہ کافروں کے لئے اور ہمیں بخش دے اے ہمارے رب! بیشک تو ہی عزت والا (اور) حکمت والا ہے۔ بیشک تمہارے لئے ان میں خوبصورت نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ اور روز قیامت کا امیدوار ہے۔ اور جو روگردانی کرے (اس سے) تو بلاشبہ اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا‘‘۔

اللہ اپنے مؤمن بندوں کو کفار سے لڑنے، دشمنی رکھنے اور بیزاری کا اظہار کرنے کا حکم فرما رہے ہیں۔

وَالَّذِينَ مَعَهُ یعنی آپ کے پیروکار جو آپ کے ساتھ ایمان لائے۔

إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ ہم تم سے بیزار ہیں۔

كَفَرْنَا بِكُمْ یعنی تمہارے دین اور طریقے سے۔

وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ سے ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت شروع ہوگئی ہے۔ یعنی جب تک تم کفر پر ہو، ہم ہمیشہ کے لئے تم سے بیزار ہیں اور تم سے بغض رکھتے ہیں۔

حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ..... یعنی یہاں تک کہ تم اللہ کو ایک سمجھو، اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو اور دیگر اصنام و انداد جن کی تم عبادت کرتے ان سے براءت کا اظہار کرو۔

إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے۔ تمہیں اس کی پیروی کرنی

1۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 191 سنن ابوداؤد، کتاب السنۃ، جلد 4، صفحہ 230 یہ حدیث تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 119 میں گزر چکی ہے

چاہئے بجز اس کے کہ انہوں نے اپنے کافر باپ کی بخشش کی دعا مانگی تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے باپ سے اس کا وعدہ کیا تھا۔ جب یہ بات ان کے سامنے ظاہر ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے براءت کر لی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض مومنین اپنے آباء کے لئے بخشش کی دعا کرتے تھے جن کا انتقال کفر وشرک پر ہوا تھا اور یہ کہتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (توبہ: 114-113)۔ اور اس آیت میں فرمایا کہ مشرکین کے لئے استغفار میں یہ آیت تمہارے لئے اسوہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، مقاتل بن حیان اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے جب اپنی قوم سے قطع تعلق کر لیا تو اللہ کی جناب میں دست دعا دراز کرتے ہوئے عرض کی: رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا اب ہمارا بھروسہ تمام امور میں صرف تیری ذات پر ہے۔ ہم نے اپنا سب کچھ تیرے سپرد کر دیا ہے۔

وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ دار آخرت میں لوٹنا مراد ہے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہمیں ان کے ہاتھوں تکالیف نہ دے اور اپنی طرف سے بھی عذاب نہ دے ایسا نہ ہو کہ یہ کہنا شروع کر دیں اگر یہ راہ حق پر گامزن ہوتے تو انہیں یہ مصیبت نہ آتی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ان کو ہم پر غلبہ مت عطا فرما کہ وہ یہ سمجھنا شروع کر دیں کہ ہمیں ان پر فتح اس لئے ہوئی ہے کہ ہم راہ راست پر ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول پسند کیا ہے (1)۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اے اللہ! کفار کو ہم پر مسلط نہ فرما کہ وہ ہمیں فتنہ وآزمائش میں ڈال دیں۔

وَاغْفِرْ لَنَا ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی فرما۔ ہم سے عفو ودرگزر فرما۔

الْعَزِيْزُ جو تیری جناب میں پناہ گزیں ہو جائے اس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

الْحَكِيْمُ اپنے اقوال وافعال اور شرع اور تقدیر میں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ ...... یہ ماقبل کی تاکید اور مستثنیٰ منہ ہے کیونکہ یہاں ذکر کردہ اسوہ بعینہٖ پہلا اسوہ ہے۔

لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ ...... اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے ہر مومن کو ابھارا جا رہا ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ یعنی جس نے اللہ کے حکم سے روگردانی کی۔

الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ جیسے اس آیت میں ہے: اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ (ابراہیم: 8)۔

علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے غنی وہ ہے جس کی غنا کامل ہو اور اللہ رب العزت کی صفت یہی ہے اور اسی کو یہ زیبا ہے۔ اس کا کوئی کفو نہیں۔ نہ اس کی کوئی مثل ہے۔ وہ اللہ پاک، یکتا اور قہار ہے۔

الْحَمِيْدُ یعنی اپنے تمام اقوال اور افعال میں محمود ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی پروردگار نہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 64

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَ اللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

"یقیناً اللہ پیدا فرما دے گا تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جن سے تم (اس کی رضا کے لئے) دشمنی رکھتے ہو محبت۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا یا مدد دی تمہارے نکالنے میں کہ تم انہیں دوست بناؤ، اور جو انہیں دوست بناتے ہیں تو وہی (اپنے آپ پر) ظلم توڑتے ہیں"۔

کفار کے ساتھ عداوت کا حکم فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں سے فرما رہے ہیں۔ عَسَى اللّٰهُ......

مَّوَدَّةً یعنی بغض کے بعد محبت، نفرت کے بعد مودّت اور فرقت کے بعد الفت۔

وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ یعنی متضاد اشیاء کو اگر جمع کرنا چاہے تو عداوت اور سختی کے بعد دلوں میں محبت پیدا فرما دیتا ہے تو وہ متحد و متفق ہو جاتے ہیں جس طرح انصار پر احسان جتلاتے ہوئے فرمایا: وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا...... (آل عمران:103)۔ اور حضور ﷺ نے انہیں فرمایا: کیا میں نے تمہیں گمراہ نہیں پایا کہ اللہ نے میرے صدقے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ تم جدا جدا تھے اللہ نے میرے صدقے تمہیں یکجا فرمایا(1)۔ ایک اور آیت میں ہے: هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (انفال:63-62)۔

حدیث شریف میں ہے اپنے دوست سے دوستی کے وقت بھی اعتدال کو پیش نظر رکھو کہ ہوسکتا ہے وہ ایک دن تمہارا دشمن بن جائے اور دشمن سے دشمنی میں نرمی رکھو ہوسکتا ہے وہ ایک دن تمہارا دوست بن جائے(2)۔ ایک شاعر کا قول ہے:

وَقَدْ يَجْمَعُ اللّٰهُ الشَّتِيْتَيْنِ بَعْدَمَا يَظُنَّانِ كُلَّ الظَّنِّ أَنْ لَا تَلَاقِيَا (3)

دو الگ ہونے والوں کو بھی اللہ جمع فرما دیتا ہے اس کے بعد کہ وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ اب کبھی ملاقات نہ ہوگی۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ کفار کا کفر معاف فرما دیتا ہے جب وہ توبہ کر لیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ وہ غفور رحیم ہے ہر توبہ کرنے والے کے لئے خواہ کسی گناہ سے کی ہو۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ آیت

1۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ توبہ آیت:74 میں گزر چکی ہے 2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 8، صفحہ 163-162 3۔ دیوان قیس بن الملوح: 315

ابوسفیان صخر بن حرب کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے اس کی بیٹی سے نکاح فرمالیا تھا اور یہی رشتہ دونوں کے مابین محبت کا سبب بن گیا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ کہا ہے اس میں نظر ہے۔ فتح مکہ سے قبل حضور ﷺ نے ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے نکاح فرمایا اور بلا اختلاف سب کی رائے میں ابوسفیان نے فتح مکہ کی رات اسلام قبول کیا۔

اس سے بھی بہتر توجیہہ وہ روایت ہے جسے ابن ابی حاتم نے ابن شہاب رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ابوسفیان بن صخر کو یمن کے کسی حصے کا عامل بنایا۔ جب آپ کا وصال ہو گیا تو یہ مدینہ آ رہے تھے کہ راستے میں ذوالخمار مرتد مل گیا۔ انہوں نے اس سے جنگ کی۔ اس طرح فتنہ ارتداد کو فرو کرنے کے لئے سب سے پہلے جہاد کرنے والے بن گئے۔ ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انہی کے بارے میں یہ آیت اتری۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ ..... (1)۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابوسفیان نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تین چیزیں عطا فرمائیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے انہوں نے کہا مجھے کفار کے ساتھ اسی طرح لڑائی کرنے دیجئے جیسے میں مسلمانوں سے جنگ کرتا رہا ہوں۔ آپ نے منظور فرمالیا۔ انہوں نے کہا معاویہ کو اپنا کاتب بنا لیجئے۔ آپ نے یہ بھی منظور فرمالیا۔ انہوں نے کہا میری بیٹی ام حبیبہ عرب کی حسینہ و جمیلہ ہے اسے میں آپ کے نکاح میں دیتا ہوں۔ الحدیث (2) (اس پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے)۔

قولہ تعالیٰ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ ..... تمہیں نکالنے پر تعاون نہیں کیا۔ یعنی اللہ تمہیں ان کفار کے ساتھ احسان کرنے سے منع نہیں فرماتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی۔ جیسے عورتیں اور ضعفاء۔

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ کہ حسن سلوک سے پیش آ ؤ۔

وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ عدل سے کام لو۔

يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب قریش نے حضور ﷺ سے صلح کا معاہدہ کیا تو میری ماں مدینہ آئی۔ یہ مشرکہ تھی۔ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! میری ماں آئی ہے اور یہ اس دین سے الگ ہے۔ کیا میں اس سے حسن سلوک کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ شیخین نے بھی اسے روایت کیا ہے (3)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کا نام قتیلہ تھا۔ یہ حالت شرک میں اپنی بیٹی کے پاس صناب (ایک کھانا)، پنیر اور گھی کے تحفے لائی تھیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے استفسار کیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے انہیں تحائف قبول کرنے اور اسے اپنے گھر ٹھہرانے کا حکم دیا (4)۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ اس کا نام قتیلہ بنت عبدالعزیٰ بن اسد تھا یہ بنو مالک بن حسل سے تھیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ وہ اس مدت کے دوران آئیں جب قریش اور رسول اللہ ﷺ کے مابین صلح نامہ طے پایا تھا۔ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہماری ماں صلح کا معاہدہ طے پانے کے بعد مدینہ آئی۔ یہ مشرکہ تھی۔ ہم نے

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 130 2۔ مسلم کتاب فضائل صحابہ، جلد 4، صفحہ 1945

3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 355-347-344، فتح الباری، کتاب الھبۃ، جلد 5، صفحہ 233 کتاب الجزیۃ، جلد 6 صفحہ 281، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 413، مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 694 4۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 4

حضور ﷺ سے پوچھا کیا ہم اس سے صلہ رحمی کریں تو حضور ﷺ نے منظور کر لیا(1)۔ اور یہ حدیث غریب ہے(2)۔ (مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں یہ اس سیاق و سباق سے منکر ہے کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں کا نام ام رومان تھا۔ اور یہ مسلمان مہاجرہ تھیں۔ اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ دوسری تھیں جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔

یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ اس کی تفسیر سورۂ حجرات میں گزر چکی ہے اور صحیح حدیث میں ہے کہ مقسطون وہ لوگ ہیں جو روز قیامت عرش کے دائیں نور کے منبروں پر ہوں گے جو اپنے فیصلوں، اہل خانہ اور جس پر انہیں والی بنایا جائے، کے بارے میں عدل سے کام لیتے ہیں(3)۔

قولہ تعالیٰ: اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ...... اَنْ تَوَلَّوْهُمْ یعنی تمہیں منع فرماتا ہے ان لوگوں کی موالات سے جنہوں نے تم سے عداوت رکھی، اعلان جنگ کیا، تمہیں نکالا اور تمہیں نکالنے پر تعاون کیا، تمہیں منع فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ان سے موالات سے اور ان سے دشمنی رکھنے کا تمہیں حکم دیتا ہے۔ پھر موالات پر وعید کو پختہ کرتے ہوئے فرمایا۔

وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ سے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ ؔۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (المائدہ:51)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَ اٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَ سْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَ لْیَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝۱۰ وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱

"اے ایمان والو! جب آ جائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کر لو۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو۔ پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف مت واپس کرو۔ نہ وہ حلال ہیں کفار کے لئے اور نہ وہ (کفار) حلال ہیں مومنات کے لئے۔ اور دے دو کفار کو جو مہر انہوں نے خرچ کئے۔ اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم ان عورتوں سے نکاح کر لو جب تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو۔ اور (اسی طرح) تم بھی نہ روکے رکھو (اپنے نکاح میں) کافر عورتوں کو اور مانگ لو جو تم نے (ان پر) خرچ کیا اور کفار بھی مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے۔ اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا بڑا دانا ہے۔ اور اگر بھاگ جائے تم سے کوئی عورت

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب البر والصلۃ، جلد 3 صفحہ 372-371　　2۔ مرجع مذکور

3۔ یہ حدیث سورۂ حجرات آیت:9 اور سورۂ قمر آیت:55 میں گزر چکی ہے

تمہاری بیبیوں سے کفار کی طرف پھر تمہاری باری آ جائے (کہ کوئی کافرہ تمہارے قبضہ میں آ جائے) تو جن کی بیبیاں ان کے قبضہ سے نکل گئیں جتنا انہوں نے خرچ کیا انہیں دے دو۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو"۔

صلح حدیبیہ جو حضور ﷺ اور کفار کے درمیان طے پائی تھی کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اس کی ایک شرط یہ تھی کہ ہمارا کوئی آدمی بھی تمہارے پاس آئے گا اگرچہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو آپ اسے ہماری طرف واپس کریں گے۔ دوسری روایت میں مرد (رجل) کا لفظ صراحۃً موجود ہے۔ عروہ، ضحاک، عبدالرحمن بن زید، زہری، مقاتل بن حیان اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ اس روایت کے مطابق اس آیت میں سنت کیلئے تخصیص ہے اور یہ اس کی بہترین مثال ہے اور بعض سلف کے طریقہ کے مطابق یہ ناسخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کو حکم دیا کہ جب ان کے پاس عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچو اگر وہ مسلمان ہوں تو انہیں کفار کو واپس نہ کرو۔ یہ ان کفار کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ ان عورتوں کے لئے حلال ہیں۔ ہم نے مسند کبیر میں عبداللہ بن احمد بن جحش کے حالات میں لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط نے ہجرت کی تو ان کے دونوں بھائی عمار اور ولید انہیں لینے آئے اور حضور ﷺ سے بات کی تو اللہ نے عورتوں کے بارے میں اس معاہدے کو ختم کر دیا اور انہیں مشرکین کے حوالے کرنے سے منع کر دیا اور یہ آیت امتحان نازل ہوئی (1)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ سرکار عورتوں کا امتحان کس طرح لیتے تھے۔ فرمایا حضور ﷺ ان سے امتحان اس طرح لیتے تھے کہ وہ قسم کھا کر کہے کہ وہ خاوند سے ناراضگی یا آب و ہوا کی تبدیلی کے لئے نہیں آئی۔ اور اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ دنیا کے لئے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی خاطر آئی ہے (2)۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اس میں ہے کہ یہ امتحان لینا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی تھی (3)۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کا امتحان یہ تھا کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ ایک ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان سے ان کی آمد کا سبب پوچھئے۔ اگر خاوندوں سے ناراضگی یا کسی دوسرے پر غصے کی وجہ سے وہ آئی ہیں تو انہیں ان کے خاوندوں کی طرف لوٹا دو۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اسے کہا جائے تمہیں نہیں لائی مگر اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ اور ہم میں سے کسی آدمی کے عشق یا خاوند سے فرار ہو کر وہ نہیں آئی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان کا امتحان یہ تھا کہ ان سے قسم لی جائے کہ تمہیں نافرمانی نے نہیں نکالا اور نہیں نکالا تمہیں مگر اسلام اور اہل اسلام سے محبت اور اس پر حریص ہونے نے۔ اگر وہ یہ حلف اٹھاتیں تو قبول کیا جاتا۔ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایمان پر یقینی اطلاع حاصل کرنا جائز ہے۔

قولہ تعالیٰ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمۡ وَلَا هُمۡ يَحِلُّوۡنَ لَهُنَّ یہ آیت وہ ہے جس نے مسلمان عورتوں کو مشرکین پر حرام کر دیا۔ ابتدائے اسلام میں یہ جائز تھا کہ مشرک مؤمنہ سے نکاح کر لے۔ جس طرح ابوالعاص بن ربیع کا نکاح حضور کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا۔ یہ مسلمان تھیں اور وہ مشرک جب یہ غزوۂ بدر کے دن اسیر ہو گئے تو ان کی اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کے فدیہ میں اپنا ہار بھیجا جو ان کی ماں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں دیا تھا۔ اسے دیکھ کر آنحضرت ﷺ پر بڑی رقت طاری ہوئی اور مسلمانوں سے فرمایا اگر تم اسے بغیر فدیہ کے آزاد کر سکتے ہو تو بہتر ہے۔ چنانچہ اسے اس شرط پر حضور ﷺ نے رہا کیا کہ آپ کی صاحبزادی کو مدینہ روانہ

1۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ، جلد 3 صفحہ 171
2۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 67
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 76

کرے۔ اس نے اس شرط کو پورا کیا اور وفائے عہد کرتے ہوئے انہیں زید بن حارثہ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ چنانچہ آپ غزوہ بدر 2ھ کے بعد سے مدینہ میں ہی قیام پذیر رہیں۔ یہاں تک کہ 8ھ میں آپ کے شوہر ابوالعاص بن ربیع اسلام لائے تو حضور ﷺ نے پہلے نکاح کے ساتھ ہی واپس ان کے ہمراہ بھیج دیا اور مہر مقرر نہ فرمایا۔ جس طرح کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی زینب کو ابوالعاص کے ہمراہ پہلے نکاح پر رخصت فرما دیا اور کوئی مہر یا گواہ مقرر نہیں فرمائے(1)۔ حالانکہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ابوالعاص کے اسلام سے چھ سال قبل ہجرت فرمائی تھی۔ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(2)۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوالعاص دوسال کے بعد مسلمان ہوگئے تھے۔ اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ مسلمان عورتیں مشرکین پر حرام ہونے کے دوسال بعد یہ مسلمان ہوئے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کی سند میں کوئی حرج نہیں اور عمرو بن شعیب والی روایت میں ہے کہ ابوالعاص کے اسلام لانے کے بعد نئے سرے سے نکاح ہوا اور مہر بھی مقرر کیا گیا۔ یزید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت کی اسناد بہت عمدہ ہے۔ اور عمرو بن شعیب والی روایت پر عمل ہے(3)۔

(مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں کہ عمرو بن شعیب والی روایت کو امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے لیکن اس کے ایک راوی حجاج بن ارطاۃ کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے(4)۔ واللہ اعلم۔ جمہور نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ شخصی واقعہ ہے۔ ممکن ہے ان کی عدت ہی ختم نہ ہوئی ہو اور اکثر حضرات کا مذہب یہی ہے کہ جب عدت کے ایام پورے ہو جائیں اور خاوند مسلمان نہ ہوا ہو تو اس عورت کا اس شوہر سے نکاح فسخ ہو جائے گا۔ بعض دیگر فقہاء کی رائے ہے کہ عدت پوری ہونے کے بعد عورت کو اختیار ہے کہ اسی نکاح کو باقی رکھے اور اگر چاہے تو اسے فسخ کر کے دوسرے شخص سے نکاح کر لے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت کو اسی پر محمول کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاٰتُوۡهُمۡ مَّاۤ اَنۡفَقُوۡا یعنی ان مہاجر عورتوں کے مشرک خاوندوں نے جو مہر انہیں دیا تھا اسے ان کو واپس کر دو۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور زہری رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔

اِذَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ یعنی جب تم انہیں مہر دے دو تو ان سے نکاح کر لو۔ بشرطیکہ عدت پوری ہو جائے اور ولی کی اجازت وغیرہ۔

وَلَا تُمۡسِکُوۡا بِعِصَمِ الۡکَوَافِرِ اللہ کی طرف سے مؤمن بندوں پر حرام کیا جا رہا ہے ان سے نکاح کرنا یا پہلے نکاح کی وجہ سے انہیں اپنے پاس رکھنا۔ صحیح میں مسور اور مروان بن حکم سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حدیبیہ کے دن جب کفار قریش سے معاہدہ کیا تو مؤمن عورتیں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی یعنی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا جَآءَکُمُ سے بِعِصَمِ الۡکَوَافِرِ تک۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس دن اپنی دو عورتوں کو طلاق دے دی۔ ان میں سے ایک سے معاویہ بن ابی سفیان اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے نکاح کر لیا(5)۔ ابن ثور نے زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 261

2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 272، عارضۃ الاحوذی، ابواب النکاح، جلد 5، صفحہ 84-81، سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 647 حجاج بن ارطاۃ بن عمرو والی حدیث سند میں مذکور ہے، جلد 2، صفحہ 208-207

3۔ ایضاً مرجع مذکور 4۔ ایضاً مرجع مذکور 5۔ بخاری کتاب الشروط، فتح الباری، جلد 5، صفحہ 332

آپ زیریں حدیبیہ میں تھے۔ جب صلح ہوئی کہ جو کوئی ان میں سے ہجرت کر کے آئے گا اسے واپس کریں گے۔ جب عورتیں آئیں تو یہ آیت اتری اور یہ حکم دیا گیا کہ ان کا مہر ان کے خاوندوں کو واپس کر دو۔ اسی طرح کفار کو بھی یہ حکم سنا دیا گیا کہ جب ان کے پاس کوئی مسلمانوں کی طرف سے کوئی عورت آئے تو اس کا مہر اس کے خاوند کو واپس کر دو(1)۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے اسی طرح مروی ہے۔ اس حکم کی وجہ وہ عہد نامہ تھا جو ابھی طے پایا تھا۔ محمد بن اسحاق نے زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس روز قریبہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ کو طلاق دی تو معاویہ نے اس سے نکاح کر لیا۔ اور ام کلثوم بنت عمرو بن جرول خزاعیہ کو طلاق دی۔ یہ عبداللہ کی ماں تھی۔ ابوجہم بن حذیفہ بن غانم خزاعی نے جو مشرک تھا اور ان کی قوم سے تھا اس سے نکاح کر لیا(2) اور طلحہ بن عبداللہ نے اُروی بنت ربیع بن حارث بن عبدالمطلب کو طلاق دی تو خالد بن سعید بن عاص نے اس سے نکاح کر لیا(3)۔

قولہ تعالیٰ وَسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ...... تمہاری وہ عورتیں جو کفار کی طرف چلی جائیں تو ان پر جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے کفار سے اس کا مطالبہ کر سکتے ہو اور اسی طرح وہ بھی اس رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں جو انہوں نے اپنی بیویوں پر خرچ کی ہے جو ہجرت کر کے مسلمانوں کی طرف آ گئی ہیں۔

ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ...... یعنی صلح کے بارے میں اور عورتوں کو مستثنیٰ کرنے کے بارے میں یہ سب اللہ کا حکم ہے جو وہ اپنی مخلوق کو دے رہا ہے۔

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ جو اس کے بندوں کے لئے مناسب ہے اسے جاننے والا ہے اور اس میں حکیم ہے۔

وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ...... مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ ان کفار کے بارے میں ہے جن کا کوئی معاہدہ نہیں۔ جب ان کی طرف کوئی عورت بھاگ کر چلی جائے اور وہ خاوند کو مہر نہ دیں۔ جب ان کی کوئی عورت آئے تو اس کے خاوند کو بھی کچھ نہیں دیا جائے گا۔ جب تک کہ وہ اس مسلمان شوہر کو رقم نہ دیں۔ ابن جریر نے زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ مؤمنین نے اللہ کے حکم کو تسلیم کیا اور اس کے مطابق مشرک خاوندوں کو ان کی بیویوں کا نفقہ ادا کر دیا لیکن مشرکین نے اس حکم کا انکار کرتے ہوئے مسلمانوں کو کچھ نہ دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کے بعد اگر کوئی عورت مسلمانوں سے مشرکین کی طرف جاتی ہے تو مؤمنین اس کے خاوند کو باری کی رقم سے ادا کریں یعنی جب ان میں سے کوئی عورت تمہارے ہاں آ جائے تو تم اپنا وہ خرچ نکال کر باقی اگر کچھ بچے تو دے دو ورنہ معاملہ ختم ہوا۔ عقب سے مراد وہ رقم ہے جو کفار کی طرف سے مسلمان ہو کر آنے والی عورتوں کو دی جاتی ہے(4)۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر مہاجرین میں سے کسی کی عورت کفار سے جا ملے تو حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ مال غنیمت میں سے اس عورت کے خاوند کو رقم دی جائے۔

فَعَاقَبْتُمْ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قریش وغیرہ سے تمہیں جو مال غنیمت ملے۔

مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا یعنی مہر مثل۔ مسروق، ابراہیم، قتادہ، مقاتل، ضحاک، سفیان بن حسین اور زہری سے اسی طرح مروی ہے اور یہ بات پہلی صورت کے منافی نہیں کیونکہ اگر پہلی صورت ممکن ہو تو یہ سب سے بہتر ہے ورنہ ان غنائم سے ادائیگی کی جائے جو کفار سے مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ اس حکم میں وسعت ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔ وللہ الحمد والمنّۃ۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 72
2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 327
3۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 72
4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 75

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲

"اے نبی (مکرم) جب حاضر ہوں آپ کی خدمت میں مومن عورتیں تاکہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیک کام میں تو (اے میرے محبوب!) انہیں بیعت فرما لیا کرو اور اللہ سے ان کے لئے مغفرت مانگا کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے اترنے کے بعد حضور ﷺ مسلمان ہو کر ہجرت کرنے والی عورتوں کی جانچ پڑتال کیا کرتے جو مؤمنہ عورت اس شرط کا اقرار کر لیتی، حضور ﷺ اسے فرماتے: "میں نے تم سے بیعت لی"۔ زبانی طور پر ایسا فرماتے اور بخدا آپ نے دوران بیعت کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ آپ ﷺ ان سے زبانی بیعت لیتے اور فرماتے: "میں نے تم سے اس شرط پر بیعت کی"۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے امیمہ بنت رقیقہ سے روایت کیا ہے کہ کئی عورتوں کے ساتھ ہم حضور ﷺ کی بیعت کے لئے حاضر ہوئیں۔ تو حضور ﷺ نے قرآن کی اس آیت کے مطابق ہم سے عہد و پیمان لیا اور فرمایا: جتنی تم میں استطاعت و قدرت ہو۔ ہم نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ہم پر ہماری ذات سے بڑھ کر مہربان ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ہم سے مصافحہ نہیں فرمائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا میرا ایک عورت کو کہہ دینا سو عورتوں کو کہہ دینے کے برابر ہے(2)۔

اس کی اسناد صحیح ہے۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ مسند احمد کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ہم میں سے کسی عورت کے ساتھ حضور ﷺ نے مصافحہ نہیں فرمایا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(3)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے امیمہ بنت رقیقہ سے روایت کیا ہے یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خالہ تھیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سلمیٰ بنت قیس سے روایت کیا ہے۔ یہ حضور ﷺ کی خالہ تھیں اور آپ کے ساتھ دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی۔ یہ بنو عدی بن نجار قبیلہ سے تھیں۔ فرماتی ہیں میں انصاری عورتوں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئی۔ آیت کریمہ میں جن چیزوں کا ذکر ہے حضور ﷺ نے ہم سے ان کا عہد لیا اور ساتھ یہ بھی فرمایا: یہ اقرار بھی کرو کہ اپنے خاوندوں سے خیانت نہیں کرو گی۔ چنانچہ ہم نے آپ کی بیعت کر لی اور واپس لوٹ آئیں۔ میں نے ایک عورت سے کہا حضور ﷺ سے جا کر دریافت کرو خاوندوں کے ساتھ خیانت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کا مال لے کر چپکے سے کسی دوسرے کو دینا(4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عائشہ بنت قدامہ یعنی ابن مظعون سے روایت کیا ہے کہ میں اپنی ماں رائطہ

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ممتحنۃ، جلد 8 صفحہ 636

2۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 357، عارضۃ الاحوذی، ابواب السیر، جلد 7، صفحہ 95-94 نسائی، کتاب البیعۃ، جلد 7 صفحہ 152-149 - ابن ماجۃ، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 959- تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 80

3۔ ایضاً مرجع مذکور

4۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 380-379

بنت سفیان خزاعیہ کے ہمراہ تھی۔ حضور علیہ السلام عورتوں سے بیعت لے رہے تھے ان چیزوں پر جن کا ذکر آیت کریمہ میں ہے اور عورتیں اس کا اقرار کر رہی تھیں۔ میری ماں مجھے کہتی کہ اے بیٹی! ٹھیک ہے تو۔ میں بھی اسی طرح کہتی جس طرح وہ کہہ رہی تھیں (1)۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ام عطیہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضور علیہ السلام کی بیعت کی تو حضور علیہ السلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور ہمیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔ ایک عورت نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور عرض کی فلاں عورت نے نوحہ کرنے میں میری مدد کی تھی میں اس کا بدلہ ضرور اتاروں گی۔ حضور علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چلی گئی۔ پھر واپس آئی اور حضور علیہ السلام کی بیعت کی۔ (2) مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے (3)۔ ایک اور روایت میں ہے اس عہد کو اس عورت اور ام سلیم بنت ملحان کے علاوہ اور کسی نے پورا نہیں کیا۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ام عطیہ سے روایت کیا ہے کہ بوقت بیعت حضور علیہ السلام نے ہم سے یہ عہد بھی لیا کہ نوحہ نہیں کریں گی۔ پانچ عورتوں کے علاوہ اور کسی نے اس عہد کو پورا نہیں کیا۔ یہ عورتیں ام سلیم، ام علا بنت ابی مبرۃ زوجہ معاذ اور دو عورتیں یا بنت ابی سبرہ، زوجہ معاذ اور ایک دوسری عورت (4)۔ حضور علیہ السلام عید والے دن عورتوں سے بیعت لیا کرتے تھے۔ جس طرح بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عید الفطر کی نماز میں نے رسول اکرم علیہ السلام، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ ادا کی ہے۔ سب خطبہ سے قبل نماز پڑھتے تھے اور پھر خطبہ دیتے۔ ایک دفعہ نبی کریم علیہ السلام خطبہ دے کر اترے۔ گویا یہ منظر اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے لوگوں کو بٹھا رہے تھے۔ پھر انہیں چیرتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ عورتوں کے پاس آئے اور آیت مبایعۃ مکمل تلاوت فرمائی اور فارغ ہو کر فرمایا: کیا تم اس اقرار پر ثابت قدم ہو۔ ایک عورت نے جواب دیا ہاں یا رسول اللہ علیہ السلام! اور کسی عورت نے جواب نہیں دیا۔ حسن کو معلوم نہیں کہ اس کا نام کیا تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا صدقہ دو۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کپڑا بچھایا۔ وہ عورتیں اس کپڑے پر بے نگینہ اور نگینے والی انگوٹھیاں پھینکنے لگیں (5)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن شعیب سے روایت کیا ہے کہ امیمہ بنت رقیقہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں بیعت اسلام کے لئے حاضر ہوئیں۔ آپ نے ان کی بیعت لی۔ بیعت کے الفاظ میں آیت کریمہ کے علاوہ یہ بھی ہے کہ نوحہ نہ کرنا اور زمانہ جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرنا (6)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک مجلس میں حضور علیہ السلام کے پاس حاضر تھے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ان شروط پر میری بیعت کرو جو اس آیت میں ہیں پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی جس میں عورتوں سے بیعت لینے کا بیان ہے۔ فرمایا جو اس عہد کو نبھا دے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو اس کے خلاف کر بیٹھے اور اس پر اسے سزا بھی مل جائے تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے لیکن اگر اس کی بات پوشیدہ رہے تو وہ اللہ کے ذمے ہے اگر چاہے تو معاف فرما دے اور اگر چاہے تو عذاب دے (7)۔ یہ روایت صحیحین میں ہے (8)۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے بیعت عقبہ اولیٰ میں شمولیت کی تھی۔ ہم بارہ آدمی تھے۔ ہم نے انہی باتوں پر حضور علیہ السلام سے بیعت کی جس کا ذکر آیت نساء میں ہے۔ یہ

1۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 365
2۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ ممتحنۃ، جلد 8 صفحہ 637
3۔ مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2، صفحہ 646-645
4۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 176
5۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ ممتحنۃ، جلد 8، صفحہ 638
6۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 196 تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 79
7۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 314
8۔ فتح الباری تفسیر سورۃ ممتحنۃ، جلد 8 صفحہ 638-637 مسلم کتاب الحدود، جلد 3، صفحہ 1333

لڑائی فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا اگر تم نے یہ عہد پورا کیا تو تمہارے لئے جنت ہے۔ (ابن ابی حاتم)

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بطرف عوفی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ان عورتوں سے کہیں: حضور تم سے اس شرط پر بیعت لیتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ بیعت کے لئے آنے والیوں میں ہند بنت عتبہ بن ربیعہ جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چیر دیا تھا، بھیس بدل کر آئی تھی۔ اس نے جب سنا تو کہنے لگی اگر میں بولوں گی تو یہ مجھے پہچان لیں گے اور قتل کر دیں گے۔ میں نے آپ کے ڈر سے بھیس بدلا ہے۔ ہند کے ساتھ والی عورتیں خاموش رہیں اور کچھ نہ بولیں۔ ہند منہ چھپائے ہوئے بولی جس شرط کے بغیر مردوں کی بیعت قبول نہیں ہوئی، اس کے بغیر ہماری بیعت کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ سرکار ﷺ نے اس کی طرف نگاہ فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا انہیں کہو کہ چوری نہیں کریں گی۔ ہند کہنے لگی میں ابوسفیان کے مال سے کبھی کچھ لے لیا کرتی تھی معلوم نہیں وہ میرے لئے حلال ہے یا نہیں۔ ابوسفیان پاس کھڑے تھے انہوں نے کہا آج تک جو تم نے لیا ہے وہ تمہارے لئے حلال ہے۔ یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنس پڑے اور اسے پہچان لیا اور اسے بلایا۔ اس نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کی پناہ لے لی۔ آپ نے فرمایا کیا تو ہند ہے؟ وہ کہنے لگی جو گزر چکا ہے اللہ اسے معاف فرمائے۔ سرکار ﷺ نے اس سے صرف نظر فرمالی اور فرمایا: ''تم زنا نہیں کرو گی۔'' ہند بولی یا رسول اللہ ﷺ! کیا آزاد عورتیں بھی ایسا کرتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم آزاد عورتیں یہ کام نہیں کرتیں۔ فرمایا: 'اپنی اولاد کو قتل نہ کریں'۔ ہند نے کہا آپ نے انہیں بدر کے دن قتل کیا ہے اب آپ جانیں اور وہ۔ فرمایا: گھڑا ہوا جھوٹا الزام نہ لگائیں اور نیک کام میں آپ کی مخالفت نہ کریں اور انہیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔ زمانہ جاہلیت میں عورتیں اپنے کپڑے پھاڑ دیتیں، چہرے نوچ لیتیں اور بال کاٹ ڈالتیں اور ویل ثبور (ہائے ہلاکت) پکارتیں(1)۔ یہ اثر غریب ہے اور اس کے بعض میں نکارت ہے۔ واللہ اعلم۔

ابوسفیان اور اس کی بیوی نے جب اسلام قبول کیا تو حضور ﷺ نے ان سے کوئی سختی نہ فرمائی بلکہ محبت اور خلوص ظاہر فرمایا۔ ان دونوں کے لئے آپ کا یہی معمول تھا۔

مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ یہ آیت فتح مکہ کے دن نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے صفا پر مردوں سے بیعت لی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں سے بیعت لی۔ آپ سرکار کی طرف سے ان سے قسم لیتے تھے(2)۔ اس روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جب آپ نے فرمایا اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا تو ہند کہنے لگی ہم نے انہیں پال پوس کر بڑا کیا لیکن تم نے انہیں قتل کر دیا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ (ابن ابی حاتم)(3)

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ہند بنت عتبہ حضور ﷺ کی بیعت کے لئے آئیں۔ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ کی طرف دیکھا (یہ مردوں کی طرح سفید تھا) آپ نے فرمایا جاؤ ان کا رنگ بدل کر آؤ۔ چنانچہ وہ مہندی لگا کر حاضر ہوئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس شرط پر تم سے بیعت کرتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی۔ ہند نے بیعت کی اس کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن تھے۔ اس نے حضور ﷺ سے عرض کی ان دو کنگنوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا نار جہنم کے دو انگارے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عامر شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے عورتوں کی بیعت لی آپ کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 78 2۔ در منثور، جلد 8، صفحہ 139 3۔ مرجع مذکور ایضاً

دست مبارک میں کپڑا تھا۔ آپ نے اسے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا: ''اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔'' ایک عورت نے کہا آپ ان کے آباء کو قتل کرتے ہیں اور ان کی اولاد کے متعلق ہمیں وصیت کرتے ہیں؟ اس کے بعد جب بھی عورتیں بیعت کے لئے آتیں، آپ سب باتیں ان پر پیش فرماتے وہ ان کا اقرار کر لیتیں اور واپس چلی جاتیں۔

قولہ تعالیٰ يُبَايِعْنَكَ جو ان شرائط پر بیعت کرنے کے لئے آئیں اس سے بیعت فرمالیں کہ وہ شرک نہیں کریں گی۔ اجنبی لوگوں کے اموال نہیں چرائیں گی۔ ہاں اگر خاوند نفقہ دینے میں کوتاہی کرتا ہو تو اس کے مال سے رواج کے مطابق لے سکتی ہیں۔ اگر چہ وہ اس کے علم میں نہ لایا گیا ہو، حدیث ہند بنت عتبہ پر عمل کرتے ہوئے کہ انہوں نے عرض کی تھی یا رسول اللہ ﷺ! ابوسفیان کنجوس آدمی ہے مجھے نفقہ سے اتنا نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچوں کے لئے کافی ہو۔ اگر میں اسے بتائے بغیر اس کے مال سے کچھ لے لوں تو کیا اس میں کوئی حرج ہے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا: اس کے مال میں سے رواج کے مطابق اتنا لے لے جو تیرے اور تیرے بچوں کے لئے کافی ہو۔ صحیحین میں اسی طرح ہے(1)۔

قولہ تعالیٰ وَلَا يَزْنِيْنَ جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۔

حدیث سمرہ میں زانیوں کی سزا نار جہنم کا دردناک عذاب بیان کی گئی ہے(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنت عتبہ حضور ﷺ کی بیعت کے لئے آئیں تو آپ نے ان کے سامنے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ انہوں نے شرم سے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا۔ سرکار ﷺ کو ان کا فعل عجیب لگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے عورت اقرار کر۔ اللہ کی قسم ہم نے انہی شرطوں پر بیعت کی ہے۔ یہ سن کر اس نے کہا ہاں۔ تو آپ نے اسے بیعت فرمالیا(3)۔ ابن ابی حاتم نے عامر شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ عورتوں سے بیعت لے رہے تھے آپ کے ہاتھ میں کپڑا تھا جسے آپ نے ہتھیلی پر رکھا تھا۔ پھر فرمایا اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔ یہ سن کر ایک عورت کہنے لگی: آپ ان کے آباء کو قتل کرتے ہیں اور ان کی اولاد کی وصیت کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ عورتوں سے اجتماعی بیعت لیتے۔

وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ یہ حکم عام ہے پیدا ہونے کے بعد بچے کے قتل کرنے کو شامل ہے۔ جیسے جاہلیت میں رواج تھا کہ وہ فاقہ کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے یا حمل گرا دینا جیسے بعض جاہل عورتیں اپنا حمل گرا دیتی ہیں۔ اس کے پیچھے مخصوص مقاصد کارفرما ہوتے ہیں۔

وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اپنے خاوندوں کے ساتھ دوسروں کی اولاد کو نہ ملائیں۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔ اس حدیث کی تائید ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت لعان نازل ہوئی تو میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''ہر وہ عورت جس نے کسی قوم کے ساتھ ایسے فرد کو ملایا جو ان سے نہ تھا تو اللہ کے ہاں یہ کوئی چیز نہیں۔ اللہ اسے ہرگز جنت میں داخل نہیں فرمائے گا'' اور ہر وہ شخص جس نے اپنے بیٹے کا انکار کیا اور وہ اسے دیکھ بھی رہا تھا اللہ تعالیٰ اس سے پردہ کر لے گا اور اولین و آخرین کے سامنے اسے رسوا کرے گا(4)۔

1۔ فتح الباری، کتاب الاحکام، جلد 13، صفحہ 171، مسلم، کتاب الاقضیۃ، جلد 3 صفحہ 1338

2۔ فتح الباری، کتاب التفسیر، جلد 12، صفحہ 439-438 مسلم، کتاب الرؤیۃ، جلد 4، صفحہ 1781 سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 82-81 مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 15-14

3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 151

4۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 279

فِیْ مَعْرُوْفٍ یعنی جو آپ نے انہیں نیکی کا حکم دیا ہے اور برائی سے منع کیا ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے یہ شرط عورتوں کے لئے لگائی تھی(1)۔ میمون بن مہران کا قول ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کی اطاعت فقط معروف میں رکھی ہے اور معروف بھی طاعت ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا جو کہ بہترین مخلوق ہیں۔ ان کی اطاعت بھی معروف ہے۔ دیگر علماء نے حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم، سالم بن ابی الجعد اور ابوصالح وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اس دن نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔ جس طرح کہ حدیث ام عطیہ میں پہلے گزر چکا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ کے نبی نے ان سے نوحہ نہ کرنے، غیر محرموں سے بات چیت نہ کرنے کا عہد لیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے مہمان آتے ہیں اور ہم گھر میں نہیں ہوتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میری مراد وہ نہیں۔ میری مراد وہ نہیں ہیں(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جو عہد لیا تھا اس میں یہ بات بھی تھی کہ تم بات چیت نہ کرنا مگر محرم شخص سے۔ آدمی کسی عورت سے بات چیت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی رانوں کے درمیان سے مذی نکل جاتی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ام عطیہ انصاریہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے بیعت کے وقت ہم پر جو معروف کی شرط لگائی تھی اس میں یہ تھا کہ ہم نوحہ نہ کریں۔ بنی فلاں کی ایک عورت نے کہا: بنو فلاں کی عورت نے نوحہ کرنے میں میری مدد کی تھی۔ میں بیعت نہیں کروں گی یہاں تک کہ اس کا بدلہ اتار دوں۔ وہ گئی ان کی مدد کی پھر آکر حضور ﷺ کی بیعت کی۔ چنانچہ اس کے اور ام سلیم بنت ملحان یہ انس بن مالک کی والدہ ہیں کے علاوہ کسی نے اس عہد کو پورا نہ کیا(3)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت دیگر سندوں سے بھی روایت کی ہے۔ ایک دوسری روایت میں مصعب بن نوح انصاری نے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنی ایک بڑھیا سے ملاقات کی یہ ان عورتوں میں شامل تھی جنہوں نے حضور ﷺ کی بیعت کی تھی۔ اس نے بیان کیا کہ میں حضور ﷺ کی بیعت کے لئے آئی تو آپ نے ہم سے جو عہد لیا اس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی۔ ایک بڑھیا نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! بعض لوگوں نے نوحہ کرنے میں اس وقت میری مدد کی جب ان پر مصیبتیں آئیں۔ اب ان پر مصیبت کا وقت ہے میں نوحہ خوانی میں ان کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ اور جا کر انہیں بدلہ دو۔'' وہ گئی ان کا بدلہ چکایا پھر واپس آئی اور حضور ﷺ کی بیعت کی اور فرمایا: معروف سے مراد یہی ہے(4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت اسید بن ابی اسید بزار ایک عورت جس نے حضور ﷺ کی بیعت کی تھی سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ہم سے عہد لیا تھا کہ معروف میں آپ کی نافرمانی نہ کریں، چہرے کو زخمی نہ کریں، بال نہ کاٹیں، گریبان نہ چیریں اور ہائے وائے نہ کریں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ام عطیہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے تو انصاری عورتوں کو ایک گھر میں جمع ہونے کا حکم فرمایا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہماری طرف بھیجا۔ وہ آکر دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ ہمیں سلام کیا۔ ہم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: میں اللہ کے رسول کا تمہاری طرف قاصد ہوں۔ ہم نے کہا اللہ کے رسول اور اللہ کے رسول کے قاصد کو مرحبا۔ آپ نے فرمایا تم شرک، چوری اور زنا نہ کرنے پر بیعت کرو۔ ہم نے کہا ہمیں منظور ہے۔ پھر آپ نے دروازے یا گھر کے باہر سے

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ ممتحنۃ، جلد 8 صفحہ 637
2۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 79-78
3۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 79
4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 79

ہاتھ بڑھایا۔ ہم نے اندر سے ہاتھ بڑھائے۔ پھر فرمایا: اے اللہ گواہ رہ۔ فرمایا عیدین میں ہمیں حکم دیا گیا کہ حائضہ اور کنواری عورتوں کو لے جایا کریں اور ہم پر جمعہ فرض نہیں اور ہمیں جنازہ کے پیچھے جانے سے بھی منع فرمایا۔ اسماعیل نے اپنی دادی ام عطیہ سے معروف کا معنی پوچھا تو انہوں نے فرمایا: نوحہ کرنا(1)۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو کوئی بوقت مصیبت اپنے رخساروں پر تھپڑ مارے، دامن چاک کرے اور جاہلیت کی باتیں کرے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے مصیبت کے وقت بال منڈانے والی، چلا چلا کر رونے والی اور کپڑے پھاڑنے والی سے براءت کا اظہار فرمایا ہے(2)۔ حافظ ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں ابو مالک اشعری سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جنہیں وہ نہ چھوڑے گی: (۱) حسب نسب پر فخر کرنا۔ (۲) نسب کا طعنہ دینا۔ (۳) ستاروں سے بارش طلب کرنا۔ (۴) اور میت پر نوحہ کرنا اور فرمایا: نوحہ کرنے والی عورت اگر توبہ کئے بغیر مر جائے تو قیامت کے دن اسے تارکول کی شلوار اور خارش کی قمیص پہنائی جائے گی(3)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اسی طرح روایت کیا ہے(4)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت فرمائی(5)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے معروف کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: نوحہ خوانی۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التفسیر میں اسی طرح روایت کیا ہے اور اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

''اے ایمان والو! نہ دوست بناؤ ان لوگوں کو غضب فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے جن پر یہ آخرت (کے ثواب) سے مایوس ہو گئے ہیں جیسے وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں جو قبروں میں ہیں''۔

اس صورت کے آخر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کفار کی موالات سے منع فرما رہا ہے جس طرح اس کے شروع میں اس سے نہی کی تھی۔

قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ یعنی یہود و نصاریٰ اور تمام کفار جن پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے اور وہ اللہ کی طرف سے دھتکار اور پھٹکار کے مستحق قرار پائے ہیں۔ تم کس طرح ان سے موالات کرتے اور انہیں دوست بناتے ہو حالانکہ وہ آخرت کی نعمتوں اور ثواب سے مایوس ہو چکے ہیں۔

كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح زندہ کفار اپنے قبروں میں مدفون ہونے والے رشتے داروں سے مایوس ہو چکے ہیں کہ ان سے اب ملاقات نہیں ہوگی کیونکہ وہ بعث بعد الموت اور قیامت کے دن جی اٹھنے پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق ان کی امید منقطع ہو چکی ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یہی روایت کیا ہے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ہے کفار جو زندہ ہیں اموات سے مایوس ہو چکے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 81-80

2۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 166-165 - مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 100-99

3۔ مسند ابی یعلی، جلد 2 صفحہ 235

4۔ مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 644

5۔ سنن ابوداؤد، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 564-563

جیسے کفار اصحاب قبور کی واپسی سے مایوس ہو چکے ہیں جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح بیان کیا ہے(1)۔دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ کفار جو قبروں میں ہیں ہر خیر سے مایوس ہو چکے ہیں۔اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس طرح یہ کافر جب مرا اور تمام احوال دیکھ لئے تو اب مایوس ہو چکا ہے۔یہ قول مجاہد، عکرمہ، مقاتل، ابن زید، کلبی اور منصور رحمھم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔

سورۃ الممتحنۃ کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد والمنۃ

1۔تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 82-81

سورۂ صف

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک جگہ بیٹھے یہ تذکرہ کررہے تھے کہ کوئی جائے اور حضور ﷺ سے یہ دریافت کرے کہ کون سا عمل اللہ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ ہم میں سے کوئی بھی نہ اٹھا تھا کہ ہمارے پاس حضور ﷺ کا قاصد پہنچا اور ہمیں ایک ایک کرکے بلا کر لے گیا۔ ہم جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے اس پوری سورت کی تلاوت فرمائی۔ (یعنی سورۂ صف)(1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے سوچا کہ حضور ﷺ کے پاس آدمی بھیج کر یہ دریافت کریں کہ اللہ کے نزدیک افضل ترین عمل کون سا ہے؟ ہم میں سے کوئی بھی نہ گیا اور ہم پوچھنے سے ڈر گئے۔ اس دوران آپ نے ایک ایک کرکے اس گروہ کے سب لوگوں کو بلا لیا۔ ان کے بارے میں ہی سورۂ صف نازل ہوئی تھی۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیں پوری سورت سنائی۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ پوری سورت سنائی۔ اسی طرح آخر تک ہر راوی نے اپنے شاگرد کو یہ سورت سنائی۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ ہم نے سوچا اگر ہمیں ایسے عمل کا علم ہو جائے تو ہم اس پر عمل پیرا ہو جائیں...... الحدیث۔

(مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں مجھے یہ حدیث میرے استاذ شیخ مسند ابوالعباس احمد بن ابی طالب حجار رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھ کر سنائی اور میں سن رہا تھا۔ اس میں بھی مسلسل ہر استاد کا اپنے شاگرد کو پڑھ کر سنانا مروی ہے۔ یہاں تک کہ میرے استاد نے بھی اپنے استاد سے سنا ہے لیکن چونکہ وہ اُمی تھے اسے یاد کرنے کا وقت کم تھا۔ انہوں نے مجھے پڑھ کر نہیں سنائی۔ دوسرے استاد حافظ کبیر ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے یہ حدیث مجھے پڑھاتے وقت پوری سورۂ صف بھی پڑھ کر سنائی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾

"اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے۔ اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ان (مجاہدوں) سے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پرا باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 452

سَبَّحَ لِلّٰهِ پر بحث متعدد مرتبہ ہو چکی ہے اس کے اعادے کی اب ضرورت نہیں۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ اس شخص پر اظہار ناپسندیدگی کیا جارہا ہے جو کوئی وعدہ کرتا یا بات کہتا ہے پھر اسے پورا نہیں کرتا۔ بعض علمائے سلف نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مطلقاً وعدہ پورا کرنا واجب ہے، خواہ جس سے وعدہ کیا گیا ہے اس نے تاکید کی ہو یا نہیں۔ اسی طرح انہوں نے صحیحین کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں (۱) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔ (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (۳) جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے''(1)۔ ایک دوسری صحیح حدیث میں ہے: ''جس شخص میں چار علامات ہوں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہو اس میں نفاق کی خصلت موجود ہے یہاں تک کہ اسے ترک کردے(2) الخ''۔ ان میں سے ایک وعدہ خلافی ہے۔ ہم نے ان دونوں حدیثوں کے بارے میں شرح بخاری کی ابتدا میں بحث کی ہے۔ وللہ الحمد والمنّۃ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اس انکار کو پختہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ۔ امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے۔ میں چھوٹا بچہ تھا۔ میں کھیل کود کے لئے جانے لگا تو میری ماں نے کہا ادھر آ تمہیں کچھ دوں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: تم اسے کیا دینا چاہتی ہو؟ میری ماں نے عرض کیا کھجور۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ایک جھوٹ تمہارے ذمے لکھا جائے گا(3)۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ جب وعدہ کے ساتھ عزم بھی ہو تو اسے پورا کرنا واجب ہے۔ جس طرح کسی دوسرے کو تو کہے کہ تو نکاح کرلے تو اتنا اتنا میں تمہیں ہر روز دیتا رہوں گا۔ اگر اس نے نکاح کرلیا تو جب تک وہ نکاح باقی ہے اسے کچھ نہ کچھ دینا پڑے گا کیونکہ اس کے ساتھ آدمی کا حق متعلق ہے۔ جس پر اس سے باز پرس ہوسکتی ہے۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا۔ انہوں نے آیت کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب لوگوں نے جہاد کی فرضیت کی تمنا کی اور جب جہاد فرض ہو گیا تو بعض لوگ رخ موڑنے لگے جس طرح اس آیت میں ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا...... مُّشَيَّدَةٍ (نساء:77)۔ اور فرمایا وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ...... مِنَ الْمَوْتِ (محمد:20)۔

اسی طرح اس آیت میں علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مومنین میں سے کچھ لوگ فرضیت جہاد سے قبل یہ کہا کرتے کیا ہی اچھا ہوتا اللہ تعالیٰ ہمیں وہ عمل بتا دیتا جو اسے سب سے زیادہ پسند ہے تاکہ ہم اس پر عمل کرتے تو اللہ نے اپنے نبی کو یہ خبر دی کہ سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اس پر ایمان لانا ہے جس میں کوئی شک نہ ہو، اور اہل معصیت جو ایمان کی مخالفت کریں اور اس کو تسلیم نہ کریں سے جہاد کرنا ہے۔ جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو مومنین میں سے بعض نے اسے ناپسند کیا اور یہ امر انہیں گراں گزرا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے پسند کیا ہے(4)۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مومنین نے کہا اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ کس عمل کو اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتا ہے تو ہم ضرور وہ عمل بجالاتے۔ چنانچہ اللہ نے انہیں اپنے پسندیدہ عمل سے آگاہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا اب بات واضح ہوگئی اور غزوۂ احد کے دن انہیں آزمائش میں مبتلا کیا گیا تو وہ نبی کریم ﷺ سے رخ موڑ کر چل دیئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ اور فرمایا میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ

1۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 177-204، تفسیر سورۂ توبہ آیت: 77، تفسیر سورۂ رعد آیت: 25، تفسیر سورۂ مریم آیت: 54 اور تفسیر سورۂ معارج آیت: 32 میں گزر چکی ہے۔

2۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 89 مسلم کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 78

3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 447- سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 298 4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 83-85

محبوب وہ ہے جو میری راہ میں لڑائی کرے(1)۔

بعض علماء کی رائے میں یہ قتال کے بارے میں نازل ہوئی یعنی اس آدمی کے بارے میں جو کہتا میں نے جہاد کیا ہے حالانکہ اس نے جہاد نہیں کیا۔ میں نے نیزہ بازی کی حالانکہ نہ کی تھی۔ میں نے شمشیر زنی کی حالانکہ نہ کی تھی۔ میں نے صبر کیا حالانکہ صبر نہ کیا تھا۔ قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ ان لوگوں کو جھڑکنے کے لئے نازل ہوئی جو یہ کہتے ہم نے قتال کیا، ہم نے تلوار چلائی، ہم نے نیزہ مارا اور یہ کام کیا حالانکہ کچھ نہ کیا تھا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مسلمانوں کی مدد کا وعدہ کرتے پھر اسے پورا نہ کرتے۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ جہاد مراد لیتے ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ بات انصار کے ایک گروہ نے کہی تھی حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل تھے۔ انہوں نے ایک مجلس میں کہا تھا اگر ہمیں اللہ کے ہاں پسندیدہ ترین عمل کا پتہ چل جائے تو ہم اس پر عمل کریں یہاں تک کہ ہماری موت واقع ہو جائے، تو اللہ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں وقف کئے رہوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں۔ چنانچہ آپ نے شہادت پائی(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالاسود دیلی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اہل بصرہ میں سے قراء حضرات کو بلا بھیجا۔ آپ کے پاس تین سو آدمی آئے ان میں سے ہر ایک قاری قرآن تھا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اہل بصرہ کے قاری اور ان میں سے بہترین لوگ ہو۔ سنو ہم ایک سورت پڑھتے تھے جو مسبّحات کی سورتوں کے مشابہ تھی۔ پھر ہم اسے بھول گئے ہاں مجھے اس میں سے اتنا یاد ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ......وہ (طرزِ عمل) گواہی کے طور پر لکھ کر تمہاری گردنوں میں لٹکایا جائے گا اور قیامت کے دن اس کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔

كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ اللہ تعالیٰ مومن بندوں سے اپنی محبت کی خبر دے رہے ہیں کہ جب وہ دشمن کے سامنے میدان کارزار میں صف بستہ ہوتے ہیں تو اللہ کی راہ میں کفار سے لڑائی کرتے ہیں تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے اور اس کا دین تمام ادیان پر غالب ہو جائے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین قسم کے لوگوں کو اللہ دیکھ کر ہنس دیتا ہے: (۱) وہ جو رات کو قیام کرتا ہے۔ (۲) نماز کے لئے صفیں باندھنے والے۔ (۳) لڑائی کے لئے صفیں بنانے والے(3)۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے(4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مطرف فرماتے ہیں مجھے بروایت ابی ذر ایک حدیث پہنچی تھی۔ مجھے آپ کی ملاقات کی خواہش تھی۔ چنانچہ جب میں آپ سے ملا تو عرض کی میں نے آپ کے حوالے سے ایک حدیث سنی تھی میری خواہش ہے کہ آپ سے سن لوں۔ آپ نے فرمایا وہ حدیث کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے آپ کی روایت پہنچی ہے کہ حضور ﷺ نے آپ لوگوں کو بیان کیا کہ اللہ تین قسم کے لوگوں سے نفرت کرتا ہے اور تین کو پسند کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ میں اپنے خلیل ﷺ پر جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں نے پوچھا یہ تین آدمی کون سے ہیں جن سے اللہ محبت فرماتا ہے؟ فرمایا ایک وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں جنگ کی۔ خالص جہاد کی نیت سے نکلا اور دشمن سے آمنا سامنا کیا اور تم اسے کتاب اللہ میں بھی پاتے ہو۔ پھر یہ آیت پڑھی اِنَّ

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 146
2۔ طبری، جلد 28، صفحہ 84، درمنثور، جلد 8 صفحہ 146
3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 80
4۔ سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، جلد 1، صفحہ 73

اللہ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ اور حدیث ذکر فرمائی۔ یہ حدیث اس سند سے اسی سیاق اور انہی الفاظ سے مروی ہے اور مختصر ہے۔ ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اس سیاق سے مکمل حدیث بیان فرمائی ہے(1) جسے ہم نے کسی دوسری جگہ روایت کیا ہے۔ وللہ الحمد(2)۔ کعب احبار سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے: اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرماتا ہے: ''آپ میرے بندے، متوکل، پسندیدہ ہیں بدخلق، درشت زبان، اور بازاروں میں شوروشغب کرنے والے نہیں ہیں۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ عفوودرگزر سے کام لیتے ہیں۔ آپ کی جائے ولادت مکہ اور جائے ہجرت طابہ ہے(3)۔ آپ کا ملک شام ہے۔ آپ کی امت بکثرت حمدوثنا کرنے والی ہے۔ وہ ہر حال میں اور ہر مقام پر اللہ کی تعریف بیان کرتے رہتے ہیں۔ سحری کے وقت فضا میں ان کی آوازیں اس طرح سنائی دیتی ہیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ۔ اپنے ہاتھ پاؤں پر وضو میں پانی بہاتے ہیں۔ تہبند باندھتے ہیں۔ لڑائی میں ان کی صفیں نماز میں ان کی صفوں کی طرح ہوتی ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ سورج کا خیال رکھنے والے۔ جہاں وقت آجائے نماز پڑھ لیتے ہیں اگرچہ سواری کی پیٹھ پر ہی کیوں نہ ہو'' (ابن ابی حاتم)(4)۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: صفیں بنائے بغیر حضور ﷺ دشمن سے لڑائی شروع نہیں فرماتے تھے۔ اللہ کی طرف سے یہ مومنوں کو تعلیم دی جا رہی ہے۔

قولہ کَاَنَّہُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ صف قتال میں ایک دوسرے سے پیوستہ۔ مقاتل بن حیان کا قول ہے ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے ثابت قدم، اپنی جگہ سے ہٹتے نہیں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ عمارت تعمیر کرنے والا یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی عمارت میں ترچھاپن ہو۔ اسی طرح اللہ پسند نہیں فرماتا کہ اس کا امر مختلف ہو۔ اللہ نے لڑائی میں بھی اور نماز میں بھی مومنوں کی صفیں بنائیں۔ تم پر لازمی ہے کہ اللہ کے حکم کو لازم پکڑو۔ جو اس کی تعمیل کرتا ہے یہ اس کے لئے بچاؤ ہے۔ یہ سب کچھ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابو بحریہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان گھوڑوں پر سوار ہوکر لڑائی کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور پیدل لڑائی کو مرغوب رکھتے۔ ابو بحریہ فرماتے ہیں کہ جب لڑائی کی صف میں تم مجھے ادھر ادھر متوجہ ہوتے دیکھو تو میرے جبڑے پر مارو(5)۔

وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ یٰقَوۡمِ لِمَ تُؤۡذُوۡنَنِیۡ وَ قَدۡ تَّعۡلَمُوۡنَ اَنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ ؕ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ۞ وَ اِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ قَالُوۡا ہٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۞

''اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 40-39، سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 5 صفحہ 84، کتاب قیام اللیل، جلد 3 صفحہ 208-207 سنن کبریٰ کتاب الا ... بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9 صفحہ 161

2۔ یہ حدیث تفسیر سورۃ آل عمران آیت: 77 میں گزر چکی ہے مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 151

3۔ یہ مدینہ طیبہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے

4۔ ابونعیم الدلائل 74-72، قاضی عیاض: الشفا، جلد 1 صفحہ 33-32

5۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 84

طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں۔ پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا اور یاد کرو جب فرمایا عیسیٰ فرزند مریم نے اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں میں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے اور مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد اس کا نام (نامی) احمد ہوگا۔ پس جب وہ (احمد) آیا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے، رسول اور کلیم حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا:

لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ..... تم مسلسل مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تمہیں میری رسالت کی سچائی کا یقین ہے؟ یہاں اپنے رسول ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار کی تکالیف پر صبر کریں۔ چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے: موسیٰ پر اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرمائے۔ آپ کو اس سے زیادہ ستایا گیا تو آپ نے صبر کیا(1) اور مؤمنین کو نہی کی جا رہی ہے کہ آپ ﷺ کی شان میں کوئی گستاخی کریں یا آپ کو آزار پہنچائیں۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا (الاحزاب: 69)۔

قولہ تعالیٰ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ یعنی جب جانتے بوجھتے انہوں نے اتباع حق سے منہ موڑا۔ تو اللہ نے ان کے دلوں کو راہ ہدایت سے پھیر دیا اور شک، حیرت اور رسوائی میں مبتلا کر دیا۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ (انعام: 110)۔ اور فرمایا: وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِـعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا (نساء: 115)۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ..... یعنی تورات میں میری خوشخبری دی گئی اور میں اس کا مصداق ہوں جو تمہیں خبر دی گئی۔ میں اپنے بعد میں آنے والے کی خوشخبری دینے والا ہوں۔ وہ رسول نبی اُمّی العربی، مکی احمد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ آپ نے بنو اسرائیل کو حضرت محمد ﷺ کی خوشخبری دی۔ وہ احمد خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں آپ کے بعد رسالت اور نبوت ختم ہوگئی۔ کتنی خوبصورت ہے وہ روایت جسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''میرے چند اسماء ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے۔ میں حاشر ہوں تمام لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا۔ میں عاقب ہوں۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے(2)۔ ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ہمارے سامنے اپنے اسماء گنوائے۔ ان میں سے جو ہمیں یاد رہے وہ یہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں حاشر ہوں، مقفی ہوں، میں نبی رحمت و نبی توبہ ہوں۔ میں نبی الملحمۃ ہوں۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عمرو بن مرہ سے روایت کیا ہے(3)۔ ارشاد ہوتا ہے: اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ (الاعراف: 157)۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر اس سے یہ

1۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ احزاب آیت: 69 میں گزر چکی ہے

2۔ فتح الباری تفسیر سورۂ صف، جلد 8 صفحہ 641-640 مسلم کتاب الفضائل، جلد 4، صفحہ 1828 اور یہی حدیث تفسیر سورۂ احزاب آیت: 40 میں گزر چکی ہے

3۔ مسند ابوداؤد طیالسی 68، مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1829-1828

عہد لیا کہ اگر آپ کی زندگی میں میں محمد کو مبعوث کروں تو تم اس کی اتباع کرنا۔ ان سے یہ عہد لیا کہ اپنی امت سے یہ عہد لیں کہ اگر ان کی زندگی میں حضور ﷺ مبعوث ہوں تو ان کی اتباع اور مدد کریں۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ ہمیں اپنے بارے میں آگاہ فرمائیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں جسے اس نے اس وقت تک دیکھا جب ان کا پاؤں بھاری ہوا۔ گویا ان سے نور خارج ہوا جس سے ارض شام میں بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے (1)۔'' اس کی اسناد عمدہ ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اللہ کے ہاں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب حضرت آدم علیہ السلام مٹی کا پتلا تھے۔ میں تمہیں اس کی ابتداء سناؤں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور میری ماں کا خواب جو اس نے دیکھا۔ اور نبیوں کی مائیں اسی طرح خواب دیکھا کرتی ہیں (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوامامہ سے روایت کیا ہے میں نے عرض کیا: آپ کا ابتدائی امر کیا تھا؟ فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور میری والدہ کا خواب کہ ان سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (3)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیں نجاشی کی طرف بھیجا ہم تقریباً اسّی آدمی تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود، جعفر، عبداللہ بن عرفطہ، عثمان بن مظعون اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم شامل تھے یہ نجاشی کے پاس چلے آئے۔ قریش نے عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید کو تحائف دے کر بھیجا۔ جب وہ نجاشی کے دربار میں داخل ہوئے تو اسے سجدہ کیا اور دائیں وبائیں طرف سے آئے اور کہنے لگے ہمارے قبیلے کے کچھ لوگ تمہاری سرزمین پر اترے ہیں اور ہمارے دین سے پھر گئے ہیں۔ نجاشی نے پوچھا وہ کدھر ہیں؟ انہوں نے کہا وہ تمہارے ملک میں ہیں انہیں بلاؤ نجاشی نے انہیں بلا بھیجا۔ جعفر نے کہا میں آج تمہارا خطیب ہوں۔ چنانچہ سب نے آپ کی بات مان لی۔ آپ دربار میں آئے سلام کہا اور سجدہ نہ کیا۔ پوچھا گیا تم بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ آپ فرمانے لگے ہم صرف اللہ وحدہ لاشریک کو سجدہ کرتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیوں؟ آپ نے فرمایا اللہ نے ہماری طرف اپنا رسول مبعوث فرمایا۔ آپ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم صرف اللہ کو سجدہ کریں اور ہمیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ عمرو بن عاص نے کہا کہ ان کا عقیدہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں بالکل جدا ہے۔ اس نے پوچھا تم عیسیٰ بن مریم اور اس کی ماں کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا: ہم اسی طرح کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں جسے عذرا، بتول کے پیٹ میں پھونکا۔ جنہیں کسی بشر نے چھوا تک نہیں تھا نہ انہیں بچہ ہونے کا کوئی موقع تھا۔ یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا اے حبشہ کے لوگو! اے پادریوں اور راہبوں کے گروہ! جو کچھ ہم کہتے ہیں انہوں نے اس تنکے کے برابر بھی اس میں اضافہ نہیں کیا۔ تمہیں خوش آمدید اور اسے بھی جس کے پاس سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں ان کا ذکر انجیل میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہی کی بشارت دی تھی۔ تم جہاں چاہو رہو۔ اللہ کی قسم! اگر میں امور مملکت میں مشغول نہ ہوتا تو اس کے پاس حاضر ہوتا آپ کے جوڑے اٹھاتا اور آپ کو وضو کراتا۔ پھر حکم دیا کہ دوسرے فریق کے تحائف واپس کر دیئے جائیں۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو جلد ہی حضور ﷺ سے آملے اور غزوۂ بدر میں شمولیت فرمائی۔ شاہ حبشہ کے انتقال کی خبر جب حضور ﷺ کو ملی تو آپ نے اس کی بخشش کی دعا

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 166 2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 127 3۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 262

فرمائی(1)۔ یہ واقعہ حضرت جعفر اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اس کا محل کتب سیرت ہیں(2) مقصد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام آپ کا وصف بیان کرتے رہے اور ان کی کتب میں آپ کا اسم گرامی موجود تھا جو اپنی امتوں کو بیان فرماتے رہے اور انہیں آپ ﷺ کی اتباع اور نصرت کا حکم فرماتے رہے۔ سب سے پہلے آپ ﷺ کی شہرت روئے زمین پر ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن کی زبان مبارک سے ہوئی۔ جب آپ نے اہل مکہ کے لئے دعا فرمائی کہ اے اللہ ان میں رسول بھیج جو انہی سے ہو اور اسی طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبان سے۔ اسی لئے جب آپ ﷺ سے آپ کی ابتداء کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے دعائے خلیل اور نوید مسیح کی طرف اشارہ فرمایا اور اپنی ماں کے خواب کا ذکر کیا جو کہ اہل مکہ میں آپ ﷺ کی شہرت کا سبب تھا۔ اسی طرح دیگر عجیب و غریب واقعات جو آپ ﷺ کے ذکر سے متعلق ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ جب حضور ﷺ تشریف لے آئے۔ از منہ قدیم سے آپ ﷺ کی خوشخبری دی جا رہی تھی اور قرون سالفہ میں آپ ﷺ کا چرچا عام تھا۔ جب آپ ﷺ کا ظہور قدسی ہوا اور آپ ﷺ نشانیاں لے کر آئے تو کفار اور مخالفین نے اسے واضح جادو قرار دیا(3)۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

"اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹے بہتان باندھتا ہے حالانکہ اسے بلایا جا رہا ہے اسلام کی طرف۔ اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ (نادان) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے۔ لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا خواہ سخت ناپسند کریں اس کو کافر۔ وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تا کہ وہ غالب کر دے اسے سب دینوں پر خواہ سخت ناپسند کریں اس کو مشرک"۔

اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ پر افترا باندھتا ہے اور اس کے لئے انداد اور شرکا ٹھہراتا ہے حالانکہ اس کو توحید اور اخلاص کی دعوت دی جا رہی ہے۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ وہ حق کو باطل کے ساتھ رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص سورج کی شعاع کو پھونک مار کر بجھانا چاہتا ہے۔ جس طرح یہ محال ہے اسی طرح وہ بات بھی مستحیل ہے۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ لِيُظْهِرَهٗ ان دونوں آیات پر سورۂ براءۃ میں کافی گفتگو ہو چکی ہے۔ وللہ الحمد والمنۃ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

1۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 461 | 2۔ البدایۃ والنہایۃ، جلد 3 صفحہ 70-67 | 3۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 87

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

''اے ایمان والو! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ایسی تجارت پر جو بچالے تمہیں دردناک عذاب سے۔ (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔ یہی طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ اللہ تعالیٰ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو اور داخل کرے گا تمہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں اور پاکیزہ مکانوں میں جو سدابہار باغوں میں ہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور ایک اور چیز جو تمہیں بڑی پسند ہے (وہ بھی ملے گی) یعنی اللہ کی جناب سے نصرت اور فتح جو بالکل قریب ہے اور (اے حبیب!) مومنوں کو (یہ) بشارت سنا دیجئے''۔

اس سے پہلے حدیث حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ صحابہ نے حضور ﷺ سے یہ پوچھنے کا ارادہ کیا کہ اللہ کے ہاں محبوب ترین عمل کون سا ہے تاکہ وہ اس پر عمل پیرا ہوں۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔ اس کے اندر یہ آیت بھی تھی:

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ پھر اس عظیم تجارت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مقصود حاصل ہو جائے گا اور ڈر زائل ہو جائے گا۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یہ تمہارے لئے دنیا کی تجارت اور صرف اس کے لئے ہی کدوکاوش اور مساعی کرنے سے بہتر ہے۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ اگر تم نے میری تعلیمات پر عمل کیا تو میں لغزشیں بخش دوں گا اور تمہیں جنتوں، مساکن طیبات اور درجات عالیہ میں رکھوں گا۔ ارشاد ہوتا ہے: وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا علاوہ بریں وہ چیز بھی ملے گی جسے تم پسند کرتے ہو۔

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ جب تم اس کی راہ میں جہاد کرو اس کے دین کی مدد کرو تو اللہ تمہاری مدد کی ضمانت دے گا۔ ارشاد ہوتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد:7)۔ اور فرمایا: وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (الحج:40)۔

قولہ تعالیٰ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ یعنی جلد۔ اس اضافہ سے مراد دنیا کی بہتری ہے جو آخرت کی نعمتوں سے مل ہوئی ہے یہ اس کے لئے ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اس کے دین کی مدد و نصرت کرے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

''اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جس طرح کہا تھا عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف بلانے میں؟ حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں پس ایمان لے آیا ایک گروہ

بنی اسرائیل سے اور کفر کیا دوسرے گروہ نے۔ پھر ہم نے مدد کی ان کی جو ایمان لائے دشمنوں کے مقابلہ میں بالآخر وہی غالب رہے''۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو فرما رہا ہے کہ ہر حال میں اپنے اقوال، افعال، جان اور مال کے ساتھ اللہ کے مددگار بن جائیں اور اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر اسی طرح لبیک کہیں جیسے حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہی تھی۔

مَنْ اَنْصَارِیْۤ دعوت حق میں کون میرا مددگار رہے۔ الحواریون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار۔

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ہم آپ کے انصار و مددگار ہیں اس چیز میں جس کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا ہے۔ اسی لئے آپ نے انہیں داعی بنا کر بلادِ شام میں اسرائیلیوں اور یونانیوں کی طرف بھیجا۔ حضور ﷺ ایام حج میں یہی فرمایا کرتے تھے: ''کون شخص مجھے پناہ دیتا ہے تاکہ میں اپنے رب کی رسالت کو پہنچاؤں۔ اپنے رب کا پیغام پہنچانے میں قریش میرے مزاحم ہو رہے ہیں(1)۔'' تا آنکہ اللہ نے اہل مدینہ میں اوس و خزرج کو یہ سعادت ارزانی فرمائی انہوں نے آپ کی بیعت کی، آپ کی مدد کی اور یہ عہد کیا کہ اگر آپ ان کی طرف ہجرت کر کے تشریف فرما ہوں تو ہر سیاہ و سرخ کے مقابلے میں آپ کی مدد کریں گے۔ چنانچہ جب آپ اپنے صحابہ سمیت ہجرت فرمائے مدینہ ہوئے تو انہوں نے اللہ کے رسول سے کئے ہوئے اپنے عہد کی پاسداری کی۔ اسی لئے اللہ اور اس کے رسول نے انہیں ''انصار'' کے لقب سے ملقب فرمایا حتیٰ کہ یہ ان کا علم بن گیا۔ رضی اللہ عنهم وأرضاهم۔

قولہ تعالیٰ فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآىِٕفَةٌ یعنی جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے رب کا پیغام اپنی قوم تک پہنچا دیا اور حواریوں نے آپ کی نصرت و موازرت کی تو بنو اسرائیل کا ایک گروہ راہ ہدایت پر گامزن ہو گیا اور دوسرا گروہ گمراہ ہو گیا۔ انہوں نے آپ پر خروج کیا آپ کی نبوت کا انکار کیا اور آپ اور آپ کی والدہ ماجدہ پر بڑی بڑی تہمتیں لگائیں یہ یہود تھے۔ عليهم لعائن الله المتتابعة إلى يوم القيامة۔ اور آپ کی اتباع کرنے والے ایک گروہ نے غلو سے کام لیا حتیٰ کہ آپ کو درجہ نبوت سے بھی بڑھا دیا اور مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک فرقے نے کہا آپ اللہ کے بیٹے ہیں۔ دوسرے نے کہا آپ ثالث ثلاثة (یعنی تین میں سے تیسرے) ہیں۔ یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس۔ تیسرے فرقے نے کہا آپ ہی خدا ہیں۔ یہ سارے اقوال سورۂ نساء میں مفصل مذکور ہیں(2)۔

قولہ تعالیٰ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ نصاریٰ کے فرقوں میں سے جو ان کے دشمن تھے ان کے خلاف ہم نے ان کی مدد کی۔

فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ اور وہ ان پر غالب آ گئے یعنی حضور ﷺ کی بعثت سے، جس طرح کہ امام ابو جعفر بن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھانا چاہا، آپ اپنے ساتھیوں کی طرف آئے آپ نے گھر کے چشمے سے غسل فرمایا تھا اور آپ کے سر سے پانی کے قطرات ٹپک رہے تھے۔ آپ کے بارہ اصحاب ایک گھر میں جمع تھے۔ آپ نے فرمایا تم میں سے کچھ لوگ بارہ مرتبہ میرے ساتھ کفر کریں گے اس کے بعد کہ وہ مجھ پر ایمان لا چکے ہیں۔ پھر فرمایا تم میں سے کون اس بات پر آمادہ ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈال دی جائے اور وہ میرے بدلے قتل کیا جائے اور وہ درجہ میں میرے ساتھ ہو گا۔ ایک نوجوان جو سب سے کم عمر تھا اٹھا اور کہا میں۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ پھر دوبارہ آپ نے وہی بات دہرائی۔ تو وہ نوجوان کھڑا ہوا

1۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ آل عمران آیت: 52 میں گزر چکی ہے

2۔ دیکھئے سورۂ نساء کی آیات: 158-157 کی تفسیر

اور اپنے آپ کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ آپ نے تیسری مرتبہ وہی بات دہرائی۔ تو اس نوجوان نے اپنے آپ کو پھر پیش کیا اس پر آپ نے فرمایا ہاں تو ہی وہ ہے۔ اسی وقت اس نوجوان کی شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثل ہوگئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گھر کے ایک روزن سے آسمان پر اٹھالیا گیا۔ یہود آپ کی تلاش میں آئے۔ آپ کے مشابہ نوجوان کو پکڑ کر لے گئے اور اسے قتل کر کے سولی دے دی۔ بعض نے آپ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ آپ سے کفر کیا اور تین فرقوں میں منقسم ہوگئے۔ ایک فرقہ کہنے لگا اللہ تعالیٰ خود ہمارے درمیان موجود تھا۔ جب اس نے چاہا تو آسمان پر چڑھ گیا یہ یعقوبیہ ہیں۔ ایک فرقے نے کہا آپ ابن اللہ ہیں جب تک اللہ نے چاہا ہم میں قیام فرمایا۔ پھر آپ کو آسمان پر اٹھالیا۔ یہ نسطوریہ ہیں۔ ایک فرقے نے کہا آپ اللہ کے بندے اور رسول تھے جب تک اللہ نے چاہا آپ ہمارے درمیان ٹھہرے رہے پھر اللہ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا۔ یہ مسلمان ہیں۔ یہ دونوں کافر جماعتیں مسلمانوں پر غالب آ گئیں۔ ان میں قتل و غارت مچادی۔ اسلام ایک عرصے تک گمنام رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ...... یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے کفر کیا اور دوسرا گروہ جو آپ پر ایمان لایا۔

فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا...... آنحضرت ﷺ نے ان کے دین کو کفار پر غالب کیا۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں آپ کے یہی الفاظ ہیں۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں اس آیت کی تفسیر میں ابو معاویہ سے یہی روایت کیا ہے (1)۔ چنانچہ حضور ﷺ کی امت ہمیشہ حق پر غالب رہے گی یہاں تک کہ اللہ کا امر آجائے۔ اس وقت بھی وہ اسی حالت پر ہوں گے۔ یہاں تک کہ ان کا آخری فرد حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ مل کر دجال سے جنگ کرے گا جس طرح کہ صحیح احادیث میں آیا ہے۔ واللہ اعلم۔

سورۂ صف کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد والمنّہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 92، نسائی: سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4 صفحہ 452

سورۂ جمعہ

حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نماز جمعہ میں سورہ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھا کرتے تھے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اسی طرح روایت کیا(1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

''اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے، جو بادشاہ ہے، نہایت مقدس ہے، زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا اُمیوں میں ایک رسول انہیں میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان (کے دلوں) کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ اور دوسرے لوگوں کا بھی ان میں سے (تزکیہ کرتا ہے تعلیم دیتا ہے) جو ابھی ان سے آکر نہیں ملے۔ اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے عطا فرماتا ہے اسے جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے''۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ زمین وآسمان کی تمام مخلوقات خواہ ناطق ہو یا جامد اس کی تسبیح بیان کر رہی ہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (اسراء:44)۔

اَلْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ ان میں تصرف کرنے والا ہے اپنے حکم سے۔ وہ مقدس یعنی تمام نقائص سے پاک اور صفات کمال سے متصف ہے۔

اَلْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ اس کی تفسیر متعدد مرتبہ گزر چکی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ: سے مراد اہل عرب ہیں۔ جیسے فرمایا: وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ (آل عمران:20)۔ امیوں کی تخصیص سے غیر امیوں کی نفی مقصود نہیں۔ لیکن ان پر احسان دوسروں کی نسبت زیادہ ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ (زخرف:44)۔ حالانکہ قرآن سب

1۔ مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 599-597

کیلئے باعث نصیحت ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (الشعراء: 214)۔ یہ اور اس طرح کی دیگر آیات ان آیات کے منافی نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (اعراف: 158)۔ اور فرمایا: لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ (انعام: 19)۔ اور قرآن کریم کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود: 17)۔ اور اس طرح کی دیگر آیات جو حضور ﷺ کی بعثت کے عموم کو ثابت کرتی ہیں یعنی آپ تمام خلائق یعنی گورے اور کالے کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ سورۂ انعام میں اس کی تفسیر آیات اور احادیث صحیحہ کی مدد سے کی جا چکی ہے (1)۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

یہ آیت حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دعا کی قبولیت کا مصداق ہے۔ جب آپ نے اہل مکہ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اللہ ان میں اپنا رسول مبعوث فرمائے جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت فرمائے۔ انہیں پاک کرے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرماتے ہوئے آپ کو مبعوث فرمایا، ایک فترہ کے بعد جب ہدایت کے راستے مٹ چکے تھے اور ایک نبی کی شدید ضرورت تھی۔ اللہ نے اہل ارض عرب وعجم کو مبغوض رکھا (ناپسند کیا) مگر اہل کتاب کی ایک تھوڑی سی تعداد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر مضبوطی سے کاربند تھی۔ عرب زمانہ ہائے قدیم سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے لائے ہوئے دین پر پختگی سے عمل پیرا تھے۔ پھر انہوں نے اس میں تحریف کردی اور اس کی خلاف ورزی کی۔ توحید کو شرک اور یقین کو شک میں تبدیل کر دیا اور ایسی اشیاء ایجاد کیں جن کا حکم اللہ نے نہیں فرمایا تھا۔ اسی طرح اہل کتاب نے اپنی کتب میں تغیر وتبدل کیا اور تاویلیں کیں تو اللہ نے حضرت محمد ﷺ کو کامل عظیم شریعت دے کر بھیجا جو سب مخلوق کو شامل ہے۔ اس میں ہدایت ہے اور ان تمام اشیاء کا بیان ہے جن کی دین اور دنیا میں ان کو ضرورت ہوتی ہے اور اس بات کی دعوت بھی جو جنت میں لے جانے والی ہے۔ رضائے الٰہی کا سبب ہے اور اس بات کی نہی ہے جو دوزخ اور اللہ کی ناراضگی کے قریب کردے۔ یہ حاکم ہے اصول وفروع میں تمام شبہات اور شک وارتیاب کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ سابقین کی تمام محاسن اس میں جمع ہیں۔ آپ کو وہ چیزیں عطا فرمائیں جو اولین وآخرین میں سے کسی کو نہیں ملیں۔ فصلوات اللہ وسلامہ علیہ دائما الی یوم الدین۔

وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ امام ابوعبداللہ بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ سورۂ جمعہ نازل ہوئی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے کوئی جواب نہ دیا حتیٰ کہ تین مرتبہ یہی سوال ہوا تو حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھا اور فرمایا: اگر ایمان ثریا ستارے کے پاس بھی ہوا تو ان لوگوں میں سے ایک۔ یہ فرمایا کئی۔ اسے پالیں گے (2)۔ مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے متعدد طرق سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (3) یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور حضور ﷺ کی بعثت تمام روئے زمین والوں کی طرف عام ہے۔ کیونکہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فارس والوں کو بھی شامل فرمایا ہے اور آپ نے فارس، روم وغیرہ دیگر اقوام کی طرف مکاتیب گرامی روانہ فرمائے۔ جن میں انہیں ایک اللہ کی طرف دعوت دی اور اپنی پیروی کرنے کو فرمایا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ دیگر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ عجمی لوگ اور ہر وہ غیر عرب ہیں جو حضور ﷺ کی تصدیق کریں (4)۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام آیات: 19، 92 2۔ فتح الباری تفسیر سورۂ جمعہ، جلد 8 صفحہ 641

3۔ مسلم، کتاب فضائل صحابہ، جلد 4 صفحہ 1973-1972، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ جمعہ، جلد 12 صفحہ 199-198، نسائی، سنن کبری، کتاب التفسیر، المناقب بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9 صفحہ 460، تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 96

4۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 96، در منثور، جلد 8 صفحہ 153-152

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سہل بن سعد ساعدی سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میری امت کے مردوں اور عورتوں کی تیسری پشت کے لوگ بھی بلا حساب جنت جائیں گے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی یعنی امت محمد یہ کے بقایا میں سے بقیہ۔

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اپنی شرع اور تقدیر میں عزت اور حکمت والا ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ...... یعنی حضور ﷺ کو جو نبوت عظیمہ سے نوازا ہے اور اس امت کو آپ کی بعثت سے مشرف فرمایا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶﴾ وَ لَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۷﴾ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾

”ان کی مثال جنہیں تورات کا حامل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس نے کتابیں اٹھا رکھی ہوں، (اس سے بھی زیادہ) بری حالت ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ آپ فرمائیے اے یہودیو! اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ صرف تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ (دوست) نہیں ہیں تو ذرا مرنے کی آرزو تو کرو اگر تم سچے ہو۔ اور (اے حبیب!) وہ اس کی تمنا کبھی نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو وہ اپنے ہاتھوں پہلے بھیج چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ آپ (انہیں) فرمائیے یقیناً وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں مل کر رہے گی پھر لوٹا دیا جائے گا تمہیں اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر چھپے اور ظاہر کو پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان (اعمال) سے جو تم کیا کرتے تھے“۔

اللہ تعالیٰ یہود کی مذمت فرما رہا ہے جنہیں تورات عطا کی گئی اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا لیکن انہوں نے اس پر عمل نہ کیا۔ ان کی مثال اس گدھے کی مانند ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔ یعنی وہ اس بوجھ کو اٹھائے ہوئے تو ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس کے اندر کیا ہے۔ وہ حسی طور پر اسے اٹھائے ہوئے ہے یعنی بوجھ محسوس کرتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس میں کیا ہے؟ اسی طرح کے یہ حاملین کتاب ہیں۔ انہیں یہ کتاب دی گئی تو انہوں نے اسے لفظاً یاد تو کر لیا لیکن اسے سمجھا نہیں اور نہ اس کے بموجب عمل کیا۔ بلکہ اس میں تاویلیں کیں اور تحریف و تغییر کا دروازہ کھول دیا۔ وہ تو اس گدھے سے بھی بدتر حالت میں ہیں کیونکہ گدھا عقل سے بے بہرہ ہے اور یہ عقل و شعور تو رکھتے ہیں لیکن اسے استعمال نہیں کرتے۔ اسی لئے دوسری آیت میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (اعراف: 179)

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے جمعہ کے دن گفتگو کی اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا تھا تو وہ گدھے کی طرح ہے جو بڑی بڑی کتب اٹھائے ہوئے

ہو اور جو اسے یہ کہتا ہے خاموش ہو جا اس کا کوئی جمعہ نہیں (1)"۔

اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ...... یعنی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ہدایت پر ہو اور حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ گمراہ ہیں تو یہ دعا کرو کہ دونوں فرقوں میں سے جو گمراہ ہے اس پر موت واقع ہو جائے یعنی اگر تم اپنے گمان میں سچے ہو۔

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ یعنی جو کفر، ظلم اور فسق و فجور وہ کرتے ہیں۔

وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ سورۂ بقرہ میں یہود کے مباہلے کا پورا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً...... بِمَا يَعْمَلُوْنَ (2)۔ ہم نے اس کا تفصیلی ذکر وہاں کیا تھا اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ مراد یہ ہے کہ اپنے یا اپنے مقابل فریق میں سے جو گمراہ ہے اس کے لئے موت کی دعا کرو جس طرح سورۂ آل عمران میں نصاریٰ کے مباہلے کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (آل عمران:61)۔ اور سورۂ مریم میں مشرکین کے مباہلے کا ذکر ہے۔ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا (مریم:75)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابوجہل ملعون نے کہا: اگر میں حضور کو کعبہ کے پاس دیکھوں گا تو آپ کی گردن کو رگڑوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر یہ ایسے کرتا تو فرشتے اسے دبوچ لیتے اس طرح کہ سب دیکھ رہے ہوتے اور اگر یہود موت کی آرزو کرتے تو مر جاتے اور جہنم میں اپنی جگہ دیکھ لیتے اور اگر حضور ﷺ کے مباہلہ کے لئے لوگ نکلتے تو واپس لوٹ کر اپنے اہل و عیال اور مال کو ہرگز نہ پاتے۔ بخاری، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو بیان کیا ہے (3)۔

قولہ تعالیٰ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ...... جس طرح سورۂ نساء میں ہے: اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (نساء:78)۔ معجم طبرانی میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: "موت سے فرار اختیار کرنے والے کی مثال اس طرح ہے جیسے لومڑی، زمین اس سے قرض کا مطالبہ کرتی ہے تو وہ دوڑنا شروع کر دیتی ہے اور تھک ہار کر بل میں گھس جاتی ہے۔ زمین وہاں اس سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرتی ہے تو وہ تیزی سے باہر نکلتی ہے اور دم دبا کر بھاگتی ہے اور اسی طرح بھاگتی رہتی ہے حتیٰ کہ اس کی گردن الگ ہو جاتی ہے اور وہ مر جاتی ہے (4)"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

"اے ایمان والو! جب (تمہیں) بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف اور (فوراً) چھوڑ دو خرید و فروخت یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے اور کثرت سے اللہ کی یاد کرتے رہا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

جمعے کو جمعہ کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ جمع سے مشتق ہے۔ اہل اسلام ہر ہفتے میں ایک مرتبہ بڑی بڑی عبادت گاہوں میں جمع ہوتے

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 230 — 2۔ تفسیر سورۂ بقرۃ آیات: 96-94 — 3۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ آل عمران آیت: 61 میں گزر چکی ہے

4۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ ق آیت: 19 میں گزر چکی ہے۔ طبرانی: معجم الکبیر، جلد 7 صفحہ 222 الاوسط بحوالہ مجمع الزوائد، جلد 2 صفحہ 320

ہیں۔ اسی دن مخلوق کی تخلیق مکمل ہوئی۔ یہ ان چھ دنوں میں سے چھٹا دن ہے جن میں اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ جنت میں داخل ہوئے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے۔ اسی دن میں قیامت قائم ہوگی اس میں ایک گھڑی ہے اس میں مومن بندہ اللہ سے جو بھلائی طلب کرے اللہ اسے عطا فرما دیتا ہے۔ جس طرح کہ صحیح احادیث میں ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے سلمان! جمعہ کا دن کیا ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کا دن وہ ہے جس میں اللہ نے تمہارے والدین کو ملایا۔ یا یوں فرمایا تمہارے باپ کو جمع فرمایا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ فاللہ اعلم۔

قدیم زبان میں اسے یوم العروبہ(1) کہا جاتا تھا۔ پہلی امتوں کو بھی یہ دن دیا گیا لیکن وہ اسے بھول گئے۔ یہود نے ہفتے کا دن اختیار کر لیا۔ جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق نہیں ہوئی۔ نصاریٰ نے اتوار کا دن پسند کیا جس میں تخلیق کی ابتداء ہوئی اور اللہ نے اس امت کے لئے جمعہ کا دن پسند فرمایا جب مخلوق کی تخلیق مکمل ہوئی جس طرح کہ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ہم دنیا میں سب سے آخر میں آنے والے اور قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے۔ سوائے اس کے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی۔ پھر یہ وہ دن ہے جسے اللہ نے ان پر فرض فرمایا تو انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ اللہ نے ہمیں اس کی ہدایت عطا فرمائی۔ لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہیں۔ یہود کل اور نصاریٰ پرسوں۔ یہ الفاظ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں(2)۔ مسلم میں ہے۔ اللہ نے ہم سے پہلی امتوں کو جمعہ سے بھٹکا دیا۔ یہود کے لئے ہفتہ کا دن اور نصاریٰ کے لئے اتوار تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں لایا اور جمعہ کے دن کی طرف ہماری راہنمائی فرمائی اور جمعہ، ہفتہ اور اتوار قرار دیا۔ اسی طرح قیامت کے دن وہ ہمارے پیچھے ہوں گے۔ ہم اہل دنیا میں سب سے آخر میں اور روز قیامت اولین ہوں گے۔ تمام مخلوق میں سب سے پہلے ہمارا فیصلہ کیا جائے گا(3)۔

اللہ نے جمعہ کے دن مومنین کو اس کی عبادت کے لئے جمع ہونے کا حکم ارشاد فرمایا: فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ یعنی قصد کرو، ارادہ کرو اور اس کی طرف جانے کا اہتمام کرو۔ سعی سے مراد چلنا نہیں بلکہ اہتمام مراد ہے۔ جس طرح ایک اور آیت میں ہے: وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ (اسراء:19)۔

حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی قراءت میں فاسعوا کی بجائے وامضوا آیا ہے۔(4) خیال رہے کہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا ممنوع ہے جس طرح کہ صحیحین کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم اقامت سنو تو نماز کے لئے چلو سکینت اور وقار کے ساتھ اور تیز مت دوڑو۔ جو مل جائے ادا کر لو اور جو رہ جائے اسے مکمل کر لو(5)'' یہ الفاظ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ ابو قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضور کے ساتھ ہم نماز ادا کر رہے تھے کہ آپ نے لوگوں کا شور سنا۔ نماز کے بعد پوچھا: ''تمہیں کیا ہو گیا تھا؟'' عرض کی گئی ہم جلد جلد نماز کی طرف آ رہے تھے فرمایا ایسے نہ کرو۔ جب نماز کے لئے آؤ تو وقار کے ساتھ

1۔ ابن اثیر نے النہایۃ میں کہا ہے کہ عروبۃ جمعہ کا قدیم نام ہے

2۔ یہ حدیث تفسیر سورۃ البقرۃ آیت، 213، 224، تفسیر سورۃ آل عمران آیت: 110، تفسیر سورۃ یونس آیت: 47، تفسیر سورۃ نحل آیت: 124 اور تفسیر سورۃ واقعہ آیت: 13 میں گزر چکی ہے۔

3۔ یہ حدیث تفسیر سورۃ نحل آیت: 124 میں گزر چکی ہے

4۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 100، آلوسی، روح المعانی، جلد 28 صفحہ 103

5۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 120-117، مسلم، کتاب المساجد، جلد 422-420

چلتے ہوئے آؤ۔ جو مل جائے ادا کرو اور جو رہ جائے اسے مکمل کرو(1)''۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب نماز کھڑی ہو جائے تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون اور وقار کے ساتھ چلتے ہوئے آؤ۔ جو مل جائے پڑھو اور جو رکعت رہ جائے اسے مکمل کرو(2)''۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے(3)۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد دوڑنا نہیں کیونکہ نماز کے لئے سکینت اور وقار کے ساتھ آنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اس سے مراد دل، نیت اور خشوع ہے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ تو اپنے دل اور عمل کے ساتھ کوشش کرے یعنی اس کی طرف چل کر آئے۔ آپ آیت کریمہ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ (الصافات: 102) سے مراد چل کر آنا لیتے تھے۔ محمد بن کعب اور زید بن اسلم رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔

جو شخص جمعہ کے لئے آئے اس کے لئے مستحب ہے کہ آنے سے قبل غسل کرے۔ جس طرح کہ صحیحین کی روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی جمعہ کو پائے تو اسے چاہئے کہ وہ غسل کرے(4)''۔ اور صحیحین میں ہی ابو سعید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کا غسل ہر بالغ پر فرض ہے(5)۔'' ایک دوسری روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر مسلمان پر اللہ کا حق یہ ہے کہ ساتویں دن غسل کرے سر اور جسم کو دھوئے''(6)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر مسلمان پر سات دن میں ایک دن غسل کرنا واجب ہے اور یہ جمعہ کا دن ہے''۔ احمد، نسائی اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(7)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اوس بن اوس ثقفی سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: جس نے جمعہ کے دن خوب اچھی طرح غسل کیا اور جلدی جلدی مسجد گیا، پیدل چلا اور سوار نہ ہوا۔ امام کے قریب ہوا، غور سے خطبہ سنا، کوئی لغو بات نہ کی تو ہر قدم کے بدلے اسے سال بھر کے روزوں اور قیام کا ثواب ملتا ہے(8)''۔ یہ حدیث متعدد طرق اور مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ اہل سنن اربعہ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے(9)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل جنابت کی طرح غسل کیا۔ پھر پہلی ساعت میں مسجد گیا تو گویا اس نے ایک اونٹ اللہ کی راہ میں قربان کیا اور جو دوسری ساعت میں گیا گویا اس نے گائے کی قربانی دی اور تیسری ساعت میں جانے والا اس طرح ہے جیسے سینگوں والے مینڈھے کی قربانی دی

1۔ ایضاً مرجع مذکور 2۔ المصنف، جلد 2 صفحہ 211، 288 3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 123-124

4۔ المصنف، جلد 2 صفحہ 211-288، عارضۃ الاحوذی باب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 123-144

5۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 117-120، مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 420-422

6۔ فتح الباری، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 356-357، مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 579-581

7۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 304، نسائی، کتاب الجمعۃ، جلد 3 صفحہ 93، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الطہارۃ، جلد 2 صفحہ 262

8۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 104

9۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 95، نسائی، کتاب الجمعۃ، جلد 3 صفحہ 96-95، ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 346، عارضۃ الاحوذی، ابواب الجمعۃ، جلد 4 صفحہ 281، 282

اور چوتھی ساعت میں جانے والا اس طرح ہے جیسے مرغی کی قربانی دینے والا اور پانچویں ساعت میں جانے والا اس طرح ہے جیسے انڈا اللہ کی راہ میں دینے والا۔ جب امام آ جائے تو اللہ کے فرشتے حاضر ہو کر ذکر سننے لگتے ہیں۔ صحیحین میں اسی طرح ہے(1)۔ اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ اچھے کپڑے پہنے، خوشبو لگائے، مسواک کرے اور اچھی طرح طہارت حاصل کرے اور جمعہ کے لئے جائے۔ ایک دوسری روایت میں ہے: ''جمعے کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے اور مسواک کرنا، اور خوشبو لگانا''۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے جمعہ کے دن غسل کیا۔ خوشبو لگائی اگر اس کے پاس ہو تو، اور اچھے کپڑے پہنے، پھر نکلا یہاں تک کہ مسجد آیا۔ پھر کچھ نوافل ادا کئے اگر جی چاہا اور کسی کو تکلیف نہ دی۔ پھر خاموش رہا یہاں تک کہ امام آئے اور نماز سے فارغ ہو جائے تو یہ ان تمام گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے جو دو جمعوں کے درمیان ہوئے(2)۔

سنن ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو منبر پر ارشاد فرماتے سنا: ''تم میں سے کسی کے لئے کیا حرج ہے اگر وہ کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لئے دو کپڑے خرید لے(3)''۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے جمعہ کے دن لوگوں کو خطبہ دیا۔ انہوں نے لکیر دار چادریں پہن رکھی تھیں۔ ''تم میں سے کسی کو کیا ہے اگر وسعت ہو تو وہ روزمرہ کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لئے دو الگ کپڑے بنالے''(4)۔

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ...... نداء سے مراد دوسری اذان ہے جو سرکار ﷺ کی آمد پر آپ کے سامنے دی جاتی تھی۔ سرکار ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو اس وقت آپ ﷺ کے سامنے اذان دی جاتی اور یہی مراد ہے۔ پہلی اذان کا اضافہ امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ اس کی وجہ لوگوں کی کثرت تھی۔ جس طرح کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سائب بن یزید سے روایت کیا ہے کہ پہلے جمعہ کے دن اذان اس وقت ہوتی جب امام منبر پر بیٹھتا۔ حضور ﷺ اور حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں اسی طرح تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب لوگ بہت زیادہ ہو گئے تو آپ نے زوراء نامی مکان پر دوسری اذان کا اضافہ فرمایا(5)۔ یہ مکان مسجد کے قریب بلند ترین تھا۔ ابن ابی حاتم نے مکحول رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اذان جمعہ ایک ہی تھی جب امام آتا پھر نماز قائم ہوتی۔ یہ وہ اذان تھی جس کے وقت بیع وشراء حرام ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا کہ امام کی آمد سے قبل اذان دی جائے تا کہ لوگ جمع ہو جائیں۔ جمعہ میں حاضری کا حکم آزاد مردوں کو ہے نہ کہ غلاموں، عورتوں اور بچوں کو۔ مسافر، مریض، تیمار دار اور دیگر صاحب عذر حضرات مستثنیٰ ہیں اور معذور شمار کئے گئے ہیں۔ جس طرح کہ کتب فروع میں مذکور ہے۔

وَ ذَرُوا الْبَیْعَ...... یعنی جب اذان ہو جائے تو اللہ کے ذکر کے لئے کوشش کرو اور بیع چھوڑ دو۔ اسی لئے علماء کا اتفاق ہے کہ دوسری اذان کے بعد بیع حرام ہے۔ بیع تعاطی کی صورت جائز ہے یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے اور دو قول ہیں۔ آیت سے بظاہر یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے جس کا بیان اپنی جگہ ہے۔ واللہ اعلم۔

ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ یعنی تمہارا بیع چھوڑنا اور ذکر اللہ اور نماز کی طرف متوجہ ہونا تمہارے لئے دنیا و آخرت دونوں میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

1۔ فتح الباری، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 366، مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 582
2۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 420
3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 383-382
4۔ ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 349-348
5۔ فتح الباری، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 393

فَاِذَا قُضِيَتِ فارغ ہونے کے بعد۔

فَانْتَشِرُوْا...... پہلے اذان کے بعد ان پر خرید و فروخت کی پابندی لگا دی تھی اور انہیں جمع ہونے کا حکم دیا تھا۔ اب نماز سے فراغت کے بعد زمین میں پھیل جانے اور اللہ کا فضل تلاش کرنے کی اجازت دی جا رہی ہے۔

حضرت عراک بن مالک رضی اللہ عنہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور یہ دعا پڑھتے:

اللهمَّ إني أجَبْتُ دعوتَكَ وصَلَّيْتُ فريضتك وانتشرت كما أمَرْتَنِي، فَارزُقْنِي مِنْ فَضْلِكَ وأنتَ خَيْرُ الرازِقِيْنَ۔ (ابن ابی حاتم)

بعض سلف سے مروی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز کے بعد خرید و فروخت کرے اللہ اسے ستر گنا زیادہ برکت دے گا اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا...... حالت بیع وشراء اور لین دین کے دوران بھی اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا کرو۔ دنیا تمہیں اس چیز سے غافل نہ کر دے جو چیز دار آخرت میں کام آئے گی۔ اس لئے حدیث شریف میں ہے: ''جس نے کسی بازار میں داخلے کے وقت یہ کلمات کہہ دیئے: لا إله إلّا الله وحده لا شريك لهُ، لهُ الملك وله الحمدُ وهو على كلِّ شيءٍ قديرٌ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ گناہ معاف فرماتا ہے (1)۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آدمی بکثرت ذکر کرنے والا اسی وقت شمار ہوتا ہے جب وہ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر وقت اللہ کا ذکر کرے۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

''اور (بعض لوگوں نے) جب دیکھا کسی تجارت یا تماشا کو تو بکھر گئے اس کی طرف اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا۔ (اے حبیب! انہیں) فرمایئے کہ جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں لہو اور تجارت سے۔ اور اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے''۔

جمعہ کے دن خطبہ چھوڑ کر واپس جانے پر اللہ تعالیٰ عتاب فرما رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دن مدینہ میں تجارتی مال آیا تھا۔

قَآئِمًا یعنی منبر پر خطبہ دیتے ہوئے۔ بہت سے تابعین نے یہی کہا ہے۔ ان میں ابو العالیہ، حسن، زید بن اسلم اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ مال تجارت دحیہ بن خلیفہ کا تھا۔ اور یہ ان کے قبول اسلام سے پہلے کی بات ہے۔ قافلے کے ساتھ طبل تھا جو بجنے لگا تو لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور سرکار ﷺ کو منبر پر کھڑا چھوڑ دیا۔ صرف چند آدمی رہ گئے۔ اس طرح یہ خبر صحیح ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ مدینہ میں قافلہ آیا۔ حضور ﷺ اس وقت خطبہ دے رہے تھے۔ لوگ نکل گئے حتیٰ کہ صرف بارہ آدمی باقی رہ گئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ صحیحین میں بھی اسی طرح ہے (3)۔ مسند ابو یعلی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جمعہ کے دن حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ تجارتی قافلہ مدینہ آ گیا۔ اصحاب رسول جلدی سے اس طرف چل دیئے حتیٰ کہ حضور ﷺ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم

1۔ ترمذی عارضۃ الاحوذی ابواب الدعاء، جلد 12 صفحہ 312-311، ابن ماجہ، کتاب التجارات، جلد 2 صفحہ 752، امام احمد، جلد 1 صفحہ 47

2۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 47 3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ جمعہ، جلد 8 صفحہ 643، مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 590

جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! اگر تم بھی چلے جاتے اور کوئی باقی نہ رہتا تو تم سب پر اس وادی میں آگ بھڑک اٹھتی"۔ یہ آیت نازل ہوئی۔ جو بارہ آدمی ثابت قدم رہے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ان میں شامل تھے (1)۔

وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا میں اس بات کی دلیل ہے کہ امام جمعہ کے دن کھڑے ہو کر خطبہ دے گا۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن دو خطبے دیتے۔ درمیان میں بیٹھ جاتے۔ قرآن کی تلاوت فرماتے اور لوگوں کو وعظ ونصیحت فرماتے (2)۔ لیکن یہاں ایک بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ یہ واقعہ بقول بعض اس وقت کا ہے جب آنحضرت ﷺ جمعہ کی نماز کے بعد خطبہ دیا کرتے جس طرح کہ ابوداؤد نے کتاب المراسیل میں روایت کیا ہے۔ حضرت مقاتل بن حیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن خطبہ سے قبل عیدین کی طرح نماز ادا فرماتے۔ حتیٰ کہ ایک دن آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے اور جمعہ کی نماز پڑھا دی تھی کہ ایک آدمی اندر آیا۔ اس نے کہا دحیہ بن خلیفہ مال تجارت لے کر آ گیا ہے (3)۔ یہ سن کر سب چلے گئے ماسوائے چند لوگوں کے۔

مَا عِنْدَ اللّٰهِ یعنی جو کچھ اللہ کے ہاں دار آخرت میں ہے۔

خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ جو اس پر توکل کرے اور اپنے وقت میں رزق طلب کرے۔

سورۂ جمعہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد والمنۃ۔ وبہ التوفیق والعصمۃ

1۔ مسند ابویعلیٰ، جلد 2 صفحہ 378 2۔ مسلم، کتاب الجمعہ، جلد 2 صفحہ 589 3۔ مراسیل ابوداؤد: 10

سورۃ منافقون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾ وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۴﴾

"(اے نبی مکرم) جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، اسی طرح روکتے ہیں اللہ کی راہ سے۔ بے شک یہ لوگ بہت برے کرتوت ہیں جو یہ کر رہے ہیں۔ (ان کا) یہ (طریق کار) اس لئے ہے کہ وہ (پہلے) ایمان لائے پھر وہ کافر بن گئے پس مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر تو (اب) وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ اور جب آپ انہیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو بڑے خوشنما معلوم ہوں گے اور اگر وہ گفتگو کریں تو توجہ سے آپ ان کی بات سنیں گے۔ (درحقیقت) وہ (بیکار) لکڑیوں کی مانند ہیں جو دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی گئی ہوں۔ گمان کرتے ہیں کہ ہر گرج ان کے خلاف ہی ہے۔ یہی حقیقی دشمن ہیں پس آپ ان سے ہوشیار رہئے۔ ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ کیسے سرگرداں پھرتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں زبانی طور پر اسلام کا اقرار کرتے ہیں لیکن اندرونی طور پر بات اس طرح نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ہے۔

اِذَا جَآءَكَ یعنی جب آپ کے پاس آئیں۔ آپ کے سامنے ہوں تو یہ رسالت پر ایمان آپ کے لئے ظاہر کرتے ہیں لیکن بات اس طرح نہیں جیسے وہ کہتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ خبر دی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ۔

پھر فرمایا: وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ یعنی انہوں نے آپ کو جو خبر دی ہے وہ اگرچہ خارج کے مطابق ہے لیکن وہ اس میں جھوٹے ہیں، کیونکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس کی صحت اور صدق کا یقین نہیں رکھتے۔ اسی لئے ان کے اعتقاد کی نسبت سے انہیں جھوٹا ٹھہرایا۔

اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً یعنی جھوٹی قسموں کے ساتھ لوگوں سے بچتے ہیں اور جھوٹی قسمیں اس لئے کھاتے ہیں کہ وہ اپنی سچائی ثابت

کریں۔ جو ان کو نہیں جانتا وہ دھوکہ کھا جاتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ مسلمان ہیں۔ ممکن ہے ان کی پیروی بھی کرے اور ان کی بات کی تصدیق بھی کرے حالانکہ ان کی صورت حال یہ ہے کہ اندرون خانہ وہ اسلام اور اہل اسلام کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اسی بناء پر بہت سے لوگوں کو شدید ضرر ہوتا ہے۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت میں ایمانهم الف کی زیر کے ساتھ ہے۔ یعنی ظاہری تصدیق کو انہوں نے اپنے لئے تقیہ بنالیا ہے۔ جس سے وہ قتل کے حکم سے بچتے ہیں (1)۔ اور جمہور نے اسے أیمانهم الف کی زبر سے پڑھا ہے یہ یمین کی جمع ہے (قسم)۔

فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ایمان سے کفر ان کی طرف لوٹنے اور ہدایت کو گمراہی سے بدلنے کی وجہ سے نفاق ان کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے۔

فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ان کے دلوں تک ہدایت نہیں پہنچتی اور نہ بھلائی اس میں در آتی ہے۔ چنانچہ وہ نہ سمجھتے ہیں اور نہ ہدایت پاتے ہیں۔

تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ یعنی وہ بڑے خوبرو فصیح و بلیغ تھے۔ سامع جب ان کی بات سنتا تو اس کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے کان لگا کر ان کی بات سنتا۔ اس کے باوجود وہ از حد ضعیف، بزدل، ڈرپوک اور کمزور دل ہیں۔

يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ جب بھی کوئی واقعہ رونما ہو یا خوف کی بات ہو اپنی بزدلی کی وجہ سے وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ ان پر واقع ہوئی ہے جیسے ایک اور آیت میں ہے: اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا (احزاب: 19)۔ یہ خالی ابر اور بے معنی صورتیں ہیں۔

اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ یعنی کس طرح وہ ہدایت سے گمراہی کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔ امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''منافقین کی چند علامتیں ہیں جن کے ساتھ وہ پہچانے جاتے ہیں۔ ان کا سلام لعنت، ان کا کھانا لوٹ مار، ان کی غنیمت خیانت ہے۔ وہ مساجد میں آتے ہیں لیکن ان کے دل کہیں اور ہوتے ہیں۔ وہ نماز آخری وقت میں پڑھتے ہیں۔ وہ تکبر کرتے ہیں نہ محبت کرتے ہیں اور نہ ان سے محبت کی جاتی ہے۔ رات کو لکڑی کی طرح ہوتے ہیں اور دن کو شور و شغب کرتے ہیں (2)''۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

''اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تا کہ اللہ کا رسول تمہارے لئے مغفرت طلب کرے، تو (انکار سے) اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ (حاضری سے) رک رہے ہیں تکبر کرتے ہوئے۔ یکساں ہے ان کے لئے کہ آپ طلب

1۔ البحر المحیط، جلد 8 صفحہ 271، روح المعانی، جلد 28 صفحہ 110 2۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 293

مغفرت کریں ان کے لئے یا طلبِ مغفرت نہ کریں ان کے لئے۔ اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا انہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہبری نہیں کرتا۔ یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں نہ خرچ کرو ان (درویشوں) پر جو اللہ کے رسول کے پاس ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ (بھوک سے تنگ آکر) تتر بتر ہو جائیں۔ اور اللہ کے لئے ہی ہیں خزانے آسمانوں اور زمین کے لیکن منافقین (اس حقیقت کو) سمجھتے ہی نہیں۔ منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر گئے مدینہ میں تو نکال دیں گے عزت والے وہاں سے ذلیلوں کو۔ حالانکہ (ساری) عزت تو صرف اللہ کے لئے، اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں کے لئے ہے، مگر منافقوں کو (اس بات کا) علم ہی نہیں''۔

اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے میں فرما رہا ہے۔ ان پر اللہ کی لعنتیں ہوں۔ کہ جب انہیں کہا جاتا ہے آؤ حضور تمہارے لئے بخشش کی دعا کریں تو یہ تکبر اور حقارت کی وجہ سے سروں کو گھماتے ہیں۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ ......سورۂ براءۃ میں یہ مضمون گزر چکا ہے(1)۔ وہیں اس پر بحث کی گئی ہے اور متعلقہ حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سفیان راوی نے اپنا منہ دائیں جانب پھیر لیا اور ترچھی آنکھ سے دیکھا اور کہا اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ بہت سے سلف سے منقول ہے کہ یہ سیاق سارے کا سارا عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں ہے۔ ہم عنقریب اس کی وضاحت کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالی۔ وبه الثقة وعليه التكلان۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ میں لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ احد سے مدینہ واپس آئے۔ عبداللہ بن ابی اپنی قوم میں بڑا مقام رکھتا تھا۔ جب حضور ﷺ جمعہ کے دن خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھتے تو وہ کھڑا ہو جاتا اور کہتا: اے لوگو! یہ اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے درمیان جلوہ فرما ہیں۔ ان کی ذات سے اللہ نے ہمیں عزت اور شرف بخشا ہے۔ آپ ان کی مدد اور عزت کیا کریں ان کے ہر ارشاد کو گوش ہوش سے سنا کریں اور جو حکم دیں اس کی تعمیل کیا کریں۔ پھر بیٹھ جاتا۔ حتیٰ کہ احد کے دن اس کا پردہ چاک ہو گیا۔ ایک تہائی لشکر لے کر الگ ہو گیا اور مدینہ لوٹ آیا۔ جب لوگ واپس آئے اور اگلے جمعہ یہ پھر کھڑا ہو گیا اور اسی طرح کہنا چاہتا تھا جیسے پہلے کہتا تھا تو مسلمانوں نے ارد گرد سے اس کے کپڑے پکڑ کر کھینچے اور کہنے لگے اے اللہ کے دشمن بیٹھ جا، تو اس کا اہل نہیں۔ تو نے جو کچھ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ چنانچہ وہ ناراض ہو کر گردنیں پھلانگتا ہوا باہر نکلا اور یہ کہتا جا رہا تھا: گویا میں کوئی بری بات کہنے والا تھا۔ میں تو آپ کی تائید ظاہر کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ انصار کے کچھ لوگ اسے دروازے پر ملے انہوں نے کہا تیری ہلاکت ہو تمہیں کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا میں ان کی تائید کا اعلان کرنے لگا تھا مگر اس کے اصحاب میں سے کچھ لوگ مجھ پر اچھل کر آ گئے مجھے کھینچنے لگے اور میرے ساتھ سختی کرنے لگے گویا میں کسی بری بات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ حالانکہ میرا ارادہ آپ کی تائید تھا۔ وہ کہنے لگے تمہارا برا ہو واپس ہو جاؤ حضور ﷺ تمہارے لئے استغفار فرمائیں گے۔ وہ کہنے لگا مجھے آپ کے استغفار کی کوئی ضرورت نہیں(2)۔ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے رشتے داروں میں سے ایک مسلمان نوجوان حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اس کی گستاخانہ باتوں سے آپ کو آگاہ کیا۔ حضور ﷺ نے اسے بلوایا تو یہ قسمیں اٹھانے اور براءت کا اظہار کرنے لگا۔ انصار نے اس نوجوان کو ڈانٹ ڈپٹ اور ملامت کی یعنی اسے جھوٹا سمجھا تو یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اب اس اللہ کے دشمن سے کہا گیا حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو تو اس نے سر ہلا دیا یعنی

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ براۃ آیت: 83-80

2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 105

میں ایسے نہیں کروں گا۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ جب کسی جگہ اترتے تو نماز ادا کیے بغیر آگے نہ جاتے۔ غزوۂ تبوک میں حضور ﷺ کو خبر ملی کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کہہ رہا ہے کہ عزت والا مدینہ سے ذلیل کو نکال دے گا۔ پس آپ ﷺ نے آخری دن میں اترنے سے قبل ہی کوچ کر دیا۔ عبداللہ بن ابی سے کہا گیا حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر معافی مانگ تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک کا ہے، اس میں نظر ہے بلکہ یہ ٹھیک نہیں کیونکہ عبداللہ بن ابی بن سلول غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوا۔ یہ ایک جماعت کو لے کر لوٹ گیا تھا۔ اصحاب مغازی و سیر میں معروف یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ مریسیع یعنی غزوۂ بنی مصطلق کا ہے چنانچہ غزوۂ بنی مصطلق کے واقعہ میں محمد بن یحیٰی بن حبان، عبداللہ بن ابی بکر اور عاصم بن عمر بن قتادہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ وہاں اقامت گزیں تھے کہ جہجاہ بن سعید غفاری جو کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا خادم تھا اور سنان بن یزید پانی پر لڑ پڑے۔ سنان نے انصار کو پکارا۔ جہجاہ نے مہاجرین کو پکارا۔ زید بن ارقم اور انصار کے کچھ لوگ عبداللہ بن ابی کے پاس موجود تھے۔ اس نے جب یہ بات سنی تو کہنے لگا ہمارے شہروں میں ہی ان لوگوں نے حملے شروع کر دیئے ہیں۔ اللہ کی قسم ہماری اور قریش کے ان مہاجروں کی مثال ایسے ہے جیسے مثل مشہور ہے سمّن کلبلک یأکلک تم اپنے کتے کو موٹا کرو تا کہ وہ تمہیں ہی کاٹ کھائے۔ بخدا اگر ہم مدینہ واپس لوٹے تو عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا۔ پھر اپنی قوم کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا یہ سب کچھ تمہارے اعمال کا پھل ہے۔ تم نے ان پر اپنے گھروں کے دروازے کھول دیئے۔ اپنے اموال تقسیم کر کے ان کے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگا دیئے۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے ان کا ہاتھ نہ روکا تو یہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں گے۔ زید بن ارقم اس مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت میں سارا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ اس وقت کم سن تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حضور ﷺ کی بارگاہ میں موجود تھے یہ باتیں سنیں تو عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! عباد بن بشر کو حکم دیجئے کہ اس کی گردن اڑا دے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عمر یہ اجازت کیسے دے دوں۔ لوگ باتیں بنائیں گے کہ ذرا دیکھو محمد نے اب اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔ ایسا نہیں بلکہ اے عمر! فوراً کوچ کا اعلان کر دو۔ جب عبداللہ بن ابی کو علم ہوا کہ حضور ﷺ کو ساری بات کا علم ہو گیا ہے تو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر معذرت کی اور قسم اٹھائی کہ میں نے ایسی بات ہرگز نہیں کہی۔ زید بن ارقم نے جھوٹ بولا ہے۔ وہ اپنی قوم میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! شاید اس نوجوان کو وہم ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس کی بات پایہ ثبوت کو نہ پہنچ سکی۔ حضور ﷺ دوپہر کے وقت بھی چلتے رہے جب کہ اس وقت آپ ﷺ کا چلنے کا معمول نہ تھا۔ اسید بن حضیر حاضر خدمت ہوئے شان نبوت کے مطابق سلام کیا اور اس خلاف معمول اور بے وقت سفر کی وجہ پوچھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "کیا تمہیں علم نہیں کہ تمہارے ساتھی ابن ابی نے کیا گل کھلایا ہے؟ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جب مدینہ آئے گا تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا۔" اسید نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہی عزت والے ہیں اور وہ ذلیل ہے۔ پھر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اس سے نرمی کیجئے۔ اللہ کی قسم! اللہ آپ کو لے آیا۔ ہم تو اس کی تاجپوشی کے لئے تاج تیار کروا رہے تھے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ حضور نے اس کا تاج و تخت چھین لیا ہے۔ حضور ﷺ لوگوں کو لے کر چلتے رہے حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ رات کو بھی یہ سفر جاری رہا۔ حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور پھر دھوپ میں تیزی آ گئی۔ پھر آپ ﷺ نے پڑاؤ کیا مقصد یہ تھا کہ لوگ پھر اس بات میں نہ الجھ جائیں اور ان کی توجہ اس واقعہ سے ہٹ جائے۔ لوگ تھک کر چور ہو چکے تھے۔ سواریوں سے اترتے ہی زمین پر لیٹ

گئے اور گہری نیند سو گئے۔ اس وقت سورۂ منافقون نازل ہوئی(1)۔

حافظ ابو بکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم کسی غزوہ میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھے۔ مہاجرین میں سے کسی شخص نے کسی انصاری کو دھکا دیا۔ انصاری نے انصار کو پکارا اور مہاجر نے مہاجرین کو پکارا حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: تم زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنے اپنے قبیلوں کو مدد کے لئے کیوں بلاتے ہو؟ اس طرح کی للکار کو ترک کر دو۔ اس میں فتنہ کی بو ہے۔ عبد اللہ بن ابی سلول یہ کہنے لگا کہ اب یہ مہاجرین ہمیں آنکھیں دکھانے لگے ہیں۔ بخدا اگر ہم مدینہ آئے تو عزت والا ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب سرکار ﷺ نے قدم رنجہ فرمایا اس وقت مدینہ میں انصار کی تعداد مہاجرین کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ بعد میں مہاجرین کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو لوگ کہیں گے محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ امام احمد اور بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے سفیان سے اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں غزوۂ تبوک میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھا۔ عبد اللہ بن ابی نے یہ بکواس کی کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے جلاوطن کر دے گا۔ چنانچہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور ساری بات عرض کی۔ عبد اللہ بن ابی آیا اور آ کر قسمیں کھائیں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری قوم نے مجھے ملامت کی اور کہا تمہارا اس بات سے مقصد کیا تھا۔ فرماتے ہیں چنانچہ میں آیا اور افسردہ و غمزدہ حالت میں سو گیا کہ حضور ﷺ نے مجھے بلا بھیجا اور فرمایا: اللہ نے تیرا عذر نازل فرمایا اور تیری سچائی ظاہر فرمائی ہے۔ چنانچہ یہ آیت اتری هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سے لے کر مِنْهَا الْاَذَلَّ تک۔ بخاری، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(3)۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت:۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں اپنے چچا کے ساتھ ایک غزوہ میں نکلا میں نے عبد اللہ بن ابی بن سلول کو اپنے ساتھیوں سے یہ کہتے سنا حضور ﷺ کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو۔ ہمیں مدینہ جا لینے دو پھر جو طاقتور اور معزز ہے (یعنی وہ خود) کمزور اور ذلیل کو اس شہر سے باہر نکال دے گا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے یہ بات اپنے چچا کو بتائی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے چچا نے حضور ﷺ کو سارا واقعہ گوش گزار کر دیا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے مجھے بلایا تو میں نے ساری بات عرض کی۔ آپ نے عبد اللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کو بلا کر پوچھا تو سب نے قسمیں اٹھا کر کہا کہ ہم نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس کی قسموں کی وجہ سے اس کی تصدیق فرمائی اور مجھے جھوٹا قرار دیا۔ مجھے اس بات سے از حد صدمہ ہوا کہ اتنا کبھی نہ ہوا تھا۔ میں گھر میں بیٹھ رہا میرے چچا نے کہا تمہاری یہی مرضی تھی کہ حضور ﷺ تمہیں جھوٹا قرار دیں مبغوض ٹھہرائیں۔ یہاں تک کہ یہ سورت نازل ہوئی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے مجھے بلایا اور یہ آیات سنائیں۔ اور فرمایا: ”بلاشبہ اللہ نے تیری تصدیق فرمائی ہے“۔ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری روایت میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 292-290

2۔ دلائل النبوۃ، جلد 4، صفحہ 54-53، مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 293-292، فتح الباری کتاب التفسیر، جلد 8، صفحہ 652، مسلم، کتاب البر، جلد 4، صفحہ 1999-1998

3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 369-368، فتح الباری تفسیر سورۂ منافقون، جلد 8 صفحہ 647-646 عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ منافقون، جلد 12 صفحہ 205-204، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 3 صفحہ 201

روایت کیا ہے کہ ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھے۔ لوگوں کو تنگی نے آلیا۔ عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا: حضور ﷺ کے ساتھیوں پر ایک پائی خرچ نہ کرو یہاں تک کہ یہ خود ہی انہیں چھوڑ کر الگ ہو جائیں۔ اگر ہم مدینہ واپس گئے تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے باہر نکال دے گا۔ چنانچہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور ساری بات عرض کر دی۔ حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو قسمیں اٹھانے لگا کہ اس نے یہ بات نہیں کہی۔ لوگ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! زید جھوٹا ہے۔ ان کی بات سن کر مجھے از حد ندامت ہوئی تو اللہ نے میری تصدیق نازل فرمائی۔ حضور ﷺ نے انہیں استغفار کے لئے بلایا تو انہوں نے منہ پھیر لیا۔

كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ یہ لوگ بڑے خوبصورت جسموں کے مالک تھے(1)۔ بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت:۔ ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ غزوہ میں شرکت کی۔ ہمارے ساتھ کچھ اعرابی بھی تھے۔ ہم پانی کی جگہ کی طرف جلدی کرتے۔ اعرابی ہم سے آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک اعرابی آگے بڑھ گیا اس نے حوض بھر کر اس کے گرد پتھر رکھ دیئے اور اوپر سے چمڑا پھیلا دیا تاکہ اس کے ساتھی آجائیں۔ ایک انصاری اس اعرابی کے پاس آیا اور اونٹنی کو پلانے کے لئے اس کی مہار نیچے کی۔ اس نے پلانے کی اجازت نہ دی۔ انصاری نے ایک پتھر اٹھایا تو پانی بہہ نکلا۔ اعرابی نے لکڑی اٹھا کر انصاری کے سر پر دے ماری اور اسے زخمی کر دیا۔ وہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے پاس آیا اور سارا واقعہ اسے سنایا۔ یہ انصاری اس کا حلیف تھا۔ اسے یہ دیکھ کر غصہ آ گیا اور کہا ان کے ساتھیوں کا کھانا پینا بند کرو تاکہ انہیں چھوڑ دیں یعنی بدو۔ وہ کھانے کے وقت حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ عبداللہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: جب یہ بدو محمد کے پاس سے اٹھ جائیں تو کھانا لایا کرو تاکہ وہ اور اس کے ساتھی کھائیں۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: اگر تم مدینہ لوٹے تو عزت والا ذلت والے کو باہر نکال دے گا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں اپنے چچا کا ردیف تھا۔ میں نے عبداللہ بن ابی کی بات سن لی اور اپنے چچا کو بتا دی۔ میرے چچا نے حضور ﷺ کو عرض کیا۔ حضور ﷺ نے اسے بلایا تو اس نے قسم اٹھائی اور انکار کر دیا۔ سرکار ﷺ نے اس کی تصدیق اور میری تکذیب کی۔ میرا چچا آیا اور مجھے کہا تو نے نہیں چاہا مگر یہ کہ حضور ﷺ نے تمہیں مبغوض قرار دیا اور تیری تکذیب فرمائی اور مسلمانوں نے بھی۔ چنانچہ یہ سن کر مجھ پر غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ میں سفر میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھا۔ غم سے میرا سر جھکا ہوا تھا کہ پیچھے سے حضور ﷺ تشریف لائے۔ میرا کان مروڑا اور میری طرف رخ انور کر کے ہنس دیئے۔ اس عنایت خصوصی سے مجھے اتنی مسرت ہوئی کہ اگر مجھے ابدی زندگی مل جاتی تب بھی اتنی خوشی نہ ہوتی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے سے آئے اور پوچھا کہ حضور ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا۔ میں نے ساری بات بتائی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَبْشِرْ مبارکباد۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپہنچے۔ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح آپ کو بھی سارا واقعہ سنایا۔ جب رات گزر گئی اور صبح ہوئی تو حضور ﷺ نے سورۂ منافقون کی تلاوت فرمائی(3)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ابوبکر

1۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 373

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ منافقون، جلد 8، صفحہ 648-647، مسلم، کتاب صفات المنافقین، جلد 4، صفحہ 2140، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ منافقون، جلد 12، صفحہ 201-199

3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ منافقون، جلد 12 صفحہ 204-201، دلائل النبوۃ، جلد 4 صفحہ 55-54

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس میں سورت کا مِنْهَا الْاَذَلَّ تک پڑھنا بھی مروی ہے (1)۔ عبداللہ بن لہیعہ اور موسیٰ بن عقبہ نے بھی مغازی میں یہ واقعہ اسی سیاق سے بیان کیا ہے لیکن ان دونوں روایات میں خبر پہنچانے والے کا نام اوس بن اقرم ہے یہ بنو حارث بن خزرج سے تھے۔ ممکن ہے کہ دوسرے شخص نے بھی خبر پہنچائی ہو یا راوی سے نام میں غلطی ہوگئی ہو۔ واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ بن زبیر اور عمر بن ثابت انصاری سے روایت کیا ہے کہ یہ وہ غزوہ ہے جس میں حضور علیہ السلام نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیج کر مناۃ بت توڑا تھا۔ یہ قفا المشلل (2) اور سمندر کے مابین تھا۔ اسی غزوہ میں دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہوگیا۔ ایک مہاجر تھا اور دوسرے کا تعلق قبیلہ بہز سے تھا۔ یہ قبیلہ انصار کا حلیف تھا۔ مہاجر نے بہزی پر چڑھائی کر دی تو بہزی نے انصار کو مدد کے لئے پکارا کچھ انصاری اس کی مدد کو پہنچ گئے۔ مہاجر نے مہاجرین کو آواز دی تو اس کی مدد کو مہاجرین آ گئے۔ حتیٰ کہ لڑائی کی صورت پیدا ہوگئی۔ پھر انہیں روک دیا گیا تو ہر منافق یا جس کے دل میں بیماری تھی عبداللہ بن ابی سلول کے پاس گیا اور کہا ہمیں تم سے امیدیں تھیں کہ تم ہمارا بچاؤ کرو گے، لیکن تم تو اس طرح ہو گئے ہو کہ نہ نقصان دیتے ہو نہ نفع۔ ان جلابیب نے ہم پر چڑھائی کی ہے۔ وہ ہر نئے مہاجر کو جلابیب کہتے تھے۔ دشمن خدا عبداللہ بن ابی کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت والا ذلیل کو نکال دے گا۔ مالک بن دخشن جو منافق تھا کہنے لگا! کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ رسول اللہ کے پاس جو لوگ ہیں ان سے حسن سلوک چھوڑ دو وہ خود بخود منتشر ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن لی اور حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کی۔ یا رسول اللہ علیہ السلام! اس شخص نے لوگوں کو فتنے میں ڈال دیا ہے مجھے اجازت دیجئے اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ کا اشارہ عبداللہ بن ابی کی طرف تھا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر میں تمہیں حکم دوں تو تم اسے قتل کر دو گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اگر آپ فرمائیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ اتنے میں اسید بن حضیر جو کہ انصار کے قبیلے بنی عبدالاشہل سے تھے، آئے اور عرض کی یا رسول اللہ علیہ السلام! مجھے اس آدمی کی گردن اتار دینے کی اجازت دیجئے اس نے لوگوں کو فتنے میں مبتلا کر دیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان سے بھی وہی سوال فرمایا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ حضور علیہ السلام نے انہیں بٹھا لیا۔ پھر حضور علیہ السلام نے حکم فرمایا: کوچ کا اعلان کر دو۔ دوپہر کو بھی لوگ چلتے رہے اسی طرح دن، رات بھر سفر جاری رہا حتیٰ کہ اگلے دن سورج بلند ہوگیا پھر آپ نے پڑاؤ کیا۔ پھر اسی طرح لوگوں کو چلایا حتیٰ کہ قفا المشلل سے چل کر تیسرے دن صبح مدینہ پہنچے۔ جب حضور علیہ السلام مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور فرمایا: اے عمر! اگر میں تمہیں اس کے قتل کا حکم دوں تو کیا تم اسے قتل کرو گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ہاں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: بخدا! اگر تم اسے اس وقت قتل کر دیتے تو ایسے لوگ ناراض ہو جاتے جنہیں آج میں حکم دوں تو اسے قتل کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔ اس وقت لوگ باتیں کرتے کہ میں اپنے ساتھیوں کو بے دردی سے قتل کر ڈالتا ہوں۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ یہ سیاق غریب ہے اس میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو دوسری روایات میں نہیں۔ محمد بن اسحاق بن یسار نے عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی کو جب اپنے باپ کے کرتوتوں کا علم ہوا تو حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ علیہ السلام! مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی کو اس کی حرکتوں کے سبب قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کی یہ خواہش ہے تو مجھے ارشاد فرمائیے میں اس کا سر لے کر حاضر ہو جاؤں گا۔ خدا کی قسم خزرج جانتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ اپنے والد

1۔ دلائل النبوۃ، جلد 4، صفحہ 52
2۔ ایک پہاڑ کا نام ہے

کا اطاعت گزار کوئی نہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ اگر آپ میرے علاوہ کسی اور کو یہ حکم دیں گے وہ اسے قتل کرے گا تو مجھ سے صبر نہ ہو سکے گا کہ اپنے باپ کے قاتل کو روئے زمین پر چلتے ہوئے دیکھوں۔ چنانچہ میں اسے قتل کر دوں گا۔ اس طرح میں ایک مومن کو کافر کے بدلے قتل کر کے دوزخ میں چلا جاؤں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ ہم اس سے نرمی کریں گے اور حسن سلوک کریں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے (1)۔ عکرمہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ سے مروی ہے کہ جب لوگ مدینہ لوٹے تو عبداللہ بن ابی کا لڑکا عبداللہ مدینہ کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور تلوار سونت لی لوگ گزرتے رہے۔ جب اس کا باپ آیا تو اس نے کہا رک جاؤ۔ باپ نے کہا کیا ہوا؟ بیٹے نے کہا اللہ کی قسم تم یہاں سے آگے نہیں جا سکتے یہاں تک کہ حضور ﷺ تمہیں آگے جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ وہ عزیز ہیں اور تو رسوا۔ جب حضور ﷺ تشریف لائے۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ لشکر کے آخری حصے میں ہوتے تھے۔ عبداللہ بن ابی نے بیٹے کی شکایت کی تو اس کا بیٹا کہنے لگا اللہ کی قسم یا رسول اللہ! یہ اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک آپ اجازت نہ فرمائیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اجازت دی تو عبداللہ نے کہا اب تم گزر سکتے ہو۔ ابوبکر حمیدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ عبداللہ نے اپنے باپ سے کہا اللہ کی قسم تم مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تم کہہ دو کہ حضور زیادہ عزت والے ہیں اور میں زیادہ ذلیل ہوں۔ اتنے میں حضور ﷺ تشریف لے آئے تو عبداللہ نے عرض کی مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ میرے باپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں نے احتراماً اس کا چہرہ کبھی نہیں دیکھا۔ اگر آپ کو اس کا سر مطلوب ہو تو میں پیش کر سکتا ہوں۔ مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو دیکھوں (2)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾

"اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے۔ اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ گھاٹے میں ہوں گے۔ اور خرچ کر لو اس رزق سے جو ہم نے تم کو دیا اس سے پیشتر کہ آ جائے تم میں سے کسی کے پاس موت تو (اس وقت) وہ یہ کہنے لگے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت کے لئے کیوں مہلت نہ دی تا کہ میں صدقہ (وخیرات) کر لیتا اور نیکوں میں شامل ہو جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ مہلت نہیں دیا کرتا کسی شخص کو جب اس کی موت کا وقت آ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو"۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو یہ حکم فرما رہا ہے کہ وہ بکثرت اس کا ذکر کیا کریں اور یہ تنبیہ فرما رہا ہے کہ مال اور اولاد کی محبت میں غافل نہ ہو جائیں۔ انہیں یہ خبر دے رہا ہے کہ جو اپنے رب کی اطاعت اور ذکر کو چھوڑ کر دنیوی زندگی اور اس کی زینت میں کھو جائے تو وہ خسارے میں ہے۔ یہی لوگ قیامت کے دن اپنی جان اور مال کے بارے میں خسارے میں ہوں گے۔ پھر اس کی اطاعت میں خرچ کرنے پر

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 293-292

2۔ المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 389-388

ابھارتے ہوئے فرمایا: مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ ..... ہر زیادتی کرنے والا دم واپسیں نادم ہوگا اور وقت بڑھانے کی خواہش کرے گا اگر چہ تھوڑی دیر ہی کیوں نہ ہو، تاکہ وہ واپس لوٹ جائے اور گزشتہ کی کو دور کر لے۔ لیکن ایسا کہاں ہوسکتا ہے۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ جو آنا تھا آ چکا۔ ہر ایک سے اس کی کوتاہی کے مطابق حساب ہوگا۔ کفار کہیں گے جیسے اس آیت میں ہے: وَ اَنۡذِرِ النَّاسَ یَوۡمَ یَاۡتِیۡهِمُ الۡعَذَابُ فَیَقُوۡلُ ..... مَا لَکُمۡ مِّنۡ زَوَالٍ (ابراہیم: 44)۔ اور فرمایا: حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ (مومنون: 99)۔

قال تعالیٰ وَ لَنۡ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ..... موت آنے کے بعد کسی کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ وہ زیادہ باخبر ہے اور جانتا ہے کہ کون اپنے قول اور سوال میں سچا ہے۔ ان لوگوں کو اگر لوٹایا جائے تو یہ پہلے سے بھی بدتر حالت میں لوٹ جائیں۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہر وہ شخص جو مالدار ہو اس پر حج فرض ہو یا زکوٰۃ واجب ہو اور اس نے یہ فرائض ادا نہ کیے ہوں تو موت کے وقت واپسی کی آرزو کرے گا۔ ایک آدمی نے کہا اے ابن عباس اللہ سے ڈرو واپسی کا سوال تو کفار کریں گے۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اس کی تائید میں قرآن کی آیت سناتا ہوں پھر آپ نے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡهِکُمۡ سے تا آخر آیات سنائیں۔ یعنی آخری رکوع۔ اس نے پوچھا زکوٰۃ کتنے مال پر واجب ہے؟ فرمایا جب مال دو سو یا اس سے متجاوز ہو۔ پھر اس نے پوچھا حج کب لازم ہوتا ہے؟ فرمایا: جب زادراہ اور سواری کی استطاعت ہو (1)۔ ایک مرفوع روایت بھی اسی طرح مروی ہے عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ موقوف روایت زیادہ صحیح ہے۔ مرفوع میں ایک راوی ابو جناب کلبی ضعیف ہے (2)۔

مؤلف کی رائے: میں کہتا ہوں کہ ضحاک عن ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ والی روایت میں انقطاع ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے حضور ﷺ کے سامنے عمر کی زیادتی کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''جب کسی کی اجل آ جائے تو پھر اس میں تاخیر نہیں ہوتی۔ عمر میں زیادتی اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو نیک اولاد عطا فرماتا ہے جو اس کے لئے دعا کرتے ہیں تو ان کی دعا قبر میں اسے پہنچتی رہتی ہے (3)۔

سورۂ منافقون کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد والمنة وبه التوفیق والعصمة

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ منافقون، جلد 12، صفحہ 207-206 2۔ ایضاً مرجع مذکور

3۔ یہ حدیث سورۂ نحل: آیت: 61 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

سورۂ تغابن

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر اس کے سر کے جوڑوں میں سورۂ تغابن کی پانچ آیات لکھی ہوتی ہیں''۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ولید بن صالح کے حالات میں نقل کیا ہے یہ بہت غریب بلکہ منکر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ﴿۳﴾ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۚ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴﴾

''اللہ ہی کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر چیز جو زمین میں ہے۔ اسی کی حکومت ہے اور اسی کے لئے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مومن ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے۔ اس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا۔ اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹنا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے نیز وہ جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو اور جسے تم ظاہر کرتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے''۔

یہ سورت مسبّحات کی سورتوں میں سب سے آخری ہے۔ اس بات کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ مخلوقات اپنے مالک و باری کی تسبیح کرتی ہیں۔

لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ یعنی وہ تمام کائنات میں تصرف کرنے والا ہے۔ جو وہ پیدا کرتا ہے اور مقدر کرتا ہے اس میں محمود ہے۔

عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ جو ارادہ فرمائے بغیر ممانعت و مدافعت کے ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ...... اس نے ہی تمہیں اس صفت پر پیدا کیا ہے اور تم سے یہ ارادہ کیا ہے۔ پس مومن اور کافر کا وجود لازمی ہے۔ وہ آگاہ ہے اس بات سے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق ضلالت کون۔ وہ اپنے بندوں کے اعمال پر آگاہ ہے۔ انہیں عنقریب ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

بِالْحَقِّ یعنی عدل و حکمت سے۔

فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ یعنی تمہاری شکلیں خوبصورت بنائیں۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاۗءَ رَكَّبَكَ (انفطار: 6) اور فرمایا اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ (غافر: 64)۔

الْمَصِيْرُ یعنی مرجع اور لوٹنا۔ پھر تمام سماوی اور ارضی اور نفسی کائنات کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ......

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

”کیا نہیں آئی تمہارے پاس ان کی خبر جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے۔ پس چکھ لیا انہوں نے اپنے کام (یعنی کفر) کا وبال اور ان کے لئے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آتے رہے ان کے پاس ان کے پیغمبر روشن نشانیاں لے کر پس وہ بولے کیا انسان ہماری رہبری کریں گے۔ پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ بھی (ان سے) بے نیاز ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، سب خوبیوں سراہا ہے“۔

سابقہ امتوں پر رسولوں کی مخالفت اور حق کی تکذیب کی وجہ سے جو عذاب نازل ہوا اس کی خبر دی جا رہی ہے۔

وَبَالَ اَمْرِهِمْ تکذیب اور قبیح افعال کا انجام اور دنیا میں ان پر جو عذاب اور رسوائی آئی۔ اس دنیوی عذاب کے ساتھ ساتھ دار آخرت میں بھی ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

بیّنات یعنی حجتیں اور دلائل و براہین۔

اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا رسالت کے بشر میں ہونے اور انسان کے ہاتھ سے ہدایت ملنے کو بعید از قیاس تصور کیا۔

فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا یعنی حق کو جھٹلایا اور عمل سے انکار کر دیا۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

”گمان کرتے ہیں کفار کہ انہیں ہرگز دوبارہ زندہ نہ کیا جائے گا۔ فرمائیے کیوں نہیں، میرے رب کی قسم تمہیں ضرور زندہ کیا

جائے گا پھر تمہیں آگاہ کیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے۔ جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن یہی گھاٹے کے ظہور کا دن ہے۔ اور جو ایمان لے آیا اللہ پر اور نیک عمل کرتا رہا اللہ دور فرما دے گا اس سے اس کے گناہوں کو اور داخل فرمائے گا اسے باغوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے ندیاں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے تا ابد یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہوں گے ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے''۔

کفار و مشرکین اور ملحدین کے بارے میں خبر دیتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد نہیں اٹھیں گے۔

لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ یعنی تمہارے تمام اعمال عظیم ہوں یا حقیر، چھوٹے ہوں یا بڑے ان سے تمہیں آگاہ کیا جائے گا۔

وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ یعنی تمہیں موت کے بعد زندہ کرنا اور جزا دینا یہ تیسری آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو یہ حکم فرما رہا ہے کہ وقوع قیامت کی حقانیت پر اپنے رب کی قسم کھائیں۔ پہلی آیت سورۂ یونس میں ہے: وَ يَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ وَ رَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕۚ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ (یونس: 53)۔ دوسری سورۂ سبا میں: وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ (سبا: 3) اور تیسری یہ آیت ہے۔ نور سے مراد قرآن ہے۔

وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ تمہارے اعمال میں سے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔

یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ یہ قیامت کا دن ہے۔ اس کو یہ نام اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ اس روز تمام اولین و آخرین کو ایک سرزمین میں جمع کیا جائے گا۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (ہود: 103)۔ اور فرمایا: قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ۬ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (50-49)۔

قولہ تعالیٰ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ قیامت کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ وہ یہ کہ اہل جنت اہل نار کو نقصان میں ڈالیں گے۔ قتادہ اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے (1)۔ مقاتل بن حیان کا قول ہے اس سے زیادہ غبن کیا ہوگا کہ یہ جنت میں چلے جائیں اور وہ دوزخ میں چلے جائیں۔ گویا اس کی تفسیر بعد والی آیات میں ہے۔ ان آیات کی تفسیر متعدد مرتبہ گزر چکی ہے۔

مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۱۱ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝۱۲ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۳

''نہیں پہنچتی (کسی کو) کوئی مصیبت بجز اللہ کے اذن کے اور جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی۔ پھر اگر تم

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 122

نے روگردانی کی (تو تمہاری قسمت) ہمارے رسول کے ذمہ فقط کھول کر (پیغام) پہنچانا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ پس اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو"۔

سورۂ حدید میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے۔ وہاں ارشاد ہوتا ہے: مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ...... (حدید:22)۔

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اللہ کے امر سے یعنی اس کی تقدیر اور مشیئت سے۔ یعنی جسے کوئی مصیبت آئے وہ یہ جان لے کہ یہ اللہ کی قضاء وقدر سے ہے۔ وہ صبر اختیار کرے اور قضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں ہدایت اور یقین صادق کی دولت عطا فرماتے ہیں۔ جو لیا گیا اس کا بدل یا اس سے بہتر عطا فرماتے ہیں۔

علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے یعنی اس کے دل کو یقین کی دولت سے نوازتا ہے اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ جو آفت اس پر آئی ہے یہ اس پر آنا ہی تھی اور جو نہیں آئی، وہ اس کے مقدر میں نہ تھی (1)۔ اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ علقمہ کے پاس اس آیت کی تلاوت کی گئی اور اس کا مطلب پوچھا گیا تو فرمایا: یہ وہ آدمی ہے جسے کوئی مصیبت آتی ہے اور اسے یہ علم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے چنانچہ وہ راضی ہوتا ہے اور تسلیم کر لیتا ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ سعید بن جبیر اور مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھے۔ متفق حدیث میں ہے: "مومن کی بھی عجیب حالت ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں جو فیصلہ کرے وہی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ اگر اسے تکلیف پہنچے اور اس پر وہ صبر کرے تو یہ تکلیف اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اسے مسرت ارزانی ہو اور وہ اس پر شکر کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے اور یہ سعادت صرف مومن کے لئے مخصوص ہے(2)"۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا اور جہاد فی سبیل اللہ۔ اس نے عرض کی میں کوئی آسان کام چاہتا ہوں۔ فرمایا: اللہ نے جو کچھ تیری قسمت میں لکھ دیا ہے اس میں اللہ کا گلہ نہ کر(3)۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم ہے شرعی امور میں اور جس کام کا حکم ملے اسے بجا لانے اور جس سے روکا جائے رک جانے کا حکم ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ...... یعنی اگر تم عمل سے انکار کر دو تو اس کے ذمہ صرف تبلیغ تھی اور تم پر سمع وطاعت لازم ہے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ کی طرف سے رسالت ہے رسول پر پہنچانا لازم ہے اور ہم پر سر تسلیم خم کرنا۔ پھر یہ خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ احد صمد ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ پہلی خبر توحید کی ہے اس کا معنی ہے طلب یعنی اس کی معبودیت کی یکتائی کو تسلیم کرو اور اس کے لئے مخلص ہو جاؤ۔ اور اسی پر توکل کرو جیسے ایک اور آیت میں ہے: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا (مزمل:9)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 133

2۔ یہ حدیث سورۂ بقرۃ آیت:153 کی تفسیر میں گزر چکی ہے اسی طرح سورۂ اعراف آیت:95، سورۂ ابراہیم آیت:5، سورۂ روم آیت:33، سورۂ سبا آیت:19 میں بھی ہے

3۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 319-318

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤﴾ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنفِقُوا خَيْرًا لِّأَنفُسِكُمْ ۗ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٦﴾ إِن تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٧﴾ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾

"اے ایمان والو! تمہاری کچھ بیبیاں اور تمہارے بچے تمہارے دشمن ہیں۔ پس ہوشیار رہو ان سے۔ اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں۔ اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر عظیم ہے۔ پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری استطاعت ہے اور (اللہ کا فرمان) سنو اور اسے مانو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو یہ بہتر ہے تمہارے لئے۔ اور جنہیں بچا لیا گیا ان کے نفس کے بخل سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تو وہ اسے کئی گنا کر دے گا تمہارے لئے اور بخش دے گا تمہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا قدردان (اور) بہت حلم والا ہے۔ ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا ہے، سب پر غالب، بڑا دانا ہے"۔

اللہ تعالیٰ ازواج اور اولاد کے بارے میں یہ خبر دے رہا ہے کہ ان میں سے کچھ خاوند اور والد کے دشمن ہیں۔ یعنی وہ اسے عمل صالح سے غافل کر دیتے ہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (منافقون: 9)۔

فَاحْذَرُوهُمْ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دین کے معاملہ میں ان سے ہوشیار رہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آدمی کو قطع رحمی یا اپنے رب کی نافرمانی پر ابھارا جاتا ہے۔ اس آدمی کے ساتھ محبت کی وجہ سے اُس کے سامنے کوئی چارہ کار نہیں رہتا اور وہ اس کی اطاعت کر لیتا ہے(1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے آپ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا: یہ اہل مکہ کے کچھ لوگ ہیں جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ انہوں نے ہجرت کرنا چاہی لیکن ان کی بیویوں اور اولاد نے انہیں روک دیا۔ جب وہ حضور ﷺ کے پاس آئے تو دیکھا کہ لوگ دین کا بہت کچھ سیکھ چکے ہیں۔ انہوں نے اپنی اولاد اور بیویوں کو سزا دینا چاہی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ابن جریر اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مال و دولت اور اولاد فتنہ ہے یعنی آزمائش اور اللہ کی طرف سے اپنی مخلوق کیلئے ابتلا تاکہ وہ یہ جان لے کہ کون اس کی اطاعت کرتا ہے اور کون نافرمان ہے۔ روز قیامت اس کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ ...... وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ (آل عمران: 14)۔

1۔ طبری، جلد 28، صفحہ 126-125

2۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ تغابن، جلد 12، صفحہ 208-207 تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 125-124 المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 276-275

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ حسنین کریمین لڑکھڑاتے ہوئے آئے ان دونوں نے سرخ قمیصیں پہن رکھی تھیں حضور ﷺ منبر سے اترے انہیں اٹھایا اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے کہ تمہارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں۔ میں نے ان دو بچوں کو چلتے ہوئے لڑکھڑاتے دیکھا تو مجھے یارائے صبر نہ رہا حتیٰ کہ میں نے اپنی بات روک دی اور انہیں اٹھالیا(1)۔ اصحاب سنن نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اشعث بن قیس سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے کندہ کے وفد میں میں بھی شامل تھا۔ سرکار ﷺ نے پوچھا: ''کیا تمہاری اولاد ہے؟'' میں نے عرض کیا آپ کے پاس آتے ہوئے میرے ہاں جمد (3) کی بیٹی سے ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ کاش اس کی بجائے کوئی کھانے کی چیز ہوتی آپ ﷺ نے فرمایا: ایسامت کہو۔ ان میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور اگر انتقال کر جائیں تو اجر ہے۔ پھر فرمایا: ''میں نے وہ بات کہی تھی یہ بزدلی اور غم کا سبب بھی ہوتے ہیں(4)''۔ حافظ ابو بکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیٹا دلوں کا پھل ہے۔ یہ بزدلی، بخل اور غمگینی کا باعث بھی ہے۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اسے غریب قرار دیا ہے(5)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تیرا دشمن وہ نہیں ہے جسے اگر تو قتل کر دیتا تو یہ تیرے لئے باعث کامرانی ہوتا اور اگر وہ تجھے قتل کر دیتا تو تو جنت میں جاتا۔ لیکن تیرا دشمن تو تیرا بچہ ہے جو تیری صلب سے نکلا ہے اور سب سے بڑھ کر تیرا دشمن تیرا مال ہے جو تیری ملکیت میں ہے(6)۔

قولہ تعالیٰ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ یعنی تمہاری کوشش اور طاقت کے مطابق جس طرح کے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو بقدر استطاعت اسے بجالاؤ اور جس سے منع کردوں اس سے رک جاؤ(7)''۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت سورۂ آل عمران کی آیت: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آل عمران: 102) الآیۃ کیلئے ناسخ ہے(8)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ آل عمران کی اس آیت کی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو قوم پر عمل کرنا دشوار ہو گیا۔ وہ لمبے لمبے قیام کرتے حتیٰ کہ پاؤں پر ورم آجاتا اور اتنے لمبے سجدے کرتے کہ پیشانیاں زخمی ہو جاتیں پھر اللہ نے مسلمانوں پر تخفیف کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔ ابو العالیہ، زید بن اسلم، قتادہ، ربیع بن انس، سدی اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ تعالیٰ سے اسی طرح مروی ہے۔

وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا یعنی فرمانبردار ہو جاؤ اس بات میں جو اللہ اور اس کا رسول تمہیں حکم دیتا ہے۔ اس سے دائیں بائیں صرف نظر نہ

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 354

2۔ سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 290، عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13، صفحہ 195-194، سنن نسائی، کتاب الجمعۃ، جلد 3، صفحہ 108، کتاب العیدین، جلد 3، صفحہ 192، سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس، جلد 2، صفحہ 1190

3۔ اسد الغابۃ، جلد 1 صفحہ 349

4۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 211، المعجم الکبیر، جلد 1، صفحہ 236

5۔ کشف الاستار من زوائد البزار، کتاب البر والصلۃ، جلد 2، صفحہ 378

6۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 245

7۔ یہ حدیث سورۂ حشر آیت: 7 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

8۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران آیت: 102

کرو۔ اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پیش دستی نہ کرو اور ان کے احکام کی مخالفت نہ کرو اور جس چیز سے تمہیں روکا گیا ہے اس کا ارتکاب نہ کرو۔

وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ اللہ نے جو رزق تمہیں عطا فرمایا ہے، اس میں سے اقارب، فقراء، ومساکین اور اصحاب حاجت پر خرچ کرو اور اللہ کی مخلوق سے حسن سلوک کرو۔ جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ فرمایا۔ یہ دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم ایسا نہ کرو تو یہ دنیا و آخرت دونوں میں تمہارے لئے برا ہے۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ سورۂ حشر میں اس کی تفسیر اور متعلقہ احادیث بھی بیان ہو چکی ہیں (1)۔ ان کے اعادے کی اب ضرورت نہیں۔ و للہ الحمد و المنۃ۔

قولہ تعالٰی اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا جو چیز تم خرچ کرو اللہ تمہیں اس کا بدل عطا فرمائے گا اور جو چیز صدقہ کرو اس پر تمہیں جزا دینا لازم ہے اور یہ قرض کے قائم مقام ہے۔ جس طرح کہ صحیحین میں ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کون ہے جو ایسی ہستی کو قرض دے جو نہ تو ظالم ہے اور نہ مفلس (2)۔ اسی لئے فرمایا کہ وہ اسے تمہارے لئے بڑھا دیتا ہے جس طرح سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے: فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً (بقرہ: 245)۔

يَغْفِرْ لَكُمْ یعنی گناہوں کو تم سے دور فرما دے گا۔

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ قدر دان، قلیل چیز پر بے شمار بدلہ عطا فرماتا ہے۔

حَلِيْمٌ عفو و درگزر کرنے اور پردہ پوشی کرنے والا ہے۔ گناہوں، لغزشوں، خطاؤں اور برائیوں سے تجاوز فرما لیتا ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اس کی تفسیر متعدد مرتبہ گزر چکی ہے۔

سورۂ تغابن کی تفسیر ختم ہوئی۔

و للہ الحمد و المنۃ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ حشر آیت: 9 2۔ یہ حدیث سورۂ بقرہ آیت: 245 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

سورۂ طلاق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحۡصُوا الۡعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمۡ ۚ لَا تُخۡرِجُوۡهُنَّ مِنۡۢ بُیُوۡتِهِنَّ وَ لَا یَخۡرُجۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ؕ وَ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ ؕ لَا تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِكَ اَمۡرًا ①

"اے نبی (مکرم)! (مسلمانوں سے فرماؤ) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور شمار کرو عدت کو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے۔ نہ نکالو انہیں ان کے گھروں سے اور نہ وہ خود نکلیں بجز اس کے کہ وہ ارتکاب کریں کسی کھلی بے حیائی کا۔ اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں۔ اور جو تجاوز کرتا ہے اللہ کی حدوں سے تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ تجھے کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے"۔

اولاً تو حضور نبی کریم ﷺ سے تشریفاً وتکریماً خطاب کیا گیا پھر تبعاً امت سے خطاب کیا گیا۔ یعنی حکم ساری امت کے لئے ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو وہ اپنے میکے آ گئیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ ان سے رجوع فرمائیں۔ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی اور قیام کرنے والی ہیں اور جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قتادہ سے مرسلاً روایت کیا ہے(1)۔ متعدد روایات میں یہ بات مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی اور پھر رجوع فرمالیا۔ بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے یہ ذکر کیا تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: "اسے چاہئے کہ رجوع کر لے پھر حیض سے پاک ہونے تک روکے رکھے۔ پھر جب دوسرا حیض آئے اور وہ اس سے پاک ہو جائے تو اگر جی میں آئے تو اسے طلاق دے دے مباشرت سے قبل۔ یہ وہ عدت ہے جس کے گزارنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے"۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے متعدد جگہ روایت کیا ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے: "یہ وہ عدت ہے جس کے مطابق اللہ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔" اصحاب کتب اور مسانید نے اسے متعدد طرق اور کثیر الفاظ سے روایت کیا ہے(2)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 132

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ طلاق، جلد 8، صفحہ 653، کتاب الطلاق، جلد 9 صفحہ 484-482، 371، 356، 351، 345، سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 255 سنن نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6، صفحہ 141-140، عارضۃ الاحوذی، جلد 5، صفحہ 125-123 سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 252، فتح الباری، کتاب الاحکام، جلد 13 صفحہ 137-136، مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1095

ان تفصیلات کا محل کتب احکام ہیں۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ایمن نے جو عزہ کے مولیٰ ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے حالت حیض میں اپنی عورت کو طلاق دی ہے فرمایا: عہد رسالت میں ابن عمر نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی تو حضور ﷺ نے فرمایا: اسے چاہئے کہ رجوع کرلے۔ چنانچہ انہوں نے رجوع کرلیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب پاک ہوجائے تو اسے طلاق دے یا اپنے پاس روک لے۔ ابن عمر نے فرمایا پھر حضور ﷺ نے سورۂ طلاق کی یہ آیت تلاوت فرمائی(1)۔

فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ یعنی ایسے طہر میں جس میں جماع نہ ہو۔ ابن عمر، عطاء، مجاہد، حسن، ابن سیرین، قتادہ، میمون بن مہران، مقاتل بن حیان رحمہم اللہ تعالیٰ سے اسی طرح مروی ہے۔ عکرمہ، ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ سے ایک روایت یہی ہے۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حیض کی حالت میں اسے طلاق نہ دے اور نہ ایسے طہر میں جس میں اس سے مجامعت کی ہو۔ لیکن اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ اسے حیض آئے اور وہ پاک ہوجائے تو اسے ایک طلاق دے دے(2)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عدت طہر ہے اور قرء سے مراد حیض ہے۔ اسے اس طرح طلاق دے کہ اس کا حمل ظاہر ہو اور نہ طلاق دے اس حالت میں جب اس پر چکر لگایا ہو اور یہ علم نہ ہو کہ یہ حاملہ ہے یا نہیں۔ یہاں سے ہی بعض علماء نے طلاق کے احکام کا استخراج کیا ہے اور اسے طلاق سنت اور طلاق بدعت میں تقسیم کیا ہے۔ طلاق سنت یہ ہے کہ طہر یعنی پاکیزگی کی حالت میں جماع کرنے سے قبل طلاق دے یا حمل کی حالت میں جب حمل ظاہر ہو اور طلاق بدعت یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق دے یا ایسے طہر میں جس میں اس سے مجامعت کرلی ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ حمل قرار پذیر ہوا ہے کہ نہیں اور تیسری طلاق جو نہ سنت ہے اور نہ بدعت۔ وہ چھوٹی بچی، سن ایاس کو پہنچی ہوئی اور غیر مدخولہ کو طلاق دینا ہے۔ اس کلام کی تفصیلات و دیگر مسائل کتب فروغ میں مذکور ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ اسے یاد کرو اور اس کی ابتداء وانتہا کو پہچانو تاکہ عورت کی عدت طویل نہ ہوجائے اور نئی شادی سے اسے روک دے۔

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ...... یعنی عدت کے دوران اس کی رہائش خاوند کے ذمہ ہے۔ جب تک وہ عدت گزار رہی ہے کوئی آدمی اسے نہ تو نکال سکتا ہے اور نہ اس عورت کے لئے یہ جائز ہے۔

اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یعنی انہیں گھروں سے نہ نکالو مگر جب عورت کھلے عام بے حیائی کا ارتکاب کرے تو اسے گھر سے نکال دیا جائے گا۔ کھلی برائی سے مراد حرام کاری ہے جس طرح کہ حضرت ابن مسعود، ابن عباس، سعید بن مسیب، شعبی، حسن، ابن سیرین، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابوقلابہ، ابوصالح، ضحاک، زید بن اسلم، عطاء خراسانی، سدی اور سعید بن ابو ہلال رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ اور اس بات کو بھی شامل ہے کہ عورت نافرمانی کرے یا خاوند کے رشتہ داروں سے بدزبانی سے پیش آئے یا انہیں اپنے طرز عمل اور گفتگو سے تکلیف دے۔ جس طرح کہ ابی بن کعب، ابن عباس اور عکرمہ وغیرہ سے مروی ہے۔

حُدُوْدُ اللّٰهِ اس کی شریعتیں اور حرام کردہ امور۔

وَمَنْ یَّتَعَدَّ یعنی ان سے نکلے اور تجاوز کرے اور ان پر عمل پیرا نہ ہو۔

1۔ مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1098
2۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 132-129

ظَلَمَ نَفْسَهٗ یعنی اپنے اس فعل سے۔

قول تعالیٰ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ...... یعنی ہم نے مطلقہ عورت کو دوران عدت خاوند کے گھر میں اس لئے رکھا ہے شاید اسے اپنے کئے پر ندامت ہو اور اللہ اس کے دل میں رجوع کا خیال ڈال دے یہ اس کے لئے زیادہ آسان اور سہل ہے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فاطمہ بنت قیس سے روایت کیا ہے کہ ''امر'' سے مراد یہاں رجوع ہے(1)۔ شعبی، عطاء، قتادہ، ضحاک، مقاتل بن حیان اور ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے۔ اسی سے بعض سلف اور ان کے اتباع جیسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ جس عورت کو طلاق بائنہ دی گئی ہو یا جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو اس کے لئے رہائش دینا لازمی نہیں۔ انہوں نے حدیث فاطمہ بنت قیس فہریہ پر اعتماد کیا ہے کہ جب ان کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے آخری تیسری طلاق بھی دے دی۔ وہ اس وقت یہاں موجود نہ تھے بلکہ یمن میں تھے۔ اور وہیں سے طلاق دی تھی اور اپنے وکیل کے ہاتھ اس کے لئے کچھ جو بھیجے یعنی بطور نفقہ تو یہ ناراض ہوئیں۔ اس نے کہا: تمہارا نفقہ ہمارے ذمہ نہیں۔ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''تیرے لئے اس کے ذمے نفقہ نہیں۔'' مسلم کی روایت میں ہے: ''اور نہ رہائش۔'' اور انہیں حکم دیا کہ ام شریک کے گھر اپنی عدت گزاریں۔ پھر فرمایا: وہاں تو میرے صحابہ اکثر آیا جایا کرتے ہیں تم ابن ام مکتوم کے ہاں عدت گزارو۔ وہ نابینا ہیں۔ وہاں تم کپڑے الگ بھی رکھ سکتی ہو(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے دوسرے الفاظ سے عامر سے روایت کیا ہے کہ میں مدینہ آیا اور فاطمہ بنت قیس کے پاس گیا تو اس نے مجھے بتایا کہ اس کے خاوند نے عہد نبوی میں اسے طلاق دے دی تھی۔ حضور ﷺ نے ایک سریہ میں اسے بھیجا تھا۔ فرمایا اس کے بھائی نے مجھے گھر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ میں نے کہا عدت کے خاتمے تک میرے لئے نان ونفقہ اور رہائش ہے۔ اس نے انکار کر دیا۔ میں حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور سارا واقعہ گوش گزار کیا تو آپ نے اسے فرمایا: ''آل قیس کی بیٹی سے تمہیں کیا ہے؟'' اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میرے بھائی نے اسے تینوں طلاقیں دے دی ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''اے آل قیس کی صاحبزادی! دیکھو خاوند کے ذمے عورت کا نفقہ اور رہائش اس وقت ہوتی ہے جب اسے رجوع کا حق حاصل رہے اور جب رجعت کا حق نہ ہو تو نفقہ وسکنی بھی نہیں ملے گا۔ چلی جا اور فلاں عورت کے پاس ٹھہر جا۔ پھر فرمایا اس کے ساتھ لوگوں کی بات چیت ہوتی ہے تو ابن ام مکتوم کے پاس جا وہ نابینا ہیں وہ تمہیں دیکھ نہیں پائیں گے۔ اور مکمل حدیث بیان فرمائی(3)''۔ ابو القاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ یہ فاطمہ بنت قیس، ضحاک بن قیس قرشی کی بہن تھی۔ ان کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے لشکر کے ہمراہ یمن جاتے ہوئے طلاق دے دی۔ انہوں نے خاوند کے اولیاء سے نفقہ وسکنی طلب کیا تو انہوں نے کہا نہ تو تمہارے خاوند نے کچھ بھیجا ہے اور نہ ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ وہ حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: عورت کو نفقہ وسکنی اس وقت ملتا ہے جب اس کے خاوند کو رجوع کا حق ہو اور جب وہ اس کے لئے اس وقت تک حلال نہ ہو سکے جب تک دوسرے سے نکاح کے بعد جدا نہ ہو جائے تو اس کو نان ونفقہ اور رہائش بھی نہیں ملے گی۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(4)۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ

1۔ در منثور، جلد 8، صفحہ 194 2۔ مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1114 3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 374-373
4۔ المعجم الکبیر، جلد 24، صفحہ 383-382، سنن نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6، صفحہ 144، الجرح والتعدیل، جلد 4، صفحہ 74

عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ۬ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝۲ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝۳

''تو جب وہ پہنچنے لگیں اپنی میعاد کو تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ یا جدا کر دو انہیں بھلائی کے ساتھ اور گواہ مقرر کر لو دو معتبر آدمی اپنے میں سے اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے دو۔ ان باتوں سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر اور جو (خوش بخت) ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے بنا دیتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کا راستہ۔ اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کے لئے وہ کافی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔ مقرر کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب معتدہ عورتوں کی عدت ختم ہونے والی ہو لیکن ابھی کلیۃً ختم نہ ہوئی ہو تو اس وقت خاوند کو اسے روکنے کا عزم کرنا چاہئے یعنی رجعت کر کے پہلا نکاح قائم رکھے۔

بِمَعْرُوْفٍ اپنی صحبت میں رکھ کر اس پر احسان کرتے ہوئے یا پھر اس سے الگ ہونے کا عزم کر لے معروف کے ساتھ یعنی بغیر سرزنش، یاوہ گوئی اور گالی گلوچ کئے بلکہ خوبصورت اور اچھے انداز سے اسے رخصت کرے۔

وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ نکاح، طلاق اور رجوع میں دو عادل گواہ لازمی ہیں جس طرح کہ اس آیت میں حکم دیا گیا ہے۔ ہاں اگر عذر ہو تو اور بات ہے۔

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ یعنی گواہ مقرر کرنے اور گواہیاں قائم کرنے کا جو حکم ہم نے تمہیں دیا ہے اس پر عمل درآمد وہی کرتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور دارِ آخرت میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ اسی بنا پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک قول میں رجعت میں گواہی قائم کرنا لازم قرار دیتے ہیں جس طرح ابتدائے نکاح میں یہ ضروری ہے۔ علماء کے ایک فریق کی یہی رائے ہے۔ اس مذہب کے حامی علماء کا کہنا ہے کہ رجعت صرف قول سے ہی صحیح ہے تاکہ اس پر گواہ بنائے جا سکیں۔

وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا جو اللہ کے اوامر و نواہی کا خیال رکھتا ہے، اللہ اس کے لئے نجات کا راستہ نکال دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا یعنی اس کے دل میں یہ خیال تک نہیں ہوتا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے مجھے یہ آیت سنائی اور جب فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا: ''اے ابوذر اگر سارے لوگ اس پر عمل کرنا شروع کر دیں تو یہ آیت ان سب کے لئے کافی ہو جائے''۔ پھر اس آیت کو دہراتے رہے حتیٰ کہ مجھے اونگھ آ گئی۔ پھر فرمایا: اے ابوذر! تم کیا کرو گے جب تمہیں مدینہ سے نکال دیا جائے گا؟ میں نے عرض کیا کشادگی اور فراخی کی طرف میں چلا جاؤں گا اور مکہ کا کبوتر بن جاؤں گا۔ فرمایا: جب تمہیں مکہ سے نکال دیا جائے گا تو پھر کیا کرو گے؟ میں نے عرض کیا خوشحالی اور فراخی کی طرف ملک شام اور اراضی مقدسہ کی طرف۔ فرمایا: اور کیا کرو گے جب تمہیں شام سے نکال دیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا مجھے اس ذات کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا ہے تب تو میں اپنی تلوار اپنے کندھے پر رکھ لوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس سے بہتر بھی کوئی بات ہے۔ میں

نے عرض کیا۔ کیا اس سے بہتر بھی کوئی بات ہے؟ فرمایا تو سنے گا اور اطاعت کرے گا اگرچہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو(1)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے شتیر بن شکل سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ قرآن میں سب سے جامع آیت یہ ہے: اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ (النحل: 90)۔ اور سب سے زیادہ کشادگی کا وعدہ اس آیت میں ہے: وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا(2)۔

مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بکثرت استغفار کرتا رہے اللہ تعالیٰ ہر غم سے نجات اور ہر تنگی پر آسودگی عطا فرماتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے کہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا(3)۔ اس آیت کی تفسیر میں علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ دنیا وآخرت میں ہر کرب سے اسے نجات دیتا ہے۔ ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہر وہ چیز جو لوگوں کے لئے تنگی کا باعث ہو اس پر فراخی عطا فرماتا ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو اللہ کے حکم کے مطابق طلاق دیتا ہے اللہ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کی راہ پیدا فرما دیتا ہے۔ حضرت ضحاک اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔ ابن مسعود اور مسروق رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اگر اللہ چاہے عطا فرماتا ہے اور اگر چاہے تو روک دیتا ہے۔ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ سے مراد یہ ہے کہ اس طرح کہ اسے علم تک نہیں ہوتا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ موت کے وقت کرب اور تمام امور کے شبہات سے بچالیتا ہے اور روزی اس جگہ سے دیتا ہے جہاں سے اسے امید بھی نہیں ہوتی(4)۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ سے ڈرنے سے مراد یہ ہے کہ سنت کے مطابق طلاق دے اور سنت کے مطابق رجوع کر لے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول میں سے ایک صحابی حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو مشرکین نے گرفتار کر لیا۔ یہ ان کے ہاں تھا۔ اس کے والد حضور ﷺ کی بارگاہ میں آتے اور اپنے بیٹے کی حالت اور مشکلات بیان کرتے رہتے۔ حضور ﷺ انہیں صبر کی تلقین فرماتے اور ارشاد فرماتے: اللہ تعالیٰ چھٹکارے کی کوئی صورت پیدا فرما دے گا۔ تھوڑا عرصہ ہی گزر را تھا کہ ان کا بیٹا دشمن کے ہاتھ سے نکل بھاگا۔ گزرتے ہوئے دشمن کی بکریوں کا ایک ریوڑ بھی ہانک کر لے آیا اور اپنے باپ کے پاس پہنچ گیا۔ یہ مال غنیمت بھی اس کے پاس تھا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے(5)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بندہ گناہ کے سبب رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔ تقدیر کو ٹالنے والی چیز صرف دعا ہے اور عمر میں اضافہ کرنے والی چیز صرف نیکی ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(6)۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت مالک اشجعی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میرا بیٹا عوف گرفتار ہو گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے کہلا بھیجو کہ بکثرت ''لا حول ولا قوۃ'' پڑھا کرے۔ انہوں نے اسے قِدٌ (چمڑے کا کوڑا، رسا) سے باندھ رکھا تھا۔ ایک دن یہ گر گئی تو وہ باہر نکل آئے۔ وہاں ان کی ایک اونٹنی تھی اس پر سوار ہو کر آئے۔ راستے میں ان کے اونٹ ہنکا لئے۔ ان لوگوں نے تعاقب کیا لیکن بے سود۔ اچانک گھر کے دروازے پر دستک دی۔ باپ نے کہا رب کعبہ کی قسم! یہ عوف ہے۔ ماں نے کہا ہائے مصیبت عوف کس طرح آئے گا وہ بیچارہ تو رسیوں میں بندھا ہوا ہے۔ دونوں دوڑ کر دروازے کی طرف آئے اور خادم بھی۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 179-178 2۔ یہ حدیث سورۂ نحل آیت: 90 کی تفسیر میں گزر چکی ہے، المعجم الکبیر، جلد 9 صفحہ 143-142

3۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 248 4۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 195 5۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 138

6۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 277، سنن کبریٰ، کتاب الرقائق بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 2، صفحہ 133، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 1334

اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ عوف دروازے پر کھڑا ہے صحن کو اونٹوں سے بھر دیا ہے۔ اس نے اپنے باپ کو اپنا اور اونٹوں کا قصہ سنایا۔ باپ نے کہا ٹھہرو میں حضور ﷺ سے اونٹوں کی بابت پوچھ کر آؤں۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عوف کی آمد اور اونٹ چھین کر لانے کا واقعہ سنایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ان کے ساتھ جو چاہو کرو اور وہی کرو جو تم اپنے مال کے ساتھ کرتے ہو۔ تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو ہر طرف سے علیحدہ ہو کر اللہ کا ہو جائے تو اللہ اس کی ہر ضرورت میں اسے کافی ہو جاتا ہے اور وہاں سے اسے رزق سے نوازتا ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ چیز نہیں ہوتی۔ اور جو دنیا کی طرف کلیۃً متوجہ ہو جاتا ہے اللہ اسے اسی کے حوالے کر دیتا ہے (2)۔

قولہ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک دن حضور ﷺ کے پیچھے سوار تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے بچے! میں تمہیں چند کلمات سکھانے والا ہوں۔ اللہ کو یاد رکھ وہ تمہیں یاد رکھے گا۔ اللہ کو یاد رکھ تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب مانگ تو اللہ سے مانگ، جب مدد طلب کرے تو اللہ سے ہی مدد طلب کر اور تو جان لے کہ ساری امت اگر مل کر تمہیں نفع پہنچانا چاہے تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے مگر وہی چیز جو رب نے تیرے لئے لکھی ہے اور اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ کر لیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہی چیز جو اللہ نے تیرے مقدر میں لکھ دی ہے۔ قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے (3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جسے کوئی حاجت ہو اور وہ اسے لوگوں کے سامنے پیش کرے تو وہ اس بات کا سزاوار ہے کہ اس کی ضرورت آسان نہ کی جائے اور جو اللہ کی بارگاہ میں اسے پیش کرے تو جلد یا بدیر اس کی حاجت ضرور پوری ہوتی ہے (4)۔

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ اپنے قضایا اور احکام کو اپنی مخلوق پر جس طرح چاہے پورا فرمانے والا ہے۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ (رعد: 8)۔

وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ④ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ⑤

”اور تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔ اور اسی طرح ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آیا ہی نہیں۔ اور حاملہ عورتوں کی میعاد ان کے بچہ جننے تک ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے تو وہ اس کے کام میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اس کی برائیوں کو اور (روزِ قیامت) اس کے اجر کو بڑا کر دے گا“۔

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 197 2۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 198

3۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 293، عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9، صفحہ 320-319 نیز یہ حدیث سورۂ زمر آیت: 38 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

4۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 442

آیسہ کی عدت کا بیان ہو رہا ہے۔ یہ وہ عورت ہے جس کا حیض کبرسنی کی وجہ سے منقطع ہو چکا ہو۔ اس کی عدت تین ماہ ہے جبکہ حائضہ کی عدت تین قروء ہے۔ جس طرح سورۂ بقرہ والی آیت میں بیان کیا گیا ہے(1)۔ اسی طرح وہ چھوٹی بچیاں جو ابھی حیض کی عمر کو نہیں پہنچیں، ان کی عدت بھی آیسہ کی طرح تین ماہ ہے۔

قولہ تعالیٰ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ اس میں دو قول ہیں: (۱) سلف کے ایک گروہ کی رائے یہی ہے جیسے مجاہد، زہری، ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ۔ یعنی اگر وہ خون دیکھیں اور تمہیں اس کے حیض یا استحاضہ ہونے کے بارے میں شبہ ہو۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ تمہیں ان کی عدت کے حکم میں شبہ ہو اور تم اسے نہ پہچان سکو تو یہ تین ماہ ہے۔ سعید بن جبیر سے یہی مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے پسند کیا ہے۔ معنی کے اعتبار سے یہی زیادہ ظاہر ہے۔ اس کی تائید حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کچھ عورتوں کی عدت کا بیان قرآن میں نہیں ہے۔ چھوٹی بچی، عمر رسیدہ اور حاملہ عورتیں تو یہ آیت نازل ہوئی(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مدینہ کے کچھ لوگ سورۂ بقرہ کی عدت والی آیت کے نزول کے بعد کہتے ہیں کہ بعض عورتوں کی عدت کا بیان قرآن میں نہیں ہے۔ چھوٹی، عمر رسیدہ جس کا حیض منقطع ہو چکا ہو اور حاملہ۔ تو سورۂ نساء قصری (طلاق) کی یہ آیت نازل ہوئی(3)۔

وَ اُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ یَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ جو عورت حاملہ ہو اس کی عدت وضع حمل ہے اگر چہ طلاق کے بعد ہو یا خاوند کی وفات کے اتنی دیر بعد جتنی دیر اونٹنی کے دوسری بار دوہنے کے لئے کرتے ہیں۔ جمہور علماء سلف و خلف کی یہی رائے ہے جس طرح کہ آیت کریمہ اور سنت مبارکہ میں ہے۔ حضرات علی، ابن عباس رضی اللہ عنہم اس طرف گئے ہیں کہ بیوہ عورت أبعد الأجلین یعنی دونوں عدتوں میں سے وہ عدت گزارے گی جو زیادہ طویل ہو۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے اور سورۂ بقرہ کی آیت سے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سلمہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ اس نے پوچھا مجھے اس عورت کے بارے میں بتائیے جس نے اپنے خاوند کی موت کی چالیس راتوں کے بعد بچہ جن دیا ہے۔ آپ نے فرمایا دونوں عدتوں میں سے طویل۔ ابو سلمہ نے کہا قرآن میں حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اپنے بھتیجے ابو سلمہ کے ساتھ ہوں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا غلام کریب ام سلمہ کے پاس بھیجا۔ تو آپ نے فرمایا سبیعہ اسلمیہ کا خاوند فوت ہو گیا تھا۔ یہ حاملہ تھیں۔ انہوں نے اپنے خاوند کی وفات کے بعد چالیس راتیں گزرنے کے بعد بچہ جن دیا۔ منگنی کی اور حضور ﷺ نے ان کا نکاح پڑھایا۔ ابو سنابل منگنی کرنے والوں میں شامل تھے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت مختصراً اسی طرح ذکر کی ہے۔ مسلم و بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ اور اصحاب کتب نے اسے دیگر سندوں سے مطول بھی روایت کیا ہے(4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسور بن مخرمہ سے روایت کیا ہے کہ سبیعہ اسلمیہ کا خاوند فوت ہو گیا یہ حاملہ تھیں۔ چند راتوں کے بعد انہوں نے بچہ جن دیا۔ جب نفاس ختم ہوا تو انہوں نے منگنی کی اور حضور ﷺ سے نکاح کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے اجازت دی تو انہوں نے نکاح کر لیا(5)۔ اسے بخاری

1۔ تفسیر سورۂ بقرۃ آیت: 228 2۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 141 3۔ فتح الباری، جلد 8، صفحہ 254، روح المعانی، جلد 28، صفحہ 128

4۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ طلاق، جلد 8، صفحہ 653، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 310۔ کتاب الطلاق، جلد 9، صفحہ 470-469، مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1122، سنن ابو داؤد، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 393، عارضۃ الاحوذی، کتاب الطلاق، جلد 5، صفحہ 171-169، نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6، صفحہ 197-190، ابن ماجہ کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 654-653، مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 327 5۔ ایضاً مرجع مذکور

رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں اور مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔ مسلم بن حجاج نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد محترم نے عمر بن عبد اللہ بن ارقم زہری کو لکھا کہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ کے پاس جائیں اور ان سے ان کا واقعہ اور حضور علیہ السلام نے اس پر جو حکم فرمایا تھا دریافت کر کے لکھ بھیجیں۔ چنانچہ عمر بن عبد اللہ نے انہیں لکھا کہ سبیعہ نے انہیں بتایا ہے کہ وہ سعد بن خولہ کے نکاح میں تھیں۔ یہ بدری صحابی تھے۔ حجۃ الوداع میں ان کا انتقال ہو گیا۔ میں اس وقت حاملہ تھی۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد بچہ پیدا ہو گیا۔ نفاس سے پاک ہو کر میں نے منگنی کے لئے خوبصورت کپڑے پہنے۔ ابوسنابل بن بعلک آئے اور پوچھا تمہیں کیا ہے بناؤ سنگار کیوں کر رکھا ہے شاید تو نکاح کرنا چاہتی ہے۔ اللہ کی قسم چار ماہ دس دن سے قبل تو نکاح نہیں کر سکتی۔ سبیعہ نے کہا یہ سن کر میں نے کپڑے سمیٹے اور شام کو حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو گئی۔ میں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا وضع حمل کے بعد میں پاک ہو چکی ہوں اور اگر چاہوں تو مجھے نکاح کی اجازت ہے(1)۔ بایں الفاظ یہ روایت مسلم کی ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مختصراً ذکر فرمایا ہے(2)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں پہلی حدیث نقل کرنے کے بعد محمد ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مجلس میں تھا جس میں عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی تھے۔ ان کے ساتھی ان کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ انہوں نے حاملہ کی عدت دونوں میں سے طویل عدت بتائی۔ میں نے سبیعہ بنت حارث والی حدیث بیان کی ان کے بعض اصحاب نے مجھے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ محمد کہتے ہیں میں سمجھ گیا اور میں نے کہا پھر تو میں بڑی جرأت والا ہوں اگر میں عبد اللہ پر بہتان باندھوں حالانکہ وہ کوفہ میں موجود ہیں۔ پس وہ ذرا شرما گئے اور کہنے لگے لیکن ان کے چچا یہ تو نہیں کہتے۔ میں ابوعطیہ مالک بن عامر سے ملا اور پوچھا تو انہوں نے مجھے سبیعہ والی پوری حدیث سنائی۔ میں نے کہا کیا تم نے اس بارے میں عبد اللہ سے بھی کچھ سنا ہے؟ فرمایا: ہم عبد اللہ کے پاس تھے۔ فرمایا: کیا تم اس پر سختی کرتے ہو اور رخصت نہیں دیتے ہو؟ سورۂ نساء قصری یعنی سورۂ طلاق سورۂ نساء طولی کے بعد اتری ہے(3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے مختصراً اسی طرح روایت کیا ہے اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں محمد بن سیرین سے یہی روایت کیا ہے(4)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہی علقمہ بن قیس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو ملاعنہ کرنا چاہے میں اس بات پر اس سے ملاعنہ کرنے کو تیار ہوں کہ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ ....(طلاق:4) والی آیت متوفی عنہا زوجہا (بیوہ) والی آیت کے بعد نازل ہوئی۔ فرمایا: جب عورت اپنے خاوند کی وفات کے بعد بچہ جن دے تو اس کی عدت پوری ہو گئی۔ متوفی عنہا زوجہا والی آیت سے مراد وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا(بقرہ:234) ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(5)۔ ابن جریر نے شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے دونوں عدتوں کے مسئلے کا ذکر کیا گیا تو فرمایا جو چاہے میں اس کے سامنے اللہ کی قسم اٹھانے کو تیار ہوں کہ یہ آیت جو کہ سورۂ نساء قصری میں ہے یہ چار ماہ دس دن والی آیت کے بعد اتری۔ پھر فرمایا حاملہ کی عدت یہ ہے کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اسے جن دے(6)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں عدتوں میں سے أطول کا فتویٰ دیتے ہیں تو فرمایا: جو چاہے میں اس کے ساتھ ملاعنہ کرنے کو تیار ہوں کہ سورۂ نساء قصریٰ والی آیت سورۂ بقرہ کے بعد نازل

1۔ ایضاً مرجع مذکور 2۔ ایضاً مرجع مذکور 3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ طلاق، جلد 8، صفحہ 654

4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 143-142، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7، صفحہ 137

5۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 142، سنن نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6، صفحہ 197-196 6۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 143

ہوئی۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(1)۔ عبداللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حاملہ عورتوں کی عدت کا جو بیان ہے یہ تین طلاق والیوں کی عدت ہے یا جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو۔ فرمایا یہ دونوں کی ہے(2)۔ یہ حدیث بہت غریب بلکہ منکر ہے کیونکہ اس کی اسناد میں مثنی بن صباح ہے وہ بالکل متروک الحدیث ہے۔ لیکن ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے حضور ﷺ سے عرض کی: مجھے معلوم نہیں یہ آیت مشترک ہے یا مبہم۔ حضور ﷺ نے پوچھا کون سی آیت؟ میں نے عرض کی اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (طلاق:4) بیوہ اور مطلقہ۔ فرمایا: ''ہاں''۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری روایت میں ذکر کیا ہے کہ ابی بن کعب نے عرض کی میں نے حضور ﷺ سے آیت وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ...... (طلاق:4) کے بارے میں استفسار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر حاملہ کی عدت وضع حمل ہے(3)۔'' لیکن اس سند میں عبدالکریم ضعیف ہے اس نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا...... اس کا امر اس پر آسان فرماتا ہے اسے جلد کشادگی اور فراخی نصیب فرماتا ہے۔

اَمْرُ اللّٰهِ یعنی اپنا حکم اور شریعت حضور ﷺ کے واسطہ سے تمہاری طرف اتارا۔

يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ ممنوع چیز ختم ہوجاتی ہے اور تھوڑے عمل پر بلا حساب اجر ملتا ہے۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَ اْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ؕ۝ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝

''انہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود سکونت پذیر ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور انہیں ضرر نہ پہنچاؤ تا کہ تم انہیں تنگ کرو۔ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو، یہاں تک کہ وہ بچہ جنیں۔ پھر اگر وہ (بچے کو) دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو تم انہیں ان کی اجرت دو، اور (اجرت کے بارے میں) آپس میں مشورہ کرلیا کرو دستور کے مطابق۔ اور اگر تم آپس میں طے نہ کرسکو تو اسے کوئی دوسری دودھ پلائے۔ خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق۔ اور وہ، تنگ کر دیا گیا ہے جس پر اس کا رزق تو وہ خرچ کرے اس سے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اور تکلیف نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو مگر اس قدر جتنا اسے دیا ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد فراخی دے دے گا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم فرما رہا ہے کہ ان میں سے کوئی اگر اپنی بیوی کو طلاق دے تو اسے عدت کے خاتمے تک اپنے گھر میں

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 293، ابن ماجہ، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 654

2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 116 3۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 143

ٹھہرائے۔

حَيْثُ سَكَنْتُمْ یعنی تمہارے پاس۔

مِّنْ وُّجْدِكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے یعنی تمہاری وسعت حتیٰ کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر زیادہ وسعت نہ ہو تو کمرے کے کونے میں اسے ٹھہرائے۔

وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ...... مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اسے تنگ نہ کرے کہ وہ اپنا مال فدیہ دے یا گھر سے چلی جائے۔ ابوالضحیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اسے طلاق دی اور عدت کے خاتمے میں دو روز باقی تھے کہ رجوع کر لیا۔

فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ...... کثیر علماء جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سلف کا ایک گروہ اور خلف کی ایک جماعت شامل ہے کی رائے ہے کہ یہ حکم اس عورت کا ہے جو خاوند سے جدا ہونے والی ہو یعنی اسے طلاق بائنہ دی گئی ہو۔ اگر حاملہ ہے تو وضع حمل تک اسے نفقہ دے۔ کیونکہ بالاتفاق رجعی طلاق میں نفقہ دینا واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ بعض دیگر علماء کی رائے ہے کہ یہ سیاق کلام سارے کا سارا رجعی طلاق والی عورتوں کے بارے میں ہے اور حاملہ کو نفقہ دینے پر نص قائم کی گئی ہے اگرچہ رجعی طلاق والی ہو کیونکہ حمل کی مدت اکثر طویل ہو جاتی ہے۔ تو وضع حمل تک نفقہ کے وجوب پر نص کی ضرورت تھی تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ نفقہ صرف عدت کی مقدار کے مطابق واجب ہے۔ پھر اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ نفقہ حمل کے واسطہ سے ہے یا صرف حمل کے لئے؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے اس بارے میں دو قول مروی ہیں اور اس اختلاف پر کثیر مسائل مستنبط ہوتے ہیں جو علم فروع میں مذکور ہیں۔

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ یعنی جب مطلقہ عورتیں بچہ جن دیں تو عدت کے خاتمے کے ساتھ ہی وہ اپنے خاوندوں سے جدا ہو چکی ہیں۔ اس وقت اسے اختیار ہے کہ بچے کو دودھ پلائے یا انکار کر دے لیکن اسے پہلی دفعہ کا دودھ ضرور پلانا چاہئے کیونکہ بچے کا انحصار اکثر اس پر ہوتا ہے۔ اگر وہ دودھ پلائے تو اجرت مثلی کی حقدار ہے۔ وہ اس کے باپ یا ولی سے معاہدہ کر سکتی ہے خواہ جس قدر اجرت پر راضی ہو جائیں۔ اسی لئے یہاں ان کی اجرت ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔

وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ تمہارے باہمی امور دستور اور رواج کے مطابق ہونے چاہئیں۔ نہ اسے نقصان ہو اور نہ وہ آپ کو ضرر پہنچانے کی کوشش کرے۔ جس طرح سورۂ بقرہ میں ہے: لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ (بقرہ: 233)۔

قولہ تعالیٰ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى اگر مرد اور عورت میں اختلاف ہو جائے اور عورت رضاعت کی زیادہ اجرت طلب کرے اور خاوند تسلیم نہ کرے یا وہ کم اجرت دینے پر مصر ہے اور وہ اس سے موافقت نہیں کرتی۔ اگر ماں اتنی اجرت پر راضی ہو جائے جو اجنبی عورت کو دی جا رہی ہے تو ماں کا حق زیادہ ہے۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ یعنی مولود پر اس کا والد یا ولی اپنی قدرت کے مطابق خرچ کرے۔

مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ...... جیسے ایک اور آیت میں ہے: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ: 286)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسنان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا وہ موٹا کپڑا پہنتے ہیں، سخت غذا کھاتے ہیں۔ آپ نے ایک ہزار دینار ان کی طرف بھیجے اور قاصد سے فرمایا: دیکھنا وہ اس رقم سے کیا کرتے ہیں؟ تھوڑی ہی دیر میں آپ نے ہلکے کپڑے پہنے اور اچھی خوراک کھائی۔ قاصد نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر کی تو فرمایا: اللہ

ان پر رحم فرمائے انہوں نے اس آیت کی تاویل کی ہے: لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ......(1)۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم کبیر میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ان کا اسم گرامی حارث تھا۔ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین افراد تھے۔ ایک کے پاس دس دینار تھے اس نے ایک دینار خرچ کر دیا دوسرے کے پاس دس اوقیہ تھے اس نے ایک اوقیہ صدقہ کر دیا۔ تیسرے کے پاس سو اوقیہ تھے اس نے دس اوقیہ صدقہ کر دیئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وہ سب اجر میں برابر ہیں۔ ہر ایک نے اپنے مال کا دسواں حصہ صدقہ کر دیا ہے۔ ارشاد باری ہے: لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ......(2)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔

سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اس کا وعدہ سچا ہوتا ہے وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اسی طرح ایک دوسری آیت میں ہے: فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الم نشرح: 6-5)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث روایت کی ہے اسے ذکر کر دینا یہاں بہت مناسب ہوگا آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اگلے زمانے میں ایک مرد اور عورت فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے تھے ایک مرتبہ یہ شخص سفر سے واپس آیا وہ بھوک سے بے تاب اپنی عورت کے پاس گیا اور پوچھا کھانے کی کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا ہاں خوشخبری ہو۔ اللہ کا دیا ہوا رزق ہمارے پاس آپہنچا ہے۔ اس نے کہا تیری ہلاکت ہو مجھے بھوک لگی ہے اگر تیرے پاس کچھ ہے تو لاؤ۔ بیوی نے کہا تھوڑی دیر اور صبر کر لو ہمیں اللہ کی رحمت سے امید ہے حتیٰ کہ جب کافی دیر گزر گئی تو کہنے لگا تیرا برا ہو! اگر تیرے پاس کچھ ہے تو لاؤ۔ میں تو بھوک سے مرا جا رہا ہوں۔ بیوی نے کہا ہاں ابھی تنور میں پک رہا ہے جلدی نہ کرو۔ وہ تھوڑی دیر خاموش ہو گیا اور بیوی نے اس کے دوبارہ بولنے سے قبل ہی کہہ دیا۔ اٹھ کر تنور دیکھتی ہوں وہ اٹھی اور دیکھا کہ اس کا تنور بکری کے پہلو کے گوشت سے پر ہے اور اس کی دونوں چکیاں آٹا پیس رہی ہیں۔ وہ چکی کی طرف گئی اسے جھاڑا اور تنور میں جو گوشت تھا نکال لیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں ابوالقاسم کی جان ہے حضور ﷺ نے یہ فرمایا: ''اگر وہ چکیوں سے آٹا نکال لیتی اور انہیں نہ جھاڑتی تو یہ دونوں قیامت تک چلتی رہتیں (3)''۔ ایک دوسری جگہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آدمی اپنے گھر گیا۔ دیکھا کہ بھوک سے ان کا برا حال ہے۔ وہ جنگل کی طرف نکل کھڑا ہوا اس کی بیوی نے چکی کو درست کیا اور تنور میں لکڑیاں ڈالیں۔ اسے گرم کیا۔ پھر کہا اے اللہ ہمیں رزق دے اس نے دیکھا کہ پیالہ گوشت سے پر ہے۔ تنور کی طرف گئی وہ بھی بھرا ہوا تھا۔ خاوند واپس آیا اور پوچھا میرے بعد کچھ ملا۔ بیوی نے کہا ہاں اللہ کی طرف سے۔ وہ اٹھا اور چکی کی طرف متوجہ ہوا۔ حضور ﷺ سے یہ بات ذکر کی گئی تو آپ نے فرمایا: اگر وہ اس کا پاٹ نہ اٹھاتا تو قیامت تک یہ چلتی رہتی (4)۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝٨ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝٩ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝١٠ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 149
2۔ المعجم الکبیر، جلد 3، صفحہ 392
3۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 421
4۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 513

الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَ مَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ یَعْمَلْ صَالِحًا یُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝

"کتنی بستیاں تھیں جنہوں نے سرتابی کی اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں (کے فرمان) سے تو ہم نے بڑی سختی سے ان کا محاسبہ کیا اور ہم نے انہیں بھاری سزا دی۔ پس انہوں نے اپنے کرتوتوں کا وبال چکھا۔ اور ان کے کام کا انجام نرا خسارہ تھا۔ تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک سخت عذاب۔ پس اللہ سے ڈرتے رہا کرو اے دانشمندو! جو ایمان لائے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تمہاری طرف ذکر۔ ایک ایسا رسول جو پڑھ کر سناتا ہے تمہیں اللہ کی روشن آیتیں تاکہ نکال لے جائے انہیں جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اندھیروں سے نور کی طرف۔ اور جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور نیک عمل کرتا ہے تو وہ اس کو داخل فرمائے گا باغات میں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں جن میں وہ لوگ تا ابد رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ نے اس (مومن) کو بہترین رزق عطا فرمایا"۔

اللہ تعالیٰ اسے وعید سنا رہے ہیں جس نے اس کے امر کی مخالفت کی اس کے رسولوں کو جھٹلایا اور غیر مشروع راستے پر چلا کہ اس وجہ سے سابقہ امتوں پر کیا عذاب آیا تھا۔

عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا سرکشی اختیار کی اور اللہ کے امر کی اتباع اور اس کے رسولوں کی متابعت سے تکبر کیا۔

عَذَابًا نُّكْرًا منکرا۔ خوفناک۔

وَبَالَ اَمْرِهَا مخالف کا انجام اور نادم ہوئے جبکہ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا یعنی دار آخرت اور اس کے ساتھ ساتھ دنیا میں ان پر جو عذاب آیا۔ ان لوگوں کی خبر بیان کرنے کے بعد فرمایا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ یعنی صحیح سمجھ والو! ان کی طرح نہ ہو جاؤ کہ تمہیں بھی وہ عذاب آلے جو ان پر آیا تھا۔

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کی۔

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا یعنی قرآن جیسے ایک اور آیت میں ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: 9)۔

اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ بعض نے رسول کو بدل اشتمال ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے۔ کیونکہ رسول نے ہی ذکر پہنچایا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صحیح یہ ہے کہ رسول ذکر کا ترجمہ یعنی تفسیر ہے (1)۔

مُبَیِّنٰتٍ یعنی اس حال میں کہ یہ واضح اور جلی ہیں۔

لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جیسے ایک اور آیت میں ہے: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (ابراہیم: 1) اور فرمایا: اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ۬ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ (بقرہ: 257)۔ یعنی کفر و جہالت کی ظلمات سے نور ایمان اور علم کی طرف۔ اللہ نے وحی کو بھی نور قرار دیا کیونکہ اس کے ساتھ ہدایت ملتی ہے جس طرح اسے "روح" کا نام دیا کیونکہ اس میں دلوں کی زندگی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ...... اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (شوریٰ: 52)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 152

وَمَنۡ يُؤۡمِنۢ بِاللّٰهِ وَيَعۡمَلۡ صَالِحًا...... اس کی تفسیر متعدد مرتبہ گزر چکی ہے اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَيۡنَهُنَّ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدۡ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ﴿۱۲﴾

"اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین کو بھی انہی کی مانند۔ نازل ہوتا رہتا ہے حکم ان کے درمیان تا کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت تامہ اور سلطان عظیم ہونے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں تا کہ دین قویم کی تعظیم کا باعث ہو۔

اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یہ خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اَلَمۡ تَرَوۡا كَيۡفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (نوح:15) اور فرمایا تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ (اسراء:44)۔

قولہ تعالیٰ وَّمِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ اسی کی مثال زمینیں ہیں یعنی سات۔ جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے: "جس نے ظلم کر کے ایک بالشت زمین ہتھیالی اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا"۔ صحیح بخاری میں ہے: "اسے ساتویں زمین تک دھنسا دیا جائے گا"۔ میں نے اس کے طرق، الفاظ اور ان کی نسبت کو البدایۃ والنہایۃ میں زمین کی تخلیق کے بیان میں ذکر کیا ہے(1)۔ وللہ الحمد والمنۃ۔ جس نے اس سے مراد سات اقلیم لئے ہیں اس نے لاحاصل مساعی کی ہے اور بلا دلیل قرآن و حدیث کی مخالفت کی ہے۔ سورۂ حدید میں آیت کریمہ هُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالۡبَاطِنُ (حدید:3) کے تحت سات زمینوں اور ان کے درمیان بعد کا ذکر ہو چکا ہے اور ہر ایک کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اسی طرح ہے:

"ساتوں آسمان اور جو کچھ ان میں اور ان کے مابین ہے اور ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان میں اور ان کے درمیان ہے کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کسی چٹیل میدان میں چھلا پڑا ہوا ہو(2)"۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اگر میں تمہیں اس آیت کی تفسیر بتاؤں تو تم ضرور کفر کرو گے اور تمہارا کفر کرنا اسے جھٹلانا ہے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی اس آیت کا مطلب کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ نے فرمایا: میں کیسے یہ باور کرلوں کہ جو کچھ میں تجھے بتاؤں گا تم اسے مان لو گے؟ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بروایت ابی الضحیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ہر زمین میں مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اور اس زمین کی مخلوق کی طرح ہے۔ ابن مثنی رحمۃ اللہ علیہ والی روایت میں آیا ہے کہ ہر آسمان میں ابراہیم ہے(3)۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے الأسماء و الصفات میں یہ اثر بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ذرا تفصیل سے نقل کیا ہے: اس میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "سات زمینیں ہیں۔ ہر زمین میں اسی طرح کا پیغمبر ہے جیسے تمہاری زمین پر آیا۔ مثلاً آدم آدم کی طرح، نوح نوح کی طرح، ابراہیم ابراہیم کی طرح اور عیسیٰ عیسیٰ کی طرح" (4)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری روایت میں بروایت ابوالضحیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ہر زمین میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح پیغمبر

1۔ فتح الباری، کتاب المظالم، جلد 5، صفحہ 103، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 293-292، مسلم، کتاب المساقاۃ، جلد 3، صفحہ 1232-1230، البدایۃ والنہایۃ، جلد 1، صفحہ 16

2۔ یہ حدیث سورۂ بقرۃ آیت: 255 کی تفسیر میں گزر چکی ہے 3۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 153 4۔ الاسماء والصفات، جلد 2، صفحہ 131

ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کی اسناد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تک صحیح ہے۔ لیکن یہ بالکل شاذ ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ابوضحیٰ کی کوئی متابع ہے یا نہیں۔ واللہ اعلم (1)۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی الدنیا قرشی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''التفکر والاعتبار'' میں عثمان بن ابی دھرش سے روایت کیا ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے تو وہ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی بات چیت نہ کر رہے تھے۔ حضور ﷺ نے پوچھا: ''تمہیں کیا ہوگیا ہے تم بولتے کیوں نہیں ہو'' انہوں نے عرض کیا ہم اللہ کی مخلوق میں غور وفکر کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک، مخلوق کے بارے میں غور وفکر کرو اور خالق میں غور وفکر نہ کرنا۔ مغرب کی طرف ایک سفید زمین ہے۔ اس کا نور اس کی سفیدی ہے۔ یا فرمایا اس کی سفیدی اس کا نور ہے۔ سورج کی رفتار سے چالیس سال کا راستہ ہے۔ وہاں اللہ کی ایک مخلوق ہے جنہوں نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ صحابہ نے عرض کیا پھر شیطان ان سے کہاں ہے فرمایا: وہ نہیں جانتے شیطان پیدا بھی ہوا یا نہیں۔ پوچھا کیا وہ اولاد آدم سے ہیں؟ فرمایا وہ نہیں جانتے کہ آدم پیدا ہوئے ہیں یا نہیں۔

یہ حدیث مرسل اور بہت منکر ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عثمان بن ابی دہرش کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ (2)

سورۂ طلاق کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد والمنۃ

1۔ الاسماء والصفات، جلد 2، صفحہ 132-131

2۔ ابن ابی حاتم: الجرح والتعدیل، جلد 6، صفحہ 149

سورۂ تحریم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۗ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿١﴾ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَ هُوَ الْعَلِيْمُ
الْحَكِيْمُ ﴿٢﴾ وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ
عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ
نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿٣﴾ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ
فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴿٤﴾
عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ
عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ﴿٥﴾

"اے نبی (مکرم) آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دیا ہے (کیا یوں) آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے تمہارے لئے تمہاری قسموں کی گرہ کھولنے کا طریقہ (یعنی کفارہ) اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے۔ اور وہی سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔ اور (یہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے) جب نبی کریم نے رازداری سے اپنی ایک بیوی کو ایک بات بتائی۔ پھر جب اس نے (دوسری کو) راز بتا دیا (تو) اللہ نے آپ کو اس پر آگاہ کر دیا آپ نے (اس بیوی کو) کچھ بتا دیا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی۔ پس جب آپ نے اس کو اس پر آگاہ کیا تو اس نے پوچھا آپ کو اس کی خبر کس نے دی ہے۔ فرمایا مجھے اس نے آگاہ کیا ہے جو علیم و خبیر ہے۔ اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کرو اور تمہارے دل بھی (توبہ کی طرف) مائل ہو چکے ہیں۔ (تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے) اور اگر تم نے ایکا کر لیا آپ کے مقابلہ میں تو (خوب جان لو) کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے، جبریل اور نیک بخت مومنین بھی آپ کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ سارے فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں۔ کچھ بعید نہیں کہ اگر نبی کریم تم سب کو طلاق دے دیں تو آپ کا رب تمہارے عوض آپ کو ایسی بیبیاں عطا فرما دے جو تم سے بہتر ہوں گی پکی مسلمان، ایمان والیاں، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ دار کچھ پہلے بیاہیاں اور کچھ کنواریاں"۔

اس سورت کے ابتدائی حصے کے شانِ نزول کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کی شان میں

نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے انہیں اپنے اوپر حرام کرلیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابوعبدالرحمٰن نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی ایک لونڈی تھی جس سے آپ جنسی استفادہ فرماتے۔ حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما اس کے پیچھے پڑی رہیں حتیٰ کہ حضور ﷺ نے اسے اپنے اوپر حرام کرلیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔(1)

ابن جریر نے زید بن اسلم رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی کسی زوجہ محترمہ کے گھر میں ام ابراہیم سے مجامعت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے گھر میں اور میرے بستر پر۔ تو حضور ﷺ نے اسے اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تو انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ حلال چیز کو حرام کیوں ٹھہراتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے قسم اٹھائی کہ آئندہ کبھی اس سے ازدواجی تعلق نہ رکھیں گے تو یہ آیت اتری۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آپ کا "تو مجھ پر حرام ہے" کہنا لغو ہے(2) عبدالرحمٰن بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اسے فرمایا تو مجھ پر حرام ہے بخدا میں تم سے جنسی تعلقات نہ رکھوں گا(3)۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایلاء کیا اور حرام قرار دیا تو آپ کو حرام ٹھہرانے پر عتاب کیا گیا اور قسم کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے اور قتادہ، شعبی اور بہت سے سلف جن میں ضحاک، حسن، قتادہ اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں وغیرہ سے یہی مروی ہے اور عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ طویل واقعہ نقل کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا یہ دونوں عورتیں کون تھیں؟ فرمایا حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما اور بات کا آغاز اس سے ہوا کہ حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر، ان کی باری میں ام ابراہیم سے مقاربت فرمائی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا غصے میں آگئیں اور عرض کیا میرے ساتھ آپ نے وہ کام کیا جو آپ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے ساتھ نہیں کیا۔ میرے دن، میری باری میں اور میرے بستر پر۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو راضی نہیں کہ میں اسے ہمیشہ کے لئے اپنے آپ پر حرام کرلوں؟ انہوں نے عرض کیا کیوں نہیں چنانچہ آپ نے اسے اپنے اوپر حرام کرلیا اور فرمایا: کسی سے اس بات کا ذکر مت کرنا۔ لیکن انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ساری بات بتادی تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ چنانچہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور لونڈی سے ہم بستری کی(4)۔ ہیثم بن کلیب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کسی کو نہ بتانا، ام ابراہیم مجھ پر حرام ہے۔ انہوں نے عرض کیا آپ اس چیز کو حرام ٹھہراتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال قرار دیا ہے؟ فرمایا: اللہ کی قسم میں اس کے قریب نہیں جاؤں گا۔ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اس کے قریب نہ گئے حتیٰ کہ سیدہ حفصہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما کو یہ بات بتادی تو یہ آیات اتریں۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ اصحاب کتب ستہ میں سے کسی نے اسے روایت نہیں کیا۔ حافظ ضیاء مقدسی نے اپنی کتاب 'المستخرج' میں اسے ہی پسند کیا ہے(5)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے جو شخص یہ کہے کہ فلاں چیز

1۔ سنن کبریٰ، کتاب عشرۃ النساء، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 1، صفحہ 129 حاکم: کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 493
2۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 155
3۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 156
4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 158
5۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 216

مجھ پر حرام ہے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب: 21) کا استدلال یہ تھا کہ حضور ﷺ نے لونڈی کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تو یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ نے قسم کا کفارہ ادا فرمایا یعنی حرام کو آپ نے قسم قرار دیا(1)۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے حرام کہنا یمین ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ...... مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر یہ روایت کیا ہے کہ ایک آدمی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے تو آپ نے فرمایا: تو نے جھوٹ بولا وہ تجھ پر حرام نہیں ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ ...... اور اس آدمی کو فرمایا: تجھ پر سخت ترین کفارہ یعنی غلام آزاد کرنا ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں بایں الفاظ منفرد ہیں(3)۔ طبرانی نے بروایت مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی لونڈی اپنے اوپر حرام قرار دی(4)۔ اسی سے استدلال کرتے ہوئے بعض فقہاء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جو شخص اپنی لونڈی یا بیوی یا کھانے یا مشروب یا لباس یا کسی اور مباح چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے تو اس پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ایک گروہ کا یہی مذہب ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ بیوی یا لونڈی کو حرام قرار دے تو اس پر تو کفارہ ہے لیکن کسی اور چیز کو حرام کہنے سے کفارہ لازم نہیں آتا۔ تاہم لفظ تحریم سے بیوی کو طلاق ہو جائے گی یا اس لفظ سے لونڈی کو آزاد کیا تو آزاد ہو جائے گی۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ...... اس عورت کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اپنا آپ حضور ﷺ کو بخش دیا تھا۔ یہ قول غریب ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ آیت شہد کو اپنے اوپر حرام قرار دینے کی وجہ سے نازل ہوئی۔ جس طرح کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد نوش فرمایا کرتے۔ اس طرح آپ ﷺ کا قیام ان کے ہاں طویل ہو جاتا۔ میں نے اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما نے یہ طے کیا کہ پہلے حضور ﷺ جس کے پاس بھی تشریف فرما ہوں وہ آپ سے عرض کرے: کیا آپ نے مغافیر تناول فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے مغافیر تو نہیں کھایا البتہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد پیا تھا۔ اس کے بعد میں شہد نہیں پیوں گا۔ میں نے یہ قسم اٹھالی ہے تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا(5)۔ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ۔

یہ حدیث یہاں انہی الفاظ سے مروی ہے اور کتاب الایمان والنذور میں یہ روایت کچھ زیادتی کے ساتھ ہے۔ اس میں ہے کہ عورتوں سے مراد بھی سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں اور خاموشی سے بات کہنا بھی یہی تھا کہ میں نے شہد پیا ہے۔ کتاب الطلاق میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مغافیر گوند کی طرح ایک چیز ہے جو رمث نامی درخت میں ہوتی ہے۔ اس میں مٹھاس ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے أغفر الرمث: جب اس میں وہ چیز ظاہر ہو جائے۔ اس کا واحد مغفور ہے۔ مغافیر بھی

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 157
2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ تحریم، جلد 8، صفحہ 656، مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1100
3۔ سنن نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6، صفحہ 151، سنن کبریٰ کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 415
4۔ المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 86
5۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ تحریم، جلد 8، صفحہ 656

کہا جاتا ہے(1)۔

جوہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مغفور عُشَر، ثُمام، سَلَم اور طلح میں بھی ہوتی ہے۔ رِمْث یہ نمکین کڑوا درخت ہوتا ہے اسے اونٹ کھاتے ہیں اور عرفط کانٹے دار درخت ہے اس سے بھی مغفور حاصل ہوتی ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں کتاب الطلاق میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت ذکر فرمائی ہے۔ اس کے الفاظ وہی ہیں جو بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الأیمان والنذور میں ہیں(2)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الطلاق میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کو حلویٰ (میٹھی چیز) اور شہد پسند تھا۔ عصر کے بعد آپ ﷺ ازواج مطہرات کے پاس تشریف لاتے اور کسی سے ہم آغوش ہوتے۔ آپ ﷺ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہوئے۔ معمول سے کچھ زیادہ دیر ہوگئی۔ مجھے غیرت ہوئی۔ تحقیق کی تو پتہ چلا کہ ان کی قوم کی ایک عورت نے انہیں کچھ شہد ہدیہ کیا تھا۔ حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ حضور ﷺ کو پیش کیا آپ نے نوش فرمایا۔ میں نے کہا اللہ کی قسم میں کوئی حیلہ کروں گی۔ میں نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے طے کیا کہ جب سرکار ﷺ تمہارے پاس جلوہ فرما ہوں اور جب آپ تمہارے قریب آئیں تو تم کہنا کیا آپ نے مغافیر تناول فرمایا ہے۔ آپ ﷺ فرمائیں گے نہیں تو تم کہنا پھر آپ ﷺ کے منہ سے بو کس چیز کی آرہی ہے؟ آپ ﷺ فرمائیں گے حفصہ نے شہد پلایا ہے تو تم کہنا شاید مکھی نے عرفط نامی درخت سے کشید کیا ہوگا۔ میرے پاس آئیں گے تو میں بھی یہی کہوں گی۔ اے صفیہ تم بھی اسی طرح کہنا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ دروازے پر ہی آئے تھے تو میں نے ارادہ کیا کہ جو کچھ تم نے مجھے کہا ہے وہ آپ سے کہہ دوں، تمہارے ڈر کی وجہ سے۔ جب آپ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے قریب آئے تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ فرمایا: ''نہیں''۔ پوچھا کہ آپ کے منہ سے بو کس چیز کی آرہی ہے؟ فرمایا: حفصہ نے شہد پلایا تھا۔ عرض کیا شاید مکھی نے عرفط درخت سے چوسا ہوگا۔ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے انہوں نے بھی یہی کیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے بھی یہی کہا۔ جب اگلی بار حفصہ کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ کو اس سے پلا نہ دوں۔ آپ نے فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اللہ کی قسم افسوس ہم نے اسے حرام کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: خاموش رہ(3)۔ یہ الفاظ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ حضور ﷺ کو بدبو سے سخت نفرت تھی۔ اسی لئے ازواج مطہرات نے کہا آپ نے مغافیر کھایا ہے کیونکہ اس کی بساند ہوتی ہے۔ جب سرکار ﷺ نے فرمایا میں نے شہد پیا ہے تو انہوں نے جواب دیا پھر اس مکھی نے عرفط درخت کو چوسا ہوگا۔ جس کے گوند کا نام مغافیر ہے۔ اس کے اثر سے شہد میں بو ظاہر ہوگئی(4)۔ اس روایت میں لفظ جَرَسَتْ ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ مکھی نے کھایا۔ جرست النحل العرفط تجرس إذا أكلته۔ اسی نسبت سے شہد کی مکھیوں کو بھی جوارس کہتے ہیں۔ شاعر کا قول ہے:

تَظَلُّ عَلَى الثَّمْرَاءِ مِنْهَا جَوَارِسُ......

کہا جاتا ہے سَمِعْتُ جَرْسَ الطَّيْرِ جب پرندہ کوئی چیز کھا رہا ہو اور اس کی چونچ کی آواز سنائی دے۔

1۔ فتح الباری، کتاب الایمان والنذور، جلد 11، صفحہ 574، کتاب الطلاق، جلد 9، صفحہ 374

2۔ ایضاً مرجع مذکور، مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1100

3۔ فتح الباری، کتاب الطلاق، جلد 9، صفحہ 375-374

4۔ مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1102-1101

حدیث شریف میں ہے: ''فیسمعون جَرَسَ طَیْرِ الجنة''۔ وہ جنتی پرندوں کی ہلکی آوازیں سنیں گے۔ اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں شعبہ کی مجلس میں تھا انہوں نے لفظ جرس کو جرش یعنی شین کے ساتھ پڑھا۔ میں نے کہا سین کے ساتھ ہے۔ حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: ان سے اصلاح لو یہ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ الغرض اس سیاق کلام میں ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا شہد پلانے والی تھیں ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے شہد پلایا اور حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے یہ پلان تیار کیا۔ واللہ اعلم۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دو واقعات ہیں۔ اس میں کوئی بعد نہیں مگر ان واقعات کو آیت کے نزول کا سبب قرار دینا محل نظر ہے۔ واللہ اعلم۔ اس بات کی دلیل کہ باہمی اتفاق کرنے والیاں سیدہ عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں وہ روایت ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مجھے یہ اشتیاق تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ازواج مطہرات میں سے ان دو عورتوں کے بارے میں پوچھوں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا پس جب آپ حج کے لئے تشریف لے چلے تو میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ راستے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک جگہ ہمیں چھوڑ کر ایک طرف چلے۔ میں بھی لوٹا لئے پیچھے تھا۔ آپ ضروری حاجت سے فارغ ہوئے۔ میرے پاس آئے میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا آپ نے وضو فرمایا: اس وقت میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! ازواج مطہرات میں سے کن دو کے بارے میں یہ آیت ہے؟ آپ نے فرمایا اے ابن عباس! افسوس۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا سوال ناگوار گزرا لیکن آپ نے اسے چھپایا نہیں اور فرمایا حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما۔ پھر آپ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے واقعہ بیان کرنا شروع کیا کہ ہم قریش اپنی عورتوں کو قابو میں رکھتے تھے۔ جب ہم مدینہ آئے تو ہم نے ایسی قوم (انصار) کو دیکھا جن کی عورتیں ان پر حاوی تھیں۔ ان کی دیکھا دیکھی ہماری عورتوں نے بھی ہم پر غلبہ پانا چاہا۔ میرا گھر مدینہ شریف کے بالائی حصے (عوالی) میں دار بنی اُمیہ بن زید میں تھا۔ ایک دن مجھے اپنی عورت پر غصہ آ گیا تو یہ مجھ سے تکرار کرنے لگی۔ مجھے یہ بات بری لگی۔ انہوں نے کہا: میرے جواب دینے پر تعجب نہ کرو اللہ کی قسم حضور ﷺ کی ازواج بھی آپ سے بحث مباحثہ کرتی ہیں اور بعض اوقات دن بھر کے لئے ناراض بھی ہو جاتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نکلا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور پوچھا کیا تم حضور ﷺ کو جواب دیتی ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے پوچھا تم میں سے کوئی بھی سارا سارا دن حضور ﷺ سے روٹھ بھی جاتی ہے؟ اس نے جواب دیا یہ سچ ہے۔ میں نے کہا تم میں سے جس نے بھی یہ کیا ہے وہ خائب وخاسر ہے۔ تمہیں کیا یقین ہے کہ حضور ﷺ کے غصہ کی وجہ سے اللہ تم سے ناراض نہیں ہوگا اور تو ہلاک ہو جائے۔ خبردار آئندہ حضور ﷺ کو کوئی جواب نہ دینا اور نہ آپ سے کوئی چیز مانگنا۔ جو مانگنا ہو مجھ سے مانگ لیا کرو۔ تمہیں یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ تمہاری پڑوسن تم سے زیادہ خوبصورت یا حضور ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔ ان کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھی۔ فرمایا: میرا ایک انصاری پڑوسی تھا۔ ہم باری باری حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ایک دن وہ وہاں گزارتا اور ایک دن میں۔ وہ مجھے وحی وغیرہ تمام چیزیں آ کر بتا دیتا اور میں اسے۔ ان دنوں یہ بات گردش کر رہی تھی کہ غسانی بادشاہ اپنے گھوڑوں کو نعل لگوا رہا ہے تاکہ ہم پر حملہ آور ہو۔ ایک دن میرے ساتھی کی باری تھی۔ اس نے عشاء کے وقت میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور مجھے آواز دی۔ میں باہر نکلا تو اس نے کہا آج بڑی بات ہوگئی۔ میں نے پوچھا کیا غسانی بادشاہ آ گیا۔ اس نے کہا نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، حضور ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ میں نے کہا حفصہ خائب و خاسر ہوگئی۔ میں گمان کرتا تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ حتیٰ کہ جب میں نے صبح کی نماز ادا کی تو کپڑے لے کر باہر نکلا اور حفصہ کے پاس آیا۔ وہ

رو رہی تھی میں نے پوچھا کیا حضور ﷺ نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔ اس نے کہا مجھے علم نہیں وہ اس بالا خانے میں ہم سے الگ ہو کر تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ میں آپ کے غلام اسود کے پاس آیا اور کہا عمر کے لئے اجازت طلب کرو۔ وہ گیا تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا تو بتایا کہ میں نے آپ کا ذکر کیا لیکن حضور ﷺ خاموش رہے۔ میں وہاں سے چلا منبر کے پاس آیا وہاں کچھ صحابہ کرام بیٹھے تھے۔ بعض رو رہے تھے۔ میں وہاں تھوڑی دیر بیٹھا۔ لیکن مجھے چین نہ تھا میں دوبارہ غلام کے پاس آیا اور کہا عمر کے لئے اجازت طلب کرو۔ وہ گیا اور واپس آ کر بتایا کہ میں نے آپ کا ذکر کیا لیکن حضور ﷺ خاموش رہے۔ میں واپس آ کر دوبارہ منبر کے پاس بیٹھ گیا۔ میں پھر پریشانی کے عالم میں اٹھا اور غلام سے کہا عمر کے لئے اجازت طلب کرو۔ غلام گیا اور واپس آ کر پہلا جواب دیا۔ میں واپس جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ غلام نے مجھے آواز دی تشریف لائیے آپ کو اجازت مل گئی ہے۔ چنانچہ میں اندر داخل ہوا حضور ﷺ کو سلام کیا آپ ننگے بوریئے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ بوریئے کے نشانات آپ ﷺ کے جسم اقدس پر ظاہر تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا اللہ اکبر! یا رسول اللہ ﷺ! ہم قریش اپنی بیویوں کو تابع فرمان بنا کر رکھتے تھے۔ جب ہم مدینہ آئے تو اس قوم کی عورتیں ان پر غالب پائیں۔ چنانچہ ہماری عورتوں نے بھی ان سے سیکھنا شروع کر دیا۔ میں ایک دن اپنی عورت کو ناراض ہوا تو یہ مجھے جواب دینے لگی میں نے یہ بات محسوس کی تو اس نے کہا تعجب نہ کرو۔ بخدا حضور ﷺ کی عورتیں بھی آپ سے مراجعہ کرتی ہیں اور دن بھر کے لئے ناراض بھی ہو جاتی ہیں۔ میں نے کہا تم میں سے جو بھی ایسا کرتی ہے وہ خائب و خاسر ہے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات سے بے خوف ہے کہ اللہ کے رسول کے غضب کی وجہ سے اس پر اللہ کا غضب ہو اگر ایسا ہوا تو وہ ہلاک ہو گئی۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر تبسم فرمایا: میں نے عرض کیا پھر میں حفصہ کے پاس گیا اور اسے سمجھایا کہ تمہیں یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ تمہاری پڑوسن زیادہ خوبصورت اور اللہ کے نبی کو زیادہ محبوب ہے۔ آپ ﷺ یہ بات سن کر دوبارہ مسکرائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ کو خوش کرنے کے لئے تھوڑی دیر مزید بیٹھ سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ چنانچہ میں بیٹھ گیا۔ میں نے گھر میں ادھر ادھر نظر دوڑائی تو مجھے سوائے تین خشک کھالوں کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! دعا فرمائیے اللہ آپ کی امت کو فراخی عطا فرمائے۔ رومی اور ایرانی جو اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے وہ خوشحال ہیں۔ یہ سن کر آپ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: ''اے ابن خطاب! کیا تم شک میں مبتلا ہو؟ اس قوم کی نیکیاں انہیں پیشگی دنیا میں ہی دے دی گئی ہیں''۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے لئے استغفار فرمائیے۔ آپ نے بوجہ ناراضگی یہ قسم اٹھائی تھی کہ مہینہ بھر اپنی بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے۔ حتیٰ کہ اللہ نے آپ پر عتاب فرمایا۔ بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے بطریق زہری رحمۃ اللہ علیہ روایت کیا ہے(1)۔ شیخین نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سال بھر اسی امید میں گزر گیا کہ میں آپ سے دریافت کرلوں گا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت کی وجہ سے ہمت نہیں پڑتی تھی یہاں تک کہ حج سے واپسی پر پوچھا...... الحدیث (جس طرح اوپر بیان ہو چکا ہے)(2)۔

1۔ فتح الباری، کتاب العلم، جلد 1، صفحہ 185، کتاب المظالم، جلد 5، صفحہ 116-114، کتاب النکاح، جلد 9، صفحہ 279-278 مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1113-1111، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ تحریم، جلد 12، صفحہ 216-208 نسائی، کتاب الصوم، جلد 4، جلد 138-137، سنن کبریٰ، عشرۃ النساء، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 8، صفحہ 47

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ تحریم، جلد 8، صفحہ 658، کتاب النکاح، جلد 9، صفحہ 317، کتاب اللباس، جلد 10، صفحہ 302-301، مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1111-1108

مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ پردہ کی آیتیں اترنے سے قبل کا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر سیدہ حفصہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما دونوں کو سمجھا کر آئے تھے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ وہ غلام جو ڈیوڑھی پر موجود تھے حضرت رباح رضی اللہ عنہ تھے۔ اور یہ بھی ہے کہ حضرت عمر نے عرض کی: آپ ازواج کے بارے میں مشقت میں کیوں پڑتے ہیں؟ اگر آپ انہیں طلاق بھی دے دیں تو آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، جبریل، میکائیل، میں، ابوبکر اور جملہ مؤمنین ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جو بات بھی کہتا الحمد للہ مجھے یہ امید لگی رہتی کہ اللہ میری بات کی تصدیق فرمائے گا۔ چنانچہ آیت تخییر نازل ہوئی۔ عَسٰی رَبُّهٗۤ ...... وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ ...... میں نے پوچھا کیا آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے آپ نے فرمایا نہیں۔ تو میں نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر باآواز بلند یہ ندا دی کہ حضور ﷺ نے انہیں طلاق نہیں دی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (نساء: 83) اور میں نے ہی اس امر کا استنباط کیا (1)۔ سعید بن جبیر، عکرمہ، مقاتل بن حیان اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔

وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ سے مراد ابوبکر و عمر ہیں۔ حسن بصری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا ہے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن جعفر بن محمد بن حسین سے روایت کیا ہے۔ مجھے ایک ثقہ آدمی نے بتایا ہے جو اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک مرفوع قرار دیتے تھے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس آیت کا مصداق حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کی اسناد ضعیف ہے اور یہ بہت منکر ہے (2)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: حضور ﷺ کی بیویاں غیرت میں آگئیں تو میں نے انہیں کہا اگر حضور تمہیں طلاق دے دیں گے تو اللہ آپ کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرمائے گا تو یہ آیت نازل ہوئی (3)۔

اس بات کا تذکرہ ہو چکا ہے کہ متعدد آیات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت و تائید میں نازل ہوئیں۔ جیسے پردے کا حکم، اسیران بدر کا حکم، مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (4)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ جب مجھے امہات المؤمنین کی اس رنجش کی خبر ملی تو میں ان کے پاس گیا اور ہر ایک کو یہی بات کہتا رہا جب آخری ام المؤمنین کے پاس گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں نصیحت کرنے کے لئے حضور کیا کم ہیں کہ تمہیں ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ میں خاموش ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جواب دینے والی ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر میں حضور ﷺ کو ماریہ سے ہم آغوش دیکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا تم عائشہ کو نہ بتانا۔ میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تیرا باپ ابوبکر کے بعد خلیفہ ہوگا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا مجھے علیم و خبیر خدا نے اس کی خبر دی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں آپ کی طرف نہیں دیکھوں گی یہاں تک کہ

1۔ مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1108-1105 2۔ الجرح والتعدیل، جلد 7، صفحہ 220 3۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ تحریم، جلد 8، صفحہ 660

4۔ یہ حدیث تفسیر سورۃ بقرۃ آیت: 125، سورۂ نساء آیت: 83، سورۂ انفال آیت: 67، 10، 9، سورۂ مومنون آیت: 14 اور سورۂ احزاب آیت: 15 میں گزر چکی ہے۔

آپ ماریہ کو اپنے اوپر حرام کرلیں۔ آپ نے اسے حرام کرلیا تو یہ آیت نازل ہوئی(1)۔ اس کی اسناد محل نظر ہے۔ ان آیات کریمہ کی جو تفسیر ہم نے ذکر کی ہے، اس سے یہ بات ظاہر ہے۔

مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ کا مفہوم واضح ہے۔

سٰٓئِحٰتٍ روزہ رکھنے والیاں۔ حضرت ابوہریرہ، عائشہ، ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، سعید بن جبیر، عطاء، محمد بن کعب قرظی، ابوعبدالرحمٰن سلمی، ابومالک، ابراہیم نخعی، حسن، قتادہ، ضحاک، ربیع بن انس اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ آیہ کریمہ (السائحون) کے تحت سورۂ براءت میں ایک حدیث گزر چکی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: سیاحۃ ھذہ الأمۃ الصیام(2)۔ اس امت کی سیر وسیاحت روزے رکھنے میں ہے۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ اوران کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کا قول ہے کہ اس سے مراد ہجرت کرنے والیاں ہیں۔ لیکن پہلا قول ہی اولیٰ ہے واللہ اعلم۔

ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْکَارًا یعنی ان میں سے کچھ ثیبہ اور کچھ باکرہ ہیں تاکہ دلی میلان زیادہ ہو۔ تنوع نفس کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔

ابن بُریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ نے اپنے نبی سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کا نکاح ہوگا۔ ثیبہ سے مراد آسیہ زوجہ فرعون اور کنواری سے مراد حضرت مریم بنت عمران علیہما السلام ہیں(3)۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مریم علیہا السلام کے حالات میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جبریل حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پاس سے گزریں تو جبریل نے فرمایا: اللہ انہیں سلام کہتا ہے اور جنت میں ایک گھر کی خوشخبری دیتا ہے۔ یہ خولدار موتی کا ہے۔ وہاں گرمی نہیں ہے۔ اس میں نہ شور ہوگا اور نہ تکان اور درماندگی۔ یہ سوراخ والے موتی کا بنا ہوا ہے۔ مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم کے گھروں کے درمیان۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف فرما ہوئے یہ نزع کے عالم میں تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے خدیجہ اپنی سوکنوں سے ملو تو انہیں میرا سلام کہنا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا مجھ سے پہلے بھی آپ ﷺ نے کسی سے نکاح فرمایا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں لیکن اللہ نے مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون اور کلثم اخت موسیٰ میرے نکاح میں دے رکھی ہیں۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو اللہ نے جنت میں میرا نکاح مریم بنت عمران، کلثم اخت موسیٰ اور آسیہ زوجہ فرعون سے کردیا ہے۔'' میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ کو مبارک ہو(4)۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مرسلاً بھی ذکر کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

1۔ المعجم الکبیر، جلد 12، صفحہ 117
2۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ توبہ آیت: 112 میں گزر چکی ہے
3۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 225
4۔ المعجم الکبیر، جلد 8، صفحہ 309

اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

''اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو سخت مزاج ہیں۔ نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجا لاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے۔ اے کفار! آج بہانہ نہ بناؤ۔ تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو (کرتوت) تم کیا کرتے تھے۔ اے ایمان والو! اللہ کی جناب میں سچے دل سے توبہ کرو۔ امید ہے تمہارا رب دور کردے گا تم سے تمہاری برائیاں اور تمہیں داخل کرے گا ایسے باغات میں جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ (اپنے) نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے۔ (اس روز) ان کا نور ایمان دوڑتا ہوگا ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب، وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! مکمل فرمادے ہمارے لئے ہمارا نور اور بخش دے ہمیں۔ بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے''۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اپنی اولادوں کو ادب اور علم سکھاؤ۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو۔ معاصی سے بچو، اپنے گھر والوں کو ذکر کا حکم دو وہ تمہیں آگ سے بچالے گا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اللہ سے تقویٰ کی وصیت کرو۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے انہیں اللہ کی اطاعت کا حکم دیں اور اس کی معصیت سے منع کریں۔ اللہ کے حکم سے ان کی خبرگیری کریں اور ان کی امداد کریں اور اگر اللہ کی کوئی معصیت ان میں دیکھیں تو انہیں ڈانٹیں(1)۔ ضحاک اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ہر مسلمان کا یہ حق ہے کہ اپنے رشتے داروں، لونڈیوں اور غلاموں کو اللہ کے فرائض پر عمل کرنے اور نواہی سے بچنے کی تعلیم دیتا رہے۔ اس حدیث کے ہم معنی حدیث کو احمد، ابوداؤد اور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بچوں کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں نماز کا حکم دو اور دس سال کے ہو جائیں تو سستی کرنے پر انہیں مارو۔ یہ الفاظ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے(2)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عمرو بن شعیب عن جدہ والی روایت سے بھی بیان کیا ہے(3)۔

فقہاء کا کہنا ہے کہ روزے کا بھی یہی حکم ہے تاکہ اسے عبادت کی مشق ہو جائے تاکہ جب وہ بالغ ہو تو عبادت، اطاعت، معصیت سے بچنے اور ترک منکر کا عادی ہو چکا ہو۔ واللہ الموفق۔

قولہ تعالیٰ وَقُوْدُهَا النَّاسُ یعنی اس کی لکڑیاں اور ایندھن بنو آدم کے اجسام ہوں گے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 166-165

2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 404، سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 133، عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 199-198

3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 167

وَالْحِجَارَۃُ ایک قول ہے کہ اس سے مراد بت ہیں جن کی پوجا کی جاتی تھی۔ ایک اور آیت میں ہے: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (انبیاء:98)۔ ابن مسعود، مجاہد، ابوجعفر باقر اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ گندھک کے پتھر ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ از حد بدبودار۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالعزیز ابن ابی داؤد سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ آپ ﷺ کے بعض صحابہ بھی موجود تھے ان میں ایک شیخ بھی تھے۔ شیخ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا جہنم کے پتھر دنیا کے پتھروں کی طرح ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جہنم کی ایک چٹان دنیا بھر کے تمام پہاڑوں سے بڑی ہے۔ یہ سن کر شیخ (بوڑھا) بے ہوش ہو کر گرا۔ حضور ﷺ نے اس کے دل پر ہاتھ رکھا ابھی وہ حرکت کر رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے شیخ کہہ "لا الہ الا اللہ"۔ اس نے یہ کلمہ پڑھا تو آپ ﷺ نے اسے جنت کی خوشخبری دی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ہم سب کے درمیان صرف اسے ہی خوشخبری ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ذٰلك لمن خاف مقامي وخاف وعيد۔ یہ حدیث مرسل غریب ہے۔

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ ان کی طبیعتیں بہت سخت ہیں۔ ان کے دلوں سے کفار کے لئے رحمت کے جذبات ختم کر دیئے گئے ہیں۔ تندخو۔

شِدَادٌ ان کی جسمانی ترکیب از حد سخت اور ہیئت کذائی تکلیف دہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ جب اہل نار کا پہلا جتھا دوزخ کے دروازے پر پہنچے گا تو کیا دیکھے گا کہ جہنم کے دروازے پر چار لاکھ داروغے تیار کھڑے ہیں۔ ان کے چہرے سخت سیاہ کچلیاں باہر کو نکلی ہوئی ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں سے رحم چھین لیا ہے ان میں سے کسی کے دل میں ذرہ بھر بھی رحم نہیں ہے اگر کوئی پرندہ اڑ کر ان کے ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک پہنچنا چاہے تو اسے دو ماہ کی پرواز کرنا پڑے۔ پھر وہ دروازے پر انیس فرشتے دیکھیں گے ان میں سے ایک کے سینے کی چوڑائی ستر خریف کی مسافت ہے۔ پھر وہ ایک دروازے سے دوسرے دروازے کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے۔ پانچ سو سال کے بعد دوسرے دروازے تک پہنچنے میں لگیں گے۔ وہاں بھی اتنے اور اسی طرح کے فرشتوں کو موجود پائیں گے۔ اسی طرح ہر دروازے پر۔

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ یعنی انہیں جو حکم بھی دیا جائے وہ اسے بجالانے میں جلدی کرتے ہیں اور پلک جھپکنے کے برابر بھی تاخیر نہیں کرتے۔ وہ اس کام کے کرنے پر قادر ہیں۔ عاجز نہیں یہ دوزخ کے داروغے ہیں۔ اللہ ان سے بچائے!

لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ...... یعنی روز قیامت کفار سے کہا جائے گا آج عذر مجبوریاں مت پیش کرو آج کوئی بہانہ قابل قبول نہیں۔ آج تمہیں وہی جزا ملے گی جو تم کرتے تھے۔ آج تمہیں تمہارے اعمال کی سزا ہی ملے گی۔

تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا یعنی سچی یقینی توبہ جو ماقبل گناہوں کو مٹا دے اور آئندہ گناہوں سے روک دے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ آپ نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا گناہ گار سے گناہ سرزد ہو لیکن ایسا پھر نہ کرے۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ انسان گناہ سے توبہ کرے پھر دوبارہ یہ گناہ نہ کرے یا دوبارہ گناہ کا ارادہ

نہ ہو(1)۔ ابوالأ حوص وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا توبہ نصوح کیا ہے؟ فرمایا آدمی برائی سے تائب ہو کر پھر کبھی یہ کام نہ کرے۔ اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ توبہ کر لے پھر یہ کام اس سے صادر نہ ہو۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی اسی طرح ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: گناہ سے توبہ یہ ہے کہ توبہ کرے اور پھر یہ گناہ نہ کرے(2)۔ لیکن یہ حدیث ضعیف اور ٹھیک یہی ہے کہ یہ موقوف ہے واللہ اعلم۔ اسی بناء پر علماء نے کہا ہے کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ فی الفور گناہ سے تائب ہو جائے۔ ماضی میں جو کچھ ہو چکا ہے اس پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے ایسا نہ کرنے کا پختہ عزم ہو۔ پھر اگر کسی آدمی کا حق دینا آتا ہے تو وہ باقاعدہ ادا کرے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور پوچھا کیا تم نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ندامت توبہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے(3)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ ہمیں کچھ چیزیں بتائی گئیں جو قیامت کے قریب اس امت کے لوگ کریں گے۔ ان میں سے ایک یہ کہ انسان اپنی بیوی یا لونڈی سے دبر (پاخانہ کے مقام) میں مباشرت کرے گا۔ حالانکہ اللہ اور اس کے رسول نے اسے حرام کر دیا ہے اور اسے ناپسند کیا ہے۔ یعنی یہ اس پر اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی کا باعث ہے۔ اسی طرح مرد مرد سے بدفعلی کرے گا۔ اسے بھی اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے اور یہ ان کی ناراضگی کا باعث ہے۔ اسی سے عورت کا عورت سے ہم جنس پرستی کرنا ہے اسے بھی اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے اور یہ ان کی ناراضگی کا سبب ہے۔ جب تک وہ یہ کام کرتے رہیں ان کی کوئی نماز مقبول نہیں تا آنکہ اللہ سے صدق دل سے توبہ نہ کریں۔ زر کہتے ہیں میں نے ابی بن کعب سے پوچھا توبہ نصوح کیا ہے؟ فرمایا میں نے حضور ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تھا آپ ﷺ نے فرمایا: ''گناہ پر توبہ کرنا جب تم سے کوتاہی ہو جائے تو فی الفور ندامت کے ساتھ اللہ سے استغفار کر۔ پھر کبھی اس کی طرف مائل نہ ہونا''(4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ گناہ سے اسی طرح نفرت کرے جیسے اسے پسند کرتا تھا اور جب وہ گناہ یاد آئے تو استغفار کرے۔ جب صمیم قلب سے توبہ کرے گا تو وہ سابقہ خطاؤں کو ختم کر دے گی جس طرح کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اسلام قبول کرنا پہلے کی تمام خطائیں ختم کر دیتا ہے اور توبہ گزشتہ تمام گناہوں کو ختم کر دیتی ہے(5)۔

کیا توبہ نصوح کی شرط یہ ہے کہ انسان پھر مرتے دم تک اس گناہ کو نہ کرے جس طرح کہ مذکورہ حدیث اور اثر میں ہے کہ دوبارہ اس گناہ کو نہ کرے یا یہ گناہ نہ کرنے کا عزم راسخ ماضی کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اس طرح کہ اگر بتقاضائے بشریت دوبارہ اس سے یہ گناہ سرزد ہو گیا تو سابقہ گناہوں کے کفارہ میں کوئی فرق نہیں پڑے گا جس طرح کہ حدیث کے عموم سے بھی ثابت ہوتا ہے: ''توبہ ماقبل گناہوں کو معدوم کر دیتی ہے؟'' بس پہلی بات کی دلیل تو یہ صحیح حدیث ہے: ''جو شخص اسلام میں حسن عمل رکھتا ہو جاہلیت کے اعمال کا مؤاخذہ اس سے نہیں ہوگا اور جس نے اسلام میں برائی کی، جاہلیت اور اسلام دونوں کی برائیوں کا اس سے مؤاخذہ ہوگا(6)۔ پس اسلام جو کہ توبہ سے

1۔ حاکم: مستدرک، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 495، تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 167، درمنثور، جلد 8، صفحہ 227

2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 449 3۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 376، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1420 4۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 227

5۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ انفال آیت: 38 میں گزر چکی ہے۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 199، 204، 205، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 112

6۔ فتح الباری، کتاب استتابۃ المرتدین، جلد 12، صفحہ 265، مسلم، کتاب ایمان، جلد 1، صفحہ 111 نیز یہ حدیث تفسیر سورۂ انفال آیت: 38 میں گزر چکی ہے۔

بڑھ کر ہے اس میں مؤاخذہ ہے تو توبہ کے بعد تو بطریق اولیٰ ہونا چاہئے واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ، عسی کی نسبت جب اللہ کی طرف ہو تو یہ تحقیق اور یقین کا فائدہ دیتا ہے۔

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ...... یعنی قیامت کے روز اپنے نبی کے سامنے انہیں رسوانہیں کرے گا۔

نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ...... جس طرح کہ سورۂ حدید میں گزرا ہے (1)۔ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَاۚ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ مجاہد، ضحاک، حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کا قول ہے کہ قیامت کے روز جب منافقوں کا نور بجھ جائے گا تو یہ صورت حال دیکھ کر مؤمن اس طرح کہیں گے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بنو کنانہ کے ایک آدمی سے روایت کیا ہے میں نے عام الفتح میں حضور ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی اور آپ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''اے اللہ! قیامت کے دن مجھے رسوا نہ کرنا'' (2)۔ محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر اور ابودرداء رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدے کی اجازت دی جائے گی اور مجھے ہی سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھانے کا حکم ہوگا۔ میں اپنے سامنے اور دائیں بائیں نظر ڈال کر اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ ایک آدمی نے عرض کیا آپ ﷺ اتنی امتوں کے درمیان اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے اعضاء وضو درخشاں ہوں گے جبکہ اور کسی امت میں یہ خصوصیت نہ ہوگی۔ میں انہیں اس نشانی سے بھی پہچان لوں گا کہ انہیں ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور میں انہیں پیشانی پر سجدوں کے نشانات سے پہچانوں گا اور ان کے نور سے انہیں پہچان لوں گا۔ جو ان کے آگے آگے ہوگا (3)۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝٩ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـا وَّ قِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ۝١٠

''اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سختی کرو۔ اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ لوٹ کر آنے کی بہت بری جگہ ہے۔ بیان فرمائی ہے اللہ نے کفار کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال۔ وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پھر ان دونوں نے ان دونوں سے خیانت کی۔ پس وہ دونوں (نبی ان کے شوہر) اللہ کے مقابلہ میں انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے اور انہیں حکم ملا تم دونوں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم فرما رہا ہے کہ کفار اور منافقین سے جہاد کریں۔ کفار سے اسلحہ اور لڑائی سے اور منافقین پر حدود قائم کرنے کے ساتھ ان پر سختی کریں یعنی دنیا میں۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ حدید آیت: 28 2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 134 3۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ اسراء آیت: 79 میں گزر چکی ہے

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا یعنی مسلمانوں سے خلط ملط ہونا اوران سے میل جول انہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا اگران کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن نہ ہو۔

امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ......رات دن ہر وقت نبیوں کی صحبت میں رہنے والی تھیں۔ ان کے ساتھ کھانے پینے والیاں تھیں ان کا میل جول ان کے ساتھ بہت زیادہ تھا۔

فَخَانَتٰهُمَا یعنی ایمان میں۔ ان دونوں نے ایمان میں ان سے موافقت نہ کی اوران کی رسالت کی تصدیق نہ کی۔ چنانچہ پیغمبروں کی بیویاں ہونے نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔ چنانچہ فرمایا: فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا یعنی ان کے کفر کی وجہ سے۔

قِیْلَ ان دونوں عورتوں سے کہا گیا۔

خیانت سے مراد بدکاری نہیں بلکہ ایمان قبول نہ کرنا ہے کیونکہ ہر نبی کی بیوی اس عیب سے پاک ہوتی ہے اور گناہ میں پڑنے سے معصوم ہوتی ہیں انبیاء کی حرمت کی وجہ سے جس طرح کہ سورۂ نور میں گزر چکا ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے سلیمان بن قرم سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس آیت کی تفسیر ارشاد فرماتے سنا آپ نے فرمایا: ان دونوں نے زنا نہیں کیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ آپ کو مجنون اور دیوانہ کہتی۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ آپ کے مہمانوں کی آمد کی اطلاع اپنی قوم کو دے دیتی(1)۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کی خیانت یہ تھی کہ وہ دونوں کافرہ تھیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی آپ کے راز افشاء کر دیا کرتی۔ جب کوئی شخص حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لاتا تو وہ اپنی قوم کے ظالموں کو باخبر کر دیتی۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی آپ کے دشمنوں کی آلہ کار بنی ہوئی تھی۔ جب بھی آپ کے ہاں کوئی مہمان آتا وہ اپنی قوم کے بے غیرت اور بدمعاش افراد کو باخبر کر دیتی(2)۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی حرام کاری نہیں کی۔ خیانت سے مراد خیانت فی الدین ہے۔ عکرمہ، سعید بن جبیر اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے یہی کہا ہے۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے کہا ہے کہ عام لوگوں کی زبانوں پر جو حدیث ہے وہ ضعیف ہے اس میں ہے: ''جو کسی ایسے شخص کے ساتھ کھائے جو بخشا ہوا ہے تو اسے بھی بخش دیا جاتا ہے۔'' اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ ہاں کسی بزرگ سے مروی ہے کہ انہوں نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی تو آپ سے استفسار کیا کیا یہ آپ کا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ لیکن اب میں کہتا ہوں۔

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۱﴾ وَ مَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ ﴿۱۲﴾

1۔ مستدرک، جلد 2 صفحہ 496، طبری، جلد 28 صفحہ 170-169، درمنثور، جلد 8 صفحہ 228

2۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 170

"اور اسی طرح اللہ نے اہل ایمان کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال پیش فرمائی۔ جبکہ اس نے دعا مانگی اے میرے رب! بنا دے میرے لئے اپنے پاس ایک گھر جنت میں اور بچالے مجھے فرعون سے اور اس کے (کافرانہ) عمل سے اور مجھے اس ستم پیشہ قوم سے نجات دے۔ اور (دوسری مثال) مریم دختر عمران کی ہے جس نے اپنے گوہر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے پھونک دی اس کے اندر اپنی طرف سے روح اور مریم نے تصدیق کی اپنے رب کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی اور وہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے تھی۔"

اللہ تعالیٰ مومنین کے لئے مثال بیان فرمار ہا ہے کہ بوقت ضرورت کفار سے میل ملاپ سے انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ جیسے ایک اور جگہ فرمایا: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ...... اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً (عمران: 28)۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فرعون روئے زمین پر سب سے زیادہ سرکش اور حد سے بڑھ کر کفر کرنے والا تھا۔ خاوند کے کفر نے اس کی بیوی کو کوئی گزند نہ پہنچایا اور وہ اپنے رب کی اطاعت گزار رہی۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ حاکم عادل ہے۔ وہ کسی کو نہیں پکڑتا مگر اس کے گناہ کے سبب۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے سلمان سے روایت کیا ہے کہ زوجہ فرعون کو دھوپ میں کھڑا کر کے تکلیف دی جاتی لیکن فرشتے ان پر اپنے پروں سے سایہ کر لیتے اور وہ جنت میں اپنا گھر دیکھتی رہتیں (1)۔ ایک دوسری روایت میں بھی یہی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابو بزہ سے روایت کیا ہے کہ فرعون کی عورت پوچھتی رہتی کون غالب رہا۔ ہر مرتبہ یہ کہا جاتا: موسیٰ اور ہارون غالب رہے تو آپ فرماتی تھیں میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لائی۔ فرعون کو جب یہ علم ہوا تو اس نے حکم دیا جو بڑی سے بڑی چٹان تمہیں ملے اسے اس کے پاس لے جاؤ۔ اگر یہ اپنی بات پر اڑی رہے تو وہ چٹان اس پر گرا دو۔ اگر اپنی بات سے باز آ جائے تو یہ میری بیوی ہے۔ جب وہ لوگ انہیں لے گئے تو آپ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی تو جنت میں اپنا گھر نظر آیا۔ چنانچہ آپ ایمان پر ثابت قدم رہیں اور آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ جب چٹان گری اس وقت جسم میں روح تھی ہی نہیں۔ بے جان لاشے پر وہ پتھر گرا۔

رَبِّ ابْنِ لِيْ...... علماء کا قول ہے کہ دار سے قبل جوار (پڑوس) قدس اختیار کیا۔ اس واقعہ میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے۔

نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ مجھے خلاصی عطا فرما۔ میں اس کے عمل سے براءت کا اظہار کرتی ہوں۔

وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ یہ عورت آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا تھی۔ ابو جعفر رازی نے ابو العالیہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ فرعون کی بیوی کے ایمان کا سبب فرعون کے خازن کی بیوی کا ایمان بنا۔ وہ ایک روز فرعون کی بیٹی کی کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی اس نے کہا اللہ کے ساتھ کفر کرنے والے برباد ہوں۔ بنت فرعون نے پوچھا کیا میرے باپ کے سوا بھی تیرا کوئی رب ہے؟ اس نے جواباً کہا: میرا، تیرے باپ کا اور ہر چیز کا رب اللہ ہے۔ بنت فرعون نے اسے طمانچہ مارا۔ اسے خوب سزا دی اور اپنے باپ کو خبر کر دی۔ فرعون نے اسے بلا کر پوچھا کیا تو میرے سوا کسی اور کی پوجا کرتی ہے؟ اس نے کہا ہاں میرا، تیرا اور ہر چیز کا رب اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اور میں اسی کی عبادت کرتی ہوں۔ فرعون نے اسے عذاب دیا۔ اس نے میخیں گڑوائیں۔ ان سے اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے اور اس پر سانپ چھوڑ دیئے۔ اگلے دن تک اسی طرح پڑی رہی۔ پھر اس سے پوچھا باز آؤ گی۔ اس نے پھر توحید کا اعلان کر دیا اور کہا میرا، تیرا

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 171

اور ساری مخلوق کا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ فرعون نے دھمکی دی کہ میں تیرے بیٹے کو تیری آنکھوں کے سامنے ذبح کردوں گا۔ اس نے جواب دیا جو کر سکتا ہے کر گزر۔ اس نے اس کے سامنے اس کے بیٹے کو ذبح کر دیا۔ بچے کی روح نے ماں کو بشارت دی کہ اے ماں اللہ کے ہاں تیرے لئے بڑے بڑے ثواب تیار کئے گئے ہیں۔ چنانچہ اس نے صبر کیا۔ اگلے دن فرعون آیا۔ اس نے وہی مطالبہ دہرایا۔ اس عورت نے وہی جواب دیا۔ اس نے اس کے دوسرے بیٹے کو ذبح کر دیا۔ اس کی روح نے بھی اپنی ماں کو بشارت دی اور کہا اے ماں صبر کرنا۔ اللہ کے ہاں تیرے لئے بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ فرعون کی بیوی نے دونوں بچوں کی ارواح کی بشارت سن لی۔ فرعون کی بیوی ایمان لے آئی اور خازن فرعون کی بیوی کی روح پرواز کر گئی۔ جنت میں اس کے مراتب عالیہ زوجہ فرعون کو دکھائے گئے۔ یہ چیز اس کے ایمان، یقین اور تصدیق میں اضافہ کا باعث بنی۔ اللہ نے فرعون کو اس کے ایمان سے مطلع فرما دیا۔ اس نے اپنے درباریوں سے پوچھا تمہیں میری بیوی کی کچھ خبر ہے؟ ان سب نے تعریف کی۔ اس نے انہیں بتایا کہ وہ میرے سوا کسی دوسرے پروردگار کی پوجا کرتی ہے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ میخیں گاڑی گئیں اور ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا گیا۔ آسیہ نے اپنے رب سے دعا کی اے رب! اپنے جوار قدس میں میرے لئے جنت میں گھر بنا دے۔ اس وقت فرعون سن رہا تھا۔ آسیہ نے جنت میں جب اپنا گھر دیکھا تو ہنس دیں۔ فرعون نے کہا اس پاگل کو دیکھو ہم اسے عذاب دے رہے ہیں اور یہ ہنس رہی ہے چنانچہ ان کی روح پرواز کر گئی۔

قولہ تعالیٰ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا یعنی حفاظت کی اور اسے بچایا۔ احصان پاکدامنی اور آزادی کو کہتے ہیں۔

فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا یعنی فرشتے کے واسطے سے اور وہ جبریل ہے اللہ نے ایک بشر کی صورت میں اسے ان کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ ان کے گریبان میں پھونک ماریں۔ اسی سے حمل ٹھہر گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ یعنی اس کی تقدیر اور شرع۔

وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے زمین پر چار خطوط کھینچے اور فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ سب نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون ہیں (1)۔ صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مردوں میں سے تو بہت سے کامل ہوئے ہیں جبکہ عورتوں میں سے کامل عورتیں صرف آسیہ زوجہ فرعون، مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد ہیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی فضیلت دیگر عورتوں پر ایسے ہے جیسے ثرید کی فضیلت دیگر کھانوں پر (2)۔

ہم نے ان احادیث کے طرق، الفاظ، ان پر گفتگو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بیان میں اپنی کتاب "البداية والنهاية" میں ذکر کئے ہیں (3)۔ وللہ الحمد والمنۃ۔ اسی سورت کی آیت (ثيبٰت و أبكارا) کے تحت یہ ذکر کیا ہے کہ مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم جنت میں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے ہوں گی۔

سورۂ تحریم کی تفسیر ختم ہوگی۔ وللہ الحمد والمنۃ

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 293 2۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ آل عمران آیت: 42 میں گزر چکی ہے

3۔ البداية والنهاية، جلد 2، صفحہ 52، جلد 30 صفحہ 128-127، جلد 8، صفحہ 94

سورۂ ملک (مکیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن کریم میں تیس آیات پر مشتمل ایک ایسی سورت ہے جو اپنے قاری کی شفاعت کرے گی یہاں تک کہ اسے بخش دیا جائے، وہ سورت ہے: تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ (1)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے(2)۔

تاریخ ابن عساکر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص فوت ہو گیا۔ اس کے پاس کتاب اللہ میں سے سوائے سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِيْ کے کوئی اور چیز نہ تھی۔ جب اسے قبر میں دفن کر دیا گیا اور فرشتہ اس کے پاس آ گیا تو یہ سورت اس کے سامنے (مدد کو) آ پہنچی۔ فرشتے نے سورت سے کہا کہ تو بلا شبہ کتاب اللہ میں سے ہے، میں تمہیں ناراض نہیں کرنا چاہتا لیکن بات یہ ہے کہ نہ میں تمہارے کسی نفع ونقصان کا مالک ہوں اور نہ اس شخص کے لئے بلکہ مجھے تو اپنی ذات کے لئے بھی کوئی اختیار نہیں۔ اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس کے لئے شفاعت کرو۔ چنانچہ یہ سورت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہے: اے پروردگار! فلاں شخص نے تیری کتاب کا قصد کیا، مجھے سیکھا اور میری تلاوت کی، کیا اب جبکہ میں اس کے سینے میں محفوظ ہوں، تو اسے آگ میں جلا کر عذاب دے گا؟ اگر ایسا کرنا ہی ہے تو مجھے اپنی کتاب سے محو کر دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تو بہت غضبناک دکھائی دیتی ہے؟ وہ کہتی ہے مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں اپنی ناراضگی کا اظہار کروں۔ ارشاد ہوتا ہے: ''جاؤ، میں نے یہ شخص تمہیں دے دیا اور اس کے متعلق تمہاری سفارش قبول کر لی۔ چنانچہ یہ سورت آتی ہے اور فرشتے کو وہاں سے ہٹا دیتی ہے تو وہ میت سے باز پرس کئے بغیر چلا جاتا ہے پھر یہ اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ کر کہتی ہے کہ اس منہ کو خوش آمدید جس نے میری تلاوت کی اور اس سینہ کو مرحبا جس نے مجھے اپنے اندر محفوظ رکھا اور ان قدموں کو صد مبارک جن پر کھڑے ہو کر یہ قیام میں مجھے پڑھا کرتا تھا اور یہ سورت قبر میں اس کی وحشت کو دور کرنے کے لئے اس کی مونس بن جاتی ہے۔'' جونہی رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کو بیان کیا، ہر چھوٹے بڑے، آزاد اور غلام نے اس سورت کو سیکھ لیا۔ آپ ﷺ نے اس کا نام مُنْجِيَة (نجات دلانے والی) رکھا(3)۔ لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ یہ حدیث بہت ہی منکر ہے۔ اس کے راوی فرات بن سائب کو امام احمد، یحییٰ بن معین، امام بخاری، ابوحاتم، دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے اسے اختصار کے ساتھ ذکر کر کے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول بتایا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''اثبات عذاب القبر'' میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسے مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح بیان کیا ہے جس سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ ہم نے احکام کبریٰ کی کتاب الجنائز میں اسے بیان کر دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن کریم میں ایک ایسی سورت ہے جس نے اپنے قاری کی طرف سے جھگڑا کیا یہاں تک کہ اسے جنت میں پہنچا دیا، وہ ہے سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ (4)۔

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 321-299، سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 57 عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 21-20 سنن ابن ماجہ کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 1244

2۔ ایضاً مرجع مذکور 3۔ تہذیب تاریخ دمشق الکبیر، جلد 2، صفحہ 105-104 4۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 331

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے کسی صحابی نے ایک قبر پر خیمہ نصب کر دیا، اسے علم نہ تھا کہ یہاں قبر ہے۔ اچانک اس نے سنا کہ ایک انسان سورۂ ملک کی تلاوت کر رہا ہے یہاں تک کہ اس نے اسے ختم کر دیا۔ یہ سارا ماجرا عرض کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ سورت روکنے والی ہے، یہ نجات دلانے والی ہے جو عذاب قبر سے نجات دلاتی ہے''۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے(1)۔ ترمذی میں ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک سورۂ الم تنزیل اور سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِیْ کی تلاوت نہ کر لیتے۔ حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ یہ دونوں سورتیں قرآن کریم کی دیگر سورتوں پر ستر نیکیاں زیادہ فضیلت رکھتی ہیں(2)۔ طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری خواہش ہے کہ میرے ہر امتی کو یہ سورت یاد ہو'' یعنی تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ (3)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے راوی ابراہیم ضعیف ہیں۔ ایسی ہی روایت سورۂ یٰسین کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ مسند عبد بن حمید میں یہ روایت زیادہ وضاحت کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کی گئی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے فرمایا: کیا میں تمہیں ایک ایسی حدیث تحفہ میں نہ دوں جس سے تو مسرور ہو جائے؟ اس نے عرض کی کہ ضرور کرم فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ پڑھا کر و اور اسے اپنی بیوی، تمام اولاد، گھر کے بچوں اور پڑوسیوں کو سکھاؤ کیونکہ یہ نجات دلانے والی ہے اور جھگڑا کرنے والی ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے قاری کے حق میں جھگڑے گی اور مطالبہ کرے گی کہ اللہ تعالیٰ اسے عذاب جہنم سے بھی نجات عطا کرے اور عذاب قبر سے بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں پسند کرتا ہوں کہ یہ سورت میرے ہر امتی کے دل میں ہو''(4)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ۫ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُۙ ① الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُۙ ② الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ③ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ ④ وَ لَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ ⑤

''منزہ و برتر ہے وہ جس کے قبضہ میں (سب جہانوں کی) بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ جس نے پیدا کیا ہے موت اور زندگی کو تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔ اور وہی دائمی عزت والا، بہت بخشنے والا ہے۔ جس نے بنائے ہیں سات آسمان اوپر نیچے۔ تمہیں نظر نہیں آئے گا (خداوند) رحمٰن کی آفرینش میں کوئی خلل۔ ذرا پھر نگاہ اٹھا کر دیکھ، کیا تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے۔ پھر بار بار نگاہ ڈال لوٹ آئے گی تیری طرف (تیری) نگاہ نا کام ہو کر

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 22-19
2۔ ایضاً
3۔ المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 242-241
4۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 231

درآنحالیکہ وہ تھکی ماندی ہوگی۔اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے اور بنا دیا ہے انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ۔اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب''۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کریمہ کی عظمت بیان فرما رہا ہے اور اس حقیقت کی خبر دے رہا ہے کہ اسی کے قبضہ قدرت میں ہر طرح کی بادشاہی اور فرمانروائی ہے یعنی تمام مخلوقات میں اپنی مشیت کے مطابق تصرف کرنے والی ذات صرف وہی ہے۔اس کے حکم کو ٹالنے کی کسی میں مجال نہیں اور اس کے غلبہ، حکمت اور عدل کے پیش نظر اس کے کسی کام کے متعلق باز پرس نہیں کی جاسکتی،اس لئے فرمایا: وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

پھر فرمایا: الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ۔اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ موت امر وجودی ہے کیونکہ یہ بھی مخلوق اور پیدا شدہ چیز ہے۔آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو عدم سے وجود بخشا تا کہ وہ انہیں آزمائے کہ ان میں سے اچھے اعمال والا کون ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ (بقرہ:28) ''کیونکر تم انکار کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا''۔پہلی حالت یعنی عدم کو موت کا نام دیا اور اس آفرینش کو حیات کہا،اسی لئے فرمایا: ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ (الروم:40) ''پھر (مقررہ وقت پر) تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا''۔ابن ابی حاتم میں اس فرمان الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ کے متعلق حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو موت کے باعث ذلت میں ڈال دیا۔دنیا کو اللہ تعالیٰ نے دارِ حیات اور پھر دارِ موت بنا دیا اور آخرت کو دارِ جزاء اور پھر دارِ بقاء بنا دیا''(1)۔

فرمایا: لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا یعنی تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے۔یہاں یہ نہیں فرمایا: ''اکثر عملاً'' یعنی زیادہ عمل والا کون ہے بلکہ یہ فرمایا کہ بہتر اور اچھے عمل والا کون ہے۔آیت کے آخر میں فرمایا: وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ یعنی وہی غالب، عظیم اور ناقابل تسخیر قوت والا ہے لیکن اس کے باوجود وہ ہر اس شخص کی مغفرت فرمانے والا بھی ہے جو اس کی نافرمانی اور مخالفت سے توبہ کر کے اس کی بارگاہ میں رجوع کرلے۔وہ اگرچہ غالب ہے لیکن پھر بھی بخش دیتا ہے،رحم فرماتا ہے،درگزر کرتا ہے اور گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

پھر فرمایا: الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا یعنی جس نے اوپر نیچے سات آسمان تخلیق کئے۔کیا یہ آسمان تہ بہ تہ ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہیں یا ان کے درمیان فاصلہ اور خلاء ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں جن میں سے دوسرا زیادہ صحیح ہے یعنی آسمان ایک دوسرے کے اوپر ہیں اور ان کے درمیان فاصلہ اور خلاء ہے۔حدیث معراج وغیرہ سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے

اس کے بعد فرمایا: مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ یعنی رحمٰن کی آفرینش میں کوئی اختلاف، تضاد، عدم ربط، نقص عیب اور خلل نہیں ہے بلکہ ان میں دقت، مضبوطی اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔اس لئے فرمایا: فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ یعنی آسمان کی طرف نگاہ ڈالو اور اس میں غور وفکر کرو، کیا اس میں تمہیں کوئی عیب، نقص، خلل، رخنہ یا شگاف دکھائی دیتا ہے؟ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، ثوری، مجاہد، ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کے بقول ''فطور'' کا معنی ہے شگاف اور پھٹن۔سدی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا معنی ہے سوراخ اور شگاف۔ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی بوسیدگی اور بوداپن منقول ہے۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کا معنی ہے خلل۔

1۔درمنثور، جلد 8، صفحہ 234، طبری، جلد 29، صفحہ 1

پھر فرمایا: ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ ۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہاں کرتین (تثنیہ) کا معنی ہے دو مرتبہ۔

فرمایا: يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "خاسئا" کا معنی ہے ذلیل ہو کر اور "حسیر" کا معنی ہے تھکی ہوئی اور درماندہ۔ مجاہد، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کے بقول اس کا معنی ہے تھکاوٹ اور درماندگی سے چکنا چور۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر تو بار بار اپنی نظر ڈالے اور ڈالتا ہی چلا جائے تو بھی تیری نظر اس حال میں تیری طرف لوٹے گی کہ وہ کسی عیب یا نقص کو دیکھنے سے عاجز اور ذلیل ورسوا ہوگی اور بار بار دیکھنے کے باوجود نقص اور شکست وریخت کی تلاش میں ناکامی کے باعث تھکی ماندی ہوگی۔ آسمانوں کی تخلیق میں نقص اور عیب کی نفی کے بعد ان کے کمال اور زینت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ، مصابیح سے مراد وہ ثابت رہنے والے اور چلنے پھرنے والے ستارے ہیں جنہیں آسمان میں آویزاں کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ اس میں "ھا" ضمیر کا مرجع مصابیح (چراغ) کی جنس ہے نہ کہ ان کا عین اور ذات کیونکہ شیطانوں کو مار بھگانے کے لئے آسمان کے ستارے نہیں پھینکے جاتے بلکہ ان سے برآمد ہونے والے شعلے ان کا تعاقب کرتے ہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ یعنی ہم نے شیاطین کے لئے دنیا کی اس ذلت ورسوائی کے علاوہ آخرت میں دہکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۙ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (صافات: 10-6)

"بلاشبہ ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا کو ستاروں کے سنگھار سے۔ اور (اسے) محفوظ کر دیا ہے ہر سرکش شیطان (کی رسائی) سے۔ نہیں سن سکتے کان لگا کر عالم بالا کی باتوں کو اور پتھراؤ کیا جاتا ہے ان پر ہر طرف سے۔ ان کو بھگانے کے لئے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے مگر جو شیطان کچھ جھپٹ لینا چاہتا ہے تو تعاقب کرتا ہے اس کا تیز شعلہ"۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان ستاروں کو تین مقاصد اور فوائد کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ آسمان کی زینت، شیطانوں کو مار بھگانے کا آلہ اور راہ یاب ہونے کی علامات۔ جس شخص نے ان فوائد کے علاوہ ان کے ساتھ کوئی اور مقصد وابستہ کیا، اس نے خود ساختہ رائے کا اظہار کیا، اپنے نصیب کو برباد کیا اور ایسی چیز کا تکلف کیا جس کے متعلق اسے کوئی علم ہی نہیں(1)۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِىَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَاۗءَنَا نَذِيْرٌ ڏ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ښ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

"اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کا ان کے لئے عذاب جہنم ہے اور جہنم بڑی بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اس کی زوردار گرج سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔ (ایسا معلوم ہوتا ہے) گویا مارے غضب کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 4-3

پھٹا چاہتی ہے۔ جب بھی اس میں کوئی جتھا جھونکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا۔ پس ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو (صاف صاف) کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری۔ تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔ وہ کہیں گے کاش! ہم (ان کی نصیحت کو) سنتے اور سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے۔ پس (اس روز) اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔ تو پھٹکار ہو اہل جہنم پر"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ...... یعنی ہم نے کفار کے لئے جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور یہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ جب انہیں اس میں جھونکا جائے گا تو وہ اس کی سخت بھیانک گرج سنیں گے اور وہ یوں جوش مار رہی ہوگی جیسے بہت سے پانی میں تھوڑے سے دانے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان جہنمیوں پر شدت غیظ اور فرط غضب کے باعث یہ آگ پھٹ کر پارہ پارہ ہو جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کے متعلق اپنے عدل اور اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہ وہ اتمام حجت اور ارسال رسول سے پہلے کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا، فرماتا ہے: کُلَّمَاۤ اُلۡقِیَ فِیۡهَا فَوۡجٌ...... اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ کَبِیۡرٍ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَ مَا کُنَّا مُعَذِّبِیۡنَ حَتّٰی نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا (بنی اسرائیل:15) "اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو"۔ اسی طرح ایک اور جگہ پر فرمایا: حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡهَا فُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ رَبِّکُمۡ وَ یُنۡذِرُوۡنَکُمۡ لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ هٰذَا ؕ قَالُوۡا بَلٰی وَ لٰکِنۡ حَقَّتۡ کَلِمَةُ الۡعَذَابِ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ (زمر:71) "جب اس کے پاس آئیں گے تو کھول دیئے جائیں گے اس کے دروازے اور پوچھیں گے ان سے دوزخ کے پہریدار کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر تم میں سے جو پڑھ کر سناتے تمہیں تمہارے رب کی آیتیں اور ڈراتے تمہیں اس دن کی ملاقات سے کہیں گے بیشک آئے تھے لیکن ثبت ہو چکا تھا (لوح محفوظ میں) عذاب کا حکم کفار پر"۔ اسی طرح یہ حرماں نصیب خود کو ملامت کریں گے اور فرط ندامت سے اپنے ہاتھ کاٹیں گے لیکن اب اس ندامت کا انہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ وہ حسرت اور ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے: لَوۡ کُنَّا نَسۡمَعُ...... یعنی اگر ہماری عقلیں ہوتیں جن سے ہم استفادہ کرتے یا ہم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حق کو سنتے تو ہم نہ فریب کھاتے اور نہ کفر کا ارتکاب کرتے لیکن ہمارے پاس نہ ایسی فہم تھی جس سے ہم رسولوں کے پیغام کو سمجھتے اور نہ ہمیں ایسی عقل میسر تھی جو اتباع رسل کی طرف ہماری رہنمائی کرتی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فَاعۡتَرَفُوۡا بِذَنۡۢبِهِمۡ یعنی انہوں نے خود اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا، سو پھٹکار ہو جہنمیوں پر! یہ اللہ کی رحمت سے دور اور راندۂ درگاہ ہو گئے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "لوگ اس وقت تک ہلاک نہ ہوں گے جب تک وہ بکثرت گناہ نہ کریں اور حجت تمام نہ ہو جائے" (1)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "کوئی شخص اس وقت ہی جہنم میں جائے گا جب اسے یہ علم ہو جائے کہ وہ جنت سے زیادہ دوزخ کا مستحق ہے"۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَیۡبِ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ ﴿۱۲﴾ وَ اَسِرُّوۡا قَوۡلَکُمۡ اَوِ اجۡهَرُوۡا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۴﴾ هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ ذَلُوۡلًا فَامۡشُوۡا فِیۡ مَنَاکِبِهَا وَ کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِهٖ ؕ

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 260

وَاِلَیۡهِ النُّشُوۡرُ ﴿۱۵﴾

”بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے (اللہ کی) مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ تم اپنی بات آہستہ کہو یا بلند آواز سے (اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا) بے شک وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے۔ (نادانو!) کیا وہ نہیں جانتا (بندوں کے احوال کو) جس نے (انہیں) پیدا کیا ہے۔ وہ بڑا باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے۔ وہی تو ہے جس نے نرم کر دیا ہے تمہارے لئے زمین کو پس (اطمینان سے) چلو اس کے راستوں پر اور کھاؤ اس کے (دیئے ہوئے) رزق سے۔ اور اسی کی طرف تم کو (قبروں سے) اٹھ کر جانا ہے“۔

ان لوگوں کے متعلق خبر دی جا رہی ہے جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے ہیں، خلوت اور عزلت میں بھی برائیوں کے قریب تک نہیں جاتے اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی میں مشغول رہتے ہیں حالانکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دیکھ رہا ہوتا، ان سعادتمندوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے یعنی ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور انہیں گرانقدر ثواب اور بہت زیادہ اجر سے نوازا جائے گا۔ جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ سات اشخاص ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش تلے اس دن سایہ مہیا فرمائے گا جس دن اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، ان میں سے ایک شخص وہ ہے جسے کسی صاحب مرتبہ اور صاحب جمال عورت نے اپنی طرف بلایا لیکن اس نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور ایک دوسرا شخص جسے عرش کا سایہ نصیب ہوگا، وہ ہے جس نے پوشیدہ پوشیدہ اس طرح صدقہ کیا کہ اس کے دائیں ہاتھ کے خرچ کی بابت اس کے بائیں ہاتھ کو بھی علم نہ ہوسکا(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہم آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو ہمارے دلوں کی اور کیفیت ہوتی ہے لیکن جب ہم آپ کی محفل سے رخصت ہوجاتے ہیں تو وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم یہ بتاؤ کہ تمہاری اپنے رب کے ساتھ کیا کیفیت رہتی ہے؟ عرض کی: ہمارا یہ پختہ اعتقاد ہے کہ پوشیدہ اور علانیہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رب ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ نفاق نہیں(2)۔“ پھر اللہ تعالیٰ اس بات پر آگاہ کرتے ہوئے کہ وہ سینے کے رازوں اور دل میں جنم لینے والے خیالات سے بھی واقف ہے۔ فرماتا ہے: وَاَسِرُّوۡا قَوۡلَکُمۡ ...... اگلی آیت میں فرمایا: اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ اس کے معنی کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت میں مَنۡ خَلَقَ فاعل ہے گویا عبارت یوں ہوئی: اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ یعنی کیا خالق نہیں جانتا؟ دوسری صورت میں یہ مفعول ہے۔ عبارت یوں بنے گی: الا یعلم اللہ مخلوقہ یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو نہیں جانتا لیکن پہلی صورت زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا جا رہا ہے:

وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مخلوق پر کئے گئے اپنے انعام کا ذکر فرماتا ہے کہ اس نے ان کے لئے زمین کو مسخر اور مطیع بنا دیا۔ وہ اس طرح کہ زمین قرار اور سکون کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے۔ نہ یہ ڈولتی ہے اور نہ اضطراب میں رہتی ہے کیونکہ اس میں پہاڑ نصب کر کے اسے پر سکون بنا دیا گیا ہے۔ اس زمین میں چشمے بھی جاری کر دیئے، راستے بھی بنا دیئے اور گوناگوں منافع بھی اس میں مہیا کر دیئے۔ اس میں طرح طرح کی کھیتیاں اگتی ہیں اور قسم قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ اس عظیم انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ ذَلُوۡلًا ...... یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مطیع بنا دیا، اس لئے اس کے رستوں پر چل کر جہاں

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 271، سورۂ یوسف: 33 2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 35-34

چاہو، سفر کرو اور اکناف عالم میں چل پھر کر اور ملکوں اور شہروں کا سفر کر کے تجارت کرو اور اپنے رزق کا سامان کرو لیکن یہ حقیقت تمہارے علم میں ہونی چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں یہ سہولت اور آسانی بہم نہ پہنچائے تو تمہاری ہر سعی لا حاصل ہے، تمہاری ہر جدوجہد بیکار ہے اور تمہاری ہر کوشش رائیگاں ہے۔ اس لئے فرمایا: وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حصول اسباب کی کوشش توکل کے منافی نہیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "اگر تم اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس طرح توکل کرتے جس طرح توکل کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس طرح رزق فراہم کرتا جس طرح وہ پرندوں کو فراہم کرتا ہے۔ وہ خالی شکم صبح کو نکلتے ہیں اور سیر شکم ہو کر شام کو واپس آجاتے ہیں" (1)۔ پرندوں کے توکل کے باوجود طلب رزق کے لئے ان کا صبح کے وقت نکلنا ثابت ہے اور یہ توکل میں ہی داخل ہے کیونکہ چیزوں کو مطیع کرنے والا، ان کی راہ دکھانے والا اور اسباب فراہم کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ یعنی قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، سدی اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے بقول "مناکب" کا معنی ہے: اطراف، راستے اور کونے۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا معنی پہاڑ بھی منقول ہے۔

حضرت بشیر بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور اپنی ام ولد سے فرمایا کہ اگر تم "مناکب" کی صحیح صحیح تفسیر بتا دو تو تم آزاد ہو۔ اس نے کہا کہ اس سے مراد پہاڑ ہیں۔ انہوں نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی تفسیر بتائی کہ اس سے مراد پہاڑ ہیں (2)۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ۝۱۶ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ۝۱۷ وَ لَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ۝۱۸ اَوَ لَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقْبِضْنَ ؔۘ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ۝۱۹

"کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا۔ تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے۔ اور جو لوگ ان سے پہلے گزرے انہوں نے بھی جھٹلایا (خود دیکھ لو) کہ (ان) پر میرا عذاب کتنا سخت تھا۔ کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر (اڑتے) کبھی نہیں دیکھا پر پھیلائے ہوئے کبھی پر سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ نہیں روکے ہوئے انہیں کوئی (فضا میں) بجز رحمٰن کے۔ بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے"۔

مخلوق پر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی لطف و کرم اور رحمت ہے کہ باوجود کفار اور غیر اللہ کی پرستش کرنے والوں کو عذاب دینے کی قدرت کے، وہ درگزر فرماتا ہے، معاف کر دیتا ہے، مہلت عطا کرتا ہے اور جلد انتقام نہیں لیتا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِیْرًا (فاطر: 45)" اور

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 30، سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 1394، عارضۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 207-208
2۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 237

اگر اللہ تعالیٰ (فوراً) پکڑ لیا کرتا لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث تو نہ (زندہ) چھوڑتا زمین کی پشت پر کسی جاندار کو لیکن (اس کی سنت یہ ہے) وہ ڈھیل دیتا رہتا ہے انہیں ایک مقررہ میعاد تک۔ پس جب ان کی میعاد آ جائے گی تو بے شک اللہ کے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں''۔

اور یہاں فرمایا: اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ...... یعنی کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمانوں میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے اور وہ تھر تھر کانپنے، لرزنے اور ہچکولے کھانے لگے یا وہ پتھر برسانے والی ایسی ہوا بھیج دے جس سے ان کے بھیجے اڑ جائیں اور وہ نیست و نابود ہو جائیں۔ جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا: اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا (اسراء:68)'' کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ اللہ دھنسا دے تمہارے ساتھ خشکی کے کنارہ کو یا بھیج دے تم پر اولے برسانے والا بادل پھر اس وقت تم نہیں پاؤ گے اپنے لئے کوئی کارساز''۔ اسی طرح یہاں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ یعنی پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہے اور اسے جھٹلانے والے کا انجام کیا ہوتا ہے۔

پھر فرمایا: وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ...... یعنی سابقہ امتوں اور گزشتہ قوموں نے بھی تکذیب کی روش اختیار کی تو کس طرح میں نے بطور سزا انہیں سخت دردناک عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دیا۔ اس کے بعد اپنی ایک اور قدرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ...... یعنی کیا انہوں نے اپنے اوپر فضا میں اڑتے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا جو ہوا میں پرواز کرتے ہوئے کبھی اپنے پروں کو پھیلا لیتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا لطف و کرم ہے جس کے طفیل یہ ہوا میں معلق اڑتے پھرتے ہیں اور ہوا کو اس نے ان کے لئے مسخر کر دیا ہے، اور وہ بلاشبہ اپنی مخلوقات کی حاجات اور ضروریات کو خوب جاننے والا ہے اور ہر مخلوق میں اس کی ضرورت کے مطابق استعداد بھی ودیعت کر رکھی ہے۔ اسی طرح فرمایا: اَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (النحل:79)'' کیا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا پرندوں کی طرف کہ وہ مطیع اور فرمانبردار بن کر اڑ رہے ہیں فضاء آسمانی میں۔ کوئی چیز انہیں تھامے ہوئے نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔ بیشک اس میں (کھلی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں''۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

'' (اے منکرو!) کیا تمہارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کرے (خداوند) رحمٰن کے علاوہ۔ بے شک منکرین دھوکہ

میں مبتلا ہیں کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کر لے۔ لیکن یہ لوگ سرکشی اور حق سے نفرت میں بہت دور نکل گئے ہیں۔ کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا پڑتا چلا جا رہا ہے وہ راہ راست پر ہے یا جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے۔ آپ فرمائیے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ (لیکن) تم بہت کم شکر کیا کرتے ہو۔ آپ فرمائیے اسی نے تم کو پھیلا دیا ہے زمین میں اور (روزِ حشر) تم اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے (کفار از راہِ مذاق) پوچھتے ہیں کہ (بتاؤ) یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو۔ آپ فرمائیے (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ میں تو محض واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔ پھر جس وقت اسے قریب آتے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے۔ اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے جس کا تم بار بار مطالبہ کرتے تھے"۔

غیر اللہ کی عبادت کرنے والے مشرکین جو یہ عقیدہ رکھے ہوئے تھے کہ ان کے معبودانِ باطلہ ان کی مدد کرنے اور انہیں رزق فراہم کرنے پر قادر ہیں، ان کے اس غلط عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان کی سرزنش کر رہا ہے اور انہیں آگاہ فرما رہا ہے کہ ان کی یہ امید کبھی بر نہیں آئے گی، فرمایا۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ یعنی تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست ہے، نہ کوئی مددگار اور نہ کوئی حفاظت کرنے والا، اس لئے فرمایا: اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ یعنی کفار فریب کا شکار ہیں۔

پھر فرمایا: اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ...... یعنی اگر اللہ تعالیٰ تم سے اپنا رزق روک لے تو کون ہے جو تمہیں رزق بہم پہنچائے؟ یعنی اللہ وحدہ لاشریک کے سوا نہ کوئی عطا کر سکتا ہے، نہ روک سکتا ہے، نہ پیدا کر سکتا ہے، نہ رزق مہیا کر سکتا ہے اور نہ ہی مدد کر سکتا ہے۔ یہ مشرکین اس حقیقت کا علم ہونے کے باوجود غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ بدبخت اپنی سرکشی، افترا پردازی، گمراہی، عناد اور حق سے نفرت کرنے میں اس طرح سرگرداں ہیں کہ تمام حدود پھلانگ گئے ہیں، نہ یہ دعوت حق کو سنتے ہیں اور نہ اس کی پیروی کرتے ہیں۔

پھر کافر اور مومن کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا ..... یعنی کافر جس تباہ کن صورت حال سے دوچار ہے اس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو اپنے منہ کے بل اوندھا گرتا پڑتا چلا آ رہا ہو، کبھی ادھر کو لڑھک رہا ہو اور کبھی ادھر کو۔ نہ اسے یہ معلوم ہو کہ وہ کہاں چل رہا ہے اور نہ یہ پتہ ہو کہ کیسے جا رہا ہے بلکہ وہ حیرت کی تصویر بنے سرگشتہ، ہکا بکا اور بھٹکا ہوا ہے۔ کیا یہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ مومن جس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو سیدھا صراط مستقیم پر گامزن ہے؟ وہ راست رو ہے اور گامزن بھی راہ راست پر ہے۔ یہ دنیا میں ان کی مثال ہے۔ قیامت کے دن بھی ان کی یہی کیفیت ہو گی۔ مومن ایسے سیدھے راستے پر محو سفر ہو گا جو اسے پر آسائش جنت کی طرف لے جائے گا لیکن کافر اوندھے منہ چلتے ہوئے جہنم رسید ہو گا جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ (صافات: 23-22)" (اے فرشتو!) جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پس سیدھا لے چلو انہیں جہنم کی راہ کی طرف"۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دریافت کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ منہ کے بل لوگوں کا حشر کیسے ہو گا؟ فرمایا:" وہ ذات جس نے انہیں پاؤں پر چلایا، کیا وہ انہیں منہ کے بل چلانے پر قادر نہیں؟" (1)۔ یہ روایت صحیحین میں بھی ہے۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ فرقان: 34، سورۂ اسراء: 97

فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِيْ اَنْشَاَكُمْ...... یعنی وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہاری آفرینش کا آغاز کیا جبکہ تم عدم محض اور نا قابل ذکر چیز تھے اور اس نے تمہیں کانوں، آنکھوں اور دلوں یعنی عقل وادراک سے نوازا اس کے باوجود تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو یعنی تم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان قوتوں کو اس کی اطاعت، اس کے احکام بجالانے اور نواہی سے اجتناب کرنے میں بہت کم استعمال کرتے ہو۔ اس کے بعد فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ...... یعنی وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہیں زمین کے اطراف واکناف میں پھیلا دیا اور تمہیں جدا گانہ اور الگ الگ زبانیں، رنگ وروپ، شکلیں اور صورتیں عطا کیں۔ اس اختلاف، تفرق اور بکھرنے کے بعد آخر کار تم سب اللہ تعالیٰ کے حضور جمع کئے جاؤ گے اور وہ تمہیں ایک مرتبہ پھر زندہ کر کے لوٹائے گا جیسا کہ اس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا تھا۔ اس کے بعد قیامت کا انکار کرنے والوں اور اسے محال سمجھنے والے کافروں کے متعلق فرمایا: وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ...... یعنی یہ جو آپ ہمیں بتاتے ہیں کہ بکھرنے اور ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد ہمیں ایک بار پھر جمع کیا جائے گا، ایسا کب ہوگا؟ اس کا یہ جواب تلقین فرمایا گیا: اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ...... "یعنی اس کا معین وقت صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے لیکن اس نے مجھے اس کے متعلق یہ خبر دینے کا حکم دیا ہے کہ قیامت ضرور وقوع پذیر ہوگی، اس لئے اس سے محتاط رہو اور میری ذمہ داری صرف یہی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغام کو تم تک پہنچا دوں اور یہ فریضہ میں نے ادا کر دیا ہے۔

فرمایا: فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً...... یعنی جب قیامت برپا ہونے کے قریب ہوگی اور کفار اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر لیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ قیامت تو واقعی قریب تھی کیونکہ جس کا وقوع یقینی ہو وہ چیز قریب ہی ہوتی ہے اگرچہ اس کے وقوع میں ایک طویل زمانہ گزر جائے، جس قیامت کو وہ ہمیشہ جھٹلاتے رہے، جب وہ وقوع پذیر ہوگی تو ان کی حالت بہت بری اور خستہ ہوگی کیونکہ انہیں اس عذاب اور ہولناک کیفیت کا علم ہو جائے گا جس کا سامنا انہیں کرنا ہوگا اور اچانک اس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم آ پہنچے گا کہ ان کے گمان میں بھی نہ ہوگا جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا: وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (زمر: 48-47) "اور (اس روز) ظاہر ہو جائے گا ان پر اللہ کی طرف سے جس کا وہ گمان بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہو جائیں گے ان پر وہ برے اعمال جو انہوں نے کمائے تھے اور گھیر لے گا انہیں وہ (عذاب) جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے"۔ اس لئے انہیں بطور سرزنش اور زجر وتوبیخ کہا جائے گا: هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ یعنی یہ ہے وہ جس کے لئے تم جلدی مچایا کرتے تھے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٢٨ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٢٩ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝٣٠

"آپ فرمائیے (اے منکرو!) ذرا غور تو کرو اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں، کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے، تو کون بچائے گا کافروں کو دردناک عذاب سے۔ فرمائیے وہ (میرا خالق) بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہوا ہے۔ پس عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کھلی گمراہی میں کون ہے۔ آپ پوچھئے اگر کسی صبح تمہارا پانی زمین کی تہہ میں اتر جائے تو تمہیں میٹھا صاف پانی کون لا دے گا؟"

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے والے مشرکین سے کہہ دیں: اَرَءَيْتُمْ

اِنْ اَهْلَكَنِيَ ...... مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ یعنی تم اپنی خیر مناؤ اور اپنی نجات کی فکر کرو کیونکہ تمہارے لئے نجات اور چھٹکارے کی یہی صورت ہے کہ توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ اور اس کے دین کو مضبوطی سے تھام لو۔ یہ جو تم ہمارے عذاب میں مبتلا ہونے کی تمنا رکھتے ہو، بالفرض اگر یہ پوری ہو بھی جائے تو بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب دے یا ہم پر رحم فرمائے، تم اس کی فکر نہ کرو، تم اپنے انجام کے متعلق سوچو، تم ہرگز عبرتناک اور دردناک عذاب سے نہیں بچ سکتے۔

پھر فرمایا: قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ...... یعنی ہم رب العالمین پر ایمان لائے ہیں جو بہت ہی مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے اور اپنے تمام امور میں ہم نے اسی پر ہی بھروسہ کیا ہے جیسا کہ فرمایا: فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ (ہود: 123) ”تو آپ بھی اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر بھروسہ رکھئے“۔ اس لئے فرمایا: فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یعنی عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم میں سے اور تم میں سے کون کھلی گمراہی میں مبتلا ہے اور دنیا و آخرت میں کس کا انجام بخیر ہوتا ہے۔

پھر فرمایا: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ...... یعنی یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارا پانی زمین کی تہہ اور گہرائی میں اتر جائے تو تمہیں کون میٹھا صاف پانی لا دے گا۔ پھر تو تمہارے ہتھیار بھی جواب دے دیں گے اور تمہاری قوت بازو بھی کسی کام نہیں آئے گی۔ غائر (گہرا) کا متضاد نابع ہے۔

اس لئے فرمایا: فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ...... یعنی کون ہے جو ابلنے والا، بہنے والا اور سطح زمین پر چلنے والا پانی تمہارے پاس لے آئے؟ یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی اس پر قدرت نہیں رکھتا۔ یہ اسی کا فضل و کرم ہے کہ اس نے تمہارے لئے ضرورت کے مطابق زمین کے اطراف و اکناف میں صاف اور میٹھا پانی جاری کر دیا۔

سورۃ القلم (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

نٓ وَ الۡقَلَمِ وَ مَا یَسۡطُرُوۡنَ ① مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ② وَ اِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ③ وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ④ فَسَتُبۡصِرُ وَ یُبۡصِرُوۡنَ ⑤ بِاَىیِّکُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ ⑥ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ ۪ وَ هُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ ⑦

''ن، قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔ اور یقیناً آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔ عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے (واقعی) مجنون کون ہے۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے ان کو جو اس کی راہ سے بہک گئے ہیں اور انہیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں''۔

نون حروفِ ہجاء و مقطعات سے ہے اور ان کے متعلق بحث سورۂ بقرہ کی تفسیر کے آغاز میں گزر چکی ہے جسے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ن سے مراد وہ بہت بڑی مچھلی ہے جو پانی کے بہت بڑے ذخیرے پر ہے اور وہ ساتوں زمینوں کو اٹھائے ہوئے ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اسے فرمایا: لکھ۔ اس نے کہا کہ کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر لکھ دے۔ چنانچہ قلم جاری ہوگیا اور اس دن سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا، اس نے وہ سب کچھ لکھ دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے نون (مچھلی) پیدا کی اور پانی کے بخارات بلند کئے جس سے آسمان بنے اور زمین کو اس مچھلی کی پیٹھ پر بچھا دیا گیا۔ اس مچھلی کے اضطراب اور حرکت سے زمین بھی ڈولنے اور ہچکولے کھانے لگی۔ چنانچہ زمین میں پہاڑ نصب کر کے اسے ثابت اور ساکن بنا دیا، اس لئے یہ زمین پر فخر کرتے ہیں(1)۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے رب نے سب سے پہلے قلم کی تخلیق کی پھر اسے لکھنے کا حکم فرمایا تو اس نے وہ سب کچھ لکھ دیا جو قیامت تک ہونے والا تھا، پھر پانی کے اوپر مچھلی پیدا کی اور اس کے اوپر زمین کو پھیلا دیا(2)۔ طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم اور مچھلی کو پیدا کیا۔ قلم سے فرمایا: لکھ۔ وہ عرض کرنے لگا کہ کیا لکھوں؟ فرمایا: ہر وہ چیز جو قیامت تک ہونے والی ہے'' پھر اسی آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ نون سے مراد مچھلی ہے اور قلم سے مراد قلم(3)۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: سب سے پہلی چیز جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، وہ قلم ہے۔ پھر نون یعنی دوات کو پیدا کیا، پھر قلم سے فرمایا: لکھ۔ اس نے پوچھا کہ کیا لکھوں؟ فرمایا: جو کچھ ہونے والا ہے، وہ سب کچھ لکھ دو

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 14 2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 15 3۔ الجامع الکبیر، جلد 11، صفحہ 433، مجمع زوائد، جلد 7، صفحہ 128

یعنی عمل، رزق، عمر اور اجل۔ چنانچہ قیامت تک وقوع پذیر ہونے والی ہر چیز کو قلم نے تحریر کر دیا۔ یہی مطلب اس آیت کا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قلم پر مہر لگا دی۔ اب وہ قیامت تک نہیں چلے گا، پھر عقل کو پیدا کیا اور فرمایا: "مجھے اپنی عزت کی قسم! میں اپنے محبوب لوگوں میں تو تمہیں کمال تک پہنچاؤں گا لیکن اپنے دشمنوں میں تمہیں ناقص ہی رکھوں گا(1)"۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں یہی بات مشہور تھی کہ نون سے مراد وہ بڑی مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ اس مچھلی کی پیٹھ پر ایک چٹان ہے جس کی موٹائی زمین وآسمان کے برابر ہے اس کے اوپر ایک بیل ہے جس کے چالیس ہزار سینگ ہیں۔ اس کی پیٹھ پر ساتوں زمینیں اور ان کی کل مخلوقات ہیں(2) اور تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ بعض مفسرین نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ حدیث کو انہی معانی کا محمل قرار دیا ہے کہ جب عبداللہ بن سلام کو رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری کی خبر ملی تو وہ آپ کے پاس آئے اور چند سوالات کیے۔ کہنے لگے کہ میں آپ سے چند اشیاء کے متعلق سوال کرنے والا ہوں جن کا علم سوائے نبی کے کسی اور کو نہیں۔ یہ بتائیے کہ قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟ اہل جنت کا پہلا کھانا کون سا ہوگا؟ کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی اپنی ماں کے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ان چیزوں کے بارے میں ابھی ابھی جبریل نے مجھے خبر دی ہے"۔ ابن سلام کہنے لگے کہ فرشتوں میں سے جبریل ہی یہود کا دشمن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سنو! قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی، اہل جنت کا سب سے پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کی وافر مقدار ہے اور جہاں تک بچے کا تعلق ہے تو جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت لے جائے تو وہ اپنے مشابہ کر لیتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جائے تو وہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے"(3)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے دریافت کیا: مچھلی کی کلیجی کے بعد کون سی غذا ہوگی؟ فرمایا: "ان کے لئے ایک جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت کے اطراف میں چرتا چگتا رہتا تھا"۔ پھر دریافت کیا: انہیں مشروب کون سا ملے گا؟ فرمایا: "سلسبیل نامی چشمہ سے"۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "نٓ" سے مراد نور کی تختی ہے۔ ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت نٓ وَالْقَلَمِ...... کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: "نٓ" نور کی تختی ہے اور قلم بھی نور کا ہے جو قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے امور پر چل چکا ہے(4)۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے بتایا گیا ہے کہ اس نورانی قلم کا طول سو سال ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "نٓ" سے مراد دوات ہے اور قلم سے مراد قلم ہے۔ حضرات حسن وقتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں کہ "نٓ" سے مراد دوات ہی ہے۔ اس بارے میں ایک نہایت غریب مرفوع حدیث مروی ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے نون کو پیدا کیا اور یہ دوات ہے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نون کو پیدا کیا اور وہ دوات ہے اور قلم کو پیدا کرنے کے بعد اسے فرمایا: لکھ۔ اس نے دریافت کیا کہ میں کیا لکھوں؟ فرمایا: ہر وہ امر لکھ دے جو قیامت تک ہونے والا ہے یعنی ہر عمل، نیک ہو یا بد تقسیم کیا جانے والا رزق خواہ وہ حلال ہو یا حرام پھر یہ بھی تحریر کر دو کہ کون سی چیز دنیا میں کب جائے گی، کتنا عرصہ وہاں اس کا قیام رہے گا، کیسے وہاں سے نکلے گی؟ پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر محافظ فرشتے اور کتاب پر خازن مقرر کر دیئے۔ محافظ فرشتے ہر دن کے عمل کو ہر روز خازن فرشتوں سے دریافت کر کے لکھ لیتے ہیں۔ جب رزق ختم ہو جاتا ہے، عمر اختتام کو پہنچ جاتی ہے اور اجل آ جاتی

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 241
2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 374
3۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 189، فتح الباری، کتاب مناقب الانصار، جلد 7، صفحہ 272 تفسیر سورۂ بقرہ: 97
4۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 16-15

ہے تو محافظ فرشتے خازن فرشتوں کے پاس جاتے ہیں اور اس دن کے عمل کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو انہیں جواب ملتا ہے کہ اس شخص کے لئے اب ہمارے پاس کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ چنانچہ محافظ فرشتے اس شخص کے پاس واپس لوٹتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ شخص تو مر چکا ہے۔ یہ بیان کرنے کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم عرب قوم نہیں، تمہیں سنائی نہیں دیتا کہ محافظ فرشتے کہہ رہے ہیں: اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (جاثیہ:29) ''ہم لکھ لیا کرتے تھے جو تم (دنیا میں) عمل کیا کرتے تھے''۔ اور استنساخ کا مطلب ہی یہی ہے کہ اصل سے نقل کرنا(1)۔

اور قلم سے مراد بظاہر جنس قلم ہے جس سے لکھا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (علق:5-3) ''پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے۔ اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا''۔ قلم کی قسم اٹھا کر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت پر آگاہ کر دیا گیا کہ اس نے قلم کے ذریعے لکھنے کی تعلیم دی اور کتابت ہی دراصل علوم کی تحصیل اور انتقال کا وسیلہ ہے، اس لئے فرمایا: وَ مَا يَسْطُرُوْنَ یعنی جو وہ لکھتے ہیں۔ یہ معنی حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے منقول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَ مَا يَسْطُرُوْنَ کا ایک اور معنی بھی منقول ہے یعنی جو وہ عمل کرتے ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ فرشتے بندوں کے جو اعمال لکھتے ہیں۔ دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں قلم سے مراد وہ خاص قلم ہے جس نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے امر الٰہی سے تقادیر عالم کو تحریر کیا۔ اپنے اس موقف کی تائید میں انہوں نے کچھ احادیث ذکر کی ہیں جو قلم کے بارے میں ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اسے فرمایا: لکھ۔ اس نے عرض کی کہ کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیریں لکھ دو اور وہ بھی جو ابد تک ہونے والا ہے۔''(2) ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا فرمایا، وہ قلم ہے، پھر اسے حکم دیا تو اس نے ہر چیز تحریر کر دی(3)''۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد وہ قلم ہے جس سے ذکر لکھا گیا۔

پھر فرمایا: مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ یعنی آپ بحمد اللہ مجنون نہیں جیسا کہ آپ کے پیغام حق و ہدایت کی تکذیب کرنے والے آپ کی قوم کے جاہل لوگ آپ کے متعلق خیال کرتے ہیں اور آپ کی نسبت جنون کی طرف کرتے ہیں۔ آپ کے لئے تو فریضہ تبلیغ کی ادائیگی اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کے بدلہ میں ایسا اجر عظیم اور ثواب جزیل ہے جو نہ منقطع ہوگا اور نہ ختم ہوگا۔

غَيْرَ مَمْنُوْنٍ کا معنی ہے نہ ختم ہونے والا جیسا کہ فرمایا: عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ہود:3) ''یہ وہ عطا ہے جو ختم نہیں ہوگی''۔ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (التین:6) ''تو ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے''۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کا معنی ہے بے حساب۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہاں خلق سے مراد دین (اسلام) ہے یعنی آپ عظیم الشان دین اسلام پر ہیں۔ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلق کا معنی ادب ہے یعنی آپ ادب کے اعلیٰ

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 15

2۔ مسند ابو داؤد طیالسی، جلد 79، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 317، عارضۃ الاحوذی ابواب التفسیر، جلد 12، صفحہ 217-216، سنن ابو داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4، صفحہ 215-216

3۔ طبری، جلد 29، صفحہ 16

مقام پر فائز ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے خُلق کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن تھا(1)۔ سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی جیسا کہ قرآن میں ہے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سعد بن ہشام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے خلق کے متعلق پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ عرض کی: کیوں نہیں۔ فرمایا: آپ ﷺ کا خُلق قرآن تھا۔ مسلم میں یہ حدیث مکمل طور پر موجود ہے جسے سورۂ مزمل کی تفسیر میں ذکر کیا جائے گا(2)۔ بنی سواد کے ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے خلق کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ پھر آپ نے اس آیت وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کی تلاوت کی۔ اس شخص نے عرض کی کہ اس کے متعلق کوئی واقعہ سنا دیجئے۔ فرمایا: ایک مرتبہ میں نے بھی آپ ﷺ کے لئے کھانا پکایا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی۔ میں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ جا کر دیکھ۔ اگر میرے کھانا لانے سے پہلے حفصہ کھانا لے آئیں تو اسے گرا دینا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پہلے کھانا لے آئیں تو لونڈی نے اسے گرا دیا۔ پیالہ نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کھانے کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ برتن کے بدلہ میں برتن دو۔ اس سے زیادہ نہ آپ نے کچھ فرمایا اور نہ ہی ڈانٹ ڈپٹ کی(3)۔ یہ حدیث کئی طرق سے متعدد کتب حدیث میں موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کے احکام کی بجا آوری آپ ﷺ کی فطرت تھی اور یہ ایسا خلق تھا جو آپ ﷺ کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ مجسم قرآن تھے، قرآن کریم کے ہر امر کو بجالاتے اور ہر نہی سے اجتناب کرتے۔ حیاء، کرم، شجاعت، درگزر، حلم اور دیگر اخلاق عالیہ اور خصائل حمیدہ آپ ﷺ کی جبلت میں موجود تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی۔ اس عرصہ کے دوران آپ ﷺ نے کبھی مجھے اف تک نہیں فرمایا۔ میں نے جو کام کیا اس کے متعلق کبھی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس کے متعلق کبھی نہیں پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں نہ کیا۔ آپ ﷺ حسن خلق میں سب سے برتر تھے، میں نے اطلس، ریشم یا کوئی اور چیز مس نہیں کی جو آپ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور میں نے آپ کے پسینہ سے زیادہ خوشبودار کوئی مشک اور عطر نہیں سونگھا(4)۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ خوش خلق تھے۔ آپ ﷺ نہ زیادہ دراز قامت تھے اور نہ زیادہ پست قامت(5)۔ شمائل ترمذی میں اس بارے میں بہت سی احادیث ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے نہ کبھی کسی خادم کو مارا، نہ کسی عورت کو اور نہ کسی اور کو بجز راہِ خدا میں جہاد کے۔ جب بھی دو چیزوں میں آپ ﷺ کو اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں آسان تر پسند فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ والی بات نہ ہوتی۔ اگر اس میں گناہ کا شائبہ ہوتا تو آپ ﷺ سب سے زیادہ اس سے اجتناب کرتے۔ آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بدلہ نہیں لیا، ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کیا جاتا تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی خاطر ضرور انتقام لیتے(6)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ صَالِحَ الْاَخْلَاقِ'' یعنی مجھے صالح

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 18
2۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 514-512
3۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 111، ابن ماجہ کتاب الاحکام، جلد 2، صفحہ 782
4۔ عارضۃ الاحوذی، جلد 8، صفحہ 173، مزی، تحفۃ الاشراف، جلد 1، صفحہ 105
5۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6، صفحہ 564
6۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 232

اخلاق کی تکمیل کے لئے معبوث کیا گیا(1)۔اس کے بعد فرمایا: فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ...... یعنی اے میرے پیارے رسول! عنقریب آپ بھی جان لیں گے اور آپ کو جھٹلانے والے آپ کے مخالفین بھی جان لیں گے کہ کون مجنون اور بہکا ہوا ہے؟ اسی طرح کی یہ آیات بھی ہیں: سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ (قمر:26) ''کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے''۔ وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سبا:24) ''اور ہم یا تم (دونوں میں سے ایک) ہدایت پر ہے اور (دوسرا) کھلی گمراہی میں ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ اور وہ قیامت کے دن اس حقیقت کو جان لیں گے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مفتون کا معنی مجنون ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس فرمان بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ کا معنی بتاتے ہیں کہ کون شیطان کے زیادہ قریب ہے(2) اور مفتون کا معنی ظاہر ہے یعنی وہ شخص جو حق سے منحرف اور بہک گیا ہو۔ ''ایکم'' پر باء داخل کی گئی ہے تاکہ وہ اس بات پر دلالت کرے کہ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ میں تضمین فعل ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی: ''فستعلم ویعلمون او فستخبر ویخبرون بایکم المفتون'' یعنی عنقریب آپ بھی جان لیں گے اور وہ بھی جان لیں گے یا عنقریب آپ بھی باخبر ہوں گے اور وہ بھی کہ تم میں سے مفتون کون ہے۔

پھر فرمایا اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ...... یعنی اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ تم دونوں فریقوں میں سے کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾

''پس آپ بات نہ مانیں (ان) جھٹلانے والوں کی۔ وہ تو تمنا کرتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں۔ اور نہ بات مانیے کسی (جھوٹی) قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی۔ جو بہت نکتہ چین چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔ سخت منع کرنے والا بھلائی سے، حد سے بڑھا ہوا، بڑا بدکار ہے۔ اکھڑ مزاج ہے، اس کے علاوہ بداصل ہے۔ (یہ غرور و سرکشی) اس لئے کہ وہ مالدار اور صاحب اولاد ہے۔ جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ ہم بہت جلد اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ پر انعام فرمایا اور آپ کو شرع مستقیم اور خلق عظیم سے نوازا، اس لئے آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں۔ ان کی تو تمنا ہے کہ کاش آپ نرم رویہ اختیار کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان (لو تدھن فیدھنون) کا معنی بتاتے ہیں کہ اگر آپ ان کے لئے کچھ تخفیف کریں تو وہ آپ کے لئے کچھ تخفیف کریں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ اگر آپ ان کے معبودوں کی طرف مائل ہو جائیں اور حق کو ترک کر دیں تو وہ بھی آپ کی طرف مائل ہو جائیں گے۔

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 381
2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 20-19

پھر فرمایا: وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ یعنی آپ بکثرت جھوٹی قسمیں اٹھانے والے ذلیل شخص کی بات نہ مانیں۔ جھوٹا شخص اس قدر کمزور اور ذلیل ہوتا ہے کہ اسے ہر وقت اپنے جھوٹ کے پول کے کھل جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ہر وقت بے موقعہ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے صدق کا یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول "مھین" کا معنی ہے جھوٹا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا معنی کمزور دل والا۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "حلاف" کا معنی ہے کبرونخوت والا اور "مھین" کا معنی ہے: ضعیف۔

هَمَّازٍ کا معنی ہے: غیبت کرنے والا اور مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کے درمیان چغلیاں کھاتا رہتا ہے اور لوگوں کو ایک دوسرے کی باتیں بتا کر ان کے درمیان فتنہ وفساد کی آگ بھڑکاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: "ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں۔ ان میں سے ایک تو پیشاب کرتے وقت پردے کا خیال نہیں رکھتا تھا اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا" (1)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "چغل خور جنت میں نہیں جائے گا" (2)۔ ایک آدمی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ شخص امراء کے ہاں لوگوں کی مخبری کرتا ہے۔ اس پر آپ نے مذکورہ بالا حدیث سنائی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ایک آدمی کے متعلق بتایا گیا کہ وہ چغل خور ہے تو آپ نے یہ حدیث سنائی: لَا یَدْخل الجنۃَ نَمّامٌ یعنی چغل خور جنتی نہیں (3)۔ حضرت اسماء بنت یزید بن سکن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کیا میں تمہیں یہ نہ بتلاؤں کہ تم میں سے بہترین لوگ کون ہیں؟" صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ضرور آگاہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ جنہیں جب دیکھا جائے تو خدا یاد آ جائے۔" پھر فرمایا: "کیا میں ان لوگوں کے متعلق آگاہ نہ کروں جو تم میں سے بدترین ہیں؟" عرض کی: ضرور بتائیے۔ فرمایا: "چغل خور، دوستوں کے درمیان فساد برپا کرنے والے اور پاکدامن لوگوں پر تہمت لگانے والے" (4)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جن کی زیارت سے خدا یاد آ جاتا ہے اور برے بندے وہ ہیں جو چغل خور، دوستوں کے درمیان انتشار ڈالنے والے اور پاکیزہ سیرت لوگوں پر اتہام باندھنے والے ہیں" (5)۔

فرمایا: مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ...... یعنی بھلائی سے روکنے والا اور رکنے والا۔

مُعْتَدٍ سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں میں تمام جائز حدوں کو پھلانگ کر حرام چیزوں میں پڑ جائے۔

اَثِیْمٍ کا معنی ہے بدکار، محرمات کا ارتکاب کرنے والا۔

عُتُلٍّ کا معنی ہے اکھڑ مزاج، تندخو، جمع کرنے والا اور بخل کرنے والا۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "کیا میں تمہیں اہل جنت کے متعلق نہ بتاؤں؟ ہر عاجز، کمزور اور بے چارہ، (لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا بلند مرتبہ حاصل ہے کہ) اگر وہ اللہ کی قسم اٹھا لے تو وہ ضرور اسے پورا کرتا ہے۔ کیا میں تمہیں دوزخیوں کے بارے میں

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اسراء: 44، سنن ابوداؤد، جلد 1، صفحہ 6، عارضۃ الاحوذی، جلد 1، صفحہ 92-90، ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 125

2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 382، فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 472، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 101، عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 8، صفحہ 181-182

3۔ تہذیب الکمال، جلد 12، صفحہ 551-548 4۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 459، ابن ماجہ، کتاب الزہد: 1379 5۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 227

نہ بتاؤں؟ ہر اکھڑ مزاج، اجڈ، بدخلق اور متکبر"(1)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دوزخیوں کے ذکر پر آپ ﷺ نے فرمایا: "ہر اجڈ، اکھڑ مزاج، بدخلق، متکبر، جمع کرنے والا اور روکنے والا۔"(2) آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ "عتل زنیم" کون ہے؟ فرمایا: "بدخلق، صحت مند بسیار خور جسے ہر وقت کھانے پینے کی فکر ہو، لوگوں پر ظلم کرنے والا، پیٹو شخص"(3)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: اکھڑ مزاج بدخلق، پیٹو، ظالم اور بدنام شخص جنت میں نہیں جائے گا(4)۔ ایک اور حدیث میں ہے: "آسمان ایسے بندے پر روتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے صحت دی، پیٹ بھر کھانا دیا اور جاہ و مرتبہ بھی عطا کیا لیکن پھر بھی وہ لوگوں پر ظلم کرتا رہا۔ یہی شخص عتل زنیم ہے۔"(5) اکثر سلف کا یہی کہنا ہے کہ "عتل" سے مراد صحت مند اور طاقتور شخص ہے جو ہر وقت کھانے پینے اور شہوت رانی اور اس طرح کی دوسری خواہشات کی تکمیل میں مشغول رہے۔ "زنیم" بری شہرت کے حامل شخص کو کہتے ہیں جو کسی قوم میں شامل ہو جائے لیکن وہ ہو اجنبی۔ لوگوں میں وہ اس طرح مشہور ہوتا ہے جیسے بہت سی بکریوں میں الگ تھلگ سمجھی جانے والی وہ کٹے ہوئے کان والی بکری جس کا کان لٹک رہا ہو(6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریش میں اس طرح کا ایک شخص تھا۔ لغت عرب میں زنیم سے مراد بقول ابن جریر وغیرہ وہ اجنبی شخص ہے جو زبردستی کسی قوم میں داخل کر دیا گیا ہو۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے ایک شعر میں کسی قریشی کافر کی مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں:(7)

وَأَنْتَ زَنِيمٌ نِيطَ فِي آلِ هَاشِمٍ كَمَا نِيطَ خَلْفَ الرَّاكِبِ الْقَدَحُ الْفَرْدُ

یعنی تو آل ہاشم میں اس طرح ٹھنسی ہو گیا ہے جیسے سوار کے پیچھے اکیلا پیالہ۔

ایک اور شاعر کہتا ہے:(8)

زَنِيمٌ لَيْسَ يَعْرِفُ مَنْ أَبُوهُ بَغِيُّ الْأُمِّ ذُو حَسَبٍ لَئِيمٍ

یعنی وہ بداصل ہے جسے اپنے باپ کا علم ہی نہیں، بدکار ماں کا کمینہ فطرت بیٹا ہے۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زنیم کا معنی بداصل، بدکار اور کمینہ منقول ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "زنیم" سے مراد وہ شخص ہے جس میں ایسی علامت پائی جائے جو وجہ پہچان ہو۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اخنس بن شریق ہے جو بنی زہرہ کا حلیف تھا۔ بنی زہرہ کے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شخص اسود بن عبدیغوث زہری تھا لیکن یہ نہیں(9)۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زنیم سے مراد وہ شخص ہے جس کا نسب صحیح نہ ہو۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے بقول اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی قوم کے ساتھ خواہ مخواہ شامل کر دیا گیا ہو لیکن اس کے ساتھ تعلق نہ ہو۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے زنیم کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد ولد الزنا ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن اور کافر میں اس طرح امتیاز ہو جاتا ہے جس طرح چرے ہوئے کان والی بکری جس کا کان لٹک رہا ہو دوسری بکریوں کے درمیان۔

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 306، فتح الباری، تفسیر سورۂ قلم، جلد 8، صفحہ 622، کتاب الادب، جلد 10، صفحہ 489، مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 219، عارضۃ الاحوذی ابواب، جلد 10 صفحہ 67، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1378

2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 169 3۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 227 4۔ طبری، جلد 29، صفحہ 24 5۔ ایضاً

6۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ قلم، جلد 8، صفحہ 662 7۔ دیوان حسان: 118، ابوعبیدہ، مجاز القرآن، جلد 2، صفحہ 265، طبری، جلد 29، صفحہ 25

8۔ طبری، جلد 29، صفحہ 25 9۔ ایضاً

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زنیم سے مراد وہ شخص ہے جو شر میں اس قدر معروف ہو جیسے چرے ہوئے کانوں والی بکری دوسری بکریوں میں اور زنیم وہ شخص ہے جسے غیر باپ کی طرف منسوب کیا جائے۔ بعض کے نزدیک اس کا معنی ہے مجہول النسب شخص۔ مفسرین کہتے ہیں کہ بکری کے لٹکے ہوئے چرے کان کی طرح اس میں بھی ایسی نشانی تھی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جڑ سے اس کا کان چرا ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کمینہ اور خسیس شخص تھا جس کا حقیقی باپ نامعلوم تھا۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مشکوک شخص ہے جو مجسم شر ہو۔ ابورزین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ زنیم ہونا کفر کی علامت ہے۔ اس لفظ کے معنی میں بکثرت اقوال منقول ہیں لیکن وہ سب ہمارے بیان کئے ہوئے معنی کے مطابق ہیں یعنی ''زنیم'' وہ آدمی ہے جو شر کی وجہ سے مشہور ہو اور عموماً ایسا شخص غیر صحیح النسب اور ولد الزنا ہوتا ہے کیونکہ بنسبت دوسرے لوگوں کے ایسے شریر آدمیوں پر شیطان کا تسلط اور تصرف زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: ''ولد زنا (حرامی) جنت میں نہیں جائے گا(1)''۔ ایک اور حدیث میں ہے: ''ولد الزنا تین لوگوں کی برائی کا مجموعہ ہے جب وہ اپنے والدین کا سا کام کرے''(2)۔

بعد ازاں فرمایا: اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ...... یعنی یہ ایسا بدکردار اور احسان فراموش بندہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام فرماتے ہوئے اسے مال بھی عطا کیا اور اولاد بھی لیکن یہ اس کے مقابلہ میں آیات الٰہی سے کفر اور انحراف کرتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ یہ پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: ذَرْنِیْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّ بَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِیْ وَ لَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (مدثر:30-11) ''آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے۔ اور دے دیا ہے۔ اس کو مال کثیر۔ اور بیٹے دیئے ہیں جو پاس رہنے والے ہیں۔ اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان۔ پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں۔ ہرگز نہیں۔ وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے۔ میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ کٹھن چڑھائی چڑھے۔ اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی۔ اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی۔ پھر دیکھا، پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا۔ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا۔ پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے۔ یہ نہیں مگر انسان کا کلام۔ عنقریب میں اسے جہنم میں جھونکوں گا۔ اور تو کیا سمجھے کہ جہنم کیا ہے؟ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے۔ جھلسا دینے والی آدمی کی کھال کو۔ اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں''۔ اور یہاں فرمایا: سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ہم اس کے معاملہ کو اس قدر واضح کر دیں گے کہ تمام لوگ اسے پہچان لیں گے اور جس طرح ناک پر نشان مخفی نہیں رہ سکتا، اسی طرح اس کی حقیقت بھی لوگوں پر عیاں ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گی(3)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم خصوصاً اس کی سونڈ جیسی ناک پر ایسا داغ لگائیں گے جو ہمیشہ قائم رہے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن لڑائی کے دوران اس کی تھوتھنی پر تلوار لگے گی۔ دوسرے حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ ہم اس پر دوزخیوں کی سی نشانی لگا دیں گے یعنی

1۔ امام احمد، جلد 2، صفحہ 203، دیکھئے تفسیر سورۂ مائدہ: 91 2۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 109، جلد 2، صفحہ 311، ابوداؤد، کتاب العتق، جلد 4، صفحہ 28

3۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 28

قیامت کے دن اس کے چہرے کو سیاہ بنا دیں گے۔ اس صورت میں یہاں ناک بول کر چہرہ مراد لیا گیا ہے۔ یہ تمام اقوال نقل کرنے کے بعد امام ابو جعفر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں مذکورہ بالا تمام امور کا اس شخص میں جمع ہونا ممکن ہے اور اس سے کوئی چیز مانع نہیں اور یہ توجیہہ قابل قبول ہے۔

ابن ابی حاتم میں سورۂ نباء کی تفسیر کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث مروی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''ایک بندہ عرصہ دراز تک (اللہ تعالیٰ کے ہاں) مومن لکھا رہتا ہے لیکن مرتا اس حالت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے اور ایک بندہ عرصہ دراز تک (اللہ تعالیٰ کے ہاں) کافر لکھا رہتا ہے لیکن جب مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے۔ جو شخص اس حال میں مرے کہ وہ عیب جو، نکتہ چیں، چغل خور اور لوگوں کو برے القاب دینے والا ہو، قیامت کے دن اس کی علامت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کی ناک پر دونوں ہونٹوں کی طرف سے نشان لگا دے گا'' (1)۔

إِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿۱۷﴾ وَلَا
يَسْتَثْنُونَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿۱۹﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿۲۰﴾
فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿۲۱﴾ أَنِ اغْدُوا عَلٰى حَرْثِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِينَ ﴿۲۲﴾ فَانْطَلَقُوا وَهُمْ
يَتَخَافَتُونَ ﴿۲۳﴾ أَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِينٌ ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِينَ ﴿۲۵﴾
فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوٓا إِنَّا لَضَآلُّونَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۲۷﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ
لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿۲۸﴾ قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِينَ ﴿۲۹﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
يَّتَلَاوَمُونَ ﴿۳۰﴾ قَالُوا يٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا طٰغِينَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ أَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ إِنَّآ إِلٰى
رَبِّنَا رٰغِبُونَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ أَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾

''ہم نے ان (مکہ والوں) کو بھی آزمایا جیسے ہم نے آزمایا تھا باغ والوں کو۔ جب انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ ضرور توڑ لیں گے اس کا پھل صبح سویرے۔ اور انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ پس چکر لگا گیا اس باغ پر ایک چکر لگانے والا آپ کے رب کی طرف سے درآنحالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ چنانچہ (لہلہاتا) باغ کٹے ہوئے کھیت کی مانند ہو گیا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ندا دی صبح سویرے۔ کہ سویرے سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو۔ سو وہ چل پڑے اور ایک دوسرے کو چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ (خبردار!) اس باغ میں ہرگز داخل نہ ہو آج تم پر کوئی مسکین۔ اور تڑکے چلے (یہ سمجھتے ہوئے) کہ وہ اس ارادہ پر قادر ہیں۔ پھر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے (غالبًا) ہم راستہ بھول گئے۔ نہیں نہیں ہماری تو قسمت پھوٹ گئی۔ ان میں جو زیرک تھا بول اٹھا کہ کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم (اس کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ کہنے لگے پاک ہے ہمارا رب، بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ پھر ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ کہنے لگے تف ہے ہم پر ہم ہی سرکش تھے۔ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں (اس کا) بدلہ دے گا جو بہتر ہوگا اس سے ہم (اب)

1۔ در منثور، جلد 8، صفحہ 250

اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ (دیکھ لیا) ایسا ہوتا ہے عذاب۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے۔ کاش! یہ لوگ (اس حقیقت) کو جانتے''۔

یہاں کفار قریش کے لئے باغ والوں کی مثال بیان کی جا رہی ہے جنہیں ناشکری کی پاداش میں عذاب سے دوچار کر دیا گیا، ان کفار کی بھی بالکل یہی حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عظیم رحمت سے نوازا اور ان پر خصوصی کرم فرمایا کہ ان میں حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کر کے اپنی یہ گرانقدر نعمت انہیں ارزانی فرما دی لیکن انہوں نے تکذیب، رد، مخالفت اور مقابلہ کی روش اختیار کر لی۔

اس لئے فرمایا: اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ...... یعنی ہم نے انہیں آزمایا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا جس باغ میں طرح طرح کے پھل اور قسم قسم کے میوے تھے جب ان باغ والوں نے آپس میں یہ قسم اٹھائی کہ وہ رات کو منہ اندھیرے اپنے باغ کا پھل کاٹ لیں گے تاکہ نہ کسی فقیر کو علم ہو اور نہ کسی سائل کو آ دھمکنے کا موقعہ ملے۔ اس طرح انہیں وافر مقدار میں پھل حاصل ہوگا اور اس میں سے صدقہ بھی نہیں کرنا پڑے گا، لیکن یہ عہد کرتے ہوئے اور قسم اٹھاتے ہوئے انہوں نے اِنْ شاء اللّٰہ کہنا بھی گوارا نہ کیا۔ اس لئے ان کی قسم تشنۂ تکمیل رہی۔

چنانچہ فرمایا: فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ...... یعنی ان کے سوتے ہوئے ایک آسمانی آفت پہنچی اور اس نے باغ کو جلا کر خاکستر بنا دیا۔ وہ ایسے ہو گیا جیسے سیاہ رات یا کٹی ہوئی کھیتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''صریم'' کا معنی ہے: سیاہ رات۔ ثوری اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کے بقول اس کا مطلب ہے: کٹی اور سوکھی کھیتی۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گناہوں سے اجتناب کرو۔ بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے سبب اسے اس رزق سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے جو اس کے لئے تیار کیا گیا ہوتا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اسی فرمان فَطَافَ عَلَيْهَا...... کی تلاوت کی کہ باغ والوں کو ان کے گناہ کے باعث ان کے باغ کے پھل سے محروم کر دیا گیا(1)۔

فرمایا: فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ...... یعنی صبح سویرے انہوں نے ایک دوسرے کو آواز دی تاکہ وہ جلد از جلد کاٹنے کے لئے چل پڑیں۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ سویرے سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو اگر تم اس کا پھل کاٹنا چاہتے ہو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کی کھیتی انگوروں کی تھی۔ چنانچہ وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے اس طرح چلے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔ پھر اللہ تعالیٰ جو دلوں کے راز اور سرگوشیوں سے بھی خوف واقف ہے، ان کی سرگوشی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے: فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ...... یعنی وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے اور ایک دوسرے کو یہ تلقین کرتے ہوئے چلے کہ آج یہاں کسی مسکین کو آٹپکنے کا موقعہ ہی نہ دیں۔ صبح ہوئی تو وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم اپنے ارادہ پر پوری طرح قادر ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ، حرد کا معنی ہے قوت و شدت۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کا معنی ہے پختہ ارادہ۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ غیظ و غضب کے معنی میں ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کا معنی ہے: مساکین۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حردان کی بستی کا نام تھا لیکن یہ قول بہت بعید ہے۔ باغ والے خیال کئے ہوئے تھے کہ وہ اپنے ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے پر پوری پوری قدرت رکھتے ہیں لیکن جب وہ وہاں پہنچے اور جھانک کر دیکھا تو وہاں منظر ہی اور تھا، ہرے بھرے باغ اور پھلوں سے لدی پھندی تر و تازہ ٹہنیوں کی بجائے بے فائدہ سیاہ ٹنڈ منڈ دکھائی دینے لگے۔ پہلے وہ کچھ ٹھٹکے اور خیال کرنے لگے کہ ہم راہ بھول گئے ہیں اور غلطی سے کسی اور جگہ پہنچ گئے ہیں لیکن جب غور کیا تو انہیں یقین ہو گیا کہ یہ باغ تو

1۔ در منثور، جلد 8، صفحہ 250

وہی ہے۔ کہنے لگے بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ یعنی باغ تو یہی ہے لیکن ہماری قسمت پھوٹ گئی، ہمارے نصیب میں یہ باغ تھا ہی نہیں!

فرمایا: قَالَ اَوْسَطُهُمْ...... یعنی ان میں سب سے زیادہ بہتر اور شریف بول اٹھا کہ کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم اس کی تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ سدی، مجاہد اور ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ کا معنی بتاتے ہیں: ''لَوْلَا تَسْتَثْنُوْنَ'' یعنی تم ان شاء اللہ کیوں نہیں کہتے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں تسبیح (سبحان اللہ کہنا ان کی استثناء ان شاء اللہ کہنا) تھی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہی ان شاء اللہ کہنا ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا یہ معنی ہے کہ ان میں سب سے زیادہ زیرک نے کہا: کیا میں نے تمہیں کہا نہ تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیوں نہیں بیان کرتے اور اس کی عطا اور نعمت پر اس کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے۔ اب وہ کہنے لگے:

سُبْحٰنَ رَبِّنَآ...... یعنی اب انہوں نے اطاعت کا اظہار کیا لیکن بے سود اور اب فرط ندامت سے اعتراف جرم کرنے لگے لیکن یہ سب کچھ بے فائدہ تھا، اس لئے وہ کہنے لگے کہ ہم ہی ظالم تھے۔

فرمایا: فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ...... یعنی مساکین کو ان کے حق سے محروم رکھنے کے باعث وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے لیکن اقرار خطا اور اعتراف گناہ کے سوا کسی سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ کہنے لگے: يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ یعنی ہائے افسوس! ہم نے ہی بغاوت، سرکشی اور ظلم کی روش اختیار کی اور حد سے تجاوز کر گئے، اسی وجہ سے ہمیں یہ دن دیکھنا پڑا اور ہم مصیبت میں پھنس گئے۔ پھر کہنے لگے: عَسٰى رَبُّنَآ...... یعنی امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا کیونکہ ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے دنیا میں اس کے نعم البدل کا سوال کیا اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی نیت اخروی ثواب کی تھی۔ بعض سلف کا کہنا ہے کہ یہ باغ والے اہل یمن سے تعلق رکھتے تھے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ ضروان کے رہنے والے تھے جو صنعاء سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے(1)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا تعلق اہل حبشہ سے تھا اور یہ باغ انہیں اپنے باپ کی وارثت میں ملا تھا۔ یہ اہل کتاب تھے۔ ان کے باپ کا یہ معمول تھا کہ وہ اس باغ سے حاصل ہونے والی پیداوار میں سے اس پر اٹھنے والے اخراجات الگ کر لیتا اور اپنے اہل وعیال کے لئے سال بھر کی خوراک بھی ذخیرہ کر لیتا اور باقی صدقہ کر دیتا۔ جب یہ فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے کہنے لگے کہ ہمارا باپ تو احمق تھا جو بے دریغ مسکینوں پر خرچ کر دیا کرتا تھا۔ اگر ہم فقراء کو محروم کر دیں تو ہم بہت خوشحال ہو جائیں گے۔ جب انہوں نے یہ عزم مصمم کیا، تو ان کے ارادہ کو خاک میں ملا کر انہیں سزا دی گئی اور اصل مال سے بھی محروم کر کے انہیں بالکل تہی دامن کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَذٰلِكَ الْعَذَابُ...... یعنی اسی طرح اس شخص کو عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرے، اس کی عطا اور نعمت میں بخل سے کام لے، فقراء، مساکین اور ضرورتمندوں کا حق روکے رکھے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرے۔ یہ تو دنیا کی سزا ہے، آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ سخت اور شاق ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت پھل اتارنے اور کھیتی کاٹنے سے منع فرمایا ہے(2)۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۞٣٤ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۞٣٥ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۞٣٦ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ۞٣٧ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۞٣٨ اَمْ

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 251 2۔ سنن کبریٰ، کتاب الزکاۃ، جلد 4، صفحہ 133

لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ
زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾

''بے شک پرہیزگاروں کے لئے اپنے رب کے پاس نعمتوں بھری جنتیں ہیں۔کیا ہم فرمانبرداروں کا حال مجرموں کا سا کر دیں گے؟تمہیں کیا ہو گیا،تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے،جس میں تم یہ پڑھتے ہو۔کہ تمہارے لئے اس میں ایسی چیزیں ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو۔کیا تمہارے لئے قسمیں ہم پر (لازم) ہیں جو باقی رہنے والی ہیں قیامت تک۔کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم حکم کرو گے۔ان سے پوچھئے ان میں سے کون ان (بے سروپا) باتوں کا ضامن ہے۔ کیا ان کے پاس کوئی گواہ ہیں۔اگر ہیں تو پھر پیش کریں اپنے گواہوں کو اگر وہ سچے ہیں''۔

دنیاوی جنت والوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں انہیں ملنے والی سزا کا حال بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ جو شخص اس سے ڈرتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے اسے دارِ آخرت میں نعمتوں بھری جنتوں سے سرفراز کیا جائے گا جو نہ فنا ہوں گی،نہ ان پر کوئی آفت آئے گی اور نہ ان کی نعمتیں زائل ہوں گی۔

پھر فرمایا: اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ...... یعنی کیا ہم ان دونوں گروہوں کو یکساں جزا دیں گے؟ ہرگز نہیں،زمین و آسمان کے رب کی قسم!اس لئے فرمایا: مَالَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ؟ یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے،تم کیونکر یہ گمان کر رہے ہو؟ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ یعنی کیا تمہارے ہاتھوں میں کوئی آسمانی کتاب ہے،جس کا تم مطالعہ کرتے ہو،وہ تمہارے پاس محفوظ ہے اور اگلوں سے منتقل ہوتے ہوتے وہ پچھلوں تک پہنچی ہے اور اس میں وہ حکم موجود ہے جس کا تم دعویٰ کرتے ہو؟ پھر فرمایا: اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ...... یعنی کیا تمہیں ہماری طرف سے کوئی ایسے عہد و پیمان حاصل ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ تمہیں وہی کچھ حاصل ہو گا جس کی تم خواہش کرو گے؟ آپ ان سے پوچھیں اگر کوئی ایسا معاہدہ طے پا چکا ہے تو اس پر کوئی ضامن اور کفیل پیش کرو یا یہ کم از کم اپنی صداقت کے ثبوت میں اپنے شرکاء یعنی معبودان باطلہ ہی لے آئیں۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ
تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ
يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ
كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾ اَمْ تَسْـَٔـلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ
فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

''جس روز پردہ اٹھایا جائے گا ایک ساق سے تو ان (نابکاروں) کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی تو اس وقت وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ندامت سے جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں ان پر ذلت چھا رہی ہو گی۔حالانکہ انہیں (دنیا میں) بلایا جاتا تھا سجدہ کی طرف جب کہ وہ صحیح سلامت تھے۔پس (اے حبیب!) آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور اسے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے۔ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہو گا۔اور میں نے (سردست) انہیں مہلت دے رکھی

ہے۔ میری (خفیہ) تدبیر بڑی پختہ ہے۔ آیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں، پس وہ اس تاوان (کے بوجھ) سے دبے جاتے ہیں۔ کیا ان کے پاس غیب کی خبر آتی ہے اور وہ اس کو لکھ لیتے ہیں''۔

قبل ازیں یہ بیان ہوا کہ متقی لوگوں کو اپنے رب کے ہاں نعمتوں بھری جنتوں سے نوازا جائے گا، اب یہاں یہ بتایا جارہا ہے کہ یہ انعام کب ہوگا؟ چنانچہ فرمایا: يَوْمَ يُكْشَفُ..... یعنی قیامت کے دن، جس دن ہولناکیوں، زلزلوں، آزمائشوں اور بڑے بڑے نازک امور کا سامنا ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارا رب اپنی پنڈلی سے پردہ اٹھادے گا تو ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت اس کے حضور سربسجود ہو جائیں گے اور وہ شخص جو دنیا میں ریاکاری اور شہرت کی خاطر سجدے کیا کرتا تھا، وہ سجدہ کرنے جائے گا لیکن اس کی کمر تختہ کی طرح اکڑ جائے گی'' (1)۔ یہ حدیث صحیحین وغیرہ میں مختلف طرق سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے اور یہ حدیث طویل اور مشہور ہے (2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ يَوْمَ يُكْشَفُ..... سے مراد یہ ہے کہ یہ دن دکھ تکلیف اور شدت کا دن ہوگا۔ ابن جریر، حضرت ابن مسعود یا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے (اس میں انہیں شک ہے) بیان کرتے ہیں کہ ساق سے مراد ہے: سخت تکلیف دہ اور بہت بڑا امر جیسا کہ شاعر کا قول ہے: سَالَتِ الحربُ عن ساقٍ یعنی لڑائی شدت اختیار کر گئی۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے معاملہ کا شدت اختیار کرنا اور سنگین ہو جانا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ بہت سخت گھڑی ہوگی اور اس سے مراد روز قیامت کے سنگین، تکلیف دہ، ہوش ربا اور ہولناک حالات ہیں۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس وقت معاملہ منکشف ہو جائے گا اور اعمال ظاہر ہو جائیں گے۔ کشف یعنی کھلنے سے مراد ہے دخول آخرت اور اس سے مقصود حالات کا عیاں ہو جانا ہے (3)۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام روایات کو بیان کرنے کے بعد ایک حدیث وارد کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''جس دن پنڈلی سے پردہ اٹھادیا جائے گا یعنی نور عظیم ظاہر ہوگا جس کے سامنے لوگ سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ یہ حدیث ابویعلی میں بھی ہے لیکن اس کا ایک راوی مبہم ہے (4)۔

فرمایا: خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ..... یعنی دار آخرت میں ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھارہی ہوگی کیونکہ وہ دنیا میں جرائم کا ارتکاب کرتے اور اکڑتے تھے، اس لئے اس روش کے برعکس انہیں ذلت ورسوائی کی سزا ملی اور جب دنیا میں انہیں سجدہ کرنے کی دعوت دی جاتی تھی تو باوجود صحت، سلامتی اور قدرت کے دنیا میں انہیں سجدہ کی توفیق نہ ہوئی، اس لئے آج اسی حکم عدولی کی پاداش میں ان سے سجدہ کرنے کی قوت سلب کر لی گئی۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ تجلی فرمائے گا تو سب مومن اس کے حضور سجدہ میں گر جائیں گے لیکن کوئی کافر اور منافق سجدہ نہیں کر سکے گا بلکہ اس کی کمر تختہ کی طرح اکڑ جائے گی۔ جب بھی ان میں سے کوئی سجدہ کرنا چاہے گا تو پیٹھ کے بل نیچے آگرے گا۔ جیسے دنیا میں ان کی حالت اہل ایمان کی حالت کے برعکس تھی، اسی طرح قیامت کے دن بھی دونوں کی حالتیں یکسر مختلف ہوں گی۔

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ قلم، جلد 8، صفحہ 664-663 و کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 422-420، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 167 2۔ ایضاً

3۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 39-38 4۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 42، مسند ابویعلی، جلد 6، صفحہ 402

پھر فرمایا: فَذَرْنِیْ...... یعنی اے میرے حبیب! آپ مجھے اور اسے چھوڑ دیں جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے۔ اس میں بڑی سخت دھمکی ہے یعنی آپ ایسے ناہنجار کو میرے حوالے کر دیں۔ میں اس سے نپٹ لوں گا۔ میں انہیں ڈھیل اور مہلت دے رہا ہوں۔ یہ گمراہی میں بڑھتے چلے جائیں گے اور میں انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جاؤں گا، پھر جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی تو انہیں اچانک پوری قوت اور اقتدار کے ساتھ پکڑ لوں گا اس لئے فرمایا: سَنَسْتَدْرِجُهُمْ...... یعنی میں انہیں آہستہ آہستہ تباہی کی طرف لے جاؤں گا اور نعمتوں سے نوازتا رہوں گا لیکن انہیں حقیقت کا علم تک نہ ہوگا بلکہ یہ تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکریم وانعام یقین کئے بیٹھے ہوں گے حالانکہ یہ دراصل اہانت ہوگی جیسا کہ فرمایا: اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ (مومنون: 55-56) ”کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال واولاد (کی کثرت سے) تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں“۔ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ (انعام: 44) ”پھر جب انہوں نے بھلا دیں وہ نصیحتیں جو انہیں کی گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے۔ یہاں تک کہ جب وہ خوشیاں منانے لگے اس پر جو انہیں دیا گیا تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک اب وہ ناامید ہو کر رہ گئے“۔

اور یہاں فرمایا: وَ اُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ یعنی میں انہیں ڈھیل اور مہلت دوں گا اور یہ ان کے خلاف میری خفیہ تدبیر ہے اور میری تدبیر ہر اس شخص کے خلاف بہت پختہ اور عظیم ہے جو میرے حکم کی خلاف ورزی کرے، میرے رسولوں کو جھٹلائے اور میری نافرمانی کی جسارت کرے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں“(1)۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰی وَ هِیَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ (ہود: 102) ”اور یونہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو درآنحالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ بیشک اس کی پکڑ بڑی دردناک (اور) سخت ہوتی ہے“۔

پھر فرمایا: اَمْ تَسْئَلُهُمْ...... ان دونوں آیتوں کی تفسیر سورۂ طور میں گزر چکی ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اے میرے پیارے حبیب! آپ انہیں بغیر اجرت کے اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں بلکہ آپ تو صرف بارگاہِ خداوندی سے اجر وثواب کے خواستگار ہیں، پھر بھی یہ لوگ محض اپنی جہالت، کفر اور عناد کے سبب آپ کے لائے ہوئے پیغام کو جھٹلاتے ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰی وَ هُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ لَوْ لَاۤ اَنْ
تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ
الصّٰلِحِیْنَ ﴿۵۰﴾ وَ اِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ
یَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَ مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۲﴾

”پس انتظار فرمائیے اپنے رب کے حکم کا اور نہ ہو جائیے مچھلی والے کی مانند۔ جب اس نے پکارا اور وہ غم واندوہ سے بھرا ہوا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 126، سورۂ رعد: 32

تھا۔ اگر اس کی چارہ سازی نہ کرتا اس کے رب کا لطف تو ڈال دیا جاتا اسے چٹیل میدان درآنحالیکہ اس کی مذمت کی جاتی۔ پھر چن لیا اس کو اس کے رب نے اور بنادیا اس کو اپنے نیک بندوں سے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ کفار پھسلا دیں گے آپ کو اپنی (بد) نظروں سے جب وہ سنتے ہیں قرآن اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہے۔ حالانکہ وہ نہیں مگر سارے جہانوں کے لئے وجہ عزّ وشرف''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ اپنی قوم کی ایذاءرسانی اور تکذیب پر صبر کریں۔ عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں اور ان کے خلاف فیصلہ فرمائے گا اور دنیا وآخرت میں غلبہ آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو ہی حاصل ہوگا۔

فرمایا: وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ مچھلی والے سے مراد حضرت یونس بن متی علیہ السلام ہیں جب آپ اپنی قوم سے ناراض ہو کر وہاں سے چل دیئے۔ پھر وہی واقعہ پیش آیا جو معروف ہے یعنی کشتی پر سوار ہونا، مچھلی کا آپ کو نگل جانا اور اس کا آپ کو سمندر کی تہہ در تہہ تاریکیوں میں لے جانا اور وہاں آپ کا سمندر کو قادر مطلق خدائے بزرگ وبرتر کی تسبیح کرتے ہوئے سننا جس کے فیصلہ کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت تاریکیوں میں آپ نے اپنے رب کو پکارا: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (انبیاء:87) ''کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاک ہے تو۔ بیشک میں ہی قصورواروں سے ہوں''۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول کرتے ہوئے فرمایا: فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (انبیاء:88) ''پس ہم نے ان کی پکار کو قبول فرمالیا اور نجات بخش دی انہیں غم (واندوہ) سے اور یونہی ہم نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو''۔ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (صافات:44-143) ''پس اگر وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے والوں سے نہ ہوتے، تو پڑے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک''۔

اور یہاں فرمایا: اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مکظوم کا معنی ہے مغموم۔ عطاء خراسانی اور ابو مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے بقول اس کا معنی ہے: رنج ومشقت میں مبتلا۔ پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جونہی یہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ آپ کی زبان سے نکلا، فوراً اس کی آواز عرش کے اردگرد سنائی دینے لگی۔ فرشتے عرض کرنے لگے: اے پروردگار! یہ کمزور سی آواز ہے تو معروف لیکن کسی اجنبی جگہ سے آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم نے اسے پہچانا نہیں؟ عرض کی: نہیں۔ فرمایا: یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے۔ فرشتے کہنے لگے: اے پروردگار! تیرا وہ بندہ جس کے نیک اعمال اور مقبول دعائیں تیری بارگاہ میں بلند ہوتی رہتی ہیں۔ فرمایا: ہاں۔ فرشتوں نے عرض کی: یا اللہ! کیا تو ان کے آسائش کے دور میں کیے گئے اعمال صالحہ کے طفیل ان پر رحم فرما کر انہیں اس آزمائش سے نجات نہیں دے گا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا تو اس نے آپ کو چٹیل میدان میں اگل دیا(1)۔ اس لئے فرمایا: فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ یعنی آپ کے رب نے آپ کو چن لیا اور صالحین میں شامل کر دیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی آدمی کے لئے یہ کہنا مناسب نہیں کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں''(2)۔

اگلی آیت میں فرمایا: وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا...... یعنی قریب ہے کہ یہ کافر آپ کو اپنی نظر لگا کر پھسلا دیں یعنی آپ کے ساتھ بغض و

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انبیا:87

2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 390، فتح الباری، جلد 6، صفحہ 450 تفسیر سورۂ نساء، جلد 8، صفحہ 267، مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4، صفحہ 1846

عناد کی وجہ سے یہ لوگ حسد کی آگ میں جل رہے ہیں، اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کی حمایت اور حفاظت حاصل نہ ہوتی تو یہ بدقماش ضرور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نظر کا لگنا اور اس کی تاثیر حق ہے اور اس کی تائید متعدد احادیث سے بھی ہوتی ہے جو مختلف اسناد سے مروی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دم نہیں ہے مگر نظر کا یا زہریلے جانوروں کا یا نہ رکنے والے خون کا'' (1)۔ حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دم جھاڑ و تو صرف نظر کا ہے یا زہر کا'' (2)۔ یہ حدیث بخاری میں ہے۔ ابویعلی میں ایک غریب حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نظر ایک آدمی کو اللہ کے حکم سے اس قدر جوش دلاتی ہے کہ وہ اونچے پہاڑ پر جا چڑھتا ہے پھر وہاں سے گر کر ہلاک ہو جاتا ہے (3)''۔ حضرت حابس تمیمی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الو میں کوئی حقیقت نہیں، نظر حق ہے اور سب سے سچا شگون نیک فال ہے''۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نظر حق ہے، نظر حق ہے، یہ اونچی جگہ سے نیچے گرا دیتی ہے'' (5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''نظر حق ہے۔ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے جانے والی ہوتی تو نظر سبقت لے جاتی اور جب تمہیں غسل کرنے کو کہا جائے تو غسل کر لیا کرو'' (6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو ان کلمات کا دم کر کے اللہ کی پناہ میں دیا کرتے تھے: أُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ یعنی میں تم دونوں کو ہر شیطان سے، ہر زہریلے جانور سے اور ہر لگنے والی نظر سے، اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق اور اسماعیل علیہما السلام کو بھی انہیں کلمات کے ساتھ دم کیا کرتے تھے۔ یہ حدیث بخاری اور سنن میں بھی ہے (7)۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ غسل کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گزر ہو گیا۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے آج تک کسی پردہ نشین کا بھی ایسا جسم نہیں دیکھا۔ یہ سننا تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ انہیں فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! سہل کی خبر لیں، وہ بے ہوش پڑے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی ذمہ داری تم کس پر ڈالتے ہو؟'' عرض کی: عامر بن ربیعہ پر۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو بھلا کس بناء پر قتل کر سکتا ہے؟ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی کوئی ایسی چیز دیکھے جو اسے بھلی لگے تو اسے اس کے لئے برکت کی دعا کرنی چاہئے''۔ پھر آپ ﷺ نے پانی منگوا کر حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وضو کرو۔ چنانچہ انہوں نے اپنا چہرہ، کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ، گھٹنے اور تہبند کا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب، جلد 4، صفحہ 11

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1161، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 199 عارضۃ الاحوذی، ابواب الطب، جلد 8، صفحہ 213، فتح الباری کتاب الطب، جلد 10 صفحہ 155، سنن ابوداؤد، ابواب الطب، جلد 4، صفحہ 10

3۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 167-146

4۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 70، عارضۃ الاحوذی، ابواب الطب، جلد 8، صفحہ 218-215

5۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 294-274

6۔ مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1719

7۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 408، سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4، صفحہ 235 عارضۃ الاحوذی، ابواب الطب، جلد 8، صفحہ 215، ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1165-1164

اندرونی حصہ جسم دھویا اور حکم دیا کہ یہ پانی اس (سہل) کے اوپر بہادو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: برتن اس کے پیٹھ کے پیچھے سے اوندھا کر دیا جائے(1)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنات اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ جب معوذتین (سورۃ الفلق، سورۃ الناس) کا نزول ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں لے لیا اور باقی سب ترک کر دیا(2)۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے کہنے لگے کہ آپ کو بیماری کی شکایت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ اس پر جبریل نے کہا: بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ يُّؤْذِيْكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَّعَيْنٍ تَشْنِيْكَ وَاللّٰهُ يَشْفِيْكَ، بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ ''یعنی اللہ کے نام سے میں آپ کو ہر اذیت ناک چیز سے، ہر نفس کے شر اور ضرر رساں نظر سے دم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا عطا فرمائے گا۔ میں اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں''(3)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طبیعت ناساز ہوگئی تو جبریل حاضر ہوئے اور ان الفاظ کے ساتھ آپ ﷺ کو دم کیا: ''بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ يُّؤْذِيْكَ مِنْ كُلِّ حاسِدٍ وَّعَيْنٍ وَاللّٰهُ يَشْفِيْكَ(4)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا..... ''نظر حق ہے''(5)۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے(6)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نظر حق ہے۔ شیطان اور ابن آدم کا حسد اس کا باعث بنتا ہے''(7)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ شگون تین چیزوں میں ہے: گھر، گھوڑا اور عورت؟ آپ نے جواب دیا: تب تو میں ایسی بات کہوں گا جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی البتہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''أَصْدَقُ الطيرةِ الفَأْلُ والعينُ حقٌّ''(8)۔ یعنی سچا ترین شگون نیک فال ہے اور نظر حق ہے۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! جعفر کے بچوں کو نظر لگ جاتی ہے، کیا میں انہیں دم کر دیا کروں؟ فرمایا: ''ہاں، اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جاتی تو نظر اس پر سبقت لے جاتی''(9)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں نظر کے دم کا حکم فرمایا(10)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی پناہ مانگا کرو کیونکہ نظر حق ہے''(11)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نظر لگانے والے کو وضو کرنے کا حکم دیا جاتا تھا اور نظر لگنے والے کو اس پانی سے غسل کرایا جاتا تھا(12)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الو کوئی نہیں، نظر حق ہے اور نیک شگون نیک فال ہے''۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1160 2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1161، عارضۃ الاحوذی، ابواب الطب، جلد 8، صفحہ 214

3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 56-28، مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1719-1718 عارضۃ الاحوذی، ابواب الجنائز، جلد 4، صفحہ 196، ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1164 4۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 75

5۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 319-318، فتح الباری، کتاب الطب، جلد 10، صفحہ 203، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 379، مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1719

6۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1159، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 487 7۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 439 8۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 289

9۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 438، عارضۃ الاحوذی، جلد 8، صفحہ 215-214، ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 1160، مزی: تحفۃ الاشراف، جلد 11، صفحہ 261

10۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1161، فتح الباری، کتاب الطب، جلد 10 صفحہ 199، مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1725

11۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1159 12۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطب، جلد 4، صفحہ 9

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ مکہ کی طرف نکلے۔ جب جحفہ میں شعب خرار پر پہنچے تو حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ وہاں غسل کرنے لگے۔ یہ گورے چٹے اور خوبصورت تھے۔ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے انہیں غسل کرتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ میں نے آج تک کسی پردہ نشین کا بھی ایسا جسم نہیں دیکھا۔ یہ سنتے ہی حضرت سہل رضی اللہ عنہ غش کھا کر گر پڑے۔ رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ سہل کی خبر لیں گے؟ وہ نہ اپنا سر اٹھاتے ہیں اور نہ ہوش میں آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم کسی کو اس بارے میں موردِ الزام ٹھہراتے ہو؟'' عرض کی: انہیں عامر بن ربیعہ کی نظر لگ گئی۔ آپ ﷺ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا: ''تم میں سے کوئی کس بناء پر اپنے بھائی کو قتل کرسکتا ہے؟ جب تم نے وہ چیز دیکھی جو تمہیں اچھی لگی تو تم نے اس وقت برکت کی دعا کیوں نہ کی؟ پھر فرمایا کہ وضو کرو۔ چنانچہ انہوں نے اپنا چہرہ، دونوں ہاتھ، کہنیاں، گھٹنے، پاؤں اور تہبند کے اندرونی جسم کا حصہ ایک برتن میں دھویا پھر آپ کے حکم سے ایک شخص نے وہ پانی حضرت سہل رضی اللہ عنہ کے سر اور پیٹھ پر بہا دیا اور برتن پیٹھ پیچھے اوندھا کر دیا۔ بس ایسا کرنا تھا کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ چلنے پھرنے لگے اور بالکل صحت مند ہوگئے (1)۔ مسند احمد میں حضرت عبید اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عامر بن ربیعہ اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم غسل کے ارادہ سے نکلے۔ راوی کہتے ہیں کہ دونوں اوٹ کی تلاش میں تھے۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے اپنا اونی جبہ اتارا اور غسل کرنے کے لئے پانی میں اترے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے انہیں دیکھا تو انہیں میری نظر لگ گئی اور وہاں پانی میں خرخراہٹ کرنے لگے۔ میں نے انہیں تین مرتبہ آواز دی لیکن انہوں نے مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ میں بھاگم بھاگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ وہاں تشریف لائے اور پانی میں گھس گئے، گویا آپ ﷺ کی پنڈلیوں کی سفیدی مجھے اب بھی نظر آرہی ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے سینے پر اپنا ہاتھ مارا اور یہ دعا کی: ''اَللّٰهُمَّ اصْرِفْ عَنْهُ حَرَّهَا وَبَرْدَهَا وَوَصَبَهَا'' یعنی اے اللہ! اس سے اس کی گرمی، سردی اور تکلیف کو دور کردے۔ وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی ذات میں یا اس کے مال میں کوئی بھلی چیز دیکھے تو اسے چاہئے کہ اس کے لئے برکت کی دعا کرے کیونکہ نظر حق ہے'' (2)۔

مسند بزار کی ایک حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: قضاء وقدر اور اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے کے بعد میری امت کی موت اکثر نظر سے ہوگی۔ (3) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نظر حق ہے، یہ آدمی کو قبر میں اور اونٹ کو ہنڈیا میں پہنچا دیتی ہے اور میری امت کی ہلاکت اکثر نظر کے باعث ہے۔'' حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیماری کا متعدی ہونا، برا شگون لینا، الو کو تباہی کا سبب یقین کرنا اور حسد کی کوئی حقیقت نہیں البتہ نظر حق ہے (4)۔

ابن عساکر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپ کو مغموم پایا۔ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کے چہرہ پر غم کے آثار کیسے دیکھ رہا ہوں؟ فرمایا: ''حسن اور حسین کو نظر لگ گئی ہے''۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے: نظر کی تصدیق کریں، نظر حق ہے۔ آپ نے ان کلمات کا دم کر کے انہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں کیوں نہ دیا؟ فرمایا: اے جبریل! وہ کون سے کلمات ہیں؟ کہنے لگے کہ یہ دعا کیا کریں: ''اَللّٰهُمَّ ذَا السُّلْطَانِ الْعَظِيْمِ وَالْمَنِّ الْقَدِيْمِ ذَالْوَجْهِ الْكَرِيْمِ وَلِيَّ

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 487-486
2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 447
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الطب، جلد 3، صفحہ 403
4۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 232

الکلماتِ التامّاتِ والدّعواتِ المُستَجاباتِ عافِ الحسنَ والحسینَ من اَنفُسِ الجنّ واَعیُنِ الانس" یعنی اے عظیم سلطنت والے! حسن اور حسین کو جنات کی شرانگیزیوں اور انسانوں کی نظروں سے عافیت عطا فرما۔ نبی کریم ﷺ نے یہ دعا پڑھی تو اسی وقت آپ کے یہ لاڈلے نواسے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے سامنے کھیلنے کودنے لگے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگو! خود کو، اپنی عورتوں کو اور اپنی اولاد کو یہی (دم کر کے) پناہ دیا کرو کیونکہ اس جیسی کوئی پناہ نہیں (1)۔

پھر فرمایا: وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ یعنی یہ بدبخت آپ کو حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہیں اور زبان طعن دراز کر کے آپ کو اذیت پہنچاتے ہیں اور قرآن کریم لانے کے باعث آپ کو مجنون کہتے ہیں حالانکہ قرآن کی شان یہ ہے: وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

1۔ تہذیب تاریخ دمشق الکبیر، جلد 7، صفحہ 54-53

سورۃ الحاقہ (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلْحَاقَّةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْحَاقَّةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ ؕ﴿۳﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾
فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا
عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ
نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ﴿۷﴾ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ
بِالْخَاطِئَةِ ۚ﴿۹﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ
فِي الْجَارِيَةِ ۙ﴿۱۱﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾

''وہ ہو کر رہنے والی۔ کیا ہے وہ ہو کر رہنے والی۔ اور اے مخاطب تم کیا سمجھو وہ ہو کر رہنے والی کیا ہے۔ جھٹلایا ثمود اور عاد نے ٹکرا کر پاش پاش کرنے والی کو۔ پس ثمود تو انہیں ہلاک کر دیا گیا سخت چنگھاڑ سے۔ رہے عاد، تو انہیں برباد کر دیا گیا آندھی سے جو سخت سرد، بے حد تند تھی۔ اللہ نے مسلط کر دیا اسے ان پر (مسلسل) سات رات اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑنے والی تھی تو تو دیکھتا قوم عاد کو ان دنوں کہ وہ گر پڑے ہیں۔ گویا وہ مڈھ ہیں کھوکھلی کھجور کے۔ کیا تمہیں نظر آتا ہے ان کا کوئی باقی ماندہ فرد۔ اور فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹائی جانے والی بستیوں کے باشندوں نے غلطی کا ارتکاب کیا۔ پس انہوں نے نافرمانی کی اپنے رب کے رسولوں کی تو اللہ نے پکڑ لیا انہیں بڑی سختی سے۔ ہم نے جب سیلاب حد سے گزر گیا تو تمہیں کشتیوں میں سوار کر دیا۔ تاکہ ہم بنا دیں اس واقعہ کو تمہارے لئے یادگار اور محفوظ رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان''۔

اَلْحَاقَّةُ قیامت کا ایک نام ہے۔ چونکہ اس میں وعدہ اور وعید کا تحقق ہوگا اس لئے یہ نام پڑ گیا۔ اس میں وقوع پذیر ہونے والے بڑے بڑے امور کے پیش نظر اس کی ہولناکی اور تفخیم شان کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ۔ بعد ازیں قیامت کی تکذیب کرنے والی قوموں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: فَاَمَّا ثَمُوْدُ...... الطاغية سے مراد وہ سخت چنگھاڑ اور زلزلہ ہے جس نے انہیں نیست و نابود کر کے بالکل خاموش کر دیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے سخت چیخ اور ابن جریر نے بھی یہی معنی اختیار کیا ہے(1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کا معنی گناہ ہے۔ ربیع بن انس اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کا معنی سرکشی لیا ہے اور ابن زید کی قراءت میں ''بالطاغية'' کی بجائے ''بطغواها'' ہے، جس سے ان کے بیان کئے ہوئے معنی کی تائید ہوتی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ''الطاغية'' سے مراد وہ شخص ہے جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر عاد کے متعلق فرمایا: وَاَمَّا عَادٌ......، ''صرصر'' کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 49

معنی ہے: یخ بستہ، ٹھنڈی اور '' عاتیۃ '' کا معنی ہے: بے حد تند و تیز۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کی تندی اور شدت کا یہ عالم تھا کہ اس نے ان کے دل چھید دیئے۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ اس قدر یخ بستہ جھکڑ تھا جس میں نہ رحمت تھی اور نہ برکت۔ یہ بغیر حساب کے اس طرح چلا کہ محافظ فرشتوں پر بھی سرکش اور بے قابو محسوس ہونے لگا(1)۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لگاتار مکمل سات منحوس راتیں اور آٹھ منحوس دنوں تک مسلط کئے رکھا۔ حضرات ابن مسعود، ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کے نزدیک '' حسوما '' کا معنی ہے: مسلسل لگاتار۔

عکرمہ اور ربیع بن خثیم رحمہما اللہ تعالیٰ کے بقول اس کا معنی ہے منحوس اور نامبارک جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: فِیْۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ (فصلت: 16) '' منحوس دنوں میں ''۔ ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آغاز جمعہ کے دن سے ہوا تھا جبکہ دیگر حضرات کے نزدیک یہ عذاب بدھ کے دن سے شروع ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان ہواؤں کو لوگ '' أعجاز '' کہتے ہیں گویا انہوں نے یہ اس آیت فَتَرَى الْقَوْمَ فِیْهَا صَرْعٰى...... سے اخذ کیا ہے۔ اعجاز کہنے کی دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ ہوائیں عموماً سرما کے آخر میں چلا کرتی ہیں اور عجز کا معنی ہے آخر۔ ان دنوں کو '' ایام عجوز '' کہا جاتا ہے۔ عجوز بڑھیا کو کہتے ہیں۔ یہ نام قوم عاد سے تعلق رکھنے والی ایک بڑھیا کی مناسبت سے پڑا جو ایک غار میں گھس گئی تھی لیکن آٹھویں دن ہوا نے وہاں داخل ہو کر اس کا کام تمام کر دیا(2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول '' خاویۃ '' کا معنی ہے خراب۔ دوسرے حضرات اس کا معنی بتاتے ہیں: بوسیدہ، یعنی ہوائیں انہیں سر کے بل اس زور سے پٹخ دیتیں کہ ان کے سر بری طرح کچلے جاتے اور وہ بے جان اور بے سدھ لاشے باقی رہ جاتے۔ یوں محسوس ہوتا گویا وہ بغیر شاخوں کے کھجور کے کھوکھلے مُڈھ ہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: '' میری صبا (پروائی ہوا) کے ذریعے مدد کی گئی اور قوم عاد کو دبور (پچھوائی ہوا) کے ذریعے ہلاک کیا گیا ''(3)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' جس آندھی سے قوم عاد کو ہلاک کیا گیا، وہ اللہ تعالیٰ نے صرف انگوٹھی کے برابر کھولی تھی۔ وہ پہلے دیہات والوں پر سے گزری اور انہیں، ان کے مویشیوں اور ان کے مالوں کو اٹھا کر زمین و آسمان کے درمیان معلق کر دیا۔ جب ان کے شہر والوں نے یہ منظر دیکھا تو سمجھے کہ یہ تو بارش برسانے والا بادل ہے، اسی اثناء میں ہوا نے ان تمام کو ان شہریوں پر پھینک دیا(4)۔'' مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ہوا کے دو پر اور ایک دم تھی۔

فرمایا: فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِیَةٍ یعنی کیا ان کے باقی ماندہ لوگوں سے یا ان کے ساتھ تعلق رکھنے والوں سے کوئی شخص تمہیں دکھائی دیتا ہے؟ نہیں، بلکہ وہ تمام کے تمام نیست و نابود ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل ہی ختم کر دی۔ پھر فرمایا: وَ جَآءَ فِرْعَوْنُ...... ایک قراءت میں '' قِبَلہ '' (قاف کے کسرہ کے ساتھ) ہے۔ اس صورت میں معنی ہوگا: فرعون کے زمانہ میں اس کے قبطی کافر پیروکار۔ دوسری قراءت میں '' قَبلہ '' (قاف کے فتحہ کے ساتھ) ہے یعنی فرعون سے پہلے گزری ہوئی کافر قومیں۔

الْمُؤْتَفِكٰتُ سے مراد پیغمبروں کو جھٹلانے والی امتیں ہیں۔ '' خاطئۃ '' سے مراد ہے وحی کی تکذیب۔ ربیع رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی معصیت بتایا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے: خطائیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 50 — 2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 386

3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ذاریات: 41 — 4۔ مذکورہ حدیث سورۂ احقاف کی آیت: 25 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

اس لئے فرمایا: فَعَصَوۡا رَسُوۡلَ رَبِّهِمۡ یہاں مراد جنس رسل ہے یعنی ہر ایک نے اپنے رسول کی تکذیب کی جیسا کہ فرمایا: كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيۡدِ (ق:14) ''ان سب نے جھٹلایا تھا رسولوں کو پس پورا ہو گیا (ہمارا) عذاب کا وعدہ''۔ اور جو شخص ایک پیغمبر کی تکذیب کرتا ہے وہ گویا سب پیغمبروں کی تکذیب کرتا ہے جیسا کہ فرمایا: كَذَّبَتۡ قَوۡمُ نُوۡحِ ۨالۡمُرۡسَلِيۡنَ (الشعراء:105) ''جھٹلایا قوم نوح نے (اللہ کے) رسولوں کو''، كَذَّبَتۡ عَادُ ۨالۡمُرۡسَلِيۡنَ (الشعراء:123) ''جھٹلایا عاد نے (اپنے) رسولوں کو''، كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ (الشعراء:141) ''جھٹلایا قوم ثمود نے رسولوں کو''۔ چونکہ ہر امت کی طرف ایک ہی رسول مبعوث ہوا، اس لئے فرمایا: فَعَصَوۡا رَسُوۡلَ رَبِّهِمۡ...... یعنی انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول ''رابیۃ'' کا معنی ہے سخت المناک اور سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے: ہلاکت خیز۔

پھر فرمایا: اِنَّا لَمَّا طَغَا الۡمَآءُ...... یعنی پانی جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے حد سے تجاوز کر گیا اور ہر چیز پر چھا گیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کرایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کا معنی بتاتے ہیں: پانی بہت زیادہ ہو گیا۔ یہ طوفان حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے سبب آیا۔ جب آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلا دیا، آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور غیر اللہ کی پرستش میں لگ گئے تو آپ نے ان کی ہلاکت کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بددعا کو قبول کر لیا تو ہر طرف سے طوفان اُمڈ آیا جس نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ صرف وہی باقی بچے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ چنانچہ سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل اور آپ کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پانی کا ایک ایک قطرہ فرشتے کے ہاتھوں پورے ناپ تول سے برستا ہے لیکن طوفان نوح میں یہ پیمانے ختم کر دیئے گئے اور محافظ فرشتوں کے تصرف کو ختم کر کے پانی کو اذن عام مل گیا، اس لئے وہ فرشتوں سے بھی بے قابو ہو گیا(1)، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِنَّا لَمَّا طَغَا الۡمَآءُ کا یہی مطلب ہے کہ پانی اللہ کے حکم سے حد سے بڑھ گیا۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ ہواؤں کا بھی ایک انداز مقرر ہے، جو بھی ہوا چلتی ہے، فرشتوں کے ہاتھوں ایک معین ناپ تول کے مطابق چلتی ہے، لیکن قوم عاد کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اب اللہ کے حکم سے ایسی شدت کی ہوا چلی کہ فرشتوں کے بس سے بھی باہر ہو گئی۔ جیسا کہ فرمایا: ''بریح صرصر عاتیۃ''۔ اس لئے لوگوں پر احسان جتلاتے ہوئے فرمایا۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا...... ''الجاریۃ'' سے مراد سطح آب پر چلنے والی کشتی ہے۔ یہ احسان اس لئے فرمایا تاکہ ہم اس (کشتی) کو تمہارے لئے یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے محفوظ رکھیں۔ ''لنجعلھا'' میں ''ھا'' ضمیر کا مرجع جاریہ (کشتی) ہے لیکن مراد جنس ہے کیونکہ معنی اس کا متقاضی ہے یعنی ہم نے تمہارے لئے ویسی ہی کشتیوں کو باقی رکھا جن پر سوار ہو کر تم سمندر میں سفر کرتے ہو جیسا کہ فرمایا: وَجَعَلَ لَكُمۡ مِّنَ الۡفُلۡكِ وَ الۡاَنۡعَامِ مَا تَرۡكَبُوۡنَ ۙ لِتَسۡتَوٗا عَلٰى ظُهُوۡرِهٖ ثُمَّ تَذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ رَبِّكُمۡ اِذَا اسۡتَوَيۡتُمۡ عَلَيۡهِ (زخرف:13-12) ''بنا دیں تمہارے لئے کشتیاں اور مویشی جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم جم کر بیٹھو ان کی پیٹھوں پر پھر (دلوں میں) یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو جب تم خوب جم کر بیٹھ جاؤ ان پر''، وَاٰيَةٌ لَّهُمۡ اَنَّا حَمَلۡنَا ذُرِّيَّتَهُمۡ فِى الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ۙ وَخَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ مَا يَرۡكَبُوۡنَ (یٰسین:42-41) ''اور ایک نشانی ان کے لئے یہ بھی ہے کہ ہم نے سوار کیا ان کی اولاد کو ایک کشتی میں جو بھری ہوئی تھی۔ اور ہم نے پیدا کیں ان کے لئے اس کشتی کی مانند اور چیزیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں''۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کشتی نوح علیہ السلام کو باقی رکھا یہاں

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 50

تک کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے بھی اسے دیکھا(1) لیکن پہلا مفہوم زیادہ واضح ہے۔ اس لئے فرمایا: وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ یعنی سننے اور یاد رکھنے والے کان اس نعمت کو سمجھیں اور یاد رکھیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ ''اذن واعیۃ'' کا مفہوم بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسے کان جو اللہ تعالیٰ کے پیغام کو سمجھیں اور کتاب اللہ کو سن کر اس سے استفادہ کریں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ مفہوم بتاتے ہیں کہ کان اسے سنیں اور محفوظ کر لیں یعنی وہ شخص جسے صحت مند کان اور عقل سلیم میسر ہو۔ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو ذی فہم اور ذی شعور ہو۔ ابن ابی حاتم میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر یہ الفاظ وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ نازل ہوئے تو فرمایا: ''میں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ وہ علی کے کان ایسے ہی بنا دے۔'' اس کے راوی حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا، اسے کبھی فراموش نہیں کیا۔ یہ حدیث مرسل ہے(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہیں قریب کروں، دور نہ کروں اور میں تمہیں تعلیم دوں اور تو محفوظ بھی رکھے اور حق بھی یہی ہے کہ تو محفوظ رکھے''۔ اس وقت یہ آیت وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ۔ نازل ہوئی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے بھی اسے روایت کیا ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۚ وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

''پھر جب پھونک ماردی جائے گی صور میں ایک بار اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر دفعتہً چور چور کر دیا جائے گا، تو اس روز ہونے والا واقعہ ہو جائے گا۔ اور آسمان پھٹ پڑے گا تو وہ اس دن بالکل بودا ہوگا۔ اور فرشتے اس کے کناروں پر مقرر کر دیئے جائیں گے۔ اور آپ کے رب کے عرش کو اس روز اپنے اوپر آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوگا۔ وہ دن جب تم پیش کئے جاؤ گے، تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا''۔

قیامت کے ہولناک امور کا ذکر ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے خوف و ہراس اور گھبراہٹ میں مبتلا کر دینے والا صور پھونکا جائے گا۔ اس کے بعد دوسرا نَفْخَةٌ (صور میں پھونکا جانا) ہوگا جس سے زمین و آسمان کی تمام مخلوق بے ہوش ہو جائے گی بجز ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے۔ اس کے بعد ایک اور نَفْخَةٌ ہوگا جسے سن کر تمام مخلوق اٹھ کھڑی ہوگی اور اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے گی۔ یہاں پہلے نَفْخَةٌ کا بیان ہے اور یہاں بطور تاکید فرمایا کہ یہ نَفْخَةٌ ایک ہی ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نہ مخالفت کی جا سکتی ہے، نہ اسے رد کیا جا سکتا ہے اور نہ اسے تکرار اور تاکید کی ضرورت پڑتی ہے۔ حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں آخری نَفْخَةٌ مراد ہے لیکن ظاہر قول وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ اس لئے یہاں فرمایا: وَ حُمِلَتِ الْاَرْضُ...... یعنی زمین و آسمان اٹھا کر کھال کی طرح پھیلا دیئے جائیں گے اور زمین بدل دی جائے گی اور اس وقت قیامت قائم ہوگی۔ اس دن آسمان پھٹ جائے گا اور یہ بالکل بودا ہو جائے گا۔

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 55 2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 55

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان کہکشاں سے پھٹ جائے گا۔ اسی طرح فرمایا: وَ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا (النباء:19) ''اور کھول دیا جائے گا آسمان تو وہ دروازے ہی دروازے بن کر رہ جائے گا''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور عرش اس کے سامنے ہوگا(1)۔

فرمایا: وَّ الْمَلَكُ عَلٰۤى اَرْجَآىٕهَا ''الملك'' اسم جنس ہے یعنی فرشتے آسمان کے کناروں پر ہوں گے یعنی وہ کنارے جو بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ابھی تک جڑے ہوئے اور سلامت ہوں گے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ارجائها'' سے مراد آسمان کے دروازے ہیں۔ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آسمان کے روزن ہیں جہاں سے وہ زمین والوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔

پھر فرمایا: وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ...... یعنی قیامت کے دن آٹھ فرشتے عرش کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس عرش سے مراد عرش عظیم بھی ہوسکتا ہے یا اس سے مراد وہ عرش ہے جو قیامت کے دن فیصلوں کے لئے زمین پر بچھایا جائے گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ یہ آٹھ فرشتے پہاڑی بکروں جیسے ہیں(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حاملین عرش آٹھ ہیں، ان میں سے ہر ایک کی آنکھ کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک سو سال کی مسافت ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں تمہیں حاملین عرش میں سے ایک فرشتہ کی بابت آگاہ کروں، اس کے کان کی لو اور اس کی گردن کے درمیان پرندے کی رفتار کے مطابق سات سو سال کی مسافت ہے۔'' اس کی سند عمدہ ہے اور اس کے راوی تمام کے تمام ثقہ ہیں۔ ابوداؤد میں یہ الفاظ ہیں: ''مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں تمہیں عرش کو اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کے متعلق کچھ بتاؤں۔ اس کے کان کی لو اور اس کے کندھے کے درمیان سات سو سال کا فاصلہ ہے''(3)۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں فرشتوں کی آٹھ صفیں مراد ہیں۔ حضرات ابن عباس، شعبی، عکرمہ، ضحاک اور ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مقرب فرشتوں کے آٹھ حصے ہیں، ان میں سے ہر حصے کی تعداد تمام انسانوں، جنوں، شیطانوں اور فرشتوں کے برابر ہے۔

اس کے بعد فرمایا: يَوْمَىٕذٍ تُعْرَضُوْنَ یعنی اس دن تم اس ذات کے حضور پیش کئے جاؤ گے جو دلوں کے رازوں اور سرگوشیوں سے بھی واقف ہے اور تمہارا کوئی امر اس پر مخفی نہیں، تمام اشیاء، ظاہر ہوں یا پوشیدہ، اس کے علم میں ہیں۔ اس لئے فرمایا: لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِیَةٌ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنی جانوں کا محاسبہ کرلو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اور اپنے آپ کا وزن کرلو اس سے پہلے کہ تمہارا وزن کیا جائے کیونکہ کل قیامت کو حساب دیتے وقت آسانی کی یہی صورت ہے کہ تم آج ہی اپنا محاسبہ کرلو اور اس بڑی پیشی کے لئے خود کو تیار کرلو۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن تین پیشیاں ہوں گی، پہلی اور دوسری پیشی میں تو لوگ جھگڑا اور معذرت کرتے رہیں گے لیکن تیسری پیشی کے موقعہ پر اعمال نامے اڑتے ہوئے ہاتھوں میں آجائیں گے۔ کسی کے دائیں ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں''(4)۔ ابن جریر میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے قول سے یہ روایت منقول ہے اور حضرت قتادہ سے یہ مرسلاً مروی ہے۔

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 269 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ غافر:7 3۔ سنن ابی داؤد، جلد 4، صفحہ 232

4۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 414، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1430، عارضۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 257

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ
حِسَابِیَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ﴿۲۱﴾ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَ
اشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ﴿۲۴﴾

’’پس جس کو دے دیا گیا اس کا نامہ عمل دائیں ہاتھ میں تو وہ (فرط مسرت سے) کہے گا لو پڑھو میرا نامہ عمل۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا۔ پس یہ (خوش نصیب) پسندیدہ زندگی بسر کرے گا۔ عالیشان جنت میں۔ جس کے خوشے جھکے ہوں گے۔ (اذن ملے گا) کھاؤ اور پیو مزے اڑاؤ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج دیئے گزشتہ دنوں میں‘‘۔

قیامت کے دن دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال پانے والوں کی سعادت اور شادمانی کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ فرط مسرت سے بے ساختہ ہر ملاقاتی سے کہہ رہے ہوں گے: هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ یعنی لو میرا نامہ اعمال پڑھو، یہ اس لئے کہے گا کیونکہ اس کے نامہ اعمال میں بھلائی اور نیکیاں ہی نیکیاں ہوں گی اور جو گناہ اس سے سرزد ہوئے تھے وہ بھی نیکیوں میں تبدیل ہو چکے ہوں گے۔ عبدالرحمٰن بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ’’ھاؤم‘‘ میں ’’ؤم‘‘ زائد ہے۔ بہر کیف بظاہر ’’ھاؤم‘‘ ھاکم (لو) کے معنی میں ہے۔ حضرت ابوعثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مومن کو اس کا نامہ اعمال خفیہ خفیہ پردے میں دیا جائے گا جس میں اس کے گناہ بھی درج ہوں گے، وہ انہیں پڑھے گا۔ جب بھی کسی گناہ پر اس کی نظر پڑے گی اس کے اوسان خطا ہو جائیں گے اور اس کا رنگ فق ہو جائے گا لیکن پڑھتے پڑھتے جب نیکیاں سامنے آئیں گی تو کچھ اطمینان ہو گا اور چہرہ کھل جائے گا، پھر نامہ اعمال پڑھے گا تو اسے دکھائی دے گا کہ اس کی برائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی گئی ہیں۔ اب وہ اتنا خوش ہو گا کہ جامہ میں پھولے نہ سمائے گا اور فرط مسرت سے کہے گا کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھو۔

غسیل ملائکہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک بندہ کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور اس کی برائیاں اس کے نامہ اعمال میں ظاہر کر کے اسے فرمائے گا کہ تو نے یہ یہ اعمال کئے۔ وہ عرض کرے گا: ہاں، اے پروردگار! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دیکھ میں نے تمہیں تمہارے گناہوں کے باعث رسوا نہیں کیا، جاؤ میں نے تمہارے گناہوں کو معاف کر دیا۔ اس وقت وہ رسوائی سے نجات پانے کے بعد شاداں وفرحاں یہ کہے گا: هَآؤُمُ اقْرَءُوْا......‘‘۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث جو گزر چکی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک بندے کو قریب کر کے اس سے اس کے تمام گناہوں کا اقرار کروائے گا یہاں تک کہ اس شخص کو جب اپنی ہلاکت کا یقین ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی اور آج میں نے تمہارے گناہ بخش دیئے، پھر نیکیوں سے بھرا ہوا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا، لیکن جب کافروں اور منافقوں کی باری آئے گی تو گواہ پکار اٹھیں گے کہ یہی ہیں وہ جو رب پر جھوٹ باندھتے رہے، سنو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو(1)‘‘۔ وہ کہے گا: اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ یعنی مجھے دنیا میں یقین تھا کہ اس دن کا وقوع حتمی اور یقینی ہے جیسا کہ فرمایا: الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ (بقرہ: 46) ’’جو یقین کرتے ہیں کہ وہ ملاقات کرنے والے ہیں اپنے رب سے‘‘۔

فرمایا: فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ...... عَالِیَةٍ یعنی وہ خوش کن زندگی اور عالی شان جنت میں ہو گا جس میں فلک بوس محلات، خوبرو حوریں، وافر

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ہود: 18

نعمتیں اور دائمی مسرتیں ہوں گی۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا جنتی آپس میں ملاقات کیا کریں گے؟ فرمایا: ''ہاں، بلند درجہ کے حامل نچلے درجے کے لوگوں کے پاس اترا کریں گے اور دعا سلام سے نوازا کریں گے۔ نچلے درجے والے اپنے اعمال کی کمی کے باعث اوپر نہیں جا سکیں گے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے:

''جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر مسافت ہے جس قدر زمین و آسمان کے درمیان'' (1)۔

پھر فرمایا: قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اس کا مفہوم بتاتے ہیں کہ اس کے خوشے اس قدر قریب اور جھکے ہوئے ہوں گے کہ جنتی اپنے پلنگ پر لیٹے لیٹے حاصل کرے گا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص بھی جنت میں نہیں جائے گا مگر اس پروانہ کے ساتھ جس میں تحریر ہوگا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ لِفُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ أَدْخِلُوْهُ جَنَّةً عَالِيَةً قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ

یعنی اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ یہ نوشتہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں بن فلاں کے نام۔ اسے عالیشان جنت میں داخل کر دو جس کے خوشے جھکے ہوئے ہیں (2)۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ پروانہ پل صراط پر اسے عطا کیا جائے گا۔ ان پر فضل و کرم اور لطف و احسان کی بارش کرتے ہوئے انہیں کہا جائے گا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا ...... یہ محض اس کا فضل و کرم اور رحمت ہوگی ورنہ حدیث شریف میں تو یہ آتا ہے: ''عمل کرو، راست روی اور اعتدال کو اختیار کرو اور جان لو کہ تم میں سے کسی کو اس کے صرف اعمال جنت میں نہیں پہنچا ئیں گے''۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا: ''مجھے بھی نہیں بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے مجھے ڈھانپ لے'' (3)۔

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ۬ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ ﴿۲۵﴾ وَ لَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ﴿۲۶﴾ یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ﴿۲۷﴾ مَاۤ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِیَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ﴿۳۳﴾ وَ لَا یَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا یَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخٰطِـُٔوْنَ ﴿۳۷﴾

''اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامہ عمل بائیں ہاتھ میں، وہ کہے گا اے کاش! مجھے نہ دیا جاتا میرا نامہ عمل۔ اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش! موت نے ہی (میرا) قصہ پاک کر دیا ہوتا۔ آج میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔ میری بادشاہی بھی فنا ہو گئی۔ (فرشتوں کو حکم ہوگا) پکڑ لو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو۔ پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔ پھر ستر گز لمبے زنجیر میں اس کو جکڑ دو۔ بے شک یہ (بدبخت) ایمان نہیں لایا تھا اللہ پر جو بزرگ (و برتر) ہے اور نہ ترغیب دیتا تھا مسکین کو کھانا کھلانے کی۔ پس آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں۔ اور نہ کوئی طعام بجز پیپ کے۔ جسے کوئی نہیں کھاتا بجز خطا کاروں کے''۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نسا: 96 2۔ المعجم الکبیر، جلد 6 صفحہ 272 3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ دخان: 57

رہے تھے: الصَّلٰوۃ وَمَا ملکت اَیۡمَانُکم یعنی نماز کی حفاظت کرو اور اپنے غلاموں اور باندیوں سے اچھا سلوک کرو(1)۔

فرمایا: فَلَیۡسَ لَہُ الۡیَوۡمَ ...... یعنی آج اس کا کوئی جگری دوست نہ ہوگا جو اسے عذاب سے بچاسکے، نہ اس کا کوئی قریبی رشتہ دار ہوگا جو اس کی مدد کر سکے اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جو اس کے معاملہ میں اپنی بات منوا سکے اور یہاں انہیں جو کھانا ملے گا وہ ہے پیپ۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''غسلین'' جہنمیوں کے لئے بدترین غذا ہوگی۔ ربیع اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ جہنم میں ایک درخت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خیال میں یہ زقوم (تھور) ہے۔ ایک روایت میں آپ اس کا معنی بتاتے ہیں: ''جہنمیوں کے گوشت سے رسنے والا خون اور پانی''۔ ایک اور روایت میں آپ سے اس کا معنی منقول ہے: جہنمیوں کے جسموں سے بہنے والی پیپ۔

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ﴿۴۰﴾ وَّ مَا ہُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَ لَا بِقَوۡلِ کَاہِنٍ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۴۲﴾ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۳﴾

''پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو۔ اور جنہیں تم نہیں دیکھتے۔ بے شک یہ قول ہے ایک عزت والے رسول کا۔ اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔ (لیکن) تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔ اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے۔ تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو۔ بلکہ یہ نازل شدہ ہے رب العالمین کا''۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لئے اپنی تخلیق کردہ چیزوں میں پائی جانے والی اپنی ان ظاہری نشانیوں کی بھی قسم اٹھارہا ہے جو اس کے اسماء و صفات کے کمال پر دلالت کرتی ہیں اور لوگ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان غیبی چیزوں کی بھی قسم اٹھارہا ہے جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ یہ قسم اس بات پر ہے کہ قرآن کریم اس کا کلام اور اس کی وحی ہے۔ اسے اس نے اپنے پیارے بندے اور برگزیدہ رسول پر نازل کیا ہے جسے اس نے تبلیغ رسالت اور ادائے امانت کے لئے منتخب فرمالیا۔

فرمایا: فَلَاۤ اُقۡسِمُ ..... یعنی میں عالم غیب اور عالم شہادت کی ہر چیز کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن معزز رسول کا قول ہے۔

رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ قرآن کی نسبت آپ کی طرف اس لحاظ سے ہے کہ آپ ﷺ اس کے مبلغ اور پہنچانے والے ہیں کیونکہ رسول کا فریضہ ہی یہی ہے کہ وہ بھیجنے والے کا پیغام پہنچائے، اسی معنی کے پیش نظر سورۂ تکویر میں قرآن کی اضافت اس رسول (قاصد) کی طرف کی گئی ہے جس کا تعلق فرشتوں سے ہے۔ فرمایا: اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۹﴾ ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ (تکویر:21-19) ''کہ یہ (قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے۔ جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔ (سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے''۔ اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ پھر فرمایا: وَمَا صَاحِبُکُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ (تکویر:22) ''اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں''۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَقَدۡ رَاٰہُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا ہُوَ عَلَی الۡغَیۡبِ بِضَنِیۡنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا ہُوَ بِقَوۡلِ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ (تکویر:25-23) ''اور بلاشبہ اس نے اس قاصد کو دیکھا ہے روشن کنارے پر۔ اور یہ نبی غیب بتانے میں ذرا بخیل نہیں۔ اور یہ (قرآن) کسی شیطان مردود کا قول نہیں''۔ یعنی حضرت محمد ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا، وہ

1۔ ابن ماجہ: الوصایا، جلد 2، صفحہ 901-900، تحفۃ الاشراف، جلد 1، صفحہ 320

یہاں بدبختوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جب ان میں سے کسی کو میدان قیامت میں اس کا نامہ عمل اس کے بائیں ہاتھ میں تھمایا جائے گا، تو وہ تڑپ اٹھے گا اور فرط ندامت سے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا: یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُوۡتَ...... یعنی اے کاش! مجھے میرا نامہ اعمال دیا ہی نہ جاتا، اور مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش! موت میرا قصہ ختم کر دیتی اور اس کے بعد یہ دوسری زندگی نہ ہوتی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ موت کی آرزو کرے گا حالانکہ دنیا میں یہ موت سے بڑھ کر کسی چیز کو مکروہ نہیں جانتا تھا۔

مزید کہے گا: مَاۤ اَغۡنٰی عَنِّیۡ مَالِیَہۡ...... یعنی میرا مال اور جاہ و مرتبہ بھی مجھے اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے نہ بچا سکا بلکہ مجھے تنہا دھر لیا گیا ہے، نہ کوئی میرا حامی و ناصر ہے اور نہ کوئی پناہ دینے والا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ جہنم کے فرشتوں کو حکم دے گا: خُذُوۡہُ فَغُلُّوۡہُ...... یعنی اسے میدان حشر سے سختی کے ساتھ گرفتار کرلو اور اس کے گلے میں آہنی طوق ڈال دو اور پھر اسے جہنم میں جھونک دو۔ حضرت منہال بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہوگا کہ ''اسے پکڑلو'' تو تعمیل ارشاد میں ستر ہزار فرشتے فوراً اس کی طرف لپکیں گے، ان میں سے ایک فرشتہ کو بھی اگر اللہ تعالیٰ اس طرح حکم دے تو وہ یکبارگی ستر ہزار لوگوں کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دے۔

ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ تعمیل حکم میں چار لاکھ فرشتے دوڑتے چلے آئیں گے اور کوئی چیز باقی نہیں رہے گی مگر اسے توڑ پھوڑ دیں گے۔ وہ کہے گا کہ تمہیں مجھ سے کیا سروکار ہے؟ فرشتہ جواب دے گا: چونکہ رب تعالیٰ تم پر سخت غضبناک ہے اس لئے ہر چیز تم پر غضبناک ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اسے پکڑلو اور جکڑ دو تو فوراً ستر ہزار فرشتے دوڑیں گے جن میں سے ہر ایک کی خواہش ہوگی کہ وہ اس کی گردن میں طوق ڈالے۔ پھر حکم ہوگا۔ ثُمَّ الۡجَحِیۡمَ صَلُّوۡہُ...... یعنی اسے جہنم میں پھینک کر غوطہ دو، پھر اسے ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔ حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس زنجیر کا ہر حلقہ دنیا بھر کے لوہے کے برابر ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فرشتوں کے ہاتھ کے مطابق زنجیر کا ناپ ہوگا۔ آپ رضی اللہ عنہ مزید بیان کرتے ہیں کہ یہ زنجیر دبر کے راستہ سے داخل کر کے منہ سے نکالی جائے گی اور انہیں زنجیروں میں اس طرح پرو دیا جائے گا جیسے بھوننے کے لئے ٹڈی لکڑی میں (یا جیسے کباب سیخ میں)۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ زنجیر اس کی دبر میں ڈال کر اس کے دونوں نتھنوں سے نکالی جائے گی اور اس کی حالت یہ ہوگی کہ وہ پاؤں کے بل کھڑا بھی نہ ہو سکے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس (کھوپڑی یا پیالہ) کی مثل کوئی پتھر آسمان سے زمین کی طرف پھینکا جائے اور زمین و آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، تو وہ ایک رات گزرنے سے پہلے زمین پر پہنچ جائے اور اگر ایسا پتھر اس زنجیر کے ایک سرے پر چھوڑ دیا جائے تو اسے اس کے نچلے سرے تک پہنچنے میں چالیس سال لگ جائیں گے۔''(1) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے(2)۔

فرمایا: اِنَّہٗ کَانَ لَا یُؤۡمِنُ...... یعنی یہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کر کے اس کے حقوق ادا کرتا تھا اور نہ ہی اس کی مخلوق کو نفع پہنچا کر ان کے حقوق کی ادائیگی کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی وحدانیت کا یقین رکھیں اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا ایک دوسرے پر یہ حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون کریں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ وصال کے وقت یہ فرما

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 197، عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ جہنم، جلد 10، صفحہ 57 2۔ ایضاً

غیب پر متہم نہیں اور نہ یہ کسی شیطان مردود کا کلام ہے۔ اسی طرح یہاں فرمایا: وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ...... کبھی اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی نسبت رسولِ ملکی کی طرف کرتا ہے اور کبھی رسولِ بشری کی طرف، اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے کلام کو جس کا اسے امین بنایا گیا ہو، ہو بہو لوگوں تک پہنچانے والا ہے۔ اس لئے فرمایا: تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی یہ رب العالمین کا نازل شدہ ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے اسلام لانے سے قبل رسول اللہ ﷺ کو ستانے کی غرض سے نکلا۔ آپ مجھ سے پہلے مسجد حرام میں پہنچ گئے۔ میں آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے سورۂ حاقہ کی تلاوت شروع کی تو مجھے اس کلام بلاغت نظام پر بہت تعجب ہوا۔ میں سوچنے لگا کہ یہ واقعی شاعر ہیں جیسا کہ قریش ان کے متعلق کہتے ہیں۔ اسی اثناء میں آپ نے یہ آیات تلاوت کیں:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ...... پھر میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ آپ شاعر نہیں بلکہ کاہن ہیں۔ اس ادھیڑ بن میں تھا کہ آپ ان آیات کی تلاوت کرنے لگے: وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ...... حٰجِزِيْنَ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تلاوت سننے کے بعد اسلام کی حقانیت میرے دل میں پوری طرح گھر کر گئی (1)۔ چنانچہ یہ واقعہ بھی ان اسباب میں سے ہے جو آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور ہدایت قبول کرنے کا مؤثر ذریعہ بنے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کی کیفیت ہم نے الگ ''سیرت عمر'' میں لکھ دی ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

''اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری طرف منسوب کرتا، تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔ پھر ہم کاٹ دیتے اس کی رگِ دل۔ پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔ اور بے شک یہ تو ایک نصیحت ہے پرہیز گاروں کے لئے۔ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں۔ یہ بات باعث حسرت ہوگی کفار کے لئے۔ اور بے شک یہ یقیناً حق ہے۔ پس (اے حبیب!) آپ تسبیح کیا کریں اپنے رب کی جو عظمت والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر بالفرض حضرت محمد ﷺ جیسا کہ ان کفار کا گمان ہے، ہم پر افتراء باندھتے اور ہماری رسالت میں کمی بیشی کر دیتے یا کچھ باتیں اپنی طرف سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیتے تو ہم فوراً انہیں بھی سزا دیتے۔ اس لئے فرمایا: لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ ہم دائیں ہاتھ کے ساتھ پکڑ کر ان سے انتقام لیتے۔ چونکہ دائیں ہاتھ کی پکڑ سخت ہوتی ہے اس لئے یہ ذکر لیا گیا۔ بعض کے بقول اس کا معنی یہ ہے کہ ہم انہیں ان کے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اور پھر ان کی رگِ دل کاٹ دیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر متعدد حضرات کے بقول ''وتین'' سے مراد وہ رگ ہے جس پر دل معلق ہے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ اس سے مراد دل ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ...... یعنی اگر ہم ایسا ارادہ کرتے تو پھر کسی کے بس میں نہ تھا کہ وہ ہمارے اور اس کے درمیان حائل ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ راست باز، نیکوکار اور رشد و ہدایت کے حامل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 18-17

تبلیغی ذمہ داریاں سونپنے والا ہے اور زبردست معجزات اور روشن دلائل کے ذریعے آپ کی تائید فرمانے والا ہے۔

پھر فرمایا: وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ یعنی قرآن کریم پرہیزگاروں کے لئے باعث نصیحت ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى (فصلت:44) ''آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے''۔

پھر فرمایا: وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ...... یعنی اس وضاحت اور بیان کے باوجود تم میں سے کچھ لوگ قرآن کریم کو جھٹلائیں گے اور یہ جھٹلانا قیامت کے دن کافروں کے لئے حسرت اور ندامت کا باعث ہوگا۔ ''وانہ'' کی ضمیر کا مرجع قرآن کریم بھی ہوسکتا ہے یعنی یہ قرآن اور اس پر ایمان لانا درحقیقت کافروں کے لئے باعث حسرت ہوگا جیسا کہ فرمایا: كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (شعراء: 200-201) ''یونہی ہم نے داخل کردی ہے انکار کی عادت مجرموں کے دلوں میں۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے اس پر''، وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ (سبا:54) ''اور رکاوٹ کھڑی کردی جائے گی ان کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جو وہ دل سے چاہتے ہوں گے''۔ اس لئے یہاں فرمایا: وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ یعنی یہ خبر بالکل حق اور سچ ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں، پھر حکم فرمایا: فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ یعنی اپنے رب عظیم کے نام کی پاکی بیان کرو جس نے یہ قرآن عظیم نازل فرمایا ہے۔

سورۂ معارج (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلۡكٰفِرِیۡنَ لَیۡسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الۡمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوۡحُ اِلَیۡهِ فِیۡ یَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾ فَاصۡبِرۡ صَبۡرًا جَمِیۡلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمۡ یَرَوۡنَهٗ بَعِیۡدًا ﴿۶﴾ وَّ نَرٰىهُ قَرِیۡبًا ﴿۷﴾

''مطالبہ کیا ہے ایک سائل نے ایسے عذاب کا جو ہو کر رہے۔ (وہ سن لے) یہ تیار ہے کفار کے لئے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں کا مالک ہے۔ عروج کرتے ہیں فرشتے اور جبریل اللہ کی بارگاہ میں یہ عذاب اس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔ (ایسا) صبر کیجئے جو بہت خوب صورت ہو۔ کفار کو تو یہ بہت دور نظر آتا ہے۔ (لیکن) ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں''۔

یہاں ''سَاَلَ'' فعل ''اِسۡتَعۡجَلَ'' کے معنی کو متضمن ہے اسی لئے اسے باء کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے گویا عبارت یوں ہے: ''اِسۡتَعۡجَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ'' یعنی سائل نے واقع ہونے والے عذاب کے لئے جلدی مچائی جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ وَ لَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ (الحج:47) ''یہ لوگ جلدی مانگ رہے ہیں آپ سے عذاب (یہ تسلی رکھیں) اللہ تعالیٰ خلاف ورزی نہیں کرے گا اپنے وعدہ کی''۔ یعنی اس کا عذاب یقیناً واقع ہو کر رہے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سائل سے مراد نضر بن حارث بن کلدہ ہے(1)۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد کفار کا عذاب الٰہی کے متعلق دریافت کرنا ہے جو دراصل انہی پر واقع ہونے والا ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ''سائل''، ''دَعَا'' کے معنی میں ہے یعنی ایک مانگنے اور مطالبہ کرنے والے نے ایسے عذاب کا مطالبہ کیا جو آخرت میں یقیناً وقوع پذیر ہوگا۔ ان کا یہ مطالبہ ایک دوسرے مقام پر بھی منقول ہے: اَللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ (انفال:32) ''اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب''۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد جہنم کی ایک وادی ہے جو قیامت کے دن عذاب کے ساتھ بہہ پڑے گی لیکن یہ قول ضعیف اور بعید از مقصود ہے۔ صحیح قول پہلا ہی ہے کیونکہ سیاق کلام اسی پر دلالت کرتا ہے۔

فرمایا: وَّاقِعٍ لِّلۡكٰفِرِیۡنَ یعنی یہ عذاب کفار کے لئے بالکل تیار ہے بلکہ ان کی تاک میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول یہ عذاب ان پر پڑنے والا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کے وقوع کا ارادہ فرمالے گا تو کوئی اسے ٹالنے والا نہیں ہوگا۔ اس لئے فرمایا: مِّنَ اللّٰهِ

1۔ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 452

ذِي الْمَعَارِجِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ذِي الْمَعَارِجِ کا معنی ہے درجات والا یعنی بلندیوں اور بزرگیوں کا مالک۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''معارج'' سے مراد آسمان کے زینے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کا معنی ہے: احسانات، عنایات اور انعامات کا مالک۔

فرمایا: تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ...... یعنی فرشتے اور روح اس کے حضور بلند ہوتے ہیں۔ روح کی وضاحت کرتے ہوئے ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی ایک مخلوق ہے جو انسانوں کے مشابہ ہے لیکن درحقیقت یہ انسان نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے جبریل مراد لئے جانے کا بھی احتمال ہے اس صورت میں خاص (جبریل) کا عطف عام (ملائکہ) پر ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد بنی آدم کی ارواح لی جائیں کیونکہ قبض ہو جانے کے بعد یہ بھی آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں جیسا کہ امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی روایت کردہ طویل حدیث حضرت براء رضی اللہ عنہ میں پاک روح قبض کئے جانے کے متعلق آتا ہے کہ فرشتے پاکیزہ روح کو قبض کرنے کے بعد اسے ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک لے جاتے ہیں یہاں تک کہ اوپر چڑھتے چڑھتے ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس حدیث کے بعض راویوں میں کلام کیا گیا ہے لیکن یہ مشہور ہے اور اس کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور یہ روایت پہلے گزر چکی ہے جسے ہم نے مکمل تفصیلات کے ساتھ اس آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (ابراہیم: 27) کی تفسیر کے تحت بیان کر دیا ہے (1)۔

پھر فرمایا: فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ یعنی ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے، اس کی تفسیر میں چار اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عرش عظیم اور اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (ساتویں زمین کی تہہ) کے درمیان کی مسافت ہے اور یہ مسافت پچاس ہزار سال کی ہے۔ اسی طرح ساتویں زمین میں پائے جانے والے مرکز سے عرش کی بلندی بھی اسی مقدار میں ہے، اسی طرح ایک قطر سے دوسرے قطر تک عرش کی وسعت بھی پچاس ہزار برس کی ہے۔ اور یہ سرخ یاقوت کا بنا ہوا ہے جیسا کہ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''صفة العرش'' میں ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی یہ تفسیر منقول ہے کہ اس کے حکم کی انتہا سب سے نچلی زمین سے آسمانوں کے اوپر تک پچاس ہزار سال کی ہے اور ایک دن ایک ہزار سال کا ہے یعنی ایک امر کا نزول آسمان سے زمین تک اور زمین سے آسمان تک ایک دن میں ہوتا ہے جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے کیونکہ زمین و آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے (2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ سے کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں کیا (3)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر زمین کی موٹائی پانچ سو سال ہے اور ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ یہ سات ہزار سال ہوئے۔ اسی طرح ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو برس کی ہے اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی دوری ہے۔ کل ملا کر چودہ ہزار برس ہوئے۔ ساتویں آسمان اور عرش کے درمیان چھتیس ہزار سال کی مسافت ہے، یہی مطلب اس فرمان کا ہے: فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد دنیا کی بقاء کی مدت ہے یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو پیدا کیا، اس وقت سے لے کر قیامت قائم ہونے تک پچاس ہزار سال کی مدت ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی کل عمر پچاس ہزار سال ہے اور یہ عمر دراصل

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ابراہیم: 27 2۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 279 3۔ ایضاً

وہ ایک دن ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اول سے لیکر آخر تک دنیا کی مقدار پچاس ہزار برس ہے لیکن کسی کو یہ نہیں معلوم کہ کتنی مدت گزر گئی اور کتنی باقی ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ دن ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان حد فاصل ہے لیکن یہ قول بہت عجیب وغریب ہے۔ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ یہی فرماتے ہیں کہ یہ دنیا وآخرت کے درمیان یوم فصل ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد روزِ قیامت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ یہ مروی ہے۔ حضرات عکرمہ، ضحاک اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے قیامت کے دن کو پچاس ہزار سال کا بنادے گا۔ اس کے ہم معنی بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی: اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی، یہ دن تو بہت طویل ہوگا! فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ دن مومن پر بہت ہلکا ہوگا یہاں تک کہ جتنی دیر میں وہ ایک فرض نماز ادا کرتا ہے، اس سے بھی زیادہ مختصر معلوم ہو گا“ (1)۔ قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ اپنے قبیلہ میں سب سے زیادہ مالدار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے واپس بلاؤ، اسے واپس لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم بہت زیادہ مالدار ہو۔ اس نے کہا: جی ہاں! میرے پاس طرح طرح کے سینکڑوں اونٹ، قسم قسم کے غلام اور اعلیٰ نسل کے گھوڑے ہیں۔ یہ سن کر آپ فرمانے لگے: ذرا محتاط رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ جانور تمہیں اپنے ٹاپوں اور کھروں سے روند ڈالیں۔ آپ بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ اس شخص کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ آپ سے کہنے لگا کہ یہ کیسے؟ فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”جس شخص کے اونٹ ہوں اور وہ ان کی تنگی اور آسودگی میں ان کا حق ادا نہ کرے تو قیامت کے دن ایک وسیع وعریض چٹیل میدان میں وہ اس حالت میں آئیں گے کہ خوب صحت مند، موٹے تازے اور اکڑ والے ہوں گے اور وہ اسے اپنے ٹاپوں کے ساتھ روندتے چلے جائیں گے۔ جب آخری گزر جائے گا تو پہلا آجائے گا۔ یہ عذاب اسے اس دن ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہوجائے گا تو وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا۔ اگر اس کے پاس گائیں تھیں جن کا وہ ان کی تنگی اور آسانی میں حق ادا نہیں کرتا تھا تو انہیں بھی خوب صحت مند، فربہ اور طاقتور کر کے ایک لمبے چوڑے چٹیل میدان میں لایا جائے گا تو کھروں والے جانور اسے اپنے کھروں سے کچلتے چلے جائیں گے اور سینگوں والے سینگ مارتے چلے جائیں گے، ان میں نہ کسی کا سینگ ٹوٹا ہوگا اور نہ خمیدہ ہوگا۔ جب ان میں سے آخری جانور گزر جائے گا تو پہلا لوٹ آئے گا۔ وہ اس عذاب میں اس دن پستا رہے گا جو پچاس ہزار برس کا ہے، یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہوجائے پھر وہ اپنی راہ دیکھ لے گا۔ اگر اس کی بھیڑ بکریاں تھیں جن کا حق وہ ان کی سختی اور آسانی میں ادا نہیں کرتا تھا تو وہ بھی خوب صحت مند، طاقت ور اور موٹی تازہ ہو کر ایک بڑے میدان میں آئیں گی ان میں سے ہر کھروں والا اور ہر سینگ والا جانور اسے کچلتا اور سینگ مارتا چلا جائے گا، نہ کسی کا سینگ مڑا ہوگا اور نہ ٹوٹا ہوا۔ عذاب کا یہ سلسلہ اس دن میں چلتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان تصفیہ ہوجانے کے بعد اسے اپنی راہ دکھائی دے گی“۔ اس عامری نے دریافت کیا: اے ابو ہریرہ! اونٹوں میں کیا حق ہے؟ فرمایا: اچھا جانور عطا کرنا، دودھ دینے والا جانور دینا، سواری مستعار دینا، دودھ پلانا اور مادہ کے لئے نر بغیر عوض کے فراہم کرنا (2)۔

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 75، طبری، جلد 29، صفحہ 72 2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 490-489، سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 125، نسائی، جلد 5، صفحہ 14-12

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' جو شخص خزانے کا مالک ہو اور وہ اس کا حق ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے سونے چاندی کے خزانوں کی چوڑی چوڑی تختیاں بنا دی جائیں گی اور انہیں آتش جہنم میں خوب تپا کر اس کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ کو داغا جائے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دے، ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق پچاس ہزار سال ہوگی پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا، جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔'' اس کے بعد بقیہ حدیث اونٹوں اور بکریوں کے متعلق ہے جو گزر چکی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ گھوڑے تین قسم کے لوگوں کے لئے ہیں: ایک کے لئے باعث اجر، ایک کے لئے باعث پردہ اور ایک کے لئے بوجھ الخ(1)۔ یہ مکمل حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس حدیث کو اس کی تمام تر اسناد اور الفاظ کے ساتھ روایت کرنے کا صحیح محل کتاب الاحکام میں کتاب الزکوۃ ہے اور یہاں اس کو لانے کی غرض صرف اس قول سے متعلق ہے: '' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دے گا، اس دن میں جو پچاس ہزار سال کا ہوگا''۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس فرمان فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ کی وضاحت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ وہ کون سا دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے؟ وہ شخص کہنے لگا: حضرت! میں تو خود آپ سے دریافت کرنے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی انہیں بہتر جانتا ہے۔ مجھے یہ چیز ناپسند ہے کہ میں کتاب اللہ کے بارے میں وہ بات کہوں جس کا مجھے علم ہی نہیں(2)۔

بعد ازاں فرمایا: فَاصۡبِرۡ صَبۡرًا جَمِیۡلًا یعنی اے میرے پیارے رسول! آپ اپنی قوم کی تکذیب اور اس عذاب کے لئے جلدی مچانے پر جس کے وقوع کو وہ محال سمجھتے ہیں، صبر کریں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: یَسۡتَعۡجِلُ بِہَا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِہَا ۚ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡہَا ۙ وَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہَا الۡحَقُّ (شوریٰ:18) '' جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے''۔ اس لئے فرمایا: اِنَّہُمۡ یَرَوۡنَہٗ بَعِیۡدًا یعنی کفار وقوع عذاب کو محال خیال کرتے ہیں لیکن ہم اسے قریب ہی دیکھ رہے ہیں یعنی مومن یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ قیامت عنقریب ضرور واقع ہوگی۔ وہ اسے قریب سمجھتے ہیں اگرچہ اس کا ایک وقت معین ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں لیکن یقینی طور پر آنے والی چیز قریب ہی ہوتی ہے اور لازماً اس کا وقوع ہو کے رہتا ہے۔

یَوۡمَ تَکُوۡنُ السَّمَآءُ کَالۡمُہۡلِ ۙ﴿۸﴾ وَ تَکُوۡنُ الۡجِبَالُ کَالۡعِہۡنِ ۙ﴿۹﴾ وَ لَا یَسۡـَٔلُ حَمِیۡمٌ حَمِیۡمًا ﴿ۚ۱۰﴾
یُّبَصَّرُوۡنَہُمۡ ؕ یَوَدُّ الۡمُجۡرِمُ لَوۡ یَفۡتَدِیۡ مِنۡ عَذَابِ یَوۡمِئِذٍۭ بِبَنِیۡہِ ﴿ۙ۱۱﴾ وَ صَاحِبَتِہٖ وَ اَخِیۡہِ ﴿ۙ۱۲﴾ وَ
فَصِیۡلَتِہِ الَّتِیۡ تُــٔۡوِیۡہِ ﴿ۙ۱۳﴾ وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ۙ ثُمَّ یُنۡجِیۡہِ ﴿ۙ۱۴﴾ کَلَّا ؕ اِنَّہَا لَظٰی ﴿ۙ۱۵﴾ نَزَّاعَۃً
لِّلشَّوٰی ﴿ۚ۱۶﴾ تَدۡعُوۡا مَنۡ اَدۡبَرَ وَ تَوَلّٰی ﴿ۙ۱۷﴾ وَ جَمَعَ فَاَوۡعٰی ﴿۱۸﴾

'' اس روز آسمان پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہوگا۔ اور پہاڑ رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے۔ اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا۔ دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو۔ ہر مجرم تمنا کرے گا کہ کاش! بطور فدیہ دے سکتا آج کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے خاندان کو جو (ہر مشکل میں) اسے پناہ دیتا تھا۔ اور

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 262، مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 683-682
2۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 72

(بس چلے تو) جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو۔ پھر یہ (فدیہ) اس کو بچا لے (لیکن) ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ بیشک آگ بھڑک رہی ہوگی۔ نوچ لے گی گوشت پوست کو۔ وہ بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا تھا۔ اور مال جمع کرتا رہا پھر اسے سنبھال کر رکھتا رہا''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس عذاب کے لئے وہ بڑے بے چین ہیں، وہ عذاب اس دن ان پر واقع ہوگا جس دن آسمان تیل کے تلچھٹ کی مانند ہوگا اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگ برنگی اون جیسے ہوں گے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (القارعۃ:5) ''اور پہاڑ رنگ برنگی دھنکی ہوئی اون کی مانند ہوں گے''۔

پھر فرمایا: وَلَا يَسْئَلُ...... یعنی کوئی بھی قریبی رشتہ دار اپنے کسی قریبی رشتہ دار سے پرسش احوال نہیں کرے گا حالانکہ وہ اسے بدترین حالات سے دوچار ہوئے دیکھ رہا ہوگا لیکن وہ اپنی ذات کے متعلق اس قدر متفکر ہوگا کہ اسے کسی اور کا حال پوچھنے کا خیال تک نہ آئے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے لیکن پھر اس کے بعد ایک دوسرے سے بھاگ کھڑے ہوں گے جیسا کہ فرمایا: لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ (عبس:37) ''ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پروا کر دے گی''۔ اور مقامات پر فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (لقمان:33) ''اے لوگو! ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ نہ بدلہ دے سکے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے اور نہ ہی بیٹا بدلہ دے سکے گا اپنے باپ کی جانب سے کچھ بھی، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے''۔

وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (فاطر:18) ''اور اگر بلائے گا پشت پر بوجھ اٹھانے والا (کسی کو) اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے تو نہ اٹھائی جا سکے گی اس کے بوجھ سے کوئی شے اگرچہ کوئی قریبی رشتہ دار ہی ہو''۔ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ (مومنون:101) ''تو جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے''۔ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۙ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ۙ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ (عبس:34-37) ''اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے۔ اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے۔ ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پروا کر دے گی''۔

فرمایا: يَوَدُّ الْمُجْرِمُ ...... كَلَّا یعنی مجرم اس دن آرزو کرے گا کہ کاش! وہ اس دن کے عذاب سے گلوخلاصی کے لئے اپنے بیٹوں، اپنی بیوی، اپنے بھائی، پناہ دینے والے اپنے قبیلہ بلکہ اگر بس چلے تو روئے زمین کے تمام لوگوں کو فدیہ میں دے دیتا اور یہ فدیہ پھر اسے بچا لیتا، فرمایا: ''كَلَّا'' یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا یعنی بالفرض اگر وہ قیامت کے دن تمام زمین والوں، زمین بھر کے خزانوں اور اپنے جگر پاروں یعنی بیٹوں کو بھی لے آئے اور اپنی رہائی کے لئے انہیں پیش کر دے تو بھی یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ مجرم جب قیامت کے ہولناک مناظر دیکھے گا تو اس وقت وہ عذاب الٰہی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے فدیہ دینے کی تمنا کرے گا لیکن اس وقت یہ سب کچھ بے سود اور لاحاصل ہوگا۔ فَصِيْلَتِهِ سے مراد قبیلہ اور خاندان ہے۔ اس کا معنی ماں بھی کیا گیا ہے۔ پھر آگ کا وصف اور اس کی شدت حرارت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّهَا لَظٰى...... یعنی آگ بھڑک رہی ہوگی جو گوشت پوست نوچ لے گی۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ

اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''شوی'' کا معنی سر کی کھال ہے۔ ایک اور روایت میں آپ اس کا معنی بیان کرتے ہیں: کھال اور کھوپڑی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے گوشت یعنی وہ ہڈیوں سے گوشت ادھیڑ دے گی۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رگوں اور پٹھوں کو بھی الگ کر دے گی۔ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہاتھوں اور پاؤں کے اطراف ہیں۔ انہوں نے اس کا معنی پنڈلیوں کا گوشت بھی کیا ہے۔ حضرات حسن بصری اور ثابت بنانی ''نزاعة للشوی'' کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آگ اس کے چہرہ کی شگفتگی، رونق اور پاکیزگی ختم کر دے گی۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ آگ اس کے ہر ہر عضو کو جلا ڈالے گی۔ صرف دل باقی رہے گا جو چیختا چلاتا ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ آگ اس کی کھوپڑی کو اڑا دے گی، اس کے چہرہ کو بگاڑ کر بے رونق بنا دے گی، اس کی صورت مسخ کر دے گی اور اس کے ہاتھ پاؤں کو کاٹ کر رکھ دے گی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آتش جہنم گوشت اور کھال کو پوری طرح ہڈیوں سے ادھیڑ دے گی۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''شوی'' سے مراد بڑے بڑے اعضاء ہیں جنہیں آگ ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی پھر انہیں نیا جسم اور نئی کھال دی جائے گی۔

پھر فرمایا: ''تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ...... یعنی یہ آگ اپنی طرف سے اپنے ان فرزندوں کو بلائے گی جنہیں اللہ تعالیٰ نے آگ کے لئے پیدا کیا اور ان کے لئے یہ مقدر ہو گیا کہ وہ دنیا میں وہ اعمال کریں جو انہیں اس آگ کا مستحق بنا دیں گے چنانچہ آگ قیامت کے دن انہیں فصیح زبان میں پکارے گی اور پھر انہیں میدانِ محشر میں موجود لوگوں کے درمیان سے اس طرح اچک لے گی جس طرح پرندے دانہ چگتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا میں پیٹھ پھیرے ہوئے اور روگردانی کئے ہوتے تھے۔ یہ دل سے اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تکذیب کیا کرتے تھے اور اپنے اعضاء کے ساتھ اعمال صالحہ بجا لانے کے قریب تک نہیں پھٹکتے تھے۔ انہیں ہر وقت مال جمع کرنے اور اسے بچا بچا کر رکھنے کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب کردہ ضروری اخراجات میں بھی بخل سے کام لیتے تھے بلکہ زکوٰۃ تک بھی ادا نہیں کیا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''بچا بچا کر محفوظ کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے روک لے گا''(1)۔ حضرت عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ اس آیت کے پیش نظر اپنی تھیلی کا منہ باندھتے ہی نہ تھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! اللہ تعالیٰ کی وعید سننے کے باوجود تو دنیا سمیٹنے میں لگا ہوا ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس فرمان ''وجمع فاوعی'' کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ وہ باتیں جمع کرنے والا اور چغل خور تھا(2)۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ الَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَ الَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ

1۔ فتح الباری، جلد 3، صفحہ 301، مسلم، جلد 2، صفحہ 713

2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 78

الَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآىِٕمُوْنَ ۟ۙ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۟ؕ اُولٰٓىِٕكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۟ؕ

''بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچے تو سخت گھبرا جانے والا، اور جب اسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل۔ بجز ان نمازیوں کے جو اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں۔ اور وہ جن کے مالوں میں مقررہ حق ہے۔ سائل کے لئے اور محروم کے لئے۔ اور جو تصدیق کرتے ہیں روزِ جزا کی۔ اور جو اپنے رب کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنے والے ہیں۔ بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ بجز اپنی بیویوں کے یا اپنی کنیزوں کے تو ان پر کوئی ملامت نہیں۔ البتہ جو خواہش کریں گے ان کے علاوہ تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں۔ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ مکرم (محترم) ہوں گے جنتوں میں''۔

اللہ تعالیٰ انسان اور اس کی جبلت میں پائے جانے والے خسیس اخلاق کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا...... یعنی انسان لالچی اور ڈرپوک پیدا کیا گیا ہے، پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا یعنی جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگ جاتا ہے، گھبراہٹ اور خوف کی شدت سے اس کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں، اس کا دل اڑا اڑ جاتا ہے اور مایوسی کے گرداب میں پھنس کر یقین کر بیٹھتا ہے کہ اس کے بعد اسے کبھی بھی راحت اور آسودگی حاصل نہیں ہوگی اور جب اس پر خوشحالی کا دور آتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے نعمت سے نوازتا ہے تو یہ حد درجہ بخیل بن جاتا ہے۔ نہ لوگوں پر خرچ کرتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' آدمی میں بدترین چیز حرص میں مبتلا کرنے والا حد درجہ بخل اور بے حیائی کا شکار کرنے والی بزدلی ہے'' (1)۔ پھر استثناء کرتے ہوئے فرمایا: اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ یعنی ان مذموم صفات کے حامل لوگوں سے وہ نمازی مستثنیٰ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے محفوظ رکھا، خیر کی طرف ان کی رہنمائی کی اور اسے پانے کے لئے تمام اسباب فراہم کر دیئے۔ ان کا ایک وصف یہ ہے: الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآىِٕمُوْنَ یعنی بقول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، مسروق اور ابراہیم نخعی رحمہما اللہ تعالیٰ وہ نمازوں کے اوقات اور ان کے واجبات کی حفاظت اور پابندی کرنے والے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں دوام سے مراد سکون و اطمینان اور خشوع و خضوع ہے جیسا کہ فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (مومنون: 2-1) '' بیشک دونوں جہان میں بامراد ہو گئے ایمان والے۔ وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں''۔ جب پانی ٹھہرا ہوا اور پرسکون ہو تو کہتے ہیں: مَاءٌ دَائِمٌ۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں سکون اور اطمینان واجب ہے کیونکہ جس شخص کو رکوع و سجود میں اطمینان حاصل نہیں ہوتا، وہ اپنی نماز پر دائم نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سکون اور اطمینان سے نماز ادا ہی نہیں کرتا بلکہ کوے کی طرح ٹھونگیں مارتا ہے، اس لئے اس کی نماز اس کے لئے باعث فلاح نہ ہوگی۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جب وہ کوئی عمل شروع کرتے ہیں تو اس پر ہیشگی اختیار کر کے ثابت قدم رہتے ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' اللہ تعالیٰ کو

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 320، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 12

سب سے زیادہ محبوب عمل وہ ہے جس پر مداومت اختیار کی جائے اگر چہ وہ کم ہو(1)''۔آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی عمل کرتے تو اس پر ہمیشگی اختیار کرتے۔ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اس پر ثابت قدم رہتے(2)۔حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمیں بتایا گیا ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام نے امتِ محمد ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: وہ ایسی نماز پڑھیں گے کہ اگر قوم نوح علیہ السلام ایسی نماز پڑھتی تو ہرگز نہ غرق ہوتی، اگر قوم عاد ایسی نماز پڑھ لیتی تو ان پر خیر و برکت سے خالی ہوا کا دردناک عذاب نہ آتا اور اگر قوم ثمود ایسی نماز کی پابندی کرتی تو زوردار گرج سے اس کا قلع قمع نہ کیا جاتا۔لوگو! نماز کی پابندی کرو۔یہ اہل ایمان کا بہت عمدہ خلق ہے(3)۔

اگلی آیت میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ...... یعنی ان کے مالوں میں حاجت مندوں کے لئے ایک معین حصہ ہے۔اس کی مکمل تفسیر سورۂ ذاریات میں گزر چکی ہے(4)۔

پھر فرمایا: وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ یعنی یہ نمازی قیامت، حساب اور جزا پر پوری طرح یقین رکھتے ہیں اور ایسے لوگوں کے سے اعمال کرتے ہیں جنہیں ثواب کی امید اور عذاب کا ڈر ہو، اس لئے فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ یعنی یہ ہر وقت اپنے رب کے عذاب سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی امان کے بغیر کوئی بھی عقلمند اس سے نڈر نہیں رہ سکتا۔

پھر فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ یعنی یہ لوگ اپنی شرمگاہوں کو حرام کاری سے بچاتے ہیں اور انہیں ایسی جگہ رکھنے سے گریز کرتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی بلکہ وہ مطلب برآری کے لئے صرف اپنی بیویوں اور اپنی باندیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں لیکن جو شخص اس کے علاوہ خواہش کرے گا، وہ یقیناً حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔اس کی تفسیر قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ کی تفسیر کے آغاز میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

اگلی آیت میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ...... یعنی جب امانت ان کے سپرد کی جائے تو وہ اس میں خیانت نہیں کرتے اور جب وہ عہد و پیمان کریں تو اس میں بے وفائی نہیں کرتے۔یہ اہل ایمان کی صفات ہیں اور منافقین کی صفات اس کے برعکس ہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے:'' منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کا ارتکاب کرے۔''ایک اور روایت میں ہے:'' جب گفتگو کرے تو کذب بیانی سے کام لے، عہد و پیمان کرے تو بدعہدی کرے اور جب جھگڑے کی نوبت آئے تو گالی گلوچ کرے''(5)۔

فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ یعنی یہ اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں، ان کی حفاظت کرتے ہیں اور نہ ان میں کمی بیشی کرتے ہیں اور نہ انہیں چھپاتے ہیں کیونکہ گواہیوں کو چھپانے والا گنہگار رہے۔

پھر فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ یعنی نمازوں کے اوقات، ارکان، واجبات اور مستحبات کی حفاظت کرتے ہیں۔اہل جنت کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے کلام کا افتتاح بھی نماز کے ذکر سے ہوا اور اختتام بھی نماز کے ذکر سے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز کو

1۔فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 101، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 294، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 541-540

2۔ابوداؤد: کتاب التطوع، جلد 2، صفحہ 48 3۔طبری، جلد 29، صفحہ 79 4۔دیکھئے تفسیر سورۂ ذاریات: 19

5۔دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 204-177 سورۂ توبہ، جلد 77، سورۂ رعد: 25

دین میں ایک خاص اہمیت، اعلیٰ مقام اور خصوصی شرف حاصل ہے جیسا کہ سورۃ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ میں بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے وہاں فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (مومنون:11-10) ''یہی لوگ وارث ہیں جو وارث بنیں گے فردوس (بریں) کے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

اور یہاں فرمایا: اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ یعنی قسم قسم کی لذات اور طرح طرح کی پرمسرت نعمتوں سے انہیں شاد کام کر کے ان کی تکریم کی جائے گی۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۝ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ۝ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۝ عَلٰٓي اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝

''پس ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف ٹکٹکی باندھے بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ ایک گروہ دائیں طرف سے اور دوسرا گروہ بائیں طرف سے۔ کیا طمع کرتا ہے ان میں سے ہر شخص کہ (ایمان وعمل کے بغیر) نعمتوں بھری جنت میں اسے داخل کیا جائے۔ ہرگز نہیں۔ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس (مادہ) سے جس کو وہ بھی جانتے ہیں۔ پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم پوری قدرت رکھتے ہیں کہ ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے آئیں۔ اور ہم ایسا کرنے سے عاجز نہیں۔ سو آپ رہنے دیجئے انہیں کہ (خرافات میں) مگن رہیں اور کھیلتے کودتے رہیں حتیٰ کہ وہ ملاقات کریں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اس روز نکلیں گے (اپنی) قبروں سے جلدی جلدی گویا وہ (اپنے بتوں کے) استھانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں، چھا رہی ہو گی ان پر ذلت، یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا''۔

ان کافروں پر اظہار ناپسندیدگی کیا جا رہا ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھے، انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا، آپ کے پیغام ہدایت کو سنا اور آپ کے روشن معجزات کا مشاہدہ کیا لیکن اس کے باوجود وہ آپ سے کھچے کھچے رہے، آپ سے دور بھاگتے رہے اور دائیں بائیں گروہ در گروہ اور ٹولیاں ٹولیاں ہو کر کتراتے اور بدکتے رہے جیسا کہ فرمایا: فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (المدثر:51-49) ''پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس نصیحت سے روگرداں ہیں۔ گویا وہ بھڑکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں جو بھاگے جا رہے ہیں شیر سے''۔ اسی طرح یہاں فرمایا: فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا...... یعنی اے میرے پیارے رسول! ان کفار کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ آپ سے نفرت کرتے ہوئے تیزی سے بھاگے چلے جا رہے ہیں؟ ایک گروہ دائیں جانب سے اور دوسرا بائیں

جانب سے۔

عِزِیْنَ کا واحد ''عزۃ'' ہے یعنی یہ بکھرے ہوئے بھاگے جا رہے ہیں۔ ''عزین''، ''مهطعین'' سے حال ہے یعنی اپنے تفرق اور اختلاف کی حالت میں جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ خواہشات نفس کے پجاریوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ کتاب کے مخالف، کتاب کے متعلق آپس میں مختلف اور کتاب کی مخالفت پر باہم متفق ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان فَمَالِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا...... کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ آپ کی طرف ٹکٹکی باندھے بھاگے چلے آ رہے ہیں اور جتھوں کی شکل میں دائیں بائیں سے آپ کی طرف متوجہ ہو کر آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ گروہ در گروہ بکھرے ہوئے دائیں بائیں ہو کر پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے کیا کہا؟(1) حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ یہ ٹولیوں میں بٹے ہوئے قصداً نبی کریم کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں۔ نہ یہ کتاب اللہ میں رغبت رکھتے ہیں اور نہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی میں دلچسپی ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے انہیں مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''مَالِی أَرَاکُمْ عِزِیْنَ'' یعنی میں تمہیں الگ الگ جماعتوں کی شکل میں کیسے دیکھ رہا ہوں(2)۔

فرمایا: اَیَطْمَعُ...... یعنی کیا یہ کافر جن کی حالت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دور بھاگتے ہیں اور حق سے نفرت کرتے ہیں، اس چیز کی خواہش رکھتے ہیں کہ انہیں نعمتوں بھری جنت میں داخل کر دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ وقوع قیامت اور ان کافروں پر اترنے والے عذاب کی تثبیت فرما رہا ہے جس کا وہ انکار کرتے اور اس کے وجود کو ہی محال سمجھتے، اس سلسلے میں آغازِ آفرینش کی دلیل پیش کی جس کی نسبت اعادہ آسان تر ہے اور اس کا اعتراف ان کافروں کو بھی تھا۔ چنانچہ فرمایا: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ یعنی ہم نے انہیں حقیر اور کمزور قطرۂ آب سے پیدا کیا جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: اَلَمْ نَخْلُقْکُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ (مرسلات:20) ''کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں فرمایا''، فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۞ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۞ یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآىِٕبِ ۞ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۞ یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآىِٕرُ ۞ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّ لَا نَاصِرٍ (طارق:10-5) ''سو انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ اسے پیدا کیا گیا ہے اچھلتے پانی سے۔ جو (مرد و زن کی) پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ بے شک وہ اس کو پھر واپس لانے پر قادر ہے۔ یاد کرو اس دن کو جب سب راز فاش کر دیئے جائیں گے۔ پس نہ خود اس میں زور ہوگا اور نہ کوئی (دوسرا) مددگار ہوگا''۔

پھر فرمایا: فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ یعنی میں اس رب کی قسم اٹھاتا ہوں جس نے زمین و آسمان پیدا کئے، مشرق و مغرب بنائے اور ستاروں کو پابند بنا دیا کہ وہ اپنے اپنے مشرق سے طلوع ہوں اور اپنے اپنے مغرب میں غروب ہوں۔ تقدیر کلام یوں ہے: اے کافرو! معاملہ اس طرح نہیں جیسا کہ تم گمان کرتے ہو کہ نہ دوبارہ زندہ کر کے لوٹایا جائے گا، نہ حساب ہوگا اور نہ حشر نشر ہوگا بلکہ یہ سب کچھ حتمی اور یقینی طور پر وقوع پذیر ہوگا، اس لئے ان کے اس زعم باطل کی تردید کرنے کے لئے فعل قسم کے شروع میں ''لا'' لایا گیا ہے۔ یہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 86

2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 101، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 322، سنن ابی داؤد کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 258، طبری، جلد 29، صفحہ 86

بلاوجہ قیامت کا انکار کئے بیٹھے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے محال تصور کئے ہوئے ہیں حالانکہ یہ اپنی آنکھوں سے قدرت الٰہی کے بڑے بڑے مظاہر کا مشاہدہ کر چکے ہیں جو قیامت قائم کرنے سے بھی زیادہ بلیغ اور واضح ہیں مثلاً آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور ان میں حیوانات، جمادات اور دیگر انواع واقسام کی مخلوقات کی تسخیر، اس لئے فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (غافر:57) ''بیشک پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے لیکن بہت سے لوگ (اس کھلی حقیقت کو) نہیں جانتے''، اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (احقاف:33) ''کیا انہوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ذرا تھکن محسوس نہ کی ان کے بنانے میں وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے۔ بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے''، اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَـيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰسین:82-81) ''کیا وہ (قادرِ مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی (چھوٹی سی) مخلوق۔ بیشک! (وہ ایسا کر سکتا ہے) اور وہی پیدا فرمانے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کا حکم، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے''۔

اور یہاں فرمایا: فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ...... یعنی میں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ ہم قیامت کے دن ان کے ان جسموں کو اس سے بہتر صورت میں بدلنے پر پوری طرح قادر ہیں اور ہم عاجز نہیں جیسا کہ فرمایا: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ (قیامہ:4-3) ''کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم ہرگز جمع نہ کریں گے اس کی ہڈیوں کو کیوں نہیں ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم اس کی انگلیوں کی پور پور درست کر دیں''، نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (واقعہ:61-60)۔ ''ہم ہی نے مقرر کی ہے تمہارے درمیان موت اور ہم (اس سے) عاجز نہیں ہیں۔ کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے''۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کی بجائے یہ مفہوم پسند کیا ہے کہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ ان کے بدلہ میں ہم ایسی امت لے آئیں جو ہماری اطاعت کرے اور نافرمانی نہ کرے(1)۔ جیسا کہ فرمایا: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (محمد:38) ''اور اگر تم روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کر دیئے جاؤ گے) اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے''۔ لیکن پہلا معنی اس بناء پر زیادہ واضح ہے کہ دوسری متعدد آیات اس کی تائید کرتی ہیں پھر اپنے رسول ﷺ سے فرمایا: فَذَرْهُمْ...... یعنی آپ انہیں چھوڑ دیں کہ یہ اپنی تکذیب، کفر اور عناد میں مگن رہیں اور کھیلتے کودتے رہیں عنقریب انہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا اور یہ اپنے کئے کا مزہ چکھ لیں گے۔ وہ دن دور نہیں جب اللہ تعالیٰ انہیں حساب کتاب کے لئے بلائے گا تو یہ تیزی کے ساتھ اپنی قبروں سے اٹھیں گے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے، لپکتے ہوئے میدان حشر کی طرف جائیں گے، یوں محسوس ہوگا گویا یہ دنیا میں اپنے بتوں کے استھانوں کی طرف تیزی سے بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ جمہور نے ''نَصْب'' نون کے فتحہ اور صاد کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ منصوب کے

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 87

معنی میں مصدر ہوگا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ''نُصُب'' نون اور صاد دونوں کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے بت۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ جس طرح دنیا میں اپنے بت خانوں کی طرف کشاں کشاں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہوئے بھاگتے چلے جاتے تھے، اسی طرح وہ قیامت کے دن میدانِ محشر کی طرف تیزی سے رواں دواں ہوں گے۔

فرمایا: خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ...... یعنی ذلت اور ندامت کے مارے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور دنیا میں اطاعت کی بجائے تکبر اختیار کرنے کی پاداش میں آج ذلت ان پر چھارہی ہوگی اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

سورۂ نوح (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۳ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴

''بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف (اور فرمایا اے نوح!) بروقت خبردار کرو اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ نازل ہو جائے ان پر عذاب الیم۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم! میں تمہیں صریح طور پر ڈرانے والا ہوں۔ کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔ وہ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقررہ میعاد تک۔ بلاشبہ اللہ کا مقررہ وقت جب آ جاتا ہے تو اسے مؤخر نہیں کیا جا سکتا۔ کاش! تم (حقیقت کو) جان لیتے''۔

بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اس حکم کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ آپ انہیں عذاب کے اترنے سے پہلے بروقت خبردار کر دیں۔ اگر وہ توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں گے تو عذاب الٰہی ان سے اٹھا لیا جائے گا۔

اس لئے فرمایا: اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ...... یعنی آپ اپنی قوم کو ڈرائیں اس سے پہلے کہ انہیں دردناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! میں تمہیں صریح طور پر، واضح انداز میں اور کھلے لفظوں میں خبردار کر رہا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو، تقویٰ اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو ترک کر دو اور گناہوں سے اجتناب کرو اور میری اطاعت کو حرزِ جاں بنا کر ہر اس کام کو بجا لاؤ جس کا میں تمہیں حکم دوں اور ہر اس کام سے احتراز کرو جس سے میں تمہیں منع کروں۔ جب تم میرے ہر حکم کی تعمیل کرو گے اور میری رسالت کی تصدیق کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

آیت کریمہ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ میں ''من'' زائدہ ہے لیکن کلام مثبت میں یہ بہت کم آتا ہے۔ اسی نوعیت کا یہ قول ہے: ''قَدْ کَانَ مِنْ مَطَرٍ''۔ یہ بھی ایک قول ہے کہ یہاں ''من''، ''عن'' کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہوگا: ''یَصْفَحْ لکم عَن ذنوبکم'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں ''من'' تبعیض کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے وہ بڑے بڑے گناہ معاف فرما دے گا جن کے ارتکاب پر عذاب اور انتقام کی وعید ہے۔ توبہ کی صورت میں ہونے والی مزید کرم نوازی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَيُؤَخِّرْكُمْ...... یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری عمریں بڑھا دے گا اور تم سے اس عذاب کو ٹال دے گا جس سے وہ تمہیں تمہاری نافرمانی کے باعث تباہ کرنے والا ہے۔ جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ اطاعت، نیکی

اور صلہ رحمی سے حقیقتاً عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں بھی ہے: ''صلة الرحم تَزِيدُ فِي العمر'' یعنی صلہ رحمی عمر کو بڑھاتی ہے(1) انہوں نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

پھر فرمایا: اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ...... یعنی عذاب نازل ہونے سے پہلے پہلے اطاعت کو اپنا شعار بنالو کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نزول عذاب کا حکم دے دیتا ہے تو اسے نہ مسترد کیا جا سکتا ہے اور نہ ٹالا جا سکتا ہے۔ وہ عظیم ہے جسے ہر چیز پر مکمل اقتدار اور غلبہ حاصل ہے اور تمام مخلوقات اس کی عزت وعظمت کے سامنے سرافگندہ ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًاۙ ﴿۵﴾ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًاۚ ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًاۙ ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًاۙ ﴿۹﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًاۙ ﴿۱۰﴾ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًاۙ ﴿۱۱﴾ وَّ یُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِیْنَ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ یَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًاؕ ﴿۱۲﴾ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًاۚ ﴿۱۳﴾ وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًاۙ ﴿۱۵﴾ وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَ اللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًاۙ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ یُعِیْدُكُمْ فِیْهَا وَ یُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًاۙ ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾

''نوح نے عرض کی اے میرے رب! میں نے دعوت دی اپنی قوم کو رات کے وقت اور دن کے وقت۔ لیکن میری دعوت کے باعث ان کے فرار (ونفرت) میں ہی اضافہ ہوا۔ اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تا کہ تو ان کو بخش دے تو (ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر لپیٹ لئے اپنے کپڑے اور اڑ گئے (کفر پر) اور پرلے درجے کے متکبر بن گئے۔ پھر (بھی) میں نے ان کو بلند آواز سے دعوت دی۔ پھر انہیں کھلے بندوں بھی سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں (تلقین) کی۔ پس میں نے کہا (ابھی وقت ہے) معافی مانگ لو اپنے رب سے۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ برسائے گا آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش۔ اور وہ مدد فرمائے گا تمہاری اموال اور فرزندوں سے اور بنا دے گا تمہارے لئے باغات اور بنا دے گا تمہارے لئے نہریں۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پروا نہیں کرتے اللہ کی عظمت وجلال کی۔ حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسے پیدا کیا ہے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ۔ اور بنایا ہے چاند کو ان میں روشنی اور بنایا ہے سورج کو درخشاں چراغ۔ اور اللہ نے تم کو زمین سے عجب طرح اگایا ہے۔ پھر لوٹا دے گا تمہیں اس میں اور (اسی سے) تمہیں (دوبارہ) نکالے گا۔ اور اللہ نے ہی زمین کو تمہارے لئے فرش کی طرح بچھا دیا

1۔ المعجم الکبیر، جلد 8، صفحہ 312، مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 115

ہے۔ تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو''۔

حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال کی طویل مدت تک شب و روز اپنی قوم کو دعوت حق دیتے رہے، انہیں رشد و ہدایت اور صراطِ مستقیم کی طرف بلاتے رہے لیکن انہوں نے آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا، برا بھلا کہنے لگے اور آپ کے درپے آزار ہو گئے۔ آپ نے صبر و استقامت سے ان کے جور و جفا کو برداشت کیا لیکن جب ان میں حق پذیری کے آثار ظاہر ہوتے ہوئے نظر نہ آئے بلکہ ان کی ہٹ دھرمی میں اضافہ ہی ہوتا گیا تو آپ بارگاہِ خداوندی میں یوں شکوہ کناں ہوئے: رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ...... یعنی اے میرے پروردگار! میں تیرے حکم کی تعمیل میں اور تیری رضا جوئی کے لئے شب و روز دعوت و تبلیغ کے فریضہ کی ادائیگی میں مصروف رہا لیکن یہ ہر بار حق کے قریب جانے کی بجائے اس سے بھاگ کھڑے ہوتے اور اس سے اور زیادہ انحراف کرتے۔ میں جب بھی انہیں دعوت دیتا تاکہ تو ان کی مغفرت فرمائے تو یہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تاکہ میری آواز انہیں سنائی ہی نہ دے اور اپنے آپ کو کپڑوں میں ڈھانپ لیتے، کفار قریش کا بھی یہی وطیرہ تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (فصلت: 26) ''اور کہنے لگے وہ کافر مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور و غل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان شاید تم (اس طرح) غالب آ جاؤ''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ وہ اپنے اوپر کپڑا ڈال کر بھیس بدل لیتے تاکہ آپ علیہ السلام انہیں پہچان ہی نہ سکیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو کپڑوں سے ڈھانپ لیتے تاکہ آپؑ کے پیغام کو نہ سنیں۔ یہ نانہجار کفر اور شرک پر اڑے رہے اور پرلے درجے کے ایسے متکبر بن گئے کہ اتباع حق سے بھی متنفر ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی اصلاح کے لئے ہر حربہ آزمایا اور اپنی دعوت کو مؤثر بنانے کے لئے مختلف انداز اپنائے لیکن ان کے رویہ میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرنے لگے: ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا...... یعنی میں نے مجمع عام میں ان کو بلند آواز سے دعوت دی، پھر انہیں کھلے بندوں بھی سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں تلقین کی۔ میں نے انہیں استغفار کی تاکید کرتے ہوئے کہا کہ اپنے رب کی طرف رجوع کرو، اپنی معاندانہ روش ترک کر دو اور فوراً توبہ کر لو کیونکہ جو توبہ کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر کرم نوازی فرماتا ہے اور کفر و شرک کی حالت میں کئے گئے تمام گناہوں کو، جتنے بھی ہوں اور جیسے بھی ہوں، معاف فرما دیتا ہے کیونکہ وہ غفار (مغفرت فرمانے والا) ہے جس کی عنایات سے نہ صرف آخرت سنورتی ہے بلکہ دنیا بھی سنور جاتی ہے۔

فرمایا: یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا یعنی وہ لگاتار تم پر موسلا دھار بارشیں برسائے گا۔ اس آیت کے پیش نظر نماز استسقاء میں اس سورت کا پڑھنا مستحب ہے۔ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ استسقاء یعنی بارش طلب کرنے کے لئے منبر پر چڑھے تو صرف استغفار کی اور استغفار والی آیات کی تلاوت کی جن میں سے یہ آیات فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ...... بھی تھیں۔ پھر فرمانے لگے: ''میں نے آسمان کے پچھتروں (ستاروں) کے طفیل بارش طلب کی جن کے باعث بارش اترتی ہے''۔ آپ مزید فرمانے لگے: وَّ یُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِیْنَ...... یعنی جب تم توبہ کر لو گے، گناہوں کی مغفرت طلب کرو گے اور اطاعت کا مظاہرہ کرو گے تو تمہارے لئے رزق کی فراوانی اور بہتات کر دی جائے گی، زمین و آسمان کے خزانوں کے منہ تم پر کھول دیئے جائیں گے اور ان کی برکات سے تمہیں نوازا جائے گا، سرسبز و شاداب کھیت لہلہانے لگیں گے، جانوروں کے تھنوں سے دودھ کی نہریں جاری ہو جائیں گی، مال و دولت کی ریل پیل ہو گی، تمہیں خوبصورت اور تندرست فرزند عطا کئے جائیں گے، قسم قسم کے پھلوں سے لدے ہوئے باغات اپنی بہار دکھا رہے ہوں گے اور ان کے درمیان نہریں

رواں دواں ہوں گی۔ دعوت کا یہ انداز ترغیب پر مبنی ہے۔ جب ترغیب اور نرمی کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا تو آپ ترہیب یعنی خوفزدہ کرنے کے طریقہ کو اختیار کرتے ہوئے یوں سرزنش کرنے لگے: مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کے بقول اس کا معنی ہے: تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کی پرواہ نہیں کرتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا یہ معنی بھی منقول ہے کہ تم کما حقہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کیوں نہیں کرتے یعنی اس کے عذاب اور پکڑ سے ڈرتے کیوں نہیں، حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے پہلے قطرۂ آب پھر خون بستہ پھر گوشت کا لوتھڑا اور آخر کار اس شکل وصورت سے آراستہ کر کے پیدا فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ...... یعنی کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے تہہ در تہہ اوپر نیچے سات آسمان تخلیق کئے۔ ان سات آسمانوں کا علم یا تو صرف سمائی ہے یعنی سننے سے ان کا علم ہوا یا اس کا تعلق امور محسوسہ سے ہے جس کا ادراک ستاروں کی چال اور ان کے کسوف (گرہن) سے کیا جا سکتا ہے جیسا کہ علماء نجوم کا کہنا ہے کہ محوِ گردش رہنے والے سات بڑے ستارے ایک دوسرے کو گرہن لگا کر بے نور کر دیتے ہیں۔ ان میں سب سے نیچے آسمان دنیا میں چاند ہے جو اوپر والوں کی روشنی کو ماند کئے ہوئے ہے، دوسرے آسمان میں عطارد ہے، تیسرے میں زہرہ، چوتھے میں سورج، پانچویں میں مریخ، چھٹے میں مشتری اور ساتویں میں زحل۔ جہاں تک باقی ثوابت (ایک جگہ ثابت رہنے والے) ستاروں کا تعلق ہے تو وہ آٹھویں فلک میں ہیں جسے فلك الثوابت کہتے ہیں اور ان میں سے اہل شرع اسے کرسی کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک نواں فلک اطلس اور اثیر ہے جس کی حرکت ان کے خیال کے مطابق تمام افلاک کی حرکت کے خلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی حرکت دیگر حرکات کا نقطۂ آغاز ہے اور یہ ہے مغرب سے مشرق کی طرف جبکہ باقی سب افلاک کی حرکت اس کے برعکس مشرق سے مغرب کی طرف ہے اور ان کے ساتھ ہی تمام کواکب (ستارے) گھومتے رہتے ہیں لیکن سیاروں کی حرکت ان کے افلاک کی حرکت کے بالکل برعکس ہے۔ یہ مغرب سے مشرق کی طرف محوِ حرکت رہتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مقدور اور نظام کے مطابق اپنے فلک کو طے کرتا ہے۔ چاند اپنے فلک کو ہر ماہ ایک مرتبہ طے کرتا ہے، سورج ہر سال میں ایک مرتبہ، زحل ہر تیس سال میں ایک مرتبہ۔ مدت کا یہ تفاوت ان کے افلاک کی وسعت پر موقوف ہے ورنہ سب کی سرعت حرکت متناسب ہے۔ یہ ان لوگوں کی موشگافیوں کا خلاصہ ہے جس کا اظہار وہ اس مقام پر کرتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ کسی ایک بات پر متفق نہیں بلکہ ان کے درمیان شدید نوعیت کے اختلافات پائے جاتے ہیں جنہیں ہم بیان کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ بہرصورت مقصود صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر نیچے سات آسمان تخلیق کئے اور ان میں چاند کو روشنی اور سورج کو درخشاں چراغ بنایا۔ ان دونوں کی روشنی میں تفاوت اور فرق پایا جاتا ہے تاکہ شب وروز کے درمیان امتیاز ہو سکے۔ دونوں کی الگ الگ حیثیت ہے اور دونوں قدرت الٰہی کا نمونہ اور نشانی ہیں۔ سورج کے طلوع وغروب سے دن اور رات کی پہچان ہوتی ہے۔ چاند کے لئے منزلیں اور برج مقرر کر دیئے اور اس کے نور میں تفاوت رکھ دیا۔ اس کا نور بڑھتے بڑھتے حد کمال کو پہنچ جاتا ہے پھر کم ہونا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ گھٹتے گھٹتے بالکل چھپ جاتا ہے۔ اس سے ماہ وسال معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا: هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (یونس:5) ''وہی ہے جس نے بنایا سورج کو درخشاں اور چاند کو نور اور مقرر کیں اس کے لئے منزلیں تاکہ تم جان لو گنتی برسوں کی اور حساب۔ نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے مگر حق کے ساتھ تفصیل سے بیان کرتا ہے (اپنی قدرت کی) نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں''۔

فرمایا: وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ...... یہاں "نباتا" اسم مصدر ہے جس نے عبارت کے حسن کو چار چاند لگا دیئے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں عجب طرح سے زمین سے اگایا ہے، پھر جب تم مرجاؤ گے تو وہ تمہیں اسی میں لوٹائے گا اور قیامت کے دن وہ تمہیں زندہ کر کے لوٹائے گا جیسا کہ پہلی مرتبہ اس نے تمہیں پیدا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور قرار گاہ بنادیا اور اونچے اونچے مضبوط پہاڑ نصب کر کے اسے ثابت اور پرسکون بنادیا تاکہ تم اس پر قیام کرو اور اس کے اطراف واکناف میں جہاں چاہو، اس کے کشادہ راستوں پر سفر کر کے گھومو پھرو۔ اس تمام دعوت وتبلیغ کے ذریعے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت سے آگاہ کیا کہ زمین وآسمان کی تخلیق اسی کی بے پایاں قدرت کا کرشمہ ہے اور وہی وہ ذات ہے جس نے زمین وآسمان کی نعمتیں انہیں ارزانی فرمادیں۔ وہی خالق اور رازق ہے جس نے آسمان کو چھت اور زمین کو بچھونا بنایا اور اپنی مخلوق پر وافر رزق کے دروازے کھول دیئے۔ وہی ذات اس بات کی مستحق ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، اس کی وحدانیت کا اعتقاد رکھا جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے کیونکہ نہ اس کی کوئی نظیر ہے، نہ مثیل، نہ مدمقابل، نہ ہمسر، نہ شریک، نہ بیوی، نہ اولاد، نہ وزیر اور نہ مشیر بلکہ وہ سب سے برتر، اعلیٰ اور ارفع ہے۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢٢﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿٢٤﴾

" نوح نے عرض کی اے میرے پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کرتے رہے جس کو نہ بڑھایا اس کے مال اور اولاد نے بجز خسارہ کے۔ اور انہوں نے بڑے بڑے مکر وفریب کئے۔ اور رئیسوں نے کہا (اے لوگو! نوح کے کہنے پر) ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور (خاص طور پر) ود اور سواع کو مت چھوڑنا، اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو۔ اور انہوں نے گمراہ کردیا بہت سے لوگوں کو۔ (الٰہی) تو بھی ان کی گمراہی میں اضافہ کردے"۔

حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کناں ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم کو راہِ راست پر لانے کے لئے بڑے جتن کئے اور ترغیب وترہیب پر مشتمل مختلف قسم کی تبلیغی مساعی بروئے کار لائے، اس کے باوجود انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی، مخالفت پر اتر آئے، تکذیب کرنے لگے اور ایسے بدبخت اور بدکار دنیادار رئیسوں کو اپنا پیشوا بنالیا جو مال واولاد کی کثرت کے باعث اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے امر سے بالکل غافل ہوگئے۔ یہ دراصل استدراج اور مہلت ہے، اکرام نہیں۔ اس لئے فرمایا: وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ" ولد" کے لفظ میں دو قراءتیں ہیں۔ ایک واو کے ضمہ کے ساتھ اور دوسری فتحہ کے ساتھ۔ دونوں کا معنی قریب قریب ہے۔

فرمایا: وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا یعنی انہوں نے بہت بڑا فریب کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول "کبّار" کا معنی بہت بڑا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کُبّار، کُبَارٌ اور کَبِیْرٌ تینوں ہم معنی ہیں جیسے عربوں کا قول ہے: اَمْرٌ عَجِیْبٌ وَ عُجَابٌ وعُجّاب۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ان رئیسوں نے ان کے ساتھ بہت بڑا مکر وفریب کیا کہ انہیں اپنے برحق ہونے کا یقین دلا کر حضرت نوح علیہ السلام سے برگشتہ کردیا جیسا کہ وہ قیامت کے دن انہیں مورد الزام ٹھہراتے ہوئے کہیں گے: بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا (سبا:33) " بلکہ تمہارے شب وروز کے مکر وفریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے

انکار کردیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسر بنائیں''۔

اس لئے یہاں فرمایا: وَمَكَرُوْا...... وَنَسْرًا ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر ان کے بتوں کے نام تھے جن کی وہ پرستش کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو فراموش کر چکے تھے۔ ان کے رئیس ناصح مشفق بن کر انہیں نصیحت کرتے کہ نوح کی باتوں سے متاثر ہو کر اپنے معبودوں کو نہ چھوڑ نا خصوصاً ان پانچ بڑے معبودوں کو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قوم نوح کے بتوں کو بعد میں عربوں نے اپنا معبود ٹھہرالیا۔ ''ود'' قبیلہ کلب کے بت کا نام تھا جس کا مندر دومۃ الجندل میں تھا، ''سواع'' کا پرستار قبیلہ ہذیل تھا، ''یغوث'' پہلے بنی مراد کا بت تھا، ان کے پاس سے پھر بنی غطیف کے پاس آیا، اس کا استھان ملک سبا میں جرف کے مقام پر تھا، ''یعوق'' ہمدان کا دیوتا تھا اور ''نسر'' قبیلہ حمیر کی ایک شاخ آل ذی الکلاع کا معبود تھا۔ یہ دراصل قوم نوح کے صالح اور نیک فطرت لوگوں کے نام تھے۔ ان کے انتقال کے بعد شیطان نے وسوسہ اندازی کرتے ہوئے ان کی قوم کو اکسایا کہ وہ ان بزرگوں کی عبادت گاہوں اور مجلسوں میں ان کی یادگار قائم کریں اور ہر ہر بزرگ کے نام پر کوئی علامت نصب کردیں۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ جب تک یہ لوگ زندہ رہے، اس وقت تک ان نشانیوں کی پوجا شروع نہ ہوئی لیکن ان کی وفات اور علم کے اٹھ جانے کے بعد جب نئی نسل پروان چڑھی تو انہوں نے ان کی پرستش شروع کردی (1)۔ حضرات عکرمہ، ضحاک، قتادہ اور ابن اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت محمد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ اصنام پرستی کی ابتدا کے متعلق فرماتے ہیں کہ یغوث، یعوق وغیرہ بہت پارسا اور عبادت گزار لوگ تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیانی زمانہ سے ان کا تعلق تھا۔ ان اللہ والوں کے بہت سے پیروکار تھے جو ان کی اقتداء کرتے۔ جب یہ بزرگ انتقال کر گئے تو ان کے پیروکاروں پر ان کی جدائی بہت شاق گزری۔ وہ کہنے لگے کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو انہیں دیکھ کر اللہ کی یاد کا جذبہ کمزور نہ ہونے پائے گا اور انہیں کی شبیہوں کو دیکھ کر شوق عبادت فزوں تر ہوتا رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے ان کی تصویریں بنالیں۔ جب کافی عرصہ گزر گیا تو بعد میں آنے والی نسلوں نے شیطان کی انگیخت اور اغواء پر رفتہ رفتہ اصلی مقصد کو بھلا دیا۔ شیطان وسوسہ اندازی کرتے ہوئے کہنے لگا کہ تمہارے آباؤ اجداد تو ان کی عبادت کیا کرتے تھے اور ان کے وسیلہ سے بارش برستی تھی چنانچہ انہوں نے ان کی پرستش شروع کردی (2)۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیث علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے چالیس بچے تھے: بیس بیٹے اور بیس بیٹیاں۔ ان میں سے جنہوں نے طویل عمریں پائیں، ان میں ہابیل، قابیل، صالح اور عبدالرحمٰن تھے جن کا پہلا نام عبدالحارث تھا۔ آپ کے ایک اور بیٹے ود تھے جنہیں شیث اور ھبۃ اللہ کہا جاتا تھا۔ تمام بھائیوں نے سیادت ان کے سپرد کر رکھی تھی۔ سواع، یغوث، یعوق اور نسر ان کی اولاد تھی۔

ابن ابی حاتم میں حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام بیمار ہوئے تو آپ کے پاس اس وقت پانچ بیٹے تھے: ودّ، یغوث، یعوق، سواع اور نسر۔ ودّ سب سے بڑا اور سب سے زیادہ فرمانبردار اور حسن سلوک والا تھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابو جعفر نماز پڑھ رہے تھے کہ لوگوں نے یزید بن مہلب کا ذکر کیا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ لوگوں سے فرمانے لگے کہ اسے ایسی جگہ قتل کیا گیا جہاں سب سے پہلے غیر اللہ کی پرستش ہوئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ ایک صالح مسلمان شخص تھا جو اپنی قوم میں بہت محبوب اور مقبول

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ نوح، جلد 8، صفحہ 667 2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 99

تھا۔اس کی وفات کے بعد اس کے معتقد از حد مغموم ہوئے، وہ اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکے۔اس کی قبر پر بیٹھ گئے، رونا دھونا اور آہ و زاری شروع کر دی اور بے چینی کے عالم میں اسے خوب یاد کرنے لگے۔ابلیس ان کی گھبراہٹ اور جزع فزع کو دیکھ کر انسانی صورت میں ان کے پاس آیا اور انہیں کہنے لگا کہ مجھ سے تمہاری یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔اگر تم لوگوں کی خواہش ہو تو میں تمہارے لئے اس بزرگ کی تصویر بنا دیتا ہوں جسے تمہاری مجلس گاہ میں نصب کر دیا جائے گا اور اسے دیکھ دیکھ کر اس بزرگ کی یاد تازہ ہوتی رہے گی، لوگوں کو ابلیس کا مشورہ بہت پسند آیا چنانچہ اس نے ان کی رضامندی کے بعد تصویر بنا دی۔لوگوں نے اسے اپنے اجتماع گاہ میں رکھ لیا اور اس کی زیارت کرنے لگے۔جب شیطان نے ان کے اس شغف کو دیکھا تو انہیں کہنے لگا کہ کیا ہی اچھا ہے کہ تم میں سے ہر ایک گھر کے اندر اس بزرگ کی مورتی ہو جسے دیکھ کر تمہیں اس بزرگ کی یاد آتی رہے اور تمہیں اطمینان حاصل ہوتا رہے؟ سب نے اس تجویز پر اتفاق کیا تو ابلیس نے ان کے ہر گھر کے اندر مورتی کھڑی کر دی۔کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا کہ لوگ صرف انہیں دیکھا کرتے تھے۔بعد ازاں جب نئی نسلیں پروان چڑھیں تو انہوں نے اصلی مقصد فراموش کر دیا اور اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ کو چھوڑ کر ان کی پوجا شروع کر دی۔سب سے پہلے جس بت کی پرستش شروع ہوئی اس کا نام ود تھا(1)۔

فرمایا: وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا یعنی انہوں نے بت پرستی کو رواج دے کر بہت سی مخلوق کو گمراہ کیا۔اس وقت سے لے کر اب تک عرب و عجم میں ان کی عبادت جاری ہے۔حضرت خلیل علیہ السلام اپنی دعا میں عرض کرتے ہیں: وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ (ابراہیم: 36-35) ''اور بچا لے مجھے اور میرے بچوں کو کہ ہم پوجا کرنے لگیں بتوں کی۔اے میرے پروردگار! ان بتوں نے تو گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو''۔پھر ان کے لئے بددعا کرتے ہوئے کہنے لگے: وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ...... یعنی ان ظالموں کی گمراہی میں ہی اضافہ کرنا، اس بددعا کی وجہ یہ تھی کہ یہ نابکار اپنی سرکشی، کفر اور عناد کی انتہاء کو پہنچ چکے تھے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کے خلاف بددعا کرتے ہوئے عرض کی تھی: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس: 88) ''اے ہمارے رب! برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو تاکہ وہ نہ ایمان لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو''۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہر دو انبیاء کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور ان کی قوموں کو ان کی تکذیب کی پاداش میں غرق کر دیا۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿٢٥﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾

''اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرق کر دیا گیا پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا۔پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔اور نوح نے عرض کی اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔اگر تو نے ان

1۔عبد بن حمید: در منثور، جلد 8، صفحہ 295-294

میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار سخت ناشکر گزار ہو گی۔
میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور بخش دے
سب مومن مردوں اور عورتوں کو۔ اور کفار کی کسی چیز میں اضافہ نہ کر بجز ہلاکت و بربادی کے"۔

خَطِیْٓـٰٔتِہِمْ کی دوسری قراءت "خطایاھم" ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ انہیں اپنے گناہوں کی کثرت، سرکشی، کفر اور حضرت نوحؑ کی مخالفت پر بضد رہنے کی پاداش میں غرق کر دیا گیا، پھر اس طوفان سے منتقل کر کے انہیں آگ کے حوالے کر دیا گیا اور اس وقت ان کا کوئی حامی و ناصر نہ تھا جو انہیں عذاب الٰہی سے بچا لیتا جیسا کہ فرمان ہے: لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ (ہود: 43) " آج کوئی بچانے والا نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے"۔ حضرت نوح علیہ السلام ان کی بربادی کی دعا کرتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں عرض کرنے لگے: لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ...... یعنی اے میرے پروردگار! روئے زمین پر ان کافروں میں سے کسی ایک کو بھی بستا ہوا نہ چھوڑ۔ گھر کے مکین کو دیار کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کو قبول کرتے ہوئے روئے زمین پر بسنے والے تمام کافروں کو تباہ و برباد کر دیا یہاں تک کہ آپ کا حقیقی بیٹا بھی غرق کر دیا گیا جو اپنے باپ سے الگ تھلگ ہو کر یہ کہنے لگا: سَاٰوِیْٓ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَیْنَہُمَا الْمَوْجُ فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ (ہود: 43) " آپ نے کہا (بیٹا!) آج کوئی بچانے والا نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے۔ اور (اسی اثناء میں) حائل ہو گئی ان کے درمیان موج پس ہو گیا وہ ڈوبنے والوں سے"۔

ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر اللہ تعالیٰ قوم نوح میں سے کسی پر رحم کرتا تو اس عورت پر کرتا جس نے پانی کے طوفان کو دیکھا تو اپنے بچے کو اٹھا کر پہاڑ پر چڑھ گئی۔ جب پانی وہاں تک جا پہنچا تو اس نے اپنے بچے کو اپنے کندھے پر چڑھا لیا، جب وہاں تک بھی پانی پہنچ گیا تو اس نے اسے سر پر بٹھا لیا۔ جب پانی سر تک بلند ہوا تو اس نے اپنے بچے کو ہاتھوں میں لے کر بلند کر لیا، اگر ان میں سے کسی پر رحم فرمانا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس عورت پر ضرور رحم فرماتا" (1)۔ یہ حدیث غریب ہے لیکن اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اس طوفان کی دستبرد سے صرف وہی اہل ایمان محفوظ رہے جنہیں حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے ساتھ کشتی میں سوار کر لیا تھا۔ چونکہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال کا طویل عرصہ تبلیغ کرتے ہوئے اپنی قوم میں گزار چکے تھے، اس لئے اپنے سابقہ تلخ تجربہ کے پیش نظر کہنے لگے: اِنَّکَ اِنْ تَذَرْہُمْ...... یعنی اگر تو نے انہیں باقی رکھا تو یہ تیرے ان بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے جو ان کے بعد پیدا ہوں گے اور ان کی اولاد بھی بدکار سخت ناشکر گزار ہو گی۔ پھر عرض کرنے لگے: رَبِّ اغْفِرْ لِیْ...... ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہاں بیت (گھر) سے مراد مسجد ہے لیکن آیت کو اس کے ظاہر پر محمول کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں اور بظاہر یہی معنی ہے کہ آپ نے ہر اس مومن کے لئے دعا کی جو آپ کے گھر میں داخل ہو۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لَا تَصْحَبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا یَاکُلْ طَعَامَکَ اِلَّا تَقِیٌّ" یعنی مومن کے سوا کسی کی سنگت اختیار نہ کر اور متقی شخص کے علاوہ کوئی اور تمہارا کھانا نہ کھائے (2)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صرف اسی سند سے معروف ہے (3)۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ہود: 44
2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 38، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 259، عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9، صفحہ 242-241 3۔ ایضاً

پھر آپ نے تمام مومن مرد اور مومن عورتوں کے لئے دعا کی۔ اس میں تمام زندہ اور مردہ اہل ایمان داخل ہیں، اس لئے مستحب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اقتداء کرتے ہوئے احادیث و آثار میں وارد ہونے والی مشہور دعاؤں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دوسرے مومنوں کو بھی اپنی دعاؤں میں شامل کیا جائے۔ پھر (نوح علیہ السلام نے) دعا کا اختتام ان الفاظ پر کیا: وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا اسدی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول "تبار" ہلاکت کے معنی میں ہے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس سے مراد دنیا و آخرت کا خسارہ لیتے ہیں۔

سورۂ جن (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قُلۡ اُوۡحِىَ اِلَىَّ اَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ يَّهۡدِىۡۤ اِلَى الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوۡلُ سَفِيۡهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ يَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ فَزَادُوۡهُمۡ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾ وَّاَنَّهُمۡ ظَنُّوۡا كَمَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ يَّبۡعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾

”آپ فرمایئے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا ہے (قرآن کو) جنوں کی ایک جماعت نے پس انہوں نے (جا کر دوسرے جنات کو) بتایا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ راہ دکھاتا ہے ہدایت کی پس ہم (دل سے) اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز شریک نہیں بنائیں گے کسی کو اپنے رب کا اور بے شک اعلیٰ وارفع ہے ہمارے رب کی شان نہ اس نے کسی کو اپنی بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا۔ اور (یہ راز بھی کھل گیا کہ) ہمارے احمق اللہ کے بارے میں ناروا باتیں کہتے رہے۔ اور ہم تو یہ خیال کئے تھے کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔ اور یہ کہ انسانوں میں سے چند مرد پناہ لینے لگے جنات میں سے چند مردوں کی پس انہوں نے بڑھا دیا جنوں کے غرور کو اور ان انسانوں نے بھی یہی گمان کیا جیسے تم گمان کرتے ہو کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر معبوث نہیں کرے گا“۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم فرمارہا ہے کہ آپ اپنی قوم کو جنات کے واقعہ کی خبر دیں کہ انہوں نے قرآن کریم کو غور سے سنا اور اس پر ایمان لے آئے، اس کی تصدیق کی اور اس کی اطاعت اختیار کرلی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلۡ اُوۡحِىَ...... یعنی اے میرے پیارے رسول! آپ کہہ دیں کہ مجھے بذریعہ وحی بتایا گیا ہے کہ جنات کے ایک گروہ نے قرآن کریم کو غور وتدبر کے ساتھ سنا اور اپنی قوم میں جا کر کہنے لگے کہ ہم نے عجیب وغریب قرآن سنا ہے جو رشد وہدایت اور فوز وفلاح کی راہ دکھاتا ہے، اس لئے ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم آئندہ کبھی بھی اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ یہ مضمون اس فرمان: وَاِذۡ صَرَفۡنَاۤ اِلَيۡكَ نَفَرًا مِّنَ الۡجِنِّ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ (احقاف:29) ”اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سنیں“۔ میں بھی گزر چکا ہے اور اس سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث کا تذکرہ ہم نے وہیں کر دیا ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں(1)۔

فرمایا: وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”جدّ“ سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کا فعل، امر اور اس کی

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ احقاف:29

قدرت۔ ایک اور روایت میں آپ سے اس کا معنی منقول ہے: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، قدرتیں اور مخلوقات پر عنایات۔ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے بقول یہ جلال کے معنی میں ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا جلال، عظمت اور حکم ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ اسے امر کے معنی میں لیتے ہیں۔ حضرات ابوالدرداء، مجاہد اور ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کا معنی ذکر بیان کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بلند اور اعلیٰ ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارا رب بہت بلند ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جدّ باپ کو کہتے ہیں، اگر جنات کو یہ علم ہوتا کہ انسانوں میں جدّ ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ لفظ نہ بولتے۔ اس روایت کی سند تو عمدہ ہے لیکن اس کا مفہوم میری سمجھ سے بالاتر ہے، ممکن ہے کہ اس میں سے کچھ کلام چھوٹ گیا ہو۔ جب ان جنات نے اسلام قبول کر لیا اور قرآن کریم پر ایمان لے آئے تو بیوی اور اولاد بنانے سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ بیان کرتے ہوئے کہنے لگے:

مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا یعنی اس نے نہ کسی کو اپنی بیوی بنایا اور نہ کوئی اولاد۔ پھر کہنے لگے: وَاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا...... اور ہمارا بے وقوف اور احمق اللہ تعالیٰ پر ناروا باتیں کیا کرتا تھا۔ حضرات مجاہد، قتادہ، عکرمہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ''سفیہ'' سے مراد ابلیس ہے۔ ابومالک کہتے ہیں کہ ''شطط'' کا معنی جور و ظلم ہے اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کا معنی ہے ظلم عظیم۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ''سفیھنا'' سے مراد ہر وہ احمق اور بے وقوف ہو جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جورو اور اولاد ہے، اس لئے وہ کہنے لگے: وَاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا...... یعنی اسلام لانے سے قبل ہمارے بے وقوف اللہ تعالیٰ کی نسبت باطل، جھوٹی اور ناروا باتیں کہا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ کہنے لگے:

وَاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ...... یعنی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جن و انس اللہ تعالیٰ کی ذات پر جھوٹ و افتراء باندھنے کی جسارت کرتے ہوئے بیوی اور اولاد کی نسبت اس کی طرف کریں گے۔ جب ہم نے یہ قرآن سنا اور اس پر ایمان لے آئے تو ہماری آنکھیں کھل گئیں اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ وہ اس بابت اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے تھے۔ پھر کہنے لگے: وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ...... یعنی ہمیں یقین تھا کہ ہمیں انسانوں پر فضیلت اور برتری حاصل ہے، کیونکہ جب وہ کسی ویران وادی یا اجاڑ جگہ پر اترتے تو ہماری پناہ لیا کرتے تھے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کا دستور تھا کہ جب انہیں کسی ریگستان یا ویرانے میں کسی ضرر رساں چیز سے خطرہ لاحق ہوتا تو وہ اس جگہ کے جن سردار کی پناہ طلب کرتے۔ یہ بالکل ایسے ہی تھا جیسے وہ دشمن کے علاقہ میں داخل ہوتے وقت کسی بڑے رئیس کی پناہ لیتے تھے۔ جب جنات نے دیکھا کہ انسان ان کے خوف سے ان کی پناہ طلب کرتے ہیں تو انہوں نے ان کے خوف اور دہشت میں اور اضافہ کر دیا یہاں تک کہ وہ بہت زیادہ مرعوب، خوفزدہ اور دہشت زدہ ہو گئے اور یہ یقین کر بیٹھے کہ ان کی پناہ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ انسانوں کے اس فعل سے ان کے گناہ میں اور جنات کی جرأت میں اضافہ ہو گیا۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے اہل و عیال کے ساتھ سفر پر نکلتا۔ اگر کسی وادی میں اسے رات گزارنا پڑتی تو وہ وہاں فروکش ہو کر کہتا کہ میں اس وادی کے جن سردار کی پناہ لیتا ہوں اس سے کہ مجھے، یا میرے مال کو، یا میری اولاد کو یا میرے مویشیوں کو کوئی گزند پہنچے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی پناہ لیتا تو جنات اسے تنگ کرتے اور اسے اذیت پہنچاتے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنات انسانوں سے اس طرح ڈرا کرتے تھے جس طرح انسان جنات سے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کیفیت یہ تھی کہ انسان جس کسی وادی میں اترتے تو جنات خوف کے مارے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوتے لیکن جب

وہ یہ کہتے کہ ہم اس وادی کے سردار کی پناہ لیتے ہیں تو جنات کہتے کہ جس طرح ہم ان سے خوفزدہ ہیں، اسی طرح یہ بھی ہم سے خوفزدہ ہیں۔ چنانچہ آہستہ آہستہ ان کا خوف دور ہوتا گیا اور یہ انسانوں کے قریب آ کر انہیں ستانے لگے اور بسا اوقات انہیں جنون میں مبتلا کر دیتے۔ یہی مطلب اس آیت وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ..... کا ہے۔

رھق کا معنی گناہ ہے یعنی جنوں نے انسانوں کے گناہ کو اور بڑھا دیا۔ بعض حضرات کے بقول اس کا معنی خوف ہے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی سرکشی ہے یعنی کفار نے ان کی سرکشی میں اضافہ کر دیا۔ کردم بن ابی سائب انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ کسی کام کے لئے مدینہ سے نکلا۔ اس وقت مکہ میں حضور ﷺ کی بعثت کا ابتدائی دور تھا۔ رات بسر کرنے کے لئے ہم ایک چرواہے کے پاس ٹھہرے۔ آدھی رات کے وقت ایک بھیڑیا آیا اور بکری کا ایک بچہ اٹھا کر لے اڑا۔ چرواہا اس کے پیچھے لپکا اور بلند آواز سے کہنے لگا کہ اے اس وادی کے آباد کرنے والے! میں تیری پناہ میں ہوں۔ اس کے ساتھ ہی فوراً ایک شخص کی آواز سنائی دی جو ہمیں دکھائی نہیں دیتا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ اے بھیڑیئے! بکری کے بچے کو چھوڑ دے۔ کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ بکری کا بچہ بھاگتا ہوا آیا اور ریوڑ میں داخل ہو گیا، اسے خراش تک نہ آئی تھی۔ یہی بیان اس آیت میں ہے جس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا (1)۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بکری کے بچے کو اٹھا لے جانے والا بھیڑیا حقیقت میں جن ہی ہو جس نے چرواہے کی فریاد پر اس لئے بکری کے بچے کو واپس لوٹا دیا ہو تا کہ انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ نقصانات سے بچنے کے لئے ان کی پناہ ضروری ہے اور اس سے مقصد یہ تھا کہ وہ اسے گمراہ کر کے اللہ کے دین سے خارج کر دے۔ یہ مسلمان جن اپنی قوم سے مزید کہنے لگے: وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا......'' یعنی انسان بھی تمہاری طرح یہی خیال کرتے تھے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا (2)۔

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ﴿۸﴾ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿۹﴾ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۰﴾

''اور (سنو!) ہم نے ٹٹولنا چاہا آسمان کو تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کے لئے۔ لیکن اب جو (جن) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لئے کسی شہاب کو انتظار میں۔ اور ہم نہیں سمجھتے (اس کی کیا وجہ ہے) کیا کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے زمین کے مکینوں کے بارے میں یا ان کے رب نے ان کو ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے''۔

رسول اللہ کی بعثت سے پہلے جنات آسمان کی طرف عروج کرتے اور کسی جگہ بیٹھ کر چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سن لیتے، پھر یہ باتیں کاہنوں تک پہنچا دیتے، وہ انہیں خوب بڑھا چڑھا کر اور جھوٹ کا پلندہ بنا کر لوگوں کو بتاتے لیکن جب آپ ﷺ مقام رسالت پر فائز ہوئے اور وحی کے نزول کا سلسلہ شروع ہوا تو آسمان پر پہرے سخت کر دیئے گئے، جنات کی وہاں تک رسائی کو ناممکن بنا دیا گیا، جنات کی سرکوبی کے لئے ہر طرف پہریدار بٹھا دیئے گئے اور ان شیطانوں کو ان کے ان ٹھکانوں سے بھگا دیا گیا جہاں بیٹھ کر یہ چوری چھپے سنا کرتے

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 298

2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 110

تھے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یہ شیطان قرآن کریم میں سے کچھ باتیں اڑا کر کاہنوں کی زبان پر جاری کر دیتے اور وہ اس میں اپنا جھوٹا کلام شامل کر کے اسے لوگوں میں رواج دے دیتے، اس طرح حق اور باطل کی آمیزش سے وحی کا معاملہ ہی تلپٹ ہو جاتا اور سچے اور جھوٹے کلام کے درمیان امتیاز ہی نہ رہتا۔ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا فضل و کرم اور رحمت و رأفت ہے کہ اس نے اپنی کتاب کی حفاظت کے لئے جملہ انتظامات کر دیئے۔ لہٰذا جن کہنے لگے:

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ...... یعنی ہم نے آسمان کو حسب سابق ٹٹولنا چاہا تو اسے سخت پہریداروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔ اب جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرے گا تو وہ کسی شہاب کو انتظار میں پائے گا۔ یہ شہاب اس کی تاک میں ہوگا اور اسے آگے بڑھنے کا موقعہ ہی نہیں دے گا بلکہ اسے فوراً دبوچ لے گا اور جلا کر خاکستر بنا ڈالے گا۔ پھر کہنے لگے: وَاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ...... یعنی یہ حادثہ جو آسمان میں رونما ہوا ہے، اس کے متعلق ہمیں کچھ علم نہیں کہ کیا اس کے سبب زمین والوں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔ ان جنات کا یہ کلام کس قدر ادب اور تعظیم پر مبنی ہے کہ شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی لیکن خیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے، اسی طرح حدیث شریف میں بھی ہے: ''وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ'' یعنی اے پروردگار! شر تیری طرف سے نہیں۔ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی شہابوں کے حملہ آور ہونے اور آگ برسانے کا سلسلہ تھا لیکن اس کثرت سے نہ تھا بلکہ وقتاً فوقتاً ایسا ہوتا تھا جیسا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں ایک ستارا جھڑا اور خوب روشنی ہوئی۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا: ''اس بارے میں تم کیا کہا کرتے تھے؟'' ہم نے عرض کی کہ ہمارا یہ خیال تھا کہ کسی بڑے کی ولادت یا کسی بڑے کی موت پر ایسا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''بات اس طرح نہیں، بلکہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے...... الخ'' اس حدیث کو مکمل طور پر ہم نے سورۂ سبا کی تفسیر میں بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ آسمان کی حفاظت کے لئے سخت پہرے بٹھا دینا اور جنات کو مار بھگانے کے لئے شہابوں کو مستعد اور چوکس دیکھنا، یہ ایسا سبب تھا جس نے جنوں کو اصل واقعہ کا سراغ لگانے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے مختلف دستے تشکیل دیئے اور چھان بین کے لئے زمین کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔ ان میں سے ایک گروہ گشت کرتے کرتے حضور ﷺ کے پاس سے گزرا۔ اس وقت آپ ﷺ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ تلاوت قرآن سن کر یہ سمجھ گئے کہ اس نبی ﷺ کی بعثت اور نزول وحی کے باعث ہی آسمان کو محفوظ کر کے وہاں ہمارا داخلہ بند کر دیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض خوش نصیب ایمان لے آئے اور باقی اپنی سرکشی پر بضد رہے جیسا کہ اس فرمان وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ (الاحقاف: 29) ''اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سنیں۔ تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو۔ پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے'' کے تحت مروی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں یہ واقعہ گزر چکا ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شہابوں کی کثرت اور ان کا گرنا ایسا امر تھا جس نے نہ صرف جنات بلکہ انسانوں کو بھی خوف و دہشت میں مبتلا کر دیا۔ یہ دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ اس حادثہ کو دنیا کی بربادی کا پیش خیمہ قرار دینے لگے۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آسمان کی حفاظت کے سخت انتظامات کسی نبی کی تشریف آوری یا دین اللہ کے اظہار کے وقت کئے جاتے تھے۔ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل شیطانوں نے پہلے آسمان میں اپنے لئے کچھ ایسے ٹھکانے بنا رکھے تھے جہاں بیٹھ کر وہ آسمان میں طے ہونے والے امور کو سن لیا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبی اور رسول بنا کر بھیجا تو ایک رات ان شیاطین پر ان شہابوں کا مینہ برسا۔ یہ دیکھ کر

طائف والے سراسیمہ ہو گئے اور خیال کرنے لگے کہ آسمان والے ہلاک ہو گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ آسمان سے بکثرت ستارے ٹوٹ رہے ہیں، بڑے بڑے شعلے بلند ہو رہے ہیں اور خوب آگ برس رہی ہے تو وہ اپنے غلام آزاد کرنے اور اپنے مویشی راہِ خدا میں چھوڑنے لگے۔ بالآخر عبد یالیل بن عمرو بن عمیر نے انہیں کہا: اے طائف والو! افسوس ہے تم پر کہ تم یونہی اپنا نقصان کر رہے ہو۔ اپنے مالوں کو اپنے پاس روک لو اور ستاروں کے مقامات کو دیکھو۔ اگر وہ اپنی اپنی جگہ پر قائم ہوں تو سمجھ لو کہ آسمان والے ہلاک نہیں ہوئے بلکہ یہ سب کچھ ابن ابی کبشہ (حضرت محمد ﷺ) کی خاطر ہو رہا ہے اور اگر تم دیکھو کہ ستارے اپنے اپنے مقام پر نہیں ہیں تو سمجھ لو کہ آسمان والے ہلاک ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جب انہوں نے ستاروں کو اپنے مقامات پر برقرار دیکھا تو پھر انہیں کچھ اطمینان ہوا اور وہ اپنے اموال تقسیم کرنے سے رک گئے۔ اس رات شیاطین بھی بہت گھبرائے اور خوفزدہ ہو کر بھاگم بھاگ ابلیس کے پاس آئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ابلیس کہنے لگا کہ میرے پاس ہر علاقہ کی مٹی لاؤ۔ مٹی لائی گئی تو اس نے سونگھ کر بتایا کہ اس کا باعث بننے والا شخص مکہ میں ہے۔ چنانچہ نصیبین کے رہنے والے سات جن سراغ رسانی کے لئے بھیجے گئے۔ جب وہ مکہ شریف میں پہنچے تو انہوں نے مسجد حرام میں حضور ﷺ کو نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ تلاوت سن کر وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور فوراً اسلام قبول کر لیا۔ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے وحی کی صورت میں اپنے پیارے رسول ﷺ پر نازل فرما دیا۔ ہم نے اپنی کتاب السیرت میں یہ واقعہ تفصیلاً آغازِ بعثت میں ذکر کر دیا ہے۔

وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا ۝ۙ11 وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝ۙ12 وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝ۙ13 وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝14 وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝ۙ15 وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَي الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّاۗءً غَدَقًا ۝ۙ16 لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝ۙ17

''اور ہم میں بعض نیک بھی ہیں اور بعض اور طرح کے۔ ہم بھی تو کئی راستوں پر گامزن ہیں۔ اور (اب) ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہم زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں۔ اور (اے جن بھائیو!) ہم نے جب پیغام ہدایت سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ پس جو شخص اپنے رب پر ایمان لاتا ہے تو اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ظلم کا۔ اور بیشک ہم میں سے کچھ تو فرمانبردار ہیں اور کچھ ظالم۔ تو جنہوں نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے حق کی راہ تلاش کر لی۔ اور جو حق سے منحرف ہوتے ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ اور اگر وہ ثابت قدم رہیں راہِ حق پر تو ہم انہیں سیراب کریں گے کثیر پانی سے۔ تاکہ ہم ان کی آزمائش کریں اس فراوانی سے۔ اور جو منہ موڑے گا اپنے رب کے ذکر سے تو وہ داخل کرے گا اسے سخت عذاب میں''۔

جنات اپنے بارے میں بتا رہے ہیں کہ ہم میں سے کچھ نیک ہیں اور بعض اور طرح کے، ہماری راہیں جدا جدا اور نظریات الگ الگ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات کے بقول ''کنا طرائق قددا'' کا مطلب یہ ہے کہ ہم میں

سے بعض مومن ہیں اور بعض کافر۔ حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک جن ہمارے پاس آیا، میں نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارا سب سے زیادہ پسندیدہ کھانا کون سا ہے؟ کہنے لگا: چاول۔ میں نے چاول لا دیئے تو کیا دیکھتا ہوں کہ لقمے تو لگا تار اٹھ رہے ہیں لیکن کھانے والا کوئی نہیں دکھائی دے رہا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ خواہشات جو ہم میں ہیں، تم میں بھی پائی جاتی ہیں؟ وہ کہنے لگا: ہاں۔ میں نے پوچھا کہ تم میں رافضی کون ہیں؟ اس نے جواب دیا: بدترین۔ حافظ ابوالحجاج مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابن عساکر میں حضرت عباس بن احمد دمشقی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات اپنے گھر میں ایک جن کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا:

قلوبٌ براھا الحبّ حتی تعلّقتْ مَذَاھبُھا فی کلّ غربٍ وشارق

تَھِیمُ بحبّ اللہِ واللہ ربّھا مُعلّقۃ باللہِ دون الخلائق

یعنی دل محبت الٰہی میں محو ہیں یہاں تک کہ ان کی شاخیں مشرق ومغرب میں جھوم رہی ہیں، یہ اپنے پروردگار کی محبت میں ایسے مستغرق ہیں کہ مخلوقات سے منقطع ہو کر صرف ذات الٰہی سے وابستہ ہیں۔

پھر کہنے لگے: وَاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ...... یعنی ہمیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہم پر حاوی اور غالب ہے۔ ہم زمین میں بھاگ کر اس سے نہیں بچ سکتے، اسے ہم پر پوری پوری قدرت حاصل ہے اور ہم میں سے کسی کی مجال نہیں کہ وہ اسے عاجز کر سکے۔ پھر وہ فخر کرتے ہوئے کہنے لگے: وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى...... اور یہ بات ان کے لئے واقعی فخر، شرف اور امتیاز کا باعث ہے۔ پھر کہنے لگے: فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ...... یعنی جو شخص اپنے رب پر ایمان لاتا ہے، نہ اسے اس بات کا اندیشہ ہے کہ اس کی نیکیوں میں کمی کر دی جائے گی اور نہ اس بات کا خوف کہ اس پر ناکردہ گناہوں کا بوجھ لاد دیا جائے گا۔ ایک اور مقام پر فرمایا: فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا (طٰہٰ:112) ''اسے اندیشہ نہ ہوگا کسی ظلم کا یا حق تلفی کا''۔ پھر کہنے لگے: وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ یعنی ہم میں مسلمان بھی ہیں اور حق سے انحراف کرنے والے بھی۔ ''قاسط'' کہتے ہیں حق سے انحراف اور پہلوتہی کرنے والے کو جبکہ ''مُقْسِط'' عادل کے معنی میں ہے۔ کہنے لگے: فَمَنْ اَسْلَمَ...... یعنی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا انہوں نے اپنے لئے نجات تلاش کر لی لیکن ظالم اور گم کردہ راہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

اس فرمان وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا...... کے متعلق مفسرین نے دو مفہوم بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر حق سے انحراف کرنے والے یہ ظالم اسلام کی راہ کو اپنا کر اس پر ثابت قدم رہتے اور اس پر ڈٹ جاتے تو ہم انہیں کثیر پانی سے سیراب کرتے یعنی ہم انہیں فراوانی کے ساتھ رزق بہم پہنچاتے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَ كَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (مائدہ:66) ''اور اگر وہ قائم کرتے تورات اور انجیل کو (اپنے عمل سے) اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے (تو فراخ رزق دیا جاتا انہیں حتیٰ کہ) وہ کھاتے اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی''۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف:96) ''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی''۔ اس صورت میں اس فرمان لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ کا معنی یہ ہوگا: تاکہ ہم انہیں اس فراوانی کے ساتھ آزمائیں جیسا کہ زید بن اسلم اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون ہدایت پر ثابت قدم رہتا ہے اور کون گمراہی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ استقامت سے مراد اطاعت ہے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول

اس سے مراد اسلام ہے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اگر وہ سب کے سب ایمان لے آتے تو ہم ان پر دنیا کے خزانوں کے دروازے کھول دیتے۔ ضحاک اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "الطریقة" سے مراد راہِ حق ہے اس کی تائید میں انہوں نے مذکورہ بالا دو آیات ذکر کی ہیں۔ اکثر مفسرین نے "لنفتنهم" کو آزمائش کے معنی میں لیا ہے۔ حضرت مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب قریش سات سالہ قحط سالی میں مبتلا کر دیئے گئے اور بارشیں برسنی بند ہو گئیں تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر وہ سب کے سب گمراہی پر ڈٹے رہتے تو ہم بطور استدراج انہیں وافر رزق اور فراخ نعمتیں عطا کرتے۔ جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ (الانعام: 44) "پھر جب انہوں نے بھلا دیں وہ نصیحتیں جو انہیں کی گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے۔ یہاں تک کہ جب وہ خوشیاں منانے لگے اس پر جو انہیں دیا گیا تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک تب وہ ناامید ہو کر رہ گئے"۔ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (المومنون: 56-55) "کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال واولاد (کی کثرت) سے تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں"۔ یہ ابومجلز رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اس کے مطابق "الطریقة" سے مراد راہِ ضلالت ہے (1)۔ یہ قول قابل توجیہہ ہے اور "لنفتنهم فيه" کے الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ ..... یعنی جو شخص اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑتا ہے، وہ اسے ایسے سخت دردناک اور اذیت رساں عذاب میں مبتلا کرے گا جس میں ذرا بھی راحت نہ ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "صعد" جہنم میں ایک پہاڑ ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جہنم میں ایک کنویں کا نام ہے۔

وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝١٨ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝١٩ قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَ لَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ۝٢٠ قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ۝٢١ قُلْ اِنِّیْ لَنْ يُّجِيْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ۬ وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝٢٢ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۝٢٣ حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ۝٢٤

"اور بے شک سب مسجدیں اللہ کے لئے ہیں۔ پس مت عبادت کرو اللہ کے ساتھ کسی کی۔ اور جب کھڑا ہوتا ہے اللہ کا (خاص) بندہ تاکہ اس کی عبادت کرے تو لوگ اس پر ہجوم کر کے آجاتے ہیں۔ آپ فرمائیے میں تو بس اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور شریک نہیں ٹھہراتا اس کا کسی کو۔ آپ فرمائیے (اللہ کے اذن کے بغیر) نہ میں تمہیں نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہدایت کا۔ آپ فرمائیے مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اور نہ میں پا سکتا ہوں اس کے بغیر

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 115؛ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 404

کہیں پناہ۔ البتہ میرا فرض صرف یہ ہے کہ پہنچا دوں اللہ کے احکام اور اس کے پیغامات۔ پس (اب) جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں (یہ نافرمان) ہمیشہ رہیں گے تا ابد۔ یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے (وہ عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ کون ہے جس کا مددگار کمزور ہے اور جس کی تعداد کم ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دے رہا ہے کہ وہ اس کی عبادت کے مقامات میں صرف اسی کی وحدانیت کا اعتقاد رکھیں، یہاں نہ کسی اور کو پکارا جائے، نہ کسی غیر کی عبادت کی جائے اور نہ شرکیہ اعمال کا ارتکاب کیا جائے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس فرمان وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ ...... کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جب یہود و نصاریٰ اپنے گرجوں اور کنیسوں میں جاتے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اپنی وحدانیت کا درس دینے کا حکم ارشاد فرمایا(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، اس وقت روئے زمین پر صرف دو ہی مسجدیں تھیں: مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔ حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جنات نے حضور ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں کہ ہم آپ کے ساتھ آپ کی مسجد میں نمازیں ادا کیا کریں، اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ گویا اس میں انہیں کہا جا رہا ہے کہ نمازیں پڑھو لیکن انسانوں کے ساتھ گھل مل کر نہیں(2)۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنات نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ ہم تو دور دراز رہتے ہیں، ہم مسجدوں میں آ کر کیونکر نمازیں پڑھ سکتے ہیں؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(3)۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ''المساجد'' سے تمام مسجدیں مراد ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مساجد سے مراد اعضاء سجدہ ہیں یعنی جن اعضاء پر سجدہ کیا جاتا ہے، وہ سب اللہ ہی کے ہیں، اس لئے ان اعضاء کے ذریعے غیر اللہ کو سجدہ نہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے: پیشانی، اور ہاتھ کے ساتھ ناک کی طرف اشارہ کیا (یعنی یہ بھی اسی میں شامل ہے)، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے اطراف''(4)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی یہ تفسیر مروی ہے کہ جب جنات نے نبی کریم ﷺ کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ یوں محسوس ہوتا تھا گویا وہ فرط شوق سے آپ ﷺ پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں محسوس نہ کیا بلکہ بذریعہ وحی اس واقعہ کی آپ کو اطلاع دی گئی۔ یہ قول حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسرا قول بھی مروی ہے کہ جنات اپنی قوم کو بتا رہے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو آپ کے صحابہ سراپا اطاعت و انقیاد بن کر آپ ﷺ کے ساتھ ہی رکوع کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ ہی سجدہ۔ ان جنات کو اس منظر پر بہت تعجب ہوا۔ جب وہ واپس اپنی قوم کی طرف گئے تو انہیں اس سے آگاہ کیا(5)۔ یہ قول حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی یہ تفسیر مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ توحید کا اعلان کرتے

1۔ طبری، جلد 29 صفحہ 117 — 2۔ درمنثور، جلد 8 صفحہ 306 — 3۔ تفسیر طبری، جلد 29 صفحہ 117

4۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 297، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 354 — 5۔ طبری، جلد 29 صفحہ 118

ہیں اور لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلاتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ تمام عرب یکبارگی آپ پر ہلہ بول دیں گے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ تمام جن وانس اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ دین اسلام کے درخشاں آفتاب کو بجھا دیں لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ اپنے دین کو مکمل کر کے غالب کر دے۔ یہ تیسرا قول ہے جو حضرات ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی پسندیدہ قول یہی ہے اور یہی زیادہ واضح ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا: قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا...... یعنی جب کفار آپ ﷺ کو طرح طرح سے ستانے لگے، اذیت رسانی پر اتر آئے، آپ کے جانی دشمن بن گئے، آپ کی مخالفت اور تکذیب کو اپنا وطیرہ بنالیا اور آپ کے لائے ہوئے پیغام حق کو باطل کرنے کے لئے متفق ہو گئے تو آپ نے انہیں یہ فرمایا: اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ...... یعنی میں صرف اپنے وحدہ لاشریک رب کی عبادت کرتا ہوں، اسی کی پناہ طلب کرتا ہوں، اسی پر توکل کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کے اعلان کا حکم ارشاد فرمایا: اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ...... یعنی میں تمہاری مثل بشر اور اللہ کا ایک بندہ ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے، تمہاری ہدایت اور گمراہی کا مجھے کوئی اختیار نہیں بلکہ اس کا تمام تر انحصار اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ پھر آپ ﷺ اپنی ذات کے متعلق بتا رہے ہیں کہ بالفرض اگر میں خود بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کروں تو مجھے بھی اس کی پکڑ سے پناہ دینے والا کوئی نہیں کیونکہ کسی کو یہ قدرت حاصل ہی نہیں کہ وہ مجھے اس کے عذاب سے بچا سکے اور نہ ہی اس کے سوا کوئی پناہ گاہ ہے۔ ''ملتحد'' کا معنی ہے: پناہ گاہ۔ اس کا معنی حامی وناصر بھی بتایا گیا ہے۔ پھر سابقہ حکم سے استثناء کرتے ہوئے فرمایا: اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اس فرمان قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ...... سے مستثنیٰ ہے یعنی میں تمہارے لئے نفع ونقصان اور ہدایت وضلالت کا مالک نہیں بلکہ میرا فریضہ تو صرف یہی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور پیغامات تم تک پہنچا دوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ استثناء اس فرمان لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ سے ہو یعنی اللہ تعالیٰ سے پناہ دینے اور اس کے عذاب سے رہائی دلانے والی چیز اس کے سوا کوئی نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغامات کو پہنچا دوں جن کا پہنچانا اس نے مجھ پر فرض قرار دیا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ: 67) ''اے رسول! پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے''۔

فرمایا: وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ...... یعنی میری ذمہ داری صرف یہی ہے کہ میں حق تبلیغ ادا کر دوں۔ اگر اس کے بعد بھی کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی پر بضد رہے تو اس کے لئے آتش جہنم تیار ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ تا ابد رہے گا اور اس سے نکلنے اور رہائی پانے کی کوئی گنجائش نہیں۔

پھر فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا...... یعنی تمام مشرک جن وانس قیامت کے دن جب اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو اس دن انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کمزور اور بے بس مددگاروں والا کون ہے اور کم تعداد والا کون ہے، وہ یا موحد مومن؟ دراصل مشرکین کا ہی اس دن کوئی مددگار نہ ہو گا اور خدائی لشکروں کے مقابلہ میں ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا ۟ ٢٥ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ ۟ ٢٦ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ

خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

" آپ فرمائیے میں (اپنی سوچ بچار سے) نہیں جانتا کہ وہ دن قریب ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے یا مقرر کر دی ہے اس کے لئے میرے رب نے لمبی مدت۔ (اللہ تعالیٰ) غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند فرما لیا ہو (غیب کی تعلیم کے لئے) تو مقرر کر دیتا ہے اس رسول کے آگے اور اس کے پیچھے محافظ۔ تاکہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں۔ (درحقیقت پہلے ہی) اللہ ان کے حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اس نے شمار کر رکھا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ لوگوں کو آگاہ کر دیں کہ قیامت کے معین وقت کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں اور میں نہیں جانتا کہ اس کا وقت قریب ہے یا بعید۔ فرمایا

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ...... یعنی میں از خود نہیں جانتا کہ قیامت کا وقت قریب ہے یا میرے رب نے اس کے لئے ایک طویل مدت مقرر کر رکھی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ اکثر جاہلوں میں جو مشہور روایت ہے کہ حضور ﷺ زمین کی اندرونی چیزوں کا علم رکھتے ہیں، یہ جھوٹ ہے، اس کی کوئی اصل نہیں اور ہم نے اسے کسی کتاب میں نہیں دیکھا جب رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا جاتا تو آپ اس کے متعلق کوئی جواب نہ دیتے۔ جب جبریل امین علیہ السلام نے اعرابی کی صورت میں حاضر خدمت ہو کر اپنے سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی پوچھا تھا کہ حضور ﷺ! قیامت کب آئے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: " جس سے اس کی بابت پوچھا جا رہا ہے، وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ " ایک اور روایت میں ہے کہ ایک بدو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بلند آواز سے پوچھنے لگا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: " صد حیف! وہ ضرور آئے گی، یہ تو بتاؤ کہ تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ " اس نے عرض کی کہ میرے پاس نہ زیادہ نمازیں ہیں اور نہ زیادہ روزے، البتہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: " پھر تو اسی کے ساتھ ہو گا جو تیرا محبوب ہے"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سن کر مسلمانوں کو جس قدر خوشی ہوئی اور کسی حدیث سے اس قدر خوشی نہ ہوئی (1)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " اے بنی آدم! اگر تم عقلمند ہو تو خود کو مردوں میں شمار کیا کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، اس کا وقوع یقینی ہے (2) "۔ حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو آدھے دن کی مہلت دے دے (3)۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: " مجھے امید ہے کہ اس امت کو اپنے رب کے ہاں آدھے دن کی مہلت مل جائے " (4)۔

فرمایا: عٰلِمُ الْغَيْبِ...... اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ (بقرہ: 255) " اور وہ نہیں گھیر سکتے

1۔ یہ حدیث سورۂ اعراف کی آیت: 187 کی تفسیر میں گزر چکی ہے
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام: 134
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4، صفحہ 125
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4، صفحہ 125

کسی چیز کو اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے" یعنی اللہ تعالیٰ تمام پوشیدہ اور ظاہری اشیاء سے پوری طرح واقف ہے۔ وہ اپنے علم پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا بجز اس رسول کے جسے وہ پسند کر لے خواہ وہ رسول انسانوں میں سے ہو یا فرشتوں میں سے۔ یہاں رسول کا لفظ عام ہے اور یہ رسول ملکی اور رسول بشری دونوں کو شامل ہے۔

پھر فرمایا: فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ...... یعنی اس کی مزید خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحی کی حفاظت اور اس کی نشر و اشاعت میں معاونت کے لئے اس رسول کے ساتھ کچھ فرشتے مقرر کر دیتا ہے، اس لئے فرمایا: لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا...... مفسرین کا "لِیَعْلَمَ" کی ضمیر کے مرجع کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کے ساتھ چار محافظ فرشتے مقرر فرما دیتا ہے تاکہ حضور ﷺ کو علم ہو جائے کہ انہوں نے اپنے رب کا پیغام صحیح صحیح مجھ تک پہنچا دیا ہے (1)۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی یہ تفسیر منقول ہے: تاکہ رسول اللہ ﷺ کو یقین ہو جائے کہ رسولوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا اور فرشتوں نے اسے بحفاظت منتقل کیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو پسند کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ باری باری آنے والے فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو شیطان سے نبی کریم ﷺ کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ اہل شرک جان لیں کہ رسولوں نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔ اس صورت میں "لیعلم" کی ضمیر کا مرجع اہل شرک ہوں گے (2)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے کہ رسولوں کو جھٹلانے والے جان لیں کہ رسولوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت میں "لیعلم" یاء کے ضمہ کے ساتھ ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوگا تاکہ لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ رسولوں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا (3)۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہو۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے "زاد المسیر" میں بیان کیا ہے (4)۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے اپنے رسولوں کی حفاظت فرماتا ہے تاکہ وہ بحسن وخوبی اپنے رب کے پیغامات پہنچا سکیں اور اللہ تعالیٰ ان پر اترنے والی وحی کی بھی حفاظت فرماتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ واقعی انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں۔ اس طرح کے یہ ارشادات بھی ہیں: وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ (بقرہ: 143) "اور نہیں مقرر کیا ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ (اب تک) رہے مگر اس لئے کہ ہم دیکھ لیں کہ کون پیروی کرتا ہے (ہمارے) رسول کی (اور) کون مڑتا ہے الٹے پاؤں"۔ وَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ (العنکبوت: 11) "اور ضرور دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور ضرور دیکھ لے گا منافقوں کو"۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے متعلق ایسی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ہی انہیں جانتا ہے لیکن یہاں مقصود ان چیزوں کے اظہار کا علم ہے، اس لئے بعد میں فرمایا: وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ......۔

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 123
2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 122
3۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 406
4۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 110

سورۂ مزمل (مکیہ)

مسند بزار میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں قریش دارالندوہ میں اکٹھے ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ آؤ، باہم مشاورت سے اس شخص (حضور ﷺ) کا ایسا نام تجویز کریں جس پر سب لوگ متفق ہو جائیں اور ہر ایک کی زبان پر یہی نام ہو۔ چنانچہ کچھ کہنے لگے کہ انہیں کاہن پکارو، اس پر دوسرے کہنے لگے کہ وہ کاہن تو نہیں ہیں۔ بعض نے مجنون نام تجویز کیا مگر دوسروں نے اسے بھی مسترد کرتے ہوئے کہا کہ وہ مجنون بالکل نہیں ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ پھر جادوگر ہی نام دے لو۔ یہ سن کر دوسرے حاضرین کہنے لگے کہ وہ جادوگر بھی نہیں ہیں۔ اس بارے میں قریش کی آراء اختلاف کا شکار ہو گئیں اور وہ کسی ایک نام پر اتفاق نہ کر سکے اور بغیر کسی فیصلہ کے مجلس برخاست ہو گئی۔ جب حضور ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ ﷺ کپڑا لپیٹ کر لیٹ گئے۔ اس وقت جبریل علیہ السلام وحی لے کر حاضر خدمت ہوئے اور آپ ﷺ کو یوں خطاب کیا گیا: یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ اس روایت کے ایک راوی معلی بن عبدالرحمٰن سے اہل علم کی ایک جماعت نے احادیث وروایات لی ہیں لیکن ان کی روایت کردہ بعض احادیث ایسی ہیں جن پر ان کی متابعت نہیں کی جاتی (1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ﴿۷﴾ وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ﴿۸﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا ﴿۹﴾

"اے چادر لپیٹنے والے! رات کو (نماز کے لئے) قیام فرمایا کیجئے مگر تھوڑا۔ یعنی نصف رات یا کم کر لیا کریں اس سے بھی تھوڑا سا۔ یا بڑھا دیا کریں اس پر اور (حسب معمول) خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے قرآن کریم کو۔ بے شک ہم جلد ہی القا کریں گے آپ پر ایک بھاری کلام۔ بلاشبہ رات کا قیام (نفس کو) سختی سے روندتا ہے اور بات کو درست کرتا ہے۔ یقیناً آپ کو دن میں بڑی مصروفیتیں ہیں۔ اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔ مالک ہے شرق و غرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس بنائے رکھئے اسی کو اپنا کارساز"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ رات کے وقت کپڑا لپیٹ کر سونے کو ترک کر دیں اور اپنے رب کے حضور قیام کرنے اور نماز تہجد ادا کرنے کے لئے اٹھا کریں جیسا کہ ارشاد ہے: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا٘ وَّ مِمَّا

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 77

مَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ(السجدہ:16)'' دور رہتے ہیں ان کے پہلو (اپنے) بستروں سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے۔ اور ان نعمتوں سے جو ہم نے ان کو دی ہیں خرچ کرتے رہتے ہیں''۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے سحر خیزی اور نماز تہجد کے لئے بیدار ہوتے اور نماز تہجد صرف آپ پر فرض تھی جیسا کہ فرمایا: وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۗ عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا(اسراء:79)'' اور رات کے بعض حصہ میں (اٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو (تلاوتِ قرآن کے ساتھ) (یہ نماز) زائد ہے آپ کے لئے یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر''۔ اور یہاں اس قیام کی مقدار بیان کرتے ہوئے فرمایا: قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا...... حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، ضحاک اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ کا معنی ہے: اے سونے والے! قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے: کپڑا لپیٹنے والے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا ایک یہ معنی بھی منقول ہے: اے قرآن کریم کے بارِ گراں کو اٹھانے والے۔

فرمایا: قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗۤ...... یہاں ''نصفه''، ''اللیل'' سے بدل ہے۔ مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو آدھی رات یا اس سے کچھ زیادہ یا کچھ کم قیام کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو بھی آپ اختیار کرلیں، کوئی حرج نہیں اور قرآن کریم کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں کیونکہ اس طرح قرآن کریم سمجھنے اور اس میں غور وفکر کرنے میں مدد ملتی ہے۔ آپ ﷺ کا یہی معمول تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ خوب ٹھہر ٹھہر کر ایک سورت پڑھتے اور اس کی تلاوت میں کافی دیر لگتی، یوں محسوس ہوتا کہ چھوٹی سی سورت بہت طویل ہوگئی ہے(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی قراءت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ آپ ﷺ خوب کھینچ کر پڑھا کرتے تھے۔ پھر آپ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر سنائی اور بِسْمِ اللّٰهِ، الرَّحْمٰنِ اور الرَّحِیْمِ پر مد کی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ ﷺ کی قراءت کی کیفیت کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا کہ ہر ہر آیت پر پورا وقف فرمایا کرتے تھے مثلاً بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پر وقف کرنے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھتے۔ اس پر توقف کے بعد الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور پھر اس پر وقف کرنے کے بعد مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ پڑھ کر ٹھہرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قرآن کے قاری سے (روزِ قیامت) کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور اوپر چڑھتا جا اور ترتیل کے ساتھ پڑھو جیسا کہ تو دنیا میں ترتیل کے ساتھ پڑھا کرتا تھا، جہاں تیری آخری آیت ختم ہوگی وہی تیرا مقام ہے''(2)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے اور ہم نے اس تفسیر کے آغاز میں وہ احادیث بیان کردی ہیں جو قرآن کریم کو ترتیل اور خوبصورت آواز کے ساتھ پڑھنے کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے: قرآن کریم کو اپنی آوازوں سے مزین کرو، اور جو شخص خوش آوازی سے قرآن نہ پڑھے، وہ ہم میں سے نہیں اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خوبصورت تلاوت سن کر فرمایا کہ انہیں آلِ داؤد کی خوش الحانی عطا کی گئی ہے۔ جواب میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ میری قراءت سن

1۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 507، ترمذی، ابواب الصلاۃ، عارضۃ الاحوذی، جلد 2، صفحہ 167، نسائی، کتاب قیام اللیل، جلد 3، صفحہ 223، موطا امام مالک، کتاب صلاۃ الجماعۃ، جلد 1، صفحہ 137

2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 192، سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 73، ترمذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 36، سنن کبریٰ، فضائل القرآن، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 6 صفحہ 290

رہے ہیں تو میں اور زیادہ آراستہ کر کے اور عمدگی کے ساتھ پڑھتا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو اس طرح نہ پڑھو جس طرح تم ریت بکھیرتے چلے جاتے ہو اور بال کاٹتے چلے جاتے ہو۔ اس کے عجائب پر ٹھہر جاؤ اور اپنے دلوں کو اس کی اثر انگیزی سے متحرک کرو اور تمہیں سورت کے جلدی جلدی ختم کرنے کی فکر نہ ہو(1)۔ ایک شخص حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے آج رات ایک ہی رکعت میں تمام مفصل سورتیں پڑھ ڈالیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے اس طرح پڑھا ہوگا جیسے جلدی جلدی بال کاٹے جاتے ہیں، مجھے ان باہم ملتی جلتی سورتوں کے متعلق علم ہے جنہیں آپ ﷺ ملا کر پڑھا کرتے تھے۔ پھر آپ نے مفصل سورتوں میں سے بیس کے نام لئے جن میں سے دو دو سورتیں آپ ایک ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے(2)۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا یعنی ہم آپ پر عنقریب بھاری بات القاء کریں گے۔ حضرات حسن وقتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "قول ثقیل" سے مراد ایسی بات ہے جس پر عمل کرنا گراں اور ثقیل ہے(3)۔ بعض نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ایسی بات جو اپنی عظمت وجلالت کے باعث گراں اور بھاری ہے جیسا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نزول وحی کے وقت حضور ﷺ کی ران میری ران پر تھی۔ وحی کا اس قدر بوجھ پڑا کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ میری ران ٹوٹ جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کو وحی کا احساس ہوتا ہے؟ فرمایا: مجھے زوردار گونج سنائی دیتی ہے پھر میں خاموش ہو جاتا ہوں۔ جب بھی مجھ پر وحی اترتی ہے تو اس کی شدت سے مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میری روح پرواز کر جائے گی۔"(4) حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر وحی کیسی آتی ہے؟ فرمایا: "بعض اوقات گھنٹی کی آواز جیسی ہوتی ہے اور یہ مجھ پر سب سے زیادہ شدید اور بھاری ہوتی ہے۔ جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو میں اس وحی کو محفوظ کر چکا ہوتا ہوں۔ کبھی کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے تو میں اس کی باتوں کو یاد کر لیتا ہوں"(5)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا سخت سردی والے دن میں آپ ﷺ پر وحی اترتی، جب وہ ختم ہوتی تو آپ کی پیشانی سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نزول وحی کے وقت اگر اونٹنی پر سوار ہوتے تو اس کے بوجھ کی شدت سے اونٹنی جھک جاتی(6)۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوتے اور اگر اس دوران وحی کے نزول کا سلسلہ شروع ہو جاتا تو اونٹنی کی گردن بوجھل ہو جاتی اور جب تک وحی منقطع نہ ہوتی، اس کے لئے چلنا دوبھر ہو جاتا(7)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ قول ہے کہ بیک وقت مذکورہ بالا دونوں وجوہ کی بناء پر یہ قول ثقیل ہے یعنی اس پر عمل پیرا ہونا بھی گراں ہے اور اس کا نزول بھی بھاری۔ جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ جس طرح یہ دنیا میں ثقیل ہے، اسی طرح یہ قیامت کے دن میزان میں بھی ثقیل ہوگا یعنی بھاری اجر والا ہوگا۔

پھر فرمایا: اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ ..... یعنی رات کا قیام نفس کو روندنے اور اسے رام کرنے اور زبان کو درست کرنے کے لئے بہت کارگر نسخہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "نشا" حبشی زبان میں قیام کے معنی میں ہے۔ حضرات عمر، ابن زبیر اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 407 — 2۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 255

3۔ طبری، جلد 29، صفحہ 127 — 4۔ بخاری، کتاب الصلاۃ، فتح الباری، جلد 1، صفحہ 478، جلد 8، صفحہ 259

مسند احمد، جلد 2، صفحہ 222 — 6۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 118 — 7۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 127

ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ رات بھر میں جس وقت قیام کیا جائے، اسے نَاشِئَةَ الَّيْلِ کہا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص رات کو اٹھے تو کہا جاتا ہے: ''نشأ''۔ ایک روایت میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے عشاء کے بعد کا قیام۔ بہرصورت نَاشِئَةَ الَّيْلِ سے مراد رات کی گھڑیاں اور اس کے اوقات ہیں۔ رات کی ہر گھڑی کو ''ناشئة'' کہا جاتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ رات کے وقت قیام اور نماز تہجد ادا کرنا دل اور زبان کے درمیان موافقت اور ربط پیدا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور اس کے سبب سے تلاوت قرآن میں کامل یکسوئی اور دلجمعی حاصل ہوتی ہے اور دن کی نسبت رات کے وقت زیادہ سکون میسر ہوتا ہے جو قرآن کریم پڑھنے، اس میں غور وتدبر کرنے اور سمجھنے کے لئے زیادہ معاون ثابت ہوتا ہے کیونکہ دن کے وقت لوگ بیدار ہو کر کسب معاش اور دیگر ضروریات کے لئے نکل بھاگتے ہیں اور ہر طرف ہنگامہ آرائی اور شور وشغب کا دور دورہ ہوتا ہے اس لئے کامل یکسوئی اور سکون کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ''اَصْوَبُ قِيلًا'' پڑھا تو ایک آدمی کہنے لگا کہ ہم تو اَقْوَمُ قِيلًا پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اَصْوَبُ، اَقْوَمُ، أَهْيَأُ اور ان جیسے الفاظ ہم معنی ہیں یعنی زیادہ درست اور آمادہ(1)۔

اس لئے فرمایا: اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا یعنی دن بھر آپ کی بہت زیادہ مصروفیات ہیں۔ حضرات ابن عباس، عکرمہ اور عطاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے بقول اس کا معنی ہے کہ آپ کو دن میں فراغت اور نیند کا موقعہ میسر ہے۔ حضرات ابوالعالیہ، مجاہد، ابو مالک، ضحاک، حسن، قتادہ، ربیع بن انس اور سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ دن کے وقت آپ کو طویل فرصت حاصل ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ دن میں آپ کو فراغت، سفر اور دیگر امور کی انجام دہی کے لئے اوقات میسر ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دن میں نوافل ادا کرنے کے لئے آپ کے پاس وسیع وقت ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ آپ کا دن آپ کی ضروریات کی تکمیل میں صرف ہو جاتا ہے اس لئے رات کو اپنے دین کے لئے خاص کرلو۔ یہ حکم اس وقت تھا جب رات کی نماز فرض تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان فرماتے ہوئے اس حکم میں تخفیف اور نرمی کر دی اور فرمایا: قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيلًا......۔

پھر فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ...... اور فرمایا: وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (اسراء:79) ''اور رات کے بعض حصہ میں (اٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو (تلاوت قرآن کے ساتھ) (یہ نماز) زائد ہے آپ کے لئے یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر''۔ یہ سب عبدالرحمٰن بن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور درست ہے۔

اس کی دلیل یہ روایت ہے کہ حضرت سعید بن ہشام رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر مدینہ شریف کی طرف چل دیئے تاکہ وہاں موجود اپنی جائداد بیچ کر اس کی قیمت سے سواری کے جانور اور ہتھیار خریدیں اور پھر مرتے دم تک رومیوں کے خلاف جہاد کرتے رہیں۔ مدینہ شریف میں اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ ملاقات ہوگئی۔ جب انہوں نے ان پر اپنا عزم ظاہر کیا تو وہ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں آپ ہی کی قوم کے چھ افراد نے یہی ارادہ کیا تھا لیکن جب حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: ''کیا میری ذات میں تمہارے لئے بہترین نمونہ موجود نہیں ہے؟'' چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں اس امر سے روک دیا۔ یہ سن کر حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا ارادہ ترک کر دیا اور ان لوگوں کو گواہ بناتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا ہے۔ یہاں سے رخصت ہو جانے کے بعد پھر جب دوبارہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی اس جماعت کے ساتھ ملاقات ہوئی تو وہ انہیں بتانے لگے کہ میں یہاں سے

1۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 4، صفحہ 121-120

جانے کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے رسول اللہ ﷺ کے وتر پڑھنے کی کیفیت دریافت کی تو وہ فرمانے لگے کہ کیا میں تمہیں اس ہستی کی خبر نہ دوں جسے حضور ﷺ کے وتر کی کیفیت کے متعلق سب سے زیادہ علم ہے۔ عرض کی ضرور آگاہ فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو۔ وہ جو جواب دیں، اس سے مجھے بھی آگاہ کرنا۔ چنانچہ میں حضرت حکیم بن افلح رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے گزارش کی کہ آپ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے چلیں۔ وہ فرمانے لگے کہ میں وہاں نہیں جاؤں گا کیونکہ میں نے انہیں ان دونوں برسرپیکار گروہوں یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے مدمقابل گروہ کے متعلق رائے زنی اور دخل اندازی سے منع کیا تھا لیکن انہوں نے میری ایک نہ مانی اور میرا مشورہ رد کر دیا۔ میں نے انہیں قسم دی تو وہ چلنے پر راضی ہو گئے۔ جب ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کاشانہ اقدس پر پہنچے تو آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کی آواز پہچان لی اور فرمایا: حکیم ہے؟ جواب دیا: جی ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ ساتھ کون ہے؟ کہا: سعید بن ہشام۔ پوچھا: ہشام کون؟ بتایا: عامر کے لڑکے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے لئے رحمت کی دعا کی اور فرمایا کہ بہت اچھے آدمی تھے۔ میں نے عرض کی: ام المؤمنین! آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے متعلق کچھ بتائیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کی کہ پڑھتا ہوں۔ فرمایا: آپ ﷺ کا خلق قرآن تھا۔ اب میں نے رخصت ہونے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ مجھے خیال آ گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کے متعلق بھی پوچھ لینا چاہئے۔ میرے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ کیا تم سورہ مزمل نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کی کہ پڑھتا ہوں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آغاز میں رات کا قیام فرض قرار دیا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ ایک سال تک نماز تہجد ادا کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کے پاؤں متورم ہو گئے، پھر بارہ ماہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی اختتامی آیت نازل فرمائی۔ اب نماز تہجد کی فرضیت اٹھ گئی اور نفلیت باقی رہ گئی۔ اس کے بعد میں واپسی کے لئے اجازت طلب کرنے والا ہی تھا کہ میرے دل میں رسول اللہ ﷺ کے وتر کی کیفیت دریافت کرنے کا خیال آیا۔ میرے پوچھنے پر آپ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ہم آپ کے لئے مسواک اور وضو کے لئے پانی تیار کر کے رکھ چھوڑتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا، آپ رات کو بیدار ہوتے، مسواک کرتے، وضو کرتے اور آٹھ رکعتیں ادا کرتے، جن میں قعدہ صرف آٹھویں رکعت پر ہوتا۔ آٹھویں رکعت مکمل کرنے کے بعد آپ ﷺ التحیات میں بیٹھتے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے، دعا مانگتے اور پھر سلام پھیرے بغیر نویں رکعت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔ اس کے مکمل ہونے پر بیٹھ جاتے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے، دعا کرتے پھر اونچی آواز سے سلام پھیرتے جو ہمیں بھی سنائی دیتی۔ پھر بیٹھے بیٹھے ہی مزید دو رکعتیں ادا فرماتے۔ بیٹے! یہ سب ملا کر گیارہ رکعتیں ہوئیں۔ جب آپ ﷺ عمر رسیدہ ہو گئے اور جسم ذرا بھاری ہو گیا تو آپ پہلے سات رکعتیں پڑھتے جن میں ساتویں وتر ہوتی پھر سلام پھیرنے کے بعد مزید دو رکعتیں بیٹھے بیٹھے ادا کرتے۔ بیٹے! یہ کل نو رکعتیں ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ کا یہ دستور تھا کہ جب آپ کوئی نماز پڑھتے تو اس پر مداومت اختیار فرماتے۔ اگر کسی شغل، نیند یا تکلیف کے باعث رات کا قیام ترک ہو جاتا تو دن کے وقت بارہ رکعتیں ادا فرما لیتے۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ ﷺ نے کسی رات صبح تک پورا قرآن پڑھا ہو اور رمضان کے سوا کسی مہینہ کے پورے روزے رکھے ہوں(1)۔ اب میں نے یہاں سے اجازت چاہی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا اور تمام گفتگو سے انہیں آگاہ کیا۔ آپ تصدیق کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ اگر ام المومنین

1۔ مسند احمد، جلد 9، صفحہ 54، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 514-512

رضی اللہ عنہا کے پاس میری آمد و رفت ہوتی تو میں بھی ضرور حاضر ہو کر بالمشافہ یہ باتیں سنتا(1)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک چٹائی رکھ دیا کرتی تھی جس پر آپ تہجد کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔ لوگوں کو کسی طرح اس کی خبر ہوگئی اور وہ بھی آپ ﷺ کی اقتداء کرنے کے لئے جمع ہوگئے۔ آپ ﷺ غضبناک ہو کر باہر تشریف لائے۔ چونکہ آپ اپنی امت کے لئے بہت رحمدل ہیں اس لئے اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں نماز تہجد امت پر فرض نہ ہو جائے، فرمانے لگے: "اے لوگو! خود کو صرف ان اعمال کا مکلّف بناؤ جنہیں بجالانے کی تم میں طاقت ہے کیونکہ جب تک تم عمل سے نہیں اکتاتے، اس وقت تک اللہ تعالیٰ ثواب عطا کرنے سے نہیں اکتاتا بہترین عمل وہ ہے جس پر مداومت اختیار کی جائے"۔ اس وقت قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں: یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ...... اب صحابہ کی یہ کیفیت تھی کہ وہ اپنے آپ کو رسیوں سے باندھنے لگے کہ کہیں نیند کے باعث قیام ترک نہ ہو جائے آٹھ ماہ تک یہ معمول رہا۔ جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ وہ اس کی رضا جوئی کے لئے اس قدر مشقت برداشت کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم نوازی فرمائی اور انہیں نماز عشاء کی طرف لوٹا دیا اور نمازِ تہجد میں رخصت عطا فرمادی(2)۔ ابن جریر کے علاوہ ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے لیکن اس کا ایک راوی موسیٰ بن عبیدہ الربذی ضعیف ہے۔ یہ حدیث صحیح میں بھی ہے لیکن سورۂ مزمل کے نزول کے ذکر کے بغیر حدیث کے ان الفاظ سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے حالانکہ یہ مکی ہے۔ اسی طرح اس میں یہ قول بھی غریب ہے کہ سورت کے پہلے اور آخری حصہ کے نزُول کے درمیان آٹھ ماہ کی مدت ہے۔ مسند احمد کی روایت میں گزر چکا ہے کہ یہ مدت ایک سال تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سورت کی ابتدائی آیات کے نزول کے بعد صحابہ کرام رمضان شریف جیسا قیام کرتے رہے اور اس سورت کے ابتدائی اور اختتامی حصوں کے نزول کے درمیان تقریباً ایک سال کا فاصلہ ہے۔ حضرت ابو اسامہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے(3)۔ حضرت ابو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات اتریں تو صحابہ کرام ایک سال تک قیام کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاؤں اور پنڈلیاں سوج گئیں، پھر جب فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ کا حکم نازل ہوا تو انہیں راحت مل گئی(4)۔ حسن بصری اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے رات کے قیام کے متعلق آگاہ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم سورۂ مزمل نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کی: کیوں نہیں۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سولہ ماہ رات کا قیام کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاؤں پھول گئے۔ اس کے بعد تخفیف والا حکم نازل ہوا۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سال یا دو سال تک قیام کرتے رہے حتیٰ کہ ان کی پنڈلیاں اور پاؤں سوج گئے پھر اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں تخفیف نازل فرمائی۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مدت دس سالوں پر محیط تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابتدائی آیات کا حکم(5) صحابہ پر بہت شاق اور گراں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں نرمی کردی اور صحابہ پر رحم فرماتے ہوئے اور تنگی دور کرتے ہوئے یہ حکم عَلِمَ اَنْ سَیَكُوْنُ...... نازل فرمادیا۔

فرمایا: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ...... یعنی بکثرت اللہ کو یاد کیا کریں اور جب اپنی مصروفیات اور دنیاوی امور سے فراغت پائیں تو ہر چیز سے

1۔ مسند احمد، جلد 9، صفحہ 54، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 514-512 2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 125، فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 1، صفحہ 294

3۔ طبری، جلد 29، صفحہ 125-124 4۔ طبری، جلد 29، صفحہ 126-125 5۔ طبری، جلد 29، صفحہ 126-125

کٹ کر صرف اللہ کے ہو جائیں اور اس کی عبادت میں مشغول ہو جایا کریں جیسا کہ فرمایا: فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ (الم نشرح: 7) ’’پس جب آپ (فرائض نبوت سے) فارغ ہوں تو (حسب معمول) ریاضت میں لگ جایئے) یعنی جب آپ اپنے مشاغل سے فارغ ہو جائیں تو کامل دلجمعی اور یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں لگ جائیں۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، ابو صالح، عطیہ، ضحاک اور سدی وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ تَبۡتِیۡلًا کا معنی بتاتے ہیں کہ صرف اسی کی عبادت کریں۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ پوری کوشش سے اپنا رخ اس کی طرف کرلیں اور اپنی ذات کو اس کے لئے مخصوص کردیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عبادت گزار کو ’’مُتبتّل‘‘ کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ’’تبتّل‘‘ یعنی صرف عبادت کے لئے خاص ہو جانے اور شادی بیاہ اور اہل و عیال کی فکر ترک کردینے سے منع کیا گیا ہے(1)۔

فرمایا: رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ..... یعنی وہ ہر چیز کا مالک ہے اور مشارق و مغارب میں کامل تصرف صرف اسے ہی حاصل ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جس طرح تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو، اسی طرح صرف اسی پر توکل کرتے ہوئے اسے اپنا کارساز بنالو جیسا کہ فرمایا: فَاعۡبُدۡهُ وَتَوَكَّلۡ عَلَیۡهِ (ہود: 123) آپ بھی اسی کی عبادت کیجئے۔ اور اسی پر بھروسہ رکھئے‘‘۔ اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ (الفاتحہ: 4) ’’تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں‘‘۔ اس قسم کی اور بھی کثیر آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، عبادت اور خاص اسی پر توکل کرنے کا حکم ہے۔

وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِیۡلًا ⑩ وَذَرۡنِیۡ وَالۡمُكَذِّبِیۡنَ اُولِی النَّعۡمَةِ وَمَهِّلۡهُمۡ قَلِیۡلًا ⑪ اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡكَالًا وَّجَحِیۡمًا ⑫ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِیۡمًا ⑬ یَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ وَكَانَتِ الۡجِبَالُ كَثِیۡبًا مَّهِیۡلًا ⑭ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡكُمۡ رَسُوۡلًا ۬ شَاهِدًا عَلَیۡكُمۡ كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا ⑮ فَعَصٰی فِرۡعَوۡنُ الرَّسُوۡلَ فَاَخَذۡنٰهُ اَخۡذًا وَّبِیۡلًا ⑯ فَكَیۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ كَفَرۡتُمۡ یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبَا ⑰ السَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعۡدُهٗ مَفۡعُوۡلًا ⑱

’’اور صبر کیجئے ان کی (دل آزار) باتوں پر اور ان سے الگ ہو جایئے بڑی خوبصورتی سے۔ آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں۔ ہمارے پاس ان کے لئے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے۔ اور غذا جو گلے میں پھنس جانے والی ہے اور دردناک عذاب۔ (یہ اس روز) جس دن لرزنے لگیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ریت کے بہتے ٹیلے بن جائیں گے۔ (اے اہل مکہ!) ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک (عظیم الشان) رسول تم پر گواہ بنا کر، جیسے ہم نے فرعون کی طرف (موسیٰ کو) رسول بنا کر بھیجا۔ پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی تو ہم نے اس کو بڑی سختی سے پکڑ لیا۔ (ذرا سوچو) کہ تم کیسے بچو گے اگر تم کفر کرتے رہے اس روز جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا (اور) آسمان پھٹ جائے گا اس (کے ہول) سے۔ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا‘‘۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 132

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ اپنی قوم کے احمق اور بے وقوف لوگوں کی ایذاء رسانی الزام تراشی اور تکذیب پر صبر کریں اور بغیر کسی سرزنش اور عتاب کے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں اور ان سے الگ ہو جائیں پھر اللہ تعالیٰ جو ایسا عظیم ہے کہ اس کے غضب کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی، ان کفار کو دھمکی دیتے ہوئے آپ ﷺ سے فرما رہا ہے: وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ..... یعنی آپ مجھے اور ان مالدار خوشحال کافروں کو چھوڑ دیں۔ باوجود یکہ یہ دوسروں کی نسبت اطاعت پر زیادہ قادر ہیں پھر بھی یہ ایسے حقوق کا مطالبہ کر رہے ہیں جن سے دوسرے محروم ہیں فرمایا: وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا یعنی انہیں کچھ مہلت دے دیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ (لقمان:24) ''ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر، پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف''۔

اس لئے یہاں فرمایا: إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا..... یعنی ہمارے پاس بھاری بیڑیاں، دہکتی ہوئی آگ، گلے میں پھنس جانے والی غذا جو نہ نیچے اترے اور نہ باہر نکلے اور دردناک عذاب ہے۔

پھر فرمایا: يَوْمَ تَرْجُفُ..... یعنی یہ دن ایسا ہو گا جس میں زمین تھر تھر کانپنے لگی گی اور سخت ٹھوس پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے، پھر انہیں دھماکے سے اڑا دیا جائے گا اور ان کا نام ونشان تک باقی نہیں رہے گا۔ زمین ایک چٹیل، سپاٹ، وسیع اور ہموار میدان کی شکل اختیار کرے گی جس میں کوئی کجی، وادی اور اونچ نیچ دکھائی نہ دے گی، پھر کفار قریش کو خصوصاً اور تمام لوگوں کو عموماً مخاطب کر کے فرمایا: إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا..... یعنی ہم نے تمہاری طرف تمہارے اعمال کی گواہی دینے والا رسول مبعوث فرمایا جیسا کہ فرعون کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا لیکن فرعون نے ہمارے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے بڑی سختی سے پکڑ لیا۔ اے کافرو! اس عظیم المرتبت رسول کی تکذیب سے احتراز کرنا ورنہ فرعون جیسے عبرتناک عذاب اور رسوا کن انجام سے تم بھی دوچار کر دیئے جاؤ گے جیسا کہ فرمایا: فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ (النازعات:25) ''آخر کار مبتلا کر دیا اسے اللہ نے آخرت اور دنیا کے (دوہرے) عذاب میں''۔ اور اگر تم نے رسول کو جھٹلایا تو تم ہلاکت اور بربادی کے زیادہ مستحق ہو گے کیونکہ تمہارا رسول موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ شرف وعظمت کا حامل ہے۔

فرمایا: فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا..... اس آیت میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ''یوماً'' فعل ''تتقون'' کا معمول ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ اے لوگو! اگر تم کفر پر مصر رہے اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق نہ کی تو تم اس دن کے ہول سے کیسے بچ سکتے ہو جو بچوں کو بوڑھا بنا ڈالے گا (1)؟ یہ بھی ممکن ہے کہ ''یوماً''، ''کفرتم'' کا معمول ہو، اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ اگر تم قیامت کے دن کا انکار کرتے رہو گے تو تمہیں تقویٰ کیسے حاصل ہو گا۔ دونوں معانی عمدہ ہیں لیکن پہلا زیادہ موزوں ہے۔

اس فرمان يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا کا مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ آگ کا حصہ بھیجو، حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: کتنا؟ فرمایا جائے گا: ہر ہزار سے نوسو ننانوے جہنمی اور ایک جنتی، تو اس وقت شدت ہول سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے (2)۔ طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت (يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا) کی تلاوت کے بعد فرمایا: ''یہ قیامت کا دن ہے، وہ دن جس میں اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اٹھو اور اپنی اولاد

1۔ طبری، جلد 29 صفحہ 137 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ حج کی تفسیر کا آغاز

میں سے آگ کا حصہ بھیجو۔ وہ پوچھیں گے: اے میرے پروردگار! کتنے سے کتنا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے اور صرف ایک نجات پائے گا''۔ یہ سن کر صحابہ بہت پریشان ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے فرمایا: ''آدم علیہ السلام کی اولاد تو بہت زیادہ ہے۔ یاجوج ماجوج بھی اولاد آدم سے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک اپنے پیچھے اپنی اولاد میں ہزار ہزار آدمی چھوڑ کر مرتا ہے۔ یہ اور ان جیسے دوسرے لوگوں کی آڑ میں جنت تمہیں مل جائے گی(1)''۔ یہ حدیث غریب ہے اور سورۂ حج کی تفسیر کے آغاز میں اس قسم کی احادیث گزر چکی ہیں۔

اگلی آیت میں فرمایا: السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ یعنی اس کی ہولناکی اور شدت کے سبب آسمان پھٹ جائے گا۔ بعض نے ''بہ'' کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کو بنایا ہے لیکن یہ قول ذرا بھی قوی نہیں کیونکہ یہاں اس کا ذکر ہی نہیں ہوا۔ فرمایا: كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا یعنی اس دن کا وعدہ حتمی اور یقینی ہے ہر صورت اس کا وقوع ہوگا اور اس سے فرار ممکن نہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

''یقیناً یہ (قرآن) نصیحت ہے۔ پس اب جس کا جی چاہے اختیار کر لے اپنے رب کی طرف سیدھا راستہ۔ بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (نماز میں) قیام کرتے ہیں کبھی دو تہائی رات کے قریب، کبھی نصف رات اور کبھی تہائی رات اور ایک جماعت ان سے جو آپ کے ساتھ ہیں وہ بھی (یونہی قیام کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ ہی چھوٹا بڑا کرتا رہتا ہے رات اور دن کو۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تو اس نے تم پر مہربانی فرمائی پس تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں تلاش کر رہے ہوں گے اللہ کے فضل (رزقِ حلال) کو اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے۔ تو پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہا کرو۔ اور جو (نیکی) تم آگے بھیجو گے اپنے لئے تو اسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس کا) اجر بہت بڑا ہوگا۔ اور مغفرت طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

فرمایا جا رہا ہے: اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ یعنی یہ سورت نصیحت ہے جس سے عقلمند نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے فرمایا: فَمَنْ شَآءَ

1۔ معجم کبیر، جلد 11، صفحہ 366

اتَّخَذَ ..... یعنی جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے، وہ اپنے رب کی طرف سیدھی راہ پالے گا جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (الانسان:30) ''اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے۔ بجز اس کے کہ اللہ خود چاہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے''۔

پھر فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ ...... یعنی آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے صحابہ کبھی دو تہائی رات کے قریب قیام کرتے ہیں، کبھی نصف شب اور کبھی ایک تہائی شب اور شب بیداری کی یہ مقدار تمہارے قصد وارادہ کے بغیر ہوتی ہے لیکن اس کی ہمیشہ ہمیشہ پابندی کرنا تمہارے بس کی بات نہیں بلکہ یہ بہت مشکل اور بھاری امر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دن اور رات گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ یعنی دن رات کا صحیح اندازہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ کبھی یہ دونوں برابر برابر ہوتے ہیں، کبھی دن چھوٹا اور رات بڑی اور کبھی رات چھوٹی اور دن بڑا۔

فرمایا: عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ ...... یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اس فریضہ کی کامل ادائیگی کی قدرت نہیں رکھتے جو اس نے تم پر مقرر کیا ہے، اس لئے کوئی وقت معین کیے بغیر جس قدر آسانی سے نماز سے پڑھ سکتے ہو، رات کو پڑھ لیا کرو۔ یہاں صلوۃ کی تعبیر قراءت سے کی گئی ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا (اسراء:110) ''اور نہ تو بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو اسے''۔ یعنی اپنی قراءت نہ تو زیادہ بلند آواز سے کرا ور نہ بالکل پست آواز سے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب نے اس آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ سے اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا متعین ہی نہیں بلکہ اگر اسے پڑھ لے یا قرآن کریم کا کوئی اور حصہ پڑھ لے اگرچہ وہ ایک آیت ہی ہو، کافی ہے۔ اس مسئلہ کی تائید میں انہوں نے ایک حدیث پیش کی ہے جس میں حضور ﷺ نے اس شخص کو جس نے عجلت میں نماز ادا کی تھی، فرمایا تھا: ''پھر جو قرآن تمہیں یاد ہے، اس میں سے جتنا آسان ہو، پڑھو''(1)۔ جمہور نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ والی حدیث سے انہیں جواب دیا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی''(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر وہ نماز جس میں اُم القرآن (سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی جائے، وہ ناقص ہے، وہ ناقص ہے، وہ ناقص اور نامکمل ہے''۔ صحیح ابن خزیمہ میں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے: ''اُم القرآن نہ پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی''(3)۔

پھر فرمایا: عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ..... یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس امت میں عذر والے لوگ بھی ہوں گے جنہیں قیام شب کے اس حکم کو نباہنے میں بہت زیادہ دقت پیش آئے گی اور سحر خیزی ان کے لئے ناممکن ہوگی مثلاً بیمار جنہیں شب بیداری کی طاقت ہی نہیں، مسافر جو کسب معاش کے سلسلہ میں دوڑ دھوپ کرتے رہتے ہیں اور راہ خدا میں جہاد کرنے والے جنہیں اس اہم ترین شغل میں دادِ شجاعت دینا پڑتی ہے۔ یہ آیت بلکہ یہ تمام سورت مکی ہے۔ اس کے نزول کے وقت جہاد مشروع ہی نہ تھا۔ اس میں چونکہ جہاد کے متعلق غیب کی خبر ہے جس کا بعد میں اسی طرح ظہور ہوا، اس لئے یہ نبوت کی بڑی بڑی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے۔

چنانچہ فرمایا: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ یعنی جس قدر قیام آسان ہو، کرلیا کرو۔ حضرت ابو رجاء محمد نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے

1۔ فتح الباری، کتاب الاستئذان، جلد 11، صفحہ 36، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 298 2۔ دیکھئے مقدمہ سورۂ فاتحہ

3۔ صحیح ابن خزیمہ، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 248

پوچھا: اے ابوسعید! اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو قرآن کریم کا مکمل حافظ ہے لیکن تہجد نہیں پڑھتا بلکہ صرف فرض نمازیں ادا کرتا ہے؟ فرمایا: وہ قرآن کریم کو تکیہ بنائے ہوئے ہے، اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے صالح بندے کے لئے فرمایا: وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ (یوسف:68) "اور بیشک وہ صاحب علم تھے بوجہ اس کے جو ہم نے سکھایا"، وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ (انعام:91) "اور تمہیں سکھایا گیا جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا"۔ میں نے کہا: اے ابوسعید! اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ فرمایا: ہاں ٹھیک ہے اگرچہ پانچ آیات ہی پڑھ لو(1)۔ اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حافظ قرآن پر رات کا قیام واجب ہے خواہ قلیل مقدار میں ہی ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو صبح تک سویا رہتا ہے تو آپ نے فرمایا: "وہ ایسا شخص ہے جس کے کان میں شیطان پیشاب کر دیتا ہے(2)"۔ اس کا ایک مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہاں ایسا شخص مراد ہے جو نماز عشاء پڑھے بغیر سو جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ آدمی ہے جو رات کو قیام نہیں کرتا۔ سنن کی حدیث ہے: "اے اہل قرآن! وتر پڑھا کرو(3)"۔ "ایک اور حدیث میں ہے: "جو وتر نہ پڑھے، وہ ہم میں سے نہیں(4)"۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے بھی زیادہ غریب قول ابوبکر بن عبدالعزیز حنبلی کا ہے جو ماہ رمضان میں قیام کو فرض قرار دیتے ہیں(5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ کے متعلق قرأت قرآن کی مقدار بیان کرتے ہوئے فرمایا: "سو آیات(6)"۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ میں نے اسے صرف معجم طبرانی میں دیکھا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ...... یعنی فرض نمازیں قائم کرو اور فرض زکوٰۃ ادا کرو۔ یہ آیت ان حضرات کی دلیل ہے جن کا یہ موقف ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم مکہ شریف میں نازل ہوا لیکن اس کے نصاب اور مصارف وغیرہ کا تعین مدینہ شریف میں ہوا۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، عکرمہ، مجاہد، حسن، قتادہ اور دیگر متعدد سلف کا کہنا ہے کہ یہ آیت اس پہلے حکم کے لئے ناسخ ہے جس میں رات کا قیام فرض قرار دیا گیا تھا۔ ان دونوں حکموں کے درمیان کتنا عرصہ تھا؟ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: "دن رات میں پانچ نمازیں۔" اس نے عرض کی کہ کیا ان کے علاوہ بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں مگر یہ کہ تو نوافل پڑھ لے"(7)۔

فرمایا: وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یعنی رضائے الٰہی کے لئے صدقہ وخیرات کرتے رہا کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا عمدہ اور پورا پورا بدلہ عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً (بقرہ:245) "کون ہے جو دے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن، تو بڑھا دے اللہ اس قرض کو اس کے لئے کئی گنا"۔

فرمایا: وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ...... یعنی جو بھی نیکی کر کے تم آگے بھیجو گے، وہ تمہارے لئے اس چیز سے بہتر ہے جو تم دنیا میں چھوڑ کر

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 141 2۔ فتح الباری، کتاب التہجد، جلد 3، صفحہ 28، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 537

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 61، عارضۃ الاحوذی، ابواب الوتر، جلد 2، صفحہ 242، سنن نسائی، کتاب قیام اللیل، جلد 3، صفحہ 229-228، ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 370

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 61 5۔ البدایۃ والنہایہ، جلد 11، صفحہ 296

6۔ المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 29 7۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طور:49

جاتے ہو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے دریافت فرمایا: ''تم میں سے کون شخص ہے جسے اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہم میں ہر شخص کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: ''سوچ کر بتاؤ، کیا کہہ رہے ہو''۔ عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے علم میں تو یہی بات ہے۔ فرمایا: تمہارا مال وہ ہے جو تم نے راہ خدا میں خرچ کر کے آگے بھیج دیا اور تمہارے وارث کا مال وہ ہے جسے تم پیچھے چھوڑ جاتے ہو(1)۔

پھر فرمایا: وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ...... یعنی کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور اپنے تمام امور میں اس سے مغفرت طلب کرو کیونکہ وہ استغفار کرنے والے کی مغفرت فرمانے والا ہے۔

1۔ مسند ابویعلی، جلد 5، صفحہ 86، فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 260، نسائی، کتاب الوصایا، جلد 6، صفحہ 237

سورۂ مدثر (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ﴿۲﴾ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ﴿۳﴾ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۪ۙ﴿۴﴾ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۪ۙ﴿۵﴾ وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۪ۙ﴿۶﴾ وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۙ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ يَوْمَىِٕذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾

''اے چادر لپیٹنے والے۔ اٹھئے اور (لوگوں کو) ڈرائیے۔ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے۔ اور اپنے لباس کو پاک رکھئے۔ اور بتوں سے (حسب سابق) دور رہئے اور کسی پر احسان نہ کیجئے زیادہ لینے کی نیت سے۔ اور اپنے رب (کی رضا) کے لئے صبر کیجئے۔ پھر جب صور پھونکا جائے گا۔ تو وہ دن بڑا سخت دن ہوگا۔ کفار پر آسان نہ ہوگا''۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نزول وحی کا آغاز سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات سے ہوا لیکن جمہور نے اس قول کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ سب سے پہلے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ کی آیات نازل ہوئیں جیسا اس سورت کی تفسیر میں ان شاء اللہ اس کا بیان ہوگا۔ یحییٰ بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ وحی کا افتتاح کن آیات سے ہوا؟ فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ سے۔ میں نے کہا کہ لوگ تو اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ والی آیات کو افتتاحی آیات کہتے ہیں؟ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا تھا اور جو بات تم نے مجھے کہی ہے، یہ بات میں نے آپ رضی اللہ عنہ سے بھی کی تھی لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں تمہیں وہی بات بتاتا ہوں جس سے ہمیں رسول اللہ ﷺ نے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں حسب معمول غار حرا کے اندر عبادت میں مشغول تھا۔ عبادت سے فارغ ہو کر جب میں نیچے اترا تو مجھے ندا دی گئی۔ میں نے اپنی دائیں جانب دیکھا لیکن کوئی چیز دکھائی نہ دی، پھر بائیں جانب دیکھا لیکن کچھ نظر نہ آیا، اسی طرح اپنے آگے پیچھے نظر دوڑائی، پھر بھی کچھ دکھائی نہ دیا۔ آخر کار جب سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو مجھے کچھ نظر آیا۔ میں خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ چنانچہ انہوں نے مجھ پر کمبل اور ٹھنڈا پانی ڈال دیا۔ اس وقت يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ والی آیات اتریں(1)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''فترۃ الوحی'' (انقطاع وحی) کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ایک مرتبہ میں چلا جا رہا تھا کہ اسی اثناء میں اچانک مجھے آسمان سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو مجھے زمین و آسمان کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا وہی فرشتہ نظر آیا جو غار حراء میں میرے پاس وحی لے کر آیا تھا۔ مجھے کچھ ہراس محسوس

1۔ فتح الباری، کتاب التفسیر، جلد 8، صفحہ 677-676

ہوا اور گھبراہٹ کے باعث میں زمین کی طرف جھک گیا۔ فوراً گھر لوٹا اور اہل خانہ سے کہا کہ مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ انہوں نے مجھ پر کمبل ڈال دیا۔ اس وقت یہ وحی یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ..... فَاھْجُرْ نازل ہوئی۔ ابو سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول الرجز سے مراد بت ہیں۔ پھر سرگرمی سے لگاتار وحی کا سلسلہ چل پڑا" (1)۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور یہی سیاق محفوظ ہے۔

اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی کوئی وحی اتری تھی کیونکہ اس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ فرشتہ دیکھا جو حراء میں میرے پاس آیا تھا، یعنی جبریل علیہ السلام جو سورۃ اقرء والی آیات لے کر اترے تھے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ وحی کا سلسلہ منقطع رہا، پھر جب دوبارہ نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس طرح دونوں روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر مجھ پر وحی کا نزول رک گیا، ایک مرتبہ میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو مجھے زمین و آسمان کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا وہی فرشتہ دکھائی دیا جو پہلے میرے پاس آیا تھا۔ مجھ پر گھبراہٹ طاری ہوگئی اور میں زمین کی طرف جھک گیا۔ فوراً اپنے اہل خانہ کے پاس آیا اور کہا: مجھ پر چادر ڈال دو، مجھ پر چادر ڈال دو۔ انہوں نے مجھے چادر اوڑھا دی۔ اس وقت یہ آیات یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ..... فَاھْجُرْ نازل ہوئیں۔ پھر وحی کا سلسلہ گرم ہوگیا اور لگاتار جاری رہا" (2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ نے قریش کی دعوت کی۔ جب وہ خورد و نوش سے فارغ ہوئے تو وہ انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا کہ تم اس شخص (حضور ﷺ) کے متعلق کیا رائے رکھتے ہو؟ بعض نے کہا کہ یہ جادوگر ہے، بعض نے اس کی تردید کر دی۔ کچھ کہنے لگے کہ یہ کاہن ہے لیکن اس قول کو بھی مسترد کر دیا گیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ شاعر ہے لیکن کچھ لوگ اسے رد کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ شاعر نہیں ہے۔ بالآخر کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ کلام (قرآن کریم) جادو ہے جسے نقل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سب اس پر متفق ہو گئے کہ اس کلام کو منقول جادو کہا جائے۔ جب حضور ﷺ کو ان کی اس ہرزہ سرائی کی اطلاع ملی تو آپ بہت دل گرفتہ اور غم زدہ ہوئے اور فرط حزن سے اپنے سر پر کپڑا ڈال لیا اور اپنے جسم کو کمبل میں لپیٹ لیا۔ اس وقت سورۂ مدثر کی ابتدائی سات آیات نازل ہوئیں (3)۔

فرمایا: قُمْ فَاَنْذِرْ یعنی عزم کی پنڈلی سے پردہ اٹھا کر اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے کمربستہ ہو جائیں اور لوگوں کو بروقت خبردار کریں۔ اقرء والی پہلی وحی سے آگاہ کیا گیا کہ آپ کو منصب نبوت پر فائز کر دیا گیا ہے اور اس وحی سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ رسول بنائے گئے۔

پھر فرمایا: وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ یعنی اپنے رب کی بڑائی اور عظمت بیان کریں۔ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ مجھے اس فرمان وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ کا مطلب سمجھائیں۔ آپ نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا کہ خود کو معصیت اور عہد شکنی میں ملوث نہ کریں جیسا کہ غیلان بن سلمہ ثقفی اپنے شعر میں کہتا ہے: (4)۔

فَاِنِّی بحمدِ اللّٰهِ لَا ثوبَ فاجرٍ لبستُ ولا من غدرةٍ أتقنّعُ

1۔ فتح الباری، کتاب التفسیر، جلد 8 صفحہ 679-678، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 143

2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 325، فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6 صفحہ 314، مسلم کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 143

3۔ المعجم الکبیر، جلد 11 صفحہ 126-125، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 131

4۔ تفسیر طبری، جلد 29 صفحہ 145

یعنی اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے نہ میں بدکار شخص کے سے لباس میں ملبوس ہوں اور نہ میں نے بدعہدی کا کپڑا اوڑھ رکھا ہے۔

ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہاں پاکدامنی مراد ہے۔ کلام عرب میں پاکدامن شخص کے لئے ''نَقِيّ الثياب'' کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ ایک اور روایت میں آپ نے اس آیت کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ آپ گناہوں سے پاک رہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ اپنی ذات کو پاکیزہ بنائے رکھو۔ ایک اور روایت میں آپ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ آپ اپنے اعمال کی اصلاح کریں۔ ایک تیسری روایت میں آپ سے یہ مفہوم منقول ہے کہ آپ نہ کاہن ہیں اور نہ ساحر، اس لئے آپ ان کفار کی الزام تراشیوں اور ہرزہ سرائیوں کو خاطر میں نہ لائیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد گناہوں سے پاکیزگی ہے۔ جب کوئی شخص معصیت اور عہد شکنی کا مرتکب ہو تو عرب اسے ''دَنس الثياب'' کہتے ہیں یعنی گندے اور میلے کپڑوں والا، اور جب کوئی شخص عمدہ کام کرے اور وعدہ وفا کرے تو اسے مطهر الثياب یعنی پاک کپڑوں والا کہا جاتا ہے۔ حضرات عکرمہ وضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ معصیت سے آلودہ لباس مت پہنو۔ ایک شاعر کہتا ہے:(1)؎

اِذا الْمرءُ لَمْ يَدْنَس من اللؤم عِرضُه فكلُّ رداءٍ يَرْتَدِيهِ جميل

یعنی جب ایک شخص کی عزت خست سے آلودہ نہ ہو، تو وہ جو لباس بھی زیب تن کرے گا، اسے بھلا لگے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ جو کپڑے آپ پہنتے ہیں وہ مشکوک اور بے فائدہ نہ ہوں اور آپ اپنے کپڑوں کو معصیت سے آلودہ نہ کریں۔ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اپنے کپڑوں کو پانی کے ساتھ دھولیا کریں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مشرکین پاکی حاصل نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو پاکیزگی حاصل کرنے اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھنے کا حکم دیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ پسندیدہ قول ہے۔ یہ آیت دراصل ان تمام مفاہیم کو شامل ہے اور ان میں طہارت قلب بھی داخل ہے اور عربوں کے ہاں کپڑوں کا اطلاق دل پر ہوتا رہتا ہے جیسا کہ امرؤالقیس کے شعر میں بھی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اس آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اپنے دل اور نیت کو صاف رکھیں۔ محمد بن کعب قرظی اور حسن بصری رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اپنے اخلاق کو خوبصورت بنائیں۔

حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، قتادہ، زہری اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس فرمان وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ میں ''رجز'' سے مراد بت ہیں یعنی بتوں سے (حسب سابق) دور رہئے۔ حضرت ابراہیم اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ معصیت کو ترک کئے رکھیں۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور ﷺ پہلے کسی ایسی چیز میں ملوث تھے۔ اسی طرح یہ ارشادات بھی ہیں: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ (احزاب:1) ''اے نبی (مکرم!)، (حسب سابق) ڈرتے رہئے اللہ تعالیٰ سے اور نہ کہنا مانئے کفار اور منافقین کا''، وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (اعراف:142) ''کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میرا نائب رہنا میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کے راستہ پر''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ زیادہ لینے کی خواہش رکھتے ہوئے عطیہ نہ دیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ''اَنْ تَسْتكثر'' ہے(2)۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اس کا یہ معنی بیان

1۔ ابن قتیبہ: الشعر والشعراء، جلد 2، صفحہ 612 2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 150

کرتے ہیں کہ اپنے اعمال کو کثیر سمجھتے ہوئے ان پر نازاں نہ ہوں اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ پر احسان تصور کریں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو پسند کیا ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ کثرت خیر کی طلب میں کمزوری نہ دکھاؤ(1)۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لوگوں پر نبوت کا احسان جتلا کر ان سے اس کے عوض میں دنیا طلب نہ کریں۔ اس آیت کے متعلق یہ چار اقوال ہیں جن میں سب سے زیادہ ظاہر پہلا قول ہے۔ پھر فرمایا: وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ یعنی اپنے رب کی رضا کے لئے ان کی اذیت رسانی پر صبر کریں۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو منصب آپ کو عطا فرمایا ہے، اس پر اس کی خاطر ڈٹے رہیں۔ پھر قیامت کے متعلق فرمایا: فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ۔ ناقور سے مراد صور ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ سینگ کی شکل کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں کیسے سکون سے رہوں حالانکہ صور والا فرشتہ، صور اپنے منہ میں لئے ہوئے اور اپنی پیشانی جھکائے ہوئے اس انتظار میں ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور پھونک دے؟'' یہ سن کر صحابہ کرام عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! پھر آپ ہمیں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرمایا: ''کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعم الو كيلُ عَلَى اللّٰهِ تو كَّلْنَا(2)۔ پھر اس دن کے متعلق مزید فرمایا: فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ...... یعنی یہ دن کافروں کے لئے بہت سخت ہوگا، کوئی آسان نہ ہوگا جیسا کہ فرمایا: يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ (قمر:8)'' کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے''۔ ایک دفعہ بصرہ کے قاضی حضرت زرارہ بن اوفی رحمۃ اللہ علیہ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور اسی سورت کی انہوں نے تلاوت کی۔ جب وہ ان آیات فَاِذَا نُقِرَ...... پر پہنچے تو روتے روتے ایسی چیخ نکلی کہ روح ہی پرواز کر گئی اور وہ نیچے زمین پر گر پڑے(3)۔

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّ بَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾

''آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے۔ اور دے دیا ہے اس کو مال کثیر۔ اور بیٹے دیئے ہیں جو پاس رہنے والے ہیں۔ اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان۔ پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں۔ ہرگز نہیں۔ وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے۔ میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ کٹھن چڑھائی چڑھے۔ اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی۔ اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی۔ پھر دیکھا، پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا۔ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا۔ پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے۔ یہ نہیں مگر انسان کا کلام۔ عنقریب میں اسے جہنم میں جھونکوں گا۔ اور تو کیا سمجھے کہ جہنم کیا ہے؟ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے۔ جھلسا دینے والی آدمی کی کھال کو۔ اس پر

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 149 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران: 173-110 3۔ الذھبی: العبر، جلد 1، صفحہ 109

انیس فرشتے مقرر ہیں''۔

یہاں سے اس خبیث کا ذکر شروع ہو رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دنیاوی نعمتوں سے نوازا لیکن اس نے کفران نعمت اور احسان فراموش کی روش اختیار کرتے ہوئے کفر کو ہی اپنائے رکھا اور افتراء بازی کرتے ہوئے آیات الٰہی کا بالکل انکار کر دیا اور قرآن کریم کو انسانی کلام کہنے لگا۔ اللہ تعالیٰ اس نا ہنجار پر اپنی ناراضگی اور غضب کا اظہار کرتے ہوئے اور اسے عطا کی ہوئی اپنی نعمتیں گنوا کر فرماتا ہے: ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ...... یعنی مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دیں جسے میں نے اس حال میں پیدا کیا کہ وہ تنہا تھا، خالی ہاتھ دنیا میں آیا، نہ اس کے پاس مال تھا اور نہ اولاد۔ پھر اسے فراوانی کے ساتھ مال کثیر عطا کیا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے پاس ایک ہزار دینار تھے، بقول بعض ایک لاکھ دینار۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے پاس وسیع زرعی اراضی تھی۔ علاوہ ازیں اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹے بھی عطا فرمائے جو ہر وقت اس کے پاس موجود رہتے تھے۔ انہیں تجارت اور کاروبار کے لئے دور دراز کا سفر نہیں کرنا پڑتا تھا بلکہ ان کے نوکر چاکر اور ملازم ان کے معاملات اور کاروبار کو سنبھالے ہوئے تھے۔ اس لئے یہ تمام ضروریات سے بے نیاز ہو کر ہر وقت اپنے باپ کے پاس حاضر رہتے تھے اور یہ اپنے بیٹوں کے ساتھ آسودہ اور پرسکون زندگی بسر کرتا تھا۔ یہ نعمت کی انتہا ہے کہ اولاد باپ کے ساتھ مقیم ہو۔ پھر فرمایا: وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا یعنی اسے ہر قسم کا سامان اور اسباب فراہم کر دیے، اس کے باوجود یہ طمع کرتا ہے کہ میں اسے اور عطا کر دوں۔ اس کی اس خواہش کو رد کرتے ہوئے فرمایا: یعنی ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے سرکشی کی راہ اختیار کر لی ہے اور باوجود ہماری آیتوں کا علم ہونے کے کفر پر مصر ہے اور نعمتوں کا انکار کرتا ہے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ اسے کٹھن چڑھائی چڑھنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وَیْل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں کافر کو گرایا جائے گا۔ وہ چالیس سال نیچے لڑھکتا رہے گا لیکن پھر بھی تہہ تک نہ پہنچے گا اور ''صعود'' جہنم میں آگ کا ایک پہاڑ ہے جس پر کافر ستر سال تک چڑھتا رہے گا پھر اسے وہاں سے نیچے گرا دیا جائے گا اور اتنا ہی عرصہ نیچے لڑھکتے ہوئے لگے گا۔ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا''(1)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا کے متعلق فرمایا: ''یہ جہنم میں آگ کا ایک پہاڑ ہے جس پر کافر کو زبردستی چڑھایا جائے گا۔ جب وہ اس پر اپنا ہاتھ رکھے گا تو وہ فوراً پگھل جائے گا اور جب اسے اٹھائے گا تو پہلی حالت پر لوٹ آئے گا۔ جب وہ اس پر اپنا پاؤں رکھے گا تو وہ رکھتے ہی پگھل جائے گا اور جب اسے اٹھائے گا تو اپنی اصلی حالت میں لوٹ آئے گا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''صعود'' جہنم میں ایک چٹان کا نام ہے جس پر کافر کو اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ جہنم میں بہت ملائم اور پھسلویں چٹان ہے، کافر کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس پر چڑھے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا کے متعلق کہتے ہیں کہ ہم اسے مشقت والے عذاب میں مبتلا کریں گے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ایسا عذاب ہے جس میں ذرا بھی راحت نہ ہو۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو پسند کیا ہے(2)۔ اس غضب شدید کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ یعنی ہم نے اسے المناک اور تکلیف دہ عذاب کے قریب کر دیا ہے کیونکہ وہ ایمان سے دور ہے۔ جب اس بدبخت سے قرآن کریم کے متعلق پوچھا گیا تو وہ غور وفکر کرنے لگا کہ اسے کیا کہنا چاہئے اور اس کے متعلق کونسی بات گھڑنی چاہئے۔ اس بارے میں اس نے بھرپور غور وتدبر کیا اور ایک بات طے

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 75، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مدثر، جلد 12، صفحہ 226-225 تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 155

2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 155

کرلی۔ پھر اسے بلاکت کی بددعا دیتے ہوئے فرمایا: فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ۔ اس کے بعد فرمایا: ثُمَّ نَظَرَ..... یعنی اس نے دوبارہ غور وفکر کیا پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا، پیشانی پر بل ڈالا اور منہ کو بگاڑا پھر غرور و تکبر سے منہ پھیر لیا، حق سے منحرف ہو گیا اور اطاعت قرآن سے تکبر کرتے ہوئے کہنے لگا: اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ یعنی یہ قرآن جادو ہے جسے محمد (ﷺ) پہلے لوگوں سے نقل کر کے لوگوں کو سنا رہے ہیں۔ اس لئے کہنے لگا: اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے۔ یہ آیات جس ملعون کے متعلق اتریں، اس کا نام ولید بن مغیرہ مخزومی ہے جو قریش کا ایک سردار تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہ خبیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آپ سے قرآن کریم کے متعلق دریافت کرنے لگا۔ آپ نے اسے آگاہ فرما دیا۔ یہاں سے وہ قریش کی محفل میں جا پہنچا اور انہیں کہنے لگا: کیا ہی تعجب خیز کلام ہے جس کی تلاوت ابن ابی کبشہ (حضور ﷺ) کرتے ہیں، بخدا! یہ نہ شعر ہے، نہ جادو اور نہ ہی کسی مجنون کی ہرزہ سرائی۔ یہ بلاشبہ اللہ کا کلام ہے۔ جب قریش کے اس مجمع نے ولید کی یہ گفتگو سنی تو ان میں شور مچ گیا۔ وہ سر جوڑ کر بیٹھے اور باہم مشاورت کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اگر ولید اپنا دین ترک کر کے مسلمان ہو گیا تو پھر قریش کو اسلام لانے سے کوئی نہ روک سکے گا۔ ابوجہل کو جب اطلاع ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، میں یہ مشکل حل کر دیتا ہوں۔ چنانچہ ابوجہل ولید کے گھر گیا اور اسے کہنے لگا کہ قریش کے لوگوں نے تمہارے لئے گھر گھر سے چندہ جمع کیا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ یہ کیسے ممکن ہے حالانکہ مال و اولاد میں کوئی میرا ہمسر نہیں۔ اس پر ابوجہل کہنے لگا کہ لوگوں میں یہ افواہ گردش کر رہی ہے کہ ولید ابوبکر کی طرف اس لئے راغب ہوا ہے تاکہ اس سے مالی مفاد حاصل کرے۔ یہ سن کر کم ظرف ولید مشتعل ہو گیا اور کہنے لگا کہ کیا میرا قبیلہ میرے بارے میں یہ رائے رکھتا ہے؟ بخدا! میں نہ ابوبکر کے قریب جاؤں گا، نہ عمر کے اور نہ ابن ابی کبشہ کے۔ یہ کلام تو جادو ہے جسے نقل کر کے سنا دیا جاتا ہے۔ اس وقت یہ آیات ذَرْنِيْ...... لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ نازل ہوئیں(1)۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ولید نے کہا تھا کہ میں قرآن میں کافی غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شعر نہیں ہے۔ اس کلام میں بڑی مٹھاس ہے، یہ بہت پررونق کلام ہے، یہ ہر ایک سے اونچا ہے اور کوئی اس سے اونچا نہیں ہو سکتا لیکن مجھے اس کے جادو ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔ جب اس نے آپ ﷺ سے قرآن سنا تو وہ بہت متاثر ہوا اور اس کا دل نرم پڑ گیا۔ جب ابوجہل کو اس کا علم ہوا تو وہ بھاگم بھاگ ولید کے پاس آیا اور کہنے لگا: چچا جان! آپ کی قوم کے لوگ آپ کے لئے چندہ جمع کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے پوچھا کہ وہ کیوں؟ ابوجہل نے کہا کہ وہ چندہ جمع کر کے آپ کو دیں گے کیونکہ انہیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کو مالی امداد کی ضرورت ہے اسی لئے آپ محمد (ﷺ) کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ وہ غیرت میں آ کر کہنے لگا کہ میں تو قریش میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ اب موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابوجہل اسے کہنے لگا کہ فی الحال تو لوگ یہی سمجھ رہے ہیں کہ آپ مادی مفاد کے لئے اسلام کی طرف راغب ہوئے ہیں، اگر آپ لوگوں کے اس زعم کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو ایسی بات کریں جس سے یہ اندازہ ہو جائے کہ آپ محمد (ﷺ) سے نفرت کرتے ہیں اور ان کی باتوں کے منکر ہیں۔ ولید کہنے لگا کہ مجھے کچھ سجھائی ہی نہیں دیتا کہ میں قرآن کے متعلق کیا رائے دوں؟ بخدا! تم میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جو اشعار، رجز اور قصائد کے متعلق مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ انسانوں کے علاوہ مجھے جنات کی شاعری سے بھی خوب واقفیت ہے لیکن میری

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 155

دانست میں یہ کلام شاعری کے ساتھ ذرا بھی مناسبت اور مشابہت نہیں رکھتا۔ خدا کی قسم! اس کلام میں ایک عجب لطافت اور حلاوت ہے، یہ تمام کلاموں پر برتری رکھتا ہے، یہ سب پر غالب آ جاتا ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ ابوجہل کہنے لگا کہ آپ کی قوم آپ پر اسی صورت میں خوش ہوگی جب آپ اس قرآن کے خلاف کوئی رائے دیں گے۔ ولید نے کہا کہ مجھے غور و فکر کا موقعہ دو۔ چنانچہ کافی غور خوض کے بعد ولید نے فیصلہ دیا کہ یہ کلام جادو ہے جسے وہ دوسروں سے نقل کرتا ہے۔ اس پر یہ آیات ذَرْنِیْ...... تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئیں۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دارالندوہ میں قریش کا اجتماع ہوا۔ وہ باہم مشورہ کرنے لگے کہ حج کا موسم قریب ہے۔ بیرونی قبائل حج کے لئے آئیں گے اور وہ ضرور اس نئے داعی کے متعلق پوچھیں گے، اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم ایک بات پر متفق ہو جائیں اور ان کے متعلق ہر ایک وہی بات کرے۔ اس طرح دوسرے قبائل عرب بھی ہمارے ہمنوا بن جائیں گے۔ چنانچہ بعض نے شاعر نام تجویز کیا، بعض نے ساحر، بعض نے کاہن اور بعض نے مجنون جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (فرقان:9) ملاحظہ تو کیجئے کیسے بیان کرتے ہیں آپ کے متعلق طرح طرح کی مثالیں سو وہ (اس بے ادبی کے باعث) گمراہ ہو گئے پس وہ راہ نہیں پا سکتے"۔ اس دوران ولید گہری سوچ میں گم رہا، بار بار غور و خوض کرتا رہا منہ بسورتا رہا اور پیشانی پر بل دیتا رہا اور بالآخر یہ فیصلہ دیا کہ یہ جادو ہے اور کسی بشر کا کلام ہے۔ اس کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ یعنی میں اسے جہنم میں ایسے جھونک دوں گا کہ وہ ہر طرف سے آگ میں غرق ہوگا، پھر اس آگ کی ہولناکی اور فخامت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ یعنی یہ آگ گوشت پوست اور رگوں پٹھوں کو کھا جائے گی۔ اس کے بعد پھر زندہ کر کے نیا جسم دے دیا جائے گا۔ دوزخی ہمیشہ عذاب جھیلتے رہیں گے۔ وہاں نہ وہ مر کر ختم ہوں گے اور نہ زندہ رہ سکیں گے بلکہ ہمیشہ زندگی اور موت کی کشمکش میں عذاب کا سامنا کرتے رہیں گے۔

آگ کے متعلق مزید فرمایا: لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ یعنی یہ آگ کھال کو جھلسا دینے والی ہے۔ ابورزین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آگ کھال کو جھلسا کر سخت اندھیری رات سے بھی زیادہ سیاہ بنا ڈالے گی۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آگ ان کے اجسام کو جھلسا دے گی۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آگ کھال کو جلا ڈالے گی۔ پھر فرمایا: عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ یعنی اس دوزخ کی حفاظت پر بڑے بڑے عظیم الخلقت انیس داروغے مقرر ہیں۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہود کی ایک جماعت نے کسی صحابی سے جہنم کے داروغوں کی تعداد پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ جب یہ واقعہ حضور ﷺ کو بتایا گیا تو اسی وقت یہ آیت عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو یہ آیت سنا دی اور فرمایا: "انہیں بلا کر میرے پاس لاؤ، اگر وہ میرے پاس آئے تو میں ان سے جنت کی مٹی کے متعلق دریافت کروں گا۔ سنو! وہ سفید میدہ کی طرح ہے"۔ جب یہودی آپ کے پاس آئے تو آپ سے انہوں نے جہنم کے داروغوں کے متعلق سوال کیا کہ ان کی تعداد کیا ہے؟ آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دو مرتبہ جھکائیں اور دوسری دفعہ انگوٹھا روک لیا یعنی انیس۔ پھر ان سے فرمایا: "مجھے جنت کی مٹی کے متعلق بتاؤ"۔ انہوں نے کہا: اے ابن سلام! بتاؤ۔ انہوں نے بتایا کہ وہ گویا سفید روٹی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "سنو! سفید روٹی وہ جو خالص میدے کی ہو"۔

مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ آج آپ کے صحابہ مغلوب اور لاجواب ہو گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "کیسے؟" اس شخص نے بتایا کہ یہود نے ان سے جہنم کے داروغوں کی تعداد کے متعلق سوال کیا لیکن انہوں نے لاعلمی کا اظہار کرتے

ہوئے کہا کہ ہم اپنے نبی ﷺ سے پوچھ کر بتائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا ان لوگوں کو مغلوب کہا جا سکتا ہے جن سے وہ سوال کیا جائے جس کا انہیں علم ہی نہ ہو اور وہ لاعلمی کا اظہار کر کے کہہ دیں کہ ہم اپنے نبی سے پوچھ کر جواب دیں گے؟ ان دشمنانِ خدا کو میرے پاس لاؤ۔ یہ تو وہ ہیں جنہوں نے اپنے نبی سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کو برملا دکھائیں اور اس گستاخی پر انہیں عذاب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہود کو بلایا گیا تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ جہنم کے داروغوں کی تعداد کتنی ہے؟ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو دو مرتبہ کھول کر بتایا اور دوسری مرتبہ ایک انگلی روک لی۔ پھر صحابہ سے فرمایا: ''اگر تم سے جنت کی مٹی کے متعلق پوچھا جائے تو بتا دینا کہ وہ سفید میدہ جیسی ہے''۔ یہود آئے اور ان کے سوال پر حضور ﷺ نے انہیں جہنم کے داروغوں کی تعداد بتانے کے بعد ان سے پوچھا: جنت کی مٹی کیسی ہے؟ اس سوال پر ان کے اوسان خطا ہو گئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ بالآخر کہنے لگے کہ روٹی جیسی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''روٹی وہ جو سفید میدہ کی ہو'' ترمذی اور مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے (1)۔

وَ مَا جَعَلْنَاۤ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓىِٕكَةً۪ وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا١ۙ لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ یَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِیْمَانًا وَّ لَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ١ۙ وَ لِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْكٰفِرُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا١ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ١ؕ وَ مَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ١ؕ وَ مَا هِیَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ۠ ۝۳۱ كَلَّا وَ الْقَمَرِۙ ۝۳۲ وَ الَّیْلِ اِذْ اَدْبَرَۙ ۝۳۳ وَ الصُّبْحِ اِذَاۤ اَسْفَرَۙ ۝۳۴ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِۙ ۝۳۵ نَذِیْرًا لِّلْبَشَرِۙ ۝۳۶ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّتَقَدَّمَ اَوْ یَتَاَخَّرَؕ ۝۳۷

''اور ہم نے نہیں مقرر کئے آگ کے داروغے مگر فرشتے۔ اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا۔ تا کہ یقین کر لیں اہل کتاب اور بڑھ جائے اہل ایمان کا ایمان اور نہ شک میں مبتلا ہوں اہل کتاب اور مومن۔ اور تا کہ کہنے لگیں جن کے دلوں میں روگ ہے اور کفار کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس بیان سے۔ یونہی اللہ تعالیٰ (ایک ہی بات سے) گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے اور کوئی نہیں جانتا آپ کے ربّ کے لشکروں کو بغیر اس کے۔ اور نہیں ہے یہ بیان مگر نصیحت لوگوں کے لئے۔ ہاں ہاں! چاند کی قسم اور رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیرنے لگے اور صبح کی قسم جب روشن ہو جائے۔ یقیناً دوزخ بڑی آفتوں میں سے ایک آفت ہے۔ ڈراوا ہے لوگوں کے لئے۔ ان کے لئے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں یا پیچھے رہنا چاہتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم نے جہنم کے داروغے ایسے فرشتے مقرر کئے ہیں جو نہایت طاقتور، تند مزاج اور بے رحم ہیں۔ اس آیت میں مشرکین قریش کا رد ہے کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ جہنم کے داروغوں کی تعداد صرف انیس ہے تو انہوں نے خوب اودھم مچایا۔ ابوجہل قریش سے کہنے لگا کہ کیا تم دس دس مل کر ان میں ایک ایک پر غلبہ پانے کی قدرت نہیں رکھتے؟ ان کے اس زعم باطل کی تردید کرتے ہوئے اللہ

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ مدثر، جلد 12، صفحہ 226، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 361

تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا جَعَلْنَآ...... یعنی جہنم کے داروغے کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ وہ نہایت مضبوط اور قوی فرشتے ہیں جن کا نہ مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور نہ انہیں مغلوب بنایا جا سکتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا ایک نامی گرامی پہلوان ابوالاشدین کلدہ بن اسید بن خلف خود پسندی اور تکبر کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا: اے قریشیو! دو کو تم سب مل کر قابو کر لینا باقی سترہ کے لئے میں تنہا ہی کافی ہوں۔ کہتے ہیں کہ یہ اس قدر طاقتور تھا کہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس آدمی اس چمڑے کو اس کے پیروں تلے سے نکالنے کے لئے کھینچتے۔ چمڑے کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے لیکن اسے سرمو بھی نہ سرکا سکتے۔ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہی وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو کشتی کی دعوت دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے کئی بار چت گرا دیا لیکن پھر بھی یہ ایمان نہ لایا۔ امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کشتی کی دعوت دینے والا شخص رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب تھا(1)۔ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں یعنی ممکن ہے دونوں سے یہ واقعہ پیش آیا ہو۔ پھر فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ...... یعنی ہم نے لوگوں کی آزمائش کے لئے انیس کی تعداد کو ذکر کیا ہے تاکہ اہل کتاب کو یقین ہو جائے کہ یہ رسول واقعی سچا ہے کیونکہ یہی تعداد دوسری آسمانی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ اس تعداد کے بیان کرنے کا اہل ایمان کو یہ فائدہ ہوا کہ ان کے ایمان میں اضافہ ہو گیا، وہ اس طرح کہ ان کے نبی حضرت محمد ﷺ کی بتائی ہوئی خبر بالکل سچ ثابت ہوئی۔ مزید برآں اس تعداد کے ذکر سے مقصود یہ تھا کہ اہل کتاب اور اہل ایمان کسی شک وشبہ میں نہ رہیں۔ اس کے بعد ایک اور غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ...... تاکہ منافقین اور کفار یہ کہیں کہ اس تعداد کے یہاں بیان کرنے میں کیا حکمت کارفرما ہے؟ جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ...... یعنی اس قسم کی چیزوں کے بیان سے بعض لوگوں کے دلوں میں ایمان خوب راسخ اور قوی ہو جاتا ہے اور بعض کا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے اور وہ ڈانواں ڈول اور متردد ہی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں خاص حکمت اور حجت کارفرما ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ یعنی اللہ تعالیٰ کے لشکروں کی تعداد اور کثرت کو بجز اس کے کوئی نہیں جانتا۔ ان الفاظ کو اس لئے ذکر کیا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھتا رہے کہ اللہ تعالیٰ کا لشکر صرف انیس فرشتوں پر مشتمل ہے جیسا کہ یونانی فلسفیوں اور ان کے ہمنواؤں نے اپنی جہالت اور ضلالت کے باعث یہ سمجھ لیا کہ اس سے مراد عقول عشرہ اور نفوس تسعہ ہیں۔ یہ دعویٰ ان کا خود ساختہ ہے جس پر وہ دلیل قائم کرنے سے عاجز رہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس آیت کے اول کا تو انہیں یقین ہو گیا لیکن اس کے آخر وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ کا انکار کر دیا۔

حدیث معراج میں رسول اللہ ﷺ نے ساتویں آسمان میں موجود بیت معمور کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جن کی دوبارہ باری کبھی نہیں آتی''(2)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تمہیں دکھائی نہیں دیتا اور میں وہ کچھ سنتا ہوں جو تمہیں سنائی نہیں دیتا۔ آسمان چرچرا رہا ہے اور یہ اس بات کا سزاوار ہے کہ چرچرائے کیونکہ اس میں ایک انگلی کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ سجدہ نہ کر رہا ہو۔ اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے اور بستروں پر اپنی بیویوں کے ساتھ لطف اندوز نہ ہو سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے اور فریاد رسی کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاتے''۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: کاش میں

1۔ الروض الانف، جلد 1، صفحہ 200، دلائل نبوۃ، جلد 6، صفحہ 250

2۔ دیکھئے سورۂ اسراء اور طور کا آغاز

درخت ہوتا جسے کاٹ لیا جاتا (1)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ساتوں آسمانوں میں قدم رکھنے، بالشت بھر یا ہتھیلی کی مقدار بھی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام یا سجدہ یا رکوع کی حالت میں نہ ہو۔ اس کے باوجود قیامت کے دن یہ سب کہیں گے: اے اللہ! تو پاک ہے ہم تیری عبادت کا حق ادا نہ کر سکے البتہ ایک بات ہے کہ ہم نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا'' (2)۔

امام محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الصلوٰۃ'' میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اسی اثناء میں آپ نے ان سے فرمایا: ''کیا تم وہ سن رہے ہو جو میں سن رہا ہوں؟'' عرض کی کہ ہمیں تو کچھ نہیں سنائی دے رہا۔ آپ نے فرمایا: ''میں آسمان کی چرچراہٹ سن رہا ہوں اور اس چرچراہٹ پر اسے ملامت نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس میں بالشت بھر بھی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ رکوع یا سجدہ کی حالت میں نہ ہو''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آسمان دنیا میں قدم رکھنے کی بھی جگہ نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ یا قیام کی حالت میں نہ ہو''۔ اسی لئے قرآن کریم میں فرشتوں کا یہ قول مذکور ہے: وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ ۙ وَّ اِنَّا لَنَحۡنُ الصَّآفُّوۡنَ ۚ وَ اِنَّا لَنَحۡنُ الۡمُسَبِّحُوۡنَ (صافات: 66-164) ''اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لئے مقام متعین ہے۔ اور پرے باندھے (مقام نیاز میں) کھڑے ہیں۔ اور بیشک ہم اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں''۔ اس حدیث کا مرفوع ہونا بہت غریب ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان ایسا ہے جس میں بالشت بھر بھی ایسی جگہ نہیں ہے جس پر کسی نہ کسی فرشتے کی پیشانی یا قدم نہ ہوں پھر آپ نے ان آیات وَ اِنَّا لَنَحۡنُ الصَّآفُّوۡنَ ۚ وَ اِنَّا لَنَحۡنُ الۡمُسَبِّحُوۡنَ (الصافات: 165) کی تلاوت کی۔ حضرت علاء بن سعد رضی اللہ عنہ جو فتح مکہ اور اس کے بعد دیگر غزوات میں شریک ہوئے، روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے حاضرین مجلس سے فرمایا: ''کیا تمہیں وہ سنائی دیتا ہے جو میں سنتا ہوں؟'' صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ؟! آپ کیا سنتے ہیں؟ فرمایا: ''آسمان چرچرا رہا ہے اور اس کا حق بنتا ہے کہ چرچرائے کیونکہ اس میں ایک قدم کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام یا رکوع یا سجدہ کی حالت میں نہ ہو اور فرشتوں کا کہنا ہے: وَ اِنَّا لَنَحۡنُ الصَّآفُّوۡنَ ۚ وَ اِنَّا لَنَحۡنُ الۡمُسَبِّحُوۡنَ (الصافات: 165)۔ اس کی سند بہت غریب ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ آپ نے دیکھا کہ نماز کھڑی ہے لیکن تین شخص الگ تھلگ بیٹھے ہیں۔ ان میں سے ایک ابو جحش لیثی تھا۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرو۔ دو شخص تو اٹھ کھڑے ہوئے لیکن ابو جحش نے جماعت میں شریک ہونے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ میں نماز میں اس شرط پر شریک ہوں گا کہ ایک ایسا آدمی آئے جو مجھ سے زیادہ زور آور اور قوی ہو، وہ مجھ سے کشتی لڑے اور مجھے پچھاڑ کر میرا منہ خاک میں ملا دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں خود ہی کشتی کے لئے تیار ہو گیا۔ میں نے اسے پکڑا اور چت زمین پر گرا دیا اور اس کا چہرہ خاک آلود کر دیا۔ اسی اثناء میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ آ گئے اور انہوں نے بیچ بچاؤ کرا کے اسے مجھ سے چھڑا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 173، عارضۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 194، ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 1402

2۔ المعجم الکبیر، جلد 2، صفحہ 184، مجمع زوائد، جلد 1، صفحہ 52

عنہ غصہ کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دیکھتے ہی فرمایا: اے ابوحفص! کیا بات ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر عمر کی بھی یہی مرضی ہوتو میری یہی خواہش تھی کہ تم اس خبیث کا سر اتار کر میرے پاس لے آتے''۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً اس کی طرف دوڑے۔ کچھ دور جا چکے تھے کہ حضور ﷺ نے انہیں آواز دی اور فرمایا: ''بیٹھو، میں تمہیں بتاتا ہوں کہ رب تعالیٰ ابوجحش کی نماز سے کس قدر بے نیاز ہے، آسمان دنیا میں عاجزی و انکساری کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ایسے فرشتے ہیں جو سر جھکائے ہوئے ہیں اور قیامت تک اپنے سر نہیں اٹھائیں گے۔ جب قیامت قائم ہوگی تو یہ اپنے سر اٹھائیں گے، پھر عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم اس طرح تیری عبادت نہیں کر سکے جس طرح عبادت کرنے کا حق تھا اور دوسرے آسمان میں اللہ تعالیٰ کے بے شمار ایسے فرشتے ہیں جو سجدہ میں پڑے ہیں۔ وہ قیامت تک اپنے سر نہیں اٹھائیں گے۔ جب قیامت برپا ہوگی تو اپنے سر اٹھائیں گے اور کہیں گے: اے اللہ! تو پاک ہے۔ ہم تیری عبادت کا حق ادا کرنے سے قاصر رہے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یارسول اللہ ﷺ! فرشتے کیا کہتے ہیں؟ فرمایا: ''آسمان دنیا والے فرشتے تو یہ کہتے ہیں: سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ والملكوتِ دوسرے آسمان والوں کی تسبیح یہ ہے: سبحانَ ذی العزّةِ والجبروتِ اور تیسرے آسمان کے فرشتے یہ کہتے ہیں: سُبْحَانَ الحيّ الّذی لَا يَمُوْتُ۔ اے عمر! تم بھی نماز میں یہ کلمات پڑھا کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! آپ نے مجھے جو پہلے سکھایا ہے اور اسے اپنی نماز میں پڑھنے کا حکم دیا ہے، اس کا کیا بنے گا؟ فرمایا: ''کبھی یہ پڑھ لیا کرو اور کبھی وہ پڑھ لیا کرو''۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہلے جو پڑھنے کا حکم فرمایا تھا، وہ یہ ہے: ''أعُوذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عقابِكَ وأعوذ بِرِضاكَ مِنْ سخطِكَ وأعُوذ بكَ مِنْكَ جَلَّ وجهُكَ'' یعنی اے اللہ! میں تیرے عتاب سے تیرے عفو کی پناہ مانگتا ہوں، میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ کا خواستگار ہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ کا طالب ہوں، تیری ذات عظمت و جلال والی ہے۔ یہ حدیث نہایت غریب بلکہ شدید منکر ہے (1)۔ اس حدیث کے راوی اسحاق مروزی سے امام بخاری روایت کرتے ہیں۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے لیکن امام ابوداؤد، امام نسائی، امام سہیلی اور امام دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ سچے تھے لیکن بینائی سے محروم ہو گئے تھے، بسا اوقات تلقین قبول کر لیتے تھے اور ان کی کتابیں اور روایات صحیح ہیں (2)۔ مرہ نے ان پر اضطراب کا حکم لگایا ہے اور ان کے استاد ابوقتادہ عبدالملک بن قدامہ جمحی کے بارے میں بھی کلام کیا گیا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ امام محمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو بغیر چھان بین کے کیسے روایت کر دیا نہ اس پر کلام کیا، نہ حالت کی چھان پھٹک کی اور نہ راویوں کے ضعف کو بیان کیا۔ البتہ ایک بات ہے کہ انہوں نے اسے دوسری اسناد سے بھی مرسلاً روایت کر دیا ہے۔ ایک حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے اور دوسری حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے پھر محمد بن نصر ایک اور روایت لائے ہیں کہ حضرت عدی بن ارطاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے مدائن کی جامع مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو ہمہ وقت اپنے رب کے خوف سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک فرشتے کے آنسو ٹپکتے ہیں اور ان فرشتوں پر پڑتے ہیں جو نماز میں مشغول ہیں۔ ان میں ایسے فرشتے بھی ہیں جو اس وقت سے سجدہ میں ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا۔ نہ انہوں نے اپنے سر اٹھائے اور نہ قیامت تک اٹھائیں گے اور ان میں ایسے فرشتے بھی ہیں جو

1۔ مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، جلد 3، صفحہ 88-87 2۔ الجرح والتعدیل، جلد 2، صفحہ 223

رکوع کی حالت میں ہیں۔ جب سے زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی، انہوں نے کبھی اپنے سر نہیں اٹھائے اور نہ ہی قیامت تک اٹھائیں گے۔ جب وہ اپنے سر اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے ہوئے عرض کریں گے تو پاک ہے۔ ہم تیری عبادت کا حق ادا نہ کر سکے۔'' اس کی سند میں کوئی حرج نہیں۔ پھر فرمایا: وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ یعنی یہ آگ جس کا وصف بیان کیا گیا ہے، لوگوں کے لئے باعث نصیحت ہے۔ اس کے بعد فرمایا: كَلَّا وَالْقَمَرِ ...... یعنی چاند کی قسم اور رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیر لے اور صبح کی قسم جب یہ خوب روشن ہو جائے! یہ آگ بڑی بڑی آفتوں میں سے ایک آفت ہے۔ یہ انسانوں کے لئے ڈراوا ہے۔ پس جو چاہے اس ڈراوے کو قبول کر کے حق کی راہ پالے اور جو چاہے روگردانی کر کے اسے رد کر دے۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ
الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ
الْمِسْكِينَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٤٦﴾ حَتَّىٰ
أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿٤٨﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ
مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ
أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَنْ
شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

''ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے۔ سوائے اصحاب یمین کے جو جنتوں میں ہوں گے اہل جنت پوچھیں گے مجرموں سے کہ کس جرم نے تم کو دوزخ میں داخل کیا۔ وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اور مسکین کو کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے۔ اور ہم ہرزہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ ہرزہ سرائی میں لگے رہتے اور ہم جھٹلایا کرتے تھے روزِ جزا کو۔ یہاں تک کہ ہمیں موت نے آلیا۔ پس انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی شفاعت کرنے والوں کی شفاعت۔ پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس نصیحت سے روگرداں ہیں۔ گویا وہ بھڑکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں جو بھاگے جا رہے ہیں شیر سے بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ ان کو کھلے صحیفے دیئے جائیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ دراصل وہ آخرت سے ڈرتے ہی نہیں۔ ہاں ہاں یہ قرآن تو نصیحت ہے۔ پس جس کا جی چاہے نصیحت حاصل کرے۔ اور وہ نصیحت قبول نہیں کریں گے بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ وہی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی بخشنے کے لائق ہے''۔

اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ قیامت کے دن ہر نفس اپنے اعمال میں گروی اور بندھا ہوا ہو گا بجز اصحاب یمین یعنی دائیں ہاتھ والوں کے۔ وہ جنت کے بالا خانوں میں براجمان ہوں گے اور ان مجرموں سے سوال کریں گے جو جہنم کی وادیوں میں عذاب کا سامنا کر رہے ہوں گے: مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ یعنی کس جرم کی پاداش میں تمہیں جہنم میں جھونک دیا گیا؟ وہ جواب میں کہیں گے: لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ یعنی ہم نے نہ اپنے رب کی عبادت کی اور نہ اس کی مخلوق کے ساتھ احسان کیا بلکہ ہمارا یہ معمول تھا کہ ہم بھی ہرزہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ ہرزہ سرائی کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی گمراہی کی راہ اختیار کر لیتا تو ہم بھی ضرور اس کا ساتھ دیتے اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ

ہمیں یقین یعنی موت نے آ لیا۔ یقین کا معنی موت ہے جیسا کہ فرمایا: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر: 99) ''اور عبادت کیجئے اپنے رب کی یہاں تک کہ آ جائے آپ کے پاس یقین''۔ اسی طرح حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا تھا کہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے یقین آ گیا یعنی موت۔

فرمایا: فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ یعنی ایسے جرائم کے حامل لوگوں کو قیامت کے دن کسی کی سفارش فائدہ نہ پہنچا سکے گی کیونکہ سفارش تو وہاں مؤثر ہوتی ہے جو محل شفاعت ہو لیکن جو قیامت کے دن کفر کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوا، اس کے لئے شفاعت کہاں؟ اس کے لئے تو جہنم کا ابدی عذاب ہے۔ پھر فرمایا: فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ...... یعنی ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی دعوت اور نصیحت سے روگردانی کر رہے ہیں۔ یہ حق سے بدک کر اس طرح منہ موڑ لیتے ہیں جس طرح جنگلی گدھے شیر کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیر کو حبشی زبان میں قسورہ، فارسی میں شیر اور نبطی زبان میں اویا کہتے ہیں۔ پھر فرمایا: بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ...... یعنی ان مشرکوں میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ اس پر بھی ویسی ہی کتاب اترے جیسی نبی کریم ﷺ پر اتاری گئی ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام: 125) ''اور جب آئے ان کے پاس کوئی نشانی کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ دیا جائے جیسے دیا گیا اللہ کے رسولوں کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دل کو) جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت کو''۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک یہ مفہوم بھی مروی ہے کہ ان کی خواہش ہے کہ ہمیں بغیر عمل کے چھٹکارا دے دیا جائے (1)۔ پھر فرمایا۔ كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ ان کے ایمان نہ لانے کی یہ وجہ نہیں کہ ان کا مطالبہ پورا نہیں کیا گیا بلکہ آخرت کا اعتقاد نہ رکھنا اور اس کے وقوع کی تکذیب کرنا ہی دراصل وہ اصلی سبب ہے جس نے انہیں بگاڑ دیا۔ اس کے بعد فرمایا: كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ...... یعنی یقیناً یہ قرآن نصیحت ہے۔ پس جو چاہے نصیحت حاصل کر لے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر ایسا ممکن نہیں جیسا کہ فرمایا: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (انسان: 30) ''تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے بجز اس کے کہ اللہ خود چاہے''۔ سورت کے آخر میں فرمایا۔

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى...... یعنی اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی اس لائق ہے کہ وہ ہر اس شخص کے گناہوں کی مغفرت فرمائے جو توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کر لے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى...... کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا: ''تمہارا رب فرماتا ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے اور میرے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرایا جائے۔ جو شخص میرے ساتھ کوئی دوسرا معبود شریک کرنے سے ڈرا، وہ اس بات کا مستحق ہے کہ میں اس کی مغفرت فرما دوں'' (2)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس کا ایک راوی سہیل قوی نہیں۔ ابن ابی حاتم، ابویعلی، بزار اور بغوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 171

2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 142، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ مدثر، جلد 12، صفحہ 229-228، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1437، مسند ابویعلی، جلد 3، صفحہ 340 بغوی، جلد 4، صفحہ 420

سورۂ قیامہ (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝۱ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ
عِظَامَهٗ ۝۳ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝۴ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝۵
يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝۶ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸ وَجُمِعَ الشَّمْسُ
وَالْقَمَرُ ۝۹ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۰ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝۱۱ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ
الْمُسْتَقَرُّ ۝۱۲ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝۱۳ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ
بَصِيْرَةٌ ۝۱۴ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝۱۵

''میں قسم کھاتا ہوں روزِ قیامت کی۔ اور میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی (کہ حشر ضرور ہوگا) کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم ہرگز جمع نہ کریں گے اس کی ہڈیوں کو کیوں نہیں ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم اس کی انگلیوں کی پور پور درست کردیں۔ لیکن انسان کی خواہش تو یہ ہے کہ آئندہ بھی بدکاریاں کرتا رہے۔ (ازراہ تمسخر) وہ پوچھتا ہے قیامت کب آئے گی۔ پھر جب آنکھ خیرہ ہوجائے گی۔ اور چاند بے نور ہوجائے گا۔ اور (بے نوری میں) سورج اور چاند یکساں ہوجائیں گے۔ (اس روز) انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے۔ ہرگز نہیں، وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں۔ صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانا ہوگا۔ آگاہ کردیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا۔ بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے احوال پر نظر رکھتا ہے۔ خواہ وہ (زبان سے ہزار) بہانے بناتا رہے''۔

متعدد مرتبہ یہ بیان ہوچکا ہے کہ جب مُقسَم عَلیہ رد کی جانے والی چیز ہو تو نفی کی تاکید کے لئے قسم سے پہلے ''لا'' کا لانا جائز ہے۔ یہاں قیامت کے اثبات اور جاہلوں کے اس گمان کے رد پر کہ نہ قیامت برپا ہوگی اور نہ جسموں کو دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائے گا، قسم اٹھائی جارہی ہے، اس لئے فرمایا: لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ یہاں قیامت کی قسم اٹھائی اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم نہیں اٹھائی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دونوں کی قسم ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حسن اور اعرج سے یہ قراءت لَاُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ نقل کی ہے(1)۔ اس سے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے روزِ قیامت کی قسم کا اثبات کیا ہے جبکہ نفس لوامہ کی قسم کی نفی کی ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ دونوں کی قسم کھائی ہے جیسا کہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور حضرات ابن عباس اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے اور امام

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 172

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ یوم قیامت تو مشہور و معروف ہے اور جہاں تک نفس لوامہ کا تعلق ہے تو اس کی وضاحت میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مومن کا نفس ہے جو ہر وقت اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہتا رہتا ہے کہ تو نے یہ بات کیوں کی، یہ کیوں کھایا اور دل میں اس خیال کے آنے کا مقصد کیا ہے؟ لیکن بدکار شخص اپنے نفس کا محاسبہ اور مؤاخذہ کئے بغیر اپنی خواہشات میں آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ہی یہ بھی مروی ہے کہ زمین و آسمان کی مخلوق میں سے ہر ایک قیامت کے دن اپنے آپ کو ملامت کرے گا۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس فرمان وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ ہر ایک نیکی اور بدی پر خود کو ملامت کرے گا اور کہے گا کہ کاش میں مزید نیکی کر لیتا اور برائی سے اجتناب کرتا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے سوال پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ نفس لوامہ سے مراد خسیس نفس ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ نفس ہے جو فوت شدہ چیز پر ندامت کا اظہار کرتا اور اس پر ملامت کرتا ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی نفس مذموم منقول ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول لوامہ کا معنی ہے بدکار۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں۔ بہرصورت اس سے مراد وہ نفس ہے جو برائی کے ارتکاب پر اور نیکیوں کی کمی پر ملامت کرتا ہے اور فوت شدہ چیز پر اظہار ندامت کرتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ...... یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم قیامت کے دن مختلف جگہوں سے اس کی ہڈیوں کو جمع کرنے پر قادر نہیں ہیں؟ کیوں نہیں، ہم تو اس کی انگلیوں کے پور پور درست کرنے پر قادر ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان قٰدِرِیْنَ عَلٰۤی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں اس بات پر پوری پوری قدرت حاصل ہے کہ ہم اسے اونٹ یا گھوڑے کے کھُر کی طرح بنا دیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو دنیا میں بھی اس طرح بنا دے۔ آیت کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ''قادرین''، ''نجمع'' کی ضمیر سے حال ہے یعنی کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے؟ کیوں نہیں، ہم انہیں عنقریب ضرور جمع کریں گے دراں حالیکہ ہم تو اس پر بھی قدرت رکھتے ہیں کہ اس کی انگلیوں کے پور پور درست کر دیں یعنی ہڈیوں کو جمع کرنا ہماری قدرت سے ذرا بھی بعید اور مشکل نہیں۔ ہماری قدرت کا تو یہ عالم ہے کہ اگر ہم چاہیں تو جس قدر یہ پہلے تھا، اس میں کچھ اضافہ کر کے اسے اٹھائیں اور اس کی انگلیوں کے پورے برابر کر دیں۔ ابن قتیبہ اور زجاج رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کا یہی معنی ہے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ انسان یہ چاہتا ہے کہ قدم بقدم بڑھتا رہے۔ ایک دوسری روایت میں آپ سے یہ معنی منقول ہے کہ انسان امیدیں باندھتا چلا جاتا ہے، کہتا ہے کہ اب گناہ کر لیتا ہوں پھر قیامت سے پہلے پہلے توبہ کر لوں گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد قیامت سے پہلے حق کے ساتھ کفر کرنا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ انسان چاہتا ہے کہ اپنے سر پر سوار ہو کر آگے بڑھتا رہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم کا نفس اسے قدم بقدم اللہ تعالیٰ کی معصیت کی طرف بڑھاتا چلا جاتا ہے بجز اس کے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ فرما دے۔ حضرات عکرمہ، سعید بن جبیر، ضحاک، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر متعدد سلف کا کہنا ہے کہ یہاں وہ انسان مراد ہے جو عجلت میں گناہ کئے چلا جاتا ہے اور توبہ کو مؤخر کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ کافر ہے جو یوم حساب کی تکذیب کرتا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا بھی

1۔ زجاج: معانی القرآن، جلد 5 صفحہ 251

یہی قول ہے اور یہی زیادہ واضح مفہوم رکھتا ہے، اس لئے اس کے بعد فرمایا: يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ یعنی یہ وقوع قیامت کو محال سمجھتے ہوئے اور اس کے وجود کی تکذیب کرتے ہوئے پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا؟ اس کا یہ سوال بطور انکار کے ہے جیسا کہ فرمایا: وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّ لَا تَسْتَقْدِمُوْنَ (سبا: 30-29) ''اور وہ کہتے ہیں کہ کب پورا ہوگا یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ فرمائیے (اے منکرو!) تمہارے لئے وعدہ کا دن مقرر ہے نہ تم اس سے ایک لحہ پیچھے ہٹ سکو گے اور نہ (ایک لحہ) آگے بڑھ سکو گے'' اور یہاں فرمایا:

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ یعنی جب آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ ابوعمرو بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت میں ''بَرِقَ'' راء کے کسرہ کے ساتھ ہے(1)۔ اس کے مشابہ یہ فرمان بھی ہے: لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ (ابراہیم:43) ''ان کی پلکیں نہیں جھپکتی ہوں گی'' یعنی دہشت اور خوف کے مارے ان کی نگاہیں کسی چیز پر جمیں گی نہیں بلکہ کبھی وہ ادھر دیکھ رہے ہوں اور کبھی ادھر۔ باقی حضرات کی قراءت میں ''بَرَقَ'' راء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ معنی اس کا بھی تقریباً وہی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قیامت کے ہولناک مناظر کو دیکھ کر نگاہیں چکا چوند، حیرت زدہ اور جھکی ہوئی ہوں گی، فرمایا: وَخَسَفَ الْقَمَرُ یعنی چاند بے نور ہو جائے گا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ ان دونوں کو لپیٹ دیا جائے گا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر کے تحت یہ آیت ذکر کی: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (تکویر:2-1) ''(یاد کرو) جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔ اور جب ستارے بکھر جائیں گے''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ''وجُمِعَ بَيْنَ الشمسِ والقمرِ'' ہے(2)۔

فرمایا: يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ یعنی جب انسان قیامت کے ہولناک مناظر دیکھے گا تو فرار ہونے کا ارادہ کرے گا اور پوچھے گا کہ مفر کہاں ہے؟ یعنی کیا کوئی پناہ گاہ اور فرار کی جگہ ہے؟ جواب ملے گا: كَلَّا لَا وَزَرَ...... یعنی ہرگز نہیں، آج کوئی پناہ گاہ نہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّ مَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ (شوریٰ:47) ''نہ ہوگی تمہارے لئے کوئی پناہ گاہ اس روز اور نہ تمہاری طرف سے کوئی روک ٹوک کرنے والا ہوگا'' یعنی اس دن نہ تمہارے لئے کوئی پناہ گاہ ہوگی اور نہ تمہارے لئے ایسی جگہ ہوگی جہاں تم گمنام اور غیر معروف بن جاؤ۔ اس لئے فرمایا: اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ الْمُسْتَقَرُّ۔ پھر فرمایا: يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ...... یعنی اس دن انسان کو اس کے نئے پرانے، اگلے پچھلے اور چھوٹے بڑے تمام اعمال سے آگاہ کر دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (کہف:49) ''اور (اس دن) وہ پائیں گے جو عمل انہوں نے کیے تھے اپنے سامنے۔ اور آپ کا رب تو (اے حبیب!) کسی پر زیادتی نہیں کرتا''۔ اسی طرح یہاں فرمایا: بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ...... یعنی انسان اپنے نفس پر گواہ ہے اور وہ اپنے اعمال سے بخوبی واقف ہے اگرچہ وہ بہانے تراشتا رہے اور انکار کرتے رہے جیسا کہ فرمایا: اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (الاسراء:14) ''(اسے حکم ملے گا) پڑھو اپنا دفتر عمل تم خود ہی کافی ہو آج اپنی باز پرس کرنے کے لئے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ انسان کے کان، اس کی آنکھیں، اس کے ہاتھ، اس کے پاؤں بلکہ اس کے سبھی اعضاء اس پر گواہ ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صد حیف! انسان دوسرے لوگوں کے عیوب اور گناہوں سے تو خوب واقف ہے لیکن اپنے گناہوں سے غافل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ اے ابن آدم! اپنے بھائی کی آنکھ میں تو تمہیں ایک تنکا بھی نظر آجاتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر بھی تجھے دکھائی نہیں دیتا؟

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 178 2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 180

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس فرمان وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ کی وضاحت کرتے ہیں کہ اگرچہ انسان اپنے نفس کی طرف سے جھگڑتا رہے پھر بھی وہ اس کے حالات پر آگاہ ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ انسان اس دن ہزار عذر پیش کرتا رہے، قبول نہ کئے جائیں گے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگرچہ دلیلیں لاتا رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے معاذیر کا معنی بہتان منقول ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ وہ پردے ڈالتا رہے۔ اہل یمن پردہ کو ''عذار'' کہتے ہیں (1) لیکن صحیح قول مجاہد اور ان کے اصحاب کا ہے، جیسا کہ فرمایا: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (الانعام:23) ''پھر نہیں ہوگا کوئی عذر ان کا بجز اس کے کہ کہیں گے کہ اس اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے نہ تھے ہم شرک کرنے والے''، يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (المجادلہ:18) ''جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کسی مفید چیز پر تکیہ کئے ہیں۔ خبردار! یہی وہ جھوٹے لوگ ہیں''۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ ''معاذیر'' کا معنی عذر بہانے ہیں جیسا کہ فرمان ہے: لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ (غافر:52) ''نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی''۔ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ...... (النحل:87) ''وہ پیش کردیں بارگاہِ الٰہی میں اس دن اپنی عاجزی اور فراموش ہوجائیں گے انہیں وہ بہتان جو وہ باندھا کرتے تھے''۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝١٦ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝١٧ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝١٨ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝١٩ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝٢٠ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝٢١ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝٢٢ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝٢٣ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ۝٢٤ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝٢٥

''(اے حبیب!) آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ تاکہ آپ جلدی یاد کرلیں اس کو۔ ہمارے ذمہ ہے اس کو (سینہ مبارک میں) جمع کرنا اور اس کو پڑھانا۔ پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اتباع کریں اسی پڑھنے کا۔ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کو کھول کر بیان کردینا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم محبت کرتے ہو جلدی ملنے والی (نعمت) سے۔ اور چھوڑ رکھا ہے تم نے آخرت کو۔ کئی چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے۔ اور اپنے رب کے (انوارِ جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ اور کئی چہرے اس دن اداس ہوں گے۔ خیال کرتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک ہوگا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو فرشتے سے وحی اخذ کرنے کی کیفیت کی تعلیم ارشاد فرما رہا ہے۔ اس سے پہلے جب جبریل امینؑ وحی لے کر آتے تو حضور ﷺ اسے جلدی جلدی لینے کی کوشش کرتے اور جبریل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ ہی دہراتے جاتے مبادا کوئی لفظ رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خدشہ کو دور کرتے ہوئے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ جب فرشتہ آپ کے پاس وحی لے کر آئے تو آپ اسے غور سے سنا کریں۔ وحی کو آپ کے سینے میں محفوظ کردینا اور صحیح طریقے سے آپ کی زبانی اسے پڑھا دینا بھی ہماری ذمہ داری ہے، اس کے علاوہ اس کے معانی و مطالب کا سمجھانا اور اس کے اسرار و معارف پر آگاہی بخشنا بھی ہم نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ چنانچہ پہلی حالت ہے لوح قلب پر

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 186

وحی کو ثبت کرنا اور اسے یاد کروانا، دوسری حالت تلاوت کرانا اور تیسری حالت تفسیر معانی اور توضیح مطالب۔ ان تینوں کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لے لی، اس لئے فرمایا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (طٰہٰ:114) ''اور نہ عجلت کیجئے قرآن کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ پوری ہو جائے آپ کی طرف اس کی وحی۔ اور دعا مانگا کیجئے میرے رب! (اور) زیادہ کر میرے علم کو''۔

پھر فرمایا: اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ...... یعنی اس قرآن کو آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ کی زبانی اسے پڑھوانا ہمارے ذمہ کرم پر ہے پس جب فرشتہ ہماری طرف سے آپ پر وحی کی تلاوت کرے تو اسے غور سے سنیں پھر اسی طرح پڑھیں جس طرح فرشتے نے پڑھ کر آپ کو سنایا۔ پھر صرف یہی نہیں کہ اسے حفظ کرانے اور اس کی تلاوت کروانے کے بعد ہماری ذمہ داری ختم ہوگئی بلکہ اس کے بعد ہم اس کے معانی ومطالب کی وضاحت بھی کریں گے اور اس کے اسرار ورموز پر آپ کو آگاہی بھی بخشیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابتداء میں جب حضور ﷺ پر وحی اترتی، تو آپ بڑی مشقت محسوس فرماتے۔ آپ ﷺ اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں کوئی لفظ بھول نہ جائے، جلدی جلدی اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے اور دہراتے جاتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دے کر سمجھایا کہ حضور ﷺ اس طرح اپنے ہونٹوں کو حرکت دیا کرتے تھے۔ اسی طرح ان کے شاگرد حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہونٹوں کو ہلا کر بتایا جیسا کہ انہوں نے اپنے استاد کو ہونٹ ہلا کر سمجھاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس وقت یہ آیت اتری: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ...... ان آیات کے نزول کے بعد آپ ﷺ اس وقت وحی کے الفاظ دہراتے جب جبریل امین فارغ ہو کر چلے جاتے(1)۔ بخاری ومسلم میں بھی یہ روایت ہے۔ بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ جب جبریل علیہ السلام وحی لے کر آپ ﷺ کے پاس آتے تو آپ سر جھکا لیتے اور جب وہ چلے جاتے تو پھر آپ پڑھتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا(2)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابتداء میں نزول وحی کے وقت بڑی مشقت محسوس کرتے۔ جب وحی اترتی تو آپ ﷺ جلدی سے ہونٹوں کو حرکت دیتے مبادا کوئی لفظ بھول جائے۔ اس وقت یہ آیات اتریں۔

حضرات شعبی، حسن بصری، قتادہ، مجاہد، ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر مفسرین نے بھی ان آیات کا یہی شان نزول بتایا ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ وحی کو بھول جانے کے خوف سے ہر وقت اس کی تلاوت فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کر کے اس مشقت کو دور فرما دیا(3)۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عطیہ عوفی اس فرمان ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اس کے حلال وحرام کو کھول کر بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس کے بعد فرمایا: كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ...... یعنی روز قیامت کو جھٹلانے، رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے اور قرآن کریم کا انکار کرنے کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ تم دنیائے فانی کی لذات میں مگن ہو کر آخرت سے بالکل غافل اور لاپرواہ ہو چکے ہو۔ پھر فرمایا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ...... یعنی اس روز کئی چہرے تروتازہ، شگفتہ، پر رونق، ہشاش بشاش اور خوش وخرم ہوں گے اور اپنے رب کا واضح طور پر دیدار کر رہے ہوں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''عنقریب تم اپنے رب کو عیاں دیکھو گے''(4) دار آخرت میں اہل ایمان

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 343، دیکھئے تفسیر سورۃ طٰہٰ:114 2۔ ایضاً

3۔ طبری، جلد 29، صفحہ 188 4۔ دیکھئے تفسیر سورۃ طٰہٰ:130

اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گے، یہ بات متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے جو ائمہ حدیث کے نزدیک حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور ان کا انکار اور رد ممکن نہیں۔

حضرت ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگوں نے دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ فرمایا: ''جب سورج اور چاند بادلوں کی اوٹ میں نہ ہوں تو کیا تمہیں ان کے دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے؟'' عرض کی: نہیں۔ فرمایا: ''تم اسی طرح اپنے رب کو دیکھو گے'' (1)۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تمہارے بس میں ہو تو سورج طلوع ہونے سے پہلے کی نماز اور سورج غروب ہونے سے پہلے کی نماز میں کوتاہی نہ کرو'' (2)۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے برتن اور دیگر اشیاء بھی سونے کی ہیں اور دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کے برتن اور دیگر چیزیں بھی چاندی کی ہیں۔ جنتیوں اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں بجز اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی چادر کے۔ یہ جنت عدن کی بات ہے'' (3)۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ کیا تمہیں مزید کسی چیز کی خواہش ہے؟ وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! کیا تو نے ہمارے چہروں کو سفید نورانی نہیں بنا دیا؟ کیا تو نے ہمیں دوزخ سے بچا کر جنت میں نہیں داخل کر دیا؟ اسی وقت حجاب اٹھا دیا جائے گا تو اہل جنت کو دیدار الٰہی سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہ ہوگی اور یہی زیادہ ہے'' (4)۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِیَادَةٌ (یونس: 26) ''ان کے لئے جنہوں نے نیک عمل کئے نیک جزا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے''۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) ہنستے ہوئے اہل ایمان پر تجلی فرمائے گا'' (5)۔ یہ احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ اہل ایمان میدان قیامت اور جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل کریں گے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے ادنیٰ درجہ کا جنتی دو ہزار سال تک اپنی ملکیت کو دیکھتا بھالتا رہے گا، دور اور نزدیک کی چیزیں یکساں طور پر اس کی نگاہ میں ہوں گی۔ اسے اپنی بیویاں اور خادم ہر جگہ دکھائی دیں گے اور اعلیٰ درجہ کا جنتی ہر روز دو مرتبہ اپنے رب کے چہرہ کا دیدار کرے گا'' (6)۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم اور بھی متعدد احادیث ان کی اسناد سمیت ذکر کرتے لیکن یہ احادیث ہم نے اس تفسیر میں متفرق مقامات پر بیان کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صحابہ کرام، تابعین عظام، سلف صالحین اور آئمہ اسلام کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اپنا دیدار کرائے گا لیکن جو لوگ اس کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھنا ہے جیسا کہ مجاہد اس فرمان اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کا معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے ثواب کا انتظار کر رہے ہوں گے (7) اور اسی طرح ابو صالح کا بھی یہی موقف ہے، ان کا یہ قول بہت بعید اور باطل ہے۔ یہ حضرات اس آیت کا کیا جواب دیں گے جو کفار کے متعلق ہے: كَلَّاۤ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (المطففین: 15) ''یقیناً انہیں اپنے رب (کے دیدار) سے اس

1۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 23، صفحہ 420-419، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 171-163
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ: 130
3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ: 172
4۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 178-177
5۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 178-177
6۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ: 130
7۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 193-192

دن روک دیا جائے گا''۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فاجروں کو دیدار الٰہی سے محروم کئے جانے کا یہی مقصد ہے کہ نیک لوگ اس سے مشرف ہوں گے۔ متواتر احادیث سے بھی اس آیت اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کے مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ قیامت کے دن رؤیت باری حق ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دن بہت سے چہرے حسن و جمال والے ہوں گے اور اپنے خالق کا دیدار کر رہے ہوں گے۔ اپنے خالق کو دیکھتے ہوئے ان کا تر و تازہ اور شگفتہ ہونا لازمی امر ہے(1)۔ اس کے بعد کافروں اور فاجروں کے چہروں کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ...... یعنی فاجروں کے چہرے اس دن سیاہ، بگڑے ہوئے، بے رونق اور اداس ہوں گے اور انہیں یقین ہوگا کہ اب ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک کیا جائے گا، انہیں بہت بڑی آفت کا سامنا کرنا ہوگا اور ان کی ہلاکت یقینی ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ خیال کر رہے ہوں گے کہ عنقریب انہیں جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ ان دونوں گروہوں کی حالت اور مقامات پر بھی بیان کی گئی ہے: '' يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (آل عمران:106)'' اس دن (جبکہ) روشن ہوں گے کئی چہرے اور کالے ہوں گے کئی منہ''، وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۙ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۚ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۙ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ؕ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ (عبس:43-38)'' کتنے ہی چہرے اس دن (نور ایمان سے) چمک رہے ہوں گے۔ ہنستے ہوئے خوش وخرم۔ اور کئی منہ اس دن غبار آلود ہوں گے۔ ان پر کالک لگی ہوگی۔ یہی وہ کافر (و) فاجر لوگ ہوں گے''، وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۙ﴿۲﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ﴿۳﴾ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۙ﴿۴﴾ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ؕ﴿۵﴾ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۙ﴿۶﴾ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ؕ﴿۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ﴿۸﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ﴿۹﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (الغاشیہ:10-2)'' کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل وخوار ہوں گے۔ مشقت میں مبتلا، تھکے ماندے۔ داخل ہوں گے دہکتی ہوئی آگ میں۔ انہیں پلایا جائے گا کھولتے ہوئے چشمہ سے۔ انہیں کوئی کھانا نہ ملے گا بجز خار دار جھاڑ کے۔ جو نہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا۔ کتنے ہی چہرے اس دن بارونق ہوں گے۔ اپنی کاوشوں پر خوش ہوں گے۔ عالیشان جنت میں''۔ اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۙ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۙ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۙ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۙ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۣ الْمَسَاقُ ؕ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۙ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۙ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ؕ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۙ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ؕ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ؕ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۙ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۙ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ؕ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

''ہاں ہاں جب جان پہنچے گی ہنسلی تک۔ اور کہا جائے گا ہے کوئی، جھاڑ پھونک کرنے والا۔ اور (مرنے والا) سمجھ لیتا ہے کہ جدائی کی گھڑی آ پہنچی، اور لپٹ جاتی ہے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے۔ اس دن آپ کے رب کی طرف کوچ ہوتا ہے۔ (اتنی فہمائش کے باوجود) نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔ بلکہ اس نے (حق کو) جھٹلایا اور اس سے منہ پھیر لیا۔

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 192

پھر گیا گھر کی طرف نخرے کرتا ہوا۔ تیری خرابی آ گئی اب آ گئی۔ پھر تیری خرابی آ گئی اب آ گئی۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا وہ (ابتداء میں) منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے۔ پھر اس سے وہ لوتھڑا بنا۔ پھر اللہ نے اسے بنایا اور اعضاء درست کئے۔ پھر اس سے دو قسمیں بنائیں، مرد اور عورت۔ کیا وہ (اتنی قدرت والا) اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو پھر زندہ کر دے؟''

یہاں حالتِ نزع، سکراتِ موت اور اس وقت کے ہولناک منظر کا بیان ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس وقت ہمیں قول ثابت کے ساتھ ثابت قدمی عطا فرمائے!

فرمایا: كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ یہاں ''کلا'' اگر ردع کے لئے ہو تو معنی یہ ہوگا: اے ابن آدم! یہ جو تو ہماری خبروں کی تکذیب کر رہا ہے، درست نہیں۔ یہ سب کچھ تو تمہارے سامنے عیاں ہو چکا ہے اور اگر ''کلا'' کو ''حقًا'' کے معنی میں لیں تو معنی واضح ہے یعنی یقیناً جب روح ہنسلی تک پہنچ جائے گی۔ تراقی، ترقوۃ کی جمع ہے۔ یہ وہ ہڈیاں ہیں جو ہنسلی کے گڑھے اور کندھے کے درمیان ہوتی ہیں بہر صورت اس سے مراد ہنسلی کی ہڈی ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (واقعہ: 83-87) ''پس تم کیوں لوٹا نہیں دیتے جب روح حلق تک پہنچ جاتی ہے۔ اور تم اس وقت (پاس بیٹھے) دیکھ رہے ہوتے ہو۔ اور ہم (اس وقت بھی) تم سے زیادہ مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں البتہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ پس اگر تم کسی کے پابند حکم نہیں ہو تو پھر کیوں نہیں لوٹا دیتے (مرنے والے کی روح) اگر تم سچے ہو''۔ یہاں بشر بن حجاج والی اس حدیث کو بھی دیکھ لینا چاہئے جو سورۂ یٰسین کی تفسیر میں گزر چکی ہے(1)۔ ''تراقی''، ترقوۃ کی جمع ہے اور یہ ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو حلقوم کے قریب ہیں۔

اسی طرح یہاں فرمایا: كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ...... یعنی جب جان ہنسلی تک پہنچ جائے گی اور کہا جائے گا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا یعنی کوئی طبیب جو شفا کا سامان کر سکے۔ حضرات ابن عباس، قتادہ، ضحاک اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی معنی بیان کیا ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت (وقیل من راق) کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ کہا جائے گا: اس کی روح کو لے کر کون چڑھے گا؟ رحمت کے فرشتے یا عذاب کے فرشتے(2)۔ اس صورت میں یہ فرشتوں کا کلام ہوگا۔

فرمایا: وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ یعنی پنڈلی پنڈلی کے ساتھ لپٹ جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ دنیا اور آخرت اس پر جمع ہو جاتی ہے۔ وہ اس طرح کہ دنیا کا آخری دن ہوتا ہے اور آخرت کا پہلا دن جس کے باعث سختی سے سختی مل جاتی ہے بجز اس کے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ایک امر عظیم دوسرے امر عظیم سے جا لپٹتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بلا پر دوسری بلا آ ٹپکتی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مرنے والے کی پنڈلیاں ہیں۔ یہی پنڈلیاں جن کے سہارے یہ چلا کرتا تھا، موت کے وقت بے جان ہو جاتی ہیں اور ضعف اور نقاہت کے سبب ایک دوسرے کے اوپر لپٹ جاتی ہیں۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد ان کا کفن میں لپٹنا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اس پر دو امر جمع ہو جاتے ہیں۔ ایک طرف لوگ اس کی تجہیز و تکفین میں لگے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یٰسین: 77
2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 95

ہوتے ہیں اور دوسری طرف فرشتے اس کی روح کو لے جانے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا:

اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَىِٕذِ الْمَسَاقُ یعنی اس دن لوٹنے کی جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے۔ فرشتے روح کو لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا ہے کہ میرے بندے کو زمین کی طرف لے جاؤ۔ اسی سے میں نے سب کو پیدا کیا، اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور اسی سے انہیں دوبارہ زندہ کر کے نکالوں گا جیسا کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث میں آتا ہے(1)۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۖ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۞ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ (انعام: 62-61) ''اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک کہ جب آجائے تم میں سے کسی کی موت تو قبض کر لیتے ہیں اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اور وہ کوتاہی نہیں کرتے پھر لوٹائے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا حقیقی مالک ہے سنتے ہو اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے تیز حساب کرنے والا ہے''۔ اس کے بعد اس کافر کا حال بیان ہو رہا ہے جو اپنے دل سے حق کو جھٹلاتا رہا اور عمل سے روگردانی کرتا رہا۔ نہ اس کے ظاہر میں خیر نام کی کوئی چیز ہے اور نہ اس کے باطن میں، اس لئے فرمایا۔ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ...... یعنی نہ اس نے دعوت حق کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ اسے جھٹلایا اور روگردانی کی پھر اتراتا ہوا، اکڑتا ہوا اور اپنی بے ہمتی اور بدعملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اہل کے پاس گیا۔ جیسا کہ فرمایا: وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ (المطففین: 31) ''اور جب اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے واپس آتے''، اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۞ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۞ بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا (انشقاق: 15-13) ''بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل وعیال میں خوش وخرم رہا کرتا تھا۔ وہ خیال کرتا تھا کہ وہ (اللہ کے حضور) لوٹ کر نہیں جائے گا۔ کیوں نہیں۔ اس کا رب اسے خوب دیکھ رہا تھا''۔ پھر اس متکبرانہ چال چلنے والے کافر کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا۔ اَوْلٰى لَكَ ..... یعنی تو نے اپنے خالق اور مالک کے ساتھ کفر کیا ہے اس لئے یہی چال تمہارے لئے مناسب ہے اور تو اسی کا ہی سزاوار ہے۔ دھمکی اور استہزاء کے طور پر ایسی مثال لائی جاتی ہے۔ اسی طرح دھمکی اور استہزاء کے طور پر فرمایا: ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (دخان: 49) ''لو چکھو۔ تم بڑے معزز و مکرم ہو''، كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ (مرسلات: 46) ''اب کھالو اور عیش کر لو تھوڑا سا وقت، بے شک تم مجرم ہو''، فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ (زمر: 15) ''پس تم عبادت کرو جس کی چاہو اس کے سوا''، اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (فصلت: 40) ''تم وہ کرو جو تمہاری مرضی''۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ابوجہل کو یہ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۞ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى فرمایا تھا پھر قرآن کریم میں بھی یہی الفاظ نازل ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے(2)۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اس خبیث کے لئے وعید پر وعید ہے۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ابوجہل کو اس کے کپڑوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا پھر فرمایا: اَوْلٰى لَكَ...... یہ سن کر ابوجہل آپ سے کہنے لگا کہ کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو؟ بخدا نہ تم مجھے کوئی گزند پہنچا سکتے ہو اور نہ تمہارا رب۔ ان دو پہاڑوں کے درمیان بسنے والی مخلوق میں، میں سب سے زیادہ طاقتور اور معزز ہوں۔ اس کے بعد فرمایا:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اسے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا نہیں جائے گا۔ حضرات مجاہد، شافعی اور عبدالرحمن بن زید رحمہم اللہ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف: 40

2۔ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 453

تعالیٰ کے بقول اس کا معنی ہے: کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اسے کسی کام کے کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا اور نہ اسے کسی چیز سے منع کیا جائے گا۔ ظاہر بات یہی ہے کہ یہ آیت دونوں حالتوں کو شامل ہے یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ اسے دنیا میں مہمل اور فضول چھوڑ دیا جائے، نہ اسے کسی کام کا حکم دیا جائے اور نہ کسی چیز سے روکا جائے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ اسے قبر میں یونہی مہمل اور بے کار چھوڑ دیا جائے اور اسے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا ہی نہ جائے بلکہ دنیا میں اسے حکم بھی دیا جاتا ہے اور روکا بھی جاتا ہے اور دار آخرت میں اسے قبر سے اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے حضور بھی ضرور پیش کیا جائے گا۔ یہاں مقصود قیامت کا اثبات اور جاہل گمراہ منکرین قیامت کا رد ہے، اس لئے آغاز آفرینش سے اعادۂ آفرینش پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا:

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً...... یعنی انسان کی تخلیق کا آغاز ایک حقیر قطرۂ آب سے ہوا جو صلب پدر سے رحم مادر میں ٹپکایا گیا پھر اس نے جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کر لی پھر گوشت کا لوتھڑا بن گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے شکل وصورت سے نواز کر اس میں روح پھونک دی۔ اس کے بعد اس کے اعضاء درست کر دیئے گئے اور قدرت الٰہی سے اس نے صحیح سالم اعضاء والے مرد یا عورت کا روپ دھار لیا۔

اس لئے فرمایا: فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى اس کے بعد آخری آیت میں فرمایا: اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ...... یعنی وہ ذات جس نے ایک کمزور اور حقیر سے نطفہ سے ایسا متناسب جسم والا قوی انسان تخلیق کیا، کیا وہ پہلے کی طرح دوبارہ ایسا کرنے پر قادر نہیں؟ یقیناً وہ پہلی مرتبہ پیدا کرنے کی نسبت دوبارہ پیدا کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے یا کم از کم وہ پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ پیدا کرنے میں یکساں قدرت رکھتا ہے۔ اس بارے میں یہ دو قول ہیں۔ اسی طرح فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم:27) ''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے۔ پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے''۔ اس آیت کے متعلق بھی یہی دو قول ہیں لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے یعنی وہ اعادہ پر بطریق اولیٰ قادر ہے جیسا کہ سورۂ روم کی تفسیر میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک صحابی اپنی چھت پر بلند آواز سے قرآن کریم پڑھ رہے تھے۔ جب انہوں نے اس سورت کی آخری آیت تلاوت کی تو کہا: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ فَبَلٰى یعنی اے اللہ! تو پاک ہے اور یقیناً قادر ہے۔ ان سے یہ کہنے کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کہتے ہوئے سنا ہے(1)۔ یہ روایت ابوداؤد میں بھی ہے لیکن صحابی کا نام کسی میں بھی مذکور نہیں اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جو سورۂ والتین کی تلاوت کرتے ہوئے اس کی آخری آیت اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ کہے: بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ اور جو شخص سورۂ قیامت پڑھتے ہوئے اس کی آخری آیت اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى تک پہنچے تو وہ ''بلی'' کہے اور جو شخص سورۂ والمرسلات کی آخری آیت فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ تک پہنچے، اسے چاہئے کہ کہے: ''آمَنَّا بِاللّٰهِ''(2)۔ ابن جریر میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب اس آیت کی تلاوت فرماتے تو کہتے: ''سُبْحَانَكَ وَبَلٰى''(3)۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے جواب میں ''سُبْحَانَكَ فَبَلٰى'' کہا کرتے تھے۔

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 234-233

2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 234، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 249، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ التین، جلد 12، صفحہ 250-249

3۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 201

سورۂ دہر (مکیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح مسلم کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں سورۂ الٓمٓ تَنْزِیْلُ (سورۂ سجدہ) اور سورہ هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ (سورۂ دہر) پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلاوت کی تو اس وقت آپ کے پاس ایک سانولے رنگ کے صحابی بیٹھے ہوئے تھے۔ جب جنت کے اوصاف کا تذکرہ چلا تو انہوں نے بے ساختہ ایسی لمبی آہ بھری کہ ساتھ ہی روح پرواز کر گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت کے شوق میں تمہارے بھائی کی جان نکل گئی''۔ یہ حدیث مرسل غریب ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۞ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ۞ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۞

''بے شک گزرا ہے انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ بلاشبہ ہم ہی نے انسان کو پیدا فرمایا ایک مخلوط نطفہ سے۔ تاکہ ہم اس کو آزمائیں۔ پس (اس غرض سے) ہم نے بنا دیا ہے اس کو سننے والا، دیکھنے والا۔ ہم نے اسے دکھایا ہے (اپنا) راستہ۔ اب چاہے شکر گزار بنے چاہے احسان فراموش''۔

اللہ تعالیٰ انسان کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ اس نے اسے وجود بخشا حالانکہ اس سے پہلے وہ اپنی حقارت اور ضعف کے باعث کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا، پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ...... یعنی ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ سے مراد مرد اور عورت کا مخلوط پانی ہے جو مختلف اطوار، حالات اور ہیئات سے گزرتے ہوئے مکمل انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح عکرمہ، مجاہد، حسن اور ربیع بن انس رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے کہ امشاج سے مراد مرد کے پانی کا عورت کے پانی سے اختلاط ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان نَّبْتَلِیْهِ آزمائش کرنے کے معنی میں ہے جیسا کہ اور ایک جگہ فرمایا: لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک:2) ''تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے''۔ آیت کے آخر میں فرمایا: فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا یعنی ہم نے اسے سماعت اور بصارت سے نوازا تاکہ یہ ان کے ذریعے اطاعت یا معصیت پر متمکن ہو سکے۔

اگلی آیت میں فرمایا: اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ یعنی ہم نے اسے اپنی راہ دکھا دی اور سیدھا راستہ اس پر واضح کر دیا، اسی طرح دیگر مقامات پر فرمایا: وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی (فصلت:17) ''باقی رہے ثمود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر''، وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ (البلد:10) ''اور ہم نے دکھا دیں اسے دو نمایاں راہیں''۔ یعنی ہم نے خیر اور شر کی راہیں اس

پر واضح کر دیں۔ اس آیت کی تفسیر میں جمہور کا یہی قول ہے۔ حضرات مجاہد، ابو صالح، ضحاک اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس آیت اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ سے مراد ہے: بچے کا ماں کے پیٹ سے باہر آنا یعنی ہم نے اسے رحم مادر سے باہر آنے کی راہ سجھائی۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔ صحیح اور مشہور قول پہلا ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا، هدیناہ کی ضمیر مفعول سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ یعنی ہم نے اسے سیدھی راہ دکھائی، اس حال میں کہ یا تو وہ شقی ہے یا سعید (1) جیسا کہ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ''ہر شخص صبح کے وقت اپنے نفس کا سودا کرتا ہے، یا تو اسے ہلاک کر لیتا ہے یا آزاد کرا لیتا ہے'' (2)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہیں بے وقوفوں کی حکمرانی سے محفوظ رکھے!'' انہوں نے عرض کی کہ بے وقوفوں کی حکمرانی کیا ہے؟ فرمایا: میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے جو نہ میری ہدایت کو اپنائیں گے اور نہ میرے طریقہ کی اقتدا کریں گے۔ جن لوگوں نے ان کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم کی اعانت کی، وہ نہ میرے ہیں اور نہ میں ان کا ہوں اور وہ میرے حوض پر نہیں آسکیں گے اور جن لوگوں نے ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کی اور نہ ظلم میں ان کی امداد کی، وہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں اور وہ میرے حوض پر آئیں گے۔ اے کعب بن عجرہ! روزہ ڈھال ہے۔ صدقہ گناہوں کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ نماز قرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔ یا فرمایا: نماز برہان ہے۔ اے کعب بن عجرہ! وہ گوشت جنت میں نہ جائے گا جس کی پرورش حرام سے ہوئی۔ آگ اس کی زیادہ مستحق ہے۔ اے کعب! لوگ ہر صبح اپنے نفس کا سودا کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ اسے آزاد کروا لیتے ہیں اور کچھ اسے ہلاکت میں ڈال لیتے ہیں'' (3)۔

سورۂ روم میں اس آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا کی تفسیر کے تحت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث گزر چکی ہے: ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی زبان اس کے خیالات کی ترجمانی کرنے لگتی ہے، پھر یا تو وہ شکر گزار بن جاتا ہے یا پھر احسان فراموش (4)''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو نکلنے والا نکلتا ہے، اس کے دروازہ پر دو جھنڈے ہوتے ہیں، ایک جھنڈا فرشتے کے ہاتھ میں اور دوسرا جھنڈا شیطان کے ہاتھ میں۔ اگر وہ کسی ایسے کام کی غرض سے نکلے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو تو فرشتہ اپنا جھنڈا اٹھائے اس کے پیچھے پیچھے چل دیتا ہے اور اپنے گھر واپسی تک وہ فرشتہ کے جھنڈے تلے رہتا ہے۔ اگر وہ ایسے کام کی خاطر نکلے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو تو شیطان اپنا جھنڈا لئے اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور جب تک وہ اپنے گھر واپس نہیں آجاتا، اس وقت تک وہ شیطان کے جھنڈے تلے رہتا ہے'' (5)۔

اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِيْرًا ۟ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۟ۚ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۟ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ يَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۟ وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۟ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۟ اِنَّا نَخَافُ مِنْ

1۔ طبری، جلد 20، صفحہ 206 — 2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ الاعراف: 30 — 3۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 321
4۔ دیکھئے تفسیر سورۃ الروم: 30 — 5۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 323

رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝ وَ جَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝

''بے شک ہم نے بالکل تیار کر رکھی ہیں کفار کے لئے زنجیریں، طوق اور بھڑکتی آگ۔ بے شک نیک لوگ پئیں گے (شراب کے) ایسے جام جن میں آب کافور کی آمیزش ہوگی۔ (کافور) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے (وہ) خاص بندے پئیں گے اور جہاں چاہیں گے اسے بہا کر لے جائیں گے۔ جو پوری کرتے ہیں اپنی منتیں۔ اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر ہر سو پھیلا ہوگا۔ اور جو کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو (اور کہتے ہیں) ہم تمہیں کھلاتے ہیں اللہ کی رضا کے لئے نہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں اور نہ شکریہ کے۔ ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے اس دن کے لئے جو بڑا ترش (اور) سخت ہے۔ پس بچالے گا انہیں اللہ تعالیٰ اس دن کے شر سے۔ اور بخش دے گا انہیں چہروں کی تازگی اور دلوں کا سرور۔ اور مرحمت فرمائے گا انہیں صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس''۔

یہاں خبر دی جارہی ہے کہ مخلوق میں سے کفر کی روش اختیار کرنے والوں کے لئے جہنم میں زنجیریں، طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ بالکل تیار ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ۝ فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ (غافر:72-71) ''جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں۔ انہیں گھسیٹ کر لے جایا جائے گا۔ کھولتے ہوئے پانی میں۔ پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے''۔ ان بدبختوں کی سزا کو ذکر کرنے کے بعد اب نیکوکاروں کے ساتھ جو ذرہ نوازی کا برتاؤ ہوگا، اس کا بیان ہو رہا ہے۔

فرمایا: اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ...... یعنی نیکوکار ایسے جام نوش کریں گے جن میں آب کافور کی آمیزش ہوگی۔ وہ اس شراب طہور کے جام پئیں گے تو انہیں کافور کی سی خنکی اور عمدہ خوشبو محسوس ہوگی اور لذت اس پر مستزاد۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں کافور کی ٹھنڈک اور سونٹھ کی مہک ہوگی۔ اس لئے فرمایا: عَيْنًا يَّشْرَبُ...... یعنی ان نیکوکاروں کے لئے جس کافور کی آمیزش ہوگی، وہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے مقرب بندے بغیر کسی آمیزش کے خوب سیر ہو کر پئیں گے۔ فعل ''یشرب'' اپنے ضمن میں ''یروی'' (خوب سیراب ہونا) کا معنی لئے ہوئے ہے اس لئے اسے باء کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے۔ اور ''عیناً'' تمیز ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مشروب اپنی خوشبو میں کافور کی طرح ہے۔ بعض کا قول ہے کہ یہ کافور کے چشمہ ہی کا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ''عیناً''، ''یشرب'' کی وجہ سے منصوب ہو۔ یہ تینوں اقوال ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کئے ہیں(1)۔ پھر اس چشمہ کی بابت فرمایا: يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا یعنی جب انہیں پانی کی ضرورت ہوگی تو انہیں اس چشمہ تک چل کر جانا نہیں پڑے گا بلکہ انہیں اپنے محلات، مکانات، مجلسوں اور بیٹھکوں میں جہاں ضرورت پڑے گی، وہ اشارہ کریں گے اور اس چشمہ کا پانی اس طرف بہتا چلا جائے گا۔ تفجیر کا معنی ہے جاری کرنا اور بہانا جیسا کہ فرمایا: وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا (اسراء:90) ''اور کفار نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کردیں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ''۔ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا (الکہف:33) ''اور ہم نے جاری کر دیں ان کے درمیان نہریں''۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ جہاں چاہیں گے اسے بہاتے لے جائیں گے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 207

اب ان نیکوکاروں کے اعمال حسنہ کے ذکر کا آغاز ہو رہا ہے۔

فرمایا: یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ...... یعنی جو عبادتیں اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کی ہیں، انہیں بھی وہ پابندی سے بجا لاتے ہیں اور جن نیکیوں اور طاعتوں کو یہ خود اپنے اوپر بطور منت لازم کر لیتے ہیں، ان کی ادائیگی میں بھی سستی نہیں کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے، اسے چاہئے کہ اسے پورا کرے اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے، اسے چاہئے کہ وہ ایسا نہ کرے''(1)۔ اور یہ ایسے سعادت مند ہیں کہ قیامت کے دن ہونے والے حساب سے ڈرتے ہوئے ان محرمات کو ترک کر دیتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کر رکھا ہے اور قیامت کا دن ایسا دن ہوگا جس کا شر ہر سو تمام لوگوں پر پھیلا ہوا ہوگا بجز ان کے جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مستطیر کا معنی ہے پھیلا ہوا۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دن کی تکلیفیں اور ہولناکیاں زمین و آسمان میں چار سو پھیلی ہوں گی۔ ''استطار'' میں پھیلنے اور طوالت اختیار کرنے کا معنی پایا جاتا ہے۔ شیشے میں سوراخ پھیل کر بڑھ جائے تو کہا جاتا ہے: ''اِسْتَطَارَ الصدعُ فِی الزّجاجة واستطال''۔ اس کے بعد ان ابرار کا ایک اور وصف جمیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ...... اگر ''حبّه'' کی ضمیر کا مرجع سیاق کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کو بنایا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ وہ اللہ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں لیکن زیادہ ظاہر یہی ہے کہ ضمیر ''الطعام'' کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی وہ کھانے کی محبت، خواہش اور ضرورت کے باوجود مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلا کر ان کی بھوک کا ازالہ کرتے ہیں۔ یہ مجاہد اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا مختار قول بھی یہی ہے۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ (بقرہ:177) ''اور دے اپنا مال اللہ کی محبت سے''، لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران:92) ''ہرگز نہ پاسکو گے تم کامل نیکی (کا رتبہ) جب تک نہ خرچ کرو (راہ خدا میں) ان چیزوں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو''۔

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے۔ اس دوران انگوروں کا موسم آ گیا۔ آپ نے انگور کی خواہش ظاہر کی تو آپ کی بیوی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک درہم کے انگور منگوا لئے۔ جو آدمی انگور لے کر آیا اس کے ساتھ ہی ایک سائل بھی آ گیا اور اس نے آواز دی کہ میں سائل ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ سب انگور اسے دے دو۔ چنانچہ گھر والوں نے اسے دے دیئے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک اور درہم دے کر انگور منگوا لئے۔ اب پھر سائل آ گیا اور آواز لگائی میں سائل ہوں۔ اس کے سوال پر سب انگور اسے دے دیئے (2)۔ اس دفعہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے سائل کو پیغام بھیجا کہ اگر تم پھر آئے تو تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ چنانچہ تیسری بار پھر ایک درہم بھیج کر انگور منگوائے۔ حدیث صحیح میں ہے: ''افضل صدقہ وہ ہے جو تو اس حال میں کرے کہ تو صحت مند ہو، مال کے ساتھ محبت رکھتا ہو، خوشحالی کی امید اور فقر کا اندیشہ رکھتا ہو(3)۔'' یعنی مال کی محبت، حرص اور ضرورت کے باوجود صدقہ کرے۔

اس لئے فرمایا: وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ...... مسکین اور یتیم کا مکمل بیان گزر چکا ہے(4)۔ اسیر کے متعلق حضرات سعید بن جبیر، حسن اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے اہل قبلہ مسلمان قیدی مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس وقت ان

1۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 11 صفحہ 581
2۔ سنن کبریٰ، کتاب الزکوۃ، جلد 4 صفحہ 185
3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 177
4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 83، سورۂ نساء: 36

کے قیدی مشرکین ہی تھے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدری قیدیوں کی تکریم کا اپنے صحابہ کو حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خورد و نوش کے معاملہ میں انہیں خود پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد غلام ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو پسند کیا ہے کیونکہ آیت عام ہے اور مسلمان مشرک سب کو شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے متعدد ارشادات میں غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے یہاں تک کہ اپنی آخری وصیت میں آپ بار بار فرماتے: ''اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ'' یعنی نماز کی پابندی کرنا اور اپنے زیر دستوں کا خیال رکھنا(1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسیر سے مراد محبوس ہے یعنی یہ نیکوکار کھانے کی اشتہاء اور محبت کے باوجود ان حاجت مندوں کو کھلاتے ہیں اور زبان حال سے یہ کہہ رہے ہوتے ہیں: اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ...... یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کے حصول کی خاطر تمہیں کھلاتے ہیں۔ نہ ہم اس خدمت کا تم سے معاوضہ لینے کے خواہاں ہیں اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ تم اظہار تشکر کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے اس سخاوت کا تذکرہ کرو۔ مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بخدا! یہ بات ان کی زبان پر نہیں آتی بلکہ یہ ان کی دلی کیفیت ہے جسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس نیک جذبہ کی تعریف کی تاکہ دوسرے لوگ بھی اس طرف راغب ہوں۔ وہ مزید کہتے ہیں: اِنَّا نَخَافُ...... یعنی ہم ایسا اس لئے کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم اور لطف و کرم فرماتے ہوئے اس دن سے بچالے جو نہایت ترش اور سخت ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عبوس کا معنی ہے تنگ اور قمطریر کا معنی ہے طویل۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس دن کافر منہ بسورے ہوئے اور پیشانی پر بل ڈالے ہوئے ہوگا اور اس کی پیشانی سے تارکول جیسا پسینہ بہہ رہا ہوگا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبوس اسے کہتے ہیں جو اپنے ہونٹوں کو سکیڑے ہوئے ہو اور قمطریر منہ بسورنے والے اور تیوری چڑھانے والے کو کہتے ہیں۔ قتادہ اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے ہولناک منظر کے خوف سے چہرے ترش ہوں گے اور پیشانیوں پر بل پڑے ہوں گے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عبوس سے مراد شر اور سختی والا اور قمطریر سے مراد شدت والا ہے۔ ان سب اقوال میں سب سے زیادہ واضح، مناسب اور اعلیٰ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قمطریر کا معنی شدید ہے(2)۔ ان کی نیکیوں کے صلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ...... یعنی جس چیز سے یہ ڈرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اس سے نجات عطا فرمائے گا اور انہیں چہروں کی شگفتگی اور دلوں کا سرور مرحمت فرمائے گا۔ یہاں عبارت میں بہت بلیغ تجانس ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ۙ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ (عبس: 39-38) '' کتنے ہی چہرے اس دن (نور ایمان سے) چمک رہے ہوں گے۔ ہنستے ہوئے خوش و خرم''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دل مسرور ہوتا ہے تو چہرہ روشن اور شگفتہ ہو جاتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ چمکنے لگتا، یوں محسوس ہوتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے(3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس خوش خوش تشریف لائے، چہرہ مبارک منور تھا اور چہرے کے خطوط چمک رہے تھے(4)۔ پھر فرمایا: وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا...... یعنی اللہ تعالیٰ انہیں ان کے صبر کے سبب جنت میں پر آسائش منزل، پرسکون زندگی اور خوبصورت لباس عطا فرمائے گا۔ ابن عساکر میں ہے کہ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ سورت پڑھی

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ الحاقہ: 34 2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 211 3۔ دیکھئے تفسیر سورۃ براءۃ: 118

4۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6، صفحہ 565، مسلم، کتاب الرضاع، جلد 2، صفحہ 1082-1081

گئی۔ جب قاری اس آیت پر پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ترک شہوات پر ڈٹے رہنے کے سبب اس انعام سے نوازے گا، پھر انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

كَمْ قَتيلٍ بِشَهوةٍ وأسيرٍ أُفٍّ مِنْ مُشتهي خلاف الجميل

شهواتُ الانسان تُورثه الذل وَتُلقيه فِي البلاءِ الطويل

یعنی کتنے ہی لوگ ہیں جنہیں خواہشات نفس نے اپنا اسیر بنا کر ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیا، بھلائیوں کے خلاف برائیوں کی چاہت رکھنے والے پر صد حیف! انسان کی شہوات اسے ذلیل ورسوا کر دیتی ہیں اور اسے طویل مصیبت میں گرفتار کر دیتی ہیں۔

مُّتَّكِـِٔيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَاۡ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾ وَ اِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّ حُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾

"وہاں پلنگوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ نہ نظر آئے گی انہیں وہاں سورج کی تپش اور نہ ٹھرن۔ اور قریب ہوں گے ان سے اس کے درختوں کے سائے اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے۔ اور گردش میں ہوں گے ان کے سامنے چاندی کے ظروف اور شیشہ کے چمکدار گلاس (اور) شیشے بھی وہ جو چاندی کے قسم کے ہوں گے ساقیوں نے انہیں پورے اندازہ سے بھرا ہوگا۔ اور انہیں پلائے جائیں گے وہاں (ایسی شراب کے) جام جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی۔ (یہ زنجبیل) جنت میں ایک چشمہ ہے جس کو سلسبیل کہا جاتا ہے۔ اور چکر لگاتے رہیں گے ان کی خدمت میں ایسے بچے جو ایک ہی حالت میں رہیں گے۔ جب تو انہیں دیکھے تو یوں سمجھے گویا یہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں۔ اور جدھر بھی تم وہاں دیکھو گے تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں اور وسیع مملکت نظر آئے گی۔ ان کے اوپر لباس ہوگا باریک سبز ریشم کا (بنا ہوا) اور اطلس کا۔ اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور پلائیگا انہیں ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ شراب۔ (انہیں کہا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے اور (مبارک ہو) تمہاری کوششیں مقبول ہوئیں"۔

اہل جنت کو جن ابدی نعمتوں اور الطاف وعنایات سے سرفراز فرمایا جائے گا، ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: مُّتَّكِـِٔيْنَ فِيْهَا...... اس کی تشریح سورۂ کہف کی تفسیر میں گزر چکی ہے(1) اور وہاں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ کیا "اتّکاء" کا معنی پہلو کے بل لیٹنا ہے یا کہنیوں کے بل دراز ہونا ہے یا چارزانو بیٹھنا ہے یا خوب جم کر بیٹھنا ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ "ارائك" سے مراد آراستہ ومزین پلنگ ہیں۔ اس

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ کہف: 31

کے بعد مزید انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا یعنی نہ انہیں وہاں سورج کی تیز حرارت اور شدید تپش کا سامنا کرنا پڑے گا اور نہ ہی انہیں سخت سردی اور یخ بستہ ہوائیں تکلیف پہنچائیں گی بلکہ ہمہ وقت ایک جیسا خوشگوار اور معتدل موسم برقرار رہے گا۔ جہاں بہار ہی بہار ہوگی اور وہاں کے درختوں کی شاخیں جھوم جھوم کر بہشتیوں کو سایہ فراہم کر رہی ہوں گی اور جنتی میووں کے گچھے ان پر جھکے ہوئے معلق ہوں گے اور جب بھی انہیں پھلوں کی خواہش ہوگی تو وہ ان کی خواہش کو بھانپتے ہوئے اور اس کا احترام کرتے ہوئے فوراً جھک جائیں گے اور جنتی حسب طلب ان میں سے لے لیں گے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میووں کے خوشے اس قدر مطیع ہوں گے کہ اگر جنتی انہیں کھڑے کھڑے توڑنا چاہیں گے تو وہ بھی ان کے ساتھ اتنی مقدار میں ہی بلند ہو جائیں گے، اگر وہ بیٹھے ہوئے ہوں گے تو ان پر جھک جائیں گے اور اگر لیٹے لیٹے خواہش کریں گے تو بھی اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً ان کے قریب ہو جائیں گے اور یہی معنی ہے تذلیل کا۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھلوں کے خوشے نہ تو اہل جنت کی پہنچ سے دور ہوں گے اور نہ ان کے اور ان کے درمیان کانٹے حائل ہوں گے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت کی زمین چاندی کی ہے، اس کی مٹی مشک کی، اس کے درختوں کے تنے سونے اور چاندی کے، اس کی ڈالیاں موتی، زبرجد اور یاقوت کی اور ان کے درمیان پتے اور پھل ہیں۔ پھل ایسے کہ کسی حالت میں بھی انہیں حاصل کرنے کے لئے کوئی دقت اور زحمت گوارہ نہیں کرنا پڑتی، جنتی اگر چاہیں تو کھڑے کھڑے توڑ لیں، اگر بیٹھے ہوئے ہوں تو بھی ان کا حصول مشکل نہیں اور اگر لیٹے ہوئے ہوں تو پھر بھی انہیں بآسانی تناول کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِآنِيَةٍ...... ''یعنی سلیقہ شعار اور ادب شناس خادم چاندی کے ظروف اور بلوریں جام لئے ان پر چکر لگا رہے ہوں گے۔ آیت کریمہ میں پہلا'' قواریر ''فعل ناقص (کان) کی خبر ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور دوسرا'' قواریر '' بدل یا تمیز ہونے کے باعث منصوب ہے۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن بصری رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ جام چاندی کی طرح سفید اور شیشے کی طرح چمکدار ہوں گے اور قواریر ہوتے ہی شیشے کے ہیں۔ دراصل یہ جام چاندی کے ڈھلے ہوئے ہوں گے اور اس قدر شفاف اور چمکدار ہوں گے کہ ان کے اندر موجود مشروب باہر سے صاف دکھائی دے رہا ہوگا۔ اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنت میں جو بھی چیز ہے، ہر ایک کے ساتھ مشابہت رکھنے والی چیز دنیا میں پائی جاتی ہے، بجز چاندی کے بلوریں جاموں کے کہ دنیا میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ اس کے بعد فرمایا: قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا یعنی ساقیوں نے ان جاموں کو جنتیوں کی ضرورت اور خواہش کے مطابق بھرا ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ ان کی خواہش کا احترام رکھے بغیر ضرورت سے کم یا زیادہ شراب ڈالیں بلکہ پوری پوری مقدار ڈالی جائے گی جس سے ان کی کفایت اور تسلی ہو جائے۔ یہ بہت بڑا اشرف اور اعزاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا کی ایک تفسیر یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ جام خادموں کی ہتھیلیوں کے مطابق ہوں گے۔ جس قدر ہتھیلی، اسی قدر جام۔ اس طرح ان کی ہتھیلیوں پر خوب بھلے لگ رہے ہوں گے۔ یہ قول پہلے قول کے منافی نہیں کیونکہ یہ جام ہر لحاظ سے نپے تلے ہوں گے جس میں بناوٹ کی مقدار کا بھی خیال رکھا گیا ہوگا اور پینے والوں کی سیرابی کا بھی۔ اس کے بعد فرمایا: وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا...... یعنی ان نیکوکاروں کو ان جاموں میں ایسی پاکیزہ، خوش ذائقہ اور فرحت بخش شراب پلائی جائے گی جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی آمیزش ہوگی۔ کبھی انہیں کافور کی آمیزش والی ٹھنڈی اور خنک شراب پلائی جائے گی اور کبھی زنجبیل ملی ہوئی گرم مزاج شراب تاکہ اعتدال برقرار رہے۔ یہ ان نیکوکاروں کا معاملہ ہے کہ انہیں پلائی جانے والی شراب میں کبھی کافور کی آمیزش ہوگی اور کبھی زنجبیل کی لیکن مقربین کو پلائی جانے والی ہر ایک شراب خالص ہوگی اور اس میں کسی چیز کی ملاوٹ نہ ہو

گی۔ جس طرح کافور کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے، اسی طرح یہاں زنجبیل کے متعلق فرمایا: عَیۡنًا فِیۡهَا تُسَمّٰی سَلۡسَبِیۡلًا یعنی زنجبیل جنت میں ایک چشمہ ہے جسے ''سلسبیل'' کہا جاتا ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی روانی میں سلاست اور بہاؤ میں تیزی کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ چونکہ اس کا پانی مسلسل تیزی سے رواں دواں ہے اس لئے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ تسمیہ میں ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس کا پانی آسانی اور سہولت کے ساتھ حلق سے نیچے اتر جاتا ہے اس لئے اسے سلسبیل کہتے ہیں(1)۔ امام موصوف فرماتے ہیں کہ یہ لفظ جامع ہے اور مذکورہ بالا تمام معانی پر محیط ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَیَطُوۡفُ عَلَیۡهِمۡ وِلۡدَانٌ..... یعنی اہل جنت کی خدمت پر جنتی نوخیز، کم عمر اور خوبصورت لڑکے مامور ہوں گے۔ ان کی شکل وصورت اور رنگ وروپ میں کبھی تغیر نہ ہوگا۔ ہمیشہ یکساں حالت پر رہیں گے۔ نہ عمر بڑھے گی اور نہ صورت بگڑے گی۔ یہ ہے وضاحت ''مخلدون'' کی بعض حضرات نے اس لفظ کی وضاحت میں کہا ہے کہ ان کے کانوں میں بالیاں ہوں گی۔ انہوں نے یہ تفسیر اس بناء پر کی ہے کہ چھوٹے بچے ہی اس لائق ہوتے ہیں کہ انہیں اس طرح آراستہ کیا جائے نہ کہ بڑے۔ ان جنتی لڑکوں کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِذَا رَاَیۡتَهُمۡ حَسِبۡتَهُمۡ..... یعنی جب یہ نوخیز اور حسین وجمیل لڑکے، خوبصورت لباس میں ملبوس اور زیورات سے آراستہ وپیراستہ ہوکر اپنے آقاؤں کی خدمت کے لئے کامل مستعدی کے ساتھ ادھر ادھر منتشر ہوں گے تو یوں محسوس ہوگا گویا وہ بکھرے ہوئے تابندہ اور رنگ رنگیلے موتی ہیں۔ آیت کریمہ میں تشبیہ کے ذریعے جس طرح خوبصورتی کے ساتھ منظر کشی کی گئی ہے، اس سے بہتر منظر کشی اور اس سے عمدہ تشبیہ لانا ممکن ہی نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر جنتی کی خدمت کے لئے ایک ہزار خادم ہمہ وقت دوڑ دھوپ کررہے ہوں گے اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان (واذا رأیت .....) میں خطاب حضور ﷺ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ اے میرے پیارے رسول! اگر آپ جنت میں دیکھیں تو وہاں آپ کو ہر طرف طرح طرح کی نعمتیں، راحت بخش چیزیں اور اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان سلطنت ہی نظر آئے گی۔ حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا جو سب سے آخر میں جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہوگا: میں نے تمہیں دنیا کی مثل بلکہ اس سے بھی دس گناہ زیادہ عطا فرما دیا(2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں جو کہ پہلے بھی گزر چکی ہے، آتا ہے: ''سب سے ادنیٰ درجے کے جنتی کا ملک دو ہزار سال کی مسافت کا ہوگا۔ دور ونزدیک کی تمام چیزیں اسے یکساں طور پر دکھائی دیں گی(3)''۔ جب ادنیٰ درجہ کے حامل جنتی کے لئے عطاء کا یہ عالم ہے تو اعلیٰ درجہ والے جنتی کو کتنا بڑا مرتبہ مرحمت فرمایا جائے گا۔

طبرانی کی ایک نہایت غریب حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حبشہ کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو اور جو بات سمجھنا چاہتے ہو، سمجھ لو۔ اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! شکل وصورت، رنگ وروپ اور نبوت ورسالت کے معاملہ میں آپ لوگوں کو ہم لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ آپ یہ فرمائیں کہ اگر میں بھی اس چیز پر ایمان لے آؤں جس پر آپ ایمان لائے ہیں اور میں بھی وہی عمل کروں جو آپ کرتے ہیں تو کیا میں آپ کے ساتھ جنت میں جا سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! سیاہ رنگ والے کو جنت میں ایسا سفید

1۔ طبری، جلد 29 صفحہ 220 2۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 178-177 3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ قیامۃ: 23

رنگ عطا ہوگا جو ہزار سال کی مسافت سے صاف نظر آرہا ہوگا۔" پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرلیا، اسے اس کے باعث اللہ تعالیٰ کے ہاں عہد مل گیا اور جو شخص سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہے اس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔" ایک شخص کہنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! اس کے بعد ہم کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن ایک آدمی اس قدر نیک اعمال لائے گا کہ اگر انہیں کسی پہاڑ پر رکھ دیا جائے تو اسے بوجھل بناڈالیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت یا بہت سی نعمتیں اس کے بالمقابل آ کھڑی ہوں گی اور قریب ہوگا کہ ان تمام اعمال کو ختم کر ڈالیں لیکن یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے"۔ اس وقت یہ سورت مُلْكًا كَبِيْرًا تک نازل ہوئی۔ اس کے نزول پر حبشی کہنے لگا: حضور ﷺ! جنت میں جو کچھ آپ کی آنکھیں دیکھیں گی، کیا وہ سب کچھ مجھے بھی دکھائی دے گا؟ فرمایا: "ہاں۔" یہ سن کر وہ رونے لگا۔ اس قدر رویا کہ ہچکی بندھ گئی اور اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود اپنے ہاتھوں سے اسے قبر میں اتارتے ہوئے دیکھا(1)۔ اس کے بعد جنتیوں کے لباس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ...... یعنی اہل جنت کا لباس باریک ریشم اور اطلس کا ہوگا۔ سندس اعلیٰ درجہ کا باریک اور نرم ریشم ہے جس کی قمیض وغیرہ ان کے بدنوں کے ساتھ لگی ہوئی ہوں گی اور استبرق وہ بیش قیمت اور چمکدار ریشم ہے جو انہیں اس کے اوپر پہنایا جائے گا۔ مزید برآں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گی۔ یہ ابرار کا لباس ہے۔ جہاں تک مقربین کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں فرمایا: يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ (الحج:23) "انہیں پہنائے جائیں گے جنت میں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار۔ اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی"۔ ظاہری اور جسمانی زینت یعنی ریشمی لباس اور زیورات کے ذکر کے بعد اب باطنی زینت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا یعنی اللہ تعالیٰ انہیں ایسی شراب پلائے گا جو ان کے باطن کو حسد، کینہ، کھوٹ، دکھ تکلیف، اور باقی سب برے اخلاق سے پاک کردے گی جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنتی جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو انہیں وہاں دو چشمے دکھائی دیں گے اور ان کے دل میں از خود خیال پیدا ہوگا۔ چنانچہ وہ ایک چشمے کا پانی پئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے باطن سے سب دکھ تکلیف اور بری چیزیں دور کردے گا۔ پھر دوسرے چشمہ میں غسل کریں گے تو ان کے چہرے شگفتہ اور تروتازہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کے ظاہری حال سے بھی آگاہ فرمادیا اور باطنی جمال سے بھی(2)۔ اگلی آیت میں فرمایا: اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ...... یعنی انہیں بطور اعزاز واکرام ایسا کہا جائے گا، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَاۤ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ (الحاقہ:24) "(اذن ملے گا) کھاؤ اور پیو مزے اڑاؤ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج دیئے گزشتہ دنوں میں"، وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الاعراف:43) "اور ان (خوش نصیبوں) کو آواز دی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے وارث بنائے گئے ہو تم جس کے بوجہ ان عملوں کے جو تم کیا کرتے تھے"۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قدر کرتے ہوئے تمہیں تھوڑے عمل پر بہت زیادہ اجر عطا فرمادیا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَ مِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَ سَبِّحْهُ لَيْلًا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء:69 2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ الاعراف:43، سورۂ زمر:73

طَوِيْلًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ يَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿٢٧﴾ نَحْنُ
خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَ اِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿٢٨﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ
فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿٢٩﴾ وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٣٠﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣١﴾

''ہم نے ہی (اے حبیب!) آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے کلام نازل کیا۔اور اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور نہ کہنا مانیے ان میں سے کسی بدکار یا احسان فراموش کا۔ اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی، اور رات (کی تنہائیوں میں) بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے۔اور رات کافی وقت اس کی تسبیح کیا کیجئے۔ بے شک یہ لوگ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور پس پشت ڈال رکھا ہے انہوں نے بڑے سخت دن کو۔ ہم نے ہی ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ بند مضبوط کئے ہیں۔ اور جب ہم چاہیں تو ان کی شکلوں کو بدل کر رکھ دیں۔ بے شک یہ ایک نصیحت ہے پس جس کا جی چاہے اختیار کرلے اپنے رب کے قرب کا راستہ۔ اور (اے لوگو!) تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے بجز اس کے کہ اللہ خود چاہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم ہے، حکیم ہے۔ جس کو چاہتا ہے اپنے (دامن) رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔ اور ظالموں کے لئے تو اس نے تیار کر رکھا ہے دردناک عذاب''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ پر کئے گئے اپنے اس احسان کو بیان کر کے کہ ہم نے بتدریج یہ قرآن آپ پر اتارا ہے، فرما رہا ہے: فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ یعنی نزول قرآن کے اس اعزاز واکرام کے مقابلہ میں آپ اپنے پروردگار کی قضاء وقدر پر صابر شاکر رہیں اور یہ یقین رکھیں کہ وہ اپنی حسن تدبیر سے بہت جلد آپ کے غلبہ کا انتظام فرما دے گا۔ اگر کافر اور منافق آپ کو فریضہ تبلیغ کی انجام دہی سے باز رکھنے کی کوشش کریں تو ان کی ایک نہ سننا بلکہ ایسے حالات میں بھی ضروری ہے کہ آپ دعوت وتبلیغ کا کام پوری تندہی اور دلجمعی سے کرتے رہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کریں۔ وہی آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

آثم سے مراد ہے بدکار اور کفود سے مراد ہے: دل سے انکار کرنے والا۔ اس کے بعد ذکر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ...... یعنی دن کے اول حصہ میں بھی اپنے رب کو یاد کیا کرو اور آخر حصہ میں بھی، علاوہ ازیں رات کو بھی ایک طویل وقت اپنے رب کے حضور سربسجود رہا کریں اور اس کی تسبیح بیان کیا کریں۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (اسراء: 79) ''اور رات کے بعض حصہ میں (اٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو (تلاوت قرآن کے ساتھ) (یہ نماز) زائد ہے آپ کے لئے یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر''، يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿١﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿٢﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿٣﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (المزمل: 1-4) ''اے چادر لپیٹنے والے! رات کو (نماز کے لئے) قیام فرمایا کیجئے مگر تھوڑا۔ یعنی نصف رات یا کم کر لیا کریں اس سے بھی تھوڑا سا۔ یا بڑھا دیا کریں اس پر اور (حسب معمول) خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے قرآن کریم کو''۔ پھر کفار کو حب دنیا میں مستغرق ہونے اور دار آخرت کو پس پشت ڈالنے پر سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ...... یعنی یہ کافر دنیا کی محبت کو اپنے دل میں بسائے ہوئے ہیں اور بھاری دن یعنی روز قیامت سے بالکل غافل ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ...... یعنی

ہم نے انہیں پیدا کیا اور ان کی تخلیق کو مضبوط کر کے تمام جسم قوی بنا دیا اور جب ہم چاہیں گے، انہیں قیامت کے روز دوبارہ زندہ کر کے لا کھڑا کریں گے۔ یہاں ابتدائے آفرینش سے اعادۂ آفرینش پر استدلال کیا جا رہا ہے۔ ابن زید اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ اس فرمان وَ اِذَاشِئۡنَابَدَّلۡنَآ ... کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ جب ہم چاہیں گے، ان کی جگہ کوئی اور قوم لے آئیں گے (1) جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡكُمۡ اَیُّهَا النَّاسُ وَ یَاۡتِ بِاٰخَرِیۡنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِیۡرًا (النساء: 133) ''اگر چاہے تو لے جائے تمہیں اے لوگو! اور لے آئے دوسروں کو اور اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے''، اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡكُمۡ وَ یَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ۙ﴿۱۹﴾ وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیۡزٍ (ابراہیم: 20-19) ''اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہلاک کر دے اور لے آئے کوئی نئی مخلوق۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں''۔

پھر فرمایا: اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ یعنی یہ سورت سراسر نصیحت ہے، پس جو شخص چاہے، اس قرآن کے ذریعے اپنے رب کی طرف راہِ ہدایت اختیار کرلے جیسا کہ فرمایا: وَمَاذَا عَلَیۡهِمۡ لَوۡ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ (النساء: 39) ''اور کیا نقصان ہوتا ان کا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور روز آخرت پر''۔ اس کے بعد فرمایا: وَمَا تَشَآءُوۡنَ ... یعنی جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل حال نہ ہو، اس وقت تک کوئی شخص بھی نہ ہدایت پا سکتا ہے، نہ ایمان میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی اپنی ذات کو کوئی نفع پہنچا سکتا ہے، کیونکہ صرف وہی جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔ چنانچہ جو شخص ہدایت کا استحقاق رکھتا ہو، اس کے لئے وہ ہدایت کو آسان بنا دیتا ہے اور اسے تمام اسباب فراہم کر دیتا ہے اور جو گمراہی کا سزاوار ہو، اسے ہدایت سے منحرف کر دیتا ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت اور حجت کار فرما ہوتی ہے، اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیۡمًا حَكِیۡمًا۔

پھر آخری آیت میں فرمایا: یُّدۡخِلُ مَنۡ یَّشَآءُ فِیۡ رَحۡمَتِهٖ ...... یعنی وہ جسے چاہے، ہدایت سے نواز دے اور جسے چاہے گمراہ کر دے۔ جسے وہ ہدایت عطا فرما دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 227

سورۂ مرسلات (مکیہ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ کے ایک غار میں تھے جب آپ پر سورۂ مرسلات کا نزول ہوا۔ آپ ﷺ اس کی تلاوت فرما رہے تھے اور میں آپ کی زبان اقدس سے سن کر یاد کر رہا تھا۔ ابھی آپ ﷺ تلاوت فرما ہی رہے تھے کہ اچانک ایک سانپ ہم پر کود پڑا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے مار ڈالو"۔ ہم اسے مارنے کے لئے لپکے لیکن وہ بچ کر نکل گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ تمہاری سزا سے بچ نکلا جس طرح تم اس کے شر سے محفوظ رہے" (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنی والدہ محترمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو نماز مغرب میں سورۂ مرسلات کی تلاوت کرتے ہوئے سنا (2)۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سورت کی تلاوت کی تو آپ کی والدہ حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کو یہ سورت پڑھتے ہوئے سن کر فرمایا: بیٹے تم نے یہ سورت پڑھ کر مجھے یاد دلا دیا، میں نے آخری مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو نماز مغرب میں یہ سورت پڑھتے ہوئے سنا (3)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَ الْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝1 فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝2 وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝3 فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝4 فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝5 عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝6 اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝7 فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝8 وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝9 وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝10 وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝11 لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝12 لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝13 وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝14 وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝15

"(ان ہواؤں کی) قسم جو پے در پے بھیجی جاتی ہیں۔ پھر ان کی (قسم) جو تند و تیز ہیں۔ اور ان کی قسم جو بادلوں کو پھیلانے والی ہیں۔ پھر ان کی جو بادلوں کو پارہ پارہ کرنے والی ہیں۔ پھر ان کی قسم جو (دلوں میں) ذکر کا القا کرنے والی ہیں۔ حجت تمام کرنے کے لئے یا ڈرانے کے لئے۔ بے شک جس بات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ پس اس وقت جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے اور جب آسمان میں شگاف پڑ جائیں گے۔ اور جب پہاڑ (خاک بنا کر) اڑا دیئے جائیں گے۔ اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر اکٹھا کیا جائے گا۔ (تمہیں علم ہے) کس دن کے لئے یہ ملتوی کیا گیا ہے؟ فیصلہ کے دن کے لئے۔ (اے مخاطب!) تجھے کیا علم کہ فیصلے کا دن کیسا ہے۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے"۔

1۔ فتح الباری، کتاب جزاء الصید، جلد 4، صفحہ 35، مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1755

2۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 338، فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 246، مسلم کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 338

3۔ ایضاً

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مذکور بالا جن پانچ صفات کی قسمیں اٹھائی جارہی ہیں، ان کے موصوف فرشتے ہیں یعنی ان صفات کے حامل فرشتوں کی قسمیں اٹھائی جارہی ہیں اور موصوف کو بظاہر ذکر نہیں کیا۔ حضرات مسروق، ابوالضحیٰ، مجاہد، سدی، ربیع بن انس رحمہم اللہ تعالیٰ اور بعض دیگر حضرات سے بھی یہی مروی ہے۔ ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ ان سے مراد رسول ہیں اور دوسری روایت میں ان سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ان سے مراد فرشتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان صفات کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ المرسلات، العاصفات اور الناشرات سے ہوائیں مراد ہیں (1)۔ یہی قول حضرات ابن عباس، مجاہد، قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور بروایت ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا کے متعلق توقف کیا ہے کہ یا تو اس سے مراد فرشتے ہیں جنہیں پے در پے بھیجا جاتا ہے یا اس سے مراد ہوائیں ہیں جو بتدریج چلتی ہیں (2)۔ البتہ انہوں نے فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا کے متعلق قطعی فیصلہ دیا ہے کہ اس سے مراد ہوائیں ہی ہیں جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کا قول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سدی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

اسی طرح امام موصوف نے النّٰشِرٰتِ نَشْرًا کے متعلق بھی توقف کیا ہے کہ کیا اس سے مراد فرشتے ہیں، یا ہوائیں؟ ابوصالح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ''الناشرات'' سے مراد بارش ہے۔ زیادہ ظاہر اور واضح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ المرسلات سے مراد ہوائیں ہیں جیسا کہ فرمایا: وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ (الحجر:22) ''پس ہم بھیجتے ہیں ہواؤں کو باردار بنا کر''، وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ (الاعراف:57) ''اور وہی خدا ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری سناتے ہوئے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے''۔ اسی طرح العاصفات سے مراد بھی ہوائیں ہیں اور یہ جب چلتی ہیں تو ان کے تیز جھونکوں کے باعث آواز پیدا ہوتی ہے اور الناشرات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو مشیت الٰہی کے مطابق بادلوں کو آسمان کی ہر سمت میں پھیلا دیتی ہیں۔ حضرات ابن مسعود، ابن عباس، مسروق، مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس، سدی اور ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کے بقول الفارقات اور الملقیات سے مراد فرشتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام لے کر پیغمبروں پر اترتے ہیں جن سے حق و باطل، ہدایت وضلالت اور حلال وحرام کے درمیان امتیاز ہوتا ہے اور یہ فرشتے پیغمبروں تک وحی پہنچاتے ہیں تاکہ حجت تمام ہو جائے اور کسی کا کوئی عذر بہانہ باقی نہ رہے اور اگر لوگ مخالفت کریں تو انہیں بروقت خبردار کیا جائے۔ ان قسموں کے بعد مقسم علیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ یعنی یہ جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ قیامت قائم ہو گی، صور پھونکا جائے گا، از سر نو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، اول آخر تمام لوگ ایک بڑے وسیع میدان میں جمع کیے جائیں گے اور ہر ایک کو اس کے نیک و بد اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، یہ سب کچھ برحق ہے اور اس کا وقوع یقینی ہے پھر قیامت کا ہولناک منظر بیان کرتے ہوئے فرمایا: فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ یعنی جب ستارے بے نور ہو جائیں گے، اسی طرح فرمایا: وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (تکویر:2) ''اور جب ستارے بکھر جائیں گے''، وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (الانفطار:2) ''اور جب ستارے بکھر جائیں گے''۔ اس کے بعد آسمان کی حالت سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا: وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ یعنی آسمان پھٹ جائے گا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور پہاڑوں کا یہ منظر ہوگا: یعنی پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے اس طرح اڑا دیا جائے گا کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہے گا جیسا کہ فرمایا: وَیَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا (طٰہٰ:105) ''اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمائیے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 228 2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 229

چھینک دے گا''، وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا (کہف: 47)'' اور (غور کرو) جس روز ہم ہٹا دیں گے پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے) اور تم دیکھو گے زمین کو کہ کھلا میدان ہے اور ہم جمع کریں گے انہیں پس نہیں پیچھے رہنے دیں گے ان میں سے کسی کو''۔

پھر فرمایا: وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ یعنی جب رسولوں کو جمع کیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ (مائدہ: 109)'' جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو''۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ جب رسولوں کے لئے ایک وقت مقرر کیا جائے گا۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب رسولوں کو گواہی دینے کے لئے وعدہ دیا جائے گا۔ گویا انہوں نے اس آیت کو اس فرمان کی طرح ٹھہرایا ہے: وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (زمر: 69) '' اور جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے۔ اور رکھ دیا جائے گا دفتر عمل اور حاضر کئے جائیں گے انبیاء اور (دوسرے) گواہ اور فیصلہ کر دیا جائے گا ان کے درمیان انصاف سے اور ان پر (رتی بھر) ظلم بھی نہیں کیا جائے گا''۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ...... یعنی کس دن کے لئے رسولوں کو ٹھہرایا گیا اور قیامت تک ان کے معاملہ کو اٹھا رکھا گیا، اسی طرح فرمایا: فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (ابراہیم: 48-47)'' تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کرنے والا ہے اپنے رسولوں سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے (اور) بدلہ لینے والا ہے۔ یاد کرو اس دن کو جب کہ بدل دی جائے گی یہ زمین دوسری (قسم کی) زمین سے اور آسمان بھی (بدل دیئے جائیں گے) اور سب لوگ حاضر ہو جائیں گے اللہ کے حضور میں (وہ اللہ) جو ایک ہے (اور) سب پر غالب ہے''۔ اس سے مراد فیصلے کا دن ہے جس طرح فرمایا: لِيَوْمِ الْفَصْلِ۔ پھر اس کی فخامت شان کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ...... یعنی آپ کو کیا معلوم کہ فیصلہ کا دن کیا ہے؟ اس دن ان جھٹلانے والوں کے لئے تباہ کن عذاب ہوگا۔ ایک غیر صحیح حدیث میں گزر چکا ہے کہ '' وَيْلٌ '' جہنم کی ایک وادی کا نام ہے (1)۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٦ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝١٧ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝١٨ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٩ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝٢٠ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝٢١ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝٢٢ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝٢٣ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝٢٤ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝٢٥ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۝٢٦ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ۝٢٧ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝٢٨

'' کیا ہم نے ہلاک نہیں کر دیا جو ان سے پہلے تھے۔ پھر ہم ان کے پیچھے پیچھے بھیج دیں گے بعد میں آنے والوں کو۔ گناہ گاروں کے ساتھ ہم ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں فرمایا۔ پھر ہم نے رکھ دیا اسے ایک محفوظ جگہ (رحم مادر) میں۔ ایک معین مدت تک۔ پھر ہم نے ایک اندازہ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 79

ٹھہرایا، پس ہم کتنے بہتر اندازہ ٹھہرانے والے ہیں۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو سمیٹنے والی (تمہارے) زندوں اور مردوں کو۔ اور ہم نے ہی بنادیئے اس میں خوب جمے ہوئے اونچے اونچے پہاڑ اور ہم نے ہی تمہیں میٹھا پانی پلایا۔ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لئے''۔

اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ ہم نے تم سے پہلے گزرے ہوئے ان لوگوں کو ہلاک کردیا جو میرے پیغمبروں کی تکذیب کرتے اور ان کے لائے ہوئے پیغام کی مخالفت کیا کرتے تھے، پھر ان کے بعد آنے والے ان جیسے بدبختوں کو بھی نیست و نابود کردیا۔ اس لئے فرمایا:

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ یعنی ہمارا یہ دستور ہے کہ ہم مجرموں کے ساتھ یہی سلوک روا رکھتے ہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بربادی ہوگی پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کو اپنا احسان یاد دلاتے ہوئے اور آغاز آفرینش سے اعادہ آفرینش پر استدلال کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ یعنی ہم نے تمہیں ضعیف اور حقیر پانی سے پیدا فرمایا ہے جس کی ہماری قدرت کے سامنے کوئی وقعت اور حیثیت نہیں جیسا کہ سورۂ یٰسین کی تفسیر میں یہ حدیث گزر چکی ہے: ''ابن آدم! تو مجھے کیسے عاجز کرسکتا ہے حالانکہ میں نے تمہیں اس جیسی چیز سے پیدا فرمایا ہے؟'' (1)

پھر فرمایا: فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ یعنی ہم نے اس حقیر پانی کو ایک محفوظ جگہ یعنی رحم مادر میں رکھ دیا۔ یہی وہ محفوظ جگہ ہے جہاں مرد اور عورت کا نطفہ قرار پکڑتا ہے اور یہیں اس کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست ہوتا ہے۔ پھر حمل کی مدت کے متعلق فرمایا: اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ یعنی ایک معین مدت تک یہ ماں کے شکم میں رہتا ہے، وہ مدت چھ ماہ ہے یا نو ماہ۔ اس لئے فرمایا: فَقَدَرْنَا...... اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا...... یعنی کیا ہم نے زمین کو ایسا ٹھکانہ نہیں بنایا جو زندوں اور مردوں سب کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین مردے کو اپنے اندر اس طرح سمیٹ لیتی ہے کہ اس کا کوئی عضو دکھائی نہیں دیتا۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ زمین مردوں کو اپنے شکم میں چھپا لیتی ہے اور زندوں کو اپنی پشت پر اٹھائے رکھتی ہے۔ پھر فرمایا: وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ...... یعنی ہم نے زمین میں فلک بوس اور مضبوط پہاڑ نصب کردیئے تاکہ یہ لرزتی اور ڈولتی نہ رہے۔ مزید برآں ہم نے تمہارے لئے بادلوں سے بارش برسا کر اور زمین میں چشمے جاری کرکے شیریں اور خوشگوار پانی کا انتظام کردیا۔ ان انعامات اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت پر دلالت کرنے والے کرشموں کو دیکھ لینے کے باوجود جو شخص تکذیب اور کفر پر مصر ہے، اس کے لئے تباہی اور بربادی ہے۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾

''(انہیں حکم ملے گا) چلو اس (آگ) کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے چلو اس سایہ کی طرف جو تین شاخوں والا ہے۔ نہ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یٰسین: 77

وہ سایہ دار ہے اور نہ وہ بچاتا ہے آگ کی لپٹ سے۔ وہ جہنم پھینک رہی ہوگی بڑے بڑے انگارے جیسے محل۔ گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں نہ وہ بول سکیں گے اور نہ انہیں اجازت ملے گی کہ وہ کچھ عذر پیش کریں۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ (اے کافرو!) یہ فیصلے کا دن ہے۔ (جس میں) ہم نے تمہیں اور تمہارے اگلوں کو جمع کر دیا ہے پس اگر تمہارے پاس کوئی چال ہے تو میرے خلاف استعمال کرو۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے''۔

قیامت، جزا، سزا اور جنت دوزخ کو جھٹلانے والے کفار کو روزِ قیامت کہا جائے گا: اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى مَا كُنْتُمْ ...... یعنی اس جہنم کی طرف چلو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ چلو اس آگ کی طرف جس کے انگارے دہک رہے ہیں، شعلے بلند ہو رہے ہیں اور ساتھ دھواں اٹھ رہا ہے۔ اس کی شدت اور قوت کا یہ عالم ہوگا کہ اس کی تین شاخیں ہوں گی۔ یہ تین شاخوں والا سایہ دراصل سایہ نہیں ہوگا بلکہ یہ جہنم سے اٹھتا ہوا دھواں ہوگا جو سائے کی طرح معلوم ہوگا۔ یہ نہ تو سایہ فراہم کرے گا اور نہ آگ کی تپش سے بچائے گا۔ آگ کے حجم کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ یعنی جہنم محلات جیسے بڑے بڑے انگارے پھینک رہا ہوں گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قصر سے مراد قلعے ہیں۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، قتادہ، زید بن اسلم اور بعض دیگر مفسرین کا کہنا ہے کہ قصر سے مراد درخت کے تنے ہیں یعنی جہنم کی چنگاریاں درختوں کے بڑے بڑے تنوں کی مانند ہوں گی پھر آگ کی رنگت بیان کرتے ہوئے فرمایا: كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ یعنی گویا آگ کے شرارے سیاہ رنگ کے اونٹ ہیں۔ یہ قول مجاہد، حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے(1)۔ حضرات ابن عباس، مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ نے جِمٰلَتٌ صُفْرٌ کا معنی کیا ہے کشتیوں کے رسے۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے مراد تانبے کے ٹکڑے لئے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تین تین ہاتھ یا اس سے کچھ زیادہ لمبی لکڑیاں لے کر تعمیر کے لئے بلند کرتے اور اسے قصر کہا کرتے تھے۔ کشتیوں کے رسے جب جمع کئے جاتے ہیں تو وہ ایک درمیانے قد والے شخص کے برابر ہو جاتے ہیں(2) اور یہی یہاں مراد لیا گیا ہے۔ پھر قیامت کے دن جھٹلانے والوں کی جو درگت بنے گی، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: هٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ ...... یعنی یہ ایسا دن ہوگا جس میں ان سے قوت گویائی سلب کر لی جائے گی۔ نہ وہ بولنے پر قادر ہوں گے اور نہ انہیں اذن دیا جائے گا کہ وہ عذر پیش کر سکیں کیونکہ ان پر حجت قائم ہو چکی اور اب ان ظالموں پر فیصلے کے نفاذ کا وقت ہے اس لئے وہ گفتگو نہ کر سکیں گے۔ یہاں تو یہ فرمایا جا رہا ہے کہ وہ بول نہ سکیں گے لیکن یہ بھی ثابت ہے کہ وہ بولیں گے عذر بہانے پیش کریں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ میدان محشر میں مختلف حالات پیش آئیں گے۔ اس لئے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر قیامت کے ہولناک مناظر کی شدت کو بیان کرنے کے لئے مختلف حالات کو بیان کیا گیا ہے جن کا سامنا ہر ایک کو کرنا پڑے گا، اس لئے یہاں ہر مضمون کے خاتمہ پر فرمایا جا رہا ہے: وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ پھر اللہ تعالیٰ بندوں کو خطاب کر کے فرمائے گا: هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ ...... یعنی یہ ہے فیصلہ کا دن جس میں ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک وسیع میدان میں تمہیں بھی جمع کر دیا ہے اور اگلوں کو بھی۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمائے گا: فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَیْدٌ ...... یعنی اگر تم کوئی چال چل کر میرے قبضہ سے نکل سکتے ہو اور میرے فیصلہ سے بچ سکتے ہو تو ضرور ایسا کر دیکھو۔ تمہیں اس پر ذرا بھی قدرت حاصل نہیں جیسا کہ فرمایا: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 242 2۔ فتح الباری تفسیر سورۃ مرسلات، جلد 8، صفحہ 688

اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (الرحمٰن:33) ''اے گروہ جن وانس اگر تم میں طاقت ہے کہ تم نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو نکل کر بھاگ جاؤ۔ (سنو!) تم نہیں نکل سکتے بجز سلطان کے (اور وہ تم میں مفقود ہے)''، وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا (ہود:57) ''اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے''۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! تم سب مل کر مجھے نفع پہنچانا چاہو تو بھی مجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے اور اگر تم سب مجھے نقصان پہنچانا چاہو تو بھی تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے (1)۔ حضرت ابوعبداللہ الجدلی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں بیت المقدس گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ حضرات عبادہ بن صامت، عبداللہ بن عمرو اور کعب الاحبار رضی اللہ عنہم بیٹھے گفتگو کر رہے ہیں۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب اگلوں پچھلوں کو ایک وسیع چٹیل میدان میں جمع کرے گا۔ ایک آواز دینے والا سب کو خبردار کر دے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ ...... فَكِیْدُوْنِ۔ آج نہ کوئی سرکش جابر مجھ سے نجات پا سکے گا اور نہ مردود شیطان۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث بیان کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ اس دن جہنم سے ایک گردن برآمد ہو گی۔ وہ اس قدر دراز ہوگی کہ لوگوں کے سامنے پہنچ جائیگی اور انہیں کہے گی: اے لوگو! مجھے تین قسم کے لوگوں کو پکڑنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ جس قدر مجھے ان کی پہچان ہے، اس قدر کوئی باپ اپنی اولاد کو اور کوئی بھائی اپنے بھائی کو بھی نہ پہچانتا ہوگا۔ آج نہ وہ کسی پناہ گاہ میں غائب ہو سکتے ہیں اور نہ کوئی چیز انہیں مجھ سے اوجھل کر سکتی ہے۔ ایک وہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کیا، دوسرا ہر متکبر جابر اور تیسرا ہر سرکش شیطان۔ چنانچہ یہ گردن انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور حساب سے چالیس سال پہلے ہی انہیں جہنم رسید کر دے گی (2)۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّ فَوَاكِهَ مِمَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا قَلِیْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا یَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

''بے شک پرہیزگار (اللہ کی رحمت کے) سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے۔ اور (ان) پھلوں میں ہوں گے جن کو وہ پسند کریں گے۔ (انہیں کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ اور پیو ان اعمال کے صلہ میں جو تم کیا کرتے تھے۔ ہم یونہی صلہ دیا کرتے ہیں نیکوکاروں کو۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ (اے منکرو!) اب کھالو اور عیش کر لو تھوڑا سا وقت، بے شک تم مجرم ہو۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ اور (آج) جب ان سے کہا جاتا ہے اپنے رب کے سامنے جھکو تو نہیں جھکتے۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ آخر کس بات پر وہ اس کتاب کے بعد ایمان لائیں گے''۔

قبل ازیں بدبختوں کو ملنے والی سزا کا ذکر ہوا کہ وہ جہنم میں سخت سیاہ بدبودار دھوئیں سے دوچار ہوں گے، ان کے برعکس یہاں ان متقی لوگوں کے انعامات کو بیان کیا جارہا ہے جو ساری زندگی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے۔ پوری تندہی سے واجبات کی ادائیگی

1۔ مسلم، کتاب البر، جلد 4، صفحہ 1995-1994

2۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب ذکر النار، جلد 13، صفحہ 171-170، درمنثور، جلد 8، صفحہ 388-387

اور محرمات سے اجتناب کرتے رہے۔ یہ ایسے سعادت مند ہیں جو جنت میں گھنے اور ٹھنڈے سایوں میں آرام فرما ہوں گے، ان کے سامنے طرح طرح کے صاف شفاف چشمے رواں دواں ہوں گے، قسم قسم کے پھل ان کے لذت دہن کے لئے ہر وقت موجود ہوں گے۔ جب بھی انہیں کسی میوے کی خواہش ہوگی، وہ فوراً پالیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ بطور احسان انہیں فرمائے گا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا...... اس کے بعد فرمایا: اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ یعنی نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں لیکن آج بربادی تو جھٹلانے والوں کے لئے ہے۔ اس کے بعد خطاب پھر ان لوگوں سے ہے جو روز جزا کو جھٹلانے والے ہیں، انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا...... یعنی تم دنیا کی اس مختصر سی مدت میں کھا پی لو اور عیش اڑا لو، بالآخر تمہیں تمہارے جرائم کی پاداش میں آتش جہنم کے سپرد کر دیا جائے گا جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح اور جگہوں پر فرمایا: نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (لقمان: 24) ''ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر، پھر ہم انہیں ہانک کرلے جائیں گے سخت عذاب کی طرف''، اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (یونس: 70-69) ''جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (چند روزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے''۔ پھر دنیا میں ان کی متکبرانہ روش کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ یعنی جب ان نادان کافروں کو حکم دیا جاتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرو تو یہ اس سے انحراف کر لیتے ہیں اور تکبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے منہ موڑ لیتے ہیں، اسی لئے تو قیامت کے دن تباہی و بربادی ان کا مقدر ہوگی۔ پھر آخری آیت میں فرمایا: فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ یعنی جب یہ قرآن کریم پر ایمان نہیں لاتے تو اس کے بعد ایسی کون سی کلام ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے؟ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ (جاثیہ: 6) ''پس وہ کون سی ایسی بات ہے جس پر وہ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد ایمان لائیں گے''۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص اس سورت کی تلاوت کرے، وہ اس کی آخری آیت پڑھنے کے بعد کہے: ''آمنت باللہ وبما انزل'' یعنی میں اللہ تعالیٰ اور اس کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان لایا۔ یہ حدیث سورۂ قیامہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے (1)۔

1۔ یہ حدیث سورۂ قیامہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے

سورۂ نبأ (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿۲﴾ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ﴿۳﴾ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ﴿۶﴾ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿۷﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ﴿۸﴾ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿۹﴾ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴿۱۰﴾ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾

''وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں۔ کیا وہ اس بڑی اور اہم خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جس میں وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں۔ یقیناً وہ اسے جان لیں گے، پھر یقیناً وہ اسے جان لیں گے (کہ قیامت برحق ہے) کیا ہم نے نہیں بنا دیا زمین کو بچھونا۔ اور پہاڑوں کو میخیں۔ اور ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں جوڑا جوڑا۔ اور ہم نے بنا دیا ہے تمہاری نیند کو باعث آرام۔ نیز ہم نے بنا دیا رات کو پردہ پوش۔ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لئے بنایا۔ اور ہم نے بنائے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) اور ہم نے ہی ایک نہایت روشن چراغ بنایا۔ اور ہم نے برسایا بادلوں سے موسلا دھار پانی۔ تاکہ ہم اگائیں اس کے ذریعے اناج اور سبزی۔ نیز گھنے باغات''۔

مشرکین مکہ وقوع قیامت کے منکر تھے اور رسول اللہ ﷺ سے استہزاءً اور طنزاً قیامت کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس سوال کو ناپسند کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ کس چیز کے بارے میں سوال کر رہے ہیں؟ آیا وہ قیامت کے بارے میں سوال کر رہے ہیں یہ تو انتہائی خوفناک اور ہولناک امر ہے۔ قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ نبأ عظیم سے مراد مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ لیکن پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ اس کی تائید بعد میں آنے والی آیت (جس میں وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں) سے ہوتی ہے یعنی قیامت کے بارے میں لوگ مختلف ہیں۔ بعض اس پر ایمان رکھتے ہیں اور کچھ اس کے وقوع کے منکر ہیں پھر اللہ تعالیٰ منکرین کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے (یقیناً وہ اسے جان لیں گے، پھر یقیناً وہ اسے جان لیں گے) اس ارشاد میں منکرین قیامت کے لئے سخت وعید اور شدید دھمکی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی عجیب وغریب اشیاء کی تخلیق پر اپنی عظیم قدرت کو بیان فرمایا ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اپنی قدرت قاہرہ سے ہر چیز کی دوبارہ تخلیق پر بھی قادر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: (کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنا دیا) یعنی مخلوق کے فائدہ کے لئے اسے ہموار بنایا اور ان کے لئے اسے

انتہائی نرم اور ساکن وثابت بنا دیا۔ پھر فرمایا (اور پہاڑوں کو میخیں بنا دیا) یعنی پہاڑوں کو زمین پر میخوں کی طرح گاڑ کر اسے مضبوط اور سخت کر دیا تا کہ یہ ساکن رہے اور اپنے اوپر رہنے والوں کی حرکت کے باعث حرکت نہ کرے۔

پھر ارشاد فرمایا: (ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا) یعنی تمہیں مذکر اور مؤنث بنایا تا کہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوسکو اور اس سے افزائش نسل کا سلسلہ بھی جاری رہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً (الروم:21) ''اور اس کی (قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں تا کہ تم سکون حاصل کرو ان سے اور پیدا فرما دیئے تمہارے درمیان محبت اور رحمت کے (جذبات)''۔ پھر ارشاد فرمایا: (اور ہم نے تمہاری نیند کو باعث آرام بنا دیا) یعنی نیند کو تمہاری تگ ودو، کدوکاوش اور حرکات وسکنات کو ختم کرنے والا بنا دیا ہے تا کہ حصول معاش میں دن بھر کی تھکن راحت اور سکون میں تبدیل ہو جائے۔ اس قسم کی آیت سورۂ فرقان میں بھی گزر چکی ہے (1)۔

پھر ارشاد فرمایا: (اور ہم نے بنا دیا رات کو پردہ پوش) یعنی رات کی تاریکی اور سیاہی لوگوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰى (اللیل:1) ''قسم ہے رات کی جب وہ (ہر چیز پر) چھا جائے''۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو تمہارے لئے سکون کا باعث بنا دیا اور پھر ارشاد فرمایا (اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لئے بنایا) یعنی ہم نے دن کو روشن اور تاباں بنا دیا تا کہ لوگوں کے لئے اس میں حصول معاش کے لئے بھاگ دوڑ آسان ہو سکے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا (اور ہم نے بنائے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان)) یعنی سات آسمان بنائے جو انتہائی وسیع وعریض، بلند وبالا اور مضبوط ہیں اور انہیں ستاروں اور تاروں کے ساتھ آراستہ کیا: اسی لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (اور ہم نے ہی ایک نہایت روشن چراغ بنایا) یعنی تمام جہاں کو روشن کرنے والا چمکتا ہوا سورج بنایا جس کی شعاعیں تمام اہل زمین تک پہنچتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے (اور ہم نے برسایا بادلوں سے موسلا دھار پانی)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''المعصرات'' سے مراد ہوائیں ہیں۔ یہی قول عکرمہ، مجاہد، قتادہ، مقاتل، کلبی، زید بن اسلم اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ہوائیں بادلوں سے بارش برسانے کا سبب بنتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ''معصرات'' سے مراد بادل ہیں۔ یہ قول عکرمہ، ابوالعالیہ، ضحاک، حسن بصری، ربیع بن انس اور ثوری سے مروی ہے۔ ابن جریر طبری کا مختار قول بھی یہی ہے (2)۔ فراء کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ بادل ہیں جو بارش سے بھرے ہوئے ہوں لیکن ان سے بارش نہ برسی ہو۔ جیسا کہ امرأة معصر اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کے حیض کے ایام قریب ہوں لیکن ابھی تک حیض جاری نہ ہوا ہو (3)۔ حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد آسمان ہیں لیکن یہ قول بعید ہے اور ظاہر یہی ہے کہ معصرات سے مراد بادل ہی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ (الروم:48) ''اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو پس وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پس اللہ تعالیٰ پھیلا دیتا ہے اسے آسمان پر جس طرح چاہتا ہے اور کر دیتا ہے اسے ٹکڑے ٹکڑے پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ ٹپکنے لگتی ہے اس میں سے''۔ مجاہد، قتادہ اور ربیع بن انس رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ماء ثجاجا'' سے مراد تیزی سے بہنے والا پانی ہے۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد لگاتار

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ فرقان آیت: 47 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 5 3۔ تفسیر قرطبی، جلد 19، صفحہ 172

بہنے والا پانی ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کثیر پانی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کلام عرب میں یہ لفظ اس معنی میں معروف نہیں ہے۔ اس کا معنی تیزی سے بہنے والا لگا تار پانی ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: ''افضل الحج العج والثج'' (سب سے افضل حج وہ ہے جس میں تلبیہ کی آواز بلند کی جائے اور قربانی کا خون بہایا جائے)(1)۔ یہی لفظ اسی معنی میں ایک اور حدیث میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جب ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے مسلسل استحاضہ کے جاری رہنے کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے اسے روئی رکھ کر خون بند کرنے کا حکم فرمایا تو اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ خون تو اس سے بھی زیادہ ہے اس نے یہ الفاظ کہے ''انما اثج ثجا'' (2) یہاں بھی یہ لفظ لگا تار اور کثرت سے بہنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

پھر یہ ارشاد فرمایا: (تاکہ ہم اگائیں اس کے ذریعہ اناج اور سبزیاں نیز گھنے باغات) یعنی اس پاکیزہ اور مبارک کثرت سے بہنے والے پانی کے ساتھ یہ چیزیں اگائیں۔

حب سے مراد وہ دانے ہیں جو لوگوں اور جانوروں کے استعمال کے لئے ذخیرہ کرکے رکھے جاتے ہیں اور ''نبات'' سے مراد وہ سبزیاں ہیں جو تر کھائی جاتی ہیں اور ''جنات'' سے مراد انواع و اقسام پھلوں والے اور مختلف قسم کے مہکتی خوشبوؤں والے باغات ہیں۔ جب بہت سے باغات ایک ہی جگہ اکٹھے ہوں تو انہیں جنات الفافا کہا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس کا یہی معنی مروی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے: قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۙ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (الرعد:4) اور زمین میں (مختلف قسم کے) ٹکڑے ہیں جو قریب قریب ہیں اور باغات ہیں انگوروں کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں، کچھ ایک تنے سے پھوٹتی ہیں اور کچھ الگ الگ تنوں سے سیراب کیا جاتا ہے ایک ہی پانی سے (اس کے باوجود) ہم فضیلت دیتے ہیں بعض (درختوں) کو بعض پر ذائقہ اور بو میں بیشک ان میں (اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی) نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو عقلمند ہو''۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿17﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿18﴾ وَّ فُتِحَتِ
السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿19﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿20﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿21﴾
لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿22﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿23﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿24﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّ
غَسَّاقًا ﴿25﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿26﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿27﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿28﴾ وَ
كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿29﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿30﴾

''بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے۔ جس روز صور پھونکا جائے گا تو تم چلے آؤ گے فوج در فوج۔ اور کھول دیا جائے گا آسمان تو وہ دروازے ہی دروازے بن کر رہ جائے گا اور حرکت دی جائے گی پہاڑوں کو تو وہ سراب بن جائیں گے۔ درحقیقت جہنم ایک گھات ہے۔ (یہ) سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔ پڑے رہیں گے اس میں عرصہ دراز۔ وہ نہیں چکھیں گے اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 6

2۔ ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 76، ترمذی، کتاب الطہارۃ، عارضۃ الاحوذی، جلد 1، صفحہ 201، سنن ابن ماجہ کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 204-203

میں کوئی ٹھنڈی چیز اور نہ پانی بجز کھولتے پانی اور گرم پیپ کے۔ (ان کے گناہوں کی) پوری سزا۔ یہ لوگ (روز) حساب کی توقع ہی نہیں رکھتے تھے، اور انہوں نے ہماری آیتوں کو سختی سے جھٹلایا حالانکہ ہر چیز کو ہم نے گن گن کر لکھ لیا تھا۔ پس (اے منکرو! اپنے کیے کا) مزا چکھو اب ہم نہیں زیادہ کریں گے تم پر مگر عذاب''۔

بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ یعنی قیامت کے دن کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ اس کا ایک وقت مقرر ہے، جس میں کسی کمی وبیشی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کی تعیین کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ (ہود:104) ''اور ہم نے نہیں مؤخر کیا ہے اسے مگر ایک مقرر مدت تک جو گنی ہوئی ہے''۔

فرمایا (جس روز صور پھونکا جائے گا تو تم چلے آؤ گے فوج در فوج) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ افواجاً سے مراد گروہ در گروہ ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر امت اپنے رسول کے ساتھ آئے گی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ (اسراء:71) ''وہ دن جب ہم بلائیں گے تمام انسانوں کو ان کے پیشوا کے ساتھ''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، دو نفخوں کی درمیانی مدت چالیس ہے؟ صحابہ نے عرض کی کیا چالیس دن ہیں؟ فرمایا: نہیں۔ انہوں نے عرض کی چالیس ماہ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ عرض کی: چالیس سال ہے؟ فرمایا: نہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا جس سے لوگ اس طرح نکلیں گے جس طرح زمین سے پودے نکلتے ہیں۔ سوائے ایک ہڈی کے انسان کا ہر عضو بوسیدہ ہو جائے گا اور وہ ریڑھ کی ہڈی کا آخر ہے۔ اسی سے روز قیامت انسان کو زندہ کیا جائے گا(1) (اور کھول دیا جائے گا آسمان تو وہ دروازے ہی دروازے بن کر رہ جائے گا) یعنی قیامت کے دن فرشتوں کے اترنے کے لئے آسمان میں راستے بن جائیں گے (اور پھر حرکت دی جائے گی پہاڑوں کو اور سراب بن جائیں گے) یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (النمل:88) ''اور تو جب (اس روز) پہاڑوں کو دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ یہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے بادل کی سی چال''، وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (القارعہ:5) ''اور پہاڑ رنگ برنگی دھنی ہوئی اون کی مانند ہوں گے'' اور یہاں ارشاد فرمایا کہ یہ سراب بن جائیں گے یعنی دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہوں گے کہ یہ پہاڑ ہیں لیکن حقیقت میں وہاں کوئی چیز نہ ہوگی۔ اس کے بعد یہ سراب بھی ختم ہو جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۙ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۙ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا (طٰہٰ:106-105) ''اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمائیے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کے پھینک دے گا۔ پس بنا چھوڑے گا اس پہاڑی علاقہ کو کھلا ہموار میدان۔ نہ نظر آئے گا تجھے اس میں کوئی موڑ اور نہ کوئی ٹیلہ''۔

درحقیقت جہنم ایک گھات ہے یعنی یہ جہنم نافرمان، سرکش اور رسل عظام کے مخالفوں کی تاڑ میں تیار کھڑی ہے۔ ''مَاٰبًا'' لوٹنے کی جگہ، ٹھکانہ اور اترنے کی جگہ ہے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ جنت میں داخل ہونے والا ہر شخص جہنم سے گزر کر جائے گا۔ اگر اس کے پاس اجازت نامہ ہوا تو وہ صحیح سالم گزر جائے گا وگرنہ جہنم اسے دبوچ لے گی۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جہنم پر تین پل ہوں گے۔

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ عم یتساءلون، جلد 8، صفحہ 690-689

لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا...... وہ عرصہ دراز تک اس میں پڑے رہیں گے۔ احقاب، حقب کی جمع ہے۔ اس کا معنی ایک لمبی مدت ہے جس کی مقدار میں اختلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہلال ہجری سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتاب میں حقب کتنی مدت کو کہتے ہو؟ انہوں نے عرض کی اسی سال۔ ایک سال بارہ ماہ اور ایک مہینہ تیس دن کا۔ ایک دن ہزار سال کا(1)۔ یہی حضرت ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمرو اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ سعید بن جبیر، عمرو بن میمون، حسن بصری، قتادہ، ربیع بن انس اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ سبھی کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت بصری اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی مروی ہے کہ اس سے مراد ستر سال ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ اس سے چالیس سال مراد ہے اور ان میں سے ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ بشیر بن کعب فرماتے ہیں کہ ایک حقب تین سو سال کا ہے، جس کا ایک دن ایک ہزار سال کا ہے(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حقب ایک مہینہ ہے...... جس کا ایک دن ہزار سال کا ہے تو حقب تیس ہزار سال ہیں۔ یہ حدیث انتہائی منکر ہے۔ اس کے دو راوی قاسم اور جعفر بن زبیر دونوں متروک ہیں۔ سلیمان بن مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے سلیمان تیمی سے پوچھا کیا کوئی جہنم کی آگ سے نکل سکے گا تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم بخدا جہنم کی آگ سے کوئی نہیں نکلے گا۔ یہاں تک کہ وہ اس میں چند حقب ٹھہرا رہے اور ایک حقب اسی سال سے زائد ہے۔ ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ہے(3)۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ اس میں سات سو حقب رہیں گے۔ ہر حقب ستر سال کا ہوگا اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا ہوگا۔

مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا سے منسوخ ہے۔ خالد بن معدان کا قول ہے کہ یہ آیت کریمہ اور آیت اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ "مگر جتنا چاہے آپ کا رب" اہل توحید کے بارے میں ہیں(4)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ "احقابا" کا تعلق لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا کے ساتھ ہو یعنی طویل مدت تک ان کو کھولتے ہوئے پانی اور بہتی ہوئی پیپ کا عذاب دیا جائے گا اور پھر اس کے بعد دوسری قسم کا عذاب شروع ہو جائے گا۔ لیکن صحیح قول ہے کہ یہ عذاب ہمیشہ رہے گا، ختم نہیں ہوگا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے جب احقاب کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے لیکن اہل لغت کا قول ہے کہ حقب ستر سال کا ہے جس کا ہر دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ احقاب کبھی ختم نہ ہوں گے جب ایک حقب گزرے گا تو دوسرا حقب شروع ہو جائے گا۔ حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان احقاب کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہم نے یہ سنا ہے کہ ایک حقب اسی سال کا ہوتا ہے۔ جس کا ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا وہ اس میں نہ کوئی ٹھنڈی چیز اور نہ پانی چکھیں گے سوائے کھولتے ہوئے پانی اور گرم پیپ کے۔ یعنی اہل جہنم کو نہ تو ایسی ٹھنڈک حاصل ہوگی جس سے ان کو تسکین ملے اور نہ پینے کے لئے ٹھنڈا پانی دستیاب ہوگا۔ انہیں کھولتا ہوا پانی اور گرم

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 11 — 2۔ ایضاً مرجع مذکور

3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب صفۃ جہنم، جلد 4، صفحہ 187-186 — 4۔ ہود: 108، تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 12

پیپ دی جائے گی۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: برد سے حمیم کی استثناء کی گئی ہے اور شراب سے غساق کی۔ حمیم کھولتے ہوئے پانی کو کہتے ہیں اور غساق جہنمیوں کی پیپ، پسینے اور آنسوؤں کے مجموعہ کا نام ہے جو انتہائی بدبودار ہوگی۔ سورۂ ص میں غساق کی تفصیل گزر چکی ہے(1)۔ اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ برد سے مراد نیند ہے۔ عرب شعراء نے بھی اپنے کلام میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال کیا ہے(2)۔

جَزَآءً وِّفَاقًا یہ ان کے گناہوں کی پوری پوری سزا ہوگی۔ یعنی جو سزا ان کو جہنم میں دی جائے گی یہ ان کی ان بداعمالیوں کے موافق ہوگی جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ روز حساب کی توقع ہی نہیں رکھتے تھے یعنی ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جزاء وسزا حساب وکتاب کا کوئی دن مقرر ہی نہیں اور انہوں نے ہماری آیات کو بڑی ہٹ دھرمی سے جھٹلایا۔ آیات سے یہاں مراد وہ براہین ودلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسل کے ذریعہ اپنی مخلوق تک پہنچائے۔ یہ لوگ ان کی تصدیق کرنے کی بجائے ان کی تکذیب کرتے تھے اور ان سے معاندانہ سلوک کرتے تھے۔

كِذَّابًا بمعنی تکذیب مصدر ہے۔ اس وزن پر اور بھی مصادر آئے ہیں۔ ایک اعرابی نے صفا، مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے فراء سے ان الفاظ "الحلقُ اَحَبُّ الیك او القصار" سے مسئلہ پوچھا۔ یہاں قصار تقصیر کے معنی میں ہے(3)۔ حالانکہ ہم نے ہر چیز کو گن گن کر لکھ دیا ہے۔ یعنی ہمیں بندوں کے تمام اعمال وافعال کا علم تھا اور ہم نے انہیں لکھ دیا تھا اور انہی اعمال کے مطابق انہیں جزا وسزا دیں گے۔

(پس مزہ چکھو، اب ہم تم پر زیادہ نہیں کریں گے مگر عذاب) یعنی اہل جہنم سے کہا جائے گا کہ اس عذاب کا مزا چکھو اور ہم اسی قسم کے بدترین عذاب اور بڑھاتے رہیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل نار کے بارے میں اس آیت سے زیادہ شدید کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ ان کے عذاب میں ہمیشہ اضافہ ہی ہوتا رہے گا(4)۔ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ قرآن پاک میں اہل جہنم کے بارے سب سے سخت آیت کونسی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ آیت کریمہ پڑھتے ہوئے سنا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو خدا کی نافرمانی نے تباہ کر دیا مگر اس حدیث کے ایک راوی جسر بن فرقد انتہائی ضعیف ہیں۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾

"بلاشبہ پرہیزگاروں کے لئے کامیابی (ہی کامیابی) ہے۔ (ان کے لئے) باغات اور انگوروں (کی بیلیں) ہیں۔ اور جواں سال ہم عمر لڑکیاں۔ اور چھلکتا ہوا جام۔ نہ سنیں گے وہاں کوئی بیہودہ بات اور نہ جھوٹ۔ یہ بدلہ ہے آپ کے رب کی طرف سے بڑا کافی انعام"۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے اپنے نیکوکار بندوں کے لئے تیار کر رکھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "مفازاً" سے مراد سیرگاہ ہے۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے اور جہنم سے نجات پاگئے لیکن یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حدائق کا ذکر کیا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ص آیت: 57 — 2۔ دیوان امرؤ القیس: 231 تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 12 نحاس: اعراب القرآن، جلد 5، صفحہ 131
3۔ فراء: معانی القرآن، جلد 3، صفحہ 229 تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 16 — 4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 17

ہے۔جس کا معنی کھجور کے باغات ہیں۔

اعناب کا معنی انگور ہیں۔کواعب کنواری جواں سال اور ابھری ہوئی چھاتیوں والی حوروں کو کہتے ہیں۔''اترابا'' سے مراد یہ ہے کہ وہ ہم عمر ہوں گی۔اس کی تفسیر سورۂ واقعہ میں گزر چکی ہے(1)۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اہل جنت کے لباس اللہ تعالیٰ کی رضا سے خوشنما ہوں گے، بادل ان کے قریب سے گزریں گے اور انہیں آواز دیں گے کہ اہل جنت! ہم تم پر کس چیز کی بارش برسائیں۔پھر وہ ان کی فرمائش کے مطابق برسیں گے۔یہاں تک کہ نوجوان کنواری لڑکیاں بھی ان پر برسائیں گے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہیں پے در پے چھلکتے ہوئے جام دیئے جائیں گے۔عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ جام انتہائی نفیس صاف اور شفاف ہوں گے۔دیگر مفسرین نے کہا ہے: دِهَاقًا سے مراد چھلکتے ہوئے جام ہیں۔وہ کوئی بیہودہ بات اور جھوٹ نہ سنیں گے۔جیسا کہ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ (الطور:23)''اس میں نہ کوئی لغویت ہوگی اور نہ گناہ'' یعنی جنت میں کوئی لغو اور فضول گفتگو نہیں ہوگی اور نہ ہی کوئی گناہ اور جھوٹ بلکہ وہ تو دارالسلام ہے، جس میں ہر چیز نقص سے سلامت ہے اور یہ آپ کے رب کی طرف سے بدلہ ہے جو بڑا اور کافی انعام ہے۔یعنی جن نعمتوں کا ذکر ہوا ہے، وہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو محض اپنے فضل واحسان اور لطف وکرم سے عطا فرمائے گا اور یہ عطاء الٰہی ہے جو کافی ہوگی۔ہر قسم کے عیب سے پاک، نقص سے محفوظ اور کثرت سے ہوگی۔عرب کہتے ہیں: فاعطانی فاحسبنی یعنی اس نے مجھے عطا کیا اور پھر بے نیاز کر دیا اور اسی طرح کہا جاتا ہے۔حسبی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ میرے لئے کافی ہے۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ صَفًّا ۙۗ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّاۤ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِیْبًا ۚۖ یَّوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ وَ یَقُوْلُ الْكٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

''جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔بے حد مہربان انہیں طاقت نہ ہوگی کہ (بغیر اجازت) اس سے بات بھی کر سکیں۔جس روز روح اور فرشتے پرے باندھ کر کھڑے ہوں گے۔کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے۔یہ دن برحق ہے۔سو جس کا جی چاہے بنا لے اپنے رب کے جوار رحمت میں اپنا ٹھکانا۔بے شک ہم نے ڈرا دیا ہے تمہیں جلد آنے والے عذاب سے۔اس دن دیکھ لے گا ہر شخص (ان عملوں کو) جو اس نے آگے بھیجے تھے اور کافر (بصد حسرت) کہے گا کاش! میں خاک ہوتا''۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت وجلالت کا بیان فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کا پروردگار ہے۔وہ بڑا مہربان ہے۔اس کی رحمت ہر چیز کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہو۔اس کے اذن کے بغیر اس کے سامنے کوئی کلام نہیں کر سکے گا۔جیسا

1۔دیکھئے تفسیر سورۂ واقعہ آیت:37

کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (بقرہ:255) ''کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے''ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (ہود:105) جب وہ دن آئے گا تو (اس کی ہیبت سے) کوئی شخص نہیں بول سکے گا بجز اس کی اجازت کے''۔ اس روز روح اور فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے۔ مفسرین کا روح کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔

چند اقوال یہ ہیں:۔

1۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تمام بنی آدم کی ارواح ہیں۔

2۔ حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے تمام بنی نوع انسان مراد ہیں۔

3۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جس کو اس نے انسان کی صورت پر پیدا کیا ہے یہ نہ فرشتے ہیں اور نہ ہی انسان۔ یہ کھاتے پیتے ہیں۔ یہ مجاہد، ابو صالح اور اعمش رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت میں یہی مروی ہے۔

4۔ اس سے مراد جبریل امین ہیں یہ شعبی سعید بن جبیر اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۙ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ (شعراء193)۔ حضرت مقاتل بن حیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام ملائکہ میں بزرگ ہیں اور اللہ کے مقرب اور صاحب وحی ہیں۔

5۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن حکیم ہے۔ اس قول کی تائید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے: وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (شوریٰ:52)۔

6۔ اس سے مراد ایک فرشتہ ہے جو تمام مخلوق کے برابر ہے۔ حضرت علی بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ایک عظیم فرشتہ ہے جو تمام فرشتوں سے بڑا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روح نامی فرشتہ چوتھے آسمان میں ہے اور یہ تمام آسمانوں، پہاڑوں اور فرشتوں سے بڑا ہے۔ ہر دن بارہ ہزار مرتبہ سبحان اللہ پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر تسبیح کے بدلہ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ قیامت کے دن اکیلا ہی ایک صف میں کھڑا ہو گا(1)۔ یہ قول انتہائی غریب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے، اگر اسے کہا جائے کہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کو ایک لقمہ میں نگل لو تو وہ ایک لقمہ میں نگل جائے۔ وہ یہ تسبیح پڑھتا رہتا ہے: ''سبحانك حيث كنت'' (اے اللہ! تو جہاں بھی ہے تو پاک ہے)(2)۔ یہ حدیث بھی انتہائی ضعیف ہے۔ اس کا مرفوع ہونا بھی محل نظر ہے۔ ممکن ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہو اور آپ نے اسرائیلی علماء سے سنا ہو(3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں توقف اختیار کیا ہے۔ انہوں نے یہ تمام اقوال ذکر کئے ہیں اور کسی ایک کے بارے میں بھی فیصلہ نہیں کیا۔ میرے نزدیک سب سے اصح قول یہی ہے کہ روح سے مراد بنو آدم ہیں۔ اس دن وہی کلام کرے گا جسے رحمٰن کی طرف سے اجازت ہو گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مثال ہے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس دن رسولوں کے علاوہ کوئی بات نہیں کر سکے گا(4)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 22 2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ اسراء آیت:85 3۔ دیکھئے تفسیر سورۃ ہود آیت:105 4۔ ایضاً مرجع مذکور

صَوَابًا سے مراد حق بات ہے۔ ابو صالح اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ''لا الہ الا اللہ'' کا کلمہ ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ دن برحق ہے۔ یعنی یقیناً واقع ہونے والا ہے اور پس جو چاہے اپنے رب کے جوار رحمت میں ٹھکانہ بنا لے۔

مَاٰبًا سے مراد لوٹنے کی جگہ اور وہ راستہ ہے جس سے گزر کر جائے گا۔ ارشاد فرمایا: بے شک ہم نے تمہیں جلد آنے والے عذاب سے ڈرایا ہے۔ اس سے مراد قیامت کے دن کا عذاب ہے کیونکہ اس کا وقوع یقینی ہے اس لئے اسے قریب کہا ہے کیونکہ ہر آنے والی چیز کو ایسے ہی سمجھنا چاہئے کہ گویا وہ آ چکی ہے۔ ارشاد فرمایا: اس دن ہر شخص اپنے اعمال کو دیکھ لے گا جو اس نے آگے بھیجے۔ یعنی اس کے تمام اچھے برے، نئے اور پرانے اعمال اس کے سامنے ہوں گے۔ ارشاد فرمایا ہے: اور پھر کافر کہے گا، کاش میں خاک ہوتا۔ یعنی کافر اس دن خواہش کرے گا کہ کاش وہ دنیا میں مٹی کی طرح ہوتا اور عدم سے وجود میں نہ آتا۔ یہ وہ اس وقت کہے گا جب وہ اپنی آنکھوں سے عذاب الٰہی کا مشاہدہ کرے گا اور اپنے ان برے اعمال کو دیکھے گا جو پاک اور عزت والے فرشتوں کے ہاتھوں لکھے ہوئے ہوں گے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ کافر اس خواہش کا اظہار اس وقت کرے گا جب اللہ تعالیٰ ان حیوانات کے درمیان فیصلہ فرمائے گا جن کا دنیا میں جھگڑا ہوا تھا حتیٰ کہ بے سینگ بکری کو سینگ والی بکری سے قصاص دلایا جائے گا۔ اس فیصلہ کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا مٹی ہو جاؤ تو وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس کے بعد کافر خواہش کرے گا کہ کاش میں بھی حیوان ہوتا اور مٹی ہو جاتا۔ صور والی مشہور حدیث میں اسی قسم کا مفہوم بیان کیا گیا ہے اور اس کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی اقوال منقول ہیں (1)۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام آیت: 73 اور سورۂ حج کی ابتداء

سورۃ النازعات (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿۴﴾
فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿۵﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿۶﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿۷﴾ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ
وَّاجِفَةٌ ﴿۸﴾ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿۹﴾ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿۱۰﴾ ءَاِذَا كُنَّا
عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿۱۱﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿۱۲﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمْ
بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾

''قسم ہے (فرشتوں کی) جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں۔ اور بند آسانی سے کھولنے والے ہیں۔ اور تیزی سے پیرنے والے ہیں۔ پھر (تعمیل ارشاد میں) جو دوڑ کر سبقت لے جانے والے ہیں۔ پھر (حسب حکم) ہر کام کا انتظام کرنے والے ہیں، جس روز تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی۔ اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہوگا۔ کتنے دل اس روز (خوف سے) کانپ رہے ہوں گے۔ ان کی آنکھیں (ڈر سے) جھکی ہوں گی۔ کافر کہتے ہیں کیا ہم پلٹائے جائیں گے الٹے پاؤں۔ (یعنی) جب ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے۔ بولے یہ واپسی تو بڑے گھاٹے کی ہوگی۔ (پس اس واپسی کے لئے) تو فقط ایک جھڑک کافی ہے۔ پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے''۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا حضرات عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ ان فرشتوں کی صفات ہیں جو بنی آدم کی روحوں کو نکالتے ہیں۔ یہ فرشتے بعض لوگوں کی روحوں کو تو بڑی سختی سے نکالتے ہیں اور روح قبض کرنے میں گہرائی تک پہنچتے ہیں اور بعض کی آسانی سے نکالتے ہیں جیسے کسی کا بند کھولا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ نازعات سے مراد کافروں کی روحیں ہیں۔ ان کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکال کر تیزی سے لے جایا جاتا ہے اور دوزخ کی آگ میں غرق کر دیا جاتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد موت ہے۔ حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا یہ ستاروں کی صفات ہیں۔ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے مراد مجاہدین کی کمانیں ہیں۔ مگر پہلا قول ہی صحیح ہے یہی اکثر مفسرین کی رائے ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا سے مراد فرشتے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد موت ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ستارے ہیں۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے کشتیاں مراد ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، مسروق، مجاہد اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا سے مراد فرشتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ایمان اور تصدیق کی طرف

سبقت لے جانے والے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے موت مراد ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ستارے ہیں۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ کرنے والے گھوڑے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، مجاہد، عطاء، ابوصالح، حسن بصری، قتادہ، ربیع بن انس اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا سے مراد فرشتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اس کی مزید تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین وآسمان کے امور کی تدبیر کرتے ہیں۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ان اقوال میں سے کسی قول کو بھی قطعی قرار نہیں دیا اور فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں لیکن اس کو ثابت کیا ہے نہ اس کی نفی کی ہے۔

(جس روز تھر تھرانے والی تھر تھرائے گی اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہوگا)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نفخہ اولیٰ اور ثانیہ ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں: يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ سے مراد پہلا نفخہ ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ (مزمل: 14)'' (یہ اس روز) جس دن لرزنے لگیں گے زمین اور پہاڑ''۔

الرَّادِفَةُ سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً (الحاقہ: 14)'' اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر دفعتہً چور چور کر دیا جائے گا''۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس دن تھر تھرانے والی آئے گی اور اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا آئے گا، تو اس دن موت اپنے تمام مصائب کے ساتھ آجائے گی۔ ایک آدمی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اگر میں اپنے وظیفہ کا کل وقت آپ پر درود پڑھتا ہوا گزار دوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا تب اللہ تعالیٰ تجھے دنیا وآخرت کے غموں سے نجات دے دے گا (1)۔

امام ترمذی اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ جب دو تہائی رات گزر جاتی تو رسول اللہ ﷺ بیدار ہوتے اور ارشاد فرماتے کہ لوگو! اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ تھر تھرانے والی آرہی ہے۔ اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا آئے گا اور موت اپنے تمام مصائب کے ساتھ آجائے گی (2)۔ (اس دن، (خوف سے) کتنے دل کانپ رہے ہوں گے)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں'' واجفة'' کا معنی خوفزدہ ہونا ہے۔ یہی مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ فرمایا ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ یہاں آنکھوں کی نسبت قلوب کی طرف ہے۔ مراد یہی ہے کہ ان لوگوں کی آنکھیں خوف کی وجہ سے جھکی ہوئی ہوں گی۔ یعنی وہ جب قیامت کا ہولناک منظر دیکھیں گے تو ان کی آنکھیں ذلت اور رسوائی سے جھک جائیں گی۔ پھر ارشاد فرمایا کافر کہتے ہیں کہ ہم الٹے پاؤں پلٹائے جائیں گے۔ یعنی مشرکین مکہ اور وہ لوگ جو وقوع قیامت کے منکر ہیں جو قبروں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے کو بعید از عقل خیال کرتے تھے۔

الْحَافِرَةِ سے مراد قبریں ہیں یعنی ان کا خیال تھا کہ جسموں کے گل سڑ جانے اور ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہوجانے کے بعد ممکن نہیں۔ اسی لئے انہوں نے کہا کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے۔ اسے'' ناخرة'' بھی پڑھا گیا ہے (3)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بوسیدہ ہڈیاں ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ہڈی جب بوسیدہ ہوجائے اور اس میں ہوا داخل ہو تو اسے ناخرۃ کہتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: (وہ کہنے لگے یہ واپسی تو بڑے گھاٹے کی ہوگی)۔ حضرت عبداللہ بن عباس

1۔ دیکھئے تفسیر سورہ احزاب آیت: 56 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ احزاب آیت: 56 3۔ ابن باذش: الاقناع، جلد 2، صفحہ 803

رضی اللہ عنہما اور کئی دوسرے مفسرین نے فرمایا ہے حافرہ سے مراد موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جہنم کی آگ ہے اور اس کے کئی نام ہیں: نار جهنم، جحيم، سقر، هاويه، حافره، لظى اور حطمه۔

محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قریش مکہ نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا تو ہم بڑے گھاٹے میں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس واپسی کے لئے ایک جھڑک ہی کافی ہے۔ یعنی ادھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا ادھر لوگ دوبارہ زندہ ہو کر کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو حکم فرمائے گا تو وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے لئے صور پھونکیں گے تو تمام لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (قمر: 50) ''اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے''۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ (النحل: 77) ''اور نہیں قیامت برپا ہونے کا معاملہ مگر جیسے آنکھ تیزی سے جھپکتی ہے یا اس سے بھی جلد''۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ سے مراد ایک سخت آواز ہے۔ ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس دن پروردگار عالم بہت غضبناک ہوگا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد غصہ کی ایک جھڑک ہے۔ ابو مالک اور ربیع بن انس رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نفخہ ثانیہ ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ وہ کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''ساھرہ'' سے مراد تمام روئے زمین ہے اور یہی قول اکثر مفسرین کا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ زمین کے نیچے تھے اس سے نکال کر انہیں اوپر کر دیا جائے گا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ساھرہ سے مراد ہموار زمین ہے۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے شام کی سرزمین مراد ہے۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بیت المقدس کی سرزمین ہے۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ بیت المقدس کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جہنم ہے۔ یہ تمام اقوال ضعیف اور عجیب ہیں اور صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد زمین کا اوپر والا حصہ ہے۔ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد میدہ کی صاف روٹی کی طرح خالی اور سفید زمین ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا (طٰہٰ: 105-107) ''اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ فرمائیے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک دے گا۔ پس بنا چھوڑے گا اس پہاڑی علاقہ کو کھلا ہموار میدان نہ نظر آئے گا تجھے اس میں کوئی موڑ اور نہ کوئی ٹیلہ''۔ اور اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً (الکہف: 47) ''اور (غور کرو) جس روز ہم ہٹا دیں گے پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے) اور (تم دیکھو گے) زمین کو کہ کھلا میدان ہے''۔ یعنی پہاڑوں کو ختم کر کے ان کے نیچے سے صاف زمین ظاہر کر دی جائے گی اور یہ ایسی زمین ہوگی جس پر نہ تو کسی نے کوئی خطا کی ہوگی اور نہ ہی کسی نے کسی کا خون بہایا ہوگا۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۱۵ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝۱۶ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝۱۷ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝۱۸ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝۱۹ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝۲۰ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝۲۱ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝۲۲ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝۲۳

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰى ﴿۲۶﴾

"(اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو موسیٰ کی خبر؟ جب ان کے رب نے انہیں طویٰ کی مقدس وادی میں پکارا تھا۔ (کہ) جاؤ فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے۔ پس (اس سے) دریافت کرو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے۔ اور (کیا تو چاہتا ہے کہ) میں تیری رہبری کروں تیرے رب کی طرف تاکہ تو (اس سے) ڈرنے لگے۔ پس آپ نے (جا کر) اسے بڑی نشانی دکھائی۔ پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ پھر روگرداں ہو کر فتنہ انگیزی میں کوشاں ہو گیا۔ پھر (لوگوں کو) جمع کیا پس پکارا۔ اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ آخر کار مبتلا کر دیا اسے اللہ نے آخرت اور دنیا کے (دوہرے) عذاب میں۔ بے شک اس میں بڑی عبرت ہے اس کے لئے جو اللہ سے ڈرتا ہے"۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے ایک بندے اور رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خبر دی ہے کہ اس نے انہیں فرعون کی طرف بھیجا اور معجزات کے ساتھ ان کی تائید فرمائی مگر اس کے باوجود فرعون اپنی سرکشی اور کفر پر ڈٹا رہا تو اسے سخت عذاب سے دوچار کیا۔ اسی طرح تمہاری مخالفت کرنے والے اور تجھے جھٹلانے والے کا بھی یہی انجام ہو گا۔ اسی لئے اس قصہ کے آخر میں فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰى فرمایا اے حبیب! کیا آپ کو موسیٰ کی خبر پہنچی ہے۔ آپ نے موسیٰ کے بارے میں سنا ہے جب اس کے رب نے اسے طویٰ کی مقدس اور مطہر وادی میں اتارا۔ طویٰ وادی کا نام ہے۔ اس کی تفسیر سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے(1)۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کی طرف جاؤ۔ وہ سرکش ہو گیا ہے اور بدعملی اور نافرمانی میں حد سے تجاوز کر گیا ہے۔ اس سے دریافت کرو کہ کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے۔ اس سے کہو کیا تو ایسے راستہ پر چلنے کی تمنا رکھتا ہے جس سے تو پاک ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار بن جائے۔ کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیری تیرے رب کی طرف رہبری کروں تاکہ تو اس سے ڈرنے لگے۔ عبادت کا ایسا طریقہ بتاؤں جس کی وجہ سے تیرے دل میں خشوع و خضوع پیدا ہو جائے اور تو اپنے رب کا فرمانبردار ہو جائے۔ بعد اس کے کہ تو انتہائی سنگدل، خبیث اور نیکی و بھلائی سے دور تھا۔ پھر آپ نے اسے ایک بڑی نشانی دکھائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق کی طرف دعوت کے ساتھ ساتھ بہت سے عظیم معجزات ظاہر کئے جو ان کی سچائی پر دلالت کرتے تھے لیکن فرعون نے حق کی تکذیب کی اور اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کا جو حکم دیا گیا اس کی مخالفت کی۔ فرعون کے دل میں کفر راسخ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کا اس کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا حالانکہ اسے علم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیغام حق ہے لیکن اس کے علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس پر ایمان بھی رکھتا تھا کیونکہ معرفت دل سے جاننے کا نام ہے اور ایمان اس معرفت کا ثمر ہے۔ یعنی حق کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا۔

پھر ارشاد فرمایا: وہ (فرعون) حق سے روگردانی کر کے فتنہ انگیزی میں لگ گیا حق کے مقابلہ میں باطل میں مشغول ہو گیا اور جادوگروں کو جمع کیا تاکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں۔ اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور نداء دی کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے اس قول سے چالیس سال پہلے یہ کہا تھا کہ (میں تو نہیں

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ آیت:12

جانتا کہ تمہارے لئے میرے سوا کوئی اور خدا ہے "(1)۔ ارشاد فرمایا آخر کار اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا و آخرت کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اس سے ایسا انتقام لیا کہ دنیا میں اسے اس جیسے دوسرے سرکشوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا اور آخرت کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ (ہود: 99) "اور قیامت کے دن بھی۔ بہت برا عطیہ ہے جو انہیں دیا جائے گا"۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ (قصص: 41) "اور ہم نے بنایا تھا انہیں ایسے پیشوا جو بلا رہے تھے (اپنی رعایا کو) آگ کی طرف اور روزِ حشر ان کی مدد نہیں کی جائے گی"۔ یہی قول صحیح ہے۔ اس آیت کریمہ میں الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى سے مراد دنیا اور آخرت ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اس کا پہلا قول اور دوسرا قول ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد اس کا کفر اور نافرمانی ہے۔ لیکن پہلا قول ہی بلاشبہ صحیح ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: اس میں اسی کے لئے بڑی عبرت ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے جو نصیحت قبول کرتا ہے اور گناہوں سے باز رہتا ہے۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾

"کیا تمہیں پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کا، اس نے اسے بنایا۔ اس کی چھت کو خوب اونچا کیا پھر اس کو درست کیا۔ اور تاریک کیا اس کی رات کو اور ظاہر کیا اس کے دن کو۔ اور زمین کو بعد ازاں بچھا دیا۔ نکالا اس سے اس کا پانی اور اس کا سبزہ۔ اور پہاڑ (اس میں) گاڑ دیئے۔ سامانِ زیست ہے تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے"۔

وہ لوگ جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے منکر تھے، اللہ تعالیٰ ان پر حجت قائم کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ کیا تمہیں پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کا۔ یعنی آسمان کا پیدا کرنا تم سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ کیا جو اتنے بڑے آسمان کو پیدا کرنے پر قادر ہے تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا؟ جیسا کہ ارشاد ہے: اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ڲ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (یٰسین: 81) "کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمان اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی (چھوٹی سی) مخلوق بے شک (وہ ایسا کر سکتا ہے) اور وہی پیدا فرمانے والا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: اس نے اس آسمان کو بنایا، پھر اس کی بناوٹ کی تفصیل بیان کی اور فرمایا اس کی چھت کو خوب بلند کیا اور پھر اسے درست کیا۔ آسمان کو بلند و بالا، عظیم الشان اور وسیع الاطراف بنایا۔ تاریک راتوں میں اسے چمکتے ہوئے ستاروں سے مزین کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: اور اس کی رات کو تاریک کیا اور اس کے دن کو ظاہر کیا۔ رات کو تاریک اور سیاہ بنایا اور دن کو روشن اور چمکدار۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اَغْطَشَ کا معنی تاریک کرنا ہے۔ اور یہی قول دوسرے اکثر مفسرین کا ہے۔

اَخْرَجَ ضُحٰىهَا سے مراد ہے کہ اس کے دن کو روشن بنا دیا۔ ارشاد فرمایا: بعد ازاں زمین کو بچھا دیا۔ اس کی تفسیر اپنے اس ارشاد اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا سے کی۔ سورۂ حم السجدہ میں یہ بیان گزر چکا ہے کہ زمین کی تخلیق آسمان کی تخلیق سے پہلے ہوئی (2)۔ لیکن اسے آسمان

1۔ قصص: 38، تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 41 — 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ فصلت آیت: 9

کی تخلیق کے بعد بچھایا گیا۔ یعنی اس میں پائی جانے والی تمام چیزوں کا بالفعل ظہور آسمان کی تخلیق کے بعد ہوا۔ یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور کئی دوسرے مفسرین کا قول ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے(1)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زمین کو بچھانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں پانی اور گھاس کو پیدا کیا۔ اس میں نہریں جاری کیں، اس میں پہاڑ، ٹیلے، ریت اور راستے بنائے۔ اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: اور پہاڑوں کو مضبوطی سے گاڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو ان کے اپنے مقامات پر بڑی مضبوطی سے گاڑ دیا۔ وہ بڑا دانا، ہر چیز کو جاننے والا اور اپنی مخلوق پر بہت مہربان ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے اس میں گاڑ دیا اس سے وہ قرار پذیر ہو گئی۔ فرشتے پہاڑوں کی تخلیق پر بڑے متعجب ہوئے۔ عرض کرنے لگے اے پروردگار! کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے بھی زیادہ کوئی سخت چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، لوہا۔ انہوں نے عرض کیا۔ کیا لوہے سے بھی کوئی سخت چیز ہے؟ فرمایا: ہاں، آگ۔ عرض کی: کیا آگ سے بھی زیادہ کوئی سخت چیز ہے؟ فرمایا: ہاں پانی۔ عرض کی: کیا پانی سے بھی زیادہ کوئی سخت چیز ہے؟ فرمایا: ہاں ہوا۔ عرض کی: اس سے زیادہ کوئی چیز؟ فرمایا: ہاں، وہ ابن آدم جو اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے اور اس کے بائیں ہاتھ کو علم نہیں ہوتا(2)۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ کانپنے لگی اس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی، تو مجھ پر آدم اور اس کی اولاد کو پیدا کرنے والا ہے جو مجھ پر گندگی ڈالیں گے اور گناہوں کا ارتکاب کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے ساتھ اسے ساکن کر دیا۔ ان میں بعض پہاڑ ایسے ہیں جن کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو اور بعض ایسے ہیں جو تم دیکھ نہیں پاتے۔ زمین کا پہاڑوں سے سکون پذیر ہونا اسی طرح ہے جس طرح اونٹ کا گوشت ہوتا ہے۔ جب اسے ذبح کیا جاتا ہے تو تھوڑی دیر کے لئے اس کا گوشت حرکت کرتا رہتا ہے اور پھر ساکن ہو جاتا ہے۔ یہ روایت انتہائی ضعیف ہے(3)۔

ارشاد فرمایا: یہ سب تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے سامان زیست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو بچھایا۔ اس میں چشمے اور نہریں جاری کیں۔ اس کے چھپے ہوئے خزانوں کو ظاہر کیا۔ اس میں فصلیں، درخت اور پھل اگائے۔ اس پر پہاڑ پیدا کر کے اسے ساکن کر دیا تاکہ یہ اپنے اوپر بسنے والوں کے لئے قرار پذیر رہے۔ یہ تمام چیزیں بنی نوع اور ان چوپاؤں کے لئے سامان زیست بنا دیں جن کو وہ کھاتے ہیں اور ضرورت کے وقت ان پر سواری کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہے گا، یہاں تک کہ مقررہ وقت آ جائے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ
لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا
مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ
عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ

1۔ تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 46 — 2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 124، نیز یہ حدیث تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 271 میں گزر چکی ہے
3۔ تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 47

اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿٤٥﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿٤٦﴾

”پھر جب آئے گی سب سے بڑی آفت۔ اس دن انسان یاد کرے گا جو دوڑ دھوپ اس نے کی تھی اور ظاہر کر دی جائے گی جہنم ہر دیکھنے والے کے لئے۔ پس جس نے سرکشی کی ہو۔ اور ترجیح دی ہوگی دنیوی زندگی کو۔ تو دوزخ ہی (اس کا) ٹھکانا ہو گا۔ اور جو ڈرتا رہا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور (اپنے) نفس کو روکتا رہا ہوگا (ہر بری) خواہش سے۔ یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانا ہوگا۔ یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی۔ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق۔ آپ کے رب تک اس کی انتہا ہے۔ آپ ضرور خبردار کرنے والے ہیں ہر اس شخص کو جو اس سے ڈرتا ہو۔ گویا وہ جس روز اس کو دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح“۔

ارشاد فرمایا: پھر جب سب سے بڑی آفت آئے گی۔ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى سے مراد قیامت کا دن ہے۔ اسے یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ ہر ہولناک امر پر غالب آجائے گی۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: اور قیامت بڑی خوف ناک اور تلخ ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: انسان اپنی دوڑ دھوپ کو یاد کرے گا۔ اپنے اچھے برے تمام اعمال کو یاد کرے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى (الفجر:23) ”اس روز انسان کو سمجھ آئے گی لیکن اس سمجھنے کا کیا فائدہ“۔

اس کے بعد ارشاد ہے: ہر دیکھنے والے کے لئے جہنم ظاہر کر دی جائے گی۔ لوگوں کے سامنے اسے ظاہر کر دیا جائے گا وہ اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کریں گے۔ پس جس نے سرکشی کی ہوگی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، اس کا کھانا زقوم اور پانی حمیم ہوگا۔

پھر ارشاد فرمایا: اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس کو ہر بری خواہش سے روکتا رہا ہوگا یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ جو شخص اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہونے اور اس کے حکم کی نافرمانی سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشات کی پیروی سے روکا اور اسے اپنے مالک کی اطاعت پر پابند کیا، اس کا ٹھکانہ وسیع و عریض جنت ہوگی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی۔ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق۔ آپ کے رب تک اس کی انتہاء ہے۔ وقوع قیامت کا علم آپ کے سپرد ہے نہ کسی مخلوق کے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی یقینی طور پر اس کے وقوع کو جانتا ہے۔ ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا: ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً (اعراف:187) ”یہ (حادثہ) بہت گراں ہے۔ آسمانوں اور زمین میں نہ آئے گی تم پر مگر اچانک وہ پوچھتے ہیں۔ آپ سے گویا آپ خوب تحقیق کر چکے ہیں اس کے متعلق آپ فرمائیے۔ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے“۔

یہاں ارشاد فرمایا: اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا اسی لئے جب جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے وقت کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسئول (جس سے پوچھا جائے) اس کے بارے میں سائل سے زیادہ نہیں جانتا(1)۔ ارشاد فرمایا: آپ ضرور ہر شخص کو خبردار کرنے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو۔ آپ کو مبعوث کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اس کے عذاب سے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف آیت:138

ڈرائیں پس جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حضور کھڑا ہونے اور اس کی دعید سے ڈرے گا اور تمہاری اتباع کرے گا وہ کامیاب وکامران ہو جائے گا اور جو تمہاری تکذیب اور مخالفت کرے گا وہ خائب وخاسر ہو گا۔

ارشاد فرمایا: گویا وہ جس روز اسے دیکھیں گے انہیں یوں محسوس ہو گا کہ وہ دنیا میں ایک شام یا ایک صبح ٹھہرے ہیں۔ جب وہ اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان محشر کی طرف جائیں گے تو اپنی دنیاوی زندگی کو انتہائی مختصر گمان کریں گے۔ حتیٰ کہ انہیں یہ محسوس ہو گا کہ انہوں نے صرف ایک دن یا ایک شام دنیا میں گزاری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''عشیة'' سے مراد ظہر سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک کا درمیانی وقت ہے اور ''ضحٰها'' سے مراد سورج کے طلوع ہونے سے لے کر نصف النہار کے درمیان کا وقت ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ لوگ جب آخرت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں گے تو انہیں دنیا کا وقت انتہائی قلیل محسوس ہو گا(1)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 50

سورۂ عبس (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤى ۙ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ؕ﴿۲﴾ وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰۤى ۙ﴿۳﴾ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ؕ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ﴿۵﴾ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ؕ﴿۶﴾ وَ مَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۙ﴿۸﴾ وَ هُوَ يَخْشٰى ۙ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ﴿۱۰﴾ كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۘ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۙ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۙ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ؕ﴿۱۶﴾

’’ چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیرلیا (اس وجہ سے کہ) ان کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور آپ کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا۔ یا وہ غور وفکر کرتا تو نفع پہنچاتی اسے یہ نصیحت۔ لیکن وہ جو پروانہیں کرتا۔ آپ اس کی طرف تو توجہ کرتے ہیں۔ اور آپ پر کوئی ضرر نہیں اگر وہ نہ سدھرے۔ اور جو آپ کے پاس آیا ہے دوڑتا ہوا۔ اور وہ ڈر بھی رہا ہے۔ تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں۔ ایسا نہ چاہئے یہ تو نصیحت ہے۔ سو جس کا جی چاہے اسے قبول کر لے۔ یہ ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں۔ جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں۔ ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھے ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں‘‘۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن قریش کے سرداروں کو اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کر رہے تھے۔ اسی دوران ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے، حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے دین سے متعلق مسائل پوچھنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ اگر یہ صحابی تھوڑی دیر رک جائے تو اطمینان سے ان لوگوں کو دین اسلام کی طرف مائل کر سکیں۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ کے چہرہ مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور آپ ﷺ ان سے اعراض فرما کر سرداران مکہ کے ساتھ مصروف گفتگو ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ ’’وہ چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا (اس وجہ سے کہ) ان کے پاس ایک نابینا آیا اور آپ کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا یا وہ غور وفکر کرتا تو یہ نصیحت اسے نفع پہنچاتی) یعنی آپ کی وعظ ونصیحت سے وہ پاکیزہ ہو جاتا اور محارم سے اجتناب کرتا۔ ارشاد فرمایا لیکن وہ جو پرواہ نہیں کرتا۔ آپ اس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ آپ اس دولت مند کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ شاید وہ راہ ہدایت کو اپنا لے اور آپ پر کوئی ضرر نہیں اگر وہ نہ سنورے اور سدھرے۔ اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتا تو اس کے بارے میں آپ سے پوچھ گچھ نہیں کی جائے گی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا اور جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ ڈر بھی رہا ہے، تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں۔ وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہے تا کہ آپ کے ارشادات عالیہ سے مستفید ہو لیکن آپ اس سے بے رخی کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو حکم دیا ہے کہ دین کی تعلیم و تربیت میں تمام لوگ برابر ہیں۔

خواہ کوئی شریف ہو یا ضعیف، امیر ہو یا غریب، آقا ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت چھوٹا ہو یا بڑا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ جسے چاہے راہ حق نصیب فرما دے۔ وہ ان حکمتوں کو بہتر جانتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عَبَسَ وَتَوَلّٰی کی تفسیر کے تحت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابی بن خلف سے گفتگو فرما رہے تھے کہ عبداللہ بن ام مکتوم آ گئے اور مخل ہوئے۔ آپ ﷺ پر یہ ناگوار گزرا سو آپ نے اعراض فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کی بڑی تعظیم کیا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ام مکتوم کو جنگ قادسیہ میں دیکھا کہ انہوں نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور آپ کے پاس ایک سیاہ جھنڈا تھا(1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی مروی ہے۔ اس روایت کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں کیا۔ مؤطا امام مالک میں بھی یہ روایت ہے(2)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام اور عباس بن عبدالمطلب سے گفتگو فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ اسی اثناء میں عبداللہ بن ام مکتوم نامی ایک نابینا شخص آیا اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھائیں اور اللہ تعالیٰ نے جن علوم سے آپ کو نوازا ہے، ان میں سے مجھے بھی سکھایئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا اور اس کی گفتگو کو ناپسند کرتے ہوئے سرداران مکہ کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ اپنی گفتگو ختم کر کے اپنے گھر لوٹنے لگے تو آپ ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ آپ ان کا حال دریافت کرتے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں لیکن اس حدیث کی سند محل نظر ہے(3)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان دیتا ہے، سحری کھاتے پیتے رہا کرو یہاں تک کہ تمہیں عبداللہ بن ام مکتوم کی اذان سنائی دے۔ یہ وہی نابینا ہیں جن کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ اذان دیا کرتے تھے۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نابینا تھے جب لوگ انہیں بتاتے کہ فجر طلوع ہو چکی ہے تب وہ اذان دیتے۔ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ ابن ام مکتوم کا مشہور نام عبداللہ ہے۔ بعض نے کہا ہے عمرو۔ واللہ اعلم۔

ارشاد فرمایا: ایسا نہیں چاہئے یہ قرآن تو سراپا نصیحت ہے۔ ''انھا'' سے مراد یا تو یہ سورت ہے یا وہ مساوات ہے جس کا امیر و غریب اور شریف وضعیف کو تعلیم دیتے وقت لحاظ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ فرمایا سو جس کا جی چاہے اسے قبول کر لے۔ یعنی جس کا دل چاہے وہ اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے۔ یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ضمیر وحی کی طرف لوٹ رہی ہو کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے۔ فرمایا: یہ ایسے صحیفوں میں ہے جو بڑی عزت والے، بلند مرتبہ اور پاکیزہ ہیں۔ یہ سورت یا وعظ و نصیحت بلکہ مکمل قرآن ہی عزت و تکریم والا اور عالی قدر ہے۔ ہر قسم کے عیب، زیادتی اور نقص سے پاک ہے۔ وہ ایسے کاتبوں کے ہاتھوں مرقوم ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں۔

1۔ مسند ابویعلیٰ، جلد 3، صفحہ 286

2۔ مسند ابویعلیٰ، جلد 4، صفحہ 416 تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 50، عارضۃ الاحوذی، ابواب التفسیر، جلد 12 صفحہ 231-230 قرطبی، جلد 19، صفحہ 211

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 51

حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''سفرۃ'' سے مراد ملائکہ ہیں۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں قراء حضرات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبطی زبان میں سفرہ قراء کو کہتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: صحیح یہی ہے کہ سفرۃ سے مراد فرشتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان سفارت کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ سفیر اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کے درمیان صلح اور امن وآشتی کی کوشش کرتا ہے(1)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد فرشتے ہیں۔ جب یہ وحی لے کر نازل ہوتے ہیں اور اسے رسولوں تک پہنچاتے ہیں تو یہ اس سفیر کی مثل ہی کام کرتے ہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے(2)۔ یہ اعلیٰ اخلاق کے مالک، خوبصورت، نیک سیرت ہیں۔ اس لئے قاری قرآن کو بھی چاہئے کہ وہ بھی اپنے آپ کو ان صفات سے آراستہ کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص قرآن پڑھے اور اس میں مہارت حاصل کرے تو وہ ان معزز اور نیکوکار فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن پاک کو مشقت سے پڑھتا ہے اسے دو اجر ملیں گے(3)۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّ زَیْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّ حَدَآىِٕقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

''غارت ہو (منکر) انسان! وہ کتنا احسان فراموش ہے۔ کس چیز سے اللہ نے اسے پیدا کیا۔ ایک بوند سے۔ اسے پیدا کیا پھر اس کی ہر چیز اندازہ سے بنائی۔ پھر (زندگی کی) راہ اس پر آسان کردی۔ پھر اسے موت دی اور اسے قبر میں پہنچا دیا۔ پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کردے گا۔ یقیناً وہ بجا نہ لایا جو اللہ نے اسے حکم دیا تھا۔ پھر ذرا انسان غور سے دیکھے اپنی غذا کو۔ بے شک ہم نے زور سے پانی برسایا۔ پھر اچھی طرح پھاڑا زمین کو۔ پھر ہم نے اگایا اس میں غلہ اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغات۔ اور (طرح طرح کے) پھل اور گھاس۔ سامان زیست تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے''۔

اللہ تعالیٰ منکرین بعث (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا) کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: غارت ہو (منکر) انسان کہ کتنا احسان فراموش ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قُتِلَ الْاِنْسَانُ کا معنی ہے کہ لعنت ہو انسان پر۔ یہی قول ابو مالک

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 54 2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ عبس، جلد 8، صفحہ 691

3۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 48، فتح الباری تفسیر سورۂ عبس، جلد 8، صفحہ 691، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 550-549، سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 71-70 عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 1، صفحہ 29، سنن نسائی، کتاب فضائل القرآن، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 11، صفحہ 406-405، ابن ماجہ کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 1242

رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔اس انسان سے مراد وہ انسان ہے جو بغیر کسی دلیل کے بعث کو جھٹلاتا ہے اور عدم علم کی وجہ سے اسے بعید گمان کرتا ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مَآ اَكْفَرَهٗ کا معنی یہ ہے کہ یہ کتنا ناشکرا ہے(1)۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا یہ معنی ہو کہ اسے کس چیز نے بعث کی تکذیب پر برانگیختہ کیا ہے(2)۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کا معنی ہے کہ یہ کتنا لعنتی ہے(3)۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ کس طرح انسان کو ایک حقیر چیز سے پیدا کیا اور وہ اس کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ ارشاد فرمایا: کس چیز سے اللہ نے اسے پیدا کیا۔ایک بوند سے اسے پیدا کیا اور پھر اس کی ہر چیز اندازہ سے بنائی۔یعنی اس کی موت کے وقت اس کے رزق اور عمل کو مقدر کیا اور یہ بھی لکھ دیا کہ وہ شقی ہے یا سعید۔ارشاد فرمایا: پھر (زندگی کی) راہ اس پر آسان کر دی۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا ماں کے بطن سے نکلنے کو آسان بنا دیا۔یہی قول عکرمہ، ضحاک، ابو صالح، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا (دہر:3) ''ہم نے دکھایا ہے (اپنا) راستہ اب چاہے شکر گزار بنے چاہے احسان فراموش''۔کی طرح ہے یعنی ہم نے اس راستہ کو انسان کے لئے واضح کر دیا اور اس پر عمل کو آسان بنا دیا۔یہی حسن بصری اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور یہی قول راجح ہے۔واللہ اعلم۔

ارشاد فرمایا: پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچا دیا یعنی اسے زندگی عطا کرنے کے بعد اسے موت دی اور قبر میں اتار دیا۔عرب جب کسی شخص کو قبر میں داخل کرتے ہیں تو کہتے ہیں ''قبرت الرجل'' اور اسی طرح کہتے ہیں کہ اقبرہ اللّٰہ۔ارشاد فرمایا: پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا۔یعنی اس کے مرنے کے بعد جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا۔اسی زندگی کو بعث اور نشور بھی کہتے ہیں۔ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ (الروم:20) ''اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے (ایک یہ) ہے کہ اس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر تم اچانک بشر بن کر (زمین میں) پھیل رہے ہو''۔دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا (بقرہ:259) ''اور دیکھ ان ہڈیوں کو کہ ہم کیسے جوڑتے ہیں انہیں پھر (کیسے) ہم پہناتے ہیں انہیں گوشت''۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے ہر عضو کو مٹی کھا جاتی ہے۔ سوائے ریڑھ کی ہڈی کے آخر کے۔عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: یہ رائی کے دانہ کی مثل ہے۔اسی سے تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔صحیحین کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: ابن آدم کا ہر عضو بوسیدہ ہو جائے گا سوائے ریڑھ کی ہڈی کے آخری حصہ کے اسی سے انسان کو پیدا کیا گیا اور اس سے اسے دوبارہ پیدا کیا جائے گا(4)۔

ارشاد فرمایا: یقیناً وہ بجا نہ لایا جو اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ناشکرے انسان نے اللہ تعالیٰ کے ان حقوق کو ادا نہ کیا جو اس کی جان اور مال میں واجب تھے۔اگرچہ انسان تو یہی کہتا ہے کہ میں نے اپنے تمام حقوق کو ادا کر دیا ہے۔مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کے حقوق کو کما حقہ ادا نہیں کر سکتا۔امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 419 — 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 54

3۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 448 — 4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مومنون آیت: 14، سورۂ فاطر آیت: 9

عنہ سے اسی قسم کا ایک اور قول نقل کیا ہے(1) اور متقدمین مفسرین سے اس کے علاوہ اور کوئی تفسیر مروی نہیں۔ میرے خیال میں اس کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کرے گا یعنی وہ اسے ابھی زندہ نہیں کرے گا بلکہ جب مدت مقررہ ختم ہوگی، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اس دنیا میں آنے کو مقدر کیا ہے۔ یہ ہر چیز اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہے۔ جب یہ مدت مکمل ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو دوبارہ زندہ کر دے گا۔

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک فرشتہ میرے پاس آیا اس نے مجھے کہا کہ یہ قبریں زمین کا پیٹ ہیں اور یہ زمین مخلوق کی ماں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس تمام مخلوق کو پیدا فرما دے گا جس کو پیدا کرنے کا اس نے ارادہ فرمایا تو یہ قبریں اس مخلوق سے بھر جائیں گی تو اس سے دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پھر زمین اپنے اندر سے ہر چیز پھینک دے گی اور قبریں بھی ہر مردے کو باہر پھینک دیں گی۔ یہ قول ہماری تفسیر کی مثل ہے۔ ارشاد فرمایا پھر انسان کو اپنی غذا کی طرف غور سے دیکھنا چاہئے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر جو احسان کئے ہیں ان کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ اس سے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ جو ذات خشک زمین سے تر دتازہ نباتات اگانے پر قادر ہے وہ بوسیدہ ہڈیوں کو بھی دوبارہ زندہ کر سکتی ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: بے شک ہم نے زور سے پانی برسایا۔ آسمان سے زمین پر بارش نازل کی پھر اچھی طرح زمین کو پھاڑا۔ اس پانی کو زمین کی تہہ میں داخل کر دیا۔ وہ پانی مٹی کے نیچے پڑے ہوئے دانوں تک پہنچ گیا۔ جس کی وجہ سے وہ دانے اُگ کر سطح زمین پر ظاہر ہو گئے۔ پھر ہم نے اس میں غلہ، انگور اور ترکاریاں اگائیں۔

حَبّ سے مراد وہ تمام اناج ہے جو خوراک کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ''قضباً'' اس سرسبز چارہ کو کہتے ہیں جسے جانور کھاتے ہیں۔ زیتون مشہور پھل ہے۔ اسے سالن کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا تیل بھی بطور خوراک و دوا استعمال ہوتا ہے۔ نخل سے مراد کھجور ہے۔ یہ کچی، پکی، تر اور خشک کھائی جاتی ہے۔ اسے پکا کر بھی کھایا جاتا ہے۔ اس سے شیرہ اور سرکہ بھی بنایا جاتا ہے۔ حدائق سے مراد باغ ہیں، حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''غلبا'' اعلیٰ نسل کی بڑی کھجوروں کو کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے ہر گھنا درخت مراد ہے۔ اور سایہ دار درختوں کو بھی غلب کہا جاتا ہے۔ اس کا معنی ایک روایت کے مطابق طویل ہے۔ موٹے تنے والے درختوں کو بھی غلب کہتے ہیں۔ عرب موٹی گردن والے کو اغلب کہتے ہیں(2)۔

اور پھر ارشاد فرمایا: طرح طرح کے پھل اور گھاس پیدا کی، فاکھہ سے مراد وہ تمام پھل ہیں جس سے انسان لطف اندوز ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''فاکھہ'' وہ پھل ہیں جو تر دتازہ کھائے جاتے ہیں اور اَبّ سے مراد وہ گھاس پھوس اور چارہ ہے جسے جانور کھاتے ہیں، انسان نہیں کھاتے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر اور ابو مالک رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اَبّ خشک گھاس کو کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جانوروں کے لئے اَبّ کا وہی مقام ہے جو انسان کے لئے فاکھہ کا ہے۔ حضرت عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں روئے زمین پر جو چیز بھی اگتی ہے اسے اَبّ کہتے ہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے پھلوں کے سوا زمین پر اگنے والی ہر چیز کو کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اَبّ سے مراد وہ نباتات ہیں جنہیں انسان نہیں حیوان کھاتے ہیں یہی قول کئی دوسرے مفسرین کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے مراد خشک گھاس ہے(3)۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 448 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 57 3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 60

ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فاکھۃ اور اَبّ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کونسا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اور کونسی زمین مجھے اپنے اوپر اٹھائے گی اگر میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں ایسی بات کروں جو میں نہیں جانتا۔ لیکن یہ منقطع ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سورت تلاوت فرما رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے تو فرمانے لگے فاکھہ کو تو ہم جانتے ہیں۔ اَبّ سے کیا چیز مراد ہے؟ پھر خود ہی فرمانے لگے: اے ابن خطاب! یہ تو تکلف ہے (1)۔ اس کی سند صحیح ہے۔ یعنی آپ کے اس قول سے مراد یہ ہے کہ آپ اس شکل، نوع اور قسم کو جاننا چاہتے تھے۔ وگرنہ جو بھی یہ آیت پڑھتا ہے، اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ نباتات کی کوئی قسم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا ارشاد فرمایا: یہ سامان زیست ہے تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے۔ اس دنیا میں قیامت تک تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے سامان زیست ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡهِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیۡهِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیۡهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امۡرِیًٔ مِّنۡهُمۡ یَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ یُّغۡنِیۡهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوۡهٌ یَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَ وُجُوۡهٌ یَّوۡمَئِذٍ عَلَیۡهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ الۡفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

''پھر جب کان بہرا کرنے والا شور اٹھے گا۔ اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے۔ اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے، ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پروا کر دے گی۔ کتنے ہی چہرے اس دن (نور ایمان سے) چمک رہے ہوں گے۔ ہنستے ہوئے خوش وخرم۔ اور کئی منہ اس دن غبار آلود ہوں گے۔ ان پر کالک لگی ہوگی۔ یہی وہ کافر (و) فاجر لوگ ہوں گے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''الصاخة'' قیامت کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت کو بیان کیا ہے اور مخلوق کو اس سے ڈرایا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شاید یہ اس پھونک کا نام ہے جسے صور میں پھونکا جائے گا (2)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت کے دن ایک سخت آواز ہے۔ اسے صاخّہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے شور سے کانوں کو بہرہ کر دیتی ہے (3)۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی، ماں باپ اور بیوی بچوں سے ۔ وہ انہیں دیکھ رہا ہوگا لیکن اس دن کی ہولناکی اور مصائب کی شدت کی وجہ سے ان سے دور بھاگے گا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خاوند بیوی کو دیکھ کر کہے گا میں دنیا میں تجھ سے کیسا سلوک کیا کرتا تھا؟ وہ کہے گی تم نے مجھ سے بڑا اچھا سلوک کیا۔ وہ کہے گا آج مجھے ایک نیکی کی ضرورت ہے۔ اگر وہ تم مجھ کو دے دو تو شاید میں اس ہلاکت سے بچ جاؤں۔ وہ کہے گی تم نے سوال تو بڑی معمولی چیز کا کیا ہے لیکن میں تمہیں یہ نہیں دے سکتی۔ کیونکہ میں بھی اسی خوف میں مبتلا ہوں جس میں تم مبتلا ہو۔ اسی طرح باپ بیٹے سے یہی سوال کرے گا وہ بھی یہی جواب دے گا۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 59 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 61 3۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 419

صحیح حدیث میں شفاعت کے بارے میں ہے کہ قیامت کے دن لوگ اولوالعزم رسولوں سے عرض کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری شفاعت کریں تو ان میں ہر ایک نفسی نفسی کہے گا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بھی فرمائیں گے کہ آج تو صرف اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے ہی سوال کیا جا سکتا ہے۔ آج تو اپنی والدہ کے لئے بھی میں سوال نہیں کر سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ فرمایا(1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس دن انسان محبوب سے محبوب تر اور قریب سے قریب تر سے بھی بھاگے گا۔ ارشاد فرمایا: ان میں سے ہر شخص کو ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے سب سے بے نیاز کر دے گی۔ اس دن ہر کوئی اپنی مصیبت میں مبتلا ہوگا کسی دوسرے کی کوئی ہوش نہیں ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں میدان حشر میں ننگے پاؤں، ننگے بدن، بے ختنہ اور پیدل جمع کیا جائے گا۔ یہ سن کر آپ کی ایک زوجہ نے عرض کی: کیا ہماری نظریں ایک دوسرے کی شرمگاہ پر پڑیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس دن ہر شخص کو ایسی فکر لاحق ہوگی کہ اسے غیر کی طرف دیکھنے کا موقع ہی نہ ملے گا۔ اس حدیث کو ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے مختلف اسناد سے اس کے قریب قریب الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے(2)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میرے والدین آپ پر قربان ہوں! میں آپ ﷺ سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں۔ آپ ﷺ مجھے اس کے بارے میں آگاہ فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے علم ہوا تو میں تجھے آگاہ کروں گا۔ عرض کی: اے اللہ کے نبی! قیامت کے دن لوگوں کا حشر کیسا ہو گا۔ فرمایا: ننگے پاؤں اور ننگے بدن۔ اس پر انہوں نے عرض کی: ہائے قیامت کے دن ایسا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابھی مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے تم سنو گی تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس دن جسم پر کپڑے کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ عرض کی وہ کونسی آیت ہے؟ فرمایا: لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ۔

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کو قبروں سے ننگے پاؤں ننگے بدن اور غیر مختون اٹھایا جائے گا۔ پسینے میں غرق ہوں گے۔ بعض کا پسینہ کانوں تک پہنچا ہوگا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس دن لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے(3)۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: کتنے ہی چہرے اس دن نور ایمان سے چمک رہے ہوں گے، ہنستے ہوئے اور خوش وخرم۔ اس دن لوگوں کے دو گروہ ہوں گے۔ بعض کے چہرے روشن ہوں گے اور وہ خوش وخرم اور مسکرا رہے ہوں گے اور یہ اہل جنت ہوں گے اور کچھ کے چہروں پر غبار ہوگا۔ ان پر کالک لگی ہو گی۔ ان کے چہروں پر سیاہی چھائی ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن کافر اپنے پسینے میں منہ تک ڈوبا ہوا ہوگا اور چہروں پر غبار چھائی ہوئی ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان کے چہرے سخت سیاہ ہوں گے۔ ارشاد فرمایا: یہی وہ کافر اور فاجر لوگ ہوں گے۔ ان کے دلوں میں کفر ہوگا اور اعمال میں فسق و فجور۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح: 27) "اور نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار سخت ناشکر گزار ہوگی"۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ الاسراء آیت: 79

2۔ نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4، صفحہ 114، سنن کبری، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 454، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ عبس، جلد 12، صفحہ 233-232

3۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 450-449

سورۂ تکویر (مکیہ)

مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص روز قیامت کو عیاں دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ کی تلاوت کرے''۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿۱﴾ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿۳﴾ وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿۴﴾ وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ﴿۵﴾ وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿۶﴾ وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴿۷﴾ وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ﴿۸﴾ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾ وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾ وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾ وَ اِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾ وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾

'' (یاد کرو) جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔ اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔ اور جب پہاڑوں کو اکھیڑ دیا جائے گا۔ اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی اور جب وحشی جانور یکجا کر دیئے جائیں گے۔ اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑی جائیں گی۔ اور جب زندہ درگور کی ہوئی (بچی) سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی۔ اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے۔ اور جب آسمان کی کھال ادھیڑ لی جائے گی، اور جب جہنم دہکائی جائے گی۔ اور جب جنت قریب کر دی جائے گی۔ (تو اس دن) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''کورت'' کا معنی ہے کہ سورج بے نور ہو جائے گا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی روشنی ختم ہو جائے گی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی دھنسنا ہے۔ ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسے اپنے مدار سے پھینک دیا جائے گا۔ ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے الٹا کر دیا جائے گا۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ زمین پر گر جائے گا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے تکویر کا معنی کسی چیز کو اکٹھا کرنا ہے۔ سر کے اوپر پگڑی باندھنے کو بھی تکویر کہا جاتا ہے اور ''کورت'' کا معنی یہ ہوگا کہ اسے جمع کر کے لپیٹ دیا جائے گا اور اسے اس کے مدار سے پھینک دیا جائے گا اور اس وقت اس کی روشنی ختم ہو جائے گی(1)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سورج، چاند اور ستاروں کو اکٹھا کر کے سمندر میں ڈال دے گا اور پھر اس کے اوپر ایک ہوا چلے گی جو اس میں آگ لگا دے گی۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ اسے لپیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ ایک دوسری حدیث میں سورج کے ساتھ چاند کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 65-64

بھی ذکر ہے۔لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔اس کا ایک راوی یزید الرقاشی ضعیف ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چاند اور سورج کو قیامت کے دن لپیٹ دیا جائے گا(1)۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو کتاب ''بدأ الخلق ''میں بیان کیا ہے۔بہتر یہ تھا کہ وہ اسے اس آیت کی تفسیر کے تحت ذکر کرتے یا کم ازکم اسے دوبارہ یہاں ذکر کردیتے۔حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سورج اور چاند کو جہنم کی آگ میں ڈال کر تباہ کردیا جائے گا۔حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا کیا گناہ ہے؟ انہوں نے فرمایا: میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنارہا ہوں اور تم باتیں بناتے ہو۔اس کے بعد ارشاد فرمایا: جب ستارے بکھر جائیں گے۔

انکدرت کا معنی بکھرنا ہے۔جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: واذا الکواکب انتثرت،انکدار کا معنی کسی چیز کا گرنا ہے۔حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔قیامت سے پہلے چھ علامات ظاہر ہوں گی۔لوگ بازاروں میں خرید و فروخت میں مصروف ہوں گے کہ سورج بے نور ہو جائے گا۔پھر ستارے بکھر جائیں گے۔اس کے بعد پہاڑ زمین پر گر جائیں گے۔اس سے زمین پر زلزلہ برپا ہو جائے گا۔یہ حالت دیکھ کر جن وانس گھبرا جائیں گے۔جانور اور پرندے آپس میں گھل مل جائیں گے۔دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں آوارہ پھریں گی۔سمندر کو بھڑکا دیا جائے گا۔جن کہیں گے ہم تمہیں اس کی خبر دیتے ہیں۔وہ سمندر کی طرف جائیں گے تو وہ آگ کی طرح بھڑک رہا ہوگا۔اسی اثناء میں ساتوں زمینیں پھٹ پڑیں گی۔آسمان کا بھی یہی حال ہوگا۔اس کے بعد ایک ہوا آئے گی جو تمام کا خاتمہ کردے گی(2)۔حضرت یزید بن مریم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ستاروں کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور ہر وہ چیز جس کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کی گئی اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم کے۔اگر یہ اپنی عبادت کے کئے جانے پر راضی ہوتے تو انہیں جہنم میں ڈال دیا جاتا۔فرمایا: جب پہاڑوں کو لپیٹ دیا جائے گا۔پہاڑوں کو ان کے مقامات سے اکھیڑ کر ریزہ ریزہ کردیا جائے گا۔تمام زمین ہموار میدان بن جائے گی۔جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں آوارہ پھریں گی۔حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔مالک ان کو کھلا چھوڑ دیں گے۔ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا دودھ نہیں دھویا جائے گا۔ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بغیر چرواہے کے آوارہ پھریں گی۔ان تمام اقوال کا مقصود یہی ہے کہ دس ماہ کی گابھن اونٹنی جو اہل عرب کی انتہائی مرغوب اور پسندیدہ ہوتی ہے، قیامت کے ہولناک مصائب میں آوارہ و بے خانماں پھریں گی اور ان کے مالکوں کو ان کی ذرا ہوش نہیں ہوگی۔

عِشار جمع ہے جس کا واحد عشراء ہے۔بعض نے کہا کہ یہ قیامت آنے سے پہلے کی علامات میں سے ہے اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کے مالک ان اونٹنیوں کو دیکھ رہے ہوں گے لیکن ان میں کوئی تصرف نہیں کرسکیں گے۔بعض کے نزدیک عشار سے مراد وہ بادل ہیں جو دنیا کی تباہ و بربادی کے وقت زمین و آسمان کے درمیان ساکن ہوں گے۔بعض کہتے ہیں اس سے مراد عشر والی زمین ہے۔بعض کا قول ہے کہ یہ وہ گھر ہیں جو کبھی آباد تھے پھر اپنے مکینوں سے خالی ہوگئے۔امام ابوعبداللہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''تذکرہ''میں ان تمام اقوال کو ذکر کیا ہے(3)۔ان کے نزدیک راجح قول یہی ہے کہ اس سے مراد اونٹنیاں ہیں۔میرے خیال

1۔فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 297　2۔تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 64-63　3۔قرطبی: تذکرہ: 213-212

میں بھی آئمہ سلف صالحین سے صرف یہی قول مروی ہے۔ فرمایا: جب وحشی جانور یکجا کر دیئے جائیں گے۔ قیامت کے دن وحشی جانوروں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (انعام:38) ''اور نہیں کوئی (جانور) چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے دو پروں سے مگر وہ امتیں ہیں تمہاری مانند۔ نہیں نظر انداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ہر چیز کو جمع کیا جائے گا یہاں تک کہ مکھیوں کو بھی۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق اکٹھی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جانوروں کا حشر ان کی موت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جن وانس کے علاوہ ہر چیز کا حشر موت ہے۔ صرف ان دونوں کو میدان حشر میں پیش کیا جائے گا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن جانور آپس میں گڈمڈ ہو جائیں گے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصح قول یہی ہے کہ انہیں جمع کیا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً (ص:19) ''اور پرندوں کو وہ بھی تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے ہیں''۔ فرمایا: جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی سے پوچھا جہنم کہاں ہے؟ اس نے کہا سمندر میں۔ آپ نے فرمایا: میرے خیال میں یہ سچ کہتا ہے کیونکہ قرآن پاک میں ارشاد ہے: وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ''اور سمندر کی جو لبالب بھرا ہے'' (1)۔

اور یہاں ارشاد فرمایا: وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سمندروں پر پچھم کی طرف سے ہوا چھوڑے گا جو ان کو آگ لگا دے گی، جس کی وجہ سے ان میں آگ بھڑک اٹھے گی۔ اس کی تفسیر سورۂ طور میں گزر چکی ہے (2)۔

حضرت معاویہ بن سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بحر روم بہت بڑا سمندر ہے جو زمین کے وسط میں واقع ہے تمام دریا اس میں گرتے ہیں۔ ایک بڑا سمندر بھی اس میں گرتا ہے۔ اس کے نیچے ایسے کنویں ہیں جنہیں تانبے کے ڈھکنوں سے بند کر دیا گیا ہے۔ قیامت کو یہ سلگ پڑیں گے۔ یہ قول انتہائی عجیب وغریب ہے۔ سنن ابی داؤد کی ایک حدیث ہے کہ سمندر پر سوائے حاجی، عمرہ کرنے والے یا غازی کے کوئی سفر نہ کرے۔ سمندر کے نیچے آگ ہے، اس آگ کے نیچے ایک اور سمندر ہے۔ اس حدیث کی وضاحت سورۂ فاطر میں گزر چکی ہے (3)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''سجرت'' کا معنی ہے کہ اس میں آگ لگا دی جائے گی۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا پانی زمین میں دھنس جائے گا اور ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ ضحاک اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ سمندروں کو آپس میں کھول کر جاری کر دیا جائے گا۔ ربیع فرماتے ہیں کہ سمندر لبریز ہو جائیں گے اور پانی باہر نکل آئے گا۔ فرمایا: جب جانیں جسموں سے جوڑی جائیں گی۔ ہر چیز کو اس کی جنس سے ملا دیا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ (صافات:22) ''(اے فرشتو) جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو''۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ہر شخص کا حشر اس قوم کے ساتھ ہوگا جو اس جیسے اعمال کرتی ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً (واقعہ:7) ''اور تم لوگ تین گروہوں میں بانٹ دیئے جاؤ گے''۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ یہ آیت پڑھی اور فرمایا ہر شخص کو اس کے گروہ کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ ایک

1۔ الطور:6، تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 67 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طور آیت:6 3۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ ابراہیم آیت:48 میں گزر چکی ہے

روایت میں یہ ہے کہ وہ دو شخص جو ایک ہی قسم کا عمل کریں گے انہیں اس عمل کی وجہ سے جنت یا دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: نیک آدمی کو جنت میں نیک آدمی کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور بدکار کو جہنم میں بدکار کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے لوگوں سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا تو وہ خاموش ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا مجھے علم ہے کہ جنت میں ایک شخص کو اس کی مثل کے ساتھ ملایا جائے گا اور اسی طرح جہنم میں پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ (صافات:22)(1)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ اس وقت ہوگا جب لوگ تین گروہوں میں منقسم ہوں گے۔ اصحاب یمین، اصحاب شمال اور سابقین۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک قسم کے لوگوں کو اکٹھا کر دیا جائے گا اور یہی ربیع، حسن بصری، قتادہ کا قول ہے اور یہی ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے (2) اس کے بارے میں ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ دونوں نفخوں کے درمیان عرش کے نیچے سے ایک دریا جاری ہوگا جو چالیس سال تک بہتا رہے گا۔ اس کے پانی سے تمام مخلوق دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔ اگر انہیں دنیا میں پہچاننے والا دیکھے گا تو فوراً انہیں پہچان لے گا پھر روحوں کو ان کے جسموں کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مؤمنین کو حوروں کے ساتھ اور کافروں کو شیطانوں کے ساتھ ملا دیا جائے گا (3)۔ فرمایا: جب زندہ درگور کی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی۔ زمانہ جہالت میں لوگ بیٹیوں کو ناپسند کرتے تھے اور وہ ان کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ قیامت کے دن اس سے سوال کیا جائے گا کہ اسے کس گناہ کی وجہ سے مارا گیا۔ اس سے یہ سوال اس کے قاتل کی زجر و توبیخ کے طور پر ہوگا کیونکہ جب مظلوم سے اس طرح پوچھا جا رہا ہے تو کیا ظالم کو چھوڑ دیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ لڑکی خود پوچھے گی کہ مجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ اس کا ذکر کچھ احادیث میں بھی آتا ہے۔

حضرت جذامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا جو حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں، روایت کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ حمل کی حالت میں مجامعت سے روک دوں۔ پھر میں نے غور کیا کہ رومی اور ایرانی بھی یہ فعل کرتے ہیں لیکن ان کی اولادوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ لوگوں نے آپ سے عزل (انزال سے پہلے بیوی سے جدا ہو جانا) کے بارے میں پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ پوشیدہ طور پر زندہ درگور کرنے کے مترادف ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے۔ امام مسلم اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ ابوداؤد، ترمذی، اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسے حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (4)۔

حضرت سلمہ بن یزید الجعفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہماری والدہ ملیکہ صلہ رحمی اور مہمان نوازی کیا کرتی تھیں۔ وہ زمانہ جاہلیت میں ہی فوت ہو گئیں۔ کیا اس کا یہ عمل اس کو کوئی فائدہ دے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ ہم نے عرض کی اس نے ہماری ایک بہن کو زندہ درگور کر دیا تھا کیا اسے اس کی سزا ملے

1۔ مستدرک، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 516-515، درمنثور، جلد 8، صفحہ 429 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 71-70 3۔ تذکرہ: 213

4۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 434، مسلم، کتاب النکاح، جلد 2، صفحہ 1067-1066، ابن ماجہ، کتاب النکاح، جلد 1، صفحہ 648، سنن ابوداؤد، کتاب الطب، جلد 4، صفحہ 9 عارضۃ الاحوذی، ابواب الطب، جلد 8، صفحہ 232 سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 6، صفحہ 107-106

گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زندہ دفن کرنے والی اور دفن ہونے والی دونوں جہنم میں جائیں گی۔ ہاں اگر وہ مسلمان ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ اس کے پہلے تمام گناہ معاف فرما دیتا(1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زندہ دفن کرنے والی اور جو دفن ہوگی دونوں جہنم میں جائیں گے۔ ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! جنت میں کون جائے گا؟ فرمایا: نبی، شہید، چھوٹے بچے اور زندہ درگور کی ہوئی(2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مشرکین کے بچے بھی جنت میں ہوں گے۔ جس کا یہ خیال ہے کہ وہ جہنم میں جائیں گے وہ جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ زمانہ جاہلیت میں میں نے اپنی کچھ بچیوں کو زندہ درگور کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہر بچی کے بدلہ میں ایک غلام آزاد کرو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس اونٹ ہیں۔ فرمایا: ہر ایک کے بدلہ میں ایک اونٹ ذبح کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں میں نے آٹھ بیٹیوں کو زندہ درگور کیا۔ ایک میں بارہ اور ایک میں تیرہ کی تعداد مذکور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کی تعداد کے برابر غلام آزاد کرو۔ انہوں نے اتنے ہی غلام آزاد کئے۔ اگلے سال وہ ایک سو اونٹنیاں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ میری قوم کی طرف سے صدقہ ہے اور یہ اس کے بدلے میں ہے جو میں نے مسلمانوں کے ساتھ سلوک کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم انہیں چرانے کے لئے باہر لے جاتے تھے اور ان کا نام قیسیہ رکھا ہوا تھا۔ فرمایا: جب نامہ اعمال کھولے جائیں گے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر انسان کو اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں یا بائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! اس نامہ اعمال میں جو کچھ تو لکھوائے گا اسے لکھ کر لپیٹ دیا جائے گا پھر قیامت کے دن اس کو تیرے سامنے کھولا جائے گا۔ اس لئے ہر شخص کو غور کرنا چاہئے کہ وہ اس میں کیا لکھوا رہا ہے(3)۔

فرمایا: جب آسمان کی کھال ادھیڑ لی جائے گی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کو کھینچ لیا جائے گا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ تاریک ہو جائے گا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کی جلد ادھیڑ کر پھینک دی جائے گی۔ فرمایا: جب جہنم بھڑکائی جائے گی۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے گرم کیا جائے گا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس میں آگ لگائی جائے گی۔ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جہنم کو اللہ تعالیٰ کا غضب اور بنی آدم کی سزائیں بھڑکائیں گی۔ فرمایا: جب جنت قریب کر دی جائے گی۔ ضحاک، ابو مالک، قتادہ اور ربیع رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسے جنتیوں کے قریب کر دیا جائے گا۔ فرمایا: تو اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔ یہ اذا کا جواب ہے یعنی یہ مذکورہ بالا تمام امور جب واقع ہو جائیں گے تو اس دن ہر نفس جان لے گا کہ اس نے کیا عمل کیا اور کیا عمل آگے بھیجا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا...... (آل عمران: 30) ”جس دن موجود پائے گا ہر نفس جو کی تھی اس نے نیکی اپنے سامنے اور جو کچھ کی تھی اس نے برائی تمنا کرے گا کہ کاش اس کے درمیان اور اس دن کے درمیان (حائل ہوتی) مدت دراز اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ اپنے (عذاب) سے اور اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر“۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ (قیامہ: 13) ”آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا“۔ حضرت

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 478، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 55

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اسراء آیت: 15

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 73

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسی سورت کی تلاوت کرتے ہوئے عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ پر پہنچے تو فرمایا: یہ ساری کلام اسی کے لئے شروع کی گئی۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

”پھر میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے تاروں کی (اور قسم کھاتا ہوں) سیدھے چلنے والے رک کے رہنے والے تاروں کی۔ اور رات کی جب وہ رخصت ہونے لگے۔ اور صبح کی جب وہ سانس لے۔ کہ یہ (قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے۔ جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔ (سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے۔ اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں۔ اور بلاشبہ اس نے اس قاصد کو دیکھا ہے روشن کنارے پر۔ اور یہ نبی غیب بتانے میں ذرا بخیل نہیں۔ اور یہ (قرآن) کسی شیطان مردود کا قول نہیں۔ پھر تم (منہ اٹھائے) کدھر چلے جارہے ہو۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت سب اہل جہان کے لئے۔ (لیکن ہدایت وہی پاتا ہے) جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے۔ اور تم نہیں چاہ سکتے بجز اس کے کہ اللہ چاہے جو رب العالمین ہے“۔

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے صبح کی نماز رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پڑھی۔ آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں (1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان سے مراد وہ ستارے ہیں جو دن کے وقت چھپ جاتے ہیں اور رات کو ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن بصری، عبادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم فرماتے ہیں کہ یہ مختلف ستارے ہیں۔ حضرت بکر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ بڑے بڑے ستارے ہیں جو مشرق کی طرف چلتے ہیں (2)۔ بعض مفسرین نے فرمایا: جب ستارے طلوع ہوتے ہیں تو ان کو الخنّس کہتے ہیں اور جب وہ اپنے مدار میں چلتے ہیں تو انہیں الجوار کہا جاتا ہے اور جب چھپ جاتے ہیں تو انہیں کنّس کہا جاتا ہے۔ ہرن جب اپنے مسکن میں چھپ جاتا ہے، تو عرب کہتے ہیں: أوی الظبی إلی کناسه أی دخل۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے مراد جنگلی گائیں ہیں اور ایک روایت کے مطابق اس سے مراد ہرن ہے۔ حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہرن اور جنگلی گائیں ہیں۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرات ابراہیم اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ کی تفسیر کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ ابراہیم نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے پوچھا: اس کے بارے میں جو کچھ آپ نے سنا ہے بیان کیجئے۔ انہوں نے فرمایا: ہم تو اس کے بارے میں کچھ اور ہی سنا کرتے تھے

1۔ مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 336، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 8، صفحہ 145
2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 75

لیکن بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ اس سے مراد ستارے ہیں حضرت ابراہیم نے فرمایا مجھے وہی بیان کرو جو تم نے سنا ہے۔ تو انہوں نے جواباً فرمایا۔ ہم نے یہی سنا کہ اس سے مراد جنگلی گائیں ہیں جو اپنے مسکن میں چھپ جائیں۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے ہیں۔ جس طرح کہ وہ آپ سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اسفل کو اعلیٰ اور اعلیٰ کو اسفل کا ضامن بنایا(1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں توقف اختیار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ممکن ہے اس سے تمام چیزیں مراد ہوں۔ فرمایا: رات کی قسم، جب وہ رخصت ہونے لگے۔ اس کے متعلق دو قول ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''عسعس'' کا معنی تاریک ہونا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب رات کے پہلے حصہ کی ابتداء ہو۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ جب رات کی تاریکی لوگوں پر چھا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ جب رات ختم ہو جائے۔ یہی مجاہد، قتادہ، ضحاک، زید بن اسلم رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

عبدالرحمٰن سلمی کے والد روایت کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: وتر کے بارے میں سوال کرنے والے کہاں ہیں؟ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی یعنی فجر کے طلوع ہونے سے پہلے پہلے وتر پڑھنا اچھا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے کہ اس سے مراد رات کا آخری حصہ ہے کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ عرب شعراء نے اس لفظ کو اس معنی میں استعمال کیا ہے(2)۔ لیکن میرے نزدیک اس سے مراد رات کا ابتدائی حصہ ہے۔ اگرچہ اس لفظ کو رات کے آخری حصہ کیلئے بھی استعمال کرنا صحیح ہے لیکن یہاں یہی معنی مراد لینا ہی زیادہ مناسب ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے رات اور اس کی تاریکی کے چھا جانے اور فجر اور اس کی روشنی کے پھیل جانے کی قسم کھائی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی (لیل:2-1) ''قسم ہے رات کی جب وہ (ہر چیز پر) چھا جائے۔ اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے''۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَالضُّحٰی ۙ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی (الضحیٰ:2-1) ''قسم ہے روز روشن کی۔ اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے''۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا (انعام:96) وہ نکالنے والا ہے صبح کو (رات کی تاریکی سے) اور بنایا ہے اس نے رات کو آرام کے لئے''۔ اہل لغت فرماتے ہیں کہ ''عسعس'' کا لفظ کسی چیز کے آنے اور جانے کے معنی میں مشترک ہے اس لئے یہ دونوں معنی مراد لینا صحیح ہے، واللہ اعلم۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بعض اہل لغت کے نزدیک ''عسعس'' کا معنی رات کے ابتدائی حصہ کا قریب ہونا اور تاریک ہونا ہے: فراء کہتے ہیں۔ ابوالبلاد نحوی اس معنی کی تائید کے لئے ایک عربی شعر بھی سنایا کرتا تھا لیکن علماء فرماتے ہیں کہ یہ شعر خود ساختہ ہے(3)۔ فرمایا: اور صبح کی، جب وہ سانس لے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ اس سے صبح کا طلوع ہونا مراد ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صبح کا روشن ہونا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صبح کا ابتدائی حصہ ہے۔ یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد دن کی روشنی ہے۔ فرمایا: کہ یہ (قرآن) ایک معزز قاصد

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 67　　2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 79، مجاز القرآن، جلد 2، صفحہ 288

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 69، فراء: دوانی القرآن، جلد 3، صفحہ 242

کالایا ہوا قول ہے۔ یعنی قرآن کریم ایک معزز فرشتہ کے ذریعہ نبی کریم ﷺ تک پہنچایا جاتا ہے جو انتہائی خوبصورت ہے۔ یعنی جبریل علیہ السلام۔ ذِىْ قُوَّةٍ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْمِرَّةٍ کی طرح ہے۔ ارشاد فرمایا: مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا بڑا مقام و مرتبہ ہے۔ حضرت ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نور کے ستر حجابوں میں بغیر اذن کے داخل ہو جاتے ہیں۔ ملاء اعلیٰ میں ان کی ہر بات سنی اور اطاعت کی جاتی ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ مُّطَاعٍ ثَمَّ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ آسمانوں میں حضرت جبریل کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا شمار کبار ملائکہ میں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کو اس عظیم مقصد کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ امین حضرت جبریل کی صفت ہے۔ اس میں حضرت جبریل علیہ السلام کی عظمت کا اظہار ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک فرشتہ جبریل کی شرافت و منزلت کو بیان فرمایا ہے جیسے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کی عظمت وجلالت کا اظہار اپنے اس ارشاد وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ'' اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں) میں فرمایا ہے۔ شعبی، میمون بن مہران، ابو صالح رحمہم اللہ تعالیٰ اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ صَاحِبُكُمْ سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں ارشاد فرمایا اور بلاشبہ اس نے اس قاصد کو دیکھا ہے روشن کنارے پر۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو جو آپ پر اللہ کی طرف سے وحی لے کر نازل ہوتے تھے۔ ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے یعنی ان کے سات سو پر تھے۔ الْمُبِيْنِ سے مراد کہ بالکل واضح ہے۔ آپ نے بطحاء مکہ میں جبریل علیہ السلام کو واضح طور پر دیکھا۔ اس کا بیان ان آیات طیبات میں بھی ہے: عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْمِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى۔ ان آیات کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے(1)۔

اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ سورت معراج سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس میں ایک ہی دفعہ دیکھنے کا ذکر ہے اور دوسری دفعہ دیکھنے کا ذکر ان آیات میں ہے: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى (2)۔ یہ سورۂ نجم کی آیات ہیں جو سورۂ اسراء کے بعد نازل ہوئیں۔ ارشاد فرمایا اور یہ نبی غیب بتانے میں ذرا بخیل نہیں۔ اسے ''ظنین'' بھی پڑھا گیا ہے(3)۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا جو کلام نازل ہوتا ہے، اس کے متعلق آپ پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی جاسکتی اور اسے ''ضنین'' بھی پڑھا گیا ہے اس وقت اس کا معنی یہ ہوگا کہ آپ ان علوم کی تبلیغ میں ذرا بخل سے کام نہیں لیتے بلکہ ہر ایک تک ان علوم کو پہنچاتے ہیں۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: ظنین اور ضنین دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ یعنی آپ جھوٹے نہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کریم ہمارے لئے غیب تھا، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا۔ آپ نے اس میں ذرا بخل نہیں فرمایا بلکہ آپ ﷺ نے ہر اس شخص تک اس کا پیغام پہنچا دیا جو اس کے سمجھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ضنین والی قرأت کو ہی اختیار کیا ہے(4)۔ میرے خیال میں یہ دونوں قرأتیں متواتر ہیں اور ان کا معنی صحیح ہے جس کی وضاحت ابھی گزر چکی ہے۔ ارشاد فرمایا: اور یہ (قرآن) کسی شیطان مردود کا قول نہیں۔ اس قرآن کو برداشت کرنے کی قوت شیطان میں نہیں ہے۔ نہ اسے برداشت کرسکتا ہے اور نہ ہی یہ اس کے لائق ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝ وَمَا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نجم آیت: 10-5
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نجم آیت: 16-13
3۔ ابن باذش، جلد 2، صفحہ 805
4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 83

يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ (شعراء: 212-210) ''اور نہیں اترے اس قرآن کو لے کر شیاطین۔ اور نہ یہ ان کے لئے مناسب ہے اور نہ ہی وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ انہیں (شیطانوں کو) تو اس کے سننے سے بھی محروم کر دیا گیا ہے''۔

ارشاد فرمایا: پھر تم (منہ اٹھائے) کدھر چلے جا رہے ہو۔ قرآن حکیم کی حقانیت ظاہر ہونے کے باوجود تم اسے جھٹلا رہے ہو۔ تمہاری عقل کہاں چلی گئی ہے۔ حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس قبیلہ بنی حنیفہ کا وفد مسلمان ہو کر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: مجھے اس مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کا وہ کلام تو سناؤ جسے وہ قرآن کہا کرتا تھا۔ انہوں نے اس کا کچھ کلام آپ کو سنایا جو انتہائی گھٹیا اور لغو تھا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے، تمہاری عقل کہاں گم ہو گئی تھی۔ اس قسم کا کلام اللہ کا کلام کیسے ہو سکتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ ارشاد فرمایا: یہ تمام اہل جہاں کے لئے نصیحت ہی ہے۔ یہ قرآن تمام لوگوں کے لئے نصیحت ہے کہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں اور خصوصاً وہ شخص جو ہدایت کی راہ پر چلنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ قرآن کریم کو لازم پکڑے۔ یہی اس کے لئے نجات کا راستہ ہے۔ اس کے لئے کوئی اور ہدایت کا ذریعہ نہیں۔ ارشاد فرمایا: اور تم نہیں چاہ سکتے بجز اس کے کہ اللہ چاہے، جو رب العالمین ہے۔ مشیت اور ارادہ تمہارے سپرد نہیں کیا گیا کہ جو چاہے ہدایت حاصل کرے اور جو چاہے گمراہ ہو جائے بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ جب یہ آیت کریمہ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ابوجہل نے سنی تو کہنے لگا کہ یہ معاملہ تو ہمارے حوالے کر دیا گیا ہے کہ ہم چاہیں تو صراط مستقیم اختیار کریں اور چاہیں تو نہ کریں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ نازل فرمائی۔

سورہ الانفطار (مکیہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عشاء کی جماعت کرائی اور طویل قرأت کی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: اے معاذ! کیا تم لوگوں کو آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتے ہو۔ کیا تمہیں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى، (والضحیٰ) اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ یاد نہیں۔ اسے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اس حدیث کی اصل صحیحین میں بھی ہے لیکن اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ کے الفاظ صرف نسائی نے ذکر کئے ہیں(1)۔ اس سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قیامت کے دن کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پڑھے(2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿۶﴾ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ﴿۷﴾ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿۸﴾ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ﴿۹﴾ وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

"جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب ستارے بکھر جائیں گے اور جب سمندر بہنے لگیں گے۔ اور جب قبریں زیر و زبر کر دی جائیں گی۔ (اس وقت) جان لے گا ہر شخص جو (اعمال) اس نے آگے بھیجے تھے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اے انسان! کس چیز نے تجھے دھوکے میں رکھا اپنے رب کریم کے بارے میں۔ جس نے تجھے پیدا کیا پھر تیرے (اعضاء کو) درست کیا پھر تیرے (عناصر کو) معتدل بنایا۔ (الغرض) جس شکل میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔ یہ سچ ہے بلکہ تم جھٹلاتے ہو روزِ جزا کو حالانکہ تم پر نگراں (فرشتے) مقرر ہیں۔ جو معزز ہیں (حرف بحرف) لکھنے والے ہیں۔ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو"۔

جب آسمان پھٹ جائے گا، انفطار کا معنی پھٹنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ (مزمل: 18)" (اور) آسمان پھٹ جائے گا اس (کے ہول) سے"۔ فرمایا: جب ستارے بکھر جائیں گے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔

1۔ سنن نسائی، کتاب افتتاح، جلد 2، صفحہ 172، فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10، صفحہ 515 مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 340-339

2۔ سورۂ تکویر میں یہ حدیث گزر چکی ہے

فرمایا: جب سمندر بہنے لگیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان سمندروں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا پانی خشک ہو جائے گا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا میٹھا اور نمکین پانی آپس میں مل جائے گا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کو پانی سے بھر دیا جائے گا۔ فرمایا: جب قبریں زیر وزبر کر دی جائیں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قبروں کو کھول دیا جائیگا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان قبروں کو الٹ پلٹ کیا جائے گا اور ان سے مردوں کو نکال لیا جائے گا۔ فرمایا: اس وقت ہر شخص اپنے ان اعمال کو جان لے گا جو اس نے آگے بھیجے تھے اور جو وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ انسان اپنے اعمال کو اس وقت جانے گا جب یہ واقعات رونما ہو جائیں گے۔ فرمایا: اے انسان! تجھے اپنے کریم رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں رکھا۔ یہ انسان کو بطور زجر وتوبیخ کہا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کا غلط مفہوم سمجھا ہے۔ ان کا خیال ہے جب کوئی انسان سے پوچھے کہ تجھے اپنے رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں رکھا ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس کے کرم نے۔ یہاں اسی جواب کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن ان کا یہ خیال صحیح نہیں بلکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے ابن آدم! تجھے تیرے کریم رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے کہ تو اس کی نافرمانی پر اتر آیا ہے اور اس کے مقابلے پر آمادہ ہو گیا جو تیرے لئے مناسب نہیں۔ جیسا کہ حدیث قدسی ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے ابن آدم! تجھے میرے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈالے رکھا۔ اے ابن آدم! تو نے رسولوں کی دعوت کا کیا جواب دیا(1)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا انسان کی جہالت نے اسے اپنے رب سے غافل کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ربیع بن خثیم اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مروی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم کو اس کے ازلی دشمن شیطان نے اپنے رب کے بارے میں دھوکے میں مبتلا کر دیا(2)۔ حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ سے یہ پوچھا جائے تو میں جواب دوں گا کہ تیرے عفو ودرگزر کے پردوں نے غافل کر دیا ہے۔ ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر مجھ سے سوال ہوا تو میں عرض کروں گا کہ کریم کے کرم نے مجھے غافل کر دیا(3)۔ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام اسماء وصفات کو چھوڑ کر کریم کی صفت کو ذکر کیا ہے تاکہ اس کے جواب کی طرف اشارہ ہو جائے(4) لیکن ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے بلکہ کریم صفت کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ انسان کو تنبیہ کرے کہ اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اس کے کرم کے مقابلہ میں برے افعال کا ارتکاب کرے۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ آیت اسود بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس نے نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچائی۔ اس کو اس فعل کی فوراً سزا نہ دی گئی بلکہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی(5)۔ فرمایا: اس نے تجھے پیدا کیا پھر تیرے (اعضاء) کو درست کیا اور پھر تیرے (عناصر کو) معتدل بنایا۔ اے انسان! تجھے اپنے کریم رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکہ میں ڈال دیا، جس نے تجھے بہترین اور خوبصورت شکل پر پیدا فرمایا۔ تیرا قد معتدل رکھا اور دوسرے حیوانوں کے مقابلہ میں تجھے سیدھا رکھا۔

بشر بن جحاش قرشی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنی ہتھیلی پر لعاب مبارک رکھا اور اس پر اپنی انگلی مبارک رکھی

1۔ المعجم الکبیر، جلد 9، صفحہ 206-205، مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 347 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 87
3۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 456 4۔ ایضاً مرجع مذکور 5۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 455 - قرطبی، جلد 19، صفحہ 245

اورفرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم! تو مجھے کیسے عاجز کرسکتا ہے۔ حالانکہ میں نے تجھے اس جیسی چیز کے ساتھ پیدا کیا۔ تیرے اعضاء کو برابر اور معتدل کیا۔ اب تو بہترین لباس پہن کر اکڑ کر چلتا ہے۔ حالانکہ ایک دن تو نے اسی زمین میں دفن ہونا ہے تو نے بہت سا مال جمع کر رکھا ہے۔ فقراء ومساکین کو نہیں دیتا۔ جب تیری روح نکل کر سینے کے قریب پہنچے گی تو تو اس وقت کہے گا میں صدقہ کرتا ہوں، حالانکہ وہ وقت صدقہ کا نہیں ہوگا(1)۔ فرمایا جس شکل میں چاہا تجھے ترتیب دیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انسان کو اس کے ماں باپ، ماموں یا چچا کی شکل کے مشابہ پیدا کیا۔ حضور علیہ السلام نے ایک شخص سے پوچھا: تیرے ہاں کیا پیدا ہوگا؟ اس نے عرض کی لڑکی یا لڑکا۔ آپ نے فرمایا وہ کس کے مشابہ ہوگا؟ اس نے عرض کی: اپنی ماں یا باپ کے۔ آپ نے فرمایا: خاموش ہو جاؤ۔ ایسا نہ کہو۔ نطفہ جب رحم میں ٹھہرتا ہے۔ آدم سے اس تک کا نسب اس کے سامنے ہوتا ہے۔ کیا تم نے قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ نہیں پڑھی۔ یعنی اس نے جس صورت میں چاہا تجھے پیدا کر دیا۔ اسے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ اسے ابن ابی حاتم اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اس آیت کی تفسیر کے لئے قول فیصل کا درجہ رکھتی، لیکن اس کی سند ثابت نہیں۔ ایک راوی مطہر بن ہیثم متروک الحدیث اور ضعیف ہے(2)۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کی کہ میری عورت نے سیاہ رنگ کا بچہ جنا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تیرے پاس اونٹ ہیں۔ کہا: ہاں۔ فرمایا: کس رنگ کے۔ جواب دیا: سرخ رنگ کے۔ فرمایا: کیا اس میں کوئی خاکستری رنگ کا بھی ہے۔ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے پوچھا یہ کہاں سے آ گیا۔ اس نے کہا: شاید اوپر کی نسل کی طرف کوئی رگ کھینچ کر لے گئی ہو۔ آپ نے فرمایا: شاید تمہارے بچہ کے سیاہ ہونے کی یہی وجہ ہے(3)۔ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ جس صورت میں چاہے انسان کو پیدا فرما دے۔ خواہ کتے، گدھے اور خنزیر کی صورت میں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہمارا رب اس چیز پر قادر ہے کہ وہ جس شکل میں چاہے، انسان کو پیدا کر دے۔ اس قول کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز پر قادر ہے کہ وہ انسانی بچے کو ان جانوروں کی طبعی شکل پر پیدا کرے لیکن اپنے لطف وکرم اور فضل واحسان سے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کرتا ہے اور اسے بہترین قد وقامت عطا فرماتا ہے۔

فرمایا: یہ سچ ہے بلکہ تم روزِ جزا کو جھٹلاتے ہو۔ اس کریم رب کی نافرمانی پر تمہیں تمہارا روزِ جزاء کو جھٹلانا برانگیختہ کرتا ہے۔ فرمایا: حالانکہ تم پر نگران (فرشتے) مقرر ہیں جو معزز ہیں۔ (حرف بہ حرف) لکھنے والے ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر معزز فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو تمہارے ہر ہر عمل کو لکھ رہے ہیں۔ تمہیں برائی سے اجتناب کرنا چاہئے۔ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اعمال لکھنے والے ان معزز فرشتوں کا احترام کرو جو صرف دو حالتوں میں تم سے جدا ہوتے ہیں۔ جنابت کی حالت میں اور پاخانہ کی حالت میں۔ جب تم میں سے کوئی غسل کرے تو اسے چاہئے کہ پردہ کر لے خواہ یہ پردہ دیوار ہو یا کسی اونٹ کا، یا کسی ساتھی کو کھڑا کر لیا کرو تا کہ وہ پردے کا کام دے۔ یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے جس میں ان دو چیزوں کے ساتھ ساتھ غسل کا بھی ذکر ہے(4)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا: یہ فرشتے ہر روز اللہ کی بارگاہ میں اعمال پیش کرتے ہیں۔ اگر اس نامہ عمل کے آخر اور شروع میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اس بندے کی درمیان والی خطائیں بھی معاف کر دیں۔ اس

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نحل آیت: 4
2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 87۔ المعجم الکبیر، جلد 5، صفحہ 75۔ مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 135
3۔ فتح الباری، کتاب الطلاق، جلد 10، صفحہ 442۔ مسلم، کتاب اللعان، جلد 2، صفحہ 1137
4۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 161-160

حدیث کے ایک راوی تمام بن نجیح کے بارے میں علمائے جرح وتعدیل کا اختلاف ہے(1)۔ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ امام بخاری، ابوزرعہ اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم نے اسے ضعیف قرار دیا ہے(2)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے بنی آدم کے اعمال کو جانتے ہیں۔ جب وہ کسی بندے کو اللہ کی اطاعت میں مصروف دیکھتے ہیں تو آپس میں تذکرہ کرتے ہیں اور اس کا نام لے کر کہتے ہیں کہ فلاں آدمی آج کی رات نجات پا گیا۔ جب کسی آدمی کو اللہ کی نافرمانی میں مشغول دیکھتے ہیں تو اس کا تذکرہ بھی کرتے ہیں اور اس کا نام لے کر کہتے ہیں کہ فلاں آدمی آج کی رات ہلاک ہو گیا۔ امام بزار رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کے ایک راوی سلام المدائنی ضعیف الحدیث ہیں(3)۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿١٣﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿١٤﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿١٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴿١٩﴾

''بے شک نیک لوگ عیش و آرام میں ہوں گے۔ اور یقیناً بدکار جہنم میں ہوں گے۔ داخل ہوں گے اس میں قیامت کے روز۔ اور وہ اس سے غائب نہ ہوسکیں گے۔ اور آپ کو کیا علم کہ روزِ جزا کیا ہے؟ پھر آپ کو کیا علم کہ روزِ جزا کیا ہے؟ (یہ وہ دن ہوگا) جس روز کسی کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا۔ اور سارا حکم اس روز اللہ ہی کا ہوگا''۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان نیک بندوں کے انجام کا ذکر کیا ہے جو اس کی اطاعت میں مشغول رہے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرتے رہے۔ فرمایا: بلاشبہ نیک لوگ عیش و آرام میں ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ان لوگوں کو ابرار اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ اپنے والدین کے فرمانبردار تھے اور اپنی اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بدکاروں کے انجام کا تذکرہ فرمایا ہے کہ وہ جہنم کے دائمی عذاب میں ہوں گے۔ وہ قیامت کے دن اس جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ اس سے ایک لحہ بھی غائب نہ ہوسکیں گے یعنی ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔ اگر وہ موت اور راحت کا سوال کریں گے تو وہ پورا نہ ہو گا۔ فرمایا کہ آپ کو کیا علم کہ روزِ جزاء کیا ہے؟ یہاں روز قیامت کی عظمت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد مزید تاکید کے لئے فرمایا: پھر آپ کو کیا علم کہ روزِ جزاء کیا ہے؟ پھر خود ہی اس کی تفسیر بیان فرمائی کہ یہ وہ دن ہوگا جس روز کسی کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہو گا۔ یعنی اس دن اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کو نہ تو نفع پہنچا سکے گا اور نہ ہی کسی کو مصائب سے چھڑا سکے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے بنی ہاشم! اپنی جانوں کو جہنم سے بچالو۔ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بچانے کا مالک نہیں ہوں۔ اس کی تفسیر سورۂ شعراء کے آخر میں گزر چکی ہے(4)۔ اس لئے یہاں ارشاد فرمایا: اس دن سارا حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حکم آج بھی اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ وہی حقیقی مالک ہے اس دن کوئی اور حکومت نہیں ہوگی صرف اور صرف اللہ کی حکومت ہوگی۔

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التوبۃ، جلد 4، صفحہ 83
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 4، صفحہ 67
3۔ ایضاً مرجع مذکور
4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ شعراء آیت: 214

سورۂ مطففین (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿١﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴿٢﴾ وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿٣﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿٤﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٥﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦﴾

”بربادی ہے (ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کے لئے۔ جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔ اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو (ان کو) نقصان پہنچاتے ہیں۔ کیا وہ (اتنا) خیال بھی نہیں کرتے کہ انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ ایک بڑے دن کے لئے۔ جس دن لوگ (جوابدہی کے لئے) کھڑے ہوں گے پروردگار عالم کے سامنے“۔

سنن نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہل مدینہ ناپ تول میں کمی بیشی کیا کرتے تھے۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو صحیح ناپ تول کرنے لگے(1)۔

ہلال بن طلق فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جا رہا تھا۔ میں نے انہیں کہا کہ مکہ اور مدینہ کے لوگ خوبصورت اور عمدہ ناپ تول کرنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ انہی کے بارے میں یہ سورت نازل ہوئی ہے۔ تطفیف سے مراد ناپ تول میں کمی کرنا ہے۔ جب لوگوں سے کچھ لینا ہو تو زائد تولنا اور کچھ دینا ہو تو کم تولنا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ہلاکت اور بربادی کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ لوگ جب دوسرے لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا وصول کرتے ہیں بلکہ زائد لے لیتے ہیں اور جب لوگوں کو ناپ تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں ”کالوا اور وزنوا“ دونوں فعل متعدی ہوں۔ اور ”ھم“ ضمیر محل نصب میں ہو۔ بعض مفسرین نے ”ھم“ ضمیر کو ”کالوا اور وزنوا“ کی ضمیر سے تاکید قرار دیا ہے۔ اس صورت میں مفعول بہ محذوف ہوگا جس پر کلام دلالت کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی ایک مقامات پر ناپ تول پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ (اسراء:35) ”اور پورا پورا ماپو جب تم کسی چیز کو ماپنے لگو اور تولو تو ایسے ترازو سے تولو جو بالکل درست ہو“۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (انعام:152) ”اور پورا کرو ناپ اور تول انصاف کے ساتھ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی طاقت کے برابر“۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ (الرحمٰن:9) ”اور وزن کو ٹھیک رکھو انصاف کے ساتھ اور تول کو کم نہ کرو“۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ

1۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 5، صفحہ 180-179 – ابن ماجہ کتاب التجارات، جلد 2، صفحہ 748

السلام کی قوم کو صرف اسی لئے ہلاک کیا تھا کہ وہ ناپ تول میں ڈنڈی مارتے تھے۔

ارشاد فرمایا: کیا وہ اتنا خیال بھی نہیں کرتے کہ انہیں ایک بڑے دن کے لئے قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ کیا انہیں یہ خوف نہیں ہے کہ انہوں نے قبروں سے اٹھ کر اس خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے جو دلوں کے راز بھی جانتا ہے۔ یہ دن بڑا عظیم اور ہولناک ہوگا۔ اس دن اس قسم کے لوگوں کو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ ارشاد فرمایا کہ جس دن لوگ (جواب دہی کے لئے) پروردگار عالم کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اس دن تمام لوگ ننگے پاؤں ننگے بدن غیر مختون ہوں گے۔ مجرمین انتہائی تنگی اور سختی میں ہوں گے اور ان پر ایسے مصائب و آلام نازل ہوں گے کہ انسانی حواس اور اعضاء بے بس ہو کر جواب دے جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس دن پروردگار عالم کے سامنے کھڑے ہوں گے، اس دن ان کا پسینہ ان کے نصف کانوں تک پہنچ جائے گا۔ اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی مختلف اسناد سے روایت کیا ہے(1)۔

مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔ جس دن لوگ رحمٰن پروردگار عالم کی عظمت کے سامنے کھڑے ہوں گے تو ان کا پسینہ نصف کانوں تک پہنچ جائے گا(2)۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن سورج بندوں کے قریب کر دیا جائے گا حتیٰ کہ ایک یا دو میل کا فاصلہ رہ جائے گا۔ سورج کی گرمی کی وجہ سے وہ پسینہ سے شرابور ہوں گے۔ ان کا پسینہ ان کے اعمال کے مطابق ہوگا۔ کسی کا پسینہ اس کی ایڑھی تک ہوگا۔ کسی کا گھٹنوں تک کسی کا کمر تک، کسی کا اس کے منہ تک پہنچ کر اس کا منہ بند کر دے گا۔ یہ مسند کی روایت ہے۔ اسے مسلم اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے(3)۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سورج کو ایک میل کی مقدار قریب کر دیا جائے گا اس کی حرارت میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ اس گرمی کی شدت سے سر اس طرح ابلیں گے جیسے ہنڈیا ابلتی ہے۔ لوگ اپنی خطاؤں اور گناہوں کے برابر پسینہ میں شرابور ہوں گے۔ کسی کا گھٹنوں تک ہوگا۔ کسی کا پنڈلی تک، کسی کا کمر تک، کسی کا اس کے منہ تک(4)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ اس کے آخری الفاظ یہ ہیں: کسی کا پسینہ اس کو ڈھانپ لے گا(5)۔ ایک حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ لوگ ستر سال اسی طرح کھڑے رہیں گے۔ آپس میں گفتگو نہ کریں گے۔ بعض نے کہا ہے کہ تین سو سال تک کھڑے رہیں گے۔ ایک قول ہے: چالیس ہزار سال تک کھڑے رہیں گے اور پھر دس ہزار سال میں ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ صحیح مسلم کی مرفوع حدیث ہے اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی(6)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بشیر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اس دن کیا کرو گے جب لوگ پروردگار عالم کے سامنے دنیاوی ایام کے مطابق تین سو سال تک کھڑے رہیں گے۔ نہ تو ان پر آسمان سے کوئی خبر آئے گی اور نہ ہی ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ انہوں نے عرض کی میں اللہ تعالیٰ سے مدد کا طالب ہوں گا۔ آپ نے فرمایا: جب سونے کے لئے بستر پر جایا کرو تو یوم قیامت کے مصائب اور حساب

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ (ویل للمطففین)، جلد 8، صفحہ 696، کتاب الرقائق، جلد 11، صفحہ 392- مسلم کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2196-3195- طبری، جلد 30 صفحہ 92

2۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 31

3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 4-3- مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2196- عارضۃ الاحوذی ابواب صفۃ القیامہ، جلد 9، صفحہ 255 4۔ ایضاً مرجع مذکور

5۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 254 6۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 157

کی سختی سے پناہ مانگو(1)۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن تنگی مقام کی اللہ سے پناہ مانگا کرتے تھے(2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ چالیس سال تک آسمان کی طرف منہ کر کے کھڑے رہیں گے۔ آپس میں کوئی بات نہیں کرے گا نیک و بد ہر کوئی پسینہ میں غرق ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ ایک سو سال تک کھڑے رہیں گے(3)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز تہجد شروع کرنے سے پہلے دس دفعہ اللہ اکبر دس مرتبہ، الحمد اللہ، دس مرتبہ سبحان اللہ اور دس مرتبہ استغفار پڑھتے۔ پھر یہ دعا مانگتے۔ اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھے ہدایت عطا فرما، رزق اور عافیت عطا فرما۔ پھر آپ اللہ سے قیامت کے دن کی تنگی سے پناہ مانگتے(4)۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝۷ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝۸ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝۹ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝۱۱ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝۱۲ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۴ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝۱۵ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝۱۶ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۱۷

''یہ حق ہے کہ بدکاروں کا نامہ عمل سجین میں ہوگا۔ اور تمہیں کیا خبر کہ سجین کیا ہے۔ یہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی۔ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔ جو جھٹلاتے ہیں روزِ جزاء کو اور نہیں جھٹلایا کرتا اسے مگر وہی جو حد سے گزرنے والا گنہگار ہے۔ جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ نہیں نہیں درحقیقت زنگ چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ یقیناً انہیں اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن روک دیا جائے گا۔ پھر وہ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے۔ پھر (ان سے) کہا جائے گا یہی وہ (جہنم) ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے''۔

فرمایا: یہ حق ہے کہ بدکاروں کا نامہ اعمال سجّین میں ہوگا۔ یعنی ان کا ٹھکانہ سجین میں ہوگا۔ سجین فعیل کے وزن پر سجن سے مشتق ہے۔ جس کا معنی تنگی ہے۔ اسی وزن پر فسّیق، شرّیب، خمّیر اور سکّیر کے صیغے بھی آتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی ہولناکی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: تمہیں کیا خبر کہ سجین کیا ہے؟ یعنی یہ انتہائی ہولناک دائمی قید خانہ اور عذاب الیم ہے۔ یہ ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کافر کی روح کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ اس کے نامہ اعمال کو سجین میں لکھ دو(5)۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ساتویں زمین کے نیچے سبز رنگ کی چٹان ہے بعض نے کہا ہے کہ جہنم میں ایک کنواں کا نام ہے۔ ایک انتہائی غریب اور منکر حدیث میں مروی ہے کہ ''فلق'' جہنم میں ایک کنواں ہے جس کا منہ بند ہے اور سجین کا منہ کھلا ہے(6)۔ لیکن صحیح قول یہ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ براءۃ آیت: 35 2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 204-203 3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 93

4۔ سنن ابوداؤد، جلد 1 صفحہ 204-203، کتاب الصلاۃ، نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 3، صفحہ 209-208 ابن ماجہ، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 431

5۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 288-287- نیز: دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف آیت: 40، سورۂ ابراہیم آیت: 27 6۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 96-95

ہے کہ یہ سجن سے مشتق ہے جس کا معنی تنگی ہے یعنی یہ ایک تنگ جیل خانہ ہے جس میں نیچے والی مخلوق تنگی میں ہوگی اور اوپر والی وسعت میں۔ ساتویں افلاک میں نیچے والے سے اوپر والا فلک وسیع ہے۔ اسی طرح ساتوں زمینیں ہیں۔ درجہ بدرجہ اوپر والی وسیع اور نیچے والی تنگ حتیٰ کہ ساتویں زمین انتہائی تنگ ہے اور یہ سجین ساتویں زمین کے وسط میں واقع ہے۔ چونکہ کافروں کا ٹھکانہ جہنم ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (التین :6-5)'' پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین حالت کی طرف بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے'' اور اس سورت میں بیان فرمایا ان کا ٹھکانہ سجین ہے اور یہ لفظ تنگی اور پستی دونوں کو جامع ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا (فرقان :13)'' اور جب انہیں پھینکا جائے گا اس آگ میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں میں جکڑ کر تو پکاریں گے وہاں موت کو'' فرمایا: یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ کی تفسیر نہیں ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ کفار کے سجین میں ٹھکانہ کو لکھ دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ لکھ کر محفوظ کر لیا ہے۔ اب اس میں کوئی کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی۔ ارشاد فرمایا: جھٹلانے والوں کے لئے اس دن بربادی ہوگی، قیامت کے دن جب یہ لوگ'' سجین'' میں رسوا کن عذاب میں مبتلا ہوں گے۔'' ویل '' کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں (1)۔

وَيْلٌ سے مراد ہلاکت اور بربادی ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے:'' ویل لفلان ''۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تباہی ہے اس شخص کے لئے جو گفتگو کرتے وقت لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے۔ پھر دو مرتبہ تاکید آئی ہے۔ ویل له ویل له(2) پھر اللہ تعالیٰ ان جھٹلانے والے کافروں کے متعلق تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: وہ روزِ جزاء کو جھٹلاتے ہیں اس کے وقوع پذیر ہونے کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے واقع ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ وہ اسے محال خیال کرتے ہیں۔ فرمایا کہ جو حد سے گزرنے والا اور گنہگار ہے وہی اسے جھٹلاتا ہے جو حرام کاری میں حد سے بڑھنے والا ہے۔ حلال اور مباح چیزوں میں بھی حد سے بڑھ جاتا ہے۔ اپنے اقوال کے اعتبار سے بھی گنہگار ہے۔ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ وعدہ کر کے پورا نہیں کرتا اور جب لڑائی جھگڑا کرتا ہے تو گالی گلوچ پر اتر آتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: جب اس کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کے زبان حق ترجمان سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا ہے تو اسے جھٹلاتا ہے اور اس کے بارے میں بدگمانی میں مبتلا رہتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ پہلے لوگوں کے گھڑے ہوئے قصے اور افسانے ہیں۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (النحل :24)'' اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا نازل فرمایا ہے تمہارے پروردگار نے۔ کہتے ہیں (کچھ نہیں) یہ تو پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے ہیں''۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (فرقان :5)'' اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے اس شخص نے لکھوا لیا ہے انہیں پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح و شام (تا کہ از بر ہو جائیں''۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت :79

2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 7-5 سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 298-297 عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9، صفحہ 196-195- سنن نسائی، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 8، صفحہ 428

فرمایا: نہیں نہیں درحقیقت زنگ چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر۔ ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ بات ایسی نہیں جیسی انہوں نے گمان کیا ہے کہ قرآن پہلے لوگوں کے افسانے ہیں، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی وحی ہے جسے اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے زنگ کی ایک دبیز تہہ چڑھ گئی ہے۔ اسی وجہ سے وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا کہ ان کے دلوں پر ان کی بدکاریوں کی وجہ سے زنگ چڑھ گیا ہے۔ کافروں کے دلوں پر ''رین'' ہوتا ہے۔ نیکوکاروں کے دلوں پر غیم اور مقربین کے لئے غین۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ جب گناہ کرتا ہے تو دل پر ایک سیاہ داغ بن جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ بار بار گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ اسی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔ اس حدیث کو ابن جریر اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ نسائی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے (1)۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''رین'' سے مراد گناہ پر گناہ کرنا ہے۔ یہاں تک کہ دل اندھا ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: یقیناً انہیں اپنے رب کے (دیدار سے) اس دن روک دیا جائے گا۔ قیامت کے دن ان کافروں کا ٹھکانہ سجین ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنے خالق و پروردگار کے دیدار سے روک دیا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ مومنین قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گے (2)۔ ان کا یہ قول بالکل درست ہے اور انہوں نے اس آیت کے مفہوم مخالف سے یہ استدلال کیا ہے۔ اسی طرح یہ آیت کریمہ بھی اس پر صراحۃً دلالت کر رہی ہے: وُجُوْهٌ يَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ (قیامہ: 23-22) ''کئی چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے۔ اور اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے''۔ اسی طرح صحیح اور متواتر احادیث سے بھی ثابت ہے کہ مومنین میدان حشر اور جنت میں اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حجاب اٹھایا جائے گا تو مومن اور کافر تمام اپنے رب کو دیکھ لیں گے۔ پھر کافروں کو پردے کے پیچھے کر دیا جائے گا۔ مومنین صبح و شام دیدار سے مشرف ہوں گے (3)۔ فرمایا: پھر وہ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محرومی کے ساتھ ساتھ ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور پھر انہیں زجر و توبیخ اور تحقیر کے طور پر کہا جائے گا کہ یہ وہ جہنم ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾

''یہ حق ہے نیکوکاروں کا صحیفہ عمل علیین میں ہوگا اور تمہیں کیا خبر کہ علیون کیا ہے۔ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے (حفاظت کے لئے) دیکھتے رہتے ہیں اسے مقربین۔ بے شک نیکوکار راحت و آرام میں ہوں گے۔ پلنگوں پر بیٹھے (مناظر جنت کا) نظارہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 98 عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ مطففین، جلد 13، صفحہ 234 سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، کتاب الیوم واللیلۃ، جلد 9، صفحہ 443 ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 1418، مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 297 نیز دیکھئے تفسیر سورۃ بقرہ آیت: 7

2۔ تفسیر قرطبی، جلد 19، صفحہ 261- الزجاج: معانی القرآن، جلد 5، صفحہ 299

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 100

کررہے ہوں گے۔ آپ پہچان لیں گے ان کے چہروں پر راحتوں کی شگفتگی۔ انہیں پلائی جائے گی سربمہر خالص شراب۔ اس کی مہر کستوری کی ہوگی۔ اس کے لئے سبقت لے جانے کی کوشش کریں سبقت لے جانے والے۔ اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ یہ وہ چشمہ ہے جس سے صرف مقربین پئیں گے"۔

فرمایا: یہ حق ہے کہ نیکوکاروں کا صحیفہ عمل علیین میں ہوگا۔ کافروں اور فاجروں کا ٹھکانہ تو سجین ہے اور نیکوکاروں کا ٹھکانہ اس کے برعکس علیین ہے۔ حضرت ہلال بن یساف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری موجودگی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے سجین کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ ساتویں زمین ہے اس میں کافروں کی روحیں ہیں پھر انہوں نے علیین کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ یہ ساتواں آسمان ہے اور اس میں مؤمنین کی ارواح ہیں۔ یہ قول کئی دوسرے مفسرین سے بھی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ علیین سے مراد جنت ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ نیکوکاروں کے اعمال آسمان میں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علیین عرش کا دایاں پایہ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مقام سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ علیین علو بمعنی بلندی سے مشتق ہے۔ کوئی چیز جتنی بھی بلند ہوگی: اتنی ہی بڑی اور وسیع ہوگی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت اور بزرگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: تمہیں کیا خبر کہ علییون کیا ہے؟ مزید تاکید کے لئے ارشاد فرمایا: یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے مقربین اسے دیکھتے رہتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقربین سے مراد فرشتے ہیں۔ ہر آسمان میں مقرب فرشتے مشاہدہ کرتے ہیں۔ فرمایا: بلاشبہ نیکوکار راحت اور آرام میں ہوں گے۔ یعنی یہ لوگ قیامت کے دن راحت اور آرام میں ہوں گے۔ یہ ایسی جنت میں ہوں گے جہاں ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہوگا۔ پلنگوں پر بیٹھے (مناظر جنت کا) نظارہ کررہے ہوں گے۔ حجلہ عروسی، مسہریوں میں بیٹھے اپنی خداداد سلطنت اور اللہ کی نعمتوں کا مشاہدہ کررہے ہوں گے۔ اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ ان پلنگوں پر اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ یعنی کافر وفاجر تو اس دن اس کے دیدار سے محروم ہوں گے اور اس کے برعکس یہ رب کا دیدار کررہے ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ سب سے نچلے درجہ کا جنتی جنت میں اپنی ملکیت کو دو ہزار سال کی مسافت سے دیکھ لے گا اور سب سے بعید ترین جگہ اس کے سامنے اسی طرح ہوگی جس طرح قریب کی ہوتی ہے اور اعلیٰ درجہ کے جنتی دن میں دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے (1)۔ فرمایا: آپ ان کے چہروں پر راحتوں کی شگفتگی کو پہچان لیں گے۔ جب آپ انہیں دیکھیں گے آپ ان کے چہروں پر راحتوں کی شگفتگی، آسودہ حالی، جاہ وحشمت، خوشی وسرور، فارغ البالی پائیں گے۔ فرمایا: سربمہر خالص شراب پلائی جائے گی۔ انہیں جنت کی شراب پلائی جائے گی۔ حضرات عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: رحیق جنت کی شرابوں میں سے ایک شراب کا نام ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مؤمن کسی پیاسے مؤمن کو پانی کا گھونٹ پلائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے رَّحِيقٍ مَّخْتُوْمٍ پلائے گا اور جو شخص کسی بھوکے شخص کو کھانا کھلائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے میوے کھلائے گا اور جو شخص کسی ننگے کو کپڑا پہنائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنتی سبز ریشم کا لباس پہنائے گا (2)۔ فرمایا: اس کی مہر کستوری کی ہوگی۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ آیت: 130، سورۂ قیامہ آیت، جلد 23 اور سورۂ انسان آیت: 20

2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 14-13

حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس شراب میں کستوری کی آمیزش ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس شراب کو انتہائی پاکیزہ بنایا ہے اور اس کے آخر میں اس پر کستوری کی مہر لگا دی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے پینے والے کو پینے کے بعد کستوری کی خوشبو محسوس ہوگی۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ چاندی کی مثل سفید شراب ہوگی اور اسے سب سے آخر میں پئیں گے۔ اگر اہل دنیا میں سے کوئی شخص اس میں اپنی انگلی ڈال کر نکالے تو تمام دنیا اس کی خوشبو سے مہک اٹھے گی (1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس شراب سے کستوری کی خوشبو آرہی ہوگی۔

فرمایا: اس کے لئے سبقت لے جانے کی کوشش کریں سبقت لے جانے والے۔ اس عمل کے حصول کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور ایسی چیز کے لئے فخر ومباہات کرنی چاہئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ (صافات: 61) ”ایسی ہی عظیم الشان کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے“۔ فرمایا: اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ اس رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ تسنیم جنت کی سب سے اعلیٰ اور عمدہ شراب کا نام ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ چشمہ ہے جس سے صرف مقرب پئیں گے۔ مقربین اس چشمہ کی خالص شراب پئیں گے اور اصحاب یمین کو اس کا کچھ حصہ ملا کر پلایا جائے گا۔ یہ حضرات عبداللہ بن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کا قول ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ مَاۤ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

”جو لوگ جرم کیا کرتے تھے وہ اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے۔ اور جب ان کے قریب سے گزرتے تو آپس میں آنکھیں مارا کرتے۔ اور جب اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے واپس آتے۔ اور جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ اہل ایمان پر محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے تھے۔ پس آج مومنین کفار پر ہنس رہے ہیں۔ (عروسی) پلنگوں پر بیٹھے (کفار کی خستہ حالی کو) دیکھ رہے ہیں۔ کیوں کچھ بدلا ملا کفار کو (اپنے کرتوتوں کا) جو وہ کیا کرتے تھے“۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں کافروں کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ دنیا میں مسلمانوں پر ہنسا کرتے، ان سے استہزاء کرتے، ان کو حقیر سمجھتے اور جب وہ مسلمانوں کے قریب سے گزرتے تو ان کو حقیر سمجھتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارہ کرتے اور جب وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹتے تو آپس میں دل لگی کرتے لوٹتے۔ ان کے پاس راحت اور سکون کی ہر چیز موجود تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا بلکہ وہ مسلمانوں کو حقیر سمجھتے اور ان سے حسد کرتے۔

فرمایا: اور جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو کہتے کہ یقیناً یہ لوگ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں کیونکہ مسلمانوں نے ان کے قدیم دین کو چھوڑ دیا

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 107

تھا، اس لئے وہ مسلمانوں کو گمراہ سمجھتے تھے۔ ارشاد فرمایا: حالانکہ وہ اہل ایمان پر محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے۔ یعنی ان کو اس دنیا میں اس لئے تو نہیں بھیجا گیا تھا کہ وہ اہل ایمان کے اقوال واعمال کی نگرانی کریں اور نہ ہی انہیں اس چیز کا مکلّف بنایا گیا تھا۔ پھر مسلمانوں کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔ انہوں نے اہل ایمان کو پریشان کرنا اپنا مشغلہ بنالیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (مومنون:109-108) ''پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اس میں اور مت بولو میرے ساتھ (تمہیں یاد ہے) ایک گروہ میرے بندوں میں سے ایسا تھا جو عرض کیا کرتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ہیں سو تو بخش دے ہمیں اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے''۔

اس لئے یہاں ارشاد فرمایا: بس آج (قیامت کے دن) مؤمنین کفار پر ہنس رہے ہیں۔ دنیا میں کفار مسلمانوں پر ہنستے تھے، قیامت کے روز مسلمان کافروں پر ہنسیں گے۔ وہ عروسی پلنگوں پر بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہورہے ہوں گے۔ مشرکین تو انہیں دنیا میں گمراہ کہا کرتے تھے۔ لیکن یہ مسلمان گمراہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقربین اور اس کے دوست ہیں اور وہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے خوش ہورہے ہوں گے۔ فرمایا: کیا کفار کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ ملا جو وہ کیا کرتے تھے؟ کیا وہ کفار، جو مسلمانوں کی تضحیک کیا کرتے تھے، ان کو اس کی سزا ملی؟ ''ھل'' یہاں ''قد'' کے معنی میں ہے۔ اس لئے اس کا معنی یہ ہے کہ یقیناً ان کو ان کے برے اعمال کی مکمل سزا مل گئی ہے۔

سورۂ انشقاق (مکیہ)

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس میں اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ تلاوت فرمائی اور سجدہ تلاوت ادا کیا۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمانے لگے: رسول اللہ ﷺ نے بھی اس سورت میں سجدہ فرمایا۔ اس حدیث کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ مسلم اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی روایت کیا ہے(1)۔ صحیح بخاری میں ابورافع رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ انہوں نے سورۂ انشقاق تلاوت فرمائی اور سجدہ تلاوت کیا۔ میں نے اس سجدہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا تھا۔ میں یہ سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میں ان سے جا ملوں۔ یہ روایت مختلف اسناد سے مروی ہے(2)۔ ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سورۂ انشقاق اور علق میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا(3)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۙ﴿۱﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ﴿۳﴾ وَ اَلْقَتْ مَا
فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ۙ﴿۴﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ؕ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا
فَمُلٰقِيْهِ ۚ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ﴿۷﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ﴿۸﴾ وَّ يَنْقَلِبُ
اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ﴿۹﴾ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ﴿۱۰﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّ
يَصْلٰى سَعِيْرًا ؕ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۛ﴿۱۴﴾ بَلٰۤى ۛ اِنَّ رَبَّهٗ
كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ؕ﴿۱۵﴾

" (یاد کرو) جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔ اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی اور کان لگا کر سنے گی اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے۔ اے انسان! تو محنت سے کوشاں رہتا ہے اپنے رب کے پاس پہنچنے تک پس تیری اس سے ملاقات ہو کر رہتی ہے۔ پس جس کو دیا گیا اس کا نامہ عمل اس کے دائیں ہاتھ میں۔ تو اس سے حساب آسانی سے لیا جائے گا۔ اور واپس لوٹے گا اپنے گھر والوں کی طرف شاداں وفرحاں۔ اور جس (بدنصیب) کو اس کا نامہ عمل پس

1۔ مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 406، نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 161

2۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 251-250 فتح الباری، کتاب سجود القرآن، جلد 2، صفحہ 559

3۔ مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 408- سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 59- نسائی کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 162

پشت دیا گیا تو وہ چلائے گا ہائے موت! ہائے موت! اور داخل ہوگا بھڑکتی آگ میں۔ بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل و عیال میں خوش وخرم رہا کرتا تھا۔ وہ خیال کرتا تھا کہ وہ (اللہ کے حضور) لوٹ کر نہیں جائے گا۔ کیوں نہیں۔ اس کا رب اسے خوب دیکھ رہا تھا"۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: جب آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اپنے رب کا فرمان کان لگا کر سنے گا۔ قیامت کے دن آسمان اپنے رب کے حکم کو غور سے سنے گا اور جب وہ اسے پھٹنے کا حکم دے گا تو فوراً اس حکم کو بجالائے گا۔ اس پر فرض بھی یہی ہے کہ وہ اس حکم کی اطاعت کرے کیونکہ وہ عظیم قدرت اور عظمت کا مالک ہے۔ اس کے سامنے کوئی پر نہیں مار سکتا اور نہ ہی اس پر کوئی چیز غالب آسکتی ہے کیونکہ وہی ہر چیز پر غالب ہے۔ ہر چیز اس کی تابع فرمان ہے۔

فرمایا: جب زمین پھیلا دی جائے گی، پھیلا کر کشادہ کر دی جائے گی۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو چمڑے کی طرح پھیلا دے گا۔ حتیٰ کہ ہر انسان کو اپنے قدم رکھنے کی جگہ ملے گی۔ سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا۔ حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دائیں طرف ہوں گے۔ قسم بخدا اس سے پہلے جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف نہیں ہوئے۔ میں عرض کروں گا یا باری تعالیٰ! مجھے جبریل نے بتایا تھا کہ تو نے ہی اسے میری طرف بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اس نے سچ کہا پھر میں شفاعت کروں گا اور عرض کروں گا اے باری تعالیٰ! یہ بندے زمین کے اطراف واکناف میں تیری عبادت کرتے رہے۔ اسی مقام کو مقام محمود کہا جاتا ہے(1)۔ فرمایا اور یہ زمین جو کچھ اس کے اندر ہے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اپنے اندر دفن کئے ہوئے مردوں کو باہر نکال دے گی۔ پھر ارشاد فرمایا: اپنے رب کا فرمان کان لگا کر سنے گی اور اس پر فرض بھی یہی ہے۔ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

فرمایا: اے انسان! تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کوشاں رہتا ہے۔ پس تو جو بھی اچھا یا برا عمل کرے گا، قیامت کے دن اسے پالے گے۔ اس کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبریل نے مجھے کہا اے محمد ﷺ! جب تک چاہو اس دنیا میں زندگی گزار لو پھر موت آنی ہے۔ جسے چاہو اسے محبوب بنا لو۔ آخر میں ایک دن اسے چھوڑ کر جانا ہے۔ جو چاہو عمل کر لو۔ آپ اسے پالیں گے(2)۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے "فملاقیه" کی ضمیر لفظ "ربك" کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی اے انسان! تو اپنے رب کے ساتھ ملاقات کرے گا۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیرے عمل اور کوشش کی تمہیں جزاء عطا فرمائے گا۔ بہر حال دونوں قول ایک دوسرے کو متلازم ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اے ابن آدم! تو جو بھی اچھا برا عمل کرے گا، قیامت کے دن اس عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے انسان! تیری کوشش کمزور ہے۔ پس جو شخص اللہ کی اطاعت میں کوشش کر سکتا ہے اسے کرنی چاہئے۔ نیک عمل کے لئے قوت بھی اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے۔ فرمایا: پس جس کو اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو اس سے حساب آسانی سے کیا جائے گا یہ حساب انتہائی آسان ہوگا۔ اس میں کوئی مشکل نہ ہوگی۔ اس سے دقیق اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا کیونکہ اگر اس کے دقیق اعمال پر محاسبہ ہوا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 115-114 2۔ مسند ابوداؤد طیالسی: 242

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کے ساتھ حساب کے وقت سوال و جواب شروع ہو گئے وہ مارا جائے گا۔ میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ تو یہ ارشاد فرماتا ہے: اس سے حساب آسانی سے لیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ سرسری پیشی ہوگی لیکن جس کے ساتھ حساب کے وقت سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا وہ مارا گیا۔ یہ روایت مختلف اسناد سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے(1)۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ آپ فرماتی ہیں کہ حِسَابًا یَّسِیۡرًا سے مراد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال کو پیش کرنا ہے۔ حالانکہ وہ ان تمام اعمال سے آگاہ ہے(2)۔ ایک مرتبہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ یہ دعا مانگ رہے تھے: ''اللھم حاسبنی حساباً یسیراً''۔ فرماتی ہیں جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! حِسَابًا یَّسِیۡرًا سے کیا مراد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بندہ کے نامہ اعمال پر ایک نگاہ ڈالی جائے گی پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا بندے! ہم نے تجھے معاف کیا۔ اے عائشہ! جس شخص سے حساب میں پوچھ گچھ کی جائے گی وہ اس دن ہلاک ہو جائے گا(3)۔ فرمایا اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف شاداں و فرحاں لوٹے گا۔ قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جنت میں اپنے گھر والوں کی طرف شاداں و فرحاں لوٹے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ عمل تو کرتے ہو لیکن اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ جب تم ان کی حقیقت سے آگاہ ہو گے تو تم میں بعض رنجیدہ اور افسردہ لوٹیں گے اور بعض شاداں و فرحاں(4)۔

فرمایا: اور جس بدنصیب کو اس کا نامہ اعمال پس پشت دیا جائے گا۔ اس کے بائیں ہاتھ کو موڑ کر، اس کی پشت کے پیچھے کر کے اس کے ہاتھ میں دیدیا جائے گا تو وہ چلائے گا، ہائے موت، ہائے موت۔ ''ثبورا'' کا ایک معنی نقصان اور ہلاکت بھی ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا اور وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ بلاشبہ وہ (دنیا میں) اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم رہا کرتا تھا۔ وہ دنیا میں خوش رہا کرتا تھا۔ اس نے اپنے انجام کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہ تھا اور نہ ہی آئندہ پیش آنے والے عذاب سے ڈرتا تھا۔ اب اس معمولی اور حقیری خوشی کی جگہ اسے کبھی نہ ختم ہونے والے غم اور حزن سے واسطہ پڑے گا۔ فرمایا: وہ خیال کرتا تھا کہ وہ اللہ کے حضور لوٹ کر نہیں جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر نہیں جائے گا اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔ ''حور'' کا معنی لوٹنا ہے۔ فرمایا: کیوں نہیں، اس کا رب اسے خوب دیکھ رہا تھا۔ کیوں نہیں جیسے اس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا ایسے ہی دوسری مرتبہ بھی پیدا کرے گا اور اسے اچھے اعمال کی جزا اور برے اعمال کی سزا دے گا۔ اور وہ اس کے ہر عمل سے آگاہ اور اس سے باخبر ہے۔

فَلَآ اُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَ الَّیۡلِ وَ مَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَ الۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرۡکَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ
طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَ اِذَا قُرِئَ عَلَیۡہِمُ الۡقُرۡاٰنُ لَا یَسۡجُدُوۡنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِیۡنَ
کَفَرُوۡا یُکَذِّبُوۡنَ ﴿۲۲﴾ وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا یُوۡعُوۡنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرۡہُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ

1۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 47۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ (اذا السماء انشقت)، جلد 8، صفحہ 697 مسلم کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2204۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ (اذا السماء انشقت)، جلد 12، صفحہ 236

2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 116۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ (اذا السماء انشقت)، جلد 8، صفحہ 697، مسلم کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2205

3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 48 4۔ المعجم الکبیر، جلد 2، صفحہ 94

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

''پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی۔ اور رات کی اور جن کو وہ سمیٹے ہوئے ہے اور چاند کی جب وہ ماہِ کامل بن جائے۔ تمہیں (بتدریج) زینہ بہ زینہ چڑھنا ہے۔ پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔ بلکہ یہ کفار اسے (الٹا) جھٹلاتے ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو ان (کے دلوں) میں بھرا ہوا ہے۔ پس آپ انہیں خوشخبری سنائیں دردناک عذاب کی۔ البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا''۔

حضرت علی اور عبداللہ بن عباس، عبادہ بن صامت، ابو ہریرہ، شداد بن اوس، عبداللہ بن عمر (رضوان اللہ عنہم اجمعین) محمد بن علی بن حسین، مکحول، بکر بن عبداللہ مزنی، بکیر بن اشج، امام مالک، ابن ابی ذئب اور عبدالعزیز بن ابی سلمہ الماجشون (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم) فرماتے ہیں کہ شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو سورج کے غروب ہونے کے بعد مغربی افق پر ظاہر ہوتی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد نمودار ہوتی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شفق سے مراد افق کی وہ سرخی ہے جو سورج طلوع ہونے سے قبل ظاہر ہوتی ہے۔ اہل لغت کے نزدیک سورج کے غروب ہونے کے بعد والی سرخی کو شفق کہتے ہیں۔ خلیل بن احمد فرماتے ہیں شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو سورج کے غروب ہونے سے لے کر عشاء تک رہتی ہے۔ جب یہ ختم ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے شفق غروب ہو گیا۔ جوہری فرماتے کہ شفق سے مراد سورج کی وہ باقی ماندہ روشنی ہے جو سورج کے غروب ہونے سے عشاء تک رہتی ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شفق مغرب اور عشاء کے درمیان تک رہتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مغرب کا وقت شفق کے غروب ہونے تک رہتا ہے(1)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفق سے مراد وہی ہے جو خلیل اور جوہری نے کہا ہے۔ لیکن امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ شفق سے مراد سارا دن ہے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے مراد سورج ہے۔ شاید انہوں نے مابعد آیت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ معنی بیان کیا ہے۔ فرمایا اور رات کی، اور جن کو وہ سمیٹے ہوئے ہے۔

وَسَقَ کا معنی جمع کرنا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے روشنی اور تاریکی دونوں کی قسم کھائی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ڈھلتے ہوئے دن اور پھیلتی ہوئی رات کی قسم کھائی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ شفق سرخی اور سفیدی کا نام ہے اور یہ لفظ اضداد میں سے ہے(2)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''وسق'' سے مراد ہے کہ رات اپنی تاریکی میں ستاروں اور جانوروں کو جمع کر لیتی ہے(3)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب رات ڈھلتی ہے تو اس کی تاریکی میں ہر چیز اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹتی ہے۔ فرمایا اور چاند کی جب وہ ماہ کامل بن جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب چاند مجتمع ہو کر برابر ہو جائے۔ یہی قول کئی دوسرے مفسرین سے بھی مروی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب وہ گول ہو جائے۔ ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ جب چاند کی روشنی مکمل ہو جائے اور وہ ماہ تمام بن جائے۔ یہاں اس کو رات کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

فرمایا: تمہیں (بتدریج) زینہ بہ زینہ چڑھنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ایک حالت سے

1۔ مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 427　2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 119　3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 120

دوسری حالت میں ترقی کرنا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ تمہارے نبی ﷺ کا حال ہے(1)۔ اسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہو۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہر آنے والا سال پہلے سال سے بدتر ہوتا ہے۔ یہ میں نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان حق ترجمان سے سنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری اسناد کے ذریعہ یہی قول مروی ہے۔ عکرمہ، طیب، مرہ، مجاہد، حسن بصری، ضحاک، مسروق اور ابوصالح رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مروی ہے کہ اس سے مراد ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرنا ہے۔ حضرت عمر، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، اہل مکہ اور اہل کوفہ کی قرأت بھی اسی قول کی تائید کرتی ہے۔ انہوں نے اسے ''لتر کبنّ'' کوتاء اور باء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد ہے کہ اے محمد ﷺ! آپ نے ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر چڑھنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابوعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے اور اس سے مراد معراج کی رات کا سفر ہے(2)۔ ابواسحاق اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ تمہیں ایک منزل کے بعد دوسری منزل پر سوار ہونا ہے اور اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم منزل بہ منزل اپنے سے پہلی امتوں کے اعمال کی نقل کرو گے(3)۔ یہی مفہوم ایک صحیح حدیث میں بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کی راہ پر برابر چلو گے اگر وہ کسی گوہ کی بل میں داخل ہوں گے تو تم بھی داخل ہو جاؤ گے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے؟(4)

مکحول رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں تم ہر بیس سال کے بعد ایک ایسا عمل ایجاد کرو گے جو پہلے نہیں تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ آسمان پھٹنے کے بعد سرخ ہو جائے گا اور پھر اس کے بعد مختلف رنگوں میں تبدیل ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے(5) اور ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ اے محمد! آپ ایک حال سے دوسرے کی طرف ترقی کرتے جائیں گے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ اس دنیا میں ظاہری طور پر ذلیل اور گھٹیا ہوں گے لیکن آخرت میں ان کا مقام ومرتبہ بلند ہوگا اور کچھ لوگ اس دنیا میں معزز ہوں گے اور وہ آخرت میں ذلیل ورسوا ہو جائیں گے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد انسان کی زندگی کے مختلف مدارج ہیں۔ پہلے وہ دودھ پیتا بچہ ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ نوجوان اور آخرکار بوڑھا ہو جاتا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شدت کے بعد خوشحالی، خوشحالی کے بعد شدت، فقر کے بعد غناء اور غناء کے بعد فقر، مرض کے بعد صحت اور صحت کے بعد مرض ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ابن آدم غفلت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اس کا رزق، موت، زندگی اور اس کا بدبخت اور سعادت مند ہونا لکھ دو۔ پھر یہ فرشتہ اپنے اس کام سے فارغ ہو کر چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ دوسرا فرشتہ بھیجتا ہے وہ اس کے بالغ ہونے تک اس کی حفاظت کرتا ہے پھر یہ فرشتہ چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر دو فرشتوں کو مقرر فرما دیتا ہے جو

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ (اذالسماء انشقت)، جلد 8، صفحہ 698 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 124 3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 122

4۔ دیکھئے تفسیر سورۃ توبہ آیت: 34 5۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 124

اس کی اچھائیاں اور برائیاں لکھتے ہیں۔ پھر موت کے وقت یہ فرشتے بھی چلے جاتے ہیں۔ پھر موت کا فرشتہ روح قبض کرتا ہے۔ جب اسے قبر میں دفن کیا جاتا ہے اس کے جسم میں روح کو واپس لوٹا دیا جاتا ہے اور اس کے بعد قبر کے دو فرشتے آ کر اس کا امتحان لیتے ہیں پھر یہ بھی چلے جاتے ہیں۔ پھر قیامت کے دن نیکی اور بدی والے فرشتے واپس آئیں گے اور اس کے گلے میں بندھے ہوئے نامہ اعمال کو کھولیں گے۔ پھر وہ اس کے ساتھ رہیں گے۔ ایک سائق اور دوسرا شہید۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (تو (عمر بھر) غافل رہا اس دن سے)(1)۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا تم ایک حال کے بعد دوسرے حال سے دوچار ہوگے۔ پھر آپ نے فرمایا اے لوگو! تمہارے سامنے ایک عظیم معاملہ ہے اسے برداشت کرنے کی تم میں طاقت نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیا کرو جو بڑی عظمت والا ہے۔ یہ حدیث منکر ہے اور اس کی سند میں بہت سے ضعیف راوی ہیں۔ لیکن اس کا معنی بالکل صحیح ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تمام اقوال نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! آپ ایک سختی کے بعد دوسری سختی سے دوچار ہونے والے ہیں۔ اگرچہ یہ خطاب تو رسول اللہ ﷺ کو ہے لیکن مراد تمام لوگ ہیں۔ قیامت کے دن یہ لوگ ہولناک مصائب و آلام میں مبتلا ہوں گے(2)۔ فرمایا: پس انہیں کیا ہوگیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان لانے سے ان کو کونسی چیز مانع ہے اور ان کو کیا ہوگیا ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا قرآن اور آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ اس کی تعظیم اور احترام میں سجدہ کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا بلکہ کفار اسے جھٹلاتے ہیں۔ حق کی تکذیب اور مخالفت ان کی فطرت کا حصہ بن چکی ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں بھرا ہوا ہے۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے سینوں میں جو چھپا رکھا ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔ پس آپ انہیں خوشخبری سنائیں دردناک عذاب کی، اے محمد ﷺ! انہیں آگاہ کردو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ فرمایا: البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا۔ یہ استثناء منقطع ہے۔ اِلَّا یہاں لٰكِنْ کے معنی میں ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ دل کی گہرائیوں سے ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے آخرت میں ایسا اجر ہوگا جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں غَيْرُ مَمْنُوْنٍ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اجر میں کمی نہ کی جائے گی۔ مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔ ان دونوں قولوں کا حاصل اور مفہوم یہی ہے کہ یہ اجر کبھی ختم نہ ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ہود:108) ''یہ وہ عطاء ہے جو ختم نہیں ہوگی''۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان پر احسان نہیں جتلایا جائے گا۔ لیکن اس معنی کو کئی علماء نے ناپسند کیا ہے کیونکہ اہل جنت پر ہر لحظہ اور آن اللہ تعالیٰ کا احسان و اکرام ہے۔ وہ اسی کے فضل و کرم سے جنت میں داخل ہوئے نہ کہ اپنے اعمال کی بناء پر۔ اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر دائمی احسان ہے۔ ہمیشہ کے لئے تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت پر اپنی تسبیح و تہلیل اور حمد و ثناء الہام فرمائے گا جیسے انسان بغیر کسی تکلیف کے سانس لیتا ہے اسی طرح ان کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا جاری ہوگی واخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین۔

1۔ سورۂ ق:22 2۔ تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 125

سورۃ البروج (مکیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز میں سورۂ بروج اور طارق پڑھا کرتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وَالسَّمَآءِ سے شروع ہونے والی سورتیں نماز عشاء میں پڑھنے کا حکم دیا(1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ وَ شَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿۷﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۸﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿۱۰﴾

’’قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے۔ اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور حاضر ہونے والے دن کی اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوں گے۔ مارے گئے کھائی کھودنے والے۔ (جس میں) آگ تھی بڑے ایندھن والی۔ جب وہ اس (کے کنارہ) پر بیٹھے تھے۔ اور وہ جو کچھ اہل ایمان کے ساتھ سلوک کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے۔ اور نہیں ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر جو سب پر غالب، سب خوبیوں سراہا ہے۔ جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔ بے شک جن لوگوں نے ایذا دی مومن مردوں اور مومن عورتوں کو پھر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے جلائے جانے کی سزا ہے‘‘۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور اس کے برجوں کی قسم اٹھائی ہے۔ بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں۔ اس کی تفسیر تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا (الفرقان:61) کے تحت گزر چکی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک، حسن بصری، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ بروج سے مراد ستارے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ وہ بروج ہیں جن میں محافظ ہیں۔ یحییٰ بن رافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بروج سے مراد آسمانی محلات ہیں۔ منہال بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد خوبصورت آسمان ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے سورج اور چاند کی منازل مراد ہیں۔ یہ بارہ برج ہیں۔ سورج ان میں سے ہر ایک کو ایک مہینہ میں طے کرتا ہے اور چاند ایک برج میں دو دن اور ایک تہائی چلتا ہے۔ اسی طرح سے چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں۔ دو راتیں چاند طلوع نہیں ہوتا(2)۔ فرمایا اور

1۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 327-326 2۔ تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 128-127

اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور حاضر ہونے والے دن کی اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوں گے۔ مفسرین کرام کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اَلْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ قیامت کا دن ہے۔ اور ''شاھد'' سے مراد یوم جمعہ ہے۔ تمام ایام سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ کوئی مؤمن اس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا سوال کرے تو وہ اسے عطا فرما دیتا ہے اور اگر وہ برائی سے پناہ مانگے تو اسے پناہ مل جاتی ہے۔ ''مشھود'' سے مراد یوم عرفہ ہے۔ اسے بھی ابن ابی خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے اور یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے اور یہی زیادہ اصح ہے۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے اس کے علاوہ اور بھی مختلف اسناد میں یہی تفسیر مروی ہے(1)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''شاھد'' سے محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور ''مشھود'' سے مراد یوم قیامت ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ(2) ''یہ وہ دن ہے جس دن اکٹھے کیے جائیں گے سب لوگ اور یہ وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائے گا''۔ ایک شخص نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے ''شاھد'' اور ''مشھود'' کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کیا تم نے اس کے بارے میں مجھ سے پہلے بھی کسی سے پوچھا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں، میں نے حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا: شاھد سے مراد قربانی کا دن اور مشھود سے مراد یوم جمعہ ہے۔ آپ نے فرمایا: نہیں شاھد سے مراد محمد ﷺ ہیں اور آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا (نساء:41) ''تو کیا حال ہوگا (ان نافرمانوں کا) جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے ایک گواہ اور (اے حبیب!) ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ''۔ اور فرمایا کہ مشھود سے مراد قیامت کا دن ہے۔ پھر آپ نے دلیل کے طور پر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ذلك يوم مجموع لهم الناس......(3)۔

حسن بصری اور سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مروی ہے۔ مجاہد، عکرمہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ شاھد ابن آدم اور مشھود یوم قیامت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ شاھد ذات باری تعالیٰ اور مشھود قیامت کا دن ہے اور ایک اور روایت میں فرمایا شاھد انسان ہے اور مشھود جمعہ کا دن ہے۔ آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ شاھد یوم عرفہ اور مشھود یوم قیامت ہے(4)۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ شاھد سے مراد قربانی کا دن اور مشھود سے مراد یوم عرفہ ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بہت سے دوسرے مفسرین نے مشھود سے یوم جمعہ مراد لیا ہے اور انہوں نے دلیل کے طور پر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ یہ یوم مشھود ہے اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں(5)۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شاھد سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: (وكفى بالله شهيدا) اور مشھود ہم ہیں(7)۔ لیکن اکثر مفسرین کا یہی

1۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 298　2۔ ہود:103 تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 130　3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 130
4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 131　4۔ ایضاً مرجع مذکور　6۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 466-467
7۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 466-467

قول ہے کہ شاھد سے مراد یوم جمعہ اور مشھود سے یوم عرفہ ہے(8)۔فرمایا: مارے گئے کھائی کھودنے والے یعنی کھائی والوں پر لعنت ہو۔ أخدود کی جمع اخادید ہے اور اس سے مراد زمین میں کھودی ہوئی خندق ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ایک قوم کے بارے میں بیان کیا ہے جنہوں نے مؤمنین کو اپنا دین چھوڑنے پر مجبور کیا۔ جب انہوں نے اس بات سے انکار کر دیا تو انہوں نے زمین میں خندق کھود کر اس میں آگ لگا دی اور اس آگ کو بھڑکانے کے لئے بہت سا ایندھن اکٹھا کر لیا پھر مؤمنین کو کفر پر مجبور کیا۔ انہوں نے ان کی بات نہ مانی تو اس بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا: قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ پھر ارشاد فرمایا: جب وہ اس کے کنارے پر بیٹھے تھے اور وہ جو کچھ اہل ایمان کے ساتھ سلوک کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے اور نہیں ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر جو سب پر غالب اور سب خوبیوں سراہا ہے۔ ان کے نزدیک اہل ایمان کی اور کوئی خطا نہیں تھی سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، جو ایسی قوت والا ہے کہ اس کی جناب میں پناہ لینے والے پر ظلم نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے تمام اقوال وافعال، شرعی احکام اور فیصلے قابل ستائش ہیں۔ اگر وہ اپنے خاص بندوں کو کفار کے ہاتھوں تکلیف میں مبتلا کر دے تو اس کی حکمت کو وہی جانتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا جس کے قبضہ میں زمین وآسمان کی بادشاہی ہے۔ اس کے اوصاف کاملہ میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ زمین وآسمان اور ان میں پائی جانے والی ہر چیز کا مالک ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔ زمین وآسمان کی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ مفسرین کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ وہ کون لوگ تھے جن کو آگ کی خندق میں ڈالا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس سے مراد اہل ایران ہیں۔ جب ان کے بادشاہ نے محرمات کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا تو اسی کے علماء اس کے خلاف ڈٹ گئے۔ اس نے ایک خندق کھدوائی اور جو بھی اس کا حکم ماننے سے انکار کرتا اسے اس میں پھینکوا دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ آج بھی محارم کے ساتھ نکاح کو حلال سمجھتے ہیں۔ آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ یمن کے باشندے تھے۔ وہاں مؤمنین اور مشرکین کے درمیان جنگ ہوئی تو مؤمن کافروں پر غالب آ گئے پھر دوبارہ جنگ ہوئی تو کافر مؤمنین پر غالب آ گئے۔ تو کافروں نے خندقیں کھود کر مؤمنین کو ان میں پھینک کر جلا دیا اور آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے مراد حبشہ کے رہنے والے لوگ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے زمین میں خندق کھودی اور اسی میں آگ جلا کر کچھ مردوں اور عورتوں کو اس میں ڈال دیا۔ ان کا خیال تھا کہ انہوں نے دانیال اور ان کے ساتھیوں کو یہ سزا دی ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے وقت میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کا ایک جادوگر تھا۔ جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ مجھے کوئی نوجوان لڑکا دو میں اسے یہ جادو سکھا دوں۔ بادشاہ نے اسے ایک جواں لڑکا دے دیا۔ لڑکے کے راستے میں ایک راہب کا گھر تھا۔ وہ لڑکا ایک دن اس راہب کے پاس آیا۔ اس نے راہب کی گفتگو سنی تو بڑا متاثر ہوا۔ وہ کچھ دیر اسی کے پاس ٹھہرا رہا۔ جب وہ جادوگر کے پاس پہنچا تو اس نے اسے مارا اور اس سے تاخیر کا سبب پوچھا۔ جب وہ گھر آیا تو گھر والوں نے بھی اسے مارا اور اس سے پوچھنے لگے کہ تم دیر سے کیوں گھر آئے ہو۔ اس لڑکے نے اس واقعہ کی شکایت راہب سے کی۔ اس نے کہا کہ جب تجھے جادوگر مارنے لگے تو اسے کہنا مجھے گھر میں دیر ہو گئی اور جب تجھے تیرے گھر والے مارنے لگیں تو اسے کہنا کہ مجھے جادوگر کے پاس تاخیر ہو گئی۔ اسی طرح کچھ عرصہ گزر گیا۔ اس دوران وہ راہب سے دینی علوم سیکھتا رہا۔ ایک دن وہ واپس آ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ راستہ میں ایک بھاری بھر کم ہیبت ناک جانور ہے جس نے لوگوں کا راستہ بند کر رکھا

ہے۔نوجوان نے اپنے دل میں کہا: آج معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب راہب ہے یا جادوگر۔اس نے ایک پتھر پکڑا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی اے خدا! اگر راہب تیرے نزدیک جادوگر سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے تو اس پتھر کے ساتھ اس جانور کو ہلاک کردے تاکہ لوگ یہاں سے گزر سکیں۔ پھر اس نے وہ پتھر مارا جس سے وہ جانور مر گیا اور لوگوں کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔ اس نے اس واقعہ کا راہب سے ذکر کیا۔اس نے کہا: اے بیٹا تم مجھ سے افضل ہو۔اب تمہیں آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا۔ اگر ایسا ہوا تو کسی کو میرے بارے میں نہ بتانا اس کے بعد وہ لڑکا خلق خدا میں مشہور ہو گیا۔اس کی دعا سے مادرزاد اندھے، کوڑھی اور مختلف بیماریوں والے شفایاب ہوتے۔ایک دفعہ بادشاہ کا ایک وزیر اندھا ہو گیا۔اس نے اس بچہ کے بارے میں سنا تو بہت سے تحفے تحائف لے کر اس کی خدمت میں پہنچا اور اسے کہنے لگا کہ مجھے شفا دو اس نے کہا کہ میں تو کسی کو شفا نہیں دے سکتا بلکہ شفاء اللہ تعالیٰ کی ذات دیتی ہے۔اگر تو اس پر ایمان لائے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا وہ تمہیں شفا عطا فرمائے گا۔ یہ بات سن کر وہ ایمان لے آیا اور نوجوان کی دعا سے وہ شفایاب ہو گیا۔ جب وہ بادشاہ کی مجلس میں دوبارہ حاضر ہوا اور بادشاہ نے اس کی آنکھوں کو بینا دیکھا تو اس سے پوچھا کہ یہ تیری بینائی کس نے لوٹائی ہے۔اس نے کہا میرے رب نے۔کیا میں نے؟ اس نے کہا نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کیا میرے سوا بھی تیرا کوئی رب ہے، اس نے کہا ہاں۔ میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ سن کر بادشاہ آگ بگولہ ہو گیا اور اسے سخت سزا دینے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ اس نے اس نوجوان کے بارے میں بتایا۔ بادشاہ نے اسے اپنے دربار میں بلایا اور اسے کہنے لگا کہ تم جادو میں کمال مرتبہ تک پہنچ گئے ہو کہ تم مادرزاد اندھوں، کوڑھیوں اور مختلف بیماروں کو شفا دینے لگے ہو۔اس نوجوان نے جواب دیا: یہ غلط ہے میں کسی کو شفا نہیں دیتا۔شفا تو صرف اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔بادشاہ نے کہا: میں؟ اس نے کہا: نہیں۔اس نے پوچھا کیا مرے سوا بھی تیرا کوئی رب ہے؟ اس نے جواب دیا میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ بادشاہ نے اسے بھی سخت سزا دینے کا حکم دیا۔اسے سخت سزائیں دی گئیں۔ یہاں تک کہ اس نے راہب کے بارے میں بتا دیا۔راہب کو بادشاہ کے دربار میں پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے راہب سے کہا: اپنا دین چھوڑ دو۔جب اس نے انکار کیا تو اس کے سر میں آرا چلا کر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ بادشاہ نے اس وزیر کو کہا کہ تم یہ دین چھوڑ دو۔ اس نے بھی انکار کر دیا اور پھر اسے آرا چلا کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر اس نوجوان سے بھی یہی کہا۔اس نے انکار کیا تو بادشاہ نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ اس کو فلاں پہاڑ کی چوٹی پر لے جاؤ۔اگر یہ اپنے دین سے واپس لوٹ آئے تو فبہا ورنہ اسے دھکا دے کر نیچے پھینک دینا۔ جب وہ اسے لے کر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو اس نے دعا کی: اے اللہ! مجھے ان سے نجات دلا۔دعا کرنے کی دیر تھی کہ وہ پہاڑ لرزنے لگا۔ بادشاہ کے تمام سپاہی ہلاک ہو گئے اور وہ صحیح سلامت واپس لوٹ آیا۔ جب وہ بادشاہ کے پاس پہنچا تو اس نے اس سے پوچھا تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟ اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات عطا فرمائی ہے پھر اس نے اپنے کچھ سپاہیوں کے ساتھ اس کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ اسے ایک کشتی میں بٹھا کر لے جاؤ جب گہرے سمندر میں پہنچو پھر اس سے پوچھو اگر اس نے اپنے دین سے رجوع کر لیا تو فبہا ورنہ اسے سمندر میں غرق کر دینا۔ جب وہ اسے لے کر سمندر میں پہنچے تو اس نے پھر دعا کی جس کی وجہ سے وہ تمام سپاہی غرق ہو گئے اور وہ صحیح سلامت واپس بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے اس سے اپنے سپاہیوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ان سے نجات عطا فرمائی۔ پھر بادشاہ سے کہا کہ جب تک تم میرے کہنے پر عمل نہیں کرو گے تم مجھے مار نہیں سکو گے۔ بادشاہ نے کہا میں تمہاری بات پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بتاؤ کیا بات ہے۔اس نے کہا تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرو پھر کھجور کے تنے پر مجھے سولی چڑھا دینا اور پھر میرے ترکش سے ایک تیر لے کر

کہنا: اس نوجوان کے پروردگار اللہ کے نام پر، یہ کہہ کر مجھے تیر مار دینا۔ تیر مجھے لگے گا اور میں مر جاؤں گا۔ بادشاہ نے ایسے ہی کیا۔ وہ تیر اس کی کنپٹی میں لگا۔ اس نوجوان نے اپنا ہاتھ کنپٹی پر رکھا اور پھر اس کی روح پرواز کر گئی۔ یہ منظر دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ ہم اس نوجوان کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔ بادشاہ کے حواریوں نے بادشاہ سے کہا: تم اسی چیز سے ڈرتے تھے اور یہی مصیبت تم پر نازل ہوئی ہے۔ تمام کے تمام اس نوجوان کے پروردگار پر ایمان لے آئے۔ یہ حالات دیکھ کر بادشاہ غصہ سے باہر ہو گیا۔ اس نے حکم دیا شہر کے بازاروں میں خندقیں کھود کر اس میں آگ جلا دی جائے اور جو شخص اس دین کو نہ چھوڑے اسے اس آگ میں پھینک دو۔ جب مؤمنین نے یہ حکم سنا تو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خود ہی اس میں چھلانگیں لگانے لگے، ایک عورت آئی جس کے پاس ایک چھوٹا سا دودھ پیتا بچہ بھی تھا وہ آگ میں چھلانگ لگاتے وقت ہچکچائی تو وہ معصوم بچہ بول پڑا: اے امی جان! صبر کرو۔ تم حق پر ہو(1)۔ اس حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم میں ہدبہ بن خالد سے روایت کیا ہے(2)۔

نسائی اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ ترمذی کی حدیث حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی عصر کی نماز ادا فرماتے تو زیر لب کچھ کلمات ادا فرماتے جب آپ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: گزشتہ انبیاء میں سے ایک نبی اپنی امت کے رویہ پر بڑے متعجب تھے۔ فرماتے: اس امت کا کیا بنے گا؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی فرمائی اور انہیں اختیار دیا۔ چاہو تو خود ان سے انتقام لے لو اور پسند کرو تو میں ان پر ان کے دشمن کو مسلط کر دوں۔ انہوں نے انتقام کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی امت پر موت کو مسلط کر دیا۔ اس سے ایک ہی دن میں ستر ہزار آدمی ہلاک ہو گئے۔ اس حدیث کے ساتھ ساتھ آپ وہ حدیث بھی بیان کرتے جو پہلے گزر چکی ہے اور آپ آخر میں قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ سے لے کر ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ تک کی آیات تلاوت فرماتے۔ وہ نوجوان جس کا گزشتہ حدیث میں ذکر ہوا ہے، جسے بادشاہ نے شہید کر دیا تھا، شہادت کے بعد اسے دفن کر دیا گیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اسے اس کی قبر سے نکالا گیا تو اس کی انگلی اسی طرح اس کی کنپٹی پر تھی جس طرح بوقت شہادت تھی۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے(3) لیکن اس روایت کے سیاق و سباق سے یہ صراحۃً معلوم نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا یا صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے۔ ہمارے شیخ حافظ ابو الحجاج مزی فرماتے ہیں: غالب احتمال یہی ہے کہ یہ واقعہ صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ سے سنا ہو۔ واللہ اعلم۔

امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ کو اپنی سیرت میں الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ وہ محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اہل نجران کے کسی شخص سے روایت کیا ہے کہ اہل نجران پہلے مشرک تھے اور بت پرستی کیا کرتے تھے۔ نجران کے قریب ہی ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک جادوگر تھا جو نجران کے نوجوانوں کو جادو سکھایا کرتا تھا۔ اسی زمانہ میں فیمون نامی ایک راہب آیا اور اس نے ان دونوں گاؤں کے درمیان اپنا خیمہ نصب کر لیا۔ انہی لڑکوں میں ایک نوجوان عبد اللہ بن تامر بھی تھا جو جادوگر سے جادو سیکھنے جاتا۔ یہ نوجوان جب راہب کے خیمہ کے قریب سے گزرتا تو اس کا طریقہ عبادت دیکھ کر بہت متاثر ہوتا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے راہب کے پاس آنا جانا شروع کر دیا اور اس کی گفتگو سن کر اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آیا اور اس کی عبادت کرنے لگا اور راہب سے

1۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 18-16 2۔ مسلم، کتاب الزہد، جلد 4، صفحہ 2301-2299

3۔ نسائی: سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 199، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ بروج، جلد 12 صفحہ 242-238

احکام سیکھنے لگا یہاں تک کہ راہب کا دین اس میں راسخ ہوگیا۔ وہ راہب اسم اعظم کے متعلق جانتا تھا۔ نوجوان کو بھی اس کا شوق پیدا ہوا۔ اس نے راہب سے اسی کے بارے میں پوچھا۔ راہب نے کہا: لڑکے! ابھی تم میں اتنی قوت نہیں۔ تم ابھی کمزور ہو۔ اسے برداشت نہیں کر سکو گے۔ ادھر اس لڑکے کے والد کو اس کے عیسائی ہونے کی بالکل خبر نہ ہوئی۔ وہ یہی سمجھتا تھا کہ اس کا بیٹا جادوگر کے پاس جادو سیکھ رہا ہے۔ جب نوجوان نے دیکھا کہ راہب اسے اسم اعظم کی اجازت نہیں دیتا تو اس نے ایک دن کچھ تیر لئے اور اسے جتنے بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی یاد تھے، ہر تیر پر ایک اسم لکھا۔ تمام تیروں پر اسمائے الٰہی لکھنے کے بعد اس نے آگ جلائی اور ایک ایک تیر کر کے اسے آگ میں پھینکنے لگا۔ جب اس نے وہ تیر پھینکا جس پر اسم اعظم لکھا ہوا تھا تو وہ تیر آگ میں پڑتے ہی اچھل کر باہر آ گیا۔ آگ نے کچھ اثر نہ کیا۔ وہ یہ تیر لے کر راہب کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ مجھے اسم اعظم کا علم ہوگیا ہے۔ جب راہب نے اس سے پوچھا تو اس نے بتا دیا کہ یہ اسم اعظم ہے۔ راہب نے دریافت کیا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ اس نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ راہب نے یہ سن کر کہا کہ بیٹا! واقعی تمہیں اسم اعظم کا علم ہوگیا ہے لیکن تم اسے اپنی ہی ذات تک محدود رکھنا۔ مگر مجھے ڈر ہے کہ تم اس طرح کر نہ سکو گے۔ اس کے بعد اس لڑکے کی حالت یہ ہوگئی کہ وہ گاؤں نجران واپس آیا اور اسے جب بھی کسی بیماری میں کوئی مبتلا شخص ملتا تو اسے کہتا تو اللہ کی توحید پر ایمان لے آ۔ میں اس کی بارگاہ میں دعا کروں گا وہ تمہیں اس بیماری سے نجات عطا فرمائے گا۔ پس اگر وہ شخص اللہ کی توحید پر ایمان لے آتا تو نوجوان اسم اعظم پڑھ کر دعا کرتا تو وہ صحت یاب ہو جاتا۔ جلد ہی اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ یہاں تک کہ بادشاہ کے دربار میں بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ بادشاہ نے اسے دربار میں طلب کیا اور کہنے لگا کہ تو نے میری رعایا کو بگاڑ دیا۔ تو نے میرے آباؤ اجداد کے دین کی مخالفت کی ہے۔ میں سزا کے طور پر تیرے ہاتھ، پاؤں، ناک اور کان کٹوا دوں گا۔ اس نے جواب دیا: بادشاہ! تو ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ بادشاہ نے اسے ایک بلند و بالا پہاڑ پر بھیجا تاکہ اسے اس کی چوٹی سے نیچے گرایا جائے۔ اسے وہاں سے گرایا گیا تو اس کے جسم پر خراش تک نہ آئی۔ پھر اس نے اسے ہلاکت کے لئے گہرے سمندر میں پھینکا۔ وہ وہاں سے بھی صحیح سلامت واپس چلا آیا۔ اس طرح جب بادشاہ عاجز آ گیا تو نوجوان نے کہا: تم مجھے قتل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اس دین کو قبول نہ کرلو جس پر میں عمل پیرا ہوں۔ اس کے بعد تم مجھے قتل کر سکتے ہو۔ بادشاہ نے یہ سن کر اس کی تجویز کو قبول کرلیا اور اپنی چھڑی کو جو اس کے ہاتھ میں تھی، نوجوان کے سر پر مارا۔ اس سے نوجوان تھوڑا سا زخمی ہوگیا اور اسی سے شہید ہو گیا۔ اس کے بعد بادشاہ بھی فوراً ہلاک ہوگیا۔ بادشاہ کے مرنے کے بعد تمام اہل نجران نے اس نوجوان کے دین کو قبول کرلیا۔ وہ نوجوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیروکار تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل نجران کا اصل دین عیسائیت تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ذونواس یہودی نے ایک لشکر جرار کے ساتھ نجران پر چڑھائی کر دی اور انہیں یہودیت اختیار کرنے کی دعوت دی اور کہا کہ یہودی بن جاؤ ورنہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ انہوں نے یہودیت کے مقابلہ میں قتل ہونے کو قبول کرلیا۔ اس نے خندقیں کھودنے اور اس میں آگ جلانے کا حکم دیا اور اپنی فوج کو کہا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کو آگ میں پھینک دو۔ اس طرح اس نے تقریباً بیس ہزار افراد کو آگ میں ڈالا۔ ذونواس یہودی اور اس کے لشکر کے بارے میں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ پر یہ آیات نازل فرمائیں۔ ذونواس کا اصل نام زرعہ تھا اور اس کی بادشاہت کے زمانہ میں اسے یوسف کہا جاتا تھا۔ اس کے والد کا نام ثناء اسعد بن ابی کریب تھا۔ یہ وہی مشہور تبع ہے جس نے زمانہ جاہلیت میں مدینہ طیبہ پر حملہ کیا تھا اور کعبہ شریف پر غلاف چڑھایا تھا۔ وہ مدینہ سے دو یہودی راہبوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ انہی کے ذریعہ اہل یمن نے یہودی مذہب اختیار کیا۔

ذونواس نے صرف ایک دن میں ان خندقوں میں بیس ہزار افراد کو قتل کر کے ڈالا تھا۔ ان میں سے صرف ایک شخص جس کا نام دوس ذی ثعلبان تھا، اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ ذونواس کے سپاہیوں نے اس کا پیچھا کیا مگر وہ اسے نہ پکڑ سکے۔ وہ شام کے بادشاہ قیصر روم کے دربار میں پہنچا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ قیصر نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو اس کی مدد کے لئے خط لکھا۔ نجاشی نے اس کے ساتھ حبشہ کے نصرانیوں کا ایک لشکر بھیجا۔ اس لشکر میں ارياط اور ابرہہ نامی دو سردار تھے۔ انہوں نے یمن پر حملہ کر کے اس سے چھین لیا۔ ذونواس وہاں سے بھاگ نکلا اور سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد ستر سال تک حبشہ کے نصرانیوں کا اس پر قبضہ رہا۔ پھر سیف بن ذی یزن حمیری نے ایران کے بادشاہ کسریٰ سے امدادی فوج لے کر اس پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ ایرانی فوج میں تقریباً سات سو افراد ایسے تھے جنہیں بادشاہ نے جیلوں سے رہا کر کے بھیجا تھا۔ اس طرح یمن میں حمیری سلطنت قائم ہو گئی۔ اس کا کچھ بیان انشاء اللہ سورۂ فیل کی تفسیر میں آئے گا۔

سیرت ابن ہشام میں عمرو بن حزم سے مروی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک نجرانی نے اپنی ضرورت کے لئے ایک بنجر زمین کھودی تو اس نے دیکھا کہ اس میں عبد اللہ بن تامر کا جسد پڑا ہے اور انہوں نے اپنا ایک ہاتھ سر پر اس جگہ رکھا ہوا تھا جہاں بادشاہ نے انہیں چھڑی ماری تھی۔ جب اس نے ان کا ہاتھ وہاں سے ہٹایا تو اس سے خون بہنے لگا۔ جب دوبارہ وہاں رکھا تو بند ہو گیا۔ ان کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس پر'' ربی الله '' لکھا ہوا تھا۔ اس شخص نے اس واقعہ کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی۔ آپ نے جواباً خط لکھا ان کو ان کی اصلی حالت پر رہنے دو اور مٹی ڈال کر دفن کر دو۔ اس نے آپ کے حکم کی تعمیل کی (1)۔

حافظ ابن ابی دنیا رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب اصفہان کو فتح کیا تو آپ نے دیکھا کہ فصیل کی ایک دیوار گری ہوئی ہے آپ نے اسے تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ دیوار تعمیر کی گئی تو وہ پھر گر گئی۔ دوبارہ تعمیر کی گئی تو وہ پھر گر گئی۔ انہیں کسی شخص نے بتایا کہ یہاں کوئی نیک آدمی مدفون ہے۔ جب دیوار کی بنیاد کو کھودا گیا تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہے جس کے ہاتھ میں تلوار ہے۔ اس پر لکھا تھا کہ میں حارث بن مضاض ہوں جس نے خندق والوں سے انتقام لیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس لاش کو وہاں سے نکال کر دیوار تعمیر کرائی تو وہ قائم رہی۔ میں کہتا ہوں یہ حارث بن مضاض بن عمرو بن مضاض جرہمی تھا۔ یہ بنو جرہم کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا، یہ لوگ حضرت ثابت بن اسماعیل بن ابراہیم خلیل علیہم السلام کی اولاد کے بعد کعبہ کے متولی بنے تھے۔ اس حارث کا ایک بیٹا عمرو بن حارث مکہ میں بنو جرہم کے حکمرانوں میں سے آخری حکمران تھا۔ بنو خزاعہ نے اسے یمن جلاوطن کر دیا تھا۔ اسی نے وہ مشہور اشعار کہے تھے جن کے بارے میں ابن ہشام نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ سب سے پہلے اشعار ہیں جو عرب میں کہے گئے ہیں:

كأن لم يكن بين الحجون إلى الصفا أنيس ولم يسمر بمكة سامر

بل نحن كنا اهلها فأبادنا صروف الليالي والجدود العواثر (2)

'' گویا حجون اور صفاء کے درمیان کوئی غمگسار نہیں اور نہ ہی مکہ میں کوئی قصہ گو تھا۔ نہیں بلکہ ہم ہی اہل مکہ تھے۔ بس گردش زمانہ اور پھوٹی قسمت نے ہمیں ہلاک کر دیا''۔

اس واقعہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مابعد زمانہ کا ہے۔ تقریباً حضرت اسماعیل علیہ السلام کے

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 37-34
2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 115

زمانہ سے پانچ سو سال بعد کا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کی وہ طویل روایت جو اوپر مذکور ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے درمیانی عرصہ میں رونما ہوا تھا اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار ہوا ہو جیسا کہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صفوان بن عبدالرحمٰن بن زبیر فرماتے ہیں کہ تبع کے زمانہ میں یمن میں خندقیں کھدوائی گئیں اور قسطنطنیہ میں قسطنطین کے زمانہ میں آگ کی خندقیں کھودی گئیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب نصرانیوں نے دین مسیح اور توحید کو چھوڑ کر تثلیث کا عقیدہ اپنایا۔ اس وقت جو لوگ توحید پر قائم رہے انہیں خندقوں میں ڈال دیا گیا اور اسی قسم کا ایک واقعہ عراق کی سرزمین بابل میں بخت نصر کے دور میں پیش آیا۔ جب اس نے ایک بت بنوایا اور لوگوں کو اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو حضرت دانیال علیہ السلام اور ان کے دو ساتھی عزریا اور میشائیل نے اسے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے ان کے لئے ایک آگ کی بھٹی بنوائی جس میں بہت سی لکڑیاں جلا کر اس میں آگ بھڑکائی گئی پھر اس بھڑکتی ہوئی آگ میں انہیں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان کے لئے رحمت وسلامتی بنا دیا۔ اس کے بعد بخت نصر نے اپنے مخالف قبائل کے کافروں کو آگ میں ڈالا تو وہ جل کر راکھ ہو گئے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ تین خندقیں تھیں۔ ایک عراق میں، دوسری شام میں اور تیسری یمن میں اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ خندقیں تین ہیں۔ ایک یمن میں نجران کے مقام پر، دوسری شام میں اور تیسری ایران میں۔ شام والی خندق کو انطنانوس رومی نے کھدوایا تھا۔ فارس والی کو بخت نصر نے، یمن والی کو یوسف ذونواس یہودی نے۔ فارس اور شام والی خندقوں کے بارے میں آیات نازل نہیں ہوئیں۔ لیکن نجران کی خندقوں کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ زمانہ فترت میں نیک لوگوں کی ایک جماعت تھی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ فتنہ وفساد میں مبتلا ہیں اور مختلف گروہوں میں منقسم ہیں اور ان میں سے ہر گروہ اپنے خیالات پر خوش ہے تو وہ انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر الگ تھلگ ایک گاؤں میں آباد ہو گئے اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ کچھ عرصہ وہ یہاں امن وامان سے رہے یہاں تک کہ ایک جابر بادشاہ نے ان کے بارے میں سنا تو اس نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ خدا کی عبادت چھوڑ کر ان بتوں کی پوجا کرو جن کی میں کرتا ہوں۔ انہوں نے حکم ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم تو صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے۔ اس نے کہا کہ اگر تم نے بتوں کی پوجا نہ کی جن کی میں کرتا ہوں تو میں تمہارے ساتھ جنگ کروں گا۔ انہوں نے کوئی بات نہ مانی۔ اس نے آگ کی خندقیں کھدوائیں اور انہیں اختیار دیا کہ چاہو تو بتوں کی پوجا کرو، چاہو تو یہ آگ۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہمیں اس آگ میں جل کر مرنا پسند ہے۔ ان میں کچھ چھوٹے بچے اور عورتیں بھی تھیں جب انہوں نے کچھ گھبراہٹ کا اظہار کیا تو انہوں نے انہیں سمجھایا کہ آج کے بعد تمہیں کوئی آگ نہیں چھوئے گی تو وہ اس آگ میں کود پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آگ کی حرارت تک پہنچنے سے پہلے ہی ان کی روحوں کو قبض کرلو۔ اس کے بعد وہ آگ خندقوں سے باہر نکل آئی اس نے جابر بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کو گھیر کر ہلاک کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں(1)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "بے شک جن لوگوں نے ایذاء دی مومن مردوں اور مومن عورتوں کو پھر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لئے جہنم کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 135-134

عذاب ہے اور ان کے لئے جلائے جانے کی سزا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم فرماتے ہیں کہ'' فتنوا'' کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے مومن مردوں اور عورتوں کو آگ میں جلایا اور ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے اس فعل سے باز نہ آئے اور نہ ہی اپنے گزشتہ اعمال پر نادم ہوئے۔ جس قسم کا ان کا عمل تھا اسی قسم کی انہیں سزا دی گئی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اس جود وسخاوت کی طرف دیکھو کہ ان لوگوں نے اس کے اولیاء کو قتل کیا اور وہ انہیں توبہ اور مغفرت کی دعوت دے رہا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ ؕ﴿۱۱﴾ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ ؕ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَ یُعِیْدُ ۚ﴿۱۳﴾ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۙ﴿۱۴﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ۙ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ؕ﴿۱۶﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ ۙ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ؕ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ تَكْذِیْبٍ ۙ﴿۱۹﴾ وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِیْطٌ ۚ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ۙ﴿۲۱﴾ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

'' جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ بے شک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔ بیشک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور وہی بہت بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک ہے، بڑی شان والا۔ کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔ کیا پہنچی ہے آپ کے پاس لشکروں کی خبر (یعنی) فرعون اور ثمود (کے لشکروں) کی۔ بلکہ یہ کفار جھٹلانے میں مصروف ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے۔ ایسی لوح میں لکھا ہے جو محفوظ ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے دشمنوں کا انجام بیان کیا کہ اس نے ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اب یہاں اپنے مومن بندوں کے بارے میں بیان فرما رہا ہے کہ ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: یہی بڑی کامیابی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے بے شک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے یعنی اس کے رسل کی تکذیب اور اس کے احکام کی مخالفت کرنے والوں کے لئے اس کی پکڑ اور انتقام شدید ہے چونکہ وہ عظیم قوت اور عظمت کا مالک ہے اس لئے وہ پلک جھپکنے کی دیر میں جو چاہے، جیسے چاہے کر سکتا ہے۔ اسی لئے یہاں ارشاد فرمایا: بے شک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا یعنی اپنی قوت اور قدرت تامہ کے ساتھ جس طرح اس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اس طرح وہ بغیر کسی رکاوٹ اور ممانعت کے دوبارہ پیدا کر سکتا ہے اور وہی بہت بخشنے والا اور بہت زیادہ مغفرت کرنے والا ہے۔ جو بندہ گناہ کر کے اس کی بارگاہ میں سچے دل سے تائب ہو کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا ہے وہ اس کے گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔ خواہ وہ گناہ کسی قسم کا ہو۔

ودود کا معنی بہت زیادہ محبت کرنے والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ اس کا معنی حبیب ہے۔ وہ عرش کا مالک اور بڑی شان والا ہے یعنی وہ اس عظیم عرش کا مالک ہے جس کا مرتبہ تمام مخلوق سے بلند ہے۔ '' مجید'' کے لفظ میں دو قرأتیں ہیں: 1۔ دال پر ضمہ پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کی صفت بن جائے گا، 2۔ اور دال کے نیچے کسرہ بھی

پڑھا گیا۔ اس صورت میں وہ عرش کی صفت ہوگا۔ بہر حال یہ دنوں معنی صحیح ہیں(1)۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ جس فعل کا ارادہ کرلے اسے اس سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اور نہ ہی اس سے اس کے فعل کے بارے میں کوئی سوال کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی ذات انتہائی عظیم، غالب اور حکمت و عدل والی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے مرض وصال میں پوچھا گیا: کیا کسی طبیب نے آپ کا معائنہ کیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ عرض کی گئی: طبیب نے کیا کہا ہے؟ فرمایا: اس نے کہا ہے کہ میں جو چاہتا ہوں وہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا: کیا آپ کے پاس لشکروں کی کوئی خبر پہنچی ہے یعنی فرعون اور ثمود کے لشکروں کی۔ کیا آپ تک اللہ تعالیٰ کے عذاب و انتقام کی خبر پہنچی ہے جو اس نے ان پر نازل فرمایا۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے اس عذاب سے کوئی نہ بچا سکا۔ یہ آیات کریمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ کی وضاحت ہیں۔ جب وہ کسی ظالم کو پکڑتا ہے تو بڑی سختی اور قوت قاہرہ سے پکڑتا ہے۔ حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ تلاوت کر رہی تھی۔ آپ ﷺ یہ آیت سن کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے: ہاں میرے پاس خبر آ گئی ہے۔ فرمایا بلکہ یہ کفار جھٹلانے میں مصروف ہیں۔ یعنی یہ شک و شبہ اور کفر و عناد میں مبتلا ہیں حالانکہ ان کو اللہ تعالیٰ ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ وہ ان پر غالب و قاہر ہے۔ وہ نہ تو اس کو عاجز کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس سے بچ کر نکل سکتے ہیں۔ بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے۔ ایسی لوح پر لکھا ہوا ہے جو محفوظ ہے۔ یہ قرآن پاک ملاء اعلیٰ میں ایک لوح پر لکھا ہوا ہے جو ہر قسم کی کمی و بیشی اور تحریف و تبدیل سے مبرا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو لوح محفوظ پر لکھ دیا ہے جو حضرت اسرافیل علیہ السلام کی پیشانی پر ہے(2)۔ حضرت عبد الرحمٰن بن سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا فیصلہ فرمایا خواہ وہ قرآن ہو یا اس سے پہلے ہو یا بعد وہ تمام لوح محفوظ پر ہے اور یہ لوح محفوظ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی دونوں آنکھوں کے درمیان ہے جسے انہیں دیکھنے کی اجازت نہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اللہ کے پاس لوح محفوظ پر مرقوم ہے۔ وہ اس سے جتنا چاہتا ہے اپنے رسول پر نازل فرماتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ لوح محفوظ کے وسط میں لکھا ہوا ہے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اس کا دین اسلام ہے، محمد ﷺ اس کے برگزیدہ بندے اور رسول ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا، اس کے وعدہ کی تصدیق کرے گا اور اس کے رسولوں کی اتباع کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ فرماتے ہیں یہ لوح سفید موتی کی بنی ہوئی ہے جس کا طول زمین و آسمان کے برابر اور عرض مشرق و مغرب کی مسافت کے برابر ہے۔ اس کے دونوں کنارے موتیوں اور یاقوت کے بنے ہوئے ہیں، اس کی دونوں دفتیاں (گتے) سرخ یاقوت کی ہیں۔ اس کا قلم نور کا ہے۔ اس کی کلام عرش کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی اصل ایک فرشتہ کی گود میں ہے(3)۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ عرش کی دائیں طرف ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو ایک سفید موتی سے تخلیق فرمایا۔ اس کے صفحات سرخ یاقوت کے، اس کی قلم نور اور کتابت بھی نور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دن تین سو ساٹھ مرتبہ اس پر نظر ڈالتا ہے، وہی ہر چیز کو پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے۔ موت، زندگی، عزت اور ذلت دیتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے، دیتا ہے(4)۔

1۔ ابن باذش: الاقناع، جلد 2، صفحہ 807 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 140 3۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 472 4۔ المعجم الکبیر، جلد 12، صفحہ 72

سورۂ طارق (مکیہ)

حضرت خالد بن ابی جبل عدوانی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے طائف میں بنی ثقیف کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے تشریف لائے تو آپ بنوثقیف کے مشرق کی سمت ایک کمان یا عصا سے ٹیک لگا کر کھڑے تھے۔ میں ان کے قریب ہوا تو سنا کہ وہ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ تلاوت فرمارہے تھے۔آپ نے پوری سورت تلاوت فرمائی۔ میں زمانہ جاہلیت میں مشرک تھا۔ میں نے پوری سورت یاد کر لی۔ مجھے قبیلہ ثقیف نے بلایا اور پوچھا تو نے ابھی اس شخص سے کیا سنا ہے؟ میں نے ان کو مکمل سورت سنا دی۔ وہاں کچھ قریشی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ کہنے لگے: ہم اسے جانتے ہیں۔ اگر یہ کلام حق ہوتا تو ہم اس کی اتباع کرتے(1)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک دن مغرب کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء کی تلاوت فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! کیا تم لوگوں کو آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتے ہو کیا تمہارے لئے یہی کافی نہیں تھا کہ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ اور وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا اور اس جیسی سورتیں پڑھ لیتے(2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿١﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿٢﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿٣﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿٤﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿٥﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿٦﴾ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿٧﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿٨﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿٩﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾

”قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی۔ اور آپ کو کیا معلوم یہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ ایک تارا نہایت تاباں۔ کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی محافظ نہ ہو۔ سو انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ اسے پیدا کیا گیا ہے اچھلتے پانی سے۔ جو (مرد وزن کی) پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ بے شک وہ اس کو پھر واپس لانے پر قادر ہے۔ یاد کرو اس دن کو جب سب راز فاش کر دیئے جائیں گے۔ پس نہ خود اس میں زور ہوگا اور نہ کوئی (دوسرا) مددگار ہوگا“۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں آسمان اور اس میں روشن ستاروں کی قسم کھائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی۔ فرمایا: اور آپ کو کیا معلوم کہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ پھر خود ہی وضاحت فرمائی کہ یہ نہایت روشن ستارہ ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نجم کو ستارہ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ رات کے وقت ظاہر ہوتا ہے اور دن کے وقت چھپ جاتا ہے۔ اس

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 335 2۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 2، صفحہ 267

کی تائید ایک صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ''نهي ان يطرق الرجل اهله طروقا'' آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی شخص رات کے وقت اچانک اپنے گھر میں آئے(1)۔ آپ ﷺ سے مروی ایک دعا میں بھی طارق کا لفظ استعمال ہوا ہے(2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ثاقب کا معنی روشن ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ستارہ ہے جو شیطان پر گر کر اس میں سوراخ کر دیتا ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد روشن اور شیطان کو جلانے والا ستارہ ہے۔ فرمایا: کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی محافظ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر نفس پر ایک محافظ مقرر ہے جو آفات و بلیات سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (رعد: 11) ''انسان کے لئے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی وہ نگہبانی کرتے ہیں اس کی اللہ تعالیٰ کے حکم سے''۔

فرمایا: انسان کو دیکھنا چاہئے کہ اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا، یہاں انسان کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اسے اپنی اصل پر بھی غور کرنا چاہئے جس سے اسے پیدا کیا گیا اور اس کی یہ بھی راہنمائی کی جا رہی ہے کہ اسے مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا اعتراف کر لینا چاہئے کیونکہ جو ذات اسے ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اسے دوبارہ زندہ کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (روم: 27) ''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے پھر (فنا کرنے کے بعد اسے) دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے''۔

فرمایا: اسے اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا یعنی اس منی سے جو مرد اور عورت سے ٹپک کر نکلتی ہے۔ اللہ کے اذن سے اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا جو (مرد و زن کی) پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ مرد کی پشت اور عورت کے سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے ایک پتلا سا زرد رنگ کا مادہ نکلتا ہے اور ان دونوں کی آمیزش سے بچہ کی ولادت ہوتی ہے۔ یہ سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم سے مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے ہاتھ کو اپنے سینہ مبارک پر رکھا اور فرمایا یہ ترائب (سینہ کی ہڈیاں) ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عورت جب اپنے گلے میں ہار پہنتی ہے تو سینہ پر ہار کی جگہ کو تریبہ کہتے ہیں اور آپ سے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عورت کے دونوں کانوں کی درمیان والی جگہ کو تریبہ کہتے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہنسلی کی ہڈی اور دونوں کندھوں اور سینے کی ہڈی کو ترائب کہتے ہیں۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عورت کے پستانوں کے اوپر والی ہڈیوں کو کہتے ہیں۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ نیچے کی طرف چار پسلیوں کو ترائب کہتے ہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عورت کے پستان، دونوں پاؤں اور آنکھوں کے درمیانی حصہ کو ترائب کہتے ہیں۔ لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد دل کا جوہر ہے۔ اسی سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ پانی مرد کی پشت اور اس کے سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔

فرمایا: بیشک وہ اس کو پھر واپس لانے پر قادر ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین کے دو اقوال ہیں:۔

1:۔ اللہ تعالیٰ اس اچھلے ہوئے پانی کو اس کے مقر (محل) میں پھر لوٹانے پر قادر ہے۔ یہ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما کا قول ہے۔

2:۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نطفہ سے پیدا شدہ انسان کو مارنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے کیونکہ

1۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9، صفحہ 339، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3، صفحہ 1518-1527
2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 419

جو ذات ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اسے دوبارہ بھی زندہ کر سکتی ہے۔ یہ دلیل اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر ذکر فرمائی۔ یہ ضحاک اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ کا مختار قول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا: یاد کرو اس دن کو جب سب راز فاش کر دیئے جائیں گے۔ قیامت کے دن یہ سب راز ظاہر ہو جائیں گے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن ہر غدار کی رانوں کے درمیان ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے(1)۔ فرمایا: پس نہ تو خود اس میں زور ہوگا اور نہ کوئی (دوسرا) اس کا مددگار ہوگا۔ یعنی قیامت کے دن نہ تو انسان کی اپنی ذاتی قوت ہوگی اور نہ ہی خارجی طور پر کوئی اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے گا اور نہ ہی کسی کے بس کی بات ہوگی۔

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَ الْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّ مَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

''قسم ہے آسمان کی جس سے بارش برستی ہے۔ اور زمین کی جو (بارش سے) پھٹ جاتی ہے۔ بلاشبہ یہ قرآن قول فیصل ہے۔ اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے۔ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ اور میں بھی تدبیر فرما رہا ہوں۔ پس آپ کفار کو (تھوڑی سی) مہلت اور دے دیں کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیں''۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: الرَّجْعِ سے مراد بارش ہے یا بارش والے بادل ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قسم ہے اس آسمان کی جو بار بار بارش برساتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ آسمان ہر سال بندوں کے رزق کو لوٹاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ اور ان کے مویشی ہلاک ہو جائیں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آسمان کے ستارے، چاند اور سورج گردش کناں ہیں اور گردش کرتے ہوئے واپس اسی جگہ لوٹ آتے ہیں۔ فرمایا اور زمین کی جو (بارش سے) پھٹ جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب زمین سے کسی پودے کی کونپل نمودار ہوتی ہے تو یہ زمین پھٹ جاتی ہے۔ یہی قول کئی دوسرے مفسرین سے مروی ہے۔ فرمایا: بلاشبہ یہ قرآن قول فیصل ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ حق ہے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ یہ عادلانہ فیصلہ ہے۔

فرمایا: یہ ہنسی مذاق نہیں۔ یہ سراسر سنجیدہ اور حق قول ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ قرآن کریم کو جھٹلاتے ہیں اور لوگوں کو اس کی راہ سے روکتے ہیں۔ فرمایا: یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ لوگوں کو خلاف قرآن دعوت دینے کے لئے مختلف چالیں چلتے ہیں۔ فرمایا: میں بھی تدبیر کر رہا ہوں پس آپ کفار کو (تھوڑی سی) مہلت دے دیجئے اور کچھ وقت کے لئے انہیں کچھ نہ کہئے یعنی آپ انہیں مہلت دیں اور ان کے لئے عذاب کو جلد طلب نہ کریں۔ آپ عنقریب دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان پر کس قسم کا عذاب نازل فرماتا ہے اور انہیں سزا دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (لقمان: 24) ''پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف''۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ کہف آیت: 49

سورۂ اعلیٰ (مکیہ)

اس سورت کے مکی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مکہ سے جو سب سے پہلے صحابہ ہجرت کر کے ہمارے ہاں تشریف لائے، وہ مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم تھے انہوں نے ہمیں قرآن کی تعلیم دینا شروع کر دی۔ اس کے بعد حضرت بلال، عمار، سعد رضی اللہ عنہم تشریف لائے۔ اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے بیس ساتھیوں کے ساتھ تشریف لائے۔ پھر چند دنوں بعد حضور نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ میں نے اہل مدینہ کو کسی چیز پر اتنا خوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا جتنا وہ آپ ﷺ کی تشریف آوری پر خوش ہوئے۔ حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں بھی پکار رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ میں نے آپ کی جلوہ گری سے پہلے ہی سورۂ اعلیٰ اور اس جیسی سورتیں یاد کر لی تھیں(1)۔ مسند امام احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس سورت کو پسند فرمایا کرتے تھے(2)۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى، وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا، وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى کیوں نہیں پڑھتے(3)۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز عیدین میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اور هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ تلاوت فرمایا کرتے تھے اور اگر کبھی جمعہ کے دن عید آ جاتی تو جمعہ کی نماز میں بھی یہی سورتیں تلاوت فرماتے۔ اس حدیث کو امام احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم نے روایت کیا ہے(4)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى، قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

ایک روایت میں ان سورتوں کے ساتھ معوذتین قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کا بھی ذکر ہے۔ یہ حدیث کئی ایک صحابہ کرام سے مروی ہے۔ اگر ہمیں طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم ان تمام روایات کو ان کے متون اور اسناد کے ساتھ ذکر کرتے۔ بہر حال ہم نے جو کچھ مختصراً ذکر کیا ہے یہی کافی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿١﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ﴿٢﴾ وَ الَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴿٣﴾ وَ الَّذِيْۤ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ﴿٤﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ﴿٥﴾ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى ﴿٦﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ (سبح اسم ربك الاعلی)، جلد 8، صفحہ 700-699 2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 96

3۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 200، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 340

4۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 271، مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2، صفحہ 598، سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 293 - عارضۃ الاحوذی، ابواب العیدین، جلد 3، صفحہ 6-5، سنن نسائی کتاب الجمعۃ، جلد 3، صفحہ 112

إِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝٧ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝٨ فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝٩ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝١٠ وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ۝١١ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝١٢ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝١٣

"(اے حبیب!) آپ پاکی بیان کریں اپنے رب کے نام کی جو سب سے برتر ہے۔ جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا پھر (ظاہری اور باطنی قوتیں دے کر) درست کیا۔ اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا، پھر اسے راہ دکھائی۔ اور جس نے زمین سے چارا نکالا۔ پھر اسے بنا دیا کوڑا سیاہی مائل۔ ہم خود آپ کو پڑھائیں گے پس آپ (اسے) نہ بھولیں گے۔ بجز اس کے جو اللہ چاہے۔ بے شک وہ جانتا ہے ظاہر کو اور جو چھپی ہوتی ہے۔ اور ہم سہل بنا دیں گے آپ کے لئے اس آسان (شریعت) پر عمل۔ پس آپ نصیحت کرتے رہیے اگر نصیحت فائدہ مند ہو۔ سمجھ جائے گا جس کے دل میں (خدا کا) خوف ہوگا۔ اور دور رہے گا اس سے بدبخت جو (بالآخر) بڑی آگ میں داخل ہوگا۔ پھر نہ وہ وہاں مرے گا اور نہ جیے گا"۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت (فسبح باسم ربك العظيم) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا تم اسے اپنے رکوع میں پڑھا کرو۔ اور جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا اسے اپنے سجدہ میں پڑھا کرو(1)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى تلاوت فرماتے ہیں تو کہتے "سبحان ربی الاعلی"(2) یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سورۂ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ کی تلاوت فرماتے اور آخری آیت اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى (قیامہ:40) پر پہنچتے تو فرماتے "سبحانك وبلى"۔ فرمایا(3)۔ جس نے ہر (چیز کو) پیدا کیا پھر (ظاہری اور باطنی قوتیں دے کر) درست کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو پیدا فرمایا اور اسے بہترین شکل وصورت سے نوازا۔ فرمایا اور جس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا اور پھر اسے راہ دکھائی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کو سعادت اور شقاوت کی راہ دکھائی اور حیوانوں کو ان کی چراگاہیں دکھائیں۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ:50) "ہمارا رب وہ ہے جس نے عطاء کی ہر چیز کو (موزوں) صورت پھر اسے ہدایت دی (مقصد تخلیق کی طرف)"۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر فرمایا پھر اپنی مخلوق کی اس کی طرف راہنمائی فرمائی۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل تمام مخلوق کی تقدیروں کو لکھ دیا۔ اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا(4)۔ فرمایا اور جس نے زمین سے چارہ نکالا۔ زمین سے تمام اقسام کی نباتات اور فصلوں کو پیدا کیا۔ فرمایا پھر اسے سیاہی مائل کوڑا بنا دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پھر اس کو خشک کر کے اس کے رنگ کو تبدیل کر دیا۔ عربی لغت کے بعض ماہرین کا خیال ہے کہ یہاں کلام میں تقدیم وتاخیر ہے۔ اصل کلام اس طرح تھی: وہی ذات ہے جس نے سبز سیاہی مائل گھاس پیدا کی اور پھر اس کے بعد اسے خشک کر دیا۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1، صفحہ 408
2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 232۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 233
3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 151
4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف آیت:179، سورۂ ہود آیت:7 اور سورۂ حج آیت:70

یہ قول ذکر کرنے کے بعد ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس معنی کا احتمال ہے لیکن مفسرین کے اقوال کے برعکس ہے(1)۔

فرمایا: ہم خود آپ کو پڑھائیں گے پس آپ (اسے) نہ بھولیں گے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے اور اپنے پیارے محبوب ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں ایسی قراءت کرائیں گے جو انہیں کبھی نہیں بھولے گی۔ بجز اس کے جو اللہ چاہے۔ یہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا مختار قول ہے(2)۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کوئی چیز نہیں بھولتے تھے سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔ اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ نفی نہی کے معنی میں ہے یعنی آپ نہ بھولیں۔ اس صورت میں استثناء نسخ کے معنی میں ہوگا۔ یعنی کہ ہم آپ کو جو پڑھائیں گے آپ اس کو نہ بھولیں سوائے اس کے کہ جسے اللہ تعالیٰ منسوخ کرنا چاہئے۔ اسے ترک کرنے میں آپ پر کوئی حرج نہیں۔

فرمایا: بے شک وہ جانتا ہے ظاہر کو اور جو چھپی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ظاہر اور مخفی اقوال وافعال کو جانتا ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں اور ہم سہل بنادیں گے آپ کے لئے اس آسان (شریعت) پر عمل۔ ہم آپ کے لئے بھلائی کے اقوال وافعال آسان کردیں گے اور آپ پر ایسی شریعت نازل فرمائیں گے جو انتہائی آسان اور سیدھی ہوگی اس میں کسی قسم کی کجی، حرج، تنگی اور تکلیف نہ ہوگی۔

فرمایا: آپ نصیحت فرماتے رہا کریں اگر نصیحت فائدہ مند ہو۔ جس جگہ نصیحت کرنا فائدہ دے وہاں نصیحت کریں۔ اشاعت علم میں ہمیں اس آیت کریمہ کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے اور نااہل لوگوں کو علم سکھا کر علم ضائع نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اگر تم کسی قوم کو ایسی بات بتاؤ گے جو ان کی عقل سے بالاتر ہوگی تو تمہاری یہ بات فتنہ کا باعث ہوگی۔ پس لوگوں کے ساتھ ایسی گفتگو کریں جو ان کی سمجھ میں آجائے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔ فرمایا: سمجھ جائے گا جس کے دل میں خدا کا خوف ہوگا۔ آپ کی تبلیغ سے وہی شخص نصیحت پکڑے گا جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا اور جس کے دل میں یقین ہوگا کہ اسے ایک دن اللہ کے ہاں پیش ہونا ہے۔

فرمایا: اور دور رہے گا اس سے بدبخت، جو (بالآخر) بڑی آگ میں داخل ہوگا پھر وہ وہاں نہ مرے گا اور نہ جیے گا۔ نہ تو وہ وہاں مرے گا کہ مرکر راحت حاصل کرلے اور نہ ہی اس کی زندگی اسے کوئی فائدہ دے گی بلکہ یہ اس کے لئے تکلیف کا باعث ہوگی کیونکہ اس زندگی کی وجہ سے ہی اسے اس دردناک عذاب کا شعور ہوگا جس میں اسے مبتلا کیا جائے گا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اہل جہنم، جو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے نہ تو ان کو موت آئے گی اور نہ ہی انہیں مفید زندگی عطا ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ جن پر اپنی رحمت فرمائے گا، انہیں نار جہنم میں موت دے دے گا پھر ان کے سفارشی وہاں جائیں گے اور وہ انہیں وہاں سے چھڑا کر لے آئیں گے پھر انہیں نہر حیات میں ڈال دیا جائے گا۔ جب ان پر جنت کی نہر کا پانی پڑے گا تو وہ اس طرح زندہ ہوں گے جس طرح سیلاب کے پانی میں دانہ اگتا ہے۔ فرمایا: کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ درخت پہلے سرسبز ہوتا ہے پھر اس کے پتے پیلے رنگ کے ہوجاتے ہیں اور پھر سرسبز ہوجاتا ہے۔ آپ کی یہ گفتگو سن کر صحابہ کرام کہنے لگے: ایسے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے زندگی کا کچھ حصہ جنگل اور صحرا میں گزارا ہے(3)۔ یہی حدیث تھوڑے سے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ امام احمد بن حنبل اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی روایت

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 152 — 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 154 — 3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 5

کی ہے(1)۔ اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کے بارے میں مختلف مقامات پر فرمایا: وَ نَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ (زخرف:77) اور وہ پکاریں گے اے مالک بہتر ہے کہ (تمہارا رب) ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ (جلتے) رہنا ہے'' لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا (فاطر:36) '' نہ ان کی قضاء آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب''۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ﴿۱۴﴾ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ﴿۱۵﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۖ﴿۱۶﴾ وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى ﴿۱۹﴾

'' بیشک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا۔ وہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ البتہ تم لوگ دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور باقی رہنے والی ہے۔ یقیناً یہ (سب کچھ) اگلے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں''۔

بے شک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا۔ بے شک اس نے فلاح اور کامرانی حاصل کی جس نے اپنے آپ کو اخلاق رذیلہ سے پاک کیا اور رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ احکام کی پیروی کی۔ فرمایا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ جس نے اپنے پروردگار کی رضا و خوشنودی اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ اس نے فلاح پائی جس نے یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بتوں کو چھوڑ دیا اور یہ گواہی دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

''صلّٰی'' سے مراد یہ ہے کہ اس نے ان پانچ نمازوں کو پابندی اور اہتمام سے ادا کیا(2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے کہ اس سے مراد پانچ نمازیں ہیں۔ عبداللہ بن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ حضرت ابوخلدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے فرمایا کل جب تم عید کی نماز پڑھنے جاؤ تو مجھے ملتے ہوئے جانا۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کیا تم نے کچھ کھایا ہے؟ میں نے عرض کی ہاں؟ پھر پوچھا کیا تم نے غسل کیا تھا۔ میں نے عرض کی ہاں۔ فرمایا: مجھے پہلے صدقہ فطر کے بارے میں بتاؤ۔ میں نے عرض کی کہ صدقہ فطر ادا کر دیا ہے۔ فرمانے لگے میں نے تمہیں اسی لئے بلایا تھا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اہل مدینہ صدقہ فطر اور مسافروں کو پانی پلانے کے عمل کو بہت افضل جانتے تھے(3)۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ لوگوں کو صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم فرماتے تھے اور یہی آیت تلاوت کرتے۔ ابوالاحوص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی نماز عید کی تیاری کر رہا ہو اور تمہارے پاس کوئی سائل آ جائے تو تمہیں پہلے صدقہ فطر ادا کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے صدقہ فطر کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد نماز کا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر کے تحت فرمایا ہے کہ وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کی اور اپنے خالق کو راضی کر لیا۔

فرمایا: البتہ تم لوگ دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں مقدم رکھتے ہو۔ حالانکہ اخروی زندگی کو مقدم

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 20۔ نیز دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ آیت، جلد 74 اور سورۂ فاطر آیت: 36

2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 80

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 156

کرنے میں ہی تمہاری دنیوی اور اخروی بھلائی ہے۔ فرمایا: حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور باقی رہنے والی ہے۔ دار آخرت میں اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ثواب دنیاوی زندگی سے بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ یہ دنیا حقیر اور فانی ہے اور آخرت عزت والی اور دائمی ہے۔ کوئی عقل مند آدمی فنا ہونے والی کو باقی رہنے والی پر کیسے ترجیح دے سکتا ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ جلد ہی ختم ہونے والی زندگی کے بارے میں کوئی اہتمام کرے اور ہمیشہ رہنے والی زندگی کے بارے میں توجہ نہ کرے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو اور یہ اس کا مال ہے جس کا آخرت میں مال نہ ہو اور اس دنیا کو ذخیرہ کرنے میں وہی مشغول ہوتا ہے جو بے عقل ہو (1)۔ عرفجہ ثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس یہ سورت پڑھ رہا تھا جب وہ اس آیت کریمہ پر پہنچے تو آپ نے اس قراءت کو ترک کر دیا اور اپنے شاگردوں سے متوجہ ہو کر فرمانے لگے کیا ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہے؟ وہ یہ سن کر خاموش رہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں ہم نے دنیا کو ترجیح دی ہے کیونکہ ہم نے اس دنیا کی زیب و زینت، طعام و شراب اور عورتوں کو دیکھا ہے اور آخرت ہم سے پوشیدہ ہے۔ اس لئے ہم نے اس دنیا کو اختیار کر لیا ہے اور آخرت کو ترک کر دیا ہے (2)۔ یہ آپ نے یا تو انکساراً فرمایا ہے یا آپ نے ان لوگوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ جو حقیقتاً اس میں غرق ہو چکے تھے، واللہ اعلم۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنی دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت سے محبت کی اور اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔ پس تم باقی کو فانی پر ترجیح دو۔ یہ حدیث عمرو بن ابی عمرو سے بھی مروی ہے (3)۔ فرمایا: یقیناً یہ (سب کچھ) اگلے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے صحیفوں میں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ سب کچھ ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے صحائف میں بھی تھا (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى نازل ہوئی تو فرمایا کہ یہ سب ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے صحائف میں بھی موجود تھا اور جب آیت وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤى (النجم: 37) نازل ہوئی تو فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے وفا کی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس سورت کی یہ آیات سورۂ نجم کی ان آیات اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰى ۙ وَ اِبْرٰهِیْمَ...... (النجم: 36) کی مثل ہیں (5)۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اس سورت کا بیان پہلے صحائف میں موجود ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى...... وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى پہلے صحائف میں موجود ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا اختیار کردہ قول ہی حسن اور قوی ہے (6)۔ حضرت قتادہ، ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ اور دوسرے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 212، سورۂ اسراء آیت: 18، اور سورۂ نجم آیت: 29
2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 157
3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 412
4۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 80
5۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاحوذی، جلد 5، صفحہ 151
6۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 158

سورۂ غاشیہ (مکیہ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید اور جمعہ کی نماز میں سورۂ اعلیٰ اور غاشیہ تلاوت فرماتے تھے۔ حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ کے ساتھ کونسی سورت تلاوت فرماتے تھے؟ آپ نے فرمایا: سورۂ غاشیہ (1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷

”کیا پہنچی آپ کو چھا جانے والی آفت کی خبر۔ کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل و خوار ہوں گے۔ مشقت میں مبتلا، تھکے ماندے۔ داخل ہوں گے دہکتی ہوئی آگ میں۔ انہیں پلایا جائے گا کھولتے ہوئے چشمہ سے۔ انہیں کوئی کھانا نہ ملے گا بجز خاردار جھاڑ کے۔ جو نہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ غاشیہ قیامت کا نام ہے۔ اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ تمام لوگوں پر چھا جائے گی اور ہر ایک پر آئے گی۔ حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک عورت کے قریب سے گزرے جو یہ سورت تلاوت کر رہی تھی۔ آپ کھڑے ہو کر تلاوت سننے لگے اور آپ نے جواباً فرمایا: ہاں میرے پاس یہ خبر آ گئی ہے۔ فرمایا: کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل و خوار ہوں گے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ”خاشعة“ کا معنی ذلیل و خوار ہونا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ چہرے اس دن خشوع کریں گے لیکن یہ اس دن کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ فرمایا: مشقت میں مبتلا تھکے ماندے۔ یہ لوگ کثیر عمل کر کے تھک چکے ہوں گے۔ قیامت کے دن انہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک راہب کے دیر کے قریب سے گزرے۔ آپ نے اسے آواز دی۔ اس نے اوپر سے جھانک کر دیکھا تو آپ یہ دیکھ کر رونے لگے۔ آپ سے پوچھا گیا: امیر المؤمنین! آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے اس راہب کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً یاد آ گیا ہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ سے مراد نصرانی ہیں (3)۔ عکرمہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں گناہوں کا ارتکاب کرتے رہے، یہی لوگ نار جہنم

1۔ الموطا، کتاب الجمعۃ، جلد 1، صفحہ 111، ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 293، نسائی، کتاب الجمعۃ، جلد 3، صفحہ 112۔ مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2، صفحہ 598۔ ابن ماجہ، کتاب الاقامہ، جلد 1، صفحہ 355

2۔ درمنثور، جلد، صفحہ 491۔ حاکم تفسیر سورۂ غاشیہ، جلد 2، صفحہ 522-521

3۔ فتح الباری تفسیر سورۂ (هل اتاك حديث الغاشية)، جلد 8، صفحہ 700

میں مختلف قسم کے عذابوں سے تھکیں گے۔

فرمایا: دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ انہیں کھولتے ہوئے چشمہ سے پلایا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آگ سخت حرارت والی ہوگی اور یہ پانی گرم ہونے کی انتہا کو پہنچا ہوگا اور انہیں کوئی کھانا نہ ملے گا بجز خاردار جھاڑ کے۔ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "ضریع" جہنم کا ایک درخت ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ زیتون ہے۔ ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ پتھر ہے۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شبرق ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قریش اس درخت کو موسم بہار میں شبرق اور موسم گرما میں ضریع کا نام دیتے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک کانٹے دار بوٹی ہے جو زمین کے اوپر پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ضریع ایک بوٹی ہے، اسے شبرق کہتے ہیں۔ جب یہ سوکھ جاتی ہے تو اہل حجاز اسے ضریع کہتے ہیں۔ یہ زہر کی مثل کڑوی ہوتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جہنمیوں کا یہ طعام انتہائی بدبودار اور براہوگا۔ فرمایا: جو فربہ کرے گا نہ بھوک دور کرے گا۔ کھانے کے دو مقصد ہوتے ہیں ایک بھوک دور کرنا اور دوسرا جسم کو فربہ کرنا لیکن جہنم کے کھانے میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہوں گی۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿۸﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿۹﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۱۰﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿۱۱﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿۱۶﴾

"کتنے ہی چہرے اس دن بارونق ہوں گے۔ اپنی کاوشوں پر خوش ہوں گے۔ عالیشان جنت میں۔ نہ سنیں گے وہاں کوئی لغو بات۔ اس میں چشمہ جاری ہوگا۔ اس میں اونچے اونچے تخت (بچھے) ہوں گے۔ اور ساغر (قرینے سے) رکھے ہوں گے اور گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوں گے۔ اور قیمتی قالین بچھے ہوں گے"۔

اہل شقاوت کا حال ذکر کرنے کے بعد اہل سعادت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ فرمایا: کتنے ہی چہرے اس دن بارونق ہوں گے۔ رونق اور خوشی ان کے چہروں سے عیاں ہوگی اور یہ خوشی ان کو اس لئے حاصل ہوگی کہ انہوں نے دنیا میں نیک اعمال کئے۔ فرمایا: اپنی کاوشوں پر خوش ہوں گے عالیشان جنت میں۔ اپنی محنت و کوشش پر شاداں و فرحاں ہوں گے۔ بلند و بالا جنت میں پرامن ہوں گے۔ فرمایا: نہ سنیں گے وہاں کوئی لغو بات۔ جنت میں کوئی لغو کلمہ نہیں سنیں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا (مریم:62) "نہیں سنیں گے جنت میں کوئی لغو بات بجز (سلامت رہو) کی دعائیہ صدا"۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا (واقعہ:25) "نہ سنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں"۔ فرمایا: اس میں چشمہ جاری ہوگا۔ یہاں "عین" کا لفظ نکرہ ہے جو اگرچہ اثبات کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے لیکن اس سے مراد ایک ہی چشمہ نہیں بلکہ جنس مراد ہے یعنی اس میں بہت سے چشمے جاری ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کی نہریں کستوری کے پہاڑوں کے نیچے سے جاری ہوں گی۔ ایک روایت میں ٹیلوں کا ذکر بھی ہے۔

فرمایا: کتنے اونچے اونچے تخت (بچھے) ہوں گے۔ جنت میں نرم و ملائم، اونچے اونچے پلنگ ہوں گے۔ جن پر حوریں مسند آراء

ہوں گی۔ جب کوئی اللہ کا ولی ان بلند پلنگوں پر بیٹھنے کا ارادہ کرے گا تو وہ نیچے آ جائیں گے اور فرمایا اور ساغر (قرینے سے) رکھے ہوں گے۔ شراب طہور سے چھلکتے ہوئے جام سلیقہ سے سجے ہوئے ہوں گے۔ جس کا جی چاہے گا وہ پی لے گا۔ فرمایا: گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ''نمارق'' سے مراد تکیے ہیں۔ کئی دوسرے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے۔ فرمایا اور قیمتی قالین بچھے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''زرابی'' سے مراد قالین ہیں۔ یہی ضحاک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے۔

مَبْثُوثَةٌ کا معنی ہے کہ وہ قالین ہر جگہ بچھے ہوں گے جو جہاں چاہے بیٹھ جائے گا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کون ہے جو جنت کی تیاری کرے؟ جنت کی لمبائی چوڑائی بے حساب ہے۔ رب کعبہ کی قسم! وہ ایک چمکتے ہوئے نور، لہلہاتے ہوئے پھول کی طرح ہے اس میں بلند و بالا محلات، رواں دواں نہریں، پکے ہوئے پھل، حسین و جمیل بیوی، قسم قسم کے لباس ہیں۔ وہ ایک ایسا مقام ہے جو دائمی ہے۔ ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک ہے۔ وہاں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ اور خوشی و سرور ہو گا۔ صحابہ کرام نے یہ سن کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم اس کے لئے تیاری کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انشاء اللہ کہو، تمام نے انشاء اللہ کہا(1)۔

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَإِلَى الْجِبَالِ
كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ
عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَا
إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم ﴿٢٦﴾

''کیا یہ لوگ (غور سے) اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے (عجیب طرح) پیدا کیا گیا ہے۔ اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کیسے نصب کیا گیا ہے۔ اور زمین کی طرف کہ اسے کیسے بچھایا گیا ہے۔ پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں۔ آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔ آپ ان کو جبر سے منوانے والے تو نہیں ہیں۔ مگر جس نے روگردانی کی اور کفر کیا تو اللہ اس کو سخت عذاب دے گا۔ بے شک انہیں (آخر) ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے۔ پھر یقیناً ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم فرمایا ہے کہ وہ اس کی تخلیق میں غور و تدبر کریں جو اس کی قدرت اور عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ فرمایا: کیا یہ لوگ (غور سے) اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے (عجیب طرح) پیدا کیا گیا ہے۔ انسان کو اونٹ کی تخلیق میں غور و فکر کرنا چاہئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب مخلوق ہے۔ اس کے جسم کی بناوٹ بھی عجیب و غریب ہے۔ انتہائی مضبوط اور قوی ہونے کے باوجود بار لدوانے کے لئے آرام سے زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔ اگر بچہ بھی اس کی نکیل پکڑ لے تو وہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔ اس کا دودھ پیا جاتا ہے۔ گوشت کھایا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے بالوں کو بھی کام میں لایا جاتا ہے۔ یہاں اونٹ کا تذکرہ اسی لئے کیا گیا ہے کہ عربوں کے پاس یہی جانور کثرت سے پایا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یٰسین آیت: 57

جا تا تھا۔ قاضی شریح جب یہ آیت تلاوت کرتے تو اپنے ساتھیوں سے فرماتے "آؤ باہر نکلو تا کہ ہم دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو کس طرح پیدا کیا، اور آسمان میں غور وفکر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین سے کتنا بلند وبالا کر دیا" جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَ زَیَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ (ق:6) "کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کی طرف جوان کے اوپر ہے ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور اسے کیسے آراستہ کیا ہے اور اس میں کوئی شگاف نہیں"۔

فرمایا: اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کیسے نصب کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو زمین میں مضبوطی سے گاڑ دیا ہے تا کہ یہ زمین حرکت نہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان میں مختلف قسم کی معدنیات اور دوسرے کئی منافع رکھے ہیں۔ فرمایا اور زمین کی طرف کہ اسے کیسے بچھایا گیا۔ زمین میں بھی غور وفکر کرنا چاہئے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بچھا کر کیسے ہموار کر دیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے عرب کے بدوؤں کو متنبہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے اس اونٹ کے بارے غور وفکر کریں جس پر وہ سوار ہوتے ہیں اور اس آسمان کے بارے جوان کے سر کے اوپر ہے اور اس پہاڑ کے بارے، جوان کے سامنے ہے اور زمین کے بارے، جوان کے نیچے ہے تا کہ وہ ان چیزوں میں غور وفکر کر کے اپنے خالق کی قدرت وقوت پر استدلال کر سکیں اور انہیں معلوم ہو کہ یہ وہی عظیم پروردگار ہے جو ہر چیز کا خالق مالک اور اس میں تصرف کرنے والا ہے اور وہی معبود حقیقی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ حضرت ضمام رضی اللہ عنہ نے جو سوالات رسول اللہ ﷺ سے کئے تھے وہ اسی قسم کی قسمیں دے کر کئے تھے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بار بار سوال کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ اس لئے ہماری یہ خواہش رہتی تھی کہ اہل بادیہ (صحرا نشین) میں سے کوئی عقلمند آدمی آپ سے سوال کرے اور ہم سنیں۔ ایک دن ایک صحرا نشین آیا اور کہنے لگا اے محمد (ﷺ)! آپ کے قاصد ہمارے پاس پہنچے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ آپ کا خیال ہے کہ آپ کو اللہ نے اپنا رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے سچ کہا۔ اس نے پوچھا: اس آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے۔ پوچھا: زمین کو کس نے پیدا کیا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے۔ پوچھا: ان پہاڑوں کو کس نے گاڑا ہے اور اس میں مختلف قسم کی چیزیں کس نے پیدا کی ہیں؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے۔ اس نے کہا: آپ کو قسم ہے اس ذات کی جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ان پہاڑوں کو نصب کیا: کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ پھر پوچھا: آپ کے قاصد نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ ہم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ فرمایا: انہوں نے سچ کہا ہے۔ اس نے کہا آپ کو قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو رسول بنایا! کیا اس نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا ہے کہ ہمارے مالوں میں ہم پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنایا ہے! کیا اس نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: آپ کے قاصد نے کہا ہے کہ ہم پر حج بھی واجب ہے اگر ہم اس کی استطاعت رکھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں انہوں نے سچ کہا ہے اس کے بعد وہ یہ کہتے ہوئے چلا گیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں ان احکام پر کوئی زیادتی کروں گا نہ کمی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اس نے یہ سچ کہا ہے تو یہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ ایک روایت کے آخر میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ میں ضمام بن ثعلبہ ہوں (1)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 168-143۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 42-41۔ فتح الباری، کتاب العلم، جلد 1، صفحہ 149-148۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزکاۃ، جدل 3، صفحہ 100-98۔ نسائی، کتاب الصیام، جلد 4، صفحہ 124-121۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1، صفحہ 450-449

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں اکثر زمانہ جاہلیت کی ایک عورت کے بارے میں بتایا کرتے تھے کہ وہ پہاڑ کی ایک چوٹی پر اپنے چھوٹے سے بچے کے ساتھ مقیم تھی۔ وہ بچہ اس کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک دن اس بچے نے اپنی والدہ سے پوچھا: اے ماں! تمہیں کس نے پیدا کیا؟ اس نے بتایا اللہ تعالیٰ نے۔ پوچھا: میرے والد کو کس نے پیدا کیا؟ والدہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے۔ پھر پوچھا: مجھے کس نے پیدا کیا؟ کہا: اللہ تعالیٰ نے۔ پوچھا زمین و آسمان اور ان پہاڑوں کو کس نے بنایا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے۔ اس نے پوچھا: ان بکریوں کو کس نے پیدا کیا؟ والدہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے۔ یہ سن کر کہنے لگا: اللہ بڑی عظمتوں اور شان کا مالک ہے۔ یہ کہہ کر اس پہاڑ کی چوٹی سے چھلانگ لگا دی اور گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہمیں اکثر یہ حدیث سنایا کرتے تھے(1) لیکن اس روایت کی سند کے ایک راوی عبداللہ الجعفر المدینی ضعیف ہیں۔ فرمایا: پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں۔ آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔ آپ انہیں جبر سے تو منوانے والے نہیں ہیں۔ اے محمد! (ﷺ) آپ لوگوں کو وہ احکام یاد دلاتے ہیں جن کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ آپ پر تو صرف ان احکام کو پہنچانا ہی لازم ہے۔ اور ان کا حساب لینا ہمارا ہی کام ہے۔ اس لئے فرمایا: لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہما فرماتے ہیں آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں یعنی آپ ان کے دلوں میں ایمان پیدا نہیں کر سکتے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ آپ انہیں ایمان پر مجبور نہیں کر سکتے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ جہاد کروں یہاں تک کہ زبان سے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیں۔ جب انہوں نے کلمہ پڑھ لیا تو انہوں نے اپنے خون اور مال کو محفوظ کر لیا۔ بجز حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی(2)۔

فرمایا: جس نے روگردانی کی اور کفر کیا یعنی ارکان اسلام پر عمل پیرا ہونے سے روگردانی کی اور اپنی زبان اور دل سے حق کا انکار کیا۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (قیامہ: 32-31) "اتنی فہمائش کے باوجود نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ اس نے (حق کو) جھٹلایا اور اس سے منہ پھیر لیا"۔ اسی لئے یہاں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب دے گا۔ حضرت ابوامامہ باہلی، حضرت خالد بن یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی کوئی ایسی بات بتاؤ جو آسان ہو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے ہر کوئی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ سے اس طرح سرکشی کرے جس طرح ایک شریر اونٹ اپنے مالک سے کرتا ہے(3)۔

فرمایا: بے شک انہیں (آخر) ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے اور پھر یقیناً ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے۔ وہ ہماری ہی بارگاہ میں لوٹ کر آئیں گے اور ہم ہی ان کے اعمال کا محاسبہ کریں گے۔ اگر عمل اچھا ہوگا اس کی جزا بھی اچھی ہوگی اور اگر عمل برا ہوگا تو اس کی سزا بھی بری ہوگی۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مومنون آیت: 876

2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 300۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 53- عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ غاشیہ، جلد 12، صفحہ 243- سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 2، صفحہ 303-302

3۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 258- حاتم: الجرح والتعدیل، جلد 6، صفحہ 184

سورۂ الفجر (مکیہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور نماز میں شامل ہو گیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز میں طویل قراءت کی اس نے نماز توڑ کر مسجد کے ایک کونہ میں اپنی نماز پڑھی اور چلا گیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: وہ منافق ہے اور رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اس شخص کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا تو اس نے عرض کی: یارسول اللہ! (ﷺ) میں ان کے ساتھ ہی نماز پڑھ رہا تھا۔ جب انہوں نے طویل قراءت کی تو میں نے جماعت چھوڑ کر مسجد کے کونے میں نماز پڑھی اور گھر آ کر اپنی اونٹنی کو چارہ ڈالا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! تم لوگوں کو آزمائش میں ڈالتے ہو۔ تجھے سورۂ الاعلیٰ، الشمس، الفجر اور اللیل یاد نہیں (1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ۝ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ فَأَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝

"قسم ہے اس صبح کی اور ان (مقدس) دس راتوں کی۔ اور قسم ہے جفت اور طاق (راتوں) کی۔ اور رات کی جب گزرنے لگے۔ یقیناً اس میں قسم ہے عقلمند کے لئے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد ارم کے ساتھ۔ جو اونچے ستونوں والے تھے۔ نہیں پیدا کیا گیا جن کا مثل (دنیا کے) ملکوں میں۔ اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جنہوں نے کاٹا تھا چٹانوں کو وادی میں۔ اور (کیا کیا) فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا۔ جنہوں نے سرکشی کی تھی (اپنے اپنے) ملکوں میں۔ پھر ان میں بکثرت فساد برپا کر دیا تھا۔ پس آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بے شک آپ کا رب (سرکشوں اور مفسدوں کی) تاک میں ہے"۔

فجر کے بارے میں تو ہر کوئی جانتا ہے کہ اس سے مراد صبح ہے۔ محمد بن کعب اور مسروق رحمہما اللہ تعالیٰ کہتے ہیں اس سے قربانی کے دن کی فجر مراد ہے۔ اسی دن ذی الحجہ کی دس راتیں ختم ہوتی ہیں۔ بعض نے کہا ہے اس سے مراد فجر کی نماز ہے۔ اس کے قائل عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے سارا دن مراد ہے (2)۔

1۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 2، صفحہ 267

2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 168

حضرت ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں: وَلَیَالٍ عَشۡرٍ سے مراد ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا محبوب نہیں جو ان ایام (ذوالحجہ) میں ہوتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں مگر کوئی شخص اپنی جان و مال کا نذرانہ لے کر اللہ کی راہ میں نکلے اور پھر واپس نہ لوٹے (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد محرم کے دس دن ہیں لیکن اس کو کسی طرف منسوب نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد رمضان کا پہلا عشرہ ہے لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَلَیَالٍ عَشۡرٍ سے مراد عید الاضحیٰ کے دس دن ہیں، ''وتر'' سے مراد یوم عرفہ اور ''شفع'' سے مراد قربانی کا دن ہے۔ اسے امام احمد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے (2)۔

فرمایا: قسم ہے جفت اور طاق (راتوں) کی۔ اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں پہلا قول یہ ہے کہ ابھی حدیث گزر چکی ہے کہ وتر سے مراد یوم عرفہ ہے کیونکہ وہ نویں ذوالحجہ کا دن ہے اور شفع سے مراد قربانی کا دن ہے جو دسویں ذوالحجہ کو ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ واصل بن سائب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: کیا وتر سے مراد نماز وتر ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں۔ شفع سے یوم عرفہ اور وتر سے شب قربانی مراد ہے۔ تیسرا یہ کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے خطبہ کے دوران کسی نے پوچھا اے امیر المومنین! مجھے شفع اور وتر کے بارے میں بتائیں۔ آپ نے فرمایا: شفع سے مراد اللہ کا یہ ارشاد ہے: فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡہِ (بقرہ: 203) ''اور جو جلدی کر کے دو دنوں میں ہی چلا گیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں''، اور وتر سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡہِ (بقرہ: 203) ''اور جو کچھ دیر وہاں ٹھہرا رہا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں''۔ اور آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ''شفع'' سے مراد ایام تشریق کا درمیانی دن ہے اور وتر سے مراد آخری دن ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء الحسنیٰ ہیں۔ جس نے ان کو یاد کیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر کو پسند فرماتا ہے (3)۔ چوتھا یہ کہ حضرت حسن بصری اور زید بن اسلم رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: شفع اور وتر سے مراد اللہ تعالیٰ کی تمام جفت اور طاق مخلوق ہے اور اللہ نے اپنی مخلوق کی قسم کھائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ وتر (واحد) ہے اور تم شفع (جفت جوڑے) ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ شفع سے نماز فجر اور وتر سے نماز مغرب مراد ہے۔ پانچواں یہ کہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شفع سے مراد جفت ہے اور وتر سے مراد ذات الٰہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور اس کی مخلوق جفت یعنی مذکر و مؤنث، فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے، جیسے بحر و بر، زمین و آسمان، خشکی و تری، جن و انس، شمس و قمر وغیرہما۔ انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: وَمِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَیۡنِ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ (ذاریات: 49) اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تاکہ تم غور و فکر کرو'۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ ان تمام جفت اشیاء کو پیدا کرنے والا واحد اور یکتا ہے۔ چھٹا یہ کہ قتادہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اس سے طاق اور جفت اعداد مراد ہیں۔ ساتواں یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ شفع سے مراد دو دن اور وتر سے مراد تیسرا دن

1۔ فتح الباری، کتاب العیدین، جلد 2، صفحہ 457

2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 327۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 2، صفحہ 296 تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 176، 169

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 172

ہے۔ یہ حدیث اس روایت کے مخالف ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ ابوالعالیہ اور ربیع بن انس رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما فرماتے ہیں۔ شفع سے مراد دو دو اور چار رکعات والی نمازیں اور وتر سے مراد مغرب اور وتر کی نماز ہے۔ نبی کریم ﷺ سے بھی ایک مرفوع روایت ہے: جس میں ارشاد فرمایا: اس سے مراد مطلق نماز ہے۔ بعض صحابہ کرام سے ہی مروی ہے کہ اس سے مراد فرض نماز ہے لیکن یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ اصح بات یہی ہے کہ یہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، واللہ اعلم۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام اقوال کو ذکر کر کے کوئی قول فیصل ذکر نہیں کیا کہ ان میں کونسا صحیح ہے۔ فرمایا: اور رات کی جب گزرنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: قسم ہے رات کی جب وہ ختم ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قسم ہے رات کی جب اس کا بعض حصہ ختم ہو جائے۔ مجاہد اور ابوالعالیہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما فرماتے ہیں قسم ہے رات کی جب وہ چلنے لگے۔ اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر ہی محمول کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو: قسم ہے رات کی جب وہ آنے لگے۔ یہی قول زیادہ مناسب لگتا ہے کیونکہ یہاں اس کو "وَالْفَجْرِ" کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ فجر کا معنی دن کا آنا ہے اور رات کا جانا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِ کو رات کے آنے پر محمول کیا جائے گا تو یہ قسم رات کے آنے اور دن کے جانے کی ہوگی اور اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ (تکویر: 17)۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد مزدلفہ کی رات ہے۔ فرمایا: یقیناً اس میں قسم ہے عقلمند کے لئے۔ ذی حجر صاحب عقل کو کہتے ہیں، عقل کو حجر کہتے ہیں کیونکہ وہ انسان کو نامناسب افعال و اقوال سے روکتی ہے۔ حطیم کو بھی حجر البیت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ طواف کرنے والے کو کعبہ شریف کی شامی دیوار سے روکتا ہے اور اسی سے ماخوذ ہے: حجر یمامہ۔ عربوں کا قول ہے: حجر الحاکم علی فلان۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب حاکم کسی کے تصرفات کرنے پر پابندی لگا دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا (فرقان: 22) "اور فرشتے کہیں گے تمہارے لئے (جنت کا داخلہ) قطعاً حرام ہے"۔ ان تمام الفاظ کا معنی و مفہوم قریب قریب ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے کبھی تو عبادت کے اوقات کی قسم کھائی، کبھی حج، نماز اور دوسری عبادات کی قسم کھائی جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس کی رضا و خوشنودی حاصل کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں اور ان کی عبادت و اطاعت کا تذکرہ کیا۔ تو اس کے بعد ارشاد فرمایا: کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد ارم کے ساتھ جو اونچے ستونوں والے تھے۔ یہ لوگ انتہائی سرکش، ظالم اور خود سر تھے۔ اطاعت الٰہی سے روگرداں تھے۔ اس کے رسولوں کو جھٹلاتے تھے۔ اس کی کتابوں کے منکر تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کیا ہے تاکہ آنے والے لوگوں کے لئے عبرت کا سامان بنے۔ یہ عادِ اولیٰ ہیں جو کہ عاد بن ارم بن اوس بن سام بن نوح کی اولاد ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ جب انہوں نے ان کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو بچا لیا اور ان کو سخت سرد اور تیز آندھی کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک اس آندھی کو مسلط کئے رکھا جو جڑوں سے اکھیڑ لیتی تھی۔ تو قوم عاد کو ان دنوں دیکھتا تو تمہیں دکھائی دیتا کہ وہ گرے پڑے ہیں گویا کہ وہ کھوکھلی کھجوروں کا نڈھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ان کے قصہ کا ذکر کیا ہے تاکہ اہل ایمان ان کی ہلاکت سے عبرت حاصل کریں: إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ عاد سے عطف بیان ہے جس سے ان کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ انہیں ذَاتِ الْعِمَادِ اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ وہ بالوں سے بنے ہوئے خیموں میں رہتے

تھے جن کے لمبے لمبے ستون ہوتے تھے۔ وہ اپنے زمانہ میں قوت اور جسمانی بناوٹ کے لحاظ سے بڑے مضبوط تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس نعمت کی یاد دہانی کرائی اور ان کی راہنمائی فرمائی کہ وہ اپنی اس قوت و استعداد کو اللہ کی اطاعت میں صرف کریں جس نے ان کو پیدا فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (اعراف:74) ''اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے بنایا تمہیں جانشین عاد کے بعد اور ٹھکانہ دیا تمہیں زمین میں تم بناتے ہو اس کے میدانی علاقوں میں عالی شان محل اور تراشتے ہو پہاڑوں میں مکانات سو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے''۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (سجدہ: 15) ''پس قوم عاد نے تو سرکشی اختیار کی زمین میں ناحق''۔

اور یہاں ارشاد فرمایا: الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ اس قبیلہ کی مثل کسی شہر میں پیدا نہیں کئے۔ یہ لوگ انتہائی قوت اور عظمت کے مالک تھے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ارم ایک قدیم قوم ہے۔ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ارم قوم عاد کی مملکت کا دارالسلطنت تھا۔ یہ قول انتہائی خوبصورت اور قوی ہے۔ مجاہد، قتادہ اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں انہیں ذَاتِ الْعِمَادِ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ خیموں میں رہتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہیں طویل القامت ہونے کی وجہ سے ذَاتِ الْعِمَادِ کہا گیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے، دوسرے کو چھوڑ دیا ہے(1)۔ فرمایا: نہیں پیدا کیا ان کا مثل (دنیا کے) ملکوں میں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے ''مثلھا'' کی ضمیر کا مرجع ''العماد'' بتایا ہے یعنی انہوں نے مقام احقاف میں ایسے ستون بنائے جن کی مثل دنیا کے ملکوں میں نہیں پیدا کی گئی۔ قتادہ اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس ضمیر کا مرجع قبیلہ بتایا ہے۔ یعنی اس قسم کا قبیلہ اس زمانہ میں نہیں پیدا کیا گیا۔ یہی قول صحیح ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ضعیف ہے۔ اگر اس سے مراد ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق العماد ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا: التی لم یعمل مثلھا فی البلاد حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ کا ذکر کیا فرمایا: وہ لوگ کتنے طاقتور تھے ان میں سے ایک آدمی ایک بہت بڑی چٹان اٹھا کر ایک پورے قبیلہ پر مارتا تو اسے ہلاک کر دیتا۔

ثور بن زید دیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک کتاب پڑھی جس میں یہ لکھا ہوا تھا: میں شداد بن عاد ہوں۔ میں وہی ہوں جس نے ستونوں کو بلند کیا۔ میں ہی وہ ہوں جس نے اپنے بازوؤں کو مضبوط کیا اور میں نے سات گز گہرا خزانہ دفن کیا جسے صرف امت محمدیہ (علیھا وعلی صاحبھا الصلوۃ والسلام) ہی نکالے گی(2)۔ الغرض العماد سے مراد خواہ وہ عمارتیں لی جائیں جو انہوں نے بنائیں، یا ستون یا ہتھیار جن سے وہ جنگ کرتے تھے یا طویل القامت، بہرحال وہ قبیلہ تھا جو گزشتہ امتوں میں سے ایک امت تھی۔ ان کا ذکر قرآن کریم میں کئی ایک مقامات پر قوم ثمود کے ساتھ آیا ہے، واللہ اعلم۔

سعید بن مسیب اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ سے مراد دمشق کا شہر ہے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد اسکندریہ کا شہر ہے(3) مگر یہ قول محل نظر ہے کیونکہ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ عاد سے بدل یا عطف بیان ہے۔ اگر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول مانا جائے تو کلام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عاد نامی قبیلہ پر

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 77 2۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 47

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 175 - درمنثور، جلد 8، صفحہ 506

عذاب نازل کر کے ان کو ہلاک کر دیا۔ نہ کہ کسی شہر اور سلطنت کے بارے میں خبر دینا مقصود ہے۔ میں نے اس پر خصوصی طور پر تنبیہ کی ہے تا کہ لوگ بعض مفسرین کے ان اقوال سے دھوکہ نہ کھا جائیں جو انہوں نے اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ایک شہر ہے جس کے محلات اور مکانات سونے چاندی کی اینٹوں کے بنے ہوئے ہیں۔ وہاں کی کنکریاں موتی اور جواہر ہیں۔ اس کی مٹی مشک اور کستوری ہے۔ نہریں رواں دواں ہیں۔ پھل پکے ہوئے ہیں لیکن وہاں کوئی رہنے والا نہیں۔ اس کے درو دیوار پر سناٹا چھایا ہوا ہے۔ وہاں کوئی پکارنے والا ہے نہ کوئی جواب دینے والا۔ یہ شہر اپنی جگہ بدلتا رہتا ہے۔ کبھی شام میں ہوتا ہے تو کبھی یمن میں، کبھی عراق میں اور کبھی دوسری جگہ۔ یہ سب بنو اسرائیل کے بے دین لوگوں کی وضع کردہ خرافات ہیں۔ وہ اس قسم کی حکایات گھڑتے ہیں تا کہ جاہل لوگ ان کی تصدیق کریں۔

ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عبداللہ بن قلابہ نامی بدو اپنے گمشدہ اونٹوں کی تلاش میں نکلا۔ وہ ان کی تلاش میں سرگرداں تھا کہ اچانک ایک بہت بڑے شہر میں پہنچا جس کی فصیل اور دروازے تھے۔ وہ شہر میں داخل ہو گیا۔ یہ شہر اسی قسم کا تھا جس کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔ وہ اس میں گھوم پھر کر واپس آیا۔ لوگوں کو اس کے بارے میں بتایا۔ لوگ اس کے ساتھ اس جگہ گئے لیکن وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ اس کی سند صحیح نہیں اگر اس بدو تک اس سند کو صحیح مان بھی لیا جائے تو ممکن ہے اس نے اس قصہ کو خود ہی گھڑ لیا ہو، یا عالم تصور میں اس نے دیکھا ہو اور پھر اس کو حقیقت سمجھ لیا ہو۔ اسی طرح بعض جاہل، لالچی اور احمق لوگ بیان کرتے ہیں کہ زمین کے نیچے سونے چاندی کے مختلف قسم کے موتی و جواہر اور اکسیر کبیر کے خزانے ہیں لیکن وہاں بعض ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے وہاں پہنچنا مشکل ہے، اس طرح وہ مالدار اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کے مال لوٹتے ہیں اور باطل طریقہ سے کھاتے ہیں۔ اس میں وہ مختلف قسم کی جڑی بوٹیوں کو جلا کر اس سے دھواں پیدا کرتے ہیں اور لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ زمانہ جاہلیت یا قدیم اسلامی دور کا کوئی مدفون خزانہ کسی کو مل جائے اور وہ وہاں سے اسے نکال لائے لیکن جس طرح یہ لوگ ان خزانوں کے بارے میں اعلان کرتے ہیں، یہ سب جھوٹا اور افتراء ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ سے قبیلہ یا وہ شہر مراد لیا جائے جس میں عاد رہائش پذیر تھے۔ اسی لئے یہ غیر مصرف ہے لیکن ان کا قول محل نظر ہے (1) کیونکہ کلام کے سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کے قبیلہ کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا اور ثمود سے (کیا کیا) جنہوں نے کاٹا تھا چٹانوں کو وادی میں۔ یہ وادی میں چٹانوں کو تراشتے اور ان سے گھر بناتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ (شعراء: 149) ''اور تراشتے رہو گے پہاڑوں میں گھر ماہر (سنگ تراش) بنتے ہوئے''۔

ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ قدیم عربی لوگ تھے۔ وادی قریٰ میں رہائش پذیر تھے۔ ہم نے ان کا تفصیلی ذکر سورۂ اعراف میں کیا ہے اس لئے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ فرمایا: اور (کیا کیا) فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''اوتاد'' سے مراد فرعونی لشکر ہے جو اس کے حکم کو پورا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فرعون جب غصہ میں آتا تو لوگوں کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں گاڑ کر باندھ دیتا۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ وہ آدمی کے دونوں پاؤں میں میخیں گاڑ کر اوپر سے ایک بہت بڑی

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 176

چٹان گرا دیتا جس سے وہ ہلاک ہو جاتا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس نے کھیل کے میدان بنائے ہوئے تھے جہاں میخوں اور رسیوں کے ساتھ اس کے سامنے مختلف کھیلوں کا مظاہرہ کیا جاتا۔ فرعون کو ذِی الْاَوْتَادِ کہنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت آسیہ جو مسلمان ہو چکی تھیں، ان کے ہاتھ اور پاؤں میں میخیں لگوا کر ایک چکی کا بہت بڑا پتھر گرانے کا حکم دیا، جس کی وجہ سے ان کی شہادت واقع ہوگئی۔ فرمایا: جنہوں نے سرکشی کی تھی اپنے اپنے ملکوں میں پھر ان میں بکثرت فساد برپا کر دیا تھا۔ یہ لوگ سرکش اور باغی ہوگئے۔ زمین میں فساد برپا کیا۔ لوگوں کو اذیتیں پہنچائیں۔ خدا کی مقرر کردہ حدود کو توڑا۔ فرمایا: پس آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان سے عذاب نازل کیا اور انہیں ایسی سزا دی جسے کوئی ان مجرموں سے دور نہیں کر سکتا تھا۔ فرمایا: بے شک آپ کا رب (سرکشوں اور مفسدوں) کی تاک میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بے شک تمہارا پروردگار سمیع وبصیر ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے تمام اعمال کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کی کوشش کا بدلہ دنیا و آخرت میں عطا فرمائے گا۔ تمام مخلوق اس کے حضور پیش کی جائے گی وہ ان کے بارے میں عدل وانصاف سے فیصلہ فرمائے گا ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا و سزا دے گا جس کا وہ مرتکب ہوگا، وہ ظلم وزیادتی سے منزہ ومبرا ہے۔ یہاں ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث ذکر کی ہے جو انتہائی غریب ہے اور اس کی سند بھی محل نظر ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! مؤمن حق کا قیدی ہے۔ بے شک مؤمن کا دل مضطرب اور پریشان ہے۔ اس کے پیچھے پل صراط ہوگا۔ اے معاذ! بے شک مؤمن کو قرآن حکیم نے بہت سی شہوات اور ان میں مستغرق ہونے سے روک دیا ہے۔ قرآن کریم اس کی دلیل ہے۔ خوف اس کی حجت، شوق اس کی سواری اور نماز اس کی پناہ گاہ، روزہ اس کی ڈھال، صدقہ جہنم کی آگ سے چھٹکارا۔ صدق اس کا امیر، حیاء اس کا وزیر، اس کا پروردگار ان تمام کے ساتھ ساتھ اس کی تاک میں ہے۔ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کی سند میں یونس حذاء اور ابو حمزہ مجہول ہیں اور اس میں ایک جگہ ارسال بھی ہے۔ ابن عبد الکلاعی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن وعظ فرما رہے تھے۔ انہوں نے اپنے وعظ میں فرمایا کہ ان کے اوپر پل صراط ہے مخلوق کو پہلے پل کے پاس روکا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ (صافات: 24)'' اور (اب ذرا) روک لو انہیں، ان سے باز پرس کی جائے گی''۔ فرمایا: یہاں نماز کے بارے محاسبہ ہوگا۔ اس کے بارے لوگوں سے پوچھا جائے گا۔ یہاں کچھ لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور کچھ نجات پا جائیں گے جب دوسرے پل پر پہنچیں گے تو یہاں امانت کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اسے کیسے ادا کیا اور اس میں کیسے خیانت کی۔ یہاں سے جو بچیں گے وہ تیسرے پل پر پہنچیں گے یہاں صلہ رحمی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ صلہ رحمی بھی اس دن وہاں موجود ہوگی۔ عرض کرے گی: اے اللہ! جس نے مجھے ملایا اسے تو ملا اور جس نے مجھے قطع کیا اسے تو بھی قطع کر دے۔ یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثر کو اتنا ہی ذکر کیا ہے مکمل ذکر نہیں کیا۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿١٦﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿١٨﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

''مگر انسان (بھی عجب شے ہے) کہ جب آزماتا ہے اسے اس کا رب یعنی اس کو عزت دیتا ہے اور اس پر انعام فرماتا ہے، تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔ اور جب اس کو (یوں) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔ اور نہ تم ترغیب دیتے ہو مسکین کو کھانا کھلانے کی۔ اور چٹ کر جاتے ہو میراث کا سارا مال۔ اور دولت سے حد درجہ محبت کرتے ہو''۔

بسا اوقات اللہ تعالیٰ انسان کی آزمائش کے لئے اس کے رزق میں وسعت عطا فرما دیتا ہے۔ وہ یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تکریم کی ہے حالانکہ وہ محض ابتلاء و آزمائش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کو یہاں بیان فرمایا ہے۔ فرمایا: مگر انسان (عجب شی ہے) کہ جب آزماتا ہے اس کا رب (اسے) یعنی اسے عزت دیتا ہے اور انعام فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (مومنون: 55-56) ''کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت) سے تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں''۔ اسی طرح اس کے برعکس اللہ تعالیٰ انسان کی آزمائش اور ابتلاء کے لئے اس کے رزق میں کمی اور تنگی کر دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''بات ایسے نہیں جیسے انسان نے گمان کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی مال عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور جسے نہیں چاہتا اور اسی طرح اپنے محبوبوں پر رزق کی تنگی کر دیتا ہے''(1)۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی ہر حال میں اطاعت کرنی چاہئے۔ اگر وہ غنی ہے تو اللہ تعالیٰ کی عطاء پر اس کا شکریہ ادا کرے اور اگر وہ فقیر ہے تو اس پر صبر کرے۔

فرمایا: ''بل'' اس کی وجہ یہ ہے کہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔ یہاں یتیم کی عزت و تکریم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مومنین کا بہترین گھر وہ ہے جس میں یتیم کی اچھی پرورش ہو رہی ہو اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جا رہی ہو۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلی کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے اپنی درمیانی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو ساتھ ملاتے ہوئے ارشاد فرمایا: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے یعنی قریب قریب (2)۔ فرمایا: اور نہ تم مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔ تم لوگ فقراء و مساکین پر مہربانی اور احسان کرنے اور اس پر ایک دوسرے کو برانگیختہ کرنے کی ترغیب نہیں دیتے۔ فرمایا اور میراث کا سارا مال چٹ کر جاتے ہو۔ ''تراث'' سے مراد میراث ہے یعنی وہ مال حلال و حرام جو کسی ذریعہ سے بھی حاصل ہو ہڑپ کر جاتے ہو اور دولت سے حد درجہ محبت کرتے ہو۔ دولت کی محبت میں تم حد سے تجاوز کر گئے۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَ جِايْٓءَ يَوْمَىٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَىٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ۝ فَيَوْمَىٕذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ۝ وَّ لَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ۝ يٰۤاَيَّتُهَا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مومنون آیت: 55   3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 338

النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً ﴿۲۸﴾ فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ ﴿۲۹﴾ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ ﴿۳۰﴾

"یقیناً جب زمین کو کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور جب آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے۔ اور (سامنے) لائی جائے گی اس دن جہنم۔ اس روز انسان کو سمجھ آئے گی لیکن اس سمجھنے کا کیا فائدہ؟ (اس دن) کہے گا کاش! میں نے (کچھ) آگے بھیجا ہوتا اپنی (اس) زندگی کے لئے۔ پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا۔ اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا۔ اے نفس مطمئن واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی۔ پس شامل ہو جاؤ میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں"۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن اور اس کی ہولنا کیوں کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا: یقیناً جب زمین کو کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ زمین کو ہموار کر دیا جائے گا اور پہاڑوں کو برابر۔ تمام مخلوق اپنی قبروں سے اٹھ کر اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوگی۔ فرمایا: اور جب آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے۔ اس دن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے جلوہ گر ہوگا۔ اس سے پہلے لوگ یکے بعد دیگرے تمام اولوالعزم رسولوں کی خدمت میں شفاعت کے لئے حاضر ہوں گے ان میں ہر ایک کہے گا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں۔ اس کے بعد لوگ سید الانبیاء والمرسلین کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ ﷺ ارشاد فرمائیں گے: ہاں میں اس کے لئے تیار ہوں۔ پھر آپ شفاعت کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت کو قبول فرما کر فیصلہ کے لئے جلوہ افروز ہوگا۔ یہ سب سے پہلی شفاعت ہے اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کا ذکر سورۂ اسراء میں گزر چکا ہے(1)۔ جب اللہ تعالیٰ جلوہ افروز ہوگا تو فرشتے قطار در قطار کھڑے ہوں گے۔ فرمایا: اور اس دن جہنم سامنے لائی جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس دن جہنم کو لایا جائے گا۔ اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے اس کو کھینچ رہے ہوں گے(2)۔ فرمایا اس روز انسان کو سمجھ آئے گی۔ اس دن انسان اپنے گزشتہ اعمال کو یاد کرے گا۔ لیکن اسے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ فرمایا: اس دن انسان کہے گا: کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لئے آگے کچھ بھیجا ہوتا۔ انسان اگر گنہگار رہو گا تو اس دن اپنے گزشتہ گناہوں پر شرمسار ہوگا اور اگر اطاعت گزار اور وفا شعار ہوگا تو وہ خواہش کرے گا کہ کاش میں نے زیادہ نیکیاں کی ہوتیں۔ محمد بن عمیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اگر کوئی انسان پیدا ہوتے ہی سجدہ میں گر جائے اور موت تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مشغول رہے، قیامت کے دن وہ اس کو بھی حقیر سمجھے گا اور وہ خواہش کرے گا: کاش اسے دنیا کی طرف واپس لوٹا دیا جائے تاکہ وہ مزید نیکی کے اعمال سرانجام دے(3)۔

فرمایا: پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر نافرمانوں کو کوئی سخت عذاب دینے پر قادر نہیں اور جہنم کے داروغوں سے بڑھ کر کفار کو زنجیروں میں جکڑنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یہ حکم تو

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اسراء آیت: 99

2۔ مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2184 - عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ جہنم، جلد 10، صفحہ 44-43، تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 188

3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 185

مجرموں اور ظالموں کا ہے مگر جہاں تک پاکیزہ، مطمئن اور اپنے رب کی رضا پر ثابت رہنے والوں کا تعلق ہے، انہیں کہا جائے گا اے نفس مطمئنہ! واپس چلو اپنے رب کی طرف، اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس شامل ہو جاؤ میرے خاص بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اے نفس مطمئنہ! تو اپنے رب کی بارگاہ کی طرف رجوع کر اور جنت میں اس نے اپنے نیک بندوں کیلئے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں ان سے لطف اندوز ہو۔ تو اپنے رب سے راضی ہے اور تیرا رب تجھ سے راضی ہے۔ تو میرے نیک بندوں کے زمرہ میں داخل ہو کر میری جنت میں داخل ہو جا۔ مؤمن کو فرشتے یہ خوشخبری اس وقت دیتے ہیں جب اس کی اجل قریب آتی ہے اور جب وہ قیامت کے دن اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس وقت بھی اسے یہ خوشخبری دی جائے گی۔ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی، اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ قیامت کے دن مطمئن روح کو کہا جائے گا کہ اپنے اس جسم کی طرف لوٹ جا جس کو تو دنیا میں راضی خوشی آباد کئے ہوئے تھی۔ آپ اس آیت کریمہ کو اس طرح پڑھا کرتے تھے: فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ لیکن یہ روایت انتہائی غریب ہے(1)۔ پہلا قول ہی اصح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ (انعام: 62) "پھر لوٹائے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا حقیقی مالک ہے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر تھے۔ عرض کرنے لگے: یہ آیت کتنی خوبصورت ہے: آپ نے فرمایا: تمہیں بھی یہ کہا جائے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں اے ابوبکر! تیری اجل کے وقت ایک فرشتہ تجھے یہ کہے گا(2)۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وصال طائف میں ہوا تو ایک پرندہ اڑتا ہوا آیا۔ اس جیسا پرندہ پہلے کبھی کسی نے نہ دیکھا تھا۔ وہ کفن میں داخل ہو گیا اور پھر واپس نہ نکلا۔ اور جب آپ کو دفن کیا گیا تو قبر کے ایک کونہ سے اس آیت کریمہ کے تلاوت کرنے کی آواز آئی۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس نے تلاوت کی(3)۔

قباث بن رزین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم رومیوں کی قید میں تھے۔ ایک دن بادشاہ نے ہمیں اپنے دربار میں بلایا اور کہا جو ہمارے دین کو قبول نہیں کرے گا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ ہم میں سے تین آدمی مرتد ہو گئے۔ جب چوتھے کی باری آئی تو اس نے ان کا دین قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر تلوار سے اس کی گردن کو تن سے جدا کر کے اسے ایک نہر میں پھینک دیا گیا۔ وہ سر پہلے تو پانی میں ڈوب گیا۔ پھر پانی کی سطح پر تیرنے لگا اور ان تینوں کے نام لے کر کہنے لگا: اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں ارشاد فرمایا ہے: يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ پھر پانی میں ڈوب گیا قریب تھا کہ یہ واقعہ دیکھ کر نصرانی مسلمان ہو جاتے۔ بادشاہ نے فوراً مجلس کو برخاست کر دیا۔ وہ تینوں پھر مسلمان ہو گئے ابوجعفر منصور عباسی نے فدیہ بھیج کر ہمیں آزاد کرا لیا۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ایک آدمی سے فرمایا کہ یہ دعا مانگا کرو: اللھم انی اسئلك نفسابك مطمئنۃ تو من بلقائك و ترضی بقضائك و تقنع بعطائك "اے اللہ! میں تجھ سے ایسا نفس مانگتا ہوں جو تجھ پر مطمئن ہو۔ تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو، تیری قضا پر راضی ہو اور تیرے دیئے ہوئے پر قناعت کرنے والا ہو"۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 193-192 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 191 3۔ طبرانی: المعجم الکبیر، جلد 10، صفحہ 290

سورۂ بلد (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

لَآ أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ وَأَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ﴿۴﴾ أَيَحْسَبُ أَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿۵﴾ يَقُوْلُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾ أَيَحْسَبُ أَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ أَحَدٌ ﴿۷﴾ أَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿۹﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾

''میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی درآنحالیکہ آپ بس رہے ہیں اس شہر میں۔ اور قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اولاد کی۔ بیشک ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں (زندگی بسر کرنے کے لئے) پیدا کیا ہے کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا۔ کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال فنا کر دیا۔ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ کیا ہم نے نہیں بنائیں اس کے لئے دو آنکھیں۔ اور ایک زبان اور دو ہونٹ۔ اور ہم نے دکھا دیں اسے دو نمایاں راہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں مکہ مکرمہ کی قسم اٹھائی درآنحالیکہ اس میں نبی کریم ﷺ مقیم ہیں تا کہ اس شہر کی قدر و منزلت اور عظمت و رفعت سے لوگوں کو روشناس کروایا جائے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لا'' کے ساتھ ان کا رد کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی قسم کھائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''بلد'' سے مکہ مکرمہ مراد ہے۔ فرمایا: درآنحالیکہ آپ بس رہے ہیں اس شہر میں۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد! ﷺ آپ کے لئے اس شہر میں جنگ کرنا حلال ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے کہ اس میں کوئی گناہ اور حرج نہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لئے فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں جہاد کرنے کو حلال کر دیا تھا۔ یہی مفہوم صحیح حدیث میں بھی موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سے ہی اس شہر کو حرمت والا بنا دیا ہے۔ قیامت تک اس کی یہ حرمت و عزت باقی رہے گی۔ نہ اس کے درختوں کو کاٹا جائے گا، نہ اس کے کانٹے اکھیڑے جائیں گے۔ میرے لئے صرف دن کی ایک گھڑی کے لئے حلال کر دیا گیا تھا۔ اب اس کی حرمت پھر لوٹ آئی ہے۔ خبردار! حاضر غائب کو، میرا پیغام پہنچا دے۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں اگر کوئی مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کے جنگ کرنے کے جواز سے استدلال کرے تو اسے کہہ دینا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی تمہیں نہیں دی(1)۔ فرمایا: قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اولاد کی۔ بعض نے کہا ہے والد سے مراد وہ شخص ہے جو بچوں والا ہو مَاوَلَدَ سے مراد وہ جس کے بچے نہ ہوں(2)۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ والد اور اس کی اولاد کی قسم۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 191، 126، سورۂ آل عمران آیت: 97 سورۂ توبہ آیت: 36 اور سورۂ نمل: 91 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 195

مجاہد، ابوصالح، قتادہ، حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم فرماتے ہیں کہ والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور مَاوَلَدَ سے مراد آپ کی اولاد ہے۔ یہ قول بہتر اور قوی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اُم القریٰ یعنی مکہ مکرمہ کی قسم کھائی ہے جو کہ تمام مساکن کی اصل ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کی قسم کھائی اور حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کی اصل ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا مختار قول یہ ہے کہ اس سے ہر والد اور اس کی اولاد مراد ہے اور یہ احتمال ہو سکتا ہے۔ فرمایا: بے شک ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا کیا۔ حضرات عبداللہ بن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ انسان کو صحیح قامت والا بنایا۔

کَبَدٍ کا معنی برابر اور سیدھا ہونا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (والتین: 4) ''بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (عقل و شکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر''۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کو خوب قوت اور طاقت والا پیدا کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ انسان کی پیدائش اور اس کے دانت اگنے میں غور وفکر کرو کتنی قوی چیز ہے(1)۔ مجاہد فرماتے ہیں ''کبد'' سے مراد انسان نطفہ، علقہ (جما ہوا خون)، مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) کے مراحل میں جو مشقت اٹھاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا (احقاف: 15) ''(اپنے شکم میں) اٹھائے رکھا اس کو اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اور جنا اس کو بڑی تکلیف سے''۔ بلکہ اس کو دودھ پلانے میں بھی مشقت اٹھائی۔ پھر جوان ہو کر اپنی زندگی گزارنے کے لئے بھی مشقت اٹھاتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا۔ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک انصاری سے اس کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے ''کبد'' کا معنی انسان کا سیدھا کھڑا ہونا اور معتدل ہونا بتایا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ انسان دنیا میں بھی مشقت برداشت کرتا ہے اور آخرت میں بھی برداشت کرے گا۔

ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کو آسمان میں پیدا کیا گیا اور عربی میں آسمان کو ''کبد'' کہتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا مختار قول یہ ہے کہ انسان کو مشقت اور تکالیف برداشت کرنے کے لئے پیدا کیا گیا۔ فرمایا: کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال کوئی نہیں لے سکتا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کیا ابن آدم یہ گمان کرتا ہے کہ اس سے مال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ اس نے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ فرمایا: کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال فنا کر دیا۔ ابن آدم کہتا ہے میں نے بہت زیادہ مال خرچ کیا۔ فرمایا: کیا وہ خیال کرتا ہے، اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ فرمایا: کیا ہم نے نہیں بنائیں اس کے لئے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ۔ ہم نے اسے دیکھنے کے لئے دو آنکھیں عطا فرمائیں۔ گفتگو اور ما فی الضمیر کے اظہار کے لئے زبان دی اور دو ہونٹ عطا کئے جو گفتگو اور کھانا کھانے میں ممد ہوتے ہیں اور پھر یہ اس کے چہرے اور منہ کے لئے خوبصورتی کا باعث ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! میں نے تم کو اتنی کثیر نعمتیں عطا کی ہیں کہ تو اس کا شمار نہیں کر سکتا اور نہ ہی تو اس کا شکر یہ ادا کر سکتا ہے۔ یہ بھی میری نعمت ہے کہ میں نے تجھے دو آنکھیں دیں جن کے ساتھ تو دیکھتا ہے

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 197

اوران پر میں نے پلکوں کا غلاف بنادیا۔ پس میری حلال کردہ چیزوں کی طرف دیکھ۔ اگر میری حرام کردہ چیزیں تیرے سامنے آئیں تو ان کو بند کرلے۔ میں نے تجھے زبان دی اوراس کا غلاف بنادیا۔ اس کے ساتھ وہی بول بول جو میں نے تیرے لئے حلال کئے ہیں اور جن کا میں نے حکم دیا ہے اور میری حرام کردہ چیزوں کے سامنے اپنی زبان کو بند کرلے۔ میں نے تجھے شرمگاہ دی اوراس کا پردہ بھی عطا کیا۔ اسے حلال جگہ استعمال کر اور حرام جگہ اس پر پردہ ڈال دے۔ اے ابن آدم! تو میری ناراضگی برداشت نہیں کرسکتا اور نہ ہی میرے عذاب کو سہنے کی طاقت رکھتا ہے (1)۔

فرمایا: اور ہم نے دکھادیں اسے دونمایاں راہیں۔ ''نجدین'' سے مراد دوراستے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد خیر وشر ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دو راستے ہیں۔ تمہیں برائی کا راستہ بھلائی کے راستہ سے کیوں اچھا لگتا ہے (2)۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ دومختلف اسناد سے مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''نجدین'' سے مراد دو پستان ہیں۔ دوسرے کئی مفسرین سے بھی یہی قول مروی ہے لیکن ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قول ہی کو ترجیح دی ہے (3)۔ یہی مفہوم اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے: اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝۲ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝۳ (دہر: 3-2) ''بلاشبہ ہم ہی نے انسان کو پیدا فرمایا ایک مخلوط نطفہ سے۔ تاکہ ہم اس کو آزمائیں۔ پس (اس غرض سے) ہم نے بنادیا ہے اس کو سننے والا، دیکھنے والا۔ ہم نے اسے دکھایا ہے (اپنا) راستہ۔ اب چاہے شکر گزار بنے چاہے احسان فراموش''۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝۱۱ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝۱۲ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝۱۳ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝۱۴ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝۱۵ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝۱۶ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝۱۷ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝۱۸ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۝۱۹ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝۲۰

''پھر وہ داخل ہی نہیں ہوا (عمل خیر کی دشوار) گھاٹی میں کیا آپ سمجھے کہ وہ گھاٹی کیا ہے۔ وہ (غلامی سے) گردن چھڑانا ہے یا کھانا کھلانا ہے بھوک کے دن (قحط سالی) میں۔ یتیم کو جو رشتہ دار ہے۔ یا خاک نشین مسکین کو۔ پھر وہ ایمان والوں سے ہو جو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں رحمت کی۔ یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں۔ اور جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا وہ لوگ بائیں ہاتھ والے ہیں۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اِقْتَحَمَ کا معنی داخل ہونا ہے اور عقبہ جہنم میں ایک پھسلواں والا پہاڑ ہے (4)۔ کعب الاحبار فرماتے ہیں: جہنم میں اس کے ستر درجے ہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہنم میں ایک گھاٹی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ انتہائی دشوار گزار گھاٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس گھاٹی میں داخل ہونے کے بارے بیان فرمایا۔ فرمایا: کیا آپ سمجھے کہ وہ گھاٹی کیا ہے؟ وہ غلامی سے گردن چھڑانا ہے۔ یا کھانا کھلانا ہے۔ بھوک

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 521
2۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 522
3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 201
4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 20

کے دن میں یتیم کو جو رشتہ دار ہو یا خاک نشین مسکین کو۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کیا یہ انسان اس راستہ پر نہیں چلتا جس میں نجات اور بھلائی ہے۔ فَكُّ رَقَبَةٍ کو دو طرح پڑھا گیا ہے: 1۔ اضافت کے ساتھ، 2۔ اسے فَكَّ پڑھا گیا ہے یہ فعل ماضی ہے اس میں ھو ضمیر فاعل اور رقبہ مفعول بہ ہے۔ دونوں قرأتوں کا معنی قریب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مومن غلام کو آزاد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو نار جہنم سے بچالیتا ہے۔ حتیٰ کہ ہاتھ کے بدلہ میں ہاتھ، پاؤں کے بدلہ میں پاؤں، شرمگاہ کے بدلہ میں شرمگاہ۔ حضرت علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہما نے جب یہ حدیث سنی تو راوی سے پوچھا۔ کیا تم نے خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ تو آپ نے اپنے خادم کو حکم فرمایا: مطرف کو بلاؤ۔ جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا جاؤ تم اللہ تعالیٰ کے نام پر آزاد ہو۔ صحیح مسلم میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ آپ نے اس غلام کو دس ہزار درہم میں خریدا تھا(1)۔

ابو نجیح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو مسلمان مرد کسی مسلمان غلام کو آزاد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ہر ہڈی کو آزاد کرنے والے کی ہڈی کے لئے نار جہنم کے مقابلہ میں ڈھال بنا دیتا ہے۔ اور جو مسلمان عورت کسی مسلمان لونڈی کو آزاد کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہر ہڈی کو آزاد کرنے والی کی ہڈی کے لئے نار جہنم کے مقابلہ میں ڈھال بنا دیتا ہے(2)۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے مسجد تعمیر کراتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس غلام کو اس کے لئے نار جہنم کا فدیہ بنا دیتا ہے اور جس مسلمان کے بال بڑھاپے میں سفید ہوتے ہیں، قیامت کے دن یہ اس کے لئے نور بن جائیں گے(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ ایک روایت کے یہ الفاظ بھی ہیں: جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک تیر چلایا اسے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا خواہ وہ تیر نشانے پر لگا ہو یا نہ لگا ہو(4)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں: جس شخص کے تین بچے بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو گئے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ جس نے اللہ کی راہ میں دو جوڑے خرچ کئے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے گا۔ وہ جس دروازے سے چاہے، داخل ہو جائے(5)۔

ابن عیاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیں جس میں کوئی زیادتی و کمی نہ ہو۔ آپ یہ بات سن کر بہت سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: اگر تم میں کوئی ایک قرآن کریم کی تلاوت کرے اور اس کا قرآن گھر میں پڑا ہو تو کیا وہ اس میں کمی یا زیادتی کرے گا۔ ہم نے عرض کی: ہمارا مقصد یہ تھا کہ آپ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے خود حضور ﷺ سے سنی ہو۔ فرمایا: ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کے بارے

1۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 422، فتح الباری، کتاب الکفارات، جلد 11، صفحہ 599- مسلم، کتاب العتق، جلد 2، صفحہ 1147-1147 عارضۃ الاحوذی، ابواب النذور، جلد 7 صفحہ 26-24 سنن کبریٰ، کتاب العتق بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9، صفحہ 505- سنن ابوداؤد، کتاب العتق، جلد 4، صفحہ 30-29

2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 202 3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 386

4۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 113- سنن ابوداؤد، کتاب العتق، جلد 4، صفحہ 30- سنن کبریٰ، کتاب العتق بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 8 صفحہ 160

5۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 386

میں حاضر ہوئے جس نے ایک شخص کو قتل کر کے نار جہنم کو اپنے پر واجب کر لیا تھا۔ آپ نے فرمایا: اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کر دو۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلہ میں اس کے ہر عضو کو نار جہنم سے آزاد کر دے گا (1)۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ نے فرمایا: تم نے مختصر الفاظ میں بہت بڑا سوال کیا۔ پھر فرمایا: ''نسمة'' کو آزاد کر، اور'' رقبه'' کو چھڑا۔ کیا یہ دونوں ایک ہی چیزیں نہیں ہیں۔ اس نے پوچھا۔ آپ نے فرمایا: نہیں۔ نسمہ کو آزاد کرنے کا معنی یہ ہے کہ تو اکیلا ایک غلام آزاد کرے اور گردن چھڑانے کا معنی یہ ہے کہ تو کسی دوسرے کے ساتھ شریک ہو کر آزاد کرائے۔ پھر فرمایا دودھ دینے والا جانور کسی کو دودھ پینے کے لئے دینا۔ ظالم رشتہ دار کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ یہ سب جنت میں داخل کرنے والے کام ہیں۔ اگر تو ان کی استطاعت نہیں رکھتا تو تو بھوکے کو کھانا کھلائے، پیاسے کو پانی پلائے، نیکی کا حکم دے، برائی سے روکے اور اگر تو اس کی طاقت بھی نہیں رکھتا تو سوائے نیکی کی بات کے اپنی زبان کو بند رکھ (2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ذِیْ مَسْغَبَةٍ کا معنی بھوک والا بیان فرمایا۔ عکرمہ، مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ کئی دوسرے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے۔ '' سغب '' کا معنی بھوک ہے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے مراد کھانا کھلانا، جس دن کھانا کھلانا گراں ہو۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد ایسے دن کھانا کھلانا ہے جس دن کھانے کی شدید خواہش ہو۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس قسم کے دن، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، ایسے یتیم کو کھانا کھلائے جو اس کا قریبی رشتہ دار ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسکین پر صدقہ کرنے کا صرف ایک ہی ثواب ہوتا ہے اور رشتہ دار پر صدقہ کرنے کے دو ثواب ہوتے ہیں (3)۔

مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ کا معنی خاک نشین فقیر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد وہ فقیر ہے جو راستہ میں پڑا ہو۔ نہ تو اس کا کوئی گھر ہو اور نہ ہی اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جو اسے گرد و غبار اور مٹی سے بچائے۔ آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے مراد غریب الوطن ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ فقیر ہے جو محتاج بھی ہو اور قرضدار بھی۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ فقیر ہے جس کا کوئی نہ ہو۔ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ وہ فقیر ہے جو اہل و عیال والا ہو۔ یہ تمام اقوال معناً قریب قریب ہیں۔ فرمایا: پھر وہ ایمان والوں سے ہو یعنی وہ ان تمام اوصاف کے ساتھ ساتھ اپنے دل سے اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اجر و ثواب کا امیدوار ہو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (اسراء:19) '' اور جو شخص طلب گار رہتا ہے آخرت کا اور جد و جہد کرتا ہے اس کے لئے پوری طرح درآنحالیکہ وہ مومن بھی ہو، پس یہ وہ (خوش نصیب ہیں) جن کی کوشش مقبول ہو گی''۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا (نساء:124) '' اور جس نے عمل کئے اچھے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو سو وہی لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کئے جائیں گے تل بھر''۔

فرمایا: جو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں رحمت کی۔ یعنی وہ شخص ان مؤمنین میں سے ہو

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب العتق، جلد 4، صفحہ 29- سنن کبریٰ، کتاب العتق بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9، صفحہ 79 2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 299

3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 212- ترمذی، عارضۃ الاحوذی، جلد 3 کتاب الزکاۃ، جلد 161-160- نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 5، صفحہ 92

جو نیک عمل کرنے والے، لوگوں کی ایذاء و تکلیف پر صبر کی تلقین کرنے والے اور لوگوں پر رحم کرنے کی نصیحت کرنے والے ہوں۔ حدیث پاک میں ہے: رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا(1)۔ ایک اور حدیث میں ہے جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں کرتا(2)۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا حق نہ سمجھے وہ ہم میں سے نہیں(3)۔ فرمایا: یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں۔ ان مذکورہ اوصاف سے متصف لوگ دائیں ہاتھ والے ہوں گے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا اور جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ لوگ بائیں ہاتھ والے ہیں۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی۔ ان کو آگ ہر طرف سے اس طرح گھیرے ہوئے ہوگی کہ وہ نہ ہی اس سے بچ سکیں گے اور نہ ہی اس سے باہر نکل سکیں گے۔ جناب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مُّؤْصَدَةٌ کا معنی یہ ہے کہ ان پر جہنم کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اُصد الباب کا معنی لغت قریش میں دروازہ کو بند کرنا ہے۔ اس کی وضاحت وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ میں آئے گی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مُّؤْصَدَةٌ کا معنی یہ ہے کہ وہاں دیواریں ہی دیواریں ہوں گی کوئی دروازہ نہیں ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہر طرف سے بند ہوگی۔ اس میں نہ کوئی روشنی ہوگی نہ کوئی سوراخ اور نہ ہی وہ کبھی اس سے باہر نکل سکیں گے۔ ابو عمران جونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حکم فرمائے گا تمام ظالموں، شیطانوں اور ان لوگوں کو جن کے شر سے دنیا میں لوگ ڈرتے تھے ان کو زنجیروں میں جکڑ دو اور پھر انہیں جہنم میں پھینک کر اوپر سے دروازے بند کر دو پھر ان کے قدم کسی جگہ میں نہیں ٹھہریں گے۔ قسم بخدا! پھر ان کو نہ تو آسمان کی صورت نظر آئے گی اور نہ ہی انہیں لمحہ بھر کے لئے نیند آئے گی اور نہ ہی انہیں وہاں کھانے پینے کے لئے کوئی مزے کی چیز ملے گی۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ محمد آیت: 22 2۔ مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4، صفحہ 1809۔ سنن کبریٰ، کتاب السیر، جلد 9، صفحہ 41

3۔ مسلم، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 286

سورۃ الشمس (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَ الشَّمۡسِ وَ ضُحٰهَا ۞۱ وَ الۡقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۞۲ وَ النَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۞۳ وَ الَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰهَا ۞۴ وَ السَّمَآءِ وَ مَا بَنٰهَا ۞۵ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا طَحٰهَا ۞۶ وَ نَفۡسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا ۞۷ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَ تَقۡوٰهَا ۞۸ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا ۞۹ وَ قَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا ۞۱۰

''قسم ہے آفتاب کی اور اس کی دھوپ کی اور قسم ہے مہتاب کی جب وہ (غروب) آفتاب کے بعد آوے۔ اور قسم ہے دن کی جب آفتاب کو روشن کردے۔ اور رات کی جب وہ اسے چھپالے۔ اور قسم ہے آسمان کی اور اسے بنانے والے کی۔ اور زمین کی اور اس کو بچھانے والے کی۔ قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی۔ پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو۔ یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کرلیا۔ اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا''۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ضُحٰهَا کا معنی دن کی روشنی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے پورا دن مراد ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور دن کی قسم کھائی ہے کیونکہ سورج کی روشنی سے ہی دن چڑھتا ہے(1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا کا معنی یہ ہے کہ قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے آئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب وہ دن کے پیچھے آئے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلی رات کا چاند سورج کے غروب ہونے کے فوراً بعد طلوع ہوتا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مہینہ کے پہلے پندرہ روز تو چاند سورج کے پیچھے طلوع ہوتا ہے اور آخری پندرہ روز سورج چاند کے پیچھے طلوع ہوتا ہے۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد لیلۃ القدر کا چاند ہے۔ فرمایا: قسم ہے دن کی جب آفتاب کو روشن کردے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یہاں ''جلّٰی'' کا معنی روشن کرنا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب دن سورج پر چھا جائے۔ بعض ماہرین لغت اس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ قسم ہے دن کی جب وہ تاریکی پر چھا جائے۔ میں کہتا ہوں اگر اس کا معنی یہ کیا جائے کہ قسم ہے دن کی جب وہ تمام روئے زمین پر چھا جائے تو زیادہ اولیٰ ہے اور وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا کے ساتھ قوی مناسبت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی کی مثل ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا مختار قول یہ ہے کہ اس ضمیر کا مرجع شمس ہے کیونکہ اس کا ذکر ہو رہا ہے۔

فرمایا: اور قسم ہے رات کی جب اسے چھپالے۔ قسم ہے رات کی جب وہ سورج کو چھپالے۔ یعنی جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو ہر طرف تاریکی چھا جاتی ہے۔ یزید بن ذی حمامہ کہتے ہیں جب رات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میری عظیم مخلوق یعنی رات نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 208

میرے بندوں کو چھپا دیا۔ لوگ رات سے ڈرتے ہیں حالانکہ اس رات کو پیدا کرنے والی ذات اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ فرمایا: قسم ہے آسمان کی اور اسے بنانے والے کی۔ یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ "ما" مصدریہ ہو اور معنی یہ ہو کہ قسم ہے آسمان کی اور اس کی بناوٹ کی۔ یہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ما بمعنی من ہو۔ اور معنی ہو قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی۔ یہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ یہ دونوں معنی ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔

بناء کا معنی بلندی ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ (ذاریات: 48-47) "اور ہم نے آسمان کو (قدرت کے) ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اس کو وسیع کر دیا۔ اور زمین کا ہم نے فرش بچھا دیا پس ہم کتنے اچھے (فرش) بچھانے والے ہیں"۔ فرمایا: قسم ہے زمین کی اور اس کے بچھانے والی کی۔ یہاں بھی "ما" میں دو احتمال ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "طحی" کا معنی بچھانا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں مختلف اشیاء کو پیدا کیا۔ آپ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اسے مختلف حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلا قول ہی زیادہ مشہور ہے۔ اسی کو اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ اہل لغت کے نزدیک بھی یہی معروف ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "طحوتہ" کا معنی یہ ہے کہ میں نے اسے ہموار کیا۔

فرمایا: قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے اس نفس کو فطرت سلیمہ پر مستقیم تخلیق کیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (روم: 30) "پس آپ کر لیں اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف پوری یکسوئی سے (مضبوطی سے پکڑ لو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتا اللہ کی تخلیق میں"۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی، یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جیسا کہ جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے۔ اس میں کوئی کان کٹا نہیں ہوتا(1)۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو یکساں فطرت پر پیدا کیا ہے۔ پھر شیطان ان کے پاس آتے ہیں اور ان کو دین سے دور کر دیتے ہیں(2)۔ فرمایا: پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو۔ اس کے لئے نافرمانی اور تقویٰ کی راہ کو بیان کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کے لئے خیر و شر کو بیان کر دیا۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے نیکی اور بدی سے آگاہ کر دیا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس نفس میں نیکی اور بدی کی قوت رکھ دی ہے۔ ابوالاسود دیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مجھ سے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے پوچھا: مجھے یہ بتاؤ کیا لوگ جو یہ اعمال کرتے ہیں اور تکالیف اٹھاتے ہیں کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے مقدر ہو چکی ہیں یا یہ خود آئندہ کے لئے اپنے طور پر کر رہے ہیں۔ اس بناء پر کہ انبیاء کرام ان کے پاس آچکے ہیں اور اللہ کی حجت ان پر تمام ہو گئی۔ میں نے کہا نہیں۔ اس چیز کا فیصلہ پہلے ہو چکا اور ان کے مقدر میں یہ بات لکھی جا چکی ہے۔ انہوں نے پوچھا: پھر یہ ان پر ظلم نہ ہو گا؟ میں ان کی بات

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء آیت: 119، سورۂ انعام: 79، سورۂ اعراف: 30، 102، 176، سورۂ ہود: 17، سورۂ اسراء: 15، سورۂ روم: 30 اور سورۂ انسان: 3

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اسراء آیت: 15 اور سورۂ روم آیت: 15

سن کر سخت گھبرا گیا اور کہا کہ ہر چیز کا خالق و مالک وہی اللہ ہے۔ تمام بادشاہی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے افعال کی باز پرس کوئی نہیں کر سکتا۔ حالانکہ مخلوق سے پوچھا جائے گا۔ میرا یہ جواب سن کر وہ خوش ہوئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ میں نے یہ سوال تمہیں آزمانے کے لئے کیا تھا۔

ایک مرتبہ قبیلہ مزنیہ یا جھینہ کا ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے وہی سوال کیا جو میں نے تم سے پہلے کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے وہی جواب دیا جو تو نے مجھے دیا ہے۔ اس نے عرض کی پھر ہم یہ عمل کیوں کرتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو جس مقام کے لئے پیدا کیا ہوتا ہے وہ اس کے اسباب بھی مہیا فرما دیتا ہے اور اس آیت کریمہ سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے(1)۔ ارشاد فرمایا: یقیناً فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اسے خاک میں دبایا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ وہ فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو اطاعت اور فرمانبرداری کے ذریعہ پاک کیا اور اپنے نفس کو برائیوں اور رذائل سے منزہ کیا۔ یہ قتادہ، مجاہد، اور عکرمہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کا قول ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى" (اعلیٰ:15-14) "بیشک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا وہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا" اور وہ شخص خائب و خاسر ہوا جس نے اپنے نفس کو برائیوں میں گم کر لیا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری چھوڑ کر اس کی نافرمانی میں مصروف ہو گیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی یہ ہو: وہ شخص یقیناً فلاح پا گیا جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کیا اور وہ خائب و خاسر ہوا جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے خواہشات میں دبا دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: وہ نفس فلاح پا گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کیا۔ ایک دوسری روایت ہے: رسول اللہ ﷺ تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت کریمہ پر پہنچے تو آپ ﷺ یہاں ٹھہر گئے اور آپ نے یہ دعا فرمائی: اللھم ات نفسی تقوھا وزکھا انت خیر من زکھا انت ولیھا ومولھا(2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے بستر پر نہ پایا۔ میں نے اپنے ہاتھ سے ان کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ وہ سجدہ میں ہیں اور یہ دعا مانگ رہے ہیں: رب اعط نفسی تقوانھا وزکّھا وانت خیر من زکھا، انت ولیھا ومولھا(3)۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا مروی ہے: اللّٰھم انی اعوذ بك من العجز والکسل والھرم والجبن والبخل وعذاب القبر، اللھم آت نفسی تقوائھا وزکھا انت خیر من زکھا انت ولیھا ومولھا، اللّٰھم انی اعوذ بك من قلبٍ لا یخشع ومن نفسٍ لا تشبع وعلمٍ لا ینفع و دعوۃٍ لا یستجاب لھا" حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ دعا ہمیں رسول اللہ ﷺ سکھاتے تھے اب ہم تمہیں سکھا رہے ہیں(4)۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 438۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 211۔ مسلم، کتاب القدر، جلد 4، صفحہ 2042-2041

2۔ المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 106 3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 209 4۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 371۔ مسلم، کتاب الذکر، جلد 4، صفحہ 2088

سُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۪ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَ لَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾

''جھٹلایا قوم ثمود نے (اپنے پیغمبر کو) اپنی سرکشی کے باعث۔ جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں سے ایک بڑا بد بخت۔ تو کہا انہیں اللہ کے رسول نے کہ (خبردار رہنا) اللہ کی اونٹنی اور اس کی پانی کی باری سے۔ پھر بھی انہوں نے جھٹلایا رسول کو اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ پس ہلاک کر دیا انہیں ان کے رب نے ان کے گناہِ (عظیم) کے باعث اور سب کو پیوند خاک کر دیا۔ اور کوئی ڈر نہیں اللہ کو ان کے (تباہ کن) انجام کا''۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قوم ثمود نے اپنی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے اپنے رسولوں کو جھٹلایا۔ یہ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما کا قول ہے۔ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے بِطَغْوٰىهَآ کا معنی یہ کیا ہے کہ ان سب نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا لیکن پہلا معنی ہی زیادہ بہتر ہے اور رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ان رسولوں کی تعلیمات اور احکام سے دلی طور پر متنفر ہو گئے۔ فرمایا: جب ان میں سے ایک بڑا بد بخت اٹھ کھڑا ہوا۔ اس قبیلہ میں سب سے بڑا بد بخت قدار بن سالف تھا جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ (قمر:29) ''پس ثمودیوں نے بلایا اپنے ایک ساتھی (قدار) کو پس اس نے وار کیا اور (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ دیں''۔ یہ شخص اپنی قوم کا سردار تھا۔ معزز اور صاحب حسب ونسب تھا۔ حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا ذکر کیا۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ اس اونٹنی کو مارنے کے لئے وہ شخص اٹھا جو اپنے قبیلہ میں معزز اور محترم تھا۔ جیسے ابوزمعہ اپنے قبیلہ میں معزز ومحترم ہے(1)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا میں تمہیں سب سے بڑے بد بخت کے بارے میں نہ بتاؤں۔ آپ نے عرض کی کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دو شخص ہیں۔ ایک قوم ثمود کا سرخ رنگ کا آدمی، جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹیں اور دوسرا وہ جو تمہارے سر پر تلوار مارے گا جس سے تمہاری داڑھی خون سے تر بتر ہو جائے گی۔ فرمایا: کہا انہیں اللہ تعالیٰ کے رسول نے خبردار رہنا اللہ کی اونٹنی اور اس کی پانی کی باری سے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا اللہ کی اونٹنی سے محتاط رہنا۔ اسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا اور اس کی پانی کی باری کا بھی خیال رکھنا۔ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کرنا۔ ایک دن اس کی پانی کی باری ہے اور ایک دن تمہاری۔ فرمایا: پھر بھی انہوں نے رسول کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی ان تمام احکامات میں تکذیب کی جو وہ لے کر آئے۔ اس سے بڑھ کر انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں جو اللہ تعالیٰ نے معجزہ کے طور پر چٹان سے پیدا کی۔ یہ ان کی لئے حجت تھی۔ فرمایا: پس ہلاک کر دیا انہیں ان کے رب نے ان کے گناہ عظیم کے باعث۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ان کو تباہ وبرباد کر دیا۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 17۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ (والشمس وضحاھا)، جلد 8، صفحہ 705، مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، جلد 4، صفحہ 2191۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ (والشمس وضحاھا)، جلد 12، صفحہ 245-244۔ سنن کبری، کتاب التفسیر وعشرۃ النساء، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 335۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 214

فَسَوّٰىهَا کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل ہونے والی سزا کو برابر کر دیا۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قدار بن سالف نے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے سے پہلے قوم ثمود کے تمام چھوٹے بڑے مرد و زن سے بیعت لی اور سب نے بیعت کی۔ اس طرح وہ تمام اس فعل شنیع میں شریک تھے اللہ تعالیٰ نے اس جرم کے سبب ان تمام کو تباہ و برباد کر دیا اور فرمایا: کوئی ڈر نہیں اللہ کو ان کے تباہ کن انجام وَلَا يَخَافُ کو ''فلا يخاف'' بھی پڑھا گیا ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ جس کسی کو سزا دیتا ہے اسے اس کے تاوان کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ یہی مجاہد، حسن بصری اور بکر بن عبداللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ ضحاک اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہیں کہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا اپنے اس فعل کے انجام سے نہ ڈرا (2) لیکن پہلا قول ہی اصح ہے کیونکہ کلام کے سیاق و سباق سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 216 - ابن باذش: الاقناع، جلد 2، صفحہ 813

2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 216-215

سورۃ الیل (مکیہ)

پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا: کہ تم نے سورۃ اعلیٰ، الشمس، اللیل کے ساتھ امامت کیوں نہیں کرائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿1﴾ وَ النَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿2﴾ وَ مَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰۤى ﴿3﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ﴿4﴾ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ﴿5﴾ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿6﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ﴿7﴾ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ﴿8﴾ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿9﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿10﴾ وَ مَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ﴿11﴾

"قسم ہے رات کی جب وہ (ہر چیز پر) چھا جائے۔ اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے۔ اور اس کی جس نے پیدا کیا نر اور مادہ کو۔ بے شک تمہاری کوششیں مختلف نوعیت کی ہیں۔ پھر جس نے (راہِ خدا میں اپنا) مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا۔ اور (جس نے) اچھی بات کی تصدیق کی۔ تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے آسان راہ۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا۔ اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے مشکل راہ۔ اور اس کے کام نہ آئے گا اس کا مال جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا"۔

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ شام میں تشریف لائے تو دمشق کی جامع مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور یہ دعا کی: یا اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نیک ہم نشیں عطا فرما پھر ان کی ملاقات حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کوفہ کا۔ انہوں نے پوچھا: تم نے ابن ام عبد کو یہ سورت کیسے پڑھتے ہوئے سنا۔ علقمہ نے کہا کہ وہ وَالذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى پڑھتے تھے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے ایسے ہی سنا ہے۔ لیکن یہ لوگ شبہ میں ڈال رہے ہیں۔ پھر فرمایا: کیا تم میں تکیہ والے یعنی جن کے پاس سفر میں رسول اللہ ﷺ کا بستر رہتا تھا اور ایسے راز داں کہ وہ راز ان کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا اور وہ شخص جس کو شیطان کے وسوسوں سے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق بچا لیا گیا نہیں تھے؟ یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (1)۔ بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو ملنے کے لئے آئے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بھی ان کی تلاش میں تھے۔ جب ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا: تم میں سے کون حضرت عبداللہ کی قراءت پر قرآن کو پڑھنے والا ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہم سب،

1۔ مسند امام احمد، جلد 9، صفحہ 449۔ فتح الباری تفسیر سورۃ (واللیل اذا یغشی)، جلد 8، صفحہ 707، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 565-566

انہوں نے فرمایا: تم میں سے زیادہ حافظ کون ہے؟ انہوں نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے پوچھا: تم نے کیسے ابن مسعود کو یہ سورت پڑھتے ہوئے سنا۔ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی؟ انہوں نے جواب دیا: وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی یہ سن کر فرمانے لگے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا۔ لیکن یہ لوگ کہتے تھے کہ میں وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی پڑھوں۔ قسم بخدا میں ان کی بات نہیں مانوں گا۔ الغرض یہ ابن مسعود اور ابودرداء رضی اللہ عنہما کی قراءت ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے اس کو مرفوع بھی کہا ہے لیکن جمہور صحابہ کرام کی وہی قراءت ہے جو قرآن پاک میں موجود ہے یعنی وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی فرمایا: قسم ہے رات کی جب وہ ہر چیز پر چھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں رات کی قسم کھائی ہے جب وہ اپنی تاریکی کے ساتھ تمام مخلوق کو ڈھانپ لے۔ فرمایا: قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمکتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے دن کی روشنی اور اس کے خوب چمکنے کی قسم کھائی ہے۔

قسم ہے اس کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَخَلَقْنٰکُمْ اَزْوَاجًا ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ (ذاریات: 49) ''اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے'' یہاں اللہ تعالیٰ نے ایسی چیزوں کی قسم کھائی ہے جو آپس میں متضاد ہیں۔ اس لئے جس چیز پر قسم اٹھائی جا رہی ہے وہ بھی متضاد ہے۔ فرمایا: بے شک تمہاری کوششیں مختلف نوعیت کی ہیں یعنی بندوں کے وہ اعمال جو وہ سرانجام دیتے ہیں۔ کوئی نیکی کرنے والا ہے اور کوئی بدی۔ فرمایا: پھر جس نے راہ خدا میں اپنا مال دیا اور اس سے ڈرتا رہا۔ جس مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، وہ خرچ کرتا رہا اور اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا۔ فرمایا: اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بِالْحُسْنٰی سے مراد یہ ہے اچھے یا برے اعمال کی جزا و سزا کی تصدیق کی۔ خصیف فرماتے ہیں کہ اس کا معنیٰ ثواب ہے۔ بعض نے فرمایا ہے اس کا معنیٰ ''لا الہ الا اللّٰہ'' ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر کرتا ہے۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز، زکوٰۃ اور روزہ ہے۔ ایک روایت میں فطرانہ ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے ''حسنٰی'' کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد جنت ہے۔ فرمایا: تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے آسان راہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: لِلْیُسْرٰی سے مراد نیکی ہے۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد جنت ہے۔ بعض سلف صالحین نے فرمایا ہے نیکی کا ثواب نیکی کے بعد نیکی کی توفیق ہے۔ برائی کی سزا برائی کے بعد اور برائی۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا: اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جس نے مال میں بخل کیا اور اپنے رب سے لاپرواہ رہا اور اچھی بات کو جھٹلایا یعنی دار آخرت میں جزا کو جھٹلایا۔ فرمایا: ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے مشکل راہ یعنی برائی کا راستہ۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (انعام: 110) ''اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اور ہم چھوڑ دیں گے انہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں''۔ اور اس معنی پر دلالت کرنے والی بہت سی آیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نیکی کا ارادہ کرنے والے کو نیکی کی توفیق عطا فرما کر بدلہ عطا فرما دیتا ہے اور برائی کا ارادہ کرنے والے کو ذلت و رسوائی کی جزا دیتا ہے۔ سب کچھ مقدر ہو چکا ہے۔ بہت سی احادیث مبارکہ اس معنی کی تائید کرتی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے اعمال کیا ایسی تقدیر کے تابع ہیں

جسے لکھ دیا گیا ہے یا ابھی اسے نئے سرے سے شروع کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ تمام اعمال مقدر ہو چکے ہیں۔ عرض کی پھر ہم یہ عمل کس لئے کرتے ہیں؟ فرمایا: ہر شخص کے لئے وہ چیز آسان کر دی جاتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے(1)۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم جنت البقیع میں ایک جنازہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے لئے جنت اور دوزخ کی ایک جگہ مقرر کر دی گئی ہے۔ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں یعنی عمل کو ترک کر دیں(2)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عمل کرو۔ ہر شخص کے عمل کو آسان کر دیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی(3)۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سر مبارک نیچے کئے تشریف فرما تھے اور آپ ایک تنکا کے ساتھ زمین کو کھود رہے تھے۔ باقی حدیث کے وہی الفاظ ہیں جو اوپر گزر چکے ہیں(4)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ ﷺ! بتائیے ہم جو یہ اعمال کرتے ہیں کیا یہ ازل میں لکھے جا چکے ہیں یا انہیں نئے سرے سے شروع کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمام ازل سے ہی مقدر ہو چکے ہیں۔ پھر فرمایا: اے عمر! عمل کرتے رہو، ہر شخص کے لئے اس کا عمل آسان کر دیا جاتا ہے؟ اگر وہ اہل سعادت میں سے ہو تو وہ سعادت کے لئے عمل کرتا ہے اور اگر اہل شقاوت میں سے ہو تو شقاوت کے لئے عمل کرتا ہے(5)۔ اسی مفہوم کی حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور یہی مفہوم بشیر بن کعب عدوی اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی روایات میں بیان کیا گیا ہے(6)۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر دن سورج کے غروب ہونے کے وقت اس کے دونوں اطراف میں دو فرشتے ندا دیتے ہیں جس کو جن وانس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق سنتی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ عطا فرما۔ بخل کرنے والے کے مال کو تباہ کر دے۔ یہی معنی قرآن پاک کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے(7)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک شخص کے پاس کھجوروں کا باغ تھا۔ ایک کھجور کی شاخیں ایک نیک فقیر اور عیالدار آدمی کے گھر جھکی ہوئی تھیں۔ اس باغ کا مالک اس درخت کی کھجوریں اتارنے کے لئے آتا۔ اگر کوئی کھجور نیچے گر جاتی اور اس فقیر کے بچے اٹھا لیتے تو وہ شخص نیچے اترتا اور ان سے کھجوریں چھین لیتا۔ اگر کوئی بچہ اپنے منہ میں کوئی کھجور ڈال لیتا تو وہ منہ میں انگلی ڈال کر نکال لیتا۔ اس فقیر نے نبی کریم ﷺ سے اس شخص کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ابھی جاؤ۔ رسول اللہ ﷺ اس کھجور والے کو ملے۔ فرمایا: مجھے کھجور کا وہ درخت دے دو جس کی شاخیں فلاں آدمی کے گھر جھکتی ہیں۔ میں تمہیں اس کے بدلہ میں جنت میں کھجور کا ایک درخت دوں گا۔ اس نے کہا: میں نے درخت دے دیا۔ لیکن مجھے اس درخت کی کھجوریں بہت اچھی لگتی ہیں۔ میرے باغ میں کھجور کے بہت سے درخت ہیں لیکن اس جیسی کھجور کوئی نہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ خاموشی سے واپس تشریف لے گئے۔ ایک اور شخص آپ کی گفتگو سن رہا تھا۔ اس شخص نے

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 6-5 2۔ فتح الباری، کتاب القدر، جلد 11، صفحہ 497 3۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ (واللیل واذا یغشی)، جلد 8، صفحہ 708

4۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ (واللیل اذا یغشی)، جلد 8، صفحہ 709- مسلم، کتاب القدر، جلد 4، صفحہ 2040-2039، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7، صفحہ 399 سنن ابوداؤد، کتاب السنن، جلد 4، صفحہ 223-222- عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8، صفحہ 300 تفسیر سورۃ واللیل، جلد 12، صفحہ 246-245

5۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 52- عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8، صفحہ 300-299

6۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 225-224- مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 441 7۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 221

آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ اگر میں کھجور کا یہ درخت خرید لوں اور پھر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دوں تو کیا مجھے بھی اس کے بدلہ میں جنت میں کھجور کا درخت عطا فرمائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ وہ شخص کھجور کے مالک کے پاس آیا۔ اس کا اپنا بھی کھجوروں کا باغ تھا۔ وہ کھجور کا مالک اسے بتانے لگا کہ رسول اللہ ﷺ نے میری اس کھجور کے بدلہ میں جنت میں کھجور کا وعدہ فرمایا۔ میں نے انہیں کہا کہ میں نے یہ کھجور دے دی لیکن مجھے اس کا پھل اچھا لگتا ہے۔ وہ شخص تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر اسے کہنے لگا کیا تم اس کھجور کو بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں مگر جب مجھے کوئی اس کی صحیح قیمت ادا کرے میرے خیال میں اس کی قیمت کوئی ادا نہیں کر سکتا۔ اس شخص نے کہا: تم کیا چاہتے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ اس کے بدلہ میں کھجور کے چالیس درخت۔ اس نے کہا: تم نے بڑی قیمت مانگی ہے۔ ایک کھجور کے بدلہ میں چالیس درخت۔ کچھ دیر وہ خاموش رہے اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر اس شخص نے کہا میں تمہیں چالیس کھجوریں دیتا ہوں۔ اگر تم واقعی سچ کہہ رہے ہو تو گواہ بنالو۔ پھر لوگوں کو بلایا اور کہا کہ گواہ رہنا کہ میں اس کی اس کھجور (جس کی شاخیں فقیر کے گھر میں جھکتی ہیں) کے بدلہ میں اپنی چالیس کھجوریں بیچ رہا ہوں۔ اب بتاؤ تم کیا کہتے ہو۔ اس نے کہا میں اس سودے پر راضی ہوں۔ پھر کہنے لگا میرے اور تمہارے درمیان یہ سودا ابھی طے نہیں ہوا کیونکہ ابھی مجلس برخاست نہیں ہوئی۔ دوسرے شخص نے کہا میں بھی احمق نہیں ہوں کہ میں تمہیں ایک جھکے ہوئے درخت کے بدلہ میں چالیس درخت دوں گا۔ یہ بات سن کر دہ شخص کہنے لگا مجھے یہ سودا منظور ہے لیکن میں عمدہ قسم کے چالیس درخت لوں گا۔ اس نے کہا ٹھیک ہے اور اس پر گواہ بنالئے اور اسے اعلیٰ قسم کے چالیس درخت دے دیئے۔ وہ شخص خوشی خوشی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے فلاں شخص کے گھر میں جھکی ہوئی کھجور کو خرید لیا ہے اور یہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ اس فقیر کے گھر گئے اور فرمایا: یہ کھجور تمہاری اور تمہارے اہل وعیال کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اس حدیث کو ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور یہ انتہائی غریب ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اسلام کے ابتدائی دور میں مکہ میں تھے تو آپ ان کمزور مردوں اور عورتوں کو خرید کر آزاد کر دیتے جو مسلمان ہو جاتے۔ ان کے والد جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے نے ان سے کہا: بیٹا! میں دیکھ رہا ہوں تم کمزور اور ضعیف لوگوں کو آزاد کرتے ہو۔ اگر تم مضبوط اور قوی لوگوں کو آزاد کرو تو وہ مشکل وقت میں تمہارا دفاع کریں گے۔ آپ نے جواب دیا: ابا جان! میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کا طلب گار ہوں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں (1)۔ فرمایا: اور اس کے کام نہ آئے گا اس کا مال جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب وہ مر جائے گا اس کا مال اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ ابوصالح اور زید بن اسلم رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب وہ نار جہنم میں گرے گا تو اس کا مال اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿١٢﴾ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ﴿١٣﴾ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿١٤﴾ لَا
يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٦﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ
يَتَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٠﴾ وَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 221

لَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

"بے شک ہمارے ذمہ (کرم پر) ہے رہنمائی کرنا۔ یقیناً آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں۔ پس میں نے خبردار کر دیا ہے تمہیں ایک بھڑکتی آگ سے۔ اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بدبخت۔ جس نے (نبی کریم کو) جھٹلایا اور (آپ سے) روگردانی کی۔ اور دور رکھا جائے گا اس سے وہ نہایت پرہیزگار جو دیتا ہے اپنا مال اپنے (دل) کو پاک کرنے کے لئے۔ اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلب گار ہے اور وہ ضرور (اس سے) خوش ہوگا"۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہمارے ذمہ کرم پر لازم ہے کہ ہم حلال وحرام کو بیان کریں بعض نے کہا ہے کہ جو ہدایت کے راستہ پر چلتا ہے وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ "اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے راہ راست کو دلائل سے واضح کرنا" (1)۔

فرمایا: یقیناً آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں۔ ہر چیز ہماری ملکیت میں ہے اور ہم ہی اس میں تصرف کرنے والے ہیں۔ فرمایا: پس میں نے خبردار کر دیا تمہیں ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تَلَظّٰى کا معنی آگ کا بھڑکنا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور اتنی بلند آواز سے فرمائی کہ اگر کوئی شخص بازار میں ہوتا تو وہ بھی سن لیتا۔ آپ ﷺ اس آیت کریمہ کو بار بار دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ چادر مبارک شانوں سے گر کر قدموں میں گر پڑی (2)۔ ایک دوسری روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے کم عذاب والا وہ جہنمی ہوگا جس کے پاؤں تلے دو انگارے رکھے جائیں گے۔ اس کی گرمی سے اس کا دماغ پگھل جائے گا۔ یہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے (3)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ ہیں: سب سے ہلکے عذاب والا وہ جہنمی ہوگا جسے آگ کے دو جوتے پہنائے جائیں گے جن کے تسمے بھی آگ کے ہوں گے۔ جن سے اس کا دماغ ابل جائے گا جس طرح ہنڈیا ابلتی ہے۔ اس شخص کو سب سے ہلکا عذاب دیا جائے گا۔ مگر وہ سمجھے گا کہ اس سے سخت کسی شخص کو عذاب نہیں دیا گیا (4)۔ فرمایا: اس میں نہیں گرے گا مگر وہ جو انتہائی بدبخت ہے۔ اس میں اس طرح کوئی داخل نہیں ہوگا کہ آگ اس کو ہر جانب سے پکڑ لے مگر انتہائی بدبخت۔ پھر اس کی تفسیر بیان کی۔ وہ بدبخت جس نے اپنے دل سے حق کو جھٹلایا اور اپنے ظاہری اعضاء سے ارکان اسلام پر عمل کرنے سے روگردانی کی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جہنم میں بدبخت ہی داخل ہوگا۔ عرض کی گئی بدبخت کون ہے؟ فرمایا: جو نیکی کا کوئی عمل نہیں کرتا اور کسی برائی کو نہیں چھوڑتا (5)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میری تمام امت جنت میں داخل ہو جائے گی۔ سوائے اس کے جس نے جنت میں داخل ہونے سے انکار کیا۔ عرض کی: جنت میں داخل ہونے سے کون انکاری ہوسکتا ہے؟

1۔ نحل: 9 تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 226
2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 272
3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 274 - فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 417
4۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 196
5۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 249
6۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 361 - فتح الباری، کتاب الاعتصام، جلد 13، صفحہ 249

فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے انکار کیا(6)۔

فرمایا: اور دور رکھا جائے گا اس سے اسے جو نہایت پرہیزگار ہو۔ نہایت متقی اور پرہیزگار کو جہنم کی آگ سے دور کر دیا جائے گا۔ پھر اس کی تفسیر بیان فرمائی: جو اپنا مال اپنا دل پاک کرنے کے لئے دیتا ہے۔ وہ اپنے مال کو اپنے رب کی اطاعت اور رضا و خوشنودی میں خرچ کرتا ہے تا کہ اس کا دل بھی پاک ہو جائے اور اس کا مال بھی اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دین و دنیا کی نعمتیں بھی۔ فرمایا: اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ وہ جو مال خرچ کرتا ہے، وہ کسی ایسے احسان کے بدلہ میں نہیں ہے جو اس پر کیا گیا تھا۔ وہ محض اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے ایسا کرتا ہے۔ فرمایا: بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلب گار ہے۔ اس کے مال خرچ کرنے میں یہی خواہش ہے کہ اسے جنت میں اپنے پروردگار کا دیدار حاصل ہو۔

فرمایا: اور وہ ضرور اس سے خوش ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان صفات سے متصف مومن سے خوش ہو گا اور راضی ہو جائے گا۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ حتیٰ کہ بعض نے تو اس پر مفسرین کا اجماع نقل کیا ہے۔ یقیناً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان آیات کے حکم میں داخل ہیں۔ اگرچہ ان آیات کے الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان مذکورہ تمام اوصاف اور باقی تمام اوصاف حمیدہ میں تمام امت پر مقدم ہیں۔ آپ صدیق، متقی اور پرہیزگار، معزز اور سخی تھے۔ آپ اپنے مولیٰ کریم کی اطاعت اور رسول کریم ﷺ کی نصرت میں اپنا مال خرچ کرتے تھے۔ آپ نے ہزاروں دراہم و دنانیر راہ خدا میں خرچ کئے۔ لوگوں میں سے کسی کا آپ پر احسان نہیں تھا کہ آپ اس کا بدلہ چکاتے بلکہ بڑے بڑے رؤساء اور سرداران قبائل پر آپ کے احسانات تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آپ نے قبیلہ ثقیف کے سردار عروہ بن مسعود کو سختی سے ڈانٹا تو اس نے کہا قسم بخدا اگر آپ کا مجھ پر وہ احسان نہ ہوتا جس کا میں بدلہ نہیں دے سکتا تو میں اس کا جواب دیتا(1)۔ جب قبائل کے رؤساء اور سرداروں کے ساتھ آپ کی یہ حالت تھی تو عام لوگوں کے ساتھ آپ حسن سلوک کا عالم کیا ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ......)۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں جوڑا خرچ کرے، جنت کے داروغے اسے ندا دیں گے اے اللہ کے بندے! ادھر سے آؤ یہ سب سے اچھا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی بلانے کی ایسی کوئی ضرورت تو نہیں۔ کیا کسی کو تمام دروازوں سے پکارا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں اور میرا یقین ہے تم بھی انہیں میں سے ہو(2)۔

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 313

2۔ فتح الباری، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 7، صفحہ 19 - مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 712-711

سورۃ الضحیٰ (مکیہ)

اسماعیل بن قسطنطین اور شبل بن عباد کے سامنے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ تلاوت قرآن کر رہے تھے۔ جب وہ اس سورت پر پہنچے تو ان دونوں نے کہا: اس سورت سے آخری سورت تک ہر سورت کے خاتمہ پر اللہ اکبر پڑھا کرو۔ ہم نے ابن کثیر مکی کے سامنے پڑھا تو انہوں نے بھی ہمیں یہی فرمایا اور انہوں نے بتایا کہ انہوں نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پڑھا تو انہوں نے بھی یہی حکم دیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پڑھا تو انہوں نے بھی مجھے یہی حکم دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ حکم فرمایا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پڑھا تو آپ نے مجھے یہ حکم دیا(1)۔ اس سنت کے تنہا راوی ابوالحسن احمد بن محمد بن عبداللہ البزی ہیں جو قرأت کے امام تھے۔ مگر حدیث میں ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ فرمایا ہے کہ وہ ان سے حدیث روایت نہیں کرتے(2)۔ اسی طرح ابوجعفر عقیلی نے ان کو منکر الحدیث کہا ہے لیکن شیخ شہاب الدین ابوشامہ نے شاطبیہ کی شرح میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نماز میں ایک آدمی کو یہ تکبیر کہتے ہوئے سنا تو فرمایا: تم نے اچھا کیا اور تم سنت کو پہنچ گئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ اس حدیث کے صحیح ہونے کا تقاضا کرتا ہے پھر قراء حضرات میں یہ بھی اختلاف ہے کہ یہ تکبیر کہاں کہی جائے اور کیسے کہی جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی کے آخر میں کہی جائے۔ بعض الضُّحٰی کے آخر میں کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں صرف اللہ اکبر کہے۔ بعض کہتے ہیں: "اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر" کہے۔ سورۂ والضحیٰ سے تکبیر شروع کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب کچھ مدت کے لئے رسول اللہ ﷺ پر وحی کا سلسلہ رک گیا اور اس دوران کوئی وحی نہ آئی تو پھر جب حضرت جبریل علیہ السلام یہ مکمل سورت لے کر نازل ہوئے تو آپ نے خوشی و مسرت سے تکبیر کہی۔ لیکن راوی نے یہ روایت کسی سند کے ساتھ بیان نہیں کی کہ اس پر صحیح یا ضعیف ہونے کا حکم لگایا جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿۳﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿۶﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾ وَوَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى ﴿۸﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿۹﴾ وَاَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

"قسم ہے روز روشن کی۔ اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے۔ نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی وہ

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 539۔ تفسیر بغوی سورۂ ضحیٰ، جلد 4، صفحہ 501-500 تفسیر قرطبی، جلد 20، صفحہ 103 2۔ الجرح والتعدیل، جلد 2، صفحہ 71

ناراض ہوا۔ اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے۔ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر (اپنی آغوش رحمت میں) جگہ دی۔ اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔ اور اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا۔ پس کسی یتیم پر سختی نہ کیجئے۔ اور جو مانگنے آئے اس کو مت جھڑکیے اور اپنے رب (کریم) کی نعمتوں کا ذکر فرمایا کیجئے"۔

مسند کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے ایک یا دو رات تہجد کی نماز ادا نہ کر سکے۔ ایک عورت نے کہا: یا محمد ﷺ! آپ کا شیطان آپ کو چھوڑ گیا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی(1)۔ ایک روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام کچھ دن رسول اللہ ﷺ پر وحی لے کر نازل نہ ہوئے تو مشرکین نے کہا کہ محمد (ﷺ) کو اس کے رب نے چھوڑ دیا ہے(2)۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی انگشت مبارک میں ایک پتھر لگ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو صرف ایک انگشت ہے جو خون آلود ہوگئی اور اللہ کی راہ میں تجھے یہ زخم لگا ہے۔ اس کی وجہ سے آپ دو تین رات نماز تہجد ادا نہ کر سکے تو ایک عورت نے کہا میرے خیال میں آپ کے شیطان نے آپ کو چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ کہا گیا ہے کہ یہ عورت ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنی انگلی کو یہ ارشاد فرمانا تو صحیحین میں ثابت ہے(3) لیکن اسے نماز تہجد کے ترک کرنے اور اس سورت کے نزول کا سبب قرار دینا عجیب ہے۔ حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: میرا خیال ہے آپ کا رب آپ سے ناراض ہو گیا ہے(4)۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام کچھ دن آپ پر وحی لے کر نازل نہ ہوئے تو آپ ﷺ سخت پریشان ہوئے۔ آپ ﷺ کی پریشانی دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: شاید آپ کا رب آپ سے ناراض ہو گیا تو یہ سورت نازل ہوئی(5)۔ یہ دونوں روایات مرسل ہیں لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کرنا یہاں مناسب نہیں۔ شاید آپ نے یہ اظہار افسوس کے طور پر کہا ہو۔

ابن اسحاق اور بعض سلف صالحین نے ذکر کیا ہے کہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ غار حراء سے اتر کر وادی میں تشریف لائے اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے سامنے اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب قرآن پاک کا نزول شروع ہوا تو جبریل علیہ السلام کچھ دن وحی لے کر نہ آئے۔ نبی کریم ﷺ کی طبیعت پر اس کا اثر ہوا۔ مشرکین نے کہا ان کو ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے اور ناراض ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ سورت نازل فرمائی(6)۔ فرمایا: قسم ہے روز روشن کی۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے چاشت اور اس وقت کی روشنی کی قسم کھائی ہے۔ فرمایا اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما فرماتے ہیں: قسم ہے رات کی جب وہ سکون پذیر ہو جائے اور تاریک ہو جائے اور یہ لیل و نہار کے خالق کی قدرت پر ظاہری دلیل ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 313-312۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ضحیٰ، جلد 8، صفحہ 710 مسند امام احمد کتاب التہجد، جلد 3، صفحہ 8۔ کتاب فضائل القرآن، جلد 9، صفحہ 3، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1422-1421 عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ ضحیٰ، جلد 12، صفحہ 247-246۔ سنن کبری، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 2، صفحہ 439۔ تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 231

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یٰسین آیت: 69

3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یٰسین آیت: 69

4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 232-231

5۔ ایضاً مرجع مذکور

6۔ ایضاً مرجع مذکور

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (انعام:96) ''وہ نکالنے والا ہے صبح کو (رات کی تاریکی سے) اور بنایا ہے اس نے رات کو آرام کے لئے اور (بنایا ہے) سورج اور چاند کو حساب کے لئے یہ اندازہ ہے (مقرر کیا ہوا) سب سے زبردست سب کچھ جاننے والے کا''۔

فرمایا: نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس کا ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے لئے دار آخرت اس دنیا سے بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس دنیا میں تمام لوگوں سے زیادہ زاہد اور تارک الدنیا تھے۔ جب آپ ﷺ کو آپ کی عمر مبارک کے آخری حصہ میں دنیا میں رہنے اور بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونے کا اختیار دیا گیا تو آپ ﷺ نے اس دنیا پر خدا کی بارگاہ میں حاضری کو پسند فرمایا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن کھجور کی چٹائی پر آرام فرما تھے۔ آپ ﷺ کے جسم پر اس کے نشان پڑ گئے۔ جب آپ ﷺ بیدار ہوئے، میں آپ ﷺ کے جسم مبارک پر ہاتھ ملنے لگا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر ہمیں اجازت دیں تو ہم اس چٹائی پر کوئی بچھونا بچھا دیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرا اس دنیا کے ساتھ کیا واسطہ۔ میری اور اس دنیا کی مثال اس مسافر کی طرح ہے جو کسی درخت کے سایہ کے نیچے کچھ دیر کے لئے ٹھہرتا ہے پھر اسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے(1)۔

فرمایا: اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ دار آخرت میں آپ کی امت کے بارے میں آپ کو راضی کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہت سے انعامات سے نوازے گا۔ انہی میں سے حوض کوثر ہے جس کے کنارے موتیوں کے خیمے ہوں گے۔ جس کی مٹی مشک کی ہوگی(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک ایک کر کے وہ تمام خزانے پیش کئے گئے جو آپ کی امت کو ملنے والے تھے۔ اس سے آپ بہت خوش ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور آپ کو جنت میں ایک لاکھ محل عطا فرمائے۔ ہر محل میں خوبصورت حوریں اور خادم ہوں گے(3)۔ اس روایت کی سند حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تک صحیح ہے اور ظاہر ہے یہ ایسی بات ہے جو انہوں نے اپنے پاس سے بیان نہیں کی۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے فرمایا ہے کہ وہ آپ کو راضی کرے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں محمد ﷺ کی رضا تو یہ ہے کہ ان کے اہل بیت کا کوئی فرد جہنم میں داخل نہ ہو۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ امام باقر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم اہل بیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا پر آخرت کو پسند فرمایا ہے۔ پھر آپ نے آیت کریمہ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى تلاوت فرمائی(4)۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کا ذکر فرماتا ہے جو اس نے اپنے محبوب بندے محمد ﷺ کو عطا فرمائیں۔

فرمایا: کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر (اپنی آغوش رحمت میں) جگہ دی۔ آپ ﷺ کے والد ماجد کا وصال اس وقت ہی ہو گیا تھا جب آپ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے بطن مبارک میں تھے اور ابھی آپ کی عمر مبارک چھ سال کی تھی کہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت میں رہے، آٹھ سال کے ہوئے تو وہ بھی دار فانی سے انتقال فرما گئے۔ اس

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 391 عارضۃ الاحوذی، کتاب الزہد، جلد 9، صفحہ 223- ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1276

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ کوثر 3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 232 4۔ ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 1366

کے بعد آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے آپ کی کفالت کی۔ وہ آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ جب چالیس سال کی عمر میں آپ ﷺ نے بعثت کا اعلان کیا تو وہ آپ کی حمایت کرتے رہے۔ اور آپ ﷺ کی اپنی قوم کی ایذاء رسانیوں سے حفاظت کرتے رہے حالانکہ وہ خود اپنی بت پرست قوم کے دین پر تھے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی حسن تدبیر اور تقدیر تھی۔ ہجرت مدینہ سے کچھ عرصہ پہلے جناب ابو طالب کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب مکہ کے جہلاء اور سفہاء نے آپ کو اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔ یہاں اوس و خزرج کے انصار آباد تھے۔ جب آپ ﷺ مدینہ پہنچے تو انہوں نے آپ کو اور آپ کے مہاجرین صحابہ کو اپنے ہاں جگہ دی۔ آپ ﷺ کی مدد کی اور آپ کے ساتھ مل کر دشمنوں کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ یہ سب آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان اور لطف و کرم تھا۔

فرمایا: اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (شوریٰ: 52) ''اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے۔ نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ لیکن (اے حبیب!) ہم نے بنا دیا اس کتاب کو (سراپا) نور، ہم ہدایت دیتے ہیں اس کے ذریعے جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں میں سے''۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ بچپن میں مکہ کی گھاٹیوں میں راستہ بھول گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ کی راہ پر لوٹا دیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ آپ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر میں تھے۔ رات کے وقت ایک اونٹنی پر سوار تھے کہ شیطان آیا اور اس نے اونٹنی کی نکیل پکڑ لی اور اسے راستے سے ہٹا کر اس کا منہ جنگل کی طرف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے پھونک مار کر شیطان کو حبشہ کی طرف بھگا دیا اور اونٹنی کو پھر راستے پر لگا دیا۔ یہ دونوں قول علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کئے ہیں(1)۔ فرمایا: اور اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا۔ یعنی آپ تخت فقر پر مسند آراء تھے اور اہل و عیال رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر ایک سے مستغنی کر دیا۔ آپ ﷺ فقر پر صابر اور غناء پر شاکر تھے۔ ان دونوں درجوں کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات میں جمع کر دیا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان آیات اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا ..... فَاَغْنٰى میں بعثت سے پہلے آپ کی منازل کا تذکرہ ہے(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: غناء کثرت مال سے نہیں ہوتی بلکہ دل کے غنی ہونے سے ہوتی ہے(3)۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا: بلاشبہ اس شخص نے فلاح پائی جو مسلمان ہوا اور اسے اس کی ضرورت کے مطابق رزق دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اسی پر قناعت کرنے والا بنا دیا(4)۔

فرمایا: پس کسی یتیم پر سختی نہ کیجئے۔ جس طرح آپ ﷺ خود یتیم تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بلند مقام پر پہنچا دیا تو آپ ﷺ بھی کسی یتیم پر سختی نہ کریں نہ ہی اسے جھڑکیں بلکہ اس پر احسان کریں اور مہربانی سے پیش آئیں اور یتیم کے لئے مہربان باپ کی طرح بن

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 499 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 233

3۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 215-312۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 271، مسلم کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 726

4۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 730

جائیں۔فرمایا: اور جو مانگنے آئے اسے مت جھڑ کیے۔اللہ تعالیٰ کے کمزور اور ضعیف بندوں پر سختی نہ کیجئے اور ان کے ساتھ فحش کلامی اور تکبر کا مظاہرہ نہ کیجئے۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی سائل کو خالی لوٹانا ہو تو بڑی نرمی سے لوٹانا چاہئے۔فرمایا: اور اپنے رب کریم کی نعمتوں کا ذکر فرمایا کیجئے۔جیسا کہ آپ پہلے حاجت مند اور صاحب عیال تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنی کر دیا۔اس طرح آپ ﷺ بھی اس کی نعمتوں کو یاد کیا کریں۔نبی کریم ﷺ سے ایک دعا بھی منقول ہے: واجعلنا شاکرین لنعمتك مثنین بها علیك قابلیها واتمها علینا۔ ''اے اللہ! ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گزار اور ان کی وجہ سے اپنا ثنا گو بنا دے اور ان نعمتوں کا ہم پر اتمام کر دے''(1)۔ابونضرہ فرماتے ہیں اہل ایمان کا یہ خیال تھا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان کرنا ان پر شکر ادا کرنے میں سے ہے(2)۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر ارشاد فرمایا: جو تھوڑی سی نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کرتا وہ بڑی نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔جو لوگوں کا شکر یہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔اللہ کی نعمتوں کو بیان کرنا شکر اور اسے ترک کرنا کفر ہے۔جماعت کے ساتھ رہنا رحمت کا باعث اور علیحدگی عذاب کا باعث ہے(2)۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ سارا ثواب تو انصار لے گئے۔فرمایا: نہیں جب تک تم اللہ کی بارگاہ میں ان کے لئے دعا کرتے اور ان کی تعریف کرتے رہو گے تو تمہیں بھی اس کا اجر ملے گا(4)۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو کسی آزمائش میں مبتلا کیا گیا اور وہ اسے بیان کرتا رہے تو اس نے اس کا شکریہ ادا کیا اور جس نے اسے چھپا دیا اس نے ناشکری کی(5)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جس کو کوئی عطیہ دیا گیا اور اس کے پاس کوئی چیز ہو اسے چاہئے کہ وہ اس کا بدلہ دے۔اگر وہ کوئی چیز نہ پائے تو اس کی تعریف ہی کر دے تو جس نے تعریف کی اس نے شکریہ ادا کیا اور جس نے اسے چھپایا اس نے ناشکری کی(6)۔مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں نعمت سے مراد نبوت ہے اور آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے۔حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جو بھی تم نیکی کا کام کرو تو اپنے دوستوں کو بتاؤ۔محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو نبوت کی نعمت عطا فرمائی ہے اسے بیان کرو اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دو۔رسول اللہ ﷺ اپنے قابل اعتماد صحابہ سے رازدارانہ طور پر اس نعمت کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔اس کے بعد آپ ﷺ پر نماز فرض ہوئی اور آپ نے نماز ادا کی(7)۔

1۔ابوداؤد، جلد 1، صفحہ 254　2۔تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 234　3۔مسند امام احمد، صفحہ 278-275

4۔سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 255- الیوم واللیلۃ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 1، صفحہ 133

5۔سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 256　6۔سنن ابوداؤد کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 256-255　7۔سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 243

سورۂ الم نشرح (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝١ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝٢ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝٣ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝٤ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝٥ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝٦ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝٧ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝٨

''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔ اور ہم نے اتار دیا ہے آپ سے آپ کا بوجھ۔ جس نے بوجھل کر دیا تھا آپ کی پیٹھ کو۔ اور ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو۔ پس یقیناً ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ پس جب آپ (فرائض نبوت سے) فارغ ہوں تو (حسب معمول) ریاضت میں لگ جائیں اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا یعنی اسے روشن کر دیا اور اسے وسیع اور کشادہ کر دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (انعام:125) ''اور جس (خوش نصیب) کے لئے ارادہ فرماتا ہے اللہ کہ ہدایت دے اسے تو کشادہ کر دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے''۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینہ مبارک کو کشادہ فرما دیا ہے اسی طرح آپ کی شریعت کو بھی وسیع اور آسان بنا دیا اس میں نہ کوئی تنگی ہے نہ حرج اور نہ کوئی تکلیف۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے اس سے مراد معراج کی رات آپ کا شق صدر ہے جیسا کہ مالک بن صعصعہ کی روایت ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ذکر کیا ہے۔ لیکن شق صدر اور سینہ کی کشادگی میں کوئی منافات نہیں ہے اس لئے دونوں مراد لئے جا سکتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں سوال کرنے میں جری تھے۔ وہ ایسے امور کے بارے میں بھی سوال کرتے تھے جن کے بارے میں اور کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ ایک دن آپ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے امر نبوت میں سب سے پہلے کس چیز کو دیکھا؟ نبی کریم ﷺ سنبھل کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اے ابو ہریرہ! میری عمر ابھی دس سال تھی۔ میں جنگل میں کھڑا تھا کہ میں نے آسمان کی طرف سے کچھ آواز سنی کہ ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ کیا یہ وہی ہیں؟ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں شخص میرے سامنے آ گئے۔ ان کے چہرے بڑے منور تھے کہ میں نے ایسے چہرے پہلے نہیں دیکھے تھے۔ ان سے ایسی خوشبو آ رہی تھی کہ پہلے ایسی خوشبو نہیں دیکھی تھی۔ وہ ایسے کپڑے پہنے ہوئے تھے جو پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ وہ دونوں میرے قریب آ گئے اور ان دونوں نے مجھے بازوؤں سے تھام لیا۔ لیکن مجھے محسوس نہ ہوا کہ انہوں نے مجھے پکڑا۔ ان میں سے ایک نے کہا ان کو لٹا دو۔ انہوں نے مجھے بڑے آرام سے لٹا دیا اور پھر ایک نے دوسرے سے کہا: ان کے سینہ کو شق کر دو۔ ایک میرے سینے کی طرف بڑھا اور

میرے سینہ کو شق کر دیا لیکن نہ تو میرا خون نکلا اور نہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی۔ ایک نے کہا اس میں سے کینہ اور حسد نکال دو۔ اس نے جمے ہوئے خون کی مثل کوئی چیز نکالی اور اسے پھینک دیا۔ پھر کہا کہ اس میں نرمی اور رحمت داخل کر دو۔ اس نے چاندی کی مثل کوئی چیز ڈال دی۔ پھر میرے دائیں پاؤں کے انگوٹھے کو ہلا کر کہا: جائیے اور سلامتی سے زندگی گزاریئے۔ میں چلا تو دیکھا کہ میرے دل میں ہر چھوٹے کے لئے نرمی اور ہر بڑے کے لئے رحمت ہے(1)۔ فرمایا اور ہم نے اتار دیا آپ سے آپ کا بوجھ۔ جس نے بوجھل کر دیا تھا آپ کی پشت کو۔ اس آیت کریمہ کا معنی وہی ہے جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے: لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح: 2)'' تاکہ دور فرمادے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے''۔

اَنْقَضَ آواز کو کہتے ہیں۔ فرمایا: اور ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے ذکر کے ساتھ تیرا ذکر کیا جائے گا۔ جیسے: اشهد أن لا اله الا اللّٰه واشهد ان محمداً رسول اللّٰه۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کا ذکر دنیا و آخرت میں بلند کر دیا ہے۔ ہر خطیب اور توحید الٰہی کی گواہی دینے والا اور نمازی یہی ندا دیتا ہے: اشهد ان لا اله الا اللّٰه واشهد ان محمداً رسول اللّٰه۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کی میرا اور تمہارا پروردگار ارشاد فرماتا ہے کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارا ذکر کیسے بلند کیا؟ میں نے کہا: اللہ اعلم۔ جبریل نے کہا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں تیرا بھی ذکر کیا جائے گا(2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے ایسا سوال کیا، اگر یہ سوال نہ کرتا تو اچھا تھا۔ میں نے عرض کی: یا باری تعالیٰ! مجھ سے پہلے انبیاء میں کسی کے لئے تو نے ہوا مسخر کر دی۔ بعض مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! کیا ہم نے تمہیں یتیم نہیں پایا۔ پھر ہم نے تمہیں اپنی آغوش رحمت میں جگہ دی؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں۔ میرے پروردگار! فرمایا: کیا میں نے تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پا کر تمہیں منزل مقصود تک نہیں پہنچایا؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں پروردگار! فرمایا: میں نے تمہیں حاجت مند پا کر غنی نہیں کیا؟ عرض کی: کیوں نہیں میرے پروردگار۔ فرمایا: کیا میں نے تمہارے لئے تمہارے سینہ کو کشادہ نہیں کیا کیا تمہاری خاطر تمہارے ذکر کو بلند نہیں کیا؟ عرض کی: کیوں نہیں پروردگار۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب میں زمین و آسمان کے ان تمام امور سے فارغ ہو گیا جن کا میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا تھا تو میں نے عرض کی یا رب! تو نے مجھ سے پہلے ہر نبی کو عزت و تکریم دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا، حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنوں کو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تو نے مردوں کو زندہ کیا۔ پروردگار! میرے لئے کیا کیا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کیا میں نے تمہیں ان سب سے افضل چیز عطا نہیں فرمائی۔ یہ کہ جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں تیرا ذکر بھی ہوگا۔ میں نے تیری امت کے سینوں کو اس طرح کشادہ کر دیا کہ کامل قرآن اپنے سینہ میں محفوظ کر لیتے ہیں اور یہ چیز میں نے کسی اور امت کو نہیں دی اور میں نے تمہیں عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ عطا فرمایا یعنی'' لا حول ولا قوة إلا باللّٰه العظيم(3)''۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے مراد اذان ہے یعنی اذان میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ساتھ آپ کا ذکر بھی ہے۔ امام

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 139   2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 235۔ مسند ابویعلی، جلد 2، صفحہ 131   3۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 549

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار بھی یہاں ذکر کئے ہیں:(1)

اغر علیه للنبوۃ خاتم من الله من نور یلوح ویشهد

وضم الاله اسم النبی الی اسمه اذا قال فی الخمس المؤذن اشهد

وشق له من اسمه لیجله فذو العرش محمود وهذا محمد

''آپ پر مہر نبوت چمکتی ہے۔ یہ اللہ کا نور ہے جو ضوفشاں ہوتا ہے اور شہادت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے اسم کو اپنے اسم کے ساتھ ملا لیا۔ جبکہ پانچوں وقت مؤذن ''اشهد'' کہتا ہے۔

آپ کی عظمت کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسم کو اپنے اسم سے نکالا ہے۔ وہ صاحب عرش محمود اور آپ محمد ہیں''۔

بعض نے کہا کہ اولین و آخرین میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو بلند کیا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور اپنی امتوں کو بھی آپ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم دیا پھر آپ ﷺ کی امت میں آپ کے ذکر کو مشہور کر دیا کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ آپ ﷺ کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ صرصری نے کیا خوب کہا ہے:

''فرض نماز کے لئے ہماری اذان اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک آپ کا میٹھا نام کسی پاکیزہ زبان سے ادا نہ ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہماری اذان اور فرض نماز مکمل نہیں ہوتی جب تک ان میں آپ کا اسم گرامی بار بار نہ لیں''۔

فرمایا: یقیناً ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بلاشبہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان کیا ہے کہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہوتی ہے پھر اسے مؤکد ذکر کیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور آپ کے سامنے ایک پتھر تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تنگی آکر اس پتھر میں داخل ہو جائے تو اس کے بعد آسانی آکر اس پتھر میں داخل ہو جائے گی اور اسے نکال دے گی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں، اسے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور مسند بزار میں بھی یہ روایت الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ذکر کی گئی ہے (2)۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک دن نبی پاک ﷺ فرحاں و شاداں اپنے حجرہ مبارک سے نکلے۔ آپ ﷺ مسکراتے ہوئے فرما رہے تھے: ایک تنگی دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آئے گی۔ ایک تنگی دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آئے گی پھر آپ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں (3)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو ان آیات کے ساتھ خوشخبری دی کہ ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آئے گی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ الْعُسْر کا لفظ دونوں جگہ معرفہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے ان دونوں سے ایک ہی مراد ہے۔ اور ''یسر'' کا لفظ دونوں جگہ نکرہ ہے۔ اس لئے اس سے دو مراد لئے گئے ہیں۔ اسی لئے آپ نے فرمایا: ایک تنگی ہرگز دو آسانیوں پر غالب نہیں آئے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آسمان سے نصرت الٰہی تکلیف کے مطابق نازل ہوتی ہے اور مصیبت کے مطابق صبر نازل ہوتا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:(4)

۱۔ صبرا جمیلا ما اقرب الفرجا ۲۔ من صدق الله لم ینله اذی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 502 - دیوان حسان 339-338
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 81
3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 236
4۔ بیہقی: مناقب شافعی، جلد 2، صفحہ 367

من راقب اللّٰه فی الامر نجا ومن رجاه یکون حیث رجا

۳۔ولرب نازلة یضیق بها الفتی ۴۔ کملت فلما استحکمت حلقاتها

ذرعًا وعنداللّٰه منها المخرج فرجت وکان یظنها لاتفرج

''۱۔صبر سے کام لے۔کشادگی کتنی قریب ہے۔جو اپنے تمام امور میں اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ نجات پا جاتا ہے۔

۲۔اور جو اللہ پر یقین رکھتا ہے اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔اور جو اس سے امید رکھتا ہے وہ اپنی مراد کو پالیتا ہے۔

۳۔بہت سی مصیبتیں ایسی ہوتی ہیں جن سے انسان تنگ ہو جاتا ہے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان سے چھٹکارا بھی ممکن ہوتا ہے۔

۴۔جب یہ مصائب پورے ہو جاتے ہیں اور ان کی زنجیر کے حلقے مضبوط ہو جاتے ہیں تو مصیبت دور ہو جاتی ہے حالانکہ انسان خیال کرتا ہے کہ مصیبت دور نہیں ہوئی''۔

فرمایا: پس جب آپ (فرائض نبوت سے) فارغ ہوں تو حسب معمول ریاضت میں لگ جایئے اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جایئے۔جب آپ دنیا کے امور اور مشغولیت سے فارغ ہو جائیں پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو جائیں۔تمام امور سے فارغ البال ہو کر پوری تندہی یکسوئی سے عبادت کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اپنے پروردگار کے لئے اپنی نیت اور رغبت کو خالص کریں۔اسی معنی میں وہ حدیث ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے۔اس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کھانا سامنے موجود ہو تو نماز نہ پڑھو اور اسی طرح جب پاخانہ اور پیشاب کی حاجت ہو نماز نہ پڑھو(1)۔ایک اور روایت ہے: جب جماعت کھڑی ہو جائے اور شام کا کھانا بھی حاضر ہو تو پہلے کھانے سے فراغت حاصل کرلو(2)۔مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں: جب آپ دنیا کے امور سے فارغ ہو کر نماز کے لئے کھڑے ہوں تو دلجمعی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کریں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنی حاجات کے لئے اللہ کی بارگاہ میں عرض کرو۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تم فرض نماز سے فارغ ہو جاؤ تو نماز تہجد میں اپنے آپ کو مشغول کرو۔ایک روایت میں ہے کہ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد بیٹھے بیٹھے اپنے رب کی طرف متوجہ رہو۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں مشغول ہو جاؤ۔زید بن اسلم اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب آپ جہاد سے فارغ ہو جائیں تو عبادت میں مشغول ہو جائیں۔ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اپنی نیت اور رغبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رکھو۔

1۔مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 393 - سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 22 - مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 73-54-43

2۔متفق علیہ - فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 159 - مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 392

سورۃ التّین (مکیہ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دوران سفر نماز کی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں سورۂ تین کی تلاوت فرماتے تھے۔ میں نے آپ ﷺ کی آواز سے زیادہ کوئی خوبصورت آواز اور قرأت نہیں سنی (1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝١ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝٢ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝٣ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝٤ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝٥ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝٦ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝٧ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝٨

"قسم ہے انجیر اور زیتون کی۔ اور قسم ہے طور سینا کی اور اس امن والے شہر (مکہ مکرمہ) کی۔ بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (عقل وشکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر۔ پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین حالت کی طرف بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ پس کون جھٹلا سکتا ہے آپ کو اس کے بعد جزا و سزا کے معاملہ میں۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم؟"

تین کے بارے میں مفسرین میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے اس سے مسجد دمشق مراد ہے۔ بعض کا قول ہے اس سے شہر دمشق مراد ہے۔ بعض کے نزدیک وہ پہاڑ ہے جو دمشق کے قریب واقع ہے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس سے اصحاب کہف کی مسجد مراد ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی وہ مسجد ہے جو جودی پہاڑ پر ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد انجیر ہے۔

وَالزَّيْتُوْنِ کعب الاحبار رضی اللہ عنہ، قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسجد بیت المقدس ہے۔ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس سے مراد زیتون کا پھل ہے جس سے تم زیتون کا تیل نکالتے ہو۔

وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف کلام بخشا۔ فرمایا: اور اس امن والے شہر (مکہ مکرم) کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان تین مقامات میں سے ہر ایک مقام پر اولوالعزم اور صاحب شریعت رسول بھیجے۔ تین اور زیتون زیادہ بیت المقدس میں پائے جاتے ہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے

1۔ موطا، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 80-79۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 250۔ تفسیر سورۂ تین، جلد 8، صفحہ 713، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 518، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 339، سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 8، سنن ترمذی، عارضۃ الاحوذی، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 106 - سنن نسائی، جلد 2، صفحہ 173 - سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 273-272

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اور طُوْرِ سِیْنِیْنَ سے مراد وہ طور سینا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف عطا کیا اور مکہ وہ امن والا شہر ہے جس میں جو بھی داخل ہوتا ہے وہ مامون و محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہاں اپنے محبوب ﷺ کو بھیجا۔ وہ فرماتے ہیں کہ تورات کے آخر میں ان تمام مقامات کا ذکر ہے۔

اس میں ہے کہ طور سینا سے اللہ آیا یعنی وہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی۔ ساعیر یعنی بیت المقدس کے پہاڑ سے نور چمکا۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا اور جبل فاران (مکہ) سے اعلان ہوا، وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اس لئے پہلے افضل کی قسم کھائی پھر اس سے افضل کی اور پھر اس سے افضل کی قسم کھائی۔ فرمایا: بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا (عقل و شکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر۔ انسان کو بہترین شکل و صورت کے ساتھ پیدا کیا، اس کی قد و قامت سیدھی رکھی اور اعضاء کو خوبصورت اور برابر بنایا۔

فرمایا: پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین حالت کی طرف۔ مجاہد، ابوالعالیہ اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ سے مراد نار جہنم ہے یعنی اگر انسان نے اپنے رب کی اطاعت نہ کی اور اس کے رسولوں کی اتباع نہ کی تو اس حسن و خوبصورتی کے باوجود اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا: بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ سے مراد بڑھاپے کی عمر ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ حتیٰ کہ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جس نے قرآن کریم جمع کیا وہ رذیل عمر کو نہیں پہنچے گا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے (1)۔ اگر یہاں اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ سے بڑھاپا ہی مراد ہوتا تو اس کا استثناء کرنا صحیح نہ تھا کیونکہ بڑھاپا تو مومنوں پر بھی آتا ہے۔ پس صحیح بات وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَ الْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (عصر: 3-1) ''قسم ہے زمانے کی یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے۔ اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے''۔ فرمایا: تو ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے یعنی ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

فرمایا: پس کون جھٹلا سکتا ہے آپ کو۔ اس کے بعد جزا و سزا کے معاملہ میں۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اے ابن آدم! وہ کونسی چیز ہے جو تجھے آخرت میں جزا و سزا کو جھٹلانے پر برانگیختہ کرتی ہے تو نے اپنی پیدائش کے بارے میں جان لیا اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ جو ابتداءً تیری تخلیق پر قادر ہے وہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر بھی بدرجہ اولیٰ قادر ہوگا۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود وہ کونسی چیز ہے جو تجھے روز جزاء کی تکذیب پر ابھارتی ہے۔ منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ یہاں ''ك'' ضمیر سے مراد ذات نبی ہے۔ انہوں نے جواب دیا: معاذ اللہ! اس سے مراد انسان ہے۔ یہ قول عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔ فرمایا: کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم۔ کیا وہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے جو نہ کسی پر ظلم کرتا ہے نہ زیادتی۔ یہ اس کا عدل ہے کہ وہ قیامت کو قائم کرے گا تا کہ اس مظلوم کو انصاف دلایا جائے جس پر دنیا میں ظلم ہوا تھا۔ پہلے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت گزر چکی ہے کہ جب تم میں سے کوئی سورۂ تین پڑھے تو آخری آیت پڑھنے کے بعد یہ کہے: انا علی ذلك من الشاھدین (2)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 245

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ قیامۃ کا آخر

سورۃ العلق (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾

''آپ پڑھئے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا فرمایا۔ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھئے آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے۔ اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا''۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی۔ آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے وہ روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتا۔ پھر آپ ﷺ کو خلوت نشینی محبوب ہوگئی۔ آپ ﷺ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے خوردونوش کا کچھ سامان لے کر غار حرا میں تشریف لے جاتے اور وہاں کئی راتیں عبادت میں گزارتے پھر واپس گھر تشریف لے آتے اور خوردونوش کا سامان لے کر واپس غار حرا میں چلے جاتے۔ ایک دن آپ ﷺ غار حرا میں عبادت میں مصروف تھے کہ آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہوا۔ ایک فرشتہ آپ کے پاس آیا۔ اس نے آپ سے کہا: ''اقرأ''۔ پڑھئے: آپ ﷺ نے فرمایا: ''ما أنا بقارئ''۔ میں پڑھا ہوا نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر دبایا۔ اس سے مجھے کافی تکلیف ہوئی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: ''اقرأ''۔ میں نے پھر کہا: میں پڑھا ہوا نہیں۔ اسی طرح دوسری اور تیسری دفعہ مجھے دبا کر چھوڑ دیا۔ اور پھر کہا: اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ...... مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ آپ ﷺ نے ان آیات کو پڑھا۔ آپ ﷺ پر کلام الٰہی کی ہیبت سے کپکپی طاری ہوگئی۔ آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: مجھے کوئی کپڑا اڑا دو۔ انہوں نے مجھ پر کمبل اوڑھا دیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی طبیعت سنبھل گئی۔ پھر آپ ﷺ نے تمام واقعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سنایا اور فرمایا: مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ انہوں نے عرض کی ہرگز نہیں۔ آپ کو خوشخبری ہو۔ قسم بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، مصائب پر دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچا زاد ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہوگئے تھے عربی کتاب لکھتے تھے۔ انہوں نے عبرانی زبان میں انجیل بھی لکھی تھی اور بڑھاپے کی وجہ سے نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: اپنے بھتیجے کی بات سنئے! ورقہ نے آپ سے پوچھا: اے بھتیجے! تو نے کیا دیکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ ورقہ نے یہ سن کر فوراً کہا: یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا اور کہنے لگے کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو اس شہر سے نکال دے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا لوگ مجھے شہر سے نکال دیں گے۔ اس نے کہا: ہاں۔ جو شخص بھی ایسی دعوت لے کر آتا ہے جو آپ لائے ہیں لوگ اس کی

مخالفت کرتے ہیں۔ اگر میری زندگی میں یہ وقت آ گیا تو میں تمہاری پوری مدد کروں گا۔لیکن وہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد انتقال کر گئے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے وحی منقطع ہوگئی۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ بہت غمگین ہوئے۔ اس اضطراب کے عالم میں کئی دفعہ آپ ﷺ نے پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو گرانا چاہا۔ آپ جب بھی کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتے تو حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہوکر کہتے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس سے آپ کو قرار حاصل ہو جاتا۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور مسلم میں زہری سے مروی ہے(1)۔ ہم نے اپنی شرح بخاری میں اس حدیث کی سند، متن اور معانی پر تفصیلی بحث کی ہے۔ جو شخص اسے پڑھنا چاہئے وہ وہاں ملاحظہ کر سکتا ہے۔

قرآن پاک کی یہ وہ مبارک آیات ہیں جو سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی پہلی رحمت ہے جو اس نے اپنے بندے کو عطا کی اور یہ اس کی پہلی نعمت ہے جو اس نے بندوں پر فرمائی۔ ان آیات میں انسان کی تخلیق کی ابتداء پر تنبیہ کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پھر علم عطا کر کے اسے معزز و محترم بنا دیا اور اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ پر فضیلت و شرف حاصل ہوا۔ علم کبھی ذہن میں ہوتا ہے اور کبھی زبان پر، کبھی ہاتھوں کے ساتھ لکھنے سے یعنی اس کی تین قسمیں بنتی ہیں: ذہنی، لفظی اور رسمی۔ رسمی پہلی دونوں قسموں کو مستلزم ہے لیکن پہلی دونوں قسمیں اسے مستلزم نہیں۔ اس لئے ارشاد فرمایا: ''آپ پڑھئے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے سب کو پیدا فرمایا۔ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھئے! آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے۔ اسی نے سکھایا انسان کو وہ جو وہ نہیں جانتا تھا''۔

ایک صحابی سے منقول ہے کہ علم کو کتابت کے ساتھ مقید کر دو (2) اور یہ بھی مروی ہے کہ جو شخص اپنے علم پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اسے وہ علم عطا فرماتا ہے جو وہ نہیں جانتا۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى ۝٦ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝٧ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝٨ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝٩ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝١٠ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى ۝١١ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝١٢ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝١٣ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝١٤ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۝١٥ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝١٦ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝١٧ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝١٨ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝١٩

''ہاں ہاں! بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے۔ اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے۔ (اے غافل!) یقیناً تجھے اپنے رب کی طرف ہی پلٹنا ہے۔ (اے حبیب!) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ بھلا دیکھئے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا۔ یا پرہیزگاری کا حکم دیتا (تو اس کے لئے کتنا بہتر ہوتا)۔ آپ نے دیکھ لیا اگر اس نے جھٹلایا اور روگردانی کی۔ کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ (اسے) دیکھ رہا ہے۔ خبردار! اگر وہ (اپنی روش سے) باز نہ آیا، تو ہم ضرور (اسے) گھسیٹیں گے اس کے پیشانی کے بالوں سے۔ وہ پیشانی جو جھوٹی (اور) خطاکار ہے۔ پس وہ بلا لے اپنے ہم نشینوں

1۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 233-232 فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1، صفحہ 22، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 143-139

2۔ دارمی: المقدمۃ، جلد 1، صفحہ 127۔ المعجم الکبیر، جلد 1، صفحہ 246۔ مجمع الزوائد، جلد 1، صفحہ 152 طبرانی: الاوسط، المجمع، جلد 1، صفحہ 152

کو (اپنی مدد کے لئے) ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے۔ ہاں ہاں! اس کی ایک نہ سنئے (اے حبیب!) سجدہ کیجئے اور (ہم سے اور) قریب ہو جائیے''۔

ہاں ہاں بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے۔ اس بناء پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے۔ اگر انسان کے پاس مال و دولت کی زیادتی ہو جائے تو وہ انتہائی سرکش، متکبر اور مغرور ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انسان کو زجر و توبیخ اور وعظ و نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: اے غافل! یقیناً تجھے اپنے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے۔ ایک دن تمہیں اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ وہ ضرور تیرے مال کے بارے میں تجھ سے محاسبہ کرے گا کہ یہ مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دو لالچی ایسے ہیں جن کا پیٹ نہیں بھرتا ایک طالب علم، دوسرا طالب دنیا۔ لیکن یہ دونوں برابر نہیں۔ علم کا طالب تو رحمٰن کی رضا و خوشنودی حاصل کرتا رہتا ہے اور دنیا کا طالب سرکشی میں حد سے بڑھ جاتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی جس میں طالب دنیا کا ذکر ہے اور پھر طالب علم کی فضیلت میں یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر:28) ''اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں''۔ یہ حدیث مرفوعاً بھی روایت کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دو حریص ایسے ہیں جو شکم سیر نہیں ہوتے۔ طالب علم اور طالب دنیا(1)۔

فرمایا: (اے حبیب!) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ یہ آیات ابوجہل علیہ لعنۃ اللہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اس نے نبی کریم ﷺ کو بیت اللہ شریف کے پاس نماز پڑھنے سے منع کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے بڑے عمدہ طریقہ سے اسے نصیحت فرمائی۔ فرمایا: بھلا دیکھئے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ جو آپ کو نماز سے روک رہا ہے اگر یہ اپنے اس فعل میں صراط مستقیم پر ہوتا یا پرہیزگاری کا حکم دیتا تو اس کے لئے کتنا بہتر ہوتا۔ پھر فرمایا: کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ کیا اس ہدایت یافتہ ہستی کو نماز سے روکنے والا اس بات کو نہیں جانتا کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اس کی باتوں کو سن رہا ہے۔ عنقریب اسے اپنے اس فعل پر سخت سزا دے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے سختی کے ساتھ جھڑکتے ہوئے ارشاد فرمایا: خبردار اگر وہ اپنی اس روش سے باز نہ آیا تو قیامت کے دن ہم اس کی پیشانی کو سیاہ کر دیں گے۔ فرمایا: یہ پیشانی جھوٹی اور خطار کار ہے۔ ابوجہل اپنے اقوال میں جھوٹا اور اپنے افعال میں خطار کار ہے۔ فرمایا: پس وہ بلا لے اپنے مشیروں کو، اپنی قوم اور اپنے خاندان کو اپنی مدد کے لئے۔ فرمایا: ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ ہمارا گروپ غالب آتا ہے یا اس کا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابوجہل نے کہا: میں نے محمد (ﷺ) کو اگر بیت اللہ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو میں انہیں روک دوں گا۔ جب نبی کریم ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: اگر اس نے ایسا کیا تو فرشتے اسے پکڑ لیں گے۔ اس روایت کو ترمذی، نسائی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی روایت کیا ہے(2)۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ کے قریب سے ابوجہل گزرا۔ کہنے لگا: کیا میں نے تمہیں اس سے روکا نہیں تھا

1۔ دارمی: المقدمۃ، جلد 1، صفحہ 96۔ المعجم الکبیر، جلد 10، صفحہ 323۔ المجمع، جلد 1، صفحہ 135

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ علق، جلد 8، صفحہ 724، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ علق، عارضۃ الاحوذی، جلد 12، صفحہ 251-250۔ سنن کبریٰ، تفسیر سورۂ علق بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 5، صفحہ 148۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 256

اور آپ کو دھمکی دی۔ آپ ﷺ اس سے سختی سے پیش آئے اور اسے جھڑکا۔ وہ کہنے لگا: محمد! تم مجھے کس بات سے ڈراتے ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وادی مکہ میں میرے آدمی آپ سے زیادہ ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر وہ اپنے بندوں کو بلاتا تو عذاب کے فرشتے اسے اسی وقت پکڑ لیتے(1)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو فرمایا: اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ اگر وہ موت کی تمنا کرتے تو وہ تمام کے تمام واصل جہنم ہو جاتے اور جن نصرانیوں کو رسول اللہ ﷺ نے مباہلہ کی دعوت دی تھی اگر وہ مباہلہ کے لئے آجاتے تو واپس لوٹ کر نہ اپنا مال پاتے نہ اہل وعیال(2)۔

اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ابوجہل نے کہا: اگر محمد (ﷺ) نے دوبارہ مقام ابراہیم پر نماز پڑھی تو میں انہیں قتل کر دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ میں تشریف لائے اور وہاں نماز ادا کی ابوجہل بھی وہاں موجود تھا۔ لوگوں نے پوچھا: تو نے منع کیوں نہیں کیا۔ اس نے کہا تمہیں کیا معلوم کہ میرے اور ان کے درمیان کیا چیز حائل ہوگئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر وہ ذرا سی بھی حرکت کرتا تو فرشتے لوگوں کے سامنے اسے پکڑ لیتے(3)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ ابوجہل نے مشرکین مکہ سے کہا: کیا محمد (ﷺ) تمہاری موجودگی میں یہاں سجدہ کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ کہنے لگا: مجھے لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں نے انہیں اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو میں ان کی گردن کو پاؤں سے روندوں گا اور ان کے چہرے کو خاک آلود کروں گا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ یہ لعین آپ ﷺ کی گردن مبارک پر پاؤں رکھنے کے لئے آگے بڑھا پھر اچانک اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے الٹے پاؤں پلٹا۔ لوگوں نے پوچھا تمہیں کیا ہوا۔ کہنے لگا میرے اور ان کے درمیان آگ کی ایک خندق، کوئی ہولناک چیز اور فرشتوں کے پر حائل ہوگئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ میرے تھوڑا سا قریب ہو جاتا تو فرشتے اسے پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے(4)۔

فرمایا: ہاں ہاں اس کی ایک نہ سنی۔ اے محمد (ﷺ) جو یہ تمہیں نماز پڑھنے سے روک رہا ہے، اس کی بات بالکل نہ ماننا۔ جہاں چاہیں نماز پڑھیے۔ اس لعین کی پرواہ نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی ومددگار ہے۔ وہی آپ کی لوگوں سے حفاظت فرمائے گا۔ فرمایا: (اے حبیب) سجدہ کیجئے اور (ہم سے) قریب ہو جائیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورۃ انشقاق اور علق میں سجدہ کیا کرتے تھے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 256۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 5، صفحہ 132 2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 248

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 256

4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 256۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 370۔ مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، جلد 4، صفحہ 2154۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر والملائکۃ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 10، صفحہ 92

سورۃ القدر (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ① وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ② لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ③ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓىٕكَةُ وَ الرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ④ سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ⑤

''بے شک ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے شب قدر میں۔ اور آپ کچھ جانتے ہیں کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے۔ اترتے ہیں فرشتے اور روح (القدس) اس میں اپنے رب کے حکم سے۔ ہر امر (خیر) کے لئے۔ یہ سراسر (امن و) سلامتی ہے۔ یہ رہتی ہے طلوع فجر تک''۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے کہ قرآن کریم کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے۔ یہی وہ مبارک رات ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (الدخان:3) ''بیشک ہم نے اتارا ہے اسے ایک بابرکت رات میں''۔ اس سے مراد لیلۃ القدر ہے جو رمضان المبارک کی ایک رات ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (بقرہ:185) ''ماہِ رمضان المبارک جس میں اتارا گیا قرآن''۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پورا قرآن پاک یکبارگی پہلے لوح محفوظ سے پہلے آسمان پر بیت العزۃ میں نازل ہوا۔ پھر حالات وواقعات کے مطابق بتدریج تیئس (23) سالوں میں رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت وشان کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اور آپ کیا جانتے ہیں کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یوسف بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا تم نے مومنین کے چہروں کو سیاہ کر دیا ہے۔ یا آپ کو مخاطب کر کے کہا: اے اہل ایمان کے چہرے سیاہ کرنے والے! آپ نے فرمایا: اللہ تجھ پر رحم کرے تو مجھ پر کیوں خفا ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو دکھایا گیا کہ آپ کے منبر پر بنو امیہ بیٹھے ہیں، آپ اس سے کچھ رنجیدہ ہوئے تو سورۃ کوثر نازل ہوئی یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت میں ایک نہر عطا فرمائی اور سورۃ قدر نازل ہوئی۔ پس ہزار مہینوں سے مراد وہ مہینے ہیں جن میں آپ کے بعد بنو امیہ میں حکومت رہے گی۔ قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب ہم نے بنو امیہ کی حکومت کو شمار کیا تو پورے ایک ہزار مہینہ رہی نہ ایک دن زائد نہ کم۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس کو قاسم بن فضل کی سند ہی سے جانتے ہیں۔ قاسم بن فضل ثقہ ہیں۔ یحییٰ قطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے توثیق کی ہے

لیکن ان کے شیخ یوسف بن سعد یا یوسف بن مان مجہول ہیں (1)۔ لیکن امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ ان سے کئی ایک محدثین نے روایت کی ہے۔ یحییٰ بن معین نے انہیں مشہور اور ثقہ کہا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے قاسم بن فضل عن یوسف بن مازن کی سند سے روایت کی ہے (2)۔ یہ اس کے مضطرب ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ بہرحال یہ حدیث انتہائی منکر ہے ہمارے شیخ حافظ ابوالحجاج مزی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔ میں کہتا ہوں قاسم بن فضل نے جو بنوامیہ کی مدت شمار کر کے ایک ہزار مہینے بتایا ہے یہ بھی صحیح نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چالیس ہجری میں بلاد اسلامیہ کے مستقل فرمانروا بنے، جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے امارت آپ کے سپرد کر دی۔ پھر یہ مملکت مسلسل بنوامیہ کے پاس رہی۔ سوائے ان سالوں کے جن میں عبداللہ بن زبیر حرمین شریفین، اہواز اور بعض دوسرے قریبی شہروں پر قابض رہے لیکن یہ امارت مکمل طور پر بنوامیہ کے ہاتھ سے زائل نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ 132ھ میں بنوعباس نے ان سے خلافت کو چھین لیا۔ اس طرح ان کی خلافت کی مجموعی مدت 92 سال بنتی ہے جو ایک ہزار مہینوں سے زائد ہے۔ کیونکہ ایک ہزار مہینے تراسی سال اور چار ماہ بنتے ہیں شاید قاسم بن فضل نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے نو سال ساقط کر دیئے ہوں۔ اب اگر حساب لگایا جائے تو یہ اس کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ اس روایت کے ضعیف ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ بنوامیہ کی مذمت کے لئے بیان کی گئی ہے۔ اگر یہ سورت بنوامیہ کی مذمت میں ہوتی تو اس کا سیاق وسباق اس طرح نہ ہوتا کیونکہ دوسرے ایام پر لیلۃ القدر کی فضیلت اُن کی مذمت پر دلالت نہیں کرتی۔ لیلۃ القدر تو بڑی عظمت والی رات ہے۔ یہ سورت اس کی تعریف میں نازل ہوئی۔ بنوامیہ کے زمانہ کے دنوں کی مذمت سے لیلۃ القدر کی کونسی فضیلت ثابت ہوگی۔ یہ بات تو اس طرح ہو جائے گی کہ کوئی شخص تلوار کی تعریف کرتے ہوئے کہے کہ یہ لکڑی سے بڑی تیز ہے اور کسی بڑے آدمی کو کم درجے والے پر فضیلت دینا، گویا اس کی توہین ہے۔ اگر اس سورت میں مذکور ہزار مہینوں سے بنوامیہ کے ایام مراد لئے جائیں تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کے الفاظ اور معانی اس پر دلالت نہیں کرتے اور حضور ﷺ کے لئے منبر ہجرت مدینہ کے کئی سال بعد بنوایا گیا۔ یہ تمام وجوہ اس روایت کے ضعف پر دال ہیں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا جس نے اللہ کی راہ میں ایک ہزار ماہ جہاد کیا۔ یہ سن کر صحابہ بڑے متعجب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ لیلۃ القدر اس ہزار مہینے سے افضل ہے جس میں اس شخص نے جہاد کیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص پوری رات قیام میں گزارتا اور دن دشمن کے ساتھ جہاد کرنے میں۔ اس نے ایک ہزار مہینے تک یہ عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اس رات کا قیام اس آدمی کے عمل سے بہتر ہے (3)۔ حضرت علی بن عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن رسول اللہ ﷺ نے چار عابدوں کا ذکر کیا جنہوں نے اسّی سال اللہ کی عبادت کی اور پلک جھپکنے کی دیر بھی اس کی نافرمانی نہ کی۔ آپ نے حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت زکریا، حزقیل بن العجوز علیہ السلام اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا ذکر کیا۔ صحابہ کرام اس پر بڑے متعجب ہوئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا محمد! (ﷺ) آپ کی امت ان لوگوں کی اسّی سالہ عبادت پر تعجب کا اظہار کیوں کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اس سے بہتر چیز نازل فرمائی ہے، پھر انہوں نے اس سورت کی تلاوت کی۔ یعنی اس ایک رات کی عبادت اس عمل سے افضل ہے جس پر آپ ﷺ اور آپ کی امت نے تعجب کا اظہار کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام بہت خوش ہوئے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس رات کا عمل، روزہ

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب التفسیر، جلد 12، صفحہ 253-252 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 360 3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 260-259

اور قیام ہزار مہینوں سے بہتر ہے(1) اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ لیلۃ القدر ان ہزار مہینوں سے افضل ہے جن میں کوئی لیلۃ القدر نہ ہو۔ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ اس رات کا عمل ہزار مہینوں کے عمل سے بہتر ہے۔ یہ عمرو بن قیس کا قول ہے۔ پہلا قول ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور وہی قول صحیح ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک رات پہرہ دینا، اس کے علاوہ ہزار راتوں سے افضل ہے(2)۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اچھی نیت اور اچھی حالت میں جمعہ کی نماز کے لئے جائے اس کے لئے ایک سال کے اعمال، سال بھر کے روزوں اور سال بھر کی نمازوں کا ثواب لکھا جاتا ہے(3)۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رمضان کا مہینہ آتا تو حضور ﷺ ارشاد فرماتے: اے لوگو! تمہارے پاس مبارک مہینہ آ گیا ہے۔ اس کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کئے ہیں۔ اس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔ اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو اس رات بھی بھلائی سے محروم ہوا وہ بدقسمت ہے(4)۔ چونکہ لیلۃ القدر کی عبادت ایک ہزار مہینہ کی عبادت کے برابر ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایمانداری اور نیک نیتی سے اس رات قیام کرے گا اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے(5)۔ فرمایا: اترتے ہیں فرشتے اور روح القدس اپنے رب کے حکم سے ہر امر خیر کے لئے۔ اس رات کی برکت کی وجہ سے ملائکہ کثرت سے نازل ہوتے ہیں اور یہ فرشتے برکت اور رحمت کا پیام لے کر نازل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ یہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت نازل ہوتے ہیں اور مجلس ذکر کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور علم دین کی تحصیل کرنے والوں کی تعظیم کے لئے اپنے پر نیچے بچھا دیتے ہیں۔ الرُّوْحُ سے مراد یہاں جبریل علیہ السلام ہیں اور یہاں خاص کا عام پر عطف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ملائکہ کی ایک خاص قسم ہے۔ جیسا کہ سورۂ نباء میں پہلے گزر چکا ہے۔

ارشاد فرمایا: یہ سراسر امن وسلامتی والی ہے، یہ رہتی ہے طلوع فجر تک۔ یہ سلامتی والی رات ہے اس میں شیطان نہ تو کوئی برا عمل کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو اذیت پہنچا سکتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں اس رات میں تمام امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ عمر اور رزق کو مقدر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ (دخان: 4) ”اس رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر اہم کام کا“۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لیلۃ القدر میں فرشتے سلامتی بھیجتے ہیں یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ آیت کو اس طرح پڑھتے تھے مِنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (6) بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فضائل اوقات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک غریب قول روایت کیا ہے کہ اس رات فرشتے نازل ہوتے ہیں اور وہ اس رات نماز پڑھنے والوں کے قریب سے گزرتے ہیں تو ان فرشتوں کا گزرنا نمازیوں کے لئے بابرکت ہوتا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے ایک عجیب وغریب اور طویل قول نقل کیا ہے جس میں یہ بھی ذکر ہے کہ فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ سدرۃ المنتہیٰ سے زمین پر نازل ہوتے ہیں اور اہل ایمان مرد اور عورتوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا: یہ رمضان کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 260-259 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران آیت: 200 3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ جمعہ آیت: 9

4۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 230۔ سنن نسائی، کتاب الصیام، جلد 4، صفحہ 129

5۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 91، کتاب الصوم، جلد 4، صفحہ 115، کتاب فضل لیلۃ القدر، جلد 4، صفحہ 255۔ مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 524-533

6۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 260

ستائیسویں یا انتیسویں رات ہے اور اس رات بے شمار فرشتے زمین پر اترتے ہیں(1)۔ عبدالرحمٰن ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس رات ہر امر کے لئے سلامتی ہوتی ہے یعنی اس میں کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوتی۔ قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ رات مکمل طور پر سلامتی والی ہوتی ہے اور اس میں طلوع فجر تک کسی قسم کا شر نہیں ہوتا۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ رات رمضان کی آخری دس راتوں میں ہوتی ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے اس میں قیام کرتا ہے اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ طاق رات ہے۔ ستائیسویں، انتیسویں، پچیسویں، تیئسویں یا اکیسویں ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اس رات کی نشانی یہ ہے کہ یہ رات بالکل صاف اور روشن ہوتی ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں چاند چمک رہا ہو۔ اس میں سردی ہوتی ہے نہ گرمی۔ صبح تک اس رات کو کوئی ستارہ نہیں ٹوٹتا۔ اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ صبح جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی شعاعیں تیز نہیں ہوتیں بلکہ چودہویں رات کے چاند کی مثل ہوتا ہے۔ اس دن سورج کے ساتھ شیطان نہیں نکلتا(2)۔ اس کی سند حسن صحیح ہے لیکن اس کے متن اور بعض الفاظ میں غرابت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لیلۃ القدر پرسکون اور صاف ہوتی ہے۔ ٹھنڈی ہوتی ہے نہ گرم اور صبح سورج کی روشنی بہت زیادہ سرخ نہیں ہوتی(3)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے ایک مرتبہ لیلۃ القدر دیکھی۔ پھر مجھے بھلا دی گئی۔ یہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ یہ رات پرسکون اور روشن ہوتی ہے۔ گرم نہ ٹھنڈی۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے چاند نکلا ہوا ہے۔ صبح سورج کے ساتھ شیطان نہیں نکلتا۔

فصل: علمائے کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ لیلۃ القدر گزشتہ امتوں میں تھی؟ یا اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب گزشتہ امتوں کی عمروں کو دیکھا تو شاید آپ نے اپنی امت کی عمروں کو اس کے مقابلہ میں کم پایا اور یہ خیال فرمایا کہ میری امت کے ابرار لوگ اتنے اعمال نہیں کر سکیں گے جتنے گزشتہ امتوں نے کئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی جو ہزار مہینوں سے افضل ہے(4)۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت اس بات کی مقتضی ہے کہ یہ اسی امت کے لئے خاص ہے بلکہ صاحب العدہ جو شافعی علماء میں سے ہیں نے نقل کیا ہے کہ یہ جمہور علماء کا قول ہے۔ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ لیکن ایک حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ یہ رات گزشتہ امتوں میں بھی تھی۔

مرثد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے لیلۃ القدر کے بارے میں کیسے سوال کیا؟ انہوں نے فرمایا: میں اکثر رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتا رہتا تھا۔ ایک دن میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے لیلۃ القدر کے بارے میں بتائیے۔ کیا یہ رمضان میں ہوتی ہے یا دوسرے مہینوں میں۔ فرمایا: نہیں یہ رمضان میں ہوتی ہے۔ میں نے عرض کی: یہ گزشتہ انبیاء کے زمانہ میں بھی ہوتی تھی؟ اور کیا یہ ان کی حیات طیبہ تک ہی محدود تھی یا قیامت تک ہوگی؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ قیامت تک رہے گی۔ عرض کی: یہ رمضان کے کن ایام میں ہوتی ہے۔ فرمایا: اسے پہلے اور آخری عشرہ میں تلاش کرو پھر میں خاموش ہو گیا اور آپ بھی گفتگو میں مشغول ہو گئے۔ پھر میں نے موقع پا کر سوال کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ کو قسم ہے اس حق کی جو میرا

1۔ مسند ابویعلی: 332
2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 324
3۔ مسند ابوداؤد طیالسی: 349
4۔ موطا، کتاب الاعتکاف، جلد 1، صفحہ 321

آپ پر ہے! مجھے آپ بتائیں۔ یہ کونسے عشرہ میں ہے؟ میری یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ اس قدر ناراض ہوئے کہ پہلے کبھی ناراض نہ ہوئے تھے۔ فرمایا اسے آخری سات دنوں میں تلاش کرو۔ اس کے بعد مجھ سے کوئی سوال نہ کرو(1)۔ اسے نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لیلۃ القدر حضور ﷺ کی حیات ظاہری کے بعد قیامت تک رہے گی۔ بعض شیعہ کا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ اس رات کو کلی طور پر اٹھالیا گیا ہے۔ انہیں اس حدیث سے غلط فہمی ہوئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس رات کو اٹھالیا گیا ہے اور ممکن ہے اس میں تمہاری بہتری ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے وقت کی تعیین کے علم کو اٹھالیا گیا ہے اور اس میں یہ بھی دلالت ہے کہ یہ رات ماہ رمضان کے ساتھ خاص ہے کسی اور مہینہ میں نہیں ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور آپ کے پیروکار علمائے کوفہ کا یہ قول ہے کہ یہ پورے سال میں ایک رات ہوتی ہے اور ہر مہینہ میں اس کا وقوع پذیر ہونا ممکن ہے۔ سنن ابی داؤد میں ایک باب اس نام سے معنون کیا گیا ہے اس بیان میں کہ لیلۃ القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے پھر انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ذکر کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے لیلۃ القدر کے بارے میں سوال کیا گیا۔ میں بھی آپ کی گفتگو سن رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: ہر رمضان میں آتی ہے۔ اس روایت کے تمام راوی ابوداؤد کے علاوہ ثقہ ہیں اور اسے موقوفاً بھی روایت کیا گیا ہے(2)۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے کہ یہ پورے رمضان شریف میں ہوسکتی ہے۔ اس قول کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور رافعی نے اسے غریب خیال کیا ہے۔ ابورزین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ رمضان شریف کی پہلی رات ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ رمضان کی سترہویں رات ہے۔ سنن ابی داؤد میں اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع اور موقوف روایت ہے(3)۔ یہی حضرت عثمان بن ابی العاص، علی بن زید اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ انہوں نے اس کی یہ توضیح بیان کی ہے کہ یہ غزوۂ بدر کی رات ہے۔ اس دن جمعرات اور رمضان کی سترہ تاریخ تھی۔ اس کی صبح کو غزوہ بدر رواقع ہوا۔ یہی وہ دن ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یوم فرقان کہا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ انیسویں رات ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایک یہی روایت ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اکیسویں رات ہے کیونکہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا۔ ہم بھی آپ کے ساتھ اعتکاف میں تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا جس کی تمہیں تلاش ہے وہ تو آگے ہے۔ آپ نے درمیانی عشرہ کا اعتکاف کیا۔ ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ جس چیز کی آپ کو تلاش ہے وہ آگے ہے۔ بیس رمضان کی صبح حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بھی میرے ساتھ معتکف تھا وہ پھر اعتکاف کرلے۔ میں نے لیلۃ القدر کو دیکھا ہے لیکن مجھے یہ بھلا دی گئی ہے اور یہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے اور میں نے دیکھا ہے گویا میں پانی اور مٹی میں سجدہ کررہا ہوں۔ اس وقت مسجد نبوی کی چھت کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی تھی۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا آیا اور بارش خوب ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پر مٹی اور پانی کے نشانات تھے اور اس طرح

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 171 سنن کبریٰ، کتاب الاعتکاف بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9، صفحہ 183

2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 54-53 3۔ ایضاً مرجع مذکور

آپ ﷺ کا یہ خواب سچا ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ اکیسویں کی صبح تھی(1)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تمام روایات میں اصح ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ تیئسویں رات ہے۔ اس کی تائید حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جو صحیح مسلم میں ہے(2)۔ ایک قول ہے کہ یہ چوبیسویں رات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لیلۃ القدر رمضان کی چوبیسویں رات ہے(3)۔ مسند امام احمد میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے(4) لیکن اس میں ایک راوی ابن لہیعۃ ضعیف ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ موذن رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت کے بھی خلاف ہے جسے بخاری نے ذکر کیا ہے کہ یہ آخری عشرہ کے پہلے سات دنوں میں ہوتی ہے(5)۔ اس کا موقوف ہونا صحیح ہے۔ حضرات عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، جابر رضی اللہ عنہم، حسن بصری، قتادہ اور عبداللہ بن وہب رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی منقول ہے کہ یہ چوبیسویں رات ہے۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں واثلہ بن اسقع سے مرفوع حدیث گزر چکی ہے کہ قرآن کریم رمضان کی چوبیسویں رات کو نازل ہوا(6)۔ ایک قول کے مطابق یہ پچیسویں رات ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ جب نو راتیں باقی رہ جائیں۔ جب سات باقی رہ جائیں پانچ باقی رہ جائیں(7)۔ اکثر مفسرین نے اسے طاق راتوں پر محمول کیا ہے اور بعض نے اسے جفت راتوں پر۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ ستائیسویں رات ہے(8)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ لیلۃ القدر ستائیسویں رات ہے(9)۔ حضرت زر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے بھائی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو شخص مکمل سال کی راتوں میں قیام کرے گا وہ لیلۃ القدر کو پالے گا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے مجھے معلوم ہے۔ یہ ماہ رمضان میں ہوتی ہے اور یہ ستائیسویں رات ہے۔ پھر حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے اس بات پر قسم اٹھائی۔ میں نے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا: اس علامت کی وجہ سے جو ہمیں بتائی گئی ہے کہ صبح جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی شعاعیں نہیں ہوتیں(10)۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں کہ یہ رمضان شریف کی رات ہے۔ آپ نے پختہ قسم کھائی اور انشاء اللہ نہ کہا اور فرمایا کہ قسم بخدا مجھے معلوم ہے کہ لیلۃ القدر ستائیسویں رات ہے۔ اسی رات رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قیام کا حکم فرمایا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس دن صبح سورج سفید طلوع ہوتا ہے، اس کی شعاعیں نہیں ہوتیں(11)۔

حضرات امیر معاویہ، عبداللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہم رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ لیلۃ القدر ستائیسویں رات ہے۔ یہی سلف صالحین کی ایک بہت بڑی جماعت سے منقول ہے۔ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے۔ بعض بزرگوں نے اس سورت کے لفظ ''ھی'' سے ثابت کیا ہے کہ یہ

1۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 298 - مسلم، کتاب الصیام، جلد 2، صفحہ 825-824

2۔ مسلم، کتاب الصیام، جلد 2، صفحہ 827 3۔ مسند ابوداؤد طیالسی: 288 4۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 12

5۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 8، صفحہ 152 6۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 185 7۔ فتح الباری، کتاب فضل لیلۃ القدر، جلد 4، صفحہ 260

8۔ مسلم، کتاب الصیام، جلد 2، صفحہ 827-826 9۔ مسلم، کتاب الصیام، جلد 2، صفحہ 828

10۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 130 11۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 525

ستائیسویں رات ہے کیونکہ یہ اس سورت کا ستائیسواں کلمہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور ان سے لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بالاتفاق کہا کہ یہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا مجھے معلوم ہے کہ یہ کونسی رات ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کونسی رات ہے؟ آپ نے فرمایا جب آخری عشرہ کی سات راتیں گزر جائیں یا سات باقی رہ جائیں۔ انہوں نے پوچھا تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ آپ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں اور سات آسمان پیدا کئے ہیں۔ ہفتہ کے سات دن ہیں اور انہی پر مہینہ کی گردش ہے۔ انسان کو سات پر پیدا کیا گیا ہے۔ سات کھانے کھاتا ہے۔ سات اعضاء پر سجدہ کرتا ہے۔ بیت اللہ شریف کے طواف کے بھی سات چکر ہیں، رمی جمار کی کنکریاں بھی سات ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے سات کے عدد پر بہت سی اشیاء ذکر کیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: تمہارا طائر تخیل وہاں پرواز کر رہا ہے جس کا میں تصور بھی نہیں کرسکتا۔ ان سات کھانوں کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے:

فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۙ وَّ عِنَبًا...... (عبس: 27)(1) اس کی سند صحیح ہے لیکن متن میں غرابت ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ انتیسویں رات ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: اسے رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ یہ طاق رات میں ہے۔ اکیس، تئیس، پچیس، ستائیس، انتیس یا آخری رات ہے(2)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ ستائیسویں یا انتیسویں رات ہے۔ اس رات بے شمار فرشتے زمین پر نازل ہوتے ہیں(3)۔ ایک قول کے مطابق یہ رمضان شریف کی آخری رات ہے۔ اس کے بارے میں ابھی حدیث گزر چکی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: لیلۃ القدر کو تلاش کرو جب رمضان کی نو راتیں باقی رہ جائیں۔ یا سات، یا پانچ، یا تین یا آخری رات(4)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ رمضان کی آخری رات ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان مختلف روایات میں اس طرح تطبیق ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا ہم لیلۃ القدر فلاں رات میں تلاش کریں۔ آپ ﷺ نے جواب میں ہاں فرمادیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ لیلۃ القدر ایک معین رات ہے وہ منتقل نہیں ہوتی۔ ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لیلۃ القدر آخری عشرہ کی راتوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے(5)۔ امام مالک ثوری، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، مزنی، ابوبکر بن خزیمہ وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے اس کی تائید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ بعض صحابہ کرام نے خواب میں دیکھا کہ یہ رات رمضان شریف کے آخری سات دنوں میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سب کے خواب اس بات پر دال ہیں کہ یہ آخری سات دنوں میں ہے اور جو اس رات کو تلاش کرنا چاہتا ہے وہ ان دنوں میں تلاش کرے(6)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں(7)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے کہ یہ ایک معین رات ہے جو منتقل نہیں ہوتی، اس کی تائید

1۔ المعجم الکبیر، جلد 10، صفحہ 322 2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 318 3۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 519 مسند ابوداؤد، 332

4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الصوم، جلد 4، صفحہ 10 سنن کبریٰ، کتاب الصوم بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9، صفحہ 54

5۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الصوم، جلد 4، صفحہ 8 6۔ فتح الباری، کتاب فضل لیلۃ القدر، جلد 4، صفحہ 256- مسلم، کتاب الصوم، جلد 2، صفحہ 823-822

7۔ فتح الباری، کتاب فضل الیلۃ القدر، جلد 4، صفحہ 259 مسلم، جلد 2، صفحہ 828

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لئے باہر تشریف لائے۔ اسی اثناء میں دو آدمیوں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دینے آیا تھا لیکن فلاں فلاں جھگڑ پڑے۔ اب اسے اٹھا لیا گیا ہے۔ ممکن ہے یہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اب اسے انتیسویں، ستائیسویں اور پچیسویں میں تلاش کرو(1)۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ اگر اس کی تعیین ہمیشہ کے لئے نہ ہوتی تو ہر سال لیلۃ القدر کا علم حاصل نہ ہوتا اور اگر لیلۃ القدر مختلف راتوں میں منتقل ہوتی رہتی تو کم از کم اس سال کے لئے معلوم ہو جاتا کہ فلاں رات ہے اور اس کے بعد آنے والے برسوں کی تعیین نہ ہوتی۔ البتہ اس کا ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ صرف اسی سال کی مبارک رات کی خبر دینے کے لئے تشریف لائے ہوں۔ اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی جھگڑا بہت سے فوائد اور علم نافع سے محروم کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث پاک میں ہے۔ بندے کو اس کے گناہوں کے باعث اس کے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے(2)۔ حدیث پاک میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسے اٹھا لیا گیا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی تعیین کو اٹھا لیا گیا ہے۔ نہ یہ کہ لیلۃ القدر کو کلی طور پر اٹھا لیا گیا ہے جیسا کہ بعض جاہل شیعہ کا قول ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: اسے انتیسویں، ستائیسویں اور پچیسویں میں تلاش کرو۔ آپ نے یہ جو فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس میں تمہاری بہتری ہو، اس کا معنی یہ ہے کہ لیلۃ القدر کی عدم تعیین میں تمہارے لئے بہتری ہے کیونکہ اگر یہ مبہم ہو گی تو لیلۃ القدر کو تلاش کرنے والا ان تمام راتوں میں محنت سے عبادت کرے گا جن میں اس کا پایا جانا ممکن ہے۔ اگر اس کی تعیین کر دی جاتی تو پھر لوگ اس رات کا قیام کر کے سستی کا شکار ہو جاتے۔ اس لئے حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ اسے مبہم رکھا جائے تاکہ اس کی تلاش میں مکمل ماہ رمضان میں عبادت کی جائے اور خصوصاً آخری عشرہ میں کثرت سے عبادت کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے وصال تک رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات بھی آخری عشرہ میں اعتکاف کرتیں(3)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان شریف کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے(4)۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ ﷺ پوری رات قیام کرتے۔ اپنے اہل خانہ کو بھی جگاتے اور کمر ہمت باندھ لیتے(5)۔ مسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اس عشرہ میں جتنی محنت کے ساتھ عبادت کرتے اتنی دوسرے ایام میں نہیں کرتے تھے(6)۔ اس روایت میں جو یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ تہبند کو مضبوطی سے باندھ لیتے اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ آپ ﷺ پوری تندہی اور توجہ سے عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ اور ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا کہ ان ایام میں آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے پاس نہ جاتے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر کی تلاش کے لئے آخری عشرہ کی تمام راتیں یکساں ہیں۔ کسی ایک رات کو دوسری رات پر ترجیح نہیں۔ بہر حال تمام اوقات میں کثرت سے دعا کرنا مستحب ہے۔ لیکن رمضان میں دعا میں زیادتی کرے اور خصوصاً آخری عشرہ میں اور بالخصوص طاق راتوں میں اس دعا کو بکثرت پڑھے: ''اللّٰھم انك عفو تحب العفو فاعف عنی''۔ حضرت عائشہ رضی

1۔ فتح الباری، کتاب فضل لیلۃ القدر، جلد 4، صفحہ 266
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ابراہیم آیت: 7
3۔ فتح الباری، کتاب الاعتکاف، جلد 4، صفحہ 271 - مسلم، جلد 2، صفحہ 831
4۔ فتح الباری، کتاب الاعتکاف، جلد 4، صفحہ 271 - مسلم، جلد 2، صفحہ 830
5۔ فتح الباری، کتاب فضل لیلۃ القدر، جلد 4، صفحہ 269 - مسلم، کتاب الاعتکاف، جلد 2، صفحہ 832
6۔ مسلم، کتاب الاعتکاف، جلد 2، صفحہ 832

اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر مجھے لیلۃ القدر نصیب ہو جائے تو میں کیا دعا کروں تو آپ ﷺ نے ان کو یہی دعا تعلیم فرمائی۔ یہ روایت مختلف اسناد سے مروی ہے(1)۔

لیلۃ القدر کے بارے میں ایک عجیب روایت

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر ہے۔ اس کے ساتھ متصل ہی جنت ہے اور یہ دنیا و آخرت کے درمیان حد فاصل ہے۔ اس کے اوپر جنت ہے۔ اس کی شاخیں کرسی کے نیچے ہیں۔ اس میں بے شمار فرشتے اللہ کی عبادت میں مشغول ہیں۔ ان کی تعداد کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کی شاخوں پر بے شمار فرشتے ہیں۔ اس کے وسط میں حضرت جبریل علیہ السلام کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر لیلۃ القدر کو ان فرشتوں کے ساتھ اترے جو سدرۃ المنتہیٰ میں سکونت پذیر ہیں۔ ان فرشتوں کو اہل ایمان کے لئے رأفت و رحمت عطا کی جاتی ہے۔ یہ تمام فرشتے جبریل علیہ السلام کے ساتھ سورج کے غروب ہونے کے وقت زمین پر اترتے ہیں۔ اس رات زمین کے ہر گوشہ میں کوئی نہ کوئی فرشتہ ہوتا ہے۔ وہ یا تو اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے یا اہل ایمان کے لئے دعا میں مشغول ہوتا ہے مگر گرجا گھر، یہودیوں کی عبادت گاہیں، آتش کدے، بت خانے اور جہاں گندگی پھینکی جاتی ہے یا جس گھر میں کوئی نشئی ہو، یا نشہ آور چیز ہو اور جس گھر میں بت نصب کیا گیا ہو یا جس میں گھنٹی رکھی ہوئی ہو۔ یا کوئی اور مجسمہ ہو۔ یا وہ کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ ہو، وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ یہ فرشتے تمام رات اہل ایمان مرد اور عورتوں کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام بھی تمام مؤمنین سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اس کی علامت یا نشانی یہ ہے کہ جس مؤمن سے آپ مصافحہ کرتے ہیں، اس کے جسم کی روئیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اس کا دل نرم ہو جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص لیلۃ القدر میں تین دفعہ لا الہ الا اللّٰہ پڑھتا ہے۔ پہلی دفعہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔ دوسری دفعہ پڑھنے سے اسے نار جہنم سے آزادی کا پروانہ ملتا ہے اور تیسری دفعہ پڑھنے سے اسے جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔ راوی نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے ابو اسحاق! جو شخص سچے دل سے کلمہ پڑھے گا اسے یہ انعام ملے گا۔ انہوں نے فرمایا: لیلۃ القدر میں اس کلمہ کو وہی پڑھتا ہے جس کا دل سچا ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! یہ کلمہ اس رات کافر اور منافق پر بڑا بھاری ہوتا ہے۔ اس طرح کہ جس طرح اس کی کمر پر کسی نے پہاڑ رکھ دیا ہو۔ فجر کے طلوع ہونے تک فرشتے اسی طرح زمین پر رہتے ہیں۔ طلوع فجر کے بعد سب سے پہلے جبریل علیہ السلام اوپر چڑھتے ہیں۔ سورج کے قریب جا کر اپنے پروں کو پھیلا لیتے ہیں خصوصاً اپنے ان دو سبز پروں کو، جو وہ صرف اسی وقت پھیلاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس وقت سورج کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ پھر وہ ایک ایک فرشتہ کو بلاتے ہیں اور وہ سب کے سب فرشتے اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ ان فرشتوں کا نور اور جبریل علیہ السلام کے دونوں پروں کے نور سے سورج کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام اور ان کے تمام فرشتے اس دن زمین و آسمان کے درمیان اہل ایمان کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ یہ ان کے لئے بھی دعا کرتے ہیں جنہوں نے رمضان کے روزے ایمانداری اور نیت کے ساتھ رکھے۔ اور یہ اس شخص کی درازی عمر کی بھی دعا کرتے ہیں جس شخص کے دل میں یہ خیال آئے کہ اگر وہ

1۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 182 عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 12، صفحہ 45، سنن کبریٰ کتاب النعوت، کتاب الیوم واللیلۃ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 11، صفحہ 434 سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، جلد 2، صفحہ 1265 – مستدرک، کتاب الدعا، جلد 1، صفحہ 530 سنن نسائی، الیوم واللیلۃ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 11، صفحہ 417

آئندہ سال تک زندہ رہا تو وہ رمضان کے روزے رکھے گا۔ شام کے وقت یہ پہلے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور حلقے بنا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پہلے آسمان کے فرشتے ان کے پاس آتے ہیں اور وہ ان سے ہر مرد اور ہر عورت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ یہ فرشتے انہیں بتاتے ہیں۔ وہ ان سے پوچھتے ہیں: فلاں شخص کو اس سال کیسے پایا۔ وہ انہیں بتاتے ہیں کہ گزشتہ سال تو ہم نے اسے عبادت میں مشغول پایا تھا اور اس سال اسے بدعتوں میں مشغول پایا۔ فلاں کو پچھلے سال بدعتوں میں گرفتار پایا اور اس سال عبادت میں مشغول۔ پس یہ سن کر وہ فرشتے اُس (بدعتی) شخص کے لئے استغفار بند کر دیتے ہیں اور اس (عابد) شخص کی مغفرت کے لئے دعا میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ وہ فرشتے بتاتے ہیں کہ ہم نے فلاں فلاں کو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے پایا اور فلاں کو رکوع و سجود کرتے ہوئے، اور فلاں کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے۔ یہ فرشتے ایک دن اور ایک رات یہاں گزار کر دوسرے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور اسی طرح ہر آسمان پر دن رات گزارتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ جاتے ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ ان فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ اے مجھ پر سکونت پذیر ہونے والو! میرا بھی تم پر حق ہے۔ مجھے بھی لوگوں کے بارے میں بتاؤ۔ میں اس سے محبت رکھتا ہوں جو اللہ کو دوست رکھتا ہے۔ وہ فرشتے ہر مرد اور ہر عورت کے بارے میں اسے بتاتے ہیں۔ ان کے نام اور ان کے آباء کے نام ذکر کرتے ہیں۔ پھر جنت سدرۃ المنتہیٰ کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور کہتی ہے تیرے رہائشی فرشتوں نے جو تمہیں خبریں دی ہیں وہ مجھے بھی بتاؤ۔ سدرۃ المنتہیٰ جنت کو تمام واقعات سے آگاہ کرتا ہے۔ جنت کہتی ہے فلاں مرد اور فلاں عورت پر اللہ کی رحمت ہو۔ اے اللہ! انہیں میرے پاس جلدی لے آ۔ جبریل علیہ السلام اپنے مقام پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے الہام کرتا ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں: اے باری تعالیٰ! میں نے فلاں شخص کو تیری بارگاہ میں سجدہ ریز پایا تو اس کے گناہوں کو معاف فرما دے۔ اللہ معاف فرما دیتا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام یہ بات حاملین عرش کو بتاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ فلاں مرد و عورت پر اللہ کی رحمت ہو اور مغفرت ہو۔ پھر جبریل علیہ السلام عرض کرتے ہیں: اے باری تعالیٰ! فلاں شخص جس کو میں نے سنت اور عبادت کا پابند پایا تھا، اس سال وہ بدعت کا شکار اور تیرے احکام سے روگرداں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے جبریل! اگر اس نے اپنی موت سے تین گھڑی پہلے توبہ کر لی تو میں اس کے گناہ معاف کر دوں گا۔ عرض کی: الٰہی! تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں تو اپنی مخلوق پر بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے بلکہ تو تو اپنے بندوں پر ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اس وقت عرش اور اس کے اردگرد کی چیزیں اور پردے اور آسمان حرکت کرنے لگتے ہیں اور وہ پکارتے ہیں: الحمد للہ الرحیم، الحمد للہ الرحیم۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کی یہ نیت ہو کہ رمضان کے بعد بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل فرما دے گا۔

سورۃ البینہ (مدنیہ)

حضرت مالک بن عمرو بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب یہ سورت نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ کا رب آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ یہ سورت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو پڑھائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا ذکر کیا۔ نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! کیا اللہ کی بارگاہ میں میرا ذکر ہوا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ یہ سن کر حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے(1)۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس روایت کو بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے(2)۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم ہوا کہ میں تمہیں فلاں فلاں سورتیں پڑھاؤں۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا میرا وہاں ذکر ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ راوی کہتے ہیں میں نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ اس وقت خوش ہوتے تھے۔ آپ نے فرمایا میں خوش کیوں نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ(3) ''اے حبیب!) آپ فرمایئے یہ کتاب محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے نازل ہوئی ہے پس چاہئے کہ اسی پر خوشی منائیں۔ یہ بہتر ہے ان تمام چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں''۔ ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ جب حضور ﷺ نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ سورت پڑھی تو اس میں یہ الفاظ تھے: ولو ان بن ادم سأل واديا من مال...... الخ (اگر ابن آدم! مال کی ایک وادی کا سوال کرے اور میں اسے عطا کردوں تو وہ دوسری کا سوال کرے گا اور میں اگر دوسری عطا کردوں تو تیسری کا سوال کرے گا۔ ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی بھرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ اللہ کے نزدیک دیندار وہ ہے جو یکسو ہو کر صرف اس کی عبادت کرے۔ نہ مشرک ہو، نہ یہودی اور نہ نصرانی اور جو نیکی کا کام کرتا ہے اس کی ناقدری نہیں کی جاتی)(4)۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا اے ابومنذر! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تمہارے ساتھ قرآن کا دور کروں۔ یہ سن کر حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں اللہ پر ایمان لایا اور آپ ﷺ کے دست اقدس پر مسلمان ہوا اور آپ سے ہی دین سیکھا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ یہی ارشاد فرمایا: انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میرا ابھی وہاں ذکر ہوا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ملاء اعلیٰ میں تمہارے نام اور نسب کے ساتھ تمہارا ذکر ہوا ہے۔ یہ

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 489

2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 130 - فتح الباری، تفسیر سورۃ (لم یکن)، جلد 8، صفحہ 725، مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 4، صفحہ 1915 - عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13، صفحہ 203 سنن کبریٰ، کتاب المناقب والتفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 1، صفحہ 325

3۔ یونس: 58 - مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 123

4۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 132-131 عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13، صفحہ 204-203

سن کر انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! آپ قرآن پاک پڑھئے (1)۔ یہ سند غریب ہے۔ پہلی روایت کی سند صحیح ہے۔

نبی کریم ﷺ کا اس سورت کو حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھنا ان کی دین پر ثابت قدمی اور ایمان میں زیادتی کے لئے تھا۔ ایک دفعہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت سن کر بہت متعجب ہوئے کیونکہ ان کی قرأت اس قرأت کے برعکس تھی جو رسول خدا ﷺ نے انہیں پڑھائی تھی۔ آپ انہیں لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے دونوں کی قرأت سنی۔ فرمایا: تم دونوں نے درست پڑھا۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے دل میں یہ سن کر ایسا شک وشبہ پیدا ہوا کہ مجھے جاہلیت کا زمانہ یاد آ گیا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس سے پسینے سے شرابور ہو گیا اور خوف سے مجھے ایسے محسوس ہوا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھ رہا ہوں پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ تم اپنی امت کو ایک ہی قرأت پر قرآن پڑھاؤ۔ میں نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے عفو ودرگزر اور مغفرت چاہتا ہوں پھر مجھے دو قرأتوں کی اجازت ہوئی۔ میں اس پر زیادتی طلب کرتا رہا حتیٰ کہ سات قرأتوں کی اجازت ہوئی۔ اس حدیث کو ہم نے تفسیر کی ابتداء میں اس کی تمام اسناد اور الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو اس میں یہ آیت بھی نازل ہوئی تھی۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ آپ ﷺ نے ان آیات کو حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھا تھا۔ یہ آپ کی قرأت ان تک اللہ کا حکم پہنچانے، ان کی ثابت قدمی اور انہیں آگاہ کرنے کے لئے تھی نہ کہ یہ قرأت صرف بطور تعلم اور یاد کرنے کے لئے تھی (2)۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ کے ساتھ معاہدہ فرمالیا تو انہوں نے آپ سے مختلف سوالات کئے۔ ایک سوال یہ بھی تھا کیا آپ نے ہمیں یہ نہیں بتایا تھا کہ ہم بیت اللہ شریف جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً بتایا تھا لیکن میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم اسی سال طواف وزیارت کرو گے۔ یقیناً وہ دن آنے والا ہے جب تم بیت اللہ کی زیارت اور طواف سے مشرف ہو گے۔ جب حدیبیہ سے واپس لوٹے تو آپ ﷺ پر سورۂ فتح نازل فرمائی۔ آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کے سامنے یہ سورت تلاوت فرمائی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد تھا لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ (فتح: 27) ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ کہ تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا امن وامان سے۔ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اسمائے صحابہ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ جب سورۃ البینۃ کی قرأت سنتا ہے تو فرماتا ہے: اے میرے بندے! خوش ہو جا۔ مجھے میری عزت کی قسم! میں تجھے جنت میں ایسا مقام عطا فرماؤں گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں۔ مجھے میری عزت کی قسم! میں تجھے دنیا وآخرت کے احوال میں سے کسی حال میں نہیں بھولوں گا اور تجھے جنت میں ایسا ٹھکانہ دوں گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

1۔ المعجم الکبیر، جلد 1، صفحہ 200

2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 112۔ سنن نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 154 مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 124۔ سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 76 مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 14، جلد 5، صفحہ 127 مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 562-561 سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 76 نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 152 یہ حدیث کتاب الفضائل میں گزر چکی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

لَمۡ يَكُنِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ مُنۡفَكِّيۡنَ حَتّٰى تَاۡتِيَهُمُ الۡبَيِّنَةُ ۙ﴿۱﴾ رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ﴿۲﴾ فِيۡهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ؕ﴿۳﴾ وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنَةُ ؕ﴿۴﴾ وَ مَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۙ حُنَفَآءَ وَ يُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤۡتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيۡنُ الۡقَيِّمَةِ ؕ﴿۵﴾

''جن لوگوں نے اہل کتاب میں سے کفر کیا (وہ) اور مشرکین (کفر سے) الگ ہونے والے نہ تھے جب تک کہ نہ آجائے ان کے پاس ایک روشن دلیل۔ (یعنی) ایک رسول اللہ کی طرف سے جو انہیں پڑھ کر سنائے پاک صحیفے۔ جن میں لکھی ہوں سچی اور درست باتیں۔ اور نہیں بٹے فرقوں میں اہل کتاب مگر اس کے بعد کہ آگئی ان کے پاس روشن دلیل۔ حالانکہ نہیں حکم دیا گیا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ بالکل یکسو ہو کر اور قائم کرتے رہیں نماز اور ادا کرتے رہیں زکوٰۃ اور یہی نہایت سچا دین ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اہل کتاب میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ اور مشرکین کفر سے الگ ہونے والے نہ تھے۔ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور مشرکین سے مراد عرب و عجم کے بت پرست اور آتش پرست ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ سب کفر سے رکنے والے نہیں تھے یہاں تک کہ ان کے لئے حق واضح ہو جاتا۔

فرمایا: جب تک کہ نہ آجائے ان کے لئے ایک روشن دلیل۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں البینہ سے مراد قرآن کریم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے البینہ کی تفسیر خود بیان فرمائی ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رسول، جو انہیں پڑھ کر سنائے پاک صحیفے۔ رسول سے مراد محمد ﷺ ہیں اور جو وہ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہیں وہ ملاء اعلیٰ میں پاک صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: 'فِيۡ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ﴿۱۳﴾ مَّرۡفُوۡعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۙ﴿۱۴﴾ بِاَيۡدِيۡ سَفَرَةٍ ۙ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ ؕ' (عبس: 16-13) ''یہ ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں جو بلند مرتبہ (پاکیزہ) ہیں ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھے ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں''۔

فرمایا: جن میں لکھی ہیں سچی اور درست باتیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان پاکیزہ صحیفوں میں اللہ کی باتیں لکھی ہوئی ہیں جو سیدھی سادی اور عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔ ان میں خطاء کا شائبہ نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں(1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ خوبصورتی سے تلاوت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہیں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان صحیفوں میں ایسی باتیں ہیں جو صاف اور عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔

فرمایا: اور نہیں بٹے فرقوں میں اہل کتاب مگر اس کے بعد کہ آگئی ان کے پاس روشن دلیل۔ یہ آیت کریمہ اس ارشاد کی طرح ہے۔ وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ (آل عمران: 105) ''اور نہ ہو جانا ان لوگوں کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 263

طرح جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلافات کرنے لگے تھے اس کے بعد بھی جب آ چکی تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں اور ان لوگوں کے لئے عذاب ہے بہت بڑا''۔ یعنی وہ سابقہ امتیں، جن پر اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتب نازل فرمائیں، بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی حجت تمام کردی، وہ فرقوں میں بٹ گئے اور اللہ کی نازل کردہ کتب میں سخت اختلاف کرنے لگے۔ جیسا کہ اس حدیث پاک میں ہے جو مختلف اسناد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہودا کہتر فرقے ہوگئے اور نصاریٰ کے بہتر اور میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ سوائے ایک کے تمام جہنم میں جائیں گے۔ عرض کی گئی وہ ایک فرقہ کیسا ہوگا؟ فرمایا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس دین پر مضبوطی سے قائم رہیں گے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں(1)۔

فرمایا: حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی۔ دین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے بالکل یکسو ہو کر اور قائم کرتے رہیں نماز اور ادا کرتے رہیں زکوٰۃ اور یہی نہایت سچا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ اس ارشاد خداوندی کی مثل ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء: 25) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو''۔

اس لئے یہاں ارشاد فرمایا: ''حنفاء''یعنی شرک سے منہ موڑ کر توحید کی طرف مائل ہوتے ہوئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے'' وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: 36) ''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔ لفظ حنیف کی تفسیر پہلے سورۂ انعام میں گزر چکی ہے(2)۔ یہاں نماز کا حکم دیا جو کہ بدنی عبادات میں سب سے افضل عبادت ہے اور زکوٰۃ سے مراد حاجت مندوں، فقراء اور مساکین پر احسان کرنا ہے۔ یہی دین سیدھا اور عدل وانصاف والا ہے یا یہی امت صراط مستقیم پر گامزن ہے اور اعتدال والی ہے۔ بہت سے آئمہ کرام جیسے امام زہری اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ......۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ؕ ۝۶ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ ۝۷ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۝۸

''بے شک جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب سے (وہ) اور مشرکین آتش جہنم میں ہوں گے (اور) اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی لوگ بدترین مخلوق ہیں۔ (اور) یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، وہی ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔ ان کی جزا ان کے پروردگار کے ہاں ہیشگی کی جنتیں ہیں رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں وہ ان میں تا ابد رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔ یہ (سعادت) اس کو ملتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے''۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یونس: 93 اور سورۂ ہود: 118 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام: 161

ارشاد باری تعالیٰ ہے بے شک جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب سے اور مشرکین نے وہ یقیناً جہنم میں ہوں گے اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی لوگ بدترین مخلوق ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے ان کافروں فاجروں کا بیان کیا ہے جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے انبیاء ورسل کی مخالفت کی۔ یہ قیامت کے دن دائمی طور پر جہنم میں رہیں گے۔ نہ وہاں سے نکل سکیں گے اور نہ رہائی پاسکیں گے اور یہ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان نیک بندوں کے بارے میں بیان فرمایا جو دل سے اس پر ایمان لائے اور اپنے بدن سے نیک اعمال کرتے رہے۔ یہ سب مخلوق سے بہتر ہیں۔

فرمایا: یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہی ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔ اس آیت کریمہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور علماء کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ اہل ایمان ملائکہ سے افضل ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: ان کی جزاء ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشگی کی جنتیں ہیں رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں اور وہ ان میں تا ابد رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن یہ بہترین جزا عطا فرمائے گا اور وہ لوگ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ نہ تو وہاں سے ان کو نکالا جائے گا اور نہ ہی یہ نعمتیں ختم ہوں گی۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور یہ اس سے راضی۔ یہ مقام رضا ان تمام نعمتوں سے افضل واعلیٰ ہے جو انہیں جنت میں عطا کی جائیں گی اور یہ لوگ اس کے فضل واحسان اور اس کی عطا کردہ نعمتوں پر راضی ہو جائیں گے۔ فرمایا: یہ (سعادت) اس کو ملتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ یہ جزا اور انعام اسے ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرتا ہے جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور اس کی عبادت اس طرح کرتا ہے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے اور اسے یہ علم یقین حاصل ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا تو اللہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں سب سے بہتر آدمی کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ضرور بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے اپنے گھوڑے کی لگام تھامے تیار کھڑا رہتا ہے۔ جونہی جنگ کا نقارہ بجتا ہے وہ فوراً اس گھوڑے پر سوار ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا: وہ شخص جو بکریوں کے ایک ریوڑ کو چراتا ہے، وقت پر نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے۔ پھر فرمایا: کیا میں تمہیں سب سے بدترین مخلوق کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کی بتائیے۔ فرمایا: وہ شخص جو اللہ کے نام پر سوال کرتا ہے اور پھر اسے عطا نہ کیا جائے (1)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 396

سورۂ زلزال (مدنیہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! مجھے کچھ پڑھائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''الٓر'' والی تین سورتیں پڑھ لو۔ اس نے عرض کی میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں۔ حافظہ کمزور ہے اور زبان موٹی ہو چکی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''حٰم'' والی سورتیں پڑھا کرو۔ اس نے پھر یہی عذر پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یسبح'' والی سورتیں پڑھ لیا کرو۔ اس نے پھر وہی عذر پیش کیا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی جامع سورت پڑھائیے۔ آپ ﷺ نے اسے یہ سورت پڑھائی۔ آپ ﷺ جب اس کی قرأت سے فارغ ہوئے تو وہ شخص کہنے لگا: قسم ہے مجھے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا! میں اس میں کبھی زیادتی نہیں کروں گا۔ پھر وہ شخص چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شخص فلاح پا گیا، یہ نجات پا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کو میرے پاس بلاؤ۔ جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے عید قربان کا حکم دیا ہے۔ اس دن کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے عید بنا دیا ہے۔ اس شخص نے کہا اگر میرے پاس قربانی کا جانور نہ ہو اور کسی شخص نے مجھے دودھ پینے کے لئے تحفہ کے طور پر کوئی جانور دیا ہو تو کیا میں اس کی قربانی کرلوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تم اپنے بال کٹواؤ، ناخن تراشو، مونچھیں ہلکی کرو، زیر ناف بال صاف کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری یہی قربانی ہے(1)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے سورۂ زلزال کی تلاوت کی اسے نصف قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ یہ روایت غریب ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے اور ''اذا زلزلت'' چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زلزال نصف کے برابر ہے۔ سورۂ اخلاص تہائی اور کافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ یہ بھی انتہائی غریب ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا: کیا تم نے ابھی تک شادی نہیں کی؟ اس نے عرض کی: نہیں۔ یارسول اللہ ﷺ! میرے پاس شادی کے لئے کچھ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تیرے پاس سورۂ اخلاص نہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ پھر فرمایا: کیا تیرے پاس سورۂ نصر نہیں؟ اس نے عرض کی: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ پھر فرمایا: تیرے پاس سورۂ کافرون نہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا یہ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ پھر فرمایا: کیا تیرے پاس سورۂ زلزال نہیں؟ عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: یہ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ پھر فرمایا: جاؤ جا کر نکاح کرلو۔ یہ حدیث حسن ہے اور تینوں حدیثوں کو صرف امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی روایت کیا ہے(2)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 169 سنن ابوداؤد، ابواب شہر رمضان، جلد 2، صفحہ 57 سنن کبریٰ، کتاب فضائل القرآن، الیوم واللیلۃ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 6 صفحہ 374

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11 صفحہ 23-22

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ﴿۱﴾ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ﴿۲﴾ وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ﴿۳﴾ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ؕ﴿۵﴾ یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ۬ لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ؕ﴿۶﴾ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ؕ﴿۷﴾ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ﴿۸﴾

''جب تھرتھرانے لگے گی زمین پوری شدت سے۔ اور باہر پھینک دے گی زمین اپنے بوجھوں (یعنی دفینوں) کو۔ اور انسان (حیران ہوکر) کہے گا اسے کیا ہوگیا۔ اس روز وہ بیان کردے گی اپنے سارے حالات۔ کیونکہ آپ کے رب نے اسے (یونہی) حکم بھیجا ہے۔ اس روز پلٹ کر آئیں گے لوگ گروہ درگروہ۔ تاکہ انہیں دکھا دیئے جائیں ان کے اعمال۔ پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے جب زمین پوری شدت سے تھرتھرانے لگی گی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ..... زمین اپنے نچلے حصہ سے حرکت کرنا شروع کرے گی۔ پھر فرمایا: اور باہر پھینک دے گی زمین اپنے بوجھوں کو۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ زمین اپنے اندر دفن شدہ تمام مردوں کو باہر پھینک دے گی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ (حج:1) ''اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار (کی ناراضگی) سے بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے''۔ اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ﴿۳﴾ وَ اَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَ تَخَلَّتْ (انشقاق:4-3) ''اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔ اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہوجائے گی''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زمین اپنے جگر پاروں کو باہر پھینک دے گی۔ سونا اور چاندی ستونوں کی مثل باہر نکل آئے گا۔ قاتل اسے دیکھ کر کہے گا: ہائے افسوس! میں نے اس مال کی خاطر فلاں کو قتل کیا۔ قطع رحمی کرنے والا کہے گا میں نے اس کے لئے قطع رحمی کی۔ پھر چور آئے گا اور کہے گا کیا اس کے لئے میرے ہاتھ کاٹے گئے۔ پھر وہ سونے چاندی کو اسی طرح چھوڑ کر چلے جائیں گے(3)۔

فرمایا: اور انسان (حیران ہوکر) کہے گا اسے کیا ہوگیا۔ انسان تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہے گا کہ زمین پہلے تو ساکن اور ثابت تھی اور وہ اس کی سطح پر قرار پذیر تھا۔ اب اس کی حالت تبدیل ہوگئی۔ اب یہ تھرتھرانے لگی ہے اور حرکت کرنے لگی ہے۔ اصل میں وہ وقت آگیا جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ یہ زمین حرکت کرے گی۔ اس کے بعد اپنے اندر سوئے ہوئے تمام مردوں کو باہر پھینک دے گی۔ لوگ حیران و پریشان ہوں گے۔ اس زمین کو دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا۔ آسمان بھی تبدیل ہوجائے گا۔ اب تمام لوگ اس اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے جو یکتا اور قہار ہے۔

1۔ مسلم کتاب الزکاۃ، جلد2، صفحہ 701

فرمایا: اس دن وہ بیان کردے گی اپنے سارے حالات۔ یعنی جو اعمال لوگ اس پر کرتے رہے وہ تمام بیان کردے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو پوچھا کیا تم زمین کی خبروں کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کی: اللہ و رسولہ اعلم۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی خبریں یہ ہیں کہ یہ ہر عورت اور ہر مرد کے تمام اعمال کی گواہی دے گی جو اس نے اس کے اوپر کئے اور یہ کہے گی کہ اس نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں عمل کیا(1)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: زمین سے بچ کر رہو۔ یہ تمہاری ماں ہے۔ تم میں سے جو بھی کوئی اچھا یا برا عمل کرے گا یہ قیامت کے دن اس کی گواہی دے گی(2)۔

فرمایا: کیونکہ آپ کے رب نے اسے یونہی حکم بھیجا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَوْحٰى لَهَا ''اوحی الیها''، ''وحی لها'' اور ''وحی الیها'' تمام کا معنی ایک ہے(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف وحی فرمائے گا۔ ظاہر یہی ہے کہ یہاں اَوْحٰى لَهَا کا معنی یہ ہے کہ اللہ اسے اس کی اجازت فرمائے گا اور جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ زمین کو فرمائے گا۔ بول تو وہ بول پڑے گی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَوْحٰى لَهَا کا معنی یہ ہے کہ اللہ اس کو حکم فرمائے گا۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اللہ اسے پھٹنے کا حکم دے گا۔

فرمایا: اس روز پلٹ کر آئیں گے گروہ در گروہ۔ یعنی قیامت کے روز میدان حشر سے مختلف گروہوں میں واپس لوٹیں گے۔ کوئی گروہ سعادت مندوں کا ہوگا اور کوئی بدبختوں کا۔ کسی کو جنت میں جانے کا حکم ہوگا اور کسی کو دوزخ میں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس وقت لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ پھر اس کے بعد کبھی جمع نہ ہو سکیں گے۔

فرمایا: تاکہ انہیں دکھائے جائیں ان کے اعمال۔ تاکہ وہ اپنے اعمال دیکھ لیں۔ پھر انہیں دنیا میں کئے گئے اعمال کے مطابق اچھی جزا یا بری سزا دی جائے۔ اس لئے ارشاد فرمایا: پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گھوڑے تین قسم کے ہیں: ایک اجر پانے والا، ایک پردہ پوشی کرنے والا اور ایک بوجھ اور گناہ والا۔ اجر والا تو وہ ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے گھوڑے کو پالتا ہے۔ اس کی رسی کو کسی مرغزار میں لمبا کر دیتا ہے۔ وہ گھوڑا اس رسی میں چلتا رہے گا تو تمام نیکیاں اس کے مالک کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی اور اگر وہ رسی ٹوٹ گئی اور وہ ادھر ادھر نکل گیا تو اس کے قدموں کے نشان اور اس کی لید کے بدلے ثواب بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور اگر وہ کسی نہر کے قریب سے گزرا اور اس نے پانی پی لیا، اگرچہ اس نے اسے پانی پلانے کا ارادہ نہیں بھی کیا تھا تب بھی تمام نیکیاں اس شخص کو ملیں گی۔ یہ گھوڑا سراسر اس کے لئے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو گھوڑے کو اس لئے پالتا ہے تاکہ وہ دوسرے لوگوں سے مستغنی رہے اور کسی کے سامنے اسے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے لیکن یہ شخص اس گھوڑے میں اور اس کی پشت کے بارے میں اللہ کے حقوق کو نہیں بھولتا تو یہ گھوڑا اس کے لئے پردہ کا باعث ہوگا۔ تیسرا شخص وہ ہے جو گھوڑے کو فخر وریا اور ظلم وستم کے لئے پالتا ہے۔ یہ گھوڑا اس کے لئے بوجھ اور گناہ کا باعث ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے بارے میں پوچھا گیا کیا ان میں زکوۃ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نازل نہیں فرمائی۔ سوائے اس آیت کریمہ کے جو تنہا تمام احکام کو جامع ہے۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ

1۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9، صفحہ 502-501، ترمذی کتاب التفسیر، جلد 555-554 مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 374

2۔ المعجم الکبیر، جلد 5، صفحہ 64 مجمع الزوائد، جلد 1، صفحہ 241 3۔ فتح الباری تفسیر سورۃ (اذا زلزلت)، جلد 8 صفحہ 726

ذَرَّۃٍ......(1)۔

مشہور شاعر فرزدق کے چچا حضرت صعصعہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ یہ سن کر کہنے لگے میرے لئے یہی کافی ہے۔ اگر میں اس کے علاوہ اور کچھ نہ سنوں تو بھی کوئی پرواہ نہیں(2)۔

صحیح بخاری میں حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آتش جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کا نصف حصہ صدقہ کرنے سے یا کسی پاکیزہ کلمہ سے(3)۔ ایک اور روایت ہے کہ کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ تم اپنے ڈول سے پانی نکال کر کسی پیاسے کو پلا دو اور اگرچہ تم اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملو(4)۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے: اے صاحب ایمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی کسی پڑوسن کے تحفہ کو حقیر نہ سمجھے، اگرچہ یہ تحفہ بکری کا ایک کھر ہی ہو(5)۔ ایک اور روایت میں فرمایا: سائل کو کچھ نہ کچھ دے دو۔ اگرچہ وہ جلا ہوا کھر ہو(6)۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! آتش جہنم سے بچ اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ کرنے کے ساتھ ہو۔ کھجور کا یہ ٹکڑا بھی بھوکے کی بھوک مٹا دیتا ہے(7)۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے انگور کا ایک دانہ صدقہ کیا اور پھر فرمانے لگیں اس میں نیکی کے کتنے ذرات ہیں(8)۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ اے عائشہ! چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچو۔ اللہ تعالیٰ ان کا بھی حساب لینے والا ہے(9)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھانے سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! اگر میں نے ذرہ برابر بھی برائی کی کیا اس کی بھی مجھے سزا ملے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! دنیا میں جو تکالیف تمہیں پہنچی ہیں، وہ تمہاری چھوٹی چھوٹی برائیوں کے لئے صدقہ ہو جائیں گی۔ تمہاری نیکیوں کو اللہ تعالیٰ ذخیرہ کر دے گا۔ قیامت کے دن تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا(10)۔ یہ روایت مختلف اسناد سے مروی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ابوبکر! کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے عرض کی: یہ سورت مجھے رلاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم خطا اور گناہ نہ کرتے کہ تمہیں معاف کیا جاتا اور بخشا جاتا تو اللہ تعالیٰ ایک ایسی امت پیدا کرتا جو خطا اور گناہ کرتی اور اللہ تعالیٰ انہیں بخش دیتا(11)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا میں اپنے اعمال کو دیکھوں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کی: بڑے بڑے اعمال کو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ عرض کی: چھوٹے

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ (اذا زلزلت الارض زلزالھا)، جلد 8 صفحہ 727-726 مسلم کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 682-680

2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 59 سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 187

3۔ فتح الباری، کتاب الزکاۃ، جلد 3، صفحہ 283 4۔ دیکھئے تفسیر بقرہ آیت: 83 اور نحل آیت: 62

5۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب الہبۃ، جلد 5، صفحہ 197 مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 714

6۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 381 سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 126 عارضۃ الاحوذی کتاب الزکاۃ، جلد 3، صفحہ 169 نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 5 صفحہ 86-81

7۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 79 8۔ موطا، کتاب الصدقۃ، جلد 2، صفحہ 997 9۔ دیکھئے تفسیر سورۃ قمر آیت: 53

10۔ تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 269-268 11۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 270

چھوٹے اعمال کو بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے کہا ہائے افسوس۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوسعید! خوش ہو جاؤ۔ ایک نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ دیا جائے گا۔ لیکن ایک برائی کی سزا اتنی ہی دی جائے گی یا اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا۔ فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے ہرگز نجات نہیں پائے گا۔ میں نے عرض کی: آپ بھی یا رسول اللہ ﷺ؟ فرمایا: ہاں میں بھی۔ مگر جب اللہ کی رحمت مجھے ڈھانپ لے۔ اس روایت کا ایک راوی ابن لہیعۃ ہے۔ اس کے علاوہ کسی نے اسے روایت نہیں کیا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا (الدہر: 8) تو اہل ایمان خیال کیا کرتے تھے کہ اگر وہ تھوڑی چیز صدقہ کریں تو نہیں اس کی جزا نہیں ملے گی۔ اگر ان کے دروازے پر فقیر آتا اور ان کے پاس صرف ایک کھجور یا روٹی کا ٹکڑا یا اس کی مثل کوئی اور چیز ہوتی تو وہ اسے کم سمجھتے ہوئے خالی ہاتھ لوٹا دیتے اور کہتے کہ اس چیز پر ہمیں کیا اجر ملے گا بلکہ اجر تو ایسی چیز پر ملے گا جب ہم ان پر وہ چیز صدقہ کریں جسے ہم خود پسند کرتے ہیں اور ایک گروہ ایسا بھی تھا جو چھوٹے چھوٹے گناہوں پر اپنے نفس کو ملامت نہیں کرتے تھے۔ مثلاً جھوٹ، غیر محرم کی طرف ایک دو مرتبہ نظر، غیبت اور اس جیسی دوسری برائیاں۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم میں داخل کرنے کی جو وعید سنائی ہے وہ گناہ کبیرہ کرنے پر ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس نے ان کو چھوٹے چھوٹے نیک اعمال کرنے کی ترغیب دی کہ ممکن ہے اس کا اجر بہت زیادہ ملے اور چھوٹے چھوٹے برے اعمال سے محتاط کر دیا ممکن ہے یہی چھوٹے گناہ کبیرہ بن جائیں۔ چھوٹی سی چیونٹی کے وزن برابر چیز کو ذرہ کہتے ہیں۔ یعنی جو آدمی تھوڑی سی نیکی بھی کرے گا وہ قیامت کے دن اسے اپنے نامہ اعمال میں لکھا ہوا دیکھ لے گا اور یہ اس کے لئے خوشی کا باعث ہوگا۔ ہر نیک و بد کی ایک بُرائی ایک ہی لکھی جائے گی اور ہر نیکی کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مومنین کی نیکیوں کو دگنا کر دے گا۔ ایک نیکی کے بدلہ میں دس۔ اور اس کی دس برائیاں مٹا دی جائیں گی۔ اگر کسی کی نیکیاں اس کی برائیوں سے ذرہ برابر بھی زیادہ ہو گئیں وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صغیرہ گناہوں سے محتاط رہو، یہ جمع ہو کر آدمی کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ بات ایک مثال کے ذریعہ سمجھائی کہ ایک قافلہ صحرا میں فروکش ہوتا ہے۔ کھانے کا وقت ہو جاتا ہے۔ ایک آدمی جاتا ہے لکڑی پکڑ لاتا ہے، دوسرا جاتا ہے اور ایک لکڑی پکڑ لاتا ہے۔ اس طرح وہ ایک ایک کر کے لکڑیوں کا ڈھیر جمع کر لیتے ہیں اور آگ جلا کر کھانا پکا لیتے ہیں(1)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 403-402۔ نیز دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 81

سورۂ عادیات (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَ الۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا ۙ﴿۲﴾ فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا ۙ﴿۴﴾
فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ ۚ﴿۶﴾ وَ اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیۡدٌ ۚ﴿۷﴾ وَ اِنَّہٗ
لِحُبِّ الۡخَیۡرِ لَشَدِیۡدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ۙ﴿۱۰﴾
اِنَّ رَبَّہُمۡ بِہِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ ﴿۱۱﴾

''قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینہ سے آواز نکالتے ہیں پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سُم مار کر، پھر اچانک حملہ کرتے ہیں صبح کے وقت، پھر اس سے گرد وغبار اڑاتے ہیں پھر اسی وقت (دشمن کے) لشکر میں گھس جاتے ہیں۔ بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر گزار ہے اور وہ اس پر (خود) گواہ ہے۔ اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔ کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے۔ اور ظاہر کر دیا جائے گا جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے یقیناً ان کا رب ان سے اس روز خوب باخبر ہوگا''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینہ سے آواز نکالیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے ان گھوڑوں کی قسم اٹھائی ہے جو تیز دوڑتے ہوئے سینے سے آواز نکالتے ہیں۔ ''ضبحا'' اس آواز کو کہتے ہیں جو تیز دوڑتے ہوئے گھوڑے سے سنائی دیتی ہے۔

فرمایا: پھر سُم مار کر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں۔ جب ان کے نعل پتھر کی چٹانوں کے ساتھ ٹکراتے ہیں تو ان سے آگ کی چنگاریاں نمودار ہوتی ہیں۔ فرمایا: پھر اچانک حملہ کرتے ہیں صبح کے وقت۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ کسی دشمن پر حملہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو آپ ﷺ رات کی تاریکی میں ان کے قریب پہنچ جاتے۔ صبح اگر اس بستی سے اذان کی آواز سنائی دیتی تو حملہ نہ کرتے، وگرنہ حملہ کر دیتے(1)۔ فرمایا: پھر اس سے گرد وغبار اڑاتے ہیں۔ یہ گھوڑے میدان جنگ میں گرد وغبار اڑاتے ہیں۔ فرمایا: پھر اسی وقت دشمن کے لشکر میں گھس جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ الۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا سے مراد اونٹ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس سے مراد گھوڑے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بات سنی تو فرمایا: غزوۂ بدر میں ہمارے پاس گھوڑے نہیں تھے بلکہ اونٹ تھے۔ انہوں نے کہا یہ کسی اور سریہ کی بات ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں حطیم میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص نے مجھے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا۔ میں نے کہا: اس سے مراد

1۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 89 مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 288

مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو صبح کے وقت حملہ کرتے ہیں۔ پھر رات کے وقت یہ گھڑ سوار اپنے خیموں میں واپس آ کر کھانا تیار کرنے کے لئے آگ جلاتے ہیں۔ وہ شخص یہ بات سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت بئر زمزم کے پاس تھے۔ انہوں نے فرمایا: کیا تم نے اس کے بارے میں کسی سے پہلے بھی پوچھا ہے؟ اس نے کہا: ہاں میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا ہے وہ فرماتے ہیں اس سے مجاہدین کے گھوڑے مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا: جاؤ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا تم لوگوں کو کیسے فتویٰ دے رہے ہو حالانکہ تمہیں اس کے بارے میں علم بھی نہیں۔ پھر فرمایا: اسلام کا سب سے پہلا غزوہ بدر تھا۔ اس میں ہمارے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک حضرت زبیر کا اور دوسرا حضرت مقداد رضی اللہ عنہما کا۔ تم اس کی یہ کیسے تفسیر بیان کرتے ہو۔ اس سے مراد تو وہ اونٹ ہیں جو میدان عرفات سے مزدلفہ کی طرف جاتے ہیں اور وہاں سے منیٰ کی طرف۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے یہ بات سن کر اپنے قول سے رجوع کر لیا(1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَلْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا سے مراد ان کا میدان عرفات سے مزدلفہ آنا ہے اور یہاں مزدلفہ پہنچ کر کھانا وغیرہ پکانے کے لئے آگ جلاتے ہیں۔ یہی قول علماء کرام کی ایک بہت بڑی جماعت سے منقول ہے جن میں ابراہیم نخعی اور عبید بن عمیر شامل ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گھوڑے ہیں اور یہی مجاہد، عکرمہ، عطاء، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہے اور اسی کو ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں صرف دو جانور ایسے ہیں جو اپنے سینہ سے آواز نکالتے ہیں: ایک گھوڑا اور دوسرا کتا۔ آپ فرماتے ہیں ان کے ہانپنے کے وقت جو اح اح کی آواز نکلتی ہے اسے ''ضبح'' کہتے ہیں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا سے مراد گھوڑوں کا اپنے سُموں سے آگ نکالنا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ گھوڑے مختلف قافلوں کے درمیان جنگ کی آگ بھڑکا دیتے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد مکر و فریب اور دھوکہ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مجاہدین جب اپنے گھروں کو واپس لوٹتے ہیں تو وہ آگ جلاتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے اس سے مراد قبائل کی آگ ہے بعض کا قول ہے کہ مزدلفہ میں پہنچ کر حاجیوں کا آگ جلانا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلا قول ہی صحیح ہے کہ اس سے مراد گھوڑوں کے سُموں سے نکلنے والی آگ ہے۔

فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا سے مراد گھوڑوں کا اللہ کی راہ میں صبح صبح دشمن پر حملہ کرنا ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اور جنہوں نے اس سے اونٹ مراد لئے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ دسویں کی صبح مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جانا ہے اور ان تمام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پہنچ کر وہ غبار اڑاتے ہیں۔ خواہ حج میں ہو یا میدان جنگ میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا سے مراد دشمن کے لشکر میں گھسنا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ وہ تمام جمع ہو کر اس جگہ کے درمیان میں پہنچ جاتے ہیں(2)۔ اس صورت میں ''جمعاً'' حال مؤکد ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے گھڑ سواروں کی ایک جماعت دشمن کے مقابلہ کے لئے بھیجی۔ ایک مہینہ تک ان کی کوئی خبر تک نہ آئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور اپنے محبوب ﷺ کو خبر دی کہ یہ گھوڑے تیز دوڑتے ہوئے اپنے سینہ سے آواز نکالتے ہیں اور اپنے سُموں کو پتھر پر مار کر چنگاری نکالتے ہیں۔ صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 273-272 2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 82، مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 142

ہیں......الخ۔

فرمایا: بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر گزار ہے۔ یہ مقسم علیہ ہے یعنی یہ تمام قسمیں اس پر اٹھائی گئی ہیں۔ معنی یہ ہے کہ یہ انسان اپنے رب کی نعمتوں کا بہت زیادہ ناشکری کرنے والا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں ''الکنود'' سے مراد ناشکرا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ انسان ہے جو مصائب وآلام کو یاد رکھتا ہے لیکن نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کنود'' وہ شخص ہے جو تنہا کھاتا ہے۔ اپنے غلام کو مارتا پیٹتا ہے اور اس پر احسان نہیں کرتا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے موقوف روایت کیا ہے(1)۔ فرمایا: اور وہ اس پر (خود) گواہ ہے۔ قتادہ اور سفیان رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کی اس ناشکری پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں اس ضمیر کا مرجع انسان ہے۔ معنی یہ ہے کہ انسان اپنے ناشکرا ہونے پر اپنی ہی اس زبان حال سے گواہ ہے۔ اس کی یہ ناشکری اس کے افعال و اقوال سے ظاہر ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ (توبہ 17) ''نہیں ہے روا مشرکوں کے لئے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو حالانکہ وہ خود گواہی دے رہے ہیں اپنے نفسوں پر کفر کی''۔

فرمایا: اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔ حرص سے مراد مال ہے۔ اس کے دو معانی بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان مال کی محبت میں بہت سخت ہے۔ دوسرا یہ کہ انسان مال کی محبت میں بڑا حریص اور بخیل ہے یہ دونوں معانی صحیح ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا کی محبت سے دور کرتے ہوئے اور آخرت کی ترغیب دلاتے ہوئے اور مستقبل میں پیش آنے والے احوال پر خبردار کرتے ہوئے فرمایا: کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے یعنی قبروں سے تمام مردوں کو باہر نکال لیا جائے گا۔ فرمایا: اور ظاہر کر دیا جائے گا جو دلوں میں (پوشیدہ) ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس دن تمام رازوں کو ظاہر کر دیا جائے گا جو وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہوں گے فرمایا: یقیناً ان کا رب ان سے اس روز خوب باخبر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ قیامت کے دن ان کے اچھے برے اعمال کی پوری پوری جزا وسزا دے گا اور کسی پر ذرہ برابر ظلم وزیادتی نہیں کرے گا۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 278

سورۃ القارعہ (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾ یَوْمَ یَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿۴﴾ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ﴿۶﴾ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ﴿۹﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا هِیَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِیَةٌ ﴿۱۱﴾

''(دل ہلا دینے والی) کڑک۔ یہ (زہرہ گداز) کڑک کیا ہے؟ اور آپ کو کیا معلوم کہ یہ کڑک کیا ہے۔ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔ اور پہاڑ رنگ برنگی دھنکی ہوئی اون کی مانند ہوں گے۔ پھر جس کے (نیکیوں کے) پلڑے بھاری ہوں گے، تو وہ دل پسند عیش (ومسرت) میں ہوگا۔ اور جس کے (نیکیوں کے) پلڑے ہلکے ہوں گے۔ تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ ایک دہکتی ہوئی آگ''۔

ارشاد فرمایا: دل ہلا دینے والی کڑک، اَلْقَارِعَةُ قیامت کے بہت سے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں جیسے الحاقة، الطامة، الصاخة، الغاشیة وغیرہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت کی ہولناکی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اور آپ کو کیا معلوم کہ یہ کڑک کیا ہے؟ پھر اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔ اس دن لوگ پروانوں کی طرح بڑی حیرت اور پریشانی میں ادھر ادھر منتشر ہوں گے اور پشیمانی کے عالم میں ادھر ادھر گھوم رہے ہوں گے۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا: كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ (قمر: 7) ''وہ پراگندہ ٹڈیاں ہیں''۔

فرمایا: اور پہاڑ رنگ برنگی دھنکی ہوئی روئی کی مانند ہوں گے یعنی پہاڑ اس طرح ہو جائیں گے جس طرح مختلف رنگوں کی دھنکی ہوئی روئی ہوتی ہے۔ ''العهن'' اون کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال کرنے والوں کے اچھے انجام کو بیان فرمایا اور برے اعمال کرنے والوں کے برے انجام کی خبر دی اور جس کے نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہ دلپسند عیش ومسرت میں ہوگا۔ جس کی نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں گی وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ فرمایا: اور جس کے نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے اس کا ٹھکانہ ھاویہ ہو گا۔ جس کی برائیاں اس کی نیکیوں سے زیادہ ہوں گی، اس کا ٹھکانہ ھاویہ ہوگا۔ ھاویہ کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ سر کے بل جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ بعض نے کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی وہ اصل جس کی طرف وہ لوٹے گا وہ ھاویہ ہے اور ھاویہ جہنم کا نام ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہاں اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس کا ٹھکانہ ھاویہ ہوگا کیونکہ اس کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں (1)۔ ابن

1۔ تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 283

زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ھاویہ سے مراد آگ ہے جو اس کا ٹھکانہ ہوگی۔ وہ اسی کی طرف پلٹ کر جائے گا وہاں ہی پناہ لے گا اور انہوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی (وماوٰئہ النار) پھر اللہ تعالیٰ نے ھاویہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا اور آپ کو کیا معلوم کہ ھاویہ کیا ہے؟ ایک دہکتی ہوئی آگ۔

حضرت اشعث بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب مؤمن مرتا ہے تو اس کی روح کو اہل ایمان کی روحوں کی طرف لے جاتا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں اپنے اس بھائی کو راحت دو۔ دنیا میں غمگین زندگی گزار کر آیا ہے۔ وہ روحیں اس سے پوچھتی ہیں فلاں کا کیا حال ہے؟ کہتی ہے وہ تو تمہارے پاس آچکا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں اسے ھاویہ میں پہنچا دیا گیا ہے(1)۔ یہی روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کچھ تفصیل کے ساتھ مرفوعاً مروی ہے۔ اسے ہم نے اپنی کتاب ''صفۃ النار'' میں ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل واحسان سے اس آتش جہنم سے محفوظ رکھے۔

نَارٌ حَامِيَةٌ کا معنی یہ ہے کہ یہ آگ ہے انتہائی گرم اور اس کے بڑے بڑے شعلے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری یہ آگ جسے تم جلاتے ہو یہ آتش جہنم کا سترواں حصہ ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہلاکت کے لئے تو یہی کافی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ لیکن آتش دوزخ اس سے انہتر درجے تیز ہے۔ ان میں سے ہر درجہ دنیاوی آگ کی مثل ہے(2)۔ ایک روایت میں ہے کہ نار جہنم دنیاوی آگ سے ستر درجے زیادہ سخت ہے(3)۔ یحیٰ بن جعدہ لکھتے ہیں کہ تمہاری یہ آگ نار جہنم سے ستر گنا زیادہ ہے اسے دو دفعہ سمندر میں ڈبویا گیا۔ اگر اسے سمندر میں نہ ڈبویا جاتا تو اس سے کوئی بھی فائدہ حاصل نہ کرتا(4)۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آگ جہنم کی آگ کا سواں حصہ ہے(5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری اس آگ اور نار جہنم کے درمیان کیا نسبت ہے؟ فرمایا: نار جہنم تمہاری آگ کے دھواں سے بھی ستر گنا زیادہ سیاہ ہوگی(6)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آتش دوزخ کو ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ یہ سرخ ہوگئی۔ اسے پھر ایک ہزار سال تک جلایا گیا تو یہ سفید ہوگئی۔ اسے پھر ایک ہزار سال تک جلایا گیا تو یہ سیاہ ہوگئی اور اب یہ انتہائی سیاہ اور تاریک ہے(7)۔ ایک روایت میں فرمایا: سب سے کم عذاب والا وہ جہنمی ہوگا جسے آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی جن سے اس کا دماغ کھول اور پگھل جائے گا(8)۔ صحیحین کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آتش دوزخ نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو کھائے جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی۔ ایک سانس سردی میں اور ایک گرمی میں۔ موسم سرما میں جو تم سخت سردی محسوس کرتے ہو یہ اس کے سرد سانس کی وجہ سے ہے اور موسم گرما میں جو تم سخت گرمی محسوس کرتے ہو یہ اس کے گرم سانس کی وجہ سے ہے(9)۔ ایک دوسری روایت میں فرمایا: جب گرمی سخت پڑے تو ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹ کی وجہ سے ہوتی ہے(10)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 282
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ براءۃ آیت: 81
3۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 467
4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ براءۃ آیت: 81
5۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 379
6۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 387
7۔ دیکھئے تفسیر سورۂ براءۃ آیت: 81
8۔ حدیث ابی سعید فیہ: 78-13 حدیث ابو ہریرہ فیہ: 439-432
9۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6 صفحہ 330
10۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6 صفحہ 330 - مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 430

سورۃ التکاثر (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِ ؕ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَ ۙ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيۡنَ الۡيَقِيۡنِ ۙ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ ﴿۸﴾

”غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔ ہاں ہاں! تم جلد جان لو گے۔ پھر ہاں ہاں! تمہیں (اپنی کوششوں کا انجام) جلد معلوم ہو جائے گا۔ ہاں ہاں! اگر تم (اس انجام کو) یقینی طور پر جانتے (تو ایسا ہرگز نہ کرتے)۔ تم دیکھ کر رہو گے دوزخ کو۔ پھر آخرت میں تم دوزخ کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔ پھر ضرور پوچھا جائے گا تم سے اس دن جملہ نعمتوں کے بارے میں“۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی خواہش نے یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دنیا اور اس کی آسائشوں کی محبت نے تمہیں آخرت سے غافل کر دیا۔ تم اس میں اتنے منہمک ہو گئے ہو کہ اسی حالت میں تم پر موت آ گئی اور تم قبروں میں چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی خواہش نے اللہ کی اطاعت سے غافل کر دیا ہے یہاں تک کہ اسی حالت میں تمہیں موت آ لے گی(1)۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: زیادہ سے زیادہ مال اور اولاد کی خواہش نے تمہیں غافل کر دیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لو کان لا بن ادم واد من ذهب! اگر ابن آدم کے لئے سونے کی ایک وادی بھی ہو) کو قرآن کا حصہ خیال کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ سورت نازل ہوئی(2)۔

ایک صحابی فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ یہ سورت تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے تلاوت کے بعد فرمایا: ابن آدم کہتا ہے میرا مال، میرا مال۔ حالانکہ تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے کھایا اور فنا کر دیا یا پہنا اور بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کیا اور اسے بارگاہ الٰہی میں بھیج دیا(3)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں اس کے سوا باقی مال کو لوگوں کے لئے چھوڑ کر جانے والا ہے(4)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ ان میں سے دو واپس لوٹ آتی ہیں اور ایک اس کے پاس باقی رہتی ہے۔ میت کے ساتھ اس کے اہل وعیال، مال اور اعمال

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 611 2۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 253

3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 24 نیز دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 212، سورۂ انعام آیت: 95 اور سورۂ حدید آیت: 7

4۔ مسلم، کتاب الزہد، جلد 4، صفحہ 2273

ساتھ جاتے ہیں۔ اہل وعیال اور مال تو واپس پلٹ آتے ہیں اور اس کے اعمال اس کے پاس باقی رہتے ہیں (1)۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے مگر دو چیزیں اس کے ساتھ باقی رہتی ہیں۔ ایک حرص اور دوسری آرزو (2)۔ حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں ایک درہم دیکھا۔ پوچھا یہ کس کا ہے؟ اس نے کہا یہ میرا ہے۔ فرمایا: یہ تیرا اس وقت ہوگا جب تو اسے کسی نیکی کے کام میں خرچ کرے گا یا خدا کا شکر یہ ادا کرنے کے لئے صدقہ کرے گا۔ پھر آپ نے شاعر کا یہ شعر اسے پڑھ کر سنایا:

انت للمال اذا امسكته فاذا انفقته فالمال لك

"جب تو مال کو اپنے پاس روکے گا تو تو مال کا ہوگا اور جب تو اس کو خرچ کر دے گا تو مال تیرا ہو جائے گا"۔

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ سورت انصار کے دو قبیلے بنو حارثہ اور بنو حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ ایک دوسرے پر فخر کا اظہار کرتے تھے۔ ایک کہتا کیا تم میں فلاں شخص کی مثل بہادر اور سخی ہے؟ دوسرا قبیلہ بھی ان کو جواب دیتا۔ پہلے وہ اپنے زندہ افراد پر فخر کرتے رہے۔ پھر کہنے لگے چلو قبرستان چلتے ہیں۔ وہاں جا کر ایک قبیلہ والے ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے کہتے کیا تم میں کوئی ایسا شخص تھا۔ جواب میں دوسرے نے بھی یہی کہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ تمہیں تو چاہئے تھا کہ تم اہل قبور کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتے تم اس کے برعکس فخر ومباہات میں مشغول ہو گئے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہیں زیادہ سے زیادہ مال کی ہوس نے اللہ کی اطاعت سے غافل کر دیا یہاں تک کہ تم قبروں میں پہنچ گئے اور تمہیں ان میں دفن کر دیا گیا (3)۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث ہے نبی کریم ﷺ ایک اعرابی کی عیادت کے لئے گئے تو آپ ﷺ نے حسب عادت فرمایا کوئی بات نہیں۔ انشاء اللہ یہ تمہارے گناہ کی پاکیزگی کا باعث ہوگا۔ اس نے کہا آپ اسے پاکیزگی کا باعث بتا رہے ہیں۔ یہ تو بخار ہے جو ایک بوڑھے آدمی کے اوپر جوش مار رہا ہے جو اس کو قبر میں پہنچا کر چھوڑے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے ایسا ہی سہی (4)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم عذاب قبر کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا تھے کہ یہ سورت نازل ہوئی (5)۔ میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور تھوڑی دیر بعد فرمانے لگے: اے میمون! زیارت کا معنی تو دیکھنا ہوتا ہے اور دیکھنے والا ضرور اپنے گھر کو واپس لوٹتا ہے (6) یعنی قبر والا اپنے گھر کو لوٹے گا خواہ وہ گھر جنت ہو یا دوزخ۔ اسی طرح ایک بدو نے ایک شخص کو یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے ہوئے سنا تو کہنے لگا مجھے رب کعبہ کی قسم: مردوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا کیونکہ زائر ایک جگہ کی زیارت کر کے وہاں سے کوچ کر جاتا ہے۔

پھر فرمایا: ہاں ہاں تم جلد جان لوگے۔ پھر ہاں ہاں تمہیں (اپنی کوششوں کا انجام) جلد معلوم ہو جائے گا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلی وعید کے بعد دوسری وعید ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلے سے مراد کافر ہیں اور دوسرے سے مراد اہل

1۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 362، مسلم، کتاب الزہد، جلد 4، صفحہ 2273، عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9، صفحہ 224-223، نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4، صفحہ 53

2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 115، فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 239، مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 724

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 283

4۔ بخاری، کتاب المناقب، جلد 6، صفحہ 624

5۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ التکاثر، جلد 12، صفحہ 256-255

6۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 611

ایمان ۔فرمایا: ہاں ہاں اگر تم (اس انجام کو) یقینی طور پر جانتے (تو ایسا ہرگز نہ کرتے) یعنی اگر تم اسے یقینی طور پر جان لیتے تو تمہیں مال و دولت کی ہوس آخرت سے غافل نہ کرتی اور اسی حالت میں قبروں میں نہ پہنچ جاتے۔ فرمایا تم دیکھ کر رہو گے دوزخ کو، پھر آخرت میں دوزخ کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ میں جو وعید فرمائی تھی، یہ اسی کی تفسیر ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس حالت کی وعید فرمائی ہے، جب وہ اپنی آنکھوں سے جہنم کا مشاہدہ کرے گا۔ آتش جہنم جب ایک آہ بھرے گی، تمام مقرب فرشتے اور انبیاء و مرسلین اس کی ہولناکی اور ہیبت کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گر جائیں گے۔ جیسا کہ بعض روایات میں اس کا تفصیلی ذکر ہے۔

فرمایا: پھر ضرور پوچھا جائے گا اس دن جملہ نعمتوں کے بارے میں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں صحت امن و امان اور رزق وغیرہ کی جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں قیامت کے دن ان کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تم نے ان کا کس قدر شکر ادا کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دن دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ کاشانہ انور سے باہر تشریف لائے۔ مسجد نبوی میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو موجود پایا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ! گھر سے باہر کیوں آئے ہو؟ عرض کی: جیسے آپ باہر آئے ہیں۔ اسی اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں آ گئے۔ ان سے بھی یہی سوال کیا گیا۔ انہوں نے جواباً عرض کی کہ میں بھی اسی وجہ سے گھر سے نکلا ہوں جس وجہ سے آپ دونوں گھر سے نکلے ہیں۔ تینوں وہیں بیٹھ گئے اور آپ اپنے دونوں ساتھیوں سے گفتگو فرمانے لگے۔ تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں قوت ہے کہ چل کر اس باغ تک جا سکو۔ وہاں تمہیں کھانے پینے کے لئے بھی ملے گا اور سایہ بھی۔ انہوں نے عرض کی: ہاں۔ آپ انہیں لیکر ابوہیثم انصاری کے گھر تشریف لے آئے۔ نبی کریم ﷺ نے آگے بڑھ کر اہل خانہ کو سلام کیا اور تین دفعہ گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ ام ہیثم دروازے کے پیچھے کھڑی سن رہی تھیں اور آہستہ سے جواب دیتی رہیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے لئے زیادہ سے زیادہ سلامتی کی دعا فرمائیں۔ جب آپ ﷺ واپس چل دیئے تو وہ آپ کے پیچھے دوڑیں اور عرض کی میں نے آپ ﷺ کے سلام کو سن لیا تھا۔ لیکن میں چاہتی تھی آپ ﷺ میرے لئے اس سے زیادہ سلامتی کی دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ ابوہیثم نظر نہیں آ رہے۔ کہاں ہیں؟ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! وہ قریب ہی ٹھنڈا پانی لینے گئے ہوئے ہیں۔ آپ باغ میں تشریف رکھیے۔ وہ جلد ہی آ جاتے ہیں۔ پھر اس نے ایک درخت کے نیچے چٹائی بچھا دی۔ اسی اثناء میں ابوہیثم بھی آ گئے اور اپنے معزز مہمانوں کو دیکھ کر اتنے خوش ہوئے کہ ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی۔ جلدی سے ایک کھجور پر چڑھے اور خوشے کاٹ کر آپ کی خدمت میں پیش کئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوہیثم! بس کرو اتنے ہی کافی ہیں۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں چاہتا ہوں آپ اپنی من پسند کچی پکی جیسی بھی چاہیں کھجوریں تناول فرمائیں۔ اس کے بعد اس نے پانی پیش کیا۔ سب نے پانی نوش فرمایا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہی وہ نعمت ہے جس کے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا۔ اسے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور ان کی یہ سند غریب ہے(1)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہاں کیسے بیٹھے ہو؟ انہوں نے عرض کی: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث

1۔ دلائل النبوۃ، جلد 1، صفحہ 362 مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 317 درمنثور، جلد 8، صفحہ 617-616

کیا! ہمیں بھوک نے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے حق کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا ہے! میں بھی اسی وجہ سے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: میرے ساتھ چلو۔ آپ ﷺ ایک انصاری کے گھر پہنچے، اس انصاری کی اہلیہ نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا خاوند کہاں ہے؟ اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! وہ ہمارے لئے ٹھنڈا پانی لینے گئے ہیں۔ وہ جلد ہی پانی کا مشکیزہ اٹھائے ہوئے آ گئے۔ آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا اور کہنے لگے آج مجھ سے زیادہ کوئی خوش نصیب نہیں کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ انہوں نے جلدی سے کھجور کے درخت کے ساتھ مشکیزہ لٹکایا اور کھجور کا ایک پورا خوشہ لے آئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم تو پورا خوشہ لے آئے ہو اس میں سے کچھ کھجوریں چن کر لے آتے۔ اس نے عرض کی: میری خواہش تھی کہ آپ ﷺ اپنی مرضی سے کھجوریں چن لیں۔ پھر انہوں نے چھری لی اور اس سے جانور ذبح کر کے گوشت پکانے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بھئی دودھ والے جانور کو ذبح نہ کرنا۔ اس نے ایک بکری ذبح کی۔ سب نے مل کر اس کا گوشت کھایا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تم سے انہی نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ بھوک نے تمہیں گھر سے نکلنے پر مجبور کیا۔ آج تم ان چیزوں سے لطف اندوز ہو کر واپس جا رہے ہو ان تمام چیزوں کا شمار نعمتوں میں ہوتا ہے۔ یہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے۔ مسلم اور اصحاب سنن نے بھی اسے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے(1)۔

خادم رسول حضرت ابوعسیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے باہر تشریف لائے۔ انہوں نے مجھے بلایا۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ مجھے لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے انہیں بھی اپنے ساتھ لیا اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ساتھ لیا۔ آپ ﷺ ہم سب کو ساتھ لے کر چلے اور ایک انصاری کے باغ میں پہنچے اور انصاری سے کہا کہ ہمیں کچھ کھلاؤ۔ وہ کھجوروں کا پورا خوشہ لے آیا۔ آپ ﷺ نے اور آپ کے ساتھیوں نے کھجوریں کھائیں پھر آپ ﷺ نے ٹھنڈا پانی نوش فرمایا۔ پھر فرمایا قیامت کے دن اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ خوشہ زمین پر مارا جس سے وہ کھجوریں زمین پر بکھر گئیں اور آپ ﷺ سے پوچھا کیا قیامت کے دن ان کے بارے میں بھی مجھ سے پوچھا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: صرف تین چیزوں کے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔ ایک کپڑے کا وہ ٹکڑا جس سے وہ اپنا ستر ڈھانپے۔ دوسرا روٹی کا وہ ٹکڑا جس سے انسان اپنی بھوک مٹائے اور تیسرا وہ مکان جو اسے گرمی اور سردی سے بچائے۔ اسے صرف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ہی روایت کیا ہے(2)۔

حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! ہم سے کس نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا؟ ہمارے پاس تو صرف کھانے کے لئے کھجوریں اور پینے کے لئے پانی ہے۔ تلواریں ہمارے سروں پر لٹک رہی ہیں۔ دشمن سر پر کھڑا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عنقریب تمہیں بہت سی نعمتیں عطا کی جائیں گی۔ گھبراؤ نہیں(3)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کے سر مبارک پر پانی کے کچھ آثار تھے۔ ہم

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 287، مسلم، کتاب الاشربۃ، جلد 3، صفحہ 1609-1601 مسند ابویعلی، جلد 1، صفحہ 71-70 سنن ابن ماجہ، کتاب الذبائح، جلد 2، صفحہ 1062 سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 333 تحفۃ الاشراف، جلد 10، صفحہ 467 عارضۃ الاحوذی، ابواب الادب، جلد 10، صفحہ 261، ابواب الزہد، جلد 9، صفحہ 220-218 نسائی: سنن کبری، کتاب الولیمۃ والتفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 1، صفحہ 468-467 سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 1233

2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 81

3۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 429

نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آج آپ بڑے خوش وخرم نظر آ رہے ہیں۔ پھر ہم لوگ خوشحالی کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو اس کے لئے خوشحالی کوئی بری چیز نہیں اور یہ بات یاد رکھو کہ متقی شخص کے لئے صحت خوشحالی سے بھی زیادہ اچھی ہے۔ خوش وخرم رہنا بھی اللہ کی نعمت ہے(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے بندہ سے نعمتوں کا سوال ہوگا۔ اسے کہا جائے گا کیا ہم نے تمہیں صحت عطا نہیں فرمائی تھی؟ ہم نے تمہیں ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا تھا(2)۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہم سے کس نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ کیا پانی اور کھجوروں کے بارے میں۔ فرمایا: تمہارے پاس اللہ کی بہت سی نعمتیں آئیں گی(3)۔ ایک روایت میں ہے کہ صحابہ نے عرض کی ہمارے پاس کونسی نعمت ہے۔ ہمیں تو جو کی روٹی بھی پیٹ بھر نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ کیا تم اپنے پاؤں بچانے کے لئے جوتیاں نہیں پہنتے۔ ان سے کہو۔ کیا تم پیاس بجھانے کے لئے ٹھنڈا پانی نہیں پیتے۔ کیا یہ نعمت نہیں ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ امن وامان اور صحت کے بارے میں سوال ہوگا۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ رسول خدا ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ پیٹ بھر کھانے، ٹھنڈے پانی، سایہ دار گھر، متناسب خدوخال اور میٹھی نیند کے بارے میں بھی سوال ہوگا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوپہر اور شام کے کھانے کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔ ابو قلابہ فرماتے ہیں گھی اور شہد کے ساتھ میدے کی روٹی کھانے والے سے بھی سوال ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صحت، کانوں اور آنکھوں کے بارے میں بھی سوال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے پوچھے گا کہ انہوں نے ان اعضاء کو کن امور میں استعمال کیا حالانکہ اللہ بہتر جانتا ہے: اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا (اسراء:36) ''بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق (تم سے) پوچھا جائے گا''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں اکثر لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ایک صحت، دوسری فراغت(4)۔ مقصد یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ کما حقہ ان کا شکر یہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اور جو شخص اپنے فرض میں غفلت کرتا ہے وہ دھوکہ میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک چادر، دیوار کے سائے اور روٹی کے علاوہ قیامت کے دن بندے سے ہر قسم کا سوال کیا جائے گا(5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا اے ابن آدم! میں نے تمہیں سواری کے لئے اونٹ اور گھوڑے دیئے، عورتیں تیرے نکاح میں دیں، تجھے آرام کی زندگی دی۔ ان چیزوں کا شکر کہاں ہے(6)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 382-380-372 سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، جلد 2، صفحہ 724

2۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ التکاثر، جلد 12 صفحہ 257 صحیح ابن حبان، جلد 9، صفحہ 228

3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ التکاثر، جلد 12، صفحہ 256، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1392

4۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 229 سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 1396 عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 182-181، سنن کبریٰ، کتاب الرقاق بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 465

5۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الزہد، جلد 4، صفحہ 247 مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 267

6۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 492

سورۃ العصر (مکیہ)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے سے پہلے مسیلمہ کذاب سے ملے۔ اس نے پوچھا اس مدت میں تمہارے نبی پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا: ان پر ایک نہایت ہی فصیح و بلیغ مختصر سی سورت نازل ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا یہ کونسی ہے؟ انہوں نے سورۂ عصر کی تلاوت فرمائی۔ وہ تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ پھر کہنے لگا مجھ پر بھی ابھی ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا وہ کونسی سورت ہے؟ اس نے کہا: "یاوبر یا وبر انما انت اذنان والصدر وسرك حفر نقر" پھر کہنے لگا۔ اے عمرو! تمہاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا: قسم بخدا تمہیں یقیناً معلوم ہے کہ میں تمہیں جھوٹا سمجھتا ہوں (1)۔ وبر ایک چھوٹا سا جانور ہے جو بلی سے تھوڑا سا بڑا ہوتا ہے۔ اس کے دونوں کان اور سینہ تھوڑا سا بڑا ہوتا ہے اور اس کا باقی حصہ بڑا بدصورت ہوتا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے اس قسم کی فضول گوئی اور بکواس کے ساتھ قرآن کریم کا مقابلہ کرنا چاہا۔ لیکن اس زمانہ کے ایک بت پرست نے بھی اس سے کوئی اثر نہ لیا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے کہ دو صحابیوں کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی آپس میں ملتے تو ان میں سے ایک اس سورت کی تلاوت کرتا اور دوسرا اسے غور سے سنتا۔ پھر سلام کر کے رخصت ہو جاتے (2)۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر لوگ اس سورت کو ہی غور و فکر سے پڑھیں تو یہی ان کے لئے کافی ہو جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَ الْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾

"قسم ہے زمانہ کی۔ یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے۔ بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے۔ اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے"۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے قسم ہے زمانہ کی۔ یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے۔ عصر سے مراد زمانہ ہے جس میں انسان نیکی و بدی کے کام کرتا ہے۔ اچھے برے افعال سر انجام دیتا ہے۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد نماز عصر ہے۔ لیکن پہلا قول مشہور ہے (3)۔ زمانہ کی قسم اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یقیناً ہر انسان خسارے اور گھاٹے میں ہے فرمایا بجز ان خوش نصیبوں کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے۔ خسارہ اور گھاٹا کھانے والے لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مستثنیٰ کر دیا جو اپنے دل سے اس پر ایمان لائے اور اپنے ظاہری اعضاء سے نیک عمل کرتے رہے۔ فرمایا: نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے۔ ایک دوسرے کو فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کی تاکید کرتے رہے۔ فرمایا: ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے۔ مصائب و آلام اور دعوت حق کے نتیجہ میں ملنے والی اذیت پر صبر کی تلقین کرتے رہے۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یونس آیت: 17 2۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 621 3۔ تفسیر قرطبی، جلد 20، صفحہ 179

سورۃ الھمزۃ (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ﴿١﴾ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ﴿٢﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ﴿٣﴾ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ﴿٤﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿٥﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿٦﴾ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿٧﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٨﴾ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿٩﴾

”ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لئے جو (روبرو) طعنے دیتا ہے (پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لافانی بنا دیا ہے۔ ہرگز نہیں وہ یقیناً حطمہ میں پھینک دیا جائے گا۔ اور تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے۔ وہ اللہ کی آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی۔ جو دلوں تک جا پہنچے گی۔ بے شک وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی۔ (اس کے شعلے) لمبے لمبے ستونوں (کی صورت) میں (ہوں گے)“۔

ارشاد ہے: ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لئے جو (روبرو) طعنے دیتا ہے، (پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے۔ ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو اپنی زبان سے لوگوں پر عیب لگاتا ہے اور اپنے خیال میں انہیں حقیر سمجھتا ہے اس کی تفسیر اللہ کے ارشاد ”ھمّاز مشاء بنميم“ کے تحت گزر چکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ھُمَزَۃٍ طعن و تشنیع کرنے والے کو کہتے ہیں اور لُمَزَۃٍ عیب جوئی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سامنے عیب لگانے والے ھُمَزَۃٍ اور پشت پیچھے عیب لگانے والے لمزہ ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں زبان سے عیب لگانے والا ھمزہ اور آنکھوں کے اشارہ سے عیب لگانے والا لمزہ ہے۔ یعنی لوگوں کی غیبت کرتے ہیں اور ان پر طعنہ زنی کرتے ہیں(1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہاتھ اور آنکھ کے اشارے سے عیب لگانے والا ھمزہ اور زبان سے عیب لگانے والا لمزہ ہے۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگوں کی غیبت کرنے والا ھمزہ ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں اس سے مراد اخنس بن شریق ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا حکم عام ہے۔

فرمایا: جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھتا ہے۔ جس نے ڈھیروں مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ جس طرح کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: جمع فاوعی محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دن کے وقت اس کے مال نے اسے مختلف امور میں مشغول رکھا اور جب رات ہوئی تو تھکا ماندہ مردار کی طرح سو گیا۔

فرمایا: وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لافانی بنا دیا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اسے دنیا میں ہمیشہ کے لئے باقی رکھے گا لیکن یہ اس کی خام خیالی ہے۔ فرمایا ہرگز نہیں وہ یقیناً ”حطمہ“ میں پھینک دیا جائے گا۔ مال جمع کرنے والے اور اسے شمار کرنے

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 292

والے کو "حطمہ" میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ جہنم کا ایک طبقہ ہے۔ اسے "حطمہ" اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں جو کچھ پھینکا جائے گا اسے وہ چور چور کر دے گی۔

فرمایا: اور تم کیا جانو کہ "حطمہ" کیا ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک پہنچ جائے گی۔ ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آگ ان کے دلوں تک کو جلا دے گی حالانکہ وہ زندہ ہوں گے پھر فرماتے ہیں کہ یہ عذاب یہاں تک پہنچ جائے گا پھر رونے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آگ ان کے جسم کو کھاتی ہوئی جب دل کے قریب پہنچے گی تو پھر واپس جسم سے لوٹ آئے گی(1)۔

فرمایا: بے شک وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی۔ اس کے (شعلے) لمبے لمبے ستونوں (کی صورت) میں ہوں گے۔ سورۂ بلد میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آگ کو ان پر بند کر دیا جائے گا۔ عطیہ عوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوہے کے صندوقوں میں بند ہو گی۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آگ کے ستون ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جہنم کے دروازے ان پر بند ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "بعمد" مروی ہے(2)۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کے گلوں میں زنجیریں ڈال کر لمبے لمبے ستونوں میں داخل کر دیا جائے گا اور ان ستونوں کے ساتھ جہنم کے دروازوں کو بند کر دیا جائے گا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کو نار جہنم کے ستونوں کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ سے مراد وزنی بیڑیاں ہیں۔

1۔ در منثور، جلد 8، صفحہ 625 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 295 تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 524

سورۃ الفیل (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ﴿١﴾ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ﴿٢﴾ وَ
أَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ﴿٣﴾ تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ﴿٤﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ
مَّأْكُولٍ ﴿٥﴾

"کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر و فریب کو ناکام نہیں بنا دیا۔ اور (وہ یوں کہ) بھیج دیئے ان پر ہر سمت سے پرندے ڈاروں کے ڈار۔ جو برساتے تھے ان پر کنکر کی پتھریاں۔ پس بناڈالا ان کو جیسے کھایا ہوا بھوسہ"۔

اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کو بہت سی نعمتیں عطا فرمائیں۔ یہاں اس نے اپنی خاص نعمت کا ذکر کیا ہے کہ جب ہاتھی والوں نے کعبہ شریف کو گرانے اور اس کے وجود کو مٹانے کا عزم کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ و برباد کر دیا اور انہیں خائب و خاسر اور ناکام واپس لوٹایا۔ کعبہ پر حملہ کرنے والے مذہب کے لحاظ سے نصرانی تھے لیکن دین مسیح کو مسخ کرنے کی وجہ سے ان کی حالت بت پرستوں سے کم نہ تھی۔ اس لشکر کو اس طرح تباہ و برباد کرنا آنحضرت ﷺ کی بعثت کا پیش خیمہ تھا۔ مشہور قول کے مطابق آپ ﷺ کی ولادت باسعادت اسی سال ہوئی۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے اے گروہ قریش! میں نے جو تمہیں اہل حبشہ پر فتح عطا فرمائی ہے یہ تمہاری کوئی ذاتی خوبی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ہم نے اپنے اس گھر کو بچایا ہے جس کی عظمت و شرف کو نبی خاتم النبیین کی بعثت سے چار چاند لگانے والے ہیں۔

اصحاب فیل کا مختصر قصہ تو یہی ہے اور اس کا تفصیلی تذکرہ اصحاب الاخدود کے قصہ میں گزر چکا ہے(1) کہ قبیلہ حمیر کا آخری بادشاہ ذونواس مشرک تھا۔ اسی نے قریباً بیس ہزار اصحاب اخدود جو کہ نصرانی تھے کو قتل کیا۔ ان میں صرف ایک شخص دوس ذوثعلبان بچا۔ وہ وہاں سے اپنی جان بچا کر قیصر روم کے پاس پہنچا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ قیصر روم بھی نصرانی تھا۔ اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی طرف خط لکھا کہ اس کی مدد کی جائے۔ نجاشی نے اس کے ساتھ ایک لشکر جرار بھیجا۔ جس کے دو سپہ سالار تھے۔ ایک ارياط اور دوسرا ابرہہ بن صباح جس کی کنیت ابو یکسوم تھی۔ یہ لشکر یمن میں داخل ہوا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور بنو حمیر سے مملکت کو چھین لیا۔ ذونواس بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا لیکن سمندر میں ڈوب کر مر گیا۔ اس طرح یمن پر نجاشی کی حکومت قائم ہوگئی۔ دونوں امیر لشکر امور مملکت چلانے لگے۔ کچھ عرصہ بعد ان میں اختلاف ہو گیا۔ نوبت جنگ و جدال تک پہنچ گئی۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: فوجوں کو لڑانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم دونوں میدان میں نکلتے ہیں۔ جو غالب آئے گا وہ حاکم بن جائے گا۔ دوسرے نے بات تسلیم کر لی۔ وہ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بروج کا آخر

دونوں میدان میں نکلے۔ ارباط نے ابرہہ پر حملہ کیا اور تلوار کا وار کر کے اس کی ناک اور منہ کو چیر دیا اور چہرے پر زخم لگا دیا۔ اسی دوران ابرہہ کے ایک غلام عتودہ نے ارباط پر بھرپور حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ ابرہہ زخمی حالت میں میدان جنگ سے واپس آیا۔ علاج کے بعد اس کے زخم ٹھیک ہو گئے اور وہ یمن کا مستقل بادشاہ بن گیا۔ جب نجاشی کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ سخت طیش میں آ گیا۔ اس نے ابرہہ کو ایک خط لکھا اور اس میں اسے لعنت وملامت کی اور لکھا کہ قسم بخدا میں تیرے ملک کو پامال کر دوں گا اور تمہاری پیشانی کے بال کاٹوں گا۔ ابرہہ نے بڑی نرمی سے اس خط کا جواب دیا اور قاصد کے ساتھ بہت سے قیمتی تحائف بھیجے اور ایک تھیلے میں یمن کی مٹی اور اپنی پیشانی کے بال بھیجے اور ساتھ ہی یہ لکھا: بادشاہ سلامت! یمن کی یہ مٹی حاضر ہے اور میری پیشانی کے بال بھی۔ آپ اپنی قسم پوری کر لیجئے اور میری خطا معاف فرما دیجئے۔ نجاشی کے پاس جب قاصد پہنچے تو وہ ابرہہ کی ذہانت پر بڑا خوش ہوا اور اس نے اسے معاف کر دیا۔ اس کے بعد ابرہہ نے نجاشی کو ایک خط لکھا کہ میں یمن میں آپ کے لئے ایک ایسا کنیسہ تعمیر کر رہا ہوں جس جیسا کہیں تعمیر نہ ہوا ہو۔ پھر اس نے مقام صنعاء میں ایک انتہائی عظیم الشان اور بلند و بالا کنیسہ تعمیر کروایا۔ جس کو خوبصورت نقش ونگار سے مزین کیا۔ عرب اسے اس کی بلندی کی وجہ سے کلیس کہتے ہیں۔ یہ کنیسا اس قدر بلند تھا کہ اس کی چوٹی کو دیکھنے والے کی ٹوپی گر پڑتی تھی۔ اس کے بعد ابرہہ نے یہ عزم مصمم کیا کہ وہ عرب کے حجاج کو اس کی طرف متوجہ کرے گا اور لوگ اس کا اسی طرح حج کریں گے جس طرح مکہ میں کعبہ کا کرتے ہیں۔ اس نے اپنے پورے ملک میں اس کا اعلان کر دیا۔ عرب کے تمام عدنانی اور قحطانی قبائل نے اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ قریش کو جب اس کی خبر ملی تو وہ بھی سخت ناراض ہوئے۔ چند دنوں بعد ایک شخص رات کے وقت اس کنیسہ میں داخل ہوا اور اس میں پاخانہ کر دیا۔ کنیسہ کے محافظوں نے اس کی خبر اپنے بادشاہ ابرہہ کو دی کہ غصہ میں آ کر کسی قریشی نے یہ حرکت کی ہے کہ آپ نے ان کے کعبہ کے مقابلہ میں کنیسہ بنایا ہے۔ ابرہہ نے غصہ میں آ کر یہ قسم اٹھائی کہ وہ مکہ جا کر بیت اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔

مقاتل بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کچھ قریشی نوجوان رات کے وقت اس کنیسہ میں داخل ہوئے اور اسے آگ لگا دی۔ اس رات سخت ہوا چل رہی تھی۔ جس کی وجہ سے آگ پھیل گئی اور کنیسہ مکمل طور پر جل کر تباہ ہو گیا۔ ابرہہ نے اپنے لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور ایک لشکر جرار لے کر مکہ کا قصد کیا تا کہ راستہ میں اسے کوئی روک نہ سکے۔ اس لشکر کے ساتھ محمود نامی ایک بہت بڑا ہاتھی تھا جو کہ نجاشی نے اس مقصد کے لئے بھیجا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس کے ساتھ آٹھ یا بارہ ہاتھی اور بھی تھے۔ اس کا خیال تھا بیت اللہ کے چاروں طرف زنجیریں ڈال کر ان زنجیروں کو ہاتھیوں سے باندھ دے گا پھر ہاتھیوں کو ہانکا جائے گا تو ایک ہی جھٹکے سے بیت اللہ کی دیواریں پیوند خاک ہو جائیں گی۔ جب عربوں نے اس لشکر کے بارے میں سنا تو وہ بھی کعبہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے کیونکہ کعبہ کی حفاظت وہ اپنا فرض سمجھتے تھے اور یہ ان کا حق تھا۔ ذونفر نامی ایک شخص جو کہ یمن کے بادشاہوں اور سرداروں کی اولاد میں سے تھا، اس نے اپنی قوم اور عرب کے بعض قبائل کو ابرہہ کے خلاف لڑائی کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا اور خوب جانفروشی سے ابرہہ کے لشکر کا مقابلہ کیا۔ لیکن ابرہہ کے لشکر نے انہیں شکست دے دی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ اپنے گھر کی عظمت وجلالت کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ ابرہہ نے ذونفر کو قید کر لیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھا۔ جب یہ لشکر قبیلہ خثعم کی سرزمین پر پہنچا تو نفیل بن حبیب نے اپنے لشکر کے ساتھ مقابلہ کیا۔ ابرہہ کے لشکر نے اسے بھی شکست دی اور ابن نفیل کو قید کر لیا۔ ابرہہ نے پہلے تو اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن پھر راستہ کی راہنمائی کے لئے اپنے پاس رکھ لیا۔ جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو بنوثقیف نے اس کا استقبال کیا اور اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ انہیں ڈر تھا کہ یہ

کہیں ان کے لات نامی بت خانے کو تباہ نہ کر دیں اور انہوں نے ابورغال کو ابرہہ کے ساتھ بھیج دیا تاکہ وہ ان کی راہنمائی کریں۔ ابرہہ نے مکہ کے قریب مغمس نامی جگہ پر اپنا پڑاؤ ڈالا۔ اس کے لشکر نے اہل مکہ کے جانوروں پر حملہ کر کے انہیں پکڑ لیا۔ ان میں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے دوسو اونٹ بھی تھے۔ ان جانوروں پر حملہ اسود بن مقصود نامی شخص نے ابرہہ کے حکم سے کیا تھا جو لشکر کے ہراول دستے کا امیر تھا۔ عرب شاعروں نے اس کی ہجو میں شعر لکھے ہیں جنہیں ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سیرت نبویہ میں نقل کیا ہے(1)۔

ابرہہ نے حناطہ حمیر کو مکہ بھیجا اور اسے حکم دیا کہ قریش کے سردار کو میرے پاس بلا کر لاؤ اور انہیں بتاؤ ابرہہ تمہارے ساتھ لڑائی کرنے نہیں آیا۔ میں صرف بیت اللہ کو گرانا چاہتا ہوں۔ اگر اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ بنا تو اس سے نبٹ لیا جائے گا۔ حناطہ مکہ میں آیا۔ لوگوں نے بتایا قریش کے سردار عبدالمطلب بن ہاشم ہیں۔ وہ آپ سے ملا اور ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے فرمایا: ہم اس کے ساتھ جنگ نہیں کرنا چاہتے اور نہ ہی یہ ہمارے بس میں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے خلیل ابراہیم کا حرمت والا گھر ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو اپنے گھر کی حفاظت فرمالے گا، ہم میں تو اس کے دفاع کے لئے کوئی طاقت نہیں۔ حناطہ نے کہا میرے ساتھ بادشاہ کے پاس چلئے۔ آپ اس کے ساتھ چلے گئے۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ انتہائی حسین وجمیل اور بارعب شخصیت کے مالک تھے جونہی ابرہہ کی آپ پر نظر پڑی تو وہ آپ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اپنے تخت سے اترا اور آپ کے ساتھ قالین پر بیٹھ گیا۔ اپنے ترجمان سے کہا کہ انہیں پوچھو کہ ان کی کیا خواہش ہے؟ آپ نے ترجمان سے کہا میری خواہش ہے کہ میرے دوسو اونٹ واپس کر دیں جن پر لشکر نے قبضہ کیا ہوا ہے۔ ابرہہ نے ترجمان سے کہا انہیں کہہ جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تو میں تم سے بڑا متاثر ہوا تھا۔ لیکن تمہاری اس گفتگو نے سارا تاثر زائل کر دیا ہے۔ تمہیں اپنے دوسو اونٹوں کی فکر تو ہے لیکن اس گھر کی فکر نہیں ہے جو تمہارا اور تمہارے آباء کا دین ہے۔ میں اسے گرانے کے لئے آیا ہوں لیکن تم نے اس کے بارے میں بات ہی نہیں کی۔ آپ نے فرمایا: میں تو ان اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے میں نے انہی کی بات کی ہے۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے جو اس کی خود حفاظت کرے گا۔ یہ بات سن کر ابرہہ کہنے لگا آج خدا بھی مجھ سے اس گھر کو نہ بچا سکے گا۔ آپ نے فرمایا تم جانو اور وہ جانے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ کے معززین کی ایک جماعت بھی گئی تھی۔ انہوں نے ابرہہ کو پیشکش کی اگر تم اپنے ارادہ سے باز آ جاؤ تو ہم تہامہ کا تہائی مال تمہیں دینے کو تیار ہیں لیکن ابرہہ نے ان کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے دوسو اونٹ واپس کر دیئے۔ آپ نے مکہ واپس آ کر قریش کو حکم دیا۔ شہر کو خالی کر کے پہاڑوں پر چلے جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو ابرہہ کا لشکر تمہیں نقصان پہنچائے۔ پھر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے قریش کے چند چیدہ چیدہ لوگوں کو ساتھ لیا اور بیت اللہ شریف کے حلقہ کو پکڑ کر اللہ سے دعا کرنے لگے: اے باری تعالیٰ! ابرہہ اور اس کے لشکر پر ہماری مدد فرما۔ پھر یہ اشعار کہے:

لاهم ان المرء يمنع رحله فامنع رحالك

لا يغلبن صليبهم ومحالهم ابدا محالك

''اے اللہ! یقیناً انسان اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے۔ تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ ایسا نہ ہو کہ کل کو ان کی صلیب تیرے گھر پر غالب آ جائے''۔

اس کے بعد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑوں پر چلے گئے(2)۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 51

2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 52-51

جاتے ہوئے قربانی کے سو اونٹ نشان زدہ کر کے بیت اللہ کے اردگرد چھوڑ گئے۔ اس خیال سے کہ ابرہہ کے لشکر نے اگر اللہ کے نام کے ان قربانی کے جانوروں کو تنگ کیا تو اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل فرمائے گا۔ دوسرے دن صبح سویرے ابرہہ نے حملہ کرنے کی تیاری کی اور اپنے خاص ہاتھی محمود کو بطور خاص سجایا۔ جب انہوں نے محمود کا منہ مکہ کی طرف کیا تو نفیل بن حبیب آگے بڑھا اور ہاتھی کے کان میں کہنے لگا: اے محمود! بیٹھ جا اور جہاں سے آیا ہے وہیں خیریت سے واپس لوٹ جا۔ اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے بڑے حرمت والے گھر کے پاس ہو۔ یہ بات سنتے ہی ہاتھی بیٹھ گیا اور نفیل بن حبیب تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے پہاڑ کے اوپر چڑھ گیا۔ انہوں نے ہاتھی کو بہت مارا لیکن وہ کھڑا نہ ہونے پر بضد رہا۔ انہوں نے اس کے سر پر تبرزین کی چوٹیں لگائیں لیکن وہ پھر بھی نہ اٹھا پھر انہوں نے اس کے پیٹ کے نیچے ایسے عصا کے چرکے لگائے جس کا سنان ٹیڑھا کیا ہوا تھا۔ وہ لہولہان ہو گیا لیکن پھر بھی اس نے اٹھنے کا نام نہ لیا۔ پھر انہوں نے اس کا رخ یمن کی طرف کیا تو وہ بھاگنے لگا۔ اسی طرح شام اور مشرق کی طرف کیا تو بھاگنے لگا۔ پھر جب مکہ کی طرف منہ کیا تو پھر بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں ابابیل کی ایک ٹکڑی سمندر کی طرف سے اڑتی ہوئی آئی۔ ہر پرندے کے چونچ اور دونوں پنجوں میں ایک ایک کنکری تھی جس کی مقدار چنے اور مسور کے دانوں کے برابر تھی۔ جس کے سر پر وہ گرتی اس کے فولادی خود کو چیرتی ہوئی اس کے جسم سے پار ہو جاتی۔ لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ جس راستہ پر چل کر آئے تھے اس راستہ کو ڈھونڈنے لگے لیکن انہیں وہ راستہ نہیں مل رہا تھا۔ انہوں نے نفیل بن حبیب کو جو ان کا رہنما بن کر ساتھ آیا تھا، تلاش کیا کہ وہ انہیں یمن کا راستہ بتائے مگر اس کا تو وہاں نام ونشان ہی نہ تھا۔ وہ دور پہاڑ کی چوٹی پر قریش کے ساتھ خدا کے عذاب کا ہولناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اس نے یہ اشعار کہے:

این المفرُّ والالٰہ الطالب والاشرم المغلوب لیس الغالب

"آج بھاگنے کا راستہ کہاں ہے؟ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے تعاقب میں ہے اور ہونٹ کٹا ابرہہ مغلوب ہے اب اسے غلبہ نصیب نہیں ہو سکتا"۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے چند اور اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ جس میں اپنی محبوبہ ردینہ کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

"اے ردینہ! ہماری طرف سے تمہیں سلام ہو۔ جب صبح ہوئی تو ہم نے اس وقت تمہاری خوشحالی کی دعائیں کیں اے ردینہ! کاش تم محصب کے پاس وہ منظر دیکھتیں جو ہم نے دیکھا اور اچھا ہوا تم نے نہیں دیکھا پھر تم مجھے معذور سمجھتی اور میرے اس طرز عمل کی تعریف کرتی اور جو چیز ہم سے ضائع ہوئی ہے اس پر افسوس نہ کرتی۔ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنے لگا ہوں۔ جب میں نے پرندوں کے اس جھنڈ کو دیکھا اور جب سنگباری ہو رہی تھی تو میں لرزہ براندام تھا۔ اس لشکر کا ہر فرد پوچھ رہا تھا نفیل کہاں ہے؟ گویا کہ میں حبشیوں کا مقروض ہوں اس لئے مجھ پر لازم تھا کہ میں اس آڑے وقت ان کی مدد کرتا"۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے جب لشکر نے حرم مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو انہوں نے پہلے اپنے بڑے ہاتھی کو تیار کیا۔ جب وہ اس کا منہ حرم شریف کی طرف کرتے تو وہ بیٹھ کر چنگھاڑنے لگتا اور جب اس کا منہ کسی دوسری طرف کرتے تو وہ بھاگ کھڑا ہوتا۔ ابرہہ نے ہاتھی کے سائیس کو خوب جھڑکا اور اسے زدوکوب کیا کہ وہ ہاتھی کو حرم میں داخل ہونے پر مجبور کرے۔ اسی میں کافی وقت گزر گیا۔ ادھر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ معزز سرداروں کے ساتھ جبل حراء پر بیٹھ کر اس عجیب وغریب منظر کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ ان سرداروں میں مطعم بن عدی، عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم اور مسعود بن عمرو ثقفی شامل تھے۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے ان پر پیلے رنگ کے پرندوں کا ایک جھنڈ بھیجا جو کبوتر سے چھوٹے تھے ان کی ٹانگیں سرخ تھیں۔ ہر ایک کے ساتھ تین پتھر تھے۔ ان پرندوں نے لشکر کے

ارد گرد حلقہ بنالیا اوران پتھروں کی بارش کردی جس سے وہ تمام ہلاک ہو گئے (1)۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کے پاس دو ہاتھی تھے۔محمود تو وہیں بیٹھ گیا اور دوسرا جرأت کا مظاہرہ کر کے آگے بڑھا جب اس کے سر پر ایک کنکری پڑی تو وہ بھی بھاگ نکلا۔وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ان کے پاس بہت سے ہاتھی تھے۔اسی طرح جب ایک کنکری پڑی تو باقی سب بھاگ نکلے۔عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا، اکثر تو وہیں ہلاک ہو گئے اور کچھ ادھر ادھر بھاگ نکلے۔ان کے بھی اعضاء کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے۔ابرہہ کا بھی یہی حال ہوا اس کا بھی ایک ایک عضو گرنا شروع ہوا۔یہاں تک کہ جب وہ قبیلہ خثعم میں پہنچا تو وہاں ہلاک ہو گیا۔بعض نے کہا ہے کہ وہ صنعاء پہنچ گیا تھا۔اس کے سارے اعضاء گر گئے تھے۔اس کا جسم پرندے کے چوزے کی مانند ہو گیا۔مرنے سے پہلے اس کا سینہ پھٹا، اس کا دل باہر نکل آیا، اس طرح وہ بڑے اذیت ناک انداز میں ہلاک ہو گیا (2)۔مقاتل بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قریشیوں نے اس لشکر کے ساز وسامان اور تمام مال و دولت پر قبضہ کر لیا۔حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اتنا سونا لگا کہ انہوں نے ایک گڑھا کھود کر اسے سونے سے بھر دیا۔ یعقوب بن عتبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلی مرتبہ اس سال عرب میں آبلہ اور چیچک کی بیماری دیکھی گئی اور اسی طرح حرمل اور اندرائن جیسے کڑوے درخت حرم میں اسی سال پیدا ہوئے (3)۔جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ قریش کو اللہ تعالیٰ کے اس فضل و احسان اور اس عظیم نعمت کی یاد دہانی کراتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح دشمن کے لشکر کو تباہ و برباد کیا ہے (4)۔

ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابابیل کا معنی گروہ ہے۔یہ جمع ہے اس کا مفرد عربوں نے استعمال نہیں کیا۔عرب انتہائی سخت پتھر کو سجّیل کہتے ہیں۔بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ فارسی کے دو لفظوں سے مرکب ہے۔سنگ (پتھر) اور گل (مٹی)۔عربوں نے اسے معرب کر کے سنج اور جل پڑھا ہے اور دونوں کو مرکب کر کے سجّیل بنا دیا۔

''عصف'' یہ ''عصفة'' کی جمع ہے۔یہ کھیتی کے ان پتوں کو کہتے ہیں جن کو ابھی کاٹا نہ گیا ہو (5)۔بعض راوی کہتے ہیں کہ ابابیل کی واحد ابیل ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان پرندوں کی چونچیں تو عام پرندوں جیسی تھیں لیکن پنجے کتوں جیسے تھے (6)۔عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ سبز رنگ کے پرندے تھے جو سمندر سے نکلے تھے اور ان کے سر درندوں جیسے تھے (7)۔عبید بن عمیر فرماتے ہیں کہ یہ سیاہ رنگ کے سمندری پرندے تھے ان کی چونچوں اور پنجوں میں تین تین پتھر تھے (8)۔حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سیاہ رنگ کے پرندے تھے جن کی چونچیں زرد رنگ کی تھیں۔بعض نے کہا ہے کہ ان پرندوں کو مغرب میں عنقاء کہا جاتا ہے۔حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے لشکر کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو سمندر سے ان پر پرندے بھیجے جو پن ڈبی کی مثل تھے۔ہر پرندہ کے پاس تین پتھر تھے۔دو پاؤں میں اور ایک چونچ میں یہ پرندے آئے اور ان کے سروں پر صف بستہ ہو گئے۔ انہوں نے ایک خوفناک آواز نکالی اور ان پتھروں کو پھینک دیا۔جس شخص کو یہ پتھر لگتا اسے چیرتا ہوا دوسری جانب نکل جاتا۔اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے شدید آندھی بھیجی جس سے ان پتھروں کے لگنے کی شدت میں اضافہ ہو گیا اس طرح وہ ہلاک ہو گئے (9)۔حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عصف سے مراد گندم کا بھوسہ ہے۔ایک روایت میں ہے کہ گندم کے پتوں کو عصف کہتے ہیں اور

1۔دلائل النبوۃ، جلد 1، صفحہ 149 | 2۔سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 54 | 3۔ایضاً مرجع مذکور
4۔سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 55-54 | 5۔سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 55 | 6۔تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 298-297
7۔تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 298 | 8۔ایضاً مرجع مذکور | 9۔دلائل النبوۃ 150۔درمنثور، جلد 8، صفحہ 631

مأکول سے مراد ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں عصف گندم کے چھلکے کو کہتے ہیں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کھیتوں کے وہ پتے ہیں جن کو جانور چر چکے ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ عام و خاص کو ہلاک کر دیا۔ ان کی ساری تدبیریں الٹ ہو گئیں انہیں کوئی بھلائی نصیب نہ ہوئی۔ ان میں کوئی سلامت نہ بچا جوان کی خبر ان کے ملک میں پہنچاتا اور جو بچا بھی وہ اتنا زخمی تھا کہ وہ اپنے زخموں کی تاب نہ لاکر راستہ میں ہی ہلاک ہو گیا۔ خود ان کے بادشاہ کا یہ حال تھا کہ جب وہ اپنے شہر صنعاء پہنچا تو وہ گوشت کا لوتھڑا بن چکا تھا۔ اس نے لوگوں کے سامنے تمام حالات بیان کئے پھر اس کا سینہ پھٹ گیا اور دل باہر نکل آیا اور یوں وہ ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا یکسوم یمن کا بادشاہ بنا اور اس کے بعد اس کا بھائی مسروق بن ابرہہ بنا اس کے بعد سیف بن ذی یزن حمیری ایران کے بادشاہ کسریٰ کے پاس پہنچا اور مدد کا طلب گار ہوا۔ اس نے ایک لشکر اس کے ساتھ روانہ کیا۔ اس نے اس لشکر کے ساتھ مل کر یمن پر حملہ کر کے یمن کو فتح کر لیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اہل یمن کو ان کا ملک واپس لوٹا دیا۔ اسی خوشی کے موقع پر عرب کے کونے کونے سے وفود اسے مبارکباد دینے کے لئے یمن پہنچے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے اس ہاتھی کے سائیس اور محافظ کو مکہ میں دیکھا تھا۔ یہ اس وقت اندھے ہو چکے تھے اور چلنے پھرنے سے لاچار تھے(1)۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دونوں اپاہج ہو گئے تھے اور اساف اور نائلہ کے بتوں کے پاس بیٹھ کر بھیک مانگا کرتے تھے۔ اس فیل بان کا نام انیسہ تھا۔ حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل نبوت میں بعض مؤرخین سے نقل کیا ہے کہ ابرہہ خود اس لشکر کے ساتھ نہیں آیا تھا بلکہ اس نے شمر بن مقصود نامی ایک آدمی کو اس لشکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ تعداد بیس ہزار تھی۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ ان پرندوں نے رات کے وقت حملہ کیا۔ صبح ہوئی تو تمام مردہ پڑے تھے(2)۔ لیکن یہ روایت انتہائی غریب ہے۔ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے خود اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ ابرہہ خود لشکر کے ساتھ مکہ آیا تھا۔ عرب شعراء کے اشعار اور یہ روایات اس پر صراحۃً دلالت کر رہی ہیں۔ عروہ سے بھی یہی منقول ہے کہ ابرہہ نے اسود بن مقصود نام کے شخص کو لشکر کا سردار بنا کر بھیجا تھا۔ ان کے ساتھ ہاتھی تھے۔ انہوں نے ابرہہ کے آنے کا ذکر نہیں کیا لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔ شاید یہ ابن مقصود وہی تھا جو لشکر کے ہراول دستے کا امیر تھا۔ واللہ اعلم۔ عرب شعراء نے اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے اپنے اشعار میں بیان کیا ہے۔

سورۂ فتح کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ جب مکہ کی طرف جانے کے لئے ایک ٹیلے پر چڑھے تو وہاں آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ صحابہ کرام نے اونٹنی کو اٹھانا چاہا لیکن وہ نہ اٹھی۔ لوگ کہنے لگے: قصویٰ اَڑ گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قصویٰ اَڑی نہیں اور نہ اس کی عادت ہے لیکن اسے اس ذات نے روک دیا ہے جس نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو روکا تھا۔ پھر ارشاد فرمایا: قسم بخدا! اہل مکہ جن شرائط پر بھی مجھ سے صلح کریں گے، میں صلح کر لوں گا۔ بشرطیکہ اس میں حرمتوں کی ہتک نہ ہو۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کو اٹھایا تو وہ اٹھ گئی(3)۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کو مکہ سے دور ہی روک لیا تھا اور اپنے رسول اور مؤمنین کو اس میں داخل ہونے کی اجازت دی اور فتح دی۔ اس کی حرمت پھر اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی(4)۔ خبردار حاضر غائب کو یہ پیغام پہنچا دے۔

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 57 2۔ الدلائل: 148-144 3۔ دیکھئے تفسیر سورہ فتح آیت: 26

4۔ فتح الباری، کتاب العلم، جلد 1، صفحہ 250 مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 988

سورۂ قریش (مکیہ)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خلافیات میں اس سورت کی فضیلت کے بارے میں ایک غریب حدیث نقل کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات فضیلتیں بخشی ہیں۔ ایک یہ کہ میں ان میں سے ہوں۔ دوسری یہ کہ نبوت ان میں ہے۔ تیسری یہ کہ حجابہ (بیت اللہ کی خدمت کا منصب) ان کے پاس ہے۔ چوتھی یہ کہ سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) کا منصب، پانچویں یہ کہ ہاتھی والوں کے خلاف ان کی مدد کی۔ چھٹی یہ کہ انہوں نے دس سال تک اللہ کی عبادت کی جبکہ کوئی اور اللہ کی عبادت کرنے والا نہیں تھا۔ ساتویں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے بارے میں یہ سورت نازل فرمائی۔ پھر آپ نے اس سورت کی تلاوت فرمائی (1)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ① اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ ② فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ ③ الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَہُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ④

"اس لئے کہ اللہ نے قریش کے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی۔ اُلفت تجارتی سفر کی جاڑے اور گرمی (کے موسم) میں۔ پس چاہئے کہ وہ عبادت کیا کریں اس خانہ (کعبہ) کے رب کی۔ جس نے انہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی۔ اور امن عطا فرمایا انہیں (فتنہ و) خوف سے"۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے دلوں میں محبت پیدا کر دی۔ اُلفت تجارتی سفر، جاڑے اور گرمیوں کے موسم میں۔ مصحف عثمانی میں یہ سورت ماقبل سورت سے علیحدہ لکھی گئی ہے۔ ان دونوں کے درمیان بسم اللہ شریف کی آیت فاصل ہے۔ جس طرح ہمارے قرآن میں لکھی جاتی ہے۔ اگرچہ معنوی طور پر اس کا تعلق ماقبل سورت کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ محمد بن اسحٰق اور عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح فرمائی۔ ان کے نزدیک ان کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اہل مکہ سے ہاتھیوں کو روکا اور ان کے لشکر کو تباہ و برباد کر دیا اور یہ سب اس لئے کیا تاکہ قریش اپنے اس امن والے شہر میں الفت، یکجہتی اور یگانگت کے ساتھ زندگی گزاریں (2)۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل مکہ موسم گرما میں یمن کی طرف اور موسم سرما میں شام کی طرف تجارت کی غرض سے سفر کو پسند کرتے تھے۔ بیت اللہ کے مجاور ہونے کی وجہ سے لوگ ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کا احترام کرتے تھے۔ اس طرح وہ امن کے ساتھ واپس اپنے شہر کو لوٹتے تھے بلکہ جو ان کے ساتھ دوستی لگا کر ان کے قافلہ میں مل جاتا وہ بھی پر امن ہو جاتا۔ یہ ان کے موسم گرما و سرما کے سفر کی حالت تھی اور ان کی مکہ مکرمہ میں اقامت پذیر ہونے کی حالت کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے: اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنۡ حَوۡلِہِمۡ (عنکبوت: 67) "کیا انہوں نے (غور سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے بنا دیا ہے حرم کو امن والا حالانکہ اُچک لیا

1۔ مستدرک، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 536، کتاب معرفۃ الصحابۃ، جلد 4، صفحہ 154 المعجم الکبیر، جلد 24 صفحہ 409 مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 24

2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 55-54

جاتا ہے لوگوں کو ان کے آس پاس سے"۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ مبدل منه ہے "ایلافهم" اس کا بدل اور اس کی تفسیر ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لِاِیْلٰفِ میں لام تعجب کے لئے ہے۔ گویا کہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! قریش کی اس حالت پر تعجب کرو۔ وہ فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ایمان کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ دونوں سورتیں ایک دوسرے سے جدا اور مستقل ہیں (1)۔ اس لئے یہاں "اعجبوا" فعل کو مقدر ماننا پڑے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کی تاکید فرمائی۔

فرمایا: پس چاہئے کہ وہ عبادت کیا کریں اس خانہ کعبہ کے رب کی یعنی اس کے وحدہ لاشریک ہونے کا اقرار کریں اسی نے تو ان کے لئے اس گھر کو امن اور حرمت والا بنایا ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَ لَهٗ كُلُّ شَیْءٍ٘ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (نمل: 91) "مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں اس (مقدس) شہر کے رب کی جس نے عزت و حرمت والا بنایا ہے اس کو اور اس کی ہر شے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں شامل ہو جاؤں فرمانبرداروں کے زمرہ میں"۔

فرمایا: جس نے انہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی۔ یعنی یہ اس خانہ کعبہ کا رب ہی ہے جس نے انہیں بھوک کی حالت میں کھانا عطا فرمایا۔ اور فرمایا: اور امن عطا فرمایا انہیں فتنہ و خوف سے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک اور مہربانی فرمائی کہ اس نے انہیں امن و امان کی عظیم نعمت سے نوازا۔ پس انہیں چاہئے کہ وہ اس وحدہ لاشریک کی عبادت کریں اور کسی اور چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص اس حکم کو قبول کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں امان عطا فرما دیتا ہے۔ جو اس کی نافرمانی کرتا ہے اس سے امان چھین لیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْیَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىٕنَّةً یَّاْتِیْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ (النحل: 112) "اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ کہ ایک بستی تھی جو امن (اور) چین سے (آباد) تھی آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق بکثرت ہر طرف سے پس اس (کے باشندوں نے) ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی۔ پس چکھایا انہیں اللہ تعالیٰ نے (یہ عذاب کہ پہنا دیا انہیں) بھوک اور خوف کا لباس ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے"۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے قریش! تمہاری ہلاکت ہو! اللہ تعالیٰ نے تم پر کتنے انعام فرمائے اور تم اس کی نافرمانی کرتے ہو (2)۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کی پہلی دو آیات تلاوت فرمائیں۔ پھر ارشاد فرمایا: اے گروہ قریش تمہارا اللہ بھلا کرے۔ اس خانہ کعبہ کے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی اور تمہیں فتنہ و خوف سے امن عطا فرمایا۔ صحیح یہی ہے کہ یہ روایت بھی حضرت اسماء بنت یزید بن سکن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے یا تو اس کتاب کے نسخہ میں غلطی واقع ہوگئی ہے یا پھر اصل روایت میں خطا واقع ہوگئی ہے (3)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 306 - معانی القرآن، جلد 3، صفحہ 293
2۔ المعجم الکبیر، جلد 24، صفحہ 178-177
3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 460 - مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 143

سورۃ الماعون (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ ۝۱ فَذٰلِکَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ ۝۲ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ ۝۳ فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ ۝۴ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاہُوۡنَ ۝۵ الَّذِیۡنَ ہُمۡ یُرَآءُوۡنَ ۝۶ وَیَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ۝۷

''کیا آپ نے دیکھا ہے اس کو جو جھٹلاتا ہے (روزِ) جزا کو۔ پس یہی وہ (بدبخت) ہے جو دھکے دے کر نکالتا ہے یتیم کو۔ اور نہ ہی برانگیختہ کرتا ہے (دوسروں کو) کہ غریب کو کھانا کھلائیں۔ پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز (کی ادائیگی) سے غافل ہیں۔ وہ جو ریاکاری کرتے ہیں۔ اور (مانگنے بھی) نہیں دیتے روزمرہ استعمال کی چیز''۔

ارشاد ہے کیا آپ نے دیکھا ہے اسے جو جھٹلاتا ہے (روزِ) جزا کو۔ یہاں ''الدین'' سے مراد جزا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔

فرمایا: پس یہی وہ بدبخت ہے جو دھکے دے کر یتیم کو نکالتا ہے یعنی یتیم کو دھکے دیتا ہے اس پر ظلم کرتا ہے اسے کھانے کے لئے نہیں دیتا اور اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش نہیں آتا۔

فرمایا: اور نہ ہی برانگیختہ کرتا ہے دوسروں کو کہ غریب کو کھانا کھلائیں۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: کَلَّا بَلۡ لَّا تُکۡرِمُوۡنَ الۡیَتِیۡمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوۡنَ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ (فجر: 18-17) ''ایسا نہیں ہے بلکہ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ تم ترغیب دیتے ہو مسکین کو کھانا کھلانے کی''۔ یعنی وہ فقیر کو کھانا کھلانے پر دوسرے لوگوں کو برانگیختہ نہیں کرتا۔ جس کے پاس اتنا بھی نہیں ہے جس سے وہ اپنی بھوک مٹا سکے اور اسے کفایت کر سکے۔

فرمایا: پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لئے جو نماز کی ادائیگی سے غافل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد وہ منافقین ہیں جو دوسروں کے سامنے تو نماز پڑھتے ہیں لیکن جب تنہا ہوتے ہیں تو نماز کی طرف دھیان نہیں کرتے۔ اسی لئے یہاں فرمایا: وہ نمازی تو ہیں، لیکن نماز سے غافل ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بالکل نماز نہیں پڑھتے یا نماز قضاء کر کے پڑھتے ہیں۔ عطا بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ اس نے عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاہُوۡنَ فرمایا ہے۔ ''فی صلوتھم ساھون'' نہیں فرمایا۔ اس سے مراد یا تو وہ لوگ ہیں جو اکثر نماز کو اس کے آخری وقت میں ادا کرتے ہیں۔ یا نماز تو ادا کرتے ہیں لیکن اس کے ارکان اور شرائط کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے یا وہ نماز میں خشوع وخضوع اور معانی میں غور وفکر کرنے سے غافل ہیں۔ بہرحال یہ لفظ ان تمام صورتوں کو شامل ہے۔ اگر کوئی ان میں سے کسی صورت سے متصف ہے تو اس کے لئے اتنی ہی خرابی ہوگی اور جو ان تمام سے متصف ہو۔ اس کیلئے مکمل بربادی ہے اور وہ مکمل عملی طور پر منافق بن جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ منافق کی نماز ہے۔ آپ ﷺ نے یہ تین دفعہ فرمایا: جو سورج کو تاڑتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان غروب ہونے لگتا

ہے۔ پھر کھڑے ہو کر مرغ کی طرح چار ٹھونگیں مارتا ہے اور اس میں اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے(1)۔ اس سے عصر کی نماز مراد ہے جو کہ صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔ حدیث پاک میں اس کی طرف اشارہ بھی ہے کہ یہ شخص مکروہ وقت میں نماز شروع کرتا ہے اور کوے کی طرح چونچیں مارتا ہے اسے اس نماز میں نہ تو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی خشوع وخضوع۔ اسی لئے فرمایا: وہ اس میں بہت کم ذکر کرتا ہے۔ ممکن ہے یہ نماز وہ دکھلاوے کے لئے پڑھ رہا ہو نہ کہ اللہ کی رضا کے لئے۔ ایسی نماز پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (النساء:142) ''بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر (وہ عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ) لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر تھوڑی دیر''۔

اور یہاں ارشاد فرمایا: اور وہ جو ریاکاری کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ویل جہنم میں ایک وادی ہے جس سے آتش جہنم بھی دن میں چار مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ یہ وادی اس امت کے ریاکار علماء اور دکھلاوے کا سجدہ کرنے والوں، ریاکاری کے طور پر حج بیت اللہ اور جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے(2)۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص لوگوں کے سامنے اپنے نیک عمل سناتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اس کی سزا دیتا ہے کہ لوگوں کے سامنے اسے ذلیل و رسوا کر دیتا ہے(3)۔ اسی آیت کی تفسیر کے بارے میں بھی مسئلہ ہے کہ جس نے کوئی عمل خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے کیا۔ پھر لوگوں کو اس کا علم ہو گیا۔ اس سے اسے خوشی محسوس ہوئی تو اس کا یہ عمل ریاکاری میں شمار نہیں ہوگا۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: وہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں نماز پڑھ رہا ہوتا ہوں۔ اگر اسی دوران میرے پاس کوئی شخص آ جائے تو یہ مجھے اچھا لگتا ہے۔ میں نے اس کا ذکر حضور ﷺ سے کیا۔ فرمایا: تیرے نامہ اعمال میں دو اجر لکھے جائیں گے۔ ایک اجر پوشیدہ نماز پڑھنے کا اور ایک اعلانیہ۔ اس حدیث کو حافظ ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے اور اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کسی شخص نے حضور ﷺ سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے یہی جواب دیا۔ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو پوری دنیا عطا کر دی جائے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اگر نماز پڑھے تو اسے اپنی نماز کے ثواب کی امید نہ ہو اور اگر نماز نہ پڑھے تو اس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو(4)۔ اس روایت کا ایک راوی جابر جعفی ضعیف ہے۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آیت کریمہ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرتے ہیں(5)۔ اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ نماز بالکل پڑھتے ہی نہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ شرعی وقت کے بعد پڑھتے ہوں اور یہ ممکن ہے کہ اسے آخری وقت میں پڑھتے ہوں۔ حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے کہ وہ لوگ نماز سے غافل ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے(6)۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء آیت: 142
2۔ المعجم الکبیر، جلد 12، صفحہ 176-175، مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 222
3۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 212، نیز دیکھئے تفسیر سورۂ کہف کے آخر کو
4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 313
5۔ ایضاً مرجع مذکور
6۔ مسند ابو یعلی، جلد 1، صفحہ 336,378

اور فرمایا: اور (مانگنے بھی) نہیں دیتے روزمرہ کی استعمال کی چیزیں۔ یعنی یہ لوگ نہ تو اپنے پروردگار کی عبادت صحیح طریقہ سے کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی مخلوق پر احسان کرتے ہیں حتیٰ کہ عاریۃً بھی کسی کو چیز نہیں دیتے حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ یہ شخص چیز سے استفادہ کر کے انہیں واپس لوٹا دے گا۔ یہ لوگ پھر زکوٰۃ اور نیکی کے دوسرے کام بدرجہ اولیٰ نہیں کرتے ہوں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ماعون سے مراد زکوٰۃ ہے(1)۔ یہی قول کئی دوسرے مفسرین سے بھی مروی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ شخص ہے جو اگر نماز پڑھے تو ریاکاری کرتا ہے، اگر اس کی نماز قضا ہو جائے تو اسے افسوس نہیں ہوتا اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد منافقین ہیں کہ وہ نماز تو ظاہری طور پر پڑھ لیتے ہیں اور زکوٰۃ خفیہ طور پر ادا کی جاتی ہے، اسے روک لیتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ماعون کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو لوگ ایک دوسرے سے عاریۃً لے لیتے ہیں۔ جیسے کلہاڑی، ہنڈیا اور ڈول وغیرہ۔ یہ روایت آپ سے مختلف اسناد سے مروی ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں ہر نیکی صدقہ ہے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ڈول اور ہنڈیا کے عاریۃً لینے کو ماعون شمار کرتے تھے(2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد گھر کا ساز و سامان ہے۔ یہی قول مجاہد، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: ان لوگوں کا زمانہ ابھی نہیں آیا۔ ماعون کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے بعض کہتے ہیں یہ لوگ اللہ کی اطاعت سے روکتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ عاریۃً کسی کو کوئی چیز نہیں دیتے(3)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ماعون کی سب سے بڑی قسم زکوٰۃ ہے اور کم از کم چھلنی، ڈول اور سوئی وغیرہ یہ قول بہتر ہے کیونکہ مذکورہ بالا تمام اقوال کا جامع ہے اور ان تمام اقوال کا حاصل ایک چیز ہے اور وہ مال یا منفعت کے ساتھ کسی کی معاونت کو ترک کرنا ہے۔

محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ماعون سے مراد نیکی ہے۔ یعنی یہ لوگ دوسروں کو نیکی کرنے سے روکتے ہیں۔ اسی لئے حدیث پاک میں ہے کہ ہر نیکی صدقہ ہے(4)۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لغت قریش میں ماعون مال کو کہتے ہیں۔ حضرت قرہ بن دعموص نمیری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم قبیلہ نمیر کے وفد کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے لئے کوئی خاص حکم فرمائیں تو آپ نے فرمایا: ماعون سے منع نہ کرو۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ماعون کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پتھر، لوہا اور پانی۔ ہم نے عرض کی اس سے کونسا لوہا مراد ہے فرمایا کلہاڑے کا لوہا جسے تم استعمال کرتے ہو۔ عرض کی پتھر سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اس سے پتھر کی ہنڈیا مراد ہے۔ اس کی سند انتہائی غریب ہے۔ اسے مرفوع قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اسکی اسناد میں بعض راوی مجہول ہیں۔ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اسد الغابہ'' میں علی نمیری سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ جب اسے دوسرا مسلمان ملے تو اسے سلام کرے اور اسے سلام کا بہتر جواب دے اور ماعون سے منع نہ کرے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ماعون کیا ہے؟ فرمایا: پتھر، لوہا اور اس قسم کی دوسری چیزیں(5)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 316-314

2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 319 سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7، صفحہ 47-46- ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 124

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 319

4۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 697- سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 287

5۔ اسد الغابۃ، جلد 4، صفحہ 127

سورۃ الکوثر (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ؕ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ﴿۳﴾

"بے شک ہم نے آپ کو (جو کچھ عطا کیا) بے حد و بے حساب عطا کیا۔ پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لئے اور قربانی دیں (اسی کی خاطر)۔ یقیناً آپ کا جو دشمن ہے وہی بے نام (ونشاں) ہوگا"۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر ہلکی سی اونگھ طاری ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے اپنا عصا مبارک اٹھایا۔ یا تو آپ نے خود ہی انہیں ارشاد فرمایا یا انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ جواباً ارشاد فرمایا: ابھی ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر بسم اللہ پڑھ کر اس سورت کی تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی: واللہ ورسولہ اعلم۔ فرمایا: یہ جنت میں ایک نہر ہے جو میرے رب عزوجل نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ یہ نہر بہت وسیع ہے۔ میری امت اس نہر پر وارد ہوگی۔ اس کے جام ستاروں کے برابر ہیں۔ ان میں سے ایک شخص کو پیچھے ہٹا دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا۔ یارب! یہ میرا امتی ہے کہا جائے گا تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے بعد اس نے کیسی کیسی بدعتیں ایجاد کی تھیں (1)۔

قیامت کے دن میدان حشر میں حوض کوثر کے بارے میں بعض روایات میں ہے کہ جنت کی نہر کوثر سے دو پرنالے اس حوض میں گر رہے ہوں گے۔ مذکورہ روایت سے بہت سے فقہاء کرام نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور فقہاء نے دلیل پکڑی ہے کہ بسم اللہ اس سورت کا حصہ ہے اور وہ اس کے ساتھ نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے کوثر عطا فرمائی۔ یہ پہلی وہ نہر ہے جسے گہرائی میں کھود کر نہیں بنایا گیا۔ اس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے ہوں گے۔ میں نے ہاتھ اس کی مٹی پر مارا تو معلوم ہوا کہ اس کی مٹی مشک اذفر ہے اور اس کی کنکریاں موتیوں کی طرح ہیں (2)۔ ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ میں جنت میں داخل ہوا۔ میں اچانک ایک ایسی نہر پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے سجے ہوئے تھے۔ میں نے چلتے ہوئے پانی میں اپنا ہاتھ مارا تو اس سے کستوری کی خوشبو آ رہی تھی۔ میں نے پوچھا: جبریل! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ نہر کوثر ہے جسے اللہ نے آپ کے لئے جاری فرمایا ہے (3)۔ اسے امام مسلم اور بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں جب نبی پاک ﷺ کو معراج کی رات آسمان پر لے جایا گیا تو وہاں آپ ﷺ نے ایک نہر دیکھی۔ ابن جریر کی روایت میں ہے اسراء کی رات جبریل جب رسول اللہ ﷺ کو پہلے آسمان پر لے گئے تو وہاں آپ نے نہر دیکھی جس کے کنارے موتی کے اور زمرد کے محل بنے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کی مٹی کو سونگھا تو اس سے بھی

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 102 2۔ مسند امام، جلد 3، صفحہ 247

3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 103، فتح الباری، تفسیر سورۃ کوثر، جلد 8، صفحہ 731

خوشبو آرہی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: جبریل! یہ کونسی نہر ہے؟ عرض کی: یہ وہی نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرمائے گا۔ اس حدیث کو سورۂ اسراء کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔ یہ متفق علیہ ہے اور اس قسم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں(1)۔

ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ سے کوثر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ جنت کی ایک نہر ہے جو اللہ نے مجھے عنایت فرمائی ہے۔ اس کی مٹی مشک کی طرح ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اس کے کنارے لمبی گردن والے پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ پرندے خوبصورت ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ یہ کھانے میں بھی بڑے لذیذ ہوں گے(2)۔ دوسری روایت میں ہے یہ سوال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا(3)۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جنت میں ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا فرمائی ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے ہوں گے۔ اس کے ساغر آسمان کے ستاروں کی مانند ہوں گے(4)۔

ابن ابی نجیح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا: جو شخص نہر کوثر کے پانی کی آواز سننا چاہتا ہے وہ اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں رکھے۔ یہ روایت منقطع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کوثر سے مراد وہ بھلائی اور خیر ہے جو اللہ نے اپنے رسول کو عطا فرمائی۔ ایک شخص نے راوی حدیث سے پوچھا: بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد جنت کی نہر ہے۔ انہوں نے فرمایا: یہ نہر بھی اس خیر میں شامل ہے جو آپ کو عطا فرمایا گیا(5)۔ ایک روایت میں آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد خیر کثیر ہے(6) اور یہ نہر کوثر بھی اس خیر کثیر میں داخل ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد دنیا و آخرت کی خیر کثیر ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد نبوت قرآن اور آخرت کا ثواب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے اس کی تفسیر نہر کوثر سے بھی کی ہے۔ جیسا کہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے مروی ایک روایت میں ذکر کیا ہے کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے۔ اس کے کنارے سونے اور چاندی کے ہیں۔ اس کا پانی یاقوت اور موتیوں پر چلتا ہے اور یہ برف سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے(7)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی تقریباً یہی الفاظ مروی ہیں۔ اس حدیث کو ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے روایت کیا ہے(8)۔

عطاء بن سائب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محارب بن دثار نے مجھ سے پوچھا: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا کوثر کے بارے میں کیا قول ہے؟ میں نے کہا انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد خیر کثیر ہے۔ یہ سن کر کہنے لگے انہوں نے سچ فرمایا: قسم بخدا یہ واقعی خیر کثیر ہے لیکن ہمیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوثر جنت میں ایک نہر ہے۔ اس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں اور اس کا پانی موتیوں اور یاقوت پر چلتا

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 321 دیکھئے تفسیر سورۂ اسراء کی ابتداء 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 324

3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 221-220 تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 324

4۔ فتح الباری تفسیر سورۂ کوثر، جلد 8، صفحہ 731 مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 281 سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 12، صفحہ 376

5۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ کوثر، جلد 8، صفحہ 731 6۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 320 7۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 320

8۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 158 - عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ کوثر، جلد 12، صفحہ 258، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1450 تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 324

ہے(1)۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ ان کی اہلیہ جو کہ قبیلہ بنی نجار سے تھیں سے ان کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! وہ ابھی ابھی آپ سے ملاقات کے لئے نکلے ہیں۔ شاید وہ دوسرے راستہ سے نکل گئے ہوں۔ پھر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ گھر تشریف نہیں لائیں گے؟ آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے انہوں نے آپ کی خدمت میں حلوہ پیش کیا۔ پھر عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کو مبارک ہو۔ آپ ﷺ خود ہی تشریف لے آئے۔ میں آپ ﷺ کو مبارکباد دینے کے لئے حاضر ہونے والی تھی ابو عمارہ نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نہر کوثر عطا فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس کی مٹی یاقوت، مرجان، زمرد اور موتیوں کی ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی اگرچہ ضعیف ہیں لیکن اس کی اصل ثابت ہے بلکہ یہ روایت اتنی اسناد سے مروی ہے کہ حد تواتر کو پہنچ گئی ہے اور اکثر آئمہ حدیث کے نزدیک علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔ حوض کوثر کی احادیث بھی اس طرح بڑی تعداد میں مروی ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابو العالیہ، مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ اور کئی سلف صالحین سے مروی ہے کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ جنت میں ایک حوض ہے۔

فرمایا: پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لئے اور قربانی دیں اسی کی خاطر۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی۔ اس میں وہ نہر بھی شامل ہے جس کا بیان ہو چکا ہے۔ اسی طرح آپ اپنی فرض اور نفل نماز اور قربانی کو اپنے رب کے لئے خالص کر دیں۔ اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کریں اور اس کے پاکیزہ اسم کے نام پر اپنی قربانی ذبح کریں۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (انعام:162) ''آپ فرمائیے بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور مرنا (سب اللہ) کے لئے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، مجاہد، عکرمہ اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نحر قربانی کے اونٹ اور دوسرے جانوروں کو اللہ کے نام پر ذبح کرنا ہے۔ مشرکین اس کے برعکس غیر اللہ کو سجدہ کرتے تھے اور غیر اللہ کا نام لے کر اپنے جانور ذبح کرتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ (انعام:121) ''اور مت کھاؤ اس جانور سے کہ نہیں لیا گیا اللہ کا نام اس پر اور اس کا کھانا نافرمانی ہے)۔ یہ بھی کہا ہے کہ وَانْحَرْ سے مراد دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر نحر کے نیچے رکھنا ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن اس کی سند صحیح نہیں ہے(2)۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نماز میں اپنے سینہ کو قبلہ کی طرف متوجہ کرو۔ یہ تینوں قول ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کئے ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: جب یہ سورت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: وَانْحَرْ یعنی اس قربانی سے کیا مراد ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ اس سے مراد قربانی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ جب آپ تکبیر تحریمہ کہیں اس وقت اپنے ہاتھ بلند کیا کریں۔ اسی طرح رکوع کرتے وقت، رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور سجدہ میں جاتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو بلند کرنا۔ یہی ہماری اور ساتوں آسمان کے فرشتوں کی نماز ہے۔ ہر چیز کی کوئی

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 325 2۔ تفسیر طبری:30-326-325

زینت ہوتی ہے اور نماز کی زینت ہر تکبیر کے وقت رفع یدین ہے۔ اس روایت کو ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے لیکن یہ انتہائی منکر ہے(1)۔

حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَانْحَرْ سے مراد یہ ہے کہ رکوع سے اپنی پیٹھ کو بلند کرو اور اپنے سینے کو باہر نکالو۔ یہ تمام اقوال انتہائی غریب ہیں۔ پہلا قول ہی صحیح ہے اس سے مراد قربانی کے جانور کو ذبح کرنا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ عید کی نماز پڑھنے کے بعد اپنی قربانی کے جانور کو ذبح فرماتے اور ارشاد فرماتے: جس شخص نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہم جیسی قربانی کی اس نے شرعی قربانی کی اور جس نے عید کی نماز سے پہلے ہی قربانی کا جانور ذبح کر لیا اس کی کوئی قربانی نہیں۔ یہ بات سن کر حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے نماز سے پہلے ہی اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کر لیا ہے اور میں نے یہ خیال کیا کہ آج کے دن گوشت کی بڑی خواہش ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری بکری کی قربانی ہی نہیں ہوئی۔ اس نے عرض کی میرے پاس بکری کا بچہ ہے جو مجھے دو بکریوں سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ کیا یہ قربانی کے لئے کافی ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ تمہارے لئے تو یہ کفایت کرے گا لیکن تمہارے علاوہ کسی اور کو ایسا کرنا جائز نہیں (2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحیح قول اس شخص کا ہے جو اس کا معنی یہ بیان کرتا ہے کہ اپنی تمام نمازیں خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے پڑھو اور اللہ کے سوا کسی اور بت کو شریک نہ کرو۔ اسی طرح تمہاری قربانی بھی اللہ کے لئے ہونی چاہئے نہ کہ بتوں کے لئے تاکہ اس خیر کثیر اور عظیم نعمت کا شکر ادا ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصوصیت کے ساتھ عطا فرمائی ہے(3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بہترین ہے اور یہی معنی محمد بن کعب قرظی اور عطاء رحمہما اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔

فرمایا: یقیناً آپ کا جو دشمن ہے وہی بے نام ونشان ہوگا۔ اے محمد ﷺ! بے شک آپ کے ساتھ بغض رکھنے والا اور آپ کے اس پیغام حق و ہدایت سے عناد رکھنے والا ذلیل و رسوا ہوگا۔ اس کا ذکر ختم ہو جائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی۔ محمد بن اسحاق یزید بن زومار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں عاص بن وائل جب حضور ﷺ کا ذکر سنتا تو کہتا: اسے چھوڑو، وہ تو دم کٹا ہے اس کی کوئی اولا دنرینہ نہیں۔ جب فوت ہو جائے گا تو اس کا کوئی ذکر نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی (4)۔ شمر بن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یہ کعب بن اشرف یہودی اور قریش مکہ کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی۔ فرماتے ہیں کعب بن اشرف مکہ گیا تو قریش مکہ نے اسے کہا: آپ تو یہود کے سردار ہیں آپ اس بچہ کی طرف نہیں دیکھتے جو اپنی تمام قوم سے الگ تھلگ ہے اور اس کا گمان ہے کہ وہ سب سے افضل ہے حالانکہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں۔ بیت اللہ شریف کی نگہبانی کرتے ہیں۔ حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں کعب نے کہا تم لوگ اس سے افضل ہو۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی(5)۔

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ابولہب کے بارے میں نازل ہوئی۔ جس وقت حضور ﷺ کے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو یہ مشرکین کے پاس گیا اور کہنے لگا آج کی رات محمد (ﷺ) کا نسب ختم ہو گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت ابن

1۔ مستدرک، تفسیر سورۂ کوثر، جلد 2، صفحہ 538-537، سنن بیہقی، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 29 درمنثور، جلد 8، صفحہ 650

2۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب العیدین، جلد 2، صفحہ 471- مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 3، صفحہ 1553-1552

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 328

4۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 393

5۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء آیت: 51- کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 3، صفحہ 83

عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ شَانِئَکَ سے مراد آپ کا دشمن ہے۔ اس اعتبار سے آپ کے تمام دشمن اس میں شامل ہیں۔ "ابتر" کا معنی تنہا ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کسی شخص کی اولاد نرینہ فوت ہو جاتی تو عرب اسے ابتر کہتے تھے۔ جب رسول خدا ﷺ کے صاحبزادے انتقال فرما گئے انہوں نے آپ ﷺ کو بھی ابتر کہنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ معنی یہ ہے ابتر وہ شخص ہے کہ جب فوت ہو جائے تو دنیا میں اس کا ذکر ختم ہو جائے گا۔ انہوں نے اپنی جہالت کے باعث یہ گمان کیا کہ چونکہ آپ کی اولاد نرینہ باقی نہیں رہی، اس لئے آپ کا ذکر ختم ہو گیا لیکن ایسا ہرگز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذکر کو تمام مخلوق میں باقی رکھا اور آپ کی شریعت کو بندوں کے اوپر لازم کر دیا۔ آپ ﷺ کا ذکر تو میدان محشر میں بلکہ اس کے بعد بھی ہمیشہ کے لئے باقی رہے گا۔

سورۃ الکافرون (مکیہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف کی دو رکعتوں میں قُلْ يَآاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تلاوت فرمائی(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فجر کی نماز میں یہ دونوں سورتیں تلاوت فرمائیں(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کی سنتوں اور نماز مغرب کے بعد والی دو سنتوں میں بیس سے زائد مرتبہ یا اس سے زائد ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی(3)۔ ایک دوسری روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ میں نے چوبیس یا پچیس مرتبہ نبی کریم ﷺ کو فجر اور مغرب کی سنتوں میں یہ دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے(4)۔ ایک روایت میں مہینہ بھر کا ذکر ہے(5)۔ پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ سورۂ کافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے اور سورۂ زلزال بھی چوتھائی قرآن کے برابر ہے(6)۔ حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: تم ہماری اس چھوٹی بچی کی پرورش اپنے پاس کرو اور میرے خیال میں وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ انہوں نے اس کی حامی بھر لی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے پوچھا: بچی کیا کر رہی ہے؟ میں نے عرض کی میں اسے اس کی ماں کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔ فرمایا: تم کس سلسلہ میں آئے۔ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی۔ میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ ﷺ مجھے کوئی وظیفہ بتائیں جو میں سونے سے پہلے پڑھا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سونے سے پہلے سورۂ کافرون پڑھ لیا کرو اور اس کے بعد سو جایا کرو اس میں شرک سے براءت اور بے زاری ہے(7)۔ حضرت جبیلہ بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں، روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنے بستر پر لیٹو، تو سورۂ کافرون کو پڑھ لیا کرو۔ اس میں شرک سے براءت اور نفرت کا اظہار ہے(8)۔ آپ ﷺ کا بھی یہی معمول مبارک تھا کہ جب آپ ﷺ اپنے بستر مبارک پر استراحت فرماتے تو یہ سورت آخر تک تلاوت فرماتے۔ حضرت حارث بن جبلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایسا کوئی وظیفہ بتائیں جو میں سونے کے وقت پڑھوں آپ ﷺ نے فرمایا: سورۂ کافرون پڑھ لیا کرو۔ اس میں شرک سے بیزاری اور نفرت کا اظہار ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۚ﴿۳﴾ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ﴿۴﴾ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۗ﴿۵﴾ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴿۶﴾

1۔ مسلم، کتاب الحج، جلد 2، صفحہ 888 — 2۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 502 — 3۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 24
4۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 99 — 5۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 94 - عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 210
6۔ ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1، صفحہ 363 - نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 170 — 7۔ دیکھئے تفسیر سورۃ (اذا زلزلت)
8۔ المعجم الکبیر، جلد 2، صفحہ 287 - مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 121

''آپ فرما دیجئے اے کافرو! میں پرستش نہیں کیا کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس (خدا) کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ اور نہ ہی میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین''۔

اس سورت مبارکہ میں مشرکین کے عمل شرک سے بیزاری کا اعلان کیا گیا ہے اور اس میں اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔

فرمایا: آپ فرما دیجئے۔ اے کافرو! میں پرستش نہیں کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ یہاں کافرون سے مراد تمام روئے زمین کے کافر ہیں اگرچہ اس کے مخاطب مشرکین مکہ ہوں۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے اپنی جہالت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی کہ وہ ایک سال ہمارے بتوں کی پوجا کریں اور ایک سال ہم تمہارے معبود کی عبادت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی اور اپنے محبوب ﷺ سے فرمایا کہ وہ ان کے دین سے مکمل طور پر براءت اور بیزاری کا اظہار کریں۔

اور فرمایا: میں ان بتوں کی پوجا نہیں کرتا جن کی تم کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس (اللہ) کی جس کی میں عبادت کرنے والا ہوں۔ تم خدا وحدہ لاشریک کی عبادت نہیں کرتے۔ یہاں ''ما'' من کے معنی میں ہے۔

فرمایا: اور نہ ہی میں کبھی پوجا کرنے والا ہوں ان کی، جن کی تم پوجا کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ میں تمہارے مذہب کے مطابق ان بتوں کی پوجا نہیں کروں گا بلکہ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقہ کے مطابق کروں گا جو اسے پسند ہے اور اس کی رضا و خوشنودی کا باعث ہے اور نہ ہی تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنے والے ہو اور نہ ہی تم شرعی احکام کے مطابق اس کی عبادت کرنے والے ہو بلکہ تم نے بتوں کی پوجا پاٹ کا طریقہ اپنی طرف سے گھڑ رکھا ہے۔ جس طرح کہ ایک مقام پر ارشاد فرمایا: اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى (النجم:24) ''نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر گمان کی اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں۔ حالانکہ آ گئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت''۔ پس نبی کریم ﷺ نے ان سے مکمل طور پر براءت اور بیزاری کا اعلان فرما دیا۔ مقصد یہ ہے کہ ہر عابد کا ایک معبود ہوتا ہے جس کی وہ عبادت کرتا ہے اور ایک طریقہ عبادت ہوتا ہے جس کے مطابق وہ اپنے معبود کی عبادت کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے پیروکار شرعی احکام کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اسی لئے اہل اسلام کا کلمہ توحید ہے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور اس تک پہنچنے کے لئے کوئی راستہ نہیں سوائے اس شریعت کے جو محمد ﷺ لے کر مبعوث ہوئے۔ اس کے برعکس مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم ہی نہیں دیا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (یونس:41) ''اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیجئے میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم بری الذمہ ہو اس سے جو میں کرتا ہوں اور میں بری الذمہ ہوں اس سے جو تم کرتے ہو''۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ (بقرہ:139) ''اور ہمیں ہمارے اعمال اور تمہیں تمہارے اعمال فائدہ

پہنچا ئیں گے''۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لَكُمْ دِيْنُكُمْ میں دین سے مراد کفر ہے اور وَلِيَ دِيْنِ سے مراد اسلام ہے۔ دین اصل میں دینی تھا۔ چونکہ باقی تمام آیات میں آخر میں ''نون'' تھا اس لئے یہاں ''ی'' کو حذف کر دیا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ایک اور مقام پر فرمایا فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ (شعراء:78)(1)۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں(2)۔ کہ اس کا معنی یہ ہے: میں اب بھی تمہارے معبودوں کی پوجا نہیں کرتا اور نہ ہی آئندہ تمہاری اس بات کو قبول کروں گا اور اسی طرح نہ تم اب اللہ کی عبادت کرنے والے ہو اور نہ آئندہ کرو گے۔ اس سے مراد وہ کفار ہیں جن کا ایمان نہ لانا اللہ کے علم ازلی میں ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا(3) ''اور ضرور بڑھا دے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی طرف آپ کے رب سے سرکشی اور انکار میں''۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جو بعض علماء سے منقول ہے کہ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ... لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ کی تاکید ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اسی طرح ارشاد فرمایا: لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ۔ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے(4)۔ ان دونوں جملوں کو مکرر ذکر کرنے کی حکمت کے بارے میں تین قول ہیں: 1۔ جو ہم نے سب سے پہلے ذکر کیا۔ 2۔ پہلے جملہ سے مراد ماضی اور دوسرے سے حال مراد ہے۔ 3۔ دوسرا جملہ پہلے جملہ کی تاکید کے لئے آیا ہے لیکن یہاں ایک چوتھا قول بھی ہے جس کی تائید ابن تیمیہ نے اپنی بعض تصانیف میں کی ہے وہ کہتے ہیں لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ جملہ فعلیہ ہے۔ اس لئے یہاں فعل عبادت کی نفی کی گئی ہے اور وَلَآ اَنَا عَابِدٌ جملہ اسمیہ ہے۔ اس لئے یہاں قبول فعل کی کلی طور پر نفی ہے کیونکہ جملہ اسمیہ جملہ فعلیہ سے زیادہ تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ گویا کہ یہاں فعل کی نفی اور اس کے اس قابل ہونے کی نفی گئی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے: فعل عبادت کے وقوع پذیر ہونے کی نفی اور شرعی طور پر اس فعل کے ممکن ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ یہ قول بھی بہتر ہے(5)۔ واللہ اعلم۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ کفر ملت واحدہ ہے۔ وہ ایک ہی ملت ہے۔ اس لئے یہودی نصرانی کا وارث بن سکتا ہے اور نصرانی یہودی کا۔ یہ اس وقت ہے جب ان کے درمیان کوئی نسبی رشتہ ہو یا کوئی سبب وراثت۔ وہ فرماتے ہیں اسلام کے سوا باقی تمام ادیان باطل ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے علماء فرماتے ہیں نصرانی یہودی کا اور یہودی نصرانی کا وارث نہیں بن سکتا۔ عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو مختلف مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے(6)۔

1۔ معانی القرآن، جلد 3، صفحہ 297
2۔ مجاز القرآن، جلد 2، صفحہ 314
3۔ مائدہ، جلد 64 فتح الباری، تفسیر سورہ کافرون، جلد 8، صفحہ 733
4۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 323
5۔ دقائق التفسیر، جلد 5، صفحہ 325
6۔ دیکھئے تفسیر سورہ انفال آیت:73

سورۃ النصر (مدنیہ)

پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ یہ سورت چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ سورۂ زلزال بھی چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عبیداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ قرآن کی سب سے آخری سورت کون سی نازل ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں، یہ سورت نصر ہے۔ آپ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر یہ سورت ایام تشریق کے وسط میں نازل ہوئی۔ آپ نے سمجھ لیا کہ یہ الوداعی پیغام ہے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا میری اونٹنی قصوی کو تیار کیا جائے۔ جب اونٹنی تیار ہوگئی تو آپ ﷺ نے اس پر چڑھ کر خطبہ ارشاد فرمایا: یہ آپ ﷺ کا وہی مشہور خطبہ ہے جسے خطبہ حجۃ الوداع کہتے ہیں(2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا مجھے میری وفات کی خبر دے دی گئی ہے۔ یہ سن کر آپ رونے لگیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہنسنے لگیں۔ جب اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا: آپ ﷺ کی وفات کی خبر نے مجھے رلا دیا لیکن پھر حضور ﷺ نے تسلی دی اور فرمایا: بیٹی! صبر کرو۔ تم مجھے اہل بیت میں سے سب سے پہلے ملوگی۔ آپ کی یہ بات سن کر میں مسکرانے لگی(3)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

"جب اللہ کی مدد آ پہنچے اور فتح (نصیب ہو جائے) اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج۔ تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے اور (اپنی امت کے لئے) اس سے مغفرت طلب کیجئے۔ بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے"۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھے بدری صحابہ کی مجلس میں شامل کر لیا کرتے تھے۔ شاید کسی نے اسے دل میں محسوس کیا اور کہا کہ اسے ہماری مجلس میں کیوں شامل کیا جاتا ہے حالانکہ اس جیسے ہمارے بھی بیٹے موجود ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ ان میں سے ہیں جن کے متعلق تمہیں معلوم ہے۔ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان بزرگوں کو دعوت دی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی اس مجلس میں شامل کر لیا۔ مجھے یقین تھا کہ آج امیر المومنین میرے بارے میں کچھ بتانا چاہتے ہیں۔ جب سب لوگ مجلس میں آ گئے تو آپ نے فرمایا: اس سورت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب وہ ہمیں فتح و نصرت سے نوازے تو ہم اس کی حمد و ثناء بیان کریں اور اس سے استغفار طلب

1۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 5، صفحہ 57، مسلم، کتاب التفسیر، جلد 4، صفحہ 2318

2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 2، صفحہ 34-33، سنن کبریٰ، کتاب الحج، جلد 5، صفحہ 152

3۔ دلائل النبوۃ، جلد 7، صفحہ 167

کریں۔ بعض بزرگ یہ سن کر خاموش رہے پھر امیر المؤمنین میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کا پیغام ہے۔ اس سورت میں آپ ﷺ کو بتایا گیا ہے کہ آپ کے وصال کا وقت قریب ہے۔ اس لئے آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کریں اور اپنی امت کے لئے اس سے مغفرت طلب کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے بارے میں میری بھی وہی رائے ہے جو تمہاری ہے۔ اسے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے(1)۔

ایک روایت ہے جب یہ سورت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے میرے وصال کی خبر دے دی گئی ہے(2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھے۔ اچانک فرمانے لگے: اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت آ گئی۔ اہل یمن آ گئے۔ پوچھا گیا: اہل یمن کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ نرم دل اور سنجیدہ طبیعت لوگ ہیں۔ ایمان یمنی ہے۔ فقہ اور حکمت بھی یمنی ہے(3)۔ ایک روایت میں ہے جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ ﷺ امور آخرت کے بارے میں بہت زیادہ دلچسپی لینے لگے(4)۔ باقی الفاظ وہی ہیں جو مذکورہ حدیث میں گزر چکے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قرآن کریم کی یہ وہ مکمل سورت ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی(5)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا: تمام لوگ ایک طرف ہیں۔ میں اور میرے صحابہ کرام ایک طرف۔ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ البتہ جہاد اور نیت ہے۔ یہ حدیث سن کر مروان بن حکم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ مروان کے پاس رافع بن خدیج اور زید بن ثابت بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اگر یہ دونوں چاہیں تو یہ حدیث بیان کر سکتے ہیں لیکن ان میں سے ایک کو اپنی سرداری چھن جانے کا خوف ہے اور دوسرے کو زکوۃ کی وصولی کے عہدہ سے سبکدوش ہونے کا ڈر ہے۔ مروان نے یہ سنا تو کوڑا اٹھا کر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو مارنا چاہا۔ جب ان دونوں نے دیکھا تو کہنے لگے: مروان! ابوسعید نے سچ بیان فرمایا ہے(6)۔ مروان کا یہ انکار درست نہیں تھا کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا آج کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔ صرف جہاد اور نیت ہے۔ جب تمہیں جہاد کے لئے دعوت دی جائے تو تم اس میں شریک ہو جایا کرو(7)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعض ہم نشیں صحابہ کرام نے اس سورت کا یہ معنی بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہمیں فتح و نصرت سے نوازے اور ہم بہت سے شہروں اور قلعوں کو فتح کریں تو اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اس کی حمد و ثناء بیان کریں۔ اس کا شکر کریں اور نماز پڑھ کر اس سے استغفار کریں۔ یہ تفسیر بھی بہترین ہے۔ اس کی تائید حضور نبی کریم ﷺ کے عمل سے ہوتی ہے۔ جس دن آپ نے مکہ فتح کیا، اس دن چاشت کے وقت آپ نے آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی۔ بعض کہتے ہیں یہ چاشت کی نماز ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اس نماز پر مواظبت اختیار نہیں فرمائی۔ خصوصاً اس دن آپ ﷺ مسافر تھے۔ آپ ﷺ نے مکہ میں اقامت کی نیت بھی نہیں فرمائی۔ آپ ﷺ مکہ میں تقریباً انیس دن ٹھہرے۔ اس دوران آپ ﷺ نماز قصر پڑھتے رہے۔ آپ ﷺ اور تمام

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ النصر، جلد 8، صفحہ 733-735، تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 334
2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 217
3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 332-333
4۔ المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 328-329، مجمع الزوائد، جلد 9، صفحہ 23
5۔ المعجم الکبیر، جلد 10، صفحہ 369
6۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 22
7۔ دیکھئے تفسیر سورۃ بقرۃ آیت: 216 اور آل عمران: 97

لشکر جس کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی نے ان دنوں رمضان کے روزے بھی نہ رکھے۔ ان تمام قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ نماز فتح مکہ کے شکرانہ کے طور پر ادا فرمائی۔ علماء کرام فرماتے ہیں لشکر کے سپہ سالار کے لئے مستحب ہے کہ جب بھی کوئی شہر فتح کرے تو سب سے پہلے آٹھ رکعات نفل ادا کرے۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے جب مدائن کو فتح کیا تو انہوں نے یہ نماز پڑھی۔ بعض ان آٹھ رکعتوں کو ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے(1)۔ جب رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر یہ نماز پڑھی تو آپ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے۔ اس آیت کی دوسری تفسیر بھی صحیح ہے جو کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کو ان کے وصال کی خبر دی گئی ہے اور اس میں آپ کو یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ جب آپ اس شہر مکہ کو فتح کریں جس سے مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو ہجرت پر مجبور کیا تھا اور اللہ کے دین میں لوگ گروہ در گروہ داخل ہونے لگیں تو آپ دنیا کی مصروفیات سے فارغ ہو کر ہمارے پاس آنے کی تیاری کریں۔ آپ ﷺ کے لئے آخرت دنیا سے بہتر ہے اور آپ کا رب آپ کو عنقریب اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے اس لئے یہاں ارشاد فرمایا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ... ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع و سجود میں کثرت سے یہ دعا پڑھا کرتے تھے: سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفرلی۔ اس طرح آپ اللہ کے اس حکم پر عمل فرمایا کرتے تھے(2)۔ ایک دوسری روایت میں ہے۔ آپ ﷺ اپنی ظاہری زندگی کے آخری ایام میں (سبحان الله وبحمده، استغفر الله واتوب اليه) کا ورد کثرت سے کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جب میں یہ علامت دیکھ لوں یعنی فتح مکہ اور دین اسلام میں لوگوں کا گروہ در گروہ داخل ہونا تو میں یہ وظیفہ پڑھوں اور میں نے یہ علامت دیکھ لی(3) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے آخری ایام میں اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے (سبحان الله وبحمده) کا ورد کیا کرتے تھے۔ جب میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے پھر آپ ﷺ نے اس سورت کی تلاوت فرمائی(4)۔ کسی مجلس کے برخاست ہونے کے وقت کیا وظیفہ پڑھنا چاہئے، اسے ہم اپنی ایک مستقل تصنیف میں بیان کر چکے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر یہ سورت نازل ہوئی تو آپ نماز میں اکثر اس کی تلاوت فرماتے اور رکوع میں فرماتے (سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفرلی انك انت التواب الرحیم) آپ ﷺ یہ تین دفعہ پڑھتے(5)۔

فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ تمام قبائل عرب اسی کے منتظر تھے کہ جب یہ اپنی قوم پر غالب آجائیں اور مکہ کو فتح کرلیں گے تو ان کے نبی ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں رہے گا تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے نبی کریم ﷺ نے مکہ کو فتح کرلیا تو لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ ابھی دو سال پورے بھی نہ گزرے تھے تمام عرب مسلمان ہو گئے اور تمام قبائل عرب میں اسلام کا جھنڈا لہلہانے لگا۔ حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو تمام لوگ حضور ﷺ کی

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 28
2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ نصر، جلد 8، صفحہ 733
3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 35، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 351
4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 335
5۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 388

خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے۔ اکثر قبائل اسی انتظار میں تھے اور وہ کہتے تھے انہیں اور ان کی قوم کو چھوڑ دو۔ اگر یہ اپنی قوم پر غالب آ گئے تو یہ نبی برحق ہیں(1)۔ ہم نے فتح مکہ کا تفصیلی واقعہ اپنی کتاب السیرة النبویہ میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابوعمار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں مجھے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ایک پڑوسی نے بیان کیا ہے کہ ایک دن میں سفر سے واپس آیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ میرے گھر تشریف لائے۔ مجھے سلام کیا اور تشریف فرما ہو گئے۔ میں نے انہیں لوگوں کے باہمی اختلافات اور ان کی ایجاد کردہ بدعتوں کے بارے میں بتایا تو آپ رونے لگے اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ لوگ گروہ در گروہ داخل ہو گئے اللہ کے دین میں پھر گروہ در گروہ اس سے نکل جائیں گے(2)

1۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 8، صفحہ 22 2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 343

سورۃ اللھب (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ۝ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّ امْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

"ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ کوئی فائدہ نہ پہنچایا اسے اس کے مال نے اور جو اس نے کمایا۔ عنقریب وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں۔ اور اس کی جورو بھی۔ بد بخت ایندھن اٹھانے والی۔ اس کے گلے میں مونج کی رسی ہوگی"۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بطحا کی طرف نکلے اور ایک پہاڑ پر چڑھ کر آپ نے بلند آواز سے ندا دی "یا صباحاہ، یا صباحاہ"۔ آپ ﷺ کی آواز سن کر قریش آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن تم پر صبح یا شام کو حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے بیک زبان ہو کر کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے نازل ہونے والے سخت عذاب کی خبر دے رہا ہوں۔ یہ سن کر ابولہب نے کہا: تو برباد ہو! کیا تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ اپنے ہاتھ جھاڑتا ہوا اٹھا اور آپ کو یہ الفاظ کہے (1)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ تبت اس کے لئے بددعا ہے اور تب خبر ہے۔ یہ ابولہب نبی کریم ﷺ کا چچا تھا۔ اس کا نام عبدالعزی بن عبدالمطلب تھا کنیت ابوعتبہ تھی۔ اس کے چہرے کی چمک کی وجہ سے اسے ابولہب کہا جاتا تھا۔ یہ نبی کریم ﷺ کا بدترین دشمن تھا اور آپ کو اذیت پہنچانے کے درپے تھا۔ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا، آپ ﷺ کو اور آپ کے دین کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ ربیعہ بن عباد دیلی مسلمان ہونے کے بعد اپنی جاہلیت کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا آپ فرما رہے تھے: اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو، فلاح پا جاؤ گے۔ لوگ آپ ﷺ کے اردگرد جمع تھے اور آپ کے پیچھے ایک گورے چٹے چہرے اور بھینگی آنکھوں والا، جس کے سر پر دو مینڈھیاں تھیں، کھڑا لوگوں سے کہہ رہا تھا: یہ بے دین اور جھوٹا ہے۔ آپ جہاں بھی دعوت کے لئے جاتے یہ آپ کے پیچھے پیچھے رہتا۔ جب میں نے لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا یہ آپ کا چچا ابولہب ہے (2)۔ اس کے راوی ابوالزناد کہتے ہیں میں نے ربیعہ سے کہا کہ تم تو اس وقت بہت چھوٹے ہو گے۔ میں نے کہا: نہیں۔ قسم بخدا میں اس وقت سمجھدار تھا۔ کنواں سے پانی کا مشکیزہ بھر لاتا تھا اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ تھا اور اس وقت جوان تھا۔ میں نے دیکھا نبی کریم ﷺ مختلف قبائل کو دعوت دینے کے لئے جاتے تو آپ کے پیچھے پیچھے

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ لہب، جلد 8، صفحہ 737 نیز دیکھئے تفسیر سورۃ شعراء آیت: 214

2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 342-341

گورے چہرے اور لمبے بالوں والا ایک شخص ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ اہل قبیلہ کو مخاطب کر کے فرماتے میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ میری تصدیق کرو اور میری حفاظت کرو تاکہ میں اللہ کا پیغام تم تک پہنچا سکوں۔ جب آپ اپنی گفتگو سے فارغ ہوتے تو وہ شخص کھڑا ہو جاتا اور کہتا اے قبیلہ والو! یہ شخص تمہیں لات وعزیٰ سے دور کرنا چاہتا ہے اور تمہیں تمہارے جن بنی مالک بن اقیش سے دور کرنا چاہتا ہے۔ یہ تمہیں بدعت اور گمراہی کی دعوت دے رہا ہے۔ اس کی بات نہ سنو۔ میں نے اپنے والد سے کہا: یہ شخص کون ہے۔ انہوں نے بتایا: یہ ان کا چچا ابولہب ہے(1)۔

آیت کا معنی یہ ہے کہ ابولہب خائب و خاسر ہوا۔ اس کے اعمال اور کوششیں رائیگاں چلی گئیں اور اس کی ہلاکت اور نقصان بالیقین مقدر ہو گیا۔

فرمایا: کوئی فائدہ نہ پہنچایا اسے اس کے مال نے اور جو اس نے کمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وَمَا كَسَبَ سے مراد اس کی اولاد ہے۔ یہی قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، مجاہد اور عطاء اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو دین اسلام کی دعوت دی تو ابولہب کہنے لگا اگر میرے بھتیجے کی باتیں حق ہیں تو میں قیامت کو اپنی اولاد اور مال فدیہ کے طور پر دے کر عذاب سے بچ جاؤں گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی(2)۔

فرمایا: عنقریب وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں یعنی سخت شدید بھڑکتی ہوئی شعلوں والی آگ۔ اور فرمایا: اس کی بیوی بھی۔ بدبخت ایندھن اٹھانے والی اس کی بیوی قریش کی بڑی عورتوں میں سے تھی۔ اس کی کنیت ام جمیل اور اس کا نام اروی بنت حرب بن امیہ تھا۔ یہ ابوسفیان کی بہن تھی اور اسلام دشمنی میں اپنے خاوند کی مددگار تھی اور قیامت کے دن عذاب میں بھی اس کے ساتھ شریک ہوگی۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ایندھن اٹھانے والی۔ اس کے گلے میں مونج کی رسی ہوگی۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کا ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ جنگل سے ایندھن اکٹھا کر کے اپنے خاوند کو مہیا کرتی تھی تاکہ اس کی اسلام دشمنی میں مزید اضافہ ہو جائے۔ مجاہد اور عروہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کے گلے میں نار جہنم کی رسی ہوگی۔ بعض نے کہا ہے اسے حَمَّالَةَ الْحَطَبِ اس لئے کہا گیا ہے وہ چغل خوری کیا کرتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ کانٹے چن کر نبی کریم ﷺ کے راستہ میں بکھیرا کرتی تھی اور ان کو فقر کا طعنہ دیا کرتی تھی(3)۔ اسی لئے یہاں اس کو حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کہا گیا ہے۔ لیکن پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ سعید بن میسّب فرماتے ہیں اس کے پاس ایک نفیس ہار تھا۔ کہنے لگی میں اسے بیچ کر محمد (ﷺ) کی دشمنی پر خرچ کروں گی۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی یہ سزا دے گا کہ اس کے گلے میں آگ کا طوق ڈالا جائے گا۔ ''مسد'' کھجور کی بٹی ہوئی رسی کو کہتے ہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں'' مسد'' ایک زنجیر ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ستر ہاتھ لمبا آتش جہنم کا طوق ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مسد کھجور قندر سے بٹی ہوئی رسی کو کہتے ہیں اور کبھی کبھی یہ اونٹ کی کھال اور اس کے بالوں سے بھی بٹی جاتی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کے گلے میں لوہے کا طوق ہوگا۔ عرب لوہے کی چرخی کو مسد کہتے ہیں۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو کانی ام جمیل ہاتھ میں نوکدار پتھر لئے شور مچاتی ہوئی آئی۔ وہ یہ شعر پڑھ رہی تھی:

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 423 مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 492، المعجم الکبیر، جلد 5، صفحہ 63 مجمع الزوائد، جلد 6، صفحہ 36

2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 543 3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 339

مذمما ابينا ودينه قلينا وامره عصينا

''ہم مذمم (محمد ﷺ) کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے دین کو ناپسند کرتے ہیں اور اس کے امر کی نافرمانی کرتے ہیں''۔

رسول اللہ ﷺ بیت اللہ شریف میں تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ام جمیل کو آتے دیکھ کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ آرہی ہے۔ مجھے یہ خوف ہے کہیں یہ آپ کو نہ دیکھ لے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بے فکر رہو۔ یہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔ پھر آپ ﷺ نے قرآن کریم کی آیات تلاوت فرمائیں۔ اس کی وجہ سے آپ اس سے محفوظ ہو گئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا (اسراء: 45) ''اور (اے محبوب) جب آپ پڑھتے ہیں قرآن کو تو ہم (حائل) کر دیتے ہیں آپ کے درمیان اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ جو آنکھوں سے نہاں ہوتا ہے''۔ وہ آئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ سامنے موجود تھے لیکن آپ کو نہ دیکھ سکی۔ کہنے لگی: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرے ساتھی نے میری ہجو کی ہے۔ آپ نے فرمایا: مجھے رب کعبہ کی قسم! انہوں نے تمہاری ہجو نہیں کی۔ آپ کا یہ جواب سن کر یہ کہتے ہوئے واپس لوٹ گئی کہ سارے قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔

ایک دوسری روایت میں ہے ایک مرتبہ یہ ام جمیل ایک لمبی چادر اوڑھے بیت اللہ کا طواف کر رہی تھی۔ اس کا پاؤں چادر میں الجھ گیا۔ وہ کہنے لگی: برباد ہو مذمم، ساتھ ہی ام حکیم بنت عبدالمطلب کھڑی تھیں۔ وہ پاکدامن عورت تھیں انہوں نے کہا میں کوئی بات نہیں کروں گی۔ میں ایک ذہین اور زیرک عورت ہوں۔ مجھے معلوم نہیں تم کیا کہہ رہی ہو۔ ہم دونوں ایک ہی باپ دادا کی اولاد ہیں تمام قریش اس کو جانتے ہیں(1)۔ بزار کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کی آپ یہاں سے ایک طرف ہٹ جائیں۔ یہ عورت کہیں آپ کو تکلیف نہ پہنچائے۔ آپ نے فرمایا: میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل ہو جاتا ہے۔ وہ آئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہو کر کہنے لگی: تیرے ساتھی نے ہماری ہجو کی ہے۔ آپ نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم! نہ وہ شعر گوئی جانتے ہیں اور نہ کبھی شعر کو اپنی زبان پر لاتے ہیں۔ کہنے لگی: تم سچ کہتے ہو۔ جب واپس چلی گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یہ آپ ﷺ کو نہیں دیکھ سکی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک فرشتہ میرے اور اس کے درمیان آڑ بن کر کھڑا تھا یہاں تک کہ واپس چلی گئی(2)۔ بعض علماء نے فرمایا ہے فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ کا معنی یہ ہے کہ اس کے گلے میں جہنم میں ایک رسی ڈالی جائے گی۔ پھر اسے کھینچ کر جہنم کے کنارے کے اوپر لایا جائے گا اور پھر وہاں سے نیچے کی طرف پھینک دیا جائے گا اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا(3)۔ ابوخطاب دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''التنویر'' میں لکھا ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کی گئی ہے۔ یہاں کنواں کے ڈول کی رسی کو مسد کہا گیا ہے(4)۔ ابوحنیفہ دینوری اپنی کتاب نباتات میں لکھتے ہیں کنواں کی رسی کو مسد کہتے ہیں۔ اس معنی میں کچھ اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں یہ سورت نبی کریم ﷺ کی نبوت پر واضح اور بین دلیل ہے کہ جس طرح اس سورت میں ان کی بدبختی اور عدم ایمان کی خبر دی گئی ہے، واقعتہً بھی ایسے ہی ہوا۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی ایمان کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ نہ وہ ظاہراً مسلمان ہوئے نہ باطناً۔ نہ پوشیدہ طور پر نہ علانیہ طور پر۔ اس طرح یہ سورت نبی کریم ﷺ کی نبوت پر قوی اور روشن دلیل ہے۔

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 356-335 نیز دیکھئے تفسیر سورۂ اسراء، آیت: 45 2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار تفسیر سورۂ لہب، جلد 3، صفحہ 83

3۔ الروض الانف، جلد 1، صفحہ 222 4۔ وفیات الاعیان، جلد 3، صفحہ 122

سورۂ اخلاص (مکیہ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ہمارے لئے اپنے رب کے اوصاف بیان کیجئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی(1)۔ ابن جریر اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ ''صمد'' وہ ہوتا ہے جو نہ تو خود پیدا ہوا ور نہ اس کی اولاد ہو۔ کیونکہ جو چیز پیدا ہوگی اس پر موت آئے گی اور جس پر موت آئے گی دوسرے لوگ اس کے وارث بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ پر موت آسکتی ہے نہ کوئی اس کا وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کا ہم سر اور مشابہ ہے بلکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (لیس کمثله شيء)(2) مسند ابویعلی موصلی میں یہ حدیث ہے۔ اس روایت میں ہے کہ سوال کرنے والا اعرابی تھا(3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ یہ سوال مشرکین نے کیا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کی کوئی نسبت ہوتی ہے اور اللہ کی نسبت یہ سورت اخلاص ہے(4) اور صمد اس کو کہتے ہیں جو کھوکھلا نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو ایک دستہ کا امیر بنا کر جہاد کے لئے بھیجا۔ وہ ہر نماز میں قرأت کے آخر میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے۔ جب وہ واپس لوٹے تو انہوں نے اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایسے کیوں کرتا ہے۔ ان سے پوچھنے پر اس صحابی نے بتایا: یہ سورت رحمٰن کی صفت ہے۔ میں اسے پڑھنا پسند کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے یہ خبر دو کہ اللہ بھی تمہیں دوست رکھتا ہے(5)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک انصاری صحابی مسجد قباء کے امام تھے۔ ان کی یہ عادت تھی کہ الحمد کے بعد سورۂ اخلاص پڑھتے پھر اس کے بعد کوئی دوسری سورت یا کوئی آیات پڑھتے۔ ہر رکعت میں ان کا یہی معمول تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ الحمد شریف کے بعد اس سورت کو بھی پڑھتے ہیں اور اس کے بعد دوسری سورت کو بھی۔ یا تو آپ سورۂ اخلاص ہی پڑھا کریں یا پھر اسے چھوڑ کر دوسری سورت پڑھ لیا کریں۔ انہوں نے فرمایا: میں تو اسے نہیں چھوڑوں گا۔ اگر تم چاہو گے تو میں نماز پڑھاؤں گا اور اگر تم ناپسند کرتے ہو تو میں نماز پڑھانا چھوڑ دیتا ہوں۔ لوگ انہیں اپنے میں سب سے افضل سمجھتے تھے اور اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا نماز پڑھائے۔ ایک دن نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے آپ کے سامنے یہ مسئلہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے اس صحابی سے پوچھا کہ تم اپنے ساتھیوں کی بات کیوں نہیں مانتے۔ تم ہر رکعت میں اس سورت کو پڑھنا لازمی کیوں سمجھتے ہو؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے یہ سورت بڑی پسند ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے اس سے یہ پسندیدگی اور محبت جنت

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 134-133، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ اخلاص، جلد 12، صفحہ 260-259 تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 347-346-332

2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 134-133، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ اخلاص، جلد 12، صفحہ 260-259 تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 347-342

3۔ مسند ابویعلی، جلد 2، صفحہ 398، مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 146 تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 343

4۔ مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 146

5۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 348-347، مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 557، نسائی، کتاب الافتاح، جلد 2، صفحہ 171-170

میں داخل کر دے گی(1)۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے مختصراً روایت کیا ہے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں سورۂ اخلاص سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی محبت تجھے جنت میں داخل کر دے گی(2)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی کو رات کے وقت بار بار یہ سورت دہراتے ہوئے سنا۔ صبح وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے بارے میں ذکر کیا۔ شاید اس شخص نے اس سورت کو چھوٹا خیال کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے مجھے اس ذات کی، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اسے ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ نے بھی مختلف اسناد سے روایت کیا ہے(3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی اس بات سے عاجز ہے کہ وہ رات کو ایک تہائی قرآن پڑھ لے۔ صحابہ کرام کو یہ بات بڑی مشکل لگی۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کون ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے(4)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ پوری رات قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی تلاوت کرتے رہتے۔ جب نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! یہ نصف یا تہائی قرآن کے برابر ہے(5)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ فرمانے لگے کیا تم میں سے کوئی نوافل میں تہائی قرآن پڑھ سکتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی ہم میں سے کس میں اتنی طاقت ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن ہے۔ اسی اثناء میں نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنتے ہی فرمانے لگے ابوایوب نے سچ کہا(6)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جلدی جمع ہو جاؤ۔ میں ابھی تمہارے سامنے تہائی قرآن کی تلاوت کروں گا۔ بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ حجرہ شریف سے باہر تشریف لائے اور سورۂ اخلاص کی تلاوت فرمائی اور واپس لوٹ گئے۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کرنے لگے کہ آپ ﷺ نے تو فرمایا تھا میں تمہارے سامنے تہائی قرآن تلاوت کروں گا، شاید آسمان سے کوئی وحی نازل ہوگئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد حضور ﷺ باہر تشریف لائے۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں تمہارے سامنے تہائی قرآن کی تلاوت کروں گا۔ ذرا غور سے سنو۔ یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے(7)۔ حضرت ابودرداء، حضرت ابوسعید خدری، حضرت قتادہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم اور کئی دوسرے صحابہ کرام سے اس کی مثل روایات مروی ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا، اس نے ایک تہائی

1۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 255، عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 27-26، مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 141

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 27-26

3۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 347، کتاب الفضائل، الفتح، جلد 9، صفحہ 59-58، کتاب الایمان، جلد 11، صفحہ 525، ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 72، سنن کبریٰ، کتاب فضائل القرآن، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 3، صفحہ 376-375، تحفۃ الاشراف، جلد 8، صفحہ 279

4۔ فتح الباری، کتاب فضائل القرآن، جلد 9، صفحہ 59 5۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 15 6۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 173

7۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 26، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 557

قرآن پاک پڑھا(1)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے(2)۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم اس بات سے عاجز ہو کہ ہر روز تہائی قرآن پڑھا کرو۔ صحابہ کرام نے عرض کی ہاں یارسول اللہ ﷺ! ہم تو بڑے ضعیف اور کمزور ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایک تہائی قرآن ہے(3)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے ایک شخص کو سورۂ اخلاص تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لازم ہوگئی، میں نے عرض کی: کیا لازم ہوگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت(4)۔ پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری اس سورت سے یہ محبت تجھے جنت میں داخل کردے گی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کیا تم میں سے کوئی ایک رات میں تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ پھر فرمایا: یہ تہائی قرآن کے برابر ہے(5) اسے ابویعلی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

حضرت عبداللہ بن حبیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں پیاس لگی ہوئی تھی۔ رات انتہائی تاریک تھی۔ ہم رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ ﷺ ہمیں عشاء کی نماز پڑھائیں۔ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا: پڑھو۔ میں خاموش رہا۔ آپ نے مجھے فرمایا پڑھو۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میں کیا پڑھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تین تین مرتبہ صبح و شام پڑھ لیا کرو(6)۔ اسے ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں جس نے یہ کلمات دس مرتبہ پڑھے، اس کے نامہ اعمال میں چالیس لاکھ نیکیاں لکھی جائیں گی۔ وہ کلمات یہ ہیں: ''لا اله الا الله واحدا احدا صمدا، لم يتخذ صاحبة ولا ولدا ولم يكن له كفوا احد''(7)۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ کو دس مرتبہ پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل بنائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! تب تو ہم اسے کثرت سے پڑھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں اور وہ بہت پاکیزہ ہے(8)۔

ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں: دارمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ابدال میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے گیارہ مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا، اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 141، الیوم واللیلۃ: 425

2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 122، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 1245 الیوم واللیلۃ: 427-426

3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 447، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 556 الیوم واللیلۃ، جلد 430-429

4۔ الموطا، کتاب القرآن، جلد 2، صفحہ 208، عارضۃ الاحوذی، باب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 25-24، نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 171

5۔ مسند ابویعلی، جلد 4، صفحہ 151، مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 146-5، 234

6۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 312، سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 322-321 عارضۃ الاحوذی، جلد 13، صفحہ 79، نسائی، کتاب الاستعاذۃ، جلد 8، صفحہ 250

7۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 103، تہذیب الکمال، جلد 8، صفحہ 343 8۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 437

ایک محل بنائے گا۔ جس نے اکیس مرتبہ پڑھا اس کے لئے دو اور جس نے تیس مرتبہ پڑھا اس کے لئے تین محل بنائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: تب تو ہم بہت سے محل بنالیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا ہے (1)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک دن مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی۔ اللہ تعالیٰ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ اسے حافظ ابویعلی موصلی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اور اسی سند کی دوسری روایت ہے کہ جس نے ایک دن میں دوسو مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی اس کے نامہ اعمال میں ایک ہزار پانچ نیکیاں لکھی جائیں گی بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو۔ اس کی سند بھی ضعیف ہے (2)۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں جس نے دوسو مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی تلاوت کی، اللہ تعالیٰ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف فرما دے گا بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو (3)۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کرے وہ اپنی دائیں کروٹ لیٹ کر ایک سو مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا اے میرے بندے! اپنی دائیں جانب سے جنت میں داخل ہو جا (4)۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ وہاں ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اور یہ دعا مانگ رہا تھا: ''اللھم انی اسئلك بانی اشھد ان لا الہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد'' آپ ﷺ نے یہ دعا سن کر فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اس نے اللہ سے اس کے اس اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا ہے کہ جس کے ساتھ سوال کیا جائے تو وہ عطا کرتا ہے اور اگر دعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے (5)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین عمل ایسے ہیں کہ جن کو اگر کوئی ایمان کی حالت میں کرتا ہے تو وہ جنت کے جس دروازہ سے چاہے گا داخل ہو جائے گا۔ جس حور سے چاہے گا نکاح کر لے گا۔ 1۔ جو اپنے قاتل کو معاف کر دے۔ 2۔ خفیہ طور پر قرض ادا کرے۔ 3۔ ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ اگر ان میں کوئی ایک کام کرے۔ فرمایا: اسے بھی وہی درجہ حاصل ہوگا (6)۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا، جس نے اپنے گھر داخل ہوتے وقت قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا تو یہ سورت اس کے گھر اور پڑوسیوں کے گھر سے شر کو دور بھگا دیتی ہے (7)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم غزوۂ تبوک میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ ایک دن سورج ایسے نور اور روشن کرنوں سے طلوع ہوا کہ اس سے پہلے ہم نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جبرئیل! جیسے آج سورج طلوع ہوا، اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ انہوں نے عرض کی، آپ ﷺ کے صحابی معاویہ بن معاویہ لیثی مدینہ طیبہ میں انتقال فرما گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نماز جنازہ میں ستر ہزار فرشتے بھیجے

1۔ سنن دارمی کتاب فضائل القرآن جلد 2 صفحہ 330 — 2۔ مسند ابویعلی، جلد 3 صفحہ 358

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11 صفحہ 25 — 4۔ ایضاً مرجع مذکور

5۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 2 صفحہ 90 سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2 صفحہ 79، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعاء، جلد 13 صفحہ 20، ابن ماجہ، کتاب الدعاء، جلد 2 صفحہ 1268-1267

6۔ مسند ابویعلی، جلد 2 صفحہ 324-323، مجمع الزوائد، جلد 6 صفحہ 301 — 7۔ المعجم الکبیر، جلد 2 صفحہ 340

ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ انہوں نے عرض کیا یہ دن رات چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر حالت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ پھر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ بھی ان کی نماز جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں تو زمین سمیٹ دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے زمین پر پر مارا جس سے تمام درخت اور ٹیلے ہموار ہو گئے۔ آپ ﷺ کے سامنے ان کی چارپائی کو بلند کیا گیا۔ آپ ﷺ اس کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے پیچھے دو صفیں تھیں جس میں ستر ہزار فرشتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے۔ اس روایت کو حافظ ابویعلی موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دوسرے محدثین نے بھی مختلف اسناد سے روایت کیا ہے لیکن سب ضعیف ہیں (1)۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میری ملاقات حضور ﷺ سے ہوئی، میں نے جلدی سے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مومن کی نجات کس عمل پر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عقبہ! اپنی زبان کو بند رکھو۔ اپنے گھر میں ہی بیٹھے رہا کرو اور اپنی خطاؤں پر رویا کرو۔ وہ فرماتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ مجھے راستہ میں ایک دن ملے۔ آپ نے جلدی سے میرا ہاتھ تھام کر فرمایا: اے ابن عامر! کیا میں تمہیں تورات، زبور، انجیل اور قرآن میں لکھی ہوئی تمام سورتوں سے بہترین سورت نہ بتاؤں۔ میں نے عرض کی: کیوں نہیں۔ ارشاد فرمائیے! میں آپ پر قربان۔ آپ ﷺ نے مجھے سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھائیں۔ عقبہ ان کو نہ بھولنا اور ہر رات ان کو پڑھ لیا کر۔ فرماتے ہیں پھر میں نہ تو ان کو بھولا اور نہ کوئی رات انہیں پڑھے بغیر گزاری۔ پھر آپ سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے جلدی سے آپ ﷺ کا دست مبارک تھام لیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بہترین اعمال کے بارے میں ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو تجھ سے قطع رحمی کرے اسی سے صلہ رحمی کر۔ جو تجھے محروم رکھے اسے عطا کر، جو تجھ پر ظلم کرے اس سے درگزر اور معاف کر (2)۔ اس حدیث کا بعض حصہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے باب الزہد میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حسن ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے (3)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کے وقت جب بستر پر تشریف لے جاتے تو ہر رات ان تینوں سورتوں کو پڑھ کر اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر دم کرتے اور جہاں تک ہاتھ پہنچ سکتے اپنے جسم مبارک پر پھیرتے۔ پہلے سر مبارک پر، پھر منہ مبارک پر اور پھر باقی جسم مبارک پر اور یہ عمل تین مرتبہ دہراتے (4)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۞ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۞

1۔ مسند ابو یعلی، جلد 4، صفحہ 210، مجمع الزوائد، جلد 2، صفحہ 421، دلائل النبوۃ، جلد 5، صفحہ 245 مسند ابو یعلی، جلد 4، صفحہ 211-210، دلائل النبوۃ، جلد 5، صفحہ 446، الجرح والتعدیل، جلد 8، صفحہ 389

2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 148، عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9، صفحہ 247　3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 159-158

4۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، جلد 9، صفحہ 62، سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 313، عارضۃ الاحوذی، باب الدعاء، جلد 12، صفحہ 290 289 سنن نسائی، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 12، صفحہ 61-60، ابن ماجہ کتاب الدعاء، جلد 2، صفحہ 1275

"(اے حبیب!) فرما دیجئے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ صمد ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا۔ اور نہ وہ جنا گیا۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے"۔

شان نزول پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب یہودیوں نے کہا کہ ہم عزیر ابن اللہ کی عبادت کرتے ہیں، نصرانیوں نے کہا ہم مسیح ابن اللہ کی عبادت کرتے ہیں، مجوسیوں نے کہا کہ ہم شمس وقمر کی پوجا کرتے ہیں اور مشرکین نے کہا کہ ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ سورت نازل فرمائی۔

فرمایا: (اے حبیب!) فرما دیجئے! وہ اللہ یکتا تنہا اور یگانہ ہے۔ اس کی نظیر ہے نہ کوئی مثیل، نہ کوئی مدمقابل ہے نہ کوئی شبیہ اور نہ کوئی ہمسر۔ اس لفظ کا اطلاق اثبات میں صرف اللہ کی ذات پر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی ذات تمام صفات وکمال میں کامل ہے۔

فرمایا: اللہ صمد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: صمد وہ ذات ہوتی ہے کہ تمام مخلوق، اپنی حاجات اور مسائل میں اس کی طرف رجوع کرے اور ایک روایت ہے کہ صمد وہ ذات ہے جو اپنی سرداری، شرافت، عظمت اور علم وحلم میں کمال درجے کو پہنچا ہو اور صمد وہ ذات ہے جس میں سیادت اور شرافت کی تمام انواع واقسام مکمل طور پر پائی جائیں اور یہ صفت صرف اللہ کی ذات میں ہے۔ اس کے سوا کسی اور کو لائق نہیں۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ وہ بے نظیر ہے۔ وہ ہر قسم کے نقص سے پاک، واحد اور ہر ایک پر غالب ہے(1)۔ ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صمد اس سردار کو کہتے ہیں جس پر سیادت کی انتہا ہو جائے۔ حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صمد وہ ذات ہے جو اپنی مخلوق کے بعد باقی رہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صمد وہ ہے جو نہ کھائے، نہ پیئے نہ اس سے کوئی چیز نکلے۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صمد وہ ذات ہے جو نہ خود پیدا ہو نہ اس سے کوئی اولاد ہو۔ گویا کہ انہوں نے لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ کو صمد کی تفسیر قرار دیا ہے اور یہ تفسیر عمدہ ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں صمد وہ ہے جس کا پیٹ نہ ہو۔ صمد وہ ہے جو کوئی کھائے نہ پیئے۔ صمد چمکتا ہوا نور ہے یہ عبداللہ بن بریدہ کا قول ہے(2)۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ صمد وہ جس کا پیٹ نہ ہو لیکن اس کا عبداللہ بن بریدہ پر موقوف ہونا ہی صحیح ہے(3)۔ طبرانی کتاب السنہ میں یہ تمام اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ صمد کی تعریف اور تفسیر میں یہ تمام قول صحیح ہیں اور یہ ہمارے پروردگار کی تمام صفات ہیں۔ وہی ہے جس کی بارگاہ میں حاجات پیش کی جاتی ہیں۔ اسی پر سیادت کی انتہا ہے۔ وہی صمد ہے جس کا کوئی پیٹ نہیں۔ نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، وہی اپنی مخلوق کے بعد باقی رہنے والا ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل فرمایا ہے۔

فرمایا: نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ نہ والد نہ بیوی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ کا معنی یہ ہے کہ اس کی کوئی بیوی نہیں۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ (الانعام: 2-101) "موجد ہے آسمانوں اور زمین کا کیوں کر ہو سکتا ہے اس کا کوئی لڑکا حالانکہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی اور پیدا فرمایا ہے اس نے ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ یہ اللہ ہے (جو) تمہارا

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 346 2۔ الاسماء والصفات، جلد 1، صفحہ 111-110 3۔ تفسیر طبری، جلد 3، صفحہ 345

پروردگار ہے نہیں کوئی خدا سوائے اس کے پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا"۔ وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ اس کی اپنی پیدا کردہ مخلوق میں سے کوئی اس کے ہم مثل کیسے ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام عیوب سے منزہ اور طاہر ہے اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (انبیاء:28-26) "وہ کہتے ہیں بنالیا ہے رحمٰن نے (اپنے لئے) بیٹا سبحان اللہ! (یہ کیونکر ہوسکتا ہے) بلکہ وہ تو (اس کے) معزز بندے ہیں۔ نہیں سبقت کرتے اس سے بات کرنے میں اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا ہے اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اس کی بے نیازی کے باعث) اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں"۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۙ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (صافات:59-158) "اور ٹھہرا دیا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ۔ حالانکہ جن خود جانتے ہیں کہ انہیں (پکڑ کر) پیش کیا جائے گا۔ پاک ہے اللہ ان (لغویات) سے جو یہ بیان کرتے ہیں"۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ اذیت رساں باتوں کو سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی صابر نہیں ہے۔ لوگ اس کے لئے اولاد ثابت کرتے ہیں اور وہ انہیں رزق دیتا ہے، صحت و عافیت دیتا ہے(1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم! تو مجھے جھٹلاتا ہے۔ حالانکہ یہ تیرے لئے مناسب نہیں۔ تو مجھے گالیاں دیتا ہے۔ یہ بھی تیرے لئے مناسب نہیں اور تیرا مجھ کو جھٹلانا یہ ہے کہ تو کہتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے مجھے ابتداءً پیدا کیا ایسے دوبارہ زندہ نہیں کرے گا حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوسری مرتبہ زندہ کرنے سے کچھ آسان تو نہیں۔ تیرا مجھے گالیاں دینا یہ ہے کہ تو کہتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے حالانکہ میں تنہا اور یکتا ہوں۔ میں صمد ہوں۔ نہ میری اولاد ہے۔ نہ ماں باپ، نہ کوئی ہمسر (2)۔ یہ حدیث عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ آیت:126، سورۂ نحل آیت:47، سورۂ مریم آیت:91،37

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ روم آیت 27

سورۃ الفلق (مدنیہ)

حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سورۂ فلق اور ناس کو اپنے نسخہ قرآن میں نہیں لکھتے۔ انہوں نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ پڑھئے۔ تو آپ ﷺ نے یہ سورت پڑھی اور جبرئیل نے کہا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے یہ سورت پڑھی۔ پس ہم بھی وہی کہتے ہیں جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا(1)۔

ابوبکر حمیدی رحمۃ اللہ علیہ کی مسند میں ہے کہ حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے معوذتین (الفلق و الناس) کے بارے میں پوچھا۔ میں نے انہیں کہا آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انہیں قرآن سے محو کر دیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے بارے میں پوچھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے ان کو پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور میں پڑھتا ہوں۔ ہم بھی اسی بات پر عمل کرتے ہیں جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور روایت ہے جو انہی الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ بخاری اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی کی مثل روایت کیا ہے(2)۔

مسند ابویعلیٰ میں علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں سورتوں کو اپنے قرآن سے محو کر دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ان سورتوں سے دم کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ وہ اس کی تلاوت نہیں کرتے تھے۔ بہرحال قراء حضرات اور فقہاء کرام کے نزدیک یہی مشہور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں سورتوں کو قرآن میں شمار نہیں کرتے تھے۔ اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ ہوسکتا ہے انہوں نے ان سورتوں کو نبی کریم ﷺ سے نہ سنا ہو اور نہ تواتر کے ساتھ آپ تک پہنچی ہوں اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے اس قول سے رجوع کر کے تمام صحابہ کرام کے قول کو اختیار کیا تھا، جنہوں نے ان دونوں صورتوں کو اپنے اپنے مصاحف میں لکھا اور ان کو تمام عالم اسلام میں پھیلا دیا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں ہے آج رات مجھ پر کچھ ایسی آیات نازل ہوئیں کہ ان کی مثل پہلے نہیں دیکھی گئیں پھر آپ ﷺ نے سورۂ فلق اور ناس کی تلاوت فرمائی(3)۔

دوسری روایت میں فرماتے ہیں میں مدینہ طیبہ کی کسی گلی میں رسول کریم ﷺ کی سواری کی نکیل تھامے آگے جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عقبہ! آؤ اب تم سوار ہو جاؤ۔ میں نے سوچا کہیں آپ کی حکم عدولی میں آپ کی نافرمانی نہ ہو جائے۔ اس لئے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق تھوڑی دیر کے لئے سوار ہوا اور فوراً نیچے اتر آیا پھر رسول اللہ ﷺ سوار ہو گئے اور فرمانے لگے اے عقبہ! میں تمہیں دو بہترین سورتیں نہ سکھاؤں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ضرور سکھایئے۔ تو آپ نے مجھے یہ دو سورتیں پڑھائیں۔ پھر نماز کا وقت ہو گیا تو

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 129 2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ فلق، سورۃ ناس، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 1، صفحہ 15

3۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 558، مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 144، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ معوذتین، جلد 12، صفحہ 262-261، نسائی، کتاب الاستعاذۃ، جلد 8، صفحہ 254

آپ نے نماز میں بھی یہی دو سورتیں تلاوت فرمائیں پھر نماز کے بعد ارشاد فرمایا: اے عقبہ! جب بھی رات کو آرام کرنے لگو تو ان دونوں سورتوں کو پڑھ لینا اور جب جاگو تو اس وقت بھی پڑھ لینا۔ اسے ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی مختلف اسناد سے روایت کیا ہے(1)۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے ہر نماز کے بعد ان سورتوں کو پڑھنے کا حکم دیا(2)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خچر پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے۔ میں اس کی لگام تھامے آگے آگے جارہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سورۂ فلق پڑھو۔ پھر جب آپ ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میں اس سے بہت خوش نہیں ہوا تو فرمایا: شاید تم اسے چھوٹی سورت خیال کرتے ہو۔ تم نے نماز میں اس قسم کی سورت نہیں پڑھی ہوگی(3)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں نے اپنی حفاظت کے لئے اس قسم کی سورتیں نہیں پڑھی ہوں گی۔ ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: عقبہ! پڑھو۔ میں نے عرض کی۔ میں کیا پڑھوں۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد پھر فرمایا۔ پڑھو: میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میں کیا پڑھوں؟ پھر آپ نے سورۂ فلق تلاوت فرمائی۔ میں نے یہ آخر تک پڑھی۔ پھر فرمایا: اللہ کی بارگاہ میں کسی سوال کرنے والے نے اس قسم کی سورت کے ساتھ سوال نہیں کیا ہوگا اور نہ ہی اس کی بارگاہ سے پناہ طلب کرنے والے نے اس قسم کی سورت کے ساتھ پناہ طلب کی ہوگی(4)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سوار تھے اور میں پیچھے پیچھے جارہا تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ آپ کے قدموں پر رکھے اور عرض کی مجھے سورۂ ہود یا یوسف پڑھائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ سے زیادہ نفع دینے والی کوئی اور سورت نازل نہیں کی(5)۔

حضرت ابن عابس جہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں ان بہترین کلمات سے آگاہ نہ کروں جن کے ساتھ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پناہ طلب کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ضرور ارشاد فرمائیے۔ آپ ﷺ نے یہ دونوں سورتیں تلاوت فرمائیں(6)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایات تواتر کا درجہ رکھتی ہیں اور اکثر محققین کے نزدیک علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں۔ ایک روایت پہلے بھی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے گزر چکی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں تین ایسی سورتیں نہ سکھادوں جن کی مثل تورات، انجیل، زبور اور قرآن میں نہیں ہے؟ پھر آپ ﷺ نے یہ تین سورتیں پڑھیں: سورۂ اخلاص، فلق اور ناس۔

حضرت ابوالعلاء رضی اللہ عنہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ سواریاں کم تھیں اس لئے ہم باری باری سوار ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی سواری سے نیچے اترے اور آپ نے پیچھے سے آکر اپنا دست مبارک میرے کندھے پر رکھا اور آپ نے سورۂ فلق اور ناس کی تلاوت فرمائی۔ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ یہ سورتیں پڑھیں پھر آپ نے فرمایا: نماز میں ان دونوں سورتوں کو پڑھا کرو(7)۔ ظاہر یہی ہے کہ اس شخص سے مراد عقبہ بن عامر ہیں۔ حضرت عبداللہ اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا، پھر فرمایا: پڑھو۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ میں کیا پڑھوں۔ آپ ﷺ نے پھر

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 144، سنن نسائی، کتاب الاستعاذۃ، جلد 8، صفحہ 253-252 سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 73

2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 155، سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 86 عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 28، سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 3، صفحہ 68

3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 146 4۔ سنن نسائی، کتاب الاستعاذۃ، جلد 8، صفحہ 255-253 5۔ سنن نسائی، کتاب الاستعاذۃ، جلد 8، صفحہ 254

6۔ سنن نسائی، کتاب الاستعاذۃ، جلد 8، صفحہ 252-251 7۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 24-79

فرمایا: پڑھو۔ پھر میں نے سورۂ اخلاص پڑھی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: پڑھو۔ میں نے سورۂ فلق مکمل پڑھی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: پڑھو۔ میں نے سورۂ ناس کو آخر تک پڑھا۔ پھر ارشاد فرمایا: اس طرح اللہ کی پناہ مانگا کرو۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اے جابر! پڑھو۔ میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں! میں کیا پڑھوں؟ فرمایا: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھو۔ پھر آپ ﷺ نے خود ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی۔ فرمایا: ان دونوں سورتوں کو پڑھا کرو۔ ان جیسی اور کوئی سورت نہیں (1)۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان سورتوں کو پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک مارتے اور پھر ان کو اپنے سر اور چہرے مبارک، جسم مبارک کے سامنے والے حصہ پر پھیر لیتے۔ ایک دوسری روایت میں فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کو کوئی مرض لاحق ہوتا تو آپ یہ دونوں سورتیں پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک مارتے اور جب مرض شدت اختیار کرتا تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ ﷺ کے دست مبارک پر پھونک مار کر ان کو آپ ﷺ کے جسم مبارک پر پھیر دیتی تاکہ آپ کے دست اقدس کی برکت حاصل ہو جائے۔ اسے امام مالک، بخاری، مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ اور کئی دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے (2)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو کسی کی نظر لگ جاتی تو اسے کچھ کلمات کے ساتھ دم کیا کرتے تھے۔ جب یہ سورتیں نازل ہوئیں تو آپ ان دونوں پر عمل کرتے باقی پڑھنا چھوڑ دیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

''آپ عرض کیجئے میں پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی۔ ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا۔ اور (خصوصاً) رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے۔ اور ان کے شر سے جو پھونکیں مارتی ہیں گرہوں میں۔ اور (میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آپ عرض کیجئے۔ میں پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی۔ حضرات عبد اللہ بن جابر اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ فلق سے مراد صبح ہے۔ یہی قول اکثر تابعین سے مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا: (فالق الاصباح) (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے کہ ''فلق'' سے مراد تمام مخلوق ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کی پناہ طلب کیا کریں تمام مخلوق کے شر سے۔ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فلق جہنم میں ایک جگہ ہے۔ جب اس کا دروازہ کھلتا ہے تو تمام اہل جہنم اس کی گرمی کی شدت سے چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ یہ

1۔ سنن نسائی، کتاب الاستعاذۃ، جلد 8، صفحہ 254

2۔ الموطا کتاب العین، جلد 2، صفحہ 943-942، فتح الباری، کتاب فضائل القرآن، جلد 9، صفحہ 42 مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1723، سنن ابو داؤد، کتاب الطب، جلد 4، صفحہ 12-11 سنن کبریٰ، کتاب الطب والتفسیر، الیوم واللیلۃ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 12، صفحہ 74 ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1166

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 351-350

حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے۔ اس کے علاوہ بعض صحابہ اور تابعین کا بھی یہی قول ہے۔ اس کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے لیکن وہ حدیث منکر ہے(1)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فلق جہنم میں ایک گڑھا ہے جسے اوپر سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ لیکن اس کی سند غریب ہے اور اسے مرفوع کہنا صحیح نہیں ہے(2)۔ بعض نے کہا ہے یہ جہنم کا نام ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلا قول صحیح ہے یعنی اس سے مراد صبح ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح میں اسی قول کو اختیار کیا ہے(3)۔

ارشاد فرمایا: ہر اس چیز کے شر سے جسے رب نے پیدا کیا یعنی تمام مخلوق کے شر سے۔ ثابت بنانی اور حسن بصری رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جہنم، ابلیس اور اس کی ذریت کے شر سے اور فرمایا (خصوصاً) رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رات کے شر سے جب سورج غروب ہو جائے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہما فرماتے ہیں کہ رات کے شر سے جب وہ اپنی تاریکی کے ساتھ آ جائے۔ عطیہ اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''اذا وقب'' کا معنی ہے جب رات ختم ہو جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس کا معنی ہے جب ستارے غروب ہو جائیں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل عرب ثریا کے غروب کو ''غاسق'' کہتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس کے غروب کے وقت امراض اور مختلف تکالیف کثرت سے ہوتی ہیں اور اس کے طلوع ہوتے ہی ختم ہو جاتی ہیں(4)۔ ایک مرفوع روایت میں ہے کہ غاسق سے مراد ثریا ہے(5)۔ میرے خیال میں اس حدیث کو مرفوع قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ ابن جریر اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ غاسق سے مراد چاند ہے۔ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے چاند طلوع ہوتا ہوا دکھایا اور ارشاد فرمایا: اللہ کی پناہ لو اس کے شر سے جب وہ طلوع ہو۔ اسے ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔ ان اقوال میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ چاند کا طلوع و غروب اور اسی طرح ستاروں کا طلوع و غروب رات کے وقت ہی وقوع پذیر ہوتا ہے(6)۔

فرمایا: اور ان کے شر سے جو پھونکیں مارتی ہیں گرہوں میں۔ مجاہد، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جادوگرنیاں ہیں جب وہ تعویذ گنڈے بناتی ہیں تو گرہوں میں پھونکیں مارتی ہیں۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سانپ اور جنون کا گنڈا شرک کے قریب ہے(7)۔ ایک روایت میں جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے تو جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! آپ بیمار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے یہ کلمات پڑھ کر آپ کو دم کیا ''بسم الله ارقيك من كل داء يؤذيك من شر كل حاسد وعين والله يشفيك'' شاید یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کسی حاسد یہودی نے آپ پر جادو کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صحت و عافیت عطا فرمائی(8) اور اس یہودی کے جادو اور مکر و فریب کو رد کیا لیکن اس کے باوجود رسول

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 688 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 349 3۔ فتح الباری تفسیر سورۂ فلق، جلد 8، صفحہ 741

4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 352 5۔ مرجع مذکور

6۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 61، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ معوذتین، جلد 12، صفحہ 261-260

7۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 353 8۔ تفسیر سورۂ ن میں دیکھیے

اللہ ﷺ نے اس جادوگر پر زندگی بھر عتاب نہیں فرمایا۔ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔ وہی آپ کو شفا اور صحت و عافیت دینے والا ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک یہودی نے نبی کریم ﷺ پر جادو کر دیا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کئی دن تکلیف میں مبتلا رہے پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بتایا کہ فلاں یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے۔ اور بالوں پر گرہیں لگا کر فلاں کنویں میں دفن کر دیا ہے۔ آپ ﷺ کسی کو بھیج کر اسے نکلوا لیجئے۔ آپ ﷺ نے کسی کو بھیج کر اسے نکلوا کر منگوایا اور اس کی گرہیں کھول دیں جس سے جادو کا اثر زائل ہو گیا اور آپ ﷺ بالکل صحت یاب ہو گئے۔ آپ نے زندگی بھر نہ تو اس یہودی سے اس کا ذکر کیا اور نہ اس کے سامنے کبھی ناراضگی کا اظہار فرمایا(1)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر کسی نے جادو کر دیا۔ آپ ﷺ کو ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے آپ اپنی ازواج کے پاس گئے ہیں حالانکہ آپ ان کے پاس نہیں گئے ہوتے تھے۔ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ پر جادو کا زیادہ سے زیادہ یہی اثر تھا۔ ایک دن فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اس نے مجھے سب کچھ بتا دیا۔ دو آدمی آئے۔ ایک میرے سرہانے کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف۔ جو سر کی طرف بیٹھا اس نے پوچھا: انہیں کیا ہوا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو کیا گیا ہے۔ پہلے نے پوچھا کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے کہا: بنو زریق کے ایک آدمی لبید بن عاصم نے جو یہود کا حلیف اور منافق ہے۔ اس نے پوچھا: کس چیز میں کیا ہے؟ دوسرے نے کہا: ایک کنگھی اور کچھ بالوں میں۔ اس نے پوچھا: کہاں ہے؟ جواب دیا: کھجور کے گابھے میں، جسے بئر ذروان میں ایک چٹان کے نیچے رکھا گیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ ﷺ اس کنواں پر تشریف لے گئے، اس کا پانی نکلوایا۔ اس کا پانی مہندی کے پانی کی طرح سرخی مائل گدلا تھا اور وہاں کی کھجوریں اس طرح تھیں جس طرح شیطان کے سر۔ آپ ﷺ نے ان تمام چیزوں کو کنواں سے نکلوایا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ اس سے بدلہ نہیں لیں گے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی ہے۔ میں اس شر کو لوگوں میں پھیلانا پسند نہیں کرتا۔ ایک روایت میں یہ ہے: آپ ﷺ کو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ نے کام نہیں کیا ہوتا تھا۔ اس میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کنواں کو بند کرنے کا حکم دیا تو وہ کنواں بند کر دیا گیا۔ صحیح مسلم میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ وہاں صرف یہ ذکر ہے کہ دو فرشتے آئے۔ ایک آپ ﷺ کے سرہانے کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا پائینتی کی طرف۔ باقی تمام واقعہ اسی طرح ہے۔ ایک روایت میں ہے آپ ﷺ چھ ماہ اس تکلیف میں مبتلا رہے(2)۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے کنواں کے پانی کو نکالا۔ اس کا پانی مہندی کے پانی کی طرح سرخی مائل گدلا تھا۔ پھر وہ چٹان اٹھائی اور اس کے نیچے سے کھجور کا گابھا نکلا، جس میں آپ ﷺ کے سر مبارک کے کچھ بال اور آپ ﷺ کی کنگھی کے دندانے تھے۔ اس میں ایک تانت تھی۔ اس

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 367، سنن نسائی، کتاب التحریم، جلد 7، صفحہ 113-112

1۔ فتح الباری، کتاب الطب، جلد 10، صفحہ 233-232، کتاب الجزیہ، جلد 6، صفحہ 276، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 337، کتاب الطب، جلد 10، صفحہ 336-235، جلد 10، صفحہ 221، کتاب الادب، جلد 10، صفحہ 479، کتاب الدعوات، جلد 11، صفحہ 193-192، مسلم، کتب السلام، جلد 4، صفحہ 1721-1719، مسند احمد، جلد 6، صفحہ 63، جلد 6، صفحہ 96

میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور ہر گرہ پر ایک سوئی چبھی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں نازل فرمائیں جب آپ ﷺ ایک آیت پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی اور آپ کچھ افاقہ محسوس کرتے۔ حتیٰ کہ تمام آیات تلاوت کرنے کے بعد تمام گرہیں کھل گئیں اور آپ ﷺ بالکل صحت یاب ہو گئے اور جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ پر یہ کلمات پڑھ کر دم کیا: ''بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُّؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ، اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ'' لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم اس خبیث کو پکڑ کر قتل نہ کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء عطا فرمائی ہے۔ میں اس شر کو لوگوں کے درمیان پھیلانے کو ناپسند کرتا ہوں۔ اس روایت کو عظیم مفسر ثعالبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بلا سند ذکر کیا ہے۔ اگرچہ اس کے بعض الفاظ میں شدید نکارت ہے لیکن اکثر واقعہ کی تائید صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت سے ہو جاتی ہے۔

سورۃ الناس (مدنیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿۴﴾ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾

''(اے حبیب!) عرض کیجئے میں پناہ لیتا ہوں سب انسانوں کے پروردگار کی۔ سب انسانوں کے بادشاہ کی۔ سب انسانوں کے معبود کی۔ بار بار وسوسہ ڈالنے والے، بار بار پسپا ہونے والے کے شر سے۔ جو وسوسہ ڈالتا رہتا ہے لوگوں کے دلوں میں۔ خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں سے''۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی تین صفات بیان کی گئی ہیں: 1۔ ربوبیت، 2۔ بادشاہت، 3۔ الوہیت۔ وہ ہر چیز کا رب اور بادشاہ ہے۔ وہی سب کا معبود حقیقی ہے۔ تمام اشیاء اس کی مخلوق، مملوک، عبید اور غلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ کی پناہ طلب کرنے والے کو حکم دیا ہے کہ وہ ان صفات سے متصف ذات کی پناہ طلب کرے، بار بار وسوسہ ڈالنے اور بار بار پسپا ہونے والے کے شر سے۔ اس سے مراد وہ شیطان ہے جو ان پر مقرر ہے۔ ہر ابن آدم کے ساتھ اس کا ایک قرین ہے جو برائیوں کو اس کے سامنے مزین کرتا ہے اور اسے ہلاکت میں ڈالنے کی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا۔ گناہوں سے وہ محفوظ رہتا ہے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ کر دے۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک شیطان مقرر کیا گیا ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کے ساتھ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی ہے۔ اس لئے اب وہ مسلمان ہو گیا ہے اور وہ نیکی کا حکم ہی دیتا ہے(1)۔ مسلم اور بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ منقول ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ مسجد نبوی میں اعتکاف کئے ہوئے تھے۔ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کی ملاقات کے لئے رات کے وقت تشریف لائیں۔ جب آپ ﷺ انہیں

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ رعد آیت: 11

گھر لوٹانے کے لئے تشریف لا رہے تھے تو دو انصاری صحابی آپ کو ملے۔ انہوں نے جب آپ ﷺ کو دیکھا تو وہاں سے تیزی سے نکلنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ۔ یہ صفیہ بنت حیی ہیں۔ انہوں نے عرض کی سبحان اللہ! اس ارشاد کی کیا ضرورت تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شیطان انسان کے خون میں سرایت کر جاتا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ وہ تمہارے دلوں میں کوئی بدگمانی نہ ڈال دے(1)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان ابن آدم کے دل پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے۔ اگر وہ اللہ کا ذکر کرے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر ذکر نہ کرے تو اس کے پورے دل پر قبضہ جمالیتا ہے۔ یہی الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ہے اس حدیث کو حافظ ابو یعلی موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے غریب سند سے روایت کیا ہے(2)۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے پیچھے ایک صحابی بیٹھے ہوئے تھے۔ دراز گوش کے پاؤں کو ٹھوکر لگی تو صحابی کے منہ سے نکلا: شیطان برباد ہو! آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کہو۔ شیطان یہ سن کر پھول کر بڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اپنی قوت سے اسے گرایا ہے۔ اگر تو اس پر بسم اللہ پڑھتا تو یہ چھوٹا ہو کر مکھی کے برابر بن جاتا(3)۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب انسان کا دل اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان حقیر اور مغلوب ہو جاتا ہے اور دل اگر اللہ کا ذکر نہ کرے تو وہ بہت بڑا اور غالب ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہوتا ہے تو شیطان اس کے پاس آتا ہے وہ اسے اس طرح تھپکی دیتا ہے جیسے انسان اپنے گھوڑے کو دیتا ہے پھر اگر وہ شخص خاموش رہے تو اس کے منہ یا ناک میں لگام دے دیتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ وہ نکیل والا تو ایک طرف جھکا رہتا ہے اور اللہ کا ذکر نہیں کرتا اور جسے لگام دی جاتی ہے اس کا منہ تو کھلا ہوتا ہے لیکن وہ اللہ کا ذکر نہیں کرتا(4)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ سے مراد شیطان ہے جو ابن آدم کے دل پر بیٹھا ہوتا ہے اگر وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو جائے تو وہ اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور جب وہ ذکر کرتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے(5)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے۔ ایک روایت ہے وسواس سے مراد وہ شیطان ہے جو بندے کو حکم دیتا ہے۔ اگر بندہ اس کی بات مان لے تو شیطان اس پر غالب آجاتا ہے۔

فرمایا: جو وسوسہ ڈالتا رہتا ہے لوگوں کے دلوں میں۔ خواہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ یہاں النَّاسِ کے لفظ سے انسان ہی مراد ہے جیسا کہ ظاہر ہے یا یہ انسان اور جنوں دونوں کو شامل ہے۔ بعض نے کہا ہے جن بھی تغلیباً اس میں داخل ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قرآن پاک میں جنوں پر رجال کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے(6)، اس لئے النَّاسِ کے لفظ سے انسان اور جن دونوں مراد لینا بعید نہیں مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ یہ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ کی تفسیر اور بیان ہے اور یہ دوسرے قول کی تائید کرتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ، الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ، مِنْ شَیٰطِیۡنِ الْاِنۡسِ وَ الْجَآنِّ کی تفسیر ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیۡنَ الۡاِنۡسِ وَ الۡجِنِّ یُوۡحِیۡ بَعۡضُهُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ زُخۡرُفَ الۡقَوۡلِ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ بقرہ آیت: 187
2۔ مسند ابو یعلی، جلد 4، صفحہ 223
3۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 59
4۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 330
5۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 355، مستدرک، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 541
6۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 356

غُرُوْرًا (انعام:112) ''اور اسی طرح بنا دیئے ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن (یعنی) سرکش انسان اور جن جو چپکے چپکے سکھاتے تھے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں (لوگوں کو) دھوکہ دینے کے لئے''۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں بھی آ کر بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کیا تم نے دو رکعات نماز پڑھی ہے۔ میں نے عرض کی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اٹھو اور نماز پڑھو۔ میں اٹھا اور نماز پڑھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ فرمایا: اے ابوذر! اللہ کی پناہ مانگو، انسانوں اور جنوں کے شیاطین کے شر سے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا انسانی شیطان بھی ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ نماز کیسی چیز ہے؟ فرمایا: بہترین چیز ہے۔ جو چاہے اس میں کمی کرے اور جو چاہے اس میں زیادتی کر لے۔ میں نے عرض کی: روزہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: ایک روزہ تو فرض ہے جو انسان کے لئے کافی ہوتا ہے اور اللہ کے پاس مزید اجر بھی ہے۔ میں نے صدقہ کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا: اس کا ثواب کئی گنا زیادہ ملتا ہے۔ میں نے پوچھا: کونسا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: مال و دولت کی کمی کے باوجود صدقہ کرنا یا چپکے سے فقیر کو عطا کرنا، میں نے عرض کی۔ سب سے پہلے نبی کون سے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام۔ پوچھا: وہ نبی تھے؟ فرمایا: ہاں وہ نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شرف ہم کلامی بخشا تھا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ پر سب سے عظیم آیت کونسی نازل ہوئی؟ فرمایا: آیت الکرسی۔ اسے نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے(1)۔ ابوحاتم ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دوسری سند کے ساتھ روایت کیا اور اس میں بڑی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میرے دل میں ایسے خیالات آتے ہیں کہ انہیں زبان پر لانے سے میں آسمان سے گرنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے شیطان کے مکر و فریب کو وسوسہ میں تبدیل کر دیا۔ اسے ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی روایت کیا ہے(2)۔

تم تفسير الجزء الثلاثين بعون الله تعالى ورسوله

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

1۔ تفسیر سورۃ بقرہ آیت: 255 سورۃ انعام آیت، جلد 112، سنن نسائی کتاب الاستعاذۃ، جلد 8، صفحہ 275، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب البر والاحسان، جلد 1، صفحہ 289-287

2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 235، سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 330-329 نسائی، الیوم واللیلۃ: 421